تاریخِ احمدیت

جلد اوّل

ابتداء سے لے کر ۱۸۹۷ء تک

مؤلفہ

دوست محمد شاہد

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد اوّل
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-108-9

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-1 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt. Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-108-9

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

دیباچہ

"تاریخ احمدیت" کی تدوین کا آغاز سیدنا واما منا حضرت مصلح موعودؓ کی خصوصی تحریک اور روحانی توجہ کی بدولت جون 1953ء میں ہوا۔ اور ادارۃ المصنفین کی کوشش سے اس کی پہلی جلد دسمبر 1958ء میں اور دوسری 1959ء میں منظر عام پر آئی۔ اس وقت تک اس کی انیس جلدیں شائع ہو چکی ہیں جو ابتدا سے لے کر 1957ء تک کے حالات پر مشتمل ہیں۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد مبارک پر اس کی مطبوعہ جلدوں کو سیٹ کی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ موجودہ جلد جو سابقہ ابتدائی دو جلدوں پر مشتمل ہے اسی سکیم کی پہلی کڑی ہے۔

موجودہ ایڈیشن کی بعض خصوصیات یہ ہیں۔ (1) نئی تحقیقات کی روشنی میں اس کے متن اور حواشی میں مفید اضافے کئے گئے ہیں۔ (2) حواشی فٹ نوٹ کی بجائے باب یا فصل کے آخر میں دیئے گئے ہیں۔ (3) کتاب کے آخر میں مفصل اشاریہ بھی شامل اشاعت کیا گیا ہے۔

سیدنا حضرت مصلح موعود نے ابتداء ہی سے یہ ہدایت فرمائی تھی کہ جونہی کوئی جلد شائع ہو قارئین کی قیمتی آراء اور مشوروں کے بارے میں فائل کھول دی جائے۔ یہ مفید سلسلہ شعبہ تاریخ کی طرف سے پورے التزام کے ساتھ جاری ہے۔ اور زیر نظر جلد پر نظر ثانی کرتے ہوئے اس کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا ہے۔

حدیث نبویؐ "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" (جامع الصغیر للسیوطیؒ) کے مطابق یہ تذکرہ ضروری ہے کہ مولانا ریاض محمود باجوہ صاحب مربی سلسلہ (شعبہ تاریخ احمدیت) اور مولانا نعمت اللہ بشارت صاحب (سابق مربی ڈنمارک) نے کتاب کی پروف ریڈنگ اور اشاریہ تیار کرنے میں نہایت درجہ محنت اور عرق ریزی سے کام کیا ہے۔ اسی طرح مکرم چوہدری محمد صدیق صاحب سابق انچارج خلافت لائبریری ربوہ اور جناب حبیب الرحمٰن صاحب زیروی انچارج خلافت لائبریری اور ان کے جملہ معاونین کا گراں قدر تعاون بھی باعث تشکر و امتنان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی برکات کے عطر سے ممسوح کرے۔ آمین۔

خدا کے فضل و کرم اور اس کی دی ہوئی توفیق سے شعبہ تاریخ 1983ء کی وقائع نگاری کے مرحلہ میں داخل ہو گیا ہے۔ احباب دعا کریں کہ شعبہ تاریخ جلد از جلد سلسلہ کی سو سالہ تاریخ کی تدوین اور اشاعت کی توفیق پا سکے۔ اور یہ کتاب ہر اعتبار سے بابرکت ثابت ہو۔ وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم۔

ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جا بجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نور الحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ا۔۲۔ کو ایک جلد میں شائع کیا گیا اس طرح جلد نمبر ۳ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۲ ہے۔ اسی طرح نئے ایڈیشن میں سب جلدوں کے نمبر پہلے ایڈیشن کے بالمقابل ہر جلد کا ایک نمبر پیچھے آیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر واشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد اوّل کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر و اشاعت قادیان)

فہرست مضامین کتاب ''تاریخ احمدیت'' جلد اول

مضمون	صفحہ
باب اول	
سلسلہ احمدیہ کا مختصر تعارف	
قیام کا مقصد' نصب العین' دیگر مسلم تحریکات کے مقابل اس کی امتیازی خصوصیات اور اس کے عظیم الشان دینی کارناموں پر ایک طائرانہ نظر	۱
باب دوم	
حضرت مسیح موعودؑ کے خاندانی حالات	
سمرقند سے ہجرت	۳۱
پنجاب میں ایک مثالی اسلامی ریاست کا قیام اور قادیان کی تاسیس	۳۲
حضرت مرزا گل محمد صاحب کا دور اقتدار	۳۲
حضرت مسیح موعودؑ کے خودنوشت خاندانی حالات	۳۵
سر لیپل گریفن اور کرنل میسی کی شہادت	۳۹
شجرہ نسب	؟
باب سوم	
(۱۸۳۵ء - ۱۸۵۳ء)	
پاکیزہ بچپن	۵۱
تعلیم	۵۳
آنحضرت ﷺ کی زیارت	۵۷

مضمون	صفحہ
باب چہارم	
(تخمیناً ۱۸۵۰ء - ۱۸۵۴ء)	
پہلی شادی	۶۱
خلوت نشینی	۶۱
خدمت دین کی ابتدائی مہم	۶۳
قرآن مجید کا کثرت سے مطالعہ	۶۴
صحت کی خرابی	۶۵
خدمت خلق اور غرباء پروری	۶۶
باب پنجم	
(۱۸۵۴ء - ۱۸۶۳ء)	
مقدمات کی پیروی۔ راست گوئی	۶۹
مقدمات میں آپ کی امتیازی خصوصیات	۷۱
منکسر المزاجی اور حسن خلق کے نادر اور بے مثال نمونے	۷۴
مقدمات میں انقطاع الی اللہ	۷۶
باب ششم	
سیالکوٹ میں قیام اور تبلیغ اسلام کی مہم کا آغاز	
(۱۸۶۴ء - ۱۸۶۷ء)	
ملازمت میں خدائی حکمتیں	۸۰
سیالکوٹ میں آپ کی قیام گاہیں اور حفاظت الٰہی کے نظارے	۸۱

مضمون	صفحہ
سرکاری ملازمت میں آپ کا معمول اور شانِ استغناء	۸۲
دفتری اوقات کے بعد آپ کے مشاغل و معمولات	۸۴
سیالکوٹ میں بعض پیشگوئیوں کا ظہور اور قیام کے مختصر حالات	۸۶
حضرت اقدسؑ کی طرف سے تبلیغ اسلام کی مہم کا آغاز	۸۷
پورے ہندوستان کو عیسائیت کے زیر نگیں کرنے کی برطانوی سازش	۸۸
سیالکوٹ مشن کی خصوصیت	۹۰
سیالکوٹ میں حضرت مسیح موعودؑ کا عیسائیت کے خلاف تبلیغی محاذ اور پادری بٹلر سے تبادلہ خیالات	۹۲
آپ کی پاکیزہ جوانی کے متعلق چند شہادتیں	۹۳
مولوی سید میر حسن صاحب سیالکوٹی کے قلم سے حضورؑ کے زمانہ سیالکوٹ کے مفصل حالات	۹۵
ملازمت سے استعفیٰ	۱۰۰
آپ کی والدہ حضرت چراغ بی بی صاحبہ کا انتقال	۱۰۱
حضرت کی والدہ ماجدہؓ کے اخلاق و شمائل	۱۰۱
تاریخ وفات کی تعیین	۱۰۳
مزار مبارک	۱۰۳
باب ہفتم (۱۸۶۷ء تا ۱۸۷۱ء)	
ریاست کپورتھلہ کے سررشتہ تعلیم کی افسری سے انکار اور یادِ الٰہی کے لئے حضرت والد صاحب سے کلیۃً فراغت کی درخواست	۱۱۰
ایک نہایت اہم خدائی بشارت	۱۱۱
عیسائیت کی روک تھام	۱۱۳
مولوی قدرت اللہ کا ارتداد اور واپسی	۱۱۴
لالہ شرمپت کے لئے ایک آسمانی نشان	۱۱۵
باب ہشتم (۱۸۷۲ء تا ۱۸۷۶ء)	
قلمی جہاد کا آغاز	
ملکی اخبارات میں مضامین کی اشاعت۔	۱۱۸
مولوی اللہ دتہ صاحب لودھی ننگل سے مسئلہ حیات النبی وغیرہ پر مذاکرہ	۱۱۹
۱۸۷۲ء میں آپ کی روزمرہ زندگی کی ایک جھلک	۱۲۰
سلسلہ تعلیم و تدریس	۱۲۱
بھائی کشن سنگھ صاحب کا بیان	۱۲۲
شعری کلام کی ابتداء اور دیوان کی تسوید	۱۲۲
ایک مقدمہ میں آسمانی نشان کا ظہور	۱۲۴
آسمانی بادشاہت' درویشوں کی جماعت اور اقتصادی کشائش عطا ہونے کی بشارت	۱۲۵
مسجد اقصیٰ کی تعمیر	۱۲۵
روزوں کا عظیم مجاہدہ اور عالم روحانی کی سیر	۱۲۸
حضرت میر ناصر نواب صاحب کی قادیان میں پہلی بار آمد اور تعلقات کا آغاز	۱۳۰
حضرت مولانا عبد اللہ غزنوی اور دوسرے اہل اللہ سے ملاقات	۱۳۲

مضمون	صفحہ
مولانا غزنوی کی وفات کے متعلق قبل از وقت خبر	۱۳۳
باب نہم	
(۱۸۷۶ء تا ۱۸۷۷ء)	
والد ماجد کے انتقال کی قبل از وقت خبر	۱۳۷
والد ماجد کا انتقال	۱۳۸
حضرت مرزا غلام مرتضٰی کا حلیہ مبارک اور سیرت	۱۳۸
خدا تعالیٰ کا ان سے غیر معمولی سلوک	۱۴۲
آپ کی زندگی کا شاندار کارنامہ	۱۴۲
والد کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ کی کفالت	۱۴۳
کثرت مکالمات ومخاطبات کی ابتداء	۱۴۴
مرزا غلام قادر صاحب کی جانشینی اور دور ابتلاء	۱۴۴
حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خلاف پہلا مقدمہ	۱۴۶
سفر سیالکوٹ	۱۴۸
منشی سراج الدین صاحب مرحوم بانی اخبار 'زمیندار' کا قادیان میں ورود	۱۴۸
قادیان سے ایک سیاہ کار سادھو کا اخراج	۱۴۹
''نعمۃ الباری'' کی تصنیف کا ارادہ	۱۴۹
باب دہم	
(۱۸۷۸ء تا ۱۸۷۹ء)	
آریہ سماج اور برہمو سماج کے خلاف جہاد	
حضرت مسیح موعودؑ کا انعامی چیلنج اور اسلام کی پہلی فتح	۱۵۳
باوانارائن سنگھ صاحب میدانِ مقابلہ میں	۱۵۴
پنڈت کھڑک سنگھ سے مباحثہ، اس کا فرار اور اسلام کی دوسری فتح	۱۵۵
آریہ سماجی لیڈروں کو دوسرا چیلنج	۱۵۶
پنڈت شونرائن اگنی ہوتری کا تبصرہ اور اسلام کی تیسری فتح	۱۵۷
اسلام کی چوتھی فتح	۱۵۹
پنڈت شونرائن اگنی ہوتری کا فیصلہ	۱۵۹
ایک آریہ سماجی مصنف کا بیان	۱۶۲
آریہ سماج کے بعد برہمو سماج سے تحریری مباحثہ	۱۶۳
برہمو سماج تحریک کی ناکامی	۱۶۴
ایک رات میں بے مثال روحانی انقلاب	۱۶۵
اس دور کی شاندار اسلامی خدمات کا اعتراف	۱۶۵
باب یازدہم	
۱۸۸۰ء تا ۱۸۸۴ء	
'براہین احمدیہ' کی انقلاب انگیز تصنیف واشاعت	
'براہین احمدیہ' کی تالیف کا پس منظر اور حضور کا ایک کشف	۱۷۰
'براہین احمدیہ' کو ملک بھر کے مسلم حلقوں کی طرف سے بے مثال خراج عقیدت	۱۷۲
مخالفین اسلام کے کیمپ میں کھلبلی	۱۷۹
حضرت اقدس کی بے سروسامانی اور تائید غیبی کے لئے دعا اور خدائی بشارت	۱۸۳

مضمون	صفحہ
عامۃ المسلمین اور رؤساء کو تحریک	۱۸۴
خدا پر ایمان افروز توکل	۱۸۴
کتاب کی اشاعت میں جذبہ خدمت دین کی نمایاں جھلک	۱۸۵
امراء کی انتہادرجہ سرد مہری	۱۸۶
نواب صدیق حسن خان صاحب کا 'براہین' کے متعلق ناروا طرز عمل	۱۸۸
'براہین احمدیہ' کی اشاعت ایک معجزہ تھی	۱۸۸
ابتدائی تصنیف کا مسودہ' نقل' کتابت اور طباعت	۱۸۹
'براہین احمدیہ' کے مختلف حصص کا سن اشاعت	۱۹۱
زمانہ 'براہین احمدیہ' مسلسل جہاد تھا	۱۹۱
براہین احمدیہ کے اگلے حصوں کی اشاعت میں التواء اور کتاب کی قیمت کی واپسی کا اعلان	۱۹۲
الہامات کے لئے روزنامچہ نویس کا تقرر	۱۹۳
اس زمانہ کی عظیم الشان پیشگوئیاں اور نشانات	۱۹۴
اس زمانہ کی عظیم الشان پیشگوئیاں اور نشانات	۱۹۴
اعجازی شفاء کا ایک نشان	۱۹۵
ماموریت کا پہلا سال (۱۸۸۲ء)	
خلعتِ ماموریت سے سرفرازی	
ماموریت کا پہلا الہام	۱۹۹
دنیا میں نشان نمائی کی پہلی باطل شکن دعوت	۲۰۵
قادیان کی گمنام حالت اور رجوع خلائق کا آغاز	۲۰۷

مضمون	صفحہ
حضرت مولانا نور الدین صاحب شاہی طبیب کا قادیان کی طرف پہلا تاریخی سفر	۲۱۰
ماموریت کا دوسرا سال (۱۸۸۳ء)	
مسجد مبارک کی تعمیر	۲۱۸
قدیم مسجد مبارک کا اندرونی منظر اور بالائی منزل	۲۱۹
مسجد کی توسیع	۲۲۰
حضرت اقدسؑ کی دعا سے نواب صدیق حسن خان صاحب کے خطابات کی بحالی	۲۲۱
مرزا غلام قادر صاحب (برادر اکبر) کی رحلت	۲۲۲
مقام ماموریت سے متعلق بعض مزید تفصیلات	۲۲۶
مسلمانانِ عالم کے روشن مستقبل کے متعلق ایک خبر	۲۲۷
بانی آریہ سماج پر آخری اتمام حجت	۲۲۸
ماموریت کا تیسرا سال (۱۸۸۴ء)	
لدھیانہ کے عقیدت مندوں کا اصرار	۲۳۱
لدھیانہ میں تشریف آوری اور بے مثال استقبال	۲۳۲
لدھیانہ میں معمولات	۲۳۷
لدھیانہ کا دوسرا سفر	۲۳۸
سفر مالیر کوٹلہ	۲۳۸
سفر انبالہ' پٹیالہ و سنور	۲۳۹
ایک نہایت مبارک اور مقدس خاندان کی بنیاد دوسری شادی' مبشر اولاد	۲۴۲
برات کی دہلی روانگی اور قادیان واپسی	۲۴۴
پہلی بیوی سے حسن سلوک	۲۵۰

مضمون	صفحہ

ماموریت کا چوتھا سال (۱۸۸۵ء)

دعویٰ ماموریت اور نشان نمائی کی عالمگیر دعوت

مضمون	صفحہ
منشی اندرمن صاحب مرادآبادی کا فرار	۲۵۴
پنڈت لیکھرام کا مصلحت آمیز کارروائیوں کے ساتھ فرار	۲۵۶
پادری سوفٹ کا گریز	۲۶۱
حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے چالیس روزہ میعاد کا تعین	۲۶۳
مقامی ہندوؤں کی طرف سے نشان نمائی کی درخواست	۲۶۳
بیت اللہ شریف اور میدان عرفات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دردانگیز دعا	
حضرت صوفی احمد جان صاحب کی زبان سے	۲۶۴
رخی کے کشفی چھینٹوں کا حیرت انگیز نشان	۲۶۷
نشان کے متعلق حضرت منشی صاحب کا حلفیہ بیان	۲۶۸
شہب ثاقبہ کا آسمانی نظارہ	۲۶۹

ماموریت کا پانچواں سال (۱۸۸۶ء)

ہوشیارپور کا مبارک سفر

''پسر موعود'' کے متعلق عظیم الشان پیشگوئی

مضمون	صفحہ
گزشتہ نوشتوں میں پسر موعود کی پیشگوئی	۲۷۳
ہوشیارپور کا مبارک سفر	۲۷۴
پسر موعود اور جماعت کی ترقی سے متعلق زبردست پیشگوئی	۲۷۶
پیشگوئی کا ردعمل	۲۷۹
صاحبزادی عصمت کی پیدائش اور بشیر اول کی وفات پر طوفان بےتمیزی	۲۸۱
''سبز اشتہار'' کی اشاعت	۲۸۲
بشیر ثانی اور محمود کی ولادت باسعادت	۲۸۳
کامل انکشاف کے بعد اطلاع	۲۸۳
اکابر جماعت احمدیہ کا قطعی مسلک	۲۸۵
پسر موعود کے متعلق مبینہ علامات کا خارق عادت رنگ میں ظہور اور زبردست شہادتیں	۲۸۶
''وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا''	۲۸۹
پیشگوئی مصلح موعود اور مولف ''مجدد اعظم''	۲۹۲
ماسٹر مرلی دھر صاحب آف ہوشیارپور سے مباحثہ	۲۹۶
''سرمہ چشم آریہ'' کی تصنیف و اشاعت	۲۹۹
حق و باطل کے فیصلہ کی ایک آسان صورت اور دعوت مباہلہ	۳۰۱
سفر انبالہ	۳۰۲

ماموریت کا چھٹا سال (۱۸۸۷ء)

آریہ سماج کا طوفان۔ بےتمیزی اور تصنیف و اشاعت ''شحنہ حق''

مضمون	صفحہ
''رسالہ قرآنی صداقتوں کا جلوہ گاہ''	۳۰۵
ہجرت کا ارادہ	۳۰۶

مضمون	صفحہ
امریکہ میں آپ کی دعوت نشان نمائی کی بازگشت۔ مسٹر الیگزینڈر رسل ویب سے خط وکتابت اوران کاقبول اسلام	۳۰۶
حضرت مولانا حسن علی کے بیان کردہ واقعات	۳۰۸
سفرانبالہ	۳۱۱
تصدیق براہین احمدیہ کی تصنیف	۳۱۲
ماموریت کاساتواں سال (۱۸۸۸ء)	
حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے جدی خاندان سے متعلق خداتعالیٰ کاایک قہری نشان	
مولوی محمد امام الدین صاحب سے خط وکتابت	۳۱۵
آپ کے جدی خاندان کی طرف سے مخالفین اسلام کی پشت پناہی	۳۱۶
ایک روح فرساواقعہ اورنشان نمائی کامطالبہ	۳۱۷
حضرت مسیح موعودؑ کی دعااورالٰہی خبر	۳۱۷
مرزا احمد بیگ کی دختر محمدی بیگم سے متعلق خدائی تحریک	۳۱۹
پیشگوئی کاپبلک حیثیت اختیارکرنا	۳۲۰
''نورافشاں'' کاطوفان بے تمیزی اور حضرت اقدس کاجواب	۳۲۰
مسلمانوں کی طرف سے پیشگوئی کے ظہور کیلئے دعائیں	۳۲۱
پیشگوئی کے بعض حیرت انگیز پہلواور پیشگوئی کاظہور	۳۲۲
علماءکودعوت مباہلہ اورپرشوکت اعلان	۳۲۳
مرزا سلطان محمد صاحب کااظہارحق	۳۲۴
محمدی بیگم کی ایک خواب	۳۲۵
خاندان مرزا احمد بیگ کے اکثر افراد کی جماعت احمدیہ میں شمولیت	۳۲۵
مرزا سلطان محمد صاحب کے بیٹے کااعلان بیعت	۳۲۵
پادری فتح مسیح کی طرف سے روحانی مقابلہ کی دعوت اورشکست کااعتراف	۳۲۷
سفرپٹیالہ	۳۳۰
واپسی پرایک حادثہ	۳۳۲
ماموریت کاآٹھواں سال (۱۸۸۹ء)	
اشتہار ''تکمیل تبلیغ'' اورلدھیانہ میں بیعت اولیٰ	
بیعت کے لئے حکم الٰہی	۳۳۵
اشتہار ''تکمیل تبلیغ وگزارش ضروری''	۳۳۶
لدھیانہ میں ورود	۳۳۷
بیعت کے لئے لدھیانہ پہنچنے کاارشاد	۳۳۸
ہوشیارپور میں شیخ مہرعلی صاحب کی ایک تقریب میں شمولیت	۳۳۸
۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کو بیعت اولیٰ کاآغاز	۳۳۹
خاکہ دارالبیعت لدھیانہ	۳۴۰
عورتوں کی بیعت	۳۴۲
دوسرے ایام میں بیعت	۳۴۲
بیعت کے بعد نصائح	۳۴۳
رجسٹر بیعت اولیٰ کی مکمل فہرست	۳۴۳

مضمون	صفحہ
بیعت اولیٰ کی تاریخ اور اس کے رجسٹر کے بارہ میں جدید تحقیق	۳۶۲
قیام لدھیانہ کے دو واقعات	۳۷۴
سفر علی گڑھ	۳۷۶
ایک عیسائی کے تین سوالوں کے جوابات	۳۷۸
۱۸۸۹ء کے بعض دیگر صحابہ	۳۷۸
ماموریت کا نواں اور دسواں سال	
(۱۸۹۰ء - ۱۸۹۱ء)	
دعویٰ مسیحیت	
شدید علالت	۳۸۴
مخالفت کا طوفان اور آپ کے خلاف فتویٰ تکفیر	۳۸۷
قتل کرنے کی سازش	۳۸۹
مسلمانان ہند کے روشن خیال عناصر کا ردعمل	۳۹۱
سفر لدھیانہ	۳۹۲
نواب علی محمد خان صاحب لدھیانوی کی وفات	۳۹۴
انگریزی حکومت کے زوال سے متعلق الہام اور پادریوں کو دعوت مذاکرہ	۳۹۵
سفر امرتسر و لدھیانہ	۳۹۵
علماء وقت کو تحریری مباحثہ کی دعوت	۴۰۰
مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا تحریری مباحثہ سے انکار	۴۰۱
دو سجادہ نشینوں کو دعوت	۴۰۱
مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو تقریری مباحثہ کی دعوت اور ان کا انکار	۴۰۲

مضمون	صفحہ
سعید روحوں کی خدائی جماعت میں شمولیت	۴۰۳
مباحثہ "الحق" لدھیانہ	۴۰۶
مولوی نظام الدین صاحب کی بیعت کا واقعہ	۴۰۶
مباحثے کا آغاز۔ایک معجزہ	۴۰۸
مباحثہ کے تفصیلی کوائف بیان کردہ پیر سراج الحق صاحب	۴۰۹
میر عباس علی صاحب کا ارتداد	۴۱۱
حضرت مسیح موعودؑ کا سفر امرتسر اور لدھیانہ میں دوبارہ تشریف آوری	۴۱۳
"ازالہ اوہام" کی تصنیف واشاعت	۴۱
لفظ توفی اور الدجال کے بارے میں ایک ہزار روپیہ کا انعامی اعلان	۴۱۷
مغرب سے آفتاب اسلام کے طلوع کی پیشگوئی	۴۱۸
فتنۂ دجال کی حقیقت	۴۱۹
ایک عجیب انکشاف	۴۱۹
توفی اور الدجال کے بارہ میں ایک ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار	۴۲۰
مسیح اور مہدی ایک ہیں	۴۲۰
دہلی کا سفر	۴۲۱
سید نذیر حسین صاحب دہلوی اور مولوی عبدالحق صاحب کو مباحثہ کی دعوت	۴۲۲
جامع مسجد دہلی میں اجتماع	۴۲۴
دہلی کے ہر طبقے کی طرف سے مخالفت	۴۲۸
علی جان والوں کی طرف سے مولوی محمد بشیر صاحب	

مضمون	صفحہ
کودعوت مباحثہ	۴۳۰
مولوی محمد بشیر صاحب دلی میں	۴۳۲
مباحثے کا آغاز	۴۳۳
سفر لدھیانہ وپٹیالہ	۴۳۵
مولوی محمد اسحاق صاحب پر اتمام حجت	۴۳۶
''آسمانی فیصلہ'' کی تصنیف و اشاعت اور علماء کو روحانی مقابلہ کی پہلی عام دعوت	۴۳۵
پہلا سالانہ جلسہ	۴۴۰
مستقل رنگ میں سالانہ جلسہ کے انعقاد کا فیصلہ	۴۴۱
۱۸۹۲ء کے دوسرے جلسہ کی روداد	۴۴۲
سالانہ جلسہ کے اجراء میں مشکلات اور تائید غیبی	۴۴۴
سالانہ جلسے کے سوسالہ اعداد وشمار	۴۴۵
۱۸۹۰-۹۱ء کے بعض صحابہ	۴۴۸
ماموریت کا گیارھواں سال (۱۸۹۲ء)	
سفر لاہور میں ایک فاتر العقل شخص کا حملہ	۴۵۴
حضرت اقدسؑ کی طرف سے صبر کا ایک بے نظیر نمونہ	۴۵۴
جلسہ عام میں حضرت اقدسؑ کی تقریر	۴۵۶
مولوی عبدالحکیم صاحب کلانوری سے مباحثہ	۴۵۷
تقدیر کے مسئلہ پر تقریر	۴۵۸
سفر سیالکوٹ	۴۵۸
زائرین کا ہجوم اور پاک مجلس	۴۵۹
ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب اور ان کے والد اور برادر اکبر کی عقیدت و بیعت سے متعلق	

مضمون	صفحہ
ایک ضمنی نوٹ	۴۶۰
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی مخالفانہ کوشش اور ناکامی	۴۶۱
سفر کپورتھلہ، جالندھر، لدھیانہ	۴۶۲
''نشان آسمانی'' کی تصنیف واشاعت	۴۶۴
مکفر علماء کو مباہلہ کی پہلی دعوت	۴۶۵
حضرت اقدس میدانِ مباہلہ میں اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا گریز	۴۶۵
مباہلے کے بعد مباحثے کا چیلنج اور علماء کا فرار	۴۶۷
۱۸۹۲ء کے بعض صحابہ	۴۶۸
ماموریت کا بارھواں سال (۱۸۹۳ء)	
''آئینہ کمالات اسلام'' اور ''التبلیغ'' کی اشاعت	۴۷۲
سرورکونینؐ کی شان اقدس میں مدحیہ قصیدہ	۴۷۴
فارسی نعت	۴۷۵
ملکہ وکٹوریہ کو دعوت اسلام	۴۷۵
حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف کا خراج عقیدت	۴۷۶
پنڈت لیکھرام سے متعلق پیشگوئی	۴۷۷
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی ولادت	۴۷۸
حضرت صاحبزادہ صاحب کی بلند پایہ تالیفات اور عظیم الشان علمی کارنامے	۴۷۸
تصنیف و اشاعت ''برکات الدعاء''	۴۸۱
ہنری مارٹن کلارک کی طرف سے مباحثہ کا چیلنج اور رسالہ ''حجۃ الاسلام'' اور رسالہ	

مضمون	صفحہ
''سچائی کا اظہار'' کی تصنیف واشاعت	۴۸۲
بعض علماء کی عیسائیت نوازی	۴۸۳
جنگ مقدس۔ایک ایمان افروز واقعہ	۴۸۴
باطل فریق کے لئے پیشگوئی	۴۸۵
سفر جنڈیالہ اور قادیان کو واپسی	۴۸۶
''تحفہ بغداد''، ''کرامات الصادقین'' اور ''شہادۃ القرآن'' کی اشاعت	۴۸۹
منشی عطاء محمد صاحب کے لئے نشان کا وعدہ	۴۹۱
قادیان کی طرف (مستقل رنگ میں) ہجرت کا آغاز	۴۹۲
دوستوں سے مل کر رہنے کی خواہش	۴۹۳
حضرت مولانا نورالدین کی ہجرت کا ایمان افروز واقعہ	۴۹۴
سفر فیروز پور	۴۹۵
۱۸۹۳ء کے بعض صحابہ	۴۹۵
ماموریت کا تیرھواں سال (۱۸۹۴ء)	
مرکز اسلام (مکہ مکرمہ) میں حضرت مسیح موعودؑ کی آمد کے تذکرے	
''حمامۃ البشریٰ''''نور الحق'' (حصہ اول) کی تصنیف واشاعت	۴۹۹
رمضان میں کسوف وخسوف کا نشان	۵۰۱
''نور الحق'' (حصہ دوم) کی تصنیف واشاعت	۵۰۲
''اتمام الحجۃ'' کی تصنیف اشاعت	۵۰۳
''سر الخلافہ'' کی تصنیف واشاعت	۵۰۳

مضمون	صفحہ
سر الخلافہ کے ذریعہ سے ایک ہی رات میں انقلاب عظیم	۵۰۳
رجوع الی الحق کے باعث آتھم کو مہلت اور اخفائے حق کی پاداش میں ہلاکت	۵۰۴
'انوار الاسلام' اور 'ضیاء الحق' کی تصنیف واشاعت	۵۰۴
مکذب علماء کا مظاہرہ	۵۰۶
حضرت خواجہ غلام فرید صاحب آف چاچڑاں شریف کا ایمان افروز جواب	۵۰۸
حضرت مسیح موعود کی طرف سے آتھم کو انعامی چیلنج	۵۰۸
ایک سال کا یقینی اور قطعی وعدہ اور آتھم کی ہلاکت	۵۰۹
عیسائیوں کی عالمی کانفرنس میں تحریک احمدیت کے بارے میں انتہائی تشویش کا اظہار	۵۰۹
حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف متحدہ سیاسی محاذ اور بغاوت کا الزام	۵۱۰
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا انگریزی حکومت کو انتباہ اور حضرت مسیح موعودؑ کا دفاع	۵۱۳
۱۸۹۴ء کے بعض صحابہ	۵۱۴
تین عظیم الشان علمی انکشافات	
(۱) عربی زبان اُمُّ الالسنہ ہے۔	
(۲) حضرت باوا نانک مسلمان تھے۔	
(۳) حضرت مسیح ناصریؑ کا سفر کشمیر اور محلہ خانیار میں مزار	۵۱۷

مضمون	صفحہ
قادیان میں ''ضیاء الاسلام پریس'' مطبع اور کتب خانے کا قیام	۵۱۸
ماموریت کا چودھواں سال (۱۸۹۵ء)	
حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کی ولادت	۵۱۹
اَلدَّار میں کنواں	۵۲۰
عربی زبان کے اُمُّ الالسنہ ہونے کی زبردست تحقیق اور ''منن الرحمٰن'' کی تالیف	۵۲۰
عربی کی اشاعت وترویج کے لئے عملی مہم	۵۲۲
حضرت مسیح ناصری ؑ کے سفر کشمیر اور مزار کا انکشاف	۵۲۲
واقعہ صلیب کی چشم دید شہادت	۵۲۳
حضرت مسیح ؑ کے کفن سے متعلق جرمن سائنس دانوں کا حیرت انگیز انکشاف	۵۲۵
مسیح کے آسمان پر جانے کی انجیلی آیات الحاقی ثابت ہوئیں	۵۲۷
برطانوی سیاح کا انکشاف	۵۲۸
یسوع کے پیروکار	۵۲۹
مسلم محققین کا اعتراف حق	۵۳۰
''نور القرآن'' حصہ اول ودوم کی تصنیف واشاعت	۵۳۱
خدا کی طرف سے کشف	۵۳۲
تصویر چولہ بابا نانک	۵۳۴
''ست بچن'' کی تصنیف اشاعت	۵۳۶
''ست بچن'' کا ردعمل سکھ قوم کی طرف سے	۵۳۶
''آریہ دھرم'' کی تصنیف واشاعت	۵۳۷
ناموس مصطفوی ﷺ کے دفاع اور مذہبی مباحثات کے لئے آئینی تحریک اور مسلمانان ہند کی طرف سے پرزور تائید	۵۳۸
مخالفین اسلام کے نام کھلا نوٹس	۵۳۸
نواب محسن الملک کا مکتوب	۵۴۰
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی غیر اسلامی روش	۵۴۰
۱۸۹۵ء کے بعض صحابہ	۵۴۱
ماموریت کا پندرھواں سال (۱۸۹۶ء)	
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی پرزور مخالفت	۵۴۷
امیر کابل کے نام تبلیغی خط	۵۴۸
مخالف علماء اور سجادہ نشینوں کو مباہلے کی دعوت	۵۴۸
حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف کی تصدیق	۵۵۱
حضرت پیر ''صاحبُ العلم'' کی شہادت	۵۵۱
جلسہ مذاہب عالم کا پس منظر اور کانفرنس کے لئے انتظامات	۵۵۵
اشتہار واجب الاظہار	۵۵۶
مذاہب کے نمائندے	۵۵۸
حضرت مسیح موعود ؑ کی طرف سے اپنے مضمون کے بالا رہنے کی قبل از وقت پیشگوئی	۵۵۹
جناب خواجہ کمال الدین صاحب کا تاثر	۵۶۰
جلسہ کی کارروائی کا آغاز۔ حضرت اقدس کا مضمون اور سامعین کا ذوق وشوق	۵۶۱

مضمون	صفحہ
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی استدعا	۵۶۴
۲۸۔ دسمبر کی کارروائی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی دوسری تقریر	۵۶۵
۲۹۔ دسمبر کو حضرت اقدسؑ کے بقیہ مضمون کی گونج	۵۶۵
''مضمون بالا رہا''	۵۶۶
اخبار ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' آبزرور اور اخبار ''چودھویں صدی'' کا ریویو	۵۶۷
جلسہ اعظم مذاہب میں اسلام کی شاندار فتح سے متعلق کلکتہ کے اخبار جنرل و گوہر آصفی کا تبصرہ	۵۶۹
لیکچر کا غیر زبانوں میں ترجمہ اور عالمگیر مقبولیت	۵۷۳
''اسلامی اصول کی فلاسفی'' مغربی مفکرین کی نظر میں	۵۷۳
۱۸۹۶ء کے بعض صحابہ	۵۷۵
ماموریت کا سولھواں سال (۱۸۹۷ء)	
اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا پر شوکت چیلنج اور تصنیف و اشاعت ''انجام آتھم''	۵۷۸
آنحضرت ﷺ کی ایک پیشگوئی کا ظہور اور ۳۱۳ اصحاب کبار کی فہرست	۵۷۸
علماء کے نام عربی مکتوب	۵۸۳
اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا پر شوکت چیلنج	۵۸۴
اشتہار مُسْتَيْقِنًا بِوَحْيِ اللّٰهِ الْقَهَّار	۵۸۵
عیسائیوں کو ایک ہزار روپیہ انعام کی پیشکش	۵۸۵
اشتہار ''خدا کی لعنت اور کسر صلیب''	۵۸۵
شیخ محمد رضا طہرانی نجفی کی اشتہار بازی	۵۸۶
حضرت سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہ کی ولادت	
پنڈت لیکھرام کا قتل	۵۹۰
پنڈت دیو پرکاش	۵۹۱
بابو گھانسی رام صاحب ایم اے ایل ایل بی کے بیانات اور پنڈت مدن گوپال سناتن دھرمی کا واضح اقرار	۵۹۲
ہندوؤں کی شورش	۵۹۳
ہندو اخبارات کی زہر چکانی	۵۹۳
حضرت اقدسؑ کو قتل کی دھمکیاں اور حضرت اقدسؑ کی طرف سے ہندوؤں کو چیلنج	۵۹۴
حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے اتمام حجت اور آریوں کو چیلنج	۵۹۵
گنگا بشن صاحب کی آمادگی اور فرار	۵۹۷
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی آریوں کی طرف سے نمائندگی	۵۹۸
حضرت اقدسؑ کی خانہ تلاشی	۵۹۹
''سراج منیر'' اور ''استفتاء'' کی تصنیف و اشاعت	۶۰۱
سکھوں کی طرف سے مخالفت اور اتمام حجت	۶۰۲
حسین کامی کا قادیان میں ورود اور حضرت اقدسؑ سے ملاقات اور سلطنت روم کی نسبت کشفی خبر	۶۰۴
حسین کامی کا ''ناظم الہند'' میں غضب آلود مراسلہ اور عام مخالفت	۶۰۵
''چودھویں صدی'' کا بزرگ	۶۰۵
حسین کامی کی مجرمانہ خیانت اور اپنے عہدہ سے برطرفی	۶۰۷
''قسطنطنیہ کی چٹھی''	۶۰۸

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
سلطنت ترکی میں انقلاب اور سلطان عبدالحمید		عبدالحمید کا مشتبہ بیان اور مسٹر ڈگلس کو کشفی	
ثانی کی معزولی	۶۰۹	نظاروں کے ذریعہ سے راہ نمائی	۶۳۰
''حجۃ اللہ'' کی تصنیف واشاعت	۶۱۰	عبدالحمید کو پولیس کی تحویل میں دیئے جانے کا حکم	۶۳۲
محمود کی امین	۶۱۱	سازش کا انکشاف	۶۳۲
ساٹھ سالہ جوبلی پر ملکہ وکٹوریہ کو دعوت اسلام		حضورؑ کی الزام قتل سے بریت اور دشمن کو عفو عام	۶۳۲
اور ''تحفہ قیصریہ'' کی تصنیف	۶۱۴	مولوی فضل الدین صاحب وکیل اور	
لندن میں ''جلسہ مذاہب'' کے انعقاد کی تجویز		لالہ دینا ناتھ ایڈیٹر ہندوستان کے تاثرات	۶۳۳
اور ملکہ کے لئے حضرت مسیح ناصری کی ملاقات کا		کتاب البریہ کی تصنیف واشاعت، مسیح محمدیؑ	
آسمانی تحفہ	۶۱۵	اور مسیح ناصری کے مقدموں میں سات	
نشان نمائی کی پیشکش	۶۱۶	حیرت انگیز مشابہتیں	۶۳۵
قادیان میں جشن جوبلی کے موقعہ پر احباب کا جلسہ	۶۱۶	پیلاطوس ثانی کا شاندار کارنامہ	۶۳۶
ملکہ وکٹوریہ کے مسلمان ہونے کے لئے دعا	۶۱۷	سفر ملتان	۶۳۷
سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب	۶۱۷	واپسی پر لاہور میں قیام	۶۳۸
ہندوستان کے مشائخ وصلحاء سے خدا کی قسم		جماعت احمدیہ کے سب سے پہلے اخبار ''الحکم''	
دے کر ایک درخواست	۶۱۷	کا اجراء	۶۴۱
پادری ہنری مارٹن کلارک کا مقدمہ اقدام		۱۸۹۷ء کے بعض صحابہ	۶۴۳
قتل اور الہام کے مطابق حضورؑ کی بریت		۱۸۹۷ء کے صحابہ کی ایک نایاب فہرست	۶۴۳
کتاب البریہ کی تصنیف واشاعت	۶۲۰	''تاریخ احمدیت'' کے متعلق عزت مآب	
حضرت اقدس کی بٹالے میں گواہی کے لئے		مکرم ومحترم حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان	
تشریف آوری	۶۲۵	صاحب نائب صدر عالمی عدالت کی رائے	۶۵۵
اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبل از وقت خوشخبری	۶۲۵		
حضرت اقدسؑ عدالت میں	۶۲۶		
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی گواہی اور			
عبرتناک حالت	۶۲۶		

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم -:- والسلام علیٰ عبدہ المسیح الموعود

باب اول

سلسلہ احمدیہ کا مختصر تعارف

قیام کا مقصد، نصب العین دیگر مسلم تحریکات کے مقابل اس کی امتیازی خصوصیات اور اس کے عظیم الشان دینی کارناموں پر ایک طائرانہ نظر

احمدیت ایک بین الاقوامی اور آسمانی سلسلہ ہے جو انیسویں صدی کے آخر میں خدا تعالیٰ کے حکم اور اس کے قدیم نوشتوں کے مطابق مسیح وقت و مہدی دوراں سیدنا حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے قائم ہوا۔ اس الٰہی سلسلہ کا حقیقی مشن اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا تعالیٰ کا وہ قانون اور دستور جو وادی بطحاء میں سرتاج اولین و آخرین فخر الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقدس ترین وجود پر نازل ہوا۔ اور اپنے اصولوں کی حقانیت، فلسفہ احکام کی قوت و صولت اور دلائل و براہین کی مقناطیسی کشش کے باعث دنیا پر غالب آگیا تھا اور بعد کو خود مسلمانوں ہی کی سرد مہری سے وہ صرف قرآن مجید کے اوراق ہی میں سمٹ کے رہ گیا۔ ایک مرتبہ پھر پوری شان و شوکت کے ساتھ قائم ہو جائے۔ اور نہ صرف یہ کہ دنیا کی تمام قومیں اور ممالک ہی اسے اپنا ملکی قانون بنانا اپنے لئے موجب فخر سمجھیں بلکہ ہر قلب و دماغ پر اس کی فرمانروائی ہو۔ چنانچہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تحریک سے وابستہ ہونے والے ہر فرد کو جن دس بنیادی شرائط کی پابندی کا ارشاد فرمایا ان میں ایک اہم ترین شرط یہ قرار دی کہ حلقہ بیعت سے منسلک ہونے والا ہر شخص یہ پختہ عہد کرلے کہ "وہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے اوپر قبول کرے گا اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنی ہر یک راہ

میں دستور العمل قرار دے گا"۔ [1]

پہلا امتیاز

بلاشبہ خدا کے فضل سے ہر مکتب فکر کے داعی مسلمانوں میں اسلامی حکومت کے قیام کا جذبہ روز افزوں ترقی پر ہے اور پین اسلام ازم طرز کی مختلف تحریکات بھی ابھر آئی ہیں مگر احمدیت بنیادی طور پر کئی پہلوؤں سے ان سب پر امتیازی شان رکھتی ہے مثلاً اول تو قیام احمدیت کے بعد اسلامی دنیا کے افق پر نمودار ہونے والی یہ کرنیں ہی صاف بتا رہی ہیں کہ یہ انقلاب حضرت امام الزمان کی بعثت کے ان مخفی تاثیرات اور فیضان کا نتیجہ ہے جو غیر شعوری طور پر ہر مصلح آسمانی کی روحانی توجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ [2]

دوسرا امتیاز

تحریک احمدیت وحی الٰہی سے قائم ہوئی ہے۔ بالفاظ دیگر اس کی پشت پر الہامی قوت بھی کارفرما ہے اور روحانی نظام بھی---- رسول اللہ ﷺ کی یہ حیرت انگیز پیشگوئی تھی کہ اِذَا عَظَّمَتْ اُمَّتِیَ الدُّنْیَا نُزِعَتْ مِنْهَا هَیْبَةُ الْاِسْلَامِ وَاِذَا تَرَکَتِ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیِ عَنِ الْمُنْکَرِ حُرِمَتْ بَرَکَةَ الْوَحْیِ وَاِذَا تَسَابَّتْ اُمَّتِیْ سَقَطَتْ مِنْ عَیْنِ اللّٰهِ۔ [3] یعنی مخبر صادقؐ نے فرمایا کہ جب میری امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلام کی ہیبت اور رو قعت اس کے قلوب سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی۔ اور جب آپس میں گالی گلوچ اختیار کرے گی تو اللہ جلشانہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔ دوسری طرف تاریخ کی یہ ناقابل تردید شہادت ہے کہ "جب لوگوں نے خدا کے بھیجے ہوئے احکام و ضوابط کو ترک کر کے خود ساختہ طریقوں کو اختیار کر لیا تو ان میں ہر طرح کی عملی و اخلاقی خرابی پھیل گئی اور سارا ملک فتنہ و فساد اور فسق و فجور کا گہوارہ بن گیا۔" "محرومی و بدبختی کے اس مرحلے پر پہنچنے کے بعد اس قوم کی حالت میں پھر اسی وقت انقلاب ہوا جب اس میں کوئی خدا کا رسول مبعوث ہوا" [4] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "نبی (علیہ السلام) کی صحبت میں یہ طاقت اور تاثیر ہوتی ہے کہ کافر، ملحد اور مشرک اس کی بدولت مومن بلکہ موحد کامل بن جاتا ہے"۔

"اللہ تعالیٰ اس نبی کی ذات کو چراغ بنا کر مبعوث کرتا ہے تاکہ اس سے دوسرے چراغ روشن ہو سکیں۔ سب جانتے ہیں چراغ چراغ ہی سے روشن ہو سکتا ہے اور کوئی صورت نہیں۔ تقریروں، خطبوں، کتابوں، وعظوں، باتوں، تجویزوں، مجلسوں، پوسٹروں سے سب کچھ ہو سکتا ہے مگر چراغ روشن نہیں ہو سکتا" [5] اس واضح حقیقت کی روشنی میں جب عصر حاضر کی ہلاکت آفرینیوں کی طرف نگاہ کی جائے تو صاف نظر آئے گا کہ کفر و الحاد کے موجودہ سیلاب میں خدائی تحریک کا قائم ہونا ضروری تھا اور وہی اس کا رخ پھیرنے میں کامیاب ہو سکتی تھی۔ چنانچہ موجودہ زمانے میں انسانیت کے گم کردہ راہ

قافلے نے جس طرح اللہ کے برگزیدوں اور فرستادوں کی تعلیمات کو یکسر فراموش کر دیا ہے اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ ہندومت 'عیسائیت' بدھ اور یہودیت کے علمبردار اس بارے میں متفق ہیں کہ خدا تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈالنے کے بعد دنیا کے بسنے والے لوگ اب ضلالت و گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر چکے ہیں' ظلمتیں مسلط ہیں اور روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی اور بالخصوص عالم اسلام آج سے نہیں اٹھارہ صدی عیسوی سے مسلسل اور پیہم چیخ پکار کر رہا ہے اور مسلم قوم کی حالت زار پر نوحہ کناں ہے۔ عوام سے لے کر علماء تک کے سب ہی طبقے خواہ ان کا تعلق کسی مکتب خیال سے ہو وہ خطابت کے جری ہوں یا قلم کے شہسوار' تصوف کے پرستار ہوں۔ یا علم کلام کے شیدائی' علماء ہوں یا سیاسی لیڈر' بے نوا فقیر ہوں یا کجکلاہ بادشاہ بلا تفریق امت مرحومہ کے مرثیہ خواں نظر آتے ہیں اور بزبان حال و قال کہہ رہے ہیں کہ جو تاریکی چھٹی صدی عیسوی میں جہالت نے پھیلائی تھی جبکہ اسلام کا ظہور ہوا تھا ویسی ہی تاریکی اور ظلمت آج پھر پوری شدت سے عود کر آئی ہے۔ اخلاق و تمدن' معیشت و اقتصاد اور عقائد و روحانیت کا کوئی ایسا خوفناک مرض نہیں جس نے خود مسلمانوں کے قومی جسم کو مضمحل نہ کر دیا ہو۔ پھر ان کے لیڈر صرف اس حقیقت ہی کا اعتراف نہیں کر رہے بلکہ ان کا اکثر و بیشتر طبقہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی آنے والے مامور اور فرستادہ کا بھی منتظر ہے جس طرح قحط سالی کے ایام میں نگاہیں آسمان کی طرف لگ جاتی ہیں اسی طرح مسلم قوم مدتوں سے فی الحقیقت آسمان کی پہنائیوں میں سے کسی مرسل کی آمد کے لئے چشم براہ ہے چنانچہ شاعر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال نے بھی اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے ؎

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے صنم کدہ ہے جہاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

غرض دنیا کے مشرق و مغرب اس وقت تاریکیوں کی زد میں ہیں اور کسی برقی تجلی کے انتظار میں سرگرداں۔ عجیب بات ہے کہ یہ حقیقت اس قدر واضح اور مبرہن ہو کر سامنے آگئی ہے کہ الحاد زدہ مغربی دماغ کو بھی اس کا کھلم کھلا اعتراف ہے۔ یورپ کا ایک مفکر سیاح مارس انڈس جسے چند سال قبل اسلامی ملکوں کی سیاحت کا موقعہ ملا "ایک مستقبل کی تلاش میں" کے عنوان پر عرب ممالک کے متعلق اپنے تاثرات بایں الفاظ بیان کرتا ہے "..... بلاشبہ یورپ عرب کلچر کا مرہون منت ہے۔ اسلامی ملکوں کی سیاحت میں میں نے عراقیوں کو یہ بات بار بار دہراتے سنا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ عرب شہنشاہی کے کارناموں کو دہرا کر پرانی عظمت و شان کو دوبارہ حاصل کرنے کا خواب دیکھ رہے ہوں۔ عراقیوں کو ایسے خوابوں کی صحیح اور حسب مراد تعبیر نکلنے کی مخالفت نہ تو علم الحیات کرتا ہے اور نہ تاریخی دلائل سے ہوتی ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہوگی کہ عرب دنیا عہد نبوی کی طرح ایک بار پھر حرکت میں

آجائے اور اسی طرح مستحکم بھی ہو جائے۔ عرب قوم نے جن اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں اور قوتوں کا ثبوت اس زمانہ میں دیا وہ صلاحیتیں اور قوتیں عرب دماغ میں آج بھی ہونی چاہئیں۔ آج عرب دنیا سوئی ہوئی ہے اسے کسی محمدؐ کی ضرورت ہے جو اسے نیا الہام دے کر حرکت میں لے آئے"۔

مارس انڈس نے صرف عرب ممالک تک ہی اپنی نظر محدود نہیں رکھی بلکہ وہ تمام دنیا پر گہری نظر ڈالنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ "دمشق' بیروت' بغداد' مکہ' طہران' قاہرہ اور ان کے ساتھ لنڈن اور واشنگٹن بھی ایک پیغمبر کے انتظار میں ہیں جو سماجی مقصد اور اصلاح کا جھنڈا لئے ہوئے عیسیٰؑ کی طرح کاشتکار کو صرف یہ کہہ کر ہوش میں لائے کہ جاگ! جاگ!! اور طاقت کا مظاہرہ کر" [۶]

لوتھرپ سٹاڈرڈ (Loth Rop Stoddard) اٹھارہویں صدی عیسوی میں دنیائے اسلام کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتا ہے:

"مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا۔ تصوف کے طفلانہ توہمات نے خالص اسلامی توحید پر پردہ ڈال دیا تھا۔ مسجدیں ویران اور سنسان پڑی تھیں۔ جاہل عوام ان سے بھاگتے تھے اور تعویذ گنڈے میں پھنس کر فقیروں اور دیوانے درویشوں پر اعتقاد رکھتے تھے اور ان بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کو جاتے جن کی پرستش بارگاہ ایزدی میں شفیع اور ولی کے طور پر کی جاتی... قرآن مجید کی تعلیم نہ صرف پس پشت ڈال دی گئی بلکہ اس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی... یہاں تک کہ مقامات مقدسہ بداعمالیوں کے مرکز بن گئے تھے۔ فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی... اگر حضرت محمد ﷺ پھر دنیا میں آتے تو وہ اپنے پیروؤں کے ارتداد اور بت پرستی پر بیزاری کا اظہار فرماتے" [۷]

اسی طرح یورپ کے ایک مشہور پروفیسر میکنزی اپنی کتاب "انٹروڈکشن ٹو سوشیالوجی" میں لکھتے ہیں: [۸]

"کامل انسانوں کے بغیر سوسائٹی معراج کے کمال پر نہیں پہنچ سکتی اور اس غرض کے لئے محض عرفان اور حقیقت آگاہی کافی نہیں بلکہ ہیجان اور تحریک کی قوت بھی ضروری ہے جسے یوں کہنا چاہئے کہ یہ معمہ حل کرنے کے لئے ہم نور و حرارت دونوں کے محتاج ہیں۔ غالباً عہد حاضر کے معاشرتی مسائل کا فلسفیانہ فہم و ادراک بھی وقت کی اہم ترین ضرورت نہیں۔ ہمیں معلم بھی چاہئے اور پیغمبر بھی۔ ہمیں آج رسکن یا کارلائل یا ٹالسٹائی جیسے لوگوں کی ضرورت ہے جو ضمیر کو زیادہ تشدد اور سخت گیر بنانے اور فرائض کے دائرے کو زیادہ وسیع کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ غالباً ہمیں ایک مسیح کی ضرورت ہے... یہ قول صحیح ہے کہ عہد حاضر کے پیغمبر کو محض "بیابان کی صدا" نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ عہد حاضر کے "بیابان" آباد شہروں کے گلی کوچے ہیں جہاں ترقی کی مسلسل و پیہم جدوجہد کا بازار گرم ہے۔ اس

عہد کے پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس ہنگامہ زار میں وعظ و تبلیغ کرے" ۹

پاکستان کے ایک مسلمان عالم لکھتے ہیں۔ "عالم مادی کے اس ارتقائی اور بظاہر نورانی دور میں جبکہ انسان تسخیر شمس و قمر کے خواب دیکھتے ہوئے اصل مقصد تخلیق سے غافل اور جذبہ پوشیدہ "انا" پر متکبر ہو کر سفینہ حیات عالم کو بحر ضلالت و گمراہی کے تموج خیز گرداب تک پہنچا چکا ہے... آج ابلیس اپنے وعدے کی صداقت پر خنداں و شاداں اور نگاہ عالم و خداوند حقیقی منتظر و نگران ہے ایک ایسے خلاصہ انبیاء کی جانب جس کی غیبت مثل یوسف رجعت مثل عیسیٰؑ طول عمر مثل خضر اور خلق و خلق مثل محمد مصطفیٰؐ ہے"۔ ۱۰

مشہور عالم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی معتمد تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ و رکن عربی اکیڈیمی دمشق لکھتے ہیں "مسلمانوں پر عام طور پر یاس و نومیدی اور حالات و ماحول سے شکست خوردگی کا غلبہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جدوجہد کے انجام اور مختلف دینی و عسکری تحریکوں کو دیکھ کر معتدل اور معمولی ذرائع اور طریقہ کار سے انقلاب حال اور اصلاح سے لوگ مایوس ہو چلے تھے اور عوام کی بڑی تعداد کسی مرد غیب کے ظہور اور ملہم اور مؤید من اللہ کی آمد کی منتظر تھی۔ کہیں کہیں یہ خیال بھی ظاہر کیا جاتا تھا کہ تیرہویں صدی کے اختتام پر مسیح موعود کا ظہور ضروری ہے۔ مجلسوں میں زمانہ آخر کے فتنوں اور واقعات کا چرچا تھا"۔ ۱۱

نیز لکھتے ہیں۔ "عالم اسلام مختلف دینی و اخلاقی بیماریوں اور کمزوریوں کا شکار تھا۔ اس کے چہرہ کا سب سے بڑا داغ وہ شرک جلی تھا جو اس کے گوشہ گوشہ میں پایا جاتا تھا۔ قبریں اور تعزیئے بے محابا پج رہے تھے۔ غیر اللہ کے نام کی صاف صاف دہائی دی جاتی تھی۔ بدعات کا گھر گھر چرچا تھا۔ خرافات اور توہمات کا دور دورہ تھا۔ یہ صورت حال ایک ایسے دینی مصلح اور داعی کا تقاضا کر رہی تھی جو اسلامی معاشرہ کے اندر جاہلیت کے اثرات کا مقابلہ اور مسلمانوں کے گھروں میں اس کا تعاقب کرے جو پوری وضاحت اور جرأت کے ساتھ توحید و سنت کی دعوت دے اور اپنی پوری قوت کے ساتھ الا للہ الدین الخالص کا نعرہ بلند کرے"۔ ۱۲

پس موجودہ کارزار عالم میں ایک آسمانی قیادت کی ضرورت تھی جو مسیح وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت کے ذریعہ سے پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اسی لئے آپ فرماتے ہیں:

"اے بندگان خدا آپ لوگ جانتے ہیں کہ جب امساک باراں ہوتا ہے اور ایک مدت تک مینہ نہیں برستا تو اس کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئیں بھی خشک ہونے شروع ہو جاتے ہیں پس جس طرح جسمانی طور پر آسمانی پانی بھی زمین کے پانیوں میں جوش پیدا کرتا ہے اسی طرح روحانی طور پر جو آسمانی

پانی ہے (یعنی خدا کی وحی) وہ سفلی عقلوں کو تازگی بخشتا ہے۔ سو یہ زمانہ بھی اس روحانی پانی کا محتاج تھا۔ میں اپنے دعویٰ کی نسبت اس قدر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں عین ضرورت کے وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں جبکہ اس زمانہ میں بہتوں نے یہود کا رنگ پکڑا۔ اور نہ صرف تقویٰ اور طہارت کو چھوڑا بلکہ ان یہود کی طرح جو حضرت عیسیٰؑ کے وقت تھے سچائی کے دشمن ہو گئے۔ تب بالمقابل خدا نے میرا نام مسیح رکھ دیا۔ نہ صرف یہ کہ میں اس زمانہ کے لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہوں بلکہ خود زمانے نے مجھے بلایا ہے" [۱۳]

تیسرا امتیاز

موجودہ جدید تحریکات کے مقابل احمدیت کو تیسرا عظیم الشان امتیاز یہ حاصل ہے کہ احمدیت کا پیش کردہ نصب العین خالص روحانی، نہایت درجہ بلند اور قابل صد فخر ہے۔ بطور مثال پین اسلام ازم ہی کو لے لیجئے (جس کے بانی علامہ جمال الدین افغانی کو مجدد وقت بھی قرار دیا گیا ہے) [۱۴] اس تحریک کا منتہائے مقصود صرف یہ ہے کہ مسلم ممالک کا ایک تیسرا بلاک معرض ظہور میں آجائے جو موجودہ اینگلو امریکن بلاک اور روسی بلاک کے دوش بدوش کھڑا ہو سکے۔ چنانچہ بانی تحریک لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کو اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے سب سے پہلے ان اصولوں کو جاننا ضروری ہے کہ جن کے ذریعہ سے اپنی مدافعت کر سکیں۔ دوسرے یہ کہ بوقت ضرورت وہ اتفاق رائے اور مستقل مزاجی سے کام لیں اور تیسرے یہ کہ وہ دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کے افکار و آراء سے ربط و تعلق پیدا کریں اور ملت پر آنے والے خطرات کا احساس کر کے متحد ہو جائیں۔

کیا آپ روسیوں کو نہیں دیکھتے کہ ان میں ان تین اصولوں کے سوا اور کوئی بات نہیں پائی جاتی۔ فنون و صنائع کی ترقی کے اعتبار سے یہ قوم تمام یورپی قوموں میں سب سے پیچھے تھی۔ ان کے ملک میں دولت و ثروت کے ذرائع بھی موجود نہ تھے اور اگر یہ موجود ہوتے تب بھی وہاں ایسی صنعتیں بھی نہ تھیں جن سے وہ ان ذرائع سے استفادہ کر سکتے۔ اس لئے افلاس، تنگدستی کی مصیبت میں مبتلا ہیں مگر اس کے باوصف جب ان کی قوم پر کوئی مصیبت آئے تو وہ اس سے خبردار ہو کر اس کے دفع کرنے کی تدبیریں کرتے اور وسائل ترقی پر اتفاق کرتے ہیں۔ ان کے خیالات میں ہم آہنگی اور ربط ہونے کی وجہ سے وہ یورپ کی تمام سلطنتوں میں ایک عظیم الشان شہنشاہیت کے مالک ہو گئے ہیں۔ روس میں آلات حرب تیار کرنے کے بڑے کارخانے نہیں لیکن اس کے باوجود اس کو ترقی کرنے سے کوئی روک نہ سکا۔ روس کے ہمسایہ ملکوں میں فنون حرب کو جتنی ترقی ہوئی اتنی خود روس میں نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اپنی فوجوں کی تربیت کے لئے دوسری قوموں سے ماہروں کے حاصل کرنے سے انہیں کوئی

روک نہ سکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب اس کی فوجوں کی یہ حالت ہے کہ یورپ کی طاقتیں اس کی قوت سے خوف کھاتیں اور اس کے حملہ سے ڈرتی رہتی ہیں"۔

"اورنا سے لے کر پشاور تک کا علاقہ اسلامی حکومتوں کے زیر سایہ ہے۔ ان سب کا عقیدہ ایک ہے ان کو ایک مرکز پر جمع کرنے والا قرآن موجود ہے۔ ان کی تعداد آٹھ کروڑ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ دنیا کی تمام قوموں میں شجاعت اور بسالت کے لحاظ سے ان کا درجہ ممتاز ہے۔ کیا ان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ مدافعت اور اقدام کے لئے متحد ہو جائیں جس طرح کہ تمام قومیں متحد ہو چکی ہیں"۔

"میرے اس کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان تمام امور میں ایک شخص واحد ہی کا حکم چلا کرے۔ کیونکہ اکثر حالتوں میں یہ ایک نہایت مشکل کام ہو گا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ ان سب پر قران ہی کی حکومت ہو اور وہ اتحاد کا ذریعہ اپنے دین کو بنائیں۔ ہر ملک کی حکومت اپنے ہم مذہب دوسری حکومت کی حفاظت کی تاحد مقدور کوشش کرتی رہے۔ کیونکہ ایک کی زندگی دوسرے کی زندگی اور ایک کی بقاء دوسرے کی بقاء پر منحصر ہے۔ اس سے خبردار رہو کہ یہ ان کے دین کی اساس و بنیاد ہے جس سے خاص کر موجودہ زمانے میں اجتماعی ضرورتیں اور سیاسی احتیاجیں پوری ہوتی ہیں"۔ [۱۵]

تحریک کی افادیت و اہمیت سے کوئی انکار نہیں مگر مندرجہ بالا الفاظ غماز ہیں کہ اسکے پیچھے محض "مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت" کا جذبہ کام کر رہا ہے اور فقط مسلمانوں کی "سیاسی احتیاجیں" مد نظر ہیں۔ پس یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ یہ ایک خالص سیاسی تحریک ہے جو مغربی طاقتوں کے رد عمل کے طور پر پیدا ہوئی ہے۔ بلاشبہ یہ تحریک اس خیال کی بھی علمبردار ہے کہ "سب مسلمانوں پر قرآن ہی کی حکومت ہو اور وہ اتحاد کا ذریعہ اپنے دین کو بنائیں"۔ اسلامی تنظیم کے لئے ایک قابل اطاعت مرکزی شخصیت کا ہونا ضروری ہے۔ مگر اس بارے میں بانی تحریک ہی کی رائے ہے کہ "میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ تمام امور میں ایک شخص واحد ہی کا حکم چلا کرے یہ ایک نہایت مشکل کام ہو گا"۔ علاوہ ازیں اس کی منزل صرف یہ تجویز کی گئی ہے کہ اسلامی ملک اپنا ایک مستقل بلاک قائم کرلیں۔ حالانکہ یہ کوئی ایسا مقصد حیات نہیں کہ جس پر کوئی دردمند مسلمان روحانی لحاظ سے کوئی فخر محسوس کر سکے۔ مادی اور سیاسی نقطہ نگاہ سے اس کی اہمیت مسلم ہے۔ مگر بہرحال اسے مسلم قوم کا مطمع نظر قرار دینا ظلم ہو گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلم ممالک کی سیاسی ترقی اور سیاسی اتحاد ایک ضروری چیز ہے جسے موجودہ زمانے میں نظرانداز کرنے کے معنی قومی خودکشی کے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ مطمع نظر ایسا ہو سکتا ہے جس سے مسلمان نوجوانوں کی رگوں میں نیا خون دوڑنے لگے؟ دنیا کی موجودہ آبادی قریباً دو ارب اکتیس کروڑ نوے لاکھ انیس ہزار ہے جن میں مسلمانان عالم کی تعداد کم و بیش چونتیس کروڑ ستاون لاکھ

پینتالیس ہزار کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ [۱۲] پس مسلم بلاک کے قیام کے معنی صرف یہ ہوئے کہ اسلام ربع مسکون کی صرف چھٹے یا ساتویں حصہ آبادی پر حکمران ہو سکے گا۔ اس صورت میں رسول خدا ﷺ اور قرآن کے عالمگیر غلبہ کی یہ کوئی خوشکن تعبیر نہیں قرار دی جاسکتی ہے۔

اس کے مقابل (حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں) "حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا میں آکر یہ اصول پیش فرمایا کہ تمہارا یہ مطمع نظر نہایت ادنیٰ ہے۔ تمہیں اپنے افکار کو بلند کرنا چاہئے کہ تمہارا کیا منصب ہے اور کون سا کام ہے جو خدا نے تمہارے سپرد کیا ہے۔ بے شک سیاست کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کی اصلاح ضروری ہے۔ بے شک دولت کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کو ترقی کی ضرورت ہے۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی غرض یہ تھی کہ اسلام کو روحانی طور پر دنیا پر غالب کیا جائے۔ اب اس کی تشریح کرو۔ اس عظیم الشان مقصد کے معنی یہ بن جاتے ہیں کہ اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت کے دلائل اتنی طاقت پکڑ جائیں کہ مسلمانوں کے ساتھ باتیں کرتے وقت وہ کنی کترانے لگیں۔ آج یورپ میں جو بھی لٹریچر شائع ہوتا ہے اس میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ اسلام میں فلاں نقص ہے اور فلاں خرابی ہے۔ لیکن کل اسلام کو ایسا غلبہ حاصل ہو کہ یورپ کے رہنے والے اپنی کتابوں میں یہ لکھیں کہ اسلام میں فلاں بات بہت اعلیٰ ہے مگر عیسائیت اس سے بالکل خالی... آج کا مغرب زدہ مسلمان یورپ کی ڈیماکریسی کو دیکھ کر کہتا ہے کہ قرآن سے بھی کچھ کچھ ایسے اصول ثابت ہوتے ہیں اور یہ خوبی ہمارے اندر بھی پائی جاتی ہے۔ یہ اپالوجی (Apalogy) ہے جو آج کا مسلمان پیش کر رہا ہے اور یہ اسلام کے لئے فخر کا دن نہیں۔ اسلام کے لئے فخر کا دن وہ ہو گا جب یورپ اور امریکہ میں یہ کہا جائے گا کہ یہ اسلامی پردہ جو مسلمان پیش کرتے ہیں اس کی کچھ کچھ انجیل سے بھی تائید ہوتی ہے اور ہمارے مسیح نے بھی جو فلاں بات کہی ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کا پردہ ہونا چاہئے اسلام کے لئے فخر کا دن وہ ہو گا جب یورپ اور امریکہ کا عیسائی اپنی تقریروں میں یہ کہے گا کہ کثرت ازدواج کا مسئلہ جو مسلمان پیش کرتے ہیں بے شک یہ بڑا اچھا مسئلہ ہے اور عیسائیوں نے کسی زمانہ میں اس کے خلاف بھی کہا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے پوری طرح غور نہیں کیا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ عیسائیت کے وہ بزرگ جو پہلی صدی میں گذرے ہیں انہوں نے بھی دو دو تین تین شادیاں کی ہیں۔ پس کثرت ازدواج کی خوبی صرف اسلام میں ہی نہیں بلکہ عیسائیت میں بھی پائی جاتی ہے۔ جس دن یورپ اور امریکہ کے گرجوں میں کھڑا ہو کر ایک پادری اپنے مذہب کی اس رنگ میں خوبیاں بیان کرے گا وہ دن ہو گا جب ہم کہیں گے کہ آج اسلام دنیا پر غالب آگیا اب ہمیں اپالوجی (Apalogy) کی ضرورت نہیں۔ اب دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ خوبیاں

ان کے اندر بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ ہو گا اسلام کا غلبہ اور یہ ہو گا محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا دن۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا دن وہ ہو گا جب دو ارب چالیس کروڑ کی دنیا میں چالیس کروڑ مسلمان نہیں ہو گا بلکہ دو ارب مسلمان ہو گا اور چالیس کروڑ غیر مذاہب کا پیرو ہو گا"۔

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (پارہ ۲۸ سورۃ الصف: ۱۰) خدا ہی ہے جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں بھیجا ہے ہدایت دے کر۔ دین حق دے کر (لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ تاکہ وہ سارے دینوں پر اسے غالب کرے سارے ملکوں پر نہیں کیونکہ ملکوں پر قبضہ کرلینا کوئی بڑی بات نہیں۔ بڑی بات یہی ہے کہ دلوں پر قبضہ ہو... دلوں کو بدل دینا اور ان کو فتح کرلینا یہ بڑی بات ہے۔ فرض کرو پاکستان کسی وقت اتنی طاقت پکڑ جائے کہ وہ حملہ کرے اور سارے امریکہ کو فتح کرلے اور امریکہ کے لوگ ہمیں ٹیکس دینے لگ جائیں لیکن امریکہ کا آدمی اسلام اور قرآن پر لعنتیں ڈالتا ہو تو یہ بڑی فتح ہو گی یا امریکہ آزاد رہے لیکن امریکہ کے ہر گھر میں رات کو محمد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیج کر سونے والے لوگ پیدا ہو جائیں تو یہ بڑی فتح ہو گی"۔ [۱۷]

چوتھا امتیاز احمدیت کو جدید مسلم تحریکات کے مقابل چوتھی امتیازی خصوصیت یہ حاصل ہے کہ جماعت احمدیہ کا یہ عظیم الشان نصب العین محض تخیل پرستی کا کرشمہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی ان بھاری بشارتوں اور پیشگوئیوں کے مطابق ہے جو بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی ان رقت آمیز دعاؤں اور پرسوز التجاؤں کے نتیجہ میں بتائی گئیں کہ ۔

اس دیں کی شان و شوکت یا رب مجھے دکھا دے
سب جھوٹے دیں مٹا دے میری دعا یہی ہے

میرے آنسو اس غم دل سوز سے تھمتے نہیں
دیں کا گھر ویراں ہے اور دنیا کے ہیں عالی منار

چنانچہ آپ کو عرش سے اسلام کی ترقی اور سربلندی کی خبریں دیتے ہوئے بتایا گیا کہ:

"قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام۔ سب حربے ٹوٹ جائیں گے۔ مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا نہ کند ہو گا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کردے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس

کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی۔ اس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا۔ لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے۔ بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے۔ تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی"۔ [۱۸]

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر الہاماً یہ بھی انکشاف فرمایا گیا کہ اسلام کا یہ عالمگیر غلبہ تین سو سال میں مقدر ہے۔ [۱۹] حضور اقدسؑ کے خلاف اشتعال انگیزی کے خطرناک طوفان اٹھائے گئے بلکہ انگریزی حکومت سے یہاں تک کہا گیا کہ:

"گورنمنٹ کو اس کا اعتبار کرنا مناسب نہیں... ورنہ اس مہدی قادیانی سے اس قدر نقصان پہنچنے کا احتمال ہے جو مہدی سوڈانی سے نہیں پہنچا"۔ [۲۰]

مگر حضور نے اس آتشیں فضا میں بھی ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان فرمایا کہ خدا تعالیٰ میرے ذریعہ سے اسلام کی عالمگیر حکومت قائم فرمانا چاہتا ہے اور اس نے مجھے وہ بادشاہ بھی دکھائے ہیں جو میرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے اور اسلام کی عظمتوں کا نشان بنیں گے [۲۱]۔ نظام کفر میں نظام حق کا یہ نعرہ اولو العزمی، جانبازی اور اسلامی حمیت و غیرت کا اتنا شاندار مظاہرہ ہے کہ مسلمانوں کا وہ اہل قلم طبقہ جسے احمدیت سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے اس کی جلالت شان کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ چنانچہ لکھا ہے:

"مرزا صاحب نے تقدس کی دکان ابتداء محض شکم پروری کے لئے کھولی تھی۔ لیکن ترقی کر کے سلطنت پر فائز ہونے کا لائحہ عمل بھی شروع سے ان کے پیش نظر تھا اور انہیں آغاز کار سے اس مطلب کے الہام بھی ہوا کرتے تھے چنانچہ... مرزا صاحب کا پہلا الہام جو ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء میں ہوا یہ تھا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے... خود مرزا صاحب نے نہ صرف اس الہام کا بڑے طمطراق سے براہین میں تذکرہ فرمایا بلکہ عالم کشف میں وہ بادشاہ بھی مرزا صاحب کی "مقدس بارگاہ" میں پیش کر دیئے گئے جو ان کے بیان کے بموجب ان کے پیرو ہونے والے تھے۔ گو بادشاہوں کی متابعت کا کشف یا خواب کبھی پورا نہ ہوا، لیکن اس سے کم سے کم قادیانی صاحب کی ذہنی کیفیت، ان کے خیالات کی بلند پروازی اور ان کی اولوالعزمی کا ضرور پتہ چلتا ہے اور اس سے یہ بھی متبادر ہوتا ہے کہ قیام سلطنت کے اصل داعی و محرک مرزا صاحب ہی تھے۔ آخر کیوں نہ ہوتا قوم کے مغل تھے اور رگوں میں تیموری خون دوڑ رہا تھا۔ میرے خیال میں مرزا صاحب نے قیام سلطنت کی جن آرزوؤں کو اپنے دل میں پرورش کیا تھا وہ قابل صد ہزار تحسین تھیں"۔ [۲۲]

جماعت احمدیہ اپنی اس خوش بختی پر جس قدر ناز کرے کم ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس نے اپنے قیام کے روز اول ہی سے عالمگیر اسلامی حکومت کے قیام کے متعلق اپنے نصب العین کو ایک لمحہ او جھل نہیں ہونے دیا۔ بالخصوص انگریزی دور حکومت میں تو اس نے یہ نعرہ حق بلند کرنے میں ہمیشہ ہی ایک پاکباز مومن اور جانباز مجاہد کی طرح اعلان عام کیا کہ:

"ہم نے تو کبھی یہ بات نہیں چھپائی کہ ہم دنیا میں اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں بلکہ ہم کھلے طور پر کہتے ہیں کہ ہم اسلامی حکومت دنیا پر قائم کر کے رہیں گے"۔ [۲۲]

ہاں حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ساتھ ہی یہ تصریح بھی فرماتے رہے کہ "ہم جس چیز کا انکار کرتے ہیں وہ یہ کہ تلوار اور فتنہ و فساد کے زور سے ہم اسلامی حکومت قائم نہیں کریں گے بلکہ دلوں کو فتح کر کے اسلامی حکومت قائم کریں گے۔ کیا کوئی خیال کر سکتا ہے کہ اگر آج میرے بس میں یہ ہو کہ میں انگلستان کے تمام لوگوں کو مسلمان بنا دوں۔ وہاں کے وزراء کو اسلام میں داخل کر دوں اور پارلیمنٹ کے ممبروں کو بھی مسلمان بنا کر وہاں اسلامی حکومت قائم کر دوں تو میں اپنے اس اختیار سے کام لینے سے انکار کروں گا؟ میں تو ایک منٹ کی بھی دیر نہیں لگاؤں گا اور کوشش کروں گا کہ فوراً ان لوگوں کو مسلمان بنا کر انگلستان میں اسلامی حکومت قائم کر دوں۔ لیکن یہ چونکہ میرے بس کی بات نہیں اس لئے میں کر نہیں سکتا۔ ورنہ میں اس بات سے انکار تو نہیں کرتا کہ میرے دل میں یہ خیال ہے اور یقیناً میرے دل کی یہ خواہش ہے کہ ہمارے بادشاہ بھی مسلمان ہو جائیں' وزراء بھی مسلمان ہو جائیں' پارلیمنٹ کے ممبر بھی مسلمان ہو جائیں اور برطانیہ کے تمام باشندے بھی مسلمان ہو جائیں اس میں اگر دیر ہے تو اس لئے نہیں کہ میری یہ خواہش نہیں کہ وہ مسلمان ہوں بلکہ اس لئے دیر ہے کہ ان کو مسلمان کرنا میرے اختیار میں نہیں اور اس وجہ سے وہاں اسلامی حکومت قائم نہیں کی جا سکتی ورنہ اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے میرے دل میں تو اتنی زبردست خواہش ہے کہ اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں لگا سکتا۔ اور اپنی اس خواہش کا میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ اور اگر میں انکار کروں اور میرے دل میں اسلامی حکومت کے قائم کرنے کی خواہش نہ ہو تو اسلام کے احکام کے وہ حصے کس طرح پورے ہو سکتے ہیں جن کے لئے ایک نظام کی ضرورت ہے۔ کیا کوئی شخص پسند کرے گا کہ اس کا گھر ادھورا رہے۔ اگر کوئی شخص اپنے مکان کے متعلق پسند نہیں کرتا کہ وہ ادھورا رہے تو خدا تعالیٰ کے گھر کے متعلق وہ یہ امر کب پسند کرے گا؟ اس میں کیا شک ہے کہ جب تک دنیا مسلمان نہیں ہو جاتی اس وقت تک اسلام کی عمارت کانی رہتی ہے اور اپنی عمارت کا کانا ہونا کون پسند کر سکتا ہے۔ جب ہر شخص اپنی عمارت کو مکمل دیکھنا چاہتا ہے تو کب کوئی عقلمند ہم سے یہ امید رکھ سکتا ہے کہ ہم

اسلام کی عمارت کو کانا رکھنا پسند کریں گے۔ اگر انگریز عیسائی ہی رہیں' ہندو ہندو ہی رہیں تو اسلامی حکومت دنیا میں قائم نہیں ہو سکتی۔ ہاں اس کے قائم کرنے کا ایک ہی طریق ہے اور اس طریق کے ذریعہ ہی دنیا میں ہمیشہ کام ہوا کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص کانا ہو اور وہ کسی دوسرے سوجاکھے کی آنکھ نکال کر اپنے کانا پن کو دور کرنا چاہے تو سارے لوگ اسے بے وقوف سمجھیں گے کیونکہ دوسرے کی آنکھ نکال کر اس کا کانا پن دُور نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی بیوقوف یہ سمجھے کہ چند انگریزوں کو مار کر یا فتنہ و فساد پیدا کر کے وہ اسلامی حکومت قائم کر سکے گا تو وہ حماقت کا ارتکاب کرتا ہے"۔

"پس یہ طریق بالکل نادرست ہے اور میں ہمیشہ اس کی مخالفت کرتا رہا ہوں لیکن جائز اور پرامن طریق سے اسلامی حکومت قائم کرنا ہماری دلی خواہش ہے اور میں سمجھتا ہوں ہم میں سے ہر ایک کے دل میں یہ آگ ہونی چاہئے کہ ہم موجودہ طرز حکومت کی بجائے حکومت اسلامی قائم کریں۔ یہ طبعی خواہش ہے اور میرے دل میں ہر وقت موجود رہتی ہے۔ ہاں میرے اور عام لوگوں کے ذرائع میں اختلاف ہے۔ میں اسلامی حکومت کے قیام کے لئے تبلیغی اور پرامن ذرائع اختیار کرتا ہوں اور وہ کہتے ہیں کہ اس کے قائم کرنے کا طریق مار پیٹ اور جبرو تشدد ہے۔ بہر حال یہ خواہش یقیناً ایک دن پوری ہو گی دنیا کی مخالفتیں اور دشمنوں کی روکیں مل کر بھی اس میں حائل نہیں ہو سکتیں"۔

"جس چیز کا خدا تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے وہ آخر ہو کر رہے گی۔ چاہے اس پر عیسائی برا منائیں' چاہے موسائی برا منائیں' چاہے سکھ برا منائیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی قضا ہے کہ دنیا میں اسلامی حکومت قائم کی جائے گی اور جو چیز ایک دن ہونے والی ہو اسے ہم نے چھپانا کیا ہے اور اس پر اگر کوئی برا مناتا ہے تو ہم اس کا علاج کیا کر سکتے ہیں"۔ [۲۴]

اس بصیرت افروز بیان میں اسلامی حکومت کے عالمگیر قیام کے لئے اگرچہ دو اصولی ذرائع کا ذکر کیا گیا ہے (۱) تبلیغ (۲) دیگر آئینی ذرائع لیکن حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک عالمگیر اسلامی حکومت کے قیام کا تعلق ہے جماعت احمدیہ کے نزدیک تبلیغ کو ابتداء ہی سے اولیت حاصل رہی ہے۔

چنانچہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے وقت کے تقاضے کے عین مطابق ہر مسلمان کو پوری قوت سے کفر کا علمی مقابلہ کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

"ہر ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اس زمانہ کے درمیان جو فتنہ اسلام پر پڑا ہوا ہے اس کے دور کرنے میں کچھ حصہ لے۔ بڑی عبادت یہی ہے کہ اس فتنے کو دور کرنے میں کچھ نہ کچھ حصہ لے۔ اس وقت جو بدیاں اور گستاخیاں پھیلی ہوئی ہیں چاہئے کہ اپنی تقریر اور علم کے ذریعہ سے اور ہر ایک قوت کے ساتھ جو اس کو دی گئی ہے مخلصانہ کوشش کے ساتھ ان باتوں کو دنیا سے اٹھا دے"۔ [۲۵]

حضور نے اپنی جماعت کو بالخصوص یہ نصیحت فرمائی کہ:

"یہ مقام دارالحرب ہے پادریوں کے مقابلہ میں۔ اس لئے ہم کو چاہئے کہ ہم ہرگز بے کار نہ بیٹھیں۔ مگر یاد رکھو کہ ہماری حرب ان کے ہم رنگ ہو جس قسم کے ہتھیار لے کر میدان میں وہ آئے ہیں اسی طرز کے ہتھیار ہم کو لے کر نکلنا چاہئے اور وہ ہتھیار ہے قلم۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کا نام سلطان القلم رکھا اور میرے قلم کو ذوالفقار علی فرمایا۔ اس میں یہی سر ہے کہ یہ زمانہ جنگ و جدل کا نہیں ہے بلکہ قلم کا زمانہ ہے۔ پھر جب یہ بات ہے تو یاد رکھو کہ حقائق اور معارف کے دروازوں کے کھلنے کے لئے ضرورت ہے تقویٰ کی۔ اس لئے تقویٰ اختیار کرو"۔ "فتح اسی کو ملتی ہے جس سے خدا خوش ہو۔ اس لئے ضروری امر یہ ہے کہ ہم اپنے اخلاق اور اعمال میں ترقی کریں اور تقویٰ اختیار کریں تاکہ خدا تعالیٰ کی نصرت اور محبت کا فیض ہمیں ملے۔ پھر خدا کی مدد کو لے کر ہمارا فرض ہے اور ہر ایک ہم میں سے جو کچھ کر سکتا ہے۔ اس کو لازم ہے کہ وہ ان حملوں کے جواب دینے میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ ہاں جواب دیتے وقت نیت یہی ہو کہ خدا تعالیٰ کا جلال ظاہر ہو"۔ [26]

تقویٰ، اخلاص اور ایمان کی چمکتی ہوئی تلواروں کے ساتھ دشمنان اسلام کے خلاف قلمی و لسانی جہاد۔ یہی آپ کی پوری دعوت کا لب لباب اور خلاصہ تھا اور یہی اس اسلامی عمارت کی بنیاد تھی جسے دنیا بھر میں تعمیر کرنے کے لئے آپ اس جہان میں تشریف لائے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی زندگی میں اپنے مشن کی تکمیل میں کتنی شاندار کامیابی ہوئی اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگ سکتا ہے کہ تحریک احمدیت کے قیام سے صرف پانچ برس بعد ۱۸۹۴ء میں پادریوں کی ایک عالمی کانفرنس کے سامنے لارڈ بشپ آف گلوسٹر ریورنڈ چارلس جان ایلی کوٹ نے نہایت درجہ گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا کہ:

"اسلام میں ایک نئی حرکت کے آثار نمایاں ہیں۔ مجھے ان لوگوں نے جو صاحب تجربہ ہیں بتایا ہے کہ ہندوستان کی برطانوی مملکت میں ایک نئی طرز کا اسلام ہمارے سامنے آرہا ہے اور اس جزیرے میں بھی کہیں کہیں اس کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں... یہ ان بدعات کا سخت مخالف ہے جن کی بناء پر محمدؐ کا مذہب ہماری نگاہ میں قابل نفرین قرار پاتا ہے۔ اس نئے اسلام کی وجہ سے محمدؐ کو پھر وہی پہلی سی عظمت حاصل ہوتی جارہی ہے یہ نئے تغیرات با آسانی شناخت کئے جاسکتے ہیں۔ پھر یہ نیا اسلام اپنی نوعیت میں مدافعانہ ہی نہیں بلکہ جارحانہ حیثیت کا بھی حامل ہے افسوس ہے تو اس بات کا کہ ہم میں سے بعض کے ذہن اس کی طرف مائل ہو رہے ہیں"۔ [27]

یہ تو آپ کی زندگی کا واقعہ ہے آپ کی وفات کے بعد (متحدہ) ہندوستان کے بڑے بڑے مذہبی اور

سیاسی لیڈروں نے آپ کے مجاہدانہ کارناموں کو خراج عقیدت پیش کیا اور غیر مذاہب پر آپ کی نمایاں کامیابی کا واضح لفظوں میں اقرار کیا۔ چنانچہ مولانا ابو الکلام آزاد نے (جو بعد کو امام الہند سے موسوم ہوئے) لکھا:

"مرزا صاحب کی اس رحلت نے ان کے بعض دعاوی اور معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا۔ کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔ ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے تاکہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پائمال بنائے رکھا آئندہ بھی جاری رہے"۔

"اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے ابتدائی اثر کے پرخچے اڑائے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اڑنے لگا"۔

"غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا"۔ "مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ میں حکم و عدل ہوں... لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان مختلف مذاہب کے مقابل پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی ان میں مخصوص قابلیت تھی"۔ [۲۸]

خلافت اولیٰ کے زمانہ میں کاروان احمدیت اور آگے بڑھا اور مسلمانوں کے مختلف عناصر کو محسوس ہونے لگا کہ اسلام کی آئندہ ترقی جماعت احمدیہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ چنانچہ امرتسر کے ایک نامور جرنلسٹ (مسٹر محمد اسلم) محض اس خیال کا اندازہ لگانے کے لئے قادیان پہنچے۔ سیدنا نور الدینؓ کے درس سے فیض یاب ہونے کے علاوہ جماعت احمدیہ کے افراد کا قریب سے مطالعہ کیا اور پھر واپس آکر ایک طویل مضمون میں اپنے تاثرات قلمبند کئے جن میں لکھا کہ:

"عالم اسلام کی خطرناک تباہ انگیزیوں نے مجھے اس اصول پر قادیان جانے پر مجبور کیا کہ احمدی جماعت جو بہت عرصہ سے یہ دعویٰ کر رہی ہے کہ وہ دنیا کو تحریری و تقریری جنگ سے مغلوب کر کے

اسلام کا حلقہ بگوش بنائے گی آیا وہ ایسا کرنے کی اہلیت رکھتی ہے؟"

مسٹر اسلم نے قادیان میں جا کر کیا دیکھا اس کی تفصیل میں انہوں نے بتایا کہ:

"جو کچھ میں نے احمدی قادیان میں جا کر دیکھا وہ خالص اور بے ریاء توحید پرستی تھی اور جس طرف نظر اٹھتی تھی قرآن ہی قرآن نظر آتا تھا- غرض قادیان کی احمدی جماعت کو عملی صورت میں اپنے اس دعویٰ میں کہیں بڑی حد تک سچا ہی سچا پایا کہ وہ دنیا میں اسلام کو پرامن صلح کے طریقوں سے تبلیغ و اشاعت کے ذریعے ترقی دینے کے اہل ہیں اور وہ ایسی جماعت ہے جو دنیا میں عموماً قرآن مجید کے خالصتاً للہ پیرو ہیں اور اسلام کی فدائی ہے اور اگر تمام دنیا اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمان یورپ میں اشاعت اسلام کے ان اداروں کی عملاً مدد کریں تو یقیناً یورپ آفتاب اسلام کی نورانی شعاعوں سے منور ہو جائے گا اور اس خونخوار مسیحیت کو جو اپنے مادہ پرست نام لیواؤں کی بوالہوسی کو پورا کرنے کی خاطر اسلامی ممالک تاخت و تاراج کرنے اور اسلام کا نام دنیا سے مٹانے پر تلی پڑی ہے اس طریقے سے شکست فاش ہوگی"۔ [۲۹] سیدنا حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد موجودہ امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ الودود سریر آرائے خلافت ہوئے تو اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا ایک عالمگیر نظام قائم ہو گیا اور اب امریکہ' یورپ' افریقہ' آسٹریلیا اور ایشیا غرضیکہ سبھی براعظموں میں حکومت اسلامی کی روحانی بنیادیں نہایت سبک رفتاری سے ابھر رہی ہیں- دوسری جانب عیسائیت کے تعمیر کردہ آہنی قلعے ایک ایک کر کے مسمار ہو رہے ہیں جن کا اقرار خود عیسائی مشنوں کو ہے اور وہ اپنی شکست کے آثار دیکھ کر ہر طرف عجیب سراسیمگی' اضطراب اور وحشت کا اظہار کر رہے ہیں- چند تاثرات ملاحظہ ہوں:

افریقہ (مشہور پادری ڈاکٹر زویمر)

"مسلمانوں کے قدیم فرقے جو یورپین قوموں سے کھلے جنگ کے حامی تھے ایک ایک کر کے میدان سے ہٹ گئے ہیں اور ان کی جگہ اب فرقہ احمدیہ لے رہا ہے جس نے لیگوس' نائیجیریا اور مغربی افریقہ کے مرکز سے تمام فرانسیسی مغربی افریقہ پر اثر جما لیا ہے"۔ [۳۰]

سیرالیون میں امریکن مشن کے پادری مسٹر ویورڈ گار نے لکھا:

"جماعت احمدیہ کے ذریعہ سے جو اسلامی کمک یہاں پہنچی ہے اس سے روکوپور کے نواحی علاقہ میں اس جماعت کی مضبوط مورچہ بندی ہو گئی ہے اور اب عیسائیت کے مقابلہ میں تمام تر کامیابی اسلام کو نصیب ہو رہی ہے- مثال کے طور پر اس مقابلہ کی صف آرائی کے نتیجہ میں تھوڑا عرصہ ہوا "شہر کامیہ میں امریکن عیسائی مشن بند کرنا پڑا"۔ [۳۱]

ایس - جی - ولیم سن (S. G. WILLIAMSON)

"گولڈ کوسٹ کے شمالی علاقوں میں بڑے بڑے چرچ رومن کیتھولک چرچ کے سوا اب تک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پیرووں کے لئے میدان خالی کر چکے ہیں۔ گولڈ کوسٹ پرسن بائی ٹیرین چرچ اب شمال کی جانب کھسکنا شروع ہو گئے ہیں۔ اشانٹی اور گولڈ کوسٹ کے جنوبی حصوں میں عیسائیت اب تک نفع میں ہے۔ لیکن جنوب کے بعض حصوں میں خاص کر ساحل کے ساتھ ساتھ تحریک احمدیت بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کر رہی ہے۔ گولڈ کوسٹ کے متعلق جو عام طور پر یہ امید تھی کہ یہ علاقہ جلدی عیسائیت قبول کر لے گا۔ اب یہ امید جتنا کہ ہم خیال کرتے ہیں اس سے بھی زیادہ خطرہ میں ہے۔ ڈاکٹر پیرنڈر کہتے ہیں کہ جنوب میں بت پرستی مر رہی ہے اور اسلام بڑھ رہا ہے اور اکثریت حاصل کر رہا ہے"۔ [۲۲]

اس ضمن میں بالخصوص افریقہ میں جماعت احمدیہ کی کامیاب تبلیغی مساعی کے متعلق امریکہ کے اخبار لائف کی یہ تازہ شہادت ہے کہ:

"حال ہی میں کچھ عرصہ قبل دنیا میں تبلیغ اسلام کی کوئی منظم تحریک موجود نہ تھی۔ مسلمانوں میں خدا اور بندے کے درمیان کسی اور کو واسطہ تسلیم نہ کرنے کے شدید جذبہ کی وجہ سے اسلام میں پاپائیت کبھی سر نہ اٹھا سکی۔ ہر مسلمان اپنے انفرادی ایمان کی بدولت اپنی ذات میں اسلام کے ایک مبلغ کی حیثیت رکھتا تھا تاہم اسلام خود اپنے جذبہ تفاخر کا اس رنگ میں شکار ہوتا رہا کہ اس نے دوسرے معتقدات کی تحقیر میں نئے اور عجمی افکار و نظریات کے ساتھ علاقہ پیدا کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ لیکن موجودہ زمانے میں اب مسلمانوں کے اندر ایسے آثار ظاہر ہوئے ہیں کہ جن سے ایک نئے رجحان کی نشاندہی ہوتی ہے اور وہ رجحان یہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی اب عیسائیوں کی تبلیغی تنظیم اور ان کے فنکارانہ اسلوب میں دلچسپی لینی شروع کر دی ہے... حتیٰ کہ قاہرہ کی الازہر یونیورسٹی بھی جسے اسلام کے ایک علمی مرکز کی حیثیت حاصل ہے اور جو مغربی اثرات کا شدت سے مقابلہ کرتی رہی ہے۔ اب ہر سال بعض طلبہ کو اس غرض سے تیار کرتی ہے کہ وہ اسلام کی تبلیغ کا فریضہ ادا کر سکیں۔ مزید برآں اسلام کے بعض دوسرے فرقوں میں بھی زندگی اور قوت کے آثار روز بروز نمایاں ہو رہے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ پیش پیش ایک نیا فرقہ ہے جو جماعت احمدیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا صدر مقام پاکستان میں ہے اور یورپ' افریقہ' امریکہ اور مشرق بعید کے ممالک میں اس کے باقاعدہ تبلیغی مشن قائم ہیں... احمدیت کی تحریک گذشتہ نصف صدی کے اندر اندر ہندوستان میں معرض وجود میں آئی۔ بعض دوسرے اسلامی فرقوں کی طرح اس کی ابتداء بھی غیر

معمولی حالات میں ہوئی - ۱۸۹۰ء میں (حضرت) مرزا غلام احمد نامی ایک مصلح نے پنجاب میں قادیان کے مقام پر صاحب الہام ہونے کا دعویٰ کیا - اور کہا کہ خدا تعالیٰ نے نئے زمانہ کی ضرورت کے مطابق اسلامی تعلیمات کے نئے نئے معارف ان پر کھولے ہیں - انہوں نے اس امر پر بھی زور دیا کہ ان کی بعثت کی خبر بائیبل اور قرآن دونوں میں موجود ہے - انہوں نے مسیح اور مہدی ہونے کا بھی اعلان کیا اور اس کے ثبوت میں اس امر کو خاص طور پر دنیا کے سامنے رکھا کہ خود ان میں اور مسیح میں خوبو اور اوصاف کے لحاظ سے مماثلت پائی جاتی ہے - گو بعد میں انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ بلحاظ مرتبہ مسیح سے افضل ہیں ... ان کی تعلیم نرمی اور آزاد خیالی پر مبنی تھی - انہوں نے تعلیم دی کہ اسلام جہاد کے ذریعہ نہیں بلکہ اپنی باطنی خوبیوں کے ذریعہ دنیا میں پھیلے گا اور تلوار نہیں بلکہ خالصتاً تبلیغی جدوجہد اس کی اشاعت کا ذریعہ بنے گی" -

"۱۹۰۸ء میں مرزا غلام احمد کی وفات کے بعد ان کے ماننے والے دو گروہوں میں بٹ گئے - [۲۲] ان میں سے اصل گروہ جو ابتداء "معرض وجود میں آیا تھا قادیانی کہلاتا ہے اور ان کے دعویٰ ماموریت پر ایمان رکھتا ہے - علیحدہ ہونے والے گروہ نے جو اس خیال کا حامی نہیں تھا [۲۳] لاہور میں اشاعت اسلام کے نام سے ایک انجمن قائم کر لی ہے - آج کل دونوں جماعتیں دنیا بھر میں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرنے میں مصروف ہیں - قادیانی جماعت کا جس نے افریقہ کو خاص طور پر اپنی توجہ اور جدوجہد کا مرکز بنا رکھا ہے دعویٰ ہے کہ وہ اب تک وہاں ساٹھ ہزار حبشی باشندوں کو اسلام میں داخل کر چکی ہے -

دنیا میں جہاں کہیں بھی رنگ اور نسل کے بارے میں سفید فام اقوام کے تعصبات انسانی برادری سے متعلق مسیح کی تعلیم کو پس پشت ڈال کر اس کی تردید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہاں اب (عیسائیت کی جگہ) اسلام پھیل رہا ہے -

دین عیسوی اور دین موسوی کی طرح اسلام کا آغاز بھی بحیرہ روم کے جنوب مشرقی کونے میں سامی النسل لوگوں کے درمیان ہی ہوا تھا - چنانچہ یوروشلم کی قدیم پہاڑی جو ساتویں صدی عیسوی کے زمانہ سے مسلمانوں کے لئے ایک متبرک عبادت گاہ کا درجہ رکھتی ہے عیسائیت کے نمودار ہونے سے قبل یہودیوں کے لئے بھی اسی طرح متبرک تھی اور وہ وہاں اپنے جانوروں کی قربانی دیتے تھے - اگرچہ مسلمانوں نے خود اس غرض کے لئے اس جگہ کو کبھی استعمال نہیں کیا لیکن آج دنیا میں مسلمانوں کی آبادی مختلف رنگ اور نسل کے لوگوں پر مشتمل ہے اور اس کی ایک بھاری اکثریت سامی نسل کے علاوہ کلیتہ دوسرے نسلی گروہوں سے تعلق رکھتی ہے - ان میں سے تین چوتھائی کے قریب ایشیا میں آباد ہے اور باقی کا اکثر حصہ افریقہ میں پھیلا ہوا ہے - جہاں لاکھوں لاکھ حبشی باشندے جن کی تعداد وہاں

کی اصل آبادی کے پانچویں حصہ کے برابر ہو گی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ بعض علاقوں میں جہاں آج کل عیسائی مشنری اور مسلمان مبلغ ایک دوسرے کے بالمقابل اپنے اپنے مذہب کی اشاعت میں مصروف ہیں حالت یہ ہے کہ عیسائیت قبول کرنے والے ایک شخص کے مقابلے میں دس حبشی اسلام قبول کرتے ہیں۔

یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مغربی افریقہ میں اب اسلام کو واضح طور پر حبشیوں کا مذہب قرار دیا جاتا ہے جبکہ عیسائیت وہاں صرف سفید فام لوگوں کا مذہب بن کر رہ گئی ہے"۔ [۲۵]

امریکہ امریکہ میں احمدیہ مشن قائم ہوئے صرف پینتیس سال ہوئے ہیں مگر اس مختصری مدت میں خدا تعالیٰ نے اسلام کو جو غیر معمولی قبولیت بخشی ہے اس کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ ملک کے اداروں، یونیورسٹیوں، کالجوں اور لائبریریوں میں اسلام کے عام چرچے ہیں۔ بلکہ اب تو حکومت کی طرف سے پچھلے دنوں ملک میں باقاعدہ ایک "اسلامی مرکز" بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ انقلاب عظیم اس لحاظ سے خدائی معجزہ کہلانے کا مستحق ہے کہ ۱۹۲۰ء میں اسلام کے پہلے امریکی مبلغ حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ کے داخلہ پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ اسلام امریکہ میں ضرور داخل ہو گا کیونکہ امریکی حکومت خدائی حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ [۲۶]

امریکہ میں احمدیت کے ذریعہ سے اسلام کے اثر و نفوذ کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ پاکستان میں امریکی سفارت خانے کے مشہور ترجمان "پندرھا" نے جنوری ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں یہ انکشاف کیا کہ جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں ایک ہزار امریکن حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔ [۲۷]

یورپ یورپ میں احمدیت کے جانباز مجاہد کس بے جگری سے اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہیں اس کا کسی قدر اندازہ ذیل کے اقتباس سے بخوبی لگ سکتا ہے۔ اخبار نیروبی ۵۔ جولائی ۱۹۴۸ء رقم طراز ہے: "جہاں تک مبشرین کی آمد و رفت کا تعلق ہے امام جماعت احمدیہ کے مبلغین نے ہوا کا رخ بالکل پھیر کر رکھ دیا ہے۔ پہلے عیسائی مشنری مغرب سے مشرق کی طرف آتے تھے اب مبلغین اسلام مشرق سے مغرب کی طرف جا رہے ہیں۔ اسلام کے یہ منادی آج کل یورپ میں اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کے وسیع انتظامات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ہمہ تن مصروف ہیں"۔

مصر کا اخبار الفتح (جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ) لکھتا ہے:

احمدیت ایک عظیم الشان تحریک ہے جس کے ممبروں نے اکناف عالم میں زر کثیر خرچ کر کے اپنی

دعوت کو مختلف زبانوں میں پہنچایا ہے اور یہ سلسلہ اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ آج ان کے مشن ایشیا' امریکہ وافریقہ میں قائم ہو چکے ہیں۔ اور چونکہ ان کے پاس حقائق اسلام اور اس کے احکام کا ایک بیش بہا ذخیرہ موجود ہے اس لئے تاثیر اور فلاح کے لحاظ سے نصاریٰ کی ترقی ان کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ جو شخص ان کے جلیل القدر کارناموں کو دیکھے گا وہ حیرت زدہ رہ جائے گا۔ کہ کس طرح اس چھوٹے سے فرقے نے وہ کام کر دکھایا ہے جس کو کروڑوں مسلمان کرنے پر قادر نہیں ہو سکے۔ (ترجمہ)[۳۸]

"برصغیر ہندوپاکستان کے ایک مسلم لیڈر جناب محی الدین غازی لکھتے ہیں:

"یورپ وامریکہ کی مذہب سے بیزار اور اسلام کی حریف دنیا میں علم تبلیغ بلند کرنے کی کسی عالم دین یا کسی علمی ادارے کو توفیق نہیں ہوئی۔ اگر علم تبلیغ ہاتھ میں لے کر اٹھا تو وہ یہی... قادیانی فرقہ تھا۔

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی کچھ ہوئے بھی تو یہی رند قدح خوار ہوئے

اس جماعت نے تبلیغی مقاصد کے لئے پہلے اسی سنگلاخ زمین کو چنا اور یورپ وامریکہ کا رخ کیا اور ان کے سامنے اسلام کو اصلی وسادہ صورت میں اور اس کے اصولوں کو ایسی قابل قبول شکل میں پیش کیا کہ ان ممالک کے ہزارہا افراد وخاندان دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا سماں آنکھوں میں پھر گیا"۔[۳۹]

افریقہ' امریکہ اور یورپ میں تبلیغ اسلام کی یہ مہم جتنی قوت سے جاری ہے۔ اتنی قوت سے ایشیا کے تمام ممالک میں بھی جاری ہے۔ اور ہر جگہ احمدیت اپنے حقیقی نصب العین کی طرف برق رفتاری سے بڑھتی جا رہی ہے اور لادینیت پسپا ہوتی جا رہی ہے۔ اس ضمن میں پاکستان کے ایک نامور ادیب شیخ محمد اکرام صاحب کے تاثرات قابل مطالعہ ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

"احمدی جماعت کے فروغ کی ایک وجہ ان کی تبلیغی کوششیں ہیں۔ مرزا صاحب اور ان کے معتقدوں کا عقیدہ ہے کہ اب جہاد بالسیف کا زمانہ نہیں۔ جہاد بالقلم کا زمانہ ہے ان کے عقیدہ سے عام مسلمانوں کو اختلاف ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جہاد بالسیف کی اہلیت نہ احمدیوں میں ہے اور نہ عام مسلمانوں میں۔ طاقت جلوہ سینا نہ تو داری و نہ من۔ عام مسلمان نہ تو جہاد بالسیف کے عقیدہ کا خیالی دم بھر کے نہ عملی جہاد کرتے ہیں نہ تبلیغی جہاد۔ لیکن احمدی... دوسرے جہاد یعنی تبلیغ کو فریضہ مذہبی سمجھتے ہیں۔ انہیں خاصی کامیابی حاصل ہوئی ہے"۔[۴۰]

تحریک احمدیت کی ان زبردست کوششوں کا نتیجہ ہے کہ وہ مسلمان جو اٹھارہویں صدی میں اپنی موت پر دستخط کئے ہوئے تھے خدا کے فضل سے اپنے اندر زندگی کی ایک برقی لہر محسوس کرتے ہوئے اعلان عام کر رہے ہیں کہ "یہ بیسویں صدی ہر جگہ مسلمانوں کے لئے نشاۃ ثانیہ کئے یا بیداری کا آغاز ہے"۔ [۵۱]

حواشی

۱۔ اشتہار تکمیل تبلیغ (۹۔جمادی الاول ۱۳۰۶ھ مطابق ۱۲۔جنوری ۱۸۸۹ء)

۲۔ یاد رہے پین اسلام ازم کی تحریک کا نظریہ السید جمال الدین افغانی نے اپنی زندگی کے آخری پانچ چھ سالوں میں پیش کیا تھا اور ان کی وفات ۱۸۹۷ء میں ہوئی تھی" (مقام جمال الدین افغانی" شائع کردہ نفیس اکیڈیمی کراچی نمبر ا طبع دوم صفحہ ۱۳۹ '۲۱۴)

۳۔ در منثور عن الحکیم الترمذی (کتاب) بیسر شرح جامع الصغیر مصری جلد اول صفحہ ۱۱۶ (الشیخ الامام الکامل عبد الرؤف المناوی رحمتہ اللہ علیہ)

۴۔ اخبار کوہستان لاہور ۳۰۔ ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۴

۵۔ ڈاکٹر اقبال کی "مثنوی پس چہ باید کرد" کی شرح مؤلفہ پروفیسر یوسف سلیم صاحب چشتی بحوالہ رسالہ خدام الدین ۱۷۔ جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۱۸)

۶۔ بحوالہ "رسالہ نگار" (بھارت) جنوری فروری ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۷ و صفحہ ۱۰

۷۔ The New world of Islam p:25-26 (New York Charles Ccribner Son-1921)

۸۔ ۱۸۸۲ء میں ولفرڈ سکاون بلنٹ (Wilfred Scawen Blunt) نے بھی کتاب "The Future of Islam" کے آخر میں مسلمانان عالم کے زوال کا ذکر کیا ہے۔

۹۔ بحوالہ "مجموعہ مکاتیب اقبال" صفحہ ۴۶۲ '۴۶۳ مرتبہ شیخ عطاء اللہ ایم۔اے شعبہ معاشیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (ناشر شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور)۔

۱۰۔ "آثار قیامت" صفحہ ۲ (مولفہ سید محمد عباس قمر زیدی الواسطی) شائع کردہ زیدی برادرس عیدگاہ روڈ کراچی طبع اول اگست ۱۹۵۴ء)

۱۱۔ "قادیانیت" صفحہ ۱۷ (مولانا سید ابو الحسن علی ندوی) مکتبہ دینیات ۴۳ شاہ عالم مارکیٹ لاہور طبع اول ۱۹۵۹ء

۱۲۔ قادیانیت صفحہ ۲۱۹

۱۳۔ "براہین احمدیہ" حصہ پنجم (مطبوعہ ۱۹۰۸ء) و "پیغام صلح" (مطبوعہ ۱۹۰۸ء)

۱۴۔ "مجموعہ مکاتیب اقبال" حصہ دوم صفحہ ۲۳۱

۱۵۔ "مقالات جمال الدین افغانی" (صفحہ ۲۱۰ تا ۲۱۵) شائع کردہ نفیس اکیڈیمی۔ بلاسس اسٹریٹ کراچی طبع دوم جون ۱۹۵۲ء مترجم سید مبارز الدین رفعت ایم اے۔

۱۶۔ "تعارف" صفحہ ۱۷ '۲۷ شائع کردہ حاجی کریم بخش شاہ ولی تاجران کتب انارکلی لاہور۔

۱۷۔ "چشمہ ہدایت" صفحہ ۴۳ '۴۴ ناشر جماعت احمدیہ حلقہ دہلی دروازہ لاہور (تقریر فرمودہ ۲۷۔دسمبر ۱۹۵۱ء)

۱۸۔ "الاشتہار مستیقنا بوحی اللہ القہار" ۱۴۔جنوری ۱۸۹۷ء صفحہ ۲۔ و تذکرہ طبع اول صفحہ ۲۸۶ (مجموعہ الہامات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

۱۹۔ تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۴ '۶۵ طبع اول اکتوبر ۱۹۰۳ء

۲۰۔ رسالہ اشاعت السنہ جلد ۶ صفحہ ۱۶۸

۲۱۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۹ (مجموعہ الہامات و کشوف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

۲۲۔ اخبار آزاد لاہور ۲۴۔نومبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲

۲۳۔ خطبہ حضرت امام جماعت احمدیہ فرمودہ ۱۳۔مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۳ بحوالہ الفضل ۱۸۔مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۳

۲۴۔ خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل ۱۸۔مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۳-۴

۲۵۔ ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام صفحہ ۳۷۶، ۳۷۷ شائع کردہ بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان طبع اول

۲۶۔ الحکم ۱۷۔جون ۱۹۰۱ء صفحہ ۲

۲۷۔ The official report of the conference of the anglicon communion 1894 page 64

۲۸۔ اخبار وکیل مئی ۱۹۰۸ء

۲۹۔ بدر ۱۳۔مارچ ۱۹۱۳ء (بحوالہ "تاثرات قادیان" طبع اول صفحہ ۱۴۰ مرتبہ جناب ملک فضل حسین صاحب مطبوعہ پرنٹنگ پریس لاہور دسمبر ۱۹۳۸ء)

۳۰۔ رسالہ مسلم ورلڈ (ترجمہ)

۳۱۔ اخبار ویسٹ افریقین فروری ۱۹۴۷ء۔

۳۲۔ Christ or Muhammed صفحہ ۳۔۴ ناشر Methodist Book Depot Capcoast مطبوعہ ۱۹۵۳ء پریس : The Comfield Press St. AlBans Great Britain

۳۳۔ جماعت احمدیہ میں اختلاف کا آغاز ۱۹۱۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح اول مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہوا تھا جبکہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے اور ان کے رفقاء نے مرکز و خلافت سے علیحدگی اختیار کر کے لاہور میں ایک نئی انجمن کی بنیاد ڈالی۔ (مرتب)

۳۴۔ حقیقت یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کا لاہوری فریق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مامور تو تسلیم کرتا ہے مگر آپ کے دعوئ نبوت کا قائل نہیں۔

۳۵۔ رسالہ لائف ۸۔اگست ۱۹۵۵ء

۳۶۔ الفضل ۱۵۔اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۱۲ (ترجمہ)

۳۷۔ ڈانا (جنوری ۵۲ء جلد ۳ نمبر ۲۰) کی اس خبر کا متن یہ تھا : "About 12,000 Muslims live in the United States, including 1,200 Pakistanis 10,000 from other Eastern countries, and 1,000 American Converts to Islam by Ahmdia"

۳۸۔ بحوالہ الفضل ۲۰۔دسمبر ۱۹۳۲ء

۳۹۔ "تاثرات" (مرتبہ اے آر انجم جرنلسٹ) مطبوعہ حیدر آباد سندھ۔۱۲۔اگست ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۷۔۱۸

۴۰۔ "موج کوثر" مرتبہ شیخ محمد اکرام بی اے صفحہ ۱۹۳، ۱۹۴ ناشر فیروز سنز لاہور طبع دوم ۱۹۵۸ء

۴۱۔ ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم مرحوم (۱۸۹۵ء-۱۹۵۹ء) ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ (پاکستان) کا ایک بیان مطبوعہ رسالہ "استقلال" لاہور ۱۰۔مارچ ۱۹۵۸ء صفحہ ۱۰

باب دوم

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندانی حالات

بانی سلسلہ احمدیہ جری اللہ فی حلل الانبیاء حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مشہور ایرانی قوم برلاس کے درخشندہ گوہر تھے اور آپ کا خاندان ایک شاہی خاندان تھا۔ جس کے فارسی قالب کو دست قدرت کی طرف سے اپنی نہاں در نہاں مصلحتوں سے ترکی، چینی اور فاطمی خون کا لطیف امتزاج بخشا گیا تھا۔ [1]

حضرت کا خاندان گو مغلیہ خاندان کہلاتا ہے مگر آپ پر الہاماً یہ انکشاف کیا گیا [2] کہ آپ دراصل فارسی النسل ہیں اور حدیث نبوی "**لو کان الایمان معلقا بالثریا لناله رجل او رجال من ھولاء**" [3] کے مصداق! یہ عجیب تصرف الٰہی ہے کہ اگرچہ حضور کی زندگی میں اس دعویٰ کا کوئی تاریخی ثبوت مہیا نہیں ہو سکا، مگر آپ کے انتقال پر ربع صدی گزرنے کے بعد متعدد ایسے انکشافات ہوئے [4] کہ آپ کا فارسی الاصل ہونا تاریخ کی روشنی میں بھی بالکل نمایاں ہو گیا۔ اس تحقیق میں گو ابھی مزید تحقیق و تفتیش کی کافی گنجائش ہے لیکن بہرحال موجودہ صورت میں بھی اصولی طور پر پانچ نقطہ ہائے نگاہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فارسی النسل ہونا بالبداہت ثابت ہے۔

اول: کتاب "پنجاب کا رواج زمیندارہ" (مطبوعہ ۱۸۳۹ء) میں لکھا ہے کہ "قادیان کا مغل برلاس خاندان زمیندارہ رواج کا نہیں بلکہ اسلامی شریعت کا پابند ہے"۔ اسی طرح بندوبست مال ۱۸۶۵ء کے کاغذات سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کا جو شجرہ نسب منسلک ہے اس میں (حضرت) مرزا غلام مرتضیٰ و مرزا غلام جیلانی و مرزا غلام محی الدین کے دستخطوں سے یہ نوٹ درج ہے کہ:

"عرصہ چودہ پشت کا گذرا کہ مرزا ہادی بیگ قوم مغل گوت برلاس مورث اعلیٰ مالکان دیہہ ... [5]

یہ دستاویزات بتاتی ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاندان برلاس کی نسل سے ہے۔[6] اور برلاس قوم کے متعلق ہیرلڈ لیم (HaroldLamb) ایسے مغربی محقق کی رائے یہ ہے کہ "وہ ایشیا کے سطح مرتفع کی.... ایک قوم تھی جسے گذشتہ زمانے میں ستھین کہتے تھے اور بعض ترک بھی بولتے تھے۔ مغلوں کے ساتھ وہ شمالی میدانوں سے آئے تھے اور اس زرخیر پہاڑی ملک میں آباد ہو گئے"۔[7]

اور انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا میں لکھا ہے۔ تمام سیتھین قوم ایرانی الاصل تھی۔

"The Entire Community Being of Iranian Originy"

[8] پس جب ستھین لوگ ایرانی تھے تو برلاس قوم کا ایرانی ہونا بھی خود بخود ثابت ہو گیا۔ برلاس قوم کے ایرانی ہونے کا علم الالسنہ کی رو سے ایک بھاری ثبوت یہ ملا ہے کہ جہاں قدیم منگولی اور ترکی لغات میں برلاس کا لفظ قریباً ناپید ہے وہاں فارسی لغات میں یہ لفظ بکثرت موجود ہے بلکہ عجیب تر بات یہ ہے کہ فارسی لغات نویسوں نے برلاس کے وہی معنی بتائے ہیں جن پر "فارس" کا عربی لفظ التزامی رنگ میں مستعمل ہے یعنی شجاع بالنسب۔[9] اس ضمن میں چند فارسی لغات نویسوں کے نام یہ ہیں۔ آئی آئی پی ڈیمیسنز [10] (I.I.P Desmaisons) ایف سٹین گاس (F. Stein gaos) شیخ ابوالفضل وغیرہ۔[11]

دوم: دوسرا نقطہ نگاہ جس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مردِ فارس ہونا پایہ ثبوت تک پہنچتا ہے یہ ہے کہ ہیرلڈ لیم [12] (Harold Lamb) اے ویمبرے [13] (A. Vambery) ایچ۔ جی ریورٹی [14] (H.G. Raverty) اور سر پرسی سائیکس [15] (Sir Percy Sykes) اور دوسرے مغربی مورخین نے تسلیم کیا ہے کہ امیر تیمور برلاس قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا باپ اس قبیلے کا رئیس تھا۔[16] اسی طرح "تزک تیموری" (Memoris of Tamur) میں تیمور کے باپ کی یہ دعا بھی لکھی ہے کہ خدایا مجھے ایسا فرزند عطا کر جو قبیلہ برلاس کی عزت و شہرت کو دوبالا کرنے والا ہو"۔

یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ صاحبقران تیمور برلاس خاندان ہی کا ایک فرد تھا (بلکہ جیسا کہ اس کے شجرہ نسب سے ثابت ہے وہ ایردم جی برلاس کی چھٹی پشت میں تھا اور حاجی برلاس مورث اعلیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حقیقی بھتیجا تھا) اب تیمور کے خاندانی کوائف پر باریک نگاہ ڈالی جائے تو وہ نسلاً خالص ایرانی معلوم ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ تیمور کے بعض سوانح نگاروں نے "مغل" لفظ کو ناواجب وسعت دیتے ہوئے اسے رشتہ کے اعتبار سے چنگیز خاں سے ملا دیا ہے۔ لیکن بالآخر خود مورخین

ہی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ یہ صریحاً جھوٹ بلکہ مفروضہ داستان ہے [17] جو مدت ہوئی باطل قرار دی جا چکی ہے۔ بلکہ انہیں یہ بھی مسلم ہے کہ چودھویں صدی میں تیمور کی فتوحات کے بعد اس کے خوشامدیوں نے تیموری شجرہ نسب کو چنگیز خاں سے منسلک کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔
ابن الیاس نے تاریخ رشیدی کے ترجمے کی تمہید میں لکھا ہے "لفظ مغل" کے معنی غلط سمجھے گئے ہیں اور بعض وقتوں میں اس قدر وسیع کر لئے گئے ہیں کہ بہت سی قومیں جو دراصل ترکی النسل ہیں مغل ہی سمجھ لی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگ جو دراصل مغل نہیں تھے وہ بھی مغل ہی مشہور ہو گئے۔ پہلے پہل چنگیز خاں اور اس کے جانشینوں کے زمانے میں اس کا رواج نظر آتا ہے۔ بعد ازاں ہندوستان میں چغتائیوں کے عروج کے زمانے میں جو عام طور پر مغل کہلاتے ہیں [18] "تیمور کے مغل خاندان سے نہ ہونے کی ایک زبردست شہادت یہ بھی ہے کہ تیمور نے جب مختلف قبائل کو تمغے دینے چاہے اور ان کے نام لئے تو برلاس کو مغل قبیلے سے الگ بیان کیا ہے۔ [19]

یہی نہیں تاریخ سے اس کا مغلوں کے خلاف یورش کرنا بھی ثابت ہے چنانچہ "تاریخ اقوام عالم" میں لکھا ہے۔ "تیمور... برلاس خاندان کا سردار تھا۔ تیمور نے گھڑ سوار ترکوں کا ایک لشکر جرار منظم کیا اور ترکستان کے چغتائی مغلوں کو اپنا مطیع بنانے کے بعد اس نے دشت قپچاق پر چڑھائی کی جس کے شمالی اضلاع میں اردوئے زریں والے مغل خان حکومت کر رہے تھے۔ مغلوں کا اردوئے زریں شمال کی طرف پسپا ہو گیا۔ تیمور نے ان کا تعاقب کیا۔ ان کے مرکز سرائے کو تاراج کیا اور دریائے والگا کے بالائی حصوں میں پہنچ کر انہیں شکست دی۔ تیموری لشکر روس کی سرزمین کو پامال کرتا ہوا ماسکو کے قریب سے گذرا۔ تیمور نے اس شہر سے تعرض نہ کیا کیونکہ وہ چنگیز خانی مغلوں کی طرح شہروں کو بلاوجہ تاراج کرنے کے حق میں نہ تھا"۔ [20]

بہرحال تیمور کو چنگیزی نسل سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے چنانچہ اس بارے میں محققین کی چند آراء یہ ہیں:

(۱) "سکرائن" (Skrine) اور "راس" (Ross) لکھتے ہیں۔ "تیمور کے پہلے مورخین اس کے شجرہ نسب چنگیز خاں کے ساتھ ملانے پر خاص خوشی کا اظہار کرتے تھے لیکن یہ محض ایک فسانہ ہے جس کا بھانڈا مدت سے چوراہے میں پھوٹ چکا ہے۔" [21]

(۲) میلکم کا کہنا ہے کہ "تیمور کے خوشامدی مورخوں نے اس کا نسب مغل بادشاہ کے ساتھ ملا دیا ہے" [22]

تیمور کو چنگیزی نسل سے منسلک کرنے والوں کے برعکس ایک گروہ لی آن کیہم

(Lean Cahum) اور اے ویمبرے (A.Vambery) سر ڈی راس (Sir D. Ross) بلکہ سکرائن بھی شامل ہیں جو تیمور کو ترک قرار دینے پر مصر ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ گروہ بھی پہلے اسی قسم کی غلطی کا شکار ہوا ہے جس کا ارتکاب پہلا گروہ کر چکا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک فریق نے "مغل" کے دائرہ میں کھینچ تان کی ہے اور دوسرے نے "ترک" میں۔ جس کا لازمی اور طبعی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ تیمور کی شخصیت ہی نہیں خود برلاس نسل کی ہیئت و صورت ہی "مغل" اور "ترک" پردوں میں پوشیدہ ہو گئی ہے۔ بایں ہمہ یہ حقائق چھپائے چھپ نہیں سکتے۔ کہ تیمور کے سکوں، ہتھیاروں اور مہروں کے نشان اور تیمور کے شاہی محل کی طرز میں قدیم ایرانی روایات بالکل نمایاں تھیں۔ کلاویجو (Clavijo) جو تیمور کے دربار میں ہنری سوم (Henry-III) کی طرف سے بطور سفیر بھیجا گیا تھا تیمور کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے۔ "وہ ہتھیار جو امیر تیمور بیگ لگاتا ہے وہ تین دائروں میں ہیں۔ انگریزی حرف او (O) کی طرح اور ان کی شکل اس طرح کی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ دنیا کی تین اطراف کا مالک ہے۔ تیمور کا حکم تھا کہ یہ نشان سکوں پر بھی لگایا جاوے اور ہر ایک چیز پر جو اس کے پاس تھی۔ امیر نے اپنی مہروں پر بھی یہ نشان لگانے کا حکم دے رکھا ہے اور اس کا یہ بھی حکم ہے کہ تمام وہ لوگ جو سلطنت تیموریہ کے باجگذار ہیں اپنے اپنے ملک کے سکوں پر یہ نشان لگا دیں"۔ ویمبرے (Vambery) اس مخصوص نشان کو قدیم ایرانی نشان تسلیم کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"تیمور کے اپنے ہتھیار تین حلقوں میں تھے جن پر راستی کا ماٹو تھا... یعنی انصاف ہی طاقت ہے۔ یہ نشان اس کی طاقت کے اظہار کے لئے تھا جو شمال، جنوب اور مغرب تین دائروں پر مشتمل تھے۔ مگر گمان غالب یہی ہے کہ وہ قدیم ایران کے ہتھیاروں کے نشانات سے مستعار لئے گئے ہیں کیونکہ حلقے جو طاقت اور اتحاد کا نشان سمجھے گئے ہیں وہ ساسانی بادشاہوں کے مقبروں پر بھی دیکھے جاتے ہیں"۔ [۲۲]

ویمبرے نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ:

"... محل دس سال سے ایرانی معماروں کے ہاتھ سے تیار ہو رہا تھا۔ انہوں نے اپنی قومی طرز عمارت کو یہاں تک ملحوظ رکھا کہ سورج اور شیر ببر کے بازو عمارت کی پیشانی پر ڈال دیئے اور اس طرح تورانی فاتح کے محل پر شاہان ایران کے نشان بنا دیئے"۔ [۲۳]

تیمور کا قدیم ایران کے نشان کو (جو کوئی وجہ نہیں کہ قومی نشان نہ ہو) یوں سختی سے قائم کرنا اور اپنی باجگذار ریاستوں تک کو اس کی پابندی کا حکم دینا اس کے فارسی النسل ہونے کا واضح ثبوت ہے اور پھر تورانی فاتح کے محل پر شاہان ایران کا شاہی نشان تو صاف واضح کر رہا ہے کہ تیمور اور اس کا قبیلہ

برلاس ایرانی عظمتوں کی یادگار تھے اور وہ جہاں جہاں گئے مقبروں سے محلات تک ایرانی نشان کے قیام واحیاء کی تڑپ لے کر گئے۔ ورنہ اگر یہ ایرانی خون کے کرشمے نہیں تھے تو تیمور کی قومی حمیت وغیرت نے کیسے گوارا کر لیا کہ وہ ایک مفتوح قوم کے مٹے ہوئے نقوش کو از سر نو اجاگر کرنے کی منظم تحریک اٹھائے اور ایرانی نشان جو فقط ساسانی مقابر کی زینت بن کر رہ گیا تھا ایک زندہ اور قومی نشان کی شکل میں اس کے پورے نظام ریاست پر لہرا جائے۔ پس تیمور نہ صرف خالص ایرانی النسل انسان ثابت ہوتا ہے بلکہ اپنی قومی شوکت ورفعت کا بہت بڑا دلدادہ بھی۔ لہٰذا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا برلاس قوم کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے فارسی النسل ہونا قطعی اور یقینی امر ہے۔

سوم: مؤرخین بالاتفاق یہ تسلیم کرتے ہیں کہ چھٹی صدی ہجری میں برلاس قبیلہ سمرقند اور کش کے علاقہ میں آباد تھا۔ چنانچہ تزک تیموری (Memoirs of Tamur) میں لکھا ہے کہ قراچار نے (جو اپنی قوم میں پہلا فرد تھا جس نے اسلام قبول کیا) کش کے میدانوں کو اپنے قبیلہ برلاس کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ [۲۵]

ویمبرے لکھتا ہے کہ برلاس قبیلے کے لوگوں نے کش اور نخشب میں اپنی ایک خود مختار ریاست قائم کر لی تھی۔ [۲۶] اور مارخم صاف کہتا ہے کہ تیمور کے جد امجد قراچار نے قبیلہ برلاس کو سمرقند کے قریب کش کے اردگرد حکومت دے دی تھی۔ [۲۷] تاریخ رشیدی کے ترجمہ انگریزی میں ہے کہ علاقہ کش اپنے ماتحت علاقوں سمیت امیر قراچار کے ماتحت تھا [۲۸] (یہ ظفرنامہ کے حوالہ سے لکھا گیا ہے) غرض کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں کش اور سمرقند کے علاقوں میں برلاس قوم آباد تھی۔

یہ کش اور سمرقند کا علاقہ قدیم زمانے سے ایرانی نسل کی آماجگاہ تھا۔ پرانے زمانے میں سوغدیانہ یا سغد (Sadiana) کہلاتا تھا۔ [۲۹] قدیم ایرانی سلطنت اشامی نیشن کا ایک صوبہ تھا جس کی بنیاد ایک معزز ایرانی سردار اشامینی نے ڈالی تھی۔ اور سائرس اور دارا اسی سے تعلق رکھتے تھے۔ سمرقند اس صوبے کا دارالخلافہ تھا۔ اور سمرقند کے متعلق ای شولر (E. Schuyler) اپنی کتاب ترکستان میں لکھتا ہے کہ مقامی روایت کے مطابق اس کی بنیاد افراسیاب نے رکھی۔ اصلی نام سمرقند ایرانی معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ اس کی تمام بڑی بڑی عمارتیں ایرانی معماروں یا ان کے شاگردوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ (کیونکہ کتبوں سے یہی ظاہر ہے) [۳۰] یہی نہیں خود سغدی قوم کے متعلق انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے کہ یہ لوگ ایک ایرانی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ امر بھی پایہ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ قدیم اصطلاح کے مطابق ماوراء النہر کے آگے بھی ایرانی بستیاں آباد تھیں۔ چنانچہ تاریخ کی اس قطعی

شہادت کی تائید میں چند محققوں کی آراء یہ ہیں:

۱۔ بحیرہ خزر کے میدان میں رہنے والی وحشی قوموں کے حملے سے بہت پیشتر ایرانی لوگ ماوراء النہر میں بودوباش رکھتے تھے۔[۲۱]

۲۔ اے ویمبرے:

"وراء النہر کے اکثر باشندے ایرانی تھے۔ اور عرب' سامانی' سلجوق اور خوارزم بادشاہوں کے زمانے میں بخارا' فرغانہ اور خوارزم کی عام زبان فارسی تھی"۔

یہ بات کہ دریائے جیحوں کے دوسری طرف کے ممالک میں قدیم زمانے میں خالص ایرانی نسل کے لوگ آباد تھے۔ ایرانیوں کے نہایت قدیم یادگار دندی داد سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔[۲۲]

۳۔ زیپلیکا ایم۔ اے: "تازک جو سمرقند اور فرغنہ کے علاقوں میں رہتے ہیں وہ خالص ایرانیوں کی اولاد تھے"۔[۲۳]

۴۔ گب "۷۲۰ عیسوی تک عرب حملہ آوروں کا مقابلہ (ماوراء النہر کے) مقامی بادشاہی کرتے رہے اور ان کی فوجیں قریباً سب کی سب ایرانی سپاہیوں پر مشتمل ہوتی تھیں"۔[۲۴]

یہ اقتباسات بتاتے ہیں کہ ماوراء النہر کے علاقوں تک ایرانی نسل پھیلی ہوئی تھی۔ اب ذرا گہری تحقیق کی جائے تو ان علاقوں سے آگے بھی ایرانی لوگ بستے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ای شولر (E.Schuyler) لکھتا ہے:۔

"ایرانی لوگ اموا اور سر کے درمیانی علاقے کے رہنے والے ہی نہیں تھے جسے قدیم زمانے میں ماوراء النہر کہتے تھے۔ بلکہ دریائے سر پر دائیں کنارے قوقند اور کاشغر میں بھی آباد تھے۔ فردوسی نے اپنے شاہنامے میں پہلی دفعہ ایران اور توران کے درمیان دریائے امو کو حد فاصل قرار دیا ہے۔ لیکن پروفیسر گری گوریف نے صاف لکھا ہے کہ یہ اصطلاحیں جغرافیائی معنوں میں استعمال کی گئی ہیں نہ کہ علم الانساب کی رو سے۔ اور ایران اور توران کے درمیان جو جنگ تھی وہ دو مختلف قوموں کے درمیان نہ تھی بلکہ ایک ہی نسل کے دو قبائل کے درمیان تھی۔ بعد کے زمانے میں توران کے معنی ترک کے ہوگئے اور یہ لفظ تمام ترکی نسل کے لوگوں کے لئے عام طور پر بولا جانے لگا بلکہ ہر ایک قوم کے لئے اور اس چیز کے لئے جس کی اصل زبان دانوں اور علم الانساب کے ماہروں کو معلوم نہ ہو سکتی تھی"۔[۲۵]

پروفیسر ایچ اے آر گب نے بھی اسی نظریئے کی تصدیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"دریائے جیحوں روایتی سرحد ہے تاریخی نہیں.... سامانیوں کے زمانے سے جس کا مورخین نے

ذکر کیا ہے اور فردوسی کی نظم شاہنامے کی رو سے دریائے جیحوں ایران اور توران کے درمیان سرحد قرار پائی۔ مگر فتوحات کے زمانوں میں سغد اور دریائے جیحوں کی وادی کے رہنے والوں نے ایرانی زبان اور ایرانی اداروں کو قائم رکھا اور وہ حقیقت میں ایرانی ہی رہے" [۳۶]

ایرانی نسل ماوراء النہر کے علاوہ موجودہ ترکستان میں بھی آباد تھی چنانچہ M.A .Czapleka لکھتی ہے۔

"اگرچہ ہم پہلی صدی عیسوی میں بھی جنوبی روس میں ترکوں کا نام سنتے ہیں مگر وہ صرف چوتھی صدی میں ترکستان میں آباد ہوئے تھے اور اسی لئے یہ ملک اس نام سے مشہور ہوا ہے حالانکہ اس سے پہلے اس کا نام ایران تھا اور اسے ایرکستان بھی کہتے تھے یعنی ایرانیوں کا ملک۔ اور مغرب میں اس کی حد موجودہ ایران تک پھیلی ہوئی تھی"۔ [۳۷]

ان تفصیلات سے واضح ہے کہ ایرانی نسل ماوراء النہر کے علاقے ہی میں نہیں ترکستان تک بھی پہنچ گئی تھی بلکہ ابتداء میں ترکستان ایران ہی کا ایک حصہ تھا اور سمرقند اور بخارا تو بالخصوص برلاس قوم کا مسکن تھے۔ پس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اب وجد سمرقند و بخارا کے رہنے والے تھے تو حضور کا فارسی النسل ہونا مسلمہ حقیقت بن جاتی ہے۔ اس بارے میں تاریخی حقائق ایک کھلے ورق کی حیثیت میں بتا رہے ہیں کہ حضور کے مورث اعلیٰ سمرقند سے ہندوستان میں ہجرت کر کے فروکش ہوئے تھے۔ چنانچہ "تذکرہ رؤساء پنجاب میں (جسے سرلیپل گریفن [۳۸] نے تالیف کرنا شروع کیا اور مسٹر میسی اور مسٹر کریک نے پایہ تکمیل تک پہنچایا) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کے متعلق ایک نوٹ لکھا ہے:

"شہنشاہ بابر کے عہد حکومت کے آخری سال یعنی ۱۵۳۰ء میں ایک مغل ہادی بیگ باشندہ سمرقند اپنے وطن کو چھوڑ کر پنجاب میں آیا اور ضلع گورداسپور میں بودوباش اختیار کی"۔

اس کے علاوہ بعض غیر از جماعت اور غیر مسلم سوانح نگاروں نے حضور کے مورث اعلیٰ مرزا ہادی بیگ کا سمرقند سے ضلع گورداسپور میں فروکش ہونا تسلیم کیا ہے۔ مثلاً پادری ایچ ڈی گرس وولڈ فورمین کرسچن کالج لاہور لکھتے ہیں:

"مرزا صاحب مغلوں کی نسل سے ہیں۔ آپ کے بزرگ علاقہ سمرقند ملک ترکستان سے بابر بادشاہ کے عہد میں پنجاب میں آئے تھے"۔

چہارم: ظفرنامہ مولانا شرف الدین یزدی۔ انساب الترک۔ ابو الغازی خاں۔ الانساب مغل روضتہ الضبط۔ حبیب السیر' اکبر نامہ' منتخب اللباب' خافی خان وغیرہ تواریخ میں بالاتفاق یہ تسلیم کیا گیا

ہے کہ صاحبقران تیمور کا شجرہ نسب حضرت نوحؑ کے فرزند حضرت یافث سے ملتا ہے۔[59] اور حضرت یافث کے متعلق مشہور فارسی لغات "غیاث اللغات" میں لکھا ہے کہ "شیخ ابن حجر شارح صحیح بخاری گفتہ است کہ فارسی منسوب بفارس بن عامور ابن یافث بن نوح علیہ السلام" یعنی صحیح بخاری کے شارح حضرت شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ فارس حضرت نوح کے پوتے اور حضرت یافث کے بیٹے فارس کی طرف منسوب ہے۔[60]

پنجم: علم الاقوام کے ماہرین (مثلاً ای ریکلس (E. Reclus)[61] جارج رالن سن (George Rawlin Son)[62] اور اے سی ہیڈن (A.C. Haddon)[63] وغیرہ نے مصری، کلدانی، آشوری، فینقی، ایرانی، یونانی اور رومی مشہور تاریخی قوموں کے قدیم حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ چوڑی پیشانی، لمبی اور گھنی ڈاڑھی، بلند ناک، گول ٹھوڑی، چہرہ بیضوی اور سنجیدہ، بال گھنے اور بکثرت، جلد سفید گلابی یا تانبے کے رنگ کی مانند ایرانی نسل کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ دوسری طرف انہوں نے چینی، جاپانی، منگولی تبتی اور ترکستانی نسل کے متعلق لکھا ہے کہ اس کا رنگ اور چہرا زرد، آنکھیں چھوٹی اور دھنسی ہوئی اور بال سخت ہوتے ہیں۔ یہ نسل ایشیا کے شمال و مشرق میں کوہ قاف سے چین و جاپان تک پھیلی ہوئی ہے۔[64] اس تحقیق کی روشنی میں جب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خاندان کی جسمانی ساخت، شکل و شباہت اور چہرے مہرے کو دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ یہاں منگولی یا ترکی صفات ہرگز موجود نہیں۔ مگر ایرانی نسل کے تمام تراو قاف آپ میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

پس جس اعتبار سے بھی دیکھا جائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فارسی النسل ہونا نیر النہار کی طرح ظاہر و باہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مشہور اہل حدیث مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی لکھتے ہیں۔ "مولف براہین احمدیہ قریشی نہیں فارسی الاصل ہے"۔[65]

مندرجہ بالا تحقیقات سے اس سربستہ راز پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ حضور کا خاندان ایرانی النسل ہونے کے باوجود کس طرح چینی اور ترکی خون سے مرکب ہوا۔ کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ آپ کے جد امجد قراچار نے جو ایردم جی برلاس کے پوتے تھے چغتائی خان کی لڑکی سے شادی کی تھی اور اس طرح ترکی چینی خون کی آپ کے خاندان میں آمیزش ہوئی۔ اس پہلو کے سمجھنے کے لئے قبیلہ برلاس کے شجرہ نسب پر فقط ایک نگاہ ڈالنا کافی ہے۔

ایردم جی برلاس

سوغو چیچن

قراچار نویاں

ایجل خان

امیر ایلنگر اخاں

امیر برکل [۴۶-۴۷]

حاجی برلاس مورث اعلیٰ	طراغائے
سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام	امیر تیمور صاحبقران

سمرقند سے پنجاب تک

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے۔ قراچار نے قبیلہ برلاس کو کش کے علاقہ میں آباد کر دیا تھا۔ لیکن جب تیمور کا اقتدار بڑھا تو اس کے چچا حاجی برلاس کش سے بے دخل ہو کر خراسان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے اور یہیں فوت ہوئے۔ [۴۸] بعد کو خود تیمور نے خراسان کی ریاست زیر نگین لانے کے بعد حاجی برلاس ہی کے خاندان کو بطور جاگیر سونپ دی اور اس طرح یہ شاہی خاندان خراسان ہی میں مقیم ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس خاندان کے ایک مقتدر بزرگ مرزا ہادی بیگ نے اپنے افراد خاندان سمیت خراسان کو خیرباد کہہ دی اور اپنے آبائی وطن کش میں دوبارہ بود و باش اختیار کر لی جہاں قومی تفرقہ اور خصومت کے نتیجے میں ملک میں ایسے انقلابات ہوئے کہ آپ اس سرزمین کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور اپنے خاندان اور توابع اور خدام کے دو سو افراد پر مشتمل ایک قافلہ لے کر کش سے پنجاب کی سرحد میں داخل ہو گئے۔ یہ تاریخی ہجرت ۱۵۳۰ء مطابق ۹۳۸ھ میں ہوئی جبکہ ہندوستان میں تیمور کا پوتا اور سلطنت مغلیہ کا پہلا تاجدار ظہیرالدین محمد بابر گھاگرا کی لڑائی میں آخری فتح حاصل کرنے کے بعد اپنی زندگی کے آخری دن گذار رہا تھا۔ [۴۹] اور بزم تصوف و ارشاد میں حضرت شیخ عبد القادر [۵۰] ثانی رحمتہ اللہ۔ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی" [۵۱] ’حضرت شیخ بہاؤ الدین جون پوری" [۵۲] ’حضرت سلطان جلال الدین" [۵۳] ’حضرت شیخ جمال قدس سرہ [۵۴] ’حضرت شیخ زین الدین" [۵۵] اور حضرت شیخ محمد غوث [۵۶] گوالیاری شطاری رحمتہ اللہ علیہم اجمعین ایسے اکابر صوفی اور خدا رسیدہ بزرگ رونق افروز تھے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ:

"سلطان بابر نے ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی سلطان ہند کو شکست دی اور دہلی میں سلطنت مغلیہ کی بنیاد رکھی... سلطان محمد بابر کے ساتھ بھی بہت سے چغتائی سردار وارد ہند ہوئے۔ چنانچہ ہند میں مرزایان چغتائیہ کی تعداد مغلان برلاس سے زیادہ ہو گئی۔ اور تاحال زیادہ ہے... چغتائی وہ مغل ہیں جو چنگیز کے بیٹے چغتائی خاں کی اولاد سے ہیں اور ان کے اجداد امیر تیمور اور سلطان

محمد بابر کی افواج کے ذریعہ وارد ہند ہوئے اور یہیں مقیم ہوگئے - اور برلاس خاص شاہان مغلیہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں - یہ اولاد امیر تیمور گورگانی سے ہیں... اور امیر تیمور کے خروج کے بعد ان کے اجداد ختن' تاشقند اور بلخ کے حاکم تھے اور اس واسطے سے یہ تیموری اور بابری لشکروں کے ساتھ وارد ہند ہو کر یہاں سکونت پذیر ہوگئے"۔ [۵۷]

پنجاب میں ایک مثالی اسلامی ریاست کا قیام اور قادیان کی تاسیس

حضرت مرزا ہادی بیگ نہ صرف ایک شاہی خاندان کے چشم و چراغ تھے بلکہ خود بابر سے انہیں خاندانی قرابت حاصل تھی - آپ کے یہاں قدم رنجہ فرماتے ہی پنجاب کی قسمت جاگ اٹھی اور ماجھا کے علاقہ میں نہ صرف ایک نئی بستی ابھر آئی بلکہ ایک مثالی اسلامی ریاست کا قیام بھی معرض عمل میں آگیا - جو ۱۵۳۰ء (مطابق ۹۳۸ھ) سے ۱۸۰۲ء (مطابق ۱۲۱۷ھ) تک کم و بیش پونے تین سو سال تک قائم رہی اور پھر سکھوں کی برچھاگردی کا شکار ہوگئی - یہ عظیم الشان ریاست آخر میں ۸۴-۸۵ دیہات میں محدود ہوگئی - لیکن اس وقت بھی اس کی سالانہ آمدنی آٹھ لاکھ تھی - جیسا کہ "شمشیر خالصہ" میں لکھا ہے کہ:

"۱۸۶۳ء بکرمی میں اس کا چچا تارا سنگھ مرگیا [۵۸] تو اس کے بیٹے دیوان سنگھ نے جودھ سنگھ سے لڑ کر اپنی جائیداد علیحدہ کرلی اور تعلقہ قادیان کے ۸۴ دیہات پر جن کی آمدنی آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ تھی قابض ہوگیا"۔ [۵۹]

حضرت مرزا ہادی بیگ کے وصال کے بعد

حضرت مرزا ہادی بیگ صاحب کے وصال کے بعد ان کے خاندان کی شاہانہ عظمت اور جلال و تمکنت میں اضافہ ہوتا رہا - یہاں تک کہ جب ان کی نویں پشت میں حضرت مرزا فیض محمد صاحب پیدا ہوئے تو ان کے عہد اقتدار میں قادیان کی ریاست کے مغلیہ سلطنت سے اور بھی گہرے تعلقات و روابط قائم ہوگئے - چنانچہ ۱۷۱۶ء میں محمد فرخ سیر غازی شہنشاہ ہندوستان کی طرف سے انہیں ہفت ہزاری امراء کی سلک میں منسلک کرکے عضد الدولہ کا عظیم الشان' قابل فخر اور ممتاز خطاب دیا گیا - [۶۰]
تاریخ سے ثابت ہے کہ ہفت ہزاری منصب شاہان مغلیہ کے زمانہ میں بہت وقیع و رفیع سمجھا جاتا تھا - اور ہفت ہزاری امراء میں منسلک کرنے کے یہ معنی تھے کہ وہ اپنی ریاست میں سات ہزار جوانوں کی فوج رکھ سکتے ہیں جو اس زمانہ میں ایک بڑی جنگی طاقت سمجھی جاتی تھی -

حضرت مرزا گل محمد صاحب کا دور اقتدار

حضرت مرزا فیض محمد صاحب کے وصال کے بعد حضرت مرزا گل محمد صاحب ایسے ولی اور پارسا

شجرۂ نسب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

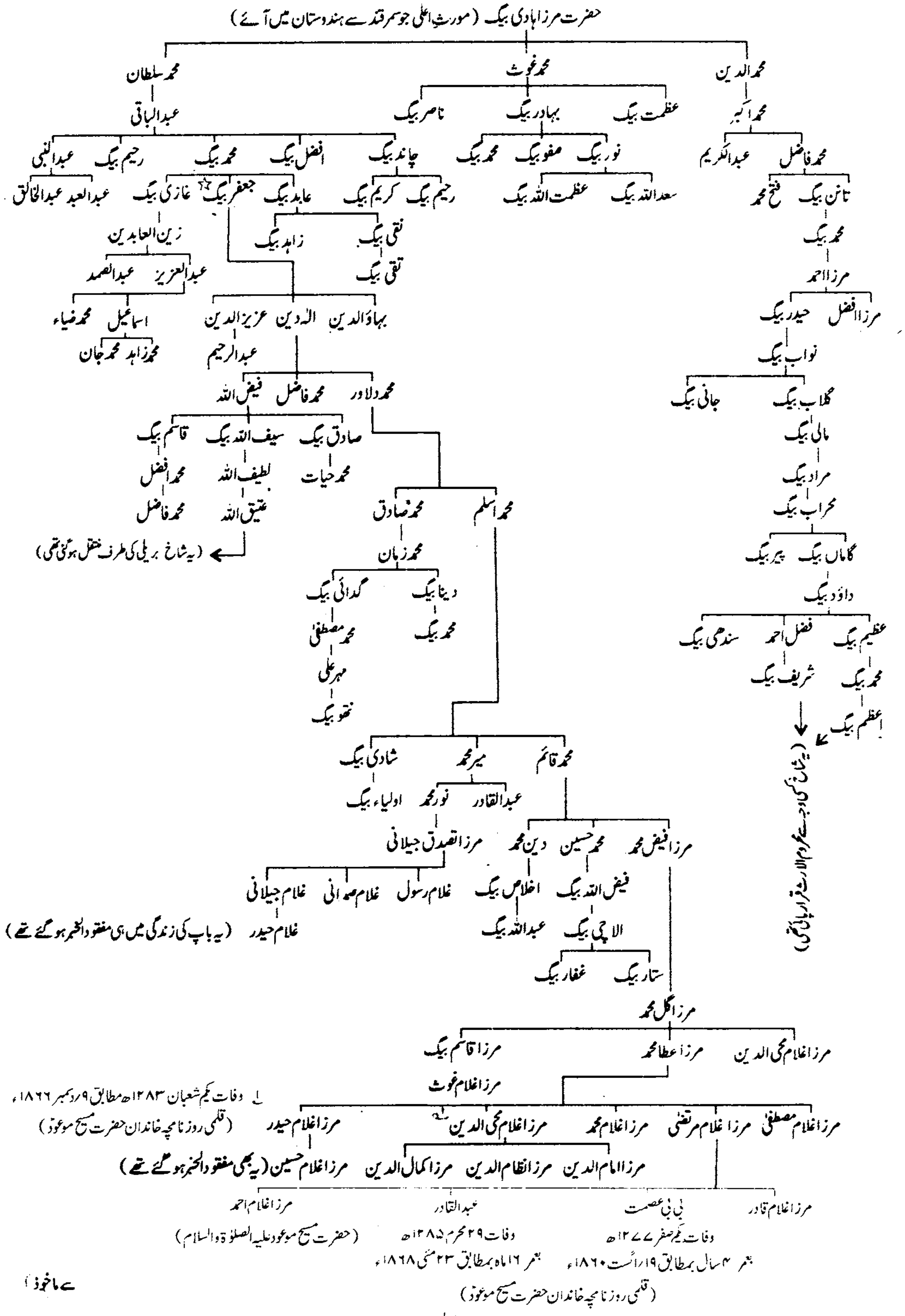

سیرت المہدی حصہ اول طبع دوم اشاعت ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۱۶ مؤلفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ سے ماخوذ

حکمران اور اعلیٰ درجہ کے جرنیل جانشین ہوئے اس وقت غالباً عالمگیر ثانی کا دور اقتدار شروع تھا۔ دہلی کی مغلیہ حکومت کی جڑیں خانہ جنگیوں اور چند در چند اسباب دوجوہ سے کھوکھلی ہو چکی تھیں اور مغل شہزادے آپس میں قتل و غارت کا بازار گرم کئے ہوئے تھے۔ لیکن تاریخی ریکارڈ سے ثابت ہے کہ عالمگیر ثانی (۱۷۵۴ء-۱۷۵۹ء) اس کے جانشین شاہ عالم ثانی (۱۷۵۹ء-۱۸۰۶ء) کے قادیان کی ریاست اور حضرت مرزا گل محمد صاحب سے گہرے مراسم قائم تھے۔ اور سلطنت مغلیہ کے یہ تاجدار انہیں خط و کتابت میں "نجابت و صالی پناہ عالیجاہ۔ رفیع جائیگاہ۔ اخلاص و عقیدت دستگاہ اور عمدۃ الاماثل والا فرمان" ایسے عظیم القاب سے مخاطب کیا کرتے تھے۔ [۶۱]

قادیان کی اسلامی ریاست سلطنت مغلیہ کے زوال کے باوجود پورے عروج پر تھی۔ اور اگر تقدیر الٰہی مخالف نہ ہوتی تو عین ممکن تھا کہ سکھوں اور مرہٹوں کا سیلاب رک جاتا اور ہندوستان کے شمال میں آپ ایک زبردست اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ حضرت مرزا گل محمد صاحب رضی اللہ عنہ اور ان سے قبل ان کے والد مرزا فیض محمد صاحبؒ فرخ سیر، محمد شاہ، شاہ عالم ثانی اور عالمگیر ثانی چاروں بادشاہوں کو برابر توجہ دلاتے رہے کہ پنجاب میں سکھ شورش کے جو شرارے پوری شدت سے اٹھ رہے ہیں اس میں تنہا ہم ہی لڑ رہے ہیں مگر ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں کہ اس فتنے کا کامیاب مقابلہ کر سکیں۔ اس لئے ہماری امداد کے لئے جلد مرکزی فوج روانہ کی جائے۔ مگر افسوس ان چاروں نے اس بروقت انتباہ کو ناقابل التفات سمجھا۔ البتہ سکھوں کے خلاف اس ریاست کی اسلامی خدمات کا خلوص دل سے اقرار کرتے ہوئے یہ وعدہ ضرور کرتے رہے کہ شاباش تم خوب مقابلہ کر رہے ہو ہم بھی آنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کو پنجاب آنے اور سکھوں کے بڑھتے ہوئے اثر و اقتدار کے خلاف نبرد آزما ہونے کی توفیق نہ مل سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سکھا شاہی پورے پنجاب پر مسلط ہو گئی اور خود مغل شہزادوں کی سہل انگاری سے پنجاب کا خطہ اسلامی حکومت کی آغوش سے نکل کر سکھ حکومت کے زیر نگیں ہو گیا۔

حضرت مرزا گل محمد صاحبؒ ہی کے زمانہ میں سلطنت مغلیہ کا ایک وزیر مملکت غیاث الدولہ قادیان میں آیا تو وہ ان کے مجاہدانہ عزائم، ناقابل تسخیر ولولوں، مدبرانہ طریق، استقلال اور حیرت انگیز قوت تدبر اور پر وقار دربار کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا اور چشم پر آب ہو کر کہنے لگا کہ "اگر مجھے پہلے خبر ہوتی کہ اس جنگل میں خاندان مغلیہ میں سے ایسا مرد موجود ہے جس میں صفات ضروریہ سلطنت کے پائے جاتے ہیں تو میں اسلامی سلطنت کے محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کرتا کہ ایام کسل اور نالیاقتی اور بد وصفی ملوک چغتائیہ میں اسی کو تخت دہلی پر بٹھایا جائے"۔ لیکن اب پانی حد سے بڑھ چکا تھا۔ اس

لئے سلطنت مغلیہ کی بساط سیاست الٹ گئی اور ۱۸۰۳ء میں انگریز مرہٹوں کو دلی سے نکال کر خود مسند اقتدار پر بیٹھ گئے۔ اور پہلے تو شاہ عالم ثانی (۱۷۵۹-۱۸۰۶) اور اکبر شاہ ثانی (۱۸۰۶-۱۸۳۷) انگریزوں کے وظیفہ خوار بنے اور پھر سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ثانی (۱۸۳۷-۱۸۵۷) کے ہاتھوں سلطنت مغلیہ کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔

حضرت مرزا گل محمد صاحبؒ تخمیناً ۱۸۰۰ء میں انتقال فرما گئے۔ [۶۲، ۶۳] آپ کے انتقال کے بعد عین اس زمانہ میں جبکہ دہلی کا تخت عملاً مغل شہزادوں سے نکل کر انگریزوں کی طرف منتقل ہو رہا تھا۔ قادیان کی اسلامی ریاست سکھ اقتدار کے زیر نگیں ہو گئی۔ عمدۃ التواریخ میں لکھا ہے کہ "دیوا سنگھ پسر تارا سنگھ ملک کو تاخت و تاراج کرتا تھا یہاں تک کہ اس نے تعلقہ قادیان مغلاں کو جہاں (مرزا) عطا محمد پسر مرزا گل محمد مقیم تھے زبردستی لے لیا اور مغلوں کو اپنے گھروں سے نکال دیا"۔ [۶۴]

حضرت مرزا گل محمد صاحب کے جانشین مرزا عطا محمد صاحب اپنے خاندان سمیت کپورتھلہ کی ریاست میں بمقام بیگووال پناہ گزین ہونے پر مجبور ہو گئے۔ یہ ۱۸۰۲ء یا ۱۸۰۳ء کا حادثہ ہے جبکہ ریاست راجہ فتح سنگھ کے قبضہ میں تھی۔ راجہ فتح سنگھ نے مرزا عطا محمد صاحب کو دو گاؤں کی پیشکش کی لیکن انہوں نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم نے یہ گاؤں لے لئے تو پھر یہیں رہ پڑیں گے اور اس طرح اولاد کی ہمت پست ہو جائے گی اور اپنی خاندانی روایات قائم رکھنے کا خیال ان کے دل سے جاتا رہے گا۔ [۶۵] تخمیناً ۱۸۱۴ء میں دور جلاوطنی کی گیارہ سالہ سختیاں اور مصائب جھیلنے اور دکھ اٹھانے کے بعد وہ بالاخر کپورتھلہ ہی میں انتقال فرما گئے۔ [۶۶] اور یہ خاندان بظاہر بالکل بے سہارا رہ گیا۔ اور یہ ناگفتہ بہ حالت کم و بیش بیس برس تک قائم رہی۔ لیکن اب چونکہ امام الزمان کی ولادت کا وقت آ رہا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے قادیان کی واپسی کا ازخود غیبی سامان کر دیا۔ اور وہ اس طرح کہ ۱۸۳۴ء - ۱۸۳۵ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے حضرت مرزا عطا محمد صاحب کے فرزند اور بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے والد ماجد حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کو قادیان کی ریاست کے پانچ گاؤں واپس کر دیئے جو چودہ سال تک اس شاہی خاندان کے پاس رہے۔ پھر جب ۲۹۔ مارچ ۱۸۴۹ء کو پنجاب کا سلطنت انگریزی سے الحاق عمل میں آگیا تو جہاں اکثر و بیشتر سکھ خاندانوں کے حقوق و اعزاز بدستور قائم رکھے گئے۔ [۶۷، ۶۸] بلکہ بعض کو قیمتی جاگیروں سے نوازا گیا۔ وہاں بعض "باغی" سرداروں [۶۹] کی جاگیروں کے ساتھ قادیان کی جاگیر بھی چھن گئی۔ اور اشک شوئی کے لئے سات سو روپیہ کی پنشن منظور کر دی گئی۔ کیونکہ شورش کے ایام میں حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؒ نے فرنگی حکومت کا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا تھا اس موقعہ پر سکھ وزیر نے بھاگووال کے ایک وزیر کے ذریعہ سے انہیں پیغام بھی

بھیجا کہ انگریز طاقت ور ہیں ان سے صلح کر لو خواہ مخواہ آدمی نہ مرواؤ۔ مگر انہوں نے حکومت وقت سے بے وفائی گوارا نہ کی۔ [۲۰] اور معتوب ہو گئے۔ اس کے بعد جب انگریزی حکومت باقاعدہ قائم ہو گئی تو انہوں نے اسلامی تعلیم کے مطابق حکومت وقت سے وفاداری کا اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ بایں ہمہ بڑے بڑے مقدمات کے بعد انہیں بمشکل قادیان کی زمین کا کچھ حصہ واپس مل سکا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خود نوشت خاندانی حالات

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے "کتاب البریہ" میں قادیان کی اسلامی ریاست اور اپنے خاندانی حالات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے جسے یہاں نقل کرنا ضروری ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"ہماری قوم مغل برلاس ہے اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جو اب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے اور ان کے ساتھ قریباً دو سو آدمی ان کے توابع اور خدام اور اہل و عیال میں سے تھے اور وہ ایک معزز رئیس کی حیثیت سے اس ملک میں داخل ہوئے اور اس قصبہ کی جگہ جو اس وقت ایک جنگل پڑا ہوا تھا جو لاہور سے تخمیناً بچاس کوس بگوشہ شمال مشرق واقع ہے فروکش ہو گئے۔ [۲۱] جس کو انہوں نے آباد کر کے اس کا نام اسلام پور رکھا جو پیچھے اسلام پور قاضی ماجھی کے نام سے مشہور ہوا۔ اور رفتہ رفتہ اسلام پور کا لفظ لوگوں کو بھول گیا اور قاضی ماجھی کی جگہ پر قاضی رہا اور پھر آخر قادی بنا اور پھر اس سے بگڑ کر قادیان بن گیا اور قاضی ماجھی کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ علاقہ جس کا طولانی حصہ قریباً ساٹھ کوس ہے۔ ان دنوں میں سب کا سب ماجھہ کہلاتا تھا۔ غالباً اس وجہ سے اس کا نام ماجھہ تھا کہ اس ملک میں بھینسیں بکثرت ہوتی تھیں اور ماجھ زبان ہندی میں بھینس کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ ہمارے بزرگوں کو علاوہ دیہات جاگیرداری کے اس تمام علاقہ کی حکومت بھی ملی تھی۔ اس لئے قاضی کے نام سے مشہور ہوئے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کیوں اور کس وجہ سے ہمارے بزرگ سمرقند سے اس ملک میں آئے۔ مگر کاغذات سے یہ پتہ ملتا ہے کہ اس ملک میں بھی وہ معزز امراء اور خاندان والیان ملک میں سے تھے اور انہیں کسی قومی خصومت اور تفرقہ کی وجہ سے اس ملک کو چھوڑنا پڑا تھا۔ پھر اس ملک میں آکر بادشاہ وقت کی طرف سے بہت سے دیہات بطور جاگیر ان کو ملے۔ چنانچہ اس نواح میں ایک مستقل ریاست ان کی ہو گئی۔

سکھوں کے ابتدائی زمانہ میں میرے پردادا صاحب مرزا گل محمد ایک نامور اور مشہور رئیس اس نواح کے تھے جن کے پاس اس وقت ۸۵ گاؤں تھے اور بہت سے گاؤں سکھوں کے متواتر حملوں کی وجہ سے ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ تاہم ان کی جوانمردی اور فیاضی کی یہ حالت تھی کہ اس قدر قلیل میں

سے بھی کئی گاؤں انہوں نے مروت کے طور پر بعض تفرقہ زدہ مسلمان رئیسوں کو دے دیئے تھے جو اب تک ان کے پاس ہیں۔ غرض وہ اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں اپنے نواح میں ایک خود مختار رئیس تھے۔ ہمیشہ قریب پانچ سو آدمی کے یعنی کبھی کم اور کبھی زیادہ ان کے دستر خوان پر روٹی کھاتے تھے اور ایک سو کے قریب علماء اور صلحاء اور حافظ قرآن شریف کے ان کے پاس رہتے تھے۔ جنکے کافی وظیفے مقرر تھے۔ اور ان کے دربار میں اکثر قال اللہ اور قال الرسول کا ذکر بہت ہوتا تھا اور تمام ملازمین اور متعلقین میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو تارک نماز ہو۔ یہاں تک کہ چکی پیسنے والی عورتیں بھی پنج وقتہ نماز اور تہجد پڑھتی تھیں۔ اور گردونواح کے معزز مسلمان جو اکثر افغان تھے قادیان کو جو اس وقت اسلام پور کہلاتا تھا' مکہ کہتے تھے۔ کیونکہ اس پر آشوب زمانہ میں ہر ایک مسلمان کے لئے یہ قصبہ مبارکہ پناہ کی جگہ تھی۔ اور دوسری اکثر جگہ میں کفر اور فسق اور ظلم نظر آتا تھا اور قادیان میں اسلام اور تقویٰ اور طہارت اور عدالت کی خوشبو آتی تھی۔ میں نے خود اس زمانہ سے قریب زمانہ پانے والوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس قدر قادیان کی عمدہ حالت بیان کرتے تھے کہ گویا وہ اس زمانہ میں ایک باغ تھا جس میں حامیان دین اور صلحاء اور علماء اور نہایت شریف اور جوانمرد آدمیوں کے صدہا پودے پائے جاتے تھے اور اس نواح میں یہ واقعات نہایت مشہور ہیں کہ مرزا گل محمد صاحب مرحوم مشائخ وقت کے بزرگ لوگوں میں اور صاحب خوارق اور کرامات تھے۔ جن کی صحبت میں رہنے کے لئے بہت سے اہل اللہ اور صلحاء اور فضلاء قادیان میں جمع ہو گئے تھے۔ اور عجیب تر یہ کہ کئی کرامات ان کی ایسی مشہور ہیں جن کی نسبت ایک گروہ کثیر مخالفان دین کا بھی گواہی دیتا رہا ہے۔ غرض وہ علاوہ ریاست اور امارت کے اپنی دیانت اور تقویٰ اور مردانہ ہمت اور اولوالعزمی اور حمایت دین اور ہمدردی مسلمانوں کی صفت میں نہایت مشہور تھے۔ اور ان کی مجلس میں بیٹھنے والے سب کے سب متقی اور نیک چلن اور اسلامی غیرت رکھنے والے اور فسق و فجور سے دور رہنے والے اور بہادر اور بارعب آدمی تھے۔ چنانچہ میں نے کئی دفعہ اپنے والد صاحب مرحوم سے سنا ہے کہ اس زمانہ میں ایک وزیر سلطنت مغلیہ کا قادیان میں آیا جو غیاث الدولہ کے نام سے مشہور تھا اور اس نے مرزا گل محمد صاحب کے مدبرانہ طریق اور بیدار مغزی اور ہمت اور اولوالعزمی اور استقلال اور عقل اور فہم اور حمایت اسلام اور جوش نصرت دین اور تقویٰ اور طہارت اور دربار کے وقار کو دیکھا اور ان کے مختصر دربار کو عقلمند اور نیک چلن اور بہادر مردوں سے پر پایا۔ تب وہ چشم پر آب ہو کر بولا کہ اگر مجھے پہلے خبر ہوتی کہ اس جنگل میں خاندان مغلیہ میں سے ایسا مرد موجود ہے جس میں صفات ضروریہ سلطنت کے پائے جاتے ہیں تو میں اسلامی سلطنت کے محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کرتا کہ ایام کسل اور نالیاقتی اور بدوضعی ملوک چغتائیہ میں اسی کو تخت

دہلی پر بٹھایا جائے۔

اس جگہ اس بات کا لکھنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہو گا کہ میرے پر دادا صاحب موصوف یعنی مرزا گل محمد نے ہچکی کی بیماری سے جس کے ساتھ اور عوارض بھی تھے وفات پائی تھی۔ بیماری کے غلبہ کے وقت اطباء نے اتفاق کر کے کہا کہ اس مرض کے لئے اگر چند روز شراب کو استعمال کرایا جائے تو غالباً اس سے فائدہ ہو گا مگر جرات نہیں رکھتے تھے کہ ان کی خدمت میں عرض کریں۔ آخر بعض نے ان میں سے ایک نرم تقریر میں عرض کر دیا۔ تب انہوں نے کہا کہ اگر خدا تعالیٰ کو شفا دینا منظور ہو تو اس کی پیدا کردہ اور بہت سی دوائیں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس پلید چیز کو استعمال کروں اور میں خدا کی قضاء و قدر پر راضی ہوں۔ آخر چند روز کے بعد اسی مرض سے انتقال فرما گئے۔ موت تو مقدر تھی مگر یہ ان کا طریق تقویٰ ہمیشہ کے لئے یادگار رہا کہ موت کو شراب پر اختیار کر لیا۔ موت سے بچنے کے لئے انسان کیا کچھ نہیں کرتا لیکن انہوں نے معصیت کرنے سے موت کو بہتر سمجھا۔ افسوس ان نوابوں اور امیروں اور رئیسوں کی حالت پر کہ اس چند روزہ زندگی میں اپنے خدا اور اس کے احکام سے بکلی لاپرواہ ہو کر اور خدا تعالیٰ سے سارے علاقے توڑ کر دل کھول کر ارتکاب معصیت کرتے ہیں اور شراب کو پانی کی طرح پیتے ہیں اور اس طرح اپنی زندگی کو نہایت پلید اور ناپاک کر کے اور عمر طبعی سے بھی محروم رہ کر اور بعض ہولناک عوارض میں مبتلا ہو کر جلد تر مرجاتے ہیں اور آئندہ نسلوں کے لئے نہایت خبیث نمونہ چھوڑ جاتے ہیں۔ (صفحہ ۱۴۴ تا ۱۵۴ حاشیہ طبع اول)

حضرت اقدسؑ ازالہ اوہام میں فرماتے ہیں:

"مرزا صاحب مرحوم ایک مرد اولی العزم اور متقی اور غایت درجہ کے بیدار مغز اور اول درجہ کے بہادر تھے۔ اگر اس وقت مشیت الٰہی مسلمانوں کے مخالف نہ ہوتی تو بہت امید تھی کہ ایسا بہادر اور اولی العزم آدمی سکھوں کی بلند شورش سے پنجاب کا دامن پاک کر کے ایک وسیع سلطنت اسلام کی اس میں قائم کر دیتا۔ جس حالت میں رنجیت سنگھ نے باوجود اپنی تھوڑی سی پدری ملکیت کے جو صرف نو گاؤں تھے تھوڑے ہی عرصہ میں اس قدر پیر پھیلائے تھے جو پشاور سے لدھیانہ تک خالصہ ہی خالصہ نظر آتا تھا اور ہر جگہ ٹڈیوں کی طرح سکھوں کی ہی فوجیں دکھائی دیتی تھیں۔ تو کیا ایسے شخص کے لئے یہ فتوحات قیاس سے بعید تھیں؟ جس کی گمشدہ ملکیت میں سے ابھی چوراسی یا پچاسی گاؤں باقی تھے اور ہزار کے قریب فوج کی جمعیت بھی تھی۔ اور اپنی ذاتی شجاعت میں ایسے مشہور تھے کہ اس وقت کی شہادتوں سے یہ بداہت ثابت ہوتا ہے کہ اس ملک میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ لیکن چونکہ خدا تعالیٰ نے یہی چاہا تھا کہ مسلمانوں پر ان کی بے شمار غفلتوں کی وجہ سے تنبیہہ نازل ہو اس لئے مرزا صاحب

مرحوم اس ملک کے مسلمانوں کی ہمدردی میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور مرزا صاحب مرحوم کے حالات عجیبہ میں سے ایک یہ ہے کہ مخالفین مذہب بھی ان کی نسبت ولایت کا گمان رکھتے تھے۔ اور ان کے بعض خارق عادت امور عام طور پر دلوں میں نقش ہو گئے تھے۔ یہ بات شاذ و نادر ہوتی ہے کہ کوئی مذہبی مخالف اپنے دشمن کی کرامات کا قائل ہو۔ لیکن اس راقم نے مرزا صاحب مرحوم کے بعض خوارق عادات ان سکھوں کے منہ سے سنے ہیں جن کے باپ دادا مخالف گروہ میں شامل ہو کر لڑتے تھے۔ اکثر آدمیوں کا بیان ہے کہ بسا اوقات مرزا صاحب مرحوم صرف اکیلے ہزار ہزار آدمی کے مقابل پر میدان جنگ میں نکل کر ان پر فتح پا لیتے تھے اور کسی کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ ان کے نزدیک آسکے۔ اور ہر چند جان توڑ کر دشمن کا لشکر کوشش کرتا تھا کہ توپوں اور بندوقوں کی گولیوں سے ان کو مار دیں مگر کوئی گولی یا گولہ ان پر کارگر نہیں ہوتا تھا۔ یہ کرامت ان کی صدہا موافقین اور مخالفین بلکہ سکھوں کے منہ سے سنی گئی ہے۔ جنہوں نے اپنے لڑنے والے باپ دادوں سے سندا بیان کی تھی۔ لیکن میرے نزدیک یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ اکثر لوگ زمانہ دراز تک جنگی فوجوں میں نوکر رہ کر بہت سا حصہ اپنی عمر کا لڑائیوں میں بسر کرتے ہیں اور قدرت حق سے کبھی ایک خفیف سا زخم بھی تلوار یا بندوق کا ان کے بدن کو نہیں پہنچتا۔ سو یہ کرامت اگر معقولی طور پر بیان کی جائے کہ خدا تعالیٰ اپنے خاص فضل سے دشمنوں کے حملوں سے ان کو بچاتا رہا۔ تو کچھ حرج کی بات نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ مرزا صاحب مرحوم دن کے وقت ایک پر ہیبت بہادر اور رات کے وقت ایک باکمال عابد تھے اور معمور الاوقات اور متشرع تھے")[۴۶]

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میرے پردادا صاحب فوت ہوئے تو بجائے ان کے میرے دادا صاحب یعنی مرزا عطا محمد صاحب فرزند رشید ان کے گدی نشین ہوئے۔ ان کے وقت میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے لڑائی میں سکھ غالب آئے۔ دادا صاحب مرحوم نے اپنی ریاست کی حفاظت کے لئے بہت تدبیریں کیں مگر جبکہ قضاء و قدر ان کے ارادہ کے موافق نہ تھی اس لئے ناکام رہے اور کوئی تدبیر پیش نہ گئی اور روز بروز سکھ لوگ ہماری ریاست کے دیہات پر قبضہ کرتے گئے۔ یہاں تک دادا صاحب مرحوم کے پاس ایک قادیان رہ گئی اور قادیان اس وقت ایک قلعہ کی صورت پر قصبہ تھا۔[۴۷] اس کے چار برج تھے اور برجوں میں فوج کے آدمی رہتے تھے۔ اور چند توپیں تھیں اور فصیل بائیس فٹ کے قریب اونچی اور اسی قدر چوڑی تھی کہ تین چھکڑے آسانی سے ایک دوسرے کے مقابل اس پر جا سکتے تھے۔ اور ایسا ہوا کہ ایک گروہ سکھوں کا جو رام گڑھیہ کہلاتا تھا اول فریب کی راہ سے اجازت لے کر قادیان میں داخل ہوا اور پھر قبضہ کر لیا۔ اس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی اور اسرائیلی

قوم کی طرح وہ اسیروں کی مانند پکڑے گئے اور ان کے مال و متاع سب لوٹی گئی۔ کئی مسجدیں اور عمدہ عمدہ مکانات مسمار کئے گئے۔ اور جہالت اور تعصب سے باغوں کو کاٹ دیا گیا۔ اور بعض مسجدیں جن میں اب تک ایک مسجد سکھوں کے قبضہ میں ہے دھرم سالہ یعنی سکھوں کا معبد بنایا گیا۔ اس دن ہمارے بزرگوں کا ایک کتب خانہ بھی جلایا گیا جس میں پانچ سو نسخہ قرآن شریف کا قلمی تھا جو نہایت بے ادبی سے جلایا گیا۔ اور آخر سکھوں نے کچھ سوچ کر ہمارے بزرگوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مرد و زن چھکڑوں میں بٹھا کر نکالے گئے [۷۴] اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزین ہوئے۔ [۷۵] تھوڑے عرصہ کے بعد انہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دی گئی۔ پھر رنجیت سنگھ کی سلطنت کے آخری زمانہ میں میرے والد صاحب مرحوم مرزا غلام مرتضیٰ قادیان میں واپس آئے اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد صاحب کے دیہات میں سے پانچ گاؤں واپس ملے۔ کیونکہ اس عرصہ میں رنجیت سنگھ نے دوسری اکثر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو دبا کر ایک بڑی ریاست اپنی بنالی تھی سو ہمارے تمام دیہات بھی رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آگئے تھے اور لاہور سے پشاور تک اور دوسری طرف لدھیانہ تک اس کی ملک داری کا سلسلہ پھیل گیا تھا غرض ہماری پرانی ریاست خاک میں مل کر آخر پانچ گاؤں ہاتھ میں رہ گئے۔ پھر بھی بلحاظ پرانے خاندان کے میرے والد صاحب مرزا غلام مرتضیٰ اس نواح میں مشہور رئیس تھے۔ گورنر جنرل کے دربار میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ بلائے جاتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خدمت گزاری میں پچاس گھوڑے معہ پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیئے تھے اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عندالضرورت وعدہ بھی دیا اور سرکار انگریزی کے حکام وقت سے بجا آوری خدمات عمدہ عمدہ چٹھیات خوشنودی مزاج ان کو ملی تھیں چنانچہ سرلیپل گریفن صاحب نے بھی اپنی کتاب تاریخ رئیسان پنجاب میں ان کا تذکرہ کیا ہے غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہر دلعزیز تھے۔ اور بسا اوقات ان کی دلجوئی کے لئے حکام وقت ڈپٹی کمشنران کے مکان پر ان کی ملاقات کرتے تھے"۔ [۷۶]

سرلیپل گریفن اور کرنل میسی کی شہادت

سرلیپل گریفن اور کرنل میسی نے (جن کی طرف مندرجہ بالا سطور میں اشارہ ہے) اپنی مشہور و معروف انگریزی کتاب "پنجاب چیفس" یا چیفس اینڈ فیمیلیز آف نوٹ ان دی پنجاب" میں حضرت اقدسؑ کے خاندانی حالات پر ایک نوٹ لکھا ہے جس کا مستند ترجمہ درج ذیل ہے۔ [۷۷] (اس نوٹ سے بالخصوص اس حقیقت پر نمایاں روشنی پڑتی ہے کہ پنجاب کے الحاق کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کی جاگیر "باغی سرداروں" کے ساتھ ضبط کر لی گئی تھی اور حضور

کا خاندان اس وقت تک ملکی حکومت کا خیر خواہ رہا جب تک کہ پورا ملک برطانوی اقتدار کے زیر نگیں نہیں آگیا)۔

"شہنشاہ بابر کے عہد حکومت کے آخری سال یعنی ۱۵۳۰ء میں ایک مغل مسمی ہادی بیگ باشندہ سمرقند اپنے وطن کو چھوڑ کر پنجاب میں آیا اور ضلع گورداسپور میں بودوباش اختیار کی یہ کسی قدر لکھا پڑھا آدمی تھا اور قادیان کے گردونواح کے ستر مواضعات کا قاضی یا مجسٹریٹ مقرر کیا گیا۔ ۷۸ کہتے ہیں کہ قادیان اس نے آباد کیا۔ اور اس کا نام اسلام پور قاضی رکھا جو بدلتے بدلتے قادیان ہو گیا ۷۹۔ کئی پشتوں تک یہ خاندان شاہی عہد حکومت میں معزز عہدوں پر ممتاز رہا۔ اور محض سکھوں کے عروج کے زمانہ میں یہ افلاس کی حالت میں ہو گیا تھا۔ گل محمد اور اس کا بیٹا عطا محمد رام گڑھیہ اور کنہیا مسلوں سے جن کے قبضہ میں قادیان کے گردونواح کا علاقہ تھا ہمیشہ لڑتے رہے اور آخر کار اپنی تمام جاگیر کو کھو کر عطا محمد بیگووال میں سردار فتح سنگھ اہلووالیہ کی پناہ میں چلا گیا اور بارہ سال تک امن وامان سے زندگی بسر کی۔ اس کی وفات پر رنجیت سنگھ نے جو رام گڑھیہ مسل کی تمام جاگیر پر قابض ہو گیا تھا غلام مرتضیٰ کو قادیان واپس بلالیا۔ ۸۰ اور اس کی جدی جاگیر کا ایک بہت بڑا حصہ اسے واپس دے دیا۔ اس پر غلام مرتضیٰ اپنے بھائیوں سمیت مہاراجہ کی فوج میں داخل ہوا اور کشمیر کی سرحد اور دوسرے مقامات پر قابل قدر خدمات انجام دیں۔ نونہال سنگھ شیر سنگھ اور دربار لاہور کے دور دورے میں غلام مرتضیٰ ہمیشہ فوجی خدمت پر مامور رہا۔ ۱۸۴۱ء میں یہ جرنیل ونچورا کے ساتھ منڈی اور کلو کی طرف بھیجا گیا اور ۱۸۴۳ء میں ایک پیادہ فوج کا کمیدان بنا کر پشاور روانہ کیا گیا۔ ہزارہ کے مفسدہ میں اس نے کارہائے نمایاں کئے اور جب ۱۸۴۸ء کی بغاوت ہوئی تو یہ اپنی سرکار کا نمک حلال رہا اور اس کی طرف سے لڑا۔ اس موقعہ پر اس کے بھائی غلام محی الدین نے بھی اچھی خدمات کیں۔ جب بھائی مہاراج سنگھ اپنی فوج لئے دیوان مولراج کی امداد کے لئے ملتان کی طرف جا رہا تھا۔ تو غلام محی الدین اور دوسرے جاگیر داران لنگر خاں ساہیوال اور صاحب خانہ ٹوانہ نے مسلمانوں کو بھڑکایا اور مصر صاحبدیال کی فوج کے ساتھ باغیوں سے مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دی۔ ان کو سوائے دریائے چناب کے کسی اور طرف بھاگنے کا راستہ نہ تھا جہاں چھ سو سے زیادہ آدمی ڈوب کر مر گئے۔

الحاق کے موقعہ پر اس خاندان کی جاگیر ضبط ہو گئی۔ مگر سات سو روپیہ کی ایک پنشن غلام مرتضیٰ اور اس کے بھائیوں کو عطا کی گئی اور قادیان اور اس کے گردونواح کے مواضعات پر ان کے حقوق مالکانہ رہے۔ اس خاندان نے غدر ۱۸۵۷ء کے دوران میں بہت اچھی خدمات کیں غلام مرتضیٰ نے بہت سے آدمی بھرتی کئے اور اس کا بیٹا غلام قادر جنرل نکلسن صاحب بہادر کی فوج میں اس وقت تھا جبکہ افسر

موصوف نے تریمو گھاٹ پر نمبر ۴۶ نیٹو انفنٹری کے باغیوں کو جو سیالکوٹ سے بھاگے تھے تہ تیغ کیا۔ جنرل نکلسن صاحب بہادر نے غلام قادر کو ایک سند دی جس میں یہ لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں خاندان قادیان ضلع گورداسپور کے تمام دوسرے خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا۔

غلام مرتضیٰ جو ایک لائق حکیم تھا ۱۸۷۶ء میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا غلام قادر اس کا جانشین ہوا۔ غلام قادر حکام مقامی کی امداد کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔ اور اس کے پاس ان افسران کے جن کا انتظامی امور سے تعلق تھا بہت سے سرٹیفکیٹ تھے۔ یہ کچھ عرصے تک گورداسپور میں دفتر ضلع کا سپرنٹنڈنٹ رہا۔ اس کا اکلوتا بیٹا کم سنی میں فوت ہو گیا اور اس نے اپنے بھتیجے سلطان احمد کو متبنیٰ کر لیا جو غلام قادر کی وفات یعنی ۱۸۸۳ء سے خاندان کا بزرگ خیال کیا جاتا تھا۔ مرزا سلطان احمد نے نائب تحصیلداری سے گورنمنٹ کی ملازمت شروع کی اور اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ تک ترقی پائی۔ یہ قادیاں کا نمبردار بھی تھا۔ مگر اس نمبرداری کا کام بجائے اس کے اس کا چچا نظام الدین کرتا تھا جو غلام محی الدین کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ مرزا سلطان احمد کو خان بہادر کا خطاب اور ضلع منٹگمری میں پانچ مربعہ جات اراضی عطا ہوئے اور ۱۹۳۰ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا سب سے بڑا لڑکا مرزا عزیز احمد ایم اے اب خاندان کا سرکردہ اور پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہے۔ خان بہادر مرزا سلطان احمد کا چھوٹا بیٹا رشید احمد ایک اولوالعزم زمیندار ہے اور اس نے سندھ میں اراضی کا بہت بڑا رقبہ لے لیا ہے۔ نظام الدین کا بھائی امام الدین جس کا انتقال ۱۹۰۴ء میں ہوا دہلی کے محاصرہ کے وقت ہاڈسن صاحب کے رسالہ میں رسالدار تھا۔ اس کا باپ غلام محی الدین تحصیلدار تھا"۔ [۸۱]

سر لیپل گریفن نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذاتی حالات بھی بیان کئے ہیں۔ چنانچہ لکھتا ہے:

"یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ غلام احمد جو مرزا غلام مرتضیٰ کا چھوٹا بیٹا ہے مسلمانوں کے ایک مشہور مذہبی فرقہ احمدیہ کا بانی ہوا۔ یہ شخص ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوا۔ [۸۲] اور اس کو تعلیم نہایت اچھی ملی۔ ۱۸۹۱ء میں اس نے بموجب اسلام مہدی یا مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ چونکہ یہ عالم اور منطقی تھا اس لئے دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے لوگ اس کے معتقد ہو گئے اور اب احمدیہ جماعت کی تعداد پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں تین لاکھ کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ مرزا عربی' فارسی اور اردو کی بہت سی کتابوں کا مصنف تھا۔ جن میں اس نے جہاد کے مسئلہ کی تردید کی۔ اور یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ان کتابوں نے مسلمانوں پر اچھا اثر کیا ہے۔ مدت تک یہ بڑی مصیبت میں رہا۔ کیونکہ مخالفین مذہب سے اس کے اکثر مباحثے اور مقدمے رہے۔ لیکن اپنی وفات سے پہلے جو ۱۹۰۸ء میں ہوئی اس نے ایک رتبہ

حاصل کرلیا کہ وہ لوگ بھی جو اس کے خیالات کے مخالف تھے اس کی عزت کرنے لگے۔ اس فرقہ کا صدر مقام قادیان ہے جہاں انجمن احمدیہ نے ایک بہت بڑا سکول کھولا ہے اور چھاپہ خانہ بھی ہے جس کے ذریعہ سے اس فرقہ کے متعلق خبروں کا اعلان کیا جاتا ہے۔ مرزا غلام احمد کا خلیفہ ایک مشہور حکیم مولوی نور الدین ہے جو چند سال مہاراجہ کشمیر کی ملازمت میں رہا ہے۔

اس خاندان کے سالم موضع قادیان پر جو ایک بڑا موضع ہے حقوق مالکانہ ہیں اور نیز تین ملحقہ مواضعات پر بشرح پانچ فی صدی حقوق تعلقہ داری حاصل ہیں"۔ ۸۲

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کا بیان ہے۔

"میں نے حضرت مسیح موعودؑ سے ان کی (مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب۔ ناقل) تعریف سنی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ مہاراجہ صاحب نے ہی یہ گاؤں واپس کیا.... بے شک مہاراجہ صاحب نے یہ گاؤں واپس کیا لیکن ہمارے خاندان نے بھی ہمیشہ ان کے خاندان سے وفاداری کی۔ جب انگریزوں سے لڑائیاں ہوئیں تو بعض بڑے بڑے سکھ سرداروں نے روپے لے لے کر علاقے انگریزوں کے حوالہ کر دیئے اور یہی وجہ ہے کہ وہاں ان کی جاگیریں موجود ہیں۔ یہاں سے پندرہ بیس میل کے فاصلہ پر سکھوں کا ایک گاؤں بھاگووال ہے وہاں سکھ سردار ہیں۔ مگر وہ بھی انگریزوں سے مل گئے تھے تو اس وقت بڑے بڑے سکھ خاندانوں نے بھی انگریزوں کا ساتھ دیا مگر ہمارے دادا صاحب نے کہا کہ میں نے اس خاندان کا نمک کھایا ہے اس سے غداری نہیں کر سکتا۔ کیا وجہ ہے کہ سکھ زمینداروں کی جاگیریں تو قائم ہیں مگر ہماری چھین لی گئی۔ اسی غصہ میں انگریزوں نے ہماری جائیداد چھین لی تھی کہ ہمارے دادا صاحب نے سکھوں کے خلاف ان کا ساتھ نہ دیا تھا۔ تاریخ سے یہ امر ثابت ہے کہ مہاراجہ صاحب نے سات گاؤں واپس کئے تھے پھر وہ کہاں گئے؟ وہ اسی وجہ سے انگریزوں نے ضبط کر لئے کہ ہمارے دادا صاحب نے ان کا ساتھ نہ دیا تھا اور کہا تھا کہ ہم نے مہاراجہ صاحب کی نوکری کی ہے ان کے خاندان کی غداری نہیں کر سکتے بھاگووال کے ایک اسی پچاسی سالہ بوڑھے سکھ کپتان نے مجھے سنایا کہ میرے دادا سناتے تھے کہ ان کو خود سکھ حکومت کے وزیر نے بلا کر کہا کہ انگریز طاقتور ہیں ان کے ساتھ صلح کرلو خواہ مخواہ اپنے آدمی مت مرواؤ۔ مگر ہمارے دادا صاحب نے مہاراجہ صاحب کے خاندان سے بے وفائی نہ کی اور اسی وجہ سے انگریزوں نے ہماری جائیداد ضبط کر لی بعد میں جو کچھ ملا مقدمات سے ملا۔ مگر کیا ملا۔ قادیان کی کچھ زمین دے دی گئی۔ باقی بھینی۔ ننگل اور کھارا کا مالکان اعلیٰ قرار دے دیا گیا مگر یہ ملکیت اعلیٰ سوائے کاغذ چاٹنے کے کیا ہے؟ یہ برائے نام ملکیت ہے جو اشک شوئی کے طور پر دی گئی اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے دادا صاحب نے غداری پسند نہ کی...... تاریخ

سے یہ بات ثابت ہے کہ جب ملتان کے صوبہ نے بغاوت کی تو ہمارے تایا صاحب نے ٹوانوں کے ساتھ مل کر اسے فرو کیا تھا اور اس وقت سے ٹوانوں اور نون خاندان کے ساتھ ہمارے تعلقات چلے آتے ہیں پس جہاں تک شرافت کا سوال ہے ہمارے خاندان نے سکھ حکومت سے نہایت دیانتداری کا برتاؤ کیا اور اس کی سزا کے طور پر انگریزوں نے ہماری جائیداد ضبط کرلی ورنہ سری گوبندپور کے پاس اب تک ایک گاؤں موجود ہے جس کا نام ہی مغلاں ہے اور وہاں تک ہماری حکومت کی سرحد تھی اور اس علاقہ کے لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہاں تک ہماری حکومت تھی اور یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ سے پہلے کی بات ہے"۔

(خطبہ جمعہ غیر مطبوعہ ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

حواشی

ا- حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۰۱ حاشیہ طبع اول - تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۸-۱۹ طبع اول
۲- تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۸-۱۹ طبع اول - اربعین نمبر ۲ حاشیہ صفحہ ۷ا طبع اول - چشمہ معرفت صفحہ ۳۱۶ - حقیقۃ الوحی صفحہ ۷۷ و صفحہ ۷۸-
۳- مشکوۃ جلد نمبر ۲ صفحہ ۸۳ ۴ و بخاری کتاب التفسیر جزء ثالث مصری صفحہ ۱۲۵-
۴- اس قابل قدر تحقیق کا سہرا مولوی عبدالرحیم صاحب درد (۱۸۹۴ء-۱۹۵۵ء) کے سر ہے - جنہوں نے انگلستان میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دینے کے علاوہ برٹش میوزیم وغیرہ سے استفادہ کرتے ہوئے وسیع تحقیق کی اور اپنی قیمتی معلومات ریویو آف ریلیجنز اردو (قادیان) دسمبر ۱۹۳۴ء کے شمارے میں شائع کیں - مولف "مجدد اعظم" نے اپنی تالیف میں اگرچہ درد صاحب کی تحقیق سے استفادہ کرتے ہوئے اس کا اقرار بھی کیا ہے مگر انہوں نے مستشرقین کے نام نقل کرنے میں پوری احتیاط سے کام نہیں لیا - (مثلاً صفحہ ۴۳ و لیم ارسکائن کی بجائے "ارسکن" لکھ دیا گیا ہے بعض جگہ حوالے کسی اور نام کی طرف منسوب کر دیئے گئے مثلاً صفحہ ۵ پر انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھکس کے ایک مضمون کو جو ایک خاتون M.A. Czaplica کا لکھا ہوا ہے مسز "ہیسٹنگز" کا ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ یہ انسائیکلوپیڈیا ایک نہایت مشہور کتاب ہے جسے انہوں نے مرتب کیا ہے تصنیف نہیں کیا - چنانچہ ریویو دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۳۳ میں صاف یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ "I. Hastings. Edited by" علاوہ ازیں خود ریویو آف ریلیجنز کے کاتب نے پروفیسر گب کو گبل بنا دیا ہے - اس لئے یہ فروگذاشت بھی لازماً "مجدد اعظم" جلد اول (صفحہ ۵-۶) کی طرف منتقل ہو گئی ہے -
۵- "سیرت المہدی" حصہ اول صفحہ ۱۲۸ طبع ثانی مرتبہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب (سن اشاعت ۲۲ - دسمبر ۱۹۳۵ء)
۶- ایضاً "کتاب البریہ" طبع اول صفحہ ۱۳۴ حاشیہ - ناشر احمدیہ کتاب گھر قادیان
۷- "Zamer Lame" (مطبوعہ نیویارک - ۱۹۲۸ء)
۸- زیر لفظ "Scythians" جلد نمبر ۱۶ مطبوعہ U.S.A 1980ء
۹- عربی زبان میں فارس کے معنی ہیں "گھوڑے کا سوار اور بہادر" (بیان اللسان عربی اردو ڈکشنری مرتبہ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی) شائع کردہ مکتبہ علیہ قاضی واڑہ میرٹھ - فرس عربی زبان میں گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی کنیت اہل عرب کے نزدیک ابو شجاع ہے (لطائف اللغہ مولفہ احمد بن مصطفیٰ دمشقی) صفحہ ۲۳)
۱۰- اس نے فارسی فرانسیسی لغات میں لکھا ہے جو ۱۹۰۸ء میں روما سے شائع ہوا -
۱۱- شیخ ابو الفضل نے اکبر نامہ (فارسی مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۷ء) میں برلاس کے معنی شجاع نسب ہی کے لکھے ہیں -
۱۲- Zamer Lane
۱۳- "History of Bukhara" صفحہ ۱۶۳ مطبوعہ لنڈن ۱۸۷۳ء - اس کتاب کا اردو ترجمہ ۱۹۵۹ء میں مجلس ترقی ادب لاہور نے "تاریخ بخارا" کے نام سے شائع کیا ہے -
۱۴- طبقات ناصری صفحہ ۱۰۹۴ تالیف منہاج الدین عثمان -
۱۵- (Persia) پرشیا (مطبوعہ آکسفورڈ ۱۹۲۳ء - ایضاً انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا - ابن عرب شاہ (مطبوعہ ۱۸۱۸ء کلکتہ) صفحہ ۱۰-
۱۶- ۱۳۳۵ء میں سمرقند کے پچاس میل جنوب ایک قصبہ کش میں پیدا ہوا (تاریخ ہند) -
۱۷- History of Mongols صفحہ ۱۴ مصنفہ ہاورتھ (Hoverth) مطبوعہ پیرس ۱۸۳۴ء
۱۸- صفحہ ۹۲
۱۹- Institution of Tamur مترجمہ ڈیوی آکسفورڈ مطبوعہ ۱۷۸۳ء صفحہ ۳۰۸
۲۰- "تاریخ اقوام عالم" (از مرتضیٰ احمد خان) طبع دوم صفحہ ۴۲۲ شائع کردہ "مجلس ترقی ادب" لاہور

۲۱- ہارٹ آف ایشیا (قلب ایشیا) مطبوعہ ۱۸۹۹ء صفحہ ۱۶۸-
۲۲- ہسٹری آف پرشیا (تاریخ فارس)
۲۳- History of Bkhara نیز ملاحظہ ہو پروفیسر آرتھر کرسٹن سین پروفیسر السنہ شرقیہ ڈنمارک کی کتاب "ایران بعہد ساسان" صفحہ ۲۷۵-۲۷۶ مترجمہ ڈاکٹر محمد اقبال پروفیسر اورینٹل کالج لاہور شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۴۷ء-
۲۴- شاہنامے میں ایران کے ایک قدیم شاہی جھنڈے کا ذکر ہے جس پر شیر ببر کی تصویر ہے (شاہنامہ طبع فولرس جلد ۱ صفحہ ۸۷ ۴ شعر ۷۴۳) پروفیسر آرتھر کرسٹن لکھتے ہیں کہ "شاعر نے اکثر قدیم بہادروں کے جھنڈوں کو بیان کیا ہے- چونکہ یہ بیانات ساسانی ماخذوں سے لئے گئے ہیں لہٰذا یقینی بات ہے کہ ساسانی جھنڈوں کو نمونے کے طور پر پیش نظر رکھا گیا ہو گا"- (ایران بعہد ساسان صفحہ ۲۷۶)
۲۵- Memoirs of Tamur Page 28
۲۶- History of Bukhara Page 63
۲۷- دیباچہ "دربار تیمور میں سفارت" مصنفہ سی آر مرخم مطبوعہ لنڈن صفحہ ۱۲
۲۸- تاریخ رشیدی کا ترجمہ انگریزی مطبوعہ لنڈن ۱۸۹۸ء صفحہ ۱۸ باب پنجم-
۲۹- انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا-
۳۰- ترکستان (انگریزی) جلد اول مطبوعہ لنڈن ۱۸۷۶ء صفحہ ۲۳۶-
۳۱- اریانہ انٹی کا (Ariana Antiqua) صفحہ ۱۴۱
۳۲- ہسٹری آف بخارا صفحہ ۳۵ و صفحہ ۵ مطبوعہ لنڈن ۱۸۷۳ء-
۳۳- "ترک وسطی ایشیا میں" صفحہ ۳۴-
۳۴- "وسط ایشیا میں عربوں کی فتوحات" مطبوعہ ۱۹۲۳ء-
۳۵- "ترکستان" جلد اول صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ ۱۸۷۶ء-
۳۶- "وسط ایشیا میں عربوں کی فتوحات" صفحہ ا مطبوعہ ۱۹۲۳ء-
۳۷- انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھکس زیر لفظ "ترک"-
۳۸- یہ صاحب ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر اور بھوپال اور راجپوتانہ کی ریاستوں کے ریذیڈنٹ کے عہدہ پر بھی رہے ہیں-
۳۹- تاریخ ہندوستان جلد سوم صفحہ ۲ از مولانا ذکاء اللہ خان مطبوعہ ۱۹۱۶ء مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ-
۴۰- غیاث اللغات صفحہ ۳۱۵ مولفہ مولانا سراج علی خاں آرزو مطبوعہ لکھنؤ-
۴۱- (بین الاقوامی جغرافیہ (Universal Geography) صفحہ ۲۳۵
۴۲- "The Great Orcental Monorchy" صفحہ ۲۴-
۴۳- The Roces of Man and their distribution (نسل انسانی اور اس کی تقسیم) صفحہ ۲۷ مطبوعہ کیمرج ۱۹۲۴ء-
۴۴- "تاریخ ملل قدیمہ" صفحہ ۵۰۴ مصنفہ سینوبس (فرانسیسی) مترجم سید محمود اعظم فہمی شائع کردہ دفتر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد ۱۹۲۱ء- "مقدمہ تاریخ ہند قدیم" صفحہ ۲۹ (از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی) مطبوعہ جولائی ۱۹۳۳ء مکتبہ عبرت نجیب آبادیوپی-
۴۵- رسالہ "اشاعت السنہ" جلد ۷ صفحہ ۱۹۳ مقام اشاعت بٹالہ ضلع گورداسپور-
۴۶- ولادت ۳۰- مارچ ۱۲۳۵ء مطابق ۲۵- شعبان ۷۳۶ھ تاریخ ہندوستان جلد سوم مرتبہ شمس العلماء مولانا ذکاء اللہ خاں-
۴۷- یہ شجرہ نسب تاریخ ہندوستان جلد سوم مرتبہ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ خاں دہلوی مطبوعہ ۱۹۱۴ء سے ماخوذ ہے-
۴۸- تیمور ۸۰۷ھ مطابق ۱۴۰۴ء میں بغداد، ہندوستان، روم اور مصر کی فتوحات حاصل کرنے کے بعد ماوراء النہر کے علاقے میں داخل ہوا اور تینتیس برس کی عمر میں قریباً ۱۳۶۸ء میں سمرقند کی سلطنت پر قابض ہوا- تاریخ وفات ۱۷- فروری ۱۴۰۵ء توفیقات الہامیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۴۰۴- تاریخ ہندوستان از مولانا ذکاء اللہ خان جلد سوم صفحہ ۲۱-۲۵ و تاریخ ہند و پاکستان صفحہ ۱۹۷-

۴۹۔ گھاگرا کی لڑائی ۶۔ مئی ۱۵۲۹ء کو ہوئی اور بابر کا انتقال ۲۶۔ دسمبر ۱۵۳۰ء کو ہوا (تاریخ ہندو پاکستان)
۵۰۔ سن وفات ۹۴۰ھ "رود کوثر" (مرتبہ شیخ محمد اکرم ایم اے ناشر تاج آفس بندر روڈ کراچی۔
۵۱۔ سن وفات ۹۳۵ھ (تذکرہ اولیاء ہندو پاکستان از مرزا اختر دہلوی ناشر ملک سراج الدین بازار کشمیری لاہور مطبوعہ ۱۹۵۴ء
۵۲۔ سن وفات ۹۴۷ھ (ایضاً)
۵۳۔ سن وفات ۹۴۸ھ (ایضاً)
۵۴۔ سن وفات ۹۴۲ھ (ایضاً)
۵۵۔ سن وفات ۹۴۳ھ (ایضاً)
۵۶۔ "رود کوثر" صفحہ ۲۲، ۲۳۔
۵۷۔ "تعارف" صفحہ ۲۳۰-۲۳۱۔
۵۸۔ مطابق ۱۸۰۶ء و ۱۲۲۱ھ (تقویم عمری از حضرت میاں معراج دین عمرؓ مطبوعہ ۱۹۰۶ء نیز توفیقات الہامیہ تالیف اللواء المصری محمد مختار باشا طبع اول بالمطبعۃ المیریہ بولاق مصر المحمیہ ۱۳۱۱ھ صفحہ ۶۔
۵۹۔ شمشیر خالصہ یا تواریخ گورو خالصہ جلد سوم ۲۸۴ مولفہ بھائی گیان سنگھ مطبوعہ ۱۸۹۳ء۔
۶۰۔ ۱۳۷۱ء تا ۱۹۱۷ء)
۶۱۔ "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۱۴۷ تا ۱۵۲ طبع اپریل ۱۹۳۹ء بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان۔
۶۲۔ "سیرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۱۲۹۔
۶۳۔ حضرت مرزا گل محمد صاحب کے حالات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۷، ۱۴۔ جون ۱۹۴۲ء۔ "سیرت المہدی" حصہ اول صفحہ ۴۰، ۴۱۔ "حیات النبیؐ" جلد اول صفحہ ۲۴ تا ۲۷ مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی طبع اول اکتوبر ۱۹۱۵ء ہندوستان سٹیم پریس لاہور، الحکم ۱۴۔ جنوری ۱۹۳۸ء "ستارہ قیصریہ" صفحہ ۶ الحکم ۳۰۔ نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۲۔ الحکم ۱۴۔ جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۵، ۶۔
۶۴۔ عمدۃ التواریخ دفتر اول صفحہ ۲۰ از لالہ سوہن لعل مطبع آریہ پریس لاہور ۱۸۸۵ء ایضاً دفتر سوم حصہ اول صفحہ ۶۷۔
۶۵۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۳۷ء۔ صفحہ ۲۰
۶۶۔ "قادیان" صفحہ ۷۸
۶۷۔ شمشیر خالصہ حصہ سوم صفحہ ۷۰۹ طبع اول (۱۸۹۲ء) از بھائی گیان سنگھ گیانی۔
۶۸۔ یاد رہے کہ ان لڑائیوں کے دوران میں پنجاب کے "ہزاروں سکھ انگریزوں کے ساتھ مل گئے تھے"۔ ("بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد" از رئیس احمد جعفری ندوی صفحہ ۶۲۲ ناشر کتاب منزل کشمیری بازار لاہور)۔
۶۹۔ "الحاق پنجاب کے وقت باغی سرداروں کی جاگیریں ضبط کر کے ان کی پنشن مقرر کر دی گئی تھی"۔ (تاریخ ہندو پاکستان) حصہ دوم صفحہ ۱۷۵۔
۷۰۔ یہ حصہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ایک غیر مطبوعہ خطبہ (فرمودہ ۲۲۔ نومبر ۱۹۴۵ء) سے ماخوذ ہے جو شعبہ زود نویسی (ربوہ) کے ریکارڈ میں موجود ہے۔
۷۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے اب وجد سمرقند سے ملک ہند میں جب وارد ہوئے تو پہلے دہلی گئے تھے۔ چنانچہ ازالہ اوہام میں فرماتے ہیں۔ "بابر بادشاہ کے وقت میں کہ جو چغتائی سلطنت کا مورث اعلیٰ تھا بزرگ اجداد اس نیاز مند الٰہی کے خاص سمرقند سے ایک جماعت کثیر کے ساتھ کسی سبب سے جو بیان نہیں کیا گیا ہجرت اختیار کر کے دلی میں پہنچے۔ اور دراصل یہ بات ان کاغذوں سے اچھی طرح واضح نہیں ہوتی کہ کیا وہ بابر کے ساتھ ہی ہندوستان میں داخل ہوئے تھے یا بعد اس کے بلا توقف اس ملک میں پہنچ گئے۔ لیکن یہ امر اکثر کاغذات کے دیکھنے سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ساتھ ہی پہنچے ہوں یا کچھ دن پیچھے آئے ہوں مگر انہیں شاہی خاندان سے کچھ ایسا خاص تعلق تھا جس کی وجہ سے وہ اس گورنمنٹ کی نظر میں معزز سرداروں میں سے شمار کئے گئے تھے"۔ (ازالہ اوہام حاشیہ صفحہ ۱۲۱-۱۲۲ طبع اول) مطبوعہ ریاض ہند پریس امرت سر ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ۔

۷۲- ازالہ اوہام طبع اول ۱۸۹۱ء صفحہ ۱۲۸ تا ۱۳۰۔
۷۳- قادیان کے قلعہ میں آنے جانے کے لئے چار دروازے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں بٹالی دروازہ' پہاڑی دروازہ' موری دروازہ اور ننگلی دروازہ ("قادیان" مرتبہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی صفحہ ۶ طبع اول) عالمگیر الیکٹرک پریس سید مٹھا بازار لاہور طبع اول ۱۹۴۱ء۔
۷۴- تخمیناً ۱۸۰۲ء "قادیان" صفحہ ۷۹)۔
۷۵- کپور تھلہ۔
۷۶- "کتاب البریہ" طبع اول حاشیہ ۱۴۴ تا ۱۴۶ (نوٹ) حضرت اقدس نے اپنے خاندانی حالات مندرجہ ذیل کتب میں بھی بیان فرمائے ہیں۔ "ازالہ اوہام" بار اول صفحہ ۱۲۰' ۱۳۳ "آئینہ کمالات اسلام" حصہ عربی صفحہ ۴۹۸ تا ۵۱۶ "ستارہ قیصرہ" طبع سوم ۲-۳ "کشف الغطاء" بار دوم صفحہ ۲-۳ "لجۃ النور" صفحہ ۶-۱۱ "تحفہ قیصریہ" طبع اول ۱۸-۱۹ نیز ملاحظہ ہو الحکم ۱۴۔ جون ۱۹۴۳ء' ۱۴۔ جنوری ۱۹۳۹ء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات (از معراج الدین صاحب عمر) حیات النبی جلد اول ۳' ۲۳ "سیرۃ المہدی" اول صفحہ ۳۵' ۷' ۴۰' ۴۳ "حیات احمد" جلد دوم و سوم صفحہ ۸۴' ۸۵ "سیرۃ المہدی" اول صفحہ ۱۲۸-۱۳۸ از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب مطبوعہ اسلامی پریس حیدر آباد دکن دسمبر ۱۹۵۰ء۔
۷۷- یہ ترجمہ سید نوازش علی پنشنر مترجم محکمہ عالیہ پنجاب گورنمنٹ نے ۱۹۴۱ء میں گورنمنٹ کی خاص اجازت سے ضروری اضافوں کے ساتھ "تذکرہ رؤسائے پنجاب" کے نام سے شائع کیا۔
۷۸- آپ نہایت درجہ ذی علم و فہیم بزرگ تھے۔ جیسا کہ لیپل گریفن کے اگلے الفاظ سے ظاہر ہے۔
۷۹- یہاں حاشیہ میں لکھا ہے کہ "پنجابی زبان میں جسے ضاد بولتے ہیں اکثر عربی زبان میں دال سے بدل جاتا ہے۔ چنانچہ گنبض' گنبد' استاد' استاض"۔
۸۰- یہ ۱۸۳۴ء کا واقعہ ہے کتاب "قادیان" مولفہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم صفحہ ۷۹۔
۸۱- "تذکرہ رؤسائے پنجاب" جلد دوم صفحہ ۶۷ تا ۶۹۔
۸۲- صحیح تحقیق کے مطابق تاریخ ولادت ۱۳۔ فروری ۱۸۳۵ء ہے (ناقل)
۸۳- "ترجمہ پنجاب چیفس" طبع اول۔ بحوالہ "سیرت مسیح موعود" نوشتہ حضرت خلیفہ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز صفحہ ۵-۶۔

باب سوم

حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کی ولادت مبارک پاکیزہ بچپن اور دور تعلیم

(۱۸۳۵ء - ۱۸۵۳ء)

بانی سلسلہ احمدیہ سیدنا حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت چراغ بی بی کے بطن مبارک سے ۱۴- شوال ۱۲۵۰ھ بمطابق ۱۳- فروری ۱۸۳۵ء[1] (بروز جمعہ طلوع فجر کے

۱- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ پیدائش کی تعیین کے سلسلہ میں حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ پیدائش اور عمر بوقت وفات کا سوال ایک عرصے سے زیر غور چلا آتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تصریح فرمائی ہے۔ کہ حضور کی تاریخ پیدائش معین صورت میں محفوظ نہیں ہے۔ اور آپ کی عمر کا صحیح اندازہ معلوم نہیں (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۹۳) کیونکہ آپ کی پیدائش سکھوں کی حکومت کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ جبکہ پیدائشوں کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا تھا۔ البتہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض ایسے امور بیان فرمائے ہیں جن سے ایک حد تک آپؑ کی عمر کی تعیین کی جاتی رہی ہے۔ ان اندازوں میں سے بعض اندازوں کے لحاظ سے آپؑ کی پیدائش کا سال ۱۸۴۰ء بنتا ہے۔ اور بعض کے لحاظ سے ۱۸۳۱ء تک پہنچتا ہے۔ اور اسی لئے یہ سوال ابھی تک زیر بحث چلا آیا ہے کہ صحیح تاریخ پیدائش کیا ہے؟۔
میں نے اس معاملہ میں کئی جہت سے غور کیا ہے۔ اور اپنے اندازوں کو سیرۃ المہدی کے مختلف حصوں میں بیان کیا ہے۔ لیکن حق یہ ہے۔ کہ گو مجھے یہ خیال غالب رہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کا سال ۱۸۳۶ء عیسوی یا اس کے قریب قریب ہے۔ مگر ابھی تک کوئی معین تاریخ معلوم نہیں کی جا سکی تھی۔ لیکن اب بعض حوالے اور بعض روایات ایسی ملی ہیں۔ جن سے یقینی طور پر معین تاریخ کا پتہ لگ گیا ہے۔ جو بروز جمعہ ۱۴- شوال ۱۲۵۰ ہجری مطابق ۱۳- فروری ۱۸۳۵ء عیسوی مطابق یکم پھاگن ۱۸۹۱ بکرمی ہے۔ اس تعیین کی وجوہ یہ ہیں:
۱- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعیین اور تصریح کے ساتھ لکھا ہے۔ جس میں کسی غلطی یا غلط فہمی کی گنجائش نہیں۔ کہ میری پیدائش جمعہ کے دن چاند کی چودھویں تاریخ کو ہوئی تھی (دیکھو تحفہ گولڑویہ بار اول صفحہ ۱۱۰ حاشیہ) ۲- ایک زبانی روایت کے ذریعہ جو مجھے مکرمی مفتی محمد صادق صاحب کے واسطہ سے پہنچی ہے۔ اور جو مفتی صاحب موصوف نے اپنے پاس لکھ کر محفوظ کی ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ فرمایا تھا۔ کہ ہندی مہینوں کے لحاظ سے میری پیدائش پھاگن کے مہینہ میں ہوئی تھی۔ ۳- مندرجہ بالا تاریخ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے متعدد بیانات سے بھی قریب ترین مطابقت رکھتی ہے۔ مثلاً یہ کہ آپ ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں شرف مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہوئے تھے (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۹) اور اس وقت آپ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ (تریاق القلوب صفحہ ۶۸) وغیرہ وغیرہ۔
میں نے گزشتہ جنتریوں کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اور دوسروں سے بھی کرایا ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ پھاگن کے مہینے میں جمعہ کا دن اور چاند کی چودھویں تاریخ کس کس سن میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اس تحقیق سے یہی ثابت ہوا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

بعد) قادیان ضلع گورداسپور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی طرح آپ کی پیدائش میں بھی ندرت اور معجزانہ [2] رنگ تھا۔ کیونکہ آپ عالم اسلام کے مشہور صوفی

کی تاریخ پیدائش ۱۴۔ شوال ۱۲۵۰ ہجری مطابق ۱۳۔ فروری ۱۸۳۵ء عیسوی ہے جیسا کہ نقشہ ذیل سے ظاہر ہوگا۔

تاریخ اور سن عیسوی	تاریخ چاند معہ سن ہجری	دن	تاریخ ہندی مہینہ معہ سن بکرمی
۴۔ فروری ۱۸۳۱ء	۲۰۔ شعبان ۱۲۴۶ ہجری	جمعہ	۷ پھاگن ۱۸۸۷ بکرم
۱۷۔ فروری ۱۸۳۲ء	۱۴۔ رمضان ۱۲۴۷ ہجری	جمعہ	یکم پھاگن ۱۸۸۸ بکرم
۸۔ فروری ۱۸۳۳ء	۱۷/ ۱۲۴۸ ہجری	جمعہ	۴۔ پھاگن ۱۸۸۹ بکرم
۲۸۔ فروری ۱۸۳۴ء	۱۸۔ شوال ۱۲۴۹ ہجری	جمعہ	۵۔ پھاگن ۱۸۹۰ بکرم
۱۳۔ فروری ۱۸۳۵ء	۱۴۔ شوال ۱۲۵۰ ہجری	جمعہ	یکم۔ پھاگن ۱۸۹۱ بکرم
۵۔ فروری ۱۸۳۶ء	۱۷۔ شوال ۱۲۵۱ ہجری	جمعہ	۳۔ پھاگن ۱۸۹۲ بکرم
۲۴۔ فروری ۱۸۳۷ء	۱۸۔ ذیقعدہ ۱۲۵۲ ہجری	جمعہ	۴۔ پھاگن ۱۸۹۳ بکرم
۹۔ فروری ۱۸۳۸ء	۲۰۔ ذیقعدہ ۱۲۵۳ ہجری	جمعہ	۷۔ پھاگن ۱۸۹۴ بکرم
یکم فروری ۱۸۳۹ء	۱۵۔ ذیقعدہ ۱۲۵۴ ہجری	جمعہ	۳۔ پھاگن ۱۸۹۵ بکرم
۲۱۔ فروری ۱۸۴۰ء	۱۶۔ ذی الحج ۱۲۵۵ ہجری	جمعہ	۴۔ پھاگن ۱۸۹۶ بکرم

(توفیقات الہامیہ مصری و تقویم عمری ہندی)

اس نقشہ کی رو سے ۱۸۳۲ء عیسوی کی تاریخ بھی درست سمجھی جاسکتی ہے مگر دوسرے قرائن سے جن میں سے بعض اوپر بیان ہو چکے ہیں اور بعض آگے بیان کئے جائیں گے۔ صحیح یہی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش ۱۸۳۵ء عیسوی میں ہوئی تھی۔ پس ۱۳۔ فروری ۱۸۳۵ء عیسوی مطابق ۱۴۔ شوال ۱۲۵۰ ہجری بروز جمعہ والی تاریخ صحیح قرار پاتی ہے اور اس حساب کی رو سے وفات کے وقت جو ۲۴۔ ربیع الثانی ۱۳۲۶ ہجری (اخبار الحکم ضمیمہ مورخہ ۲۸۔ مئی ۱۹۰۸ء) میں ہوئی۔ آپ کی عمر پورے ۷۵ سال ۶ ماہ اور دس دن بنتی ہے۔ میں امید کرتا ہوں۔ کہ اب جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کی تاریخ معین طور پر معلوم ہو گئی ہے۔ ہمارے احباب اپنی تحریر و تقریر میں ہمیشہ اسی تاریخ کو بیان کیا کریں گے۔ تا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی تاریخ پیدائش کے متعلق کوئی ابہام اور اشتباہ کی صورت نہ رہے۔ اور ہم لوگ اس بارے میں ایک معین بنیاد پر قائم ہو جائیں۔

اس نوٹ کے ختم کرنے سے قبل یہ ذکر بھی ضروری ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک الہام میں یہ بتایا گیا تھا کہ آپؑ کی عمر اسی یا اس سے پانچ چار کم یا پانچ چار زیادہ ہوگی (حقیقتہ الوحی صفحہ ۹۶) اگر اس الہام الٰہی کے لفظی معنی لئے جائیں تو آپ کی عمر پچھتر ۷۵ چھہتر یا اسی یا چوراسی۔ پچاسی سال کی ہونی چاہئے بلکہ اگر اس الہام کے معنی کرنے میں زیادہ لفظی پابندی اختیار کی جائے تو آپ کی عمر پورے ساڑھے پچھتر یا اسی یا ساڑھے چوراسی سال کی ہونی چاہئے اور یہ ایک عجیب قدرت نمائی ہے کہ مندرجہ بالا تحقیق کی رو سے آپ کی عمر پورے ساڑھے پچھتر سال بنتی ہے۔ اسی ضمن میں یہ بات بھی قابل نوٹ ہے کہ ایک دوسری جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اپنی پیدائش کے متعلق بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ سے لے کر ہزار ششم میں سے ابھی گیارہ سال باقی رہتے تھے۔ کہ میری ولادت ہوئی اور اسی جگہ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ابجد کے حساب کے مطابق سورۃ والعصر کے اعداد سے آنحضرت ﷺ کا زمانہ نکلتا ہے جو شمار کے لحاظ سے ۴۷۳۹ سال بنتا ہے (دیکھو تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۳، ۹۴، ۹۵ حاشیہ) یہ زمانہ اصولاً ہجرت تک شمار ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہجرت سے نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اب اگر یہ حساب نکالا جائے۔ تو اس کی رو سے بھی آپ کی پیدائش کا سال ۱۲۵۰ھ بنتا ہے۔ کیونکہ ۶۰۰۰ میں سے ۱۱ نکالنے سے ۵۹۸۹ رہتے ہیں اور ۵۹۸۹ میں سے ۴۷۳۹ منہا کرنے سے ۱۲۵۰ بنتے ہیں۔ گویا اس جہت سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے متعلق مندرجہ بالا حساب صحیح قرار پاتا ہے۔ (مطبوعہ "الفضل" قادیان ۱۱ اگست ۱۹۳۶ء صفحہ ۳)

۲۔ فصوص الحکم صفحہ ۳۶ ترجمہ مولانا الفاضل محمد مبارک علی مطبوعہ ۱۳۰۸ھ

حضرت محی الدین ابن عربیؒ کی ایک پیشگوئی کے مطابق توام [۳] پیدا ہوئے تھے۔ آپ پانچ بہن بھائی تھے۔ سب سے بڑی آپ کی ہمشیرہ حضرت مراد بیگمؓ تھیں جو مرزا محمد بیگ کے عقد زوجیت میں آئیں اور بڑی عابدہ اور صاحب رؤیا و کشف خاتون تھیں۔ ان سے چھوٹے مرزا غلام قادر صاحب مرحوم تھے۔ ان سے چھوٹے آپ کے ایک اور بھائی تھے جو بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ ان سے چھوٹی حضورؑ کے ساتھ توام پیدا ہونے والی بہن تھیں جن کا نام جنت تھا اور جو بہت جلد فوت ہو گئیں۔ حضرت اقدسؑ کے بھائی بہنوں میں قریباً دو دو سال کا تفاوت تھا۔ [۴]

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت سے تین برس پیشتر مجدد صدی سیزدہم حضرت سید احمد بریلویؒ اور اسمٰعیل شہید بالاکوٹ میں جام شہادت نوش فرما چکے تھے [۵] اور آپ کی ولادت کے وقت عیسائیت کا سیلاب جو ۲۲۔ جون ۱۸۱۳ء سے اشاعت تبلیغ کے اجازت نامے کے بعد (پنجاب کے سوا) پورے ہندوستان کو محیط ہو رہا تھا۔ پنجاب کے کناروں تک آپہنچا تھا چنانچہ ٹھیک ۱۸۳۵ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ولیم بنٹنگ کی رائے اور برطانوی سکیم کے عین مطابق پادری جے سی لوری نے انگریزی مملکت کی سرحد پر لدھیانہ میں پنجاب کا پہلا عیسائی مشن قائم کیا۔ جہاں برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ کیپٹن ویڈ (Captain Wade) نے پہلے سے ایک عیسائی سکول قائم کر رکھا تھا۔ [۶] پس کیا ہی عجیب خدائی تصرف ہے کہ جونہی جے سی لوری "باب لد" یعنی لدھیانہ تک پہنچے خدا تعالیٰ نے کاسر صلیب پیدا کر دیا۔ ادھر زہر پیدا ہوئی اور ادھر اس کا تریاق نمودار ہو گیا۔ پنجاب میں جہاں حضورؑ کی پیدائش ہوئی مہاراجہ رنجیت سنگھ برسراقتدار تھا۔ [۷] جس نے ۱۸۰۲ء میں بھنگی مسل کے سرداروں سے امرت سر پر قبضہ کر کے مہاراجہ کا لقب اختیار کر لیا۔ اور پھر قصور٬ جموں٬ کانگڑہ٬ اٹک٬ جھنگ٬ ملتان٬ ہزارہ٬ بنوں اور پشاور تک کے علاقے زیر نگیں کر لئے۔ ۱۸۱۶۔۱۸۱۷ء میں رام گڑھیوں کو شکست دے کر قادیان کی ریاست بھی اپنی عملداری میں شامل کر لی۔ لیکن حضرت بانی کی پیدائش سے چند ماہ قبل حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کو قادیان کے اردگرد کے پانچ گاؤں ان کی خاندانی ریاست میں سے انہیں واپس کر دیئے۔ اس طرح چند ماہ قبل آپ کے خاندانی مصائب و مشکلات کے دور کو فراخی اور کشائش میں بدل ڈالا اور آپ کی پیدائش خاندان کے لئے مادی اعتبار سے بھی باعث صد برکت ثابت ہوئی۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ کی والدہ ماجدہ آپ کو مخاطب کرتے ہوئے اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ ہمارے خاندان کے مصیبت کے دن تیری ولادت کے ساتھ پھر گئے اور فراخی میسر آگئی۔ اور اسی لئے وہ آپ کی پیدائش کو نہایت مبارک سمجھتی تھیں۔ [۸]

حضرت کا پاکیزہ بچپن

حضرت اقدس علیہ السلام کا بچپن ملکی ماحول کی بے شمار آلودگیوں کے باوجود معجزانہ طور پر نہایت درجہ پاکیزہ اور مقدس تھا۔ آپ کو کم سنی میں قادیان اور اس کے مضافات کے علاوہ اپنے ننہال ایمہ ضلع ہوشیار پور میں بھی کئی مرتبہ جانے کا اتفاق ہوا۔ [۹] مگر آپ جہاں بھی تشریف لے گئے دوسرے تمام بچوں سے ممتاز پائے گئے۔ متانت، سنجیدگی، تنہا پسندی اور گہرے غور و فکر کی قوت ابتداء ہی سے قدرت نے آپ کو ودیعت کر رکھی تھی اور آپ بچپن ہی سے ایک نرالی دنیا کے فرد نظر آتے تھے۔ موضع بہادر حسین ضلع گورداسپور کے ایک سربرآوردہ شخص کی گواہی ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کے ساتھ ان کے گاؤں آئے تھے یہ گاؤں ان کی جاگیر تھا۔ "مرزا غلام قادر صاحب ہمارے ساتھ کھیلتے اور جو جو کھیلیں ہم کرتے وہ بھی کرتے مگر مرزا غلام احمد صاحبؑ نہ لڑکوں کے ساتھ کھیلتے اور نہ شوخی وغیرہ کی باتیں کرتے بلکہ چپ چاپ بیٹھے رہتے" [۱۰] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک ہم عمر ہندو کی شہادت ہے کہ "میں نے بچپن سے مرزا غلام احمد کو دیکھا ہے (علیہ السلام) میں اور وہ ہم عمر ہیں اور قادیان میرا آنا جانا ہمیشہ رہتا ہے اور اب بھی دیکھتا ہوں جیسی عمدہ عادات اب ہیں ایسی نیک خصلتیں اور عادات پہلے تھیں اب بھی وہی ہیں۔ سچا، امانت دار اور نیک۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ پرمیشور مرزا صاحب کی شکل اختیار کر کے زمین پر اتر آیا ہے اور پرمیشور اپنے جلوے دکھا رہا ہے"۔ [۱۱]

حضرت اقدسؑ اپنے عہد طفولیت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ ایک دفعہ آپ بچپن میں گاؤں سے باہر ایک کنوئیں پر بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوئی جو گھر سے لانی تھی۔ اس وقت آپ کے پاس ایک شخص بکریاں چرا رہا تھا۔ آپ نے اس سے کہا کہ مجھے یہ چیز لا دو۔ اس نے کہا میاں! میری بکریاں کون دیکھے گا؟ آپ نے کہا تم جاؤ میں ان کی حفاظت کروں گا اور چراؤں گا۔ چنانچہ آپ نے اس کی بکریوں کی نگرانی کی اور اس طرح خدا تعالیٰ نے نبیوں کی سنت آپ سے پوری کرا دی۔ [۱۲]

اٹھارہویں صدی کی ہلاکت آفرینیوں نے دنیا میں الحاد و دہریت اور فسق و فجور کا ایک تند و تیز سیلاب بہا رکھا تھا اور بڑے بڑے متدین خاندان اس کی زد میں آچکے تھے بلکہ خود آپ کے خاندان میں بے دینی کی ایک رو چل نکلی تھی۔ لیکن حضرت کے قلب صافی میں ابتداء ہی سے خدا تعالیٰ کی عبادت اور اس سے محبت کے جذبات موجزن تھے اور دنیا کی کوئی دلکشی اور رنگینی آپ کے اس والہانہ عشق میں حائل نہیں ہو سکی۔

ایک معمر ہندو جاٹ کی شہادت

ایک معمر ہندو جاٹ کی (جس نے آپ کو گود میں کھلایا بھی ہے) شہادت ہے کہ:

"جب سے اس (مراد حضرت مسیح پاک - ناقل) نے ہوش سنبھالا ہے بڑا ہی نیک رہا - دنیا کے کسی کام میں نہیں لگا - بچوں کی طرح کھیل کود میں مشغول نہیں ہوا - شرارت' فساد' جھوٹ' گالی کبھی اس میں نہیں - ہم اور ہمارے ہم عمر اس کو سست اور سادہ لوح اور بے عقل سمجھا کرتے تھے کہ یہ کس طرح گھر بسائے گا - سوائے الگ مکان میں رہنے کے اور کچھ کام ہی نہیں تھا - نہ کسی کو مارا نہ آپ مار کھائی - نہ کسی کو برا کہا نہ آپ کو کہلوایا - ایک عجیب پاک زندگی تھی مگر ہماری نظروں میں اچھی نہیں تھی - نہ کہیں آنا نہ جانا - نہ کسی سے سوائے معمولی بات کے بات کرنا - اگر ہم نے کبھی کوئی بات کہی کہ میاں دنیا میں کیا ہو رہا ہے تم بھی ایسے رہو - اور کچھ نہیں تو کھیل تماشہ کے طور پر ہی باہر آیا کرو تو کچھ نہ کہتے ہنس کے چپ ہو رہتے - تم عقل پکڑو کھاؤ کماؤ کچھ تو کیا کرو - یہ سن کر خاموش ہو رہتے آپ کے والد مجھے کہتے - نمبردار! غلام احمد کو بلا لاؤ اسے کچھ سمجھا دیں گے - میں جاتا بلا لاتا - والد کا حکم سن کر اسی وقت آ جاتے اور چپ چاپ بیٹھ جاتے اور نیچی نگاہ رکھتے - آپ کے والد فرماتے بیٹا غلام احمد! ہمیں تمہارا بڑا فکر اور اندیشہ رہتا ہے تم کیا کر کے کھاؤ (گے) اس طرح زندگی تم کب تک گذارو گے - تم روزگار کرو کب تک دلہن بنے رہو گے - خورد و نوش کا فکر چاہئے - دیکھو دنیا کماتی کھاتی پیتی ہے کام کاج کرتی ہے - تمہارا بیاہ ہو گا بیوی آوے (گی) بالک بچے ہوں گے وہ کھانے پینے پہننے کے لئے طلب کریں گے - ان کا تعہد تمہارے ذمہ ہو گا - اس حالت میں تو تمہارا بیاہ کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے - کچھ ہوش کرو - اس غفلت اور اس سادگی کو چھوڑ دو - میں کب تک بیٹھا رہوں گا - بڑے بڑے انگریزوں' افسروں' حاکموں سے میری ملاقات ہے وہ ہمارا لحاظ کرتے ہیں - میں تم کو چٹھی لکھ دیتا ہوں تم تیار ہو جاؤ یا کہو تو میں خود جا کر سفارش کروں - تو مرزا غلام احمدؑ کچھ جواب نہ دیتے - وہ بار بار اسی طرح کہتے - آخر جواب دیتے تو یہ دیتے کہ ابا بھلا بتاؤ تو سہی کہ جو افسروں کے افسر اور مالک الملک احکم الحاکمین کا ملازم ہو اور اپنے رب العالمین کا فرمانبردار ہو - اس کو کسی کی ملازمت کی کیا پرواہ ہے - ویسے میں آپ کے حکم سے بھی باہر نہیں - مرزا غلام مرتضٰی صاحب یہ جواب سن کر خاموش ہو جاتے اور فرماتے اچھا بیٹا جاؤ - اپنا خلوت خانہ سنبھالو - جب یہ چلے جاتے تو ہم سے کہتے کہ یہ میرا بیٹا ملاں ہی رہے گا - میں اس کے واسطے کوئی مسجد ہی تلاش کر دوں جو دس بیس من دانے ہی کما لیتا مگر میں کیا کروں یہ تو ملاگری کے بھی کام کا نہیں - ہمارے بعد یہ کس طرح زندگی بسر کرے گا - ہے تو یہ نیک صالح مگر اب زمانہ ایسوں کا نہیں چالاک آدمیوں کا ہے پھر آبدیدہ ہو کر کہتے کہ جو حال پاکیزہ غلام احمدؑ کا ہے وہ ہمارا کہاں ہے - یہ شخص زمینی

نہیں آسمانی (ہے) یہ آدمی نہیں فرشتہ ہے" [۱۳]

حضرت اقدسؑ کو شروع سے نماز کے ساتھ گہرا تعلق اور ایک فطری لگاؤ تھا جو عمر کے آخر تک گویا ایک نشہ کی صورت میں آپ کے دل و دماغ پر طاری رہی۔ تحریک احمدیت کے پہلے مورخ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے آپ کے ابتدائی سوانح میں یہ عجیب واقعہ درج کیا ہے کہ جب آپ کی عمر نہایت چھوٹی تھی تو اس وقت آپ اپنی ہم سن لڑکی سے (جو بعد کو آپ سے بیاہی گئی) فرمایا کرتے تھے کہ "نامرادے دعا کر کہ خدا میرے نماز نصیب کرے"۔ [۱۴] یہ فقرہ بظاہر نہایت مختصر ہے مگر اس سے عشق الٰہی کی ان لہروں کا پتہ چلتا ہے جو مافوق العادت رنگ میں شروع سے آپ کے وجود پر نازل ہو رہی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے انہی فطری رجحانات کا نقشہ کھینچتے ہوئے ایک مقام پر لکھا ہے کہ:

اَلْمَسْجِدُ مَکَانِیْ وَالصَّالِحُوْنَ اِخْوَانِیْ وَ ذِکْرُ اللّٰہِ مَالِیْ وَ خَلْقُ اللّٰہِ عَیَالِیْ

فرماتے ہیں کہ اوائل ہی سے مسجد میرا مکان، صالحین میرے بھائی، یاد الٰہی میری دولت ہے اور مخلوق خدا میرا عیال اور خاندان ہے۔ [۱۵]

حضور کی یہ پاکیزہ فطرت اور خدا نما عادات و خصائل ہی کا نتیجہ تھا کہ جس نے بھی بصیرت کی نگاہ سے دیکھا آپ کا والہ و شیدا ہو گیا۔ میاں محمد یاسین صاحب احمدی ٹیچر بلوچستان کی روایت ہے کہ "مجھے مولوی برہان الدین صاحب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مولوی غلام رسول صاحب قلعہ میاں سنگھ کے پاس گئے اور اس وقت حضور ابھی بچہ ہی تھے۔ اس مجلس میں کچھ باتیں ہو رہی تھیں۔ باتوں باتوں میں مولوی غلام رسول صاحب نے جو ولی اللہ و صاحب کرامات تھے فرمایا کہ اگر اس زمانہ میں کوئی نبی ہوتا تو یہ لڑکا نبوت کے قابل ہے۔ انہوں نے یہ بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہی۔ مولوی برہان الدین صاحب کہتے ہیں کہ میں خود اس مجلس میں موجود تھا۔ مکرم مولوی غلام محمد صاحب سکنہ بیگو والہ ضلع سیالکوٹ نے بتایا کہ میں نے یہ بات اپنے والد محمد قاسم صاحب سے اسی طرح سنی تھی"۔ [۱۶،۱۷]

حضرت مسیح موعودؑ دورِ تعلیم میں

"النبی الامی" کا قابل فخر خطاب ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے تنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا اور باقی انبیاء کو بچپن میں کچھ نہ کچھ دنیاوی تعلیم حاصل کرنا پڑی۔ اس خدائی دستور کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ابتدائی عمر میں تین اساتذہ سے چند ابتدائی علوم پڑھنے کا موقعہ ملا۔ سکھا شاہی کے جس زمانہ میں آپ پیدا ہوئے۔ ہر طرف جہالت کی تاریکی مسلط تھی اور عوام

ہی نہیں رؤساء بھی علم کے نور سے محروم تھے۔ چنانچہ یہ بات مشہور ہے کہ خطوط اکثر مدت تک یونہی بغیر پڑھے رکھے رہتے اور ایک عرصہ کی محنت' مشقت اور تلاش کے بعد ان کے مضمون سے آگاہی ہو سکتی۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے اصلاح خلق کا ایک بہت بڑا کام لینا تھا اس لئے اس نے آپ کے والد بزرگوار کے دل میں آپ کی تعلیم کا خاص شوق پیدا کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے دنیوی تفکرات اور اقتصادی مشکلات کے باوجود مناسب حال ابتدائی تعلیم دلانے میں گہری دلچسپی لی چنانچہ حضور اپنے ذاتی سوانح میں لکھتے ہیں:

"بچپن کے زمانے میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خوان معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا۔ اور جب میری عمر تقریباً دس برس کی ہوئی تو ایک عربی خوان مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر کئے گئے جن کا نام فضل احمد تھا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ چونکہ میری تعلیم خدا تعالیٰ کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی اس لئے ان استادوں کے نام کا پہلا لفظ بھی فضل ہی تھا۔ مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگ آدمی تھے وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے۔ اور میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے۔ اور بعد اس کے جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہاں تک خدا تعالیٰ نے چاہا حاصل کیا۔ اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں اور وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے"۔ [۱۸]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلے استاد فضل الٰہی صاحب قادیان کے باشندے اور حنفی المذہب تھے۔ دوسرے استاد مولوی فضل احمد صاحب فیروز والہ ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے اور اہلحدیث تھے۔ مولوی مبارک علی صاحب جو ابتداء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں شامل ہوئے اور پھر غیر مبایعین کی رو میں بہہ گئے' آپ ہی کے بیٹے تھے۔ اور تیسرے استاد مولوی گل علی شاہ صاحب بٹالہ کے رہنے والے اور مذہباً شیعہ تھے۔ [۱۹] حضور کے زمانہ طالب علمی میں قادیان کا وہ کچا دیوان خانہ جس میں بعد کو حضرت نواب محمد علی خان صاحب رضی اللہ عنہ کے مکانات تعمیر ہوئے پرائیویٹ درسگاہ تھی جہاں حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کی بدولت نہ صرف آپ کے فرزند ہی اساتذہ سے تعلیم حاصل کرتے تھے بلکہ گاؤں کے دوسرے بچوں کو بھی استفادہ کی کھلی اجازت

تھی۔ بچوں کی شوخی، ہنسی مذاق اور چلبلاپن مشہور ہے اور یہ درسگاہ بھی ان باتوں سے خالی نہ تھی۔ لیکن آپ کو وقار تھے اور متانت و سنجیدگی کی مجسم تصویر!! دوسرے بچے جو طفیلی رنگ میں استفادہ کرتے تھے اپنے اساتذہ کا مذاق اڑاتے مگر آپ ان کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے۔ وہ تعلیمی اوقات میں تفریح اور دل لگی کا سامان پیدا کرتے اور آپ اپنا سبق یاد کرنے میں مستغرق رہتے۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ اپنا سبق ہمیشہ خود پڑھتے اور دو یا تین دفعہ دہرا لینے کے بعد بالاخانہ میں تشریف لے جاتے اور وہاں تنہائی میں پوری یکسوئی سے یاد کرتے۔ اگر کچھ بھول جاتا تو نیچے آکر اپنے استاد سے براہ راست پوچھتے اور پھر اوپر چلے جاتے۔ آپ کی عادت مبارک میں بالخصوص یہ امر بھی داخل تھا کہ اگر کوئی بچہ اپنا سبق بھول جاتا تو آپ اسے یاد کرا دینے میں کبھی تامل نہ فرماتے۔ [۲۰] ان دنوں میں عام طور پر کشتی، کبڈی اور مگدر اور موگری اٹھانے کے کھیل مروج تھے اور بٹیربازی اور مرغ بازی کی وبا عام تھی۔ مگر آپ بالطبع ان سب فضولیات سے متنفر اور قطعی طور پر بیزار تھے۔ "تاہم اعتدال کے ساتھ اور مناسب حد تک آپ ورزش اور تفریح میں حصہ لیتے تھے۔ آپ نے بچپن میں تیرنا سیکھا تھا اور کبھی کبھی قادیان کے کچے تالابوں میں تیرا کرتے تھے۔ اسی طرح اوائل عمر میں گھوڑے کی سواری بھی سیکھی تھی اور اس فن میں اچھے ماہر تھے۔ مگر آپ کی زیادہ ورزش پیدل چلنا تھا جو آخر عمر تک قائم رہی۔ آپ کئی کئی میل تک سیر کے لئے جایا کرتے تھے اور خوب تیز چلا کرتے تھے"۔ [۲۱] یہ تو محض صحت کی درستی کی غرض سے تھا ورنہ ابتداء ہی سے آپ کی مرغوب خاطر اگر کوئی چیز تھی تو وہ مسجد اور قرآن شریف۔ مسجد ہی میں عموماً ٹہلتے رہتے۔ اور ٹہلنے کا اس قدر شوق تھا اور محو ہو کر اتنا ٹہلتے کہ جس زمین پر ٹہلتے وہ دب دب کر باقی زمین سے متمیز ہو جاتی۔ [۲۲]

مولوی فضل الٰہی صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب تو آخر ملازمت تک قادیان ہی میں مقیم رہے اور سلسلہ تعلیم یہیں جاری رہا۔ مگر مولوی گل علی شاہ صاحب قادیان میں مختصر قیام کے بعد بٹالہ میں چلے آئے۔ اس لئے حضور انور کو بھی کچھ عرصہ کے لئے بغرض تعلیم بٹالہ میں فروکش ہونا پڑا۔ بٹالہ میں حضور کے خاندان کی دکانیں اور ایک بہت بڑی حویلی تھی (جو بعد میں مقدمات کے نتیجہ میں فروخت ہو گئی) [۲۳] حضور نے اسی بڑی حویلی میں قیام فرمایا۔ ان دنوں آپ کے ہم مکتبوں میں مشہور اہل حدیث مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور لالہ بھیم سین بھی شامل تھے جنہیں آپ کی خدا نما شخصیت کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا اور وہ ہزار جان سے آپ کے فریفتہ ہو گئے۔ آپ کا ذکر الٰہی میں استغراق، شب بیداری، امارت میں فقیرانہ شان، نورانیت سے معمور چہرہ اور عشق رسالت میں ڈھلی ہوئی معصومیت ان کے قلب و نظر کا گم گشتہ فردوس تھے۔ لالہ بھیم سین [۲۴] اور ان کے فرزند لالہ

کنور سین کو اپنی زندگی کے آخری سانس تک حضرت اقدسؑ سے بے حد الفت و عقیدت رہی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے براہین احمدیہ کی اشاعت پر اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۷ میں ہم مکتبی کے انہی ایام کی یاد میں لکھا۔ "مولف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مولف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب۔ اس زمانہ سے آج تک ہم میں ان میں خط و کتابت و ملاقات و مراسلات برابر جاری رہی ہے۔ اس لئے ہمارا یہ کہنا کہ ہم ان کے حالات و خیالات سے بہت واقف ہیں مبالغہ قرار نہ دیئے جانے کے قابل ہے"۔

اپنے اس لمبے اور ذاتی تعارف کی بناء پر مولوی صاحب نے بڑی تحدی کے ساتھ حضرت مسیح موعودؑ کی جلالت مرتبت کا بایں الفاظ اقرار کیا کہ:

"اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی جاتی ہے" [۲۵]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دلربا شخصیت اور تقدس کے انہی گہرے نقوش کا اثر تھا کہ مولوی صاحب دلی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب واپس بٹالہ آئے تو اگرچہ ایک عالم کی حیثیت سے ہندوستان بھر میں مشہور ہو گئے اور ہر جگہ ان کا طوطی بولنے لگا۔ مگر اس وقت بھی ان کی حضور سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ حضور کا جوتا آپ کے سامنے سیدھا کر کے رکھتے اور اپنے ہاتھ سے آپ کا وضو کرانا موجب سعادت قرار دیتے تھے [۲۶]

چنانچہ حضرت میاں خیرالدین صاحب سیکھوانی کا چشم دید واقعہ ہے کہ:

"دعویٰ سے پہلے ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مکان واقعہ بٹالہ پر تشریف فرما تھے۔ میں بھی خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ کھانے کا وقت ہوا تو مولوی صاحب خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ دھلانے کے لئے آگے بڑھے۔ حضور نے ہرچند فرمایا کہ مولوی صاحب آپ نہ دھلائیں مگر مولوی صاحب نے باصرار حضور کے ہاتھ دھلائے اور اس خدمت کو اپنے لئے باعث فخر سمجھا"۔ [۲۷]

دعویٰ مسیحیت کے بعد جب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے بلکہ اول المکذبین بن کر آپ کے خلاف پہلا اور منظم محاذ قائم کر لیا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہندوستان بھر کے تمام علماء کو چیلنج دیا کہ وہ آپ کی دعویٰ سے قبل کی زندگی کے کسی گوشہ کو داغدار ثابت کر دکھائیں۔ اس زبردست تحدی نے مولوی محمد حسین بٹالوی اور ان کے ہم خیال علماء

اور سجادہ نشینوں پر سکوت مرگ طاری کردیا اور وہ حضور کی بے لوث زندگی پر انگشت نمائی کرنے سے سراسر قاصر رہے۔

یہ تو آپ کے ہم مکتبوں کا تاثر تھا ورنہ زمانہ طالب علمی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فہم و فراست اور تقویٰ شعاری اور علم لدنی کا بعض مواقع پر آپ کے اساتذہ کو بھی معترف ہونا پڑا۔ چنانچہ ایک دفعہ دوران تعلیم میں حضور کے ایک استاد مولوی فضل احمد صاحب نے بیان کیا کہ ایک دفعہ ایک شخص نے خواب دیکھا تھا کہ ایک مکان ہے جو دھواں دھار ہے یعنی اس کے اندر باہر سب دھواں ہو رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر آنحضرت ﷺ ہیں اور چاروں طرف سے عیسائیوں نے اس (مکان) کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ استاد نے یہ بھی بتایا کہ ہم میں سے کسی کو اس کی تعبیر نہیں آئی۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ "اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ شخص عیسائی ہو جائے گا کیونکہ انبیاء کا وجود آئینہ کی طرح ہوتا ہے۔ پس اس نے جو آپ کو دیکھا ہے تو گویا اپنی حالت کے عکس کو دیکھا"۔ حضور کا یہ جواب سن کر آپ کے وہ استاد بہت متعجب بھی ہوئے اور خوش بھی۔ اور کہنے لگے کہ "کاش! ہم اس کی تعبیر جانتے اور اسے وقت پر سمجھاتے تو وہ شاید ارتداد سے بچ جاتا"۔ [۲۸]

آنحضرت ﷺ کی زیارت

دور تعلیم کا اہم ترین واقعہ یہ ہے [۲۹] کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آغاز جوانی میں بذریعہ رویاء سرتاج مدینہ نور دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے رخ انور کی زیارت کا شرف نصیب ہوا۔ اس زیارت کے بعد جب تک زندہ رہے عشق رسولؐ میں فنا رہے اور گو بعد میں آپ نے کشفی رنگ میں اپنے آقا فداہ ابی و امی کی متعدد بار بیداری میں ملاقات بھی کی۔ اور کئی حدیثوں کی تصدیق بھی آپ سے براہ راست کی [۳۰] لیکن اس زیارت میں رسول خدا محمد عربی ﷺ کے نورانی مکھڑے نے آپ کو کچھ ایسا مستانہ بنا دیا کہ آپ ہمیشہ کے لئے حضور کے تیز نگاہ سے گھائل ہو گئے۔ آپ نے اپنی پوری دنیا بھلا دی مگر یہ عظیم الشان محمدی جلوہ فراموش نہیں کر سکے۔ دربار رسالت کی اس ابتدائی حاضری کا دلکش اور وجد آفرین نقشہ کھینچتے ہوئے حضور آئینہ کمالات اسلام اور براہین احمدیہ حصہ سوم میں تحریر فرماتے ہیں۔ (آئینہ کمالات اسلام کی اصل عبارت عربی کی ہے جس کا ترجمہ درج کیا گیا ہے):

"اوائل ایام جوانی میں ایک رات میں نے (رؤیا میں) دیکھا کہ میں ایک عالی شان مکان میں ہوں جو نہایت پاک اور صاف ہے اور اس میں آنحضرت ﷺ کا ذکر اور چرچا ہو رہا ہے۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ حضور کہاں تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ میں دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر اس کے اندر چلا گیا۔ اور جب میں حضور کی خدمت میں پہنچا تو حضور

بہت خوش ہوئے اور آپ نے مجھے بہتر طور پر میرے سلام کا جواب دیا۔ آپ کا حسن و جمال اور ملاحت اور آپ کی پر شفقت و پر محبت نگاہ مجھے اب تک یاد ہے اور وہ مجھے کبھی بھول نہیں سکتی۔ آپ کی محبت نے مجھے فریفتہ کر لیا۔ اور آپ کے حسین و جمیل چہرہ نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اس وقت آپ نے مجھے فرمایا اے احمد تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ جب میں نے اپنے دائیں ہاتھ کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ میرے ہاتھ میں ایک کتاب ہے اور وہ مجھے اپنی ہی ایک تصنیف معلوم ہوئی۔ میں نے عرض کیا حضور یہ میری ایک تصنیف ہے"۔ [۲۱]

"آنحضرت ﷺ [۲۲] نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا کہ تو نے اس کتاب کا کیا نام رکھا ہے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ اس کتاب کا میں نے قطبی نام رکھا ہے... غرض آنحضرتؐ نے وہ کتاب مجھ سے لے لی اور جب وہ کتاب حضرت مقدس نبی کے ہاتھ میں آئی تو آنجناب کا ہاتھ مبارک لگتے ہی ایک نہایت خوش رنگ اور خوبصورت میوہ بن گئی کہ جو امرود سے مشابہ تھا مگر بقدر تربوز تھا۔ آنحضرتؐ نے جب اس میوہ کو تقسیم کرنے کے لئے قاش قاش کرنا چاہا تو اس قدر اس میں سے شہد نکلا کہ آنجناب کا ہاتھ مبارک مرفق تک شہد سے بھر گیا۔ تب ایک مردہ جو دروازہ سے باہر پڑا تھا آنحضرتؐ کے معجزہ سے زندہ ہو کر اس عاجز کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور یہ عاجز آنحضرتؐ کے سامنے کھڑا تھا جیسے ایک مستغیث حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور آنحضرتؐ بڑے جاہ و جلال اور حاکمانہ شان سے ایک زبردست پہلوان کی طرح کرسی پر جلوس فرما رہے تھے۔

پھر خلاصہ کلام یہ کہ ایک قاش آنحضرت ﷺ نے مجھ کو اس غرض سے دی کہ تا میں اس شخص کو دوں کہ جو نئے سرے سے زندہ ہوا۔ اور باقی تمام قاشیں میرے دامن میں ڈال دیں۔ اور وہ ایک قاش میں نے اس نئے زندہ کو دے دی اور اس نے وہیں کھا لی۔ پھر جب وہ نیا زندہ اپنی قاش کھا چکا تو" [۲۳] میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی کرسی اونچی ہو گئی ہے حتیٰ کہ چھت کے قریب جا پہنچی ہے اور میں نے دیکھا کہ اس وقت آپ کا چہرہ مبارک ایسا چمکنے لگا کہ گویا اس پر سورج اور چاند کی شعاعیں پڑ رہی ہیں اور میں ذوق اور وجد کے ساتھ آپ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھ رہا تھا اور میرے آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر میں بیدار ہو گیا اور اس وقت بھی میں کافی رو رہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ وہ مردہ شخص اسلام ہے اور اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے روحانی فیوض کے ذریعہ سے اسے اب میرے ہاتھ پر زندہ کرے گا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ"۔ [۲۴]

حواشی

۳- عالمی اعداد و شمار کے مطابق توام ولادت کی عام شرح ۵۰-۶۰-۷۰ یا ۱۰۰ میں سے ایک ہے۔ مگر جاپان اور چین میں اس کی نسبت بہت کم ہے یعنی جاپان میں ۹۳ میں سے ایک۔ چین میں ۱۲۹ میں سے ایک بچہ جڑواں ہوتا ہے اور منگول نسل کے لوگوں میں تو اس رنگ کی پیدائش نہایت درجہ قلیل اور شاذ ہوتی ہے۔ لہذا منگول نسل کی آمیزش کے باوجود حضرت مسیح موعودؑ کا توام پیدا ہونا ایک غیر معمولی بات ہے۔ (از ڈاکٹر شاہنواز صاحب)

۴- سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۳۸ و حصہ دوم صفحہ ۱۰۹۔

۵- یوم شہادت ۶- مئی ۱۸۳۱ء سیرت احمد شہید صفحہ ۳۱۴ (مرتبہ مولانا غلام رسول مہر)

۶- "Merris Wherry" کی کتاب "Our Missions in India" صفحہ ۱۱-۱۲ شائع کردہ The Stratford Company Bostan مطبوعہ ۱۹۲۶ء

۷- متحدہ پنجاب مراد ہے۔

۸- التبلیغ (آئینہ کمالات اسلام) سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۱۵ کتاب البریہ صفحہ ۱۴۶ و ۱۴۷

۹- سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۳۶ طبع اول

۱۰- الحکم ۱۴- جون ۱۹۳۶ء صفحہ ۹

۱۱- تذکرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۳۴ مرتبہ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی (طبع اول) مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان دسمبر ۱۹۲۱ء

۱۲- سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۵۰ طبع ثانی (مرتبہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ تعالیٰ)

۱۳- تذکرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۳۲، ۳۳۔ لالہ کنور سین صاحب کے والد کا بیان ہے کہ حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے گھر میں ایک ولی پیدا ہوا ہے۔ (سیرۃ المہدی غیر مطبوعہ حصہ چہارم روایت نمبر ۱۲۹۶)

۱۴- سیرۃ مسیح موعودؑ جلد اول نمبر دوم۔

۱۵- سیرت مسیح موعودؑ حصہ سوم صفحہ ۳۸۷ (از حضرت عرفانی)

۱۶- منقول از "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۱۲ صفحہ ۱۰۴، ۱۰۵۔ یہ روایات جو نظارت تالیف و تصنیف قادیان کی نگرانی میں کئی سال محنت و کاوش کے بعد جمع ہو کر چودہ جلدوں میں مرتب ہوئیں۔ لائبریری صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں موجود ہیں۔

۱۷- حضرت مولوی غلام رسول صاحبؒ کے حالات زندگی ملاحظہ ہو "تاریخ اہلحدیث" صفحہ ۴۴۸ مولفہ مولانا میر محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی ناشر اسلامی پبلشنگ کمپنی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۱۹۵۳ء تذکرہ علمائے پنجاب حصہ دوم صفحہ ۲۴۸ تا ۲۵۲ مصنفہ جناب اختر راہی صاحب ۳۶ رحمانیہ اردو بازار لاہور۔

۱۸- کتاب البریہ صفحہ ۱۴۸، ۱۵۰)

۱۹- حیات النبی جلد اول صفحہ ۵۲ (مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ)

۲۰- حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۳۸ مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ

۲۱- سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۰ مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مطبوعہ ۱۹۳۹ء و الحکم "مسیح موعود نمبر" مئی جون ۱۹۴۳ء

۲۲- حیات النبی جلد اول صفحہ ۵۲ مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔

۲۳- حیات احمد

۲۴- لالہ بھیم سین کے نانا ڈپٹی مکھن لال بٹالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھے انہوں نے ہی لالہ صاحب کو مولوی گل علی شاہ صاحب کے تلمذ میں دیا تھا۔ لالہ بھیم سین نے سیالکوٹ میں وکالت کی پریکٹس شروع کردی تھی۔ لالہ کنور سین (لالہ بھیم سین کے بیٹے) لاء کالج

کے پرنسپل تھے۔ (حیات النبی صفحہ ۶۸ تا ۷۰ جلد اول)

۲۵۔ اشاعۃ السنہ جون جولائی اگست ۱۸۸۴ء

۲۶۔ الحکم ۱۷۔ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۸ و حیات احمد صفحہ ۸۸

۲۷۔ سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۲۲ طبع اول۔ ناشر بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان اپریل ۱۹۳۹ء۔

۲۸۔ ازالہ اوہام صفحہ ۵۸۳ و سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۵۰، ۲۵۱ طبع دوم۔ روایت حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ

۲۹۔ حضور نے براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۴۱، ۲۴۹ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱ میں اس رؤیا کی تاریخ ۶۵-۱۸۶۴ء لکھی ہے لیکن ساتھ ہی لکھا ہے کہ یہ اس زمانہ کی رؤیا ہے جبکہ "یہ ضعیف اپنی عمر کے پہلے حصہ میں ہنوز تحصیل علم میں مشغول تھا"۔ لیکن حضور کی کتاب تریاق القلوب سے چونکہ معلوم ہوتا ہے کہ راجہ تیجا سنگھ کی وفات (۱۸۶۲ء) کے دنوں کا واقعہ ہے۔ اس لئے یہ رؤیا دراصل ۱۸۶۴ء سے کئی سال قبل کی معلوم ہوتی ہے۔

۳۰۔ سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۵۲۔

۳۱۔ ترجمہ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۴۸، ۵۴۹

۳۲۔ یہاں سے براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۴۸، ۲۴۹ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱ کی عبارت شروع ہوتی ہے۔

۳۳۔ براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۴۹ کی عبارت کا متن ختم ہوتا ہے۔

۳۴۔ ترجمہ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۴۸، ۵۴۹

باب چہارم

شادی، انقطاع الی اللہ، ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک فیصلہ کن روحانی جنگ کی تیاری، کثرت مطالعہ، خدمت خلق اور دیگر مشاغل

(تخمیناً ۱۸۵۰ تا ۱۸۵۴)

پہلی شادی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی تعلیمی دور ہی میں قدم رکھتے تھے کہ کم و بیش پندرہ سولہ برس کی عمر میں ازدواجی کشمکش سے دوچار ہو گئے۔ [۱] آپ کے ایک سگے ماموں مرزا جمعیت بیگ تھے ان کے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکے کا نام مرزا علی شیر تھا اور لڑکی حرمت بی بی۔ مرزا علی شیر کا نکاح مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری کی ہمشیرہ سے ہوا۔ اور حرمت بی بی آپ کے نکاح میں آئیں۔ یہ آپ کا پہلا نکاح تھا جس سے دو فرزند مرزا سلطان احمد صاحب [۲] اور مرزا فضل احمد صاحب [۳] بالترتیب قریباً ۱۸۵۳ء اور ۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے۔

یہ عجیب خدائی تصرف ہے کہ جہاں آپ کے بڑے بھائی کی شادی بڑے دھوم دھڑکے سے ہوئی کئی دن جشن رہا اور ۲۲ طائفے اور ارباب نشاط جمع ہوئے وہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریب شادی نہایت درجہ سادگی اور اسلامی ماحول میں ہوئی اور کسی قسم کی خلاف شریعت رسوم اور بدعات نہیں ہوئیں۔ [۴]

خلوت نشینی ہمارے یہاں اکثر دیکھا جاتا ہے کہ نوجوان شادی کے بعد اپنی تعلیمی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلوت نشینی اور عزلت پسندی میں وہ کمال حاصل تھا کہ شادی آپ کے سلسلہ تعلیم پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہو سکی۔ قادیان کے پاس کے گاؤں کا ایک معمر ہندو جاٹ بیان کیا کرتا تھا کہ میں مرزا صاحب سے بیس سال بڑا ہوں۔ بڑے مرزا صاحب کے پاس میرا بہت آنا جانا تھا میرے سامنے کئی دفعہ ایسا ہوا

کہ کوئی بڑا افسر یا رئیس بڑے مرزا صاحب سے ملنے کے لئے آتا تھا تو باتوں باتوں میں ان سے پوچھتا تھا کہ مرزا صاحب آپ کے بڑے لڑکے (یعنی مرزا غلام قادر) کے ساتھ تو ملاقات ہوتی رہتی ہے لیکن آپ کے چھوٹے بیٹے کو کبھی نہیں دیکھا۔ وہ جواب دیتے تھے کہ "ہاں میرا دوسرا لڑکا غلام قادر سے چھوٹا ہے تو سہی پر وہ الگ ہی رہتا ہے"۔.... پھر وہ کسی کو بھیج کر مرزا صاحب کو بلواتے تھے چنانچہ آپ آنکھیں نیچی کئے ہوئے آتے اور والد صاحب کے پاس ذرا فاصلہ پر بیٹھ جاتے اور یہ عادت تھی کہ بایاں ہاتھ اکثر منہ پر رکھ لیا کرتے تھے اور کچھ نہ بولتے اور نہ کسی کی طرف دیکھتے۔ بڑے مرزا صاحب فرماتے "اب تو آپ نے اس دلہن کو دیکھ لیا"۔ بڑے مرزا صاحب کہا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا مسیتڑ ہے نہ نوکری کرتا ہے نہ کماتا ہے اور پھر وہ ہنس کر کہتے کہ چلو تمہیں کسی مسجد میں مُلّا کروا دیتا ہوں۔ دس من دانے تو گھر میں کھانے کو آجایا کریں گے ۔۔۔ آج وہ زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ کیا بادشاہ بنا بیٹھا ہے اور سینکڑوں آدمی اس کے در کی غلامی کے لئے دور دور سے آتے ہیں"۔ [5]

شادی سے قبل ایک دفعہ حضور نے ایک ہندو سے (جو آپ کے والد بزرگوار کے سامنے بیٹھا ہوا اپنی تلخ کامیاں اور نامرادیاں بیان کرتا تھا اور سخت کراہ رہا تھا) فرمایا کہ "لوگ دنیا کے لئے کیوں اس قدر دکھ اٹھاتے اور ہم و غم میں گرفتار ہیں؟ ہندو نے کہا کہ "تم ابھی بچے ہو جب گرہستی ہو گے تب تمہیں ان باتوں کا پتہ لگے گا"۔ [6] کم و بیش پچیس سال کے بعد کسی تقریب پر اسی ہندو کو آپ سے دوبارہ ملنے کا اتفاق ہوا تو حضور نے اسے گذشتہ واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "اب تو میں گرہستی ہوں"۔ اس نے کہا "تم تو ویسے ہی ہو"۔ [7]

خدمت دیں کی ابتدائی مہم

چونکہ شادی محض سنت رسول کی تعمیل میں تھی۔ اس لئے جناب الٰہی سے آپ کو ایسا جذب عطا ہوا کہ شادی کے بعد آپ کے دل میں محبوب حقیقی کی محبت کا جذبہ طوفان بن کر اٹھا اور آندھی کی طرح آپ کے رگ و ریشہ پر چھا گیا۔ دینی مطالعہ کا شغف اور شوق پہلے سے ترقی کر گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کے دل و دماغ آنحضرت ﷺ کے نشہ عشق سے ایسے مخمور ہوئے کہ آپ دین مصطفیٰ کی بے بسی اور غیر مذاہب کی ناقابل برداشت چیرہ دستیوں سے دلفگار رہنے لگے۔ چنانچہ اسی وقت سے آپ نے معاندین اسلام کے ان اعتراضات کو جمع کرنے کی مہم شروع کر دی جو سرور کائنات ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر چاروں طرف سے کئے جا رہے تھے اور جنہیں سن سن کر آپ کا دل کباب، سینہ چھلنی اور آنکھیں اشکبار ہو ہو جاتی تھیں۔ آپ خود فرماتے ہیں:

"میں سولہ سترہ برس کی عمر سے عیسائیوں کی کتابیں پڑھتا ہوں اور ان کے

اعتراضوں پر غور کرتا رہا ہوں میں نے اپنی جگہ ان اعتراضوں کو جمع کیا ہے جو عیسائی آنحضرت ﷺ پر کرتے ہیں ان کی تعداد تین ہزار کے قریب پہنچی ہوئی ہے"۔ ۸

بالفاظ دیگر شادی کی مسرتوں میں رسول اللہ ﷺ کے دین کی مظلومیت کا غم تازہ ہو گیا جس طرح حضرت عائشہؓ کے سامنے فتح شام کی خوشی میں وہاں کے میدے کی روٹیاں پیش کی گئیں تو آپ کی آنکھیں اس غم سے ڈبڈبا آئیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس وقت زندہ ہوتے تو میں یہ روٹیاں آپ کی خدمت میں پیش کرتی۔ بہرحال آپ نے شادی کے ابتدائی ایام میں ہی اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ آپ آنحضرت ﷺ اور حضور کی پیش کردہ تعلیمات کے پاک اور منور چہرے سے دشمنوں کے پردے چاک کر کے رہیں گے اور دنیا کو اس مقدس وجود کی حقیقی شکل پیش کئے بغیر چین نہ لیں گے۔ یاد رہے کہ یہی وہ زمانہ ہے جبکہ چرچ مشنری سوسائٹی لنڈن نے ہندوستان میں اپنے کارکنوں کو خفیہ ہدایات جاری کیں اور لکھا کہ "ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر ایک نجات دہندہ کی آمد کی خوشخبری عیسائی حکومت کے شروع ہونے کے ساتھ ہی لوگوں میں پھیلائی جائے تو عیسائیت کے حق میں ایک زبردست اور ترقی پذیر تحریک ہوگی"۔ ۹

آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے شروع ہی سے آپ کو اس درجہ والہانہ عشق تھا کہ حضور کے متعلق ذرا سی بات بھی آپ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اور اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کی شان مبارک میں ذرا سی بات کہتا تو آپ کا چہرہ مبارک یکایک سرخ ہو جاتا اور آنکھیں متغیر ہو جاتیں۔ ۱۰ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ "حضرت صاحب (یعنی آنحضرتؐ) سے تو بس والد صاحب کو عشق تھا۔ ایسا عشق میں نے کبھی کسی شخص میں نہیں دیکھا"۔ ۱۱

آپ اپنے پہلو میں اسلام اور رسول خدا ﷺ کا جو غم چھپائے عالم کتمان سے عالم ظہور میں آئے تھے وہ ہر لحہ سیل رواں کی طرح بڑھتا ہی گیا اور پھر جوں جوں عمر میں پختگی اور تجربہ میں وسعت پیدا ہوتی گئی آپ اسلام کی حالت دیکھ کر ہر وقت مضطرب اور بے چین رہنے لگے۔ چنانچہ حضرت مولوی فتح الدین صاحب دھرم کوٹی حضور کے ابتدائی زمانہ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ:

"میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور اکثر حاضر ہوا کرتا تھا اور کئی مرتبہ حضور کے پاس ہی رات کو بھی قیام کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ آدھی رات کے قریب حضرت صاحب بہت بے قراری سے تڑپ رہے ہیں اور ایک کونہ سے دوسرے کونہ کی طرف تڑپتے ہوئے چلے جاتے ہیں جیسے کہ ماہی بے آب تڑپتی ہے یا کوئی مریض شدت درد کی وجہ سے تڑپ رہا ہوتا ہے۔ میں اس حالت کو دیکھ کر سخت ڈر گیا اور بہت فکر مند ہوا اور دل میں کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ اس وقت میں

پریشانی میں ہی مبہوت لیٹا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ حالت جاتی رہی۔ صبح میں نے اس واقعہ کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ذکر کیا کہ رات کو میری آنکھوں نے اس قسم کا نظارہ دیکھا ہے کیا حضور کو کوئی تکلیف تھی یا درد گردہ وغیرہ کا دورہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "میاں فتح دین کیا تم اس وقت جاگتے تھے؟ اصل بات یہ ہے کہ جس وقت ہمیں اسلام کی مہم یاد آتی ہے اور جو مصیبتیں اس وقت اسلام پر آرہی ہیں ان کا خیال آتا ہے تو ہماری طبیعت سخت بے چین ہو جاتی ہے اور یہ اسلام ہی کا درد ہے جو ہمیں اس طرح بے قرار کر دیتا ہے"۔ [۱۱۲]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قلبی کیفیت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں۔

دین و تقویٰ گم ہوا جاتا ہے یا رب رحم کر بے بسی سے ہم پڑے ہیں کیا کریں کیا اختیار
میرے آنسو اس غم دلسوز سے تھمتے نہیں دیں کا گھر ویران ہے دنیا کے ہیں عالی منار
اے مرے پیارے مجھے اس سیل غم سے کر رہا ورنہ ہو جائے گی جاں اس درد سے تجھ پر نثار

قرآن مجید کا کثرت سے مطالعہ

شادی کے بعد سے آنحضرت ﷺ پر اعتراضات کے غور و فکر کرنے کی مہم شروع ہوتی ہے اس مہم کو سر کرنے اور معاندین اسلام کے دعوؤں کا ابطال کرنے نیز خدا تعالیٰ سے براہ راست تعلق قائم کر کے اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے آپ علاوہ دعاؤں کے قرآن مجید کا کثرت سے مطالعہ فرماتے تھے بلکہ سب سے زیادہ انہماک آپ کو ان دنوں قرآن مجید کے مطالعہ ہی میں تھا۔ حتیٰ کہ بعض دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں ہم نے آپ کو جب بھی دیکھا قرآن ہی پڑھتے دیکھا چنانچہ پٹیالہ کے ایک غیر احمدی تحصیلدار منشی عبدالواحد صاحب (جو کثرت سے حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کے پاس قادیان میں آتے تھے اور جنہیں بچپن میں حضور کو بار ہا دیکھنے کا موقعہ ملتا تھا) کی شہادت ہے کہ حضور چودہ پندرہ سال کی عمر میں سارا دن قرآن شریف پڑھتے تھے اور حاشیہ پر نوٹ لکھتے رہتے تھے اور مرزا غلام مرتضیٰ صاحب فرماتے کہ یہ کسی سے غرض نہیں رکھتا سارا دن مسجد میں رہتا ہے اور قرآن شریف پڑھتا رہتا ہے"۔ [۱۱۳]

ابتدائی زمانہ کے متعلق حضرت مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضور قرآن مجید کے علاوہ بخاری، مثنوی رومی اور دلائل الخیرات، تذکرۃ الاولیاء، فتوح الغیب اور سفر السعادت پڑھتے اور کچھ نوٹ بھی لیا کرتے تھے۔ مگر بہر حال اکثر توجہ قرآن مجید کے مطالعہ کی طرف تھی۔ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کی یہ بھی روایت ہے کہ آپ کے پاس ایک قرآن مجید تھا

اس کو پڑھتے اور اس پر نشان کرتے رہتے تھے - وہ کہتے ہیں کہ میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ شاید دس ہزار مرتبہ اس کو پڑھا ہو [۱۴] - یہ مطالعہ سطحی نہیں ہوتا تھا بلکہ آپ قرآن مجید کے لفظ لفظ کی باریکیوں تک پہنچنے کے لئے یہاں تک گہرا غور و فکر فرماتے کہ دنیا جہان سے بیگانہ ہو کر قرآن مجید کی وسعتوں میں گم ہو جاتے اور آپ کے والد بزرگوار کو بار بار کہنا پڑتا کہ مطالعہ میں اس درجہ انہماک صحت پر برا اثر ڈالے گا کیونکہ آپ بحیثیت طبیب دیکھ رہے تھے کہ آپ کی غذا نہایت قلیل ہے مگر دوسری طرف مطالعہ کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ زمانے میں اس کی نظیر نہیں ملتی - چنانچہ مرزا اسماعیل بیگ کی روایت ہے کہ کبھی حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مجھے بلاتے اور دریافت کرتے کہ "سنا تیرا مرزا کیا کرتا ہے میں کہتا تھا کہ قرآن دیکھتے ہیں - اس پر وہ کہتے کہ کبھی سانس بھی لیتا ہے - پھر یہ پوچھتے کہ رات کو سوتا بھی ہے؟ میں جواب دیتا کہ ہاں سوتے بھی ہیں - اور اٹھ کر نماز بھی پڑھتے ہیں - اس پر مرزا صاحب کہتے کہ اس نے سارے تعلقات چھوڑ دیئے ہیں میں اوروں سے کام لیتا ہوں - دوسرا بھائی کیسا لائق ہے مگر وہ معذور ہے" - [۱۵] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مطالعہ میں یہ انہماک اور دلی شغف حضور کے والد صاحب کی وفات تک بدستور قائم رہا - چنانچہ ۱۸۷۵ء، ۱۸۷۶ء کے زمانہ کے متعلق پنڈت دیوی رام کی شہادت ہے کہ آپ ہندو مذہب اور عیسائی مذہب کی کتب اور اخبارات کا مطالعہ فرماتے رہتے تھے - اور آپ کے اردگرد کتابوں کا ڈھیر لگا رہتا تھا - انہیں دنیا کی اشیاء میں سے مذہب کے ساتھ محبت تھی - مرزا صاحب مسجد یا حجرہ میں رہتے تھے - آپ کے والد صاحب آپ کو کہتے تھے کہ غلام احمد تم کو پتہ نہیں کہ سورج کب چڑھتا ہے اور کب غروب ہوتا ہے اور بیٹھتے ہوئے وقت کا پتہ نہیں - جب میں دیکھتا ہوں چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا رہتا ہے - [۱۶] حضور خود بیان فرماتے ہیں کہ "ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی کہ گویا میں دنیا میں نہ تھا - میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہئے کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آوے" - [۱۷]

صحت کی خرابی

حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کا قیاس درست نکلا یعنی شب بیداری، شبانہ روز دماغی محنت اور اسلام کے درد کے غیر معمولی اثر نے آپ کی صحت پر اسی زمانہ سے نہایت ناخوشگوار اثر ڈالا اور یہ اثر دینی مصروفیات کے ساتھ ساتھ روز بروز بڑھتا گیا - حتیٰ کہ ۱۸۶۵ء سے یعنی عنفوان شباب ہی میں آپ کے بال سفید ہونے شروع ہو گئے - [۱۸] رفتہ رفتہ دوران سر اور ذیابیطس کے عوارض لاحق ہو گئے - اپنے والد بزرگوار مرحوم کے زمانہ میں حضور کو ایک مرتبہ سل بھی ہو گئی اور چھ ماہ تک بیمار رہے - [۱۹] ۱۸۸۰ء میں قولنج زحیری کے مرض میں اس شدت سے مبتلا

ہوئے کہ چراغ سحری کی طرح جھلملانے لگے- خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے آپ کو دوبارہ زندگی بخشی- یہ مرض تو دور ہو گئی مگر دوسرے عارضے بدستور قائم رہے اور پھر بشیر اول کی وفات سے تشنج کی بیماری کا حملہ شروع ہو گیا اور کثرت سے دورے ہونے لگے- غشی طاری ہو جاتی' ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے' بدن کے پٹھے کھچ جاتے خصوصاً گردن کے اور سر میں چکر ہوتا تھا- اس حالت میں آپ اپنے بدن کو سہار نہیں سکتے تھے- شروع شروع میں یہ دورے بہت سخت ہوتے تھے- پھر اس کے بعد کچھ دوروں کی ایسی سختی نہ رہی اور کچھ طبیعت بھی عادی ہو گئی- [20] بہر حال آپ پوری عمر مختلف عوارض میں مبتلا رہے- مگر خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا یہ نشان ہے کہ نہ دنیوی تفکرات آپ کو اپنی راہ سے ہٹا سکے نہ بیماریاں آپ کو اپنے فرض منصبی سے جدا کر سکیں- آپ کی پوری زندگی معمور الاوقات تھی- اور اوائل زمانہ کے حالات سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپ کی باطنی آنکھ کو نظام عالم میں روحانی انقلاب برپا کرنے کا ایک نقشہ دکھایا گیا ہے اور آپ اس نقشہ کے مطابق فرشتوں کی رہنمائی میں معرکہ کفر و اسلام کے سر کرنے کی تیاری میں مصروف ہیں اور حوادث و مصائب کے طوفانوں سے گذر کر دنیا بھر میں اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں-

خدمت خلق اور غرباء پروری

اس عہد تاہل میں آپ نے خلوت کو جلوت پر ترجیح دی- اور باوجودیکہ آپ ایک نہایت عالی خاندان کے درخشندہ گوہر تھے اپنی اس گوشہ نشینی کی وجہ سے کوئی شخص آپ کو نہیں جانتا تھا اس تنہائی اور تخلیہ کی زندگی میں آپ کے رفیق بعض چھوٹے بچے تھے- جن میں اکثر یتامیٰ ہوتے- آپ کے کھانے میں وہ برابر کے شریک ہوتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی کھانے کے وقت موجود نہ ہوتا تھا تو حضور پہلے اس کا حصہ نکال کر رکھ لیتے تھے- اسی زمانہ میں آپ بعض کو سبق بھی پڑھا دیا کرتے تھے- مگر عام طور پر آپ کا کام یہ ہوتا تھا کہ خود بھی نمازوں کی پابندی کرتے' کثرت سے درود شریف کا ورد کرتے اور ان کو بھی نماز اور درود شریف پڑھنے کی تاکید کیا کرتے تھے جن کو اس قابل پاتے کہ وہ سمجھ سکتے ہیں ان کو طریق استخارہ بھی سمجھا دیتے اور ہدایت فرماتے کہ اگر وہ کچھ دیکھیں تو صبح کو بیان کریں- آپ ان کے خواب سنتے اور تعبیریں بتاتے- یہ سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا- بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ عمر بھر جاری رہا- گو اس کی صورت تبدیل ہو گئی- [21]

حضور ان ایام میں بالاخانے پر رہتے تھے- کھانا نہایت قلیل مقدار میں تناول کرتے اور اکثر بھنے ہوئے دانوں پر ہی اکتفا فرماتے- خادمہ جب کھانا لاتی تو آپ اوپر سے ہی ایک برتن لٹکا دیتے خادمہ اس میں کھانا رکھ دیتی تو آپ اوپر کھینچ لیتے جس میں سے کچھ تو خود تناول فرماتے اور باقی اپنے ہمجولیوں اور

ضرورت مندوں کو دے دیتے۔ چنانچہ اللہ یار صاحب ٹھیکیدار کا چشم دید بیان ہے کہ ایک دفعہ میں حضور کے ساتھ حضور کے گھر چلا گیا۔ دیکھا کہ ایک رسی کے ساتھ ایک برتن بندھا ہوا ہے۔ جب خادمہ کھانا لاتی ہے تو حضور اسے لٹکا دیتے ہیں۔ چنانچہ میرے سامنے خادمہ کھانا لائی۔ حضور نے اسے نیچے لٹکایا اور اوپر کھینچ لیا اور حضور کے ہاتھ میں کتاب تھی۔ حضور کتاب پڑھتے جاتے اور نیچے سے لقمہ لے کر کھاتے جاتے تھے۔ ایک لڑکے نے جس کا نام حکم دین تھا چپکے سے روٹی پیچھے ہٹالی۔ حضور نے دو ایک دفعہ ہاتھ نیچے کر کے لقمہ لینے کا قصد کیا مگر روٹی نہ ملی۔ حضور نے نیچے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حکم دین نے کھسکالی ہے۔ چنانچہ حضور نے کمال شفقت و محبت سے فرمایا۔ "اچھا تم کھانا چاہتے ہو ہاں کھالو"۔ [۲۲]

حواشی
(شادی، انقطاع الی اللہ اور دیگر مشاغل)

۱۔ حیات النبی جلد اول صفحہ ۵۳۔
۲۔ مرزا سلطان احمد صاحب کی ولادت کے وقت حضور کی عمر اندازاً اٹھارہ برس کی تھی۔ (سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۱۵ طبع اول) وفات ۱۹۳۱ء۔
۳۔ مرزا فضل احمد مرزا سلطان احمد کے دو سال بعد تولد ہوئے۔ لائف آف "احمد" (مولانا درد صاحب) صفحہ ۳۱ انگریزی۔
۴۔ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۳۳ طبع دوم
۵۔ تذکرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۳۰ و سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۸۰
۶۔ شادی شدہ
۷۔ الحکم ۷۔ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴ کالم ۲
۸۔ الحکم ۳۰۔ اپریل ۱۹۰۰ء صفحہ ۲
۹۔ The Mission by R. clark London, 1904 P.203 بحوالہ "انگریز اور بانی سلسلہ احمدیہ" (مرتبہ مولانا عبدالرحیم صاحب درد) ناشر احمدیہ کتابستان۔ ربوہ
۱۰۔ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۱۹
۱۱۔ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۱۹
۱۲۔ سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۲۹
۱۳۔ "ریویو آف ریلیجنز اردو قادیان جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۹
۱۴۔ حیات النبی جلد اول صفحہ ۱۰۸، ۱۰۹
۱۵۔ حیات احمد جلد اول نمبر سوم صفحہ ۱۹۱ (حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)
۱۶۔ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۷۸ تا ۱۸۲
۱۷۔ حاشیہ کتاب البریہ طبع اول صفحہ ۱۵۰
۱۸۔ سیرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۱
۱۹۔ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۴۲ روایت نمبر ۶۴
۲۰۔ ایضاً صفحہ ۱۷ طبع اول
۲۱۔ حیات احمد صفحہ ۱۹۵ جلد اول نمبر ۳
۲۲۔ روایات صحابہ جلد نہم صفحہ ۱۹۰، ۱۹۱ غیر مطبوعہ

باب پنجم

مقدمات کی پیروی اور دنیاوی علائق میں راست گفتاری، منکسر المزاجی اور تعلق باللہ

(۱۸۵۴ تا ۱۸۶۳)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی عمر کی پندرھویں منزل میں ابھی قدم رکھا ہی تھا کہ ملتان، چیلیانوالہ اور گجرات کی فیصلہ کن جنگوں کے بعد سکھ حکومت کو شکست فاش ہوئی اور ۲۹- مارچ ۱۸۴۹ء کو پنجاب کا علاقہ بھی انگریزی حدود مملکت میں شامل کر لیا گیا- سکھ مہاراجہ دلیپ سنگھ کو 50 ہزار پاؤنڈ پنشن دے کر انگلستان روانہ کر دیا گیا اور پنجاب کے ان رؤسا کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں جنہوں نے انتقال حکومت کے وقت غیر ملکی حکومت کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا- جیسا کہ ابتداء میں ذکر آ چکا ہے ان رؤساء میں چونکہ حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب اور آپ کے بھائی بھی تھے اس لئے ان کی جاگیر بھی جو قادیان کی مثالی ریاست کے آثار باقیہ سے تھی ضبط کر لی گئی اور راشک شوئی کے طور پر فقط سات سو روپے کی سالانہ پنشن انہیں دی جانی منظور کی گئی جو ظاہر ہے کہ ان کے گذشتہ شاہانہ ٹھاٹ باٹ کے لحاظ سے چنداں کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی-

حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم کو قادیان کی بستی سے اپنے بزرگوں کی مقدس یادگار ہونے کی وجہ سے نہایت درجہ عقیدت تھی اور آپ اکثر اس کا اظہار فرماتے اور اکثر کہتے کہ قادیان کی ملکیت مجھے ایک ریاست سے اچھی ہے- یہی وجہ ہے کہ حکومت انگریزی کی طرف سے بے دخلی کے اعلان پر آپ نے انگریزی عدالتوں تک پہنچنے کا فیصلہ کر کے مقدمات کا ایک وسیع سلسلہ شروع کر دیا- جس میں آپ نے کشمیر میں ملازمت اور بعد کے عرصہ میں جمع کی ہوئی ستر ہزار کے قریب رقم پانی کی طرح بہا دی- حالانکہ اس زمانے میں اس قدر مصارف سے سو گنے بڑی جائیداد از سر نو خرید کی جا سکتی تھی- بایں ہمہ بڑی زبردست جدوجہد کے بعد انہیں بمشکل قادیان کی زمین کے ایک حصہ پر عمل دخل ملا- اور اس کے ماحول میں بھینی، ننگل اور کھارا کے دیہات کی ملکیت کے رسمی حقوق واپس ہوئے جو

۱۹۴۷ء کے ہنگامہ ہجرت تک بدستور قائم رہے۔ البتہ حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؒ کے انتقال کے بعد مرزا غلام قادر صاحب کے زمانے میں قادیان کی جائیداد کا ایک بڑا حصہ مرزا اعظم بیگ صاحب لاہوری کے خاندان کی طرف منتقل ہوگیا جو بالآخر پینتیس برس کی کشمکش کے بعد آپ ہی کے خاندان کی طرف واپس آگیا۔ [1]

مقدمات شروع ہوئے تو حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم نے اپنے بیٹوں کو بھی اس میں شامل کرنا چاہا۔ حضرت اقدس کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب مرحوم اپنے دنیادارانہ رنگ کی وجہ سے مقدمات کی پیروی میں گہری دلچسپی لینے لگے مگر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فطری طور پر ان امور سے کوئی علاقہ ہی نہ تھا۔ آپ کے والد اور بڑے بھائی کو جس قدر انہماک اور شغف ان دنیاوی مشاغل میں تھا آپ اسی قدر ان سے متنفر تھے اور یہ جاننے کے باوجود متنفر تھے کہ ان مقدمات کے نتیجے میں اگر کامیابی ہوئی تو بالآخر خود آپ ایک بہت بڑی جائیداد پر قابض ہوں گے تاہم ضروری تھا کہ جب خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے آپ اپنی زندگی وقف کئے ہوئے تھے تو اس کی ہدایت کے مطابق اپنے والد کے حکم کی بھی تعمیل کریں خواہ آپ کی طبیعت اس سے کس درجہ کراہت رکھتی ہو۔ چنانچہ آپ کو مقدمات سے (جو آپ کے لئے ایک ابتلائے عظیم اور آزمائش کا ایک سنگین مرحلہ تھے) کم و بیش سترہ سال الجھنا پڑا۔ [2] حضور فرماتے ہیں:

"میرے والد صاحب اپنے بعض آباؤ اجداد کے دیہات کو دوبارہ لینے کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے انہوں نے انہی مقدمات میں مجھے بھی لگایا اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بے ہودہ جھگڑوں میں ضائع ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا۔ اس لئے اکثر والد صاحب کی ناراضگی کا نشانہ بنا رہتا تھا۔ ان کی ہمدردی اور مہربانی میرے پر نہایت درجہ پر تھی مگر وہ چاہتے تھے کہ دنیاداروں کی طرح مجھے رو بہ خلق بنا دیں اور میری طبیعت اس طریق سے سخت بیزار تھی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کمشنر نے قادیان میں آنا چاہا۔ میرے والد صاحب نے بار بار مجھ کو کہا کہ ان کی پیشوائی کے لئے دو تین کوس جانا چاہئے۔ مگر میری طبیعت نے نہایت کراہت کی اور میں بیمار بھی تھا اس لئے نہ جا سکا۔ پس یہ امر بھی ان کی ناراضگی کا موجب ہوا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ میں دنیوی امور میں ہردم غرق رہوں جو مجھ سے نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے نیک نیتی سے نہ دنیا کے لئے بلکہ محض ثواب اطاعت حاصل کرنے کے لئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا اور ان کے لئے دعا میں بھی مشغول رہتا

تھا اور وہ مجھے دلی یقین سے بربالوالدین جانتے تھے اور بسا اوقات کہا کرتے تھے کہ میں صرف ترحم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دنیا کے امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں ورنہ میں جانتا ہوں کہ جس طرف اس کی توجہ ہے یعنی دین کی طرف۔ صحیح اور سچ بات یہی ہے۔ ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں"۔ [۲۳]

لیکن چونکہ ان کی ساری عمر دنیاداری کے معاملات میں بسر ہوئی تھی اس لئے افسوس کا پہلو ہی غالب رہتا اور آپ کے مستقبل کے متعلق ہمیشہ تشویش میں رہتے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے والد صاحب مرحوم اکثر اوقات افسوس کا اظہار کرتے تھے کہ "میرا ایک بچہ تو لائق ہے مگر دوسرا لڑکا نالائق ہے۔ کوئی کام نہ اسے آتا ہے اور نہ وہ کرتا ہے۔ مجھے فکر ہے کہ میرے مرنے کے بعد یہ کھائے گا کہاں سے"۔ اور بعض دفعہ افسردہ ہو کر کہتے تھے کہ "یہ اپنے بھائی کا دست نگر رہے گا"۔ [۲۴]

مقدمات کے لئے تیاری اور سفر

یہ مقدمات جو قادیان کی جائیداد کے حقوق' مقامی زمینداروں کے لگان میں اضافہ یا درختوں کی کٹائی وغیرہ کے متعلق ہوتے تھے۔ آپ ان کے لئے بڑی محنت اور عرق ریزی سے ہر ممکن تیاری کرتے۔ ہر مقدمہ کے متعلق ضروری کاغذات اور شواہد کا خلاصہ ضبط تحریر میں لاتے اور مشمولہ کاغذات کی نقول محفوظ رکھنے کا خاص اہتمام فرماتے تا عندالضرورت مقدمہ کے سمجھنے یا سمجھانے میں آسانی ہو۔ حضرت مسیح موعودؑ کو اس سلسلے میں بٹالہ' گورداسپور' ڈلہوزی' امرتسر اور لاہور تک کے متعدد سفر اختیار کرنا پڑے۔ بالخصوص ڈلہوزی تک تو آپ کو ایک مرتبہ یکہ میں اور اکثر مرتبہ پاپیادہ سفر بھی کرنا پڑا۔ ان دنوں میدانی سفر کی سہولتیں بھی میسر نہ تھیں اور یہ تو پہاڑوں کا دشوار گزار راستہ تھا جس کے طے کرنے میں یقیناً غیر معمولی بہادری' ہمت اور جفاکشی درکار تھی اور جسے آپ نے مسکراتے ہوئے چہرے سے محض رضاء الٰہی کی خاطر اختیار کیا۔

مقدمات میں آپ کی امتیازی خصوصیات

مقدمات میں ہر قسم کا مکرو فریب' دغابازی اور چالبازی روا رکھی جاتی ہے اور فریق مخالف کو شکست دینے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جاتا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدمات کی پیروی کا انداز ہی بالکل جدا' بالکل نرالا اور بالکل انوکھا تھا۔ آپ کو ہار جیت سے تو کوئی تعلق ہی نہیں تھا صرف اطاعت والد کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی رضاء مقصود تھی۔ ان دنوں آپ کا یہ اکثر معمول تھا کہ جس صبح کو مقدمہ پر جانا ہوتا آپ اس سے قبل عشاء کی نماز مسجد اقصیٰ میں ادا کرنے کے بعد فرماتے "مجھ کو مقدمہ کی تاریخ پر جانا ہے میں والد صاحب کے حکم کی نافرمانی نہیں کر

سکتا۔ دعا کرو کہ اس مقدمہ میں حق حق ہو جائے اور مجھے مخلصی ملے۔ میں نہیں کہتا کہ میرے حق میں ہو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ حق کیا ہے پس جو اس کے علم میں حق ہے اس کی تائید اور فتح ہو"۔ اس کے بعد حضور خود بھی دیر تک مصروف دعا رہتے اور حاضرین بھی ۵۔ ایک ہندو مدرس پنڈت دیوی رام کا (جو ۲۱۔ جنوری ۱۸۷۵ء کو قادیان آئے اور چار سال تک مقیم رہے) بیان ہے کہ "جب کسی تاریخ مقدمہ پر جانا ہوتا تو آپ کے والد صاحب آپ کو مختار نامہ دے دیا کرتے تھے اور مرزا صاحب بہ تعمیل تابعداری فوراً بخوشی چلے جاتے تھے۔ مرزا صاحب اپنے والد صاحب کے کامل فرمانبردار تھے۔ مقدمہ پر لاچاری امر میں جاتے تھے"۔ ۶ ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ لاہور چیف کورٹ میں ایک مقدمہ دائر تھا اور آپ لاہور میں اس کی پیروی کی غرض سے سید محمد علی شاہ صاحب محکمہ جنگلات کے ہاں فروکش تھے۔ شاہ صاحب کا ملازم آپ کے لئے چیف کورٹ میں ہی کھانا لے جایا کرتا تھا۔ ایک دن نوکر کھانے لئے واپس آیا اور انہیں اطلاع دی آپ نے فرمایا۔ کہ گھر پر ہی آکر کھاتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ خوش اور بشاش گھر پہنچے تو شاہ صاحب نے پوچھا کہ آج آپ اتنے خوش کیوں ہیں کیا فیصلہ ہوا؟ فرمایا مقدمہ تو خارج ہو گیا ہے مگر خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ آئندہ اس کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ شاہ صاحب کو تو اس خبر سے سخت تکلیف ہوئی مگر حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر نہ صرف حزن و ملال کے چنداں کوئی آثار نہیں تھے بلکہ آپ بہت خوش تھے اور بار بار فرماتے تھے کہ مقدمہ کے ہارنے کا کیا غم ہے!! ۷

آپ کے دور ۸ مقدمات کی تین خصوصیات بالکل نمایاں تھیں۔ اول راست گفتاری دوم منکسر المزاجی تواضع اور حسن خلق سوم تعلق باللہ۔

مقدمات میں راست گفتاری

آپ نے جن مقدمات کی پیروی کی وہ زیادہ تر پیچیدہ نہیں ہوتے تھے اور دروغ گوئی سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا کیونکہ پٹواری کی شہادت کافی ہوتی تھی اور سرکاری کاغذات پر فیصلہ ہو جاتا تھا ۹ تاہم ان مقدمات میں متعدد مرحلے ایسے آجاتے تھے جن میں کوئی دوسرا شخص ہوتا تو اس کے قدم ڈگمگا جاتے۔ مگر آپ نے کمال جرات اور بہادری سے ہر موقعہ پر دنیوی مصلحتوں کو پایہ استحقار سے ٹھکرا دیا۔ اکثر دفعہ اپنے والد کی خفگی کا نشانہ بھی بنے اور شماتت اعداء کے چرکے بھی برداشت کئے۔ مگر گوارا نہیں کیا تو راست گفتاری کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔

ایک دفعہ جبکہ حضرت اقدس کی عمر پچیس تیس برس کی تھی آپ کے والد بزرگوار کا اپنے موروثیوں سے درخت کاٹنے پر ایک تنازعہ ہو گیا۔ آپ کے والد بزرگوار کا نظریہ یہ تھا کہ زمین کے مالک ہونے کی حیثیت سے درخت بھی ہماری ملکیت ہیں اس لئے انہوں نے موروثیوں پر دعویٰ دائر کر

دیا اور حضور کو مقدمہ کی پیروی کے لئے گورداسپور بھیجا۔ آپ کے ہمراہ دو گواہ بھی تھے حضرت اقدس جب نہر سے گذر کر پھنانوالہ گاؤں پہنچے تو راستے میں ذرا ستانے کے لئے بیٹھ گئے اور ساتھیوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اباجان یونہی زبردستی کرتے ہیں درخت کھیتی کی طرح ہوتے ہیں یہ غریب لوگ اگر کاٹ لیا کریں تو کیا حرج ہے۔ بہرحال میں تو عدالت میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مطلقاً یہ ہمارے ہی ہیں۔ ہاں ہمارا حصہ ہو سکتے ہیں۔ موروثیوں کو بھی آپ پر بے حد اعتماد تھا۔ چنانچہ جب مجسٹریٹ نے موروثیوں سے اصل معاملہ پوچھا تو انہوں نے بلا تامل جواب دیا کہ خود مرزا صاحب سے دریافت کرلیں۔ چنانچہ مجسٹریٹ نے حضور سے پوچھا حضور نے فرمایا کہ میرے نزدیک درخت کھیتی کی طرح ہیں جس طرح کھیتی میں ہمارا حصہ ہے۔ ویسے ہی درختوں میں بھی ہے۔ چنانچہ آپ کے اس بیان پر مجسٹریٹ نے موروثیوں کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس کے بعد جب حضور واپس قادیان تشریف لائے تو حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب نے آپ کے ساتھ جانے والوں میں سے ایک ساتھی سے پوچھا کہ کیا فیصلہ ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ میں تو باہر تھا مرزا صاحب اندر گئے تھے ان سے معلوم ہو گا۔ اس پر حضرت صاحب کو بلایا گیا۔ حضور نے سارا واقعہ بلا کم و کاست بیان کر دیا جسے سن کر آپ کے والد بزرگوار سخت برہم ہوئے اور "ملاں ملاں" کہہ کر کوسنے لگے اور کہا کہ گھر سے نکل جاؤ اور گھر والوں سے تاکیداً کہا کہ ان کو کھانا ہرگز نہ دو۔ حضور دو تین دن تو قادیان ہی میں رہے اور آپ کی والدہ صاحبہ محترمہؓ آپ کو کھانا بھجواتی رہیں لیکن بعد کو آپ کے والد صاحب کی مزید ناراضگی کی وجہ سے قادیان سے بٹالہ چلے گئے جہاں کوئی دو ماہ تک "پناہ گزین" رہنا پڑا۔ اور پھر بیمار ہونے پر والد صاحب مرحوم نے حضور کو واپس بلا لیا۔ [۱۰]

دو اور حیرت انگیز مثالیں

یہاں خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلم سے دو اور مثالیں بھی درج کرنا ضروری ہیں جو اگرچہ براہ راست اس زمانہ سے تعلق نہیں رکھتیں۔ مگر آپ کے مقدمات میں آپ کے معمول پر گہری روشنی ڈالتی ہیں۔ حضورؑ "آئینہ کمالات اسلام" میں تحریر فرماتے ہیں:

"میرے بیٹے سلطان احمد نے ایک ہندو پر بدیں بنیاد نالش کی کہ اس نے ہماری زمین پر مکان بنا لیا ہے اور مسماری مکان کا دعویٰ تھا اور ترتیب مقدمہ میں ایک امر خلاف واقعہ تھا۔ جس کے ثبوت سے وہ مقدمہ ڈسمس ہونے کے لائق ٹھہرتا تھا اور مقدمہ کے ڈسمس ہونے کی حالت میں نہ صرف سلطان احمد کو بلکہ مجھ کو بھی نقصان تلف ملکیت اٹھانا پڑ۔ تب فریق مخالف نے موقعہ پا کر میری گواہی لکھا دی اور میں بٹالہ میں گیا اور بابو فتح دین صاحب سب پوسٹ ماسٹر کے مکان پر جو تحصیل بٹالہ کے پاس ہے جا ٹھہرا۔ اور مقدمہ ایک ہندو منصف کے پاس تھا جس کا اب نام یاد نہیں رہا مگر ایک پاؤں سے وہ لنگڑا بھی

تھا۔ اس وقت سلطان احمد کا وکیل میرے پاس آیا کہ اب وقت پیشی مقدمہ ہے آپ کیا اظہار دیں گے۔ میں نے کہا کہ وہ اظہار دوں گا جو واقعی امر ہے اور سچ ہے۔ تب اس نے کہا کہ پھر آپ کے کچہری جانے کی کیا ضرورت ہے؟ میں جاتا ہوں تا مقدمہ سے دست بردار ہو جاؤں۔ سو وہ مقدمہ میں نے اپنے ہاتھوں سے محض رعایت صدق کی وجہ سے آپ خراب کیا اور راست گوئی کو اِبْتِغَاءً لِمَرْضَاتِ اللّٰہِ مقدم رکھ کر مالی نقصان کو ہیچ سمجھا"۔ [۱۱]

دوسری مثال

حضور خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی روایت ہے کہ:

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ خاندانی جائیداد کے متعلق ایک مقدمہ تھا اس مکان کے چبوترے کے متعلق جس میں اب صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر ہیں۔ اس چبوترہ کی زمین دراصل ہمارے خاندان کی تھی مگر اس پر دیرینہ قبضہ اس گھر کے مالکوں کا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے بھائی صاحب نے اس کے حاصل کرنے کے لئے مقدمہ چلایا اور جیسا کہ دنیاداروں کا قاعدہ ہے کہ جب زمین وغیرہ کے متعلق کوئی مقدمہ ہو اور وہ اپنا حق اس پر سمجھتے ہوں تو اس کے حاصل کرنے کے لئے جھوٹی سچی گواہیاں دلائیں۔ اس پر اس گھر کے مالکوں نے یہ امر پیش کر دیا کہ ہمیں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ان کے چھوٹے بھائی صاحب کو بلا کر گواہی لی جائے۔ اور جو وہ کہہ دیں ہمیں منظور ہو گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بطور گواہ عدالت میں پیش ہوئے اور جب آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ان لوگوں کو اس رستہ سے آتے جاتے اور اس پر بیٹھتے عرصہ سے دیکھ رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں!! اس پر عدالت نے ان کے حق میں فیصلہ دے دیا آپ کے بڑے بھائی صاحب نے اسے اپنی ذلت محسوس کیا اور بہت ناراض ہوئے مگر آپ نے فرمایا کہ جب امر واقعہ یہ ہے تو میں کس طرح انکار کر سکتا ہوں؟"۔ [۱۲]

منکسر المزاجی اور حسن خلق کے نادر اور بے مثال نمونے

ان مقدمات میں حضور کی منکسر المزاجی، درویشانہ طبع اور حسن خلق کے متعدد اور بے مثال نمونے ظاہر ہوئے۔ جس نے آپ کے ساتھ ہم رکاب ہونے والوں کو بے حد متاثر کیا اور وہ آپ کے وجود میں اخلاق محمدیؐ کا جلوہ دیکھ کر انگشت بدنداں ہو جاتے تھے۔

حضرت مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کہا کرتے تھے کہ "والد صاحب نے اپنی عمر ایک مغل کے طور پر نہیں گذاری بلکہ فقیر کے طور پر گذاری" [۱۳] یہ فقرہ جو آپ کی پوری زندگی کی مختصر مگر جامع

تصویر ہے' آپ کے زمانہ مقدمات پر بھی پوری شان سے حاوی ہے۔ قادیان کے کنہیا لعل صراف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت مرزا صاحب کو بٹالہ جانا تھا۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ ایک یکہ کرا دیا جائے۔ حضور جب نہر پر پہنچے تو آپ کو یاد آیا کہ کوئی چیز گھر میں رہ گئی ہے یکہ والے کو وہاں چھوڑا اور خود پیدل واپس تشریف لائے۔ یکہ والے کو پل پر اور سواریاں مل گئیں اور وہ بٹالہ روانہ ہو گیا اور مرزا صاحب غالباً پیدل ہی بٹالہ گئے۔ تو میں نے یکہ والے کو بلا کر پیٹا اور کہا کہ کم بخت اگر مرزا نظام دین ہوتے تو خواہ تجھے تین دن وہاں بیٹھنا پڑتا تو بیٹھتا۔ لیکن چونکہ وہ نیک اور درویش طبع آدمی ہے اس لئے تو ان کو چھوڑ کر چلا گیا۔ جب مرزا صاحب کو اس کا علم ہوا تو آپ نے مجھے بلا کر فرمایا کہ تم اس سے معافی مانگو تم نے کیوں اسے مارا۔ وہ مزدور آدمی تھا وہ میری خاطر کیسے بیٹھا رہتا اسے مزدوری مل گئی اور چلا گیا۔ میں نے کہا حضرت میں اسے ماروں گا اس نے کیوں ایسا کیا۔ لیکن حضرت اقدس باربار یہی فرماتے رہے۔ نہیں اس سے معافی طلب کرو"۔ [۱۴]

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول تھا کہ جب مقدمات کے لئے قادیان سے روانہ ہوتے تو اپنے ساتھ اصطبل میں سے سواری کے لئے گھوڑا بھی لے لیتے۔ ان سفروں میں آپ کے ہمراہ ان دنوں آپ کے قدیم خدام میں سے مرزا اسماعیل بیگ صاحب (ساکن قادیان) یا مرزا دین محمد صاحب (ساکن لنگروال) یا میاں غفار ایکہ بان ہوتے تھے۔ جنہیں آپ گاؤں سے نکل کر سوار کر لیتے اور پھر نصف راستہ حضور سوار ہوتے اور نصف راستہ وہ سواری کرتے اور بٹالہ پہنچنے پر اپنی حویلی میں قیام فرماتے تھے۔ اور جو جولاہا اس حویلی کی دیکھ بھال کے لئے مقرر تھا اسے اپنے کھانے سے دیتے اور خود حسب معمول بہت کم کھاتے تھے۔ چنانچہ مرزا اسماعیل بیگ صاحب مرحوم کی شہادت ہے کہ جب حضرت اقدس اپنے والد بزرگوار کے ارشاد کے ماتحت بعثت سے قبل مقدمات کی پیروی کے لئے جایا کرتے تھے تو سواری کے لئے گھوڑا بھی ساتھ ہوتا تھا اور میں بھی عموماً ہم رکاب ہوتا تھا لیکن جب آپ چلنے لگتے تو آپ پیدل ہی چلتے اور مجھے گھوڑے پر سوار کرا دیتے۔ میں بار بار انکار کرتا اور عرض کرتا حضور مجھے شرم آتی ہے۔ آپ فرماتے کہ "ہم کو پیدل چلتے شرم نہیں آتی تم کو سوار ہوتے کیوں شرم آتی ہے"۔ جب حضور قادیان سے چلتے تو ہمیشہ پہلے مجھے سوار کرتے۔ جب نصف سے کم یا زیادہ راستہ طے ہو جاتا تو میں اتر جاتا اور آپ سوار ہو جاتے اور اسی طرح جب عدالت سے واپس ہونے لگتے تو پہلے مجھے سوار کرتے اور بعد میں آپ سوار ہوتے۔ جب آپ سوار ہوتے تو گھوڑا جس چال سے چلتا اسی چال سے اسے چلنے دیتے"۔ [۱۶]

آپ کے دوسرے قدیم خادم مرزا دین محمد صاحب مرحوم آف لنگروال کا بیان ہے کہ:

"میں اولاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے واقف نہ تھا۔ یعنی ان کی خدمت میں مجھے جانے کی عادت نہ تھی۔ خود حضرت صاحب گوشہ گزینی اور گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن چونکہ وہ صوم و صلوٰۃ کے پابند اور شریعت کے دلدادہ تھے۔ یہی شوق مجھے بھی ان کی طرف لے گیا اور میں ان کی خدمت میں رہنے لگا۔ جب مقدمات کی پیروی کے لئے جاتے تو مجھے گھوڑے پر اپنے ساتھ اپنے پیچھے سوار کر لیتے تھے اور بٹالہ جا کر اپنی حویلی میں باندھ دیتے۔ اس حویلی میں ایک بالا خانہ تھا آپ اس میں قیام فرماتے۔ اس مکان کی دیکھ بھال کا کام ایک جولاہے کے سپرد تھا جو ایک غریب آدمی تھا۔ آپ وہاں پہنچ کر دو پیسے کی روٹی منگواتے۔ یہ اپنے لئے ہوتی تھی اور اس میں سے ایک روٹی کی چوتھائی کے ریزے پانی کے ساتھ کھا لیتے۔ باقی روٹی اور دال وغیرہ جو ساتھ ہوتی وہ اس جولاہے کو دے دیتے اور مجھے کھانا کھانے کے لئے چار آنہ دیتے تھے۔ آپ بہت ہی کم کھایا کرتے تھے اور کسی قسم کے چسکے کی عادت نہ تھی"۔ [۱۷]

جس دن آپ نے بٹالہ جانا ہوتا تو سفر سے پہلے آپ دو نفل پڑھ لیتے.... صبح کا کھانا آپ گھر سے کھا جاتے.... آپ نے تحصیل میں چلے جانا میں باہر بیٹھتا تھا۔ دوپہر کے وقت جو وقفہ ہوتا تھا اس میں آپ باہر تشریف لاتے اور مجھے چند پیسے دیتے کہ بھوک لگی ہو گی کوئی چیز کھا لو قادیان کی واپسی پر آپ کبھی موڑ پر اتر پڑتے اور کبھی قادیان کے نزدیک ایک باغ میں (جو محلہ دارالصحت کے قریب تھا) قادیان میں کبھی سوار ہونے کی حالت میں آپ تشریف نہیں لائے"۔ [۱۸]

مقدمات میں انقطاع الی اللہ

ان مقدمات میں سب سے نمایاں امر آپ کا انقطاع الی اللہ تھا۔ جو ہر موقعہ پر خود بخود ظاہر ہوتا تھا آپ سفر میں ہوتے یا حضر میں' عدالت میں ہوتے یا اپنی رہائش گاہ پر' یاد الٰہی سے آپ ایک لحہ بھی غافل نہیں رہتے تھے۔ بلکہ زندگی کا ہر تغیر آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کا باعث بنتا تھا۔ ڈلہوزی کے سفروں کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ "جب کبھی ڈلہوزی جانے کا مجھے اتفاق ہوتا تو پہاڑوں کے سبزہ زار حصوں اور بہتے ہوئے پانیوں کو دیکھ کر طبیعت میں بے اختیار اللہ تعالیٰ کی حمد کا جوش پیدا ہوتا اور عبادت میں ایک مزہ آتا اور میں دیکھتا تھا کہ تنہائی کے لئے وہاں اچھا موقعہ ملتا ہے"۔ [۱۹]

عنفوان شباب میں بہاریں لوٹنے کی بجائے خدا تعالیٰ کے تصور میں یوں کھوئے جانا آپ کے اس عشق کا پتہ دیتا ہے جو آپ کے قلب صافی میں بحر مواج کی شکل میں ہر دم موجزن رہتا تھا۔ آپ دست باکار و دل بایار کی مجسم تصویر اور عالم جوانی میں عشق الٰہی کے سانچے میں ڈھلا ہوا نفیس قالب تھے

جس کے چہرہ مہرہ ' طرز گفتگو اور کردار سے روحانیت کا نور برستا تھا جو ایک اجنبی انسان کو بھی مبہوت کر دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ڈلہوزی ہی کے سفر کا ایک واقعہ ہے کہ آپ ایک مقدمے کے سلسلہ میں پہاڑ پر یکہ میں بیٹھے سفر کر رہے تھے کہ راستہ میں بارش آگئی۔ آپ اپنے ہم سفر ساتھی سمیت یکہ سے اترے اور ایک پہاڑی آدمی کے مکان کی طرف گئے جو راستہ کے پاس تھا۔ آپ کے ساتھی نے آگے بڑھ کر مالک مکان سے اندر آنے کی اجازت چاہی مگر اس نے روکا۔ اس پر ان کی باہم تکرار ہو گئی اور مالک مکان تیز ہو کر گالیوں پر اتر آیا۔ حضرت صاحب یہ تکرار سن کر آگے بڑھے۔ جونہی آپ کی اور مالک مکان کی آنکھیں ملیں تو پیشتر اس کے کہ آپ کچھ فرماتے اس نے اپنا سر نیچے ڈال لیا اور کہا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ "میری ایک جوان لڑکی ہے اس لئے میں اجنبی آدمی کو گھر میں نہیں گھسنے دیتا مگر آپ بے شک اندر آجائیں"۔ [۲۰]

مقدمات خواہ کتنے پیچیدہ ' اہم اور آپ کی ذات یا خاندان کے لئے دور رس نتائج کے حامل ہوتے آپ نماز کی ادائیگی کو ہر صورت میں مقدم رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کا ریکارڈ ہے کہ آپ نے ان مقدمات کے دوران میں کبھی کوئی نماز قضاء نہیں ہونے دی۔ عین کچہری میں نماز کا وقت آتا تو اس کمال محویت اور ذوق شوق سے مصروف نماز ہو جاتے کہ گویا آپ صرف نماز پڑھنے کے لئے آئے ہیں کوئی اور کام آپ کے مد نظر نہیں ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ آپ خدا تعالیٰ کے حضور کھڑے عجز و نیاز کر رہے ہوتے اور مقدمہ میں طلبی ہو جاتی مگر آپ کے استغراق ' توکل علی اللہ اور حضور قلب کا یہ عالم تھا کہ جب تک مولائے حقیقی کے آستانہ پر جی بھر کر الحاح و زاری نہ کر لیتے اس کے دربار سے واپسی کا خیال تک نہ لاتے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

"میں بٹالہ ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے گیا۔ نماز کا وقت ہو گیا اور میں نماز پڑھنے لگا۔ چپڑاسی نے آواز دی مگر میں نماز میں تھا فریق ثانی پیش ہو گیا اور اس نے یک طرفہ کارروائی سے فائدہ اٹھانا چاہا اور بہت زور اس بات پر دیا۔ مگر عدالت نے پروانہ کی اور مقدمہ اس کے خلاف کر دیا اور مجھے ڈگری دے دی۔ میں جب نماز سے فارغ ہو کر گیا تو مجھے خیال تھا کہ شاید حاکم نے قانونی طور پر میری غیر حاضری کو دیکھا ہو۔ مگر جب میں حاضر ہوا اور میں نے کہا کہ میں تو نماز پڑھ رہا تھا تو اس نے کہا کہ میں تو آپ کو ڈگری دے چکا ہوں"۔ [۲۱]

عدالت سے غیر حاضری کے باوجود آپ کے حق میں فیصلہ ہو جانا ایک بھاری الٰہی نشان تھا جو آپ کے کمال درجہ انقطاع و ابتہال کے نتیجہ میں نمودار ہوا۔

حواشی

۱- سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۳۶-
۲- ۱۸۵۴ء تا ۱۸۶۳ء و ۱۸۶۸ء تا ۱۸۷۶ء
۳- کتاب البریہ صفحہ ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲ حاشیہ-
۴- بروایت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ الحکم سیرت مسیح موعود نمبر صفحہ ۵- مئی جون ۱۹۴۳ء
۵- حیات النبی صفحہ ۱۸۶ جلد اول نمبر دوم طبع اول ۱۴- دسمبر ۱۹۱۵ء-
۶- سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۸۲-
۷- حیات النبی جلد اول صفحہ ۵۷-
۸- دور مقدمات میں ۱۸۵۴ء تا ۱۸۶۳ء اور ۱۸۶۴ء تا ۱۸۷۶ء دونوں زمانے شامل ہیں-
۹- آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۰۴
۱۰- روایت میاں اللہ یار صاحب ٹھیکیدار از "روایات صحابہ" حصہ نہم صفحہ ۱۹۲، ۱۹۳
۱۱- آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۹۹، ۳۰۰
۱۲- الفضل جلد ۲۴ نمبر ۹۴ صفحہ ۴ بحوالہ الحکم ۲۱/۲۶ مئی ۱۹۴۳ء صفحہ ۷
۱۳- سیرت المہدی حصہ اول طبع دوم صفحہ ۲۱۹
۱۴- الحکم سیرت مسیح موعود نمبر مئی جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۲۹
۱۵- مرزا دین محمد صاحب کا بیان ہے کہ وہ قریباً ۱۸۷۲ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے (سن بیعت ۱۹۱۸ء) روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد اول صفحہ ۹۳ مرتبہ نظارت تالیف و تصنیف قادیان-
۱۶- الحکم ۲۱/۲۸ مئی ۱۹۳۴ء
۱۷- حیات احمد جلد دوم صفحہ ۱۹۶-
۱۸- روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد اول صفحہ ۹۶
۱۹- حیات النبی جلد اول صفحہ ۵۵
۲۰- سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۶ طبع دوم
۲۱- حیات النبی جلد اول صفحہ ۵۶-

باب ششم

سیالکوٹ میں قیام اور تبلیغ اسلام کی مہم کا آغاز

(۱۸۶۴ - ۱۸۶۷)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی تعلیمی دور ہی میں تھے کہ آپ کے والد بزرگوار کو یہ خیال دامن گیر ہو گیا کہ آپ کو کسی موزوں سرکاری ملازمت میں جگہ دلا دیں بلکہ ۱۸۵۲ء میں جب بندوبست شروع ہوا تو انہوں نے دینا نگر میں جہاں ضلع گورداسپور کے بندوبست کا مرکزی دفتر قائم ہوا تھا آپ کو ملازم بھی کرا دیا۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چونکہ ابتداء ہی سے ان امور سے بالطبع سخت نفرت تھی اس لئے آپ صرف ایک دن کے قیام کے بعد واپس قادیان تشریف لے آئے۔ آپ کا زمانہ تعلیم ختم ہوا تو ان کے دل میں یہ خیال پھر چٹکیاں لینے لگا۔ اسی اثناء میں ضلع گورداسپور میں ایک انگریز افسر وارد ہوا جس سے حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب مرحوم کو پہلے سے تعارف اور راہ و رسم تھی۔ انہوں نے یہ موقعہ غنیمت سمجھتے ہوئے کاہلواں [1] کے ایک سکھ جھنڈا سنگھ سے کہا کہ "جاؤ غلام احمد کو بلا لاؤ۔ ایک انگریز حاکم میرا واقف ضلع میں آیا ہے اس کا منشاء ہو تو کسی اچھے عہدے پر نوکر کرا دوں"۔ جھنڈا سنگھ کا بیان ہے کہ "میں مرزا صاحب کے پاس گیا تو دیکھا کہ چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا کر اس کے اندر بیٹھے ہوئے کچھ مطالعہ کر رہے ہیں۔ میں نے بڑے مرزا صاحب (یعنی حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب مرحوم۔ ناقل) کا پیغام پہنچا دیا۔ مرزا صاحب آئے اور جواب دیا "میں تو نوکر ہو گیا ہوں" بڑے مرزا صاحب کہنے لگے کہ اچھا کیا واقعی نوکر ہو گئے ہو؟ مرزا صاحب نے کہا ہاں ہو گیا ہوں۔ اس پر بڑے مرزا صاحب نے کہا کہ اچھا اگر نوکر ہو گئے ہو تو خیر ہے"۔ [2]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جواب کا صاف مطلب یہی تھا کہ مجھے کسی دنیاوی حکومت کی نوکری کی ضرورت نہیں کیونکہ میں آسمانی بادشاہت اور اس کے گورنر جنرل حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا نوکر ہو گیا ہوں۔ یہ مختصر جواب اتنا پر کیف تھا کہ آپ کے والد بزرگوار خاموش ہو گئے۔ اور پھر یہ معلوم کر کے کہ ان سے انگریزی حکومت کی ملازمت کی توقع عبث ہے آپ کو زمینداری

امور کی نگرانی اور مقدمات کی پیروی کے کام سپرد کر دیئے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد جب انہوں نے .شدت محسوس کیا کہ ان مخمصوں سے بھی ان کی طبیعت کو کوئی مناسبت نہیں ہے اور جو کچھ توجہ اس میں ہے محض امتثال حکم کی خاطر ہے تو انہوں نے ایک بار پھر ملازمت کی تلاش شروع کر دی اور ایک برادر زادہ کی تحریک پر حضور کو سید محمد علی شاہ صاحب کلانوری کے ہمراہ ریاست جموں میں ملازمت کے لئے بھجوا دیا جہاں آپ خود ایک معزز عہدہ پر رہ چکے تھے۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ اور سید محمد علی صاحب کلانور کے رستہ جموں تشریف لے گئے۔ سفر میں آپ کی توجہ الی اللہ اور استغراق اور محویت کا یہ عالم تھا کہ کلانور کے نالے سے گذرتے ہوئے آپ کی جوتی کا ایک پاؤں نکل گیا مگر آپ کو پتہ بھی نہ چلا جب تک بہت دور جا کر آپ کو یاد نہیں کرایا گیا۔ آخر جموں پہنچے۔ یہاں جتنے دن رہے نماز اور قرآن شریف کی تلاوت میں وقت گذارا۔ چند روز بعد حضور کا ایک رشتہ دار جموں پہنچا اور دونوں کو واپس قادیان لے آیا۔ [۲]

اب تک اگرچہ آپ کے والد پر آپ کے طبعی رجحانات اور ملازمت سے حقارت آمیز جذبہ کا علم پوری طرح کھل کر سامنے آ چکا تھا مگر اس کے باوجود وہ اپنے ارادہ کی تکمیل پر اور زیادہ مصر ہو گئے اور بالآخر ۱۸۶۴ء میں انہوں نے حضور کو سیالکوٹ میں متفرقات کی اسامی پر ملازم کرا ہی دیا۔ اس زمانہ میں آپ کو دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس وقت حضور کی مسیں بھیگ رہی تھیں"۔ [۳]

ملازمت میں خدائی حکمتیں

حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؒ کا یہ فیصلہ بے وجہ نہیں تھا بلکہ خدا تعالیٰ کی عمیق در عمیق حکمتوں کا کرشمہ تھا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ چاہتا تھا کہ آپ اصلاح خلق کرنے کے لئے عدالتی جھمیلوں اور مقدمہ بازی کے مختلف انسانی شعبدوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد دنیاداری کے اس گندے ماحول کو بھی دیکھ لیں جو نوکری پیشہ لوگوں کا ماحول ہے۔ اور جس میں خدا کے بندے تو خال خال نظر آتے ہیں مگر کسب حرام کے مکروہ اور شرمناک ہتھکنڈے استعمال کرنے والوں میں کمی نہیں ہے۔ حضور خود فرماتے ہیں:

"اس تجربہ سے مجھے معلوم ہوا کہ اکثر نوکری پیشہ نہایت گندی زندگی بسر کرتے ہیں ان میں بہت کم ایسے ہوں گے جو پورے طور پر صوم و صلوٰۃ کے پابند ہوں اور جو ان ناجائز حظوظ سے اپنے تئیں بچا سکیں جو ابتلاء کے طور پر ان کو پیش آتے رہتے ہیں میں ہمیشہ ان کے منہ دیکھ کر حیران رہا اور اکثر کو ایسا پایا کہ ان کی تمام دلی خواہشیں مال و متاع تک خواہ حلال کی وجہ سے ہوں یا حرام کے ذریعہ سے محدود تھیں اور بہتوں کی دن رات کی کوششیں صرف اسی مختصر زندگی کی دنیوی ترقی کے لئے مصروف پائیں۔ میں نے ملازمت پیشہ لوگوں کی جماعت میں بہت کم ایسے لوگ پائے کہ جو محض خدا تعالیٰ کی عظمت کو یاد

کر کے اخلاق فاضلہ، حلم اور کرم اور عفت اور تواضع اور انکسار اور خاکساری اور ہمدردی خلق اور پاک باطنی اور اکل حلال اور صدق مقال اور پرہیزگاری کی صفت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ بلکہ بہتوں کو تکبر اور بد چلنی اور لاپرواہی دین اور طرح طرح کے اخلاق رذیلہ میں شیطان کے بھائی پائے اور چونکہ خدا تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ ہر ایک قسم اور ہر ایک نوع کے انسانوں کا مجھے تجربہ حاصل ہو اس لئے ہر ایک صحبت میں مجھے رہنا پڑا"۔ ۵

اس کے علاوہ ایک زبردست حکمت الٰہی (جو اپنی شان میں بڑی عظمت و اہمیت رکھتی تھی) آپ کے قیام سیالکوٹ کی یہ تھی کہ سولہ سترہ برس کی عمر سے جس معرکے کی تیاری میں مصروف تھے اس کی پہلی مہم آپ کو سیالکوٹ میں سر کرنا تھی یعنی نصرانیت کے دفاع کے لئے جدوجہد کا آغاز۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی مصلحت یہ کار فرما تھی کہ آپ اپنے گاؤں کی چار دیواری اور خاندان کے حلقہ سے نکل کر ایک شہری آبادی میں اقامت گزین ہوں جہاں آپ کے پاکیزہ شباب، اعلیٰ کیریکٹر، ہمدردی خلق، غمخواری دین، تعلق باللہ اور عشق قرآن ہونے کے شاہد مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں میں پیدا ہو جائیں اور آپ کی صداقت پر زندہ گواہ ہوں۔

قادیان کے لوگ آپ کے مزارعہ تھے اور ان پر اکثر آپ ہی کے خاندان کا عمل و دخل اور قبضہ و اقتدار تھا۔ اس لئے ان کی شہادت پر تو ردو قدح کی گنجائش نکل سکتی تھی مگر سیالکوٹ کے رہنے والے ایک دوسرے شہر کے آزاد باشندے تھے جن کی چشم دید گواہیاں طمع و نفسانیت پر مبنی قرار نہیں دی جا سکتیں۔

سیالکوٹ میں آپ کی قیامگاہیں اور حفاظت الٰہی کے نظارے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سیالکوٹ میں تشریف لائے تو آپ نے سب سے پہلے محلہ جھنڈانوالہ میں ایک چوبارے پر قیام فرمایا۔ ایک دفعہ حضور پندرہ سولہ افراد کے ساتھ اس چوبارے میں آرام فرما رہے تھے کہ شہتیر سے ٹک ٹک کی آواز آئی۔ اس پر آپ نے ساتھیوں کو سختی سے نکلنے کا حکم دیا جب آپ کے ساتھی نکل گئے تو آپ نے باہر آنے کا قصد کرتے ہوئے ابھی دوسرے زینہ پر ہی قدم رکھا تھا کہ اس کی چھت دھڑام سے آگری اور آپ معجزانہ طور پر بچ گئے۔ حضور نے اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان فرمائی:

"ایک دفعہ رات میں ایک مکان کی دوسری منزل پر سویا ہوا تھا اور اسی کمرہ میں میرے ساتھ پندرہ یا سولہ آدمی اور بھی تھے۔ رات کے وقت شہتیر میں ٹک ٹک کی آواز آئی۔ میں نے آدمیوں کو جگایا کہ شہتیر خوفناک معلوم ہوتا ہے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ کوئی چوہا ہو گا خوف کی بات

نہیں اور یہ کہہ کر سو گئے - تھوڑی دیر کے بعد پھر ویسی آواز آئی - تب میں نے ان کو دوبارہ جگایا - مگر پھر بھی انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی - پھر تیسری بار شہتیر سے آواز آئی تب میں نے ان کو سختی سے اٹھایا اور سب کو مکان سے باہر نکالا اور جب سب نکل گئے تو خود بھی وہاں سے نکلا - ابھی دوسرے زینہ پر تھا کہ وہ چھت نیچے گری اور وہ دوسری چھت کو ساتھ لے کر نیچے جا پڑی اور سب بچ گئے"۔ [۷]

چوبارہ گرنے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حافظ محمد شفیع صاحب قاری آف سیالکوٹ کے نانا فضل دین صاحب کے مکان واقع کشمیری محلہ [۸] میں اقامت گزین ہو گئے - [۸] اس کے بعد (بروایت میر حسن صاحب سیالکوٹی) آپ سیالکوٹ کی جامع مسجد کے سامنے حکیم منصب علی صاحب وثیقہ نویس کے ہمراہ ایک بیٹھک میں رہنے لگے اور غالباً یہیں آخر تک مقیم رہے - یہ سبھی مقامات مکانیت کے لحاظ سے مختصر اور بے رونق سے تھے جن میں کوئی ظاہری کشش اور دلچسپی نہیں تھی جس سے حضور کی غیر معمولی سادگی اور خلوت پسندی کا پتہ چلتا ہے - فضل الدین صاحب کی روایت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام خدائی حفاظت کا ایک یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کرتے تھے کہ "ایک دفعہ کا ذکر ہے جبکہ میں سیالکوٹ میں تھا - ایک دن بارش ہو رہی تھی - جس کمرہ کے اندر میں بیٹھا ہوا تھا اس میں بجلی آئی سارا کمرہ دھوئیں کی طرح ہو گیا اور گندھک کی سی بو آتی تھی - لیکن ہمیں کچھ ضرر نہ پہنچا - اسی وقت وہ بجلی ایک مندر میں گری جو کہ تیجا سنگھ کا مندر تھا اور اس میں ہندوؤں کی رسم کے موافق طواف کے واسطے پیچ در پیچ اردگرد دیوار بنی ہوئی تھی اور اندر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا - بجلی تمام چکروں میں سے ہو کر اندر جا کر اس پر گری اور وہ جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ ہو گیا"۔ [۹]

سرکاری ملازمت میں آپ کا معمول اور شان استغناء

آپ جب سرکاری ملازمت میں آئے تو عام اہلکاروں میں تھے مگر جلد ہی آپ کی خداداد قابلیت کا عوام پر ہی نہیں حکومت کے سربر آوردہ افسروں پر بھی سکہ بیٹھ گیا اور ضلع بھر میں آپ کی علمی شان اور محققانہ طبیعت کے غلغلہ بلند ہونے شروع ہو گئے - دوسرے سرکاری ملازموں کی اکثریت جہاں ملک و قوم کے لئے موجب ننگ تھی اور اپنی تمام تر کوشش اور سعی میں دنیا پرستی، رشوت، دغا اور فریب میں مبتلا تھی وہاں آپ ہر قسم کی آلودگیوں سے بالکل پاک تھے - آپ دفتر میں اپنا مفوضہ کام پوری توجہ، دیانتداری، محنت اور ذمہ داری سے ادا فرماتے مگر دفتری اوقات کے بعد کچہری کے معاملات سے آپ یوں دستکش ہوتے کہ گویا ان امور سے آپ کو زندگی بھر سابقہ ہی نہیں پڑا - چنانچہ حافظ محمد شفیع صاحب کا بیان ہے کہ ان کے نانا فضل دین صاحب بتایا کرتے تھے کہ حضرت اقدس جب کچہری سے واپس آتے تو چونکہ آپ اہلمد تھے - مقدمہ

والے زمینداران کے مکان تک ان کے پیچھے آجاتے۔ تو حضور پر نور ہمارے نانا کو بلاتے اور کہتے کہ فضل دین میرا پیچھا ان سے چھڑا دو یہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فضل دین صاحب ان زمینداروں کو سمجھاتے کہ جو تمہارا کام ہے مرزا صاحب کچہری میں ہی کر دیں گے۔ [۱۰]

یہ زمانہ جو آپ نے یوسفی شان سے ملازمت میں بسر کیا آپ اسے قید خانہ سے کسی طرح کم نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کی والدہ محترمہ نے قادیان کے ایک حجام حیات نامی کے ذریعہ سے آپ کو کپڑوں کے چار جوڑے سیالکوٹ بھجوائے۔ آپ کی فیاض طبیعت نے اسے خالی ہاتھ بھجوانا گوارا نہ کیا اور انہی نئے جوڑوں میں سے ایک جوڑا اس کے حوالے کر دیا۔ حالانکہ وہ خاص اہتمام سے آپ ہی کے لئے بھجوائے گئے تھے۔ حجام نے بر سبیل تذکرہ ملازمت کے متعلق عرض کیا کہ آپ کو پسند ہے؟ حضرت نے بے ساختہ فرمایا "قید خانہ ہی ہے"۔ [۱۱]

اسی تاثر کا نتیجہ تھا کہ آپ دفتری معاملات میں باوجود تندہی کے ایک بے مثال شان استغناء کے مالک تھے جس کو خاندانی وجاہت اور دماغی صلاحیتوں نے اور بھی نکھار دیا تھا۔ ان دنوں ضلع سیالکوٹ کے دفاتر کا سپرنٹنڈنٹ ایک شخص پنڈت سہج رام تھا۔ یہ شخص اسلام کا بدترین معاند اور سخت کینہ پرور انسان تھا۔ وہ اس خود فریبی کا شکار تھا کہ آپ چونکہ میرے ماتحت ایک سرشتہ میں ملازم ہیں اس لئے انہیں دفتری معاملات میں ہی نہیں، مذہبی معاملات میں بھی دب کر رہنا ہوگا۔ یہ بدبخت اکثر اپنی سیہ باطنی کی وجہ سے اسلام پر اعتراض کرتا اور آنحضرت ﷺ پر زبان طعن دراز کرتا رہتا تھا۔ مگر عاشق رسول حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے آقا کی توہین ہرگز برداشت نہیں کرتے تھے۔ اور نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے ہر قسم کے عواقب اور خطرات سے بے نیاز ہو کر ایک بے باک مجاہد کی حیثیت سے ڈٹ کر جواب دیتے۔ آپ کے زبردست دلائل سے لاجواب اور مبہوت ہونے کے بعد زچ ہو جاتا تو اپنی بے بسی کی کسر نکالنے کے لئے دفتری معاملات کا سہارا لے کر آپ کو تکلیف دینے کی کوئی نئی سے نئی صورت پیدا کر لیتا اور اس مخالفت میں وہ اخلاق و شرافت کے ادنیٰ ترین تقاضوں کو بھی پامال کر دینے سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ یہ کشمکش دو ایک دن کے لئے نہیں تھی بلکہ مسلسل چار سال تک قائم رہی۔ ایک طرف شوخ چشمی کی حد تھی تو دوسری طرف ابراہیمی صبر کا امتحان ہو رہا تھا۔ حضور کے ہندو دوست لالہ بھیم سین (جنہیں آپ سے بٹالہ میں ہم مکتب ہونے کے نیاز حاصل تھے اور آپ پر جان چھڑکتے تھے) یہ صورت حال دیکھ کر اکثر مشورہ دیتے کہ دنیاوی طور پر آپ کی ترقی سپرنٹنڈنٹ ہی سے وابستہ ہے اس لئے اگر اس کی طرف سے ایسی مخالفانہ کارروائی ہو تو الجھنے کی بجائے ٹال دیا کیجئے ورنہ اس مزاحمت میں آپ کا مستقبل مخدوش ہو جائے گا۔ لیکن خدا کے جانباز جرنیل کی نگاہ میں دنیا کے اس

ذلیل چیتھڑے کی بھلا حیثیت ہی کیا ہو سکتی تھی؟ حضورؑ لالہ صاحب کا مشورہ سنا ان سنا کر دیتے۔ اپنے فرائض منصبی میں کوتاہی آپ کی فطرت و طینت کے خلاف تھی مگر خدائے واحد کے مقابل کسی انسان کو معیشت کا سرچشمہ قرار دینا بھی آپ کو کب گوارا ہو سکتا تھا چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام جب تک سیالکوٹ میں رہے سہج رام کے تیر اور نشتر تائید اسلام کے "جرم" کی پاداش میں برداشت کرتے رہے۔ مگر جب مستعفی ہو کر واپس قادیان آئے تو وہی پنڈت سہج رام سیالکوٹ سے بدل کر امرت سر کی کمشنری میں سر رشتہ دار بنا اور خدا تعالیٰ کے قہری تیروں کا شکار ہو گیا اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبل از وقت اس کی ناگہانی موت کی خبر بذریعہ کشف دے دی جس نے سننے والوں کو انگشت بدنداں کر دیا۔ حضرت اقدسؑ حقیقتہ الوحی میں خدا تعالیٰ کے اس خاص نشان کے متعلق فرماتے ہیں:

"ایک شخص سہج رام نام امرت سر کی کمشنری میں سر رشتہ دار تھا اور پہلے وہ سیالکوٹ میں صاحب ڈپٹی کمشنر کا سر رشتہ دار تھا اور وہ مجھ سے ہمیشہ مذہبی بحث رکھا کرتا تھا۔ اور دین اسلام سے فطرتاً ایک کینہ رکھا کرتا تھا۔ اور ایسا اتفاق ہوا کہ میرے ایک بڑے بھائی تھے انہوں نے تحصیلداری کا امتحان دیا تھا اور امتحان میں پاس ہو گئے تھے اور وہ ابھی گھر میں قادیان میں تھے اور نوکری کے امیدوار تھے۔ ایک دن میں اپنے چوبارہ میں عصر کے وقت قرآن شریف پڑھ رہا تھا جب میں نے قرآن شریف کا دوسرا صفحہ الٹانا چاہا تو اسی حالت میں میری آنکھ کشفی رنگ پکڑ گئی اور میں نے دیکھا کہ سہج رام سیاہ کپڑے پہنے ہوئے اور عاجزی کرنے والوں کی طرح دانت نکالے ہوئے میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ جیسا کہ کوئی کہتا ہے کہ میرے پر رحم کرا دو۔ میں نے اس کو کہا کہ اب رحم کا وقت نہیں اور ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ اسی وقت یہ شخص فوت ہو گیا ہے اور کچھ خبر نہ تھی۔ بعد اس کے میں نیچے اترا۔ اور میرے بھائی کے پاس چھ سات آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور ان کی نوکری کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے کہا اگر پنڈت سہج رام فوت ہو جائے تو وہ عہدہ بھی عمدہ ہے ان سب نے میری بات سن کر قہقہہ مار کر ہنسی کی کہ "کیا چنگے بھلے کو مارتے ہو" دوسرے دن یا تیسرے دن خبر آگئی کہ اسی گھڑی سہج رام ناگہانی موت سے اس دنیا سے گذر گیا"۔ [۱۷]

دفتری اوقات کے بعد آپ کے مشاغل اور معمول

دفتری فرائض کی سرانجام دہی تو دفتری اوقات میں ہوتی تھی۔ باقی پورا وقت آپ کا تلاوت قرآن مجید، عبادت گذاری، شب بیداری، خدمت خلق اور تبلیغ اسلام ایسے اہم دینی مہمات میں گذرتا تھا۔

تلاوت قرآن مجید آپ کا اکثر معمول تھا کہ آپ گھر سے باہر اپنے اوپر چادر لپیٹے رکھتے اور صرف اتنا حصہ چہرہ کا کھلا رکھتے جس سے راستہ نظر آئے۔ جب کچہری سے فارغ ہو کر واپس اپنی قیام گاہ پر تشریف لاتے تو دروازہ بند کر لیتے اور قرآن شریف کی تلاوت اور ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔ آپ کے اس طریق مبارک سے بعض متجسس طبیعتوں کو خیال پیدا ہوا کہ یہ ٹوہ لگانا چاہئے کہ آپ کواڑ بند کر کے کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن "سراغ رسان" گروہ نے آپ کی "خفیہ سازش" کو بھانپ لیا یعنی "انہوں نے بچشم خود دیکھا کہ آپ مصلّٰی پر رونق افروز ہیں قرآن مجید ہاتھ میں ہے اور نہایت عاجزی اور رقت اور الحاح و زاری اور کرب و بلا سے دست بدعا ہیں کہ "یا اللہ تیرا کلام ہے مجھے تو تو ہی سمجھائے گا تو میں سمجھ سکتا ہوں"۔ [13] مائی حیات بی بی صاحبہ بنت فضل دین صاحب مرحوم کی روایت ہے کہ "آپ کی عادت تھی کہ جب کچہری سے واپس آتے تو پہلے میرے باپ کو بلاتے اور ان کو ساتھ لے کر مکان میں جاتے۔ مرزا صاحب کا زیادہ تر ہمارے والد صاحب کے ساتھ ہی اٹھنا بیٹھنا تھا۔ ان کا کھانا بھی ہمارے ہاں ہی پکتا تھا۔ میرے والد ہی مرزا صاحب کو کھانا پہنچایا کرتے تھے۔ مرزا صاحب اندر جاتے اور دروازہ بند کر لیتے اور اندر صحن میں جا کر قرآن پڑھتے رہتے۔ میرے والد صاحب بتلایا کرتے تھے کہ مرزا صاحب قرآن مجید پڑھتے پڑھتے بعض وقت سجدہ میں گر جاتے ہیں اور لمبے لمبے سجدے کرتے ہیں اور یہاں تک روتے کہ زمین تر ہو جاتی ہے"۔ [14]

اسی طرح میاں بوٹا صاحب کشمیری کی شہادت ہے کہ جب حضرت مرزا صاحب ہمارے مکان میں رہتے تھے تو مکان کے صحن میں ٹہلتے رہتے۔ اور قرآن شریف پڑھتے رہتے تھے"۔ [15]

خدمت خلق سیالکوٹ میں قیام کے دوران میں آپ نے خدمت خلق کے پہلو کی طرف بھی خاص توجہ مبذول رکھی۔ آپ قادیان کی طرح یہاں بھی غرباء پروری کا خاص اہتمام فرماتے۔ جو تنخواہ لاتے اس میں سے معمولی سادہ کھانے کا خرچ رکھ کر باقی رقم سے محلہ کی بیواؤں اور محتاجوں کو کپڑے بنوا دیتے یا نقدی کی صورت میں تقسیم فرما دیتے۔ [16] علم طب میں آپ کو کافی درک تھا اور آپ اس سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانے سے کبھی دریغ نہیں فرماتے تھے۔ آپ علاج کے ساتھ مریض کے لئے دعا بھی فرماتے اور شافی مطلق آپ کے دست مبارک سے شفا کا سامان بھی پیدا کر دیتا۔ یہی طب روحانی تھی۔ جس پر آپ اپنی پوری عمر کاربند رہے۔ میاں بوٹا کشمیری (جن کے گھر میں بھی حضور عرصہ تک قیام فرما رہے) شہادت دیتے ہیں کہ "میں تو ان کو ولی اللہ جانتا ہوں ایک دفعہ میرے والد صاحب بیمار ہو گئے تمام ڈاکٹر اور حکیم جواب دے چکے کہ اب یہ نہیں بچے گا اور علاج کرنا فضول ہے لیکن ہم نے حضرت مرزا صاحب کو بلایا آپ نے دعا فرمائی اور کچھ علاج بھی بتایا۔ اللہ تعالیٰ

نے آپ کی دعا سے میرے والد صاحب کو شفا دی اور بہت سی ان کی دعائیں ہمارے حق میں قبول ہوئیں"۔ [۱۷]

تعلیم و تدریس کا وہ سلسلہ جو قادیان میں آپ نے جاری کر رکھا تھا سیالکوٹ میں بھی (گو محدود وقت میں ہی سہی) بند نہیں ہونے دیا۔ سیالکوٹ میں آپ کی بیٹھک کے ساتھ حکیم حسام الدین صاحب مرحوم مطب کرتے تھے۔ جب انہیں حضور سے تعارف ہوا تو انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے طبابت میں راہ نمائی کی درخواست کی جسے آپ نے منظور فرماتے ہوئے قانونچہ اور موجز کا کچھ حصہ انہیں پڑھا دیا۔

سیالکوٹ میں عظیم الشان پیشگوئیوں کا ظہور

قیام سیالکوٹ کے عرصہ میں حضور کی بعض عظیم الشان پیشگوئیاں پوری ہوئیں جو حضور ہی کے الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہیں:

پہلی پیشگوئی: "لالہ بھیم سین صاحب کو جو سیالکوٹ میں وکیل ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے خواب کے ذریعہ سے راجہ تیجا سنگھ کی موت کی خبر پاکر ان کو اطلاع دی کہ وہ راجہ تیجا سنگھ جن کو سیالکوٹ کے دیہات کی جاگیر کے عوض میں تحصیل بٹالہ میں دیہات معہ اس کے علاقہ کی حکومت کے ملے تھے فوت ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس خواب کو سن کر بہت تعجب کیا اور جب قریب دو بجے بعد دوپہر کے وقت ہوا تو مسٹر پرنسب صاحب کمشنر امرتسر ناگہانی طور پر سیالکوٹ میں آگئے اور انہوں نے آتے ہی مسٹر مکنیب صاحب ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کو ہدایت کی کہ راجہ تیجا سنگھ کے باغات وغیرہ کی جو ضلع سیالکوٹ میں واقع ہیں بہت جلد ایک فہرست تیار ہونی چاہئے کیونکہ وہ کل بٹالہ میں فوت ہو گئے ہیں۔ تب لالہ بھیم سین نے اس خبر موت پر اطلاع پاکر نہایت تعجب کیا کہ کیونکر قبل از وقت اس کے مرنے کی خبر ہو گئی"۔ [۱۸]

دوسری پیشگوئی: "ایک مرتبہ جب انہوں نے (یعنی لالہ بھیم سین صاحب وکیل نے۔ ناقل) اس ضلع (سیالکوٹ۔ ناقل) میں وکالت کا امتحان دیا تو میں نے ایک خواب کے ذریعہ سے ان کو بتلایا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسا مقدر ہے کہ اس ضلع کے کل اشخاص جنہوں نے وکالت یا مختاری کا امتحان دیا ہے فیل ہو جائیں گے مگر سب میں سے صرف تم ایک ہو کہ وکالت میں کامیاب ہو جاؤ گے اور یہ خبر میں نے تیس کے قریب اور لوگوں کو بھی بتلائی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سیالکوٹ کی تمام جماعت کی جماعت جنہوں نے وکالت یا مختار کاری کا امتحان دیا تھا فیل کئے گئے اور صرف لالہ بھیم سین پاس ہو گئے"۔ [۱۹]

سیالکوٹ میں قیام کے بعض مختصر حالات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ذکر فرمایا کرتے تھے کہ سیالکوٹ میں ایک مرہٹہ گوپی ناتھ بھاگ کر ریاست جموں میں ایک باغ میں رہائش رکھتا تھا۔ اس کے متعلق انگریزی حکومت نے اعلان عام کر رکھا تھا کہ اگر اس کو تحصیلدار پکڑے تو اسے اسسٹنٹ کمشنر کا عہدہ دیا جائے گا۔ اور اگر ڈپٹی کمشنر پکڑلے تو اسے کمشنر بنادیا جائے گا۔ چنانچہ جب وہ مرہٹہ گرفتار ہوا تو اس کا بیان آپ نے قلمبند فرمایا کیونکہ اس کا مطالبہ تھا کہ میں اپنا بیان ایک معزز خاندانی شریف افسر یا حاکم کو لکھواؤں گا۔ [20]

ملازمت کے دوران میں آپ نے خود بھی محض خلق خدا کو قانونی الجھنوں سے بچانے اور ان کے شہری حقوق دلانے کے لئے مختاری کے امتحان کی تیاری کی اور قانون کا ابتدائی لٹریچر بھی مطالعہ فرمایا مگر چونکہ آپ دنیا والوں کے کیس لڑنے کے لئے نہیں آئے تھے محض اسلام کی وکالت کے لئے پیدا کئے گئے تھے اس لئے آپ اس کے امتحان میں تو کامیاب نہیں ہو سکے مگر آپ نے بعد کو اسلام کے وکیل ہونے کا حق اس خوبی سے سرانجام دیا کہ عالم اسلام عش عش کر اٹھا اور پھر خدا تعالیٰ نے یہاں تک عرش پر خوشنودی کا اظہار فرمایا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے فروعی اختلافات کو دور کرنے کے لئے آپ کو حکم عدل یعنی منصف جج کے منصب پر سرفراز کر دیا۔ بہرحال مشیت ایزدی کا معاملہ جدا ہے جہاں تک آپ کی ذات کا تعلق ہے مختاری کے امتحان کی تیاری میں بھی مفلوک الحال انسانیت کی خدمت کا جذبہ کار فرما تھا جو ہمیشہ ہی آپ کا طرہ امتیاز رہا۔ امتحان میں کامیاب نہ ہونے کی ایک ظاہری وجہ یہ پیدا ہوئی کہ بائیس امیدوار شامل امتحان ہوئے تھے جن میں سے ایک نارائن سنگھ نامی امیدوار امتحان میں شرارت کرتے پکڑا گیا جس کی وجہ سے سب ہی امیدوار فیل کر دیئے گئے"۔ [21]

حضرت اقدسؑ کی طرف سے تبلیغ اسلام کی مہم کا آغاز

قبل ازیں کم و بیش تیرہ سال سے آپ ناموس مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ کے لئے جس معرکہ کی تیاری کر رہے تھے۔ سیالکوٹ کی سرزمین اس کا سب سے پہلا "میدان جنگ" ہی۔ ان دنوں حضور علیہ السلام لالہ بھیم سین سے مذہبی مسائل پر اکثر گفتگو فرماتے تھے بلکہ آپ نے تحریری رنگ میں بھی قرآن مجید کی سچائی ثابت کر کے ان کا حق رفاقت ادا کیا۔ چنانچہ ایک عرصہ ہوا لالہ صاحب آنجہانی کے بیٹے جناب لالہ کنور سین صاحب نے پرانے کاغذات سے حضور کا ایک تبلیغی مکتوب شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کو بھجوایا تھا جس میں حضور نے سورۃ فاتحہ کی روشنی میں بت پرستی کے مسئلہ پر زبردست تنقید فرمائی ہے۔ [22] پیغام حق پہنچانے کی دوسری مثال سیج

رام کے متعلق اوپر گذر چکی ہے جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ سیالکوٹ میں آپ کی تبلیغی جدوجہد کا مرکز اکثر و بیشتر اس وقت کے جغادری عیسائی پادری اور مناد ہوتے تھے۔

پورے ہندوستان کو عیسائیت کے زیر نگیں کرنے کی برطانوی سازش

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے تبلیغ اسلام کی زبردست جدوجہد کے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں عیسائیت کی پشت پر برطانوی حکومت کی پوری مشینری کام کر رہی تھی اور ہندوستان میں پنجاب کو اور پنجاب میں لدھیانہ اور سیالکوٹ کو عیسائیت کا مرکز بنا کر عیسائیت کا جال پھیلانے کی سرتوڑ کوششیں جاری تھیں۔

انگریزی پالیسی انگریز ہندوستان میں ابتداء ہی سے یہ پالیسی لے کر آئے تھے کہ وہ دولت و ثروت کے بل بوتے پر اس برصغیر پر قابض ہو جائیں اور یہاں اپنا دائمی اثر و اقتدار قائم کرنے کے لئے ایسا طبقہ پیدا کر دیں کہ جو رنگ و خون کے اعتبار سے ہندوستانی ہو مگر اپنے مذاق 'اپنی رائے' معاشرتی الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔ ۲۳ برطانوی حکومت نے اس پالیسی پر ابتداء میں جس طرح عمل کیا وہ اس کی ڈپلومیسی کا شاہکار تھا۔ سرسید مرحوم نے "اسباب بغاوت ہند" میں ان کارروائیوں کو بڑی تفصیل سے بے نقاب کرتے ہوئے بتایا ہے کہ سب جانتے تھے کہ گورنمنٹ نے پادریوں کو مقرر کیا ہے ان کو تنخواہ دی جاتی ہے۔ دیگر اخراجات اور تقسیم کتب کے لئے بڑی بڑی رقمیں دی جاتی ہیں اور ہر طرح ان کے مددگار اور معاون ہیں۔ حکام شہر اور فوج کے افسر ماتحتوں سے مذہبی گفتگو کرتے تھے۔ اپنی کوٹھیوں پر بلا بلا کر پادریوں کا وعظ سنواتے تھے۔ غرضکہ اس بات نے یہاں تک ترقی پکڑی تھی کہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ گورنمنٹ کی عملداری میں ہمارا یا ہماری اولاد کا مذہب قائم رہے گا"۔

ہندوستان کو عیسائیت کی آغوش میں دینے کی پالیسی جو ابھی تک خفیہ طور پر اختیار کی جاتی تھی ۱۸۵۷ء میں برطانوی پارلیمنٹ کے ایوانوں میں گونجنے لگی۔ چنانچہ پارلیمانی ممبر مسٹر ینگلس نے ان دنوں ایک تقریر میں کہا:

"خداوند تعالیٰ نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ ہندوستان کی سلطنت انگلستان کے زیر نگیں ہے تاکہ عیسیٰ مسیح کی فتح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے ہر شخص کو اپنی تمام

تر قوت تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنی چاہئے اور اس میں کسی طرح تساہل نہیں کرنا چاہئے"۔ [۸۴]

ہنگامہ ۵۷ء کے فرو ہوتے ہی انگریزی حکمرانوں نے جس امر کی طرف مسلسل توجہ دی وہ تبلیغ عیسائیت کا معاملہ تھا ایک چرچ مشنری ہندوستان میں عیسائیت کے فروغ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"غدر کی آگ کے بعد زیادہ مستحکم طور پر ایس پی جی نے دہلی میں اور سی ایم ایس نے لکھنؤ میں اپنے مرکز قائم کئے۔ اودھ میں مشنری خدمت کے لئے ہنری لارنس چیف کمشنر نے لکھنؤ میں لکھا جنہوں نے بنارس سے لیوپولٹ کو بھیج دیا۔ اور ۲۴۔ ستمبر ۱۸۵۸ء کو منٹگمری نے ایک جلسہ کر کے ۵،۰۰۰ پونڈ جمع کر لئے اور اودھ مشن کو تقویت پہنچائی"۔ [۸۵]

۱۸۶۲ء میں انگلستان کے وزیر اعظم لارڈ پامرسٹن اور وزیر ہند چارلس وڈ کی خدمت میں ایک وفد پیش ہوا جس میں دارالعلوم اور دارالامراء کے رکن اور دوسرے بڑے بڑے لوگ شامل تھے۔ انگلستان کے سب سے بڑے پادری آرچ بشپ آف کنٹربری نے اس وفد کا تعارف کرایا۔ وزیر ہند نے اس وفد سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ:

"میرا یہ ایمان ہے کہ ہر وہ نیا عیسائی جو ہندوستان میں عیسائیت قبول کرتا ہے انگلستان کے ساتھ ایک نیا رابطہ اتحاد بنتا ہے اور ایمپائر کے استحکام کے لئے ایک نیا ذریعہ ہے"۔ [۸۶]

وزیر اعظم لارڈ پامرسٹن نے یہ بھی کہا کہ:

"میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب اپنے مقصد میں متحد ہیں۔ یہ ہمارا فرض ہی نہیں بلکہ خود ہمارا مفاد بھی اس امر سے وابستہ ہے کہ ہم عیسائیت کی تبلیغ کو جہاں تک بھی ہو سکے فروغ دیں۔ اور ہندوستان کے کونے کونے میں اس کو پھیلا دیں"۔ [۸۷]

ان الفاظ کے بعد اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ ہندوستان سے انگلینڈ تک کے سب ہی انگریز افسر اپنی حکومت کے استحکام کا تمام تر راز عیسائیت کے فروغ میں سمجھتے تھے۔

پنجاب کو عیسائیت کیلئے قدرتی BASE قرار دیا گیا

مسیحی مشنریوں کی رپورٹوں سے ثابت ہے کہ وہ وسط ایشیا میں عیسائیت کی ترقی کے لئے پنجاب کو قدرتی بنیاد (Base) یقین کرتے تھے۔ چنانچہ رابرٹ کلارک نے لکھا ہے:

"پنجاب کی سرحدی لائن سے اور اسے اپنے کام کی بنیاد (Base) بنا کر عیسائیت ان مقامات تک

پھیل سکتی ہے جہاں ابھی اس کا نام تک نہیں پہنچا"۔

"وسط ایشیا میں عیسائیت کے تبلیغی کام کے لئے پنجاب ایک قدرتی بنیاد (Base) معلوم ہوتا ہے"۔ [۲۸]

پنجاب کو صلیب کے جھنڈے تلے جمع کرنے کے لئے مرکزی مشن ابتداء لدھیانہ میں قائم کیا گیا۔ جس کے بعد پنجاب میں اگرچہ دیکھتے ہی دیکھتے صوبہ کے تمام مشہور شہروں میں مسیحی مشنوں کا قیام عمل میں آیا۔ گرجے تعمیر ہوئے اور لٹریچر کی اشاعت شروع ہو گئی۔

سیالکوٹ مشن کی خصوصیت

لیکن سیالکوٹ مشن کو ان میں ایک بھاری خصوصیت حاصل تھی کیونکہ یہ مشن (جو اسکاچ مشن تھا) ملک کی ایک دفاعی سکیم کے ماتحت جاری ہوا تھا جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اسے فوجی افسروں کے مشورہ اور ایماء پر قائم کیا گیا تھا۔ چنانچہ ایک چرچ مشنری معترف ہیں کہ:

۱۸۵۶ء میں فوجی افسروں کی درخواست پر سکاچ مشن [۲۹] نے پنجاب کا رخ کیا جہاں دس سال کے اندر [۳۰] سیالکوٹ کو مرکز بنا کر گردونواح کے پچاس میل دائرہ کے شہروں اور قصبوں میں سکول، یتیم خانے اور ڈسپنسریاں قائم کر دیں اور گردوپیش کے گاؤں میں تبلیغ کی جانے لگی"۔ [۳۱]

چنانچہ عیسائیت نے بالخصوص سیالکوٹ کے حلقہ میں دس سال کے اندر یعنی ۱۸۶۶ء تک اپنی جڑیں مضبوط کر لیں۔ دراصل پورے پنجاب میں سیالکوٹ ہی ایک ایسا مقام تھا جس نے انگریزوں کے خلاف بغاوت میں ڈٹ کر حصہ لیا تھا۔ اس لئے انگریزوں کا قدرتی طور پر مفاد اسی میں تھا کہ پنجاب کے اس "بازوئے شمشیر زن" کو مفلوج کرنے کے لئے عیسائیت کی بکثرت اشاعت کریں۔ ملکہ وکٹوریہ نے ۱۸۵۷ء کے انہی واقعات سے متاثر ہو کر عفو عام، مساوات اور مذہبی آزادی کا ایک تاریخی اعلان کیا۔ جس کی رو سے ہندوستان میں ہر مذہب و ملت کو اپنے دینی عقائد پر عملدرآمد کرنے اور اشاعت و تبلیغ کرنے کی مکمل اجازت دی گئی تھی۔ انگریزی حکومت سیاسی لحاظ سے خواہ کس قدر فتنوں کے بہالانے کا باعث ہوئی ملکہ کا یہ تاریخی اعلان ملک کے اہل فہم اور دینی مزاج رکھنے والے سنجیدہ طبقوں میں تشکر کے گہرے جذبات سے سنا گیا۔ یہ مذہبی آزادی ہر فرقہ کے لئے مساوی تھی جس سے ہر فرقہ نے اپنے مذہب کی ترقی و اشاعت کے لئے فائدہ اٹھایا۔ لیکن انگریزی حکومت سبھی فرقوں کو مذہبی آزادی دینے کے بعد اگر عیسائیت کی پشت پناہی کا خیال ترک کر دیتی تو اسے اپنی موت پر دستخط کرنا پڑتے۔ وہ بخوبی جانتی تھی کہ عیسائیت انگریزی اقتدار کا سہارا لئے بغیر اس برق رفتاری سے ہندوستان پر چھا نہیں سکتی۔ جس کا انگریزی حکومت کے مفاد تقاضا کرتے ہیں۔

دراصل ۱۸۵۷ء نے انگریز کو پوری طرح محسوس کروا دیا تھا کہ اگر عیسائیت کے فروغ کے لئے پوری جدوجہد کی جاتی تو ملک کی اکثریت عیسائیت کی چوکھٹ پر آجاتی اور اس قسم کے واقعات کی نوبت ہی نہیں آسکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد انہوں نے پوری قوت سے اور صاف کھل کر عیسائیت کی پشت پناہی شروع کر دی اور پادریوں کی سرگرمیوں میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ ایک پاکستانی ادیب لکھتے ہیں "انگریزوں کی غدر میں فتوحات کے بعد عیسائی مشنریوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے"۔ [۲۲] یہ اسی صورت حال کا لازمی نتیجہ تھا کہ خود ملک کے بعض منصف مزاج اور خدا ترس پادری برملا تسلیم کرتے تھے کہ اگر ۱۸۵۷ء کی مانند پھر غدر ہوا تو عماد الدین ایسے بدسگالوں کی بدزبانیوں اور بے ہودہ گوئیوں سے ہوگا۔ [۲۳] چنانچہ ۱۸۶۴ء میں ہنری لارنس کو جو قبل ازیں چیف کمشنر تھا اور ابتداء ہی سے عیسائیت کی ترقی و اشاعت میں دیوانہ وار کوشش کرنا اپنا سیاسی فرض سمجھتا تھا ہندوستان کا وائسرائے بنا دیا گیا۔ یہ وہ شخص تھا جس کی قطعی رائے تھی کہ:

"غدر کے بھڑکانے میں سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ برطانیہ حسب عادت اپنے مذہب کے معاملہ میں بزدلی دکھاتا رہا"۔ [۲۴]

وہ سر ہربرٹ ایڈورڈز کے اس نظریہ کا پرجوش حامی تھا کہ "غدر کے برپا ہونے کی یہ وجہ نہیں تھی کہ عیسائیت کی تبلیغ کی گئی۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ عیسائیت کی تبلیغ نہیں کی گئی" [۲۵] ہنری لارنس ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۹ء تک وائسرائے رہا اور اس نے اپنے زمانہ اقتدار میں عیسائیت کے پھیلانے کی زبردست جدوجہد کی جس کا اعتراف خود فاضل مسیحی محققین کو ہے۔ ایک چرچ مشنری لکھتے ہیں کہ:

"جب ہنری لارنس وائسرائے مقرر ہوئے تو انہوں نے مسیحی تبلیغ کی اور وسیع کوشش کی"۔ [۲۶]

بہرحال یہ تھا سیالکوٹ کے تبلیغی "میدان جنگ" کا نقشہ اور ملکی سیاست کا ماحول۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام قادیان سے سیالکوٹ تشریف لائے اور ایک عام سرکاری ملازم ہونے کے باوجود اس برطانوی اقدام کے خلاف تن تنہا پرجوش محاذ قائم کر لیا۔ اس زمانہ میں عیسائیت کے دفاع میں آپ کا ایک مناظرہ بلاشبہ حکومت وقت کے آئین سے نہیں اس کے مخصوص مفادات سے "بغاوت" کے مترادف تھا۔ جمعیتہ العلماء ہند کے ایک سابق ناظم مولانا سید محمد میاں صاحب لکھتے ہیں:

"رد عیسائیت بظاہر ایک واعظانہ اور مناظرانہ چیز ہے جس کو سیاست سے بظاہر کوئی تعلق نہیں لیکن غور کرو جب حکومت عیسائی گر ہو۔ جس کا نقطہ نظر ہی یہ ہو کہ سارا ہندوستان عیسائی مذہب اختیار کر لے اور اس کی تمنا دلوں کے پردوں سے نکل کر زبانوں تک آرہی ہو اور بے آئین اور جابر

حکومت کا فولادی پنجہ اس کی امداد کر رہا ہو تو یہی تبلیغی اور خالص مذہبی خدمت کس قدر سیاسی اور کتنی زیادہ سخت اور صبر آزما بن جاتی ہے- بلاشبہ رد عیسائیت کے سلسلہ میں ہر ایک مناظرہ' ہر ایک تبلیغ' ہر ایک تصنیف اغراض حکومت سے سراسر بغاوت تھی"۔ ۲۷

سیالکوٹ میں حضرت مسیح موعودؑ کا عیسائیت کے خلاف تبلیغی محاذ

اس زمانہ میں مسیحی مشن چونکہ نیا نیا پنجاب میں آیا تھا اس لئے مسلمان اس کے علم کلام اور دلائل سے اکثر نا آشنا تھے اور عیسائیت سے اکثر شکست کھا جاتے تھے- لیکن اس کے برعکس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے مرد مجاہد سے جس مسیحی کی گفتگو ہوئی اسے خاموش ہونا پڑا- آپ صحیح معنوں میں سیالکوٹ کی پوری مذہبی فضاء پر چھائے ہوئے تھے اور عیسائی پادری آپ کے مدلل اور مسکت مباحثوں سے بالکل لاجواب ہو جاتے تھے- آپ کی بیٹھک کے قریب ہی ایک بوڑھے دکاندار فضل دین کی دکان تھی جہاں شام کو شہر کے اچھے اچھے سمجھدار لوگوں کا ایک ہجوم سا رہتا تھا- گاہے گاہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تشریف لاتے اور مشن سکول کے ہیڈ ماسٹر نصراللہ نامی عیسائی سے مذہبی امور پر معلومات افزاء گفتگو فرماتے- ان دنوں حاجی پورہ میں ایک دیسی پادری الائشہ صاحب بھی ایک کوٹھی میں رہتے تھے- ایک دفعہ ان سے آپ کا ایک مختصر سا مگر فیصلہ کن مباحثہ بھی ہوا- پادری صاحب نے مباحثہ کا آغاز کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ عیسائیت قبول کئے بغیر نجات کا حصول ممکن نہیں- حضرت اقدسؑ نے جرح میں صرف یہ فرمایا کہ نجات کی مفصل تعریف بیان کیجئے- آپ کا بس اسی قدر فرمانا تھا کہ وہ صاحب دم بخود رہ گئے اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ "میں اس قسم کی منطق نہیں پڑھا"۔

پادری بٹلر سے تبادلہ خیالات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سیالکوٹ میں جن پادریوں سے مذہبی تبادلہ خیالات کا سلسلہ جاری رہتا تھا ان میں پادری بٹلر ایم اے ممتاز تھے- پادری بٹلر سکاچ مشن کے بڑے نامی گرامی اور فاضل پادری تھے- ایک دفعہ حضرت اقدس سے ان کی اتفاقاً ملاقات ہو گئی- اثنائے گفتگو میں بہت کچھ مذہبی گفتگو ہوتی رہی- آپ کی تقریر اور دلائل نے پادری صاحب کے دل میں ایسا گھر کر لیا کہ ان کے دل میں آپ کی باتیں سننے کا بہت شوق پیدا ہو گیا- اکثر ایسا ہوتا کہ پادری صاحب دفتر کے آخری وقت میں حضور کی خدمت میں آجاتے اور پھر آپ سے باتیں کرتے کرتے آپ کی فرودگاہ تک پہنچ جاتے اور بڑی خوشی سے اس چھوٹے سے مکان میں جو عیسائیوں کی خوش منظر اور عالی شان کوٹھیوں کے مقابلہ میں ایک جھونپڑا سا تھا بیٹھے رہتے اور بڑی توجہ اور محویت و عقیدت سے باتیں سنا کرتے اور اپنی طرز معاشرت

کے تکلفات کو بھی اس جگہ بھول جاتے۔ بعض تنگ ظرف عیسائیوں نے پادری صاحب کو اس سے روکا اور کہا کہ اس میں آپ کی اور مشن کی خفت ہے آپ وہاں نہ جایا کریں۔ لیکن پادری صاحب نے بڑے حلم اور متانت سے جواب دیا کہ "یہ ایک عظیم الشان آدمی ہے کہ اپنی نظیر نہیں رکھتا تم اس کو نہیں سمجھتے میں خوب سمجھتا ہوں"۔ ۵۸

پادری بٹلر پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پرنور شخصیت، بے مثال متانت و سنجیدگی اور زبردست قوت استدلال کا اس درجہ گہرا اثر تھا کہ جب وہ ولایت جانے لگے تو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الوداعی سلام کئے بغیر سیالکوٹ سے جانا گوارا نہ کیا۔ چنانچہ وہ دفتر کے اوقات میں محض آپ کی آخری زیارت کے لئے کچہری آئے اور ڈپٹی کمشنر کے پوچھنے پر بتایا کہ صرف مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے آیا ہوں اور پھر جہاں آپ بیٹھے تھے وہیں سیدھے چلے گئے۔ اور کچھ دیر بیٹھ کر واپس چلے گئے۔ ۵۹

مذہبی تبادلہ خیالات کے دوران میں اکثر ضد و تعصب کی آگ بھڑک اٹھتی ہے لیکن آپ کچھ ایسے دلکش اور پیارے الفاظ میں عیسائیت کے متعلق گفتگو فرماتے کہ خود عیسائیوں میں سے حق پسند طبقہ کو لطف آجاتا اور وہ اختلاف رائے کے باوجود آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ ان دنوں مرزا مراد بیگ صاحب جالندھری مدیر اخبار "وزیر ہند" (جو ابتداء مرزا شکستہ تخلص کرتے تھے لیکن عیسائیوں سے مباحثات کے بعد مرزا موحد کہلائے) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے اور آپ کے علم کلام اور مسکت و معقول دلائل سے فیض یاب ہو کر اس سے اپنے رنگ میں اخباری دنیا کو روشناس کراتے۔ مرزا موحد حضرت اقدسؑ کے جوش ایمانی، اچھوتے طرز استدلال اور ناقابل تردید براہین پر حد درجہ فریفتہ تھے۔ جب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سیالکوٹ سے تشریف لے آئے تو وہ قادیان میں بھی کئی بار آپ کی زیارت و استفادہ کے لئے حاضر ہوتے رہے۔ ۶۰

آپ کی پاکیزہ جوانی اور مقدس شباب کے متعلق چند شہادتیں

وہ مسلمان، ہندو اور سکھ یا عیسائی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ ملازمت میں کچہری کے عملہ میں شامل تھے آپ کی امانت و دیانت، تقویٰ اور نیکی کے دل سے قائل تھے اور کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو آپ کی پاکیزہ جوانی اور مقدس شباب کا ثنا خواں اور مداح نہ ہو۔ ضلع کا سب سے بڑا افسر (ڈپٹی کمشنر) آپ کو غایت درجہ عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ بلکہ ایک روایت سے یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ جب حضور

استعفیٰ دے کر واپس قادیان آنے لگے تو اس نے آپ کی مشایعت کے اعزاز میں تعطیل عام کردی تھی کہ ایسا پاکباز شخص ان کے عملے سے مستعفی ہو کر جارہا ہے۔ ۶۱

سرکاری افسروں اور ملازموں کے علاوہ سیالکوٹ کا ہر وہ شخص جسے آپ سے کبھی ملنے کا اتفاق ہوا آپ کی صالح اور درویشانہ طبیعت سے متاثر تھا۔ جن لوگوں کے مکانوں میں آپ نے ان دنوں قیام فرمایا وہ آپ کو ولی اللہ قرار دیتے تھے ۶۲ سیالکوٹ کے علمی طبقہ میں تو آپ کو علم و فضل کا ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔ اس زمانہ کی چند شہادتیں درج ذیل ہیں۔

پہلی شہادت سیالکوٹ میں ایک صاحب حکیم مظہر حسین صاحب تھے جو اگرچہ حضرت مسیح موعودؑ کے دعوئی ماموریت پر دشمنان احمدیت کی صف اول میں چلے گئے تاہم حضور کے زمانہ سیالکوٹ کی پاکیزہ یاد وہ مخالفت کے ہجوم میں بھی فراموش نہیں کر سکے چنانچہ لکھتے ہیں:

"ثقہ صورت، عالی حوصلہ اور بلند خیالات کا انسان اپنی علو ہمتی کے مقابل کسی کا وجود نہیں سمجھتا۔ اندر قدم رکھتے ہی وضو کے لئے پانی مانگا اور وضو سے فراغت پا نماز ادا کی یا وظیفہ میں تھے"۔

درود وظائف کا لڑکپن سے شوق ہے مکتب کے زمانہ میں تحفہ ہند تحفۃ الہنود، خلعت الہنود وغیرہ کتابیں اور سنی اور شیعہ عیسائی مناظرہ کی کتابیں دیکھا کرتے تھے اور ہمیشہ آپ کا ارادہ تھا کہ کل مذاہب کے خلاف اسلام کی تائید میں کتابیں لکھ کر شائع کریں"۔ ۶۳

دوسری شہادت دوسری شہادت مشہور مسلم لیڈر مولوی ظفر علی صاحب آف زمیندار کے والد بزرگوار منشی سراج الدین صاحب مرحوم کی ہے:

"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء (؟) کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے اس وقت آپ کی عمر ۲۲-۲۳ سال ہو گی اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ کاروبار ملازمت کے بعد ان کا تمام وقت مطالعہ دینیات میں صرف ہوتا تھا۔ عوام سے کم ملتے تھے"۔ ۶۴

تیسری شہادت تیسری شہادت جو سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے شمس العلماء مولانا سید میر حسن صاحب ۶۵ مرحوم سیالکوٹی کی ہے۔ مولانا صاحب سیالکوٹ ہی میں نہیں ہندوستان بھر میں علوم مشرقی کے بلند پایہ عالم اور مسلمانوں میں ایک نہایت ممتاز شخصیت کے حامل تھے ڈاکٹر محمد اقبال ایسے شہرہ آفاق فلسفی شاعر ابتداء میں آپ ہی سے شرف تلمذ رکھتے تھے جس پر انہیں ہمیشہ ناز رہا۔ ۶۶ جن دنوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سیالکوٹ میں قیام پذیر تھے مولانا صاحب موصوف کو بھی حضور سے اکثر ملاقات کا موقعہ ملتا تھا۔ مولوی صاحب نے اس زمانہ میں حضور کو

بڑے قریب سے مطالعہ کیا اور دیکھا۔ وہ سرسید تحریک کے دلدادہ تھے مگر ان کے دل پر حضور کی بزرگی، تقدس اور تقویٰ کا غیر معمولی اثر تھا اور وہ حضرت اقدسؑ کی بے حد عزت کیا کرتے تھے۔ ۶۷ ایک مکتوب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سیالکوٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ادنیٰ تامل سے بھی دیکھنے والے پر واضح ہو جاتا تھا کہ حضرت اپنے ہر قول و فعل میں دوسروں سے ممتاز ہیں"۔ ۶۸

ایک دفعہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ سیالکوٹ میں ان سے ملے تو انہوں نے چشم پر آب ہو کر فرمایا:

"افسوس ہم نے ان کی قدر نہ کی۔ ان کے کمالات روحانی کو بیان نہیں کر سکتا ان کی زندگی معمولی انسان کی زندگی نہ تھی۔ بلکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خدا تعالیٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں اور دنیا میں کبھی کبھی آتے ہیں"۔ ۶۹

مولوی سید میر حسن صاحب سیالکوٹی کے قلم سے حضورؑ کے زمانہ سیالکوٹ کے مفصل حالات

مولانا سید میر حسن صاحب مرحوم نے حضور کے قیام سیالکوٹ کے متعلق دو مفصل بیانات بھی لکھے جن سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سیالکوٹ پر تفصیلی روشنی پڑتی ہے اور جنہیں کوئی مورخ نظرانداز نہیں کر سکتا بلکہ حق یہ ہے کہ اس زمانہ کی تاریخ میں یہ قیمتی معلومات بنیادی لٹریچر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

پہلا بیان

(حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مرحوم سیالکوٹ میں اور ان کا زمانہ قیام بتقریب ملازمت" کے عنوان سے)

"حضرت مرزا صاحب ۱۸۶۴ء میں بتقریب ملازمت شہر سیالکوٹ میں تشریف لائے اور قیام فرمایا۔ چونکہ آپ عزلت پسند اور پارسا اور فضول و لغو سے مجتنب اور محترز تھے اس واسطے عام لوگوں کی ملاقات جو اکثر تضیع اوقات کا باعث ہوتی تھی آپ پسند نہیں فرماتے تھے لالہ بھیم سین صاحب وکیل جن کے نانا مٹھن لال صاحب بٹالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھے ان کے بڑے رفیق تھے اور چونکہ بٹالہ میں مرزا صاحب اور لالہ صاحب آپس میں تعارف رکھتے تھے اس لئے سیالکوٹ میں بھی ان سے اتحاد کامل رہا۔ پس سب سے کامل دوست مرزا صاحب کے اگر اس شہر میں تھے تو لالہ صاحب ہی تھے۔ اور

چونکہ لالہ صاحب سلیم طبع اور لیاقت زبان فارسی اور ذہن رسا رکھتے تھے اس سبب سے بھی مرزا صاحب کو علم دوست ہونے کے باعث ان سے بہت محبت تھی۔

مرزا صاحب کی علمی لیاقت سے کچہری والے آگاہ نہ تھے مگر چونکہ اسی سال کے اوائل گرما میں ایک عرب نوجوان محمد صالح نام شہر میں وارد ہوئے اور ان پر جاسوسی کا شبہ ہوا تو ڈپٹی کمشنر صاحب نے (جن کا نام پرکسن تھا اور پھر وہ آخر میں کمشنر راولپنڈی کی کمشنری کے ہو گئے تھے) محمد صالح کو اپنے محکمہ میں بغرض تفتیش حالات طلب کیا۔ ترجمان کی ضرورت تھی۔ مرزا صاحب چونکہ عربی [۵۰] میں کامل استعداد رکھتے تھے اور عربی زبان میں تحریر و تقریر بخوبی کر سکتے تھے۔ اس واسطے مرزا صاحب کو بلا کر حکم دیا کہ جو جو بات ہم کہیں عرب صاحب سے پوچھو اور جو جواب وہ دیں اردو میں ہمیں لکھواتے جاؤ۔ مرزا صاحب نے اس کام کو کماحقہ ادا کیا اور آپ کی لیاقت لوگوں پر منکشف ہوئی۔

اس زمانہ میں مولوی الٰہی بخش صاحب کی سعی سے جو چیف محرر مدارس تھے (اب اس عہدہ کا نام ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس ہے) کچہری کے ملازم منشیوں کے لئے ایک مدرسہ قائم ہوا کہ رات کو کچہری کے ملازم منشی انگریزی پڑھا کریں۔ ڈاکٹر امیر شاہ صاحب جو اس وقت اسسٹنٹ سرجن پنشنر ہیں استاد مقرر ہوئے۔ مرزا صاحب نے بھی انگریزی شروع کی اور ایک دو کتابیں انگریزی کی پڑھیں۔ [۵۱]

مرزا صاحب کو اس زمانہ میں بھی مذہبی مباحثہ کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ پادری صاحبوں سے اکثر مباحثہ رہتا تھا۔ ایک دفعہ پادری الائشہ صاحب (سے) جو دیسی عیسائی پادری تھے اور حاجی پورہ سے جانب جنوب کی کوٹھیوں میں ایک کوٹھی میں رہا کرتے تھے مباحثہ ہوا۔ پادری صاحب نے کہا کہ عیسوی مذہب قبول کرنے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب نے فرمایا نجات کی تعریف کیا ہے؟ اور نجات سے آپ کیا مراد رکھتے ہیں؟ مفصل بیان کیجئے۔ پادری صاحب نے کچھ مفصل تقریر نہ کی اور مباحثہ ختم کر بیٹھے اور کہا میں اس قسم کی منطق نہیں پڑھا۔

پادری بٹلر صاحب ایم اے سے جو بڑے فاضل اور محقق تھے مرزا صاحب کا مباحثہ بہت دفعہ ہوا۔ یہ صاحب موضع گوہد پور کے قریب رہتے تھے۔ ایک دفعہ پادری صاحب فرماتے تھے کہ مسیح کو بے باپ پیدا کرنے میں یہ سر تھا کہ وہ کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور آدم کی شرکت سے جو گنہگار تھا بری رہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ مریم بھی تو آدم کی نسل سے ہے پھر آدم کی شرکت سے بریت کیسے اور علاوہ ازیں عورت ہی نے تو آدم کو ترغیب دی جس سے آدم نے درخت ممنوع کا پھل کھایا اور گنہگار ہوا۔ پس چاہئے تھا کہ مسیح عورت کی شرکت سے بھی بری رہتے اس پر پادری صاحب خاموش ہو گئے۔

پادری بٹلر صاحب مرزا صاحب کی بہت عزت کرتے تھے اور بڑے ادب سے ان سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ پادری صاحب کو مرزا صاحب سے بہت محبت تھی۔ چنانچہ پادری صاحب ولایت جانے لگے تو مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے کچہری میں تشریف لائے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے پادری صاحب سے تشریف آوری کا سبب پوچھا تو پادری صاحب نے جواب دیا کہ میں مرزا صاحب سے ملاقات کرنے کو آیا تھا۔ چونکہ میں وطن جانے والا ہوں اس لئے ان سے آخری ملاقات کروں گا۔ چنانچہ جہاں مرزا صاحب بیٹھے تھے وہیں چلے گئے اور فرش پر بیٹھے رہے اور ملاقات کر کے چلے گئے۔

چونکہ مرزا صاحب پادریوں کے ساتھ مباحثہ کو بہت پسند کرتے تھے اس واسطے مرزا شکستہ تخلص نے جو بعد ازاں موحد تخلص کیا کرتے تھے اور مراد بیگ [۵۲] نام جالندھر کے رہنے والے تھے مرزا صاحب کو کہا کہ سید احمد خاں صاحب نے تورات و انجیل کی تفسیر لکھی ہے آپ ان سے خط و کتابت کریں اس معاملہ میں آپ کو بہت مدد ملے گی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے سرسید کو عربی میں خط لکھا۔

کچہری کے منشیوں سے شیخ اللہ داد صاحب مرحوم سابق محافظ دفتر سے بہت انس تھا اور نہایت پکی اور سچی محبت تھی۔ شہر کے بزرگوں سے ایک مولوی صاحب محبوب عالم نام سے جو عزلت گزین اور بڑے عابد اور پارسا اور نقشبندی طریق کے صوفی تھے مرزا صاحب کو دلی محبت تھی۔

چونکہ جس بیٹھک میں مرزا صاحب مع حکیم منصب علی کے جو اس زمانہ میں وثیقہ نویس تھے رہتے تھے اور وہ سر بازار تھی اور اس دکان کے بہت قریب تھی جس میں حکیم حسام الدین [۵۳] صاحب مرحوم سامان دوا سازی اور دوا فروشی اور مطب رکھتے تھے۔ اس سبب سے حکیم صاحب اور مرزا صاحب میں تعارف ہو گیا۔ چنانچہ حکیم صاحب نے مرزا صاحب سے قانونچہ اور موجز کا بھی کچھ حصہ پڑھا۔

چونکہ مرزا صاحب ملازمت کو پسند نہیں فرماتے تھے اس واسطے آپ نے مختاری کے امتحان کی تیاری شروع کر دی اور قانونی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا پر امتحان میں کامیاب نہ ہوئے اور کیونکر ہوتے وہ دنیوی اشغال کے لئے بنائے نہیں گئے تھے۔ سچ ہے۔

ہر کسے را بہرے کارے ساختند

ان دنوں پنجاب یونیورسٹی نئی نئی قائم ہوئی تھی۔ اس میں عربی استاد کی ضرورت تھی۔ جس کی تنخواہ ایک سو روپیہ ماہوار تھی۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کی آپ درخواست بھیج دیں چونکہ آپ کی لیاقت عربی زباندانی کے لحاظ سے نہایت کامل ہے آپ ضرور اس عہدہ پر مقرر ہو جائیں گے۔ فرمایا میں مدرسی کو پسند نہیں کرتا کیونکہ اکثر لوگ پڑھ کر بعد ازاں بہت شرارت کے کام کرتے ہیں اور

علم کو ذریعہ اور آلہ ناجائز کاموں کا بناتے ہیں۔ میں اس آیت کی وعید سے بہت ڈرتا ہوں اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسے نیک باطن تھے۔

ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ انبیاء کو احتلام کیوں نہیں ہوتا؟ آپ نے فرمایا کہ چونکہ انبیاء سوتے جاگتے پاکیزہ خیالوں کے سوا کچھ نہیں رکھتے اور ناپاک خیالوں کو دل میں آنے نہیں دیتے اس واسطے ان کو خواب میں بھی احتلام نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ لباس کے بارے میں ذکر ہو رہا تھا۔ ایک کہتا کہ بہت کھلی اور وسیع موہری کا پاجامہ اچھا ہوتا ہے جیسا ہندوستانی اکثر پہنتے ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ تنگ موہری کا پاجامہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ: بلحاظ ستر عورت تنگ موہری کا پاجامہ بہت اچھا اور افضل ہے اور اس میں پردہ زیادہ ہے۔ کیونکہ اس کی تنگ موہری کے باعث زمین سے بھی ستر عورت ہو جاتا ہے۔ سب نے اس کو پسند کیا۔

آخر مرزا صاحب نوکری سے دل برداشتہ ہو کر استعفیٰ دے کر ۱۸۶۸ء میں یہاں سے تشریف لے گئے۔ ایک دفعہ ۱۸۷۷ء میں آپ تشریف لائے اور لالہ بھیم سین صاحب کے مکان پر قیام فرمایا اور بتقریب دعوت حکیم میر حسام الدین صاحب کے مکان پر تشریف لائے۔

اسی سال سر سید احمد خان صاحب غفرلہ نے قرآن شریف کی تفسیر شروع کی تھی۔ تین رکوع کی تفسیر یہاں میرے پاس آچکی تھی۔ جب میں اور شیخ اللہ داد صاحب مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے لالہ بھیم سین صاحب کے مکان پر گئے تو اثنائے گفتگو میں سر سید صاحب کا ذکر شروع ہوا۔ اتنے میں تفسیر کا ذکر بھی آگیا۔ راقم نے کہا کہ تین رکوعوں کی تفسیر آئی جس میں دعا اور نزول وحی کی بحث آگئی ہے۔ فرمایا "کل جب آپ آویں تو تفسیر لیتے آنویں' جب دوسرے دن وہاں گئے تو تفسیر کے دونوں مقام آپ نے سنے اور سن کر خوش نہ ہوئے اور تفسیر کو پسند نہ کیا۔

اس زمانہ میں مرزا صاحب کی عمر راقم کے قیاس میں تخمیناً ۲۴ سے کم اور ۲۸ سے زیادہ نہ تھی غرضکہ ۱۸۶۴ء میں آپ کی عمر ۲۸ سے متجاوز نہ تھی۔ راقم میر حسن"۔ [۵۲]

دوسرا بیان

"حضرت مرزا صاحب پہلے محلہ کشمیریاں میں جو اس عاصی پر معاصی کے غریب خانہ کے بہت قریب ہے عمرا نامی کشمیری کے مکان پر کرایہ پر رہا کرتے تھے کچہری سے جب تشریف لاتے تھے تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہوتے تھے۔ بیٹھ کر کھڑے ہو کر ٹہلتے ہوئے تلاوت کرتے تھے اور زار زار رویا کرتے تھے۔ ایسی خشوع اور خضوع سے تلاوت کرتے تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ حسب عادت زمانہ۔ صاحب حاجات جیسے اہلکاروں کے پاس جاتے ہیں اُن کی خدمت میں

بھی آجایا کرتے تھے اس عمرا مالک مکان کے بڑے بھائی فضل الدین نام کو جو فی الجملہ محلہ میں موقر تھا آپ بلا کر فرماتے۔ میاں فضل الدین ان لوگوں کو سمجھادو کہ یہاں نہ آیا کریں نہ اپنا وقت ضائع کیا کریں اور نہ میرے وقت کو برباد کیا کریں۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں حاکم نہیں ہوں۔ جتنا کام میرے متعلق ہوتا ہے کچہری میں ہی کر آتا ہوں فضل الدین ان لوگوں کو سمجھا کر نکال دیتے۔ مولوی عبدالکریم صاحب بھی اسی محلہ میں پیدا ہوئے اور جوان ہوئے جو آخر میں مرزا صاحب کے خاص مقربین میں شمار کئے گئے۔

اس کے بعد وہ مسجد جامع کے سامنے ایک بیٹھک میں بمعہ منصب علی حکیم کے رہا کرتے تھے۔ وہ (یعنی منصب علی۔ خاکسار مؤلف) وثیقہ نویس کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ بیٹھک کے قریب ایک شخص فضل الدین نام بوڑھے دکاندار تھے جو رات کو بھی دکان پر ہی رہا کرتے تھے ان کے اکثر احباب شام کے بعد آتے سب اچھے ہی آدمی ہوتے تھے۔ کبھی کبھی مرزا صاحب بھی تشریف لایا کرتے تھے اور گاہ گاہ نصراللہ نام عیسائی جو ایک مشن سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے آجایا کرتے تھے۔ مرزا صاحب اور ہیڈ ماسٹر کی اکثر بحث مذہبی امور میں ہو جاتی تھی۔ مرزا صاحب کی تقریر سے حاضرین مستفید ہوتے تھے۔

مولوی محبوب عالم صاحب ایک بزرگ نہایت پارسا اور صالح اور مرتاض شخص تھے۔ مرزا صاحب ان کی خدمت میں بھی جایا کرتے تھے اور لالہ بھیم سین صاحب وکیل کو بھی تاکید فرماتے تھے کہ مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرو۔ چنانچہ وہ بھی مولوی صاحب کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ جب کبھی بیعت اور پیری مریدی کا تذکرہ ہوتا تو مرزا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو خود سعی اور محنت کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا مولوی محبوب عالم صاحب اس سے کشیدہ ہو جایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بیعت کے بغیر راہ نہیں ملتی۔

دینیات میں مرزا صاحب کی سبقت اور پیش روی تو عیاں ہے مگر ظاہری جسمانی دوڑ میں بھی آپ کی سبقت اس وقت کے حاضرین پر صاف ثابت ہو چکی تھی۔

اس کا مفصل حال یوں ہے کہ ایک دفعہ کچہری برخواست ہونے کے بعد جب اہلکار گھروں کو واپس ہونے لگے تو اتفاقاً تیز دوڑنے اور مسابقت کا ذکر شروع ہو گیا۔ ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ میں بہت دوڑ سکتا ہوں۔ آخر ایک شخص بلا سنگھ نام نے کہا کہ میں سب سے دوڑنے میں سبقت لے جاتا ہوں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ میرے ساتھ دوڑو تو ثابت ہو جائے گا کہ کون بہت دوڑتا ہے۔ آخر شیخ اللہ داد صاحب منصف مقرر ہوئے اور یہ امر قرار پایا کہ یہاں سے شروع کر کے اس پل تک جو کچہری کی سڑک اور شہر میں حد فاصل ہے ننگے پاؤں دوڑو۔ جوتیاں ایک آدمی نے اٹھالیں اور پہلے ایک شخص اس پل پر

بھیجا گیا تاکہ وہ شہادت دے کہ کون سبقت لے گیا اور پہلے پل پر پہنچا۔ مرزا صاحب اور بلا سنگھ ایک ہی وقت میں دوڑے اور باقی آدمی معمولی رفتار سے پیچھے روانہ ہوئے۔ جب پل پر پہنچے تو ثابت ہوا کہ حضرت مرزا صاحب سبقت لے گئے اور بلا سنگھ پیچھے رہ گیا"۔ [۵۵]

ملازمت سے استعفیٰ سیالکوٹ کا زمانہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روحانی ٹریننگ کا زمانہ تھا۔ جس میں آپ کے ہاتھوں پادریوں سے معرکہ آرائی کا آغاز ہونا مقدر تھا۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور تقدیر کے مطابق یہ چار سالہ دور ختم ہونے کو آیا تو ۱۸۶۷ء میں آپ کے والد بزرگوار کے دل میں جدائی کا زخم جو آہستہ آہستہ مندمل ہو گیا تھا یکایک تازہ ہو گیا اور انہوں نے ایک آدمی بھجوا کر اپنے چہیتے فرزند کو ملازمت سے استعفیٰ دے کر واپس آجانے کی فوری ہدایت دی۔ یہاں کیا دیر تھی چار سال کی طویل مدت میں ایک ایک گھڑی اسی انتظار میں گزر رہی تھی کہ واپسی کا فرمان آئے تو اس دور اسیری کا خاتمہ ہو۔ چنانچہ آپ یہ ارشاد ملتے ہی ملازمت سے مستعفی ہو کر سیالکوٹ سے قادیان کو چل دیئے اور اپنے والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود تحریر فرماتے ہیں کہ:

"آخر چونکہ میرا جدا رہنا میرے والد صاحب پر بہت گراں تھا اس لئے ان کے حکم سے جو عین میری منشاء کے مطابق تھا میں نے استعفیٰ دے کر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی سبکدوش کر دیا اور پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا.... بقول صاحب مثنوی رومی وہ تمام ایام سخت کراہت اور درد کے ساتھ میں نے بسر کئے ۔

من بہر جمعیتے نالاں شدم جفت خوشحالاں و بد حالاں شدم
ہر کسے از ظن خود شد یار من وز درون من نجست اسرار من [۵۶]

حضرت چراغ بی بی صاحبہ رحمہا اللہ کا انتقال

حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؒ نے جب حضور کو استعفیٰ دے کر واپس چلے آنے کا پیغام بھجوایا تو حضور کی والدہ ماجدہ سخت بیمار تھیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پیغام سنتے ہی فوراً سیالکوٹ سے روانہ ہو گئے۔ امرت سر پہنچے تو قادیان کے لئے تانگہ کا انتظام کیا۔ اسی اثناء میں قادیان سے ایک اور آدمی بھی آپ کو لینے کے لئے امرت سر پہنچ گیا۔ اس آدمی نے یکہ بان سے کہا کہ یکہ جلدی چلاؤ کیونکہ ان کی حالت بہت نازک تھی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا بہت ہی نازک حالت تھی جلدی کرو کہیں فوت نہ ہو گئی ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ سنتے ہی یقین ہو گیا کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ چنانچہ قادیان پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ کی مشفق و مہربان اور جان سے پیاری والدہ آپ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو چکی ہیں [۵۷] حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے "حیات النبی" میں یہ واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ "میراں بخش حجام کو آپ کے پاس بھیجا گیا اور اسے کہہ دیا گیا تھا کہ وہ یک دم حضرت والدہ مکرمہ کی وفات کی خبر حضرت مسیح موعودؑ کو نہ سنائے چنانچہ جس وقت بٹالہ سے نکلے تو حضور کو حضرت والدہ صاحبہ کی علالت کی خبر دی یکہ پر سوار ہو کر جب قادیان کی طرف آئے تو اس نے یکہ والے کو کہا کہ بہت جلد لے چلو۔ حضرت نے پوچھا کہ اس قدر جلدی کیوں کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ ان کی طبیعت بہت ناساز تھی۔ پھر تھوڑی دور چل کر اس نے یکہ والے کو اور تاکید کی کہ بہت ہی جلدی لے چلو۔ تب پھر پوچھا۔ اس نے پھر کہا کہ ہاں طبیعت بہت ہی ناساز تھی کچھ نزع کی سی حالت تھی۔ خدا جانے ہمارے جانے تک زندہ رہیں یا فوت ہو جائیں۔ پھر حضرت خاموش ہو گئے۔ آخر اس نے پھر یکہ والا کو سخت تاکید شروع کی تو حضرت نے کہا کہ تم اصل واقعہ کیوں بیان نہیں کر دیتے کیا معاملہ ہے۔ تب اس نے کہا کہ اصل میں مائی صاحبہ فوت ہو گئی تھیں اس خیال سے کہ آپ کو صدمہ نہ ہو یک دم خبر نہیں دی۔ حضرت نے سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ دیا اور یہ خدا کی رضاء میں محو اور مست قلب اس واقعہ پر ہرچند کہ وہ ایک حادثہ عظیم تھا سکون اور تسلی سے بھرا رہا"۔ [۵۸]

حضرت کی والدہ ماجدہؓ کے اخلاق و شمائل

حضرت چراغ بی بی صاحبہؓ ایمہ ضلع ہوشیار پور کے ایک معزز مغل خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ قناعت، شجاعت، عفت، مروت، وسعت حوصلہ، استغناء، فیاضی اور مہمان نوازی آپ کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ شہر کے مفلوک الحال اور پسماندہ طبقہ کی ضروریات کے مہیا کرنے میں انہیں خاص قلبی و روحانی مسرت حاصل ہوتی تھی۔ غرباء کے مردوں کو کفن ہمیشہ ان کے ہاں سے ملتا

تھا۔ ان کی دور اندیشی اور معاملہ فہمی مشہور تھی۔ وہ حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب رحمہ اللہ کے لئے بہترین مشیر اور غمگسار تھیں اور آپ بھی اپنی ہیبت اور شوکت و جلال کے باوجود خانہ داری کے معاملات میں ان کی خلاف مرضی کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ [۵۹]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چونکہ ابتداء ہی سے خلوت گزینی ' ذکر الٰہی اور مطالعہ سے ہر لحہ شغف تھا اور اپنے والد صاحب کے دنیوی مشاغل اور دوسرے کاروبار میں حصہ لینے سے طبعاً متنفر تھے اس لئے گھر میں "ملاں" کہلاتے تھے۔ لیکن آپ کی والدہ محترمہؓ کو آپ سے بڑی محبت تھی۔ وہ آپ کی نیکی ' تقویٰ شعاری ' پاک زندگی اور سعادت مندی پر سو جان سے قربان ہو جاتیں اور آپ کی ہر قسم کی ضرورتوں کا خاص خیال رکھتی تھیں۔ چنانچہ ان کی زندگی میں آپ کو کبھی کچھ کہنے کی نوبت نہیں آئی۔ کیونکہ وہ ابتداء ہی سے جانتی تھیں کہ آپ اپنے گھر کے دوسرے افراد کے مقابل بالکل درویش طبع ہیں اور اپنی ضروریات کا کسی سے اظہار کرنا آپ کو ہرگز پسند نہیں۔ جب تک زندہ رہیں آپ کے لئے (ظاہری لحاظ سے) سپر بنی رہیں۔ والد خفگی کا اظہار کرتے تو ماں کی مامتا فرط محبت سے جوش میں آجاتی۔ حضور جب والد بزرگوار کے اصرار پر سیالکوٹ آگئے تو باقاعدہ آپ کے لئے کپڑے وغیرہ بنا کر بھجواتی رہیں۔ غرضکہ ان کا وجود آپ کے لئے سایہ رحمت تھا۔ دوسری طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی آپ سے بے پناہ محبت تھی۔ جب کبھی ان کا ذکر فرماتے آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے۔ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کا چشم دید بیان ہے کہ حضور علیہ السلام ایک مرتبہ سیر کی غرض سے اپنے پرانے خاندانی قبرستان کی طرف نکل گئے۔ راستہ سے ہٹ کر آپ ایک جوش کے ساتھ اپنی والدہ صاحبہؓ کے مزار پر آئے اور اپنے خدام سمیت ایک لمبی دعا فرمائی۔ حضور جب کبھی حضرت والدہ صاحبہ کا ذکر فرماتے تو آپ چشم پر آب ہو جاتے [۶۰] حضرت والدہ صاحبہ نہایت خدا رسیدہ اور بزرگ خاتون تھیں۔ ان کی ایک کرامت حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ "جب بڑے مرزا صاحب (یعنی حضرتؑ کے والد۔ ناقل) کشمیر میں ملازم تھے تو کئی دفعہ ایسا ہوا کہ ہماری والدہ نے کہا کہ آج میرا دل کہتا ہے کہ کشمیر سے کچھ آئے گا تو اسی دن کشمیر سے آدمی آگیا اور بعض اوقات تو ایسا ہوا کہ ادھر والدہ صاحبہ نے یہ کہا اور ادھر دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کشمیر سے آدمی آیا ہے"۔ [۶۱]

حضرت مریم صدیقہؓ سے معنوی مشابہت

حضرت سیدہ چراغ بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا کا روحانی مقام تو اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے بطن مبارک سے مسیح محمدیؑ ایسا عظیم الشان وجود پیدا ہوا جس سے آفاق عالم روشن ہو گئے

لیکن ایک حیرت انگیز معنوی مشابہت آپ کو حضرت مسیح موسوی کی والدہ (حضرت مریمؑ) سے بھی حاصل تھی۔ اور وہ یہ کہ مریم کے ایک معنی "سمندر کا ستارا" [۱۲] کے بھی ہیں اور آپ کا اسم مبارک چراغ بی بی تھا۔ روشنی اور نور کے مفہوم میں متحد ہونے کے باوجود ان دونوں ناموں میں کھلا کھلا تفاوت ہے جس میں حکمت یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کی آمد بنی اسرائیل میں دور نبوت کے خاتمہ پر ہوئی تھی اور وہ موسوی سلسلہ کی آخری کڑی تھے۔ اس لئے حضرت مسیح ناصری کی والدہ ستارہ تھیں جو فی نفسہ روشن ہوتا ہے مگر کسی اور وجود میں اپنی روشنی منتقل نہیں کر سکتا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجود سے چونکہ قیامت تک ہزاروں اور کروڑوں شمعوں کا روشن ہونا مقدر تھا۔ اس لئے حضور کی والدہ ماجدہ کا نام آسمان پر چراغ بی بی رکھا گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیا خوب فرماتے ہیں۔

خدایا تیرے فضلوں کو کروں یاد بشارت تو نے دی اور پھر یہ اولاد
کہا ہرگز نہیں ہوں گے یہ برباد بڑھیں گے جیسے باغوں میں ہوں شمشاد
بشارت تو نے مجھ کو بار ہا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

تاریخ وفات کی تعیین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کا ایک قلمی روزنامچہ حال ہی میں دریافت ہوا ہے جس کے اکثر اندراجات مرزا غلام قادر صاحب مرحوم کے قلم سے ہیں۔ انہوں نے اس میں حضرت والدہ صاحبہ کی تاریخ وفات ۱۲۔ ذی الحج ۱۲۸۳ھ (مطابق ۱۸۔ اپریل ۱۸۶۷ء) لکھی ہے۔

مزار مبارک

آپ کا مزار مبارک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدیم خاندانی مقبرہ میں موجود ہے جو مقامی عید گاہ کے پاس ہے اور قادیان سے مغرب کی طرف واقع ہے اس قبرستان کے ایک حصہ کا خاکہ یہ ہے:

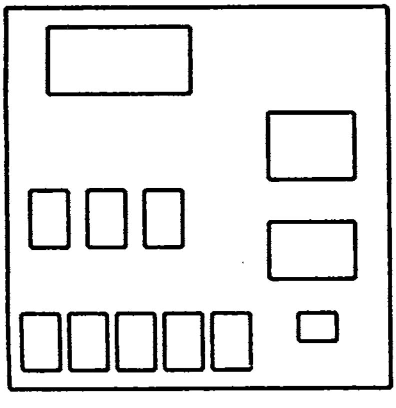

۱۔ احاطہ مزار شاہ عبداللہ غازیؒ و فرزند شاہ صاحب موصوف
۲۔ مائی صاحب جان صاحبہ۔ بیوہ مرزا غلام حیدر صاحب چچی حضرت اقدسؑ
۳۔ مرزا غلام قادر صاحب برادر کلاں حضرت اقدسؑ
۴۔ حضرت چراغ بی بی صاحبہؒ
۵۔ حضرت مرزا گل محمد صاحب پردادا حضرت مسیح پاکؑ

۶۔ مرزا غلام محی الدین صاحب چچا حضرت اقدسؑ ۷۔ مراد بی بی صاحبہؓ ہمشیرہ حضرت اقدسؑ
۸۔ جنت بی بی صاحبہ ہمشیرہ حضرت اقدسؑ ۹۔ مرزا غلام حیدر صاحب چچا حضرت اقدسؑ
۱۰۔ اہلیہ مرزا گل محمد صاحب پردادی حضرت اقدسؑ ۱۱۔ مائی لاڈلی بیگم صاحبہؓ عرف مائی لاڈو اہلیہ مرزا عطا محمد صاحبؓ

۱۲۔ مرزا عطا محمد صاحبؓ [illegible] وفات ۲۷۔ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ بمطابق ۱۲۔ ستمبر ۱۸۶۲ء (قلمی روزنامچہ خاندان مسیح موعود)

حواشی

۱- قادیان سے دو میل کے فاصلے پر ایک گاؤں
۲- سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۴۸ طبع اول و تذکرۃ المہدی صفحہ ۳۲ حصہ دوم
۳- "حیات النبی" جلد اول صفحہ ۵۸
۴- سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۹۲- ضلع سیالکوٹ کے بعض سرکاری کاغذات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور کا عہدہ نائب شیرف کا تھا۔ (سیرت المہدی حصہ چہارم صفحہ ۳۹ ۷ غیر مطبوعہ)
۵- کتاب البریہ صفحہ ۱۵۳' ۱۵۴ طبع اول ۱۸۹۸ء ضیاء الاسلام پریس قادیان
۶- سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۳۶
۷- یہ مکان بعد میں ماسٹر عبدالعزیز صاحب مرحوم نے خرید لیا تھا۔ ماسٹر صاحب جماعت سیالکوٹ کے ایک فرد تھے اور اب بہشتی مقبرہ میں آرام فرما رہے ہیں۔
۸- حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۷۱ و سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۹۳
۹- سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۲۳۵' ۲۳۶
۱۰- ایضاً صفحہ ۹۳-۹۴
۱۱- حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۷۰
۱۲- حقیقۃ الوحی طبع اول صفحہ ۲۹۶
۱۳- حیات النبی جلد اول نمبر ۲ صفحہ ۱۱۰
۱۴- سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۹۳
۱۵- الفضل ۸- اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۶ کالم ۳
۱۶- سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۹۴
۱۷- الفضل ۸- اکتوبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۶ کالم نمبر ۳
۱۸- تریاق القلوب صفحہ ۵۷ تصنیف ۱۸۹۹ء- اشاعت ۱۹۰۲ء و براہین احمدیہ طبع اول صفحہ ۲۵۶ مطبوعہ ۱۸۸۰ء
۱۹- تریاق القلوب صفحہ ۵۷ و براہین احمدیہ طبع اول صفحہ ۲۵۶
۲۰- سیرۃ المہدی صفحہ ۱۷۹ حصہ سوم بروایت پنڈت دیوی رام۔
۲۱- ایضاً
۲۲- حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۶۳۔
۲۳- تاریخ التعلیم صفحہ ۸۷ از میجر باسو بحوالہ "علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے" صفحہ ۳۸ از سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند اشاعت ستمبر ۱۹۴۶ء۔
۲۴- "علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے" مرتبہ مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند صفحہ ۲۵-۲۶ مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دلی۔
۲۵- تاریخ بشارت السند و پاکستان صفحہ ۱۶۵ (شائع کردہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی) ۱۹۴۹ء
۲۶- The Mission by R.Clark London صفحہ ۲۳۴ (مطبوعہ ۱۹۰۴ء) بحوالہ انگریز اور بانی سلسلہ احمدیہ مؤلفہ مولانا عبدالرحیم صاحب درد
۲۷- ایضاً

۲۸- ایضاً صفحہ ۲۴۵
۲۹- سکاچ مشن ۱۸۲۹ء میں سکاٹ لینڈ کے ایک مشنری الگزنڈر ڈف کے ذریعہ سے ہندوستان میں قائم ہوا تھا (بشارت السندو پاکستان صفحہ ۲۳۷)
۳۰- یاد رہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں سیالکوٹ چھاؤنی میں جو افواج متعین تھیں ان کے بڑے بڑے انگریز فوجی افسروں میں پادری ہنٹر کا نام بھی شامل ہے (روزنامہ امروز ۱۳- مئی ۱۹۵۷ء)
۳۱- (تاریخ بشارت السندو پاکستان صفحہ ۲۴۱)
۳۲- "سید عطاء اللہ شاہ بخاری" مولفہ شورش کاشمیری صفحہ ۱۸۷ ناشر مکتبہ چٹان لاہور طبع اول ستمبر ۱۹۵۶ء۔
۳۳- شمس الاخبار لکھنؤ باہتمام پادری کریونی صاحب بحوالہ کتاب البریہ صفحہ ۲۰۴۔
۳۴- مصنفہ رابرٹ کلارک مطبوعہ لندن ۱۸۸۵ء صفحہ ۲۹۳ Punjab and Sindh Mission
۳۵- The Missions by R. Clark"
۳۶- بشارت السندو پاکستان صفحہ ۶۱۵۔
۳۷- "علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے"۔ صفحہ ۳۶
۳۸- "حضرت مسیح موعودؑ کے مختصر حالات" مشمولہ براہین احمدیہ حصہ اول طبع چہارم صفحہ ۲۹ (مرتبہ معراج الدین صاحبؓ) نیز الحکم ۷- اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ نمبر ۳
۳۹- "سیرت مسیح موعودؑ" (مولفہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) صفحہ ۱۴ طبع چہارم
۴۰- "حیات احمد" جلد اول نمبر ۲ صفحہ ۴۱-۴۲ (مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ)
۴۱- روایات صحابہ (غیر مطبوعہ) جلد دہم صفحہ ۱۳۴
۴۲- الفضل ۸- اکتوبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۶
۴۳- الحکم ۷- اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۳
۴۴- اخبار زمیندار مئی ۱۹۰۸ء بحوالہ بدر ۲۵- جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۳
۴۵- ولادت ۱۸- اپریل ۱۸۴۴ء وفات ۲۵- دسمبر ۱۹۲۹ء ان کی وفات پر ڈاکٹر اقبال نے مادہ تاریخ نکالا "ما ارسلنک الا رحمتہ اللعلمین"
۴۶، ۴۷- ذکر اقبال (مولانا عبدالمجید صاحب سالک) طبع اول صفحہ ۱۹، ۷ ۴ ایضاً صفحہ ۸-۲۷- ناشر بزم اقبال کلب روڈ لاہور ۱۹۵۵ء۔
۴۸- مکتوب ۲۶- نومبر ۱۹۲۲ء بنام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ منقول از سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۷۰ طبع دوم ۱۹۳۵ء۔
۴۹- الحکم ۷- اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۳
۵۰- یہ ایک نسبتی تبصرہ ہے جس سے صرف یہ مراد ہے کہ اس وقت سیالکوٹ کے ایک خاص حلقہ میں حضرت اقدس کی عربی استعداد دوسروں کی نسبت اچھی تھی اور آپ ایک حد تک عربی میں اپنا مافی الضمیر ادا کر سکتے تھے کیونکہ آپ نے حصول علم کے لئے کسی بڑے مرکز یا شہر کا سفر اختیار نہیں کیا تھا۔
۵۱- اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور انگریزی خواں تھے۔ صرف یہ مطلب ہے کہ آپ کو حروف شناسی آگئی تھی کیونکہ ابتدائی زمانہ میں انگریزی کی جو پہلی کتاب ہوتی تھی اس میں صرف انگریزی کے حروف تہجی کی شناخت کروائی جاتی تھی اور دوسری کتاب میں حروف جوڑ کر آسان الفاظ بنانے کی ابتدائی مشق ہوتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور کو ابتداء ہی سے انگریزی زبان سے کوئی مناسبت اور دلچسپی نہیں تھی۔ دعویٰ مسیحیت کے بعد ایک مرتبہ محض تبلیغ اسلام کی غرض سے آپ کو انگریزی پڑھنے کا ضرور خیال آیا۔ یہ تجویز بھی فرمائی کہ انجیل متی کی انگریزی عبارت کو اردو حروف میں لکھا جائے اور ہر لفظ کے نیچے اس کے معنی دیئے جائیں۔ اس غرض کے لئے انجیل متی کے دو چار باب بعض انگریزی خواں دوستوں میں تقسیم بھی کئے گئے تھے لیکن کچھ عرصہ کے بعد خود ہی فرمایا کہ "میں نے خود انگریزی پڑھنے کے ارادہ کو ترک کر دیا ہے تاکہ یہ ثواب ہمارے انگریزی خواں دوستوں کے

واسطے مخصوص رہے"۔ (ذکر حبیب صفحہ ۴۳، ۴۴ مولفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ و سیرت المہدی حصہ اول طبع دوم صفحہ ۱۵۹) نیز یہ بھی فرمایا کہ "انگریزی چالیس تہجد کی نمازوں میں آجاتی ہے"۔ (حیات النبی جلد اول نمبر ۲ صفحہ ۱۷۲)

۵۲- منشور محمدی ۱۵۔ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ صفحہ ۴۲ میں ان کا ایک قصیدہ شائع ہوا ہے۔ جس میں ان کا نام یوں لکھا گیا "عالم اعلم فاضل افضل مولانا مرزا موحد صاحب جالندھری اخبار نویس"

۵۳- حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی ؓ کے والد بزرگوار جنہیں ۱۸۶۴ء سے حضرت مسیح موعودؑ سے والہانہ عقیدت تھی اور آخر وقت تک رہی۔ آپ نے چونکہ حضور کی عملی زندگی کا بچشم خود مشاہدہ کیا ہوا تھا اس لئے حضور کی زبان مبارک سے دعویٰ ماموریت کا اعلان سنتے ہی حضرت کے غلاموں میں شامل ہو گئے۔ حضرت اقدس نے "لیکچر سیالکوٹ" میں انہیں اس زمانہ کے مخلص دوست اور بزرگ قرار دیا تھا۔

۵۴- سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۱۵۴ (طبع اول دسمبر ۱۹۲۳ء) و حیات النبی جلد اول صفحہ ۵۹-۶۲ (مطبوعہ اکتوبر ۱۹۱۵ء)

۵۵- سیرت المہدی حصہ اول طبع ثانی صفحہ ۲۷۰-۲۷۲

۵۶- کتاب البریہ طبع ثانی صفحہ ۱۵۳-۱۵۵ حاشیہ

۵۷- سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۴۳-۴۴ (طبع ثانی) بروایت حضرت ام المومنین نور اللہ مرقدہا۔

۵۸- حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۴۲

۵۹- حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۴۰، ۱۴۲۔

۶۰- حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۴۳۔

۶۱- سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۷، ۸ طبع دوم

۶۲- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو صداقت مریمیہ صفحہ ۳۲ مولفہ میاں معراج الدین صاحب عمرؓ طبع اول مطبوعہ ۱۹۱۵ء ہلالی پریس دہلی

۶۳- سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۷۶

باب ہفتم

سیالکوٹ کے بعد قادیان میں حضرت اقدسؑ کی دینی مصروفیات

(۱۸۶۷ تا ۱۸۷۱)

سیالکوٹ سے واپسی کے بعد حضرت اقدسؑ کو آپ کے والد بزرگوار نے پھر زمینداری کے کاموں اور مقدمات وغیرہ میں لگا دیا اور یہ سلسلہ کم و بیش آٹھ نو برس تک کسی نہ کسی صورت میں جاری رہا۔[1] یہاں تک ان کی وفات (۱۸۷۶ء) کے بعد قریباً منقطع ہو گیا مقدمات کے اس دوسرے دور میں بھی بعض آسمانی نشانات کا ظہور ہوا۔ مثلاً (۱۸۶۸ء) ہی کا واقعہ ہے کہ ایک مقدمہ کے متعلق (جو آپ کے والد بزرگوار کی طرف سے اپنے زمینداری حقوق کے متعلق دائر کیا گیا تھا) بذریعہ خواب ڈگری ہونے کی خبر دی گئی جو غیر معمولی رنگ میں پوری ہوئی۔[2] اسی طرح ایک مقدمہ میں دعا کے بعد آپ کو ایک حفیظ نامی لڑکا دکھایا گیا۔ چنانچہ وہ مقدمہ رفع دفع ہو گیا۔ وغیرہ[3]

حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب مرحوم نے جب ابتداءً مقدمات میں قدم رکھا تو اس وقت انہیں اپنے مقاصد میں کامیابی کا قوی امکان ہو سکتا تھا۔ لیکن اب جو ایک عرصہ تک ان مقدمات کی کشمکش میں الجھنے کے بعد جب انہیں صریح ناکامی ہوئی اور جائیداد بھی غارت ہوتی دکھائی دینے لگی تو نہ صرف بشاشت کا پہلا سا رنگ نہ رہا بلکہ اس کے برعکس وہ سخت غمگین رہنے لگے۔ اپنی رفیقہ حیات کے ہمیشہ کے لئے جدا ہونے کا غم مزید برآں تھا۔ اقتصادی اور معاشرتی صدمات میں چور چور تھے۔ اور ان کی گذشتہ کوششوں کے بھیانک اور تلخ نتائج ان کے سامنے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیالکوٹ سے واپس آکر جہاں گذشتہ دستور کے مطابق قرآن و حدیث کا خود مطالعہ جاری رکھا وہاں آپ اس مطالعہ میں اپنے والد بزرگوار کو شریک کرتے ہوئے انہیں بھی قرآن و حدیث سنانا شروع کر دیا۔[4] باپ اور بیٹے کی یہ قال اللہ اور قال الرسول کے وعظ و تلقین کی عجیب مجلسیں کتنی پر کیف ہوتی ہوں گی قلم ان کا نظارہ کھینچنے سے قاصر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان کوششوں اور

گذشتہ ناکامیوں پر مخلوط تاثرات و جذبات کا نتیجہ تھا کہ عمر کے آخری دور میں آپ دنیاداری کے ان جھمیلوں سے سخت دل برداشتہ ہو کر سابقہ بے التفاتی کی تلافی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جوں جوں عمر گذرتی گئی دنیاداری کے خلاف نفرت و حقارت میں بھی اضافہ ہو تا گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اپنی سوانح حیات میں تحریر فرماتے ہیں:

"اور جب میں حضرت والد صاحب مرحوم کی خدمت میں پھر حاضر ہوا تو بدستور ان ہی زمینداری کے کاموں میں مصروف ہو گیا مگر اکثر حصہ وقت کا قرآن شریف کے تدبر اور تفسیروں اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہو تا تھا اور بسا اوقات حضرت والد صاحب کو وہ کتابیں سنایا بھی کرتا تھا۔ اور میرے والد صاحب اپنی ناکامیوں کی وجہ سے اکثر مغموم اور مہموم رہتے تھے۔ انہوں نے پیروی مقدمات میں ستر ہزار کے قریب روپیہ خرچ کیا جس کا انجام آخر ناکامی تھا۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں کے دیہات مدت سے ہمارے قبضہ سے نکل چکے تھے اور ان کا واپس آنا ایک خیال خام تھا۔ اسی نامرادی کی وجہ سے حضرت والد صاحب مرحوم ایک نہایت عمیق گرداب غم اور حزن اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے اور مجھے ان حالات کو دیکھ کر ایک پاک تبدیلی پیدا کرنے کا موقعہ حاصل ہو تا تھا کیونکہ حضرت والد صاحب کی تلخ زندگی کا نقشہ مجھے اس بے لوث زندگی کا سبق دیتا تھا جو دنیوی کدورتوں سے پاک ہے۔ اگرچہ حضرت مرزا صاحب کے چند دیہات ملکیت باقی تھے اور سرکار انگریزی کی طرف سے کچھ انعام بھی سالانہ مقرر تھا اور ایام ملازمت کی پنشن بھی تھی۔ مگر جو کچھ وہ دیکھ چکے تھے اس لحاظ سے وہ سب کچھ ہیچ تھا۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مغموم اور محزون رہتے تھے اور بارہا کہتے تھے کہ جس قدر میں نے اس پلید دنیا کے لئے سعی کی ہے اگر میں وہ سعی دین کے لئے کرتا تو شاید آج قطب وقت یا غوث وقت ہو تا۔ اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

عمر بگذشت و نماندست جز ایامے چند   بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

اور میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ وہ ایک اپنا بنایا ہوا شعر رقت کے ساتھ پڑھتے تھے اور وہ یہ ہے:

از در تو اے کس ہر بیکسے
نیست امیدم کہ روم نا امید

اور کبھی درد دل سے یہ شعر اپنا پڑھا کرتے تھے۔

باب دیدہ عشاق و خاکپائے کسے
مرا دلے ست کہ در خوں تپد بجائے کسے [۵]

ریاست کپورتھلہ کے سررشتہ تعلیم کی افسری سے انکار

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سیالکوٹ سے ملازمت ترک کرکے قادیان تشریف لائے تو کچھ عرصہ بعد آپ کو ریاست کپورتھلہ کی طرف سے سررشتہ تعلیم کی افسری کی پیشکش کی گئی جسے حضور نے ٹھکرادیا اور حضرت والد صاحب قبلہ کی خدمت میں عرض کیا۔

"میں کوئی نوکری کرنی نہیں چاہتا ہوں دو جوڑے کھدر کے کپڑوں کے بنادیا کرو اور روٹی جیسی بھی ہو بھیج دیا کرو"۔

یہ فیصلہ جب ان تک پہنچا تو انہوں نے ایک شخص میاں غلام نبی کو نہایت رقت بھرے دل کے ساتھ مخاطب کرتے ہوئے کہا "میاں غلام نبی میں خوش تو اسی پر ہوں سچی راہ تو یہی ہے جس پر یہ چل رہا ہے"۔ [۶]

یادالٰہی کیلئے حضرت والد صاحب سے کلیتہ فراغت کی درخواست

جب آپ دنیوی مقدمات اور ملازمت وغیرہ کے جھمیلوں سے تنگ آگئے تو آپ نے اپنے والد صاحب مرحوم کی خدمت میں درخواست لکھی کہ آپ کو حیات مستعار کے بقیہ دن یاد الٰہی میں بسر کرنے کی اجازت دی جائے اور دنیاداری کے معاملات میں شرکت سے بالکل مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ آپ نے یہ درخواست اس زمانہ کے دستور کے مطابق فارسی زبان میں لکھی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں:

"حضرت والد مخدوم من سلامت! مراسم غلامانہ و قواعد فدویانہ بجا آوردہ معروض حضرت والا میکند۔ چونکہ دریں ایام برای العین مے بینم و بچشم سرمشاہدہ میکنم کہ در ہمہ ممالک و بلاد ہر سال چناں وبائے مے افتد کہ دوستاں را از دوستاں و خویشاں را از خویشاں جدا میکند۔ و ہیچ سالے نمے بینم کہ ایں نائرہ عظیم و چنیں حادثہ الیم در آں سال شور قیامت نیفگند۔ نظر براں دل از دنیا سرد شدہ است و رواز خوف جان زرد و اکثر ایں دو مصرعہ شیخ مصلح الدین شیرازی بیاد مے آیند و اشک حسرت ریختہ میشود

مکن تکیہ بر عمر ناپائے دار مباش ایمن از بازی روزگار

و نیز ایں دو مصرعہ ثانی از دیوان فرخ قادیانی نمک پاش جراحت دل میشود ۔

بدنیائے دوں دل مبند اے جواں کہ وقت اجل مے رسد ناگہاں

لہٰذا میخواہم کہ بقیہ عمر در گوشہ تنہائی نشینم و دامن از صحبت مردم بچینم و بیاد او سبحانہ مشغول شوم مگر گذشتہ را عذرے و مافات را تدار کے شود۔

عمر بگذشت و نماند است جز از گامے چند - بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند
کہ دنیا را اساسے محکم نیست و زندگی را اعتبارے نے و ایس من خاف علی نفسه من آفة غیره والسلام ۷

ترجمہ: مخدومی حضرت والد صاحب سلامت! غلامانہ مراسم اور فدویانہ آداب کی بجا آوری کے بعد آپ کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ان دنوں یہ امر مشاہدہ میں آرہا ہے اور ہر روز یہ بات دیکھی جا رہی ہے کہ تمام ممالک اور قطعات زمین میں ہر سال اس قسم کی وباء پھوٹ پڑتی ہے جو دوستوں کو دوستوں سے اور رشتہ داروں کو رشتہ داروں سے جدا کر دیتی ہے اور ان میں دائمی مفارقت ڈال دیتی ہے اور کوئی سال بھی اس بات سے خالی نہیں گذرتا کہ عظیم الشان آگ اور المناک حادثہ ظاہر نہ ہوتا ہو یا اس کی تباہی کی وجہ سے شور قیامت بپا نہ ہوتا ہو۔ یہ حالات دیکھ کر میرا دل دنیا سے سرد ہو گیا ہے اور چہرہ غم سے زرد۔ اور اکثر حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کے یہ دو مصرعہ زبان پر جاری رہتے ہیں اور حسرت و افسوس کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو بہ پڑتے ہیں

مکن تکیہ بر عمر ناپائے دار مباش ایمن از بازی روزگار

(ناپائیدار عمر پر بھروسہ نہ کر اور زمانے کے کھیل سے بے خوف نہ ہو) نیز فرخ قادیانی کے دیوان سے یہ دو مصرعہ بھی میرے زخموں پر نمک پاشی کرتے رہتے ہیں) ۸

بدنیائے دوں دل مبند اے جواں کہ وقت اجل مے رسد ناگہاں

(اپنے دل کو دنیائے دوں میں نہ لگا کیونکہ موت کا وقت ناگہاں پہنچ جاتا ہے) اس لئے میں چاہتا ہوں کہ باقی عمر گوشہ تنہائی اور کنج عزلت میں بسر کروں اور عوام اور ان کی مجالس سے علیحدگی اختیار کروں اور اللہ تعالیٰ سبحانہ کی یاد میں مصروف ہو جاؤں تا تلافی مافات کی صورت پیدا ہو جائے۔

عمر بگذشت و نماند است جزایامے چند بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

(عمر کا اکثر حصہ گذر گیا ہے اور اب چند دن باقی رہ گئے ہیں۔ بہتر ہے کہ یہ چند روز کسی کی یاد میں بسر ہوں) کیونکہ دنیا کی کوئی پختہ بنیاد نہیں۔ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں اور حیات مستعار پر کوئی اعتماد نہیں ہے جس شخص کو اپنا فکر ہو اسے کسی آفت کا کیا غم)۔ ۹

محض للہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے مناظرہ سے دست کشی اور مستقبل کے متعلق ایک نہایت اہم خدائی بشارت

۱۸۶۸ء و ۱۸۶۹ء کا واقعہ ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جب دلی سے تحصیل علم کر کے واپس اپنے وطن بٹالہ آئے تو اہل حدیثوں کے خلاف ہندوستان کے دوسرے مقامات میں جو

عوامی جذبات تھے وہ بٹالہ میں بھی ابھر آئے۔ اور حنفیوں نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مگر ان معرکوں میں اکثر مولوی صاحب کا پلہ بھاری رہتا۔ اسی دوران میں حسن اتفاق یہ ہوا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی کام کے سلسلہ میں بٹالہ میں مقیم ہوئے۔ آپ کو اس نوعیت کے مذہبی اکھاڑوں سے چنداں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ لیکن ایک شخص کے اصرار پر آپ کو بھی تبادلہ خیالات کے لئے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مکان پر جانا پڑا۔ دیکھا کہ مولوی صاحب اور ان کے والد مسجد میں ہیں اور سامعین کا ایک ہجوم مباحثہ کے لئے بیتاب ہے۔ حضور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے سامنے بیٹھ گئے اور مولوی صاحب سے پوچھا کہ آپ کا دعویٰ کیا ہے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ میرا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن مجید سب سے مقدم ہے۔ اس کے بعد اقوال رسولؐ کا درجہ ہے اور میرے نزدیک کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہؐ کے مقابل کسی انسان کی بات قابل حجت نہیں ہے۔ حضور نے یہ سن کر بے ساختہ فرمایا کہ آپ کا یہ اعتقاد معقول اور ناقابل اعتراض ہے۔ حضور کا یہ کہنا ہی تھا کہ لوگوں نے دیوانہ وار شور مچا دیا کہ ہار گئے ہار گئے۔ جو شخص آپ کو ساتھ لے گیا تھا وہ سخت طیش سے بھر گیا کہ آپ نے ہمیں ذلیل اور رسوا کیا۔ مگر آپ کوہ وقار بنے رہے اور اس ہنگامہ آرائی کی ذرہ بھر پروا نہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا میں یہ کہوں کہ امت کے کسی فرد کا قول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے قول پر مقدم ہے؟ اور اس طرح محض خدا کی خاطر سلسلہ بحث سے گریز اختیار کر لیا۔ جو دنیائے مناظرہ میں اپنی طرز کی پہلی مثال ہے۔ [۱۰]

چونکہ آپ نے یہ دستکشی خالصتاً خدا اور رسول کی رضاء کے لئے کی تھی اس لئے خالق کائنات نے بھی عرش سے اس پر خوشنودی کا اظہار فرماتے ہوئے آپ کو الہاماً خبر دی۔

"تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دے گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"۔ [۱۱]

اس کے بعد کشفی رنگ میں حضور کو وہ بادشاہ بھی دکھلائے گئے جو گھوڑوں پر سوار تھے اور چھ سات سے کم نہ تھے ان بادشاہوں میں ہندوستان' عرب' ایران' شام اور روم کے بادشاہ بھی شامل تھے۔ [۱۲] اس نظارہ کے بعد آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا کہ یہ لوگ تیری تصدیق کریں گے اور تجھ پر ایمان لائیں گے اور تجھ پر درود بھیجیں گے اور تیرے لئے دعائیں کریں گے [۱۳] یاد رہے یہ وہی بٹالہ ہے جہاں حضور کو بچپن میں والد بزرگوار کی خفگی کے باعث دو ماہ تک پناہ گزین رہنا پڑا تھا۔ بہرحال اس الہام میں (جو موجودہ تحقیق کی رو سے اولین الہامات میں سے ہے) اسلام کے شاندار اور عالمگیر غلبہ اور عروج و اقبال کی خبر دی گئی ہے جو اگرچہ اس وقت تک پردہ غیب میں ہے۔ لیکن زمین و آسمان کے

شہنشاہ کی خاص تقدیروں میں سے ہے جسے دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی حکومت بھی اپنی تدبیروں سے بدل نہیں سکتی اور ہرگز نہیں بدل سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بعد میں الہاماً یہ بھی انکشاف فرمایا گیا کہ اسلامی غلبہ واستیلاء کا یہ زمانہ تین سو سال کے اندر اندر بہرحال آجائے گا۔ خدا کا یہ نوشتہ کب اور کس شکل میں پورا ہوگا یہ قبل از وقت بات ہے جس کی تفصیل مستقبل کا مورخ ہی بیان کر سکتا ہے۔

عیسائیت کی روک تھام

۱۸۶۷ء میں جبکہ حضور سیالکوٹ میں قیام پذیر تھے بابو یوحنا نامی مسیحی کے ذریعہ سے (جو میزان الحق کے مصنف ڈاکٹر فنڈر کی وساطت سے حلقہ بگوش عیسائیت ہوا تھا) بٹالہ میں عیسائی مشن قائم ہوا [۱۲] اس مشن نے قائم ہوتے ہی مسلمانوں میں ارتداد کا جال پھیلانا شروع کر دیا۔ سیالکوٹ کے دور کے برعکس یہاں آپ نے ابتداء میں براہ راست عیسائی پادریوں سے کسی مباحثہ میں حصہ نہیں لیا۔ بلکہ آپ کی زیادہ تر کوشش یہی رہی کہ آپ کے ماحول میں کچھ ایسے لوگ تیار ہو جائیں جو عشق رسول ؐ کا جذبہ لے کر آگے آئیں اور اشاعت حق و توحید کے لئے ہروقت چوکس اور بیدار رہیں۔ بٹالہ میں ان دنوں منشی نبی بخش صاحب پٹواری رہا کرتے تھے جنہیں بڑی مذہبی غیرت تھی اور عیسائیوں سے گفتگو کرنے کا شوق بھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں تردید عیسائیت میں بعض الزامی اور تحقیقی جوابات سکھائے اور انہیں اجازت دی کہ وہ بے شک ایک عیسائی مناظر کی حیثیت سے دل کھول کر اعتراض کریں اور آپ سے ہر مسئلہ میں جواب حاصل کریں۔ اگر تسلی نہ ہو تو دوبارہ پوری قوت سے اس پر جرح کریں۔ حضور کے اس آزادانہ طریق کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں حضور کی خاص توجہ اور التفات سے عیسائیوں سے مباحثہ کرنے کی ایک قوت پیدا ہو گئی۔ میاں نبی بخش صاحب مرحوم کہتے تھے کہ حضرت اقدس کے پاس مرزاپور کی چھپی ہوئی بائبل تھی جسے آپ نے کئی مرتبہ پڑھا تھا۔ حضور بعض اوقات خود بائبل پر نشان کرتے یا اقتباسات الگ تحریر فرما دیتے تھے جنہیں میں خوب یاد کر لیتا اور لکھ لیتا تھا۔ حضرت اقدس مجھ کو عیسائیوں کے اعتراضات کے الزامی اور تحقیقی دونوں پہلوؤں پر مشتمل جوابات بتاتے تھے الزامی جوابات کے متعلق آپ کا ارشاد یہ ہوتا تھا کہ جب تم کسی جلسہ عام میں پادریوں سے مباحثہ کرو تو ان کو ہمیشہ الزامی جواب دو۔ اس لئے کہ ان لوگوں کی نیت نیک نہیں ہوتی اور لوگوں کو گمراہ کرنا۔ اسلام سے بدظن کرنا اور آنحضرت ﷺ پر حملہ کرنا مقصود ہے۔ پس ایسے موقعہ پر الزامی جواب ان کا منہ بند کر دیتا ہے۔ اور عوام جو اس وقت محض تماشے کے طور پر جمع ہو جاتے ہیں ایسے جواب سے متاثر ہو کر ان کے رعب میں نہیں آتے۔ لیکن اگر کسی ایسے شخص سے گفتگو کرو جو ان سے متاثر ہو تو اس کو ہمیشہ

تحقیقی جواب پہلے دو اور اس پر مقابلہ کر کے دکھاؤ کہ اسلام اور عیسائیت کی تعلیم میں کیا فرق ہے۔ ایسے لوگوں کو اگر الزامی جواب پہلے دیا جائے تو وہ ٹھوکر کھا سکتے ہیں کہ حقیقی جواب کوئی نہیں۔

مولوی قدرت اللہ کا ارتداد اور واپسی

اسی اثناء میں آپ کو یہ خبر سن کر دلی صدمہ ہوا کہ بٹالہ کے ایک مولوی قدرت اللہ نامی نے اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی ہے۔ [۱۵] حضور نے منشی نبی بخش صاحب ہی کو جو یہ خبر لانے والے تھے کافی دیر تک تاکیدی ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب کو سمجھا کر واپس اسلام میں لائیں اور اگر میری ضرورت ہوئی تو میں خود وہاں جانے کو تیار ہوں۔ منشی صاحب نے عرض کیا کہ ان کے بپتسمہ لینے میں کچھ دنیوی اغراض لپٹی ہوئی ہیں اور قبول عیسائیت کا یہ قصہ حق و صداقت کی بنیاد پر مبنی نہیں ہے۔ لیکن حضور نے فرمایا کہ اگر مالی مدد بھی دینی پڑے تو چندہ کر لو۔ میں بھی شریک ہو جاؤں گا۔ اس کے نام کے ساتھ مولوی کا لفظ ہے عوام پر اس کا برا اثر پڑتا ہے۔ منشی نبی بخش صاحب نے عرض کیا کہ اگر ان سے مباحثہ کرنے میں کچھ سختی کرنا پڑی تو کیا کچھ سخت الفاظ بھی استعمال کر لوں۔ حضور نے فرمایا کہ سختی کرنے سے بعض اوقات دل سخت ہو جاتا ہے اور پھر ایسے لوگوں کا واپس آنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے نرمی اور تالیف قلوب کا سلوک کرو۔ یہ ضدی طبع ہوتے ہیں اپنی ضد میں آکر حق اور ناحق کی پروا نہیں کرتے۔ منشی صاحب کو مولوی صاحب کے حق کی طرف رجوع دلانے کی بار بار تاکید کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اسلام سے کسی کا مرتد ہو جانا ایک بڑا امر ہے جس کو سرسری نہیں سمجھنا چاہئے۔ ہمیں تو دوسروں کو اسلام میں لانا چاہئے اگر ہماری غفلت سے مسلمان مرتد ہو جائے تو ہم سب خدا تعالیٰ کے حضور اس کے لئے جوابدہ ہوں گے۔

منشی نبی بخش صاحب مرحوم کو حضور نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ تم جا کر کوشش کرو میں دعا کروں گا۔ اور تم اس سے تنہا ملو۔ لوگوں کے سامنے نہ ملنا اور بحث نہ کرنا۔ منشی نبی بخش صاحب کا بیان ہے کہ میں نے حضور کی قیمتی نصائح و ہدایات پر عمل کیا چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر مولوی قدرت اللہ صاحب واپس اسلام میں آگئے جس سے حضرت اقدس کو بڑی خوشی ہوئی۔

اس زمانہ میں حضور کی توجہ سے جنہیں صلیبی تحریک کے دفاع کی طرف توجہ پیدا ہوئی ان میں آپ کے صاحبزادے مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم بھی تھے۔ وہ بالالتزام اور پورے ذوق و شوق سے "منشور محمدیؐ" وغیرہ اخبار میں مضامین لکھنے لگے اور موقعہ ملنے پر عیسائی مشنریوں سے مباحثہ بھی کر لیتے تھے۔ [۱۶] حضرت مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ "شرک کے خلاف حضرت کو اس قدر جوش تھا کہ اگر ساری دنیا کا جوش ایک پلڑے میں اور حضرت کا جوش دوسرے پلڑے میں ہو تو

آپ کا پلڑا بھاری ہو گا"۔ [۱۷]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان بالواسطہ سرگرمیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ قادیان میں عیسائی مشنری پادری بیٹ وغیرہ آجایا کرتے تھے مگر انہیں حضرت اقدس سے مذہبی گفتگو کرنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ وہ یہاں آتے اور بازاروں میں وعظ کر کے واپس چلے جاتے تھے۔ وہ اس بات سے مایوس تھے کہ قادیان میں بھی کوئی شخص عیسائی ہو جائے گا۔ پادری بیٹ مین کو توقع پیدا ہوئی کہ قادیان کا بھائی کشن سنگھ عیسائیت قبول کر لے گا۔ لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے راہ و رسم رکھتا ہے تو اس نے صاف کہہ دیا کہ کشن سنگھ کے خیالات مرزا صاحب نے بگاڑ دیئے ہیں مطلب یہ کہ حضرت مرزا صاحبؑ کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے کشن عیسائیت کا شکار ہرگز نہیں ہو سکتا۔ [۱۸]

لالہ شرمپت کے لئے ایک آسمانی نشان

قادیان میں جو ہندو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اکثر حاضر ہوا کرتے تھے۔ ان میں قادیان کی آریہ سماج کے سیکرٹری لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ [۱۹]
یہ دونوں اصحاب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعدد آسمانی نشانوں کے گواہ بنے اور آپ نے اپنی کتابوں میں ان کی شہادتیں درج فرمائیں جن سے وہ آریوں کے شدید دباؤ کے باوجود آخری وقت تک انکار نہ کر سکے۔

۱۸۷۰ء میں اللہ تعالیٰ نے لالہ شرمپت کو اسلام کی سچائی کا ایک ایسا زبردست نشان دکھایا کہ انہیں اسلام کی عظمتوں کا اعتراف کرنا پڑا۔ [۲۰] اس نشان کی تفصیل یہ ہے کہ لالہ شرمپت کا ایک بھائی لالہ بشمبر داس اور ایک اور ہندو لالہ خوشحال چند نامی ایک مقدمہ میں ناگہانی طور پر ماخوذ ہو کر قید کر لئے گئے۔ عدالت عالیہ میں ان دونوں کی اپیل دائر تھی۔ کہ لالہ شرمپت رائے نے جو شدت عناد کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے معجزات کو محض مفروضہ داستانیں قرار دیتا تھا۔ ایک دن حضورؑ سے کہا کہ غیبی خبر اسے کہتے ہیں کہ آج کوئی یہ بتلا سکے کہ اس ہمارے مقدمہ کا انجام کیا ہے۔ حضرت اقدس نے جواب دیا کہ غیب تو خاصہ خدا ہے اور خدا کے پوشیدہ بھیدوں سے نہ کوئی نجومی واقف ہے نہ رمال نہ فال گیر۔ ہاں خدا جو آسمان و زمین کی ہر ایک بات سے واقف ہے اپنے کامل اور مقدس رسولوں کو اپنے ارادہ و اختیار سے بعض اسرار غیبیہ پر مطلع کرتا ہے اور نیز کبھی کبھی جب چاہتا ہے تو اپنے سچے رسول کے کامل تابعین پر جو اہل اسلام ہیں ان کی تابعداری کی وجہ سے اور نیز اس وجہ سے کہ وہ رسول خدا کے علوم کے وارث ہیں۔ بعض اسرار پوشیدہ ان پر کھولتا ہے تا ان کے صدق مذہب پر ایک نشان ہو۔ لیکن

دوسری قومیں جو باطل پر ہیں جیسے ہندو اور ان کے پنڈت وہ سب ان کامل برکتوں سے بے نصیب ہیں۔

حضرت اقدس کی اس حق گوئی پر لالہ شرمپت کو چڑ سی پیدا ہو گئی اور اس نے آپ سے نشان نمائی کا بار بار مطالبہ شروع کر دیا۔ تب آپ کے دل میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ جوش ڈالا گیا کہ یہ دشمن اسلام اسی مقدمہ میں شرمندہ اور لاجواب ہو جائے گا اور آپ نے اسی غیبی جوش سے خدا کے حضور دعا کی کہ:

"اے خداوند کریم تیرے نبی کی عزت اور عظمت سے یہ شخص سخت منکر ہے اور تیرے نشانوں اور پیشگوئیوں سے جو تو نے اپنے رسول پر ظاہر فرمائیں سخت انکاری ہے اور اس مقدمہ کی آخری حقیقت کھلنے پر یہ لاجواب ہو سکتا ہے۔ اور تو ہر بات پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کوئی امر تیرے علم محیط سے مخفی نہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے رات کے وقت بذریعہ کشف آپ پر یہ منکشف فرمایا کہ چیف کورٹ سے مقدمے کی مثل سیشن کورٹ میں واپس آئے گی۔ جہاں اس کے بھائی کی تو نصف قید معاف ہو جائے گی۔ لیکن اس کا دوسرا ساتھی پوری سزا بھگتے گا۔ چنانچہ آپ نے یہ اطلاع پاتے ہی ایک جماعت کثیر کے علاوہ اس ہندو کو بھی خبر دے دی اور قادیان میں ایک عام چرچا ہو گیا۔

اس کے بعد جب بشمبر داس کی قید کی نسبت چیف کورٹ میں اپیل دائر کی گئی تو قادیان میں یہ افواہ آگ کی طرح پھیل گئی کہ اپیل منظور ہو گئی ہے اور بشمبر داس بری ہو گیا ہے۔ اس افواہ سے آریوں میں خوشی کی ایک برقی لہر دوڑ گئی۔ لیکن آپ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا غم و اندوہ کی اس ناقابل بیان کیفیت میں آپ خدا تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہو گئے۔ تب آپ کو الہام ہوا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی یعنی غم نہ کر تجھی کو غلبہ نصیب ہو گا اور ان دشمنان اسلام کی خوشی پامال ہو جائے گی۔ چنانچہ بعد میں جلدی ہی یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ افواہ بالکل بے بنیاد ہے۔ محض اپیل لئے جانے کو بشمبر داس کی بریت کی خبر سے مشہور کر دیا گیا ہے اور بعد کے واقعات نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی پیشگوئی کی ہر پہلو سے تصدیق کر دی۔ لالہ شرمپت جیسے دشمن اسلام نے جب خدا تعالیٰ کا یہ نشان اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تو اس نے حضور کی خدمت میں لکھا کہ آپ خدا کے نیک بندے ہیں اس لئے اس نے آپ پر غیب کی باتیں ظاہر کر دیں۔ [۲۱]

حواشی

۱۔ ۱۸۷۶ء میں جب حضرت اقدس کو اپنے والد ماجد کی وفات کی اطلاع ملی تو آپ ایک مقدمہ کے سلسلہ میں لاہور میں مقیم تھے۔ (ذکر حبیب صفحہ ۲۲۴)

۲۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۶

۳۔ ایضاً صفحہ ۷۵۳

۴۔ آپ کے مطالعہ میں ہمیشہ بے حد محویت اور استغراق کا عالم ہوتا تھا۔ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ "جو عورت والد صاحب کو کھانا دینے جاتی تھی وہ بعض اوقات واپس آکر کہتی تھی میاں ان کو (یعنی حضرت صاحب کو) کیا ہوش ہے یا کتابیں ہیں یا وہ ہیں"۔ (سیرت المہدی حصہ اول روایت (۲۳۴) صفحہ ۲۳۴ طبع ثانی (۲۲۔ دسمبر ۳۵ء)

۵۔ کتاب البریہ طبع دوم صفحہ ۱۶۹، ۱۷۱

۶۔ حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۸۵

۷۔ دعوۃ الامیر اردو صفحہ ۲۱۱ و سیرت المہدی حصہ اول (طبع دوم) صفحہ ۲۵۵، ۲۵۶

۸۔ حضرت مسیح موعودؑ عوجی سے قمل فرخ تخلص کرتے تھے۔

۹۔ یہ قیمتی خط حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کو حضرت مسیح موعودؑ کے پرانے دستاویزات میں سے ملا تھا جو حضرت مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم نے انہیں دی تھیں۔ اس خط پر کسی تاریخ کا اندراج نہیں ہے (سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۵۶)

۱۰۔ الحکم ۱۴/۷ جون ۱۹۳۳ء

۱۱۔ براہین احمدیہ (طبع اول) حصہ چہارم صفحہ ۵۲۰، ۵۲۱ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳ و برکات الدعا صفحہ ۳۰ طبع اول رمضان ۱۳۱۰ھ و تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۱۔ مطبع ضیاء الاسلام قادیان ۲۹۔ جون ۱۹۲۲ء

۱۲۔ الحکم ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۰

۱۳۔ (ترجمہ) لجۃ النور صفحہ ۳، ۴ طبع اول مطبع ضیاء الاسلام قادیان جنوری ۱۹۱۰ء۔

۱۴۔ تاریخ بشارت السند و پاکستان صفحہ ۲۰۱

۱۵۔ تاریخ بشارت السند و پاکستان صفحہ ۱۹۸ (مصنفہ خورشید عالم پادری) سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی قدرت اللہ کے ارتداد کا باعث امرتسر کا مشنری سکول تھا۔

۱۶۔ ایک مضمون ملاحظہ ہو۔ منشور محمدی ۲۵۔ صفر ۱۳۰۰ھ

۱۷۔ حیات احمد صفحہ ۲۵۳

۱۸۔ حیات احمد جلد اول نمبر ۳ صفحہ ۴۷، ۲ صفحہ ۵۵، ۵۶

۱۹۔ پیدائش ۱۹۱۲ء بکرمی مطابق ۱۸۵۶ء (لائف آف احمد صفحہ ۶۵) تاریخ وفات ۱۹۵۱ء

۲۰۔ پیدائش ۱۸۵۵ء سن وفات ۲۸۔ دسمبر ۱۹۳۲ء (لائف آف احمد صفحہ ۶۲)

۲۱۔ براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۵۰، ۲۵۱ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱ ایضاً صفحہ ۵۵۰، ۵۵۱ حاشیہ در حاشیہ (طبع اول) و سراج منیر صفحہ ۳۲ و قادیان کے آریہ اور ہم صفحہ ۳۵، ۳۴ (طبع اول)

باب ہشتم

قلمی جہاد کا آغاز

(۱۸۷۲ تا ۱۸۷۶)

مضامین کی اشاعت ملکی اخبارات میں

آپ کی ایک گونہ پبلک زندگی کی ابتداء گو سیالکوٹ میں ہو چکی تھی لیکن اس کا حقیقی معنوں میں آغاز قریباً ۱۸۷۲ء سے ہوا جبکہ آپ نے ملک کے مختلف اخبارات میں اپنے مضامین کا سلسلہ جاری کر کے قلمی جہاد میں حصہ لینا شروع کیا۔

ابتداء میں آپ کا معمول تھا کہ کبھی کبھی شیخ رحیم بخش صاحب والد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی یا بعض دوسرے ناموں سے اپنے مضامین چھپوا دیتے تھے [۱] حضورؑ کے اپنے نام سے جو مضامین ملکی اخبارات میں شائع ہونے شروع ہوئے ان میں موجودہ تحقیق کے مطابق سب سے پہلا مضمون غالباً بنگلور کے دس روزہ اخبار منشور محمدیؐ ۲۵۔ ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ مطابق ۲۵۔ اگست ۱۸۷۲ء میں شائع ہوا۔ [۲] یہ تاریخی مضمون دراصل ایک نہایت اہم اعلان تھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مذاہب عالم کو اپنے بیس سالہ تجربہ و مشاہدہ کی بناء پر یہ زبردست چیلنج کیا کہ تمام انسانی معاملات اور تعلقات میں سچائی ہی تمام خوبیوں کی بنیاد اور اساس ہے۔ اس لئے ایک سچے مذہب کی نشان دہی کا آسان طریق یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ اس نے سچائی پر کاربند ہونے کی کہاں تک زوردار اور موثر طریق پر تلقین کی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ زبردست معیار قائم کرتے ہوئے پورے وثوق سے یہ اعلان فرمایا کہ آپ ہر اس غیر مسلم کو پانچ سو روپیہ کی رقم بطور انعام پیش کرنے کے لئے تیار ہیں جو اپنی مسلمہ مذہبی کتابوں سے ان تعلیمات کے مقابل آدھی بلکہ تہائی تعلیمات بھی پیش کردے جو آپ اسلام کی مسلمہ اور مستند مذہبی کتب سے سچائی کے موضوع پر نکال کر دکھائیں گے۔ خدا کے شیر کی یہ پہلی للکار تھی جسے سن کر پورے ہندوستان میں خاموشی کا عالم طاری ہو گیا اور کسی شخص کو حضرت

اقدس کا یہ زبردست چیلنج قبول کرنے کی جرات نہیں ہو سکی۔ [۳]

ضمناً یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ منشور محمدیؐ (بنگلور) کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اوائل زمانہ میں وکیل ہندوستان۔ سفیر ہند امرت سر [۴]۔ نور افشاں لدھیانہ۔ برادر ہند لاہور۔ [۵] وزیر ہند سیالکوٹ۔ ودیا پرکاش امرت سر۔ آفتاب پنجاب لاہور۔ ریاض ہند امرت سر اور اشاعۃ السنہ منگوایا کرتے تھے۔ اور بعض میں مضامین بھی لکھتے تھے۔ زمانہ ماموریت کے بعد مختلف زبانوں کے اخبارات قادیان میں آنے شروع ہوئے جو براہ راست غیر زبانوں کے اخبارات آپ کے ہاں پہنچتے آپ جستہ جستہ مقامات سے ان کا ترجمہ سنتے اور اگر ان کے کالموں میں اسلام کی تردید میں کوئی مضامین آتے تو اس کا جواب لکھوا کر شائع فرماتے۔ اور جو خود مطالعہ فرما سکتے وہ ضرور پڑھتے۔ اخبارات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا آپ کا معمول تھا۔ آخری زمانہ میں آپ لاہور کے روزنامہ "اخبار عام" کو بڑے شوق سے خریدتے اور خاص دلچسپی سے پڑھتے اور اس کی بے لاگ اور معتدل پالیسی کو پسند فرماتے تھے۔ [۶]

مولوی اللہ دتہ صاحب لودھی ننگل سے مسئلہ حیات النبی وغیرہ پر مذاکرہ

قادیان کے پاس لودھی ننگل میں ایک مولوی صاحب اللہ دتہ نامی رہا کرتے تھے جنہیں ان دنوں حضرت اقدسؑ نے اپنے صاحبزادوں کی تعلیم کے لئے بلوایا تھا۔ مولوی صاحب (بعض اپنے مذہبی عقائد یا دیگر نامعلوم وجوہ کی بناء پر) قادیان میں مختصر قیام کے بعد واپس اپنے گاؤں چلے گئے۔ جب تک وہ قادیان میں رہے انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مسئلہ "حیات النبی" اور دوسرے مسائل پر مذاکرہ جاری رکھا اور واپسی کے بعد انہی مسائل کے متعلق ایک منظوم فارسی خط لکھا۔ جس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ۶۔ ستمبر ۱۸۷۲ء کو ایک پرکیف اور مبسوط فارسی نظم انہیں بھجوائی۔ اس نظم سے یہ حقیقت بالکل نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ کو ابتداء ہی سے حضرت رسول اکرم ﷺ سے نہایت والہانہ عقیدت تھی اور آپ آنحضرت ﷺ کو دل و جان سے ابدی حیات کے تخت پر رونق افروز ہونے والا زندہ نبی یقین کرتے۔ حضورؑ کے چشمہ فیوض و برکات کو اپنے دل میں رواں دواں پاتے۔ اور حضور ﷺ کی عظمتوں اور برکتوں کی منادی کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ پوری نظم حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے اپنی کتاب حیات احمد جلد اول نمبر ۳ صفحہ ۲۰۵، ۲۰۹ پر شائع کی ہے اور قابل دید ہے۔ صرف چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل کرتا ہوں ؎

سپاس آں خداوند یکتائے را بمہر و بمہ عالم آرائے را

جہاں جملہ مردہ فناد ست و زار	یکے زندہ او ہست از کردگار
چنیں است ثابت بقول سروش	اگر راز معنی نیابی خموش
اگر در ہوا ہمچو مرغاں پری	و گر بر سر آب ہا بگذری
و گر ز آتش آئی سلامت بروں	و گر خاک را زرکنی از فسوں
اگر منکری از حیات رسولؐ	سراسر زیاں است و کار فضول

۱۸۷۲ء میں آپ کی روزمرہ زندگی کی ایک جھلک

اب اگرچہ آپ پبلک زندگی میں قدم رکھ چکے تھے۔ لیکن آپ کی ان جلوتوں میں بھی خلوتوں کا رنگ چھایا ہوا تھا چنانچہ ان ایام کے متعلق مرزا دین محمد صاحب آف لنگروال کی چشم دید شہادت ہے کہ:

"قریباً ۱۸۷۲ء کا ذکر ہے میں چھوٹا تھا مرزا نظام الدین صاحب وغیرہ میرے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ اس وقت اہل حدیث کا بہت زور تھا۔ میرے والد صاحب بھی اہل حدیث تھے۔ شیخ رحیم بخش صاحب والد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی یہاں بہت آیا کرتے تھے میں عام طور پر حضرت مرزا صاحب کے والد صاحب کے گھر بوجہ رشتہ داری آتا جاتا تھا۔ میں ان کے پاس عام طور پر رہتا تھا مگر حضرت مرزا صاحب کی گوشہ نشینی کی وجہ سے میں یہی سمجھتا تھا کہ مرزا غلام مرتضٰی صاحب کا ایک ہی لڑکا غلام قادر ہے۔ مگر مسجد میں میں مرزا صاحب کو بھی دیکھتا۔ میر ناصر نواب صاحب آیا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ یہ اپنے مکان میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ دوسرے دن میں نے دیکھا کہ آپ نماز پڑھ کر گھر میں تشریف لے جا رہے ہیں میں آپ کے والد صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ میں بھی جلدی سے اٹھ کر آپ کی طرف گیا۔ آپ اپنے کمرہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کرنے لگے تھے کہ میں بھی جا پہنچا۔ آپ نے دروازہ کھول دیا اور دریافت کیا کہ کیا کام ہے؟ میں نے کہا میں ملنا چاہتا ہوں۔ آپ نے مجھے وہاں بٹھایا اور دریافت کیا کہ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے بتایا کہ لنگروال سے۔ اس کے بعد مجھے آپ کی واقفیت ہو گئی۔ آپ ایک بالاخانہ پر عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ اور گھر سے جب روٹی آتی تو اس کی ایک کھڑکی سے بذریعہ چھینکا روٹی اوپر لے لیتے۔ اس کے بعد آپ سے مجھے انس ہو گیا اور گھر سے آپ کی روٹی میں لایا کرتا"۔

"میں آپ کے پاس ہی رہتا تھا اور اسی کمرہ میں سوتا تھا۔ آپ نے استخارہ بھی سکھایا۔ عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت پڑھنے کے بعد گفتگو نہیں کرنی ہوتی تھی۔ صبح کو جو خواب آتی میں وہ آپ کو بتلا دیتا۔ آپ کے پاس فارسی کا ایک تعبیر نامہ بھی تھا آپ اسے دیکھتے تھے۔ آپ نے مجھے یہ بھی کہا کہ دونوں

گھروں میں (مرزا امام دین اور آپ کا مکان مراد تھا) استخارہ کا طریق بتلا دو۔ اور اس طریق سے وہ سویا کریں۔ اور یہ بھی آپ نے کہا تھا کہ صبح جا کر ان کی خوابیں سنا کرو۔ مجھے روٹی بھی بہت دفعہ آپ ساتھ ہی کھلاتے۔ حافظ معین الدین صاحب عرف ماہناں بھی آپ کے پاس آتے۔ ۷ مجھے آپ ان کی روٹی لانے کے لئے کہتے چنانچہ میں لا دیتا۔ آپ کا گھرانا بہت بڑا تھا جو بھی آتا اسے روٹی مل جاتی۔ اس عام روٹی سے میں میاں ماہناں کی روٹی لاتا۔ حضرت مرزا صاحب اس وقت تک انتظار کرتے اور جب میاں ماہناں کی روٹی آجاتی تو اپنا سالن اس کے سالن میں ملا دیتے۔ پھر اسے روٹی دیتے اور کہتے کھائیں۔ اور خود آپ بہت آہستہ آہستہ روٹی شروع کرتے۔ جب میاں ماہناں اپنی روٹی کھا لیتے۔ تو آپ دریافت کرتے اور بھی چاہئے۔ وہ کہتے اگر ہے تو دے دیں تو بہت دفعہ حضور اپنا کھانا اور میرا بھی ان کو دے دیتے اور وہ سب کھا جاتے ایسے موقعہ پر تیسرے پہر پھر آپ مجھے پیسے دیتے کہ جا کر کابلی چنے بھنوا لاؤ۔ اس وقت بہت سستے ہوتے تھے ایک پیسے کے بھی بہت آجاتے تھے۔ اور میں اور حضور وہ کھا لیتے۔ آپ بہت آہستہ آہستہ کھاتے تھے۔ آپ ایک دو دانے ہی منہ میں ڈالتے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ باتیں بشاشت سے کرتے اور اکثر رانوں پر ہاتھ مارتے تھے"۔

"آپ مسجد میں فرض نماز ادا کرتے۔ سنتیں اور نوافل مکان پر ہی ادا کرتے تھے عشاء کی نماز کے بعد آپ سو جاتے تھے اور نصف رات کے بعد آپ جاگ پڑتے اور نفل ادا کرتے۔ اس کے بعد قرآن مجید پڑھنا۔ مٹی کا دیا آپ جلاتے تھے۔ تلاوت فجر کی اذان تک کرتے۔ جس کمرہ میں آپ کی رہائش تھی وہ چھوٹا سا تھا اس میں ایک چارپائی اور ایک تخت پوش تھا۔ چارپائی تو آپ نے مجھے دی ہوئی تھی اور خود تخت پوش پر سوتے تھے۔ فجر کی اذان کے وقت آپ پانی کے ہلکے ہلکے چھینٹوں سے مجھے جگاتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے دریافت کیا کہ حضور مجھے ویسے ہی کیوں نہیں جگا دیتے۔ آپ نے فرمایا حضور رسول کریم ﷺ کا یہی طریق تھا اس سنت پر میں کام کرتا ہوں تاکہ جاگنے میں تکلیف محسوس نہ ہو۔ نماز فجر کے بعد آپ واپس آکر کچھ عرصہ سو جاتے تھے کیونکہ رات کا اکثر حصہ عبادت الٰہی میں گذرتا تھا"۔ ۸

سلسلہ تعلیم و تدریس

زندگی کے اس دور سے جبکہ آپ قادیان میں زاہدانہ زندگی بسر کر رہے تھے اور حضرت والد صاحب کے حکم کی تعمیل میں مقدمات کی پیروی کے لئے جانا پڑتا تھا اپنے چشمہ علم و عرفان سے دوسروں کو بہرہ ور کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم نے عربی نصاب کی کتابیں نحو میر، تاریخ فرشتہ اور شاید گلستان و بوستان۔ بھی آپ سے پڑھیں ۹ میاں علی محمد صاحب مرحوم کو گلستان و بوستان کے کچھ سبق پڑھائے۔ مرزا دین محمد صاحب آف لنگروال کی روایت کے مطابق ۱۸۷۲ء میں کشن سنگھ۔ ملاوامل اور شرمپت

آپ سے حکمت اور قانون وغیرہ کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ بلکہ خود انہیں بھی حضور انور نے ایک فارسی کتاب پڑھانی شروع کی تھی۔[۱۱۰]

بھائی کشن سنگھ صاحب کا بیان

بھائی کشن سنگھ صاحب کا بیان ہے کہ:

"لوگ حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب مرحوم سے جرات کر کے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بلا تکلف جو چاہتے کہہ لیتے تھے۔ میں نے اسی لئے ان سے پڑھنا شروع کیا۔ مجھے زمانہ طالب علمی میں یہ تجربہ ہوا کہ حضرت مرزا صاحب بھی کبھی ناراض نہیں ہوتے تھے۔ ان کی خدمت میں جاتے ہوئے ہم کو ذرا بھی جھجک اور حجاب نہ ہوتا تھا۔ ہم بے تکلف جس وقت چاہتے چلے جاتے تھے اور کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ آپ نے اپنی مصروفیت یا آرام کرنے کا عذر کر کے ٹال دیا ہو۔ بعض اوقات آپ نے سوتے اٹھ کر دروازہ کھولا ہے مگر برا نہیں منایا کہ تم نے میرے آرام میں آکر خلل پیدا کیا"۔ "چونکہ دروازہ عموماً بند ہوتا تھا کبھی کبھی میں اوپر سے کنکری پھینک دیتا تھا اور آپ اس کی آہٹ سے اٹھ کر دروازہ کھول دیتے۔ کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا تھا کہ میں سبق پڑھا کرتا اور آپ کھاتے جاتے اور پڑھاتے بھی جاتے تھے۔ اسی حالت میں بعض اوقات میری کتاب میں کوئی غلطی ہوتی تو آپ کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے اور مستند کتاب نکال کر لاتے اور اس غلطی کی اصلاح یا مشکوک امر کو درست فرماتے۔ میں ہر چند عرض کرتا کہ آپ تکلیف نہ اٹھائیں کھانا کھالیں بعد میں دیکھا جائے گا۔ مگر آپ میری اس درخواست کو منظور نہ فرماتے اور کہہ دیتے کہ تمہارا حرج ہو گا یہ ٹھیک نہیں۔ وہ اپنے آرام کی پروا نہ کرتے اور کتاب نکال کر مجھے درست کرا دیتے"۔

"میں طب اکبر پڑھ رہا تھا اور اس میں مالیخولیا کی بیماری پر بحث میرے سبق میں آئی۔ طب اکبر میں اس مرض کی علامات' اسباب وغیرہ پر مفصل بحث تھی۔ اس میں خلوت نشینی کو بھی ایک حد تک داخل کر دیا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا طبیبوں نے کسی کو بھی نہیں چھوڑا۔ دیکھو جو لوگ خلوت نشین ہوں ان کو بھی مجنوں کہہ دیتے ہیں"۔ "میں نے آپ سے یہ سن کر ہنستے ہوئے کہا کہ جیسے آپ کو بھی کہتے ہیں۔ آپ ہنس پڑے اور مجھے کسی قسم کا زجر نہ فرمایا۔ گو مجھے کہہ دینے کے بعد بہت افسوس ہوا اور شرم محسوس ہوئی کہ میں نے غلطی کی۔ لیکن میں نے کوئی عذر کرنا ضروری نہیں سمجھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ مرزا صاحب اس قسم کی بات دل میں نہیں رکھتے۔ اور کسی سے بدلہ لینا نہیں چاہتے۔[۱۱۱]

شعری کلام کی ابتداء اور دیوان کی تسوید

حضرت مسیح موعود علیہ السلام چونکہ اسلام کی قلمی جنگ میں فتح نصیب جرنیل کی حیثیت

سے دنیا میں آئے تھے اس لئے قدرت نے ابتداء ہی سے آپ کو قلم کی لازوال قوتوں سے مسلح کر کے بھیجا تھا۔ اور نہ صرف نثر نگاری کے وسیع و عریض میدان کے آپ شہسوار تھے بلکہ اقلیم سخن کو آپ کی تاجداری پر ناز تھا۔ حضور علیہ السلام نے اپنے ہم عصر مسلمان شعراء کی طرح شعر و شاعری کو بطور پیشہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ اسے ذکر الٰہی، آنحضرت ﷺ سے عشق و فدائیت کے اظہار کا ایک موثر ذریعہ قرار دیا اور پھر اپنی خداداد روحانی و اخلاقی صلاحیتوں کی بدولت اس میں اپنے مسیحائی انفاس سے وہ روح پھونکی کہ الفاظ گویا اسلام کی ایک پر شوکت فوج میں بدل گئے اور تخیلات و تصورات زبردست روحانی اسلحہ خانوں میں ڈھل گئے جو قیامت تک کفر و ضلالت کے فولادی قلعوں کو پاش پاش کرتے رہیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک عالی خاندان کے فرد تھے جسے بجا طور پر سخنوروں کا گہوارہ قرار دیا جانا چاہئے۔ آپ کے والد ماجد نے بھی طبیعت رسا پائی تھی وہ فارسی میں نہایت عمدہ شعر کہتے تھے اور تحسین تخلص کرتے تھے۔ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم نے ایک دفعہ ان کا کلام بلاغت نظام حافظ عمر دراز صاحب ایڈیٹر "پنجابی اخبار" کو دیا تھا مگر وہ فوت ہو گئے اور ان کے ساتھ یہ قیمتی خزانہ بھی معدوم ہو گیا۔ ایک ایرانی شاعر نے اس امر کا اظہار کیا تھا کہ ان کا فارسی کلام ایرانی شعراء کی طرح فصیح و بلیغ ہے۔ اسی طرح حضور کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کو بھی ذوق سخن تھا اور وہ مفتون [۱۲،۱۳] تخلص کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شعری کلام کی ابتداء کس سن میں ہوئی؟ اس بارے میں احمدی مورخین کوئی قطعی رائے قائم نہیں کر سکے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو خلافت ثانیہ کے ابتداء میں مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم سے شعروں کی ایک کاپی ملی تھی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دست مبارک سے شعر درج کئے تھے۔ اس کاپی میں کئی شعر نامکمل تھے اور بعض شعر نظر ثانی کے لئے بھی چھوڑے ہوئے تھے۔ یہ کاپی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے بیان کے مطابق بہت پرانی معلوم ہوتی ہے جو غالباً جوانی کا کلام تھا [۱۴] اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جوانی میں کلام کہنا شروع کیا تھا اور جوانی کے زمانے کا سب سے ابتدائی کلام جو معین تاریخ کے ساتھ ملتا ہے وہ ۱۸۷۳ء کا فارسی کلام ہے جس کا تذکرہ اوپر کے صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ آپ ابتداء میں فرخ تخلص کیا کرتے تھے۔ جسے زمانہ ماموریت کے چند سال بعد بالکل ترک کر دیا۔ ان دنوں آپ اگرچہ اردو اور عربی شعروں میں اپنے خیالات کا اظہار فرماتے لیکن آپ کی زیادہ تر توجہ اپنی خاندانی زبان فارسی کی طرف تھی۔ یہ تو ابتدائی زمانہ کی بات ہے

ورنہ منصب ماموریت پر فائز ہونے کے بعد آپ نے اردو ' عربی اور فارسی تینوں زبانوں کو اسلام کی منادی کا ذریعہ بنالیا- آپ کا کلام الگ الگ تینوں زبانوں میں درثمین کے نام سے چھپا ہوا ہے جس کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی زندگی بھر کے اہم واقعات ' دعاوی اور علم کلام اس میں پوری شان جامعیت کے ساتھ موجود ہیں-

۱۸۸۰ء سے پہلے جبکہ آپ کی مستقل تصانیف کی اشاعت شروع نہ ہوئی تھی- آپ کبھی کبھی اپنا کلام ملک کے بعض اخبارات میں بھی بھجوا دیتے تھے- چنانچہ "منشور محمدیؐ" میں ایک اردو نظم جو حضور نے قادیان سے ۸- محرم ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۲- جنوری ۱۸۷۸ء کو رقم فرمائی اور نیاز نامہ متعلقہ "جواب الجواب" کے عنوان سے تھی شائع ہوئی- [۱۵]

حضرت اقدس علیہ السلام نے دعوئ مسیحیت سے قبل "دیوان فرخ قادیانی" کے نام سے اپنی غزلیات اور قطعات کا ایک مجموعہ بھی مرتب فرمایا تھا جو آپ کی وفات کے آٹھ سال بعد دسمبر ۱۹۱۶ء میں "در مکنون" کے نام سے پہلی دفعہ منظر عام پر آیا- اس مجموعہ کلام میں حمد الٰہی ' شان مصطفیٰ ' غیر مذاہب کے رد ' اسلام کی حقانیت ' اصلاح نفس ' ذکر اولیاء ' نشان اولیاء ' علامات اولیاء ' اخراج نبوت از یہود ' ترک دنیا ' دعا ' ایمان ' مذمت کبر ' نفس امارہ ' مرتبہ سلوک ' مذمت شرک اور مذمت گور پرستی وغیرہ علمی و روحانی مسائل اور تصوف کے قیمتی اسرار و نکات بیان کئے گئے تھے- اس دیوان کے زمانہ تصنیف کا تعین اس وقت تک نہیں کیا جاسکا- سلسلہ احمدیہ کے پہلے مورخ جناب شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کے نزدیک اس کا زمانہ تصنیف قیام سیالکوٹ کے دور سے شروع ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک سیالکوٹ سے واپسی کے بعد- خود مجموعہ میں چار مقامات پر ۱۷- اکتوبر ۱۸۷۳ء - ۳۱- اگست ۱۸۷۶ء - ۲۱- ستمبر ۱۸۷۶ء اور ۱۶- نومبر ۱۸۸۸ء کی تاریخیں درج ہیں- لہٰذا قیاسات اور تخمینوں سے الجھے بغیر علیٰ وجہ البصیرت کہا جاسکتا ہے کہ یہ مجموعہ ۱۸۷۳ء سے ۱۸۸۸ء تک کے پندرہ سالہ عرصہ کو محیط ہے-

ایک مقدمہ میں نشان آسمانی کا ظہور

تخمیناً ۱۸۷۳ء کا واقعہ ہے کہ کمشنر کی عدالت میں آپ زمینداروں کے خلاف ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے امرت سر تشریف لے گئے- فیصلہ سے ایک روز قبل کمشنر کا رویہ بہت سخت معاندانہ تھا اور اس نے زمینداروں کی ناجائز حمایت کرتے ہوئے یہاں تک کہہ ڈالا کہ یہ غریب لوگ ہیں تم ان پر ظلم کرتے ہو- رات کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں ایک انگریز کو ایک چھوٹے سے بچے کی شکل میں دیکھا کہ اس کے سر پر حضور ہاتھ پھیر رہے ہیں- چنانچہ حضور دوسرے دن جب

عدالت میں پہنچے تو اس کی حالت ایسی بدلی ہوئی تھی کہ گویا وہ پہلا انگریز نہیں تھا۔ اس نے زمینداروں کو سخت ڈانٹ پلائی اور آپ کے حق میں فیصلہ سناتے ہوئے سارا خرچہ بھی ان پر ڈال دیا۔ [۱۶]

آسمانی بادشاہت 'درویشوں کی جماعت' اور اقتصادی کشائش عطا ہونے کی بشارت

۱۸۷۴ء میں آپ کو خواب میں ایک فرشتہ ایک لڑکے کی صورت میں دکھائی دیا جو ایک اونچے چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پاکیزہ نان تھا جو نہایت چمکیلا تھا۔ وہ نان آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اس نے کہا "یہ تیرے لئے اور تیرے ساتھ کے درویشوں کے لئے ہے" اس نظارہ میں آپ کو رزق کی کشائش کے علاوہ درویشوں کی ایک جماعت عطا کئے جانے کی بشارت دی گئی۔ [۱۷] نیز آسمانی بادشاہت عطا ہونے کی خبر بھی دی گئی تھی۔ کیونکہ انجیل کے محاورہ میں روٹی سے مراد آسمانی بادشاہت کا قیام ہے۔ [۱۸] یاد رہے یہ اس زمانہ کی بشارت ہے جب آپ قادیان ایسے کوردیہہ میں اقتصادی مشکلات سے دوچار گوشہ نشینی اور خلوت کی زندگی بسر کر رہے تھے اور آپ کے حلقہ بیعت سے کوئی ایک شخص بھی وابستہ نہیں تھا۔ اور عجیب تربات یہ ہے کہ یہ بشارت ٹھیک اس زمانہ میں دی گئی جبکہ دانیال نبی کی پیشگوئی کے مطابق مسیح موعود کی آمد مقدر تھی (یعنی ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳۔۱۸۷۴ء میں) چنانچہ مسٹر روتھر فورڈ انجیل کی پیشگوئیوں کی روشنی میں ۱۸۷۴ء کی اہمیت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"The facts hereinbefore considered show that the lord was present from 1874 "The in this that he was doing a special work concerning his church, to forward, restoring to them the great fundamental truths that had been covered and wit by the ecelesiastical part of the Devil's Organization, and preparing to hid gather the saints" [۱۹]

یعنی حقائق بتاتے ہیں کہ ۱۸۷۴ء کے بعد مسیح اس دنیا میں موجود ہے اور اپنے کلیسیا کے متعلق ایک خاص کام سرانجام دے رہا ہے۔ اور وہ بنیادی صداقتیں جنہیں طاغوتی نظام نے ڈھانپ رکھا ہے اور دنیا کی نظروں میں روپوش کر رکھا ہے۔ وہ انہیں دوبارہ آشکار کر کے نیک اور پارسالوگوں کو اپنے گرد جمع کر رہا تھا۔

مسجد اقصیٰ کی تعمیر

اب چونکہ وہ زمانہ تیزی سے آرہا تھا جس میں آپ کے گرد پارسا درویش طبع لوگ پروانوں کی طرح جمع ہونے والے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ خوشخبری دی اور پھر اگلے سال (۱۸۷۵ء) میں

قادیان میں مسجد اقصیٰ ایسی عظیم الشان جامع مسجد کی بنیاد خود آپ کے والد ماجد کے ہاتھوں رکھوا دی۔ عمر بھر کی ناکامیوں کی وجہ سے چونکہ آپ کے والد ماجد کو مسلسل اور پیہم صدمات سے دوچار ہونا پڑا تھا اور دل زخم رسیدہ ہو چکا تھا۔ اس لئے زندگی کے آخری دنوں میں انہوں نے مافات کی تلافی کے لئے قادیان میں ایک جامع مسجد تعمیر کرنے کا قطعی فیصلہ کر لیا۔ اس سے پہلے انہوں نے اس مسجد کے حصول کی ازحد کوشش کی جسے رام گڑھیہ سکھوں نے بالجبر قبضہ کر کے دھرم سالہ بنا دیا تھا۔ لیکن جب خود مقامی مسلمانوں کی مخالفانہ شہادتوں نے اس کی بازیافتگی کا رستہ مسدود کر دیا تو آپ نے اس کے نزدیک ہی قصبہ کے وسط میں ایک اور جگہ انتخاب کی جو اس وقت سکھ کارداروں کی حویلی تھی۔ [۲۰] لیکن اس حویلی کی نیلامی کا مرحلہ آیا تو اہل قریہ نے ایک بار پھر آپ کو زمین سے محروم کرنے کی کوشش کی اور مقابل پر قیمت میں ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن آپ نے خدا تعالیٰ کے حضور یہ پختہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر باقی جائیداد بھی فروخت کرنا پڑے تو میں یہ زمین لے کر مسجد ضرور بناؤں گا۔ اس لئے آپ نے مالیات کے سبھی پہلو نظر انداز کر کے چند روپوں کی مالیت کا قطعہ ۷۰۰ روپے کی قیمت پر خرید لیا [۲۱]۔ اور اخلاص و ندامت بھرے دل کے ساتھ مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ گاؤں میں چونکہ پہلے کئی مساجد موجود تھیں۔ اور یہ مسجد ان سب سے بڑی بنائی جا رہی تھی اس لئے اس وقت ایک شخص نے کہا کہ اتنی بڑی مسجد کی کیا ضرورت تھی۔ کس نے نماز پڑھنی ہے اس مسجد میں چمگادڑ ہی رہا کریں گے [۲۲] اور یہ بات گاؤں کی مختصر سی مسلم آبادی کے لحاظ سے ہر شخص کو معقول نظر آتی تھی۔ لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ کام خدائی تحریک اور اس کے تصرف سے ہو رہا ہے اور ایک زمانہ آئے گا جب اسے دنیا بھر میں ایک ممتاز شان حاصل ہو گی۔

مسجد اقصیٰ کی تعمیر

یہ جامع مسجد جو اب مسجد اقصیٰ سے موسوم ہے تخمیناً ۱۸۷۵ء کے آخری دنوں سے تعمیر ہونی شروع ہوئی اور جون ۱۸۷۶ء میں پایہ تکمیل تک پہنچی اور اس کے پہلے خادم اور امام میاں جان محمد صاحب مرحوم مقرر ہوئے۔ اس ابتدائی مسجد کی پرانی مسقف عمارت اور اس کا صحن اور کنواں اپنی اپنی جگہ پر بدستور موجود ہیں۔ البتہ ابتدائی صحن مختصر اور پختہ پرانی قسم کی چھوٹی اینٹوں کا بنا ہوا تھا۔ شمالی دروازہ کے اندر کنوئیں کا منہ پہلے اوپر مسجد کے صحن کے فرش کے برابر تھا اور جہاں صحن کا فرش ختم ہوتا تھا وہاں مشرقی کنارہ پر اینٹوں کی ایک منڈیر تھی جس پر نمازی وضو کیا کرتے تھے اور نالی سے مستعمل پانی نیچے بازار کی گلی میں جا گرتا تھا [۲۳] چنانچہ پنڈت دیوی رام ساکن دودوچک تحصیل شکر گڑھ کی (جو ۲۱۔ جنوری ۱۸۷۵ء کو نائب مدرس ہو کر قادیان گئے اور چار سال تک انہیں حضرت اقدس کی خدمت میں رہنے کا موقعہ ملا) عینی شہادت ہے کہ "(آپ کے)

گھر سے چھوٹی سی گلی مسجد کو جاتی تھی اس راستہ سے گذر کر مسجد میں جاتے تھے صرف اکیلے ہی ہوا کرتے تھے اگر دو تین ہو جاتے تو مرزا صاحب جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے اور اگر اکیلے ہوتے تو اکیلے ہی پڑھ لیتے۔ ان دنوں قادیان میں مسلمان عموماً بے نماز تھے۔ قمار بازی میں مشغول رہتے تھے۔ مسلمانوں کی آبادی کم تھی... نیکی تقویٰ اور طہارت میں مرزا غلام احمد صاحب اور مرزا کمال الدین صاحب اور میر عابد علی صاحب مسلمانوں میں مشہور تھے۔ مرزا کمال الدین فقیری طریقہ پر تھے۔ معلوم نہیں کہ وہ نماز کب پڑھا کرتے تھے۔ مگر مرزا غلام احمد صاحب کو ہم نے پنج وقت نماز پڑھتے دیکھا ہے"۔

۲۲

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے والد ماجد کے آخری عمر کے جذبات کا نقشہ کھینچتے ہوئے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا پس منظر یوں بیان فرماتے ہیں:

"حضرت عزت جل شانہ کے سامنے خالی ہاتھ جانے کی حسرت روز بروز آخری عمر میں ان پر غلبہ کرتی گئی تھی۔ بارہا افسوس سے کہا کرتے تھے کہ دنیا کے بیہودہ خرخشوں کے لئے میں نے اپنی عمر ناحق ضائع کر دی۔ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب نے یہ خواب بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ ایک بڑی شان کے ساتھ میرے مکان کی طرف چلے آتے ہیں جیسا کہ ایک عظیم الشان بادشاہ آتا ہے۔ تو میں اس وقت آپ کی طرف پیشوائی کے لئے دوڑا۔ جب قریب پہنچا تو میں نے سوچا کہ کچھ نذر پیش کرنی چاہئے۔ یہ کہہ کر جیب میں ہاتھ ڈالا جس میں صرف ایک روپیہ تھا اور جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ کھوٹا ہے۔ یہ دیکھ کر میں چشم پر آب ہو گیا اور پھر آنکھ کھل گئی۔ اور پھر آپ ہی تعبیر فرمانے لگے کہ دنیاداری کے ساتھ خدا اور رسول کی محبت ایک کھوٹے روپے کی طرح ہے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میری طرح میرے والد صاحب کا بھی آخری حصہ زندگی کا مصیبت اور غم اور حزن میں ہی گزرا اور جہاں ہاتھ ڈالا آخر ناکامی تھی۔ اور اپنے والد صاحب یعنی میرے پردادا صاحب کا ایک شعر بھی سنایا کرتے تھے جس کا ایک مصرعہ راقم کو بھول گیا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ

ع "جب تدبیر کرتا ہوں تو پھر تقدیر ہنستی ہے"

اور یہ غم اور درد ان کا پیرانہ سالی میں بہت بڑھ گیا تھا۔ اسی خیال سے قریباً چھ ماہ پہلے حضرت والد صاحب نے اس قصبہ کے وسط میں ایک مسجد تعمیر کی جو اس جگہ کی جامع مسجد ہے۔ اور وصیت کی کہ مسجد کے ایک گوشہ میں میری قبر ہو تا خدائے عزوجل کا نام میرے کان میں پڑتا رہے کیا عجب کہ یہی ذریعہ مغفرت ہو۔ چنانچہ جس دن مسجد کی عمارت بہمہ وجوہ مکمل ہو گئی اور شاید فرش کی چند اینٹیں باقی تھیں کہ حضرت والد صاحب صرف چند روز بیمار رہ کر مرض پیچش سے فوت ہو گئے اور اسی مسجد کے اسی گوشہ

میں جہاں انہوں نے کھڑے ہو کر نشان کیا تھا دفن کئے گئے۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْہُ وَادْخِلْہُ الْجَنَّۃَ۔ آمین اسی یا پچاسی برس کے قریب عمر پائی"۔ ۲۵

روزوں کا عظیم مجاہدہ اور عالم روحانی کی سیر

تلاوت قرآن کریم' ذکر الٰہی' اصلاح خلق' خلوت گزینی اور درود شریف کی کثرت آپ کی زندگی کا معمول بن چکا تھا۔ اب ۱۸۷۵ء کے آخر میں جناب الٰہی سے آپ کو روزوں کے ایک عظیم مجاہدہ کا ارشاد ہوا۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں آپ نے آٹھ یا نو ماہ تک مسلسل روزے رکھے۔ ۲۶ روزوں کا یہ مجاہدہ بالکل مخفی طور پر اختیار کیا گیا اور اس کے لئے حضور نے یہ التزام فرمایا کہ گھر سے جو کھانا آتا وہ بعض بچوں میں تقسیم فرما دیتے اور خود روٹی کے چند لقموں یا چنوں پر گزارا کر لیتے۔ ۲۷ یہ دن انوار الٰہی کی بارش کے تھے جن میں آپ کو عالم روحانی کی سیر کرائی گئی اور خدا تعالیٰ کی تجلیات کے مختلف نظارے دکھائے گئے بعض گزشتہ انبیاء اور چوٹی کے صلحاء امت سے ملاقاتوں کے علاوہ آنحضرت ﷺ' حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا' حضرت علی و حسن و حسین علیہم السلام کی عین بیداری میں زیارت بھی نصیب ہوئی۔ یہ گویا آپ ایسے بے نظیر عاشق رسول کا ایک معراج تھا جو مسلسل کئی ماہ تک جاری رہا۔ آنحضرت ﷺ تو شب معراج میں خدا تک پہنچے تھے اور آپ اس روحانی سیر میں مصطفیٰ تک پہنچے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جبکہ ان کا زمانہ وفات بہت نزدیک تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھ کو خواب میں دکھائی دیا۔ اور اس نے یہ ذکر کر کے کہ کسی قدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنت خاندان نبوت ہے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس سنت اہل بیت رسالت کو بجا لاؤں۔ سو میں نے کچھ مدت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اس امر کو مخفی طور پر بجا لانا بہتر ہے۔ پس میں نے یہ طریق اختیار کیا کہ گھر سے مردانہ نشست گاہ میں اپنا کھانا منگواتا اور پھر وہ کھانا پوشیدہ طور پر بعض یتیم بچوں کو جن کو میں نے پہلے سے تجویز کر کے وقت حاضری کے لئے تاکید کر دی تھی دے دیتا۔ اور اس طرح تمام دن روزہ میں گذارتا اور بجز خدا تعالیٰ کے ان روزوں کی کسی کو خبر نہ تھی۔ پھر دو تین ہفتہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایسے روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر کر روٹی کھالیتا ہوں مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں۔ بہتر ہے کہ کسی قدر کھانے کو کم کروں۔ سو میں اس روز سے کھانے کو کم کرتا گیا۔ یہاں تک کہ میں تمام رات دن

میں صرف ایک روٹی پر کفایت کرتا تھا اور اسی طرح میں کھانے کو کم کرتا گیا یہاں تک کہ شاید صرف چند تولہ روٹی میں سے آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی۔ غالباً آٹھ یا نو ماہ تک میں نے ایسا ہی کیا اور باوجود اس قدر قلت غذا کے کہ دو تین ماہ کا بچہ بھی اس پر صبر نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ نے مجھے ہر ایک بلا اور آفت سے محفوظ رکھا۔ اور اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات ہیں جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے۔ چنانچہ بعض گذشتہ نبیوں کی ملاقاتیں ہوئیں اور جو اعلیٰ طبقہ کے اولیاء اس امت میں گذر چکے ہیں ان سے ملاقات ہوئی۔ ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ ﷺ مع حسنین و علی ؓ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا اور یہ خواب نہ تھی بلکہ بیداری کی ایک قسم تھی۔ غرض اسی طرح پر کئی مقدس لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں جن کا ذکر کرنا موجب تطویل ہے اور علاوہ اس کے انوار روحانی تمثیلی طور پر برنگ ستون سبز و سرخ ایسے دلکش و دلستان طور پر نظر آتے تھے جن کا بیان کرنا بالکل طاقت تحریر سے باہر ہے وہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کی طرف گئے ہوئے تھے جن میں سے بعض چمکدار سفید اور بعض سبز اور بعض سرخ تھے' ان کو دل سے ایسا تعلق تھا کہ ان کو دیکھ کر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا۔ اور دنیا میں کوئی بھی ایسی لذت نہیں ہوگی جیسا کہ ان کو دیکھ کر دل اور روح کو لذت آتی تھی۔ میرے خیال میں ہے کہ وہ ستون خدا اور بندہ کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے۔ یعنی وہ ایک نور تھا جو دل سے نکلا اور دوسرا وہ نور تھا جو اوپر سے نازل ہوا اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہو گئی۔ یہ روحانی امور ہیں کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی۔ لیکن دنیا میں ایسے بھی ہیں جن کو ان امور سے خبر ملتی ہے۔

غرض اس حد تک روزہ رکھنے سے جو میرے پر عجائبات ظاہر ہوئے وہ انواع و اقسام کے مکاشفات تھے"۔ ۲۸

ایک دفعہ فرمایا جب میں تین ماہ کے قریب پہنچا تو ایک شخص قد آور جسم' رنگ سرخ میرے سامنے یہ الفاظ کہتا تھا۔ قرت۔ قرت۔ قرت نفس کشی اور ریاضت شاقہ کی اس کٹھن منزل کے طے کرنے سے جہاں آپ کو آسمانی عجائبات دیکھنے کا موقعہ ملا ۲۰،۲۹۔ وہاں پہلی مرتبہ اپنے نفس کی حیرت انگیز قوت برداشت کا تجربہ ہوا۔ نیز اس نتیجہ پر پہنچے کہ آرام طلبی کی زندگی کو ترک کئے بغیر روحانیت کے مدارج کا حصول ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"ایک اور فائدہ مجھے یہ حاصل ہوا کہ میں نے ان مجاہدات کے بعد اپنے نفس کو ایسا پایا کہ میں وقت ضرورت فاقہ کشی پر زیادہ سے زیادہ صبر کر سکتا ہوں۔ میں نے کئی دفعہ خیال کیا کہ اگر ایک موٹا آدمی جو علاوہ فربہی کے پہلوان بھی ہو میرے ساتھ فاقہ کشی کے لئے مجبور کیا جائے تو قبل اس کے کہ مجھے کھانے

کے لئے کچھ اضطرار ہو وہ فوت ہو جائے۔ اس سے مجھے یہ بھی ثبوت ملا کہ انسان کسی حد تک فاقہ کشی میں ترقی کر سکتا ہے۔ اور جب تک کسی کا جسم ایسا سخت کش نہ ہو جائے میرا یقین ہے کہ ایسا تنعم پسند روحانی منازل کے لائق نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں ہر ایک کو یہ صلاح نہیں دیتا کہ ایسا کرے اور نہ میں نے اپنی مرضی سے ایسا کیا.... یاد رہے کہ میں نے کشف صریح کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ سے اطلاع پاکر جسمانی محنت کشی کا حصہ آٹھ یا نو ماہ تک لیا اور بھوک اور پیاس کا مزہ چکھا اور پھر اس طریق کو علی الدوام بجالانا چھوڑ دیا اور کبھی کبھی اس کو اختیار بھی کیا"۔ [۲۱]

حضرت میر ناصر نواب صاحب کی قادیان میں پہلی بار آمد اور تعلقات کا آغاز

ان دنوں دلی کے مشہور عالی قدر سادات خاندان کے چشم و چراغ، شہرہ آفاق صوفی مرتاض خواجہ میر درد رحمتہ اللہ علیہ کے نبیرہ اور ان کے روحانی کمالات کی یادگار ایک بزرگ جن کا اسم گرامی میر ناصر نواب تھا، [۲۲] امرت سر سے منتقل ہونے کے بعد قادیان کے نزدیک موضع تتلہ میں نہر کے اوورسیر کی حیثیت سے متعین تھے۔ انہیں تبلیغ اسلام کا بڑا جوش تھا۔ ان کے دست مبارک پر اکتوبر ۱۸۷۴ء کو سٹھیالی کا ایک ہندو بنسی دھر حلقہ بگوش اسلام ہوا جس کا نام عبدالحق رکھا گیا [۲۳] ان کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان میں سب سے پہلے حضور کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب مرحوم سے تعارف ہوا۔ ایک دفعہ حضرت میر صاحبؓ کی زوجہ محترمہ کی طبیعت علیل ہو گئی تو مرزا غلام قادر صاحب نے انہیں اپنے والد حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؒ سے طبی مشورہ کے لئے قادیان جانے کی تحریک کی۔ چنانچہ حضرت میر صاحبؓ پہلی مرتبہ قادیان آئے۔ یہ اندازاً ۱۸۷۶ء کے اوائل کا واقعہ ہے۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب کے حرم محترمؓ کی روایت ہے کہ مجھے ڈولے میں بٹھا کر قادیان لائے۔ جب میں یہاں آئی تو نیچے کی منزل میں مرزا غلام قادر صاحب مجلس لگائے بیٹھے تھے اور کچھ لوگ ان کے پاس بیٹھے تھے اور ایک نیچے کی کوٹھری میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک کھڑکی کے پاس بیٹھے قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ میں نے گھر والیوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ مرزا صاحب کا چھوٹا لڑکا ہے اور بالکل ولی آدمی ہے قرآن ہی پڑھتا رہتا ہے۔ اوپر کی منزل میں حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؒ تھے۔ انہوں نے میری نبض دیکھی اور ایک نسخہ لکھ دیا۔ اور پھر میر صاحبؓ کے ساتھ اپنے دلی جانے اور وہاں حکیم محمد شریف صاحب سے علم طب سیکھنے کا ذکر کرتے رہے۔ انہوں نے حضرت میر صاحب کو قادیان میں اور ٹھہرنے کے لئے کہا مگر ہم نہیں ٹھہر سکے۔ کیونکہ (ام المومنین) نصرت جہاں بیگم کو اکیلا چھوڑ آئے تھے [۲۴] حضرت میر صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ کی قادیان میں یہ پہلی آمد تھی جو قریباً ۱۸۷۶ء

کے اوائل میں ہوئی۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلقات کا آغاز غالباً اگلے سال ۱۸۷۷ء کے بعد ہوا۔ جبکہ حضرت میر صاحبؓ کے اہل و عیال قادیان میں رہائش پذیر ہوئے۔ چنانچہ آپ کے حرم کا بیان ہے کہ اس کے بعد جب دوسری دفعہ قادیان آئی۔ تو حضرت مرزا غلام مرتضیٰؒ فوت ہو چکے تھے اور ان کی برسی کا دن تھا جو قدیم رسوم کے مطابق منائی جا رہی تھی۔ چنانچہ ہمارے گھر بھی بہت سا کھانا وغیرہ آیا تھا۔ اس دفعہ مرزا غلام قادر صاحب نے میر صاحب سے کہا کہ آپ تتلہ (قادیان سے قریب ایک گاؤں) میں رہتے ہیں جہاں آپ کو تکلیف ہوتی ہو گی اور وہ گاؤں بھی بدمعاش لوگوں کا گاؤں ہے۔ بہتر ہے کہ آپ یہاں ہمارے مکان میں آ جائیں میں گورداسپور رہتا ہوں اور غلام احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) بھی گھر میں بہت کم آتا ہے اس لئے آپ کو پردہ وغیرہ کی تکلیف نہیں ہو گی۔ چنانچہ میر صاحبؓ مان گئے اور ہم یہاں آ کر رہنے لگے [25] غالباً اسی دوران میں حضرت میر صاحبؓ کی مرزا غلام قادر مرحوم کے ذریعہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلی ملاقات ہوئی تھی [26] حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کے بیان کے مطابق یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حضرت اقدس "براہین احمدیہ" لکھ رہے تھے [27] حضرت میر صاحب کے زیادہ مراسم گو آپ کے بڑے بھائی سے تھے لیکن ابتدائی ملاقات ہی سے آپ کے دل پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقویٰ شعاری، عبادت اور ریاضت اور گوشہ گزینی نقش ہو گئی جس کا کبھی کبھی گھر میں آ کر اظہار کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ "مرزا غلام قادر کا چھوٹا بھائی بہت نیک اور متقی ہے" [28] چند ماہ بعد ان کی تبدیلی قادیان سے لاہور میں ہو گئی تو وہ چند روز کے لئے اپنے اہل خانہ کو حضور کے مشورہ کے احترام میں بے تامل آپ ہی کے ہاں چھوڑ گئے اور جب وہاں مکان کا بندوبست ہو گیا تو پھر انہیں لے گئے۔ ان کا کہنا ہے کہ "میں نے اپنے گھر والوں سے سنا کہ جب تک میرے گھر کے لوگ مرزا صاحب کے گھر میں رہے مرزا صاحب کبھی گھر میں داخل نہیں ہوئے بلکہ باہر کے مکان میں رہے۔ اس قدر ان کو میری عزت کا خیال تھا۔ وہ بھی عجب وقت تھا حضرت صاحب گوشہ نشین تھے، عبادت اور تصنیف میں مشغول رہتے تھے۔ لالہ شرمپت اور ملاوامل کبھی کبھی حضرت صاحب کے پاس آیا کرتے تھے اور حضرت صاحب کے کشف اور الہام سنا کرتے تھے بلکہ کئی کشوف اور الہاموں کے پورے ہونے کے گواہ بھی ہیں۔ اس وقت یہ سچے اور نرم دل تھے"۔ [29]

حضرت میر صاحب ابتداءً قادیان میں رہائش پذیر ہوئے تو انہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اکثر نماز پڑھنے کا موقعہ ملتا اور وہ نماز کے بعد حضور سے علمی اور فقہی مسائل پر بھی مذاکرہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ پنڈت دیوی رام (ساکن دودوچک تحصیل شکر گڑھ) کی چشم دید شہادت ہے

کہ میر صاحب چونکہ اہل حدیث مسلک رکھتے تھے اس لئے رفع یدین۔ آمین بالجہر' ہاتھ باندھنے اور تکبیر پڑھنے کے متعلق تبادلہ خیالات جاری رہتا تھا [۶۰] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت میر صاحبؓ کے ابتدائی تعلقات کا یہ مختصر سا نقشہ ہے۔۔جس کے بعد ان میں روز روز اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ سات سال بعد وہ بھی دن آگیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شادی ان کے جگر گوشہ حضرت نصرت جہاں بیگم رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ وہ نانا جان کہلائے اور ان کی مقدس صاحبزادی خدا کی ازلی تقدیروں کے باعث "خدیجہ" کے آسمانی خطاب سے سرفراز ہو کر ام المومنین کے نام سے موسوم ہوئیں۔ (اس کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی)

حضرت مولانا عبداللہ غزنویؒ اور دوسرے اہل اللہ سے ملاقات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے اس دور کی ایک بھاری خصوصیت یہ تھی کہ آپ ان دنوں بعض اہل اللہ کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے [۶۱]۔ سیالکوٹ میں آپ کا ایک بزرگ مولوی محبوب عالم صاحب مرحوم سے خاص تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ وہاں سے واپسی کے بعد آپ نے ایک خدا رسیدہ صوفی حضرت میاں شرف الدین صاحب کی ملاقات کے لئے متعدد بار سم شریف متصل طالب پور ضلع گورداسپور کا سفر اختیار فرمایا۔ تاریخ سے آپ کے یہاں بعض لوگوں کا آنا بھی ثابت ہے۔ مثلاً ایک صاحب کے شاہ نام ساکن لیل متصل دھاری وال قادیان آتے اور آپ ہی کے پاس قیام کرتے تھے [۶۲] ان کے علاوہ حضرت کو جس باخدا اور صاحب ولایت بزرگ سے آخر وقت تک بے حد الفت رہی وہ مولانا مولوی عبداللہ غزنوی رحمتہ اللہ تھے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکر فرمایا ہے کہ "آپ غایت درجہ کے صالح.... مردان خدا میں تھے اور مکالمہ الہیہ کے شرف سے بھی مشرف تھے اور بمرتبہ کمال اتباع سنت کرنے والے اور تقویٰ اور طہارت کے جمیع مراتب اور مدارج کو ملحوظ اور مرعی رکھنے والے تھے۔ اور ان صادقوں اور راستبازوں میں سے تھے جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف کھینچا ہوا ہوتا ہے اور پرلے درجہ کے معمور الاوقات اور یاد الٰہی میں محو اور غریق اور اسی راہ میں کھوئے گئے تھے"۔ [۶۳] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے امرت سر اور اس کے نواحی گاؤں خیروی میں ملاقات فرمائی۔ اس سفر میں جو موسم سرما میں اختیار کیا گیا تھا۔ حضور کے پاس فنڈر کی مشہور کتاب "میزان الحق" (مطبوعہ ۱۸۶۱ء) تھی جس سے آپ نے آخر شب پانی گرم کرنے کا کام لیا۔ آپ فرماتے تھے کہ اس وقت میزان الحق نے خوب کام دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے قلم سے ان ملاقاتوں کا احوال یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

"جب وہ زندہ تھے ایک دفعہ مقام خیروی میں اور دوسری دفعہ امرت سر میں ان سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ ملہم ہیں ہمارا ایک مدعا ہے اس کے لئے آپ دعا کریں۔ مگر میں آپ کو نہیں بتلاؤں گا کہ کیا مدعا ہے۔ انہوں نے کہا کہ در پوشیدہ داشتن برکت است و من انشاء اللہ دعا خواہم کرد و الہام امر اختیاری نیست۔ اور میرا مدعا یہ تھا کہ دین محمدی علیہ الصلوۃ والسلام روز بروز تنزل میں ہے خدا اس کا مددگار ہو۔ بعد اس کے میں قادیان میں چلا آیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد بذریعہ ڈاک ان کا خط مجھ کو ملا جس میں لکھا تھا کہ "ایں عاجز برائے شما دعا کردہ بود القا شد وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔ فقیر را کم اتفاق مے افتد کہ بدیں جلدی القا شود ایں از اخلاص شما مے بینم" [۶۴] یہ تو ابتدائی انکشافات تھے ورنہ اسکے بعد تو آپ نے ایک مخلص ارادتمند (منشی محمد یعقوب صاحب) کو باذن الٰہی یہاں تک بتا دیا کہ حضرت مرزا صاحبؑ میرے بعد ایک عظیم الشان کام کے لئے مامور کئے جائیں گے۔ نیز اپنی وفات سے چند دن قبل (فروری ۱۸۸۱ء میں) اللہ تعالیٰ سے بذریعہ کشف خبر پاکر یہ پیشگوئی بھی فرمائی کہ "ایک نور آسمان سے قادیان کی طرف نازل ہوا مگر افسوس میری اولاد اس سے محروم رہ گئی" [۶۵]

آپ کو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی نسبت بھی الہاماً بتایا گیا تھا کہ اس میں کوئی عیب ہے۔ بٹالوی صاحب نے وضاحت چاہی مگر انہوں نے یہی جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی حیا مانع ہے۔ دراصل آپ کو عالم رؤیا میں یہ دکھایا گیا تھا کہ بٹالوی صاحب کے کپڑے چاک چاک ہو گئے ہیں [۶۶] ان صریح اور واضح پیشگوئیوں سے جو بعد میں پوری وضاحت و صراحت سے پوری ہوئیں۔ حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ کی حیرت انگیز قوت کشفی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا غزنوی کی وفات کے متعلق قبل از وقت خبر

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام گورداسپور میں تھے کہ حضور کو قبل از وقت بذریعہ رؤیا خبر دی گئی کہ ان کا زمانہ وفات قریب ہے [۶۷] چنانچہ وہ ۱۵۔ ربیع الاول ۱۲۹۸ھ بمطابق ۱۵۔ فروری ۱۸۸۱ء کو انتقال فرما گئے اور امرت سر میں بیرون دروازہ سلطان ونڈ میں دفن ہوئے [۶۸] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کی وفات کے بعد بھی ان سے کشفی عالم میں ملاقات فرمائی تھی۔ جس میں انہوں نے حضرت اقدس کو خبر دی کہ خدا تعالیٰ آپ سے بڑے بڑے کام لے گا۔ آپ روحانی انوار و برکات کے ذریعہ سے مخالفین حق پر عقلی دلائل اور روحانی انوار و برکات دونوں ذریعہ سے اتمام حجت کریں گے۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ دنیا میں مجھے امید تھی کہ خدا تعالیٰ میرے بعد ضرور ایسا آدمی پیدا کرے گا پھر مولانا غزنویؒ حضور کو ایک وسیع مکان کی طرف

لے گئے جس میں ایک جماعت راستبازوں اور کامل لوگوں کی بیٹھی ہوئی تھی۔ لیکن سب کے سب مسلح اور سپاہیانہ صورت میں ایسی چستی کی طرز سے بیٹھے ہوئے معلوم ہوتے تھے کہ گویا کوئی خدمت بجا لانے کے لئے کسی ایسے حکم کے منتظر بیٹھے ہیں [۲۹]

حواشی

۱- حیات النبی صفحہ ۲۷۳-
۲- منشور محمدیؐ کے ایڈیٹر ایک متدین عالم مولانا محمد شریف صاحب تھے - اور یہ اخبار مطبع بحر الاسلام بنگلور سے چھپتا تھا-
۳- لائف آف احمد مولفہ مولانا عبد الرحیم صاحب درد ؓ صفحہ ۶۲
۴- پادری رجب علی کا اخبار-
۵- شو نرائن اگنی ہوتری کا رسالہ-
۶- سیرت مسیح موعود حصہ اول صفحہ ۶۴ (مرتبہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ
۷- حضرت حافظ معین الدین صاحب ؓ کے مفصل حالات زندگی ملاحظہ ہوں - الحکم ۲۱- فروری ۱۹۳۴ء '۲۸- فروری ۱۹۳۴ء ' ۷- مارچ ۱۹۳۴ء
۸- روایات صحابہ (غیر مطبوعہ) جلد ۱ صفحہ ۹۳ ' ۹۵
۹- سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۲۱
۱۰- لالہ ملاوامل کے بیان (مرقومہ حیات النبی صفحہ ۱۴۷) سے ثابت ہے کہ وہ پہلی دفعہ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے - لہٰذا مرزا دین محمد صاحب مرحوم کی یادداشت کا یہ حصہ صحیح معلوم نہیں ہوتا بالخصوص جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کتاب البریہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸ میں صاف لکھا ہے کہ مسجد اقصیٰ حضرت والد صاحب قبلہ کی وفات سے چھ ماہ قبل تعمیر ہو چکی تھی اور ان کی وفات سرکاری کاغذات کی رو سے ۱۸۷۶ء میں ہوئی-
۱۱- حیات احمد جلد اول نمبر ۳ صفحہ ۱۹۹ ' ۲۰۰
۱۲- سیرۃ المہدی جلد اول صفحہ ۲۲۸
۱۳- حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے حیات النبی صفحہ ۶۴ پر ان کا تخلص محزون لکھا ہے-
۱۴- سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۲۳۲ ' ۲۳۳
۱۵- بحوالہ الحکم ۱۹۴۲ء صفحہ ۴
۱۶- الحکم ۱۷- جون ۱۹۰۱ء صفحہ ۳ بحوالہ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۱۸
۱۷- نزول المسیح صفحہ ۲۰۶ ' ۲۰۷ (طبع اول مطبع ضیاء الاسلام قادیان اگست ۱۹۰۹ء
۱۸- یوحنا باب ۶ آیت ۳۲ ' ۳۵ ' ۴۷ ' ۵۱
۱۹- "Creation" صفحہ ۳۰۴ مولفہ رو تھر فورڈ (Rutherford) شائع کردہ انٹر نیشنل بائبل سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن ' ۲۲۱ ٹاور بائبل اینڈ ٹریکٹ سوسائٹی بروکلین نیویارک (امریکہ)
۲۰- حضرت شیخ نور احمد صاحب مختار عام کی روایت کے مطابق اس جگہ سکھوں کا جیل خانہ تھا (الحکم ۱۴- جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۶) حافظ صوفی غلام محمد صاحب مبلغ ماریشس کا بیان ہے کہ یہاں سکھوں کا دار القضاء تھا - (روایات صحابہ جلد ۷ صفحہ ۲۷۳ غیر مطبوعہ)
۲۱- سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۳۴
۲۲- حیات النبی جلد اول صفحہ ۴۲-
۲۳- روایات صحابہ جلد ۷ صفحہ ۲۷۳ (غیر مطبوعہ)
۲۴- سیرت المہدی جلد سوم صفحہ ۱۸۴
۲۵- کتاب البریہ حاشیہ صفحہ ۱۵۷ تا ۱۵۹
۲۶- کتاب البریہ صفحہ ۱۶۷ طبع دوم

۲۷۔ الفضل جلد ۲۱ نمبر ۷۸ صفحہ ۳ ۳۰۔ دسمبر ۱۹۳۳ء والحکم ۱۴/۷ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۷

۲۸۔ کتاب البریہ صفحہ ۱۲۶٬۱۲۴ حاشیہ طبع اول۔

۲۹۔ روایات صحابہ (غیر مطبوعہ) جلد ۵ صفحہ ۶۲ و الحکم ۲۱۔ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ و تذکرہ طبع دوم صفحہ ۷۵۴۔

۳۰۔ الحکم میں اس الہام کا ترجمہ بھی درج ہے کہ تجھ کو قدر والا کیا۔ تجھ کو قدر والا کیا۔ تجھ کو قدر والا کیا۔ ممکن ہے اصل لفظ وقرت ہو جیسا کہ ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے۔

۳۱۔ کتاب البریہ صفحہ ۱۶۶ ٬ ۱۶۷ (حاشیہ) طبع اول۔

۳۲۔ ولادت ۱۸۳۵ء۔۱۸۳۶ء وفات ۱۹۔ ستمبر ۱۹۲۴ء (سیرت ام المومنین حصہ اول صفحہ ۲۱۱ ٬ ۲۳۴ مرتبہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم)

۳۳۔ اخبار منشور محمدیؐ ۲۵۔ اکتوبر ۱۸۷۴ء

۳۴۔ سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۰۸ ٬ ۱۰۹ "لائف آف احمد" صفحہ ۵۶ و سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۳۸

۳۵۔ سیرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۰۹ ٬ ۱۱۰

۳۶ ٬ ۳۷ حیات ناصر صفحہ ۶ از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب مطبوعہ انقلاب سٹیم پریس لاہور دسمبر ۱۹۲۷ء

۳۸۔ سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۱۰

۳۹۔ حیات ناصر صفحہ ۶ ٬ ۷

۴۰۔ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۸۲

۴۱۔ دیوان فرخ الموسوم "در مکنون" صفحہ ۱۵۱ پر "فرخ در صحبت درویشاں" کے عنوان سے حضرت اقدس نے ایک نظم بھی کہی ہے جس کے صرف چند صفحہ قبل ۲۱۔ ستمبر ۱۸۷۶ء کی تاریخ درج ہے۔ (مرتب)

۴۲۔ حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ ۱۲۳۰ھ بمطابق ۱۸۱۴ء۔۱۸۱۵ء میں ضلع غزنی (افغانستان) کے ایک گاؤں گیرو نامی میں پیدا ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی طرح آپ بھی بچپن ہی سے گوشہ تنہائی میں عبادت و ذکر الٰہی میں محو رہتے تھے۔ جب بلوغت کو پہنچے تو خواب میں صحیح بخاری کو غبار آلود دیکھا اور خواب ہی میں اسے صاف کرنا شروع کیا۔ چنانچہ آپ نے صحیح بخاری کے مطالعہ و عمل پر توجہ شروع کی تو غزنی کے ظالم طبع علماء نے وہابی مشہور کرکے ہولناک تکالیف دینی شروع کر دیں۔ کفر کا فتویٰ لگایا اور منہ کالا کرکے گدھے پر سوار کرکے جلاوطن کر دیا جس پر آپ ہجرت کرکے امرت سر میں تشریف لائے اور پھر کچھ عرصہ کے لئے خیروی مقام پر بھی بود و باش رکھی۔ دہلی میں مولوی نذیر حسین صاحب شیخ الکل سے حدیث کی سند لی۔ شیخ الکل کہا کرتے تھے کہ عبداللہ نے مجھ سے حدیث پڑھی اور میں نے اس سے نماز سیکھی (سیرت ثنائی مرتبہ مولانا عبدالمجید صاحب خادم سوہدری مدیر اہلحدیث صفحہ ۳۶۹ دفتر "اہل حدیث" سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ ۱۹۵۲ء

۴۳۔ حیات النبی جلد اول صفحہ ۸۰ سوانح عمری مولوی عبداللہ غزنوی مطبوعہ مطبع القرآن والسنہ امرتسر رسالہ نور احمد نمبر ۱ صفحہ ۱۱)

۴۴۔ حقیقتہ الوحی طبع اول صفحہ ۲۳۹ ٬ ۲۴۰

۴۵۔ حیات النبی جلد ۱ صفحہ ۸۰ ٬ ۸۲

۴۶۔ الحکم ۳۱۔ اگست ۱۹۰۱ء و رسالہ نور احمد نمبر ۱ از شیخ نور احمد صاحب مالک ریاض ہند امرتسر طبع دوم لاہور ۱۹۵۷ء ناشر حکیم عبداللطیف صاحب شاہد۔

۴۷۔ تریاق القلوب طبع اول صفحہ ۹۵۔ نزول المسیح طبع اول صفحہ ۲۳۷

۴۸۔ سیرت ثنائی صفحہ ۳۶۹ و اشاعۃ السنہ جلد ۴ نمبر ۲ ٬ ۱

۴۹۔ ازالہ اوہام صفحہ ۸۵ ٬ ۹۲ حاشیہ (طبع اول)

باب نہم

والد ماجد کا وصال اور کثرت مکالمات و مخاطبات کی ابتداء

(۱۸۷۶ تا ۱۸۷۷)

والد ماجد کے انتقال کی قبل از وقت خبر

حضرت بانی سلسلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اوائل جون ۱۸۷۶ء میں چیف کورٹ میں دائر ایک مقدمہ کے سلسلہ میں لاہور تشریف فرما تھے کہ آپ کو عالم رؤیا میں خبر دی گئی کہ آپ کے والد ماجد سفر آخرت پر روانہ ہونے والے ہیں۔ یہ اطلاع پاتے ہی آپ لاہور سے قادیان پہنچے اور دیکھا کہ اگرچہ وہ زحیر کے عارضہ میں مبتلا ہیں لیکن مرض کی شدت کم ہو چکی ہے۔ دوسرے دن (۲۔جون ۱۸۷۶ء) جبکہ آپ چوبارہ پر استراحت فرما رہے تھے اور ایک خادم جمال کشمیری آپ کے پاؤں مبارک دبا رہا تھا آپ پر الہام نازل ہوا "وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ" کہ آسمان کی قسم ہے اور رات کے حادثہ کی قسم ہے۔[۱] اور اس کی تفہیم یہ ہوئی کہ حضور کے والد ماجد آج غروب آفتاب کے وقت اس جہان سے رحلت کر جائیں گے یہ دراصل خالق کائنات کی زبان سے تعزیت تھی جو رونما ہونے والے حادثہ سے قبل ہی تسکین قلب کی خاطر آپ سے کی گئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تحریر فرماتے ہیں:

"مجھے ایک خواب میں بتلایا گیا تھا کہ اب ان کے انتقال کا وقت قریب ہے۔ میں اس وقت لاہور میں تھا جب مجھے یہ خواب آیا تھا۔ تب میں جلدی سے قادیان میں پہنچا اور ان کو مرض زحیر میں مبتلا پایا لیکن یہ امید ہرگز نہ تھی کہ وہ دوسرے دن میرے آنے سے فوت ہو جائیں گے کیونکہ مرض کی شدت کم ہو گئی تھی اور وہ بڑے استقلال سے بیٹھے رہتے تھے۔ دوسرے دن شدت دوپہر کے وقت ہم سب عزیز ان کی خدمت میں حاضر تھے کہ مرزا صاحب نے مہربانی سے مجھے فرمایا کہ اس وقت تم آرام کر لو۔ کیونکہ جون کا مہینہ تھا اور گرمی سخت پڑتی تھی۔ میں آرام کے لئے ایک چوبارہ میں چلا گیا اور

ایک نوکر پیر دبانے لگا کہ اتنے میں تھوڑی سی غنودگی ہو کر مجھے الہام ہوا وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ یعنی قسم ہے آسمان کی جو قضاو قدر کا منبع ہے اور قسم ہے اس حادثہ کی جو آج آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہو گا اور مجھے سمجھایا گیا کہ یہ الہام بطور عزا پرسی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ [۵] اور حادثہ یہ ہے کہ آج ہی تمہارا والد آفتاب کے غروب کے بعد فوت ہو جائے گا۔ سبحان اللہ کیا شان خداوند عظیم ہے کہ ایک شخص جو اپنی عمر ضائع ہونے پر حسرت کرتا ہوا فوت ہوا ہے اس کی وفات کو عزا پرسی کے طور پر بیان فرماتا ہے۔ اس بات سے اکثر لوگ تعجب کریں گے کہ خدا تعالیٰ کی عزا پرسی کیا معنی رکھتی ہے۔ مگر یاد رہے کہ حضرت عزوجل شانہ جب کسی کو نظر رحمت سے دیکھتا ہے تو ایک دوست کی طرح ایسے معاملات اس سے کرتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کا ہنسنا بھی حدیثوں میں آیا ہے ان ہی معنوں کے لحاظ سے ہے" [۲]

والد ماجد کا انتقال

چنانچہ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ کی آسمانی خبر کے مطابق آپ کے والد ماجد کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اور وہ اپنی وصیت کے مطابق مسجد اقصیٰ کے صحن میں دفن کئے گئے۔ وفات کے وقت ان کی عمر اسی پچاسی سال کے قریب تھی۔ [۴]

حلیہ مبارک، عادات و اخلاق

حضرت اقدسؑ کے والد بزرگوار حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؓ نہایت وجیہہ اور دلکش شکل و صورت رکھنے والے بزرگ تھے۔ قد دراز، رنگ گندمی، آنکھیں موٹی اور سرخ، ریش مبارک دراز اور چہرے مہرے سے شاہی سطوت و جلال ٹپکتا تھا [۵]۔ دب کر صلح کرنے یا کسی بڑے سے بڑے حاکم سے مرعوب ہو کر خوشامد کرنے یا اس کے سامنے سر جھکانے کو اپنی شاندار خاندانی عظمت و وجاہت کی توہین سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سکھ اور انگریز دونوں کے زمانہ اقتدار میں بھاری نقصانات برداشت کئے [۶]۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ان کے اب وجد کی پوری ریاست ضبط کر لی اور صرف چند دیہات واپس کئے اور انگریزی حکومت نے تو باقی ماندہ دیہات بھی ضبط کر لئے اور ان کے ذرائع آمد بالکل محدود ہو کے رہ گئے۔ لیکن بہرنوع انہوں نے کسی دور میں بھی اپنی خاندانی روایات پر آنچ نہیں آنے دی۔ ایک دفعہ بٹالہ کے راجہ تیجا سنگھ بیمار ہوئے۔ ان کو کاربنکل کی قسم کا ایک پھوڑا تھا۔ بہت معالجات کئے گئے کوئی صورت فائدہ کی نہ ہوئی آخر ان کی طرف رجوع کیا گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے شفایاب ہو گئے۔ راجہ صاحب نے بطور ہدیہ ایک کثیر رقم اور خلعت کے علاوہ ان کی آبائی ریاست کے دو گاؤں سٹاب کوٹ اور حسن پور یا حسن آباد بطور جاگیر پیش کرنا چاہے۔ مگر آپ نے حقارت آمیز لہجہ میں انکار کرتے

ہوئے جواب دیا "میں ان دیہات کو علاج میں لینا اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے موجب ہتک سمجھتا ہوں"۔ ۷

ایک مرتبہ مہاراجہ شیر سنگھ کاہنوواں کے چھنب میں شکار کے لئے گئے۔ آپ بھی ان کے ہم رکاب تھے۔ مہاراجہ کے بازدار کو جو قوم کا جولاہا تھا زکام ہو گیا۔ آپ نے اس کو چند پیسوں کا ایک نسخہ لکھ دیا اور وہ اس کے استعمال سے فوراً اچھا ہو گیا۔ اس کے بعد خود راجہ صاحب اسی عارضہ میں مبتلا ہو گئے تو آپ نے تیس چالیس روپے کا ایک قیمتی نسخہ ان کے لئے تجویز کیا۔ مہاراجہ نے کہا کہ اس تفاوت کی کیا وجہ ہے؟ بے ساختہ جواب دیا "شیر سنگھ اور جولاہا ایک نہیں ہو سکتے"۔ ۸ اس جرات مندی پر مہاراجہ شیر سنگھ بہت ہی خوش ہوئے اور آپ کی عزت افزائی کے لئے اس زمانہ کے دستور کے موافق کڑوں کی ایک جوڑی پیش کی۔ ۹

بے باک حق گوئی

یہ تو سکھ فرمانرواؤں کے زمانہ کا تذکرہ ہے حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحبؒ نے انگریزی حکومت کے ابتدائی دور میں بھی (جو ہندوستانیوں کے لئے بڑا صبر آزما دور تھا اور بڑے بڑے رؤسا ادنیٰ انگریز سے بھی سہمے رہتے تھے) بے باک حق گوئی اور وضع داری میں سرمو کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ انہیں اپنی زندگی میں بڑے بڑے انگریز حکام سے ملاقات کا موقعہ ملا۔ اور وہ ان سے نہایت بے تکلفی اور آزادی سے گفتگو فرماتے تھے اور اگر کسی موقعہ پر وہ اپنی خودداری اور شاہانہ عظمت کو داغ دار ہوتا محسوس کرتے تھے تو عواقب کی پروا کئے بغیر کھری کھری سنا دیتے تھے۔

ایک دفعہ مسٹر میکانکی ڈپٹی کمشنر گورداسپور قادیان دورہ پر آئے۔ راستے میں انہوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے خیال میں سکھ حکومت اچھی تھی یا انگریزی حکومت اچھی ہے؟ انہوں نے کہا کہ گاؤں چل کر جواب دوں گا۔ جب قادیان پہنچے تو انہوں نے اپنے بھائیوں کے مکانات دکھا کر کہا کہ "یہ سکھوں کے وقت کے بنے ہوئے ہیں۔ مجھے امید نہیں کہ آپ کے وقت میں میرے بیٹے ان کی مرمت بھی کر سکیں"۔ ۱۰ ان کی خودداری اور خاندانی وجاہت کا اس سے عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ وہ ایک دفعہ رابرٹ کسٹ صاحب کمشنر سے ملاقات کے لئے گئے۔ باتوں باتوں میں اس نے پوچھا کہ قادیان سے سری گوبند پور کتنی دور ہے؟ انہیں یہ سوال نشتر معلوم ہوا۔ اور وہ فوراً بولے "میں ہرکارہ نہیں" اور سلام کہہ کر رخصت ہونا چاہا۔ رابرٹ نے کہا مرزا صاحب آپ تو ناراض ہو گئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ "ہم آپ سے اپنی باتیں کرنے آئے ہیں اور آپ ادھر ادھر کی باتیں پوچھتے ہیں۔ جو آپ نے مجھ سے پوچھا وہ میرا کام نہیں ہے"۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کمشنر ان کی منتیں کرنے لگا اور کہنے لگا کہ آپ ناراض نہ

ہوں مجھ سے غلطی ہوئی ہے"۔ [۱۱]

اولوالعزمی اور جوانمردی

ان کی اولوالعزمی اور جوانمردی زباں زد خلائق تھی۔ جب ان کے والد کپورتھلہ میں انتقال فرما گئے تو ان کی عمر صرف سولہ سترہ سال کی تھی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے والد کی نعش مبارک قادیان ہی میں دفن کریں گے۔ لوگوں نے کہا کہ وہاں سکھ قابض ہیں جو شدید مزاحمت کریں گے مگر وہ نہ مانے اور لاش لے کر راتوں رات قادیان پہنچے۔ یہاں سکھ مانع ہوئے مگر رعایا کو ان سے ہمدردی ہو گئی اور وہ اپنے والد کو اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس وقت بے سروسامانی کی یہ حالت تھی کہ کسی سے پانچ سیر دانے قرض لے کر گھر میں دیئے اور گھر سے پیدل ہی طبابت سیکھنے کے لئے دلی روانہ ہو گئے کہ عزت پا کر وطن واپس آؤں گا۔ وہاں قیام و طعام کی بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور فاقوں تک نوبت پہنچی۔ مگر وہ پوری جوانمردی' استقلال اور دل جمعی سے تحصیل علم طب میں مشغول رہے اور دلی کے مشہور حکیم محمد شریف صاحب سے طبابت میں یہاں تک دستگاہ حاصل کر لی کہ ان کا شمار چوٹی کے حکماء میں ہونے لگا۔ واپس آئے تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ان کی گم گشتہ ریاست کے ۸۴ گاؤں میں سے سات واگزار کر دیئے اور فوج میں جرنل کے عہدہ پر مقرر کر دیا۔ [۱۲]

استغناء اور خودداری

استغناء اور خودداری کا یہ جذبہ عمر کم ہونے کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا اور آخری عمر میں عروج تک پہنچ گیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ مرض الموت میں آپ وفات سے صرف ایک گھنٹہ پہلے قدمچہ کی طرف جانے کے لئے اٹھے تو ایک ملازم نے آپ کو سہارا دینا چاہا مگر آپ نے پیرانہ سالی اور مرض کی شدت کے باوجود نہایت سختی سے اس کا ہاتھ جھٹک کر پرے کر دیا اور فرمایا کہ مجھے سہارا کیوں دیتے ہو"۔ [۱۳] اس شاہانہ مزاج' علو ہمتی اور جلالت شان کے باوجود وہ نہایت بامروت اور وسیع الاخلاق انسان تھے۔ جن کے اعلیٰ کیریکٹر اور وسعت حوصلہ کے متعدد واقعات ہیں۔ [۱۴]

حسن خلق

نیک نیتی' صاف باطنی اور حسن خلق کی جیتی جاگتی تصویر تھے اور خدمت خلق ان کا قومی شعار تھا۔ وہ ایک موسم میں غرباء میں غلہ کی تقسیم کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے باوجودیکہ تحصیل حکمت میں انہوں نے بڑی بڑی مشکلات برداشت کی تھیں اور غریب الوطنی میں برداشت کی تھیں لیکن انہوں نے فن طبابت کو بطور پیشہ اختیار کرنا کبھی گوارا نہیں کیا [۱۵]۔ اور ان کی پوری زندگی میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں ان کا حکمت کے لئے معاوضہ وصول کرنا ثابت ہو ان کا چشمہ فیض ہر غریب اور فقیر کے لئے جاری رہتا تھا [۱۶]۔ ایک مرتبہ قادیان میں بھنگیوں

میں ہیضہ پھوٹ پڑا۔ آپ ان دنوں بٹالہ میں تھے۔ جونہی آپ کو اطلاع ملی آپ فوراً قادیان پہنچے اور ان کی جھونپڑیوں کے پاس آکر ٹھہر گئے اور نہایت شفقت آمیز لہجہ میں ان کو تسلی دی اور وہاں ہی کھڑے کھڑے حکم دیا کہ قادیان کے عطار آملہ‘ کشٹے‘ گڑ اور نمک لیتے آویں۔ چنانچہ تعمیل کی گئی۔ اور آپ نے یہ اشیاء مٹکوں میں ڈلوا دیں اور ہدایت کی کہ جو چاہے گڑ ڈال کر پیئے اور جو چاہے نمکین پیئے۔ دوسرے دن قادیان کی فضا ہیضہ کی وباء سے صاف ہو گئی۔ [۱۷]

غرباء کے حقوق بحال کرنے اور ان کی ضروریات پورا کرنے کے لئے وہ حکومت کے بڑے بڑے افسروں تک پہنچتے اور اپنے مطالبات منوا کر آتے تھے۔ ایک مرتبہ بٹالہ کے ایک حجام نے ان سے درخواست کی کہ اس کی معافی ضبط ہو گئی ہے۔ فنانشل کمشنر (ایجرٹن) سے (جو بعد کو لیفٹیننٹ گورنر پنجاب ہو گئے تھے) میری سفارش کر دیں۔ چنانچہ آپ اسے ساتھ لے کر لاہور گئے۔ اس وقت شالا مار باغ میں جلسہ ہو رہا تھا۔ جب جلسہ ختم ہوا تو آپ نے فنانشل کمشنر سے کہا کہ آپ اس شخص کی بانہہ پکڑ لیں۔ فنانشل کمشنر نے ہرچند کہا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ مگر آپ نے یہی فرمایا کہ نہیں اس کی بانہہ پکڑ لو۔ آخر وہ آپ کے اصرار پر مجبور ہوا۔ جب انہوں نے ہاتھ پکڑ لیا تب کہا کہ ہمارے ملک میں دستور ہے کہ جس کی بانہہ یعنی ہاتھ پکڑ لیتے ہیں پھر خواہ سر چلا جائے اس کو چھوڑتے نہیں۔ اب آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا ہے اس کی لاج رکھنا اور پھر کہا کہ اس کی معافی ضبط ہو گئی ہے کیا معافیاں دے کر ضبط کیا کرتے ہیں؟ فنانشل کمشنر کو آپ کے جذبہ انسانیت کے سامنے سپر انداز ہونا پڑا اور اس نے دوسرے ہی دن حجام کی مسل طلب کر کے معافی بحال کر دی [۱۸]

رحمت خداوندی پر نظر

حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کے حالات زندگی میں دنیاداری کا رنگ صاف نمایاں ہوتا تھا۔ اس اعتبار سے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت کے بالکل ضد واقع ہوئے تھے جس کا کھلا اعتراف کرتے ہوئے وہ اکثر اپنا یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

عمر ہمہ کردنی نا کردیم   اے وائے بما کہ ماچہ کردیم

لیکن اپنی تہی دامنی کے مقابل خدائی رحمتوں کی وسعتوں کا احساس ہمیشہ ان کے دل و دماغ پر حاوی رہتا تھا اور وہ اس کے آستانہ سے کبھی مایوس نہیں ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ایک بغدادی مولوی صاحب قادیان آئے تو آپ نے ان کی بڑی عزت کی اور ان کی خاطر مدارت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا انہوں نے کہا مرزا صاحب آپ نماز نہیں پڑھتے۔ جواب دیا قصور ہے مگر خاموش ہونے کی بجائے اور زیادہ اصرار سے پوچھنے لگے کہ آپ نماز نہیں پڑھتے اور آپ ہر مرتبہ کہہ دیتے کہ قصور ہے۔ آخر

مولوی صاحب نے کہا "آپ نماز نہیں پڑھتے خدا تعالیٰ آپ کو دوزخ میں ڈال دے گا" اس فقرہ پر انہیں جوش آگیا اور فرمایا کہ "تم کو کیا معلوم ہے کہ وہ مجھے دوزخ میں ڈالے گا کہاں؟ میں اللہ تعالیٰ پر ایسا بد ظن نہیں میری امید وسیع ہے۔ اس نے فرمایا کہ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ تم مایوس ہو گئے۔ میں نہیں۔ میں خدا تعالیٰ کے رحم و کرم پر بھروسہ کرتا ہوں یہ تمہاری بد اعتقادی ہے تم کو خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں"۔ [۱۹]

خدا تعالیٰ کا ان سے غیر معمولی سلوک

اسی حسن اعتقاد ہی کی بدولت اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ بعض اوقات غیر معمولی سلوک کرتا اور خصوصی احسانات سے نوازتا تھا۔ ان کی زندگی کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ آپ ایک دفعہ سخت بیمار ہوئے اور بیماری بہت طوالت پکڑ گئی۔ اسی اثناء میں ان کے ہاں ایک ملاں آیا اور اس نے سمجھا کہ مرض کا بہت زور ہے تو وہ باہر نکل کر کواڑ کے پیچھے اس انتظار میں کھڑا ہو گیا کہ کب دم نکلتا ہے اور عورتیں رونا شروع کرتی ہیں۔ وہ دیر تک اسی حالت میں کھڑا تھا کہ اچانک آپ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ فرمانے لگے ملاں چلے جاؤ ابھی تو میرے بیس سال باقی ہیں تو کب تک انتظار کرے گا چنانچہ سچ مچ آپ اس کے بعد ایک عرصہ تک زندہ رہے۔ [۲۰]

اسی طرح آپ کے برادر زادہ مرزا امام الدین نے (جو آخر وقت تک اس خاندان کا جانی دشمن رہا) ایک دفعہ آپ کے خلاف قتل کی ناپاک سازش کی جسے خدا تعالیٰ نے خاص تصرف سے ناکام بنا دیا۔ سوچیت سنگھ کا (جسے اس ملعون کام کی تکمیل کے لئے آلہ کار بنایا گیا تھا) بیان ہے کہ بڑے مرزا صاحب بالا خانے میں رہتے تھے۔ میں کچے دیوان خانہ کی دیوار سے ان تک پہنچنے کے لئے کئی دفعہ اوپر چڑھا اور ہر مرتبہ ان کے پاس مجھے دو محافظ نظر آئے۔ یہ دیکھ کر میں خوفزدہ ہو گیا اور بالآخر میں نے اس ارادہ بد سے توبہ کر لی۔ دراصل خدا تعالیٰ کی قدرت نمائی کا کرشمہ تھا کہ اسے ہر دفعہ دو پہرہ دار دکھائی دیئے۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے پاس اس وقت کوئی محافظ موجود نہیں تھا آپ کی طبیعت شگفتہ تھی [۲۱]۔ شجاعت، راست گوئی، جرات استقلال و وفاداری عہد اور دوستی میں سلف صالحین کا پاک نمونہ تھے۔ شعر و شاعری میں خاص دسترس تھی اور علمی تشنگی بجھانے کے لئے انہوں نے ایک وسیع لائبریری بھی قائم کر رکھی تھی جس میں قیمتی کتابوں کا ایک نایاب ذخیرہ تھا اور بعض کتابیں اپنے خاندان کی تاریخ کے متعلق بھی تھیں۔

آپ کی زندگی کا شاندار کارنامہ

آپ کی زندگی کا آخری اور شاندار کارنامہ مسجد اقصیٰ کی تعمیر ہے جہاں آپ اس وقت ابدی نیند سو رہے ہیں اور

جو آپ کے خلوص وایمان، حسن خاتمہ اور دربار خالق میں قبولیت کی دائمی یادگار ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ مَثْوٰهُ فِی الْجَنَّةِ وَاَدْخِلْهُ فِیْ عِبَادِکَ الْمُؤْمِنِیْنَ

والد کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ کی کفالت

چونکہ خاندانی معاش کے اکثر وجوہ آپ کے والد ماجدؓ ہی سے وابستہ تھے اور انہیں حکومت کی طرف سے پنشن وغیرہ ملتی تھی جو ان کی زندگی سے مشروط تھی۔ اس لئے طبعی طور پر آپ کو اپنے والد کے انتقال کی آسمانی خبر پر سخت صدمہ ہوا۔ اور دل میں خوف پیدا ہوا کہ شاید تنگی اور تکلیف کے دن ہم پر آئیں گے۔ یہ خیال بجلی کی چمک کی طرح ایک سیکنڈ سے بھی کم عرصہ میں آپ کے دل میں گذرا تھا کہ اسی وقت غنودگی طاری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک دوسرے الہام "الیس اللہ بکاف عبدہ" کے ذریعہ سے بشارت دی کہ آپ کو یوں مشوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ سایہ پدری سے محرومی کے بعد زمین و آسمان کا خدا آپ کو خود اپنی کفالت میں لے لے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب مجھے حضرت والد صاحب مرحوم کی وفات کی نسبت اللہ جلشانہ کی طرف سے یہ الہام ہوا جو میں نے ابھی ذکر کیا ہے تو بشریت کی وجہ سے مجھے خیال آیا کہ بعض وجوہ آمدن حضرت والد صاحب کی زندگی سے وابستہ ہیں پھر نہ معلوم کیا کیا ابتلاء ہمیں پیش آئے گا۔ تب اسی وقت یہ دوسرا الہام ہوا الیس اللہ بکاف عبدہ یعنی کیا خدا اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟ اور اس الہام نے عجیب سکینت اور اطمینان بخشا اور فولادی میخ کی طرح میرے دل میں دھنس گیا۔ پس مجھے اس خدائے عزوجل کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے اپنے مبشرانہ الہام کو ایسے طور سے مجھے سچا کر دکھلایا کہ میرے خیال اور گمان میں بھی نہ تھا میرا وہ ایسا متکفل ہوا کہ کبھی کسی کا باپ ہرگز متکفل نہیں ہوگا۔ میرے پر اس کے وہ متواتر احسان ہوئے کہ بالکل محال ہے کہ میں ان کا شمار کر سکوں۔ اور میرے والد صاحب اسی دن بعد غروب آفتاب فوت ہو گئے۔ یہ ایک پہلا دن تھا جو میں نے بذریعہ خدا کے الہام کے ایسا رحمت کا نشان دیکھا جس کی نسبت میں خیال نہیں کر سکتا کہ میری زندگی میں کبھی منقطع ہو"۔ [۲۲]

یہ الہام چونکہ ایک عظیم الشان پیشگوئی پر مشتمل تھا جو آئندہ ایک زبردست نشان بن کر ظاہر ہونے والی تھی۔ اس لئے آپ نے اسی وقت لالہ ملاوامل صاحب کو تفصیلات سے آگاہ کر دیا اور امرتسر میں حکیم محمد شریف صاحب کلانوری کی طرف بھیجا کہ وہ ان کی معرفت یہ الفاظ کسی نگینہ میں کندہ کرالائیں۔ چنانچہ لالہ ملاوامل صاحب امرتسر گئے اور مبلغ پانچ روپیہ میں انگشتری تیار کروالائے [۲۳]۔ اور اسی طرح لالہ ملاوامل صاحب اور حکیم مولوی محمد شریف صاحب کلانوری دونوں اس چمکتے

ہوئے نشان کے شاہد ناطق بن گئے جو بعد میں حیرت انگیز رنگ میں ظاہر ہوا اور قیامت تک پورا ہوتا رہے گا۔ آسمانی باپ نے کس طرح آپ کی کفالت فرمائی۔ اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے حضور ایک نظم میں فرماتے ہیں۔

ابتداء سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے — گود میں تیری رہا میں مثل طفل شیر خوار
نسل انساں میں نہیں دیکھی وفا جو تجھ میں ہے — تیرے بن دیکھا نہیں کوئی بھی یار غمگسار
اس قدر مجھ پر ہوئیں تیری عنایات و کرم — جن کا مشکل ہے کہ تا روز قیامت ہو شمار
میں بھی ہوں تیرے نشانوں سے جہاں میں اک نشاں — جس کو تو نے کر دیا ہے قوم و دیں کا افتخار [۲۴]

کثرت مکالمات و مخاطبات کی ابتداء

حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم کا انتقال فرمانا ہی تھا کہ آپ پر بڑے زور و شور سے مکالمات و مخاطبات کا نزول شروع ہو گیا۔ آپؑ خود فرماتے ہیں:

"ایک طرف ان کا (یعنی حضرت والد ماجد ؒ کا۔ ناقل) دنیا سے اٹھایا جانا تھا اور ایک طرف بڑے زور و شور سے سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا مجھ سے شروع ہوا۔ میں کچھ بیان نہیں کر سکتا کہ میرا کون سا عمل تھا جس کی وجہ سے یہ عنایت الٰہی شامل حال ہوئی۔ صرف اپنے اندر یہ احساس کرتا ہوں کہ فطرتاً میرے دل کو خدا تعالیٰ کی طرف وفاداری کے ساتھ ایک کشش ہے جو کسی چیز کے روکنے سے رک نہیں سکتی۔ سو یہ اسی کی عنایت ہے"۔ [۲۵]

کثرت مکالمات الٰہیہ کے اس ابتدائی زمانہ میں آپ پر کئی عظیم الشان اخبار غیبیہ کا انکشاف ہوا۔ انگریزی الہامات کی ابتداء ہوئی اور مختلف مواقع پر آپ کی تائید میں کئی چمکتے ہوئے آسمانی نشان ظاہر ہوئے۔

مرزا غلام قادر صاحب کی جانشینی اور دور ابتلاء

اب آپ اگرچہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے آغوش شفقت و محبت میں آچکے تھے اور وہی ہر لحظہ آپ کا حقیقی سرپرست، مربی، مونس و غمخوار اور معین و مددگار تھا لیکن اس کی حکیمانہ مصلحتوں اور پر حکمت تقدیروں کے مطابق ابھی آپ کے لئے اقتصادی لحاظ سے ایک شدید دور ابتلاء میں سے گذرنا ضروری تھا۔ اس لئے آپ کے والد صاحب کے انتقال کے بعد جونہی آپ کے بڑے بھائی (مرزا غلام قادر صاحب مرحوم) جانشین ہوئے آپ کی زندگی میں امتحان اور آزمائش کی ایک دوسری منزل شروع ہوئی جو ان کے سات سالہ زمانہ جانشینی (۱۸۷۶ء سے ۱۸۸۳ء) تک جاری رہی۔ [۲۶]

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد ماجد کو قادیان کے سالم گاؤں پر حقوق مالکانہ حاصل تھے۔اور اس کے علاوہ بٹالہ 'امرت سر اور گورداسپور میں مکانات اور دوکانات کی شکل میں معقول جائیداد بھی موجود تھی۔اور چونکہ آپ دو بھائی تھے اس لئے شرعاً اور قانوناً آپ ان کی متروکہ جائیداد کے برابر کے حصہ دار تھے اور اگر آپ چاہتے تو اسے تقسیم کرا سکتے تھے۔لیکن آپ اپنے والد ماجد مرحوم کی وفات کے بعد جائیداد سے بالکل بے نیاز ہو کر عبادت 'مطالعہ کتب اور اعلائے کلمہ الاسلام میں مشغول ہو گئے۔اور پوری جائیداد بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کے سپرد فرما دی اور اپنا یہ معمول بنالیا کہ حتی الوسع کسی قسم کی ضروریات کا اظہار نہ فرماتے۔جو کچھ پہننے کو ملتا عجب شان بے نیازی سے پہن لیتے اور جو کھانا آتا وہ اپنے گزشتہ دستور کے مطابق مرزا مہتاب بیگ' حسینا کشمیری' جمال کشمیری' غفارا اور حافظ معین الدین صاحب وغیرہ کو دے دیتے اور خود ایک پیسے کے چنے منگوا کر گزارا کر لیتے۔اور جب یہ بھی نہ ہوتا تو فاقہ کر لیتے۔غرض کہ ان دنوں آپ نہایت سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔اور صبح شام ذکر الٰہی اور اشاعت حق اور تربیت و اصلاح کے مشاغل میں گذرتے تھے۔بے شبہ آپ کے بڑے بھائی آپ کا ادب و احترام بھی کرتے اور آپ سے محبت کی وجہ سے آپ کی ضروریات مہیا کرنے میں ایک گونہ خوشی بھی پاتے تھے مگر دنیا داری کے رنگ میں پوری طرح رنگین ہونے کے سبب وہ اکثر اظہار افسوس ہی کرتے رہتے تھے کہ آپ کسی کام کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔بلکہ ان کی نگاہ میں ایک لمبے عرصہ سے اور غالباً اپنے والد ماجد کے تاثرات کے تحت آپ کے متعلق یہ نظریہ ہو چکا تھا کہ آپ زمانہ کے تقاضوں سے غافل اور دنیاوی معاملات میں بالکل ست ہیں۔آپ کا مطالعہ کتب اور دوسرے دینی مشاغل ان کے نزدیک محض ضیاع وقت تھے۔چنانچہ آپ نے ایک دفعہ کسی اخبار کے منگوانے کے لئے ان سے ایک نہایت قلیل رقم منگوائی تو انہوں نے آپ کی جائیداد پر قابض ہونے کے باوجود صاف انکار کر دیا اور کہا یہ اسراف ہے۔کام تو کچھ کرتے نہیں اور یونہی بیٹھے کتب و اخبارات کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ان کا یہ طرز عمل اور دنیادارانہ سلوک گو بہت حوصلہ شکن اور صبر آزما تھا لیکن مصیبت کی حد یہ تھی کہ وہ خود تو گورداسپور میں ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں ملازم تھے اور اکثر گورداسپور میں رہتے تھے لیکن ان کی غیر حاضری میں گھر کے منتظمین آپ کو ادنیٰ ادنیٰ معاملات میں بھی تنگ کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔وہ حضور کو اپنا دست نگر سمجھتے اور آپ کے خلاف یہاں تک بائیکاٹ سا کر رکھا تھا کہ اگر دوسرا کوئی حضور کی خدمت میں کوئی چیز بھجواتا تو علم ہونے پر ان کا غم و غصہ انتہا تک پہنچ جاتا تھا۔وسط ۱۸۷۷ء کا واقعہ ہے کہ جب حضرت میر ناصر نواب صاحب رضؓ مرزا غلام قادر صاحب کے مشورہ پر قادیان رہائش پذیر ہوئے۔مرزا غلام قادر صاحب جب

گورداسپور سے آتے تو ان کے لئے پان لاتے - اور ان کی زوجہ محترمہ (یعنی حضرت نانی جانؓ مرزا غلام قادر صاحب مرحوم کے واسطے اچھا سا کھانا وغیرہ تیار کر کے بھیجا کرتی تھیں) ایک دفعہ جو حضرت نانی اماںؓ نے شامی کباب ان کے لئے تیار کئے اور بھیجنے لگیں تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ گورداسپور واپس چلے گئے ہیں - چنانچہ انہوں نے نائن کے ہاتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ کباب بھجوا دیئے اور اس کے بعد آپ ہر دوسرے تیسرے دن حضور کو کچھ کھانا وغیرہ بنا کر بھیج دیا کرتی تھیں اور حضور بڑی خوشی سے تناول فرما لیتے تھے - حضرت نانی اماںؓ کا بیان ہے کہ بعد میں جب اس بات کی اطلاع اہلیہ صاحبہ مرزا غلام قادر صاحب کو ہوئی تو وہ بہت خفا ہوئیں - کہ میں کیوں ان کو کھانا بھیجتی ہوں - دراصل وہ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سخت مخالف تھیں - اور چونکہ گھر کا سارا انتظام انہی کے ہاتھ میں تھا اس لئے وہ ہر بات میں حضور کو تکلیف پہنچاتی تھیں - اس وقت پورے خاندان میں صرف حضرت اقدس کی ممانی (صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کی نانی) کو آپ سے محبت تھی - باقی سب مخالف تھے - اور آپ کو بد دعائیں دیتے اور برا بھلا کہتے رہتے تھے الختصر یہ زمانہ نہایت درجہ حسرت اور تنگی کا زمانہ تھا [۶۷] - لیکن حضرت اقدسؑ نے اسے ایک خدائی آزمائش سمجھتے اور انعام و برکت قرار دیتے ہوئے بے حد صبر و تحمل سے گذارا - آپ مسلسل سات سال تک مختلف مظالم کا تختہ مشق بنے اور زبان پر حرف شکایت نہ لائے - بد دعائیں سنیں اور دعاؤں میں مصروف رہے اور صبر و تحمل کا وہ کامیاب نمونہ دکھایا کہ رحمت دو عالم حضرت رسول اکرم ﷺ کے زمانہ کی یاد تازہ ہو گئی -

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خلاف پہلا مقدمہ

حضرت والد ماجد مرحوم کے انتقال کے دوسرے سال ۱۸۷۷ء میں آپ کے خلاف ایک عیسائی رلیا رام نے مقدمہ دائر کیا جو آپ کی زندگی میں آپ کے خلاف پہلا مقدمہ تھا - حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قریباً پانچ سال سے تبلیغ اسلام کی غرض سے قلمی جنگ کر رہے تھے کہ اس سلسلہ میں حضورؑ نے اسلام کی تائید میں امرت سر کے ایک پریس کو اشاعت کی غرض سے پیکٹ میں ایک مضمون ارسال فرمایا اور اس میں ایک خط بھی رکھ دیا - چونکہ خط میں ایسے الفاظ تھے جن میں اسلام کی تائید اور دوسرے مذاہب کے بطلان کی طرف اشارہ تھا اور مضمون کے چھاپ دینے کے لئے تاکید بھی تھی - اس لئے پریس کے عیسائی مالک رلیا رام وکیل جو امرت سر کے عیسائی مشن کی روح رواں سمجھا جاتا تھا اور مسیحیت کو اعلیٰ طبقہ تک پہنچانے میں اسے گہرا عمل و دخل تھا سخت مشتعل ہوا [۶۸] - چنانچہ اسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا ایک موقعہ ہاتھ آگیا - کسی علیحدہ خط کا پیکٹ میں رکھنا قانوناً

ایک جرم تھا۲۷۔اور ایسے جرم کی سزا میں ڈاک خانہ کے قوانین کی رو سے پانچ سو روپیہ جرمانہ یا چھ ماہ تک قید تھی جس کی حضرت اقدسؑ کو کچھ بھی اطلاع نہ تھی۔لیکن رلیا رام نے مخبر بن کر ڈاک کے افسروں کے ذریعہ سے حضور پر عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔اور قبل اس کے کہ حضور کو اس مقدمہ کے متعلق کچھ خبر ہو رؤیا میں اللہ تعالیٰ نے حضور پر ظاہر کیا کہ رلیا رام وکیل نے ایک سانپ میرے کاٹنے کے لئے مجھ کو بھیجا ہے اور میں نے مچھلی کی طرح تل کر واپس کر دیا ہے۔غرض اس جرم میں حضور گورداسپور میں طلب فرمائے گئے۔اور جن جن وکلاء سے مقدمہ کے لئے مشورہ لیا گیا انہوں نے یہی مشورہ دیا کہ جھوٹ کے بغیر اور کوئی راہ نجات نہیں۔اور یہ صلاح دی کہ اس طرح اظہار دے دیں کہ ہم نے پیکٹ میں خط نہیں ڈالا تھا' رلیا رام نے خود ڈال دیا ہو گا۔نیز بطور تسلی کہا کہ ایسا بیان کرنے سے شہادت پر فیصلہ ہو جائے گا اور دو چار جھوٹے گواہ دے کر بریت ہو جائے گی۔ورنہ صورت مقدمہ سخت مشکل ہے اور کوئی طریق رہائی نہیں۔مگر حضور نے سب ہی وکلاء کو جواب دیا۔کہ میں کسی حالت میں سچائی کو چھوڑنا نہیں چاہتا' جو ہو گا سو ہو گا۔چنانچہ شیخ علی احمد صاحب کی (جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مقدمہ میں وکیل و پیروکار تھے) شہادت ہے کہ میں نے ہر چند چاہا کہ مرزا صاحب انکار کر دیں کہ یہ خط اس میں نہیں رکھا تھا۔میرے نزدیک اس کا کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ خط اس پیکٹ میں سے برآمد ہوا۔اور اس کے متعلق شہادت قوی نہ تھی۔بوجہ اختلاف مذہب خود رلیا رام کی شہادت بھی آئینی لحاظ سے چنداں قابل پذیرائی نہ تھی۔میں جس قدر اصرار کرتا تھا اسی قدر مرزا صاحب انکار کرنے سے انکار کرتے تھے۔میں نے ان کو ہر چند ڈرایا کہ نتیجہ اچھا نہ ہو گا اور خواہ نخواہ ایک معزز خاندان پر فوجداری مقدمہ میں سزا پانے کا داغ لگ جائے گا مگر وہ میری بات نہ مانے اور میں نے یہ سمجھ کر کہ میری پیروی میں مقدمہ ہار گیا تو بڑی بدنامی خاندان کی طرف سے ہو گی۔اس لئے حضرت مرزا صاحب کے انکار نہ کرنے کے اصرار سے فائدہ اٹھا کر میں نے کہا کہ اگر آپ میری بات نہیں مانتے تو میں پیروی نہیں کرتا۔میرا خیال یہ تھا کہ مقدمہ میں سزا ہو گی اور الزام ان پر رہ جائے گا کہ وکیل کے مشورہ کے خلاف عمل کرنے سے ایسا ہوا۔میں اس طرح اپنی ناراضی کا اظہار کر کے پیش نہ ہوا اور میری غیر حاضری میں مقدمہ پیش ہو گیا۔

بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک انگریز کی عدالت میں پیش ہوئے اور آپ کے مقابل ڈاک خانہ جات کا افسر سرکاری مدعی کی حیثیت سے حاضر ہوا۔اس وقت جج نے اپنے ہاتھ سے حضور کا بیان قلمبند کیا اور سب سے قبل حضور سے سوال کیا کہ کیا یہ خط آپ نے اپنے پیکٹ میں رکھ دیا تھا اور یہ خط اور پیکٹ تمہارا ہے؟ حضور نے بلاتوقف جواب دیا کہ یہ میرا ہی خط اور میرا ہی پیکٹ ہے

اور میں نے اس خط کو پیکٹ کے اندر رکھ کر روانہ کیا تھا۔ مگر میں نے گورنمنٹ کی نقصان رسانی محصول کے لئے بدنیتی سے یہ کام نہیں کیا بلکہ میں نے اس خط کو اس مضمون سے کچھ علیحدہ نہیں سمجھا اور نہ اس میں کوئی ہیچ کی بات تھی۔ یہ بات سنتے ہی خدا تعالیٰ نے اس انگریز کے دل کو حضور کی طرف پھیر دیا۔ حضور کے مقابل پر ڈاک خانہ جات کے افسر نے بہت شور مچایا اور اپنا کیس مضبوط کرنے کے لئے انگریزی میں لمبی لمبی تقریریں کیں مگر وہ حاکم ہر ایک تقریر کے بعد زبان انگریزی میں نو۔ نو (No-No) کر کے اس کی سب باتوں کو رد کر دیتا تھا۔ انجام کار جب وہ افسر اپنے تمام وجوہ پیش کر کے تمام بخارات نکال چکا تو حاکم نے فیصلہ لکھنے کی طرف توجہ کی اور شاید سطر یا ڈیڑھ سطر لکھ کر حضور سے کہا کہ آپ کے لئے رخصت۔ اور مقدمہ خارج کر دیا۔ حضرت اقدسؑ عدالت کے کمرہ سے باہر تشریف لائے اور اپنے محسن حقیقی کا شکر بجالائے جس نے حضور کو راست گفتاری کی برکت سے اس معرکہ میں شاندار فتح بخشی۔ حضور اقدس نے مقدمہ سے قبل یہ خواب بھی دیکھی تھی۔ کہ ایک شخص نے حضور کی ٹوپی اتارنے کے لئے ہاتھ مارا۔ حضور نے فرمایا کیا کرنے لگا ہے۔ تب اس نے ٹوپی حضور ہی کے سر پر رہنے دی اور کہا کہ خیر ہے خیر ہے"۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس غیر معمولی کامیابی پر حضور کے وکیل شیخ علی احمد صاحب جو فیصلہ میں سزا کا یقین کر کے عدالت ہی سے غائب ہو گئے تھے حیرت زدہ رہ گئے اور آخر دم تک حضور کی فوق العادت راست گفتاری کے عمر بھر مداح رہے۔ [۱۲۰]

سفر سیالکوٹ

اسی سال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکیم میر حسام الدین صاحب کی دعوت پر سیالکوٹ کا سفر اختیار کیا اور اپنے مخلص ہندو دوست لالہ بھیم سین صاحب کے ہاں قیام فرمایا۔ [۱۲۱]

منشی سراج الدین صاحب مرحوم بانی اخبار زمیندار کا قادیان میں ورود

اسی سال برصغیر ہند و پاکستان کے مشہور صحافی، سیاسی لیڈر اور قومی شاعر ظفر علی خان صاحب کے والد منشی سراج الدین صاحب بانی اخبار "زمیندار" غالباً مرزا موحد بیگ صاحب جالندھری کی معیت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور ایک رات کے مختصر سے قیام کے بعد واپس آگئے۔ اس ملاقات میں وہ آپ کے استغراق اور انقطاع الی اللہ سے بے حد متاثر ہوئے اور عمر بھر اس کی یاد سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ چنانچہ اپنے اخبار زمیندار مئی ۱۹۰۸ء میں لکھا:

"۱۸۷۷ء میں ہمیں ایک شب قادیان میں آپ کے یہاں مہمانی کی عزت حاصل ہوئی ان دنوں

میں بھی آپ عبادت اور وظائف میں اس قدر محو و مستغرق تھے کہ مہمانوں سے بھی بہت کم گفتگو کرتے تھے"۔ ۲۲

قادیان سے ایک سیاہ کار سادھو کا اخراج

اسی سال قادیان میں ایک سیاہ کار سادھو نے ڈیرہ لگالیا۔ یہ سادھو بڑی وزنی موگریوں سے ورزش کیا کرتا تھا۔ ہندو عوام تو خوش اعتقادی سے اسے شہ زوری میں ہنومان کا مثیل سمجھنے لگے تھے اور وہ تقدس کے پردہ میں عصمتوں کو پارہ پارہ کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ آبروریزی کا یہ سیلاب ابھرا ہی تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تک اس کی خبر پہنچ گئی۔ حضور نے سنتے ہی چوکیدار کے ذریعہ سے اس بدباطن سادھو کو حکم دیا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ ہیبت زدہ ہو کر اپنا بستر بوریا اور موگریاں وغیرہ اٹھائے گاؤں سے بھاگ گیا اور پھر کبھی دکھائی نہ دیا۔ ۲۳

"نعمۃ الباری" کی تصنیف کا ارادہ

غالباً اسی دور میں حضور نے ایک کتاب "نعمۃ الباری" کی تصنیف کا ارادہ فرمایا ۲۴ - اور فارسی اشعار میں اس کا خطبہ بھی لکھا لیکن بعد میں خود ہی بتایا کہ جب میں نے قلم لے کر لکھنا شروع کیا تو یکایک باران رحمت کا نزول ہوا ۲۵ - اور میں نے محسوس کیا کہ ہر ایک قطرہ بارش اپنے ساتھ لاانتہاء برکات اور فیوض لے کر آتا ہے اس کو دیکھ کر اور اس احساس کے بعد میں نے قلم رکھ دیا کہ میں خدا تعالیٰ کی نعمتوں اور فضلوں کو گن نہیں سکتا۔ جیسے بارش کے ان قطرات کا شمار میرے امکان سے باہر ہے اسی طرح یہ امر بھی میرے امکان سے خارج ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے ان انعامات کا جو مجھ پر ہوئے ہیں گن سکوں۔ ساری دنیا اور اس کا ایک ایک ذرہ اور نظام عالم کو میں نے اپنی ذات کے لئے دیکھا اور معرفت کا دفتر مجھ پر کھولا گیا۔ اور میں نے سمجھا کہ یہ بارش کا نزول محض اس لئے تھا کہ میں اس حقیقت کو پاؤں کہ میں افضال الٰہی اور انعام الٰہی کو شمار کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ اور یہ راز منکشف ہو گیا۔ کہ اگر تم خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو ہرگز نہ کر سکو گے۔ اس طرح یہ کتاب ہمیشہ کے لئے معرض التواء میں چلی گئی۔ ۲۶

حواشی

۱- (ذکر حبیب صفحہ ۲۲۴ مولفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ناشر بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان دسمبر ۱۹۳۶ء و تذکرہ طبع دوم صفحہ ۲۳) گورنمنٹ کی دستاویزات میں ان کی تاریخ وفات ۲- جون ۱۸۷۶ء ہی درج ہے۔ ملاحظہ ہو سابق فنانشل کمشنر پنجاب سر رابرٹ ایجرٹن کا مکتوب (مطبوعہ حیات النبی صفحہ ۳۶)

۲- ذکر حبیب صفحہ ۲۲۴ میں چوبارہ کی بجائے ڈیوڑھی لکھا ہے جو صحیح نہیں۔

۳- کتاب البریہ صفحہ ۱۵۹ تا ۱۶۱ حاشیہ

۴- کتاب البریہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹۔ بعض دوسرے قرائن کے مطابق آپ کی پیدائش قریباً ۱۷۹۷ء میں ہوئی اور وفات ۷۹، ۸۰ سال کی عمر میں۔ کیونکہ مرزا عطا محمد صاحب قریباً ۱۸۱۴ء میں فوت ہوئے تھے اور اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق ان کی عمر ۱۷، ۱۶ برس کی تھی ("قادیان" صفحہ ۷۸۔ الحکم ۱۴/۷ جون ۱۹۴۳ء)

۵- الحکم ۱۴۔ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۶

۶- الحکم ۱۴/۷ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۴ کالم ۲

۷- سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۲۲۷۔ حیات النبی صفحہ ۳۱

۸- ایضاً صفحہ ۷۳۔

۹- سیرت المہدی (حصہ اول طبع ثانی) صفحہ ۲۳۰ و حیات النبی صفحہ ۳۷

۱۰- سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۲۴۔

۱۱- ایضاً صفحہ ۲۲۸، ۲۲۹ و حیات النبی جلد اول صفحہ ۳۹۔ و الحکم صفحہ ۱۴/۷ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۴ و الفضل ۲۷۔ ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۳-۴

۱۲- رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۷ء صفحہ ۲۱ و سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۳۵-۴۰ طبع دوم روایت نمبر ۴۳ و ۴۸

۱۳- الحکم ۱۴/۷ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۷

۱۴- سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۲۷ طبع دوم۔

۱۵- الحکم ۱۴/۷ جون ۴۳ء صفحہ ۴

۱۶- سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۸۱ و ۱۸۲ شہادت پنڈت دیوی رام

۱۷- حیات النبی جلد اول صفحہ ۳۰

۱۸- ایضاً صفحہ ۳۸ و سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۲۸ طبع دوم

۱۹- حیات النبی جلد اول صفحہ ۴۱

۲۰- الحکم ۲۱۔ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۶

۲۱- حیات النبی جلد اول صفحہ ۳۹، ۴۰ و سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۲۳۰ طبع دوم

۲۲- کتاب البریہ صفحہ ۱۶۲، ۱۶۳۔

۲۳- اس پہلی تاریخی انگوٹھی نیز حضور کی دوسری انگوٹھیوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت مسیح موعودؑ (از شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ) صفحہ ۳۱ (حکیم صاحب کے خاندان میں سب سے پہلے آپ کے پوتے جناب محمد صادق صاحب ہاشمی نے قبول احمدیت کا شرف حاصل کیا)

۲۴- براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۷، ۹۸ طبع اول اکتوبر ۱۹۰۸ء انوار احمدیہ مشین پریس قادیان۔

۲۵- کتاب البریہ صفحہ ۱۶۳ حاشیہ

۲۶- وفات ۹۔ جولائی ۱۸۸۳ء بوقت سات بجے شام (قلمی روزنامچہ خاندان حضرت مسیح موعودؑ)

۲۷۔ الحکم ۱۴/۷ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۷ و سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۱۰ و سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۳۴ و سیرت مسیح موعود مولفہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ صفحہ ۱۹-۲۰ حیات النبی جلد اول صفحہ ۲۲۹، ۲۳۰

۲۸۔ تاریخ بشارت الہند و پاکستان صفحہ ۱۹۹

۲۹۔ دیکھو ۱۸۲۶ء کا ایکٹ نمبر ۱۲ دفعہ ۱۲، ۵۶ نیز گورنمنٹ آف انڈیا کا نوٹیفکیشن نمبر ۲۴۴۲ مورخہ ۷۔ دسمبر ۱۸۷۷ء دفعہ ۴۳۔ بحوالہ سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۹، ۱۰۔

۳۰۔ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۹۷، ۲۹۹ طبع اول فروری ۱۸۹۳ء مطبع ریاض ہند قادیان۔ احمدی و غیر احمدی میں کیا فرق ہے صفحہ ۸، ۹ تقریر ۲۶۔ دسمبر ۱۹۰۶ء و سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۹، ۱۰ حیات احمد جلد اول صفحہ ۲۳۴، ۲۳۵۔

۳۱۔ بحوالہ حیات احمد جلد اول صفحہ ۷۲۔

۳۲۔ بحوالہ حیات احمد جلد اول صفحہ ۱۳۵

۳۳۔ حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۳۵۔

۳۴، ۳۵ یہ خطبہ در مکنون صفحہ ۱۰۶ میں موجود ہے۔ اور چونکہ اس سے چند اوراق قبل ۱۰۔ شعبان ۱۲۸۳ھ مطابق دسمبر ۱۸۶۷ء کی تاریخ درج ہے اس لئے قیاساً اس کتاب کا تذکرہ ۱۸۷۶، ۱۸۷۷ء کے دور میں کیا گیا ہے۔

۳۶۔ حیات النبی صفحہ ۲۴۴

باب دہم

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آریہ سماج کے خلاف میدان جہاد میں اور اسلام کی مسلسل فتوحات

(۱۸۷۸ تا ۱۸۷۹)

۱۸۵۷ء میں ہندو حکومت کے قیام کی سازش کی ناکامی کے اٹھارہ سال بعد سوامی دیانند نے آریہ سماج جیسی قومی اور نسلی تحریک کی بنیاد رکھی۔ [۱] یہ خطرناک تحریک بمقام بمبئی جنوری ۱۸۷۵ء میں قائم ہوئی۔ اور اس کے قیام کا تنہا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان میں ہی نہیں دنیا بھر میں آریوں کو اقتدار مطلق حاصل ہو جائے۔ اس سیاسی پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے سوامی جی نے مرہٹی لیڈروں مثلاً مسٹر راناڈے' پنڈت گوپال راؤ' مہرشی لکھ وغیرہ کے مشورہ سے یہ پروگرام تجویز کیا کہ بالخصوص اسلام اور بانی اسلام پر دوسرے مخالفین کی ہم نوائی میں پوری بے باکی سے حملے کئے جائیں اور ہندوؤں کے دل میں مسلمانوں کے خلاف منافرت کی فضاء قائم کر کے حب الوطنی اور قومی ترقی کے نام سے ہندوؤں کی وسیع پیمانہ پر تنظیم کی جائے اور انہیں برسراقتدار لانے کے لئے انگریزی علوم سے مسلح کیا جائے۔ [۲]
اس پروگرام میں سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ وید جو ہندوؤں کی اجتماعی تحریک کی بنیاد بن سکتے ہیں موجودہ روشنی کے زمانہ میں اس کی محرف و مبدل اور مضحکہ خیز تعلیمات کا چراغ نہیں جل سکتا تھا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ویدوں کی سنسکرت کے الفاظ سے بے نیاز ہو کر عجیب و غریب اور نئی تفسیر تیار کی گئی اور ویدوں کو کھینچ تان کر ایسا سائنٹفک رنگ دینے کی کوشش کی کہ ویدوں کے نام پر نئے وید تصنیف ہو گئے۔ جن میں اگنی' وایو' ادیت اور انگرہ دیوتاؤں کی بجائے اسلامی توحید کا پیوند لگایا گیا۔ بے ہودہ اور لاطائل قصوں سے سائنس کی جدید تھیوریاں ثابت کی گئیں۔ اور بے حقیقت اور محرف و مبدل تعلیم قلم کی ایک ہی جنبش سے علم و حکمت کا خزینہ دکھائی دینے لگی۔ [۳] یہ تحریک گو بمبئی میں اٹھی۔ لیکن ابتداء میں اسے سب سے زیادہ کامیابی صوبہ پنجاب میں ہوئی۔ جہاں یہ تحریک آگ کی شکل میں ابھری اور چند ماہ کے اندر اندر ہندوؤں کے سب ہی طبقوں میں پوری سرعت سے پھیلنی شروع

ہو گئی۔ خود سوامی دیانند جی نے ۱۸۷۷ء میں صوبہ پنجاب کے متعدد مشہور اضلاع کا ایک طوفانی دورہ کیا۔ مباحثات کئے اور لٹریچر تقسیم کیا۔ جس کے نتیجہ میں اسی سال لاہور، امرت سر اور راولپنڈی میں آریہ سماج کی مضبوط شاخیں قائم ہو گئیں۔ [۴] اسلام کے خلاف ایک بے پناہ طاقت پہلے ہی نبرد آزما تھی۔ اب اس میں آریہ سماج کی فتنہ سامانیوں کا بھی اضافہ ہو گیا۔ اور نہتے اور بے کس مسلمان بیرونی اور اندرونی دونوں قسم کے فتنوں سے گھر گئے۔ لیکن پنجاب میں آریہ سماج کی زہریلی کچلیوں نے سر نکالا ہی تھا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوۃ والسلام جو "منشور محمدی" بنگلور اور دوسرے ملکی اخبارات کے ذریعہ سے پہلے ہی قلمی جنگ میں مصروف تھے۔ میدان جہاد میں کود پڑے۔ اور دلائل و براہین کی شمشیر برہنہ سے باطل کا سر پاش پاش کر دیا۔ اور نہ صرف پنجاب کی آریہ سماج کے بلید انوں نے شیر اسلام کی ایک ہی للکار سے دہشت زدہ ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔ بلکہ خود سوامی دیانند جی مہاراج پر بھی سکوت مرگ طاری ہو گیا۔ اور اسلام کو حضور کے ہاتھوں مسلسل فتوحات نصیب ہوئیں۔

آریہ سماجی لیڈر کا روح کے متعلق اعلان

واقعہ یوں ہوا کہ ۷۔ دسمبر ۱۸۷۷ء کے "وکیل ہندوستان" وغیرہ اخبارات میں آریہ سماجی لیڈر سوامی دیانند نے روح کے متعلق اپنا یہ عقیدہ شائع کیا کہ:

"ارواح موجودہ بے انت ہیں اور اس کثرت سے ہیں کہ پرمیشر کو بھی ان کی تعداد معلوم نہیں۔ اس واسطے ہمیشہ مکتی پاتے رہتے اور پاتے رہیں گے مگر کبھی ختم نہیں ہوویں گے"۔

حضرت مسیح موعودؑ کا انعامی چیلنج

اس باطل عقیدے کا پبلک میں آنا ہی تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اپنے خالق کی یہ شرمناک توہین اور اہانت دیکھ کر دیوانہ وار آگے بڑھے اور سفیر ہند (۹۔ فروری تا ۹۔ مارچ ۱۸۷۸ء) میں اس کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے ایک زبردست سلسلہ مضامین شروع کر کے یہ باطل شکن انعامی چیلنج دیا کہ جو صاحب منجملہ توابع سوامی دیانند سرسوتی صاحب سوال ہذا کا جواب دے کر ثابت کرے کہ ارواح بے انت ہیں اور پرمیشور کو ان کی تعداد معلوم نہیں۔ تو میں اس کو مبلغ پانچ سو روپیہ انعام دوں گا۔ [۵]

اسلام کی پہلی فتح

یہ مذہبی دنیا میں آریہ سماج کے خلاف پہلا انعام تھا جو آپ نے پیش کیا جس نے آریہ سماج کیمپ میں کھلبلی مچا دی اور لاہور آریہ سماج کے سیکرٹری لالہ جیون داس کو سوامی دیانند کی عمومی لیڈر شپ کے خلاف "علم بغاوت" بلند کرتے ہوئے نہایت بد حواسی میں یہ اعلان کر کے پیچھا چھڑانا پڑا کہ "یہ مسئلہ آریہ سماج کے اصولوں میں داخل نہیں ہے۔ اگر کوئی ممبر آریہ سماج کا اس کا دعویدار ہو تو اس سے سوال کرنا چاہئے اور اسی کو جواب دینا لازم ہے۔ چونکہ اس

اشتہار سے لوگوں کو یہ مغالطہ پیدا ہوتا تھا کہ آریہ سماج والے سوامی دیانند صاحب کے پیرو اور تابع ہیں حالانکہ یہ بات نہیں اس لئے بغرض اشتباہ اور مغالطہ مذکور کے یہ تحریر عمل میں آئی"۔ [۶]

باوانارائن سنگھ صاحب میدان مقابلہ میں

لاہور آریہ سماج نے تو دہشت زدہ ہو کر معرکہ حق و باطل میں ابتداء ہی میں اپنے ہاتھ سے شکست کے دستخط کر دیئے لیکن امرت سر آریہ سماج کے پرجوش سیکرٹری باوانارائن سنگھ صاحب نے پہلے تو اخبار آفتاب مورخہ ۱۸۔ فروری ۱۸۷۸ء کے کالموں کے کالم سیاہ کئے اور روحوں کے انادی ہونے پر عجیب و غریب دلائل دیتے ہوئے تان اس پر توڑی کہ کیا تردید کرنا ہے یہ تو توہمات ہیں۔ اور اس کے بعد اخبار سفیر ہند مورخہ ۲۳۔ فروری ۱۸۷۸ء کے مباحثہ سے فرار ہونے کے لئے عجیب در عجیب موشگافیاں کیں۔ [۷] مثلاً لکھا کہ اشتہار میں انعام کی بجائے جرمانہ کا لفظ لکھا جائے۔ اور اشتہار کی ایک نقل آپ کے دستخطوں سے انہیں دی جائے۔ اپنے فاتح ہونے پر پیشگی اعتماد کرانے کے لئے کہا کہ روپیہ کی وصولی کی تسلی بخش صورت تجویز ہونی چاہئے تا ان کے کامیاب ہونے کی صورت میں وہ انعام غت ربود نہ ہو جائے۔ باوانارائن صاحب نے جواب کا جائزہ لینے کے لئے ازخود ایک بورڈ بھی تجویز کر لیا۔ جس کے ممبر سر سید احمد خان مرحوم، منشی کنہیالال صاحب اور منشی اندرمن صاحب مراد آبادی نامزد کئے۔ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو باوانرائن سنگھ صاحب کی الٹی سیدھی توجیہات کو ناقابل فہم قرار دے کر بحث مباحثہ سے انکار کر دیتا اور ایسا کرنا بالکل معقول ہوتا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ باطل کا سر کچلنے کا مصمم ارادہ فرما چکے تھے اور چاہتے تھے کہ آریہ سماج پر ہر طرح سے اتمام حجت کر دی جائے اس لئے آپ نے باوا صاحب کے جواب الجواب کا دندان شکن جواب دیا بلکہ آئندہ مباحثہ پر آمادگی کے لئے ان کی ہر شرط سے رضامندی کا اعلان فرما دیا۔ انعام کے لفظ کی معقولیت کو مسکت دلائل سے ثابت کرنے کے باوجود اسے جرمانہ میں بدل دیا۔ اشتہار کو باقاعدہ اشٹام کے اقرار نامہ کی صورت دینے پر بھی صاد کر لیا۔ روپیہ کی وصولی کے لئے یہ صاف طریق رکھا کہ باوا صاحب اپنا ایک نمائندہ بٹالہ بھیج کر جائزہ لیں کہ ہزاروں روپیہ کی مالیت کی جائیداد وہاں موجود بھی ہے یا نہیں؟ مجوزہ بورڈ کے نامزد ممبروں کو خوشی سے قبول کرتے ہوئے تین اور ناموں کا اضافہ کیا اور اس اضافہ میں یہاں تک فراخدلی کا ثبوت دیا کہ حکیم محمد شریف صاحب امرت سری اور مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی کے علاوہ خود سوامی دیانند سرسوتی کا نام بھی بورڈ کے ممبروں میں شامل کر دیا۔ جو اس پوری بحث میں سب سے بڑے حریف اور مد مقابل تھے۔ جو آپ کی زبردست روحانی قوت اور فاتحانہ شان کا ناقابل تردید ثبوت تھا۔ [۸]

پنڈت کھڑک سنگھ سے مباحثہ، اس کا فرار اور اسلام کی دوسری فتح

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور باوا نارائن سنگھ صاحب کے درمیان مقابلہ جاری تھا کہ آریہ سماج امرت سر کے ایک ممبر پنڈت کھڑک سنگھ صاحب حضرت اقدس سے بحث کی طرح ڈالنے کے لئے قادیان آئے اور مستدعی بحث ہوئے۔ یہاں انکار کا سوال ہی کیا ہو سکتا تھا۔ حضور نے اطلاع ملتے ہی آمادگی کا اظہار فرمادیا۔ مقام مناظرہ سرکاری پرائمری سکول کے پاس بڈھن شاہ کا تکیہ قرار پایا اور موضوع مناظرہ "تناسخ اور مقابلہ وید و قرآن" تجویز ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مباحثہ کا آغاز کرتے ہوئے ابطال تناسخ پر اپنا معرکتہ الاراء مضمون پڑھ کر سنایا۔ جس میں اپنے مخصوص علم کلام کے تحت دعویٰ اور دلائل دونوں قرآن سے پیش کئے تھے۔ یہ مضمون پیش کرنے کے بعد حضور نے مطالبہ فرمایا کہ وہ التزام کے مطابق ویدوں سے تناسخ کا ثبوت پیش کریں۔ تا قرآن کے مقابل ویدوں کی حقیقت کھل جائے۔ پنڈت کھڑک سنگھ جن کے متعلق قادیان کے آریہ سماج نے مشہور کر رکھا تھا کہ وہ ایسے نامی گرامی پنڈت ہیں کہ انہیں چاروں وید کنٹھ ہیں ایسے دم بخود ہوئے کہ بحث کو دوسرے دن پر ٹالنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ لیکن جب دوسرا دن آیا اور سامعین بڑے اشتیاق اور بے تابی سے جمع ہوئے اور جواب کے منتظر ہوئے تو اصل سوالات سے گریز کر کے کچھ اور ہی کتھا سنانا شروع کر دی۔ اور دلائل وید کے پیش کرنے سے عجز مطلق ظاہر کرتے ہوئے صرف دو شرتیاں رگوید سے پیش کیں۔ جن کا تناسخ سے سرے سے کوئی علاقہ ہی نہیں تھا۔ آخر کہا گیا کہ اگر بحث منظور ہے تو برعایت آداب مناظرہ سیدھا جواب دینا چاہئے اس پر انہوں نے چند بے ہودہ اور لاطائل فسانے چھیڑ دیئے۔ مکرر توجہ دلائی گئی کہ اگر ہو سکتا ہے تو کچھ جواب دیجئے گا ورنہ ہم کتھا سننے تو نہیں آئے۔ اس مرحلہ پر پنڈت صاحب زچ ہو کر بولے "جواب دینا کیا مشکل ہے اگر ہم چاہیں تو پانچ منٹ میں جواب دے سکتے ہیں لیکن گھر میں کام ہے اب فرصت نہیں" یہ گفتگو جاری تھی کہ بھائی کشن سنگھ کے بیان کے مطابق اثنائے تقریر میں آنحضرت ﷺ کے متعلق بعض اعتراضات پنڈت کھڑک سنگھ صاحب نے کئے اور ان کا لب و لہجہ ایسا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رنج ہوا اور حضور کے کلام میں تیزی پیدا ہو گئی۔ کیونکہ حضورؑ میں بے حد غیرت دینی تھی اور خصوصاً آنحضرت ﷺ کے خلاف تو بے ادبی کا کلمہ سن کر بے تاب ہو جاتے تھے اور برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے۔ آخر جب فضا بگڑنے لگی تو بحث بند کر دی گئی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں سے تشریف لے آئے۔ اور عدو رسولؐ کو گھر تک پہنچانے کے لئے ایک تحریری سوال نامہ لکھا جس کا عنوان یہ تھا کہ "سوال اور جواب کہ جس کے

جواب دینے سے اگر پنڈت کھڑک سنگھ خاموشی اختیار کرے گا تو اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گا"۔ سوال نامہ میں بطور نمونہ قرآن مجید کے اٹھارہ احکام درج کرتے ہوئے حضورؑ نے پنڈت کھڑک سنگھ کو چیلنج دیا کہ اگر یہ پہلو وید یا بائیبل سے دکھادے تو اسے پانچ سو روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔ [۱۰] جواب کے لئے آپ نے دس بیس روز کی مہلت کا وعدہ بھی کیا اور پنڈت دیانند کو مددگار بنانے کی اجازت بھی دی۔ نیز نہایت جلال آمیز لہجہ میں آنحضرت ﷺ کے خلاف اس کی زبان درازی اور دریدہ دہنی پر سخت غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم کو اگر حضرت خاتم الانبیاء پر کچھ اعتراض ہے تو زبان تہذیب سے وہ اعتراض جو سب سے بھاری ہو تحریر کر کے پیش کرو۔ ہم تحریر کر دیتے ہیں کہ اگر وہ اعتراض تمہارا صحیح ہوا تو ہزار روپیہ ہم تم کو دیں گے۔ پنڈت کھڑک سنگھ جو عملاً پہلے ہی میدان چھوڑ چکا تھا آپ کے اس چیلنج کی تاب نہ لاکر قادیان سے ہی بھاگ گیا۔ مگر اپنی خفت اور شرمندگی چھپانے کے لئے اپنے گاؤں اودوکی سے ایک مجمل سا جواب لکھ بھیجا اور پھر وید کو سلام کر کے اصطباغ لے لیا۔ اور ریاض ہند اور چشمہ نور امرتسر میں اپنے لیکچر چھپوائے اور صاف لکھا کہ وید علوم الٰہی اور راستی سے بے نصیب ہیں اس لئے وہ خدا کا کلام نہیں ہو سکتے۔ اور آریوں کا ویدوں کے علم اور فلسفہ اور قدامت کے بارے میں ایک باطل خیال ہے۔ اس نازک بنیاد پر وہ حال اور ابد کے لئے اپنی امیدوں کی عمارت اٹھاتے ہیں اور اس ٹمٹماتی ہوئی روشنی کے ساتھ زندگی اور موت پر خوش ہیں۔ [۱۱]

آریہ سماجی لیڈروں کو دوسرا چیلنج

اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میدان مقابلہ کو کھڑک سنگھ تک محدود رکھنے کی بجائے آریہ سماج کے چوٹی کے لیڈروں تک وسیع کر دیا۔ اور ابطال تناسخ کے متعلق گزشتہ پانچ سو روپیہ کے انعامی چیلنج کے ساتھ اخبار "ہندو باندھو" میں شائع کر دیا۔ اور سوامی دیانند صاحب' پنڈت کھڑک سنگھ صاحب' باوا نارائن سنگھ صاحب' منشی جیون داس صاحب' منشی کنہیالال صاحب' منشی بختاور سنگھ صاحب' ایڈیٹر "آریہ درپن" بابو ساردا پرشاد صاحب' منشی شرمپت صاحب سیکرٹری آریہ سماج قادیان' منشی اندرمن صاحب مراد آبادی کو دعوت عام دی کہ وہ اسلام اور ویدک دھرم کی اس مقدس جنگ میں مرد میدان بن کر سامنے آئیں اور انعام حاصل کریں۔ جواب کے موازنہ کے لئے حضور نے پادری رجب علی صاحب اور پنڈت شیو نرائن اگنی ہوتری کو مقرر فرمایا۔ سفیر ہند میں آپ کے پہلے انعامی مضمون نے آریہ سماجیوں پر سکتہ کا عالم طاری کر دیا تھا۔ اب جو یہ دوسرا چیلنج شائع ہوا تو دو طرفہ حملہ سے ان کے چھکے ہی چھوٹ گئے۔ [۱۲]

باوا نارائن سنگھ صاحب جو پنڈت کھڑک سنگھ سے متعلق مباحثہ اور دوسرے انعامی چیلنج سے پہلے

بڑے زور و شور سے شرائط مباحثہ پر الجھ رہے تھے اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے- اور کچھ عرصہ بعد آریہ سماج کے پلیٹ فارم سے علیحدگی اختیار کر کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شاندار کامیابی پر مہر لگا دی- منشی کنہیالال، منشی بختاور سنگھ صاحب مدیر آریہ درپن اور بابو سارداپرشاد میں سے بھی کسی کو مرد میدان بننے کی جرات نہ ہو سکی- البتہ قادیان آریہ سماج کے سیکرٹری لالہ شرمپت صاحب کو (جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسرے انعامی چیلنج میں خاص طور پر مخاطب کیا تھا) اخباری دنیا میں آنے کا شوق چرایا- اور انہوں نے ابطال تناسخ کے مضمون یا پہلے چیلنج کا جواب دینے کی بجائے باوانارائن سنگھ کی خط و کتابت پر مفروضہ ثالث کی حیثیت سے ایک محاکمہ لکھ ڈالا اور اسے اگنی ہوتری کے رسالہ ہندوباندھو لاہور میں بغرض اشاعت بھجوا دیا-

پنڈت شونرائن اگنی کا تبصرہ اور اسلام کی تیسری فتح

پنڈت شونرائن اگنی نے شرمپت رائے کے مضمون کو تو اپنے رسالہ میں جگہ دے دی لیکن ساتھ ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معرکتہ الاراء مضمون پر ادارتی نوٹ میں شاندار تبصرہ لکھتے ہوئے شرمپت رائے کے مضمون کے وہ بخئے ادھیڑے کہ پھر انہوں نے مرتے دم تک اخباری دنیا کا رخ نہیں کیا- اور اس طرح آریہ سماج کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں تیسری مرتبہ شکست فاش ہوئی- پنڈت اگنی ہوتری کے اس تاریخی تبصرہ کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں- پنڈت صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابطال تناسخ والے مضمون اور چیلنج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا:

"ہم نے نہایت خوشی کے ساتھ اس مضمون کو درج رسالہ کیا تھا اور یہ امید دل میں قائم کی تھی کہ اگر مرزا صاحب کے دلائل جو نہایت صاف اور اصول منطق پر مبنی ہیں مذکورہ بالا صاحبان کی سمجھ میں آجائیں گے تو وہ بشرط اپنے اس اصول پر صادق رہنے کے کہ "راستی کے قبول کرنے اور ناراستی کے چھوڑنے کے لئے ہمیشہ مستعد رہنا چاہئے"- ضرور ہے کہ عام اور علانیہ طور سے وہ خدا کی خالقیت اور ابطال تناسخ کو تسلیم کر کے "راستی" کی تقلید کی واقعی مثال قائم کریں گے- اور اگر ان کی رائے میں مرزا صاحب کے دلائل بے بنیاد اور بے اصل ہیں تو اس سچے طریق کے ساتھ جو حق الامر کی تحقیقات کے لئے محققوں نے قائم کیا ہے مرزا صاحب کے دلائل کو اسی طرح نمبروار جس طرح مرزا صاحب نے انہیں رقم کیا ہے- کل کو یا ان میں سے کسی حصہ کو غلط ثابت کر کے اپنے عقیدہ کو تقویت دیں گے-

باوجود اس کے کہ ہم نے مرزا صاحب کے مضمون کا پہلا حصہ اپنے اپریل کے رسالہ میں ختم کر دیا تھا اور یہ یقین کیا تھا کہ اثبات دعویٰ کے لئے جس قدر دلائل وہ اس مضمون میں رقم کر چکے ہیں بخوبی

کافی ہیں۔ مگر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا اور ایک دوسرا حصہ اور تیار کر کے ہمارے پاس چھپنے کے لئے بھیج دیا ہے۔ اس حصہ کو ہم نے ہنوز رسالہ میں درج نہیں کیا بایں خیال کہ جو دلائل مرزا صاحب پہلے حصہ میں مشتہر کر چکے ہیں اگر انہیں کے رد کرنے کے لئے اہل آریہ تیار نہیں ہیں تو پھر مضمون مذکورہ کو اور زیادہ دلائل کے ساتھ طول دینا بالفعل کچھ ضرور نہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری امید بالکل خالی نہیں گئی۔ لالہ شرمپت صاحب نے جو آریہ سماج قادیان کے سیکرٹری ہیں ایک مضمون اثبات تناسخ پر ہمارے پاس برادر ہند میں مشتہر کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ چنانچہ اسے ہم درج رسالہ کرتے ہیں۔ کس حیثیت کا وہ مضمون ہے اور اس کا نفس مضمون کس سانچہ کا ڈھلا ہوا ہے۔ اور اس کی طرز عبارت سے راقم مضمون کی ذاتی لیاقت اور فضیلت کا کہاں تک اظہار ہوتا ہے۔ اور اصول مناظرہ سے اس کا ڈھنگ بیان کہاں تک موافق یا ناموافق ہے۔ اس کا فیصلہ ہم خود کرنا نہیں چاہتے بلکہ اپنے ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔ ہاں چند کلمے بطریق ہدایت دوستانہ لالہ صاحب اور نیز ان کے ہم خیال صاحبوں کے لئے یہاں پر درج کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

اول: ہر ایک کام کے لئے اس کے موافق انسان میں ایک خاص مادہ ہونا ضروری ہے [۱۲]۔ اصول مناظرہ یا بحث بھی اس قاعدہ سے خالی نہیں۔ پس پیشتر اس کے کہ ہم کچھ کہنے یا لکھنے کی جرات کریں۔ ہمارے لئے یہ لازم ہے کہ اپنے تئیں اصول مذکورہ کی صفت سے متصف بنالیں اور یہ کوئی آسان بات نہیں۔ برسوں کی تعلیم اور خاص قسم کی تربیت سے یہ ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر یہ ملکہ نہیں تو پھر صرف بولنا کون نہیں جانتا۔ حیوانات بھی ضد سے آواز برآمد کر سکتے ہیں۔

دوم: کسی اخبار یا رسالہ میں جس کے ہزاروں پڑھنے والے ہوتے ہیں۔ جب کوئی مضمون چھپوانا منظور ہو تو اس میں بالخصوص اصول مذکور کے مد نظر رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ بے سروپا بکواس کے ساتھ کاغذ کو سیاہ کر کے ناظرین کے خیالات کو بگاڑنا ان کی طبیعت کو منتشر کرنا اور خواہ مخواہ ان کی تضیع اوقات کرنا نہ صرف راقم مضمون کے لئے بے جا ہے بلکہ ایڈیٹر کے لئے بھی (جو اندراج مضامین کے لئے پورا پورا ذمہ وار ہے) یہ امر ناواجب ہے۔

اب دیکھنا چاہئے کہ لالہ شرمپت صاحب نے کہاں تک ان اصولوں کی پابندی کی ہے۔ اول: جو مضمون مرزا صاحب کا ابطال تناسخ پر ہمارے رسالہ میں مشتہر ہوا ہے لالہ صاحب نے اس کا جواب مطلق نہیں دیا۔ دوم: باوجود مرزا صاحب کی طرف سے بہ طلب جواب خود مخاطب کئے جانے کے مضمون مذکورہ پر "بطور ثالث کے رائے ظاہر کرتے ہیں"۔ وغیرہ

پنڈت شو نرائن اگنی ہوتری نے تبصرہ کے اختتام پر اس خیال کا اظہار بھی کیا کہ "اگر لالہ صاحبان

عقل سلیم کو کام میں لاکر اپنے فرضی عقیدہ سے تائب ہونے کے لئے تیار نہیں تو مرزا صاحب کے وجوہ کو ہی اصول مناظرہ و منطق سے غلط ثابت کر دکھائیں۔ ورنہ مفت کی بے سروپا اور بے ڈھنگی بکواس کا سلسلہ قائم رکھنا عقلمندوں کے نزدیک ایک حرکت لغو شمار کی جاتی ہے "۔ [۱۴]

لالہ جیون داس' باوا نارائن سنگھ اور لالہ شرمپت رائے وغیرہ ایک ایک کر کے میدان سے ہٹ گئے تو آخر میں چنیوٹ مڈل سکول کے آریہ سماجی مدرس منشی گردیال صاحب نے محض تحقیق حق کے لئے اخبار آفتاب (۱۶- مئی ۱۸۷۸ء) میں چند استفسارات روحوں کے انادی ہونے کے متعلق آپؑ کے سامنے پیش کئے اور باادب درخواست کی کہ ان کے شکوک کا ازالہ فرمائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دندان شکن مضامین سے آریہ سماجی دنیا پر سکوت مرگ طاری ہو چکا تھا۔ اس لئے اب مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن علمی تحقیق کی غرض سے آپ نے ایک بار پھر قلم اٹھانا ضروری سمجھا اور ان کے استفسارات کا مدلل اور مسکت جواب دے کر حق تبلیغ ادا کر دیا۔ [۱۵]

اسلام کی چوتھی فتح

اسلام اور آریہ سماج کی اس علمی جنگ کو چھڑے کئی ماہ ہو گئے لیکن اس دوران میں سوامی دیانند جی مہاراج جنہیں اشتہار میں باقاعدہ نام لے کر مقابلہ کی بار بار دعوت دی گئی تھی خاموش تماشائی بنے رہے اور ان پر حق کا رعب اس درجہ چھایا رہا کہ کچھ کہنے کی سکت نہ پا سکے۔ اور آخر مہینوں کے شدید انتظار کے بعد حضور کی خدمت میں تین آریہ سماجیوں کو یہ پیغام دے کر بھجوایا کہ "اگرچہ ارواح حقیقت میں بے انت نہیں ہیں لیکن تناسخ اس طرح پر ہمیشہ بنا رہتا ہے کہ جب سب ارواح مکتی پا جاتے ہیں تو پھر بوقت ضرورت مکتی سے باہر نکالی جاتی ہیں"۔ [۱۶] سوامی دیانند کے اس کھلے اعتراف سے اسلام کو چوتھی نمایاں فتح نصیب ہوئی۔

پنڈت شونرائن اگنی ہوتری کا فیصلہ

چنانچہ پنڈت شونرائن اگنی ہوتری نے مباحثہ کا ذکر کرتے ہوئے زوردار الفاظ میں یہ فیصلہ لکھا:

"سوامی دیانند سرسوتی مذہب کا جس قدر وعظ کرتے ہیں اور اس کے متعلق جن مسائل کا بیان فرماتے ہیں وہ سب وید کے موافق کہتے ہیں۔ ان کے مقلد یہ یقین کر کے اور وید کو خدا کا کلام مان کر اندھا دھند جو کچھ سوامی صاحب کے منہ سے سن لیتے ہیں وہ خواہ کیسا ہی علم و عقل کے مخالف ہو مگر اس کے پیرو ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ چند ماہ سے بعض آریہ سماج کے لائق ممبروں اور ہمارے رسالہ کے مضمون نگار صاحب کے درمیان جو کچھ مباحثہ جاری ہے۔ اس سے ہمارے ناظرین بخوبی واقف ہیں۔ سوامی صاحب کے مقلد باوجود خدا کے قائل ہونے کے سوامی جی کی ہدایت کے موافق یا یوں کہو کہ وید کے احکام کے موافق اپنا یہ یقین ظاہر کرتے ہیں کہ ارواح بے انت یعنی لاانتہاء ہیں اور خدا ان کا پیدا

کرنے والا نہیں ہے۔ اور جب سے خدا ہے تب ہی سے ارواح بھی ہیں۔ یعنی وہ انادی ہیں اور نیز خدا کو ارواح کی تعداد کا علم نہیں ہے ماسوائے کسی روح کو نجات ابدی حاصل نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ تناسخ یعنی اواگون کے سلسلہ میں مبتلا رہتی ہے۔ ہم اگرچہ ان میں سے کسی مسئلہ کے قائل نہیں ہیں اور حقیقت کے مخالف ہونے کے باعث ان کو محض بے ہودہ اور لغو خیال کرتے ہیں تاہم اس رنج طبعی سے بھی ہم اپنے آپ کو بری نہیں دیکھتے کہ ہمارے بہت سے ہم وطن باوجود علم و عقل رکھنے کے پھر ان کے فیض سے فیض یاب نہیں ہوتے۔ اور مثل ایسے لوگوں کے جن کے دماغ علم و عقل سے خالی ہیں محض تقلید کی غلامی کرتے ہیں۔ باوجود دولت رکھنے کے پھر اس کو کام میں نہیں لاتے اور مفلسانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ باوجود سوجاکھے ہونے کے آفتاب نیمروز کی روشنی میں بھی اندھوں کی طرح حرکت کرتے ہیں۔ ابھی تک آریہ سماج والے ارواح کے بے انت ہونے کا یقین کرتے رہے ہیں۔ اور بایں خیال کہ اس مسئلہ کو بھی مثل اور مسئلوں کے سوامی جی نے انہیں وید کی ہدایت کے موافق بتلایا تھا اس پر نہایت مضبوطی کے ساتھ دعویٰ کرتے رہے ہیں۔ مگر اب ہمارے مضمون نگار مرزا غلام احمد صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار جب مرزا صاحب نے مسئلہ مذکور اپنی بحث میں باطل ثابت کردیا تو لاچار سوامی جی نے مرزا صاحب کو یہ پیغام بھیجا کہ حقیقت میں ارواح بے انت نہیں ہیں۔ لیکن تناسخ صحیح ہے خیر کچھ ہی ہو۔ مگر اس موقعہ پر ہم اپنے ناظرین پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ سوامی جی کے اسی اقرار سے چار باتیں ان پر صادق آتی ہیں۔ اول جب کہ وہ وید کی ہدایت کے موافق آریہ سماج میں اپنے مقلدوں کو یہ یقین دلاچکے تھے کہ ارواح انادی اور لاانتہاء ہیں۔ پھر اس کے خلاف اس مسئلہ کے باطل ثابت ہونے پر یہ اقرار کرنا کہ ارواح حقیقت میں بے انت نہیں ہیں۔ صاف دلالت کرتا ہے کہ جس کتاب کی ہدایتوں کو وہ خدا کا کلام یقین کرتے ہیں اس کے مخالف انہوں نے اپنا یقین ظاہر کیا۔ دوم۔ اگر یہ پایا جاوے کہ در حقیقت وید میں یہی لکھا ہے کہ جو انہوں نے پیچھے سے اپنا یقین ظاہر کیا ہے تو پھر اس سے یہ ضرور لازم آتا ہے۔ کہ ان میں خود وید کے سمجھنے کے لئے بہت بڑی لیاقت موجود ہے اور نیز ویدوں کے سمجھانے کا بھی خوب ملکہ حاصل ہے یعنی ایک وقت میں وید سے جس قسم کی ہدایت ظاہر کی جاتی ہے دوسرے وقت حسب موقعہ ٹھیک اس کے برعکس بھی بتلائی جاسکتی ہے۔ سوم: اگر فی الواقع یہ مسئلہ ہی وید میں موجود نہیں ہے اور سوامی جی نے صرف اپنی رائے کے موافق ہی اپنے مقلدوں کو بتلایا تھا۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی کا یہ وید عجیب ہے کہ جس میں ریلوے اور تار برقی کے علوم تک کا تو ذکر ہو۔ مگر خاص دھرم کے متعلق جو مسائل ہیں ان کا کچھ بیان نہ ہو۔ اور باوجود وید کے مقلد رہنے کے ان کو پھر اسی سچے وید کی ہدایت کا

محتاج ہونا پڑے جس کو عقل کہتے ہیں۔ چہارم: سوامی جی کے اس برتاؤ سے کہ جس میں وہ اپنے کسی یقین کے غلط ثابت ہونے پر اس کو چھوڑ صحیح یا راست امر کی طرف رجوع کرتے ہوئے معلوم ہوتے رہے ہیں۔ ان کی اس عمدہ خوبی کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ ان میں انصاف پسندی کی عادت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ ایک مذکورہ بالا حرف۔ اول ہے مثال نہیں ہے جس میں انہوں نے اپنے یقین کو تبدیل کیا ہے بلکہ اس سے پہلے بارہا ایسا کر چکے ہیں۔ چند سال ہوئے کان پور میں جب انہوں نے ایک اشتہار اپنا دستخطی مشتہر کیا تھا تو اس میں انہوں نے اول اول اکیس شاستروں کو "ایشر کرت" (خدا کے اپنے تصنیف کئے ہوئے) قرار دیا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ جب انہوں نے ان میں بہت سی خرابیاں دیکھیں تو سب کو چھوڑ چھاڑ صرف چار ویدوں کو "ایشر کرت" بتلانے لگے۔ پھر اس کے بعد جب ویدوں کا ایک حصہ جس کو برہمن کہتے ہیں ان کی نظروں میں صحیح ثابت نہیں ہوا تو اب صرف اس کے اس حصہ کو جس کو منتر بھاگ کہتے ہیں 'الہامی کہتے ہیں۔ اس سے اگرچہ ان کی کسی قدر متلون مزاجی بھی ظاہر ہوتی ہے مگر ساتھ ہی اس کے طبیعت میں راستی پسندی کا بھی ثبوت پایا جاتا ہے۔ ہاں اس میں صرف ایک بہت بڑی کسر یہ باقی ہے کہ وہ اول ایک چیز کی نسبت پہلے سے ایک یقین پیدا کر لیتے ہیں۔ پھر جب کبھی حسب اتفاق اس یقین کا بطلان انہیں معلوم ہو جاتا ہے تب اس کو چھوڑتے ہیں۔ مگر اس قسم کی تحقیقات سچے محققوں کے اصول تحقیقات سے بالکل مخالف ہے۔ کیونکہ جب تم نے پہلے ہی ایک قسم کا یقین اپنے دل میں قائم کر لیا تو پھر اس میں خواہ مخواہ تمہاری طبیعت کا یہ مقتضی ہو جاتا ہے کہ اس کے بارے میں تم جو کچھ سوچتے ہو وہ زیادہ تر وہی ہوتا ہے جو تمہاری طبیعت کے موافق ہو کر تمہارے پہلے قائم کئے ہوئے یقین کی اعانت کرتا ہے۔ پس اگر وہ یقین غلط قائم ہو گیا ہے تو اس سے نکلنا ایک دفعہ نہایت مشکل بلکہ عنقریب ناممکن ہو جاتا ہے۔ پس اگر سوامی جی واقعی اپنے تئیں ایک سچے محقق کی مثال بنانا چاہتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ وہ پیشتر اس کے کہ تحقیقات ختم ہو کسی چیز کے موافق یا ناموافق یقین پہلے ہی سے پیدا نہ کر لیں۔ بلکہ ثالث بالخیر ہو کر مثل ایک سچے (محقق کے) جب مقدمہ کی کل تحقیقات ختم ہو جائے تب فیصلہ کو دخل دیں۔ کاش کہ ہمارے فاضل سوامی جی اب بھی ویدوں کے منتر بھاگ کو پہلے سے ہی الہامی ماننے سے گریز کریں۔ اور بعد تحقیقات کامل کے کہ جو انیسویں صدی میں چنداں مشکل نہیں ہے پھر حسب نتیجہ اپنی رائے کو قائم کریں۔ نیز اب ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ امرت سر آریہ سماج کے لائق سیکرٹری باوا نرائن سنگھ صاحب اور نیز ان کے دیگر وید بھائیوں نے پہلے جس زور و شور کے ساتھ سوامی جی کی ہدایت کے موافق ارواح کے بے انت ہونے کا دم بھرتے تھے اسی سرگرمی اور شد و مد کے ساتھ وہ اپنے پہلے یقین کے برعکس سوامی جی کے پچھلے اقرار کے موافق ارواح کے بے انت ہونے کے مسئلہ

پر یقین کرنے کو مستعد ہیں یا نہیں"۔ [۱۷]

سوامی دیانند جی نے اعتراف حقیقت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مباحثہ کی دعوت دی جسے حضرت اقدس نے ۱۰۔ جون ۱۸۷۸ء کو بلا تامل منظور فرمالیا اور سوامی جی کو یہ اختیار دیا کہ وہ مباحثہ کے مقام و تاریخ خود ہی معین کر کے اخبار میں اعلان کر دیں۔ لیکن سوامی دیانند جنہوں نے پہلے از خود دعوت دی تھی خود ہی میدان مباحثہ سے گریز کر گئے۔

ایک آریہ سماجی مصنف کا بیان

ایک آریہ سماجی اپنی کتاب "آریہ سماج اور پرچار کے سادھنا میں" اس فرار کی ایک فرضی وجہ بیان کرتے اور آریہ سماجی تحریک کے خوفناک اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اجمیر سے چل کر سوامی دیانند چاند پور پہنچے اور مسلمانوں سے زبردست مناظرہ کیا۔ مسلمانوں کی طرف سے مولوی محمد قاسم صاحب اور مولوی عبد المنصور صاحب پیش ہوئے اور ان کی مدد کے لئے بہت سے مولوی جمع تھے۔ لیکن سوامی جی مہاراج کے ساتھ صرف منشی بختاور سنگھ اور منشی اندر من مراد آبادی تھے۔ سوامی جی نے اعتراضات کی اس قدر بھرمار کی کہ مولوی ان کا کوئی جواب نہ دے سکے اور میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ مولوی نور اللہ صاحب کئی مسلمانوں کے سمیت آریہ ہو گئے۔ انہی ایام میں ایک ہزار کے قریب اور مسلمان بھی آریہ ہو گئے۔ آریہ ویروں نے جگہ جگہ شدھی سبھا قائم کر کے مسلمانوں میں پرچار کرنا شروع کر دیا۔ اگر آریہ سماجی دوست اس پوتر کام کو جاری رکھتے تو مسلمانوں کا ایک کثیر حصہ ویدک دھرم کی شرن میں آجاتا۔ لیکن آریہ سماج کے اندرونی اختلافات کی وجہ سے مرزا غلام احمد قادیانی کو موقع مل گیا۔ اس نے آریہ سماج کے خلاف سفیر ہند امرت سر میں مضامین کا ایک لمبا سلسلہ شروع کیا اور اس میں سوامی دیانند جی مہاراج کو بھی چیلنج دیا۔ چونکہ سوامی دیانند جی مہاراج ان دنوں راجستھان کا دورہ کر رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے بختاور سنگھ اور منشی اندر من مراد آبادی سے کہا کہ وہ ان کا چیلنج منظور کر لیں۔ لیکن افسوس ہے کہ انہی ایام میں بعض وجوہ کی بناء پر سوامی جی نے اندر من مراد آبادی کو آریہ سماج سے نکال دیا۔ اس لئے یہ مناظرہ نہ ہو سکا۔ مرزا غلام احمد نے اس ورگھٹنا سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور آریوں کے خلاف ایسا زہریلا لٹریچر لکھا کہ جس نے مسلمانوں کے، دلوں میں آریہ دھرم کے متعلق سخت نفرت پیدا کر دی"۔ [۱۸]

حقیقت یہ ہے کہ یہ توجیہہ محض سوامی جی کے فرار پر پردہ ڈالنے کے لئے ہے۔ رسالہ جیون دھرم (۱۵۔ جولائی ۱۸۸۶ء) لکھتا ہے کہ "پنڈت دیانند صاحب جاتے وقت اشاروں کنایوں سے بعض معزز برہمو صاحبوں کو سمجھا گئے تھے کہ اب میرا ایمان ویدوں پر نہیں رہا"۔ [۱۹] پس جب سوامی صاحب

(حضرت مسیح موعودؑ کے زبردست مضامین کے باعث) ویدوں سے درپردہ منحرف ہوگئے تھے تو وہ میدان مناظرہ میں قدم رکھنے کی جرات ہی کیسے کر سکتے تھے۔؟؟

آریہ سماج کے بعد برہمو سماج سے تحریری مباحثہ

آریہ سماج کے قیام سے پچپن برس پیشتر مشہور ہندو لیڈر راجہ رام موہن رائے نے برہمو سماج کے نام سے ایک جدید مذہب اختراع کیا جس کی تمام تر بنیاد عقل کی قیادت اور الہام کے انکار پر تھی [۲۰] راجہ رام موہن رائے کے بعد برہمو سماج تحریک متعدد شاخوں میں منقسم ہو گئی۔ اور ابتداء میں ان کے لیڈر مہرشی دبندر و ناتھ ٹیگور، بابو کیشب چندر سین اور غالباً بابو راج نرائن بوس بنے۔ [۲۱] پنجاب میں برہمو سماج کے مشہور اور سرگرم پرچارک پنڈت نرائن اگنی ہوتری تھے۔ جن کے اخبار "ہندو باندھو" کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے آریہ سماج کے مقابلہ کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ اور جس میں پنڈت صاحب موصوف نے ثالث کی حیثیت سے آریہ سماج کے مقابل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دلائل کی برتری کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا تھا۔ اب جو آریہ سماجی لیڈر چاروں شانے چت گر چکے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا خود پنڈت اگنی ہوتری سے ضرورت الہام کے متعلق پرائیویٹ تحریری مباحثہ شروع ہو گیا۔ جو ۲۱۔ مئی ۱۸۷۹ء سے ۱۷۔ جون ۱۸۷۹ء تک جاری رہا۔ دوران مباحثہ میں پنڈت صاحب نے لکھا کہ اس پرائیویٹ گفتگو کو اخبار میں شائع کرنا شروع کر دیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سے اتفاق رائے کرتے ہوئے یہ تجویز پیش فرمائی کہ ایک فاضل نامی گرامی برہمو سماجی مثلاً مسٹر کیشب چندر سین اور ایک انگریز کو بطور ثالث نامزد کر کے ان کی رائے بھی شامل اشاعت کی جائے جو محض اس قدر فیصلہ پر اکتفا نہ کریں کہ ہماری رائے میں یہ ہے یا وہ ہے بلکہ ہر ایک فریق کی دلیل اپنے بیان سے توڑیں یا بحال رکھیں تا قارئین کو اصل نتیجہ تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ پنڈت شو نرائن کو جب یہ تجویز پہنچی تو وہ سناٹے میں آ گئے۔ اور باوجودیکہ حضرت اقدس نے ثالثوں میں برہمو سماجی لیڈر اور ایک غیر جانبدار انگریز رکھا تھا اور کسی مسلمان کو اس میں شامل نہیں کیا تھا بلکہ ان کی نامزدگی کا معاملہ بھی انہی پر چھوڑا تھا۔ مگر انہوں نے یہ معقول اور سراسر مفید تجویز تسلیم کرنے کی بجائے صرف گزشتہ خط و کتابت ہی شائع کر کے بالکل سکوت اختیار کر لیا۔ پھر آٹھ سال گزرے تو ۱۶۔ فروری ۱۸۸۷ء کو برہمو سماج کو خیرباد کہہ دیا اور ایک تیسرا فرقہ "دیو سماج" نامی قائم کر لیا۔ پہلے تو وہ فقط ضرورت الہام کے قائل نہیں تھے۔ اب حق و صداقت کے مقابلہ کا عبرت ناک انجام یہ ہوا کہ "مہامانیہ پوجنیہ بر شری دیو گورو بھگوان بن کر خدا کے بھی منکر ہو گئے"۔ [۲۲]

برہمو سماج تحریک کی ناکامی

آریہ سماج کی طرح برہمو سماج تحریک کو ناکام بنانے کا سہرا بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر ہے۔ چنانچہ برہمو سماج کے ایک مشہور اپدیشک دیو نندر ناتھ سہائے لکھتے ہیں:

"برہمو سماج کی تحریک ایک زبردست طوفان کی طرح اٹھی اور آناً فاناً نہ صرف ہندوستان بلکہ غیر ممالک میں بھی اس کی شاخیں قائم ہو گئیں۔ بھارت میں نہ صرف ہندو اور سکھ ہی اس سے متاثر ہوئے بلکہ مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ نے بھی اس میں شمولیت اختیار کی۔ روزانہ بیسیوں مسلمان برہمو سماج میں پرویش یعنی داخل ہوئے اس کی دیکھشا لیتے ہمیں معلوم ہے کہ بنگال کے بڑے بڑے مسلم خاندان برہمو سماج کے ساتھ نہ صرف سمت تھے بلکہ اس کے باقاعدہ ممبر تھے۔ لیکن عین انہی دنوں میں مرزا غلام احمد قادیانی نے جو مسلمانوں میں ایک بڑے عالم تھے ہندوؤں اور عیسائیوں کے خلاف کتابیں لکھیں اور ان کو مناظرے کے لئے چیلنج دیا۔ افسوس ہے کہ برہمو سماج کے کسی ودوان نے اس چیلنج کی طرف توجہ نہیں کی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ مسلمان جو کہ برہمو سماج کی تعلیم سے متاثر تھے نہ صرف پیچھے ہٹ گئے بلکہ باقاعدہ برہمو سماج میں داخل ہونے والے مسلمان بھی آہستہ آہستہ اسے چھوڑ گئے" [۲۳]

ایک اور برہمو سماجی رام داس گوڑا اپنی کتاب "ہندوتو" میں لکھتے ہیں:

"برہمو سماج نے ہندو سنکرتی کی بندھی مریادا کو رستہ وسترت (عام) کر دیا کہ برہمو سماج کے ممبر عیسائی اور مسلمان بھی ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ بعض لوگوں کو اس میں اختلاف تھا۔ یہی کارن تھا کہ اس میں دو فریق ہو گئے تھے۔ ایک فریق کا کہنا تھا کہ سنکرتی کو بدل کر ایسا بنانا چاہئے کہ سب مذاہب والے اس میں آسانی سے رہ سکیں۔ لیکن دوسرا فریق اس کی مخالفت کرتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ہمیں غیر مذاہب والوں کو اپنے اندر شامل کرتے ہوئے ہندو سنکرتی کو بھولنا نہیں چاہئے۔ راجہ رام موہن رائے کی زبردست شخصیت نے انگلستان اور امریکہ میں برہمو سماج کو یونی ٹیرین چرچ کی شکل میں قائم کیا اور سینکڑوں خاندانوں نے آپ کے ہاتھ پر برہمو سماج کی دیکھشا لی۔ لیکن افسوس ہے کہ بھارت کے مسلمانوں پر قادیانی سمپر دائے (فرقہ) کی وجہ سے بہت برا اثر پڑا۔ اور مسلمانوں میں سے شردھالو جو برہمو سماج کے نیموں سے پربھاوت ہو چکے تھے قریباً قریباً پیچھے ہٹ گئے"۔ [۲۴]

ایک رات میں بے مثال روحانی انقلاب

غالباً اسی سال کا واقعہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک سفر کے دوران میں گورداسپور میں تشریف فرما تھے کہ آپ کو ایک خواب میں دکھایا گیا کہ مولانا مولوی عبداللہ

غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کا زمانہ وفات قریب ہے آنکھ کھلنے کے بعد آپ نے محسوس کیا کہ ایک آسمانی کشش آپ کے اندر کام کر رہی ہے۔ یہاں تک کہ وحی الٰہی کا سلسلہ جاری ہو گیا اور پھر ایک ہی رات میں آپ کے اندر بے مثال روحانی انقلاب برپا ہو گیا چنانچہ خود فرماتے ہیں:

"وہی ایک رات تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے بتمام و کمال میری اصلاح کر دی اور مجھ میں ایک ایسی تبدیلی واقع ہو گئی جو انسان کے ہاتھ سے یا انسان کے ارادے سے نہیں ہو سکتی تھی"۔ [۲۵]

اس دور کی شاندار اسلامی خدمات کا اعتراف

اس دور کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اسلامی خدمات' عیسائیت' آریہ سماج اور برہمو سماج کے ابطال میں اتنی بلند پایہ' رفیع القدر اور شاندار تھیں کہ آج تک غیر از جماعت مسلم لیڈر بھی ان کا کھلا اعتراف کر رہے ہیں۔ مثلاً سید حبیب صاحب سابق مدیر "سیاست"' "تحریک قادیان" میں لکھتے ہیں:

"غدر ۱۸۵۷ء کی تمام ذمہ داری بے جا طور پر مسلمانوں کے سر منڈھ دی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارباب حکومت کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے بغض پیدا ہو گیا ادھر مسلمانوں کے علماء نے حکومت انگلشیہ سے ہر قسم کے تعاون کو گناہ قرار دے کر اعلان کر دیا کہ ہندوستان دار الحرب ہے۔ نیز بین الاقوامی معاملات نے بھی ایسی صورت اختیار کر لی کہ مسلمانوں اور انگریزوں کے تعلقات اچھے نہ رہے۔ مسلمانوں نے علماء کے فتاوٰی کے باعث انگریزی مدارس سے جو تعلیم کی روشنی کو واپس لانے والے تھے' اجتناب کیا۔ مساجد اجڑی پڑی تھیں۔ مکاتب کا نشان مٹ چکا تھا۔ صوفیاء کے تکیئے حدیث شریف و قرآن مجید کے مسائل کی جگہ بھنگ نواز دوستوں کی گپ بازی کا مرکز بن چکے تھے۔

غرض حالت یہ تھی کہ مسلمان حکام وقت کا چور بنا ہوا تھا۔ حکومت اس کے ہاتھوں سے چھن چکی تھی۔ تجارت سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ تعلیم اس کے ہاں سے غائب ہو چکی تھی۔ اور جاہل ماں باپ' جاہل تر اولاد پیدا کر رہے تھے۔ بے کاری' مفلسی اور حکومت کے عتاب نے مسلمانوں کو ایک قابل نفرت چیز بنا دیا تھا۔

مسیحی پادری ہمیشہ تسلیم کرتے رہے ہیں کہ دنیا میں ان کے عقائد کے لئے اگر کوئی خطرہ موجود ہے تو اس کا نام اسلام ہے۔ وہ اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو بہکانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ انہوں نے اس وقت کو غنیمت اور اس موقعہ کو بے حد مناسب جان کر مسلمانوں کو بہکانے کے لئے ایک عالمگیر جدوجہد شروع کی جس کا سلسلہ ۱۸۶۰ء سے لے کر ۱۹۰۳ء کے بعد تک بڑے زور و شور سے قائم رہا۔

بے کار مسلمان مسیحی ہو کر روزگار حاصل کر لیتے تھے۔ قلاش مسلمان مالی لحاظ سے بہتر حالت میں ہو

جاتے تھے۔ اور غداری کا داغ جو ان کے لئے بے حد پریشان کن تھا۔ وہ بپتسمہ کے پانی کے ساتھ ان کی پیشانی سے دھل جاتا تھا۔ یہ ترغیبات کچھ معمولی نہ تھیں۔ زر، حکومت اور ثروت کی ترغیب سے اگر کسی اور دین کا واسطہ پڑتا تو مٹ جاتا۔ یہ اسلام ہی کا کام تھا کہ وہ اس بے پناہ حملہ سے محفوظ رہا۔ و الحمدلله علی ذالک

عیسائیوں کے ان حملوں سے ہندو بھی محفوظ نہ تھے۔ لیکن اول تو وہ جدید تعلیم حاصل کر کے پرانی جہالت کے ازالہ میں مصروف ہو گئے تھے۔ دوسرے ان کے پاس تجارت اور دولت موجود تھی۔ لہٰذا یہ نہ قلاش و مفلس تھے نہ بے روزگار۔ تیسرے یہ حکومت کے عتاب سے محفوظ تھے۔ بلکہ یوں کہئے کہ اس کے لطف کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ لہٰذا انہیں وہ خطرات درپیش نہ تھے جو مسلمانوں کے لئے مخصوص ہو چکے تھے۔

مسلمانوں کو بہکانے کے لئے عیسائیوں نے دین حقہ اسلام اور اس کے بانی ﷺ پر بے پناہ حملے شروع کر دیئے جن کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ آخر زمانہ نے تین آدمی ان کے مقابلہ کے لئے پیدا کئے۔ ہندوؤں میں سے سوامی شری دیانند جی مہاراج نے جنم لے کر آریہ دھرم کی بنیاد ڈالی اور عیسائی حملہ آوروں کا مقابلہ شروع کیا مسلمانوں میں سرسید علیہ الرحمہ نے سپر سنبھالی اور ان کے بعد مرزا غلام احمد صاحب اس میدان میں اترے۔

سرسید احمد علیہ الرحمہ نے مسلمانوں کے سر سے غداری کا الزام دور کرنے کی کوشش کی اور انہیں تعلیم جدید کی طرف متوجہ کیا اور ساتھ ہی مسیحیوں کے حملوں کا جواب دے کر شریعت حقہ کی حمایت کرنے لگے۔ غدر کا الزام آج تک مسلمانوں کے سر پر موجود ہے۔ البتہ جدید تعلیم کی ترویج میں سرسید کو غیر معمولی کامیابی ہوئی۔ ان کی سیاسی رہنمائی بھی صحیح ثابت ہوئی اور مسلمان ایک عرصہ تک اس رہنمائی سے روگردانی کرنے کے بعد آج پھر لاچار ہو کر انہی کے اصولوں کو اختیار کر کے کامیاب ہو رہے ہیں۔

مذہبی حملوں کا جواب دینے میں البتہ سرسید کامیاب نہیں ہوئے۔ اس لئے کہ انہوں نے ہر معجزے سے انکار کیا اور ہر مسئلہ کو بزعم خود عقل انسانی کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں بچے کھچے جو علماء بھی موجود تھے ان میں اور سرسید میں ٹھن گئی۔ کفر کے فتوے شائع ہوئے اور بہت غلاظت اچھلی نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحی پروپیگنڈہ زور پکڑ گیا اور علی گڑھ کالج مسلمانوں کی بجائے ایک قسم کے ملحد پیدا کرنے لگا۔ یہ لوگ محض اتفاقی پیدائش کی وجہ سے مسلمان ہوتے تھے ورنہ انہیں اسلام پر کوئی اعتقاد نہ ہوتا تھا.....

اس وقت کہ آریا اور مسیحی مبلغ اسلام پر بے پناہ حملے کر رہے تھے۔اکے دکے جو عالم دین بھی کہیں موجود تھے۔وہ ناموس شریعت حقہ کے تحفظ میں مصروف ہو گئے مگر کوئی زیادہ کامیاب نہ ہوا۔اس وقت مرزا غلام احمد صاحب میدان میں اترے۔اور انہوں نے مسیحی پادریوں اور آریا اپدیشکوں کے مقابلہ میں اسلام کی طرف سے سینہ سپر ہونے کا تہیہ کر لیا۔میں مرزا صاحب کے ادعائے نبوت وغیرہ کی قلعی کھول چکا ہوں لیکن بقولیکہ ع عیب وی جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو۔مجھے یہ کہنے میں ذرا باک نہیں۔کہ مرزا صاحب نے اس فرض کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا اور مخالفین اسلام کے دانت کھٹے کر دیئے۔ "اسلام کے متعلق ان کے بعض مضامین لاجواب ہیں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر مرزا صاحب اپنی کامیابی سے متاثر ہو کر نبوت کا دعویٰ نہ کرتے تو ہم انہیں زمانہ حال میں مسلمانوں کا سب سے بڑا خادم مانتے۔لیکن افسوس ہے کہ جس کی ابتداء اچھی تھی انتہاء وہ نہ رہی جو ہونا چاہئے تھی۔

مسلمان ایک ایسی قوم ہے جو اپنے خدام کی قدر کرتی ہے۔عیسائیوں اور آریاؤں کے مقابلہ میں مرزا صاحب کی خدمات کی وجہ سے مسلمانوں نے انہیں سر پر بٹھایا اور دلوں میں جگہ دی۔مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم اور مولانا ثناء اللہ امرتسری جیسے بزرگ ان کے حامی اور معترف تھے اور ان ہی کے نام کا ڈنکا بجاتے تھے۔غرض مرزا صاحب کی کامیابی کی پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے جبکہ جہالت مسلمانوں پر قابض تھی اور اسلام مسیحی اور آریہ مبلغین کے طعن و تشنیع کا مورد بنا ہوا تھا۔ مرزا صاحب نے اس حالت سے فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کی طرف سے سینہ سپر ہو کر اغیار کا مقابلہ کیا"۔ [۸۱]

حواشی

۱- ۱۸۵۷ء کے حالات پر بہت کچھ رنگ آمیزی کی گئی ہے۔ لیکن بعض مستند واقعات اور قرائن سے یہ حقیقت بالکل نمایاں ہے کہ اس "انقلاب" میں بہادر شاہ ظفر اور دوسرے مسلمان محض آلہ کار بنائے گئے تھے۔ دراصل اس تحریک کے اٹھانے والے ہندو تھے اور تلنگوؤں کی بغاوت کے پیچھے ہندو راج کے قیام کا منصوبہ کار فرما تھا۔ چنانچہ مشہور مورخ مولانا ذکاء اللہ لکھتے ہیں۔ "اول' حکم بادشاہ کا جو صادر ہوا وہ یہ تھا کہ گائے ذبح نہیں کی جائے گی۔ ۹۔ جولائی کو ڈھنڈورا پٹوایا کہ جو گائے ذبح کرے گا وہ توپ کے منہ سے اڑایا جائے گا۔ بقرعید کو گائے کی قربانی منع کی گئی۔ اگر بادشاہ کو اختیار ہوتا تو وہ کیوں ہندو راجہ کے سے احکام دیتا مگر تلنگوؤں کے ہاتھ سے مجبور تھا جو اس نے اپنی مرضی اور مذہب کے خلاف یہ حکم دیئے.... مسلمانوں کو یہ بادشاہی احکام ناگوار گذرے اور انہوں نے کہا یہ اسلام کی بادشاہی نہیں یہ تو ہندوؤں کا راج ہے.... مسلمانوں نے ایک دفعہ اپنا محمدی جھنڈا ہندوؤں پر جہاد کے لئے لگایا۔ دوسری دفعہ مولوی محمد سعید نے جامع مسجد میں یہ جھنڈا کھڑا کیا تو بادشاہ نے ان سے کہا کہ یہ کس کے لئے ہے۔ انگریز تو شہر میں باقی نہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ ہندوؤں کے لئے لگایا ہے۔ بادشاہ نے ان کو یہ سمجھا کر اس جھنڈے کو اکھڑوا دیا کہ سارے تلنگے ہندو ہیں ان سے بے چارے مسلمان کیا لڑیں گے"۔ (تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ ہند صفحہ ۶۶۰ مطبوعہ ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء شمس المطابع دہلی)

۲- اس غرض کی تکمیل کے لئے سوامی دیانند نے "ستیارتھ پرکاش" جیسی رسوائے عالم کتاب لکھی۔

۳- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "سوامی دیانند اور ان کی تعلیم" مرتبہ مولانا خواجہ غلام الحسنین پانی پتی مطبوعہ ۱۹۳۲ء شائع کردہ اورینٹل پبلک لائبریری پانی پت۔ صفحہ ۱۱۹' ۱۲۲' ۱۷۵' ۱۷۷' ۲۹۱' ۲۹۶۔

۴- "لائف آف احمد" صفحہ ۶۱

۵- تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱-۲ مرتبہ حضرت میر قاسم علی صاحب" مطبوعہ اپریل ۱۹۱۸ء۔ اسی دوران میں حضور نے آریہ سماجی عقیدہ کو باطل ثابت کرنے کے لئے ایک نظم بھی لکھی تھی جو منشور محمدیؐ میں شائع ہوئی (ملاحظہ ہو الحکم ۷ تا ۲۸۔ مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۴)۔

۶- حیات النبی جلد اول نمبر ۲ صفحہ ۱۱۳ و تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۸

۷- پرانی تحریریں صفحہ ۷۲ تا ۷۳ (طبع سوم بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان دسمبر ۱۹۲۵ء) و تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۲ تا ۶

۸- ایضاً و مکتوبات احمدیہ جلد دوم نمبر ۳

۹- "مجدد اعظم" جلد اول صفحہ ۸۲ پر لکھا ہے کہ "سردار سنت سنگھ صاحب مسلمان ہو کر عبدالرحمٰن بن چکے اور ان کی بیوی بھی مسلمان ہو چکیں۔ ادھر حضرت مرزا صاحب کے مضامین نے اخبارات میں دھوم مچا رکھی تھی اور آریہ سماج کے دھرے بکھیر دیئے تھے تو قادیان کے آریوں نے پنڈت کھڑک سنگھ کو حضرت مرزا صاحب سے مباحثہ کے لئے بلایا"۔ ان الفاظ میں سردار سنت سنگھ کے قبول اسلام کے واقعہ کو پنڈت کھڑک سنگھ کی آمد کی ایک وجہ بتایا گیا ہے جو تاریخی لحاظ سے غلط ہے۔ کیونکہ اسی صفحہ پر قبول اسلام کی معین تاریخ ۲۳۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۱ھ درج ہے جو شمسی حساب کے مطابق ۲۲۔ فروری ۱۸۸۴ء بنتی ہے (التوفیقات الالہامیہ) پس فروری ۱۸۸۴ء کا واقعہ ۱۸۷۸ء کی کسی دعوت و تحریک کا موجب کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔؟؟

۱۰- مکتوبات احمد جلد دوم صفحہ ۱۴ تا ۷۴۔

۱۱- شحنہ حق صفحہ ۲۴ طبع اول ریاض ہند پریس امرتسر ۱۸۸۸ء

۱۲- حیات احمد جلد اول نمبر ۳ صفحہ ۲۱۲' ۲۱۵' ۲۱۹' ۲۳۵ تا ۲۴۰۔ مکتوبات احمدیہ جلد دوم نمبر ۲ صفحہ ۴۱' ۵۳' ۵۹' ۷۱' ۷۵' ۷۸ حیات احمد صفحہ ۲۳۶' ۲۳۸ و ۲۴۰ شحنہ حق صفحہ ۲۴ پرانی تحریریں صفحہ ۱ تا ۱۴' حیات النبی صفحہ ۱۲۰' ۱۲۲' ۱۲۳' ۱۳۱ تبلیغ رسالت صفحہ ۲-۶

۱۳- متن میں د سہواً چھوٹ گئی ہے۔ مرتب)

۱۴- بحوالہ حیات احمد صفحہ ۲۲۱ تا ۲۲۴-

۱۵- پرانی تحریریں صفحہ ۳۸-۴۰ ناشر بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان دسمبر ۱۹۲۵ء-

۱۶- حاشیہ تبلیغ رسالت جلد نمبر ۱ صفحہ ۶' ۷ طبع اول اپریل ۱۹۱۸ء و مکتوبات احمدیہ جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۷۰' ۷۱ ناشر بدر ایجنسی قادیان دسمبر ۱۹۱۲ء-

۱۷- برادر ہند جولائی ۱۸۷۸ء بحوالہ حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۱۴-۱۱۸

۱۸- کتاب "آریہ سماج اور پرچار کے سادھنا" صفحہ ۱۲ (مولفہ مہاشہ دیودت)-

۱۹- بحوالہ سرمہ چشم آریہ طبع دوم صفحہ ۱۳۴

۲۰- برہمو سماج کے متعلق معلومات کے لئے اخبار پیغام صلح ۵- جنوری ۱۹۱۵ء صفحہ ۲-۳ ملاحظہ ہو- نیز سوامی دیانند اور ان کی تعلیم صفحہ ۸۳

۲۱- ولادت ۱۸۳۸ء وفات جنوری ۱۸۸۴ء-

۲۲- "دیو آتما اور اس کا الوکک جیون برت" (مطبوعہ نول کشور گیس پرنٹنگ ورکس لاہور دسمبر ۱۹۱۱ء) "انسانی دنیا میں ایک لاثانی ظہور" (مطبوعہ اگست ۱۹۰۹ء) "دیو سماج کے بارے میں مختصر بات چیت" مطبوعہ اگست ۱۹۱۲ء-

۲۳- رسالہ "کودی" کلکتہ اگست ۱۹۲۰ء (ہندی سے ترجمہ) مترجم مہاشہ محمد عمر صاحب مربی سلسلہ احمدیہ

۲۴- "ہندوتو" صفحہ ۹۸۲ مصنفہ رام داس گوڑ (ہندی سے ترجمہ)

۲۵- نزول المسیح صفحہ ۲۳۷

۲۶- "تحریک قادیان" از مولانا سید حبیب صاحب سابق مدیر "سیاست" مطبوعہ ۱۹۳۳ء مقبول عام پریس لاہور صفحہ ۲۰۷' ۲۱۰

باب یازدہم

براہین احمدیہ کی انقلاب انگیز تصنیف و اشاعت
دنیائے مذاہب میں زبردست تہلکہ

(۱۸۸۰ تا ۱۸۸۴)

براہین احمدیہ کی تالیف کا پس منظر

بالخصوص آریہ سماج کے خلاف قلمی جنگ کے دوران میں آپ کے دل میں یکایک یہ غیبی تحریک پیدا ہوئی کہ معرکہ حق و باطل کے اس نازک ترین دور میں جبکہ عیسائیت' آریہ سماج' برہمو سماج وغیرہ منظم شکل میں اسلام پر حملہ آور ہیں۔ دین مصطفیٰ کے دفاع کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے جس میں باطل کے اس مرکب حملہ کا علمی اور عملی' عقلی اور منقولی سب ہی ہتھیاروں سے دندان شکن جواب دیا جائے۔ اور اپنے روحانی تجربات اور حقانیت اسلام کے تازہ نشانوں کو پیش کر کے اسلام کی فضیلت اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی صداقت اور قرآن مجید کی فوقیت اور برتری کے ثبوت میں اندرونی اور بیرونی' ماضی اور حال کے زبردست دلائل کی ایک ایسی عظیم الشان صف بستہ فوج کھڑی کر دی جائے کہ دشمن کے مورچے بے کار ہو جائیں اور اسلام فاتحانہ شان کے ساتھ ہر قلب سلیم میں داخل ہو جائے۔ چنانچہ یہ خیال آتے ہی دین حق کے سپہ سالار نے ہاتھ میں قلم لیا اور روح القدس کی تائید سے نہایت مختصر وقت میں ایک معرکتہ الاراء کتاب تصنیف کر ڈالی۔ یہ کتاب آپ کی پہلی اور شہرہ آفاق تصنیف "براہین احمدیہ" تھی۔

براہین احمدیہ کی تصنیف کے متعلق حضور کا ایک کشف

یہی وہ مبارک کتاب تھی جس کے متعلق مدتوں قبل عالم شباب میں بذریعہ کشف آپ کو خبر دی گئی تھی کہ قطبی نام کی ایک کتاب لکھنا آپ کے لئے مقدر ہے۔ [۱] اس کتاب کو قطبی اس لئے کہا گیا تھا کہ وہ اپنے مضبوط دلائل اور مستحکم اور غیر متزلزل براہین اور انوار و برکات کے لحاظ سے قطب ستارہ کی حیثیت میں افق پر طلوع ہوگی اور جس طرح قطب ستارہ سے قبلہ

کی تعین کی جاتی ہے اسی طرح دنیا بھر کو یہ کتاب کعبۃ اللہ کے روحانی پیکر اسلام کی طرف راہ نمائی کرنے کا موجب بنے گی۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس مایہ ناز تصنیف کے دلائل و براہین کے ناقابل تردید اور رائل ہونے پر اس درجہ یقین اور ایمان تھا کہ ۱۸۸۰ء میں جب اس کتاب کا پہلا حصہ شائع ہوا تو اس میں آپ نے مذاہب عالم کو دس ہزار روپیہ کا انعامی چیلنج دیتے ہوئے یہ پر شوکت اعلان فرمایا کہ جو شخص حقیقت فرقان مجید اور صدق رسالت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے ان دلائل کا جو قرآن مجید سے اخذ کر کے پیش فرمائے ہیں اپنی الہامی کتاب میں آدھا یا تہائی یا چوتھائی یا پانچواں حصہ ہی نکال کر دکھلائے۔ یا اگر بکلی پیش کرنے سے عاجز ہو تو حضور ہی کے دلائل کو نمبروار توڑ دے تو آپ بلا تامل اپنی دس ہزار کی جائیداد اس کے حوالہ کر دیں گے۔ [۲] بشرطیکہ تین ججوں پر مشتمل مسلمہ بورڈ یہ فیصلہ دے کہ شرائط کے مطابق جواب تحریر کر دیا گیا ہے۔

واقعاتی لحاظ سے بھی براہین احمدیہ ہر جہت سے قطبی ثابت ہوئی اور غیر مذاہب کے مقابل اسلام کی ترقی و سرفرازی کا موجب بنی۔ براہین احمدیہ سے قبل کفر و الحاد کا سیلاب جو نہایت تیزی سے بڑھ رہا تھا اس کے منصہ شہود پر آتے ہی یکسر پلٹ گیا اور عیسائیت کا وہ فولادی قلعہ جس کی پشت پناہی ۱۸۵۷ء کے بعد حکومت کی پوری مشینری کر رہی تھی پاش پاش ہو گیا۔ اور ہمیں یقین ہے کہ مستقبل میں اسلام کی طرف سے کفر کے خلاف آخری جو روحانی جنگ ہونے والی ہے وہ انہی ہتھیاروں سے لڑی جائے گی جو براہین احمدیہ کے روحانی اسلحہ خانہ میں پہلے سے موجود ہیں۔ اور بالآخر اسی قطب ستارہ کی قیادت میں دنیا کا قافلہ اسلام کی طرف روانہ ہو گا۔ اور اس طرح کشف مذکورہ کا وہ حصہ بھی پورا ہو جائے گا۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ سے دین مصطفیٰ کو پھر سے شان و شوکت بخشے گا اور دائمی غلبہ عطا کرے گا۔ مشہور برطانوی مؤرخ پروفیسر آرنلڈ ٹوئن بی اپنے لیکچر "دور حاضر کا چیلنج" (The Challang of our era) میں کہتے ہیں۔ "وہ وقت قریب آ رہا ہے جب دہریت عنقا ہو جائے گی اور تمام دنیا پھر مذہبی بھیس میں جلوہ گر ہو گی مگر کہا نہیں جا سکتا کہ وہ کس مذہب کو قبول کرے گی"۔ دراصل یہ دنیا کے حقیقی مذہب اسلام کی آمد کا ایک نظارہ ہے جو دنیا کے بڑے بڑے سائینسدانوں کو مستقبل کے دھندلکوں میں افق سے دور آج بھی دکھائی دے رہا ہے۔ مادی دنیا گو ابھی اپنی کوتاہ نظری اور بے بصیرتی کے باعث ابھی آنے والے شہنشاہ کو شناخت نہیں کر سکی تاہم وہ جلد یا بدیر اسے دل کی روشنی سے پہچانے گی۔ اس کا گرمجوشی سے استقبال کرے گی اور اپنی آنکھیں اس کے لئے فرش راہ کر دے گی۔ اور یہی وہ وقت ہو گا جبکہ خدائی کشف کے مطابق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ابدی جاہ و جلال کے تخت پر پوری شان سے جلوہ گر ہوں گے۔

براہین احمدیہ کو ملک بھر کے مسلم حلقوں کی طرف سے بے مثال خراج عقیدت

"براہین احمدیہ" کا پہلا حصہ اگرچہ اکثر و بیشتر اشتہار پر مشتمل تھا۔ لیکن اس کا منظر عام پر آنا ہی تھا کہ ملک کے طول و عرض میں ایک زبردست تہلکہ مچ گیا۔ مسلمانان ہند نے جو کفر کے پے در پے حملوں سے نڈھال ہو بیٹھے تھے خوشی اور مسرت سے تمتما اٹھے اور حضورؑ کو بے مثال خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اسے اسلامی مدافعت کا زبردست شاہکار قرار دیا۔

براہین احمدیہ کے محاسن و کمالات پر سب سے مبسوط اور زوردار ریویو ملک کے اہل حدیث لیڈر ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ "اشاعۃ السنہ" جلد ہفتم (نمبر۶-۱۱) میں لکھا۔ جو قریباً دو سو صفحات کو محیط تھا۔ اور اس میں اس کتاب کو اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں اپنی نوعیت کی واحد اسلامی خدمت قرار دیا گیا تھا۔ یہ تبصرہ اس لحاظ سے خاص وقعت رکھتا تھا کہ یہ ملک کے ایک چوٹی کے ذمہ دار عالم کے قلم سے نکلا جس کا اس زمانہ میں طوطی بول رہا تھا اور جس کے علم و فضل کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ تاریخی تبصرہ ان الفاظ سے شروع ہوتا تھا:

"ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں۔ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا اور اس کا مولف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔

ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً فرقہ آریہ و برہم سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کے نشان دہی کرے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑا اٹھا لیا ہو۔ اور مخالفین اسلام اور منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو۔ وہ ہمارے پاس آکر تجربہ و مشاہدہ کر لے۔ اور اس تجربہ و مشاہدہ کا اقوام غیر کو مزہ بھی چکھا دیا ہو"۔ [۲۳]

حضرت اقدس کے الہامات کے متعلق غیروں کی شہادت سے لکھا کہ:

"مولف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربے اور مشاہدے کے رو سے (واللہ حسیبہ) شریعت محمدیہؐ پر قائم و پرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔ اور نیز شیطانی القاء اکثر جھوٹ نکلتے ہیں اور الہامات مولف براہین سے (انگریزی میں ہوں خواہ ہندی و عربی وغیرہ) آج تک ایک بھی جھوٹ نہیں نکلا

(چنانچہ ان کے مشاہدہ کرنے والوں کا بیان ہے گو ہم کو ذاتی تجربہ نہیں ہوا) پھر وہ القاء شیطانی کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیا کسی مسلمان متبع قرآن کے نزدیک شیطان کو بھی یہ قوت قدسی ہے کہ وہ انبیاء و ملائکہ کی طرح خدا کی طرف سے مغیبات پر اطلاع پائے اور اس کی کوئی خبر غیب صدق سے خالی نہ ہو جائے۔ حاشاء وکلا"۔ ۴

تبصرہ کے آخری الفاظ یہ تھے:

اس کتاب کی خوبی اور حق اسلام نفع رسانی اس کتاب کو بچشم انصاف پڑھنے اور ہمارے ریویو کو دیکھنے والوں کی نظروں میں مخفی نہ رہے گی۔ لہٰذا بحکم "هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ" کافہ اہل اسلام پر (اہل حدیث ہو خواہ حنفی شیعہ ہوں خواہ سنی وغیرہ) اس کتاب کی نصرت اور اس کی مصارف طبع کی اعانت واجب ہے۔ مولف براہین احمدیہ نے مسلمانوں کی عزت رکھ دکھائی ہے اور مخالفین اسلام سے شرطیں لگا لگا کر تحدی کی ہے۔ اور یہ منادی اکثر روئے زمین پر کردی ہے کہ جس شخص کو اسلام کی حقانیت میں شک ہو وہ ہمارے پاس آئے اور اس کی صداقت دلائل عقلیہ قرآنیہ و معجزات نبوت محمدیہ سے (جس سے وہ اپنے الہامات و خوارق مراد رکھتے ہیں) بچشم خود ملاحظہ کرلے"۔ ۵

براہین احمدیہ کے دوسرے تبصرہ نگار لدھیانہ کے مشہور اور باکمال صوفی مرتاض حضرت صوفی احمد جان صاحب رضی اللہ عنہ تھے۔ جو رتڑ چھتڑ (ضلع گورداسپور میں بارہ چودہ برس تک سلوک کی منازل طے کرنے کے بعد دعوت رشد و ہدایت کی اجازت لے کر لدھیانہ محلہ جدید میں دھونی رمائے بیٹھے تھے۔ اور جن کے عقیدت مندوں کا حلقہ دور دور تک بڑی سرعت سے پھیل رہا تھا۔ اور ان کے روحانی کمالات اور توجہ کی برکات کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ ان کی دینی عظمت کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ لدھیانہ کے بڑے بڑے علماء مثلاً مولوی محمد صاحب لدھیانوی وغیرہ ان کے خاص ارادتمندوں میں شامل تھے۔ اور انہیں "مجمع فیوض سبحانی منبع علوم روحانی قدوۃ الواصلین زبدۃ المحققین صوفی باصفا زاہد اتقی فیاض زمان مسیحائے دوران کے خطابات سے یاد کیا جاتا تھا"۔ ۶

حضرت صوفی صاحب کو جب پہلی مرتبہ براہین احمدیہ کی زیارت نصیب ہوئی تو وہ اپنی دوربین نگاہ سے حضرت کا مقام بلند اور عالی مرتبہ فوراً بھانپ گئے اور ہزار جان سے فریفتہ ہو کر پکار اٹھے ؎

سب مریضوں کی ہے تمہیں پہ نگاہ
تم مسیحا بنو خدا کے لئے

حضرت صوفی صاحب رضی اللہ عنہ نے "اشتہار واجب الاظہار" کے نام سے نہایت والہانہ انداز میں ایک مفصل ریویو شائع کیا جس میں براہین احمدیہ کے متعلق بڑے پرشوکت اور دلاویز الفاظ میں اپنے

تاثرات سپرد قلم کئے:

"عالی جناب - فیض رسان عالم - معدن جود و کرم - حجتہ الاسلام ' برگزیدہ خاص و عام حضرت مرزا غلام احمد صاحب دام برکاتہم رئیس اعظم قادیان ضلع گورداسپور پنجاب نے ایک کتاب مسمی براہین احمدیہ سلیس اردو زبان میں جس کی ضخامت قریب تین سو جز کے ہے - چاروں دفتر جو کہ قریباً ۳۵ جزو ہیں نہایت خوشخط چھپ بھی گئے ہیں اور باقی وقتاً فوقتاً چھپتے جائیں گے اور خریداروں کے پاس پہنچتے رہیں گے -

یہ کتاب دین اسلام اور نبوت محمدیہ ﷺ اور قرآن شریف کی حقانیت کو تین سو مضبوط دلائل عقلی اور نقلی سے ثابت کرتی ہے اور عیسائی آریہ نیچریہ ہنود اور برہمو سماج وغیرہ جمیع مذاہب مخالف اسلام کو از روئے تحقیق رد کرتی ہے - حضرت مصنف نے دس ہزار روپیہ کا اشتہار دیا ہے کہ اگر کوئی مخالف اسلام یا مکذب اسلام تمام دلائل یا نصف یا خمس تک بھی رد کر دے تو مصنف صاحب اپنی جائیداد دس ہزار روپے کی اس کے نام منتقل کر دیں گے - چنانچہ یہ اشتہار براہین احمدیہ کے حصہ اول میں درج ہے - یہ کتاب مشرکین و مخالفین اسلام کی بیخ و بنیاد کو اکھاڑتی ہے اور اہل اسلام کے اعتقادات کو ایسی قوت بخشتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور اسلام کیا نعمت عظمیٰ ہے اور قرآن شریف کیا دولت ہے - اور دین محمدی کیا صداقت ہے اور آیات قرآن مجید کا اس کتاب میں اپنے اپنے موقعوں پر حوالہ دیا گیا ہے - ۲۰ سیپاروں کے قریب ہیں - منکروں کو معتقد اور سست اعتقادوں کو چست اور غافلوں کو آگاہ مومنوں کو عارف کامل بناتی ہے - اور اعتقادات قویہ اسلامیہ کی جڑ قائم کرتی ہے اور جو وساوس مخالف پھیلاتے ہیں ان کو نیست و نابود کرتی ہے - اس چودھویں صدی کے زمانہ میں کہ ہر ایک مذہب و ملت میں ایک طوفان بے تمیزی برپا ہے - بقول شخصے کافر نئے نئے ہیں مسلماں نئے نئے - ایک ایسی کتاب اور ایک ایسے مجدد کی بے شک ضرورت تھی جیسی کہ کتاب براہین احمدیہ - اس کے مولف جناب مخدومنا مولانا میرزا غلام احمد صاحب دام فیوضہ ہیں جو ہر طرح سے دعویٰ اسلام کو مخالفین پر ثابت کرنے کے لئے موجود ہیں جناب موصوف عامی علماء اور فقراء میں سے نہیں بلکہ خاص اس کام پر منجانب اللہ مامور اور ملہم اور مخاطب الٰہی ہیں - صدہا سچے الہام اور مخاطبات اور پیشگوئیاں اور رویاء صالحہ اور امر الٰہی اور اشارات اور بشارات اجراء کتاب اور فتح و نصرت اور ہدایات امداد کے باب میں زبان عربی فارسی اردو انگریزی وغیرہ میں ہیں - حالانکہ مصنف صاحب نے ایک لفظ بھی انگریزی کا نہیں پڑھا - چنانچہ صدہا مخالفین اسلام کی گواہی سے ثابت کر کے کتاب میں درج کئے گئے ہیں جن سے بخوبی صداقت پائی جاتی ہے اور یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مصنف صاحب بے شک

امر الٰہی سے اس کتاب کو لکھ رہے ہیں اور صاف ظاہر ہوتا ہے۔ بموجب حدیث نبوی ﷺ کے عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ فِیْمَا اَعْلَمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا (رواہ ابوداؤد)..... مصنف صاحب اس چودھویں صدی کے مجدد اور مجتہد اور محدث اور کامل مکمل افراد امت میں سے ہیں۔ اس دوسری حدیث نبوی ﷺ یعنی عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اسی کی تائید میں ہے۔ اس موقعہ پر چند اشعار فارسی اس کتاب کے لکھتا ہوں۔ جن کو پڑھ کر ناظرین خود جناب ممدوح کا مرتبہ دریافت فرما لیں گے اور یقین ہے کہ خلوص دل اور صدق عقیدت سے یہ شعر زبان حال سے فرمائیں گے کہ:

سب مریضوں کی ہے تمہیں پہ نگاہ
تم مسیحا بنو خدا کے لئے

..... سن شریف حضرت کا قریباً چالیس یا پینتالیس ہوگا۔ اصلی وطن اجداد کا قدیم ملک فارس معلوم ہوتا ہے۔ نہایت خلیق، صاحب مروت و حیاء، جوان رعنا۔ چہرہ سے محبت الٰہی ٹپکتی ہے۔ اے ناظرین میں سچی نیت اور کمال جوش صداقت سے التماس کرتا ہوں کہ بے شک و شبہ جناب میرزا صاحب موصوف مجدد وقت اور طالباں سلوک کے لئے کبریت احمر اور سنگ دلوں کے واسطے پارس اور تاریک باطنوں کے واسطے آفتاب اور گمراہوں کے لئے خضر اور منکرین اسلام کے واسطے سیف قاطع اور حاسدوں کے واسطے حجۃ بالغہ ہیں۔ یقین جانو کہ پھر ایسا وقت ہاتھ نہ آئے گا۔ آگاہ ہو کہ امتحان کا وقت آگیا ہے اور حجت الٰہی قائم ہو چکی ہے اور آفتاب عالمتاب کی طرح بدلائل قطعیہ ایسا ہادی کامل بھیج دیا ہے کہ سچوں کو نور بخشے اور ظلمات و ضلالت سے نکالے اور جھوٹوں پر حجت قائم کرے"۔ [۷]

براہین احمدیہ کی اشاعت کے بعد اگر آپ کے پاس کوئی مرید ہونے کو آتا تو آپ فرماتے "سورج نکل آیا ہے اب تاروں کی ضرورت نہیں جاؤ حضرت صاحب کی بیعت کرو"۔ [۸] حالانکہ ان کی زندگی میں حضرت اقدس نے سلسلہ بیعت کا آغاز نہیں فرمایا۔

براہین احمدیہ کے تیسرے تبصرہ نگار مولوی محمد شریف صاحب بنگلوری تھے جو مسلمانان ہند کے نہایت دیندار اور تقویٰ شعار صحافی اور مشہور مسلم اخبار منشور محمدی بنگلور کے مدیر شہیر تھے۔ مولانا محمد شریف صاحب نے "جَاءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا" کے عنوان سے اپنے مبسوط اور پرزور تبصرے میں لکھا:

"منافقوں اور دشمنوں کے سارے حملے دین اسلام پر ہو رہے ہیں۔ ادھر دہریہ پن کا زور ادھر لامذہبی کا شور کہیں برہمو سماج والے اپنے مذہب کو فیلسوفانہ تقریروں سے دین اسلام پر غالب کیا چاہتے

ہیں- ہمارے عیسائی بھائیوں کی ساری پوری ہمت تو اسلام کی استیصال پر مصروف ہے- اور ان کو اس بات کا یقین ہے کہ جب تک آفتاب اسلام اپنی پر تاب شعاعیں دنیا میں ڈالتا رہے گا تب تک عیسوی دین کی ساری کوششیں بیکار اور تثلیث تین تیرہ رہے گی- غرض سارے مذہب اور تمامی دین والے یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح دین اسلام کا چراغ گل ہو..... مدت سے ہماری آرزو تھی کہ علمائے اہل اسلام سے کوئی حضرت جن کو خدا نے دین کی تائید اور حمایت کی توفیق دی ہے کوئی کتاب ایسی تصنیف یا تالیف کریں جو زمانہ موجودہ کی حالت کے موافق ہو- اور جس میں دلائل عقلیہ اور براہین نقلیہ قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے پر آنحضرت ﷺ کی ثبوت نبوت پر قائم ہوں- خدا کا شکر ہے کہ یہ آرزو بھی بر آئی- یہ وہی کتاب ہے جس کی تالیف یا تصنیف کی مدت سے ہم کو آرزو تھی- براہین احمدیہ ملقب بہ البراہین الاحمدیہ علیٰ حقیقتہ کتاب اللہ القرآن والنبوۃ المحمدیہ جس میں مصنف زاد قدرہ اللھم متع المسلمین بطول حیاتہ نے تین سو براہین قطعیہ عقلیہ سے حقیت قرآن اور نبوت محمدیہ کو ثابت کیا ہے- افضل العلماء فاضل جلیل جرنیل فخر اہل اسلام ہند مقبول بارگہ صمد جناب مولوی میرزا غلام احمد صاحب رئیس اعظم قادیان ضلع گورداسپور پنجاب کی تصنیف ہے- سبحان اللہ کیا تصنیف منیف ہے کہ جس سے دین حق کا لفظ لفظ سے ثبوت ہو رہا ہے ہر ہر لفظ سے حقیت قران و نبوت ظاہر ہو رہی ہے- مخالفوں کو کیسے آب و تاب سے دلائل قطعیہ سنائے گئے ہیں- دعویٰ ہی مدلل و براہین ساطعہ ثبوت ہے- مثبت بہ دلائل قاطعہ تاب دم زدنی نہیں- اقبال کے سوا چارہ نہیں- ہاں انصاف شرط ہے ورنہ کچھ بھی نہیں-

ایھا الناظرین! یہ وہی کتاب ہے جو فی الحقیقت لاجواب ہے- اور دعویٰ تو یہ ہے کہ اس کا جواب ممکن نہیں- اگر مخالف بشرائط مندرجہ اشتہار جواب لکھیں تو پھر دس ہزار روپیہ مفت نذر ہے- اور حال یہ ہے کہ اگر مخالفوں کو کچھ بھی خدا ترسی ہو تو ان کو مجرد مطالعہ اس کتاب کے جواب یہی دینا چاہئے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حق اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ برحق ہم تو فخریہ یہ کہتے ہیں کہ جواب ممکن نہیں- ہاں قیامت تک محال ہے- مخالفوں سے ہمارا بھی یہی سوال ہے کہ اگر اپنے مذہبوں کو حق مانتے ہوں تو آئیے ہمیں گوئے ہمیں میدان ہے اگر جواب براہ صواب لکھا جاوے تو دس ہزار روپیہ کا انعام ہے وعدہ مصنف لاکلام ہے- لیجئے ہم بھی ایک ہزار مزید بر آں کرتے ہیں- دیکھیں ہمارے مخالف بھائی اب بھی حمیت کو کام فرماتے ہیں یا اپنے ہی لکیر کو پیٹتے ہیں

اب روئے کلام مسلمانوں کی طرف ہے- بھائیو! کتاب براہین احمدیہ ثبوت قرآن و نبوت میں ایک ایسی بے نظیر کتاب ہے کہ جس کا ثانی نہیں- مصنف نے اسلام کو ایسی کوششوں اور دلیلوں سے ثابت

کیا ہے کہ ہر منصف مزاج یہی سمجھے گا کہ قرآن کتاب اللہ اور نبوت پیغمبر آخر الزمان حق ہے۔ دین اسلام منجانب اللہ اور اس کا پیرو حق آگاہ ہے۔ عقلی دلیلوں کا انبار ہے۔ خصم کو جو نہ جائے گریز اور نہ طاقت انکار ہے۔ جو دلیل ہے بین ہے جو برہان ہے روشن ہے۔ آئینہ ایمان ہے۔ لب لباب قرآن ہے۔ ہادی طریق مستقیم۔ مشعل راہ قویم۔ مخزن صداقت۔ معدن ہدایت۔ برق خرمن اعداء۔ عدو سوز ہر دلیل ہے۔ مسلمانوں کے لئے تقویت کتاب الجلیل ہے۔ ام الکتاب کا ثبوت ہے۔ بے دین حیران ہے مبہوت ہے"۔ [۹]

کئی ماہ کے بعد پھر لکھا:

"اس کتاب کی زیادہ تعریف کرنی ہماری حد امکان سے باہر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جس تحقیق و تدقیق سے اس کتاب میں مخالفین اسلام پر حجت اسلام قائم کی گئی ہے وہ کسی کی تعریف و توصیف کی محتاج نہیں ؎

حاجت مشاطہ نیست روئے دلارام را

مگر اتنا تو کہنے سے ہم بھی دریغ نہیں کر سکتے کہ بلاشبہ کتاب لاجواب ہے اور جس زور شور سے دلائل حقہ بیان کئے گئے ہیں اور مصنف مدظلہ نے اپنے مکشوفات و الہامات کو بھی مخالفین اسلام پر ظاہر کر دیا ہے۔ اس میں اگر کسی کو شک ہو تو مکاشفات الٰہی اور انوار نامتناہی جو عطیہ الٰہی ہیں ان سب کو فیض صحبت مصنف سے مستفیض ہو کر پاوے اور عین الیقین حاصل کرلے۔

اثبات اسلام و حقیت نبوت و قرآن میں یہ لاجواب کتاب اپنا نظیر نہیں رکھتی.... یہ وہ عالی مضامین اور قاطع دلائل ہیں جن کے جواب کے لئے مخالفین کو دس ہزار کی تحریص دلائی گئی ہے۔ اور اشتہار دیئے ہوئے عرصہ ہو چکا۔ مگر کسی کو قلم اٹھانے کی اب تک طاقت نہ ہوئی"۔ [۱۰]

یہ تو فقط وہ ریویو ہیں جو اس زمانہ میں طبع ہو کر پبلک کے سامنے آئے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ درد اسلام رکھنے والے جس جس مسلمان تک یہ تصنیف پہنچی وہ پہلی نظر ہی میں اس کی بے نظیر خوبیوں کا قائل ہو گیا۔ صوفی میر عباس علی شاہ صاحب لدھیانوی نے براہین دیکھی تو کہنے لگے "اس کتاب کی عبارت سے شان نبوت کی بو آتی ہے"۔ [۱۱] مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی کے ایک مخلص ارادت مند اور عالم مولوی محمد یوسف صاحب اشتہار پڑھتے ہی بول اٹھے کہ یہ شخص کوئی بڑا کامل ہے اور اپنے بھانجے حضرت مولوی عبد اللہ صاحب سے کہا کہ اگر تمہیں زیارت کے لئے جانا ہے تو ان کے پاس جاؤ"۔ [۱۲] دہلی کے نہایت فاضل علوم شرقیہ سے باخبر عالم اور اردو فارسی کے نامور شاعر نواب ضیاء الدین احمد خان صاحب (لوہارو) براہین احمدیہ کو دیکھتے ہی فریفتہ ہو گئے اور یہاں تک وارفتگی کا عالم ہوا

کہ ہفتہ عشرہ میں پوری کتاب ختم کر کے دم لیا اور فرمایا "نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اسکے مصنف کو یا تو لوگ پاگل کہیں گے یا اس سے اگلی صدی کا مجدد ہو گا"۔ اسی طرح ان کے نواسے اور ملک کے نامور شاعر ابو المعظم نواب سراج الدین احمد صاحب سائل نے اسے بڑی معرکے کی کتاب قرار دیا۔ [۱۶۳] بعض مقامات مثلاً سرادہ میں براہین احمدیہ جب سنائی جاتی تھی تو سامعین بے ساختہ کہتے تھے کہ اس کتاب کا مصنف بے بدل انشاء پرداز ہے۔ [۱۶۴]

مولانا ابو الحسن علی ندوی "براہین احمدیہ" کی تصنیف و اشاعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ دور مذہبی مناظروں کا دور تھا اور اہل علم کے طبقہ میں سب سے بڑا ذوق مقابلہ مذاہب اور مناظرہ فرق کا پایا جاتا تھا.... عیسائی پادری مذہب مسیحیت کی تبلیغ دعوت اور دین اسلام کی تردید میں سرگرم تھے۔ حکومت وقت جس کا سرکاری مذہب مسیحیت تھا ان کی پشت پناہ اور سرپرست تھی۔ وہ ہندوستان کو یسوع مسیح کا عطیہ اور انعام سمجھتی تھی۔ دوسری طرف آریہ سماجی مبلغ جوش و خروش سے اسلام کی تردید کر رہے تھے انگریزوں کی مصلحت (جو ۱۸۵۷ء کی متحدہ کوشش اور ہندوستان کے اتحاد کی چوٹ کھا چکے تھے) یہ تھی کہ ان مناظرانہ سرگرمیوں کی ہمت افزائی کی جائے۔ اس لئے کہ ان کے نتیجہ میں ملک میں ایک کشمکش اور ذہنی و اخلاقی انتشار پیدا ہوتا تھا اور تمام مذاہب اور فرقوں کو ایک ایسی طاقتور حکومت کا وجود غنیمت معلوم ہوتا تھا جو ان سب کی حفاظت کرے اور جس کے سایہ میں یہ سب امن و امان کے ساتھ مناظرہ و مباحثہ کرتے رہیں۔ ایسے ماحول میں جو شخص اسلام کی مدافعت اور مذاہب غیر کی تردید کا علم بلند کرتا وہ مسلمانوں کا مرکز توجہ و عقیدت بن جاتا۔

مرزا صاحب کی حوصلہ مند طبیعت اور دوربین نگاہ نے اس میدان کو اپنی سرگرمیوں کے لئے انتخاب کیا۔ انہوں نے ایک بہت بڑی ضخیم کتاب کی تصنیف کا بیڑہ اٹھایا ہے جس میں اسلام کی صداقت' قرآن کے اعجاز اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو بدلائل عقلی ثابت کیا جائے گا اور بیک وقت مسیحیت' سناتن دھرم' آریہ سماج اور برہمو سماج کی تردید ہوگی۔ انہوں نے اس کتاب کا نام براہین احمدیہ تجویز کیا.....

معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے بہت سے علمی و دینی حلقوں میں اس کتاب کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب بہت صحیح وقت پر شائع ہوئی تھی۔ مرزا صاحب اور ان کے دوستوں نے اس کی تشہیر و تبلیغ بھی بہت جوش و خروش سے کی تھی۔ اس کتاب کی کامیابی اور اس کی تاثیر کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس میں دوسرے مذاہب کو چیلنج کیا گیا تھا۔ اور کتاب جواب دہی کے بجائے حملہ آورانہ انداز میں لکھی گئی تھی۔ اس کتاب کے خاص معترفین اور پرجوش تائید کرنے والوں میں مولانا

محمد حسین صاحب بٹالوی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں اس پر ایک طویل تبصرہ یا تقریظ لکھی جو رسالہ کے چھ نمبروں میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں کتاب کو بڑے شاندار الفاظ میں سراہا گیا ہے اور اس کو عصر حاضر کا ایک علمی کارنامہ اور تصنیفی شاہکار قرار دیا گیا ہے"۔ [۱۵]

ایک مشہور سکھ لیڈر ارجن سنگھ صاحب ایڈیٹر "رنگین" امرت سر لکھتے ہیں:

"اس وقت کے مسلمان عالم یہ سمجھتے تھے کہ میرزا صاحب نے براہین احمدیہ لکھ کر اسلام کی کوئی بڑی خدمت کی ہے۔ چنانچہ گھر گھر براہین احمدیہ کا چرچا تھا اور تمام پڑھے لکھے مسلمان اس کتاب کے مطالعہ کو ضروری سمجھتے تھے۔ کیونکہ مسلمان عالموں کا خیال تھا کہ اس کتاب میں آریہ اور عیسائیوں کے تمام اعتراضوں کا جواب آچکا ہے۔ ہر ایک مسلمان مناظر اس کتاب کو ایک نظر دیکھ لینا ضروری خیال کرتا تھا۔ الغرض اس کتاب کی تصنیف کی وجہ سے جہاں میرزا صاحب ایک طرف ہندوستان کے مسلمانوں کی آنکھ کا تارا بن گئے وہاں آپ کو عیسائیوں اور آریوں میں بھی کافی شہرت حاصل ہو گئی اور عیسائیوں اور آریوں نے جواب در جواب کی جانب توجہ کی یہاں تک کہ نوبت مقدمہ بازی تک پہنچی اور مباہلوں اور بد دعاؤں پر ختم ہوئی"۔ [۱۶]

مخالفین اسلام کے کیمپ میں کھلبلی

یہ تو مسلمانوں کی طرف سے خیر مقدم کا نظارہ تھا لیکن دوسری طرف مخالفین اسلام کے کیمپ میں براہین احمدیہ کے اشتہار کی اشاعت ہی نے کھلبلی مچادی۔ وہ قادیان کی گمنام بستی سے اسلام کی تائید میں اٹھنے والی پرشوکت آواز پر بوکھلا اٹھے اور انہوں نے اخبار "سفیر ہند" "نور افشاں" اور رسالہ "ودیا پرکاشک" میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو صریح ہجو آمیز الفاظ میں یاد کرتے ہوئے براہین احمدیہ کا رد لکھنے کے لئے بڑے پرجوش اعلانات شائع کر دیئے اور اسلام کی طرف سے لڑنے والے سپہ سالار کی مدافعت کے لئے پوری طرح متحد ہو گئے۔

خدا کا شیر ان گیدڑ بھبکیوں سے بھلا کیسے ڈر سکتا تھا۔ آپ نے ان لوگوں کی دعوت مبارزت (جو اصل مضمون پڑھنے بلکہ چھپنے سے پہلے ہی رد لکھنے کا مضحکہ خیز اعلان کر کے اپنے ہاتھوں انصاف کا جنازہ نکال چکے تھے) فوراً منظور کر لی۔ اور انہیں خدا کی قسم کا واسطہ دے کر گرجتی ہوئی آواز سے للکارا:

"سب صاحبوں کو قسم ہے کہ ہمارے مقابلہ پر ذرا توقف نہ کریں۔ افلاطون بن جاویں بیکن کا اوتار دھاریں۔ ارسطو کی نظر اور فکر لاویں۔ اپنے مصنوعی خداؤں کے آگے استمداد کے لئے ہاتھ جوڑیں۔ پھر دیکھیں جو ہمارا خدا غالب آتا ہے یا آپ لوگوں کے الٰہ باطلہ"۔ [۱۷]

اس چیلنج نے دشمنان دین کے حوصلے پست کر دیئے۔ ان کے قلم ٹوٹ گئے۔ اور وہ کوئی معقول جواب لکھنے پر قادر نہ ہو سکے۔ برہمو سماج لیڈر اگنی ہوتری کو اپنی طلاقت لسانی پر بڑا غرہ تھا۔ اور انہوں نے اس کارد لکھنے کا اعلان بھی کیا۔ لیکن حق کی قوتوں سے مرعوب ہو کر انہیں ہمیشہ کے لئے خاموش ہونا پڑا۔ اور وہ "جیون دھرم" میں چند سطروں کے سوا کچھ نہ لکھ سکے۔ اور جو کچھ لکھا اس کا جواب حضرت اقدس نے براہین احمدیہ ہی میں تحریر فرما کر اس کی غیر معقولیت اور بے ہودگی ثابت کر دکھائی۔ بعض دوسرے برہمو سماجیوں نے پرچہ رفاہ عام میں حصہ سوم کے رد کی طرح ڈالی۔ لیکن آپ کی قبل از وقت پیشگوئی کے مطابق وہ ذلیل و رسوا ہوئے۔ اور خدا کے دین کی عظمت و صداقت اور نمایاں ہو گئی"۔ [۱۸]

آریہ سماجی لیڈر سوامی دیانند براہین احمدیہ کی اشاعت کے بعد تین برس تک زندہ رہے اور براہین احمدیہ کے جواب کی جرات نہ کر سکے۔ دوسرے آریہ سماجی لیڈروں پر بھی سکوت مرگ طاری رہا۔ البتہ پشاور آریہ سماج کے ایک رسوائے عالم شاتم رسول اور دریدہ دہن شخص پنڈت لیکھرام نے "تکذیب براہین احمدیہ" کے نام سے جواب دینے کی ناکام کوشش کی [۱۹]۔ مگر جواب کی بجائے ہزلیات و فضولیات کا مجموعہ کہلانے کا مستحق تھا۔ جو حضرت مولانا حکیم نور الدین رضی اللہ عنہ کی "تصدیق براہین احمدیہ" کے باطل شکن گرز سے ریزہ ریزہ ہو گیا [۲۰]۔ چند دن تک پادری ایل ایل ٹھاکر داس صاحب نے بھی "براہین احمدیہ" کے خلاف شور و غوغا بلند کئے رکھا۔ مگر پھر تاب مقابلہ نہ لا کر دم بخود ہو گئے۔

امرتسر اور لدھیانہ کے بعض حضرات کا افسوسناک مظاہرہ

"براہین احمدیہ" خرمن کفر و ضلالت پر بجلی بن کر گری تھی۔ اس لئے مخالفین اسلام کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف محاذ قائم کر لینا کوئی خلاف توقع امر نہیں تھا۔ لیکن اسلامی دنیا یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئی کہ مسلمانان ہند تو اس لاجواب اور معرکہ کی تصنیف پر نعرہ ہائے تحسین بلند کر رہے ہیں اور امرتسر اور لدھیانہ کے بعض مسلم حلقوں نے اس کے بلند پایہ مصنف کی مخالفت کا محاذ قائم کر رکھا ہے۔

امرتسر کے بعض علماء کے نزدیک حضور کے الہامات غیر ممکن، غیر صحیح اور ناقابل تسلیم تھے۔ اور اس کا سبب (جیسا کہ خود مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ "اشاعۃ السنہ" جلد ۷ صفحہ ۱۷۰ میں لکھا ہے) ان کی نافہمی، بے ذوقی اور کسی قدر عموماً اہل اللہ اور اہل باطن سے گوشہ تعصبی تھا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں بعد میں حضرت اقدس پر یہ "قرارداد جرم" بھی لگائی گئی کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کی شان مبارک میں غلو اور مبالغہ آمیزی کا ارتکاب کیا ہے۔

دراصل آنحضرت ﷺ کی شان اقدس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذاتی اعتقاد (جو آپ نے انہی دنوں حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ کے ایک سوال کے جواب میں میر عباس علی صاحب کو لکھا) یہ تھا کہ:

"اس کتاب (براہین احمدیہ۔ناقل) میں تعریف قرآن شریف اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی ہے۔سو وہ دونوں دریائے بے انتہاء ہیں کہ اگر تمام دنیا کے عاقل اور فاضل ان کی تعریف کرتے رہیں تب بھی حق تعریف ادا نہیں ہو سکتا۔چہ جائیکہ مبالغہ تک نوبت پہنچے۔ہاں الہامی عبارت میں کہ جو اس عاجز پر خداوند کریم کی طرف سے القاء ہوئی کچھ کچھ تعریفیں ایسی لکھی ہیں کہ بظاہر اس عاجز کی طرف منسوب ہوتی ہیں مگر حقیقت میں وہ سب تعریفیں حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی ہیں۔اور اسی وقت تک کوئی دوسرا ان کی طرف منسوب ہو سکتا ہے کہ جب تلک اس نبی کریمؐ کی متابعت کرے اور جب متابعت سے ایک ذرہ منہ پھیرے تو پھر تحت الثریٰ میں گر جاتا ہے۔ان الہامی عبارتوں میں خداوند کریم کا یہی منشاء ہے کہ تا اپنے نبیؐ اور اپنی کتاب کی عظمت ظاہر کرے"۔[۲۱]

امرت سر کے بعد مخالفت کا دوسرا مرکز لدھیانہ تھا۔جس میں مولوی محمد صاحب اور مولوی عبدالعزیز صاحب وغیرہ مخالفین اسلام کے خلاف مورچہ قائم کرنے کی بجائے آپ کی تکفیر اور مخالفت پر آمادہ ہو گئے تھے۔مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے علماء لدھیانہ کی ناقابل فہم روش دیکھی تو وہ تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کے پیچھے محض بغض و عداوت اور جہالت کار فرما ہے۔چنانچہ انہوں نے حقیقت سے نقاب اٹھاتے ہوئے مخالفت کے دو سبب بتائے۔"ایک یہ کہ ان کو اپنی جہالت (نہ اسلام کی ہدایت) سے گورنمنٹ انگلشیہ سے جہاد و بغاوت کا اعتقاد ہے اور اس کتاب میں اس گورنمنٹ سے جہاد و بغاوت کو ناجائز لکھا ہے۔لہٰذا وہ لوگ اس کتاب کے مؤلف کو منکر جہاد سمجھتے ہیں۔اور از راہ تعصب و جہالت اس کے بغض و مخالفت کو اپنا مذہبی فرض خیال کرتے ہیں۔مگر چونکہ وہ گورنمنٹ کے سیف و اقبال کے خوف سے علانیہ طور پر ان کو منکر جہاد نہیں کہہ سکتے اور نہ عام مسلمانوں کے روبرو اس وجہ سے ان کو کافر بنا سکتے ہیں لہٰذا وہ اس وجہ کفر کو دل میں رکھتے ہیں اور بجز خاص اشخاص جن سے ہم کو یہ خبر پہنچی ہے) کسی پر ظاہر نہیں کرتے۔اور اس کا اظہار دوسرے لباس و پیرایہ میں کرتے ہیں۔اور یہ کہتے ہیں کہ براہین احمدیہ میں فلاں فلاں امور کفریہ (دعویٰ نبوت اور نزول قرآن اور تعریف آیات قرآنیہ) پائی جاتی ہیں [۲۲]۔اس لئے اس کا "مولف کافر ہے"۔اور حد یہ تھی کہ ایک طرف "یہ حامیان دین متین" آپ کو منکر جہاد قرار دیتے تھے اور دوسری طرف براہین احمدیہ کو ضبط کروانے اور آپ کو قانونی شکنجہ میں جکڑنے کے لئے پبلک میں زور و شور سے یہ پراپیگنڈہ کر

رہے تھے کہ "یہ کتاب گورنمنٹ کے مخالف ہے اور اس کے مولف نے پیشوائی مذہب کے علاوہ پولیٹیکل سرداری کا بھی اس میں دعویٰ کیا ہے۔ اپنے آپ کو مسیح قرار دیا ہے اور اپنے غلبہ اور فتح کی بشارتیں اور اپنے مخالفین (یعنی مخالفین اسلام۔ ناقل) کی شکست و ہزیمت کی خبریں اس میں درج کی ہیں"۔ [۲۳]

دوسرا سبب مولوی محمد حسین صاحب نے یہ بیان کیا کہ: انہوں نے باستعانت بعض معزز اہل اسلام لودھیانہ (جن کی نیک نیتی اور خیر خواہی ملک و سلطنت میں کوئی شک نہیں) بمقابلہ مدرسہ صنعت کاری انجمن رفاہ عام لودھیانہ ایک مدرسہ قائم کرنا چاہا تھا اور اس مدرسہ کے لئے لودھیانہ میں چندہ جمع ہو رہا تھا کہ انہی دنوں مولف براہین احمدیہ باستدعا اہل اسلام لودھیانہ میں پہنچ گئے۔ اور وہاں کے مسلمان ان کے فیض زیارت اور شرف صحبت سے مشرف ہوئے۔ ان کی برکات و اثر صحت کو دیکھ کر اکثر چندہ والے ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور اس چندہ کے بہت سے روپیہ طبع و اشاعت براہین احمدیہ کے لئے مولف کی خدمت میں پیشکش کئے گئے اور مولوی صاحبان مذکور تہی دست ہو کر ہاتھ ملتے رہ گئے۔

اس امر نے بھی ان حضرات کو بھڑکایا اور مولف کی تکفیر پر آمادہ کیا۔ جن کو ان باتوں کے صدق میں شک ہو وہ ہم کو اس امر سے مطلع کرے ہم لودھیانہ سے عمدہ اور روا ضح طور پر ان باتوں کی تصدیق کرا دیں گے"۔ [۲۴]

یہ حضرات اپنی سرگرمیوں کا دائرہ لودھیانہ سے دلی۔ دیوبند اور گنگوہ تک پھیلانے کے لئے مدرسہ دیوبند کی تقریب دستار بندی میں بھی پہنچے اور بڑے بڑے مرصع فتوے لکھ کر دیوبندی اور گنگوہی علماء کے سامنے پیش کئے اور ان پر تصدیق کے لئے کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا۔ مگر کوئی ایک عالم بھی تکفیر بازی میں ملوث ہونے کے لئے تیار نہ ہوا۔ چنانچہ خود مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا بیان ہے کہ "موقع جلسہ دستار بندی مدرسہ دیوبند پر یہ حضرات بھی وہاں پہنچے اور لمبے لمبے فتویٰ تکفیر مولف براہین احمدیہ کے لکھ کر لے گئے اور علماء دیوبند و گنگوہ وغیرہ سے ان پر دستخط و مواہیر ثبت کرنے کے خواستگار ہوئے [۲۵]۔ مگر چونکہ وہ کفران کا اپنا خانہ ساز کفر تھا جس کا کتاب براہین احمدیہ میں کچھ اثر پایا نہ جاتا تھا لہذا دیوبند و گنگوہ نے ان فتوؤں پر مہر دستخط کرنے سے انکار کیا [۲۶]۔ اور ان لوگوں کو تکفیر مولف سے روکا اور کوئی ایک عالم بھی ان کا اس تکفیر میں موافق نہ ہوا۔ جس سے وہ بہت ناخوش ہوئے اور بلا ملاقات وہاں سے بھاگے۔ اور کَاَنَّھُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ کے مصداق بنے"۔

براہین احمدیہ کے زمانہ میں حضرت اقدس کی بے سروسامانی

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "براہین احمدیہ" کی تصنیف کے لئے جب قلم اٹھایا تو دشمنان دین کی چیرہ دستیوں اور اسلام کی دردناک حالت نے آپ کے اندر بجلیاں بھر دیں۔ اور آپ نے اسی بے پناہ جوش اور روحانی قوت کے عالم میں اپنے اقتصادی حالات اور مستقبل کے حالات سے بے نیاز ہو کر نہایت قلیل عرصہ میں ایک لاجواب عدیم النظیر کتاب مرتب فرمائی۔ لیکن اب جو اس کی اشاعت کا مرحلہ آیا تو قدم قدم پر مشکلات کے بڑے بڑے پہاڑ سد راہ بنے۔ آپ شہری آبادی سے دور ایک گمنام بستی میں رہنے والے ایک گوشہ نشین انسان تھے اور "براہین احمدیہ" ایسی ضخیم کتاب (جس کی نہایت عمدہ نہایت اعلیٰ اور معیاری طباعت و کتابت کا آپ قطعی فیصلہ کر چکے تھے) اشاعتی کاموں کا ایک لمبا اور گہرا تجربہ چاہتی تھی جو آپ کو سرے سے حاصل ہی نہیں تھا۔ کیونکہ یہ آپ کی پہلی تصنیف تھی۔ پھر اس کی اشاعت میں بھی آپ کے مدنظر محض دین مصطفیٰ کی خدمت اور ملت بیضاء کی سربلندی کا پاکیزہ اور بے لوث مقصد تھا۔ اور آپ کو یہ ہرگز گوارا نہیں تھا کہ کوئی شخص محض تجارتی نقطہ نظر سے اس کی خریداری اختیار کرے۔ آپ کی یہ دلی خواہش تھی کہ عامتہ المسلمین کے ہاتھوں تک یہ کتاب ضرور پہنچ جائے۔ اور وہ معاندین اسلام کے مقابل اس کے ناقابل تردید دلائل سے مسلح ہو جائیں۔ لیکن آپ عامتہ المسلمین سے جو عموماً غرباء کا طبقہ تھا اصل لاگت سے بہت کم قیمت پر کتاب پہنچانا چاہتے تھے تا ان پر گراں نہ ہو۔ بلکہ آپ کا یہاں تک منشاء مبارک تھا کہ عدم استطاعت رکھنے والے طالب حق غیر مسلموں میں اس کی مفت اشاعت کی جائے۔ ظاہر ہے کہ ان عظیم الشان عزائم کی تکمیل کے لئے بھاری اخراجات درکار تھے۔ لیکن آپ درویشی کے جس صبر آزما امتحان میں سے گذر رہے تھے اس کے لحاظ سے ان کا مہیا ہو جانا معجزہ سے تو ممکن تھا۔ خارجی اور مادی اسباب کے لحاظ سے ممکن نہیں تھا۔ آپ گو قانوناً دس ہزار سے زائد جائیداد کے مالک تھے مگر عملاً تمام تر خاندانی جائیداد پر آپ کے بڑے بھائی قابض و متصرف تھے اور خود آپ کے پاس کتاب کی چھپوائی کے لئے کچھ روپیہ نہ تھا دوسری طرف پردہ گمنامی تھا اور آپ تھے۔ ان نامساعد حالات میں براہین احمدیہ ایسی ضخیم کتاب زیور طبع سے آراستہ ہوتی تو کیونکر۔ اور دنیا آپ کے علم و عرفان سے فیض یاب ہوتی تو کیسے؟

تائید غیبی کیلئے دعا اور خدائی بشارت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تہی دستی کے عالم میں جناب الٰہی میں تائید غیبی کے لئے دعا کی تو آپ کو بتایا گیا کہ "بالفعل نہیں" یعنی مسلمانوں کی طرف سے عدم توجہی رہے گی۔ لیکن پھر کچھ

عرصہ کے بعد آپ پر الہام نازل ہوا ھُزِّ اِلَیْکَ بِجِذْعِ النَّخْلَۃِ تُسَاقِطْ عَلَیْکَ رُطَباً جَنِیّاً (کھجور کا تنہ ہلا تجھ پر تازہ بتازہ کھجوریں گریں گی) یہ خدائی بشارت ملنے پر آپ نے سمجھ لیا کہ یہ تحریک اور ترغیب کی طرف اشارہ ہے اور یہ وعدہ دیا گیا ہے کہ بذریعہ تحریک اس حصہ کتاب کے لئے سرمایہ جمع ہو گا"۔ [۲۷]

عامتہ المسلمین اور رؤساء سے تحریک

چنانچہ حضرت احدیت کے اس حکم کی تعمیل میں حضور نے ملک میں اشتہارات شائع فرمائے۔ اور خصوصاً امراء اور رؤساء کو تحریک کی غرض سے سب سے اول جناب خلیفہ سید محمد حسن خاں صاحب مرحوم وزیر اعظم ریاست پٹیالہ سے اور پھر بعض دوسرے رؤساء سے دردمندانہ اپیل کی کہ وہ اسلام پر آنے والی قیامت خیز مصیبتوں کا احساس کریں [۲۸] اور دینی فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے اس علمی جہاد میں آپ کا ہاتھ بٹائیں حساب کی رو سے کتاب کے اصل مصارف پچیس روپے کے قریب بنتے تھے [۲۹]۔ مگر آپ نے اعلان فرمایا کہ اس کتاب کو عام مسلمانوں تک پہنچانے کے لئے صرف دس روپے کا برائے نام ہدیہ مقرر کیا جاتا ہے [۳۰] اور امید ظاہر فرمائی کہ اگر امراء اسلام اپنے مطبخ کے ایک ایک دن کا خرچ بھی بطور اعانت پیش کریں تو یہ عظیم الشان کتاب بسہولت شائع ہو جائے گی اور اس طرح نقصان کی تلافی کی صورت بھی نکل آئے گی جس سے ہزارہا بندگان خدا فائدہ اٹھا سکیں گے۔ یہ تو اشاعت سے قبل آپ نے بذریعہ اشتہارات تحریک فرمائی۔ اس کے بعد جب کتاب کا پہلا حصہ چھپا تو آپ نے ڈیڑھ سو نسخے ملک کے بڑے بڑے امیروں' دولتمندوں اور رئیسوں کو بھی اس خیال سے بھجوائے کہ اگر وہ کتاب کی خریداری منظور کر کے کم از کم معمولی مقررہ قیمت ہی پیشگی ارسال کر دیں تو کتاب کے اگلے حصوں کا انتظام کیا جائے۔ نیز اپنے قلم سے ڈیڑھ سو کے قریب خطوط بھی لکھے اور انہیں حقیقت حال سے اطلاع بھی دی۔ [۳۱]

خدا پر ایمان افروز توکل

غرض کہ آپ نے خدائی ارشاد کے مطابق تبلیغ و تحریص کا حق ادا کر دیا اور عوام اور امراء دونوں کو اس دینی خدمت سے وابستہ کرنے کی کوئی ممکن صورت نظرانداز نہیں ہونے دی۔ البتہ سنت مامورین کے مطابق بے شک ظاہری سامانوں کے لئے تدبیر اختیار فرمائی۔ مگر توکل اور بھروسہ تنہا خدا پر رکھا جس نے پہلے سے امداد کی بشارت دے رکھی تھی۔ اور تحریک کرتے ہوئے ساتھ ہی ساتھ یہ صاف بتاتے چلے گئے کہ براہین احمدیہ کی تصنیف کا کام خدائی منشاء اور مصلحت کے مطابق ہو رہا ہے۔ اس لئے وہ ضرور اس کی اشاعت کے غیبی سامان پیدا کرے گا۔ چنانچہ فرمایا "رہا یہ فکر کہ اس قدر روپیہ کیونکر میسر آوے گا۔ سو اس سے تو

ہمارے دوست ہم کو مت ڈراویں اور یقین کر کے سمجھیں جو ہم کو اپنے خدائے قادر مطلق اور اپنے مولیٰ کریم پر اس سے زیادہ تر بھروسہ ہے کہ جو ممسک اور خسیس لوگوں کو اپنی دولت کے ان صندوقوں پر بھروسہ ہوتا ہے کہ جن کی تالی ہر وقت ان کی جیب میں رہتی ہے۔ سو وہی قادر و توانا اپنے دین اور اپنی وحدانیت اور اپنے بندہ کی حمایت کے لئے آپ مدد کرے گا"۔ [۲۲] نیز فرمایا: اس قدر ہم نے برعایت ظاہر لکھا ہے ورنہ اگر کوئی مدد نہیں کرے گا یا کم توجہی سے پیش آئے گا۔ حقیقت میں وہ آپ ہی ایک سعادت عظمیٰ سے محروم رہے گا۔ اور خدا کے کام رک نہیں سکتے اور نہ کبھی رکے۔ جن باتوں کو قادر مطلق چاہتا ہے وہ کسی کی کم توجہی سے ملتوی نہیں رہ سکتیں۔ [۲۳]

کتاب کی اشاعت میں جذبہ خدمت دین کی نمایاں جھلک

براہین احمدیہ شائع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے لدھیانہ کے ایک صوفی میر عباس علی شاہ صاحب کے دل میں اس قابل قدر اور نایاب تصنیف کی اشاعت کے لئے دلی تڑپ پیدا کر دی اور انہوں نے حضرت اقدس سے براہین احمدیہ کے کچھ نسخے حاصل کر کے اپنے ہاں محلہ صوفیاں میں اس کی فروخت کے لئے ایک شاخ کھول دی جو قادیان سے باہر براہین احمدیہ کی واحد ایجنسی تھی۔ جہاں سے اس وقت یہ کتاب دستیاب ہو سکتی تھی۔ یہ ایجنسی کوئی تجارتی اصولوں پر قائم نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کے سبھی معاملات سرتاپا دین تھے۔ اس میں نہ تو کسی کمیشن کا قضیہ تھا نہ حق تالیف و تصنیف کا سوال! بس یہی ایک دھن لگی ہوئی تھی کہ اسلام کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کفر کے بپھرے ہوئے طوفانوں سے بچ کر کسی طرح ساحل عافیت تک پہنچ جائے اور مسلمان اپنے مذہبی اور دینی اصولوں کی برتری کے لحاظ سے پھر سے عظمت رفتہ کا مالک بن جائے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میر صاحب موصوف کو یہ اصولی ہدایت دے رکھی تھی کہ:

"چونکہ یہ کام خالصتاً خدا کے لئے اور خود حضرت احدیت کے ارادہ خاص سے ہے اس لئے آپ اس کے خریداروں کی فراہمی میں یہ ملحوظ خاطر شریف رکھیں کہ ایسا کوئی خریدار شامل نہ ہو جس کی محض خرید و فروخت پر نظر ہو۔ بلکہ جو لوگ دینی محبت سے مدد کرنا چاہتے ہیں انہیں کی خریداری مبارک اور بہتر ہے۔ کیونکہ درحقیقت یہ کوئی خرید و فروخت کا کام نہیں۔ غرض آں مخدوم اس سعی اور کوشش میں خداوند کریم پر توکل کر کے صادق الارادت لوگوں سے مدد لیں۔ اور اگر ایسے نہ ملیں تو آپ کی طرف سے دعا ہی مدد ہے۔ ہم عاجز اور ذلیل بندے کیا حیثیت اور کیا قدر رکھتے ہیں۔ وہ جو قادر مطلق ہے وہ جب چاہے گا تو اسباب کاملہ خود بخود میسر کر دے گا کون سی بات ہے جو اس کے آگے آسان نہ ہو۔ [۲۴]

تحقیق حق کا جذبہ رکھنے والے غیر مسلموں کے متعلق حضورؑ کا ارشاد یہ تھا کہ:

"اگر کوئی ہندو فی الحقیقت طالب حق ہے تو اس سے رعایت کرنا واجب ہے۔ بلکہ اگر ایسا شخص بے استطاعت ہو تو اس کو مفت بلا قیمت دے سکتے ہیں۔ غرض اصلی اشاعت دین ہے نہ کہ خرید و فروخت جیسی صورت ہو اس سے اطلاع بخشیں تا کہ بھیجی جاوے"۔ [۳۵]

یہی نہیں کتاب کی آمد پر کڑی نگرانی رکھنے کی بجائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے میر صاحب کو یہاں تک کھلی اجازت عنایت فرمادی کہ:

"آپ کو کلی اختیار ہے کہ جو کچھ قیمت کتاب میں جمع ہو اس کو حسب ضرورت خرچ کرتے رہیں۔ خداوند کریم نے آپ کی سعی میں برکت ڈالی ہے اور آپ وہ کام کر رہے ہیں کہ جس میں ہر یک کو آپ کی طرح توفیق نہیں دی گئی"۔ [۳۶]

ایک موقعہ پر میر صاحب نے براہین احمدیہ کے لئے غرباء سے چندہ جمع کرنے کی تجویز پیش کی تو حضور نے اسے ٹھکرا دیا اور انہیں لکھا کہ:

"غرباء سے چندہ لینا ایک مکروہ امر ہے۔ جب خدا اس کا وقت لائے گا تو پردہ غیب سے کوئی شخص پیدا ہو جائے گا جو دینی محبت اور دلی ارادت سے اس کام کو سرانجام دے گا۔ تجویز چندہ کو موقوف رکھیں"۔ [۳۷]

امراء کی انتہاء درجہ سردمہری

یہ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دل میں موجزن ایثار قومی، خلوص نیت اور خدمت دین کے پرجوش جذبات کا عالم تھا۔ لیکن امراء نے جنہیں اسلامی مہم کی شاندار تکمیل کے لئے براہین احمدیہ کی اشاعت کے سب ہی اخراجات ادا کرنے کی از خود پیشکش کرنا چاہئے تھی اس نازک موقعہ پر بار بار کی یاددہانی کے باوجود نہایت درجہ سردمہری اور افسوسناک فرض ناشناسی کا ثبوت دیا۔ اور صرف چند گنتی کے خداترس رؤساء میدان میں نکل سکے۔ جنہوں نے اس آسمانی دعوت پر لبیک کہی جن میں سرفہرست جناب خلیفہ محمد حسن خان صاحب مرحوم وزیر اعظم و دستور معظم ریاست پٹیالہ تھے، جن کا حضور نے بھی براہین احمدیہ حصہ اول میں تذکرہ خاص فرمایا۔ ان کے علاوہ عہدیدار (محمد افضل خان، نواب اقبال الدولہ صاحب حیدر آباد۔ ابراہیم علی خاں صاحب، نواب صاحب مالیر کوٹلہ، شیخ محمد بہاؤالدین صاحب مدار المہام جوناگڑھ، فخر الدولہ نواب مرزا علاء الدین خان صاحب فرمانروائے ریاست لوہارو۔ سردار عطر سنگھ رئیس اعظم لدھیانہ اور مولوی چراغ علی خاں صاحب معتمد دار المہام دولت آصفیہ حیدر آباد دکن اور محمود علی خاں صاحب چھتاری وغیرہ بھی کسی قدر اس کار خیر میں شریک ہوئے۔ مگر باقی

امراء اور والیان ریاست نے اس طرف ذرا التفات نہیں کی اور سخت دنیاداری کا نمونہ دکھایا۔ [۵۸] ان مسلمان رئیسوں کی زر پرستی اور دینی کاموں سے نفرت و حقارت کا یہ پہلا تجربہ اتنا تلخ اور ناخوشگوار تھا کہ حضور اسے اپنی زندگی کے آخر تک بھلا نہ سکے۔ چنانچہ آپ نے ایک دفعہ اسلام کا دردناک نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا:

مردم ذی مقدرت مشغول عشرتہائے خویش   خرم و خنداں نشستہ باتبان نازنین
اے مسلماناں چہ آثار مسلمانی ہمیں است   دیں چنیں ابتر شما در جیفہ دنیا رہین

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ حضرت اقدس نے ڈیڑھ سو مسلمان دولتمندوں اور رئیسوں کو براہین احمدیہ کا پہلا حصہ بھجوادیا تھا اور متعدد خطوط کے علاوہ ڈاک کے مصارف بھی اپنی گرہ سے ادا کئے تھے اور یہ امید ظاہر کی تھی کہ وہ کتاب کی فقط معمولی قیمت پیشگی بھجوا کر اعانت میں حصہ دار بن جائیں گے۔ اور ہزارہا بندگان خدا اس روحانی چشمہ سے فیض یاب ہو سکیں گے۔ لیکن آپ کا یہ خیال صحیح نہ نکلا اور چند عالی ہمت امراء کے سوا کتابوں کا واپس کرنا تو درکنار انہوں نے جواب دینے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔ اور بالآخر آپ کو غم و اندوہ بھرے دل سے لکھنا پڑا کہ:

"اگر خدانخواستہ کتابیں بھی واپس نہ ملیں تو سخت دقت پیش آئے گی اور بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا افسوس جو ہم کو معزز بھائیوں سے بجائے اعانت کے تکلیف پہنچ گئی۔ اگر یہی حمایت اسلام ہے تو کار دیں تمام ہے۔ ہم بکمال غربت عرض کرتے ہیں کہ اگر قیمت پیشگی کتابوں کا بھیجنا منظور نہیں تو کتابوں کو بذریعہ ڈاک واپس بھیج دیں۔ ہم اس کو عطیہ عظمیٰ سمجھیں گے۔ اور احسان عظیم خیال کریں گے۔ ورنہ ہمارا بڑا حرج ہو گا اور گمشدہ حصہ کو دوبارہ چھپوانا پڑے گا۔ کیونکہ یہ پرچہ اخبار نہیں کہ جس کے ضائع ہونے میں کچھ مضائقہ نہ ہو۔ ہر ایک حصہ کتاب کا ایک ایسا ضروری ہے کہ جس کے تلف ہونے سے ساری کتاب ناقص رہ جاتی ہے۔ برائے خدا ہمارے معزز اخوان سرد مہری اور لاپرواہی کو کام میں نہ لائیں۔ اور دنیوی استغناء کو دین میں استعمال نہ کریں اور ہماری اس مشکل کو سوچ لیں کہ اگر ہمارے پاس اجزاء کتاب کے ہی نہیں ہوں گے تو ہم خریداروں کو کیا دیں گے اور ان سے پیشگی روپیہ کہ جس پر چھپنا کتاب کا موقوف ہے کیونکر لیں گے کام ابتر پڑ جائے گا۔ اور دین کے امر میں جو سب کا مشترک ہے ناحق کی دقت پیش آجائے گی"۔ [۵۹]

اس دردمندانہ اپیل پر بھی جب دو سال کا عرصہ بیت چکا تو آپ نے انہیں ایک بار پھر توجہ دلائی۔ [۶۰] لیکن اب کے بھی سات آٹھ افراد کے سوا (جنہوں نے کچھ تھوڑی بہت توجہ دی) باقی سب غریبوں میں داخل ہو گئے [۶۱]۔ اور رئیس ہونے کے باوجود پانچ پانچ یا دس دس روپیہ کی قلیل اعانت پر ہی

مطمئن ہو بیٹھے کہ بس دینی فریضہ ادا ہو گیا ہے۔ [۲۶]

نواب صدیق حسن خان صاحب کا براہین کے متعلق ناروا طرز عمل

ان حضرات میں سب سے زیادہ ناروا طرز عمل نواب صدیق حسن خاں صاحب نے دکھایا۔ نواب صاحب موصوف اہل حدیث فرقہ کے مشہور عالم تھے جنہیں ان کے بعض عقیدت مند ان کی وسیع اسلامی خدمات اور عالمانہ شان کی وجہ سے "مجدد وقت" بھی قرار دیتے تھے۔ چونکہ انہوں نے والیہ ریاست نواب شاہ جہاں بیگم سے شادی کر لی تھی اس لئے پوری ریاست کی باگ ڈور عملاً انہی کے سپرد تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے انہیں ایک درد مند دل رکھنے والے مسلمان رئیس کی حیثیت سے اعانت کی طرف جب پہلی مرتبہ توجہ دلائی تو انہوں نے پہلے تو رکھ رکھاؤ کا طریق اختیار کرتے ہوئے پندرہ بیس نسخوں کی خرید پر آمادگی کا اظہار کیا۔ مگر پھر دوبارہ یاد دہانی پر محض گورنمنٹ برطانیہ کے خوف سے دست کش ہو گئے اور یہ مصلحت آمیز جواب دیا کہ "دینی مباحثات کی کتابوں کا خریدنا یا انہیں کچھ مدد دینا خلاف منشاء گورنمنٹ انگریزی ہے۔ اس لئے اس ریاست سے خرید وغیرہ کی کچھ امید نہ رکھیں"۔ اسی پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے انہوں نے "براہین احمدیہ" کا پیکٹ وصول کرنے کے بعد اسے چاک کر کے آپ کو واپس کر دیا۔ [۲۷] (حافظ حامد علی صاحب کا بیان ہے کہ) جب کتاب واپس آئی تو اس وقت حضرت اقدس اپنے مکان میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ کتاب کی یہ حالت دیکھ کر کہ وہ پھٹی ہوئی ہے اور نہایت بری طرح اس کو خراب کیا گیا ہے۔ حضور کا چہرہ مبارک متغیر اور غصہ سے سرخ ہو گیا۔ عمر بھر میں حضور کو ایسے غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا گیا۔ آپ کے چہرہ کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ میں ناراضگی کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ آپ بدستور ادھر ادھر ٹہلتے تھے اور خاموش تھے کہ یکایک آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے "اچھا تم اپنی گورنمنٹ کو خوش کر لو"۔ نیز یہ دعا کی کہ ان کی عزت چاک کر دی جائے۔ اس کے بعد جب براہین احمدیہ کا چوتھا حصہ حضور نے تحریر فرمایا تو اس میں بھی حضرت اقدس نے نواب صاحب کے اس غیر اسلامی فعل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ "ہم بھی نواب صاحب کو امید گاہ نہیں بناتے بلکہ امید گاہ خداوند کریم ہی ہے اور وہی کافی ہے (خدا کرے گورنمنٹ انگریزی نواب صاحب پر بہت راضی رہے")۔ (حضور کے یہ الفاظ کس طرح ایک انذاری پیشگوئی کی شکل اختیار کر گئے۔ اس کا بیان دوسری جلد میں آرہا ہے)

براہین احمدیہ کی اشاعت ایک معجزہ تھی

ان حالات میں جبکہ اپنوں اور بیگانوں کی زبردست مزاحمت نے براہین احمدیہ کے منظر

عام پر آنے کے سبھی اسباب مسدود کر دیئے تھے یقیناً براہین احمدیہ کی اشاعت ایک محیر العقول معجزہ تھی جو خدا تعالیٰ کی پہلے سے عطا کردہ بشارتوں اور حضور کی تحریرات کے عین مطابق ظہور میں آیا۔ براہین احمدیہ ایسی ضخیم اور معرکتہ الاراء تصنیف کی طباعت و اشاعت دراصل ایک وسیع پیمانے پر چلنے والے اسلامی ادارہ یا ایک منظم جماعت کا کام تھا۔ جو اللہ تعالیٰ کی تائید خصوصی سے آپ نے تن تنہا کر دکھایا۔

ابتدائی تصنیف کا مسودہ

اس مقام پر "براہین احمدیہ" کی ترتیب۔ کتابت اور اشاعت کے متعلق بعض تاریخی کوائف کا بھی ذکر ضروری ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اپریل ۱۸۷۹ء تک براہین احمدیہ کی تصنیف فرما چکے تھے اور مسودات کا حجم دو اڑھائی ہزار صفحہ تک پہنچ گیا تھا۔ اور اس میں حضور نے اسلام کی صداقت میں تین سو ۳۰۰ ایسے زبردست دلائل تحریر فرمائے کہ جن کے متعلق آپ کا دعویٰ تھا کہ ان سے قرآن مجید کی سچائی اور رسول اکرم ﷺ کی جلالت شان نیر النہار کی طرح روشن ہو جائے گی۔ اور آپ نے ابتداء ہی میں یہ فیصلہ فرمالیا تھا کہ اشاعت کے مرحلے پر اصل مسودہ میں ایک حصہ بعض تمہیدی امور اور اہم حواشی وغیرہ کا اضافہ کیا جائے گا۔ کتاب کے ابتداء میں انعامی اشتہار کا لگانا بھی شروع سے آپ کے مدنظر تھا [۲۴] چنانچہ موجودہ شائع شدہ براہین احمدیہ کا اشتہار حصہ اول مقدمہ حصہ دوم اور حواشی سب دوران زمانہ اشاعت کے ہیں۔ اور اس میں اصل ابتدائی تصنیف کا حصہ چند صفحات سے زیادہ نہیں آسکا۔ [۲۵]

خوشخط نقل اور کتابت کے مرحلے

مسودہ کو خوشخط نقل کرنے کے لئے آپ نے میاں شمس الدین صاحب (جو آپ کے استاد فضل الٰہی صاحب کے بیٹے تھے) کی خدمات حاصل کر لی تھیں۔ جب وہ مسودہ صاف اور شستہ خط میں نقل کر لیتے تو اسے منشی امام الدین صاحب کاتب امرت سری کو دے دیا جاتا [۲۶،۲۷]۔ جو امرت سر سے قادیان آکر حضور کی نگرانی میں کتابت کا کام کیا کرتے تھے۔ جب کاپیاں تیار ہو جاتیں تو ان پر نظر ثانی فرماتے اور تصحیح کرنے کے بعد انہیں پریس تک پہنچانے کے لئے اکثر خود ہی امرت سر تشریف لے جاتے بعد میں حضور کو جب کاپیوں کو پتھر پر جمادینے کی اطلاع دی جاتی تو پھر بنفس نفیس تشریف لے جاتے اور پروف پڑھنے کے لئے کئی روز تک حکیم محمد شریف صاحب کلانوری مرحوم وغیرہ کے یہاں قیام پذیر ہونا پڑتا۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ کبھی کبھی لالہ ملاوامل اور لالہ شرمپت رائے ہوتے تھے۔ بعض اوقات لالہ ملاوامل صاحب ہی کو کاپیاں دے کر بھجوا دیا جاتا۔ [۲۸] حصہ چہارم کی طباعت کا زمانہ آیا تو پروف اور کاپیوں کو گاہے گاہے بذریعہ ڈاک بھی بھجوا دیتے تھے۔ لیکن اس میں خاص احتیاط کرنا پڑتی تھی۔ حضرت اقدس خود بھی رجسٹری کرتے اور پریس کے مہتمم کو بھی یہ ہدایت تھی کہ وہ کاپیاں اور پروف رجسٹری

بھجوایا کرے۔ [۴۹]

براہین احمدیہ کس کس پریس میں چھپی

براہین احمدیہ کی طباعت کا انتظام شروع میں حضور نے پادری رجب علی کے مطبع سفیر ہند میں فرمایا۔ کیونکہ اختلاف مذہب کے باوجود پادری موصوف کو دلی شغف تھا کہ کام کی عمدگی اور خوبی اور صحت میں کوئی کسر نہ رہ جائے اور حضرت اقدس کا منشاء مبارک بھی "براہین احمدیہ" کو کتابت و طباعت کے لحاظ سے معیاری اور دیدہ زیب بنانے کا تھا۔ بلکہ ایسی بے جا کفایت شعاری کو جو کتاب کے ظاہری حسن کو ماند کر دے آپ شرک قرار دیا کرتے تھے اس لئے مطبع کے گراں نرخ اور بھاری اخراجات کے باوجود آپ کی نظر انتخاب اسی پر پڑی [۵۰]۔ چنانچہ کتاب کا حصہ اول اسی مطبع میں چھپا اور اس کے پہلے پرنٹر شیخ نور احمد صاحب ﷺ بنے جو فن طباعت میں بہترین ماہر مانے جاتے تھے اور جنہیں کچھ عرصہ قبل پادری رجب علی صاحب نے مراد آباد سے خاص طور پر بلا کر ان کے سپرد اپنے مطبع کا اہتمام کر رکھا تھا۔ حصہ اول کی اشاعت کے بعد چونکہ شیخ نور احمد صاحبؓ نے مطبع "سفیر ہند" چھوڑ کر "مطبع ریاض ہند" کے نام سے قریب ہی اپنا ذاتی مطبع قائم کر لیا تھا اس لئے پادری رجب علی صاحب نے کتاب کو گذشتہ معیار پر قائم رکھنے کے لئے شیخ نور احمد صاحبؓ ہی کو کچھ اجرت پر اس کی طباعت کا کام دے دیا۔ اور اس طرح اگلے دو حصے (حصہ دوم و حصہ سوم) عملاً تو "ریاض ہند" میں طبع ہوئے مگر ان پر نام "سفیر ہند" کا درج کیا گیا۔ [۵۱] اسی رنگ سے کتاب کا حصہ سوم "ریاض ہند" میں چھپ رہا تھا کہ پادری صاحب نے حضرت صاحب سے روپے کا بار بار مطالبہ کرنا شروع کر دیا۔ حالانکہ حضرت اقدس تو انہیں پیشگی روپیہ دے دیتے۔ مگر وہ کام کو معرض تاخیر میں ڈالتے جاتے تھے۔ جب ان کے تقاضوں نے سخت تنگ کیا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ رقم لے کر قادیان سے امرت سر ہال بازار پہنچے۔ جہاں چھاپہ خانہ دریافت کیا تو بتانے والے نے مطبع ریاض ہند کا پتہ بتا دیا۔ چنانچہ حضور اس مطبع میں داخل ہوئے یہاں براہین احمدیہ کا تیسرا حصہ چھپ رہا تھا۔ حضرت اقدس نے سمجھا کہ رجب علی کا یہی پریس ہو گا۔ ملازموں سے آپ نے فرمایا کہ پادری رجب علی صاحب کو بلاؤ۔ شیخ نور احمد صاحبؓ (مہتمم مطبع) کا گھر قریب ہی تھا۔ جب انہیں اطلاع ہوئی تو وہ جلد آگئے اور السلام علیکم کہہ کر مصافحہ کیا۔ حضرت صاحب رجب علی صاحب کو تو جانتے تھے لیکن ان سے تعارف نہیں تھا۔ ان کو دیکھ کر متعجب سے ہوئے اور فرمایا یہ پریس رجب علی کا ہے؟ انہوں نے ادب سے عرض کیا کہ آپ ہی کا ہے۔ پھر فرمایا کہ رجب علی صاحب کا پریس کہاں ہے اور یہ ہماری کتاب جو چھپ رہی ہے اس مطبع میں کیسے آئی؟ انہوں نے اصل واقعہ عرض کرتے ہوئے کہا کہ یہ ساری کتاب میں نے اپنے مطبع میں

چھاپی ہے۔ صرف پہلا حصہ پادری صاحب کے پریس میں چھپا ہے اور وہ بھی مَیں نے ہی چھاپا ہے۔ اب ان کا پریس بند ہے اور وہ خیر الدین کی مسجد کی پیچھے رہتے ہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ رجب علی صاحب ہمیں تنگ کرتے ہیں۔ پیشگی روپیہ لے لیتے ہیں اور وقت پر کام نہیں دیتے۔ اب ہم ان کو روپیہ دینے آئے ہیں اور کتاب ابھی چھپی نہیں۔ اگر پہلے سے ہمیں معلوم ہوتا تو آپ ہی سے چھپواتے۔ ہمیں اس وقت بڑی خوشی ہوئی کہ ایک مسلمان کے مطبع میں کتاب چھپ رہی ہے۔ اور ہمارا یہ منشاء ہے کہ جلد چہارم آپ ہی چھاپیں اور چھپنے کے بعد جب کتاب مکمل ہو جائے تو ایک ماہ کے بعد بتدریج آپ کو روپیہ دیں۔ کیا آپ یہ انتظام کر سکتے ہیں؟ شیخ نور احمد صاحبؓ نے عرض کیا مجھے منظور ہے۔ آپ ایک ماہ کے بعد روپیہ بتدریج عنایت فرمانا شروع کر دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر اظہار خوشنودی فرمایا اور فرمایا کہ کاغذ بھی اپنے پاس سے لگائیں اور چھپائی اور ترتیب اور کٹائی اور سلائی سب کام تیار کرا کے اور مکمل کر کے ہمیں دیں۔ نیز فرمایا کہ ہم کام عمدہ چاہتے ہیں۔ کوئی نرخ چھپائی یا کاغذ وغیرہ کا ان سے نہیں پوچھا اور اس طرح آئندہ براہ راست "ریاض ہند" میں کتاب کی طباعت کا سلسلہ منتقل ہو گیا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد حضرت اقدس نے شیخ صاحبؓ کو قادیان بلایا اور انہیں جلد چہارم کا ابتدائی خوشخط لکھا ہوا مسودہ اشاعت کے لئے عنایت فرمایا اور براہین حصہ چہارم چھپنا شروع ہو گئی۔ بعد میں حضور نے آہستہ آہستہ دوسرا مضمون بھی دستی یا بذریعہ ڈاک بھجوا دیا۔ سرورق محمد حسین صاحب مراد آبادی نے لکھا۔ اس کا ایک جز چھپنا باقی تھا کہ شیخ نور احمد صاحب سفر بخارا پر روانہ ہو گئے اور بقیہ حصہ جناب محمد حسین صاحب مراد آبادی کی نگرانی میں چھپا اور براہین احمدیہ مکمل طور پر تیار ہو کر حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچ گئی۔ ۵۲

براہین احمدیہ کے مختلف حصص کا سن اشاعت

"براہین احمدیہ" کے پہلے دو حصے ۱۸۸۰ء میں تیسرا حصہ ۱۸۸۲ء میں اور چوتھا حصہ ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا۔

زمانہ "براہین احمدیہ" مسلسل جہاد تھا

"براہین احمدیہ" سے تعارف کے لئے ملکی پریس میں تحریک، ملک کے مسلمان رؤساء اور دوسرے لوگوں سے خط و کتابت اور پھر اس کی ترسیل وغیرہ امور میں سے ہر امر بجائے خود ایک دفتر اور عملہ کا مقتضی تھا۔ لیکن آپ نے ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بھی ایک فرض شناس اور بیدار مغز انسان کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا۔ کتاب کی تحریک کے لئے ملکی رسائل و جرائد "سفیر ہند" "اشاعت السنہ" اور "منشور محمدی" وغیرہ میں مضامین تحریر فرمائے۔ ملک کے مسلم دوست رؤساء

اور امراء کو سینکڑوں دستی خطوط لکھے۔ کتاب کی روانگی کے لئے ایک مفصل فہرست مرتب فرمائی۔ حضور خود اپنے ہاتھ سے پیکٹ تیار کرتے۔ ان پر اپنے ہاتھ سے مرسل الیہ کا پتہ تحریر فرماتے الختصر آپ کی زندگی کا یہ دور مسلسل جہاد تھا[۵۳]۔

براہین احمدیہ کا التواء

۱۸۸۴ء میں براہین احمدیہ کا حصہ چہارم چھپا اور اسی حصہ کے آخر میں آپ نے یہ اطلاع شائع کی کہ "ابتداء میں جب یہ کتاب تالیف کی گئی تھی اس وقت اس کی کوئی اور صورت تھی۔ پھر بعد اس کے قدرت الٰہیہ کی ناگہانی تجلی نے اس احقر عباد کو موسیٰ کی طرح ایک ایسے عالم سے خبر دی جس سے پہلے خبر نہ تھی۔ یعنی یہ عاجز بھی حضرت ابن عمران کی طرح اپنے خیالات کی شب تاریک میں سفر کر رہا تھا کہ ایک دفعہ پردہ غیب سے انی انا ربک کی آواز آئی اور ایسے اسرار ظاہر ہوئے کہ جن تک عقل اور خیال کی رسائی نہ تھی۔ سو اب اس کتاب کا متولی اور مہتمم ظاہراً و باطناً حضرت رب العالمین ہے"۔ چنانچہ الٰہی منشاء کے ماتحت تیئس سال تک براہین احمدیہ معرض التواء میں رہی اور آخر ۱۹۰۵ء میں اس کا پانچواں اور آخری حصہ تصنیف ہو کر اکتوبر ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔ یہ حصہ مضمون کے اعتبار سے ابتدائی حصوں کے تسلسل میں نہیں تھا۔ کیونکہ اس تیئس سالہ دور میں آپ ماموریت کے تاج سے سرفراز ہو کر قرآنی صداقتوں کے لاکھوں نشانوں کا جلوہ گاہ بن گئے تھے اور "براہین احمدیہ" کے موعودہ تین سو دلائل کا ذکر ہی کیا آپ کے قلم و زبان سے اسلام اور قرآن مجید کی سچائی کے علمی اور عملی زندہ اور درخشاں دلائل کا ایک غیر محدود سمندر اور بحر ناپیدا کنار ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس لئے براہین احمدیہ کے حصہ پنجم پر قلم اٹھانے کی تحریک ہوئی تو براہین احمدیہ کے باقی ماندہ مضمون کو جس کے بغیر یہ تصنیف اب تک بالکل نا تمام صورت میں پڑی تھی شامل اشاعت کرنے کی چنداں ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی۔ اس کے برعکس اس میں معجزہ کی حقیقت اور اپنے دعاوی کے متعلق دوسرے مباحث بیان کرتے ہوئے فقط ان پیشگوئیوں کا ذکر فرما دیا گیا جو ابتدائی حصوں میں کی گئی تھیں۔ اور پھر برسوں کے بعد ناموافق بلکہ سراسر مخالف حالات میں بڑی شان سے پوری ہوئیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس لطیف اور پر حکمت اسلوب و انداز نے اسے پہلی تصنیف سے بھی مربوط کر دیا اور دنیا پر اتمام حجت بھی قائم ہو گئی اور یہی براہین احمدیہ کی تصنیف اور آپ کی آمد کا حقیقی مقصد تھا۔

قیمت کتاب کی واپسی کا اعلان

براہین احمدیہ کی تعویق پر بعض لوگوں کی طرف سے اعتراضات ہوئے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلی دفعہ یکم مئی ۱۸۹۳ء میں۔ اور اس کے بعد کئی مرتبہ اعلان فرمایا کہ جن خریداروں کو اس خدائی

توقف پر شکوہ اور سوء ظن ہو وہ کتاب واپس کر کے اپنی قیمت لے سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ تمام لوگ جو اس قسم کی جہالت میں مبتلا تھے انہوں نے کتابیں بھیج دیں اور حضرت اقدس نے انہیں قیمت واپس کر دی اور بعض نے کتابوں کو بہت خراب اور خستہ حالت میں واپس کیا مگر آپ نے قیمت کی واپسی میں ایک لحمہ کے لئے بھی تامل نہیں کیا۔ بلکہ بعض بگڑی ہوئی ذہنیتوں کی روش دیکھ کر یہاں تک کہا کہ وفات شدہ خریداروں کے ورثاء بھی کتاب واپس کرنا چاہیں تو وہ چار معتبر مسلمانوں کی تصدیق بھجوا دیں انہیں بھی فی الفور قیمت ادا کر دی جائے گی۔ [۵۴]

دوسری طرف براہین احمدیہ کی آڑ میں گند اچھالنے والوں کے لئے معافی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا "میں ایسے صاحبوں کی بدزبانی اور بدگوئی اور دشنام دہی کو بھی محض للہ بخشتا ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے لئے قیامت میں پکڑا جائے۔ [۵۵]

براہین احمدیہ کی تصنیف کا ذکر کرتے ہوئے ہم ۱۸۸۴ء تک جا پہنچے تھے۔ اب دوبارہ مضمون کے تسلسل میں ۱۸۸۰-۱۸۸۱ء کی طرف پلٹتے ہیں۔

الہامات کیلئے روزنامچہ نویس کا تقرر

اس وقت تک حضرت مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور کو جو اہم خبریں ملتیں وہ اپنے حلقہ احباب تک پہنچا دیتے۔ قادیان میں آپ ہندوؤں میں سے لالہ ملاوامل' لالہ شرمپت رائے اور کشن سنگھ کو اور مسلمانوں میں سے میاں جان محمد مرحوم امام مسجد کو ان سے آگاہ رکھتے تھے اور بعض بیرونی احباب مثلاً لالہ بھیم سین صاحب وکیل اور حافظ ہدایت علی صاحب ڈپٹی ضلع وغیرہ کو بھی وقتاً فوقتاً ان سے تحریری اطلاع دیتے رہتے تھے۔ لیکن اب آپ نے الہامات لکھنے کے لئے بطور روزنامچہ نویس ایک نوکر رکھ لیا جس کا نام پنڈت شام لال تھا اور جو ناگری اور فارسی دونوں میں لکھ سکتا تھا۔ یہ برہمن نژاد فارسی اور ناگری میں اپنے دستخطوں کے ساتھ حضرت کے الہامات و مکاشفات روزنامچہ میں درج کرتا رہتا تھا۔ یہ شخص ایک عرصہ تک اس عہدہ پر متعین رہا۔ لیکن جب پنڈت لیکھرام قادیان میں آیا تو اس نے اسے دباؤ ڈال کر اس خدمت سے الگ کرا لیا۔ اور گو وہ علیحدگی کے بعد بھی مخفی طور پر ملازمت کرتا رہا۔ مگر خدا کے زندہ اور روشن نشانوں کے لکھنے میں آپ کے مدنظر اتمام حجت کی جو غرض تھی اس کے لئے اس طرز کی پوشیدہ ملازمت سراسر بے فائدہ اور بے کار تھی۔ اس لئے حضرت اقدس نے خود ہی اسے برطرف کر دیا اور پھر ایک اور ہندو برہمن کالیہ بوا داس کو یہ خدمت سپرد کر دی۔ لیکن جب زمانہ ماموریت میں مکالمات الہیہ کی شہادت کا میدان پورے ملک کو محیط ہو گیا تو اس التزام کی ضرورت ہی نہ رہی۔

روزنامچہ نویس کے زمانہ میں قادیان اور بیرون کے ہندو، مسلمان اصحاب کو خدائی کلام سے وقتاً فوقتاً مطلع کرنے کا سلسلہ ختم نہیں ہوا بلکہ بدستور جاری رہا۔ اور اس میں اور زیادہ وسعت اور باقاعدگی پیدا ہو گئی۔ کیونکہ اس زمانہ میں ملک کا ایک طبقہ صدق و عقیدت کے ساتھ آپ کی طرف مائل ہو چکا تھا۔ اور آپ انہیں بذریعہ مکتوبات اپنے الہامات سے باخبر رکھتے تھے۔ خصوصاً میر عباس علی صاحب لدھیانوی سے تو اس ضمن میں باقاعدہ ایک سلسلہ خط و کتابت جاری رہتا تھا۔ بلکہ حضرت اقدس کا طریق مبارک تھا کہ کسی شخص کے نام مراسلت فرماتے تو اس کی ایک کاپی میر عباس علی صاحب کو بھجوا دیتے جسے وہ باوضو ہو کر نہایت عقیدت کے ساتھ اپنے رجسٹر میں محفوظ کر لیتے۔ [۵۱] اور یوں قدرت نے انہی کے ہاتھوں اس گنج گراں مایہ کی حفاظت کا سامان کیا۔

اس زمانہ کی عظیم الشان پیشگوئیاں اور نشانات

یہ زمانہ آسمانی تجلیات کا ایک خاص زمانہ تھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو مستقبل کے متعلق بڑی عظیم الشان خبریں دی گئیں۔ جو بعد میں بڑی آب و تاب سے پوری ہوئیں۔ مثلاً آپ کو بتایا گیا کہ ایک شریف اور عالی نسب خاندان سے آپ کا تعلق قائم ہونے والا ہے اور اس دوسری شادی کے لئے سبھی انتظامات اللہ تعالیٰ اپنے معجزنما ہاتھ سے کرے گا اور آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ نیز ایک مبارک نسل کا وعدہ بھی آپ کو دیا گیا اور ایک حسین فرزند کی قبل از وقت اطلاع بھی! حضور کا مشہور تاریخی اور پر شوکت الہام "اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ" بھی اسی زمانہ میں نازل ہوا جو ہزاروں دفعہ پورا ہوا۔ اور واقعات نے ہر رنگ میں اس کی سچائی پر شہادت دی اور مخالفین تک نے کھلے لفظوں میں تسلیم کیا کہ "جب تک وہ انداز اختیار نہ کیا جائے جس سے فکری اور عملی تقاضے پورے ہوں۔ ہنگامہ خیزی کا نتیجہ وہی برآمد ہوگا جس پر مرزا صاحب کا الہام اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ صادق آئے گا"۔ [۵۲]

اس زمانہ میں جہاں مستقبل کے متعلق یہ اہم خبریں دی گئیں وہاں متعدد نشانات بھی ظہور پذیر ہوئے۔ سردار محمد حیات خاں عرصہ کی معطلی کے بعد آپ کی خواب کے مطابق بحال ہوئے اور لالہ ملاوامل جو دق کے مہلک اور جانگداز مرض میں مبتلا ہو گئے تھے محض آپ کی دعا اور خدائی بشارت کے مطابق ایک ہفتہ کے اندر اندر مکمل طور پر شفایاب ہو گئے اور پچانوے سال کی عمر پائی جو ایک بے مثال معجزہ ہے اور جس کی مثال طبی دنیا میں تلاش کرنا مشکل ہے۔ اس زمانہ کے نشانات کو ایک عجیب خصوصیت یہ حاصل تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو قبل از وقت یہ اطلاع دے دی جاتی تھی کہ فلاں شخص آپ کو اس قدر رقم بھجوا رہا ہے چنانچہ جب ہندو اور مسلمان ڈاک خانہ سے پتہ کرتے تو

آپ کی اطلاع درست نکلتی اور وہ بالکل مبہوت ہو کر رہ جاتے۔ [58]

قولنج زحیری کا خطرناک حملہ اور اعجازی شفاء کا نشان

براہین احمدیہ کی تصنیف و اشاعت کے کام میں حضرت اقدس نے اپنی صحت سے بے نیاز ہو کر جان کی بازی لگا دی تھی۔ لیکن اس مسلسل جہاد میں آپ کے صبر و رضاء کا ایک درد انگیز امتحان بھی مقدر تھا جو اسی سال ایک شدید بیماری کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ۱۸۸۰ء میں ایک مرتبہ قادیان اور بٹالہ کے ماحول میں قولنج زحیری کی وباء پھوٹ پڑی اور متعدد اموات ہوئیں بلکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی اس کا خطرناک حملہ ہوا۔ آپ کے ساتھ ہی قادیان میں ایک اور شخص (محمد بخش حجام نامی) بھی بیمار ہوا اور اگرچہ اس کی بیماری آپ کے مقابل میں نسبتاً زیادہ سخت نہیں تھی لیکن وہ آٹھ دن میں ہی راہی ملک عدم ہو گیا حضرت اقدس برابر سولہ روز تک اس مہلک مرض میں مبتلا رہے اور پے در پے خونی اجابتوں نے آپ کی حالت یہاں تک نازک کر دی کہ خویش و اقارب نے ایک دو دفعہ نہیں متواتر تین مرتبہ یہ سمجھ کر کہ آپ کا سفر آخرت آن پہنچا ہے مسنون طریق پر سورۂ یٰسین سنائی۔ سولہویں دن جب تیسری بار یٰس پڑھی گئی تو دیواروں کے پیچھے وہ زار و قطار رونے لگے اور انہیں پختہ یقین ہو گیا کہ آپ آج شام تک قبر میں ہوں گے۔ جب بیماری اس درجہ تشویشناک صورت اختیار کر گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو تسبیح و تحمید اور درود شریف کی ایک دعا سکھائی گئی "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ" اور حکم ملا کہ یہ دعا پڑھتے ہوئے دریا کے پانی اور ریت میں ہاتھ ڈالکر اسے اپنے بدن پر پھیریں اس سے آپ شفاء پائیں گے۔ چنانچہ دریا سے پانی اور ریت منگوائی گئی۔ اس وقت آپ کا پورا جسم دردناک جلن میں مبتلا تھا اور ایک ایک بال سے آگ نکل رہی تھی اور طبیعت بے اختیار اس بات کی طرف مائل تھی کہ اس حالت سے موت بہتر ہے۔ مگر جونہی آسمانی معالج اور حکیم مطلق کا علاج شروع ہوا طبیعت میں یکایک خوشگوار انقلاب پیدا ہو گیا۔ جوں جوں آپ یہ کلمات پڑھ کر پانی کو بدن پر پھیرتے آپ کو محسوس ہوتا کہ آگ اندر سے نکلتی جاتی ہے اور مرض میں افاقہ اور طبیعت میں سکون ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ابھی پیالہ کا پانی ختم نہ ہوا تھا کہ آپ کو اعجازی رنگ میں شفا عطا ہوئی اور آپ بکلی صحت یاب ہو گئے۔ بیماری کے دوران میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عیادت کے لئے ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے والد مولوی رحیم بخش صاحب بھی آئے اور انہوں نے تسلی دلانے کی بجائے اس خبر سے اور بھی تشویش پیدا کر دی کہ میں ابھی بٹالہ میں ایک شخص کا جنازہ پڑھ کر آیا ہوں جو اسی مرض سے فوت ہوا ہے۔ [59]

دراصل بچپن سے آپ کی صحت اچھی نہیں تھی اور آپ مختلف امراض و عوارض کے شکار رہتے تھے۔ پہلے سل اور اب قولنج زحیری ایسی مہلک بیماریوں میں بھی آپ مبتلا ہوئے مگر جونہی آپ کی زندگی کے آثار بظاہر منقطع ہونے کو آئے خدا تعالیٰ کے فرشتے خود اپنے ہاتھوں سے آپ کو موت کی آغوش سے نکال لاتے تھے۔ یہ خارق عادت سلوک صاف اشارہ کر رہا تھا کہ تجدید دین کا وہ روحانی قافلہ جو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ، حضرت سید عبد القادر صاحب جیلانیؒ حضرت محی الدین ابن عربیؒ حضرت امام غزالیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت سید احمد بریلوی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں بریلی کی سرزمین تک پہنچا تھا آپ کی قیادت میں ایک نئی شان و شوکت کے ساتھ شاہراہ عالم پر گامزن ہونے والا ہے۔

حواشی

۱۔ دیکھو حالات ۱۸۶۴ء-۱۸۶۵ء
۲۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے بھی براہین احمدیہ سے پہلے ایک انعامی اشتہار دیا تھا جس میں رفع یدین اور آمین وغیرہ مسائل تھے اور جواب کے لئے فی مسئلہ دس روپے انعام مقرر کیا تھا۔ دس مسائل تھے۔ حضرت اقدسؑ کو جب یہ اشتہار ملا تو فرمایا "دیکھو یہ کیسا فضول اشتہار ہے۔ جب نماز ہر طرح ہو جاتی ہے۔ تو ان باتوں کا تنازعہ موجب فساد ہے۔ اس وقت ہمیں اسلام کی خدمت کی ضرورت ہے۔ نہ ان مسائل میں بحث کی" - (سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۴۴، ۴۵)
۳۔ "اشاعۃ السنہ" جلد ہفتم نمبر ۶ صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰۔
۴۔ ایضاً صفحہ ۲۸۴
۵۔ "اشاعۃ السنہ" جلد ہفتم نمبر ۱۱ صفحہ ۳۴۸
۶۔ طب روحانی صفحہ ۲۷، ۲۸ طبع اول مطبوعہ رحیمی پریس لدھیانہ
۷۔ الفضل ۲۳۔ جون ۱۹۳۱ء (مکمل متن اشتہار)
۸۔ "انعامات خداوند کریم" مولفہ حضرت پیر افتخار احمد صاحب مطبوعہ قادیان
۹۔ "منشور محمدی" بنگلور ۲۵۔ رجب المرجب ۱۳۰۰ھ صفحہ ۲۱۴، ۲۱۷
۱۰۔ "منشور محمدی" ۵۔ جمادی الاخرا ۱۳۰۱ھ صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶۔
۱۱۔ الحکم ۱۴۔ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۳
۱۲۔ حیات احمد جلد دوم نمبر اول صفحہ ۸۸
۱۳۔ الحکم ۱۴۔ مارچ ۱۹۳۷ء صفحہ ۲
۱۴۔ "ریویو آف ریلیجنز اردو" جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۸-۹
۱۵۔ "قادیانیت" صفحہ ۴۵-۵۱ طبع اول از سید ابو الحسن ندوی
۱۶۔ "خلیفہ قادیان" صفحہ ۴، ۵ (از ارجن سنگھ صاحب مدیر اخبار رنگین امرتسر" ناشر راجپوت بک ایجنسی کٹڑہ جمیل سنگھ امرتسر
۱۷۔ براہین احمدیہ حصہ دوم سرورق صفحہ ۱، ۳، ۴۔
۱۸۔ مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ ۳ (از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی) مطبوعہ دسمبر ۱۹۰۸ء انوار احمدیہ مشین پریس قادیان
۱۹۔ اس کتاب میں آنحضرت ﷺ پر نہایت گندے الزامات لگائے گئے تھے "پیسہ اخبار" لاہور نے حکومت سے اس کی ضبطی کا مطالبہ کیا۔
۲۰۔ لیکھرام کے مختصر کوائف ولادت (۱۸۵۸ء) آریہ سماج میں شمولیت (۱۸۸۰ء) آریہ گزٹ کی ادارت (۱۸۸۷ء تا ۱۸۹۰ء) اشاعت تکذیب براہین احمدیہ (۱۸۸۷ء) قتل (۶- مارچ ۱۸۹۷ء)
۲۱۔ مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ ۳
۲۲۔ اصل عبارت میں تحریف کی بجائے "تعریف" ہی لکھا ہے۔ مرتب۔
۲۳۔ ایضاً صفحہ ۱۷۴-۱۷۵
۲۴۔ اشاعۃ السنہ جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۱۷۰، ۱۷۱
۲۵، ۲۶ نقل مطابق اصل
۲۷۔ براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۲۵، ۲۲۶ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱
۲۸۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۳۷

۲۹- براہین احمدیہ جلد اول سرورق صفحہ ۳و تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۸
۳۰- براہین احمدیہ حصہ دوم صفحہ ۹ و تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۸
۳۱- ایضاً صفحہ ۲۹
۳۲- اشتہار مندرجہ کتاب براہین احمدیہ صفحہ ۹ و جلد دوم
۳۳- اشتہار مندرجہ سرورق براہین احمدیہ جلد سوم (مطبوعہ سفیر ہند پریس امرتسر)
۳۴- حیات احمد جلد دوم نمبر اول صفحہ ۴۶ مکتوب مورخہ ۲۸- اکتوبر ۱۸۸۲ء
۳۵- حیات احمد جلد دوم نمبر اول صفحہ ۴۷
۳۶- مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ ۲۹-۳۰
۳۷- ایضاً صفحہ ۴۷
۳۸- براہین احمدیہ حصہ اول صفحہ ا وحصہ سوم صفحہ ۲۵۵، ۲۵۶ وحصہ چہارم صفحہ ج حیات احمد جلد دوم صفحہ ۲۸، ۲۹ و ۵۵، ۵۴
۳۹- براہین احمدیہ جلد دوم (صفحہ ا تا د) ۱۸۸۰ء
۴۰- اشتہار مندرجہ ٹائٹل براہین احمدیہ جلد سوم۔
۴۱- مثلاً نواب اقبال الدولہ صاحب حیدر آباد، عہدہ دار محمد افضل خاں، نواب صاحب مالیر کوٹلہ وغیرہ براہین احمدیہ جلد چہارم صفحہ ج
۴۲- ایضاً
۴۳- تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۷۳
۴۴- سرورق براہین احمدیہ حصہ اول۔ تبلیغ رسالت حصہ اول صفحہ ۸/ج
۴۵- سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۱۱
۴۶- مکتوبات" بنام مولوی عبداللہ صاحب سنوری صفحہ ۵
۴۷- صرف حصہ چہارم کے ایک حصہ کی کتابت حضرت شیخ محمد حسین صاحب مراد آبادیؓ نے کی باقی سبھی حصے منشی صاحب موصوف نے لکھے۔ (حیات احمد جلد دوم نمبر اول صفحہ ۳۷)
۴۸- حیات احمد جلد دوم نمبر اول صفحہ ۴۳، ۴۴
۴۹- ایضاً صفحہ ۴۰
۵۰- حیات احمد جلد دوم نمبر ا صفحہ ۳۶
۵۱- ایضاً صفحہ ۳۸
۵۲- رسالہ نور احمد نمبر ا صفحہ ۴، ۷
۵۳- حیات احمد جلد دوم نمبر اول صفحہ ۴۲
۵۴، ۵۵- تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۲۹ تا ۳۶ مرتبہ حضرت میر قاسم علی صاحب اشاعت دسمبر ۱۹۲۰ء (حیات احمد جلد دوم نمبر سوم صفحہ ۵۹
۵۶- حیات احمد جلد دوم نمبر ا صفحہ ۶۴، ۶۶ و مکتوبات احمدیہ جلد اول و الحکم ۱۴- فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۳
۵۷- ملاحظہ ہو اخبار "المنیر" (فیصل آباد) لائلپور ۱۰- اگست ۱۹۵۵ء و ۲۲- فروری ۱۹۵۶ء۔
۵۸- براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۸ و شحنہ حق طبع دوم صفحہ ۵۵ و تریاق القلوب صفحہ ۳۴، ۵۸، ۵۹ و براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۵۲ حاشیہ در حاشیہ نمبر ا و صفحہ ۲۲۷، ۲۲۸ حاشیہ در حاشیہ نمبر ا و نزول المسیح صفحہ ۲۰۲
۵۹- تریاق القلوب صفحہ ۳۷، ۳۸ و حیات احمد جلد دوم نمبر ا صفحہ ۸۱۔ سیرت مسیح موعود مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ صفحہ ۲۶۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

ماموریت کا پہلا سال

خلعت ماموریت سے سرفرازی

(۱۸۸۲ء)

ماموریت کا پہلا الہام اوائل کا واقعہ ہے کہ حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ السلام کو ایک دفعہ مسجد اقصیٰ میں کشفاً دکھایا گیا کہ "ایک باغ لگایا جا رہا ہے اور میں اس کا مالی مقرر ہوا ہوں"۔ یہ دراصل ماموریت کی پہلی بشارت تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ آپ کو گلشن محمد (ﷺ) کی باغبانی کا فریضہ سپرد ہونے والا ہے۔ اس کشف کے ایک عرصہ بعد جب کہ آپؑ "براہین احمدیہ" (حصہ سوم) کا حاشیہ تحریر فرما رہے تھے۔ آپ پر یکایک ربودگی کا عالم طاری ہوا اور حالت کشف میں آنحضرت ﷺ رونق افروز ہوئے اور آپؑ کو شرف معانقہ بخشا۔ اس وقت آنحضرتؐ کا روئے مبارک چودھویں رات کے چاند کی مانند چمک رہا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ حضور انور کے مقدس چہرے سے نور کی کرنیں نکل نکل کر آپ کے اندر داخل ہو رہی ہیں آپ یہ نور ظاہری روشنی کی طرح مشاہدہ کر رہے تھے اور پورے یقین کے ساتھ سمجھتے تھے کہ آپ صرف باطنی آنکھوں ہی سے نہیں بلکہ ظاہری نظر سے بھی اس نظارہ سے محظوظ ہو رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے معانقے کے بعد آپ کے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا کہ آیا آنحضرت ﷺ آپ سے الگ ہوئے ہیں یا تشریف لے گئے ہیں۔

زیارت مصطفوی ﷺ کی اس عظیم الشان تجلی کے بعد جو ۱۸۸۲ عیسوی کے آغاز میں ہوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر الہام الٰہی کے دروازے کھول دیئے گئے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے

ماموریت کا پہلا اور تاریخی الہام نازل کیا گیا جو کم و بیش ستر فقرات پر مشتمل تھا اور جس کے ابتدائی کلمات یہ تھے۔

"یَا اَحْمَدُ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَاءُ ھُمْ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ۔ قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ"۔ [۲]

یعنی اے احمد خدا نے تجھ میں برکت رکھ دی ہے جو کچھ تو نے چلایا وہ تو نے نہیں بلکہ خدا نے چلایا۔ خدا نے تجھے قرآن سکھایا تا ان لوگوں کو تو ڈرائے جن کے باپ دادا کو انذار نہیں کیا گیا اور تا خدا کی حجت پوری ہو اور مجرموں کی راہ کھل جائے۔ کہہ دے میں خدا کی طرف سے مامور اور اول المومنین ہوں۔

ماموریت کا یہ الہام جماعت احمدیہ کے قیام میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس الہام میں جہاں آپ کی پوری زندگی کے اہم واقعات مثلاً مستقبل میں منظم مخالفت کے باوجود آپ کی شاندار کامیابی اور آپ کی طرف تصرف الٰہی کے تحت ایک عالم کے کھچے آنے سے متعلق قبل از وقت خبریں دی گئیں وہاں آپ کی شان ماموریت کو رسالت و نبوت سے تعبیر کرتے ہوئے بتا دیا گیا کہ آپ قرآنی پیشگوئی۔ "ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ" [۳] کے مصداق ہیں اور آپ ہی کے ہاتھوں دین خدا کو دلائل و براہین کے ذریعہ سے سبھی ادیان عالم پر روحانی غلبہ نصیب ہونا مقدر ہے اور یہ سب کچھ رسول اکرم ﷺ کی اتباع و غلامی کے طفیل ہو گا جیسا کہ آپ کو الہاماً بتایا گیا۔ "کُلُّ بَرَکَۃٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَکَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ"۔ یعنی ہر ایک برکت محمد ﷺ کے افاضہ سے عطا ہوئی ہے پس معلم (یعنی رسول عربی ﷺ) بھی مبارک اور متعلم (یعنی مسیح موعودؑ) بھی۔ اسی لئے آپ فرماتے ہیں ۔

مصطفیؐ پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت　　اس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے

غرضیکہ ماموریت کے اس پہلے الہام ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے حقیقی منصب کی نشاندہی کر دی گئی تھی لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام چونکہ فنافی الرسول کی انتہائی منزلیں طے کر کے اس آخری حد تک پہنچ گئے تھے جہاں انسان کی اپنی ہستی محبت کے بحر بیکراں میں ہمیشہ کے لئے فنا ہو جاتی ہے اور ہر طرف آنحضرت ﷺ کا مقدس وجود ہی جلوہ گر ہوتا ہے اس لئے آپ نے "براہین احمدیہ" میں الہام ماموریت درج کر کے صاف لکھا "تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جگہ نہیں۔ چہ جائیکہ کسی اور کو آنحضرتؐ کے کمالات سے کچھ نسبت ہو خداوند کریم نے اس

غرض سے کہ تا ہمیشہ اس رسول مقبول ﷺ کی برکتیں ظاہر ہوں اور تا ہمیشہ اس کے نور اور اس کی قبولیت کی کامل شعاعیں مخالفین کو ملزم اور لاجواب کرتی رہیں اس طرح پر اپنی کمال حکمت اور رحمت سے انتظام کر رکھا ہے کہ بعض افراد امت محمدیہ کے جو کمال عاجزی اور تذلل سے آنحضرت ﷺ کی متابعت اختیار کرتے ہیں اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکل اپنے نفس سے گئے گزرے ہوتے ہیں خدا ان کو فانی اور ایک مصفا شیشہ کی طرح پا کر اپنے رسول مقبول ﷺ کی برکتیں ان کے وجود بے نمود کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے اور جو کچھ منجانب اللہ ان کی تعریف کی جاتی ہے یا کچھ آثار اور برکات اور آیات ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں حقیقت میں مرجع تام ان تمام تعریفوں کا اور مصدر کامل ان تمام برکات کا رسول کریم ﷺ ہی ہوتا ہے اور حقیقی اور کامل طور پر وہ تعریفیں اسی کے لائق ہوتی ہیں اور وہی ان کا مصداق اتم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ متبع سنن آں سرور کائنات کا اپنے غایت اتباع کے جہت سے اس شخص نورانی کے لئے کہ جو وجود باجود حضرت نبویؐ ہے مثل ظل کے ٹھہر جاتا ہے اس لئے جو کچھ اس شخص مقدس میں انوار الٰہیہ پیدا اور ہویدا ہیں۔ اس کے ظل میں بھی نمایاں اور ظاہر ہوتے ہیں اور سایہ میں اس تمام وضع اور انداز کا ظاہر ہونا کہ جو اس کے اصل میں ہے ایک ایسا امر ہے کہ جو کسی پر پوشیدہ نہیں ہاں سایہ اپنی ذات میں قائم نہیں اور حقیقی طور پر کوئی فضیلت اس میں موجود نہیں بلکہ جو کچھ اس میں موجود ہے وہ اس کے شخص اصلی کی ایک تصویر ہے جو اس میں نمودار اور نمایاں ہے"۔[۴]

اس حقیقت کی روشنی میں آپ زیادہ سے زیادہ یہی سمجھے کہ آپ کے سپرد تجدید دین اور احیائے شریعت کی خدمت کی گئی ہے اور یہ کہ آپ چودھویں صدی کے مجدد ہیں۔ چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں۔ "جب تیرھویں صدی کا اخیر ہوا اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھے خبر دی کہ تو اس صدی کا مجدد ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ...... قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ" ("کتاب البریہ" صفحہ ۱۶۸ حاشیہ) اس انکشاف پر بھی آپ نے دنیا کے سامنے باقاعدہ کوئی دعویٰ نہیں کیا یہاں تک کہ ۱۸۸۵ء میں جب براہ راست جناب الٰہی کی طرف سے آپ کو اس کی تحریک ہوئی تو آپ نے مجددیت کا اعلان فرمایا اور یوں پہلی مرتبہ آپ محض ایک مجدد کی حیثیت میں دنیا سے روشناس ہوئے حالانکہ جیسا کہ خود آپ کو بھی بعد میں تدریجاً بتایا گیا چودھویں صدی کا مجدد محض مجدد نہیں قرار دیا جا سکتا تھا کیونکہ خدائی نوشتوں میں تیرھویں صدی کو جو نمایاں خصوصیت حاصل تھی اس کے لحاظ سے چودھویں صدی کا مامور اور مجدد اپنے مقام کے اعتبار سے امت میں ایک ممتاز شخصیت تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ انیسویں صدی تک کے مستند اسلامی

لٹریچر میں یہ نظریہ قطعی طور پر پایا جاتا ہے کہ تیرھویں صدی کا زمانہ حضرت امام مہدی کی پیدائش کا زمانہ ہے جو چودھویں صدی کا کامل مجدد ہوگا۔ چنانچہ حدیث نبوی "اَلْاٰیَاتُ بَعْدَ الْمِائَتَیْنِ" کی تشریح میں امت کے مشہور محدث حضرت ملا علی قاری (متوفی ۱۵۷۳ء) نے بالوضاحت لکھا ہے کہ تیرھویں صدی میں امام مہدی پیدا ہوں گے۔("مرقاۃ" شرح مشکوٰۃ جلد پنجم صفحہ ۱۸۵ مطبوعہ مصر) اسی طرح بارھویں صدی کے شہرہ آفاق مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۷۰۲-۱۷۶۲) اور حضرت شاہ عبدالعزیز (۱۷۴۶-۱۸۲۴) اور حضرت سید اسماعیل شہیدؒ (متوفی مئی ۱۸۳۱ء) ایسے بلند پایہ بزرگوں کی قطعی رائے تھی کہ تیرھویں صدی کے شروع میں حضرت مہدی کی پیدائش اور اسی کے آخر میں آپ کا ظہور ہوگا۔ ("اربعین فی احوال المھدیین" صفحہ ۴۴ مطبوعہ مصری گنج کلکتہ۔ ۱۲۶۸ھ مولفہ حضرت سید اسماعیل شہیدؒ) نامور علماء میں سے نواب صدیق حسن خان صاحب (۱۸۳۵-۱۸۸۹) قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (متوفی ۱۸۱۰ء) اور حضرت حافظ برخوردار صاحب بھی اس خیال کے زبردست موید تھے۔ ان کے علاوہ امت کے دوسرے علماء و صوفیاء ولادت مہدی کے زمانہ کی آخری حد تیرھویں صدی تک قرار دیتے آئے ہیں اور کوئی اندازہ اس زمانہ سے آگے نہیں بڑھنے پاتا۔ (ملاحظہ ہو "اقتراب الساعۃ" صفحہ ۳۴۵ و "حجج الکرامہ" صفحہ ۳۹۳-۳۹۴) حضرت مسیح موعودؑ اسی حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"حدیث "الایات بعد الماتین" کی تشریح بہت سے متقدمین اور متاخرین نے یہی کی ہے۔ جو ماتین کے لفظ سے وہ ماتین مراد ہیں جو الف کے بعد ہیں یعنی ہزار کے بعد۔ اس طرح پر معنے اس حدیث کے یہ ہوئے کہ مہدی اور مسیح کی پیدائش جو آیات کبریٰ میں سے ہے تیرھویں صدی میں ہوگی اور چودھویں صدی میں اس کا ظہور ہوگا یہی معنی محققین علماء نے کئے ہیں اور انہی قرائن سے انہوں نے حکم کیا ہے کہ مہدی معہود کا تیرھویں صدی میں پیدا ہو جانا ضروری ہے تا چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہو سکے۔ چنانچہ اسی بناء پر نیز کئی اور قرائن کے رو سے بھی مولوی نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم اپنی کتاب حجج الکرامہ میں لکھتے ہیں کہ "میں بلحاظ قرائن تو یہ گمان کرتا ہوں کہ چودھویں صدی پر مہدی معہود کا ظہور ہوگا اور ان قرائن میں سے ایک یہ ہے کہ تیرھویں صدی میں بہت سے دجالی فتنے ظہور میں آ گئے ہیں"۔ [۵]

پس بلاشبہ تیرھویں صدی کے آخر میں مامور ہونے والا محض مجدد کے اسم سے موسوم نہیں ہو سکتا وہ تو ایک مخصوص شان کا موعود ہے اور ان تمام پیشگوئیوں کا مصداق جو اس زمانہ میں آنے والے مامور کے متعلق بتائی گئی تھیں۔ یہ موعود قرآنی اشارات کے مطابق رسولؐ [۶] اور احادیث نبویؐ کے

مطابق امام ، مہدی ، عیسیٰ اور نبی [۷] اللہ بلکہ گذشتہ [۸] تمام انبیاء مرسلین کا بروز کامل قرار دیا گیا ہے بلکہ حدیث میں آنحضرت ﷺ کی امت کے فضائل کے متعلق یہاں تک لکھا ہے کہ "موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب مجھ کو اس امت کا نبی بنا دیجئے - ارشاد ہوا اس امت کا نبی اسی میں سے ہو گا - عرض کیا کہ تو مجھ کو ان (محمد ﷺ) کی امت میں سے بنا دیجئے - ارشاد ہوا کہ تم پہلے ہو گئے وہ پیچھے ہوں گے - البتہ تم کو اور ان کو دار الجلال (جنت) میں جمع کر دوں گا"۔ [۹]

ماموریت کے پہلے الہام کے بعد اگلے سال ہی آپ کو مسیح موعود ، نبی اور نذیر کے نام سے یاد کیا گیا مگر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا مقام فنائیت اس درجہ کامل تھا کہ آپ کا ذہن پھر بھی اس طرف نہیں گیا کہ آپ کس شان کے حامل ہیں - اور توجہ بھی کیسے ہوتی جب کہ اپنے لئے کسی عہدے کے خواہاں نہیں تھے اور حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری کا عقیدہ رکھتے تھے چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں - "اس وقت مجھے مسیح موعود ٹھہرایا گیا جب کہ مجھے بھی خبر نہ تھی کہ میں مسیح موعود ہوں"۔ [۱۰]

یہ صورت مسلسل آٹھ سال تک جاری رہی اس دوران میں آپ سے باصرار درخواست کی گئی کہ جب آپ مجدد وقت ہیں تو اپنے دست مبارک پر ہمیں بیعت کا شرف بخشیں - لیکن آپ نے یہی جواب دیا میں اذن الٰہی کے بغیر کوئی قدم اٹھانے کو تیار نہیں ہوں - پھر جب خدا کا حکم آگیا تب بیعت کی اجازت دی - اس کے بعد ۱۸۹۰ء میں آپ پر تواتر کے ساتھ یہ حقیقت کھول دی گئی کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام طبعی موت سے فوت ہو چکے ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود بنا کر بھیجا ہے - اس آسمانی حکم کی تعمیل میں آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ تو پورے زور سے کر دیا مگر اب بھی آپ کی تحریرات میں اپنے لئے لفظ "نبی" کا استعمال مجازی رنگ ہی میں مستعمل رہا کیونکہ حضور ابھی تک عامتہ المسلمین کی طرح یہی مسلک رکھتے تھے کہ نئی شریعت لانا یا شریعت سابقہ کے بعض حصوں کی ترمیم و تنسیخ کرنا یا کم از کم کسی نبی کے فیض کے بغیر براہ راست اس منصب تک پہنچنا لازمی ہوتا ہے - [۱۱] اور آپ تو پیغمبر خدا ﷺ کی غلامی کے طفیل ہی دین اسلام کی تجدید و اشاعت کے لئے مامور ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی کفش برداری کو تخت شاہی سے افضل سمجھتے اور اپنے لئے سب سے بڑا فخر قرار دیتے تھے - لہذا اپنے متعلق حدیث نبوی یا اپنے الہام میں وارد ہونے والے "نبی اللہ" کے خطاب کی وضاحت یہ فرمائی کہ اس سے مقصود فقط کثرت مکالمہ و مخاطبہ کا شرف ہے جسے محدثیت سے موسوم کرنا چاہئے نہ کہ نبوت سے - چنانچہ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۰۰ء تک آپ اسی مسلک پر قائم رہے اور اپنے مقام کو جزوی یا ناقص نبوت سے تعبیر کرتے رہے - لیکن اس کے بعد مکمل رنگ میں آپ پر شان

ماموریت کا انکشاف کیا گیا یعنی آپ کو خبر دی گئی کہ کثرت مکالمہ و مخاطبہ الہیہ کے جس شرف کو آپ محدثیت قرار دے رہے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی اصطلاح میں نبوت ہے۔ اس انکشاف پر آپ نے اپنے متعلق جزوی یا ناقص نبوت یا محدثیت کے الفاظ کا استعمال ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا اور صاف لفظوں میں اعلان فرمایا کہ "میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں"۔ [۱۲] نیز گزشتہ مسلک کے برعکس ایک دوسرا جامع تصور نبوت امت کے سامنے آپ نے یہ پیش فرمایا کہ "مکالمہ مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیت کی رو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت سے موسوم ہوتا ہے"۔ [۱۳] اس دعویٰ کو آپ نے بار بار نہایت زور دار لفظوں میں بیان فرمایا اور آیت فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ [۱۴] (الجن:۲۷-۲۸) کی روشنی میں یہاں تک لکھا کہ میں اس دعویٰ میں منفرد نہیں بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام کا اس پر اتفاق ہے۔ [۱۵] بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی یہ اصطلاح ہے جو کثرت مکالمات و مخاطبات کا نام اس نے نبوت رکھا ہے"۔ [۱۶]

اس انقلاب آفریں تصور سے جہاں آنحضرت ﷺ کی اس خبر کی سچائی نصف النہار کی طرح ثابت ہو گئی جس میں مسیح محمدی کو نبی اللہ کہا گیا تھا وہاں اس سے اتحاد اسلامی کی بنیادیں بھی نہایت درجہ مضبوط ہو گئیں وہاں اس کے نتیجہ میں صاف کھل گیا کہ نہ صرف ختم نبوت کے باب میں تحریک احمدیت کا نقطہ نگاہ جمہور امت سے ہرگز علیحدہ نہیں بلکہ اس تحریک کا قیام ہی ختم نبوت کے تحفظ کے لئے ہوا ہے۔ حضرت اقدسؑ نے اسی حقیقت کی طرف مسلمانان عالم کو بھی توجہ دلائی اور لکھا۔ "مراد میری نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الہیہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ و مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ و مخاطبہ رکھتے ہیں میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں" [۱۷]

اس وضاحتی بیان نے اگرچہ الجھاؤ کی کوئی صورت نہیں چھوڑی تھی تاہم اس عاشق رسول ﷺ نے تعریف نبوت کی اس الہامی تبدیلی کے بعد اب بھی فقط نبی کا لفظ اپنے لئے گوارا نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ "امتی" کے لفظ کا اضافہ ضروری سمجھا۔ چنانچہ آپ نے لکھا "شریعت آنحضرت ﷺ پر ختم ہے اور آنحضرت ﷺ کے بعد کسی پر نبی کے لفظ کا اطلاق بھی جائز نہیں جب تک اس کو امتی بھی نہ کہا جائے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک انعام اس نے آنحضرت ﷺ کی پیروی سے پایا ہے نہ براہ راست"۔ [۱۸]

ان تفصیلات سے ظاہر ہے کہ ماموریت کے پہلے الہام میں آپ کا جو حقیقی مقام متعین کیا گیا تھا

بنیادی لحاظ سے آخر وقت تک اس میں نہ کوئی اضافہ ہوا نہ ترمیم - وہی دعاوی تھے اور وہی اغراض و مقاصد - لہٰذا بعد کو اگر کوئی ارتقائی رنگ پیدا ہوا تو وہ محض ذاتی یا نظریاتی تھا واقعاتی ہرگز نہیں تھا جو خدا تعالیٰ کی قدیم سنت کے عین مطابق وقوع میں آیا -

دنیا میں نشان نمائی کی پہلی باطل شکن دعوت

اسلامی دنیا میں اس وقت غیر مذاہب کے مقابلہ میں محض عقلی اور نقلی دلائل کا سہارا لیا جاتا تھا - جو اس کارزار عالم میں چنداں مفید نہیں تھا - منطق ' فلسفہ ' خطابت اور تحریر کی قوتوں میں ایک مسلم اور کافر ' دہریہ اور خدا پرست دونوں ہی شریک ہو سکتے ہیں بلکہ عین ممکن ہے کہ کفر کے نمائندے کی پشت پر اگر اقتدار اور دولت کام کر رہی ہو تو اس کے قلم و زباں میں غیر معمولی قوت و شوکت پیدا ہو جائے اور یہ امکان اس زمانے میں واقعاتی شکل میں موجود تھا - عیسائی مناد ' آریہ سماجی اور برہمو سماجی پر چازک قوت و ثروت کے بل بوتے پر پورے ملک پر چھا چکے تھے اور مسلم علماء جواب کی تاب نہ لا کر ایک کونے میں سہمے بیٹھے تھے اور جو تھوڑے بہت خدا کے حق پرست بندے علمی مدافعت میں مصروف تھے ان کے دلائل میں کوئی جان ' کوئی عظمت اور کوئی شوکت نہیں تھی -

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو چونکہ اسلام کے عالمگیر غلبہ کے لئے بھیجا تھا اس لئے ادھر آپ مامور ہوئے اور ادھر آپ نے کفر و اسلام کی جنگ کا اسلوب ہی بدل دیا - آپ نے علماء ظواہر کے پامال اور فرسودہ ہتھیاروں کی بجائے اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کو زندہ ثابت کرنے کے لئے اپنا وجود پیش کیا اور دنیا بھر میں منادی کرادی کہ اگر کوئی طالب حق قرآن مجید کی سچائی کے زندہ نشانات دیکھنا چاہتا ہے تو آپ کے پاس آئے اور آپ کی صحبت میں صحت نیت کے ساتھ رہے تو وہ اپنی آنکھوں سے نشانات دیکھے گا اس کے برعکس قرآن کے مخالف اپنے مذہب کی سچائی میں ہرگز کوئی نشان نہیں دکھا سکیں گے اور صرف گزشتہ زمانے کے حوالہ پر ہی اکتفاء کریں گے جو ان کے غلطی خوردہ ہونے کی فیصلہ کن دلیل ہے - نشان نمائی کی یہ باطل شکن دعوت آپ نے پہلی مرتبہ ۱۸۸۲ء میں "براہین احمدیہ" حصہ سوم کے ذریعہ سے کی چنانچہ آپ نے فرمایا -

"آج تک کوئی ایسی صدی نہیں گزری جس میں خدا تعالیٰ نے مستعد اور طالب حق لوگوں کو قرآن شریف کی پوری پوری پیروی کرنے سے کامل روشنی تک نہیں پہنچایا اور اب بھی طالبوں کے لئے اس روشنی کا نہایت وسیع دروازہ کھلا ہے - یہ نہیں کہ صرف کسی گزشتہ صدی کا حوالہ دیا جائے جس طرح سچے دین اور ربانی کتاب کے حقیقی تابعداروں میں روحانی برکتیں ہونی چاہیں اور اسرار

خاصہ الہیہ سے ملہم ہونا چاہیے وہی برکتیں اب بھی جوئندوں کے لئے مشہود ہو سکتی ہیں جس کا جی چاہے صدق قدم سے رجوع کرے اور دیکھے اور اپنی عاقبت کو درست کرلے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہریک طالب صادق اپنے مطلب کو پائیگا اور ہریک صاحب بصارت اس دین کی عظمت کو دیکھے گا مگر کون ہمارے سامنے آکر اس بات کا ثبوت دے سکتا ہے کہ وہ آسمانی نور ہمارے کسی مخالف میں بھی موجود ہے اور جس نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت اور افضلیت اور قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونے سے انکار کیا ہے وہ بھی کوئی روحانی برکت اور آسمانی تائید اپنی شامل حال رکھتا ہے۔ کیا کوئی زمین کے اس سرے سے اس سرے تک ایسا متنفس ہے کہ قرآن شریف کے ان چمکتے ہوئے نوروں کا مقابلہ کر سکے۔ کوئی نہیں ایک بھی نہیں"۔ [۱۹]

نیز فرمایا "اس زمانہ کے پادری اور پنڈت اور برہمو اور آریا اور دوسرے مخالف چونک نہ اٹھیں کہ وہ برکتیں کہاں ہیں وہ آسمانی نور کدھر ہیں جن میں امت مرحومہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی مسیح اور موسیٰ کی برکتوں میں شریک ہے اور ان نوروں کی وارث ہے جن سے اور تمام قومیں اور تمام اہل مذاہب محروم اور بے نصیب ہیں......... اس ثبوت دینے کے ہم آپ ہی ذمہ دار ہیں....... پس اگر کوئی پادری یا پنڈت یا برہمو کہ جو اپنی کور باطنی سے منکر ہیں یا کوئی آریہ اور دوسرے فرقوں میں سے سچائی اور راستی سے خدا تعالیٰ کا طالب ہے تو اس پر لازم ہے کہ سچے طالبوں کی طرح اپنے تمام تکبروں اور غروروں اور نفاقوں اور دنیا پرستیوں اور ضدوں اور خصومتوں سے بکلی پاک ہو کر فقط حق کا خواہاں اور حق کا جویاں بن کر ایک مسکین اور عاجز اور ذلیل آدمی کی طرح سیدھا ہماری طرف چلا آوے اور پھر صبر اور برداشت اور اطاعت اور خلوص کو صادق لوگوں کی طرح اختیار کرے تا انشاء اللہ اپنے مطلب کو پاوے"۔ [۲۰]

اس اعلان پر کسی غیر مسلم کو یہ توفیق نہ مل سکی کہ وہ یہ فیصلہ کن آسمانی دعوت قبول کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں پہنچتا اور اسلام کی صداقت کے نشانوں کا بچشم خود مشاہدہ کرتا اور دنیا حق و باطل میں کھلا امتیاز کر لیتی۔ البتہ بعض الٹی کھوپڑیوں میں یہ خبط سما گیا کہ نشان نمائی کی دعوت کو قبول کرنے کی بجائے آپ کے پیش کردہ نشانات کی تکذیب میں سردھڑ کی بازی لگا دی جائے۔ چنانچہ بدزبان پنڈت لیکھرام جو ان دنوں صوابی ضلع پشاور میں محکمہ پولیس میں ملازم تھا اور اپنی دشنام طرازی اور گندہ دہنی میں سوامی دیانند صاحب سے بھی گوئے سبقت لے گیا تھا اس موقعہ پر پہلی مرتبہ میدان مقابلہ میں اترا اور اس نے لالہ ملاوامل اور لالہ شرمپت رائے پر خط و کتابت کے ذریعہ سے ہر ممکن دباؤ ڈالا کہ اپنی مصدقہ شہادتوں سے دستکش ہونے کا اعلان کریں۔ مگر انہوں نے پوری اخلاقی جرات سے کام لیتے

ہوئے لیکھرام کے بھرے میں آنے سے صاف انکار کر دیا۔ اور اس کی یہ خفیہ سازش پوری طرح ناکام ہو گئی۔

قادیان کی گمنام حالت اور رجوع خلائق کا آغاز

اس زمانہ میں قادیان ایک انتہائی بے رونق گاؤں تھا۔ چنانچہ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی کی چشم دید شہادت ہے کہ جب آپ ۱۸۸۲ء میں قادیان گئے تو یہ بستی ویران پڑی تھی جس کے بازار خالی پڑے تھے اور بہت کم آدمی چلتے پھرتے نظر آتے تھے بعض دکانیں ٹوٹی پھوٹی اور بعض غیر آباد خالی پڑی تھیں اور دو تین یا کم و بیش دکانیں نون مرچ کی تھیں وہ بھی ایسی کہ اگر چار پانچ آنے کا مصالحہ خریدنے کا اتفاق ہو تو ان دکانوں سے بجز دو چار پیسہ کے نہیں مل سکتا تھا اور تھوڑی تھوڑی ضرورتوں کے واسطے بٹالہ جانا پڑتا تھا علیٰ ہذا القیاس اور چیزوں کا بھی یہی حال تھا۔ دو دکان حلوائیوں کی بھی تھی لیکن ان کی بے رونقی اور کم مائیگی کا یہ حال تھا کہ شاید دو تین پیسہ کی ریوڑیاں گڑ کی جن سے دانتوں کے بھی ٹوٹنے کا احتمال ہو اگر کوئی خریدے تو خریدے ورنہ اور مٹھائی کے لئے مصالحہ کی طرح بٹالہ ہی یاد آئے۔ مجھے اب تک وہ دکان یاد ہے کہ جس میں کسی قدر نون مرچ اور کچھ تیل کے علاوہ دو چار تھان کپڑے کے بھی رکھے تھے ایک تھان گاڑھے اور ادھوتر کا جس کو پنجابی میں کھدر کہتے ہیں اور ایک دو تھان گھٹیل قند سرخ کے جس کو الوان بھی کہتے ہیں اور شاید ایک دو تھان نکمی سی سوسی اور بھدی سی چھینٹ کے بھی رکھے ہوئے تھے جن کو جٹیوں کے سوا اور کوئی خریدنے کا نام تک نہ لے۔ اناج کی منڈی۔ سبزی کی منڈی یا اور کسی قسم کے فواکہ اور میوے کا تو ذکر کیا گھی چاول دودھ کمیاب اور دیگر اشیاء ضروری مفقود۔ قصائی کی ایک دکان ایسی تھی کہ اگر قصاب کبھی شامت سے ایک بکرا ذبح کر لیتا تھا تو وہ بکرا اس کی جان کا وبال ہو جاتا تھا اگر گرمیوں کا موسم ہے تو گل سڑ کر خراب ہو گیا اور جو سردیاں ہوئیں تو چار پانچ روز تک رکھ کر کچھ یہاں کچھ دیہات میں اناج کے بدلے بمشکل تمام بیچ کھوچ کر پورا کیا۔ جس میں نفع نقصان برابر سرابر............ جس طرف دیکھو کچے مکان اور بے مرمت مکان پڑے تھے۔ ہاں حضرت اقدس و اکرم کا مکان پختہ تھا یا آپ کے بڑے بھائی کا لیکن وہ کچے مکانوں کی طرح مکان تھے۔ جو بعض حصہ ان کا زمین دوز تھا۔ اندر کا پانی باہر جانا برسات میں دشوار تھا جس کا نمونہ اب تک موجود ہے کہ حضرت اقدسؑ کے مکان کے ملحق مرزا غلام قادر صاحب مرحوم کا مکان ہے حضرت اقدس جس مکان میں جلوہ افروز تھے وہ ایک چھوٹا سا حجرہ تھا اور اب بھی ہے اس میں دس پندرہ آدمیوں کے سوا زیادہ نہیں آ سکتے تھے اس حجرہ کا نام بیت الفکر ہے اس حجرے کے آگے ایک دالان تھا اور نیچے کے

مکان میں بھی ایک دالان تھا اور ایک دو مکان اور مختصر سے تھے اور ایک طرف کی عمارت خام تھی اور ایک گول کمرہ تھا جس کو تیار کرایا جاتا تھا یعنی کچھ حصہ اس کا بن چکا تھا اور کچھ بن رہا تھا اور مسجد مبارک بھی اس وقت ناتمام تھی۔ معمار مزدور لگ رہے تھے اور اب تو اس مکان میں بہت سے مکان۔ عمارت پختہ عالی شان بن گئے ہیں۔ آپ کے ہاں لوگوں کی آمد رفت بہت کم تھی یہاں تک کہ بعض دو دو چار چار یا دس دس کوس کے آدمی بھی آپ سے کم واقفیت رکھتے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس وقت دو چار نمازی آپ کے ساتھ ہوتے تھے اکثر حضرت اقدس نماز پڑھایا کرتے تھے اور کبھی میں ایک ہی مقتدی ہوتا تھا اور آپ امام اور کبھی میں امام اور آپ مقتدی۔ سیر کا بھی یہی حال تھا کہ کبھی ایک دو آدمی ساتھ ہوتے تھے اور کبھی آپ اکیلے ہی سیر کو تشریف لے جاتے تھے۔ ایک دو ہندو اس زمانہ میں آیا کرتے تھے۔ وہ ہندو آپ کے الہامات کو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتے تھے لکھا کرتے تھے اور ہمیشہ آپ کی پیشگوئیوں کی تگ و دو میں لگے رہتے تھے کہ آیا یہ پیشگوئی پوری ہوئی یا نہیں"۔ [21]

غرضیکہ اس وقت قادیان ایک ویرانے کا منظر پیش کر رہا تھا جس پر چاروں طرف غار کی سی تاریکی اور خاموشی مسلط تھی اور ۱۸۸۰ء تک خود حضرت اقدس حد درجہ پردہ گمنامی میں تھے اور آپ کا حلقہ احباب نہایت محدود تھا۔ اس زمانہ میں حضرت اقدس کی گمنام حالت کا مکمل نقشہ صرف شیعہ بزرگوں کے ان الفاظ میں کھینچا جا سکتا ہے جن میں کہا گیا تھا کہ امام قائم غار سے ظاہر ہو گا آپ ان دنوں سچ مچ "صاحب الغار" تھے اور چند گنتی کے اصحاب کے سوا جن میں میاں جان محمد صاحب مولوی رحیم بخش صاحب تلونڈی جھنگلاں، مرزا دین محمد صاحب، مرزا غلام اللہ صاحب، مرزا اسمٰعیل بیگ صاحب، حافظ حامد علی صاحب [22] حافظ معین الدین صاحب [23]، میاں جمال الدین سیکھوانی [24]، میاں امام الدین صاحب سیکھوانی [25]، میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی [26]، حافظ نبی بخش صاحب فیض اللہ چک [27]۔ حافظ نور محمد صاحب فیض اللہ چک [28]، حضرت میر ناصر نواب صاحب۔ میر حامد شاہ صاحب [29]۔ مولوی سید میر حسن صاحب (۱۸۴۴-۱۹۲۹) میر عباس علی صاحب اور مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی (متوفی جنوری ۱۹۲۵ء) کا نام قابل ذکر ہے۔ حضرت اقدس کے نام سے بھی کوئی متعارف نہیں تھا۔ ان کے علاوہ آپ کے دلی محبوں میں حضرت مولوی عبد اللہ صاحب غزنویؒ بھی تھے مگر وہ اب داغ مفارقت دے کر اگلی دنیا میں جا چکے تھے۔

یہ گویا ایک مختصر سا روحانی ہالہ یا دائرہ تھا جو سینتالیس برس میں خدا کے اس مقدس چاند کے ارگرد قائم ہو سکا۔ ۱۸۸۰ء میں آپ کی پہلی تصنیف (براہین احمدیہ) معرض ظہور میں آئی اور آپ کا نام ملک میں گونجنے لگا۔ ۱۸۸۲ء میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دی کہ لوگ دور دور سے تیرے پاس آئیں گے اور

تیری مدد کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جن کو آسمانی تحریک ہوگی۔ [۲۰] ۔ چنانچہ فی الواقعہ اس خدائی خبر کے بعد ملک میں یکایک ایک جنبش پیدا ہوئی اور لوگ آہستہ آہستہ آپ کی زیارت کے لئے قادیان کی طرف کشاں کشاں آنے شروع ہو گئے اس سلسلہ میں (جدید تحقیق کے مطابق) ابتداء آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی سرساوی [۲۱] اور حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوری [۲۲] تھے جو ۱۸۸۲ء میں حضور کے شرف زیارت سے فیضیاب ہوئے۔ ان بزرگوں کے بعد ایک رو پیدا ہو گئی اور پھر آنے والوں میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ مثلاً ۱۸۸۴ء میں مدار ضلع جالندھر سے حضرت چودھری رستم علی خاں صاحب [۲۳] اور حضرت سید ناصر شاہ صاحب [۲۴] ایسے مخلص شیدائی حضور کے قدموں میں آئے۔ اسی سال منشی الٰہی بخش صاحب [۲۵] اکونٹنٹ آئے۔ منشی الٰہی بخش صاحب کے ہمراہ ان کے ساتھیوں میں منشی عبدالحق صاحب اکونٹنٹ اور حافظ محمد یوسف صاحب امرتسری بھی جو حضرت مولانا عبداللہ صاحب غزنویؒ کے مرید تھے اکثر حاضر ہوا کرتے تھے۔ (ریویو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۱)

۱۸۸۵ء میں حضرت مولانا نورالدین شاہی طبیب جیسی برگزیدہ ہستی جموں سے دیوانہ وار قادیان پہنچی۔ اسی زمانہ میں مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری [۲۶] (جو آئندہ آپ کے مخالفین کی صف اول میں شمار ہوئے) ۱۷/۱۸ سال کی عمر میں محض شوق زیارت میں بٹالہ سے پاپیادہ تنہا قادیان آئے۔

۱۸۸۶ء میں حضرت منشی ظفر احمد صاحب رجسٹرار ہائیکورٹ کپور تھلہ [۲۷] حضرت خان محمد خان صاحب افسر بگھی خانہ کپور تھلہ اور حضرت منشی محمد اروڑا خان صاحب تحصیل دار کپور تھلہ ایسے عشاق قدم بوسی کی سعادت کے لئے قادیان پہنچے۔ اسی سال مولانا برہان الدین صاحب جہلمی بھی پہلی مرتبہ قادیان تشریف لائے لیکن حضور سے ملاقات ہوشیار پور میں ہوئی۔ [۲۸]

۱۸۸۷ء میں حضرت پیر افتخار احمد صاحب [۲۹] حضرت پیر منظور محمد صاحب [۳۰]، پیر صاحب العلم کے دو مریدوں عبداللطیف صاحب اور حاجی عبداللہ صاحب اور مشہور مسلم مشنری مولوی حسن علی صاحب کو قادیان میں شرف باریابی نصیب ہوا [۳۱]۔ یہ تو زمانہ بیعت سے قبل رجوع خلائق کا نظارہ ہے زمانہ بیعت کے بعد جب دور مسیحیت کا آغاز ہوا تو ہندوستان کے گوشے گوشے سے اس کثرت سے لوگ آپ تک پہنچے کہ اپنے اور بیگانے دنگ رہ گئے۔

حضرت مولانا نورالدین صاحب شاہی دعویٰ مسیحیت سے قبل جو بزرگ قادیان آئے

طبیب کا قادیان کی طرف پہلا تاریخی سفر

ان میں حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحب کی قادیان میں اولین تشریف آوری اپنے اندر ایک خاص تاریخی شان رکھتی ہے۔ تاریخ احمدیت میں آپ کا تذکرہ کئی جگہ آئے گا۔ اس لئے مختصراً یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت حافظ حاجی الحرمین مولانا نورالدین صاحب بھیروی شاہی طبیب حضرت عمر فاروق ؓ (وفات یکم محرم ۲۴ھ) کے شجرہ طیبہ کے ایک شیریں ثمر' دین حق کے جری پہلوان اور آسمان علم و حکمت کے آفتاب تھے۔ قرآن مجید' حدیث' فقہ' کلام منطق اور فلسفہ وغیرہ اسلامی علوم میں ان کے تبحر علمی کا کوئی جواب نہیں تھا۔ قلم کے دھنی اور میدان تقریر کے شہسوار۔ مذاہب عالم پر اتنی وسیع نظر تھی کہ مسلمان ہی نہیں' ہندو' سکھ' عیسائی' برہمو' دہریہ بھی حیرت زدہ ہو جاتے اور عش عش کر اٹھتے تھے۔ مد مقابل پر لبوں کی ایک ہی جنبش سے مہر سکوت لگا دینا آپ کی نکتہ آفرینی اور حاضر دماغی کا ایک ادنیٰ کرشمہ سمجھا جاتا تھا۔ کئی سال تک مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں رہے اور دیار حبیب کی برکتوں سے فیضیاب ہوئے۔ ابتداء میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی مہاجر مکی و مدنی (خلف الصدق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ متوفی ۱۲۹۶ھ) حضرت محمد جی بخاری مولوی عبدالقیوم صاحب سے بیعت [۶۲] ہوئے۔ حالانکہ خود ان کا مقام اتنا بلند تھا کہ توکل اور رضاء الٰہی میں ضرب المثل تھے۔ علی گڑھ تحریک کے قابل احترام بانی سرسید احمد خاں مرحوم (۱۸۱۷-۱۸۹۸ء) کہا کرتے تھے کہ جاہل جب ترقی کرتا ہے تو پڑھا لکھا کہلاتا ہے جب اور ترقی کرتا ہے تو فلسفی کہلاتا ہے پھر ترقی کرے تو صوفی بن جاتا ہے مگر جب صوفی ترقی کرتا ہے تو مولانا نورالدین بن جاتا ہے۔ [۶۳] حضرت مسیح موعود علیہ السلام مامور ہونے کے بعد اکثر دعا کیا کرتے تھے کہ اپنی جناب سے اس دینی خدمت کا بوجھ اٹھانے کے لئے کوئی شریک سفر پیدا فرما۔ چنانچہ آپ کو آنحضرت ﷺ کی طرح ایک فاروق کی بشارت دی گئی۔ یہ فاروق حضرت مولانا نورالدین شاہی طبیب تھے۔ [۶۴]

۱۸۸۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نشان نمائی کی دعوت [۶۵] کا ایک اشتہار شائع فرمایا حضرت مولانا نورالدین صاحب بھیروی ریاست جموں کے شاہی طبیب کی حیثیت سے جموں میں مقیم تھے۔ کہ یہیں آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اشتہار ملا اور آپ حضرت کی زیارت کے لئے دیوانہ وار جموں سے قادیان روانہ ہو گئے۔ آپ کے اس پہلے سفر کی مفصل کی روداد ذیل میں خود حضرت مولانا نورالدین کے حقیقت افروز قلم سے لکھتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

"حضرت مرزا صاحب کا خیال مجھے پہلے پہل اس بات سے پیدا ہوا کہ ایک بڑا انگریزی تعلیم یافتہ

اور بہت بڑا عہدہ دار شخص جو کہ مسلمان کہلاتا تھا میرا اس سے حضرت نبی کریم ﷺ کی نبوت کے معاملہ میں مباحثہ ہوا کیونکہ وہ ایسے دعاوی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ آخر کار دوران گفتگو میں اس نے تسلیم کیا کہ میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبین یقین کرتا ہوں۔ لہٰذا اس معاملہ میں میں اب بحث نہیں کرتا۔ اس پر میں نے اس سے پوچھا بھلا ختم نبوت کی کوئی دلیل تو بیان کرو کیونکہ میرا خیال تھا کہ اس شخص نے اس وقت یہ اقرار صرف پیچھا چھڑانے کی غرض سے کر لیا ہے چنانچہ میرا وہ خیال درست نکلا اور اس نے یہ جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ کی کمال دانائی اور عاقبت اندیشی اس امر سے مجھے معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے ختم نبوت کا دعویٰ کیا۔ کیونکہ آپ زمانہ کی حالت سے یہ یقین کر چکے تھے کہ لوگوں کی عقلیں اب بہت بڑھ گئی ہیں اور کہ آئندہ ایسا زمانہ اب نہیں آئے گا کہ لوگ آئندہ کسی کو مرسل یا مہبط وحی مان سکیں۔ اس بناء پر آپ ؐ نے (نعوذ باللہ) دعویٰ کر دیا کہ میں ہی خاتم النبین ہوں۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں آپ ؐ کو بڑے اعلیٰ درجہ کا دانا اور عاقبت اندیش انسان مانتا ہوں میں نے اس دلیل کو سن کر بہت ہی رنج کیا اور میرے دل کو سخت صدمہ اور دکھ پہنچا کہ یہ شخص بڑا ہی محجوب ہے اور بے باک ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ اولیائے کرام کے حالات سے بھی نابلد محض ہے۔ اب چونکہ ایک طرف تو اس سے مباحثہ ہوا تھا اور اس کا صدمہ دل پر ابھی باقی تھا دوسری طرف وہیں کے پرائم منسٹر نے مجھے حضرت اقدس کا پہلا اشتہار دیا۔ جس میں [۲۶] اس سوفسطائی کا ظاہر اور بین جواب تھا جونہی کہ پرائم منسٹر نے مجھے وہ اشتہار دیا میں فوراً اسے لے کر اس عہدہ دار کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ دیکھو تمہاری وہ دلیل کیسی غلط اور ظنی ہے۔ اس وقت بھی ایک شخص نبوت کا مدعی موجود ہے۔ اور وہ کہتا ہے خدا مجھ سے کلام کرتا ہے یہ سن کر وہ نہایت گھبرایا اور متحیر ہو کر بولا۔ اچھا دیکھا جاوے گا۔ میں تو چونکہ مجھے ایک تازہ چوٹ اس وقت لگی تھی فوراً اس اشتہار کے مطابق اس امر کی تحقیق کے واسطے قادیان کی طرف چل پڑا اور روانگی سے پہلے اور دوران سفر میں اور پھر قادیان کے قریب پہنچ کر قادیان کو دیکھتے ہی نہایت اضطراب اور کپکپا دینے والے دل سے دعائیں کیں۔ جب میں قادیان پہنچا۔ تو جہاں میرا یکہ ٹھہرا وہاں ایک بڑا محراب دار دروازہ نظر آیا جس کے اندر چارپائی پر ایک بڑا ذی وجاہت آدمی بیٹھا نظر آیا۔ میں نے یکہ بان سے پوچھا کہ مرزا صاحب کا مکان کونسا ہے جس کے جواب میں اس نے اسی رشائل مشبہ داڑھی والے کی طرف جو اس چارپائی پر بیٹھا تھا اشارہ کیا کہ یہی مرزا صاحب ہیں مگر خدا کی شان اس کی شکل دیکھتے ہی میرے دل میں ایسا انقباض پیدا ہوا کہ میں نے یکے والے سے کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ ہی جاؤں گا اور وہاں میں نے تھوڑی دیر کے واسطے بھی ٹھہرنا گوارا نہ کیا۔ اس شخص کی شکل ہی میرے واسطے ایسی صدمہ دہ تھی کہ جس کو میں ہی سمجھ سکتا ہوں۔ آخر طوعاد

کرہا میں اس مرزا کے پاس پہنچا ۷۷۔ میرا دل ایسا منقبض اور اس کی شکل سے متنفر تھا کہ میں نے السلام علیک تک بھی نہ کہی کیونکہ میرا دل برداشت ہی نہیں کرتا تھا۔ الگ ایک خالی چارپائی پڑی تھی اس پر میں بیٹھ گیا اور دل میں ایسا اضطراب اور تکلیف تھی کہ جس کے بیان کرنے میں وہم ہوتا ہے کہ لوگ مبالغہ نہ سمجھیں۔ بہرحال میں وہاں بیٹھ گیا۔ دل میں سخت متحیر تھا کہ میں یہاں آیا کیوں۔ ایسے اضطراب اور تشویش کی حالت میں اس مرزا نے خود ہی مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں میں نے نہایت روکھے الفاظ اور کبیدہ دل سے کہا کہ پہاڑ کی طرف سے آیا ہوں۔ تب اس نے جواب میں کہا کہ آپ کا نام نور الدین ہے؟ اور آپ جموں سے آئے ہیں؟ اور غالباً آپ مرزا صاحب کو ملنے آئے ہوں گے؟ بس یہ لفظ تھا جس نے میرے دل کو کسی قدر ٹھنڈا کیا۔ اور مجھے یقین ہوا کہ یہ شخص جو مجھے بتایا گیا ہے مرزا صاحب نہیں ہیں۔ میرے دل نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ میں اس سے پوچھتا کہ آپ کون ہیں۔ میں نے کہا ہاں اگر آپ مجھے مرزا صاحب کے مکانات کا پتہ دیں تو بہت ہی اچھا ہوگا۔ اس پر اس نے ایک آدمی مرزا صاحب کی خدمت میں بھیجا اور مجھے بتایا کہ ان کا مکان اس مکان سے باہر ہے اتنے میں حضرت اقدسؑ نے اس آدمی کے ہاتھ لکھ بھیجا کہ نماز عصر کے وقت آپ ملاقات کریں۔ یہ بات معلوم کرکے میں معاً اٹھ کھڑا ہوا اور اس جگہ نہ ٹھہرا"۔

"چنانچہ آپ اس وقت سیڑھیوں سے اترے تو میں نے دیکھتے ہی دل میں کہا کہ بس یہی مرزا ہے اور اس پر میں سارا ہی قربان ہو جاؤں"۔

"حضرت اقدس تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ میں ہوا خوری کے واسطے جاتا ہوں کیا آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں گے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ چنانچہ آپ دور تک میرے ساتھ چلے گئے اور مجھے یہ بھی فرمایا کہ امید ہے کہ آپ جلد واپس آجائیں گے حالانکہ میں ملازم تھا اور بیعت وغیرہ کا سلسلہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ میں پھر آگیا۔ اور ایسا آیا کہ یہیں کا ہو رہا۔ مومن میں ایک فراست ہوتی ہے"۔

"رستے میں میں نے ایک رؤیا بیان کیا جس میں میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا تھا اور عرض کیا تھا کہ کیا حضرت ابو ہریرہؓ کو آپ کی احادیث بہت کثرت سے یاد تھیں؟ اور کیا وہ آپؐ کی باتوں کو ایک زمانہ بعید تک بھی نہیں بھولا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ میں نے عرض کیا۔ کیا کوئی تدبیر ہو سکتی ہے کہ جس سے آپ کی حدیث نہ بھولے آپ نے فرمایا کہ وہ قرآن شریف کی ایک آیت ہے جو میں تمہیں کان میں بتا دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے اپنا منہ مبارک میرے کان کی طرف جھکایا اور دوسری طرف معاً ایک شخص نور الدین نام میرے شاگرد نے مجھے بیدار کر دیا اور کہا ظہر کا وقت ہے آپ اٹھیں۔

یہ ایک ذوقی بات تھی کہ میں نے مرزا صاحب کے سامنے اسے پیش کیا کہ کیوں وہ معاملہ پورا نہ ہوا؟ اس پر آپ کھڑے ہو گئے اور میری طرف منہ کر کے ذیل کا شعر پڑھا ۔

من ذرہ ز آفتابم ہم از آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

پھر فرمایا کہ جس شخص نے آپ کو جگایا تھا اسی کے ہم معنی کوئی آیت قرآن کریم کی ہے اور وہ یہ ہے - لا یمسہ الا المطھرون۔ غرض یہ تو ایک پہلا بیج تھا جو میرے دل میں بویا گیا اور حضرت مرزا صاحب کی سادگی جواب اور وسعت اخلاق اور طرز ادا نے میرے دل پر ایک خاص اثر کیا"۔ ۴۸

حضرت مولانا ملاقات کرتے ہی واپس جموں تشریف لے گئے اور پھر دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کی راہ میں مجاہدہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ مجاہدہ یہی ہے کہ عیسائیوں کے مقابل پر ایک کتاب لکھو - آپ نے عرض کیا کہ بعض سوال اس قسم کے ہوتے ہیں جن میں الزامی جواب ہی دشمن کو خاموش کرتا ہے - لہذا اگر ان کے بعض اعتراضات میں صرف الزامی جواب دیا جائے تو کیا آپ اس طریق کو پسند فرمائیں گے - فرمایا بڑی ہی بے انصافی ہو گی اگر ایک بات جسے انسان خود نہیں مانتا دوسرے کو منوانے کے واسطے تیار ہو - ہاں اگر کوئی ایسا ہی مشکل سوال آپ کی راہ میں آجائے جس کا جواب ہرگز آپ کی سمجھ میں نہ آسکے تو مناسب طریق یہ ہے کہ آپ یہ سوال نہایت ہی خوشخط اور جلی قلم سے لکھ کر اپنی نشست گاہ کے سامنے جہاں ہمیشہ نظر پڑتی رہے لٹکا دیا کریں - یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنے خاص فضل سے فیضان نازل فرمائے اور یہ عقدہ حل ہو جائے"۔ حضرت مولانا فرماتے تھے کہ اس طریق دعا کا میں پہلے ہی قائل تھا کہ مجھے اس کی مضبوط چٹان پر حضرت اقدس نے کھڑا کر دیا - ۴۹ ان ابتدائی ملاقاتوں کے نتیجے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آپ کا باقاعدہ سلسلہ مراسلت قائم ہو گیا جو قادیان کی ہجرت تک جاری رہا اور پھر تو آپ یہیں کے ہو رہے - ۵۰

حواشی

۱- حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۹۲

۲- "براہین احمدیہ" حصہ سوم (طبع اول) صفحہ ۲۳۸-۲۴۲ حاشیہ در حاشیہ و آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۵۰

۳- سورہ صف: ۱۰ (ترجمہ:- "وہ خدا ہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تا اسے تمام ادیان پر غالب کر دے"

۴- "براہین احمدیہ" جلد سوم (طبع اول) صفحہ ۲۴۳-۲۴۴

۵- تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۶-۲۷ (طبع اول)

۶- (سورۃ صف و سورہ جمعہ) مشہور ترکی عالم موسیٰ جار اللہ لکھتے ہیں کہ "و معنی ھذۃ الایہ الکریمہ الثالثہ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا و بعث فی الاخرین رسلا من اخرین فکل امہ لھا رسول من نفسھا و ھولاء الرسل ھم رسل الاسلام فی الامم"۔ ("کتاب فی حروف اوائل السور" شائع کردہ بیت الحکمہ مطبوعہ ۱۷ فروری ۱۹۴۲ء) یعنی اللہ تعالیٰ نے جس طرح امیوں میں رسول مبعوث فرمایا اسی طرح آخرین میں بھی بھیجے گا۔ اور یہ عہد اسلام کے رسول ہیں۔

۷- مسلم مصری جلد دوم صفحہ ۵۱۶ (حدیث نواس بن سمعان)

۸- بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۲ (باقر مجلسی) مطبوعہ ایران ۱۳۰۲ھ۔

۹- الرحمتہ المہداۃ صفحہ ۳۳۸ بحوالہ حلیہ مرتبہ مولانا سید نور الحسن قنوجی مطبوعہ ۱۳۰۱ھ "نشر الطیب" ۲۶۲ (از مولانا اشرف علی صاحب تھانوی) شائع کردہ تاج کمپنی و "ترجمان السنہ" جلد اول ۴۲۴ از استاذ الحدیث مولانا بدر عالم صاحب رفیق ندوۃ المصنفین) ایضاً "الخصائص الکبریٰ" حصہ اول صفحہ ۱۲ (از علامہ حضرت جلال الدین سیوطیؒ) مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۱۹ھ۔

۱۰- "تریاق القلوب" طبع اول صفحہ ۶۹ و "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۵۵۱

۱۱- الحکم ۱۷- اگست ۱۸۹۹ء صفحہ ۶ کالم نمبر ۲

۱۲- بدر ۱۱- جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۰ کالم نمبر ۱

۱۳- الوصیت صفحہ ۱۱ طبع اول مطبوعہ ۲۴- دسمبر ۱۹۰۵ء۔

۱۴- (ترجمہ) اللہ تعالیٰ صرف اپنے برگزیدہ رسولوں کو ہی اپنے غیب پر غالب کرتا ہے

۱۵- الوصیت صفحہ ۱۱ طبع اول۔

۱۶- چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۵

۱۷- تتمہ حقیقتہ الوحی صفحہ ۶۸۔

۱۸- "تجلیات الہیہ" حاشیہ صفحہ ۹۔

۱۹- "براہین احمدیہ" حصہ سوم (طبع اول حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۲۶۱ و صفحہ ۲۶۲)

۲۰- "براہین احمدیہ" حصہ سوم حاشیہ نمبر ۱۱ صفحہ ۲۴۷

۲۱- الحکم ۳۰ اپریل ۱۹۰۲ء صفحہ ۹۔

۲۲- حافظ صاحبؓ کا شمار ان اصحاب کبار میں ہے جنہیں ایک لمبے عرصہ تک حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت کی توفیق ملی۔ اور وہ سفر و حضر میں ہمیشہ اپنے آقا کے ہمرکاب رہے۔ نماز پنجگانہ کی پابندی میں وہ اپنی مثال آپ تھے حضرت اقدس نے انکے اس جذبہ روحانی کی بڑی تعریف کی ہے اور انہیں "متدین"" "متقی" اور "وفادار" کے لقب سے نوازا ہے (ازالہ اوہام صفحہ ۸۱۳-۸۱۷ طبع اول) ان کو یہ عظیم خصوصیت بھی حاصل ہے کہ ان کی عظیم الشان خدمات کے باعث حضرت مسیح موعودؑ نے بشارت دی تھی۔ "جو خدمت میری شیخ حامد علی صاحب نے کی ہے کسی دوسرے نے نہیں کی اور یہ میرے ساتھ ہمیشہ رہا ہے اور جنت میں بھی میرے ساتھ اسی طرح ہو گا"۔ (الحکم مارچ ۱۹۳۴ء وفات ۸ ستمبر ۱۹۱۹ء)

۲۳- نابینا تھے مگر بصیرت کی آنکھیں روشن تھیں بڑے عابد بڑے زاہد سقیم حالت کے باوجود حضرت مسیح موعودؑ کی ہر تحریک میں حصہ لیتے تھے۔ حضور کو دابنا آپ کا معمول تھا ان کی عمر چودہ پندرہ برس کی تھی کہ حضور انہیں اپنے یہاں بلا کر لے گئے اور فرمایا حافظ صاحب ہمارے پاس رہا کریں۔ انہوں نے عرض کیا میں معذور ہوں مجھ سے کوئی کام نہیں ہو سکے گا۔ حضرت نے جواب دیا۔ کہ ہم اکٹھے نماز پڑھ لیا کریں گے اور تو قرآن شریف یاد کیا کر۔ ایک لحاظ سے آپ "اصحاب الصفہ" کے پہلے فرد ہیں جنہیں آپ کے قدموں میں رہنے کی سعادت عطا ہوئی۔ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کی خبر پر انہیں یقین نہیں آتا تھا لیکن جب یقین ہوا تو کہنے لگے۔ "میں آج یتیم ہو گیا ہوں"۔ وفات ۱۶۔ جولائی ۱۹۱۹ء (الحکم ۲۱ فروری تا ۷۔ مارچ ۱۹۳۴ء)

۲۴ تا ۲۶ قادیان سے چار میل کے فاصلہ پر جانب غرب سیکھواں نامی ایک گاؤں ہے۔ یہ تینوں بزرگ قدیم ترین صحابی اور سگے بھائی اسی جگہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت اقدس کے ساتھ انہیں ایک فدائیانہ تعلق تھا سلسلہ کے مشہور اور نامور عالم مولوی جلال الدین صاحب شمس سابق مبلغ بلاد عربیہ و انگلستان میاں امام الدین صاحب کے فرزند ہیں اور مولوی قمرالدین صاحب فاضل میاں خیرالدین صاحب کے۔ ان بزرگوں کی وفات علی الترتیب ۱۴، ۱۵۔ اگست ۱۹۲۲ء ۸۔ مئی ۱۹۴۱ء اور ۱۷۔ مارچ ۱۹۴۹ء کو ہوئی۔

۲۷- "احمدیہ نائیجریا مشن" کے کامیاب مبلغ اور جانباز مجاہد حکیم فضل الرحمن صاحب رحمہ اللہ علیہ کے والد ماجد۔ آپ حافظ حامد علی صاحبؓ کے رشتہ دار تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نے پہلی مرتبہ حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کی تو اس کے بعد اس قدر عشق پیدا ہوا کہ حضور کے دیدار کے بغیر چین نہیں آتا تھا۔ (الحکم ۷۔ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۵) تاریخ وفات ۲۳ مارچ ۱۹۴۲ء

۲۸- آپ کے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں لانے کے محرک حافظ حامد علی صاحبؓ تھے وہ جب قادیان آئے تو ابھی مسجد مبارک کی تعمیر کا آغاز نہیں ہوا تھا (الحکم ۲۸۔ مارچ ۱۹۳۴ء) آپ کا انتقال ۷ ۲ دسمبر ۱۹۴۵ء کو ہوا۔

۲۹- صاحب کشف و الہام تھے اور شعر گوئی میں ایک خاص ملکہ حاصل تھا جو آخر وقت تک تائید دین کے لئے وقف کئے رکھا۔ ان کا مقام خلوص و اطاعت حضرت اقدس کے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ "ان کا جوش سے بھرا ہوا اخلاص اور ان کی محبت صافی جس حد تک مجھے معلوم ہوتی ہے اس کا اندازہ نہیں کر سکتا"۔ ازالہ اوہام صفحہ ۷۸۴ (وفات ۱۵۔ نومبر ۱۹۱۸ء)

۳۰- "براہین احمدیہ" حصہ سوم (طبع اول) صفحہ ۲۴۰

۳۱- ان کا سلسلہ نسب کئی واسطوں کے ساتھ شیخ کبیر حضرت فرید گنج شکرؒ کے خلیفہ قطب الاقطاب شیخ جمال الدین احمد ہانسویؒ (متوفی ۶۵۹ھ) تک جا پہنچتا ہے۔ بڑے مقتدر گدی نشین تھے۔ اور انکی بڑی مانتا تھی لیکن جب حضرت مسیح موعودؑ نے دعویٰ ماموریت فرمایا تو مسند امارت چھوڑ کر ماموروقت کی غلامی اختیار کرلی۔ حضرت اقدس نے انہیں اکابر مخلصین کا خطاب دیتے ہوئے لکھا ہے۔ "صاف باطن یک رنگ اور للّٰہی کاموں میں جوش رکھنے والے اور اعلاء کلمہ حق کے لئے بدل و جان ساعی و سرگرم ہیں"۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ۸۰۲) آپ نے حضور کے عہد مبارک کے چشم دید واقعات اپنی زندگی میں ہی "تذکرۃ المہدی" کے نام سے شائع فرما دیئے تھے جو نہایت ایمان افروز ہیں۔ ۳۔ جنوری ۱۹۳۵ء کو آپ کا وصال مبارک ہوا۔ (الحکم ۱۴ جنوری ۱۹۳۴ء)

۳۲- نہایت بلند پایہ اور جلیل القدر صحابی تھے۔ سرخ چھینٹوں کے کشفی نشان کے حامل براہین احمدیہ (حصہ چہارم) کی طباعت کے مخلص کارکن اور سفر ہوشیار پور میں حضرت کے وفادار خادم۔ مرشد کامل کی تلاش میں تھے کہ اپنے ماموں مولوی محمد یوسف صاحب مرحوم سے حضرت کا ذکر سن کر قادیان پہنچے اور پہلی ملاقات میں ہی اسیر محبت ہو گئے تین روز کے قیام کے بعد اجازت لے کر بٹالہ تک گئے اور پھر واپس آ گئے حضور نے واپسی کا سبب پوچھا تو عرض کیا حضور میرا جانے کو دل نہیں چاہتا۔ ریاست پٹیالہ کے قصبہ سنور میں ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے اور ۷ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے (الفضل ۱۴ تا ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء۔ حیات احمد جلد دوم نمبر اول صفحہ ۸۸-۸۹) حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ "یہ جوان صالح اپنی فطری مناسبت کی وجہ سے میری طرف کھینچا گیا میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ ان وفادار دوستوں میں سے ہے جن پر کوئی ابتلاء جنبش نہیں لا سکتا"۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۷۹۶)

۳۳- آپ مدار ضلع جالندھر کے ایک معزز اور شریف خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتداء محکمہ پولیس میں ملازم ہوئے اور ترقی کر کے کورٹ انسپکٹر کے عہدہ تک پہنچے۔ آپ شروع سے ایک بدنام محکمہ میں ہونے کے باوجود دینی شہرت رکھتے تھے براہین احمدیہ کے مطالعہ نے تو ان کی کایا ہی پلٹ دی اور وہ حضرت اقدس کے ارادتمندوں میں شامل ہو گئے اور پھر وہ مقام حاصل کیا کہ

خدا نے عرش سے انہیں "چودھری رستم علی" کے پیارے نام سے یاد کیا۔ (الحکم ۱۰-اپریل ۱۹۰۵ء) آخری وقت میں آپ تبدیل ہو کر گورداسپور میں آگئے تھے جس کی وجہ سے انہیں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہونے کا بہت موقعہ ملتا تھا۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد دیار حبیب میں آگئے۔ جہاں حضرت مسیح موعودؑ کے مہمانوں کی خدمت کرتے ہوئے ۱۱-جنوری ۱۹۰۹ء کو ابدی نیند سو گئے (حیات احمد جلد دوم نمبر سوم صفحہ ۳۶) حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ان کے اخلاص و عقیدت پر خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "یہ ایک جوان صالح اخلاص سے بھرا ہوا میرے اول درجہ کے دوستوں سے ہے ان کے چہرے پر ہی علامت غربت و بے نفسی و اخلاص ظاہر ہے کسی ابتلاء کے وقت میں نے اس دوست کو متزلزل نہیں پایا اور جس روز سے ارادت کے ساتھ انہوں نے میری طرف رجوع کیا اس ارادت میں قبض اور افسردگی نہیں بلکہ روز افزوں ہے"۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۸۰۶-۸۰۷)

۳۴- نہایت وجیہہ اور بلند قامت بزرگ تھے۔ یکم جنوری ۱۹۳۶ء کو انتقال فرمایا۔ ایک دفعہ جب کہ آپ کشمیر میں ایس۔ ڈی۔ او کے طور پر تعینات تھے آپ کو عالم رویا میں خبر دی گئی کہ حضرت مسیح موعود کو آپ کی ضرورت ہے قادیان پہنچے تو معلوم ہوا کہ کتاب "نزول المسیح" کی اشاعت روپیہ نہ ہونے کے باعث معرض التوا میں ہے۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت ڈیڑھ ہزار کی رقم جو حج بیت اللہ کے لئے جمع کر رکھی تھی حضور کی خدمت میں پیش کر دی۔ نیز وعدہ کیا کہ طباعت کے بقیہ اخراجات کشمیر جا کر ارسال کر دونگا۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ان سے جو بے مثال الفت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے ایک دفعہ ان کی گردن میں ہاتھ ڈال کر فرمایا۔ "شاہ صاحب حضرت صاحب جس طرح آپ کے ساتھ محبت کرتے ہیں اسے دیکھ کر خدا کی قسم ہمیں تو رشک آتا ہے"۔ آبائی وطن لاہور تھا (الحکم ۲۱، ۲۸ جنوری ۱۹۳۹ء)

۳۵- "عصائے موسیٰ" صفحہ ۱۳ یہ صاحب بعد کو اپنے رفقاء سمیت اشد مخالفین میں شامل ہو کر خدا کی قہری تجلی کا شکار ہوئے۔

۳۶- تاریخ مرزا صفحہ ۵۳ طبع دوم (مؤلفہ جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری۔ ولادت جون ۱۸۶۸ء وفات ۱۹۴۸ء) و سیرت ثنائی صفحہ ۶۹-۳۹۷ مولفہ عبدالمجید صاحب خادم سوہدروی ناشر دفتر اہلحدیث سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ۔ اپریل ۱۹۵۲ء

۳۷- مجسم ایثار و فدائیت ۱۹۱۱ سال کی عمر ہو گی کہ آپ کو کپورتھلہ کے سیشن جج حاجی ولی اللہ صاحب سے "براہین احمدیہ" مل گئی جسے آپ دوسروں کو سناتے سناتے حضرت مسیح موعودؑ کے والہ و شیدا بن گئے اسی دوران میں جالندھر میں حضرت اقدس کی زیارت نصیب ہوئی کپورتھلہ میں واپس آکر اپنے دوستوں میں سے منشی محمد اروڑا خان صاحب (وفات ۲۵-اکتوبر ۱۹۱۹ء) اور محمد خان صاحب (وفات جنوری ۱۹۰۴ء) سے اپنے تاثرات بیان کئے تو انہیں بھی اشتیاق پیدا ہو گیا اور پھر جلد ہی یہ تینوں بزرگ بیعت کا عزم لے کر قادیان پہنچے حضرت اقدس نے فرمایا۔ مجھے بیعت کا حکم نہیں لیکن ہم سے ملتے رہا کرو چنانچہ اس کے بعد یہ بہت دفعہ قادیان گئے۔ اور جب بیعت کا حکم ملا تو شمع احمدیت کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہو گئے لدھیانہ پہنچے اور بیعت کر لی۔ اور پھر اخلاص و فدائیت میں مسابقت کی وہ قابل فخر مثال قائم کی کہ عہد اول کے صحابہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے "ازالہ اوہام" اور آئینہ کمالات اسلام" میں اپنے محبین کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کا نمایاں رنگ میں ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ محمد اروڑا خاں صاحب کے متعلق فرمایا کہ "ان کو اس عاجز سے ایک عشق ہے"۔ خان محمد خاں صاحبؓ کی نسبت لکھا ہے کہ "جس قدر انہیں میری نسبت عقیدت و ارادت و محبت و نیک ظن ہے میں اس کا اندازہ نہیں کر سکتا" اور منشی ظفر احمد صاحب کو ان تعریفی کلمات سے یاد کیا ہے کہ "یہ جوان صالح کم گو اور خلوص سے بھرا دقیق فہم آدمی ہے۔ استقامت کے آثار و انوار اس میں ظاہر ہیں" تاریخ وفات ۲۰-اگست ۱۹۴۱ء (حضرت منشی ظفر احمد صاحب کے خود نوشت حالات و روایات کے لئے ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۲ء و اصحاب احمد جلد چہارم مولفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے درویش قادیان)

۳۸- آپ کے تفصیلی حالات جلد سوم میں آئیں گے' یہاں صرف انکی پہلی ملاقات کا دلچسپ واقعہ درج کرتا ہوں جو ان کی فراست و بصیرت پر ابدی برہان ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں ہوشیارپور گیا لیکن حضرت صاحب ہوشیارپور میں (چلہ کشی کے لئے شیخ مہر علی صاحب کے مکان میں) فروکش تھے۔ حامد علی صاحب مکان کے دروازہ پر بیٹھے تھے اور اندر نہیں جانے دیتے تھے مگر باغ میں چھپ کر دروازہ تک پہنچ ہی گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت جلدی جلدی لمبے لمبے قدم اٹھا رہے ہیں میں جھٹ پیچھے کو مڑا اور میں نے اس تیز گامی سے سمجھ لیا کہ یہ شخص صادق ہے ضرور اسے کسی دور کی منزل تک پہنچنا ہے۔ ۲-دسمبر ۱۹۰۵ء کو رحلت فرمائی (الحکم ۷/۱۴

جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۹)

۳۹۔ حضرت صوفی احمد جان صاحب کے بڑے بیٹے!! نہایت باخدا بزرگ تھے۔ حضرت اقدس کی پہلی زیارت لدھیانہ میں ۱۸۸۴ء میں کی مگر قادیان آنے کا اتفاق بشیر اول کے عقیقہ کی تقریب پر ۱۸۸۷ء میں ہوا۔ ایک لمبے عرصے تک حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفہ ثانی کے خطوط نویس رہے۔ ۸۔ جنوری ۱۹۵۱ء میں اٹھاسی سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا (الفضل ۱۱۔ جنوری ۱۹۵۱ء) حضرت مسیح موعودؑ ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "یہ جوان صالح میرے مخلص اور محب صادق حاجی حرمین شریفین منشی احمد جان صاحب مرحوم و مغفور کے خلف رشید ہیں اور بمقتضائے الولد سرلابیہ تمام محاسن اپنے والد بزرگوار کے اپنے اندر جمع رکھتے تھے"۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۸۱۲)

۴۰۔ حضرت صوفی احمد جان صاحب کے دوسرے فرزند جو "قاعدہ یسرنا القرآن" کے موجد کی حیثیت سے ملک بھر میں مشہور ہوئے آپ نے بھی عقیقہ بشیر اول کے موقعہ پر ہی قادیان کا پہلا سفر اختیار کیا تھا ان کے مزاج میں تصوف کا رنگ بہت غالب تھا انہوں نے صرف اسی شوق میں خوشنویسی سیکھی تا حضور کی کتابوں کی کتابت حضور کے منشاء کے مطابق بہترین ہو سکے۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ کی بہت سی کتابوں کے پہلے ایڈیشن آپ ہی کے لکھے ہوئے ہیں جو خوشنویسی کا دلاویز مرقع اور الفت و محبت کی ابدی یادگار ہیں۔ تاریخ وفات ۲۱ جون ۱۹۵۰ء (الفضل ۲۳۔ جون ۱۹۵۰)

۴۱۔ مفصل کوائف آئندہ صفحات میں آرہے ہیں۔

۴۲۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۹۱ طبع اول صفحہ ۱۹۱۔ ۱۳۳۱ھ مولفہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مطبوعہ قادیان ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء

۴۳۔ مکتوب سرسید احمد خاں مورخہ ۸ مارچ ۱۸۹۷ء (الحکم ۱۴۔ اپریل ۱۹۳۴ء)

۴۴۔ "آئینہ کمالات اسلام" طبع اول صفحہ ۵۸۱۔ ۵۸۳

۴۵۔ اس اشتہار کا ذکر ۱۸۸۵ء کے واقعات میں آرہا ہے۔

۴۶۔ کتاب "مجدد اعظم" میں اس کی بجائے یہ فرضی واقعہ لکھا ہے کہ "حضرت مولوی صاحب نے ایک دوا جو عطار کی دکان سے منگوائی اس نے جس کاغذ میں دوا رکھ کر بھیجی وہ براہین احمدیہ کا اشتہار تھا"۔ (مجدد اعظم صفحہ ۱۳۶ حصہ اول) ناشر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ طبع اول دسمبر ۱۹۳۹ء

۴۷۔ امام دین (مرتب)

۴۸۔ الحکم ۲۲۔ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۲، ۳ و الحکم ۷۔ فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۷

۴۹۔ الحکم ۲۲۔ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۳۔

۵۰۔ "مکتوبات بنام خلیفہ المسیح اول" (مرتبہ عرفانی الکبیرؓ)

ماموریت کا دوسرا سال

مسجد مبارک کی تعمیر

(۱۸۸۳ء)

قادیان میں مسجد اقصیٰ کی موجودگی میں کسی اور مسجد کی بظاہر ضرورت نہیں تھی کیونکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور معدودے چند افراد کے سوا اس میں کوئی نمازی ہی نہیں تھا۔ مگر چونکہ حضرت مسیح موعودؑ معمور الاوقات انسان تھے اور مستقبل قریب میں آپ کے سپرد تحریک احمدیت کی قیادت ہونے والی تھی اور آپ کے ہاتھوں اسلام کی تائید میں عالمگیر قلمی جنگ کے آغاز کا زمانہ قریب آچکا تھا اس لئے حضور کو پیش آنے والی اور وسیع علمی و روحانی سرگرمیوں کے لئے ایک ایسے بیت الذکر کی ضرورت تھی۔ جو آپ کے تاریخی چوبارے کے پہلو ہی میں (جو الہام میں "بیت الفکر" کے نام سے موسوم ہوا اور جس میں آپ نے "براہین احمدیہ" ایسی عظیم الشان کتاب تصنیف فرمائی) موجود ہو۔ تا کہ تصنیف و تالیف کی مصروفیات کے دوران میں ایک لحہ بھی ضائع کئے بغیر نمازوں کے التزام کے علاوہ جب چاہیں اپنے مولائے حقیقی کے آستانہ پر بالحاح وزاری عجز و نیاز کر سکیں۔ چنانچہ اس نوع کی متعدد آسمانی مصلحتوں کے مطابق حضرت اقدسؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھاری بشارتوں کے ساتھ ایک مسجد کے قیام کی تحریک ہوئی [1]۔ یہ مسجد جو مسجد مبارک کہلاتی ہے آج بھی پوری شان و عظمت کے ساتھ قادیان میں موجود ہے اور عالمگیر شہرت کی حامل ہے۔

مسجد مبارک کی تعمیر

مسجد مبارک کی بنیاد (حضرت پیر سراج الحق صاحب کی گذشتہ عینی شہادت کے مطابق) ۱۸۸۲ء میں اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب کی تحقیق کے مطابق ۱۸۸۳ء میں رکھی گئی تھی۔ حضرت اقدسؑ کے چوبارے کے ساتھ جہاں اس

مسجد کی تاسیس ہوئی دراصل کوئی موزون جگہ موجود نہیں تھی۔ کیونکہ "بیت الفکر" کے عقب میں گلی تھی اور گلی کے ساتھ آپ کے چچا مرزا غلام محی الدین کا رقبہ تھا جس میں ان کے خراس کی قدیم عمارت کے کھنڈر پڑے ہوئے تھے اور اس کے بقیہ آثار میں سے شمالی جانب ایک بوسیدہ سی دیوار کھڑی تھی۔ حضور نے اسی دیوار اور اپنے گھر کی جنوبی دیوار پر اپنے باغ کی دیسی لکڑی سے مسقف تیار کرایا۔ اینٹوں کی فراہمی کے لئے بعض پرانی بنیادوں کی کھدائی کی گئی اور مسجد کی تعمیر آپ کے خاندانی معمار پیراں دتا نے شروع کر دی۔ ۳۰ اگست ۱۸۸۳ء میں مسجد کی سیڑھیوں کے بننے کا مرحلہ آیا۔ مسجد کا اندرونی حصہ حتمی طور پر ۹۔ اکتوبر ۱۸۸۳ء تک ایک گونہ پایہ تکیل تک پہنچ گیا لیکن اس کی سفیدی بعد کو ہوئی۔

قدیم مسجد مبارک کا اندرونی منظر

مسجد مبارک کی اندرونی عمارت کے تین حصے تھے پہلا اور غربی حصہ امام کا محرابی گوشہ تھا جس کے مغرب اور شمال میں دو کھڑکیاں اور شرقی دیوار میں ایک دروازہ تھا جو لکڑی کے تختے سے بند ہو کر دو ایک فرد کی خلوت نشینی کے لئے ایک نہایت مختصر مگر مستقل حجرہ بن جاتا تھا۔ وسطی حصے میں چھ چھ نمازیوں کی دو صفوں کی گنجائش تھی۔ اسی حصے میں "بیت الفکر" کو کھڑکی کھلتی تھی مقابل کی جنوبی دیوار میں ایک کھڑکی روشنی کے لئے نصب تھی اور باہر کے مشرقی حصہ سے الحاق کے لئے ایک دروازہ لگا دیا گیا تھا۔ مسجد کا شرقی حصہ وسطی حصہ سے نسبتاً بڑا تھا یعنی اس میں بعض اوقات تین حصوں میں کم و بیش پندرہ آدمی نماز پڑھ سکتے تھے اس حصے سے باہر ایک طرف زینہ تھا اور دوسری طرف نمازیوں کے وضو وغیرہ کے لئے جگہ اور ایک غسل خانہ بھی بنایا گیا۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گرمیوں میں استراحت بھی فرماتے تھے اور اسی میں سرخی کے چھینٹوں کا نشان بھی ظاہر ہوا ■۔ شرقی حصے میں تین دروازے تھے پہلا شمالی دیوار میں تھا جو حضرت اقدس کے مکان سے متصل تھا۔ دوسرا زینے سے مسجد تک داخلہ کے لئے اور تیسرا غسل خانے کی جانب جاتا۔ مسجد کے دونوں دروازوں پر آیت "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ"۔ درود شریف اور مسجد کے متعلق الہامات درج تھے۔ اس تفصیل کے مطابق (قدیم) مسجد مبارک کے اندرونی حصے کا خاکہ یہ تھا۔

مسجد کی بالائی منزل

یہ تو مسجد کی اندرونی عمارت کا نقشہ تھا۔ جہاں تک بالائی منزل کا تعلق ہے وہ اس سے بھی سادہ اور مختصر تھی۔ یعنی گوشہ امام والا حصہ چھوڑ کر باقی چھت کے چاروں کونوں پر چار چھوٹے چھوٹے مینار تھے اور وہاں پہنچنے کے لئے سرخی کے نشان والے کمرے

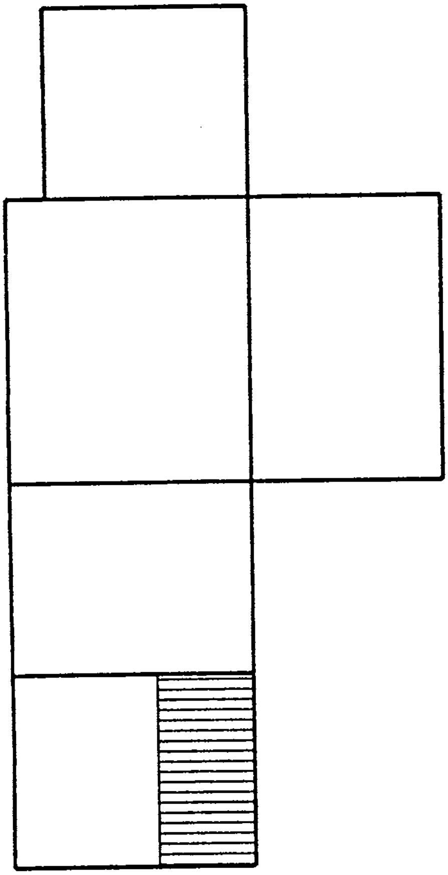

کی چھت پر دو سیڑھیوں کا ایک چوبی زینہ رکھا رہتا۔ قیام جماعت احمدیہ کے بعد جب حضرت مولانا نور الدین صاحب، حضرت مولانا عبدالکریم صاحب اور دوسرے بزرگان سلسلہ قادیان میں ہجرت کر کے آگئے تو اس کے غربی حصے پر شہ نشین بنادیا گیا جہاں حضرت اقدس نماز مغرب کے بعد اپنے خدام میں رونق افروز ہوتے اور علم و عرفان کے موتی بکھیرتے تھے یہ پاک اور روح پرور محفل "دربار شام" کے پیارے نام سے یاد کی جاتی تھی۔

مسجد مبارک کی تعمیر کے بعد حضرت مسیح موعودؑ مسجد اقصیٰ کی بجائے مسجد مبارک میں نماز ادا فرمانے لگے۔ ابتداء میں اکثر خود ہی اذان دیتے اور خود ہی امامت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔

مسجد کی توسیع

مسجد مبارک کی یہ ابتدائی عمارت چوبیس سال تک اپنی پہلی حالت میں بدستور قائم رہی۔ اس دوران میں صرف یہ خفیف سی تبدیلی کی گئی کہ سرخی کے نشان والا کمرہ جو دو ایک فٹ نشیب میں واقع تھا مسجد کی عام سطح کے برابر کر دیا گیا اور پھر ۱۹۰۷ء میں حضرت میر ناصر نواب صاحب کی نگرانی میں جنوبی طرف پہلی مرتبہ توسیع کی گئی جس کے نتیجہ میں اس کے جنوب مغربی کونے کا مینار قائم نہ رہ سکا۔ اور دو مینار شمالی دیوار میں جذب ہو گئے ایک مینار آج تک اصلی صورت میں موجود ہے۔ مسجد مبارک کی دوسری مرتبہ توسیع خلافت ثانیہ کے عہد میں دسمبر ۱۹۴۴ء میں مکمل ہوئی جس سے یہ مسجد ۱۹۰۷ء کی عمارت سے اپنی فراخی اور کشادگی میں دو چند ہو گئی۔ اس مرتبہ تعمیر کی نگرانی کا کام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے سرانجام دیا [۳]

نواب صدیق حسن خان صاحب کو سزا اور حضرت اقدسؑ کی دعا سے خطابات کی بحالی

نواب صدیق حسن خاں صاحب کی طرف سے "براہین احمدیہ" کی بے حرمتی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بد دعا کا جو دلخراش واقعہ صفحہ 188 پر میں بیان ہو چکا ہے وہ اسی زمانہ (۱۸۸۳ء) میں وقوع پذیر ہوا تھا۔

نواب صاحب مولوی سید اولاد حسن صاحب قنوجی کے فرزند تھے انہوں نے علوم دینی علمائے یمن و ہند سے حاصل کئے۔ پھر ریاست بھوپال کی ملازمت اختیار کر لی اور بتدریج ترقی کر کے وزارت و نیابت پر فائز ہو گئے یہاں تک کہ ان کا بھوپال کی والیہ شاہجہان بیگم صاحبہ سے ۱۸۷۱ء میں عقد ہو گیا جس کے بعد وہ عملاً ریاست کے فرمانروا بن گئے تھے۔ اور حکومت برطانیہ نے انہیں "نواب والاجاہ"۔ "امیر الملک" اور "معتمد المہام" کے خطابات سے نواز دیا۔ نواب صاحب اپنی شاہانہ ٹھاٹ باٹ اور علو مرتبت میں بھی اسلام کی تحریری خدمت سرانجام دے رہے تھے۔ اور ان کی علمی تصانیف کا ہندوستان کے طول و عرض میں ایک شہرہ تھا۔ اور مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی تو انہیں "مجدد وقت" تسلیم کرتے تھے۔ [۴] حضرت مسیح موعودؑ نے ان کی اس خصوصیت کی وجہ سے ان کی اسلامی خدمات پر حسن ظن کرتے ہوئے انہیں "براہین احمدیہ" بھجوائی تھی [۵]۔ مگر انہوں نے یہ کتاب پھاڑ کر واپس کر دی اور لکھا کہ "مذہبی کتابوں کی خریداری حکومت وقت کی سیاسی مصلحتوں کے خلاف ہے اس لئے ریاست سے کچھ امید نہ رکھیں"۔ حضرت مسیح موعودؑ نے کتاب کی یہ صورت دیکھی تو آپ کو بہت رنج ہوا اور آپ نے دعا کی کہ ان کی عزت چاک کر دی جائے۔ [۶] خدا کی قدرت دیکھئے اس واقعہ پر ابھی دو تین سال کا عرصہ ہی ہوا تھا کہ ۱۸۸۶ء میں اسی حکومت نے (جس کی خوشنودی کے لئے انہوں نے "براہین احمدیہ" کی توہین کی تھی) ان پر بعض مقدمات دائر کر دیئے اور وہ جرائم پیشہ انسانوں کی طرح ریاست میں معصوموں کے خون بہانے 'سوڈانی مہدی کو امداد بھجوانے اور اپنی مختلف تصانیف میں انگریزی گورنمنٹ کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانے کے سنگین الزامات میں ماخوذ ہو گئے اور حکومت نے ان پر سر لیپل گریفن کا تحقیقاتی کمیشن بٹھا دیا کمیشن کے فیصلہ کے مطابق ان کے نوابی کے خطابات چھن گئے اور یہاں تک بے آبروئی ہوئی کہ خود مسلمانوں کے ایک طبقہ نے حکومت پر زور دیا کہ اس سیاسی مقدمہ میں ان سے ذرہ بھر رعایت روا نہ رکھی جائے اور ان جرائم کی پاداش میں

وہ تختہ دار پر لٹکا دیئے جائیں یا کالے پانی بھیج دیئے جائیں۔ حتیٰ کہ خود مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی کو نواب صاحب کے دفاع میں ایک مبسوط مضمون "اشاعت السنہ" میں لکھنا پڑا۔ اور "گورنر ڈفرن اور سرلیپل گریفن کے حضور میں" نہایت عاجزی کے ساتھ التجا کرنا پڑی کہ وہ نواب صاحب موصوف کے متعلق فیصلے پر نظر ثانی کرتے ہوئے ان کا خطاب بحال فرمائیں۔ وہ گورنمنٹ کے حقیقی اور دلی خیر خواہ ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا شمار حکومت انگریزی کے دلی خیر خواہوں اور حقیقی وفاداروں میں ہوتا تھا اور حکومت کی نگاہ میں ان کی شہادت بڑی وقیع اور پختہ سمجھی جاتی تھی۔ لیکن ان کی یہ اپیل بالکل ناقابل التفات سمجھی گئی اور حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اسی لئے پنڈت لیکھرام نے مارچ ۱۸۸۶ء میں حضرت اقدس کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا "آپ تو مقبولوں کے سرغنہ ہیں اور آپ کی دعا تو تقدیر معلق کو باسلوبی ٹال سکتی ہے............ صدیق حسن خاں معزول ہیں اور ان کی نسبت جو جو مقدمات اور غبن مال سرکاری دائر ہیں ان سے نہایت ملول ہیں...... جناب بیگم صاحبہ والئی بھوپال صدیق حسن خاں معزول کو تین لاکھ دے کر خارج کرنا چاہتی ہیں ان کا ارادہ فسخ کیجئے"۔ [۷]

خدا کی شان پنڈت لیکھرام نے تو یہ بات طنزاً کہی تھی مگر آپ ہی کی دعا کی برکت سے حالات میں تبدیلی واقع ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب معاملہ تشویشناک صورت اختیار کرتا دکھائی دیا تو خود نواب صاحب موصوف نے سرتاپا عجز و انکسار بن کر حضرت اقدس کی خدمت میں درخواست دعا لکھی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت اقدس کی خدمت میں ان کی خدمات پیش کرتے اور دعا کی سفارش کا پیغام بھجواتے ہوئے حافظ محمد یوسف صاحب کو قادیان روانہ کیا۔ حافظ صاحب کا بیان ہے کہ میں نے جب حاضر ہو کر حضورؑ کی خدمت میں دعا کی درخواست پیش کی تو حضرت اقدس نے اولاً دعا کرنے سے انکار کر دیا اور براہین کا واقعہ بیان کر کے یہ بھی فرمایا کہ وہ خدا کی رضا پر گورنمنٹ کی رضا کو مقدم کرنا چاہتے تھے اب گورنمنٹ کو راضی کر لیں۔ موحد ہونے کا دعویٰ کر کے ایک زمینی حکومت کے خوف اور وہ بھی دین کے معاملہ میں جس میں خود اس حکومت نے ہر قسم کی آزادی دے رکھی ہے اس پر بہت دیر تک تقریر فرماتے رہے۔ چونکہ مجھ پر مہربانی فرماتے تھے۔ میں نے بھی پیچھا نہ چھوڑا عرض کرتا ہی رہا۔ نواب صاحب کی طرف سے معذرت بھی کی آخر حضرت صاحب نے دعا کرنے کا وعدہ فرما لیا اور میں تو اسی غرض سے آیا تھا جب تک آپ نے دعا نہ کر دی اور یہ نہ فرمایا کہ میں نے دعا کر دی ہے وہ توبہ کریں خدا تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے وہ رحم کرے گا حکومت کے اخذ سے وہ بچ جائیں گے۔ خود حضرت اقدس علیہ السلام نے یہ واقعہ اس رنگ میں بیان فرمایا ہے کہ (نواب صاحب موصوف

نے - ناقل) "بڑی انکساری سے میری طرف خط لکھا کہ میں ان کے لئے دعا کروں - تب میں نے اس کو قابل رحم سمجھ کر اس کے لئے دعا کی تو خدا تعالیٰ نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سرکوبی سے اس کی عزت بچائی گئی - میں نے یہ اطلاع بذریعہ خط ان کو دے دی اور کئی اور لوگوں کو بھی جو ان دنوں میں مخالف تھے یہی اطلاع دی - چنانچہ منجملہ ان کے حافظ محمد یوسف ضلعدار نہر حال پنشنر ساکن امرت سر اور مولوی محمد حسین بٹالوی بھی ہیں" - [۸] حافظ صاحب کا یہ بھی بیان ہے کہ میں نے "براہین احمدیہ" کی خریداری کے لئے نواب صاحب کی طرف سے درخواست کی آپ نے اس کو منظور نہ فرمایا - ہر چند عرض کیا گیا آپ راضی نہ ہوئے فرمایا میں نے رحم کر کے ان کے لئے دعا کر دی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ اس عذاب سے بچ جائیں گے میرا یہ فعل شفقت کا نتیجہ ہے ایسے شخص کو جس نے کتاب کو اس ذلت کے ساتھ واپس کیا میں اب کسی قیمت پر بھی کتاب دینا نہیں چاہتا - یہ میری غیرت اور ایمان کے خلاف ہے - ان لوگوں کو جو میں نے تحریک کی تھی خدا تعالیٰ کے مخفی اشارہ کے ماتحت اور ان پر رحم کر کے کہ یہ لوگ دین سے غافل ہوتے ہیں براہین کی اشاعت میں اعانت ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور خدا تعالیٰ انہیں کسی اور نیکی کی توفیق دے - ورنہ میں نے ان لوگوں کو کبھی امید گاہ نہیں بنایا - ہماری امید گاہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے - اور وہی کافی ہے نواب صاحب سنگین مقدمہ میں پانچ سال تک مبتلا رہے اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق انہیں حکومت کے مواخذہ سے بھی بچالیا اور ان کے خطابات بھی بحال کر دیئے گئے - لیکن افسوس وہ بحالی کی خبر ملنے سے پہلے ہی اس دار فانی سے چل بسے - [۹]

مرزا غلام قادر صاحب (برادر اکبر) کی رحلت

حضرت مسیح موعودؑ کی شفیق والدہ آپ سے ۱۸ - اپریل ۱۸۶۷ء کو اور والد بزرگوار ۲ - جون ۱۸۷۶ء کو جدا ہو چکے تھے اب ۱۸۸۳ء میں والد بزرگوار کے انتقال کے سات سال بعد آپ کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب بھی ۹ - جولائی کو رحلت فرما گئے - وفات کے وقت ان کی عمر پچپن سال کے لگ بھگ تھی جو دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ تھی ورنہ وہ تو پندرہ سال پہلے ہی لقمہ اجل ہو چکے ہوتے کیونکہ انہیں کم و بیش چالیس سال کی عمر میں ایک شدید بیماری لاحق ہو گئی تھی اور وہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ رہ گئے تھے اور نقاہت کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ چارپائی پر لیٹتے تو کسی کو احساس تک نہ ہوتا کہ یہاں کوئی شخص پڑا ہے - ان کی یہ حالت دیکھ کر حضرت اقدس کے والد بزرگوار نے جو ایک حاذق طبیب تھے صاف کہدیا کہ اب یہ چند دن کا مہمان ہے بلکہ خود حضرت مسیح موعودؑ کو بھی

قبل ازیں الہاماً بتایا جا چکا تھا کہ پندرہ دن تک ان کی عمر کا خاتمہ یقینی ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں کا نظارہ کرنے کے لئے جناب الٰہی کی طرف توجہ کی چنانچہ خدا کے فضل اور آپ کی روحانی توجہ اور دعا کی برکت سے پندرہ دن پندرہ سالوں میں بدل گئے اور مرزا غلام قادر صاحب جو اپنی زندگی کے دن پورے کر چکے تھے "زندہ" ہو کر چند روز تک بالکل صحت یاب ہو گئے اور اس کے بعد پندرہ برس تک بقید حیات رہے۔

مرزا غلام قادر صاحب مرحوم کی وفات کا فوری سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا اعظم بیگ لاہوری سابق اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے بعض بے دخل شرکاء کی طرف سے آپ کی خاندانی جائیداد میں حصہ دار بننے کے لئے نالش دائر کر دی۔ اور مرزا غلام قادر صاحب اپنی کامیابی کو یقینی سمجھتے ہوئے مقدمہ کی پیروی میں مصروف ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں بھی اور خاندان کے دوسرے تمام افراد کو بھی کھول کھول کر سنا دیا تھا کہ ہمارے لئے مقدمہ میں فتح یابی مقدر نہیں ہے اس لئے اس سے دستبردار ہونا چاہیے۔ لیکن وہ ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے اور انہوں نے جواب دیا کہ اب ہم مقدمہ میں بہت کچھ خرچ کر چکے ہیں۔ اگر پہلے کہتے تو ہم مقدمہ نہ کرتے مگر یہ بے حقیقت بات تھی۔ دراصل انہیں اپنی کامیابی کا ابتداء سے کامل یقین تھا اور ماتحت عدالت میں کامیاب بھی ہو گئے مگر بالآخر چیف کورٹ میں ان کے خلاف ڈگری ہوئی اور تمام عدالتوں کا خرچہ بھی ان کے ذمے پڑا۔ اور پیروی مقدمہ میں جو بھاری قرضہ اٹھایا تھا وہ بھی ادا کرنا پڑا۔ جس وقت ڈگری ہو جانے کی خبر آئی تو اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے کمرے میں تھے مرزا غلام قادر صاحب باہر سے کانپتے ہوئے ڈگری کا پرچہ ہاتھ میں لئے اندر آئے اور حضرت کے سامنے وہ کاغذ ڈال دیا اور کہا "لے غلام احمد جو تو کہندا سی او ہو ای ہو گیا اے"۔ یعنی دیکھو غلام احمد جو تم کہتے تھے وہی ہو گیا ہے۔ اور پھر غش کھا کر گر گئے۔ بہرحال انہیں ڈگری سے شدید صدمہ ہوا۔ اور وہ اس غم میں سخت بیمار ہو گئے اور یہی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی۔ آپ تقریباً دو سال اس بیماری میں مبتلا رہے۔ جس دن آپ کی وفات مقدر تھی۔ اس کی صبح کو حضرت اقدس کو الہام ہوا کہ "جنازہ" اور شام ۷ بجے وہ انتقال کر گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یاد الٰہی اور خدمت دین میں جس درجہ استغراق تھا اسی قدر شیفتگی اپنے والد بزرگوار کے بعد مرزا غلام قادر صاحب کو دنیوی معاملات میں تھی۔ ایک کا دل اسلام کی گم گشتہ حکومت کو دنیا بھر میں قائم کرنے کے لئے ہر لحہ مضطرب اور بے قرار تھا اور دوسرے کے مدنظر فقط قادیان کی مٹی ہوئی ریاست کے باقی ماندہ نقوش کا رنگ و روغن اور ان کی حفاظت تھی۔

مطمح نظر کا یہ بعد المشرقین ہی تھا جس کی وجہ سے انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ مسلک

ہمیشہ ناگوار گزرتا تھا لیکن اگر وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرح کشفی آنکھ سے کبھی یہ دیکھ پاتے کہ جس جائیداد کی واپسی کی خاطر وہ اپنی عمر و دولت ضائع کر رہے ہیں وہی آپ کے چھوٹے بھائی کی روحانی برکتوں کے طفیل کچھ عرصہ بعد خود بخود ان کے خاندان میں منتقل ہو جائے گی اور پھر حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے خاندان کی روحانی عظمت کا سکہ ساری دنیا پر بیٹھ جائے گا تو ممکن نہیں تھا کہ وہ اس حقیر اور معمولی مقصد کا خیال تک دل میں لاتے۔ انہیں حضرت مسیح موعودؑ نے مقدمہ میں ناکامی کی قبل از وقت خبر بھی دی مگر وہ اپنی افتاد طبع کے باعث اپنی رائے بدلنے پر قادر نہیں ہو سکے۔

اس خالص دینی نقطہ نگاہ سے قطع نظر وہ بڑے ملنے کے انسان تھے شکل و شباہت نہایت درجہ پر رعب پائی تھی انہوں نے محکمہ نہر اور ضلع گورداسپور کے دفتر میں ایک لمبا عرصہ ملازمت کی اور ہر جگہ اپنی اصابت رائے اور معاملہ فہمی سے حکومت کے بڑے بڑے افسروں کو اپنا مداح بنا لیا۔ وہ شجاعت اور غریب پروری کی نہایت اعلیٰ صفات سے پوری طرح متصف تھے۔ آپ کو اگرچہ حضرت اقدسؑ کے روحانی مشرب سے کوئی مناسبت نہیں تھی مگر آپ حضور کا احترام کرتے تھے۔ آپ کے روحانی کمالات شب بیداری اور دعاؤں کی قبولیت کے قائل تھے۔ خاندانی مذاق کے موافق شعر و شاعری میں بھی درک تھا اور مفتون تخلص کرتے تھے۔

مرزا غلام قادر صاحب مرحوم لاولد تھے اور ان کی جائیداد کے بھی آپ ہی وارث تھے ان کے ورثاء میں آپ کے سوا کوئی اور شخص ہوتا تو اپنے بھائی کی وفات کے معاً بعد اس جائیداد پر قابض ہو جاتا مگر آپ نے اس موقعہ پر یہ شاندار نمونہ پیش فرمایا کہ آپ نے اپنی بھاوج [10] حرمت بی بی صاحبہ کی دلداری کے لئے جائیداد پر قبضہ نہیں کیا بلکہ پوری جائیداد اپنے فرزند اور ان کے متبنی حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان [11] احمد صاحب کے زیر انتظام کر دی اور خود بدستور اعلائے کلمتہ الاسلام ہی میں مصروف رہے۔ بعد کو جب وہ ملازم ہو گئے اور جائیداد تقسیم ہو کر نصف ترکہ آپ کے نام درج ہو گیا تب بھی آپ کو ان معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مرزا اسمٰعیل بیگ صاحب یا دوسرے خدام اس کی نگرانی کرتے تھے اور جو کچھ وہ لا دیتے حضرت اقدس تحقیق کئے بغیر وصول کر لیتے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ بعض ہوشیار کارندے چالاکی سے آپ کو نقصان بھی پہنچا دیتے۔ مگر آپ ان باتوں سے بالکل بے نیاز ہو کر اپنی دینی خدمت میں مستغرق رہتے تھے۔ دراصل بات یہ تھی کہ آپ کی بھاوج نے حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کو رسمی طور پر متبنی قرار دیا تھا اور درخواست کی تھی کہ اسے نصف حصہ دے دیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تبنیت کے سوال پر تو صاف صاف کہدیا کہ اسلام میں یہ جائز نہیں ہے۔ مگر محض ان کی دلداری کی خاطر آدھی جائداد مرزا سلطان احمد صاحب کے

نام لکھ دی اور یہ سمجھ لیا کہ آپ نے ان کا حصہ اپنی زندگی میں ادا کر دیا ہے مرزا غلام قادر صاحب مرحوم نے اپنی زندگی میں ڈگری ہونے کے باوجود فریق مخالف کو جائیداد سپرد نہیں کی تھی۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کی وفات کے بعد جہاں مرزا سلطان احمد صاحب کو نصف جائیداد دی وہاں انہیں بلا کر قبضہ دے دینے کا ارشاد بھی فرمایا۔ نیز اراضی کی تقسیم کے متعلق نصیحت فرمائی کہ شرکاء جس طرح چاہیں تقسیم کر لیں تم دخل نہ دینا اور تسلیم کر لینا۔ چنانچہ اس موقعہ پر خاندان کے ایک قدیم کارکن کی طرف سے (جو اس وقت مرزا اعظم بیگ ہی کے ملازم تھے) اگرچہ یہ مشورہ بھی دیا گیا کہ وہ مرزا غلام قادر صاحب مرحوم کی طرح تقسیم قبول کرنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوں۔ مگر انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حکم کی تعمیل میں فریق مخالف کو قبضہ بھی دے دیا اور جائیداد کا ایک حصہ نہایت سستے داموں فروخت کر کے اخراجات مقدمہ میں ادا کر دیئے [۱۲]

مقام ماموریت سے متعلق بعض مزید تفصیلات

ماموریت کا وہ منصب جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۱۸۸۲ء میں عطا ہوا تھا اس کے متعلق بعض مزید تفصیلات اس سال آپ پر ظاہر کر دی گئیں اور آپ کو بتایا گیا کہ آپ محدث اللہ ' عیسیٰ دوران اور خدا کے نبی ہیں۔ [۱۳] عجیب بات یہ ہے کہ جیسا کہ یہودی تاریخ کے مطابق حضرت مسیح ناصری اپنے متبوع حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ٹھیک ۱۲۷۲ برس بعد پیدا ہوئے تھے اسی طرح حضرت اقدس علیہ السلام کو بھی رسول اکرم ﷺ کے دعویٰ رسالت سے ٹھیک ۱۲۷۲ برس بعد "عیسیٰ" کے عہدے پر سرفراز فرمایا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے ۶۱۰ء میں دعویٰ نبوت فرمایا اور ٹھیک ۱۲۷۲ سال بعد ۱۸۸۳ء میں یہ الہامات نازل ہوئے گویا مسیح موسوی کا جسمانی اور مسیح محمدی کا روحانی ظہور اپنے اپنے دائرہ میں ایک ہی سال میں وقوع میں آیا۔ [۱۴]

جیسا کہ ابتدا میں بتایا جا چکا ہے ان الہامات کے نزول کے ساتھ تصرف الٰہی سے یہ ہوا کہ آپ پر اپنی بعثت کے ابتدائی ایام میں یہ راز بالکل نہیں کھلا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسیح بنا کر بھیجا ہے اور آپ نے براہین احمدیہ حصہ چہارم میں یہ رسمی عقیدہ بھی درج فرما دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ حضرت مسیح موعودؑ کا اس زمانہ میں اپنے قلم سے مسیح ناصری کی دوبارہ آمد کا اقرار کرنا خدائی مصلحت کے مطابق اور حضور کی سادگی اور عدم بناوٹ پر ایک چمکتا ہوا نشان تھا۔ چنانچہ بعد کو جب دعویٰ مسیحیت کے وقت آپ پر حیات مسیح کے متعلق گذشتہ عقیدہ کی آڑ میں اعتراضات کیئے گئے تو آپ نے صاف جواب دیا کہ "جب تک مجھے خدا نے اس طرف توجہ نہ دلائی اور بار بار نہ

سمجھایا کہ تو مسیح موعود ہے اور عیسیٰ فوت ہو گیا ہے تب تک میں اسی عقیدہ پر قائم تھا جو تم لوگوں کا عقیدہ ہے اسی وجہ سے کمال سادگی سے میں نے حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کی نسبت براہین میں لکھا ہے۔ جب خدا نے مجھ پر اصل حقیقت کھول دی تو میں اس عقیدہ سے باز آگیا۔ میں نے بجز کمال یقین کے جو میرے دل پر محیط ہو گیا اور مجھے نور سے بھر دیا۔ اس رسمی عقیدہ کو نہ چھوڑا۔ حالانکہ اسی براہین میں میرا نام عیسیٰ رکھا گیا تھا اور مجھے خاتم الخلفاء ٹھہرایا گیا تھا اور میری نسبت کہا گیا تھا کہ تو ہی کسر صلیب کرے گا۔ اور مجھے بتلایا گیا تھا تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے۔ **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ**۔ نیز فرمایا۔ "پھر میں قریباً بارہ برس تک جو ایک زمانہ دراز ہے بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شدومد سے براہین میں مسیح موعود قرار دیا ہے اور میں حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے رسمی عقیدہ پر جما رہا۔ جب بارہ برس گزر گئے تب وہ وقت آگیا کہ میرے پر اصل حقیقت کھول دی جائے تب تواتر سے اس بارہ میں الہامات شروع ہوئے کہ تو ہی مسیح موعود ہے۔ پس جب اس بارہ میں انتہاء تک خدا کی وحی پہنچی اور مجھے حکم ہوا فاصدع بما تؤمر یعنی جو تجھے حکم ہوتا ہے وہ کھول کر لوگوں کو سنادے اور بہت سے نشان مجھے دیئے گئے اور میرے دل میں روز روشن کی طرح یقین بٹھا دیا گیا تب میں نے یہ پیغام لوگوں کو سنا دیا یہ خدا کی حکمت عملی میری سچائی کی ایک دلیل تھی۔ اور میری سادگی اور عدم بناوٹ پر ایک نشان تھا اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا اور انسانی منصوبہ اس کی جڑ ہوتی تو میں براہین احمدیہ کے وقت میں ہی یہ دعویٰ کرتا کہ میں مسیح موعود ہوں"۔ [۱۵]

مسلمانان عالم کے روشن مستقبل کے متعلق ایک خبر

انیسویں صدی کا ربع آخر دنیائے اسلام کے لئے نہایت درجہ مایوس کن، جگر سوز اور روح فرسا دور تھا۔ ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کے "انقلاب" کے بعد مغلیہ خاندان کی بساط سیاست پلٹ چکی تھی۔ ترکی اور ایران کی منڈیوں پر یورپ کے سرمایہ دار قابض تھے۔ مصر نہر سویز کے جاری ہونے پر برطانوی اقتدار کے شکنجے میں آچکا تھا اور وہاں احمد عربی پاشا کی قیادت میں فرنگی اور ترکی اقتدار کے خلاف قومی تحریک اٹھ چکی تھی اور برطانیہ کی امداد کے لئے ہندوستانی فوج کی نئی کمک پہنچ رہی تھی عرب قبائل والئی نجد کے خلاف خانہ جنگی میں مصروف تھے۔ ٹیونس، الجیریا اور مراکش فرانسیسی اثر کے زیر نگین تھے اور ایران میں ہر طرف بد نظمی اور ابتری کا دور دورہ تھا۔ [۱۶] اور یورپ کی سیاسی قوتیں جو طوفان بن کر اٹھی تھیں ہر طرف آندھی بن کر چھا چکی تھیں اور اسلامی دنیا مرد بیمار کی طرح سسکتے

ہوئے بزبان حال پکار رہی تھی۔ ؎

وہ بیمار قریب مرگ ہے، اسلام واویلا مسیحا کو نہیں ہے جس کی امید شفا باقی ۱۷

اللہ تعالیٰ نے اسلامی دنیا کی زہرہ گداز اور دردانگیز کس مپرسی کے اس دور میں مسیح موعود علیہ السلام کو بذریعہ رویا خبر دی کہ "عنایت الٰہیہ مسلمانوں کی اصلاح اور ترقی کی طرف متوجہ ہے اور یقین کامل ہے کہ اس قوت ایمان اور اخلاص اور توکل کو جو مسلمانوں کو فراموش ہو گئے ہیں پھر خداوند کریم یاد دلائے گا اور بہتوں کو اپنے خاص برکات سے متمتع کریگا۔ کہ ہریک برکت ظاہری اور باطنی اسی کے ہاتھ میں ہے"۔ ۱۸

مسلمانوں کی از سر نو ترقی اور عروج کے بارہ میں یہ تاریخی الہام بھی نازل ہوا کہ "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد"۔ یعنی خوش ہو کہ تیری ترقی کا وقت قریب آپہنچا اور مسلمانوں کا قدم ایک بہت بلند مینار پر مضبوط پڑا۔ اس الہام الٰہی میں مسلمانان عالم کے عظیم الشان اور روشن مستقبل کی خبر دی گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ کی ان بشارتوں کے مطابق اس کے فضل سے نہ صرف ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء سے پاکستان ایسی عظیم الشان اسلامی مملکت معرض ظہور میں آچکی ہے بلکہ دنیا کے مسلمان پستی کی حالت سے نکل کر آہستہ آہستہ شان و شوکت کے اس مضبوط اور بلند مینار کی طرف آرہے ہیں جس کی خبر آپ کو دی گئی تھی۔ ایران۔ مصر۔ ٹیونس، مراکش اور لیبیا اب غیر ملکی چنگل سے آزاد ہو چکے ہیں۔ سوڈان خود مختار ہو چکا ہے۔ انڈونیشیا میں مسلمان حکومت قائم ہو چکی ہے۔ ترکی بڑی تیزی سے ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ الجیریا وغیرہ ممالک گو ابھی تک غلامی کی زنجیروں میں ہیں مگر ان کی تحریک آزادی عالمی رائے کا مرکز بن رہی ہے۔ غرض ۱۸۸۳ء کے مایوس کن اور خطرناک حالات کا نقشہ یکسر بدل چکا ہے اور اس کی جگہ ایک حوصلہ افزا ماحول نے لے لی ہے۔ (جولائی ۱۹۶۲ء میں الجیریا بھی آزاد ہو چکا ہے)

بانی آریہ سماج پر آخری اتمام حجت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ابتداء ہی سے تبلیغ دین کا ایک پر جوش اور بے پناہ جذبہ عطا ہوا تھا اور آپ غیر مذاہب کے سربر آوردہ رہنماؤں کو اسلام کا پیغام پہنچانا اور ان کی ملحدانہ تعلیمات و عقائد کا رد کرنے کو اپنا فرض اولین سمجھتے تھے۔ آپ نے ۱۸۷۸ء میں "پنڈت دیانند جی سرسوتی" کو روحوں کے ان گنت ہونے کے متعلق چیلنج دے کر خط و کتابت کی جو طرح ڈالی تھی اس کا مقصد وحید بھی یہی تھا کہ وہ ایک جدید ہندو فرقہ کے بانی تھے۔ اگر وہ اپنے غلط اور بے بنیاد عقائد سے رجوع کر کے آپ کی

طرف متوجہ ہو جاتے تو شاید ہندو جاتی میں اسلام کے متعلق ایک عام رو پیدا ہو جاتی لیکن افسوس پنڈت جی نے داعی حق کی آواز سن کر چپ سادھ لی۔ اور پوری عمر اپنے غلط' بے حقیقت اور خود ساختہ عقائد کے پرچار میں بسر کر دی اور اسی بے خبری میں ۳۰۔ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو اس جہان سے کوچ کر گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کی وفات سے صرف چھ ماہ قبل ان پر آخری دفعہ اتمام حجت کرنے کے لئے متعدد رجسٹری خطوط لکھے جنمیں صاف لفظوں میں یہ انتباہ کرتے ہوئے کہ دنیا چند روزہ ہے اور آخر کار خدا سے معاملہ پڑنے والا ہے۔ انہیں از راہ شفقت و محبت توجہ دلائی کہ وہ اپنے باطل خیال پر تعصب و عناد سے جمے رہنے کی بجائے قرآن مجید کی صداقت کے عقلی دلائل اور اس کی روحانی برکات ملاحظہ کرنے کے لئے حضور کی تصنیف "براہین احمدیہ" کا مطالعہ کریں۔ نیز یہ وعدہ بھی فرمایا کہ اگر وہ حق و صداقت کی جستجو میں اس کتاب کا مطالعہ کرنے پر رضامند ہوں تو انہیں یہ قیمتی کتاب مفت ارسال فرمادیں گے۔ آپ نے انہیں یہ پیشکش بھی فرمائی کہ کتاب کے غیر جانبدارانہ مطالعہ کے بعد بھی ان کی نظر میں اسلام کی صداقت مشکوک رہے تو وہ مزید تسلی و تشفی کے لئے قادیان آئیں اور انکی آمد و رفت اور قیام کے واجبی اخراجات آپ خود برداشت کریں گے۔ پنڈت دیانند جی نے ان خطوط کی رسید بھجوا دی مگر اپنی گزشتہ روایات کے مطابق اس بارہ میں آخر وقت تک بالکل ساکت رہے

پنڈت جی کی یہ اتنی بڑی کھلی شکست تھی کہ انکے سوانح نگاروں نے جہاں ان کی زندگی کے واقعات پر تفصیلی قلم اٹھایا وہاں اس عظیم الشان واقعہ کی طرف اشارہ تک کرنے کی جرات نہیں کر سکے۔ پنڈت دیانند کی وفات کے متعلق بھی آپ کو قبل از وقت اطلاع دی گئی تھی جسے آپ نے قادیان کے ہندوؤں اور آریوں کو بتا دیا تھا۔ اس طرح پنڈت دیانند کی زندگی تو ان کی ہزیمت و شکست کا ثبوت تھی ہی ان کی موت بھی اسلام کی زندگی کا نشان بن گئی [۱۹]

حواشی

۱- ملاحظہ ہو "براہین احمدیہ" حصہ چہارم طبع اول صفحہ ۵۵۸-۵۵۹

۲- اس نشان کی تفصیل آئندہ اوراق میں ملاحظہ ہو۔

۳- حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۵۸۰-۵۸۱ "حیات احمد" جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۲۱-۲۸۔ "سیرۃ المہدی" حصہ سوم صفحہ ۲۶۸-۲۷۰۔ "ضمیمہ اصحاب احمد" جلد اول صفحہ ۷-۸ "لائف آف احمد" صفحہ ۹۲-۹۳۔ الفضل ۲۶ مارچ ۱۹۴۵ء صفحہ ۳-۴

۴- "اشاعۃ السنہ" جلد ۹ صفحہ ۴۷

۵- ان کے بیٹے نواب محمد علی حسن خاں سابق ناظم ندوۃ العلماء نے "مآثر صدیقی" میں ان کی مستقل کتابوں کی فہرست شائع کی ہے، جو ۲۲۲ کتابوں پر مشتمل ہے۔

۶- "حقیقۃ الوحی" تتمہ صفحہ ۳۷

۷- "کلیات آریہ مسافر" صفحہ ۴۹۵ (مطبوعہ ۱۹۰۴ء)

۸- "تتمہ حقیقۃ الوحی" صفحہ ۳۷

۹- "حیات احمد" جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۴۴-۴۷۔ "اشاعۃ السنہ" جلد ۹ صفحہ ۱-۲ (مطابق ۱۸۸۶ء) "مذاہب اسلام" صفحہ ۶۱۶، ۶۲۰ مولفہ حکیم مولانا محمد نجم الغنی صاحب رامپوری مطبع نو لکشور لکھنؤ۔ "موج کوثر" مرتبہ شیخ محمد اکرام صاحب ایم۔اے طبع اول صفحہ ۴۹-۵۰۔

۱۰- حضرت مسیح موعودؑ کو الہام ہوا "تائی آئی" سواسی کے مطابق حرمت بی بی صاحبہ نے مارچ ۱۹۱۶ء میں حضرت خلیفہ ثانی کی بیعت کر لی۔ (الفضل ۴۔مارچ ۱۹۱۶ء صفحہ ۱) آپ ۳۰ نومبر ۱۹۲۷ء کو قریباً ۱۰۰ سال کی عمر میں فوت ہوئیں بہشتی مقبرہ قادیان میں ان کا مزار مبارک ہے۔ (الفضل ۶۔دسمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۱)

۱۱- تاریخ وفات ۲ جولائی ۱۹۳۱ء

۱۲- "حقیقۃ الوحی" طبع اول صفحہ ۲۴۳-۲۵۴-۲۵۵۔ "حیاۃ النبی ﷺ" جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۵۹-۶۴۔ "سیرت المہدی" حصہ اول طبع اول صفحہ ۲۱-۲۲-۳۶-۳۷۔ "سیرت مسیح موعود" (مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) الحکم ۱۴۔جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۶۔

۱۳- ملاحظہ ہو "براہین احمدیہ" حصہ چہارم طبع اول صفحہ ۵۵۷-۵۵۸۔ "ایک غلطی کا ازالہ"۔

۱۴- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز اردو ستمبر ۱۹۴۵ء

۱۵- "اعجاز احمدی" طبع اول صفحہ ۶-۷

۱۶- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ انقلابات عالم" مرتبہ ابو سعید بزمی (ناشر کتاب منزل لاہور)

۱۷- محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ۱۸۹۱ء بحوالہ ریویو آف ریلیجنز اردو۔ اگست ۱۹۴۵ء

۱۸- "مکتوبات احمدیہ" جلد اول صفحہ ۱۹-۲۰

۱۹- "براہین احمدیہ" حصہ چہارم ۵۳۵/۵۳۶ "حقیقۃ الوحی" صفحہ ۲۲۱ "نزول المسیح" صفحہ ۱۵۸ "مکتوبات احمدیہ" جلد دوم ۱-۳ "حیات احمد" جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۲۸-۳۳

ماموریت کا تیسرا سال

حضرت اقدسؑ کا پہلا سفر لدھیانہ

(۱۸۸۴ء)

لدھیانہ کے عقیدت مندوں کا اصرار

"براہین احمدیہ" کی اشاعت نے یوں تو ملک بھر میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا مگر لدھیانہ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ یہاں حضرت اقدسؑ کے عقیدت مندوں کی ایک جماعت قائم ہو گئی تھی جس میں حضرت صوفی احمد جان صاحب، قاضی خواجہ علی صاحب [۱] نواب علی محمد صاحب آف جھجر، [۲] مولوی عبدالقادر صاحب، [۳] شہزادہ عبدالمجید صاحب [۴] میر عباس علی صاحب وغیرہ بہت سے نفوس شامل تھے۔ یہ بزرگ آپ کے حلقہ ارادت میں آنے کے بعد ہزار جان سے چاہتے تھے کہ حضرت اقدسؑ ان کے ہاں لدھیانہ تشریف لائیں اور اس غرض سے ان کی طرف سے ۱۸۸۲ء میں باصرار درخواست بھی حضور انور کی خدمت میں پہنچی اور حضور نے اسے ازراہ شفقت منظور فرماتے ہوئے وعدہ بھی کر لیا۔ لیکن حالات کچھ ایسے پیدا ہو گئے کہ مختلف اوقات میں عزم سفر کرنے کے باوجود اس سال وہاں جانے کی نوبت نہ آسکی۔ ۱۸۸۴ء کے آغاز میں لدھیانہ کے دوستوں نے ایک دفعہ پھر میر عباس علی صاحب کے ذریعہ سے (جو ان دنوں لدھیانہ میں گویا حضرت اقدس کے نمائندے تھے اور جن کے متعلق حضرت اقدس نے یہاں تک حکم دے رکھا تھا کہ لدھیانہ سے جو دوست حضور کی ملاقات کے لئے آئیں پہلے ان سے مل کر آئیں تا تسلی رہے) بار بار اپنی اس دلی تمنا کا اظہار کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام چونکہ اذن الٰہی کے بغیر کوئی قدم اٹھانا معصیت خیال کرتے تھے اس لئے آپ نے میر عباس علی صاحب کو ۱۸۔ جنوری ۱۸۸۴ء کو تحریر فرمایا کہ "کچھ خداوند کریم ہی کی طرف اسباب آپڑتے ہیں کہ رک جاتا ہوں۔ نہیں معلوم حضرت احدیت کی کیا مرضی ہے عاجز بندہ بغیر اس کی مشیت کے قدم اٹھا نہیں سکتا"۔ نیز لکھا کہ "لوگوں کے شوق اور ارادت پر آپ خوش نہ ہوں حقیقی شوق اور

ارادت کہ جو لغزش اور ابتلاء کے مقابلہ پر کچھ ٹھہر سکے - لاکھوں میں کسی ایک کو ہوتا ہے"۔ اس سلسلہ میں انہیں اپنا ایک رؤیا بھی لکھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو میر عباس علی صاحب کی باطنی کیفیت کے متعلق یہ نظارہ دکھایا گیا تھا - کہ آپ ایک مکان میں ہیں اور بعض نئے نئے آدمی آپ سے ملنے آئے ہیں اور میر عباس علی صاحب بھی ان کے ساتھ ہیں اور یہ سب حضور سے بیزار ہو کر ایک دوسرے مکان میں جا بیٹھے حضور ان لوگوں میں جن میں شاید میر صاحب بھی ہیں امامت کی غرض سے تشریف لے گئے لیکن پھر بھی انہوں نے بیزاری سے کہا کہ ہم نماز پڑھ چکے ہیں تب حضور نے ان سے کنارہ کش ہو کر باہر نکلنے کے لئے قدم اٹھایا معلوم ہوا کہ ان سب میں سے ایک شخص پیچھے چلا آتا ہے جب نظر اٹھا کر دیکھا تو میر صاحب تھے ۵ اس غیبی اطلاع پر تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اجازت عطا کر دی گئی تو آپ نے میر عباس علی صاحب کو جو انہی دنوں حضور کی خدمت میں قادیان آئے ہوئے تھے یہ ہدایت فرمائی کہ لدھیانہ میں آپ کے لئے کوئی ایسی قیام گاہ تجویز کی جائے جس میں تخلیہ اور ملاقات کے لئے الگ الگ کمرے ہوں اور ان میں مختصر ضروری سامان بھی موجود ہو۔ میر صاحب حضرت کا فرمان سن کر خوشی خوشی لدھیانہ پہنچے اور حضور کے استقبال کے لئے تیاریاں ہونے لگیں - لدھیانہ میں حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ کے مریدوں کا ایک جال بچھا ہوا تھا انہیں آپ نے حضرت اقدس کی تشریف آوری کی خصوصی اطلاع دیتے ہوئے ہدایت کی کہ وہ کثیر تعداد میں اسٹیشن پر حاضر ہوں۔ محلہ صوفیاں میں جہاں میر عباس علی صاحب سکونت رکھتے تھے انہیں کے اعزہ و اقارب سے ایک دوست ڈپٹی امیر علی صاحب تھے جن کا مکان حضرت کی فرودگاہ کے لئے بہت موزوں تھا۔ مکان کی چابی ڈپٹی صاحب کے چچا میر نظام الدین صاحب کے پاس تھی جب انہیں بتایا گیا کہ اس مکان پر حضرت اقدس کے قیام فرمانے کی تجویز ہے تو انہوں نے بخوشی چابی دے دی۔ انہیں کہا گیا کہ وہ مکان میں سے تکلفات کا سامان اٹھالیں کیونکہ للہی محفل ہے اس میں غریب و امیر آئیں گے۔ ہم یہاں چٹائیاں بچھا دیں گے مگر انہوں نے جواب دیا کہ میرے سامان کو قدم بوسی کی برکت نصیب ہوگی اسے یہیں رہنے دیا جائے ہم اسے اپنے ساتھ تھوڑا ہی لے جائیں گے حضرت صوفی احمد جان صاحب نے اپنی فراست کی بناء پر اپنے مریدوں کو پہلے سے کہہ رکھا تھا کہ احادیث میں اس زمانہ کے مامور کا حلیہ موجود ہے اس لئے اگرچہ میں نے حضرت کی پہلے کبھی زیارت نہیں کی میں آپ کو از خود پہچان لونگا۔

لدھیانہ میں تشریف آوری اور بے مثال استقبال

غرضکہ اہل لدھیانہ حضرت اقدسؑ کی تشریف آوری کے

لئے نہایت بے قراری سے چشم براہ تھے کہ حضور اطلاع کے مطابق اپنے تین خدام حافظ حامد علی صاحب مولوی جان محمد صاحب [6] اور لالہ ملاوامل صاحب کی رفاقت میں لدھیانہ اسٹیشن پر تشریف لے آئے۔ یہ ۱۸۸۴ء کی پہلی سہ ماہی کا واقعہ ہے۔ اسٹیشن پر زائرین کا بے پناہ ہجوم تھا یوں معلوم ہوتا تھا کہ پورا شہر اُمڈ آیا ہے۔ لدھیانہ کے دوستوں میں میر عباس علی صاحب کے سوا کوئی بھی حضور کی شکل مبارک سے واقف نہیں تھا اس لئے جب گاڑی کا وقت قریب آیا تو میر صاحب اور انکے ساتھ بہت سے دوست پلیٹ فارم کے اندر چلے گئے اور لوگوں کی نظریں اس طرف جم گئیں کہ میر صاحب جس بزرگ سے مصافحہ کریں گے وہی حضرت اقدس ہوں گے لیکن اتفاق یہ ہوا کہ حضور اپنے خدام کے جھرمٹ میں گاڑی کے اگلے ڈبوں سے اتر کر پھاٹک کی طرف تشریف لے آئے۔ پھاٹک پر اس وقت سید میر عنایت علی صاحب کھڑے تھے [7]۔ جو یہ خیال کر کے پہلے ہی سے یہاں آ گئے تھے کہ حضرت اقدس بہر حال یہیں سے گزریں گے۔ اور گو انہیں حضور کی زیارت کا قبل ازیں موقعہ نہیں ملا تھا مگر آنے والے مسافروں میں سے جونہی ان کی نظر حضور کے مقدس اور نورانی چہرے پر پڑی وہ فوراً بھانپ گئے کہ حضرت اقدس یہی ہیں اور جھٹ مصافحہ کرتے ہوئے دست بوسی کر لی۔ اس موقعہ پر حضرت صوفی احمدؓ جان صاحبؓ نے بھی جیسا کہ انہوں قبل از وقت بتا دیا تھا اسٹیشن پر حضور کو دیکھتے ہی بتا دیا کہ حضرت اقدس یہ ہیں حضرت صوفی صاحب کے ساتھ اس وقت ان کے دونوں فرزند یعنی حضرت پیر منظور محمدؓ صاحب اور حضرت پیر افتخار احمد صاحب اور متعدد مرید شاگرد مثلاً مولوی اب الدین صاحب بھی موجود تھے [8] جو ان دنوں تحصیل علم کی خاطر لدھیانہ میں مقیم تھے۔ مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ حضور کو دیکھتے ہی میری زبان سے نکلا

هٰذَا لَيْسَ بِوَجْهِ كَاذِبٍ

اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو باہر تشریف لا چکے تھے مگر میر عباس علی صاحب اور ان کے ساتھی ابھی تک آپ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ جب انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی تو وہ بھی مختصر وقفہ کے بعد باہر آ گئے اور حضور کو دیکھتے ہی مصافحہ کے لئے لپکے ان کا مصافحہ کرنا ہی تھا کہ زائرین شوق دیدار میں ٹوٹ پڑے۔ نواب علی محمد صاحب رئیس آف جھجر نے میر عباس علی صاحب سے کہا کہ میری کوٹھی قریب ہے اور اس کے گرد باغ بھی ہے بہت لوگ حضرت اقدس کی زیارت کے لئے آئیں گے۔ اگر آپ اجازت دیں تو حضرت صاحب کو یہیں ٹھہرا لیا جائے۔ میر صاحب نے کہا کہ آج کی رات یہ مبارک قدم میرے غریب خانے پر پڑنے دیں کل آپ کو اختیار ہے۔ نواب صاحب موصوف مان گئے اور حضرت اقدس علیہ السلام قاضی خواجہ علی صاحب کی شکرم میں بیٹھ کر محلہ صوفیاں میں ڈپٹی

امیر علی صاحب کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت اقدسؑ کے ساتھ اس وقت ایک بڑا مجمع تھا گویا ایک جلوس کی سی شکل تھی۔ جب مکان پر پہنچے تو نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ حضور نے پہنچتے ہی وضو کیا اور آخر میں اپنی مالیدہ کی جرابوں پر مسح کیا۔ بعض لوگوں نے جو موجود تھے جب آپ کو پاؤں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا آپس میں اس کے جواز کے متعلق سرگوشیاں کیں۔ حضرت اقدس جب وضو کر کے مسجد محلہ صوفیاں کے اندر تشریف لائے تو مولوی موسیٰ صاحب نے استفسار کیا کہ حضور اس پر مسح جائز ہے؟ حضور نے فرمایا جائز ہے۔ امامت کے لئے عرض کیا گیا تو فرمایا نہیں نماز مولوی عبد القادر صاحب پڑھائیں گے چنانچہ جب تک حضرت اقدس کا لدھیانہ میں قیام رہا (نماز فجر کے سوا جس میں حضور خود امامت کراتے تھے) باقی سب نمازیں مولوی صاحب ہی نے پڑھائیں۔

بعض لدھیانوی علماء کی ہنگامہ آرائی!

پہلے روز شام کو میر عباس علی صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ دوسرے دن صبح کو قاضی خواجہ علی صاحب اور شام کو احمدؓ جان صاحب کے ایک مرید منشی رحیم بخش صاحب نے دعوت کی۔ لدھیانہ کی فضا اس وقت تک پرسکون تھی اور ابھی تک کوئی ناخوشگوار اور تلخ صورت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب شام کو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام مولوی رحیم بخش صاحب کے ہاں تشریف لے گئے تو لدھیانہ کے بعض خدا ناترس علماء کی ایک افسوسناک کارروائی سامنے آئی۔ واقعہ یوں ہوا کہ حضرت اقدس آٹھ دس اصحاب کے ہمراہ منشی صاحب کے گھر پہنچے جہاں آپ کو پہلے تو ایک کھلے کمرے میں تشریف رکھنے کے لئے کہا گیا لیکن جب کھانا تیار ہو گیا تو حضور کو ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ کھانا کھا چکے تو مولوی عبد العزیز لدھیانوی نے ہنگامہ آرائی کے لئے اپنا ایک ایلچی بھیج دیا۔ جس نے آتے ہی حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے مولوی عبد العزیز صاحب کہتے ہیں قادیان والے مرزا صاحب یا ہمارے ساتھ بحث کریں یا کوتوالی چلیں۔ حضرت صوفی صاحب نے جواب دیا کہ ہم کیوں کوتوالی چلیں کیا ہم نے کسی کا قصور کیا ہے؟ اگر تمہارے مولوی صاحب نے کوئی بات دریافت کرنی ہے تو اخلاق و انسانیت کے ساتھ محلہ صوفیاں میں جہاں حضرت اقدس ٹھہرے ہوئے ہیں دریافت کر لیں حضرت صوفی صاحب نے اپنا جواب ختم کیا ہی تھا کہ خود میزبان یعنی منشی رحیم بخش صاحب نے انہیں یہ خبر سنائی کہ جس کمرہ سے آپ پہلے اٹھ کر آئے ہیں وہاں بعض لوگ جمع ہیں اپنے شکوک پیش کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت صوفی صاحب نے انہیں سمجھایا کہ حضرت صاحب کو سفر کی وجہ سے تکان ہے یہ لوگ حضرت اقدس کی قیام گاہ محلہ صوفیاں پر آجائیں لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے یہ سن کر فرمایا کہ نہیں ہم بیٹھیں گے اور ان لوگوں کی بات سنیں گے کہ وہ

کیا کہتے ہیں۔ یہ کہکر حضرت اقدسؑ اپنے خدام کے ساتھ پہلے کمرے کی طرف چل دیئے یہاں آئے تو دیکھا کہ کمرہ کھچا کھچ بھرا ہے اور تل دھرنے کو جگہ نہیں۔ حضور اور آپ کے ساتھیوں کو بمشکل جگہ ملی۔ ان لوگوں سے کہا گیا کہ وہ اپنے شکوک پیش کریں۔ چنانچہ وہ اعتراضات کرتے رہے اور حضرت مسیح موعودؑ انکے جوابات دیتے رہے لیکن ان شوریدہ سروں کو تحقیق حق تو مقصود نہیں تھی وہ تو لدھیانہ کے بعض مولویوں کی اشتعال انگیزی پر اپنے جوش غضب کا مظاہرہ کرنے کو آئے تھے جو کرتے رہے۔ اسی موقعہ پر ایک شخص نے یہ سوال بھی کیا کہ آپ بھی پیشگوئیاں فرماتے ہیں اور نجومی اور رمال بھی کرتے ہیں ہمیں صداقت کا پتہ کس طرح لگے؟ حضور نے فرمایا کہ الٰہی نصرت نجومیوں اور رمالوں کے ساتھ نہیں ہوتی لیکن انبیاء علیہم السلام اور مامورین کو نصرت اور کامیابی ملتی ہے وہ اور ان کی جماعت روز بروز ترقی کرتی اور ان کا اقبال ترقی کرتا ہے خدا کے مامور کا حوصلہ دیکھو کہ میر عباس علی صاحب تو لدھیانہ والوں کا بے جا جوش دیکھ کر گھبرا جاتے مگر حضرت کے چہرے پر قطعاً ملال کے آثار نہیں تھے اور آپ پوری تسلی اور اطمینان کے لب ولہجہ میں انہیں فرماتے تھے کہ یہ لوگ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں ان کو کرنے دو۔ آخر تھوڑی دیر بعد جب منشی رحیم بخش صاحب نے دیکھا کہ معاملہ طول کھینچ رہا ہے اور مخالفت لحہ بہ لحہ بڑھ رہی ہے تو انہوں نے کمال عقل مندی سے کہدیا کہ میں حضرت صاحب کو زیادہ تکلیف نہیں دینا چاہتا آپ لوگوں کے شکوک کے جواب حضرت صاحب نے کافی طور پر دے دیئے ہیں حضور کو تکان ہے چنانچہ حضرت اقدس واپسی کا قصد کر کے اٹھے تو صوفی احمد جان صاحب رضی اللہ عنہ نے میر عباس علی صاحب کو مشورہ دیا کہ مولوی عبدالعزیز صاحب فساد کے خوگر ہیں دوسرے رستہ سے چلنا چاہئے۔ حضرت اقدس نے جو قریب ہی کھڑے سن رہے تھے۔ اس موقعہ پر بھی کوہ استقلال بن کر ارشاد فرمایا نہیں اسی راستہ سے چلیں گے جس راستہ سے اندیشہ کیا جاتا ہے غرض فوراً حضور اسی راستہ سے ڈپٹی امیر علی صاحب کے مکان تک تشریف لائے اور راستہ میں کسی شخص کو مزاحم ہونے کی جرات نہیں ہو سکی۔ چوڑے اور اونچے بازار کے سرے تک پہنچے تو لالہ ملاوامل نے میر عباس علی صاحب کو وہ رؤیا یاد دلایا جو حضور نے لدھیانہ والوں کی مخالفت کے متعلق لکھا تھا اور ان سے پوچھا کہ وہ رؤیا پورا ہو گیا؟ میر عنایت علی صاحب نے جو اس وقت حضرت اقدس کے ہمراہ تھے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فی الواقع میر صاحب کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ اس وقت خود میر عباس علی صاحب نے کھلا اقرار کیا کہ حضور کی رؤیا کمال صفائی سے پوری ہو گئی ہے۔ اگلے دن صوفی احمد جان صاحب کے ہاں دعوت کا انتظام تھا دعوت ختم ہوئی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ وہ بھی مزید برکت کے لئے ہمراہ ہو گئے۔ رستہ میں انہوں نے حضرت کے استفسار پر عرض کیا کہ میں نے بارہ چودہ سال رتڑ چھتڑ کی گدی میں مجاہدات

کئے ہیں جن سے میرے اندر اتنی زبردست طاقت پیدا ہو گئی ہے کہ اگر میں اپنے پیچھے آنے والے آدمی پر توجہ کروں تو وہ ابھی گر جائے اور تڑپنے لگے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی عادت مبارک کے مطابق اپنی سوٹی کی نوک سے زمین پر نشان بناتے ہوئے فرمایا۔ صوفی صاحب اگر وہ گر جائے تو اس سے آپ کو کیا فائدہ ہو گا اور اس کو کیا فائدہ ہو گا؟ صوفی صاحب اہل باطن میں سے تھے یہ نکتہ سن کر پھڑک اٹھے اور اسی وقت حضور کے سامنے علم توجہ سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی بلکہ اپنی معرکہ الاراء کتاب طب روحانی کو (جس میں انہوں نے توجہ کے کمالات اور برسوں کے تجربات پر اتنی مفصل روشنی ڈالی تھی کہ لدھیانہ والوں نے انہیں مسیح دوران کے خطابات دے رکھے تھے) نہ صرف مرتے دم تک خود اٹھا کر نہیں دیکھا بلکہ اپنے مریدوں میں اشتہار دے دیا کہ علم توجہ اسلام سے مخصوص نہیں ہے اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ آج سے میرا کوئی مرید اسے دین اسلام کا جزو سمجھ کر استعمال نہ کرے۔ حضرت صوفی صاحب نے "طب روحانی" میں اعلان کیا تھا کہ اس سلسلہ میں "نجات جاودانی" اور "کمالات انسانی" کے نام پر دو مزید حصے بھی شائع ہوں گے اور عملاً ان کا مسودہ بھی تیار تھا لیکن اس کے بعد آپ نے وہ مسودہ لے کر چاک کر ڈالا بعض لوگوں نے جو "طب روحانی" سے بے حد متاثر تھے بڑے اصرار کے ساتھ آپ سے درخواست کی کہ وہ چیرا پھاڑا ہوا مسودہ ہی بھیج دیں تا اسی کو مرتب کر کے معلوم ہو سکے کہ کیا لکھا ہے لیکن آپ نے جواب دیا کہ "آں قدح بشکست و آں ساقی نماند"۔ پنجاب میں ایک آفتاب نکلا ہے جس کے سامنے ستارے رہبری نہیں کر سکتے۔ اس آفتاب کا نام مرزا غلام احمد ہے انہوں نے ایک کتاب "براہین احمدیہ" لکھی ہے اسے منگوا کر پڑھو"۔ [۱۰]

زائرین کا ہجوم اور حضور کی مجلس علم و عرفان

بہرکیف زبردست مخالفت کے باوجود جو آپ کی آمد پر اٹھائی گئی تھی لدھیانہ کے گردونواح سے روزانہ ہی صبح و شام بڑی کثرت سے لوگ حاضر ہوتے تھے۔ علماء اور رؤساء کا تو ایک تانتا بندھا رہتا تھا۔ بالخصوص حضرت صوفی احمد جان صاحب نقشبندی، مولوی شاہ دین صاحب، مولوی محمد حسن صاحب رئیس اعظم لدھیانہ، نواب علی محمد خان صاحب جھجر، پیر سراج الحق صاحب نعمانی تو پروانوں کی طرح آپ کے گرد رہتے تھے۔ حضرت صوفی احمد جان صاحب خود ایک بڑی جماعت کے روحانی پیشوا تھے لیکن وہ حضرت اقدس کی مجلس میں نہایت اخلاص و ارادت کے ساتھ دو زانو ہو کر باادب بیٹھتے اور عقیدت مند مریدوں کی طرح آپ کے کلمات طیبات سنتے اور فیض اٹھاتے۔ یہی حال پیر سراج الحق صاحب نعمانی کا تھا۔ حضرت کی مجلس میں ہر قسم کے دینی مسائل کا تذکرہ ہوتا تھا اور حضور بڑی دیر تک حقائق و معارف کے خزانے لٹاتے اور لوگ مالا مال ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور

نے اس امر پر لطیف روشنی ڈالی کہ ایمان اور یقین لانے کا فائدہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ کچھ اخفاء بھی ہو اگر معاملہ ایسا صاف اور روشن ہو جائے جیسا کہ نصف النہار کے وقت ہوتا ہے اس وقت ایمان لانے کا ثواب نہیں ہوتا۔ اجر اسی وقت ہے کہ یُؤمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے مطابق کچھ غیوبت بھی ہو اور ایمان لایا جائے ایک دن کسی شخص کے سوال پر حضور نے مسئلہ توحید پر تقریر فرمائی جو کئی گھنٹے تک جاری رہی۔ حضور کی اعجازی تقریروں میں روحانیت کا دریا بہتا ہوا نظر آتا تھا اور کسی کو آج تک ان آسمانی علوم و حقائق و نکات سننے یا پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اسی دوران میں شہر کے بعض علماء مثلاً مولوی عبدالقادر صاحب نے بھری مجلس میں حضور سے استدعا کی کہ حضور ان کی بیعت قبول فرمائیں۔ مگر حضور نے بلا تأمل جواب دیا۔ "لست بمامور" (میں مامور نہیں ہوں) اور پھر اس مجلس میں ٹھہرنا ہی گوارا نہ فرمایا۔ اور فوراً باہر سیر کے لئے چل دیئے۔ حضرت کے اس طرز جواب پر آپ کے ارادتمند دل مسوس کر رہ گئے۔ مگر جواب مختصر ہونے کے باوجود ہر پہلو سے مکمل تھا اس لئے پھر کسی کو آپ کے سامنے بیعت کی درخواست کرنے کی جرات نہیں ہو سکی۔ حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ اور میر عباس علی صاحب نے بعد کو مولوی عبدالقادر صاحب سے کہا آپ بہت سادہ ہیں ایسی بات علیحدگی میں کرنا چاہیے تھی۔

لدھیانہ میں معمول

قیام لدھیانہ کے دوران میں حضرت اقدس اپنے معمول کے مطابق اکثر سیر کو بھی تشریف لے جاتے تھے ایک مرتبہ جنگل میں نماز عصر کا وقت آگیا۔ عرض کیا گیا نماز کا وقت ہو گیا ہے آپ نے فرمایا بہت اچھا یہیں پڑھ لیں۔ غرض وہیں مولوی عبدالقادر صاحب نے نماز پڑھائی۔

ٹمپرنس سوسائٹی میں تقریر کرنے سے انکار

لدھیانہ میں ٹمپرنس سوسائٹی کا جلسہ تھا جس میں حضور نے بھی شرکت فرمائی۔ مختلف فرقوں کے لوگ جمع تھے حاضرین نے آپ سے تقریر کے لئے پرزور درخواست کی مگر آپ نے منظور نہ فرمایا۔ جب اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے اور آپ سے انکار کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا اگر میں تقریر کرتا تو ضرور تھا کہ میں بیان کرتا کہ شراب سے روکنے والوں کے سردار محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جن کے ذکر کی یہ لوگ اجازت نہ دیتے اور میری کیفیت یہ ہے کہ میں اس تقریر کو جس میں میرے آقا کا نام لیا جانے کی اجازت نہ ہو پسند نہیں کرتا۔

واپسی

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام تین چار روز تک علم و عرفان کی بارش برساتے اور اہل لدھیانہ کی روحانی تشنگی بجھاتے ہوئے واپس قادیان تشریف لے گئے۔ [11]

لدھیانہ کا دوسرا سفر لدھیانہ کے اس اولین سفر کے بعد حضور کو میر عباس علی صاحب کی عیادت کے لئے اسی سال ۱۴۔ اکتوبر کو دوبارہ لدھیانہ تشریف لانا پڑا۔ حضور نے اس دفعہ قبل از وقت محض سرسری سی اطلاع دی تھی تاہم قاضی خواجہ علی صاحب مولوی عبدالقادر صاحب اور نواب علی محمد خان صاحب آف جھجر حضورؑ کے استقبال کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے۔ حضور کا قیام بہت مختصر تھا۔ صرف دو ایک دن آپ ٹھہرے اور سنت نبوی (ﷺ) کی تعمیل میں عیادت کا اسلامی فریضہ ادا کرنے کے بعد قادیان واپس تشریف لائے۔ [۱۷]

سفر مالیر کوٹلہ نواب محمد ابراہیم علی خاں صاحب آف مالیر کوٹلہ کو ان دنوں اپنے بڑے بیٹے عشق علی خان کی وفات وغیرہ صدمات کی وجہ سے خلل دماغ کا عارضہ لاحق تھا اور انہوں نے ریاستی امور سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی ان کی والدہ صاحبہ کو حضرت اقدس کی آمد کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے یہ موقعہ غنیمت سمجھتے ہوئے آپ سے اپنے ہاں تشریف لانے اور اپنے بچے کی شفایابی کے لئے دعا کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ حضور قاضی خواجہ علی صاحب کی شکرم میں بیٹھ کر میر عنایت علی صاحب اور دوسرے آٹھ دس خدام کے ہمراہ مالیر کوٹلہ تشریف لے گئے اور دعا کرتے ہی لدھیانہ پلٹ آئے۔ میر عنایت علی صاحبؓ کا بیان ہے کہ "اس وقت تک ابھی مالیر کوٹلہ کی ریل جاری نہیں ہوئی تھی۔ میں بھی حضور کے ہمرکاب تھا۔ حضرت صاحب نے یہ سفر اس لئے اختیار کیا تھا کہ بیگم صاحبہ یعنی والدہ نواب ابراہیم علی خان صاحب نے اپنے اہلکاروں کو لدھیانہ بھیج کر حضرت صاحب کو بلایا تھا کہ حضور مالیر کوٹلہ تشریف لا کر میرے لڑکے کو دیکھیں اور دعا فرمائیں کیونکہ نواب ابراہیم علی خاں کو عرصہ سے خلل دماغ کا عارضہ ہو گیا تھا۔ حضرت صاحب لدھیانہ سے دن کے دس گیارہ بجے قاضی خواجہ علی صاحب کی شکرم میں بیٹھ کر تین بجے کے قریب مالیر کوٹلہ پہنچے اور ریاست کے مہمان ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو بیگم صاحبہ نے اپنے اہلکاروں کو حکم دیا کہ حضرت صاحب کے لئے سواریاں لے جائیں تاکہ آپ باغ میں جا کر نواب صاحب کو دیکھیں مگر حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہمیں سواری کی ضرورت نہیں ہم پیدل ہی چلیں گے۔ چنانچہ آپ پیدل ہی گئے اس وقت ایک بڑا ہجوم لوگوں کا آپ کے ساتھ تھا۔ جب آپ باغ میں پہنچے تو مع اپنے ساتھیوں کے ٹھہر گئے نواب صاحب کوٹھی سے باہر آئے اور پہلی دفعہ حضرت صاحب کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے لیکن پھر آگے بڑھ کر آئے اور حضرت صاحب سے السلام علیکم کیا اور کہا کہ کیا براہین کا چوتھا حصہ چھپ گیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ابھی تو نہیں چھپا مگر انشاء اللہ عنقریب چھپ جائے گا۔ اس کے بعد نواب صاحب نے کہا کہ آیئے اندر بیٹھیں۔ چنانچہ حضرت صاحب اور نواب صاحب کوٹھی کے اندر چلے گئے اور قریباً آدھ گھنٹہ اندر

رہے۔ چونکہ کوئی آدمی ساتھ نہ تھا اس لئے ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ اندر کیا کیا باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد حضرت صاحب مع سب لوگوں کے پیدل ہی مسجد کی طرف چلے گئے اور نواب صاحب بھی سیر کے لئے باہر چلے گئے۔ مسجد میں پہنچ کر حضور نے فرمایا کہ سب لوگ پہلے وضو کریں اور پھر دو رکعت نماز پڑھ کر نواب صاحب کی صحت کے واسطے دعا کریں کیونکہ یہ تمہارے شہر کے والی ہیں۔ اور ہم بھی دعا کرتے ہیں۔ غرض حضرت اقدسؑ نے مع سب لوگوں کے دعا کی اور پھر اس کے بعد لدھیانہ واپس تشریف لے آئے اور باوجود اصرار کے مالیر کوٹلہ میں اور نہ ٹھہرے [۱۳]

سفر انبالہ' پٹیالہ و سنور

۱۸۸۴ء میں حضرت نے انبالہ چھاؤنی کا سفر اختیار فرمایا جہاں آپ کے خسر حضرت میر ناصر نواب صاحب مقیم تھے۔ سنور کے مخلصین کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضور کی خدمت میں غلام قادر صاحب (ولد اللہ بخش) عبدالرحمٰن صاحب (ولد اللہ بخش) اور منشی عبداللہ صاحب سنوری پر مشتمل ایک وفد بھجوایا تا حضور کو سنور تشریف لانے کی دعوت دیں۔ چنانچہ منشی عبداللہ صاحب سنوری کی درخواست پر حضور واپسی کے وقت سنور تشریف لے گئے۔ رستہ میں پٹیالہ میں بھی مختصر سا قیام فرمایا۔ آپ پٹیالہ سٹیشن پر پہنچے تو بے شمار لوگ آپ کی زیارت کے لئے موجود تھے۔ وزیر الدولہ مدیر الملک خلیفہ سید محمد حسن صاحب خان بہادر سی آئی ای وزیر اعظم [۱۴] پٹیالہ نے جو آپ کے خاص ارادت مندوں میں سے تھے آپ کو شاہی بگھی میں بٹھایا اور اپنی کوٹھی میں لے گئے۔ حضرت اقدس نے پٹیالہ کے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے ایک مختصر تقریر بھی فرمائی اور کہا کہ یہ تمہارے وزیر شیعہ نہیں ہیں اہل سنت والجماعت میں سے ہیں ان کے لئے تم بھی دعا کرو میں بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کا خاتمہ بالخیر کرے اس کے بعد حضرت نے حاضرین سمیت ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور بگھی پر سوار ہو کر سنور تشریف لے گئے۔ دوپہر کا کھانا تناول فرمانے کے بعد ظہر و عصر کی نمازوں کے لئے مسجد شیخاناں گئے۔ خدام نے حضرت اقدس سے بار بار عرض کیا کہ آپ نماز پڑھائیں مگر آپ نے یہی جواب دیا کہ اس مسجد کا امام جماعت کرائے۔ آخر کار حد درجہ اصرار ہوا تو پھر آپ ہی نے نماز پڑھائی۔ حضرت اقدس نے منشی عبداللہ صاحب سنوری کے گھر کو بھی اپنے قدم مبارک سے برکت بخشی اس وقت منشی صاحبؓ کے دادا محمد بخش صاحب بقید حیات تھے انہیں حضرت اقدس سے مصافحہ کا شرف بھی حاصل ہوا۔ بعد ازاں پٹیالہ سے ہوتے ہوئے واپس انبالہ چھاؤنی روانہ ہو گئے [۱۵]۔ اس سفر میں منشی عبداللہ صاحب سنوریؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

حواشی

۱۔ جماعت لدھیانہ کے روح رواں اور حضرت اقدس کے قدیم عشاق میں سے تھے حضرت نے "ازالہ اوہام" صفحہ ۷۹۳-۷۹۴ میں اپنے مخلصین کا تذکرہ کرتے ہوئے انکے متعلق تحریر فرمایا ہے "اس عاجز کے ایک منتخب دوستوں میں سے ہیں۔ محبت و خلوص و وفا و صدق و صفا کے آثار ان کے چہرہ پر نمایاں ہیں خدمت گزاری میں ہر وقت کھڑے ہیں...... اور ایام سکونت لدھیانہ میں جو چھ چھ ماہ تک بھی اتفاق ہوتا ہے ایک بڑا حصہ مہمانداری کا خوشی کے ساتھ وہ اپنے ذمے لے لیتے ہیں اور جہاں تک ان کے قبضہ قدرت میں ہے وہ ہمدردی اور خدمت اور ہر ایک قسم کی غمخواری میں کسی بات سے فرق نہیں کرتے"۔ لدھیانہ سے مالیر کوٹلہ تک ان کی شکر میں چلتی تھیں عمر کے آخر میں قادیان آگئے تھے اور مہتمم لنگر خانہ کے فرائض نہایت درجہ استقلال و امانت سے سنبھال لئے۔ ۲۴ اگست ۱۹۱۲ء کو لدھیانہ میں فوت ہوئے اور بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے (الحکم ۷، ۱۴۔ ستمبر ۱۹۱۲ء، ۲۸۔ اگست ۱۹۳۵ء)

۲۔ "انقلاب" ۱۸۵۷ء کے بعد ترک وطن کر کے لدھیانہ میں جاگزیں ہو گئے حضرت اقدس کے بڑے فدائی تھے ایک مرتبہ انہوں نے حضور کی خدمت میں ایک خط اور منی آرڈر بھجوایا جس کے متعلق قبل از وقت حضور کو خدا تعالیٰ نے اطلاع دے دی جو انکے اخلاص پر ایک آسمانی شہادت تھی۔ وفات ۱۸۹۱ء (الحکم ۳۱۔ مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۹)

۳۔ حکیم محمد عمر صاحب کے والد ماجد ا آپ نے ۳۱۔ دسمبر ۱۹۲۰ء کو ۸۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ کو قبول صداقت کے بعد بہت سی مالی اور اعزازی قربانیاں دینی پڑیں۔ مگر آپ مضبوط چٹان کی طرح اپنے عقیدہ پر تادم آخر مستحکم رہے۔ ۳۱۳۔ اصحاب کبار میں آپ کا نام ۱۳۱ نمبر پر ہے سیدنا حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے آپ کو بیعت لینے کی بھی اجازت دے رکھی تھی۔ (الفضل ۲۰-۱۷۔ اپریل ۱۹۲۲ء)

۴۔ کابل کے مشہور شاہی خاندان درانی سے تعلق رکھتے تھے اور شاہ شجاع کی نسل میں سے تھے۔ اس خاندانی عظمت کے باوجود ان کی پوری زندگی توکل سے معمور درویشی میں گزری۔ خلافت ثانیہ کے آغاز میں جب حضرت مصلح موعود نے وقف زندگی کی تحریک فرمائی تو حضرت شہزادہ صاحب نے اپنا مکان فروخت کر دیا اور اپنے خرچ پر تبلیغی جہاد پر جانے کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ اس وقت آپ کو بھجوایا نہ جاسکا اور جب کچھ عرصہ بعد انہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ایران جانے کا ارشاد فرمایا تو وہ روپیہ خرچ کر چکے تھے۔ لیکن انہوں نے اس امر کا اشارۃً بھی اظہار کرنا گوارا نہیں کیا۔ اور اسی بے سروسامانی کی حالت میں ایران کی طرف چل دیئے۔ اور پیرانہ سالی اور کس مپرسی کے باوجود چار سال تک تبلیغ حق میں مصروف عمل رہے اور اسی جہاد میں اپنی زندگی ختم کر دی۔ اور ۲۳۔ فروری ۱۹۲۸ء کو انتقال فرمایا۔ آپ کی شہادت کی خبر پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے فرمایا کہ قسطنطنیہ خوش قسمت ہے کہ وہ حضرت ایوب انصاریؓ کا مدفن بنا۔ اور ایران کو یہ فخر نصیب ہوا کہ وہاں خدا نے ایک ایسے شخص کو وفات دی جسے لوگ اس کی زندگی میں ولی اللہ کہتے تھے۔ (الفضل ۷-۲۔ مارچ ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۔ الحکم نمبر ۲۶ تا ۳۶ جلد ۳۷-۳-۱۹۳۴ء۔ الفضل ۲۸۔ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۸۶)

۵۔ مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ ۷۲ ناشر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب دسمبر ۱۹۰۸ء انوار احمدیہ مشین پریس قادیان

۶۔ قادیان کے ایک نیک مزاج مولوی صاحب ا حضرت اقدسؑ سے ان کا گہرا تعلق تھا اور وہی مسجد اقصیٰ کے اولین امام تھے ان کا ایک بھائی غفارا جو بالکل جاہل تھا بعض اوقات حضور کی خدمت میں رہتا تھا۔ (سیرت المہدی حصہ اول۔ طبع ثانی۔ صفحہ ۲۲۰-۲۲۱)

۷۔ بیعت اولیٰ کی تاریخی تقریب میں نویں نمبر پر بیعت کی اور اپنے چچا اور خسر میر عباس علی صاحب کے ارتداد کے باوجود آخر دم تک حق و صداقت کے پرجوش داعی و علمبردار رہے۔ بڑے مستجاب الدعوات اور صاحب کشف تھے۔ لدھیانہ کے سجادہ نشینوں میں سے تھے۔ خانقاہ کے ساتھ کافی زمین ورثہ میں پائی تھی۔ مگر آپ وہاں کبھی جا کر کھڑے بھی نہیں ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خانقاہ کے جاروب کش ہی مالک بن بیٹھے مریدوں سے اکثر فرمایا کرتے کہ ہم تو خود اصل سرکار کے مرید ہیں۔ ولادت ۱۸۵۸ء، وفات ۳۔ ستمبر ۱۹۴۳ (الفضل ۲۱، ۲۲۔ ستمبر ۱۹۴۳ء صفحہ ۳)

۸- حضرت اقدس کے قدیم اور درویش طبع صحابی جو طبیب بھی تھے اور خوش الحان واعظ بھی۔ سفر نصیبین کے لئے جو وفد حضرت مسیح موعودؑ نے تجویز فرمایا تھا اس کے ایک رکن آپ بھی نامزد ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حکم سے آپ کو ہندوستان کے مختلف مقامات پر پیغام احمدیت پہنچانے کا موقعہ ملا۔ حضرت خلیفہ اولؓ کی وفات کے بعد حضور ہی کے جاری کردہ مطب میں بیٹھ گئے اور ربع صدی سے زائد عرصہ تک اپنے مایہ ناز استاد (حضرت خلیفہ اولؓ) کے چشمہ حکمت سے مخلوق خدا کو فیض یاب کیا۔ راولپنڈی میں ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو اپنے مولائے حقیقی سے جاملے۔ (الفضل ۲۔ نومبر ۱۹۴۸ء اور ۹۔ جنوری ۱۹۴۹ء)

۹- ایک قسم کا پشمینہ کا کپڑا جو مل کر ملائم کیا جاتا ہے۔ (فرہنگ آصفیہ)

۱۰- "روایات صحابہ" (غیر مطبوعہ) جلد ہشتم صفحہ ۲۸۴-۲۸۵۔

۱۱- الحکم ۱۴۔ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ الحکم ۷۔ مارچ ۱۹۲۰ء صفحہ ۱۔ ۳ "سیرت المہدی" حصہ اول طبع ثانی صفحہ ۱۴۵ تا ۱۴۷"۔ "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۳۴۔ صفحہ ۹۹-۱۰۰۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ہفتم صفحہ ۱-۲۔ الحکم ۲۱ مئی تا ۱۴ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۸، ۹ "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد یازدہم صفحہ ۳۵۷ روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد پنجم صفحہ ۸۴۔

۱۲- حیات احمد جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۱۹، صفحہ ۲۰

۱۳- سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۲۷، ۲۸ اور روایات صحابہ "جلد اول صفحہ ۱۲۱، ۱۲۲ حیات احمد جلد دوم نمبر سوم صفحہ ۴۲، ۴۳ از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی مطبوعہ اسلامی پریس حیدر آباد دکن دسمبر ۱۹۵۱ء

۱۴- ولادت ۱۸۳۰ء وفات ۱۸۹۵ء آپ کا شمار روشن خیال اہل قلم میں ہوتا ہے آپ نے ۱۸۸۹ء میں قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کے ثبوت میں "اعجاز التنزیل" کے نام سے ایک مبسوط کتاب شائع کی جو آپ کے علمی ذوق کی آئینہ دار ہے۔

۱۵- "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۱۱ صفحہ ۲، ۳ "مکتوبات بنام مولوی عبد اللہ صاحب سنوری" صفحہ ۴۹ "لائف آف احمد" مرتبہ مولانا عبد الرحیم صاحب درد صفحہ ۱۰۱۔

دوسری شادی، مبشر اولاد اور ایک نہایت مبارک اور مقدس خاندان کی بنیاد

دنیا میں اسلام کے عالمگیر نظام روحانی کے قیام اور امام عصر حاضر کے لائے ہوئے آسمانی انوار و برکات کو جہان بھر میں پھیلا دینے کے لئے ازل سے یہ مقدر تھا کہ ہندوستان کے صوفی مرتاض اور ولی کامل حضرت خواجہ محمد ناصر کی نسل سے ایک پاک خاتون مہدی موعود کی عقد زوجیت میں آئیگی جس کے نتیجہ میں ایک نہایت مبارک اور مقدس خاندان کی بنیاد رکھی جائے گی جو خدا کے دین کا جھنڈا بلند کر کے کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گا اور نہایت شان و شوکت سے قیامت تک سرسبز رہے گا۔

چنانچہ اٹھارھویں صدی کے آغاز میں خود حضرت خواجہ محمد ناصر رحمتہ اللہ علیہ (ولادت ۱۶۹۳ء وفات ۲۹- اپریل ۱۷۵۸ء) کو برسوں کی سخت ریاضتوں اور مجاہدات کے بعد ایک مکاشفہ میں حضرت امام حسنؓ کی روح نے خبر دی کہ "**نانا جان نے مجھے خاص اس لئے تیرے پاس بھیجا تھا کہ میں تجھے معرفت اور ولایت سے مالا مال کر دوں۔ یہ ایک خاص نعمت تھی جو خانوادہ نبوت نے تیرے واسطے محفوظ رکھی تھی۔ اس کی ابتداء تجھ پر ہوئی ہے اور انجام اس کا مہدی علیہ الصلوۃ والسلام پر ہوگا**" [1] سو جب اس موعود نعمت کے عطا ہونے کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بار بار اطلاع دی کہ ہم تیرے اب وجد کے سلسلے کو منقطع کر کے تجھ سے ایک نئی نسل اور نئے خاندان کی ابتدا کرنے والے ہیں بلکہ آپ کو قبل از وقت یہ بھی بتا دیا گیا کہ آپ کی یہ دوسری شادی دلی کے ایک مشہور سادات خاندان میں مقدر ہے۔ حضرت ایک عرصہ سے عملاً تجرد کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور مسلسل علمی مشاغل شب بیداری کے باعث ضعف قلب و دماغ، ذیابیطس اور دوران سر وغیرہ امراض سے طبیعت انتہا درجہ کمزور ہو چکی تھی۔ عمر پچاس سال تک پہنچ رہی تھی جو ہمارے ملک کی اوسط عمر کے مطابق پیرانہ سالی میں شمار ہوتی ہے اور اقتصادی مشکلات اور اہل خاندان کی مخالفت الگ ایک مستقل مصیبت تھی ان حالات میں جب کہ شادی کی راہ میں قدم قدم

پر ایسے موانع تھے۔ کہ آپ کو ازدواجی زندگی میں قدم رکھنے کی جرات نہیں ہو سکتی تھی لیکن چونکہ خدائی منشاء میں نکاح ثانی کا ہونا ضروری تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے (غالباً ۱۸۸۱ء میں آپ کو نئی شادی کی تحریک فرمائی اور یہ خوشخبری بھی دی کہ تمہیں تشویش کی قطعاً ضرورت نہیں۔ شادی کا سب سامان ہم اپنے دست قدرت سے کریں گے۔ چنانچہ آپ کو الہام ہوا۔

ہرچہ باید نو عروسے راہماں ساماں کنم
واں چہ مطلوب شما باشد عطائے آں کنم

یعنی جو کچھ دلہن کے لئے فراہم ہونا چاہیے وہ میں فراہم کرونگا اور تمہاری ہر ایک ضرورت پوری کروں گا۔ [۲] اس خدائی بشارت کے تین سال بعد نومبر ۱۸۸۴ء میں خواجہ محمد ناصر رحمتہ اللہ علیہ کے خاندان میں حضرت میر ناصر نواب صاحب دہلوی کے ہاں آپ کی دوسری شادی ہوئی اور ان کی دختر نیک اختر نصرت جہاں بیگمؓ [۳] "خدیجہ" بن کر آپ کے حرم میں داخل ہوئیں اور لاکھوں مومنوں کی روحانی ماں ہونے کی وجہ سے "ام المومنین" کا ابدی خطاب پایا۔

حضرت اقدس کی دوسری شادی کا یہ خدائی سامان اس طرح ہوا کہ حضرت میر ناصر نواب صاحب ۱۸۷۶ء سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارادت مندوں میں شامل اور آپ کی خدانما شخصیت کے مداح تھے۔ جب "براہین احمدیہ" شائع ہوئی تو انہوں نے بھی اس کا ایک نسخہ خریدا اور پھر جذبات عقیدت میں چند امور کے لئے حضرت سے دعا منگوانے کے لئے خط لکھا جن میں سے ایک امر یہ بھی تھا کہ دعا کریں مجھے خدا تعالیٰ نیک اور صالح داماد عطا فرمائے۔ اس وقت چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئے رشتہ کی تحریک ہو چکی تھی اور یہ بھی بتایا جا چکا تھا کہ رشتہ دلی کے عالی نسب سادات خاندان میں مقدر ہے اس لئے جب حضرت میر صاحب کا یہ خط پہنچا تو حضور نے خداداد فراست سے درخواست دعا کو خدائی اشارہ پا کر انہیں جواب دیا۔ کہ میرا تعلق اپنی بیوی سے عملاً منقطع ہے اور میں اور نکاح کرنا چاہتا ہوں مجھے اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا ہے کہ جیسا تمہارا عمدہ خاندان ہے ایسا ہی تم کو سادات کے معزز خاندان میں سے زوجہ عطا کروں گا تمہیں کچھ تکلیف نہ ہوگی۔ نیز یہ بھی لکھا کہ تا تصفیہ اس امر کو مخفی رکھیں اور رد کرنے میں جلدی نہ کریں۔ حضرت میر صاحب جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے کہ انہیں کوئی نیک اور صالح داماد عطا ہو یہ جواب پڑھ کر گہرے فکر میں پڑ گئے اور کچھ تامل کیا کیونکہ اول تو ان کی بیٹی ۱۷/۱۸ سال کی تھیں اور حضرت کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ تھی۔ دوسرے پہلی بیوی اور دو بچے بھی موجود تھے۔ خاندان بھی دوسرا تھا اور تمدنی ماحول کی پیچیدگیاں الگ نظر آ رہی تھیں بایں ہمہ خدا نے یہ تصرف کیا کہ حضرت کی نیکی اور نیک مزاجی پر نظر کر کے انہوں نے اپنے دل میں یہ پختہ

فیصلہ کرلیا کہ اسی نیک مرد سے میں اپنی دختر نیک اختر کا رشتہ کروں گا۔ تاہم انہوں نے اس ڈر کی وجہ سے کہ مبادا انکی اہلیہ صاحبہ انکار کردیں اس خط کا مضمون اپنے تک محدود رکھا اور ان سے ذکر تک نہیں کیا۔ دل کی بات دل ہی میں رہ گئی۔ اس کے بعد حضرت میر صاحب ملازمت کے سلسلہ میں ضلع لاہور سے منتقل ہو کر چند ماہ کے لئے پٹیالہ اور مالیر کوٹلہ میں قیام فرماتے ہوئے ملتان گئے اور پھر ملتان سے رخصت پر اپنے وطن دلی جا پہنچے اس عرصہ میں کئی جگہ سے رشتہ کے پیغام آتے رہے اور سلسلہ جنبانی ہو رہا تھا۔ لیکن خدا کی شان خود ان کی اہلیہ محترمہ یعنی حضرت نانی اماں سید بیگم صاحبہ کی کسی جگہ تسلی نہیں ہوئی [۶] - حالانکہ پیغام دینے والوں میں بعض بڑے اچھے اچھے آسودہ حال بھی تھے اور بہت اصرار کے ساتھ درخواست کرتے تھے حضرت نانی اماں کے بیان کے مطابق اس دوران میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام بھی زیر تجویز آیا لیکن وہ عمر کے تفاوت اور خصوصاً پنجاب والوں کے خلاف دہلوی تعصب کی وجہ سے یہاں بھی مطمئن نہ ہو سکیں۔ مگر اب جو حضرت میر صاحب دلی آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلی ارادے کی تکمیل کے لئے خود ہی حضرت نانی اماں کا شرح صدر کردیا۔ ایک دن نانی اماں سے رشتہ کی بابت تذکرہ جاری تھا کہ حضرت میر صاحب نے ایک لدھیانہ کے باشندہ سے متعلق کہا کہ اس کی طرف سے بہت اصرار سے درخواست ہے اور ہے بھی وہ اچھا آدمی۔ اسے رشتہ دے دو۔ انہوں نے اس کی ذات وغیرہ دریافت کی۔ تو انہوں نے صاف انکار کردیا۔ جس پر حضرت میر صاحب نے خفگی کے لہجے میں کہا لڑکی اٹھارہ سال کی ہوگئی ہے کیا ساری عمر اسے یونہی بٹھا چھوڑو گی؟ حضرت نانی اماں نے جواب دیا کہ "ان لوگوں سے تو پھر غلام احمد ہی ہزار درجہ اچھا ہے"۔ حضرت میر صاحب نے جو اس سنہری موقع کے بے تابی سے منتظر تھے جھٹ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خط نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ "لو پھر مرزا غلام احمد کا بھی خط آیا ہوا ہے جو کچھ ہو ہمیں اب جلد فیصلہ کرنا چاہیے"۔ حضرت نانی اماں نے کہا کہ "اچھا پھر غلام احمد کو لکھ دو"۔ چنانچہ حضرت میر صاحب نے اسی وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خط لکھ دیا اور نکاح کا دن (حضرت ام المومنینؓ کی روایات کے مطابق) ۲۶- محرم ۱۳۰۲ھ مقرر کردیا۔ جسے حضرت مسیح موعود کے ایماء پر ۲۷- محرم ۱۳۰۲ھ بروز سوموار (مطابق ۱۷- نومبر ۱۸۸۴ء) کردیا گیا۔

حضرت مسیح موعود کی برات دلی میں اور واپسی

تاریخ طے پاگئی تو آسمانی دولہا یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام دلی جانے کے لئے حافظ حامد علی صاحبؓ اور لالہ ملاوامل صاحب کی معیت میں لدھیانہ سٹیشن پر وارد ہوئے۔ جہاں لدھیانہ کے مخلصین حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ اور ان کے فرزند صاحبزادہ پیر

منظور محمد صاحبؓ اور صاجزادہ پیر افتخار احمد صاحبؓ ' میر عباس علی صاحب اور دوسرے حضرات موجود تھے حضرت صوفی صاحبؓ نے ایک تھیلی جس میں کچھ رقم تھی آپ کی نذر کی۔ حضرت اقدس نے یہاں میر عباس علی صاحب سے برات میں شمولیت کی خواہش ظاہر فرمائی مگر انہوں نے خرابی صحت کا عذر کر کے معذرت کر دی۔ اور آپ دو خدام کی مختصر سی برات لے کر دلی پہنچے۔ خواجہ میر دردؒ کی مسجد میں عصر و مغرب کے درمیان مولوی سید نذیر حسین صاحب ۵ دہلوی نے گیارہ سو روپیہ مہر پر نکاح پڑھا جو ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتے تھے۔ اور ڈولی میں بیٹھ کر آئے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس موقعہ پر مولوی صاحب کو ایک مصلیٰ اور پانچ روپے بطور ہدیہ دیئے حضرت میر صاحب نے رشتہ کا معاملہ اپنے خاندان بلکہ اپنی والدہ ماجدہ وغیرہ سے بھی مخفی رکھا تھا۔ حضرت پہنچے تو انہیں بھی خبر ہو گئی اور وہ بھڑک اٹھے کہ ایک بوڑھے شخص اور پھر پنجابی کو رشتہ دے دیا ہے۔ اور کئی افراد خاندان تو اسی غصہ اور ناراضی میں نکاح میں شامل نہیں ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نکاح کے اخراجات کے لئے منشی عبد الحق صاحب اکونٹنٹ سے پانچ سو روپیہ بطور قرض لے لیا تھا (جسے انہوں نے بعد میں "سراج منیر" کی اشاعت کی مد میں دے دیا) اور دو تین سو کی رقم حکیم محمد شریف صاحب کلانوری نے پیش کر دی تھی۔ شادی بیاہ کے ملکی دستور کے مطابق حضور کو دلہن کے لئے قیمتی زیور اور پارچات ضرور لے جانا چاہیے تھے مگر حضرت اپنے دینی منصب کے لحاظ سے یہ تقریب اسلامی تمدن و معاشرت کی روشنی میں نہایت سادہ اور پر وقار طریق پر انجام دینا چاہتے تھے اس لئے رسم و رواج کی پابندیوں سے عجیب شان بے نیازی دکھاتے ہوئے آپ اس موقعہ پر کوئی کپڑا اور زیور ساتھ نہیں لے گئے تھے صرف ڈھائی سو روپیہ کی رقم حضرت میر صاحبؓ کے حوالے کی کہ جو چاہیں بنوالیں۔ حضرت میر صاحبؓ کی برادری نے اس طرز عمل پر سخت لے دے کی۔ کہ اچھا نکاح ہوا کہ کوئی زیور کپڑا ساتھ نہیں آیا۔ انہیں جواب دیا گیا کہ مرزا صاحب کے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ زیادہ تعلقات نہیں ہیں اور گھر کی عورتیں ان کی مخالف ہیں اور پھر وہ جلدی میں آئے ہیں اس حالت میں وہ زیور کپڑا کہاں سے بنوالاتے؟ مگر بعض برادری والے سختی پر اتر آئے اور بعض دانت پیس کر رہ گئے۔ بہر حال اس ماحول میں نکاح کے بعد رخصتانہ کی تقریب عمل میں آئی۔ جس میں تکلف یا رسم و رواج نام کو بھی نہیں تھا۔ جہیز کو صندوق میں بند کر کے کنجی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دے دی گئی اور حضور دوسرے دن حضرت سیدۃ النساء ام المومنین نصرت جہاں بیگم کو ساتھ لے کر دلی سے روانہ ہوئے اور قادیان تشریف لے آئے۔

نئی دلہن کی سسرال میں پہلی آمد پر خوشی اور طرب کے بڑے بڑے جشن منعقد کئے جاتے ہیں مگر

حضرت ام المومنین تو ایسی جگہ تشریف لائی تھیں جہاں ہر طرف بیگانے ہی بیگانے تھے - اور حضرت مسیح موعودؑ کی پہلی خوشدامن محترمہ چراغ بی بی صاحبہ کے سوا باقی سب رشتہ دار شدید مخالف اور بالخصوص اس دوسری شادی پر طیش میں آئے ہوئے تھے - زبان - طرز معاشرت اور ماحول بھی بالکل نئے تھے - پھر کجا دلی جیسا بارونق اور پینتالیس میل کی وسعتوں کو محیط ایک شاندار اور بارونق تاریخی شہر اور کجا دنیا کی آبادی سے دور ایک گمنام سا گاؤں نہ لال قلعہ نہ شاہی محلات نہ بلند وبالا مساجد - نہ پر شکوہ اور سر بفلک عمارتیں نہ بلند و بالا مینار - نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت نصرت جہاں بیگم اس عالم تنہائی میں سخت گھبرا گئیں - چنانچہ حضرت نواب مبارکہ بیگم کا بیان ہے کہ اماں جان نے ایک دفعہ ذکر فرمایا جب تمہارے ابا مجھے بیاہ کر لائے تو یہاں سب کنبہ سخت مخالف تھا - دو چار خادم مرد تھے - گھر میں عورت کوئی نہ تھی صرف میرے ساتھ فاطمہ بیگم تھیں - وہ کسی کی زبان نہ سمجھتی تھیں نہ ان کی کوئی سمجھے - شام کا وقت بلکہ رات تھی جب ہم پہنچے - تنہائی کا عالم' بیگانہ وطن - دل کی عجیب حالت تھی - اور روتے روتے میرا برا حال ہو گیا تھا - نہ کوئی اپنا تسلی دینے والا نہ منہ دھلانے والا نہ کھلانے پلانے والا - کنبہ نہ ناطہ - اکیلی حیرانی پریشانی میں آن کر اتری - کمرے میں ایک کھری چارپائی پڑی تھی جس کی پائینتی پر ایک کپڑا پڑا تھا - اس پر تھکی ہاری جو پڑی ہوں تو صبح ہو گئی -

یہ اس زمانہ کی ملکہ دو جہان کا بستر عروسی تھا اور سسرال کے گھر میں پہلی رات تھی - مگر خدا کی رحمت کے فرشتے پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ "اے کھری چارپائی پر سونے والی پہلے دن کی دلہن ادیکھ تو سہی دو جہان کی نعمتیں ہوں گی اور تو ہو گی بلکہ ایک دن تاج شاہی تیرے خادموں سے لگے ہوں گے انشاء اللہ ! صبح حضرت مسیح موعودؑ نے ایک خادمہ کو بلوا دیا اور گھر میں آرام کا سب بندوبست کر دیا"۔

بایں ہمہ حضرت ام المومنین طبعی طور پر ایک اجنبی ماحول دیکھ کر سخت حزن و ملال میں مبتلا ہو گئیں اور آشفتگی میں انہوں نے دلی خط لکھے کہ "میں سخت گھبرائی ہوئی ہوں اور شاید میں اسی غم اور گھبراہٹ سے مر جاؤں گی"۔ ان خطوط کا پہنچنا تھا کہ حضرت میر صاحب کے خاندان نے اور اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی - اور کہا کہ اگر آدمی نیک تھا تو اس کی نیکی کی وجہ سے لڑکی کی عمر کیوں تباہ کی - یہ صورت حال دیکھ کر حضرت میر صاحب اور حضرت نانی اماں بھی کچھ گھبرا گئے - چنانچہ رخصتانہ سے ایک مہینہ کے بعد حضرت میر صاحب قادیان آئے اور حضرت ام المومنین کو دلی لے گئے جب وہ دلی پہنچے تو حضرت نانی اماں نے فاطمہ بیگم سے پوچھا کہ لڑکی کیسی رہی؟ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بہت تعریف کی اور کہا کہ لڑکی یونہی شروع شروع میں اجنبیت کی وجہ سے گھبرا گئی ہو گی - ورنہ مرزا صاحب نے ان کو بہت ہی اچھی طرح سے رکھا ہے اور بہت اچھے آدمی ہیں - خود حضرت ام المئومنین نے بھی بتایا کہ

"مجھے انہوں نے بڑے آرام کے ساتھ رکھا مگر میں دہنی گھبرا گئی تھی"۔ ۶ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نکاح پر جہاں حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان اور دلی کی برادری میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی تھی وہاں خود حضرت کے بعض قدیم اور مخلص رفقاء نے بھی آپ کی صحت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پر اظہار افسوس کیا۔ چنانچہ مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی نے خط بھیجا کہ "مجھے حکیم محمد شریف صاحب کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ آپ بباعث سخت کمزوری کے اس لائق نہ تھے۔ اگر یہ امر آپ کی روحانی قوت سے تعلق رکھتا ہے تو میں اعتراض نہیں کر سکتا کیونکہ میں اولیاء اللہ کے خوارق اور روحانی قوتوں کا منکر نہیں ورنہ ایک بڑے فکر کی بات ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی ابتلا پیش آوے"۔ ۷

غرض اپنے تو ابتلاء میں پڑ گئے اور بیگانوں نے خوب کھل کر چہ میگوئیاں کیں مذاق اڑایا۔ مگر خدا نے عرش سے آپ کو ۱۸۸۶ء میں یہ جاں فزا بشارت دی کہ۔ "تیرا گھر برکت سے بھرے گا۔ اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا۔ اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہو گی اور میں تیری ذریت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا۔ مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی اور ہر ایک شاخ تیرے جدی بھائیوں کی کاٹی جائے گی اور وہ جلد لاولد ہو کر ختم ہو جائے گی اگر وہ توبہ نہ کریں گے تو خدا ان پر بلا پر بلا نازل کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ نابود ہو جائیں گے ان کے گھر بیواؤں سے بھر جائیں گے اور ان کی دیواروں پر غضب نازل ہو گا۔ لیکن اگر وہ رجوع کریں گے تو خدا رحم کے ساتھ رجوع کرے گا۔ خدا تیری برکتیں ارگرد پھیلائے گا اور ایک اجڑا ہوا گھر تجھ سے آباد کرے گا۔ اور ایک ڈراؤنا گھر برکتوں سے بھر دے گا ۸۔ تیری ذریت منقطع نہیں ہو گی اور آخری دنوں تک سرسبز رہے گی۔ خدا تیرے نام کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزت کے ساتھ قائم رکھے گا۔ اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا"۔ ۹ چنانچہ اس وعدہ کے مطابق حضرت ام المومنین کے ذریعہ سے ایک مبارک نسل کا آغاز ہوا اور آپ کے بطن مبارک سے پانچ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں پیدا ہوئیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ صاحبزادی عصمت (ولادت ۱۵۔ اپریل ۱۸۸۶ء۔ وفات جولائی ۱۸۹۱ء)
۲۔ بشیر اول (ولادت ۷۔ اگست ۱۸۸۷ء بعد از نصف شب۔ وفات ۴۔ نومبر ۱۸۸۸ء (سبز اشتہار)
۳۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ولادت ۱۲۔ جنوری ۱۸۸۹ء دس گیارہ بجے شب)
۴۔ صاحبزادی شوکت (ولادت ۱۸۹۱ء چار بجے شام۔ وفات ۱۸۹۲ء)

۵۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر صاحب ایم۔اے سلمہ ربہ (ولادت ۲۰۔اپریل ۱۸۹۳ء طلوع آفتاب کے بعد)
۶۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب (ولادت ۲۴۔مئی ۱۸۹۵ء طلوع آفتاب سے قبل)
۷۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ (ولادت ۲۔مارچ ۱۸۹۷ء پہلی رات کے نصف اول میں)
۸۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب (ولادت سہ پہر کے وقت ۱۴۔جون ۱۸۹۹ء وفات ۱۶۔ستمبر ۱۹۰۷ء)
۹۔ صاحبزادی سیدہ امتہ النصیر (ولادت ۲۸۔جنوری ۱۹۰۳ء۔وفات ۳۔دسمبر ۱۹۰۳ء)
۱۰۔ حضرت صاحبزادی امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ (ولادت ۲۵ جون ۱۹۰۴ء۔عشاء کے بعد) [۱۰]

مبارک نسل کے اس خدائی وعدہ کے علاوہ جو ۱۸۸۶ء میں عمومی رنگ میں حضرت مسیح موعودؑ کو دیا گیا آپ کا ہر بچہ قبل از وقت الہامی اطلاع اور بھاری آسمانی بشارتوں کے ماتحت پیدا ہوا۔ حضور خود فرماتے ہیں۔ "ہر ایک لڑکا جو میرے گھر میں اس بیوی سے پیدا ہوا موعود ہے"۔ [۱۱] اور اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت اُمّ المؤمنین کو شعائر اللہ یقین کرتے۔ ان کی دلداری کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "ایک دن کا ذکر ہے کہ کسی دیوار کے متعلق حضرت ام المومنین کی رائے تھی کہ یوں بنائی جائے اور مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ کی رائے اس کے خلاف تھی چنانچہ مولوی صاحب موصوف نے حضرت اقدس سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے مجھے لڑکوں کی بشارت دی اور وہ اس بی بی کے بطن سے پیدا ہوئے اس لئے میں اسے شعائر اللہ سے سمجھ کر اس کی خاطرداری رکھتا ہوں اور جو وہ کہے مان لیتا ہوں"۔ حضرت کو اپنی بصیرت اور باطنی قوتوں کی بناء پر آپ کے نام "نصرت جہاں بیگم" میں بھی خدائی نصرتوں کے انوار نظر آتے تھے اور آپ فرماتے تھے۔:

"چونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ میری نسل میں سے ایک بڑی بنیاد حمایت اسلام کی ڈالے گا۔ اور اس میں سے وہ شخص پیدا کرے گا جو آسمانی روح اپنے اندر رکھتا ہو گا۔ اس لئے اس نے پسند کیا کہ اس خاندان (میر دردؒ۔ ناقل) کی لڑکی میرے نکاح میں لاوے اور اس سے وہ اولاد پیدا کرے جو ان نوروں کو جن کی میرے ہاتھ سے تخمریزی ہوئی ہے دنیا میں پھیلا دے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح سادات کی دادی کا نام شہربانو تھا اسی طرح میری یہ بیوی جو آئندہ خاندان کی ماں ہو گی اس کا نام نصرت جہاں بیگم ہے یہ تفاؤل کے طور پر اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تمام جہان کی مدد کے لئے میرے آئندہ خاندان کی بنیاد ڈالی ہے یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ کبھی ناموں میں بھی اس کی

پیشگوئی مخفی ہوتی ہے"۔ ۱۲

جماعت کے بزرگ حضرت اقدسؑ کی زندگی میں آپ کو "ام المومنین" کہتے تھے۔ ایک دفعہ مخالف حلقوں میں آپ کے "ام المومنین" کہلانے پر طنز کیا گیا تو حضور نے فرمایا۔ "نبیوں یا ان کے اظلال کی بیویاں اگر امہات المومنین نہیں ہوتی ہیں تو کیا ہوتی ہیں؟ ۱۳ خدا تعالیٰ کی سنت اور قانون قدرت کا اس تعامل سے بھی پتہ لگتا ہے کہ کبھی کسی نبی کی بیوی سے کسی نے شادی نہیں کی ہم کہتے ہیں ان لوگوں سے جو اعتراض کرتے ہیں کہ ام المومنین کیوں کہتے ہو پوچھنا چاہیے کہ تم بتاؤ جو مسیح موعود تمہارے ذہن میں ہے اور جسے تم سمجھتے ہو کہ وہ آکر نکاح بھی کرے گا کیا اس کی بیوی کو تم ام المومنین کہو گے یا نہیں؟ مسلم میں تو مسیح موعود کو نبی ہی کہا گیا۔ اور قرآن شریف میں انبیاء علیہم السلام کی بیویوں کو مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے"۔ ۱۴

۱۹۰۵ء کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے جماعت کے برگزیدہ لوگوں کی آخری آرام گاہ کے لئے "بہشتی مقبرہ" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت ام المومنین اور اپنی مبشر اولاد کے متعلق وصیت فرمائی کہ میری نسبت اور میرے اہل و عیال کی نسبت خدا نے استثناء رکھا ہے باقی ہر ایک مرد ہو یا عورت ہو ان کو ان شرائط کی پابندی لازم ہو گی۔ اور شکایت کرنے والا منافق ہو گا"۔ ۱۵

حضرت ام المومنین اٹھارہ سال کی عمر میں نومبر ۱۸۸۴ء میں قادیان آئیں اور حضرت کے ہر دعویٰ اور ہر بات پر غیر متزلزل ایمان لائیں اور جیسا کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنی سیرت مسیح موعودؑ میں لکھا ہے۔ "سخت سے سخت بیماریوں اور اضطراب کے وقتوں میں جیسا اعتماد انہیں حضرت کی دعا پر ہے کسی چیز پر نہیں۔ وہ ہر بات میں حضرت کو صادق و مصدوق مانتی ہیں جیسے کوئی جلیل سے جلیل اصحابی مانتا ہے"۔ حضرت سیدۃ النساء حضرت اقدس کی بشارتوں سے خوش ہوتیں اور انذارات سے ترساں و لرزاں ہوتی تھیں اور حضرت اقدس کے مشن کی تکمیل اور جماعت کی ترقی بہبود اور غمگساری کے لئے تو ہمہ اوقات وقف اور سر تاپا عمل و دعا بنی رہیں۔ حضرت اقدس کا وصال ۱۹۰۸ء میں ہوا اور جماعت غیبی مصلحتوں کے مطابق خدا کے جری پہلوان اور افواج اسلام کے سپہ سالار کی براہ راست قیادت سے محروم ہو گئی مگر ان کی بدولت حضرت اقدس کے انوار و برکات کا سایہ انتالیس سال تک قادیان میں اور پانچ سال تک پاکستان میں ممتد ہو گیا۔ بلکہ دراصل خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی ان کے وجود میں زندہ رہے۔ بالآخر ۲۰، ۲۱۔ اپریل ۱۹۵۲ء ساڑھے گیارہ بجے شب آپ کی روح بھی قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور جماعت مسیح موعودؑ کی یہ مقدس

یادگار بھی کھو بیٹھی۔ اب وہی فیض بلا انقطاع حضرت خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے چشمہ صافی سے جاری ہے۔ اللھم متعنا بطول حیاتہ واطلع شموس طالعہ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سے حضرت مسیح موعودؑ کو جو مبارک نسل عطا فرمائی اسے الٰہی بشارات اور حضور کی رقت آمیز دعاؤں کے نتیجہ میں جو غیر معمولی ترقی ہوئی ہے وہ ایک خارق عادت نشان ہے جو رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔

پہلی بیوی سے حُسنِ سلوک

حضرت ام المؤمنین کا بیان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اوائل ہی سے پہلی بی بی سے بے تعلقی سی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضور کے رشتہ داروں کو دین سے سخت بے رغبتی تھی اور ان کا میلان ان کی طرف تھا اور وہ اسی رنگ میں رنگین تھیں اس لئے آپ نے ان سے خصوصی تعلقات ترک کر دیئے تھے۔

ہاں حسن معاشرت میں آپ نے کبھی فرق نہیں آنے دیا۔ اور انہیں اخراجات وغیرہ باقاعدہ دیا کرتے تھے۔ نکاح ثانی کے بعد حضرت اقدس نے انہیں کہلا بھیجا۔ اب میں نے دوسری شادی کر لی ہے اب اگر دونوں بیویوں میں برابری نہیں رکھوں گا تو میں گنہگار ہوں گا۔ اس لئے اب دو باتیں ہیں۔ یا تو تم مجھ سے طلاق لے لو اور یا مجھے اپنے حقوق چھوڑ دو۔ میں تم کو خرچ دیئے جاؤں گا انہوں نے کہلا بھیجا کہ اب میں بڑھاپے میں کیا طلاق لوں گی۔ بس مجھے خرچ ملتا رہے میں اپنے باقی حقوق چھوڑتی ہوں۔ چنانچہ حضرت اقدس نے ان کی یہ خواہش منظور فرمالی۔ اور وسط ۱۸۹۱ء تک انہیں برابر خرچ ملتا رہا۔ لیکن بعد کو جب وہ اپنے بے دین رشتہ داروں کے ساتھ حضور کی مخالفت میں کھلم کھلا شامل ہو گئیں تو حضور نے محض دینی غیرت کے تحت ان کو طلاق دے دی۔ طلاق دینے سے پہلے حضور نے ۲۔ مئی ۱۸۹۱ء کو اپنے ایک اشتہار میں انہیں مخالفانہ سرگرمیوں سے دستکش ہونے کی ہدایت فرماتے ہوئے آخری بار انتباہ بھی کیا لیکن انہوں نے کچھ پروا نہیں کی۔ تب مجبوراً حضرت اقدس کو بھی ان سے کلیتہً قطع تعلق کا فیصلہ کرنا پڑا۔ حضور نے طلاق کے بعد بھی خدمت خلق کے اسلامی تقاضوں کے مطابق انہیں اپنی نوازشوں سے محروم نہیں رکھا۔ بلکہ گاہے گاہے ضرورت کے وقت حضرت ام المؤمنین کے توسط سے انہیں امداد بھی دیتے رہے۔ چنانچہ حضرت ام المومنین ہی کی روایت ہے کہ:-

"ایک دفعہ مرزا سلطان احمد کی والدہ بیمار ہوئیں تو چونکہ حضرت صاحب کی طرف سے مجھے اجازت تھی میں انہیں دیکھنے کے لئے گئی۔ واپس آکر میں نے حضرت صاحب سے ذکر کیا کہ یہ تکلیف ہے۔ آپ خاموش رہے۔ میں نے دوسری دفعہ کہا تو فرمایا۔ میں تمہیں دو گولیاں دیتا ہوں یہ دے آؤ۔ مگر اپنی طرف سے دینا میرا نام نہ لینا۔ اور بھی بعض اوقات حضرت صاحب نے اشارۃً کنایتہً مجھ پر ظاہر کیا

کہ میں ایسے طریق پر کہ حضرت صاحب کا نام درمیان میں نہ آئے اپنی طرف سے کبھی کچھ مدد کر دیا کروں۔ سو میں کر دیا کرتی تھی"۔ [۱۷]

حواشی

۱۔ "میخانہ درد" صفحہ ۲۵ (مرتبہ سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی)

۲۔ "شحنہ حق" طبع اول صفحہ ۴۳

۳۔ حضور علیہ السلام کو اس شادی سے تین برس قبل یہ الہام ہوا تھا "اشکر نعمتی رایت خدیجتی" ("براہین احمدیہ" حصہ چہارم صفحہ ۵۵۹) یعنی میری نعمت کا شکر کر کہ تو نے میری خدیجہ دیکھی۔

۴۔ وفات ۲۳۔ نومبر ۱۹۳۲ء بعمر ۸۰ سال ۱۲۔ ۱۳ سال کی عمر میں حضرت میر صاحب سے شادی ہوئی۔ آپ کے شکم سے ۱۳ بچے پیدا ہوئے سب سے پہلے حضرت ام المومنین نصرت جہاں بیگم اور پھر پانچ بچوں کے بعد حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب اور پھر پانچ بچوں کے بعد حضرت میر محمد اسحق صاحب کی ولادت ہوئی۔ سخاوت انکسار اور مودت آپ کا طرہ امتیاز تھے ۱۸۹۴ء میں ہجرت کر کے قادیان آئیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کو جب دوران تالیف میں کسی لفظ کے متعلق تحقیق مطلوب ہوتی تو آپ کے پاس تشریف لے جاتے یا ان کو بلوا لیتے تھے۔ زبان اردو کے بارے میں حضور علیہ السلام حضرت میر صاحب سے زیادہ آپ ہی کو مستند سمجھتے تھے۔ (الفضل ۲۲۔ دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۹۔ ۱۰)

۵۔ ۱۲۲۰ھ میں سورج گڑھ ضلع بہار میں پیدا ہوئے علم حدیث کی تکمیل آپ نے شاہ محمد اسحق صاحب نبیرہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے کی۔ پاکستان کے اکثر علماء اہلحدیث کا سلسلہ استناد آپ تک پہنچتا ہے اسی لئے آپ شیخ الکل کے نام سے موسوم ہوتے ہیں ۱۸۹۷ء میں انگریزی حکومت سے شمس العلماء کا خطاب ملا۔ اور ۱۰۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔ (سیرت ثنائی صفحہ ۹۷ موج کوثر صفحہ ۵۰ طبع ثانی)

۶۔ "حیات ناصر" صفحہ ۷۔ ۹ "سیرت المہدی" حصہ اول صفحہ ۵۷۔ ۵۸ و حصہ دوم ۱۰۹۔ ۱۱۲۔ ۲۳۴ "سیرت ام المومنین" جلد اول صفحہ ۲۹۸ از شیخ محمود احمد عرفانی "لائف آف احمد" صفحہ ۱۰۳ "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۷ صفحہ ۲ و ۳۔ حیات احمد جلد دوم نمبر سوم صفحہ ۹۸۔

۷۔ "تریاق القلوب" صفحہ ۳۵ (طبع اول)

۸، ۹۔ اشتہار ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء بشمولہ "آئینہ کمالات اسلام"۔

۱۰۔ حیات احمد جلد دوم نمبر سوم صفحہ ۱۷۵ از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی "سیرت المہدی" حصہ اول صفحہ ۵۳ "سیرت المہدی" حصہ دوم صفحہ ۵۰

۱۱۔ "تریاق القلوب" طبع اول صفحہ ۷۲۔

۱۲۔ "تریاق القلوب" طبع اول صفحہ ۶۴۔ ۶۵

۱۳۔ بطور مثال ملاحظہ ہو۔ "گلدستہ کرامات" صفحہ ۸۱ (مطبع افتخار دہلی) و "اشارات فریدی" جلد اول صفحہ ۹۱ مطبوعہ مفید عام آگرہ۔ ان کتابوں میں حضرت عبدالقادر صاحب جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ اور قطب وقت حضرت جمال الدین ھانسوی کی اہلیہ کو "ام المومنین" کے خطاب سے یاد کیا گیا ہے۔

۱۴۔ الحکم ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۰۱ء۔ صفحہ ۱

۱۵۔ "الوصیت" صفحہ ۲۹۔

۱۶۔ "سیرت ام المومنین" حصہ اول و حصہ دوم۔ "سیرت المہدی" حصہ اول صفحہ ۳۴
"سیرت مسیح موعود" (از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ) حصہ سوم صفحہ ۳۶۳۔ ۳۷۴
"سیرت مسیح موعود" (از حضرت مولوی عبدالکریم صاحب)۔ "حیات احمد" جلد دوم نمبر سوم۔ صفحہ ۶۵۔ ۹۹ "محمود کی آمین"۔

ماموریت کا چوتھا سال

دعویٰ ماموریت اور نشان نمائی کی عالمگیر دعوت

(۱۸۸۵ء)

مارچ ۱۸۸۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے حکم پاکر اپنے مامور اور مجدد وقت ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے اعلان عام فرمایا کہ آپ حضرت قادر مطلق جل شانہ کی طرف سے مامور ہوئے ہیں تا نبی ناصری اسرائیلی (مسیح) کی طرز پر کمال مسکینی فروتنی و غربت و تذلل و تواضع سے اصلاح خلق کے لئے کوشش کریں۔ نیز یہ کہ آپ کو جناب الٰہی سے یہ علم بھی دیا گیا ہے کہ آپ مجدد وقت ہیں۔ اور روحانی طور پر آپ کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے بشدت مناسبت و مشابہت ہے اور آپ کو خواص انبیاء و رسل کے نمونہ پر محض بہ برکت و متابعت حضرت خیر البشر و افضل الرسل ﷺ ان بہتوں پر اکابر اولیاء سے فضیلت دی گئی ہے کہ جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں۔

ماموریت و مجددیت کے اس عظیم الشان دعویٰ کے ساتھ ہی آپ نے مذاہب عالم کے سربرآوردہ لیڈروں اور مقتدر رہنماؤں کو الٰہی بشارتوں کے تحت نشان نمائی کی عالمگیر دعوت دی کہ اگر وہ طالب صادق بن کر آپ کے یہاں ایک سال تک قیام کریں تو وہ ضرور اپنی آنکھوں سے دین اسلام کی حقانیت کے چمکتے ہوئے نشان مشاہدہ کر لیں گے اور اگر ایک سال رہ کر بھی وہ آسمانی نشان سے محروم رہیں تو انہیں دو سو روپیہ ماہوار کے حساب سے چوبیس سو روپیہ بطور ہرجانہ یا جرمانہ پیش کیا جائے گا۔ ۱

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس دعوت کی عالمگیر اشاعت کے لئے خدائی تحریک کے مطابق خاص اہتمام فرمایا۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے بیس ہزار کی تعداد میں اردو انگریزی اشتہارات شائع کئے۔

اور ایشیا یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے مذہبی لیڈروں‘ فرمانرواؤں‘ مہاراجوں‘ عالموں‘ مدبروں‘ مصنفوں اور نوابوں کو باقاعدہ رجسٹری کر کے بھجوا دیئے اور اس زمانہ میں کوئی نامور اور معروف شخصیت ایسی نہیں چھوڑی جس تک آپ نے یہ خدائی آواز نہ پہنچائی ہو۔ [2]

اس دعوت سے بیرونی دنیا میں اس وقت بظاہر [3] کوئی خاص جنبش پیدا نہیں ہوئی۔ مگر ہندوستان میں جو مذاہب عالم کا عجائب خانہ تھا۔ اس نے ایک زبردست زلزلہ پیدا کر دیا اور غیر مذاہب اس درجہ مبہوت اور دہشت زدہ ہو گئے کہ کسی کو آپ کی دعوت کے مطابق اسلام کی سچائی کا تجربہ کرنے کی جرات ہی نہ ہو سکی۔ آتھم صاحب امرتسر کے ایک منجھے ہوئے مشہور پادری تھے۔ حضرت اقدسؑ نے انہیں مولوی قطب الدین صاحب کے ذریعہ سے اشتہار بھجوایا تو پادری عماد الدین صاحب اور بعض دوسرے پادری نیز امرتسر کے بعض رؤساء مثلاً غلام حسن‘ یوسف شاہ وغیرہ بھی ان کی کوٹھی میں جمع ہوئے اور پادری آتھم اور دوسرے پادریوں کو قادیان جانے سے روک دیا۔ [4] ہندوستان کی کروڑوں کی آبادی میں سے جن لوگوں نے قادیان کی روحانی تجربہ گاہ سے آزمائش پر بظاہر رضامندی ظاہر کی وہ صرف تین تھے۔ منشی اندرمن مراد آبادی۔ پادری سوفٹ۔ پنڈت لیکھرام مگر جیسا کہ آئندہ واقعات نے کھول دیا یہ آمادگی بھی محض نمائش اور فریب تھی۔

منشی اندرمن صاحب مراد آبادی کا فرار

منشی اندرمن صاحب مراد آبادی نے اس دعوت کے جواب میں سر ہیرا سنگھ [5] سی ایس آئی مہاراجہ نابھہ کے اشارہ پر پہلے نابھہ اور پھر لاہور سے حضرت اقدس کو لکھا کہ وہ آسمانی نشان دیکھنے کے لئے ایک سال تک ٹھہرنا منظور کرتے ہیں مگر اس شرط پر کہ سات دن کے اندر اندر چوبیس سو روپیہ ان کے لئے سرکاری بینک میں بطور پیشگی جمع کرا دیا جائے۔ گو پیشگی رقم کے مطالبہ کا حضرت اقدس کی اصل دعوت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ مگر حضرت اقدس چونکہ دل سے خواہاں تھے کہ ادیان باطلہ کا کوئی علمبردار میدان امتحان میں آئے اس لئے آپ نے چند ضروری اور ناگزیر شرائط کے ساتھ ان کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا اور لاہور میں مقیم اپنے ارادتمندوں یعنی منشی عبد الحق صاحب‘ منشی الٰہی بخش صاحب اکونٹنٹ اور حافظ محمد یوسف صاحب کو فوری طور پر ہدایت فرمائی کہ وہ مطلوبہ رقم مہیا کر کے منشی صاحب کو اطلاع دیں اور آپ کا جواب بھی ان تک پہنچا دیں۔ مقررہ میعاد کے اختتام میں صرف ایک رات باقی تھی۔ اس لئے جونہی حضرت اقدس کا خط لاہور میں پہنچا۔ حافظ محمد یوسف صاحب روپیہ کی تلاش میں راتوں رات اپنے ایک اہلحدیث دوست منشی سزاوار خاں صاحب پوسٹ ماسٹر کے ہاں جنرل پوسٹ آفس میں پہنچے اور حضور کی ہدایت کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا روپیہ موجود ہے مگر گھر پر ہے میں

اس وقت جا نہیں سکتا تم چابی لے جاؤ اور جا کر روپیہ لے لو۔ اس پر حافظ صاحب ان کے گھر گئے اور ان کا پیغام دے کر چوبیس سو روپیہ لے آئے اور اپنے دوستوں سے کہا یہ مرزا صاحب کی تائید ربانی کا کھلا کھلا ثبوت ہے۔ صبح ہوئی تو یہ اصحاب مطلوبہ رقم سمیت مرزا امان اللہ صاحب منشی امیر الدین صاحب۔ خلیفہ رجب دین صاحب ۶ اور غالباً بابا محمدؐ چٹو ۷ وغیرہ لاہور کے دوسرے سرکردہ مسلمانوں کو ساتھ لے کر منشی اندر من صاحب مراد آبادی کی موعود جائے قیام پر پہنچے لیکن وفد کو یہاں آکر معلوم ہوا کہ منشی صاحب تو لاہور سے اسی روز فرید کوٹ چلے گئے ہیں۔ ۸ جس روز انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں مطلوبہ رقم کے لئے خط لکھا تھا۔

حضرت اقدس نے یہ ناشائستہ حرکت دیکھ کر ۳۰۔ مئی ۱۸۸۵ء کو ان کے فرار کا واقعہ اور اصل خط جو آپ نے وفد کے ذریعہ سے منشی صاحب کو بھجوایا بلا کم و کاست پبلک کے سامنے رکھ دیا۔ منشی اندر من صاحب نے یوں بر سر عام اپنی ذلت دیکھی تو ہندوؤں کی اشک شوئی کرنے اور اپنی شکست پر پردہ ڈالنے کے لئے بے سروپا اور مغالطہ انگیز اشتہار شائع کر ڈالا اور لکھا کہ پہلے مرزا صاحب نے خود ہی مجھ سے بحث کا وعدہ کیا اور جب میں اسی نیت سے مشقت سفر اٹھا کر لاہور میں آیا تو پھر میری طرف اس مضمون کا خط بھیجا کہ ہم بحث کرنا نہیں چاہتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دوبارہ ایک اشتہار میں بڑی تفصیل سے منشی صاحب کی عہد شکنی، کنارہ کشی اور حق پوشی پر روشنی ڈالتے ہوئے بالآخر پرمیشر کے نام پر انہیں اپیل کی کہ "اگر آپ طالب صادق ہیں تو آپ کے پرمیشر کی قسم دی جاتی ہے کہ آپ ہمارے مقابلہ سے ذرا کوتاہی نہ کریں۔ آسمانی نشانوں کے دیکھنے کے لئے قادیان میں آکر ایک سال تک ٹھہریں اور اس عرصہ میں جو کچھ وساوس عقلی طور پر آپ کے دل پر دامنگیر ہوں وہ بھی تحریری طور پر رفع کراتے جائیں۔ پھر اگر ہم مغلوب رہے تو کس قدر فتح کی بات ہے کہ آپ کو چوبیس سو روپیہ نقد مل جائے گا اور اپنی قوم میں آپ بڑی نیک نامی حاصل کریں گے"۔ حضرت اقدس نے منشی صاحب سے یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر قادیان میں ایک سال تک ٹھہرنے کی نیت سے آنے کا ارادہ ظاہر کریں تو مراد آباد سے قادیان تک کا کل کرایہ بھی انہیں بھیج دیں گے۔ اور چوبیس سو روپیہ کسی بنک سرکاری میں الگ جمع کر دیا جائے گا۔ ۹ لیکن منشی صاحب تو مہاراجہ صاحب نابھہ کے آلہ کار بن کر محض ڈرامائی انداز میں ایک شور و غوغا بلند کرنے آئے تھے۔ وہ بھلا اس دعوت کو کیسے قبول کر لیتے۔ چنانچہ حضرت اقدس کے جواب الجواب پر بالکل خاموش ہو گئے اور بظاہر یہ خط و کتابت بالکل بے نتیجہ ثابت ہوئی۔ مگر کرشمہ قدرت ملاحظہ ہو کہ اس کے چودہ پندرہ برس بعد لالہ نرائن داس صاحب پلیڈر مراد آباد کے فرزند اور منشی اندر من صاحب کے نواسے بھگوتی سہائے نے قبول اسلام کر کے آنحضرت ﷺ کی

صداقت پر مہر تصدیق ثبت کردی۔[۱۰]

پنڈت لیکھرام کی آمادگی اور مصلحت آمیز کارروائیوں کے ساتھ فرار

دوسرا شخص جس نے حضرت اقدس کی دعوت پر بظاہر آمادگی کا اظہار کیا پنڈت لیکھرام تھا۔ پنڈت لیکھرام نے امرتسر میں کسی سے حضرت اقدس کا اشتہار (مطبوعہ مطبع مرتضائی لاہور) پڑھا اور ۳۔ اپریل ۱۸۸۵ء کو منشی اندرمن جیسی ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اعلان دعوت میں خود ساختہ رنگ بھرتے اور نئے معنے ڈالتے ہوئے حضرت اقدس کی خدمت میں لکھا کہ وہ قادیان میں ایک سال تک رہنے اور نشان دیکھنے کا خواہاں ہے بشرطیکہ آپ اول بحساب دو سو روپیہ (ماہوار) کے کل ۲۴۰۰ روپیہ ایک سال کا داخل خزانہ سرکار فرمادیویں۔ اور اقرار نامہ تحریر کردیویں کہ اگر ایک سال تک آپ کی ہدایت اور آسمانی نشانات و معجزات وغیرہ سے تسلی نہ پاکر آپ کے دین کو قبول نہ کروں تو وہ مبلغان.............. مجھ کو مل جاویں اور وہ روپیہ تا انقضائے ایک سال کے خزانہ سرکاری میں مکفول رہے اس کے واپس لینے کا آپ کو اختیار نہ ہوگا"۔

دعوت نشان نمائی میں حضرت اقدس کا روئے سخن چونکہ محض غیر مذاہب کے چیدہ، منتخب اور مشہور رہنماؤں کی طرف تھا اس لئے حضور علیہ السلام نے اسے جواب دیا کہ خط مطبوعہ کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو اپنی قوم میں معزز اور سربر آوردہ ہیں۔ جن کا ہدایت پانا ملک کے ایک کثیر طبقہ پر موثر ہو سکتا ہے مگر آپ اس حیثیت اور مرتبہ کے آدمی نہیں ہیں۔ اور اگر میں نے اس رائے میں غلطی کی ہے اور آپ فی الحقیقت مقتداء و پیشوائے قوم ہیں تو صرف اتنا کریں کہ قادیان، لاہور، پشاور، امرت سر اور لدھیانہ کی آریہ سماج کی طرف سے یہ حلفیہ بیان بھجوادیں کہ یہ صاحب ہمارے پیشوا ہیں۔ اور اگر اس روحانی مقابلہ میں مغلوب ہو کر نشان آسمانی مشاہدہ کرلیں تو ہم سب بلا توقف حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے۔ پنڈت لیکھرام نے اس معقول مطالبہ کو پورا کرنے کی بجائے اخبارات میں حضور کو بدنام کرنے کی مہم شروع کردی کہ جس حالت میں میں آریہ سماج کا ایک مشہور لیڈر ہوں اور پھر طالب حق۔ تو پھر مجھے آسمانی نشان دکھانے اور اسلام کی حقیقت مشاہدہ کرانے سے کیوں محروم رکھا جاتا ہے اور کیوں چوبیس سو روپیہ دینے کی شرط پر مجھ کو قادیان میں رہ کر نشان آزمانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پنڈت لیکھرام کا یہ غایت درجہ اصرار دیکھا تو آپ نے اس کی درخواست منظور کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جہاں چاہیں۔ ۲۴۰۰ کی موعود رقم جمع کرانے کو تیار اور مستعد ہوں مگر چونکہ آپ نے دعوت نامہ کی شرائط سے تجاوز کرکے یہ رقم کسی بنک میں محفوظ کرالینے کا مطالبہ کیا ہے اسی طرح مجھے بھی حق پہنچتا ہے کہ میں بھی فقط اس لئے کہ نشان آسمانی کے دیکھنے کے بعد

کہیں اپنے مشرف باسلام ہونے کے عہد سے برگشتہ نہ ہو جائیں آپ سے اتنا ہی روپیہ کسی مہاجن کی دکان پر پیشگی جمع کرالوں تا جس کو خدا تعالیٰ فتح بخشے اس کے لئے یہ روپیہ فتح کی ایک یادگار رہے۔ نیز لکھا "یہ انتظام نہایت عمدہ اور مستحسن ہے کہ ایک طرف آپ وصولی روپیہ کے لئے اپنی تسلی کرلیں اور ایک طرف میں بھی ایسا بندوبست کرلوں کہ درحالت عدم قبول اسلام آپ بھی شکست کے اثر سے خالی نہ جانے پاویں۔ اگر آپ اسلام کے قبول کرنے میں صادق النیت ہیں تو آپ کو روپیہ جمع کرنے میں کچھ نقصان اور اندیشہ نہیں۔ کیونکہ جب آپ بصورت مغلوب ہونے کے مسلمان ہو جائیں گے تو ہم کو آپ کے روپیہ سے کچھ سروکار نہیں ہو گا۔ بلکہ یہ روپیہ تو صرف اس حالت میں بطور تاوان آپ سے لیا جاوے گا کہ جب عہد شکنی کر کے اسلام کے قبول کرنے سے گریز یا روپوشی اختیار کریں گے۔ سو یہ روپیہ بطور ضمانت آپ کی طرف سے جمع ہو گا۔ اور صرف عہد شکنی کی صورت میں ضبط ہو گا نہ کسی اور حالت میں"۔

پنڈت لیکھرام سمجھا کہ اس کے نامعقول مطالبہ کا جواب قطعی طور پر نفی میں ملے گا اور وہ اسے اچھالتے ہوئے اپنی شہرت کا موجب بنالے گا۔ مگر جب حضور نے ہر طرح آمادگی کا اظہار فرمایا اور اس کے مطالبہ کی تکمیل کے لئے ایک معقول طریق بھی سامنے رکھ دیا تو اس نے لکھا کہ "آپ کو واجب تھا کہ پہلے ہی اشتہار میں صاف لفظوں میں شرط باندھتے کہ بطور قمار باز ان کے چوبیس سو روپیہ لگایا جاوے گا۔ تا کہ شرائط کی ترمیم تنسیخ نہ کرنی پڑتی"۔ نیز لکھا "میں باز آیا محبت سے اٹھالو پاندان اپنا۔ مگر آخری اپنا فرض دوستانہ ادا کرنا بھی واجب جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ سچا مذہب خدا کی طرف سے عالمگیر ہے اور جس کی صداقت کی شعاعیں ہمیشہ آفتاب کی طرح جہان کو روشن کر رہی ہیں۔ وہ آریہ دھرم ہے۔ پس بخیال نیک نیتی کے دعوت کی جاتی ہیں کہ جس طرح اور کئی علماء و فضلاء دین محمدی اچھی طرح سوچ سمجھ کر وید مقدس پر ایمان لائے ہیں آپ کو بھی اگر صراط المستقیم پر چلنے کی دلی تمنا ہے تو صدق دلی سے آریہ دھرم کو قبول کرو"۔ [۱۱] لیکھرام کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرحلہ پر حضرت مسیح موعودؑ نے اسے جاہل سمجھ کر منہ لگانا ہی چھوڑ دیا۔ مگر تین ماہ بعد جب اس نے آپ کی خدمت میں ایک پوسٹ کارڈ لکھا تو حضرت نے جواباً لکھوایا کہ قادیان کوئی دور نہیں ہے آکر ملاقات کر جاؤ امید ہے کہ یہاں پر باہمی ملنے سے شرائط طے ہو جاویں گی۔ [۱۲]

حضرت اقدس کے خاندان کا ایک طبقہ جس میں آپ کا ایک چچازاد [۱۳] بھائی مرزا امام الدین اپنے ملحدانہ خیالات اور بے دینی میں پیش پیش تھا۔ ابتداء ہی سے نہ صرف حضور کے دعاوی و الہامات کا مذاق اڑاتا تھا بلکہ اسلام اور رسول خدا ﷺ اور قرآن مجید کے خلاف ہرزہ سرائی اس کا ایک عام

مشغلہ بن چکا تھا اس کی مقدس تعلیمات پر نشتر چلانے میں اسے ایک خاص لذت محسوس ہوتی تھی چنانچہ اب جو حضور نے نشان نمائی کی عالمگیر دعوت دی تو مرزا امام الدین نے منشی اندر من مراد آبادی اور پنڈت لیکھرام اور دوسرے دشمنان دین کی پیٹھ ٹھونکتے اور محض زبانی بیہودہ گوئی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اگست ۱۸۸۵ء میں "قانونی ہند پریس" [14] اور "چشمہ نور امرت سر" سے آپ کے خلاف نہایت گندے اشتہار شائع کئے۔ نیز جب حضرت اقدسؑ نے پنڈت لیکھرام کو قادیان آنے کی دعوت دی تو (حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کی تحقیق کے مطابق) یہ معاند اسلام خود گیا اور پنڈت لیکھرام کو قادیان [15] لے آیا۔ پنڈت لیکھرام گو بظاہر حضرت مسیح موعودؑ کی دعوت پر آیا اور اسے شرائط طے کرنے کے لئے حضرت اقدس سے بہرحال ملاقات کرنا چاہیے تھی مگر مرزا امام الدین وغیرہ کو جو محض اپنے ذوق بے دینی کی تسکین کے لئے تماشائی بنے ہوئے تھے۔ لیکھرام کا اظہار خیالات کے لئے حضرت اقدس کی مجلس میں جانا کیونکر پسند ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مرزا امام الدین نے لیکھرام کو اپنے اشاروں کے مطابق چلانے کے لئے یہ مکروہ چال چلی کہ وہ اپنے لگے بندھے بعض نام نہاد مسلمانوں مثلاً ملاں حسیناں اور مراد علی وغیرہ کے ساتھ آریہ سماج میں داخل ہو گئے اور یوں خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں "قادیان آریہ سماج" کی توسیع ہوئی۔ لیکھرام جب اس طرح مرزا امام الدین کے دام تزویر میں الجھ گیا تو اسے ہر جھوٹے اور مکروہ پروپیگنڈے کا شکار بنانا چنداں مشکل نہ تھا نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا امام الدین اور مقامی ہندوؤں کی فتنہ انگیزی سے حضرت اقدس کے خلاف لیکھرام میں دشمنی اور بغض و کینہ کے جذبات ہر لحہ شدید تر ہو گئے۔ حالانکہ ابتداء میں اس کی حالت اتنی خطرناک نہیں تھی۔ یہ تبدیلی قادیان آنے کے بعد پیدا ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں۔ "قادیان کے بعض شریر الطبع لوگوں نے اس کے دل کو خراب کر دیا اور میری نسبت بھی ان نالائق ہندوؤں نے بہت کچھ جھوٹی باتیں اس کو سنائیں تا وہ میری صحبت سے متنفر ہو جائے پس ان بد صحبتوں کی وجہ سے روز بروز وہ ردی حالت کی طرف گرتا گیا مگر جہاں تک میرا خیال ہے ابتداء میں اس کی ایسی ردی حالت نہ تھی صرف مذہبی جوش تھا جو ہر اہل مذہب حق رکھتا ہے کہ اپنے مذہب کی پابندی میں بپابندی حق پرستی و انصاف بحث کرے۔ [16] بہرحال لیکھرام کے ماحول پر مرزا امام الدین اور قادیان کے ہندو پوری طرح چھائے ہوئے تھے اس لئے وہ حضرت اقدس کی خدمت میں ملاقات کے لئے تو نہ آیا البتہ اس نے نہایت شوخی اور بے باکی کے رنگ میں حضرت اقدس سے سلسلہ خط و کتابت شروع کر دیا۔ یہ خط و کتابت اکثر بھائی کشن سنگھ اور گاہے گاہے پنڈت موہن لال' پنڈت نہال چند اور حکیم دیا رام کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ پنڈت موہن لال کا بیان ہے کہ "حضرت صاحب بڑی مہربانی فرماتے تھے اور ہنستے

ہوئے ملتے تھے اور کبھی خالی ہاتھ نہ آنے دیتے۔ ایک دفعہ حضرت صاحب نے مجھے نہایت عمدہ سیب دیئے۔ میں لے کر گیا۔ پنڈت لیکھرام کا بھی معمول ہو گیا تھا۔ کہ جب میں واپس جاتا تو ضرور پوچھتا کیا لائے ہو؟ میں نے جب کہا کہ سیب لایا ہوں تو اس نے گویا للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر کہا لاؤ لاؤ میں کھاؤں۔ میں نے ان کو ہنسی سے کہا کہ دشمن کے گھر کی چیز تم کو نہیں کھانی چاہیے۔ تو اس نے جھٹ میرے ہاتھ سے سیب لے لیا اور کھانا شروع کر دیا۔ [۱۷] لیکھرام اپنی تحریر اور مجلس میں نہایت رکیک اور سوقیانہ حملے کرتا تھا۔ مگر آپ ان کو نظر انداز کر کے تحقیقی جوابات دیتے تھے اور آپ کی پوری کوشش یہ تھی کہ وہ دیانتدارانہ روش اختیار کر کے آپ کی دعوت نشان نمائی پر رضامندی اختیار کرے۔ دوران خط و کتابت میں آپ نے اسلام کی صداقت کا قائل کرنے کے لئے اس کے سامنے اپنا وہ مخصوص علم کلام بھی پیش کیا۔ جس نے دنیائے اسلام میں زبردست انقلاب برپا کر رکھا تھا یعنی دعویٰ اور دلیل دونوں مذہبی کتاب سے پیش کرنے چاہیں۔ لیکن جب لیکھرام کے مذہبی لیڈر اور آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی کو اس جری پہلوان کے سامنے آنے کی جرات نہ ہو سکی تو لیکھرام کو کیا جرات ہوتی؟ لیکھرام ہر دفعہ نہایت چالاکی سے اس آسمانی حربہ کی زد سے بچنے کی خاطر صرف نشان دکھائے جانے کا مطالبہ دہرا دیتا اور اپنے ہزلیات کے فن میں مشاق کے جوہر دکھانے میں ہی کامیابی سمجھتا تھا۔

پنڈت لیکھرام ۱۹۔ نومبر ۱۸۸۵ء کو قادیان آیا اور کم و بیش دو ماہ [۱۸] قادیان میں رہا اس عرصہ میں اس نے مرزا امام الدین کا آلہ کار بن کر اسلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر لگاتار سوقیانہ حملے کئے۔ ایک مرتبہ تو یہاں تک نوبت آ پہنچی کہ اس کی زبان درازی کو دیکھ کر مرزا سلطان احمد صاحب ایسے مرنجان مرنج طبیعت انسان نے اسے مباحثے کا چیلنج دے دیا۔ بلکہ پورے جوش کے عالم میں ہندو بازار تک جا پہنچے۔ مگر ہندوان کی یہ جرات دیکھ کر سہم گئے اور لیکھرام کو باہر نہ نکلنے دیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ ۱۳ دسمبر کو اس نے ایک خط میں لکھا۔ "مرزا صاحب کندن کوہ (اس کے آگے ایک شکستہ لفظ تھا جو پڑھا نہیں گیا۔ ناقل) افسوس کہ آپ [۱۹] قرآنی اسپ اور اوروں کے اسپ کو خچر قرار دیتے ہیں۔ میں نے ویدک اعتراض کا عقل سے جواب دیا اور آپ نے قرآنی اعتراض کا نقل سے مگر وہ عقل سے بسا بعید ہے۔ اگر آپ فارغ نہیں تو مجھے بھی تو کام بہت ہے اچھا آسمانی نشان تو دکھا دیں اگر بحث نہیں کرنا چاہتے تو رب العرش خیر الماکرین سے میری نسبت کوئی آسمانی نشان تو مانگیں تا فیصلہ ہو"۔ حضرت اقدس نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔ "جناب پنڈت صاحب آپ کا خط میں نے پڑھا۔ آپ یقیناً سمجھیں کہ ہم کو نہ بحث سے انکار ہے اور نہ نشان دکھلانے سے مگر آپ سیدھی نیت سے طلب حق

نہیں کرتے۔ بے جا شرائط زیادہ کر دیتے ہیں۔ آپ کی زبان بد زبانی سے رکتی نہیں آپ لکھتے ہیں اگر بحث نہیں کرنا چاہتے تو رب العرش خیر الماکرین سے میری نسبت کوئی آسمانی نشان مانگیں یہ کس قدر ہنسی ٹھٹھے کے کلمے ہیں گویا آپ اس خدا پر ایمان نہیں لاتے جو بیباکوں کو تنبیہ کر سکتا ہے باقی رہا یہ اشارہ کہ خدا عرش پر ہے اور مکر کرتا ہے۔ یہ خود آپ کی ناسمجھی ہے مکر لطیف اور مخفی تدبیر کو کہتے ہیں جس کا اطلاق خدا پر ناجائز نہیں۔ اور عرش کا کلمہ خدا تعالیٰ کی عظمت کے لئے آتا ہے کیونکہ وہ سب اونچوں سے اونچا اور جلال رکھتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ کسی انسان کی طرح کسی تخت کا محتاج ہے۔ خود قرآن میں ہے کہ ہر ایک چیز کو اس نے تھاما ہوا ہے اور وہ قیوم ہے جس کو کسی چیز کا سہارا نہیں۔ پھر جب قرآن شریف یہ فرماتا ہے تو عرش کا اعتراض کرنا کس قدر ظلم ہے آپ عربی سے بے بہرہ ہیں آپ کو مکر کے معنے بھی معلوم نہیں۔ مکر کے مفہوم میں کوئی ایسا ناجائز امر نہیں ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ شریروں کو سزا دینے کے لئے خدا کے جو باریک اور مخفی کام ہیں ان کا نام مکر ہے لغت دیکھو پھر اعتراض کرو۔ میں اگر بقول آپ کے وید سے امی ہوں تو کیا حرج ہے کیونکہ میں آپ کے مسلم اصول کو ہاتھ میں لے کر بحث کرتا ہوں مگر آپ تو اسلام کے اصول سے باہر ہو جاتے ہیں صاف افتراء کرتے ہیں۔ چاہئے تھا کہ عرش پر خدا کا ہونا جس طور سے مانا گیا ہے اول مجھ سے دریافت کرتے پھر اگر گنجائش ہوتی تو اعتراض کرتے اور ایسا ہی مکر کے معنے اول پوچھتے پھر اعتراض کرتے۔ اور نشان خدا کے پاس ہیں وہ قادر ہے جو آپ کو دکھلا دے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ [۱۲۵]

پنڈت لیکھرام کم و بیش دو ماہ تک قادیان میں رہا اس عرصہ میں خط و کتابت کے نتیجہ میں یہ تبدیلی ضرور ہوئی کہ ۲۰۰ روپیہ ماہوار کی بجائے تیس روپیہ ماہانہ رقم پر آ گیا۔ مگر اس کے مقابل اس کی بدلگامی اور بیہودہ سرائی میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اور وہ اپنی ضد پر آخر وقت تک قائم رہا۔ مرزا امام الدین کا آلہ کار بن کر اسلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر سوقیانہ حملے کرتا رہا۔ پنڈت لیکھرام کی یہ مخالفانہ کارروائی سال کے آخر تک پوری طرح جاری رہی۔ اگلا سال ۱۸۸۶ء آیا تو حضرت مسیح موعودؑ پر فروری ۱۸۸۶ء میں پنڈت لیکھرام اور منشی اندر من مراد آبادی کے متعلق بعض انکشافات ہوئے مگر آپ نے خدائی منشاء کے مطابق پہلے ان ہر دو سے پوچھا کہ کیا ان کا اظہار کر دیا جائے۔ مراد آبادی صاحب تو خاموش رہے مگر لیکھرام نے افتاد طبیعت کا ثبوت دیتے ہوئے نہایت درجہ بے باکی سے تحریری اجازت بھجوا دی۔ یہی نہیں جب حضرت مسیح موعودؑ کا ماسٹر مرلی دھر ہوشیار پوری سے مباحثہ "سرمہ چشم آریہ" کے نام سے شائع ہوا تو اس کی شر انگیزیاں یکایک بڑھ گئیں اور اس نے اپنی کتاب "خبط احمدیہ" میں پرمیشور سے سچے فیصلہ کی درخواست کرتے ہوئے کھلے لفظوں میں لکھا۔ "میں نیاز

التیام لیکھرام ولد پنڈت تارا سنگھ شرما مصنف تکذیب براہین احمدیہ ور سالہ ہذا اقرار صحیح بدرستی ہوش و حواس کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اول سے آخر تک رسالہ سرمہ چشم آریہ کو پڑھ لیا...... میں اپنے جگت پتا پرمیشور کو ساکھی جان کر اقرار کرتا ہوں کہ ...... اس سرشٹی کے آغاز میں جب انسانی خلقت شروع ہوئی پرماتما نے دیدوں کو شری اگنی شری وایو شری آدت شری انگرہ جیو چار رشیوں کے آتماؤں میں الہام دیا مگر جبرئیل یا کسی اور چٹھی رسان کی معرفت نہیں بلکہ خود ہی...... آریہ ورت سے ہی تمام دنیا نے فضیلت سیکھی۔ آریہ لوگ ہی سب کے استاد اول ہیں۔ کیونکہ تواریخ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ آریہ ورت سے باہر جو بقول مسلمانوں کے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر (۵-۶ ہزار سال میں) آئے ہیں اور توریت' زبور' انجیل۔ قرآن وغیرہ کتب لائے ہیں میں دلی یقین سے ان پستکوں کے مطالعہ کرنے سے اور سمجھنے سے (باستثنائے ان باتوں کے جو وید مقدس اپ شدوں یا شاستروں میں درج ہیں) ان کی تمام مذہبی ہدایتوں کو بناوٹی اور جعلی۔ اصلی الہام کو بدنام کرنے والی تحریریں خیال کرتا ہوں..... لیکن میرا دوسرا فریق مرزا غلام احمد ہے وہ قرآن کو خدا کا کلام جانتا ہے اور اس کی سب تعلیموں کو درست اور صحیح سمجھتا ہے .... اے پرمیشور ہم دونوں فریقوں میں سچا فیصلہ کر....... کیونکہ کاذب صادق کی طرح کبھی تیرے حضور میں عزت نہیں پاسکتا"۔ [۲۱]

گو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر لیکھرام کے متعلق بعض انکشاف ہو چکے تھے اور لیکھرام نے اس کی اشاعت پر بھی پابندی نہیں لگائی تھی مگر آپ الٰہی منشاء کے ماتحت پانچ برس تک اس بارہ میں بالکل خاموش رہے اور پھر اذن خداوندی پا کر ۲۰۔ فروری ۱۸۹۳ء کو آپ نے لیکھرام کے عبرتناک انجام کے متعلق پیشگوئی کا اعلان فرمادیا۔ جس کے مطابق وہ ۶۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو رب العرش خیر الماکرین کی پراسرار تدبیر کے تحت لاہور میں قتل ہوا۔ اور اس کی زبان جو خنجر کی طرح چلتی تھی تیغ محمدی ﷺ میں متشکل ہو کر اس کے پارہ پارہ کرنے کی موجب بن گئی۔ مگر اس کے بیان کا یہ موقعہ نہیں۔ اس عظیم الشان نشان کی تفصیل ۱۸۹۷ء کے واقعات میں آئے گی۔

پادری سوفٹ کا گریز

تیسرے صاحب جنہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی دعوت پر قادیان آنے اور نشان دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا پادری سوفٹ تھے جو ریاست گوالیار کے باشندے اور عیسائی مدرسہ الہیات (سہارنپور) سے فارغ التحصیل ہو کر ان دنوں گوجرانوالہ میں متعین تھے۔ [۲۲] انہیں دوسرے پادریوں کی نسبت مسیحی دینیات کا بڑا ناز تھا حضرت اقدس کی دعوت نشان نمائی پر انہوں نے بذریعہ ڈاک ایک خط لکھا جس میں حضرت مسیحؑ کی خدائی کا لاطائل فسانہ چھیڑنے کے بعد دعوت کو نمائشی رنگ میں قبول کرتے ہوئے دو شرائط لکھیں جن میں پہلی

شرط یہ تھی کہ چھ سو روپیہ یعنی تین ماہ کی تنخواہ بطور پیشگی ہمارے پاس گوجرانوالہ میں بھیجی جائے اور نیز مکان وغیرہ کا انتظام حضور کے ذمہ رہے اور اگر کسی نوع کی دقت پیش آئے تو فوراً وہ گوجرانوالہ کو واپس ہو جائیں گے اور جو روپیہ انہیں مل چکا ہو اس کی واپسی کا حضرت اقدس کو استحقاق نہیں ہو گا۔ دوسری شرط یہ لکھی کہ الہام اور معجزہ کا ثبوت ایسا چاہیے 'جیسے کتاب اقلیدس میں ثبوت درج ہوتا ہے۔ حضور کو یہ خط ملا تو آپ کو افسوس ہوا کہ حضور کی زبردست سعی و جدوجہد کے باوجود عیسائیت کے علمبرداروں میں سے کوئی مرد میدان بن کر آگے نہیں آنا چاہتا۔ اور جس نے آگے آنے کی حامی بھری تو محض دنیا پرستی کی تکمیل اور نام و نمود کے لئے۔ بہرحال حضرت اقدس مایوس نہیں ہوئے۔ چنانچہ آپ نے اپنے جواب میں "الوہیت مسیح" کے بچھائے ہوئے جال کو اپنے قلم سے پارہ پارہ کرتے ہوئے انہیں نہایت احسن رنگ میں لکھا کہ آپ کے اطمینان قلب کے لئے روپیہ کسی سرکاری بنک یا مہاجن کے پاس جمع کر دیا جائے گا اور جس طرح چاہیں روپیہ کی بابت تسلی کر لیں مگر جب تک فریقین میں جو امر متنازعہ فیہ ہے وہ تصفیہ نہ پا جائے آپ کو پیشگی روپیہ لینے کا اصرار نہیں کرنا چاہیے مکان کے بارہ میں انہیں اطمینان دلایا کہ "اس خاکسار کا یہ عہد و اقرار ہے کہ جو صاحب اس عاجز کے پاس آئیں ان کو اپنے مکان میں سے اچھا مکان اور اپنی خوراک کے موافق خوراک دی جائے گی۔ اور جس طرح ایک عزیز اور پیارے مہمان کی حتی الوسع دلجوئی و خدمت و تواضع کرنی چاہیے اسی طرح ان کی بھی کیجائیگی۔ ہاں یہ وضاحت بھی فرمادی کہ "یہ عاجز مسیح کی زندگی کے نمونہ پر چلتا ہے کسی باغ میں امیرانہ کوٹھی نہیں رکھتا اور اس عاجز کا گھر اس قسم کی عیش و نشاط کا گھر نہیں ہو سکتا۔ جس کی طرف دنیا پرستوں کی طبیعتیں راغب اور مائل ہیں"۔ دوسری شرط کے متعلق فرمایا "اقلیدس میں بہت سی وہمی اور بے ثبوت باتیں بھری ہوئی ہیں۔ [۲۲] جن کو جاننے والے خوب جانتے ہیں مگر آسمانی نشان تو وہ چیز ہے کہ وہ خود منکر کی ذات پر ہی وارد ہو کر حق الیقین تک اس کو پہنچا سکتا ہے۔ اور انسان کو بجز اسکے ماننے کے کچھ بن نہیں پڑتا۔ سو آپ تسلی رکھیں کہ اقلیدس کے ناچیز خیالات کو ان عالی مرتبہ نشانوں سے کچھ نسبت نہیں "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" اور یہ نہیں کہ صرف اس عاجز کے بیان پر ہی رہے گا۔ بلکہ یہ فیصلہ بذریعہ ثالثوں کے ہو جائے گا۔ اور جب تک ثالث لوگ جو فریقین کے مذہب سے الگ ہوں گے یہ شہادت نہ دیں کہ ہاں فی الحقیقت یہ خوارق اور پیشگوئیاں انسانی طاقت سے باہر ہیں تب تک آپ غالب اور یہ عاجز مغلوب سمجھا جائے گا"۔

خط کے آخر میں اسے خدائے کامل اور صادق کی قسم دیتے ہوئے غیرت دلائی کہ "آپ ضرور تشریف لا دیں ضرور آئیں اگر وہ قسم آپ کے دل پر موثر نہیں تو پھر اتمام الزام کی نیت سے آپ کو

حضرت مسیح کی قسم ہے کہ آپ آنے میں ذرا توقف نہ کریں۔ تا حق اور باطل میں جو فرق ہے وہ آپ پر کھل جائے"۔ ۲۴

غرض حضرت اقدس نے پادری سوفٹ پر ہر پہلو سے اتمام حجت کر دیا۔ کوئی حق کا طالب ہوتا تو اس مرد خدا کی زیارت کو دیوانہ وار چل پڑتا۔ مگر پادری صاحب کو محض سستی شہرت مطلوب تھی جب انہیں یہ گوہر مقصود نہ ملا تو ان کی زبان پر ابدی قفل لگ گئے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے چالیس روزہ میعاد کا تعین

خلاصہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس دعوت پر مذاہب عالم میں سے کسی کو میدان مقابلہ میں آنے کی جرات نہ ہوئی تاہم مزید اتمام حجت کے لئے آپ نے ستمبر ۱۸۸۶ء میں سال کی شرط اڑا کر اس کی بجائے چالیس روز مقرر کر دیئے۔ اور بالخصوص منشی جیون داس' لالہ مرلی دھر ڈرائنگ ماسٹر ہوشیار پور' منشی اندرمن مراد آبادی' مسٹر عبد اللہ آتھم' پادری عماد الدین اور پادری ٹھاکر داس کو ایک بار پھر دعوت دی اور فرمایا کہ اس عرصہ میں اگر ہم کوئی خارق عادت پیشگوئی پیش نہ کریں یا پیش کریں مگر بوقت ظہور وہ جھوٹی نکلے یا وہ اس کا مقابلہ کر کے دکھا دیں تو مبلغ پانسو روپیہ نقد بلا توقف ادا کر دیں گے لیکن اگر وہ پیشگوئی بپایہ صداقت پہنچ گئی تو مشرف بہ اسلام ہونا پڑے گا۔ ۲۵ مگر یہ آواز بھی بے نتیجہ ثابت ہوئی اور اس معرکہ میں اسلام کو ایک بار پھر فتح نصیب ہوئی۔

مقامی ہندوؤں کی درخواست نشان نمائی

یہ تو بیرونی دنیا کا ذکر ہے خود قادیان میں اس کی باز گشت ایک لحاظ سے خوشگوار رنگ میں سنائی دی اور وہ اس طرح کہ غالباً' اگست ۱۸۸۵ء میں قادیان کے دس ہندوؤں ۲۶ نے (جن میں ساہوکار وغیرہ شامل تھے) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں باادب درخواست کی کہ ہم آپ کے ہمسایہ لندن اور امریکہ والوں سے زیادہ آسمانی نشان دیکھنے کے حقدار اور مشتاق ہیں۔ ہمیں کوئی نشان دکھایا جائے سعادت ازلی تو خدا کی توفیق اور فضل سے عطا ہوتی ہے اس لئے مسلمان ہو جانے کی شرط تو ہم سے موقوف رکھی جائے البتہ ہم پرمیشر کی قسم کھا کر وعدہ کرتے ہیں کہ ہم جو نشان آپ سے بچشم خود مشاہدہ کر لیں گے اخبارات میں بطور گواہ اسے شائع کرا دیں گے اور آپ کی صداقت کی حقیقت کو حتی الوسع اپنی قوم میں پھیلائیں گے۔ اور ایک سال تک عند الضرورت آپ کے مکان پر حاضر ہو کر ہر قسم کی پیشگوئی پر بقید تاریخ دستخط کریں گے اور کوئی نامنصفانہ حرکت ہم سے ظہور میں نہیں آئے گی۔ درخواست کے لفظ لفظ سے چونکہ سراسر انصاف و حق پرستی اور خلوص ٹپکتا تھا۔ اس

لئے حضور نے نہایت درجہ مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اسے بلا تامل قبول فرمالیا اور ایک باقاعدہ تحریری معاہدہ کی شکل میں شرمپت رائے ممبر آریہ سماج قادیان نے اسے شائع بھی کر دیا اور ستمبر ۱۸۸۵ء سے ستمبر ۱۸۸۶ء تک اس کی میعاد قرار پائی۔ [۱۲]

خدا تعالیٰ کی قدرت ابھی میعاد شروع بھی نہ ہوئی تھی کہ ۵۔ اگست ۱۸۸۵ء کو آپ پر الہاماً منکشف ہوا کہ آج سے اکتیس ماہ تک مرزا امام الدین اور نظام الدین جو اس وقت آپ کی مخالفت میں اہم حصہ لے رہے تھے) ایک بڑی مصیبت میں مبتلا ہوں گے۔ یعنی ان کے اہل و عیال میں سے کسی مرد یا عورت کا انتقال ہو جائے گا۔ جس سے انہیں سخت تکلیف پہنچے گی۔ حضرت اقدس نے یہ خبر پاتے ہی ان پر معاہدہ میں شامل چار ہندوؤں کے دستخط کرا لئے۔ چنانچہ ٹھیک اکتیسویں مہینے (یعنی فروری ۱۸۸۸ء میں) مرزا نظام دین کی بیٹی اور مرزا امام الدین کی بھتیجی ایک چھوٹا بچہ چھوڑ کر فوت ہو گئی اور خدا کی بات پوری آب و تاب سے پوری ہوئی مگر افسوس معاہدہ کے مطابق مقامی ہندوؤں کی طرف سے نہ صرف اس نشان کی اشاعت نہ کی گئی بلکہ اصل میعاد کے ختم ہونے سے چند روز پہلے ہی یہ شور و غوغا مچانا شروع کر دیا کہ پیشگوئی غلط نکلی اور جب پیشگوئی کا ظہور ہو گیا تو انہوں نے چپ سادھ لی۔ اور اعتراف حق کرنے کی ان کو توفیق نہ مل سکی۔

یہ تو وہ پیشگوئی ہے جس پر ان ہندوؤں کے دستخط موجود تھے اس کے علاوہ اس عرصہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو صداقت اسلام کے ایک زندہ و تابندہ نشان کی بھی خبر دی گئی جس سے قرآن مجید اور رسول پاک ﷺ کی سچائی صرف قادیان کے ہندوؤں پر ہی نہیں بلکہ پوری دنیا پر آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہو گئی۔ میری مراد مصلح موعود کی پیشگوئی سے ہے جو حضرت اقدسؑ کی دعوت نشان نمائی اور اکتیس ماہ کی میعاد کے اندر کی گئی۔ جس کی تفصیل ۱۸۸۶ء کے واقعات میں بیان ہو گی۔

بیت اللہ شریف اور میدان عرفات میں حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ کی زبان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دردانگیز دعا

۱۸۸۵ء کے اوائل میں حضرت صوفی احمد جان صاحب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اجازت سے جب سفر حج پر روانہ ہونے لگے تو حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے قلم سے انہیں ایک دردانگیز دعا تحریر فرمائی اور لکھا "اس عاجز ناکارہ کی ایک عاجزانہ التماس یاد رکھیں کہ جب آپ کو بیت اللہ کی زیارت بفضل اللہ تعالیٰ نصیب ہو۔ تو اس مقام محمود مبارک کی انہیں لفظوں سے مسکنت اور غربت

کے ہاتھ بحضور دل اٹھا کر گزارش کریں"۔ نیز یہ ہدایت فرمائی کہ "آپ پر فرض ہے کہ انہیں الفاظ سے بلا تبدیل و تغیر بیت اللہ میں حضرت ارحم الراحمین میں اس عاجز کی طرف سے دعا کریں" چنانچہ حضرت صوفی صاحب نے حضرت کے ارشاد کے تعمیل میں یہ دعا بیت اللہ شریف میں بھی اور پھر ۹- ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ کو (بمطابق ۱۹- ستمبر ۱۸۸۵ء) میدان عرفات میں بھی پڑھی۔ آپ کے پیچھے اس وقت ان کے ۲۰/۲۲ خدام اور عقیدت مند تھے جن میں حضرت شہزادہ عبدالمجید صاحب مبلغ ایران حضرت خان صاحب محمد امیر خاں صاحب اور حضرت قاضی زین العابدین صاحب سرہندی (۲۸) اور حضرت صوفی صاحبؓ کے فرزند حضرت صاحبزادہ پیر افتخار احمد صاحب بھی شامل تھے۔ صوفی صاحبؓ میدان عرفات میں حضرت مسیح موعودؑ کا مکتوب مبارک ہاتھ میں لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا میں یہ خط بلند آواز سے پڑھتا ہوں تم سب آمین کہتے جاؤ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (۲۹) اس تاریخی دعا کے الفاظ یہ تھے۔

"اے ارحم الراحمین ایک تیرا بندہ عاجز اور ناکارہ پر خطا اور نالائق غلام احمد جو تیری زمین ملک ہند میں ہے اسکی یہ عرض ہے کہ اے ارحم الراحمین تو مجھ سے راضی ہو اور میری خطیات اور گناہوں کو بخش کہ تو غفور و رحیم ہے اور مجھ سے وہ کام کرا جس سے تو بہت ہی راضی ہو جائے مجھ میں اور میرے نفس میں مشرق اور مغرب کی دوری ڈال اور میری زندگی اور میری موت اور میری ہر یک قوت اور جو مجھے حاصل ہے اپنی ہی راہ میں کر اور اپنی ہی محبت میں مجھے زندہ رکھ اور اپنی ہی محبت میں مجھے مار اور اپنے ہی کامل متبعین (۳۰) میں مجھے اٹھا۔ اے ارحم الراحمین جس کام کی اشاعت کے لئے تونے مجھے مامور کیا ہے اور جس خدمت کے لئے تونے میرے دل میں جوش ڈالا ہے اس کو اپنے ہی فضل سے انجام تک پہنچا اور اس عاجز کے ہاتھ سے حجت اسلام مخالفین پر اور ان سب پر جو اب تک اسلام کی خوبیوں سے بے خبر ہیں پوری کر اور اس عاجز اور اس عاجز کے تمام دوستوں اور مخلصوں اور ہم مشربوں کو مغفرت اور مہربانی کی نظر سے اپنے ظل حمایت میں رکھ کر دین و دنیا میں آپ ان کا متکفل اور متولی ہو جا اور سب کو اپنی دار الرضاء میں پہنچا اور اپنے نبی ﷺ اور اس کی آل اور اصحاب پر زیادہ سے زیادہ درود و سلام و برکات نازل کر۔ آمین یا رب العالمین" (۳۱)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سفر لدھیانہ اور حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ کی وفات

حضرت صوفی احمد جان صاحب زیارت کعبہ اور حج بیت اللہ شریف کے برکات سے فیضیاب ہو کر

وسط دسمبر ۱۸۸۵ء میں لدھیانہ پہنچے اور یکایک سخت بیمار ہو گئے۔ چنانچہ ابھی تیرہ دن ہی واپسی پر گزرے تھے کہ ۱۹۔ ربیع الاول ۱۳۰۳ھ (بمطابق ۲۷۔ دسمبر ۱۸۸۵ء) کو پیغام اجل آگیا۔ اور آپ لدھیانہ کے قبرستان گور غریباں میں دفن ہوئے۔ تھوڑا عرصہ بعد حضرت اقدس بنفس نفیس تعزیت کے لئے لدھیانہ تشریف لے گئے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت پیر افتخار احمد صاحب کا بیان ہے کہ حضور نے اس موقعہ پر "تھوڑی دیر قیام فرمایا۔ والد صاحب مرحوم کی محبت ' اخلاص اور دینی خدمت کا ذکر فرماتے رہے پھر حضورؑ نے مع حاضرین دعا فرمائی"۔ [۲۶۲]

حضرت صوفی احمد جان صاحب رضی اللہ عنہ حضرت مسیح موعودؑ کے ان اولین عشاق میں سے تھے۔ جنہوں نے اپنے کثیر ارادت مندوں اور عقیدت مندوں کی پروا نہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ کے دامن سے وابستگی اختیار کر لی تھی اور شاہی پر غلامی کو ترجیح دی۔ حضرت کو بھی آپ سے دلی محبت و الفت تھی جس کا ذکر اکثر ان کی وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے چنانچہ مارچ ۱۸۸۹ء میں جب بیعت اولیٰ ہوئی تو حضرت اقدس نے اس مقدس تقریب کے لئے حضرت صوفی صاحب رضی اللہ عنہ ہی کے مکان کا انتخاب فرمایا۔ پھر اس کے بعد جب ازالہ اوہام کی تصنیف فرمائی تو اس میں اپنے مخلصین کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کے متعلق تحریر فرمایا۔ حبی فی اللہ منشی احمد جان صاحب مرحوم۔ اس وقت ایک نہایت غم سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ یہ پردرد قصہ مجھے لکھنا پڑا کہ اب یہ ہمارا دوست اس عالم میں موجود نہیں ہے۔ اور خداوند کریم و رحیم نے بہشت بریں کی طرف بلالیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ وانا بفراقه لمحزونون۔ حاجی صاحب مغفور و مرحوم ایک جماعت کثیر کے پیشوا تھے اور ان کے مریدوں میں آثار رشد و سعادت و اتباع سنت نمایاں ہیں اگرچہ حضرت موصوف اس عاجز کے شروع سلسلہ بیعت سے پہلے ہی وفات پا چکے لیکن یہ امر ان کے خوارق میں سے دیکھتا ہوں کہ انہوں نے بیت اللہ کے قصد سے چند روز پہلے اس عاجز کو ایک خط ایسے انکسار سے لکھا جس میں انہوں نے درحقیقت اپنے تئیں اپنے دل میں سلسلہ بیعت میں داخل کر لیا۔ چنانچہ انہوں نے اس میں سیرۃ صالحین پر اپنا توبہ کا اظہار کیا اور اپنی مغفرت کے لئے دعا چاہی اور لکھا کہ میں آپ کے للہی ربط کے زیر سایہ اپنے تئیں سمجھتا ہوں اور پھر لکھا کہ میری زندگی کا نہایت عمدہ حصہ یہی ہے کہ میں آپ کی جماعت میں داخل ہو گیا ہوں اور پھر کسر نفسی کے طور پر اپنے گذشتہ ایام کا شکوہ لکھا اور بہت سے رقت آمیز ایسے کلمات لکھے جن سے رونا آتا تھا۔ اس دوست کا وہ آخری خط جو ایک دردناک بیان سے بھرا ہوا ہے اب تک موجود ہے مگر افسوس کہ حج بیت اللہ سے واپس آتے وقت پھر اس مخدوم پر بیماری کا ایسا غلبہ طاری ہوا کہ اس دور افتادہ کو ملاقات کا اتفاق نہ ہوا بلکہ چند روز کے بعد ہی وفات کی خبر سنی گئی اور خبر سنتے ہی ایک

جماعت کے ساتھ قادیان میں نماز جنازہ پڑھی گئی - حاجی صاحب مرحوم اظہار حق میں بہادر آدمی تھے - بعض نافہم لوگوں نے حاجی صاحب موصوف کو اس عاجز کے ساتھ تعلق ارادت رکھنے سے منع کیا کہ اس میں آپ کی کسر شان ہے لیکن انہوں نے فرمایا کہ مجھے کسی شان کی پروا نہیں اور نہ مریدوں کی حاجت"۔ ۲۲

سرخی کے کشفی چھینٹوں کا حیرت انگیز نشان

۱۰- جولائی ۱۸۸۵ء (بمطابق ۲۷- رمضان ۱۳۰۲ھ) کا ذکر ہے کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام طلوع آفتاب کے وقت حسب معمول مسجد مبارک کے مشرقی جانب حجرہ میں جو غسل خانہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا شرقاً غرباً بچھی ہوئی ایک چارپائی پر آرام فرما رہے تھے تازہ پلستر کی وجہ سے حجرہ کی فضا میں خنکی سی تھی - چارپائی پر نہ کوئی بستر تھا نہ تکیہ اور حضرت اقدس بائیں کروٹ لیٹے بائیں کہنی سر کے نیچے رکھے اور چہرہ مبارک دائیں ہاتھ سے ڈھانپے ہوئے تھے اور حضور کے مخلص خادم منشی عبداللہ صاحب سنوری نیچے بیٹھے حضور کے پاؤں داب رہے تھے کہ حضرت اقدس نے کشفی عالم میں دیکھا کہ بعض احکام قضاء و قدر حضرت نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں کہ آئندہ زمانہ میں ایسا ہو گا اور پھر اس کو دستخط کرانے کے لئے خداوند قادر مطلق جل شانہ کے سامنے پیش کیا ہے - اور اس نے جو ایک حاکم کی شکل میں متمثل تھا اپنے قلم کو سرخی کی دوات میں ڈبو کر اول اس سرخی کو آپ کی طرف چھڑکا اور بقیہ سرخی کا قلم کے منہ میں رہ گیا اور اس سے قضاء و قدر کی کتاب پر دستخط کر دیئے خدا کی معجز نمائی کا نشان دیکھو ادھر عالم کشف میں قلم کی سرخی چھڑکی گئی اور ادھر یہ سرخی وجود خارجی میں منتقل ہو گئی - منشی صاحب نے سخت حیرت زدہ ہو کر بچشم خود دیکھا کہ حضورؑ کے ٹخنے پر سرخی کا ایک قطرہ پڑا ہے انہوں نے اپنی دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اس قطرہ پر رکھی تو وہ قطرہ ٹخنے اور انگلی پر بھی پھیل گیا - تب ان کے دل میں یہ آیت گزری صبغة الله و من احسن من الله صبغة - انہوں نے سوچا کہ جب یہ اللہ کا رنگ ہے تو اس میں خوشبو بھی ہو گی مگر اس میں خوشبو نہیں تھی - ابھی وہ اسی حیرت و استعجاب میں تھے کہ انہیں حضور کے کرتے پر بھی سرخی کے چند تازہ چھینٹے دکھائی دیئے وہ مبہوت ہو کر آہستہ سے چارپائی سے اٹھے اور انہوں نے ان قطرات کا سراغ لگانے کے لئے چھت کا گوشہ گوشہ پوری باریک نظر سے دیکھ ڈالا انہیں اس وقت یہ بھی خیال ہوا کہ کہیں چھت پر کسی چھپکلی کی دم کٹنے سے خون نہ گرا ہو - مگر وہ تو دست قدرت کا کشفی معجزہ تھا خارج میں اس کا کھوج کیا ملتا نا چار وہ چارپائی پر بیٹھ گئے اور دوبارہ پاؤں دابنے کی خدمت میں مصروف ہو گئے - تھوڑی دیر بعد حضور عالم کشف سے بیدار ہو کر

اٹھے اور مسجد مبارک میں تشریف لے آئے۔ منشی صاحب پھر دابنے لگے اور اس دوران میں انہوں نے حضرت سے سوال بھی کر دیا کہ حضور آپ پر یہ سرخی کہاں سے گری ہے؟ حضورؑ نے بے توجہی سے فرمایا کہ آموں کا رس ہو گا۔ دوبارہ عرض کیا گیا کہ حضور یہ آموں کا رس نہیں یہ تو سرخی ہے اس پر حضور نے سر مبارک کو تھوڑی سی حرکت دے کر فرمایا۔ "کتھے ہے" یعنی کہاں ہے۔ منشی صاحب نے کرتے پر وہ نشان دکھا کر کہا کہ یہ ہے۔ اس پر حضور نے کرتہ سامنے کی طرف کھینچ کر اور اپنا سر ادھر پھیر کر قطرہ کو دیکھا اور پھر (منشی صاحب کے بیان کے مطابق) پہلے بزرگوں کے کچھ واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "خدا کی ہستی وراء الوراء ہے اس کو یہ آنکھیں دنیا میں نہیں دیکھ سکتیں البتہ اس کے بعض صفات جمالی یا جلالی متمثل ہو کر بزرگوں کو دکھائی دیئے جاتے ہیں۔ [۲۲۷]

رویت باری تعالیٰ اور کشفی امور کے خارجی ظہور پر یوں واقعاتی روشنی ڈالنے کے بعد حضرت نے انہیں کشف کی پوری تفصیل سنائی بلکہ اپنے دست مبارک سے کشف میں قلم کے جھاڑنے اور دستخط کرنے کا نقشہ بھی کھینچا اور اسی طرز پر جنبش دی اور ان سے پوچھا کہ اپنا کرتہ اور ٹوپی دیکھیں کہیں ان پر بھی سرخی کا قطرہ تو نہیں گرا۔ انہوں نے کرتہ دیکھا تو وہ بالکل صاف تھا مگر ململ کی سفید ٹوپی پر ایک قطرہ موجود تھا۔ منشی صاحب نے عاجزانہ درخواست کی کہ حضور اپنا یہ اعجاز نما کرتہ انہیں تبرکاً عنایت فرمائیں۔ حضرت اقدس کا سلوک اپنے خدام ہی سے نہیں دشمنوں سے بھی فیاضانہ تھا لیکن آپ نے منشی صاحب کی یہ درخواست ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا مجھے یہ اندیشہ ہے کہ ہمارے بعد اس سے شرک پھیلے گا۔ اور لوگ اس کو زیارت گاہ بنا کر اس کی پوجا شروع کر دیں گے۔ انہوں نے عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے تبرکات جن صحابہ کے پاس تھے وہ مرتے ہوئے وصیتیں کر گئے کہ ان تبرکات کو ہمارے کفن کے ساتھ دفن کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جو تبرک جس صحابی کے پاس تھا وہ ان کے کفن کے ساتھ دفن کر دیا گیا انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں بھی مرتا ہوا وصیت کر جاؤں گا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا۔ "ہاں اگر یہ عہد کرتے ہو تو لے لو"۔ چنانچہ حضرت نے جمعہ کے لئے کپڑے بدلے اور یہ کرتہ منشی صاحب کے سپرد کر دیا اس اعجازی کرتے کا کپڑا نینو کہلاتا ہے اور سرخی کا رنگ ہلکا اور گلابی مائل تھا جس میں تینتالیس برس کی طویل مدت گزرنے کے باوجود خفیف سا تغیر بھی نہیں ہوا۔

نشان کے متعلق حضرت منشی صاحب کا حلفیہ بیان

حضرت منشی صاحب کو اس نشان آسمانی پر اس درجہ بصیرت و ایماں حاصل تھا کہ ان کی زندگی میں ایک دفعہ مشہور اہلحدیث عالم مولوی ثناء اللہ صاحب امرت سری نے اس کشفی نشان پر تنقید کی تو حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوری نے نہ صرف اپنی

مفصل حلفیہ شہادت شائع کی بلکہ انہیں مباہلہ کا چیلنج بھی دے دیا مولوی صاحب نے چیلنج سے توگریز اختیار کیا البتہ لکھا کہ ہمارے محلہ کی مسجد میں آکر قسم کھائیں چنانچہ وہ سلسلہ کے بعض اکابر کو ہمراہ لے کر بے کھٹکے امرت سر پہنچے اور مولوی ثناء اللہ صاحب کی مسجد میں اپنا مطبوعہ حلفیہ بیان ایسے دردانگیز رنگ میں پڑھ کر سنایا کہ سامعین پر ایک لرزہ طاری ہو گیا نیز کہا کہ مولوی صاحب کے نزدیک یہ حلف کافی نہ ہو تو وہ جن الفاظ میں چاہیں مجھ سے قسم کھلالیں۔ میں اپنی اولاد اپنے مال اور اپنی جان غرضکہ ہر چیز کی قسم کھانے کے لئے تیار ہوں میں نے اس سرخی کے نشان کو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تختہ پر پڑا تھا اپنی شہادت کی انگلی لگا کر دیکھا تھا اس سے میری انگلی کو بھی سرخی لگ گئی تھی۔ اگر میں یہ جھوٹ کہتا ہوں تو میری انگلی کیا میرے جسم کا ذرہ ذرہ جہنم میں ڈالا جائے۔ اور سب سے بڑا جو عذاب ہے وہ مجھ پر نازل کیا جائے"۔ حضرت منشی صاحب ایک عرصہ تک لوگوں کو یہ کرتہ دکھانے سے احتراز کرتے تھے۔ لیکن جب حضرت خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے انہیں ارشاد فرمایا کہ اسے بہت کثرت سے دکھاؤ تا اس کی رؤیت کے گواہ بہت پیدا ہو جائیں تو وہ دکھانے لگے۔ اور یوں ہزاروں نفوس کو اسے بچشم خود دیکھنے کا موقعہ مل گیا۔ حضرت منشی صاحب نے عمر بھر اعجازی کرتہ کی حفاظت کی اور سفر و حضر میں ہمیشہ اپنے ساتھ ہی رکھتے تھے۔ بالآخر ۷۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا اور یہ قیمتی یادگار بھی حضرت اقدس کی وصیت کے مطابق بہشتی مقبرہ میں سپرد خاک کر دی گئی۔ [۲۵]

شہب ثاقبہ کا آسمانی نظارہ

حضرت مسیح ناصریؑ نے اپنی آمد ثانی کے متعلق ایک یہ بھی پیشگوئی کی تھی کہ "اس وقت آسمان سے ستارے گریں گے اور جو قوتیں آسمان میں ہیں وہ ہلائی جائیں گی"۔ [۲۶] چنانچہ ۲۸۔ نومبر ۱۸۸۵ء کی شب کو آسمان پر شہب ثاقبہ کا یہ غیر معمولی نظارہ نمودار ہوا۔ اس وقت آسمان کی فضا میں ہر طرف اس درجہ بے شمار شعلے چل رہے تھے۔ کہ گویا ان کی بارش ہو رہی تھی۔ یورپ' امریکہ اور ایشیا میں اس سے حیرت کی زبردست لہر دوڑ گئی اور اخباروں میں ان کی خبر نمایاں رنگ میں شائع ہوئی جیسا کہ حضرت مسیحؑ نے اشارۃً بتایا تھا۔ یہ تصویری زبان میں اس امر کا اعلان تھا کہ آسمانی قوتیں اسلامی انقلاب کے لئے ہلا دی گئی ہیں اور اب خدائی افواج کے سپہ سالار کی قیادت میں کفر و باطل کے قلعوں پر حملہ آور ہونے والی ہیں۔

شہب کی بارش کا یہ آسمانی نظارہ ابتدائے شب سے شروع ہو گیا تھا جسے آپ بہت دیر تک دیکھتے اور خدائی بشارتوں کا تصور کر کے لطف اندوز ہوتے رہے۔ اس موقعہ پر آپ پر بار بار "مَا رَمَيْتَ

اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی" کا الہام ہوا اور القاء کیا گیا کہ یہ تیرے لئے نشان ظاہر ہوا ہے"۔ ۲۷
اس موقعہ پر حضور کو (کشفاً) دکھایا گیا کہ آپ اور حضرت سید عبدالقادرؒ برابر برابر کھڑے ہیں۔ نیز آپ نے دیکھا کہ حضرت شیخ سعدیؒ اور حضرت سید عبدالقادرؒ ایک باغ میں سیر کر رہے ہیں۔ ۲۸

اس آسمانی نظارہ کے بعد یورپ کے لوگوں کو وہ ستارہ دکھائی دیا جو حضرت مسیحؑ کے ظہور کے وقت نکلا تھا۔ اور آپ کو بتایا گیا کہ یہ ستارہ بھی آپ کی صداقت کے لئے ایک دوسرا چمکتا ہوا نشان ہے۔

حواشی

۱- "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۱۱-۱۶

۲- "سیرت المہدی" حصہ دوم صفحہ ۱۳-۱۴ مکتوبات بنام مولوی عبداللہ سنوری صفحہ ۳-۴ طبع اول۔

۳- بیرونی دنیا میں اس کے اثرات ۱۸۸۷ء میں ظاہر ہونے شروع ہوئے۔ جب مسٹر الگزنڈر رسل وب نے امریکہ سے خط و کتابت شروع کی۔ اور بالآخر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے جیسا کہ آئندہ ذکر آرہا ہے۔

۴- "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد پنجم صفحہ ۸۴

۵- ولادت ۱۸۷۱ء وفات ۱۹۱۱ء (تذکرہ روسائے پنجاب طبع دوم ۶۸۴)

۶- ۳۱۳ اصحاب میں تھے ان کی صاحبزادی خواجہ کمال الدین صاحب بانی ووکنگ مشن کے عقد میں آئیں۔

۷- حضرت مسیح پاک کے مشہور صحابی حضرت قریشی محمد حسین صاحب (وفات ۱۷- اپریل ۱۹۳۲ء) موجد مفرح عنبری لاہور کے دادا جو پہلے اہلحدیث تھے مگر آخر عمر میں مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کے ہم خیال بلکہ دست راست بن گئے۔

۸- محترم مولف صاحب "مجدد اعظم" نے منشی اندر من مراد آبادی کے متعلق سہواً لکھا ہے کہ اس نے "سرمہ چشم آریہ" کی اشاعت پر مقابلہ کی ٹھہرائی مگر انعام پہلے مانگا کہ کسی کے پاس رکھوا دیا جائے۔ جب مرزا صاحب کے آدمی زر انعام لے کر پہنچے تو اندر من لاہور چھوڑ کر ہی بھاگ گیا (مجدد اعظم جلد اول صفحہ ۱۷۰) یہ واقعہ پیش ضرور آیا۔ مگر "سرمہ چشم آریہ" کے انعامی اشتہار سے قبل نہ کہ بعد۔ جیسا کہ ۱۰- مئی ۱۸۸۵ء کے اشتہار بلکہ "سرمہ چشم آریہ" سے ملحق اشتہار "صداقت انوار" سے بھی ظاہر ہے۔ (دیکھئے صفحہ ۲۵۹ طبع اول)

۹- "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۴۸-ر-ہ-ح "مکتوبات احمدیہ" جلد اول صفحہ ۹۱-۹۳ و جلد دوم صفحہ ۶-۱۰۔
"حیات احمد" جلد دوم نمبر سوم صفحہ ۱۲۰-۱۲۳

۱۰- اخبار "عام" بحوالہ الحکم ۲۴- اگست ۱۸۹۹ء صفحہ ۸ کالم نمبر ۳۔

۱۱- کلیات آریہ مسافر صفحہ ۴۰۸-۴۱۴ طبع اول شائع کردہ ستیہ دھرم پرچارک پریس ہردوار ضلع سہارنپور۔

۱۲- ایضاً

۱۳- مرزا امام الدین کے الحاد و دہریت کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ اس کی مجلس میں بھنگ اور چرس پینے والے جمع ہوتے جو اباحتی فقیروں کی طرح شریعت پر لغو اعتراضات کی بوچھاڑ کیا کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کا چرچا دیکھ کر اس نے اپنے تئیں چماروں کا ہادی قرار دے لیا اور ایسی ایسی ناگفتنی باتیں کہیں کہ خدا کا کوئی پاک باز نبی اس کی تضحیک سے محفوظ نہ رہا۔ مثلاً کہا۔ "ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کو جھٹلاتا اور منسوخ کرتا ہے اگر عیسیٰ صاحب کو سچا جانیں تو محمد ﷺ صاحب کی غلطی معلوم ہوتی ہے اور اگر محمد صاحب کو راستی پر سمجھیں تو عیسیٰ صاحب کا اعتبار جاتا ہے"۔ (ملاحظہ ہو اس کی کتاب "گل شگفت" صفحہ ۱۷ مطبوعہ چشمہ نور)

۱۴- "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۲۸۵ و "کلیات آریہ مسافر" صفحہ ۴۱۴-۴۱۵۔

۱۵- لیکھرام کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غالباً ۱۹- نومبر ۱۸۸۵ء کو قادیان آیا تھا۔ بحوالہ "حیات احمد" جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۴۰ (مرتبہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)

۱۶- "حقیقتہ الوحی" طبع اول صفحہ ۲۸۸

۱۷- "حیات احمد" جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۴۰-۴۱ (مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)

۱۸- "حقیقتہ الوحی" طبع اول صفحہ ۲۸۸ و "کلیات آریہ مسافر"۔ صفحہ ۴۱۵

۱۹- نقل مطابق اصل۔

۲۰- "حیات احمد" جلد دوم صفحہ ۴۲-۴۳۔ مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔

۲۱۔ "خبط احمدیہ" ۳۴۴۔۳۴۷ مطبوعہ ۱۸۸۸ء

۲۲۔ "حیات احمد" جلد دوم نمبر سوم صفحہ ۱۳۵ (مرتبہ حضرت شیخ یعقوب صاحب عرفانی) یہ شخص ہندوؤں سے عیسائی ہوا اصلی نام رام چند تھا ("لائف آف احمد" صفحہ ۸۶ از مولوی عبد الرحیم صاحب درد)

۲۳۔ نقل مطابق اصل۔

۲۴۔ "مکتوبات احمدیہ" جلد سوئم صفحہ ۱۰۱ (مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)

۲۵۔ "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۷۷۔۷۹

۲۶۔ ان ہندوؤں کے نام یہ تھے کچھمن رام پنڈت بھارا مل۔ بشن داس ولد رعدا ساہوکار۔ منشی تاراچند کھتری۔ پنڈت نہال چند۔ سنت رام۔ فتح چند۔ پنڈت ہرکرن۔ پنڈت بیج ناتھ بشن داس ولد ہیرانند برہمن۔ (تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۵۲)

۲۷۔ "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۵۴

۲۸۔ آپ کو ۳۱۳ صحابہ کبار میں شامل ہونے کا فخر بھی حاصل ہے۔

۲۹۔ الحکم ۶، ۱۳۔ اگست ۱۸۹۸ء۔ انعامات خداوند کریم صفحہ ۱۴ (مرتبہ حضرت پیر افتخار احمد صاحب) و روایات صحابہ مطبوعہ جلد ہفتم

۳۰۔ اخبار الحکم ۶، ۱۳۔ اگست ۱۸۹۸ء میں متبعین کی بجائے محبین کا لفظ ہے۔

۳۱۔ "مکتوبات امام ہمام" قلمی جلد اول صفحہ ۶۱۔ ۱۸۹۲ء حضرت مسیح موعودؑ اکثر اپنے خطوط کی نقول میر عباس علی صاحب کو بھجوا دیا کرتے تھے چنانچہ انہی نقول سے حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحبؓ نے ۱۸۹۲ء میں یہ مکتوب بھی لکھا تھا اس کے چھ سال بعد حضرت پیر منظور محمد صاحب نے اصلی خط سے اس کی نقل لے کر الحکم ۶، ۱۳۔ اگست ۱۸۹۸ء صفحہ ۱۲۔۱۳ میں چھپوا دی تھی۔ مگر خط کے بعض نقوش مدھم یا بالکل محو ہو چکے تھے۔ اس لئے اس کی اشاعت ناتمام شکل میں ہو سکی اور انہوں نے خالی مقامات پر نقطہ ڈال دیئے۔ مگر "مکتوبات امام ہمام" کے قلمی نسخہ میں (جو خلافت لائبریری میں محفوظ ہے) اس دعا کا پورا متن موجود ہے۔ "مکتوبات امام ہمام" کے مرتب حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحب (رئیس حاجی پورہ ریاست کپورتھلہ) تھے جو ۳۱۳ اصحاب کبار میں سے تھے۔ مشہور مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب نیر آپ ہی کی تبلیغ سے داخل سلسلہ ہوئے۔ سرسید احمد خاں مرحوم کے سوانح دیکھ کر ان کے دل میں زبردست تڑپ پیدا ہوئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مقدس زندگی کے مفصل حالات میری زندگی میں قلمبند ہو جائیں۔ اس خواہش کی تکمیل کے لئے انہوں نے جماعت کے ایک اہل قلم بزرگ کو سلسلہ کا بہت سا لٹریچر بھی فراہم کر کے دیا۔ مگر افسوس زندگی نے وفا نہ کی اور آپ یکم دسمبر ۱۹۳۰ء کو ۶۳ سال کی عمر میں وصال فرما گئے۔ (الحکم جلد ۳۸ صفحہ ۲۷ تا صفحہ ۳۳۔ ۱۹۳۵ء)

۳۲۔ "روایات صحابہؓ (غیر مطبوعہ) جلد ہفتم صفحہ ۳۔۴

۳۳۔ "ازالہ اوہام" حصہ دوم صفحہ ۱۹۱۔۷۹۳ طبع اول۔

۳۴۔ گذشتہ اولیاء کے سوانح میں کشفی امور کے مادی رنگ پکڑنے کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً حضرت حسن بصریؒ نے خواب میں شمعون سے ایک خط لیا جب بیدار ہوئے تو اسے خارج میں بھی موجود پایا۔ حضرت عبد اللہ بن جلالؒ نے عالم رویا میں آنحضرت ﷺ کے دست مبارک سے ایک روٹی لی اور آدھی کھائی تھی کہ بیدار ہو گئے اور دیکھا کہ باقی نصف ٹکڑا ان کے ہاتھ میں ہے ("تذکرۃ الاولیاء" مترجم صفحہ ۳۸ صفحہ ۴۹۸ مولفہ حضرت خواجہ فرید الدین صاحب عطارؒ شائع کردہ ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور۔) مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو جولائی ۱۹۳۲ء۔

۳۵۔ "سرمہ چشم آریہ" صفحہ ۱۳۱۔۱۳۲ الفضل ۲۶ دسمبر ۱۹۱۶ء "سیرت مسیح موعود" مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی حصہ اول صفحہ ۳۰ "سیرت المہدی" حصہ اول صفحہ ۸۰۔۸۵ و حصہ دوم صفحہ ۱۰۷۔۱۰۸

۳۶۔ مرقس ۱۳: ۲۲ تا ۲۵۔

۳۷۔ "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۱۱۰۔۱۱۱

۳۸۔ "تذکرہ" طبع اول صفحہ ۷۵۶

ماموریت کا پانچواں سال

ہوشیار پور کا مبارک سفر

"پسر موعود" کے متعلق عظیم الشان پیشگوئی کا انکشاف

(۱۸۸۶ء)

گذشتہ نوشتوں میں پسر موعود کی پیشگوئی

اب ہم ۱۸۸۶ء میں قدم رکھ رہے ہیں جو تاریخ احمدیت میں ایک نہایت درجہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دین اسلام کے شرف اور آنحضرت ﷺ کی صداقت و عظمت کے اظہار کے لئے ایک "پسر موعود" کی عظیم الشان خبر دی گئی گو یہ پیشگوئی اپنی تفصیلات کے اعتبار سے پہلی دفعہ حضرت مسیح موعودؑ پر منکشف ہوئی مگر اپنی اصولی شکل میں وہ ہزاروں برس سے موجود تھی۔ چنانچہ مذہبی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء بنی اسرائیل کے سامنے یہ منادی کی گئی تھی کہ مسیح موعود کے انتقال کے بعد اس کا فرزند اور پوتا اس کی (آسمانی) بادشاہت کا وارث ہوگا۔[۱] بعد ازاں جب نعمت نبوت بنی اسمٰعیل کی طرف منتقل ہوئی تو پیغمبر دو عالم ﷺ نے مسیح موعود کے متعلق یہ خبر دی۔ "یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ"[۲] یعنی وہ شادی کرے گا اور اس کی اولاد ہوگی۔ اب صاف ظاہر ہے کہ محض شادی اور اولاد کا وجود تو کسی مامور الٰہی کی سچائی پر برہان نہیں بن سکتا۔ جب تک وہ اپنے اندر بھاری نشان نہ رکھتے ہوں۔ پس بے شبہ مخبر صادق کا مقصود یہ تھا کہ مسیح موعود ایک موعود شادی کریگا جو ایک زبردست آیت اللہ ہوگی جس کے نتیجے میں اسے ایک بلند مقام رکھنے والا صالح فرزند عطا کیا جائیگا جو اس کے روحانی کمالات کا نظیر و مثیل ہوگا اور جانشین بھی! وہ ہر امر میں اس کا مطیع ہوگا۔ اس کا شمار درگاہ الٰہی کے معزز بندوں میں ہوگا اور وہ دین اسلام کی حمایت کرے گا۔[۳]

اب چونکہ اس موعود کے ظہور کا زمانہ قریب آرہا تھا اس لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے اسلام کے مختلف باکمال بزرگوں کو بھی اطلاع دے دی گئی۔ چنانچہ روم میں مولوی جلال الدینؒ [۴] (۱۲۰۷۔ ۱۲۷۳) ہندوستان میں حضرت نعمت اللہ [۵] ولی ہانسوی ۱۱۶۵ء اور شام میں حضرت محی الدین ابن عربی [۶] (۱۱۶۴۔۱۲۴۰ء) نے کشفی آنکھ سے اس موعود کو دیکھا اور اپنے اپنے زمانہ میں اس کی خبر دیتے رہے بلکہ پانچویں صدی ہجری کے شامی بزرگ حضرت امام یحییٰ بن عقبؒ نے تو کھلے لفظوں میں پیشگوئی فرمائی کہ۔

وَ مَحْمُوْدٌ سَیُظْهَرُ بَعْدَ هٰذَا وَ یَمْلِکُ الشَّامَ بِلَا قِتَالٍ [۷]

یعنی مسیح موعودؑ اور ایک عربی النسل انسان کے بعد محمود ظاہر ہو گا جو ملک شام کو کسی (مادی) جنگ کے بغیر فتح کرے گا۔ بعض ائمہ شیعہ کو بھی [۸] بتایا گیا کہ ایک آنے والے موعود کا اسم گرامی "محمود" ہو گا۔

ہوشیار پور کا مبارک سفر

ان قدیم نوشتوں کے جلد پورا کرنے کے لئے خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں قادیان سے باہر چلہ کشی کرنے کی تحریک اٹھی اور آپ نے ۱۸۸۴ء میں سوجان پور کا فیصلہ کر کے اپنے عقیدتمند منشی عبد اللہ صاحب سنوری کو اپنی منشاء سے اطلاع بھی دے دی مگر حضور کو الہاماً بتایا گیا کہ آپ کی عقدہ کشائی ہوشیار پور [۹] میں ہو گی۔ سو حضور بہلی میں بیٹھ کر دریائے بیاس کے راستے ۲۲۔ جنوری ۱۸۸۶ء کو ہوشیار پور تشریف لے گئے اور چلہ کشی کے نتیجے میں مصلح موعود اور پردہ غیب میں پوشیدہ جماعت کے شاندار مستقبل کے متعلق بھاری بشارتیں پانے اور تبلیغ اسلام کی مہمات میں حصہ لینے کے بعد ۱۷۔ مارچ [۱۰] ۱۸۸۶ء کو بانیل مرام واپس قادیان پہنچے۔

حضرت منشی عبد اللہ صاحب سنوری (جنہیں اس موقعہ پر ابتداء سے آخر تک ہمسفر رہنے کا شرف نصیب ہوا) اس مبارک سفر کی روداد یوں بیان کرتے ہیں کہ "حضرت صاحب نے ۱۸۸۴ء میں ارادہ فرمایا تھا کہ قادیان سے باہر جا کر کہیں چلہ کشی فرمائیں گے اور ہندوستان کی سیر بھی کریں گے۔ چنانچہ آپ نے ارادہ فرمایا کہ سوجان پور ضلع گورداسپور میں جا کر خلوت میں رہیں اور اس کے متعلق حضور نے ایک اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا پوسٹ کارڈ بھی مجھے روانہ فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے بھی اس سفر اور ہندوستان کے سفر میں حضور ساتھ رکھیں۔ حضور نے منظور فرما لیا۔ مگر پھر حضور کو اس سفر سوجان پور کے متعلق الہام ہوا کہ تمہاری عقدہ کشائی ہوشیار پور میں ہو گی۔ چنانچہ آپ نے سوجان پور جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور ہوشیار پور جانے کا ارادہ کر لیا۔ جب آپ ماہ جنوری ۱۸۸۶ء میں

ہوشیار پور جانے لگے تو مجھے خط لکھ کر حضور نے قادیان بلالیا۔ اور شیخ مہر علی رئیس ہوشیار پور کو خط لکھا کہ میں دو ماہ کے واسطے ہوشیار پور آنا چاہتا ہوں کسی ایسے مکان کا انتظام کر دیں جو شہر کے ایک کنارہ پر ہو اور اس میں بالاخانہ بھی ہو۔ شیخ مہر علی نے اپنا ایک مکان جو طویلہ کے نام سے مشہور تھا خالی کروا دیا۔ حضور بہلی میں بیٹھ کر دریائے بیاس کے راستے تشریف لے گئے۔ میں اور شیخ حامد علی اور فتح خاں ساتھ تھے...... فتح خاں رسولپور متصل "ٹانڈہ ضلع ہوشیار پور کا رہنے والا تھا اور حضور کا بڑا معتقد تھا مگر بعد میں مولوی محمد حسین بٹالوی کے اثر کے نیچے مرتد ہو گیا۔ حضور جب دریا پر پہنچے تو چونکہ کشتی تک پہنچنے کے رستہ میں کچھ پانی تھا اس لئے ملاح نے حضور کو اٹھا کر کشتی میں بٹھایا جس پر حضور نے اسے ایک روپیہ انعام دیا۔ دریا میں جب کشتی چل رہی تھی حضور نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میاں عبداللہ کامل کی صحبت اس سفر دریا کی طرح ہے جس میں پار ہونے کی بھی امید ہے اور غرق ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ میں نے حضور کی یہ بات سرسری طور پر سنی مگر جب فتح خاں مرتد ہوا تو مجھے حضرت کی یہ بات یاد آئی۔ خیر ہم راستہ میں فتح خاں کے گاؤں میں قیام کرتے ہوئے دوسرے دن ہوشیار پور پہنچے وہاں جاتے ہی حضرت صاحب نے طویلہ کے بالاخانہ میں قیام فرمایا اور اس غرض سے کہ ہمارا آپس میں کوئی جھگڑا نہ ہو ہم تینوں کے الگ الگ کام مقرر فرما دیئے۔ چنانچہ میرے سپرد کھانا پکانے کا کام ہوا۔ فتح خاں کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ بازار سے سودا وغیرہ لایا کرے شیخ حامد علی کا یہ کام مقرر ہوا کہ گھر کا بالائی کام اور آنے جانے والے کی مہمان نوازی کرے۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے بذریعہ دستی اشتہارات اعلان کر دیا کہ چالیس دن تک مجھے کوئی صاحب ملنے نہ آویں۔ اور نہ کوئی صاحب مجھے دعوت کے لئے بلائیں۔ ان چالیس دن کے گزرنے کے بعد میں یہاں بیس دن اور ٹھہروں گا۔ ان بیس دنوں میں ملنے والے ملیں دعوت کا ارادہ رکھنے والے دعوت کر سکتے ہیں اور سوال و جواب کرنے والے سوال و جواب کر لیں۔ اور حضرت صاحب نے ہم کو بھی حکم دے دیا کہ ڈیوڑھی کے اندر کی زنجیر ہر وقت لگی رہے اور گھر میں بھی کوئی شخص مجھے نہ بلائے۔ میں اگر کسی کو بلاؤں تو وہ اسی حد تک میری بات کا جواب دے جس حد تک کہ ضروری ہے اور نہ اوپر بالاخانہ میں کوئی میرے پاس آوے۔ میرا کھانا اوپر پہنچا دیا جاوے مگر اس کا انتظار نہ کیا جاوے کہ میں کھانا کھا لوں۔ خالی برتن پھر دوسرے وقت لے جایا کریں۔ نماز میں اوپر الگ پڑھا کروں گا تم نیچے پڑھا لیا کرو۔ جمعہ کے لئے حضرت صاحب نے فرمایا کوئی ویران سی مسجد تلاش کرو جو شہر کے ایک طرف ہو۔ جہاں ہم علیحدگی میں نماز ادا کر سکیں۔ چنانچہ شہر کے باہر ایک باغ تھا اس میں ایک چھوٹی سی ویران مسجد تھی۔ وہاں جمعہ کے دن حضور تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور ہم کو نماز پڑھاتے تھے اور خطبہ بھی خود پڑھتے تھے"۔

"میں کھانا چھوڑنے اوپر جایا کرتا تھا اور حضور سے کوئی بات نہیں کرتا تھا مگر کبھی حضور مجھ سے خود کوئی بات کرتے تھے تو جواب دے دیتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ میاں عبداللہ ان دنوں میں مجھ پر بڑے بڑے خدا تعالیٰ کے فضل کے دروازے کھلے ہیں اور بعض اوقات دیر دیر تک خدا تعالیٰ مجھ سے باتیں کرتا رہتا ہے اگر ان کو لکھا جاوے تو کئی ورق ہو جاویں۔........ پسر موعود کے متعلق الہامات بھی اسی چلہ میں ہوئے تھے اور بعد چلہ کے ہوشیار پور سے ہی آپ نے اس پیشگوئی کا اعلان فرمایا تھا جب چالیس دن گزر گئے تو پھر آپ حسب اعلان بیس دن اور وہاں ٹھہرے۔ ان دنوں میں کئی لوگوں نے دعوتیں کیں اور کئی لوگ مذہبی تبادلہ خیالات کے لئے آئے اور باہر سے حضور کے پرانے ملنے والے لوگ بھی مہمان آئے انہی دنوں میں مرلی دھر سے آپ کا مباحثہ ہوا۔ جو سرمہ چشم آریہ میں درج ہے جب دو مہینے کی مدت پوری ہو گی تو حضرت صاحب واپس اسی راستہ سے قادیان روانہ ہوئے ہوشیار پور سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ایک بزرگ کی قبر ہے جہاں کچھ باغیچہ سا لگا ہوا تھا وہاں پہنچ کر حضور تھوڑی دیر کے لئے بہلی سے اتر آئے اور فرمایا یہ عمدہ سایہ دار جگہ ہے یہاں تھوڑی دیر ٹھہر جاتے ہیں اس کے بعد حضور قبر کی طرف تشریف لے گئے میں بھی پیچھے پیچھے ساتھ ہو گیا۔ اور شیخ حامد علی اور فتح خاں بہلی کے پاس رہے آپ مقبرہ پر پہنچ کر اس کا دروازہ کھول کر اندر گئے اور قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور تھوڑی دیر تک دعا فرماتے رہے پھر واپس آئے اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا "جب میں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو جس بزرگ کی یہ قبر ہے وہ قبر سے نکل کر دو زانو ہو کر میرے سامنے بیٹھ گئے اور اگر آپ ساتھ نہ ہوتے تو میں ان سے باتیں بھی کر لیتا۔ انکی آنکھیں موٹی موٹی ہیں اور رنگ سانولا ہے"۔ پھر کہا کہ دیکھو اگر یہاں کوئی مجاور ہے تو اس سے ان کے حالات پوچھیں۔ چنانچہ حضور نے مجاور سے دریافت کیا۔ اس نے کہا میں نے ان کو خود نہیں دیکھا کیونکہ ان کی وفات کو قریباً ایک سو سال گزر گیا ہے۔ ہاں اپنے باپ یا دادا سے سنا ہے کہ یہ اس علاقہ کے بڑے بزرگ تھے اور اس علاقہ میں ان کا بہت اثر تھا۔ حضور نے پوچھا ان کا حلیہ کیا تھا؟ وہ کہنے لگا سنا ہے سانولا رنگ تھا اور موٹی موٹی آنکھیں تھیں۔ پھر ہم وہاں سے روانہ ہو کر قادیان پہنچ گئے"۔ [111]

پسر موعود اور جماعت کی ترقی سے متعلق زبردست پیشگوئی

سفر ہوشیار پور کے ان اجمالی حالات میں حضور کی چلہ کشی پسر موعود کی پیشگوئی اور مباحثہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کا تفصیلی ذکر اب کیا جاتا ہے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام (جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے) ہوشیار پور میں محض چلہ کشی کے

لئے تشریف لے گئے تھے اور شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور کے مکان کی بالائی منزل میں آپ چالیس روز تک دعاؤں میں مصروف رہے اس دوران میں حضور کی خلوت نشینی کا عجیب رنگ تھا۔ شہر والوں سے تو دستی اشتہارات کے ذریعہ سے ملاقات کی ممانعت تھی اور اپنے تینوں خادموں کو بھی جو آپ کے ھمسفر تھے زبانی یہ حکم دے دیا تھا کہ ڈیوڑھی کی زنجیر ہر وقت لگی رہے اور کوئی شخص گھر میں بھی مجھے نہ بلائے میں اگر کسی کو بلاؤں تو وہ اتنا ہی میری بات کا جواب دے جتنا ضروری ہے کھانا پہنچانے کے لئے بھی حضور سے انہیں اوپر اجازت لے کر جانا پڑتا تھا۔ اللہ تعالٰی کی طرف سے اس عرصہ میں مکالمات و مخاطبات کا وسیع سلسلہ جاری ہوا۔ چنانچہ منشی عبداللہ صاحب سنوری ایک دفعہ جب کھانا لے کر اوپر گئے تو حضور نے فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے۔ "بورک من فیها و من حولها"۔ اور حضور نے تشریح فرمائی کہ من فیھا سے تو میں مراد ہوں اور من حولھا سے تم لوگ۔ اسی طرح ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا۔ "مجھے خدا اس طرح مخاطب کرتا ہے اور مجھ سے اس طرح کی باتیں کرتا ہے کہ اگر میں ان میں سے کچھ تھوڑا سا بھی ظاہر کردوں تو یہ جو معتقد نظر آتے ہیں سب پھر جاویں"۔ [۱۲] ان سب الہامات میں اہمیت اس پیشگوئی کو حاصل ہے جس میں آپ کو پسر موعود کی خبر دیگئی۔ اسی لئے جب چلہ ختم ہوا تو حضرت اقدس نے اپنے قلم سے ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کو ایک اشتہار تحریر فرمایا۔ جو اخبار ریاض ہند امرت سر یکم مارچ ۱۸۸۶ء کی اشاعت میں بطور ضمیمہ شائع ہوا چنانچہ آپ نے لکھا۔

"پہلی پیشگوئی بالہام اللہ تعالٰی و اعلامہ عزوجل خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہریک چیز پر قادر ہے (جل شانہ و عزاسمہ) مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کرکے فرمایا کہ میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایہ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کردیا سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے اے مظفر! تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں۔ میں کہ تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور

اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائیگا ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہو گا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے' وہ نور اللہ ہے مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئیگا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہو گا وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا وہ کلمتہ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے اپنے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہو گا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔ فرزند دل بند گرامی ارجمند مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعُلَاءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ. جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہو گا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہو گا وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہو گا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔

پھر خدائے کریم جل شانہ نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہو گی اور میں تیری ذریت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی اور ہریک شاخ تیرے جدی بھائیوں کی کاٹی جائے گی اور وہ جلد لاولد رہ کر ختم ہو جائیگی اگر وہ توبہ نہ کریں گے تو خدا ان پر بلا پر بلا نازل کرے گا یہاں تک کہ وہ نابود ہو جائیں گے ان کے گھر بیواؤں سے بھر جائیں گے اور ان کی دیواروں پر غضب نازل ہو گا لیکن اگر وہ رجوع کریں گے تو خدا رحم کے ساتھ رجوع کریگا۔ خدا تیری برکتیں اردگرد پھیلائے گا اور ایک اجڑا ہوا گھر تجھ سے آباد کرے گا اور ایک

ڈراؤنا گھر برکتوں سے بھر دے گا تیری ذریت منقطع نہیں ہو گی اور آخری دنوں تک سرسبز رہے گی خدا تیرے نام کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزت کے ساتھ قائم رکھے گا اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا۔ میں تجھے اٹھاؤں گا اور اپنی طرف بلالوں گا پر تیرا نام صفحہ زمین سے کبھی نہیں اٹھے گا اور ایسا ہو گا کہ سب وہ لوگ جو تیری ذلت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے ناکام رہنے کے درپے اور تیرے نابود کرنے کے خیال میں ہیں وہ خود ناکام رہیں گے اور ناکامی و نامرادی میں مریں گے لیکن خدا تجھے بکلی کامیاب کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا اور ان میں کثرت [۱۳] بخشوں گا اور وہ مسلمانوں کے اس دوسرے گروہ پر تابروز قیامت غالب رہیں گے جو حاسدوں اور معاندوں کا گروہ ہے خدا انہیں نہیں بھولے گا اور فراموش نہیں کرے گا اور وہ علیٰ حسب الاخلاص اپنا اپنا اجر پائیں گے تو مجھے ایسا ہے جیسے انبیاء بنی اسرائیل (یعنی ظلی طور پر ان سے مشابہت رکھتا ہے) تو مجھے ایسا ہے جیسی میری توحید۔ تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں اور وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا بادشاہوں اور امیروں کے دلوں میں تیری محبت ڈالیگا۔ یہاں تک کہ وہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ اے منکرو اور حق کے مخالفو! اگر تم میرے بندہ کی نسبت شک میں ہو اگر تمہیں اس فضل و احسان سے کچھ انکار ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر کیا تو اس نشان رحمت کی مانند تم بھی اپنی نسبت کوئی سچا نشان پیش کرو اگر تم سچے ہو اور اگر تم پیش نہ کر سکو اور یاد رکھو کہ ہرگز پیش نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو کہ جو نافرمانوں اور جھوٹوں اور حد سے بڑھنے والوں کے لئے تیار رہے۔ فقط" [۱۴]

اس اشتہار کے بعد حضرت اقدس کو مزید بتایا گیا کہ "ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی ۹ برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہو گا خواہ جلد ہو خواہ دیر سے بہرحال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائے گا۔ [۱۵] نیز چند روز بعد ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء کو جناب الٰہی کی طرف توجہ کرنے پر منکشف ہوا "کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے جو ایک مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا"۔ تاہم یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جو اب پیدا ہو گا یہی پسر موعود ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہو گا۔ [۱۶]

پسر موعود سے متعلق پیشگوئی کا رد عمل

حضرت اقدس ؑ کی طرف سے پسر موعود سے متعلق یہ پیشگوئی شائع ہوئی تو ملک میں ایک

شور برپا ہو گیا۔ آپ کے عقیدت مند نہایت بے تابی سے آنے والے کا انتظار کرنے لگے۔ اور مخالفین اسلام میں جو حضرت اقدسؑ کے نشان نمائی کے چیلنج کے مقابلہ میں شکست فاش اٹھا چکے تھے اس "نشان رحمت" کی تضحیک کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے چنانچہ پنڈت لیکھرام نے ۱۸۔ مارچ ۱۸۸۶ء کو نہایت گستاخانہ لب و لہجہ میں ایک مفتریانہ اشتہار شائع کیا جس میں حرف بحرف خدا تعالیٰ کے حکم سے لکھنے کا ادعا کر کے جواب دیا کہ "آپ کی ذریت بہت جلد منقطع ہو جائے گی غایت درجہ تین سال تک شہرت رہے گی"۔ نیز کہا کہ اگر کوئی لڑکا پیدا بھی ہوا تو وہ آپ کی پیشگوئی میں بیان شدہ صفات سے برعکس رحمت کا نشان نہیں زحمت کا نشان ثابت ہو گا۔ وہ مصلح موعود نہیں مفسد موعود ہو گا چنانچہ اس بدزبان نے پسر موعود سے متعلق پیشگوئی کی ایک ایک صفت کو اپنے تجویز کردہ الفاظ کے سانچے میں ڈھال کر پوری بے حجابی سے لکھا۔ "خدا کہتا ہے جھوٹوں کا جھوٹا ہے میں نے کبھی اس کی دعا نہیں سنی اور نہ قبول کی"۔ "خدا اس سفر کو نہایت منحوس بتلاتا ہے"۔ "خدا کہتا ہے میں نے قہر کا نشان دیا ہے"۔ "خدا کہتا ہے اس کا نام عزرائیل اور شریر بھی ہے"۔ "ناپاک اور پلید روح دی گئی ہے"۔ "وہ دیجور کھلم کھلا ہے"۔ "خدا کہتا ہے وہ آسمانی گولا نہایت منحوس ہے جو پاتال کو جاتا ہے"۔ "آج تک مرزاوی فرقہ میں عموماً اور مرزا صاحب پر خصوصاً قہر کا سایہ تھا جو اس مغضوب ربانی کے سبب جہان میں آیا تھا"۔ "شاید وہ صاحب ذلت و نحوست و نکبت ہو گا"۔ "خدا کہتا ہے وہ مرزا کی طرح دنیا میں آکر اعزاز شیطانی نفس اور روح منحوس کی نحوست سے بہتوں کو دائم المریض کر کے واصل فی النار کرے گا اور آخر کو خود بھی اس میں پڑیگا۔ اور اس کا نام خرد جال ہو گا"۔ "خدا اسے ناپاک بتلاتا ہے جس کو شیطان نے اپنی شیطنت اور بے ہمیتی سے بھیجا ہے"۔ "خدا کہتا ہے وہ نہایت غلیظ القلب ہو گا اور علوم صوری و معنوی سے قطعی محروم رہے گا"۔ "خدا کہتا ہے غلام جان بدبخت خسرۃ الدنیا والاخرہ مصدر باطل و العاطل"۔ "كَاَنَّ الشَّيْطَانُ وَدَدَ عَنِ الْفَلَكِ"۔ "اس میں شیطان کی روح پڑیگی اور خدا کا غضب اس پر برسے گا"۔ (وہ جلد جلد بڑھیگا کے متعلق) خدا کہتا ہے کہ محض جھوٹھ [۱۷] ہے"۔ "خدا کہتا ہے وہ دائم الحبس ہو گا"۔ "اس رذیل کا نام قادیان میں بھی بہت سے نہ جانیں گے"۔ اب تک تو آپ کے خالص اور دلی محبوں کا گروہ گھٹتا رہا ہے آئندہ بھی خدا کہتا ہے خسرۃ الدنیا والاخرۃ رہیں گے"۔ اس اشتہار کے آخر میں لکھا۔

"قادیانی خدا کا ارشاد ہے کہ میں نے تجھ پر کچھ فضل و احسان نہیں کیا نہ کوئی رحمت کا نشان بھیجا یہ سب تیری کارسازی ہے اور سراسر جعلسازی۔ اور خدا کا یہ بھی فرمان ہے کہ میں نے جو فضل و احسان کیا ہے سب آریوں پر کیا ہے اور وقتاً فوقتاً انہیں کو الہامات اور رغبت کی خبروں سے اطلاع دی ہے اور سب فرقے جھوٹے مدعی ہیں"۔ [۱۸]

پنڈت لیکھرام کی اس ہرزہ سرائی کے علاوہ پنڈت اندر من مراد آبادی نے بھی نکتہ چینی کی کہ نو برس کی حد جو پسر موعود کے لئے بیان کی گئی ہے بڑی گنجائش کی جگہ ہے ایسی لمبی میعاد تک تو کوئی نہ کوئی لڑکا پیدا ہو ہی سکتا ہے۔ یہ تو دشمنان اسلام تھے ان کے لئے یہ مخالفت تعجب کا محل نہ تھی۔ حیرت اس بات پر ہے کہ قادیان کے بعض نام نہاد مسلمانوں (حافظ سلطان کشمیری و صابر علی) نے عدوان اسلام کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے یہ مشہور کر دیا کہ لڑکا تو ڈیڑھ ماہ سے پیدا ہو چکا ہے۔ ایک شخص محمد رمضان نے پنجابی اخبار (۲۰۔ مارچ ۱۸۸۶ء) میں ایک تہذیب و شائستگی سے گرا ہوا مضمون بھی لکھا۔ [۱۹] حضرت مسیح موعودؑ نے لیکھرام کے تعفن آلود اشتہار کا فیصلہ تو مستقبل پر چھوڑا۔ البتہ اندر من کو جواب دیا کہ جن صفات خاصہ کے ساتھ لڑکے کی بشارت دی گئی ہے کسی لمبی میعاد سے گو نو برس سے بھی دو چند ہوتی اس کی عظمت و شان میں فرق نہیں آسکتا۔ آپ نے ۲۲۔ مارچ ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں یہ بھی لکھا کہ "یہ صرف پیشگوئی ہی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان نشان آسمانی ہے جس کو خدائے کریم جل شانہ' نے ہمارے نبی کریم رؤف رحیم محمد مصطفیٰ ﷺ کی صداقت و عظمت ظاہر کرنے کے لئے ظاہر فرمایا ہے۔ ....جو لوگ مسلمانوں میں چھپے ہوئے مرتد ہیں وہ آنحضرت ؐ کے معجزات کا ظہور دیکھ کر خوش نہیں ہوتے بلکہ ان کو بڑا رنج پہنچتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا"۔ [۲۰]

صاحبزادی عصمت کی پیدائش اور بشیر اول کی وفات پر طوفان بے تمیزی

یہ نوک جھوک جاری تھی کہ ۱۵۔ اپریل ۱۸۸۶ء کو صاحبزادی عصمت پیدا ہو گئیں جس پر ہندوؤں اور عیسائیوں کی طرف سے طوفان بے تمیزی برپا کیا گیا کہ پیشگوئی غلط نکلی لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی۔ بحالیکہ حضرت مسیح موعودؑ نے خدا تعالیٰ سے خبر پا کر صاف طور پر پسر موعود کے لئے نو سالہ میعاد مقرر فرمائی تھی اور اسے موجودہ حمل سے متعلق نہیں کیا تھا بلکہ اس کے برعکس پہلے سے یہ بتا دیا تھا کہ ایک لڑکا قریب حمل میں پیدا ہونے والا ہے معلوم نہیں کہ وہی پسر موعود ہے یا وہ بعد کو اپنی مقررہ میعاد کے اندر پیدا ہو گا۔ اور جیسا کہ حضور نے اس وقت لکھا کہ لڑکی کی پیدائش میں بھی بڑی حکمت اور مصلحت تھی۔ کیونکہ اگر ابتدا ہی میں لڑکا پیدا ہو تا تو ایسے لوگوں پر کیا اثر پڑ سکتا تھا جو پہلے ہی کہتے تھے کہ قواعد طبی کی رو سے حمل موجودہ کی علامات سے ایک حکیم بھی بتا سکتا ہے کہ کیا پیدا ہو گا۔

لیکن ابھی ہندوؤں اور عیسائیوں کے فتنے کا انتہائی مرحلہ باقی تھا۔ سوا سال بعد اس خدائی خبر کے عین مطابق جو حضور نے ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء میں شائع فرمادی تھی ۷۔ اگست ۱۸۸۷ء کو بشیر اول کی پیدائش ہوئی اور خدا کا نشان پھر ظاہر ہوا۔ بشیر اول ۴۔ نومبر ۱۸۸۸ء کو فوت ہو گئے۔ [۲۱] اور مخالفین کو

ہنگامہ آرائی کا موقعہ ہاتھ آگیا۔ بالخصوص پنڈت لیکھرام جس نے صاحبزادی عصمت کی پیدائش پر سخت طنز و استہزاء کیا تھا بشیر اول کی وفات پر نہایت درجہ سخت کلامی پر اتر آیا۔

"سبز اشتہار" کی اشاعت

حضور نے پنڈت لیکھرام اور اسی قسم کے دوسرے معاندین کی غلط بیانیوں کا ازالہ کرنے کے لئے "سبز اشتہار" (مطبوعہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء) شائع کیا جس میں حضور نے چیلنج دیا کہ وہ ہمارے اشتہارات میں سے کوئی ایسا حرف پیش کر دکھائیں جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ مصلح موعود اور عمر پانے والا یہی لڑکا تھا جو فوت ہو گیا ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بشیر اول کی وفات سے ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی کا وہ حصہ پورا ہوا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ بعض بچے کم عمری میں بھی فوت ہوں گے۔ حضرت اقدسؑ نے پیشگوئی کے ایک لفظ "مہمان" کی طرف اشارہ کر کے الہام الٰہی سے لکھا کہ اس پیشگوئی کی ابتدائی عبارت "مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے"۔ کے فقرہ پر ختم ہوتی ہے اسی مہمان (بشیر اول) کے متعلق تھی اور اس میں در حقیقت دو لڑکوں کی پیشگوئی مخفی تھی اور مصلح موعود کے حق میں جو پیشگوئی ہے وہ اس عبارت سے شروع ہوتی ہے کہ "اس کے ساتھ فضل ہے کہ جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا پس مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا اور نیز دوسرا نام اس کا محمود اور تیسرا نام اس کا بشیر ثانی بھی ہے اور ایک الہام میں اس کا نام فضل عمر ظاہر کیا گیا ہے۔ اور ضرور تھا کہ اس کا آنا معرض التواء میں رہتا جب تک یہ بشیر جو فوت ہو گیا ہے پیدا ہو کر پھر واپس اٹھایا جاتا کیونکہ یہ سب امور حکمت الہیہ نے اس کے قدموں کے نیچے رکھے تھے۔ اور بشیر اول جو فوت ہو گیا ہے بشیر ثانی کے لئے بطور ارہاص تھا اس لئے دونوں کا ایک ہی پیشگوئی میں ذکر کیا گیا"۔

اس الہامی نشان کے ساتھ حضور نے پسر موعود کو خدائی الہام کے مطابق بشیر ثانی اور محمود اور مصلح موعود کے نام سے یاد کرتے ہوئے بڑی تحدی کے ساتھ لکھا "دوسرا لڑکا جس کی نسبت الہام نے بیان کیا کہ دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا دوسرا نام محمود ہے وہ اگرچہ اب تک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا مگر خدا تعالیٰ کے وعدے کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہو گا زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں"

نیز فرمایا۔

"سوا ے وے لوگو! جنہوں نے ظلمت کو دیکھ لیا حیرانی میں مت پڑو۔ بلکہ خوش ہو

اور خوشی سے اچھلو کہ اس کے بعد اب روشنی آئیگی"۔ ۲۲

بشیر ثانی اور محمود کی ولادت باسعادت

پنڈت لیکھرام نے اپنے اشتہاروں میں لکھا تھا کہ تین سال تک آپ کی ذریت منقطع ہو جائے گی۔ یہ خدا تعالیٰ کے خلاف چیلنج تھا جس سے رحمت الٰہی میں ایک خاص جوش پیدا ہو گیا۔ اور وہ بشیر ثانی جس کی میعاد ۹ سال رکھی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر خاص کے تحت لیکھرام کی پیشگوئی کو باطل ثابت کرنے کے لئے ۱۲۔ جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہو گیا۔

یہ بشیر ثانی جماعت احمدیہ کے موجودہ امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ہیں جن کے پیدا ہوتے ہی حضور نے اشتہار "تکمیل تبلیغ" میں اہل عالم کو اطلاع دی کہ:-

"خدائے عزوجل نے جیسا کہ اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء و اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء میں مندرج ہے اپنے لطف و کرم سے وعدہ دیا تھا کہ بشیر اول کی وفات کے بعد ایک دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا نام محمود بھی ہو گا اور اس عاجز کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ وہ اولوالعزم ہو گا اور حسن و احسان میں تیرا نظیر ہو گا۔ وہ قادر ہے جس طور سے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ سو آج ۱۲۔ جنوری ۱۸۸۹ء میں مطابق ۹۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۶ھ روز شنبہ میں اس عاجز کے گھر میں بفضلہ تعالیٰ ایک لڑکا پیدا ہو گیا ہے جس کا نام بالفعل محض تفاؤل کے طور پر بشیر اور محمود رکھا گیا ہے اور کامل انکشاف کے بعد پھر اطلاع دی جائے گی"۔ ۲۳

کامل انکشاف کے بعد اطلاع

حضرت اقدسؑ نے سفر ہوشیار پور کے بعد ۱۸۸۶ء میں ایک رسالہ "سراج منیر" لکھنا شروع فرمایا تھا۔ حضور نے اس رسالہ کے چھاپنے میں صرف اس لئے توقف فرمایا کہ "جب اچھی طرح الہامی طور پر لڑکے کی حقیقت کھل جائے تب اس کا مفصل و مبسوط حال لکھا جائے"۔ ۲۴

چنانچہ جب الہامی طور پر کامل انکشاف ہو گیا تو جہاں پہلے حضور نے محض تفاؤل کے طور پر پیدا ہونے والے فرزند کو بشیر اور محمود قرار دیا تھا وہاں اب "سراج منیر" میں کسی شک و شبہ کے بغیر حقیقی رنگ میں اسے سبز اشتہار کی پیشگوئی کا مصداق قرار دے کر لکھا کہ:-

"پانچویں پیشگوئی میں نے اپنے لڑکے محمود کی پیدائش کی نسبت کی تھی کہ وہ اب پیدا ہو گا اور اس کا نام محمود رکھا جائے گا۔ اور اس پیشگوئی کی اشاعت کے لئے سبز ورق کے اشتہار شائع کئے گئے تھے جو اب تک موجود ہیں اور ہزاروں میں تقسیم ہوئے تھے چنانچہ وہ لڑکا پیشگوئی کی میعاد میں پیدا ہوا۔ اور اب نویں سال میں ہے"۔ ۲۵

نیز لکھا۔ "سبز اشتہار" میں صریح لفظوں میں بلا توقف لڑکا پیدا ہونے کا وعدہ تھا سو محمود پیدا ہو گیا۔

کس قدر پیشگوئی عظیم الشان ہے خدا کا خوف ہے تو پاک دل کے ساتھ سوچو"۔ ۲۶

"سراج منیر" کے علاوہ حضور نے اپنی وفات تک کئی بار پیہم اور مسلسل مخالفین اسلام کے سامنے خدائے عزوجل کے اس عظیم الشان نشان کے ظہور کی منادی کی۔ چنانچہ "سر الخلافہ" میں فرمایا۔

"اِنَّ لِیْ کَانَ اِبْنًا صَغِیْرًا وَ کَانَ اِسْمُہٗ بَشِیْرًا فَتَوَفَّاہُ اللّٰہُ فِیْ اَیَّامِ الرَّضَاعِ..... فَاُلْھِمْتُ مِنْ رَبِّیْ اِنَّا نَرُدُّہٗ اِلَیْکَ تَفَضُّلًا عَلَیْکَ وَ کَذَالِکَ رَاَتْ اُمُّہٗ فِیْ رُؤْیَاھَا اَنَّ الْبَشِیْرَ قَدْ جَاءَ وَ قَالَ اِنِّیْ اُعَانِقُکِ اَشَدَّ الْمُعَانَقَۃِ وَ لَا اُفَارِقُ بِالسُّرْعَۃِ فَاَعْطَانِیَ اللّٰہُ بَعْدَہٗ اِبْنًا اٰخَرَ وَ ھُوَ خَیْرُ الْمُعْطِیْنَ فَعَلِمْتُ اَنَّہٗ ھُوَ بَشِیْرٌ وَ قَدْ صَدَقَ الْخَبِیْرُ فَسَمَّیْتُہٗ بِاِسْمِہٖ وَ اَرٰی حُلْیَۃَ الْاَوَّلِ فِیْ جِسْمِہٖ"۔ ۲۷

یعنی میرا ایک چھوٹا بیٹا جس کا نام بشیر (اول - مرتب) تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شیر خواری میں ہی وفات دے دی۔ تب مجھے اللہ تعالیٰ نے الہاماً فرمایا کہ ہم اسے از راہ احسان تمہارے پاس واپس بھیج دیں گے۔ ایسا ہی اس بچے کی والدہ نے رؤیا میں دیکھا کہ بشیر آگیا ہے اور کہتا ہے کہ میں آپ سے نہایت محبت کے ساتھ ملوں گا۔ اور جلد جدا نہ ہوں گا۔ اس الہام و رؤیا کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے دوسرا فرزند عطا فرمایا۔ تب میں نے جان لیا کہ یہ وہی بشیر (موعود) ہے اور خدا تعالیٰ اپنی خبر میں سچا ہے چنانچہ میں نے اس بچے کا نام بشیر ہی رکھا اور مجھے اس کے جسم میں بشیر اول کا حلیہ دکھائی دیتا ہے۔

ضمیمہ انجام آتھم میں لکھا۔

"محمود جو بڑا لڑکا ہے اس کی پیدائش کی نسبت اس سبز اشتہار میں صریح پیشگوئی مع محمود کے نام کے موجود ہے"۔ ۲۸

"تریاق القلوب" میں تحریر فرمایا۔

"محمود جو میرا بڑا بیٹا ہے اس کے پیدا ہونے کے بارے میں اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء میں اور نیز اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء میں جو سبز رنگ کے کاغذ پر چھاپا گیا تھا......... پیشگوئی کی گئی اور سبز رنگ کے اشتہار میں یہ بھی لکھا گیا کہ اس پیدا ہونے والے لڑکے کا نام محمود رکھا جائے گا اور یہ اشتہار محمود کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لاکھوں انسانوں میں شائع کیا گیا۔ پھر جب کہ اس پیشگوئی کی شہرت بذریعہ اشتہارات کامل درجہ پر پہنچ چکی اور مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں میں سے کوئی بھی فرقہ باقی نہ رہا جو اس سے بے خبر ہو تب خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے ۱۲۔ جنوری ۱۸۸۹ء مطابق ۹۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۶ء میں بروز شنبہ محمود پیدا ہوا"۔ ۲۹

اور بالآخر حقیقتہ الوحی میں نہایت صراحت کے ساتھ حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد کو سبز اشتہار

کا موعود قرار دیتے ہوئے بتایا۔ "میرے سبز اشتہار کے ساتویں صفحہ میں ایک دوسرے لڑکے کے پیدا ہونے کے بارے میں یہ بشارت ہے کہ دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا دوسرا نام محمود ہے۔ وہ اگرچہ اب تک جو یکم ستمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہو گا۔ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔ یہ ہے عبارت اشتہار سبز کے صفحہ سات کی جس کے مطابق جنوری ۱۸۸۹ء میں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمود رکھا گیا اور اب تک بفضلہ تعالیٰ زندہ موجود ہے اور سترھویں سال میں ہے"۔ [۳۰]

اکابر جماعت احمدیہ کا قطعی مسلک

ان تصریحات ہی کا نتیجہ تھا کہ ابتداء ہی سے جماعت کے اکابر بزرگوں نے جب بھی جماعت کے سامنے پسر موعود کی پیشگوئی کا تذکرہ کیا قطعی طور پر اسی مسلک کا اظہار کیا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد ہی سبز اشتہار کی پیشگوئی کے مصداق ہونے کی وجہ سے حقیقی معنوں میں پسر موعود ہیں۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد حضرت مولانا نور الدین (خلیفہ المسیح اول) کی شخصیت پوری جماعت کے لئے مطاع کل تھی بالخصوص اس لئے کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ سے متعلق لکھا تھا کہ وہ مشکوۃ نبوت سے منور ہیں اور اپنی پاک طینتی اور شان جوانمردی کے مناسب آنحضرت ﷺ کے نور سے نور لیتے ہیں اور آپ کے لبوں پر حکمت بہتی ہے اور آسمان کے نور نازل ہوتے ہیں۔ [۳۱] اس برگزیدہ ہستی کی خدمت میں جب عمر کے آخری [۳۲] ایام میں حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ نے یہ عرض کیا کہ مجھے آج حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے اشتہارات پڑھ کر معلوم ہو گیا ہے کہ پسر موعود میاں محمود احمد صاحب ہی ہیں تو آپ نے فرمایا "ہمیں تو پہلے ہی سے معلوم ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم میاں صاحب کے ساتھ کس خاص طرز سے ملا کرتے ہیں اور ان کا ادب کرتے ہیں"۔ مزید توثیق کے لئے اپنے قلم مبارک سے آپ نے یہ لکھا۔ "یہ لفظ میں نے برادرم منظور محمد سے کہے ہیں"

اس تاریخی دستاویز کا چربہ پیر صاحب موصوف نے مئی ۱۹۱۴ء کے تشحیذ الاذہان صفحہ ۲۵ میں شائع کر دیا۔ حضرت مولانا نور الدین خلیفہ المسیح اول نے اشارہ الٰہی سے یہ حیرت انگیز خبر بھی دی کہ مصلح موعود ۱۹۴۲ء کے بعد ظاہر ہو گا۔ [۳۳] چنانچہ حضرت خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو بذریعہ رویا جنوری ۱۹۴۴ء [۳۴] میں بمقام لاہور بتایا گیا کہ آپ ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کے مصداق ہیں۔ حضرت خلیفہ اول فرماتے تھے "محمود کی خواہ کوئی کتنی شکایتیں ہمارے پاس کرے ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں ہمیں تو اس میں وہ چیز نظر آتی ہے جو ان کو نظر نہیں آتی۔ یہ لڑکا بہت بڑا بنے گا اور اس سے خدا تعالیٰ

عظیم الشان کام لے گا"۔ ۳۵ یہی وجہ ہے کہ آپ جب ۱۹۱۱ء میں بیمار ہوئے تو آپ نے وصیت فرمائی کہ آپ کے بعد محمود خلیفہ ہو گا۔ ۳۶

حضرت خلیفہ اول تو حضرت مسیح موعودؑ کے مزاج شناس اور ترجمان حقیقت تھے اس لئے ان کا یہ مسلک ناگزیر تھا لیکن یہ تو ایسی کھلی حقیقت تھی جس کے متعلق جماعت میں عام چرچے رہتے تھے۔ مثلاً حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کی ۱۹۱۰ء کے سالانہ جلسہ کی تقریر دلپذیر سن کر جماعت کے نامور عالم مولانا محمد احسن صاحب امروہی بے ساختہ پکار اٹھے کہ:-

"ایک یہ بھی الہام تھا کہ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ مَظْهَرِ الْحَقِّ وَالْعُلَاءِ.... الخ جو اس حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق تھا جو مسیح موعود کے بارے میں ہے کہ یتزوج و یولد لہ یعنی آپ کے ہاں ولد صالح عظیم الشان پیدا ہو گا۔ چنانچہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب موجود ہیں"۔ ۳۷

پسر موعود کے متعلق مبینہ علامات کا خارق عادت رنگ میں ظہور!

مندرجہ بالا واقعات سے ثابت ہے کہ سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ کے وجود میں ابتداء ہی سے پسر موعود کی جھلک نمایاں طور پر جماعت کے سامنے آچکی تھی مگر خدائی نوشتوں کے مطابق جب آپ حضرت خلیفہ المسیح اولؓ کی وفات کے بعد خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ کے متعلق آسمانی وعدوں کا ایک ایک جز نہایت برق رفتاری سے پورا ہونا شروع ہو گیا اور ابھی آپ کے عہد خلافت پر تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ ایک عالم کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور بالآخر مسلم و غیر مسلم حلقے بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ آپ موجودہ دنیا کی ایک عظیم ترین ہستی ہیں اور اب جب کہ یہ تاریخ مرتب ہو رہی ہے بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ پیشگوئی پسر موعود کی کوئی بھی اہم علامت ایسی نہیں جس کے آپ میں پائے جانے کا بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی نہ کسی رنگ میں غیروں کی زبان و قلم سے اقرار نہ کیا جا چکا ہو۔

زبردست شہادتیں

اس ضمن میں بطور مثال صرف چند شہادتیں درج کی جاتی ہیں۔

پہلی شہادت: ایک معزز غیر احمدی عالم مولوی سمیع اللہ خاں صاحب فاروقی نے قیام پاکستان سے قبل "اظہار حق" کے عنوان سے ایک ٹریکٹ میں لکھا۔ "آپ کو (یعنی حضرت مسیح موعودؑ کو۔ ناقل) اطلاع ملتی ہے کہ "میں تیری جماعت کے لئے تیری ہی ذریت سے ایک شخص کو قائم کروں گا اور اس کو اپنے قرب اور وحی سے مخصوص کروں گا اور اس کے ذریعہ سے حق ترقی کریگا اور بہت سے لوگ سچائی قبول کریں گے"

اس پیش گوئی کو پڑھو اور بار بار پڑھو اور پھر ایمان سے کہو کہ کیا یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی ہے اس وقت موجودہ خلیفہ ابھی بچے ہی تھے اور مرزا صاحب کی جانب سے انہیں خلیفہ مقرر کرانے کے لئے کسی قسم کی وصیت بھی نہ کی گئی تھی بلکہ خلافت کا انتخاب رائے عامہ پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس وقت اکثریت نے حکیم نور الدین صاحبؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا جس پر مخالفین نے محولہ صدر پیشگوئی کا مذاق بھی اڑایا لیکن حکیم صاحب کی وفات کے بعد مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ مقرر ہوئے اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کے زمانہ میں احمدیت نے جس قدر ترقی کی وہ حیرت انگیز ہے۔

خود مرزا صاحب کے وقت میں احمدیوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی خلیفہ نور الدین صاحب کے وقت میں بھی خاص ترقی نہ ہوئی تھی لیکن موجودہ خلیفہ کے وقت میں مرزائیت قریباً دنیا کے ہر خطہ تک پہنچ گئی اور حالات یہ بتلاتے ہیں کہ آئندہ مردم شماری میں مرزائیوں کی تعداد ۱۹۳۱ء کی نسبت دگنی سے بھی زیادہ ہو گی بحالیکہ اس عہد میں مخالفین کی جانب سے مرزائیت کے استیصال کے لئے جس قدر منظم کوششیں ہوئی ہیں پہلے کبھی نہیں ہوئی تھیں"۔

"الغرض آپ کی ذریت میں سے ایک شخص پیشگوئی کے مطابق جماعت کے لئے قائم کیا گیا اور اس کے ذریعہ جماعت کو حیرت انگیز ترقی ہوئی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کی یہ پیشگوئی من وعن پوری ہوئی"۔ ۳۸

دوسری شہادت:۔ ہندوستان کے ایک غیر مسلم سکھ صحافی ارجن سنگھ ایڈیٹر "رنگین" امرتسر نے تسلیم کیا کہ "مرزا صاحب نے ۱۹۰۱ء میں جب کہ میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب موجودہ خلیفہ ابھی بچہ ہی تھے یہ پیشگوئی کی تھی کہ ۔

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا جو ہو گا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دور اس مہ سے اندھیرا دکھاؤں گا کہ اک عالم کو پھیرا
بشارت کیا ہے اک دل کی غذا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

یہ پیشگوئی بے شک حیرت پیدا کرنے والی ہے ۱۹۰۱ء میں نہ میرزا بشیر الدین محمود کوئی بڑے عالم و فاضل تھے اور نہ آپ کی سیاسی قابلیت کے جوہر کھلے تھے اس وقت یہ کہنا کہ تیرا ایک بیٹا ایسا اور ایسا ہو گا ضرور کسی روحانی قوت کی دلیل ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ میرزا صاحب نے ایک دعویٰ کر کے گدی کی بنیاد رکھ دی تھی۔ اس لئے آپ کو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ میرے بعد میری جانشینی کا سہرا میرے لڑکے کے سر پر رہے گا لیکن یہ خیال باطل ہے اس لئے کہ میرزا صاحب نے خلافت کی یہ شرط نہیں رکھی کہ

وہ ضرور مرزا صاحب کے خاندان سے اور آپ کی اولاد سے ہی ہو - چنانچہ خلیفہ اول ایک ایسے صاحب ہوئے جن کا میرزا صاحب کے خاندان سے کوئی واسطہ نہ تھا پھر بہت ممکن تھا کہ مولوی حکیم نورالدین صاحب خلیفہ اول کے بعد بھی کوئی اور صاحب خلیفہ ہو جاتے - چنانچہ اس موقعہ پر بھی مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت لاہور خلافت کے لئے امیدوار تھے لیکن اکثریت نے میرزا بشیر الدین صاحب کا ساتھ دیا اور اس طرح آپ خلیفہ مقرر ہو گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر بڑے میرزا صاحب کے اندر کوئی روحانی قوت کام نہ کر رہی تھی تو پھر آخر آپ یہ کس طرح جان گئے کہ میرا ایک بیٹا ایسا ہو گا جس وقت مرزا صاحب نے مندرجہ بالا اعلان کیا ہے اس وقت آپ کے تین بیٹے تھے آپ تینوں کے لئے دعائیں بھی کرتے تھے لیکن پیشگوئی صرف ایک کے متعلق ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک فی الواقع ایسا ثابت ہوا ہے کہ اس نے ایک عالم میں تغیر پیدا کر دیا ہے"۔ ۳۹

تیسری شہادت:- پسر موعود کی آمد کا مقصود یہ تھا کہ "تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو"- برصغیر ہندو پاکستان کے مشہور مسلم لیڈر اور شعلہ نوا شاعر مولوی ظفر علی خاں آف "زمیندار" (۱۸۷۳-۱۹۵۶ء) نے کھلے لفظوں میں اعتراف کرتے ہوئے کہا- "کان کھول کر سن لو تم اور تمہارے لگے بندھے مرزا محمود کا مقابلہ قیامت تک نہیں کر سکتے - مرزا محمود کے پاس قرآن ہے اور قرآن کا علم ہے تمہارے پاس کیا دھرا ہے.... تم نے کبھی خواب میں بھی قرآن نہیں پڑھا...... مرزا محمود کے پاس ایسی جماعت ہے جو تن من دھن اس کے اشارے پر اس کے پاؤں پر نچھاور کرنے کو تیار ہے.... مرزا محمود کے پاس مبلغ ہیں، مختلف علوم کے ماہر ہیں- دنیا کے ہر ملک میں اس نے جھنڈا گاڑ رکھا ہے"۔ ۴۰

چوتھی شہادت:- پسر موعود سے متعلق وعدہ الٰہی تھا کہ وہ "اولوالعزم" ہو گا- نیز یہ کہ وہ "علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا"- چنانچہ ہندوستان کے نامور صوفی خواجہ حسن نظامی دہلوی (۱۸۷۸-۱۹۵۵) نے آپ کی قلمی تصویر کھینچتے ہوئے لکھا- "اکثر بیمار رہتے ہیں مگر بیماریاں ان کی عملی مستعدی میں رخنہ نہیں ڈال سکتیں- انہوں نے مخالفت کی آندھیوں میں اطمینان کے ساتھ کام کر کے اپنی مغلئی جوانمردی کو ثابت کر دیا- اور یہ بھی کہ مغل ذات کار فرمائی کا خاص سلیقہ رکھتی ہے- سیاسی سمجھ بھی رکھتے ہیں اور مذہبی عقل و فہم میں بھی قوی ہیں- اور جنگی ہنر بھی جانتے ہیں- یعنی دماغی اور قلمی جنگ کے ماہر ہیں"۔ ۴۱

پانچویں شہادت:- خدا تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ پسر موعود سخت ذہین و فہیم ہو گا"- اس حقیقت

کو بھی بیگانوں نے تسلیم کیا۔ چنانچہ مفکر احرار چوہدری افضل حق (۱۸۹۲ء-۱۹۴۲ء) نے آپ کے متعلق لکھا"۔ جس قدر روپے احرار کی مخالفت میں قادیان خرچ کر رہا ہے اور جو عظیم الشان دماغ اس کی پشت پر ہے وہ بڑی سے بڑی سلطنت کو پل بھر میں درہم برہم کرنے کے لئے کافی تھا"۔ [۶۲]

چھٹی شہادت: پسر موعود کے متعلق ایک اہم خبر یہ دی گئی تھی کہ "وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہو گا"۔ یہ پیشگوئی جس حیرت انگیز رنگ میں پوری ہوئی اس نے انسانی عقل کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے اور تحریک آزادی کشمیر اس پر شاہد ناطق ہے۔ کیونکہ اس تحریک کو کامیاب بنانے کا سہرا "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" کے سر ہے۔ یہ مشہور کمیٹی حضور کی تحریک اور ہندو پاکستان کے بڑے بڑے مسلم زعماء مثلاً سر ذوالفقار علی خاں (وفات ۱۹۳۳ء) ڈاکٹر سر محمد اقبال (۱۸۷۳-۱۹۳۸ء) خواجہ حسن نظامی دہلوی (۱۸۷۸-۱۹۵۵ء) سید حبیب مدیر اخبار "سیاست" وغیرہ کے مشورہ سے ۲۵۔ جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ میں قائم ہوئی اور اس کی صدارت حضور کو سونپی گئی تھی۔ [۶۳] آپ کی کامیاب قیادت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانان کشمیر جو مدتوں سے انسانیت کے ادنیٰ حقوق سے بھی محروم ہو کر غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ایک نہایت قلیل عرصے میں آزادی کی فضاء میں سانس لینے لگے ان کے سیاسی اور معاشی حقوق تسلیم کئے گئے۔ ریاست میں پہلی دفعہ اسمبلی قائم ہوئی اور تقریر و تحریر کی آزادی کے ساتھ انہیں اس میں مناسب نمائندگی ملی۔ جس پر مسلم پریس نے حضرت مصلح موعود کے شاندار کارناموں کا اقرار کرتے اور آپ کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے یہاں تک لکھا کہ "جس زمانہ میں کشمیر کی حالت نازک تھی اور اس زمانہ میں جن لوگوں نے اختلاف عقائد کے باوجود مرزا صاحب کو صدر منتخب کیا تھا انہوں نے کام کی کامیابی کو زیر نگاہ رکھ کر بہترین انتخاب کیا تھا۔ اس وقت اگر اختلاف عقائد کی وجہ سے مرزا صاحب کو منتخب نہ کیا جاتا۔ تو تحریک بالکل ناکام رہتی۔ اور امت مرحومہ کو سخت نقصان پہنچتا"۔ [۶۴] عبد المجید سالک (۱۸۹۴-۱۹۵۹ء) تحریک آزادی کشمیر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "شیخ محمد عبداللہ (شیر کشمیر) اور دوسرے کارکنان کشمیر مرزا محمود احمد صاحب اور ان کے بعض کارپردازوں کے ساتھ ...... اعلانیہ روابط رکھتے تھے اور ان روابط .... کی بناء محض یہ تھی کہ مرزا صاحب کثیر الوسائل ہونے کی وجہ سے تحریک کشمیر کی امداد کئی پہلوؤں سے کر رہے تھے اور کارکنان کشمیر طبعاً ان کے ممنون تھے"۔ [۶۵]

"وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا" آسمانی کلام دقیق بھی ہوتا ہے اور ذوالمعارف بھی۔ اور اس کے اسرار و غوامض کا سلسلہ نہایت درجہ وسیع ہوتا ہے اور ہر طلوع ہونے والی صبح اس کی عظمتوں پر ایک نئی گواہی پیش کرتی ہے اس نقطہ نظر کے مطابق

اگر پسر موعود کی پیشگوئی دیکھی جائے تو اس کا لفظ لفظ بحر مواج نظر آتا ہے۔ جس کا سطحی سا اندازہ اوپر کی سطور سے باسانی لگ سکتا ہے۔ اسی طرح "وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا"۔ کہنے کو تو اس تاریخی پیشگوئی کے الفاظ میں ایک مختصر سا فقرہ ہے مگر دست قدرت نے اس میں "تین" کے لفظ کو عمومیت کا رنگ دے کر واقعات کی ایک دنیا آباد کردی اور بتایا کہ خدا تعالیٰ کے علم میں اس خدائی خبر کا ظہور کئی بار مقدر ہے تا ایک لمبے عرصے تک اتمام حجت کے تقاضے پوری آب و تاب سے پورے ہوتے رہیں۔ چنانچہ پہلی اور دوسری بار اس کا ظہور سیدنا حضرت مصلح موعود کی ولادت باسعادت کے وقت ہوا جب کہ حضور ایک تو پیشگوئی کے انکشاف سے چوتھے سال یعنی ۱۸۸۹ء میں جلوہ افروز عالم ہوئے۔ دوسرے آپ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب٭ مرزا فضل احمد صاحب اور بشیر اول کے بعد پیدا ہوئے اور چوتھے فرزند تھے۔

اس خبر کا تیسری بار ظہور ۲۵۔ دسمبر ۱۹۳۰ء کو حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی بیعت کے ذریعہ ہوا [26] مرزا سلطان احمد صاحب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حرم اول سے فرزند اکبر تھے اور انہیں حضور کی مقدس زندگی کا ایک بہت بڑا دور دیکھنے کی سعادت ملی اور وہ آپ کو بصدق دل عاشق رسول ﷺ اور عاشق قرآن یقین کرتے تھے مگر وہ حضور کی زندگی میں بیعت میں شامل نہ ہوئے حضرت خلیفہ اول٭ کو مرزا صاحب موصوف سے انتہا درجہ کی محبت و الفت تھی اور وہ اکثر حضرت اقدس٭ کے سامنے آپ کی بعض کتب کی تعریف کیا کرتے تھے اور منشاء یہ ہوتا تھا کہ حضور کی نظر کرم صاحبزادہ صاحب کی طرف ہو جائے اور ان کے لئے دعا فرمائیں۔ ایک دفعہ آپ نے اپنے معمول کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے مرزا سلطان احمد صاحب کی ایک کتاب کا ذکر کیا تو حضور نے فرمایا۔ "مرزا سلطان احمد سے کہو کہ خدا سے صلح کرلے"۔ [27] لیکن صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب٭ کو حضرت اقدس٭ کی زندگی میں اپنے مقدس باپ کی بیعت کا موقعہ میسر نہ آیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انتقال کے بعد خلافت اولیٰ کا زمانہ آیا۔ مگر اب بھی حضرت خلیفہ المسیح اول٭ سے خاص عقیدت کے باوصف صاحبزادہ صاحب٭ سلسلہ احمدیہ میں داخل نہ ہوئے۔ اس کے بعد حضرت خلیفہ المسیح الثانی کی خلافت کا دور شروع ہو گیا۔ اور اب بظاہر مرزا سلطان احمد کے حق کی طرف آنے کا امکان یکسر ختم ہو گیا۔ کیونکہ حضرت خلیفہ المسیح الثانی آپ کے چھوٹے بھائی تھے اور باہم عمر کا تفاوت اس درجہ تھا کہ مرزا سلطان احمد صاحب کی برات اسی دن گئی تھی جس دن حضرت مسیح موعود٭ دوسری شادی کے لئے دلی تشریف لے گئے تھے۔ چنانچہ وہ خود بھی حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی سے خلافت ثانیہ کے ابتداء میں یہ تذکرہ کیا کرتے تھے کہ بڑے مرزا صاحب زندہ ہوتے تو میں ان کی

بیعت کرلیتا........اب میں اپنے چھوٹے بھائی کی بیعت کیا کروں۔ چنانچہ اسی تذبذب میں خلافت ثانیہ کے بھی ۱۵ سال گزر گئے اور عمر کا آخری حصہ آپہنچا۔ ہاتھ پاؤں جواب دے گئے اور پاؤں کو باسانی ہلانے کی سکت بھی باقی نہ رہی کہ یکایک انہوں نے دسمبر ۱۹۳۰ء میں حضرت خلیفہ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ کو پیغام بھیجا کہ میں تو چل نہیں سکتا آپ کسی وقت آکر میری بیعت لے لیں۔ چنانچہ حضور نے اسی دن ان کی بیعت لی۔ حضور ان کی چارپائی کے قریب ہی بیٹھ گئے اور مرزا سلطان احمد صاحبؓ نے اپنا ہاتھ بیعت کے لئے بڑھادیا۔ اور بیعت کرلی [۴۸] اور اس طرح مصلح موعود کی بدولت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تین زندہ صلبی و روحانی بیٹوں (حضرت مصلح موعود، حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب) میں مرزا سلطان احمد صاحبؓ کا بھی اضافہ ہو گیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ خود مرزا سلطان احمد صاحب رضی اللہ عنہ کو بھی مدتوں قبل بذریعہ رویا یہ بتایا گیا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کھڑے ہیں اور وہ بھی حضورؑ کے پاس ہیں اور وہاں ایک جگہ پر چار کرسیاں بچھی ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ ایک کرسی پر تم بیٹھ جاؤ"۔ [۴۹]

تین کو چار کرنے والا چوتھی بار ظہور ہمارے سامنے پاکستان میں ربوہ ایسے عظیم الشان مرکز احمدیت کے قیام سے ہوا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ۔ مدینہ منورہ اور قادیان کے اسلامی مراکز پہلے سے موجود تھے۔ حضرت امیرالمومنین خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ربوہ بسا کر ان تین مراکز میں ایک اور کا اضافہ فرمادیا۔ اور اس طرح آپ تین کو چار کرنے والے بن گئے۔

خود "تین کو چار کرنے والا ہوگا" کی عبارت کے سیاق و سباق میں اس نئے اور چوتھے مرکز کی بعض اہم خصوصیات کی طرف اشارہ بھی کردیا گیا تھا۔ مثلاً "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" کے الفاظ میں اس مرکز کے یوم افتتاح کی خبردی گئی تھی اور اس سے قبل "علوم باطنی" کے الفاظ کو اس صفت سے پیوست کرکے یہ اطلاع دی گئی تھی کہ مصلح موعود کو اس چوتھے مرکز کے قیام کی قبل از وقت بذریعہ کشف و رؤیا خبردی جائے گی جو مسلمہ طور پر علوم باطنی کا سرچشمہ اور ماخذ ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس خبر کے عین مطابق نہ صرف ربوہ کا افتتاح ۲۰۔ ستمبر ۱۹۴۸ء کو ہوا۔ جو دوشنبہ تھا بلکہ اس کے افتتاح سے سات برس پیشتر آپ کو پہاڑیوں کے دامن میں ایک نئے مرکز کے قیام کا کشفی نظارہ دکھادیا گیا۔ [۵۰]

غرضکہ "وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا"۔ کی صفت حضرت مصلح موعود خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں متعدد رنگ میں پوری ہوئی اور اس طرح مصلح موعود کی الہامی پیشگوئی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جو خارق عادت رنگ میں پورا نہ ہو چکا ہو۔

پیشگوئی مصلح موعود اور مؤلف "مجدّد اعظم" جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مولف "مجدد اعظم" نے "پیشگوئی مصلح موعود" بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "حضرت مرزا صاحب کے لڑکوں میں مصلح موعود کوئی بھی نہ ہوا"۔ ۵۱ نیز کہا ہے کہ "مصلح موعود لڑکا کسی آئندہ نسل میں جب اللہ تعالیٰ چاہے گا پیدا ہوگا"۔ اسی طرح یہ بھی قیاس آزمائی کی ہے کہ "یہ بھی ممکن کیا بلکہ اغلب ہے کہ بیٹے سے مراد روحانی بیٹا ہو" یہ بھی اجتہاد کیا ہے کہ چوتھی صدی اس سلسلہ کے غلبہ کی صدی ہے اور غالباً وہی وقت ہوگا جب کوئی شخص دنیا کو راہ راست پر لانے والا آئے گا۔ بہرحال اس سے پہلے تو آ نہیں سکتا"۔

مولف صاحب "مجدد اعظم" نے اس تمام تر مفروضے کی بنیاد اس امر پر رکھی ہے کہ "اگر کوئی اس پیشگوئی کا مصداق ہو سکتا تھا تو وہ حضرت صاحب کا چوتھا لڑکا مبارک احمد ہو سکتا تھا۔ ۵۲ کیونکہ ان کی ولادت سے پہلے دوبارہ اس "تین کو چار کرنے والے" لڑکے کی آمد کے متعلق الہام ہوا تھا مگر ان کے فوت ہو جانے سے اللہ تعالیٰ کے فعل نے ثابت کر دیا کہ وہ بھی اس کے مصداق حقیقی نہ تھے"۔ اپنا یہ نظریہ صحیح ثابت کرنے کے لئے انہوں نے ایک عبارت تصنیف کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف منسوب کر دی اور لکھا کہ "حضرت اقدس تریاق القلوب میں نہایت صاف الفاظ میں یہ تحریر فرماتے ہیں۔ یہ پیشگوئی تین کو چار کرنے والے کی جو پہلے ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں شائع ہوئی اور بعد میں تین لڑکوں یعنی محمود بشیر اور شریف کے پیدا ہو جانے کے بعد انجام آتھم اور ضمیمہ میں خدا نے پھر اطلاع دی کہ وہ تین کو چار کرنے والا یعنی مصلح موعود اب آئے گا"۔ ۵۳

حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ "تریاق القلوب" میں ہرگز موجود نہیں۔ اور خود ساختہ ہیں۔ تنہا اس ایک مثال سے ہی واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے تاریخ احمدیت ایسے اہم اور نازک موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے کہاں تک ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے!!!

حواشی

۱۔ "طالمود" باب پنجم صفحہ ۷ ۳ مطبوعہ لنڈن ۱۸۷۸ء (از جوزف بارکلے) میں لکھا ہے۔

"It is also said that he (the Messiah) shall die and his Kingdom descend to his son and grand son"

۲۔ "مشکوٰۃ مجتبائی باب نزول عیسیٰ بن مریم۔

۳۔ "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۵۷۸ (طبع اول فروری ۱۸۹۳ء) "حمامتہ البشریٰ" صفحہ ۹۶ (طبع اول ۱۸۹۳ء) اور "حقیقتہ الوحی" (مطبوعہ مئی ۱۹۰۷ء) صفحہ ۳۱۲۔

۴۔ "مثنوی مولانا روم" دفتر ششم صفحہ ۲۲۱ مطبوعہ کانپور۔

۵۔ کتاب "اربعین فی احوال المہدیین" (مؤلفہ سید اسمٰعیل شہیدؒ) میں آپ کا جو قصیدہ درج ہے اس میں یہ شعر بھی ہے ۔

دور او چوں شود تمام بکام پسرش یادگار ے بینم

۶۔ "فتوحات مکیہ" بحوالہ نوید یحییٰ (از آغا عبد العزیز فاروقی) حضرت ابن عربیؒ سپین کے مقام مرسیا میں پیدا ہوئے مگر آخری عمر میں ہجرت کر کے شام میں مستقل طور پر مقیم ہو گئے تھے۔ دمشق میں ان کا مزار ہے۔

۷۔ "شمس المعارف" مصری صفحہ ۳۴۰ مولفہ شیخ احمد بن علی البونی ناشر مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ مصر ۱۳۴۵ھ۔

۸۔ "بحار الانوار" جلد ۱۳ صفحہ ۷۔ مولفہ محمد باقر مجلسی۔

۹۔ "سیرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۶ بدر ۵۔ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۰ کالم نمبر ۱، حضرت کی زندگی میں یہ الہام ان الفاظ میں شائع ہوا کہ "ایک معاملہ کی عقدہ کشائی ہوشیار پور میں ہوگی"۔

۱۰۔ "لائف آف احمد" صفحہ ۱۰۹-۱۰۸ مطبوعہ ۱۹۴۹ء (مؤلفہ مولانا عبد الرحیم درد صاحبؓ ایم۔اے)

۱۱۔ "سیرت المہدی" حصہ اول طبع دوم صفحہ ۶۹-۷۱

۱۲۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۶۷ طبع دوم

۱۳۔ یاد رہے یہ اس زمانہ کی پیشگوئی ہے جب کہ سرے سے جماعت کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ کیونکہ جماعت کی تاسیس ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو ہوئی اور یہ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرمایا کہ آپ کو ایک جماعت عطا ہوگی اور ساتھ ہی خبر دی کہ جب یہ جماعت اقلیت میں ہوگی۔ تو دنیا اپنی کثرت کے نشہ میں اسے مٹانے کی کوشش کرے گی مگر فرماتا ہے ہم ابھی سے یہ خبر دے دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق انجام کار یہ انقلاب برپا ہوگا کہ "کثرت" "قلت" میں اور "قلت" "کثرت" میں تبدیل ہو جائے گی۔ (مرتب)

۱۴۔ اشتہار ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء مشمولہ آخر "آئینہ کمالات اسلام" (طبع اول)

۱۵۔ اشتہار ۲۲۔ مارچ ۱۸۸۶ء "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۲۷ (مطبوعہ چشمہ فیض قادری بٹالہ)

۱۶۔ "اشتہار صداقت آثار" ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء مطبوعہ چشمہ فیض قادری پریس بٹالہ "(تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۷۵-۷۶)

۱۷۔ نقل مطابق اصل۔

۱۸۔ "کلیات آریہ مسافر" صفحہ ۴۹۳-۴۹۹۔ شائع کردہ رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز مطبع مفید عام مطبوعہ ۱۹۰۴

۱۹۔ تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۸۹

۲۰۔ ایضاً صفحہ ۷۳-۷۵

۲۱۔ "سبز اشتہار" صفحہ ۱۱

۲۲۔ "سبز اشتہار"

۲۳۔ "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۷ ۱۴ تا ۱۴۹ حاشیہ

۲۴۔ ایضاً صفحہ ۱۲۴ "سبز اشتہار صفحہ ۴۔
۲۵، ۲۶۔ "سراج منیر" صفحہ ۳۱ حاشیہ (طبع اول ۱۸۹۷ء)
۲۷۔ سر الخلافہ طبع اول صفحہ ۵۳ مطبوعہ ۱۸۹۴ء
۲۸۔ "ضمیمہ انجام آتھم" صفحہ ۱۵ مطبوعہ ۱۸۹۷ء
۲۹۔ "تریاق القلوب طبع اول صفحہ ۴۲ مطبوعہ ۱۸۹۹ء
۳۰۔ "حقیقتہ الوحی" صفحہ ۳۶۰ طبع اول (مئی ۱۹۰۷ء)
۳۱۔ ترجمہ از "آئینہ کمالات اسلام" طبع اول صفحہ ۵۸۴-۵۸۷۔
۳۲۔ یہ ۸۔ دسمبر ۱۹۱۳ء کا واقعہ ہے (مرتب)
۳۳۔ اصل تحریر کا عکس رسالہ فرقان (قادیان) مئی ۱۹۴۵ء صفحہ ۴-۶ پر چھپ چکا ہے۔
۳۴۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل یکم فروری ۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۸
۳۵۔ الفضل ۴۔ اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۴
۳۶۔ بدر ۲۶۔ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۔ و رسالہ "حقیقت اختلاف" مصنفہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے) صفحہ ۶۹
۳۷۔ ضمیمہ اخبار بدر ۲۶۔ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۲
۳۸۔ "اظہار الحق" صفحہ ۱۶-۱۷ (مطبوعہ نذیر پرنٹنگ پریس امرتسر باہتمام سید مسلم حسن صاحب زیدی)
۳۹۔ رسالہ "خلیفہ قادیان" طبع اول صفحہ ۷-۸ از ارجن سنگھ ایڈیٹر "رنگین" امرت سر
۴۰۔ "ایک خوفناک سازش" صفحہ ۱۹۶ (مظہر علی اظہر)
۴۱۔ اخبار "عادل" دہلی ۲۴۔ اپریل ۱۹۳۳ء (بحوالہ "خالد" نومبر ۱۹۵۵ء)
۴۲۔ اخبار "مجاہد" ۱۵۔ اگست ۱۹۳۵ء (بحوالہ "الفضل" ۲۹۔ اگست ۱۹۳۵ء)
۴۳۔ "سرگزشت" صفحہ ۲۹۳ (از عبد المجید سالک)
۴۴۔ اخبار "سیاست" ۱۸۔ مئی ۱۹۳۳ء
۴۵۔ "ذکر اقبال" صفحہ ۱۸۸ (از عبد المجید سالک)
۴۶۔ "الفضل" یکم جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۴ کالم ۲-۳
۴۷۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیم صحابی حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کی روایت ہے جو آپ نے خاکسار مرتب کے سامنے ایک مجلس میں بیان فرمائی تھی۔
۴۸۔ "الفضل" ۱۳۔ اپریل ۱۹۵۸ء صفحہ ۴
۴۹۔ الفضل ۱۵۔ فروری ۱۹۱۶ء
۵۰۔ "الفضل" ۲۱۔ دسمبر ۱۹۴۱ء
۵۱۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام صاف لفظوں میں تحریر فرماتے ہیں "الہام یہ بتلا تا تھا کہ چار لڑکے پیدا ہونگے اور ایک کو ان میں سے ایک مرد خدا مسیح صفت الہام نے بیان کیا ہے سو خدا تعالیٰ کے فضل سے چار لڑکے پیدا ہو گئے"۔ (تریاق القلوب صفحہ ۱۴ طبع اول ۱۹۰۲ء)
نیز فرماتے ہیں ۔

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا
جو ہو گا ایک دن محبوب میرا

(بشیر احمد و شریف احمد و مبارکہ کی آمین مطبوعہ ۱۹۰۱ء)
علاوہ ازیں الہام الٰہی میں صاف خبر دی گئی ہے کہ "وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہو گا"۔ یہ الفاظ چونکہ صاف بتا

رہے تھے کہ مصلح موعود کا براہ راست آپ ہی کی ذریت و نسل ہونا مقدر ہے اس لئے مولف "مجدد اعظم" نے سرے سے پیشگوئی پسر موعود کی الہامی عبارت ہی درج نہیں فرمائی۔

۵۲۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے متعلق حضرت اقدس کو ۱۸۸۳ء میں ایک الگ الہام ہوا تھا کہ "تین کو چار کرنے والا مبارک" (نزول المسیح صفحہ ۱۹۶) پس اگر یہ الہام ان کی پیدائش سے قبل دوبارہ بھی نازل ہوا تو اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ وہ مصلح موعود کی پیش گوئی کے مصداق ہو سکتے تھے۔ خصوصاً جب کہ ان کی ولادت نو سالہ میعاد کے بعد ہوئی اور جونہی آپ پیدا ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خبر دے دی گئی۔ کہ یہ جلد فوت ہو جائیگے۔ (تریاق القلوب صفحہ ۴۰ طبع اول)
پس در حقیقت مصلح موعود کی پیشگوئی اور صاحبزادہ مبارک احمد کے متعلق الہام "تین کو چار کرنے والا" الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں دونوں کو ملانا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

۵۳۔ "مجدد اعظم" جلد اول طبع اول صفحہ ۱۵۲۔

ماسٹر مرلی دھر صاحب سے مباحثہ اور "سرمہ چشم آریہ" کی تصنیف و اشاعت

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سفر ہوشیار پور میں چلّہ کشی اور پیشگوئی "پسر موعود" کے بعد دوسرا اہم واقعہ مباحثہ مرلی دھر ہے۔

ماسٹر مرلی دھر صاحب آف ہوشیار پور سے مباحثہ

ماسٹر مرلی دھر صاحب (جو آریہ سماج ہوشیار پور کے ایک ممتاز رکن تھے) حضرت اقدس کی خدمت میں آئے اور درخواست کی کہ وہ اسلامی تعلیمات پر چند سوالات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ خدا کا پہلوان تو مدت سے للکار رہا تھا کہ کوئی آریہ سماجی لیڈر مرد میدان بنے۔ چنانچہ اب جو خود آریہ سماج کی طرف سے ایک تحریری مذہبی مباحثہ کی طرح ڈالی گئی تو حضور نے اسے بسرو چشم قبول فرمالیا۔ اور اس دینی مذاکرہ کو غیر جانبدارانہ سطح پر لے جانے کے لئے یہ تجویز کی کہ ماسٹر صاحب ایک نشست میں اسلام پر اعتراضات کریں اور آپ ان کے جوابات دیں۔ اور دوسری نشست میں حضور آریہ سماج کے مسلمات پر سوال کریں گے اور ماسٹر صاحب ان کا جواب دیں گے۔ ماسٹر صاحب نے اس تجویز سے اتفاق ظاہر کیا۔ بحث کے لئے حضرت اقدسؑ کی فرودگاہ تجویز ہوئی۔ اور مباحثہ کی دو نشستوں کے لئے گیارہ مارچ کی شب اور چودہ مارچ کا دن قرار پایا۔ اور دونوں بحثوں سے متعلق یہ بات بھی طے ہوئی کہ بحث کا خاتمہ جواب الجواب کے جواب سے ہو۔ اس سے پہلے نہ ہو چنانچہ گیارہ مارچ ۱۸۸۶ء کی پہلی نشست میں ماسٹر صاحب اسلام پر چھ سوالات کرنے کی تیاری کر کے آئے تھے اور اس کا اظہار بھی انہوں نے کیا مگر ابھی انہوں نے معجزہ شق القمر کے متعلق ہی اپنا پہلا مایہ ناز اعتراض پیش کیا تھا کہ ان کی علمیت کا سارا بھرم کھل گیا اور وہ اپنی ناکامی کا داغ مٹانے کے لئے عین اس وقت جب کہ حضور کی طرف سے جواب الجواب کے جواب کا وقت آیا تو معاہدہ کے خلاف محض رات کی طوالت کے بہانے سے جانے کا قصد کرنے لگے۔ اکثر ہندو حاضرین بالخصوص والی ریاست سوکیت

کے بڑے بیٹے میاں شترو گھن صاحب نے جو اس مجلس میں موجود تھے کئی بار ماسٹر صاحب سے کہا کہ آپ جواب الجواب کا جواب لکھنے دیں ہم لوگ بخوشی بیٹھیں گے ہمیں کسی قسم کی تکلیف نہیں بلکہ ہمیں جواب سننے کا شوق ہے لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔ آخر حضرت اقدسؑ نے فرمایا یہ جواب تحریر ہونے سے رہ نہیں سکتا۔ اگر آپ اس کو اس وقت ٹالنا چاہتے ہیں تو یہ رسالہ کے ساتھ شامل کیا جائیگا۔ اس پر انہوں نے بادل ناخواستہ اس کا شامل رسالہ کیا جانا تسلیم کرلیا۔ لیکن جواب کا اس مجلس میں تحریر ہو کر پیش ہونا چونکہ ان کو ناگوار تھا اس لئے وہ اٹھ کر چل دیئے۔

پہلی نشست کا تو یوں حشر ہوا اب دوسری نشست کی کیفیت سنئے۔ اس دن حضرت اقدسؑ کا حق تھا کہ پہلے اپنے اعتراض پیش فرماتے۔ مگر ماسٹر صاحب نے وقت ضائع کرنے کے لئے پہلی نشست کی بحث سے متعلق ایک فضول جھگڑا شروع کر دیا۔ اور یہ چند سطریں لکھ کر اور ان پر اپنے دستخط کر کے جلسہ عام میں ایک بڑے جوش سے کھڑے ہو کر سنائیں کہ "آج پہلے اس کے کہ میں کوئی سوال پیش کروں مرزا صاحب کی پہلے روز کی تقریر میں سے وہ حصہ جو انہوں نے فرمایا کہ ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے کہ روحیں اوس پر پھلتی ہیں اور عورتیں کھاتی ہیں تو آدمی پیدا ہوتے ہیں پیش کرتا ہوں۔ یہ ستیارتھ پرکاش میں کسی جگہ نہیں۔ اگر ہے تو ستیارتھ پرکاش میں دیتا ہوں اس میں سے نکال کر دکھلادیں تا کہ سچ اور جھوٹ کی نرتی لوگ کرلیں"۔ اس کے جواب میں حضورؑ نے کہا کہ پہلے روز کی تقریر اسی روز کے ساتھ ختم ہو گئی۔ آپ کو چاہئے تھا کہ اسی دن یہ مطالبہ پیش کرتے مگر ماسٹر صاحب سراسر مجادلہ کی راہ سے مصر تھے کہ جب تک اس امر کا تصفیہ نہ ہولے دوسری گفتگو نہیں کر سکتے۔ اس پر مولوی الٰہی بخش صاحب وکیل نے بھی انہیں بہت سمجھایا کہ اس موقعہ پر گذشتہ قصوں کو لے بیٹھنا بے جا ہے آج کے دن آج ہی کی بحث ہونی چاہیے۔ آخر جب کافی ردوقدح ہو چکی تو حضرت اقدسؑ نے قضیہ ختم کر کے اصل موضوع کی طرف لانے کے لئے یہ تحریر لکھ دی کہ جب ہم یہ بحث شائع کریں گے تو اس مقام پر ستیارتھ پرکاش کا حوالہ بھی لکھ دیں گے اس حکمت عملی سے یہ جھگڑا رفع دفع ہوا۔ اور اصل کارروائی شروع ہوئی۔

چنانچہ اس کے بعد حضور کی طرف سے آریہ سماج کے اس اصول کے متعلق تحریری اعتراض پیش ہوا کہ آریہ سماج کا یہ عقیدہ کہ پرمیشر نے کوئی روح پیدا نہیں کی اور نہ وہ کسی کو خواہ کوئی کیسا ہی راستباز اور سچا پرستار ہو ابدی نجات بخشے گا۔ خدا تعالیٰ کی توحید اور رحمت دونوں کے صریح منافی ہے جب یہ زبردست اعتراض جلسہ عام میں سنایا گیا تو ماسٹر صاحب پر ایک عجیب حالت طاری ہوئی جس کی کیفیت ماسٹر صاحب ہی کا جی جانتا ہو گا۔ انہیں اس وقت کچھ بھی نہیں سوجھتا تھا کہ اس کا کیا جواب

دیں۔ اسی لئے گھنٹہ سوا گھنٹہ تک یہی عذر پیش کرتے رہے کہ یہ سوال ایک نہیں دو ہیں۔ حضورؑ نے بتلایا کہ حقیقت میں سوال ایک ہی ہے یعنی خدا تعالیٰ کی خالقیت سے انکار کرنا۔ اور میعادی مکتی (نجات) تو اس خراب اصول کا ایک بد اثر ہے۔ جو اس سے الگ نہیں ہو سکتا۔ اس جہت سے سوال کے دونوں ٹکڑے حقیقت میں ایک ہی ہیں کیونکہ جو شخص خدا تعالیٰ کی خالقیت سے منکر ہو گا اس کے لئے ممکن ہی نہیں کہ ہمیشہ کی نجات کا اقرار کر سکے۔ سو انکار خالقیت اور انکار نجات جاودانی باہم لازم ملزوم ہیں۔ پس جو شخص یہ ثابت کرنا چاہے کہ خدا تعالیٰ کے رب العالمین اور خالق نہ ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کو یہ ثابت کرنا بھی لازم آجائے گا کہ خدا تعالیٰ کے کامل بندوں کا ہمیشہ جنم مرن کے عذاب میں مبتلا رہنا اور کبھی دائمی نجات نہ پانا یہ بھی کچھ مضائقہ کی بات نہیں۔ غرض بار بار سمجھانے کے بعد ماسٹر صاحب کچھ سمجھے اور جواب لکھنا شروع کیا۔ اور تین گھنٹہ میں سوال کے ایک ٹکڑے کا جواب قلمبند کر کے سنایا اور دوسرے حصہ سوال کے متعلق جو مکتی کے بارے میں تھا یہ جواب دیا کہ اس کا جواب ہم اپنے مکان سے لکھ کر بھیج دیں گے۔ حضور نے ایسا جواب لینے سے انکار کر کے فرمایا کہ آپ نے جو کچھ لکھنا ہے اسی جلسہ میں حاضرین کے روبرو تحریر کریں۔ اگر گھر میں بیٹھ کر لکھنا تھا تو پھر اس مباحثہ کی ضرورت ہی کیا تھی؟ مگر ماسٹر صاحب تو محض دفع الوقتی کے لئے آئے تھے وہ کیونکر مانتے۔ حضور نے جب ان کی یہ ہٹ دھرمی دیکھی تو فرمایا جس قدر آپ نے لکھا ہے وہی ہمیں دے دیں تا اس کا ہم جواب الجواب لکھیں۔ ماسٹر صاحب جو پہلی نشست میں جواب الجواب کے جواب سننے پر دہشت زدہ ہو گئے تھے۔ اب جواب الجواب لکھنے پر بوکھلا گئے اور معذرت کی کہ اب ہماری سماج کا وقت ہے ہم بیٹھ نہیں سکتے۔ ماسٹر صاحب نے ابتداء میں جب بہت سا وقت ادھر ادھر کی باتوں میں ضائع کر کے بہت آہستگی اور دھیما پن سے جواب لکھنا شروع کیا تھا تو حضرت اقدسؑ اسی وقت سمجھ گئے کہ ان کی نیت بخیر نہیں اور اسی لئے حضور نے پہلے ان سے احتیاطاً یہ کہا تھا کہ بہتر یوں ہے کہ جو ورق آپ لکھتے جائیں وہ مجھے دیتے جائیں تا میں اس کا جواب الجواب بھی لکھتا جاؤں۔ ماسٹر صاحب کے ایک ساتھی لالہ بچھمن صاحب نے حضرت اقدسؑ کی بات سن کر کہا کہ میں آپ کی غرض سمجھ گیا لیکن ماسٹر صاحب ایسا کرنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ وہی بات ہوئی اور اخیر پر مباحثہ ناتمام چھوڑ کر انہوں نے سماج کا عذر کر دیا جو محض بہانہ تھا۔ اصل موجب تو سراسیمگی اور گھبراہٹ تھی جو اعتراض سنتے ہی ان کے دل و دماغ پر چھا گئی اور وہ کچھ ایسے مبہوت ہو گئے کہ چہرے پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں اور ناکارہ عذرات پیش کر کے یہ چاہا کہ جواب دیئے بغیر ہی اٹھ کر چلے جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ سامعین بھی مایوس ہو کر منتشر ہو گئے اور بعض یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے کہ اب کیا بیٹھیں اب تو بحث ختم ہو گئی۔ یہ رنگ دیکھا تو ماسٹر صاحب نے شرم و ندامت سے کچھ لکھا جس کا

آدھا حصہ تو کاغذ پر اور آدھا ان کے دل میں رہا۔ بہرحال وہ اپنے جواب کو اس صورت میں چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضور نے ماسٹر صاحب سے اس مرحلہ پر یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ اس وقت ٹھہرنا مصلحتاً مناسب نہیں سمجھتے ہیں تو میں دو روز اور اس جگہ ہوں اور اپنا دن رات اسی خدمت میں صرف کر سکتا ہوں لیکن انہوں نے جواب دیا کہ مجھے فرصت نہیں۔ اس جواب پر حضور کو سخت افسوس ہوا اور آپ نے فرمایا کہ آپ نے یہ اچھا نہیں کیا کہ جو کچھ معاہدہ ہو چکا تھا۔ اسے توڑ دیا۔ نہ آپ نے پورا جواب لکھا اور نہ ہمیں اب جواب الجواب لکھنے دیتے ہیں۔ بہرکیف یہ جواب الجواب بھی مجبوراً بطور خود تحریر کر کے رسالے کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا۔ یہ بات سنتے ہی ماسٹر صاحب اپنے رفقاء سمیت اٹھ کر چلے گئے اور حاضرین جلسہ پر صاف کھل گیا کہ ماسٹر صاحب کی یہ تمام تر کارروائی سرتاپا گریز اور کنارہ کشی کے لئے ایک بہانہ تھی۔ [1]

اس نشست میں سامعین کی تعداد غیر معمولی طور پر زیادہ تھی۔ صدہا مسلمان اور ہندو اپنا کام چھوڑ کر محض مباحثہ کی کارروائی دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ اور صحن مکان حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جن میں شیخ مہر علی صاحب رئیس اعظم ہوشیار پور' ڈاکٹر مصطفیٰ علی صاحب' بابو احمد حسین صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس ہوشیار پور' مولوی الٰہی بخش صاحب وکیل ہوشیار پور' میاں عبداللہ صاحب حکیم' میاں شہاب الدین صاحب دفعدار' لالہ نرائن داس صاحب وکیل' پنڈت جگن ناتھ صاحب وکیل' لالہ لچھمن سنگھ صاحب ہیڈ ماسٹر لدھیانہ' بابو ہرکشن داس صاحب سیکنڈ ماسٹر' لالہ گنیش داس صاحب وکیل' لالہ سیتارام صاحب مہاجن میاں شتروگھن صاحب' میاں شترنجی صاحب' منشی گلاب سنگھ صاحب سررشتہ دار' مولوی غلام رسول صاحب مدرس' مولوی فتح دین صاحب مدرس خاص طور قابل ذکر ہیں۔

"سرمہ چشم آریہ" کی تصنیف و اشاعت

حضرت اقدسؑ نے یہ مباحثہ چند ماہ بعد ہی ستمبر ۱۸۸۶ء میں "سرمہ چشم آریہ" کے نام سے شائع فرما دیا۔ [2] جس میں آپ نے ستیارتھ پرکاش کا مطلوبہ حوالہ اور اس کے علاوہ وہ جوابات بھی جو مباحثہ میں ناتمام رہ گئے تھے اس خوبصورتی سے شامل کر دیئے کہ کتاب کو ایک تاریخی شاہکار کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ حضور نے اس کتاب میں آریہ سماج پر زبردست تنقید کی اور معجزات و خوارق قرآنی' عجائبات عالم' روح کے خواص' کشف قبور' انسان کامل اور قانون قدرت جیسے اہم مسائل پر بھی بڑی لطیف روشنی ڈالی اور بالخصوص بتایا کہ خدائی قانون کا احاطہ جب کسی انسان کے لئے ممکن نہیں تو کسی معجزہ کو قانون قدرت کے منافی کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ کتاب کا رد لکھنے والے کے لئے

حضور نے پانچ سو روپیہ کا انعامی اشتہار بھی دیا۔ اور لطف یہ کہ اس کے لئے منشی جیون داس صاحب سیکرٹری آریہ سماج کو ثالث تجویز فرمایا کہ اگر وہ قسم کھا کر شہادت دے دیں کہ کتاب کا جواب دے دیا گیا ہے تو محض ان کی شہادت پر حضور یہ انعام دیدیں گے۔ اس انعامی چیلنج پر آریہ سماج نے بالکل چپ سادھ لی۔ لیکھرام نے "نسخہ خبط احمدیہ" کے ذریعہ سے اس کے رد کی جو ناکام کوشش کی وہ اس قابل نہیں کہ اس کا ذکر کیا جائے۔

"سرمہ چشم آریہ" ایسی معرکہ الاراء کتاب کی اشاعت پر اہلحدیث عالم مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں ریویو کرتے ہوئے لکھا۔ "یہ کتاب لاجواب مولف "براہین احمدیہ" مرزا غلام احمد رئیس قادیان کی تصنیف ہے۔........ اس میں جناب مصنف کا ایک ممبر آریہ سماج سے مباحثہ شائع ہوا ہے جو معجزہ شق القمر اور تعلیم وید پر بمقام ہوشیار پور ہوا تھا اس مباحثہ میں جناب مصنف نے تاریخی واقعات اور عقلی وجوہات سے معجزہ شق القمر ثابت کیا ہے اور اس کے مقابلہ میں آریہ سماج کی کتاب (وید) اور اس کی تعلیمات و عقائد (تناسخ وغیرہ) کا کافی دلائل سے ابطال کیا ہے .... حمیت و حمایت اسلام تو اس میں ہے کہ ایک ایک مسلمان دس دس بیس بیس نسخہ خرید کر ہندو مسلمانوں میں تقسیم کرے۔ اس میں ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اصول اسلام کی خوبی اور اصول مذہب آریہ کی برائی زیادہ شیوع پائے گی اور اس سے آریہ سماج کی ان مخالفانہ کارروائیوں کو جو اسلام کے مقابلہ میں وہ کرتے ہیں روک ہوگی۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کتاب کی قیمت سے دوسری تصانیف مرزا صاحب (سراج منیر وغیرہ) کے جلد چھپنے اور شائع ہونے کی ایک صورت پیدا ہوگی۔ ہم نے سنا ہے کہ اس وقت تک سراج منیر کا طبع ہونا عدم موجودگی زر کے سبب معرض التواء میں ہے اور اس کے مصارف طبع کے لئے آمد قیمت سرمہ چشم آریہ کا انتظار ہے۔ یہ بات صحیح ہے تو مسلمانوں کی حالت پر کمال افسوس ہے کہ ایک شخص اسلام کی حمایت میں تمام جہان کے اہل مذہب سے مقابلہ کے لئے وقف اور فدا ہو رہا ہے پھر اہل اسلام کا اس کام کی مالی معاونت میں یہ حال ہے۔ شاید ان خام خیالوں کو یہ خیال ہو گا کہ مرزا صاحب اپنے دس ہزار روپیہ کی جائیداد جس کو انہوں نے مخالفین اسلام کو مقابلہ پر انعام دینے کے لئے رکھا ہوا ہے فروخت کر کے صرف کر لیں تو پیچھے کو وہ ان کو مالی مدد دیں گے۔ ان کا واقعی یہی خیال ہے تو ان کا حال اور بھی افسوس کے لائق ہے۔ [۲۳]

مشہور عیسائی اخبار نور افشاں (۶۔ جنوری ۱۸۸۷ء) نے "سرمہ چشم آریہ" پر ان الفاظ میں تبصرہ لکھا۔ کہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کتاب نے آریہ سماج کو پورے طور پر بے نقاب کرتے ہوئے اسے

پاش پاش کردیا ہے کتاب کے فیصلہ کن دلائل کا رد کرنا قطعی طور پر ناممکن ہے۔ ۵

"سرمہ چشم آریہ" میں آریہ سماج کے بنیادی اصولوں کی جس طرح دھجیاں اڑائی گئی ہیں اس کی یاد خود ماسٹر مرلی دھر آخر دم تک بھلا نہیں سکے۔ چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے متعلق اس رائے کا اظہار کیا کہ "مرزا صاحب غیر معمولی علم رکھتے ہیں میں نے علمائے اسلام میں وہ چیز نہیں دیکھی جو ان میں ہے"۔ "سرمہ چشم آریہ" سے متعلق جواب دیا۔ "واقعات درست ہیں نتائج اپنے طرز پر مرزا صاحب نے پیدا کرلئے ہیں اور ہر شخص رائے قائم کرسکتا ہے"۔ حضرت عرفانیؓ نے کہا کہ نتائج ان واقعات سے ہی پیدا ہوتے ہیں تو کہا کہ اپنا اپنا خیال ہے۔ آپ نے کہا کہ آپ رد کریں تو کہا ضرورت نہیں۔ ۶

ایک غیر احمدی عالم (مولوی سید ابوالحسن علی ندوی) نے اس عظیم الشان کتاب کے متعلق حال ہی میں اپنی یہ رائے شائع کی ہے کہ۔

"۱۸۸۶ء میں مرزا صاحب نے ہوشیار پور میں مرلی دھر آریہ سماج سے مناظرہ کیا۔ اس مناظرہ کے بارے میں انہوں نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام "سرمہ چشم آریہ" ہے یہ کتاب مناظرہ مذاہب و فرق میں ان کی دوسری تصنیف ہے۔

پہلے دن کے مناظرہ کا موضوع بحث "معجزہ شق القمر کا عقلی و نقلی ثبوت" تھا۔ مرزا صاحب نے اپنی اس کتاب میں نہ صرف اس معجزہ بلکہ معجزات انبیاء کی پرزور و مدلل وکالت کی ہے۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ معجزات و خوارق کا وقوع عقلاً ممکن ہے محدود انسانی عقل اور علم اور محدود انفرادی تجربات کو اس کا حق نہیں کہ وہ ان معجزات و خوارق کا انکار کریں اور اس کائنات کے احاطہ کا دعویٰ کریں وہ بار بار اس حقیقت پر زور دیتے ہیں کہ انسان کا علم محدود و مختصر اور امکان کا دائرہ بہت وسیع ہے ان کا اس پر بھی زور ہے کہ مذاہب و عقائد کے لئے ایمان بالغیب ضروری ہے اور اس میں اور عقل میں کوئی منافات نہیں اس لئے کہ عقل غیر محیط ہے"۔ ۷

حق و باطل کے فیصلہ کی ایک آسان صورت اور دعوت مباہلہ

"سرمہ چشم آریہ" میں حضرت اقدسؑ نے آریوں کو حق و باطل کے فیصلہ کی ایک آسان صورت بتائی کہ وہ کافی غور و فکر کے بعد قرآن مجید سے متعلق دو تین ایسے زبردست اعتراضات بحوالہ آیات قرآنی پیش کریں جو ان کی دانست میں سب سے قوی ہوں پھر آپ اگر ان کا مسکت جواب دینے سے قاصر رہے تو فی اعتراض پچاس روپیہ بطور جرمانہ ادا کردیں گے لیکن اگر فریق مخالف کے اعتراضات

لغو ثابت ہوئے تو اسے بلاتوقف مسلمان ہونا پڑے گا۔

اس آسان طریق فیصلہ کے علاوہ حضرت اقدسؑ نے اتمام حجت کی غرض سے آریہ سماج کے مشہور اور نامور ممبروں بالخصوص لالہ مرلی دھر، لالہ جیون داس اور منشی اندر من مراد آبادی کو دعوت مباہلہ بھی دی اور فرمایا کہ فیصلہ آسمانی کے انتظار کے لئے ایک برس کی مہلت ہو گی۔ پھر اگر ایک برس گزرنے کے بعد مجھ پر کوئی عذاب اور وبال نازل ہوا یا حریف مقابل پر نازل نہ ہوا تو ان دونوں صورتوں میں پانچ سو روپیہ تاوان ادا کر دیں گے اس دعوت کے ساتھ ہی حضور نے اپنی طرف سے بطور نمونہ مباہلہ کی دعا بھی شائع فرمادی۔ خیال تھا کہ اس فیصلہ کن طریق سے گریز نہیں کیا جائے گا۔ مگر افسوس آریہ سماج نے گذشتہ روایات کے مطابق اس دعوت مباہلہ پر بھی سکوت ہی اختیار کیا۔ البتہ پنڈت لیکھرام نے ۱۸۸۸ء میں اپنی کتاب نسخہ "خبط احمدیہ" میں دعائے مباہلہ کرتے ہوئے لکھا۔ "اے پرمیشر ہم دونوں فریقوں میں سچا فیصلہ کر کیونکہ کاذب صادق کی طرح کبھی تیرے حضور میں عزت نہیں پا سکتا"۔ [۸] اللہ تعالیٰ نے ۶۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو وہ فیصلہ کر دکھایا جو لیکھرام نے اپنے منہ مانگا تھا جس سے آریہ سماج کے بطلان اور اسلام کی سچائی پر ابدی مہر لگ گئی (اس کی تفصیل اسی جلد میں آگے آرہی ہے)

سفر انبالہ

اس سال (۱۸۸۶ء کے وسط میں) حضرت اقدس نے انبالہ کا سفر بھی اختیار فرمایا اور قریباً ایک ماہ تک محمد لطیف صاحب کی کوٹھی واقع صدر انبالہ احاطہ ناگ پھنی میں قیام پذیر رہنے کے بعد ۲۵۔ نومبر ۱۸۸۶ء کو قادیان تشریف لائے۔ [۹]

حواشی

۱۔ "سرمہ چشم آریہ" صفحہ ۴-۱۱ و صفحہ ۶۴-۶۶ طبع اول مطبوعہ ریاض ہند پریس امرت سر۔

۲۔ بعض مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی تالیف و تصنیف تو حضور نے اپریل ۱۸۸۶ء تک مکمل کرلی تھی مگر طباعت کی متعدد مشکلات کے باعث اس کے چھپنے کا کام ستمبر میں ختم ہوا۔ ان مکتوبات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو آٹھ سو روپیہ جمع تھا وہ سب "سرمہ چشم آریہ" کی طباعت پر صرف ہو گیا۔ (الحکم ۷۔ فروری ۱۹۳۸ء صفحہ ۵)

۳'۴۔ اشاعۃ السنہ جلد ۹ نمبر ۶ صفحہ ۱۴۵-۱۵۸۔

حکیم ابو تراب عبدالحق صاحب ایڈیٹر اہلسنت امرتسر نے اخبار "اہلسنت" (۲۰۔ فروری و یکم مارچ ۱۹۲۱ء) میں لکھا۔ "حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جیسے قرآن مجید خود معجزہ عطا کیا ویسے دیگر معجزات بھی عطا فرمائے تھے جیسے معجزہ شق القمر جس کے متعلق مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا مناظرہ پنڈت مرلی دھر سے ہوا تھا جس کی تفصیل "سرمہ چشم آریہ" میں موجود ہے اور پنڈت جی لاجواب ہو گئے تھے اور شکست اٹھائی تھی"۔ (بحوالہ الفضل ۱۷۔ مارچ ۱۹۲۱ء صفحہ ۴)

۵۔ بحوالہ "لائف آف احمد" صفحہ ۱۲۱

۶۔ "حیات احمد" جلد دوم نمبر سوم صفحہ ۱۶۲

۷۔ "قادیانیت" صفحہ ۶۲-۶۳ (از مولوی سید ابوالحسن علی ندوی)

۸۔ "خبط احمدیہ" صفحہ ۳۴۴ (بحوالہ حقیقۃ الوحی طبع اول صفحہ ۳۱۹)

۹۔ "مکتوبات احمدیہ" جلد پنجم نمبر سوم صفحہ ۲۰-۲۴

ماموریت کا چھٹا سال

آریہ سماج کا طوفان بے تمیزی اور تصنیف و اشاعت "شحنہ حق"

(۱۸۸۷ء)

آریہ سماج نے "براہین احمدیہ" اور "سرمہ چشم آریہ" کی اشاعت کے بعد حق و صداقت کی تاب نہ لا کر حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف ملک میں مخالفت کی ایک آگ لگا دی۔ پنڈت لیکھرام نے "تکذیب براہین احمدیہ" نامی کتاب لکھ کر اس آگ پر تیل کا کام دیا۔ اور دوسرے آریہ سماجیوں نے لاجواب ہو کر نہایت اشتعال انگیز گندے اور گالیوں سے بھرے ہوئے اشتہارات اور رسالوں سے ملک کی فضا مکدر کر دی اور یہاں تک بد اخلاقی پر اتر آئے کہ بار بار گمنام خطوط اور اشتہاروں [1] کے ذریعہ سے حضور کو قتل کر دینے کی دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ آریہ سماج کے یہ خونی عزائم دیکھ کر خاموش رہیں چنانچہ آپ نے اس باطل فرقے کی ان جارحانہ سرگرمیوں کو بے نقاب کرنے 'اسلام کی پاکیزہ تعلیم کے مقابل ویدوں کی ماہیت بتانے اور "تکذیب براہین احمدیہ" پر اصولی رنگ میں کاری ضرب لگانے کے لئے قلم اٹھایا اور چار پانچ گھنٹہ میں "شحنہ حق" ایسی بلند پایہ کتاب تصنیف کر دی جس نے آریہ سماج کے عقائد کا قلع قمع کر دیا۔ حضرت اقدس نے آریہ سماج کی دھمکیوں کا جواب جن ایمان افزا الفاظ میں دیا وہ آپ کے زبردست جوش ایمانی کا پتہ دیتے ہیں آپ نے فرمایا

"یاد رہے کہ ہم حق کے اظہار میں ایسے اعلانوں سے ہرگز نہیں ڈرتے۔ ایک جان کیا اگر ہماری ہزار جان ہو تو یہی خواہش ہے کہ اس راہ میں فدا ہو جائے اور گو ہم جانتے ہیں کہ یہ تحریریں کن حضرات کی ہیں اور کن اندرونی اور بیرونی سازشوں اور مشوروں اور باہم خط و کتابت کے بعد کسی قوی

امید سے کسی اسی جگہ کے یہودا اسکریوطی یا بگڑے ہوئے سکھ کی دم دہی سے جاری کئے گئے ہیں مگر ہمیں کچھ ضرور نہیں کہ مجازی حکام کو اس کی اطلاع دیں۔ کیونکہ جو کچھ یہ لوگ ہماری نسبت بد ارادے کر رہے ہیں ہمارے حاکم حقیقی کو ان کا علم پہلے ہی سے حاصل ہے۔ ہم متعجب ہیں کہ ان کی ان تیزیوں کا کیا باعث ہے کیا رام سنگھ کے کوکوں کی روح تو ان میں کہیں گھس نہیں آئی۔ اے آریو ہمیں قتل سے تو مت ڈراؤ ہم ان ناکارہ دھمکیوں سے ہرگز ڈرنے والے نہیں۔ جھوٹ کی بیخ کنی ہم ضرور کریں گے اور تمہارے ویدوں کی حقیقت ذرہ ذرہ کر کے کھول دیں گے۔

نمی ترسیم از مردن چنیں خوف از دل افگندیم ۔ کہ مامردیم زاں روزی کہ دل از غیر برکندیم

دل و جاں در رہ آں دلستان خود فدا کردیم ۔ اگر جاں ما زما خواہد بصد دل آرزو مندیم

صبر و شکیب تو ہمارا شعار ہے مگر ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ دیانندی فرقہ کی کس قدر خطرناک پالیسی ہے اور لاجواب ہونے کی حالت میں کیا عمدہ تدبیر سوچ رکھی ہے کہ قتل کی دھمکی دی جائے یوں تو کون شخص ہے کہ ایک دن نہیں مرے گا مگر یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ ایسی دھمکیاں ان لوگوں کے دلوں پر کیا کارگر ہو سکتی ہیں جن کو کتاب الٰہی نے پہلے ہی سے یہ تعلیم دے رکھی ہے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی مخالفین کو کہدے کہ میں جان کو دوست نہیں رکھتا میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا خدا کے لئے ہے وہی حقدار خدا جس نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے ہاں یہ دھمکیاں ان دلوں پر کارگر ہو سکتی ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینا نہیں چاہتے کیونکہ اس کی طرح قدیم اور انادی اور غیر مخلوق بنے بیٹھے ہیں اور اس کو اس قابل نہیں سمجھتے۔ کہ اس حق گزاری کے لائق ہو"۔

"رسالہ قرآنی صداقتوں کا جلوہ گاہ"

آریوں کے رسالہ "سرمہ چشم آریہ کی حقیقت اور فن فریب غلام احمد کی کیفیت" کو دیکھ کر حضرت اقدسؑ کو خیال ہوا کہ باطل کی سرکوبی کے لئے ایک ماہنامہ جاری کرنا چاہیئے جو ویدوں کے مقابل قرآن مجید کی عظمت و وقعت کا سکہ بٹھادے حضور نے اس کا نام "قرآنی صداقتوں کا جلوہ گاہ" تجویز فرمایا اور "شحنہ حق" میں جون ۱۸۸۷ء سے اس کی باقاعدہ اشاعت کا اعلان بھی کر دیا لیکن بعد کو یہ تجویز ملتوی کر دی گئی۔

ہجرت کا ارادہ

آریہ سماج کی اس شورش میں چونکہ قادیان کے بعض آریہ سماجی لیکھرام کی شہ پر درپردہ شامل ہو چکے تھے اس لئے حضرت اقدس نے قادیان سے کسی دور کے شہر کی طرف ہجرت کرنے کا قصد کر لیا چنانچہ آپ نے "شحنہ حق" میں ہی لکھا "ہمارا خدا ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا قول ہے کہ نبی بے عزت نہیں مگر اپنے وطن میں لیکن میں کہتا ہوں کہ نہ صرف نبی بلکہ بجز اپنے وطن کے کوئی راستباز بھی دوسری جگہ ذلت نہیں اٹھاتا۔ اور اللہ جل شانہ فرماتا ہے وَمَنْ یُّھَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰاغَمًا کَثِیْرًا وَّسَعَۃً۔ یعنی جو شخص اطاعت الٰہی میں اپنے وطن کو چھوڑے تو خدائے تعالیٰ کی زمین میں ایسے آرام گاہ پائے گا جن میں بلا حرج دینی خدمت بجا لا سکے۔ سوا اے ہم وطنو! ہم تمہیں عنقریب الوداع کہنے والے ہیں"۔ [۴]

اس فیصلے کے بعد جب آپ پر مسیح موعود ہونے کا انکشاف کیا گیا تو اگرچہ مخالفت نہایت درجہ منظم شکل اختیار کر گئی اور آپ کو ۱۸۔ ستمبر ۱۸۹۴ء میں "داغ ہجرت" [۵] کا الہام بھی ہوا مگر عملاً ہجرت کی نوبت نہیں آئی اور یہ الہام خلافت ثانیہ میں پورا ہوا جب جماعت کے ایک حصے کو ۱۹۴۷ء کے ملکی فسادات کے باعث پاکستان میں چلا آنا پڑا۔

امریکہ میں آپ کی دعوت نشان نمائی کی بازگشت۔ مسٹر الیگزنڈر رسل وب سے خط و کتابت اور ان کا قبول اسلام

ملک اور بالخصوص قادیان میں تو آپ پر یوں عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا تھا کہ آپ ہجرت پر آمادہ ہو چکے تھے۔ مگر فرشتے امریکہ میں سعید روحوں کو آپ کی طرف کھینچ رہے تھے۔ چنانچہ انہی فتنہ سامانیوں کے دوران ریاستہائے متحدہ امریکہ سے عیسائی گروہ کے ایک گرجا کے لاٹ پادری اور امریکہ کے مقبول عام روزنامہ ڈیلی گزٹ کے ایڈیٹر مسٹر الیگزنڈر رسل وب کا حضور کی خدمت میں خط موصول ہوا کہ میں نے اسکاٹ صاحب ہمہ اوستی کے اخبار کے ایک تازہ پرچہ میں آپ کا خط پڑھا جس میں آپ نے ان کو حق دکھانے کی دعوت دی ہے اس لئے مجھ کو اس تحریک کا شوق ہوا۔ میں نے بدھ اور ہندو مت کی بابت بہت کچھ پڑھا ہے اور کسی قدر زردشت اور کنفیوشس کی تعلیمات کا بھی مطالعہ کیا ہے لیکن محمدؐ صاحب کی نسبت بہت کم...... میں راہ راست کی نسبت سخت متردد اور حق کا طلب گار

ہوں اور آپ سے اخلاص رکھتا ہوں۔ [۶] اس مراسلہ پر حضور نے انہیں ۱۷۔ دسمبر ۱۸۸۶ء کو مکتوب لکھا اور پھر باقاعدہ خط و کتابت جاری ہو گئی جس کے نتیجہ میں مسٹر الیگزنڈر روب مسلمان ہو گئے۔ [۷] اور یوں امریکہ کی تاریخ میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی پہلی مہم کا آغاز ہوا۔

مسٹر وب کے اسلام کا جب ہندوستان میں چرچا ہوا تو بمبئی کے متدین مسلمان اور میمن تاجر حاجی عبداللہ صاحب اشاعت اسلام کے شوق میں ان کے پاس منیلا (فلپائن) پہنچے اور انہیں سفارت کے عہدے سے استعفیٰ دینے پر رضامند کر لیا۔ اور خود واپس آکر ہندوستان کے مشہور مسلم مشنری حضرت مولوی حسن علیؓ بھاگلپوری [۸] کے ذریعہ سے حیدر آباد میں ایک بھاری جلسہ منعقد کر کے چھ ہزار کا چندہ کیا اور روب صاحب کو استعفیٰ دے کر ہندوستان بلوا بھیجا۔ وہاں کیا دیر تھی فوراً استعفاء دیا بمبئی سے اترے حیدر آباد آئے تو انہوں نے مولوی صاحب سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ حضرت مرزا صاحب میرے محسن ہیں اور انہی کے طفیل میں مسلمان ہوا ہوں اور ان کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت چونکہ علماء پنجاب کی مخالفت اور عوام کی شورش شروع ہو چکی تھی اس لئے وب صاحب کو مولوی صاحب اور حاجی صاحب نے یہی رائے دی کہ ایک ایسے "بدنام شخص" سے ملاقات کر کے اشاعت اسلام کے کام کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ وب صاحب لاہور تک آئے جہاں انہیں بعض لوگوں نے حضرت اقدسؑ سے ملاقات کی ترغیب بھی دلائی مگر وہ قادیان میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے بغیر ہندوستان کے مختلف شہروں کا دورہ کر کے امریکہ واپس پہنچے اور تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ مگر تبلیغ اسلام تو مامور وقت کے روحانی فیض اور اطاعت کی بدولت ہی ممکن تھی۔ محض مسلمانوں کی مالی اعانت کے بل بوتے پر اس کام میں کیا خیر و برکت ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جن لوگوں نے اعانت کا وعدہ کیا تھا انہوں نے صریح بے رخی اختیار کر لی۔ اور مسٹر وب اپنے مشن میں ناکام ہو گئے۔ جس سے ان کے دل پر سخت چوٹ لگی اور حضرت اقدسؑ کی یاد تازہ ہو گئی چنانچہ انہوں نے حضرت مفتی محمد صادقؓ کے نام ایک خط میں حضرت اقدسؑ کی زیارت سے محرومی پر نہایت ندامت اور شرمساری کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔ جب میں ہندوستان گیا تو مجھے یقین تھا کہ مسلم بھائی میری مقدور بھر اعانت کریں گے لیکن جونہی یہاں کے عیسائیوں کی مخالفت کی خبر ہندوستان پہنچی وہاں کے "بے ایمان مسلمان" میرے مخالف ہو گئے۔ اور ہر طرح مجھے تکلیف پہنچانی چاہی۔ میرے ساتھ جو وعدے انہوں نے کئے تھے ان سب کو بھلا دیا۔ لیکن اب میری سمجھ میں آیا ہے کہ ان لوگوں نے ایسا کیوں کیا۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان کا مذہبی علم صرف سطحی ہے اگر یہ لوگ میرے ساتھ وفاداری کا تعلق قائم رکھتے۔ تو باوجود میری کوششوں کے یہاں بھی اسلام کی ایک ایسی ہی بگڑی ہوئی شکل قائم ہو جاتی جیسی کہ ان لوگوں میں ہے۔ تاہم یہ

حقیقت ہے کہ اہل امریکہ گو سمجھتے ہیں کہ اسلام عرب میں پیدا ہوا تھا مگر اس کی تعلیم کے لئے ان کی نگاہیں ہندوستان ہی کی طرف اٹھ رہی ہیں

اس کے بعد مسٹر وب جب تک زندہ رہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور قادیان سے عقیدت مند رہے اور آخر دم تک سلسلہ مراسلت جاری رکھا۔ انہی کے ذریعہ سے امریکہ کے نو مسلم مسٹر اینڈرسن حضرت مفتی صاحب سے خط و کتابت کر کے ۲۶۔ ستمبر ۱۹۰۴ء کو داخل اسلام ہوئے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کا اسلامی نام احمد تجویز فرمایا انہیں حضرت اقدسؑ کی وفات کی خبر سن کر سخت صدمہ ہوا اور انہوں نے لکھا۔ "مرزا صاحب نے ایک بڑا کام پورا کیا اور سینکڑوں کے دلوں میں نور صداقت پھیلایا۔ جن تک غالباً صداقت کسی طرح نہ پہنچ سکتی تھی .... لاریب اس شخص کو خدا تعالیٰ نے اس بڑے کام کے واسطے برگزیدہ کیا تھا جو انہوں نے پورا کر دکھایا ہے۔ اور مجھے اس میں شک نہیں کہ وہ فردوس بریں میں اولیاء و انبیاء کی رفاقت سے لطف اندوز ہونگے"۔

"ایسے عظیم الشان اور نیک انسان کی وفات غمگین کرنے والی ہے لیکن چونکہ وہ اپنا کام ختم کر چکے تھے قادر مطلق کی مرضی یہی تھی کہ ان کی دنیوی زندگی ختم ہو۔ انہوں نے ایک عظیم الشان کام کیا ہے اس لئے ان کا اجر بھی عظیم الشان ہو گا"۔

حضرت مولانا حسن علیؓ کے بیان کردہ واقعات

ہندوستان کے مشہور مسلم مشنری حضرت مولوی حسن علیؓ نے اپنی کتاب "تائید حق" میں مسٹر محمد الیگزینڈر وب اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کے ابتدائی حالات لکھے ہیں جن کا یہاں درج کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔ "حاجی عبداللہ عرب ایک میمن تاجر ہیں جو کلکتہ میں تجارت کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے لاکھ دو لاکھ کی پونجی کا ان کو سامان کر دیا تو ہجرت کر کے مدینہ میں جا بسے۔ وہاں باغوں کے بنانے میں بہت کچھ صرف کیا۔ بہت عمدہ عمدہ باغ تیار تو ہو گئے۔ لیکن عرب کے بدوؤں کے ہاتھوں پھل ملنا مشکل۔ آخر بیچارے پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ جدہ میں آکر ایک مختصر سی پونجی سے تجارت شروع کر دی بمبئی سے تجارتی تعلق ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں بھی کبھی کبھی آجاتے ہیں۔ یہ بزرگ ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا مومن ہے۔ اللہ نے اس شخص کو مادر زاد ولی بنایا ہے۔ اس کمال و خوبی کا مسلمان میری نظروں سے بہت ہی کم گزرا۔ مثل بچوں کے دل گناہوں سے پاک وصاف۔ خدا پر بہت ہی بڑا توکل۔ ہمت نہایت بلند۔ مسلمانوں کی خیر خواہی کا وہ جوش کہ صحابہؓ یاد آجائیں۔ اے خدا اگر عبداللہ عرب کے سے پانچ سو مسلمانوں کی جماعت بھی تو قائم کر دے تو ابھی مسلمانوں کی دنیا ہی بدل جائے۔ خدا نے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو بھی کچھ تھوڑا سا جوش

اہل اسلام کی خیر خواہی کا عنایت فرمایا ہے۔ لیکن جب میں عبداللہ عرب کے جوش پر غور کرتا ہوں تو سر نیچا کر لیتا ہوں مجھ کو عبداللہ عرب کے ساتھ بڑا نیک ظن ہے اور وہ بھی مجھے محبت سے ملتے ہیں مجھ کو عبداللہ عرب کے ساتھ رہنے کا عرصہ تک موقعہ ملا ہے اگر میں ان کی روحانی خوبیوں کو لکھوں تو بہت طول ہو جائے گا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس آخری زمانہ میں بھی اس قسم کے مسلمان موجود ہیں۔ مکہ معظمہ میں نہر زبیدہ کی اصلاح کے لئے قریب چار لاکھ روپیہ چندہ ایک عبداللہ عرب صاحب کی کوشش سے جمع ہوا تھا۔ بمبئی میں عبداللہ عرب صاحب نے الیگزنڈر رسل وب سفیر امریکہ کے مسلمان ہونے کا حال سنا تو فوراً انگریزی میں خط لکھوا کر وب صاحب کے پاس روانہ کیا۔ وب صاحب نے بھی ویسے ہی گرم جوشی کے ساتھ جواب دیا۔ اور خواہش ظاہر کی کہ اگر آپ کسی طرح منیلا آسکتے ہیں تو امریکہ کے کام میں کچھ صلاح و مشورہ کیا جاتا۔ حاجی عبداللہ عرب صاحب کو حضرت پیر سید اشھد الدین جھنڈیوالے [11] سے بیعت ہے شاہ صاحب کی بڑی عظمت عبداللہ عرب کے دل میں ہے۔ مجھ سے اس قدر تعریف ان کی بیان کی ہے کہ مجھ کو بھی مشتاق بنا دیا ہے کہ ایک بار پیر سید اشھد الدین صاحب کی ملاقات ضرور کروں۔ جب کوئی اہم کام پیش ہوتا ہے تو حاجی عبداللہ عرب صاحب اپنے پیرو مرشد سے صلاح ضروری لے لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مرشد سے منیلا جانے کے بارے میں استفسار کیا۔ استخارہ کیا گیا شاہ صاحب نے کہا کہ ضرور جاؤ۔ اس سفر میں کچھ خیر ہے عبداللہ عرب صاحب نے مجھ کو خط لکھا کہ تو بھی منیلا چل۔ میں انگریزی نہیں جانتا اور وب صاحب اردو نہیں جانتے ایک مترجم ضروری ہے۔ اور ایک نو مسلم سے ملنا ہے نہ معلوم کہ اس بیچارے کو دین اسلام کے بارے میں کیا کچھ پوچھنے کی حاجت ہو۔ میں اس زمانہ میں کٹک میں تھا۔ کلکتہ میں حاجی صاحب میرا بہت انتظار کرتے رہے۔ مسلمانان کٹک نے مجھ کو جلد رخصت نہ دی آخر وہ ایک یوریشین نو مسلم کو لے کر منیلا چلے گئے۔ اس سفر میں حاجی صاحب کا ہزار روپیہ سے بالا صرف ہوا۔ وب صاحب سے ملاقات ہوئی تو یہ بات طے پائی کہ وب صاحب سفارت کے عہدہ سے استعفیٰ داخل کریں اور اشاعت اسلام کے لئے حاجی عبداللہ عرب صاحب چندہ جمع کریں۔ حاجی صاحب نے ہندوستان واپس آکر مجھ سے ملاقات کی اور میرے ذریعہ سے ایک جلسہ حیدر آباد میں قائم ہوا۔ جس میں چھ ہزار روپیہ چندہ بھی جمع ہوا۔ لیکن میں نے حاجی صاحب سے کہدیا کہ ابھی وب صاحب کو عہدہ سے علیحدہ ہونے کو نہ لکھو جب تک چندہ پورا جمع نہ ہو لے۔ حاجی صاحب نے اپنے جوش میں میری نہ سنی اور بمبئی سے تار دیا کہ سب ٹھیک ہے تم نوکری سے استعفاء داخل کردو۔ چنانچہ وب صاحب نے ویسا ہی کیا اور ہندوستان آئے۔ میں بمبئی سے ساتھ ہوا۔ بمبئی۔ پونہ۔ حیدر آباد اور مدارس ساتھ رہا۔ حیدر آباد میں وب صاحب نے مجھ سے کہا

کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب کا مجھ پر بڑا احسان ہے انہی کی وجہ سے میں مشرف باسلام ہوا۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ مرزا صاحب کی بدنامی کا جو قصہ میں نے سنا تھا ان کو سنایا۔ وب صاحب نے مرزا صاحب کو ایک خط لکھوایا جس کا جواب آٹھ صفحوں کا انہوں نے لکھا۔ اور مجھ کو لکھا کہ لفظ بلفظ ترجمہ کر کے وب صاحب کو سنا دینا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ وب صاحب نہایت شوق و ادب کے ساتھ حضرت اقدس کا خط سنتے رہے۔ خط میں حضرت اقدس نے اپنے اس دعویٰ کو معہ دلیل کے لکھا تھا پنجاب کے علماء کی مخالفت اور عوام میں شورش کا تذکرہ تھا۔ حضورؑ نے یہ بھی لکھا تھا کہ مجھ کو بھی تم سے (یعنی وب صاحب سے) ملنے کی بڑی خواہش ہے۔ وب صاحب' حاجی عبداللہ عرب اور میری ایک کمیٹی ہوئی کہ کیا کرنا چاہیئے۔ رائے یہی ہوئی کہ مصلحت نہیں ہے کہ ایسے وقت میں کہ ہندوستان میں چندہ جمع کرنا ہے ایک ایسے بدنام شخص سے ملاقات کر کے اشاعت اسلام کے کام میں نقصان پہنچایا جائے اب اس بد فیصلہ پر افسوس آتا ہے وب صاحب لاہور گئے تو اسی خیال سے قادیان نہ گئے لیکن بہت بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ ایک شخص نے وب صاحب سے پوچھا کہ آپ قادیان حضرت مرزا صاحب کے پاس کیوں نہیں جاتے تو انہوں نے یہ گستاخانہ جواب دیا کہ قادیان میں کیا رکھا ہوا ہے۔ لوگوں نے وب صاحب کے اس نامعقول جواب کو حضرت اقدس تک پہنچا بھی دیا غرض ہندوستان کے مشہور شہروں کی سیر کر کے وب صاحب تو امریکہ جا کر اشاعت اسلام کے کام میں سرگرم ہو گئے۔ دو ماہ تک میں وب صاحب کے ساتھ رہا۔ وب صاحب حقیقت میں آدمی معقول ہے اور اسلام کی سچی محبت اس کے دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ مجھ سے جہاں تک ہو سکا ان کے معلومات بڑھانے خیالات کج کو درست کرنے اور مسائل ضروری کی تعلیم میں کوشش کی اور شیخ محمد میرا ہی رکھا ہوا نام ہے۔

جیسا کہ میں نے کہا تھا ویسا ہوا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے چندہ کا وعدہ تو کیا لیکن ادا ہوتا ہوا کہیں سے نظر نہیں آتا تھا۔ حاجی عبداللہ عرب صاحب نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے لیکن نرود میخ آہنی در سنگ۔ لاکھوں روپیہ خلاف شرع شریف خرچ کرنے میں مسلمان مستعد سرگرم ہی رہے اور اس بہت بڑے کام میں کچھ بھی نہ دیا۔ صرف رنگون اور حیدر آباد دکن سے تو کچھ کیا گیا۔ کل روپے جو میرے خیال میں بھیجے گئے وہ تیس ہزار ہوں گے جس میں حاجی عبداللہ صاحب عرب کا سولہ ہزار ہو گا۔ بیچارہ غریب حاجی اس نیک کام میں پس گیا۔

جب حاجی عبداللہ عرب صاحب چندہ کے فراہم نہ ہونے سے سخت بے چینی میں مبتلا ہوئے۔ تو اپنے پیر کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت سید اشہد الدین صاحب کی خدمت میں جا کر عرض کیا حضرت پیر صاحب نے استخارہ کیا۔ معلوم ہوا کہ انگلستان اور امریکہ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے

روحانی تصرفات کی وجہ (سے) اشاعت ہو رہی ہے ان سے دعا منگوانے سے کام ٹھیک ہو گا۔ دوسرے دن حاجی صاحب کو پیر صاحب نے خبر دی اس پر حاجی صاحب نے بیان کیا کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب کی علماء پنجاب و ہند نے تکفیر کی ہے ان سے کیونکر اس بارہ میں کہا جائے اس بات کو سن کر شاہ صاحب نے بہت تعجب کیا اور دوبارہ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور استخارہ کیا خواب میں جناب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دیکھا اور حضورؐ نے فرمایا کہ مرزا غلام احمد اس زمانہ میں میرا نائب ہے وہ جو کہے وہ کرو۔ صبح کو اٹھ کر شاہ صاحب نے کہا کہ اب میری حالت یہ ہے کہ میں خود مرزا صاحب کے پاس چلوں گا۔ اور اگر مجھ کو امریکہ جانے کو کہیں تو میں جاؤں گا۔ جب کہ حاجی عبداللہ عرب صاحب نے اور دوسرے صاحبوں نے خواب کا حال سنا اور پیر صاحب کے ارادہ سے واقف ہوئے تو مناسب نہ سمجھا کہ پیر صاحب خود قادیان جائیں سب نے عرض کیا کہ آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں آپ کی طرف سے کوئی دوسرے صاحب مرزا صاحب کے پاس جا سکتے ہیں چنانچہ پیر صاحب کے خلیفہ عبداللطیف صاحب اور حاجی عبداللہ عرب صاحب قادیان گئے اور سارا قصہ بیان کر کے خواستگار ہوئے کہ حضرت اقدسؑ اس طرف متوجہ ہوں تا کہ اشاعت اسلام کا کام امریکہ میں عمدگی سے چلنے لگے۔

بیان مذکورہ بالا میں نے خود حاجی عبداللہ عرب صاحب سے سنا ہے اور جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں حاجی صاحب کو میں ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا باخدا آدمی سمجھتا ہوں اس لئے اس خبر کو جھوٹ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جس حالت میں مرزا صاحب ایک بدنام شخص ہو رہے ہیں اور جھنڈے والے پیر صاحب ایک نامی آدمی ہیں عبداللہ عرب صاحب کوئی وجہ نہیں ہے کہ اپنے مرشد کے بارے میں ایک ایسا قصہ تصنیف کریں جس سے ظاہرا ان کا نقصان ہی نقصان ہے حاجی عبداللہ عرب صاحب سے مجھ کو ایک اور عجیب بات معلوم ہوئی کہ قسطنطنیہ میں سید فضل صاحب ایک باکمال بزرگ رہتے ہیں جن کو سلطان روم بہت پیار کرتے ہیں۔ سید فضل صاحب کے بزرگوں میں ایک شیخ گزرے ہیں جو صاحب کشف و کرامات تھے وہ اپنے ملفوظات میں لکھ گئے ہیں کہ آخری زمانہ میں مہدی علیہ السلام تشریف لاویں گے اور مغربی ملکوں میں ایک بہت بڑی قوم گورے رنگ والی حضرت مہدی علیہ السلام کی بڑی معین و مددگار ہو گی۔ اور وہ سب داخل اسلام ہو گی۔ واللہ اعلم بالصواب"۔ [۱۲]

سفر انبالہ

جون ۱۸۸۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت ام المومنین (نور اللہ مرقدہا) کی والدہ ماجدہؓ کی شدید بیماری کی خبر سن کر بغرض عیادت انبالہ چھاؤنی تشریف لے گئے۔ [۱۳] قادیان سے انبالہ

جاتے ہوئے حضور اہل و عیال سمیت مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مکان پر ایک رات ٹھہرے تھے اور مولوی صاحب نے حضرت اقدسؑ اور آپ کے اہل بیت کی پر تکلف دعوت بھی کی تھی ۱۴

تصدیق براہین احمدیہ کی تصنیف

پنڈت لیکھرام کی کتاب "تکذیب براہین احمدیہ" کا ذکر اوپر آچکا ہے چونکہ اس اشتعال انگیز کتاب کی تالیف و اشاعت میں ہندوؤں نے سرگرم حصہ لیا تھا۔ اور ہر طرف مسلمانوں کے خلاف جوش پھیل گیا تھا اس لئے اس کتاب کا تدارک از بس ضروری تھا۔ حضور دوسری خدمات دینیہ میں مصروف تھے جواب کے لئے حضرت اقدس کی نظر انتخاب حضرت مولانا نورالدین پر پڑی۔ چنانچہ حضور نے انہیں اس کی تحریک کرتے ہوئے ۲۶۔ جولائی ۱۸۸۷ء کو لکھا "آج ہمارے مخالف ہمارے مقابلہ پر ایک جان کی طرح ہو رہے ہیں اور اسلام کو صدمہ پہنچانے کے لئے بہت زور لگا رہے ہیں۔ میرے نزدیک آج جو شخص میدان میں آتا ہے اور اعلائے کلمتہ الاسلام کے لئے فکر میں ہے۔ وہ پیغمبروں کا کام کرتا ہے"۔ ۱۵ اس ارشاد پر مولانا نے "تصدیق براہین احمدیہ" ایسی لاجواب کتاب کی تصنیف فرمائی جو ۱۸۹۰ء میں شائع ہوئی۔ ۱۶

حواشی

۱۔ ۲۷۔ جولائی ۱۸۸۶ء کا ایک اشتہار جو مطبع چشمہ نور افشاں امرتسر میں چھپا اس کا عنوان تھا "بیل نہ کودا کودی گون"۔ ایک رسالہ کا عنوان تھا "سرمہ چشم آریہ کی حقیقت اور فن فریب غلام احمد کی کیفیت" (بحوالہ "شحنہ حق" صفحہ ۲ طبع دوم)

۲۔ (ترجمہ اشعار) ہم موت سے نہیں ڈرتے ہم نے ایسا خوف دل سے نکال دیا ہے ہم تو اسی دن سے مر چکے ہیں جس دن سے ہم نے غیر سے اپنا دل ہٹا لیا ہے ہم نے اس پیارے (خدا) کی راہ میں جان و دل فدا کر دیا اگر وہ ہماری جان بھی مانگے تو ہم شوق سے حاضر کر دیں گے۔

۳۔ شحنہ حق صفحہ ۳۔ ۴ حاشیہ (طبع دوم)

۴۔ "شحنہ حق" صفحہ ج

۵۔ تشحیذ الاذہان جون و جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۴۔

۶۔ "شحنہ حق"۔

۷۔ مسٹر محمد الیگزنڈر وب کی مختصر سوانح حیات۔ ۱۸۴۶ء میں امریکہ کے شہر ہڈسن علاقہ نیویارک میں پیدا ہوئے۔ والد ایک مشہور صحافی اور ملکی اخبار کے مدیر تھے اس لئے کالج کی تعلیم کے بعد صحافت ہی کے میدان کا انتخاب کر کے ایک ہفت روزہ اخبار جاری کیا اور جلد ہی قبولیت عامہ کی سند حاصل کی اور مشہور روزنامہ "جوزف مسوری ڈیلی گزٹ" کی ادارت سنبھالنے کی دعوت دی گئی اس کے بعد کئی اور اخبارات ان کے سپرد ہوئے اور پھر وب صاحب کی سیاسی قابلیت اور علمی شہرت ولیاقت کی یہاں تک دھوم مچی کہ حکومت امریکہ نے انہیں فلپائن میں اپنا سفیر مقرر کر دیا۔ ۱۸۷۲ء میں وہ عیسائیت سے برگشتہ ہو گئے اور برسوں لادینی کی حالت میں رہے دنیا کے مختلف مذاہب مثلاً بدھ مت وغیرہ کا مطالعہ کیا مگر کہیں تسلی نہیں ہوئی اسی زمانے میں حضور کا انگریزی اشتہار ملا جب داعی حق کی یہ آواز سنی تو امید کی کرن دیکھ کر حضرت اقدس سے خط و کتابت شروع کر دی اور بالآخر اسلام لے آئے۔ (ماخوذ از رسالہ "تائید حق" صفحہ ۸۳۔ ۸۴ طبع سوم مرتبہ مولانا حسن علیؓ)

۸۔ ولادت ۲۲۔ اکتوبر ۱۸۵۲ء وفات ۱۸۹۶ء۔ ۳۱۳ اصحاب کبار میں آپ کا نام ۹۱ نمبر پر درج ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق ایک دفعہ فرمایا۔ "مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری گریجوایٹ نہ تھے مگر انگریزی کی ان میں اتنی قابلیت تھی کہ ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے تھے اور ان کی تقریر سنتے تھے وہ اسی طرح بغیر کسی معاوضہ کی دین کی خدمت کے لئے پھرتے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کے لئے بطور شاہد کے تھے"۔ (الفضل ۳۔ جولائی ۱۹۲۲ء صفحہ ۷ کالم نمبر۱) نیز فرمایا۔ "انہوں نے ایک کتاب "تائید حق" بھی لکھی ہے۔ جو نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ میں نے ایک دفعہ اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا۔ تو میں اس وقت تک سویا نہیں جب تک کہ میں نے اس ساری کتاب کو ختم نہ کر لیا۔ مولوی صاحب شروع شروع میں ایمان لائے پھر احمدیت کی تبلیغ کے لئے ملک کے مختلف علاقوں میں پھرتے رہے"۔ (الفضل ۱۱۔ جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۳ کالم ۴)

پروفیسر آرنلڈ نے اپنی کتاب (The Preaching of Islam) (اشاعت اسلام صفحہ ۲۸۳) میں اخبار "مسلم کرانیکل" (۴۔ اپریل ۱۸۹۶ء) کے حوالہ سے ان کی مختصر سوانح بھی درج کی ہے اور ان کی شاندار تبلیغی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔

۹۔ "ذکر حبیب" صفحہ ۳۸۱ تا ۳۹۰ (از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ)

۱۰۔ ترجمہ: مکتوب ۳۰۔ اگست و ۳۔ ستمبر ۱۹۰۸ء (بحوالہ "حیات احمد" جلد دوم نمبر ۳ صفحہ ۲۰۷۔ ۲۰۸)

۱۱۔ یہ پیر صاحب ضلع حیدر آباد سندھ تحصیل ہالہ میں رہتے ہیں ان کے لاکھوں لاکھ مرید ہیں اور علاقہ سندھ میں لوگ ان کی بڑی قدر کرتے ہیں ان کی کرامات بزرگی کے سب قائل ہیں۔ منہ

۱۲۔ "تائید حق" صفحہ ۸۴۔ ۸۹ (طبع سوم)

۱۳۔ "لائف آف احمد" صفحہ ۱۲۴

۱۴۔ "سیرۃ المہدی" حصہ دوم صفحہ ۹۵

۱۵۔ "حیات احمد" جلد دوم نمبر سوم ۲۰۹ صفحہ ۲۱۰

۱۶۔ نکودر ضلع جالندھر کے ایک عرائض نویس شہاب الدین غوری نے بھی اس کے جواب میں ایک کتاب "تائید براہین احمدیہ" لکھی جو ۱۸۹۱ء میں قیصری پریس جالندھر سے طبع ہوئی۔ ("لائف آف احمد" صفحہ ۱۲۴)

ماموریت کا ساتواں سال

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے جدی خاندان سے متعلق خدا تعالیٰ کا ایک قہری نشان

(۱۸۸۸ء)

مولوی محمد امام الدین صاحب سے خط و کتابت

منٹگمری میں ایک صاحب مولوی محمد امام الدین "فاتح الکتاب المبین" ہوتے تھے جو مسلمانوں میں یہ ملحدانہ عقیدہ پھیلانے میں مصروف رہتے تھے کہ قرآن شریف سے قبل کی آسمانی کتابیں ہنوز قابل عمل ہیں اور قرآن شریف کے نزول سے منسوخ نہیں ہوئیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بعض اہل اسلام کی تحریک پر حضرت اقدس کی خدمت میں بھی ۲۲۔ اپریل ۱۸۸۸ء کو ایک خط لکھا۔ حضرت اقدسؑ نے اس کے جواب میں ۲۸۔ اپریل ۱۸۸۸ء کو ایک مفصل مکتوب تحریر فرمایا جس میں آپ نے اس فتنہ انگیز خیال کی تردید میں لکھا۔ "میری دانست میں آپ نے ایک ایسا فضول اور بے بنیاد دعویٰ اپنے ذمہ لے لیا ہے جس کا ثبوت آپ کے لئے محال اور ممتنع ہے۔ بینات قرآنی سے آپ کیوں بھاگتے ہیں۔ کیا کبھی قرآن شریف کی تلاوت کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ۔ سو جس حالت میں اللہ جل شانہ آپ فرماتا ہے کہ تمام پاک صداقتیں جو پہلی کتابوں میں تھیں اس کتاب میں درج ہیں تو آپ ایسی جامع کتاب کو کیوں نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں آپ کے لئے یہ طریق بہتر ہے کہ چند پاک صداقتیں کسی پہلی کتاب کی جو آپ کے گمان میں قرآن شریف میں نہیں پائی جاتیں اس عاجز کے سامنے پیش کریں پھر اگر یہ عاجز قرآن شریف سے وہ صداقتیں دکھلانے میں قاصر رہا تو آپ کا دعویٰ خود بخود ثابت ہو جائیگا کہ ایسی ضروری

اور پاک صداقتیں قرآن شریف میں نہ پائی گئیں - ورنہ آپ کو اس غایت درجہ کی بے ادبی سے توبہ کرنی چاہیئے کہ جس کتاب کا نام اللہ جل شانہ ' نے جامع الکتاب اور نور مبین رکھا ہے آپ اس کتاب کو ناقص ٹھہراتے ہیں" [۱] اگلے سال ۳۰ ستمبر ۱۸۸۹ء کو حضرت اقدس نے ان کے نام ایک اور مکتوب میں بائبل کی قلعی کھولتے ہوئے لکھا - "انجیل اور توریت کی حالت کی نسبت یہ آیت نہایت موزون معلوم ہوتی ہے - وَاِثْمُھُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا انہوں نے اپنی قوم کو جن کے ہاتھ میں صدہا سال سے یہ کتابیں ہیں کیا فائدہ پہنچایا ہے - جو آپ کو بھی پہنچائیں گی جن کے گندے اور غیر مہذب بیانات کے بڑے فاضل انگریز جان پورٹ ولائل وغیرہ جیسے قائل ہو گئے ہیں آپ نے ان میں کیا دیکھ لیا کہ آپ قائل نہیں ہوتے - خدا تعالیٰ رحم کرے" - [۲] حضرت اقدسؑ کے ان زبردست دلائل سے مولوی امام الدین صاحب دم بخود رہ گئے -

آپ کے جدی خاندان کی طرف مخالفین اسلام کی پشت پناہی

آریہ قوم پوری بے حجابی سے آنحضرت ﷺ اسلام اور آپ کے خلاف دشنام طرازی اور گندہ دہنی کا مظاہرہ کر رہی تھی کہ عیسائی پادری سستی شہرت کی خاطر میدان مقابلہ میں اتر آئے - حضور نے نشان نمائی کا جو چیلنج دے رکھا تھا چونکہ مسیحی دنیا اس کے جواب سے بالکل عاجز اور بے بس تھی - اس لئے وہ آپ کے دعویٰ الہام و کلام پر تنقید کر کے اسلام کی سچائی مخدوش ثابت کرنے کے لئے کسی موزوں موقعہ کی تلاش میں تھی - جو مئی ۱۸۸۸ء میں حضور کے نام نہاد خاندان نے پیدا کر دیا -

جیسا کہ اوپر اشارۃً ذکر آچکا ہے کہ حضرت اقدسؑ کے چچا زاد بھائی مرزا نظام الدین ' امام الدین اور ان کے لگے بندھے احمد بیگ وغیرہ اسلام کے بدترین مخالف تھے - اور رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخانہ کلمات بلکہ گندی گالیوں کا استعمال ان لوگوں کا عام شیوہ ہو چکا تھا - ہر نوع کی رسوم قبیحہ کے خوگر ' عقائد باطلہ کے عاشق اور بدعات شنیعہ میں مستغرق رہنے کو فخر محسوس کرتے تھے اور اسلام کے معاندین کی صف اول میں شامل تھے - وہ خدا جس نے صنم کدوں سے کعبے کے پاسبان پیدا کر ڈالے اس نے اس زمانہ میں بھی کفر کے اسی گہوارہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کھڑا کر دیا - اور دیگر تمام مذاہب پر اسلام کو ابدی غلبہ بخشنے کے لئے آپ کو خلعت ماموریت سے سرفراز فرمایا - جس پر یہ ظالم آتش زیر پا ہو کر آپ کے خلاف پوری قوت سے اٹھ کھڑے ہوئے - اور نہ صرف آپ کو ایک مکار اور فریبی قرار دیا - بلکہ یہاں تک کہا کہ ہم کسی کلام کرنے والے یا قضاء و قدر کے مالک اور وحی کنندہ خدا کو نہیں جانتے - یہ محض ڈھونگ اور مکر و فریب ہے جو شروع سے چلا آیا ہے اور قرآن محمد (

ﷺ) کی تصنیف ہے خدا کا الہام نہیں ہو سکتا۔

ایک روح فرسا واقعہ

یہ بدزبانیاں پورے زوروں پر تھیں کہ ایک شخص حضورؑ کی خدمت میں روتا چلاتا پہنچا۔ حضرت اقدس نے گھبرا کر پوچھا کہ کیا کسی فوت شدہ کی خبر آئی ہے؟ اس نے کہا اس سے بھی بڑھ کر۔ چنانچہ اس نے بتایا کہ میں ان عدوان دین کے پاس تھا کہ ان میں سے ایک بدبخت نے آنحضرت ﷺ کی شان مبارک میں وہ گندے الفاظ استعمال کئے کہ ایسے کلمات کسی کافر سے بھی نہیں سنے گئے۔ یہی نہیں انہوں نے خدا تعالیٰ کی شان اقدس میں بھی قبیح الفاظ کہے اور قرآن مجید کو نہایت بے دردی سے اپنے پاؤں تلے روند کر بے حرمتی کی۔ حضرت اقدس نے اسے فرمایا کہ میں نے پہلے بھی ان کے پاس بیٹھنے سے منع کیا تھا۔ پس خدا سے ڈرو اور توبہ کرو۔ [۳]

نشان نمائی کا مطالبہ

پھر ان کی خدا ناترسی کی انتہا یہ ہوئی کہ ان کی شوخی اور بدزبانی کا حلقہ پرائیویٹ مجالس سے نکل کر پبلک کے اخبارات تک وسیع ہو گیا۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ وہ حضرت اقدس کی دعوت نشان نمائی پر ہندوؤں کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے لیکھرام کو خود بلا کر قادیان لائے اور سخت فتنہ کھڑا کیا اور اگست ۱۸۸۸ء میں اخبار "چشمہ نور امرتسر" سے آپ کے خلاف ایک انتہائی دل آزار اور زہریلا خط بھی شائع کیا جس میں انہوں نے خدا کی ہستی کے ثبوت میں نہایت بے باکی کے ساتھ اپنے متعلق نشان کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم صرف اسی نشان کو نشان قرار دیں گے جو اللہ تعالیٰ ان کی ذات کے متعلق ظاہر کرے گا۔ یہ خط چونکہ آنحضرت ﷺ اور قرآن مجید کے خلاف گالیوں سے پر تھا۔ اس لئے ہندوستان کے غیر مسلموں بالخصوص عیسائیوں نے اسے خوب اچھالا اور ملک کے طول و عرض میں بڑے وسیع پیمانے پر اس کی اشاعت ہوئی۔

حضرت مسیح موعودؑ کی دعا اور الٰہی خبر

اسلام کے خلاف اپنے رشتہ داروں کی یہ منظم مخالفت دیکھ کر حضور کو شدید تکلیف پہنچی۔ اشتہار کے ایک ایک لفظ سے شرارت ٹپکتی تھی۔ اور مضمون اتنا گندہ تھا کہ آسمان پھٹ جاتا تو بعید نہ تھا اور جسے اسلام کا کوئی ادنیٰ ہمدرد بھی پڑھتا تو قطعاً برداشت نہ کر سکتا۔ پھر آپ جو عظیم ترین عاشق رسول تھے وہ کیونکر برداشت کر سکتے۔ چنانچہ جونہی حضور نے یہ اشتہار دیکھا آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے۔ آپ نے دروازہ بند کر لیا اور آہ و بکا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گئے اور یہ پر زور دعا کی کہ اے رب! اے رب! اپنے بندے کی نصرت فرما اور اپنے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کر دے اے میرے رب میری التجا سن اور اسے قبول فرما یہ کب تک تیرا اور تیرے رسول

ﷺ کا مذاق اڑائیں گے۔ کہاں تک تیری کتاب کی تکذیب کریں گے اور تیرے نبی ﷺ کو گالیاں دیتے رہیں گے۔ اے ازلی ابدی اے مددگار خدا! میں تیری رحمت کا واسطہ دے کر تیرے حضور فریاد کرتا ہوں"۔ ۴

اللہ تعالیٰ نے یہ گریہ وزاری سن کر آپ کو الہاماً بتایا کہ میں نے ان کی بدکرداری اور سرکشی دیکھی ہے میں ان پر طرح طرح کی آفات ڈال کر انہیں آسمان کے نیچے سے نابود کردونگا۔ اور تم جلد دیکھو گے کہ میں ان کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں اور ہم ہر ایک بات پر قادر ہیں۔ میں ان کی عورتیں بیوہ' ان کے بچے یتیم اور ان کے گھر ویران کرڈالوں گا۔ اور اس طرح وہ اپنی باتوں اور کارروائیوں کا مزہ چکھیں گے۔ لیکن میں انہیں یکایک ہلاک نہیں کروں گا بلکہ تدریجاً پکڑوں گا تا انہیں رجوع اور توبہ کا موقعہ ملے۔ میری لعنت ان پر' ان کے گھروں پر' ان کے چھوٹوں اور بڑوں پر' ان کی عورتوں اور مردوں پر (بلکہ) ان کے گھر میں داخل ہونے والے مہمان پر بھی نازل ہوگی۔ اور ان تمام پر لعنت برسے گی اور صرف انہی لوگوں پر رحم کیا جائے گا جو ایمان لائیں۔ مناسب حال عمل کریں۔ ان سے تعلقات منقطع کرلیں۔ اور ان کی مجالس سے کنارہ کش ہوجائیں"۔ ۵

اس کے بعد سفر ہوشیار پور میں آپ کو محمدی بیگم کی نانی اور مرزا احمد بیگ کی خواشدامن کے متعلق الہام ہوا۔ "رَئَیْتُ هٰذِهِ الْمَرْاَةَ وَاَثَرَ الْبُکَاءِ عَلٰی وَجْهِهَا فَقُلْتُ اَیَّتُهَا الْمَرْاَةُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِکِ وَالْمُصِیْبَةُ نَازِلَةٌ عَلَیْکِ یَمُوْتُ وَیَبْقٰی مِنْهُ کِلَابٌ مُتَعَدِّدَةٌ"۔ ۶

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے خدا کا یہ انذاری پیغام اصولی رنگ میں اپنے رشتہ داروں تک پہنچادیا۔ لیکن وہ توبہ کرنے کی بجائے اور زیادہ خودسری پر اتر آئے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا کہ ہم انہیں رلانے والے نشانات دکھائیں گے اور ان پر عجیب و غریب ہموم و امراض نازل کریں گے۔ ان کا عرصہ حیات تنگ کردیں گے وہ پے در پے آفات کا نشانہ بنیں گے اور کوئی انہیں بچانے والا نہیں ہوگا۔ چنانچہ ان کی تباہی کے موعودہ آثار شروع ہوگئے خدا تعالیٰ نے مختلف غموں اور قرضوں کے بوجھ سے ان کی کمریں توڑ دیں۔ موت فوت کے دروازے ان پر کھول دیئے۔ اور وہ قسم قسم کے مصائب میں گھر گئے یہ حالت دیکھ کر بھی یہ بدزبان باز نہ آئے۔ بلکہ ان کے دلوں کی کجی میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ اب آسمانی قضاء کے نزول کا وقت بالکل قریب آگیا اور بظاہر کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں تھی مگر خدا تعالیٰ نے جو محض ان کے رجوع اور توبہ کی غرض سے اپنے عذاب میں تاخیر فرمائی۔ اس میں اپنی صفت رحیمیت کے تحت ایک آخری اور مشروط مگر عجیب صورت پیدا کردی۔

مرزا احمد بیگ کی دختر محمدی بیگم سے متعلق خدائی تحریک

یہ لوگ اسلامی تعلیم کے خلاف اور ہندو تہذیب کے زیر اثر یہ خیال کرتے تھے کہ کسی لڑکی کا اس کے غیر حقیقی (یعنی رشتہ کے) ماموں سے نکاح حرام ہے اور صاف کہتے تھے کہ ہمیں اسلام اور قرآن سے کچھ غرض نہیں۔ [۷] نیز وہ آنحضرت ﷺ سے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب کے نکاح پر بھی سخت معترض تھے۔ وہ خدا جس نے تبنیت کی رسم مٹانے کے لئے آنحضرت ﷺ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ زید کی مطلقہ بیوی کو اپنے نکاح میں لائیں۔ اسی طرح یہ رسم مٹانے کے لئے کہ کسی لڑکی کا غیر حقیقی ماموں سے نکاح حرام ہے اس نے آنحضرت ﷺ کے حقیقی خادم حضرت مرزا غلام احمد کو بھی یہ حکم دیا کہ آپ مرزا احمد بیگ سے اس کی بڑی لڑکی محمدی بیگم [۸] کے لئے سلسلہ جنبانی کریں اور اس سے کہہ دیں کہ تمام سلوک و مروت تم سے اسی شرط پر کیا جائے گا۔ اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا اور ان تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤ گے جو اشتہار ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء میں درج ہیں۔ لیکن اگر انحراف کیا۔ تو اس کا دوسری جگہ نکاح نہ لڑکی کے لئے مبارک ثابت ہوگا نہ تمہارے لئے اور اگر تم باز نہیں آؤ گے تو کئی مصیبتیں تمہارے خاندان پر وارد ہوں گی اور آخری مصیبت تیری موت ثابت ہوگی تو نکاح کے تین سال کے اندر اندر مرجائے گا۔ تو غافل ہے مگر تیری موت تیرے قریب ہی منڈلا رہی ہے اسی طرح تیری لڑکی کا خاوند بھی اڑھائی سال کے اندر اندر لقمہ اجل بن جائے گا۔ [۹] اور ان دونوں کی موت کے بعد ہم یہ لڑکی آپ کی طرف واپس لائیں گے۔

دوسری شادی اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے آپ کو ناگوار خاطر تھی۔ اور آپ نے ابتداء ہی سے یہ عہد کر رکھا تھا کہ "کیسا ہی موقعہ پیش آوے جب تک اللہ کی طرف سے صریح حکم سے اس کے لئے مجبور نہ کیا جاؤں تب تک کنارہ کش رہوں کیونکہ تعدد ازدواج کے بوجھ اور مکروہات از حد زیادہ ہیں۔ اور اس میں خرابیاں بہت ہیں اور وہی لوگ ان خرابیوں سے بچے رہتے ہیں جن کو اللہ جل شانہ ' اپنے ارادہ خاص سے اور اپنی کسی خاص مصلحت سے اور اپنے خاص اعلام و الہام سے اس بار گراں کے اٹھانے کے لئے مامور کرتا ہے۔ تب اس میں بجائے مکروہات کے سراسر برکات ہوتے ہیں"۔ [۱۰]
لیکن اب جو یہ خدائی تحریک ہوئی تو حضور نے محض خدائی حکم کی تعمیل کے لئے مرزا احمد بیگ کو خط لکھا جس میں آپ نے الٰہی حکم پہنچاتے ہوئے لکھا کہ میں یہ مکتوب اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم سے لکھ رہا ہوں اسے محفوظ رکھو کہ یہ صدوق و امین خدا کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ میں اس بارہ میں سچا ہوں اور جو کچھ میں نے وعدہ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور میں نے

از خود نہیں کہا بلکہ خدائے تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھ سے کہلوایا ۔ اور یہ میرے رب کا حکم تھا سو میں نے پورا کر دیا ۔ مجھے تیری اور تیری بیٹی کی کوئی ضرورت نہ تھی اور نہ مجھ پر کوئی تنگی ہے اور عورتیں تیری بیٹی کے علاوہ بہت ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ صالحین کا والی ہے ۔ پس اگر مدت مقررہ گزر جائے اور سچائی ظاہر نہ ہو ۔ (یعنی تمہاری موت دکھ وغیرہ ظاہر نہ ہوں) تو میری گردن میں رسی اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالنا اور مجھے وہ دکھ دینا جو کسی کو نہ دیا گیا ہو تم نے خدا تعالیٰ سے نشان طلب کیا تھا ۔ پس یہ تمہارے لئے خدا کا نشان ہے ۔ [۱۱]

پیشگوئی کا پبلک حیثیت اختیار کرنا

اس مرحلے پر مرزا احمد بیگ اور اس کے دست راست مرزا نظام الدین اور مرزا امام الدین وغیرہ کی مخالفت انتہا تک پہنچ گئی اور مرزا نظام الدین نے حضرت اقدسؑ کا پہلا خط جو محض پرائیویٹ رنگ میں تھا عیسائیوں کے اخبار نور افشاں (۱۰۔ مئی ۱۸۸۸ء) میں شائع کرا دیا جس سے اس پیشگوئی کو ایک پبلک حیثیت حاصل ہو گئی ۔ حالانکہ حضرت اقدس نے محض خط پر ہی اکتفاء فرمایا تھا اور آپ کو ان کی دل شکنی کے خیال سے اسے پبلک میں لانے کا خیال تک بھی نہیں تھا ۔

"نور افشاں" کا طوفان بے تمیزی اور حضرت اقدسؑ کا جواب

اس خط کا ہاتھ آنا تھا کہ عیسائیوں نے (جو اسلام کے زندہ مذہب ہونے کے متعلق آپ کے چیلنج سے تنگ آکر کسی موقعہ کی تلاش میں تھے) اس کی آڑ میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے خلاف ایک طوفان بے تمیزی برپا کر دیا ۔ خود ایڈیٹر اخبار "نور افشاں" نے اس پر عجیب طرح کی زبان درازی کی ۔ اور ایک صفحہ اخبار کا سخت گوئی اور دشنام دہی میں ہی سیاہ کیا ۔ اور تعدد ازدواج کو زنا اور حرامکاری قرار دیا ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۰۔ جولائی ۱۸۸۸ء کو اشتہار شائع فرمایا ۔ جس میں "نور افشاں" کی بدلگامی پر بائبل کی روشنی میں دندان شکن جواب دیئے اور پیشگوئی کا پس منظر بتاتے ہوئے لکھا کہ یہ پیش گوئی ایسی نہیں کہ جو پہلے پہل اسی وقت ظاہر کی گئی ہے بلکہ مرزا امام الدین ' مرزا نظام الدین اور اس جگہ کے تمام آریہ اور نیز لیکھرام پشاوری اور صدہا دوسرے لوگ خوب جانتے ہیں کہ کئی سال ہوئے ہم نے اسی کے متعلق مجملاً ایک پیشگوئی کی تھی یعنی یہ کہ ہماری برادری میں سے ایک شخص احمد بیگ نام فوت ہونے والا ہے ۔ اب منصف مزاج آدمی سمجھ سکتا ہے کہ وہ پیشگوئی اس پیشگوئی کا ایک شعبہ تھی یا یوں کہو یہ تفصیل اور وہ اجمال تھی ۔ اور اس میں تاریخ اور مدت ظاہر کی گئی اور اس میں تاریخ اور مدت کا کچھ ذکر نہ تھا اور اس میں شرائط کی تصریح کی گئی اور وہ ابھی اجمالی حالت میں تھی ۔ سمجھدار آدمی کے لئے یہ کافی ہے کہ پہلی

پیش گوئی اس زمانہ کی ہے کہ جب کہ ہنوز وہ لڑکی نابالغ تھی اور جب کہ یہ پیش گوئی بھی اس شخص کی نسبت ہے جس کی نسبت اب سے پانچ برس پہلے کی گئی تھی۔ یعنی اس زمانہ میں جب کہ اس کی یہ لڑکی آٹھ یا نو برس کی تھی۔ تو اس پر نفسانی افترا کا گمان کرنا اگر حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔؟" ۱۱۲

نیز فرمایا "ہمیں اس رشتہ کی درخواست کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ سب ضرورتوں کو خدا تعالیٰ نے پورا کر دیا تھا اولاد بھی عطا کی اور ان میں سے وہ لڑکا بھی جو دین کا چراغ ہو گا۔ بلکہ ایک اور لڑکا ہونے کا قریب مدت تک وعدہ دیا۔ جس کا نام محمود احمد ہو گا۔ اور اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا پس یہ رشتہ جس کی درخواست کی گئی ہے محض بطور نشان کے ہے تا خدا تعالیٰ اس کنبہ کے منکرین کو اعجوبہ قدرت دکھلاوے اگر وہ قبول کریں تو برکت اور رحمت کے نشان ان پر نازل کرے اور ان بلاؤں کو دفع کر دیوے جو نزدیک چلی آتی ہیں لیکن اگر وہ رد کریں تو ان پر قہری نشان نازل کر کے ان کو متنبہ کرے۔

۱۱۳

تاریخ سے ثابت ہے کہ ماموروں کے جسمانی رشتہ داروں پر بھی اس مامور کی وجہ سے فضل و رحم ہوتا ہے چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے جب مختلف خواتین کو اپنے نکاح میں لیا تو ان کے خاندانوں پر یہ رحمت و برکت ہوئی کہ انہیں ہدایت نصیب ہو گئی۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہؓ بنت حی بن اخطب (وفات ۵۰ھ) اور قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی حضرت جویریہؓ (وفات ۵۰ھ) سے عقد کیا تو ان کے خاندان کے اکثر افراد بلکہ بعض کی پوری قوم حلقہ بگوش اسلام ہو گئی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان پر بھی اس رنگ میں رحمت و برکت نازل کرنے کا ارادہ فرمایا اور حضرت اقدس نے احمد بیگ کو پہلے خط میں الہام الٰہی کے مطابق صاف صاف خبر دیدی کہ "اگر آپ اپنی دختر کلاں کا رشتہ منظور کریں تو وہ تمام نحوستیں آپ کی اس رشتہ سے دور کر دیگا اور آپ کو آفات سے محفوظ رکھ کر برکت پر برکت دے گا۔ اور اگر رشتہ وقوع میں نہ آیا تو آپ کے لئے دوسری جگہ رشتہ کرنا ہرگز مبارک نہ ہو گا۔ اور اس کا انجام درد اور تکلیف اور موت ہو گی یہ دونوں طرف برکت اور موت کی ایسی ہیں جن کو آزمانے کے بعد میرا صدق اور کذب معلوم ہو سکتا ہے (اب جس طرح چاہو آزمالو)" ۱۱۴

مسلمانوں کی طرف سے پیشگوئی کے ظہور کے لئے دعائیں

مرزا احمد بیگ سے متعلق پیشگوئی

چونکہ کفر و اسلام کا ایک بہت بڑا معرکہ تھا۔ اس لئے اس زمانہ میں مسلمان اس پیشگوئی کے ظہور کے لئے دعائیں کرتے تھے چنانچہ (سلسلے کے ایک شدید مخالف قاضی فضل احمد صاحب کی روایت کے

مطابق) حضرت اقدسؑ ۱۷- جولائی ۱۸۹۰ء کے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ "ہزاروں پادری شرارت سے نہیں بلکہ حماقت سے منتظر ہیں کہ یہ پیشگوئی جھوٹی نکلے تو ہمارا پلہ بھاری ہو۔ لیکن یقیناً خدا تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا۔ اور اپنے دین کی مدد کرے گا۔ میں نے لاہور میں جاکر معلوم کیا کہ ہزاروں مسلمان مساجد میں نماز کے بعد اس پیشگوئی کے ظہور کے لئے بصدق دل دعا کرتے ہیں سو یہ ان کی ہمدردی اور محبت ایمانی کا تقاضا ہے"۔ ۱۵

پیشگوئی کے بعض حیرت انگیز پہلو

مرزا احمد بیگ کی وفات سے متعلق تو پہلے ہی اجمالی طور پر خبر موجود تھی۔ مگر قدرت نے جب تفصیلات کی گرہیں کھولیں تو اس میں ضمناً کئی حیرت انگیز پیشگوئیاں نکل آئیں۔ مثلاً اول۔ نکاح سے انحراف ضرور ہوگا۔ دوم۔ نکاح کے وقت تک حضرت اقدس زندہ رہیں گے۔ سوم۔ نکاح کے وقت تک مرزا احمد بیگ بھی زندہ رہے گا۔ چہارم۔ نکاح کے وقت تک محمدی بیگم بھی زندہ رہے گی۔ پنجم۔ نکاح کے بعد مرزا احمد بیگ تین سال کے اندر اندر مر جائے گا۔ ششم۔ اس پیشگوئی کے سلسلے میں صرف ایک شخص کی موت واقع ہوگی۔ ہفتم۔ اغیار اپنی کج نظری کے باعث تمسخر اور استہزاء کریں گے۔ چنانچہ یہ سب پیشگوئیاں اس درجہ خارق عادت رنگ میں پوری ہوئیں کہ عقل محو حیرت ہو جاتی ہے۔

پیشگوئی کا ظہور

پیشگوئی کے مطابق جب تک مرزا احمد بیگ نے نکاح نہیں کیا حضرت اقدس بھی زندہ رہے مرزا احمد بیگ بھی زندہ رہا۔ اور اس کی بیٹی محمدی بیگم بھی زندہ رہی یہ گویا خدائے قادر کی طرف سے تین افراد کی زندگی کی ضمانت تھی جو چار سال تک معجزانہ طور پر صحیح ثابت ہوئی۔ لیکن اس کے بعد جب مرزا احمد بیگ نے ۷- اپریل ۱۸۹۲ء کو اپنی لڑکی محمدی بیگم کا نکاح مرزا سلطان محمد صاحب آف پٹی سے کر دیا تو وہ مرزا احمد بیگ جسے خدا تعالیٰ نے پیشگوئی کے بعد چار سال تک زندہ رکھا تھا۔ نکاح کر دینے کے چھٹے ہی مہینے ۳۰- ستمبر ۱۸۹۲ء کو مطابق پیشگوئی ہلاک ہو گیا۔ مرزا احمد بیگ کا اس دنیا سے گزرنا ہی تھا کہ پورے خاندان میں صف ماتم بچھ گئی۔ اور وہ کہرام مچا کہ الامان! الحفیظ! اور افراد خاندان بلکہ مرزا احمد بیگ کے گاؤں والے بھی سخت دہشت زدہ ہو گئے۔ اور سخت ماتم پڑا حتیٰ کہ عورتوں نے اپنی چیخ پکار میں یہ الفاظ بھی کہہ دیئے۔ کہ "ہائے وہ باتیں سچی نکلیں۔ آج ہمارا دشمن جس نے ہمارے لئے پیشگوئی کی تھی سچا ثابت ہو گیا"۔ ۱۶

یہ اتنا عظیم الشان قہری نشان تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے بھی (جو اب اول المکفرین ہونے کی وجہ سے تمام مخالفین ہند کے سرخیل بن چکے تھے) اعتراف کیا کہ اگرچہ یہ پیشگوئی تو پوری ہو گئی مگر یہ الہام نہیں بلکہ علم رمل یا نجوم وغیرہ سے کی گئی۔ ۱۷

غرض پیشگوئی کے مطابق مرزا احمد بیگ کی موت نے ان کے پورے خاندان کو مجسم غم واندوہ بنا دیا ان کے داماد مرزا سلطان محمد صاحب کا سب سے زیادہ متاثر ہونا ایک قدرتی امر تھا کیونکہ جب دو شخصوں کے لئے ہلاکت کی پیشگوئی ہو۔ اور ایک پیشگوئی کی میعاد مقررہ پوری ہونے سے بہت پہلے ہی ہلاک ہو جائے تو دوسرے پر جو گزرے گی اور وہ جتنا بھی متفکر و متردد اور ترساں و لرزاں ہو جائے گا وہ محتاج بیان نہیں۔ چنانچہ مرزا سلطان محمد صاحب نے بھی زاری اور دعا کی اور دل سے یقین کر لیا کہ ان کے خسر مرزا احمد بیگ پیشگوئی کے مطابق فوت ہوئے ہیں۔ [۱۸] نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے مرزا سلطان محمد صاحب کو موت کی سزا سے بچا لیا۔

علماء کو دعوت مباہلہ

مرزا سلطان محمد صاحب جب تک میعاد مقررہ کے دوران میں زندہ رہے حضرت اقدس کی پیشگوئی کے خلاف کچھ نہیں کہا گیا۔ مگر اس کے بعد جب یہ میعاد ختم ہو گئی اور مرزا سلطان محمد صاحب تائب ہونے کی وجہ سے بچ گئے تو چاروں طرف سے شدید مخالفت اٹھ کھڑی ہوئی۔ حالانکہ صدقہ' دعا اور گریہ وزاری سے بڑے بڑے عذابوں کا (خواہ وہ تقدیر مبرم ہی کا حکم کیوں نہ رکھتے ہوں) ٹل جانا خدا تعالیٰ کی ازلی ابدی سنت سے ثابت ہے اور خصوصاً قرآن مجید اور احادیث اور اکابر امت کا لٹریچر تو اس کی شہادتوں سے بھرا پڑا ہے۔ [۱۹] اور اس پیشگوئی میں تو بار بار توبہ کرنے پر مصائب کے ٹل جانے کا مسلسل تذکرہ تھا۔ [۲۰] لیکن عیسائی' آریہ اور ان کی پشت پناہی میں آپ کے مخالف علماء نے صرف اس وجہ سے کہ مرزا سلطان محمد توبہ کی وجہ سے بچ گیا تھا۔ یہ پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ معاذ اللہ پیشگوئی غلط ثابت ہوئی۔ حضرت اقدس نے خدا کے نشان کی یوں تکذیب دیکھی تو آپ نے تین بڑے علماء (شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی۔ مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی) کو انعامی چیلنج دیا کہ وہ ایک جلسہ عام میں الہامی پیشگوئیوں کے عذاب موت کی معین تاریخوں کے ٹل جانے کے متعلق دو گھنٹہ تک کتاب اللہ اور احادیث نبویہ اور کتب سابقہ کی نصوص صریحہ ہم سے سنیں۔ اور پھر اگر اس مجمع میں تین بار حلفاً کہہ دیں کہ اے خدائے قادر ذوالجلال جو جھوٹوں کو سزا دیتا اور سچوں کی حمایت کرتا ہے۔ میں تیری ذات کی قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ جو کچھ دلائل پیش کئے گئے ہیں وہ سب دلائل باطل ہیں اور تیری یہ ہرگز عادت نہیں کہ وعید میں کسی کی توبہ یا خائف اور ہراساں ہونے سے تاخیر کر دے بلکہ ایسی پیشگوئی سراسر جھوٹ یا شیطانی ہے اور ہرگز تیری طرف سے نہیں۔ اور اے قادر خدا اگر تو جانتا ہے کہ میں نے جھوٹ بولا ہے تو مجھے ذلت اور دکھ کے عذاب سے ہلاک کر۔ اس کے بعد بلا توقف آپ قسم کھانے والے کو غیر مشروط طور پر دو سو روپیہ نقد انعام دے دیں گے۔ [۲۱]

پر شوکت اعلان

علاوہ ازیں حضور نے تین سال بعد یہ پر شوکت اعلان بھی فرمایا کہ۔ "فیصلہ تو آسان ہے احمد بیگ کے داماد سلطان محمد کو کہو کہ تکذیب کا اشتہار دے پھر اس کے بعد جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے۔ اگر اس سے اس کی موت تجاوز کرے تو میں جھوٹا ہوں۔

"اور ضرور ہے کہ یہ وعید کی موت اس سے تھمی رہے جب تک کہ وہ گھڑی آجائے کہ اس کو بیباک کر دیوے۔ سو اگر جلدی کرنا ہے تو اٹھو اور اس کو بیباک اور مکذب بناؤ اور اس سے اشتہار دلاؤ اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو"۔ [۲۲]

اس اعلان پر آریوں نے لیکھرام کے قتل اور عیسائیوں نے آتھم کی موت کے باعث مرزا سلطان محمد صاحب کو بڑی بڑی رقموں کی پیش کش کی تا وہ کسی طرح حضرت اقدس پر نالش کر دیں۔ مگر حضور کی سچائی سے متعلق ان میں اتنا زبردست اثر پڑ چکا تھا کہ انہوں نے اس پیش کش کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ [۲۳]

مرزا سلطان محمد صاحب کا اظہار حق

حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد ایک دفعہ مرزا سلطان محمد صاحب نے ۲۱۔ مارچ ۱۹۱۳ء کو ایک تحریر بھی لکھ کر دی جس کا عکس جماعت احمدیہ کے لٹریچر [۲۴] میں برسوں سے شائع شدہ ہے۔ اس تحریر میں انہوں نے لکھا۔ کہ "میں جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو نیک۔ بزرگ۔ اسلام کا خدمت گزار۔ شریف النفس۔ خدا یاد پہلے بھی اور اب بھی خیال کر رہا ہوں۔ مجھے ان کے مریدوں سے کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے بلکہ افسوس کرتا ہوں کہ چند ایک امورات کی وجہ سے ان کی زندگی میں ان کا شرف حاصل نہ کر سکا"۔ ۱۹۲۱ء میں حافظ جمال احمد صاحبؓ (مبلغ ماریشس) ان سے موضع پٹی میں ملے تو انہوں نے حلفیہ بیان دیا۔ کہ انہیں حضرت اقدس کی اس پیشگوئی یا آپ کے دعویٰ کی سچائی پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس پر حافظ صاحب نے کہا پھر آپ بیعت کیوں نہیں کرتے۔ مرزا سلطان محمد صاحب نے جواب دیا۔ "اس کے وجوہات کچھ اور ہی ہیں جن کا اس وقت ذکر کرنا میں مصلحت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ میں بہت چاہتا ہوں کہ ایک دفعہ قادیان جاؤں کیوں کہ مجھے حضرت میاں صاحب [۲۵] کی ملاقات کا بہت شوق ہے اور میرا ارادہ ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام کیفیت بیان کروں۔ پھر چاہے وہ شائع بھی کر دیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا مگر گولی لگنے کی وجہ سے جو اب مجھے لاٹھیوں پر چلنے کی دقت ہے۔ یہ وہاں جانے میں روک ہو جاتی ہے۔ خیال آتا ہے کہ اس ہیئت کے ساتھ میں کیا جاؤں۔ باقی رہی بیعت کی بات میں قسمیہ کہتا ہوں کہ جو ایمان اور اعتقاد مجھے حضرت مرزا صاحب پر ہے میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی جو بیعت کر چکے ہیں۔ اتنا نہیں ہو گا"۔ [۲۶]

محمدی بیگم کی ایک خواب

یہ تو مرزا سلطان محمد صاحب کی بات ہے خود محمدی بیگم کے ایمان کی کیفیت یہ ہے کہ انہوں نے خود بیان کیا کہ جنگ عظیم اول میں جب "فرانس سے ان کو (مرزا سلطان محمد صاحب کو) گولی لگنے کی اطلاع مجھے ملی تو میں سخت پریشان ہوئی۔ اور میرا دل گھبرا گیا۔ اسی تشویش میں مجھے رات کے وقت مرزا صاحب رؤیا میں نظر آئے ہاتھ میں دودھ کا پیالہ ہے اور مجھ سے کہتے ہیں کہ لے محمدی بیگم یہ دودھ پی لے اور تیرے سر کی چادر سلامت ہے تو فکر نہ کر۔ اس سے مجھے اپنے خاوند کی خیریت کے متعلق اطمینان ہو گیا"۔

خاندان مرزا احمد بیگ کے اکثر افراد کی جماعت احمدیہ میں شمولیت

خدا تعالیٰ کے اس عظیم الشان نشان کا اثر صرف مرزا سلطان محمد صاحب اور محمدی بیگم صاحبہ کی عقیدت تک ہی نہیں رہا۔ بلکہ خاندان مرزا احمد بیگ کے اکثر افراد سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ مرزا احمد بیگ کی اہلیہ ' اس کا بیٹا (مرزا محمد بیگ) اس کی تین بیٹیاں (سردار بیگم ' عنایت بیگم ' محمودہ بیگم) اس کا پوتا (مرزا محمود بیگ) نواسہ (مرزا محمد اسحاق پسر محمدی بیگم) اور داماد (مرزا محمد احسن) سب حلقہ بگوش احمدیت ہو گئے۔ ان کے علاوہ مرزا نظام الدین کے بیٹے اور بیٹی بلکہ مرزا غلام قادر مرحوم کی اہلیہ محترمہ "تائی صاحبہ" وغیرہ بھی حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ ماموریت پر ایمان لے آئے۔ (اور جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا) خصوصاً محمدی بیگم کے بیٹے محمد اسحاق صاحب نے جماعت احمدیہ میں شمولیت اختیار کر کے حضرت مسیح موعودؑ کو اپنا روحانی باپ تسلیم کر لیا جو "آسمانی نکاح" کے ظہور میں آنے کا واضح ترین ثبوت ہے۔ [۱۷]

مرزا سلطان محمد صاحب کے بیٹے کا اعلان بیعت

اس سلسلے میں یہاں مرزا محمد اسحاق بیگ صاحب کا وہ بیان درج کرنا ضروری ہے جو انہوں نے ۱۹۳۳ء میں اپنی بیعت کے وقت شائع کیا۔ انہوں نے لکھا۔ "احباب کرام! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ '۔ پیشتر اس کے کہ میں اپنا اصل مدعا بیان کروں۔ یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ واللہ میں کسی لالچ یا دنیوی غرض یا کسی دباؤ کے ماتحت جماعت احمدیہ میں داخل نہیں ہوا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ماتحت ایک لمبے عرصہ کی تحقیق حق کے بعد اس بات پر ایمان لایا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب اپنے ہر دعویٰ میں صادق اور مامور من اللہ ہیں اور اپنے قول و فعل میں ایسے صادق ثابت ہوئے ہیں کہ کسی حق شناس کو اس میں کلام نہیں ہو سکتا۔ آپ کی تمام پیشگوئیاں ٹھیک ٹھیک پوری ہوئیں یہ الگ سوال ہے کہ بعض لوگ تعصب یا نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض پیشگوئیوں کو پیش کر کے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ پوری نہیں ہوئیں مثلاً ان میں ایک پیشگوئی مرزا احمد بیگ صاحب

وغیرہ کے متعلق ہے اس پیشگوئی کو ہر جگہ پیش کر کے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اس کا پورا ہونا ثابت کرو۔ حالانکہ وہ بھی صفائی کے ساتھ پوری ہو گئی۔ میں اس پیشگوئی کے متعلق ذکر کرنے سے پیشتر یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ایک انذاری پیشگوئی تھی اور ایسی انذازی پیشگوئیاں خدا تعالیٰ اپنے نبی کے ذریعہ اس لئے کرایا کرتا ہے کہ جن کے متعلق ہوں ان کی اصلاح ہو جائے۔ چنانچہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وما نرسل بالایات الا تخویفا** کہ ہم انبیاء کو نشانات اس لئے دیتے ہیں کہ لوگ ڈر جائیں اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ اصل بیان فرمادیا ہے۔ کہ ایسی انذاری پیشگوئیاں لوگوں کی اصلاح کی غرض سے کی جاتی ہیں۔ جب وہ قوم اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے اور اپنی صلاحیت کی طرف رجوع کرے تو اللہ تعالیٰ اپنا معلق عذاب بھی ٹال دیتا ہے جیساکہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا واقعہ۔ نیز حضرت موسیٰ کی قوم کی حالت وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ (اعراف: ۱۳۵) سے ظاہر ہے۔ اس صورت میں انذاری پیشگوئی کا لفظی طور پر پورا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ یہی نقشہ یہاں نظر آتا ہے۔ کہ جب حضرت مرزا صاحب کی قوم اور رشتہ داروں نے گستاخی کی یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی ہستی سے انکار کیا۔ نبی کریم ﷺ اور قرآن پاک کی ہتک کی اور اشتہار دے دیا کہ ہمیں کوئی نشان دکھلایا جائے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور کے ذریعہ پیشگوئی فرمائی۔ اس پیشگوئی کے مطابق میرے نانا جان مرزا احمد بیگ صاحب ہلاک ہو گئے اور باقی خاندان ڈر کر اصلاح کی طرف متوجہ ہو گیا جس کا ناقابل تردید ثبوت یہ ہے کہ اکثر نے احمدیت قبول کرلی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غفور و رحیم کے ماتحت قہر کو رحم سے بدل دیا یہاں تک کہ انہوں نے (یعنی مرزا سلطان محمد صاحب نے) (حضرت اقدس) مرزا صاحب سے حسن عقیدت کے متعلق مختلف اوقات پر اپنا اظہار خیال بذریعہ خطوط فرمایا نہ صرف خیال ظاہر فرما دیا بلکہ معاندین سلسلہ کے اکسانے پر انہیں صاف جواب دے دیا۔ مثلاً ہندوؤں عیسائیوں اور مسلمانوں نے ہزاروں روپے کا لالچ دے کر اس بات کی کوشش کی۔ کہ آپ اس امر کا اعلان کر دیں کہ وہ پیشگوئی کی وجہ سے نہیں ڈرے لیکن آپ نے ہرگز ان کی بات نہ مانی۔

احمدیت کے متعلق ان (مراد مرزا سلطان محمد صاحب۔ ناقل) کی حسن عقیدت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد ابو طالب بعض دنیوی مشکلات کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی بیعت میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ لیکن حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو بیعت کر لینے سے نہیں روکا تھا۔ اسی طرح جب میں بھی خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی بیعت کر کے احمدیت میں داخل ہوا تو آپ بجائے کسی قسم کی طعن و تشنیع کرنے کے خوش ہوئے۔ اگرچہ میرے والد صاحب کا تاحال احمدیت میں داخل نہ ہونا اس پیشگوئی کے پورے ہونے میں کسی طرح بھی مانع نہیں ہو سکتا تھا

تاہم خدا تعالیٰ نے یہ روک بھی دور کر دی - اور مجھے اللہ تعالیٰ نے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی فالحمد لله علی ذالک - میں پھر زوردار الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی بھی پوری ہو گئی - میں ان لوگوں سے جن کو احمدیت قبول کرنے میں یہ پیش گوئی حائل ہے عرض کرتا ہوں کہ وہ مسیح الزمان پر ایمان لے آئیں - میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں یہ وہی مسیح موعود ہیں جن کی نسبت نبی کریم ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی - اور ان کا انکار نبی کریم ﷺ کا انکار ہے"۔ ۲۸

ان تفصیلات سے عیاں ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اگر ظاہری طور پر اس دنیا میں محمدی بیگم کا نکاح ہو جاتا تو وہ اتنا زبردست نشان نہ ہوتا جتنا زبردست نشان وہ اس دوسری صورت میں ہو گیا کہ اس خاندان کا ایک بڑا حصہ (جو حضرت اقدسؑ کی اسلامی دعوت و تبلیغ کے خلاف مسلسل دس سال تک مخالفت پر ڈٹا رہا تھا - اور آپ کے خلاف ہندوؤں اور عیسائیوں سے ساز باز کرتا رہا تھا) بالآخر خدا تعالیٰ کے اس قہری نشان سے راہ راست پر آگیا اور جو لوگ اپنی مخالفت پر قائم رہے وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے - آپ کے جدی بھائیوں کی ہر شاخ کاٹی گئی اور آپ کی مبارک نسل اور جماعت خدائی وعدوں کے مطابق دیکھتے ہی دیکھتے دنیا پر ایک تناور درخت کی طرح چھا گئی - جس وقت حضور نے دعویٰ کیا اس وقت آپ کے خاندان میں ستر کے قریب مرد تھے - لیکن اب ان کے سوا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جسمانی یا روحانی اولاد ہیں ان ستر میں سے کسی ایک کی بھی اولاد موجود نہیں - ۲۹ پس حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ والسلام کی اگر کوئی اور پیش گوئی نہ ہوتی تو فقط یہی ایک نشان اسلام، محمد عربی ﷺ اور آپ کی صداقت کے ثبوت میں کافی تھا - ۳۰

پادری فتح مسیح کی طرف سے روحانی مقابلہ کی دعوت اور شکست کا اعتراف

مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری سے متعلق پیشگوئی کے واقعات پر یکجائی نظر ڈالنے کے بعد اب ہم پھر اصل مضمون کی طرف آتے ہیں - اوپر بتایا جا چکا ہے کہ عیسائی مرزا احمد بیگ کے خط کی اشاعت پر ایک بار پھر میدان مقابلہ میں اترے - یہ مقابلہ صرف خط و کتابت کی اشاعت تک محدود نہیں رہا بلکہ عیسائیوں نے حضور کو نشان نمائی میں مقابلہ کا چیلنج بھی دیا - مگر بالآخر کھلا فرار اختیار کر گئے -

۱۸ مئی ۱۸۸۸ء کا واقعہ ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام بشیر اول کے علاج معالجہ کے

سلسلہ میں بٹالہ میں نبی بخش صاحب ذیلدار کے مکان پر فروکش تھے کہ عیسائیوں کی طرف سے ایک پادری فتح مسیح نامی حضور کی فرودگاہ پر آیا - اور ایک مجلس میں جس میں پچاس سے کچھ زیادہ مسلمان اور ہندو وغیرہ جمع تھے - حضرت اقدس سے مخاطب ہو کر دعویٰ کیا کہ جیسے آپ اس بات کے مدعی ہیں کہ میری اکثر دعائیں جناب الٰہی میں بپایہ قبولیت پہنچ کر ان کی قبولیت سے پیش از وقوع مجھ کو اللہ تعالیٰ بذریعہ اپنے الہام خاص کے اطلاع دیتا ہے اور غیب کی باتوں پر مجھے مطلع کرتا ہے یہی مرتبہ ملہم ہونے کا مجھ کو بھی حاصل ہے اور خدا تعالیٰ مجھ سے بھی ہمکلام ہو کر اور میری دعائیں قبول کر کے پیش از ظہور مجھ کو اطلاع دے دیتا ہے - اس لئے میں آپ سے آپ کی پیشگوئیوں میں مقابلہ کرنا چاہتا ہوں - جس قدر اور جس طور کی پیشگوئیاں عام جلسہ میں آپ تحریر کر کے پیش کریں گے اسی قسم کی پیشگوئیاں اپنی طرف سے میں بھی پیش کروں گا اور فریقین کی پیشگوئیاں اخبار "نور افشاں" میں شائع کرا دوں گا - اور پھر خود ہی ۲۱ مئی ۱۸۸۸ء کی تاریخ اس مقابلہ کے لئے مقرر کی -

حضرت اقدسؑ نے پادری فتح مسیح کی یہ دعوت فوراً منظور فرمائی اور اسی دن بذریعہ اشتہار یہ اعلان شائع فرمادیا کہ ۲۱ - مئی ۱۸۸۸ء کو پادری فتح مسیح روح القدس کا فیض اور الہامی پیشگوئیاں بالمقابل بتانے کے لئے ہمارے مکان پر آئیں گے پہلے ہم الہامی پیشگوئیاں بقید تاریخ پیش کریں گے اور پھر اس کے مقابل پر ان کے ذمہ ہو گا کہ ایسی ہی الہامی پیشگوئیاں وہ بھی پیش کریں - پس جو صاحب اس مقابلہ کو دیکھنا چاہتے ہیں وہ دس بجے تک ہمارے مکان پر پہنچ جائیں - پھر اگر میاں فتح مسیح برطبق اپنے وعدہ کے پیر کے دن آموجود ہوئے اور روح القدس کی الہامی طاقت جو اٹھارہ سو برس سے عیسائی جماعت سے بوجہ گمراہی گم ہو چکی ہے تازہ کر دکھائیں اور ان پیشگوئیوں کی سچائی اپنے وقت میں ظہور میں آجائے تو بلاشبہ عیسائیوں کو اپنے مذہب کی صداقت پر ایک حجت ہو گی - کیونکہ ایسے عظیم الشان میدان مقابلہ میں خدا تعالیٰ نے ان کی حمایت کی اور مسلمانوں کی نہ کی اور ان کو فتح دی اور مسلمانوں کو فتح نہ دی - لیکن اگر ہماری پیشگوئیاں سچی نکلیں اور اسی میدان میں دشمن کو شکست اور ہم کو فتح ہوئی - تو اس سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ خدا مسلمانوں کے ساتھ ہے

اس بے نظیر مقابلہ کی اہمیت بتانے کے علاوہ آپ نے اسی اشتہار میں صریح الفاظ میں لکھ دیا کہ "چونکہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ عیسائی کلیسیا برکت اور قبولیت اور ایمانداری کے پھلوں سے بالکل خالی ہے اور سارا گذارہ لاف و گزاف اور یاوہ گوئی پر ہے اور تمام برکتیں اسلام سے ہی خاص ہیں اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس لاف و گزاف کی اصلیت ظاہر کرنے کے لئے اور نیز یہ بات پبلک کو دکھانے کے لئے کہ کہاں تک عیسائیوں میں دروغ گوئی اور بے باکی نے رواج پکڑ لیا ہے بالمقابلہ کرامت نمائی

کے لئے اجازت دی جائے۔

تاسیہ روئے شود ہر کہ درو غش باشد

چنانچہ ۲۱- مئی ۱۸۸۸ء کو حضرت اقدس کی قیام گاہ پر بٹالہ کے معزز مسلمان اور ہندو رئیس اور عیسائی نہایت ذوق و شوق کے ساتھ بہت بڑی تعداد میں جمع ہوئے۔ تا اسلام اور عیسائیت کے اس فیصلہ کن روحانی مقابلہ کا نظارہ دیکھیں۔ مگر ہوا وہی جو حضرت اقدس نے قبل از وقت بتا دیا تھا۔ فتح مسیح اپنے چند عیسائی دوستوں کے ساتھ دس بجے کے بعد جلسہ میں پہنچے۔ اور اپنے وعدہ کے مطابق پیشگوئیاں پیش کرنے کی بجائے انہوں نے سراسر لاطائل اور بیہودہ باتیں چھیڑ دیں جن کا موضوع سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ آخر حاضرین میں سے ایک معزز ہندو نے ان سے کہا کہ یہ جلسہ صرف بالمقابل پیشگوئیاں پیش کرنے کے لئے منعقد ہوا ہے اور یہی آپ کا اقرار ہے اور اسی شوق میں سب لوگ یہاں اکٹھے ہوئے ہیں سو اس وقت الہامی پیشگوئیاں بیان کرنا چاہئے۔ اس کے جواب میں پادری صاحب نے بر سر عام کہا۔ "اصل بات یہ ہے کہ میری طرف سے دعویٰ الہام نہیں ہے اور جو کچھ میرے منہ سے نکلا تھا میں نے یونہی فریق ثانی کے دعوے کے بالمقابل پر ایک دعویٰ کر دیا تھا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ان کا جھوٹا دعویٰ ہے سو ایسے ہی میں نے بھی ایک دعویٰ کر دیا"۔ [۲۱] پادری صاحب کی زبان سے جھوٹ کا یہ کھلا کھلا اعتراف سن کر حاضرین جلسہ نے ان پر سخت لے دے کی۔ خصوصاً رائے بشمبر داس صاحب رئیس بٹالہ، بابو گورو دت سنگھ صاحب مختار عدالت اور منشی محمد بخش صاحب مختار عدالت نے انہیں ملزم کیا کہ یہ دروغ گوئی نیک چلنی کے برخلاف تم سے وقوع میں آئی اگر تم فی الحقیقت ملہم نہیں تھے تو خلاف واقعہ ملہم ہونے کا کیوں دعویٰ کیا۔ پادری صاحب اس شرمناک دروغ گوئی اور کذب طرازی پر سخت معتوب ہوئے اور جلسہ برخاست ہو گیا۔

اس روحانی مقابلہ اسلام کی زبردست فتح اور عیسائیت کی شکست بالکل نمایاں ہو گئی۔ فتح مسیح دیسی پادری تھا مگر حضرت اقدس نے یورپین پادری ہربرٹ وائٹ بریخٹ شائن (انچارج بٹالہ مشن) پر خصوصاً اور دوسرے یورپین پادریوں پر عموماً اتمام حجت کے لئے دوسرا اشتہار شائع کیا جس میں روحانی مقابلہ کی زبردست دعوت دی اور اسی غرض سے برابر ایک ماہ تک بٹالہ میں قیام بھی فرمایا۔ [۲۲] پادری فتح مسیح نے جو اپنی زبان سے شکست کا اعتراف کر چکا تھا اپنی شرمندگی پر پردہ ڈالنے کے لئے اخبار "نور افشاں" (۷- جون ۱۸۸۸ء) میں یہ افترا کیا کہ میں نے الہام کا دعویٰ نہیں کیا تھا حالانکہ اس نے پادری وائٹ بریخٹ کے نام اپنے ہاتھ سے ایک چٹھی میں صاف لکھا کہ میں نے بالمقابل الہامی ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ پادری فتح مسیح نے اب کے نور افشاں میں لکھا کہ ہم اس طور پر تحقیق الہامات کے لئے جلسہ

کر سکتے ہیں کہ ایک جلسہ منعقد ہو کر چار سوال بند کاغذ میں حاضرین جلسہ میں سے کسی کے ہاتھ میں دے دیں گے وہ ہمیں الہاماً بتایا جائے۔ حضرت اقدس نے یہ طریق مقابلہ بھی قبول فرمالیا۔ مگر فرمایا فتح مسیح کہ جس کی طینت میں دروغ ہی دروغ ہے ہرگز قابل التفات نہیں ہے۔ ہاں اگر پادری وائٹ بریخٹ صاحب ایک عام جلسہ میں یہ حلفاً اقرار کریں کہ اگر کسی بند لفافہ کا مضمون جو میری طرف سے پیش ہو دس ہفتہ تک مجھے بتلا دیا جائے تو میں دین مسیحی سے بیزار ہو کر مسلمان ہو جاؤں گا۔ اور اگر ایسا نہ کروں تو ہزار روپیہ جو پہلے سے کسی ثالث منظور کردہ کے پاس جمع کرادونگا بطور تاوان انجمن حمایت اسلام لاہور میں داخل کیا جائے گا۔ اس تحریری اقرار اور نور افشاں میں اس کی اشاعت کے دس ہفتہ تک ہم نے لفافہ بند کا مضمون بتلا دیا تو ان کا روپیہ ضبط ہو گا اور اگر ہم نہ بتلا سکے تو ہم دعویٰ الہام سے دست بردار ہو جائیں گے اور نیز جو سزا زیادہ سے زیادہ ہمارے لئے تجویز ہو وہ بخوشی خاطر اٹھالیں گے"۔ [۲۳]

پادری فتح مسیح تو شملہ بھاگ گیا تھا اور پادری بریخٹ اس مقابلہ کے لئے آمادہ نہ ہو سکے اس طرح عیسائیت کے دیسی اور یورپین پادریوں کی حق پوشی بالکل نمایاں ہو گئی۔ اور اسلام کو ایک بار پھر شاندار فتح نصیب ہوئی۔

سفر پٹیالہ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اس روحانی مقابلے کے چند روز بعد وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن خان صاحب وزیر اعظم پٹیالہ کی درخواست پر (جون ۱۸۸۸ء) میں پٹیالہ تشریف لے گئے۔ خلیفہ صاحب موصوف حضرت اقدس کے خاص عقیدت مندوں میں سے تھے۔ جب براہین احمدیہ شائع ہوئی تو وہ دل و جان سے آپ کے گرویدہ ہو گئے اور اس کی اشاعت میں نمایاں حصہ لیا۔ آپ بصد ذوق و شوق براہین پڑھتے دوسروں سے پڑھوا کر سنتے اور گھنٹوں محظوظ ہو کر زبان سے بار بار فرماتے "فی الحقیقت یہ شخص علماء ربانی میں سے ہے"۔

حضرت اقدس کے سفر پٹیالہ کے ایمان افزا حالات جناب مرتضیٰ خان حسن صاحب نے اخبار پیغام صلح ۲۶۔ مئی ۱۹۵۴ء میں شائع کئے تھے جو درج کئے جاتے ہیں۔ لکھتے ہیں "وزیر صاحب کی دعوت پر حضرت اقدس جون ۱۸۸۸ء میں پٹیالہ تشریف لے گئے۔ آپ حضرت کی آمد پر جامے میں پھولے نہ سماتے تھے۔ ریاست میں اعلان کیا کہ ہمارے ایک عالم ربانی تشریف لا رہے ہیں ان کی زیارت کے لئے سب کو آنا چاہیے .... حضرت تشریف لائے تو آپ کا استقبال اس شان و شوکت سے کیا جس طرح

بڑے بڑے راجاؤں اور نوابوں کا کیا جاتا ہے ریاست کے دستور کے مطابق ہاتھی اور گھوڑے لے کر اسٹیشن پر گئے اور ایک شاندار جلوس حضرت اقدس کے استقبال کے لئے مرتب کیا۔ وزیر صاحب فرماتے دنیا کے لوگوں کی عزت تو کی جاتی ہے مگر اصل عزت کے لائق تو یہ لوگ ہیں جو دین کی جائے پناہ ہیں"۔ استقبال کے وقت لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ جمع تھے۔ لوگ شوق زیارت سے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس قدر خلقت کا اژدہام تھا کہ پٹیالہ کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی مگر حضرت ہیں کہ اس ظاہری شان و شوکت کی طرف آنکھ بھی اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ نہ کسی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں نہ کوئی فخر ہے نہ غرور نہ تکبر۔ وہی سادگی وہی منکسر المزاجی جو جبلت میں خدا نے ودیعت فرمائی تھی اب بھی عیاں ہے آنکھیں حیا سے نیچے جھکی ہیں لب ہائے مبارک پر ہلکا ہلکا تبسم ہے چہرہ پر انوار الٰہی کی بارش ہو رہی ہے۔ گویا ابھی غسل کر کے باہر نکلے ہیں۔ دیکھنے والوں کی نظر آپ پر پڑتی ہے۔ تو سبحان اللہ سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ چاروں طرف سے السلام علیکم! السلام علیکم! کی آواز آتی ہے آپ کمال وقار سے ہر ایک کا جواب دیتے اور دونوں ہاتھوں سے اور کبھی ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں۔

جتنے دن آپ پٹیالہ میں مقیم رہے زائرین کا تانتا بندھا رہا۔ آپ اپنے مواعظ حسنہ سے طالبان ہدایت کو فیضیاب کرتے رہے۔ مختلف مجالس میں مختلف مسائل کا ذکر ہوتا تھا بالخصوص آریوں اور عیسائیوں کے متعلق اور ان کی خلاف اسلام کارروائیوں کا اکثر ذکر ہوتا تھا۔ انہی دنوں میں آپ قریب کے ایک قصبہ سنور میں بھی تشریف لے گئے جو آپ کے مخلص دوست مشہور و معروف مولوی عبداللہ صاحب سنوری کا مولد و مسکن تھا یہ حضرت کے اخلاق کریمانہ کے تقاضے سے تھا کہ آپ ایک بڑے آدمی کی دعوت پر پٹیالہ گئے تو اپنے ایک غریب دوست کو بھی جس کی دنیوی حیثیت پٹواری سے زیادہ نہ تھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا۔ جو شخص شاہی مہمان ہو اور جس کا اس قدر تزک و احتشام سے استقبال کیا گیا ہو اس کا ایک غریب شخص کے گھر پر چلے جانے میں عار نہ سمجھنا فی الحقیقت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ شخص اخلاص کا بے انتہا قدر دان ہے۔ حضرت اقدس کا اصول تھا کہ اپنے مخلص دوستوں کی خواہ وہ دنیوی حیثیت میں کتنے ہی ادنیٰ ہوں بے پناہ عزت اور محبت کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ ع

قدیمان خود را بیفزائے قدر

حضرت والا مولانا محمد عبداللہ خاں صاحب مرحوم و مغفور ان دنوں پٹیالہ میں ہی تھے چنانچہ سب سے پہلی دفعہ آپ کو اسی جگہ حضرت اقدس سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے اس ملاقات کا

اپنی خود نوشتہ سوانح حیات میں ہے جو فارسی میں ہے۔ ذکر فرمایا ہے یہ ۱۳۔ جون ۱۸۸۸ء کی تحریر ہے حضرت اقدس کی کتاب براہین احمدیہ اور آپ کے چیلنج کا جو اس کتاب میں مخالفین اسلام کے نام مفصل ذکر کرتے ہوئے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں۔ "۱۳۔ جون ۱۸۸۸ء چوں بقصبہ سنور کہ متصل پٹیالہ است تشریف آوردند مشرف بزیارت گشتم۔ میانہ قد۔ گندم گوں۔ کشادہ پیشانی ریش مخضب بخضاب۔ عمر قریب چہل سال داشتند۔ سلام گفتہ مصافحہ کردہ۔ بنشستم خلقے بزیارت ایشاں گرد آمدہ بود۔ از چہرہ اش آثار بزرگی وجلال الٰہی نمودار....... وظاہرش باحکام شریعت موافق واستوار والباطن۔ علمہ اللہ حلم و حیا بسے غالب۔ نماز پیشین در پس ایشاں ادا کردم....... ہر چند کہ استعداد شناختن ایں چنیں مردم ندارم مگر وجود باجود ایشاں بمنزلہ رحمت الٰہی و برائے اسلام واسلامیان تقویت لاتناہی است از مجدد بودن ایشاں انکار کردن بجز جہل ونادانی چیزے دیگر نیست سلمہ اللہ"۔......... غرضکہ یہ سفر بخیر وخوبی طے ہوا .... مہینوں پٹیالہ کے لوگوں میں حضرت کی تشریف آوری کا چرچا ہوتا رہا۔ ۱۸۹۱ء میں حضرت اقدس کو پھر پٹیالہ جانے کا اتفاق ہوا"۔ ۲۴

واپسی پر ایک حادثہ

سفر پر روانہ ہونے سے قبل حضرت اقدس کو الہام ہوا تھا کہ اس سفر میں کچھ نقصان ہوگا اور کچھ ہم و غم پیش آئیگا۔ چنانچہ جب حضرت اقدس پٹیالہ سے واپسی پر لدھیانہ آنے لگے تو عصر کا وقت تھا ایک جگہ آپ نے نماز ادا فرمانے کے لئے اپنا چغہ اتار کر وزیر اعظم کے ایک نوکر کو دیا تا وضو کریں۔ پھر جب نماز سے فارغ ہو کر ٹکٹ لینے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ جس رومال میں روپے بندھے ہوئے تھے وہ گر گیا ہے۔ پھر حضور جب گاڑی پر سوار ہوئے تو راستہ میں ایک سٹیشن دوراہہ پر حضور کے ایک ساتھی کو کسی مسافر انگریز نے محض دھوکہ دہی سے اپنے فائدہ کے لئے کہدیا کہ لدھیانہ آگیا ہے۔ چنانچہ اس جگہ آپ اور دیگر ساتھی اتر پڑے لیکن جب ریل چل دی تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی اور سٹیشن تھا۔ اس طرح الہام کے دونوں حصے پورے ہو گئے۔ ۲۵

حواشی

۱۔ "رسالہ خط و کتابت" مطبوعہ ۱۸۹۹ء مطبع عزیزی لاہور۔
۲۔ ایضاً
۳۔ "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۵۶۸ طبع اول۔
۴۔ "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۵۶۶-۵۷۰ (طبع اول)
۵۔ ترجمہ "از آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۵۶۹ طبع اول و اشتہار ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء۔
۶۔ "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۱۲۰ (حاشیہ) (ترجمہ از مرتب) میں نے اس عورت کو دیکھا کہ گریہ و زاری کے آثار اس کے چہرے پر تھے تب میں نے اس سے کہا کہ اے عورت! توبہ کر۔ توبہ کر۔ کیونکہ بلاء تیری نسل کے سر پر کھڑی ہے اور مصیبت تجھ پر نازل ہونے والی ہے وہ شخص (یعنی مرزا احمد بیگ) مرے گا اور کئی سگ سیرت لوگ پیچھے رہ جائیں گے۔
۷۔ تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۱۹ حاشیہ
۸۔ رشتہ کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام محمدی بیگم کے غیر حقیقی ماموں ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ حضور کی چچازاد بہن عمر النساء کی لڑکی اور مرزا نظام الدین وغیرہ کی حقیقی بھانجی ہے۔
۹۔ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۷۳۔ سرورق کرامات الصادقین
۱۰۔ مکتوب بنام حضرت مولانا نور الدینؓ ۲۰۔ جون ۱۸۸۶ء۔
۱۱۔ "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۵۷۲ تا ۵۷۴ (طبع اول)
۱۲۔ "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۱۱۸
۱۳۔ "تبلیغ رسالت" جلد اول ۱۱۹-۱۲۰
۱۴۔ "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۲۸۰ (طبع اول)
۱۵۔ کتاب "کلمہ فضل رحمانی" صفحہ ۱۲۴۔
۱۶۔ "ضمیمہ انجام آتھم" صفحہ ۵۳" و آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۵۷۵-۵۷۶
۱۷۔ اشاعۃ السنہ جلد ۵۔
۱۸۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۹، ۱۳۔ جون ۱۹۲۱ء صفحہ ۱۰-۱۱
۱۹۔ بطور مثال دیکھئے "کنز العمال" جلد ۱ صفحہ ۱۶۷ (مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد ۱۳۱۲ھ۔
۲۰۔ چنانچہ حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں کہ "ماکان الھام فی ھذۃ المقدمہ الاوکان معہ شرط"۔ "انجام آتھم" صفحہ ۲۲۳ مطبوعہ ۱۸۹۷ء) یعنی اس باب میں جو الہام بھی ہوا مشروط تھا۔
۲۱۔ اشتہار ۶۔ ستمبر ۱۸۹۴ء (تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۲۰-۱۲۱)
۲۲۔ "انجام آتھم" صفحہ ۳۲ حاشیہ
۲۳۔ الفضل ۱۳، ۹۔ جون ۱۹۲۱ء صفحہ ۱۰ (بیان مرزا سلطان محمد صاحب)
۲۴۔ ملاحظہ ہو رسالہ "تشحیذ الاذہان" مئی ۱۹۱۳ء
۲۵۔ یعنی حضرت خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز۔
۲۶۔ الفضل ۱۳، ۹۔ جون ۱۹۲۱ء صفحہ ۱۰-۱۱
۲۷۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں "نبی کی پیشگوئی کو ہمیشہ اس کے خارق عادت مفہوم کی رو سے دیکھنا چاہیے۔ اور اگر کسی خاص پہلو پر پیشگوئی کا ظہور نہ ہو اور کسی دوسرے پہلو پر ظاہر ہو جائے اور اصل امر جو اس پیشگوئی کا خارق عادت ہوتا ہے وہ دوسرے پہلو میں بھی پایا جائے۔ اور واقعہ کے ظہور کے بعد ہر ایک عقلمند کو سمجھ آجائے کہ یہی صحیح معنے پیشگوئی کے ہیں جو واقعہ نے اپنے ظہور سے آپ کھول دیئے ہیں تو اس پیشگوئی کی عظمت اور وقعت میں کچھ بھی فرق نہیں آتا۔ اور اس پر ناحق نکتہ چینی کرنا شرارت اور بے ایمانی اور ہٹ دھرمی ہوتی ہے"۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم (ضمیمہ) صفحہ ۸۹-۹۰ (طبع اول) اس امر کی ایک

عجیب مثال تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد صاحب بریلوی (۱۷۸۶-۱۸۳۱) کی سوانح میں یہ لکھی ہے کہ انہیں الہاماً بتایا گیا کہ "ملک پنجاب ضرور میرے ہاتھ پر فتح ہوگا اور اس فتح سے پہلے مجھ کو موت نہ ہوگی" (تواریخ عجیبہ صفحہ ۱۸۰ بحوالہ "۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی" از مولوی نور احمد فریدی ملتان) لیکن ہوا یہ کہ حضرت سید صاحبؒ بالا کوٹ میں شہید ہو گئے۔ اور پنجاب پر انگریز حکمران ہو گئے صاحب تواریخ عجیبہ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "سلطنت پنجاب متعصب اور ظالم سکھوں کے ہاتھ سے نکل کر ایک ایسی عادل اور آزادانہ مذہب قوم کے ہاتھ میں آگئی جس کو ہم مسلمان اپنے ہاتھ پر فتح ہونا تصور کر سکتے ہیں اور غالباً سید صاحب کے الہام کی صحیح تعبیر یہی ہوگی جو ظہور میں آئی"۔ (بحوالہ "۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی" صفحہ ۱۳) دراصل بات یہ ہے جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ (۱۵۶۴-۱۶۲۴) نے بڑی تصریح کے ساتھ اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ "قضاء معلق دو طرح پر ہے ایک وہ قضاء ہے جس کا معلق ہونا لوح محفوظ میں ظاہر کر دیا جاتا ہے اور فرشتوں کو اس پر اطلاع دے دی جاتی ہے۔ اور دوسری وہ قضاء ہے جس کا معلق ہونا صرف خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہوتا ہے اور لوح محفوظ میں قضاء مبرم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور قضائے معلق کی اس دوسری قسم میں بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے"۔ (ترجمہ مکتوب ۲۱۷ دفتر اول) بالآخر یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ آسمان پر پڑھے جانے والے نکاح کا زمین پر پڑھا جانا ضروری نہیں ہوتا۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کا حدیث نبوی کے مطابق مریم بنت عمران۔ کلثوم اخت موسیٰ اور آسیہ زوجہ فرعون سے آسمان پر نکاح پڑھا گیا تھا (فتح البیان جلد ۷ صفحہ ۹۹) لیکن دنیا میں یہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔ اسی طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ کو الہام ہوا کہ ان کی بیٹی کلثوم حضرت یحییٰ علیہ السلام سے بیاہی گئی ہیں۔ اور وہ چند لمحے بعد فوت ہو گئیں۔ (ملاحظہ ہو "حدیقہ محمودیہ" صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ ریاست فرید کوٹ)

۲۸۔ الفضل ۲۶۔ فروری ۱۹۳۳ء صفحہ ۹

۲۹۔ الحکم ۱۴/۷۔ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۰

۳۰۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "پیشگوئی دربارہ مرزا احمد بیگ" (از جناب قاضی محمد نذیر صاحب فاضل۔ لائلپوری)

۳۱۔ تبلیغ رسالت جلد اول

۳۲۔ اسی دوران میں حضرت اقدس نے عید الفطر کی نماز عید گاہ بٹالہ میں پڑھی اور پادری وائٹ بریخٹ کے متعلق آپ کا ایک اشتہار بھی اس موقعہ پر پڑھا گیا۔ چنانچہ اخبار "ریاض ہند" نے ۱۸۔ جون ۱۸۸۸ء کی اشاعت میں یہ خبر شائع کی "بٹالہ میں اہل اسلام کی عید الفطر...... اس موقعہ پر فخر اسلام جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان جو بٹالہ میں فروکش تھے اسی عید گاہ میں رونق افروز ہوئے۔ آدمی قریب چار ہزار کے جمع تھے اول جناب حضرت مخدوم مکرم بندہ مولوی محمد قدرت اللہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پر زور تقریر اور پر تاثیر وعظ سے حاضرین کو فیض بخشی فرمائی اور محظوظ کیا۔ اس کے بعد حاجی غلام محمد صاحب نے ایک اشتہار عنوانی "پادری وائٹ بریخٹ کے لئے اتمام حجت اور رفع مسیح کی دروغگوئی" کو بڑی فصاحت سے سنایا"۔

("ریاض ہند" کا یہ فائل خلافت لائبریری صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں محفوظ ہے)

۳۳۔ "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۱۰۵ تا ۱۱۱

۳۴۔ (فارسی عبارت کا ترجمہ) حضور جب شہر پٹیالہ سے متصل قصبہ سنور میں تشریف لائے تو مجھے آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میانہ قد۔ گندم گوں۔ کشادہ پیشانی۔ ڈاڑھی خضاب کی ہوئی عمر چالیس سال کے قریب رکھتے تھے سلام کہہ کر مصافحہ کیا بیٹھ گیا۔ بہت مخلوق آپ کے دیدار کے لئے آئی ہوئی تھی۔ آپ کے چہرے سے بزرگی اور جلال الٰہی کے آثار نمایاں تھے۔ آپ کا ظاہر احکام شریعت کے موافق اور باطن اللہ جانتا ہے۔ حلم و حیا آپ پر بہت غالب تھے۔ نماز ظہر آپ کے پیچھے ادا کی۔ ہر چند کہ ایسے لوگوں کی استعداد شناخت نہیں رکھتا۔ مگر ان کا وجود مبارک بمنزلہ رحمت الٰہی اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے غیر محدود قوت کا موجب ہے۔ ان کے مجدد ہونے سے انکار سراسر جہل و نادانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے۔

۳۵۔ نزول المسیح صفحہ ۲۳۱/۲۳۲ (طبع اول)

ماموریت کا آٹھواں سال

اشتہار "تکمیل تبلیغ" اور لدھیانہ میں بیعت اولیٰ

(۱۸۸۹ء)

بیعت کے لئے حکم الٰہی جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔ اگرچہ مخلصین کے قلوب میں برسوں سے یہ تحریک جاری تھی کہ حضرت اقدس بیعت لیں۔ مگر حضرت اقدس ہمیشہ یہی جواب دیتے تھے کہ "لَسْتُ بِمَاْمُوْرٍ" (یعنی میں مامور نہیں ہوں) چنانچہ ایک دفعہ آپ نے میر عباس علی صاحب کی معرفت مولوی عبدالقادر صاحبؓ کو صاف صاف لکھا کہ "اس عاجز کی فطرت پر توحید اور تفویض الی اللہ غالب ہے اور...... چونکہ بیعت کے بارے میں اب تک خداوند کریم کی طرف سے کچھ علم نہیں۔ اس لئے تکلف کی راہ میں قدم رکھنا جائز نہیں۔ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔ مولوی صاحب اخوت دین کے بڑھانے میں کوشش کریں۔ اور اخلاص اور محبت کے چشمہ صافی سے اس پودا کی پرورش میں مصروف رہیں تو یہی طریق انشاء اللہ بہت مفید ہوگا"۔ [۱]

آخر چھ سات برس بعد ۱۸۸۸ء کی پہلی سہ ماہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بیعت لینے کا ارشاد ہوا۔ یہ ربانی حکم جن الفاظ میں پہنچا وہ یہ تھے۔ "اِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا۔ اَلَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ۔ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ"۔ [۲] یعنی جب تو عزم کرلے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر اور ہمارے سامنے اور ہماری وحی کے تحت (نظام جماعت کی) کشتی تیار کر۔ جو لوگ تیرے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہوگا۔

بیعت کا اعلان حضرت اقدس کی طبیعت اس بات سے کراہت کرتی تھی کہ ہر قسم کے رطب و یابس لوگ اس سلسلہ بیعت میں داخل ہو جائیں۔ اور دل یہ چاہتا تھا کہ اس مبارک سلسلہ میں وہی مبارک لوگ داخل ہوں جنکی فطرت میں وفاداری کا مادہ ہے اور کچے نہیں ہیں۔ اس لئے آپ کو ایک ایسی تقریب کا انتظار رہا۔ کہ جو مخلصوں اور منافقوں میں امتیاز کر دکھلائے۔ سو اللہ جل شانہ نے اپنی کمال حکمت و رحمت سے وہ تقریب اسی سال نومبر ۱۸۸۸ء میں بشیر اول کی وفات

سے پیدا کردی - ملک میں آپ کے خلاف ایک شور مخالفت برپا ہوا اور خام خیال بدظن ہو کر الگ ہو گئے لہذا آپ کی نگاہ میں یہی موقعہ اس بابرکت سلسلے کی ابتداء کے لئے موزوں قرار پایا - اور آپ نے یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ سے بیعت کا اعلان عام فرمادیا -

اشتہار "تکمیل تبلیغ و گزارش ضروری"

اس اعلان کے ساتھ جو بیعت سے متعلق پہلا اعلان تھا حضور نے بیعت کے لئے معین رنگ میں کوئی خاص شراط نہیں تحریر کئے تھے - مگر ادھر حضرت المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ۱۲- جنوری ۱۸۸۹ء کو دس گیارہ بجے شب (بیت الذکر نمبر ا کے زیر سقف کمرہ سے متصل مشرقی کمرہ میں) پیدا ہوئے - [۲۰] ادھر آپ نے "تکمیل تبلیغ" کا اشتہار تحریر فرمایا - اور اس میں بیعت کی وہ دس شرطیں تجویز فرمائیں جو جماعت میں داخلہ کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں - اس طرح جماعت احمدیہ اور پسر موعودؓ کی پیدائش توام ہوئی

یہ دس شرائط بیعت حضرت اقدس کے الفاظ میں یہ ہیں -

"اول :- بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا -

دوم :- یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق و فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہو گا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے -

سوم :- یہ کہ بلاناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریمؐ پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو اپنا ہر روز ورد بنالیگا -

چہارم :- یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا - نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے -

پنجم :- یہ کہ ہر حال رنج اور راحت اور عسر اور یسر اور نعمت اور بلا میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہر حالت راضی بقضا ہو گا - اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا - اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا - بلکہ آگے قدم بڑھائے گا -

ششم:۔ یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے سر پر قبول کرے گا۔ اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنے ہر یک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

ہفتم:۔ یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا۔ اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

ہشتم:۔ یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنے ہر یک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

نہم:۔ یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا۔ اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔

دہم:۔ یہ کہ اس عاجز سے عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو"۔

حضرت اقدس نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ استخارہ مسنونہ کے بعد بیعت کے لئے حاضر ہوں۔ [۴]

لدھیانہ میں ورود

اس اشتہار کے بعد حضرت اقدس قادیان سے لدھیانہ تشریف لے گئے اور حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ کے مکان واقع محلہ جدید میں فروکش ہوئے۔

[۵] یہاں سے آپ نے ۴۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو ایک اور اشتہار میں بیعت کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا۔ "یہ سلسلہ بیعت محض بمراد فراہمی طائفہ متقین یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت کے جمع کرنے کے لئے ہے۔ تا ایسا متقیوں کا ایک بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت و عظمت و نتائج خیر کا موجب ہو۔ اور وہ ببرکت کلمہ واحدہ پر متفق ہونے کے اسلام کی پاک و مقدس خدمات میں جلد کام آسکیں اور ایک کاہل اور بخیل و بے مصرف مسلمان نہ ہوں اور نہ ان نالائق لوگوں کی طرح جنہوں نے اپنے تفرقہ و نااتفاقی کی وجہ سے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور اس کے خوبصورت چہرہ کو اپنی فاسقانہ حالتوں سے داغ لگا دیا ہے اور نہ ایسے غافل درویشوں اور گوشہ گزینوں کی طرح جن کو اسلامی ضرورتوں کی کچھ بھی خبر نہیں۔ اور اپنے بھائیوں کی ہمدردی سے کچھ بھی غرض نہیں اور بنی نوع کی بھلائی کے لئے کچھ جوش نہیں بلکہ وہ ایسے قوم کے ہمدرد ہوں کہ غریبوں کی پناہ ہو جائیں۔ یتیموں کے لئے بطور باپوں کے بن جائیں اور اسلامی کاموں کے انجام دینے کے لئے عاشق زار کی طرح فدا ہونے کو تیار ہوں اور تمام تر کوشش اس بات کے لئے کریں کہ ان کی عام برکات دنیا میں پھیلیں اور محبت الٰہی اور ہمدردی بندگان خدا کا پاک چشمہ ہر یک دل سے نکل کر اور

ایک جگہ اکٹھا ہو کر ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آئے......... خدا تعالیٰ نے اس گروہ کو اپنا جلال ظاہر کرنے کے لئے اور اپنی قدرت دکھانے کے لئے پیدا کرنا اور پھر ترقی دینا چاہا ہے تا دنیا میں محبت الٰہی اور توبہ نصوح اور پاکیزگی اور حقیقی نیکی اور امن اور صلاحیت اور بنی نوع کی ہمدردی کو پھیلا دے۔ سو یہ گروہ اس کا ایک خاص گروہ ہو گا اور وہ انہیں آپ اپنی روح سے قوت دے گا اور انہیں گندی زیست سے صاف کرے گا۔ اور ان کی زندگی میں ایک پاک تبدیلی بخشے گا۔ اور وہ جیسا کہ اس نے اپنی پاک پیشگوئیوں میں وعدہ فرمایا ہے اس گروہ کو بہت بڑھائے گا اور ہزار ہا صادقین کو اس میں داخل کرے گا۔ وہ خود اس کی آب پاشی کرے گا اور اس کو نشوونما دے گا۔ یہاں تک کہ ان کی کثرت اور برکت نظروں میں عجیب ہو جائے گی۔ اور وہ اس چراغ کی طرح جو اونچی جگہ رکھا جاتا ہے دنیا کے چاروں طرف اپنی روشنی کو پھیلائیں گے اور اسلامی برکات کے لئے بطور نمونہ کے ٹھہریں گے۔ وہ اس سلسلہ کے کامل متبعین کو ہر یک قسم کی برکت میں دوسرے سلسلہ والوں پر غلبہ دے گا اور ہمیشہ قیامت تک ان میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن کو قبولیت اور نصرت دی جائے گی اس رب جلیل نے یہی چاہا ہے وہ قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہر یک طاقت اور قدرت اسی کو ہے"۔ [۶]

بیعت کے لئے لدھیانہ پہنچنے کا ارشاد

اسی اشتہار میں آپ نے ہدایت فرمائی کہ بیعت کرنے والے اصحاب ۲۰۔ مارچ کے بعد لدھیانہ پہنچ جائیں۔ [۷]

ہوشیار پور میں شیخ مہر علی صاحب کی ایک تقریب میں شمولیت

انہی دنوں شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور کے لڑکے کی شادی کی تقریب تھی جس میں شمولیت کے لئے انہوں نے درخواست کر رکھی تھی۔ اس لئے بیعت لینے سے قبل حضرت اقدس کو ایک مرتبہ ہوشیار پور بھی جانا پڑا۔ اس سفر میں منشی عبداللہ صاحب سنوریؓ۔ میر عباس علی صاحب لدھیانوی اور حافظ حامد علی صاحبؓ آپ کے قدیم خادم آپ کے ساتھ تھے۔ شیخ مہر علی صاحب نے یہ انتظام کیا تھا کہ دعوت میں کھانے کے وقت رؤساء کے واسطے الگ کمرہ تھا اور ان کے ساتھیوں اور خدام کے لئے الگ۔ مگر حضرت اقدس کا قاعدہ یہ تھا کہ اپنے خدام کو کمرے میں پہلے داخل کرتے پھر خود داخل ہوتے تھے۔ اور ان کو اپنے دائیں بائیں بٹھاتے تھے۔ ان دنوں وہاں مولوی محمود شاہ صاحب چھچھ ہزاروی کا وعظ ہونے والا تھا حضرت اقدس نے منشی عبداللہ صاحب سنوریؓ کے ہاتھ بیعت کا اشتہار دے کر انہیں کہلا بھیجا کہ آپ اپنے لیکچر کے وقت کسی مناسب موقع پر میرا اشتہار بیعت پڑھ کر سنا دیں۔ اور میں خود بھی آپ کے لیکچر میں آؤں گا۔

انہوں نے وعدہ کر لیا۔ چنانچہ حضرت اقدس اس کے وعظ میں تشریف لے گئے۔ لیکن اس نے وعدہ خلافی کی اور حضور کا اشتہار نہ سنایا بلکہ جس وقت لوگ منتشر ہونے لگے اس وقت سنایا مگر اکثر لوگ منتشر ہو گئے تھے۔ حضرت اقدسؑ کو اس پر بہت رنج ہوا۔ فرمایا ہم اس کے وعدہ کے خیال سے ہی اس کے لیکچر میں آئے تھے کہ ہماری تبلیغ ہو گی۔ ورنہ ہمیں کیا ضرورت تھی۔ اس نے وعدہ خلافی کی ہے۔ خدا کے بندوں کی خفگی رنگ لائے بغیر نہیں رہتی۔ چنانچہ یہ مولوی تھوڑے عرصہ کے اندر ہی چوری کے الزام کے نیچے آکر سخت ذلیل ہوا۔ [۸]

۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کو محلہ جدید میں بیعت اولیٰ کا آغاز

حضرت اقدس کے اشتہار پر جموں، خوست، بھیرہ، سیالکوٹ، گورداسپور، گوجرانوالہ، جالندھر، پٹیالہ، مالیر کوٹلہ، انبالہ، کپورتھلہ، اور میرٹھ وغیرہ اضلاع سے متعدد مخلصین لدھیانہ پہنچ گئے۔ بیعت اولیٰ کا آغاز لدھیانہ میں حضرت منشی عبد اللہ سنوریؓ کی روایات کے مطابق ۲۰ رجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء [۹] کو حضرت صوفی احمد جانؓ کے مکان واقع محلہ جدید میں ہوا۔ وہیں بیعت کے تاریخی ریکارڈ کے لئے ایک رجسٹر تیار ہوا۔ جس کی پیشانی پر یہ لکھا گیا۔ "بیعت توبہ برائے حصول تقویٰ و طہارت"۔ رجسٹر میں ایک نقشہ تھا جس میں نام، ولدیت اور سکونت درج کی جاتی تھی۔ [۱۰]

حضرت اقدسؑ بیعت لینے کے لئے مکان کی ایک کچی کوٹھری [۱۱] میں (جو بعد کو دار البیعت کے مقدس نام سے موسوم ہوئی) بیٹھ گئے اور دروازے پر حافظ حامد علی صاحبؓ کو مقرر کر دیا اور انہیں ہدایت دی کہ جسے میں کہتا جاؤں اسے کمرہ میں بلاتے جاؤ۔ چنانچہ آپ نے سب سے پہلے حضرت مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ حضرت اقدس نے مولانا کا ہاتھ کلائی پر سے زور کے ساتھ پکڑا اور بڑی لمبی بیعت لی۔ [۱۲] ان دنوں بیعت کے الفاظ یہ تھے۔

"آج میں احمد کے ہاتھ پر اپنے ان تمام گناہوں اور خراب عادتوں سے توبہ کرتا ہوں جن میں مبتلا تھا اور سچے دل اور پکے ارادہ سے عہد کرتا ہوں کہ جہاں تک میری طاقت اور میری سمجھ ہے اپنی عمر کے آخری دن تک تمام گناہوں سے بچتا رہوں گا۔ اور دین کو دنیا کے آراموں اور نفس کے لذات پر مقدم رکھوں گا اور ۱۲۔ جنوری کی دس شرطوں پر حتی الوسع کاربند رہوں گا۔ اور اب بھی اپنے گزشتہ گناہوں کی خدا تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّی۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّی۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّی مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ [۱۳، ۱۴]

(خاکہ دار البیعت لدھیانہ)

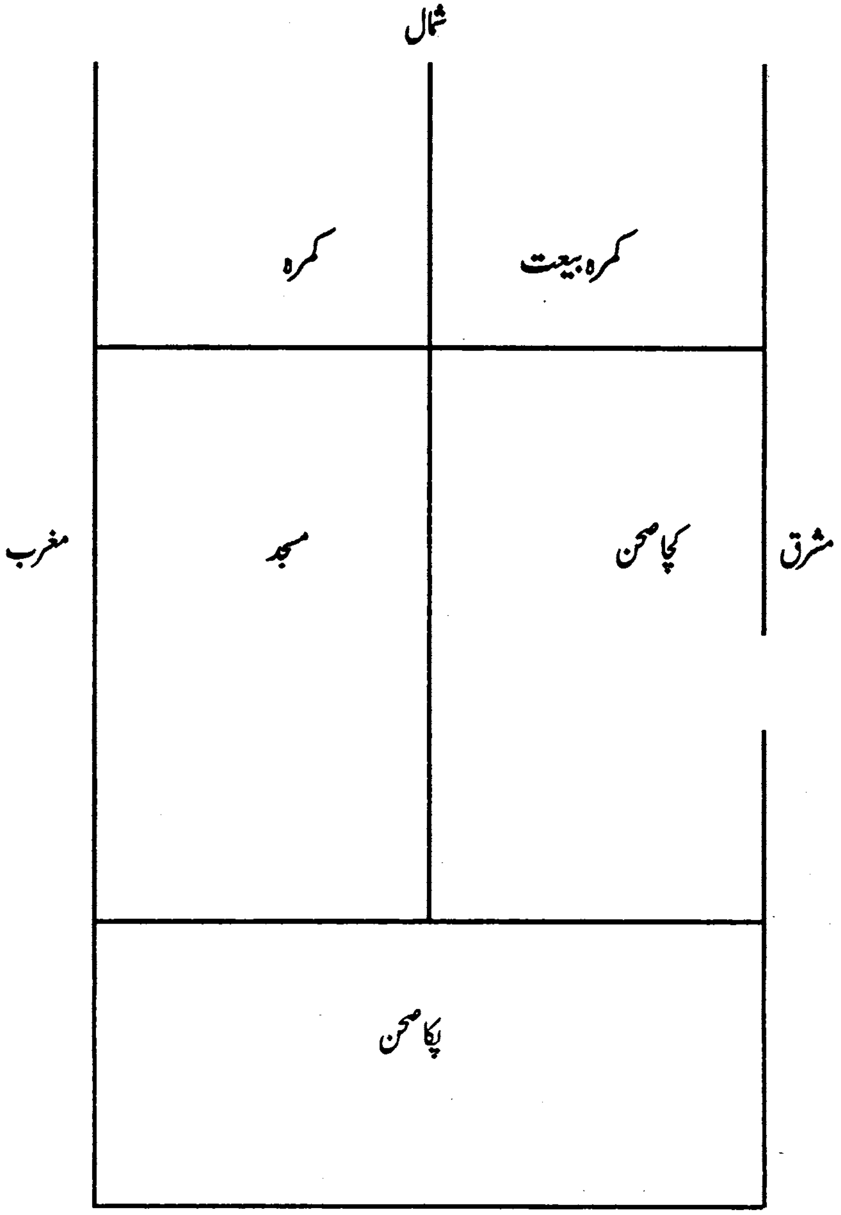

(جنوب) حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ کا مکان

حضرت مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ کے بعد میر عباس علی صاحب۔ شیخ محمد حسین صاحب خوشنویس مراد آبادی نیز چوتھے نمبر پر مولوی عبداللہ صاحب سنوری [15] اور پانچویں نمبر پر مولوی عبداللہ صاحب ساکن تنگی علاقہ چارسدہ [16] (صوبہ سرحد) نے بیعت کی۔ ان کے بعد غالباً منشی اللہ بخش صاحب [17] لدھیانہ کا نام لے کر بلایا اور پھر شیخ حامد علی صاحب سے کہدیا کہ خود ہی ایک ایک آدمی کو بھیجتے جاؤ۔ اس کے بعد آٹھویں نمبر پر قاضی خواجہ علی صاحبؓ نویں نمبر پر حافظ حامد علی صاحبؓ اور دسویں نمبر پر چوہدری رستم علی صاحبؓ اور پھر (معاً بعد یا کچھ وقفے کے ساتھ) منشی اروڑا خاں صاحبؓ نے بیعت کی۔ ستائیسویں نمبر پر رحیم بخش صاحب [18] سنوری کی بیعت ہوئی۔ اس طرح پہلے دن باری باری چالیس [19] افراد نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کا بیان ہے کہ "سبز کاغذ پر جب اشتہار حضور نے جاری کیا۔ تو میرے پاس بھی چھ سات اشتہار حضور نے بھیجے۔ منشی اروڑا صاحبؓ فوراً لدھیانہ کو روانہ ہو گئے دوسرے دن محمد خاں صاحب اور میں گئے اور بیعت کر لی۔ منشی عبدالرحمٰن صاحب تیسرے دن پہنچے کیونکہ انہوں نے استخارہ کیا۔ اور آواز آئی "عبدالرحمٰن آجا"۔ ہم سے پہلے اس دن آٹھ نو کس بیعت کر چکے تھے۔ بیعت حضور اکیلے اکیلے کو بٹھا کر لیتے تھے اشتہار پہنچنے سے دوسرے دن چل کر تیسرے دن صبح ہم نے بیعت کی پہلے منشی اروڑا صاحب نے۔ پھر میں نے۔ میں جب بیعت کرنے لگا تو حضور نے فرمایا۔ کہ آپ کے رفیق کہاں ہیں؟ میں نے عرض کی۔ منشی اروڑا صاحب نے تو بیعت کر لی ہے اور محمد خاں صاحب نہا رہے ہیں کہ نہا کر بیعت کریں۔ چنانچہ محمد خاں صاحب نے بیعت کر لی۔ اس کے ایک دن بعد منشی عبدالرحمٰن صاحبؓ نے بیعت کی۔ منشی عبدالرحمٰن صاحب۔ منشی اروڑا صاحب اور محمد خاںؓ صاحب تو بیعت کر کے واپس آگئے کیونکہ یہ تینوں ملازم تھے میں پندرہ بیس روز لدھیانہ ٹھہرا رہا۔ اور بہت سے لوگ بیعت کرتے رہے۔ حضور تنہائی میں بیعت لیتے تھے اور کواڑ بھی قدرے بند ہوتے تھے۔ بیعت کرتے وقت جسم پر ایک لرزہ اور رقت طاری ہو جاتی تھی۔ اور دعا بعد بیعت بہت لمبی فرماتے تھے۔"

[20] پیر سراج الحق صاحبؓ نعمانی۔ شیخ یعقوب علی صاحب تراب [21] اور مولانا عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹی اس دن لدھیانہ میں موجود تھے۔ مگر پہلی بیعت میں شامل نہ ہو سکے۔ پیر سراج الحق صاحب کا منشاء قادیان کی مسجد مبارک میں بیعت کرنے کا تھا جسے حضرت اقدس نے منظور فرمالیا۔ اور ۲۳ دسمبر ۱۸۸۹ء کو بیعت [22] لی۔ باقی حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ [23] اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ تراب [24] نے انہی ایام میں بیعت کر لی تھی۔ حضرت اقدسؑ نے مولانا نورالدین صاحب کو بلایا اور ران کے ہاتھ میں مولانا عبدالکریم صاحب کا ہاتھ رکھا اور ران ہردو کو اپنے ہاتھ میں لیا اور پھر مولانا عبدالکریم

صاحب سے بیعت کے الفاظ کہلوائے۔ [۲۵]

ان ایام میں حضرت مولانا عبد الکریم صاحب نیچری خیالات رکھتے تھے۔ لیکن چونکہ وہ بچپن [۲۶] ہی سے حضرت مولانا نور الدین سے راہ و رسم رکھتے تھے اس لئے انہوں نے محض آپ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے بیعت کرلی۔ بیعت کے بعد اتنا زبردست تغیر ہوا کہ خود ہی فرمایا کرتے تھے۔ "میں نے قرآن بھی پڑھا تھا۔ مولانا نور الدینؓ کے طفیل سے حدیث کا شوق بھی ہو گیا تھا۔ گھر میں صوفیوں کی کتابیں بھی پڑھ لیا کرتا تھا۔ مگر ایمان میں وہ روشنی وہ نور معرفت میں ترقی نہ تھی۔ جو اب ہے اس لئے میں اپنے دوستوں کو اپنے تجربے کی بناء پر کہتا ہوں کہ یاد رکھو اس خلیفہ اللہ کے دیکھنے کے بدوں صحابہ کا سا زندہ ایمان نہیں مل سکتا۔ اس کے پاس رہنے سے تمہیں معلوم ہو گا کہ وہ کیسے موقع موقع پر خدا کی وحی سناتا ہے اور وہ پوری ہوتی ہے تو روح میں ایک محبت اور اخلاص کا چشمہ پھوٹ پڑتا ہے۔ جو ایمان کے پودے کی آبپاشی کرتا ہے۔" [۲۷]

عورتوں کی بیعت

مردوں کی بیعت کے بعد حضرت گھر میں آئے تو بعض عورتوں نے بھی بیعت کی۔ سب سے پہلے حضرت مولانا نور الدین صاحب کی اہلیہ محترمہ حضرت صغریٰ بیگم [۲۸] نے بیعت کی۔ حضرت ام المومنین ابتداء ہی سے آپ کے سب ہی دعاوی پر ایمان رکھتی تھیں اور شروع ہی سے اپنے آپ کو بیعت میں سمجھتی تھیں اس لئے آپ نے الگ بیعت کی ضرورت نہیں سمجھی۔ [۲۹]

بیعت کے بعد اجتماعی کھانا اور نماز

میاں رحیم بخش صاحب سنوریؓ کا بیان ہے کہ "بیعت کے بعد کھانا تیار ہوا تو حضور نے فرمایا۔ اس مکان میں کھانا کھلاؤ کیونکہ وہ مکان لمبا تھا۔ غرض دستر خوان بچھ گیا اور سب دوستوں کو وہیں کھانا کھلایا گیا کھانے کے وقت ایسا اتفاق ہوا کہ میں حضور کے ساتھ ایک پہلو پر بیٹھا تھا حضور اپنے برتن میں سے کھانا نکال کر میرے برتن میں ڈالتے جاتے تھے۔ اور میں کھانا کھاتا جاتا تھا۔ گاہے حضور بھی کوئی لقمہ نوش فرماتے تھے۔ کھانے کے بعد نماز کی تیاری ہوئی۔ نماز میں بھی ایسا اتفاق پیش آیا کہ میں حضور کے ایک پہلو میں حضور کے ساتھ کھڑا ہوا۔ اب مجھے یاد نہیں رہا کہ اس وقت کون امام تھا"۔ [۳۰]

دوسرے ایام میں بیعت

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام لدھیانہ میں ۱۸۔ اپریل ۱۸۸۹ء تک مقیم رہے۔ [۳۱] ابتداء محلہ جدید میں پھر محلہ اقبال گنج میں تاہم بیعت کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ پہلے بیعت اکیلے اکیلے ہوتی رہی پھر خطوط کے ذریعہ سے پھر مجمع عام میں۔ [۳۲]

بیعت کے بعد نصائح حضرت اقدس کا اکثر یہ دستور تھا کہ بیعت کرنے والوں کو نصائح فرماتے تھے - چند نصائح بطور نمونہ درج ذیل ہیں -

"اس جماعت میں داخل ہو کر اول زندگی میں تغیر کرنا چاہیے - کہ خدا پر ایمان سچا ہو اور وہ ہر مصیبت میں کام آئے - پھر اس کے احکام کو نظر خفت سے نہ دیکھا جائے بلکہ ایک ایک حکم کی تعظیم کی جائے اور عملاً اس تعظیم کا ثبوت دیا جائے" -

"ہمہ وجوہ اسباب پر سرنگوں ہونا اور اسی پر بھروسہ کرنا اور خدا پر توکل چھوڑ دینا یہ شرک ہے اور گویا خدا کی ہستی سے انکار - رعایت اسباب اس حد تک کرنی چاہیے - کہ شرک لازم نہ آئے - ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہم رعایت اسباب سے منع نہیں کرتے مگر اس پر بھروسہ کرنے سے منع کرتے ہیں - دست در کار دل بایار والی بات ہونی چاہیے" -

"دیکھو تم لوگوں نے جو بیعت کی ہے اور اس وقت اقرار کیا ہے اس کا زبان سے کہہ دینا تو آسان ہے لیکن نبھانا مشکل ہے - کیونکہ شیطان اسی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ انسان کو دین سے لاپروا کر دے دنیا اور اس کے فوائد کو تو وہ آسان دکھاتا ہے اور دین کو بہت دور - اس طرح دل سخت ہو جاتا ہے اور پچھلا حال پہلے سے بدتر ہو جاتا ہے اگر خدا کو راضی کرنا ہے تو اس گناہ سے بچنے کے اقرار کو نبھانے کے لئے ہمت اور کوشش سے تیار رہو" -

"فتنہ کی کوئی بات نہ کرو - شر نہ پھیلاؤ - گالی پر صبر کرو - کسی کا مقابلہ نہ کرو جو مقابلہ کرے اس سے بھی سلوک اور نیکی کے ساتھ پیش آؤ - شیریں بیانی کا عمدہ نمونہ دکھلاؤ سچے دل سے ہر ایک حکم کی اطاعت کرو کہ خدا راضی ہو جائے - اور دشمن بھی جان لے کہ اب بیعت کر کے یہ شخص وہ نہیں رہا جو پہلے تھا - مقدمات میں سچی گواہی دو - اس سلسلہ میں داخل ہونے والے کو چاہئے کہ پورے دل پوری ہمت اور ساری جان سے راستی کا پابند ہو جائے" - [۲۳]

بعض لوگ بیعت کرنے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کیا کرتے تھے کہ حضور کسی وظیفہ وغیرہ کا ارشاد فرمائیں - اس کا جواب اکثر یہ دیا کرتے تھے کہ نماز سنوار کر پڑھا کریں اور نماز میں اپنی زبان میں دعا کیا کریں - اور قرآن شریف بہت پڑھا کریں - آپ وظائف کے متعلق اکثر فرمایا کرتے تھے کہ استغفار کیا کریں - سورہ فاتحہ پڑھا کریں - درود شریف لاحول اور سبحان اللہ پر مداومت کریں - اور فرماتے تھے کہ بس ہمارے وظائف تو یہی ہیں - [۲۴]

رجسٹر بیعت اولیٰ کی مکمل فہرست رجسٹر بیعت ابتداء حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کاغذات

میں سے ملا تھا جو انہوں نے صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو دے دیا اور حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس کی عظیم الشان اہمیت کے پیش نظر اسے خلافت لائبریری ربوہ میں منتقل فرما دیا ہے۔ اس قیمتی دستاویز کا پہلا ورق ضائع ہو چکا ہے جس کی وجہ سے ابتدائی آٹھ ناموں کا پتہ نہیں چل سکا۔ ذیل میں اس کی مکمل فہرست درج کی جاتی ہے اس فہرست میں مبائعین کی ترتیب مدنظر نہیں رکھی گئی جس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت دستخطی پرچیاں کسی ترتیب سے نہیں رکھی جاتی تھیں۔ [۳۵] یہ بھی یاد رہے کہ ۲۱۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو ۱۸۔ رجب ۱۳۰۶ھ کی قمری تاریخ تھی۔

نمبر شمار	تاریخ ہجری	تاریخ عیسوی	نام مع ولدیت	وطن	موجودہ سکونت	پیشہ وغیرہ	کیفیت
۹	۱۹ رجب ۱۳۰۶ھ	۲۱ مارچ ۱۸۸۹ء (مرتب)	حافظ حامد علی ولد فتح محمد	تھہ غلام نبی ضلع گورداسپور	قادیان	کاشت	
۱۰	"		منشی رستم علی ولد شہاب خاں	موضع مدار ضلع جالندھر تحصیل جالندھر	کانگڑہ	ملازمت پولیس	علاقہ قیصری ڈپٹی انسپکٹر پولیس کانگڑہ
۱۱	"	"	عبداللہ ولد کرم بخش	سنور۔ محلہ تنبواں۔ ریاست پٹیالہ	نوٹ گڑھ تھانہ گھمانوں تحصیل سرہند ریاست پٹیالہ	ملازمت پٹواری ریاست پٹیالہ	بعد محمد حسین صاحب نمبر ۴
۱۲	"	"	میر عنایت علی ولد میر ولایت علی	لدھیانہ محلہ صوفیاں		ملازمت	
۱۳	"	"	شہاب دین ولد مہتاب دین	تھہ غلام نبی ضلع گورداسپور	جموں	ملازمت	
۱۴	"	"	شیخ نور الدین ولد شیخ جان محمد	قصبہ نبت ضلع مظفر نگر	مالیر کوٹلہ ریاست کوٹلہ	ملازمت ریاست کوٹلہ	
۱۵	"	"	طالع محمد خاں ولد عمر بخش خاں	مالیر کوٹلہ		"	
۱۶	"	"	عبدالحق خلف عبدالسمیع	لدھیانہ محلہ رنگریزاں		پیشہ نوکری	
۱۷	"	"	محمد یوسف ولد کریم بخش	سنور محلہ تنبواں ریاست پٹیالہ		ملازمت مدرسی ریاست پٹیالہ	
۱۸	"	"	محمد بخش ولد عبداللہ	لدھیانہ محلہ ہیڑیاں		کتب فروشی	
۱۹	"	"	جانن شاہ ولد گلاب شاہ	اکبر پور ضلع مالیر کوٹلہ		کاشت	
۲۰	"	"	میراں بخش ولد بہادر خان	کھیرو ریاست پٹیالہ تحصیل امرگڑھ		نمبردار	
۲۱	"	"	علی محمد ولد احمد شاہ	""""""		قضاء	
۲۲	"	"	رام سنگھ ولد ندھا	کوٹلہ مالیر		مختار کاری	
۲۳	"	"	نبی بخش ولد رانجھ	کھیرو علاقہ شیر پور [۳۶]		کاشت	
۲۴	"	"	علی محمد ولد گلاب خان	کھیرو علاقہ پٹیالہ ڈاکخانہ شیر پور		کاشت	
۲۵	"	"	مولوی فتح علی ولد فضل الدین	موضع داتانوالی تحصیل سیالکوٹ	موضع خیری ریاست جموں جاگیر راجہ امر سنگھ	متوکل	

۲۶	"	"	روڑا ولد جیون	کپورتھلہ محلہ قصاباں		نقشہ نویسی	جوڈیشل عدالت کپورتھلہ
۲۷	"	"	رحیم بخش ولد کریم بخش	سنور محلہ خوشاہاں ریاست پٹیالہ		ملازمت	
۲۸	"	"	حشمت اللہ ولد فیض بخش	سنور۔ ریاست پٹیالہ محلہ ملانہ		ملازمت مدرس	ریاست پٹیالہ
۲۹	"	"	محمد بخش ولد عبدالرحیم	سیالکوٹ خاص		دوکانداری	بزازی وغیرہ
۳۰	" "	" "	علی محمد ولد اللہ بخش عرف عبدالصمد	سنور محلہ مجاوراں ریاست پٹیالہ	ریاست پٹیالہ	ملازمت زنبورچی ریاست پٹیالہ	"
۳۱	"	"	ابراہیم ولد منشی اللہ بخش	سنور محلہ تنبواں ریاست پٹیالہ		ملازمت	مدرس ریاست پٹیالہ
۳۲	"	"	محمد ابراہیم ولد منشی کریم بخش	" "		ملازمت پٹواری	ریاست پٹیالہ
۳۳	"	"	ولی محمد ولد عبداللہ	پٹیالہ محلہ ڈیک بازار		متوکل مستقل	
۳۴	"	"	احمد حسن خلف محمد اکبر	پٹیالہ بارہ دری خورد		ملازمت ریاست پٹیالہ	محرر کوٹھہ گنج
۳۵	"	"	خلیفہ محمد عیسیٰ ولد میاں جی فضل علی	سنور ریاست پٹیالہ محلہ ملانہ		ملازمت ریاست پٹیالہ	محرر پلٹن
۳۶	"	"	جان محمد ولد رولدو	پٹیالہ بارہ دری خورد		ملازم نذیل [۲۷]	سپاہی پلٹن
۳۷	"	"	خدا بخش ولد درگاہی	پٹیالہ قریب دروازہ شیرانوالہ		باغبان	
۳۸	"	"	مرزا سعادت بیگ ولد مرزا رستم بیگ	سامانہ علاقہ پٹیالہ محلہ اندرکوٹ عرف امام گڑھ		ملازمت	
۳۹	"	"	مرزا محمد یوسف بیگ ولد ولد مرزا رستم بیگ	""""		تجارت	
۴۰	"	"	مرزا محمد ابراہیم بیگ ولد مرزا یوسف بیگ	""""		"	
۴۱	"	"	محمد حفیظ بیگ ولد منور بیگ	""""		"	
۴۲	"	"	اللہ دین ولد کریم بخش	بھیرہ ضلع شاہ پور	چھاؤنی ضلع شاہ پور	عرض نویسی	صدر شاہ پور
۴۳	"	"	عبدالکریم [۲۸] ولد محمد سلطان	سیالکوٹ		مدرس	بورڈ سکول
۴۴	" "	" "	سید عبدالرزاق ولد علی محمد	کریام تھانہ راہوں ضلع جالندھر	کڑیانہ تھانہ پھلور	متوکل	
۴۵	"	"	مسماۃ مناں زوجہ علی بخش	بھنپٹ ضلع لدھیانہ	بھنپٹ	زمینداری	
۴۶	"	"	فرزند حسین ولد علی نواز	"""" ماچھی واڑہ	لدھیانہ	ملازمت	
۴۷	۲۰ رجب بروز جمعہ ۱۳۰۶ھ	۲۲ مارچ ۱۸۸۹ء	اللہ دین ولد جیوے خاں	لدھیانہ محلہ گرجراں	"	"	
۴۸	" "	" "	ماہیا ولد پیر بخش	نوٹ گڑھ ریاست پٹیالہ تعلقہ کھانوں	نوٹ گڑھ	زمینداری	
۴۹	"	"	قادر بخش ولد دیا	رتن گڑھ تھانہ سانیوال ضلع لدھیانہ	رتن گڑھ	زمینداری	
۵۰	"	"	بیگا ولد سادو	گمڑلیس پور تحصیل	گمڑلیس پور	"	

				روپڑ ضلع انبالہ			
۵۱	"	"	امیر الدین ولد فضل الدین	جسووال تھانہ ماچھیواڑہ ضلع لدھیانہ	جسووال	خیاطی	
	"	"				زمینداری	
۵۲	"	"	حافظ نور احمد ولد قادر بخش	لدھیانہ محلہ موچھ پورہ	لودھیانہ	تجارت	
۵۳	"	"	ضیاء الدین ولد قاضی غلام احمد ؓ	کوٹ قاضی محمد جان تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ	کوٹ قاضی محمد جان	معلم امام مسجد	
۵۴	"	"	محمد تقی ولد محمد یوسف	سنور ریاست پٹیالہ	سنور محلہ تنبواں عمر ۱۰ سال		
۵۵	"	"	محمد مصطفےٰ ولد محمد ابراہیم	"	" عمر ۱۲ سال		
۵۶	۲۱-رجب روز شنبہ	۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء	محمد خلیل ولد محمد سلطان	لدھیانہ محلہ اقبال گنج	برج لٹاں محلہ اقبال گنج	پنوارگری و میر محلہ	
۵۷	"	"	ظفر احمد ولد محمد ابراہیم	بوڑھانہ ضلع مظفر نگر	کپورتھلہ	اپیل نویسی محکمہ مجسٹریٹی	کپورتھلہ
۵۸	"	"	محمد خاں ولد دلاور خاں	ریاست رام پور	کپورتھلہ محلہ شیر گڑھ	اہلمد فوجداری	محکمہ اسسٹنٹ مجسٹریٹ کپورتھلہ
۵۹	"	"	عبد الرحمٰن ؓ ولد حبیب اللہ	سراوہ تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ	کپورتھلہ	اہلمد محکمہ جرنیلی	ریاست کپورتھلہ
۶۰	"	"	حاجی عبد الرحیم		چھاؤنی انبالہ صدر	تجارت	قطع تعلق ولی مدبرا
۶۱	"	بروز ہفتہ	اسماعیل ولد صدر الدین	موضع چمار تھانہ راجپورہ		زمینداری	
۶۲	"	"	عبد الکریم ولد امیر علی	"		"	
۶۳	۲۲-رجب	۲۴-مارچ ۱۸۸۹ء یکشنبہ	مرزا احمد بیگ اور مرزا کریم بیگ	سنانہ ضلع بلند شہر	روڑکی ضلع سہارنپور	ملازمت	ماسٹر کالج روڑکی
۶۴	"	"	مرزا خدا بخش ؓ ولد مرزا محمد ؓ	ضلع جھنگ محلہ بانوالہ دروازہ کھیوہ والہ	ضلع لاہور	ملازمت	مترجم چیف کورٹ پنجاب لاہور
۶۵	"	یکشنبہ "	محمد ابراہیم ولد محمد خاں	دہلی بازار الف خاں کٹڑہ شیخ چاند		پشمینہ دار	
۶۶	"	"	مظہر حق ولد صوبہ شاہ	موضع آلووال تحصیل و ضلع لودہانہ		زمینداری	
۶۷	"	یکشنبہ "	عبد القادر ولد ؓ ماموں خاں	موضع چنگن تحصیل لودیانہ	موضع جمال پور تحصیل لودیانہ	مدرسی	
۶۸	"	"	فتح دین ولد گامی	موضع برج ہری سنگھ تحصیل جگراواں	""""	""""	
۶۹	۲۳ رجب	۲۵ مارچ دو شنبہ ۱۸۸۹ء	ہمشیرہ صاحبزادہ افتخار احمد یعنی زوجہ حکیم نور الدین صاحب	بھیرہ ضلع شاہ پور	جموں		
۷۰	"	"	سید سردار علی ولد تراب علی	کزیانہ ضلع جالندھر تحصیل پھلور	لودیانہ	ملازمت	محرر چونگی محلہ صوفیاں
۷۱	"	"	غلام محمد ولد روشن	موضع جمالپور رکھے والا	تحصیل لودیانہ	زمینداری	

۷۲	"	"	عبدالحق ولد عمرا	"		"
۷۳	"	"	اللہ دین ولد عمرالدین	لاہور کٹڑہ ولی شاہ درخانہ پیر بخش	شملہ	کمپازیٹر گورنمنٹ سنٹرل پریس کیمپ شملہ کاپی نویس
۷۴	۲۴ رجب	سہ شنبہ ۲۶ مارچ ۸۹ء	عبدالحمید ولد ستار خاں	لل ریاست پٹیالہ	لودیانہ محلہ [redacted]....	کاپی نویس
۷۵	۲۵ رجب روز پنجشنبہ	۲۸ مارچ ۸۹ء	ابوالخیر عبداللہ [redacted] ولد ابو عبداللہ احمد	تنگے بروزائے پتہ ہشت نگر ضلع پشاور		وعظ و تعلیم قرآنی
۷۶	روز جمعہ	۲۹ مارچ	آمنا زوجہ حاکم ولد [redacted]...	بھرت ضلع و تحصیل لودیانہ		
۷۷	روز دوشنبہ	یکم اپریل ۸۹ء	اسمٰعیل ولد سردارا	موضع پنگن تحصیل لودیانہ		زراعت
۷۸	یکشنبہ	۷ اپریل ۱۸۸۹ء	مولوی محمد تفضل حسین صاحب علی گڑھ ولد مولوی الطاف حسین صاحب مرحوم۔ رئیس اٹاوہ و سررشتہ دار کلکٹر	اٹاوہ	علی گڑھ	سررشتہ دار کلکٹری علی گڑھ
۷۹	چہارشنبہ	۱۱۔ اپریل	محمد ابوالقاسم ولد قاضی احمد حسین	اٹاوہ محلہ پیرون ٹولہ		زمینداری
۸۰	ایضاً	ایضاً	منشی صادق حسین ولد حکیم وارث علی	ایضاً		مختاری
۸۱	جمعہ	۱۲۔ ایضاً	مولوی قادر بخش صاحب ولد شیخ محب اللہ	ایضاً محلہ چوکٹ کوآن		معلمی
۸۲	ایضاً	ایضاً	محمد جان ولد قاسم جان	ایضاً محلہ ایضاً		عرضی نویسی متصل اٹاوہ
۸۳	ایضاً	ایضاً	.....علی ولد بشارت	ایضاً		تجارت
	ایضاً	ایضاً	امیر علی ولد میر علی	ایضاً		تجارت
۸۵	ایضاً	ایضاً	منشی محمد اکرام حسین ولد شیخ محمد فضل صاحب	ایضاً محلہ نورنگ آباد	علی گڑھ	ملازمت محرر کلکٹری
۸۶	چہارشنبہ	۱۷۔ اپریل	مولوی نور محمد ولد مولوی عبداللہ	موضع مانگٹ	ضلع لودھیانہ	زمینداری
۸۷ت	"	۲۳۔ اپریل	مولوی سید محمد احسن ولد سید مرادن علی	امروہہ ضلع مراد آباد محلہ شاہ علی سرائے	بھوپال دارالریاست	مہتمم مصارف ریاست بھوپال
۸۸ت	"	"	عبدالسبحان ولد عبدالغفار کشمیری محلہ سادھواں	ساکن لاہور محلہ سادھواں	ملازم ریلوے پریس...لاہور	ملازمت
۸۹ت	"	"	فتح بخش ولد فیض بخش قوم قریشی	لاہور موچی دروازہ	"	ملازم ریلوے پریس لاہور میں کمپازیٹر
۹۰	یکشنبہ	۲۹۔ اپریل ۱۸۸۹ء	بابو حکیم دین ولد منشی امام دین	پٹی ضلع لاہور	مختار امرتسر	ملازمت
۹۱	چہارشنبہ	یکم مئی ۱۸۸۹ء	مولوی خدا بخش صاحب ولد میاں صوفی جیوں ساکن بستی شیخ ضلع جالندھر	بستی شیخ ضلع جالندھر	مولوی	متوکل
۹۲	یکشنبہ	۴ مئی ۱۸۸۹ء	مولوی محمد عبداللہ صاحب فخری	کاہنڈلہ ضلع مظفر نگر	تدریس	ملازمت

			ولد میاں بہرام علی صاحب ساکن کاہنڈلہ ضلع مظفر نگر ہندوستان			
۹۳	پنجشنبہ	مئی ۱۸۸۹ء	منشی محمد جلال الدین صاحب میر منشی رجمنٹ نمبر ۱۲ مقیم چھاؤنی ملتان	موضع بلانی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات پنجاب	نوکری	ملازمت
۹۴	جمعہ	۲۴ مئی ۱۸۸۹ء	مولوی محمد یعقوب ولد حافظ محمد سعید خان صاحب	اصل سکونت موضع برتھ کائنہ نواح سہارنپور حال سکونت بطور مستقل بعد ترک وطن بمقام ڈیرہ دون محلہ دھامانوالہ		امامت مسجد ڈیرہ دون محلہ دھامانوالہ وعلی
۹۵	" "	" "	پیرجی خدا بخش صاحب ولد میاں محمد رمضان ساکن نجیب آباد ضلع بجنور حال سکونت مستقل بمقام ڈیرہ دون	اصل سکونت نجیب آباد ضلع بجنور حال سکونت از عرصہ دراز بطور مستقل بمقام ڈیرہ دون محلہ دھامانوالہ		سوداگری محلہ دھامانوالہ
۹۶	سہ شنبہ	۲۸-مئی ۱۸۸۹ء	کریم بخش پٹواری ساکن قصبہ سنور	اصل سکونت قصبہ سنور حال متعینہ پیائش موضع شاہپور خورد	پیشہ پٹواری	
۹۷		۲۹ مئی ۱۸۸۹ء	مولوی نجف علی طالب علم بی اے کلاس گورنمنٹ کالج ولد مولوی محمد وسوندی ساکن موضع جلال پور جٹاں ضلع گجرات حال وارد لاہور	اصل سکونت بمقام جلال پور جٹاں ضلع گجرات میں ہے اور اب لاہور میں بی اے کلاس کے طالب علم ہیں۔	طالب علم گورنمنٹ کالج	
۹۸		۱۴-جون ۱۸۸۹ء	میاں جان محمد ولد میاں ساگر قادیان	قادیان ضلع گورداسپور	امام مسجد کلاں	
۹۹		۲۰-جون ۱۸۸۹ء	میاں سید عبداللہ ولد مظفر شاہ ساکن نوکھر ضلع گوجرانوالہ	ضلع گوجرانوالہ	زمینداری	
۱۰۰		"	سید.... شاہ ولد فضل شاہ ساکن نوکھر ضلع گوجرانوالہ	"	زمینداری	
۱۰۱		۲۵-جون	میاں عبدالعزیز خاں ٹانک ولد میاں عابد خاں ساکن نیچے کھر علاقہ ضلع بنارس حال سکونت سیالکوٹ	سیالکوٹ چھاؤنی پلٹن نمبر ۲۴ کمپنی ۴	ملازمت سیالکوٹ چھاؤنی یعنی ٹانک پلٹن نمبر ۲۴ کمپنی ۴	
۱۰۲		۲۸ جون ۱۸۸۹ء	منشی عبدالعزیز معروف نبی بخش ولد میاں محمد بخش ساکن بٹالہ ہاتھی دروازہ	بٹالہ ضلع گورداسپورہ ہاتھی دروازہ	زمینداری	
۱۰۳		"	فاطمہ اہلیہ حکیم فضل دین صاحب بھیرہ ضلع شاہپور	بھیرہ ضلع شاہپور	زمینداری	
۱۰۴		۱۴-جولائی ۱۸۸۹ء	منشی محمد اسحاق صاحب ملازم ریاست بھوپال	بھوپال دارالریاست	ملازم ریاست بھوپال	

۱۰۵	۲۵ جولائی	۲۵ جولائی ۱۸۸۹ء	حشمت علی خان متوطن خان سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ تحصیلدار سرہند علاقہ پٹیالہ	سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ	نوکری
۱۰۶	۴۔ اگست	۴۔ اگست ۱۸۸۹ء روز یکشنبہ	عبدالحکیم خان ولد وزیر خاں ساکن سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ حال سکونت بطور عارضی لاہور	سامانہ	نوکری حال طالب علم اسسٹنٹ سرجن کلاس میڈیکل کالج لاہور
۱۰۷			نجم الدین ولد احمد یار ساکن بھیرہ برادری جدی مولوی حکیم نوردین صاحب	بھیرہ ضلع شاہپور	نوکری
۱۰۸			چراغ علی ولد عطامحمد قوم ککے زئی	تھہ غلام نبی ضلع گورداسپورہ	زمینداری
۱۰۹	۱۸۸۹ء ۱۷۔ اگست یوم شنبہ		منشی غلام طاہر ولد فتح علی ساکن سنور محلہ پٹھانوں کا علاقہ ریاست پٹیالہ	سنور علاقہ ریاست پٹیالہ	نوکری
۱۱۰	۱۸۸۹ء ۱۹۔ اگست		مسمات حسین بے عرف حسنے زوجہ نظام علی خان ناظم مرحوم ہمشیرہ کلاں مرزا محمد یوسف بیگ ساکن سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ	سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ	
۱۱۱			مسمات حسن بی عرف حسنے زوجہ حشمت علی خاں تحصیلدار ہمشیرہ ثانی مرزا محمد یوسف بیگ سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ		
۱۱۲			مسمات فیض بے عرف حنفے زوجہ شجاعت بیگ ہمشیرہ خورد مرزا محمد یوسف بیگ سامانہ پٹیالہ	"	
۱۱۳	"		مسمات افضل النساء دختر شجاعت یعنی ہمشیرہ زادی مرزا یوسف بیگ سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ	" سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ	
۱۱۴	"		مسمات حلیمہ دختر شجاعت بیگ یعنی ہمشیرہ زادی مرزا یوسف بیگ سامانہ علاقہ پٹیالہ	"	
۱۱۵			مسمات سکینہ دختر شجاعت بیگ یعنی ہمشیرہ زادی مرزا یوسف بیگ سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ	" "	
۱۱۶			مسمات حمیدہ دختر مرزا شجاعت بیگ یعنی برادر زادی مرزا یوسف بیگ	"	
۱۱۷			مسمات عنایت بی زوجہ مرزا محمد یوسف بیگ سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ	" "	
۱۱۸			مسمات سردار بی دختر الف بیگ مرحوم خوش دامن مرزا محمد یوسف بیگ		"

۱۱۹		مسمات صغریٰ بیگم دختر مرزا عظیم بیگ برادر حقیقی مرزا محمد یوسف بیگ	"	
۱۲۰		مسمات کریم زوجہ مرزا اشرف بیگ مرحوم برادر حقیقی مرزا محمد یوسف بیگ مرحوم	"	
۱۲۱	اگست ۱۸۸۹ء	برکت علی ولد احمد علی قوم گگے زی ساکن فیض اللہ چک ضلع گورداسپور	فیض اللہ چک ضلع گورداسپور	....
۱۲۲	۲۷ ذوالحجہ ۱۳۰۶ھ	قاضی عبدالقادر خان' خان بہادر خلف الصدق قاضی فضل قادر خان الملقب قائم خاں ابن اعلم العلماء قاضی محمد حسن خان الملقب نجات العلماء خاں رئیس شہر پشاور پنشنر گورنمنٹ سابق وزیر افغانستان ذات افغان یوسف زری اماں زری قوم قاضی خیلاں	پشاور خاص محلہ باقر شاہ	پنشنر
۱۲۳	۷۔ محرم الحرام ۱۳۰۷ھ	فیاض علی ولد رسول بخش قوم قریشی ساکن سراوہ ضلع میرٹھ محلہ قریشیاں حال ملازم یعنی محرر فوج ریاست کپور تھلہ	سراوہ ضلع میرٹھ حال ملازم یعنی محرر فوج ریاست پٹیالہ	نوکری یعنی محرری فوج ریاست کپور تھلہ
۱۲۴	۷۔ ستمبر ۱۸۸۹ء دہم محرم ۱۳۰۷ھ	مولوی شیر محمد ولد میاں غلام مصطفیٰ زمیندار ساکن موضع بجن تحصیل بھیرہ ضلع شاہ پور	موضع بجن تحصیل بھیرہ ضلع شاہ پور	طبابت و زمینداری
۱۲۵	۱۲ محرم ۱۳۰۷ھ	سلیمان ولد شیر علی ساکن ایبو کے ضلع ننگری تحصیل گوگیرہ موضع ایبو کے	تحصیل گوگیرہ ضلع ننگری	زمینداری
۱۲۶	۱۲ محرم ۱۳۰۷ھ	مولوی عنایت اللہ گگے زئی ولد میاں نور الٰہی ساکن نوشہرہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ سکونت عارضی امرتسر بصحبت مولوی احمد اللہ صاحب	نوکری و طالب علم نوشہرہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ سکونت عارضی امرتسر بصحبت مولوی احمد اللہ صاحب	نوکری
۱۲۷	۱۵۔ ستمبر ۱۸۸۹ء	چوہدری اللہ بخش ولد... ساکن لیل خاص تحصیل گورداسپورہ	لیل تحصیل گورداسپور	زمینداری
۱۲۸	"	عبداللہ ولد ونیس ساکن لیل تحصیل گورداسپورہ	"	"
۱۲۹	"	مہردین ولد کرم الٰہی قوم آرائیں زمیندار ساکن لیل تحصیل گورداسپورہ	"	"
۱۳۰	"	محمد دین ولد الٰہی بخش قوم آرائیں ساکن لیل تحصیل و ضلع گورداسپورہ	"	"
۱۳۱	"	حاکم ولد کرم الٰہی قوم ارائیں ساکن لیل تحصیل و ضلع گورداسپورہ	"	"
۱۳۲	"	فرزند علی ولد مہر علی قوم قریشی ساکن لیل تحصیل و ضلع گورداسپورہ	"	زمینداری
۱۳۳	"	رحیم بخش ولد سوداگر قوم آرائیں ساکن لیل تحصیل و ضلع گورداسپورہ	"	زمینداری
۱۳۴	"	سزاوار ولد گھنیا قوم ارائیں ساکن شاہ پور تحصیل و تالہ ضلع گورداسپورہ	"	زمینداری
۱۳۵	"	گوہر ولد محمد بخش قوم زمیندار ساکن ڈڈواں ضلع و تحصیل گورداسپورہ	"	"
۱۳۶	"	قطب الدین ولد وزیر دین ساکن بدبیچہ تحصیل و ضلع گورداسپور قوم کشمیری		درزی گری بمقام دھاری وال
۱۳۷	"	امام بخش ولد منگا قوم درزی ساکن دودہ...... حال ڈڈواں تحصیل و ضلع گورداسپورہ	"	درزی گری و.....
۱۳۸	"	نعمت اللہ ولد عبادت علی شاہ قوم سید ساکن ڈڈواں تحصیل و ضلع گورداسپورہ		زمینداری
۱۳۹	"	مہراللہ ولد سیدا قوم حجام ساکن ڈڈواں تحصیل و ضلع گورداسپورہ	"	زمینداری
۱۴۰	"	فضل دین ولد محمد بخش قوم درزی ساکن ڈڈواں تحصیل و ضلع گورداسپورہ	"	"
۱۴۱	"	حکم دین ولد نتھو قوم ارائیں ساکن رِوال تحصیل و تالہ ضلع گورداسپورہ	"	درزی گری و گری
۱۴۲	"	برکت علی ولد فضل شاہ قوم سید ساکن ڈڈواں تحصیل و ضلع گورداسپورہ	"	درزی گری در کارخانہ ہٹلی گھر

۱۴۳	"	عبداللہ ولد نور محمد ساکن سولاں تحصیل و ضلع گورداسپورہ کشمیری	"	پیشہ کشمیریان
۱۴۴	۱۹۔ ستمبر ۱۸۸۹ء	میر عطا محمد ولد میر سلطان محمد قوم سید ساکن لودھیانہ محلہ صوفیاں حال ملازم ریل یعنی گارڈ متعینہ سرہند	نوکری	
۱۴۵	۱۹۔ ستمبر ۱۸۸۹ء	قاضی غلام مرتضٰی صاحب ولد قاضی محمد روشن دین صاحب اصل متوطن احمد پور ضلع جھنگ حال ساکن قریہ دین پور قریب مظفر گڑھ پنجاب	اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مظفر گڑھ	
۱۴۶	۲۱۔ ستمبر ۱۸۸۹ء	میاں حافظ نور محمد ولد شیخ مراد علی گگے زئی ساکن فیض اللہ چک ضلع گورداسپورہ ڈاکخانہ کالوں وان	زمینداری	
۱۴۷	۱۸۔ نومبر ۱۸۸۹ء	حافظ امین الدین عرف حافظ ماناساکن قادیان......		
۱۴۸	۲۲۔ نومبر ۱۸۸۹ء بروز جمعہ	میاں عبداللہ ولد مراد ساکن ٹھٹھہ شیر کا زیریں ضلع منٹگمری تھانہ چوچک قوم کھرل تھانہ چوچک "	اصل پتہ میاں عبداللہ بمقام سیدوالا ضلع منٹگمری زمینداری معرفت مولوی جمال الدین عبداللہ میاں عبداللہ اس وقت ۵ دسمبر ۱۸۹۱ء کو قادیان میں آیا ہوا ہے	
۱۴۹	۲۳۔ نومبر ۱۸۸۹ء بروز جمعہ	میاں جمال الدین ولد محمد صدیق قوم وائیں عرف کشمیری موضع سیکھواں ضلع تحصیل گورداسپور بقلم خود	پشمینہ بافی	
۱۵۰	ایضاً	امام الدین ولد محمد صدیق قوم وائیں عرف کشمیری موضع سیکھواں ضلع تحصیل گورداسپورہ بقلم خود امام دین	شال بافی	
۱۵۱	ایضاً	امام الدین ولد محمد صدیق قوم وائیں عرف کشمیری موضع سیکھواں ضلع تحصیل گورداسپورہ بقلم خود امام دین		شال بافی
۱۵۲	۲۲۔ دسمبر ۱۸۸۹ء	جانی ولد نبی بخش سکونت خاص کپورتھلہ ملازم توپ خانہ مشہور مستری جانی		مشہور مستری جانی
۱۵۳	۲۳۔ دسمبر ۱۸۸۹	صاحبزادہ سراج الحق صاحب خلف شاہ حبیب الرحمٰن صاحب متوطن سرساوہ متوکل سرساوہ ضلع سہانپور		؛ز اولاد حضرت مخدوم بہاؤالدین سندھالوی نبیرہ قطب الاقطاب شیخ جمال الدین احمد و حضرت امام المسلمین نعمان ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہم
۱۵۴	۲۶۔ دسمبر ۱۸۸۹ء	مولوی عبدالرحمٰن خلف مزمل علی شاہ صاحب قوم سید ساکن موضع دولودلی ضلع سیالکوٹ تحصیل ڈسکہ		پیشہ تجارت و تعلیم
۱۵۵	"	مولوی احمد دین خلف مولوی کریم بخش صاحب متوطن سیالکوٹ محلہ میانہ پورہ ۴۷		پیشہ تدریس
۱۵۶	۲۸۔ دسمبر ۱۸۸۹ء	منشی فضل حسین ولد منشی غلام محی الدین اصل متوطن علی گڑھ حال سکونت مستقل کپورتھلہ		اجتنین توپخانہ ریاست کپورتھلہ
۱۵۷	یکم جنوری ۱۸۹۰ء	میاں نور محمد ولد صدیق ساکن موضع نندی مرگ علاقہ کشمیر ریاست جموں۔		پیشہ زمینداری
۱۵۸	۱۴۔ جنوری ۹۰ء	شیخ فتح محمد ولد شیخ امیر بخش ساکن سیالکوٹ حال وارد جموں		جوان طالب علم پیشہ نوکری
۱۵۹	"	مربوڑھا ولد دارا ساکن ننگل باغباناں......		زمینداری
۱۶۰	۱۵۔ جنوری ۱۸۹۰ء	عبدالحق ولد مولوی غلام احمد صاحب ساکن ولاور ضلع گوجرانوالہ تحصیل وزیر آباد		طالب علم نوعمر
۱۶۱	۱۸۔ جنوری ۱۸۹۰ء	میاں علی گوہر ولد جہانگیر خان افغان عرف ہنگہ ساکن شہر جالندھر کوٹ ہنگیاں		سب پوسٹ ماسٹر ڈاکخانہ کپورتھلہ کپورتھلہ
۱۶۲	یکم جمادی الثانی ہجری	سید محمد عسکری خان ابن سید محمد ماہ رئیس کڑا ضلع الہ آباد		سابق اکسٹرا اسسٹنٹ و مدار المہام

	۱۳۰۷ھ		ریاست بھوپال حال پنشنر گورنمنٹ
۱۶۳	۱۳ جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ ۴- فروری ۱۸۹۰ء	مولوی الٰہی بخش ولد میاں محمد ساکن شاہ پور گورایہ حال سکونت لیل ضلع گورداسپور	پیشہ طبابت گورایہ
۱۶۴	"	ابراہیم ولد عبداللہ ساکن لیل ضلع گورداسپور	امامت مسجد
۱۶۵	"	میراں بخش ولد عمر بخش ساکن کلانور	پیشہ درزی
۱۶۶	۵- فروری ۱۸۹۰ء	محمد دین ولد حسن محمد ساکن بدوکے ضلع گوجرانوالہ	پیشہ زمینداری
۱۶۷	۱۴- فروری ۹۰ء	شیخ احمد ولد فیض علی ملازم ریاست کپورتھلہ	ملازمت
۱۶۸	۱۴- فروری ۹۰ء	سید عبدالکریم ولد سید عبدالواحد ساکن رانگوٹ تحصیل جگراؤں ضلع لودہیانہ	نوکر ریاست کپورتھلہ
۱۶۹	"	خیراتے ولد بڈھا قوم جٹ ملازم فراش خانہ بعہدہ نائب جمعدار کپورتھلہ	نائب جمعدار
۱۷۰	۲۱- فروری ۱۸۹۰ء	عبدالمجید خان ولد غلام محی الدین خان سکونت اورنگ آباد تحصیل جگادہری نمبردار	نمبردار
۱۷۱	۲۸- فروری ۱۸۹۰ء	نتھو ولد دیدار بخش سکونت سامانہ علاقہ ریاست پٹیالہ	درزی گری
۱۷۲	"	محمود علی خان ولد محمد موسیٰ خان از خاندان نوابان جھجر سکونت لودہیانہ	کلارک اسٹیشن ریل راولپنڈی
۱۷۳		عنائت اللہ ولد سکندر خان ساکن بھتہ موجود ضلع سیالکوٹ تحصیل رعیہ	زمینداری و ملازمت
۱۷۴		محمد کرم الٰہی ولد شیخ الہ بخش سکونت خاص پٹیالہ	ملازمت یعنی ریکارڈ کلارک راجپورہ اسٹیشن ڈاک بنگلہ سرکار
۱۷۵		امام علی ولد شیخ عبدالسمیع پیر مرد والد شیخ عبدالحق بیعت..... ساکن لودھیانہ حال کوٹلہ مالیر	وظیفہ از بیگمات کوٹلہ
۱۷۶		عبدالرحمٰن ولد دیدار بخش ساکن سنور علاقہ ریاست پٹیالہ برادر میاں عبداللہ سنوری - ۳ مارچ ۹۰ء	زمینداری و ملازمت
۱۷۷		سید عبدالھادی خلف سید شاہ نواز صاحب ساکن اچھواڑہ ضلع لودیانہ تحصیل سمبرالہ ۴- مارچ ۹۰ء بروز سہ شنبہ	سب اوورسیئر ملٹری پولیس بیلی علاقہ کوئٹہ ملک بلوچستان
۱۷۸		نور محمد ولد رکھا نمبردار غوث گڑھ تحصیل سرہند تھانہ کھاتون ریاست پٹیالہ ۴ مارچ ۹۰ء	نمبرداری و زراعت
۱۷۹		حسن خان ولد شیر خان ساکن سامانہ قوم راجپوت علاقہ ریاست پٹیالہ	کانسٹیبل پولیس دہلی
۱۸۰		سردار خان ولد دلاور خان سکونت کپورتھلہ برادر محمد خاں	ملازمت فوج ریاست کپورتھلہ دفعدار رسالہ
۱۸۱	۱۰- مارچ ۱۸۹۰ء	شیخ نبی بخش ولد شیخ کریم بخش ساکن فیض اللہ چک ضلع گورداسپور	پیشہ ملازمت بالفعل چوکیدار پہرہ
۱۸۲	۶- اپریل ۱۸۹۰ء	مولوی محی الدین ولد حافظ بہاء الدین ساکن موضع پھوپر تحصیل چکوال تھانہ ڈومن ضلع جہلم حال بخدمت مولوی حکیم نوردین صاحب بارادہ استفادہ مطب	پیشہ طبابت
۱۸۳	۸- اپریل ۱۸۹۰ء	عبداللہ ولد فضل دین ساکن نوشہرہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ	قضا نوشہرہ
۱۸۴	"	محمد دین ولد مراد علی ساکن نوشہرہ ضلع سیالکوٹ تحصیل پسرور	زمینداری
۱۸۵	۱۰- اپریل ۱۸۹۰ء	مولوی شیخ احمد حسن بن مولوی حافظ رحمت اللہ ساکن چھاؤنی نصیر آباد راجپوتانہ ضلع اجمیر	نقل نویس عدالت دیوانی نصیر آباد و مہتمم مدرسہ حقانی و سیکرٹری انجمن اہل حدیث نصیر آباد

۱۸۶	۱۰-اپریل ۱۸۹۰ء	مسمات حبیب نور بنت عبد اللہ خان زوجہ مولوی شیخ احمد حسن معہ اطفال ہفت نفر دیگر	زوجہ شیخ مولوی احمد حسن احمد حسن معہ اطفال ہفت نفر دیگر
۱۸۷	۱۳-اپریل ۱۸۹۰ء	حسین شاہ ولد گلاب شاہ ساکن موضع ٹوکھر تحصیل و ضلع گجرانوالہ تھانہ قلعہ دیدار سنگھ	
۱۸۸	۱۳-اپریل ۱۸۹۰ء	شہاب الدین ولد خان محمد ساکن موضع شیخو پور ضلع گجرانوالہ تحصیل حافظ آباد	
۱۸۹	۲۵-اپریل ۱۸۹۰ عبد الکریم خان ولد وزیر خان باشندہ قصبہ بسے علاقہ ریاست پٹیالہ	عبد الکریم خان ولد وزیر خان باشندہ قصبہ بسے علاقہ ریاست پٹیالہ	پیشہ ملازمت
۱۹۰	۲۶-اپریل ۱۸۹۰ء	مولوی غلام جیلانی ولد میاں غوث علی ساکن نوہون تحصیل روپڑ ضلع انبالہ سکونت عارضی گروتوہہ	پیشہ مدرسی عملاً گروتوہہ علاقہ ریاست پٹیالہ
۱۹۱	۱۷-مئی ۱۸۹۰ء	میاں انوار الحق ولد میاں جان عالم ساکن میرٹھ قریب کوتوالی	پیشہ ملازمت وغیرہ
۱۹۲	۱۷-مئی ۱۸۹۰ء	غلام حسن ولد جہانخان سکونت اصلی میانوالی ضلع بنوں سکونت عارضی پشاور المشہور مولوی غلام حسن	پیشہ ملازمت حال مدرس گورنمنٹ اسکول پشاور یعنی میونسپل بورڈ سکول پشاور
۱۹۳	۱۷-مئی ۱۸۹۰ء در لاہور ۹ مئی ۱۸۹۰ء یعنی بمقام لاہور بیعت کی تھی بروقت تقریب بیماری ایں عاجز	مولوی حکیم غلام احمد ابن محمد خان ساکن ضلع شاہپور ڈاک خانہ نوشہرہ خاص سکونت مقام کھیکے ضلع شاہپور	پیشہ طبابت وغیرہ
۱۹۴	۱۹-مئی ۱۸۹۰ء	محمد دین ولد پٹھانا ساکن موضع برجی لون ضلع جھنگ تحصیل چنیوٹ	پیشہ زمینداری
۱۹۵	۲۵-مئی ۱۸۹۰ء	حافظ جمال الدین ولد میاں نور محمد ساکن فنگل باغباناں	پیشہ توکل علی اللہ
۱۹۶	۳-جون ۱۸۹۰ء	منشی احمد شاہ ولد میاں نبی بخش ساکن نورپور ضلع کانگڑہ مترجم انگریزی کمشنری ضلع جالندھر	پیشہ ملازمت یعنی مترجم کمشنری ضلع جالندھر
۱۹۷	۱۳-جولائی ۱۸۹۰ء	برکت علی شاہ ولد عمری شاہ ساکن غوث گڑھ تحصیل سرہند تھانہ کھمانوں ریاست پٹیالہ	پیشہ توکل علی اللہ
۱۹۸	"	غلام قادر ولد منگتا نمبردار ساکن نوگانوہ تحصیل سرہند تھانہ کھمانوں ریاست پٹیالہ	زراعت
۱۹۹	۲۵-جولائی ۱۸۹۰	کرم الٰہی ولد مادا ساکن موضع غوث گڑھ تھانہ کھمانوں تحصیل سرہند ریاست پٹیالہ	پیشہ زراعت
۲۰۰	"	کرم الٰہی ثانی ولد فتح محمد ساکن غوث گڑھ تھانہ کھمانوں تحصیل سرہند ریاست پٹیالہ	پیشہ زمینداری
۲۰۱	"	عطاء الٰہی ولد فتح محمد ساکن غوث گڑھ تھانہ کھمانوں تحصیل سرہند ریاست پٹیالہ	
۲۰۲	"	محمدی ولد ماموں ساکن غوث گڑھ تھانہ کھمانوں تحصیل سرہند ریاست پٹیالہ	پیشہ زمینداری
۲۰۳	۲۵-جولائی ۱۸۹۰	نور محمد ولد ہوشناک نمبردار ساکن غوث گڑھ تھانہ کھمانوں تحصیل سرہند ریاست پٹیالہ	غوث گڑھ ریاست پٹیالہ تھانہ کھمانوں تحصیل سرہند — نمبرداری و زمینداری

۲۰۴	"	شہزادہ ولد عظیم بخش	غوث گڑھ تھانہ کھانوں تحصیل سرہند ریاست پٹیالہ	زمینداری وزارعت
۲۰۵	۴۔ ستمبر ۱۸۹۰ء	میاں نور احمد اصل باشندہ چنیوٹ ضلع جھنگ حال دوکاندار در شہر کلکتہ محلہ کولوٹولہ کوٹھی نمبر ۳۳ ولد حاجی قاسم الدین	اصل باشندہ چنیوٹ ضلع جھنگ حال کلکتہ محلہ کولوٹولہ کوٹھی نمبر ۳۳	دوکانداری
۲۰۶	۲۰۔ ستمبر ۱۸۹۰	حافظ محمد داؤد برادر زادہ شیخ نوردین صاحب تحصیلدار کوٹلہ مالیر حال سکونت کوٹلہ		پیشہ طبابت در کوٹلہ مالیر
۲۰۷	۵۔ اکتوبر ۱۸۹۰ء	قاضی احمد شاہ صاحب ولد میاں محمد عبد الباقی ساکن منصور پور علاقہ ریاست پٹیالہ سررشتہ دار نظامت راجپورہ		پیشہ ملازمت
۲۰۸	۱۰۔ اکتوبر ۱۸۹۰ء	حافظ محمد یوسف صاحب ولد حافظ محمد داؤد برادر شیخ نوردین سکونت حال مالیر کوٹلہ		پیشہ توکل
۲۰۹	۱۴۔ اکتوبر ۱۸۹۰	خیر الدین خان ولد زبردست خان قوم افغان ساکن کوٹلہ مالیر سوار ترپ ششم متعینی فیروزپور		پیشہ سوار ترپ ششم فیروزپور
۲۱۰	۱۹۔ نومبر ۱۸۹۰ء	خان صاحب محمد علی خان ولد نواب غلام محمد خان قوم پٹھان شیروانی رئیس مالیر کوٹلہ	مالیر کوٹلہ ماتحت ضلع لودیانہ	ریاست وجاگیرداری
۲۱۱	۱۴۔ دسمبر ۱۸۹۰ء	شیخ عبد الرحمان نومسلم ولد دسوندی رام ساکن دہلی عمر پانزدہ سال	دہلی	طالب العلم
۲۱۲	۲۸۔ دسمبر ۱۸۹۰ء	قاضی عبد الرحمٰن صاحب ولد قاضی عبد الکریم صاحب ساکن پشاور محلہ باقر شاہ کلارک دفتر	ساکن پشاور محلہ باقر شاہ	
۲۱۳	۲۹۔ دسمبر ۱۸۹۰ء	سید حامد شاہ ولد سید حسام الدین صاحب ساکن سیالکوٹ خاص	سیالکوٹ خاص	اہلمد سیالکوٹ
۲۱۴	۲۔ جنوری ۱۸۹۰ء	سید فضل شاہ ولد محمد شاہ ساکن لاہور در اول سکونت علاقہ جموں	لاہور	ملازمت
۲۱۵	۱۲۔ جنوری ۱۸۹۱ء	میاں محمد علی ولد میاں فتح دین ساکن وزیر آباد ضعیف عمر ۵۶ سال سکونت عارضی جموں کام ٹھیکہ داری	وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ	
۲۱۶	"	مہر علی ولد رحیم بخش قوم ککے زئی ساکن تہ غلام نبی		تہ غلام نبی ضلع گورداسپورہ
۲۱۷	۳۱۔ جنوری ۱۸۹۱ء	مفتی محمد صادق ولد مفتی عنایت اللہ ساکن خاص بھیرہ ضلع شاہپور		بھیرہ
۲۱۸	"	خان غلام قاسم محمد بخش ساکن پہارپور ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں ڈاکخانہ پہارپور		
۲۱۹	....مارچ ۱۸۹۱ء	منشی حبیب الرحمٰن برادر زادہ حافظ حاجی ولی اللہ صاحب اصل سکونت سراوہ ضلع پرگنہ وارد حال کپورتھلہ		حال خانہ نشینی مگر پیشہ ملازمت
۲۲۰	"	میاں روشن دین ولد غلامی ساکن کپورتھلہ		خانہ نشین پیشہ ملازمت
۲۲۱	محبوب عالم درویش نو عمر عمر ہشتدہ سالہ	محبوب عالم درویش عمر ہشتدہ سال ولد بڈھن شاہ ساکن کپورتھلہ		خانہ نشین
۲۲۱	۲۷۔ مارچ ۱۸۹۱ء	منشی غلام قادر فصیح ولد میاں عبد اللہ حاجی ساکن سیالکوٹ		پروپرائیٹر و اڈیٹر اخبار پنجاب گزٹ سیالکوٹ
۲۲۲	"	میر محمود شاہ ولد میر حسام الدین صاحب ساکن سیالکوٹ		نقل نویس دفتر صاحب ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ
۲۲۳	۱۶۔ اپریل ۱۸۹۱ء	علی بخش ولد صوبا ساکن چک علاقہ ریاست پٹیالہ		زمیندار معرفت میاں عبد اللہ
۲۲۴	۶۔ مئی ۱۸۹۱ء	مولوی محمود حسن خاں صاحب ولد وزیر محمد خاں ساکن کھدیالے علاقہ دہلی حال مدرس موضع بھنانوالی علاقہ پٹیالہ		مدرس
۲۲۵	۲۰۔ مئی ۱۸۹۱ء	مولوی حکیم سید محی الدین عرب الاصل ولد سید محمد حسین صاحب ریاست میسور		سکونت خاص بنگلور علاقہ ریاست میسور ہائی سکول فارسی اردو منشی
۲۲۶	۲۸۔ مئی ۱۸۹۱ء	مولوی مبارک علی ولد استاذی مولوی مولوی فضل احمد صاحب مرحوم و مغفور		سکونت غوث گڑھ معرفت

		زمیندار ضلع پٹیالہ	میاں عبداللہ سنور
۲۲۷	"	الٰہی بخش عمر چاردہ سالہ ولد کرم بخش ساکن غوث گڑھ قوم زمیندار ضلع پٹیالہ	سکونت غوث گڑھ معرفت میاں عبداللہ سنور
۲۲۸	"\	رحمت اللہ طفل عمر چاردہ سالہ ولد احمد غوث گڑھ علاقہ ریاست پٹیالہ	سکونت غوث گڑھ معرفت میاں عبداللہ
۲۲۹	۲۹- مئی ۱۸۹۱ء	منشی رحمت اللہ ولد شیخ عبدالکریم قوم قانونگوئی ساکن	سکونت گجرات بمقام لودھیانہ
		گجرات عمر..... سال ممبر میونسپل کمیٹی	بیعت
۲۳۰	"	مولوی غلام نبی ساکن خوشاب ضلع بھیرہ	خوشاب ضلع بھیرہ حال مقیم سیالکوٹ
۲۳۱	"	سید امیر علی داماد حکیم حسام الدین صاحب سیالکوٹی نام اصل	حال مقیم سیالکوٹ
		علاالدین عرف امیر علی شاہ ولد سید ہدایت شاہ قوم سید.....	ملازم پولیس سارجنٹ
		سکنہ اصل تالومہی تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ	درجہ سوئم
۱۳۲	۴- جون ۱۸۹۱ء	مولوی محمد حسین ولد روڑا ساکن پھاگوارائیں ریاست	سکونت موضع پھاگوارائیں تحصیل
۱۲۸		کپورتھلہ عمر... سال لاغر اندام۔ سیاہی مائل رنگت	سلطان پور علاقہ ریاست کپورتھلہ
۱۳۳	۱۵- جون ۱۸۹۱ء	میر ناصر نواب دہلوی خسر ایں عاجز نقشہ نویس دفتر نہر	سکونت دہلی پیشہ نوکری
۱۳۴	"	مولوی تاج محمد ولد نجم الدین اصل سکونت موضع سید ہانڈی	
		ریاست پنجہ متعلق ریاست کشمیر معہ برادران	
		نوردین سید محمد بالفعل سکونت موضع پوکری تحصیل لودھیانہ	پیشہ وعظ و مولویت
		ساہنہ وال ضلع لودیانہ	
۱۳۵	۲۸- جون ۱۸۹۱ء	میاں عطاء الرحمٰن ولد عبدالرحمٰن ساکن دہلی محلہ چتلا دروازہ	پیشہ عطاری لودھیانہ میں دہلی
		متصل مدرسہ علی جان پیشہ عطاری	سے آکر مرید ہوئے
۱۳۶	۲۸- جون	مولوی محمد الدین ولد غلام حیدر قوم علاء ساکن سندانوالہ حال سیالکوٹ کوچہ حکماں	طالب العلم
۱۳۷	"	میاں نور محمد ولد ولی محمد ساکن حانسی معرفت صاحبزادہ سراج الحق صاحب	لودہیانہ میں آکر بیعت کی اور صاحبزادہ
		صاحبزادہ سراج الحق صاحب ساتھ تھے	
۱۳۸	۹- جولائی ۱۸۹۱ء	سید خصیلت علی ولد سید ہدایت علی ساکن موضع مالومہی تحصیل پسرور	"
		ضلع سیالکوٹ ڈپٹی انسپکٹر پولیس ضلع گجرات پنجاب	
۱۳۹	"	منشی غلام محمد ولد فضل الدین ساکن سیالکوٹ محلہ حکیم حسان الدین	
۱۴۰	"	صاحبزادہ افتخار احمد صاحب خلف منشی حاجی احمد جان صاحب	"
۱۴۱	۱۰- جولائی ۱۸۹۱ء	شیخ محمد بن شیخ احمد مکی من حارہ شعب عامر	مکی من حارہ شعب عامر حال نزیل جموں
۱۴۲	۱۲- جولائی ۱۸۹۱ء	علی بخش ولد مولی قوم راول ساکن پھرادوہ تحصیل	"
		پھگوارہ ضلع جالندھر پیر مرد ضعیف العمر	
۱۴۳	۱۳- جولائی ۱۸۹۱ء	محمد حسین ولد الٰہی بخش پوتہ میاں محمد چٹو ساکن لاہور	
		جوان عمر بائیس سال	پیشہ دوکانداری
۱۴۴	۱۶- جولائی ۱۸۹۱ء	میاں معراج الدین وارث میاں محمد سلطان ساکن لاہور	پیشہ تجارت لاہور کے ایک معزز خاندان کا
		لنگے منڈی ولد میاں الٰہی بخش	ممبر ہے
۱۴۶	"	شیخ عبدالرحمٰن ولد شیخ رمضان ساکن لاہور	"
۱۴۷	یکم اگست ۱۸۹۱ء	عبدالکریم ولد مولی بخش ساکن سیالکوٹ	ملازمت
۱۴۸	"	مولی بخش ولد ٹوپی شاہ ساکن لودھیانہ	مدرس لودیانہ
۱۴۹	۲- اگست ۱۸۹۱ء	کرم الٰہی ولد حسو ساکن لودھیانہ	کرم الٰہی ولد حسو ساکن لدھیانہ قوم آرائیں
			ملازم پولیس
۱۵۰	"	فتح محمد ولد ملک شاہ نومسلم ساکن پندوری..... ضلع ہوشیارپور	حکیم فتح محمد ولد ملک شاہ نومسلم ساکن
			پندوری.... ضلع ہوشیارپور پیشہ حکمت
۱۵۱	۲۲- اگست ۱۸۹۱ء	بڈھے خان ولد محمد بخش ساکن بیری ضلع گورداسپورہ	" زمینداری

۱۵۲	۳۰-اگست ۱۸۹۱ء	مولوی رحیم اللہ ولد مولوی حبیب اللہ قوم راجپوت ساکن لاہور محلہ لنگی منڈی	پیشہ وعظ
۱۵۳	"	اسماعیل ولد ہیرا ساکن ناندا	اسماعیل ولد ہیرا ساکن ناندا قوم جٹ تحصیل سرالہ ضلع لودھیانہ قوم جٹ لڑکا تو عمر۔ عمر عرصہ سال
۱۵۴	۹-ستمبر ۱۸۹۱	اسماعیل ولد محمد یار خیاط ساکن سیالکوٹ محلہ وہاب کشمیری حال وارد چھاؤنی جالندھر پلٹن نمبر ۲ ....ملازم سالک رام عمر....سالہ	
۱۵۵	۱۲-ستمبر ۱۸۹۱ء	نظام الدین ولد حکم ساکن بھاگوا آرائیں تحصیل سلطان پور ریاست کپور تھلہ پیشہ زمینداری	
۱۵۶	"	عبدالکریم عرف گلو ولد پولستا ساکن مالیر کوٹلہ پیشہ منہ	
۱۵۷	"	شمشیر خان عرف اللہ دتہ ولد اعظم خان ساکن سیالکوٹ پیشہ ملازمت	
۱۵۸	۱۷-ستمبر ۱۸۹۱ء	حکیم الہ بخش ولد میاں امام بخش ساکن کوٹلہ مالیر ریاست مرزا خدا بخش صاحب کے ہمراہ آکر بیعت کی	
۱۵۹	۲۳-ستمبر ۱۸۹۱ء	محمد اکبر خان ولد ملک محمد خان ساکن سنور پیشہ ملازمت	
۱۶۰	"	محمد حسن خان ولد محمد عمر خان ساکن سنور "	
۱۶۱	"	مولوی مروان علی ساکن حیدر آباد دکن منتظم دفتر محاسب سرکار نظام حیدر آباد	
۱۶۲	۲۵ ستمبر ۱۸۹۱ء	میاں کریم بخش ولد غلام رسول ساکن جمال پور قوم ارائیں پیشہ زمینداری	
۱۶۳	"	میاں قادر بخش ولد عظمت علی ساکن لودیانہ پیشہ ملازمت عمر جوان	
۱۶۴	۲۲-اکتوبر ۱۸۹۱ء	برکت علی ولد محمد طالب کاشمیری اصل سکونت ہریانہ ضلع ہوشیار پور حال ملازم میڈیکل شفاخانہ دہلی	
۱۶۵	"	مولوی محمد خلیل ولد لکھے خان ساکن لاہور	
۱۶۶	۱۵-نومبر ۱۸۹۱ء	شیخ رحیم بخش ولد شیخ احمد جان صاحب ایم اے مدرس اسکول لاہور اصل باشندہ جالندھر امتحان دادہ ایم اے	
۱۶۷	۱۹-نومبر ۱۸۹۱	علی محمد ولد شاہ محمد ساکن کانہ کوٹہ ضلع گورداسپورہ	
۱۶۸	۴-دسمبر ۱۸۹۱ء	حسین شاہ ولد حاکم علی شاہ قوم سید سکنہ کشیالہ تحصیل بٹالہ سارجنٹ پولس گورداسپورہ	
۱۶۹	۶-دسمبر ۱۸۹۱ء	عبدالعزیز ولد محمد یعقوب نوجوان انگریزی خواں عمر.... بیس سال اصل ساکن انبالہ حال وارد کپور تھلہ	
۱۷۰	۱۳-دسمبر ۱۸۹۱ء	میاں عبدالرحمان نو مسلم ساکن بوزدمہ متصل قادیان	
۱۷۱	دسمبر ۱۸۹۱ء	حکیم محمد اشرف ولد شیخ محمد علی مرحوم ذات ہاشمی خطیب بٹالہ پیشہ طبابت	
۱۷۲	"	میاں قطب الدین ولد شیر محمد مرحوم قوم افغان ساکن امرتسر پیشہ مس گری	
۱۷۳	"	مصطفیٰ شاہ ولد عبداللہ شاہ ذات سید موضع چمنی ضلع بھمبر ریاست کاشمیر	
۱۷۴	۲۷-دسمبر ۱۸۹۱ء	حافظ فضل احمد ولد میاں نور احمد ساکن گجرات پنجاب حال وارد ملازم دفتر اگزیمنر ریلوے محلہ سیٹھیاں دروازہ بھاٹی۔	
۱۷۵	"	نبی بخش ولد عبداللہ ساکن روالپنڈی حال ملازم دفتر اگزیمنر صاحب بہادر ریلوے لاہور	
۱۷۶	"	شیخ عبدالرحمٰن بی۔اے برادر شیخ رحمت اللہ صاحب جو پہلے اس سے سلسلہ بیعت میں داخل ہیں۔ساکن گجرات حال وارد لاہور	
۱۷۷	"	نعمت علی ولد محمد علی ہاشمی عباسی خطیب بٹالہ ضلع گورداسپور	
۱۷۸	"	حافظ محمد اکبر ولد محمد صدیق قوم کشمیری ساکن حال لاہور پیشہ امامت مسجد	
۱۷۹	"	غلام محمد ولد میاں دین محمد امام مسجد محلہ کڑ ولی شاہ....[۶۹] لاہور بخانہ منشی کرم الہی	
۱۸۰	۲۷-دسمبر ۹۱ء	خلیفہ نور الدین ولد میاں عبداللہ مشہور میاں موجدین ساکن جموں تاجر کتب	
۱۸۱	"	مستری محمد عمر ولد ساکن جلال پور جٹاں ضلع گجرات حال ملازم جموں	

۱۸۲	"	شیخ محمد جان ولد محمد بخش سکنہ وزیر آباد ملازم محال چوب راجہ امر سنگھ صاحب
۱۸۳	"	قاضی محمد اکبر ولد قاضی سلطان بخش ساکن کٹھوبہ حال ساکن جموں
۱۸۴	"	فضل الرحمن ولد مفتی شیخ عبداللہ ساکن بھیرہ حال جموں بمکانہ مولوی نورالدین صاحب
۱۸۵	"	احمد اللہ ولد مولوی سلطان احمد صاحب مرحوم ساکن بھیرہ حال ملازم محکمہ پرمٹ در جموں
۱۸۶	"	دوست محمد ولد حکیم غلام احمد ساکن بھیرہ ضلع شاہ پور حال وارد جموں ملازم محکمہ پولیس جموں
۱۸۷	۳۔جنوری ۱۸۹۲	خلیفہ رشید الدین ولد خلیفہ حمید الدین لاہور موچی دروازہ طالب علم میڈیکل کالج
۱۸۸	۶۔جنوری ۱۸۹۲	سید عنایت علی شاہ والد حکیم سید کرم علی شاہ مرحوم ساکن لاہور لوہاری منڈی کوچہ پیر پھولا
۱۸۹	"	سید تفضل حسین ولد سید نیاز علی شاہ مرحوم سکنہ مرحوم سوتر منڈی
۱۹۰	"	سید محمد ناظر حسین ناظم اڈیٹر ناظم الہند سفیر گورنمنٹ لاہور ولد سید ولایت حسین خان ساکن باہرہ سادات وارد حال لاہور انار کلی تکیہ الٰہی والا
۱۹۱	۹۔جنوری ۱۸۹۲	میاں سردار خان ولد مولوی غلام احمد صاحب برادر زادہ مولوی حکیم نورالدین صاحب ساکن لون میانی
۱۹۲	۱۰۔جنوری ۱۸۹۲ء	عبدالعزیز طفیل پانزدہ سالہ ولد میاں چراغ دین وارث میاں سلطان مرحوم ٹھیکیدار سکونت لاہور محلہ لنگی منڈی متصل تالاب حویلی میاں الٰہی بخش
۱۹۳	۱۲۔جنوری ۱۸۹۲	سید حسن شاہ ولد سید غلام فرید سکونت سابق داور ضلع..... سکونت حال موضع قادر آباد تھانہ کتھو ننگل ضلع و تحصیل امرتسر
۱۹۴	"	میاں قادر بخش ولد میاں محمد بخش ساکن قادر آباد تھانہ کتھو ننگل تحصیل و ضلع امرتسر
۱۹۵	۱۳۔جنوری ۱۸۹۲ء	سردار وبٹ خان ولد مسٹر جان وبٹ قوم انگریز ساکن وبٹ فیل حاطہ مدارس حال مقیم کرنول ڈسٹرکٹ منصف کرنول ضلع کرنول۔حاطہ مدارس
۱۹۶	۱۸۔جنوری ۱۸۹۲ء	خیر دین ولد سوہنے خان قوم راجپوت ساکن کٹھیالہ تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپورہ
۱۹۷	۲۰۔جنوری ۱۸۹۲ء	غلام محمد بن خدا بخش متوطن بھیرہ ضلع شاہ پور
۱۹۸	"	غلام قادر ولد بوٹا ساکن تحصیل زیرہ ضلع فیروز پور مقام کٹھہ بادشاہ والہ
۱۹۹	"	مولوی محمد صادق ولد مولوی محمد عبداللہ ساکن موضع سرگال تحصیل و ڈاک خانہ شکر گڑھ ضلع گورداسپورہ فارسی مدرس ہائی سکول جموں
۲۰۰	"	فضل بیگ پسر کریم بیگ ساکن موضع کبیر پور مغلاں تحصیل ہوشیار پور ڈاک خانہ ہریانہ
۲۰۱	"	مرزا محمد علی ولد مرزا حسین بیگ ساکن پٹی ضلع لاہور تحصیل قصور
۲۰۲	۲۵۔جنوری ۱۸۹۲ء	الٰہ بخش ولد محمد بخش قوم..... ساکن خاص لاہور رشتہ دار میاں محمد چٹو
۲۰۳	"	محمد خان ولد قاسم خان ساکن فیروز پور ضلع گوجرانوالہ
۲۰۴	"	بوٹے خاں ولد شرف دین ساکن فیروز پور ضلع گوجرانوالہ
۲۰۵	"	محمد یعقوب ولد رحمت علی شاہ ساکن رائے کوٹ ضلع لودھیانہ تحصیل جگرانوالہ
۲۰۶	۲۹۔جنوری ۱۸۹۲ء	احمد دین ولد شیر محمد قوم جنجوعہ ساکن بیلو والہ تحصیل گوجرانوالہ حال ملازم لالہ برکت رام وکیل چیف کورٹ
۲۰۷	"	محمد الدین ولد فضل دین قوم بھٹی ساکن اروپ تحصیل گوجرانوالہ حال محرر معائنہ محکمہ بندوبست تحصیل گوجرانوالہ
۲۰۸	"	امیر بخش ولد حسین بخش ذات راجپوت سکنہ گڑھ شنکر ضلع ہوشیار پور۔بیعت بذریعہ کارڈ
۲۰۸	یکم فروری ۱۸۹۲ء	شیخ نور احمد مہتمم مطبع ریاض ہند ولد شیخ بہادر علی ساکن حال امرتسر
۲۰۹	"	نور احمد ولد محمد سلطان ساکن امرتسر متصل دروازہ چیشہ مس گری
۲۱۰	"	فضل دین ولد علی محمد قوم زرگر سکنہ سیالکوٹ
۲۱۱	یکم فروری ۱۸۹۲ء	غلام محمد ولد میاں جمعہ مرحوم ذات قصاب ساکن بھیرہ
۲۱۲	"	شیخ نیاز احمد ولد شیخ غلام قادر سوداگر وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ

۲۱۳	"	شیخ محمد دین ولد جیون قوم قریشی کنسٹبل ملازم پولس ساکن سیالکوٹ
۲۱۴	"	شیخ مولا بخش ولد نبی بخش بوٹ فروش ساکن سیالکوٹ
۲۱۵	"	شیخ الہ بخش سوداگر ساکن صدر بازار چھاؤنی سیالکوٹ
۲۱۶	"	محمد صدیق ولد شیخ فضل کریم.....نائب تحصیلدار
۲۱۷	"	ایوب بیگ ولد مرزا نیاز بیگ طالب علم جماعت چہارم انٹرس مدرسۃ العلوم لاہور سکنہ کلانور ضلع گورداسپور عمر پانزدہ سال
۲۱۸	"	شادی خان ولد جیون خان مرحوم ساکن سیالکوٹ ملازم راجہ امر سنگھ جموں
۲۱۹	"	نور احمد ولد غلام غوث ساکن شہر جالندھر براستہ محلہ پھگوارہ
۲۲۰	۵- فروری ۱۸۹۲ء	یعقوب بیگ ولد مرزا نیاز بیگ طالب علم مدرسۃ العلوم لاہور برادر کلاں ایوب بیگ
۲۲۱	"	محمد بخش ولد میاں قطب الدین قوم کشمیری سکنہ موضع کڑیانوالہ ڈاک خانہ خاص موضع مذکور تحصیل و ضلع گجرات پنجاب حال وارد ملک بلوچستان مقام پھر.......حیلہ کدری معرفت.....صاحب انجینر
۲۲۲	"	نیاز احمد ولد شہاب الدین پال سکونت نوشہرہ ریاست جموں عارضی طور پر وزیر آباد
۲۲۳	"	غلام نبی ولد شیخ نیاز علی قوم ککے زئی ساکن نوشہرہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ
۲۲۴	"	اللہ رکھا ولد امیر بخش قوم سلہریا ساکن نوشہرہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ
۲۲۵	"	جیون جان ولد خیر الدین ساکن لاہور
۲۲۶	"	مولا بخش میاں چٹو ساکن لاہور
۲۲۷	۷- فروری ۱۸۹۲ء	منشی تاج الدین ولد منشی چراغ الدین سکنہ لاہور اکونٹ محکمہ ریلوے
۲۲۸	"	مولا بخش ولد سلطان بخش کلرک اگزامیز آف اکوشٹ شمالی مغربی ریلوے لاہور
۲۲۹	"	یعقوب علی ولد محمد علی منتظم مڈل سکول لاہور سکنہ عاشنہ کلاں ضلع جالندھر تحصیل نواشہر تھانہ راہوں
۲۳۰	"	فتح محمد ولد امام الدین خان راجپوت سکنہ موضع ضلع و تحصیل لودیانہ تھانہ و پرگنہ واگہ حال لاہور
۲۳۱		عنایت اللہ فرزند مرزا لطف اللہ صاحب مرحوم ملازم دفتر اکاؤنٹ جنرل پنجاب
۲۳۲		شہاب الدین ولد امام الدین ساکن موضع.......ڈاک خانہ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ
۲۳۳	"	امام دین ولد رمضان قوم علماء ساکن موضع........ تحصیل و ڈاک خانہ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ
۲۳۴		امام الدین ولد امیر ساکن موضع ماناں والا ضلع و تحصیل گجرانوالہ قوم ماچھی وارد لاہور محلہ ستان دروازہ بھاٹی
۲۳۵		مولوی محمد عالم الدین ولد حاجی ولد احمد یار ساکن بھیرہ ضلع شاہپور قوم قریشی محلہ عبد الرب مرحوم
۲۳۶		فیروزہ بیگم زوجہ سید حامد شاہ سیالکوٹ
۲۳۷	"	محمودہ بیگم زوجہ امیر علی شاہ سیالکوٹ
۲۳۸		زینب بی بی زوجہ مولوی عبد الکریم سیالکوٹ
۲۳۹		حشمت بی بی والدہ مولوی عبد الکریم "
۲۴۰		نذیر بیگم دختر حامد شاہ
۲۴۱		محمد بی بی زوجہ شاہ محمد مرحوم
۲۴۲		صغرا بیگم زوجہ محمود شاہ سید ابن حکیم حسام الدین صاحب حکیم
۲۴۳		احمد بی بی زوجہ احمد شاہ مرحوم سید سیالکوٹ
۲۴۵		احمد بی بی دختر محمد بخش عم مولوی عبد الکریم سیالکوٹ
۲۴۶		مہتاب بی بی زوجہ سید عمر شاہ سیالکوٹ
۲۴۷		عزیز الدین ولد گلاب حکیم ساکن پسرور
۲۴۸	۱۲- فروری ۱۸۹۲ء	امیر بخش ولد صوبا قوم سلہریا سکنہ نوشہرہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ

۲۴۹	״	میراں بخش ولد کرم الٰہی قوم ککے زئی نوشہرو تحصیل و ضلع سیالکوٹ
۲۵۰	״	غلام محمد ولد الٰہی بخش ساکن نوشہرو تحصیل و ضلع سیالکوٹ
۲۵۱	״	عبدالرسول ولد عباداللہ قوم اعوان ساکن ملک وال تحصیل تھانہ تلاگنگ ضلع جہلم ساکن جموں معلم مدرسہ سرکاری
۲۵۲	״	منظور محمد برادر صاحبزادہ افتخار احمد ولد منشی احمد جان صاحب مرحوم اہلمد دفتر خان بہادر صاحب ممبر کونسل
۲۵۳	״	محمد اسماعیل ولد مرزا ابوبابیگ ساکن قادیان
۲۵۴	״	تصدق حسین ولد غلام نبی قوم رانجھا ساکن نور خان والہ تحصیل بھیرہ ضلع شاہپور تھانہ چک راداس
۲۵۵	״	محمد شفیع ولد محمد الدین قوم علماء ساکن ڈوگرانوالہ تحصیل ضلع و علاقہ گوجرانوالہ
۲۵۶	״	غلام الدین ولد میاں غلام علی قوم اعوان سکنہ رنگ پور تحصیل و ضلع مظفر گڑھ پنجاب
۲۵۷	״	امیرالدین ولد میاں امام الدین ٹھیکیدار ساکن گجرات
۲۵۸	״	امیرالدین ولد نورالدین ساکن گجرات محلہ خوجانوالہ
۲۵۹	״	لعل محمد ولد میاں جانی خان ساکن گجرات محلہ خوجانوالہ
۲۶۰	״	چوہدری عبداللہ خان ولد چوہدری مولاداد ذات جوڑہ ساکن گجرات
۲۶۱	״	غلام محمد ولد رجب علی قوم کشمیری سیکرٹری انجمن حمایت اسلام جاکے تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ
۲۶۲	״	چراغ الدین ولد احمد دین قوم گجر مشہور علاء ساکن...... علاقہ ریاست جموں
۲۶۳	״	احمد دین ولد حکیم غلام حیدر قوم قریشی سند ہانوالیہ حال وارد سیالکوٹ ملازم محکمہ بندوبست بعہدہ نائب نقشہ نگار
۲۶۴	۶۔ فروری ۱۸۹۲ء	منشی تاج الدین ملازم دفتر اگزیمزنار تھ ویسٹرن ریلوے لاہور ۶۔ فروری ۱۸۹۲ء بمقام لاہور
۲۶۵	۱۸ فروری ۱۸۹۲ء	نجم الدین و غلام جیلانی پسران محمد بخش مرحوم قوم شیخ المعروف علی ساکن کوروال رکھ سروال تحصیل و ضلع سیالکوٹ۔
۲۶۶	״	غلام محمد ولد میاں محمد علی ساکن گجرات محلہ قانون گویاں
۲۶۷	״	مولوی احمد الدین ولد محمد حیات موضع منارہ ضلع جہلم تحصیل پنڈدادن خان
۲۶۸	״	قطب الدین ولد شرف الدین موضع کوٹلہ متصل چھاؤنی جہلم
۲۶۹	״	عبداللہ ولد نظام الدین ساکن ملکھانوالہ ضلع سیالکوٹ تحصیل ڈسکہ
۲۷۰	۲۰۔ فروری ۹۲ء	مولوی محمد شریف ولد سید مصطفیٰ صاحب سکونت پسرور ضلع سیالکوٹ
۲۷۱	״	چراغ دین ولد قطب الدین معمار سکونت پسرور ضلع سیالکوٹ
۲۷۲	״	فضل دین ولد الست خاں سکنہ نارنگ تحصیل ظفروال ضلع سیالکوٹ
۲۷۳	״	الٰہی بخش ولد فضل سکونت الر تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ
۲۷۴	״	فضل دین ولد ہدایت کشمیری ساکن سیالکوٹ
۲۷۵	״	غلام مرتضیٰ ولد پیر شاہ قوم سید ساکن موضع سوہدرے تحصل سیالکوٹ
۲۷۶	״	شیخ لدھا ولد اللہ جوایا شیخ خوجہ ساکن پورہ ہیراں منبر کتے ضلع سیالکوٹ
۲۷۷	״	نبی بخش ولد ہدایت اللہ اوان ساکن صاتراج تحصیل ظفروال ضلع سیالکوٹ حال سارجنٹ سوم پولس سیالکوٹ
۲۷۸	״	احمد دین پسر شادی خان قوم ککے زئی ساکن میانی ضلع شاہپور
۲۷۹	״	احمد علی شاہ ولد ہدایت شاہ سید ساکن موضع مالومی تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ
۲۸۰	״	کرم بخش ولد اکبر قوم کشمیری رنگ ساز ساکن سیالکوٹ متصل محلہ حکیم حسام الدین
۲۸۱	״	مظفرالدین ولد محمد غوث سکونت خاص لاہور اگزیمز آفس معرفت عبدالحق تاجر کتب لاہور
۲۸۲	״	حافظ محمد گوہر ولد عبداللہ ساکن پسرور ضلع سیالکوٹ
۲۸۳	״	امام الدین ولد محمد سلطان ساکن پسرور ضلع سیالکوٹ

۲۸۴	"	سید محمد ولد شیخ نظام الدین حاجی پورہ علاقہ سیالکوٹ
۲۸۵	"	حاکم دین ولد کرم داد ساکن ٹھکانوالہ ضلع سیالکوٹ
۲۸۶	"	محمد حیات ولد خیرالدین ساکن گڈی آواں ضلع گوجرانوالہ حال ملازم پولیس سیالکوٹ
۲۸۷	"	سید احمد شاہ ولد میرداد شاہ ساکن پشاور خاص بازار قصہ خوانی درگاہ میاں محمد شاہ
۲۸۸	"	سراج الدین ولد اللہ دین ساکن کوٹ قاضی ضلع گوجرانوالہ
۲۸۹	"	امیر علی شاہ ولد سید امام شاہ ساکن موضع سیداں والی ضلع سیالکوٹ
۲۹۰	"	نواب شاہ ولد سید شاہ محمد ساکن سیالکوٹ
۲۹۱	"	محمد اسماعیل ولد بجن ساکن ۰۰۰۰والہ تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ
۲۹۲	"	نبی بخش ولد بہادر ساکن رگھو پورہ تحصیل ضلع سیالکوٹ سارجنٹ پولس سیالکوٹ
۲۹۳	"	حافظ گوہر ساکن پسرور
۲۹۴	"	محمد شفیع ولد فقیر اللہ ساکن سیالکوٹ محلہ بھورانوالہ
۲۹۵	۲۱۔ فروری ۱۸۹۲ء بمقام کپورتھلہ	محمد امیر خان ولد جوہر خاں ساکن ہنور ریاست پٹیالہ مقیم سہارنپور
۲۹۶		زین العابدین ولد غلام حسین خان پور ریاست پٹیالہ ڈاک خانہ سرہند
۲۹۷		علی احمد ولد حافظ محمد زبیر ساکن رائے پور ریاست نابھہ تھانہ الموہ
۲۹۸		مرزا رحمت اللہ ولد مرزا خدا بخش ساکن لودہانہ
۲۹۹		نظام الدین ولد پیر محمد ساکن کپورتھلہ قوم راجپوت پیشہ بانڈہ
۳۰۰		عبداللہ ولد نظام الدین قوم راجپوت سکنہ کپورتھلہ پیشہ بانڈہ
۳۰۱	"	عبدالرحمٰن ولد..... قوم بانڈہ ساکن کپورتھلہ
۳۰۲	"	حافظ تابا ولد تلیا قوم روغن گر ساکن کپورتھلہ
۳۰۳	"	حافظ فتح الدین ولد..... ذات ارائیں ساکن شیرپور تاپانوالہ ضلع فیروزپور حال وارد کپورتھلہ
۳۰۴	"	بیوی کلاں منشی فیاض علی صاحب کپورتھلہ
۳۰۵	"	بیوی خورد منشی فیاض علی صاحب "
۳۰۶	"	ہمشیرہ منشی فیاض علی صاحب
۳۰۷	"	بیوی میاں محمد خان صاحب ملازم ریاست کپورتھلہ
۳۰۸	"	بیوی میاں سردار خاں صاحب ملازم ریاست کپورتھلہ
۳۰۹	"	والدہ میاں محمد خاں صاحب ملازم ریاست کپورتھلہ
۳۱۰	"	حکیم مہتاب علی صاحب ولد خیر شاہ سید ساکن جالندھر حال ملازم ریاست کپورتھلہ
۳۱۱	"	عبدالرحمٰن ولد غلام قادر جٹ ساکن پنڈوری کھنگوریاں تحصیل و ضلع ہوشیارپور
۳۱۲	"	حافظ امام الدین ولد ابراہیم قوم ارائیں ساکن کپورتھلہ امام مسجد حاجی صاحب
۳۱۳	"	منشی محمد امیر منشی کچہری اول تعلقدار ضلع ورنگل ریاست نظام دکن
۳۱۴	۵۔مارچ ۱۸۹۲ء	گلاب خاں ولد میراں بخش نقشہ نویس..... ساکن سیالکوٹ پورن دروازہ
۳۱۵	۸۔مارچ ۱۸۹۲ء	عبدالمجید ولد محمد خان قوم افغان ساکن کپورتھلہ
۳۱۶	"	سید محمد سعید ولد سید محمد ابراہیم مرحوم ساکن دہلی از اقارب قریبہ میر ناصر نواب صاحب برادر اہلیہ ایں عاجز
۳۱۷	"	حسن محمد ولد محمد بخش قوم تھیم ساکن بھن تحصیل بھیرہ ضلع شاہپور
۳۱۸	۸۔مارچ ۱۸۹۲ء	حاجی شاہزادہ عبدالمجید ولد عبدالواحد قوم شاہزادہ ساکن لودہانہ محلہ اقبال گنج
۳۱۹	"	امیر بخش ولد حیدر بخش ذات راجپوت سکنہ گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور
۳۲۰	"	نور احمد ولد حاجی قائم الدین اصل سکونت چنیوٹ ضلع جھنگ سکونت عارضی مدارس

۳۲۱	"	دین محمد محال دار نزول علاقہ جسروٹ ریاست...... ضلع گورداسپورہ
۳۲۲	"	احمد دین منشی لالہ برکت رام وکیل چیف کورٹ مقام گوجرانوالہ
۳۲۳	۲۷- فروری ۱۸۹۲ء	بو علی بخش ولد بوٹی خان ساکن کپورتھلہ پیشہ نوکری منشی حبیب الرحمان صاحب
۳۲۴	"	فتح دین خاں ولد...... پیشہ چپڑاسی کپورتھلہ ساکن کپورتھلہ
۳۲۵	۲۳- مارچ ۱۸۹۲ء	مہتاب علی ولد کریم بخش ساکن بستی عبران متعلق جالندھر مستقل سکونت موضع اگی ضلع
		جالندھر تحصیل نکودر سانپور محلہ میر کورٹ بر مکان مرزا عزیز بیگ وکیل
۳۲۶	۱۳- اپریل ۱۸۹۲ء	مظہر الحق ولد زین العابدین سکونت ماجری ضلع انبالہ تحصیل سرہند
۳۲۷	"	امام الدین ولد خدا بخش ساکن راہی ضلع پٹیالہ و تحصیل پٹیالہ پیشہ معماری
۳۲۸	۱۶- اپریل ۱۸۹۲ء	ملک جان زوجہ صاحبزادہ افتخار احمد صاحب لدھیانہ ساس محمود احمد صاحب
۳۲۹	۲۲- اپریل ۱۸۹۲ء	عبدالعزیز سابق فارسٹر جنگلات پنجاب ساکن شہر سیالکوٹ محلہ خیمہ دوزاں متصل مسجد حیات لدھر
۳۳۰	۲۶- اپریل ۱۸۹۲ء	سردار خان ساکن رانی پور ضلع غازی پور حال منی پور بذریعہ خط مولوی غلام امام عزیز الواعظین
		ملازم...... صاحب منی پور
۳۳۱	"	قاسم خان ساکن موضع باری ضلع غازی پور حال منی پور ملازم...... صاحب منی پور
۳۳۲	"	بہادر خان ساکن...... ساکن غازی پور "
		عبدالرحیم عرف ملاجی ساکن بازہ راولپنڈی وارد منی پور
۳۳۳	۵- مئی ۱۸۹۲ء بعد فسخ دوبارہ بیعت	پیر جی خدا بخش ولد میاں محمد رمضان اصل باشندہ نجیب آباد ضلع بجنور حال ساکن ڈیرہ دون
		سوداگر - سن رسیدہ آدمی اہل حدیث ہیں
۳۳۴	"	مولوی محمد یعقوب خاں مدہوش ولد حافظ محمد سعید خان اصل باشندہ موضع ضلع سہارنپور
		ساکن ڈیرہ دون رفیق پیر جی خدا بخش
۳۳۵	۷- مئی ۱۸۹۲ء	غلام قادر ولد الہ بخش ساکن سنور پٹواری......
۳۳۶	۲۰- مئی ۱۸۹۲ء	فتح دین ولد الہ بخش سکونت خاص بھیرہ محلہ مذکر تو عمر عمر...... ۱۸ سال طالب علم
		انگریزی وغیرہ جب ہم ۱۵- مئی ۹۲ء کو لدھیانہ سے آئے یہ شخص امرتسر ملا اور پھر
		قادیان ہمراہ آیا اور بیعت کی
۳۳۷	۷- جون ۱۸۹۲ء	مولوی غلام امام عزیز الواعظین ابن شاہ محمد بن محمود شاہ ساکن جہانپوری حال منی پور ملازم صاحب
۳۳۸	"	عبدالرحیم عرف ملاجی سکنہ راولپنڈی حال منی پور
۳۳۹	"	رحمت خان ساکن باری ضلع غازی پور حال منی پور
۳۴۰	"	عبدالرحیم ساکن انبالہ حال منی پور
۳۴۱	"	علی مردان خاں ساکن الہ آباد حال منی پور
۳۴۲	"	رمضان ساکن پٹنہ - حال منی پور
۳۴۳	"	قربان علی ساکن حال منی پور
۳۴۴	"	بلے شاہ ساکن سیالکوٹ حال منی پور
۳۴۵	"	شیخ عبداللہ ساکن نجیب آباد حال منی پور
۳۴۶	"	کرامت اللہ ساکن شاہ گنج حال منی پور
۳۴۷	"	امام بخش ساکن شاہ جہان پور حال منی پور معرفت مولوی غلام امام صاحب
		نبی بخش ولد مولا بخش ساکن شاہ جہان پور حال ناگا پھل
		رفیع الدین ساکن گولا گھاٹ حال منی پور
۳۴۸	"	دولت خان ولد فتح محمد خان ساکن بگھورہ مشہور بگوریاں تحصیل نواشہر ضلع جالندھر
۳۴۹	"	رحمت خان ولد بہادر خان ساکن ایضاً
۳۴۰	۲۷- جون ۱۸۹۲ء	حشمت خان ولد فتح محمد خان ساکن بگھورہ مشہور بگوریاں برادر حقیقی دولت خان طالب علم... در کپورتھلہ

۵۲

۳۴۱	۱۰-جولائی ۱۸۹۲ء	کرم داد خان ولد علم دین ساکن دھنگ ضلع گجرات تحصیل کھاریاں
۳۴۲	"	مرزا کریم بیگ ولد ستار بیگ ساکن کبیر پور مغلاں ریاست کپور تھلہ تحصیل ہو نگا پنشن یافتہ
۳۴۳	۱۲-جولائی ۱۸۹۲ء	محمد خان ولد مدار خان لڑکا نو عمر ساکن کپور تھلہ محلہ شیر گڑھ
	"	غلام محمد ولد نور محمد ساکن سابسوال تحصیل سلطان پور ریاست کپور تھلہ
۳۴۴	۱۶-جولائی ۱۸۹۲ء	منشی محمد اسماعیل نقشہ نویس و فوٹوگرافر صدر بازار کیمپ انبالہ رشتہ دار منشی عبد العزیز
۳۴۵	۲۰-جولائی ۱۸۹۲	مولوی برہان الدین صاحب ولد مولوی یاسین صاحب جہلم شہر امام مسجد
۳۴۶	"	شیخ نظام الدین ولد محمد ہاشم سابق دکاندار شہر جہلم
۳۴۷	"	شیخ قمر الدین ولد حیات بخش سابق دکاندار جہلم
۳۴۸	۱۳-اگست ۱۸۹۲	میاں عبد المجید ولد میاں ابراہیم برادر زادہ مولوی برہان الدین صاحب ساکن جہلم
۳۴۹	۱۴-اگست ۱۸۹۲	مولوی منشی صفدر علی صاحب ولد محی الدین صاحب ساکن..... ضلع میدک علاقہ ملک سرکار نظام
۳۵۰	۱۴-اگست ۱۸۹۲	منشی عنایت اللہ نائب مدرس پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ یہ شخص حسب تحریر ۲۷- ستمبر ۱۸۹۲ء اپنے اعتقاد سے پھر گیا ہے انہوں نے ۲/ آنے ماہوار چندہ مقرر کیا ہے۔
۳۵۱	۸- ستمبر ۱۸۹۲	ڈاکٹر فیض احمد ویکسی نیٹر ضلع جہلم ساکن لنگیاوالی ضلع گوجرانوالہ
۳۵۲	"	منشی گلاب الدین مدرس مدرسہ زنانہ رہتاس ضلع جہلم۔ انہوں نے ۲/ ماہواری چندہ بھی مقرر کیا ہے۔
۳۵۳	"	سید محمد جمال الدین محاسب محکمہ کلکٹری ضلع درنگل ریاست حیدر آباد نظام۔ بذریعہ خط
۳۵۴	"	مولوی فضل الدین ولد حافظ..... عبد اللہ قوم گوجر ساکن کھاریاں تحصیل ایضاً ضلع گجرات خود آکر بیعت کی۔
۳۵۵	۲۴- ستمبر ۱۸۹۲	مولوی حافظ احمد الدین ولد حافظ فضل الدین ساکن موضع چک اسکندر متصل دھوریہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات پیشہ زمینداری
۳۵۶	۸-اکتوبر ۱۸۹۲	مسمی اللہ دتا ساکن رہتاس ضلع جہلم معرفت منشی گلاب دین مدرس
۳۵۷	۹-اکتوبر ۱۸۹۲	مسمی غلام حسین ساکن رہتاس ضلع جہلم معرفت منشی گلاب دین مدرس
۳۵۱	۸-نومبر ۱۸۹۲	حافظ محمد ولد کمال ساکن پشاور ہشت نگری دروازہ کوٹلہ لیل باناں
۵۳		
۳۵۲	"	عبد اللہ ولد حافظ محمد ساکن شہر و محلہ "
۳۵۳	۲۸-نومبر ۱۸۹۲	یونس برادر زادہ حافظ جمال الدین مرحوم بالفعل ساکن نشل
۳۵۴	"	مسمی فضل دین ولد قطب الدین موضع..... تھانہ فتح گڑھ چوڑیاں تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور

بیعت اولیٰ کی تاریخ اور اس کے رجسٹر کے بارہ میں جدید تحقیق

رسالہ الفرقان ربوہ مئی ۱۹۷۱ء

(صفحہ ۱۷-۳۱) میں بیعت اولیٰ کی تاریخ اور اس کے رجسٹر سے متعلق مولف کتاب ھذا کا حسب ذیل نوٹ شائع ہوا: "سلسلہ احمدیہ میں لدھیانہ کی بیعت اولیٰ کو جو تاریخی اہمیت حاصل ہے وہ کسی احمدی سے قطعاً پوشیدہ نہیں۔ اور یہ مسلمہ امر ہے کہ یہ اہم واقعہ (جس نے آئندہ چل کر مذہبی دنیا پر ایک ہمہ گیر اور انقلاب انگیز اثر ڈالا) مارچ ۱۸۸۹ء میں پیش آیا جبکہ حاجی الحرمین الشریفین حضرت حکیم الامت مولانا حکیم مولوی نورالدین صاحب بھیروی رضی اللہ عنہ نے حضرت بانی جماعت احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر سب سے پہلے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ علاوہ ازیں اس پر بھی اتفاق رائے ہے کہ اس آسمانی اور بابرکت تقریب کے پہلے روز چالیس قدوسیوں کا پاک نہاد، صاف باطن اور خوش نصیب قافلہ بیعت امام الزمان کر کے داخل سلسلہ ہوا تھا۔ مگر اس بیعت اولیٰ کا آغاز شمسی و

قمری اعتبار سے کس معین تاریخ کو ہوا؟؟ یہ مسئلہ جماعت احمدیہ کے علمی حلقوں میں ابھی تک زیر تحقیق چلا آرہا ہے اور ایک معرکہ الاراء موضوع بنا ہوا ہے۔

میرے نزدیک اس خالص علمی مسئلہ میں تحقیق و تفحص کے ذریعہ سے کسی نتیجہ خیز اور صحیح منزل کو پانے کے لئے مندرجہ ذیل حقائق بہترین مشعل راہ اور روشنی کا مینار ہیں۔

اول : حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک طرف اپنے اشتہار ۴۔ مارچ ۱۸۸۹ء میں بیعت پر مستعد اصحاب کے لئے یہ اعلان عام فرمایا:۔

"تاریخ ہذا سے جو ۴۔ مارچ ۱۸۸۹ء ہے ۲۵۔ مارچ تک یہ عاجز لودیانہ محلہ جدید میں مقیم ہے اس عرصہ میں اگر کوئی صاحب آنا چاہیں تو لودیانہ میں ۲۰ تاریخ کے بعد آجاویں"۔

(تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۵۰ حاشیہ مرتبہ حضرت میر قاسم علی صاحبؓ)

دوسری طرف حضور انورؑ نے حکیم الامت حضرت مولانا حکیم نور الدین رضی اللہ عنہ کو یہ خصوصی ہدایت فرمائی کہ:۔

"بجائے بیس کے بائیس کو آپ تشریف لاویں......... یہ عاجز ارادہ رکھتا ہے کہ ۱۵۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو دو تین روز کے لئے ہوشیار پور جاوے اور ۱۹۔ مارچ یا ۲۰۔ مارچ کو بہرحال واپس آجاؤں گا"۔

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۶۲ مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی مدیر الحکم)

اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام کا منشاء مبارک بائیس مارچ کے بعد سلسلہ بیعت کے آغاز کا تھا ورنہ حضور علیہ السلام حضرت مولوی صاحبؓ کو جو ان دنوں جموں میں قیام فرما تھے جموں سے بائیس مارچ کو پہنچنے کا حکم نہ دیتے بلکہ بائیس مارچ سے پہلے وارد لدھیانہ ہونے کی تاکید فرماتے خصوصاً اس لئے بھی کہ حضرت مولوی صاحبؓ نے ایک عرصہ سے حضورؑ کی خدمت میں عرض کر رکھا تھا کہ جب حضور کو جناب الٰہی سے بیعت کا اذن ہو تو سب سے پہلے بیعت آپ کی لی جائے اور حضورؑ اس درخواست و ازراہ شفقت قبول فرما چکے تھے۔

دوم۔ حضرت مولانا عبد اللہ صاحب سنوری رضی اللہ عنہ سیدنا المسیح الموعود علیہ السلام نے نہایت جلیل القدر اور مشہور صحابی' سرخ چھینٹوں کے کشفی نشان کے حامل' براہین احمدیہ کی طباعت میں مخلص معاون اور مشہور سفر ہوشیار پور ۱۸۸۶ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خصوصی خادم تھے۔ حضورؑ نے اپنے قلم مبارک سے ازالہ اوہام میں ان کے لئے بہت تعریفی کلمات لکھے ہیں۔ حضورؑ نے تحریر فرمایا ہے "یہ جوان صالح اپنی فطرتی مناسبت کی وجہ سے میری طرف کھینچا گیا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ ان وفادار دوستوں میں سے ہے جن پر کوئی ابتلاء جنبش نہیں لا سکتا وہ متفرق وقتوں میں دو دو

تین تین ماہ تک بلکہ زیادہ بھی میری صحبت میں رہا...... یہ نوجوان درحقیقت اللہ اور رسولؐ کی محبت میں ایک خاص جوش رکھتا ہے۔ الغرض میاں عبداللہ نہایت عمدہ آدمی اور میرے منتخب محبوں میں سے ہے"۔(ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۷۹۶)

حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوریؓ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ نے بیعت اولیٰ میں چوتھے نمبر پر بیعت کی اور جیسا کہ آپؓ فرمایا کرتے تھے جہاں دوسرے مبائعین کو حضورؑ کے حکم سے شیخ حامد علی صاحبؓ نے کمرہ بیعت میں جانے کی آواز دی وہاں حضور انورؑ نے خود آپ کو نام لے کر بلایا تھا۔ (الفضل ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

اس شان کے خدا نما بزرگ اور مسیح محمدیؑ کے منتخب محب کا واضح اور قطعی بیان یہ ہے کہ:-

"پہلے دن جب آپؑ نے بیعت لی تو وہ تاریخ ۲۰۔ رجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء تھی"۔ (سیرت المہدی حصہ اول طبع دوم صفحہ ۷۷ مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ طبع اول ۱۰۔ دسمبر ۱۹۲۳ء۔ طبع ثانی ۱۴۔ نومبر ۱۹۳۵ء)

سوم۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ تراب (عرفانی) کا نام نامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کا مقام سلسلہ احمدیہ کے پہلے صحافی اور پہلے مورخ کے لحاظ سے نہایت بلند ہے۔ حضرت عرفانی رضی اللہ عنہ گو پہلے دن بیعت سے مشرف نہیں ہوئے تھے مگر وہ ان ایام میں لدھیانہ میں تھے اور انہیں دنوں داخل بیعت ہو گئے تھے۔ حضرت شیخ صاحب موصوفؓ بھی حضرت مولانا عبداللہ سنوریؓ کی تائید میں یہ نظریہ رکھتے تھے کہ بیعت کا اصل دن ۲۰۔ رجب ۱۳۰۶ مطابق ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء ہی ہے۔ (حیات احمد جلد سوم صفحہ ۲۸)

چہارم۔ حضرت سیدنا المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کی قطعی رائے تھی کہ بیعت اولیٰ ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو ہوئی تھی بلکہ حضورؓ نے صرف اسی بناء پر ۲۳۔ مارچ ۱۹۴۴ء کا دن جلسہ مصلح موعود لدھیانہ کے لئے مقرر فرمایا اور پھر اس میں بنفس نفیس شرکت کی اور اپنے روح پرور خطاب کی ابتداء ہی ان مبارک کلمات سے فرمائی کہ:-

"اس شہر لدھیانہ میں ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام...... نے بیعت لی تھی"۔ (الفضل ۱۸۔ فروری ۱۹۵۹ء)

پنجم۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کا مسلک بھی اس کے مطابق تھا۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

"سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لدھیانہ کے مقام پر سب سے پہلی بیعت ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو لی تھی اور جماعت احمدیہ کا قیام معرض وجود میں آیا تھا"۔

(الفضل ۱۸۔ مارچ ۱۹۵۹ء صفحہ ۲)

ششم۔ دار البیعت لدھیانہ میں ۱۹۱۶ء سے ۱۹۴۷ء تک جو کتبہ بطور یادگار نصب رہا اس پر بھی ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء ہی کی تاریخ ثبت تھی۔ (ریویو آف ریلیجنز اردو جون' جولائی ۱۹۴۳ء صفحہ ۲۶ تا ۳۹)

ہفتم۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے زمانہ خلافت کے آخری دور میں "یوم مسیح موعود" کی بنیاد پڑی اور ساتھ ہی حضور پر نور کی اجازت واستصواب کے بعد مرکز احمدیت سے مسلسل اعلان کیا گیا کہ بیعت اولیٰ کی تاریخ ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء ہے۔ (الفضل ۴۔ امان / مارچ ۱۳۲۷ہش / ۱۹۵۸ء صفحہ ۱)

ہشتم۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے (سلسلہ احمدیہ کے نامور مولف و محقق کی قطعی رائے بھی اسی تاریخ کے حق میں تھی۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب "لائف آف احمد" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

THE FORMAL INITIATION BEGAN ON MARCH 23RD, 1889 (20 RAJAB, 1306. A.H.)

(صفحہ ۱۵۴ مطبوعہ ۱۹۴۹ء مطابق ۱۳۲۸ہش)

نہم۔ خالد احمدیت مولانا ابو العطاء صاحب فاضل نے یوم جمہوریہ پاکستان کے موقعہ پر ۲۳۔ مارچ ۱۹۵۷ء کو ایک مضمون سپرد قلم کیا جس میں نہ صرف محولہ بالا تاریخ بیعت کی مکمل تائید کی بلکہ یہ نہایت ایمان افروز اور لطیف نکتہ بھی بیان فرمایا کہ:۔

"ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے بغیر کوئی پتہ بھی ہل نہیں سکتا۔ پس اس لحاظ سے کوئی واقعہ اتفاقی نہیں ہے۔ بلکہ ہر کام' حادثہ اور ہر سانحہ اللہ تعالیٰ کے علم اور عظیم حکمت کے ماتحت وقوع پذیر ہوتا ہے۔ الٰہی تصرفات میں سے یہ عجیب تصرف ہے کہ ۲۳۔ مارچ کو ہی اس زمانہ کے مامور نے روحانی جماعت کا عملی طور پر سنگ بنیاد رکھا اور اسی تاریخ [56] کو مادی دنیا میں ارض مقدسہ (پاکستان) بننے پر اس کے جمہوریہ اسلامیہ قرار پانے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ بہرحال جماعت احمدیہ کے لئے ۲۳۔ مارچ کی تاریخ نہایت ہی اہم اور خوشی کی تاریخ ہے"۔ (الفضل ۲۸۔ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۵ کالم ۴)

سیدنا المصلح الموعودؓ کی ہدایت خاص' حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوریؓ کے چشم دید بیان' حضرت عرفانیؓ کے تائیدی نظریہ' حضرت مصلح موعودؓ کے واضح فرمان' حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ' حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد اور مولانا ابو العطاء صاحب کی حتمی رائے' دار البیعت کے یادگاری کتبہ اور جماعت احمدیہ کے اجماعی مسلک سے سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ بر آمد نہیں ہو سکتا کہ ۲۰۔ رجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء ہی کو جماعت احمدیہ کا قیام عمل میں آیا تھا۔

اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ ہو۔ یعنی ان محرکات و عوامل کا تجزیہ کیجئے جو اس صاف اور دو ٹوک

نتیجہ پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ اس تعلق میں بنیادی طور پر صرف دو امور پیش کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ قدیم رجسٹر بیعت میں مندرجہ تاریخ۔

۲۔ حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری ؓ کی بیان رمودہ قمری و شمسی تاریخوں میں عدم موافقت۔ اول الذکر سے بظاہر اس خیال کو بہت تقویت حاصل ہوتی ہے کہ سلسلہ بیعت دراصل ۲۱۔ مارچ ۱۸۸۹ء سے جاری ہو چکا تھا اور قادیان، کانگڑہ، غوث گڑھ، جموں، مالیر کوٹلہ، شاہ پور، کڑیانہ، جھنپٹ اور رلدھیانہ وغیرہ کے چھیالیس بزرگ بیعت ہو چکے تھے۔

ثانی الذکر امر یہ بھاری شبہ ڈالتا ہے کہ بیعت اولیٰ کی ابتداء ۲۱ یا ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کی بجائے ۲۲۔ مارچ کو ہوئی تھی کیونکہ مصری فاضل محمد مختار باشا کی تقویم "اَلتَّوْفِيقَاتُ الْإِلْهَامِيَّة" سے ثابت ہوتا ہے کہ ۲۰۔ رجب ۱۳۰۶ھ کو ۲۲۔ مارچ ۱۸۹۹ء کا دن تھا۔ ۵۵

قدیم رجسٹر جو تاریخ احمدیت کی ایک مقدس دستاویز اور بیعت اولیٰ کے دور کی نہایت بیش قیمت یادگار ہے آج تک خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہے۔ یہ رجسٹر حضرت اقدس مسیح موعود کے حکم سے تیار کیا گیا تھا اور اس کا نام "بیعت توبہ برائے حصول تقویٰ وطہارت" تجویز فرمایا گیا۔ اس رجسٹر کی تحریر مختلف ہاتھوں میں رہی۔ بعض نام حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنے قلم سے لکھے بعض حضرت مولانا نور الدین ؓ اور دوسرے بزرگوں نے۔ اس رجسٹر کا پہلا ورق چونکہ ضائع ہو چکا ہے اس لئے اس کے ابتدائی ناموں کا پتہ نہیں چلتا۔ اپریل ۱۹۳۹ء میں قمرالانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ؓ نے پہلی بار اس کے ابتدائی ۶۲ اندراجات اپنی کتاب سیرۃ المہدی حصہ سوم میں شائع فرمائے تو اس کے پہلے آٹھ نام بعض زبانی اور مستند روایات سے قیاساً درج کر کے اس کے پہلے نمبر پر ۱۹۔ رجب ۱۳۰۶ھ اور ۲۱۔ مارچ ۱۸۸۹ء کی تاریخوں کا اس لئے اضافہ فرما دیا کہ رجسٹر میں سینتالیسویں نمبر پر پہلی تاریخ جو بطور یادداشت درج تھی وہ ۲۰۔ رجب ۱۳۰۶ھ اور ۲۲۔ مارچ ۱۸۸۹ء تھی۔

سیرت المہدی حصہ سوم کی اس فہرست سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ۱۹۔ رجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۱۔ مارچ ۱۸۸۹ء ہی کو یوم البیعت تسلیم کیا جانا چاہئے جیسا کہ حال ہی میں بیرون پاکستان کے ایک فاضل دوست نے راقم الحروف کے نام اپنے ایک تازہ مکتوب میں لکھا ہے اور زور دیا ہے کہ رجسٹر کی اندرونی شہادت کو کیوں قبول نہیں کیا جاتا؟

بلاشبہ یہ قدیم رجسٹر بیعت ایک مستند، وقیع، قابل استناد اور ثقہ شہادت سابقون الاولون کے اسماء مبارکہ کی ہے اور کوئی احمدی محقق خواہ وہ کتنی عظیم علمی شخصیت کا حامل ہو اور تاریخ نویسی اور وقائع

نگاری میں سند عام کا درجہ حاصل کرلے اس سے بے نیاز ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بایں ہمہ قابل غور و فکر پہلو یہ ہے کہ یہ شہادت کس نوعیت کی ہے؟ اگر یہ شہادت اس بات کی ہے کہ سلسلہ احمدیہ سے وابستہ ہونے والے قدیم ترین فدائیوں کے نام اور کوائف کیا تھے تو یہ سو فیصد درست ہے اور اگر شہادت سے مراد یہ ہے کہ اس سے بیعت کرنے والوں کی ٹھیک ٹھیک عملی ترتیب اور صحیح صحیح تاریخ کی نشاندہی ہوتی ہے تو قمرالانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ عنہما جیسے اکابر محققین احمدیت کی رائے میں بھی اس کا جواب یکسر نفی میں ہے حتی کہ سرے سے اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس میں مندرجہ تواریخ ہجری و شمسی عین بیعت کے وقت لکھی گئی تھیں۔ چنانچہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سیرۃ المہدی حصہ سوم میں فرماتے ہیں۔

"بیعت کنندگان کے رجسٹر سے جو مجھے مکرم میر محمد اسحاق صاحبؓ کے ذریعہ دستیاب ہوا ہے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا بیعت کے وقت ہی اس رجسٹر میں فوراً اندراج کرلیا جاتا تھا یا کہ بیعت کے بعد چند اسماء اکٹھے درج کرلئے جاتے تھے۔ موخر الذکر صورت میں اس بات کا امکان ہے کہ بوقت اندراج اصل ترتیب سے کسی قدر اختلاف ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض اندراجات سے شبہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایسا ہو جاتا تھا کیونکہ بعض صورتوں میں زبانی روایات اور اندراج میں کافی اختلاف ہے"۔ (صفحہ ۱۴۱)

حضرت قمرالانبیاء ﷛ (نور اللہ مرقدہ) نے مندرجہ بالا تحریر میں جس "کافی اختلاف" کی طرف سے نہایت اجمالی مگر بلیغ رنگ میں اشارہ فرمایا ہے اس کی بعض نہایت واضح مثالیں بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا، حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اور دوسرے اکابر سلسلہ اس رائے پر متفق ہیں کہ پہلے دن چالیس بزرگوں نے بیعت کی تھی۔ (سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۸، سیرت مسیح موعودؑ از حضرت مصلح موعودؓ۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۲۹ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ ذکر حبیب صفحہ ۹ مولفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ بھیروی) اس مسلمہ حقیقت کے باوجود رجسٹر بیعت کے ابتدائی اوراق میں چالیس کی بجائے چھیالیس کے نام لکھے ہیں۔

۲۔ رجسٹر بیعت میں تینتالیسویں نمبر پر حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی ﷛ کا اسم گرامی و نام نامی درج ہے حالانکہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے بھی (بروایت حضرت مولانا عبداللہ صاحب سنوریؓ) لکھا ہے کہ "بیعت اولیٰ کے دن مولوی عبدالکریم صاحب بھی وہیں موجود تھے مگر بیعت نہیں کی"۔ (سیرت المہدی حصہ اول طبع دوم صفحہ ۷۸)

۳۔ دنیائے احمدیت کے نہایت ممتاز، مخلص اور فدائی بزرگ اور حضرت مسیح موعودؑ کے عاشق صادق حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی کی سوانح اور روایات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت اقدس علیہ السلام نے بیعت کے لئے اشتہار دیا تو اگرچہ حضرت منشی روڑا خان صاحبؓ اشتہار بیعت ملتے ہی لدھیانہ روانہ ہو گئے تھے اور حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ اور حضرت میاں محمد خان صاحب کپور تھلوی دوسرے دن چل کر تیسرے دن صبح لدھیانہ پہنچے مگر کپور تھلہ کی ان تینوں بلند پایہ شخصیتوں نے بیعت اولیٰ کے پہلے روز ہی بیعت کر لی تھی۔ پہلے حضرت منشی روڑا خان صاحبؓ بیعت ہوئے۔ پھر حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ اور بعد ازاں حضرت محمد خان صاحبؓ۔ (اصحاب احمد جلد چہارم طبع اول صفحہ ۹۱) مگر اس واقعہ کے برعکس رجسٹر بیعت میں ۲۰۔ مارچ کی تاریخ کے تحت ہمیں صرف حضرت منشی روڑا خان صاحب کا نام ملتا ہے اور بقیہ دو عشاق مسیح موعودؑ کے مبارک اسماء ۲۳۔ مارچ میں درج کئے گئے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان عالی مقام، مجسم اخلاص اور سراپا فدائیت وجودوں اور شمع مسیح کے زندہ جاوید اور بے مثال پروانوں کی واقعاتی شہادتوں اور رجسٹر بیعت کے اس حیرت انگیز اور بالکل کھلے کھلے تفاوت و اختلاف کی آخر وجہ کیا ہے؟ اور کیا ان میں مطابقت کی کوئی صورت ممکن نہیں؟

یہ ناچیز جواباً عرض کرتا ہے کہ اگر گہری تحقیق سے کام لیا جائے تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ رجسٹر بیعت کے اندراجات کی اصل اور بنیادی ترتیب بیعت اولیٰ کے مبائعین کی عملی بیعت کے اعتبار سے نہیں! بلکہ قبل از وقت بیعت کی اطلاع دینے والوں یا بیعت کی خاطر حضرت اقدسؑ کی خدمت میں لدھیانہ پہنچ جانے والوں کے اعتبار سے ہے۔ یہ محض قیاسی یا اجتہادی امر نہیں بلکہ اس کا سراغ براہ راست سیدنا المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس اشتہار سے بخوبی ملتا ہے جو حضورؑ نے بیعت اولیٰ سے قبل شائع فرمایا اور جس میں رجسٹر بیعت کی غرض و غایت پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی۔

چنانچہ حضرت اقدس علیہ السلام نے اشتہار مارچ ۱۸۸۹ء میں بیعت کے لئے مستعد اصحاب کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

"اے اخوان مومنین (اَیَّدَکُمُ اللّٰہُ بِرُوْحٍ مِّنْہُ) آپ سب صاحبوں پر جو اس عاجز سے خالصاً ۔طلب اللہ بیعت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں واضح ہو کہ بالقاء رب کریم و جلیل (جس کا ارادہ ہے کہ مسلمانوں کو انواع و اقسام کے اختلاف اور غل اور حقد اور نزاع اور فساد اور کینہ اور بغض سے جس نے ان کو بے برکت و نکما کر دیا ہے نجات دے کر فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا کا مصداق بنا

دے) مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض فوائد و منافع بیعت کہ جو آپ لوگوں کے لئے مقدر ہیں اس انتظام پر موقوف ہیں کہ آپ سب صاحبوں کے اسماء مبارکہ ایک کتاب میں بقید ولدیت و سکونت مستقل و عارضی اور کسی قدر کیفیت کے (اگر ممکن ہو) اندراج پاویں اور پھر جب وہ اسماء مندرجہ کسی تعداد موزوں تک پہنچ جائیں تو ان سب ناموں کی ایک فہرست تیار کر کے اور چھپوا کر ایک ایک کاپی اس کی تمام بیعت کرنے والوں کی خدمت میں بھیجی جائے اور پھر جب دوسرے ۵۶ وقت میں نئی بیعت کرنے والوں کا ایک معتد بہ گروہ ہو جائے تو ایسا ہی ان کے اسماء کی بھی فہرست تیار کر کے تمام مبائعین یعنے داخلین بیعت میں شائع کی جائے اور ایسا ہی ہوتا رہے۔ جب تک ارادہ الٰہی اپنے اندازہ مقدرہ تک پہنچ جائے...... مگر چونکہ یہ کارروائی بجز اس کے باسانی و صحت انجام پذیر نہیں ہو سکتی کہ خود مبائعین اپنے ہاتھ سے خوشخط قلم سے لکھ کر اپنا تمام پتہ و نشان بتفصیل مندرجہ بالا بھیج دیں اس لئے ہر صاحب کو جو صدق دل اور خلوص تام سے بیعت کرنے کے لئے مستعد ہیں تکلیف دی جاتی ہے کہ وہ بتحریر خاص اپنے پورے پورے نام و ولدیت و سکونت مستقل و عارضی وغیرہ سے اطلاع بخشیں یا اپنے حاضر ہونے کے وقت یہ تمام امور درج کرا دیں"۔ (تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۵۲)

حضور انور کے محولہ بالا الفاظ سے ایک گم شدہ کڑی پر اطلاع ملتی ہے اور یہ صداقت نمایاں ہو کر ابھر آتی ہے کہ رجسٹر بیعت میں ناموں کا اندراج بیعت اولیٰ کے انعقاد سے بھی قبل شروع کیا جا چکا تھا لہٰذا یہ سمجھنا کہ اس رجسٹر میں عین بیعت اولیٰ کے وقت یا اس کے دوران یا معاً بعد اندراج ہوا یا اس میں درج شدہ تاریخ لازماً بیعت کی تاریخ ہوگی (جہاں تک بیعت اولیٰ کے پہلے دن کا تعلق ہے) یقیناً صحیح نہیں ہو سکتا ہاں استثنائی طور پر یہ ضرور ممکن ہے کہ کسی بزرگ کی لدھیانہ پہنچنے، بیعت سے مشرف ہونے اور رجسٹر میں اس کے اندراج کی تاریخ ایک ہی ہو مگر یہ ایک اتفاقی چیز ہے جس کو بہرکیف کلیہ کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

اس وضاحت سے یہ عقدہ لاینحل اور سربستہ راز بھی خود بخود منکشف ہو جاتا ہے کہ رجسٹر بیعت میں

- پہلے دن کی تاریخ میں بیعت کرنے والے چالیس بزرگوں کی بجائے چھیالیس بزرگوں کا کیوں ذکر ہے؟
- اور جب حضرت مولانا عبد الکریم صاحبؓ سیالکوٹی نے پہلے دن بیعت ہی نہیں کی تو پہلی تاریخ میں ان کا نام کیسے درج ہو گیا؟
- اسی طرح جب کپور تھلہ کے تینوں بزرگوں نے پہلے ہی دن بیعت کا اکٹھا شرف حاصل کیا تھا تو

ان کے نام مبارک ۲۱ اور ۲۳- مارچ کی دو الگ الگ تاریخوں میں کیوں لکھے گئے؟

یہ اور اس نوعیت کی سب الجھنیں، دشواریاں اور پیچیدگیاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ بالا وضاحتی اشتہار کی برکت سے بیک جنبش قلم ختم ہو جاتی ہیں اور گویا دن چڑھ جاتا ہے اور اب ہم اس کی بدولت یقین کی فولادی چٹان پر کھڑے ہو کر بلا تامل بتا سکتے ہیں کہ رجسٹر بیعت کے ابتدائی اوراق تو محض یہ راہ نمائی کرتے ہیں کہ کون کون سے بزرگوں نے بیعت پر آمادگی کی اطلاع دی یا بیعت کی خاطر بیعت اولیٰ کے انعقاد سے قبل لدھیانہ تشریف لے آئے۔ یہی اور صرف یہی وجہ ہے کہ ۲۲- مارچ سے قبل حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سمیت لدھیانہ آنے والے چھیالیس بزرگوں کے نام مبارک ریکارڈ کئے گئے۔ بعینہ اسی حکمت سے حضرت منشی روڑا خان صاحبؓ کا نام ان کے ورود لدھیانہ کے بعد ۲۱- مارچ کو اور حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ اور حضرت محمد خان صاحبؓ کے اسماء مبارکہ کا نام ۲۳- مارچ کو درج رجسٹر کیا گیا۔

اس وضاحت سے ضمناً یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ حضرت منشی ظفر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیان کے مطابق چونکہ لدھیانہ پہنچتے ہی بیعت اولیٰ کے پہلے روز دوسرے مخلصین کپور تھلہ کے ساتھ بیعت کی تھی اس لئے ۲۳- مارچ ۱۸۸۹ء کی جو تاریخ ان کے نام کے ساتھ مندرج ہے حتمی طور پر وہی تاریخ بیعت اولیٰ کے آغاز کی ہے۔

الختصر!! رجسٹر بیعت کے ابتدائی اوراق کی فہرست ہرگز ہرگز مبائعین کی واقعاتی ترتیب و تاریخ کے مطابق تیار اور مرتب نہیں ہوئی لہٰذا ۱۹- رجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۱- مارچ ۱۸۸۹ء کو بیعت اولیٰ کا دن قرار دینے کا کوئی جواز نہیں۔

اب تحقیق طلب صرف یہ دوسرا امر رہ جاتا ہے کہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب سنوری رضی اللہ عنہ نے بیعت اولیٰ کی قمری تاریخ ۲۰- رجب ۱۳۰۶ھ اور شمسی تاریخ ۲۳- مارچ ۱۸۸۹ء متعین کی ہے حالانکہ "التوفیقات الالھامیہ" کی رو سے ۲۰- رجب ۱۳۰۶ھ کو ۲۲- مارچ ۱۸۸۹ء کا دن بنتا ہے۔ اس صورت میں آیا قمری تاریخ کو درست سمجھا جائے یا شمسی تاریخ پر اعتماد کیا جائے؟؟

اس ضمن میں یہ عاجز محض خدا کے فضل و کرم سے علیٰ وجہ البصیرت اس رائے پر قائم ہے کہ حضرت مولانا سنوری رحمتہ اللہ علیہ کی دونوں بیان فرمودہ تاریخیں ہی صحیح ہیں اور اگر کوئی "سہو" یا "غلطی" ہے تو وہ مصری تقویم "التوفیقات الالھامیہ" کی ہے جس میں ۱۳۰۶ھ کے جمادی الثانی کو انتیس دن کا شمار کر کے یکم رجب ۱۳۰۶ھ کو ۳- مارچ ۱۸۸۹ء سے شروع کیا گیا ہے جو واقعہ کے خلاف ہے۔ حق یہ ہے کہ اس سال جمادی الثانی انتیس کی بجائے تیس کا تھا اور یکم رجب ۱۳۰۶ھ کو ۴- مارچ

۱۸۸۹ء کی اور ۲۰۔ رجب ۱۳۰۶ھ کو ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء کی تاریخ تھی جیسا کہ حضرت میاں معراج دین صاحب عمر رضی اللہ عنہ [۵۷] کی مشہور و معروف "ایک سو پچیس برس کی جنتری" سے ثابت ہے۔ یہ جنتری حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں یکم ستمبر ۱۹۰۶ء کو اشاعت پذیر ہوئی تھی اس جنتری کے صفحہ ۲۱۷ پر مارچ ۱۸۸۹ء کا عیسوی، ہجری، فصلی اور بکری کیلنڈر حسب ذیل صورت میں درج ہے:-

۱۸۸۹ء-۱۳۰۶ھ-۱۹۲۶ف- سمت ۱۹۴۵ء

یوم	مارچ	جمادی الثانی / رجب	پھاگن فصلی	پھاگن سمت
جمعہ	۱	۲۸	۱۴	۱۵ بدی
شنبہ	۲	۲۹	۱۵	سدی
یک شنبہ	۳	۳۰	۱۶	۲
دو شنبہ	۴	رجب	۱۷	۳
سہ شنبہ	۵	۲	۱۸	۴
چہار شنبہ	۶	۳	۱۹	۵
پنجشنبہ	۷	۴	۲۰	۶
جمعہ	۸	۵	۲۱	۶
شنبہ	۹	۶	۲۲	۷
یک شنبہ	۱۰	۷	۲۳	۸
دو شنبہ	۱۱	۸	۲۴	۹
سہ شنبہ	۱۲	۹	۲۵	۱۰
چہار شنبہ	۱۳	۱۰	۲۶	۱۱

پنجشنبہ	۱۴	۱۱	۲۷	۱۲
جمعہ	۱۵	۱۲	۲۸	۱۳
شنبہ	۱۶	۱۳	۲۹	۱۴
یک شنبہ	۱۷	۱۴	۳۰	۱۵
دو شنبہ	۱۸	۱۵	چیت	بدی چیت
سہ شنبہ	۱۹	۱۶	۲	۲
چہار شنبہ	۲۰	۱۷	۳	۳
پنجشنبہ	۲۱	۱۸	۴	۴
جمعہ	۲۲	۱۹	۵	۶
شنبہ	۲۳	۲۰	۶	۷
یک شنبہ	۲۴	۲۱	۷	۸
دو شنبہ	۲۵	۲۲	۸	۹
سہ شنبہ	۲۶	۲۳	۹	۱۰
چہار شنبہ	۲۷	۲۴	۱۰	۱۱
پنجشنبہ	۲۸	۲۵	۱۱	۱۲
جمعہ	۲۹	۲۶	۱۲	۱۳
شنبہ	۳۰	۲۷	۱۳	۱۴
یک شنبہ	۳۱	۲۸	۱۴	۱۵

مندرجہ بالا کیلنڈر کی رو سے صاف کھل جاتا ہے کہ ۲۳۔مارچ ۱۸۸۹ء کو یقیناً ۲۰۔رجب ۱۳۰۶ھ

کی تاریخ تھی۔ پس حضرت مولانا عبداللہ سنوری کی قمری و شمسی تاریخوں میں مکمل موافقت پائی جاتی ہے اور کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں۔ بنابریں "اختلاف و تضاد" کے مفروضہ پر ۲۲۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو یوم البیعت تجویز کئے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

چنانچہ قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اپنے ایک حقیقت افروز نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میاں عبداللہ صاحب سنوری نے پہلے دن کی بیعت کی تاریخ ۲۰۔ رجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۳۔ مارچ (۱۸۸۹ء) بیان کی ہے مگر رجسٹر بیعت کنندگان سے پہلے دن کی بیعت ۱۹۔ رجب اور ۲۱۔ مارچ ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی نہ صرف تاریخ مختلف ہے بلکہ قمری اور شمسی تاریخوں میں مقابلہ بھی غلط ہو جاتا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے میں نے گزشتہ جنتری کو دیکھا تو وہاں سے مطابق زبانی روایت ۲۰۔ رجب کو ۲۳۔ مارچ ثابت ہوتی ہے۔ پس یا تو رجسٹر کا اندراج چند دن بعد میں ہونے کی وجہ سے غلط ہو گیا ہے اور یا اس میں چاند کی رویت جنتری کے اندراج سے مختلف ہوئی ہوگی"۔ (سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۴ مطبوعہ ۳۔ فروری ۱۹۳۹ء) حضرت میاں صاحب کا یہ ناطق فیصلہ (کہ جنتری کی رو سے ۲۰۔ رجب کو ۲۳۔ مارچ کی تاریخ ثابت ہوتی ہے) اپنی پشت پر حقیقتوں اور صداقتوں کی ایک زبردست طاقت رکھتا ہے۔ چنانچہ اگر ۱۸۸۹ء کے جرائد کا مطالعہ کیا جائے تو ان سے بھی اس فیصلہ کی مزید توثیق ہوتی ہے۔ مثلاً اس وقت میرے سامنے امرتسر کے ہفت روزہ "ریاض ہند" کا فائل ہے۔ اس اخبار کے مالک و مہتمم حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص و قدیم صحابی حضرت شیخ نور احمد صاحب تھے جن کے "مطبع ریاض ہند میں نہ صرف حضرت مسیح موعود کی شہرہ آفاق کتاب "براہین احمدیہ کے تین حصے چھپے بلکہ دعوی ماموریت و مسیحیت کے بعد کی بہت سی کتابیں اور اشتہارات بھی زیور طبع سے آراستہ ہوئے اور یہ سلسلہ نہایت باقاعدگی کے ساتھ ۱۸۹۵ء میں "ضیاء الاسلام پریس" قادیان کی تنصیب تک جاری رہا۔ حضرت شیخ صاحب کے اخبار "ریاض ہند" کو برصغیر کی صحافت میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہی وہ اخبار تھا جس میں ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کا مشہور عالم اشتہار شائع ہوا۔ اسی میں جماعت احمدیہ کے سنگ بنیاد سے بھی برسوں قبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تقریروں اور سفروں وغیرہ کی اکثر خبریں شائع ہوا کرتی تھیں اور جہاں تک موجودہ تحقیق کا تعلق ہے "ریاض ہند" واحد اخبار ہے جس میں حضرت سیدنا المصلح الموعود کی ولادت باسعادت کی خبر شائع ہوئی۔ ۵۸ یہ اخبار اپنے سرورق پر ہمیشہ قمری اور شمسی تاریخوں کے اندراج کا خاص التزام کیا کرتا تھا۔ ماہ مارچ ۱۸۸۹ء میں اس اخبار کے چار نمبر شائع ہوئے۔ جن پر بالترتیب حسب ذیل تاریخیں موجود ہیں:۔

۴- مارچ ۱۸۸۹ء یکم رجب المرجب ۱۳۰۶ھ　　　یوم دوشنبہ

۱۱- مارچ ۱۸۸۹ء مطابق ۸- رجب المرجب ۱۳۰۶ھ　　　یوم دوشنبہ

۱۸- مارچ ۱۸۸۹ء مطابق ۱۵- رجب المرجب ۱۳۰۶ھ　　　یوم دوشنبہ

۲۵- مارچ ۱۸۸۹ء مطابق ۲۲- رجب المرجب ۱۳۰۶ھ　　　یوم دوشنبہ

محولہ بالا نقشہ سے جو اخبار "ریاض ہند" کے چار پرچوں سے مرتب کیا گیا ہے اس نظریہ پر مہر تصدیق ثبت ہو جاتی ہے کہ "التوفیقات الالہامیہ" میں یکم رجب ۱۳۰۶ھ کو جو ۳- مارچ ۱۸۸۹ء کا دن شمار کیا گیا ہے وہ ہرگز درست نہیں- بلکہ اس کے برخلاف یہ ۴- مارچ ۱۸۸۹ء کا دن تھا اور ظاہر ہے کہ اس حساب کے مطابق ۲۰- رجب ۱۳۰۶ھ کو شمسی تاریخ ۲۳- مارچ ہی تھی جیسا کہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب سنوری ﷺ کی روایت ہے-

خلاصہ تحقیق

الغرض جس نقطہ نگاہ اور زاویہ خیال سے بھی دیکھا جائے اندرونی اور بیرونی علمی اور واقعاتی شہادتوں اور عقلی و نقلی دلائل و براہین کی روشنی میں یہ حقیقت نیر النہار کی طرح ایک قطعی اور فیصلہ کن صورت اختیار کر جاتی ہے کہ بیعت اولیٰ لدھیانہ کی اصل اور صحیح تاریخ ۲۰- رجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۳- مارچ ۱۸۸۹ء ہے اور یقیناً یہی دن سلسلہ احمدیہ جیسی مقدس اور عالمی تحریک کی جماعتی زندگی کا پہلا اور مبارک دن ہے جو رہتی دنیا تک یوم الفرقان کی حیثیت سے یادگار رہے گا اور فرمان ایزدی "ذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ" کا مصداق و مورد سمجھا جائے گا اور سلسلہ بیعت سے بھی قبل کی یہ خدائی پیشگوئی ہر زمانہ میں پوری شان و شوکت سے پوری ہوتی رہے گی کہ:-

"اس گروہ کو بہت بڑھائے گا اور ہزارہا صادقین کو اس میں داخل کرے گا- وہ خود اس کی آبپاشی کرے گا اور اس کو نشوونما دے گا یہاں تک کہ ان کی کثرت اور برکت نظروں میں عجیب ہو جائے گی اور وہ اس چراغ کی طرح جو اونچی جگہ رکھا جاتا ہے دنیا کی چاروں طرف اپنی روشنی کو پھیلائیں گے اور اسلامی برکات کے لئے بطور نمونہ ٹھہریں گے"-

(اشتہار ۴- مارچ ۱۸۸۹ء مشمولہ تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۵۵)

قیام لدھیانہ کے دو واقعات

قیام لدھیانہ کے دوران دو واقعات کا تذکرہ ضروری ہے-

پہلا واقعہ:- حضرت منشی ظفر احمد صاحب کا بیان ہے کہ "بیعت کے بعد جب میں لدھیانہ ٹھہرا ہوا تھا تو ایک صوفی طبع شخص نے چند سوالات کے بعد حضرت صاحب سے دریافت کیا کہ آیا آپ

آنحضرت ﷺ کی زیارت بھی کرا سکتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اس کے لئے مناسب شرط ہے اور میری طرف منہ کر کے فرمایا کہ یا جس پر خدا کا فضل ہو جائے۔ اسی رات میں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا"۔ ۵۹

دوسرا واقعہ:۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک سائل آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا ایک عزیز فوت ہو گیا ہے اور میرے پاس کفن دفن کے لئے کچھ انتظام نہیں ہے اور اس نے کچھ سکے چاندی اور تانبے کے رکھے ہوئے تھے یہ دکھانے کے لئے کہ کسی قدر چندہ ہوا ہے اور ابھی اور ضرورت ہے۔ حضرت اقدس نے قاضی خواجہ علی صاحب سے فرمایا کہ "قاضی صاحب ان کے ساتھ جا کر کفن کا انتظام کر دو"۔ حضرت اقدس کی اس قسم کی عادت مبارک نہیں تھی بلکہ عام طور پر جو مناسب سمجھتے نہایت درجہ فیاضی سے دے دیتے۔ اس ارشاد سے خدام کو تعجب ہوا۔ حضرت قاضی صاحب نے بھی یہ نہیں پوچھا کہ کیا دے دوں۔ بلکہ وہ ساتھ ہی ہو گئے۔ سائل قاضی صاحب کو لے کر رخصت ہوا۔

تھوڑی دیر بعد حضرت قاضی صاحب مسکراتے ہوئے واپس آئے اور کہا حضورؑ وہ تو بڑا دھوکہ باز تھا راستہ میں جا کر اس نے میری بڑی منت خوشامد کی کہ خدا کے واسطے آپ نہ جاویں جو کچھ دینا ہے دے دیں۔ میں نے کہا کہ مجھے تو خود جانے کا حکم ہے جو کچھ تمہارے پاس ہے یہ مجھے دو جو کچھ خرچ آئے گا میں کروں گا۔ آخر جب اس نے دیکھا کہ میں ٹلتا ہی نہیں تو اس نے ہاتھ جوڑ کر ندامت کے ساتھ کہا کہ نہ کوئی مرا ہے اور نہ کوئی کفن دفن کی ضرورت ہے۔ یہ میرا پیشہ ہے۔ اب میری پردہ دری نہ کرو۔ تم واپس جاؤ۔ میں اب یہ کام نہیں کرونگا"۔ ۶۰

سفر علی گڑھ

علی گڑھ میں ایک بزرگ سید محمد تفضل حسین [۶۱] صاحب تحصیلدار رہتے تھے۔ جنہیں زمانہ "براہین احمدیہ" سے حضرت اقدس کے ساتھ عقیدت تھی۔ وہ کئی مرتبہ حضرت اقدس کی خدمت میں علی گڑھ میں تشریف لانے کی درخواست کر چکے تھے۔ جسے حضور نے قبول فرمایا۔ اور آپ اپریل ۱۸۸۹ء میں لدھیانہ سے علی گڑھ تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضور کے ہمراہ آپ کے خدام میں سے حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری۔ میر عباس علی صاحب اور حافظ حامد علی صاحب تھے حضرت اقدس سید محمد تفضل حسین صاحب تحصیلدار کے ہاں ٹھہرے جو ان دنوں دفتر ضلع میں سپرنٹنڈنٹ تھے علی گڑھ میں ان دنوں ایک مولوی صاحب محمد اسمٰعیل نامی رہتے تھے انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں نہایت انکسار سے وعظ کے لئے درخواست کی اور کہا کہ لوگ مدت سے آپ کے مشتاق ہیں بہتر ہے کہ سب لوگ ایک مکان میں جمع ہوں اور آپ کچھ وعظ فرمائیں۔ حضرت اقدس ضعف دماغ کے باعث جس کا قادیان میں بھی کچھ مدت پہلے دورہ ہو چکا تھا اس لائق نہیں تھے کہ زیادہ گفتگو اور کوئی دماغی محنت کا کام کر سکتے۔ مگر چونکہ آپ کو ہمیشہ یہی عشق اور یہی دلی خواہش رہتی تھی کہ حق بات لوگوں پر ظاہر فرمائیں کہ اسلام کیا چیز ہے اور اب لوگ اسے کیا سمجھ رہے ہیں اس لئے حضور نے لیکچر منظور فرمالیا۔ کہ انشاء اللہ اسلام کی حقیقت بیان کی جائے گی چنانچہ اشتہار بھی شائع کر دیا گیا اور سب تیاری مکمل ہو گئی۔ لیکچر کا وقت قریب آیا تو آپ الہاماً وعظ سے روک دیئے گئے اور آپ نے لیکچر دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ سید تفضل حسین صاحب نے عرض کیا کہ حضور اب تو سب کچھ ہو چکا ہے بڑی بدنامی ہو گی۔ حضور نے فرمایا خواہ کچھ ہو ہم خدا کے حکم کے مطابق کریں گے۔ پھر اور لوگوں نے بھی حضور سے بڑے اصرار سے عرض کیا۔ مگر حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں خدا کا حکم چھوڑ دوں۔ اس کے حکم کے مقابل میں مجھے کسی ذلت کی پروا نہیں۔

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے اس معذرت کی آڑ لے کر جمعہ کے بعد حضرت اقدس کے خلاف نہایت زہریلی اور کذب و افتراء سے پر تقریر کی اور کہا میں نے ان سے کہا کہ کل جمعہ ہے وعظ فرمایئے اس کا انہوں نے وعدہ بھی کیا مگر صبح کو رقعہ آیا کہ میں بذریعہ الہام وعظ کرنے سے منع کیا گیا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ بہ سبب عجز بیانی و خوف امتحانی انکار کر دیا۔ یہ شخص محض نالائق ہے علمی لیاقت نہیں رکھتا۔ میں نے الہام کے بارے میں چند سوال کئے کسی قدر بے معنی جواب دے کر سکوت اختیار کیا۔ ہر گز یقین نہیں ہو سکتا کہ ایسی عمدہ تصانیف کے یہی حضرت مصنف ہیں۔ سید احمد صاحب عرب جن کو میں ثقہ جانتا

ہوں وہ مجھ سے بیان کرتے تھے کہ میں دو ماہ تک ان کے پاس ان کے معتقدین خاص کے زمرہ میں رہا۔ اور وقتاً فوقتاً بنظر تجسس و امتحان ہر ایک وقت خاص طور پر حاضر رہ کر جانچا تو معلوم ہوا کہ در حقیقت ان کے پاس آلات نجوم موجود ہیں وہ ان سے کام لیتے ہیں۔ مجھے فقرات الہام پر غور کرنے سے ہرگز یقین نہیں آتا کہ وہ الہام ہیں۔ مدعی ہونا کرامات کے خلاف ہے اور یہ کہنا کہ جس کو انکار ہو تو وہ آکر دیکھے یہ دعاوی باطلہ ہیں۔ میں ملاقات کرنے سے بالکل بے عقیدہ ہو گیا ہوں میری رائے میں جو موحد ان سے ملاقات کرے گا ان کا معتقد نہ رہے گا۔ نماز ان کی اخیر وقت ہوتی ہے۔ جماعت کے پابند نہیں وغیرہ وغیرہ۔ [۶۲]

یہ تقریر اس نے چھاپ کر شائع بھی کر دی۔ اور حضرت اقدس نے اپنی تصنیف "فتح اسلام" میں اس کے ایک ایک الزام کا دندان شکن جواب دیتے ہوئے اسے "آلات نجوم" کے متعلق بہتان طرازی پر دعوت مباہلہ دی۔ جس پر اس نے ایک کتاب لکھی اور اس میں آپ کے خلاف بددعا کی۔ مگر ابھی یہ کتاب ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ دار فانی سے کوچ کر گیا۔ [۶۳]

علی گڑھ میں ایک تحصیلدار نے جو سید محمد تفضل حسین صاحب کے واقف تھے۔ حضرت اقدس کی دعوت کی اور شہر کے دوسرے معززین کو بھی مدعو کیا۔ حضور تشریف لے گئے اور میاں عبداللہ صاحب سنوری، میر عباس علی صاحب اور شیخ حامد علی صاحب کو اپنے دائیں بائیں بٹھایا۔ تحصیلدار صاحب نے کھانے کے لئے چوکیوں یعنی چھوٹے چھوٹے تخت پوشوں کا انتظام کیا تھا جن پر کھانا رکھا گیا۔ اور لوگ ان کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ چوکیوں پر شیشے کے گلاسوں میں گلدستے رکھے ہوئے تھے جب کھانا شروع ہوا تو میر عباس علی صاحب نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا بلکہ خاموش بیٹھے رہے حضرت صاحب نے ان سے دریافت فرمایا آپ کیوں نہیں کھاتے؟ انہوں نے کہا یہ نیچریوں کے طریق کا کھانا ہے حضرت صاحب نے کہا نہیں اس میں کوئی حرج نہیں یہ خلاف شرع نہیں ہے میر صاحب نے کہا حضور آپ کھائیں میں نہیں کھاتا۔ غرض میر عباس علی صاحب نے کھانا نہیں کھایا حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوریؓ یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ جب میر عباس علی صاحب مرتد ہوئے تو یہ مجھے بات یاد آگئی کہ وہ دراصل اسی وقت سے کٹ چکے تھے۔ [۶۴]

حضرت اقدس علی گڑھ میں قریباً ایک ہفتہ قیام فرما رہے اور پھر لدھیانہ واپس آگئے اور دوسرے ہفتے کے شروع ہی میں قادیان تشریف لے آئے۔ [۶۵]

ایک عیسائی کے تین سوالوں کے جوابات

مئی یا جون ۱۸۸۹ء میں ایک عیسائی عبداللہ جیمز نے انجمن حمایت اسلام لاہور ۶۶ کے پاس تین سوالات بغرض جواب بھیجے۔ انجمن نے ان کے جواب کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مولانا نور الدینؓ دونوں سے درخواست کی۔ ہرچند کہ حضرت اقدس کو فرصت نہ تھی اور طبیعت بھی اچھی نہیں تھی محض عشق رسول کے جوش سے ان سوالوں کا جواب تحریر فرمایا۔

انجمن نے ان جوابات کو "ایک عیسائی کے تین سولواں کے جواب" کے عنوان سے شائع کر دیا۔ ۶۷ حضرت اقدس کا یہ معرکتہ الاراء اور لطیف جواب حضرت شیخ یعقوب علی صاحب نے مکتوبات احمدیہ جلد سوم (صفحہ ۳۴-۷۹) میں درج کر دیا ہے۔ جو تثلیث پرستی کے خلاف ایک کامیاب ہتھیار کی حیثیت رکھتا ہے اس میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔ "قرآن شریف صحیفہ فطرت کے تمام علوم اور اس کی صداقتوں کو یاد دلاتا ہے اور اس کے اسرار غامضہ کو کھولتا ہے اور کوئی نئے امور برخلاف اس کے پیش نہیں کرتا بلکہ درحقیقت اسی کے معارف دقیقہ ظاہر کرتا ہے۔ برخلاف اس کے عیسائیوں کی تعلیم جس کا انجیل پر حوالہ دیا جاتا ہے ایک نیا خدا پیش کر رہی ہے جس کی خودکشی پر دنیا کی گناہ اور عذاب سے نجات موقوف اور اس کے دکھ اٹھانے پر خلقت کا آرام موقوف اور اس کے بے عزت اور ذلیل ہونے پر خلقت کی عزت موقوف خیال کی گئی ہے پھر بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک ایسا عجیب خدا ہے کہ ایک حصہ اس کی عمر کا تو منزہ عن الجسم و عن عیوب الجسم میں گزرا ہے اور دوسرا حصہ عمر کا (کسی نہ معلوم بدبختی کی وجہ سے) ہمیشہ کے تجسم اور تحیز کی قید میں اسیر ہو گیا اور گوشت پوست استخوان وغیرہ سب کے سب اس کی روح کے لئے لازمی ہو گئے اور اس تجسم کی وجہ کہ اب ہمیشہ اس کے ساتھ رہیگا۔ انواع و اقسام کے اس کو دکھ اٹھانے پڑے۔ آخر دکھوں کے غلبہ سے مر گیا۔ اور پھر زندہ ہوا اور اسی جسم نے پھر آکر اس کو پکڑ لیا اور ابدی طور پر اس کو اب پکڑے رہے گا۔ کبھی مخلصی نہیں ہو گی۔ اب دیکھو کہ کیا کوئی فطرت صحیحہ اس اعتقاد کو قبول کر سکتی ہے؟ کیا کوئی پاک کانشنس اس کی شہادت دے سکتا ہے"۔ ۶۸

۱۸۸۹ء کے بعض دیگر صحابہ

لدھیانہ میں بیعت اولیٰ کے موقعہ پر جن خوش نصیب بزرگوں نے بیعت کی رجسٹر بیعت سے ان کی فہرست اوپر درج ہو چکی ہے۔ جیسا کہ رجسٹر بیعت اولیٰ سے ثابت ہے ۱۸۸۹ء کے دوران بعد میں بھی

متعدد اصحاب شامل جماعت ہوئے جن میں حسب ذیل بلند پایہ بزرگ بھی تھے۔

حضرت مولوی محمد تفضل حسین صاحب علی گڑھ۔ [۶۹] حضرت منشی صادق حسین صاحب مختار اٹاوی [۷۰] حضرت مولانا سید محمد احسن [۷۱] صاحبؓ امروہی مہتمم مصارف ریاست بھوپال۔ بابو محکم دین صاحبؓ پٹی۔ [۷۲] حضرت منشی محمد جلال الدین صاحب بلانوی۔ [۷۳] حضرت مولوی شیر محمد صاحب موضع ہجن [۷۴] ضلع شاہ پور۔ حضرت حافظ نور محمد صاحبؓ فیض اللہ چک۔ [۷۵] حضرت حافظ معین الدین صاحبؓ۔ [۷۶] حضرت میاں جمال الدین صاحب سیکھوانی [۷۷] حضرت میاں امام الدین صاحبؓ سیکھوانی۔ [۷۸] حضرت میاں خیرالدین صاحب سیکھوانی۔ [۷۹]

حواشی

۱- "حیات احمد" جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۱۲-۱۳

۲- اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء صفحہ ۲ ("تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۱۴۵)

۳- "سیرت المہدی" جلد دوم صفحہ ۵۰ و ضمیمہ "اصحاب احمد" جلد اول۔

۴- اشتہار "تکمیل تبلیغ" ۱۲- جنوری ۱۸۸۹ء "و تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۱۴۶-۱۵۰

۵- "حیات احمد" جلد سوم حصہ اول صفحہ ۱

۶، ۷- "تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۱۵۰-۱۵۵

۸- "سیرت المہدی" حصہ اول صفحہ ۷۶-۷۷ روایت نمبر ۹۲ (طبع ثانی ۱۹۳۵ء)

۹- سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۷۷ طبع دوم 'یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ رجسٹر بیعت کے لحاظ سے بیعت کے پہلے دن کی تاریخ ۲۱- مارچ قرار پاتی ہے جو کسی طرح صحیح نہیں قرار دی جاسکتی کیونکہ جیسا کہ راقم الحروف نے رسالہ الفرقان ربوہ مئی ۱۹۷۱ء کے مفصل مقالہ میں ثابت کیا ہے۔ رجسٹر بیعت میں ناموں کا اندراج بیعت کے انعقاد سے قبل ہی شروع کیا جا چکا تھا اور اس کے ابتدائی اوراق صرف یہ بتاتے ہیں کہ بیعت پر آمادگی کی اطلاع دینے والے بزرگ یا قبل از وقت لدھیانہ پہنچنے والے بزرگ کون کون سے تھے؟ اس سے یہ ہرگز نتیجہ نہیں نکلتا کہ بیعت اولیٰ کا آغاز ۲۱- مارچ کو ہوا۔ اسی طرح ۲۲- مارچ کو بھی بیعت کا آغاز قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انہیں دنوں حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت مولانا نور الدینؓ کو ہدایت فرمائی تھی کہ "بجائے بیس کے بائیس مارچ کو آپ تشریف لاویں۔ یعنی یوم یکشنبہ میں" (الحکم ۳۱- مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۴ کالم نمبر ۲۔ البدر ۱۲- جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۶۲ کالم نمبر ۳) لہذا حضرت مولانا نور الدینؓ کو جب ۲۲- مارچ کو لدھیانہ پہنچنے کا ارشاد ثابت ہوا تو اس روز کی بجائے اس سے اگلے دن ۲۳- مارچ ہی یوم بیعت قرار پاتا ہے اور یہی وہ تاریخ ہے جو حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوریؓ نے بیان کی ہے اور یہی ۱۹۱۶ء سے دار البیعت لدھیانہ کے کتبے پر ثبت ہے۔ (ریویو آف ریلیجنز اردو جون جولائی ۱۹۴۳ء) علاوہ ازیں اسی بناء پر حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۳- مارچ ۱۹۴۴ء کو لدھیانہ کا جلسہ مصلح موعودؓ مقرر فرمایا (الفضل ۱۸- فروری ۱۹۵۹ء) حضرت مرزا بشیر احمد صاحب فرماتے ہیں "میں نے گزشتہ جنتری کو دیکھا تو وہاں سے مطابق زبانی روایت ۲۰- رجب کو ۲۳- مارچ ثابت ہوتی ہے" (سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۴)

۱۰- الحکم ۱۴- فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۵۱-۱۵۲

۱۱- یہ کوٹھری دراصل حضرت صوفی احمد جانؓ کا جاری کردہ لنگر خانہ تھا۔ جسے دار البیعت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت صوفی صاحبؓ کے صاحبزادوں نے کچھ عرصہ بعد رہائشی مکان فروخت کر دیا۔ اور دار البیعت صدر انجمن کے نام ہبہ کر دیا۔ صدر انجمن نے اس کا انتظام مقامی جماعت کے سپرد کر دیا۔ ۱۹۱۶ء میں اس کی پہلی شکل میں کچھ تبدیلی کر کے جانب شمال ایک لمبا اور پختہ اور ہوادار کمرہ تیار کروایا گیا۔ جس کی شمالی دیوار کی بیرونی سطح پر دار البیعت کا نام اور تاریخ بیعت کا کتبہ ثبت کیا گیا اور صحن میں پختہ اینٹوں کا کوئی بالشت بھر اونچا چبوترہ اور ایک محراب بنوا کر نماز کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ دسمبر ۱۹۳۹ء میں نماز گاہ پر ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد کی تعمیر ہوئی۔ بجلی کے قمقمے آویزاں کئے گئے۔ صحن میں نلکا نصب ہوا اور غسل خانہ' جائے ضرور تیار کی گئی۔ ایک لمبے کمرے کو دو میں تبدیل کر کے مشرقی کمرہ میں احمدیہ لائبریری قائم کی گئی۔ اس کمرے کی مشرقی دیوار کے جنوبی کونے کے پہلو میں وہ مقدس جگہ ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیٹھ کر پہلی بیعت لی تھی۔ اور جماعت کا قیام عمل میں آیا تھا۔ (ریویو آف ریلیجنز اردو جون جولائی ۱۹۴۳ء صفحہ ۲۶-۳۹) ۱۹۴۷ء کے ملکی فسادات میں یہ تاریخی یادگار ہندوستان میں رہ گئی

۱۲- بدر ۱۰- اکتوبر ۱۹۱۲ء ("کلام امیر" صفحہ ۲۵)

۱۳- "سیرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۷۷-۷۸ (طبع ثانی ۱۹۳۵ء) و مکتوبات مسیح موعودؑ بنام مولوی عبداللہ صاحب سنوریؓ دسمبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۴۶

۱۴۔ "مجدد اعظم" حصہ اول (صفحہ ۲۱۸-۲۱۹) میں حضرت خلیفہ اولؓ کی بیعت کے متعلق دو سماعی روایات درج ہیں جن میں سے پہلی حضرت خلیفہ اولؓ کے مطبوعہ ملفوظات میں نہیں مل سکی۔ اسلئے کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ کہاں تک درست ہے البتہ دوسری روایت "مرقاۃ الیقین" (طبع اول) صفحہ ۱۴۸ پر درج ہے مگر وہ بیعت اولیٰ کے موقعہ کی نہیں قادیان میں آپ کی پہلی بار آمد سے متعلق ہے جیسا کہ حضرت خلیفہ اولؓ کے ان الفاظ سے عیاں ہے کہ "جب میں قادیان سے یہ حکم لے کر اپنے وطن پہنچا" یہی نہیں بلکہ حضرت خلیفہ اولؓ نے الحکم ۲۲۔ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۲-۳ میں صاف طور پر یہ "حکم" حضرت کی پہلی ملاقات سے وابستہ قرار دیا ہے پس اسے بیعت اولیٰ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں۔

۱۵۔ بروایت حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوریؓ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۷۷ طبع ثانی

۱۶۔ "حیات احمد" جلد سوم صفحہ ۷ و الحکم ۲۱۔ مئی ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۶

۱۷۔ "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۹

۱۸۔ الحکم ۲۸ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ (وفات ۷۔ ۲۔ نومبر ۱۹۳۹ء)

۱۹۔ حضرت ام المومنینؓ، حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی تحقیق کے مطابق چالیس افراد ہی نے بیعت کی تھی (ملاحظہ ہو "سیرت المہدی؟" حصہ اول صفحہ ۱۸ "ذکر حبیب" صفحہ ۹ "سلسلہ احمدیہ" صفحہ ۲۹) (دوسرے ایام کے متعلق) حضرت منشی ظفر احمد صاحب بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن میں بیس پچیس افراد کے قریب بیعت کرتے تھے (ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۳)

۲۰۔ "ریویو آف ریلیجنز" اردو (جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۳)

۲۱۔ حضرت شیخ صاحبؓ ان دنوں تراب کہلاتے تھے مگر بعد کو عرفانی سے موسوم ہوئے۔

۲۲۔ "سیرت المہدی" جلد دوم صفحہ ۵ و "حیات احمد" جلد سوم حصہ اول صفحہ ۴۱۔

۲۳۔ ذکر حبیب صفحہ ۹

۲۴۔ "حیات احمد" جلد سوم صفحہ ۲۳۔

۲۵۔ "ذکر حبیب" صفحہ ۹

۲۶۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۲۳ (مؤلفہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

۲۷۔ الحکم ۱۴۔ فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۷

۲۸۔ حضرت صوفی احمد جانؓ کی دختر تھیں حضرت مولانا نور الدینؓ کی زوجیت کے لئے خود حضرت مسیح موعودؑ نے ان کا انتخاب فرمایا تھا غالباً ۱۸۸۸ء میں وہ حضرت مولانا کے نکاح میں آئیں حضرت اقدس بنفس نفیس برات میں شامل ہوئے تھے۔ ۷۔ اگست ۱۹۵۵ء کو ۸۳ برس کی عمر میں انتقال فرمایا آخری آرامگاہ بہشتی مقبرہ ربوہ میں ہے۔ (الفضل ۹۔ اگست ۱۹۵۵ء)

۲۹۔ "سیرت المہدی" حصہ اول طبع اول صفحہ ۱۸-۱۹

۳۰۔ الحکم ۲۸۔ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۴

۳۱۔ "لائف آف احمد" صفحہ ۱۵۳

۳۲۔ الحکم ۱۴۔ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۵

۳۳۔ "ذکر حبیب" صفحہ ۴۳۶ تا ۴۳۹

۳۴۔ "سیرت المہدی" جلد سوم صفحہ ۱۴ (بروایت حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ صاحب)

۳۵۔ "حیات احمد" جلد سوم حصہ اول صفحہ ۲۳۔ اس رجسٹر کی تیاری کے متعلق حضرت اقدسؑ نے پہلی مرتبہ ۴۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو بذریعہ اشتہار اعلان فرمایا اور ہدایت دی کہ "خود مبائعین اپنے ہاتھ سے خوشخط قلم سے لکھ کر اپنا نام پتہ و نشان بتفصیل مندرجہ بالا بھیج دیں۔۔۔۔۔ یا اپنے حاضر ہونے کے وقت یہ تمام امور درج کرا دیں"۔ ("تبلیغ رسالت" جلد اول صفحہ ۱۵۲)

۳۶۔ پڑھا نہیں گیا (مرتب)

۳۷۔ لفظ پڑھا نہیں گیا۔

۳۸- حضرت مولانا عبدالکریمؓ سیالکوٹی مراد ہیں۔ اس نام کا اندراج حضرت مولوی نورالدینؓ کے قلم کا معلوم ہوتا ہے۔
۳۹- سابق مبلغ انگلستان حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب کے والد آپ کی وفات پر (جو ۵- مئی ۱۹۰۴ء کو ہوئی) حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ "بہت عمدہ آدمی تھے۔ قریباً بیس سال سے محبت رکھتے تھے"۔ (بدر ۱۶-۸ مئی ۱۹۰۴ء۔ الحکم ۱۴-۷ اپریل ۱۹۴۳ء)
۴۰- وفات ۲۶- جنوری ۱۹۴۷ء
۴۱- مصنف "عسل مصفیٰ" (مرتب)
۴۲- پڑھا نہیں گیا (مرتب)
۴۳- وفات ۲۶- اپریل ۱۹۳۲ء (مرتب)
۴۴- پڑھا نہیں گیا۔
۴۵- آپ پہلے احمدی تھے جنہیں حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ۲۹- اپریل ۱۸۸۹ء کو دوسروں سے بیعت لینے کی تحریری اجازت دی تھی (مکتوبات احمدیہؑ جلد پنجم صفحہ ۱۲۲)
۴۶- پڑھا نہیں گیا (مرتب)
۴۷- اس نام پر لکیر ڈال دی گئی ہے۔
۴۸- نقل مطابق اصل
۴۹- غالباً چھرہ
۵۰- نقل مطابق اصل
۵۱- نقل مطابق اصل
۵۲- نقل بمطابق اصل
۵۳- نقل مطابق اصل
۵۴- خدا کی قادرانہ تجلیات کا یہ بھی عجیب نظارہ ہے کہ قرارداد پاکستان ۲۳- مارچ ۱۹۴۰ء ہی کو پاس کی گئی تھی۔ (فتبارک اللہ احسن الخالقین)
۵۵- جماعت احمدیہ میں اس پہلو کی طرف غالب رجحان ۱۹۶۳ء کے آخر میں پیدا ہوا جبکہ سیدی قمرالانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ؓ نے مجلس مشاورت میں ارشاد فرمایا۔ مزید تحقیق کے نتیجہ میں یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ دراصل بیعت اولیٰ ۲۳- مارچ کو نہیں بلکہ ۲۲- مارچ کو ہوئی اور چاند کے حساب سے وہ ۲۰- رجب کا دن تھا۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۴۲ہش / ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۱۸)
۵۶- نقل مطابق اصل (ناقل)
۵۷- بیعت ۱۸۹۱ء۔ وفات ۲۸- جولائی ۱۹۴۰ء۔
۵۸- اخبار ریاض ہند نے اپنی ۱۲ ا۔ جنوری ۱۸۸۹ء کی اشاعت میں صفحہ ا پر لکھا۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب کے گھر ۱۲۔ جنوری کو لڑکا پیدا ہوا۔ خدا کرے یہی عمر پانے والا موعود ہے۔
۵۹- "ریویو آف ریلیجنز" جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۳-۱۴
۶۰- "حیات احمد" جلد سوم صفحہ ۳۶-۳۷ حاشیہ۔
۶۱- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کے متعلق "ازالہ اوہام" صفحہ ۸۱۹-۸۲۰ (طبع اول) میں لکھا ہے۔ "مولوی صاحب موصوف ایک بزرگ عارف باللہ کے خلف رشید ہیں اور پدری نور اپنے اندر مخفی رکھتے ہیں۔...... یہ عاجز جب علی گڑھ میں گیا تھا تو دراصل مولوی صاحب ہی میرے جانے کا باعث ہوئے تھے اور اس قدر انہوں نے خدمت کی کہ میں اس کا شکریہ نہیں ادا کر سکتا"۔
۶۲- "فتح اسلام"
۶۳- "حیات احمد" جلد سوم حصہ اول صفحہ ۲۹-۳۵

۶۴- "سیرت المہدی" حصہ اول (طبع دوم) صفحہ ۷۸-۷۹
۶۵- "حیات احمد" جلد سوم حصہ اول صفحہ ۳۶
۶۶- مغربی پاکستان کا مشہور تعلیمی و تربیتی اسلامی ادارہ جس کی بنیاد ۲۴- ستمبر ۱۸۸۴ء کو قاضی خلیفہ حمید الدین صاحب کی قیادت میں بعض مخلص مسلمانوں نے رکھی تھی
۶۷- "حیات احمد" جلد سوم حصہ اول صفحہ ۴۱-۴۲ ان جوابات کا انگریزی ترجمہ وکالت تبشیر کی طرف سے جون ۱۹۷۲ء میں چھپ چکا ہے۔ انجمن حمایت اسلام کی درخواست پر حضرت مولانا نور الدین خلیفۃ المسیح اول نے بھی ان سوالوں کے جواب سپرد قلم فرمائے جو وہ بھی انجمن نے شائع کر دیئے۔ مکمل متن کے لئے ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز اردو اگست ۱۹۲۲ء
۶۸- "مکتوبات احمدیہ" جلد سوم صفحہ ۷۰
۶۹- تاریخ بیعت ۷- اپریل ۱۸۸۹ء- ۳۱۳ اصحاب کبار میں آپ کا نام ۱۳۷ نمبر پر ہے
۷۰- تاریخ بیعت ۱۱- اپریل ۱۸۸۹ء اصحاب کبار کی فہرست میں ۱۳۸ نمبر پر آپ کا نام ہے
۷۱- تاریخ بیعت ۲۳- اپریل ۱۸۸۹ء آپ کے متعلق حضرت اقدس کو الہام ہوا تھا۔

از پئے آں محمد احسن را
تارک روزگار مے بینم

(حقیقۃ الوحی طبع) اول صفحہ ۳۳۳)

عمر کے آخری دور میں جب ان کے قویٰ مضمحل ہو چکے تھے وہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے وابستہ ہونے پر مجبور کر دیئے گئے تھے بایں ہمہ انہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ سے الفت و محبت تھی اور وہ حضرت کی خدمت میں اکثر خطوط لکھتے اور وفات کے قریب حضور کو بار بار یاد کرتے تھے بلکہ انہوں نے حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ سے درخواست بھی کی کہ کوئی آدمی بھیجا جائے حضور نے قادیان میں ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا۔ "ایسی حالت میں جب کہ وہ دوسروں کے سہارے زندگی گزارتے تھے انہوں نے جو کمزوری دکھائی وہ قابل معافی .... ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے پرانے صحابی تھے گو بعد میں ان کو ہمارے ساتھ اختلاف ہو گیا مگر جو عقیدت اور اخلاص ان کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے تھا وہ اپنے رنگ میں خاص تھا" (الفضل ۳- اگست ۱۹۲۶ء) ۱۵- جولائی ۱۹۲۶ء کو انتقال ہوا (پیغام صلح ۲۱- جولائی ۱۹۲۶ء صفحہ ۳) امروہہ میں مدفون ہیں

۷۲- تاریخ بیعت ۲۹- اپریل ۱۸۸۹ء
۷۳- بیعت مئی ۱۸۸۹ء- ۳۱۳ صحابہ کبار میں پہلا نام آپ ہی کا ہے ۱۹۰۲ء میں وصال ہوا۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے آپ کے متعلق فرمایا "ہمارے یکتا اور بے نظیر دوست تھے"۔ (الحکم ۷- اپریل ۱۹۳۹ء)
۷۴- تاریخ بیعت ۷- ستمبر ۱۸۸۹ء- اصحاب کبار میں آپ کا نام ۲۱۹ نمبر پر درج ہے۔
۷۵- تاریخ بیعت ۲۱- ستمبر ۱۸۸۹ء-
۷۶- تاریخ بیعت ۱۸- نومبر ۱۸۸۹ء-
۷۷- (تاریخ بیعت ۲۲- نومبر ۱۸۸۹ء)
۷۸- ایضاً
۷۹- ایضاً

ماموریت کا نواں اور دسواں سال

"فتح اسلام" اور "توضیح مرام" کی تصنیف و اشاعت اور دعویٰ مسیحیت

۱۸۹۰-۱۸۹۱

شدید علالت ۱۸۹۰ء میں حضرت اقدس علیہ السلام کئی ماہ تک شدید بیمار رہے حتیٰ کہ بظاہر زندگی کی امید منقطع ہو گئی۔ بیماری کا یہ حملہ مارچ ۱۸۹۰ء کے آخری ہفتہ میں ہوا۔ مئی میں آپ ڈاکٹری علاج کے لئے لاہور تشریف لائے اور اپنے فرزند اکبر مرزا سلطان احمد صاحب نائب تحصیلدار کے مکان پر ٹھہرے اور مشہور ناولسٹ مسٹر احمد حسین کے والد ڈاکٹر محمد حسین صاحب کے زیر علاج رہے۔

آپ کی طبیعت ایک مرض دوری کے باعث اکثر بیمار رہتی تھی اور ضعف تشویشناک حد تک بڑھ گیا تھا شروع جولائی میں آپ تبدیلی آب و ہوا کے لئے عازم لدھیانہ ہوئے اور محلہ اقبال گنج میں برمکان شہزادہ حیدر فروکش ہوئے۔ یہ ساری تفصیلات حضور انور کے ان خطوط سے ملتی ہیں جو انہی دنوں آپ نے اپنے مخلص مرید حضرت چوہدری رستم علی صاحب مدار ضلع جالندھر کے نام تحریر فرمائے اور جو "مکتوبات احمدیہ" جلد پنجم نمبر ۳ صفحہ ۱۰۶ تا ۱۰۹ میں شائع شدہ ہیں۔

۱۸۹۰ء کے آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عظیم الشان انکشاف ہوا کہ حضرت مسیح ناصریؑ جن کو مسلمانوں نے آسمان پر زندہ سمجھ رکھا ہے اور جن کے متعلق وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آخری زمانہ میں وہ اپنے خاکی جسم کے ساتھ دوبارہ دنیا میں واپس تشریف لائیں گے' وفات پا چکے ہیں اور ان کے مثیل کی شکل میں آپ کو دنیا کی ہدایت اور اسلام کی اشاعت کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہے۔ اس انکشاف پر آپ نے "فتح اسلام" اور پھر "توضیح مرام" کے نام سے دو کتابیں شائع فرمائیں جن میں اپنے دعویٰ مسیحیت کا اعلان فرمایا۔ اور لکھا کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ

السلام کی زندگی اور ان کی بجسد عنصری واپسی کا عقیدہ جو عام مسلمانوں میں پھیل گیا ہے اسلامی کتب میں اس کا نام و نشان بھی نہیں۔ یہ محض غلط فہمی کا نتیجہ ہے جس کے ساتھ کئی بے جا حاشیے لگا دیئے ہیں اور بے اصل موضوعات سے اس کو رونق دی گئی ہے حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آنے والا مسیح اسی امت میں سے ہو گا۔ بلکہ آنحضرت ﷺ نے تو مسیح اول اور مسیح ثانی میں مابہ الامتیاز قائم کرنے کے لئے دونوں مسیحوں کا جدا جدا حلیہ بیان فرمایا ہے۔ جو اس امر کا قطعی اور یقینی ثبوت ہے کہ مسیح اول اور ہے اور مسیح ثانی اور نیز مسیح ثانی کو ابن مریم کے نام سے پکارنا ایک لطیف استعارہ ہے ورنہ وہ درحقیقت امت محمدیہ میں سے ایک امام ہو گا۔ [۱]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے "فتح اسلام" کی کتابت کے سلسلہ میں شیخ نور احمد صاحب مالک ریاض ہند پریس ہال بازار امرت سر کو تحریر فرمایا کہ ایک کاتب ہمارے پاس بھیج دیں ایک چھوٹا سا رسالہ لکھوانا ہے ان دنوں شیخ محمد حسین صاحب مراد آبادی مرحوم ان کے ہاں کام کرتے تھے۔ شیخ نور احمد صاحب [۲] نے انہی کو بھیج دیا اور حضرت اقدس نے ان سے "فتح اسلام" کا رسالہ لکھوایا۔ شیخ محمد حسین صاحبؓ مرحوم کتاب کی کاپیاں لے کر امرت سر واپس آئے اور شیخ نور احمد صاحبؓ سے کہا کہ حضرت اقدس نے اس کو چھاپنے کے لئے آپ کے پاس بھیجا ہے ان کا خیال تھا کہ نہ معلوم یہ رسالہ چھاپیں یا نہ چھاپیں۔ کیونکہ سلطنت بھی عیسائی ہے اور پادری حضرت مسیح کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنے والے موجود ہیں ایسا نہ ہو کہ حکومت کی طرف سے کوئی باز پرس یا عتاب ہو یا یہ رسالہ ہی ضبط ہو جائے۔ اور پریس والے اور کاتب بھی گرفتار ہوں۔ یا کسی اور مصیبت کا سامنا ہو۔ شیخ نور احمد صاحبؓ نے اسے دیکھ کر کہا کہ میں اس کو ضرور چھاپوں گا۔ چنانچہ انہوں نے یہ دو رسالے بڑی عقیدت مندی کے ساتھ اپنے مطبع میں چھاپے اور قادیان پہنچا دیئے۔ [۳]

مخالفت کا طوفان

رسالہ "فتح اسلام" ابھی امرتسر میں چھپ ہی رہا تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اتفاقاً امرتسر پہنچے اور انہوں نے اس رسالہ کے پروف مطبع ریاض ہند سے منگوا کر دیکھے۔ [۴] اور دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گئے۔ انہیں غصہ اس بات پر تھا کہ مجھ سے اپنے دعویٰ سے متعلق آپ نے مشورہ کیوں نہیں کیا۔ چنانچہ انہی دنوں جب ایک شخص نے انہیں بتایا کہ حضور ایک ایسی کتاب لکھ رہے ہیں جس میں وفات مسیح کا ذکر ہے تو وہ کہنے لگے کہ انہوں نے ہم سے تو کوئی ذکر نہیں کیا۔ [۵] بہرحال "فتح اسلام" میں آپ کا دعویٰ مسیحیت پڑھتے ہی ان کی عقیدت کا گذشتہ رنگ اڑ گیا۔ اور انہوں نے لکھا کہ اس

رسالہ کے دیکھنے اور سننے سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپ نے اس میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ مسیح موعود (جن کے قیامت سے پہلے آنے کا خدا تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں اشارۃً اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کلام مبارک میں جو صحاح احادیث میں موجود ہے صراحتہ وعدہ دیا ہے وہ) آپ ہی ہیں۔ اگر آپ کا یہی دعویٰ ہے تو آپ صرف "ہاں" تحریر فرمادیں زیادہ توضیح کی تکلیف نہ اٹھادیں اور اگر اس دعویٰ سے کچھ اور مراد ہے تو اس کی توضیح کریں۔ [۶] حضرت اقدس نے ۵۔ فروری ۱۸۹۱ء کو لکھا کہ آپ کے استفسار کے جواب میں میں صرف "ہاں" کافی سمجھتا ہوں۔ [۷] اس جواب پر مولوی صاحب آپے سے باہر ہو گئے اور آپ سے طویل سلسلہ مراسلت شروع کر دیا (جس کی نقل انہوں نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۲ نمبر ۱۲ میں شائع کر دی) بٹالوی صاحب نے لکھا کہ آپ اگر اس دعویٰ میں حضرت خضر کی طرح معذور ہیں تو میں اس کے انکار میں حضرت موسیٰ کی طرح مجبور ہوں۔ حضرت اقدسؑ نے "فتح اسلام" اور "توضیح مرام" کا ایک ایک نسخہ انہیں بھجواتے ہوئے لکھا کہ "مجھے اس سے کچھ غم اور رنج نہیں کہ آپ جیسے دوست مخالفت پر آمادہ ہوں...... کل میں نے اپنے بازو پر یہ لفظ اپنے تئیں لکھتے ہوئے دیکھا کہ میں اکیلا ہوں۔ اور خدا میرے ساتھ ہے۔ اور اس کے ساتھ مجھے الہام ہوا ان معی ربی سیھدین۔ سو میں جانتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ اپنی طرف سے کوئی حجت ظاہر کر دے گا۔ میں آپ کے لئے دعا کروں گا مگر ضرور ہے کہ جو آپ کے لئے مقدر ہے وہ سب آپ کے ہاتھ سے پورا ہو جائے"۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو فتح اسلام اور توضیح مرام کے نسخے پہنچے تو انہوں نے اپنے دلی بغض و عناد کا برملا اظہار کرتے ہوئے اپنے اس فیصلے کا اعلان کر دیا کہ "(اشاعۃ السنہ) کا فرض اور اس کے ذمہ یہ ایک قرض تھا کہ اس نے جیسا اس کو (یعنی سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کو ناقل) دعاوی قدیمہ کی نظر سے آسمان پر چڑھایا تھا ویسا ہی ان دعاوی جدیدہ کی نظر سے اس کو زمین پر گرادے"۔ [۸] نیز مسلمانان ہند کو اشتعال دلانے کے لئے لکھا کہ فتنہ قادیانی ابھی فتنہ ہے کوئی دن میں قیامت ہو گا۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے مذہب و امن میں زبردست انقلاب واقع ہونے کا اندیشہ ہے اسی لئے اشاعۃ السنہ کا رسالہ اس کی سرکوبی کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ [۹]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا یہ اعلان منظر عام پر آنا تھا کہ ملک بھر میں مخالفت کا طوفان بے تمیزی اٹھ کھڑا ہوا۔ شیخ نور احمد صاحب" کا (جن کے مطبع ریاض ہند امرتسر میں ابتدائی کتابچے شائع ہوئے) بیان ہے کہ لوگ میرے مطبع میں آتے اور کہتے کہ تم کو کیا ہو گیا تم نے یہ کتاب کیوں چھاپی؟ عیسیٰ علیہ السلام تو آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آخری زمانہ میں دمشق کے مشرقی سفید منارہ پر اتریں

گے اور یہ ہندوستان ہے۔ [۱۰] مرزا صاحب کیسے مسیح موعود ہو سکتے ہیں تم نے مسلمانوں کے خلاف مرزا صاحب کو کیوں مسیح موعود مان لیا۔ علماء اور ان کے زیر اثر سب لوگ مجھ پر ناراض ہوئے۔ اور کہا کہ یہ محض ایک گاؤں کا رہنے والا اور بے علم ہے۔ کسی مدرسہ کا تعلیم یافتہ نہیں اور نہ کسی عربی تعلیم گاہ کا دستار بند ہے۔ امرتسر والوں نے انہیں بہت پریشان کیا لیکن انہوں نے ان کی کچھ پروانہ کی۔ سارا دن یہ لوگ ان کا مطبع اور مکان گھیرے رکھتے اور بھانت بھانت کی بولیاں بولتے تھے۔ [۱۱]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف فتویٰ تکفیر

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حق کی آواز دبانے کا فیصلہ کر کے ہر لحہ حضرت مسیح موعودؑ کی مخالفت میں وقف کر دیا اور اپنی مہم کو کامیاب بنانے کے لئے اسی پرانے حربے کو آزمانے کی ٹھانی جو ہر مامور اور امام ربانی کے وقت استعمال ہوتا آرہا ہے یعنی انہوں نے اول المکفرین بن کر ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک طوفانی دورہ کیا اور "فتح اسلام" اور "توضیح مرام" کی بعض عبارتوں میں قطع و برید کا سہارا لے کر ایک استفتاء تیار کیا۔ علماء سے آپ کے کفر و ارتداد کے فتوے حاصل کئے اور پھر اسے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ نمبر ۱۲ میں شائع کر دیا۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنی ان معاندانہ سرگرمیوں کے متعلق انہی دنوں خود لکھا تھا کہ "جون ۱۸۹۱ء سے مارچ ۱۸۹۲ء تک جو اشاعۃ السنہ کا کوئی پرچہ نہیں نکلا تو کیا اس سے وہ غیر حاضر اور اپنے منصبی فرض اور قوم کی خدمت ادا کرنے میں قاصر متصور ہو سکتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اس عرصہ میں جو خدمت قلمے۔ قدمے اور درمے اس نے کی ہے وہ اپنے زمانہ خدمت چودہ سال میں کبھی نہیں کی۔ جون ۱۸۹۱ء میں وہ نمبر ۱' ۲' ۳ جلد ۱۳ میں کیفیت گریز و فرار کادیانی اور اس کے فرضی حواری حکیم نور الدین جمونی کی رپورٹ کر کے پھر جولائی ۱۸۹۱ء سے اس اسلام و مسلمانوں کے دوست نما دشمن عقائد قدیمہ اسلامی کے رہزن و بیخ کن (کادیانی) کے تعاقب میں رہا اور بمشکل و لطائف الحیل جولائی ۱۸۹۱ء بمقام لدھیانہ اس کو جا پکڑا اور بارہ دن تک خوب رگیدا اور جھاڑا اور ۳۱۔ جولائی ۱۸۹۱ء کو ذلت کی شکست دے کر بھگا دیا۔ پھر ہندوستان پہنچ کر اس کے عقائد و مقالات کی نسبت ایک استفسار مرتب کیا اور ایک لمبا سفر اختیار کر کے مختلف بلاد ہندوستان کے علماء و فضلاء کا فتویٰ اس کے حق میں حاصل کیا اور خاص و عوام ہندوستان و پنجاب کو اس فتویٰ اور اپنے زبانی بیانات اور مواعظ کے ذریعہ سے اس کے عقائد باطلہ پر آگاہ کر کے اس سے بچنے کے لئے ہوشیار کر دیا۔ پھر جب ماہ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں قادیانی نے دہلی پہنچ کر سر اٹھایا۔ اور وہاں کے اکابر کے مقابلہ میں جو اس کو مخاطب کرنے کے لائق نہ

سمجھتے تھے ھل من مبارز کا نعرہ بلند کیا تو یہ خادم دہلی پہنچا اور وہاں اس کو پچھاڑا پھر جب وہ لاہور و سیالکوٹ پہنچا تو وہاں اس کا پیچھا کیا اور مباحثہ سے صاف صریح انکار کرا کے بھگا دیا"۔ [۱۲]

ان الفاظ سے جہاں بٹالوی صاحب کی ان سرگرمیوں پر روشنی پڑتی ہے جو ابتداء میں انہوں نے شمع صداقت بجھانے کے لئے اختیار کیں وہاں فتویٰ کفر سے متعلق ان کے وسیع پیمانے پر ملکی دورہ کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ فتویٰ کم و بیش ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل تھا۔ اور اس میں دلی' آگرہ' حیدر آباد دکن' بنگال' کانپور' علی گڑھ' بنارس' اعظم گڑھ' آرہ' غازی پور' ترہٹ' بھوپال' لدھیانہ' امرتسر' سوجانپور' لاہور' بٹالہ' پٹیالہ' لکھو کے ضلع فیروز پور' پشاور' سوات' راولپنڈی' ہزارہ' جہلم' گجرات' سیالکوٹ' وزیر آباد' سوہدرہ' کپور تھلہ' گنگوہ' دیوبند' سہارنپور' لکھنؤ' مراد آباد' پٹنہ' کان پور غرضکہ (متحدہ) ہندوستان کے تمام اہم مقامات کے علماء کے فتاویٰ درج تھے۔ [۱۳]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اس فتوے کی اشاعت میں ناروا ہتھکنڈے استعمال کر کے بعض خدا ترس علماء کا نام بھی از خود لکھ دیا۔ حالانکہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف قطعاً فتویٰ نہیں دیا تھا۔ مثلاً حافظ عظیم بخش صاحب [۱۴] پٹیالہ جن کا نام مولوی محمد حسین صاحب نے خود ہی شامل فتویٰ کر لیا اور حافظ صاحبؓ کے احتجاج کے باوجود اسے اپنے فتویٰ سے خارج نہیں کیا۔ حافظ صاحبؓ نے ۲۴۔ مئی ۱۸۹۲ء کو حضرت اقدسؑ کی خدمت میں اصل واقعہ لکھ دیا اور ایک فارسی نظم بھی بھجوائی جس میں نہایت عمدہ پیرایہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اخلاص و ارادت کا اظہار کیا گیا جسے حضورؑ نے اپنی کتاب "نشان آسمانی" میں شائع کر دیا۔ مولوی محمد حسین صاحب نے یہی چال حافظ صاحبؓ کے استاد مولوی محمد عبد اللہ خاں [۱۵] پروفیسر عربی مہندر کالج پٹیالہ سے متعلق چلی تھی۔ اس لئے انہیں بھی اس کی تردید میں اشتہار دینا پڑا۔ اس سے بڑھ کر مولوی فیض احمد صاحب جہلمی کا واقعہ ہے کہ گو ابتداء میں تو انہوں نے فتویٰ دیا تھا مگر ازالہ اوہام کی اشاعت پر تائب ہو کر انہوں نے بٹالوی صاحب سے اپنا فتویٰ واپس طلب کیا لیکن بٹالوی صاحب نہ مانے۔ اور ان کا پہلا فتویٰ جس سے وہ رجوع کر چکے تھے شائع کر کے دم لیا۔ [۱۶]

فتویٰ دینے والے علماء میں حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی بھی شامل تھے مگر انہوں نے فتویٰ کو محدود اور مشروط اور محتاط رنگ میں پیش کر کے لکھا کہ "نہ مطلقاً بلکہ مقیداً لکھا جاتا ہے کہ اگر مرزا ایسے اعتقادات کا معتقد و مدعی ہے جو سوال میں درج ہیں تو بے شک وہ انہیں فتاویٰ کا مستوجب و مستحق ہے جو علماء ربانیین نے اس کے حق میں لگائے ہیں۔ اور عیاذاً باللہ کہ کسی کے حق میں تقلیداً اور سمعاً کوئی فتویٰ دوں اور لکھوں"۔ اسی فروتنی انکسار اور خدا ترسی کا نتیجہ تھا کہ جب بعد کو انہوں نے

حضرت مسیح موعودؑ کی اصل کتابیں "فتح اسلام" "توضیح مرام" اور "ازالہ اوہام" وغیرہ دیکھیں تو آپ پر حق کھل گیا۔ اور آپ اگلے ہی سال حضرت امام الزمان کے قدموں میں آ گئے۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کفر کی جو قرارداد جرم تیار کی اس کا ایک دلچسپ مگر عبرت انگیز پہلو یہ تھا کہ انہوں نے ایک طرف تو یہ لکھا کہ مرزا صاحب اپنے تئیں محدث لکھتے ہیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ مسیح موعود قطعی طور پر نبی اللہ ہو گا [۱۷] اور دوسری طرف یہ لکھا کہ نصوص کے لحاظ سے جو شخص آنحضرت ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت کرے (چاہے محدث ہی کیوں نہ کہلاتا ہو) وہ دجال و کذاب ہے۔ [۱۸]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے ہم نوا علماء نے فتویٰ تکفیر کے بعد مخالفت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ابتداء میں قادیان کی ناکہ بندی کے لئے بٹالہ اسٹیشن سے قادیان والی نہر تک اپنے ایجنٹوں کا گویا ایک جال بچھا رکھا تھا۔ جو اسٹیشن سے اترتے ہی قادیان جانے والوں کو روکتے تھے۔ ان ایجنٹوں نے ایک کیمپ سا لگا رکھا تھا جہاں جانے والوں کے لئے حقہ کا انتظام ہوتا تھا۔ [۱۹] چنانچہ بعض صحابہ کا بیان ہے کہ شروع شروع میں جب ہم قادیان جایا کرتے تھے تو بٹالہ کے اسٹیشن اور قادیان کی سڑک پر میل میل کے فاصلے سے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی آدمی بٹھا دیا کرتے تھے۔ ہر شخص کے ہاتھ میں ایک بڑا رجسٹر ہوا کرتا تھا جس پر جانے والوں کے نام اور جانے کی غرض درج کی جاتی تھی۔ کبھی کبھی مولوی محمد حسین صاحب خود بھی یہ "خدمت" انجام دیتے تھے اور قادیان جانے والوں سے پوچھا کرتے تھے کہ تم کیوں اور کس لئے جاتے ہو؟ جب لوگ کہتے کہ حضرت مرزا صاحب کو ملنے کے لئے جاتے ہیں تو وہ ہر ممکن کوشش سے روکا کرتے اور واپس جانے کے لئے کہتے۔ کئی آدمی انہوں نے واپس بھی کئے۔ اس زمانہ میں عوام مولوی محمد حسین صاحب کی وجہ سے بھی جانے سے ڈرتے تھے۔ نیز وہ سمجھتے تھے کہ یہ رجسٹر جو رکھے جاتے ہیں گورنمنٹ کے حکم سے رکھے جاتے ہیں۔ اور ہمارے خلاف ضرور کوئی کارروائی کی جائے گی۔ [۲۰]

قتل کرنے کی سازش

بیرونی کوششوں کی ناکامی دیکھ کر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قتل کرانے کی بھی متعدد بار سازش کی چنانچہ مولوی عمرالدین صاحب شملوی کی شہادت ہے کہ ایک دفعہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور حافظ عبدالرحمٰن صاحب سیاح امرتسری آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ مرزا صاحب کو چپ کرانے کی کیا تجویز ہو۔ حافظ عبدالرحمٰن صاحب نے کہا میں بتاتا ہوں۔ مرزا صاحب اعلان کر چکے ہیں کہ میں مباحثہ نہیں کروں گا۔ اب انہیں مباحثہ کا چیلنج دیدو۔ اگر تو وہ تیار ہو گئے تو انہیں کا قول یاد دلا کر نادم

کیا جائے - کہ ہم پبلک کو صرف یہ دکھانا چاہتے تھے کہ آپ کو اپنے قول کا پاس نہیں - اور اگر مباحثہ سے انکار کیا تو ہم یہ اعلان کر دیں گے کہ دیکھو ہمارے مقابل پر آنے کا حوصلہ نہیں - مولوی عمرالدین صاحب نے کہا مجھے کہو تو میں انہیں جا کر مار آتا ہوں جھگڑا ہی ختم ہو جائے - اس پر وہ کہنے لگے تمہیں کیا معلوم ہم یہ سب تدبیریں کر چکے ہیں کوئی سبب ہی نہیں بنتا یہ سنتے ہی مولوی عمرالدین صاحب کے دل میں حضور کی صداقت کا یقین ہو گیا - [۲۱] مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنی اس حسرت کا دوبارہ اظہار کر کے اور عیسائی حکومت کو آپ کے قتل پر اکسا کر ۱۸۹۷ء میں لکھا - "حکومت و سلطنت اسلامی ہوتی تو ہم اس کا جواب آپ کو دیتے - اسی وقت آپ کا سر کاٹ کر آپ کو مردار کرتے - سچے نبی کو گالیاں دینا مسلمانوں کے نزدیک ایک ایسا کفر اور ارتداد ہے - جس کا جواب بجز قتل اور کوئی نہیں - مگر کیا کریں مجبور ہیں - سلطنت غیر اسلامی ہے اس کے ماتحت رہ کر ہم اس فعل کے مجاز نہیں اور سلطنت کو جو (عیسائی کہلاتی ہے) اس امر کی پروا نہیں ہے - رہے پادری جو مذہب ہی کی خدمت و حمایت کے صدقہ و طفیل سے ٹکڑا کھاتے ہیں سو (وہ) بھی اپنی تنخواہ سے کام رکھتے ہیں حمیت و غیرت مذہب کو خیرباد کہہ چکے ہیں - اب آپ شوق سے جس قدر چاہیں حضرت مسیحؑ کو یا کسی اور نبی کو گالیاں دیں کوئی پوچھنے اور پکڑنے والا نہیں ہے" - [۲۲]

بہرحال مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف فتنہ تکفیر کھڑا کر کے آپ کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا - اور اس طرح صلحاء امت کی یہ پیشگوئی پوری ہو گئی کہ مسیح موعودؑ پر علماء کفر کا فتویٰ لگائیں گے [۲۳] اور ایسا ہونا اس لئے بھی ضروری تھا کہ امت کا بیشتر حصہ صراط مستقیم سے ادھر ادھر ہو چکا تھا - چنانچہ عراق کے ایک عالم شیخ محمد رضا شیبی [۲۴] فرماتے ہیں ؎

اَلَا لَيْتَ شِعْرِیْ مَاتَرٰی رُوْحُ اَحْمَدَ ٭ اِذَا طَالَعَتْنَا مِنْ عَلٍ اَوْاَطَلَّتِ
وَاَكْبَرُ ظَنِّیْ لَوْاَتَانَا مُحَمَّدٌ ﷺ ٭ لَلَاقَى الَّذِیْ لَاقَاهُ مِنْ اَهْلِ مَكَّةِ
عَدَلْنَا عَنِ النُّوْرِ الَّذِیْ جَاءَ نَا بِهٖ ٭ كَمَا عَدَلَتْ عَنْهُ قُرَيْشٌ فَضَلَّتِ
اِذَنْ لَقَضٰى لَا مَنْهَجَ النَّاسِ مَنْهَجِیْ ٭ وَلَا مِلَّةُ الْقَوْمِ اِلَّا وَاٰخِرُ مِلَّتِیْ [۲۵]

(ترجمہ) اگر احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ سلم کی روح عالم بالا پر ہمارے حالات سے واقف ہو جائے یا ہمیں جھانکے اور دیکھ پائے تو معلوم نہیں ہمارے متعلق کیا رائے قائم کرے - میرا ظن غالب ہے کہ محمد ﷺ آج ہمارے پاس تشریف لے آئیں تو آپ کو آج بھی اس قوم کے ہاتھوں اسی قسم کے مصائب اور انکار حق سے دوچار ہونا پڑے گا - جس طرح اہل مکہ کے ہاتھوں دوچار ہوئے (کیونکہ) ہم اس نور حق سے جسے آپ لے کر مبعوث ہوئے تھے اسی طرح روگردانی کر چکے ہیں جس طرح قریش

نے اس سے منہ پھیرا تھا اور گمراہی کے گڑھے میں جا پڑے تھے۔ پیغمبر خدا ﷺ ہماری زبوں حالی اور راہ حق سے بیزاری دیکھ کر یقیناً یہ فیصلہ کریں گے کہ لوگ جس راستے پر چل رہے ہیں یہ میرا بتایا ہوا رستہ نہیں ہے اور آخری زمانہ کے لوگوں نے جس مذہب کا طوق ڈال رکھا ہے وہ میرا مذہب ہرگز نہیں ہے۔

مسلمانان ہند[۲۸] کے روشن خیال عناصر کا ردعمل

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور دیگر علماء ظواہر کے فتویٰ تکفیر نے عامتہ المسلمین میں زبردست ہیجان پیدا کر دیا تھا مگر مسلمانوں کے روشن خیال اور سنجیدہ عناصر اکثر و بیشتر اس ہنگامہ آرائی میں غیر جانبدار رہے۔ یہی نہیں بعض مشہور مسلم زعماء نے تو اختلاف عقیدہ کے باوجود عمر بھر حضور اور حضور کی جماعت کی خدمات کو سراہا۔ اس غیر جانبدار طبقہ میں ملک کے چوٹی کے ادیب' صحافی' شعراء' سیاسی اور مذہبی لیڈر وغیرہ شامل تھے اس ضمن میں چند قابل ذکر شخصیتوں کے نام یہ ہیں۔ خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی (۱۸۳۷-۱۹۱۴) اکبر حسین رضوی اکبر الہ آبادی (۱۸۴۶-۱۹۲۱) سید علی محمد شاد عظیم آبادی (۱۸۴۶-۱۹۲۷) سید ریاض احمد ریاض خیر آبادی (۱۸۵۳-۱۹۳۴) سر سید احمد خاں بانی علی گڑھ کالج (۱۸۱۷-۱۸۹۸) مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محل (۱۸۷۹-۱۹۲۶) مولانا سید امتیاز علی صاحب امتیاز (۱۸۶۰-۱۹۳۵) منشی محمد دین صاحب فوق (ولادت ۱۸۷۷ء) حکیم مولوی عبد الکریم صاحب برہم گورکھپوری (۱۸۶۷-۱۹۲۹) مولوی سراج الدین صاحب والد مولوی ظفر علی خان ایڈیٹر اخبار "زمیندار" (متوفی ۱۹۰۹ء) محسن الملک نواب مہدی علی خاں (۱۸۳۷-۱۹۰۷) مولانا محمد علی جوہر (۱۸۷۸-۱۹۳۱) مولانا شوکت علی (۱۸۷۳-۱۹۳۸) مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷-۱۹۱۴) نواب وقار الملک سید مشتاق حسین (۱۸۳۹-۱۹۱۷) مولوی عبد الحلیم شرر (۱۸۶۹-۱۹۲۱)

یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ ادبی اور مذہبی لٹریچر میں اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔ چنانچہ خواجہ الطاف حسین حالی جو عمر بھر صلح پسندی اور اسلامی رواداری میں سرسید مرحوم کے نقش قدم پر گامزن رہے "حیات جاوید" جلد دوم صفحہ ۷۴۳ پر سرسید کے متعلق لکھتے ہیں۔ "ایک شخص نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی نسبت .... ایک طول طویل خط سرسید کو لکھا۔ اس کے جواب میں وہ لکھتے ہیں .... نادان ہیں وہ جو ان سے جھگڑا کرتے ہیں...... ایک اور شخص نے مرزا صاحب کے خیالات کی مخالفت میں کچھ لکھنے کا ارادہ سرسید سے ظاہر کیا اس کے جواب میں وہ لکھتے ہیں آپ جو رسالہ نسبت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی لکھنا چاہتے ہیں کیا آپ کو کچھ مالیخولیا ہو گیا ہے اس لغو حرکت سے کچھ فائدہ نہیں"۔ جناب اکبر الہ آبادی نے ایک مرتبہ اپنی محبت و الفت کا ثبوت دیتے ہوئے صاف لفظوں

میں کہا۔ "اگر آج میں مرزا صاحب کو پاتا تو قبول کرتا۔ خدا کی قسم میں ان کو مانتا ہوں اور یہی میری بیعت ہے۔ نیز کہا۔ مرزا صاحب اگر خود نبی ہو کر چلے جاتے تو مجھ کو افسوس ہوتا۔ وہ تو ہر ایک کو امید دلا گئے ہیں کہ وہ مسیح بن سکتا ہے اور یہ جوش ایسا ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اپنا مکان عشرت منزل چھوڑ دوں مجھ کو مرزا صاحب کی تحریر سے یقین ہو گیا کہ مسیحؑ مر گئے اور مہدی کا کوئی وجود نہیں"۔ ان کا یہ بیان ان کی زندگی میں ہی۔ اخبار "الفضل" ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء میں شائع ہوا تھا۔ سید ممتاز علی صاحب اور مولوی سراج الدین صاحب آف زمیندار نے حضرت مسیح موعود کے وصال پر جو شذرہ لکھا وہ ان کے خیالات کا آئینہ دار ہے۔ نواب محسن الملک کا ایک مکتوب اسی کتاب میں درج ہے جس میں انہوں نے حضرت اقدس کی اسلامی خدمات کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔ مولانا محمد علی جوہر اور حکیم عبدالکریم برہم تحریک احمدیت کے متعلق جو جذبات رکھتے تھے ان کا اظہار انہوں نے بالترتیب اخبار "ہمدرد" اور "مشرق" کے ذریعہ سے کیا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات" مولفہ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے) اسی طرح مولانا شبلی نے اس رائے کا اظہار کیا۔ "میں نے کوشش کی کہ انگریزی خوان عربی پڑھیں دیندار ہوں مگر میں ناکام رہا یہ کامیابی مرزا صاحب کو حاصل ہوئی"۔ (الفضل ۱۱۔ مارچ ۱۹۱۷ء) مولانا عبدالحلیم صاحب شرر فرماتے ہیں "احمدی مسلک شریعت محمدیہ کو اسی قوت اور شان سے قائم رکھ کر اس کی مزید تبلیغ و اشاعت کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ بابیت اسلام کے مٹانے کو آئی ہے اور احمدیت اسلام کو قوت دینے کے لئے۔ اور اسی کی برکت ہے کہ باوجود چند اختلافات کے احمدی اسلام کی سچی اور پرجوش خدمت ادا کرتے ہیں۔ جو دوسرے مسلمان نہیں کرتے"۔ (رسالہ دل گداز بابت ماہ جون ۱۹۰۶ء)

سفر لدھیانہ

دعویٰ مسیحیت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا کا پیغام پہنچانے اور بالخصوص مسلمانوں پر اتمام حجت کی غرض سے لدھیانہ، امرتسر، دلی، پٹیالہ، لاہور، سیالکوٹ، جالندھر اور کپور تھلہ کے سفر اختیار فرمائے۔ جن سے آپ کی دعوت کا ملک میں خوب چرچا ہو گیا۔

اس تعلق میں آپ کا سب سے پہلا سفر لدھیانہ کا ہے جو حضورؑ نے ۳۔ مارچ ۱۸۹۱ء کو اختیار کیا۔ [۲۷] لدھیانہ میں آپ نے محلہ اقبال گنج مکان شہزادہ غلام حیدر میں قیام فرمایا۔ حضرت اقدسؑ کے ساتھ حضرت حافظ حامد علی صاحب اور پیراں دتا تھے۔ [۲۸] حضرت اقدس بیمار تھے۔ اس لئے حضورؑ نے یہاں خطوط کے جوابات کے لئے منشی عبداللہ صاحب سنوری کو بلا بھیجا۔ [۲۹] اور خود بیماری کے باوجود پیغام

آسمانی پہنچانے میں مصروف ہو گئے ۔ لدھیانہ کے علماء (مولوی محمد صاحب اور مولوی عبدالعزیز صاحب وغیرہ) جو "براہین احمدیہ" کی اشاعت کے زمانے سے مخالفت کرتے چلے آرہے تھے اب اس دعوے پر پہلے سے بھی زیادہ مشتعل ہو گئے اور انہوں نے آپ کے ورود لدھیانہ پر آپ کے خلاف مخالفت کی آگ لگا دی ۔ ان کے حوصلے یہاں تک بڑھے کہ وہ مسلمانوں کو آپ کے قتل پر کھلم کھلا اکساتے ۔ ایک دفعہ ایک واعظ نے بازار میں کھڑے ہو کر بڑے جوش سے کہا کہ مرزا کافر ہے اور اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے ۔ جو کوئی اس کو قتل کر ڈالے گا وہ بہت بڑا ثواب حاصل کرے گا ۔ اور سیدھا بہشت کو جائیگا ۔ ایک گنوار جو ہاتھ میں ایک لٹھ لئے کھڑا اس کی تقریر سن رہا تھا اس وعظ سے بہت متاثر ہوا اور چپکے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مکان پوچھتا ہوا آپ کی قیام گاہ پر پہنچ گیا ۔ وہاں کوئی دربان نہیں ہوتا تھا ہر ایک شخص جس کا جی چاہتا اندر چلا آتا اتفاق سے حضرت اقدسؑ اس وقت دیوان خانے میں بیٹھے تقریر فرما رہے تھے اور چند آدمی جن میں کچھ ارادت مند اور کچھ غیر از جماعت تھے ارگرد بیٹھے حضور کی باتیں سن رہے تھے ۔ وہ گنوار بھی اپنا لٹھ کاندھے پر رکھے ہوئے کمرہ میں داخل ہوا ۔ اور دیوار کے ساتھ کھڑا ہو کر آپ پر قاتلانہ حملہ کے لئے مناسب موقعہ کا انتظار کرنے لگا ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی طرف کچھ توجہ نہ کی اور اپنی تقریر جاری رکھی وہ بھی سننے لگا ۔ چند منٹ کے بعد اس کے دل پر اس تقریر کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ لٹھ اس کے کندھے سے اتر کر زمین پر آگیا اور وہ مزید تقریر سننے کے لئے بیٹھ گیا اور سنتا رہا ۔ یہاں تک کہ حضور نے یہ سلسلہ گفتگو بند کر دیا ۔ مجلس میں سے کسی شخص نے عرض کیا کہ حضور آپ کا دعویٰ میری سمجھ میں آگیا ہے ۔ اور میں حضور کو سچا سمجھتا ہوں اور آپ کے مریدوں میں داخل ہونا چاہتا ہوں ۔ اس پر وہ گنوار بھی آگے بڑھ کر بولا کہ میں ایک واعظ سے اثر پا کر اس ارادہ سے اس وقت یہاں آیا تھا کہ آپ کو قتل کر ڈالوں اور جیسا کہ واعظ صاحب نے کہا ہے سیدھا بہشت کو پہنچ جاؤں ۔ مگر آپ کی تقریر کے فقرات مجھ کو پسند آئے ۔ اور میں زیادہ سننے کے واسطے ٹھہر گیا ۔ اور آپ کی باتیں سننے کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا ہے کہ مولوی صاحب کا وعظ بالکل بے جا دشمنی سے بھرا ہوا تھا ۔ آپ بے شک سچے ہیں اور میں بھی آپ کے مریدوں میں داخل ہونا چاہتا ہوں ۔ حضرت اقدسؑ نے اس کی بیعت قبول فرمالی ۔ اس وقت بیعت ایک علیحدہ کمرہ میں ہر ایک کی الگ الگ ہوتی تھی ۔ [۳۰]

لدھیانہ کے مخالف علماء میں سے مولوی سعد اللہ نو مسلم پیش پیش تھا ۔ ہر روز کبھی دوسرے روز ایک اشتہار مخالفت میں گالیوں سے بھرا ہوا شائع کرتا تھا جس میں کبھی چوری کا الزام ہوتا اور کبھی بغاوت کا ۔ اسی طرح اور کئی مخالف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آتے اور بات بات میں جھگڑا

کرتے اور الجھتے رہے۔ بعض امتحان اور آزمائش کے لئے اور بعض صرف دیکھنے کے لئے آتے تھے۔ ایک روز مخالفوں نے پانچ آدمیوں کو بہکا کر بھیجا اور کہا کہ اس مکان میں ایک شخص ہے جو تمام نبیوں کو گالیاں دیتا ہے اور قرآن اور رسول کو نہیں مانتا۔ وہ لوگ سخت غضب میں بھرے ہوئے یکدم مکان میں چلے آئے۔ اس وقت ایک احمدی حضرت اقدسؑ سے ایک آیت کے معنے دریافت کر رہا تھا۔ حضور نے ایسی تفسیر فرمائی کہ وہ لوگ بہت دیر تک چپ بیٹھے رہے۔ جب حضور خاموش ہوئے تو انہوں نے حضرت اقدس علیہ السلام سے مصافحہ کیا اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کیا کہ لوگوں نے ہمیں دھوکہ دیا جو آپ کو کافر کہتے ہیں وہ خود کافر ہیں اور اگر آپ مسلمان نہیں تو کوئی بھی مسلمان نہیں۔ وہ لوگ باہر آئے۔ تو لوگوں نے کہا کہ مرزا جادوگر ہے جو اس کے پاس جاتا ہے وہ اسی کا ہو رہتا ہے اس کے پاس کوئی نہ جائے۔[۲۲]

نواب علی محمد خان صاحب لدھیانوی کی وفات

واقعات لدھیانہ میں سے ایک اہم واقعہ حضرت نواب علی محمد خان صاحب لدھیانوی کی وفات ہے۔ نواب صاحب موصوف حکمت تصوف اور علوم شرعیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اہل اللہ کے بڑے معتقد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق جانباز تھے۔ ہر وقت درود شریف پڑھتے رہتے۔ انہیں حضرت اقدس علیہ السلام سے اعلیٰ درجہ کا عشق تھا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ جو بات میں نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ میں دیکھی وہ کسی میں نہیں دیکھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کوئی شخص ہے تو یہی ہے اس کی تحریر میں نور' اس کے کلام میں نور' اور اس کے چہرہ میں نور ہے۔

حضرت اقدس علیہ السلام بھی کبھی کبھی نواب صاحب سے ملنے جایا کرتے تھے اور نواب صاحب بھی آپ سے ملنے کے لئے اکثر آیا کرتے تھے نواب صاحب کے انتقال کے وقت حضرت اقدس علیہ السلام لدھیانہ میں تشریف رکھتے تھے بوقت انتقال نواب صاحب نے دعا کے لئے ایک آدمی حضرت اقدسؑ کی خدمت میں بھیجا اور جوں جوں آخری وقت آتا جاتا تھا آدھ آدھ گھنٹہ اور دس دس منٹ کے بعد آدمی بھیجتے رہے اور کہتے رہے کہ میں بڑا خوش ہوں کہ حضور اس وقت لدھیانہ تشریف رکھتے ہیں اور مجھے دعا کرانے کا موقعہ ملا۔ جب حالت نزع طاری ہوئی تو وصیت کی کہ میرے جنازہ کی نماز حضرت مرزا صاحب پڑھائیں تا کہ میری نجات ہو نواب صاحب مرحوم کا انتقال ہو گیا تو لدھیانوی علماء نے نواب صاحب کے اقرباء کو جو ان کے زیر اثر تھے کہلا بھیجا کہ اگر مرزا صاحب جنازہ پر آئے تو ہم اور کوئی مسلمان جنازہ پر نہ آئیں گے اور تم پر کفر کا فتویٰ لگ جائے گا۔ اور جو آئندہ ان میں سے

مرے گا اس کی نماز جنازہ کوئی نہیں پڑھے گا۔ نواب صاحب کے اقرباء ان کی اس بات سے ڈر گئے اس لئے حضرت اقدس ؑ نے ان کے جنازہ کی نماز اپنے مکان پر ہی ادا فرمائی اور نواب صاحب مرحوم کے لئے مغفرت و رحمت کی بہت بہت دعا کی۔ [۲۲]

انگریزی حکومت کے زوال سے متعلق الہام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو (شہزادہ عبدالمجید صاحب ؓ کی روایت کے مطابق) قیام لدھیانہ میں انگریزی حکومت کے زوال سے متعلق بھی خبر دی گئی اور الہام ہوا کہ۔

سلطنت برطانیہ تاہشت سال بعد ازاں ایام ضعف و اختلال [۲۳]

یعنی برطانیہ کی شان و شوکت کا زمانہ آٹھ سال تک ہے اس کے بعد ضعف و انحطاط کے آثار پیدا ہو جائیں گے۔

پیر سراج الحق صاحب نے اس الہام کے متعلق حضرت اقدس ؑ سے عرض کیا کہ اس میں روحانی اور مذہبی طاقت کا ذکر معلوم ہوتا ہے۔ یعنی آٹھ سال کے بعد سلطنت برطانیہ کی مذہبی طاقت یعنی عیسائیت میں ضعف رونما ہو جائے گا اور سچے مذہب یعنی اسلام اور احمدیت کا غلبہ شروع ہو جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا جو ہو گا وہ ہو رہے گا ہم پیش از وقت کچھ نہیں کہہ سکتے۔ [۲۴]

پادریوں کو دعوت مذاکرہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۰۔ مئی ۱۸۹۱ء کو پادریوں کے مقابل اشتہار دیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر انکشاف فرمایا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور اس قدر ثبوت میرے پاس ہیں کہ کسی منصف کو ماننے بغیر چارہ نہیں۔ اس اشتہار میں آپ نے پادری صاحبان کو تبادلہ خیالات کی دعوت دی۔ مگر کوئی پادری آپ ؑ کے مقابلہ میں نہ آیا۔ [۲۵]

سفر امرتسر اور لدھیانہ میں دوبارہ ورود

حضرت اقدس ؑ اوائل جولائی ۱۸۹۱ء میں بعض احباب اور امرتسر کے رؤساء کی خواہش پر چند دن کے لئے لدھیانہ سے امرتسر تشریف لے گئے۔ وہاں اہلحدیث کے دو فریق ہو چکے تھے ایک فریق مولوی احمد اللہ صاحب کا تھا اور دوسرا غزنویوں کا۔ مولوی احمد اللہ صاحب بڑے شریف الطبع انسان تھے۔ غزنوی گروہ چاہتا تھا کہ مولوی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ لگائیں مگر وہ گریز کرتے تھے جس پر مولوی صاحب مسجد سے نکال دیئے گئے اور ان کے معتقدین انہیں اپنی دوسری مسجد میں لے آئے۔ اس سفر میں حضرت اقدس نے مولوی احمد اللہ صاحب کو اپنے دعویٰ سے متعلق ۷۔ جولائی ۱۸۹۱ء کو تحریری مباحثہ کی دعوت دی مگر انہوں نے آمادگی کا اظہار نہ کیا اور گو انہوں نے

بیعت نہیں کی مگر ان کی اس خاموشی کو دیکھ کر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ساتھیوں نے انہیں "مرزائی" مشہور کر رکھا تھا۔ ان کے بعض معتقدین جن میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب' میاں نبی بخش صاحب' مولوی عنایت اللہ صاحب' اور میاں چراغ الدین صاحب شامل تھے۔ بالآخر سلسلہ احمدیہ میں شامل ہو گئے۔ [۲۶]

حضرت اقدسؑ امرتسر میں مختصر قیام کے بعد واپس لدھیانہ تشریف لے گئے۔

حواشی

۱۔ "توضیح مرام" صفحہ ۱۱۔۱۲

۲۔ خود حضرت اقدسؑ نے "فتح اسلام" میں ان کے متعلق تحریر فرمایا کہ "اس وقت مراد آباد سے قادیان میں آکر اس مضمون کی کاپی محض للہ لکھ رہے ہیں۔ شیخ صاحب ممدوح کا صاف سینہ مجھے ایسا نظر آتا ہے جیسا آئینہ وہ مجھ سے محض للہ غایت درجہ کا خلوص و محبت رکھتے ہیں۔ ان کا دل حب للہ سے پر ہے۔ اور نہایت عجیب مادہ کے آدمی ہیں میں انہیں مراد آباد کے لئے ایک شمع منور سمجھتا ہوں"۔

۳۔ رسالہ نور احمد نمبر ۱ مرتبہ حضرت شیخ نور احمد صاحب طبع دوم صفحہ ۵۔۶ و صفحہ ۱۲

۴۔ رسالہ اشاعۃ السنہ۔ جلد ۱۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۵۴

۵۔ الحکم ۱۴؍ ۷۔ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۳ (روایت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)

۶۔ رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۵۴ و ۳۵۶

۷۔ ایضاً و مکتوبات احمدیہ جلد چہارم صفحہ ۲

۸، ۹۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ نمبر ۱ صفحہ ۲۔۴

۱۰۔ مولوی سید حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیۃ العلماء ہند نے برصغیر ہندوپاکستان کے فضائل کے متعلق ایک کتابچہ میں گذشتہ آثار و روایات کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ "یہ سرزمین آفتاب نبوت کا پہلا مشرق بنی اور اسی خطہ میں پہلے خلیفۃ اللہ حضرت آدمؑ کا ظہور ہوا تھا اور چونکہ حضرت آدمؑ انسانوں کے ابوالانبیاء تھے اس لئے جملہ انبیاء علیہم السلام اور تمام انسانوں کے روحانی اور مادی اصل و اصول کا خمیر ہندوستان ہی سے بنایا گیا"۔ بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ ہر نبی سے آئندہ نبی پر ایمان لانے کا میثاق بھی اس ارض مقدس میں لیا گیا تھا۔ (ملاحظہ ہو رسالہ "ہمارا ہندوستان اور اس کے فضائل" شائع کردہ ناظم دفتر جمعیۃ علماء ہند گلی قاسم جان دہلی۔) اگر یہ تصریحات حقیقت پر مبنی ہیں تو مسیح موعودؑ کا اسی خطے میں مبعوث ہونا ضروری تھا۔ خصوصاً جب کہ رسول کریم ﷺ نے مہدی کو سلطان مشرق قرار دیتے ہوئے ان کے انصار کو ہندی بتایا ہے (ابن ماجہ و نسائی)

۱۱۔ رسالہ "نور احمد" نمبر ۱ صفحہ ۹:۔

۱۲۔ "اشاعۃ السنہ" جلد ۱۴ نمبر ۱ صفحہ ۲

۱۳۔ فتویٰ کفر کے بارے میں علماء ربانی کا کیا طریق عمل رہا ہے اس کے متعلق بطور مثال حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی مدرسہ دیوبند کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے خان بہادر ڈاکٹر شیخ عبداللہ صاحب ایڈووکیٹ علی گڑھ "سرسید کا مذہب" کے عنوان سے لکھتے ہیں۔ "مولویوں نے ان (سرسید۔ ناقل) کے خلاف طوفان برپا کر دیا۔ کفر کے فتوے دیئے دلخراش مضامین لکھے، سرسید کے چھوٹے سے فوٹو پر گز بھر کی ڈاڑھی لگا کر اس کے اوپر لکھا "شیطان الرجیم"۔ لیکن بڑے بڑے جید علماء نے کفر کے فتووں پر دستخط نہیں کئے۔ حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ دیوبند سے علماء نے کہا کہ سرسید کے خلاف کفر کے فتوے پر آپ بھی دستخط کر دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تحقیقات کر لوں کہ آیا وہ کافر ہیں یا نہیں۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم مرحوم و مغفور نے تین سوالات لکھ کر سرسید کے پاس بھیجے وہ مع جوابات کے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں (۱) سوال خدا پر آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ جواب خداوند تعالیٰ ازلی ابدی مالک و صانع تمام کائنات کا ہے (۲) سوال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ جواب: بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر (۳) سوال قیامت کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ جواب: قیامت برحق ہے۔ اس کے بعد مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں سے کہا کہ تم اس شخص کے خلاف دستخط کرانا چاہتے ہو جو پکا مسلمان ہے"۔

(رسالہ "البصیر" (چنیوٹ) جلد ۲ شمارہ نمبر ۱۔۲)

۱۴۔ تاریخ وفات فروری ۱۹۰۶ء (از جنتری بابو منظور الٰہی صاحب ۱۹۲۱ء) مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو اخبار "پیغام صلح" لاہور

جنوری و فروری ۱۹۵۹ء

۱۵۔ والد بزرگوار مولوی مرتضیٰ حسن خاں صاحب (غیر مبائع) آپ کا اشتہار بھی "نشان آسمانی" میں موجود ہے۔

۱۶۔ یہ تفصیلات حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی کے قلم سے اشاعۃ السنہ جلد ۱۴ کے حاشیہ صفحہ ۳۶۳ پر درج ہیں۔

۱۷۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۴ نمبر ۱۔۴ صفحہ ۱۶۴۔۱۶۵

۱۸۔ ایضاً صفحہ ۱۸۰

۱۹۔ رجسٹر "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۴ روایات ڈاکٹر علم دین صاحب ساکن کڑیانوالہ ضلع گجرات

۲۰۔ "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۹ صفحہ ۲۵۶۔۲۵۷

۲۱۔ الفضل ۱۷۔ جنوری ۱۹۲۱ء صفحہ ۵

۲۲۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۸ نمبر ۳ صفحہ ۹۵۔۹۶

۲۳۔ حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں اذا خرج ھذا الامام المھدی فلیس لہ عدو مبین الا الفقھاء خاصہ (فتوحات مکیہ جلد سوم صفحہ ۳۷۴) یعنی جب امام مہدی آئیگا۔ تو علماء زمانہ سے بڑھ کر ان کا کوئی شدید دشمن نہیں ہو گا۔ اسی طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے۔ "علماء ظواہر مجتہدات او علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام از کمال وقت و غموض ماخذ انکار نمایند و مخالف کتاب و سنت دانند"۔ (مکتوبات جلد دوم صفحہ ۱۰۷ مکتوب نمبر ۵۵) یعنی علماء ظواہر مسیح موعودؑ کے اجتہادات کا انکار کر کے ان کو قرآن و سنت کے خلاف قرار دیں گے کیونکہ ان کے اجتہادات کے ماخذ نہایت لطیف و دقیق ہوں گے۔

۲۴۔ ولادت ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۹ء وفات ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء (رسالہ العربی الکویت فروری ۱۹۷۲ء صفحہ ۷۴ تا ۸۱)

۲۵۔ دیوان القیسی صفحہ ۱۰۷ ناشر مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمہ والتبشیر ۱۹۴۰ء / ۱۳۵۹ھ۔

۲۶۔ مشہور اہلحدیث عالم جناب نواب محمد صدیق الحسن خان صاحب تحریر کرتے ہیں کہ "علماء وقت کہ خوگر تقلید فقہاء و اقتداء مشائخ و آباء خود باشند گویند ایں مرد خانہ برانداز دین و ملت است و بمخالفت برخیزند و حسب عادت خود حکم بتکفیر و تضلیل وے کنند"۔ (حجج الکرامہ مطبوعہ بھوپال صفحہ ۳۶۳) یعنی علماء وقت جو فقہاء اور مشائخ و اباء کی تقلید و اقتداء کے خوگر ہیں (حضرت مہدی کے متعلق) کہیں گے کہ یہ شخص ہمارے دین و ملت کو برباد کر دینا چاہتے ہیں وہ مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہونگے اور حسب عادت اس کی تضلیل و تکفیر کا فتویٰ دیں گے۔

۲۷۔ یہ تاریخ اشاعۃ السنہ جلد ۱۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۶۸ (حاشیہ) سے ماخوذ ہے۔

۲۸۔ ذکر حبیبؑ (مرتبہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ صفحہ ۱۳)

۲۹۔ مکتوبات مسیح موعود (بنام منشی عبداللہ صاحب سنوری صفحہ ۲۳ اس زمانہ میں حضرت اقدس کے شدت ضعف کا یہ عالم تھا کہ مولانا مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب بیعت سے قبل حضور کی خدمت میں پہلی بار حاضر ہوئے تو یہ تاثر لے کے باہر آئے کہ "لوگوں نے یونہی مخالفت کا شور مچا رکھا ہے مرزا صاحب تو صرف چند دن کے مہمان ہیں"۔ (سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۷۹۔ ۲۸۰)

۳۰۔ "ذکر حبیب" مرتبہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ صفحہ ۱۴۔

۳۱۔ "تذکرۃ المہدی" جلد اول صفحہ ۱۵۲۔ ۱۵۳ (مرتبہ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ) سیدنا حضرت مسیح موعود سعد اللہ لدھیانوی کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ "مجھے ہرگز امید نہیں کہ ابو جہل نے آنحضرت ﷺ کی نسبت وہ بد زبانی کی ہو بلکہ میں یقیناً کہتا ہوں کہ جس قدر خدا کے نبی دنیا میں آئے ان سب کے مقابل پر کوئی ایسا گندہ زبان دشمن ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ سعد اللہ تھا۔ الخ۔ (حقیقۃ الوحی طبع اول صفحہ ۲۰ تتمہ) اس کی ناپاک گالیوں کا نمونہ دیکھنے کے لئے اس کی منظوم کتاب "انہزام قادیانی" کا مطالعہ کافی ہے یہ کتاب ۱۳۱۰ھ میں انڈین آرمی پریس لدھیانہ سے شائع ہوئی تھی۔

۳۲۔ "تذکرۃ المہدی" جلد اول صفحہ ۱۰۴ تا ۱۰۸

۳۳۔ حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوری کے بیان کے مطابق یہ الہام اس زمانہ سے بہت قبل آپ کو ہو چکا تھا مگر شہزادہ عبدالمجید صاحب اسے قیام لدھیانہ کے زمانہ کا بتاتے ہیں (سیرت المہدی حصہ اول روایت نمبر ۹۶)

۳۴۔ حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوری نے اپنی روایت میں ہشت کی بجائے ہفت کا لفظ بتایا ہے جو سہو ہے کیونکہ انہوں نے خود اسی روایت میں لکھا ہے کہ حافظ حامد علی صاحب نے یہ الہام مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بتا دیا تھا جسے انہوں نے مخالف ہوتے ہی اپنے رسالہ میں شائع کر دیا۔ چنانچہ بٹالوی صاحب نے پہلی مرتبہ اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۱۳ نمبر ۳-۱ صفحہ ۳ پر اس کی طرف ہشت سالہ میعاد کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ الہام میں ہشت کا لفظ ہی ہے (سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۹)

۳۵۔ "تبلیغ رسالت" جلد دوم صفحہ ۱۲-۱۳

۳۶۔ "حیات احمد" جلد سوم حصہ اول صفحہ ۹۹-۱۰۰

علماء وقت کو تحریری مباحثہ کی دعوت

حضرت اقدسؑ کا یہ سفر چونکہ اتمام حجت کی غرض سے تھا اس لئے حضورؑ نے لدھیانہ سے ۲۶۔ مارچ ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ تمام مشہور علماء بالخصوص مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی' مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی (۱۸۲۸ - ۱۹۰۵) مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی (۱۸۵۲ - ۱۹۱۳) مولوی عبدالرحمٰن صاحب لکھو کے والے' مولوی شیخ عبداللہ صاحب تبتی۔ مولوی عبدالعزیز صاحب لدھیانوی اور مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری کو تحریری مباحثہ کا چیلنج دیا اور لکھا کہ میرا دعویٰ ہرگز قال اللہ اور قال الرسول کے خلاف نہیں اگر آپ حضرات مقام و تاریخ مقرر کر کے ایک عام جلسہ میں مجھ سے تحریری بحث نہیں کریں گے تو آپ خدا تعالیٰ اور اس کے راست باز بندوں کی نظر میں مخالف ٹھہریں گے۔ [۱]

حضرت اقدسؑ کے اس اشتہار پر لدھیانہ کے مولوی دبک گئے اور بحث کے لئے آمادہ نہ ہوئے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے ایک مرید اور دست و بازو مولوی شاہ دین صاحب تھے انہوں نے اپنے پیرو مرشد (مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی) کو لکھا کہ میں مرزا صاحب سے مباحثہ کروں تو کس طرح کروں اور کس مسئلہ میں کروں۔ جواب آیا کہ مرزا صاحب سے بحث کرنا تمہارا کام نہیں اول تو ٹال دینا اور جو بات نہ ٹلے اور مباحثہ ہو ہی جائے تو وفات و حیات مسیح علیہ السلام میں ہرگز بحث نہ کرنا۔ اس میں تمہارا یا کسی کا ہاتھ نہیں پڑے گا۔ ہاں نزول میں بحث کر لینا اس مسئلہ میں ہماری کچھ جیت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مولوی شاہ دین کو جب بحث کے لئے اصرار سے کہا جانے لگا تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ مرزا صاحب بے علم ہیں۔ میری شان سے بعید ہے کہ ایک بے علم آدمی سے بحث کروں۔

لدھیانہ میں ایک اور مولوی مشتاق احمد صاحب انیٹھوی تھے جنہیں اپنی حدیث دانی پر بڑا ناز تھا یہ صاحب گنگوہ پہنچے ان کو بھی وہاں سے وہی جواب ملا جو مولوی شاہ دین کو ملا تھا' لدھیانہ' دیوبند' سہارنپور' گنگوہ میں اس بارہ میں خفیہ مشورے ہوئے کہ کیا کرنا چاہے لیکن مباحثہ کے لئے کوئی آمادہ نہ

ہوا۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا مباحثہ تحریری سے انکار

اسی دوران میں پیر سراج الحق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ سب لوگوں کی نظر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی طرف لگ رہی ہے اگر حکم ہو تو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو لکھوں کہ وہ مباحثہ کے لئے آمادہ ہوں۔ فرمایا اگر تمہارے لکھنے سے آمادہ ہوں تو ضرور لکھ دو۔ چنانچہ انہوں نے اس بارہ میں ایک خط لکھ کر گنگوہ بھجوا دیا۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور پیر صاحب موصوف ہمزلف بھی تھے اور ویسے بھی ان سے تعلقات رکھتے تھے لیکن جوں ہی ان کو یہ خط پہنچا مولوی صاحب اور ان کے معتقدوں اور شاگردوں نے ایک شور برپا کر دیا۔ مولوی رشید احمد صاحب نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ میں بحث کو مرزا صاحب سے منظور کرتا ہوں لیکن تقریری اور صرف زبانی۔ تحریری مجھ کو ہرگز ہرگز منظور نہیں ہے اور عام جلسہ میں بحث ہو گی اور وفات و حیات مسیح میں کہ یہ فرع ہے بحث نہیں ہو گی بلکہ بحث نزول مسیحؑ میں ہو گی جو اصل ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خط دیکھ کر پیر صاحب کو ارشاد فرمایا کہ آپ اس کے جواب میں یہ لکھ دیں کہ بحث تحریری ہونی چاہیے۔ تا حاضرین کے علاوہ غائبین کو بھی پورا پورا حال معلوم ہو جائے۔ اسی طرح فرمایا کہ وفات و حیات فرع کس طرح ہوئی اصل مسئلہ تو وفات و حیات مسیح ہی ہے اگر حیات مسیح ثابت ہو گئی تو نزول بھی ثابت ہو گیا اور جو وفات ثابت ہو گئی تو مسیحؑ کا بجسد عنصری نزول خود بخود باطل ہو گیا۔ ہمارے دعویٰ کی بنیاد یہی وفات مسیح پر ہے اگر مسیحؑ کی زندگی ثابت ہو جائے۔ تو ہمارے دعوے میں کلام کرنا فضول ہے۔

مولوی رشید احمد صاحب نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ افسوس ہے مرزا صاحب اصل کو فرع اور فرع کو اصل قرار دیتے ہیں۔ بہرحال تقریری کی بجائے تحریری مباحثہ میں نہیں کرتا۔

دو سجادہ نشینوں کو دعوت

یہاں سے مایوس ہو کر پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ نے دو مشہور سجادہ نشینوں (میاں اللہ بخش صاحب تونسوی سنگھڑی اور شاہ نظام الدین صاحب بریلوی نیازی) کی طرف توجہ کی اور انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے علمی یا روحانی طریق سے مقابلہ کرنے کی دعوت دی۔ یہ دعوت نامہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پسند فرمایا اور اپنے دستخط کر کے یہ تحریر فرمایا کہ میں روحانی باطنی اور علمی مقابلہ کے لئے تیار ہوں اور جو کچھ

صاحبزادہ صاحب نے لکھا ہے درست ہے اور میں مسیح موعود اور امام مہدی معہود ہوں۔ مسیحؑ بے شک فوت ہو چکے ہیں وہ اب نہیں آئیں گے۔ چونکہ آپ گدی نشین' سجادہ نشین' صوفی اور پیر ہیں اس معاملہ میں خواہ تحریری خواہ باطنی قوت قلبی یا دعا سے مقابلہ کریں تا حق ظاہر ہو اور باطل مٹ جاوے

سنگھڑ سے تو اس خط کا کوئی جواب موصول نہ ہوا البتہ بریلی سے شاہ نظام الدین صاحب نے معذرت کرتے ہوئے لکھا کہ "فقیر میں اتنی قوت نہیں ہے کہ جو مقابلہ کر سکے یا اس باطنی و روحانی طور سے مقابل پر کھڑا ہو سکے۔ یہ کام تو مولویوں اور علماء کا ہے آپ بھی تو صوفی اور درویش اور چار قطب ہانسوی اور امام اعظم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے پوتے ہیں ہمیں آپ پر حسن ظن ہے۔ اور جیسا کچھ اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا۔ وہ ہو رہے گا۔ مجھے آپ معاف فرمائیں"۔ [۲]

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو تقریری مباحثہ کی دعوت اور ان کا انکار

حضرت اقدسؑ نے یہ خط پڑھ کر فرمایا۔ تونسوی متکبر کو دیکھو کہ جواب تک نہیں دیا۔ مگر یہ کیسے منکسر المزاج ہیں۔ نیز حضور نے پیر سراج الحق صاحب سے فرمایا کہ مولوی رشید احمد صاحب کو لکھ دیا جائے کہ اچھا ہم بطریق تنزل تقریری مباحثہ منظور کرتے ہیں مگر اس شرط سے کہ آپ تقریر کرتے جائیں اور دوسرا شخص آپ کی تقریر لکھتا جائے اور جب تک ایک کی تقریر ختم نہ ہو۔ دوسرا فریق یا کوئی اور دوران تقریر میں نہ بولے۔ پھر دونوں تقریریں شائع ہو جائیں لیکن بحث لاہور میں ہو۔ کیونکہ لاہور علوم و فنون کا مرکز ہے۔ پیر صاحب نے حضرت اقدسؑ کا یہ پیغام مولوی صاحب کو بھیج دیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ تقریر صرف زبانی ہو گی۔ لکھنے یا کوئی جملہ نوٹ کرنے کی کسی کو اجازت نہ ہو گی۔ اور حاضرین میں سے جس کے جی میں جو آئے گا وہ رفع اعتراض و شک کے لئے بولے گا۔ میں لاہور نہیں جاتا۔ مرزا صاحب بھی سہارنپور آ جائیں اور میں بھی سہارنپور آ جاؤں گا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ سہارنپور میں مباحثہ کا ہونا مناسب نہیں ہے سہارنپور والوں میں فیصلہ کرنے یا حق و باطل کی سمجھ نہیں ہے۔ لاہور آج دار العلوم اور مخزن علم ہے اور ہر ایک ملک اور شہر کے لوگ اور ہر مذہب و ملت کے اشخاص وہاں موجود ہیں۔ آپ لاہور چلیں میں بھی لاہور چلا جاتا ہوں اور آپ کا خرچ آمد و رفت اور قیام لاہور ایام بحث تک اور مکان کا کرایہ اور خرچ میرے ذمہ ہو گا یہ مضمون پیر صاحب نے حضرت اقدس علیہ السلام کے دستخط سے گنگوہ بھیج دیا۔ مولوی رشید احمد صاحب نے اس خط کے جواب میں پھر یہی لکھا کہ میں لاہور نہیں جاتا صرف سہارنپور تک آ سکتا ہوں۔ اور تحریری بحث مجھے منظور نہیں اور تقریر بھی کسی دوسرے شخص کو لکھنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ خط پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب ان کو یہ لکھ دو کہ ہم مباحثہ کے لئے سہارنپور ہی آ جائیں گے آپ سرکاری انتظام کر لیں میں تاریخ مقرر پر آ جاؤں گا۔ اور ایک اشتہار اس مباحثہ کے لئے شائع کر دیا جائے گا تا لاہور وغیرہ مقامات سے صاحب علم اور مباحثہ سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب سہارنپور آ جائیں۔ رہا تقریری اور تحریری مباحثہ وہ اس وقت پر رکھیں تو بہتر ہے جیسی حاضرین جلسہ کی رائے ہو گی۔ کثرت رائے پر ہم اور آپ کاربند ہو جائیں گے۔

بہرحال آپ مباحثہ ضرور کریں کہ لوگوں کی نظریں آپ کی طرف لگ رہی ہیں۔ مولوی رشید احمد صاحب نے اس دعوت کا صرف یہ جواب دیا کہ انتظام کا میں ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ اور پھر بار بار یاد دہانی کے باوجود چپ سادھ لی۔ [۴]

سعید روحوں کی خدائی جماعت میں شمولیت

لدھیانہ ان دنوں مخالفت کا مرکز بنا ہوا تھا مگر اس آتشین فضاء میں بھی خدا کے فرشتے سعید روحوں کو کھینچ کھینچ کر خدا کے مامور کی جماعت میں لا رہے تھے۔ لاہور سے ایک عالم مولوی رحیم اللہ صاحب آئے اور آتے ہی انہوں نے حضور کی بیعت کر لی۔ [۲۵] ان سے قبل مولوی غلام نبی صاحب ساکن خوشاب لدھیانہ میں آئے اور آتے ہی حضرت اقدس کی مخالفت میں تقریریں کرنے لگے۔ شہر میں ان کے لیکچروں کی دھوم مچ گئی اور ہر جگہ ان کے علم و فضل کا چرچا ہونے لگا ایک روز اتفاق سے مولوی صاحب کا وعظ اسی محلہ میں تھا جس میں حضور تشریف فرما تھے وعظ اتنا زبردست تھا کہ تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہونے لگے۔ اور مرحبا کا شور چاروں طرف سے اٹھا۔ اس وعظ میں لدھیانہ کے تمام مولوی موجود تھے۔ اور ان کے حسن بیان اور علم کی بار بار داد دیتے تھے۔ حضرت اقدس علیہ السلام زنانہ میں تھے اور کتاب ازالہ اوہام کا مسودہ تیار کر رہے تھے۔ مولوی صاحب وعظ کہہ کر اور پوری مخالفت کا زور لگا کر چلے اور ساتھ ساتھ ایک جم غفیر اور مولوی صاحبان تھے اور ادھر سے حضرت اقدس علیہ السلام زنانہ مکان سے باہر مردانہ مکان میں جانے کے لئے نکلے تو مولوی صاحب سے مڈبھیڑ ہو گئی اور خود حضرت اقدس علیہ السلام نے السلام علیکم کہہ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور مولوی صاحب نے جواب میں وعلیکم السلام کہہ کر مصافحہ کیا۔ ہاتھ ملاتے ہی مولوی صاحب ایسے از خود رفتہ ہوئے کہ حضرت اقدس علیہ السلام کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے آپ کے ساتھ سیدھے مردانہ میں چلے آئے اور حضرت کے سامنے دو زانو بیٹھ گئے۔ باہر تمام لوگ حیرت میں کھڑے تھے۔ علماء نے عوام کو جو مختلف چہ میگوئیاں کر رہے تھے یقین دلایا کہ مولوی صاحب مرزا کی خبر لینے گئے ہیں وہاں انہیں نیچا

دکھا کر آئیں گے لیکن ارادہ الٰہی میں کچھ اور ہی مقدر تھا- جب مولوی غلام نبی صاحب اندر گئے تو مولوی صاحب نے پوچھا- حضور آپ نے وفات مسیحؑ کا مسئلہ کہاں سے لیا ہے؟

حضرت اقدس! قرآن شریف ' حدیث شریف اور علماء ربانی کے اقوال سے-

مولوی صاحب! کوئی آیت قرآن مجید میں وفات مسیحؑ کے بارے میں ہو تو بتلایئے-

حضرت اقدس نے قرآن شریف کے دو مقام پر کاغذ کا نشان رکھ کر مولوی صاحب کے ہاتھ میں دیا- ایک مقام تو سورہ آل عمران ع ۶ اور دوسرا سورہ مائدہ کے آخری رکوع کا تھا- پہلے میں آیت یٰعیسیٰ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ اور دوسرے میں آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ تھی- مولوی صاحب دونوں آیات دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے اور کہنے لگے یُوَفِّیْ اُجُوْرَھُمْ بھی تو قرآن شریف میں ہے اس کے کیا معنے ہوں گے؟

حضور اقدسؑ نے فرمایا- یہ اور باب سے ہے اور وہ اور باب سے- مولوی صاحب دو چار منٹ حیران ہو گئے اور سوچ کر کہنے لگے- معاف فرمایئے میری غلطی تھی- جو کچھ آپ نے فرمایا صحیح ہے قرآن مجید آپ کے ساتھ ہے-

حضرت اقدسؑ فرمانے لگے جب قرآن مجید ہمارے ساتھ ہے تو آپ کس کے ساتھ ہیں؟ مولوی صاحب یہ سن کر رو پڑے یہاں تک کہ ان کی ہچکی بندھ گئی اور عرض کیا یہ خطا کار گنہگار بھی حضور کے ساتھ ہے اس کے بعد مولوی صاحب پھر روتے رہے اور سامنے مودب بیٹھے رہے- ۷

اندر تو مولوی صاحب کے خیالات میں یہ انقلاب واقع ہوا اور باہر کئی ہزار آدمی کھڑا اس انتظار میں خوش ہو ہو کر تالیاں بجا رہا تھا کہ آج مرزا قابو آیا- آج مرزا کو توبہ کرنی پڑے گی- بہرکیف جب بہت دیر ہو گئی تو لوگ آوازیں دینے لگے کہ جناب مولوی صاحب باہر تشریف لایئے- مولوی صاحب نے ان کی ایک بات کا بھی جواب نہ دیا جب شور زیادہ بلند ہوا تو مولوی صاحب نے کہلا بھیجا کہ تم جاؤ میں نے حق دیکھ لیا اور پا لیا- اب میرا تم سے کچھ کام نہیں ہے اگر تم اپنا ایمان سلامت رکھنا چاہتے ہو تو آجاؤ اور اس امام کو مان لو- میں اس امام صادق سے کس طرح الگ ہو سکتا ہوں- جو اللہ تعالیٰ کا مامور اور آنحضرتؐ کا موعود ہے- جس کو آنحضرتؐ نے سلام بھیجا- مولوی صاحب اس حدیث کے الفاظ پڑھ کر حضرت اقدس علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور آپؑ کے سامنے یہ حدیث شریف دوبارہ بڑے زور سے پڑھی اور عرض کیا کہ میں اس وقت بموجب حکم آنحضرتؐ کا سلام پہنچاتا ہوں- حضرت اقدس علیہ السلام نے اس وقت ایک عجیب لہجہ اور عجیب آواز سے وعلیکم السلام فرمایا کہ مولوی صاحب مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے- اس وقت حضرت اقدس علیہ السلام کے چہرہ مبارک کا اور ہی

نقشہ تھا اور حاضرین و سامعین پر بھی ایک عجیب وجد و سرور کی کیفیت طاری تھی۔

باہر مجمع کو مولوی صاحب کا جب یہ پیغام پہنچا کہ میں نے حق پالیا ہے تو سب کی زبان سے کافر کافر کا شور بلند ہوا اور گالیوں کی بوچھاڑ پڑنے لگی اور سب لوگ منتشر ہو گئے۔

اس کے بعد علماء کی طرف سے مولوی غلام نبی صاحب کے پاس مباحثہ کے پیغام آنے لگے مولوی صاحب موصوف نے مباحثہ منظور کیا۔ لیکن مباحثہ کے لئے کوئی نہ آیا مولوی غلام نبی صاحب نے اشتہار مباحثہ بھی شائع کیا کہ میں تیار ہوں۔ جس کو علم کا دعویٰ ہو وہ مجھ سے بحث کرے اس کے بعد مولوی غلام نبی صاحبؓ نے یہ اشتہار دیا کہ جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی (جسمانی) زندگی کے ثبوت میں قرآن شریف کی آیت صریح اور حدیث صحیح پیش کرے تو ہر آیت اور ہر حدیث پر دس روپے انعام دوں گا۔ اور روپے پہلے بنک میں جمع کروا دیئے جائیں گے یہ اشتہار دیکھ کر بھی کسی کو مرد میدان بننے کی جرات نہ ہو سکی۔ اب تو مولوی غلام نبی صاحب بس حضرت اقدس علیہ السلام کے ہی ہو رہے اور ان کا ایسا بحر کھلا کہ جو کوئی مولوی یا کوئی شخص آتا اس سے بات کرنے اور مباحثہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے اور حضرت اقدسؑ کا چہرہ ہی دیکھتے رہتے اور خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے۔

مولوی صاحبؓ کہیں ملازم تھے وہاں سے خط آیا کہ جلد آؤ ورنہ ملازمت جاتی رہے گی اور نام کٹ جائے گا۔ مولوی صاحب نے ملازمت کی کچھ بھی پروانہ کی اور کہا کہ میں نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی بیعت میں شرط کی ہے۔ مجھے نوکری کی کوئی پروا نہیں ہے۔ ایک روز یہ ذکر آگیا تو حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ خود ملازمت کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے۔ ہاں خود بخود ہی اللہ تعالیٰ اپنی کسی خاص مصلحت سے علیحدہ کر دے تو اور بات ہے ملازمت پر چلے جانا چاہیے۔ پھر رخصت لے کر آجانا۔ حضرت اقدس علیہ السلام کا یہ ارشاد سنکر مولوی صاحب مجبوراً چلنے کو تیار ہو گئے اور دوبارہ بیعت کی تجدید کی۔ جب وہ رخصت ہو کر چلنے لگے تو حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ مولوی صاحب کا دل جانے کو نہیں چاہتا دیکھو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے یہ معنے ہیں۔ مولوی صاحب چل دیئے۔ مگر کچھ دیر بعد دیکھا تو وہ ہنستے ہوئے اور خوشی خوشی بغل میں گٹھری دبائے واپس چلے آتے ہیں۔ سب حیران ہوئے۔ اور حضرت اقدسؑ بھی مسکرائے۔ مولوی صاحب نے بتایا میرے جاتے جاتے ریل چل دی۔ بعض لوگوں نے کہا بھی کہ سٹیشن پر ٹھہرو دوسرے وقت چلے جانا۔ میں نے کہا جتنی دیر اسٹیشن پر لگے اتنی دیر حضور کی صحبت میں رہوں تو بہتر ہے اسٹیشن پر ٹھہرنے سے کیا فائدہ؟

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا۔ جزاک اللہ یہ خیال بہت اچھا ہے اللہ تعالیٰ کسی کے اجر کو

ضائع نہیں کرتا۔ وہ اپنے بندوں کے حال سے خوب واقف ہے اس میں کچھ حکمت الٰہی ہے یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دوسرا خط آیا کہ تم اپنی ملازمت پر حاضر ہو جاؤ اور اگر کسی وجہ سے نہ آسکو تو رخصت کی ایک درخواست بھیج دو تا رخصت مل جائے۔ اور میں کوشش کرکے رخصت دلوادوں گا۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا ریل کے نہ ملنے میں یہ حکمت الٰہی تھی۔ اب رخصت کی درخواست بھیج دو۔ مولوی صاحب نے حسب الارشاد ایک درخواست بھیج دی اور وہ بھی منظور ہو گئی۔ مولوی صاحب کو بہت روز حضرت کی خدمت میں رہنے اور فیض صحبت اٹھانیکا موقع میسر آگیا۔ ۸

مباحثہ "الحق" لدھیانہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعوت مباحثہ پر اور کوئی سامنے نہ آیا لیکن مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو اپنے علم پر بہت گھمنڈ تھا اور وہ ابتداء ہی سے حضرت اقدس کو مغلوب کرنے کا فیصلہ کر کے حضور سے خط و کتابت کرنے کے علاوہ حضرت مولانا نور الدین صاحب ۹ سے بھی نوک جھونک جاری رکھے ہوئے تھے۔ اسی ترنگ میں وہ شملہ سے لدھیانہ پہنچے اور آتے ہی شہر میں یہ شور مچادیا کہ مرزا صاحب کو چاہیے کہ وہ مجھ سے مباحثہ کرلیں۔ حضرت اقدسؑ تو مباحثہ کے لئے پہلے ہی تیار تھے رات کے وقت مولوی رحیم اللہ صاحب لاہوری اور مولوی نظام الدین صاحب حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا مشورہ یہ ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب سے مباحثہ نہ کیا جائے کیونکہ وہ سخت بد زبان ہے۔ مگر آپ نے فرمایا بحث ہونے دو اس کی علمیت کی پوری حقیقت کھول دی جائے گی اور وہ جان جائے گا کہ بحث اس کا نام ہے۔ پھر مولوی عبداللہ صاحب نے عرض کیا کہ بحث کس مسئلہ میں ہوگی فرمایا وفات مسیح میں بحث ہوگی۔ اور یہی اصل ہے انہوں نے عرض کیا کہ سنا ہے وہ یہ مسئلہ نہیں چھیڑیں گے وہ تو نزول مسیح کے مسئلہ میں گفتگو کریں گے۔ آپؑ نے فرمایا۔ نزول مسیح کی بحث سے کیا تعلق۔ نزول مسیح تو ہم خود مانتے ہیں۔ اگر نزول مسیحؑ ہم نہ مانتے تو ہمارا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا کب چل سکتا تھا۔ اصل مسئلہ جس پر بنیادی طور پر بحث ضروری ہے وہ تو وفات و حیات مسیح کا ہی مسئلہ ہے۔

مولوی نظام الدین صاحب کی بیعت کا واقعہ

دوسرے روز صبح آٹھ نو بجے مولوی نظام الدین صاحب مولوی محمد حسین صاحب اور دو تین اور اشخاص کی مولوی محمد حسین صاحب کے مکان پر آپس میں گفتگو ہوئی۔ مولوی نظام الدین صاحب نے کہا کہ حضرت مسیحؑ کی زندگی پر بھی قرآن شریف میں کوئی آیت ہے۔

مولوی صاحب نے کہا کہ بیس آیتیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ مولوی نظام الدین صاحب فوراً حضرت اقدسؑ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کے پاس کیا اس بات کی کوئی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ قرآن شریف ہے مولوی نظام الدین صاحب نے کہا کہ اگر قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ ہونے کی کوئی آیت موجود ہو تو آپ مان لیں گے؟ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا۔ ہاں ہم مان لیں گے۔ مولوی صاحب نے کہا میں ایک دو نہیں بیس آیتیں قرآن شریف کی حضرت عیسیٰ کی زندگی پر لے آؤں گا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا۔ بیس کیا اگر آپ ایک ہی آیت لے آئیں گے تو میں قبول کرلوں گا۔ ساتھ ہی فرمایا۔ مولوی صاحب یاد رہے آپ کو یا کسی اور کو ایک آیت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی نہیں ملے گی۔ مولوی نظام الدین صاحب نے کہا آپ اپنی بات پر پکے رہیں۔ میں بیس آیتیں ابھی لائے دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ مولویوں کے پاس پہنچے اور کہا میں مرزا صاحب کو ہرا آیا ہوں۔ مولوی صاحبان یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا مولوی صاحب مرزا صاحب کو کس طرح ہرا آئے؟ مولوی نظام الدین صاحب نے کہا کہ میں حیات مسیحؑ کے ثبوت میں بیس آیتوں کا وعدہ کر آیا ہوں۔ اب مجھے بیس آیتیں قرآن شریف سے نکال دیں مولوی محمد حسین صاحب بولے کہ آپ نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ہم احادیث سے حیات مسیحؑ کا ثبوت پیش کر دیتے ہیں انہوں نے کہا ایسا کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ مقدم قرآن شریف ہے مولوی محمد حسین صاحب نے کھڑے ہو کر اور گھبرا کر عمامہ سر سے پھینک دیا اور کہا کہ تو مرزا کو ہرا کے نہیں آیا ہمیں ہرا آیا اور ہمیں شرمندہ کیا۔ میں مدت سے مرزا کو حدیث کی طرف لا رہا ہوں اور وہ قرآن شریف کی طرف مجھے کھینچتا ہے۔ قرآن شریف میں اگر کوئی آیت مسیح کی زندگی کے متعلق ہوتی تو ہم کبھی کی پیش کر دیتے۔ ہم تو حدیثوں پر زور دے رہے ہیں۔ [110] تب مولوی نظام الدین صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے کہا کہ جب قرآن شریف تمہارے ساتھ نہیں تو اتنا دعویٰ تم نے کیوں کیا تھا۔ اور کیوں بیس آیتوں کے دینے کا مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ اب میں کیا منہ لے کے مرزا صاحب کے پاس جاؤں گا۔ اگر قرآن شریف تمہارے ساتھ نہیں مرزا صاحب کے ساتھ ہے تو میں بھی مرزا صاحب کے ساتھ ہوں تمہارے ساتھ نہیں۔ چنانچہ مولوی نظام الدین صاحب وہاں سے چلے اور حضرت اقدسؑ کی خدمت میں آکر اور شرمندہ سے ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ مولوی صاحب آیتیں لے آئے؟ مولوی نظام الدین صاحب نے دو چار مرتبہ دریافت کرنے پر رو کر عرض کیا کہ حضور وہاں تو یہ معاملہ گزرا اب تو جدھر قرآن شریف ہے ادھر ہی میں ہوں۔ اور یہ کہہ کر انہوں نے بیعت کرلی۔ [111]

مباحثے کا آغاز

ان حالات میں حضرت اقدسؑ کا مولوی محمد حسین صاحب سے مباحثہ شروع ہوا۔ یہ مناظرہ تحریری تھا اور ۲۰ سے ۲۹ جولائی ۱۸۹۱ء تک یعنی دس روز جاری رہا۔

مباحثہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بخاری شریف رکھ لیتے اور قلم برداشتہ لکھتے جاتے جب مضمون تیار ہو جاتا تو پڑھ کر سنا دیا جاتا۔ مگر ادھر بڑی مشکل سے مضمون تیار کیا جاتا۔ اور بڑی دقت سے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اپنا مضمون تیار کر کے سناتے۔

یہ مباحثہ پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مکان پر ہوتا تھا لیکن بعد کو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت اقدسؑ سے کہا کہ ہم آپ کے مکان پر آتے ہیں آپ ہمارے مکان پر نہیں آتے۔ چنانچہ حضرت اقدس علیہ السلام مولوی محمد حسن صاحب رئیس آنریری مجسٹریٹ کے مکان پر (جہاں بٹالوی صاحب ٹھہرے ہوئے تھے) تشریف لے جانے لگے۔ حضرت اقدسؑ کی سواری کے لئے ایک صاحب منشی میراں بخش صاحب اکونٹنٹ محکمہ نہر نے اپنی ٹم ٹم پیش کی لیکن حضور نے فرمایا۔ ہم پیدل ہی جائیں گے۔۔ جس راستہ سے حضور گزرتے ہندو بھی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے کہ کس قدر نورانی چہرہ ہے۔ مسلمان کیوں ان کے مخالف ہو گئے ہیں۔ [۱۱۲]

ایک معجزہ

(حضرت پیر سراج الحق صاحب کی روایت کے مطابق) اس مباحثہ کے دوران میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے بخاری کا ایک حوالہ طلب کیا۔ اس وقت وہ حوالہ حضرت اقدسؑ کو یاد نہیں تھا۔ اور نہ آپ کے خادموں میں سے کسی اور کو یاد تھا۔ مگر حضرت اقدسؑ نے بخاری شریف کا نسخہ منگایا اور اس کی ورق گردانی شروع کر دی اور جلد جلد اس کا ایک ایک ورق الٹنے لگے اور آخر ایک جگہ پہنچ کر آپ ٹھہر گئے اور فرمایا۔ لو یہ دیکھ لو۔ دیکھنے والے سب حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے کسی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جب میں نے کتاب ہاتھ میں لے کر ورق الٹانے شروع کئے تو مجھے کتاب کے صفحات ایسے نظر آتے تھے کہ گویا وہ خالی ہیں اور ان پر کچھ نہیں لکھا۔ اس لئے میں ان کو جلد جلد الٹاتا گیا آخر مجھے ایک صفحہ ملا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہی حوالہ ہے جس کی مجھے ضرورت ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ایسا معجزانہ تصرف فرمایا کہ اس جگہ کے سوا جہاں حوالہ درج تھا باقی تمام اوراق آپ کو خالی نظر آئے۔ [۱۱۳]

حضرت شیخ یعقوب عرفانی کا بیان ہے کہ یہ واقعہ لدھیانہ کا نہیں لاہور کا ہے مولوی عبدالحکیم صاحب کلانوری سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محدثیت اور نبوت پر بحث ہوئی تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے محدثیت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے بخاری کی ایک حدیث [۱۱۴] کا حوالہ دیا۔ مولوی عبدالحکیم صاحب کے مددگاروں میں سے مولوی احمد علی صاحب نے حوالہ کا مطالبہ کیا بلکہ بخاری خود

بھیج دی۔ مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے حوالہ نکالنے کی کوشش کی مگر نہ نکلا۔ آخر حضرت مسیح موعودؑ نے خدائی تصرف کے نتیجہ میں خود نکال کر پیش فرمادیا جسے دیکھ کر فریق مخالف پر ایک موت وارد ہو گئی اور مولوی عبدالحکیم صاحب نے اس پر مباحثہ ختم کر دیا۔ [۱۵] یہ واقعہ خواہ لدھیانہ میں ہوا ہو یا لاہور میں بہر کیف دونوں جگہ یہ ایک نشان تھا۔ جو خدا تعالیٰ کا اپنے بندے کے لئے ظاہر ہوا۔

یہ مباحثہ انہی دنوں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے ایک محققانہ دیباچہ کے ساتھ سیالکوٹ سے شائع کر دیا تھا جو "الحق" لدھیانہ کے نام سے مشہور ہے۔

پیر سراج الحق صاحب کے بیان کردہ مباحثہ کے تفصیلی کوائف

اس مباحثہ میں حضرت اقدس کے مضمون کو نقل کرنے کی خدمت حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی کے سپرد تھی۔ حضرت پیر صاحب نے اپنی کتاب تذکرۃ المہدی (حصہ اول) میں جہاں سفر لدھیانہ کے تفصیلی حالات بیان کئے ہیں وہاں مباحثہ کے مفصل حالات بھی لکھے ہیں جو قابل ذکر ہیں چنانچہ آپ لکھتے ہیں مولوی محمد حسین صاحب سے مباحثہ قرار پایا اور مباحثہ کا دن مقرر ہوا۔ مباحثہ کے لئے مولوی محمد حسین صاحب حضرت اقدس علیہ السلام کے مکان پر آئے اور ساتھ پانچ سات اور شخص بھی آئے اور ایک سوال لکھ کر حضرت اقدس علیہ السلام کے آگے رکھ دیا حضرت اقدس علیہ السلام نے اس کا جواب لکھ دیا۔ اور مجھ سے فرمایا کہ کئی قلم بنا کر میرے پاس رکھ دو اور جو ہم لکھتے جائیں اس کی نقل کرتے جاؤ چنانچہ میں نقل کرنے لگا اور آپ لکھنے لگے جب سوال و جواب اس دن کے لکھ لئے گئے تو مولوی محمد حسین صاحب نے خلاف عہد زبانی وعظ شروع کر دیا اور بیان کیا کہ مرزا صاحب کا جو یہ عقیدہ ہے کہ قرآن شریف حدیث پر مقدم ہے یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے بلکہ عقیدہ یہ چاہیے کہ حدیث قرآن شریف پر مقدم ہے۔ کیونکہ قرآن شریف کے متعلق مسائل کو حدیث کھولتی ہے پس وہی فیصلہ کن ہے۔ خلاصہ مولوی صاحب کی تقریر کا یہی تھا۔ پھر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے چونکہ یہ معاہدہ ہو چکا تھا کہ زبانی تقریر کوئی نہ کرے اور مولوی صاحب نے اس معاہدہ کے خلاف تقریر کی ہے سو اب میرا بھی حق ہے کہ میں بھی کچھ زبانی تقریر کروں۔ پھر حضرت اقدس علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ مولوی صاحب کا یہ عقیدہ کسی طرح بھی صحیح اور درست نہیں ہے کہ حدیث قرآن شریف پر مقدم ہے۔ قرآن شریف وحی متلو ہے اور تمام کلام مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمع ہو چکا تھا۔ اور حدیث کے جمع کرنے کا ایسا انتظام نہیں تھا۔ اور نہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھی گئی تھی۔ پس وہ مرتبہ اور درجہ جو قرآن شریف کو حاصل ہے وہ حدیث کو نہیں ہے۔ کیونکہ یہ روایت در روایت پہنچی

ہے:-

اس بیان اور تقریر پر نیز اس تحریری پرچہ پر جو حضرت اقدس علیہ السلام سناتے تھے چاروں طرف سے واہ واہ کے اور سبحان اللہ کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ بلکہ سعد اللہ اور مولوی محمد حسین صاحب کے سوا ان کی طرف کے لوگ بھی بے اختیار سبحان اللہ کہہ اٹھتے تھے۔ مولوی صاحب اس پر خفا ہوتے اور کہتے کہ لوگو تم سننے کو آئے ہو یا واہ وا سبحان اللہ کہنے کو آئے ہو۔ اس مباحثہ میں حضرت اقدس علیہ السلام نے حدیث اور قرآن شریف کے مقام پر سیر کن بحث کی ہے اور آئندہ کے لئے تمام بحثوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ چھ سات روز تک یہ مباحثہ حضرت اقدس علیہ السلام کے مکان پر ہوا۔ اب مولوی صاحب نے رنگ بدلا۔ اور کہا کہ اتنے روز تو آپ کے مکان پر مباحثہ رہا اب میری فرودگاہ (یعنی مولوی محمد حسن صاحب کے مکان) پر مباحثہ ہونا چاہئے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے یہ بھی منظور فرمالیا۔ اور باقی دنوں تک مولوی محمد حسن صاحب کے مکان پر مباحثہ رہا جب حضرت اقدس علیہ السلام وہاں تشریف لے جاتے تو میں حاضر ہو جاتا ورنہ مجھے بلوا لیتے۔ اس مباحثے میں مولوی محمد حسین صاحب نے بہت چالاکیاں کیں بلکہ ایک پرچہ بھی اڑا لیا جس کا مباحثے میں حوالہ دیا گیا ہے دس روز تک یہ مباحثہ رہا۔ آخر باہر سے خطوط آنے لگے اور لدھیانہ کے لوگوں نے بھی شور کیا۔ کہ اصل بحث تو وفات و حیات مسیحؑ پر ہونی چاہیے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے بھی بار بار فرمایا کہ مباحثہ تو وفات و حیات مسیحؑ میں ہونا ضروری ہے تاکہ سب مسائل کا یکدم فیصلہ ہو جاوے مگر مولوی صاحب اس مسئلہ کی طرف نہ آئے جب آخری روز مباحثہ کا آیا تو عیسائیوں مسلمانوں اور ہندوؤں کا بہت ہجوم ہو گیا۔ میں نواب علی محمد خاں آف جھجر کی کوٹھی پر تھا اور روانگی کا ارادہ کر رہا تھا حضرت اقدسؑ مولوی عبدالکریم صاحب اور منشی غلام قادر صاحب فصیح اور قاضی خواجہ علی صاحب اور الہ دین صاحب واعظ وغیرہ کے ہمراہ مولوی محمد حسن صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے اور میرے پاس مولوی نظام الدین صاحب مرحوم اور مولوی عبداللہ صاحب مجتہد مرحوم کو بھیجا کہ جلد صاحبزادہ سراج الحق صاحب کو لے آؤ۔ چونکہ مضمون میرے پاس تھا۔ اور میں نے رات بھر میں مضمون کی نقل کر لی تھی۔ اس واسطے اور بھی حضرت اقدسؑ کو میرا انتظار ہوا۔

جب میں آیا تو دروازہ بند پایا۔ دروازہ پر سینکڑوں آدمی تھے بمشکل تمام دروازہ مولوی نظام الدین صاحب مرحوم نے کھلوایا۔ میرے ساتھ سب آدمی اندر گھس گئے اور مولوی محمد حسن صاحب اور مولوی محمد حسین صاحب کا چہرہ زرد ہو گیا۔ مجھ سے مولوی محمد حسن صاحب نے کہا۔ کہ تم کیوں آ گئے؟ میں نے کہا ہم کیسے نہ آویں۔ کاتب مباحثہ میں ہوں۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے

مضمون سنانے سے پہلے فرمایا- کہ مولوی صاحب اب یہ مباحثہ طول پکڑ گیا ہے- اس کی اب کوئی ضرورت نہیں- وفات و حیات مسیح علیہ السلام میں بحث ہونی مناسب ہے مگر مولوی صاحب کب ماننے والے تھے- جب حضرت اقدس علیہ السلام نے پرچہ سنانا شروع کیا تو مولوی صاحب کا چہرہ سیاہ پڑ گیا اور ایسی گھبراہٹ ہوئی اور اس قدر حواس باختہ ہوئے کہ نوٹ کرنے کے لئے جب قلم اٹھایا تو زمین پر قلم مارنے لگے دوات جوں کی توں رکھی رہ گئی اور قلم چند بار زمین پر مارنے سے ٹوٹ گیا اور جب یہ حدیث آئی کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ جو حدیث معارض قرآن ہو وہ چھوڑ دی جائے- اور قرآن کو لے لیا جائے تو اس پر مولوی محمد حسین صاحب کو نہایت غصہ آیا اور کہا یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے- اور جو یہ حدیث بخاری میں ہو تو میری دونوں بیویوں پر طلاق ہے اس طلاق کے لفظ سے تمام لوگ ہنس پڑے اور مولوی صاحب کو مارے شرم کے اور کچھ نہ بن پڑا- اور بعد کو کئی روز تک لوگوں سے مولوی صاحب کہتے رہے کہ نہیں نہیں میری دونوں بیویوں پر طلاق نہیں پڑی- اور نہ میں نے طلاق کا نام لیا ہے- پہلے تو چند لوگوں کو اس کی خبر تھی لیکن اب مولوی صاحب ہی نے ہزاروں کو اس کی اطلاع کر دی [۱۶]

غرضکہ مولوی صاحب کو اس مباحثہ میں ہر لحاظ سے شکست ہوئی- مگر مولوی صاحب کی دیدہ دلیری کہ اپنی خفت مٹانے کے لئے انہوں نے یکم اگست ۱۸۹۱ء کو ایک لمبا چوڑا اشتہار شائع کیا جو ہر قسم کے مفتریات کا مجموعہ تھا- [۱۷]

کئی ماہ بعد جبکہ یہ مباحثہ شائع ہو چکا تھا- دلی میں ایک جلسہ منعقدہ ہوا- جس میں بہت سے علماء نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی پر زبردست تنقید کی کہ تم نے جو مرزا صاحب سے لدھیانہ میں مباحثہ کیا ہے اس میں تم نے کیا کیا اور کیا کر کے دکھایا اصل بحث تو کچھ بھی نہ ہوئی بٹالوی صاحب نے جواب دیا کہ اصل بحث کس طرح کرتا- اس کا پتہ ہی نہیں- قرآن شریف میں مسیحؑ کی حیات یا رفع الی السماء کا کوئی ذکر نہیں- حدیثوں سے صرف نزول ثابت ہوتا ہے میں مرزا صاحب کو حدیثوں پر لاتا تھا اور وہ مجھے قرآن کی طرف لے جاتے تھے- پھر ان علماء نے کہا کہ مرزا صاحب نے تو بحث چھاپ دی تم نے اب تک کیوں نہ چھاپی- بٹالوی صاحب نے کہا اشاعۃ السنہ میں چھاپوں گا- انہوں نے کہا اس بحث کو الگ رسالہ کی شکل میں مکمل کر کے چھپوانا تھا- اس طرح علماء نے انہیں بہت شرمندہ کیا- [۱۸]

میر عباس علی صاحب کا ارتداد

میر عباس علی صاحب بظاہر تو ابھی تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ہی نظر آتے تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت اقدس سے ان کی عقیدت سفر علی گڑھ کے دوران ہی میں روبہ تنزل ہو چکی تھی- اور وہ

لمحہ بہ لمحہ حضورؑ سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ مباحثہ لدھیانہ کے دنوں میں مولوی محمد حسین صاحب کا جو پرچہ نقل کے بعد منگوایا جاتا تھا وہ لینے کے لئے میر صاحب ہی جاتے تھے اور بدقسمتی سے اس آمدورفت نے ان کی رہی سہی عقیدت بھی ختم کر دی۔ بات یہ ہوئی کہ مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی محمد حسن صاحب انہیں پھانسنے کے لئے بڑی خاطر تواضع کرتے اور جب جاتے تو سرو قد تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے اور کہتے میر عباس علی صاحب تم تو سید ہو آل رسول ہو تمہارا تو وہ مرتبہ ہے کہ لوگ تم سے بیعت ہوں مگر افسوس تم مرزا کے مرید ہو گئے امام مہدی تو سیدوں میں سے ہو گا یہ مغل کہاں سے بن گیا یہ دونوں مولوی میر عباس علی صاحب کے ہاتھ چومتے اور دو ایک روپیہ نذرانہ بھی دیتے اور کہتے کہ تمہاری شان تو وہ ہے کہ تم درود میں شریک ہو مگر افسوس تم کس کے مرید ہو گئے میر عباس علی صاحب تو پہلے ہی منافقت آمیز رویہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ اب جو ان حیلہ گروں کی یہ ارادتمندی دیکھی تو باچھیں کھل گئیں۔ اعتقاد متزلزل ہو گیا اور ایمان کی دولت یکسر کھو بیٹھے۔ ایک روز وہ حضور کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ آپ نے ایسا دعویٰ کیا ہے کہ جس کی وجہ سے ہم کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ کہ میر صاحب میں نے جھوٹا دعویٰ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ میری بات پر گواہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو مسیح موعود اور مہدی معہود کہا اور بنایا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں خدا کی طرف سے ہوں اور سچا ہوں۔ کیا اتنے روز سے تم نے میرا کوئی جھوٹ سنا یا مجھ کو جھوٹ بولتے دیکھا یا میں نے کوئی افتراء کیا یا منصوبہ باندھا۔ میں مسیح موعود اور مہدی موعود ہوں۔ یہ تقریر سن کر حضرت مولانا نورالدینؓ پر ایسا اثر ہوا کہ ان پر وجد طاری ہو گیا۔ لیکن میر صاحب پر کوئی اثر نہ ہوا۔ [۱۹]

میر صاحب اس کے بعد روز بروز معاندانہ سرگرمیوں میں بڑھتے گئے یہاں تک کہ اسی سال ۱۲۔ دسمبر ۱۸۹۱ء کو انہوں نے ایک مخالفانہ اشتہار بھی شائع کیا جو ترک ادب اور تحقیر کے الفاظ سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے آسمانی فیصلہ میں اس اشتہار کا گو جواب دیا مگر ان کے زمانہ عقیدت و اخلاص کو نظرانداز نہیں ہونے دیا۔ بلکہ اپنی جماعت کو ہدایت فرمائی کہ وہ ان کے حق میں دعا کریں اور میں بھی دعا کروں گا۔ نیز فرمایا۔ "یہ انسان کے تغیرات کا ایک نمونہ ہے کہ وہ شخص جس کے دل پر ہر وقت عظمت اور ہیبت سچی ارادت کی طاری رہتی تھی اور اپنے خطوط میں اس عاجز کی نسبت خلیفتہ اللہ فی الارض لکھا کرتا تھا۔ آج اس کی کیا حالت ہے پس خدا تعالیٰ سے ڈرو اور دعا کرتے رہو کہ وہ محض اپنے فضل سے تمہارے دلوں کو حق پر قائم رکھے اور لغزش سے بچاوے"۔ .... نیز فرمایا "مجھے اگرچہ میر عباس علی صاحب کی لغزش سے بہت رنج ہوا۔ لیکن پھر میں دیکھتا ہوں کہ جب کہ میں حضرت مسیح

علیہ السلام کے نمونہ پر آیا ہوں تو یہ بھی ضرور تھا کہ میرے بعض مدعیان اخلاص کے واقعات میں بھی وہ نمونہ ظاہر ہوتا...... یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعض خاص دوست جوان کے ہم نوالہ وہم پیالہ تھے۔ جن کی تعریف میں وحی الٰہی بھی نازل ہو گئی تھی۔ آخر مسیحؑ سے منحرف ہو گئے تھے"۔ [۲۰]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سفر امرتسر اور لدھیانہ میں دوبارہ تشریف آوری

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے شکست کھانے کے بعد اپنی ندامت چھپانے کے لئے لدھیانہ میں ایک شورش سی برپا کر دی۔ لدھیانہ کے ڈپٹی کمشنر صاحب کو اندیشہ ہوا کہ کہیں فساد نہ ہو جائے اس لئے ان کو لدھیانہ سے رخصت کر دینے کا حکم دیدیا۔ اس کام کے لئے ڈپٹی کمشنر صاحب نے ڈپٹی دلاور علی اور کریم بخش تھانہ دار کو مقرر کیا۔ ان لوگوں نے مولوی محمد حسین صاحب کو ڈپٹی کمشنر کا حکم سنایا اور وہ لدھیانہ سے چل دیئے۔ پھر وہ حضرت اقدسؑ کی طرف آئے اور سڑک پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت چاہی حضرت اقدسؑ نے ان کو اجازت دے دی۔ اور اندر بلا لیا۔ وہ ڈپٹی کمشنر کا یہ پیغام لائے تھے کہ لدھیانہ میں فساد کا اندیشہ ہے بہتر ہے کہ آپ کچھ عرصہ کے لئے یہاں سے تشریف لے جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ اب یہاں ہمارا کوئی کام نہیں ہے ہم جانے کو تیار ہیں لیکن سردست ہم سفر نہیں کر سکتے کیونکہ بچوں کی طبیعت اچھی نہیں ہے انہوں نے کہا کہ خیر کوئی بات نہیں، ہم ڈپٹی کمشنر سے کہہ دیں گے اور ہمیں آپ کی ملاقات کا بہت شوق تھا سو شکر ہے کہ اس بہانہ سے زیارت ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت صاحب اندرون خانہ تشریف لے گئے اور ایک چٹھی ڈپٹی کمشنر کے نام لکھ کر لائے۔ جس میں اپنے خاندانی حالات اور اپنی تعلیم وغیرہ کا ذکر فرمایا۔ اور بعض خاندانی خطوط کی نقول بھی منسلک فرما دیں۔

چٹھی کا انگریزی ترجمہ منشی غلام قادر صاحب فصیح نے کیا۔ [۲۱] دراصل ڈپٹی دلاور علی کو ڈپٹی کمشنر کا حکم سمجھنے میں غلطی ہو گئی تھی۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کا منشاء صرف مولوی محمد حسین صاحب کے اخراج کا تھا۔ تاہم یہ چٹھی ارسال کرنے کے بعد حضرت اقدسؑ احتیاطاً لدھیانہ سے امرتسر تشریف لے آئے۔

اس سفر میں حضورؑ نے مفتی محمد صادق صاحب کو بھی ساتھ چلنے کی ہدایت کی۔ صبح کے وقت گاڑی

امر تسر کے سٹیشن پر پہنچی۔ شیخ نور احمد صاحبؓ مالک مطبع ریاض ہند سٹیشن پر موجود تھے انہوں نے فوراً ایک مکان کا انتظام کیا جو ہال بازار کے قریب غربی جانب کے راستوں میں سے ایک راستہ پر تھا۔ اور کنہیا لعل کے تھیٹر کے قریب ایک گلی میں چھوٹا سا مکان تھا۔ اوپر کے کمرے میں حضرت اقدس کے اہل بیت فروکش ہوئے اور خود حضور اپنے تین چار خادموں کے ساتھ نیچے ٹھہرے۔ امر تسر میں آپ کی آمد کا شہرہ ہو گیا۔ اور لوگ آپ کی زیارت کے لئے آنے لگے۔ امر تسر کے کسی معزز دوست نے حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے خدام کی دعوت بھی کی جس میں مولوی احمد اللہ صاحب بھی مدعو تھے۔ دعوت کی تقریب پر مولوی احمد اللہ صاحب نے حضرت اقدسؑ کے سامنے یہی مسئلہ پیش کیا کہ آپ کی بعض تحریروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اس لئے لوگوں کو ٹھوکر لگتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی تشریح فرمائی کہ میری مراد نبوت سے کیا ہے جس پر مولوی صاحب نے عرض کیا اچھا آپ تحریر کر دیں کہ آپ کی تحریرات میں جہاں کہیں نبوت کا لفظ ہے وہ ایسا نہیں کہ جو ختم نبوت کے منافی ہو اور اس سے مراد محدثیت ہے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ کہ میں لکھے دیتا ہوں۔ چنانچہ اس وقت حضور نے ایک تحریر لکھ کر مولوی صاحب کو دے دی۔ جو انہوں نے اپنے پاس رکھ لی تا ان لوگوں کو دکھائیں جو اس وجہ سے حضرت اقدسؑ پر کفر کا فتویٰ لگاتے تھے۔ [۲۲]

مولوی احمد اللہ صاحب نے حضرت اقدسؑ سے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ اہلحدیث آپ کا یہ شعر پیش کر کے آپ پر شرک کا الزام لگاتے ہیں کہ ؎

شان احمد را کہ داند جز خداوند کریم
آنچناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم

اس کا کیا مطلب ہے؟ حضرت اقدسؑ نے جواب دیا چونکہ آنحضرتؐ اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم ہیں اس لئے جس طرح اللہ تعالیٰ خالق ہونے کے اعتبار سے "احد" ہے اسی طرح رسول کریم ﷺ اس کا مظہر اتم ہونے کے باعث تمام مخلوقات میں "احد" ہیں۔ [۲۳]

انہی دنوں ایک دفعہ بعض شریر لوگوں نے حضرت اقدسؑ کے مکان پر حملہ کر کے بالاخانہ پر چڑھنا چاہا۔ مگر آپؑ کے چند خدام نے بڑی ہمت سے سیڑھیوں میں کھڑے ہو کر ان شریروں کو روکا۔ اور بعد کو پولیس کے پہنچنے سے پہلے وہ منتشر ہو گئے۔

حضرت اقدسؑ کے امرت سر تشریف لانے کی خبر پر بعض اور احباب بھی مختلف شہروں سے پہنچ گئے۔ کپور تھلہ سے منشی محمد خاں صاحب اور منشی ظفر احمد صاحب بھی آگئے اور بہت دنوں ٹھہرے رہے۔

حضورؑ کچھ دن امرتسر میں مقیم رہے۔ پھر لدھیانہ سے ڈپٹی کمشنر کی یہ چھٹی موصول ہونے پر کہ آپ کو لدھیانہ میں ٹھہرنے کے وہی حقوق حاصل ہیں جیسا کہ دیگر رعایا سرکار انگریزی کو حاصل ہیں۔ حضور لدھیانہ واپس تشریف لے گئے۔ جہاں کچھ عرصہ قیام فرما کر قادیان آ گئے۔ [۲۲]

حواشی

۱۔ "حیات احمد" جلد سوم حصہ اول صفحہ ۹۰۔

۲۔ "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۱۶۵-۱۶۶

۳۔ "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۱۷۷-۱۸۱

۴۔ "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۱۸۱-۱۸۳

۵،۶۔ "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۱۸۴-۱۸۵۔ پیر سراج الحق صاحب نے ان کا نام مولوی رحیم بخش لکھا ہے جو سہو ہے کیونکہ "رجسٹر بیعت" میں ۱۸۹۱ء کے مبائعین میں لاہور کے عالم مولوی رحیم اللہ صاحبؓ کی بیعت کا ذکر ملتا ہے اور انہی کو حضور نے اپنے ۳۱۳ اصحاب میں نمبر ۱۳۴ پر شامل کیا ہے آپ انجام آتھم کی اشاعت سے قبل فوت ہو چکے تھے۔

۷۔ "رجسٹر بیعت" میں مولوی غلام نبی صاحبؓ کی تاریخ بیعت ۲۹۔ مئی ۱۸۹۱ء درج ہے (مرتب)

۸۔ تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۱۸۹-۲۰۰ حضرت اقدسؑ نے مولوی صاحب کا ذکر خیر ازالہ اوہام صفحہ ۷۸۵-۷۸۶ طبع اول پر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "وہ دقیق فہم اور حقیقت شناس ہیں اور علوم عربیہ تازہ بتازہ ان کے سینہ میں موجود ہیں۔ اوائل میں مولوی صاحب موصوف سخت مخالف الرائے تھے.... لیکن آخر سعادت ازلی کشاں کشاں ان کو عاجز کے پاس لے آئی........ اور مخالفانہ خیالات سے توبہ کر کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے"۔
۳۱۳ اصحاب کی فہرست میں حضرت اقدسؑ نے ان کا نام ۱۳۴ نمبر پر درج فرمایا۔ آپ بھی مولوی رحیم اللہ صاحبؓ لاہوری کی طرح انجام آتھم کی اشاعت سے قبل رحلت فرما چکے تھے۔

۹۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ نمبر ۲ میں تفصیل ملاحظہ ہو۔

۱۰۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے مباحثہ لدھیانہ کے ایام میں یہاں تک کہہ ڈالا تھا کہ اگر قرآن سے مرزا صاحب کا دعویٰ ثابت ہو جائے تو میں قرآن ہی چھوڑ دونگا۔ (تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۳۳۰)

۱۱۔ تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۳۱۸-۳۲۳

۱۲۔ "روایات صحابہ" جلد اول صفحہ ۱۱۵-۱۱۶ غیر مطبوعہ (روایات حضرت میر عنایت علی صاحبؓ)

۱۳۔ سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۵

۱۴۔ یہ حدیث بخاری باب مناقب عمر بن الخطاب مصری جلد ۲ صفحہ ۱۹۱ پر ہے۔

۱۵۔ سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۵-۶

۱۶۔ خفیف سے تغیر کے ساتھ تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۲۵-۲۳۲ سے ماخوذ۔

۱۷۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ازالہ اوہام حصہ دوم

۱۸۔ تذکرۃ المہدی حصہ اول ۳۵۶

۱۹۔ "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۲۳۲-۲۳۵۔ الحکم ۱۴/۷۔ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۰

۲۰۔ "آسمانی فیصلہ"

۲۱۔ "سیرۃ المہدی" حصہ دوم صفحہ ۱۴۵-۱۴۶۔

۲۲۔ "ذکر حبیب" از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ صفحہ ۱۳-۱۴

۲۳۔ بدر ۲۱۔ نومبر ۱۹۰۲ء

۲۴۔ "ذکر حبیب" صفحہ ۱۸-۱۹ مرتبہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ۔

"ازالہ اوہام" کی تصنیف و اشاعت

لفظ توفی اور الدجال کے بارے میں ایک ہزار روپیہ کا انعامی اعلان

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیح ناصری کی وفات اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں "ازالہ اوہام" کے نام سے ۱۸۹۱ء کے وسط میں ایک نہایت مدلل و مبسوط اور جامع و مانع کتاب شائع فرمائی۔

یہ تصنیف لطیف جو حضورؑ نے چند ہی ماہ کے قیام لدھیانہ میں لکھی تھی۔ آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کے رموز و اسرار اور حقائق و معارف کا ایک بحر زخار ہے۔ اس میں قرآن مجید کی تیس آیات بینات سے وفات حضرت مسیح کا ایسا ثبوت پیش کیا اور اپنے مسیح موعود ہونے کے ثبوت میں دلائل عقلیہ و نقلیہ کا اتنا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے کہ خدا ترس حق پسند طالبان تحقیق کے لئے سر تسلیم جھکانے اور بے انصافوں کے لئے معقول جواب سے محروم رہ جانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ حضرت مسیح کی وفات اور حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے سے متعلق جو شکوک و شبہات اور وساوس و اوہام پیش کئے جاتے ہیں ان کا اس شان سے قلع قمع کیا گیا جس نے حقیقت کو آئینہ اور "ازالہ اوہام" کو اسم بامسمی بنا دیا۔ یہی وہ کتاب ہے جس میں حضرت اقدسؑ نے مسلمانان عالم کو یہ اہم وصیت فرمائی کہ "تم اپنے ان تمام مناظرات کا جو عیسائیوں سے تمہیں پیش آتے ہیں پہلو بدل لو اور عیسائیوں پر یہ ثابت کر دو کہ درحقیقت مسیح ابن مریم ہمیشہ کے لئے فوت ہو چکا ہے یہی ایک بحث ہے جس میں فتحیاب ہونے سے تم عیسائی مذہب کی روئے زمین سے صف لپیٹ دو گے"۔

حیات مسیح ناصریؑ کا عقیدہ جیسا کہ بعد کی تحقیقات سے معلوم ہوا عیسائیوں کی سازش کے تحت امت مسلمہ کے اعتقادات میں داخل ہوا تھا۔ [۱] جسے پارہ پارہ کرنا مسیح محمدیؑ کے ذریعہ سے مقدر تھا۔ اس وقت تو علماء اور عامتہ المسلمین نے حضرت مسیح موعودؑ کی اس وصیت پر عمل پیرا ہونے کی بجائے احتجاج کیا اور اسے مسیح علیہ السلام کی ہتک سے تعبیر کیا۔ مگر رفتہ رفتہ خود زمانہ نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ

اس نظریے کا اعتراف کرلیں۔ چنانچہ ایک مدت سے ہر طرف اس کی تائید میں آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ ازہر یونیورسٹی کے پروفیسر محمود شلتوت ۲ شیخ الجامعہ الازہر اور عرب مصر شام فلسطین اور لبنان کے دیگر جید علماء مثلاً علامہ محمد عبدہ مفتی مصر' الشیخ عبدالقادر المغربی' الاستاذ مصطفیٰ المراغی' الاستاذ عبدالوہاب النجار' الاستاذ احمد محی الدین العجوز ۳ اور عبداللہ التیشاوی الغزی نے بھی مسیحؑ کی وفات کا اعلان کر رکھا ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ برصغیر ہندو پاکستان کی ان مخصوص جماعتوں کی طرف سے بھی جو محض جماعت احمدیہ کی مخالفت کا مقصد لے کر اٹھتی رہی ہیں گاہے گاہے حضرت مسیحؑ کی وفات کا اعلان ہوتا رہتا ہے۔ ۴ مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸-۱۹۵۸ء) ایسے بلند پایہ عالم بھی بالآخر یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے کہ (حیات مسیح کا) "عقیدہ اپنی نوعیت میں ہر اعتبار سے ایک مسیحی عقیدہ ہے اور اسلامی شکل ولباس میں نمودار ہوا ہے"۔ ۵ اس کے علاوہ حال ہی میں پاکستان کے ایک عالم مولانا عبدالقیوم ندوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کا ترجمہ شائع کیا ہے جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے متعلق حدیث نبوی میں جو نازل ہونے کی پیشگوئی لکھی ہے اس کے معنے پیدا ہونے کے ہیں۔ ۶ اس حیرت انگیز تبدیلی کے نتیجہ میں بعض علماء کھلم کھلا اعتراف کر رہے ہیں کہ "ہماری قوم کی حالت زار کے مسیحا اسی نوخیز نسل کی صفوں سے جنم لیں گے"۔ ۷ یہ حضرت اقدسؑ کے علم کلام کی شاندار فتح ہے۔ لیکن بہرحال حضورؑ کی وصیت پر عمل پیرا ہونے اور آپ کے اس نظریہ سے حقیقی معنوں میں فائدہ اٹھانے کی توفیق جماعت احمدیہ ہی کو مل رہی ہے۔ جس کے عظیم الشان نتائج ایک عالم کے سامنے ہیں کہ عیسائیت ہر جگہ دم توڑ رہی ہے۔ اور اسلام کے روشن سورج کی ضیاء پاشیوں سے شرق و غرب بقعہ نور بنتے جاتے ہیں۔

مغرب سے آفتاب اسلام کے طلوع کی پیشگوئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ آخری زمانہ میں سورج مغرب سے طلوع ہو گا۔ ۸ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "ازالہ اوہام" میں بذریعہ کشف اس کی یہ تعبیر فرمائی کہ "ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت کفر و ضلالت میں ہیں آفتاب صداقت سے منور کئے جائیں گے اور ان کو اسلام سے حصہ ملے گا..... اور میری تحریریں ان لوگوں میں پھیلیں گی اور بہت سے راست باز انگریز صداقت کا شکار ہو جائیںگے در حقیقت آج تک مغربی ملکوں کی مناسبت دینی سچائیوں کے ساتھ بہت کم رہی ہے۔ گویا خدا تعالیٰ نے دین کی عقل تمام ایشیا کو دے دی۔ اور دنیا کی عقل تمام یورپ اور امریکہ کو۔ نبیوں کا سلسلہ بھی اول سے آخر تک ایشیا کے ہی حصہ میں رہا۔ اور ولایت کے کمالات بھی انہیں لوگوں کو ملے۔ اب خدا تعالیٰ ان لوگوں پر نظر رحمت ڈالنا چاہتا ہے"۔ ۹

اس کشف کی یہ حیرت انگیز صداقت ہے کہ مغربی ممالک میں آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام بڑی سرعت سے پھیل رہا ہے اور ان ممالک میں اسلام کی منظم تحریک قائم ہو چکی ہے - چنانچہ زمانہ حال کے ایک مسلمان محقق و مورخ شیخ محمد اکرام صاحب ایم - اے لکھتے ہیں - "احمدیہ جماعت کی تبلیغی کوششیں صرف انگلستان تک محدود نہیں بلکہ انہوں نے کئی دوسرے ممالک میں بھی اپنے تبلیغی مرکز کھولے ہیں - دنیا کے مسلمانوں میں سب سے پہلے احمدیوں اور قادیانیوں نے اس حقیقت کو پایا کہ اگرچہ آج اسلام کے سیاسی زوال کا زمانہ ہے لیکن عیسائی حکومتوں میں تبلیغ کی اجازت کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک ایسا موقعہ بھی حاصل ہے جو مذہب کی تاریخ میں نیا ہے اور جس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے .... اب روز بروز برصغیر پاک و ہند کے مسلمان بھی اس خیال کے پابند ہوتے جاتے ہیں کہ اسلامی دنیا کی مصلحت اس میں نہیں کہ پاک و ہند کے مسلمان ترکی یا مصر یا کسی اور مختصر سے اسلامی ملک کے "تابع مہمل" بنے رہیں بلکہ اسلامی مصلحتوں کا تقاضا ہے کہ علمی اور تبلیغی بلکہ اقتصادی اور تمدنی امور میں بھی پاکستان اور ہندوستان کے مسلمان دنیائے اسلام یا کم از کم اسلامی ایشیا کی راہنمائی کریں - یہ خیال قوم کے مطمع نظر کو بلند کر کے ایک نئی روحانی زندگی کا باعث ہو گا - لیکن اس کے ایک حصے کی عملی تشکیل سب سے پہلے احمدیوں نے کی" [10]

فتنہ دجال کی حقیقت

احادیث میں زمانہ مسیح موعودؑ کی جو علامات لکھی ہیں - ان میں دجال [11] کے ظاہر ہونے کی خبر بڑی اہمیت رکھتی ہے حضورؑ نے "ازالہ وہام" میں اس خبر سے پردہ حقیقت اٹھا کر لکھا کہ قرآن مجید میں مغربی اقوام کے جس سیاسی فتنہ کو یاجوج و ماجوج کے نام سے یاد کیا گیا ہے حدیث میں اسی کے مذہبی پہلو کو دجال کہا گیا ہے جو عیسائیت ہے اور جس کا خروج حدیثوں کے مطابق گرجے سے ہونا مقدر تھا - اس طرح آپ نے موجودہ دنیا کے ایک خطرناک ترین فتنے کی نشان دہی کر کے عالم اسلام کو اس کی فتنہ سامانیوں سے بچنے کی دعوت دی اور یہ حقیقت ہے کہ نہ صرف مہدی و مسیح کی آمد سے متعلق نشانیوں کے پورے ہونے کا اقرار اب مسلم علماء کر رہے ہیں بلکہ دجال وغیرہ کے ظہور سے متعلق آپ کی توجیہ بھی مقبولیت حاصل کر رہی ہے - [12]

ایک عجیب انکشاف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کتاب میں قدیم نوشتوں اور اپنے الہامات کی بناء پر یہ عجیب انکشاف بھی فرمایا کہ ازل سے مقدر تھا کہ ہزار ہفتم کی راہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ ایک آدم موعود مبعوث کرے گا - اور وہ آدم میں ہوں - اس وقت اس خیال کا مذاق اڑایا گیا لیکن اب آثار قدیمہ سے خود حضرت آدم علیہ السلام کی یہ پیشگوئی برآمد ہو گئی ہے کہ ساتویں ہزار میں ایک دوسرا آدم برپا ہو گا جو جلیل القدر نبی ہو گا - یہ پیشگوئی جو پتھر کے لوح پر

کندہ ہے حال ہی میں پروفیسر سمتھ کو اہرام مصر سے اتفاقاً دستیاب ہوئی ہے۔ [۱۳]

توفی اور الدجال کے بارہ میں ایک ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار

قرآن مجید نے وفات حضرت مسیح علیہ السلام کی خبر میں توفی [۱۴] کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنے محض قبض روح یا وفات دینے کے ہیں۔ لیکن چونکہ علمائے وقت آپ کے توجہ دلانے پر بھی توفی کے اسی لفظ سے جو حضرت مسیحؑ کی طبعی موت کا اعلان کر رہا تھا' ان کی جسمانی زندگی کا استدلال کر رہے تھے۔ لہٰذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں یہ زبردست انعامی چیلنج دیا کہ اگر کوئی قرآن کریم یا کسی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا قدیم و جدید عربی لٹریچر سے یہ ثبوت پیش کرے کہ کسی جگہ توفی کا لفظ خدا تعالیٰ کا فعل ہونے کی حالت میں جو ذی روح کی نسبت استعمال کیا گیا ہے قبض روح اور وفات دینے کے علاوہ قبض جسم کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے تو میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو مبلغ ہزار روپیہ نقد دوں گا۔ اور آئندہ اس کے کمالات حدیث دانی اور قرآن دانی کا اعتراف کر لوں گا۔ ایسا ہی اگر وہ یہ ثابت کر دیں کہ الدجال کا لفظ جو بخاری اور مسلم میں آیا ہے بجز دجال معہود کے کسی اور دجال کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے تو مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں ایسے شخص کو بھی جس طرح ممکن ہو ہزار روپیہ نقد تاوان کے طور پر دوں گا۔ [۱۵]

حضرت اقدسؑ کا یہ وہ عظیم الشان چیلنج ہے جسے قبول کرنے کی جرات آج تک کسی کو بھی نہیں ہو سکی۔

مسیح اور مہدی ایک ہیں

"ازالہ اوہام" کی تصنیف کے دوران میں حضرت اقدسؑ پر یہ بھی انکشاف ہوا کہ حدیثوں میں مسیح [۱۶] اور مہدی کی آمد سے متعلق جو پیشگوئیاں موجود ہیں ان کا مصداق ایک ہی شخص ہے جو بعض اوصاف کے لحاظ سے مسیح ہو گا اور بعض اوصاف کے لحاظ سے مہدی۔ اور وہ مسیح و مہدی آپ ہی ہیں۔ چنانچہ آپ نے "ازالہ اوہام" میں بڑی وضاحت سے لکھا کہ یہ خیال بالکل فضول ہے کہ مسیحؑ ایسی عظیم الشان شخصیت کے ظہور کے وقت کسی اور مہدی کا آنا بھی تسلیم کیا جائے کیا وہ خود مہدی نہیں ہے؟ [۱۷]

ایک عجیب واقعہ

"ازالہ اوہام" کی طباعت کے دوران میں شیخ نور احمد صاحب کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا جو شیخ صاحب کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔ "کتاب "ازالہ اوہام" جب میرے مطبع میں چھپ رہی تھی تو حضور اس کا مسودہ لدھیانہ میں لکھتے تھے اور میرے پاس بھیجتے جاتے تھے۔ میں نے "ازالہ اوہام" میں جب یہ پڑھا کہ مردے زندہ ہو کر نہیں آتے اور نہ

حضرت مسیح نے کسی حقیقی مردہ کو زندہ کیا تو مجھے بظاہر قدیم عقیدہ کی بناء پر تعجب ہوا۔ کہ حضرت صاحب نے یہ بات کیسی لکھی۔ گو میں نے اس بات کو تسلیم تو کر لیا مگر کوئی دلیل میرے پاس نہ تھی۔.......... پس میں اسی وقت تحقیق کی نیت سے لدھیانہ حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا....... آپ شہزادہ غلام حیدر صاحب کے مکان پر تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے مجھے دیکھتے ہی سلام مسنون کے بعد فرمایا کہ کتاب کی بڑی ضرورت تھی آپ کیوں چلے آئے؟ میں نے عرض کیا۔ مجھے ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے وہ پوچھ کر آج ہی واپس چلا جاؤں گا چنانچہ میں نے عرض کیا حضور نے "ازالہ اوہام" میں تحریر فرمایا ہے کہ کوئی مردہ زندہ نہیں ہوا اور نہ حضرت مسیح ناصریؑ ہی نے کسی مردہ کو زندہ کیا اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ قرآن شریف پر تو ہر ایک مسلمان کا یقین اور ایمان ہے کہ یہ کامل کتاب ہے اور خدا کا کلام ہے۔ اگر کوئی مردہ زندہ ہوا ہوتا یا زندہ ہو سکتا تو قرآن کریم ورثہ اور ترکہ میں اس کا حق ضرور رکھتا۔ جیسا کہ زندوں کا حق رکھا ہے۔ اب نعوذ باللہ یا تو قرآنی تعلیم کو ناقص ماننا پڑے گا کہ جس نے مدت کے بعد زندہ ہونے والوں کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا یا پھر یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ جسمانی طور پر مردے کبھی زندہ ہو کر واپس نہیں آتے۔ یہ جواب سن کر میری تسلی ہو گئی اور میں اسی روز امرتسر واپس آگیا۔ [۱۸]

سفر دلی

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے دعویٰ کی تبلیغ و اشاعت کے لئے دوسرا سفر ہندوستان کے قدیم دارالسلطنت اور مشہور علمی مرکز دلی کی طرف فرمایا۔ حضور مع ام المومنین و میر محمد اسمٰعیل صاحب وغیرہ قادیان سے روانہ ہو کر ۲۹۔ ستمبر ۱۸۹۱ء کو دلی پہنچے اور نواب لوہارو کی دو منزلہ کوٹھی واقع محلہ بلیماراں میں قیام فرما ہوئے۔ پہلی منزل میں مرد اور دوسری یعنی بالائی منزل میں حضرت ام المومنین مقیم ہوئیں۔ [۱۹] حضور کے دلی میں وارد ہوتے ہی چاروں طرف یہ خبر پھیل گئی۔ اہل دلی کے ایک طبقہ نے جو مخالف و متشدد علماء کے زیر اثر خطرناک غلط فہمیوں میں مبتلا تھا۔ خدا کے مسیحؑ سے ویسا ہی سلوک روا رکھا جیسا ماموران الٰہی کے ساتھ منکرین حق ابتداء سے کرتے چلے آئے ہیں۔ اور حضرت مسیح ناصری سے یہود نامسعود نے کیا تھا۔ حضور جس کوٹھی میں مقیم تھے اس کے نیچے بازار میں شوریدہ سر اور آتش مزاج لوگ نہایت بیباکی و خود سری سے گندی گالیاں دیتے اور کوٹھی پر خشت باری کرتے تھے۔ [۲۰]

سید نذیر حسین صاحب دہلوی اور مولوی عبدالحق صاحب کو مباحثہ کی دعوت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہی حالات میں ۲- اکتوبر کو شیخ الکل مولوی سید نذیر حسین صاحب (۱۸۰۵ - ۱۹۰۲) اور شمس العلماء مولوی عبدالحق صاحب حقانی (۱۸۴۹-۱۹۱۶) کو بذریعہ اشتہار قرآن و حدیث صحیح سے وفات مسیح پر تحریری بحث کی کھلی دعوت دی اور لکھا کہ امن قائم رکھنے کے لئے وہ خود سرکاری انتظام کرادیں کیونکہ میں مسافر ہوں اور اپنی عزیز قوم کا مورد عتاب اا اشتہار میں آپ نے یہ حلفیہ اقرار بھی کیا کہ اگر میں اس بحث میں غلطی پر ثابت ہوا تو میں اپنے دعوے سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ [۲۱]

شمس العلماء مولوی عبدالحق صاحب کی معذرت

اس اشتہار کے نکلنے پر مولوی عبدالحق صاحب حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ "حضرت میں تو آپ کا بچہ ہوں۔ آپ میرے بزرگ ہیں آپ کا مقابلہ بھلا مجھ جیسا ناچیز آدمی کیا کر سکتا ہے۔ میرا نام اشتہار سے کاٹ دیں۔ میں ایک فقیر گوشہ نشین اور ایک زاویہ گزین درویش ہوں اور مباحثات سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ اچھا آپ ہی اپنے ہاتھ سے کاٹ دیں۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اپنے ہاتھ سے اپنا نام کاٹ دیا۔ [۲۲]

شیخ الکل مولوی سید نذیر حسین صاحب کا انکار

مولوی عبدالحق صاحب نے تو یوں پہلو بچایا ممکن تھا کہ مولوی نذیر حسین صاحب بھی خاموش رہتے۔ مگر حضرت اقدسؑ کی آمد سے ایک دن پہلے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی پہنچ گئے۔ بٹالوی صاحب نے مولوی نذیر حسین صاحب کو اپنے متشدد خیالات سے متاثر کرنا شروع کیا۔ مولوی نذیر حسین صاحب نے ان سے ایک دفعہ کہا بھی کہ بڑھاپے میں مجھے رسوا نہ کرو اور اس قصے کو جانے ہی دو حضرت مسیحؑ کی جسمانی زندگی کا کہیں بھی ثبوت نہیں مل سکتا۔ لیکن مولوی محمد حسین صاحب نے ان سے کہا کہ اگر آپ ایسے کلمات زبان پر لائیں گے تو سب لوگ آپ سے پھر جائیں گے [۲۳]

شیخ الکل عمر رسیدہ تھے اپنے شاگرد کی زبان سے یہ سن کر خوفزدہ ہو گئے اور مجبوراً حضرت اقدسؑ کے مقابلے پر کمربستہ ہونا پڑا۔ اب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے بعض دوسرے شاگردوں نے یہ شرارت کی کہ حضرت اقدس کو براہ راست کسی قسم کی کوئی اطلاع دئے بغیر مباحثے کا ایک دن مقرر کر لیا اور عین وقت پر حضرت اقدسؑ کے پاس آدمی بھیجا کہ مباحثے کے لئے تشریف

لائیے۔ اور ساتھ ہی دلی کے عوام کو بے بنیاد اتہامات سے مشتعل کر کے اسی دن آپ کی کوٹھی کا محاصرہ کرا دیا۔ حضرت اقدسؑ کے لئے اخلاقاً اس یکطرفہ جلسہ میں پہنچنا ضروری نہیں تھا۔ مگر پھر بھی حضور نے وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن عین جلسہ کے وقت جب مفسد لوگوں نے صورت حال ہی بدل دی۔ تو مجبوراً یہ حالت دیکھ کر حضور بالا خانے پر چلے گئے۔ ہجوم نے کواڑوں پر حملہ کر دیا اور کچھ لوگ مکان کے اندر بھی داخل ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعض سرکش بالا خانے میں بھی پہنچ گئے۔ ان حالات میں حضرت اقدسؑ یہی جواب دے سکتے تھے۔ اور آپ نے یہی جواب دیا کہ خود بخود فریق ثانی کی منظوری اور شرائط کے تصفیہ کے بغیر مباحثہ کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ اور مجھے عین وقت پر اطلاع دی گئی ہے اور مجھے تو اس صورت میں بھی انکار نہ ہوتا۔ مگر آپ کے شہر میں مخالفت کا یہ حال ہے کہ سینکڑوں بدلگام میرے مکان کے اردگرد شرارت کی نیت سے جمع ہیں اور ذمہ دار لوگ انہیں نہیں روکتے بلکہ اشتعال انگیز الفاظ کہہ کہہ کر الٹا جوش دلاتے ہیں۔ پس جب تک میں اپنے پیچھے اپنے مکان اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کا انتظام نہ کر لوں میں نہیں جا سکتا۔ اور علاوہ ازیں ابھی تک جائے مباحثہ اور راستہ میں بھی حفظ امن کا کوئی انتظام نہیں ہے [۲۴] شیخ الکل کے شاگرد فرار کے لئے کسی بہانہ کی تلاش میں تھے اب جو حضرت اقدسؑ کی طرف سے یہ جواب ملا تو انہوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اور اپنی جھوٹی فتح کا نقارہ بجاتے ہوئے شور مچانے لگے کہ مرزا صاحب بھاگ گئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ مشورہ بھی ہوا کہ آپ کے اشتہار چھپنا بند کر دو۔ یہ بڑی مشکل تھی مگر خدا تعالیٰ نے جلد ہی اس منصوبے کا تدارک بھی کر دیا۔

دلی میں ایک اہل حدیث عالم کی طرف سے ایک اشتہار نکلا کہ غلام احمد وغیرہ نام رکھنا شرک میں داخل ہے فتح پور کے ایک بڑے حنفی عالم مولوی محمد عثمان صاحب نے اس کے جواب میں ایک اشتہار شائع کیا کہ علماء اہلحدیث نے اس اشتہار میں دراصل ہم سب مقلدین پر طنز کی ہے کیونکہ ہمارے نام اس قسم کے ہیں۔ اور ہم ان ناموں کو جائز سمجھتے ہیں۔ پھر وہ خفیہ طور پر حضرت اقدس علیہ السلام کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے میں آپ سے ایسی محبت رکھتا ہوں جیسی اپنی جان سے۔ ان لوگوں نے بڑی شرارت کی ہے میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوں۔ گو میں آپ کو مسیح موعود نہیں مانتا مگر میں آپ کی طرف ہوں آپ جو اشتہار وغیرہ چھپوانا چاہیں میری معرفت چھپوائیں میرا ایک شاگرد عمدہ کاپی نویس ہے اور ایک مطبع والا میرا شاگرد ہے۔ میں اس کے مطبع میں چھپوا دوں گا۔ [۲۵] سو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا ترس علماء کی مغالطہ انگیزیوں کا پردہ چاک کرنے اور عوام تک اصل واقعات پہنچانے کے لئے ۱۷۔ اکتوبر کو انہی کے ذریعہ سے ایک اشتہار دیا کہ

میں نے اب حفاظت کا انتظام کر لیا ہے مولوی سید نذیر حسین صاحب جہاں چاہیں بحث کے لئے حاضر ہو جاؤں گا اور ہر گز تخلف نہ کروں گا- وَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى مَنْ تَخَلَّفَ- اس اشتہار میں حضور نے مولوی نذیر حسین صاحب کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر لکھا کہ وہ مرد میدان بنیں اور حیات مسیح کے متعلق تحریری مباحثہ کر لیں- اس اشتہار میں حضور نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ اگر آپ کسی طرح بحث کرنا نہیں چاہتے تو ایک مجلس میں میرے تمام دلائل سن کر تین مرتبہ قسم کھا کر کہدیں کہ یہ دلائل صحیح نہیں ہیں اور صحیح اور یقینی امر یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ ابن مریم زندہ بجسدہ العنصری آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور یہی میرا عقیدہ ہے اس پر اگر ایک سال کے اندر اندر آپ خدا کے عبرتناک عذاب سے بچ نکلیں تو میں جھوٹا ہوں- [۲۶]

مولوی نذیر حسین صاحب نے چند روز قبل (۱۳- اکتوبر ۱۸۹۱ء) حضرت اقدس کی خدمت میں لکھا تھا کہ آئندہ آپ مجھے خط و کتابت سے معاف رکھیں جو کچھ کہنا ہو میرے تلامذہ مولوی عبدالمجید صاحب اور مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب سے کہیں اور انہی سے جواب لیں- [۲۷] حضرت اقدسؑ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ آپ بقول بٹالوی صاحب شیخ الکل ہیں- گویا آپ سارے جہان کے مقتدا ہیں اور بٹالوی صاحب اور عبدالمجید صاحب جیسے آپ کے ہزاروں شاگرد ہوں گے- اگر بٹالوی صاحب کو ایک مرتبہ نہیں ہزار مرتبہ ساکت کر دیا جائے تو اس کا کیا اثر ہو گا- [۲۸]

اس اشتہار کے شائع ہوتے ہی دلی والوں میں کھلبلی مچ گئی- آخر انہوں نے بات یہ بنائی کہ مولوی نذیر حسین صاحب بہت بوڑھے ہیں- مرزا صاحب نے دیکھ لیا کہ اب مرنے والے تو ہیں ہی چلو ایسا اشتہار دے دو یہ مر جائیں گے اور ہماری بات بن جائے گی ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے اور نہ مولوی نذیر حسین صاحب یہ بات مان سکتے ہیں- مگر دلی کے شریف اور متین طبقے نے ان کی یہ روش دیکھ کر زور دینا شروع کیا کہ مولوی نذیر حسین صاحب قسم کھائیں- سچ اور جھوٹ میں واقعی تمیز ہو جائے گی- [۲۹] چنانچہ فیصلہ ہوا کہ ۲۰- اکتوبر ۱۸۹۱ء کو عصر کی نماز کے بعد مباحثہ ہو یا قسم اٹھائی جائے- جو لوگ دیانتداری سے حق و باطل کا فیصلہ چاہتے تھے وہ اس دن کا بشدت انتظار کرنے لگے- لیکن مخالف عنصر نے جس کی تعداد زیادہ تھی یہ فیصلہ کیا کہ آپ کو مسجد ہی میں قتل کر دینا چاہیے- [۳۰]

جامع مسجد دلی میں اجتماع

چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو ۲۰- اکتوبر کی صبح ہی سے یہ پیغام آنے لگے کہ آپ جامع مسجد میں ہر گز نہ جائیں فساد کا اندیشہ ہے- دلی کے لوگ آپ کے قتل کے درپے ہیں- یہ بات بالکل صحیح تھی- مگر حضرت اقدس علیہ السلام بار بار فرماتے تھے کہ کوئی پروا نہیں- اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے- اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واللہ

یعصمک من الناس - اللہ تعالیٰ کی حفاظت کافی ہے۔ [21]

ظہر و عصر کی نماز ظہر کے وقت ہی جمع کی گئی - اور دو تین بگھیاں کرایہ کی منگائی گئیں - ایک بگھی میں حضرت اقدس علیہ السلام، سید امیر علی شاہ صاحب، مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی اور ایک اور بزرگ - ایک بگھی میں پیر سراج الحق صاحب - غلام قادر صاحب فصیح سیالکوٹی اور محمد خاں صاحب کپور تھلوی اور ایک اور بزرگ اور تیسری میں حکیم فضل دین [22] صاحب بھیروی اور بعض اور بزرگ بیٹھ گئے جن سب کی تعداد حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے حواریوں کی مانند بارہ تھی ان بزرگوں میں سے باقی چھ کے نام یہ ہیں - شیخ رحمت اللہ صاحب - منشی اروڑا خان صاحب - حافظ حامد علی صاحب - میر محمد سعید صاحب (حضرت میر ناصر نواب صاحب کے بھانجے) سید تفضیلت علی صاحب منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی - [23] راستے میں کئی بدبخت گھات میں بیٹھ گئے کہ بندوق سے حضور پر فائر کر دیں - لیکن خدا تعالیٰ کی قدرت!! کہ جس راہ سے حضرت اقدسؑ اور آپ کے خدام کو جانا تھا بگھی والوں نے کہا کہ ہم اس راہ سے نہیں جائیں گے - گویا خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بگھی والوں کے دل میں مخالفت ڈال دی اور بفضلہ تعالیٰ حضور بخیریت مسجد جامع کے جنوبی دروازہ کی سیڑھیوں تک پہنچ کر جو آدمیوں سے بھری ہوئی تھیں - گاڑی سے باہر تشریف لائے - خدام کچھ حضور کے دائیں بائیں ہو گئے اور کچھ عقب میں اور حضور نہایت متانت و وقار سے سیڑھیاں طے فرما کر دروازہ مسجد کے اندر داخل ہوئے - اور صحن مسجد سے گذر کر وسطی محراب مسجد میں رونق افروز ہو گئے - مسجد میں بھی ہزاروں کا مجمع تھا - جس کی تعداد اس ہجوم کی تعداد کو جو سیڑھیوں پر تھا شامل کر کے پانچ ہزار [24] یا اس سے بھی زیادہ ہو گی - حضورؑ کے دائیں بائیں حضرت مولوی عبد الکریم صاحب اور حضرت منشی ظفر احمد صاحب وغیرہ بیٹھے اور سامنے حضرت پیر سراج الحق صاحب اور قریب ہی کتب متعلقہ مباحثہ رکھ دی گئی تھیں - اس اثنا میں یوروپین سپرنٹنڈنٹ پولیس اپنے ہمراہ انسپکٹر پولیس اور ایک سو سے زیادہ وردی پہنے ہوئے سپاہیوں کو لے کر آ گیا - اور حضرت اقدسؑ کو معہ خدام حلقہ میں لے لیا - تھوڑے وقفہ کے بعد شیخ الکل جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب اور انکے شاگرد ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی عبد المجید صاحب انصاری دہلوی وغیرہ علماء مسجد کے شمالی دروازے سے داخل ہو کر اسی دالان میں بیٹھ گئے جس کا سلسلہ دروازے کے اندر قدم رکھتے ہی شروع ہو جاتا ہے - تھوڑی دیر کے بعد ان لوگوں نے مسجد میں آ کر نماز عصر ادا کی اور پھر اسی دالان میں جہاں پہلے بیٹھے تھے چلے گئے - حضرت اقدسؑ کی طرف جو مع خدام مسجد میں تشریف رکھتے تھے نہ آئے -

اب مولوی عبد المجید صاحب انصاری وغیرہ جن میں مولوی محمد حسین بٹالوی شامل نہیں تھے اپنی

اپنی جگہ سے اٹھے اور باقی علماء کے نمائندے بن کر پولیس افسر جو دالان کے باہر قریب ہی موجود تھا باتیں کرنے لگے۔ [۲۵] مولوی سید نذیر حسین صاحب اپنی جگہ خاموش بیٹھے تھے اور ان کے چہرے سے سخت پریشانی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جناب مولوی محمد نذیر حسین صاحب کو ایک رقعہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ میں موجود ہوں اب آپ جیسا کہ اشتہار ۱۷۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں میری طرف سے شائع ہو چکا ہے حیات و وفات مسیح کے بارے میں مجھ سے بحث کریں اور اگر بحث سے عاجز ہیں تو یہ قسم کھالیں کہ میرے نزدیک مسیح ابن مریمؑ کا زندہ بجسد عنصری آسمان پر اٹھایا جانا قرآن و حدیث کے نصوص صریحہ قطعیہ بینہ سے ثابت ہے اس قسم کے بعد اگر ایک سال تک آپ اس جھوٹے حلف کے اثر بد سے محفوظ رہے تو میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کروں گا بلکہ اس مضمون کی تمام کتابیں جلا دوں گا۔

مولوی صاحب موصوف نے حضرت اقدسؑ کے رقعہ کا تو کوئی جواب نہ دیا۔ ہاں اپنے نمائندے کے ذریعہ سے پولیس افسر تک مباحثہ نہ کرنے کا یہ عذر پہنچا دیا کہ یہ شخص عقائد اسلام سے منحرف ہے جب تک اپنے عقائد کا ہم سے تصفیہ نہ کرلے ہم حیات و وفات مسیح علیہ السلام کے بارہ میں اس سے ہرگز بحث نہ کریں گے۔

حضرت اقدسؑ نے سپرنٹنڈنٹ پولیس کو اس کے استفسار پر یہ جواب دیا کہ یہ ان (مولوی نذیر حسین صاحب) کے فہم کا قصور ہے۔ ورنہ میرے تمام عقیدے اہل سنت و جماعت کے بنیادی عقائد کے بالکل مطابق ہیں ان سے انکار کرنے والے کو میں دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں اس صورت میں ان تمام عقائد مسلمہ میں بحث کیا کروں بحث تو اختلاف کی صورت میں ہوتی ہے نہ اتفاق کی حالت میں۔ پس اصل اختلافی مسئلہ حضرت مسیحؑ کی حیات و وفات ہے لیکن مولوی نذیر حسین صاحب اور ان کے شاگرد اپنی ضد پر اڑے رہے اور اس بحث سے بار بار انکار کرتے رہے۔ [۲۶]

پھر قسم کے بارے میں گفتگو ہوئی اس سے بھی ان لوگوں نے انکار کیا اور کہا کہ مولوی صاحب بوڑھے اور ضعیف ہیں ہم نہ قسم کھائیں اور نہ اس پر مولوی صاحب کو آمادہ کریں۔ [۲۷] ان کے اس قسم کے عذرات سن کر خواجہ محمد یوسف صاحب وکیل اور آنریری مجسٹریٹ علی گڑھ حضرت اقدسؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اپنے عقائد لکھ دیں۔ لوگوں کا گمان ہے کہ آپ کے عقائد خلاف اسلام ہیں۔ آپ کا لکھا ہوا میں سنا دوں گا۔ اور ایک نقل اس کی علی گڑھ بھی لے جاؤں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی وقت اپنے عقائد سے متعلق ایک بیان لکھ کر انہیں دے دیا۔ جو خواجہ محمد یوسف صاحب نے بلند آواز سے پڑھ کر سنا دیا۔ اور پھر اس بات پر زور دیا کہ جب ان عقائد

میں در حقیقت کوئی نزاع ہی نہیں فریقین بالاتفاق مانتے ہیں تو پھر ان میں بحث کیونکر ہو سکتی ہے؟ بحث کے لائق تو وہ مسئلہ ہے جس میں فریقین اختلاف رکھتے ہیں یعنی وفات و حیات مسیحؑ کا مسئلہ۔ جس کے طے ہونے سے سارا فیصلہ ہو جاتا ہے بلکہ حیات مسیح کے ثبوت کی صورت میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ساتھ ہی باطل ہو جاتا ہے۔ اور بار بار حضرت اقدسؑ کا نام لے کر کہا کہ انہوں نے خود وعدہ کر لیا ہے کہ اگر نصوص بینہ قرآن و حدیث سے حیات مسیحؑ ثابت ہو گئی تو میں مسیح موعود ہونے کے دعوے سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ الغرض خواجہ صاحب نے بہت کوشش کی کہ علماء اس مسئلہ کی طرف آئیں۔ مگر علماء کو تو اس مسئلہ میں بحث منظور ہی نہیں تھی وہ کیوں اس طرف آتے۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اس وقت ایک شخص نے کھڑے ہو کر بڑے درد سے کہا کہ آج تو شیخ الکل صاحب نے دہلی کی عزت خاک میں ملا دی اور ہمیں خجالت کے دریا میں ڈبو دیا۔ بعض نے کہا کہ اگر ہمارا یہ مولوی سچ پر ہوتا تو اس شخص سے ضرور بحث کرتا۔ یہ تو نزدیک والوں کے خیالات تھے لیکن جو نادان اور جاہل دور کھڑے تھے اور جنہیں معلوم نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے وہ مشتعل ہو گئے۔ [۲۸] اور اپنے خونی پروگرام کی تکمیل کے لئے آمادہ ہونے لگے۔ پولیس افسر نے یہ دیکھ کر کہ اب فساد ہوا چاہتا ہے اپنے ماتحت افسر کو حکم دیا کہ مجمع منتشر کر دو۔ چنانچہ اعلان کر دیا گیا کہ کوئی مباحثہ نہیں ہو گا۔ سب چلے جائیں۔ اس اعلان پر حضرت اقدسؑ نے اٹھنے کا قصد فرمایا مگر منشی ظفر احمد صاحب کے یہ عرض کرنے پر کہ مولوی نذیر حسین صاحب وغیرہ بھی تو رخصت ہوں رک گئے بحالیکہ مولوی صاحب موصوف اور ان کے رفقاء اسی دالان میں بیٹھے تھے جس میں دروازہ ہے۔ اس لئے وہ چلے جانے کا اعلان ہوتے ہی دروازے سے باہر ہو گئے تھے یہ معلوم ہونے پر حضرت اقدسؑ بھی مع خدام اٹھے۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس حضور کے ہمراہ تھے۔ حضور کے بارہ خادموں نے حضور کے گرد حلقہ کر لیا۔ اور ان کے گرد پولیس کے جوانوں نے۔ بگھیوں کا دو طرفہ کرایہ ادا کر دیا گیا تھا لیکن باہر آکر معلوم ہوا کہ ایک بگھی بھی موجود نہیں ہے۔ کیونکہ ایذا رساں بگھی والوں کو بہکا کر پہلے ہی بھگا چکے تھے۔ اور دوسری تمام بگھیاں وغیرہ مسجد کی سیڑھیوں تک آنے سے روک دی گئی تھیں۔ حضرت اقدسؑ کو مع خدام کچھ دیر اس انتظار میں رکنا پڑا کہ کوئی بگھی یا گاڑی آجائے۔ شوریدہ سروں نے جو حضرت اقدسؑ کو دیکھا تو حضورؑ کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس نے یہ رنگ دیکھا تو حضورؑ سے کہا ان لوگوں کا ارادہ ٹھیک نہیں ہے۔ آپ میری گاڑی میں تشریف لے جائیں حضور مسجد کی سیڑھیوں سے اتر کر اس گاڑی میں بیٹھ گئے تو صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس نے کوچ مین سے کہا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو گاڑی کو کوٹھی میں پہنچاؤ۔ حضورؑ کے تشریف لے جانے پر لوگوں نے حضور کے خدام سے بحث کرنی چاہی۔ چونکہ وہ موقع

ایسا نہیں تھا اس لئے اعراض کیا گیا۔

جب تک حضرت اقدسؑ کو کوٹھی پر پہنچا کر گاڑی واپس نہیں آگئی صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس مسجد کی سیڑھیوں پر ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد حضورؑ کے خدام روانہ ہوئے تو یہ فرض شناس پولیس افسر لوگوں کو منتشر کرتا رہا۔ آخر سب خدام بھی بخیرت حضورؑ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ [۲۹]

دہلی کے ہر طبقے کی طرف سے مخالفت

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف اہل دلی کے بعض طبقات میں سے حق پسندی و منصف مزاجی سے تعلق نہ رکھنے اور اپنے معتقدات کے خلاف کچھ سنتے ہی بھڑک اٹھنے والے تو ابتداء ہی سے خلاف انسانیت حرکات میں مشغول تھے لیکن مسجد جامع کے واقعہ نے ان طبقات کے آشفتہ دماغ آتش مزاج اشخاص کو بھی ان کی قیام گاہوں سے نکال کر میدان مخالفت میں کھڑا کر دیا۔ جو اب تک پہلے مخالفت کرنے والوں کے ساتھ شامل نہیں تھے۔ بحالیکہ مخالفت کی کوئی معقول وجہ نہ تو پہلے موجود تھی نہ اب۔ اور اب تو وہ یہ بھی دیکھ چکے تھے۔ کہ جس مسئلہ پر بحث کے لئے اور بحث نہ کرنے کی صورت میں قسم کھا کر دلائل وفات مسیح کو غلط اور اپنے عقیدہ حیات مسیح کو صحیح قرار دینے کا مولوی محمد نذیر حسین صاحب سے مطالبہ کیا گیا تھا۔ وہ انہوں نے پورا نہیں کیا ہے یعنی نہ تو مسئلہ مذکورہ میں بحث کی ہے اور نہ حسب مطالبہ قسم کھائی ہے۔ اس حالت میں حضرت اقدسؑ کے خلاف جوش و خروش کی توان کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں تھی اپنے شیخ الکل پر غصہ کرنے یا کم از کم ان کی اس حالت پر کہ نہ انہوں نے بحث کی ہے اور نہ مطالبہ قسم پورا کیا ہے متاسف ہونے کا موقعہ تھا۔ اگر وہ اس امر پر ایک طالب تحقیق کی طرح غور کرتے کہ مولوی سید نذیر حسین صاحب جیسے شہرہ آفاق عالم نے مسئلہ حیات و وفات مسیحؑ میں بحث کیوں نہیں کی اور بحث نہ کر سکنے کی حالت میں حسب مطالبہ قسم کیوں نہ کھائی عقیدہ حیات مسیحؑ کی حقیقت ان سے مخفی نہ رہتی۔ اور ان کی سمجھ میں آجاتا کہ جب شیخ الکل نے اس مسئلہ میں بحث نہیں کی اور حسب مطالبہ قسم نہیں کھائی تو ہمارے شور مخالفت برپا کرنے سے کیا ہاتھ آئے گا اور اس سے حیات مسیح کا عقیدہ کس طرح صحیح ثابت ہو جائے اس اختلافی مسئلہ کی صحت و عدم صحت معلوم کرنے کا ذریعہ تو از روئے آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ مبادلہ خیالات ہی ہے نہ اختلاف رکھنے والے کے خلاف شور و غوغا اور طوفان مزخرفات اور یہ سمجھ کر وہ اپنے ہنگامہ بے جا و حرکات ناروا سے باز آجاتے۔ لیکن چونکہ وہ مخالف علماء کے لگائے ہوئے غلط الزاموں اور باطل اتہاموں سے اتنے متاثر و مشتعل ہو چکے تھے کہ ان میں حضرت اقدسؑ کے خلاف ہنگامے برپا کرنے اور اشتعال پھیلانے کے سوا کسی اور امر کی طرف توجہ کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی تھی۔ اس لئے وہ مخالفت ہی میں سرگرم

رہے اور یہ مخالفت خاص خاص طبقات کے شورش پسند افراد تک محدود نہ رہی بلکہ اس نے پیروں فقیروں اور مغربیت زدہ وغیرہ گروہوں کے افراد کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا - اور پہلے پچھلے دونوں قسم کے مخالف اپنی اپنی مناسبت طبع اور ذوق فطری کے مطابق جو ہر دنائت و سفاہت کا مظاہرہ کرنے اور شرافت و انسانیت کو شرمانے لگے اس موقعہ پر ان کی کارستانیوں اور کرتوتوں کی بہت سی گوناگوں مثالوں میں سے صرف ایک ہلکی سی مثال پیش کی جاتی ہے - اور یہ مثال ہے بھی ان کی جو مشہور صحافی بھی ہیں اور بہت سی کتابوں کے مولف و مصنف بھی اور جنہوں نے قرآن شریف اور بخاری شریف کا ترجمہ بھی کیا ہے اور جن کا نام ہے مولوی امراء مرزا صاحب حیرت دہلوی (۱۸۵۸ - ۱۹۲۸) آپ مغربیت کے دلدادہ' اور اس پر فخر کرنے والے بھی تھے - اور زمرہ علماء میں سے ہونے کا غرہ رکھنے والے بھی - آپ نے بعض اور علماء کے مشورہ سے اس مضمون کا ایک اشتہار چھپوایا - کہ اصل مسیحؑ میں ہوں جو آسمان سے اترا ہوں اور دلی میں دجال آیا ہوا ہے اور آپ یہ اشتہار لے کر فتح گڑھ کے منار پر چڑھ گئے اور وہاں سے یہ اشتہار پھینکنے لگے - حضرت اقدسؑ نے حیرت صاحب کی اس سفلہ خوئی پر اشتہار مورخہ ۲۳ - اکتوبر ۱۸۹۱ء میں دلی والوں کو بڑی شرم دلائی ہے - پھر یہی مرزا حیرت صاحب ایک روز پولیس افسر بن کر حضرت اقدسؑ کے پاس آئے اور کہا میں سپرنٹنڈنٹ پولیس ہوں - اور مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ میں آپ سے دریافت کروں کہ آپ کس غرض کے لئے آئے ہیں اور کس قدر عرصہ ٹھہریں گے - اور اگر کوئی فساد ہو تو اس کا ذمہ دار کون ہے - آپ مجھے اپنا بیان لکھوا دیں بلکہ یہاں تک کہا کہ سرکار سے حکم ہوا ہے کہ یہاں سے فوراً چلے جاؤ ورنہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہو گا - حضرت اقدسؑ نے مرزا حیرت کی طرف ذرہ بھی التفات نہ کیا - صرف سید امیر علی شاہ صاحب نے جو اہلکار پولیس تھے ان سے کچھ دریافت کرنا چاہا - تو وہ گھبرائے اور اپنا بھرم کھلتا دیکھ کر چلتے بنے - [۲۲]

اس مثال سے قیاس ہو سکتا ہے کہ جو شخص بہت سی کتابوں کا مصنف و مولف ہو اور قرآن کریم اور بخاری شریف کے مترجم ہونے کا حوصلہ رکھنے والا بھی ہو جوش مخالفت میں ایسی ذلیل و شرمناک حرکتوں سے باز نہ رہ سکا تو اسی جیسا علم اور دل و دماغ رکھنے والوں اور پھر عوام کالانعام کا کیا حال ہو گا -

اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے طبائع کا فرق بھی کتنا عجیب ہے جہاں دلی کے ہزاروں آتش مزاجوں اور شورش پسندوں میں سے کسی ایک کو بھی یہ خیال نہ ہوا کہ مطالبہ تو مسئلہ حیات و وفات حضرت مسیح علیہ السلام میں مباحثہ کا ہے اور وہ پورا ہو سکتا ہے مولوی سید نذیر حسین صاحب کے مسئلہ مذکورہ میں مباحثہ کر لینے یا نہ کر سکنے کی حالت میں حسب مطالبہ قسم کھا لینے سے ہماری زشت کاریوں اور خشت باریوں اور تمسخر و استہزاء وغیرہ سے وہ کس طرح پورا ہو جائیگا وہاں دلی ہی کے شریف و شائستہ متین و

سنجیدہ اور امن پسند لوگوں کو ابتداء ہی سے یہ خیال تھا۔ کہ ایک معزز شخص اپنے چند عقیدت مندوں کو ساتھ لے کر ہندوستان کے قدیمی دارالسلطنت اور مشہور علمی مرکز دلی میں وارد ہوا ہے اور اس نے علمی لحاظ سے اس شہر کی عظیم شخصیت سے مسئلہ حیات و وفات حضرت مسیحؑ میں مباحثہ کا مطالبہ کیا ہے اور ساتھ ہی یہ اقرار بھی شائع کر دیا ہے کہ اگر از روئے آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ حیات حضرت مسیحؑ ثابت کر دی گئی تو اس نے وفات حضرت مسیحؑ کے ثبوت میں جو کتابیں لکھی ہیں وہ جلا دے گا۔ اور حیات حضرت مسیحؑ ثابت کرنے والے کے ہاتھ پر بیعت کر لے گا۔

کیا انصافاً یہ مطالبہ ایسا ہے جو اینٹ پتھر گالی گلوچ اور تمسخر و استہزاء یا اسی قسم کی اور حرکات بے جا و ناروا کے ذریعہ ٹال دیا جائے ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ ہرگز ایسا نہیں بلکہ یہ تو ایسا مطالبہ ہے جس کا پورا کیا جانا اشد ضروری ہے اور مسئلہ متنازعہ حیات و وفات مسیحؑ میں ضرور مباحثہ ہونا چاہیے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا اور طالب مباحثہ کی جائے قیام پر یورش اور کواڑ توڑ کر اندر گھسنے اور حسب حوصلہ دل کی بھڑاس نکالنے کا جوش و خروش ٹھنڈا نہ ہو گیا اور چند مسافر مصائب مسلسل کو برداشت نہ کر کے مباحثہ کئے بغیر ہی شہر سے نکل جانے پر مجبور ہو گئے تو نتیجہ نہایت افسوسناک ہو گا۔ دنیا اسے کبھی اچھی نظر سے نہ دیکھے گی علماء کے اعتبار و وقار میں فرق پڑے گا۔ حیات مسیحؑ کے عقیدے میں تزلزل پیدا ہو جائیگا بہت سے اسے چھوڑ دیں گے اور بہت سے تذبذب میں پڑ جائیں گے ان تمام امور کے لحاظ سے مباحثہ ہو جانے کی بے حد ضرورت ہے اور کوشش ہونی چاہیے کہ مباحثہ ضرور ہو جائے چنانچہ ایسے ہی خیال والوں میں سے ایک معاملہ فہم و محل شناس انسان کو مباحثہ کا انتظام کر دینے کی توفیق مل گئی۔

علی جان والوں کی طرف سے مولوی محمد بشیر صاحب کو دعوت مباحثہ

علی جان والوں کو جو دلی میں ٹوپیوں کی ایک بڑی فرم کے مالک اور مذہباً اہلحدیث تھے اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر ابتدا ہی سے یہ علم تھا کہ دلی کے علماء خواہ وہ احناف میں سے ہوں یا اہلحدیث میں سے۔ آپ کے ساتھ مسئلہ حیات و وفات مسیحؑ میں مباحثہ کرنے کے لئے حقیقتاً ایک بھی آمادہ نہیں۔ اشتہار شائع کئے جائیں گے تقریریں ہونگی مگر مسئلہ مذکورہ میں مباحثہ ہرگز نہ کیا جائے گا وہ خود یہی یقین رکھتے تھے کہ حیات حضرت مسیحؑ کا عقیدہ ایک اسلامی عقیدہ اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے پھر اس میں مباحثہ نہ کرنا کیا معنے۔ انہیں بڑا دکھ تھا کہ اس مسئلہ میں مباحثہ نہ کئے جانے سے تو عقیدہ حیات مسیحؑ کو بڑی ٹھیس لگے گی۔ اور یہ بالکل ہی متزلزل ہو جائے گا۔ علماء دلی سے وہ مایوس ہو چکے تھے اس مسئلہ میں مباحثہ کو ضروری سمجھتے تھے۔ اس حالت میں وہ مجبور ہو گئے کہ باہر کے علماء میں سے کسی کو اس مباحثہ کے لئے آمادہ کریں اور باہر والوں میں سے ان کی

نظر مولوی سید محمد بشیر صاحب سہوانی کے سوا اور کسی کی طرف کہاں جا سکتی تھی وہ اس زمانے کے بہت بڑے عالم بھی تھے اور علی جان والوں کے ہم مذہب بھی۔ آخر اس مباحثہ کے لئے ان کی منظوری حاصل کر لی گئی۔ [۲۷۱]

مولوی سید محمد بشیر سہواں ضلع بدایوں کے رہنے والے اور اہل حدیث کے ایک مشہور و جید عالم تھے اور بعض دوسرے علماء اہل حدیث کی طرح نواب سید محمد صدیق حسن خاں رئیس بھوپال کے قائم فرمائے ہوئے اشاعتی ادارے سے وابستہ' اور مولانا سید محمد احسن صاحب امروہی کی طرح اس کے ممتاز رکن تھے۔ اور حضرت اقدسؑ کی کتاب "براہین احمدیہ" کی اشاعت کے بعد حضور کی فضیلت علمی اور وجاہت و عظمت روحانی کا جو اثر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی وغیرہ کثیر علماء پر ہوا تھا اس سے یہ دونوں موصوف الصدر علماء بھی خالی نہیں تھے لیکن جب حضرت اقدسؑ نے یہ اعلان فرمایا کہ حضرت مسیح موسوی علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اور امت محمدیہ میں جس مسیح کی آمد کا مژدہ دیا اور وعدہ کیا گیا تھا وہ مسیح میں ہوں تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اس نہایت ہی عجیب و غریب خیال کی بناء پر کہ اس اعلان سے پہلے مجھ سے مشورہ کیوں نہیں کیا گیا۔ سرکشی و سرتابی اختیار کر لی اور بڑے جوش و خروش سے مخالفت شروع کر دی۔ مگر باقی دونوں مذکورہ علماء حضرت اقدسؑ کے دعویٰ پر علیحدہ علیحدہ بھی غور کرنے لگے۔ اور باہم مبادلہ خیالات کے ذریعہ سے بھی دونوں صاحبوں میں گفتگو تو ہوا ہی کرتی تھی مگر کسی مقررہ مقام پر نہیں۔ آخر مولوی محمد بشیر صاحب کے اس مشورہ پر کہ ان مسائل میں برملا گفتگو مناسب نہیں۔ عوام الناس میں مخالفت پیدا ہوتی ہے۔ مناسب یہی ہے کہ خلوت میں گفتگو ہوا کرے۔ اور مولوی صاحب موصوف ہی کی تجویز و خواہش پر یہ مبادلہ خیالات مولانا محمد احسن صاحب کے مکان پر خلوت میں ہونے لگا۔ یہ مبادلہ خیالات مناظرانہ و مخالفانہ نہیں بلکہ محققانہ و محبانہ تھا اور دونوں حضرات نے اس قسمیہ عہد کے بعد شروع کیا کہ جو امر صحیح ثابت ہو گا وہ ضرور قبول کر لیا جائے گا۔ پہلے روز مولانا محمد احسن صاحب نے اپنے غیر مطبوعہ رسالہ اعلام الناس جو آپ نے وفات مسیحؑ کے ثبوت اور مولوی عبدالحق غزنوی کے رد میں لکھا تھا مولوی محمد بشیر صاحب کو سنانا شروع کیا۔ تا جس امر سے انہیں اختلاف ہو اس پر مبادلہ خیالات ہو جائے۔ مولوی محمد بشیر صاحب نے صرف ایک جگہ اختلاف کیا اور اتنا مضمون مولانا محمد احسن صاحب نے اپنے رسالہ سے خارج کر دیا۔ باقی تمام مضمون سے اتفاق کیا۔ اور نہ صرف اتفاق بلکہ جا بجا تائیدی مضمون بھی بیان کئے جو مولوی محمد احسن صاحب نے اس رسالے میں شامل کر لئے۔ باقی امور میں مبادلہ خیالات جاری تھا کہ اس خلوت کے مبادلہ خیالات کا دوسرے لوگوں کو علم ہو کر عام چرچا ہو گیا اور ابھی اس مبادلہ خیالات کے صرف تین ہی جلسے ہو پائے

تھے کہ یہ سلسلہ ختم کر دینا پڑا اور مولوی محمد بشیر صاحب جس بات سے ڈرتے تھے وہ ہو کر رہی اور جا بجا ذکر ہونے لگا کہ یہ دونوں مولوی قادیانی خیالات کے ہو گئے ہیں ان کی وجہ سے یہاں قادیانیت پھیلنے کا سخت خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ مولانا سید محمد احسن صاحب نے تو اس کی پروانہ کی۔ اور حضرت اقدسؑ کی بیعت کرلی۔ لیکن مولوی محمد بشیر صاحب یہ جرات نہ کر سکے۔ [۶۷]

مولانا محمد احسن صاحب کے بیعت کر لینے سے عوام کے اس خیال کو بڑی تقویت حاصل ہو گئی کہ دونوں مولوی قادیانی ہو گئے ہیں اور کہا جانے لگا کہ ایک تو بے نقاب ہو گئے دوسرے جو کسی مصلحت سے رکے ہوئے ہیں حشر ان کا بھی وہی ہونا ہے جو پہلے کا ہو چکا ہے۔ مولوی محمد بشیر صاحب لوگوں کے ان خیالات و مقالات سے بے خبر نہیں تھے انہوں نے لوگوں کو ان خیالات سے روکنے کے لئے حضرت اقدسؑ کے خلاف تقریریں شروع کر دیں اور یہ سلسلہ جاری تھا کہ علی جان والوں نے ان سے دلی تشریف لا کر حضرت اقدسؑ سے مسئلہ حیات و وفات حضرت مسیح علیہ السلام میں بحث کرنے کی درخواست کی اور مولوی صاحب نے یہ سمجھ کر کہ دلی پہنچ کر اس مسئلہ میں بحث کرنے سے وہ الزامات جو ان پر عائد کئے گئے اور کئے جا رہے ہیں بڑی صفائی سے دور ہو جائیں گے اور ہم جس چیز کو حاصل کرنے کی دنوں سے کوشش کر رہے ہیں وہ بڑی آسانی سے حاصل ہو جائے گی۔ بڑی خوشی سے منظور کر لی تھی۔ اور جب دلی والوں نے انہیں بلایا تو وہ دلی پہنچ گئے۔

مولوی محمد بشیر صاحب دلی میں

مولوی صاحب موصوف جب دلی تشریف لے آئے تو غیر مقلد و مقلد دونوں قسم کے علماء نے جو مسئلہ حیات و وفات مسیح میں بحث ہونا کسی طرح مناسب نہیں سمجھتے تھے اور جس طرح بھی ٹال سکے اب تک اسے ٹالتے آئے تھے۔ جمع ہو کر ان سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس حیات مسیح پر وہ کونسی قطعی الدلالت آیت ہے جو آپ (حضرت اقدس) مرزا صاحب کے مقابلے میں پیش کریں گے مولوی محمد بشیر صاحب نے آیت **وان من اهل الكتب الا ليومنن به قبل موته** پڑھی۔ علماء نے کہا مولوی صاحب! اس آیت شریفہ سے تو اشارتاً کنایتہً بھی حیات مسیح نہیں نکلتی۔ مولوی صاحب نے کہا میں تو یہی آیت پیش کروں گا۔ تمام علماء نے کہا کہ ہم اس معاملے میں آپ کے ساتھ نہیں ہیں اور آپ کی فتح و شکست کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ مگر مولوی صاحب نے اس کی کچھ پروا نہیں کی۔ اور ان سے بالکل بے نیاز ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں درخواست بھیج دی۔ کہ آپ مجھ سے مسئلہ حیات و وفات اور نزول مسیحؑ پر مباحثہ کرلیں۔ حضور نے وہ منظور فرمائی اور مباحثے کی پانچ ضروری شرائط بھی بھجوا دیں کہ مباحثہ تحریری ہو گا۔ فریقین کی طرف سے پانچ پانچ پرچے ہونگے اور پہلا پرچہ آپ کا ہو گا اور سب سے قبل

مسئلہ حیات و وفات مسیحؑ پر مباحثہ ہو گا۔ اس کے بعد نزول مسیحؑ اور پھر آپ کے مسیح موعود ہونے کی بحث ہو گی۔ مباحثہ کی تاریخ ۲۳۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء مطابق ۱۹۔ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ قرار پائی [۴۳]

مباحثے کا آغاز دوسرے دن صبح ۲۳۔ اکتوبر کو مباحثے کا اہتمام شروع ہوا۔ ایک بڑا لمبا دالان تھا جس کے ایک کمرے میں مولوی عبدالکریم صاحب منشی عبدالقدوس صاحب (اخبار "صحیفہ قدسی" کے غیر احمدی ایڈیٹر) منشی ظفر احمد صاحب، پیر سراج الحق صاحب اور حضور کے بعض دوسرے خدام بیٹھے تھے کہ مولوی محمد بشیر صاحب بھی اپنے چند رفقاء سمیت آگئے۔ حضور علیہ السلام مولوی محمد بشیر صاحب کی آمد کی اطلاع پر بالا خانے سے نیچے تشریف لائے۔ السلام علیکم اور وعلیکم السلام کے بعد مولوی محمد بشیر صاحب نے مصافحہ بھی کیا اور معانقہ بھی۔ اس کے بعد حضرت اقدس اور تمام حاضرین بیٹھ گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مباحثہ شروع ہونے سے قبل اپنے دعویٰ سے متعلق مولوی محمد بشیر صاحب اور ان کے رفقاء کو مخاطب کر کے ایک پر معارف تقریر فرمائی۔ حضورؑ کی یہ تقریر ابھی جاری ہی تھی کہ مولوی محمد بشیر صاحب دوران تقریر ہی میں بول اٹھے کہ آپ اجازت دیں تو میں دالان کے پرلے گوشے میں جا بیٹھوں اور وہاں کچھ لکھوں۔ دالان میں بہت سے آدمی علی جان والوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ بہت اچھا!! چنانچہ مولوی صاحب دالان کے اس گوشہ میں جا بیٹھے اور جو مضمون گھر سے لکھ کر لائے تھے نقل کروانے لگے۔ [۴۴] حالانکہ شرط یہ تھی کہ کوئی اپنا پہلا مضمون نہ لکھے بلکہ جو کچھ لکھنا ہو گا وہ اسی وقت جلسہ بحث میں لکھنا ہو گا۔ اس خلاف ورزی پر مولانا عبدالکریم صاحب نے کہا یہ تو خلاف شرط ہے۔ پیر سراج الحق صاحب نعمانی نے حضرت اقدس سے عرض کیا کہ حضور اجازت دیں تو میں مولوی صاحب سے کہہ دوں کہ آپ لکھا ہوا تو لائے ہیں یہی دے دیجئے۔ تاکہ اس کا جواب لکھا جائے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے اس کی بکراہت اجازت دے دی۔ انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ مولوی صاحب لکھے ہوئے مضمون کو نقل کرانے کی کیا ضرورت ہے دیر ہوتی ہے لکھا ہوا مضمون دے دیجئے۔ تاکہ ادھر سے جلدی جواب لکھا جائے۔ اسی طرح منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی نے کہا کہ حضرت صاحب خالی بیٹھے ہیں جب آپ سوال لکھ کر ہی لائے ہیں تو وہی دے دیں تا حضور جواب لکھیں۔ مولوی صاحب نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے گھبرا کر جواب دیا۔ نہیں نہیں میں مضمون لکھ کر تو نہیں لایا صرف نوٹ لکھ لایا تھا۔ جنہیں مفصل لکھ رہا ہوں۔ حالانکہ وہ مضمون کو حرف بحرف ہی لکھوا رہے تھے اس کے جواب میں پیر صاحب نے کچھ کہنا چاہا۔ مگر حضرت اقدسؑ نے انہیں روک دیا۔ اور حضور نے منشی ظفر احمد صاحب سے یہ فرما کر کہ جب مولوی صاحب

مضمون دیں تو مجھے بھیج دیا جائے۔ بالا خانے پر تشریف لے گئے اور مولوی صاحب کے مضمون دینے پر منشی صاحب نے وہ لے جاکر حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت اقدسؑ نے مولوی صاحب کے مضمون پر پہلے صفحہ سے لے کر آخر صفحہ تک بہت تیزی سے نظر فرمائی اور اس کا جواب لکھنا شروع کر دیا۔ جب مضمون کے دو ورق تیار ہو گئے تو حضور منشی ظفر احمد صاحب کو نیچے نقل کرنے کو دے آئے۔ ایک ایک ورق لے کر مولوی عبد الکریم صاحب اور عبد القدوس صاحب نے نقل کرنا شروع کیا۔ اسی طرح منشی صاحب حضرت صاحب کا مسودہ لاتے اور یہ دونوں صاحب نقل کرتے رہتے۔ حضرت اقدسؑ اتنی تیزی سے لکھ رہے تھے کہ عبد القدوس صاحب جو خود بھی بڑے زود نویس تھے متحیر ہو گئے۔ اور حضور کی تحریر پر انگلی کا پورا لگا کر سیاہی دیکھنے لگے کہ یہ کہیں پہلے کا لکھا ہوا تو نہیں۔ منشی ظفر احمد صاحب نے کہا کہ اگر ایسا ہو تو یہ ایک عظیم الشان معجزہ ہو گا۔ کہ جواب پہلے سے لکھا ہوا ہے۔ حضرت اقدسؑ کی یہ حیرت انگیز قوت تصنیف دیکھ کر مولوی محمد بشیر صاحب کو حضور کی خدمت میں درخواست کرنی پڑی کہ اگر آپ اجازت دیدیں تو میں کل اپنے جائے قیام ہی سے جواب لکھ لاؤں۔ حضور نے بے تامل اجازت دیدی اور پھر مولوی صاحب نے مباحثہ کے ختم ہونے تک یہی طریقہ رکھا۔ کہ حضرت اقدسؑ کا مضمون ملنے پر حضور سے اجازت لے کر اپنے جائے قیام پر چلے جاتے اور مضمون وہیں سے لکھ کر لاتے انہوں نے سامنے بیٹھ کر کوئی مضمون تحریر نہیں کیا۔

اب فریقین کے تین تین پرچے ہو چکے تھے اور مولوی صاحب کے اس مسئلہ سے متعلق جو ذخیرہ تھا وہ ختم ہو چکا تھا جو کچھ انہوں نے کہنا تھا وہ انہوں نے کہہ لیا تھا۔ اور حضرت اقدسؑ نے ان کی ہر دلیل کا جواب دیدیا تھا اور جو پرچے لکھے جا چکے وہ ہر منصف مزاج طالب تحقیق کے لئے کافی تھے۔ مباحثہ کو خواہ مخواہ طول دینا وقت کو ضائع کرنا تھا۔ اور جب مولوی صاحب نے سامنے بیٹھ کر لکھنے کی شرط پر عمل کرنے سے روگردانی کر لی تھی مضمون گھر سے لکھ کر لاتے تھے اور اس قسم کا مباحثہ اپنے اپنے مقام پر موجود رہ کر بھی ہو سکتا تھا اس کے لئے حضور کے دلی میں مقیم رہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے حضورؑ نے فریقین کے تین تین پرچے تحریر ہو جانے پر مباحثہ ختم کر دیا۔ اور مولوی صاحب سے فرمایا کہ جب آپ کے پاس کوئی دلیل ہی نہیں رہی تو پھر خواہ مخواہ تحریر بڑھانے سے کیا فائدہ؟ بحث ختم ہو جانے پر مولوی محمد بشیر صاحب حضرت اقدسؑ سے ملنے آئے اور کہا کہ میرے دل میں آپ کی بڑی عزت ہے آپ کو اس بحث کے لئے جو تکلیف دی ہے اس کی معافی چاہتا ہوں۔ [۴۵]

اس مباحثہ کی روداد "الحق دہلی" کے نام سے شائع ہوئی

سفر لدھیانہ

مباحثہ دلی کے بعد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام مع اہل بیت لدھیانہ تشریف لائے اور یہاں ایک جلسہ عام سے خطاب فرمایا۔ سیالکوٹ وغیرہ شہروں سے بہت سے خدام آئے ہوئے تھے۔ تقریر کے بعد منشی فیاض علی صاحب کپور تھلوی نے عرض کیا کہ حضور ہماری مسجد کا مقدمہ دائر ہے۔ شہر کے تمام رئیس اور کپور تھلہ کے جملہ حکام فریق مخالف کی امداد کر رہے ہیں اور ہم چند احمدیوں کی بات بھی کوئی نہیں سنتا۔ حضور دعا فرمائیں۔ منشی فیاض علی صاحب کے عرض کرنے پر حضور نے جلالی رنگ میں فرمایا۔ "اگر یہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہے تو مسجد تمہارے پاس واپس آئے گی" منشی صاحب نے یہ پیشگوئی مدعا علیہم اور شہر والوں کو سنادی۔ اور مسجد میں ایک تحریر بھی لکھ کر چسپاں کر دی۔ اب اتفاق یہ ہوا کہ چیف کورٹ کے جج نے پہلی ہی پیشی میں فریقین کی موجودگی میں کہہ دیا۔ کہ مسجد کا بانی غیر احمدی تھا۔ لہٰذا احمدی اپنی مسجد علیحدہ بنالیں۔ میں پرسوں مسل پر حکم لکھ دوں گا۔ جج کے اس زبانی فیصلہ پر غیروں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی پر خوب مذاق اڑایا۔ لیکن تیسرے ہی دن ان کی ساری خوشی خاک میں مل گئی کیونکہ عین اس وقت جب کہ یہ جج عدالت میں جانے سے قبل گھر میں حقہ کی انتظار میں بیٹھا تھا اس کی حرکت قلب بند ہو گئی اور وہ مسل پر حکم لکھنے کی حسرت اپنے ساتھ ہی لے کر کوچ کر گیا۔ اس حادثہ کے بعد چیف کورٹ کی طرف انگریزی علاقہ سے ایک آریہ بیرسٹر کی خدمات حاصل کی گئیں اور اس سے مقدمہ کے بارے میں رائے طلب کی گئی اس موقعہ پر فریق مخالف نے حصول مقصد کے لئے ہر ممکن کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔ اور بالآخر ۱۹۰۵ء میں احمدیوں کے حق میں فیصلہ دیدیا گیا اور مسجد احمدیوں کو مل گئی۔ [۲۶]

سفر پٹیالہ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام لدھیانے سے پٹیالہ تشریف لے گئے جہاں حضور کے خسر میر ناصر نواب صاحب ملازمت کے سلسلہ میں مقیم تھے۔ حضور کے یہاں ورود فرماتے ہی مولوی محمد اسحاق صاحب وغیرہ نے آپ کے خلاف عوام میں مخالفت کی آگ سی لگادی۔ وہ قیام پٹیالہ کے دوران میں ایک دن (۳۰۔ اکتوبر) حضرت اقدسؑ کی فرودگاہ پر آئے اور حضور سے وفات مسیحؑ کے متعلق بالمشافہ گفتگو کی۔ مولوی محمد اسحاق صاحب نے دوسرے علماء کے مسلک سے کچھ اختلاف کرتے ہوئے کہا۔ کہ

اس قدر تو ہم بھی مانتے ہیں۔ کہ بعض احادیث میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم چند گھنٹے کے لئے ضرور فوت ہو گئے تھے مگر وہ پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے تھے۔ اور پھر کسی وقت زمین پر اتریں گے۔ حضرت اقدسؑ نے اس کے جواب میں ایک نہایت مبسوط تقریر فرمائی۔ اور قرآن و حدیث کے متعدد دلائل سے ثابت کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یقینی طور پر فوت ہو چکے ہیں۔

مولوی محمد اسحاق صاحب کے ہمراہ ایک دوسرے عالم مولوی غلام مرتضیٰ صاحب بھیروی بھی آئے تھے جنہوں نے ایک مسئلہ کی تحقیق میں استہزاء شروع کر دیا۔ اس پر مولوی محمد عبداللہ صاحب پروفیسر مہندر کالج پٹیالہ نے (جو اس وقت احمدی نہیں تھے) کہا۔ مولوی صاحب آپ نے تہذیب سے کام نہیں لیا۔ آپ کی مولویانہ شان سے بعید ہے کہ ایسی سوقیانہ باتیں کریں۔ بعد میں حضرت اقدسؑ نے مولوی عبداللہ صاحب سنوری سے دریافت فرمایا کہ یہ کون صاحب تھے جنہوں نے مولوی غلام مرتضیٰ صاحب کو ڈانٹا۔ ان سے ایمان کی خوشبو آتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور پروفیسر محمد عبداللہ صاحب اپنے خاندان سمیت بیعت میں داخل ہو گئے [۶۷]

مولوی محمد اسحاق صاحب پر اتمام حجت

مولوی محمد اسحاق صاحب اور ان کے رفقاء نے حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے مشہور کر دیا کہ انہوں نے اس گفتگو میں فتح پائی ہے۔ حضرت اقدسؑ نے پٹیالہ کے عوام کو اس گمراہ کن پراپیگنڈہ سے بچانے کی غرض سے ۳۱۔ اکتوبر کو ایک اشتہار میں اصل واقعات لکھ دیئے اور مولوی محمد اسحاق صاحب کو تحریری مباحثہ کا کھلا چیلنج دیا۔ مگر انہیں میدان مقابلہ میں آنے کی جرات نہ ہو سکی۔ [۶۸]

حضرت اقدس علیہ السلام پٹیالہ میں مختصر قیام کے بعد واپس قادیان تشریف لے آئے۔

حواشی

۱۔ تفسیر "فتح البیان" جلد ۲ صفحہ ۴۹
۲۔ "الرسالہ مصر" ۱۱۔ مئی ۱۹۴۲ء جلد ۱۰ صفحہ ۶۴۲
۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۰۔۱۱۔ اپریل ۱۹۵۸ء
۴۔ ملاحظہ ہو رسالہ "چٹان" لاہور یکم دسمبر ۱۹۵۸ء و ۱۹ جنوری '۲۶ جنوری '۲ فروری ۱۹۵۹ء۔ "اخبار آزاد" لاہور نے ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو "داستان حرم" کے عنوان سے الحاج ابو ظفر نازش رضوی کی ایک نظم شائع کی جس کا ایک شعر یہ تھا۔

جناب موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے بعد دنیا سے ہوئے رسول معظم بھی سوئے خلد رحیل

عام تعلیم یافتہ مسلمانوں کا رجحان اس نظریہ کے بارے میں کتنی تیزی سے بدل رہا ہے اس کا اندازا اس سے کیجئے کہ حال ہی میں لاہور کے مشہور اشاعتی ادارہ مکتبہ جدید نے "بین الاقوامی معلومات اور حالات حاضرہ" پر ایک کتابچہ شائع کیا ہے جس کے صفحہ ۲۳۴ پر حضرت مسیحؑ کی وفات کا سال بھی معین رنگ میں درج کیا گیا ہے یعنی ۳۰ء

۵۔ نقش آزاد صفحہ ۱۰۲ مرتبہ مولانا غلام رسول مہر ناشر کتاب منزل لاہور۔
۶۔ چنانچہ خطبات نبوی صفحہ ۲۴۱ (شائع کردہ تاج کمپنی) میں لکھا ہے "اس کے بعد عیسیٰ بن مریم علیہ السلام میری امت میں انصاف کرنے والے حاکم کی حیثیت میں پیدا ہونگے"۔
۷۔ رسالہ "تذکرہ" کراچی مارچ ۱۹۵۸ء صفحہ ۲۰ "آزاد کی کہانی مولانا آزاد کی زبانی" صفحہ ۱۱۔۱۲ (مطبوعہ حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی)
۸۔ ترمذی مصری جلد ۲ صفحہ ۲۸
۹۔ "ازالہ اوہام" طبع اول صفحہ ۵۱۵۔۵۱۶
۱۰۔ "موج کوثر" طبع دوم ۲۰۳
۱۱۔ بخاری مصری جلد ۴ صفحہ ۱۵۴
۱۲۔ بطور ثبوت ملاحظہ ہو خواجہ حسن نظامی دہلوی کی کتاب "الامر" نیز "حکمت بالغہ" مولفہ ابو الجمال احمد مکرم عباسی مطبوعہ حیدر آباد ۱۳۳۲ھ۔
۱۳۔ Human origin مصنفہ S. Laing صفحہ ۱۳۶ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۳۔ اپریل ۱۹۵۸ء
۱۴۔ سورہ مائدہ رکوع آخری
۱۵۔ "ازالہ اوہام" صفحہ ۹۱۸۔۹۱۹ (طبع اول)
۱۶۔ خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ مسیحؑ کے سوا کوئی مہدی نہیں (ابن ماجہ جلد ۲ مصری صفحہ ۲۵۷)
۱۷۔ "ازالہ اوہام" صفحہ ۵۱۸۔۵۱۹ (طبع اول)
۱۸۔ رسالہ "نور احمد" نمبر ۱ صفحہ ۱۳۔۱۵ (مرتبہ حضرت شیخ نور احمد صاحب مالک ریاض ہند پریس ہال بازار امرتسر)
۱۹۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۴۷
۲۰۔ تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۳۰۲/۳۳۹ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۴۷
۲۱۔ تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ ۲۴۔۲۶
۲۲۔ تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۳۲۴۔۳۲۶
۲۳۔ ایضاً صفحہ ۳۳۴
۲۴۔ "تبلیغ رسالت" جلد دوم صفحہ ۳۴۔۳۵ "سیرت المہدی" حصہ دوم صفحہ ۸۷ (روایت ۴۱۹)
۲۵۔ "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۳۴۱۔۳۴۲
۲۶۔ "تبلیغ رسالت" جلد دوم صفحہ ۳۸

۲۷۔ "تبلیغ رسالت" جلد دوم صفحہ ۳۲ "تذکرۃ المہدی" جلد اول صفحہ ۳۲۳
۲۸۔ "تذکرۃ المہدی" جلد اول صفحہ ۳۳۳
۲۹۔ "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۳۴۳-۳۴۴
۳۰۔ سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۸۷ و تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۳۴۴
۳۱۔ تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۳۴۴-۳۴۵
۳۲۔ تاریخ وفات ۷۔ اپریل ۱۹۱۵ء
۳۳۔ "ریویو آف ریلیجنز" اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۵۵ روایات حضرت منشی ظفر احمد صاحب
۳۴۔ "تبلیغ رسالت" جلد دوم صفحہ ۴۰
۳۵۔ "تذکرۃ المہدی" حصہ اول ۳۴۳ تا ۳۴۹
۳۶۔ تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۳۴۹-۳۵۰
۳۷۔ ایضاً
۳۸۔ "تبلیغ رسالت" جلد دوم صفحہ ۴۳-۴۵
۳۹۔ "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۳۳۵-۳۵۲ و "ریویو آف ریلیجنز" اردو جنوری ۱۹۴۲ صفحہ ۵۴-۵۵
۴۰۔ "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۳۲۳-۳۲۴ و ریویو آف ریلیجنز اردو ۱۹۴۲ء صفحہ ۴۸
۴۱۔ ریویو آف ریلیجنز اردو۔ جنوری ۱۹۴۲ صفحہ ۴۸
۴۲۔ "حیات احمد" جلد سوم صفحہ ۱۷۷-۱۷۸۔ و "الحق" دہلی
۴۳۔ حیات احمد جلد سوم صفحہ ۱۷۹-۱۸۰
۴۴۔ اسی دن مولانا سید محمد احسن صاحب نے بھوپال سے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں لکھا تھا کہ مولوی محمد بشیر صاحب چھ مہینے سے مضمون لکھ رہے ہیں ان کی کل کمائی بس یہی ہے۔ یہ بات اس دن درست نکلی جب انہوں نے اپنا لکھا ہوا مضمون لکھوانا شروع کر دیا۔
۴۵۔ مباحثہ کے تفصیلی واقعات "الحق دہلی" "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۳۱۶-۳۲۱، ۳۵۶۔ "ریویو آف ریلیجنز" اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۴۸ تا ۵۱ اور روایات صحابہؓ (غیر مطبوعہ) جلد اول صفحہ ۲۰۹ سے ماخوذ ہیں۔
۴۶۔ الفضل ۲۹۔ جولائی ۱۹۵۸ء صفحہ ۳-۴۔ بدر ۱۲۔ جنوری ۱۹۰۶ صفحہ ۸ کالم نمبر ۲۔
۴۷۔ "حیات احمد" جلد سوم صفحہ ۱۸۴
۴۸۔ "اشتہار واجب الاظہار" مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ ۵۶-۵۷

"آسمانی فیصلہ" کی تصنیف و اشاعت اور علماء کو روحانی مقابلہ کی پہلی عام دعوت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے دسمبر ۱۸۹۱ء میں ایک لطیف رسالہ "آسمانی فیصلہ" تصنیف فرمایا۔ اس وقت تک حضور روحانی مقابلہ کا چیلنج غیر مذاہب والوں کو دیا کرتے تھے اب آپ نے اس رسالہ میں تمام مکفر علماء مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی' مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے ہمنوا دوسرے مولویوں' صوفیوں' پیرزادوں' فقیروں اور سجادہ نشینوں کو بھی اس میں شامل کر دیا اور لکھا کہ وہ آپ سے کامل مومنوں کی قرآنی علامات مثلاً امور غیبیہ کا اظہار' دعاؤں کی قبولیت اور معارف قرآن کا انکشاف وغیرہ کی روشنی میں روحانی مقابلہ کرلیں۔ اور ساتھ ہی یہ تجویز بھی فرمائی کہ اس مقابلہ کو فیصلہ کن حیثیت دینے کے لئے پنجاب کے دار الخلافہ لاہور میں ایک انجمن قائم کی جائے اور اس کے ممبر فریقین کی رضامندی سے مقرر ہوں۔ یہ انجمن ایک سال تک ان علامات سے متعلق فریقین کے کوائف کا ریکارڈ رکھے اور کثرت کی صورت میں اس روحانی معرکہ آرائی میں حق و صداقت کا فیصلہ کیا جائے۔ اس ضمن میں حضور نے یہ شرط بھی عائد کی کہ اگر ایک سال کے عرصہ میں کوئی فریق وفات پا جائے تب بھی وہ مغلوب سمجھا جائے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے خاص ارادہ سے اس کے کام کو ناتمام رکھا تاکہ اس کا باطل پر ہونا ظاہر کرے۔

سالانہ جلسہ کی بنیاد

پہلا سالانہ جلسہ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے "آسمانی فیصلہ" میں مجوزہ انجمن کی تشکیل پر مزید غور کرنے کے لئے جماعت کے دوستوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ ۲۷- دسمبر ۱۸۹۱ء کو قادیان پہنچ جائیں چنانچہ اس تاریخ کو مسجد اقصیٰ میں احباب جمع ہوئے- بعد نماز ظہر اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی- سب سے قبل مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے حضرت اقدسؑ کی تازہ تصنیف (آسمانی فیصلہ) پڑھ کر سنائی- پھر یہ تجویز رکھی گئی کہ مجوزہ انجمن کے ممبر کون کون صاحبان ہوں- اور کس طرح اس کی کارروائی کا آغاز ہو- حاضرین نے بالاتفاق یہ قرار دیا کہ سردست یہ رسالہ شائع کر دیا جائے اور مخالفین کا عندیہ معلوم کر کے بتراضی فریقین انجمن کے ممبر مقرر کئے جائیں- اس کے بعد جلسہ ختم ہوا- اور حضرت اقدس سے دوستوں نے مصافحہ کیا-[۱] یہ جماعت احمدیہ کا سب سے پہلا تاریخی اجتماع اور پہلا سالانہ جلسہ تھا جس میں مندرجہ ذیل ۷۵ احباب شامل ہوئے تھے-

[۲]

منشی محمد اروڑا صاحب نقشہ نویس محکمہ مجسٹریٹ	کپورتھلہ	منشی تاجدین صاحب اکوشٹ دفتر اگزیمز	لاہور
منشی محمد عبدالرحمٰن صاحب محرر محکمہ جرنیلی	کپورتھلہ	منشی نبی بخش صاحب کلارک دفتر اگزیمز	لاہور
منشی محمد حبیب الرحمٰن صاحب رئیس	کپورتھلہ	حافظ فضل احمد صاحب دفتر اگزیمز	لاہور
منشی ظفر احمد صاحب اپیل نویس	کپورتھلہ	مولوی رحیم اللہ صاحب	لاہور
منشی شمس الدین صاحب کلرک دفتر اگزیمز	لاہور	مولوی غلام حسین صاحب امام مسجد گمٹی	لاہور
منشی محمد خان صاحب اہلمد فوجداری	کپورتھلہ	منشی عبدالرحمٰن صاحب کلارک لوکو آفس	لاہور
منشی سردار خاں صاحب کورٹ دفعدار	کپورتھلہ		
منشی امداد علی صاحب محرر سرشتہ تعلیم	کپورتھلہ	مولوی عبدالرحمٰن صاحب مسجد چینیاں	لاہور
مولوی محمد حسین صاحب کپورتھلہ	کپورتھلہ	منشی کرم الٰہی صاحب	لاہور
حافظ محمد علی صاحب کپورتھلہ	کپورتھلہ	سید ناصر شاہ صاحب سب اوورسیر	
مرزا خدا بخش صاحب اتالیق نواب مالیر کوٹلہ		حافظ محمد اکبر صاحب	لاہور
منشی رستم علی صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس ریلوے	لاہور	مولوی غلام قادر صاحب فصیح مالک و مہتمم پنجاب پریس و میونسپل کمشنر	سیالکوٹ
ڈپٹی حاجی سید فتح علی شاہ صاحب ڈپٹی کلکٹر انہار			
حاجی خواجہ محمد الدین صاحب رئیس	لاہور	مولوی عبدالکریم صاحب	سیالکوٹ
میاں محمد چٹو صاحب رئیس	لاہور	میر حامد شاہ صاحب اہلمد معافیات	سیالکوٹ

خلیفہ رجب الدین صاحب رئیس	لاہور
منشی محمد دین سابق گرد آور	سیالکوٹ
حکیم فضل الدین صاحب رئیس بھیرہ	
میاں نجم الدین صاحب رئیس بھیرہ	
منشی احمد اللہ صاحب محالدار محکمہ پرمٹ	جموں
سید محمد شاہ صاحب رئیس	جموں
مستری عمرالدین صاحب	جموں
مولوی نورالدین صاحب حکیم خاص ریاست	جموں
خلیفہ نورالدین صاحب صحاف	جموں
قاضی محمد اکبر صاحب سابق تحصیلدار	جموں
شیخ محمد جان صاحب ملازم راجہ امر سنگھ صاحب۔	وزیر آباد
مولوی عبدالقادر صاحب مدرس	جمالپور
شیخ رحمت اللہ صاحب میونسپل کمشنر	گجرات
شیخ عبدالرحمٰن صاحب بی۔اے	گجرات
منشی غلام اکبر صاحب ہیتیم کلرک اگزیمز آفس	لاہور
منشی دوست محمد صاحب سارجنٹ پولیس	جموں
مفتی فضل الرحمٰن صاحب رئیس	جموں
منشی غلام محمد صاحب خلف مولوی دین محمد	لاہور
سائیں شیر شاہ صاحب مجذوب	جموں
صاحبزادہ افتخار احمد صاحب	لدھیانہ
قاضی خواجہ علی صاحب ٹھیکیدار شکرم	لدھیانہ
حافظ نور احمد صاحب کارخانہ دار پشمینہ	لدھیانہ
شہزادہ حاجی عبدالمجید صاحب	لدھیانہ
حاجی عبدالرحمٰن صاحب	لدھیانہ
شیخ شہاب الدین صاحب	لدھیانہ

میر محمود شاہ صاحب نقل نویس	سیالکوٹ
حاجی نظام الدین صاحب	لدھیانہ
شیخ عبدالحق صاحب	لدھیانہ
مولوی محکم الدین صاحب مختار امرتسر	
شیخ نور احمد صاحب مالک مطبع ریاض ہند	امرتسر
منشی غلام محمد صاحب کاتب	
میاں جمال الدین صاحب ساکن موضع	سیکھواں
میاں امام الدین صاحب	سیکھواں
میاں خیرالدین صاحب	سیکھواں
میاں محمد عیسیٰ صاحب مدرس	نوشہرہ
میاں چراغ علی صاحب	ساکن تھہ غلام نبی
شیخ شہاب الدین صاحب	ساکن تھہ غلام نبی
میاں عبداللہ صاحب	ساکن سوہل
حافظ عبدالرحمٰن صاحب	ساکن سوہیاں
داروغہ نعمت علی صاحب ہاشمی عباسی بٹالوی	
حافظ حامد علی صاحب ملازم مرزا صاحب	
حکیم جان محمد صاحب امام مسجد قادیانی	
بابو علی محمد صاحب رئیس بٹالہ	
مرزا اسماعیل بیگ صاحب قادیانی	
میاں بڈھے خاں نمبردار بیری	
میرزا محمد علی صاحب رئیس پٹی	
شیخ محمد عمر صاحب خلف حاجی غلام محمد صاحب	بٹالہ

مستقل رنگ میں سالانہ جلسہ کے انعقاد کا فیصلہ

حضرت اقدسؑ نے ۱۸۹۱ء میں جلسہ کے معاً بعد بذریعہ اشتہار تمام جماعت کو اس فیصلے کی اطلاع دی کہ آئندہ ہر سال ۲۷، ۲۸، ۲۹۔ دسمبر کی تاریخوں میں جماعت کا جلسہ منعقد ہوا کرے گا۔

۱۸۹۲ء کے دوسرے جلسہ کی روداد

چنانچہ اگلے سال دسمبر ۱۸۹۲ء سے یہ بابرکت اجتماع مستقل طور پر شروع ہوا۔ جس کا سلسلہ خدا تعالیٰ کے فضل سے پوری کامیابی سے اب تک جاری ہے۔ ۱۸۹۲ء کا جلسہ جو بڑا جلسہ کہلاتا ہے ڈھاب کے کنارے ایک وسیع چبوترہ پر ہوا۔ جو ڈھاب کی بھرتی سے جلسہ گاہ کے قریب ہی تیار ہوا تھا۔ یہی وہ چبوترہ ہے جس پر بعد کو مدرسہ احمدیہ' مہمان خانہ اور حضرت خلیفۃ المسیح اول کا مکان تیار ہوا۔ مگر جلسے کے وقت ان عمارتوں کی فقط بنیادیں اٹھی تھیں۔ [۳]

۱۸۹۲ء کی جلسہ گاہ کے متعلق خفیف سا اختلاف ہے۔ حضرت منشی محمد جلال الدین صاحب بلانوی کی روایت کے مطابق ۱۸۹۲ء کا جلسہ ڈاکٹر غلام غوث صاحب کے مکان سے ملحق مہمانخانہ کی جگہ پر ہوا۔ [۴] لیکن حضرت مرزا برکت علی صاحب نے اپنے نقشے میں جو "اصحاب احمد جلد اول ضمیمہ صفحہ ۱۴ میں شائع ہوا ہے اس کا مقام مہمانخانہ اور قدیم مطبع ضیاء الاسلام (یعنی موجودہ بک ڈپو) کے درمیان قرار دیا ہے چنانچہ ان کا نقشہ یہ ہے۔

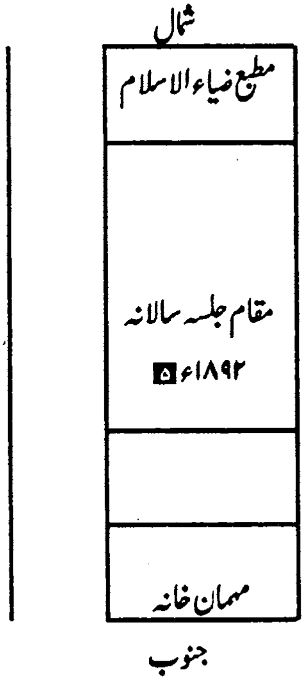

پہلے دن کی کارروائی

۲۷۔ دسمبر ۱۸۹۲ء کو جلسہ گاہ میں ایک اونچے چوبی تخت پر حضرت اقدس علیہ السلام کے لئے قالین بچھا دیا گیا اور حضورؑ اس پر جلوہ افروز ہوئے

اور چاروں طرف احباب فرش پر بیٹھے - سامنے شمال کی طرف حضرت مولانا نور الدین صاحب اور مغرب کی طرف حضرت مولانا برہان الدین صاحب جہلمی اور گوشہ مغرب و جنوب میں پیر سراج الحق صاحب نعمانی اور ان کے داہنی طرف مولانا سید محمد احسن صاحب فاضل امروہوی بیٹھ گئے - [۶]

سب سے [۷] پہلے حضرت مولانا نور الدین نے وفات مسیحؑ کے متعلق ایک پر معارف تقریر کی - ازاں بعد سید حامد شاہ صاحب نے ایک قصیدہ مدحیہ سنایا - اس کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام نے "توضیح مرام" کا وہ مقام نکالا جس پر مولویوں نے ملائکہ کی بحث پر نادانی سے اعتراض کیا تھا اور بڑی شرح و بسط سے ایک روح پرور تقریر فرمائی - جس سے حاضرین کے دل پگھل گئے اور سب پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی - [۸] اس ایمان افروز خطاب کے علاوہ حضور نے عصر اور مغرب کے بعد بھی اپنے خدام کو روح پرور کلمات سے نوازا - [۹]

دوسرے دن کی کارروائی

دوسرے دن ۲۸ - دسمبر ۱۸۹۲ء کو یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کے لئے ایک مجلس شوریٰ منعقد ہوئی جس میں معزز حاضرین نے اپنی اپنی رائے پیش کی اور قرار پایا کہ ایک رسالہ جو ضروریات اسلام کا جامع اور عقائد اسلام کا خوبصورت چہرہ نمایاں کرتا ہو - یورپ اور امریکہ میں مفت تقسیم کیا جائے اس کے بعد قادیان میں اپنا مطبع قائم کرنے کے لئے تجاویز پیش ہوئیں اور ایک فہرست ان اصحاب کے چندہ کی مرتب کی گئی جو مطبع کے لئے چندہ بھیجتے رہیں گے - یہ بھی قرار پایا کہ ایک اخبار اشاعت حق اور ہمدردی اسلام کے لئے جاری کیا جائے نیز تجویز ہوئی کہ مولانا سید محمد احسن صاحب امروہی اس سلسلے کے واعظ مقرر ہوں اور وہ پنجاب اور ہندوستان کا دورہ کریں - مجلس شوریٰ میں سالانہ جلسہ کے اغراض و مقاصد کی تکمیل اور دیگر انتظامات کی غرض سے ایک کمیٹی بھی تجویز کی گئی جس کے صدر حضرت مولانا نور الدین صاحب اور سیکرٹری مرزا خدا بخش صاحب بنے اور شیخ رحمت اللہ صاحب میونسپل کمشنر گجرات - منشی غلام قادر صاحب فصیح میونسپل کمشنر سیالکوٹ اور مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی ممبر قرار پائے - مجلس شوریٰ کے ان اہم فیصلوں کے بعد دعا پر جلسہ برخاست ہوا - [۱۰] اس جلسہ میں کم و بیش چالیس افراد نے بیعت کی -

سالانہ جلسہ کہاں کہاں منعقد ہوا؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں ۱۸۹۲ء کے سالانہ جلسہ کے سوا (جو ڈھاب کے کنارے ہوا) باقی جلسے مسجد اقصیٰ میں منعقد ہوئے - خلافت اولیٰ کے ابتدائی پانچ برسوں میں بھی ان کا انعقاد مسجد اقصیٰ ہی میں ہوتا رہا - لیکن ۱۹۱۳ء [۱۱] سے ۱۹۲۳ء تک مسجد نور جلسہ گاہ رہی - اس کے بعد ۱۹۲۴ء میں

سامعین کی کثرت کے پیش نظر مسجد نور سے باہر میدان میں اس مبارک اجتماع کا آغاز ہوا [۱۱۲] اور ۱۹۴۶ء تک ۲۲ جلسے اس سرزمین میں منعقد ہوئے۔ ملکی تقسیم کے بعد قادیان میں ۱۹۴۷ء کا جلسہ سالانہ دوبارہ مسجد اقصیٰ ہی میں منعقد ہوا۔ اور پھر وہ ۱۹۴۸ء میں باب الانوار کے پرانے زنانہ جلسہ گاہ میں منتقل کر دیا گیا۔ چنانچہ قادیان کا جلسہ سالانہ اب اسی مقام پر ہوتا ہے۔ ہجرت ۱۹۴۷ء کے بعد قادیان کی نیابت میں لاہور میں ایک جلسہ ہوا اور پھر ۱۹۴۸ء کا جلسہ بجائے دسمبر کی مقررہ تاریخوں کے اپریل ۱۹۴۹ء میں ربوہ میں ہوا۔ بعد ازاں دسمبر ۱۹۴۹ء سے دسمبر ۱۹۸۳ء تک باقاعدگی کے ساتھ ربوہ میں ہر سال جلسہ منعقد ہوتا رہا ۱۹۸۵ء سے اس کا انعقاد اسلام آباد لنڈن میں ہو رہا ہے۔

سالانہ جلسہ کی کارروائی کی رپورٹیں

۱۸۹۳ء کا سالانہ جلسہ بعض وجوہ سے ملتوی کرنا پڑا۔ اس کے بعد ۱۸۹۶ء تک کے سالانہ جلسہ کی روداد کی اشاعت کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا۔ اس لئے ان کی تفصیل کا ریکارڈ موجود نہیں۔ البتہ ۱۸۹۷ء کے جلسے پر (جو ۲۵۔ دسمبر ۱۸۹۷ء سے یکم جنوری ۱۸۹۸ء تک جاری رہا) مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے اس کی طرف پہلی مرتبہ توجہ دلائی جس پر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب نے ۱۸۹۷ء کے سالانہ جلسہ کی مفصل رپورٹ "تحفہ سالانہ" کے نام سے جنوری ۱۸۹۹ء میں شائع کی۔ اس کے بعد چونکہ اخبار الحکم اور البدر کا اجراء عمل میں آچکا تھا۔ اس لئے انکے کالموں میں ہر جلسہ کی رپورٹیں پورے اہتمام سے شائع ہوتی رہیں۔ پھر خلافت ثانیہ کا دور شروع ہوا تو اخبار الفضل نے مستقل طور پر یہ مقدس ذمہ داری اٹھائی۔

سالانہ جلسہ کے اجراء میں مشکلات اور تائید غیبی

سالانہ جلسہ کا آغاز مشکلات کے ہجوم میں ہوا۔ حضرت اقدسؑ کے خلاف فتویٰ کفر نے ملک بھر میں مخالفانہ فضا قائم کر دی تھی۔ علاوہ ازیں مسجد چینیانوالی لاہور کے امام مولوی رحیم بخش صاحب نے زور شور سے فتویٰ دیا کہ ایسے جلسے میں جانا بدعت بلکہ معصیت ہے اور جو شخص اسلام میں ایسا امر پیدا کرے وہ مردود ہے۔ [۱۱۳]

مذہبی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ اقتصادی اعتبار سے بھی اس اجتماع کا سلسلہ جاری رہنا بظاہر ناممکن تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جہاں قدم قدم پر تائید و نصرت فرمائی وہاں پردہ غیب سے اس مبارک تقریب کے جاری رہنے کے سامان بھی پیدا کر دیئے۔ چنانچہ منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی کا بیان ہے کہ "ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر خرچ نہ رہا۔ ان دنوں سالانہ جلسہ کے لئے چندہ جمع ہو کر نہیں جاتا تھا حضور اپنے پاس سے ہی صرف فرماتے تھے۔ میر ناصر نواب صاحب

مرحوم نے آکر عرض کی کہ رات کو مہمانوں کے لئے کوئی سالن نہیں ہے آپ نے فرمایا کہ بیوی صاحبہ سے کوئی زیور لے کر جو کفایت کر سکے فروخت کر کے سامان کر لیں۔ چنانچہ زیور فروخت یا رہن کر کے میر صاحب روپیہ لے آئے اور مہمانوں کے لئے سامان بہم پہنچا دیا۔ دو دن کے بعد پھر میر صاحب نے رات کے وقت میری موجودگی میں کہا کہ کل کے لئے پھر کچھ نہیں۔ فرمایا کہ ہم نے برعایت ظاہری اسباب کے انتظام کر دیا تھا۔ اب ہمیں ضرورت نہیں جس کے مہمان ہیں وہ خود کرے گا۔ اگلے دن آٹھ یا نو بجے جب چھٹی رسان آیا تو حضور نے میر صاحب کو اور مجھے بلایا چھٹی رسان کے ہاتھ میں دس یا پندرہ کے قریب منی آرڈر ہوں گے جو مختلف جگہوں سے آئے تھے سو سو پچاس پچاس روپے کے۔ اور ان پر لکھا تھا کہ ہم حاضری سے معذور رہیں۔ مہمانوں کے صرف کے لئے یہ روپے بھیجے جاتے ہیں آپ نے وصول فرما کر توکل پر تقریر فرمائی۔ کہ جیسا کہ ایک دنیا دار کو اپنے صندوق میں رکھے ہوئے روپوں پر بھروسہ ہوتا ہے کہ جب چاہوں گا نکال لوں گا۔ اس سے زیادہ ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ پر پورا توکل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر یقین ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ جب ضرورت ہوتی ہے۔ تو فوراً خدا تعالیٰ بھیج دیتا ہے"۔ [۱۶۷]

سالانہ جلسے کے سو سالہ اعداد و شمار

سالانہ جلسہ کے کوائف ختم کرنے سے پیشتر ۱۸۹۱ء سے ۱۹۹۱ء تک کے جلسہ میں شامل ہونے والے حاضرین کے اعداد و شمار کا مفصل خاکہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بابرکت اجتماع خدائی نصرتوں کا کتنا زبردست تاریخی نشان ثابت ہو رہا ہے۔

(نوٹ:- ؟ اس علامت کا مطلب یہ ہے کہ مولف کو اب تک اس سال کے اعداد و شمار سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر سے فراہم نہیں ہو سکے)

جلسہ	تعداد حاضرین
۱۸۹۱ء	۷۵ [۱۵]
۱۸۹۲	۳۲۷ [۱۶]
۱۸۹۳ء	(جلسہ ملتوی ہو گیا) [۱۷]
۱۸۹۴-۹۵ء	؟
۱۸۹۶ء	ملتوی
۱۸۹۷ء	
تا	؟
۱۸۹۹ء	
۱۹۰۰ء	۵۰۰ [۱۸]
۱۹۰۱ء	؟
۱۹۰۲ء	ملتوی [۱۹]
۱۹۰۳	؟
۱۹۰۴ء	؟
۱۹۰۵ء	؟
۱۹۰۶ء	۱۵۰۰ قریباً [۲۰]
۱۹۰۷ء	۳۰۰۰ قریباً [۲۱]
۱۹۰۸ء	۲۵۰۰ قریباً [۲۲]
۱۹۰۹ء	۳۰۰۰ سے زیادہ [۲۳]
۱۹۱۰ء	۲۵۰۰ سے زیادہ [۲۴]
۱۹۱۱ء	۳۰۰۰ سے زیادہ [۲۵]
۱۹۱۲ء	مرد ۲۲۰۰ مستورات ۱۰۵ [۲۶]
۱۹۱۳ء	۳۰۰۰ " [۲۷]
۱۹۱۴ء	مرد ۳۵۰۰ خواتین ۴۰۰ سے زیادہ [۲۸]
۱۹۱۵ء	۴۰۰۰ سے زیادہ [۲۹]
۱۹۱۶ء	۵۰۰۰ سے زیادہ [۳۰]
۱۹۱۷ء	؟
۱۹۱۸ء	۵۰۰۰ سے زیادہ [۳۱]
۱۹۱۹ء	۶/۷ ہزار قریباً [۳۲]
۱۹۲۰	ایضاً [۳۳]
۱۹۲۱ء	۱۹۲۷ قریباً [۳۴]
۱۹۲۲ء	۹۰۰۰/ ۸۰۰۰ قریباً [۳۵]
۱۹۲۳	۱۲۰۰۰/ ۱۱۰۰۰ قریباً [۳۶]
۱۹۲۴ء	۱۵۰۰۰ قریباً [۳۷]
۱۹۲۵ء	۱۱۳۸۴ سے زائد [۳۸]
۱۹۲۶ء	۱۲۱۱۷ قریباً [۳۹]
۱۹۲۷ء	۱۳۰۲۰ قریباً [۴۰]
۱۹۲۸ء	۱۶۸۸۵ قریباً [۴۱]
۱۹۲۹ء	۱۷۳۱۶ قریباً [۴۲]
۱۹۳۰ء	۱۷۳۱۶ سے زیادہ [۴۳]
۱۹۳۱ء	۱۸۷۷۶ قریباً [۴۴]
۱۹۳۲ء	۲۰۷۵۲ قریباً [۴۵]
۱۹۳۳ء	۹۱۴۳ سے زیادہ [۴۶]
۱۹۳۴ء	؟
۱۹۳۵ء	۲۱۲۷۸ قریباً [۴۷]
۱۹۳۶ء	۲۵۸۵۴ قریباً
۱۹۳۷ء	۲۷۹۹۸ قریباً [۴۸]
۱۹۳۸ء	۳۲۴۷۹ قریباً [۴۹]
۱۹۳۹ء	۳۹۹۵۰ قریباً [۵۰]
۱۹۴۰ء	۳۳۷۸۳ قریباً [۵۱]
۱۹۴۱ء	۳۰۰۰۰ قریباً [۵۲]
۱۹۴۲ء	۲۳۷۶۰ قریباً [۵۳]
۱۹۴۳ء	۲۷۲۵۶ قریباً [۵۴]
۱۹۴۴ء	۲۳۶۰۰ قریباً [۵۵]
۱۹۴۵ء	۳۳۴۳۵ قریباً [۵۶]
۱۹۴۶ء	۳۹۷۸۶ قریباً [۵۷]
۱۹۴۷ء	(قادیان مقامی [۵۸] درویش قریباً ۳۰۰
	غیر مسلم سامعین ۲۰
	(لاہور ۶۲۵۰ قریباً [۵۹]
۱۹۴۸ء	لاہور (۲۸- مارچ) ۴۲۵۰ [۶۰]
	(۲۵-۲۶ دسمبر) [۶۱]
	قادیان ۱۴۰۰ قریباً [۶۲]
۱۹۴۹ء	ربوہ کا پہلا جلسہ ۱۶۰۰۰ سے زائد [۶۳]
	(ربوہ دوسرا جلسہ) ۳۰۰۰۰ قریباً [۶۴]
	(قادیان) ۱'۰۰۰ سے زیادہ [۶۵]
۱۹۵۰ء	(ربوہ) ۲۵'۰۰۰ (مرد) سے زیادہ [۶۶]
	(قادیان) ۱۳۴۷ سے زیادہ [۶۷]
۱۹۵۱ء	(ربوہ) ۱۸۴۴۶ سے زیادہ [۶۸]
	قادیان ۱۱۲۵ (مرد) سے زیادہ [۶۹]
۱۹۵۲ء	ربوہ ۲۹۰۰۰ (مرد) ۱۲۶۰۰ (خواتین) [۷۰]
۱۹۵۳ء	قادیان ۱۶۴۲
	ربوہ ؟ [۷۱]
۱۹۵۴ء	(قادیان) گزشتہ سال سے زیادہ [۷۲]
	(ربوہ) ۵۰/۰۰۰
۱۹۵۵ء	(قادیان) ۲۶۲ (مہمان) [۷۳]
	(ربوہ) ۵۰,۰۰۰ " [۷۴]
۱۹۵۶ء	قادیان ۱۰۰۰ (پہلے روز) [۷۵]

	(ربوہ) ۶۰‘۰۰۰ سے زیادہ [76]
۱۹۵۷ء	(قادیان) ۱۹۲۵ (ریکارڈ جلسہ سالانہ قادیان)
	(ربوہ ۷۰‘۰۰۰ قریباً [77]
۱۹۵۸ء	(قادیان) ۱۹۸۰ (ریکارڈ جلسہ سالانہ قادیان)
	ربوہ ایک لاکھ قریباً [78]
۱۹۵۹ء	(قادیان) ۱۲۰۰ قریباً [79]
	ربوہ ۷۰‘۰۰۰ قریباً [80]
۱۹۶۰ء	(قادیان) ۱۲۰۰ (احمدی [81]
	(ربوہ) ۷۵۰۰۰ [82]
۱۹۶۱ء	(قادیان) ۱۷۰۰ احمدی [83]
	ربوہ ۸۵۰۰۰ [84]
۱۹۶۲ء	(قادیان) ۱۶۰۰ سے زیادہ [85]
	ربوہ ۹۰۰۰۰ قریباً [86]
۱۹۶۳ء	قادیان ۲۸۳۷ (ریکارڈ جلسہ)
	ربوہ ایک لاکھ قریباً
۱۹۶۴ء	(قادیان) ۲۰۰۰ [87]
	ربوہ ۱۰۰‘۰۰۰ سے زیادہ [88]
۱۹۶۵ء	(قادیان) ۱۶۰۰ احمدیوں کی تعداد [89]
	ربوہ ۸۰‘۰۰۰ سے زیادہ [90]
۱۹۶۶ء	قادیان ۴۰۰/۳۰۰ بھارتی احمدی
	۱۹۶ پاکستانی
	۲۱ غیر ملکی [91]
	ربوہ ۸۵‘۰۰۰ [92]
۱۹۶۷ء	(قادیان) ۳۰۵۲ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱۰۰‘۰۰۰ قریباً [93]
۱۹۶۸ء	قادیان ۳۱۵۲ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱۰۰‘۰۰۰ قریباً [94]
۱۹۶۹ء	(قادیان) ۳۲۴۰ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱۰۰‘۰۰۰ ریکارڈ) [95]
۱۹۷۰ء	(قادیان) ۳۳۵۰ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱۰۰‘۰۰۰ قریباً [96]
۱۹۷۱ء	(قادیان) ۳۱۰۵ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	(ربوہ کا جلسہ نہیں ہوا)
۱۹۷۲ء	(قادیان) ۳۱۹۰ (ریکارڈ جلسہ سالانہ)
	ربوہ ۱‘۲۵۰۰۰ قریباً [97]
۱۹۷۳ء	(قادیان) ۳۲۹۸ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱‘۲۵۰۰۰ قریباً [98]
۱۹۷۴ء	قادیان ۳۴۱۷ (ریکارڈ جلسہ سالانہ)
	ربوہ ۱‘۲۵۰۰۰ سے زیادہ
۱۹۷۵ء	(قادیان) ۳۴۵۰ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱‘۲۵۰۰۰ سے زیادہ [99]
۱۹۷۶ء	(قادیان) ۳۵۴۲ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱‘۲۵۰۰۰ سے زیادہ [100]
۱۹۷۷ء	قادیان ۴۰۰۰/ ۳۰۰۰ [101]
	ربوہ ۱‘۵۰۰۰۰ قریباً [102]
۱۹۷۸ء	(قادیان) ۳۵۴۴ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱‘۷۰۰۰۰ قریباً [103]
۱۹۷۹ء	(قادیان) ۲۴۰۰ (بھارتی مہمان)
	۲۰۰ غیر ملکی [104]
	ربوہ ۱‘۵۰‘۰۰۰ سے زیادہ [105]
۱۹۸۰ء	(قادیان) ۳۶۸۵ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۱‘۷۵۰۰۰ [106]
۱۹۸۱ء	(قادیان) ۳۷۲۸ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۲‘۰۰۰۰۰ سے زیادہ [107]
۱۹۸۲ء	(قادیان) ۳۷۶۰ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۲‘۲۰۰۰۰ [108]
۱۹۸۳ء	قادیان ۳۸۱۵ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ ۲‘۷۵۰۰۰ سے زیادہ [109]
۱۹۸۴ء	(قادیان) ۴۰۵۰ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	ربوہ کا جلسہ سالانہ نہیں ہوا
۱۹۸۵ء	(اسلام آباد لندن) ۴۵۰۰
	(دوسرے روز) [110]
	(قادیان) ۳۹۳۵
	(ریکارڈ جلسہ قادیان)
۱۹۸۶ء	(اسلام آباد لندن) ۵۸۰۰
	(دوسرے روز) [111]
	(قادیان) ۴۰۴۰ (ریکارڈ جلسہ قادیان)

۱۹۸۷ء	(قادیان) ۴۳۱۰ (ریکارڈ جلسہ قادیان)
	اسلام آباد (لندن) ۷۰۰۰ [۱۱۲]
۱۹۸۸ء	(اسلام آباد لندن) ۵۱۱۹
	قادیان ؟
۱۹۸۹ء	اسلام آباد لندن ۱۴۰۰۰ سے زائد
	قادیان ؟
۱۹۹۰ء	اسلام آباد لندن ۸۰۰۰ مرد و زن (پہلا دن)
	قادیان ؟
۱۹۹۱ء	اسلام آباد لندن ۸۵۰۰
	قادیان ۲۲٬۰۰۰ [۱۱۳]

۱۸۹۰-۹۱ء کے بعض صحابہ

دعویٰ مسیحیت کے ابتدائی دو سالوں میں حضرت اقدس علیہ السلام کی بیعت کرنے والے بعض صحابہ کے نام یہ ہیں۔ ۱۸۹۰ء (۱) حضرت سید محمد عسکری خاں صاحب [۱۱۴] رئیس کڑا ضلع الہ آباد (۲) حضرت مولانا غلام حسن صاحبؓ [۱۱۵] پشاوری (۳) "حجۃ اللہ" حضرت نواب محمد علی خان صاحب [۱۱۶] مالیر کوٹلہ (۴) حضرت سید [۱۱۷] حامد شاہ صاحب سیالکوٹی۔ (۱۸۹۱ء) (۵) حضرت سید فضل شاہ صاحبؓ [۱۱۸] ملازم جموں (۶) حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ [۱۱۹] (۷) حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحبؓ سراوہ (۸) حضرت شیخ رحمت اللہ صاحبؓ [۱۲۰]۔ (۹) حضرت مولوی غلام نبی صاحبؓ خوشابی (۱۰) حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ [۱۲۱] (۱۱) حضرت سید فضیلت علیؓ شاہ صاحبؓ [۱۲۲] (۱۲) حضرت شیخ محمد [۱۲۳] بن شیخ احمد مکی (۱۳) حضرت میاں معراج الدین [۱۲۴] صاحبؓ عمر (۱۴) حضرت مولوی رحیم اللہ صاحبؓ لاہور (۱۵) حضرت مولوی مردان علی صاحبؓ [۱۲۵] حیدر آباد دکن (۱۶) حضرت خلیفہ نور الدین صاحبؓ [۱۲۶] جمونی (۱۷) حضرت صاحبزادہ پیر افتخار احمد صاحبؓ (۱۸) حضرت ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب [۱۲۷] نو مسلم سابق مہر سنگھ۔

حواشی

۱۔ الحکم ۱۴۔ اپریل ۱۹۳۵ء
۲۔ حاضرین کے ناموں کے لئے ملاحظہ ہو "آسمانی فیصلہ" (مؤلفہ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ)
۳۔ "اصحاب احمد" جلد ۲ صفحہ ۳۰۷ رسالہ "نور احمد" صفحہ ۴۴
۴۔ "اصحاب احمد" جلد ۲ صفحہ ۷۰ (مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے) طبع اول
۵۔ مرزا برکت علی صاحب نے اسے ۱۸۹۱ء کے جلسہ کا مقام ہی بتایا ہے جو سہو ہے کیونکہ پہلا جلسہ مسجد اقصیٰ میں منعقد ہوا تھا (ملاحظہ ہو آسمانی فیصلہ)
۶۔ تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۱۵۹-۱۶۰
۷۔ پیر سراج الحق صاحب نعمانی نے تذکرۃ المہدی میں لکھا ہے کہ حضرت اقدس کی تقریر کے بعد حضرت مولانا نور الدین صاحب نے وعظ کیا یہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت مولانا نور الدین صاحب کا وعظ حضور کی تقریر سے قبل ہوا تھا (ملاحظہ ہو آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۶۱۳)
۸۔ "تذکرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۱۵۹-۱۶۰
۹۔ "آئینہ کمالات اسلام" ضمیمہ
۱۰۔ "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۶۱۵
۱۱۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۱۳ء
۱۲۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۲۵ء
۱۳۔ "آئینہ کمالات اسلام" بعنوان "قیامت کی نشانی"
۱۴۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۴۴-۴۵
۱۵۔ آسمانی فیصلہ میں حاضرین کی فہرست درج ہے۔ جو متن میں بھی شامل ہے۔
۱۶۔ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۱۳ تا ۶۱۸ و ضمیمہ صفحہ ۱۸
۱۷۔ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۲۶
۱۸۔ الحکم ۱۰ جنوری ۱۹۰۱ صفحہ ۱
۱۹۔ تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ ۵۱
۲۰۔ الحکم ۱۰۔ جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ ۵
۲۱۔ بدر ۹۔ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲
۲۲۔ الحکم ۷۔ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۹
۲۳۔ بدر ۳۱ مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۱
۲۴۔ بدر ۵۔ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۱
۲۵۔ بدر ۴۔ جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۶
۲۶۔ الحکم ۷۔ جنوری ۱۹۱۳ صفحہ ۸۔ بدر ۹۔ جنوری ۱۹۱۳ صفحہ ۹
۲۷۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱
۲۸۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۲
۲۹۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۲۶ صفحہ ۱
۳۰۔ الفضل ۳۰۔ دسمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۲

۳۱۔ الفضل ۱۵۔ مارچ ۱۹۱۹ء صفحہ ۱
۳۲۔ الفضل ۵۔ جنوری ۱۹۲۰ء صفحہ ۱
۳۳۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۲۱ء صفحہ ۲
۳۴۔ الفضل ۲۶۔ دسمبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۱۶
۳۵۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۲
۳۶۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۲۴ء صفحہ ۲
۳۷۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۲۵ء صفحہ ۱
۳۸۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۹
۳۹۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۶
۴۰۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۲
۴۱۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ۲
۴۲۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ۲
۴۳۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۲
۴۴۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۲
۴۵۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۲
۴۶۔ الفضل ۳۱۔ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۲
۴۷۔ الفضل ۱۳۔ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۲
۴۸۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۸
۴۹۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۸
۵۰۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۲
۵۱۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۵
۵۲۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۶
۵۳۔ الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۶
۵۴۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۴۴ء صفحہ ۳
۵۵۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۴۵ء صفحہ ۳
۵۶۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۴۶ء صفحہ ۳
۵۷۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۴۷ء صفحہ ۳۔
۵۸۔ ریکارڈ دفتر حفاظت مرکز
۵۹۔ الفضل ۳۰۔ دسمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۴
۶۰، ۶۱۔ الفضل ۳۰۔ مارچ ۱۹۴۸ء صفحہ ۵
۶۲۔ الفضل ۴۔ جنوری ۱۹۴۹ء صفحہ ۲
۶۳۔ الفضل ۲۳۔ اپریل ۱۹۴۹ء صفحہ ۲
۶۴۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۱
۶۵۔ الفضل ۶۔ جنوری ۱۹۵۰ء صفحہ ۳
۶۶۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ربوہ ۱۹۵۰-۵۱ء صفحہ ۲۳
۶۷۔ الفضل ۷۔ جنوری ۱۹۵۱ء صفحہ ۳

۶۸۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ربوہ ۵۲-۱۹۵۱ء
۶۹۔ الفضل ۱۶۔جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۲
۷۰۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۵۳-۱۹۵۲ء صفحہ ۸۲
۷۱۔ الفضل ۳۔جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۲
۷۲۔ بدر ۷۔جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۲ الفضل ۳۱۔دسمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۷
۷۳۔ بدر ۷۔جنوری ۱۹۵۶
۷۴۔ الفضل ۳۱۔دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱
۷۵۔ بدر ۳۰۔اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱
۷۶۔ الفضل ۳۰۔دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱
۷۷۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۱
۷۸۔ الفضل ۲۱۔دسمبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۱
۷۹۔ بدر ۲۴۔دسمبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۱
۸۰۔ الفضل ۲۷۔جنوری ۱۹۶۰ء صفحہ ۱
۸۱۔ بدر ۲۹۔دسمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۶
۸۲۔ الفضل ۳۱۔دسمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۱
۸۳۔ بدر ۲۸۔دسمبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۲
۸۴۔ الفضل ۳۱۔دسمبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۲
۸۵۔ بدر ۳۔جنوری ۱۹۶۳ء صفحہ ۲
۸۶۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۶۳ء صفحہ ۳
۸۷۔ بدر ۳۱۔دسمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۱
۸۸۔ ا'۲۔جنوری ۱۹۶۴ء صفحہ ۱'۲۔
۸۹۔ بدر ۲۳۔دسمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۲
۹۰۔ الفضل ۲۴۔دسمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۱
۹۱۔ بدر ۱۵۔دسمبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۴
۹۲۔ الفضل یکم فروری ۱۹۶۷ء صفحہ ۱
۹۳۔ الفضل ۱۷۔جنوری ۱۹۶۸ء صفحہ ۱
۹۴۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۶۹ء صفحہ ۱
۹۵۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۷۰ء صفحہ ۴
۹۶۔ الفضل ۳۔جنوری ۱۹۷۱ء صفحہ ۸
۹۷۔ الفضل ۲۔جنوری ۱۹۷۳ء صفحہ ۱
۹۸۔ الفضل ۳۰۔دسمبر ۱۹۷۳ء صفحہ ۱
۹۹۔ الفضل ۳۰۔دسمبر ۱۹۷۴ء صفحہ ۱۔الفضل ۲۹۔دسمبر ۱۹۷۵ء صفحہ ۱
۱۰۰۔ الفضل ۱۳۔دسمبر ۱۹۷۶ء صفحہ ۱
۱۰۱۔ الفضل ۲۷۔دسمبر ۱۹۷۷ء صفحہ ۲
۱۰۲۔ الفضل ۳۱۔دسمبر ۱۹۷۷ء صفحہ ۱
۱۰۳۔ الفضل ۳۰۔دسمبر ۱۹۷۸ء صفحہ ۱

۱۰۴۔ بدر ۲۷۔ دسمبر ۱۹۷۹ء صفحہ ۱
۱۰۵۔ الفضل ۳۰۔ دسمبر ۱۹۷۹ء صفحہ ۱
۱۰۶۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۸۰ء صفحہ ۱
۱۰۷۔ الفضل ۳۱۔ دسمبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۱
۱۰۸۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۸۳ء صفحہ ۱
۱۰۹۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۸۴ء صفحہ ۱
۱۱۰، ۱۱۱۔ ضمیمہ رسالہ "خالد" ربوہ اگست ۱۹۸۶ء صفحہ ۱-۲
۱۱۲۔ ہفت روزہ "وطن" لنڈن ۱۹-۲۶ جولائی ۱۹۸۷ء اخبار "ایشین ٹائمز" ۱۴-۲۰ اگست ۱۹۸۷ء
۱۱۳۔ ضمیمہ ماہنامہ تحریک جدید جولائی ۱۹۸۸ء صفحہ ۱۔ الفضل ۲۶۔ اگست ۱۹۸۹ء صفحہ ۱۔ الفضل ۲۲۔ اگست ۱۹۹۰ء صفحہ ۳۔ الفضل ۳۰۔ جولائی ۱۹۹۱ء صفحہ ۱۔ الفضل ۲۔ مارچ ۱۹۹۲ء صفحہ ۴۔
۱۱۴۔ ۳۱۳ اصحاب کبار میں شامل ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے انہیں بیعت سے بھی پہلے نیاز حاصل تھے (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر پنجم صفحہ ۱۱)
۱۱۵۔ سلسلہ احمدیہ کے ایک بلند پایہ بزرگ اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے خسر۔ ولادت ۱۸۵۲ء تاریخ بیعت ۱۷۔ مئی ۱۸۹۰ء وفات یکم فروری ۱۹۴۳ء۔ (الفضل ۶۔ فروری و ۱۳ فروری ۱۹۴۳ء) حضرت اقدسؑ نے ان کے متعلق لکھا "وفادار مخلص ہیں اور لا یخافون لومۃ لائم میں داخل ہیں...... فطرت نورانی رکھتے ہیں" (ازالہ اوہام صفحہ ۸۱۳-۸۱۴ طبع اول)
۱۱۶۔ سلسلہ کی اس نہایت بزرگ شخصیت آپ کے مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو "اصحاب احمدؑ جلد دوم" ولادت یکم جنوری ۱۸۷۰ء تاریخ بیعت ۱۹۔ نومبر ۱۸۹۰ء وفات ۱۰۔ فروری ۱۹۴۵ء
۱۱۷۔ وفات ۲۶۔ نومبر ۱۹۱۸ء (الحکم ۲۱۔ نومبر ۱۹۱۸ء)
۱۱۸۔ تاریخ بیعت ۲۔ جنوری ۱۸۹۱ء وفات یکم فروری ۱۹۲۴ء
۱۱۹۔ حضرت اقدسؑ کے مشہور صحابی جو اخبار بدر کے دوسرے ایڈیٹر اور احمدیہ مسلم مشن امریکہ کے بانی تھے۔ آپ نے پوری زندگی تبلیغی جہاد میں وقف کئے رکھی۔ تاریخ بیعت ۳۱۔ جنوری ۱۸۹۱ء ۱۳۔ فروری ۱۹۵۷ء کو انتقال فرمایا۔
۱۲۰۔ مالک انگلش ویرہاؤس لاہور وفات ۱۰۔ مارچ ۱۹۲۴ء حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں آپ کو سلسلہ احمدیہ کی مالی خدمات کی توفیق ملی ۱۹۱۴ء میں گو آپ غیر مبائعین سے منسلک ہو گئے مگر مخالفت میں کبھی عملی حصہ نہیں لیا۔ تاریخ بیعت ۲۹۔ مئی ۱۸۹۱ء
۱۲۱۔ ولادت ۱۸۳۶ء وفات ۱۹۔ ستمبر ۱۹۲۴ء
۱۲۲۔ حضرت اقدسؑ نے ۹۔ ستمبر ۱۸۹۸ء کو ان کا جنازہ پڑھایا (جنتری منظور الٰہی) تاریخ بیعت ۹۔ جولائی ۱۸۹۱ء۔
۱۲۳۔ حضرت اقدس نے آپ کے متعلق ازالہ اوہام میں لکھا۔ "یہ صاحب عربی ہیں اور خاص مکہ معظمہ کے رہنے والے ہیں صلاحیت اور رشد اور سعادت کے آثار ان کے چہرہ پر ظاہر ہیں۔ اپنے وطن خاص مکہ معظمہ سے زادہ اللہ مجداً و شرفاً بطور سیر و سیاحت اس ملک میں آئے"۔ انہوں نے ۱۳۰۵ھ میں خواب دیکھا کہ عیسیٰؑ آسمان سے نازل ہو گیا۔ جس پر انہوں نے دل میں کہا کہ انشاء اللہ القدیر میں اپنی زندگی میں عیسیٰ کو دیکھ لوں گا۔ تاریخ بیعت ۱۰۔ جولائی ۱۸۹۱ء۔
۱۲۴۔ وفات ۲۸ جولائی ۱۹۴۰ء
۱۲۵۔ جماعت احمدیہ حیدر آباد دکن کی بنیاد آپ کے اور مولوی ظہور علی صاحب وکیل ہائیکورٹ حیدر آباد کے ذریعہ سے پڑی تھی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۲۸، ۲۱۔ مئی ۱۹۲۴ء) تاریخ بیعت ۲۳۔ ستمبر ۱۸۹۱ء
۱۲۶۔ حضرت اقدسؑ جب مولانا نور الدین کی عیادت کے لئے جموں تشریف لے گئے تھے تو آپ ہی کے مکان پر حضور نے قیام فرمایا تھا۔ تاریخ بیعت ۲۷۔ دسمبر ۱۸۹۱ء تاریخ وفات ۲۔ ستمبر ۱۹۳۲ء
۱۲۷۔ سکھ قوم سے اسلام لائے۔ احمدیت کے پر جوش مبلغ اور صاحب کشف و الہام تھے۔ کرنل ڈگلس کمشنر کی تحریک پر ۱۹۱۵ء میں انڈیمان کے گورنمنٹ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے آپ کی تبلیغ سے انڈیمان میں جماعت کا قیام ہوا۔ انڈیمان سے واپسی

کے بعد تعلیم الاسلام ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ میں ایک عرصہ تک بطور مدرس خدمات انجام دیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نسبت فرمایا۔ "ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب کار آمد کارکن ہیں۔ تبلیغ کا انہیں ایسا جوش ہے کہ بعض لوگوں کی نظروں میں جنون کی حد تک پہنچا ہوا ہے ایسے آدمی ست لوگوں کو ہوشیار کرنے کے لئے بہت مفید کام کرتے ہیں"۔ (وفات ۴۔ جون ۱۹۵۲ء عمر ۸۰ سال)

ماموریت کا گیارھواں سال

سفر لاہور

(۱۸۹۲ء)

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے جنوری ۱۸۹۲ء کے تیسرے ہفتہ میں لاہور والوں پر اتمام حجت کے لئے سفر لاہور اختیار فرمایا۔ حضورؑ لاہور اسٹیشن سے قیامگاہ تک یکے میں سوار ہو کر پہنچے۔ ابتداء حضور نے منشی میراں بخش صاحب میونسپل کمشنر لاہور کی کوٹھی واقع چونا منڈی میں قیام فرمایا۔ لیکن جب وہ جگہ کافی نہ رہی تو آپ محبوب رایوں کے مکان واقع ہیرا منڈی میں تشریف لے گئے۔

ایک فاتر العقل شخص کا حملہ

حضرت اقدسؑ قیام لاہور کے دوران میں مسجد مولوی رحیم اللہ صاحب میں جو (لنگے منڈی میں میاں چراغ الدین صاحب کے مکانات کے سامنے تھی) نمازیں ادا فرماتے تھے۔ ایک روز حضور ظہر یا عصر کی نماز پڑھ کر سیدھا مٹھا بازار کی طرف تشریف لے جا رہے تھے جہاں حضور محبوب رایوں کے مکان میں مقیم تھے۔ حضور کے پیچھے خدام دس گز کے فاصلے پر تھے۔ کہ ایک شخص اچانک آکر لپٹ گیا اور شور مچانے لگا کہ مہدی تو میں ہوں تم نے کیوں دعوئی کیا ہے؟ وہ نہ تو آپ کو اٹھا سکا نہ گرا سکا۔ حضرت اقدسؑ کے بعض خدام نے اسے پکڑ کر الگ کر دیا۔ وہ اسے مارنا چاہتے تھے مگر حضور نے مسکرا کے ارشاد فرمایا کہ اسے کچھ نہ کہو جانے دو۔ معذور ہے وہ تو یہ سمجھتا ہے کہ اس کا عہدہ میں نے سنبھال لیا ہے۔

حضرت اقدسؑ کی طرف سے صبر کا ایک بے نظیر نمونہ

حضرت اقدسؑ جہاں ٹھہرے تھے وہاں لاہور کے مسلمان ہندو مرد عورت ہر مذہب و ملت کے لوگ بڑی کثرت سے آتے مختلف سوال کرتے تھے۔ حضرت اقدسؑ ان کے شافی جوابات دیتے اور وہ باادب سنتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت اقدسؑ مجلس میں

تشریف فرما تھے اور منشی شمس الدین صاحب جنرل سیکرٹری حضورؑ کے ارشاد سے رسالہ "آسمانی فیصلہ" سنا رہے تھے کہ (پیر مہر علی شاہ صاحب ۱۱ گولڑوی کے کسی بد زبان مرید نے حضور کو نہایت گندی گالیاں دینا شروع کر دیں۔ حضورؑ خاموش سر جھکائے اور ریش مبارک پر ہاتھ رکھے سنتے رہے۔ جب وہ خاموش ہو گیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ کچھ اور بھی کہنا ہے تو کہہ ڈالو اس پر وہ بہت نادم ہو کر معافی کا خواستگار ہوا۔ جب وہ چلا گیا تو حاضرین میں سے ایک تعلیم یافتہ برہمو سماجی لیڈر نے کہا کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کے تحمل کے متعلق تو بہت کچھ پڑھا تھا مگر جو نمونہ آج دیکھنے میں آیا ہے یہ یقیناً آپ کا بہت بڑا اخلاقی معجزہ ہے۔

لاہور کے "پیسہ" اخبار (۲۲۔ فروری ۱۸۹۲ء) نے لکھا:۔

"جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی لاہور میں۔

مرزا صاحب دو ہفتے سے لاہور میں تشریف رکھتے تھے۔ لاہور کی خاص و عام طبائع کو اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے کہ کسی وجہ سے سیالکوٹ کو چلے گئے ہیں۔ ہر شخص گھر میں ہر دکان بازار میں۔ دفتر میں مرزا صاحب اور ان کے دعویٰ مماثلت مسیح کا ذکر کرتا ہے۔ آج تک اخبارات نے کالم کے کالم اور ورقوں کے ورقے مرزا صاحب کے حالات اور عقائد کی تردید یا تائید میں لکھ ڈالے ہیں۔ مگر ہم نے عمداً اس بحث کو نہیں چھیڑا۔ جس کی بڑی وجہ یہ ہے پیسہ اخبار کوئی مذہبی اخبار نہیں۔ مگر اب چونکہ معاملہ عام انٹرسٹ کا ہو گیا ہے۔ اور کئی صاحبوں نے پیسہ اخبار کی رائے مرزا صاحب کے عقائد اور عام حالات کی نسبت دریافت کی ہے۔ اس لئے ہم مختصر طور پر ایک دو باتیں ظاہر کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کے حق میں جو کفر کا فتویٰ دیا گیا ہے ہم کو اس سے سخت افسوس ہوا ہے۔ کوئی مسلمان زنا کرے چوری کرے۔ الحاد کا قائل ہو۔ شراب پئے اور کوئی کبیرہ گناہ کرے کبھی علمائے اسلام اس کی تکفیر پر آمادہ نہیں سنے گئے۔ مگر ایک باخدا مولوی جو قال اللہ اور قال الرسول کی تابعداری کرتا ہے بعض جزوی اختلافات کی وجہ سے کافر گردانا جاتا ہے۔

گر مسلمانی ہمیں است کہ واعظ دارد
وائے گر ازپس امروز بود فردائے

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر شخص مرزا صاحب کی ہر ایک بات کو تسلیم کر لے۔ لیکن یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے مولوی صاحبان اپنی اس لیاقت اور ہمت کو غیر مسلموں کے مقابلے میں صرف کریں جو اب مرزا صاحب کے مقابلے میں صرف ہو رہی ہے۔

ے　ہر کس از دست غیر نالہ کند
سعدی از دست خویشتن فریاد

اہل اسلام مطمئن رہیں کہ مرزا صاحب اسلام کو کبھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور یہ بات ہمارے عقیدے کے مطابق ان کے اختیار سے بھی باہر ہے۔ اگر اہل ہنود خصوصاً آریہ لوگ اور عیسائی لوگ مرزا صاحب کی مخالفت میں زور و شور سے کھڑے ہو جاتے تو ایسا بے جا نہیں تھا۔ مرزا صاحب کی تمام کوششیں آریہ اور عیسائیوں کی مخالفت میں اور مسلمانوں کی تائید میں صرف ہوئی ہیں۔ جیسا کہ ان کی مشہور تصنیفات 'براہین احمدیہ' 'سرمہ چشم آریہ اور بعد کے رسائل سے واضح ہیں"۔

جلسہ عام میں حضرت اقدسؑ کی تقریر

۳۱۔ جنوری ۱۸۹۲ء کو منشی میراں بخش صاحب کی کوٹھی کے احاطے میں حضورؑ کا ایک عظیم الشان لیکچر ہوا خلقت کا اژدحام اس کثرت سے تھا کہ کسی صورت میں بھی حاضرین کی تعداد دس ہزار سے کم نہ ہوگی۔ ہر طبقہ کے لوگ موجود تھے۔ کوٹھی کے صحن کے علاوہ آس پاس کے مکانوں کی چھتوں اور گلیوں میں بھی بڑا ہجوم تھا۔ حضرت اقدس نے اپنی تقریر میں اپنے دعاوی سے متعلق زبردست دلائل دیئے۔ اور خصوصیت سے ان آسمانی نشانوں کا تذکرہ فرمایا جو خدا تعالیٰ نے آپ کی نصرت کے لئے بارش کی طرح نازل فرمائے تھے اور بتایا کہ علماء میرے مقابلہ میں دلائل قرآنیہ سے عاجز آکر میرے خلاف کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ایک مومن کو کافر کہہ دینا آسان ہے مگر اپنا ایمان ثابت کرنا آسان نہیں۔ قرآن کریم نے مومن اور غیر مومن کے لئے کچھ نشان مقرر کر دیئے ہیں۔ میں ان کافر کہنے والوں کو دعوت دیتا ہوں کہ اسی لاہور میں میرے اور اپنے ایمان کا قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرالیں۔

حضرت اقدسؑ تقریر فرما چکے تو حضرت مولانا نورالدین سے ارشاد فرمایا کہ آپ بھی تقریر کریں۔ یہ کہہ کر حضور انور تو اندر تشریف لے گئے اور حضرت حکیم الامت نے ایک دل ہلا دینے والی تقریر فرمائی۔

حضرت حکیم الامت کا یہ خطاب گو مختصر تھا مگر جب آپ نے کلمہ شہادت پڑھ کر کہا۔ کہ کیا میں اس عمر میں بھی جھوٹ بولنے کی آرزو کر سکتا ہوں؟ تو یہ الفاظ تیر بن کر دلوں کے پار ہو گئے کوئی آنکھ نہ تھی جو اشکبار نہ ہوئی ہو۔ ہر طرف آہ و بکا کا شور بلند ہو گیا۔ تقریر کے بعد چند ہندو معززین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ ایک دفعہ وہی کلمہ پھر پڑھتے تو ہم پورے مسلمان ہو جاتے لیکن آدھے مسلمان تو ہو گئے۔ آپ کے مخالفوں نے اس موقعے پر لوگوں کو جلسہ میں شامل ہونے سے بڑی سختی سے منع کیا۔ اس وقت بازار میں اتنا بڑا انبوہ ہو گیا کہ آمد و رفت رک گئی۔ مگر

خدا تعالیٰ کے مسیح کی آواز منہ کی پھونکوں سے بند کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

مولوی عبدالحکیم صاحب کلانوری سے مباحثہ

قیام لاہور کا ایک اہم ترین واقعہ مباحثہ مولوی عبدالحکیم کلانوری ہے مولوی عبدالحکیم صاحب کلانور ضلع گورداسپور کے باشندے تھے اور الور میں رہتے تھے۔ انہوں نے حضرت اقدسؑ سے "توضیح مرام" کی اس عبارت پر کہ محدث ایک معنی میں نبی ہوتا ہے چند روز تک تحریری مباحثہ کیا۔ جو ۳۔ فروری تک جاری رہا۔ ابتداء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میرے دعویٰ کی بنیاد اس امر پر ہے کہ مسیح ابن مریمؑ نبی ناصری فوت ہو چکے ہیں اور جس مسیح کے آنے کا وعدہ ہے وہ میں ہوں۔ اگر مسیح علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا ثابت ہو جائے تو میرا دعویٰ خود بخود غلط ہو جائے گا۔ مگر مولوی عبدالحکیم صاحب نے اس راہ سے ہٹ کر ایک دوسرا طریق اختیار کیا۔ یعنی کہا کہ میں اس بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ پہلے آپ کا مسلمان ہونا تو ثابت ہو، آپ نے نبوت کا دعویٰ کر کے اسلام سے خروج کیا ہے۔ اور مسیح ابن مریم کے نزول کا عقیدہ اسلام کے خلاف نہیں وہ اسی امت میں ہو گا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ مجھ پر دعویٰ نبوت کا الزام سراسر افترا ہے۔ حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا۔ کہ میرے مسلمان اور مومن ہونے کا ثبوت ان معیاروں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ جو قرآن کریم نے بیان کئے ہیں اور جن کو میں نے رسالہ "آسمانی فیصلہ" میں لکھا ہے۔ مگر مولوی عبدالحکیم صاحب اپنی بات پر اڑ گئے۔ جس پر تحریری مباحثہ شروع ہوا۔ حضورؑ نے اپنے جواب میں یہ بنیادی نکتہ پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ سے مکالمات و مخاطبات کا سلسلہ امت محمدیہ میں قیامت تک جاری ہے اس دعوے کے ثبوت میں حضور نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث لکھی "لَقَدْ كَانَ فِيْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ رِجَالٌ يُكَلَّمُوْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَكُوْنُوْا اَنْبِيَاءَ فَاِنْ يَكُنْ فِيْ اُمَّتِيْ مِنْهُمْ اَحَدٌ فَعُمَرُ" [۲]

جونہی یہ حدیث پڑھی گئی مولوی احمد علی صاحب نے جو مولوی عبدالحکیم صاحب کے کاتب کے فرائض انجام دے رہے تھے شور مچانا شروع کر دیا کہ بخاری شریف سے یہ حدیث نکال کر پیش کریں۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا مضمون ختم ہونے دیں۔ میں حدیث نکال کر پیش کر دوں گا مگر وہ بار بار بخاری حضرت اقدسؑ کی طرف پیش کرتے کہ لیجئے اور نکالئے۔ غرضکہ ان کا مطالبہ بڑی شدت اختیار کر گیا۔ مولانا سید محمد احسن صاحب ایسے محدث نے حوالہ کی تلاش میں بخاری کی پوری باریک نظری سے ورق گردانی کی مگر حوالہ نہ مل سکا۔ اور فریق مخالف کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے تب حضرت اقدسؑ نے

خود بخاری لے کر چند ورق الٹے اور آخر حوالہ معجزانہ رنگ میں مل گیا اور اسی پر مباحثہ ختم ہو گیا۔ مباحثے کے اختتام پر حضرت اقدسؑ کا ایک تحریری بیان جس پر آٹھ افراد کے دستخط تھے پڑھ کر سنایا گیا۔ اس مباحثے کے اصل پرچے مولوی عبدالحکیم صاحب ساتھ لے کر چلے گئے تھے اور مطالبے کے باوجود انہوں نے آخر دم تک واپس نہیں کئے۔ مولوی صاحب ایک دفعہ مباحثہ کے بعد قادیان بھی آئے تھے۔ حضورؑ کو اطلاع ہوئی تو وہ نواب صاحب کے مکان میں ٹھہرائے گئے اور حضورؑ نے ان کی خاطر تواضع کے لئے حکم دیا۔ اس موقعہ پر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب [۳] نے ان سے بڑے اصرار کے ساتھ کہا کہ آپ کے پاس مباحثے کے پرچے ہیں مہربانی کر کے مجھے دیدیں آپ کے کام کے نہیں اور اگر اپنے پرچے نہ بھی دیں تو حرج نہیں مگر حضرت اقدسؑ کے پرچے ضرور دے دیں انہوں نے اس وقت وعدہ کیا کہ جاتے ہی بھیج دونگا۔ مگر اس کے ایفا کی ان کو توفیق نہ مل سکی

تقدیر کے مسئلہ پر تقریر

انہی دنوں ایک برہمو سماج کا سیکرٹری جو ایم۔ اے تھا حاضر خدمت ہوا۔ اور اس نے ذکر کیا کہ تقدیر کا مسئلہ میں نے اپنی تحقیق کی بناء پر اس طرح حل کیا ہے کہ میرے خیال میں شاید اس سے بہتر کوئی اور تسلی بخش بیان نہ کر سکے۔ آپ نے یہ سن کر مسئلہ تقدیر پر تقریر شروع فرما دی۔ وہ شخص حیران ہو گیا اور اس نے کھڑے ہو کر کہا کہ میری معلومات اس بارے میں ہیچ ہیں اور آپ سے بہتر دنیا میں کوئی اور شخص مسئلہ تقدیر کو نہیں سمجھتا۔ اور سچی بات یہ ہے کہ آپ میں پر میشر کی شکتی ہے انسان سے آدمی گفتگو کر سکتا ہے مگر جو پر میشر کا روپ رکھتا ہو۔ اس کے آگے کیا پیش جا سکتی ہے پھر وہ نہایت ادب سے ہاتھ باندھ کر سلام کر کے الٹے پاؤں یہ کہتا ہوا چلا گیا۔ کہ بڑی قوت ہے بڑی قوت ہے۔ اس کے جانے کے بعد نواب فتح علی خاں صاحب [۴] قزلباش کہنے لگے کہ آپ اسلام کی روح بیان فرماتے ہیں وہ لوگ بڑے ظالم ہیں جو آپ کی مخالفت کرتے ہیں۔ ظالم کا لفظ سن کر آپ نے بڑے جوش میں ایک زبردست تقریر فرمائی۔ نواب صاحب اس تقریر سے بڑے متاثر ہوئے اور پھر اجازت لے کر السلام علیکم کہہ کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد حضورؑ نے فرمایا کہ ہمارے نواب صاحب سے پرانے تعلقات ہیں۔ انہیں ایسی مجالس میں شریک ہونے کا کہاں موقعہ ملتا ہے۔ اتفاقیہ آ گئے میں نے ضروری سمجھا کہ انہیں نصائح آمیز تبلیغ کر دوں۔ تا اگر غور کریں تو ہدایت یاب ہوں۔ [۵]

سفر سیالکوٹ

جماعت احمدیہ سیالکوٹ کی دلی خواہش تھی کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سیالکوٹ میں

دوبارہ رونق افروز ہوں اور انہیں زیارت سے فیضیاب فرمائیں۔ چنانچہ اب جو حضورؑ لاہور تشریف لائے۔ تو مولانا عبدالکریم صاحب نے احباب سیالکوٹ کی طرف سے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں سیالکوٹ آنے کی دعوت پیش کی۔ چنانچہ اس دعوت کو آپ نے شرف قبولیت بخشا اور فروری ۱۸۹۲ء کے دوسرے ہفتہ میں سیالکوٹ تشریف لے گئے اور حکیم حسام الدین صاحب کے مکان میں فروکش ہوئے۔

زائرین کا ہجوم اور پاک مجلس

حضرت اقدسؑ کے تشریف لانے کی خبر سن کر سیالکوٹ اور اس کے نواح سے زائرین کا ایک ہجوم امڈ آیا اور لوگ ذوق و شوق سے حضورؑ کا چہرہ مبارک دیکھنے اور پاک مجلس سے فائدہ اٹھانے کے لئے آنے لگے۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کا بیان ہے کہ "میں مع ایک دوست کے تیسرے پہر آپ کو دیکھنے کے لئے شہر گیا۔ اس وقت حکیم حسام الدین صاحب کے کوچہ میں لوگوں کا بے حد اژدہام تھا۔ ہم دونوں نوجوان لڑکے تھے گھستے گھستے آخر اس قطار تک پہنچ گئے جو عین دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ حضرت اقدسؑ ایک دروازے سے نکلے اور کوچہ عبور کر کے دوسرے مکان کے دروازہ میں چلے گئے۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ ایک نور کا جھمکڑا نظروں کے سامنے آکر یکایک گم ہو گیا۔ میں اپنے تخیل میں کسی بزرگ کی مقدس شکل کا جو بہتر سے بہتر تصور قائم کیا کرتا تھا یہ ویسا ہی بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ تھا۔ میرے دل پر اتنا اثر ہوا کہ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ یہ نورانی شکل جھوٹے کی نہیں ہو سکتی۔ یہ شخص سچا ہے۔ اس کے بعد ہم حکیم حسام الدین والی مسجد کے اندر گئے اور حضرت اقدسؑ نے عصر کی نماز پڑھائی اور ہم نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ نماز کے بعد آپ مسجد کے درمیانی در میں جنوبی ستون کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے اور مسجد کا اندر اور صحن سب لوگوں سے بھرا ہوا تھا صحن کے سامنے کی طرف ایک شہ نشین تھا اس پر میں اور مولوی عبدالکریم صاحب بیٹھے ہوئے تھے میری نظریں حضرت اقدسؑ کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں۔ اتنے میں مولوی عبدالکریم صاحب بولے کہ دیکھو چہرہ پر کس قدر نور برس رہا ہے میں نے کہا واقعی اس قدر نورانی چہرہ میں نے کبھی نہیں دیکھا لوگ مختلف مذہبی سوالات کرتے تھے جن کے آپ ایسے معقول جواب دیتے تھے کہ نہ صرف دل کو لگتے تھے بلکہ مجھے نہایت تعجب ہوتا تھا کہ مذہبی لوگوں سے ایسی معقول باتیں میں نے کبھی نہیں سنی تھیں۔ کسی شخص نے ایک مرگی زدہ کی شفا کے لئے دعا بھی کروائی۔ چنانچہ آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اتنے میں مولوی عبدالکریم صاحب نے نزدیک ہو کر دریافت کیا کہ حضرت عرش کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس سے مراد سلطنت اور نفاذ امر بھی ہیں لیکن حال اور صاحب باطن لوگوں کی نظر میں یہ وہ مقام ہے جہاں مادی اور روحانی ہر طرح کی مخلوق کی حد ختم ہو

جاتی ہے اور صرف ذات باری تعالیٰ ہی جلوہ گر ہوتی ہے۔ غرضکہ آپ نے عرش پر ایسی لطیف تقریر فرمائی کہ سننے والوں کو وجد آگیا۔ شام ہو گئی۔ نماز مغرب کے بعد میں مع اپنے دوست کے واپس چلا آیا۔ ہم دونوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ شخص صادق ہے۔ دوسرے دن ہم دونوں آدمی پھر نماز ظہر کے وقت گئے حضرت اقدسؑ نے نماز ظہر کے بعد ایک تقریر کی جس میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر فرمائی جو ایسی لطیف اور پراز معارف تھی کہ ہم دونوں عش عش کر گئے اس سے قبل یہ حقائق و معارف کہاں سنے تھے بہت عالموں کے وعظ سنے تھے مگر یہاں بات ہی کچھ اور تھی۔ ان دنوں آریہ سماج کا بڑا زور تھا اس تقریر کے دوران میں ہمارے لئے ایک نئی بات یہ بھی ہوئی کہ حضرت صاحب نے آریہ سماج کے ایسے پرخچے اڑائے کہ آریہ سماج کا جتنا رعب ہمارے جیسے نو عمر طالب علموں پر تھا وہ سب ہباء منثورا ہو گیا اور اسلام کی عظمت اور شوکت آنکھوں کے سامنے ہویدا ہو گئی۔ تقریر کے بعد چند جٹ زمیندار حضرت اقدسؑ کے گرد جمع ہو کر زور زور سے باتیں کرنے لگے۔ جنہیں بھیڑ کی وجہ سے میں نہ سمجھ سکا۔ [۶]

ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب اور ان کے والد اور برادر اکبر کی عقیدت و بیعت سے متعلق ایک ضمنی نوٹ

یہاں ضمناً یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ کہ (شاعر مشرق) ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب (۱۸۷۷ء - ۱۹۳۸ء) کے والد بزرگوار شیخ نور محمد صاحب (متوفی ۱۹۲۹ء) نے مولانا عبدالکریم صاحب اور سید حامد شاہ صاحب کی تحریک پر ۹۲-۱۸۹۱ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی تھی۔ [۷] اور ان کے دونوں فرزند شیخ عطا محمد صاحب اور ڈاکٹر محمد اقبال صاحب بھی اپنے آپ کو جماعت میں شمار کرتے تھے۔ اور حضرت اقدسؑ سے ارادت مندانہ تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب ہی کا بیان ہے کہ "سفر سیالکوٹ کے موقعہ پر ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب جو مسجد کی ڈیوڑھی کی چھت پر چڑھے بیٹھے تھے مجھے دیکھ کر کہنے لگے دیکھو شمع پر کس طرح پروانے گر رہے ہیں"۔ [۸] یہ اسی عقیدت کا نتیجہ تھا کہ دو ایک سال بعد جب سعد اللہ لدھیانوی نے حضرت اقدسؑ کی ذات پر نہایت گندے اور لغو اعتراضات کئے تو ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب جو ان دنوں سکاچ مشن سکول سیالکوٹ میں ایف اے کے طالب علم تھے حضرت اقدسؑ پر سوقیانہ حملے برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے اس کے جواب میں ایک نظم لکھی جس میں حضور کو "آفتاب صدق" تسلیم کیا۔ [۹]

چند سال بعد شیخ نور محمد صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بذریعہ خط درخواست کی کہ سیالکوٹ کی جماعت چونکہ نوجوانوں کی جماعت ہے اور میں بوڑھا آدمی ان کے ساتھ چل نہیں سکتا۔ [۱۰] لہٰذا آپ میرا نام اس جماعت سے الگ رکھیں تاہم انکے فرزند شیخ عطا محمد صاحب

عمر بھر نہایت اخلاص کے ساتھ احمدیت سے وابستہ رہے۔ [۱۱] شیخ عطا محمد صاحب کے بیٹے شیخ اعجاز احمد صاحب خدا کے فضل سے زندہ ہیں اور نہایت مخلص احمدی ہیں (کتاب کے اس جدید ایڈیشن کے دوران آپ انتقال فرما گئے۔ تاریخ وفات ۲۔ جنوری ۱۹۹۴ء) مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری کے بیان کے مطابق خود ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے بھی پانچ سال بعد ۱۸۹۷ء [۱۲] میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کرلی تھی۔ اور حضرت اقدس کی زندگی میں اپنے بعض انگریزی مضامین میں حضورؑ کے متعلق صاف صاف لکھا کہ آپ جدید ہندی مسلمانوں میں سب سے بڑے دینی مفکر ہیں۔ [۱۳] نو سال بعد (۱۹۱۰ء میں) انہوں نے علی گڑھ میں ایک تقریر میں کہا کہ "پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں"۔ [۱۴] [۱۵] ان کے بعض سوانح نگاروں کے بیان کردہ حالات سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ ۱۹۱۳ء تک وہ جماعت قادیان سے ربط ضبط رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس زمانہ میں ایک نجی مسئلے میں فتویٰ حاصل کرنے کے لئے اپنے ایک گہرے دوست کو حضرت خلیفۃ المسیح اول کی خدمت میں قادیان بھیجا تھا۔ [۱۶] لیکن اس کے بعد جیسا کہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے وہ سلسلہ قادریہ سے منسلک ہو گئے تھے۔ [۱۷] اور عمر کے آخر میں جمال الدین صاحب افغانی کو مجدد سمجھنے لگے تھے۔ بایں ہمہ وہ ۱۹۳۲ء تک جماعت احمدیہ کے اشاعت اسلام کے دینی جوش و خروش کے بہر نوع مدح رہے۔ چنانچہ انہوں نے ۷۔ اپریل ۱۹۳۲ء کو اپنے ایک مکتوب میں لکھا۔ کہ "اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے کئی طریق ہیں۔ میرے عقیدہ ناقص میں جو طریق مرزا صاحب نے اختیار کیا ہے وہ زمانہ حال کی طبائع کے لئے موزوں نہیں ہے ہاں اشاعت اسلام کا جوش جو ان کی جماعت کے اکثر افراد میں پایا جاتا ہے قابل قدر ہے" [۱۸] ان کی وفات سے تین سال قبل (۱۹۳۵ء میں) بعض سیاسی حلقوں میں جماعت احمدیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کا مطالبہ اٹھا تو ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس کی تائید میں خالص فلسفیانہ رنگ میں مضامین لکھے اور دراصل فلسفہ ہی وہ موضوع تھا جس کے متعلق خود ان کی رائے تھی کہ "میری عمر زیادہ تر مغربی فلسفہ کے مطالعہ میں گزری ہے اور یہ نقطہ خیال ایک حد تک طبیعت ثانیہ بن گیا ہے۔ دانستہ یا نادانستہ میں اسی نقطہ خیال سے حقائق اسلام کا مطالعہ کرتا ہوں"۔ [۱۹]

ڈاکٹر صاحب اور ان کے والد بزرگوار کا ضمنی تذکرہ کرنے کے بعد دوبارہ سفر سیالکوٹ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی مخالفانہ کوشش اور ناکامی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

سیالکوٹ تشریف لائے تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی سیالکوٹ پہنچے۔ اور مختلف مساجد میں حضرت اقدسؑ کے خلاف گمراہ کن وعظ کئے اور عوام کو آپ کے خلاف بھڑکانے کی ہر رنگ کوشش کی مگر جن آنکھوں نے اس نورانی چہرہ کو اٹھائیس برس قبل دیکھا تھا وہ بھلا ان کی باتوں سے کیونکر دھوکا کھا سکتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس مخالفت میں انہیں سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور لوگ ذوق و شوق کے ساتھ آپ کی بیعت میں شامل ہوئے۔

سفر کپورتھلہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سیالکوٹ میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرنے کے بعد کپورتھلہ تشریف لے گئے جہاں حضور نے دو ہفتہ قیام فرمایا اور میاں سردار علی صاحب کے مکان میں فروکش ہوئے یہ حضور کا کپورتھلہ کی طرف تیسرا اور آخری سفر تھا۔

حضورؑ نے کپورتھلہ کا پہلا سفر منشی محمد اروڑا صاحب اور منشی ظفر احمد صاحب کی درخواست پر زمانہ بیعت کے قریب اختیار فرمایا تھا اس وقت کپورتھلے تک ریل نہیں تھی۔ حضور یکے سے اتر کر کپورتھلے کی مسجد فتح والی میں تشریف لے گئے۔ حافظ حامد علی صاحب ساتھ تھے۔ مسجد سے حضور نے خادم مسجد کو بھیجا کہ منشی اروڑا صاحب یا منشی ظفر احمد صاحب کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو۔ منشی ظفر احمد صاحب اور منشی محمد اروڑا صاحب کچہری میں تھے۔ خادم مسجد نے انہیں اطلاع دے دی کہ مرزا صاحب مسجد میں ہیں اور انہوں نے مجھے اطلاع دینے کے لئے بھیجا ہے۔ منشی محمد اروڑا صاحب نے بڑی حیرت سے اسے پنجابی میں کہا۔ "دیکھ تاں تیری میت وچ آکے مرزا صاحب نے ٹھہرنا سی"۔ یعنی کیا تمہاری مسجد میں ہی آکر مرزا صاحب نے ٹھہرنا تھا۔ منشی ظفر احمد صاحب نے کہا چل کر دیکھنا تو چاہیے۔ پھر منشی صاحب جلدی سے پگڑی باندھ کر ان کے ساتھ چل پڑے۔ مسجد میں جا کر دیکھا کہ حضور فرش پر لیٹے تھے اور حافظ حامد علی صاحب پاؤں دبا رہے تھے۔ منشی محمد اروڑا خان صاحب نے عرض کیا کہ حضور تشریف لانا تھا تو ہمیں اطلاع فرماتے ہم کرتارپور اسٹیشن پر حاضر ہوتے۔ حضورؑ نے جواب دیا اطلاع دینے کی کیا ضرورت تھی ہم نے آپ سے وعدہ کیا تھا۔ وہ پورا کرنا تھا۔

بہرحال حضرت اقدسؑ کپورتھلہ کے محلہ قائم پورہ کے اس مکان میں جہاں بعد میں پرانا ڈاک خانہ رہا ہے فروکش ہوئے۔ وہاں بہت سے لوگ حضورؑ کے پاس جمع ہو گئے جن میں کرنیل محمد علی خاں صاحب اور مولوی غلام محمد صاحب بھی تھے کرنیل صاحب نے ایک سوال پیش کیا جس کے جواب میں حضورؑ نے تصوف کے رنگ میں ایک تقریر فرمائی جس سے حاضرین بہت متاثر ہوئے۔ مولوی غلام محمد

صاحب جو کپور تھلہ کے علماء میں سے تھے آبدیدہ ہو گئے اور انہوں نے ہاتھ بڑھایا کہ میری بیعت لے لیں۔ مگر حضورؑ نے بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ وہاں صرف ایک ہی دن قیام فرمایا اور قادیان تشریف لے آئے۔

حضرت اقدس نے دوسرا سفر زمانہ بیعت کے بعد اختیار فرمایا آپ اس وقت علی گوہر صاحب افسر ڈاک خانہ کے ہاں ٹھہرے تھے۔ اور تین دن قیام فرمایا تھا۔ اور تیسرا سفر اب اختیار فرمایا۔ جو دعویٰ مسیحیت کے بعد تھا۔ آپؑ اس کے بعد کپور تھلہ تشریف نہیں لے گئے [۲۰]

سفر جالندھر

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے کپور تھلہ سے واپسی پر کرتار پور تک بگھی میں سفر کیا اور جالندھر تشریف لے گئے اس سفر میں کپور تھلہ کے مخلص خدام مثلاً منشی عبدالرحمٰن صاحب اور منشی ظفر احمد صاحب حضورؑ کے ہمرکاب تھے۔

بعض لوگوں نے جالندھر کے انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس سے شکایت کی کہ ایک شخص قادیان سے آیا ہوا ہے اور کہتا ہے میں مسیح موعود ہوں۔ اس کے قیام سے یہاں فساد کا اندیشہ ہے اسے حکم دیا جائے کہ وہ یہاں سے چلا جائے۔ چنانچہ اسی شکایت کی بناء پر یہ انگریز افسر صبح سویرے ہی حضور کی قیام گاہ پر پہنچا۔ بہت سے مخلصین جمع تھے۔ حضور نے اس کے واسطے کرسی منگوائی اور دوسری کرسی پر خود تشریف فرما ہوئے۔ اس نے پوچھا آپ یہاں کیسے آئے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ایک لمبی تقریر فرمائی جس سے وہ اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے کہا جب تک آپ کی مرضی ہو یہاں قیام فرمائیں اور یہ کہہ کر اور سلام کر کے وہ واپس چلا گیا اس کے بعد اس کا یہ معمول ہو گیا کہ جب حضور سیر کو تشریف لے جاتے اور وہ راستے میں گھوڑے پر سوار مل جاتا تو وہ ٹوپی اتار کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتا [۲۱]

سفر لدھیانہ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جالندھر میں قریباً ایک ماہ قیام فرما کر لدھیانہ تشریف لے گئے۔

حضورؑ نے "ازالہ اوہام" میں مخالفین کو نشان نمائی کے مقابلہ کی دعوت دے رکھی تھی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ (جلد ۱۴ نمبر ۲ صفحہ ۵۱-۵۲) میں ایک فرضی صوفی

کی طرف سے یہ مضحکہ خیز اعلان شائع کیا کہ اگر مرزا کو درگاہ الٰہی میں اپنے مقبول ہونے اور دیگر علماء کے مردود ہونے کا زعم ہو تو وہ کرامت دکھائے۔ کرامت ایسی ہونی چاہیے کہ اس کے جزئی و کلی حالات پوری تشریح سے شائع ہوں اور ہر خاص و عام اسی تشریح کے مطابق ان کا پورا ہونا اچھی طرح دیکھ لے۔ یہ کرامت دس ہفتہ میں دکھلائی جائے اور اگر اس میعاد میں مرزا ایسی کرامت دکھانے سے عاجز آجائے تو اس کے اقرار عجز کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ میں وہی کرامت اور آسمانی نشان جو مرزا طلب کرے گا اس کو پانچ ہفتہ کے اندر دکھا دوں گا۔ حضرت اقدس جب جالندھر سے لدھیانہ آئے تو میر عباس علی صاحب نے اسی فرضی صوفی کی وکالت میں حضور کو لکھا کہ ان سے مقابلہ کریں۔ حضورؑ پر نور نے بذریعہ اشتہار جواب دیا۔ کہ اگر یہ پردہ نشین صوفی در حقیقت موجود ہے تو اسے اپنا نام شائع کرنا چاہیے۔ اور اگر اس کے پاس حق ہے تو حق لے کر میدان میں آجائے مجھے جب کوئی معین شخص سامنے نظر نہیں آتا تو میں کس سے مقابلہ کروں؟ [۲۲] حضور کے اس مطالبے پر نہ میر عباس علی صاحب لدھیانوی کچھ بولے اور نہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی!!

حضور مئی کے تیسرے ہفتے میں واپس قادیان آگئے اور اس طرح آپ کے دعویٰ مسیحیت کے سلسلہ میں ابتدائی سفر بخیر و خوبی ختم ہوئے اور آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔

"نشان آسمانی" کی تصنیف و اشاعت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب سفر جالندھر کے بعد لدھیانہ میں مقیم تھے تو حضور نے "نشان آسمانی" کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کا دوسرا نام "شہادت الملہمین" بھی ہے اس کتاب میں حضرت اقدسؑ نے آنحضرت ﷺ کے علاوہ نعمت اللہ صاحب ولی [۲۳] اور جمال پور ضلع لدھیانہ کے ایک درویش بزرگ مجذوب گلاب شاہ صاحبؒ کی اہم پیش گوئیوں کا شرح و بسط سے ذکر فرمایا۔ جو انہوں نے سالہا سال قبل مسیح و مہدی کے متعلق کر رکھی تھیں اور جو آپ کی آمد سے روز روشن کی طرح پوری ہوئیں۔ "نشان آسمانی" میں حضرت اقدسؑ نے اپنے دعویٰ کی صحت معلوم کرنے کے لئے قوم کے سامنے ایک آسان تجویز یہ بھی رکھی کہ وہ آپ کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق دو ہفتہ تک خدا تعالیٰ سے استخارہ کریں۔

مکفر علماء کو مباہلہ کی پہلی دعوت

حضرت اقدس مسیح موعودؑ اس وقت تک علماء کو اپنے دعویٰ کی سچائی کے لئے قرآن و حدیث کے علاوہ آسمانی نشان کی طرف توجہ دلا رہے تھے لیکن اب جب کہ آپ تبلیغ حق کا ایک ابتدائی مرحلہ طے کر چکے تھے آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ ان تمام علماء کو جو آپ کو محض جزئی اختلاف یا اپنی کج فہمی کے باعث ابھی تک کافر کہے جاتے ہیں مباہلہ کا چیلنج دیں۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے ۱۰۔ دسمبر ۱۸۹۲ء کو علماء وقت کو مباہلہ کی پہلی دعوت عام دی۔ اور مباہلہ کے لئے چار ماہ کی مہلت دی۔ اس دعوت میں آپ کے اولین مخاطب شیخ الکل مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی اور ان کے انکار کی صورت میں شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی تھے [۲۴]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی پر اتمام حجت

یہ دعوت حضورؑ نے فرداً فرداً تمام مکفر علماء کو بھیجی۔ مگر ان میں سے کسی کو مرد میدان بننے کی جرات نہ ہوئی۔ صرف مولوی عبد الحق صاحب غزنوی نے آمادگی کا اظہار کیا۔ مولوی عبد الحق صاحب غزنوی نے بعض علماء کو شریک مباہلہ کرنے کی در پردہ بڑی جدوجہد کی مگر غزنوی خاندان کے اکابر خود بھی گریز کر گئے اور ان کو بھی منع کیا۔ [۲۵] حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ان کی آمادگی کو غنیمت سمجھتے ہوئے ۱۰۔ ذی قعدہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۲۷۔ مئی ۱۸۹۳ء کا دن مباہلہ کے لئے تجویز فرمایا۔ اور امرت سر کی عید گاہ متصل مسجد خان بہادر حاجی محمد شاہ مقام مباہلہ مقرر کیا۔ نیز مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی پر اتمام حجت کے لئے اشتہار شائع کیا کہ وہ اس تاریخ کو اگر شامل مباہلہ نہ ہوئے تو سمجھا جائیگا کہ انہوں نے اپنے فتویٰ تکفیر سے رجوع کر لیا ہے۔ [۲۶] اس اشتہار پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے مجبوراً چند شرائط پر مباہلہ کرنا منظور کر لیا۔ اور حضرت اقدسؑ کی خدمت میں بذریعہ خط وہ الفاظ بھی بھجوا دیئے جن میں وہ مباہلہ کرنا چاہتے تھے۔ حضورؑ نے بذریعہ اشتہار امرتسر کے مسلمانوں کو تحریک فرمائی کہ وہ بکثرت میدان مباہلہ میں حاضر ہوں میں یہ دعا کروں گا کہ "جس قدر میری تالیفات ہیں ان میں سے کوئی بھی خدا اور رسول کے فرمودہ کے مخالف نہیں ہیں اور نہ میں کافر ہوں اور اگر میری کتابیں خدا اور رسول ﷺ کے فرمودہ سے مخالف اور کفر سے بھری ہوئی ہیں تو خدا تعالیٰ وہ لعنت اور عذاب میرے پر نازل کرے جو ابتدائے دنیا سے آج تک کسی کافر بے ایمان پر نہ کی ہو۔ اور آپ لوگ کہیں آمین"۔ [۲۷]

حضرت اقدس میدان مباہلہ میں اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا گریز

حضرت اقدس علیہ السلام اپنے خدام کے ساتھ وقت مقررہ (۲ بجے) پر عید گاہ تشریف لے گئے عید گاہ میں یہ معرکہ حق و باطل دیکھنے کے لئے مسلم اور غیر مسلم کثیر تعداد میں جمع تھے۔ مگر کفر علماء میں سے خال خال ہی تھے۔ حضرت اقدسؑ ایک درخت کے نیچے عام انبوہ خلائق کے حلقے میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی پہنچ گئے اور عید گاہ کے منبر پر بیٹھ کر گالیوں بھرا "وعظ" کرنے لگے۔ حالانکہ اپنے خط میں یہ شرط تسلیم کر چکے تھے کہ مباہلے کے سوا کوئی فریق کوئی وعظ کرنے کا مجاز نہ ہو گا۔ عام لوگوں کو ان کی یہ حرکت بہت ناگوار گزری کہ آئے کس غرض سے تھے اور کرتے کیا ہیں۔ آخر کار خواجہ یوسف شاہ صاحب رئیس امرتسر ہجوم میں سے ہوتے ہوئے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ مولوی محمد حسین صاحب کہتے ہیں کہ آپ اس طرح دعا کریں کہ الٰہی میں نے جو اپنی کتابوں میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے ملائکہ سے انکار کیا ہے اگر ان سب کفریات میں میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر لعنت بھیج۔ یہ احمقانہ بات سن کر سب لوگ ہنس پڑے اور خود خواجہ صاحب بھی مسکرا دیئے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ آپ ہی سوچئے کہ میں تو اپنے آپ کو امت محمدیہ کا ایک فرد سمجھتا ہوں اور ایسی باتوں کا منہ پر لانا خود کفر جانتا ہوں پھر یہ کیسے کہوں۔ یہ کہہ کر حضرت اقدسؑ نے وہ خط خواجہ صاحب کے ہاتھ میں دے دیا کہ یہ انہی کی تحریر ہے آپ ان کو دکھائیں۔ اور چونکہ وقت گزرتا جاتا ہے اس لئے مباہلہ پر آمادہ کریں۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ایک شاگرد شیخ عبدالعزیز صاحب نے جو یہ خط دیکھا تو کہا کہ یہاں تو صاف لکھا ہے کہ مباہلے کے سوا کسی فریق کو وعظ کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اور وہ خواجہ صاحب اور منشی غلام قادر صاحب فصیح کو ساتھ لے کر مولوی محمد حسین صاحب کے پاس گئے اور انہوں نے اور دیگر معززین نے بہت زور لگایا مگر مولوی صاحب کی تو مباہلہ سے جان جاتی تھی وہ بھلا کیسے تیار ہوتے۔ عوام میں ان کے اس کھلے گریز کے بڑے چرچے ہوئے۔ حضرت اقدسؑ نے یہ دیکھا تو خود ہی مولوی عبدالحق صاحب کے ساتھ مباہلہ کرنے کھڑے ہو گئے۔ سب مرید اور دوسرے لوگ صف بستہ پیچھے کھڑے تھے۔ حضورؑ نے اس وقت ایسے دردناک پیرایہ میں تین بار بلند آواز سے دعا کے الفاظ دہرائے کہ عید گاہ آہ و فغاں سے میدان حشر کا نمونہ بن گئی اور کئی آدمی غش کھا کر گر پڑے۔ حضورؑ نے اس مباہلے میں مولوی عبدالحق صاحب کے خلاف کوئی بددعا نہیں کی۔ صرف اپنے متعلق خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اگر میں اپنے دعوے میں جھوٹا ہوں تو خدا تعالیٰ مجھے ہلاک کر دے۔ اور پھر اپنے معتقدات پر ایک زبردست تقریر فرمائی آپ کی یہ تقریر اتنی موثر تھی کہ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کے ایک

شاگرد منشی محمد یعقوب صاحب سابق اور سیر محکمہ نہر کی تو چیخ نکل گئی۔ اور وہ ہاتھ پھیلائے حضور کے قدموں میں جا گرے اور مجمع عام میں بیعت کرلی۔ حضرت اقدسؑ کے مباہلہ اور تقریر کی یہ فوری تاثیر ایک عظیم الشان نشان تھا جس نے لوگوں کے دل میں حضور سے ایک عقیدت پیدا کردی اور وہ بٹالوی صاحب سے بدظن ہو گئے۔ چونکہ وقت بہت ہو چکا تھا۔ اس لئے انسپکٹر پولیس نے جو عید گاہ میں موجود تھا حضرت اقدسؑ سے بھی تشریف لے جانے کی درخواست کی اور بٹالوی صاحب سے بھی۔ عید گاہ سے آنے کے بعد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ہرچند کوشش کی کہ انہیں مسجد خیرالدین (امرتسر) میں ہی وعظ کرنے کا موقعہ مل جائے مگر شہر کے عوام اور رؤساء کو ان کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہ تھا۔ وہ انہیں کیوں موقعہ دیتے۔ مولوی صاحب نے یہ ذلت و رسوائی دیکھی تو خود ہی امرت سر سے چلے گئے۔ [۲۸]

مباہلے کے بعد مباحثے کا چیلنج اور علماء کا فرار

مباہلے کے بعد علماء نے شور مچایا کہ ہم سے بحث ہونی چاہیے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے ایک اشتہار شائع فرمایا کہ جن مولوی صاحب کو بحث کرنا ہو وہ کوئی مقام تجویز کریں ہم آج سے تیسرے روز یہاں سے چلے جائیں گے پھر کوئی عذر نہ رہے گا لیکن مولوی صاحبان خاموش رہے۔ اس پر خواجہ یوسف شاہ صاحب رئیس امرتسر نے مولویوں سے کہا کہ اب آپ بحث کیوں نہیں کرتے جب کہ مرزا صاحب نے بحث منظور کرلی ہے۔ مولویوں نے جواب دیا کہ ہم بحث کریں گے پہلے باہم مشورہ کرلیں چنانچہ وہ مشورہ کی غرض سے محمد جان کی مسجد کے ایک حجرے میں جمع ہوئے اور موذن سے کہہ دیا کہ حجرے کا دروازہ مقفل کر کے چابی اپنے پاس رکھے اور اگر کوئی پوچھے تو کہہ دینا کہ کہیں دعوت پر گئے ہیں دیر میں آئیں گے۔ خواجہ یوسف شاہ صاحب مولویوں کو تلاش کرتے ہوئے وہاں آگئے۔ موذن سے پوچھا کہ مولوی صاحبان کہاں ہیں؟ اس نے کہا دعوت میں گئے ہیں۔ پھر خواجہ صاحب موصوف مولوی عبدالجبار صاحب کے ہاں گئے وہاں سے بھی یہی جواب ملا اس پر خواجہ صاحب مولویوں کی تلاش میں نکلے اور پتہ لگایا کہ کس کے ہاں دعوت ہے اور دوبارہ محمد جان کی مسجد کی طرف آئے تو اچانک کسی نے بتا دیا کہ تمام مولوی اس مسجد کے نیچے کے حجرہ میں جمع ہیں اور باہر سے قفل لگا ہوا ہے تا کسی کو پتہ نہ لگے۔ خواجہ صاحب نے موذن سے پھر پوچھا۔ کہ مولوی صاحبان کہاں ہیں؟ موذن نے پھر یہی جواب دیا کہ دعوت میں گئے ہیں۔ خواجہ صاحب نے کہا کس کے ہاں؟ اس کا جواب اس نے خوفزدہ ہو کر دیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ اس پر خواجہ صاحب نے اس سے کنجی لے کر حجرہ کھولا۔ جب اندر جا کر دیکھا تو سب مولوی حجرہ کے اندر بیٹھے ہوئے پائے۔ خواجہ صاحب کہنے لگے۔ آج تو بحث کا دن ہے اور آپ چھپ کر بیٹھے ہیں، کل کو مرزا صاحب چلے جاویں گے تو بحث کس سے ہو گی۔

مولویوں نے کھسیانے ہو کر کہا کہ ہاں ہم مشورہ کر رہے ہیں تھوڑی دیر میں آپ کو اطلاع دی جائے گی آپ تسلی رکھیں- خواجہ صاحب تاکید کر کے چلے گئے- مگر جب مولویوں نے خواجہ صاحب کو کچھ نہ بتایا تو خواجہ صاحب کو یقین ہو گیا کہ مولوی صاحبان بحث نہیں کر سکتے- اور سچی بات بھی یہی تھی- اس پر خواجہ صاحب خاموش ہو گئے- البتہ جب حضرت اقدسؑ قادیان واپسی کے لئے تیار ہوئے تو مولوی صاحبان نے آپ کے اسٹیشن پر پہنچنے سے پہلے ایک مطبوعہ اشتہار آپ کی سواری کے پیچھے پیچھے تقسیم کرنا اور دیواروں پر چسپاں کرنا شروع کر دیا جس کا عنوان تھا- "مرزا بھاگ گیا"-

امرتسری علماء دو چار روز بعد مباحثہ کرنے والے عالم کا انتخاب کرنے کے لئے دوبارہ جمع ہوئے مگر کوئی فیصلہ نہ ہوا- آخر مولوی غلام اللہ صاحب قصوری بولے کہ بحث سے تو انکار نہیں کرنا چاہیے- ہاں یہ لکھ دو کہ مقام مباحثہ کابل یا مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ ہو گا- نہ وہاں جائیں گے نہ مباحثہ ہو گا- [۲۹]

۱۸۹۲ء کے بعض صحابہ

۱۸۹۲ء کے بعض مشہور صحابہ یہ ہیں- (۱) حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب [۳۰] (۲) حضرت میاں عبد العزیز صاحب المعروف مغل [۳۱] (۳) حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب [۳۲] (۴) مرزا یعقوب بیگ صاحب [۳۳] (۵) حضرت منشی شادی خاں صاحب سیالکوٹی- [۳۴] (۶) حضرت پیر منظور محمد صاحب (۷) حضرت حاجی شہزادہ عبد المجید صاحب (۸) حضرت خان عبد المجید صاحب کپور تھلوی [۳۵] (۹) حضرت مولوی غلام امام صاحب عزیز الواعظین منی پور [۳۶] (۱۰) حضرت مولانا برہان الدین صاحب جہلمی (۱۱) منشی گلاب دین صاحب رہتاسی- [۳۷] (۱۲) حضرت مولوی فضل الدین صاحب کھاریاں [۳۸] (۱۳) حضرت مولوی حکیم قطب الدین صاحب (۱۴) حضرت صوفی نبی بخش صاحب (۱۵) حضرت میاں عبد العزیز صاحب اوجلوی [۳۹] (۱۶) حضرت پروفیسر علی احمد صاحب بھاگلپوری [۴۰] (۱۷) حضرت خان بہادر غلام محمد صاحب گلگتی [۴۱] (۱۸) حضرت حکیم محمد حسین (مرہم عیسیٰ) [۴۲] (۱۹) حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری [۴۳]

حواشی

۱- تاریخ وفات مئی ۱۹۳۷ء

۲- صحیح بخاری باب مناقب عمرؓ یعنی تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے مرد گزرے ہیں جو نبی تو نہیں تھے مگر انہیں مکالمہ مخاطبہ کا شرف حاصل تھا۔ اگر میری امت میں کسی کو یہ مقام حاصل ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔

۳- عرفانی

۴- سابق وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان جناب مظفر علی صاحب قزلباش کے پردادا

۵- "حیات احمد" جلد سوم صفحہ ۲۰۶-۲۱۸، ۲۴۹-۲۵۰- "تبلیغ رسالت" جلد دوم صفحہ ۹۴-۹۶، الحکم ۴- اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۳- رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۲-۱۳- سیرت مسیح موعود (از حضرت عرفانی صاحب) صفحہ ۱۵۷-۱۵۸، ۴۰۶-۴۰۷

۶- "مجدد اعظم" جلد اول صفحہ ۳۳۲-۳۳۳

۷- سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۲۴۹

۸- "مجدد اعظم" جلد اول صفحہ ۳۳۳

۹- "آئینہ حق نما" (مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب) صفحہ ۱۰۷-۱۰۸ پر بھی یہ نظم ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کی زندگی میں شائع ہو چکی ہے۔

۱۰- "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۲۴۹

۱۱- مولانا عبد المجید سالک لکھتے ہیں۔ "علامہ کے برادر بزرگ شیخ عطا محمد نے...... علامہ کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ یورپ بھیجا۔ حضرت علامہ بھی اپنے بڑے بھائی کے مداح اور فریفتہ تھے۔..... شیخ عطا محمد نے بیاسی سال کی عمر پائی ۱۹۴۰ء میں انتقال فرمایا...... شیخ صاحب احمدی عقائد رکھتے تھے"۔ (ذکر اقبال صفحہ ۹-۱۰)

۱۲- اخبار "نوائے وقت" ۵- نومبر ۱۹۵۳ء و "پیغام صلح" ۱۸- نومبر ۱۹۵۳ء

۱۳- رسالہ "انڈین اینٹی کویری" جلد ۲۹ ستمبر ۱۹۰۰ء صفحہ نمبر ۲۳۹

۱۴- "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" صفحہ ۱۸ مطبوعہ انجمن معین الاسلام لاہور

۱۵- یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے آفتاب اقبال کو تعلیم کی غرض سے بڑے بڑے علمی مراکز چھوڑ کو قادیان بھجوایا۔ چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ بڑی حسرت سے کہا۔ "میں نے اسے قادیان بھیجا تھا تا دین سیکھ لے مگر وہ وہاں نہ رہا"۔ (الفضل ۲- اگست ۱۹۳۵)

۱۶- "ذکر اقبال" صفحہ ۷۰ (از مولانا عبد المجید سالک)

۱۷- "مکاتیب اقبال" مرتبہ شیخ عطاء اللہ صاحب ایم۔ اے) حصہ اول صفحہ ۷۹۔

۱۸- "مکاتیب اقبال" حصہ دوم صفحہ ۲۳۱ و صفحہ ۲۳۳۔

۱۹- مکاتیب اقبال جلد اول صفحہ ۴۷

۲۰- "حیات احمد" جلد سوم صفحہ ۲۲۱-۲۲۶- "ریویو آف ریلیجنز" اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۴-۱۵

۲۱- "حیات احمد" جلد سوم- ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۳ء صفحہ ۲۴-۲۶

۲۲- "تبلیغ رسالت" جلد دوم صفحہ ۱۰۲

۲۳- کتاب "اربعین فی احوال المہدیین" میں حضرت نعمت اللہ ولیؒ سے متعلق لکھا ہے۔ "مرد صاحب باطن واز اولیاء کامل در ہندوستان مشہور اند وطن اوشاں در اطراف دہلی است زمانہ شان پانصد و شصت ہجری (۵۶۰) از دیوان اوشاں معلوم مے شود در آں ایں ابیات در ہندوستان مشہور و معروف است"۔
آپ کی شخصیت اور آپ کے قصیدے سے متعلق تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ "تائید نشان آسمانی" (از مولانا جلال الدین

صاحب شمس) "حضرت نعمت اللہ ولیؒ اور ان کا اصلی قصیدہ" مولفہ قمر اسلام پوری (قلمی نام دوست محمد شاہد) ناشر مکتبہ پاکستان لاہور۔ طبع اول ۱۹۷۲ء۔

۲۴۔ تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ ۱۲۱۔ ۱۲۳

۲۵۔ حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۴۰۲

۲۶۔ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۵۵

۲۷۔ "تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۵۴

۲۸۔ "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۴۰۴۔ ۴۰۸

۲۹۔ "رسالہ نور احمد" نمبر ۱ (مولفہ شیخ نور احمد صاحب) صفحہ ۳۳۔ ۳۵

۳۰۔ تاریخ بیعت ۲۔ جنوری ۱۸۹۲ء تاریخ وفات یکم جولائی ۱۹۳۶ء

۳۱۔ تاریخ بیعت ۱۰۔ جنوری ۱۸۹۲ء۔ تاریخ وفات یکم مارچ ۱۹۴۳ء عمر ۶۸ سال

۳۲۔ ولادت اگست ۱۸۷۵ء وفات ۲۸۔ اپریل ۱۹۰۰ء تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "اصحاب احمد" جلد اول صفحہ ۶۳۔ ۱۰۴

۳۳۔ ولادت ۱۸۷۲ء وفات ۱۲۔ فروری ۱۹۳۶ء

۳۴۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کے خسر۔ تاریخ وفات ۱۹۔ مارچ ۱۹۲۸ء عمر ۷۲ سال۔

۳۵۔ حضرت منشی محمد خاں صاحب کپور تھلوی کے صاحبزادے۔ آج کل آپ ماڈل ٹاؤن لاہور میں قیام پذیر ہیں۔ (۴۔ جنوری ۱۹۶۳ء کو انتقال فرما گئے۔ مرتب)

۳۶۔ آسام کے مشہور صحابی ۳۱۳ کی فہرست میں ان کا نام ۹۴ نمبر پر درج ہے' خلافت ثانیہ کے ابتداء میں آپ کا وصال ہوا۔

۳۷۔ تاریخ وفات ۲۳ نومبر ۱۹۲۰ء

۳۸۔ ولادت ۱۸۵۴ء' وفات ۱۴۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء "ازالہ اوہام" سے متاثر ہو کر حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں قادیان پہنچے اور بیعت کر لی۔ آپ کے ذریعہ سے ضلع گجرات میں متعدد نئی احمدی جماعتیں قائم ہوئیں۔ جب مدرسہ احمدیہ کی بنیاد رکھی گئی تو حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کو دینیات کا مدرس مقرر فرمایا آپ صاحب کشف والہام بھی تھے۔

۳۹۔ وفات ۱۱۔ اپریل ۱۹۴۶ء

۴۰۔ ولادت ۱۸۷۷ء وفات ۲۲ جون ۱۹۵۷ء عمر ۸۰ سال

۴۱۔ وفات ۲۶۔ جون ۱۹۵۶ء عمر ۸۵ سال

۴۲۔ تاریخ وفات ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء عمر ۹۳ سال

۴۳۔ حضرت حافظ صاحب کے شامل احمدیت ہونے کا موجب "آئینہ کمالات اسلام" کے ان چند اوراق کا مجموعہ ہوا ہے۔ جن میں حضرت اقدسؑ نے آیات شریفہ ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا اور ان منکم الا واردھا اور ووجدک ضالا فھدی وغیرہ کی تفسیر فرمائی تھی یہ مجموعہ اوراق حسن اتفاق سے آئینہ کمالات اسلام کی طباعت کے دوران ہی میں حضرت اقدس کی ان کتب کے ساتھ شامل ہو کر پہنچ گیا تھا جو خان عبد المجید خان صاحب ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کپور تھلہ کے والد بزرگوار حضرت محمد خان صاحب نے...... آپ کے والد ماجد حضرت مولوی حافظ سید علی میاں صاحب کو اپنے قریبی رشتہ دار جناب رسالدار میجر بہادر عبد الکریم خان رئیس شاہجہانپور کے ذریعہ سے بھیجی تھیں۔ حضرت حافظ صاحب کو ان دنوں منشی اندر من مراد آبادی وغیرہ معاندین اسلام کے اس اعتراض کی وجہ سے بڑی ایذا پہنچ رہی تھی کہ بانی اسلام کیلئے تو خود قرآن میں ضال کا لفظ موجود ہے جس کے معنی گمراہ کے ہیں اور اس کے جواب میں جو کچھ کہا گیا تھا وہ آپ کے نزدیک کافی اور علمی لحاظ معترضین کا دم بند کر دینے والا نہیں تھا۔ اور آپ کو بے چینی کے ساتھ ایسے جواب کی فکر و تلاش تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم کہ جس وقت مذکورہ کتابیں پہنچیں تو آپ بھی اپنے والد کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے جو چیز ان میں سے اٹھائی وہ مجموعہ اوراق ہی تھا اور جب آپ نے اسے کھولا تو نظر کے سامنے وہ صفحہ تھا جس پر بخط جلی لکھا تھا۔ ووجدک ضالا فھدی۔ آپ نے اسی مقام سے پڑھنا شروع کر دیا۔ اس مضمون میں لفظ ضال کی معنوی تشریح اور ہادی اعظم ﷺ کی شان میں اس کے وارد ہونے کی دل کشا و روح افزا وجہ ایسے

معقول و مدلل اور دل نشین و وجد آفرین انداز سے بیان کی گئی تھی کہ سبحان اللہ و صل علی۔ اور یہی وہ چیز تھی جس کی آرزوئے مسلسل میں دنوں سے آپ کا دل بیتاب اور آپ کی روح بے قرار تھی۔ ادھر اس مضمون باطل سوز و حق افروز کا مطالعہ ختم ہوا۔ اور ادھر یہ امر آپ کے دل میں پوری قوت سے راسخ ہو گیا کہ صاحب مضمون سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے عاشق جاں نثار اور قرآن مجید کے ماہر کامل اور حقائق و معارف قرآنی کے بحر ذخار ہیں۔ اور اسی وقت سے آپ حضرت اقدس کے زمرہ حلقہ بگوشاں میں شامل ہیں۔

ماموریت کا بارھواں سال

"آئینہ کمالاتِ اسلام" کی تصنیف و اشاعت

(۱۸۹۳ء)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کو قرآن مجید کے کمالات اور اسلام کی اعلیٰ تعلیم سے واقف کرانے کے لئے ۱۸۹۲ء میں ایک کتاب لکھنی شروع کی جو "آئینہ کمالات اسلام" کے نام سے فروری ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کی تحریر کے دوران میں آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو مرتبہ زیارت ہوئی۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تالیف پر بہت خوشنودی کا اظہار فرمایا۔[۱]

اس معرکتہ الاراء تصنیف میں متعدد اہم مباحث مثلاً مقام فنا' بقا' لقا' روح القدس کی دائمی رفاقت اور ملائک وجنات کے وجود کے ثبوت پر جدید زاویہ نگاہ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب میں وہ قوت وشوکت ہے کہ سطر سطر سے تائید حق کا جلوہ صاف نظر آتا ہے۔

"آئینہ کمالات اسلام" کی طباعت

حضرت اقدس علیہ السلام نے ابتداء ہی میں کتاب آئینہ کمالات اسلام لکھنے کا ارادہ فرمایا تو شیخ نور احمد صاحب مالک ریاض ہند پریس امرتسر سے ارشاد فرمایا کہ اپنا پریس قادیان لے آئیں۔ چنانچہ وہ امرتسر سے اپنا پریس قادیان لے آئے اور اسے گول کمرے میں نصب کر دیا۔ حضرت اقدسؑ ساتھ ساتھ مضمون لکھتے اور ساتھ ہی ساتھ کاپی لکھی جاتی تھی۔ کاتب امام الدین صاحب لاہوری تھے جن کو حضورؑ کا لکھا ہوا خط پڑھنے کی خوب مہارت ہو گئی تھی۔[۲]

"التبلیغ"

۱۱۔ جنوری ۱۸۹۳ء کو جب کتاب کا اردو حصہ مکمل ہو چکا تو مولانا عبد الکریم صاحب سیالکوٹی نے

ایک مجلس میں حضرت اقدسؑ سے عرض کی کہ اس کتاب کے ساتھ مسلمان فقراء اور پیرزادوں پر اتمام حجت کے لئے ایک خط بھی شائع ہونا چاہیے۔ حضور نے یہ تجویز بہت پسند کی۔ آپ کا ارادہ تھا کہ یہ خط اردو میں لکھا جائے لیکن رات کو بعض اشارات الہامی میں آپ کو عربی میں لکھنے کی تحریک ہوئی۔ ۳ اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنے پر آپ کو رات ہی رات میں عربی کا چالیس ہزار مادہ سکھا دیا گیا ۴ چنانچہ آپ نے اسی الہامی قوت سے "التبلیغ" کے نام سے فصیح و بلیغ عربی میں ایک خط لکھا جس میں آپ نے ہندوستان، عرب، ایران، ترکی، مصر اور دیگر ممالک کے پیرزادوں، سجادہ نشینوں، زاہدوں، صوفیوں اور خانقاہ نشینوں تک پیغام حق پہنچا دیا۔ "التبلیغ" کے بعد عربی زبان میں حضورؑ نے وہ بے نظیر لٹریچر پیدا کیا کہ فصحائے عرب و عجم کی زبانیں اس کے مقابلہ میں گنگ ہو گئیں۔ "التبلیغ" کے متعلق ایک عرب فاضل نے کہا کہ اسے پڑھ کر ایسا وجد طاری ہوا کہ دل میں آیا کہ سر کے بل رقص کرتا ہوا قادیان پہنچوں۔ ۵ طرابلس کے ایک مشہور عالم السید محمد سعیدی شامی نے اسے پڑھتے ہی بے ساختہ کہا۔ واللہ ایسی عبارت عرب نہیں لکھ سکتا۔ ۶ اور بالآخر اسی سے متاثر ہو کر احمدیت قبول کر لی ۷۔ حضرت اقدس فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہماری جتنی عربی تحریریں ہیں یہ سب ایک رنگ کی الہامی ہی ہیں کیونکہ سب خدا کی خاص تائید سے لکھی گئی ہیں۔ فرماتے تھے بعض اوقات میں کئی الفاظ اور فقرے لکھ جاتا ہوں۔ مگر مجھے ان کے معنے نہیں آتے۔ پھر لکھنے کے بعد لغت دیکھتا ہوں تو پتہ لگتا ہے۔

ان کتابوں کا یہ اعجازی رنگ دیکھ کر مخالف علماء کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ آپ کی تالیفات ہیں وہ قطعی طور پر سمجھتے تھے کہ آپ نے اس غرض کے لئے علماء کا کوئی خفیہ گروہ ملازم رکھا ہوا ہے چنانچہ ایک دفعہ ایک مولوی صاحب اس "خفیہ گروہ" کا سراغ لگانے کے لئے قادیان آئے اور رات کے وقت مسجد مبارک میں گئے۔ منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی ان دنوں مسجد مبارک سے ملحق کمرے میں مقیم تھے مولوی صاحب نے حضرت منشی صاحب سے پوچھا کہ مرزا صاحب کی عربی تصانیف ایسی ہیں کہ ان جیسی کوئی فصیح بلیغ عبارت نہیں لکھ سکتا ضرور مرزا صاحب کچھ علماء سے مدد لے کر لکھتے ہوں گے اور وہ وقت رات ہی کا ہو سکتا ہے تو کیا رات کو کچھ آدمی ایسے آپ کے پاس رہتے ہیں جو اس کام میں مدد دیتے ہوں حضرت منشی صاحب نے کہا مولوی محمد چراغ صاحب اور مولوی معین صاحب ضرور آپ کے پاس رہتے ہیں یہی علماء رات کو امداد کرتے ہوں گے۔ حضرت اقدسؑ کو منشی صاحب کی یہ آواز پہنچ گئی اور حضور بہت ہنسے۔ کیونکہ مولوی محمد چراغ صاحب اور مولوی معین الدین صاحب دونوں حضور کے ان پڑھ ملازم تھے اس کے بعد مولوی صاحب موصوف اٹھ کر چلے گئے۔ اگلے روز جب حضور بعد عصر مسجد میں حسب معمول بیٹھے تو مولوی صاحب موصوف بھی موجود تھے۔ حضورؑ منشی

صاحب کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا وہ رات والے علماء انہیں دکھلا بھی تو دو۔ اس وقت حضور نے مولانا عبدالکریم صاحب کو بھی رات کا واقعہ سنایا وہ بھی ہنسنے لگے حضرت منشی صاحب نے محمد چراغ اور معین الدین کو بلا کر مولوی صاحب موصوف کے سامنے کھڑا کر دیا وہ مولوی صاحب ان دونوں "علماء" کو دیکھ کر چلے گئے اور ایک بڑے تھال میں شیرینی لے آئے اور اپنے بارہ ساتھیوں سمیت حضور کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ ۸

سرور کونین ﷺ کی شان اقدس میں قصیدہ مدحیہ

"التبلیغ" کے آخر میں حضرت مسیح موعودؑ نے آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں ایک معجزہ نما عربی قصیدہ بھی رقم فرمایا جو چودہ سو سال کے اسلامی لٹریچر میں آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ جب حضور یہ قصیدہ لکھ چکے تو آپؑ کا روئے مبارک فرط مسرت سے چمک اٹھا اور آپ نے فرمایا یہ قصیدہ جناب الٰہی میں قبول ہو گیا اور خدا تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ جو شخص یہ قصیدہ حفظ کرلے گا اور ہمیشہ پڑھے گا میں اس کے دل میں اپنی اور اپنے رسول (آنحضرت ﷺ) کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دوں گا۔ اور اپنا قرب عطا کروں گا۔ ۹ السید محمد سعیدی شامی کو جب یہ قصیدہ دکھایا گیا تو وہ پڑھ کر بے اختیار رونے لگے اور کہا۔ خدا کی قسم میں نے اس زمانہ کے عربوں کے اشعار بھی کبھی پسند نہیں کئے مگر ان اشعار کو میں حفظ کروں گا۔ ۱۰

مولانا نیاز محمد خاں نیاز فتحپوری نے اس قصیدے کے متعلق لکھا ہے۔ "اب سے تقریباً ۶۵ سال قبل ۱۸۹۳ء کی بات ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعوئ تجدید و مہدویت سے ملک کی فضا گونج رہی تھی۔ اور مخالفت کا ایک طوفان ان کے خلاف برپا تھا۔ آریہ عیسائی اور مسلم علماء سبھی ان کے مخالف تھے اور وہ تن تنہا ان تمام حریفوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب انہوں نے مخالفین کو "ھل من مبارز" کے متعدد چیلنج دیئے اور ان میں سے کوئی سامنے نہ آیا۔ ان پر منجملہ اور اتہامات میں سے ایک اتہام یہ بھی تھا کہ وہ عربی و فارسی سے نابلد ہیں اسی اتہام کی تردید میں انہوں نے یہ قصیدہ نعت عربی میں لکھ کر مخالفین کو اس کا جواب لکھنے کی دعوت دی لیکن ان میں سے کوئی بروئے کار نہ آیا۔

مرزا صاحب کا یہ مشہور قصیدہ۔ ۶۹ اشعار پر مشتمل ہے اپنے تمام لسانی محاسن کے لحاظ سے ایسی عجیب و غریب چیز ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک ایسا شخص جس نے کسی مدرسہ میں زانوئے ادب تہہ نہ کیا تھا کیونکر ایسا فصیح و بلیغ قصیدہ لکھنے پر قادر ہو گیا۔ اسی زمانہ میں ان کے مخالفین یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ان کی عربی زبان کی شاعری غالباً ان کے مرید خاص مولوی نور الدین کی ممنون کرم ہے لیکن اس الزام کی لغویت اسی سے ظاہر ہے کہ مولوی نور الدین خود مرزا صاحب کے بڑے معتقد تھے اور اگر مرزا صاحب

کے عربی قصائد وغیرہ انہی کی تصنیف ہوتے تو مرزا صاحب کے اس کذب و دروغ پر کہ یہ سب کچھ خود انہی کی فکر کا نتیجہ ہے سب سے پہلے مولوی نورالدین ہی معترض ہو کر اس جماعت سے علیحدہ ہو جاتے۔ حالانکہ مرزا صاحب کے بعد وہی خلافت کے مستحق قرار دیئے گئے............ یہ قصیدہ نہ صرف اپنی لسانی و فنی خصوصیات بلکہ اس والہانہ محبت کے لحاظ سے جو مرزا صاحب کو رسول اللہ سے تھی بڑی پر اثر چیز ہے یہ قصیدہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

يَا عَيْنَ فَيْضِ اللّٰهِ وَالْعِرْفَانِ
يَسْعٰى اِلَيْكَ الْخَلْقُ كَالظَّمْاٰنِ

اور اختتام اس شعر پر ہوتا ہے:۔

جِسْمِىْ يَطِيْرُ اِلَيْكَ مِنْ شَوْقٍ عَلَا
يَالَيْتَ كَانَتْ قُوَّةُ الطَّيَرَانِ۔ [۱۱]

فارسی نعت

اس عربی قصیدہ کے علاوہ جو "التبلیغ" میں شامل تھا حضرت اقدسؑ نے "آئینہ کمالات اسلام" میں ایک بلند پایہ فارسی نعت بھی رقم فرمائی اس نعت کا مطلع یہ ہے۔

عجب نوریست در جان محمد
عجب لعلیست در کان محمد

یہی وہ نعت ہے جس کے ایک شعر سے متعلق جماعت احمدیہ کا ایک شدید مخالف اخبار "آزاد" بھی یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کی تعریف و توصیف میں گزشتہ انبیاء و مرسلین سے لے کر صلحائے امت تک نے بہت کچھ کہا ہے مگر حقیقی تعریف اسی شعر میں بیان کی گئی ہے کہ۔

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش
محمد ہست برہان محمد [۱۲]

"التبلیغ" کا فارسی ترجمہ مولانا عبد الکریم صاحب کا کیا ہوا ہے

ملکہ وکٹوریہ کو دعوت اسلام

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے آئینہ کمالات اسلام میں ملکہ وکٹوریہ (۱۸۱۹-۱۹۰۱) کو ایک خط کے ذریعہ سے دعوت اسلام دی جس میں آپؑ نے آنحضرت ﷺ کے حقیقی خادم ہونے کی حیثیت سے ملکہ وکٹوریہ کو انہی الفاظ میں حق کا پیغام پہنچایا۔ جن الفاظ میں آنحضرت ﷺ [۱۳] نے

۶۲۸ء کے آخر میں قیصرو کسریٰ کو پہنچایا تھا۔ یعنی آپ نے لکھا۔ "یا ملیکه الارض اسلمی تسلمین۔" اے ملکہ مسلمان ہو جا تو اور تیری سلطنت محفوظ رہے گی۔ خط کے آخر میں حضور نے اسے محض للہ نصیحت فرمائی کہ اے ملکہ مسلمانوں کی طرف خاص نظر کرنا اور ان کی اکثریت کو حکومت کے معاملات میں اپنا مقرب و مصاحب بنانا کیونکہ تو ان کی اس ریاست پر قابض ہوئی ہے جس پر وہ ایک ہزار سال [۱۴] تک اپنا پرچم لہراتے رہے ہیں پس خدا کے اس انعام پر اپنے رب کا شکر ادا کر اور مسلمانوں پر فدا ہو جا کہ خدا تصدق ہو جانے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ حکومت کا اصل مالک خدا ہے وہ جسے چاہتا ہے حکومت عطا کرتا۔ اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔

ملکہ وکٹوریہ کو جب یہ دعوت ملی تو اس نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں شکریہ کا خط ارسال کیا اور خواہش ظاہر کی کہ حضور اپنی تمام تصانیف انہیں بھجوائیں [۱۵]۔ عمر کے آخری حصہ میں ملکہ کو اسلام سے خاص محبت و الفت پیدا ہو گئی تھی۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعظیم کرتی تھیں۔ اور انہوں نے ایک ذی علم مسلمان سے اردو بھی پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ [۱۶]

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف کا خراج عقیدت

تبلیغ اسلام کا یہی وہ مجاہدانہ کارنامہ تھا جسے چاچڑاں شریف سابق ریاست بہاولپور کے ایک صاحب کشف بزرگ خواجہ غلام فرید صاحب [۱۷] نے (جن کے ارادتمندوں کا حلقہ بہت وسیع ہے) بہت سراہا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ "ہمہ اوقات مرزا صاحب ۔عبادت خدا عزوجل میگذارند' یا نماز می خوانند' یا تلاوت قرآن شریف میکنند' یا دیگر شغل اشغال مینماید۔ وبر حمایت اسلام و دین چناں کمر ہمت بستہ کہ ملکہ زمان لندن رانیز دعوت دین محمدی کردہ است' و بادشاہ روس و فرانس و غیرہما راہم دعوت اسلام نمودہ است' وہمہ سعی و کوشش او انیست کہ عقیدہ تثلیث و صلیب راکہ سراسر کفر است بگذارند' و توحید خداوند تعالیٰ بگروند۔ و علماء وقت را بہ بینید' کہ دیگر گروہ مذاہب باطلہ راگذاشتہ صرف درپے ایں چنیں نیک مرد کہ از اہل سنت و جماعت است و بر صراط مستقیم است در راہ ہدات می نماید افتادہ اند۔ و بروے حکم تکفیرے سازند۔ کلام عربی او بہ بینید کہ از طاقت بشریہ خارج است و تمام کلام او مملو از معارف و حقائق است"۔ [۱۸] یعنی حضرت مرزا صاحب اپنے تمام اوقات عبادت الٰہی' دعا' نماز' تلاوت قرآن اور اسی نوع کے دوسرے مشاغل میں گزارتے ہیں۔ دین اسلام کی حمایت کے لئے آپ نے ایسی کمر ہمت باندھی ہے کہ ملکہ وکٹوریہ کو لندن میں دعوت اسلام بھیجی ہے اسی طرح روس' فرانس اور دوسرے ممالک کے بادشاہوں کو اسلام کا پیغام دیا ہے۔ آپ کی تمام تر سعی جدوجہد یہ ہے

کہ تثلیث و صلیب کا عقیدہ جو سراسر کفر و الحاد ہے۔ صفحہ ہستی سے مٹ جائے اور اس کی بجائے اسلامی توحید قائم ہو جائے۔ مگر علماء وقت کو دیکھو کہ باقی تمام باطل مذاہب کو چھوڑ کر اس نیک مرد پر کفر کے فتوؤں سے ٹوٹ پڑے ہیں جو اہل سنت والجماعت میں سے ہے خود بھی صراط مستقیم پر گامزن ہے اور دوسروں کو بھی اسی کی راہنمائی کر رہا ہے۔ آپ کا تمام عربی کلام دیکھا جائے تو انسانی قدرت سے بالا' معارف و حقائق سے لبریز اور سر تا پا ہدایت ہے۔

پنڈت لیکھرام سے متعلق پیشگوئی

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے خبر پا کر پنڈت لیکھرام کے متعلق اگرچہ سات سال قبل (فروری ۱۸۸۶ء) سے اعلان کر رکھا تھا کہ اس شاتم رسول کے لئے ایک عبرتناک سزا مقدر ہے۔ مگر اس کی تفصیلات آپ کو ۱۸۹۳ء میں بتائی گئیں۔ چنانچہ اس سال مختلف اوقات میں نازل ہونے والے الہامات و کشوف کے ذریعہ سے آپ کو لیکھرام کی عبرتناک سزا کے بارے میں تفصیلاً بتایا گیا کہ۔

اول:۔ لیکھرام ایک ایسے عبرتناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا جس کا نتیجہ ہلاکت ہو گا۔

دوم:۔ یہ عذاب چھ سال کے عرصہ میں آئے گا۔

سوم:۔ یہ عذاب عید کے دن سے ملے ہوئے دن میں آئے گا۔

چہارم:۔ اس کی ہلاکت ایک ایسے شخص کے ذریعہ سے مقدر ہے جس کی آنکھوں سے خون ٹپکتا ہو گا۔ (جیسا کہ آپ کو ایک کشف میں دکھایا گیا)

پنجم:۔ وہ "تیغ برہان محمد" یعنی رسول اکرم ﷺ کی تیز تلوار سے کیفر کردار کو پہنچے گا۔

ششم:۔ اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے سے کیا گیا تھا اور وہ یہ ہے کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ پھر اسے جلا کر اس کی راکھ دریا میں ڈال دی گئی تھی۔

حضور نے یہ تفصیلی پیشگوئیاں آئینہ کمالات اسلام' برکات الدعا اور کرامات الصادقین میں شائع فرمائیں۔

زبردست تحدی حضور نے لیکھرام سے متعلق یہ پیشگوئی شائع کرتے ہوئے ملک بھر کے مسلمانوں' آریوں اور عیسائیوں کے سامنے یہ زبردست تحدی کی کہ "اگر اس شخص پر چھ برس کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے کوئی ایسا عذاب نازل نہ ہوا جو معمولی تکلیفوں سے نرالا اور خارق عادت اور اپنے اندر الٰہی ہیبت رکھتا ہو تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں

اور نہ اس کی روح سے میرا یہ نطق ہے۔ اور اگر میں اس پیشگوئی میں کاذب نکلا تو ہر یک سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں اور اس بات پر راضی ہوں کہ مجھے گلے میں رسہ ڈال کر کسی سولی پر کھینچا جائے"۔ نیز لکھا "اب آریوں کو چاہیے کہ سب مل کر دعا کریں کہ یہ عذاب ان کے اس وکیل سے ٹل جائے"۔ [۱۹]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی کی ولادت

"آئینہ کمالات اسلام" (صفحہ ۲۶۶) میں حضرت اقدسؑ نے خدا تعالیٰ سے اطلاع پا کر یہ پیشگوئی شائع فرمائی کہ "یَاْتِیْ قَمَرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَمْرُکَ یَتَاَتّٰی یُسِرُّ اللّٰہُ وَجْھَکَ وَیُنِیْرُ بُرْھَانَکَ سَیُوْلَدُ لَکَ الْوَلَدُ وَیُدْنٰی مِنْکَ الْفَضْلُ اِنَّ نُوْرِیْ قَرِیْبٌ۔ یعنی نبیوں کا چاند آئیگا اور تیرا مدعا حاصل ہو جائیگا۔ خدا تیرے منہ کو بشاش اور تیری برہان کو روشن کر دیگا۔ تجھے عنقریب ایک لڑکا عطا ہوگا اور فضل تیرے نزدیک کیا جائیگا۔ یقیناً میرا نور قریب ہے' سو اس عظیم الشان پیشگوئی کے مطابق حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ۲۰۔ اپریل ۱۸۹۳ء کو پیدا ہوئے۔ [۲۰] جو خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے عالی گہر اور خدا تعالیٰ کے ایک زندہ نشان ہیں۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کو بچپن میں ایک مرتبہ آشوب چشم کا عارضہ لاحق ہو گیا پلکیں گر گئیں تھیں۔ آنکھوں سے پانی بہتا رہتا تھا۔ کئی سال تک انگریزی اور یونانی علاج کیا گیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بلکہ حالت اور زیادہ تشویشناک ہو گئی۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعا کی تو حضور کو الہام ہوا۔ بَرِقَ طِفْلِیْ بَشِیْر (میرے لڑکے بشیر احمد کی آنکھیں اچھی ہو گئیں) چنانچہ اس الہام کے ایک ہفتہ بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل شفا بخشی۔ اور نہ صرف آنکھیں بالکل درست ہو گئیں [۲۱] بلکہ بصیرت کی آنکھیں بھی ایسی روشن ہوئیں کہ مادی اور روحانی علوم کے دروازے آپ پر کھل گئے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کی بلند پایہ تالیفات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ خواہش اور تمنا [۲۲] تھی کہ آپ کو ایم۔ اے کرایا جائے۔ حضورؑ کا منشائے مبارک اس وصیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تا آپ بیسویں صدی میں اسلام کی ترجمانی کا حق ادا کر سکیں۔ چنانچہ ۱۹۱۶ء میں آپ ایم۔ اے کا امتحان پاس کرتے ہی قلمی میدان میں آگئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ایسا شاندار لٹریچر پیدا کر دیا کہ اپنے ہی نہیں بیگانے بھی آپ کے قلم کا لوہا ماننے پر مجبور ہوئے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کو چونکہ ابتداء ہی سے علم حدیث اور تاریخ اسلام سے ایک خاص فطری تعلق رہا ہے اس لئے ابتداً آپ نے اسلام کی مستقل خدمت کے لئے جس موضوع کا انتخاب کیا وہ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح مبارک ہیں۔ جو آپ نے "سیرۃ خاتم النبیینؐ" [۲۲] جیسی بلند پایہ کتاب کی شکل میں تحریر فرمائی۔ اس بلند پایہ تالیف کی اشاعت نے ملک کے اسلامی حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑا دی اور انہوں نے اچھوتے مضامین، دلاویز اسلوب بیان اور علم سیرت نبوی اور علم کلام کے نادر امتزاج اور دوسرے محاسن و کمالات پر دل کھول کر خراج تحسین ادا کیا۔

چنانچہ سیٹھ عبداللہ ہارون ایم۔ایل۔اے نے لکھا۔ "میری رائے میں اس زمانہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ کی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں ان میں سے یہ ایک بہترین کتاب ہے امید ہے کہ یہ کتاب مسلمانان ہند کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگی"۔ شاعر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال نے اس رائے کا اظہار کیا۔ "اس تصنیف میں بعض اہم مباحث پر عمدہ بحث کی گئی ہے"۔ نواب اکبر یار جنگ بہادر جج ہائیکورٹ حیدر آباد دکن نے اس پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا۔ "میری نظر میں یہ بے مثل کتاب ہے"۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے کہا۔ "اس میں شک نہیں کہ اس تصنیف میں محنت اٹھائی گئی ہے"۔ مولانا عبدالماجد صاحب ایڈیٹر اخبار "سچ" لکھنؤ نے اس پر مفصل ریویو کرتے ہوئے لکھا۔ "سیرۃ خاتم النبین حصہ دوم بہت مفصل و مشرح ہے اور اس میں علاوہ واقعات تاریخی کے مسائل کا حصہ بھی کثرت سے آگیا ہے۔ قانون ازدواج و طلاق۔ غلامی۔ تعدد ازدواج۔ جہاد وغیرہ کے مباحث خصوصاً مفصل ہیں اور انگریزی خوان نوجوان کے حق میں مفید۔ معجزات پر بھی شافی بحث ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان مسائل پر بحث کرتے وقت مصنف کا قلب تحقیقات فرنگ سے مرعوب و دہشت زدہ نہیں جیسا کہ بدقسمتی سے اکثر متکلمین حال کا حال ہے...... سرور کائنات کی ذات پر جمال تو وہ ہے جس نے خدا معلوم کتنے بیگانوں تک کے دلوں کو موہ لیا ہے اہل قادیان تو بہرحال کلمہ گو ہیں ان کے کسی مصور کے قلم نے اگر اس حسین و جمیل کی ایسی دلکش تصویر تیار کر دی ہے تو اس پر حیرت بے محل ہے"۔

"سیرت خاتم النبین" کی تالیف کے دوران ہی میں آپ کی توجہ حضرت مسیح موعود کی سیرت و سوانح سے متعلق صحابہ کرامؓ کی روایت جمع کرنے کی طرف ہوئی۔ چنانچہ آپ کی شبانہ روز کوششوں کے نتیجہ میں "سیرت المہدی" [۲۳] کا قیمتی ذخیرہ شائع ہو کر ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔ سلسلہ کی بعض گمشدہ کڑیوں کا سراغ اسی سے ملتا ہے اس کے چوتھے حصہ کا مواد بھی فراہم ہو چکا ہے مگر اس کی اشاعت کی نوبت ابھی نہیں آسکی۔

تاریخ سلسلہ کی تدوین کے سلسلہ میں آپ کی معرکتہ الاراء تالیف "سلسلہ احمدیہ" ہمیشہ یادگار رہے گی۔ جو آپ نے خلافت جوبلی کی تقریب پر ۱۹۳۹ء میں شائع فرمائی۔ یہ کتاب جماعت احمدیہ کے پچاس سالہ کارناموں کی مختصر مگر جامع اور مستند تاریخ ہے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس میں سلسلہ

احمدیہ کے مخصوص عقائد' اس کے اغراض و مقاصد اور مستقبل پر بھی مخصوص انداز میں سیر حاصل روشنی ڈالی ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

ان تالیفات کے علاوہ جو اسلام واحمدیت کا انسائیکلوپیڈیا کہلانے کی مستحق ہیں آپ نے سلسلہ کے اخبارات و رسائل میں سینکڑوں مضامین لکھے ہیں۔ اور متعدد لاجواب کتابیں اور رسائل تالیف کئے ہیں۔ مثلاً "کلمۃ الفصل" (مطبوعہ ۱۹۱۵ء) "تصدیق المسیح" (مطبوعہ ۱۹۱۷ء) "الحجۃ البالغہ" (مطبوعہ ۱۹۱۷ء) "ہمارا خدا" (مطبوعہ ۱۹۲۷ء) "تبلیغ ہدایت" (مطبوعہ ۱۹۲۷ء) "ایک اور تازہ نشان" (مطبوعہ ۱۹۳۴ء) "امتحان پاس کرنے کے گر"۔ (مطبوعہ ۱۹۳۴ء) "مسئلہ جنازہ کی حقیقت" (مطبوعہ ۱۹۴۱ء) "قادیان کا خونی روزنامچہ" (مطبوعہ ۱۹۸۴ء) [۲۵] "اشتراکیت اور اسلام"۔ "چالیس جواہر پارے" (مطبوعہ ۱۹۵۰ء) "اسلامی خلافت کا نظریہ" (مطبوعہ ۱۹۵۱ء) "اچھی مائیں"۔ "ختم نبوت کی حقیقت" (مطبوعہ ۱۹۵۳ء) "جماعتی تربیت اور اس کے اصول"۔ "روحانیت کے دو زبردست ستون" (مطبوعہ ۱۹۵۶ء) "احمدیت کا مستقبل"۔ "قرآن کا اول و آخر"۔ (مطبوعہ ۱۹۵۷ء) "نیا سال اور ہماری ذمہ داریاں"۔ (مطبوعہ ۱۹۵۸ء) "سیرت طیبہ" (مطبوعہ ۱۹۶۰) "تربیتی مضامین" [۲۶] (مطبوعہ ۱۹۶۰ء) ان میں سے ہر ایک تالیف یا مضمون کو اپنے موضوع کے اعتبار سے مشعل راہ کی حیثیت حاصل ہے۔

عظیم الشان عملی کارنامے

یہ تو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی علمی خدمات کا ایک مختصر سا خاکہ ہے انتظامی اور عملی لحاظ سے بھی آپ کا مقدس وجود جن عظیم الشان برکتوں کا موجب ثابت ہوا ہے وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ بلاشبہ آپ کوہ وقار اور پیکر جہاد و استقلال ہیں۔ آپ کی خاموش اور بے ریا زندگی خدمت دین کے بے شمار کارناموں سے معمور ہے جن کی تفصیل کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ مختصراً اتنا بتانا ضروری ہے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کے عملی کارناموں کا آغاز مولانا نورالدین حضرت خلیفہ اولؓ کے زمانہ سے ہوتا ہے جب کہ آپ کو حضرت خلیفہ اولؓ نے "صدر انجمن احمدیہ" کی مجلس معتمدین کا ممبر نامزد فرمایا۔ خلافت اولیٰ کا دور آپ نے زیادہ تر تعلیمی مصروفیات میں گزارا۔ لیکن خلافت ثانیہ کے ابتداء ہی سے آپ کا ایک ایک لمحہ خدمت دین کے لئے وقف ہو گیا۔ چنانچہ شروع میں آپ نے "الفضل" کی ادارت کے فرائض سرانجام دیئے اس کے بعد "ریویو آف ریلیجنز" کی خدمت ایک عرصہ تک آپ کے سپرد رہی۔ مدرسہ احمدیہ ایسے اہم جماعتی ادارہ کے ہیڈ ماسٹر بھی رہے۔ سالہا سال تک سلسلہ احمدیہ کے متعدد صیغوں مثلاً تالیف و تصنیف۔ امور عامہ اور تعلیم و تربیت کی نگرانی کے فرائض سرانجام دینے کے علاوہ ناظر اعلیٰ بھی رہے۔ "انگریزی ترجمہ القرآن" کے کام میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ پھر قیام

پاکستان کے سلسلہ میں حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایات کے تحت آپ نے شاندار خدمات انجام دیں۔ جن کا مفصل ذکر اپنے مقام پر آ رہا ہے۔ ۳۱۔ اگست ۱۹۴۷ء کو جب حضرت اقدس مصلح موعود ہجرت کر کے قادیان سے پاکستان تشریف لائے تو حضور نے آپ کو امیر مقامی نامزد فرمایا حضرت صاحبزادہ صاحب نے قادیان میں ۲۳۔ ستمبر ۱۹۴۷ء تک نہایت احسن رنگ سے نیابت کے فرائض ادا کئے اور پھر حضور کے خاص ارشاد کے تحت پاکستان تشریف لے آئے۔

یہاں حفاظت ۱۷۷ مرکز کا اہم شعبہ آپ کے سپرد ہوا۔ جس کی زمام قیادت آپ اب تک نہایت خوش اسلوبی سے سنبھالے ہوئے ہیں۔ اس ذمہ داری کے ساتھ ساتھ آپ نے وقت کے ہر اہم جماعتی تقاضے کو پورا کرنے میں انتہائی معاملہ فہمی اور بیدار مغزی کا ثبوت دیا ہے۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ جب مرکز سے باہر تشریف لے جاتے ہیں تو حضور آپ کو ہی امیر مقامی تجویز فرماتے ہیں۔ غرضکہ حضرت صاحبزادہ صاحب کی زندگی اسلام و احمدیت کے لئے مسلسل جہاد اور تاریخ احمدیت کا زریں ورق ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و توانائی کے ساتھ لمبی عمر بخشے۔ آمین۔ (جدید ایڈیشن سے قبل آپ وصال فرما چکے ہیں۔ تاریخ وفات ۲۔ ستمبر ۱۹۶۳ء)

تصنیف و اشاعت "برکات الدعاء"

سر سید احمد خاں مرحوم ہندوستانی مسلمانوں کے عظیم سیاسی لیڈر تھے جنہوں نے مسلمانوں کی کسمپرسی سے مضطرب ہو کر ان کی رفاہ و بہبود کا بیڑا اٹھایا اور تعلیمی و معاشرتی اصلاح کے لئے ایک منظم تحریک کا آغاز کیا۔ جس نے دنیوی اعتبار سے مسلمانان ہند کو بڑے بڑے فوائد پہنچائے مگر بد قسمتی سے انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے پاکیزہ جذبہ کے جوش میں مغربیت اور اسلام کی صلح کرانے کے لئے اسلام کے اہم بنیادی اصول مثلاً وحی کو اندرونی خیالات کا نام دیکر استجابت دعا وغیرہ کا انکار کر دیا اور اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے قرآن مجید کے ایک حصے کی تفسیر شائع کی اور پھر رسالہ "الدعاء و الاستجابہ" اور "تحریر فی اصول التفسیر" کے ذریعہ سے اپنے نظریات دہرائے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو دنیا میں وحی اور دعا کی قبولیت کا مجسم نشان بن کر آئے تھے آپ بھلا ایسے خیالات کو کب برداشت کر سکتے تھے چنانچہ حضور نے اپریل ۱۸۹۳ء کو "برکات الدعاء" جیسی لطیف تصنیف شائع فرمائی اس رسالے میں حضور نے سر سید احمد خاں کو پنڈت لیکھرام کے عبرت ناک انجام کے بارہ میں اپنی دعا کے قبول ہونے کی قبل از وقت خبر دیتے ہوئے یہ زبردست پیشگوئی بھی فرمائی کہ جب تک لیکھرام کی موت واقع نہ ہوگی وہ زندہ رہیں گے جیسا کہ حضور نے فرمایا

ہاں مکن انکار زیں اسرار قدرت ہائے حق قصہ کوتہ کن ببیں از ما دعائے مستجاب [۲۸]

چنانچہ ایسا ہی ہوا سرسید احمد خاں اس وقت تک زندہ رہے جب تک لیکھرام کی موت واقع نہیں ہوئی۔

ہنری مارٹن کلارک کی طرف سے مباحثہ کا چیلنج اور رسالہ "حجتہ الاسلام" اور رسالہ "سچائی کا اظہار" کی تصنیف و اشاعت

جنڈیالہ (ضلع امرتسر) میں عیسائیوں کا بھاری مشن تھا۔ ۱۸۸۲ء [۲۹] میں ڈاکٹر کلارک امرتسر میں طبی مشن کے انچارج بنے تو انہوں نے یہاں طبی شاخ کھول کر عیسائیت کے فروغ کا نیا دروازہ کھول دیا۔ اور عیسائی مناد جابجا وعظ کرنے لگے۔ جنڈیالہ کے ایک غیور مسلمان میاں محمد بخش پاندہ نے جو یہ صورت حال دیکھی تو وہ معمولی تعلیم رکھنے کے باوجود مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے۔ عیسائی پادریوں سے جب کوئی معقول جواب نہ بن سکا تو انہوں نے مشن انچارج ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب سے شکایت کی جس پر مارٹن صاحب نے جنڈیالہ کے مسیحیوں کی طرف سے مسلمانوں کو مباحثہ کا تحریری چیلنج دے دیا۔ اور کہا کہ اہل اسلام جنڈیالہ اپنے علماء و بزرگان دین کو میدان میں لاکر دین حق کی تحقیق کریں ورنہ آئندہ سوال کرنے سے خاموش ہو جائیں۔ میاں محمد بخش صاحب نے یہ چیلنج ملتے ہی علماء کو خط لکھے کہ پادریوں سے بحث کرنے کے لئے جنڈیالہ تشریف لائیں۔ نیز اسی دن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں بھی لکھا کہ آنجناب للہ اہل اسلام جنڈیالہ کی امداد فرمائیں۔ دوسرے مولویوں نے تو پاندہ صاحب کو جواب دیا کہ ہمارے قیام و طعام اور سفر خرچ وغیرہ کا کیا انتظام ہو گا۔ مگر حضرت اقدسؑ یہ خط پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے ایک شکار بھیجا ہے۔ چنانچہ حضورؑ نے ۲۳۔ اپریل ۱۸۹۳ء کو جنڈیالہ اطلاع بھجوائی کہ حضور اس دینی کام کے لئے بالکل تیار ہیں۔ [۳۰] نیز دوسرے ہی دن قادیان سے اپنے خدام کا ایک وفد [۳۱] پادری مارٹن کلارک صاحب کے پاس امرتسر بھجوایا پادری صاحب کوٹھی پر موجود تھے انہوں نے اردلی کو تو حکم دیا کہ کرسیاں برآمدہ میں رکھ دو اور خود دوسرے دروازہ سے پادری عبداللہ آتھم [۳۲] صاحب کی کوٹھی پر پہنچے اور انہیں اپنی کوٹھی پر لے آئے رات کے گیارہ بجے تک گفتگو جاری رہی اور بالآخر اتفاق رائے سے ایک مفصل تحریری شرائط نامہ [۳۳] پر فریقین کے دستخط ہو گئے۔ مباحثہ کے لئے ۲۲۔ مئی سے ۵۔ جون ۱۸۹۳ء کی تاریخیں مقرر ہوئیں۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت مسیح موعودؑ اور عیسائیوں کی طرف

سے پادری عبداللہ آتھم مناظر قرار پائے۔

بعض علماء کی عیسائیت نوازی

جب امرتسر اور بٹالہ کے بعض مولویوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے آتھم صاحب کی کوٹھی پر جا کر کہا کہ تم نے دوسرے علماء سے بحث کیوں منظور نہ کی مرزا صاحب سے کیوں بحث پر رضامندی ظاہر کی ان کو تو تمام علماء کافر کہتے ہیں اور ان پر اور ان کے مریدوں پر کفر کے فتوے لگ چکے ہیں۔ آتھم صاحب تو پہلے ہی حضرت اقدسؑ سے خوفزدہ تھے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک سے کہنے لگے کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مرزا صاحب سے بحث کرنا آسان نہیں۔ اب یہ موقع اچھا ہاتھ آگیا ہے۔ مرزا صاحب کو جواب دے دو اور ان مولویوں سے بے شک مباحثہ کر لو کوئی حرج نہیں چنانچہ پادری مارٹن کلارک نے ۱۲۔ مئی ۱۸۹۳ء کو ایک اشتہار دیا کہ مرزا صاحب کو علماء نے کافر قرار دیا ہے۔ [۳۴] لہٰذا وہ اسلام کے وکیل نہیں ہو سکتے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے اس کے جواب میں انہیں خط لکھا کہ اب آپ کا انکار درست نہیں۔ آپ لوگوں کی تحریریں اور وعدے اور منظور کردہ شرائط ہمارے پاس ہیں پس آپ کو یا تو بحث کرنا ہوگی یا پھر شکست تسلیم کرنی پڑیگی اگر یہ بات اخباروں میں شائع کردو اور اپنی شکست کا اعتراف کر لو پھر تمہیں اختیار ہے جس مولوی سے چاہو بحث کر لو۔ نیز فرمایا تم ہمیں کفر کے فتووں کا طعنہ دیتے ہو حالانکہ یہ فتاویٰ کفر ہم پر چسپاں نہیں ہو سکتے۔ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے سچے مسلمان ہیں اور ایک خدا ترس عالم فاضل مسلمانوں کی جماعت ہمارے ساتھ ہے اور کفر کے فتوے تو آپ لوگوں پر بھی لگ چکے ہیں پروٹسٹنٹ کیتھولک مذہب والوں کو کافر بلکہ واجب القتل یقین کرتے ہیں۔ پھر تو آپ بھی عیسائیت کے وکیل نہیں ہو سکتے۔ پس فتاویٰ کفر میں ہم اور تم برابر ہیں۔ بحث تو دراصل حق اور باطل میں ہے کہ آیا حق آپ کی طرف ہے یا ہم حق پر ہیں۔ اس میں کفر کے فتوؤں کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم نے اسلام اور قرآن کریم کی وکالت کرنی ہے اور آپ نے اناجیل کی۔ بھلا اس کو فتاویٰ کفر سے کیا تعلق" [۳۵]

حضرت اقدسؑ نے مناظرہ کی ابتدائی خط و کتابت 'مارٹن کلارک کا چیلنج' 'پانڈہ صاحب کا خط' 'مناظرہ کے شرائط اور دیگر تمہید کوائف منظر عام پر لانے کے لئے "حجتہ الاسلام" اور "سچائی کا اظہار" نامی رسالے شائع کئے۔ حجتہ الاسلام میں حضورؑ نے خدا تعالیٰ سے علم پاکر اول المکفرین مولوی محمد حسین بٹالوی سے متعلق یہ خبر دی کہ وہ مرنے سے قبل میرا مومن ہونا تسلیم کر لیں گے اور تکفیر سے رجوع کر لیں گے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی ۱۹۱۴ء میں پوری ہو گئی جب کہ مولوی صاحب نے ضلع گوجرانوالہ کے جج لالہ دیوکی نندن کی عدالت میں حلفیہ شہادت دی کہ فرقہ احمدیہ بھی قرآن و حدیث کو مانتا ہے اور ہمارا

فرقہ کسی ایسے فرقہ کو جو قرآن اور حدیث کو مانے کافر نہیں کہتا (دیکھو مقدمہ نمبر ۱۳۰۰ بعدالت لالہ دیو کی نندن مجسٹریٹ درجہ اول) ایک غیر احمدی عالم اس نشان کے پورا ہونے کا اقرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی مرزا صاحب کے سخت مخالف تھے۔ حتیٰ کہ آپ نے مرزا صاحب پر کفر کے فتوے لگائے عین اس زمانہ میں مرزا صاحب نے پیشگوئی کی کہ مولانا موصوف وفات سے قبل میرا مومن ہونا تسلیم کرلیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور مولوی صاحب کو عدالت میں یہ بیان دینا پڑا کہ ان کا فرقہ جماعت مرزائیہ کو مطلقاً کافر نہیں کہتا یہ ایک ایسا بدیہی نشان ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ [۳۶]

جنگ مقدس

طے شدہ شرائط کے مطابق ۲۲ - مئی سے ۵- جون ۱۸۹۳ء تک امرتسر میں مباحثہ ہوا۔ جو جنگ مقدس کے نام سے چھپا ہوا موجود ہے۔ یہ مباحثہ مسٹر ہنری مارٹن کلارک کی کوٹھی میں ہوا۔ مسلمانوں کی طرف سے منشی غلام قادر صاحب فصیح (وائس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی سیالکوٹ) نے اور عیسائیوں کی طرف سے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب نے صدر کے فرائض سرانجام دیئے۔ حضور کے ساتھ معاونین کے طور پر حضرت مولانا نورالدین صاحب۔ مولانا سید محمد احسن صاحب اور شیخ اللہ دیا صاحب لدھیانوی تھے۔ اور عیسائی مناظر آتھم کے معاون پادری جے۔ ایل ٹھاکر داس' پادری عبداللہ اور پادری ٹامس ہاول صاحب قرار پائے۔ کرنیل الطاف علی خاں صاحب رئیس کپور تھلہ جو عیسائیت اختیار کر چکے تھے عیسائیوں کی طرف بیٹھتے۔ ایک طرف حضرت اقدسؑ اور دوسری طرف عبداللہ آتھم صاحب بیٹھتے تھے۔ دونوں فریقوں کے درمیان خلیفہ نورالدین صاحب جمونی اور منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی مباحثہ کی کارروائی نوٹ کرتے۔ اسی طرح عیسائیوں کے آدمی بھی لکھتے تھے اور بعد میں تحریروں کا مقابلہ کر لیتے تھے۔ [۳۷]

ایک ایمان افروز واقعہ

مباحثہ کے دوران میں ایک عجیب ایمان افروز واقعہ پیش آیا جس نے اپنوں اور بیگانوں کو حیران کر دیا۔ عیسائیوں نے آپ کو شرمندہ کرنے کے لئے یہ صورت نکالی کہ ایک دن چند لولے لنگڑے اور اندھے اکٹھے کر لئے اور کہا کہ آپ کو مسیح ہونے کا دعویٰ ہے ان پر ہاتھ پھیر کر اچھا کر دیں۔ مجلس میں ایک سناٹا سا چھا گیا۔ اور مسلمان نہایت بے تابی سے انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں آپ اس کا کیا جواب دیتے ہیں اور عیسائی اپنی اس کارروائی پر پھولے نہیں سماتے تھے لیکن جب حضورؑ نے اس مطالبہ کا جواب دیا تو ان کی فتح شکست سے بدل گئی اور

سب لوگ آپ کے جواب کی برجستگی اور معقولیت کے قائل ہو گئے آپ نے فرمایا کہ اس قسم کے مریضوں کو اچھا کرنا انجیل میں لکھا ہے ہم تو اس کے قائل ہی نہیں ہمارے نزدیک تو حضرت مسیحؑ کے معجزات کا رنگ ہی اور تھا۔ یہ تو انجیل کا دعویٰ ہے کہ وہ ایسے بیماروں کو جسمانی رنگ میں اچھا کرتے تھے۔ لیکن اسی انجیل میں لکھا ہے کہ اگر تم میں رائی برابر [۲۸] بھی ایمان ہو گا تو تم مجھ سے بھی بڑھ کر عجیب کام کر سکتے ہو۔ پس ان مریضوں کو پیش کرنا آپ لوگوں کا کام نہیں بلکہ ہمارا کام ہے اور اب میں ان مریضوں کو جو آپ نے نہایت مہربانی سے جمع کر لئے ہیں آپ کے سامنے پیش کر کے کہتا ہوں کہ براہ مہربانی انجیل کے حکم کے ماتحت اگر آپ لوگوں میں ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہے تو ان مریضوں پر ہاتھ رکھ کر کہیں کہ اچھے ہو جاؤ۔ اگر یہ اچھے ہو گئے تو ہم یقین کر لیں گے کہ آپ اور آپ کا مذہب سچا ہے۔ حضرت اقدسؑ کی طرف سے یہ برجستہ جواب سن کر پادریوں کے ہوش اڑ گئے اور انہوں نے جھٹ اشارہ کر کے ان لوگوں کو وہاں سے رخصت کر دیا۔ [۲۹]

مباحثے کا اثر

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اس مباحثہ میں یہ اصول پیش کیا کہ فریقین کو لازم ہو گا کہ جو دعویٰ کریں وہ دعویٰ اس الہامی کتاب کے حوالہ سے کیا جائے جو الہامی قرار دی گئی ہے اور جو دلیل پیش کریں وہ دلیل بھی اسی کتاب کے حوالہ سے ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سنہری اصول کا التزام کرتے ہوئے قرآن کریم کی صداقت جس خوبی سے نمایاں کر کے دکھائی ہے اس کا لطف اصل پرچے دیکھنے سے ہو سکتا ہے۔ اس کے مقابل عیسائی مناظر اس میں سراسر ناکام ہوئے یہ اسی فتح عظیم کا نتیجہ تھا کہ کرنیل الطاف علی خاں صاحب رئیس کپور تھلہ جو مباحثہ میں عیسائیوں کی صف میں بیٹھتے تھے آخری دن حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پہنچے اور عیسائیت سے تائب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ [۳۰]

باطل فریق کے لئے پیشگوئی

مباحثہ کا آخری دن (۵۔ جون ۱۸۹۳ء) بڑے معرکے کا دن تھا کیونکہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا سے علم پاکر باطل فریق کے متعلق یہ زبردست پیشگوئی فرمائی کہ "اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا۔ اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے"۔ اس کے بعد حضورؑ نے مسٹر آتھم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ نشان پورا ہو گیا تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نبی ہونے کے بارہ میں جن کو اندرونہ بائبل (صفحہ ۷۰، ۷۵) میں معاذاللہ دجال کے لفظ سے آپ یاد کرتے

ہیں محکم دلیل ٹھہرے گی یا نہیں؟ [۶۱] یہ ہیبت ناک پیشگوئی سن کر مسٹر آتھم کا رنگ فق اور چہرہ زرد ہو گیا اور ہاتھ کانپنے لگے اور انہوں نے بلاتوقف اپنی زبان منہ سے نکالی اور دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے جیسا کہ ایک خائف ملزم توبہ اور انکسار کے رنگ میں اپنے تئیں ظاہر کرتا ہے۔ اور بار بار لرزتی ہوئی زبان سے کہا توبہ توبہ میں نے بے ادبی اور گستاخی نہیں کی اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز دجال نہیں کہا۔ [۶۲-۶۳]

سفر جنڈیالہ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام مناظرہ سے فارغ ہونے کے بعد مسلمانان جنڈیالہ کی درخواست پر ایک دن کے لئے جنڈیالہ تشریف لے گئے۔ قصبہ کے اکثر معزز لوگوں نے جو حضورؑ کی زیارت کے مشتاق تھے آپ کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ اور ایک نئے مکان میں حضور کا قیام ہوا۔ مکان کے ایک دالان اور کوٹھری میں فرش بچھا ہوا تھا۔ کوٹھری میں تو حضرت اقدس فروکش ہوئے اور چند خدام حضرت مولانا نورالدین صاحب کے ساتھ مکان کی ملحقہ مسجد میں آکر بیٹھ گئے۔ اہل جنڈیالہ نہایت شوق سے مسجد میں جمع ہوئے اور مناظرہ کے کوائف سنتے رہے حضرت مولانا بڑی دیر تک وعظ فرماتے اور حالات سناتے رہے۔ اہل جنڈیالہ اس دن اس قدر خوش تھے کہ گویا ان کے واسطے عید کا دن تھا۔ دوپہر کا کھانا تناول کرنے کے بعد تھوڑی دیر ٹھہر کر حضرت اقدسؑ بھی مسجد میں تشریف لے آئے اور دیر تک اپنے مقدس کلمات سے نوازتے رہے۔ حضور نے بڑی تفصیل سے ان غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جو علماء نے پھیلا رکھی تھیں اور نصوص قطعیہ سے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت کی جس سے لوگوں کی خوب تسلی ہوئی اور وہ نہایت شکرگزار ہوئے۔ حضرت اقدسؑ عصر کی نماز تک جنڈیالہ میں مقیم رہے اور عصر کے بعد تھوڑی دیر بیٹھ کر امرتسر تشریف لے آئے۔ [۶۴]

قادیان کو واپس جنڈیالہ سے آنے کے بعد چند روز حضورؑ نے مزید امرتسر میں قیام فرمایا اور جون کے دوسرے ہفتہ میں قادیان تشریف لے آئے۔ [۶۵]

حواشی

۱- ضمیمہ "آئینہ کمالات اسلام" طبع اول صفحہ ۴
۲- رسالہ "نور احمد" نمبر ۱ صفحہ ۴۰-۴۴
۳- "آئینہ کمالات اسلام" طبع اول صفحہ ۳۵۹-۳۶۰
۴- "سیرت المہدی" حصہ دوم صفحہ ۳۰-۳۱ "ابن ماجہ" (مصری) جلد دوم ۲۶۹ پر پہلے سے یہ حدیث موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ مہدی میں ایک رات کے اندر انقلاب پیدا کر دے گا۔ اخبار الحکم ۲۱-۲۸ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۴
۵- الحکم ۲۴- اکتوبر ۱۹۰۰ء
۶- "سچائی کا اظہار"
۷- حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ضمیمہ "انجام آتھم" میں ۳۱۳ اصحاب کی فہرست میں ان کا نام ۵۵ نمبر پر لکھا ہے۔
۸- "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۲۰۸-۲۰۹
۹- درثمین عربی مترجم صفحہ ۱
۱۰- "سچائی کا اظہار" صفحہ ۵
۱۱- رسالہ "نگار" لکھنؤ اپریل ۱۹۶۰ء صفحہ ۵۲
۱۲- ملاحظہ ہو اخبار آزاد (لاہور) ۲۹- دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۲
۱۳- بخاری کتاب الجہاد باب دعاء النبی الی الاسلام و تاریخ کامل (علامہ ابن اثیر جوزی جلد ۲ صفحہ ۸۰)
۱۴- ۱۲۷۴ء سے ۱۸۵۷ء
۱۵- "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۲۶۴
۱۶- نور القرآن جلد دوم
۱۷- ولادت ۲۱- نومبر ۱۸۳۵ء وفات ۲۴- جولائی ۱۹۰۱ء آخری آرام گاہ ضلع ڈیرہ غازیخان کے قصبہ مٹھن کوٹ میں ہے۔
۱۸- "اشارات فریدی" حصہ سوم صفحہ ۶۹-۷۰ (مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ ۱۳۲۰ھ) افسوس "اشارات فریدی" کے ترجمہ سے جو "مقابیس المجالس" کے نام پر بزم اتحاد المسلمین لاہور نے ۱۴۱۱ھ میں شائع کیا ہے حضرت مسیح موعود سے متعلق سب تعریفی کلمات حذف کر دیئے گئے ہیں۔
۱۹- آئینہ کمالات اسلام طبع دوم صفحہ ۶۵۰-۶۵۱
۲۰- تریاق القلوب صفحہ ۴۲
۲۱- نزول المسیح صفحہ ۲۳۰
۲۲- الفضل ۱۸- جون ۱۹۱۶ء
۲۳- "سیرۃ خاتم النبیین" کے اس وقت تک تین حصے چھپ چکے ہیں۔ حصہ اول ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا حصہ دوم ۱۹۳۰ء میں اور حصہ سوم ۱۹۴۹ء میں۔
۲۴- تاریخ اشاعت حصہ اول ۲۲-۱۹۲۱ء- حصہ دوم- ۱۹۲۴ء- حصہ سوم ۱۹۳۹ء
۲۵- اس کا انگریزی ایڈیشن Qadian Diary کے نام سے چھپا ہے۔
۲۶- یہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب موصوف کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے جو متفرق طور پر الفضل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔
۲۷- اپریل ۱۹۶۰ء سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس شعبے کا نام "نظارت خدمت درویشاں منظور فرمایا ہے (مرتب)
۲۸- (ترجمہ) خدا کی قدرتوں کے بھیدوں کا انکار نہ کر۔ بات ختم کر اور (لیکھرام کے متعلق) ہماری ایک قبول شدہ دعا دیکھ لے

۲۹۔ تاریخ بشارت السندو پاکستان" صفحہ ۲۰۰ (از پادری خورشید عالم چرچ مشنری سوسائٹی گوجرہ)
۳۰۔ مفصل مکتوب کے لئے ملاحظہ ہو "حجتہ الاسلام" صفحہ ۱۴-۱۷
۳۱۔ اس وفد میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب منشی غلام قادر صاحب فصیح اور حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی وغیرہ اصحاب شامل تھے۔
۳۲۔ حجتہ الاسلام" صفحہ ا تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۳۷
۳۳۔ ملاحظہ ہو "حجتہ الاسلام"
۳۴۔ "سچائی کا اظہار"
۳۵۔ رسالہ "نور احمد" نمبر ا صفحہ ۲۰ تا ۲۶ امرتسر کے مسلمانوں کی طرف سے ایک اشتہار چھپا جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے یہاں تک لکھا کہ میں اس جنگ میں اس طرح حضرت مرزا صاحب کے زیر قیادت کھڑا ہونیکا اعلان کرتا ہوں جس طرح حضرت معاویہ نے حضرت علیؓ کے ماتحت لڑنے کا اعلان کیا تھا (حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۳۶۲ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۵۳ء)
۳۶۔ "اظہار حق" صفحہ ۱۴ از مولوی سمیع اللہ خان فاروقی جالندھری مطبوعہ نذیر پر نٹنگ پریس امرت سر
۳۷۔ ریویو آف ریلیجنز اردو۔ جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۹
۳۸۔ یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۲
۳۹۔ سیرت حضرت مسیح موعودؑ از حضرت خلیفتہ المسیح الثانی۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۹۱-۱۹۲ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۹۔
۴۰۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۲۰-۲۱
۴۱۔ جنگ مقدس
۴۲۔ "نزول المسیح" صفحہ ۱۶۵-۱۶۶
۴۳۔ مباحثہ کے متفرق حالات کے لئے ملاحظہ ہو (رسالہ "نور احمد" نمبر ا)
۴۴۔ "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۳۹۷-۳۹۸، ۴۱۱-۴۱۳
۴۵۔ ایضاً

"تحفہ بغداد"۔ "کرامات الصادقین" اور "شہادۃ القرآن" کی تصنیف و اشاعت

مباحثہ امرت سر سے واپسی کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام نے ۱۸۹۳ء کے آخر تک "تحفہ بغداد"۔ "کرامات الصادقین" اور "شہادۃ القرآن" کے نام سے تین اور تصانیف فرمائیں۔ جو اسی سال شائع بھی ہوگئیں۔

تحفہ بغداد اس کتاب کی وجہ تصنیف یہ ہوئی کہ بغداد کے ایک شخص سید عبدالرزاق قادری نقشبندی نے "التبلیغ" پڑھ کر حیدر آباد سے ایک عربی اشتہار شائع کیا جس میں نہایت درجہ دریدہ دہنی سے کام لیا۔ حضرت اقدسؑ نے اس اشتہار کے پہنچتے ہی اس کے جواب میں (محرم ۱۳۱۱ھ بمطابق جولائی ۱۸۹۳ء کو) "تحفہ بغداد" کے نام سے ایک لاجواب رسالہ شائع فرمایا۔ جس میں آپ نے اصل اشتہار اور مکتوب درج کر کے نہایت فصیح بلیغ عربی میں علماء کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا بڑی خوبی سے رد کیا۔ اپنے دعویٰ سے متعلق زبردست دلائل دیئے اور اسے نہایت محبت بھرے الفاظ میں تبلیغ فرمائی۔

سید عبدالرزاق نے اپنے اشتہار میں لکھا تھا کہ تین مہینے میں آئینہ کمالات اسلام کا رد لکھ کرا سے مرأن و بغداد میں پھیلادوں گا۔ لیکن اب جو "تحفہ بغداد" پہنچا تو اسے دم مارنے کی مجال نہ ہوئی۔

کرامات الصادقین جب سے حضرت اقدسؑ نے خدا کے حکم سے دعویٰ مسیحیت فرمایا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں بڑے زور شور سے آپ کے خلاف یہ پراپیگنڈہ کر رکھا تھا کہ یہ شخص نعوذ باللہ اس قدر جاہل اور علوم عربیہ سے بے بہرہ ہے کہ ایک صیغہ بھی صحیح طور پر اس کے منہ سے نہیں نکل سکتا۔ جب یہ پراپیگنڈا عروج پر تھا اللہ تعالیٰ نے حضور کو بشارت دی کہ اگر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی یا کوئی دوسرا ان کا ہم مشرب مقابلہ پر آئے تو شکست فاش اٹھا کر سخت ذلیل ہو گا۔ جس پر حضور نے ۳۰۔ مارچ ۱۸۹۳ء کو بذریعہ اشتہار مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو چیلنج دیا کہ وہ چالیس دن آپ کے مقابل قرعہ اندازی سے قرآن مجید کی کسی سورۃ کی فصیح بلیغ اور مقفی عربی عبارت میں تفسیر لکھیں جس میں معارف جدیدہ ہوں۔ اگر مولوی صاحب حقائق و معارف کے بیان کرنے اور فصیح و بلیغ عربی لکھنے میں آپ کے برابر بھی رہے تو آپ اپنی خطا کا اقرار کر لیں گے۔ اور اپنی کتابیں جلا دیں گے لیکن اگر حضور غالب ہوئے تو مولوی

محمد حسین صاحب کو توبہ کا اعلان کرنا ہو گا۔ [1] بٹالوی صاحب نے جب اپنی علمیت کا راز فاش ہو تا دیکھا تو نہایت بودی شرطوں سے اپنا پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ جس [2] سے صاف کھل گیا کہ بٹالوی صاحب علم تفسیر و ادب میں محض نابلد ہیں۔ اور لعن طعن اور سب و شتم کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ تاہم حضورؑ نے ان پر اتمام حجت کی غرض سے از خود "کرامات الصادقین" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا جس میں فصیح و بلیغ عربی میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں چار قصائد رقم فرمائے۔ یہ قصائد اگرچہ ایک ہفتہ میں بمقام امرتسر زیب قرطاس ہوئے تھے۔ مگر آپ نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے تمام ہم مشرب علماء کو ایک ماہ کی مہلت دیتے ہوئے اعلان کیا کہ اگر وہ اس رسالہ کی اشاعت سے ایک ماہ کے عرصہ تک اس کے مقابل پر اپنا فصیح و بلیغ رسالہ شائع کر دیں۔ جس میں ایسے ہی حقائق اور معارف اور بلاغت کے التزام سے سورہ فاتحہ کی تفسیر ہو جو اس رسالہ میں لکھی گئی ہے تو ان کو ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔" [3] "کرامات الصادقین" کا شائع ہونا تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے ہمنواؤں کی زبان پر مہر لگ گئی اور انہیں عمر بھر اس کے جواب میں قلم اٹھانے کی جرات نہ ہو سکی۔

"کرامات الصادقین" میں حضرت اقدسؑ نے اپنی سچائی پر ایک بار پھر حلفیہ بیان شائع کیا۔ چنانچہ لکھا:۔ "مجھے اللہ جل شانہ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ میرا عقیدہ ہے اور لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ پر آنحضرت ﷺ کی نسبت میرا ایمان ہے۔ میں اپنے اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں جس قدر خدا تعالیٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر قرآن کریم کے حرف ہیں اور جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تعالیٰ کے نزدیک کمالات ہیں...... میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا خدا اور رسول پر وہ یقین ہے کہ اگر اس زمانہ کے تمام ایمانوں کو ترازو کے ایک پلہ میں رکھا جائے اور میرا ایمان دوسرے پلہ میں تو بفضلہ تعالیٰ یہی پلہ بھاری ہو گا"۔ [4]

شہادت القرآن کی تصنیف و اشاعت

ایک صاحب منشی عطا محمد صاحب نے جو امرت سر کی ضلع کچہری کے اہلمد تھے۔ اگست ۱۸۹۳ء کو حضرت اقدسؑ کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ احادیث زمانہ دراز کے بعد مدون ہونے کے باعث پایہ اعتبار سے ساقط ہیں اور اکثر مجموعہ احاد۔ اس لئے آپ قرآن مجید سے اس بات کی دلیل دیں کہ آپ مسیح موعود ہیں یا کسی مسیح کا انتظار کرنا مسلمانوں کے لئے واجب و لازم ہے۔ یہ ایک نہایت اہم سوال تھا۔ جس کے لئے آپ نے کتاب "شہادۃ القرآن" تصنیف فرمائی۔ حضرت اقدسؑ نے اس کتاب میں سوال کا تجزیہ کر کے اسے تین پہلوؤں پر تقسیم کیا اور پھر ہر پہلو پر زبردست روشنی ڈالی۔

برسوں کی آویزش اور کشمکش میں علماء کی ناکامی اور بے بسی دیکھ کر زمانہ حاضرہ کے بعض جدید خیال مسلمان مجبوراً اپنا رخ بدل کر ان خیالات کا اظہار کر رہے ہیں کہ قرآن میں کسی مسیح کی آمد کا ذکر ہی موجود نہیں۔ اور احادیث موضوع و محرف ہیں۔ مرزا صاحب انہی احادیث کا سہارا لے کر مسیح موعود بنے ہیں۔ اس لئے ان کا دعویٰ کیونکر صحیح قرار دیا جا سکتا ہے۔ [۵] مگر علم کلام کے اسلحہ خانہ کا یہ کوئی نیا تیر نہیں تھا۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "شہادت القرآن" میں اپنے مسیح موعود ہونے کے وہ قرآنی شواہد پیش کئے ہیں کہ ساٹھ سال ہو گئے آج تک کسی بڑے سے بڑے عالم سے بھی ان کا جواب نہیں بن پڑا۔

منشی عطا محمد صاحب کے لئے نشان کا وعدہ

حضرت اقدسؑ نے منشی عطا محمد صاحب کے سامنے فیصلہ کا ایک سہل طریق یہ بھی رکھا کہ وہ اشتہار شائع کریں کہ میری تسلی اس رسالہ سے نہیں ہوئی اور میں ابھی تک آپ کے دعویٰ کو افتراء سمجھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ میری نسبت کوئی نشان ظاہر ہو تو میں انشاء اللہ ان کے بارہ میں توجہ کروں گا۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کسی مخالف کے سامنے مجھے مغلوب نہیں کرے گا۔ کیونکہ میں اس کی طرف سے ہوں اور اس کے دین کی تجدید کے لئے اس کے حکم سے آیا ہوں۔ لیکن منشی صاحب نے خاموشی غنیمت سمجھی اور اس طرف جیتے جی انہوں نے رخ تک نہ کیا۔ (یاد رہے کہ منشی صاحب موصوف علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی کے والد ماجد تھے)

قادیان کی طرف (مستقل رنگ میں) ہجرت کا آغاز

گو دعویٰ مسیحیت کے بعد ہی قادیان کی طرف ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مگر مستقل رنگ میں پہلی ہجرت اسی سال حضرت مولانا نور الدین صاحبؓ نے کی۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام انہیں اول المہاجرین قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ "سب سے پہلے مولوی نور الدین صاحب نے اس راز کو سمجھا ہے اور وہ محض خدا کی رضامندی کے واسطے اور دین کو حاصل کرنے کے واسطے یہاں آکر جنگل میں بیٹھے ہیں۔ انہوں نے بہت بڑی قربانی کی ہے اپنی جائیدادیں اور املاک چھوڑیں اور ایک جنگل کی رہائش اختیار کی۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مولوی صاحب جیسی قابلیت اور لیاقت کا آدمی اگر لاہور یا امرتسر میں رہتا تو بہت بڑا دنیوی فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ اور کئی بار لاہور اور امرتسر والوں نے چاہا بھی کہ وہ یہاں آکر رہیں مگر انہوں نے کبھی یہاں کے رہنے پر دوسری جگہ کی آمدنی اور فوائد کو ترجیح نہیں دی۔" [۶]

حضرت مولانا نور الدین صاحب کے بعد خدا کے مسیح کی مقدس بستی کی طرف ہجرت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ چنانچہ آپ کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں جن بزرگوں نے ہجرت کی ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

نام	سن ہجرت	نام	سن ہجرت
حضرت مولانا عبد الکریم صاحب	۱۸۹۳ء غالباً [۷]	حضرت مفتی محمد صادق صاحب	جولائی ۱۹۰۰ء [۱۴]
حضرت شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی	۱۸۹۴ء	حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب	۱۹۰۱ء [۱۵]
حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی	۱۸۹۵ء [۸]	حضرت قاضی عبد الرحیم صاحب	ایضاً [۱۶]
حضرت بھائی عبد الرحیم صاحب	۱۸۹۵ء [۹]	حضرت پیر افتخار احمد صاحب	۱۹۰۱ء [۱۷]
حضرت میر ناصر نواب صاحب	۱۸۹۵ء [۱۰]	حضرت میر مہدی حسین صاحب	۱۹۰۱ء [۱۸]
حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب	۱۸۹۷ء [۱۱]	حضرت نواب محمد علی خان صاحب	ایضاً [۱۹]
حضرت ماسٹر فقیر اللہ صاحب	۱۸۹۷ء	حضرت حافظ روشن علی صاحب	۱۹۰۱ [۲۰]
حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی	۱۸۹۹ء [۱۲]	حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب	۱۹۰۱ء [۲۱]
مولوی محمد علی صاحب	جون ۱۸۹۹ء [۱۳]	حضرت بابو محمد افضل صاحب	۱۹۰۲ء [۲۲]
حضرت منشی قدرت اللہ خان صاحب شاہجہانپوری	۱۸۹۹ء	حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب نیر	۱۹۰۶ء [۲۳]

حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل - ۱۹۰۶ [۲۴]

حضرت قاضی امیر حسین صاحب، حضرت حکیم فضل الدین صاحب۔ حضرت سید ناصر شاہ صاحب

اور متعدد بزرگوں نے بھی حضرت اقدس کی زندگی میں مستقل طور پر ہجرت کی مگران کی ہجرت کے سال کی تعیین نہیں ہو سکی۔ [۲۵]

دوستوں سے مل کر رہنے کی خواہش

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے خدام سے والہانہ محبت تھی۔ حضور فرمایا کرتے تھے کہ میری بڑی آرزو ہے کہ ایسا مکان ہو کہ چاروں طرف ہمارے احباب کے گھر ہوں اور درمیان میں میرا گھر ہو اور ہر ایک گھر میں میری ایک کھڑکی ہو کہ ہر ایک سے ہر ایک وقت واسطہ ورابطہ رہے۔ [۲۶] یہ اسی جذبہ کا نتیجہ تھا کہ ابتداء میں آنے والے مہاجرین حضور ہی کے مکان میں سکونت رکھتے تھے۔ چنانچہ پیر افتخار احمد صاحب کے لئے ایک کوٹھری حضرت اقدسؑ کے گھر ہی میں تھی۔ اور اس کے اوپر کی کوٹھری میں مولانا عبدالکریم صاحب رہا کرتے تھے۔ [۲۷]

حضرت مولانا نور الدین صاحب فرماتے تھے جب میں قادیان آیا۔ تو حضرت اقدسؑ نے ایک برآمدے میں رسی باندھ کر اس پر پردہ ڈال دیا۔ ایک طرف خود ہو گئے۔ دوسری طرف مجھے جگہ دے دی۔ پھر مولوی عبدالکریم صاحب آئے تو آپؑ نے ایک اور رسی باندھ دی۔ اور پردہ ڈال کر کچھ جگہ ان کو دیدی۔ مولوی محمد احسن صاحب آئے۔ آپ نے ان کو بھی جگہ دی۔ اسی طرح جو مہمان آتا آپ سمٹ جاتے اور مہمان کے لئے جگہ بنا دیتے۔ [۲۸]

سید ناصر شاہ صاحب حضرت اقدسؑ کے ہاں ہی رہتے تھے۔ ایک دفعہ پرائمری سکول کے پاس مکان کے لئے جگہ نکلی۔ حکیم فضل دین صاحب نے انہیں اس کے خریدنے کی طرف توجہ دلائی۔ حضور کو علم ہوا تو فرمایا وہ جگہ دور ہے اور ابھی آپ ملازمت پر ہیں اور آپ کے بھائی اور بھاوج بھی باہر ہیں جب آپ آئیں گے پھر دیکھا جائے گا۔ اور جب وہ وقت آئے گا ہم آپ کا مکان اپنے پاس بنوائیں گے۔ [۲۹]

حضرت اقدسؑ نے پیر سراج الحق صاحب نعمانی کا مکان خود بنوایا تھا لیکن جب وہ نئے مکان میں منتقل ہوئے تو واپس اپنے مکان میں بلوالیا۔ ان کا بیان ہے کہ میں تقریباً دس ماہ سے حضرت اقدسؑ کے مکان میں رہتا تھا...... صحن اتنا بھرا ہوا تھا کہ حضور کے لئے چلنے پھرنے کو جگہ نہ رہی تھی لیکن پھر بھی آپ نے میرا علیحدہ مکان میں رہنا پسند نہ فرمایا۔ [۳۰]

حضرت میر ناصر نواب صاحب جب ہجرت کر کے تشریف لائے تو انہوں نے گول کمرہ کے آگے دیوار بنوا کر پردہ کر لیا اور اس میں اپنی رہائش رکھ لی۔ [۳۱]

جنوری ۱۹۰۰ء میں حضرت اقدسؑ کے مکان میں جس کثرت سے "اصحاب الصفہ" مقیم تھے۔ اس کا نقشہ مولانا عبدالکریم صاحب بایں الفاظ کھینچتے ہیں۔ کہ "مکان اندر اور باہر نیچے اور اوپر مہمانوں سے

کشتی کی طرح بھرا ہوا ہے اور حضرت اقدس کو بھی بقدر حصہ رسدی بلکہ تھوڑا سا ایک حصہ رہنے کو ملا ہوا ہے اور آپ اس میں یوں رہتے ہیں جیسے سرائے میں کوئی گزارہ کرتا ہے۔ اور اس کے جی میں کبھی نہیں گزرتا کہ یہ میری کوٹھڑی ہے"۔ ۲۲

حضرت مولانا نورالدین کی ہجرت کا ایمان افروز واقعہ

حضرت مولانا نورالدین اپنی ہجرت کا ایمان افروز واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ (ریاست کی ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد) بھیرہ میں پہنچ کر میرا ارادہ ہوا کہ میں ایک بہت بڑے پیمانہ پر شفاخانہ کھولوں اور ایک عالی شان مکان بنالوں وہاں میں نے ایک مکان بنایا ابھی وہ ناتمام ہی تھا اور غالباً سات ہزار روپیہ اس پر خرچ ہونے پایا تھا کہ میں کسی ضرورت کے سبب لاہور آیا اور میرا جی چاہا کہ حضرت صاحب کو بھی دیکھوں اس واسطے میں قادیان آیا۔ چونکہ بھیرہ میں بڑے پیمانہ پر عمارت کا کام شروع تھا۔ اس لئے میں نے واپسی کا یکہ کرایہ کیا تھا۔ یہاں آکر حضرت صاحب سے ملا اور ارادہ کیا کہ آپ سے ابھی اجازت لے کر رخصت ہوں آپ نے اثنائے گفتگو میں مجھ سے فرمایا کہ اب تو آپ فارغ ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا ہاں اب تو فارغ ہی ہوں۔ یکہ والا سے میں نے کہدیا کہ اب تم چلے جاؤ۔ آج اجازت لینا مناسب نہیں ہے کل پرسوں اجازت لیں گے اگلے روز آپ نے فرمایا کہ آپ کو اکیلے رہنے میں تو تکلیف ہو گی آپ اپنی ایک بیوی کو بلوالیں۔

میں نے حسب الارشاد بیوی کے بلانے کے لئے خط لکھ دیا۔ اور یہ بھی لکھ دیا کہ ابھی میں شاید جلد نہ آسکوں اس لئے عمارت کا کام بند کر دیں۔ جب میری بیوی آگئی تو آپ نے فرمایا کہ آپ کو کتابوں کا بڑا شوق ہے لہذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ اپنا کتب خانہ منگوالیں۔ تھوڑے دنوں کے بعد فرمایا کہ دوسری بیوی آپ کی مزاج شناس اور پرانی ہے آپ اس کو ضرور بلالیں۔ لیکن مولوی عبدالکریم صاحب سے فرمایا کہ مجھ کو نورالدین کے متعلق الہام ہوا ہے اور وہ شعر (کچھ تبدیلی کے ساتھ) حریری میں موجود ہے۔ ۔

لا تصبون الی الوطن فیہ تھان و تمتحن ۲۳

حضرت مولوی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے یہ بھی فرمایا کہ اپنے وطن کا خیال تک بھی نہ کرنا۔ ۲۴ چنانچہ خدا تعالیٰ کے بھی عجیب تصرفات ہوتے ہیں میرے واہمہ اور خواب میں بھی پھر مجھے وطن کا خیال نہ آیا۔ پھر تو ہم قادیان کے ہی ہو گئے۔ ۲۵

سفر فیروز پور

حضرت مسیح موعودؑ نے نومبر ۱۸۹۳ء میں فیروز پور چھاؤنی کا سفر اختیار فرمایا۔ جہاں حضرت میر ناصر نواب صاحب محکمہ نہر میں ملازم تھے۔ اہل بیت کے علاوہ آپ کے ہمراہ منشی غلام محمد صاحب خوشنویس امرتسری۔ سید محمد سعید صاحب اور حامد علی صاحب بھی تھے کیونکہ عربی رسائل کی تالیف و تصنیف کا کام جاری تھا۔ ۱۴۔ دسمبر ۱۸۹۲ء کو حضورؑ فیروز پور سے روانہ ہوئے۔ [۲۶] حضرت اقدسؑ فیروز پور سے واپسی پر دوران سفر میں لاہور اسٹیشن کے پاس ایک مسجد میں وضو فرما رہے تھے کہ پنڈت لیکھرام حضور سے ملنے کے لئے آیا اور آکر سلام کیا مگر حضورؑ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اس نے اس خیال سے کہ شاید آپ نے سنا نہیں دوسری طرف سے ہو کر پھر سلام کیا۔ مگر آپ نے پھر بھی توجہ نہیں کی۔ اس کے بعد حاضرین میں سے ایک خادم نے کہا کہ حضور! پنڈت لیکھرام نے سلام کیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ سنتے ہی بڑے جوش سے فرمایا۔ اسے شرم نہیں آتی۔ ہمارے آقا کو گالیاں دیتا ہے اور ہمیں سلام کرتا ہے۔ [۲۷]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور سے گاڑی میں امرتسر پہنچے اور شیخ نور احمد صاحب کے ہاں فروکش ہوئے۔ حضور کے ورود کی خبر فوراً تمام شہر میں پھیل گئی اور لوگ بکثرت ملاقات کے لئے آنے لگے اور آپ کے دعویٰ سے متعلق سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت اقدسؑ نے حضرت مسیحؑ ناصری کی وفات سے متعلق کئی آیات پیش فرمائیں۔ ایک شخص نے عرض کیا آج کل مولود شریف کی مجالس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا ذکر آتا ہے تو لوگ تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں۔ حضورؑ نے فرمایا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نظر آ جائیں۔ وہ بے شک کھڑا ہو جائے۔ حضورؑ یہاں دو ایک روز قیام فرمانے کے بعد قادیان تشریف لے گئے۔ [۲۸]

۱۸۹۳ء کے بعض صحابہ

۱۸۹۳ء میں جو وجود آسمانی تحریک سے وابستہ ہوئے۔ ان میں سے حضرت قاضی امیر حسین صاحب بھیروی [۲۹] اور حضرت میر مہدی حسین صاحب [۳۰] بالخصوص قابل ذکر ہیں۔

حواشی

۱ - "تبلیغ رسالت" جلد سوم صفحہ ۱۱-۱۵
۲ - ملاحظہ ہو اشاعۃ السنہ جلد ۱۵ نمبر ۸ صفحہ ۱۹۰-۱۹۱
۳ - "کرامات الصادقین" طبع اول صفحہ ۶-۷ مطبوعہ پنجاب پریس سیالکوٹ
۴ - "کرامت الصادقین" طبع اول صفحہ ۲۵ مطبوعہ پنجاب پریس سیالکوٹ
۵ - "حرف محرمانہ" صفحہ ۷۷ (مولفہ ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق) کتاب منزل لاہور
۶ - الحکم ۱۰- فروری ۱۹۰۱ء
۷ - حضرت مولانا عبد الکریم صاحب اگرچہ جنوری ۱۸۹۳ء میں التبلیغ کے ترجمہ فارسی کے لئے قادیان میں ہی مقیم تھے۔ مگر جیسا کہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب بلکہ حضرت مولانا نور الدین صاحب کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے آپ کی ہجرت حضرت مولانا نور الدین صاحب کے بعد ہے نہ کہ پہلے (ملاحظہ ہو آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۵۹ ذکر حبیب صفحہ ۲۲ الحکم ۲۸، ۲۱- مئی ۱۹۳۴ء)
۸ - الحکم ۱۴- جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۵
۹ - روایات صحابہ جلد پنجم صفحہ ۱۷۵
۱۰ - "حیات ناصر" صفحہ ۱۳ (مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)
۱۱ - الفضل ۶- مئی ۱۹۵۸ء
۱۲ - الحکم ۱۹- ستمبر ۱۸۹۹ء صفحہ ۸ کالم نمبر ۱
۱۳ - مجدد اعظم حصہ اول صفحہ ۶۳۶
۱۴ - ذکر حبیب صفحہ ۳۵۲
۱۵، ۲۰ "اصحاب احمد" جلد ششم صفحہ ۴۴ "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ششم صفحہ ۲۱۷ و "اصحاب احمد" جلد دوم صفحہ ۱۲۴ و "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد نمبر ۱۴ صفحہ ۲۳۴ و انعامات خداوند کریم
۲۱ - "اصحاب احمد" جلد پنجم صفحہ ۹۹
۲۲ - اکتوبر ۱۹۰۲ء میں آپ نے قادیان سے البدر جاری کیا
۲۳ - "روایات صحابہ" جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۱
۲۴ - روایات صحابہ جلد پنجم صفحہ ۱۸۲
۲۵ - حضرت مسیح موعودؑ کے ایک سیرت نگار نے ان مہاجرین میں حضرت مولانا محمد احسن صاحب امروہی کا نام بھی لکھا ہے مگر یہ درست نہیں۔ مولانا گو اپنے وطن امروہہ سے آکر کئی کئی ماہ قادیان میں فروکش رہتے تھے مگر انہوں نے مستقل ہجرت کبھی اختیار نہیں فرمائی جیسا کہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب نے "حیات احمد" جلد سوم صفحہ ۳۵۱ پر لکھا ہے
۲۶ - سیرت مسیح موعودؑ طبع اول صفحہ ۳۸ (از مولانا عبد الکریم صاحب)
۲۷ - "الازہار لذوات الخمار" صفحہ ۴۰۷
۲۸ - الحکم ۲۱-۲۸ مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۲۸
۲۹ - الحکم ۲۸، ۲۱- مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۲۸
۳۰ - ایضاً
۳۱ - "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۱۲۶-۱۲۷
۳۲ - "سیرت مسیح موعودؑ" طبع اول صفحہ ۳۸ (از حضرت مولانا عبد الکریم صاحب)

۳۳ - (ترجمہ) وطن کی طرف واپس جانیکا کبھی خیال بھی نہ کر کیونکہ اس میں تیری اہانت ہوگی اور تجھے تکلیفیں اٹھانا پڑیں گی۔

۳۴ '۳۵ بدر ۷ - جنوری ۱۹۰۹ء و مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۶۹ (طبع اول)

۳۶ - "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۴۲۲ - ۴۲۳

۳۷ - "سیرت المہدی" حصہ اول صفحہ ۲۷۲

۳۸ - رسالہ "نور احمد" نمبر ۱ صفحہ ۱۵ - ۱۶

۳۹ - سلسلہ احمدیہ کے زبردست عالم اور محدث ۳۱۳ اصحاب میں داخل تھے۔ ۸۲ سال کی عمر پائی۔ ۲۴ - اگست ۱۹۳۰ء کو انتقال فرمایا۔ اور بہشتی مقبرے میں دفن ہوئے۔

۴۰ - آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک عرصہ تک حضور کے کتب خانہ کے مہتمم رہے۔ ۳۱۳ کی فہرست میں آپ کا نام ۱۶۷ نمبر پر درج ہے۔ (تاریخ وفات ۳۱ - اگست ۱۹۴۱ء)

مرکز اسلام (مکہ مکرمہ) میں
حضرت مسیح موعودؑ کی آمد کے تذکرے اور
چاند سورج گرہن کا آسمانی نشان

ماموریت کا تیرھواں سال

مرکز اسلام (مکہ مکرمہ) میں حضرت مسیح موعودؑ کی آمد کے تذکرے

(۱۸۹۴ء)

تحفہ بغداد اور کرامات الصادقین کے ذریعہ سے اب آپ کی آواز ہندوستان سے نکل کر عالم اسلام تک پہنچنا شروع ہو گئی تھی۔ اور شام کے متبحر عالم السید محمد سعیدی الشامی الطرابلسی اور سید علی بن شریف مصطفیٰ عرب بلکہ خاص مرکز اسلام مکہ معظمہ میں محمد بن احمد مکی ایسے زبردست فاضل آپ کے دعویٰ پر ایمان لا چکے تھے۔ [1] الشیخ محمد بن احمد مکی نے جب بیعت کی تو وہ ہندوستان کی سیاحت کر رہے تھے جب آپ سفر ختم کر کے مکہ معظمہ میں پہنچے تو آپ نے ۲۰۔ محرم ۱۳۱۱ھ بمطابق ۴۔ اگست ۱۸۹۳ء کو شعب عامر مکہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں خیریت سے پہنچنے کی اطلاع دی اور لکھا کہ میں جب سے یہاں آیا ہوں ہر مجلس میں حضورؑ کا تذکرہ کرتا ہوں کچھ لوگ تعجب کرتے ہیں اور کچھ تصدیق اور کہتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں ان کا چہرہ مبارک دکھا۔ اس خط میں انہوں نے یہ خوشخبری بھی سنائی کہ میں نے اپنے ایک دوست علی طائع کو جو شعب عامر کے بڑے رئیس ہیں۔ حضور کے دعوے کی مفصل خبر دی۔ تو وہ اس بیان سے بہت خوش ہوئے اور مجھ سے دریافت کیا کہ وہ مکہ کب تشریف لائیں گے میں نے ان سے کہا کہ جب اللہ چاہے گا۔ فی الحال حضور نے کچھ عربی کتابیں اپنے دعوے کے ثبوت میں لکھی ہیں جو یہاں بھیجنا چاہتے ہیں۔ جب میں نے خط روانہ کرنا چاہا۔ تو انہوں نے یہ بھی کہا کہ حضور سے یہ بھی عرض کر دیں کہ جلد یہاں تشریف لائیں اور اپنی مولفہ کتابیں جلد میرے نام ارسال فرما دیں۔ میں خود ان کو تقسیم کروں گا۔ اور شرفاء و علماء مکہ تک پہنچا دوں گا [2]

"حمامۃ البشریٰ" کی تصنیف و اشاعت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جونہی الشیخ محمد بن احمد مکی کا خط ملا۔ حضور نے اسے مرکز اسلام

تک تبلیغ حق کا ایک غیبی سامان سمجھتے ہوئے "حمامہ البشریٰ" کے نام سے عربی زبان میں ایک معرکتہ الاراء کتاب تصنیف فرمائی۔ یہ کتاب آپ نے ۱۸۹۳ء میں ہی تصنیف فرمائی تھی مگر اس کی اشاعت فروری ۱۸۹۴ء مطابق رجب ۱۳۱۱ھ [۳] میں ہوئی۔ حضرت اقدس نے اس میں اہل مکہ کے لئے مسئلہ نزول مسیح اور اپنے دعویٰ سے متعلق خوب وضاحت فرمائی اور بتایا کہ آپ کی آمد سے گزشتہ تمام نوشتے پورے ہو گئے ہیں۔

یہ کتاب بلاد عربیہ میں مفت تقسیم کی گئی۔ [۴] یہی نہیں بلکہ اسکے بعد جو عربی تصانیف حضور نے فرمائیں وہ بھی حجاز، شام، عراق، مصر اور افریقہ کے مسلمانوں کو مفت بطور ہدیہ روانہ کی گئیں۔ [۵]

"نور الحق" (حصہ اول) کی تصنیف و اشاعت

"جنگ مقدس" میں عیسائیت کو جو شکست فاش ہوئی ہندوستان کے پادری اس سے گھبرا گئے۔ چنانچہ اپنی ناکامی اور خفت پر پردہ ڈالنے کے لئے مشہور دریدہ دہن اور زبان دراز پادری عماد الدین نے "توزین الاقوال" کے نام سے ایک نہایت اشتعال انگیز کتاب لکھی جس میں قرآن مجید اور فخر کائنات رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر نہایت درجہ ناپاک، رکیک اور گندے حملے کئے۔ اس کتاب نے ہندوستان میں بڑا اشتعال پیدا کر دیا۔ مگر اس کا جواب دینے کی توفیق کسی اور مسلمان عالم کو تو نہ ہوئی البتہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے چند دنوں میں اس کا ناقابل تردید جواب لکھا۔ جس میں حضور نے پادری عماد الدین اور دوسرے تمام مولوی کہلانے والے [۶] پادریوں کو میدان مقابلہ میں آنے کے لئے للکارا۔ اور اعلان کیا کہ اگر وہ سب مل کر بھی اس کتاب کا حقیقی جواب تین ماہ میں لکھ دیں۔ تو انہیں پانچ ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا لیکن اگر وہ نہ تو جواب لکھیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سے باز آئیں تو خدا کی ان پر ایک ہزار لعنت ہو۔ حضرت اقدس کا یہ جواب ۱۸۹۴ء کے آغاز میں "نور الحق" حصہ اول کے نام سے طبع ہوا جو نہایت مقفیٰ و مسجع اور فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے۔

حضور نے اس کتاب میں صلیبی فتنہ کی تباہی کے لئے دردانگیز دعا بھی کی جو اب شاندار طریق سے پوری ہو رہی ہے چنانچہ جس وقت آپ نے یہ دعا کی عیسائیت کا خوفناک طوفان ہر طرف چھایا ہوا تھا مگر آج یہ رنگ نہیں اور اس کا پہلا مذہبی جوش بہت حد تک ختم ہو چکا ہے اور یہ سب کچھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں اور روحانی برکات و تاثیر کی بدولت ہے۔

رمضان میں کسوف و خسوف کا نشان

گزشتہ صحیفوں [7] بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صلحائے امت محمدیہ نے خبر دے رکھی تھی کہ مسیح موعودؑ کی سچائی کے لئے آسمان پر چاند اور سورج کو گرہن لگے گا۔ چنانچہ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کی واضح حدیث تھی کہ اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِي النِّصْفِ مِنْهُ وَلَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ [8] یعنی ہمارے مہدی کی تائید و تصدیق کے لئے دو نشان مقرر ہیں جو زمین و آسمان کی پیدائش سے اب تک کسی مدعی کی صداقت کے لئے ظاہر نہیں ہوئے اور وہ یہ کہ چاند کو رمضان میں (گرہن کی راتوں میں سے) پہلی رات یعنی تیرھویں تاریخ کو اور سورج کو (گرہن کی تاریخوں میں سے) درمیانی تاریخ یعنی اٹھائیسویں کو گرہن لگے گا۔ اور جب سے کائنات پیدا ہوئی ہے ایسا کسی مدعی (مہدویت) کے وقت میں نہیں ہوا کہ اس کے دعویٰ کے وقت میں رمضان کی ان تاریخوں میں خسوف و کسوف ہوا ہو۔ علاوہ ازیں حضرت نعمت اللہ صاحب ولیؒ [9] اور بعض گزشتہ علماء مولوی حافظ محمد صاحب لکھوکے [10] نے بھی خسوف کسوف کے ظہور کی اطلاع دی تھی۔ بلکہ ملتان کے ایک مشہور ولی کامل حضرت شیخ محمد عبدالعزیز پہاروی نے تو ازروئے الہام یہ بھی خبر دے دی تھی کہ یہ نشان ۱۳۱۱ھ میں ظاہر ہو گا۔ [11]

سو آپ کی سچائی کی شہادت کے لئے اس پیشگوئی کے عین مطابق مشرقی ممالک میں ۲۱۔ مارچ ۱۸۹۴ء کو چاند گرہن اور ۶۔ اپریل ۱۸۹۴ء کو سورج گرہن ہوا۔ [12] اگلے سال امریکہ میں بھی مجوزہ تاریخوں میں کسوف و خسوف ہوا۔ یہ کسوف و خسوف اپنے اندر خاص ندرت رکھتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس کے مشاہدہ کے لئے سائنسدانوں نے ہندوستان میں خاص طور پر ایک رصد گاہ تعمیر کی اور امریکہ ' اور یورپ اور دیگر ممالک سے بھی بہت سے منجم اسے دیکھنے کے لئے آئے۔ تصویری زبان میں گویا یہ ایک آسمانی نظارہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتباہ کیا گیا تھا کہ امت کے آفتاب و ماہتاب یعنی علماء بے نور ہو چکے ہیں۔ [13] اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور (۱۸۹۴ء) میں ان گرہنوں کو عجیب قرار دیا گیا۔

سورج گرہن کے موقعہ پر قادیان میں کئی دوست گرہن دیکھنے میں مشغول تھے۔ ابھی خفیف سی سیاہی شروع ہوئی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کسی نے عرض کیا کہ سورج کو گرہن لگ گیا ہے آپ نے دیکھا تو نہایت ہی خفیف سی سیاہی معلوم ہوئی۔ حضورؑ نے اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا

کہ یہ گرہن ہم نے تو دیکھ لیا مگر یہ ایسا خفیف ہے کہ عوام کی نظر سے اوجھل رہ جائیگا اور اس طرح ایک عظیم الشان پیشگوئی کا نشان مشتبہ ہو جائیگا۔ تھوڑی دیر بعد سیاہی بڑھنی شروع ہوئی حتیٰ کہ آفتاب کا زیادہ حصہ تاریک ہو گیا۔ [۱۴] اس موقع پر حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب امروہوی کے قلم سے "اشتہار جلاء البصر فی انخساف الشمس و القمر" شائع ہوا۔ جس میں اس عظیم آسمانی نشان کے ظہور پر خوب روشنی ڈالی گئی تھی۔ یہ اشتہار امرتسر کے ریاض ہند پریس میں چھپا تھا نماز کسوف بھی حضرت مولوی صاحب نے پڑھائی جو مسجد مبارک میں قریباً تین گھنٹہ جاری رہی۔

جب خسوف و کسوف کا نشان ظاہر ہوا تو بالخصوص اہل مکہ خوشی سے اچھلنے لگے کہ اب اسلام کی ترقی کا وقت آ گیا اور امام مہدی پیدا ہو گئے۔ علاوہ ازیں تمام اسلامی ممالک میں بھی بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ [۱۵]

"نور الحق" (حصہ دوم) کی تصنیف و اشاعت

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو چاند اور سورج گرہن کا نشان ہدایت و رہنمائی کے لئے ظاہر ہوا تھا۔ مگر محرومان ازلی نے اسی کو گمراہی کا ایک ذریعہ بنا لیا۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب نے جب گرہن دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پر خوش ہونے کی بجائے مغموم ہو کر کہنے لگے کہ اب دنیا گمراہ ہو گی۔ اور لوگ مرزا صاحب کو مہدی تسلیم کر لیں گے۔ دوسرے نام نہاد علماء نے بھی عملاً اسی ذہنیت کا مظاہرہ کیا اور یہ اعتراض اٹھایا کہ یہ گرہن حدیث کی بتائی ہوئی تاریخوں میں نہیں ہوا۔ اسے چاند کی پہلی تاریخ کو ہونا چاہیے تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان حضرات کی یہ افسوس ناک روش دیکھی تو آپ نے مئی ۱۸۹۴ء کو نور الحق حصہ دوم کتاب لکھ کر ان حضرات کے اس اعتراض کا یہ مسکت جواب دیا کہ حدیث میں قمر کا لفظ ہے جو پہلی رات کے چاند پر اطلاق نہیں پاتا۔ پہلی رات کا چاند تو عربی میں ہلال کہلاتا ہے۔ حضورؑ نے اس کتاب میں تحدی فرمائی کہ خدا تعالیٰ نے یہ نشان تنہا میری صداقت کے لئے ظاہر کیا ہے۔ ورنہ تاریخ عالم سے کوئی ایک ہی ایسی مثال پیش کرو۔ کہ کسی شخص نے خدا کی طرف سے ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور پھر اس کے زمانہ میں رمضان کی ان معین تاریخوں میں خسوف و کسوف کا نشان ظاہر ہوا ہو۔ اگر ایسی مثال پیش کر سکو تو میں ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا۔ مگر کوئی شخص ایسی نظیر پیش نہ کر سکا۔

"اتمام الحجة" کی تصنیف و اشاعت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رسالہ "اتمام الحجہ" جون ۱۸۹۴ء میں شائع کیا یہ رسالہ امرتسر کے مشہور مخالف مولوی غلام رسول عرف مولوی رسل بابا صاحب کی کتاب "حیات المسیح" کے جواب میں تصنیف ہوا تھا۔ حضورؑ نے "اتمام الحجہ" میں قرآن' حدیث اور سلف صالحین کے اقوال غرض ہر جہت سے مسیح کی وفات پر مختصر مگر جامع بحث کی ہے

یہ رسالہ روسائے امرتسر' مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی رسل بابا صاحب کو رجسٹری کر کے بھجوا دیا گیا لیکن مولوی رسل بابا صاحب نے جتنے زور شور سے علمی جنگ کا اعلان کیا تھا اتنی ہی بے دلی سے ہتھیار ڈال دیئے۔ مولوی رسل بابا صاحب کے معتقدوں میں کئی کشمیری ارباب اثر تھے جنہوں نے مولوی صاحب پر چیلنج قبول کرنے کے لئے دباؤ بھی ڈالا مگر وہ مختلف حیلوں بہانوں سے پہلو بچا گئے۔اس پر ان میں سے بعض نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر لی۔ مولوی رسل بابا صاحب نے جو یہ ذلت و رسوائی دیکھی تو انہوں نے امرت سر کے احمدیوں کے خلاف مخالفت کی آگ اور زیادہ تیز کر دی۔ مگر مولوی رسل بابا صاحب بھی خدا تعالیٰ کی گرفت سے نہ بچ سکے۔ اور بالآخر ۸۔ دسمبر ۱۹۰۲ء کو طاعون کا شکار ہو کر کوچ کر گئے۔ [۱۶]

"سر الخلافہ" کی تصنیف و اشاعت

"سر الخلافہ" بھی حضرت اقدس کی ایک عربی تصنیف ہے جو جولائی ۱۸۹۴ء میں شائع ہوئی۔ اس بلند پایہ کتاب میں آپ نے حکم وعدل کے فرائض انجام دیتے ہوئے مسئلہ خلافت پر فیصلہ کن رنگ میں روشنی ڈالی۔ حقیقت یہ ہے کہ سر الخلافہ خلافت کے موضوع پر اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک بے نظیر تصنیف ہے جس کی مثال اسلام کے چودہ سو سال کے لٹریچر میں تلاش کرنا بے سود ہے۔

سر الخلافہ کے ذریعہ سے ایک ہی رات میں انقلاب عظیم

اس قابل قدر کتاب سے سنی اور شیعہ علماء نے کیا تاثر لیا اس کا تو علم نہیں البتہ اس نے شیعہ مذہب کے مشہور عالم' زبان فارسی کے فقید المثال شاعر اور "ارجح المطالب فی مناقب اسد اللہ الغالب" کے نامور مؤلف مولانا عبید اللہ صاحب بسمل [۱۷] پر بجلی کی طرح اثر کیا اور ان کے خیالات کی دنیا ایک ہی دن میں یکسر بدل ڈالی۔ اور انہیں

سر الخلافہ پڑھتے ہوئے رات کو سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ [۱۸] کی زیارت ہوئی۔ اور دیکھا کہ سید الشہداء ایک بلند مقام پر رونق افروز ہیں اور فرما رہے ہیں کہ مرزا صاحب کو خبر کرو کہ میں آگیا ہوں چنانچہ مولانا بسمل دوسرے ہی دن حاضر کر حضرت اقدسؑ کی بیعت سے مشرف ہوگئے۔ [۱۹]

رجوع الی الحق کے باعث آتھم صاحب کو مہلت اور اخفائے حق کی پاداش میں ہلاکت "انوار الاسلام" اور "ضیاء الحق" کی تصنیف و اشاعت

علماء کی قبل از وقت غوغا آرائی

کسی پیشگوئی کی مقررہ میعاد سے قبل اس پر اعتراض کرنا کسی خدا ترس انسان کا کام نہیں ہو سکتا مگر علماء وقت کی خدا ناترسی کہ ادھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۸۹۳ء میں خدا تعالیٰ سے خبر پا کر آتھم سے متعلق پیشگوئی فرمائی اور ادھر انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ کہ اگر یہ پیشگوئی پوری بھی ہو گئی تب بھی ہم آپ کو سچا ماننے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ اور عیسائیوں اور مسلمانوں کو بھی یقین رکھنا چاہیے کہ یہ پیشگوئی الہام رحمانی سے نہ تھی بلکہ ایک دروغ گوئی ولاف زنی تھی جو اتفاقاً مطابق واقعہ نکلی۔ ایسی پیشگوئیاں تو کاہن نجومی رملی جوتشی۔ فلاسفر مسمرائزر قیافہ شناس روحانیت کی تسخیر کے عالم اور الکل باز بھی کرتے ہیں۔ جو بعض اوقات صحیح نکلتی ہیں۔ [۲۰] مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے یہ بھی لکھا۔ "اس پیشگوئی میں فریق مخالف حق کے فوت ہو جانے کی صریح لفظ موت سے خبر نہیں دی۔ صرف یہ کہا کہ وہ ہاویہ یعنی جہنم میں ڈالا جائے گا جو ہر ایک مخالف حق کا ٹھکانہ ہے"۔ [۲۱]

اس پراپیگنڈے کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمان اور عیسائی ابتداء ہی سے ایسے مسموم کر دیئے جائیں کہ وہ کسی حال میں بھی اس پیشگوئی سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ عیسائیت نواز علماء کا یہ تمسخر و استہزاء جاری ہی تھا کہ امرت سر مشن کے روح رواں اور عیسائی آنریری مشنری پادری رائٹ عین جوانی میں اس جہاں سے کوچ کر گئے۔ ان کی موت سے پادریوں کو سخت صدمہ پہنچا اور انہوں نے ماتمی کپڑے پہن لئے۔ اور ایک پادری کی زبان سے گرجے میں تقریر کرتے ہوئے یہ الفاظ بھی نکل گئے۔ کہ آج رات خدا کے غضب کی لاٹھی بے وقت ہم پر چلی اور اس کی خفیہ تلوار نے بے خبری میں ہم کو قتل کیا۔ [۲۲] اس کے علاوہ خاص جنڈیالہ میں جہاں مباحثے کی بنیاد پڑی تھی۔ ڈاکٹر یوحنا صاحب جو مباحثے کی طباعت کے منتظم تھے اور اپنی خدمات کے باعث عیسائیوں میں ایک رکن اعلیٰ متصور ہوتے تھے اس جہان سے رخصت ہو گئے۔ [۲۳] رہے عیسائی مناظر عبد اللہ آتھم صاحب سو خدائی تلوار پورے پندرہ

مہینے تک ان کی آنکھوں کے سامنے ایسے عجیب رنگ میں موجود رہی کہ جس کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مباحثے کے معاً بعد عبداللہ آتھم صاحب حواس باختہ سے ہو گئے اور انہیں خدائی تصرف کے تحت مختلف دہشتناک نظاروں میں خونی سانپ نظر آنے لگے جن کی نسبت انہوں نے یہ بتایا کہ وہ "تعلیم یافتہ" سانپ تھے۔ جن کو مرزا صاحب کی جماعت نے میرے ڈسنے کے لئے چھوڑ رکھا تھا۔ یہ پیشگوئی کی عظمت و ہیبت کی ابتداء تھی جس نے بالآخر انہیں اس درجہ خوف زدہ کر دیا۔ کہ وہ اپنی عالی شان کوٹھی چھوڑ کر امرتسر سے لدھیانے چلے جانے کو جہاں ان کا داماد رہتا تھا مجبور ہو گئے لدھیانے میں ان کو سانپ دکھائی نہیں دیئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایک خوفناک حالت پیدا ہو گئی کہ بعض نیزوں سے مسلح آدمی انہیں نظر آنے لگے اور انہیں ایسا محسوس ہوا کہ وہ قریب ہی آپہنچے ہیں۔ اور انہیں قتل کیا چاہتے ہیں۔ اس نظارہ کے بعد آتھم صاحب گریہ وزاری میں مبتلا ہو گئے۔ اور ہر وقت ایک پوشیدہ ہاتھ کا خوف ان پر مسلط رہنے لگا۔ یہاں تک کہ انہیں اس کوٹھی سے بھی وحشت ہونے لگی اس پر وہ اپنے دوسرے داماد کی طرف دوڑے جو فیروز پور میں تھا۔ لیکن یہاں بھی انہیں چین نصیب نہ ہوا بلکہ یہاں وہ نظارے پہلے سے بہت زیادہ ہیبت ناک شکل اختیار کر گئے۔ مسٹر آتھم ایک تجربہ کار اور جہاندیدہ سرکاری افسر تھے جو ایک مدت دراز تک اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ پر فائز رہے تھے۔ وہ چاہتے تو چارہ جوئی کر کے سرکاری طور پر اپنے حریف سے باضابطہ مچلکہ لکھوا سکتے تھے۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک اور دوسرے عیسائیوں نے انہیں بار بار اس طرف توجہ دلائی۔ مگر چونکہ ان کا دل جانتا تھا کہ سانپوں اور نیزے والوں کے ان نظاروں میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں ہے اس لئے انہوں نے اس کے جواب میں دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے۔ [۲۲] عیسائیوں نے جب یہ حال دیکھا تو انہوں نے انہیں شراب پلا پلا کر مدہوش رکھنے کے سوا کوئی چارہ نہ پایا۔ اسی دوران میں ہاویہ سے متعلق پیشگوئی کی میعاد کا آخری دن آگیا۔ اس دن آتھم صاحب کی کوٹھی کے پہرہ کا انتظام جس انسپکٹر پولیس کے سپرد تھا اس نے بعد کو بیان کیا کہ کوٹھی کے اندر آتھم صاحب کے دوست پادری وغیرہ تھے اور باہر چاروں طرف پولیس کا پہرہ تھا اس وقت آتھم صاحب کی حالت سخت گھبراہٹ کی تھی۔ اتفاقاً باہر دور سے کسی بندوق کے چلنے کی آواز آئی۔ اس پر آتھم صاحب کی حالت یک لخت دگرگوں ہو گئی۔ آخر جب ان کا کرب اور گھبراہٹ انتہاء کو پہنچ گئی تو ان کے دوستوں نے ان کو بہت زیادہ شراب پلا کر بے ہوش کر دیا وہ آخری رات آتھم صاحب نے اسی حالت میں گزاری۔ صبح ہوئی تو ان کے دوستوں نے ان کے گلے میں ہار پہنائے اور ان کو گاڑی میں بٹھا کر جلوس نکالا۔ اس دن لوگوں میں شور

تھا کہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ مگر ہم سمجھتے تھے کہ جو حالت ہم نے آتھم صاحب کی دیکھی ہے اس سے تو ان کا مرجانا ہی اچھا تھا۔ [۲۵]

اس پندرہ ماہ کی میعاد میں آتھم صاحب میں ایک بڑا بھاری تغیر یہ پیدا ہوا کہ وہ پہلے تو الوہیت مسیح کے مسئلے پر بحث کرتے رہے تھے۔ مگر اب وہ اپنی گذشتہ روش سے ہٹ کر اسلام کے رد اور عیسائیت کی تائید سے کنارہ کش ہو گئے۔ اور یہ اقرار کر لیا کہ "میں عام عیسائیوں کے عقیدہ ابنیت و الوہیت مسیح کے ساتھ متفق نہیں اور نہ میں ان عیسائیوں سے متفق ہوں جنہوں نے آپ (یعنی حضرت مرزا صاحب ناقل) کے ساتھ کچھ بیہودگی کی ہے"۔ [۲۶]

مکذب علماء کا مظاہرہ

صاف ظاہر ہے کہ ان حالات میں پادری آتھم صاحب کے ہلاک نہ ہونے پر عیسائی فریق کے جلوس اور شادمانی' درحقیقت ایک شکست خوردہ فریق کی شادمانی تھی۔ کیونکہ خدا کے غضب کی لاٹھی ان پر چل چکی تھی ان کے دو جانباز پہلوان معرکہ حق و باطل میں کھیت رہے تھے۔ اور تیسرے نے حق کی طرف رجوع کرنے سے جان کی امان پائی تھی۔ کیونکہ عذاب کی پیشگوئی میں اس شخص کے جس کے حق میں عذاب آنے کی پیشگوئی کی گئی ہو۔ حق کی طرف رجوع کرنے سے میعاد معینہ کے اندر عذاب نہ آنا اور اس رجوع سے انحراف کرنے پر عذاب آجانا یا رجوع کرنے والے کے ہمیشہ کے لئے رجوع پر قائم رہنے سے اس پر کبھی عذاب نہ آنا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور پادری عبداللہ آتھم صاحب سے معاملہ اسی حقیقت کے مطابق ہوا تھا۔ انہوں نے حق کی طرف رجوع کیا اس لئے میعاد معینہ کے اندر ان پر عذاب نہ آیا۔ اور جب انہوں نے رجوع الی الحق سے انحراف کیا تو عذاب نے انہیں آلیا۔ اور حق کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے کچھ مدت کے لئے عذاب ملتوی ہو جانا تو کوئی قابل اعتراض امر نہیں ہاں رجوع کا ثابت ہونا بے شک ضروری ہے۔ تا تسلی ہو جائے کہ عذاب سنت مستمرہ الہیہ کے مطابق ملتوی ہوا ہے۔ اس لئے اس پر اعتراض بے جا و ناروا ہے اور جب رجوع کا ثبوت نہ مل جائے تسلی نہیں ہو سکتی۔ تو رجوع کا ثبوت خود پادری عبداللہ آتھم صاحب کے حرکات و سکنات اور حالات و مقالات میں موجود ہے جس کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے۔ اور نیچے بھی آئے گا۔ مگر مکذب علماء کی حق پوشی و ناحق کوشی دیکھئے کہ جب عیسائی فریق کے جس کے لئے عذاب کی پیشگوئی تھی۔ دو رکن لقمہ اجل ہو گئے تو عیسائیوں میں تہلکہ پڑ گیا۔ اور پادری رائٹ ہاول کی جواں مرگی پر تو پادریوں نے ماتمی لباس پہن لیا۔ اور شدت صدمہ و اندوہ سے چیخ اٹھے۔ کہ "آج رات خدا کے غضب کی بے وقت لاٹھی ہم پر چلی اور اس کی خفیہ تلوار نے بے وقت ہمیں قتل کیا ہے"۔ مگر مکذب علماء اپنے ایڈووکیٹ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی طرح اس خیال پر

جے رہے کہ اس پیشگوئی میں کسی کے فوت ہونے کی صریح لفظ موت سے خبر نہیں دی گئی ہے"۔ اور ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ اقرار نہیں کیا کہ عیسائیوں کے دونوں رکن پیشگوئی کے مطابق مرے ہیں لیکن جب پادری آتھم نے حق کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے کچھ دنوں زندہ رہنے کی مہلت پالی تو انہوں نے بہت خوش ہو کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ آتھم صاحب کے لئے جو موت کی پیشگوئی تھی۔ وہ پوری نہیں ہوئی اور اسے کتابوں اخباروں رسالوں اور اشتہاروں میں شائع کیا اور ان میں سے بعض نے تو اپنے مقام پر خوشی کے اظہار کو کافی نہ سمجھ کر عیسائیوں کے اس جلوس میں شریک ہونا بھی ضروری خیال کیا۔ جو انہوں نے پیشگوئی پوری نہ ہونے اور مسٹر آتھم کے موت سے بچ جانے پر خوشی و شادمانی ظاہر کرنے کے لئے نکالا تھا۔

عیسائی فریق مباحثہ پر حق کی طرف رجوع نہ کرنے کی حالت میں عذاب آنے کی پیشگوئی کے مطابق جب اس کے دو رکن پیشگوئی کی میعاد معینہ کے اندر مرجاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ اس پیشگوئی میں تو کسی کے فوت ہونے کی صریح لفظ موت سے خبر ہی نہیں دی گئی تھی۔ پھر ان دونوں کے مرجانے کا پیشگوئی سے کیا تعلق۔ اور جب عیسائی فریق کا ایک فرد رجوع کی شرط پر عمل کرنے کی وجہ سے پیشگوئی کی میعاد معینہ کے اندر نہیں مرتا تو کہا جاتا ہے کہ اس کے تو مرنے کی پیشگوئی تھی جو اس کے میعاد پیشگوئی کے اندر نہ مرنے کی وجہ سے جھوٹی نکلی بحالیکہ دونوں مرنے والوں اور تیسرے نہ مرنے والے کے لئے علیحدہ علیحدہ دو پیشگوئیاں نہیں تھیں بلکہ پیشگوئی صرف ایک ہی تھی اور اس کی عبارت بھی ایک' اور مرنے والے اور نہ مرنے والا تینوں اسی ایک عبارت کے تحت ہیں اس حالت میں دو مرنے والوں کے لئے تو عبارت سے موت مراد نہ لینا اور تیسرے کے لئے موت مراد لینا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ مکذب علماء کا مقصد بہرحال پیشگوئی کو جھٹلانا تھا۔ اس لئے انہیں جس موقعہ پر جو صورت اپنے مقصد کی تکذیب کے لئے مفید نظر آئی انہوں نے حق و ناحق اور درست و نادرست کے خیال کو بالائے طاق رکھ کر وہی صورت اختیار کرلی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس پیشگوئی میں فریق مخالف کے لئے بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے موت ہی کی خبر دی گئی تھی۔ اور حضرت اقدسؑ نے اسی وقت اس کی صراحت بھی فرما دی تھی کہ فریق مخالف کے ہاویہ میں ڈالے جانے سے بہ سزائے موت ہاویہ میں ڈالا جانا مراد ہے بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے چونکہ آتھم صاحب نے حق کی طرف رجوع کیا اس لئے وہ کچھ دنوں بڑے ہاویہ میں پڑنے سے بچے رہے اور جب اس سے روگردانی کی تو ہاویہ میں جا پڑے۔ اور ان کے حق کی طرف رجوع کرنے کا ثبوت اوپر بھی گزر چکا ہے اور آگے بھی آتا ہے۔

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف کا ایمان فروز جواب

یہ زمانہ تاریخ احمدیت میں ایک بڑا ہی نازک زمانہ تھا جسے بشیر اول کی وفات پر اٹھنے والی مخالفت کے بعد اپنی نوعیت کا دوسرا خطرناک ابتلاء قرار دیا جانا چاہیے۔ لیکن اس نشان سے اہل اللہ کے ایمان میں اور بھی اضافہ ہوا۔ چنانچہ انہیں دنوں نواب صاحب بہاولپور (نواب صادق محمد خاں صاحب) [۲۷] کے دربار میں حضرت مسیح موعود کی اس پیشگوئی کا ذکر چھڑ گیا اور مصاحبین نے کہنا شروع کر دیا کہ مرزا صاحب نے آتھم کی موت سے متعلق جو پیشگوئی کی تھی وہ جھوٹی نکلی۔ یہ ہنسی اور مذاق دیر تک ہوتا رہا یہاں تک کہ اس میں خود نواب صاحب بھی شریک ہو گئے اور کہا کہ واقعہ میں یہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ یہ سننا تھا کہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف جو نواب صاحب موصوف کے پیرو مرشد تھے۔ اور دیر سے خاموش بیٹھے یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ جوش میں آگئے اور فرمانے لگے "کون کہتا ہے کہ آتھم زندہ ہے مجھے تو اس کی لاش نظر آرہی ہے"۔ [۲۸]

حضرت مسیح موعود کی طرف سے آتھم صاحب کو انعامی چیلنج

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب اسلام کی اس شاندار فتح پر ظالمانہ طور پر تکذیب ہوتے دیکھی۔ تو آپ نے ۹۔ ستمبر ۱۸۹۴ء کو عبد اللہ آتھم صاحب کو چیلنج دیا۔ کہ اگر اس عرصہ میں اس پر اسلام کی ہیبت طاری نہ ہوئی۔ اور وہ تثلیث کے عقیدہ سے ذرہ بھر بھی متزلزل نہیں ہوا۔ اور اس نے حق کی طرف رجوع نہیں کیا۔ تو وہ قسم اٹھا دے اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ [۲۹] ۲۰ ستمبر ۱۸۹۴ء کو آپ نے دس ہزار کی تعداد میں ایک اور اشتہار کے ذریعہ سے یہ انعامی رقم دو چند کر دی اور لکھا کہ "یہ تو دو خداؤں کی لڑائی ہے اب وہی غالب ہو گا۔ جو سچا خدا ہے جب کہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے خدا کی یہ ضرور قدرت ظاہر ہو گی کہ اس قسم والے برس میں ہم نہیں مریں گے لیکن اگر آتھم صاحب نے جھوٹی قسم کھائی تو ضرور فوت ہو جائیں گے۔ [۳۰] اس اشتہار کے بعد حضرت اقدسؑ نے ۵۔ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو ایک اور اشتہار شائع کیا۔ جس میں انعامی رقم تین ہزار کر دی اس کے بعد حضور نے ۲۷۔ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو ایک اشتہار میں انعامی رقم چار ہزار روپیہ تک بڑھا دینے کا اعلان کر دیا۔ عیسائیوں نے قسم کے مطالبہ کے جواب میں نہایت شکست خوردہ ذہنیت کے ساتھ یہ عذر بھی پیش کیا تھا کہ ہمارے مذہب میں قسم کھانا ممنوع ہے۔ حضورؑ نے اس اشتہار میں پر زور دلائل سے ثابت کیا کہ پطرس نے قسم کھائی پولوس نے قسم کھائی۔ نبیوں نے قسم کھائی۔ فرشتوں نے قسم کھائی۔ بلکہ خود مسیحؑ نے قسم کھائی۔ پھر انگریزی حکومت کے سبھی بڑے افسر وزراء،

پارلیمنٹ کے ممبر بلکہ گورنر جنرل تک اپنا عہدہ سنبھالتے وقت قسم اٹھاتے ہیں۔

ایک سال کا یقینی اور قطعی وعدہ اور آتھم صاحب کی ہلاکت

اس اشتہار میں حضرت اقدسؑ نے آتھم صاحب پر آخری بار اتمام حجت کر کے صاف لفظوں میں انہیں خبر دی کہ "اب اگر آتھم صاحب قسم کھالیں تو وعدہ ایک سال قطعی اور یقینی ہے جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں اور تقدیر مبرم ہے۔ اور اگر قسم نہ کھادیں۔ تو پھر بھی خدا تعالیٰ ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے گا جس نے حق کا اخفاء کر کے دنیا کو دھوکہ دینا چاہا۔ [۳۲۱] لیکن آتھم صاحب نے قسم نہ کھائی اور آخر ۲۷۔ جولائی ۱۸۹۶ء کو فیروزپور میں وفات پاگئے۔ اور اسلام کی فتح کا ایک اور زبردست نشان ظاہر ہوا۔ جس کا ایک عجیب پہلو یہ تھا کہ حدیث میں پہلے سے اسلام اور عیسائیت کے اس معرکہ کی خبر موجود تھی۔ چنانچہ لکھا تھا۔ "یُنَادِیْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ اَنَّ الْحَقَّ فِیْ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّیُنَادِیْ مِنَ الْاَرْضِ اَنَّ الْحَقَّ فِیْ اٰلِ عِیْسٰی ...... اِنَّمَا الْاَسْفَلُ کَلِمَۃُ الشَّیْطَانِ وَالصَّوْتُ الْاَعْلٰی کَلِمَۃُ اللّٰہِ الْعُلْیَا"۔ [۳۲۲] یعنی آسمان سے پکارا جائے گا حق محمد ﷺ کے متبعین میں ہے مگر زمین سے پکارا جائے گا کہ حق عیسیٰ کے متبعین میں ہے مگر یاد رکھو جو زمین کی طرف سے آواز آئے گی۔ وہ شیطانی آواز ہے اور جو اوپر سے آواز آئے گی وہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہے جو ہمیشہ بلند ہے۔

آتھم صاحب کی موت کے بعد حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ کے سامنے کسی نے اعتراض کیا کہ آتھم میعاد کے بعد مرا۔ تو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام لے کر فرمایا کہ اس بات کی کیا پرواہ ہے میں جانتا ہوں کہ آتھم انہی کی دعا سے مرا ہے۔ [۳۲۳]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس اہم پیشگوئی کی وضاحت کے لئے تین مستقل تصانیف فرمائیں۔ "انوار الاسلام"۔ "ضیاء الحق" اور "انجام آتھم" ان کتابوں کی اشاعت بالترتیب ستمبر ۱۸۹۴ء، مئی ۱۸۹۵ء اور جنوری ۱۸۹۷ء میں ہوئی۔

عیسائیوں کی عالمی کانفرنس میں تحریک احمدیت کے بارے میں انتہائی تشویش کا اظہار

یہ معرکہ گو ہندوستان میں ہوا تھا مگر اس نے دنیا بھر کے عیسائی لیڈروں کو بشدت محسوس کروا دیا کہ عیسائیت کے خلاف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حفاظت کرنے والی ایک زبردست

جماعت پیدا ہو رہی ہے جو ان کے لئے مستقبل میں بہت بڑا خطرہ ثابت ہوگی۔ چنانچہ اسی سال ۱۸۹۴ء میں لندن میں پادریوں کی ایک عالمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں لارڈ بشپ آف گلوسسٹر ریورنڈ چارلس جان ایلی کوٹ نے احمدیت کے متعلق نہایت درجہ تشویش و اضطراب کا اظہار کر کے دنیا بھر کے عیسائیوں کو مطلع کیا کہ "اسلام میں ایک نئی حرکت کے آثار نمایاں ہیں مجھے ان لوگوں نے جو صاحب تجربہ ہیں بتایا ہے کہ ہندوستان کی برطانوی مملکت میں ایک نئی طرز کا اسلام ہمارے سامنے آرہا ہے۔ اور اس جزیرے میں بھی کہیں کہیں اس کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں...... یہ ان بدعات کا سخت مخالف ہے جن کی بناء پر محمد کا مذہب ہماری نگاہ میں قابل نفرین قرار پاتا ہے۔ اس نئے اسلام کی وجہ سے محمد ﷺ کو پھر وہی پہلی سی عظمت حاصل ہوتی جاری ہے۔ یہ نئے تغیرات باسانی شناخت کئے جا سکتے ہیں۔ پھر یہ نیا اسلام اپنی نوعیت میں مدافعانہ ہی نہیں بلکہ جارحانہ حیثیت کا بھی حامل ہے افسوس ہے تو اس بات کا کہ ہم میں سے بعض کے ذہن اس کی طرف مائل ہو رہے ہیں"۔ [۲۴] (انگریزی سے ترجمہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف متحدہ سیاسی محاذ اور بغاوت کا الزام

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مدتوں سے برطانوی افسروں سے بڑے گہرے مراسم تھے اور حکومت کے اونچے طبقے میں تو انہیں دوسرے علماء کے مقابل یہاں تک عزت و احترام سے دیکھا جاتا تھا کہ غدر ۱۸۵۷ء کے حالات کے باعث "وہابی فرقہ" بے حد معتوب تھا۔ مگر محض ان کی ذاتی کوشش اور درخواست پر ۱۹۔ جنوری ۱۸۸۷ء کو ان کی جماعت کے لئے سرکاری نام "اہلحدیث" تسلیم کیا گیا۔ اور سرکاری کاغذات میں لفظ وہابی کا استعمال خلاف قانون قرار دیا گیا۔ [۲۵] ان کا اپنا بیان ہے کہ "اس کی معروضات بحق اہلحدیث گورنمنٹ میں عزت و اعتبار سے سنی جاتی تھیں"۔ [۲۶] یہی وجہ ہے کہ مارچ ۱۸۸۷ء میں جب سی۔ یو ایچیسن لفٹنٹ گورنر پنجاب عہدہ گورنری سے رخصت ہوئے تو انہوں نے مولوی صاحب کو ایک خصوصی سرٹیفکیٹ دیا کہ ابو سعید محمد حسین فرقہ اہلحدیث کے ایک سرگرم مولوی اور اس فرقہ اسلام کے وفادار اور ثابت قدم وکیل ہیں۔ ان کی علمی کوششیں (یعنی تصانیف) لیاقت سے ممتاز ہیں۔ نیز وہ ملکہ معظمہ کی وفادار رعایا میں سے ہیں۔ [۲۷] مولوی محمد حسین صاحب نے گورنمنٹ انگریزی کی جو خدمات سرانجام دی تھیں وہ اتنی شاندار تھیں کہ حکومت نے

اس کے صلہ میں بطور انعام چار مربع زمین کی جاگیر بھی عطا فرمائی۔ [۲۸] اسی بناء پر بعض نامور اہلحدیث علماء کو اعتراف کرنا پڑا کہ "پنجاب میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے انگریزی حکومتوں سے تعاون کر دیا اور بظاہر وہ انگریزی نظام کے ثناخواں ہو گئے۔..... اس لئے یہ ناخوشگوار اعتراف کرنے کے سوا چارہ نہیں کہ مرحوم مولانا محمد حسین جید عالم اور دور اندیش مفکر ہونے کے باوجود اپنے دوسرے رفقاء کی طرح مقام عزیمت پر قائم نہ رہ سکے۔ یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق ہمارے بعض دوست ہمیں طعن دیتے ہیں کہ تحریک اہل حدیث انگریز کے ہاتھ میں بک گئی"۔ [۲۹]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنی وفاداری کا سکہ جمانے اور انگریز کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے جہاں اور کئی طریقے اختیار کئے وہاں یہ تدبیر بھی کی کہ انہوں نے نہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف منظم مخالفت کا بیڑہ اٹھایا۔ بلکہ اپنے اثر و رسوخ سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومت کو بار بار اشتعال دلایا۔ کہ یہ شخص جو مسیح و مہدی ہونے کا مدعی ہے درپردہ حکومت کا باغی ہے۔ اس کی سرگرمیوں پر کڑی پابندی عائد کی جانی چاہیے۔ جب جنگ مقدس کا وقت آیا تو اس شر انگیز پراپیگنڈہ میں پادری بھی شامل ہو گئے اور پادری عماد الدین نے "توزین الاقوال" میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بغاوت کا کھلا کھلا الزام لگاتے ہوئے بڑا زہر اگلا۔ جس سے متاثر ہو کر نیم سرکاری اور سیاسی اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" نے بھی ۲۴۔ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو "ایک خطرناک مذہبی دیوانہ" کے عنوان سے ایک اشتعال انگیز مضمون لکھا جس میں تحریر کیا کہ

"A Dangerous Fanatic"

"There is a well- known fanatic in the punjab, he is now, We believe, in the Gurdaspur district, who calls himself Musalman and also the Messiah. His prophecies regarding the death of a native Christian gentleman in Amritsar kept up an excitement in the city for some months ; but fortunately his utterances were so badly charged that they have hung fire miserably and the doomed is still alive. A fanatical vision of this sort is doubtless under the surveilance of the Police. Whenever he preaches abroad serious disturbances of the peace are imminent, for he has a numerous following who are only less fanatical than himself.

Of course no political danger can be apprehended from the vain imaginings of such a man; but there is method in his madness. He has undoubted literary ability and his writings are voluminous and learned ; all the elements present for forming a dangerous rallying point, of course among the

Orthodox he is anathema morantha. His fame has spread as far as even as distant Madras. We give an extract from the Mohammedan, an English daily published in that city.

"Deep religious conviction, such as that ascribed to the Qadian, is no matter for idle gibe, but we are afraid that even granting his mental health' it is so intermixed in the ' reformmer' with a narrowness of view as to constitute him a crude reactionist. His convictions inform all his moods and impart a sickly hue to all his environments. Glimpses afforded by his writings, proclaim, him hostile to modern civilization, which as accidentally associated with Christianity, he hates with a perfect hatred. In warring with the one he needs must war with the other, they are one and indivisible. A railway train is as HATEFUL - to him as the doctrine of the Trinity, because it is device of the Trinitarians. In one place he thus delivers himself:

"Thus it is evident that these Christian races" mark the words. "These supporters of the Trinity, have played such wonderful feats and cut a complete system of magic" -- the italics are ours -- "that none but a first class dajjal could exhibit". It is all "damned sophisticated sorcery", in his eyes -- the evil principle opposed to the good- God on the one side; the devil on the other. It is impossible to determine the limits of this eccentric extremes, should he pass out of the region of contemplation to that of action. There is a subdued ferocity in his utterances that marks out as dangerous- possible crescentader, and no mere ipos dixit of any of his admirers- who possibly may have an inkling of what it all means will- convince us more especially after the distingenuousness characterising the present controversty- to the contrary".

The Maulvi of Qadian has beem under our observation for, several years, and we can endorse the above from our own knowledge of the man and his works. He is gaining strength and it may probably become our duty in the near future to treat him at more length".

(TheCivilandMilitaryGaztte)

"پنجاب میں ایک مشہور مذہبی دیوانہ ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اب وہ ضلع گورداسپور میں ہے وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اور مسیح بھی۔ اس کی پیشگوئیوں نے جو اس نے امرت سر کے ایک ہندوستانی عیسائی کی موت کے متعلق کی تھیں کئی ماہ تک شور برپا رکھا۔ لیکن خوش قسمتی سے اس کی باتیں ایسی بے اثر نکلیں کہ جس عیسائی کو موت آنا تھی ابھی تک زندہ ہے اس قسم کا وہمی اور مذہبی

دیوانہ بیشک پولیس کی نگرانی میں ہے۔ جب کبھی وہ باہر تبلیغ کے لئے جاتا ہے امن عامہ میں بڑے فساد کا فوری خطرہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے ماننے والے بے شمار ہیں اور وہ مذہبی جنون میں اس سے کچھ ہی کم ہیں۔ اس نوع کے انسان کے لئے بے معنی تصورات سے کسی سیاسی خطرہ کا اندیشہ تو نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کی دیوانگی میں بھی ایک سلیقہ ہے۔ اس کی ادبی قابلیت مسلمہ ہے۔ اس کی تصنیفات بہت ہیں اور عالمانہ ہیں۔ اس میں وہ تمام عناصر موجود ہیں جن کی ترکیب سے ایک خطرناک مرکز بنا کرتا ہے"۔

"اس کی نظر میں سب کچھ ملعون جادوگروں کا طلسم ہے۔ بدی اور نیکی کا مقابلہ ہے۔ خدا ایک طرف ہے اور شیطان دوسری طرف۔ اگر وہ عالم خیال سے نکل کر میدان عمل میں قدم رکھ لے۔ تو اس کی عجیب انتہا پسندیوں کی حدود کا تعین کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ اس کی باتوں میں ایک دبی ہوئی دہشت ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امکانی طور پر وہ ایک خطرناک ہلالی ہے اور جیسے اس کے سب مداح سمجھتے ہیں وہ صرف ایک سادہ آدمی نہیں ہے۔ ممکن ہے اس کے مداحوں کو اس کا کچھ مطلب معلوم ہو۔ (خصوصاً موجودہ سرسری بحث کے بعد) اور ہمیں اپنی رائے کے خلاف قائل کر سکیں' قادیان کا مولوی سالہا سال سے ہمارے زیر نظر رہا ہے۔ اور ہم اپنی ذاتی معلومات کی بناء پر جو ہمیں اس کی ذات اور اس کے کام کے متعلق حاصل ہیں مندرجہ بالا رائے کی پوری طرح تائید کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ طاقت پکڑ رہا ہے اور غالباً مستقبل قریب میں ہم پر یہ فرض عائد ہو جائے گا کہ ہم اس کی طرف زیادہ تفصیل سے توجہ دیں"۔ [۶۰]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا انگریزی حکومت کو انتباہ

اب چونکہ متحدہ محاذ قائم ہو چکا تھا۔ اور نیم سرکاری پریس میں بھی حضرت اقدسؑ کے خلاف پر زور آواز اٹھنی شروع ہو گئی تھی۔ اس لئے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے پادریوں کا سہارا لے کر حکومت کو کھلم کھلا انتباہ کرنا شروع کیا کہ "گورنمنٹ کو اس کا اعتبار کرنا مناسب نہیں اور اس سے پر حذر رہنا ضروری ہے۔ ورنہ اس مہدی کادیانی سے اس قدر نقصان پہنچنے کا احتمال ہے جو مہدی سوڈانی [۶۱] سے نہیں پہنچا"۔ [۶۲]

حضرت مسیح موعودؑ کا دفاع

یہ خطرناک پراپیگنڈہ جب زور پکڑ گیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس کا دفاع کرنے کے لئے قلم اٹھایا۔ چنانچہ حضورؑ نے ابتداء "شہادت القرآن" پھر "نور الحق" کے ذریعہ سے حکومت کو اس بے بنیاد الزام کی طرف توجہ دلائی۔ نیز اشاعۃ السنہ (۱۸۸۴ء جلد نمبر ۷-۶) سے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی تحریر کا وہ اقتباس شائع کیا۔ جس میں انہوں نے حضور کے آباء و اجداد کی خدمات کا تذکرہ کر کے انگریزی حکام کی

سندوں پر نقول درج کی تھیں۔ اس کے بعد جب اس پراپیگنڈہ نے زیادہ وسعت اختیار کرنا شروع کی۔ تو آپ نے ملکہ وکٹوریہ "گورنر جنرل" اور لفٹنٹ گورنر پنجاب اور دیگر حکام کے نام ۱۰۔ دسمبر ۱۸۹۴ء کو باقاعدہ ایک اشتہار شائع کرتے ہوئے یہ تاریخی حقائق دوبارہ پیش کئے۔ مگر صورت حال نازک ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ خود مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا کہ مرزا صاحب کے خطوط کا جواب تو رہا ایک طرف انگریزی حکام آپ کے تردیدی بیانات کو قابل التفات ہی نہیں سمجھتے [۶۳] اس رویہ نے آپ کے خلاف سیاسی محاذ قائم کرنے والوں کو بڑی تقویت پہنچائی۔ اور وہ متحد ہو کر آپ کے خلاف خطرناک منصوبے سوچنے لگے۔

۱۸۹۴ء کے بعض صحابہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ پر ۱۸۹۴ء میں ایمان لانے والے بعض بزرگوں کے نام یہ ہیں:۔

(۱) حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی۔ [۶۴]

(۲) حضرت مولانا حسن علی صاحب مسلم مشنری۔

(۳) حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب سابق جگت سنگھ۔ [۶۵]

(۴) حضرت منشی امام دین صاحب پٹواری۔ [۶۶]

(۵) جناب خواجہ کمال الدین صاحب۔ [۶۷]

حواشی

۱۔ "سچائی کا اظہار" صفحہ ۵۔۸
۲۔ "حمامۃ البشریٰ"۔
۳'۴۔ "حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۴۵۲
۵۔ نور الحق (اول) صفحہ ۱۴۔۱۵
۶۔ مولوی کرم دین' مولوی نظام الدین۔ مولوی الٰہی بخش۔ مولوی حمید اللہ خاں۔ مولوی نور الدین' مولوی سید علی۔ مولوی عبد اللہ بیگ۔ مولوی حسام الدین۔ مولوی قاضی صفدر علی وغیرہ سینکڑوں پادری عیسائیت قبول کرنے سے پہلے مسلمان تھے اس لئے وہ پادری ہونے کے باوجود اپنے تئیں مولوی سے موسوم کرتے تھے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود نے انہی پادریوں کو "نور الحق" حصہ اول میں مخاطب کیا اور انگریزی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کذابوں کو مولوی کہلانے سے منع کرے۔
۷۔ انجیل متی باب ۲۴ آیت ۲۹
۸۔ دار قطنی جلد اول صفحہ ۱۸۸ مطبع انصاری دلی
۹۔ "اربعین فی احوال المہدیین"
۱۰۔ "احوال الآخرۃ"
۱۱۔ بدر ۱۴۔ مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۸
۱۲۔ "THE STORY OF ECLIPSES" (جارج ایف چیمبرز) صفحہ ۳۳ مطبوعہ لنڈن ۱۹۰۲ء
۱۳۔ ضمیمہ انجام آتھم و تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۰ طبع اول
۱۴۔ "اصحاب احمد" جلد اول صفحہ ۸۰۔۸۱
۱۵۔ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۰ ممتاز عالم ازہر مولوی سعد محمد حسن نے "المہدیہ فی الاسلام" صفحہ ۱۷۲ پر تسلیم کیا ہے کہ یہ نشان کسوف و خسوف حضرت اقدس کے زمانہ میں ہی وقوع پذیر ہوا۔ یہ کتاب دار الکتاب العربی مصر سے ۱۳۷۳ھ۔ ۱۹۵۳ء میں شائع ہوئی ہے۔
۱۶۔ "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۴۵۵۔۴۵۶
۱۷۔ ولادت قریباً ۱۸۳۸ء وفات ۲۹۔ ستمبر ۱۹۳۸ء (مفصل حالات کے لئے دیکھئے الحکم ۷'۲۱۔ نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۴'۹)
۱۸۔ یوم ولادت ۵۔ جون ۶۲۶ء یوم شہادت ۱۰۔ اکتوبر ۶۸۰
۱۹۔ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۹۹۔۱۰۰ و الحکم ۱۴'۷۔ نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۷
۲۰۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۵/ نمبر ۱۰ صفحہ ۲۳۸/۲۳۹
۲۱۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۵ نمبر ۱۰ صفحہ ۲۳۵۔ صفحہ ۲۳۸
۲۲۔ "انوار الاسلام" صفحہ ۸'۱۹ (طبع اول)
۲۳۔ انوار الاسلام حاشیہ صفحہ ۲
۲۴۔ "ضیاء الحق"
۲۵۔ سیرت المہدی حصہ اول طبع دوم صفحہ ۱۸۴
۲۶۔ نور افشاں ۲۱۔ ستمبر ۱۸۹۴ء بحوالہ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۴۰
۲۷۔ متوفی ۱۸۹۹ء
۲۸۔ الحکم ۲۱۔۲۸ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۳۔۴ کالم نمبر ۳
۲۹۔ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۲۲۔۱۲۸
۳۰۔ "تبلیغ رسالت" جلد سوم صفحہ ۱۳۴۔۱۳۵

۳۱ - "تبلیغ رسالت" جلد سوم صفحہ ۱۷۷

۳۲ - حلیہ ابی نعیم (بحوالہ اقترب الساعۃ) صفحہ ۱۰۸

۳۳ - اشارات فریدی حصہ سوم صفحہ ۱۵۰ پر لکھا ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی 'عبداللہ آتھم پادری کہ معاندی بود (ذکر شد) حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ بقاءہ فرمودند کہ اگرچہ عبداللہ آتھم از حد و اندازہ مدت پیشگوئی مرزا غلام احمد قادیانی کہ نسبت موت ہی کہ وہ بود بیرون افتادہ است چنانچہ بعد میعاد پیشگوئی فوت شدہ مگر بہ نفس مرزا صاحب مردہ است"۔

۳۴ - The Official Report Of the Missonary Conference of the Anglican Communion- 1894- P. 64-

۳۵ - "اشاعۃ السنہ" جلد ۹ نمبر ۷ صفحہ ۱۹۷

۳۶، ۳۷ اشاعۃ السنہ نمبر ۱۰-۱۱-۱۲ صفحہ ۲۹۴

۳۸ - خود مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے بھی اشاعۃ السنہ جلد ۱۹ نمبر ۳ صفحہ ۷۷ پر اس جاگیر کا تذکرہ کیا ہے۔

۳۹ - اخبار "الاعتصام" (گوجرانوالہ) ۱۲- اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۶

۴۰ - سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور ۲۴- اکتوبر ۱۸۹۴ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۳ (انگریزی سے ترجمہ) بحوالہ "بانی سلسلہ احمدیہ اور انگریز" صفحہ ۷۳-۷۴ طبع اول (از مولانا عبدالرحیم صاحب درد)

۴۱ - ولادت ۱۸۴۸ء وفات ۲۱- جون ۱۸۸۵ء مفصل سوانح کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "مہدی سوڈانی" مؤلفہ آغا رفیق

۴۲ - اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ صفحہ ۱۶۸

۴۳ - اشاعۃ السنہ جلد ۱۹ نمبر ۴ صفحہ ۷-۱۲۔

۴۴ - ۳۱۳ اصحاب کبار میں آپ کا نمبر ۲۹ ہے۔ خلافت ثانیہ کے ابتدائی دور میں فوت ہو گئے۔ حضرت سیٹھ صاحب سلسلہ احمدیہ کے ان عظیم مجاہدین میں سے ہیں جنہیں حضرت مسیح پاک کے زمانے میں بڑی بڑی مالی قربانیوں کی توفیق ملی۔
حضرت اقدسؑ نے آپ کو "نمونہ" قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔ "ان کا صدق اور ان کی مسلسل خدمات جو محبت اور اعتقاد اور یقین سے بھری ہوئی ہیں تمام جماعت کے ذی مقدرت لوگوں کے لئے ایک نمونہ ہیں"۔ (اشتہار الانصار ۴- اکتوبر ۱۸۹۹ء)

۴۵ - صاحب کشف والہام تھے اور عالم و صوفی بھی۔ ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ اور ۹- جولائی ۱۹۵۷ء کو ربوہ میں انتقال فرمایا۔

۴۶ - ولادت ۱۸۶۳ء میں وفات ۲۶- جولائی ۱۹۳۹ء (مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو اصحاب احمد جلد اول صفحہ ۹۷ تا ۱۱۵)

۴۷ - ولادت ۱۸۷۰ء وفات ۲۸- دسمبر ۱۹۳۲ء آپ طالب علمی کے زمانہ میں اسلام سے متنفر ہو کر عیسائیت اختیار کر لینے کا فیصلہ کر چکے تھے کہ انہیں کہیں سے "براہین احمدیہ" ہاتھ لگ گئی۔ اس کتاب کا پڑھنا تھا کہ تمام شکوک شبہات دور ہو گئے قادیان پہنچے اور حضرت اقدسؑ کی بیعت کر کے اسلام پر قائم ہو گئے اور پھر حضور کی برکت سے لارڈ ہیڈلے 'سر عبداللہ آرچی' بلٹر ہیمٹن 'سر عمر ہیوبرٹ رینکن' مسٹر محمد مارماڈیوک پکتھال اور دوسرے کئی انگریزوں کو مسلمان کرنے کی سعادت پائی۔

تین عظیم الشان علمی انکشافات

عربی زبان ام الالسنہ ہے۔

حضرت باوانانک علیہ الرحمتہ مسلمان تھے۔

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا سفر کشمیر اور محلہ خانیار میں مزار

ماموریت کا چودھواں سال

قادیان میں "ضیاء الاسلام پریس" مطبع اور کتب خانے کا قیام

۱۸۹۵ء

اب چونکہ ضروریات سلسلہ بہت بڑھ چکی تھیں اس لئے اس سال ۱۸۹۵ء میں پریس 'کتب خانہ' مہمان خانہ اور مطب کی بنیادیں رکھی گئیں۔ یہ سب ادارے قادیان کی منہدم فصیل کی جگہ پر کچی عمارتوں میں قائم ہوئے تھے۔ سب سے پہلے دو بڑے کمرے اور دو بڑی کوٹھریاں شمالی جانب تعمیر ہوئیں۔ ایک بڑے کمرے میں جو بعد کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ کا موٹر خانہ بنا۔ ضیاء الاسلام پریس نصب کیا گیا اور دوسرے کمرے میں حضرت مولانا نور الدین مدت العمر مطب کرتے رہے۔ مطب سے متصل شرقی جانب کی کوٹھری میں مہمان خانہ کا قیام ہوا۔ [1]

ضیاء الاسلام پریس اگرچہ قادیان میں مرکزی پریس قائم کئے جانے کی تجویز تو ۱۸۹۲ء کے سالانہ جلسے میں باتفاق رائے منظور ہو چکی تھی۔ لیکن اس کا قیام اس سال ۱۸۹۵ء میں عمل میں آیا۔ پریس میں سب سے پہلے جو کتاب طبع ہوئی وہ "ضیاء الحق" تھی ابتداء میں تو اس کی براہ راست نگرانی حضرت اقدسؑ خود ہی فرماتے تھے۔ اور چھاپنے کا کام حضور کے مخلص خادم مرزا اسمٰعیل بیگ صاحب [2] اور ان کے اعزہ کرتے تھے۔ لیکن جب حضرت حکیم فضل دین صاحب بھیروی ہجرت کر کے قادیان آ گئے۔ تو حضرت اقدسؑ نے اپنی دینی مصروفیات کی وجہ سے نگرانی کی ذمہ داری بھی مکرم حکیم صاحب کے سپرد فرما دی تھی۔ اور انہوں نے تجربہ و فراست کی وجہ سے مطبع کا انتظام بخوبی سنبھال لیا اور قادیان میں طباعت و اشاعت کی آسانی پیدا ہو گئی۔ [3]

مہمان خانہ گول کمرہ جو مسجد مبارک کے بعد تعمیر ہوا۔ ابتداء مہمان خانہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا خود حضرت ام المومنین کھانا پکانے کا انتظام فرماتیں۔ اور حضرت اقدس علیہ السلام

مہمانوں سے ملاقات فرماتے تھے۔ لیکن جب اس سال کے دوران میں حضرت میر ناصر نواب صاحب ہجرت کر کے آگئے تو مہمان خانہ گول کمرہ سے فصیل کی جگہ پر تیار شدہ عمارت میں منتقل ہو گیا اور حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ نے اس کے آگے دیوار کھینچ کر بود و باش اختیار کر لی۔ [۴]

کتب خانہ کتب خانہ بھی فصیل کی جگہ پر نئی عمارت میں قائم ہوا۔ جس کے اولین مہتمم حکیم فضل دین صاحب بھیروی قرار پائے۔

مطب گو نام کے لحاظ سے تو یہ حضرت مولانا نور الدین صاحب کا مطب کہلاتا تھا مگر عملاً اسے بھی مستقل ادارہ کی حیثیت حاصل تھی۔ جو حضرت حکیم الامت کے طبی اور روحانی کمالات کی تجربہ گاہ بھی تھا اور درسگاہ بھی۔ باوجودیکہ غریبوں اور حاجتمندوں کا علاج یہاں بالعموم مفت کیا جاتا [۵] اور بڑی بیش بہا ادویہ مفت دے دی جاتیں۔ مگر پھر بھی اس کا فیض عام ہمیشہ جاری رہتا۔ اور وہ وہ غیبی برکتیں ظہور میں آتیں کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے۔ یہ ادارہ حضرت خلیفتہ المسیح اول کی زندگی میں ملک بھر کے مریضوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب مدظلہ العالی کی ولادت

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو مولوی عبدالحق صاحب غزنوی کے مقابل نصرت و تائید کے نشان کے طور پر ۱۸۹۴ء میں بشارت دی گئی تھی کہ آپ کو ایک فرزند عطا کیا جائیگا اور آپ نے "انوار الاسلام" (صفحہ ۲۹ حاشیہ) میں قبل از وقت اس کی خبر بھی شائع فرما دی۔ چنانچہ اس کے عین مطابق حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ۲۷ - ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ مطابق ۲۴ - مئی ۱۸۹۵ء کو تولد ہوئے۔ [۶] آپ کی پیدائش پر عالم کشف میں حضور نے دیکھا کہ آسمان سے ایک روپیہ اترا اور آپ کے ہاتھ پر رکھا گیا۔ روپیہ پر "معمر اللہ" کے الفاظ لکھے تھے۔ [۷] آپ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اور بھی کئی بشارتیں ہوئیں۔ چنانچہ حضورؑ لکھتے ہیں "ایک دفعہ ہم نے عالم کشف میں اسی لڑکے شریف احمدؐ کے متعلق کہا تھا کہ اب تو ہماری جگہ بیٹھ اور ہم چلتے ہیں"۔ اس کشف کے چند سال بعد حضورؑ کو آپ کے متعلق ایک اور خواب دکھایا گیا۔ جس کی تفصیل حضورؑ نے یہ بیان فرمائی کہ "شریف احمدؐ کو خواب میں دیکھا کہ اس نے پگڑی باندھی ہوئی ہے اور دو آدمی پاس کھڑے ہیں۔ ایک نے شریف احمد کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ بادشاہ آیا۔ دوسرے نے کہا ابھی تو

اس نے قاضی بننا ہے"۔ ۸

حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے موجودہ فرزندوں میں سب سے کم عمر کے ہیں۔ آپ کو حدیث و تاریخ اور علم کلام سے خاص مناسبت ہے۔ برسوں تک آپ جماعت کے مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت کے ناظر رہ چکے ہیں۔ اور اب نظارت "اصلاح و ارشاد" کے ایڈیشنل ناظر ہیں۔ (آپ ۲۶۔ دسمبر ۱۹۶۱ء کو انتقال فرما چکے ہیں)

الدار میں کنواں حضرت اقدسؑ کے گھر میں اسی سال کنواں لگایا گیا جو احمدی آبادی کے حلقہ میں (مسجد اقصیٰ کے کنوئیں کے علاوہ) سب سے پہلا کنواں تھا۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر وہ کنواں بنا جو مدرسہ احمدیہ کے جانب شمال اور بک ڈپو کے عقب میں ہے۔ پیشتر ازیں آپ کے چچازاد بھائیوں کے دیوان خانہ اور تائی صاحبہ مرحومہ کے کنوؤں سے پانی لیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ ہر دو جگہ سے حضرت اقدسؑ کے سقہ کو گالیاں دے کر منع کر دیا گیا اور حضور کے گھر اور آپ کے خدام کو بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ جس پر یہ پہلا کنواں تیار کیا گیا۔ ۹

عربی زبان کے ام الالسنہ ہونے کی زبردست تحقیق اور "منن الرحمٰن" کی تالیف

۱۸۹۵ء کا سال علمی اکتشافات کا ایک مثالی سال ہے اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تین عظیم الشان انکشافات کا اعلان فرمایا جس نے علمی دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا یعنی۔

۱۔ عربی زبان "ام الالسنہ" ہے

۲۔ حضرت باوا نانک رحمتہ اللہ علیہ مسلمان تھے۔

۳۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے صلیبی زخموں کے لئے "مرہم عیسیٰ" تیار کیا گیا تھا اور اس کے استعمال سے آپ تندرست ہونے کے بعد کشمیر تشریف لائے اور سرینگر محلہ خانیار میں دفن ہوئے۔

"منن الرحمٰن" کی تالیف پہلا انکشاف عربی زبان کے ام الالسنہ ہونے سے متعلق تھا۔ اس بارے میں آپ نے نہایت وسیع پیمانے پر تحقیق فرمائی اور پھر اس سے دنیا کو روشناس کرانے کے لئے "منن الرحمٰن" تالیف فرمائی۔ اس تحقیق کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں حضرت اقدس کے جن خدام نے بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے حصہ لیا ان کے اسمائے گرامی یہ

ہیں (۱) حضرت مولانا نور الدین صاحب (۲) مولانا عبد الکریم صاحب سیالکوٹی (۳) جناب منشی غلام قادر صاحب فصیح (۴) جناب خواجہ کمال الدین صاحب۔ بی۔ اے (۵) مرزا خدا بخش صاحب [10] (۶) حضرت مفتی محمد صادق صاحب (۷) منشی غلام محمد صاب سیالکوٹی (۸) حضرت میاں محمد خان صاحب کپور تھلوی [11] حضرت اقدسؑ نے "منن الرحمٰن" میں ان خدام کے نام اپنے قلم سے درج کرتے ہوئے لکھا کہ اس بارے میں سب سے زیادہ محنت اور جانفشانی مولانا حکیم نور الدین صاحب اور مولوی عبد الکریم صاحب نے کی ہے۔ [12] حضرت مولانا نور الدین صاحب نے اس موقعہ پر نہ صرف کتابوں کا مطالعہ کر کے قیمتی معلومات مہیا کیں بلکہ اس کام کے لئے انگریزی لٹریچر کا ایک قیمتی ذخیرہ بھی خرید کر مہیا کر دیا۔

کتاب "منن الرحمٰن" ایسی محققانہ تصنیف قریباً ڈیڑھ ماہ میں ہوئی۔ جو بجائے خود ایک معجزہ ہے۔ چنانچہ اپریل ۱۸۹۵ء کے کچھ دن گزرے یہ کام شروع ہوا اور مئی ۱۸۹۵ء سے قبل انجام کو پہنچ گیا۔ اور پھر اس محنت کے دنوں میں پورا دن اس کام کے لئے کبھی صرف نہیں ہوا بلکہ زیادہ سے زیادہ تیسرا یا چوتھا حصہ اس کام میں صرف ہوتا رہا۔ [13] اس کتاب میں آپ نے پانچ قطعی اور زبردست دلائل سے ثابت کر دکھایا ہے کہ عربی زبان ہی ام الالسنہ اور کامل اور الہامی زبان ہے۔ ان دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔

اول:۔ عربی کے مفردات کا نظام کامل ہے یعنی انسانی ضرورتوں کو وہ مفردات پوری مدد دیتے ہیں اور دوسری لغات اس سے بے بہرہ ہیں۔

دوم:۔ عربی میں اسماء باری و اسماء ارکان عالم و نباتات و حیوانات و جمادات و اعضائے انسان کی وجوہ تسمیہ بڑے بڑے علوم حکمیہ پر مشتمل ہیں۔ دوسری زبانیں ہرگز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

سوم:۔ عربی کے مواد الفاظ کا تسلسل بھی ایک مستقل نظام رکھتا ہے اور اس نظام کا دائرہ تمام افعال اور اسماء کو جو ایک ہی مادہ کے ہیں ایک سلسلہ حکمیہ میں داخل کر کے ان کے باہمی تعلقات دکھلاتا ہے اور یہ بات اس کمال کے ساتھ دوسری زبانوں میں پائی نہیں جاتی۔

چہارم:۔ عربی کی تراکیب میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہیں یعنی زبان عربی الف لام اور تنوین اور تقدیم و تاخیر سے وہ کام نکالتی ہے جس میں دوسری زبانیں کئی فقروں کے جوڑنے کی محتاج ہوتی ہیں۔

پنجم:۔ عربی زبان ایسے مفردات اور تراکیب اپنے ساتھ رکھتی ہے کہ جو انسان کے تمام باریک در باریک دلی خیالات کا نقشہ کھینچنے کے لئے کامل وسائل ہیں۔ [14]

بظاہر یہ ایک علمی تحقیق تھی مگر باریک نظری سے دیکھا جائے تو اس کے ذریعہ سے آپ نے اسلام کی فتح کی بنیاد رکھ دی۔ کیونکہ دنیا کے ماہرین لسانیات اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ "ام الالسنہ" صرف عربی

ہے تو انہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ الٰہی کتابوں میں سے اعلیٰ ' ارفع ' اتم ' اکمل اور خاتم الکتب قرآن مجید اور رسولوں میں سے خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

افسوس کتاب "منن الرحمٰن" ناتمام حالت میں رہ گئی اور اس کی اشاعت کا مرحلہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد خلافت ثانیہ کے عہد میں جون ۱۹۲۲ء میں آسکا۔ مگر اس تحقیق سے متعلق آپ کے بعض خدام نے اپنی خدمات جاری رکھیں۔ [۱۵]

عربی کی اشاعت و ترویج کے لئے عملی مہم

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اسی زمانہ میں عربی کی اشاعت و ترویج کے لئے ایک عملی مہم بھی شروع فرمائی۔ یعنی اپنی جماعت کے دوستوں کو تحریک فرمائی کہ وہ عربی زبان سیکھیں اور اسے اپنی روزمرہ گفتگو میں اظہار خیال کا ذریعہ بنائیں۔ آپ کے نزدیک کسی زبان کے سیکھنے کی صورت یہ نہیں تھی کہ پہلے صرف و نحو پڑھی جائے بلکہ بہتر طریقہ یہ تھا کہ اسے بولا جائے۔ بولنے سے ضروری صرف و نحو خود بخود آجاتی ہے۔ چنانچہ اسی لئے حضرت اقدس نے ۱۸۹۵ء میں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب [۱۶] کو (جو اس وقت ۱۴ برس کے تھے) عربی کا قریباً ایک ہزار فقرہ ترجمہ سے لکھوایا۔ حضور روزانہ پندرہ بیس کے قریب فقرے لکھوا دیتے اور دوسرے دن سبق سن کر اور لکھوا دیتے۔ پیر سراج الحق صاحب نعمانی بھی حضرت میر صاحب کے ہم سبق تھے۔ [۱۷]

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے سفر کشمیر اور مزار کا انکشاف

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے اس سال دوسرا انکشاف یہ فرمایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کے زخموں سے "مرہم عیسیٰ" [۱۸] یا "مرہم حواریین" کے استعمال سے شفایاب ہونے کے بعد کشمیر تشریف لے آئے اور وفات کے بعد سرینگر محلہ خانیار میں مدفون ہوئے جو اصل شہر سے قریباً تین میل کے فاصلہ پر عام خلائق کی زیارت گاہ اور "یوز آسف نبی" کی قبر سے موسوم ہے۔ [۱۹]

اس انکشاف کا منظر عام پر آنا تھا کہ عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں کی طرف اس کی زبردست مخالفت شروع ہو گئی۔ عیسائی پادریوں نے تو اس قبر کو محض ایک چبوترہ قرار دیتے اور حضورؑ کے دلائل کو غلط بتاتے ہوئے کہا کہ "بعض عیار تکیہ دار جہلاء کے سامنے مشہور کر دیتے ہیں کہ فلاں مقام پر کسی ولی یا شہید کا مزار ظاہر ہو گیا تاکہ عورتیں منتیں ماننا اور چادریں چڑھانا شروع کر دیں۔ یہ خانیار کا چبوترہ

گویا مرزا صاحب کی امامت و مہدویت کی اساس ناسپاس ہے"۔ [۲۰]

مگر خدا تعالیٰ جب اپنے مامور کی زبان سے کسی حقیقت کا اعلان کرواتا ہے تو اس کی گواہی کے لئے خارق عادت رنگ میں شواہد بھی پیدا کر دیتا ہے یہی معاملہ یہاں بھی ہوا۔ جونہی آپ نے یہ انکشاف فرمایا زمین سے نہایت قیمتی دستاویزات اور اہم آثار قدیمہ برآمد ہونے کا ایک غیر معمولی سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ ہندوستان میں دو سکے دستیاب ہوئے جن میں سے ایک پر حضرت مسیح علیہ السلام کا نام پالی زبان میں کندہ تھا۔ اور دوسرے پر آپ کی تصویر تھی۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ واقعہ صلیب کے بعد اس ملک میں ضرور تشریف لائے تھے۔ [۲۱] پھر سکندریہ سے اسیری فرقہ صوفیاء کا ایک خط برآمد ہوا جس میں صاف لفظوں میں یہ ذکر تھا کہ حضرت مسیحؑ صلیب سے زندہ اتارے گئے تھے اور اسیری فرقہ کے لوگوں نے ان کے بچانے اور علاج معالجہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور آپ شفایاب ہونے کے بعد ایک طویل اور تھکا دینے والے سفر پر روانہ ہو گئے۔ مگر شہر میں یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ یسوع بادلوں میں اٹھایا گیا اور آسمان پر چلا گیا ہے۔ اس خط کا انگریزی ترجمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی انڈو امریکی بک کمپنی شکاگو نے

"The Crucifixion by an Eye - Witness"

کے نام سے شائع کر دیا۔

واقعہ صلیب کی چشم دید شہادت

اس کتاب کا اردو ترجمہ حضرت میاں معراج الدین صاحب عمر نے "واقعہ صلیب مسیح کی چشمدید شہادت" کے نام سے مارچ ۱۹۱۳ء میں شائع کیا تھا۔ زمانہ حال کے ایک مشہور مسلمان لیڈر علامہ محمد عنایت اللہ خاں مشرقی اس اہم دستاویز کی تفصیلات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام شخصیت کے متعلق حال میں ایک عجیب و غریب شہادت دستیاب ہوئی ہے جو اس اولوالعزم نبی کی حیثیت کو صحیح طور پر سمجھنے میں بہت کچھ مدد دیتی ہے۔ یہ شہادت ایک لوح مکتوب میں درج ہے جو حضرت مسیح کے ایک ہمعصر اور واقعہ صلیب کے عینی شاہد نے اپنے سلسلہ کے احباب کو مصر میں لکھا اور جو سکندریہ کے ایک پرانے مکان میں ملک حبش (ابی سینیا) کی ایک تجارتی شرکت کے رکن کو دوران سیاحت میں ملا۔ محکمہ آثار قدیمہ مصر نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ یہ پرانا مکان زمانہ قدیم میں "اسیری" فرقے کا مسکن تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں علمائے فطرت کا ایک مقتدر، باخدا اور باعمل خفیہ گروہ تھا۔ اسی مکان کے اندر اس فرقے کا الواحی کتب خانہ بھی تھا اور یہ پتھر بھی اسی کتب خانہ کا بقیہ ہے اور بظاہر غیر مشکوک اور اصلی ہے۔ اور یہ لوح فری میسن جماعت کی وساطت سے

المانیہ (جرمنی) کی ایک علمی انجمن کے قبضے میں ہے اور چونکہ اس کے اندر حضرت عیسیٰؑ کے صلیب پر جان دینے اور تمام عالم کے گناہوں کے کفارہ ہونے کی عیسائی عقائد کی تغلیط ہوتی ہے۔ اس لئے عیسائی پادریوں کی دستبرد سے فی الجملہ محفوظ ہے۔ مکتوب میں راقم نے اس امر کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونے کے وقت عینی شاہد تھا۔ حضرت مسیح کو یہود کے سامنے پلاطوس حاکم گلیل کے فرمان کے مطابق صلیب دی گئی۔ لیکن چونکہ یوم سبت کی رات ہونے کی وجہ سے ان کو سرشام چند گھنٹوں کے بعد صلیب سے اتار لیا گیا اور ان کی ہڈیاں بھی نہیں توڑی گئیں۔ اس لئے وہ مرے نہیں۔ اگرچہ یہود کو اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ مر گئے ہیں اور پہرہ دار نے بھی اس امر کی تصدیق کر دی تھی۔ جلاد سپاہیوں کا حضرت عیسیٰ کے بدن میں برچھی کا چبھونا اور اس سے خون اور پانی کا نکلنا بھی (جس کا ذکر انجیل میں ہے) اس امر کی تصدیق ہے کہ حضرت مسیح دراصل مرے نہیں تھے۔ لیکن یہود کو گمان ہو گیا تھا۔ کہ وہ مر گئے ہیں۔ قرآن حکیم سے اس واقعہ کی حیرت انگیز طور پر تصدیق ہوتی ہے اور تیرہ سو برس کے بعد اس کا ایک ہمعصر شہادت سے مصدق ہونا صاحب نظر کے لئے قرآن کے انسانی کلام نہ ہونے کی ایک مبرہن دلیل ہے۔ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا (النساء: ۱۵۸) راقم مکتوب اس امر پر زور دیتا ہے۔ کہ نقادِ مس حکیم نے جو اسیری فرقے کا ایک اعلیٰ رکن تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مناسب علاج سے یوسف کے باغ والی قبر میں اچھا کیا۔ وہ تیسرے دن اسی جسم اور بدن سے اٹھ کھڑے ہوئے اور باوجود انتہائی نقاہت کے اپنے حواریوں سے ملے وغیرہ وغیرہ۔ جو فرشتے سفید لباس میں اس اثناء میں (از روئے انجیل) قبر کی حفاظت کرتے رہے وہ بھی اسیری فرقہ کے خفیہ فرستادے تھے۔ جو ان کی تیمارداری پر متعین کئے گئے۔ راقم کہتا ہے کہ یہ خط اس لئے لکھا گیا ہے کہ وہ اختلاف جو حضرت مسیح کی وفات کے متعلق عوام میں پڑ گیا ہے۔ اور جس کی وجہ سے طرح طرح کے اوہام باطلہ .... جہلا میں پھیل گئے ہیں دور ہو جائیں وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے لیکن اس حکایت سے قطع نظر جس کے جزئیات کا انجیل کے بیان سے حیرت انگیز طور پر تطابق ہے جو مستقل سبق اس مکتوب سے اخذ ہوتا ہے یہ ہے کہ یہ اسیری فرقہ جس کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک مقتدر رکن تھے علم حقائق الاشیاء میں حیرت انگیز طور پر ماہر اور قانون فطرت سے بڑا باخبر گروہ تھا۔ خدمت عباد اس کے عمل کا جزو اعظم تھا۔ روئے زمین کے ہر قریے میں اس کے کارندے موجود تھے۔ ان کے باضابطہ اجلاس ہوتے تھے۔ کئی برس کے مسلسل سعی و عمل اور علمی مجاہدوں کے بعد ایک شخص کو اس کا رکن اعلیٰ بننا نصیب

ہوتا تھا۔ اکثر با علم لوگ اس خفیہ اخوت کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے۔ خود پیلاطوس اس کی طرف مائل تھا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو سبت سے ایک دن پہلے صلیب دینا اور ان کی نعش کا یوسف کے سپرد کر دینا بھی اسی وجہ سے تھا۔ اگرچہ اس فرقے کا بظاہر ادعا یہی تھا...... کہ حکومت وقت کی سیاسیات میں دخل نہ دے۔ مگر قانون فطرت سے باخبر اور صاحب علم ہونے کی وجہ سے حکومت اس زبردست اخوت سے ہر دم خوفزدہ رہتی تھی۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام سے خوفزدہ رہنا اس وجہ سے تھا۔ تصلیب یسوع کے فرمان میں بھی جو پانتیس پلاطوس نے حکومت وقت کے ایماء سے جاری کیا۔ حضرت پر غادی، مفتری علی اللہ اور کذاب ہونے کے علاوہ باغی حکومت اور قیصری قوانین و آئین کے دشمن ہونے کا الزام لگایا گیا تھا۔ اور تصلیب کی اصلی وجہ حتماً یہی تھی محکوم یہودیوں کو خوش کرنا اس قدر ضروری نہ تھا۔ علاوہ ازیں عوام میں مسیح کے دنیاوی بادشاہت قائم کرنے کا انتظار اور چرچا "تانباشد چیزکے مردم نہ گویند چیزہا"۔ کا مصداق ہے جو ہر صاحب نظر پر عیاں ہے اسی مکتوب میں درج ہے کہ مسیح علیہ السلام نے پہاڑی پر سے مصر کی طرف کوچ کرنے (اور عوام کی نظروں میں فرشتوں کی معیت میں بادلوں میں غائب ہو جانے) سے پہلے حواریوں کے سامنے کہا۔ کہ میرا کام یہ ہے کہ "خدا کی بادشاہت" زمین پر قائم کروں۔ "تذکرہ" (مؤلفہ محمد عنایت اللہ خاں المشرقی الہندی) صفحہ ۱۶-۱۷ حاشیہ مطبوعہ ۱۹۲۴ء مطبع وکیل امرتسر۔

حضرت مسیحؑ کے کفن سے متعلق جرمن سائنس دانوں کا حیرت انگیز انکشاف

اس دستاویز کے بعد متعدد انکشافات اور ہوئے مثلاً حضرت مسیحؑ کی جوانی اور بڑھاپے کی تصویریں بھی "انسائیکلو پیڈیا برٹینکا" سے مل گئیں۔ جن سے یہ صداقت پایہ ثبوت تک پہنچ گئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نظریہ حرف بحرف صحیح ہے اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور یہ سب شواہد اپنے اندر بڑی اہمیت رکھتے ہیں چنانچہ حال ہی میں جرمن سائنسدانوں کے اس انکشاف نے دنیا بھر میں زلزلہ سا پا کر دیا ہے کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا دو ہزار سالہ پرانا کفن اٹلی کے شہر جورن سے مل گیا ہے جو تصویر کشی کی مدد سے پوری طرح کھل کر سامنے آگیا ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ہرگز صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ سکنڈے نیویا کے اخبار "Tidingen Stockhalm" کے ایڈیٹر "Christer Iderland" نے اپنے اخبار کی ۲- اپریل ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں ایک مفصل مضمون بھی شائع کیا۔ جس میں بڑی وضاحت سے لکھا کہ جرمن سائنسدانوں کا ایک گروہ آٹھ سال سے مسیحؑ کے کفن کے متعلق تحقیق کر رہا تھا جس کا نتیجہ حال ہی میں پریس کو بتایا گیا ہے۔ مسیحؑ کا دو ہزار سالہ

پرانا کفن اٹلی کے شہر جورن (Jurin) میں ملا ہے اس پر مسیحؑ کے جسم کے نشانات ثبت ہیں۔ سائنسدانوں نے اپنی تحقیق سے پوپ کو مطلع کیا ہے مگر پوپ اب تک خاموش ہے۔ کیونکہ اس تحقیق کے نتیجہ میں کیتھولک چرچ کی مذہبی تاریخ کا اہم راز منکشف ہو کر رہ گیا ہے تصویر کشی کے فن کی مدد سے سائنس والوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس چیز کو لوگ دو ہزار سال سے معجزہ خیال کرتے تھے وہ بالکل طبعی واقعہ ہے اور وضاحت سے ثابت کیا ہے کہ مسیح ہرگز صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے۔ مسیحؑ کے کفن کا مسئلہ ایک ہزار سال تک زیر بحث رہا ہے ۴۳۸ء میں ملکہ Endoxi نے یہ کپڑا قسطنطنیہ بھیجا۔ اس سے قبل یہ کپڑا اصحاب الکہف کے پاس تھا۔ سات سو سال تک یہ قسطنطنیہ میں ہی رہا۔ آخر کار Delaroche نے حملہ کر کے یہ کپڑا چھین لیا۔ جب آگ لگی تو یہ کپڑا چاندی کے صندوق میں بند تھا۔ چاندی کے پگھلنے سے کچھ دھندلا سا ہو گیا۔ مگر مسیحؑ کے جسم کے دوسرے نشانات پھر بھی اس پر باقی رہے۔

اہل فرانس نے اس کپڑے کی نمائش سے خوب دولت کمائی۔ فرانس سے یہ کپڑا جورن (Jurin) منتقل کیا گیا۔ اور ہر ۳۳ سال کے بعد اس کی نمائش ہوتی رہی۔ ۱۸۹۸ء میں اٹلی کے ایک وکیل پیا (PIA) نے اس کپڑے کی تصویر لی جب تصویر کو ممتد (Develop) کرنے کے بعد سورج کی روشنی میں عکس منفی (Negative) کو دیکھا تو اسکی حیرت کی کوئی حد نہ رہی کیونکہ یہ بعینہٖ مسیح کی شبیہ تھی جب منفی (Negative) کو مثبت (Positive) میں تبدیل کیا گیا تو یہ وہی شخص تھا جس کی شکل ۱۹۰۰ سال سے کسی نے نہیں دیکھی تھی۔ ۱۹۳۱ء میں کپڑے کی دوبارہ نمائش ہوئی تو Enric Guisepe فوٹو گرافر نے ایک بہت بڑے پادری کی موجودگی میں ۶۰۰۰ اور ۲۰۰۰۰ والٹ بجلی کی روشنی کی مدد سے پھر تصویر لی۔ اس فوٹو نے ایک سنسنی خیز حقیقت کا انکشاف کیا اور یہ بات دوبارہ ثابت کر دی جو پیا (PIA) نے ظاہر کی تھی۔ فوٹو میں دی ہوئی تصویر بعینہٖ وہی ہے جو دو ہزار سال سے آج تک چرچ آرٹ مسیح کی شبیہ کے متعلق بیان کرتا آیا ہے۔ جب ایک انسان اس تصویر کو دیکھتا ہے جو کتاب **Kurt Berna Daslinner** مصنفہ **Hans - Naber Verlag** Stultgart میں ہے تو بہت آسانی سے چرچ کے رد عمل کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ پوپ (Puisxi) نے کہا۔ "یہ تصویر کسی انسانی ہاتھ نے نہیں بنائی" سائنسدان کہتے ہیں کہ تاریخ اور کپڑا تائید کرتے ہیں کہ یہ مسیح کا فوٹو ہے۔ کپڑے کے دھاگوں کی ساخت اور تانا بانا بتاتا ہے کہ یہ کپڑا ویسا ہی کپڑا ہے جو پومپی آئی میں پائے گئے تھے۔ کپڑے کے دوہرے نشانات ظاہر کرتے ہیں کہ کپڑے کا نصف حصہ مسیحؑ کے جسم پر لپیٹا گیا اور باقی نصف سر پر۔ پھر مسیحؑ کے جسم کی گرمی اور دوائی کے عمل نے جسم کے نشانات

کپڑے میں نقش کر دیئے - اور مسیحؑ کا تازہ خون کپڑے میں جذب ہو کر نشان بن گیا - کانٹوں کا تاج پہننے اور گدی پر جو نشانات آئے - مسیحؑ کا متورم دایاں کلہ - دائیں پہلو پر بھالے کا گہرا نشان کیل کے زخموں سے نکلے ہوئے خون کے نشان، کمر پر صلیب کی رگڑ کے نشان یہ سب چیزیں فوٹو میں دیکھی جا سکتی ہیں - مگر سب سے تعجب انگیز حقیقت یہ ہے کہ منفی فوٹو نے مسیح کی بند آنکھوں کو دو کھلی آنکھوں میں ظاہر کیا ہے - تصویر یہ بھی بتاتی ہے کہ کیل ہتھیلی میں نہیں بلکہ کلائی کے مضبوط جوڑوں میں لگائے گئے تھے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بھالے نے مسیحؑ کا دل ہرگز نہیں چھوا - بائبل کہتی ہے کہ مسیحؑ نے جان دیدی - مگر سائنسدان مصر ہیں کہ دل نے عمل کرنا بند نہیں کیا تھا - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک گھنٹہ تک مسیحؑ کے بیجان لٹکے رہنے سے خون خشک ہو کر ختم ہو جانا چاہیے تھا - اور اس صورت میں خون ہرگز کپڑے میں نہ آتا - مگر کپڑے کا خون جذب کرنا بتاتا ہے کہ مسیحؑ صلیب پر سے اتارے جانے کے وقت زندہ تھے"۔ (ترجمہ)

مسیح کے آسمان پر جانے کی انجیلی آیات الحاقی ثابت ہوئیں

مذہبی تعلیمات کی بین الاقوامی مسیحی سوسائٹی کی طرف سے بائبل پر نظر ثانی کی غرض سے ۱۹۲۹ء میں امریکہ میں اعلیٰ سطح کا ایک مستند ترین ادارہ قائم کیا گیا - جس میں دنیا کے تیس مسیحی فاضل محققین نے کام کیا - یہ محققین وسیع پیمانے پر ریسرچ کرنے اور برسوں کی محنت شاقہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے کے متعلق آیات الحاقی ہیں - جس پر یہ آیات انجیل کے متن سے خارج کر دی گئیں - بائبل کا یہ مستند نسخہ جو "Revised Standard Version" کے نام سے مشہور ہے نیویارک سے تھامسن نیلسن اینڈ سنز نے شائع کیا ہے - اس نئے ایڈیشن نے عیسائیت کے تمام حلقوں میں صف ماتم بچھادی ہے - چنانچہ پاکستان کے بعض مسیحی لیڈروں نے نہایت خوفزدہ ہو کر لکھا ہے کہ -

"مترجمین کے سامنے ایک ہی مقصد تھا کہ جہاں تک ہو سکے کلام مقدس میں سے وہ تمام آیات حذف کر دی جائیں جن سے خداوند یسوع مسیح کا تجسم 'الوہیت' کفارہ' مردوں میں سے زندہ ہونا' اور آسمان پر صعود فرمانا ثابت ہوتا ہے تاکہ خداوند یسوع مسیح کی دوبارہ آمد مشکوک ہو جائے اور خداوند کو وہی حیثیت حاصل رہے جو دوسرے انبیاء کو حاصل ہے - اور انہوں نے اس طرح خداوند مسیح کی الوہیت اور پاکیزگی اور فوق البشر ہونے کا انکار کیا ہے اور یہ ایک ایسی مذموم جسارت ہے کہ اس کی موجودگی میں مسیحیت کی ساری عمارت دھڑام سے گر جاتی ہے"۔ (ماہنامہ "کلام حق" گوجرانوالہ بابت اپریل ۱۹۷۸ء صفحہ ۷)

یہ تو حضرت مسیحؑ کے صلیب سے زندہ اتر آنے اور آسمان کی بجائے کسی دور کے سفر پر روانہ

ہونے سے متعلق جدید تحقیقات کا بیان ہے لیکن جہاں تک حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے ہندوستان میں آنے اور سرینگر محلہ خان یار میں مدفون ہونے کا تعلق ہے اس کے متعلق بعض اور قدیم ماخذ بھی حاصل ہوئے ہیں۔اور حضرت مسیح موعودؑ کا یہ انکشاف اب حقائق و شواہد کے میدان میں اس درجہ نکھر گیا ہے کہ اور تو اور وہ عیسائی محقق جو کبھی محلہ خانیار کی قبر کو "یار خاں کا چبوترہ" اور فرضی قرار دیتے تھے اب ۶۳ سال کی مسلسل کشمکش کے بعد اسے "مزار عیسٰی" تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔"وہ قبائل جو اب سرحد میں پائے جاتے ہیں ان کی پشت میں ایک مرتبہ مسیحی نور کی ضیاء پاشی ہوئی ہے۔اور محلہ خانیار میں جو مزار عیسٰی ہے اور عیسٰی خیل۔یہ مقدس توما کی اس مہم کا ہی صحیح نتیجہ ہو سکتے ہیں۔عیسٰی... ایسو کا مترادف و معرب لفظ ہے اور یہ نام اول عیسوی عام مستعمل تھا"۔[۲۲] موزانہ مذاہب کے مشہور ہسپانوی سکالر اے فیبر قیصر (A. Faber- Kaiser) قبر مسیحؑ کی تحقیق کے لئے خود کشمیر گئے اور انتہائی محنت و قابلیت سے قابل قدر تاریخی معلومات فراہم کر کے ایک ضخیم کتاب شائع کی جس کا نام ہی یہ رکھا کہ (Jesus Died In Kashmir) یسوع کشمیر میں فوت ہوئے۔(ناشر: Gordon Cremonesi لنڈن)

برطانوی سیاح کا انکشاف

ایک برطانوی سیاح میکائیل برک (Michael Burke) نے انکشاف کیا ہے کہ ہرات میں انہوں نے ایک قدیم عیسائی فرقہ دیکھا جن کا مذہبی لیڈر ربایحیٰ ہے۔اس فرقہ کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ صلیب سے زندہ اتر آئے اور ہجرت کر کے کشمیر تشریف لے گئے اسی لئے آپ عیسٰی بن مریم ناصری کشمیری کہلائے۔برطانوی سیاح لکھتا ہے:۔

THE FOLLOWERS OF JESUS

The followers of Isa, son of Maryam - Jesus the son of Mary, generally call themselves Moslems and inhabit a number of villages scattered throughout the Western area of Afghanistan whose centre is Herat. I had heard of them several times, but considered that they were probably people who had been converted by European missionaries from Eastern Persia, or else that they were a relic of the times When Herat had been a flourishing bishopric of the Nestorian rite, before the Arabs conquered Persia in the seventh and eight centuries.

But, form their own accounts and what I could observe, they seem to come from some much older source.

I found them through one of the deputies of the Mir of Gazarga, the descendant of Mohammad under whose protection they are. Gazarga is the shrine where Abdullah Ansar, a Sufi

mystic and great local saint, is buried in a magnificent tomb formerly much visited by the emperors of India and other notables.

There must be about a thousand of these Christians. Their chief is the Abba Yahiyya (Father John), who can recite the succession of teachers through nearly sixty generatons to Isa, son of Mary' of 'nazara, the Kashmiri.

According to these people, Jesus escaped from the Cross, was hidden by friends, was helped to flee to India, where he had been before during his youth, and settled in Kashmir, where he is revered as an ancient teacher, Yuz Asaf. It is from this period of the supposed life of Jesus that these people claim to have got their message.

(AMONG THE DERVISHES

P: 107

An account of travels in Asia and Africa, and four years studying the Dervishes, Sufis and Fakirs, by living among them.

THE OCTAGON PRESS LONDON

(طبع سوم)(3RD EDITION 1984)

یسوع کے پیرو کار

(ترجمہ) (حضرت) عیسیٰ بن مریم کے پیرو عموماً اپنے تئیں مسلمان کہتے ہیں اور افغانستان کے غربی علاقے میں پھیلی ہوئی ان متعدد بستیوں میں آباد ہیں جن کا مرکز ہرات ہے۔ میں نے ان کی نسبت کئی بار سنا تھا لیکن میں سمجھتا تھا کہ شاید یہ شرقی ایران کے وہ لوگ ہیں جنہیں یورپی مشنریوں نے عیسائی بنا لیا تھا یا وہ اس زمانے کی یادگار ہیں جب ساتویں آٹھویں صدی عیسوی میں 'ایران پر عربوں کے تسلط سے قبل ہرات نسطوری سلطنت کا حصہ ہوا کرتا تھا۔

لیکن ان کے اپنے بیان کے مطابق بلکہ میں خود بھی یہی سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ کسی اور زیادہ قدیم قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔

مجھے ان کا علم میر آف گزر گاکے ایک کارندے کے ذریعہ ہوا۔ میر (حضرت) محمدؐ کی اولاد میں سے ہے اور یہ لوگ اسی کی زیر حفاظت رہتے ہیں۔

گزر گا ایک خانقاہ ہے جہاں ایک مقامی صوفی بزرگ (حضرت) عبداللہ انصار کا نہایت شاندار مزار واقع ہے اور جو ہندوستان کے کئی بادشاہوں اور معززین کی زیارت گاہ رہا ہے۔ ان عیسائیوں کی تعداد ضرور ایک ہزار تک ہوگی۔ ان کے سردار کا نام ابا یحییٰ ہے جو عیسیٰ بن مریم ناصری کشمیری تک اپنے رہبروں کی گزشتہ ۶۰ پشتوں تک کے نام گنوا سکتا ہے۔

ان لوگوں کے نزدیک (حضرت) یسوع مسیح صلیب سے زندہ اتر آئے تھے اور اپنے حواریوں کی مدد سے پوشیدہ طور پر ہندوستان کی طرف ہجرت کر گئے۔ ان دنوں آپ جوان ہی تھے۔ آپ کشمیر میں ہی آباد ہو گئے جہاں انہیں یوز آصف کے نام سے ایک قدیم بزرگ شخصیت کے طور پر نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ انہیں (حضرت) یسوع مسیح کی مفروضہ زندگی کے اسی دور میں ان کا پیغام پہنچا تھا۔

مسلم محققین کا اعتراف حق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس انکشاف کی تائید میں اب خصوصاً ممالک عربیہ سے پر زور آواز اٹھنے لگی ہے۔ چنانچہ عرصہ ہوا مصر کی مشہور علمی شخصیت اور مفتی مصر محمد عبدہ کے خاص شاگرد علامہ رشید رضا (۱۸۶۵ - ۱۹۳۵ء) مدیر المنار نے لکھا کہ "فَفِرَارُہٗ اِلَی الْھِنْدِ وَ مَوْتُہٗ فِیْ ذَالِکَ الْبَلَدِ لَیْسَ بِبَعِیْدٍ عَقْلًا وَّ نَقْلًا"۔ [۱۲۳] حضرت مسیح علیہ السلام کا ہندوستان میں ہجرت کر کے (شہر سرینگر) میں وفات پانا عقل و نقل سے بعید نہیں ہے۔ مصر کے ایک نامور عالم ادیب محمود عباس عقاد نے اپنی کتاب "حیات المسیح و کشوف العصر الحدیث" میں قبر مسیح کے متعلق یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ انکشاف ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ایک اور عالم ڈاکٹر احمد زکی ابو شادی نے چند سال ہوئے ارجنٹائن کے کثیر الاشاعت ماہوار عربی رسالہ "المواہب" (ماہ مارچ ۱۹۵۵ء) میں ایک تحقیقی مقالہ لکھا جس میں واضح رنگ میں اعتراف کیا کہ "اسلام کے نزدیک خدا تعالیٰ کی ہستی ہر جگہ موجود ہے وہ آسمان و زمین کا نور ہے لہذا رفع الی اللہ کی عبارت ہرگز کوئی مادی معنی نہیں رکھتی۔ جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے بلکہ رفع کے معنے اپنی حفاظت میں لینے کے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو دشمنوں کے شر سے نجات دی۔ آپ کے شاگردوں نے رات کے وقت آپ کو لحد سے نکال لیا اور آپ کا خفیہ طور پر علاج کیا گیا۔ جب آپ صحت یاب ہو گئے تو مشرقی ممالک کے سفر پر روانہ ہوئے۔ جہاں بلند ترین انسانی اغراض و مقاصد کی تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دے دی"۔ (ترجمہ) [۱۲۴]

عرصہ ہوا غزہ فلسطین کے بہت بڑے عالم الشیخ عبداللہ التیشادی نے ڈنمارک کے پادری الفریڈ نیلسن سے اس موضوع پر تحریری مباحثہ کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب سے زندہ اتارے گئے اور اپنی طبعی موت سے فوت ہوئے یہ مباحثہ فریقین کے اخراجات سے ۱۹۳۹ء میں شائع کر دیا گیا۔ [۱۲۵]

”نور القرآن“ حصہ اول و دوم کی تصنیف و اشاعت

”نور القرآن“ کا پہلا حصہ ۱۵۔ جون ۱۸۹۵ء کو اور دوسرا حصہ ۲۰۔ دسمبر ۱۸۹۵ء کو شائع ہوا۔ یہ تالیف عیسائیت کے خلاف ایک علمی اسلحہ خانہ ہے اور قرآن مجید کی سچائی کے لئے ایک روشن مینار۔

”نور القرآن“ حصہ اول میں حضور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ضرورت زمانہ کی شہادت پیش کرتے ہوئے انتہائی خوبی اور جامعیت سے ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں دنیا میں بھیجے گئے جب دنیا زبان حال سے ایک عظیم الشان مصلح کا تقاضا کرتی تھی اس دعویٰ کے ثبوت میں حضور نے نہ صرف چھٹی صدی عیسوی کی مسیحی دنیا کی اخلاقی اور عملی حالت کا نقشہ فنڈل‘ ڈیون پورٹ‘ پادری باس ورتھ‘ پادری بٹلر اور جاہلیت کے عیسائی شاعر اخطل کے قلم سے کھینچا۔ بلکہ اس برطانوی حکومت کے پایہ تخت لنڈن کے موجودہ اخلاقی ماحول کے متعلق بھی کوئی لگی لپٹی بات نہیں رہنے دی۔

نور القرآن حصہ دوم

پادری فتح مسیح نے فتح گڑھ (ضلع گورداسپور) سے حضرت اقدسؑ کو دو خط لکھے جن میں اس بد باطن نے رسول کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو گالیاں دیتے ہوئے امام الطیبین و سید المعصومین پر معاذ اللہ زنا تک کی شرمناک تہمت لگائی۔ ان دشنام آلود خطوط کے جواب میں حضور نے ”نور القرآن“ (حصہ دوم) لکھا پادری لوگ چونکہ ایک عرصہ سے رسول خدا ﷺ کی ناموس و حرمت پر بے دریغ حملے کر رہے تھے اس لئے حضرت مسیح موعودؑ نے بالخصوص نور القرآن حصہ دوم کی تالیف سے ان کی گستاخیوں اور بد زبانیوں کی روک تھام کرنے کے لئے الزامی رنگ کے جوابات کی ضرورت محسوس کی اور انجیل کے بیان کردہ ”یسوع مسیح“ کا فوٹو پیش کرنا شروع کر دیا۔ علم کلام کا یہی الزامی طریق تھا۔ جسے حضرت اقدسؑ نے اپنے آقا کی توہین کو برداشت نہ کرتے ہوئے اپنے لٹریچر میں جابجا استعمال فرمایا۔ [۱۸۱]

پادری فتح مسیح نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آج ایسا شخص جیسے آنحضرت ﷺ تھے گورنمنٹ انگریزی کے زمانہ میں ہوتا تو گورنمنٹ اس سے کیا سلوک کرتی؟ حضرت اقدسؑ نے اس سوال کا جو پرشوکت جواب دیا۔ وہ تاریخ میں ہمیشہ آب زر سے لکھا جائے گا۔ حضور نے لکھا۔ ”اگر وہ سید الکونین اس گورنمنٹ کے زمانہ میں ہوتے تو یہ سعادت مند گورنمنٹ ان کی کفش برداری اپنا فخر سمجھتی جیسا کہ قیصر روم صرف تصویر دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا“۔ [۱۸۲]

بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلمان ہونے کا انکشاف

سفر ڈیرہ نانک "ست بچن" اور "آریہ دھرم" کی تصنیف و اشاعت

حضرت اقدس علیہ السلام نے اس سال تیسرا انکشاف یہ فرمایا کہ بابا نانکؒ جو سکھ مذہب کے پہلے گورو تسلیم کئے جاتے ہیں ایک مسلمان ولی اور بزرگ انسان تھے۔

خدا کی طرف سے کشف

اس عظیم الشان انکشاف کی بنیاد دراصل ایک کشف پر تھی۔ جو حضور نے قریباً ۱۸۷۸ء میں دیکھا تھا۔ اس کشف میں آپ نے حضرت بابا نانکؒ کو ایک مسلمان کی شکل میں دیکھا اور آپ کو بتایا گیا کہ بابا نانکؒ نے بھی آپ کی طرح اسلام ہی کے چشمہ صافی سے پانی پیا ہے۔ حضرت اقدسؑ نے یہ کشف اسی وقت متعدد ہندوؤں کو سنا دیا۔ حضور کو یقین تھا کہ اس کشف کی واقعات سے بہرحال تصدیق ہو جائے گی۔ [۱۲۸] چنانچہ ایک مدت کے بعد یکایک حق سے اس کا سامان پیدا ہو گیا۔ یعنی حضرت اقدسؑ کو معلوم ہوا کہ ڈیرہ بابا نانک ضلع گورداسپور کے گوردروارہ میں بابا نانک صاحب کا ایک چولہ ایک مقدس یادگار کے طور پر محفوظ ہے۔ جس کے متعلق سکھ اصحاب اپنی مذہبی روایات کی بناء پر بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں کہ یہ چولہ صاحب آسمان سے بابا صاحب کے لئے اترا تھا اور قدرت کے ہاتھ سے تیار ہوا تھا اور قدرت کے ہاتھ ہی سے بابا صاحب کو پہنایا گیا تھا۔ حضرت اقدس کو جب یہ بات پہنچی آپ نے مفصل تحقیقات کے لئے اپنے چار خدام یعنی مرزا یعقوب بیگ کلانوری۔ منشی تاج الدین صاحب اکونٹنٹ دفتر ریلوے لاہور خواجہ کمال الدین صاحب۔بی۔اے اور میاں عبدالرحمٰن صاحب لاہوری کو ڈیرہ نانک بھیجا۔ جنہوں نے ڈیرہ نانک میں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سچ مچ وہاں کابلی مل کی اولاد کی تحویل میں ایک چولہ موجود ہے جس پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے اور ایسا ہی کئی اور آیات بھی۔ وفد نے واپس آکر حضرت اقدس کی خدمت میں اپنی مفصل رپورٹ پیش کی۔ حضور نے رپورٹ پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے اسے بچشم خود ملاحظہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ تحقیق سماعی نہ رہے۔ بلکہ عینی شہادت کا رنگ پکڑ لے۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ استخارہ مسنونہ کے بعد ۳۰۔ ستمبر ۱۸۹۵ء بروز پیر صبح سویرے بٹالہ کی طرف روانہ ہوئے اس سفر میں حضور کے ساتھ آپ کے یہ دس خدام تھے (۱) حضرت مولانا حکیم نور الدین صاحب (۲) حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی (۳) مولانا سید محمد احسن صاحب امروہوی (۴) شیخ رحمت اللہ صاحب گجراتی (۵) منشی غلام قادر صاحب فصیح سیالکوٹی (۶) حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب کلانوری (۷) حضرت شیخ

عبدالرحیم صاحب نو مسلم (۸) حضرت میر ناصر نواب صاحب دہلوی (۹) حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب (۱۰) حضرت شیخ حامد علی صاحب تھہ غلام نبی۔

یہ سفر یکوں پر ہوا۔ حضرت اقدسؑ اور میر محمد اسمٰعیل صاحب ایک یکے میں سوار ہوئے اور باقی خدام دوسرے یکوں میں۔ حضور قریباً دس بجے ڈیرہ بابا نانک پہنچے اور وہاں ایک بڑ کے نیچے آرام کیا۔ ۲۸ قریباً گیارہ بجے ایک مخلص کی نہایت درجہ کی کوشش اور سعی سے چولہ صاحب دیکھنے کا ایسا زریں موقعہ ملا کہ اس جگہ کے لوگوں نے بیان کیا کہ جہاں تک ہمیں یاد ہے۔ ایسا موقعہ آج تک کسی کو نہیں ملا۔ یعنی چولہ صاحب کی تمام تحریرات پر آپ کو اطلاع ہو گئی۔ اور آپ کے لئے وہ بہت ہی اچھی طرح کھولا گیا۔ چولہ صاحب پر تین سو کے قریب یا کچھ زیادہ رومال لپٹے ہوئے تھے اور بعض ان میں سے بہت نفیس اور قیمتی تھے جب حضرت اقدس جا کر بیٹھے تو ایک گھنٹہ تک تو یہ رومال ہی اترتے رہے پھر وہ کپڑا نمودار ہوا جو چولہ صاحب کے نام سے موسوم ہے۔ درحقیقت یہ نہایت مبارک کپڑا ہے جس میں زری کے کام کی بجائے آیات قرآنی لکھی ہوئی ہیں یہ کپڑا دکھلانے والوں کو کچھ شرم سی دامنگیر ہوتی جاتی تھی اور وہ حتی المقدور نہیں چاہتے تھے کہ اصل حقیقت سے لوگ اطلاع پائیں۔ کیونکہ جو عقیدہ باوا صاحب نے اس کپڑے یعنی چولہ صاحب کی تحریروں میں ظاہر کیا ہے وہ ہندو مذہب کے بالکل مخالف ہے اور اسی وجہ سے جو لوگ چولہ صاحب کی زیارت کراتے ہیں وہ بڑی احتیاط کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی اصل بھید کی بات دیکھنا چاہے تو ان کا دل پکڑا جاتا ہے۔ مگر چونکہ ناخواندہ محض ہیں اس لئے کچھ طمع دینے سے دکھلا دیتے ہیں۔

کہاں ہیں جو بھرتے ہیں الفت کا دم اطاعت سے سر کو بنا کر قدم
ادھر آئیں دیکھیں یہ تصویر ہے یہی پاک چولہ جہانگیر ہے

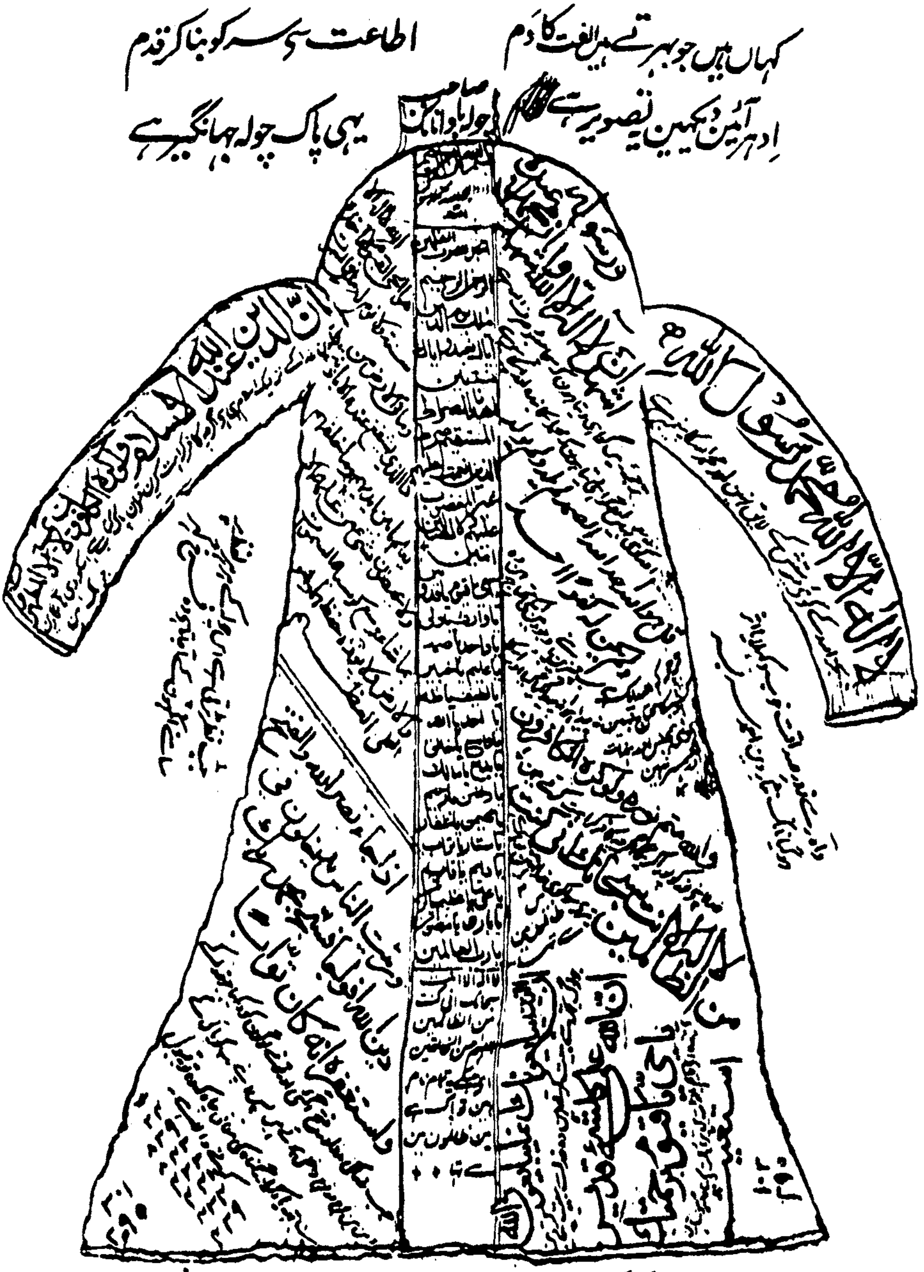

دیکھو اپنے دیں کو کس کس صدق سے دکھلا گیا ٭ وہ بہادر جو نہ رکھتا تھا کسی دشمن سے ڈر

چنانچہ حضور نے جب چولہ دیکھنا چاہا تو اول تو انہوں نے صرف لپٹا ہوا کپڑا دکھایا مگر کچھ تھوڑا سا کنارہ اندر کی طرف کا نمودار ہوا جس کے حرف مٹے ہوئے تھے اور پشت پر ایک اور باریک کپڑا چڑھا ہوا تھا۔ اور اس کی نسبت بیان کیا گیا کہ یہ وہ کپڑا ہے کہ جس کو گورو ارجن صاحب کی بیوی نے اپنے ہاتھ سے سوت کات کر اور پھر بنوا کر اس پر لگایا تھا۔ اور بیان کرنے والا ایک بڈھا بیدی بابا صاحب کی اولاد میں سے تھا جو چولہ دکھلا رہا تھا اس نے یہ بھی کہا کہ جو کچھ اس پر لکھا ہوا ہے وہ انسان کا لکھا ہوا نہیں بلکہ قدرت کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے تب حضور نے بہت اصرار سے کہا کہ وہ قدرتی حروف ہم بھی دیکھنا چاہتے ہیں جو خاص پر میشر کے ہاتھ کے ہیں اور اسی لئے ہم دور سے آئے ہیں تو پھر اس نے تھوڑا سا پردہ اٹھایا جس پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہوا تھا اور پھر اس بڈھے نے چاہا کہ کپڑا بند کرے مگر پھر اس سے زیادہ اصرار کیا گیا اور ہر یک اصرار کرنے والا ایک معزز آدمی تھا اور اس وقت غالباً بیس کے قریب آدمی ہوں گے۔ اور بعض اسی شہر کے معزز تھے جو حضور کو ملنے آئے تھے تب اس بڈھے نے ذرا سا پردہ اٹھایا تو ایک گوشہ نکلا جہاں موٹے قلم سے بہت جلی اور خوشخط لکھا ہوا تھا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پھر اس بڈھے نے دوبارہ بند کرنا چاہا مگر فی الفور شیخ رحمت اللہ صاحب نے تین روپے اس کے ہاتھ پر کر رکھ دیئے۔ جن میں سے دو روپے ان کے اور ایک روپیہ مولانا محمد احسن صاحب کی طرف سے تھا۔ اور شیخ صاحب اس سے پہلے بھی چار روپے دے چکے تھے تب اس بڈھے نے ذرا سا پردہ اور اٹھایا ایک دفعہ سب کی نظر ایک کنارے پر جا پڑی۔ جہاں لکھا ہوا تھا۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ یعنی سچا دین اسلام ہی ہے اور کوئی نہیں۔ پھر اس بڈھے میں کچھ قبض خاطر پیدا ہو گئی۔ تب پھر شیخ صاحب نے فی الفور دو روپیہ مولانا حکیم نور الدین صاحب کی طرف سے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ اور پھر اس کے خوش کرنے کے لئے شیخ صاحب نے چار روپیہ اور اپنی طرف سے بھی دے دیئے اور ایک روپیہ ایک اور مخلص دوست کی طرف سے دیا۔ تب یہ سب روپے پاکر وہ بڈھا خوش ہو گیا اور سب احباب چولہ صاحب بے تکلف دیکھنے لگے۔ یہاں تک کہ کئی پردے اپنے ہاتھ سے بھی اٹھا دیئے۔ دیکھتے دیکھتے ایک جگہ یہ لکھا ہوا نکل آیا۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ. پھر شیخ صاحب نے اتفاقاً دیکھا کہ چولہ کے اندر کچھ گرد و غبار سا پڑا ہے۔ تب انہوں نے بڈھے کو کہا کہ چولہ اس گرد سے صاف کرنا چاہئے لاؤ ہم ہی صاف کر دیتے ہیں یہ کہہ کر باقی تہیں بھی اٹھا دیں اور ثابت ہو گیا کہ تمام جگہ قرآن ہی لکھا ہوا ہے اور کچھ نہیں۔ کسی جگہ سورہ فاتحہ لکھی ہوئی ہے۔ اور کسی جگہ سورہ اخلاص اور کسی جگہ قرآن شریف کی یہ تعریف تھی کہ قرآن خدا کا پاک کلام ہے اسے ناپاک ہاتھ نہ لگائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسلام کے لئے باباصاحب کا ایسا سینہ

کھول دیا تھا کہ وہ اللہ اور رسولؐ کے عاشق زار ہو گئے تھے۔ [20]

چولہ صاحب جس کمرہ میں تھا وہ زائرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ درمیان میں ایک بھاری گٹھری پڑی تھی جو قریباً گز بھر اونچی ہو گی۔ چولہ صاحب اس کے اندر تھا۔ جب بہت سے رومال کھل چکے تو چند سکھ جو اس وقت وہاں موجود تھے احترام و عقیدت سے سرنگوں ہو گئے اور چولہ صاحب پر نظر پڑتے ہی سجدے میں جا پڑے۔ [21]

"ست بچن" کی تصنیف و اشاعت

الغرض، باوا نانک" کا تاریخی چولہ اور ان کے مسلمان ہونے کی زندہ شہادت بچشم خود ملاحظہ فرمانے کے بعد حضرت اقدسؑ قادیان واپس تشریف لائے اور سکھوں پر اتمام حجت کی غرض سے "ست بچن" تصنیف فرمائی جو نومبر ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی۔ اس بے نظیر تصنیف میں آپ نے اپنے سفر ڈیرہ باوا نانک کا بڑی تفصیل سے تذکرہ کرتے ہوئے حضرت باوا نانک" کے مسلمان ہونے پر زبردست دلائل دیئے۔ جن میں سب سے زیادہ اہمیت چولہ صاحب ایسی عظیم الشان یادگار کو حاصل تھی۔ حضرت باوا نانک" کے اسلام پر یہ واضح تاریخی شہادتیں بھی پیش فرمائیں کہ انہوں نے برکت و روحانیت کے حصول کے لئے اسلام کے مشہور صلحاء و اکابر مثلاً حضرت شاہ عبدالشکور رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شیخ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ (۱۱۳۸ء-۱۲۳۵ء) اور حضرت فرید الدین باوا شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ (۱۱۷۳-۱۲۶۵) کے مزاروں پر چلہ کشی کی اور پھر مکہ معظمہ میں فریضہ حج بجالائے اور پھر مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور فارغ ہو کر ملتان میں چالیس روز تک اپنے مرشد حضرت شمس الدین محمد تبریزی رحمتہ اللہ علیہ (۱۰۷۸-۱۱۶۱) کے روضہ مبارک میں بھی خلوت نشین ہوئے۔

حضور علیہ السلام نے ان واضح تاریخی شہادتوں کے علاوہ سکھوں کی مذہبی کتابوں گورو گرنتھ صاحب اور جنم ساکھی کی اندرونی گواہیوں سے بھی باوا نانک" کے مسلمان ولی ہونے کی زبردست تحقیق پایہ ثبوت تک پہنچا دی۔

"ست بچن" کا ردعمل سکھ قوم کی طرف سے

"ست بچن" جیسی انقلاب انگیز کتاب کا پبلک میں آنا تھا کہ ملک میں ہل چل مچ گئی۔ انفرادی لحاظ سے تو اس معرکتہ الاراء تحقیق کا اثر سکھوں پر بڑا خوشگوار ہوا۔ چنانچہ "ست بچن" کے اکثر نسخے سکھوں ہی نے خریدے۔ [22] اور متعدد اس کا مطالعہ کر کے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ [23] مگر قومی اعتبار سے اس کا ردعمل بڑا ہی افسوسناک تھا۔ سکھ ودوانوں کو سب سے زیادہ تشویش چولہ صاحب کے سنسنی خیز انکشاف سے پیدا ہوئی جس کے ازالہ کے لئے وہ پنڈت لیکھرام کی

طرف دوڑے۔ مگر وہ ایک ناقابل تردید حقیقت کا جواب کیا لکھتا۔ ناچار اس نے اپنی بے بسی کا ثبوت دیتے ہوئے "جواب" کے لئے اولین شرط یہ لگائی کہ پہلے چولہ صاحب کو نذر آتش کر دیا جائے۔ چنانچہ پنڈت لیکھرام کی سوانح میں لکھا ہے کہ (پنڈت لیکھرام) نے ذکر اذکار کرتے ہوئے کہا کہ مرزا قادیانی نے اس چولہ کی جو گرو نانک مکہ سے ہمراہ لائے تھے کچھ روپے مہنت کو دے کر اس پر عربی آیات وغیرہ کی نقل کر لی ہے۔ اب مرزا صاحب گورو نانک جی کو مسلمان قرار دے رہے ہیں۔ معزز سکھوں نے کہا تھا کہ آپ اس کا جواب تحریر کریں تو میں نے ان سے یہ شرط پیش کی تھی کہ آپ مہنت مذکور سے چولہ لے کر میرے حوالہ کریں۔ میں جلسہ کر کے روبروئے عام لوگوں کے اس کو ماچس لگا کر جلاؤں گا۔ بعد اس کے جواب لکھوں گا۔ انہوں نے مہنت سے چولہ لینے کی معذوری ظاہر کی۔ اور میں نے خاموشی اختیار کی"۔ [24] سکھ اصحاب پنڈت لیکھرام سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے چولہ صاحب سے متعلق نئی نئی روایات اختراع کرنا شروع کر دیں۔ اور پھر لاجواب ہو کر جنم ساکھی کے نئے ایڈیشن میں جو سمت ۴۲۸ نانک شاہی میں شائع ہوا چولہ صاحب سے متعلق لکھ دیا۔ کہ "وہ چولہ آسمان پر اڑ گیا۔ پھر کبھی نہ آیا"۔ [25] اس کھلی تحریف کے علاوہ ۱۸۹۶ء یعنی اگلے سال جو جنم ساکھی شائع ہوئی اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیش کردہ متعدد اقتباسات کو اپنے مطلب کے مطابق تبدیل کر دیا گیا۔ تحریف کا یہ دروازہ کھلنا ہی تھا کہ چند برسوں کے اندر اندر سکھ لٹریچر کا ایسا حلیہ بگڑا کہ سکھ ودوان پکار اٹھے کہ "روزانہ نئی نئی بناوٹیں بنا کر سکھ تاریخ میں ناخوشگوار اور عجیب و غریب تبدیلیاں کی جا رہی ہیں سکھ تاریخ کو حسب پسند سانچا میں (جس کا سچائی سے بالکل کوئی واسطہ ہی نہیں) ڈھالا جا رہا ہے"۔ [26] اس ذرتی تحریف کا نتیجہ بالآخر یہ رونما ہوا کہ بعض سکھ اصحاب نے سرے سے جنم ساکھی بھائی بالا ہی کو جو سکھ مذہب میں قدیم سے مستند اور مقدس کتاب تسلیم کی جاتی تھی۔ فرضی اور جعلی قرار دے دیا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام کی بے مثال فتح تھی۔ [27]

"آریہ دھرم" کی تصنیف و اشاعت

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے "ست بچن" کے ساتھ ایک ہی جلد میں ایک کتاب "آریہ دھرم" بھی شائع فرمائی۔ [28] اس کی وجہ تصنیف یہ ہوئی کہ قادیان کے آریہ سماجیوں نے پادری فتح مسیح کی طرح اسلام اور رسول خدا ﷺ پر نہایت گندے الزامات لگائے اور انہیں ایک اشتہار کی شکل میں شائع کیا جس کے جواب میں حضرت اقدسؑ نے قلم اٹھایا۔ اور ان کے مذہب کی قلعی کھولنے کے علاوہ اسلامی نظام اخلاق و تمدن کی فضیلت روز روشن کی طرح ثابت کر دکھائی۔

"مجدد اعظم" جلد اول صفحہ ۱۴۱ ۱۴۴ میں "آریہ دھرم" کے حالات کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ حضرت اقدسؑ نے ایک اشتہار کے ذریعہ سے گورنمنٹ کو توجہ دلائی کہ "اگر گورنمنٹ کسی اور طریق سے اپنے گورہ سپاہیوں کی اخلاقی حالت درست نہیں رکھ سکتی اور انہیں زنا سے روک نہیں سکتی تو پھر چاہیے کہ ولایت سے یورپین کسبیاں لاکر چھاؤنیوں میں رکھے۔ ہماری دیسی عورتوں کو گوروں کی شہوت رانیوں کے لئے استعمال نہ کیا جائے"۔ یہ امر غلط فہمی پر مبنی ہے۔ حق یہ ہے کہ حضرت اقدسؑ نے خود ایسا کوئی اشتہار کبھی شائع نہیں فرمایا۔ اور حضورؑ نے کتاب "آریہ دھرم" کے آخری صفحات میں "قانون دکھائی" کے عنوان سے جو مضمون درج فرمایا ہے وہ حضورؑ کا نہیں بلکہ "اخبار عام" (۹- نومبر ۱۸۹۵ء) کا اقتباس ہے۔

ناموس مصطفویؐ کے دفاع اور مذہبی مباحثات کے لئے آئینی تحریک اور مسلمانان ہند کی طرف سے پر زور تائید

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات پر ملک میں چاروں طرف جو حملے ہو رہے تھے حضرت مسیح موعودؑ ان کے دفاع کے لئے اب تک پوری قوت سے علمی جنگ لڑ رہے تھے اور ملک میں جہاں بھی کوئی شخص سید المعصومین امام المتقین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے خلاف بدزبانی کرتا آپ کا قلم فوراً حرکت میں آجاتا۔ لیکن ۱۸۹۵ء کے آخر میں آپ کے اس دفاع نے ایک نئی شکل اختیار کرلی۔ یعنی آپ نے مذہبی مناظرات کی اصلاح کے لئے وائسرائے ہند سے درخواست کرتے ہوئے (۲۲- ستمبر ۱۸۹۵ء کو بذریعہ اشتہار) یہ آئینی تحریک اٹھائی کہ حکومت تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۸ [۵۹] میں توسیع کرتے ہوئے یہ قانون پاس کرے کہ آئندہ مذہبی مباحثات میں ہر فرقہ پابند ہوگا کہ۔

(اول):- وہ ایسا اعتراض کسی دوسرے فرقہ پر نہ کرے جو خود اس کی الہامی کتاب یا پیشوا پر وارد ہوتا ہو۔

(دوم):- دوسرے فرقہ کی صرف انہی کتابوں پر اعتراض کرے جو اس کے نزدیک مسلم ہوں۔ [۶۰]

مخالفین اسلام کے نام کھلا نوٹس

اس تحریک کے ساتھ ہی آپ نے مخالفین اسلام کو بھی نوٹس دیا کہ ہماری معتبر کتابوں میں اول قرآن شریف

ہے مگر یاد رہے کہ کسی قرآنی آیت کے معنے ہمارے نزدیک وہی معتبر اور صحیح ہیں جن پر قرآن کے دوسرے مقامات بھی شہادت دیتے ہوں- کیونکہ قرآن کی بعض آیات بعض کی تفسیر ہیں اور نیز قرآن کے کامل اور یقینی معنوں کے لئے اگر وہ یقینی مرتبہ قرآن کے دوسرے مقامات سے میسر نہ آسکے یہ بھی شرط ہے کہ کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل بھی اس کی مفسر ہو- غرض ہمارے مذہب میں تفسیر بالرائے ہرگز جائز نہیں- پس ہر ایک معترض پر لازم ہو گا- کہ کسی اعتراض کے وقت اس طریق سے باہر نہ جائے-

دوم :- دوسری کتابوں میں جو ہماری مسلم کتابیں ہیں اول درجہ صحیح بخاری ہے جسکی وہ تمام احادیث ہمارے لئے قابل حجت ہیں جو قرآن شریف سے مخالف نہیں اور انہیں میں سے دوسری کتاب صحیح مسلم ہے اور اس کو ہم اس شرط سے مانتے ہیں- کہ قرآن اور صحیح بخاری سے مخالف نہ ہو- اور تیسرے درجہ پر صحیح ترمذی- ابن ماجہ- موطا- نسائی- ابوداؤد- دار قطنی کتب حدیث ہیں جن کی حدیثوں کو ہم اس شرط سے مانتے ہیں کہ قرآن اور صحیحین سے مخالف نہ ہوں- یہ کتابیں ہمارے دین کی کتابیں ہیں- اور یہ شرائط ہیں جن کی رو سے ہمارا عمل ہے- اب ہم قانونی طور پر آپ لوگوں کو ایسے اعتراضوں سے روکتے ہیں- جو خود آپ کی کتابوں اور آپ کے مذہب پر وارد ہوتے ہیں............ اور اگر آپ لوگ اب بھی یعنی اس نوٹس کے جاری ہونے کے بعد بھی اپنی خیانت پیشہ طبیعت اور عادت سے باز نہیں آئیں گے تو دیکھو ہم آپ کو ہلا ہلا کر متنبہ کرتے ہیں کہ اب یہ حرکت آپ کی صحت نیت کے خلاف سمجھی جائے گی اور محض دلازاری اور توہین کی مد میں متصور ہو گی اور اس صورت میں ہمیں استحقاق ہو گا کہ عدالت سے اس افتراء اور توہین اور دلازاری کی چارہ جوئی کریں- [٦٠]

برصغیر ہندوپاکستان موجودہ زمانے میں بھی مذاہب عالم کی جولان گاہ ہے مگر اس زمانے میں تو خاص طور پر یہاں ایک زبردست رسہ کشی جاری تھی جس میں اسلام کی مخالف سبھی طاقتیں متحد تھیں اور مسلمان بالکل بے دست وپا تھے- اور کسی ایسی آواز کے منتظر تھے جو انہیں ناموس مصطفیٰ اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے متحد کر دے- چنانچہ جونہی حضرت اقدس کی طرف سے یہ آئینی تحریک شروع ہوئی- ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک بسنے والے ہر خیال کے مسلمانوں نے آپ کی پرزور تائید کی اور مختصر وقت میں بڑی گرمجوشی سے درخواست پر ہزاروں دستخط ہو گئے- دستخط کرنے والوں میں ملک کے نامی گرامی علماء' سرکاری افسر' وکلاء' تجار وغیرہ ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے- [٦٢] برطانوی ہند کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ تھا- جب کہ مسلمان اختلاف مسلک کے باوجود ایک قومی مسئلہ پر مجتمع ہوئے اور اتحاد کا انتہائی خوشکن نظارہ دیکھنے میں آیا-

نواب محسن الملک کا مکتوب

اس موقعہ پر نواب محسن الملک سید مہدی علی خاں۔ [63] (۱۸۳۷-۱۹۰۷ء) نے حضور کی اسلامی خدمات سراہتے ہوئے ۲۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء کو بمبئی سے مندرجہ ذیل مکتوب لکھا۔ "جناب مولانا و مخدومنا دامت برکاتہم! بعد سلام مسنون عرض یہ ہے کہ آپ کا چھپا ہوا خط مع مسودہ درخواست کے پہنچا۔ میں نے اسے غور سے پڑھا اور اس کے تمام مالہ و ماعلیہ پر خیال کیا۔ درحقیقت دینی مباحثات و مناظرات [64] (میں) جو دل شکن اور جیسی دردانگیز باتیں لکھی اور کہی جاتی ہیں وہ دل کو نہایت بے چین کرتی ہیں۔ اور اسے ہر شخص کو جسے ذرا بھی اسلام کا خیال ہو گا۔ روحانی تکلیف پہنچتی ہے۔ خدا آپ کو اجر دے کہ آپ نے دلی جوش سے مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہا ہے۔ یہ کام بھی آپ کا منجملہ اور بہت سے کاموں کے ہے۔ جو آپ مسلمانوں کے بلکہ اسلام کے لئے کرتے ہیں۔ یہ تجویز جو آپ فرماتے ہیں گورنمنٹ سے منظور ہو جاوے تو اس میں شبہ نہیں کہ وہ مہلک بیماری جو وبا کی طرح پھیل رہی ہے اور جس سے ایک مذہبی آدمی کو بہت تکلیف پہنچتی ہے جاتی رہے۔ لیکن بلحاظ اصول سیاست گورنمنٹ کے مجھے امید نہیں کہ گورنمنٹ ایسا قانون جاری کرنا پسند کرے۔ اور ان دو شرطوں کو جن کا آپ نے مشروط ہونا تجویز فرمایا ہے۔ برٹش گورنمنٹ قانون کے پیرایہ میں ظاہر کر سکے۔ یہ صرف میری ہی رائے نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص جس کو گورنمنٹ کے قانون بنانے کے اصول سے واقفیت ہے یہی خیال رکھتا ہے۔ اور جب کہ گورنمنٹ سے اس کی منظوری کی امید نہیں ہے۔ تو درخواست سے کیا فائدہ۔ اگر یہ خیال نہ ہوتا تو میں حضرت کے بھیجے ہوئے کاغذ پر دستخط کر کے فوراً واپس کرتا۔ مجھے امید ہے کہ اس معاملہ میں جو کچھ آپ کا خیال ہو گا اس سے وقتاً فوقتاً آپ مجھے مطلع فرمائیں گے۔ آپ یقین رکھیے کہ میں ایسے کاموں میں جن سے اسلام پر جو حملے ہوتے ہیں وہ رو کے جائیں اور مسلمان کو جو تکلیف پہنچائی جاتی ہے اس میں تخفیف ہو دل و جان سے مدد کرنے کے لئے موجود ہوں۔ فقط زیادہ نیاز و بس۔ آپ کا خادم محسن الملک"۔ [65]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی غیر اسلامی روش

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تنہا وہ انسان تھے جنہوں نے مخالفت کا برملا اور تحریری اظہار کیا اور بجائے تائید کرنے یا کم از کم خاموش رہنے کے "دجال کادیانی کی نئی چال" کے عنوان سے ایک ٹریکٹ شائع کر ڈالا۔ جس میں یہ مخالفانہ پراپیگنڈا کیا۔ کہ "کادیانی کا مقصود اس تجویز سے مسلمانوں کو اپنی خیر خواہی جتانا اور اس ذریعہ سے ان کا مال مارنا ہے۔ اور اس تجویز کا اس کے ہاتھ سے انجام پذیر ہونا دو وجہ سے ناممکن ہے۔ اول یہ کہ وہ خود اس جرم کا

مرتکب ہے جس کو اس درخواست سے ہٹانا چاہتا ہے- دوم یہ کہ اس کی لائلٹی (وفاداری) مشتبہ ہے- کوئی مسلمان وفادار گورنمنٹ یہ کام کرے تو یہ انجام پذیر ہو سکتا ہے- [۲۲] نیز لکھا کہ یہ کام فقط مجھ ہی سے کامیاب طریق پر انجام پذیر ہو گا- کسی دوسرے سے نہیں- مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا یہ بیان حضرت اقدسؑ کی خدمت میں ۲۱- اکتوبر ۱۸۹۵ء کو پہنچا- حضورؑ کے پیش نظر تو اپنے آقا و مولیٰ نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس کا کام تھا- کوئی کریڈٹ لینا مقصود نہیں تھا- چنانچہ آپ نے اسی دن اشتہار شائع کرتے ہوئے اعلان کر دیا- کہ میں یہ مقدس ذمہ داری مولوی صاحب موصوف کو سونپتا ہوں- یہ اعلان اس وقت کیا گیا تھا- جب کہ یہ تحریک پنجاب اور ہندوستان کے کونے کونے میں پورے زور شور سے جاری تھی اور اس پر دستخط کر کے بھجوانے والوں کی تعداد دو ہزار پچھتر تک پہنچ چکی تھی- اور ابھی بہت سے شہروں سے اطلاعات آنا باقی تھیں اور اس کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے-

مگر افسوس مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے جنہیں یہ اہم دینی خدمت سپرد کی گئی تھی اس تحریک سے کھلی غداری کی اور ایک اہم کام کھٹائی میں پڑ گیا- نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی فضا بد سے بد تر صورت اختیار کر گئی اور معاندین اسلام پہلے سے بھی زیادہ بے باکی کا مظاہرہ کرنے لگے- چنانچہ ۱۸۹۷ء میں ایک متعصب عیسائی احمد شاہ شائق نے "امہات المومنین" جیسی اشتعال انگیز کتاب لکھ کر مسلمانوں میں آگ لگا دی- حضرت اقدسؑ نے یہ صورت دیکھ کر حکومت کو پھر توجہ دلائی کہ وہ مذہبی مباحثات کی اصلاح کے لئے قانون کی توسیع کرے بلکہ ہنگامی حالات کے پیش نظر یہ بھی تجویز پیش فرمائی- کہ وقتی طور پر یہ قانون بنا دیا جائے کہ کوئی فریق کسی دوسرے فریق پر حملہ کرنے کا مجاز نہیں اسے محض اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے کی اجازت ہے- [۲۷] لیکن حکومت اب بھی اس طرف متوجہ نہ ہوئی- اور اصلاح احوال کے لئے اس نے کوئی قدم نہ اٹھایا- جس کا خمیازہ مسلمانوں کو آگے چل کر کتاب "رنگیلا رسول" اور رسالہ "ورتمان" کی شکل میں بھگتنا پڑا- اور فرقہ وارانہ کشیدگی خطرناک شکل اختیار کر گئی-

۱۸۹۵ء کے بعض صحابہ

۱۸۹۵ء کے واقعات بیان ہو چکے ہیں- اب آخر میں بعض خاص بزرگوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو اس سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہوئے-

(۱) حضرت صوفی غلام محمد صاحب بی- اے مبلغ ماریشس- [۲۸]

(۲) حضرت بابا محمد حسن صاحب واعظ [49] (۳) حضرت مرزا محمد اشرف صاحب۔ [50]۔ (۴) حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی [51]

حواشی

۱ - "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۱۲۷
۲ - وفات ۲۷-اکتوبر ۱۹۳۵ء عمر ۷۰ سال۔
۳ - "سیرت مسیح موعود" حصہ سوم صفحہ ۳۲۵-۳۲۶ مولفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔
۴ - "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۱۲۶-۱۲۷
۵ - بدر ۱۲-جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۸ کالم نمبر ۳
۶ - "ضیاء الحق"
۷، ۸ اخبار بدر ۱۰-جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۳
۹ - سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۲۲۶-۲۲۷
۱۰ - مشہور کتاب "عسل مصفی" کے مصنف وفات ۵-اپریل ۱۹۳۸ء
۱۱ - "منن الرحمٰن" صفحہ ۱۶-۱۷
۱۲ - اس حقیقت کے برعکس "مجدد اعظم" کے مؤلف جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے لکھا ہے کہ تحقیق کرنے والے احباب میں "خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم سب سے پیش پیش تھے" - (مجدد اعظم جلد اول صفحہ ۴۱۷)
۱۳ - "منن الرحمٰن" صفحہ ۱۲
۱۴ - "منن الرحمٰن" صفحہ ۱۰-۱۱
۱۵ - خواجہ کمال الدین صاحب نے اس تحقیق کا محض ابتدائی تعارف کرانے کے لئے ایک مختصر سی کتاب "ام الالسنہ" لکھی مگر حضرت اقدس کی قائم کردہ بنیادوں پر مفصل ریسرچ کرنے کی سعادت مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور خلف الرشید حضرت منشی ظفر احمد صاحب کے حصہ میں آئی جنہوں نے برسوں کی محنت و کاوش سے دنیا کی مشہور زبانوں سنسکرت، انگریزی، لاطینی، جرمنی، فرانسیسی، چینی، فارسی اور ہندی کے گہرے اشتراک اور عربی کے ام الالسنہ ہونے کا نظریہ پوری شرح و بسط سے نمایاں کیا ہے اور حضرت مسیح موعودؑ کے بیان فرمودہ اصول و اشارات کی روشنی میں ان زبانوں کے بیس ہزار الفاظ کے حل کرنے میں بڑی کامیابی حاصل کرلی ہے آپ کی تحقیق کا ایک ابتدائی حصہ ماہنامہ "الفرقان" اپریل مئی ۱۹۵۶ء میں شائع ہو چکا ہے اور اب اس کی اشاعت رسالہ "ریویو اف ریلیجنز" انگریزی میں بھی ہو رہی ہے۔ آپ کے قلم سے اس سلسلہ میں بیش بہا لٹریچر چھپ چکا ہے۔
۱۶ - حضرت سیدۃ النساء ام المومنین رضی اللہ عنہا کے چھوٹے بھائی اور حضرت مسیح موعودؑ کے اکابر صحابہ میں سے تھے ۱۸-جولائی ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے اور ۱۸-جولائی ۱۹۴۷ء کو وفات پائی اور بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔ حضرت میر صاحب کے علو مرتبت کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ آپ کے مزار مبارک کا کتبہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا تحریر فرمودہ ہے جس میں حضور نے لکھا۔ "حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سے بہت محبت تھی۔ اور ان کے تمام کاموں میں آپ دلچسپی لیتے تھے اسی طرح حضرت میر صاحب کا بھی آپ کے ساتھ عاشقانہ تعلق تھا۔ بھائیوں میں حضرت ام المومنین کو میر محمد اسمٰعیل صاحب سے زیادہ محبت تھی۔ نہایت ذہین اور زکی تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب خطبہ الہامیہ دیا تو آپ نے اس ارشاد کو سن کر کہ لوگ اسے یاد کریں انہوں نے چند دنوں میں ہی سارا خطبہ یاد کر کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سنا دیا تھا۔ باوجود نہایت کامیاب ڈاکٹر ہونے کے اور بہت بڑی کمائی کے قابل ہونے کے زیادہ تر پریکٹس سے بچتے رہے اور غرباء کی خدمت کی طرف اپنی توجہ رکھتے تھے پنشن کے بعد قادیان آگئے لیکن بوجہ صحت کی خرابی کے کوئی باقاعدہ کام سلسلہ کا نہیں لے سکے بلکہ جب طبیعت اچھی ہوتی تھی الفضل میں مضامین لکھ دیا کرتے۔ بہر حال میر محمد اسمٰعیل صاب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ میں سے تھے اور آپ کے منظور نظر تھے۔ آپ کی وفات کے بعد تمام ابتلاؤں میں سے گزرتے ہوئے سلسلہ کی

بہت سی خدمات بجالانے کا آپ کو موقعہ ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے روحانی مدارج کو بلند فرمائے"۔ (الفضل ۲۲۔ جون ۱۹۵۲ء صفحہ ۴)

۱۷ - "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۷ او صفحہ ۲۰۱

۱۸ - "مرہم عیسیٰ" کا جب انکشاف ہوا تو حکیم محمد حسین صاحب (ابن حضرت میاں چراغ الدین صاحب رئیس اعظم لاہور) نے ایک انگریزی طبی ڈکشنری سے مرہم کا اصل نسخہ حاصل کر کے مرہم تیار کی اور اشتہار دیا کہ حضرت مسیحؑ تو بیماروں کو اچھا کرتے تھے مگر اس مرہم نے حضرت مسیحؑ کو تندرست کر دیا۔ اس اشتہار پر حکیم محمد حسین صاحب پر انگریزی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ جب یہ مقدمہ ہائی کورٹ میں پیش ہوا۔ تو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے قلم مبارک سے ایک مدلل بیان تحریر فرمایا جس کا انگریزی ترجمہ خواجہ کمال الدین صاحب نے کیا تھا۔ خواجہ صاحب نے جب عدالت میں یہ بیان پڑھ کر سنایا تو پادری اور عیسائی حیران رہ گئے۔ حضرت مسیح موعودؑ کو قبل از وقت الہاماً خبر دی گئی تھی کہ "حسین کو ٹیپوؤں کے شر سے بچایا گیا ہے"۔ سو ایسا ہی عمل میں آیا۔ اور بڑی بحث کے بعد جج کو یہ فیصلہ دینا پڑا۔ کہ "مرہم عیسیٰ" کا اشتہاری نام تو ضرور ہے مگر وجہ تسمیہ بدل دی جائے اس کامیابی پر اسلامی اخبارات نے مبارک باددی اور حکیم صاحب کا نام مرہم عیسیٰ مشہور ہو گیا (مقدمہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "طبی ماہ عالل" مولفہ حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ)

۱۹ - ملاحظہ ہو "نور القرآن" و "ست بچن"

۲۰ - رسالہ "ضربت عیسوی" مطبوعہ ۱۹۰۳ء صفحہ (۱۳۹) شائع کردہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور۔

۲۱ - "مسیح ہندوستان میں" میں طبع دوم صفحہ ۵۱

۲۲ - "تاریخ بشارت السند و پاکستان" صفحہ ۱۲ شائع کردہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور

۲۳ - رسالہ "المنار" جلد ۱۵ صفحہ ۹۰۰-۹۰۱

۲۴ - الفضل ۱۰-۱۱- اپریل ۱۹۵۸ء اور ۴- جولائی ۱۹۵۹ء سے ماخوذ

۲۵ - رسالہ البشریٰ حیفا فلسطین جلد ۲۱ ۱۹۵۵ء

۲۶ - الزامی جواب علم کلام کی تاریخ میں ایک پرانا مگر کامیاب حربہ ہے جسے آپ سے پہلے متعدد بزرگوں نے استعمال کیا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ (۱۷۴۶-۱۸۲۳ء) کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک پادری ان کی خدمت میں آیا اور سوال کیا کہ آپ کے پیغمبر حبیب خدا ہیں؟ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا ہاں۔ وہ کہنے لگا تو پھر انہوں نے امام حسینؓ کے قتل کے وقت خدا سے فریاد کیوں نہ کی۔ یا یہ فریاد سنی نہ گئی؟ فرمایا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فریاد تو کی تھی لیکن انہیں جواب آیا کہ تمہارے نواسے کو قوم نے ظلم سے شہید کیا ہے۔ لیکن ہمیں اس وقت اپنے بیٹے عیسیٰ کا صلیب پر چڑھنا یاد آ رہا ہے"۔ (رود کوثر طبع سوم صفحہ ۵۶۷-۵۶۸ (از جناب شیخ محمد اکرام صاحب ایم۔اے)

۲۷ - "نور القرآن" حصہ دوم طبع اول صفحہ ۵۔

۲۸ - "نزول المسیح" صفحہ ۲۰۴

۲۹ - "ست بچن" صفحہ ۲۶-۳۳ طبع اول و "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۱۷۳

۳۰ - "ست بچن" طبع اول صفحہ ۳۲-۳۶

۳۱ - "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۱۷۳

۳۲ - الحکم ۱۰- جون ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۵

۳۳ - ایک سکھ فاضل بھائی دیر سنگھ ڈی لٹ نے ۱۸۹۹ء میں لکھا تھا کہ "ست بچن" کے اثر سے کئی سکھ شیخ صاحب میں تبدیل ہو چکے ہیں"۔ ملاحظہ ہو اخبار خالصہ سماچار امرت سر ۸- دسمبر ۱۸۹۹ء و اخبار خالصہ سماچار اردھ شتابدی نمبر ۱۹۵۰ء

۳۴ - سوانح عمری پنڈت لیکھرام آریہ مسافر صفحہ ۱۰۱ مصنفہ گنڈارام بحوالہ "تحریک احمدیت کا سکھوں پر اثر" (مولفہ گیانی واحد حسین صاحب)

۳۵ - جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۳۴۸ مطبوعہ مفید عام پریس لاہور۔

۳۶ - ترجمہ از گورپدنر نے حصہ دوم صفحہ ۴
۳۷ - تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب " تحریک احمدیت کا اثر سکھوں پر " (مطبوعہ ۱۹۴۵ء شائع کردہ مکتبہ احمدیہ قادیان)
۳۸ - تبلیغ رسالت " جلد چہارم صفحہ ۳۸ حاشیہ
۳۹ - " دفعہ ۲۹۸ - جو کوئی شخص سوچ بچار کر مذہب کی نسبت کسی شخص کا دل دکھانے کی نیت سے کوئی بات کہے یا کوئی آواز نکالے جس کو وہ شخص سن سکے یا اس شخص کے پیش نظر کوئی حرکت کرے یا کوئی شے اس کے پیش نظر رکھے تو شخص مذکور کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی۔ جس کی میعاد تین ہفتے تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں "۔
(مجموعہ قوانین تعزیرات ہند یعنی ایکٹ ۴۵-۱۸۶۰ء)
۴۰ - آریہ دھرم صفحہ ۶۹ طبع اول
۴۱ - آریہ دھرم صفحہ ۷۴-۷۵ طبع دوم
۴۲ - ۴۰۷ درخواست کنندگان کی ایک ابتدائی فہرست حضرت اقدسؑ نے " آریہ دھرم " میں بھی شائع فرمائی۔
۴۳ - سرسید احمد خاں مرحوم کے سیاسی جانشین ' علی گڑھ کالج اور ایجوکیشنل کانفرنس کے مہتمم اور آل انڈیا مسلم لیگ کے پہلے سیکرٹری تھے۔ مفصل سوانح کے لئے دیکھئے " موج کوثر " (از شیخ محمد اکرام ایم۔اے)
۴۴ - یہ لفظ اصل خط میں سہوا رہ گیا ہے۔ (مرتب)
۴۵ - الحکم ۷۔ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۹
۴۶ - اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۶۱
۴۷ - اشتہار ۲۴۔ فروری ۱۸۹۸ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۱۶
۴۸ - ولادت ۱۸۸۱ء وفات ۱۷-۱۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء آپ ان خوش قسمت وجودوں میں سے تھے جنہوں نے ۱۹۰۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریک وقف زندگی پر لبیک کہی اور پھر خلافت ثانیہ کے عہد مبارک میں ۱۲ سال تک ماریشس میں تبلیغ حق کی جہاد کی توفیق پائی۔ حضرت صوفی صاحب حافظ قرآن بھی تھے اور ان کی آواز میں حضرت مولانا عبد الکریم صاحب کا مخصوص وجد آفرین رنگ پایا جاتا تھا آپ ابھی بچے ہی تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ حضرت چوہدری رستم علی صاحبؓ کی کفالت میں آگئے۔ اور انہی کے طفیل قادیان میں تعلیم پائی اور سلسلہ احمدیہ سے وابستہ ہوئے۔
۴۹ - حضرت منشی عبد العزیز صاحب اوجلوی کے بھائی اور احمدیہ مشن انڈونیشیا کے پہلے مبلغ مولانا رحمت علی صاحب کے والد ماجد!! آپ ابتداء سلسلہ کے شدید مخالف تھے لیکن بالآخر مسلسل دعاؤں کے نتیجہ میں انہیں بذریعہ رؤیا قادیان اور مسجد اقصیٰ کا حقیقی منظر دکھایا گیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی اور بتایا گیا کہ حضور ہی امام الزمان ہیں۔ اب چونکہ حق پوری طرح کھل چکا تھا اس لئے آپ اپنے بھائی کے ہمراہ فوراً قادیان پہنچے اور بیعت کر کے آسمانی سلسلہ میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۰۲ء میں قادیان کی مستقل ہجرت کی۔ آپ کو موصی نمبر ۱ ہونے کا قابل فخر اعزاز بھی حاصل ہے حضرت مسیح موعود کی تحریک وقف زندگی میں آپ نے بھی اپنا نام پیش کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اس عہد کو نباہتے ہوئے پوری عمر وعظ و تلقین میں گزار دی۔ وفات ۲۰۔ جولائی ۱۹۴۹ء کو بمقام چنیوٹ ہوئی۔
۵۰ - ولادت ۱۸۶۸ء وفات ۱۴۔ نومبر ۱۹۴۷ء۔ حضرت منشی جلال الدین صاحب بلانوی کے فرزند تھے ۱۹۰۶ء میں قادیان کی ہجرت اختیار کی۔ آپ کو ربع صدی سے زائد عرصہ تک سلسلہ کی جلیل القدر خدمات کی توفیق ملی یکم جنوری ۱۹۰۷ء کو جب کہ صدر انجمن احمدیہ کے دفتر محاسب میں محرر متعین ہوئے اور پھر اپنے ذہن رسا اور حسن کارکردگی کی بدولت ۱۹۱۲ء میں آڈیٹر بنے۔ اور پھر ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۲ء تک محاسب کے عہدے پر فائز رہے۔ مئی ۱۹۳۲ء میں آپ صدر انجمن احمدیہ کی ملازمت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ لیکن اس کے بعد جب اراضیات سندھ کا کام شروع ہوا تو ستمبر ۱۹۳۲ء میں آپ کو ناظم جائیداد مقرر کیا گیا اور اس عہدہ پر آپ نے مزید پانچ سال تک خدمات سرانجام دیں۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے آپ کے ریٹائر ہونے پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا " مرزا محمد اشرف صاحب کو میں نے دیکھا ہے اور ان کی یہ بات مجھے ہمیشہ پسند آئی کہ وہ اس طرح کام کرتے ہیں۔ جس طرح ایک عورت اپنے گھر میں کام کرتی ہے وہ جانتی ہے کہ اس کے پاس کتنا سرمایہ ہے اور وہ اس سے کس

طرح بہتر سے بہتر کام لے سکتی ہے اور کوشش کرتی ہے کہ قلیل سے قلیل رقم میں میں سب کام نپٹالوں - ان کے اندر ہمیشہ یہی روح کام کرتی رہی ہے کہ سلسلہ کا صیغہ مالیات مضبوط چٹان کی طرح ہو - اور چونکہ میرے اپنے خیالات کی رو بھی اسی طرف ہے اس لئے مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی تھی اور ہمیشہ اطمینان رہتا تھا کہ مالیات کی باگ ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے جو صحیح طور پر چلا رہا ہے"۔ (الفضل ۲۲ - مئی ۱۹۳۲ء) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کا ذکر تتمہ حقیقتہ الوحی (صفحہ ۵۷) میں فرمایا ہے۔

۵۱ - سن ولادت ۱۸۷۵ء حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خاندان کے سچے عاشق - مجسم اخلاص اور فدائیت کی روح رکھنے والے بے نفس بزرگ ہیں - ہندوؤں میں سے مسلمان ہوئے پہلا نام مہتہ ہریش چندر تھا - سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالٰی ۱۹۲۴ء کے پہلے سفر یورپ میں ان کو ساتھ لے گئے تھے ایک لمبے عرصہ تک سلسلہ کے متعدد اخبارات وسائل کے طابع و ناشر رہے انہوں نے اپنے قبول اسلام و احمدیت کے ایمان افروز حالات اخبار الحکم (۲۱ - اپریل تا ۱۴ - جون ۱۹۳۸ء) میں بڑی شرح و بسط سے شائع کر دیئے ہیں - جن سے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے مقدس زمانے کا دلکش نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے - حضرت بھائی صاحب ان دنوں دیار حبیب (قادیان) میں درویشانہ زندگی بسر کر رہے ہیں - (یہ بابرکت وجود ۵ ، ۶ - جنوری ۱۹۶۱ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملا)

ماموریت کا پندرھواں سال

تعطیل جمعہ کی تحریک

(۱۸۹۶ء)

۱۸۹۶ء کا آغاز ایک دوسری تحریک سے ہوا جو تعطیل جمعہ سے متعلق تھی۔ جمعہ کی عظمت و فرضیت قرآن و احادیث سے نمایاں اور مسلمانان عالم کے نزدیک مسلم ہے جہاں جہاں اسلامی حکومتیں قائم رہیں انہوں نے اس شعار اسلامی کے قیام و بقاء کا خاص خیال رکھا۔ اسی طرح جس وقت سے ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی بنیاد پڑی اسی وقت سے جمعہ کی تعطیل بھی جاری ہوئی اور آخر تک جاری رہی بلکہ مسلمان حکومت کے خاتمہ کے بعد بھی مدت تک بعض ہندو ریاستوں میں جمعہ کی سرکاری تعطیل ہوتی رہی۔ لیکن جب انگریز ملک پر قابض ہوئے تو اتوار کی تعطیل شروع ہو گئی اور مسلمان بالعموم اس مقدس دن کی برکتوں سے محروم رہ گئے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام چونکہ احیائے دین کے لئے تشریف لائے تھے اس لئے آپ نے یکم جنوری ۱۸۹۶ء کو مسلمانان ہند کی طرف سے وائسرائے ہند کے نام اشتہار شائع کیا[۱] جس میں اسلامی نقطہ نگاہ سے جمعہ کی اہمیت واضح کر کے درخواست کی کہ وہ مسلمانوں کے لئے جمعہ کی تعطیل قرار دیں۔

اس سے قبل مسلمانوں نے کئی دفعہ اس تجویز کا ارادہ کیا لیکن یہ سوچ کر کہ ایک غیر اسلامی گورنمنٹ سے اس کے قبول کرنے کی امید نہیں ہو سکتی وہ دستکش ہو گئے۔[۲]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی پرزور مخالفت

حضرت اقدس نے یہ تحریک اٹھاتے ہوئے بالخصوص علماء کو توجہ دلائی۔ کہ "وہ بھی دستخط کرنے سے ثواب آخرت حاصل کریں۔ یہ فرض کیا کہ ہم ان کی نظر میں کافر اور بے دین ہیں۔ مگر اس بے دلیل خیال سے اس نیکی سے محروم نہ رہ جائیں یونہی سمجھ لیں کہ کبھی دین کو خدا تعالیٰ فاسقوں کے ذریعہ سے بھی مدد دیتا ہے۔[۳] لیکن مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان

کے زیر اثر علماء نے اس موقعہ پر بھی اختلاف کا افسوسناک مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا پورا زور صرف کر دیا۔ چنانچہ لکھا۔ "چونکہ وہ در پردہ دشمن اسلام اور دہریہ ہے اور موجودہ ہیئت اسلام و مسلمانوں کو درہم برہم کرنا چاہتا ہے لہٰذا کچھ بعید نہیں کہ یہ درخواست اس نے اسی غرض سے تجویز کی ہو کہ یہ درخواست گورنمنٹ سے نامنظور ہو تو موجودہ حالت (افسران بالادست کی خاص اجازت) بھی جاتی رہے اور جمعہ جماعت کا بکھیڑا دور ہو تا نظر آوے۔" [۴]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی اس حاسدانہ کارروائی سے وقتی طور پر یہ تحریک دب گئی مگر بالآخر مولانا نور الدین حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے عہد میں حکومت نے یہ تجویز منظور کر لی۔ [۵]

امیر کابل کے نام تبلیغی خط

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے مارچ یا اپریل ۱۸۹۶ء مطابق شوال ۱۳۱۳ھ میں والئی کابل امیر عبد الرحمٰن خاں (۱۸۴۴-۱۹۰۱ء) کے نام ایک تبلیغی خط بھیجا [۶] یہ خط حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحب شہید لے کر گئے تھے۔ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے ایک مرتبہ اپنے اخبار "منادی" میں لکھا تھا کہ امیر کابل نے اس خط کے موصول ہونے پر فقط یہ جواب دیا کہ "اینجا بیا"۔ اور مقصد یہ تھا کہ کابل میں آکر دعویٰ کرو۔ تو نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ [۷] لیکن اس کا کوئی قطعی ثبوت معلوم نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض تحریرات سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے۔ کہ بعد کو جب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کابل گئے تو انہوں نے امیر کابل کو مشتعل کرنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے واپس آنے کے بعد یہ مشہور کر دیا۔ کہ مرزا صاحب کابل جائیں تو زندہ واپس نہیں آسکیں گے۔ [۸]

بعض علماء کا کہنا ہے کہ امیر کابل کو جب حضرت مسیح موعودؑ کا تبلیغی خط پہنچا۔ تو انہوں نے کہا "مارا عمر باید نہ عیسیٰؑ۔ عیسیٰ در زمان خود چہ کردہ بود کہ بار دیگر آمد خواہد کرد"۔ یعنی ہمیں حضرت عمر فاروق کی ضرورت ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے بعثت اولیٰ میں کیا کامیابی حاصل کی تھی؟ [۹]

مخالف عالموں اور سجادہ نشینوں کو مباہلے کی دعوت

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے دعویٰ الہام پر بیس برس سے زائد عرصہ گزر چکا تھا جو

آپ کی صداقت کا کھلا کھلا خدائی نشان تھا۔ جب آپؑ نے الہام پانے کا دعویٰ کیا تو آپ جوان تھے لیکن اب آپ بوڑھے ہو چکے۔ آپ کے بہت سے دوست اور عزیز جو آپ سے چھوٹے تھے فوت ہو گئے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے عمر دراز بخشی اور ہر میدان میں آپ کی نصرت و تائید فرمائی۔ اور ہر مشکل میں آپ کا متکفل و متولی رہا۔ مگر آسمانی عدالت کا یہ عملی فیصلہ دیکھ کر بھی چونکہ خدا ناترس علماء اور سجادہ نشین ابھی تک آپ کے مفتری و کذاب ہونے کی رٹ لگا رہے تھے اس لئے حضور نے خدا کے حکم [۱۰] سے اس سال ہندوستان کے تمام قابل ذکر مخالف عالموں اور سجادہ نشینوں کا نام لے لے کر ان کو مباہلہ کی فیصلہ کن دعوت دی۔ [۱۱]

الفاظ مباہلہ

اس دعوت کے ساتھ حضور نے مباہلہ کے الفاظ بھی از خود لکھ دیئے۔ چنانچہ لکھا "تاریخ اور مقام مباہلہ کے مقرر ہونے کے بعد میں ان تمام الہامات کو جو لکھ چکا ہوں اپنے ہاتھ میں لے کر میدان مباہلہ میں حاضر ہوں گا اور دعا کروں گا کہ یا الٰہی اگر یہ الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں میرا ہی افترا ہے اور تو جانتا ہے کہ میں نے ان کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے یا اگر یہ شیطانی وساوس ہیں اور تیرے الہام نہیں۔ تو آج کی تاریخ سے ایک برس گزرنے سے پہلے مجھے وفات دے یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا کر جو موت سے بدتر ہو اور اس سے رہائی عطا نہ کر جب تک کہ موت آجائے تا میری ذلت ظاہر ہو اور لوگ میرے فتنہ سے بچ جائیں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میرے سبب سے تیرے بندے فتنہ اور ضلالت میں پڑیں۔ اور ایسے مفتری کا مرنا ہی بہتر ہے۔ لیکن اے علیم و خبیر اگر تو جانتا ہے کہ یہ تمام الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں تیرے ہی الہام ہیں اور تیرے ہی منہ کی باتیں ہیں تو ان مخالفوں کو جو اس وقت حاضر ہیں ایک سال کے عرصہ تک نہایت سخت دکھ کی مار میں مبتلا کر۔ کسی کو اندھا کر دے۔ اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنون اور کسی کو سانپ یا سگ دیوانہ کا شکار بنا۔ اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر اور جب میں یہ دعا کر چکوں تو دونوں فریق کہیں کہ آمین۔ ایسا ہی فریق ثانی کی جماعت میں سے ہر یک شخص جو مباہلہ کے لئے حاضر ہو جناب الٰہی میں یہ دعا کرے۔ کہ اے خدائے علیم و خبیر ہم اس شخص کو جس کا نام غلام احمد ہے دراصل کذاب اور مفتری اور کافر جانتے ہیں۔ پس اگر یہ شخص درحقیقت کذاب اور مفتری اور کافر اور بے دین ہے اور اس کے یہ الہام تیری طرف سے نہیں بلکہ اپنا ہی افتراء ہے تو اس امت مرحومہ پر یہ احسان کر کہ اس مفتری کو ایک سال کے اندر ہلاک کر دے تا لوگ اس کے فتنہ سے امن میں آجائیں۔ اور اگر یہ مفتری نہیں اور تیری طرف سے ہے اور یہ تمام الہام تیرے ہی منہ کی باتیں ہیں تو ہم پر جو اس کو کافر اور کذاب سمجھتے ہیں دکھ اور ذلت سے بھرا ہوا عذاب ایک برس کے اندر نازل کر۔

اور کسی کو اندھا کر دے اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگ دیوانہ کا شکار بنا اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر اور جب یہ دعا فریق ثانی کر چکے تو دونوں فریق کہیں کہ آمین [۱۲]

اس کے ساتھ ہی حضورؑ نے یہ..... شرط بھی درج فرمائی کہ "میری بد دعا کا اثر صرف اس صورت میں سمجھا جاوے کہ جب تمام وہ لوگ جو مباہلہ کے میدان میں بالمقابل آویں ایک سال تک ان بلاؤں میں سے کسی نہ کسی بلا میں گرفتار ہو جائیں۔ اگر ایک بھی باقی رہا تو میں اپنے تئیں کاذب سمجھوں گا۔ اگرچہ وہ ہزار ہوں یا دو ہزار اور پھر ان کے ہاتھ پر توبہ کروں گا۔ اور اگر میں مرگیا تو ایک خبیث کے مرنے سے دنیا میں ٹھنڈ اور آرام ہو جائے گا۔ [۱۳]

حضرت اقدسؑ نے یہ دعوت باقاعدہ مطبوعہ شکل میں تمام مشہور علماء اور سجادہ نشینوں کو بذریعہ رجسٹری ارسال فرمائی۔ اور ان کے ناموں کی لمبی فہرست دے کر آخر میں یہ بھی احتیاطاً لکھا کہ ان حضرات میں سے اگر اتفاقاً کسی صاحب کو یہ رسالہ نہ پہنچا ہو تو وہ اطلاع دیں تا دوبارہ بذریعہ رجسٹری بھیجا جائے۔ [۱۴]

اس دعوت کے بعد آپ نے علماء و مشائخ کے سامنے یہ تجویز بھی رکھی کہ ان میں سے ہر شخص اپنے ہاں بیٹھے بٹھائے اشتہارات کے ذریعہ سے بھی مباہلہ کر سکتا ہے۔ [۱۵] لیکن افسوس کہ اس درجہ سہولت' اور غیرت دلانے والے الفاظ کے باوجود حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف اور حضرت پیر صاحب العلم سندھ کے سوا کوئی شخص ایسا نہ نکلا جو کھلم کھلا حضور کی تصدیق کرتا۔

دعوت مباہلہ مجسم نشان کی حیثیت اختیار کر گئی

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی دعوت میں لکھا تھا۔ کہ میں مباہلہ میں دعا کروں گا کہ "اے علیم و خبیر اگر تو جانتا ہے کہ یہ تمام الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں تیرے ہی الہام ہیں اور تیرے منہ کی باتیں ہیں تو ان مخالفوں کو جو اس وقت حاضر ہیں۔ ایک سال کے عرصہ تک نہایت سخت دکھ کی مار میں مبتلا کر۔ کسی کو اندھا کر دے اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگ دیوانہ کا شکار بنا اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر۔" اور گو مباہلہ کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن یہ عجیب کرشمہ قدرت ہے کہ آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ بے اثر ثابت نہیں ہوئے۔ بلکہ جو معاند علماء یا گدی نشین اپنی مخالفت پر بدستور قائم رہے انہیں اپنے جرم کی پاداش میں ان سزاؤں میں سے کسی نہ کسی سزا کو ضرور بھگتنا پڑا۔ چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی پہلے اندھے ہوئے پھر سانپ کے

ڈسنے سے مرے۔ مولوی عبدالعزیز صاحب اور مولوی محمد صاحب لدھیانوی جو مشہور مکفرین میں سے تھے صرف تیرہ دن کے وقفے سے یکے بعد دیگرے اس جہان سے کوچ کر گئے اور ان کا پورا خاندان اجڑ گیا۔ مولوی سعد اللہ صاحب نو مسلم اور مولوی رسل بابا صاحب طاعون کا شکار ہوئے۔ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری نے اپنی کتاب "فتح رحمانی" صفحہ ۲۶-۲۷ میں آپ کے خلاف بد دعا کی تھی وہ کتاب کی اشاعت سے قبل ہی اجل کے ہاتھوں پکڑے گئے۔ غرض ان مخالفانہ کاروائی جاری رکھنے والوں میں سے اکثر آپ کی زندگی میں ہی تباہ و برباد ہوئے۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء تک ان مخالفین کی اکثریت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور جو زندہ تھے۔ وہ بھی کسی نہ کسی بلا میں گرفتار تھے۔ [۱۶] آپ کی وفات کے بعد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری سلسلہ احمدیہ کے عروج کا مشاہدہ کرنے کے لئے دیر تک زندہ رہے اور بالآخر پے در پے صدمات سہ کر فالج سے راہی ملک عدم ہوئے۔ [۱۷]

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف کی تصدیق

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے ان عالموں اور سجادہ نشینوں کے حلقے میں حضرت خواجہ غلام فرید صاحب وہ مرد مجاہد تھے جنہوں نے کھلے لفظوں سے آپ کی تصدیق فرمائی۔ چنانچہ انہوں نے دعوت مباہلہ کا اشتہار ملتے ہی ۲۷- رجب ۱۳۱۴ھ (مطابق جنوری ۱۸۹۷ء) کو حضرت اقدس کے نام عربی میں عقیدت مندی کے جذبات سے مکتوب بھیجا کہ مباہلہ کا سوال ہی کیا ہے میں تو ابتدا ہی سے حضور کی تعظیم کرتا ہوں تا مجھے ثواب حاصل ہو۔ اور کبھی میری زبان پر تعظیم و تکریم اور رعایت آداب کے سوا آپ کے حق میں کوئی کلمہ جاری نہیں ہوا۔ حضرت اقدس نے یہ خط ضمیمہ "انجام آتھم" میں شائع فرمادیا۔ اور آپ کی بڑی تعریف فرمائی کہ ہزاروں میں سے انہوں نے پرہیزگاری اور تقویٰ شعاری کا نور دکھلایا۔ آپ کا یہ کارنامہ کبھی فراموش نہیں ہو سکتا۔ یہ خط چھپا تو پہلے مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری اور پھر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ان کے گاؤں پہنچے اور غزنوی خاندان کے بعض علماء نے انہیں مکذب بنانے کے لئے خطوط بھی بھیجے مگر آپ چونکہ بزرگ اور پاک باطن تھے اور خدا تعالیٰ نے آپ پر مسیح کی صداقت پوری طرح منکشف کر کے آپ کا سینہ نور صداقت سے منور کر رکھا تھا اس لئے آپ نے کسی کی بھی پروا نہ کی اور ان خشک ملاؤں کو ایسے دنداں شکن جواب دیئے کہ وہ ساکت ہو گئے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کا خاتمہ مصدق ہونے کی حالت میں ہوا۔ [۱۸]

حضرت پیر "صاحب العلم" کی شہادت

دوسرے مصدق حضرت پیر صاحب العلم تھے جو سندھ کے مشہور مشائخ میں سے تھے اور جن

کے مرید ایک لاکھ سے بھی متجاوز تھے انہوں نے آپ کی نسبت گواہی دی کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کو عالم کشف میں دیکھا- میں نے عرض کیا- یا رسول اللہ (ﷺ) یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیا یہ مفتری ہے یا صادق؟ حضور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ صادق ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے- چنانچہ انہوں نے ایک طرف تو عام مجلس میں کھڑے ہو کر اور ہاتھ میں عصا لے کر تمام حاضرین کو بلند آواز سے سنا دیا کہ میں حضرت اقدس مرزا صاحب کو ان کے دعوے میں حق پر جانتا ہوں اور ایسا ہی مجھے کشفاً معلوم ہوا ہے اور دوسری طرف انہوں نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں عقیدت مندانہ پیغام بھیجا کہ میں نے سمجھ لیا ہے کہ آپ حق پر ہیں- اب بعد اس کے ہم آپ کے امور میں شک نہیں کریں گے- اور آپ کی شان میں ہمیں کچھ شبہ نہیں ہو گا- اور جو کچھ آپ فرمائیں گے ہم وہی کریں گے- پس اگر آپ یہ ارشاد فرمائیں کہ امریکہ میں چلے جائیں تو ہم وہیں جائیں گے اور ہم نے اپنے تئیں آپ کے حوالہ کر دیا ہے اور انشاء اللہ ہمیں فرمانبردار پائیں گے-

یہ باتیں ان کے خلیفہ عبد اللطیف صاحب اور شیخ عبد اللہ صاحب عرب نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں خود عرض کی تھیں- [۱۹]

حواشی

۱۔ تبلیغ رسالت جلد پنجم صفحہ ۷۔۱۰
۲۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۲۷۳۔۲۷۳
۳۔ تبلیغ رسالت جلد چہارم صفحہ ۳۸۔۷۳ و جلد پنجم صفحہ ۲
۴۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۲۷۳
۵۔ تفصیل "خلافت اولیٰ" کے واقعات میں آئے گی۔
۶۔ مفصل مکتوب کے لئے ملاحظہ ہو "الحکم" ۱۷۔ فروری ۱۹۰۷ء صفحہ ۸۔۱۰
۷۔ "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۵۴۲۔۵۴۴
۸۔ "حقیقۃ المہدی" طبع اول صفحہ ۳
۹۔ "عاقبۃ المکذبین" جلد اول صفحہ ۱۷ مطبوعہ ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء (مؤلفہ قاضی محمد یوسف صاحب آف ہوتی مردان)
۱۰۔ علماء وقت تو ۱۸۹۱ء سے آپ کو مباہلہ کا چیلنج دے رہے تھے لیکن حضور کو اس میں ایک عرصے تک تامل رہا۔ کیونکہ حضور مباہلہ کے لئے اتمام حجت ضروری سمجھتے تھے۔ دوسرے جزئی اختلاف کی وجہ سے جس کی بناء اجتہاد پر ہو مباہلہ کرنا آپ کے نزدیک سرے سے جائز ہی نہیں تھا چنانچہ حضور نے نواب محمد علی خان صاحب کو ایک خط میں لکھا "کسی جزئی میں حنفی حق پر نہیں اور کسی بھی شافعی حق پر اور کسی میں اہلحدیث۔ اب جب کہ فرض کیا جائے کہ سب فرقے اسلام کے جزئی اختلاف کی وجہ سے باہم مباہلہ کریں۔ اور خدا تعالیٰ اس پر جو حق پر نہیں عذاب نازل کرے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنی اپنی خطا کی وجہ سے تمام فرقے اسلام کے روئے زمین سے نابود کئے جائیں اب ظاہر ہے کہ جس امر کے تجویز کرنے سے اسلام کا استیصال کرنا پڑتا ہے وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک جو حامی اسلام اور مسلمین ہے کیونکر جائز ہوگا۔ (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر چہارم صفحہ ۱۱)
۱۱۔ چند مخاطب عالموں اور سجادہ نشینوں کے نام یہ ہیں۔ شیخ الکل مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی۔ مولوی عبد الحق صاحب دہلوی مؤلف تفسیر حقانی۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی۔ مولوی عبد الواحد صاحب غزنوی۔ مولوی عبد الحق صاحب غزنوی۔ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری۔ مولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی۔ حافظ عبد المنان صاحب وزیر آبادی۔ مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی۔ غلام نظام الدین صاحب سجادہ نشین۔ نیاز احمد صاحب بریلوی۔ خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف۔ صادق علی شاہ صاحب رتڑ چھتڑ (ضلع گورداسپور) سید حسن شاہ صاحب مودودی دہلوی
۱۲۔ "انجام آتھم" طبع اول صفحہ ۶۵۔۶۶
۱۳۔ "انجام آتھم" طبع اول صفحہ ۶۴۔۶۷
۱۴۔ "انجام آتھم" صفحہ ۲۷
۱۵۔ ضمیمہ انجام آتھم (حاشیہ صفحہ ۳۳۔۳۵)
۱۶۔ "حقیقۃ الوحی" طبع اول صفحہ ۲۲۷۔۳۰۰ "عاقبۃ المکذبین" صفحہ ۳۳۔۳۴ (مؤلفہ حضرت شاہزادہ عبد المجید صاحب لدھیانوی
۱۷۔ سیرت ثنائی صفحہ ۲۷۳ حاشیہ و صفحہ ۳۹۷ حاشیہ (مؤلفہ جناب مولوی عبد المجید صاحب سوہدروی)
۱۸۔ حقیقۃ الوحی طبع اول صفحہ ۲۰۷ و "اشاعۃ السنہ" جلد ۱۸ نمبر ۵ صفحہ ۱۳۸۔۱۳۹
۱۹۔ انجام آتھم صفحہ ۶۰

لاہور میں
"جلسہ مذاہب عالم"
اور
اسلام کی شاندار فتح

"جلسہ مذاہب عالم" میں اسلام کی شاندار فتح اور تصنیف و اشاعت "اسلامی اصول کی فلاسفی"

۱۸۹۶ء کا اختتام "جلسہ مذاہب عالم" ایسے عظیم الشان واقعہ سے ہوا جس میں دنیا کے ایک مشترکہ مذہبی پلیٹ فارم پر اسلام کو اور اسلام کے کامیاب وکیل ہونے کی حیثیت سے حضرت مسیح موعودؑ کو ایسی شاندار فتح نصیب ہوئی کہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گی۔

جلسہ کا پس منظر

ایک صاحب سوامی سادھو شوگن چندر نامی تھے۔ جنہیں بچپن سے ہی مذہب کی طرف میلان تھا۔ ابتدائی عمر میں کچھ عرصہ ملازمت اختیار کی مگر پھر سادھو بن گئے اور کنجاہ (گجرات) کے ایک فقیر سے ان کا تعلق ہو گیا۔ جس کے حکم پر وہ تین چار سال تک ہندوؤں کی کائستھ قوم کی اصلاح و خدمت کا کام کرتے رہے۔ آخر ۱۸۹۲ء میں دفعتہ انہیں خیال آیا کہ جب تک سب لوگ اکٹھے نہ ہوں کوئی فائدہ نہیں ہو گا وہ اس فکر میں رہے اور آخر یہ تجویز دل میں آئی کہ ایک مذہبی کانفرنس منعقد کی جائے چنانچہ اس نوعیت کا پہلا جلسہ اجمیر میں ہوا۔ اس کے بعد وہ دوسری کانفرنس کے لئے لاہور کی فضاء کو موزون سمجھ کر یہاں اس کی تیاری میں لگ گئے۔ [1]

کانفرنس کے لئے انتظامات

سوامی صاحب نے اسے عملی جامہ پہنانے اور جلسہ کے وسیع پیمانہ پر انتظامات کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی جس کے پریذیڈنٹ ماسٹر درگا پرشاد اور چیف سیکرٹری ہائیکورٹ لاہور کے ایک ہندو پلیڈر لالہ دھنپت رائے بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی تھے۔ کمیٹی نے جلسہ کے لئے پانچ سوالات تجویز کئے:۔

اول:۔ انسان کی جسمانی، اخلاقی اور روحانی حالتیں۔

دوم:۔ انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبیٰ۔

سوم:۔ دنیا میں انسان کی ہستی کی اصل غرض کیا ہے اور وہ غرض کس طرح پوری ہو سکتی ہے؟

چہارم:۔ کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا اور عاقبت میں کیا ہوتا ہے؟

پنجم:۔ علم یعنی گیان اور معرفت کے ذرائع کیا کیا ہیں؟ [2]

کانفرنس کے لئے ۲۶-۲۷-۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء کی تاریخیں قرار پائیں اور جلسہ گاہ کے لئے انجمن حمایت اسلام لاہور کے ہائی سکول کا احاطہ (متصل مسجد مولوی احمد علی شیرانوالہ دروازہ) حاصل کیا گیا۔ جلسہ کی کارروائی کے لئے مندرجہ ذیل چھ موڈریٹر صاحبان نامزد کئے گئے۔ (۱) رائے بہادر بابو پرتول چند صاحب جج چیف کورٹ پنجاب (۲) خان بہادر شیخ خدا بخش صاحب جج سال کاز کورٹ لاہور (۳) رائے بہادر پنڈت رادھا کشن صاحب کول پلیڈر چیف کورٹ سابق گورنر جموں (۴) حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب طبیب شاہی (۵) رائے بوانی داس صاحب ایم۔ اے اکسٹرا اسٹلمنٹ آفیسر جہلم۔ (۶) جناب سردار جواہر سنگھ صاحب سیکرٹری خالصہ کمیٹی لاہور۔

اشتہار واجب الاظہار

سوامی شوگن چندر صاحب نے کمیٹی کی طرف سے جلسہ کا اشتہار دیتے ہوئے مسلمانوں' عیسائیوں اور آریہ صاحبان کو قسم دی کہ ان کے نامی علماء ضرور اس جلسے میں اپنے اپنے مذاہب کی خوبیاں بیان فرمائیں چنانچہ انہوں نے لکھا۔ "اس وقت یہ بندہ کل صاحبان مذہب کی خدمت میں جو اپنے اپنے مذہب کے اعلیٰ درجہ کے واعظ اور بنی نوع کی ہمدردی کے لئے سرگرم ہیں ادب وانکسار سے گزارش کرتا ہے کہ جو جلسہ اعظم مذاہب کا بمقام لاہور ٹاؤن ہال قرار پایا ہے۔ جس کی تاریخیں ۲۶-۲۷-۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء مقرر ہو چکی ہیں۔ اس جلسہ کے اغراض یہی ہیں کہ سچے مذہب کے کمالات اور خوبیاں ایک عام مجمع مہذبین میں ظاہر ہو کر اس کی محبت دلوں میں بیٹھ جائے اور اس کے دلائل اور براہین کو لوگ بخوبی سمجھ لیں اور اس طرح پر ہر ایک مذہب کے بزرگ واعظ کو موقع ملے کہ وہ اپنے مذہب کی سچائیاں دوسروں کے دلوں میں بٹھا دے اور سننے والوں کو بھی یہ مبارک موقع حاصل ہو کہ وہ ان سب بزرگوں کے مجمع میں ہر ایک تقریر کا دوسرے کی تقریر کے ساتھ موازنہ کریں اور جہاں حق کی چمک پاویں اس کو قبول کرلیں۔ اور پھر یہ سب تقریریں ایک مجموعہ میں چھپ کر پبلک کے فائدہ کے لئے اردو اور انگریزی میں شائع کر دی جائیں۔

اس بات کو کون نہیں جانتا کہ آج کل مذاہب کے جھگڑوں سے دلوں میں بہت کچھ ابال اٹھا ہوا ہے اور ہر ایک طالب حق سچے مذہب کی تلاش میں ہے اور ہر ایک دل اس بات کا خواہشمند ہے کہ جس مذہب میں در حقیقت سچائی ہے وہ مذہب معلوم ہو جائے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ کیونکر معلوم ہو اس سوال کے جواب میں جہاں تک فکر کام کر سکتا ہے یہی احسن طریق معلوم ہوتا ہے کہ تمام بزرگان مذہب جو وعظ اور نصیحت اپنا شیوہ رکھتے ہیں ایک مقام میں جمع ہوں اور اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں سوالات مشتہرہ کی پابندی سے بیان فرمائیں۔ پس اس مجمع اکابر مذہب میں جو مذہب سچے پرمیشر کی طرف

سے ہوگا ضرور وہ اپنی نمایاں چمک دکھلائے گا۔ اسی غرض سے اس جلسہ کی تجویز ہوئی ہے اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو کسی مذہب کو اس پر اعتراض ہو۔ سراسر بے تعصب اصول پر مبنی ہے۔ لہٰذا یہ خاکسار ہر ایک بزرگ واعظ مذہب کی خدمت میں بانکسار عرض کرتا ہے کہ میرے اس ارادہ میں مجھ کو مدد دیں۔ اور مہربانی فرما کر اپنے مذہب کے جوہر دکھلانے کے لئے تاریخ مقررہ پر تشریف لاویں۔ میں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ خلاف تہذیب اور برخلاف شرائط مشتہرہ کے کوئی امر ظہور میں نہیں آئے گا۔ اور صلح کاری اور محبت کے ساتھ یہ جلسہ ہوگا اور ہر ایک قوم کے بزرگ واعظ خوب جانتے ہیں کہ اپنے مذہب...... کی سچائی ظاہر کرنا ان پر فرض ہے پس جس حالت میں اس غرض کے لئے یہ جلسہ انعقاد پایا ہے کہ سچائیاں ظاہر ہوں تو خدا نے ان کو اس غرض کے ادا کرنے کا اب خوب موقع دیا ہے۔ جو ہمیشہ انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا میرا دل اس بات کو قبول نہیں کر سکتا کہ اگر ایک شخص سچا جوش اپنے مذہب کے لئے رکھتا ہو اور فی الواقع اس بات میں ہمدردی انسانوں کی دیکھتا ہو کہ ان کو اپنے مذہب کی طرف کھینچے تو پھر وہ ایسی نیک تقریب میں کہ جب کہ صدہا مہذب اور تعلیم یافتہ لوگ ایک عالم خاموشی میں بیٹھ کر اس کے مذہب کی خوبیاں سننے کے لئے تیار ہوں گے ایسے مبارک وقت کو وہ ہاتھ سے دیدے اور ذرا اس کو اپنے فرض کا خیال نہ آوے اس وقت میں کیونکر کوئی عذر قبول کروں کیا میں قبول کر سکتا ہوں کہ جو شخص دوسرے کو ایک مہلک بیماری میں خیال کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس کی سلامتی میری دوا میں ہے اور بنی نوع کی ہمدردی کا دعویٰ بھی کرتا ہے وہ ایسے موقع میں جو غریب بیمار اس کو علاج کے لئے بتلاتے ہیں وہ پہلو تہی کرے میرا دل اس بات کے لئے تڑپ رہا ہے کہ یہ فیصلہ ہو جائے کہ کونسا مذہب درحقیقت سچائیوں اور صداقتوں سے بھرا ہوا ہے اور میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن کے ذریعہ میں اپنے اس سچے جوش کو بیان کر سکوں۔ میرا قوموں کے بزرگ واعظوں اور جلیل الشان حامیوں پر کوئی حکم نہیں ان کی خدمت میں سچائی ظاہر کرنے کے لئے ایک عاجزانہ التماس ہے۔ میں اس وقت مسلمانوں کے معزز علماء کی خدمت میں ان کے خدا کی قسم دے کر بادب التماس کرتا ہوں کہ اگر وہ اپنا مذہب منجانب اللہ جانتے ہیں تو اس موقعہ پر اپنے اس نبی کی عزت کے لئے جس کے فدا شدہ اپنے تئیں خیال کرتے ہیں اس جلسہ میں حاضر ہوں۔ اسی طرح بخدمت پادری صاحبان نہایت ادب اور انکسار سے میری التماس ہے کہ اگر وہ اپنے مذہب کو فی الواقعہ سچا اور انسانوں کی نجات کا ذریعہ خیال کرتے ہیں تو اس موقعہ پر ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا بزرگ ان میں سے اپنے مذہب کی خوبیاں سنانے کے لئے جلسہ میں تشریف لاویں۔ میں نے جیسا کہ مسلمانوں کو قسم دی ہے ایسا ہی بزرگ پادری صاحبوں کو حضرت مسیح کی قسم دیتا ہوں اور ان کی محبت اور عزت اور بزرگی کا واسطہ ڈال کر خاکساری

کے ساتھ عرض پرداز ہوں کہ اگر کسی اور نیت کے لئے نہیں تو اس قسم کی عزت کے لئے ضرور اس جلسہ میں ایک اعلیٰ بزرگ ان میں سے اپنے مذہب کی خوبیاں سنانے کے لئے جلسہ میں تشریف لاویں۔ ایسا ہی اپنے بھائیوں آریہ سماج والوں کی خدمت میں اس پرمیشر کی قسم دے کر جس نے وید مقدس کو اپنت کہا عاجزانہ عرض کرتا ہوں کہ اس جلسہ میں ضرور کوئی اعلیٰ واعظ ان کا تشریف لاکر وید مقدس کی خوبیاں بیان کرے اور ایسا ہی صاحبان سناتن دھرم اور برہمو صاحبوں وغیرہ کی خدمت میں اس قسم کی التماس ہے۔ پبلک کو اس اشتہار کے بعد ایک یہ فائدہ بھی حاصل ہو گا کہ ان تمام قوموں میں کسی قوم کو درحقیقت اپنے خدا کی عزت اور قسم کا پاس ہے اور اگر اس کے بعد بعض صاحبوں نے پہلو تہی کیا۔ تو بلا شبہ ان کا پہلو تہی کرنا گویا اپنے مذہب کی سچائی سے انکار کرنا ہے۔

"المشتہر۔ شوگن المعروف سوامی شوگن چندر دھرم مہوتسوا وپدیشک لاہور)[۵]

مذاہب کے نمائندے

اس اشتہار پر مندرجہ ذیل حضرات نے دعوت قبول کی (۱) حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام (نمائندہ اسلام) (۲) مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی (نمائندہ اسلام) (۳) مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری (نمائندہ اسلام) (۴) مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی (نمائندہ اسلام) (۵) مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب (نمائندہ اسلام) (۶) ایشری پرشاد صاحب (نمائندہ سناتن دھرم) (۷) پنڈت گوپی ناتھ صاحب سیکرٹری سناتن دھرم سبھا لاہور (نمائندہ سناتن دھرم) (۸) پنڈت بھانودت صاحب ممتحن پنجاب یونیورسٹی (نمائندہ سناتن دھرم) (۹) رائے بردوہ کنٹھ صاحب پلیڈر وزیر ریاست فرید کوٹ (نمائندہ تھیوسافیکل سوسائٹی) (۱۰) بابو بیچا رام چٹر جی صاحب سکھر (نمائندہ آریہ سماج)۔ (۱۱) ماسٹر درگا پرشاد صاحب (نمائندہ آریہ سماج) ۱۲۔ پنڈت گوردھن داس صاحب (نمائندہ فری تھنکر) (۱۳) سردار جواہر سنگھ صاحب۔ ایم۔ اے (نمائندہ سکھ مذہب) (۱۴) ماسٹر راجیداس صاحب (نمائندہ ہارمونیکل سوسائٹی) (۱۵) لالہ کانشی رام صاحب سیکرٹری برہمو سماج لاہور (نمائندہ برہمو سماج) ۱۶) مسٹر جے ماڈیسن صاحب بہادر جرنلسٹ لاہور (نمائندہ عیسائیت) ۱۷) مسٹر رو صاحب بہادر سابق ہیڈ ماسٹر ایچی سن ہائی سکول لاہور (نمائندہ عیسائیت)

مفتی محمد عبداللہ صاحب اور مسٹر رو صاحب عملاً شریک جلسہ نہیں ہو سکے اس لئے ان کا وقت دوسرے مقررین کو دے دیا گیا۔

حضرت مسیح موعود کی طرف سے اپنے مضمون کے بالا رہنے کی قبل از وقت پیشگوئی

سوامی شوگن چندر صاحب جلسہ کا اشتہار دینے سے پہلے قادیان بھی آئے تھے اور حضرت اقدسؑ سے عرض کیا کہ میں ایک مذہبی جلسہ کرنا چاہتا ہوں آپ بھی اپنے مذہب کی خوبیوں سے متعلق کچھ مضمون لکھیں تا اس جلسہ میں پڑھا جائے۔ حضرت اقدسؑ نے اپنی بیماری کے باعث عذر کیا لیکن انہوں نے اصرار کیا کہ آپ ضرور لکھیں چونکہ آپ یقین رکھتے تھے کہ آپ بغیر خدا کے بلائے بول نہیں سکتے۔ اس لئے آپ نے جناب الٰہی میں دعا کی کہ وہ آپ کو ایسے مضمون کا القاء کرے جو اس مجمع کی تمام تقریروں پر غالب رہے آپ نے دعا کے بعد دیکھا کہ ایک قوت آپ کے اندر پھونک دی گئی اور آپ نے آسمانی قوت کی ایک زبردست جنبش اپنے اندر محسوس کی۔ آپ کو ان دنوں اسہال کا عارضہ تھا آپ نے ناسازی طبع کے باعث لیٹے لیٹے ہی قلم برداشتہ مضمون لکھنا شروع کیا۔ آپ ایسی تیزی اور جلدی سے لکھتے تھے کہ نقل کرنے والوں کے لئے مشکل ہو گیا کہ اس قدر جلدی سے اس کی نقل کر سکیں۔ جب حضور مضمون لکھ چکے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ **مضمون بالا رہا**۔ [۵] یہ الٰہی خوشخبری پاتے ہی آپ نے ۲۱۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کو ایک اشتہار لکھا جس کا عنوان تھا۔ "سچائی کے طالبوں کے لئے ایک عظیم الشان خوشخبری"۔ اس اشتہار میں آپ نے تحریر فرمایا۔

"جلسہ اعظم مذاہب جو لاہور ٹاؤن ہال میں ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کو ہو گا اس میں اس عاجز کا ایک مضمون قرآن شریف کے کمالات کے بارے میں پڑھا جائے گا۔ یہ وہ مضمون ہے۔ جو انسانی طاقتوں سے برتر اور خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان اور خاص اس کی تائید سے لکھا گیا ہے اس میں قرآن شریف کے وہ حقائق اور معارف درج ہیں جن سے آفتاب کی طرح روشن ہو جائے گا کہ درحقیقت یہ خدا کا کلام اور رب العالمین کی کتاب ہے۔ اور جو شخص اس مضمون کو اول سے آخر تک پانچوں سوالوں کے جواب میں سنے گا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ایک نیا ایمان اس میں پیدا ہو گا اور ایک نیا نور اس میں چمک اٹھے گا۔ اور خدا تعالیٰ کے پاک کلام کی ایک جامع تفسیر اس کے ہاتھ آجائے گی۔ میری تقریر انسانی فضولیوں سے پاک اور لاف و گزاف کے داغ سے منزہ ہے مجھے اس وقت محض بنی آدم کی ہمدردی نے اس اشتہار کے لکھنے کے لئے مجبور کیا ہے کہ تا وہ قرآن شریف کے حسن و جمال کا مشاہدہ کریں اور دیکھیں کہ ہمارے مخالفوں کا کس قدر ظلم ہے کہ وہ تاریکی سے محبت کرتے اور نور سے نفرت کرتے ہیں۔ مجھے

خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا۔ اور اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نور ہے جو دوسری قومیں بشرطیکہ حاضر ہوں اور اس کو اول سے آخر تک سنیں شرمندہ ہو جائیں گی۔ اور ہرگز قادر نہیں ہوں گی کہ اپنی کتابوں کے یہ کمال دکھلا سکیں۔ خواہ وہ عیسائی ہوں خواہ آریہ خواہ سناتن دھرم والے یا کوئی اور۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اس روز اس پاک کتاب کا جلوہ ظاہر ہو میں نے عالم کشف میں اس کے متعلق دیکھا کہ میرے محل پر غیب سے ایک ہاتھ مارا گیا۔ اور اس کے چھونے سے........ اس محل میں سے ایک نور ساطعہ نکلا جو ارد گرد پھیل گیا۔ اور میرے ہاتھوں پر بھی اس کی روشنی ہوئی۔ تب ایک شخص جو میرے پاس کھڑا تھا وہ بلند آواز سے بولا۔ اللہ اکبر خربت خیبر۔ اس کی یہ تعبیر ہے کہ اس محل سے میرا دل مراد ہے جو جائے نزول و حلول انوار ہے اور وہ نورانی معارف ہیں اور خیبر سے مراد تمام خراب مذاہب ہیں۔ جن میں شرک اور باطل کی ملونی ہے اور انسان کو خدا کی جگہ دی گئی یا خدا کے صفات کو اپنے کامل محل سے نیچے گرادیا گیا ہے۔ سو مجھے جتلایا گیا کہ اس مضمون کے خوب پھیلنے کے بعد جھوٹے مذہبوں کا جھوٹ کھل جائے گا اور قرآنی سچائی دن بدن زمین پر پھیلتی جائے گی جب تک کہ اپنا دائرہ پورا کرے۔ پھر میں اس کشفی حالت سے الہام کی طرف منتقل کیا گیا اور مجھے یہ الہام ہوا ان اللہ معک ان اللہ یقوم اینما قمت یعنی خدا تیرے ساتھ ہے اور خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے۔ جہاں تو کھڑا ہوتا ہے۔ یہ حمایت الٰہی کے لئے ایک استعارہ ہے۔ اب میں زیادہ لکھنا نہیں چاہتا۔ ہر ایک کو یہی اطلاع دیتا ہوں کہ اپنا اپنا ہرج بھی کرکے ان معارف کے سننے کے لئے ضرور بمقام لاہور تاریخ جلسہ پر آویں کہ ان کی عقل اور ایمان کو اس سے وہ فائدے حاصل ہوں گے کہ وہ گمان نہیں کرسکتے ہوں گے۔ والسلام علی من اتبع الھدی۔

خاکسار غلام احمد از قادیان ۲۱۔ دسمبر ۱۸۹۶ء [۷]

حضرت اقدس کا یہ اشتہار بڑی کثرت سے شائع ہوا۔ اور ہندوستان کے دور دراز مقامات تک پھیلا دیا گیا۔

جناب خواجہ کمال الدین صاحب کا تأثر

جناب خواجہ کمال الدین صاحب جلسے کے انتظامات میں گہری دلچسپی لے رہے تھے۔ آپ انہیں دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اقدسؑ نے اپنا مضمون

خواجہ صاحب کی خواہش پر ان کو پڑھنے کے لئے دیا تو انہوں نے اس پر کچھ ناامیدی کا اظہار کر کے اندیشہ ظاہر کیا کہ یہ مضمون قدر کی نگاہوں سے نہ دیکھا جائے گا۔ اور خواہ مخواہ ہنسی کا موجب ہو گا۔ چنانچہ خود حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ایک دفعہ فرمایا۔ "مہوتسو کے جلسہ اعظم مذاہب کے واسطے جب ہم نے مضمون لکھا تو طبیعت بہت علیل تھی اور وقت نہایت تنگ تھا۔ اور ہم نے مضمون جلدی کے ساتھ اسی تکلیف کی حالت میں لیٹے ہوئے لکھا۔ اس کو سنکر احباب میں سے ایک نے کچھ ناپسندیدگی کا منہ بنایا۔ اور پسند نہ کیا کہ مذاہب کے اتنے بڑے عظیم الشان جلسہ میں وہ مضمون پڑھا جائے۔ [۸]

جلسے کی کارروائی کا آغاز

بہرحال ۲۶۔ دسمبر ۱۸۹۶ء ٹھیک دس بجے انجمن حمایت اسلام کے ہائی سکول واقع شیرانوالہ کے وسیع احاطہ میں جلسہ شروع ہوا حضرت اقدسؑ کا مضمون دوسرے دن ڈیڑھ بجے کی دوسری نشست میں پڑھا جانا تھا۔ اس لئے اس سے قبل ایشری پرشاد صاحب مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی اور برودا کنٹھ صاحب' مولوی ثناء اللہ صاحب امرت سری' بابو بیجارام صاحب اور پنڈت گوردھن داس صاحب کی تقریریں ہوئیں۔ اس زمانے میں ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا طوطی بول رہا تھا اور ہر طرف ان کی بڑی شہرت تھی۔ اور مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب ابھی نوجوان تھے اور نئے نئے منظر عام پر آئے تھے لیکن مولوی ابو سعید صاحب کی تقریر مولوی ثناء اللہ صاحب کی تقریر کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکی۔

حضرت اقدسؑ کا مضمون اور سامعین کا ذوق و شوق

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے حضرت اقدسؑ کے مضمون کے لئے دوسرے دن کی دوسری نشست مقرر تھی۔ جس کا وقت اگرچہ ڈیڑھ بجے شروع ہونا تھا مگر مخالفت کے باوجود دلوں میں ایسی تحریک پیدا ہو گئی کہ پہلی نشست میں بیٹھنے والے بھی اپنی اپنی جگہ پر جمے رہے اور ہزاروں سامعین چاروں طرف سے اُمڈ پڑے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کارروائی سے قبل ہی جلسہ کا پنڈال کھچا کھچ بھر گیا اور سینکڑوں اشخاص جن میں ملک کے بڑے بڑے سربر آوردہ افراد رؤسا معہ ڈاکٹر اور وکلاء شامل تھے کھڑے ہونے پر مجبور ہو گئے آخر حضرت مولانا عبد الکریم صاحب جیسے فصیح البیان نے اپنی دلکش و دل نشین آواز سے حضرت اقدسؑ کا مضمون پڑھنا شروع کیا۔

حضرت مسیح پاک علیہ السلام کا تائید روح القدس سے لکھا ہوا مضمون اور مولانا عبد الکریم صاحب کی شیریں زبان نے ہزاروں کے اس تاریخی اجتماع پر کیف و سرور کا وہ عالم طاری کر دیا کہ فلک نے آج تک سرزمین ہند میں کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ ایسا نظر آتا تھا کہ گویا ملائک آسمان سے نور کے طبق لے کے حاضر ہو گئے ہیں اور ایک دست غیب اپنی مقناطیسی جذب و کشش سے ہر دل کو کشاں کشاں عالم وجد کی

طرف لے جا رہا ہے۔ دل و دماغ اس آسمانی مائدہ سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ یکایک مضمون کا مقررہ وقت ختم ہو گیا۔ یہ دیکھ کر مولوی ابو یوسف محمد مبارک علی صاحب سیالکوٹی نے اعلان کیا کہ میں اپنا وقت بھی حضرت اقدسؑ کے مضمون کے لئے دیتا ہوں۔ اس اعلان نے مجمع میں خوشی اور مسرت کی برقی لہر دوڑا دی اور پنڈال تالیوں سے گونج اٹھا اور پھر علم و حکمت کے موتی لٹنے لگے۔ مضمون ابھی باقی تھا کہ وقت پھر ختم ہو گیا اب کی دفعہ چاروں طرف سے شور برپا ہوا کہ جلسہ کی کارروائی اس وقت تک ختم نہ کی جائے جب تک یہ مضمون ختم نہ ہو لے اور جلسہ کے منتظمین کو یہی کرنا پڑا۔ سامعین نے یہ سن کر پھر تالیوں کے ذریعہ سے اپنی مسرت ظاہر کی اور مضمون نہایت ذوق و شوق اور یکساں دلچسپی سے شام کے ساڑھے پانچ بجے تک مسلسل چار گھنٹہ تک جاری رہا۔ سامعین کی بے خودی اور محویت یہاں تک بڑھی کہ انہوں نے یہی سمجھ لیا کہ پانچوں سوالات کے جوابات پڑھ دیئے گئے ہیں لیکن حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے بلند آواز سے فرمایا کہ حضرات جو کچھ آپ نے سنا ہے یہ صرف پہلے سوال کا جواب ہے چار سوالوں کے جوابات ابھی باقی ہیں۔ مولانا کا یہ کہنا تھا کہ سامعین نے یک زبان ہو کر بڑے زور شور سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ جب چار سوالوں کے جواب ابھی باقی ہیں تو جلسہ کے لئے ایک اور دن کیوں نہ بڑھا دیا جائے یہ زبردست مطالبہ چاروں طرف سے اتنی شدت سے بلند ہوا کہ منتظمین جلسہ کو اعلان کرنا پڑا کہ سامعین کی خاطر جلسہ کے لئے ایک دن کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ اس اعلان پر پبلک نے جس جوش و خروش سے اظہار شادمانی کیا وہ دیکھنے کی چیز تھی الفاظ اس کا نقشہ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

جلسے کے منتظمین کا بیان

۲۷۔ دسمبر کے دن کی اس کارروائی سے متعلق منتظمین جلسہ کے بیانات درج ذیل ہیں۔

"پنڈت گوردھن داس صاحب کی تقریر کے بعد نصف گھنٹہ کا وقفہ تھا لیکن چونکہ بعد از وقفہ ایک نامی وکیل اسلام کی طرف سے تقریر کا پیش ہونا تھا اس لئے اکثر شائقین نے اپنی اپنی جگہ کو نہ چھوڑا۔ ڈیڑھ بجے میں ابھی بہت سا وقت رہتا تھا کہ اسلامیہ کالج کا وسیع میدان جلد جلد بھرنے لگا۔ اور چند ہی منٹوں میں تمام میدان پر ہو گیا اس وقت کوئی سات اور آٹھ ہزار کے درمیان مجمع تھا۔ مختلف مذاہب و ملل اور مختلف سوسائٹیوں کے معتدبہ اور ذی علم آدمی موجود تھے۔ اگرچہ کرسیاں اور میزیں اور فرش نہایت ہی وسعت کے ساتھ مہیا کیا گیا لیکن صدہا آدمیوں کو کھڑا ہونے کے سوا اور کچھ نہ بن پڑا۔ اور ان کھڑے ہوئے شائقینوں میں بڑے بڑے رؤساء عمائد پنجاب۔ علماء فضلاء۔ بیرسٹر۔ وکیل۔ پروفیسر۔ اکسٹرا اسسٹنٹ۔ ڈاکٹر غرض کہ اعلیٰ طبقہ کے مختلف برانچوں کے ہر قسم کے آدمی موجود تھے۔ ان لوگوں

کے اس طرح جمع ہو جانے اور نہایت صبر و تحمل کے ساتھ جوش سے برابر پانچ چار گھنٹہ اس وقت ایک ٹانگ پر کھڑا رہنے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان ذی جاہ لوگوں کو کہاں تک اس مقدس تحریک سے ہمدردی تھی۔ مصنف تقریر اصالتاً تو شریک جلسہ نہ تھے۔ لیکن خود انہوں نے اپنے ایک شاگرد خاص جناب مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کو مضمون کے پڑھنے کے لئے بھیجا ہوا تھا۔ اس مضمون کے لئے اگرچہ اس کمیٹی کی طرف سے صرف دو گھنٹے ہی تھے لیکن حاضرین جلسہ کو عام طور پر اس سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی کہ موڈریٹر صاحبان نے نہایت جوش اور خوشی کے ساتھ اجازت دی کہ جب تک یہ مضمون نہ ختم ہو تب تک کارروائی جلسہ کو ختم نہ کیا جائے۔ ان کا ایسا فرمانا عین اہل جلسہ اور حاضرین جلسہ کے منشاء کے مطابق تھا۔ کیونکہ جب وقت مقررہ کے گزرنے پر مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب نے اپنا وقت بھی اس مضمون کے ختم ہونے کے لئے دیدیا۔ تو حاضرین اور موڈریٹر صاحبان نے ایک نعرہ خوشی سے مولوی صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ جلسہ کی کارروائی ساڑھے چار بجے ختم ہو جانی تھی لیکن عام خواہش کو دیکھ کر کارروائی جلسہ ساڑھے پانچ بجے کے بعد تک جاری رکھنی پڑی کیونکہ مضمون قریباً چار گھنٹہ میں ختم ہوا اور شروع سے اخیر تک یکساں دلچسپی و مقبولیت اپنے ساتھ رکھتا تھا"۔ [۹]

"اگرچہ اس مضمون کے ختم ہوتے ہوتے شام کا وقت قریب آگیا لیکن یہ ابھی پہلے سوال کا جواب تھا اس مضمون سے حاضرین جلسہ کو بلا استثناء احدے ایسی دلچسپی ہو گئی کہ عام طور سے ایگزیکٹو کمیٹی سے استدعا کی گئی کہ کمیٹی اس جلسہ کے چوتھے اجلاس کے لئے انتظام کرے جس میں باقی سوالات کا جواب سنایا جاوے کیونکہ حسب اعلان ایگزیکٹو کمیٹی جلسہ کے تین ہی اجلاس ہونے تھے۔ اور تیسرے اجلاس کے سپیکر پہلے ہی سے مقرر ہو چکے تھے جلسہ کا دن بڑھانے کے لئے موڈریٹر صاحبان کی خاص رضامندی تھی۔ علاوہ ازیں سناتن دھرم کی طرف سے اور آریہ سماج کی طرف سے بھی استدعا تھی کہ ان کی طرف سے اور زیادہ ریپریذنٹیشن ہو اس لئے ایگزیکٹو کمیٹی نے انجمن حمایت اسلام کے سیکرٹری اور پریذیڈنٹ صاحب سے جو وہاں موجود تھے چوتھے دن کے لئے استعمال مکان کی اجازت لے کر میر مجلس کو اطلاع دی کہ وہ چوتھے دن کا اعلان کر دیں۔ مضمون ساڑھے پانچ بجے ختم ہوا۔ جس پر ذیل کے الفاظ میں میر مجلس نے آج کے اجلاس کی کارروائی کو ختم کیا۔

میرے دوستو! آپ نے پہلے سوال کا جواب جناب مرزا صاحب کی طرف سے سنا۔ ہمیں خاص کر جناب مولوی عبدالکریم صاحب کا مشکور ہونا چاہیے۔ جنہوں نے ایسی قابلیت کے ساتھ اس مضمون کو پڑھا۔ میں آپ کو مژدہ دیتا ہوں کہ آپ کے اس فرط شوق اور دلچسپی کو دیکھ کر جو آپ نے مضمون کے

سننے میں ظاہر کی اور خصوصاً موڈریٹر صاحبان اور دیگر عمائد و رؤساء کی خاص فرمائش سے ایگزیکٹو کمیٹی نے منظور کر لیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے بقیہ حصہ مضمون کے لئے وہ چوتھے دن اپنا آخری اجلاس کرے۔ اب نماز مغرب کا وقت قریب آگیا ہے۔ اور میں زیادہ وقت آپ کا لینا نہیں چاہتا"۔
۱۰

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی استدعا

دوسری طرف مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی کی سنئے۔ حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کا بیان ہے کہ ۲۷۔ دسمبر کی کارروائی کے خاتمے پر میں اپنے بزرگوں کے ساتھ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کے در دولت پر جہاں میرا قیام تھا واپس آگیا اس رات حضرت خلیفہ صاحب موصوف کے بڑے بھائی کی طرف سے جن کا نام خلیفہ عماد الدین صاحب تھا چند معززین کی دعوت تھی۔ ان میں جناب خان بہادر خدا بخش صاحب جج بھی شامل تھے جنہوں نے ایک وقت جلسہ کی صدارت بھی فرمائی تھی اور جو جلسہ کے ماڈریٹروں میں سے تھے۔ موجود الوقت حضرات میں اس وقت عام طور پر جلسے کی تقریریں ہی زیر بحث تھیں۔ تعریف سب کی زبان پر حضرت اقدس علیہ الصلوۃ والسلام ہی کے مضمون کی تھی۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے آکر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا یہ تحریری پیغام جناب جج صاحب موصوف کی خدمت میں پیش کیا کہ جلسے کا ایک دن بڑھا دیا گیا ہے۔ اگر جناب میری تقریر کے لئے بھی وقت دیئے جانے کی طرف توجہ فرمائیں گے تو بڑی مہربانی ہوگی۔ ۱۱
جناب جج صاحب نے بے ساختہ فرمایا۔ کہ "مولوی ابو سعید صاحب نے اپنی پہلی تقریر میں کونسا تیر مارا تھا جو ان کی دوسری تقریر کے لئے وقت رکھا جائے"۔

مولوی محمد حسین صاحب نے یہ صورت دیکھی تو انہوں نے مضمون پڑھنے کے لئے ایک اور طریق نکالا۔ ۲۸۔ دسمبر کے پروگرام میں پہلی تقریر مولوی مفتی محمد عبد اللہ صاحب ٹونکی پروفیسر اورینٹل کالج لاہور کی تھی۔ اور اس کے بعد پورا وقت غیر مسلم نمائندوں کے لئے مخصوص تھا۔ اس لئے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے مفتی صاحب موصوف سے درخواست کی کہ وہ اپنا وقت انہیں دے دیں جسے انہوں نے منظور کر لیا۔ اس پر مولوی صاحب شیخ خدا بخش صاحب جج کے پاس آئے اور ان کو بھی مفتی صاحب کا پیغام دے کر رضامند کر لیا۔ چنانچہ وہ ان کو ہمراہ لے کر قریباً ساڑھے آٹھ بجے صبح پنڈال میں پہنچ گئے۔ جلسے کی کارروائی کو دس بجے شروع ہونا تھا۔ ساڑھے دس بجنے میں ابھی کچھ منٹ باقی تھے کہ خان بہادر صاحب موصوف نے انتظامیہ کمیٹی کے چند ممبروں سے بیان کیا کہ جناب مفتی صاحب چند اتفاقات کے باعث آج نہیں آسکیں گے اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کا وقت مولوی محمد حسین صاحب کو

دے دیا جائے۔ لہٰذا اب کمیٹی میں یہ تبدیلی منظور کرائیں۔ چنانچہ کمیٹی کے اجلاس میں جب یہ معاملہ پیش ہوا تو مفتی صاحب کے پیغام سے ایک قسم کی مایوسی ہوئی کیونکہ یہ کمیٹی کا فرض تھا کہ ہر مذہب کی طرف سے مختلف وکیل جلسے میں پیش کرے۔ سیکرٹری صاحب اس تبدیلی کے مخالف تھے لیکن جب مسلمان ممبروں نے اس بات پر زور دیا تو بہت بحث کے بعد یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو مفتی صاحب کا وقت دیا جاوے۔ [۱۲]

۲۸۔ دسمبر کی کارروائی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی دوسری تقریر

۲۸۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کو جلسہ دس بجے شروع ہونا تھا لیکن جیسا کہ رپورٹ میں درج ہے لوگ وقت مقررہ پر بہت ہی کم آئے۔ اس لئے قریباً ساڑھے دس بجے کارروائی کا آغاز ہوا پہلی تقریر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے کی۔ جس میں گزشتہ تقریر کے الجھاؤ کا رنگ اور زیادہ نمایاں ہو گیا اور ان کی زبان سے یہ سن کر تو مسلمانوں کی گردنیں مارے شرم کے جھک گئیں کہ "انبیاء فوت ہو چکے۔ امت محمدیہ کے بزرگ ختم ہو چکے بے شک وارث انبیاء ولی تھے وہ کرامت رکھتے اور برکات رکھتے تھے وہ نظر نہیں آتے زیر زمین ہو گئے آج اسلام ان کرامت والوں سے خالی ہے اور ہم کو گزشتہ اخبار کی طرف حوالہ کرنا پڑتا ہے ہم نہیں دکھا سکتے"۔ [۱۳]

۲۹۔ دسمبر کو حضرت اقدسؑ کے بقیہ مضمون کی گونج

۲۹۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کو جلسے کا آخری اجلاس منعقد ہوا۔ اس دن اگرچہ جلسہ کی کارروائی دستور سابق کے خلاف نو بجے صبح رکھی گئی تھی لیکن ابھی نو بھی نہ بجنے پائے تھے کہ سامعین کا ہجوم شروع ہو گیا۔ ٹھیک مقررہ وقت پر مولانا عبدالکریم صاحب نے حضرت اقدسؑ کے پر معارف مضمون کا بقیہ حصہ اپنی گزشتہ شان کے ساتھ پڑھنا شروع کیا اور پھر ۲۷۔ دسمبر کا سماں بندھ گیا۔ ہر شخص ہمہ تن گوش بنا سن رہا تھا۔ اس بقیہ مضمون کی ایک اعجازی خصوصیت یہ تھی کہ جلسہ میں غیر مسلم مقررین کی طرف سے بالواسطہ یا بلاواسطہ اسلامی تعلیمات اور قرآنی صداقتوں پر جو اہم اعتراضات وارد کئے گئے تھے ان کا شافی جواب اس مضمون کے اندر موجود تھا۔ بلکہ مسلمانوں کے بعض دوسرے نمائندوں نے اسلام کے مقدس چہرے پر جو گرد و غبار ڈالنے کی کوشش کی تھی اس کی صفائی بھی اس حصہ سے ہو گئی۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ایک دن قبل اپنی تقریر میں اسلام جیسے زندہ مذہب کی طرف جو معجزات سے خالی ہونے کا اتہام لگایا تھا اس کا رد بھی اس حصہ میں آ گیا جس نے مجمع کو بے خود کر دیا۔ اکثر لوگ زار زار روتے تھے اور لذت سے دل وجد کر رہے تھے۔ حضرت

اقدسؑ نے تحریر فرمایا تھا۔ کہ "میں بنی نوع انسان پر ظلم کروں گا اگر میں اس وقت ظاہر نہ کروں کہ وہ مقام جس کی میں نے یہ تعریفیں کی ہیں اور وہ مرتبہ مکالمہ اور مخاطبہ کا جس کی میں نے اس وقت تفصیل بیان کی وہ خدا کی عنایت نے مجھے عنایت فرمایا ہے تا میں اندھوں کو بینائی بخشوں اور ڈھونڈنے والوں کو اس گم گشتہ کا پتہ دوں۔ اور سچائی قبول کرنے والوں کو اس پاک چشمہ کی خوشخبری سناؤں۔ جس کا تذکرہ بہتوں میں ہے اور پانے والے تھوڑے ہیں۔ میں سامعین کو یقین دلاتا ہوں کہ جس کے ملنے میں انسان کی نجات اور دائمی خوشحالی ہے وہ بجز قرآن شریف کی پیروی کے ہرگز نہیں مل سکتا۔ کاش جو میں نے دیکھا ہے لوگ دیکھیں اور جو میں نے سنا ہے وہ سنیں اور قصوں کو چھوڑیں۔ اور حقیقت کی طرف دوڑیں"۔

"میں سب طالبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ صرف اسلام ہی ہے جو اس راہ کی خوشخبری دیتا ہے اور دوسری قومیں تو خدا کے الہام پر مدت سے مہر لگا چکی ہیں۔ سو یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کی طرف سے مہر نہیں بلکہ محرومی کی وجہ سے انسان ایک حیلہ پیدا کر لیتا ہے اور یقیناً سمجھو کہ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ ہم بغیر آنکھوں کے دیکھ سکیں یا بغیر زبان کے بول سکیں۔ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ بغیر قرآن کے اس پیارے محبوب کا منہ دیکھ سکیں۔

میں جوان تھا اب بوڑھا ہوا مگر میں نے کوئی نہ پایا جس نے بغیر اس پاک چشمہ کے اس کھلی کھلی معرفت کا پیالہ پیا ہو"۔ [۱۴]

اب کی دفعہ پھر تقریر کے دوران میں ہی وقت مقررہ ختم ہو گیا اور پبلک اور صدر صاحبان دونوں نے اصرار کے ساتھ وقت کے اضافہ کا مطالبہ کیا۔ جلسہ کی مجلس عاملہ نے اس مطالبہ کو بخوشی پورا کر کے ہزاروں دلوں کو خوشی اور شادمانی سے بھر دیا۔ [۱۵]

مضمون بالا رہا غرضکہ یہ مضمون پوری شان و شوکت سے ختم [۱۶] ہوا۔ سب لوگوں نے مسلمانوں کو مبارک باد دی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی طوعاً و کرہاً قائل ہو گئے کہ یہ تمام تاثیر خدا تعالیٰ کی طرف سے تھی۔ اور یہ مضمون اسلام کی فتح کا موجب ہوا۔ ملک بھر میں اس مضمون کی دھوم مچ گئی اور ہر طرف اسی کے چرچے ہوئے۔ اور مسلمان بے اختیار بول اٹھے کہ اگر یہ مضمون نہ ہوتا تو آج اسلام کو سبکی اٹھانی پڑتی۔ اور ہر ایک کہتا تھا کہ آج اسلام کی فتح ہوئی اور حضور کا مضمون ہی بالا رہا۔ [۱۷] اس شاندار فتح کا اعتراف ملک کے بیس کے قریب اخبارات مثلاً سول اینڈ ملٹری گزٹ" "پیسہ اخبار" "چودھویں صدی" (راولپنڈی) "سراج الاخبار" "مشیر ہند" لاہور۔ "صادق الاخبار" (بہاولپور) "مخبر دکن"۔ "پنجاب آبزرور" "وزیر ہند" (سیالکوٹ) اور "جنرل و گوہر آصفی"

(کلکتہ) نے کیا۔ اور بڑے نمایاں انداز میں اس کی خبر شائع کر کے آپ کو خراج تحسین ادا کیا۔ اور اس مضمون کی تعریف میں کالموں کے کالم بھر دیئے۔ [۱۸]

اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" اور "آبزرور" کا ریویو

اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" (لاہور) نے لکھا:

"اس جلسہ میں سامعین کو دلی اور خاص دلچسپی میرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے لیکچر کے ساتھ تھی جو اسلام کی حمایت و حفاظت میں ماہر کامل ہیں۔ اس لیکچر کے سننے کے لئے دور نزدیک سے مختلف فرقوں کا ایک جم غفیر امڈ آیا تھا۔ اور چونکہ مرزا صاحب خود تشریف نہیں لا سکتے تھے اس لئے یہ لیکچر ان کے ایک لائق شاگرد منشی عبد الکریم صاحب فصیح سیالکوٹی نے پڑھ کر سنایا۔ ۲۷۔ تاریخ کو یہ لیکچر تین گھنٹہ تک ہوتا رہا اور عوام الناس نے نہایت ہی خوشی اور توجہ سے اس کو سنا۔ لیکن ابھی صرف ایک سوال ختم ہوا۔ مولوی عبد الکریم صاحب نے وعدہ کیا کہ اگر وقت ملا تو باقی حصہ بھی سنا دوں گا۔ اس لئے مجلس انتظامیہ اور صدر نے یہ تجویز منظور کر لی ہے کہ ۲۹۔ دسمبر کا دن بڑھا دیا جائے"۔ (ترجمہ)

اخبار "پنجاب آبزرور" نے بھی انہیں الفاظ میں حضرت اقدس کے مضمون کی رپورٹ شائع کی [۱۹]

اخبار "چودھویں صدی" کا ریویو

اخبار "چودھویں صدی" راولپنڈی نے لکھا "ان لیکچروں میں سب سے عمدہ اور بہترین لیکچر جو جلسہ کی روح رواں [۲۰] تھا مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا لیکچر تھا جس کو مشہور فصیح البیان مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی نے نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے پڑھا۔ یہ لیکچر دو دن میں تمام ہوا ۲۷۔ دسمبر کو قریباً چار گھنٹے اور ۲۹ کو ۲ گھنٹہ تک ہوتا رہا۔ کل چھ گھنٹہ میں یہ لیکچر تمام ہوا جو حجم میں سو صفحہ کلاں تک ہو گا۔

غرضکہ مولوی عبد الکریم صاحب نے یہ لیکچر شروع کیا اور کیسا شروع کیا کہ تمام سامعین لٹو ہو گئے۔ فقرہ فقرہ پر صدائے آفرین و تحسین بلند تھی اور بسا اوقات ایک ایک فقرہ کو دوبارہ پڑھنے کے لئے حاضرین سے فرمائش کی جاتی تھی۔ عمر بھر کانوں نے ایسا خوش آئند لیکچر نہیں سنا۔ دیگر مذاہب میں سے جتنے لوگوں نے لیکچر دیئے۔ سچ تو یہ ہے کہ جلسہ کے مستفسرہ سوالوں کے جواب بھی نہیں تھے۔ عموماً سپیکر صرف چوتھے سوال پر ہی رہے اور باقی سوالوں کو انہوں نے بہت ہی کم مس کیا اور زیادہ تر اصحاب تو ایسے بھی تھے جو بولتے تو بہت تھے مگر اس میں جاندار بات ایک آدھ ہی ہوتی۔ تقریریں عموماً کمزور سطحی خیالات کی تھیں۔ بجز مرزا صاحب کے لیکچر کے جو ان سوالات کا علیحدہ علیحدہ مفصل اور مکمل جواب تھا

اور جس کو حاضرین جلسہ نے نہایت ہی توجہ اور دلچسپی سے سنا اور بڑا بیش قیمت اور عالی قدر خیال کیا ہم مرزا صاحب کے مرید نہیں ہیں نہ ان سے ہم کو کوئی تعلق ہے لیکن انصاف کا خون ہم کبھی نہیں کر سکتے اور نہ کوئی سلیم فطرت اور صحیح کانشنس اس کو روا رکھ سکتا ہے مرزا صاحب نے کل سوالوں کے جواب (جیسا کہ مناسب تھا) قرآن شریف سے دیئے اور تمام بڑے بڑے اصول و فروع اسلام کو دلائل عقلیہ اور براہین فلسفہ کے ساتھ مبرہن اور مزین کیا۔ پہلے عقلی دلائل سے الہیات کے ایک مسئلہ کو ثابت کرنا۔ اور اس کے بعد کلام الٰہی کو بطور حوالہ پڑھنا ایک عجب شان دکھاتا تھا۔

مرزا صاحب نے نہ صرف مسائل قرآن کی فلاسفی بیان کی بلکہ الفاظ قرآنی کی فلالوجی اور فلاسوفی بھی ساتھ ساتھ بیان کر دی غرضکہ مرزا صاحب کا لیکچر بہ ہیئت مجموعی ایک مکمل اور حاوی لیکچر تھا جس میں بیشمار معارف و حقائق و حکم و اسرار کے موتی چمک رہے تھے اور فلسفہ الہیہ کو ایسے ڈھنگ سے بیان کیا گیا تھا کہ تمام اہل مذاہب ششدر رہ گئے۔ کسی شخص کے لیکچر کے وقت اتنے آدمی جمع نہیں تھے جتنے کہ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت۔ تمام ہال اوپر نیچے سے بھر رہا تھا۔ اور سامعین ہمہ تن گوش ہو رہے تھے۔

مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت اور دیگر سپیکروں کے لیکچروں میں امتیاز کے لئے اس قدر کافی ہے کہ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت خلقت اس طرح آگری جیسے شہد پر مکھیاں۔ مگر دوسرے لیکچروں کے وقت بوجہ بے لطفی بہت سے لوگ بیٹھے بیٹھے اٹھ جاتے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا لیکچر بالکل معمولی تھا۔ وہی ملانی خیالات تھے جن کو ہم لوگ ہر روز سنتے ہیں اس میں کوئی عجیب و غریب بات نہ تھی اور مولوی صاحب موصوف کے دوسرے حصہ لیکچر کے وقت پر کئی لوگ اٹھ کر چلے گئے تھے۔ مولوی ممدوح کو اپنا لیکچر پورا کرنے کے لئے چند منٹ زائد کی اجازت بھی نہیں دی گئی تھی لیکن مرزا صاحب کے لیکچر پورا کرنے کے لئے لالہ درگا پرشاد صاحب نے آپ سے آپ دس پندرہ منٹ کی اجازت دے دی۔ غرضکہ وہ لیکچر ایسا پر لطف اور ایسا عظیم الشان تھا کہ بجز سننے کے اس کا لطف بیان میں نہیں آسکتا۔ مرزا صاحب نے انسان کی پیدائش سے لے کر معاد تک ایسا مسلسل بیان فرمایا اور عالم برزخ اور قیامت کا حال ایسا عیاں فرمایا کہ بہشت و دوزخ سامنے دکھا دیا۔ اسلام کے بڑے سے بڑے مخالف اس روز اس لیکچر کی تعریف میں رطب اللسان تھے چونکہ وہ لیکچر عنقریب رپورٹ میں شائع ہونے والا ہے اس لئے ہم ناظرین کو شوق دلاتے ہیں کہ اس کے منتظر رہیں۔ مسلمانوں میں سے مولوی ثناء اللہ صاحب امرت سری کا طرز بیان بھی کسی قدر اچھا تھا۔ لیکن لیکچر عموماً وعظ کی قسم کا تھا۔ فلسفیانہ ڈھنگ کا نہیں تھا جس کی جلسہ کو ضرورت تھی۔ ...... بہر حال اس کا شکر ہے کہ اس جلسہ میں اسلام کا بول بالا رہا۔

اور تمام غیر مذاہب کے دلوں پر اسلام کا سکہ بیٹھ گیا۔ گو زبان سے وہ اقرار کریں یا نہ کریں"۔ [۲۱]

الغرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کمال صفائی سے پوری ہوئی اور اسلام کو غلبہ نصیب ہوا۔ یہ مقابلہ اس مقابلے کی مانند تھا جو حضرت موسیٰ کو ساحروں کے ساتھ کرنا پڑا۔ سب مذاہب والوں نے اپنی اپنی لاٹھیوں کے خیالی سانپ بنائے تھے لیکن جب خدا نے مسیح موعودؑ کے ہاتھ سے اسلامی راستی کا عصا ایک پاک اور پر معارف تقریر کے پیرائے میں ان کے مقابل چھوڑا تو وہ اژدھا بن کر سب کو نگل گیا۔

جلسہ اعظم مذاہب میں اسلام کی شاندار فتح سے متعلق کلکتہ کے اخبار جنرل و گوہر آصفی کا تبصرہ

اخبار "جنرل و گوہر آصفی" (کلکتہ) نے ۲۴۔ جنوری ۱۸۹۷ء کی اشاعت میں صفحہ ۲ پر "جلسہ اعظم مذاہب" منعقدہ لاہور اور "فتح اسلام" کے دوہرے عنوان سے لکھا۔ "چونکہ ہمارے اخبار کے کالم اس جلسہ کے متعلق ایک خاص دلچسپی ظاہر کر چکے ہیں لہٰذا ہم اپنے شائق ناظرین کو اس کے درجہ آخر مختصر حالات سے اطلاع دینی ضروری سمجھتے ہیں۔

جہاں تک ہم نے دریافت کیا ہے ہر ایک طالب حق کو اس جلسہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے بڑا ہی شائق پایا ہے کون دل ہو گا جو حق کا متلاشی نہ ہو گا۔ کون آنکھ ہو گی جو حق کی چمک دیکھنے کے لئے تڑپتی نہ ہو گی؟ کون دماغ ہو گا جو حق کی جانچ پڑتال کی طرف مائل نہ ہو گا۔ پھر ہم یہ کیونکر امید نہیں کر سکتے کہ اپنے ناظرین کی روحیں اس جلسہ کی کارروائی کی دریافت کے لئے مضطرنہ ہونگی۔ کیا اس اضطرار کو دفع کرنا ہمارا فریضہ نہیں۔ بیشک ہے اور ضرور ہے اور اسی لئے ہے جو ہم نے خاص انتظام کر کے اس جلسہ کے حالات کو دریافت کیا ہے جنہیں ہم اب ہدیہ ناظرین کیا چاہتے ہیں پیشتر اس کے کہ ہم کارروائی جلسہ کی نسبت گفتگو کریں ہمیں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہمارے اخبار کے کالموں میں جیسا کہ اس کے ناظرین پر واضح ہو گا یہ بحث ہو چکی ہے کہ اس جلسہ اعظم مذاہب میں اسلامی وکالت کے لئے سب سے زیادہ لائق کون شخص تھا۔ ہمارے ایک معزز لائق نامہ نگار صاحب نے سب سے پہلے خالی الذہن ہو کر اور حق کو مدنظر رکھ کر حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کو اپنی رائے میں منتخب فرمایا تھا۔ جس کے ساتھ ہمارے اور ایک مکرم مخدوم نے اپنی مراسلت میں توارد اتفاق ظاہر کیا تھا۔ جناب مولوی سید محمد فخر الدین صاحب فخر نے بڑے زور کے ساتھ اس انتخاب کی نسبت جو اپنی آزاد مدلل اور بیش قیمت رائے پبلک کے پیش فرمائی تھی اس میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان۔ جناب سرسید احمد صاحب آف علی گڑھ کو انتخاب فرمایا تھا اور ساتھ ہی اس اسلامی وکالت کا

قرعہ حضرات ذیل کے نام نکلا تھا۔ جناب مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی۔ جناب مولوی حاجی سید محمد علی صاحب کانپوری اور جناب مولوی احمد حسین صاحب عظیم آبادی۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بھی نامناسب نہ ہو گا۔ کہ ہمارے ایک لوکل اخبار کے ایک نامہ نگار نے جناب مولوی عبدالحق صاحب دہلوی مصنف تفسیر حقانی کو اس کام کے لئے منتخب فرمایا تھا ہم اپنے ناظرین کو یہ بھی معلوم کرانا چاہتے ہیں کہ سوامی شوگن چندر نے انعقاد جلسہ سے پہلے اپنے اشتہار واجب اظہار کے ذریعے علمائے مذاہب مختلف ہند کو بہت عار دلا دلا کر اپنے اپنے مذہب کے جوہر دکھلانے کے لئے طلب کیا تھا اور جس جوش سے اور عار دلانے والے طریق سے انہوں نے طلب کیا تھا اس کا ٹھیک اندازہ انہیں کی عبارت سے کیا جا سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"ہر ایک قوم کے بزرگ واعظ جانتے ہیں کہ اپنے مذہب کی سچائی کو ظاہر کرنا ان پر فرض ہے پس جس حالت میں اسی غرض کے لئے یہ جلسہ انعقاد پایا ہے کہ سچائیاں ظاہر ہوں۔ تو خدا نے ان کو اس فرض کے ادا کرنے کا اب خوب موقع دیا ہے جو ہمیشہ انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ میرا دل اس بات کو قبول کر نہیں سکتا۔ کہ اگر ایک شخص سچا جوش اپنے مذہب کے لئے رکھتا ہو اور فی الواقع اس بات میں ہمدردی انسانوں کی دیکھتا ہو کہ ان کو اپنے مذہب کی طرف کھینچے تو پھر وہ ایسی نیک تقریب میں جب کہ صدہا مہذب اور تعلیم یافتہ لوگ ایک عالم خاموشی میں بیٹھ کر اس کے مذہب کی خوبیاں سننے کے لئے تیار ہوں گے ایسے مبارک وقت کو ہاتھ سے دیدے اور ذرہ اس کو اپنے فرض کا خیال نہ آوے اس وقت میں کیوں کر کوئی عذر قبول کروں۔ کیا میں قبول کر سکتا ہوں کہ جو شخص دوسروں کو ایک مہلک بیماری میں خیال کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس کی سلامتی میری دوا میں ہے اور بنی نوع کی ہمدردی کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ وہ ایسے موقع میں جو غریب بیمار اس کو علاج کے لئے بلاتے ہیں وہ دانستہ پہلو تہی کرے۔ میرا دل اس بات کے لئے تڑپ رہا ہے کہ یہ فیصلہ ہو جائے کہ کونسا مذہب در حقیقت سچائیوں اور صداقتوں سے بھرا ہوا ہے اور میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن کے ذریعہ میں اپنے اس سچے جوش کو بیان کر سکوں۔ میرا قوموں کے بزرگ واعظوں اور جلیل الشان حامیوں پر کوئی حکم نہیں۔ صرف ان کی خدمت میں سچائی ظاہر کرنے کے لئے ایک عاجزانہ التماس ہے۔ میں اس وقت مسلمانوں کے معزز علماء کی خدمت میں ان کے خدا کی قسم دے کر باادب التماس کرتا ہوں کہ اگر وہ اپنا مذہب منجانب اللہ جانتے ہیں تو اس موقع پر اپنے اسی نبی کی عزت کے لئے جس کے فدا شدہ وہ اپنے تئیں خیال کرتے ہیں اس جلسہ میں حاضر ہوں۔ اسی طرح بخدمت پادری صاحبان نہایت ادب اور انکساری سے میری التماس ہے کہ اگر وہ اپنے مذہب کو فی الواقع سچا اور انسانوں کی نجات کا ذریعہ خیال کرتے ہیں تو اس

موقعہ پر ایک اعلیٰ درجہ کا بزرگ ان میں سے اپنے مذہب کی خوبیاں سنانے کے لئے جلسہ میں تشریف لا دیں۔ میں نے جیساکہ مسلمانوں کو قسم دی ایسا ہی بزرگ پادری صاحبوں کو حضرت مسیحؑ کی قسم دیتا ہوں اور ان کی محبت اور عزت اور بزرگی کا واسطہ ڈال کر خاکساری کے ساتھ عرض پرداز ہوں۔ کہ اگر کسی اور نیت کے لئے نہیں تو اس قسم کی عزت کے لئے ضرور اس جلسہ میں ایک اعلیٰ بزرگ ان میں سے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے کے لئے تشریف لاویں۔ ایسا ہی میں اپنے بھائیوں آریہ سماج والوں کی خدمت میں اس پرمیشر کی قسم دے کر جس نے وید مقدس کو اپنت کیا عاجزانہ عرض کرتا ہوں۔ کہ اس جلسہ میں ضرور کوئی اعلیٰ واعظ ان کا تشریف لاکر وید مقدس کی خوبیاں بیان کرے۔ اور ایسا ہی صاحبان سناتن دھرم اور برہمو صاحبان وغیرہ کی خدمت میں اسی قسم کے ساتھ التماس ہے پبلک کو اس اشتہار کے بعد ایک فائدہ بھی حاصل ہوگا کہ ان تمام قوموں میں سے کس قوم کو درحقیقت اپنے خدا کی عزت اور قسم کا پاس ہے اور اگر اس کے بعد بعض صاحبوں نے پہلو تہی کی تو بلا شبہ ان کا پہلو تہی کرنا گویا اپنے مذہب کی سچائی سے انکار ہے"۔ انتھی۔

اب ہمارے ناظرین کو غور کرنا چاہیے کہ اس جلسے کے اشتہاروں وغیرہ کے دیکھنے اور دعوتوں کے پہنچنے پر کن کن علمائے ہند کی رگ حمیت نے مقدس دین اسلام کی وکالت کے لئے جوش کھایا۔ اور کہاں تک انہوں نے اسلامی حمایت کا بیڑا اٹھا کر حجج و براہین کے ذریعے فرقانی ہیبت کا سکہ غیر مذاہب کے دل پر بٹھانے کے لئے کوشش کی ہے۔

ہمیں معتبر ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ کارکنان جلسہ نے خاص طور پر حضرت مرزا غلام احمد صاحب اور سرسید احمد صاحب کو شریک جلسہ ہونے کے لئے خط لکھا تھا تو حضرت مرزا صاحب نے گو علالت طبع کی وجہ سے بنفس نفیس شریک جلسہ نہ ہو سکے مگر اپنا مضمون بھیج کر اپنے ایک شاگرد خاص جناب مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کو اس کی قرات کے لئے مقرر فرمایا۔ لیکن جناب سرسید نے شریک جلسہ ہونے اور مضمون بھیجنے سے کنارہ کشی فرمائی یہ اس بنا پر نہ تھا کہ وہ معمر ہو چکے اور ایسے جلسوں میں شریک ہونے کے قابل نہ رہے ہیں اور نہ اس بناء پر تھا کہ انہیں ایام میں ایجوکیشنل کانفرنس کا انعقاد میرٹھ میں مقرر ہو چکا تھا بلکہ یہ اس بناء پر تھا کہ مذہبی جلسے ان کی توجہ کے قابل نہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی چٹھی میں جس کو ہم انشاء اللہ تعالیٰ اپنے اخبار میں کسی اور وقت درج کریں گے صاف لکھ دیا ہے کہ وہ کوئی واعظ یا ناصح یا مولوی نہیں۔ یہ کام واعظوں اور ناصحوں کا ہے جلسے کے پروگرام کے دیکھنے اور نیز تحقیق کرنے سے ہمیں یہ پتہ ملا ہے کہ جناب مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری۔ جناب مولوی عبدالحق صاحب دہلوی اور جناب مولوی احمد حسین صاحب عظیم آبادی نے

اس جلسہ کی طرف کوئی جوشیلی توجہ نہیں فرمائی اور نہ ہمارے مقدس زمرہ علماء سے کسی اور لائق فرد نے اپنا مضمون پڑھنے یا پڑھوانے کا عزم بتایا۔ ہاں دو ایک عالم صاحبوں نے بڑی ہمت کر کے ما نحن فیھا میں قدم رکھا۔ مگر الٹا۔ اس لئے انہوں نے یا تو مقرر کردہ مضامین پر کوئی گفتگو نہ کی۔ یا بے سر و پا کچھ ہانک دیا۔ جیسا کہ ہماری آئندہ کی رپورٹ سے واضح ہو گا۔ غرض جلسہ کی کارروائی سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ صرف ایک حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب رئیس قادیان تھے جنہوں نے اس میدان مقابلہ میں اسلامی پہلوانی کا پورا حق ادا فرمایا ہے۔ اور اس انتخاب کو راست کیا ہے جو خاص آپ کی ذات کو اسلامی وکیل مقرر کرنے میں پشاور۔ راولپنڈی۔ جہلم۔ شاہ پور۔ بھیرہ۔ خوشاب۔ سیالکوٹ۔ جموں۔ وزیر آباد۔ لاہور۔ امرت سر۔ گورداسپور۔ لودھیانہ شملہ۔ دہلی۔ انبالہ۔ ریاست پٹیالہ۔ کپور تھلہ۔ ڈیرہ دون۔ الہ آباد۔ مدراس۔ بمبئی۔ حیدر آباد دکن۔ بنگلور وغیرہ بلاد ہند کے مختلف اسلامی فرقوں سے وکالت ناموں کے ذریعہ مزین بدستخط ہو کر وقوع میں آیا تھا۔ حق تو یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اگر اس جلسے میں حضرت مرزا صاحب کا مضمون نہ ہوتا تو اسلامیوں پر غیر مذاہب والوں کے روبرو ذلت و ندامت کا قشقہ لگتا۔ مگر خدا کے زبردست ہاتھ نے مقدس اسلام کو گرنے سے بچا لیا۔ بلکہ اس کو اس مضمون کی بدولت ایسی فتح نصیب فرمائی کہ موافقین تو موافقین مخالفین بھی سچی فطرتی جوش سے کہہ اٹھے کہ یہ مضمون سب پر بالا ہے۔ بالا ہے۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ اختتام مضمون پر حق الامر معاندین کی زبان پر یوں جاری ہو چکا کہ اب اسلام کی حقیقت کھلی اور اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔ جو انتخاب تیر بہدف کی طرح روز روشن میں ٹھیک نکلا۔ اب اس کی مخالفت میں دم زدن کی گنجائش ہے ہی نہیں۔ بلکہ وہ ہمارے فخر و ناز کا موجب ہے اس لئے اس میں اسلامی شوکت ہے اور اسی میں اسلامی عظمت اور حق بھی یہی ہے۔

اگرچہ جلسہ اعظم مذاہب کا ہند میں یہ دوسرا اجلاس تھا لیکن اس نے اپنی شان و شوکت اور جاہ و عظمت کی رو سے سارے ہندستانی کانگرسوں اور کانفرنسوں کو مات کر دیا ہے ہندوستان کے مختلف بلاد کے رؤسا اس میں شریک ہوئے۔ اور ہم بڑی خوشی کے ساتھ یہ ظاہر کیا چاہتے ہیں۔ کہ ہمارے مدراس نے بھی اس میں حصہ لیا ہے جلسہ کی دلچسپی یہاں تک بڑھی کہ مشتہرہ تین دن پر ایک دن بڑھانا پڑا۔ انعقاد جلسہ کے لئے کارکن کمیٹی نے لاہور میں سب سے بڑی وسعت کا مکان اسلامیہ کالج تجویز کیا لیکن خلق خدا کا ازدحام اس قدر تھا کہ مکان کی (وسعت) غیر مکتفی ثابت ہوئی۔ جلسہ کی عظمت کا یہ کافی ثبوت ہے کہ کل پنجاب کے عمائدین کے علاوہ چیف کورٹ اور ہائیکورٹ آلہ آباد کے آنریبل جج

بابو پرتول چندر صاحب اور مسٹر بینرجی نہایت خوشی سے شریک جلسہ ہوئے۔ اس جلسے کے لئے سابق چھ پریذیڈنٹ مقرر ہو چکے تھے جن کے نام نامی یہ ہیں (۱) رائے بہادر بابو پرتول چندر چٹرجی چیفکورٹ پنجاب (۲) خان بہادر شیخ خدا بخش صاحب جج اسمال کاز کورٹ لاہور (۳) رائے بہادر پنڈت رادھا کشن صاحب کول پلیڈر چیف کورٹ و سابق گورنر جموں (۴) سردار دیال سنگھ صاحب رئیس اعظم مجیٹھ (۵) رائے بہادر بھوانید اس صاحب افسر بندوبست ضلع جہلم۔ (۶) مولوی حکیم نور الدین صاحب سابق طبیب شاہی مہاراجہ صاحب بہادر والی کشمیر اور یہی مولوی صاحب تھے جو اختتام جلسہ پر خاتمہ کی تقریر کرنے کے لئے مقرر کئے گئے تھے"۔

لیکچر کا غیر زبانوں میں ترجمہ اور عالمگیر مقبولیت

۱۸۹۷ء میں پہلی دفعہ یہ شہرہ آفاق لیکچر کتابی شکل میں بزبان اردو شائع ہوا۔ لیکن جلد ہی اسے مختلف زبانوں میں منتقل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ اب دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں مثلاً عربی۔ فارسی' انگریزی' جرمنی' انڈونیشی' ہسپانوی' برمی' چینی اور سیلی کے علاوہ کنیاری' ہندی اور گورمکھی میں اس کے تراجم شائع ہو چکے ہیں اور جیسا کہ حضرت اقدسؑ کو کشف میں بتایا گیا تھا۔ دنیا بھر میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا موثر ترین ذریعہ بن رہے ہیں۔ اور بالخصوص مغربی ممالک میں اسلامی تعلیمات کے وسیع اور مقبول ہونے میں تو اس لیکچر کو بڑا بھاری دخل ہے سینکڑوں غیر مسلم اس کا مطالعہ کر کے حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں اور ایک عالم اس کے پاک انوار سے حق و صداقت کی روشنی کی طرف کھچا آرہا ہے "اسلامی اصول کی فلاسفی" کا انگریزی ترجمہ جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے کیا تھا۔ اور اس پر نظر ثانی مسٹر محمد الیگزنڈر رسل ویب (امریکہ) حضرت مولوی شیر علی صاحب بی اے اور چودھری غلام محمد صاحب سیالکوٹی نے کی تھی۔ [۲۲] یہ ترجمہ ۱۹۱۰ء کے وسط میں لنڈن میں چھپا تھا۔

"اسلامی اصول کی فلاسفی" مغربی مفکرین کی نظر میں

امریکہ و یورپ میں جب "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے ترجمہ کی اشاعت ہوئی تو اسے زبردست مقبولیت نصیب ہوئی۔ اور مغربی مفکرین نے اس لیکچر کو بے حد سراہا۔ چند آراء بطور مثال درج ذیل ہیں۔

۱۔ نامور روسی مفکر اکاؤنٹ ٹالسٹائی نے کہا:۔

"The ideas are very profound and very true".

یہ خیالات نہایت گہرے اور سچے ہیں۔

۲۔ "تھیوسافیکل بک نوٹس" نے لکھا:-

"Admirably calculated to appeal to the student of comparative religion, who will find exactly what he wants to know as Mohammedan doctrines on souls and bodies, divine existence, moral law and much else".

Theosophical Book Notes: (مارچ ۱۹۱۲ء)

قابل تعریف۔ نپا تلا انداز جو مقابلہ مذاہب کے ایسے طالب علم کو بہت متاثر کرتا ہے جسے اس میں وہ سب کچھ مل جاتا ہے جو وہ محمدی قوانین کی روشنی میں روح، جسم، روحانی زندگی، اخلاقی قوانین اور دیگر بہت سے متعلقہ امور کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔ (مارچ ۱۹۱۲ء)

۳۔ "دی انگلش میل" نے یہ رائے دی کہ:-

"A summary of really Islamic Ideas".

The English Mail: (۲۷۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء)

"حقیقی اسلامی خیالات کا خلاصہ" (۲۷۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء)

۴۔ "دی برسٹل ٹائمز اینڈ مرر" نے تبصرہ کیا کہ:-

"Clearly it is no ordinary person who thus addresses himself to the West".

The Bristol Times and Mirror:

یقیناً وہ شخص جو اس رنگ میں مغرب کو مخاطب کرتا ہے کوئی معمولی آدمی نہیں۔

۵۔ دی ڈیلی نیوز (شکاگو) نے لکھا۔

character of the author is apparent".

Chicago :- (۱۹۔ مارچ ۱۹۱۲ء) "The devout and earnest

The Daily News,

اس مصنف کا نہایت پر خلوص اور حقیقت پر مبنی کردار بالکل عیاں ہے۔

۶۔ دی اینگلو بیلجین ٹائمز (برسلز) نے کتاب پر درج ذیل خیالات کا اظہار کیا:-

"The Teaching of Islam" turns out a wonderful commentary on the Quran (the Muslim Scripture) itself. The author,s method has a further moral, and this is one which, to our mind, all writers on religion will do well to consider. It is that a religious treatise should be affirmative rather than negative in character. It should insist on the beauties of the one system rather than on the defects of another. "The Teaching of Islam" demonstrates the principle in a pre- eminent degree, and the

result is that the author has been able, without being in the least bitter towards any non- Muslim system, to guide the reader to an appreciation of Muslim fundamentals such as would have been impossible otherwise. The book rings with sincerity and conviction".

The Anglo- Belgian Times, Brussels:

"ٹیچنگ آف اسلام" مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن کریم کی ایک نہایت عمدہ تفسیر ہے۔ مصنف کا اسلوب بیان ایک مزید اخلاقی معیار قائم کرتا ہے۔ جسے ہمارے نزدیک مذہب پر لکھنے والے تمام مصنفین کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک مذہبی تصنیف کا انداز منفی نہیں بلکہ مثبت ہونا چاہئے۔ اسے کسی بھی سسٹم کی خوبیاں واضح کرنی چاہئیں نہ کہ محض دوسرے کی خامیاں۔ کتاب "ٹیچنگز آف اسلام" یہ اصول نہایت واضح طور پر قائم کرتی ہے جس کی بنا پر اس کا مصنف قاری کو اسلام کے بنیادی اصولوں کی ستائش کی ترغیب کی خاطر کسی اور غیر مسلم سسٹم کے خلاف تلخ رویہ اختیار نہیں کرتا۔ اور یہ بات کوئی اور طرز بیان اختیار کرنے سے ممکن نہ تھی۔ الغرض یہ کتاب خلوص اور حق الیقین کا مرقع ہے۔ [23]

۱۸۹۶ء کے بعض صحابہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض جلیل القدر صحابہ جنہوں نے ۱۸۹۶ء میں سلسلہ حقہ میں شمولیت اختیار کی یہ ہیں۔

(۱) حضرت ملک نورالدین صاحب۔ [24]

(۲) حضرت میاں فضل محمد صاحب ہرسیاں ضلع گورداسپور۔ [25]

(۳) حضرت ڈاکٹر بوڑیخاں صاحب قصور۔ [26]

(۴) حضرت مولوی عبدالمغنی صاحب جہلم [27]

(۵) حضرت ماسٹر فقیر اللہ صاحب۔ [28]

حضرت مولوی امام الدین صاحب گولیکی ۹۷-۱۸۹۶ء میں داخل سلسلہ ہوئے۔ آپ کا مختصر تذکرہ پہلے آچکا ہے

حواشی

۱- "رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب" صفحہ ۲۵۳-۲۵۴- مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور ۱۸۹۷ء
۲- ایضاً
۳- ابتداءً لاہور کے ٹاؤن ہال ہی میں اس جلسہ کے منعقد ہونے کا فیصلہ ہوا تھا (تبلیغ رسالت جلد پنجم صفحہ ۷۷)
۴- رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ ب
۵- بحوالہ الفضل ۵- جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۵-۷
۶- حقیقتہ الوحی (طبع اول) صفحہ ۲۷۸-۲۷۹
۷- "تبلیغ رسالت" جلد پنجم صفحہ ۷۷-۷۹
۸- اخبار الحکم ۱۰- جون ۱۹۰۱ء صفحہ ۹ کالم نمبر ۱
۹- "رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب" صفحہ ۷۹-۸۰
۱۰- "رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب" صفحہ ۱۴۰
۱۱- اگلے اجلاس کی صدارت کے فرائض شیخ صاحب موصوف سرانجام دینے والے تھے اسی لئے یہ استدعا انہی سے کی گئی تھی۔
۱۲- "رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب" طبع اول صفحہ ۱۴۰-۱۴۱
۱۳- "رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب" صفحہ ۱۴۷ ایضاً اشاعۃ السنہ جلد ۱۸ صفحہ ۶۱
۱۴- رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ ۲۰۳-۲۰۴ (طبع اول)
۱۵- رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ ۲۱۱
۱۶'۱۷ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۳۲- صفحہ ۳۳ طبع اول۔
۱۸- حقیقتہ الوحی صفحہ ۲۷۹ و سراج منیر صفحہ ۳۱ طبع اول
۱۹- ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۳۲ حاشیہ
۲۰- دیکھو پنجاب آبزرور ۲- جنوری ۹- جنوری- صادق الاخبار بہاولپور مشیر ہند لاہور وغیرہ- منہ
۲۱- "اخبار چودھویں صدی" یکم فروری ۱۸۹۷ء صفحہ ۴ کالم نمبر ۲-۱ (اصل اخبار خلافت لائبریری میں موجود ہے)
۲۲- (مقدمہ) "The Teachings of Islam" (طبع اول) مطبوعہ "Lugae and Co 46, Great Russell Street London
۲۳- "سلسلہ احمدیہ صفحہ ۷۱ - ۷۲ (مؤلفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) ذکر حبیب صفحہ ۳۹۹- ۴۰۱ مطبوعہ قادیان (از حضرت مفتی محمد صادق صاحب) رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹۰ تا صفحہ ۲۹۷- - Ahmad the Promised World Teacher. P: 484- 485
CompiledbyAbdullahAllahDinSecunderabad(India)-1922
۲۴- ولادت ۱۸۶۷ء وفات ۳۱- اکتوبر ۱۹۳۴ء آپ کا حضرت مولانا نور الدین صاحب کے خاندان سے رضاعت کا تعلق تھا۔ اس لئے حضرت مولانا بھی ان کو بہت محبت سے دیکھتے تھے۔ عرصہ تک راولپنڈی میں ملازم رہے۔ ۱۹۲۸ء میں ہجرت کر کے قادیان آگئے اور سلسلہ کی متعدد آنریری خدمات سرانجام دیں۔ وفات سے ایک سال قبل حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے۔
۲۵- والد ماجد ابو البشارت مولانا عبد الغفور صاحب فاضل ۱۷- نومبر ۱۹۵۶ء کو انتقال کیا۔ بیعت کے بعد آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی عمر ۴۵ سال ہوگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں جب انہوں نے اس کا ذکر کیا تو حضور نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ اسے دگنی کرنے پر بھی قادر ہے۔ چنانچہ ۹۰ سال کی عمر میں ہی آپ کا وصال ہوا۔ اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہوئے۔
۲۶- ۳۱۳ اصحاب میں آپ کا نام ۱۶۰ نمبر پر ہے۔ جولائی ۱۸۹۹ء میں انتقال ہوا۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

پڑھائی - احمدیہ جنتری ۱۹۲۱ء صفحہ ۶۱ مولفہ محمد منظور الٰہی صاحب - احمدیہ بلڈنگس لاہور مطبع اسلامیہ سٹیم پریس لاہور -

۲۷ - آپ حضرت مولوی برہان الدین کے فرزند تھے اور ۳۱۳ اصحاب میں سے (نمبر ۱۹۰) تاریخ وفات ۱۱ - جون ۱۹۶۶ء -

۲۸ - تاریخ ولادت ۲۴ - جون ۱۸۷۶ء حضرت مولانا غلام حسن خان صاحب پشاوری سے کتاب "ازالہ اوہام" لے کر مطالعہ کی اور احمدیت میں آگئے - اگلے سال قادیان کی طرف ہجرت اختیار کی جہاں مدرس تعلیم الاسلام ہائی سکول 'سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ 'مینجر ریویو آف ریلیجنز اردو وانگریزی 'نائب محاسب صدر انجمن احمدیہ اور دفاتر کے سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے سالہا سال تک سلسلہ کی خدمت میں سرگرم عمل رہے - ۱۹۱۴ء سے ۱۹۴۴ء تک احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے منسلک ہو کر انجمن کے مختلف اہم عہدوں پر فائز رہے - مگر جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مصلح موعود ہونے کا دعویٰ فرمایا تو آپ دوبارہ خلافت اور مرکز احمدیت سے وابستہ ہو گئے اور (۱۰ - مارچ ۱۹۴۴ء کو) حضرت مصلح موعود کی بیعت کرلی - اس وقت تحریک جدید کے افسر امانت ہیں - (۹ - اگست ۱۹۶۵ء کو انتقال فرمایا)

ماموریت کا سولھواں سال

اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا پر شوکت چیلنج اور تصنیف و اشاعت "انجام آتھم"

(۱۸۹۷ء)

مسٹر عبداللہ آتھم ۲۷- جولائی ۱۸۹۶ء کو فوت ہوئے تھے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے پبلک کو اسلام کی صداقت کے اس زندہ نشان کی طرف دوبارہ توجہ دلانے کے لئے ایک مفصل کتاب "انجام آتھم" تصنیف فرمائی جو ۲۲- جنوری ۱۸۹۷ء کو شائع ہوئی-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کا ظہور

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ امام مہدی کدعہ نامی گاؤں سے ظاہر ہوگا- خدا تعالیٰ اس مہدی کی اپنے نشانات کے ذریعہ تصدیق کرے گا اور دور دور سے اس کے اصحاب جمع کرے گا جن کی تعداد اہل بدر کی طرح تین سو تیرہ ہوگی اور ان کے نام ایک مطبوعہ کتاب میں درج ہوں گے- [۱] رسول خدا ﷺ کی یہ عظیم الشان خبر اگرچہ "آئینہ کمالات اسلام" کے ذریعہ سے بھی (جس میں حضور نے اپنے ۳۲۷ اصحاب کے نام شائع کئے تھے) پوری ہو چکی تھی- مگر معین شکل میں یہ پیشگوئی انجام آتھم کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوئی- کیونکہ اس میں آپ نے ۳۱۳ اصحاب کی فہرست شائع فرمائی جو آپ کے دعویٰ مہدویت پر ایک آسمانی نشان تھا- حضور نے اس فہرست میں برصغیر ہند و پاکستان کے مختلف اصحاب کے علاوہ شام، طائف، بغداد، ممباسہ (افریقہ) بخارا اور لندن کے بعض خدام کے نام بھی درج فرمائے-

۳۱۳- اصحاب کبار کی فہرست

یہ فہرست چونکہ آنحضرت ﷺ کی ایک عظیم الشان پیشگوئی کو پورا کرتی ہے اس لئے ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

۱۔ منشی جلال الدین صاحب پنشنر۔ سابق میر منشی رجمنٹ نمبر ۱۲۔ موضع بلانی۔ کھاریاں	ضلع گجرات
۲۔ مولوی حافظ فضل دین صاحب "	ضلع گجرات
۳۔ میاں محمد دین پٹواری بلانی	ضلع گجرات
۴۔ قاضی یوسف علی نعمانی معہ اہل بیت۔ تشام۔	حصار
۵۔ میرزا امین بیگ صاحب معہ اہل بیت۔ بہالوجی۔	جے پور
۶۔ مولوی قطب الدین صاحب۔ بدوملی۔	سیالکوٹ
۷۔ منشی روڑا صاحب۔	کپور تھلہ
۸۔ میاں محمد خاں صاحب۔	کپور تھلہ
۹۔ منشی ظفر احمد صاحب۔	کپور تھلہ
۱۰۔ منشی عبدالرحمٰن صاحب۔	کپور تھلہ
۱۱۔ منشی فیاض علی صاحب۔	کپور تھلہ
۱۲۔ مولوی عبدالکریم صاحب۔	سیالکوٹ
۱۳۔ سید حامد شاہ صاحب۔	سیالکوٹ
۱۴۔ منشی وزیر الدین صاحب۔	کانگڑہ
۱۵۔ منشی گوہر علی صاحب۔	جالندھر
۱۶۔ مولوی غلام علی صاحب ڈپٹی۔ رہتاس۔	جہلم
۱۷۔ میاں نبی بخش صاحب رفوگر۔	امرت سر
۱۸۔ میاں عبدالخالق صاحب رفوگر۔	امرتسر
۱۹۔ میاں قطب الدین خان صاحب۔ مس گر	امرت سر
۲۰۔ مولوی عبدالحمید صاحب۔ حیدر آباد۔	دکن
۲۱۔ مولوی حاجی حکیم نور الدین صاحب۔ معہ ہردو زوجہ۔	بھیرہ ضلع شاہ پور
۲۲۔ مولوی سید محمد احسن صاحب امروہہ	ضلع مراد آباد
۲۳۔ مولوی حاجی حافظ حکیم فضل دین صاحب معہ ہردو زوجہ۔	بھیرہ ضلع شاہ پور
۲۴۔ صاحبزادہ محمد سراج الحق صاحب۔ جمالی نعمانی۔ قادیانی۔ سابق سرساوی۔ معہ اہل بیت	
۲۵۔ سید ناصر نواب صاحب دہلوی۔ حال قادیانی	
۲۶۔ صاحبزادہ افتخار احمد صاحب لدھیانوی معہ اہل بیت قادیانی	
۲۷۔ صاحبزادہ منظور محمد صاحب۔ لدھیانوی معہ اہل بیت قادیانی	
۲۸۔ حافظ حاجی مولوی احمد اللہ خاں معہ اہل بیت قادیانی	
۲۹۔ سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب حاجی اللہ رکھا معہ اہل بیت مدراس	

۳۰۔ میاں جمال الدین سیکھواں گورداسپور معہ اہل بیت۔	
۳۱۔ میاں خیرالدین سیکھواں گورداسپور معہ اہل بیت	
۳۲۔ میاں امام الدین سیکھواں گورداسپور معہ اہل بیت	
۳۳۔ میاں عبدالعزیز پٹواری گورداسپور معہ اہل بیت	
۳۴۔ منشی گلاب دین۔ رہتاس۔	جہلم
۳۵۔ قاضی ضیاء الدین صاحب۔	قاضی کوٹی
۳۶۔ میاں عبداللہ صاحب پٹواری۔ سنوری	
۳۷۔ شیخ عبدالرحیم صاحب نومسلم سابق لیس دفعدار رسالہ نمبر ۱۲۔ چھاؤنی	سیالکوٹ
۳۸۔ مولوی مبارک علی صاحب امام	سیالکوٹ
۳۹۔ میرزا نیاز بیگ صاحب	کلانوری
۴۰۔ میرزا یعقوب بیگ صاحب........	کلانوری
۴۱۔ میرزا ایوب بیگ صاحب معہ اہل بیت "	کلانوری
۴۲۔ میرزا خدا بخش صاحب معہ اہل بیت	جھنگ
۴۳۔ سردار نواب محمد علی خاں صاحب رئیس	مالیر کوٹلہ
۴۴۔ سید محمد عسکری خان صاحب سابق اکسٹرا اسسٹنٹ	الہ آباد
۴۵۔ میرزا محمد یوسف بیگ صاحب سامانہ ریاست	پٹیالہ
۴۶۔ شیخ شہاب الدین صاحب........	لدھیانہ
۴۷۔ شہزادہ عبدالمجید صاحب	"
۴۸۔ منشی حمید الدین صاحب	"
۴۹۔ میاں کرم الٰہی صاحب	"
۵۰۔ قاضی زین العابدین صاحب خانپور۔	سرہند
۵۱۔ مولوی غلام حسن صاحب رجسٹرار۔	پشاور
۵۲۔ محمد انوار حسین خاں صاحب شاہ آباد۔	ہردوئی
۵۳۔ شیخ فضل الٰہی صاحب۔	فیض اللہ چک
۵۴۔ میاں عبدالعزیز صاحب........	دہلی
۵۵۔ مولوی محمد سعید صاحب۔	شامی طرابلسی
۵۶۔ مولوی حبیب شاہ صاحب۔	خوشاب
۵۷۔ حاجی احمد صاحب.......	بخارا
۵۸۔ حافظ نور محمد صاحب۔	فیض اللہ چک
۵۹۔ شیخ نور احمد صاحب.......	امرت سر
۶۰۔ مولوی جمال الدین صاحب۔	سید والہ
۶۱۔ میاں عبداللہ صاحب۔	ٹھٹھہ شیر کا
۶۲۔ میاں اسمٰعیل صاحب.	سرساوہ
۶۳۔ میاں عبدالعزیز صاحب نومسلم	قادیان
۶۴۔ خواجہ کمال الدین صاحب بی۔اے مع اہل بیت	لاہور

۶۵۔مفتی محمد صادق صاحب بھیرہ	ضلع شاہ پور
۶۶۔شیر محمد خان صاحب بکھر " "	ضلع شاہ پور
۶۷۔منشی محمد افضل صاحب لاہور۔حال	ممباسہ
۶۸۔ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خان صاحب گوڑیانی ملازم	ممباسہ
۶۹۔میاں کریم الدین صاحب مدرس	قلعہ سوبھا سنگھ
۷۰۔سید محمد اسمٰعیل دہلوی طالبعلم۔	حال قادیان
۷۱۔بابو تاج الدین صاحب اکوشٹ	لاہور
۷۲۔شیخ رحمت اللہ صاحب تاجر	لاہور
۷۳۔شیخ نبی بخش صاحب " " "	لاہور
۷۴۔منشی معراج الدین صاحب " " "	لاہور
۷۵۔شیخ مسیح اللہ صاحب......	شاہجہانپوری
۷۶۔منشی چوہدری نبی بخش صاحب مع اہل بیت۔	بٹالہ
۷۷۔میاں محمد اکبر صاحب	بٹالہ
۷۸۔شیخ مولا بخش صاحب۔ڈنگہ۔	گجرات
۷۹۔سید امیر علی شاہ صاحب سارجنٹ۔	سیالکوٹ
۸۰۔میاں محمد جان صاحب......	وزیر آباد
۸۱۔میاں شادی خان صاحب۔	سیالکوٹ
۸۲۔میاں محمد نواب خان صاحب تحصیلدار۔	جہلم
۸۳۔میاں عبداللہ خان صاحب برادر نواب خان صاحب	جہلم
۸۴۔مولوی برہان الدین صاحب	جہلم
۸۵۔شیخ غلام نبی صاحب......	راولپنڈی
۸۶۔بابو محمد بخش صاحب ہیڈ کلرک۔	چھاؤنی انبالہ
۸۷۔منشی رحیم بخش صاحب میونسپل کمشنر۔	لدھیانہ
۸۸۔منشی عبدالحق صاحب کرانچی والا۔	لدھیانہ
۸۹۔حافظ فضل احمد صاحب......	لاہور
۹۰۔قاضی امیر حسین صاحب......	بھیرہ
۹۱۔مولوی حسن علی صاحب مرحوم......	بھاگلپور
۹۲۔مولوی فیض احمد صاحب لنگیانوالی۔	گوجرانوالہ
۹۳۔سید محمود شاہ صاحب مرحوم۔	سیالکوٹ
۹۴۔مولوی غلام امام صاحب عزیز الواعظین۔منی پور۔	آسام
۹۵۔رحمان شاہ صاحب ناگپور ضلع چاندہ۔	ورڈڑہ
۹۶۔میاں جان محمد صاحب مرحوم۔	قادیان
۹۷۔منشی فتح محمد معہ اہل بیت بزدار لیہ	ڈیرہ اسماعیل خان
۹۸۔شیخ محمد صاحب............	کمی
۹۹۔حاجی منشی احمد جان صاحب مرحوم۔	لدھیانہ
۱۰۰۔منشی پیر بخش صاحب مرحوم..........	جالندھر

۱۰۱۔شیخ عبدالرحمٰن صاحب نومسلم.........	قادیان
۱۰۲۔حاجی عصمت اللہ صاحب..........	لدھیانہ
۱۰۳۔میاں پیر بخش صاحب..........	لدھیانہ
۱۰۴۔منشی ابراہیم صاحب..........	لدھیانہ
۱۰۵۔منشی قمرالدین صاحب..........	لدھیانہ
۱۰۶۔حاجی محمد امیر خان صاحب......	سہارنپور
۱۰۷۔حاجی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم	لدھیانہ
۱۰۸۔قاضی خواجہ علی صاحب..........	لدھیانہ
۱۰۹۔منشی تاج محمد خان صاحب......	لدھیانہ
۱۱۰۔سید محمد ضیاء الحق صاحب......	روپڑ
۱۱۱۔شیخ محمد عبدالرحمٰن صاحب عرف شعبان.....	کابلی
۱۱۲۔خلیفہ رجب دین صاحب تاجر....	لاہور
۱۱۳۔پیرجی خدا بخش صاحب مرحوم۔	ڈیرہ دون
۱۱۴۔حافظ مولوی محمد یعقوب خان صاحب	ڈیرہ دون
۱۱۵۔شیخ چراغ علی نمبردار......	تھہ غلام نبی
۱۱۶۔محمد اسمٰعیل غلام کبریا صاحب فرزند رشید مولوی محمد احسن صاحب امروہی	
۱۱۷۔احمد حسن صاحب فرزند رشید مولوی محمد احسن صاحب امروہی۔	
۱۱۸۔سیٹھ احمد صاحب عبدالرحمٰن حاجی اللہ رکھا تاجر مدراس	
۱۱۹۔سیٹھ صالح محمد صاحب حاجی اللہ رکھا	تاجر مدراس
۱۲۰۔سیٹھ ابراہیم صاحب صالح محمد حاجی اللہ رکھا	تاجر مدراس
۱۲۱۔سیٹھ عبدالحمید صاحب حاجی ایوب حاجی اللہ رکھا	تاجر مدراس
۱۲۲۔حاجی مہدی صاحب عربی۔بغدادی نزیل	مدراس
۱۲۳۔سیٹھ محمد یوسف صاحب حاجی اللہ رکھا۔	مدراس
۱۲۴۔مولوی سلطان محمود صاحب۔میلاپور	مدراس
۱۲۵۔حکیم محمد سعید صاحب " "	مدراس
۱۲۶۔منشی قادر علی صاحب " "	مدراس
۱۲۷۔منشی غلام دستگیر صاحب " "	مدراس
۱۲۸۔منشی سراج دین صاحب ترل کھیڑی.......... "	مدراس
۱۲۹۔قاضی مرتضیٰ صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر حال پنشنر	مظفرگڑھ
۱۳۰۔مولوی عبدالقادر خان صاحب	جمالپور۔لدھیانہ
۱۳۱۔مولوی عبدالقادر صاحب	خاص لدھیانہ
۱۳۲۔مولوی رحیم اللہ صاحب مرحوم	لاہور
۱۳۳۔مولوی غلام حسین صاحب	"

۱۳۴- مولوی غلام نبی صاحب مرحوم۔	خوشاب۔ شاہپور
۱۳۵- مولوی محمد حسین صاحب	علاقہ ریاست کپورتھلہ
۱۳۶- مولوی شہاب الدین صاحب	غزنوی کابلی
۱۳۷- مولوی سید تفضل حسن صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ علی گڑھ ضلع فرخ آباد	
۱۳۸- منشی صادق حسین صاحب مختار	اٹاوہ
۱۳۹- شیخ مولوی فضل حسین صاحب احمد آبادی	جہلم
۱۴۰- میاں عبد العلی موضع عبد الرحمٰن	ضلع شاہپور
۱۴۱- منشی نصیر الدین صاحب لونی	حال حیدر آباد
۱۴۲- قاضی محمد یوسف صاحب قاضی کوٹ۔	گوجرانوالہ
۱۴۳- قاضی فضل الدین صاحب "	"
۱۴۴- قاضی سراج الدین صاحب "	"
۱۴۵- قاضی عبد الرحیم صاحب فرزند رشید قاضی ضیاء الدین صاحب کوٹ قاضی	گوجرانوالہ
۱۴۶- شیخ کرم الٰہی صاحب کلرک ریلوے	پٹیالہ
۱۴۷- میرزا اعظیم بیگ صاحب مرحوم	سامانہ پٹیالہ
۱۴۸- میرزا ابراہیم بیگ صاحب مرحوم	" "
۱۴۹- میاں غلام محمد طالب علم بچھرالہ........	لاہور
۱۵۰- مولوی محمد فضل صاحب۔ چنگا۔	گوجر خاں
۱۵۱- ماسٹر قادر بخش صاحب.........	لدھیانہ
۱۵۲- منشی الہ بخش صاحب............	لدھیانہ
۱۵۳- حاجی ملا نظام الدین صاحب.....	لدھیانہ
۱۵۴- عطاء الٰہی۔ غوث گڑھ..........	پٹیالہ
۱۵۵- مولوی نور محمد صاحب مانگٹ.....	پٹیالہ
۱۵۶- مولوی کریم اللہ صاحب.....	امرت سر
۱۵۷- سید عبد الہادی صاحب سولن...........	شملہ
۱۵۸- مولوی محمد عبد اللہ خان صاحب........	پٹیالہ
۱۵۹- ڈاکٹر عبد الحکیم خان صاحب........	پٹیالہ
۱۶۰- ڈاکٹر بوڑیخان صاحب۔	قصور ضلع لاہور
۱۶۱- ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب لاہور	حال چکراتہ
۱۶۲- غلام محی الدین خان صاحب فرزند ڈاکٹر بوڑے خان صاحب	
۱۶۳- مولوی صفدر حسین صاحب۔	حیدر آباد دکن
۱۶۴- خلیفہ نور دین صاحب............	جموں
۱۶۵- میاں اللہ دتا صاحب.........	جموں
۱۶۶- منشی عزیز الدین صاحب	کانگڑہ
۱۶۷- سید مہدی حسین صاحب	علاقہ پٹیالہ
۱۶۸- مولوی حکیم نور محمد صاحب.........	موکل
۱۶۹- حافظ محمد بخش مرحوم........	کوٹ قاضی
۱۷۰- چوہدری شرف الدین صاحب کوٹلہ فقیر۔	جہلم
۱۷۱- میاں رحیم بخش صاحب.....	امرت سر
۱۷۲- مولوی محمد افضل صاحب کملہ۔	گجرات
۱۷۳- میاں اسمٰعیل صاحب...	امرت سری
۱۷۴- مولوی غلام جیلانی صاحب گھڑونواں۔	جالندھر
۱۷۵- منشی امانت خان صاحب۔ نادون۔	کانگڑہ
۱۷۶- قاری محمد صاحب....	جہلم
۱۷۷- میاں کرم داد معہ اہل بیت.........	قادیان
۱۷۸- حافظ نور احمد.........	لدھیانہ
۱۷۹- میاں کرم الٰہی صاحب....	لاہور
۱۸۰- میاں عبد الصمد صاحب....	نارووال
۱۸۱- میاں غلام حسین معہ اہلیہ۔	رہتاس
۱۸۲- میاں نظام الدین صاحب........	جہلم
۱۸۳- میاں محمد صاحب...........	جہلم
۱۸۴- میاں علی محمد صاحب.........	"
۱۸۵- میاں عباس خان۔ کہوہار۔	گجرات
۱۸۶- میاں قطب الدین صاحب کوٹلہ فقیر۔	جہلم
۱۸۷- میاں اللہ دتا خان صاحب اڑیالہ	"
۱۸۸- محمد حیات صاحب چک جانی	"
۱۸۹- مخدوم مولوی محمد صدیق صاحب۔	بھیرہ
۱۹۰- عبد المغنی صاحب فرزند رشید مولوی برہان الدین صاحب جہلمی	
۱۹۱- قاضی چراغ الدین۔ کوٹ قاضی	گوجرانوالہ
۱۹۲- میاں فضل الدین صاحب قاضی کوٹ	"
۱۹۳- میاں علم الدین صاحب کوٹلہ فقیر۔	جہلم
۱۹۴- قاضی میر محمد صاحب	کوٹ کھلیان
۱۹۵- میاں اللہ دتا صاحب۔ نت۔	گوجرانوالہ
۱۹۶- میاں سلطان محمد صاحب..........	"
۱۹۷- مولوی خان ملک صاحب....	کھیوال
۱۹۸- میاں اللہ بخش صاحب علاقہ بند۔	امرت سر
۱۹۹- مولوی عنایت اللہ صاحب مدرس	مانانوالہ
۲۰۰- منشی میراں بخش صاحب.........	گوجرانوالہ
۲۰۱- مولوی احمد جان صاحب مدرس	"
۲۰۲- مولوی حافظ احمد دین چک سکندر۔	گجرات

۲۰۳۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کھیوال۔	جہلم
۲۰۴۔ میاں مہردین صاحب.......	لالہ موسیٰ
۲۰۵۔ میاں ابراہیم صاحب پنڈوری۔	جہلم
۲۰۶۔ سید محمود شاہ صاحب فتح پور۔	گجرات
۲۰۷۔ محمد جو صاحب.......	امرت سر
۲۰۸۔ منشی شاہ دین صاحب۔ دینا........	جہلم
۲۰۹۔ منشی روشن دین صاحب ڈنڈوٹ.........	"
۲۱۰۔ حکیم فضل الٰہی صاحب.......	لاہور
۲۱۱۔ شیخ عبداللہ دیوانچند صاحب کمپونڈر	لاہور
۲۱۲۔ منشی محمد علی صاحب........	"
۲۱۳۔ منشی امام الدین صاحب کلرک..........	"
۲۱۴۔ منشی عبدالرحمٰن صاحب "	"
۲۱۵۔ خواجہ جمال الدین صاحب بی۔ اے۔	لاہور حال جموں
۲۱۶۔ منشی مولا بخش صاحب کلرک......	لاہور
۲۱۷۔ شیخ محمد حسن صاحب مراد آبادی۔	پٹیالہ
۲۱۸۔ عالم شاہ صاحب کھاریاں.....	گجرات
۲۱۹۔ مولوی شیر محمد صاحب ہوجن.....	شاہ پور
۲۲۰۔ میاں محمد اسحٰق صاحب اوورسیر۔ بھیرہ	حال ممباسہ
۲۲۱۔ میرزا اکبر بیگ صاحب...	کلانور
۲۲۲۔ مولوی محمد یوسف صاحب.....	سنور
۲۲۳۔ میاں عبدالصمد صاحب.........	سنور
۲۲۴۔ منشی عطا محمد صاحب.........	سیالکوٹ
۲۲۵۔ شیخ مولا بخش صاحب	سیالکوٹ
۲۲۶۔ سید خصیلت علی شاہ صاحب ڈپٹی انسپکٹر	ڈنگہ
۲۲۷۔ منشی رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر	گورداسپورہ
۲۲۸۔ سید احمد علی شاہ صاحب	سیالکوٹ
۲۲۹۔ ماسٹر غلام محمد صاحب......	سیالکوٹ
۲۳۰۔ حکیم محمد دین صاحب.....	"
۲۳۱۔ میاں غلام محی الدین صاحب.....	"
۲۳۲۔ میاں عبدالعزیز صاحب......	"
۲۳۳۔ منشی محمد الدین صاحب......	"
۲۳۴۔ منشی عبدالمجید صاحب اوجلہ۔	گورداسپور
۲۳۵۔ میاں خدا بخش صاحب بٹالہ	"
۲۳۶۔ منشی حبیب الرحمٰن صاحب حاجی پور۔	کپور تھلہ
۲۳۷۔ محمد حسین صاحب لنگیاں والی۔	گوجرانوالہ
۲۳۸۔ منشی زین الدین محمد ابراہیم۔ انجینئر۔	بمبئی

۲۳۹۔ سید فضل شاہ صاحب.......	لاہور
۲۴۰۔ سید ناصر صاحب اوورسیر۔	اوڑی کشمیر
۲۴۱۔ منشی عطا محمد صاحب۔ چنیوٹ۔	جھنگ
۲۴۲۔ شیخ نور احمد صاحب جالندھر	حال ممباسہ
۲۴۳۔ منشی سرفراز خان صاحب.....	جھنگ
۲۴۴۔ مولوی سید محمد رضوی صاحب	حیدر آباد
۲۴۵۔ مفتی فضل الرحمٰن صاحب مع اہلیہ۔	بھیرہ
۲۴۶۔ حافظ محمد سعید صاحب بھیرہ	حال لندن
۲۴۷۔ مستری قطب الدین صاحب	بھیرہ
۲۴۸۔ مستری عبدالکریم صاحب	"
۲۴۹۔ مستری غلام الٰہی صاحب	"
۲۵۰۔ میاں عالم دین صاحب	"
۲۵۱۔ میاں محمد شفیع صاحب	"
۲۵۲۔ میاں نجم الدین صاحب	"
۲۵۳۔ میاں خادم حسین صاحب	"
۲۵۴۔ بابو غلام رسول صاحب "	"
۲۵۵۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب نومسلم	"
۲۵۶۔ مولوی سردار محمد صاحب	لون میانی
۲۵۷۔ مولوی دوست محمد صاحب	"
۲۵۸۔ مولوی حافظ محمد صاحب بھیرہ	حال کشمیر
۲۵۹۔ مولوی شیخ قادر بخش صاحب۔	احمد آباد
۲۶۰۔ منشی اللہ داد صاحب کلرک چھاؤنی	شاہ پور
۲۶۱۔ میاں حاجی وریام..........	خوشاب
۲۶۲۔ حافظ مولوی فضل دین صاحب......	خوشاب
۲۶۳۔ سید دلدار علی صاحب بلہور۔	کانپور
۲۶۴۔ سید رمضان علی صاحب بلہور	کانپور
۲۶۵۔ سید جیون علی صاحب پلول۔	حال الہ آباد
۲۶۶۔ سید فرزند حسین صاحب چاند پور	"
۲۶۷۔ سید اہتمام علی صاحب موہروںڈا	"
۲۶۸۔ حاجی نجف علی صاحب۔ کٹرہ محلہ	الہ آباد
۲۶۹۔ شیخ گلاب صاحب " "	"
۲۷۰۔ شیخ خدا بخش صاحب " "	"
۲۷۱۔ حکیم محمد حسین صاحب......	لاہور
۲۷۲۔ میاں عطا محمد صاحب......	سیالکوٹ
۲۷۳۔ میاں محمد دین صاحب.........	جموں
۲۷۴۔ میاں محمد حسن صاحب عطار.........	لدھیانہ

۲۷۵۔ سید نیاز علی صاحب بدایوں۔	حال رامپور
۲۷۶۔ ڈاکٹر عبدالشکور صاحب......	سرسہ
۲۷۷۔ شیخ حافظ الہ دین صاحب بی۔اے۔	جھاوریاں
۲۷۸۔ میاں عبدالسبحان..........	لاہور
۲۷۹۔ میاں شامت خان.........	نارون
۲۸۰۔ مولوی عبدالحکیم صاب دہارو ار علاقہ	بمبئی
۲۸۱۔ قاضی عبداللہ صاحب۔	کوٹ قاضی
۲۸۲۔ عبدالرحمٰن صاحب پٹواری۔	سنوری
۲۸۳۔ برکت علی صاحب مرحوم	تہہ غلام نبی
۲۸۴۔ شہاب الدین صاحب	" "
۲۸۵۔ صاحب دین صاحب تہال	گجرات
۲۸۶۔ مولوی غلام حسن مرحوم.....	دینانگر
۲۸۷۔ نواب دین مدرس	دینانگر
۲۸۸۔ احمد دین صاحب..........	منارہ
۲۸۹۔ عبداللہ صاحب قرآنی.....	لاہور
۲۹۰۔ کرم الٰہی صاحب کمپازیٹر......	"
۲۹۱۔ سید محمد آفندی.......	ترکی
۲۹۲۔ عثمان عرب صاحب.........	طائف شریف
۲۹۳۔ عبدالکریم صاحب مرحوم۔	چمارو
۲۹۴۔ عبدالوہاب صاحب......	بغدادی
۲۹۵۔ میاں کریم بخش صاحب مرحوم و مغفور جمالپور ضلع	لدھیانہ
۲۹۶۔ عبدالعزیز صاحب عرف عزیزالدین....	ناسنگ
۲۹۷۔ حافظ غلام محی الدین صاحب۔ بھیرہ حال	قادیان
۲۹۸۔ محمد اسمٰعیل صاحب نقشہ نویس	کالکا ریلوے
۲۹۹۔ احمد دین صاحب۔	چک کھاریاں
۳۰۰۔ محمد امین کتاب فروش۔	جہلم
۳۰۱۔ مولوی محمود حسن خان صاحب مدرس ملازم	پٹیالہ
۳۰۲۔ محمد رحیم الدین.......	حبیب والہ
۳۰۳۔ شیخ حرمت علی صاحب کراری	الہ آباد
۳۰۴۔ میاں نور محمد صاحب غوث گڑھ۔	پٹیالہ
۳۰۵۔ مستری اسلام احمد صاحب	بھیرہ
۳۰۶۔ حسینی خان صاحب	الہ آباد
۳۰۷۔ قاضی رضی الدین صاحب.....	اکبر آباد
۳۰۸۔ سعد اللہ خان صاحب....	الہ آباد
۳۰۹۔ مولوی عبدالحق صاحب ولد مولوی	
فضل حق صاحب مدراس	سامانہ پٹیالہ
۳۱۰۔ مولوی حبیب اللہ صاحب مرحوم	
محافظ دفتر پولس۔	جہلم
۳۱۱۔ رجب علی صاحب پنشنر ساکن جھونسی کہنہ	ضلع الہ آباد
۳۱۲۔ ڈاکٹر سید منصب علی صاحب پنشنر	الہ آباد
۳۱۳۔ میاں کریم اللہ صاحب سارجنٹ پولس	جہلم

اس وقت مندرجہ بالا ۳۱۳ اصحاب میں سے حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی (۱۰۱) حضرت مولوی عبدالمغنی صاحب جہلمی (۱۹۰) اور حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب ربوہ (۲۸۱) خدا کے فضل سے زندہ موجود ہیں۔ اور مبائعین میں شامل ہیں۔ ان مخلصین کے علاوہ فہرست میں شامل چند اور اصحاب بھی گو بقید حیات ہیں۔ مگر وہ مبایعین سے متعلق نہیں رہے۔ (افسوس موجودہ ایڈیشن کے وقت ۳۱۳ اصحاب میں سے کوئی بزرگ زندہ نہیں۔ اس مبارک گروہ کے آخری فرد حضرت قاضی صاحب تھے جن کا انتقال ۲۷۔ فروری ۱۹۷۲ء کو ہوا)

علماء کے نام عربی مکتوب

"انجام آتھم" میں حضرت اقدس نے علماء پر اتمام حجت کے لئے فصیح و بلیغ عربی میں ایک مفصل مکتوب بھی تحریر فرمایا۔ جو آپ کے روحانی اور علمی کمالات کا مرقع اور آپ کی سچائی پر ابدی برہان ہے۔

اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا پرشوکت چیلنج

کتاب کے ضمیمہ میں حضور نے اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ ہونے پر ایک پرشوکت چیلنج دیتے ہوئے اعلان فرمایا:

بالآخر میں پھر ہر یک طالب حق کو یاد دلاتا ہوں کہ وہ دین حق کے نشان اور اسلام کی سچائی کے آسمانی گواہ جس سے ہمارے نابینا علماء بے خبر ہیں۔ وہ مجھ کو عطا کئے گئے ہیں۔ مجھے بھیجا گیا ہے۔ تا میں ثابت کروں کہ ایک اسلام ہی ہے جو زندہ مذہب ہے اور وہ کرامات مجھے عطا کئے گئے ہیں جن کے مقابلہ سے تمام غیر مذاہب والے اور ہمارے اندرونی اندھے مخالف بھی عاجز ہیں۔ میں ہر یک مخالف کو دکھلا سکتا ہوں۔ کہ قرآن شریف اپنی تعلیموں اور اپنے علوم حکمیہ اور اپنے معارف دقیقہ اور بلاغت کاملہ کی رو سے معجزہ ہے۔ موسیٰ کے معجزہ سے بڑھ کر اور عیسیٰ کے معجزات سے صدہا درجہ زیادہ۔

میں بار بار کہتا ہوں اور بلند آواز سے کہتا ہوں کہ قرآن اور رسول کریم ﷺ سے سچی محبت رکھنا اور سچی تابعداری اختیار کرنا انسان کو صاحب کرامات بنا دیتا ہے اور اسی کامل انسان پر علوم غیبیہ کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور دنیا میں کسی مذہب والا روحانی برکات میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ میں اس میں صاحب تجربہ ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بجز اسلام تمام مذہب مردے۔ ان کے خدا مردے اور خود وہ تمام پیرو مردے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق ہو جانا بجز اسلام قبول کرنے کے ہرگز ممکن نہیں۔ ہرگز ممکن نہیں۔

اے نادانو! تمہیں مردہ پرستی میں کیا مزہ ہے؟ اور مردار کھانے میں کیا لذت؟!! آؤ میں تمہیں بتلاؤں کہ زندہ خدا کہاں ہے اور کس قوم کے ساتھ ہے۔ وہ اسلام کے ساتھ ہے اسلام اس وقت موسیٰ کا طور ہے۔ جہاں خدا بول رہا ہے وہ خدا جو نبیوں کے ساتھ ہمیشہ کلام کرتا تھا۔ اور پھر چپ ہو گیا آج وہ ایک مسلمان کے دل میں کلام کر رہا ہے۔ کیا تم میں سے کسی کو شوق نہیں کہ اس بات کو پرکھے۔ پھر اگر حق کو پاوے تو قبول کر لیوے۔ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ کیا ایک مردہ کفن میں لپیٹا ہوا۔ پھر کیا ہے؟ کیا ایک مشت خاک۔ کیا یہ مردہ خدا ہو سکتا ہے؟ کیا یہ تمہیں کچھ جواب دے سکتا ہے؟ ذرا آؤ ہاں لعنت ہے تم پر اگر نہ آؤ اور اس سڑے گلے مردہ کا میرے خدا کے ساتھ مقابلہ نہ کرو۔

دیکھو میں تمہیں کہتا ہوں کہ چالیس دن نہیں گزریں گے کہ وہ بعض آسمانی نشانوں سے تمہیں شرمندہ کرے گا۔ ناپاک ہے وہ دل جو سچے ارادہ سے نہیں آزماتے اور پھر انکار کرتے ہیں اور پلید ہیں وہ طبیعتیں جو شرارت کی طرف جاتی ہیں نہ طلب حق کی طرف۔

او میرے مخالف مولویو! اگر تم میں شک ہو تو آؤ چند روز میری صحبت میں رہو اگر خدا کے نشان نہ دیکھو تو مجھے پکڑو اور جس طرح چاہو تکذیب سے پیش آؤ- میں اتمام حجت کر چکا- اب جب تک تم اس حجت کو نہ توڑو تو تمہارے پاس کوئی جواب نہیں- خدا کے نشان بارش کی طرح برس رہے ہیں کیا تم میں سے کوئی نہیں جو سچا دل لے کر میرے پاس آوے کیا ایک بھی نہیں-

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا"-

اشتہار مستیقنا بوحی اللہ القہار

یہ پر شوکت چیلنج آپ نے بالخصوص عیسائی پادریوں کو مخاطب کرتے ہوئے ۱۴- جنوری ۱۸۹۷ء کو "اشتہار مستیقنا بوحی اللہ القہار" [۲] کے ذریعہ سے بھی دیا- اس روحانی مقابلہ کے لئے آپ نے چالیس دن مقرر فرمائے- اشتہار کا ایک ایک لفظ تثلیث پرستی کے لئے شمشیر و سنان کا حکم رکھتا ہے-

عیسائیوں کو ایک ہزار روپیہ انعام کی پیشکش

اس اشتہار کے چودہ دن بعد ۲۸- جنوری ۱۸۹۷ء کو ایک اور اشتہار میں یہ بھی اعلان فرمایا کہ میرا دعویٰ ہے کہ یسوع کی پیشگوئیوں کی نسبت میری پیشگوئیاں اور میرے نشان زیادہ ہیں- اگر کوئی پادری میری پیشگوئیوں اور میرے نشانوں کی نسبت یسوع کی پیشگوئیاں اور نشان ثبوت کے رو سے قوی تر دکھلا سکے تو میں اس کو ایک ہزار روپیہ نقد دوں گا- [۳]

پادریوں نے حضرت اقدس علیہ السلام کے ان اشتہاروں سے لاجواب اور مبہوت ہو کر یہ جواب دیا کہ انجیل کی رو سے جھوٹے رسول اور جھوٹے مسیح بھی ایسے بڑے نشان دکھلا سکتے ہیں کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کر دیں- [۴] حضرت اقدسؑ کو یہ جواب پہنچا- تو آپ نے ۲۸- فروری ۱۸۹۷ء کو ایک اور اشتہار دیا- جس میں لکھا کہ انجیل کا جو سہارا انہوں نے لیا ہے وہ ان کے لئے کچھ فائدہ بخش نہیں بلکہ اس سے وہ خود زیر الزام آتے ہیں کیونکہ جس حالت میں اسی قسم کے نشانوں پر بھروسہ کر کے یسوع کو خدا بنا دیا گیا ہے تو یہ بڑا ظلم ہو گا کہ دوسرا شخص ایسے ہی نشان بلکہ بقول یسوع بڑے بڑے نشان بھی دکھلا کر ایک سچا ملہم بھی نہ ٹھہر سکے- [۵]

اشتہار "خدا کی لعنت اور کسر صلیب"

اس اشتہار کے بعد ۶- مارچ ۱۸۹۷ء کو آپ نے "خدا کی لعنت اور کسر صلیب" کے عنوان سے ایک اور زبردست اشتہار دیا جس میں آپ نے ثابت کیا کہ لغت کی رو سے لعنت کے معنے راندہ درگاہ

عالی اور شیاطین کے ہیں۔ مگر عیسائیوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ یسوع مسیح مصلوب ہو کر تین دن کے لئے لعنتی ہو گئے تھے۔ بنابریں آپ نے سوال کیا کہ اگر معاذ اللہ جناب یسوع پر واقعی کچھ دنوں تک لعنت پڑ گئی تو ان کا خدا تعالیٰ سے ابنیت کا تعلق کیسے قائم رہ سکتا تھا جب کہ بیٹا ہونا تو الگ رہا خود پیارا ہونا بھی لعنت کے منافی ہے۔ [۶]

شیخ محمد رضا طہرانی نجفی کی اشتہار بازی

شیخ محمد رضا طہرانی نجفی ایک شیعہ مجتہد تھے۔ جنہوں نے سستی شہرت اور اپنے علم و فضیلت کا سکہ جمانے کے لئے حضرت اقدس کے خلاف اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے حق و کذب کے فیصلے کا یہ مضحکہ خیز طریق پیش کیا کہ ہم دونوں لاہور کی شاہی مسجد کے منارے سے چھلانگ لگائیں۔ جو صادق ہو گا۔ وہ بچ جائے گا۔ نیز حضرت اقدسؑ کے دعویٰ الہام و نشان کا مذاق اڑاتے ہوئے تعلی کی کہ میں چالیس لمحوں میں نشان دکھا سکتا ہوں۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے یکم فروری ۱۸۹۷ء کو بذریعہ اشتہار ان کے شاہی مسجد سے چھلانگ لگانے کے مطالبے کا تو یہ لطیف جواب دیا کہ یہ عجیب بات ہے کہ دنیا میں اس طرز کا واقعہ دو مرتبہ ہوا ہے۔ شیخ نجدی [۷] نے حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلی مرتبہ یہ کہا تھا اور اب شیخ نجفی مجھ سے یہ تقاضا فرما رہے ہیں۔ پس میں بھی انہیں وہی جواب دیتا ہوں جو حضرت مسیحؑ نے شیخ نجدی کو دیا تھا۔ کہ میں اپنے خدا کی آزمائش نہیں کرنا چاہتا۔ [۸] شیخ نجفی کے دعویٰ نشان نمائی کے جواب میں حضور نے فرمایا۔ کہ چالیس روز کے اندر اگر ہم سے نشان ظاہر ہو گیا اور وہ جو چالیس لمحوں میں کرامت دکھانے کا ادعا کرتے ہیں۔ چالیس دنوں میں بھی کچھ نہ دکھا سکے۔ تو صادق و کاذب کی خود بخود شناخت ہو جائے گی۔ [۹] سو چالیس دن کے اندر لیکھرام پشاوری کی ہلاکت کا نشان وقوع میں آگیا۔ جس پر حضور نے ۱۰۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو اشتہار دیا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی صداقت پر چمکتا ہوا نشان ظاہر کر کے شیخ نجفی کا کذب کھول دیا ہے اور اب کسی مقابلہ کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔ تاہم تنزل کے طور پر راضی ہیں کہ وہ مسجد شاہی کے منارہ سے اب نیچے گر کے دکھلا دیں۔ [۱۰]

حضرت سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی کی ولادت

۲۔ مارچ ۱۸۹۷ء مطابق ۲۷۔ رمضان ۱۳۱۴ھ کو حضرت سیدہ مبارکہ بیگم مدظلہا العالی کی پیدائش ہوئی۔ آپ کی ولادت سے قبل حضرت اقدس کو الہاماً خبر دی گئی کہ "تنشا فی الحلیہ"۔ [۱۱] کہ یہ دختر

نیک اختر زیورات میں نشوونما پائے گی۔ پھر ۱۹۰۱ء میں الہام ہوا۔ "نواب مبارکہ بیگم" [۱۲] ان الہامات اور بعض رویا کی روشنی میں حضور نے (حضرت صاحبزادہ) مرزا بشیر احمد صاحب (حضرت صاحبزادہ) مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت سیدہ موصوفہ کی آمین کے موقع پر خصوصاً آپ سے متعلق فرمایا۔

اور ان کے ساتھ دی ہے ایک دختر ہے کچھ کم پانچ کی وہ نیک اختر
کلام اللہ کو پڑھتی ہے فرفر خدا کا فضل اور رحمت سراسر
ہوا اک خواب میں مجھ پر یہ اظہر کہ اس کو بھی ملے گا بخت برتر
لقب عزت کا پادے وہ مقرر یہی روز ازل سے ہے مقدر

چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق حضرت صاحبزادی صاحبہ "حجتہ اللہ" حضرت نواب محمد علی خاں صاحب رئیس اعظم ریاست مالیر کوٹلہ سے بیاہی گئیں۔ ۱۷۔ فروری ۱۹۰۸ء کو آپ کی تقریب نکاح عمل میں آئی اور ۱۴۔ مارچ ۱۹۰۹ء کو رخصتانہ ہوا۔ خطبہ نکاح حضرت مولانا نورالدین نے پڑھا۔ جس میں کہا "ایک وقت تھا جب کہ حضرت نواب صاحب موصوف کے ایک مورث اعلیٰ صدر جہاں کو ایک بادشاہ نے اپنی لڑکی نکاح میں دی تھی۔ اور وہ بزرگ بہت ہی خوش قسمت تھا۔ مگر ہمارے دوست نواب محمد علی خاں صاحب اس سے زیادہ خوش قسمت ہیں کہ ان کے نکاح میں ایک نبی اللہ کی لڑکی آئی ہے"۔ [۱۳]

حضرت سیدہ موصوفہ سلسلہ کی ان بزرگ ہستیوں میں شامل ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے براہ راست تعلق و نسبت کا فخر بھی بخشا ہے اور بلند پایہ اور لطیف روحانی اور ادبی ذوق سے بھی نوازا ہے۔ آپ کا شعری کلام تصوف و روحانیت کی نازک خیالیوں اور لطافتوں سے لبریز اور سوز و گداز میں ڈوبا ہوتا ہے۔ آپ کی شعری خدمات کا سلسلہ ۱۹۲۴ء سے شروع ہوتا ہے جب کہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ یورپ کے پہلے سفر پر روانہ ہوئے تھے۔ آپ کی روح پرور نظموں کا مجموعہ "الشرکہ الاسلامیہ" ربوہ نے "درعدن" کے نام سے دسمبر ۱۹۵۹ء میں شائع کیا ہے

نظم کی طرح نثر میں بھی مخصوص طرز نگارش رکھتی ہیں۔ زبان نہایت نفیس پاکیزہ اور شگفتہ ہے جو حضرت مسیح موعود کی دعا اور حضرت ام المومنین نور اللہ مرقدھا کی حسن تربیت کا فیض ہے۔ (حضرت سیدہ ۲۳۔ مئی ۱۹۷۷ء کو انتقال فرماگئیں)

حواشی

۱۔ جواہر الاسرار (از شیخ علی حمزہ بن علی ملک الطوسی۔ مؤلفہ ۸۴۰ھ) قلمی
۲۔ "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۸-۱۶
۳۔ تبلیغ رسالت صفحہ ۱۷-۲۰
۴۔ "کرسچن ایڈووکیٹ" بحوالہ اخبار عام ۲۳۔ فروری ۱۸۹۷ء و تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۲۹
۵۔ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۲۹ و ضمیمہ اخبار مخبر دکن مدراس ۱۱۔ مارچ ۱۸۹۷ء
۶۔ "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۳۳
۷۔ شیخ نجدی شیطان کا لقب ہے (جدید لغات کشوری)
۸۔ انجیل متی ب ۴ آیت ۵-۷
۹۔ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۱۰۷، ۱۱۱
۱۰۔ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۳۹
۱۱۔ حقیقتہ الوحی طبع اول صفحہ ۲۱۷
۱۲۔ الحکم ۳۰۔ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۳
۱۳۔ اخبار بدر ۲۷۔ فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲

پیشگوئی کے مطابق
پنڈت لیکھرام کا عبرتناک انجام

شاتم رسول پنڈت لیکھرام کا قتل' خانہ تلاشی اور آریوں کے خطرناک منصوبے "استفتاء" اور "سراج منیر" کی تصنیف واشاعت

پنڈت لیکھرام کا قتل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے شاتم رسول پنڈت لیکھرام کی عبرتناک موت سے متعلق جو مفصل پیشگوئی فروری ۱۸۹۳ء سے کر رکھی تھی اس کی چھ سالہ میعاد مقرر تھی جو اب اختتام کو پہنچ رہی تھی اور مارچ کے مہینہ میں عید الفطر کا دن بھی آرہا تھا جو اس واقعہ کی معین علامت بتائی گئی تھی اس لئے جوں جوں یہ دن نزدیک آرہا تھا پبلک کی بیتابی میں بھی اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ دوسری طرف پنڈت لیکھرام کو بھی دھڑکا لگا ہوا تھا اور اس نے دو تنخواہ دار سپاہی اپنی حفاظت کے لئے اپنے مکان واقعہ محلہ وچھووالی لاہور میں تعینات کر لئے تھے۔ [۱] مگر یہ انتظامات خدا تعالیٰ کے عذاب سے کیونکر بچا سکتے تھے؟ ۵۔ مارچ کو عید الفطر کا دن تھا۔ جو بظاہر سکون سے گزارا۔ لیکن اگلے دن (۶۔ مارچ کو) سات بجے شام لیکھرام مکان کی بالائی منزل پر بیٹھے پنڈت دیانند کی سوانح عمری لکھ رہے تھے اور ایک شخص جو آریہ سماجیوں کے بیان کے مطابق شدھ ہونے کے لئے پاس بیٹھا تھا اور جس کے لئے آریہ سماج ۷۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو شدھی کی پہلی تقریب منانے کا اہتمام بڑی دھوم دھام سے کرنے والی تھی) پاس بیٹھا تھا۔ اس دوران میں پنڈت لیکھرام تصنیف کے کام سے تھک کر ذرا آرام کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور انگڑائی لی۔ جس پر "شدھ ہونے والے شخص" نے ان پر خنجر سے بھرپور وار کیا۔ کہ انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ اور پنڈت لیکھرام کے منہ سے بیل کی طرح نہایت زور کی آواز نکلی جسے سن کر اس کی بیوی اور والدہ اوپر گئیں۔ لوگ جمع ہو گئے۔ لیکھرام کو لاہور کے میوہسپتال میں پہنچا دیا گیا۔ شام کا وقت تھا۔ ہسپتال میں اس وقت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب (جو اس وقت میڈیکل کالج میں تعلیم پاتے تھے) ڈیوٹی پر تھے۔ مگر انگریز سرجن ڈاکٹر پیری موجود نہ تھا۔ جب سرجن ڈاکٹر کے آنے میں تاخیر ہوئی تو پنڈت لیکھرام نے بار بار یہ کہنا شروع کیا۔ "ہائے میری قسمت کوئی ڈاکٹر بھی نہیں بوہڑدا"۔ یعنی ڈاکٹر بھی نہیں پہنچتا۔ آخر بہت انتظار کے بعد قریباً نو بجے ڈاکٹر پیری

بھی آپہنچا۔ اپریشن سے پہلے اس نے مرزا یعقوب بیگ صاحب کو کئی مرتبہ جو "مرزا صاحب" کہہ کے پکارا۔ تو لیکھرام کانپ اٹھا..... کہ ہائے وہ مرزا صاحب یہاں ہسپتال بھی آپہنچے۔ ڈاکٹر پیری نے زخم سیئے لیکن قریباً بارہ بجے جب وہ انتڑیاں وغیرہ صاف کرکے اور پیٹ سی کر ہاتھ دھونے لگا تو ٹانکے چھوٹ گئے اور ان کو دوبارہ سینا پڑا۔ اس وقت پولیس والوں نے پنڈت لیکھرام کا بیان لینا چاہا جسے ڈاکٹر پیری نے روک دیا۔ کہ اس میں جان کا خطرہ ہے۔ اس طرح آخر شب ہو گئی اور بالآخر لیکھرام تڑپ تڑپ کر ۴ بجے صبح چل بسا۔ اور جس طرح پیشگوئی میں قبل از وقت بتایا گیا تھا سامری کے بچھڑے کی طرح اس کی ارتھی جلائی گئی۔ اور اس کی راکھ دریا میں بہادی گئی۔ [۲]

پنڈت دیو پرکاش کا بیان

مشہور آریہ سماجی پنڈت دیو پرکاش نے اپنی کتاب دافع الاوہام میں پنڈت لیکھرام کے واقعات قتل پر مفصل روشنی ڈالی ہے جس کے لفظ لفظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے ہر حصہ کے پورے ہونے کی شہادت ملتی ہے پنڈت صاحب لکھتے ہیں۔ "۱۳۔ فروری یا ۱۴۔ فروری ۱۸۹۷ء کو ایک شخص لالہ ہنسراج جی کے پاس گیا پھر دوسرے روز دیانند کالج ہال میں دکھائی دیا۔ وہ پنڈت لیکھرام جی کو تلاش کرتا تھا۔ پھر پنڈت جی کو ملا۔ اس نے ظاہر کیا کہ وہ پہلے ہندو تھا۔ عرصہ دو سال سے مسلمان ہو گیا تھا۔ اب پھر اپنے اصل دھرم میں واپس آنا چاہتا ہے..... وہ پنڈت جی کے ساتھ سایہ کی طرح رہنے لگا۔ کھانا بھی عام طور سے پنڈت جی کے گھر ہی کھایا کرتا تھا یہاں تک کہ پنڈت جی یکم مارچ کو ملتان تشریف لے گئے۔ ۵۔ مارچ کو عید کا دن تھا۔ قاتل نے اس دن پنڈت جی کے گھر ریلوے سٹیشن آریہ پرتی ندھی سبھا کے دفتر ۱۸ یا ۱۹ چکر لگائے۔ مگر پنڈت جی ۵۔ مارچ کو ملتان سے نہ آسکے۔ اس سے اس ظالم کا ارادہ پنڈت جی کو عید کے دن شہید کرنا تھا۔ ۶۔ مارچ کو صبح ہی پنڈت جی کے مکان پر پہنچا اور بعد ازاں پرتی ندھی کے دفتر سے ہوتا ہوا ریلوے اسٹیشن پر گیا۔ اس روز پنڈت جی ملتان سے تشریف لے آئے۔ قاتل خلاف معمول کمبل اوڑھے ہوئے تھا اور بار بار تھوکتا تھا اور کانپ رہا تھا یہ حالت دیکھ کر پنڈت جی نے سوال کیا کہ کیا بخار ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ ساتھ کچھ درد بھی ہے تب پنڈت جی اسے ڈاکٹر بشند اس کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا اسے بخار وغیرہ تو کچھ نہیں لیکن خون میں کچھ جوش ہے ڈاکٹر صاحب نے پلستر لگانے کو کہا مگر اس مکار نے انکار کر دیا اور کہا کہ کوئی پینے کی دوا دیجئے۔ تب پنڈت جی نے ڈاکٹر صاحب کی اجازت سے اسے شربت پلایا۔ اس کے بعد پنڈت جی نے کچھ کپڑا خریدا اور گھر کو چلے آئے اور وہ ظالم بھی ساتھ ہی تھا۔ جس مکان میں پنڈت جی کام کرتے تھے وہ گلی وچھووالی لاہور میں واقع ہے اور اس کا نقشہ حسب ذیل ہے زینہ چڑھتے ہی چھت پر اس کے ساتھ لگا ہوا ایک برآمدہ ہے۔ اس میں پنڈت جی کام کیا کرتے تھے۔

دو طرف دیوار - ایک طرف اندرونی کمرہ کا دروازہ جس میں ان کی ماتا اور دھرم پتنی بیٹھی تھیں اور کواڑ بند تھا - چوتھی طرف بالکل کھلی ہوئی تھی پنڈت جی چارپائی پر جا بیٹھے اور رشی دیانند کے جیون چرتر (سوانح عمری) کے کاغذات مکمل اور مرتب کرنے میں مشغول ہو گئے اور سفاک بھی بائیں طرف بیٹھ گیا.... عین اس وقت جب کہ پنڈت جی نے مہرشی کے جیون کے اس آخری حصہ کو جس وقت کہ انہوں نے اپنی زندگی کو ویدک دھرم کے راستہ میں قربان کیا اور کہا کہ ایشور تیری اچھیا (خواہش) پورن (پوری) ہو ختم کیا اور تھکاوٹ کے سبب اٹھ کرے بجے شام کے وقت انگڑائی لی - اس وقت اس ظالم نے جو صبح سے موقع کی گھات میں تھا فوراً اٹھ کر پنڈت جی کے پہلو میں چھرا گھونپ دیا جس سے انتڑیاں باہر نکل آئیں - پنڈت جی نے ایک ہاتھ سے انتڑیوں کو تھاما اور ایک سے چھری چھین لی - تب پنڈت جی کی ماتا اور دھرم پتنی اس کی طرف دوڑیں اس وقت اس بے رحم ظالم نے پنڈت جی کی بوڑھی ماتا کو بیلنا اس زور سے مارا کہ وہ اچانک چوٹ لگنے کے سبب سے بے ہوش ہو کر گر گئیں - اور وہ بے ایمان قاتل فرار ہو گیا - کچھ دیر کے بعد لوگ جمع ہو گئے اور پنڈت جی کو ہسپتال لے گئے ڈاکٹر صاحب نے زخموں کا ملاحظہ کیا اور سینے میں مصروف رہے اور کہا کہ اگر صبح تک بچ گئے تو امید زیست ہے ورنہ نہیں - پنڈت جی جب تک ہسپتال میں جیتے رہے وید منتروں کا پاٹھ کرتے رہے اور آخر ایک بجے رات کے اپنی آخری وصیت کہ آریہ سماج سے تحریر کا کام بند نہ ہو کر کے آپ کی پاک روح قفس فانی سے عالم جاودانی کی طرف پرواز کر گئی"۔ [۳]

بابو گھانسی رام صاحب ایم - اے - ایل ایل - بی کا اعلان حق

ایک دوسرے آریہ سماجی بابو گھانسی رام صاحب ایم - اے - ایل - ایل - بی کھلے الفاظ میں فرماتے ہیں "صوبہ پنجاب کے دارالخلافت لاہور میں یہ قتل ہوا - مگر پولیس قاتل کا پتہ چلانے میں ناکامیاب رہی اتفاق دیکھئے - غلام احمد کی پیشگوئی پوری ہوئی اور پنڈت لیکھرام کو شہادت نصیب ہوئی اس بات کو پرمیشر ہی جان سکتا ہے کہ یہ اس کا بھیجا ہوا عذاب تھا یا انسان کا"۔ [۴]

پنڈت مدن گوپال سناتن دھرمی کا واضح اقرار

یہ تو ایک آریہ سماجی صاحب کا بیان ہے اب ایک سناتن دھرمی فاضل کا واضح اقرار درج کیا جاتا ہے - جناب مدن گوپال مدن پاراشر سابق ایڈیٹر "رندھیر" پٹی ضلع لاہور لکھتے ہیں "لیکھرام کے مارے جانے کی نسبت پیشگوئی اور الزام قتل سے انجام کار اپنے بری ہونے کی پیشگوئی پوری ہوئی"۔ [۵]

ان تین ناقابل تردید بیانات سے واضح ہے کہ ایک عرصہ کے بعد آریہ سماجی اور سناتن دھرمی دونوں حلقے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ پنڈت لیکھرام سے متعلق خدا کا چمکتا ہوا نشان پوری شان سے ظاہر ہوا۔

ہندوؤں کی شورش

اس عظیم الشان پیشگوئی کے واضح رنگ میں پورے ہونے پر چاہیے تو یہ تھا کہ ہندو اسلام اور پیغمبر خدا ﷺ کی سچائی پر ایمان لے آتے مگر افسوس اس موقع پر ان کی قساوت قلبی میں اور بھی اضافہ ہو گیا اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف زبردست شورش برپا کر دی۔ خصوصاً لاہور میں جہاں یہ واقعہ ہوا تھا ہندوؤں نے کئی مسلمان بچوں کو مٹھائی وغیرہ میں زہر دے دیا۔ جب ایسی متعدد وارداتیں ہوئیں تو مسلمانوں نے ایکا کر لیا کہ وہ ہندوؤں کے ہاتھوں سے نہیں کھائیں گے اور اس طرح کئی دکانیں مسلمانوں کی کھل گئیں۔ آریہ لوگوں نے ملک میں اپنے جاسوسوں کا جال بچھا دیا اور ملک کا چپہ چپہ چھان مارا اور قاتل کے گرفتار کرنے والے کے لئے بڑے بڑے انعام رکھے گئے مگر اس شورش کا حقیقی اور تمام تر رخ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات مقدس کی طرف تھا۔ چنانچہ ہندو اخباروں نے آپ کے خلاف عوام اور حکومت دونوں کو مشتعل کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ اور ملک بھر میں ایک زبردست آگ لگا دی۔ اور صریح لفظوں میں آپ کو قتل میں شریک قرار دیا۔

ہندو اخبارات کی زہر چکانی

چنانچہ "اخبار عام" ۱۰۔ مارچ ۱۸۹۷ء نے حکومت کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا۔ "اگر ڈپٹی صاحب یعنی آتھم کے ساتھ ایسا واقعہ ہو جاتا جس کا خمیازہ لیکھرام کو بھگتنا پڑا تب اور صورت تھی"۔

"یہ قتل کئی ایک اشخاص کی مدت کی سوچی اور سمجھی ہوئی اور پختہ سازش کا نتیجہ ہے۔ جس کی تجاویز امرت سر اور گورداسپورہ کے نزدیک اور ادھر دہلی اور بمبئی کے ارد گرد مدت سے ہو رہی تھیں۔ کیا یہ غیر اغلب ہے کہ اس سازش کا جنم ان اشخاص سے ہوا ہو جو علانیہ بذریعہ تحریر و تقریر کہا کرتے تھے کہ پنڈت کو مار ڈالیں گے اور مزید برآں یہ کہ پنڈت اس عرصہ میں اور فلاں دن ایک دردناک حالت میں مرے گا۔ کیا آریہ دھرم کے مخالف چند ایک کتب کے ایک خاص مصنف کو اس سازش سے کوئی تعلق نہیں"۔

"انیس ہند" میرٹھ (۱۰۔ مارچ ۱۸۹۷ء) نے لکھا "ہمارا ماتھا تو اسی وقت ٹھنکا تھا کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی نے لیکھرام کی موت کی نسبت پیشگوئی کی تھی۔ کیا اس کو علم غیب تھا"۔

حضرت اقدسؑ کو قتل کی دھمکیاں

یہی نہیں ہندوؤں نے حضورؑ کو برملا قتل [۶] کی دھمکیاں دیں چنانچہ اخبار "رہبر ہند" لاہور ۱۵ مارچ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۴ نے لکھا۔ کہ "کہتے ہیں کہ ہندو قادیان والے کو قتل کرائیں گے"۔

ایک ہندو شیشر داس نے اخبار آفتاب ہند (۱۸۔ مارچ ۱۸۹۷ء صفحہ ۵) پر "مرزا قادیانی خبردار" کے عنوان سے ایک مضمون میں صاف صاف لکھا کہ "مرزا قادیانی بھی امروز فردا کا مہمان ہے بکرے کی ماں کب تک خیر مناسکتی ہے۔ آج کل ہنود کے خیالات مرزا قادیانی کی نسبت بہت بگڑے ہوئے ہیں پس مرزا قادیانی کو خبردار رہنا چاہیے۔ کہ وہ بھی بکر عید کی قربانی نہ ہو جاوے"۔ [۷]

اس درپردہ خونی منصوبے کی تکمیل کے لئے ایک خفیہ انجمن بھی قائم کی گئی۔ چنانچہ حضور کی خدمت میں پنجاب کے مختلف مقامات سے بکثرت یہ اطلاعات بھی پہنچ گئی تھیں انہیں دنوں گوجرانوالہ کے ایک معزز رئیس نے آپ کو لکھا کہ "اس جگہ دو دن تک جلسہ ماتم لیکھرام ہوتا رہا۔ اور قاتل کے گرفتار کنندہ کے لئے ہزار روپیہ انعام قرار پایا۔ اور دو سو اس کے لئے جو نشان دہی کرے۔ نیز سنا گیا ہے کہ ایک خفیہ انجمن آپ کے قتل کے لئے منعقد ہوئی ہے اور اس انجمن کے ممبر قریب قریب کے شہروں کے لوگ (جیسے لاہور امرت سر۔ بٹالہ اور خاص گوجرانوالہ کے ہیں) منتخب ہوئے ہیں۔ بیس ہزار روپیہ تک چندہ کا بندوبست ہو بھی گیا ہے باقی دوسرے شہروں اور دیہات سے وصول کیا جائیگا مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس مشورہ قتل کے سرگروہ اس شہر کے بعض وکیل اور چند عہدہ دار سرکاری اور لاہور کے بعض آریہ رئیس بھی ہیں"۔ [۸]

حضرت اقدسؑ کی طرف سے ہندوؤں کو چیلنج

کوئی اور ہوتا تو قتل کا نام سنتے ہی دہشت زدہ ہو جاتا۔ مگر حضرت اقدس تو خدا کے مامور تھے آپ تو ان مخالفتوں اور شورشوں کی آگ ہی میں اب تک اپنے خدا کا پیغام پہنچا رہے تھے۔ آپ کو یہ دھمکیاں کیا ڈرا سکتی تھیں۔ ایک صاحب مستان شاہ کابلی امرت سر میں قیام پذیر تھے جو حضرت اقدسؑ کے مخالف اور آپ کی پیشگوئی کے مکذب تھے۔ لیکھرام کی ہلاکت سے دو ایک روز قبل انہوں نے شیخ نور احمد صاحب مالک مطبع ریاض ہند سے کہا کہ یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوگی۔ لیکن جب لیکھرام کے قتل کی دہشتناک خبر پہنچی تو مستان شاہ کا چہرہ یہ سنتے ہی سیاہ پڑ گیا اور ان کے ایک مرید نے جو گورنمنٹ سکول امرت سر میں ریاضی پڑھاتے تھے شیخ صاحب سے کہا کہ کل شام کو پنڈت لیکھرام قتل ہو گیا۔ مرزا صاحب کی پیشگوئی تو پوری ہو گئی لیکن مسلمان ہونے کی وجہ سے مجھے ان سے ہمدردی ہے کہ کہیں ان کی جان پر کوئی آفت نہ آجائے اسی وقت مرزا صاحب کو خط لکھ دیں کہ آئندہ کوئی بات

اس پیشگوئی سے متعلق نہ لکھیں اور نہ کوئی ایسی پیشگوئی کریں لاہور میں بڑا تہلکہ بپا ہے اور چاروں طرف شور و غل مچ رہا ہے۔ وہ بار بار اصرار سے کہتا تھا۔ کہ پیسے مجھ سے لے لو اور خط لکھدو۔ احتیاط اچھی چیز ہے۔[۹] بیگانوں کی دہشت کا یہ عالم ہو تو لاہور کی احمدیہ جماعت پر کیا گزری ہوگی۔ لیکن خدا کے بہادر پہلوان کو دیکھو کہ ادھر یہ اطلاع سنی ادھر آریوں کو اسلام کے اس چمکتے ہوئے نشان کی طرف توجہ دلانے کے لئے اشتہار لکھا کہ اگرچہ انسانی ہمدردی کی رو سے ہمیں افسوس ہے کہ اس کی موت ایک سخت مصیبت اور آفت اور ناگہانی حادثہ کے طور پر عین جوانی کے عالم میں ہوئی۔ لیکن دوسرے پہلو کی رو سے ہم خدا تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں جو اس کے منہ کی باتیں آج پوری ہوئیں۔ سو یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان نشان ہے کیونکہ اس نے چاہا کہ اس بندہ کی تحقیر کرنے والے متنبہ ہو جائیں اور اپنی جانوں پر رحم کریں ایسا نہ ہو کہ اسی حجاب میں گزر جائیں"۔[۱۰] اس اشتہار کا عنوان تھا۔

کرامت گرچہ بے نام و نشان است بیا بنگر زغلمان محمدؐ

اس اشتہار کے تین روز بعد آپ نے سرسید احمد خان پر اتمام حجت کے لئے بھی اشتہار دیا اور انہیں بتایا کہ "برکات الدعا" میں لیکھرام سے متعلق قبل از وقت جس دعائے مستجاب کی اطلاع دی گئی تھی وہ آپ کی آنکھوں کے سامنے کمال صفائی سے پوری ہوگئی ہے اس لئے اب آپ ایسے منصف مزاج کو اپنے اس خیال سے رجوع کرلینا چاہیے کہ دعا محض عبادت ہے جو قبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ رسالہ "الدعاء والاستجابت" میں ظاہر کیا گیا ہے۔[۱۱]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے اتمام حجت اور آریوں کو چیلنج

یہ پیشگوئی جس خارق عادت رنگ میں اپنی ایک ایک شق کے ساتھ پوری ہوئی تھی اس کو دیکھ کر ہر سعید الفطرت ورطہ حیرت میں پڑ گیا مگر یہی بات آریوں کے لئے انکار و تکذیب کا موجب بن گئی۔ چنانچہ انہوں نے ملک بھر میں مشہور کر دیا کہ مرزا صاحب نے پنڈت جی کو قتل کروا دیا ہے اور ثبوت یہ پیش کیا کہ آپ نے برسوں قبل اس کی ہلاکت کے بارے میں جو کچھ خبر دی تھی یہ حادثہ عین اسی رنگ سے وقوع میں آگیا ہے۔ حضور نے تکذیب و استہزاء کا یہ رنگ دیکھا تو آپ نے اشتہاروں پر اشتہار دیئے اور تحدی کے ساتھ ان کو بتایا کہ لیکھرام کے قتل میں کسی انسانی منصوبہ کا ہرگز دخل نہیں ہے۔ اسلام اور آریہ مذہب کا خدا تعالیٰ کی درگاہ میں برسوں سے ایک مقدمہ دائر تھا سو آخر ۶۔ مارچ ۱۸۹۷ء کے اجلاس میں اس عدالت نے مسلمانوں کے حق میں ایسی ڈگری دی جس کی نہ کوئی اپیل اور نہ مرافعہ۔ آریہ صاحبوں کو چاہیے۔ کہ اب گورنمنٹ کو تکلیف نہ دیں۔ مقدمہ صفائی سے فیصلہ پا چکا"۔

نیز لکھا۔ "ہمارے دل کی اس وقت عجیب حالت ہے درد بھی ہے اور خوشی بھی۔ درد اس لئے کہ اگر لیکھرام رجوع کرتا زیادہ نہیں تو اتنا ہی کرتا کہ وہ بدزبانیوں سے باز آجاتا۔ تو مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں اس کے لئے دعا کرتا اور میں امید رکھتا تھا کہ اگر وہ ٹکڑے ٹکڑے بھی کیا جاتا تب بھی وہ زندہ ہو جاتا۔ وہ خدا جس کو میں جانتا ہوں اس سے کوئی بات انہونی نہیں۔ اور خوشی اس بات کی ہے کہ پیشگوئی نہایت صفائی سے پوری ہوئی"۔

آپ نے سازش کا الزام لگانے والوں سے پوچھا۔ کہ آپ لوگوں میں بھی بڑے بڑے اوتار گزرے ہیں جیسے راجہ رامچندر صاحب اور راجہ کرشن صاحب۔ کیا آپ لوگ ان کی نسبت یہ گمان کر سکتے ہیں کہ انہوں نے پیشگوئی کر کے پھر اپنی عزت رکھنے کے لئے ایسا حیلہ کیا ہو کہ کسی اپنے چیلہ کی منت سماجت کی ہو کہ اس کو اپنی کوشش سے پوری کر کے میری عزت رکھ لے پس کیونکر ممکن ہے کہ دعویٰ تو یہ ہو کہ میں وقت کا عیسیٰ ہوں اور جھوٹی پیشگوئی کو اس طرح پورا کرنا چاہے کہ مریدوں کے آگے ہاتھ جوڑے کہ کسی طرح میری پیشگوئی پوری ہو۔ کیا ایسا مردار ایک پاک جماعت کا مالک ہو سکتا ہے۔ کہاں ہے تمہارا پاک کانشنس۔ اے مہذب آریو۔ اور کہاں ہے فطرتی زیر کی۔ اے آریہ کے دانشمندو! ہمارا یہ اصول ہے کہ کل بنی نوع کی ہمدردی کرو۔ اگر ایک شخص ایک ہمسایہ ہندو کو دیکھتا ہے کہ اس کے گھر میں آگ لگ گئی اور یہ نہیں اٹھتا کہ آگ بجھانے میں مدد دے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ مجھ سے نہیں ہے۔ اگر ایک شخص ہمارے مریدوں میں سے دیکھتا ہے کہ ایک عیسائی کو کوئی قتل کرتا ہے اور وہ اس کو چھڑانے کے لئے مدد نہیں کرتا۔ تو میں تمہیں بالکل درست کہتا ہوں کہ وہ ہم میں سے نہیں..... اور پھر بالخصوص ہماری جماعت جو نیکی اور پرہیزگاری سیکھنے کے لئے میرے پاس جمع ہے وہ اس لئے میرے پاس نہیں آتے کہ ڈاکوؤں کا کام مجھ سے سیکھیں اور اپنے ایمان کو برباد کریں۔ میں حلفاً کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ مجھے کسی قوم سے دشمنی نہیں ہاں جہاں تک ممکن ہے ان کے عقائد کی اصلاح چاہتا ہوں اور اگر کوئی گالیاں دے تو ہمارا شکوہ خدا کی جناب میں ہے نہ کسی اور عدالت میں"۔ [۱۲]

آریوں کی بدگمانیوں کا ہر پہلو سے ازالہ کر کے آپ نے ان کے سامنے بالآخر فیصلہ کا یہ آسان طریق رکھا کہ اگر اب بھی کسی کا خیال ہے کہ میں نے لیکھرام کے قتل کی سازش کی ہے۔ تو ایسا شخص میرے سامنے قسم کھائے کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ شخص سازش قتل میں شریک یا اس کے حکم سے واقعہ قتل ہوا ہے۔ پس اگر یہ صحیح نہیں ہے تو اے قادر خدا ایک برس کے اندر مجھ پر وہ عذاب نازل کر جو ہیبت ناک عذاب ہو مگر کسی انسان کے ہاتھوں سے نہ ہو اور نہ انسان کے منصوبوں کا اس میں دخل متصور ہو سکے۔ پس اگر یہ شخص ایک برس تک میری بددعا سے بچ گیا تو میں مجرم ہوں اور اس سزا کے

لائق کہ ایک قاتل کے لئے ہونی چاہیے۔ اب اگر کوئی بہادر کلیجہ والا آریہ ہے جو اس طور سے تمام دنیا کو شبہات سے چھڑا دے تو اس طریق کو اختیار کرے"۔ ۱۳

گنگابشن صاحب کی آمادگی اور فرار

حضرت اقدس ؑ کے اس چیلنج پر آریہ سماج دم بخود رہ گئی۔ اور کسی بہادر کلیجہ والے آریہ کو آپ کے سامنے آنے کی جرات نہ ہوئی۔ البتہ ایک صاحب گنگابشن نامی نے "پنجاب سماچار" ۳۔ اپریل ۱۸۹۷ء میں قسم کھانے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ اور لکھا کہ میں قسم کھانے کو تیار ہوں بایں شرط کہ (۱) پیشگوئی پوری نہ ہونے کی حالت میں آپ کو پھانسی دی جائے (۲) میرے لئے دس ہزار روپیہ گورنمنٹ میں جمع کرا دیا جائے اگر میں بددعا سے بچ رہوں تو وہ روپیہ مجھے مل جائے (۳) جب میں قادیان میں قسم کھانے کے لئے آؤں تو اس بات کا ذمہ لیا جائے کہ لیکھرام کی طرح قتل نہ کیا جائے گا جسے حضور نے فوراً گنگابشن کی تینوں شرطیں منظور فرمالیں اور لکھا۔ "میں تیار ہوں نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ گورنمنٹ کی عدالت میں اقرار کر سکتا ہوں کہ جب میں آسمانی فیصلہ سے مجرم ٹھہروں تو مجھ کو پھانسی دیا جائے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ خدا نے میری پیشگوئی پوری کر کے دین اسلام کی سچائی ظاہر کرنے کے لئے اپنے ہاتھ سے یہ فیصلہ کیا ہے پس ہرگز ممکن نہیں ہو گا کہ میں پھانسی ملوں یا ایک خرمہرہ بھی کسی تکذیب کرنے والے کو دوں۔ بلکہ وہ خدا جس کے حکم سے ہر جنبش و سکون ہے اس وقت کوئی اور ایسا نشان دکھائے گا جس کے آگے گردنیں جھک جائیں"۔ ۱۴

یہ اشتہار پڑھ کر لالہ جی کے چھکے چھوٹ گئے اور انہوں نے فضول عذرات سے جان چھڑانے کی کوشش کی۔ مثلاً کہا کہ "ایک سال کو میں نہیں مانتا۔ بلکہ چاہتا ہوں کہ فوراً زمین میں غرق کیا جاؤں یا یہ کہ مہینہ اور گھنٹہ موت کا مجھے بتلایا جائے" حضرت اقدس ؑ نے جواب دیا کہ "یہ آپ کے پہلے اقرار کے خلاف ہے علاوہ اس کے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں۔ اس کے حکم سے زیادہ نہیں کر سکتا۔ اور نہ کم۔ ہاں اگر میعاد کے اندر کوئی زیادہ تشریح خدا تعالیٰ کی طرف سے کی گئی تو میں اس کو شائع کردوں گا۔ مگر کوئی عہد نہیں۔ آپ اگر اپنی بہادری پر قائم ہیں تو ایک سال کی شرط قبول کر لیں۔ میں یہ اقرار بھی کرتا ہوں کہ صرف اس حالت میں یہ نشان 'نشان' سمجھا جائے گا۔ کہ جب کسی انسانی منصوبہ سے آپ کی موت نہ ہو اور کسی دشمن بداندیش کے قتل کا شبہ نہ ہو"۔ ۱۵

لالہ گنگابشن صاحب نے اب کی دفعہ یہ شرط بھی زائد کی تھی کہ اگر آپ کو جھوٹا نکلنے کی صورت میں پھانسی دی جائے تو لاش گنگابشن صاحب کے حوالہ کی جائے جو چاہیں تو جلادیں یا دریا برد کر دیں۔ حضرت اقدس ؑ نے اس شرط کی منظوری کا بھی اعلان کر دیا اور ساتھ ہی لکھا کہ "میرے نزدیک بھی

جھوٹے کی لاش ہر ایک ذلت کے لائق ہے اور یہ شرط درحقیقت نہایت ضروری تھی جو لالہ گنگابشن صاحب کو عین موقعہ پر یاد آ گئی۔ لیکن ہمارا بھی حق ہے کہ یہی شرائط بالمقابل اپنے لئے بھی قائم کریں۔ ہم نے مناسب نہیں دیکھا کہ ابتداء اپنی طرف سے یہ شرط لگا دیں۔ مگر اب چونکہ لالہ گنگابشن صاحب نے بخوشی خود یہ شرط قائم کر دی اس لئے ہم بھی تہ دل سے شکر گزار ہو کر اور اس شرط کو قبول کر کے اسی قسم کی شرط اپنے لئے قائم کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب گنگابشن صاحب حسب منشا پیشگوئی مر جائیں تو ان کی لاش بھی ہمیں مل جائے تا بطور نشان فتح وہ لاش ہمارے قبضہ میں رہے اور ہم اس لاش کو ضائع نہیں کریں گے بلکہ بطور نشان فتح مناسب مصالحوں کے ساتھ محفوظ رکھ کر کسی عام منظر میں یا لاہور کے عجائب گھر میں رکھا دیں گے"۔ [۱۶]

اب لالہ جی کے لئے کوئی راہ فرار باقی نہیں تھی۔ حضرت اقدسؑ ان کی شرطوں کو تسلیم کرتے ہوئے بار بار للکار رہے تھے کہ میدان میں آؤ۔ مگر لالہ گنگابشن صاحب کو تو اپنی لاش سامنے نظر آ رہی تھی۔ وہ مرد میدان کیسے بنتے۔ ناچار ایک اشتہار میں اپنی لاش دینے سے انکار کر کے ہمیشہ کے لئے چپ سادھ لی [۱۷]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی آریوں کی طرف سے نمائندگی

اب آریہ سماج پر تو سناٹا چھا گیا مگر خدا جانے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو کیا سوجھی کہ وہ آریوں کی نمائندگی کرتے اور ان کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے میدان مقابلہ میں آ گئے اور "اشاعۃ السنہ" میں "الہامی قاتل" کے عنوان سے مضمون لکھا کہ وہ لیکھرام کے قتل میں آپ کا سازشی ہاتھ ہونے پر قسم کھانے پر آمادہ ہیں مگر ایک برس کی میعاد سے ڈرتے ہیں ایسا نہ ہو کہ اس قدر مدت میں مر جائیں یا کوئی اور عذاب نازل ہو جائے اس لئے قسم کے لئے فوری نتیجہ بر آمد ہونا چاہیے۔ [۱۸]

یہ شرط چونکہ خلاف سنت و الہام تھی اس لئے حضرت اقدسؑ نے ان کی حیلہ بازیوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھا۔

"ایک ایسے شخص کے ساتھ کہ اپنی ذکر کردہ بنیاد الہام ٹھہراتا ہے ضد کرنا حماقت ہے۔ صاحب الہام کے لئے الہام کی پیروی ضروری ہوتی ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ چند ہفتہ میں ان پر عذاب نازل کرے مگر ہماری طرف سے ایک برس کی ہی میعاد ہو گی۔ اب اس سے ان کا منہ پھیرنا اپنے دروغگو ہونے کا اقرار کرنا ہے"۔ [۱۹]

اس جواب نے مولوی صاحب کے حدیث و سنت کے عالم ہونے کے دعاوی پارہ پارہ کر دیئے۔ اور

وہ گنگا بشن کی طرح میدان سے فرار اختیار کر گئے۔

حضرت اقدسؑ کی خانہ تلاشی

آریہ سماجیوں کے جذبات مشتعل دیکھ کر انگریزی حکومت کی مشیزی حرکت میں آگئی۔ چنانچہ اس نے قاتل کے حلیہ کا اشتہار شائع کیا۔ خفیہ پولیس نے دوڑ دھوپ کر کے کئی افراد کو شبہ میں گرفتار کر لیا۔ ایک شخص کشمیر سے پکڑ کر لاہور لایا گیا۔ اس شخص کا حلیہ مشتہرہ حلیہ کے مطابق تھا لیکن آخر جب پنڈت لیکھرام کی والدہ اور بیوی نے اسے دیکھا تو کہا یہ وہ شخص نہیں اس کی آواز قاتل کی آواز جیسی نہیں ہے جس پر وہ چھوڑ دیا گیا۔ اسی طرح ایک احمدی بابو وزیر خاں صاحب بھی (جو برما میں کام کرتے تھے) زیر حراست کر لئے گئے مگر تفتیش کرنے پر وہ بھی رہا کر دیئے گئے۔ اس پکڑ دھکڑ کے علاوہ قتل کا سراغ لگانے کی غرض سے وسیع پیمانے پر تلاشیاں بھی ہوئیں۔ [۲۰] چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت اقدسؑ مسیح موعود علیہ السلام کی خانہ تلاشی بھی ہوئی یہ ۸- اپریل ۱۸۹۷ء کا واقعہ ہے۔ حضرت اقدس پولیس افسروں کے آنے سے چند منٹ پیشتر "سراج منیر" کی ایک کاپی پڑھ رہے تھے۔ جس میں یہ مضمون تھا کہ لیکھرام کے قتل سے آپ پر ویسا ہی ابتلاء آیا۔ جیسے مسیح علیہ السلام کو واقعہ صلیب کے موقعہ پر آیا تھا۔ یہ مضمون پڑھتے ہوئے آپ کے دل میں یکایک خیال آیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمنوں نے خود بھی ایذا رسانی کی کوششیں کی تھیں اور گورنمنٹ کے ذریعہ سے بھی تکلیف دی تھی۔ مگر میرے معاملے میں تو اب تک صرف ایک پہلو ہے کیا اچھا ہو تا کہ گورنمنٹ کی دست اندازی کا پہلو بھی اس کے ساتھ شامل ہو جاتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ابھی یہ سوچ ہی رہے تھے کہ اچانک مسٹر لیمار چند سپرنٹنڈنٹ پولیس گورداسپور، میاں محمد بخش انسپکٹر بٹالہ اور ہیڈ کانسٹیبل اور پولیس کی جمعیت نے قادیان پہنچ کر حضور کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ قبل ازیں صبح کے وقت حضرت میر ناصر نواب صاحب نے کہیں سے پولیس کے آنے کی خبر سن لی۔ تو وہ سخت گھبرائے ہوئے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پہنچے اور سخت پریشانی کے عالم میں کہا کہ پولیس گرفتاری کے لئے آرہی ہے۔ حضرت اقدسؑ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ "میر صاحب (دنیادار) لوگ خوشیوں میں چاندی سونے کے کنگن پہنا کرتے ہیں۔ ہم سمجھ لیں گے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لوہے کے کنگن پہن لئے۔ پھر ذرا تامل کے بعد فرمایا۔ "مگر ایسا نہ ہو گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی اپنی گورنمنٹ کے مصالح ہوتے ہیں"۔ [۲۱] اس وقت حضرت صاحبزادہ پیر منظور محمد صاحب بھی بیٹھے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت اقدسؑ پر پولیس کی اطلاع کا خفیف سا اثر بھی نہ ہوا۔ اور بدستور کاپی پڑھتے رہے۔ لیکن جب پولیس نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ نے کام بند کر دیا اور فوراً جاکر دروازہ کھول دیا۔ مسٹر لیمار چند نے ٹوپی اتار کر کہا کہ "مجھے حکم آگیا ہے کہ قتل کے مقدمہ میں آپ کے گھر کی تلاشی لوں"

تلاشی کا نام سن کر آپ کو اس قدر خوشی ہوئی جتنی اس ملزم کو ہو سکتی ہے جس سے کہا جائے کہ تیرے گھر کی تلاشی نہیں ہو گی۔ چنانچہ حضور نے فرمایا کہ آپ اطمنان سے تلاشی لیں اور میں مدد دینے میں آپ کے ساتھ ہوں۔ اس کے بعد آپ انہیں دوسرے افسروں سمیت مکان میں لے گئے اور پہلے مردانہ اور پھر زنانے مکان میں تمام بستے وغیرہ انہوں نے دیکھے۔ اس وقت مرزا امام دین بھی شرارتاً پولیس کے ساتھ تھا۔ اللہ کی قدرت!! جب ایک بستہ کھولا گیا تو سب سے پہلے جو کاغذات بر آمد ہوئے وہ پنڈت لیکھرام کے لکھے ہوئے تھے جو اس نے نشان نمائی کے مطالبہ کے لئے اپنے قلم سے حضور کے نام لکھے تھے۔ تلاشی بہت دیر تک جاری رہی۔ بعض ٹرنکوں کے قفل توڑ کر بھی سامان دیکھے گئے۔ اور پولیس نے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا۔ مگر کچھ بر آمد نہ ہوا۔ تلاشی کے دوران میں حضرت اقدس ؑ کے روئے منور پر کسی قسم کی فکر و تشویش کے آثار قطعاً نہیں تھے۔ بلکہ آپ بالکل مطمئن و مسرور تھے۔ حضور کے گھر کی تلاشی کے بعد مہمانخانہ، مطبع اور حضرت مولانا نور الدین کے مکان کی بھی تلاشی ہوئی۔ دیواری الماریاں بھی دیکھیں گئیں۔ اور پتھر کی سل تک لوٹ پوٹ کی گئی۔ مگر پولیس کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ [۱۲۲] اس موقعہ پر تلاشی کے واقعات کے متعلق حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی عینی شہادت کا درج کرنا ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا (حضرت سیدہ نواب) مبارکہ کا چلہ نہانے کے دو تین دن بعد میں اوپر کے مکان میں چارپائی پر بیٹھی تھی اور تم (مراد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی) میرے پاس کھڑے اور ججو (گھر کی ایک خادمہ کا نام) بھی پاس تھی۔ کہ تم نے نیچے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اماں او پائی"۔ میں نہ سمجھی۔ تم نے دو تین دفعہ دہرایا اور نیچے کی طرف اشارہ کیا۔ جس پر ججو نے نیچے دیکھا تو ڈیوڑھی کے دروازے میں ایک سپاہی کھڑا تھا۔ ججو نے اسے ڈانٹا۔ کہ یہ زنانہ مکان ہے۔ تو کیوں دروازے میں آگیا ہے۔ اتنے میں مسجد کی طرف کا دروازہ بڑے زور سے کھٹکا۔ پتہ لگا کہ اس طرف سے بھی ایک سپاہی آیا ہے حضرت صاحب اندر دالان میں بیٹھے کچھ کام کر رہے تھے۔ میں نے محمود (حضرت خلیفہ المسیح الثانی) کو ان کی طرف بھیجا کہ سپاہی آئے ہیں اور بلاتے ہیں حضرت صاحب نے فرمایا کہو کہ میں آتا ہوں۔ پھر آپ نے بڑے اطمینان سے اپنا بستہ بند کیا اور اٹھ کر مسجد کی طرف گئے۔ وہاں مسجد میں انگریز کپتان پولیس کھڑا تھا۔ اور اس کے ساتھ دوسرے پولیس کے آدمی تھے۔ کپتان نے حضرت صاحب سے کہا کہ مجھے حکم ملا ہے کہ میں لیکھرام کے قتل کے متعلق آپ کے گھر کی تلاشی لوں۔ حضرت صاحب نے کہا آیئے اور کپتان کو معہ دوسرے آدمیوں کے جن میں بعض دشمن بھی تھے۔ مکان کے اندر لے آئے۔ اور تلاشی شروع ہو گئی۔ پولیس نے مکان کا چاروں طرف سے محاصرہ کیا ہوا تھا۔ ہم عورتیں اور بچے ایک طرف ہو گئے۔ سب کمروں کی باری باری تلاشی ہوئی اور حضرت صاحب کے

کاغذات وغیرہ دیکھے گئے تلاش کرتے کرتے ایک خط نکلا جس میں کسی احمدی نے لیکھرام کے قتل پر حضرت صاحب کو مبارک باد لکھی تھی۔ دشمنوں نے اسے جھٹ کپتان کے سامنے پیش کیا کہ دیکھئے اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ حضرت صاحب نے کہا کہ ایسے خطوں کا تو میرے پاس تھیلا رکھا ہے اور پھر بہت سے خط کپتان کے سامنے رکھ دیئے۔ کپتان نے کہا نہیں کچھ نہیں..... جب کپتان نیچے سرد خانے میں جانے لگا۔ تو چونکہ اس کا دروازہ چھوٹا تھا اور کپتان لمبے قد کا آدمی تھا اس کا سر اس زور کے ساتھ دروازے کی چوکھٹ سے ٹکرایا کہ بیچارہ سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گیا۔ حضرت صاحب نے اس سے اظہار ہمدردی کیا اور پوچھا کہ گرم دودھ یا کوئی اور چیز منگوائیں۔ اس نے کہا نہیں کوئی بات نہیں.... حضرت صاحب خود اسے ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف لے جاتے تھے اور ایک ایک چیز دکھاتے تھے۔ ۲۲۳٬۲۲۴

"سراج منیر" اور "استفتاء" کی تصنیف و اشاعت

حضرت اقدسؑ نے آریہ سماج کے پراپیگنڈا کی قلعی کھولنے کے لئے انہی دنوں "سراج منیر" اور "استفتاء" کے نام سے دو اہم کتابیں تصنیف فرمائیں۔

"سراج منیر" ۲۴- مارچ ۱۸۹۷ء کو لکھی گئی اور مئی ۱۸۹۷ء میں شائع ہوئی۔ اس لاجواب تصنیف میں حضرت اقدسؑ نے اپنی صداقت کے ۳۷ نشانات درج فرمائے جو لیکھرام کی ہلاکت سے قبل آفتاب نیم روز کی طرح پورے ہو چکے تھے۔ اور آپ کے منجانب اللہ ہونے پر آسمانی گواہ تھے۔

رسالہ "استفتاء" ۱۲- مئی ۱۸۹۷ء کو شائع ہوا۔ جو لیکھرام کی پیشگوئی سے مخصوص تھا۔ اور جس میں حضرت اقدسؑ نے اس نشان کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتے اور اس میں الٰہی قدرت کا ہاتھ دکھاتے ہوئے ملک کے اہل الرائے اصحاب سے دریافت کیا ہے کہ کیا خدا تعالیٰ کی یہ پیشگوئی کمال صفائی سے پوری ہو گئی ہے یا نہیں؟ اس کتاب میں حضرت اقدسؑ نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یہ پیشگوئی ۱۷ برس قبل "براہین احمدیہ" میں بھی بڑی وضاحت سے موجود ہے اور براہین کی تالیف کا وہ زمانہ تھا کہ لیکھرام اس وقت غالباً ۱۳/۱۲ برس کا ہوگا جو اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ یہ نشان خدا تعالیٰ کی قدرت نمائی سے ظہور میں آیا ہے کسی انسانی منصوبہ کا اس میں ہرگز دخل نہیں۔

سکھوں کی طرف سے مخالفت اور اتمام حجت

حضرت اقدس کی مخالفت میں ہندوستان کی تمام بڑی بڑی مذہبی قومیں متحد ہو چکی تھیں صرف سکھ علیحدہ نظر آتے تھے مگر وہ بھی "ست بچن" کی تصنیف سے بگڑ گئے اور عین اس وقت میدان مقابلہ میں آئے جب پنڈت لیکھرام کے قتل نے ملکی مطلع غبار آلود کر رکھا تھا۔ اور وحشت و جنون کے گھٹا ٹوپ بادل چھا رہے تھے۔

چنانچہ ایک صاحب سردار راجندر سنگھ نے "خبط قادیانی" کتاب لکھی جس میں آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں گستاخانہ حملے کئے اور باوا نانک" کے مسلمان ہونے پر غم و غصہ کا اظہار کیا۔ حضرت اقدسؑ کو سکھ قوم سے حسن ظن تھا جو اس کتاب سے مجروح ہوا آپ کو ہرگز یہ خیال نہیں تھا کہ سکھ قوم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو رسول خدا ﷺ سے متعلق بے باکی کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ۱۸۔ اپریل ۱۸۹۷ء کو اس کے جواب میں مفصل اشتہار لکھا۔ اور فرمایا۔ "کوئی برا مانے یا بھلا۔ مگر میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ان تمام مذہبوں میں سچ پر قائم وہی مذہب ہے جس پر خدا کا ہاتھ ہے۔ اور وہی مقبول دین ہے جس کی قبولیت کے نور ہر ایک زمانے میں ظاہر ہوتے ہیں یہ نہیں کہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ سو دیکھو میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ روشن مذہب اسلام ہے۔ جس کے ساتھ خدا کی تائیدیں ہر وقت شامل ہیں کیا ہی بزرگ قدر وہ رسول ہے جس سے ہمیشہ تازہ بتازہ روشنی پاتے ہیں اور کیا ہی برگزیدہ وہ نبی ہے۔ جس کی محبت سے روح القدس ہمارے اندر سکونت کرتی ہے"۔

حضورؑ نے اس اشتہار میں سکھوں پر اتمام حجت کرتے ہوئے سردار راجندر سنگھ کو اسی آسمانی فیصلہ کی طرف بلایا جو آپ کے جوش ایمان اور منصب ماموریت کا ابتداء ہی سے طرۂ امتیاز تھا۔ یعنی آپ نے انہیں دعوت دی کہ آپ اگر باوا نانک" کو مسلمان نہیں سمجھتے تو ایک مجلس عام میں اس مضمون کی قسم کھاویں کہ درحقیقت باوا نانک" صاحب دین اسلام سے بیزار تھے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا سمجھتے تھے اور اگر دونوں باتیں خلاف واقعہ ہیں تو اے قادر کرتار مجھے ایک سال تک اس گستاخی کی سزا دے۔

حضرت اقدس نے یہ وعدہ فرمایا کہ کسی اخبار میں یہ قسم شائع ہونے کے بعد ہم ان کے لئے پانچ سو روپیہ جمع کرا دیں گے جو ان کے ایک سال تک زندہ رہنے کی صورت میں انہیں فی الفور دے دیا جائے گا۔ نیز یقین دلایا کہ اگر کسی انسان کے ہاتھ سے آپ کو تکلیف پہنچے تو وہ ہماری بددعا کا اثر ہرگز نہیں سمجھا جائے گا۔ ۱۲۵ لیکن سردار راجندر سنگھ خدا کے شیر کی ایک ہی گرج سے ایسے دم بخود ہوئے کہ زندگی بھر انہوں نے اس طرف رخ کرنے کا نام نہیں لیا۔

حواشی

۱۔ الحکم ۲۸۔ ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۴ کالم نمبر ۳
۲۔ "حقیقۃ الوحی" طبع اول صفحہ ۲۸۱-۲۹۳۔ الحکم ۲۸۔ ستمبر ۱۹۳۸ء۔ ذکر حبیب مولفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ ۶۲
۳۔ "دافع الاوہام" مصنفہ دیو پرکاش صفحہ ۸۱ (بحوالہ الفضل ۴۔ مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۰)
۴۔ مسافر آگرہ کا شہید نمبر ۶۔ مارچ ۱۹۱۳ء
۵۔ آہنسا کا اوتار" مؤلفہ مدن گوپال مدن پار اشر مطبوعہ رانا آرٹ پریس امرت سر (نومبر ۱۹۳۹ء) مدن گوپال صاحب نے اسی رسالہ میں یہاں تک لکھ دیا ہے۔ کہ "میں نے احمدیت کا مطالعہ تو اس کی مخالفت کرنے کی غرض سے شروع کیا تھا لیکن نتیجہ اس کے بالکل ہی برعکس برآمد ہوا۔ میں جو کبھی احمدیت کا نام سن کر چڑ جایا کرتا تھا احمدیت کا تھوڑا بہت مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا قائل ہو گیا کہ احمدیت ان مومنوں کی جماعت ہے 'جو اخوت کے علمبردار اور آہنسا کے پجاری ہیں اور جس کی بنیاد ان اصولوں پر قائم کی گئی ہے۔ جو پرماتما کے بنائے ہوئے ہیں اور جنہیں بنا لینے سے منش کا کلیان ہو سکتا ہے"۔ (صفحہ ۳-۴)
۶۔ (BY KENNETH W.JONES) P: ۱۹۷ "ARTADHARM" مطبوعہ یونیورسٹی آف کیلیفورنیا پریس بارکلے ۶ لاس انجلز لنڈن
۷۔ ہندو اخبارات کے مقتبسات "سراج منیر" حاشیہ صفحہ ۴۳-۴۲ طبع اول سے ماخوذ ہیں۔
۸۔ "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۴۶
۹۔ نور احمد طبع دوم حصہ اول صفحہ ۳۹
۱۰،۱۱ اشتہار ۹۔ مارچ ۱۸۹۷ء (بحوالہ "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۳۶-۳۸
۱۲۔ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۴۲-۷۵
۱۳۔ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۵۲
۱۴۔ "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۷۷
۱۵۔ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۸۸
۱۶۔ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۹۱
۱۷۔ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۱۰۰
۱۸۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۸ نمبر ۳
۱۹۔ "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۳۰۰-۳۰۲
۲۰۔ "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۲۷۹
۲۱۔ الحکم ۷۔ جون ۱۹۳۶ء صفحہ ۳
۲۲۔ "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۲۸۶
۲۳۔ سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۲۴۳ طبع دوم
۲۴۔ دوران تلاشی حضور نے میاں محمد بخش صاحب انسپکٹر پولیس سے فرمایا "آپ تو اس طرح مخالفت کرتے ہیں مگر آپ کی اولاد میرے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو جائے گی" (روایات جلد ۱۳ صفحہ ۱۲۲ غیر مطبوعہ) چنانچہ ایسا ہی عمل میں آیا۔
۲۵۔ "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۹۲-۹۸

نائب سفیر سلطان ترکی حسین کامی کی قادیان میں آمد اور
سلطنت ترکی میں انقلاب کی پیشگوئی

مخالفین کا شور و شغب پورے زوروں پر تھا کہ مئی میں آپ کے خلاف مہم چلانے کا ایک نیا بہانہ ان کے ہاتھ آ گیا۔

حسین کامی کا قادیان میں ورود اور حضرت اقدسؑ سے ملاقات

واقعہ یہ ہوا کہ حسین کامی وائس قونصل ترکی لاہور آئے اور مسلمانان لاہور کی طرف سے خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید ثانی سے گہری عقیدت وارادت کے باعث ان کا پرجوش استقبال ہوا اور ڈپٹی برکت علی خاں صاحب شاہجہانپوری صدر انجمن اسلامیہ لاہور کی کوٹھی بیرون موچی دروازہ میں ان کے قیام کا انتظام کیا گیا۔ جماعت احمدیہ لاہور کے بعض اصحاب نے ان کی آمد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان سے ملاقات کی' پیغام حق پہنچایا اور جماعتی لٹریچر بھی دیا جس سے انہوں نے متاثر ہو کر حضرت اقدس کی خدمت میں ملاقات کے لئے نہایت عاجزی کے ساتھ تحریری درخواست [۱] کی اور اس میں حضور علیہ السلام کو "جناب مستطاب معلی القاب قدوۃ المحققین قطب العارفین حضرت پیر دستگیر" کے القاب سے یاد کیا۔ حسین کامی ۱۰ یا ۱۱ مئی ۱۸۹۷ء کو نماز عشاء کے قریب قادیان پہنچے۔ دوسرے روز حضرت اقدسؑ اپنے طریق کے خلاف ان کی درخواست پر تخلیہ میں ان سے ملے۔ انہوں نے سلطان ترکی کے لئے ایک خاص دعا کی تحریک کی اور یہ بھی چاہا۔ کہ آئندہ ان کے لئے جو کچھ قضاو قدر سے آنے والا ہے اس سے مطلع کیا جائے۔ حضرت اقدسؑ پر اول ملاقات میں ہی جناب الٰہی کی طرف سے ان کی منافقانہ کیفیت بے نقاب کر دی گئی۔ اور ان کی دنیا پرستی کا رنگ آپ پر عیاں ہو گیا۔ [۲]

سلطنت روم کی نسبت کشفی خبر

حضرت اقدسؑ اگرچہ سلطان عبدالحمید ثانی کی تعریف کرتے ہوئے ان کا یہ واقعہ ہمیشہ سنایا کرتے تھے کہ

انہوں نے ایک جنگ کے موقعہ پر یہ کہا تھا کہ کوئی خانہ خدا کے لئے بھی خالی رکھنا چاہیے۔ لیکن مشیت ایزدی کچھ اور تھی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان سے بوقت ملاقات صاف کہہ دیا کہ "سلطان کی سلطنت کی اچھی حالت نہیں ہے اور میں کشفی طریق سے انکے ارکان کی حالت اچھی نہیں دیکھتا اور میرے نزدیک ان حالتوں کے ساتھ انجام اچھا نہیں"۔ نیز اس بات پر بھی زور دیا کہ رومی سلطنت خدا کے نزدیک کئی باتوں میں قصوروار ہے اور خدا سچے تقویٰ اور طہارت اور نوع انسان کی ہمدردی کو چاہتا ہے اور روم کی حالت موجودہ بربادی کو چاہتی ہے۔ توبہ کرو تا نیک پھل پاؤ"۔ [۳]

حسین کامی کا "ناظم الہند" میں غضب آلود مراسلہ اور عام مخالفت

حضرت اقدسؑ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر حسین کامی صاحب (جنہوں نے قادیان میں اکثر وقت لہو ولعب اور شطرنج میں گزارا) [۴] سخت جز بز ہوئے اور واپس آکر اخبار "ناظم الہند" میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف ایک غضب آلود مراسلہ شائع کیا جس نے عداوت کی ایک نئی بنیاد ڈال دی اخبارات نے اسے خوب اچھالا اور بڑی کثرت سے اشتہارات میں اس کا چرچا ہوا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو اس قسم کے موقعہ کی ہمیشہ تاک میں رہتے تھے "خلیفتہ المسلمین" کی عقیدت والفت کا واسطہ دے کر مسلمانوں کے جذبات سے خوب کھیلے اور اشتعال انگیزی کی حد کردی۔ [۵]

"چودھویں صدی" کا بزرگ

حسین کامی صاحب کے خط پر (ضلع راولپنڈی) کے ایک وقیع عالم اور رئیس اعظم راجہ جہاں داد خاں صاحب [۶] بھی پراپیگنڈا کی رو میں بہہ گئے اور نازیبا کلمات آپ کی شان میں کہے اور گو انہوں نے از خود تو کوئی مضمون آپ کے خلاف نہ لکھا مگر اخبار "چودھویں صدی" نے انہی کا سہارا لے کر ۱۵۔ جون ۱۸۹۷ء کے اخبار میں حضرت اقدسؑ کے متعلق ناواجب کلمات لکھے۔ حضرت اقدسؑ کو اس کے رد میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی مگر یہ عجیب بات ہوئی کہ جب یہ اخبار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پڑھا گیا تو اس کے دوران میں یہ عبارت بھی آگئی کہ "ایک بزرگ نے جب یہ اشتہار پڑھا تو بے ساختہ ان کے منہ سے یہ شعر نکل گیا۔

"چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنہ پاکاں برد"

اس مقام پر پہنچ کر حضرت اقدسؑ کی روح میں بددعا کے لئے ایک خاص جوش اٹھا تب آپ نے اس شخص کے بارے میں جس کو اخبار میں "بزرگ" کے لفظ سے یاد کیا گیا تھا دعا کی کہ "یاالٰہی اگر تو جانتا ہے کہ میں کذاب ہوں اور تیری طرف سے نہیں ہوں اور جیسا کہ میری نسبت کہا گیا ہے

ملعون اور مردود ہوں اور کاذب ہوں اور تجھ سے میرا تعلق اور تیرا مجھ سے نہیں۔ تو میں تیری جناب میں عاجزانہ عرض کرتا ہوں کہ مجھے ہلاک کر ڈال۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ میں تیری طرف سے ہوں اور تیرا بھیجا ہوا ہوں اور مسیح موعود ہوں تو اس شخص کے پردے پھاڑ دے جو بزرگ کے نام سے اس اخبار میں لکھا گیا ہے لیکن اگر وہ اس عرصہ میں قادیان میں آکر مجمع عام میں توبہ کرے تو اسے معاف فرما تو رحیم و کریم ہے"۔ اس بددعا میں حضرت اقدس نے یکم جولائی ۱۸۹۷ء سے یکم جولائی ۱۹۹۸ء تک اللہ تعالیٰ سے فیصلہ کی درخواست کی۔

حضرت اقدسؑ کی طرف سے اطلاع عام

حضرت اقدس کی دعا قبول ہو گئی جس کی اطلاع عام کے لئے آپ نے ۲۵۔ جون ۱۸۹۷ء کو ایک اور اشتہار شائع کیا جس میں یہ سب واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا "میرے اشتہار کا بجز اس کے کیا مطلب تھا کہ رومی لوگ تقویٰ اور طہارت اختیار کریں کیونکہ آسمانی قضاو قدر اور عذاب سماوی کے روکنے کے لئے تقویٰ اور توبہ اور اعمال صالحہ جیسی اور کوئی چیز قوی تر نہیں......... کیا یہ ممکن نہ تھا کہ جو کچھ میں نے رومی سلطنت کے اندرونی نظام کی نسبت بیان کیا وہ دراصل صحیح ہو اور ترکی گورنمنٹ کے شیرازہ میں ایسے دھاگے بھی ہوں جو وقت پر ٹوٹنے والے اور غداری سرشت ظاہر کرنے والے ہوں"۔ [۷]

"چودھویں صدی کے" بزرگ کی معافی

اب "حسین کامی" کی ملاقات کے نتیجہ میں تین پیشگوئیاں پبلک میں آگئیں۔

۱۔ "چودھویں صدی" کے بزرگ کی توبہ نہ کرنے کی صورت میں ایک سال میں تباہی۔
۲۔ "حسین کامی" کی منافقت اور غداری
۳۔ اندرونی نظام کی خرابی کے نتیجے میں سلطنت ترکی میں انقلاب"۔

بظاہر حالات ایسے نہیں تھے کہ ان میں سے کوئی پہلو بھی ظاہر ہوتا۔ مگر دنیا یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ یہ تمام پیشگوئیاں مختصر سے وقفہ کے ساتھ بڑی شان سے پوری ہو گئیں۔

پہلی پیشگوئی "چودھویں صدی" کے بزرگ سے متعلق تھی۔ سو راجہ جہاں داد صاحب نے اپنے گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے چند ماہ کے بعد معافی کی عاجزانہ درخواست کی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے ۲۹۔ اکتوبر ۱۸۹۷ء کو حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حد درجہ فروتنی' انکسار اور تذلل سے ایک مفصل خط لکھا۔ یہ خط ان الفاظ پر ختم ہوتا تھا:۔

"اس وقت تو میں ایک مجرم گنہگار کی طرح آپ کے حضور میں کھڑا ہوتا ہوں اور معافی مانگتا ہوں

(مجھ کو حاضر ہونے میں بھی کچھ عذر نہیں مگر بعض حالات میں ظاہری حاضری سے معاف کیا جانے کا مستحق ہوں) شاید جولائی ۱۹۹۸ء سے پہلے حاضر ہی ہو جاؤں۔

امید کہ بارگاہ قدس سے بھی آپ کو راضی نامہ دینے کے لئے تحریک فرمائی جائے کہ نسی و لم نجد له عز ما قانون کا بھی یہی اصول ہے کہ جو جرم عمداً و جان بوجھ کر نہ کیا جائے وہ قابل راضی نامہ و معافی کے ہوتا ہے۔ فاعفوا و اصلحوا ان الله یحب المحسنین۔

میں ہوں حضور کا مجرم (دستخط بزرگ) راولپنڈی ۲۹۔ اکتوبر ۹۷ء"

راجہ جہاں داد خاں نے حضرت اقدس کی خدمت میں یہ خط بھجوانے کے علاوہ اس کا ملخص راولپنڈی کے اخبار چودھویں صدی ۸۔ نومبر ۱۸۹۷ء (صفحہ ۳-۴) میں بھی شائع کروا دیا۔ ۸

حضرت اقدسؑ نے اس خط پر ۲۰۔ نومبر ۱۸۹۷ء کو بذریعہ اشتہار اعلان فرمایا کہ

"خدا تعالیٰ اس بزرگ کی خطا معاف کرے اور اس سے راضی ہو۔ میں اس سے راضی ہوں اور اس کو معافی دیتا ہوں چاہیے کہ ہماری جماعت کا ہر ایک شخص اس کے حق میں دعائے خیر کرے"۔ ۹

حسین کامی کی مجرمانہ خیانت اور اپنے عہدہ سے برطرفی

دوسری پیشگوئی خود حسین کامی کی نفاق آمیزی کی نسبت تھی جو خارق عادت رنگ میں پوری ہوئی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسی سال یونانیوں نے ترکی کے مقبوضات میں سے ایک جزیرہ کریٹ پر قبضہ کر کے اس کے مسلمان باشندوں کا بے دردی سے قتل عام کیا کہ پورے عالم اسلام پر قیامت گزر گئی اور ہر جگہ چندے ہونے لگے۔ مسلمانان ہند نے بھی اپنے مظلوم بھائیوں کی اعانت میں دل کھول کر حصہ لیا اور مدراس کے ترکی سفیر عبدالعزیز کے علاوہ حسین کامی مقیم کراچی کو بھی یہ چندہ دیا کہ پہنچا دیں مگر یہ صاحب مظلومان کریٹ کا کل چندہ خود ہی ہضم کر گئے اور ایک کوڑی تک ان ستم رسیدوں تک نہیں پہنچنے دی۔ حکومت ترکی کو جب اس قومی غداری کا علم ہوا تو اس نے حسین کامی کو عہدہ سے برطرف کر کے اس کی جائیداد ضبط کر لی۔ اس راز کا انکشاف مشہور ہندی سیاح حافظ عبدالرحمٰن صاحب امرت سری (۱۸۴۰-۱۹۰۷ء) پر قسطنطنیہ کی سیاحت کے دوران میں ہوا۔ جس پر انہوں نے اخبار "نیر آصفی" مدراس کو نامہ نگار کی حیثیت سے اس خبر کی پوری تفصیلات بھجوا دیں جو ۱۲۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء کے ایشوع میں ایک ادارتی نوٹ کے ساتھ بایں الفاظ شائع ہوئیں۔

"چندہ مظلومان کریٹ اور ہندوستان"

ہمیں آج کی ولایتی ڈاک میں اپنے ایک معزز اور لائق نامہ نگار کے پاس سے ایک قسطنطنیہ والی

چٹھی ملی ہے جس کو ہم اپنے ناظرین کی اطلاع کے لئے درج ذیل کئے دیتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے ہمیں کمال افسوس ہوتا ہے افسوس اس وجہ سے کہ ہمیں اپنی ساری امیدوں کے برخلاف اس مجرمانہ خیانت کو جو سب سے بڑی اور سب سے زیادہ منظم اور مہذب اسلامی سلطنت کے وائس قونصل کی جانب سے بڑی بیدردی کے ساتھ عمل میں آئی اپنے کانوں سے سنا اور پبلک پر ظاہر کرنا پڑا ہے جو کیفیت جناب مولوی حافظ عبدالرحمٰن الہندی نزیل قسطنطنیہ نے ہمیں معلوم کرائی ہے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حسین بک کامی نے بڑی بے شرمی کے ساتھ مظلومان کریٹ کے روپیہ کو بغیر ڈکار لینے کے ہضم کرلیا اور کارکن کمیٹی چندہ نے بڑی فراست اور عرقریزی کے ساتھ ان سے روپیہ اگلوایا۔ مگر یہ دریافت نہیں ہوا کہ وائس قونصل مذکور پر عدالت عثمانیہ میں کوئی نالش کی گئی یا نہیں۔ ہماری رائے میں ایسے خائن کو عدالتانہ کارروائی کے ذریعہ عبرت انگیز سزا دینی چاہیے ...."

"قسطنطنیہ کی چٹھی"

ہندوستان کے مسلمانوں نے جو گذشتہ دو سالوں میں مہاجرین کریٹ اور مجروحین عساکر حرب یونان کے واسطے چندہ فراہم کرکے قونصل ہائے دولت علیہ ترکیہ مقیم ہند کو دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہر زرچندہ تمام و کمال قسطنطنیہ میں نہیں پہنچا اور اس امر کے باور کرنے کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حسین بک کامی وائس قونصل کراچی کو جو ایک ہزار چھ سو روپیہ کے قریب مولوی انشاء اللہ صاحب ایڈیٹر اخبار وکیل امرت سر اور مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر "پیسہ اخبار" نے مختلف مقامات سے وصول کرکے بھیجا تھا وہ سب غبن کر گیا ایک کوڑی تک قسطنطنیہ میں نہیں پہنچائی مگر خدا کا شکر ہے کہ سلیم پاشا ملحمہ کارکن کمیٹی چندہ کو جب خبر پہنچی تو انہوں نے بڑی جاں فشانی کے ساتھ اس روپیہ کے اگلوانے کی کوشش کی اور اس کے اراضی مملوکہ کو نیلام کرا کر وصولی رقم کا انتظام کیا اور باب عالی میں غبن کی خبر بھجوا کر نوکری سے موقوف کرایا۔ اس لئے ہندوستان کے جملہ اصحاب جرائد کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اس اعلان کو قومی خدمت سمجھ کر چار مرتبہ متواتر اپنے اخبارات میں مشتہر فرمائیں اور جس وقت ان کو معلوم ہو کہ فلاں شخص کی معرفت اس قدر روپیہ چندہ کا بھیجا گیا تو اس کو اپنے جریدہ میں مشتہر کرائیں اور نام مع عنوان کے ایسا مفصل لکھیں کہ بشرط ضرورت اس سے خط و کتابت ہو سکے"۔ [۱۰]

اس خبر نے "ناظم الہند" اور دوسرے تمام اخبارات پر بجلی سی گرادی۔ یہ وہ اخبارات تھے جنہوں نے حسین کامی کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہوئے یہاں تک لکھ ڈالا تھا کہ یہ نائب خلیفۃ

اللہ سلطان روم جو پاک باطنی اور دیانت اور امانت کی وجہ سے سراسر نور ہیں اس لئے قادیان میں بلائے گئے ہیں تاکہ مرزائے قادیان اپنے افتراء سے اس نائب الخلافت یعنی مظہر نور الہی کے ہاتھ پر توبہ کرے اور آئندہ اپنے تئیں مسیح موعود ٹھہرانے سے باز آجائے"۔ [۱۱]

لیکن قدرت حق نے جلد ہی حسین کامی کے چہرے سے نقاب اٹھادی اور خدا کی بات کمال صفائی سے پوری ہو گئی۔

سلطنت ترکی میں انقلاب اور سلطان عبدالحمید ثانی کی معزولی

اب سلطنت ترکی کی نسبت سنئے۔ حضرت اقدسؑ نے خبر دی تھی کہ "سلطان روم کی اچھی حالت نہیں ہے اور میں کشفی طریق سے اس کے ارکان کی حالت اچھی نہیں دیکھتا۔ اور میرے نزدیک ان حالتوں کے ساتھ انجام اچھا نہیں"۔ اور بتایا تھا کہ ترکی گورنمنٹ میں کئی ایسے دھاگے ہیں جو وقت پر ٹوٹنے والے اور غداری سرشت رکھنے والے ہیں۔ گو حضرت اقدسؑ کا دینی عقیدہ یہ تھا کہ سلطان ترکی حرمین کا محافظ نہیں بلکہ حرمین اس کے محافظ ہیں تاہم اس سلطنت کو مسلمانوں کے لئے مغتنمات میں سے سمجھتے تھے۔ [۱۲] اس لئے آپ کو طبعاً صدمہ ہوا اور آپ رقت اور درد سے بھر گئے۔ [۱۳] آپ کا یہ کرب و اضطراب درگاہ الٰہی میں پہنچا اور بالآخر جنوری ۱۹۰۴ء میں آپ کو الہاماً بتایا گیا کہ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون"۔ [۱۴] کہ اہل روم نزدیک کی زمین میں مغلوب کئے جائیں گے اور وہ عنقریب مغلوب ہونے کے بعد غلبہ پائیں گے۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء میں ہی سلطنت ترکی کے انقلاب کے آثار نمودار ہونے لگے۔ اور اس کے کچے دھاگوں کے ٹوٹنے اور اندرونی نظام کے کھوکھلا ہونے کی خبریں بڑی کثرت سے منظر عام پر آنا شروع ہو گئیں۔ جس پر اخبار وکیل ۲۷۔ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۸ کالم نمبر۲ نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔ "نہایت افسوس کی بات ہے کہ جس عادت زبون نے ترکوں کو یہ دن دکھایا اور عیسائی سلطنتوں کے ہاتھوں اسے برباد کرایا وہ عادت ابھی تک ان میں کم و بیش پائی جاتی ہے اور یہ عادت ملک و قوم کی اغراض پر اپنی اغراض کو ترجیح دینا ہے۔ حیرانگی کی بات تو یہ ہے کہ یہ تباہی بخش مرض عام لوگوں کے طبقہ سے گذر کر مقتدر اور سربر آوردہ طبقہ کے اشخاص میں بھی گھر کر گیا ہے کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ کسی نہ کسی نمک حرام ترک افسر کی غداری کی خبریں مشہور نہ ہوتی ہوں۔ اب جو شخص ملک و قوم کی اغراض کو ایک طرف پھینک کر غداری کے میدان میں نکلا ہے کمال الدین پاشا فرزند عثمان پاشا ہے یہ نوجوان (سلطان المعظم کا۔ ناقل) داماد تھا مگر کچھ عرصہ سے اس کی ہوا ایسی بگڑی ہے کہ کسی دشمن نے اس پر ایسا جادو چلایا ہے کہ وہ علانیہ سرکشی پر کمربستہ ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر دختر سلطان

المعظم نے اس سے کنارہ کرلیا اور زوجیت کے تمام تعلقات منقطع کر دیئے۔ اب یہ نوجوان بروسا میں نظر بند کیا گیا ہے اور اس کے تمام تمغہ جات و جاگیر وغیرہ ضبط ہو گئی۔ کیسا دردناک سبق ہے کہ جس شخص کو سلطنت کی ترقی۔ اقبال میں ساعی ہونا چاہیے تھا وہ سازش کے جرم میں زندان میں ڈالا جائے۔ جب تک ترکوں میں اس قسم کے آدمی ہیں وہ اپنے آپ کو کبھی بھی خطرہ سے باہر نہیں نکال سکتے۔ ۱۵
ان پے در پے غداریوں اور سازشوں نے ملکی نظام درہم برہم کر دیا۔ جس نے ملک میں سخت ابتری پھیلا دی اور سلطان عبدالحمید ثانی کو ۱۹۰۹ء میں تخت سے اتار دیا گیا اور ان کے بھائی سلطان محمد پنجم بادشاہ ہو گئے۔ سیاسی بحران اس وقت انتہاء کو پہنچ چکا تھا خزانہ لٹ چکا تھا نہ فوج کی حالت درست تھی نہ ملکی نظم و نسق ہی ٹھیک تھا اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اٹلی نے طرابلس پر قبضہ کر لیا۔ ساتھ ہی بلقان میں لڑائی چھڑ گئی۔ یہ ختم ہوئی تو پہلی جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ اور ترکی کو جرمنی کے حلیف کی شکل میں اس میں حصہ لینا پڑا۔ لڑائی جاری تھی کہ سلطان محمد پنجم انتقال کر گئے اور سطان عبدالوحید تخت پر بیٹھے۔ ۱۰۔ اگست ۱۹۱۸ء کو جرمن نے ہتھیار ڈال دئے۔ اور اتحادیوں نے انتقام لینے کے لئے ظالمانہ طور پر ترکی سلطنت کے حصے بخرے کر کے اسے آپس میں بانٹ لیا۔ حجاز، عراق، فلسطین اور اردون انگریزوں نے ہتھیائے۔ فرانس نے شام و لبنان پر قبضہ کیا۔ ایشیائے کوچک یونان کو ملا۔ اور باقی حصہ مشترک ملکیت قرار پایا۔ اور بظاہر ترکی سلطنت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے فرستادہ اور برگزیدہ کی دعاؤں کے طفیل اور اپنے الہام کے مطابق اس کے مردہ قالب میں زندگی کی روح پھونکنے کے لئے نوجوان ترک مصطفیٰ کمال پاشا، روف بے اور ڈاکٹر عدنان کو کھڑا کر دیا۔ جنہوں نے تھوڑی بہت فوج جمع کر کے جنگ شروع کر دی۔ خلیفہ عبدالوحید سے اتحادیوں نے حکم لکھوایا تھا کہ مصطفیٰ کمال وغیرہ باغی ہیں اور قتل کے مستحق۔ مگر انہوں نے اعلان کر دیا کہ ہم نہ خلیفہ عبدالوحید کو خلیفہ جانتے ہیں نہ اس کی حکومت کو صحیح حکومت۔ آخر خدا کے فضل سے یونان نے شکست کھائی اور سارا ایشیائے کوچک اتحادیوں کے پنجہ سے نکل کر ترک جھنڈے کے نیچے آگیا۔ ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو قسطنطنیہ پر بھی قبضہ ہو گیا۔ اس عظیم انقلاب کے بعد یکم مارچ ۱۹۲۴ء کو مصطفیٰ کمال پاشا نے جدید ترکی حکومت قائم کر لی۔ اور آخری "خلیفتہ المسلمین" حکومت کے ایک گھنٹہ کے نوٹس پر حدود ترکی سے بھاگ کر انگریزوں کے زیر سایہ مالٹا میں پناہ گزیں ہو گیا۔ ۱۶

"حجتہ اللہ" کی تصنیف و اشاعت

چند ماہ پیشتر مولوی عبدالحق صاحب غزنوی نے "ضرب النعال علی وجہ الدجال" کے

عنوان سے حضرت اقدسؑ کے خلاف ایک نہایت گندہ اشتہار شائع کیا تھا جس میں آپ کی بعض پیشگوئیوں پر شرمناک اعتراضات کئے اور اپنی عربی لیاقت و قابلیت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے عربی زبان میں مباحثہ کی دعوت دی۔

حضرت اقدسؑ نے جواباً "ضمیمہ انجام آتھم" میں لکھا کہ ہم اس مقابلہ کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ تم اقرار کرو کہ اگر تم باوجود اتنے دعویٰ فضیلت اور عربی دانی کے میرے جیسے انسان سے صاف شکست کھا جاؤ۔(جس کی نسبت تمہیں اسی اشتہار میں اقرار ہے کہ اس شخص کو عربی دانی کی ہرگز لیاقت نہیں) تو اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے معجزہ سمجھ کر فی الفور میری بیعت میں داخل ہو جاؤ گے۔حضرت اقدس نے ایک عرصہ تک انتظار کیا۔مگر جب غزنوی صاحب نے کوئی جواب نہ دیا۔تو آپ نے نجفی اور غزنوی دونوں کی سرکوبی کے لئے فصیح و بلیغ عربی میں "حجتہ اللہ" ایسی اعجازی تصنیف فرمائی جو ۱۷۔مارچ ۱۸۹۷ء کو لکھنی شروع ہوئی اور ۲۶۔مئی ۱۸۹۷ء کو چھپ گئی۔حضرت اقدس نے "حجتہ اللہ" میں غزنوی صاحب کو کھلے لفظوں میں چیلنج دیا کہ "اس دن کہ یہ رسالہ ان کے پاس پہنچ جائے اس مضمون کی نظیر اس کے حجم اور ضخامت کے مطابق اس کی نظم اور نثر کے موافق بالمقابل شائع کردے اور پروفیسر عربی مولوی عبداللہ صاحب یا کوئی اور پروفیسر جو مخالف تجویز کریں ایسی قسم کھا کر جو موکد بعذاب الٰہی ہو جلسہ عام میں کہدیں کہ یہ مضمون تمام مراتب بلاغت اور فصاحت کے رو سے مضمون پیش کردہ سے بڑھ کر یا برابر ہے اور پھر قسم کھانے والا میری دعا کے بعد اکتالیس دن تک عذاب الٰہی میں ماخوذ نہ ہو تو میں اپنی کتابیں جلا کر جو میرے قبضہ میں ہوں گی ان کے ہاتھ پر توبہ کروں گا۔اور اس طریق سے روز کا جھگڑا طے ہو جائے گا اور اس کے بعد جو شخص مقابل پر نہ آیا تو پبلک کو سمجھنا چاہیے کہ وہ جھوٹا ہے"۔[۱۷] اس چیلنج نے ان صاحب کی عربی دانی کی سب حقیقت عریاں کردی ان کا بھرم کھل گیا اور وہ آخر دم تک اس علمی معجزہ کے جواب پر قلم اٹھانے کی جرات نہ کر سکے اور اللہ کی حجت تمام ہوئی۔

محمود کی آمین

جون ۱۸۹۷ء میں سیدنا حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کے ختم قرآن کی مبارک تقریب منعقد ہوئی جس میں باہر سے بھی احباب شامل ہوئے۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اس خوشی کے موقعہ پر تمام حاضرین کو پر تکلف دعوت دی۔

حضرت ام المومنین نے چند روز قبل جناب شیخ نور احمد صاحب کی اہلیہ صاحبہ سے ارشاد فرمایا کہ

ایک مطبوعہ آمین امرت سر سے منگادیں میاں محمود نے قران مجید ختم کیا ہے۔ جس پر جناب شیخ نور احمد صاحب امرت سر سے ایک آمین خرید لائے جس کے ہر شعر کے آخر میں "سبحان من یرانی" آتا تھا۔ شیخ صاحب نے یہ آمین حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کردی صبح کو حضور نے ایک اور آمین بنا کرانہیں دی اور ارشاد فرمایا کہ اس کو جلد چھپوادیں۔

چنانچہ یہ اسی روز (۷- جون کو) چھپ گئی اور اس تقریب پر پڑھ کر سنائی گئی۔ اندر زنانہ میں خواتین پڑھتی تھیں اور باہر مرد اور بچے پڑھتے تھے۔ یہ آمین نہایت درجہ سوز و درد میں ڈوبی ہوئی دعاؤں کا مجموعہ ہے اور اپنی مبشر اولاد بالخصوص سیدنا محمود ایدہ اللہ الودود سے متعلق حضور کے دلی جذبات کی آئینہ دار ہے۔ حضرت اقدس کے سینہ میں عشق قرآن کا جو عظیم جذبہ موجزن تھا وہ اس کے لفظ لفظ سے ٹپک رہا ہے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

تو نے یہ دن دکھایا محمود پڑھ کے آیا ۔۔۔ دل دیکھ کر یہ احساں تیری ثنائیں گایا
صد شکر ہے خدایا صد شکر ہے خدایا ۔۔۔ یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
لخت جگر ہے میرا محمود بندہ تیرا ۔۔۔ دے اس کو عمر و دولت کر دور ہر اندھیرا
دن ہوں مرادوں والے پر نور ہو سویرا ۔۔۔ یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
اس کے ہیں دو برادران کو بھی رکھیو خوشتر ۔۔۔ تیرا بشیر احمد تیرا شریف اصغر
کر فضل سب پہ یکسر رحمت سے کر معطر ۔۔۔ یہ روز کر مبارک سبحان میں یرانی
اے واحد یگانہ اے خالق زمانہ ۔۔۔ میری دعائیں سن لے اور عرض چاکرانہ
تیرے سپرد تینوں دیں کے قمر بنانا ۔۔۔ یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
یہ تینوں تیرے چاکر ہوویں جہاں کے رہبر ۔۔۔ یہ ہادی جہاں ہوں یہ ہو ویں نور یکسر
یہ مرجع شہاں ہوں یہ ہوویں مہر انور ۔۔۔ یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

حضرت حافظ احمد اللہ صاحب کو یہ شرف نصیب ہوا کہ انہوں نے حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کو بچپن میں قرآن شریف پڑھایا۔ حضور کے دوسرے فرزندوں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب و حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضور کی دختر نیک اختر حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت صاحبزادی امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ نے حضرت صاحبزادہ پیر منظور محمد صاحب موجد قاعدہ یسرنا القرآن سے قرآن شریف پڑھا تھا۔

ساٹھ سالہ جوبلی پر ملکہ وکٹوریہ کو دوسری بار دعوت اسلام۔ انگلستان میں "جلسہ مذاہب" کی تجویز۔ "تحفہ قیصریہ" کی تصنیف و اشاعت۔ جلسہ احباب اور ملکہ کے مسلمان ہونے کی دعا

۲۰-۲۱-۲۲- جون ۱۸۹۷ء کو ہندوستان بھر میں ملکہ وکٹوریہ کی ساٹھ سالہ جوبلی بڑی دھوم دھام سے منائی گئی- دس سال قبل پچاس سالہ جوبلی کی تقریب پر بھی اسی جوش و خروش کا اظہار کیا گیا اور خصوصاً اہل اسلام نے اپنی مسرت و عقیدت کا عدیم النظیر ثبوت پیش کیا اور اہل اسلام میں جماعت اہلحدیث نے سب سے زیادہ اپنی دلچسپی اور وفاداری کا مظاہرہ کیا- چنانچہ جماعت اہلحدیث لاہور نے اس تقریب پر ایک پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا- یہ دعوت مولوی الٰہی بخش صاحب وکیل کی وسیع کوٹھی میں دی گئی- جس میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سب ممبروں اور دوسرے مسلمان رؤساء شرفاء علماء اور عام اہل اسلام نے سات آٹھ ہزار کی تعداد میں شرکت کی- کوٹھی کے عین دروازہ کے سامنے ایک بلند اور وسیع دروازہ پر ایک طرف سنہری حروف سے یہ الفاظ درج کئے گئے-

"The Ahli Hadis With Empress a Long Life"

اہل حدیث قیصرہ ہند کی درازی عمر کے آرزو مند ہیں- دوسری طرف لاجوردی رنگ میں یہ شعر لکھا تھا-

دل سے ہے یہ دعائے اہلحدیث جشن جوبلی مبارک ہو

اس رات کو اہل پنجاب کی مختلف سوسائٹیوں نے ایڈریس پڑھے- جس میں اہلحدیث نے اپنے ایڈریس میں مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا "بحضور فیض گنجور کوئین وکٹوریہ ملکہ گریٹ برٹن و **قیصرۃ ہند بارک اللہ فی سلطنتھا**- ہم ممبران اہل حدیث اپنے گروہ کے کل اشخاص کی طرف سے حضور والا کی خدمت عالی میں جشن جوبلی کی دلی مسرت سے مبارکباد عرض کرتے ہیں-

برٹش رعایائے ہند میں سے کوئی فرقہ ایسا نہ ہوگا جس کے دل میں اس مبارک تقریب کی مسرت جوش زن نہ ہوگی اور اس کے بال بال سے صدائے مبارکباد نہ اٹھتی ہوگی- مگر خاص کر فرقہ اہل اسلام جس کو سلطنت کی اطاعت اور فرمانروائے وقت کی عقیدت اس کا مقدس مذہب سکھاتا اور اس کو ایک فرض مذہبی قرار دیتا ہے- اس اظہار مسرت اور ادائے مبارکباد میں دیگر مذاہب کی رعایا سے پیش قدم ہے علی الخصوص گروہ اہل حدیث منجملہ اہل اسلام اس اظہار مسرت و عقیدت اور دعائے

برکت میں چند قدم اور بھی سبقت رکھتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جن برکتوں اور نعمتوں کی وجہ سے یہ ملک تاج برطانیہ کا حلقہ بگوش ہو رہا ہے اور از انجملہ ایک بے بہا نعمت مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص کر اسی سلطنت میں حاصل ہے بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے ان کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے اس خصوصیت سے یقین ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے قیام و استحکام سے زیادہ مسرت ہے اور ان کے دل سے مبارکباد کی صدائیں زیادہ زور کے ساتھ موجزن ہیں۔ ہم بڑے جوش سے دعا مانگتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ حضور والا کی حکومت کو اور بڑھائے اور تادیر حضور والا کا نگہبان رہے تاکہ حضور والا کی رعایا کے تمام لوگ حضور کی وسیع سلطنت میں امن اور تہذیب کی برکتوں سے فائدہ اٹھائیں"۔ ۱۸

لاہور میں جملہ اہل السلام کی طرف سے شاہی مسجد لاہور میں بھی ایک بھاری اجتماع ہوا جس میں انجمن حمایت اسلام کے ممبروں اور تمام اسلامی فرقوں کے لوگ موجود تھے۔ اس اجتماع میں انجمن اسلامیہ کے ممبروں نے بڑی پر جوش اور موثر تقریروں سے قیصرہ ہند کی برکات بیان کیں۔ اور ان کی صحت و سلامتی کے لئے دعا کی گئی۔ اسی قسم کے اجتماع ہندوستان کے دوسرے شہروں دہلی۔ نصیر آباد اور اجمیر وغیرہ میں بھی ہوئے۔ ۱۹

پچاس سالہ جوبلی کی طرح ساٹھ سالہ جوبلی بھی گذشتہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے شاندار طریق پر منائی گئی بلکہ اسے یہ خصوصیت بھی حاصل ہوئی کہ پہلی جوبلی میں اہلحدیث جماعتی اعتبار سے نمایاں نظر آتے تھے۔ اب ہندوستان بھر کے مسلمانوں کی ایک جنرل کمیٹی قائم کی گئی جس کی مطبوعہ ہدایات کی روشنی میں ہندوستان کے تمام اسلامی فرقوں نے اظہار مسرت و مبارکباد کیا۔

ملکہ کو دعوت اسلام اور "تحفہ قیصریہ" کی تصنیف

اس جشن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ نے بھی حصہ لیا جو اسلامی عظمت و وقار کے لحاظ سے ایک امتیازی شان رکھتا تھا دوسرے اداروں یا فرقوں نے جوبلی کی تقریب محض چراغاں' غرباء کو طعام' قیصرہ ہند کی مدح اور حکومت کے بقاء و استحکام کی دعا تک محدود رکھی مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے جوش دینی کے باعث یہ تقریب بھی جو خالص مادی تقریب تھی علمی جہاد میں تبدیل کر دی۔ اس سلسلے میں حضور نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ۲۷۔ مئی ۱۸۹۷ء کو "تحفہ قیصریہ" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا جس میں ملکہ وکٹوریہ کو تثلیث سے تائب ہو کر قرآن مجید کی سچی اور پر حکمت تعلیم سے وابستہ ہونے کی نہایت لطیف رنگ میں دعوت دی۔

لندن میں "جلسہ مذاہب" کے انعقاد کی تجویز

حضرت اقدسؑ نے "تحفہ قیصریہ" میں ملکہ کے سامنے "جلسہ مذاہب" کے انعقاد کی تجویز بھی پیش کی۔ چنانچہ فرمایا "۔ قیاصرہ روم میں سے جب تیسرا قیصر روم تخت نشین ہوا۔ اور اس کا اقبال کمال کو پہنچ گیا تو اسے اس بات کی طرف توجہ پیدا ہوئی کہ دو مشہور فرقہ عیسائیوں میں جو ایک موحد اور دوسرا حضرت مسیح کو خدا جانتا تھا باہم بحث کرا دے۔ چنانچہ وہ بحث قیصر روم کے حضور میں بڑی خوبی اور انتظام سے ہوئی اور بحث کے سننے کے لئے معزز ناظرین اور ارکان دولت کی صدہا کرسیاں بلحاظ رتبہ و مقام کے بچھائی گئیں اور دونوں فریق کے پادریوں کی چالیس دن تک بادشاہ کے حضور میں بحث ہوتی رہی اور قیصر روم بخوبی فریقین کے دلائل سنتا رہا۔ اور ان پر غور کرتا رہا۔ آخر جو موحد فرقہ تھا اور حضرت یسوع مسیح کو صرف خدا کا رسول اور نبی جانتا تھا وہ غالب آگیا اور دوسرے فرقہ کو ایسی شکست آئی کہ اس مجلس میں قیصر روم نے ظاہر کر دیا کہ میں نہ اپنی طرف سے بلکہ دلائل کے زور سے موحد فرقہ کی طرف کھینچا گیا اور قبل اس کے جو اس مجلس سے اٹھے توحید کا مذہب اختیار کر لیا۔ اور ان موحد عیسائیوں میں سے ہو گیا جن کا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے اور بیٹا اور خدا کہنے سے دست بردار ہو گیا۔ اور پھر تیسرے قیصر تک ہر ایک تخت روم موحد ہوتا رہا۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ ایسے مذہبی جلسے پہلے عیسائی بادشاہوں کا دستور تھا اور بڑی بڑی تبدیلیاں ان سے ہوتی تھیں ان واقعات پر نظر ڈالنے سے نہایت آرزو سے دل چاہتا ہے کہ ہماری قیصرہ ہند دام اقبالہا بھی قیصر روم کی طرح ایسا مذہبی جلسہ پایہ تخت میں انعقاد فرمادیں کہ یہ روحانی طور پر ایک یادگار ہوگی۔ مگر یہ جلسہ قیصر روم کی نسبت زیادہ توسیع کے ساتھ ہونا چاہیے۔ کیونکہ ہماری ملکہ معظمہ بھی اس قیصر کی نسبت زیادہ وسعت اقبال رکھتی ہیں.... ہاں یہ ضروری ہوگا کہ اس جلسہ مذاہب میں ہر ایک شخص اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے دوسروں سے کچھ تعلق نہ رکھے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ جلسہ بھی ہماری ملکہ معظمہ کی طرف سے ہمیشہ کے لئے ایک روحانی یادگار ہوگا۔ اور انگلستان جس کے کانوں تک بڑی خیانتوں کے ساتھ اسلامی واقعات پہنچائے گئے ہیں ایک سچے نقشہ پر اطلاع پا جائے گا۔ بلکہ انگلستان کے لوگ ہر ایک مذہب کی سچی فلاسفی سے مطلع ہو جائیں"۔

ملکہ کے لئے حضرت مسیحؑ کی ملاقات کا آسمانی تحفہ

حضرت اقدسؑ نے ملکہ وکٹوریہ کو اس طرف بھی توجہ دلائی کہ "خدا کی عجیب باتوں میں سے جو مجھے ملی ہیں ایک یہ بھی ہے جو میں نے عین بیداری میں جو کشفی بیداری کہلاتی ہے یسوع مسیحؑ سے کئی دفعہ ملاقات کی ہے اور اس سے باتیں کرکے اصل دعوے اور تعلیم کا

حال دریافت کیا ہے۔ یہ ایک بڑی بات ہے جو توجہ کے لائق ہے کہ حضرت یسوع مسیحؑ ان چند عقائد سے جو کفارہ اور تثلیث اور ابنیت ہے ایسے متنفر پائے جاتے ہیں کہ گویا ایک بھاری افتراء جو ان پر کیا گیا ہے وہ یہی ہے یہ مکاشفہ کی شہادت بے دلیل نہیں ہے بلکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر کوئی طالب حق نیت کی صفائی سے ایک مدت تک میرے پاس رہے اور وہ حضرت مسیح کو کشفی حالت میں دیکھنا چاہے تو میری توجہ اور دعا کی برکت سے وہ ان کو دیکھ سکتا ہے۔ ان سے باتیں بھی کر سکتا ہے اور ان کی نسبت ان سے گواہی بھی لے سکتا ہے۔ کیونکہ میں وہ شخص ہوں جس کی روح میں بروز کے طور پر یسوع مسیحؑ کی روح سکونت رکھتی ہے"۔ [۲۲]

نشان نمائی کی پیشکش

اس رسالہ میں آپ نے اپنے دعویٰ نشان نمائی کا ذکر کرتے ہوئے ملکہ وکٹوریہ کے سامنے بھی پیش کش کی کہ اگر وہ مجھ سے نشان دیکھنا چاہیں "تو میں یقین رکھتا ہوں کہ ابھی ایک سال پورا نہ ہو کہ وہ نشان ظاہر ہو جائے اور نہ صرف یہی بلکہ دعا کر سکتا ہوں کہ یہ تمام زمانہ عافیت اور صحت سے بسر ہو لیکن اگر کوئی نشان ظاہر نہ ہو اور میں جھوٹا نکلوں تو میں اس سزا میں راضی ہوں کہ...... پایہ تخت کے آگے پھانسی دیا جاؤں یہ سب الحاح اس لئے ہے کہ کاش ہماری محسنہ ملکہ معظمہ کو اس آسمان کے خدا کی طرف خیال آجائے جس سے اس زمانہ میں عیسائی مذہب بے خبر ہے"۔ [۲۳]

"تحفہ قیصریہ" کے چند مجلد نسخے نہایت دیدہ زیب شکل میں ملکہ وکٹوریہ۔ وائسرائے ہند۔ اور لفٹنٹ گورنر پنجاب کو ارسال کئے گئے۔

قادیان میں جشن جوبلی کے موقعہ پر احباب کا جلسہ

چونکہ وائس پریذیڈنٹ "جنرل کمیٹی اہل اسلام ہند" کی طرف سے یکم جون کو اعلان شائع ہوا تھا کہ مسلمان ۲۰ اور ۲۱ جون کو جشن منائیں اور اظہار تشکر اور دعا اور خوشی کی جائے اس لئے حضرت اقدسؑ نے ۷۔ جون کو بذریعہ اشتہار اپنی جماعت کے دوستوں کو تحریک کی کہ وہ ۲۰۔ جون سے قبل قادیان میں پہنچ جائیں۔ تا جماعت کی طرف سے جلسہ شکریہ کے مراسم ادا کئے جا سکیں۔ [۲۴] چنانچہ ۱۹۔ جون کو حضرت اقدس کے ۲۲۵ خدام قادیان پہنچ گئے۔ اور "جنرل کمیٹی اہل اسلام ہند" کے پروگرام کے مطابق نہایت پر وقار رنگ میں یہ تقریب منائی گئی۔ تین دن غریبوں اور درویشوں کو کھانا کھلایا گیا۔ ۲۰۔ جون کو ملکہ اور خاندان شاہی کے لئے اجتماعی دعا کی گئی۔ ۲۱۔ جون ۱۸۹۷ء کو ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا گیا اور قادیان کے غرباء اور اور درویش دعوت میں بلائے گئے اس دعوت میں سو سے زائد اشخاص شریک ہوئے ۲۲۔ جون کی رات کو گلی کوچوں گھروں اور مسجدوں میں

چراغاں کیا گیا۔ اس دن ایک جلسہ عام بھی منعقد ہوا۔ جس میں مولانا عبدالکریم صاحب۔ مولانا حکیم نور الدین صاحب۔ مولانا برہان الدین صاحب جہلمی اور مولوی جمال الدین صاحب سید والہ ضلع منٹگمری نے تقریریں کیں۔ [۲۵]

ملکہ وکٹوریہ کے مسلمان ہونے کے لئے دعا

پہلے روز (۲۰۔ جون) کو جو اجتماعی دعا ہوئی۔ اس میں حضرت اقدسؑ نے مختصر سی تقریر کے بعد دعا بھی کروائی کہ "قیصرہ ہند کو مخلوق پرستی کی تاریکی سے چھڑا کر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر اس کا خاتمہ کر"۔ [۲۶]

"سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب"

لاہور کے ایک عیسائی سراج الدین نامی نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں چار سوال لکھے تھے۔ حضور نے ان سوالات کے جواب میں ایک زبردست مضمون لکھا جو ۲۲۔ جون ۱۸۹۷ء کو "سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب" ہی کے نام سے شائع ہوا۔ کتاب میں آپ کے قلم نے اس خوبی سے ان سوالات پر روشنی ڈالی ہے کہ اگر کوئی عیسائی تعصب سے علیحدہ ہو کر اس کا مطالعہ کرے تو اس کے لئے اسلام قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔

ہندوستان کے مشائخ و صلحاء سے خدا کی قسم دے کر ایک درخواست

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے دل میں انہیں دنوں ہندوستان کے مشائخ و صلحاء پر اتمام حجت کے لئے یہ تجویز پیدا ہوئی۔ کہ ہندوستان کے تمام مشائخ اور فقراء اور صلحاء اور مردان باصفا سے اللہ جل شانہ' کی قسم دے کر التجاء کی جائے کہ وہ آپ کے بارے میں دعا اور تضرع اور استخارہ سے جناب الٰہی میں توجہ کریں۔ پھر اگر ان کے الہامات وکشوف اور رؤیا صادقہ سے جو حلفاً شائع کریں کثرت اس طرف نکلے کہ آپ معاذ اللہ مفتری ہیں تو بیشک تمام لوگ مجھے مفتری قرار دیں۔ اور جس قدر چاہیں لعنتیں بھیجیں ان کو کچھ گناہ نہیں ہو گا اور اگر کثرت آپ کے حق میں ثابت ہوئی۔ تو پھر ہر ایک خدا ترس پر لازم ہو گا کہ وہ آپ کی پیروی کرے چنانچہ آپ نے ۱۵۔ جولائی ۱۸۹۷ء کو اشتہار دیا کہ "وہ میرے

بارے میں جناب الٰہی میں کم سے کم اکیس روز توجہ کریں...... اور خدا سے انکشاف اس حقیقت کا چاہیں کہ میں کون ہوں؟ آیا کذاب ہوں یا منجانب اللہ...... پھر ایسی الہامی شہادتوں کے جمع ہونے کے بعد جس طرف کثرت ہوگی وہ امر منجانب اللہ سمجھا جائے گا...... یاد رہے کہ ایسا ہر ایک شخص جس کی نسبت ایک جماعت اہل بصیرت مسلمانوں کی صلاح اور تقویٰ اور پاک دلی کا ظن رکھتی ہے۔ وہ اس اشتہار میں میرا مخاطب ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ جو صلحاء شہرت کے لحاظ سے کم درجہ پر ہیں میں ان کو کم نہیں دیکھتا۔ ممکن ہے کہ وہ شہرت یافتہ لوگوں سے خدا تعالیٰ کی نظر میں زیادہ اچھے ہوں۔ اسی طرح میں صالحہ عفیفہ عورتوں کو بھی مردوں کی نسبت تحقیر کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ ممکن ہے کہ وہ بعض شہرت یافتہ صالح مردوں سے بھی اچھی ہوں۔ لیکن ہر ایک صاحب جو میری نسبت کوئی رؤیا یا کشف یا الہام لکھیں ان پر ضروری طور پر واجب ہو گا کہ وہ حلفاً اپنی دستخطی تحریر سے مجھ کو اطلاع دیں۔ تا ایسی تحریریں ایک جگہ جمع ہوتی جائیں اور پھر حق کے طالبوں کے لئے شائع کی جائیں..... سوائے عزیزو! اور بزرگو!! برائے خدا عالم الغیب کی طرف توجہ کرو۔ آپ لوگوں کو اللہ جل شانہ کی قسم ہے کہ میرے اس سوال کو مان لو۔ اس قدیر ذوالجلال کی تمہیں سوگند ہے کہ اس عاجز کی یہ درخواست ردمت کرو"۔ [۲۷]

مگر افسوس کہ مشائخ نے آپ کی یہ درخواست بھی سنی ان سنی کر دی۔

حواشی

۱- "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۱۱۷ پر مفصل مکتوب چھپا ہوا موجود ہے۔
۲- .... تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۱۱۴-۱۱۷
۳- تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۱۱۴-۱۱۵
۴- تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۱۲۵
۵- "اشاعۃ السنہ" جلد ۱۸ نمبر ۵
۶- وفات ۱۸- نومبر ۱۹۰۶ء (الحکم ۳۰ نومبر ۱۹۰۶ء)
۷- "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۱۳۴-۱۳۶
۸- (یہ اخبار خلافت لائبریری میں محفوظ ہے)
۹- "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۱۷۹
۱۰- بحوالہ "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۹۷-۱۰۰
۱۱- تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۹۳
۱۲- الحکم ۱۴- مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ اور تبلیغ رسالت "جلد ہشتم صفحہ ۹۳ (۱۸۹۹ء)
۱۳- تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۱۳۴
۱۴- ریویو آف ریلیجنز "اردو جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۴۰
۱۵- بحوالہ "تبلیغ رسالت" جلد ہشتم صفحہ ۹۵
۱۶- "ہماری بادشاہی" (از مولوی عبدالسلام ندوی)
۱۷- "حجتہ اللہ" طبع اول صفحہ ۱۵-۱۶
۱۸- اشاعۃ السنہ جلد ۹ نمبر ۷ صفحہ ۲۰۳ تا ۲۰۶
۱۹- اشاعۃ السنہ جلد ۹ نمبر ۷ صفحہ ۲۰۷
۲۰- "تحفہ قیصریہ" طبع اول صفحہ ۲۶-۲۷
۲۱- حضرت اقدس نے ۲۷- ستمبر ۱۸۹۹ء کو اپنی اس اہم تجویز کا اعادہ کرتے ہوئے حکومت انگریزی کو دوبارہ اس کے انعقاد کی طرف توجہ دلائی۔ اور اس میں اس شرط کا بھی اضافہ کیا کہ مذاہب کے نمائندے اس موقعہ پر آسمانی نشانات کا اعلان بھی کریں۔ تا اگر ایک سال کے اندر وہ پورے ہو جائیں تو اس مذہب کی سچائی پر دلیل ہوں اور آپ نے قبل از وقت لکھا کہ "اگر اس جلسہ کے بعد ایک سال کے اندر میرے نشان تمام دنیا پر غالب نہ ہوں تو میں خدا کی طرف سے نہیں ہوں۔ میں راضی ہوں کہ اس جرم کی سزا میں سولی دیا جاؤں اور میری ہڈیاں توڑی جائیں لیکن خدا جو آسمان پر ہے..... وہ میرے ساتھ ہو گا اور میرے ساتھ ہے وہ مجھے گورنمنٹ عالیہ اور قوموں کے سامنے شرمندہ نہیں کرے گا"۔ "تبلیغ رسالت" جلد ہشتم صفحہ ۵۸-۶۰)
۲۲- "تحفہ قیصریہ" صفحہ ۲۱
۲۳- تحفہ قیصریہ حاشیہ صفحہ ۲۴
۲۴- "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۱۲۴
۲۵-۲۶ "جلسہ احباب" و "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۱۲۴-۱۳۳
۲۷- "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۱۴۴

پادری ہنری مارٹن کلارک کا مقدمہ اقدام قتل اور الہام کے مطابق حضورؑ کی بریت

کتاب البریہ کی تصنیف و اشاعت

اب ہم اگست ۱۸۹۷ء کے ہنگامہ خیز مہینہ میں قدم رکھ رہے ہیں جو تاریخ احمدیت میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس مہینہ میں مخالفت کا وہ ماحول جو لیکھرام کے قتل سے پیدا ہوا تھا اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا اور عیسائی پادریوں کی ایک گہری اور نہایت خطرناک سازش سے مختلف مذہبی طاقتیں حضرت اقدسؑ کو مقدمہ اقدام قتل میں ماخوذ کرنے کے لئے جمع ہو گئیں۔

"جنگ مقدس" میں اسلام کے مقابل عیسائیت کو جو شکست فاش نصیب ہوئی تھی اس نے پادریوں کو غضب ناک کر دیا تھا اور وہ آتش غیظ و غضب کا شعلہ جوالہ آپکے خلاف انتقامی کارروائی کرنے کا فیصلہ کر کے کسی موقعہ کی تاک میں تھے کہ ایک آوارہ مزاج نوجوان عبدالحمید جو جہلم کے ایک غیر احمدی عالم مولوی سلطان محمود کا بیٹا اور مولوی برہان الدین صاحب کا بھتیجا تھا عیسائی بننے کے لئے ان کے پاس پہنچ گیا۔ یہ ایک متلون انسان اور تبدیلی مذہب کا خوگر شخص تھا۔ کبھی عیسائی ہوتا کبھی ہندو اور کبھی مسلمان۔ اسی چکر میں وہ قبل ازیں قادیان بھی گیا۔ حضرت مولانا حکیم نور الدین صاحب نے حضرت مولانا برہان الدین صاحب کا برادر زادہ ہونے کے باعث اس سے شفقت آمیز سلوک کیا۔ عبدالحمید نے یہاں بھی پرانا کھیل کھیلنا چاہا اور ان کے توسط سے حضرت اقدسؑ سے بیعت کی درخواست کی۔ جسے حضورؑ نے رد کر دیا۔ اس پر وہ ناراض ہو کر قادیان سے چلا گیا۔ مگر کچھ عرصے کے بعد دوبارہ قادیان پہنچا اس دفعہ خود حضرت مولانا برہان الدین صاحب بھی قادیان میں موجود تھے انہوں نے حضرت حکیم الامت کو اس کی ناشائستہ حرکتوں سے آگاہ کر کے اسے قادیان سے نکلوا دیا۔ اب عبدالحمید نے دوبارہ عیسائیوں کی طرف رخ کیا اور امرت سر پہنچ کر پادری نور دین ساکن بٹالہ کے سامنے بپتسمہ

لینے کا خیال ظاہر کیا۔ پادری نور دین نے اسے انچارج مشن پادری گرے صاحب کے پاس بھیج دیا۔ جس نے پادری نور دین سے مشورہ کر کے اسے پادری ہنری مارٹن کلارک صاحب کے سپرد کر دیا۔ اس نے بتایا کہ میں قادیان سے آیا ہوں ہندو سے مسلمان ہوا ہوں اور عیسائی ہونا چاہتا ہوں۔ - عبدالحمید کی زبانی قادیان سے آنے کا تذکرہ سن کر پادری مارٹن کلارک نے نہایت ہوشیاری سے یہ خوفناک سکیم تیار کر لی کہ اسے آلہ کار بنا کر حضور کے خلاف اقدام قتل کا مقدمہ دائر کیا جائے۔ چنانچہ اس کی تکمیل کے لئے عبدالحمید بیاس لے جایا گیا جہاں ہنری مارٹن کلارک صاحب کے گماشتوں نے نہایت ڈرامائی انداز میں اس سے پوچھا کہ سچ بتلاؤ تم کس لئے آئے ہو ورنہ کپتان صاحب پولیس کے حوالہ کر دیئے جاؤ گے؟ اس نے کہا کہ عیسائی ہونے کو آیا ہوں اور کوئی بات نہیں انہوں نے کہا تم خون کرنے آئے ہو۔ تیسرے روز مارٹن کلارک بھی دو ایک اور ساتھیوں کو لے کر پہنچ گئے۔ اور اس کا فوٹو لے کر واپس چلے آئے اور تار دے کر اسے امرتسر بلوالیا۔ اسٹیشن پر پھر اس کی تصویر لی گئی۔ وہ کوٹھی میں گیا اور پھر اسے بیاس بھجوادیا گیا۔ دو روز کے بعد پادری ہنری مارٹن کلارک۔ پادری وارث دین۔ بھگت پریم داس اور بعض دوسرے پادری دوبارہ بیاس پہنچے۔ پادری وارث دین اور عبدالرحیم نے جو اس کام کے لئے مقرر کئے گئے تھے سب کے روبرو اس سے پوچھا کہ اب بتلاؤ تم کس کام کے واسطے آئے ہو اس نے پھر جواب دوہرا دیا کہ عیسائی ہونے کو آیا ہوں انہوں نے کہا کہ تم کو مرزا نے بھیجا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ اس پر عبدالرحیم نے (جو اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا) عبدالحمید پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا کہ تم یہ بات کہہ دو مرزا غلام احمد نے مجھے بھیجا ہے کہ ڈاکٹر کلارک کو پتھر سے مار دو۔ اور ساتھ ہی تصویر دکھلائی اور کہا کہ تم بات کہہ دو۔ ورنہ جہاں جاؤ گے پکڑے جاؤ گے۔ پادریوں نے اس سے یہ بھی کہا کہ "اس طرح بیان کر دو۔ اور مرزا کو پھنسا دو۔ تم کو کچھ نہیں ہوگا۔ تم کو ڈاکٹر صاحب نے معافی دے دی ہے"۔ عبدالحمید نے جو اپنے آپ کو اس طرح پادریوں کو حلقہ میں بے بس پایا تو مجبوراً ان کے منشاء کے عین مطابق بیان لکھ کر اس پر دستخط کر دیئے۔ آٹھ پادریوں نے اس پر گواہی کے دستخط کئے اس کے بعد ٹرین میں پادری ہنری مارٹن کلارک اسے اپنے ہمراہ امرت سر لائے رات کو سلطان ونڈ لے گئے۔ خیر دین ڈاکٹر کے مکان پر رکھا اور اسے خوب سکھلایا۔ کہ تم عدالت میں یہ بیان کرنا کہ مرزا صاحب نے مجھے بھیجا ہے کہ مارٹن کلارک کو پتھر سے مار دو۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ ایسا ہی کہوں گا۔ عبدالرحیم نے اس سے یہ بھی کہا کہ تم یہ کہنا کہ ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر میری نیت قتل کر دینے کی بدل گئی ہے۔ صبح اسے گاڑی میں بٹھلا کر کوٹھی پر لے آئے اور اسے تسلی دیتے ہوئے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرت سرا ے۔ ای۔ مارٹینو کی عدالت میں لے گئے جہاں دفعہ ۱۰۷ فوجداری کے تحت اس نے وہی سکھایا ہوا بیان دیا پھر مارٹن کلارک

نے عبدالحمید کا تحریری بیان عدالت میں پیش کیا اور اپنی گواہی میں کہا کہ "میری واقفیت مرزا صاحب سے اس مباحثہ کے وقت سے ہے جو ۱۸۹۳ء میں موسم گرما میں ہوا تھا میں نے اس مباحثہ میں بڑا بھاری حصہ لیا تھا۔ یہ مباحثہ اس میں اور ایک بھاری عیسائی عبداللہ آتھم کے مابین ہوا جو مر گیا ہے۔ میں میر مجلس تھا اور دو موقعوں پر مسٹر آتھم کی جگہ بطور مباحث کے بیٹھا تھا۔ مرزا صاحب کو بہت ہی رنج ہوا تھا اور اس کے بعد اس نے ان تمام کی موت کی پیشگوئی کی۔ جنہوں نے اس مباحثہ میں حصہ لیا تھا اور میرا حصہ بہت ہی بھاری تھا۔ اس وقت سے اس کا سلوک میرے ساتھ بہت ہی مخالفانہ رہا ہے اس مباحثہ کے بعد خاص دلچسپی کا مرکز مسٹر آتھم رہا۔ چار مستقل کوششیں اس کی جان لینے کے لئے کی گئیں۔ اس کی موت مقرر کردہ میعاد کے آخری دو ماہ میں خاص پولیس کا پہرہ دن رات فیروز پور میں رکھا گیا۔ اسے امرت سر میں انبالے اور انبالے سے فیروز پور بھاگنا پڑا۔ ان کوششوں کے باعث سے جو اس کی جان لینے کے لئے کی گئیں اور یہ کوششیں عام طور پر مرزا صاحب سے منسوب کی گئی ہیں۔ اس کی موت کے بعد میں ہی پیش نظر رہا ہوں اور کئی ایک مبہم طریقوں سے یہ پیشگوئی مرزا صاحب کی تصنیفات میں مجھے یاد دلائی گئی ہے جس کے لئے سب سے بڑی وہ کوشش تھی جس کو عبدالحمید نے بیان کیا ہے۔ لاہور میں لیکھرام کی موت کے بعد جس کو تمام لوگ مرزا صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ میرے پاس اس بات کے یقین کرنے کے لئے خاص وجہ تھی۔ کہ میری جان لینے کی کوئی نہ کوئی کوشش کی جائیگی میں تین ماہ کے لئے رخصت پر گیا ہوا تھا۔ میری واپسی پر میرا آنا مرزا صاحب کو فوراً معلوم ہو گیا اور عبدالحمید میرے پاس پہنچ گیا۔ عبدالحمید کے بیان پر یقین کرنے کے لئے میرے پاس کافی وجوہ ہیں اور نیز اس بات کا یقین کرنے کے لئے کہ مرزا صاحب مجھے نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہیں مرزا صاحب کا یہ ہمیشہ کا طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے مخالفوں کی موت کی پیشگوئی کرتے ہیں"۔ [۶]

مقدمہ چونکہ نہایت سنگین اور اپنے ہم مذہب پادری کی طرف سے تھا۔ اس لئے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرت سر نے بیان سنتے ہی دفعہ ۱۱۴ ضابطہ فوجداری کے تحت حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے۔ اور اس کے ساتھ چالیس ہزار روپیہ کی ضمانت کا حکم اور بیس ہزار کا مچلکہ بھی تھا۔ یہ عدالتی کارروائی ختم ہوئی تو پادریوں نے واپس آکر عبدالحمید کو ایک کوٹھی میں بند کر دیا۔ اور اگلے بیان کی تیاری کے لئے زور شور سے کوششیں شروع کر دیں۔ اور اپنے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی خدمات بھی حاصل کر لیں۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اپنے دشمن کو اقدام قتل کی سزا دلوانے میں بہر حال کامیاب ہو جائیں گے۔

یہاں امرت سر میں تو سازشوں کے جال بچھا دیئے گئے اور معاملہ حضرت اقدسؑ کے خلاف وارنٹ

جاری کر دیئے جانے تک پہنچا دیا گیا۔ مگر حضرت اقدسؑ اور جماعت کو اس کی قطعاً خبر نہیں تھی۔ خدائی تصرفات و عجائبات کہ وارنٹ کا کاغذ کہیں غائب ہو گیا چند دن بعد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو از خود خیال آیا کہ اس نے وارنٹ کا یہ حکم خلاف قانون دیا ہے۔ وہ گورداسپور کے کسی ملزم کے نام وارنٹ جاری نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس نے ۷۔ اگست کو ڈپٹی کمشنر گورداسپور ولیم مانٹیگو ڈگلس کو تار دیا کہ مرزا غلام احمد صاحب کی گرفتاری کا جو وارنٹ جاری کیا گیا ہے اسے فی الحال منسوخ سمجھا جائے۔ ولیم مانٹیگو ڈگلس نے اپنے ریڈر راجہ غلام حیدر خاں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایسا وارنٹ آیا ہی نہیں ہے۔ حسن اتفاق سے ان دنوں گورداسپور حضرت چوہدری رستم علی صاحبؓ کورٹ انسپکٹر تھے انہیں جو اس تار کا علم ہوا تو دوپہر کے وقت بھاگے ہوئے منشی عبدالعزیز صاحب کے پاس اوجلہ پہنچے اور انہیں بتایا کہ وارنٹ تو ہمارے پاس ابھی تک کوئی نہیں پہنچا۔ لیکن ہمارے اس ضلع میں حضرت اقدسؑ کے سوا مرزا غلام احمد صاحب اور کون ہو سکتے ہیں؟ اس لئے آپ فوراً قادیان جا کر اس کی اطلاع حضرت صاحب کو دے آئیں۔ چنانچہ منشی صاحب اسی وقت قادیان کو روانہ ہو گئے۔ قادیان اوجلہ سے کوئی ۱۷ میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہ سیکھواں سے ہوتے ہوئے شام یا صبح کو قادیان پہنچے اور ساری کیفیت حضرت اقدسؑ کی خدمت میں عرض کی۔ لیکن حضور نے اس وقت کوئی توجہ نہ فرمائی۔ عصر کے بعد حافظ احمد اللہ صاحب بھی امرت سر آئے اور انہوں نے بھی یہ اطلاع دی کہ کسی پادری نے حضور پر امرت سر میں دعویٰ کر دیا ہے جس کی خبر کسی طرح انہیں مل گئی ہے یہ بات سن کر حضور نے منشی عبدالعزیز صاحب کو بلوایا اور فرمایا کہ "آپ کی بات کی تصدیق ہو گئی ہے فوراً گورداسپور جا کر چوہدری رستم علی صاحب سے مفصل حالات دریافت کر کے لاؤ"۔

میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی بھی اس وقت قادیان میں تھے منشی صاحب نے انہیں ساتھ لیا۔ اور دونوں اس روز شام کو گورداسپور پہنچے۔ چوہدری رستم علی صاحب نے بتایا کہ مجھے تو اس وقت تک اس سے زیادہ علم نہیں ہو سکا۔ آپ فوراً امرت سر چلے جائیں اور وہاں کے کورٹ انسپکٹر سے جس کا نام پنڈت ہرچرن داس ہے میرا نام لے کر معاملہ دریافت کریں۔ چوہدری صاحب نے ریلوے پولیس کے ایک کنسٹیبل کو انکے ہمراہ کر دیا۔ جو انہیں رات اپنے ہاں رکھ کر اگلے دن صبح پنڈت صاحب کے مکان پر لے گیا۔ پنڈت صاحب نے ان سے کہا کہ مجھے صرف اس قدر علم ہے کہ ایک دن ڈپٹی کمشنر صاحب اور سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس نے مجھے بلوا کر یہ دریافت کیا تھا کہ اگر مستغیث امرتسر کا رہنے والا ہو اور ملزم ہوشیارپور کا تو کیا دعویٰ امرت سر میں کیا جا سکتا ہے اور میں نے جواب دیا تھا کہ اگر وقوعہ بھی ہوشیارپور کا ہے تو دعویٰ بھی وہیں کیا جا سکتا ہے چنانچہ ہر دو صاحب میرے ساتھ اس امر پر

بحث کرتے رہے۔ پنڈت صاحب نے نائب کورٹ کو بھی بلا کر دریافت کیا لیکن اس نے بھی کوئی اطلاع نہ دی۔ منشی صاحب بس اتنی خبر لے کر گورداسپور آئے اور چوہدری رستم علی صاحب کو بتایا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں اسی طرح جا کر عرض کر دو۔ چنانچہ منشی صاحب اور میاں خیرالدین صاحب قادیان آئے اور حضور کی خدمت میں تمام حالات عرض کر دیئے۔

جس روز یہ بزرگ قادیان کو روانہ ہوئے اسی روز امرت سر سے دوسرا حکم گورداسپور آگیا کہ پادری ہنری مارٹن کلارک نے جو استغاثہ زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری امرت سر میں دائر کیا ہے اور جس کا وارنٹ پہلے بھیجا جا چکا ہے اور جس کے روکنے کے لئے تار بھی دیا گیا تھا وہ مقدمہ ضلع گورداسپور میں منتقل کیا جاتا ہے اس پر گورداسپور سے حضرت اقدس علیہ السلام کے نام نوٹس جاری کر دیا گیا کہ اگلے روز (۱۰۔ اگست ۱۸۹۷ء کو) ڈپٹی کمشنر کا مقام بٹالہ میں ہو گا آپ وہیں پیش ہوں چودھری رستم علی صاحب نے اس حکم کے جاری ہونے سے پہلے موضع اوجلہ میں آکر منشی عبدالعزیز صاحب کے چھوٹے بھائی منشی عبدالغنی صاحب کو جو اس وقت سکول میں تعلیم پا رہے تھے ایک خط اس مضمون کا لکھوا کر دیا کہ کل بٹالہ میں حضور کی پیشی ہے اس کا انتظام کر لینا چاہیے۔ یہ خط چودھری صاحب نے منشی عبدالعزیز صاحب ہی کے ایک ملازم کے ہاتھ روانہ کر دیا۔ منشی عبدالعزیز صاحب اور میاں خیردین صاحب قادیان پہنچے تو اس ملازم کو قادیان میں دیکھ کر سخت حیران ہوئے کہ وہ اتنی جلدی کیونکر پہنچ گیا ہے اس نے انہیں وہ خط دیا کہ اس کی اطلاع حضور کی خدمت میں کی گئی۔ حضور اسی وقت مسجد مبارک میں تشریف لے آئے منشی صاحب نے خط پڑھ کر سنایا تو حضور نے انہیں ارشاد فرمایا کہ آپ اسی وقت گورداسپور چلے جائیں۔ چودھری صاحب سے ملیں اور شیخ علی احمد صاحب وکیل کو لے کر کل صبح بٹالہ پہنچ جائیں اسی وقت حضرت اقدسؑ نے مرزا ایوب بیگ صاحب کو لاہور روانہ فرمایا کہ وہ شیخ رحمت اللہ صاحب اور ایک وکیل لے کر بٹالے پہنچ جائیں چنانچہ حضرت منشی صاحب میاں خیرالدین صاحب اور اپنے ملازم میاں عظیم کے ساتھ اسٹیشن چھینا کی طرف گورداسپور والی گاڑی میں سوار ہونے کے لئے روانہ ہوئے۔ بارش کی وجہ سے کیچڑ زیادہ تھی اور ان کے پاؤں بہت پھسلتے تھے وہ بار بار گرتے اور پھر اٹھ کر چلتے۔ خشیت کا اس وقت یہ عالم تھا کہ زار زار رو رہے تھے اور دعائیں کر رہے تھے۔ سیکھواں پہنچ کر میاں امام الدین صاحب اور میاں جمال الدین صاحب کو ایک شخص کے ذریعہ سے پیغام بھجوا کر خود اسی طرح آگے چل دیئے۔ ایک میل کے فاصلہ پر یہ دونوں فدائی بھی انہیں مل گئے۔ باہم مشورہ کر کے میاں امام الدین صاحب کو گھر کی حفاظت کے لئے واپس بھیج دیا اور میاں جمال الدین صاحب اس قافلہ کے ساتھ ہو لئے یہ چاروں اصحاب بمشکل گاڑی کے وقت اسٹیشن تک پہنچے اور شام

کو گورداسپور میں چودھری رستم علی صاحب سے ملے اور حضرت اقدس علیہ السلام کا پیغام سنایا۔ شیخ علی احمد صاحب اس روز اپنے گاؤں دھرم کوٹ رندھاوا کو گئے ہوئے تھے۔ وہاں آدمی بھیجا کہ شیخ صاحب کو لے کر بٹالہ پہنچ جائے۔ اگلے روز صبح میاں خیرالدین صاحب جمال الدین صاحب اور چوہدری رستم علی صاحب اور شیخ علی احمد صاحب گورداسپور سے اور شیخ رحمت اللہ صاحب اور مولوی فضل الدین صاحب وکیل لاہور سے بٹالہ پہنچ گئے۔ [۳] ان کے علاوہ لدھیانہ۔ امرت سر۔ لاہور اور سیالکوٹ سے بھی بہت سے مخلصین ۹۔ اگست کی رات کو بٹالے پہنچ گئے اور تھانے کے بالمقابل منڈی میں مقیم ہوئے۔ [۴]

حضرت اقدس کی بٹالے میں گواہی کے لئے تشریف آوری

دوسرے دن (۱۰ اگست کی صبح کو) حضرت اقدس ۸ اور ۹ بجے کے درمیان قادیان سے تشریف لائے اور خدام نے حضور کا انار کلی کے موڑ پر استقبال کیا۔ آپ جماعت کو دیکھ کر دور ہی سے یکہ سے اتر آئے نہایت ہشاش بشاش اپنے خدام سے مصافحہ کیا۔ گویا آپ کو کسی قسم کی فکر نہیں ہے آپ وہاں سے پیدل ہی روانہ ہوئے۔ خدام نے سوار ہونے کے لئے عرض کیا تو فرمایا اب تک سوار ہی آئے ہیں اب سب کے ساتھ پیدل چلیں گے اور سب کے ساتھ سیر ہو جائے گی۔ راستہ میں مقدمہ کا سرسری ذکر آیا تو فرمایا۔ ہم کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے خبر دے دی تھی اور ہم تو اس کی تائید اور نصرت کا انتظار ہی کر رہے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی کے آغاز پر ہم خوش ہیں اور اس کے انجام بخیر ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ ہمارے دوستوں کو گھبرانے کی ضرورت نہیں"۔ ذکر آیا کہ عیسائیوں کے ساتھ آریہ بھی [۵] مل گئے ہیں اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی ان کے ساتھ ہیں حضور نے فرمایا ہمارے ساتھ خدا ہے جو ان کے ساتھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فیصلہ سے ہم کو واقف کر دیا ہے اور ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ وہی ہو گا۔ اگر ساری دنیا بھی اس مقدمہ میں ہمارے خلاف ہو تو مجھے ایک ذرہ کے برابر پروا نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بشارت کے بعد اس کا وہم کرنا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔ [۶] اللہ اللہ! دنیا کے لوگ آپ کو دار و رسن تک پہنچانے کے لئے مجتمع ہو گئے ہیں مگر آپ پورے جاہ و جلال کے ساتھ خدا کی بشارت کا اعلان فرما رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبل از وقت خوشخبری

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت اقدس کو مقدمہ سے تین ماہ پہلے مندرجہ ذیل الہام اس ابتلاء کے بارے میں ہو چکے تھے۔ قَدِ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ مَا ھٰذَا اِلَّا تَھْدِیْدُ

الْحُکَّامِ۔ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ۔ اِنِّیْ مَعَ الْاَفْوَاجِ اٰتِیْکَ بَغْتَۃً۔ یاتیک نصرتی۔ انی انا الرحمن ذوالمجد والعلی۔ مخالفوں میں پھوٹ۔ اور ایک شخص متنافس کی ذلت اور اہانت اور ملامت خلق اور اخیر حکم ابراء بے قصور ٹھہرانا۔ بلجت آیاتی۔ یعنی تجھ پر اور تیرے ساتھ مومنوں پر مواخذہ حکام کو ابتلاء آئیگا۔ وہ ابتلاء صرف تہدید ہو گا۔ اس سے زیادہ نہیں۔ وہ خدا جس نے خدمت قرآن تجھے سپرد کی ہے پھر تجھے قادیان میں واپس لائے گا میں اپنے فرشتوں کے ساتھ ناگہانی طور پر تیری مدد کروں گا۔ میری مدد تجھے پہنچے گی۔ میں بلند شان والا رحمان ہوں۔ میں مخالفوں میں پھوٹ ڈالوں گا اور انجام کار یہ ہو گا کہ تمہیں بری اور بے قصور ٹھہرایا جائے گا۔ اور میرا نشان ظاہر ہو گا۔ [۷]

حضرت اقدسؑ عدالت میں

حضرت اقدس اپنے مخلصین کے حلقے میں قیام گاہ پر تشریف لائے اور کچھ دیر ٹھہر کر ڈاک بنگلہ میں پہنچے اور عدالت کے کمرہ میں کرسی پر رونق افروز ہو گئے جو ڈپٹی کمشنر ولیم مانٹیگو ڈگلس صاحب نے پہلے ہی رکھوادی تھی۔ اس وقت حضرت اقدس کے ہمراہ مرزا ایوب بیگ صاحب۔ حکیم فضل الدین صاحب مولوی فضل الدین صاحب وکیل اور کچھ اور لوگ تھے۔ [۸] کمرے کے باہر تماشائیوں کا بہت بڑا ہجوم تھا۔ جس میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نہایت خوشی و خرمی کے ساتھ نمایاں تھے جس کا نقشہ حضرت اقدس نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ کہ "اگست کی ۱۰۔ تاریخ کو اس نظارہ کے لئے مولوی محمد حسین صاحب موحدین کے ایڈووکیٹ اس تماشے کے دیکھنے کے لئے کچہری میں آئے تھے تا اس بندہ درگاہ کو ہتھکڑی پڑی ہوئی اور کانسٹیبلوں کے ہاتھ میں گرفتار دیکھیں اور دشمن کی ذلت کو دیکھ کر خوشیاں منادیں۔ لیکن یہ بات ان کو نصیب نہ ہو سکی بلکہ ایک رنجدہ نظارہ دیکھنا پڑا۔ اور وہ یہ کہ جب میں صاحب مجسٹریٹ ضلع کی کچہری میں حاضر ہوا تو وہ نرمی اور اعزاز سے پیش آئے اور اپنے قریب میری کرسی بچھوادی اور نرم الفاظ سے مجھ کو کہا کہ گو ڈاکٹر کلارک آپ پر اقدام قتل کا الزام لگاتا ہے مگر میں نہیں لگاتا"۔ [۹]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی گواہی اور عبرتناک حالت

۱۳۔ اگست ۱۸۹۷ء کا دن بھی بڑے معرکے کا دن تھا۔ اسی دن عیسائیوں کے آلہ کار ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت تھی۔ مولوی محمد حسین صاحب پر اس دن کیا گزری؟ اور کس طرح خدا نے ان کی ذلت و رسوائی کا سامان کیا اس کی کیفیت ظاہر کرنے کے لئے ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے ایک (غیر احمدی) مسل خواں راجہ غلام حیدر خاں صاحب ساکن راولپنڈی کا مفصل اور نہایت اہم بیان درج کیا جاتا ہے جو موصوف نے اپنی

مرض الموت میں خود لکھوا کر جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مولف "مجدد اعظم" کو بھجوایا - اس بیان سے عیسائیوں اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی آمیزش پر بھی واضح روشنی پڑتی ہے - راجہ صاحب لکھتے ہیں - "میں ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک والے مقدمہ کے زمانہ میں ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور کا ریڈر (مسلمواں) تھا - میں پانچ یا چھ روز کی رخصت پر اپنے گھر راولپنڈی گیا ہوا تھا - رخصت سے واپسی پر جب میں امرتسر پہنچا اور سیکنڈ کلاس کے ڈبہ میں بہ امید روانگی بیٹھا ہوا تھا جو دو یوروپین صاحبان جن میں سے ایک تو ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک خود تھا اور دوسرا کاراک جو وکیل تھا اسی ڈبہ میں تشریف لائے اتنے میں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب بھی آگئے اور وہ اسی سیٹ پر جہاں میں بیٹھا تھا بیٹھ گئے - ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک میرے زمانہ ایام ملازمت ضلع سیالکوٹ کے واقف تھے اور مولوی محمد حسین صاحب سے بھی اچھی واقفیت تھی اس واسطے ایک دوسرے سے باتیں شروع ہو گئیں - تب مجھے معلوم ہوا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی ڈاکٹر صاحب موصوف کے ہم سفر ہیں - بلکہ ان کا ٹکٹ بھی ڈاکٹر صاحب نے خریدا ہے - پھر ڈاکٹر صاحب موصوف نے بوجہ دیرینہ ملاقات کے مجھ سے دریافت فرمایا کہ آپ تو ضلع سیالکوٹ میں سررشتہ دار تھے اب کہاں ہیں؟ میں نے ان کو جواب دیا کہ میں ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر صاحب کا ریڈر ہوں تب انہوں نے فرمایا کہ "اوہو - تب تو شیطان کا سر کچلنے کے لئے آپ بہت کار آمد ہوں گے" چونکہ میں تینوں صاحبان سے واقف تھا اس لئے فوراً سمجھ گیا - کہ ڈاکٹر صاحب کا اشارہ کس طرف ہے میں نے سرسری طور پر جواب دیا کہ "واقعی ہر ایک نیک انسان کا کام ہے کہ وہ شیطان کا سر کچلے مگر مجھے معلوم نہیں ہوا کہ آپ کا یہ کہنے سے مطلب کیا ہے" - تب ڈاکٹر صاحب موصوف نے مرزا صاحب کا نام لے کر کہا کہ "وہ بڑا بھاری شیطان ہے جس کا سر کچلنے کے ہم اور یہ مولوی صاحب درپے ہیں - آپ اقرار کریں کہ آپ ہمیں مدد دیں گے" چونکہ میں اس گفتگو کو طول دینا پسند نہیں کرتا تھا - میں نے صرف اتنا کہدیا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کا اور مرزا صاحب قادیانی کا مقابلہ ہے - اور مقدمہ عدالت میں دائر ہے اس لئے میں اس بات سے معافی چاہتا ہوں کہ اس معاملہ میں زیادہ گفتگو کروں - جو شیطان ہے اس کا سر خود بخود کچلا جائے گا - یاد نہیں پڑتا کہ اس کے بعد اور کوئی گفتگو ہوئی یا نہیں - میں بٹالہ اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو گیا - کیونکہ ڈپٹی کمشنر صاحب وہیں مقیم تھے - دوسرے دن جب صبح سیر کے لئے نکلے - مرزا صاحب کے بہت سے متعلقین سے انار کلی (جو بٹالہ میں عیسائیوں کے گرجے اور مشن کے مکان کا نام ہے - مولف) کی سڑک پر مجھ سے ملاقات ہوئی - ڈاکٹر کلارک صاحب جس کوٹھی میں ٹھہرے ہوئے تھے - وہ سامنے تھی - ہم نے دیکھا کہ مولوی محمد حسین صاحب دروازے کے سامنے ڈاکٹر کلارک کے پاس ایک میز پر بیٹھے

ہوئے تھے۔ مولوی فضل دین صاحب وکیل مرزا صاحب نے تعجب کے لہجہ میں کہا کہ "دیکھو آج مقدمہ میں مولوی محمد حسین صاحب کی شہادت ہے اور آج بھی یہ شخص ڈاکٹر کلارک کا پیچھا نہیں چھوڑتا"۔ اس کے علاوہ احاطہ بنگلہ میں عبدالحمید جس کی بابت بیان کیا گیا تھا کہ ڈاکٹر مارٹن کلارک کے قتل کرنے کے لئے مرزا صاحب نے اسے تعینات کیا تھا۔ ایک چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ رام بھجدت وکیل آریہ اور پولیس کے چند آدمی اس کے گرد بیٹھے تھے اور یہ بھی دیکھا گیا کہ عبدالحمید کے ہاتھوں پر کچھ نشان کئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ وکیل حضرت مرزا صاحب نے ان ہر دو واقعات کو نوٹ کر لیا۔ اور جب مقدمہ پیش ہوا تو اول عبدالحمید سے وکیل حضرت مرزا صاحب نے سوال کیا کہ وہ احاطہ کوٹھی مارٹن کلارک میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور رام بھجدت وکیل اور پولیس والے اس کے پاس تھے۔ اور کیا اس کو مرزا صاحب کے برخلاف جو بیان دینا تھا اس کے لئے کچھ باتیں تلقین کر رہے تھے اور کچھ نشان اس کے ہاتھوں پر کر رہے تھے اس وقت عبدالحمید سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اس نے رام بھجدت وغیرہ کی موجودگی کو تسلیم کیا اور جب اس کے ہاتھ دیکھے گئے تو بہت سے نشانات نیلے اور سرخ پنسل کے پائے گئے جو خدا جانے کن کن امور کے لئے اس کے ہاتھ پر بطور یادداشت بنائے گئے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت سے قبل مولانا مولوی نورالدین صاحب کی شہادت ہوئی ان کی سادہ ہیئت یعنی ڈھیلی ڈھالی سی بندھی ہوئی پگڑی اور کرتے کا گریبان کھلا اور شہادت ادا کرنے کا طریق نہایت صاف اور سیدھا سادھا ایسا موثر تھا کہ خود ڈپٹی کمشنر بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ "خدا کی قسم اگر یہ شخص کہے کہ میں مسیح موعود ہوں تو میں پہلا شخص ہوں گا جو اس پر پورا پورا غور کرنے کے لئے تیار ہوں گا"۔ مولوی نورالدین صاحب نے عدالت سے دریافت کیا کہ "مجھے باہر جانے کی اجازت ہے یا اسی جگہ کمرہ کے اندر رہوں"۔ ڈگلس صاحب ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ "مولوی صاحب! آپ کو اجازت ہے جہاں آپ کا جی چاہے جائیں"۔ ان کے بعد شیخ رحمت اللہ صاحب کی شہادت ہوئی...... اور ان کے بعد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی شہادت کے لئے کمرہ میں داخل ہوئے اور دائیں بائیں دیکھا تو کوئی کرسی فالتو پڑی ہوئی نظر نہ آئی۔ مولوی صاحب کے منہ سے پہلا لفظ جو نکلا وہ یہ تھا کہ "حضور کرسی" ڈپٹی کمشنر صاحب نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ "کیا مولوی صاحب کو حکام کے سامنے کرسی ملتی ہے"۔ میں نے کرسی نشینوں کی فہرست صاحب کے سامنے پیش کر دی اور کہا کہ اس میں مولوی محمد حسین صاحب یا ان کے والد بزرگوار کا نام تو درج نہیں۔ لیکن جب کبھی حکام سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے تو بوجہ عالم دین یا ایک جماعت کا لیڈر ہونے کو وہ انہیں کرسی دے دیا کرتے ہیں۔ اس پر صاحب ڈپٹی کمشنر نے مولوی صاحب کو کہا کہ "آپ کوئی سرکاری طور پر کرسی نشین نہیں ہیں آپ سیدھے کھڑے ہو جائیں اور

شہادت دیں"۔ تب مولوی صاحب نے کہا کہ "میں جب کبھی لاٹ صاحب کے حضور میں جاتا ہوں تو مجھے کرسی پر بٹھایا جاتا ہے۔ میں اہلحدیث کا سرغنہ ہوں"۔ تب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے گرم الفاظ میں ڈانٹا اور کہا کہ "بج کے طور پر اگر لاٹ صاحب نے تم کو کرسی پر بٹھایا تو اس کے یہ معنے نہیں کہ عدالت میں بھی تمہیں کرسی دی جائے"۔ خیر جب شہادت شروع ہوئی۔ تو مولوی صاحب نے جس قدر الزامات کسی شخص کی نسبت لگائے جاسکتے ہیں مرزا صاحب پر لگائے لیکن جب مولوی فضل دین صاحب وکیل حضرت مرزا صاحب نے جرح میں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب سے معافی مانگ کر اس قسم کا سوال کیا جس سے ان کی شرافت یا کیریکٹر پر دھبہ لگتا تھا تو سب حاضرین نے متعجبانہ طور پر دیکھا کہ جناب مرزا صاحب اپنی کرسی سے اٹھے اور مولوی فضل دین صاحب کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور فرمایا کہ میری طرف سے اس قسم کا سوال کرنے کی نہ تو ہدایت ہے اور نہ اجازت ہے آپ اپنی ذمہ داری پر بہ اجازت عدالت اگر پوچھنا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے"۔ قدرتی طور پر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کو دلچسپی ہوئی اور انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا اس سوال کی بابت تم کو کچھ حال معلوم ہے میں نے نفی میں جواب دیا۔ مگر کہا کہ اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو جب آپ لنچ کے لئے اٹھیں گے تو میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ جب نماز ظہر کا وقت ہوا تو صاحب ڈپٹی کمشنر لنچ کے لئے اٹھ گئے۔ تو میں نے شیخ رحمت اللہ صاحب کی معرفت حضرت مرزا صاحب سے دریافت کروایا کہ کیا ماجرا ہے حضرت مرزا صاحب نے نہایت افسوس کے ساتھ شیخ رحمت اللہ صاحب کو بتایا کہ مولوی محمد حسین صاحب کے والد کا ایک خط ہمارے قبضہ میں ہے جس میں کچھ نکاح کے حالات اور مولوی محمد حسین صاحب کی بدسلوکیوں کے قصے ہیں جو نہایت قابل اعتراض ہیں مگر ساتھ ہی حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ اس قصہ کا ذکر مسل پر لایا جاوے یا ڈپٹی کمشنر صاحب اس سے متاثر ہو کر کوئی رائے قائم کریں"۔ میں نے شیخ رحمت اللہ صاحب سے سنکر لنچ والے کمرہ میں جاکر ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے روبرو جو ڈپٹی کمشنر صاحب کے ساتھ لنچ میں شامل تھے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کو یہ ماجرا سنادیا اس پر خود ڈاکٹر مارٹن ہنری کلارک بہت ہنسے۔ صاحب ڈپٹی کمشنر نے کہا یہ امر تو ہمارے اختیار میں ہے۔ کہ ہم اس ماجرے کو قلمبند نہ کریں مگر یہ بات ہمارے اختیار سے باہر ہے کہ ہمارے دل پر اثر نہ ہو"۔ لنچ کے بعد جب مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب دوبارہ جرح کے لئے عدالت میں پیش ہوئے تو مولوی فضل دین صاحب وکیل نے ان سے سوال کیا کہ آپ آج ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کی کوٹھی پر ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے؟ تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ جس پر بے ساختہ میں چونک پڑا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے مجھ سے اس چونکنے کی وجہ پوچھی تو میں نے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کی طرف اشارہ کیا۔

صاحب بہادر نے ڈاکٹر کلارک سے دریافت کیا تو انہوں نے صاف اقرار کیا کہ "ہاں میرے پاس بیٹھے ہوئے اس مقدمہ کی گفتگو کر رہے تھے"۔ پھر مولوی فضل الدین صاحب وکیل نے پوچھا کہ "آپ ان دنوں امرتسر سے بٹالہ تک ڈاکٹر ہنری مارٹن لارک کے ہم سفر تھے؟ اور آپ کا ٹکٹ بھی ڈاکٹر صاحب نے خرید کیا تھا؟ تو مولوی محمد حسین صاحب صاف منکر ہو گئے۔ بعض وقت انسان اپنے خیالات کا اظہار بلند آواز سے کر گزرتا ہے۔ یہی حال اس وقت میرا بھی ہوا۔ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا کہ "یہ تو بالکل جھوٹ ہے"۔ تب ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب سے ڈپٹی کمشنر صاحب نے پھر پوچھا تو انہوں نے اقرار کیا کہ "مولوی صاحب میرے ہم سفر تھے اور ان کا ٹکٹ بھی میں نے ہی خریدا تھا"۔ اس پر صاحب ڈپٹی کمشنر حیران ہو گئے آخر انہوں نے یہ نوٹ مولوی محمد حسین صاحب کی شہادت کے آخر لکھا کہ "گواہ کو مرزا صاحب سے عداوت ہے جس کی وجہ سے اس نے مرزا صاحب کے خلاف بیان دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اس لئے مزید شہادت لینے کی ضرورت نہیں" مولوی محمد حسین صاحب شہادت کے بعد کمرہ عدالت سے باہر نکلے تو برآمدہ میں ایک آرام کرسی پڑی تھی اس پر بیٹھ گئے۔ کانسٹیبل نے وہاں سے انہیں اٹھا دیا کہ کپتان صاحب پولیس کا حکم نہیں ہے"۔ پھر مولوی صاحب موصوف ایک بچھے ہوئے کپڑے پر جا بیٹھے جن کا کپڑا تھا انہوں نے یہ کہہ کر کپڑا کھینچ لیا۔ کہ مسلمانوں کا سرغنہ کہلا کر اس طرح صریح جھوٹ بولنا۔ بس ہمارے کپڑے کو ناپاک نہ کیجئے"۔ تب مولوی نور الدین صاحب نے اٹھ کر مولوی محمد حسین صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا۔ کہ "آپ یہاں ہمارے پاس بیٹھ جائیں۔ ہر ایک چیز کی ایک حد ہونی چاہیے"۔ [۱۵] مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو چادر سے اٹھانے والے مولوی محمد حسین صاحب (سابق مبلغ کشمیر) کے والد میاں محمد بخش صاحب بٹالوی تھے جو اس وقت نہ صرف احمدی نہیں تھے بلکہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے عقیدت مندوں میں شامل تھے اس دن مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے عدوان رسول سے مل کر شرمناک مظاہرہ کیا تو ان کی دینی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ پادریوں کی مدد کرنے والا شخص ان کی چادر پلید کرے۔

عبدالحمید کا مشتبہ بیان

اس دن مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے علاوہ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک، پریم داس اور خود عبدالحمید کے بیانات بھی ہوئے عبدالحمید کا یہ دوسرا بیان تھا جو بٹالہ میں ہوا۔ ولیم ڈگلس نے (جیسا کہ بعد کو اپنے فیصلہ میں لکھا) عبدالحمید کے بیان کو شروع ہی سے بعید از عقل خیال کیا پھر اس بیان میں جو اس نے امرتسر میں داخل عدالت کیا اختلافات تھے۔ اور وہ اس کی وضع قطع سے جب کہ وہ شہادت دیتا تھا مطمئن نہیں تھے اس کے علاوہ انہوں نے کمال ذہانت سے یہ بھی بھانپ لیا کہ جتنی دیر تک وہ بٹالہ مشن کے ملازموں کی زیر نگرانی رہا۔

اتنی ہی اس کی شہادت مفصل اور طویل ہوتی گئی ہے جس پر وہ اس نتیجہ تک پہنچے کہ یا تو کوئی شخص یا اشخاص اسے سکھلاتے ہیں یا یہ کہ اس کو اور زیادہ علم ہے جتنا کہ وہ اب تک ظاہر کر چکا ہے۔

مسٹر ڈگلس کو کشفی نظاروں کے ذریعہ سے راہ نمائی

راجہ غلام حیدر ہی کا بیان ہے کہ "جب عدالت ختم ہوئی تو ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا۔ ہم فوراً گورداسپور جانا چاہتے ہیں۔ تم ابھی جاکر ہمارے لئے ریل کے کمرے کا انتظام کرو۔ چنانچہ میں مناسب انتظامات کرنے کے لئے ریلوے اسٹیشن پر گیا۔ میں اسٹیشن سے نکل کر برآمدہ میں کھڑا تھا تو میں نے دیکھا کہ سر ڈگلس سڑک پر ٹہل رہے ہیں اور کبھی ادھر جاتے ہیں اور کبھی ادھر۔ ان کا چہرہ پریشان ہے۔ میں ان کے پاس گیا اور کہا۔ صاحب آپ باہر پھر رہے ہیں۔ میں نے ویٹنگ روم میں کرسیاں بچھائی ہوئی ہیں۔ آپ وہاں تشریف رکھیں۔ وہ کہنے لگے۔ منشی صاحب آپ مجھے کچھ نہ کہیں۔ میری طبیعت خراب ہے۔ میں نے کہا کچھ بتائیں تو سہی۔ آخر آپ کی طبیعت کیوں خراب ہو گئی ہے۔ تاکہ اس کا مناسب علاج کیا جا سکے۔ اس پر وہ کہنے لگے میں نے جب سے مرزا صاحب کی شکل دیکھی ہے اس وقت سے مجھے یوں نظر آتا ہے کہ کوئی فرشتہ مرزا صاحب کی طرف ہاتھ کر کے مجھ سے کہہ رہا ہے کہ مرزا صاحب گنہگار نہیں۔ ان کا کوئی قصور نہیں۔ پھر میں نے عدالت کو ختم کر دیا۔ اور یہاں آیا تو اب ٹہلتا ٹہلتا جب اس کنارے کی طرف جاتا ہوں تو وہاں مجھے مرزا صاحب کی شکل نظر آتی ہے اور وہ کہتے ہیں۔ میں نے یہ کام نہیں کیا یہ سب جھوٹ ہے۔ پھر میں دوسری طرف جاتا ہوں تو وہاں بھی مرزا صاحب کھڑے نظر آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ میں نے یہ کام نہیں کیا۔ اگر میری یہی حالت رہی تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا صاحب آپ چل کر ویٹنگ روم میں بیٹھئے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی آئے ہوئے ہیں وہ بھی انگریز ہیں ان کو بلا لیتے ہیں۔ شاید ان کی باتیں سن کر آپ تسلی پا جائیں۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب کا نام لیمارچنڈ تھا۔ سر ڈگلس نے کہا انہیں بلوالو۔ چنانچہ میں انہیں بلا لایا۔ جب وہ آئے تو سر ڈگلس نے ان سے کہا دیکھو یہ حالات ہیں۔ میری جنون کی سی حالت ہو رہی ہے میں اسٹیشن پر ٹہلتا ہوں اور گھبرا کر اس طرف جاتا ہوں تو وہاں کنارے پر مرزا صاحب کھڑے نظر آتے ہیں اور ان کی شکل مجھے کہتی ہے میں بے گناہ ہوں مجھ پر جھوٹا مقدمہ کیا گیا ہے۔ پھر دوسری طرف جاتا ہوں تو وہاں کنارے پر مجھے مرزا صاحب کی شکل نظر آتی ہے۔ اور وہ کہتی ہے کہ میں بے گناہ ہوں یہ سب کچھ جھوٹ ہے جو کیا جا رہا ہے۔ میری یہ حالت پاگلوں سی ہے۔ اگر تم اس سلسلہ میں کچھ کر سکتے ہو تو کرو۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔

عبد الحمید کو پولیس کی تحویل میں دیئے جانے کا حکم

لیمار چنڈ نے کہا اس میں کسی اور کا قصور نہیں آپ کا اپنا قصور ہے آپ نے گواہ کو پادریوں کے حوالہ کیا ہوا ہے۔ وہ لوگ جو کچھ اسے سکھاتے ہیں وہ عدالت میں آکر بیان کر دیتا ہے چنانچہ اسی وقت ڈگلس نے کاغذ منگوایا اور حکم دے دیا کہ عبد الحمید کو پولیس کے حوالہ کیا جائے۔ [۱۱]

سازش کا انکشاف

چنانچہ اگلے ہی دن ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر لیمار چنڈ نے میاں محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر پولیس کو انار کلی بھیج کر نہال چند منشی کو اپنے پاس بلا لیا۔ رستہ میں وارث دین نے عبد الحمید کو تاکید کی کہ وہ پہلا بیان نہ بدلے۔ تم کو ڈاکٹر صاحب نے وعدہ معافی دیا ہوا ہے۔ دو سکھ سپاہیوں نے بھی یہی زور دیا۔ بٹالہ کے مدرس نہال چند نے بھی یہی کہا۔ بلکہ صبح کو عبد الغنی عیسائی نے شیخ وارث دین اور یوسف کا یہ پیغام دیا کہ تم کو ڈاکٹر صاحب سے معافی دلوا دیں گے اور تم بچ رہو گے۔ اگر پہلے بیان پر قائم رہے۔ مسٹر لیمار چنڈ کو چونکہ مصروفیت تھی۔ اس لئے انہوں نے میاں محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر پولیس اور ایک انسپکٹر پولیس جلال الدین صاحب کا پہرہ اس پر مقرر کر دیا۔ اور خود قریب ہی جہاں وہ دکھائی دیتا تھا کام کرنے لگے۔ جب کافی دیر ہو گئی تو انسپکٹر پولیس نے ان سے کہا کہ اگر فرصت نہیں ہے تو عبد الحمید کو واپس انار کلی بھیج دیا جائے۔ کیونکہ وہ جانا چاہتا ہے۔ اور مقدمہ کی بابت کچھ اصلیت ظاہر نہیں کرتا۔ تب مسٹر لیمار چنڈ نے عبد الحمید کو بلوا لیا۔ اور پوچھ گچھ شروع کی۔ لیکن اس نے وہی پہلی داستان دوہرائی جو دو صفحے میں لکھ لی گئی اور ساتھ ہی اس سے کہا۔ کہ ہم اصلیت دریافت کرنا چاہتے ہیں تم ناحق وقت کیوں ضائع کرتے ہو۔ اب تمہیں انار کلی نہیں بھیجا جائے گا۔ گورداسپور لے جاویں گے بس یہ کہنا ہی تھا کہ عبد الحمید ان کے پاؤں پر گر کر زار و قطار رونے لگا اور اس نے سازش کا انکشاف کرتے ہوئے سارا قصہ بے کم و کاست کہہ ڈالا۔ اور صاف لفظوں میں اعتراف کیا کہ جو کچھ میں بیان دیتا رہا ہوں محض ان کے سکھانے پر دیتا رہا ہوں۔ [۱۲] اس واقعہ کے چار روز بعد امرت سر سے پادری ایچ۔ جی۔ گرے اور نور دین کی چھٹیاں بھی عدالت میں پہنچ گئیں جن سے اس بیان کی مزید تصدیق ہو گئی۔

حضورؑ کی الزام قتل سے بریت اور دشمن کو عفو عام

عبد الحمید نے ۲۰۔ اگست کو سرکاری گواہ کے طور پر عدالت میں اپنا اصل بیان پڑھا تو پادریوں اور ان کے لگے بندھوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ پادری مارٹن کلارک نے اپنے آخری بیان میں اپنی "معصومیت" کا اظہار کرنے کے لئے ادھر ادھر

ہاتھ مارنے کی بے حد کوشش کی۔ لیکن اب راز کھل چکا تھا۔ لہذا ۲۳۔ اگست ۱۸۹۷ء کو مسٹر ولیم مانٹیگو ڈگلس نے حضرت اقدس ؑ کو بالکل بری کر دیا اور اپنے فیصلہ میں اس واقعہ کی پوری تفصیل دیتے ہوئے لکھا۔ "جہاں تک ڈاکٹر کلارک کے مقدمہ کا تعلق ہے ہم کوئی وجہ نہیں دیکھتے کہ غلام احمد سے حفظ امن کے لئے ضمانت لی جائے یا یہ کہ مقدمہ پولیس کے سپرد کیا جائے لہذا وہ بری کئے جاتے ہیں"۔ [۱۳] پھر عین کچہری میں انہوں نے ہنستے ہوئے حضور کو مبارکباد پیش کی۔ [۱۴] اور کہا کیا آپ چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر کلارک پر مقدمہ چلائیں۔ اگر چاہتے ہیں۔ تو آپ کو حق ہے"۔

حضرت اقدس ؑ نے جو ایمان افروز جواب دیا وہ خدا کے اولوا العزم پیغمبروں ہی کی زبان سے نکل سکتا ہے۔ حضورؑ نے فرمایا۔ "میں کسی پر مقدمہ کرنا نہیں چاہتا۔ میرا مقدمہ آسمان پر دائر ہے"۔ [۱۵] اس طرح یہ ابتلاء تو چند روز کے اندر اندر ختم ہو گیا۔ لیکن اس کا نتیجہ ایک عظیم الشان پیشگوئی اور نصرت الٰہی کا نشان بن کر رہ گیا جو ہمیشہ کے لئے یادگار رہے گا۔

مولوی فضل الدین صاحب وکیل اور لالہ دینا ناتھ ایڈیٹر ہندوستان کے تاثرات

اس مقدمہ نے ایک بار پھر واضح کر دیا کہ آپ کو خدا تعالیٰ پر کتنا زبردست توکل و ایمان ہے جسے مصائب کے طوفان اور حوادث کی آندھیاں بھی متزلزل نہیں کر سکتیں۔ اس ضمن میں لالہ دینا ناتھ ایڈیٹر "دیش و ہندوستان" کا وہ بیان درج کرنا ضروری ہے جو انہوں نے جولائی ۱۹۳۴ء میں بمقام لاہور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کے سامنے دیا تھا انہوں نے بتایا کہ "آپ کو معلوم ہے کہ میرے دل میں مرزا صاحب (حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام) کی کس قدر عظمت ہے ان کا مقام اور مرتبہ بہت عظیم الشان سمجھتا ہوں اگرچہ ان کے دعاوی کے متعلق علم النفس کی رو سے میں یہ مانتا ہوں کہ ان کو سمجھنے میں غلطی ہوئی لیکن ایک مہاپرش اور روحانی آدمی کے لحاظ سے بہت بڑے مرتبہ کے انسان تھے۔ اور یہ عقیدہ ان کے متعلق ایک واقعہ سے ہوا۔ حکیم غلام نبی زبدۃ الحکماء کو آپ جانتے ہیں اور مولوی فضل الدین صاحب وکیل کو بھی۔ حکیم صاحب کے مکان پر اکثر دوستوں کا اجتماع شام کو ہوا کرتا تھا میں بھی وہاں چلا جاتا تھا۔ ایک روز وہاں کچھ احباب جمع تھے۔ اتفاق سے مرزا صاحب کا ذکر آگیا۔ ایک شخص نے انکی مخالفت شروع کی۔ لیکن ایسے رنگ میں کہ وہ شرافت و اخلاق کے پہلو سے گری ہوئی تھی۔ مولوی فضل الدین صاحب مرحوم کو یہ سن کر بہت جوش آگیا۔ اور انہوں نے بڑے جذبہ سے کہا کہ میں مرزا صاحب کا مرید نہیں ہوں۔ انکے دعاوی پر میرا یقین نہیں اس کی وجہ خواہ کچھ ہو لیکن مرزا صاحب کی عظیم الشان شخصیت اور اخلاقی کمال کا میں قائل ہوں۔ میں وکیل ہوں اور ہر قسم کے طبقہ کے لوگ مقدمات کے

سلسلہ میں میرے پاس آتے ہیں اور ہزاروں کو میں نے اس سلسلہ میں دوسرے وکیلوں کے ذریعہ بھی دیکھا ہے۔ بڑے بڑے نیک نفس آدمی جن کے متعلق کبھی وہم بھی نہیں آسکتا تھا کہ وہ کسی قسم کی نمائش یا ریاکاری سے کام لیں گے۔ انہوں نے مقدمات کے سلسلہ میں اگر قانونی مشورہ کے ماتحت اپنے بیان کو تبدیل کرنے کی ضرورت سمجھی تو وہ بلا تامل بدل دیا لیکن میں نے اپنی عمر میں مرزا صاحب کو ہی دیکھا ہے جنہوں نے سچ کے مقام سے قدم نہیں ہٹایا۔ میں ان کے ایک مقدمہ میں وکیل تھا۔ اس مقدمہ میں میں نے ان کے لئے ایک قانونی بیان تجویز کیا اور ان کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے اسے پڑھ کر کہا کہ اس میں تو جھوٹ ہے۔ میں نے کہا کہ ملزم کا بیان حلفی نہیں ہوتا اور قانوناً اسے اجازت ہے کہ جو چاہے وہ بیان کرے اس پر آپ نے فرمایا قانون نے تو اسے اجازت دیدی ہے کہ جو چاہے بیان کرے مگر خدا تعالیٰ نے تو اجازت نہیں دی۔ کہ وہ جھوٹ بھی بولے اور نہ قانون ہی کا یہ منشاء ہے بس میں کبھی ایسے بیان کے لئے آمادہ نہیں ہوں جس میں واقعات کا خلاف ہو۔ میں صحیح صحیح امر پیش کروں گا۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ میں نے کہا کہ "آپ جان بوجھ کر اپنے آپ کو بلا میں ڈالتے ہیں"۔ انہوں نے فرمایا جان بوجھ کر بلا میں ڈالنا یہ ہے کہ میں قانونی بیان دے کر ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے اپنے خدا کو ناراض کرلوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا خواہ کچھ بھی ہو"۔...... یہ باتیں مرزا صاحب نے ایسے جوش سے بیان کیں کہ ان کے چہرہ پر ایک خاص قسم کا جلال اور جوش تھا۔ لیکن میں نے سن کر کہا کہ پھر آپ کو میری وکالت سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ "میں نے کبھی وہم بھی نہیں کیا کہ آپ کی وکالت سے فائدہ ہو گا یا کسی اور شخص کی کوشش سے فائدہ ہو گا اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ کسی کی مخالفت مجھے تباہ کر سکتی ہے میرا بھروسہ تو خدا پر ہے جو میرے دل کو دیکھتا ہے آپ کو وکیل اس لئے کیا ہے کہ رعایت اسباب ادب کا طریق ہے اور میں چونکہ جانتا ہوں کہ آپ اپنے کام میں دیانتدار ہیں اس لئے آپ کو مقرر کرلیا ہے...... مولوی فضل الدین کہتے تھے کہ میں نے پھر کہا کہ میں تو یہی بیان تجویز کرتا ہوں۔ مرزا صاحب نے کہا۔ "نہیں جو بیان میں خود لکھتا ہوں نتیجہ اور انجام سے بے پروا ہو کر وہی داخل کردو۔ اس میں ایک لفظ بھی تبدیل نہ کیا جاوے اور میں پورے یقین سے آپ کو کہتا ہوں کہ آپ کے قانونی بیان سے وہ زیادہ موثر ہو گا۔ اور جس نتیجہ کا آپ کو خوف ہے وہ ظاہر نہیں ہو گا۔ بلکہ انجام انشاء اللہ بخیر ہو گا اور اگر فرض کرلیا جاوے کہ دنیا کی نظر میں انجام اچھا نہ ہو یعنی مجھے سزا ہو جاوے تو مجھے اس کی پروا نہیں۔ کیونکہ میں اس وقت اس لئے خوش ہوں گا۔ کہ میں نے اپنے رب کی نافرمانی نہیں کی"۔...... غرض مولوی فضل الدین صاحب (وکیل) نے بڑے جوش اور اخلاص

سے اس طرح مرزا صاحب کا ڈیفنس پیش کیا اور کہا کہ انہوں نے پھر قلم برداشتہ اپنا بیان لکھ دیا۔ اور خدا کی عجیب قدرت ہے کہ جیسا وہ کہتے تھے اسی بیان پر وہ بری ہو گئے۔ مولوی فضل الدین صاحب نے ان کی راستبازی اور راستبازی کے لئے ہر قسم کی مصیبت قبول کر لینے کی جرات اور بہادری کا ذکر کر کے حاضرین مجلس پر ایک کیف آور حالت پیدا کر دی۔ اس پر بعض نے پوچھا۔ آپ پھر مرید کیوں نہ ہو جاتے تو انہوں نے کہا میرا ذاتی فعل ہے اور تمہیں یہ حق نہیں کہ سوال کرو۔ میں انہیں ایک کامل راستباز یقین کرتا ہوں اور میرے دل میں ان کی بہت بڑی عظمت ہے"۔ لالہ دینا ناتھ صاحب نے یہ قصہ بیان کرنے کے بعد کہا کہ اس دن سے میرے دل میں بھی ان کی عظمت ایک روحانی مہاپرش کے ہے۔ گو میں ان کے دعاوی کو یہ سمجھتا ہوں کہ نفس انسانی کی ترقیات میں ایسے مغالطے لگ جایا کرتے ہیں"۔ [۱۸]

کتاب البریہ کی تصنیف واشاعت

اس زبردست آسمانی نشان سے دنیا کو روشناس کرانے اور آئندہ نسلوں کے ایمان کی تازگی کے لئے حضرت اقدسؑ نے "کتاب البریہ" تصنیف فرمائی جو جنوری ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی۔ حضور نے اس کتاب میں مخالفوں کی شرر انگیزیوں کے چہرے سے نقاب اٹھا دینے کے بعد سرکاری کاغذات سے مقدمہ کی پوری روداد کا ترجمہ بھی شامل کیا۔ اور بڑی تفصیل سے وہ تائیدات الہیہ بیان فرمائیں۔ جو مقدمہ کے دوران میں غیبی رنگ میں نمودار ہوئی تھیں۔

مسیح محمدیؑ اور مسیح ناصری کے مقدموں میں ...ات حیرت انگیز مشابہتیں

کتاب البریہ میں حضور نے اس مقدمہ کی الٰہی حکمتیں بایں الفاظ بیان فرمائیں۔ کہ "تا خدا تعالیٰ اس طور سے میری مماثلت حضرت مسیحؑ سے ثابت کرے اور میری سوانح کی اس کی سوانح سے مشابہت لوگوں پر ظاہر فرما دے چنانچہ وہ تمام مماثلتیں اس مقدمہ سے ثابت ہوئیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کے لئے ان کے ایک مرید جس کا نام یہودا اسکریوتی تھا یہودیوں سے تیس روپے لے کر حضرت مسیح کو گرفتار کروایا۔ ایسا ہی میرے مقدمہ میں ہوا۔ کہ عبدالحمید نامی میرے ادعائی مرید نے نصرانیوں کے پاس جا کر اور ان کی طمع دہی میں گرفتار ہو کر ان کی تعلیم سے میرے پر ارادہ قتل کا مقدمہ بنایا۔

دوسری مماثلت یہ کہ مسیح کا مقدمہ ایک عدالت سے دوسری عدالت میں منتقل ہوا تھا ایسا ہی میرا مقدمہ بھی امرت سر کے ضلع سے گورداسپور کے ضلع منتقل ہوا۔

تیسری مماثلت یہ کہ پیلاطوس نے حضرت مسیح کی نسبت کہا تھا کہ میں یسوع کا کوئی گناہ نہیں

دیکھتا۔ ایسا ہی کپتان ڈگلس صاحب نے عین عدالت میں ڈاکٹر کلارک کے روبرو مجھ کو کہا کہ میں آپ پر کوئی الزام نہیں لگاتا۔

چوتھی مماثلت یہ کہ جس روز مسیحؑ نے صلیبی موت سے نجات پائی اس روز اس کے ساتھ ایک چور گرفتار ہو کر سزایاب ہو گیا تھا۔ ایسا ہی میرے ساتھ بھی اسی تاریخ یعنی ۲۳۔ اگست ۱۸۹۷ء کو اسی گھڑی جب میں بری ہوا تو مکتی فوج کا ایک عیسائی بوجہ چوری گرفتار ہو کر اسی عدالت میں پیش ہوا۔ چنانچہ اس چور نے تین مہینہ کی قید کی سزا پائی۔

پانچویں مماثلت یہ کہ مسیحؑ کے گرفتار کرانے کے لئے یہودیوں اور ان کے سردار کاہن نے شور مچایا تھا۔ کہ مسیح سلطنت کا باغی ہے۔ اور آپ بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ ایسا ہی محمد حسین بٹالوی نے عیسائیوں کا گواہ بن کر عدالت میں محض شرارت سے شور مچایا۔ کہ یہ شخص بادشاہ بننا چاہتا ہے کہ کہتا ہے کہ میرے مخالف جس قدر سلطنتیں ہیں سب کاٹی جائیں گی۔

چھٹی مماثلت یہ کہ جس طرح پیلاطوس نے سردار کاہن کے بکواس پر کچھ بھی توجہ نہ کی اور سمجھ لیا کہ مسیح کا یہ شخص پکا دشمن ہے اسی طرح کپتان ایچ۔ ایم ڈگلس صاحب نے محمد حسین بٹالوی کے بیان پر کچھ بھی توجہ نہ کی اور اس کے اظہار میں لکھ دیا کہ یہ شخص مرزا صاحب کا پکا دشمن ہے اور پھر اخیر حکم میں اس کے اظہار کا ذکر تک نہیں کیا۔ اور بالکل بیہودہ اور خود غرضی کا بیان قرار دیا۔

ساتویں مماثلت یہ ہے کہ جس طرح مسیح کو گرفتاری سے پہلے خبر دی گئی تھی کہ اس طرح دشمن تجھے گرفتار کریں گے اور تیرے قتل کرنے کے لئے کوشش کریں گے۔ اور آخر خدا تجھے ان کی شرارت سے بچالے گا۔ ایسا ہی مجھے خدا تعالیٰ نے اس مقدمہ سے پہلے خبر دے دی اور ایک بڑی جماعت جو حاضر تھی سب کو وہ الہامات سنائے گئے اور جو حاضر نہیں تھے ان میں سے اکثر احباب کی طرف خط لکھے گئے تھے۔ اور یہ لوگ سو سے کچھ زیادہ آدمی ہیں"۔ [۱۷]

پیلاطوس ثانی کا شاندار کارنامہ

پیلاطوس ثانی مسٹر ولیم ڈگلس نے چونکہ پیلاطوس اول کے برعکس بریت کا فیصلہ دے کر عدل و انصاف کا شاندار کارنامہ دکھایا تھا اس لئے حضور نے بھی اس پر خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے کتاب البریہ اور دیگر متعدد تصانیف میں ان کی بیدار مغزی، منصف مزاجی، مردانگی، حق پسندی اور خدا ترسی کی بڑی تعریف فرمائی ہے چنانچہ ایک مقام پر حضور نے لکھا۔ "جب تک کہ دنیا قائم ہے اور جیسے جیسے یہ جماعت لاکھوں

کروڑوں افراد تک پہنچے گی۔ ویسے ویسے تعریف کے ساتھ اس نیک نیت حاکم کا تذکرہ رہے گا۔ اور یہ اس کی خوش قسمتی ہے کہ خدا نے اس کام کے لئے اس کو چنا"۔ [۱۸]

مسٹر ڈبلیو ایم ڈگلس نے ۲۵۔ فروری ۱۹۵۷ء کو لنڈن میں انتقال فرمایا۔ [۱۹] وفات کے وقت ان کی عمر ۹۳ سال تھی۔ اور ان کے ذہن میں آخر تک اس مقدمہ کے واقعات پوری طرح محفوظ تھے اور وہ جب تک زندہ رہے اپنی زندگی کے اس اہم ترین واقعہ کا تذکرہ کرتے رہے اور جب کبھی کوئی احمدی آپ کی ملاقات کے لئے جاتا تو اس واقعہ کی تفصیل ضرور بیان کرتے اور عقیدت آمیز لب ولہجہ میں کہتے کہ میں نے مرزا صاحب کو دیکھتے ہی یقین کر لیا تھا کہ یہ شخص جھوٹ نہیں بول سکتا۔ ایک مرتبہ یوم التبلیغ کی تقریب پر انہوں نے مسجد فضل لندن میں اپنی صدارتی تقریر کے دوران جماعت احمدیہ کے نوجوانوں کو یہ پیغام دیا کہ "مجھ سے بارہا یہ سوال کیا گیا ہے کہ احمدیت کا سب سے بڑا مقصد کیا ہے؟ میں اس سوال کا یہی جواب دیتا ہوں کہ اسلام میں روحانیت کی روح پھونکنا۔ بانی جماعت احمدیہ نے آج سے پچاس برس پیشتر یہ معلوم کر لیا تھا کہ موجودہ زمانہ میں مذہب اور سائنس کا میلان کس طرف ہو گا .... احمدیت کا ایک مقصد اسلام کو موجودہ زمانے کی زندگی کے مطابق پیش کرنا ہے میں نے جب ۱۸۹۷ء میں بانی جماعت احمدیہ کے خلاف مقدمہ کی سماعت کی تھی اس وقت جماعت کی تعداد چند سو سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن آج دس لاکھ سے بھی زیادہ ہے پچاس سال کے عرصے میں یہ نہایت شاندار کامیابی ہے اور مجھے یقین ہے کہ موجودہ نسل کے نوجوان اس کی طرف زیادہ توجہ دیں گے اور آئندہ پچاس سال کے عرصہ میں جماعت کی تعداد بہت بڑھ جائے گی"۔ [۲۰]

سفر ملتان

حضرت اقدس علیہ السلام کو اوائل اکتوبر میں رویا میں دکھایا گیا کہ آپ ایک انگریز حاکم کے سامنے گواہی دے رہے ہیں۔ مگر دستور کے مطابق اس نے آپ کو قسم نہیں دی۔ اس کے بعد دوسری خواب میں مزید یہ خبر دی گئی کہ سپاہی سمن لے کر آیا ہے۔ [۲۱] حضرت اقدسؑ نے یہ خبر مسجد میں اپنے خدام کو قبل از وقت سنا دی تھی۔ مگر اس وقت بظاہر کسی مقدمہ کا گمان بھی نہیں تھا کہ چند روز بعد یکایک ایک سپاہی سمن لے کر آیا اور معلوم ہوا کہ مولوی رحیم بخش صاحب پرائیویٹ سیکرٹری نواب صاحب بہاولپور نے لاہور کے اخبار "ناظم الہند" پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کر دیا ہے اور اخبار کے شیعہ ایڈیٹر جناب سید ناظم حسین صاحب نے آپ کو بطور گواہ صفائی طلب کیا ہے۔

سید ناظم حسین صاحب وہی صاحب تھے جنہوں نے حسین کامی کی آمد پر آپ کے خلاف اشتعال انگیز مضامین لکھ کر عام فضا سخت مکدر کر دی تھی۔ بایں ہمہ ان کو آپ کے اخلاق عالی اور بلند کیریکٹر کے لحاظ سے پوری طرح اعتماد تھا کہ باوجود میری معاندانہ روش کے آپ کی زبان حق کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکے گی۔ چنانچہ یہی ہوا۔ حضرت اقدس گو بذریعہ کمیشن شہادت دینے کا مطالبہ فرما سکتے تھے۔ مگر آپ نے یہ گوارا نہ کیا اور باوجود ہزاروں خطرات کے سفر ملتان اختیار فرمایا اور شہادت دی اور جیسا کہ قبل از وقت اطلاع دی گئی تھی حاکم کو کچھ ایسا سہو ہوا کہ قسم دینا بھول ہی گیا اور شہادت شروع کر دی۔ [۱۲]

واپسی پر لاہور میں قیام

ملتان سے واپسی پر حضور نے لاہور میں شیخ رحمت اللہ صاحب مالک بمبئی ہاؤس کے مکان پر (جو انار کلی میں پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی کے سامنے واقع تھا) چند دن قیام فرمایا۔ اس اثناء میں مختلف مذاہب و ملت کے لوگ بکثرت آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ اور آپ علم و حکمت کے وہ موتی لٹاتے کہ لوگ دنگ رہ جاتے۔ اس موقعہ کی ایک پر علم و معرفت مجلس کا منظر چودھری محمد اسماعیل صاحب ریٹائرڈ ای۔ اے۔ سی نے اپنے قلم سے کھینچا ہے جو بڑا ہی دلکش اور ایمان پرور ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔ "حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم کا دولت کدہ جو ان کی پرانی دکان بمبئی ہاؤس کے عقب میں تھا۔ حضرت اقدس کے نزول اجلال کے باعث رشک جنت بنا ہوا تھا۔ سردی کا موسم تھا۔ ایک وسیع کمرہ کی باہر والی طاقچی میں حضرت صاحب تشریف فرما تھے۔ اس وقت کے حالات کے مطابق یہ جگہ بہت غیر محفوظ تھی۔ باہر سے بڑی آسانی سے حملہ ہو سکتا تھا۔ مگر بغیر کسی محافظت کے حضرت اقدسؑ نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے خدام کے علاوہ شہر کے بہت سے معزز اشخاص وہاں موجود تھے۔ کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ غیر از جماعت لوگ مختلف قسم کے اعتراضات کرتے تھے اور حضرت صاحب جواب دیتے تھے آخر عیسائیوں کی طرف سے ایک اعتراض پیش ہوا۔ کہ "قرآن مجید میں جو قصے درج ہیں وہ بائبل سے لئے گئے ہیں"۔ معلوم نہیں یہ اعتراض کسی عیسائی نے پیش کیا یا کسی مسلمان نے کسی عیسائی کی طرف سے پیش کیا۔ چونکہ مسئلہ اہم تھا اور حاضرین کی تعداد اتنی تھی کہ اگر حضرت صاحب بیٹھ کر جواب دیتے تو سب حاضرین نہ سن سکتے۔ اس واسطے حضرت کھڑے ہو گئے اور ایسی معرکہ کی تقریر فرمائی کہ اپنی جماعت کے لوگ تو ایک طرف رہے دوسرے لوگ بھی عش عش کرنے لگے۔ مجھے وہ سماں نہیں بھول سکتا جب بہت سے دلائل دے کر حضرت صاحب نے فرمایا۔ "غرض جس طرح گھاس پھوس اور چارہ گائے کے پیٹ میں جا کر لہو اور پھر تھنوں میں جا کر دودھ بن جاتا ہے اسی طرح توریت اور انجیل کی کہانیاں اور داستانیں قرآن میں آکر نور اور حکمت بن گئیں"۔ یہ سن کر ہال جزاک اللہ اور بارک اللہ کے نعروں

سے گونج اٹھا۔ میں جب کبھی اس طرف جاتا ہوں اور اس طاقچی کو دیکھتا ہوں تو وہ نظارہ آنکھوں کے سامنے آنے سے جو دل پر گزرتی ہے اس کو خدا ہی جانتا ہے"۔ [۲۳]

اس زمانے میں چونکہ مخالفت عروج پر تھی اور نت نئے شوشے چھوڑ کر عوامی ذہن میں گویا بارود بھر دی گئی تھی اس لئے حضرت اقدس جہاں جہاں سے گزرتے آپ کو گالیاں دی جاتی تھیں اور لوگ آپ کا نام لے لے کر ناشائستہ حرکات کرتے اور آوازے کستے تھے۔ [۲۴]

حضرت اقدسؑ لاہور میں چند دن فروکش رہنے کے بعد قادیان تشریف لے آئے۔ اس سفر میں حکیم الامت حضرت مولانا نور الدین صاحب' حضرت مولانا عبدالکریم صاحب' جناب خواجہ کمال الدین صاحب اور جناب مولوی محمد علی صاحب بھی حضرت اقدسؑ کے ہمرکاب تھے۔ [۲۵]

حواشی

۱- "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۵۹۳-۵۹۴
۲- "کتاب البریہ"
۳- سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۳۴-۱۳۶
۴- "حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۵۹۷
۵- اس مقدمہ میں عیسائیوں کی طرف سے آریہ وکیل پنڈت رام بھجدت پیش ہوئے تھے جنہوں نے صرف اس وجہ سے کہ پنڈت لیکھرام کے قتل کا بھی کوئی سراغ مل جائے اپنی خدمات مفت پیش کر دی تھیں اس کا اعتراف پادری ہنری مارٹن کلارک نے عدالت میں کرتے ہوئے کہا کہ "ہم لوگ ایک شخص کے بارے میں جو سب کا دشمن ہے مل کر کارروائی کرتے ہیں"۔
(کتاب البریہ طبع اول صفحہ ۲۳۷)
۶- "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۵۹۷/۵۹۸
۷- "کتاب البریہ" (سرورق)
۸- حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۶۰۱
۹- "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۶۰۵
۱۰- "مجدد اعظم" حصہ اول صفحہ ۵۴۱-۵۴۴-
۱۱- بروایت حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ- (مطبوعہ الفضل ۳۰- مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۶-۷)
۱۲- "کتاب البریہ" طبع دوم صفحہ ۲۳۲/ ۲۳۳ اور ۲۳۷/ ۲۳۹
۱۳- کتاب البریہ طبع دوم صفحہ ۲۶۱
۱۴- حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۶۰۶
۱۵- "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۶۰۲ اور الحکم ۳۰- ستمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۲
۱۶- الحکم ۱۴- نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۳-۴-
۱۷- "(کتاب البریہ" (طبع اول) صفحہ ۲۵-۲۶)
۱۸- "کشتی نوح" صفحہ ۵۱-۵۳
۱۹- الفضل ۲۸- فروری ۱۹۵۷ء
۲۰- "ریویو آف ریلیجنز" اردو ستمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۵۰
۲۱- "نزول المسیح" صفحہ ۲۲۱
۲۲- "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۵۸۴-۵۸۵ ملک شیر محمد صاحب مجوکہ (ملتان) بروایت مخدوم شیخ احمد کبیر قریشی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ملتان میں مخدوم خان بہادر حسن بخش صاحب قریشی سجادہ نشین حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ نے حضرت اقدس کے استقبال کی سعادت حاصل کی اور انہی کے ڈیرہ واقع اندرون پاک گیٹ میں حضور نے قیام فرمایا۔
۲۳- "مجدد اعظم" جلد اول صفحہ ۵۶۱-۵۶۲
۲۴- "سیرت مسیح موعود" از حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ
۲۵- "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۵۸۵

جماعت احمدیہ کے سب سے پہلے اخبار "الحکم" کا اجراء

جماعت احمدیہ کے قیام پر آٹھ برس ہو رہے تھے اور ابھی تک جماعت اپنے اخبار سے محروم تھی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے مخلصین کو ایک عرصہ سے اس کا احساس تھا لیکن اقتصادی حالات اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ آخر ایک لمبی کشمکش کے بعد اس سال کے آخر میں جماعت کے ایک باہمت اور پرجوش نوجوان حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب [1] کو (جو اس وقت امرت سر میں رہتے تھے اور ایک کامیاب صحافی کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں ان کے زور قلم کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی) اس طرف پر زور تحریک ہوئی جس پر انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا۔ حضرت اقدسؑ نے اپنے دست مبارک سے اس عریضہ کا جواب دیا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ "ہم کو اس بارہ میں تجربہ نہیں۔ اخبار کی ضرورت تو ہے مگر ہماری جماعت غرباء کی جماعت ہے۔ مالی بوجھ برداشت نہیں کر سکتی۔ آپ اپنے تجربہ کی بناء پر جاری کر سکتے ہیں تو کر لیں اللہ تعالیٰ مبارک کرے"۔ [2]

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب اس وقت بالکل تہی دست تھے۔ دوسری طرف آپ کے بعض دوست آپ کو سرکاری ملازمت میں لانے پر مصر تھے مگر خدا تعالیٰ نے ان کی دستگیری فرمائی اور "الحکم" ایسا بلند پایہ ہفت روزہ اخبار جاری کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اخبار "الحکم" کا پہلا پرچہ ۸۔ اکتوبر ۱۸۹۷ء کو شائع ہوا۔ یہ اخبار ۱۸۹۷ء کے آخر تک ریاض ہند پریس امرت سر میں چھپتا اور امرت سر ہی سے شائع ہوتا تھا۔ مگر ۱۸۹۸ء کے آغاز میں یہ مرکز احمدیت میں منتقل ہو گیا۔ اور چند برسوں کے وقفہ کے ساتھ جولائی ۱۹۴۳ء تک جاری رہا۔ الحکم کے دور ثانی میں زمام ادارت ان کے فرزند جناب شیخ محمود احمد صاحب عرفانی [3] مجاہد مصر نے نہایت عمدہ رنگ میں سنبھال لی اور الحکم کو اپنی زندگی کے آخری لحات تک زندہ رکھا۔

الحکم کے ابتدائی حالات کے بارے میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب لکھتے ہیں۔

"اگست ۱۸۹۷ء کو ہنری مارٹن کلارک نے ایک نالش حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف کر دی - میں نے اس مقدمہ کے حالات دوسرے جنگ مقدس کے نام سے لکھے - اس وقت مجھے سلسلہ کی ضروریات کے اعلان اور اظہار کے لئے اور اس پر جو اعتراضات پولٹیکل اور مذہبی پہلو سے کئے جاتے تھے ان کے جوابات کے لئے ایک اخبار کی ضرورت محسوس ہوئی - چنانچہ اکتوبر ۱۸۹۷ء میں الحکم جاری کر دیا - اس وقت گورنمنٹ پریس کے خلاف تھی اور موجودہ پریس ایکٹ اس وقت بھی قریب تھا کہ پاس ہو جاتا - تاہم ان مشکلات میں میں نے خدا پر بھروسہ کرکے امرت سر سے اخبار الحکم جاری کر دیا ۱۸۹۷ء کے آخر میں روزانہ پیسہ اخبار کے مکرر اجراء کی تجویز ہو چکی تھی اور منشی محبوب عالم صاحب کی خواہش کے موافق میں نے پیسہ اخبار کے ایڈیٹوریل سٹاف میں جانا منظور کر لیا تھا - میرا خیال تھا کہ الحکم کا ہیڈ کوارٹر لاہور بدل دینا چاہئے - اور محض اس خیال سے میں نے پیسہ اخبار کے ساتھ تعلق کرنا گوارا کر لیا تھا - مگر ۱۸۹۷ء کے دسمبر میں جب جلسہ سالانہ پر میں قادیان آیا تو یہاں ایک مدرسہ کے اجراء کی تجویز ہوئی اور اس کے لئے خدمات کے سوال پر میں نے اپنی خدمات پیش کر دیں اور اس طرح قدرت نے مجھے دیار محبوب میں پہنچا دیا - الحکم کے اجراء کے وقت مجھے بہت ڈرایا گیا تھا کہ مذہبی مذاق کم ہو چکا ہے اور احمدیت کے ساتھ عام دشمنی پھیل چکی ہے اس لئے الحکم کامیاب نہ ہو گا......
قادیان میں ایڈیٹر الحکم جنوری ۱۸۹۸ء میں آگیا اور پیسہ اخبار کے ساتھ جو جدید تعلق پیدا کر لیا گیا تھا اسے اور لاہور کے دیگر منافع کو قادیان پر قربان کر دیا اور الحمد للہ میں اس سودے میں نفع مند ہوں ...... قادیان میں اس وقت پریس کی سخت تکالیف تھیں - نہ پریس ملتا تھا نہ گل کش اور نہ کاتب اور نہ یہ لوگ قادیان آکر رہنا چاہتے تھے - تاہم ایڈیٹر الحکم ان مشکلات کا مقابلہ کرتا رہا"۔ [۲]

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب کو قدرت نے زود نویسی کا زبردست جوہر ودیعت کر رکھا تھا جسے حضرت مسیح موعودؑ کے فیض صحبت نے چار چاند لگا دیئے - حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام خواہ دربار شام میں ارشاد فرماتے یا سیر میں چلتے ہوئے گفتگو فرماتے آپ حضور کے ان ملفوظات و ارشادات کو کمال برق رفتاری سے قلمبند کر کے فوراً "الحکم" میں شائع کر دیتے - الحکم کے ذریعہ سے حضور کی تازہ بتازہ وحی کی اشاعت کا بھی اس میں خاص اہتمام ہو گیا - اسی طرح مرکز کے کوائف اور بزرگان سلسلہ بلکہ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے گراں قدر مضامین بھی چھپنے لگے - اور جماعت کے احباب گھر بیٹھے حضرت مسیح موعودؑ کے روحانی مائدہ سے لطف اندوز ہونے لگے - اس طرح یہ اخبار حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کے سلسلہ احمدیہ کی تاریخ کا مستند ترین ذخیرہ اور جماعت کے ایک نئے دور کا سنگ میل بن گیا - ۱۹۰۱ء تک اخبار "الحکم" نے یہ بے مثال خدمت تنہا سرانجام دی - جو ایک غیر معمولی بات ہے

اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے بابرکت کلمات اور الہامات مقدس کی نشرو اشاعت کی مقدس امانت کے اٹھانے میں اخبار البدر بھی شامل ہو گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام الحکم اور بدر کو جماعت کے دو بازو کہہ کر یاد فرمایا کرتے تھے۔ ۵

۱۹۳۴ء میں الحکم کے دوبارہ اجراء پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ایک پیغام دیا۔ جس میں تحریر فرمایا۔ الحکم سلسلہ کا سب سے پہلا اخبار ہے۔ اور جو موقعہ خدمت کا اسے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آخری زمانہ میں بدر کو ملا ہے۔ وہ کروڑوں روپیہ خرچ کر کے بھی اور کسی اخبار کو نہیں مل سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ الحکم اپنی ظاہری صورت میں زندہ رہے یا نہ رہے لیکن اس کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔ سلسلہ کا کوئی مہتم بالشان کام اس کا ذکر کئے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تاریخ سلسلہ کا حامل ہے"۔ ۶

۱۸۹۷ء کے بعض صحابہ

اس سال جو بزرگ جماعت احمدیہ سے منسلک ہو کر مسیح محمدی کے صحابہ میں شامل ہوئے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت مولانا شیر علی صاحب۔ ۷ (۲) حضرت مولانا غلام نبی صاحب مصری۔ ۸ (۳) حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی۔ ۹ (۴) مولوی محمد فضل صاحب چنگوی۔ ۱۰ حضرت چوہدری نظام الدین صاحب ۱۱ (۶) حضرت منشی کرم علی صاحب کاتب۔ ۱۲ (۷) جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ ۱۳ (۸) حضرت مولانا غلام رسول راجیکی ۱۴ (۹) حضرت مولانا امام الدین صاحب گولیکی ۱۵ (۱۰) قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل ۱۶

۱۸۹۷ء کے صحابہ کی ایک نایاب فہرست

کتاب کے آخر میں ۱۸۹۷ء کے صحابہ کی ایک نایاب فہرست سپرد قرطاس کی جاتی ہے جو یکم ذی قعدہ ۱۳۱۴ھ مطابق ۳۔ اپریل ۱۸۹۷ء سے لے کر ۲۳ محرم ۱۳۱۵ھ مطابق ۲۔ جون ۱۸۹۸ء کے زمانہ پر محیط ہے۔ یہ فہرست حضرت پیر سراج الحق صاحب نے انہی ایام میں نہایت خوشخط قلم سے مرتب فرمائی تھی۔

اصل فہرست شعبہ تاریخ احمدیت میں محفوظ ہے جہاں عبارت پڑھی نہیں جا سکی وہاں نقطے لگا دیئے گئے ہیں۔

۱۔ مولوی اللہ بخش مدرسی اول مدرسہ ذی قعدہ ۶۱۴/ ۱۳ھ جنتی و نگروٹہ ریاست جموں تخلص ندوی ولد شادی قوم آرائیں ساکن لاہور........ یکم ذی قعدہ۔ تحریری بذریعہ خط۔

۲۔ کریم بخش ولد سردارا قوم جاٹ ساکن لدھیانہ و کانسٹیبل کوتوالی شہر لدھیانہ ڈویژن اول نمبر ۴۱۳

۳۔ محبوب عالم ولد قاضی کرم الٰہی ہاسپٹل اسسٹنٹ پاگل خانہ لاہور ساکن موضع اودھو والی ضلع گوجرانوالہ

۴۔ محی الدین احمد شاہ آباد ضلع ہردوئی محلہ بروا بازار دوسوم

۵۔ مولوی محمد رمضان کمال ڈیرہ ضلع حیدر آباد سندھ ۶۔

۶۔ محمد ابراہیم ولد چوہدری پیر بخش مرحوم ساکن شہر جالندھر حال ملازم محکمہ ویکسی نیشن جہلم

۷۔ مولوی محمد سنڈال کلاں تحصیل کھاریاں ضلع گجرات ڈاک خانہ کہکر الہ مرید قدیم

۸۔ عظیم اللہ ساکن بمقام نابھہ۔ ۱۶۔ ذی قعدہ ۱۴ ہجری

۹۔ احمد الدین شالباف کشمیری ساکن نارووال تحصیل رعیہ ضلع سیالکوٹ امام مسجد خراسیان۔ ۱۷۔

۱۰۔ ودہاوا نابینا ولد بوٹا قوم گاذر ساکن درویش مسجد اندرونی

۱۱۔ دیوان بخش ولد مہتاب الدین گگے زئی ساکن دہرم کوٹ رندہاوہ تھانہ ڈیرہ بابا نانک ضلع گورداسپور حال وارد نارووال سپاہی پولیس۔ معرفت خط احمد الدین مذکور۔

۱۲۔ مولوی عمر الدین ولد سید احمد ساکن موضع کوٹ محمد یار تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ تحریری ۲۰۔

۱۳۔ غلام محی الدین محلہ چہل بی بیان لاہور تحریری ۲۱۔

۱۴۔ عبد الغنی خان ولد رحمت اللہ خان لدہیانہ محلہ کرمو کی مسجد ۲۱۔

۱۵۔ بدر الدین حداد ساکن گورداسپور

۱۶۔ روشن۔ (۱۷) اکبر ساکنان موضع کینجہ ضلع لدہیانہ ۲۲۔ تحریری

۱۷۔ اسمٰعیل ساکن نوروالہ ضلع لدہیانہ " ۲۲۔ تحریری "

۱۸۔ غلام محی الدین واعظ اسلام لدہیانہ ۲۲۔

۱۹۔ محمد الدین پسر عبد اللہ پٹواری ساکن ڈنگہ ضلع گجرات "

۲۰۔ امام الدین ڈنگہ "

۲۱- نبی بخش "
۲۲- گاہیا ساکن وڈالہ ضلع گوجرانوالہ
۲۳- محمد الدین - فتح پور ضلع گجرات
۲۴- کریم بخش (۲۵) رحیم بخش (۲۶) سلطان محمد ساکن نت ضلع گوجرانوالہ
۲۷- کرم دین - پوڑ ضلع گجرات
۲۸- امام الدین کلیان پور ضلع گورداسپور تحصیل شکر گڑھ ۲۳-
۲۹- عبداللہ ہیکر تحصیل پھالیہ ضلع گجرات "
۳۰- عبدالوحید متعلم مشن سکول لدھیانہ جماعت دہم "
۳۱- امیر (۳۲) احمد الدین (۳۳) محمد (۳۴) اللہ جوایا ساکنان نت ڈاک خانہ بوتالہ سردار جھنڈا سنگھ ضلع گوجرانوالہ تحصیل وزیر آباد "
۳۵- شیخ محمد دین ساکن گرالی تحصیل و ضلع گجرات ڈاک خانہ کھٹالہ
۳۶- باقر علی شاہ بھنیلی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات
۳۷- دین محمد معمار لاہور محلہ چہل بابیان-
۳۸- قاضی غلام رسول ولد فضل الدین ساکن اودھوالی ڈاک خانہ پہلوکے ضلع گوجرانوالہ
۳۹- محمد اکرم ولد قاضی کرم الٰہی ہاسپٹل اسسٹنٹ پاگل خانہ لاہور ولد قاضی غلام رسول اودھووالی
۴۰- منشی محمد الدین اپیل نویس سیالکوٹ ولد کرم الدین ۲۴-
۴۱- محمد یوسف ولد محمد یعقوب صاحب مرحوم بلاک پلی بنگلور دفتر اخبار بادصبا ۲۹- ذی قعدہ ۱۳۱۴ھ
۴۲- شیخ محمد بخش نو مسلم ولد تلا رام ساکن نادون ضلع کانگڑہ
۴۳- کمال الدین ولد اکبر بافندہ " "
۴۴- فتح الدین ولد اکبر " "
۴۵- چراغ پسر نتھو " " جنپور آتشباز " "
۴۶- شیخ محمد طفیل ولد شیخ محمد بخش قوم شیخ " "
۴۷- عبدالصمد ساکن شیخواں قریب قادیان ۳۰-
۴۸- غلام علی ساکن فیض اللہ چک قریب " "
۴۹- مولوی نادر الدین - ساکن

ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ

۱- عزیز احمد ولد غلام احمد قریش ساکن گلیانہ حال پٹواری حلقہ پیر خانہ متصل بلانی ڈاک خانہ بسہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات پنجاب یکم تحریرے
۲- نور الدین ولد شمس الدین پنڈ دادنخان حال نقشہ نویس محکمہ بارگ ماستری جہلم ۱۰-۱۴-۱۳۱۴ھ
۳- اصغر علی
۴- سلطان بخش ولد حشمت کشمیری لاہور انار کلی نیا بازار خیاط
۴- غلام حسن ولد حافظ محمد کامل ڈنگہ ضلع گجرات پنجاب دوکاندار لاہور
۵- شیخ عبد الرحمٰن ولد ڈاکٹر شیخ عبد اللہ انارکلی سنگرہ لاہور
۶- شیخ غلام مصطفیٰ ولد شیخ صوبہ خان ککے زئی بٹالہ
۷- شیخ فیض قادر خان ولد شیخ نور الٰہی ڈاکٹر اسپان بٹالہ
۸- علی محمد کلارک دفتر اگزیمزر ریلوے لاہور ولد نور احمد
۹- سلطان احمد دو بکیہ امرتسر محلہ قلعہ بھنگی
۱۰- مولوی محمد مقبول ولد مولوی غلام رسول مرحوم سکول ماسٹر و میر منشی پلٹن نمبر ۳۰ کمپ پشاور ساکن دینہ نگر ضلع گورداس پور - ۱۲-
۱۱- شیخ رحیم بخش ساکن چہ خرداوری حال محرر طویلہ سنگرور " تحریری
۱۲- حسین بخش درزی ساکن قادیان-
۱۳- عبد الرحمٰن- ۱۴- عبد اللہ ابنائے حسین بخش "
۱۵- خدا بخش ولد علم الدین درزی- چھوکر ضلع گجرات پنجاب ڈاک خانہ لالہ موسیٰ
۱۶- نظام شاہ نقل نویس جہلم
۱۷- محمد شریف ولد پشاوری
۱۸- عبد السبحان تماکو فروش بھیرہ ضلع شاہ پور
۱۹- میر حیدر شاہ ساکن نواں کوٹ تحصیل بھیرہ ضلع شاہ پور
۲۰- رحیم بخش ساکن پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ ۱۴-
۲۱- عبد العزیز ولد حافظ غلام محی الدین بھیردی قادیانی

۲۲۔ مظہر القیوم ولد صاحبزادہ افتخار احمد صاحب
۲۳۔ مولا بخش ولد شیخ جھنڈا ساکن گوجرانوالہ حال شہر چنیوٹ ۱۵۔
۲۴۔ ملک نبی بخش سارجنٹ ودیم ولد ملک ہدایت اللہ صاحب قوم اعوان ساکن مہارا بجکی تحصیل ظفروال ضلع سیالکوٹ
۲۵۔ عبداللہ ڈار کنسٹبل ساکن نارووال تھانہ پھلوارہ۔ ۲۴۔
۲۶۔ مولوی عبدالرحیم واعظ ملسوری ساکن پولور ضلع چتوز احاطہ مدراس ۲۵۔
۲۷۔ منشی محمد حیدر خان صاحب چھاؤنی بنگلور دفتر اخبار بادصبا پریس "
۲۸۔ محمد علی امام جامع مسجد مستری کریم بخش شہر سیالکوٹ محلہ کریم پورہ
۲۹۔ احمد حسن پسر ۳۰ و دو دختر ۳۱ قاضی خواجہ علی لدھیانوی
۳۲۔ منشی عبدالرؤف عرف وزیر خان سب اورسیر ساکن بلب گڈھ ضلع دہلی

نوٹ:۔ منشی صاحب اور مولوی غلام امام اسامی ایک وقت میں بیعت ہوئے تھے منشی صاحب کا نام سہو سے کسی فہرست میں نہیں لکھا گیا تھا چنانچہ منشے صاحب بہت مدت کے حضرت امام کے بیعت شدہ ہیں اور ان کی بیعت کی تاریخ ۲۴۔ اگست ۱۸۹۲ء یہ ہے اب یادداشت کے لحاظ سے یہاں نام لکھا گیا ہے سراج الحق جمالی۔

۳۳۔ مولوی محمد اظہر حسین ساکن مقام نادون ضلع کانگڑہ۔ ۲۷۔ ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ

۳۳

شعبان ۴۰۔ رمضان ۳۲۔ شوال ۶۶۔ ذی قعدہ ۴۹۔ ذی الحجہ ۳۳.....

محرم ۱۳۱۵ھ

۱۔ شیخ احمد برادر مولوی خان ملک ۲۔ محرم ۱۵
۲۔ حاکم الدین ولد الٰہی بخش ساکن سیالکوٹ محلہ میانہ پورہ
۳۔ میران بخش ولد پیر محمد۔ " ۴۔ غلام محمد ولد فضل
۵۔ شیر محمد ولد قادر بخش قوم لودی ساکن میرپور چونمک علاقہ جموں ۴۔ تحریری
۶۔ شیخ محمد موسیٰ رضا تاجر چھاؤنی بنگلور "

۷- سیٹھ علی محمد حاجی اللہ رکھا معہ اہلیہ سیٹھ صاحب " "
۸- احمد سیٹھ ۹ حسین سیٹھ عبدالستار سیٹھ ابناء ۱۰ علی محمد سیٹھ حاجی اللہ رکھا بنگلور۔ "
۱۱- حیات محمد ساکن موضع چک جانی تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم حال موضع کریم پور متصل موضع جادہ تحصیل جہلم معرفت میاں غلام حسن
۱۲- احمد اللہ پسر حیات محمد سطور بالا "
۱۳- امام الدین کارچوب لاہور بارود خانہ دوکان موچی دریام۔ "
۱۴- عبداللہ ولد محمد بخش ساکن کلان نور ۸۔ محرم ۱۵ھ
۱۵- غلام محمد ولد محمد بخش " " "
۱۶- فقیر اللہ پٹواری کلاں نور ساکن فیض اللہ چک قریب قادیان
۱۷- احمد الدین ولد محمد الدین ساکن قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ "
۱۸- غلام حسین نائب محافظ دفتر پولیس راولپنڈی ۹۔ تحریری
۱۹- اللہ دتہ امام مسجد۔ ٹھٹڑی کلان ضلع تحصیل گوجرانوالہ ڈاکخانہ بوتالہ سردار جھنڈا سنگھ "
۲۰- میرباز خان۔ خوشاب ضلع شاہ پور " ۱۰۔
۲۱- کریم بخش حکیم فیض اللہ چک قریب قادیان۔ "
۲۲- علی اکبر خان سابق سارجنٹ پولیس سیالکوٹ حال اسسٹنٹ کلارک مری کلب میاں میر
۲۳- امام بخش سوار رجمنٹ نمبر ۱۲ ترپ نمبر ۷ چھاؤنی سیالکوٹ
۲۴- غلام رسول خان ہیڈ کانسٹیبل پولیس الہ آباد ساکن الہ آباد ۱۳۔ محرم ۱۵ھ
۲۵- شیخ عبداللہ ولد حاجی نجف علی۔ " " "
۲۶- شیخ کریم بخش " " "
۲۷- حافظ محمد اصغر علی ولد اکبر علی " "
۲۸- شیخ عبدالواحد خانساماں " "
۲۹- عبدالغفور خان خانساماں ولد محمد یوسف خان " "
۳۰- امام علی ولد رستم علی ہیڈ کانسٹیبل پنشن یافتہ " "
۳۱- شیخ منگرو ولد شیخ بخش کنسٹبل پولیس پنشنر
۳۲- شیخ رمضان خان ساماں ساکن الہ آباد ۱۳۔ محرم ۱۵ھ
۳۳- خدا بخش گوڈ کانسٹبل نمبر ۵۰۸ متعینہ بکار خاص چوکی رتہ امرال علاقہ سٹی راولپنڈی تحریری ۱۴۔

۳۴۔ عبد العزیز خان ولد عبد الرحمٰن خان اسلامیہ ہائی سکول شہر راولپنڈی۔ دوسرا پتہ راولپنڈی محلہ مستری قطب الدین۔۱۵۔

۳۵۔ حافظ فتح الدین نمبردار موضع مرار ڈاک خانہ دیال پور حال جالندھر ۱۶۔

۳۶۔ عزیز بخش بی اے محافظ دفتر ڈیرہ غازیخان ولد حافظ صاحب مذکور بالا "

۳۷۔ مولوی حافظ کرم الدین ساکن پوڑان والہ تھانہ ڈنگہ ضلع گجرات ۱۹ محرم ۱۵ھ

۳۸۔ کرم الدین ولد فیض بخش ساکن ڈنگہ۔ محرم ۱۵ھ " "

۳۹۔ حافظ احمد الدین ولد نور الدین " " "

۴۰۔ احمد الدین ولد علی محمد ساکن ڈنگہ۔۱۹۔ محرم ۱۵ھ

۴۱۔ احمد الدین ولد پیر بخش " "

۴۲۔ حکیم نور محمد مالک شفاء خانہ

۴۳۔ محمد خان نمبردار جستر والہ تحصیل اجنالہ۔ ضلع امرتسر "

۴۴۔ حافظ ملک محمد ولد رحیم بخش ساکن بٹالہ۔ "

۴۵۔ سید ارشاد علی شاہ صاحبزادہ خصیلت علی شاہ ڈنگہ ضلع گجرات

۴۶۔ اللہ دتا ولد نور محمد ساکن کمبو ضلع امرتسر "

۴۷۔ عبد اللہ ولد خلیفہ رجب الدین لاہور "

۴۸۔ غلام محمد ولد بوٹا کشمیری طالب علم ڈیرہ بابانانک "

۴۹۔ سلطان احمد ولد حافظ فضل احمد لاہور محلہ ستہاں ۱۹۔ محرم ۱۵ھ

۵۰۔ الٰہی بخش ولد صابر محلہ مانکیاں خاص گجرات پنجاب۔ "

۵۱۔ امام الدین ولد نظام الدین ساکن تہ غلام نبی قریب قادیان "

۵۲۔ گل حسن کلرک ریلوے دفتر لاہور ولد مولوی محمد کامل ساکن ڈنگہ

۵۳۔ عبادت علی شاہ ولد امام شاہ ساکن ڈڈوان ضلع گورداسپور ڈاکخانہ دھاری وال "

۵۴۔ تاج الدین ولد نبی بخش کلرک دفتر ریلوے لاہور "

۵۵۔ علی محمد طالب العلم بی اے کلاس مشن کالج لاہور "

۵۶۔ محمد عظیم ولد قطب الدین دفتر ریلوے لاہور "

۵۷۔ میاں جی عبد الحمید ساکن حمارو ریاست پٹیالہ علاقہ راجپورہ

۵۸۔ روشن الدین ساکن بھیرہ ضلع شاہ پور ظروف ساز

۵۹- اللہ ودہایا طالب علم جماعت دوم مڈل سکول پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ
۶۰- شیخ احمد علی ولد محمد بخش زمیندار بازید چک ضلع گورداسپور ۲۰- محرم ۱۵ھ
۶۱- نور محمد ولد مراد بخش چغتائی زمیندار ساکن ڈھونی ضلع منٹگمری "
۶۲- عبدالرشید ولد میاں محمد سید والہ ضلع " "
۶۳- حکیم محمد حسین ولد سرفراز حسین
۶۴- غلام قادر ولد غلام محمد قریشی ساکن قادیان - ۲۱- محرم ۱۵ھ
۶۵- شیخ امیر ولد احمد بخش ککے زئی ساکن تہ غلام نبی قریب قادیان
۶۶- غلام احمد ولد محمد بخش امام مسجد بھڑیال ضلع سیالکوٹ "
۶۷- غلام غوث ولد بوٹا کمہار - قادیانی "
۶۸- امیر ولد جیوا زمیندار کھارا قریب قادیان
۶۹- گلاب ولد محکم ارائیں احمد آباد ضلع گورداس پور
۷۰- شیخ ظہور احمد ولد شیخ نور احمد سنگ ساز و پریس مین مالک مطبع ریاض ہند امرتسر ہال بازار۔
۷۱- شاہ نواز ولد محمد بخش قوم خواجہ ڈنگہ ضلع گجرات پنجاب۔
۷۲- عیدا ولد شادی کمہار قادیانی ۲۱-
۷۳- دین محمد ولد فتح محمد " "
۷۴- صدر الدین ولد رحیم بخش " "
۷۵- بڈھا ولد فتح دین تیلی " "
۷۶- دین محمد ولد بھاگا لوئی باف " "
۷۷- حسینا ولد موتی شاہ فقیر قادیان " "
۷۸- امام الدین ولد بڈھا ارائیں " "
۷۹- نور محمد ولد لاڈا خواجہ " "
۸۰- حامد علی ولد محکم ارائیں قادیانی ۲۱- محرم ۱۵ھ
۸۱- میراں بخش ولد اللہ دتا قصاب " "
۸۲- لسو ولد اکبر لوئی باف " "
۸۳- شیخ محمد ولد غلام قادر امام مسجد قادیان " "
۸۴- فقیر محمد ولد سبحان لوئی باف کشمیری فیض اللہ چک قریب قادیان

۸۵۔ کیون ولد داتا شیخ خواجہ قادیان فیض اللہ چک قریب قادیان
۸۶۔ شرف الدین ولد بڈھا کمہار " "
۸۷۔ فتح دین ولد رلدو کمہار ڈلہ ضلع گورداسپور "
۸۸۔ عبداللہ ولد حکم الدین ارائیں قادیان ۲۱ محرم ۱۵
۸۹۔ لبو ولد سدا باشندہ
۹۰۔ لشا ولد الیا ڈوگر کمارا ضلع گورداسپور "
۹۱۔ امیر ولد دیتا کمہار قادیان "
۹۲۔ نور محمد ولد محمد شفیع افغانی منڈی سکیت۔ "
۹۳۔ نتھو ولد شاہ دین کمہار قادیان "
۹۴۔ چراغ دین ولد سدا باشندہ قادیان ۲۱ محرم ۱۵ھ
۹۵۔ بوٹا ولد حیات حجام قادیان "
۹۶۔ شیخ محمد عمر ولد مولوی ولی اللہ کشمیری دروازہ کاپی نویس مطبع راج پریس سنگرور ریاست جیند معہ اہل بیت۔ ۲۱۔ محرم " تحریری
۹۷۔ محمد موسیٰ رضا بنگلور لشکر بنیا چی کویل اسٹریت۔
۹۸۔ محمد عبدالرزاق بن محمد یعقوب مرحوم بنگلور لشکر قدیم پولیس لین سی مکان نمبر ۴ " "
۹۹۔ فتح الدین معہ اہل بیت.... مولوی جمال الدین صاحب موصوف ۲۲۔ محرم ۱۵ھ
۱۰۰۔ جان محمد رائی بجن قوم کہرل " "
۱۰۱۔ اسمٰعیل ساکن سیدوالہ "
۱۰۲۔ احمد الدین ولد مراد ساکن ڈھونی ضلع "
۱۰۳۔ مائی مسماۃ امام بی بی سکنہ سیدوالا "
۱۰۴۔ مائی مسماۃ ٹھری بنت روشن اعوان ساکن ڈھونے "
۱۰۵۔ شیخ فیض اللہ ولد نجیب اللہ خانوی قریشی اولاد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ساکن جیند ۲۳۔ محرم ۱۵ھ ہمشیرہ زادہ قانتہ یوسف علی... نعمانی حال نائب داروغہ نابھہ
۱۰۶۔ امام الدین ولد بڈھا ارائیں قادیان
۱۰۷۔ جیون ولد داتا قادیان
۱۰۸۔ عیدا ولد نکا نجار قادیان

۱۰۹۔ خیرالدین ولد منگل نمبردار قادیان
۱۱۰۔ میاں جی شیخ محمد ولد علی محمد ڈیری والا قریب.... "
۱۱۱۔ ماہی ولد عمرا کمہار "
۱۱۲۔ وزیر ولد مصدی جٹ بھینی قریب "
۱۱۳۔ ....و کتھو جٹ بھینی
۱۱۴۔ غلام دین ولد کتھو بھینی
۱۱۵۔ باجا ولد امیر "
۱۱۶۔ کما ولد......... "
۱۱۷۔ محمد بخش نجار ولد قطب الدین "
۱۱۸۔ غلام محمد ولد نور محمد " ....
۱۱۹۔ رحیم بخش ولد کریم بخش جہلم...... مولوی نعمان کی مسجد "
۱۲۰۔ محمد علی بدوملہوی حال وارد تلواڑہ تحصیل رعیہ ضلع سیالکوٹ ۲۳۔ محرم ۱۵ھ
۱۲۱۔ سید عالم شاہ

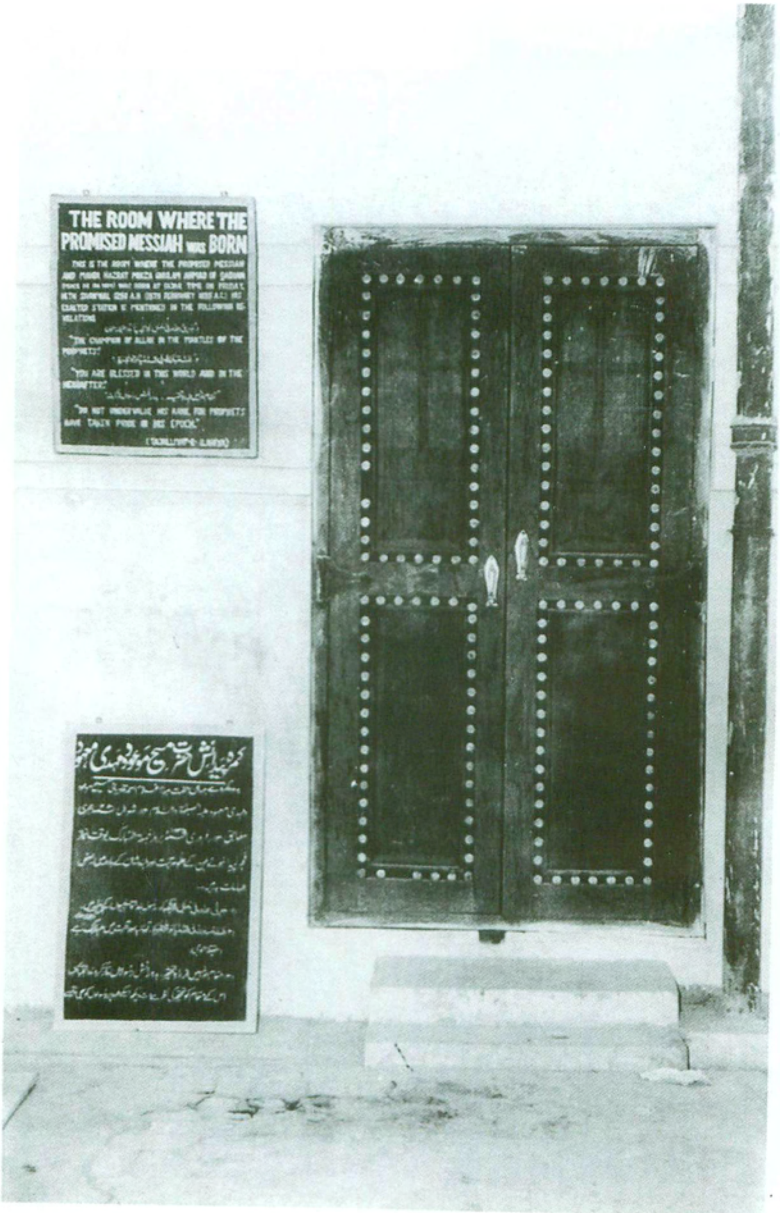

دار المسیح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کمرہ ولادت

کمرہ ولادت حضرت مصلح موعودؓ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبشر اولاد

دائیں طرف کھڑے (ا) حضرت مرزا بشیر احمد صاحب (۲) حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب المصلح الموعود (گود میں حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب مرحوم)۔
(۳) حضرت مرزا شریف احمد صاحب۔ پیچھے دائیں طرف سے (خادمہ کی گود میں)
(ا) حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ (۲) حضرت میر محمد اسحاق صاحب

مسجد اقصیٰ قادیان

مسجد مبارک قادیان

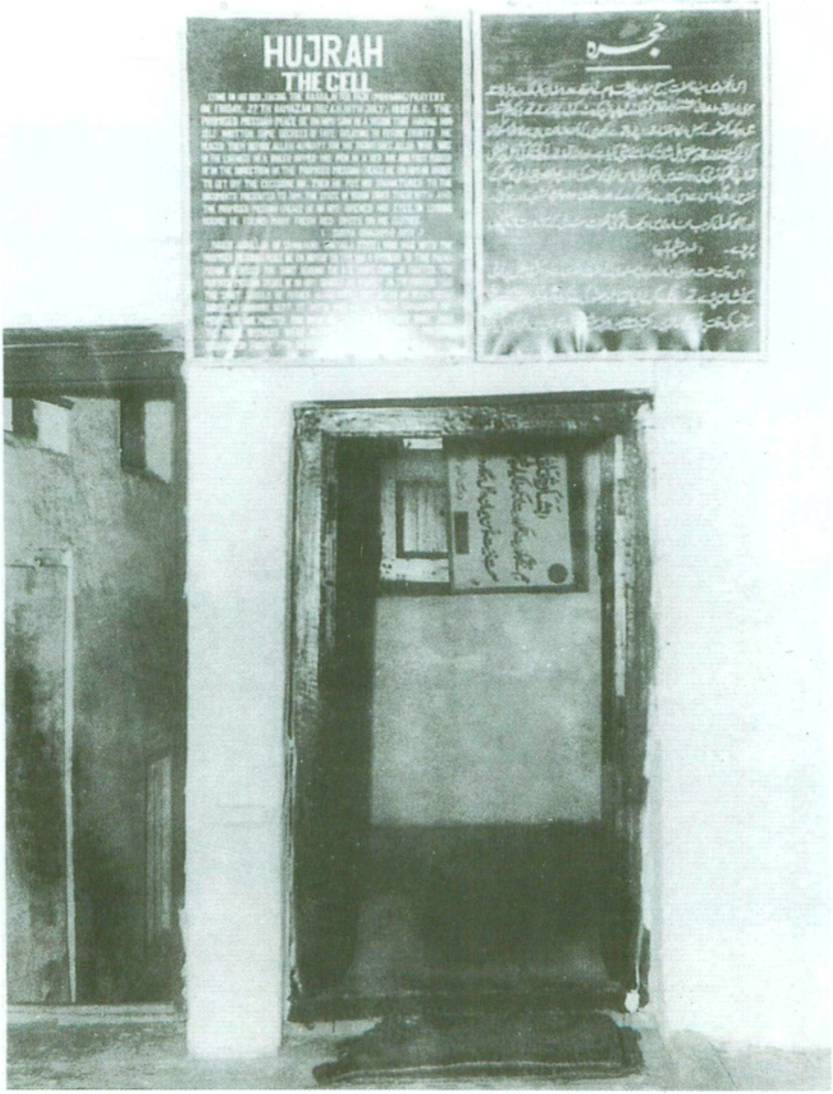

سرخ سیاہی والے نشان کا کمرہ

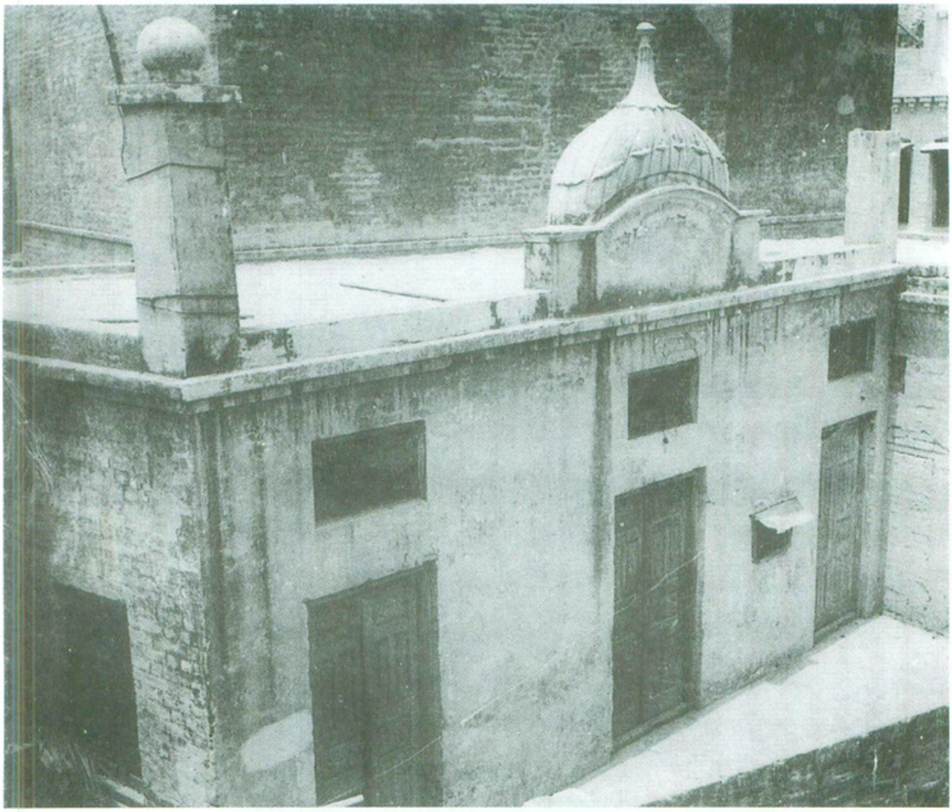

دارالبیعت لدھیانہ

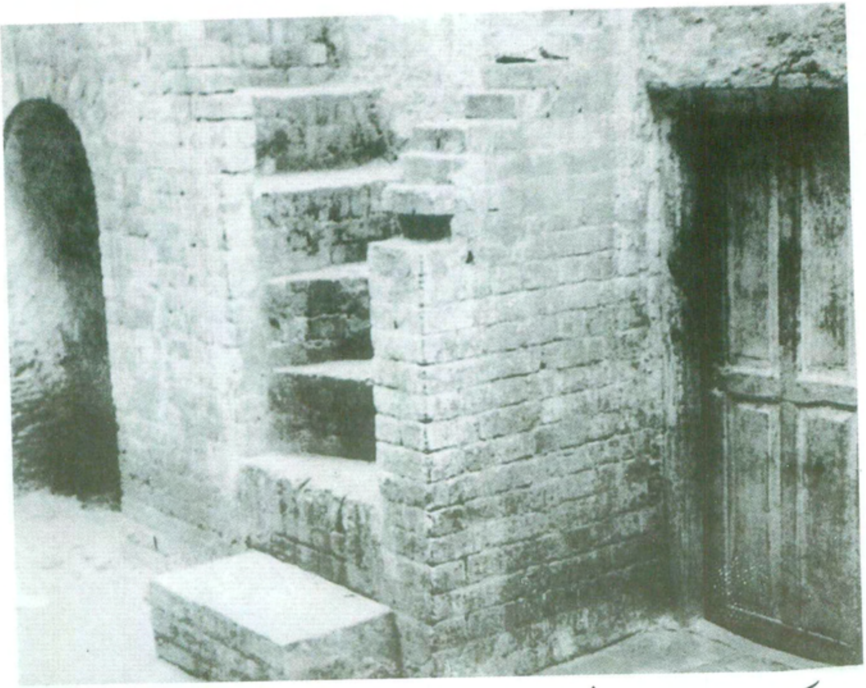

سیالکوٹ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رہائش گاہ کا ایک منظر

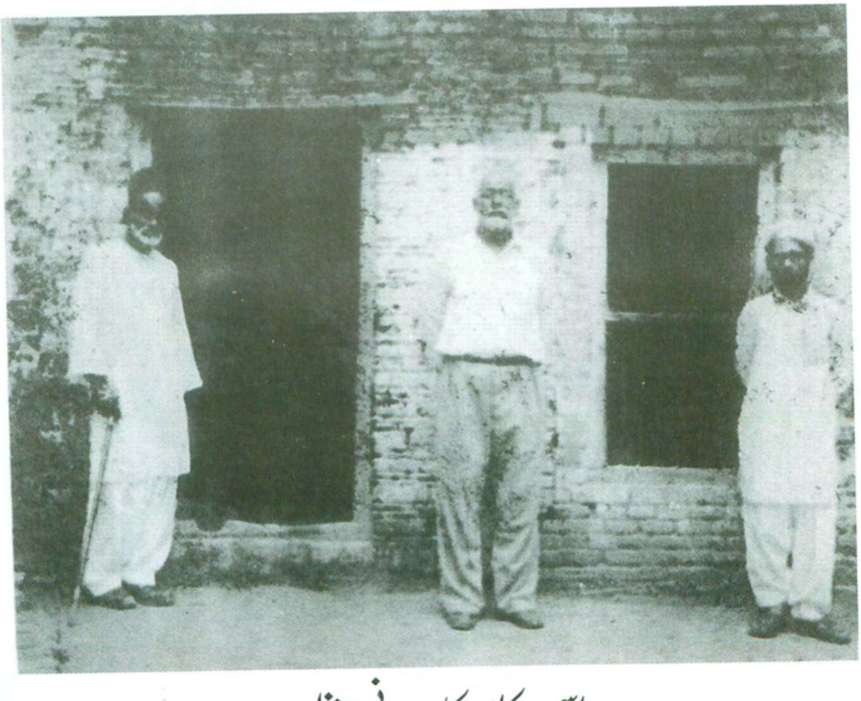

اسی مکان کا بیرونی منظر

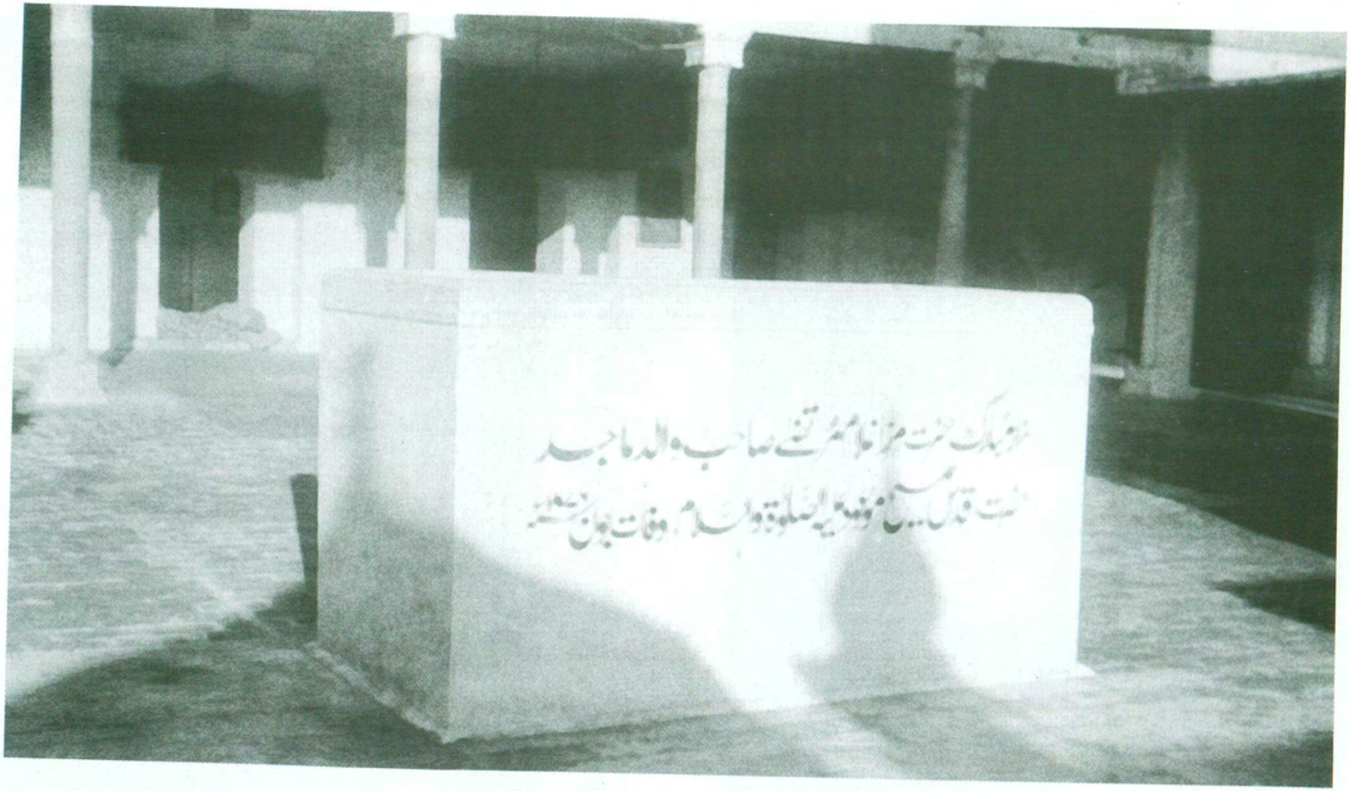

مزار مرزا غلام مرتضیٰ صاحب والد ماجد حضرت مسیح موعود علیہ السلام

سیالکوٹ کی وہ مسجد
(کوچہ میر حسام الدین)
جہاں حضور نے دعویٰ
ماموریت سے پہلے اور
بعد میں نمازیں ادا کیں

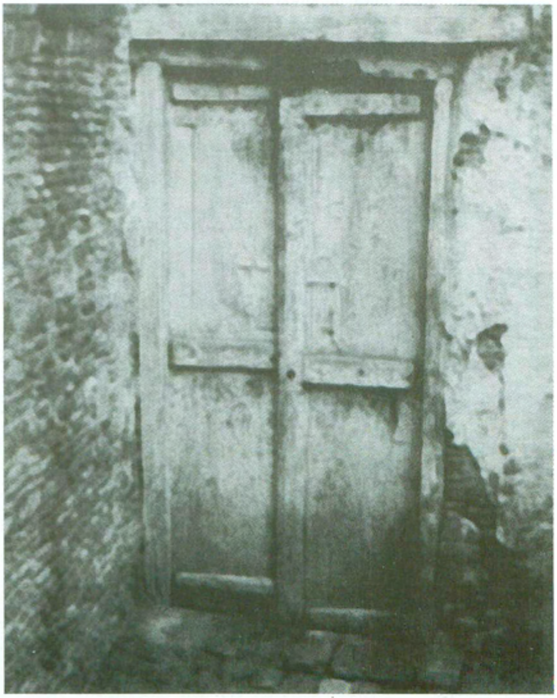

سیالکوٹ میں حضرت
مسیح موعود علیہ السلام
کی رہائش گاہ کا بیرونی
دروازہ

مسجد کے بائیں طرف کا وہ حصہ جہاں ڈاکٹر سر محمد اقبال اور دوسری شخصیات نے ۱۸۹۲ء میں حضرت مسیح موعودؑ کا لیکچر سنا تھا

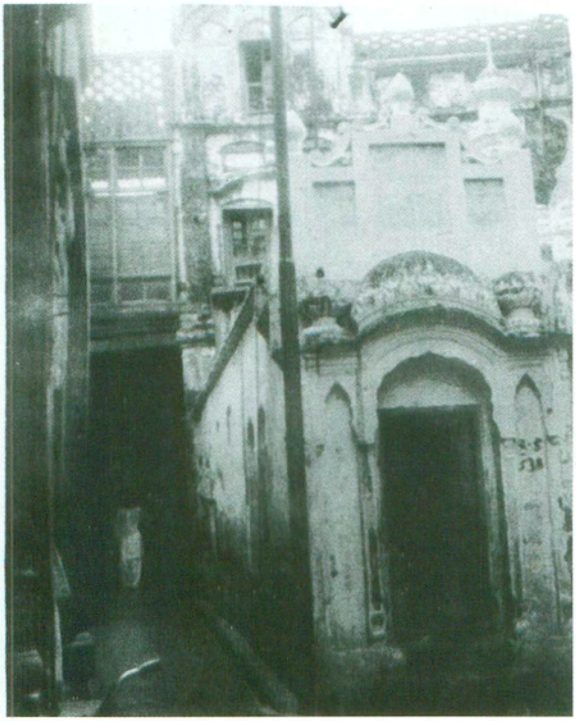

مسجد کے سامنے کا چوبارہ جہاں ۱۹۰۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام لیکچر سیالکوٹ کے دوران قیام فرما ہوئے۔

حواشی

۱۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب احمدیت کے پہلے صحافی ہی نہیں اولین مورخ بھی تھے آپ کی ولادت نومبر ۱۸۷۵ء میں ہوئی اور ۵۔ دسمبر ۱۹۵۷ء کو سکندر آباد میں انتقال فرمایا۔ آپ کی پوری عمر جماعت کی قلمی خدمت میں گزری ہے خصوصاً تاریخ احمدیت سے آپ کو آخر تک ایک خاص شغف تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنی صحافتی اور دیگر علمی فرائض کے ساتھ ساتھ "حیات النبی" اور "حیات احمد" کے نام پر متعدد جلدوں میں حضرت مسیح موعود کی حیات طیبہ کے حالات شائع کئے جو ابتداء سے ۱۹۰۰ء تک کے واقعات پر مشتمل ہیں علاوہ ازیں آپ نے "سیرت مسیح موعود" کے نام پر چار مبسوط جلدیں بھی لکھیں جو آپ کی زندگی میں ہی چھپ کر شائع ہو گئی تھیں۔ مختلف صحابہ یا مذہبی لیڈروں کے نام حضرت اقدس نے جو خطوط لکھے ان کا بہت بڑا قیمتی ریکارڈ بھی آپ نے شائع کر کے محفوظ کر دیا۔ علاوہ ازیں صحابہ مسیح موعودؑ کے حالات مرتب کرنے کی پہلی تحریک (۴۔ مارچ ۱۹۲۰ء کو) آپ ہی نے کی اور پھر نہایت درجہ سعی و جدوجہد سے سینکڑوں عشاق احمد کے سوانح اپنے اخبار الحکم میں شائع فرما دیئے۔ جو ایک مستقل قلمی جہاد تھا (یہاں یہ ضمناً ذکر کر یا جانا ضروری ہے کہ دوسری تحریک ۱۹۳۷ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمائی جس کی تعمیل میں نظارت تالیف و تصنیف قادیان کی طرف سے جناب ملک محمد عبد اللہ صاحب، مولانا شیخ عبد القادر صاحب (سابق سوداگر مل) اور جناب مہاشہ فضل حسین صاحب کو اس اہم کام پر مقرر کیا گیا اور ان کی سعی جدوجہد سے "روایات صحابہ" کا ایک قیمتی ذخیرہ چودہ جلدوں میں تیار ہو گیا۔ جس کا ایک حصہ سلسلہ کے مختلف رسائل میں بھی شائع ہو چکا ہے صحابہ کے سوانح سے متعلق تیسری تحریک جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے قادیان نے مئی ۱۹۴۵ء سے شروع کی جسے وہ اب تک نہایت خوش اسلوبی سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ کی شبانہ روز کوششوں کا ثمر "اصحاب احمد" اور "مکتوبات اصحاب احمد" کی متعدد جلدوں کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے جو آپ کا لائق صد تحسین کارنامہ ہے۔

۲۔ "حیات احمد" جلد چہارم صفحہ ۵۸۹

۳۔ ولادت ۲۸۔ اکتوبر ۱۸۹۷ء وفات ۱۹۔ فروری ۱۹۴۴ء مصر میں برسوں تک تبلیغی جہاد میں مصروف رہے۔ وہاں ایک اخبار جاری کیا۔ سلسلہ کے متعلق عربی زبان میں بعض کتابیں بھی شائع کیں اور مخلصین کی ایک جماعت قائم کر دی۔ بلند خیالی اور اولوالعزمی اپنے والد سے ورثہ میں ملی تھی۔ "سیرت ام المومنین" "مرکز احمدیت" اور "تاریخ مالا بار" ایسی اعلیٰ تالیفات آپ کی بہترین علمی یادگار ہیں۔ مرحوم کو ذیابیطس کا عارضہ لاحق تھا۔ مگر مرتے دم تک ایک بہادر سپاہی کی طرح اپنا فرض منصبی ادا فرماتے رہے۔

۴۔ اخبار "الفضل" ۶۔ مئی ۱۹۵۸ء صفحہ ۵ کالم ۲۔۳

۵۔ "سلسلہ احمدیہ" (مولفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب)

۶۔ "الحکم" ۱۴۔ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۳

۷۔ حضرت مولانا صف اول کے ان عظیم مجاہدوں میں سے تھے جن کی پوری عمر سلسلہ کی قلمی خدمت میں گزری۔ آپ کی حیرت انگیز علمی قابلیت کے باعث آپ کو جج کا عہدہ پیش کیا گیا مگر آپ نے دیار حبیب میں دھونی رمانے کو ترجیح دی۔ ابتداً تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر رہے۔ برسوں تک ریویو آف ریلیجنز کی ادارت بھی کی۔ کتاب "قتل مرتد اور اسلام" آپ کے قلم کا ہی شاہکار ہے۔ آپ قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ و تفسیر پر مامور ہوئے جس کی تکمیل کے لئے یورپ کا طویل سفر بھی اختیار کیا۔ اور بالآخر پیرانہ سالی کے دامن میں پوشیدہ امراض کا مردانہ وار مقابلہ کرتے اور قرآن پاک کی خدمت کرتے ہوئے ۱۳۔ نومبر ۱۹۴۷ء کو لاہور میں انتقال فرما گئے (تاریخ ولادت ۲۴۔ نومبر ۱۸۷۵ء)

۸۔ ولادت قریباً ۱۸۷۴ء وفات ۲۷۔ اپریل ۱۹۵۶ء۔ حضرت مولوی صاحب کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں حضرت مولانا نور الدین صاحب کی ہدایت پر بعض نایاب کتب کی فراہمی کے لئے مصر تشریف لے گئے اور وہاں بعض کتب نقل کر کے قادیان لائے۔ مصر میں آپ نے جامع ازہر سے عربی تعلیم بھی مکمل کی۔ اور تبلیغ سلسلہ بھی کرتے رہے اس لحاظ سے آپ مصر کے پہلے احمدی مبلغ بھی قرار دیئے جاتے ہیں۔ مدتوں تک "مدرسہ احمدیہ" کے مدرس رہے اور قوم کے سینکڑوں نوجوانوں کو علوم اسلامیہ سے روشناس کرایا۔

۹۔ ولادت قریباً ۱۸۵۴ء وفات ۲۸۔ جون ۱۹۴۴ء شہید احمدیت مولانا عبید اللہ صاحب مبلغ ماریشس کے والد ماجد تھے سلسلہ کے

مشہور پنجابی واعظ گزرے ہیں۔

۱۰۔ مولف "فتاویٰ مسیح موعود" ۳۱۳ اصحاب میں آپ کا نمبر ۱۵۰ ہے۔

۱۱۔ والد بزرگوار حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال! آپ نے ۲۹۔ مارچ ۱۹۴۲ء کو ۸۶ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ صاحب کشف و الہام تھے اور سلسلہ کے ایک بہادر اور غیور سپاہی تھے حضرت مسیح موعود اور اہل بیت سے انہیں فدایانہ محبت تھی۔

۱۲۔ تاریخ وفات ۱۴۔ دسمبر ۱۹۵۲ء عمر ۷۶ سال۔ "کتاب البریہ" سے "حقیقتہ الوحی" تک کی تمام کتب میں سنگسازی کی سعادت آپ کو نصیب ہوئی۔ نیز حضور کی متعدد کتب اور ریویو آف ریلیجنز۔ اردو کے سالہاسال تک کاتب رہے۔

۱۳۔ مرحوم کپور تھلہ کے ایک گاؤں مرار میں حافظ فتح الدین صاحب کے ہاں دسمبر ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو وفات پائی۔ جنوری ۱۸۹۲ء میں جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مباحثہ عبدالحکیم کلانوری کے سلسلہ میں لاہور میں تشریف لائے تھے پہلی مرتبہ حضور کی زیارت کا شرف حاصل کیا ۱۸۹۴ء میں اسلامیہ کالج کے ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور یہیں خواجہ کمال الدین صاحب سے (جو بیعت میں داخل ہو چکے تھے اور کالج کے سٹاف میں شامل تھے) راہ و رسم پیدا ہو گئی۔ دو ڈھائی سال میں جب باہمی تعلقات محبت بہت ترقی کر گئے تو خواجہ صاحب نے انہیں قادیان جانے کی تحریک کی۔ جس پر آپ کے ہمراہ مارچ ۱۸۹۷ء میں قادیان پہنچے۔ اور حضور کی شبانہ روز اہم خدمات دینیہ اور اشاعت اسلام کا جذبہ دیکھ کر شامل احمدیت ہو گئے ("پیغام صلح" ۲۷۔ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۲) آپ ایل ایل بی کا امتحان پاس کر کے گورداسپور میں وکالت کرنا چاہتے تھے۔ اور اس کے لئے انتظامات مکمل بھی کر لئے تھے کہ جون ۱۸۹۹ء میں چند دنوں کے لئے قادیان آئے۔ یہاں حضور کی بعض تالیفات کا انگریزی ترجمہ کرتے ہوئے دو ماہ گزر گئے اسی دوران میں یورپ کے لئے ایک انگریزی رسالہ کی تجویز ہوئی جس کے لئے حضور کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور آپ ہجرت اختیار کر کے قادیان آ گئے جہاں چودہ سال تک ریویو آف ریلیجنز کی ادارت اور صدر انجمن احمدیہ کی سیکرٹری شپ وغیرہ مختلف خدمات سرانجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مارچ ۱۹۱۴ء میں نظام خلافت سے الگ ہو کر لاہور چلے آئے اور "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور" کی بنیاد رکھی۔ ایک مرتبہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ خواب میں دکھائے گئے حضورؑ نے ان سے رؤیا میں کہا۔ "آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے آؤ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ"۔ (البدر ۲۴ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۴)

۱۴۔ (ولادت قریباً ۱۸۷۸ء) جماعت احمدیہ کی ایک مقدس شخصیت اور صاحب کشف و الہام بزرگ ہیں جن پر حضرت مسیح موعودؑ کی عقیدت و برکت نے ایک غیر معمولی عاشقانہ رنگ چڑھا دیا ہے اس آسمانی سلسلہ میں داخل ہونے کے بعد آج تک زبان و قلم سے تبلیغ حق میں سرگرم عمل ہیں حضرت مولانا صوفی بھی ہیں مناظر بھی ہیں اور پنجابی اردو' عربی' اور فارسی کے شاعر بھی!! حیات قدسی کی متعدد جلدوں میں آپ نے اپنی زندگی کے ایمان افروز سوانح شائع فرمائے ہیں جو مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (وفات ۱۵۔ دسمبر ۱۹۶۳ء)

۱۵۔ سلسلہ احمدیہ کے جید عالم اور صاحب کشف والہام تھے۔ نومبر ۱۸۵۱ء میں بمقام گولیکی (ضلع گجرات) میں پیدا ہوئے ۱۹۲۵ء میں ہجرت کر کے قادیان میں مستقل رہائش اختیار کی اور ۱۲' ۱۳۔ اپریل ۱۹۴۰ء کی شب کو رحلت فرمائی اور مقبرہ بہشتی میں دفن ہوئے۔ آپ کے فیض یافتہ شاگردوں کا حلقہ بڑا وسیع اور احمدیوں' غیر احمدیوں بلکہ غیر مسلموں تک پھیلا ہوا تھا۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۷۔ اپریل ۱۹۴۰ء صفحہ ۴ تا ۶

۱۶۔ حضرت قاضی صاحب کو اخبار "بدر" "الفضل" رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" (اردو) "تشحیذ الاذہان" "مصباح" اور "احمدیہ گزٹ" غرضکہ سلسلہ کے اکثر قدیم رسائل و جرائد کی قابل رشک خدمات سرانجام دینے کی توفیق ملی۔ خصوصاً "الفضل" کی اشاعت میں آپ نے نمایاں حصہ لیا۔ چنانچہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "جب الفضل نکلا ہے اس وقت ایک شخص جس نے اس اخبار کی اشاعت میں شائد مجھ سے بڑھ کر حصہ لیا وہ قاضی ظہور الدین صاحب اکمل ہیں اصل میں سارے کام وہی کرتے تھے اگر ان کی مدد نہ ہوتی تو مجھ سے اخبار چلانا مشکل ہوتا"۔ (الفضل ۴ جولائی ۱۹۲۴) قاضی صاحب کے قلم سے آج تک ۳۶ کے قریب تالیفات بھی شائع ہو چکی ہیں جن میں "ظہور المسیح" "ظہور المہدی" اور "الواح الہدیٰ" بہت مشہور ہیں۔ (وفات ۲۷۔ ستمبر ۱۹۶۶ء)

"تاریخ احمدیت" کے متعلق

عزت مآب مکرم و محترم جناب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب

نائب صدر عالمی عدالت کی رائے

"میرے لئے یہ امر بہت خوشی اور اطمینان کا موجب ہے کہ گذشتہ سال کے دوران میں "تاریخ احمدیت" جلد دوم بھی تیار ہو کر شائع ہو گئی ہے۔ میں نے پہلی جلد کو پھر دوبارہ پڑھا ہے اور دوسری جلد کے ختم کرنے پر میری طبیعت اس قدر متاثر تھی۔ اور میرے دل پر اس قدر شدید احساس تھا۔ کہ گویا میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی صحبت اقدس میں کئی گھنٹے متواتر گزار کر اٹھا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ہمارے نوجوان ان دونوں جلدوں کا بالاستیعاب مطالعہ کریں۔ اور ہر واقعہ کو جو ان کے اندر بیان کیا گیا ہے۔ توجہ اور فکر کی نگاہ سے پڑھیں اور اس پر غور کریں۔ تو وہ اس سے بہت بڑا روحانی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اور انہیں اپنی اپنی دینی اور روحانی تربیت میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ گو میں سمجھتا ہوں کہ یہ امر صرف نوجوانوں تک ہی محدود نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن نئی پود کے لئے یہ تصنیف بہت بڑی ضرورت کو پورا کرنے والی ہے۔

میں بہت زور سے اپنے نوجوانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اور میرے دل میں بہت درد ہے۔ کہ وہ اس موقعہ سے "جو تاریخ احمدیت" کی دو جلدوں کے چھپنے سے میسر آگیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں"۔

ملنے کا پتہ : ادارۃ المصنفین ربوہ

اشاریہ جلد ۱

(مرتبہ:۔ ریاض محمود باجوہ شاہد)

اسماء .... ۳ تا ۲۴

مقامات .... ۲۵ تا ۳۰

کتابیات .... ۳۱ تا ۴۱

اسماء

آ

آتھم، عبداللہ ۲۵۴، ۲۶۳، ۴۸۳تا۴۸۶، ۵۰۴تا۵۰۹، ۵۱۲، ۵۷۸، ۵۹۳، ۶۲۲

حضرت آدم علیہ السلام ۳۹۷، ۴۱۹

آرتھر کرشن سین، پروفیسر ۴۵

آرچ بشپ آف کنٹربری ۸۹

آرنلڈ ٹوئن بی، پروفیسر ۱۷۱

آسیہ زوجہ فرعون ۳۳۴

ا

ابایحی (عیسائی مذہب کالیڈر) ۵۲۸

ابراہیم علی خاں ۱۸۶

ابراہیم لودھی، سلطان ۳۱

ابن حجر، شیخ ۳۰

ابن رشیدی ۲۵

ابوالبشارت عبدالغفور ۵۷۶

ابوالحسن علی ندوی ۵، ۱۷۸، ۳۰۱

ابوالعطاء جالندھری ۳۶۵

ابوالغازی خاں ۲۹

ابوالفضل، شیخ ۲۴

ابوالکلام آزاد ۱۴، ۴۱۸

ابوہریرہؓ ۲۱۲

ابویوسف محمد مبارک علی ۵۵۸، ۵۶۲، ۵۶۳

احمد (سابق اینڈرسن)۔ امریکہ ۳۰۸

احمد اللہ، حافظ ۶۱۲، ۶۲۳

احمد اللہ، مولوی۔ امرتسر ۳۹۵، ۴۱۴

احمد بیگ، مرزا ۶۱، ۳۱۲، ۳۱۸تا۳۲۷، ۳۳۳

احمد جان، صوفی ۱۷۳، ۱۸۱، ۲۱۷، ۲۳۱تا۲۳۷، ۲۴۴، ۲۶۴تا۲۶۶، ۳۳۷، ۳۳۹، ۳۸۰، ۳۸۱

احمد حسین۔ مشہور ناولسٹ ۳۸۴

احمد حسین، بابو ۲۹۹

احمد حسین عظیم آبادی ۵۷۰، ۵۷۱

احمد زکی ابو شادی، ڈاکٹر ۵۳۰

احمد سرہندی، شیخ۔ مجدد الف ثانی ۱۹۹، ۳۳۴

احمد شاہ شائق ۵۴۱

احمد عرب، سید ۳۷۶

احمد علی، مولوی ۴۰۸

احمد علی، مولوی (غیر احمدی) ۴۵۷

احمد کبیر قریشی، شیخ ۶۴۰

احمد محی الدین **العجوز**، الاستاذ ۴۱۸

اخطل۔ شاعر ۵۴۱

ارجن سنگھ۔ مدیر "رنگین" امرتسر ۱۷۹، ۲۸۷

ارسطو ۱۷۹

اسماعیل بیگ، مرزا ۶۵، ۷۵، ۲۰۸، ۲۲۵، ۵۱۸

اسماعیل شہید، سید ۵۰، ۲۰۲

اسماء رجسٹر بیعت اولیٰ ۳۴۴ تا ۳۶۲

اسماء حاضرین جلسہ سالانہ ۱۸۹۱ء ۴۴۰-۴۴۱

اسماء تین سو تیرہ رفقاء ۵۷۹ تا ۵۸۳

اسماء رفقاء ۱۸۹۷ء ۶۴۴ تا ۶۶۲

اشاعتی ۲۷

اشرف علی تھانوی ۲۱۴

اشہد الدین، پیر سید ۳۰۹ تا ۳۱۳، ۵۵۲

اعجاز احمد، شیخ ۴۶۱

اعظم بیگ، مرزا ۷۰، ۲۲۴، ۲۲۶

آفتاب اقبال ۴۶۹

افتخار احمد، پیر ۲۰۹، ۲۳۳، ۲۴۵، ۲۶۵، ۲۶۶، ۴۴۸، ۴۹۲، ۴۹۳

افلاطون ۱۷۹

اقبال الدولہ، نواب ۱۸۶

اکبر حسین رضوی الہ آبادی ۳۹۱

اکبر شاہ ثانی ۳۴

اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ۲۱۷

اکبر یار جنگ، نواب ۴۷۹

الانشہ۔ دیسی پادری ۹۲، ۹۶

آل حسن قنوجی، سید ۳۲۱

الطاف حسین حالی ۳۹۱

الطاف علی خاں ۴۸۴، ۴۸۵

الفریڈ نیلسن ۵۳۰

اللہ بخش، منشی لدھیانہ ۳۴۱

اللہ بخش تونسوی سنگھڑی، میاں ۴۰۱

اللہ داد، شیخ منشی ۹۷، ۹۸، ۹۹

اللہ دتہ، مولوی۔ لودھی ننگل ۱۱۹

اللہ دیا لدھیانوی، شیخ ۴۸۴

اللہ یار، میاں ۷۸

الٰہی بخش، مولوی ۹۶

الٰہی بخش اکونٹنٹ، منشی ۲۰۹، ۲۵۴

الٰہی بخش وکیل ہوشیار پور ۲۹۹

الہ دین واعظ ۴۱۰

الیگزنڈر ڈف ۱۰۶

الیگزنڈر رسل وب ۳۰۶ تا ۳۱۰، ۳۱۳، ۵۷۳

امام الدین، مرزا ۴۱، ۱۴۲، ۲۵۷ تا ۲۶۰، ۲۶۴، ۲۷۱، ۳۷۱، ۳۲۰، ۶۰۰

امام الدین، میاں ۲۰۸، ۲۱۵، ۳۷۹، ۶۲۴

امام الدین پٹواری، منشی ۵۱۴

امام الدین کاتب، منشی ۱۸۹

امام الدین گولیکی ۵۷۵، ۶۲۳

امان اللہ، مرزا ۲۵۵

امتہ الحفیظ بیگم، نواب ۲۴۸، ۶۱۲
امتہ النصیر، سیدہ بنت حضرت مسیح موعود ۲۴۸
امیرالدین، منشی ۲۵۵
امیر حسین، قاضی ۴۹۲، ۴۹۵
امیر شاہ، ڈاکٹر ۹۶
امیر علی، ڈپٹی ۲۳۲، ۲۳۴، ۲۳۵
امیر علی شاہ ۴۲۵، ۴۲۹
اندر من مراد آبادی، منشی ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۶۲، ۲۵۴ تا ۲۶۰
۲۶۳، ۲۷۱، ۳۰۲، ۴۷۰
انشاء اللہ، مولوی ۶۰۸
ایجل خاں ۳۱
ایچیسن سی یو ۵۱۰
ایردم جی برلاس ۲۴، ۳۰
ایشری پرشاد ۵۵۸، ۵۶۱
ایلنگرا خاں، امیر ۳۱
ایوب بیگ، مرزا ۴۶۸، ۵۳۲، ۶۲۴
ایوب انصاری ۲۴۰

ب

بابر، ظہیرالدین بادشاہ ۲۹، ۳۱، ۳۲، ۴۰، ۴۶
باس ورتھ ۵۳۱
باقر امام ۵۰۱
بالٹر سکسٹن ۵۱۶
بٹلر، پادری ۹۲، ۹۳، ۹۶، ۹۷، ۵۳۱
بختاور سنگھ، منشی ۱۵۶، ۱۵۷، ۲۴۲
برخوردار، حافظ ۲۰۲
برکت علی، مرزا ۴۴۲، ۴۴۹
برکت علی خاں شاہجہانپوری ۶۰۴
برکل امیر ۳۱
برودہ کنٹھ، زائے ۵۵۸، ۵۶۱
برہان الدین جہلمی ۵۳، ۲۰۹، ۳۸۸، ۳۹۸، ۴۴۳
۴۶۸، ۶۱۷، ۶۲۰
بشارت احمد، ڈاکٹر ۲۹۲، ۴۹۵، ۵۴۳، ۶۲۷
بشمبر داس، لالہ ۱۱۵، ۱۱۶
بشن داس ڈاکٹر ۵۹۱
بشن داس ولد رعدا ۲۷۲
بشن داس ولد ھیرا نند ۲۷۲
بشیر احمد ایم۔اے، مرزا ۴۸، ۱۲۳، ۲۲۰، ۲۴۸، ۲۹۱، ۲۹۲
۳۴۴، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۷۳، ۳۸۰تا۳۸۲
۴۷۸تا۴۸۱، ۴۸۷، ۵۸۷، ۶۰۰، ۶۱۲
بشیرالدین محمود احمد صاحبزادہ مرزا خلیفتہ المسیح الثانی
۲۴۵
۲۸۲، ۲۸۴تا۲۸۹، ۲۹۲
۳۲۱، ۳۶۷، ۳۸۲، ۶۰۰
بشیر اول، صاحبزادہ ۲۴۷، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۴
۲۹۰، ۳۲۷، ۳۳۶، ۵۰۸
بشمبر داس ۵۹۵

بلاسنگھ ۹۹، ۱۰۰

بندرو ناتھ ٹیگور ۱۴۳

بوانی داس ایم۔اے، رائے بہادر ۵۵۶، ۵۷۳

بوٹا کشمیری، میاں ۸۵

بوڑیخاں، ڈاکٹر ۵۷۵

بہادر شاہ ثانی ۳۴

بہادر شاہ ظفر ۱۶۸

بہاؤالدین جون پوری، شیخ ۳۱

بیٹ مین، پادری ۱۱۵

بیچارام چٹرجی، بابو ۵۵۸، ۵۶۱

بیج ناتھ، پنڈت ۲۷۲

بیدی بابا ۵۳۵

بیزجی، مسٹر ۵۷۳

بیکن ۱۷۹

بھارا مل ۲۷۲

بھانودت پنڈت ۵۵۸

بھگوتی سہائے ۲۵۵

بھیم سین، لالہ ۵۵، ۵۹، ۸۳، ۸۶، ۸۷، ۹۵، ۹۸، ۹۹، ۱۴۸، ۱۹۳

پ

پامرسٹن، لارڈ ۸۹

پرتول چندر چٹرجی، بابو ۵۵۶، ۵۷۳

پرکسن ۹۶

پرنسب ۸۶

پریم داس ۶۳۰

پیا۔وکیل ۵۲۶

پیراں دتہ ۳۹۲

پیرنڈر، ڈاکٹر ۱۶

پیری، ڈاکٹر ۵۹۱

پیلاطوس اول ۵۲۵، ۶۳۶

پھجو خادمہ ۶۰۰

ت

تاج الدین اکونٹنٹ، منشی ۵۳۲

تارا چند منشی ۲۷۲

تارا سنگھ ۳۲

تائی صاحبہ ۳۲۵

تیجا سنگھ ۸۲، ۸۶

تیمور بیگ، امیر ۲۴تا۲۷، ۳۰تا۳۲، ۴۵

ٹ

ٹالسٹائی ۴، ۵۷۳

ٹامس باول، پادری ۴۸۴

ٹھاکر داس، پادری جے ایل ۲۶۳، ۲۸۴

ث

ثناءاللہ امرتسری ۱۶۷، ۲۰۹، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۸۸، ۵۵۱، ۵۵۳، ۵۵۸، ۵۶۱

ثناءاللہ پانی پتی، قاضی ۲۰۲

ج

جارج رالن سن ۳۰
جان محمد، میاں ۱۹۳، ۲۰۸، ۲۳۳
جگن ناتھ وکیل، پنڈت ۲۹۹
جلال الدین، سلطان ۳۱
جلال الدین رومی ۲۷۴
جلال الدین سیوطی ۲۱۴
جلال الدین شمس ۲۱۵
جلال دین ۶۳۲
جمال احمد، حافظ ۳۲۴
جمال الدین احمد ہانسوی ۳۱، ۲۱۵، ۲۵۲
جمال الدین۔ سیدوالہ ۶۱۷
جمال الدین سیکھوانی، میاں ۲۰۸، ۳۷۹، ۶۲۴، ۶۲۵
جمال کشمیری ۱۴۵
جمال الدین افغانی ۲۱۶
جمعیت بیگ، مرزا ۶۱
جنت بی بی، صاحبزادی ۵۰، ۱۰۴
جواہر سنگھ، سردار ۵۵۶، ۵۵۸
جودھ سنگھ ۳۲
جہاں دادخاں، راجہ ۶۰۵ تا ۶۰۷
جیمز، عبداللہ ۳۷۸
جیون داس، لالہ ۱۵۳، ۱۵۶، ۱۵۹، ۲۶۳، ۳۰۰، ۳۰۲
جھنڈا سنگھ ۷۹

چ

چارلس وڈ ۸۹
چراغ الدین، میاں۔ امرتسر ۳۹۶
چراغ الدین، میاں۔ لاہور ۴۵۴
چراغ بی بی صاحبہ ۱۰۱ تا ۱۰۳
چراغ بی بی صاحبہ ۲۴۶
چراغ علی خان ۱۸۶
چغتائی خاں ۳۱
چنگیز خان ۲۴، ۲۵، ۳۱

ح

حاجی برلاس ۲۴، ۳۱
حامد شاہ، سید میر ۱۰۷، ۲۰۸، ۴۴۳، ۴۴۸، ۴۶۰
حامد علی، حافظ شیخ ۸۸، ۲۰۸، ۲۱۴ تا ۲۱۶، ۲۳۳، ۲۴۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۳۳۸، ۳۴۱، ۳۶۴، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۹۴، ۳۹۹، ۴۲۵، ۴۹۵، ۵۳۳
حبیب، سید۔ مدیر "سیاست" ۲۸۹
حبیب الرحمن، منشی ۲۷۲
حبیب الرحمن سراوہ، منشی ۴۴۸
حرمت بی بی صاحبہ ۶۱
حسام الدین، حکیم میر ۸۶، ۹۷، ۹۸، ۱۴۸، ۴۵۹
حسام الدین، مولوی۔ پادری ۵۱۵
حسن، امام ۱۲۸، ۱۲۹، ۲۴۲
حسن بخش قریشی، مخدوم خان بہادر ۶۴۰

حسن بصری ۲۷۲
حسن شاہ مودودی دہلوی، سید ۵۵۳
حسن علی بھاگلپوری، مولوی ۲۰۹، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۱۳، ۵۱۴
حسن نظامی، خواجہ ۲۸۸، ۵۴۸
حسینا کشمیری ۱۳۵
حسینا ملاں ۲۵۸
حمید الدین، قاضی خلیفہ ۳۸۳
حمید اللہ خاں، مولوی ۵۱۵
حیات، حجام ۸۳
حیرت دہلوی، مرزا ۴۲۹
حسین، امام ۱۲۸، ۱۲۹، ۵۰۴، ۵۴۴
حسین احمد مدنی، سید ۳۹۷
حسین کامی ۶۰۴ تا ۶۰۹، ۶۳۸
حیات بی بی، مالی ۸۵

خ

خدا بخش، خان بہادر شیخ ۵۵۶، ۵۶۴، ۵۷۳
خدا بخش، مرزا ۴۴۳، ۵۲۱
خیر الدین سیکھوانی، میاں ۵۶، ۲۰۸، ۲۱۵، ۳۷۹، ۶۲۳ تا ۶۲۵
خیر دین، ڈاکٹر ۶۲۱

د

حضرت دانیال علیہ السلام ۱۳۵
درد، خواجہ میر ۱۳۰، ۴۴۵
درگا پرشاد، ماسٹر ۵۵۵، ۵۵۸، ۵۶۸
دلاور علی، ڈپٹی ۴۱۴
دلیپ سنگھ، مہاراجہ ۶۹
دھنپت رائے، لالہ ۵۵۵
دیارام، حکیم ۲۵۸
دیال سنگھ، سردار ۵۷۳
دیانند سرسوتی، سوامی ۱۵۲ تا ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۹ تا ۱۶۲، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۸۰، ۲۰۶، ۲۲۸، ۲۲۹
دیر سنگھ ڈی لٹ، بھائی ۵۴۴
دینا ناتھ، لالہ ۶۳۳، ۶۳۵
دین محمد، مرزا ۷۵، ۷۸، ۱۳۰، ۱۳۱، ۲۰۸
دیوا سنگھ ۳۴
دیوان سنگھ ۳۲
دیو پرکاش، پنڈت ۵۹۱
دیوکی نندن، لالہ ۴۸۳، ۴۸۴
دیو نندر ناتھ سہائے ۱۶۴
دیوی رام، پنڈت ۷۲، ۱۳۱

ڈ ۔ ذ

ڈسمنز، آئی۔ آئی۔ پی ۲۴
ڈفرن، گورنر ۲۲۲
ڈگلس، کرنل ۴۵۲، ۶۲۳، ۶۲۶، ۶۲۸، ۶۳۱ تا ۶۳۳، ۶۳۶، ۶۳۷
ڈیون پورٹ ۵۳۱
ذکاء اللہ، مولانا۔ مورخ ۱۶۸

ذوالفقار علی خان، سر ۲۸۹

ر

رابرٹ ایجرٹن ۱۴۱

رابرٹ کسٹ، سر ۱۳۹، ۱۵۰

رابرٹ کلارک ۸۹

راجندر سنگھ، سردار ۶۰۲

راج نرائن بوس، بابو ۱۶۳

رادھاکشن، پنڈت ۵۵۶، ۵۷۳

راس، سرڈی ۶۲۵،۲

رام بھجدت وکیل ۶۲۸، ۶۴۰

رام جی داس ۵۵۸

رام چندر جی، راجہ ۵۹۶

رام داس گوڑا ۱۶۴

رام موہن رائے، راجہ ۱۶۳، ۱۶۴

رانا ڈے ۱۵۲

رجب دین، خلیفہ ۲۵۵

رجب علی، پادری ۱۳۵، ۱۵۶، ۱۸۹ تا ۱۹۱

رحمت اللہ، شیخ ۴۲۵، ۴۴۳، ۴۴۸،
۵۳۲، ۵۳۵، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۸

رحمت علی، مولانا ۵۴۵

رحیم اللہ، مولوی۔ لاہور ۴۰۳، ۴۰۶، ۴۱۶، ۴۴۸، ۴۵۴

رحیم بخش، شیخ ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۹۵

رحیم بخش، مولوی۔ p.s نواب آف بہاولپور ۶۳۷

رحیم بخش، مولوی۔ تلونڈی جھنگلاں ۲۰۸

رحیم بخش، مولوی۔ لاہور ۴۴۴

رحیم بخش، مولوی۔ لدھیانہ ۲۳۴، ۲۳۵

رحیم بخش سنوری ۳۴۱، ۳۴۲

رستم علی، چوہدری ۲۰۹، ۲۱۶،
۳۴۱، ۳۸۴، ۵۴۵، ۶۲۳ تا ۶۲۵

رسکن ۴

رشید احمد، مرزا ۴۱

رشید احمد گنگوہی، مولوی ۳۲۳، ۴۰۰،
۴۰۱، ۴۰۲، ۵۵۰، ۵۵۳

رشید الدین، ڈاکٹر خلیفہ ۴۶۸، ۵۶۴

رشید رضا، علامہ ۵۳۰

رلیارام وکیل ۱۳۶، ۱۴۷

رنجیت سنگھ ۳۷، ۳۹، ۴۰، ۴۲، ۴۳، ۵۰، ۱۳۸، ۱۴۰

رو بہادر، مسٹر ۵۵۸

روتھر فورڈ ۱۲۵، ۱۳۵

روشن علی، حافظ ۴۹۲

رؤف بے ۶۱۰

ریاض احمد ریاض خیر آبادی، سید ۳۹۱

ریکلس، ای ۳۰

ریورٹی، ایچ جی ۲۴

ریورنڈ چارلس جان ایلی کوٹ ۱۳، ۵۱۰

ز

زویمر، ڈاکٹر ۱۵
زہلہ کا، ایم۔اے ۲۸
زین الدین، شیخ ۳۱
زین العابدین سرہندی، قاضی ۲۶۵

س

سارداپرشاد، بابو ۱۵۶، ۱۵۷
سائیکس، سرپرسی ۲۴
سراج الحق نعمانی، پیر ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۸، ۲۳۶، ۳۴۱، ۳۹۵، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۸تا۴۱۰، ۴۲۵، ۴۳۳، ۴۴۳، ۴۴۹، ۴۹۲، ۵۲۲، ۶۴۳
سراج الدین، ابوالمعظم نواب ۱۷۸
سراج الدین، منشی ۹۴، ۱۴۸، ۳۹۱، ۳۹۲
سراج الدین عیسائی ۶۱۷
سردار بیگم ۳۲۵
سزاوار خان، منشی ۲۵۴
سعداللہ لدھیانوی ۳۹۳، ۳۹۸، ۴۶۰، ۵۵۱
سعدی شیرازی، شیخ ۱۱۱، ۲۷۰
سکرائن ۲۵، ۲۶
سلطان احمد، مرزا ۴۱، ۶۱، ۶۳، ۶۴، ۶۸، ۷۳، ۷۴، ۱۱۴، ۱۱۷، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۴۶، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۵۰، ۲۵۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۳۸۴
سلطان محمد، مرزا ۳۲۲تا۳۲۶
سلطان محمد پنجم ۶۱۰
سلیمان ندوی، سید ۴۷۹
سلیم پاشا ملحمہ ۶۰۸
سمتھ، پروفیسر ۴۲۰
سمیع اللہ خان فاروقی ۲۸۶، ۴۸۸
سنت رام ۲۷۲
سوچیت سنگھ ۱۴۲
سوغوچھجن ۳۰
سوفرڈ، پادری ۲۵۴، ۲۶۱، ۲۶۳
سہج رام، پنڈت ۸۳، ۸۴، ۸۷
سیتارام مہاجن، لالہ ۲۹۹
سید احمد بریلوی ۵۰، ۱۹۶
سید احمد خان، سر ۸۸، ۹۷، ۹۸، ۱۵۴، ۱۶۶، ۲۱۰، ۳۹۱، ۳۹۷، ۴۸۱، ۴۸۲، ۵۴۵، ۵۶۹، ۵۷۱، ۵۹۵
سید بیگم صاحبہ ۲۴۴، ۲۴۶
سید علی، مولوی ۵۱۵

ش

شادی خاں سیالکوٹی ۴۶۸
شام لال، پنڈت ۱۹۳
شاہجہان بیگم ۱۸۸، ۲۲۱
شاہ دین ۲۳۶، ۴۰۰
شاہ عالم ثانی ۳۳، ۳۴
شاہ نواز ۵۹
شبلی نعمانی ۳۹۱۔۳۹۲
شترنجی، میاں ۲۹۹
شتروگھن، میاں ۲۹۹

شرف الدین، میاں ۱۳۲
شرف الدین یزدی ۲۹
شرمپت، لالہ ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۱، ۱۵۶تا۱۵۹، ۱۸۹، ۱۹۳، ۲۰۶
شریف احمد، صاحبزادہ مرزا ۲۴۸، ۲۹۱، ۲۹۲، ۳۶۴، ۳۶۵، ۵۱۹، ۵۸۷، ۶۱۳
شمس الدین، منشی ۴۵۵
شمس الدین محمد تبریزی ۵۳۶
شمس دین، میاں ۱۸۹
شمعون ۲۷۲
شوکت صاحبہ، صاحبزادی ۲۴۷
شوکت علی، مولانا ۳۹۱
شوگن چندر، سوامی ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۷۰
شولر، ای ۲۷، ۲۸
شو نرائن اگنی ہوتری، پنڈت ۱۳۵، ۱۵۶تا۱۵۹، ۱۶۳، ۱۸۰
شہاب الدین دفعدار، میاں ۲۹۹
شہاب الدین غوری ۳۱۴
شیر سنگھ، مہاراجہ ۴۰، ۱۳۹
شیر علی بی۔اے، مولانا ۵۷۳، ۶۴۳
شیر محمد، مولوی ۳۷۹
شیر محمد مجوکہ، ملک ۶۴۰

ص۔ض

صاحب جان، مائی ۱۰۳
صاحب خاں نوانہ ۴۰
صادق حسین مختار، منشی ۳۷۹
صادق علی شاہ۔ رتر چھتر ۵۵۳
صادق محمد خاں، نواب ۵۰۸
صدیق حسن خاں، نواب ۱۸۸، ۲۰۲، ۲۲۱، ۲۲۲، ۳۹۸، ۴۳۱
صغریٰ بیگم صاحبہ اہلیہ حضرت خلیفہ المسیح الاول ۳۴۲
صفدر علی، مولوی قاضی ۵۱۵
صلاح الدین ایم۔اے، ملک ۲۱۶
ضیاء الدین، قاضی ۴۹۲
ضیاء الدین احمد خاں، نواب ۱۷۷

ط۔ظ

طراغائے ۳۱
ظفر احمد کپورتھلوی، منشی ۲۰۹، ۲۱۶، ۳۴۱، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۴، ۳۸۱، ۴۱۴، ۴۲۵، ۴۲۷، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۷۳، ۴۸۴
ظفر علی خاں، مولانا ۹۴، ۱۴۸، ۲۸۸
ظہور علی وکیل ۴۵۲

ع

عابد علی، میر ۱۲۷
عالمگیر ثانی ۳۳
حضرت عائشہ صدیقہؓ ۶۳
عباس علی شاہ، میر ۱۷۷، ۱۸۵، ۱۹۴، ۲۰۸، ۲۳۱، ۲۴۰تا۲۴۵، ۲۷۲، ۳۳۵، ۳۴۱، ۳۷۶، ۳۷۷، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۶۴
عبد الباری فرنگی محل، مولانا ۳۹۱

عبد الجبار غزنوی، مولوی ۳۲۳، ۴۰۰، ۴۶۷، ۵۵۳
عبد الحق سابق بنسی دھر ۱۳۰
عبد الحق اکونٹنٹ، منشی ۲۰۹، ۲۴۵، ۲۵۴
عبد الحق دہلوی حقانی، مولوی ۴۲۲، ۵۵۳، ۵۷۰، ۵۷۱
عبد الحق غزنوی، مولوی ۴۳۱، ۴۶۵، ۴۶۶، ۵۱۹، ۶۱۰
عبد الحکیم، ڈاکٹر خلیفہ ۲۲
عبد الحکیم کلانوری، مولوی ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۵۷، ۴۵۸، ۶۵۴
عبد الحلیم شرر، مولوی ۳۹۱، ۳۹۲
عبد الحمید ثانی، سلطان ۶۰۴، ۶۰۹، ۶۱۰
عبد الحمید جہلمی ۶۲۰تا۶۲۲، ۶۲۸، ۶۳۰، ۶۳۲، ۶۳۵
عبد الرحمن۔ سنور ۲۳۹
عبد الرحمن (سابق سنت سنگھ) ۱۶۸
عبد الرحمن، ماسٹر (مہر سنگھ) ۴۴۸، ۴۵۳
عبد الرحمن، منشی۔ کپور تھلہ ۳۴۱، ۴۶۳
عبد الرحمن، مولوی۔ کابل ۵۴۸
عبد الرحمن امرتسری، حافظ ۳۸۹، ۶۰۷، ۶۰۸
عبد الرحمن خان، امیر۔ والی کابل ۵۴۸
عبد الرحمن قادیانی، بھائی ۴۹۲، ۵۴۲، ۵۴۶
عبد الرحمن لاہوری، میاں ۵۳۲
عبد الرحمن لکھوکے والے، مولوی ۴۰۰
عبد الرحیم، بھائی ۴۹۲، ۵۱۴، ۵۸۳
عبد الرحیم، پادری ۶۲۱
عبد الرحیم، شیخ ۵۳۳
عبد الرحیم، قاضی ۴۹۲
عبد الرحیم درد ۴۴، ۳۶۵
عبد الرحیم نیر ۴۹۲
عبد الرزاق قادری، سید۔ بغدادی ۴۸۹
عبد الرؤف المناوی ۲۱
عبد الشکور، شاہ ۵۳۶
عبد العزیز۔ مدراس میں ترکی کے سفیر ۶۰۷
عبد العزیز، شیخ ۴۶۶
عبد العزیز، ماسٹر۔ سیالکوٹ ۱۰۵
عبد العزیز اوجلوی، میاں ۴۶۸، ۵۴۵، ۶۲۳، ۶۲۴
عبد العزیز دہلوی، شاہ ۲۰۲، ۲۵۲، ۵۴۴
عبد العزیز لدھیانوی، مولوی ۱۸۱، ۲۳۴، ۲۳۵، ۳۹۳، ۴۰۰، ۵۵۱
عبد العزیز مغل، میاں ۴۶۸
عبد الغنی، شاہ ۲۱۰
عبد الغنی اوجلوی، منشی ۶۲۴
عبد الغنی عیسائی ۶۳۲
عبد القادر، شیخ۔ (سابق سوداگر مل) ۶۵۳
عبد القادر، مولوی۔ لدھیانہ ۲۳۱، ۲۳۴، ۲۳۷، ۲۳۸، ۳۳۵
عبد القادر المغربی، الشیخ ۴۱۸
عبد القادر ثانی، شیخ ۳۱
عبد القادر جیلانی، سید ۱۹۶، ۲۵۲، ۲۷۰

عبدالقدوس گنگوہی، شیخ ۳۱
عبدالقدوس، منشی ایڈیٹر "صحیفہ قدسی" ۴۳۳، ۴۳۴
عبدالقیوم، مولوی ۲۱۰
عبدالقیوم ندوی ۴۱۸
عبدالکریم، حکیم مولوی ۳۹۱، ۳۹۲
عبدالکریم سیالکوٹی ۹۹، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۴۸، ۲۴۹، ۳۴۱، ۳۴۲
۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۸۲، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۲۵، ۴۳۳، ۴۳۴،
۴۴۰، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۵۹، ۴۷۳ تا ۴۷۵، ۴۹۲، ۴۹۳، ۵۲۱
۵۳۲، ۵۴۵، ۵۶۱، ۵۶۳، ۵۶۵، ۵۶۷، ۵۷۱، ۶۱۷، ۶۳۹
عبداللطیف۔ خلیفہ پیر صاحب العلم ۲۰۹، ۳۱۱، ۵۵۲
عبداللہ، پادری ۴۸۴
عبداللہ، حاجی۔ مرید پیر صاحب العلم ۲۰۰
عبداللہ، مولوی ۳۴۱
عبداللہ آرچی، سر ۵۱۲
عبداللہ انصار۔ ایک صوفی بزرگ ۵۲۹
عبداللہ ایڈووکیٹ، خان بہادر شیخ ۳۹۷
عبداللہ بن ہلال ۲۷۲
عبداللہ بیگ، مولوی ۵۱۵
عبداللہ تبتی، شیخ ۴۰۰
عبداللہ ٹونکی ۵۵۳، ۵۵۸، ۵۶۴
عبداللہ حکیم، میاں ۲۹۹
عبداللہ چکڑالوی ۲۷۱
عبداللہ سنوری ۱۹۸، ۲۰۹، ۲۳۹، ۲۶۷، ۲۶۸
۲۷۴ تا ۲۷۷، ۲۸۳، ۳۴۱، ۳۶۳ تا ۳۶۷
۳۷۰، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۸۰، ۳۹۲
۳۹۸، ۳۹۹، ۴۳۶
عبداللہ عرب، حاجی ۳۰۷ تا ۳۱۱، ۵۵۲
عبداللہ غازی، شاہ ۱۰۳
عبداللہ غزنوی ۱۳۲، ۱۳۳
۱۳۶، ۱۶۴، ۱۷۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۴۶۶
عبداللہ مجتہد، مولوی ۴۱۰
عبداللہ النہشادی الغزی ۴۱۸، ۵۳۰
عبداللہ ہارون، سیٹھ ۴۷۹
عبدالماجد دریا آبادی، مولانا ۴۷۹
عبدالمجید، شہزادہ ۲۳۱، ۲۴۰، ۲۶۵،
۳۹۵، ۳۹۸، ۴۶۸، ۵۵۳
عبدالمجید انصاری، مولوی ۴۲۴
عبدالمجید خادم سوہدروی ۲۱۲
عبدالمجید کپورتھلوی، خان ۴۶۸، ۴۷۵
عبدالمغنی۔ جہلم، مولوی ۵۷۵، ۵۷۷، ۵۸۳
عبدالمنان وزیر آبادی ۵۵۳
عبدالمنصور، مولوی ۱۶۲
عبدالواحد منشی۔ تحصیلدار ۶۴
عبدالواحد غزنوی ۵۵۳
عبدالوحید خلیفہ۔ ترکی ۶۱۰
عبدالوہاب النجار ۴۱۸
عبداللہ مولانا ۶۵۳
عبداللہ بسمل ۵۰۳، ۵۰۴

عدنان ڈاکٹر ۶۱۰
عزیز احمد، مرزا ۴۱
عشق علی خان ۲۳۸
عصمت صاحبہ، صاحبزادی ۲۴۷، ۲۸۱، ۲۸۲
عطا محمد، شیخ ۴۶۰، ۴۶۱
عطا محمد، مرزا ۳۴، ۳۸، ۴۰، ۱۰۴، ۱۵۰
عطا محمد منشی۔ امرتسر ۴۹۱
عطر سنگھ، سردار ۱۸۶
عظیم، میاں ۶۲۴
عظیم بخش حافظ۔ پٹیالہ ۳۸۸
علاء الدین خاں، نواب مرزا ۱۸۶
علم دین، ڈاکٹر ۳۹۸
حضرت علیؓ ۲۸، ۳۲۶
علی لدھیانوی، قاضی خواجہ ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۸
۳۴۱، ۳۷۵، ۴۱۰
علی احمد بھاگلپوری، پروفیسر ۴۶۸
علی احمد وکیل، شیخ ۱۴۷، ۱۴۸، ۶۲۴، ۶۲۵
علی بن شریف مصطفیٰ، سید ۴۹۹
علی شیر، مرزا ۶۱
علی طائع۔ مکہ ۴۹۹
علی قادری ۲۰۰
علی گوہر۔ کپور تھلہ ۴۶۳
علی محمد خاں، نواب ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۳۸، ۳۹۴، ۴۱۰
علی محمد شاد عظیم آبادی، سید ۳۹۱
علی میاں، حافظ سید ۴۷۰
عماد الدین، خلیفہ ۵۶۴
عماد الدین، پادری ۲۵۴، ۲۶۳، ۵۰۰، ۵۱۱
عمر کشمیری ۹۸، ۹۹
عمر الدین شملوی ۳۸۹، ۳۹۰
عمر دراز، حافظ ۱۲۳
عمر النساء صاحبہ ۳۳۳
عمر ہیوبرٹ رینکن ۵۱۶
عنایت اللہ، مولوی ۳۹۶
عنایت اللہ المشرقی، علامہ ۴۹۱، ۵۲۳، ۵۲۵
عنایت بیگم ۳۲۵
عنایت علی، سید میر ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳۸
حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۴، ۲۲۷، ۲۵۳، ۳۸۴، ۳۹۵
۴۰۵، ۴۰۷، ۴۲۵، ۴۳۶، ۴۵۲، ۴۸۵، ۵۱۷
۵۲۳ تا ۵۳۰، ۶۱۵، ۶۱۶

غ

غزالی، امام ۱۹۶
غفارا، میاں ۷۵، ۱۴۵، ۲۴۰
حضرت غلام احمد قادیانی، مرزا۔ مسیح موعود مہدی معہود
۱، ۱۷، ۲۳، ۴۱، ۴۲، ۴۸، ۵۱، ۵۲، ۷۹، ۹۴، ۱۲۷، ۱۴۲
۱۶۴، ۱۶۷، ۱۷۴، ۱۷۶، ۲۲۴، ۲۳۶، ۲۴۴، ۲۶۵، ۳۰۳
۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۹، ۳۳۴، ۳۹۴، ۴۳۲، ۴۵۵، ۴۷۴، ۵۱۴
۵۵۸، ۵۶۰، ۵۶۷، ۵۶۹، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۹۲، ۵۹۳
۶۲۱، ۶۲۳، ۶۳۳
غلام الحسنین خواجہ پانی پتی ۱۶۸
غلام اللہ قصوری ۴۶۸

غلام اللہ، مرزا ۲۰۸
غلام امام، مولوی۔ منی پور ۴۶۸
غلام جیلانی، مرزا ۲۳
غلام حسن۔ رئیس امرتسر ۲۵۴
غلام حسن پشاوری ۴۴۸، ۵۷۷
غلام حیدر شہزادہ ۴۲۱
غلام حیدر مرزا ۱۰۴
غلام حیدر خان، راجہ۔ ریڈر ۶۲۳، ۶۲۶، ۶۳۱
غلام دستگیر قصوری ۴۰۰، ۵۵۱، ۵۵۳
غلام رسول، مولوی آف قلعہ میاں سنگھ ۵۳، ۵۹
غلام رسول مولوی عرف رسل بابا ۵۰۳، ۵۵۱
غلام رسول راجیکی ۶۴۳
غلام رسول مدرس ہوشیار پور ۲۹۹
غلام رسول وزیر آبادی، حافظ ۶۴۳
غلام غوث، ڈاکٹر ۴۴۲
غلام فرید، خواجہ ۴۷۶، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۳
غلام قادر۔ سنور ۲۳۹
غلام قادر، مرزا ۴۰، ۴۱، ۵۰، ۵۱، ۶۲، ۷۰، ۱۰۳، ۱۲۳
۱۳۰، ۱۴۴، ۱۴۵، ۲۲۳تا۲۲۶، ۳۲۵
غلام قادر فصیح، منشی ۴۱۰، ۴۱۳، ۴۲۵، ۴۴۳، ۴۶۶،
۴۸۴، ۵۲۱، ۵۳۲
غلام محمد، حاجی ۳۳۴
غلام محمد، صوفی ۱۳۵، ۵۴۱، ۵۴۵
غلام محمد مولوی، بیگووالہ
غلام محمد، مولوی۔ کپور تھلہ ۴۶۴
غلام محمد امرتسری خوشنویس ۴۹۵
غلام محمد سیالکوٹی، منشی ۵۲۱، ۵۷۳
غلام محمد گلگتی، خاں بہادر ۴۶۸
غلام محی الدین، مرزا ۲۳، ۴۰، ۴۱، ۱۰۴، ۲۱۹
غلام محی الدین قصوری ۴۶۱
غلام مرتضیٰ بھیروی ۴۳۶
غلام مرتضیٰ مرزا ۲۳، ۳۴، ۳۹تا۴۱، ۵۰، ۵۲، ۵۴، ۵۹،
۶۴، ۶۵، ۶۹، ۷۰، ۷۳، ۷۹، ۸۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۸، ۱۲۲،
۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۴
غلام نبی، حکیم ۶۳۳
غلام نبی، میاں ۱۱۰
غلام نبی خوشابی، مولوی ۴۰۳تا۴۰۵، ۴۱۶، ۴۴۸
غلام نبی مصری، مولوی ۶۴۳
غلام نظام الدین ۵۵۳
غیاث الدولہ ۳۳، ۳۶

ف

حضرت فاطمہ الزہراء ؓ ۱۲۸، ۱۲۹
فاطمہ بیگم خادمہ حضرت اماں جان ۲۴۶
فتح الدین، حافظ ۶۵۴
فتح الدین مولوی۔ سیالکوٹ ۶۳، ۶۴
فتح چند ۲۷۲
فتح خاں آف ٹانڈہ ۲۷۵، ۲۷۶
فتح دین، بابو ۷۳

فتح دین مدرس، مولوی ۲۹۹

فتح سنگھ، راجہ ۳۴، ۴۰

فتح علی خان قزلباش، نواب ۵۵۸

فتح محمد سیال ایم۔اے، چوہدری ۳۹۲، ۶۵۴

فتح مسیح، پادری ۳۲۷تا۳۳۰، ۳۳۴، ۵۳۱

فردوسی ۲۸، ۲۹

فریدالدین عطار ۲۷۲

فرید گنج شکر ۲۱۵، ۵۳۶

فضل، سید۔ قسطنطنیہ کے بزرگ ۳۱۱

فضل احمد، قاضی ۳۲۱

فضل احمد، مرزا ۶۱، ۶۸، ۲۹۰

فضل احمد، مولوی ۵۴، ۵۵، ۵۷

فضل الدین دوکاندار۔ سیالکوٹ ۹۲، ۹۹

فضل الدین کشمیری۔ سیالکوٹ ۹۹

فضل الدین کھاریاں، مولوی ۴۶۸

فضل الدین وکیل، مولوی۔ لاہور ۶۲۵

۶۲۸تا۶۳۰، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵

فضل الرحمٰن، حکیم ۲۱۵

فضل الٰہی ۵۴، ۵۵

فضل دین۔ سیالکوٹ ۸۲، ۸۳

فضل دین بھیروی، حکیم ۴۲۵، ۵۱۸

فضل حسین، مہاشہ ۶۵۳

فضل شاہ، سید ۴۴۸

فضل محمد، میاں۔ ہرسیاں ۵۷۵

فضیلت علی، سید ۴۲۵، ۴۴۸

فقیراللہ، ماسٹر ۴۹۲، ۵۷۵

فنذر، ڈاکٹر ۱۱۳، ۱۳۲، ۵۳۱

فیاض علی کپور تھلوی، منشی ۴۳۵

فیض احمد جہلمی ۳۸۸

فیض محمد، مرزا ۳۲، ۳۴

ق

قاسم علی، میر ۲۱۸

قدرت اللہ، مولوی۔ بٹالہ ۱۱۴، ۱۱۷

قدرت اللہ خاں شاہجہانپوری ۴۹۲

قراچار ۲۷، ۳۱

قطب الدین، حکیم ۲۳۳، ۲۵۴

قمرالدین سیکھوانی، مولوی ۲۱۵

قیصر روم ۵۳۱

قیصر روم ثالث ۶۱۵

ک

کابلی مل ۵۳۲

کارلائل ۴

کالیہ بواداس ۱۰۳

کانشی رام، لالہ ۵۵۸

کرسٹرائیڈر لینڈ ۵۲۵

کرشن جی، راجہ ۵۹۶

کرم دین، مولوی ۵۱۵

کرم علی کاتب، منشی ۶۴۳

کریک مسٹر ۲۹
کشن سنگھ، بھائی ۱۱۵، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۵۵، ۱۹۳، ۲۵۸
کلاویجو ۲۶
حضرت کلثوم اخت ہارون ۳۳۴
کمال الدین، خواجہ ۱۷۲، ۵۱۴، ۵۲۱، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۶۰، ۶۳۹، ۶۵۴
کمال الدین، مرزا ۱۲۷
کمال الدین پاشا ابن عثمان پاشا ۶۰۹
حضرت کنفیوشس ۳۰۶
کنور سین، لالہ ۵۶، ۵۹، ۸۷
کنہیالال، منشی ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۷
کنہیالعل صراف ۷۵
کیشب چندر سین، بابو ۱۶۳
کھڑک سنگھ، پنڈت ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۶۸

گ

گاس، ایف سٹین ۲۴
گب، ایچ اے آر ۲۸، ۴۴
گرس وولڈ فورمین، ایچ ڈی ۲۹
گرے، پادری ایچ جی ۶۳۲
گریفن، سرلیپل ۲۹، ۳۹، ۴۱، ۴۷، ۲۲۱، ۲۲۲
گری گوریف، پروفیسر ۲۸
گوپال راؤ، پنڈت ۱۵۲
گلاب دین رہتاسی، منشی ۴۶۸
گلاب سنگھ، منشی ۲۹۹
گلاب شاہ مجذوب بزرگ ۴۶۴
گل علی شاہ ۵۴، ۵۵، ۵۹
گل محمد، مرزا ۳۲ تا ۳۷، ۴۰، ۴۶، ۱۰۳
گنگا بشن، لالہ ۵۹۷ تا ۵۹۹
گوپی ناتھ ۸۷، ۵۵۸
گوردھن داس، پنڈت ۵۵۸، ۵۶۱، ۵۶۲
گنیش داس وکیل، لالہ ۲۹۹
گھانسی رام، بابو ۵۹۲

ل

لاڈلی بیگم، مائی ۱۰۴
لچھمن رام ۲۷۲
لچھمن، لالہ ۲۹۸
لچھمن سنگھ، لالہ ۲۹۹
لنگر خان ۴۰
لوتھرپ سٹاڈرڈ ۴
لوری جے سی پادری ۵۰
لی آن کھوم، مورخ ۲۵
لیکھرام، پنڈت ۱۸۰، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۲۲، ۲۵۴، ۲۵۶ تا ۲۶۱، ۲۸۰، ۲۸۲، ۲۸۳، ۳۰۰، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۱۲، ۳۲۰، ۳۲۴، ۴۷۷، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۸، ۴۹۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۷ تا ۵۹۹، ۶۰۱، ۶۲۰، ۶۲۲
لیمار چند۔ ایس پی گورداسپور ۵۹۹، ۶۳۱، ۶۳۲
لیوپولٹ ۸۹

م

مارٹینو، سرائے ای ۶۲۱
مارخم ۲۷
مارس انڈس ۳، ۴
مارٹسن، جے ۵۵۸
مبارک احمد، مرزا ۲۴۸، ۲۹۵
مبارک علی، مولوی ۵۴
مبارکہ بیگم، سیدہ نواب ۲۴۶، ۲۴۸، ۵۸۶، ۵۸۷، ۶۰۰، ۶۱۲
مٹھن لال ۹۵
محبوب عالم، مولوی۔ سیالکوٹ ۹۷، ۹۹، ۱۳۲
محبوب عالم، مولوی۔ ایڈیٹر پیسہ اخبار ۶۰۸، ۶۴۲
محکم دین، بابو ۳۷۹
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۱، ۴، ۵، ۸، ۹، ۱۳، ۱۴، ۵۷، ۶۳، ۱۱۲، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۱۱، ۲۳۷، ۲۷۸، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۱۱، ۳۱۷، ۳۲۷، ۳۹۰، ۳۹۷، ۴۷۱، ۴۷۵، ۵۰۱، ۵۰۹، ۵۳۱، ۵۳۸، ۵۷۸
محمد ابراہیم علی خاں نواب ۲۳۸
محمد احسن، مرزا ۳۲۵
محمد احسن امروہی، سید ۳۷۹، ۴۰۹، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۸، ۴۴۳، ۴۵۷، ۴۸۴، ۴۹۳، ۴۹۶، ۵۰۲، ۵۳۲
محمد احمد مظہر ایڈووکیٹ، شیخ ۵۴۳
محمد اروڑا خان، منشی ۲۰۹، ۲۱۶، ۳۴۱، ۳۶۸، ۳۷۰، ۴۱۴، ۴۲۵، ۴۶۲
محمد اسحاق، مرزا ۳۲۵
محمد اسحاق، مولوی پٹیالہ ۴۳۵، ۴۳۶
محمد اسحاق، سید میر ۲۵۲، ۳۴۳
محمد اسحاق نبیرہ شاہ ۲۵۲
محمد اسلم۔ جرنلسٹ امرتسر ۱۴، ۱۵
محمد اسماعیل، چوہدری ۶۳۸
محمد اسماعیل، مولوی امرتسر ۳۹۶
محمد اسماعیل، مولوی علی گڑھ ۳۷۶
محمد اسماعیل، سید میر ۲۵۲، ۴۲۱، ۵۲۲، ۵۳۳، ۵۴۳
محمد اسماعیل سرساوی، شیخ ۴۹۲
محمد اشرف، مرزا ۵۴۲، ۵۴۵
محمد افضل، بابو ۴۹۲
محمد افضل خاں ۱۸۶
محمد اقبال، ڈاکٹر سر ۳، ۲۱، ۹۴، ۱۰۶، ۲۸۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۹، ۴۷۹
محمد اکرام ایم۔ اے، شیخ ۱۹، ۲۳۰، ۴۱۹
محمد امام الدین، مولوی ۳۱۵
محمد امیر خاں، خان ۲۶۵
محمد بخش۔ میاں بٹالہ ۵۹۹، ۶۰۳، ۶۳۲
محمد بخش سنور ۲۳۹
محمد بخش بٹالوی ۶۳۰
محمد بخش حجام۔ قادیان ۱۹۵
محمد بخش سانده۔ میاں ۴۸۲، ۴۸۳
محمد بدر عالم میرٹھی ۲۱۴

محمد بشیر بھوپال، مولوی ۵۵۳
محمد بشیر سہسوانی، مولوی سید ۴۳۱ تا ۴۳۳، ۴۳۸
محمد بن شیخ احمد مکی، شیخ ۴۴۸، ۴۹۹
محمد بہاؤالدین، شیخ ۱۸۶
محمد بیگ، مرزا ۵۰
محمد بیگ مرزا۔ مرزا احمد بیگ کے بیٹے ۳۲۵
محمد تفضل حسین، سید ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۹
محمد جعفر تھانیسری، مولوی ۳۳۴
محمد جلال الدین بلانوی، منشی ۳۷۹، ۴۴۲، ۵۴۵
محمد جی بخاری ۲۱۰
محمد چٹو، بابا ۲۵۵
محمد چراغ، مولوی ۴۷۳، ۴۷۴
محمد حسن، مولوی ۲۳۶، ۴۱۰، ۴۱۲
محمد حسن خاں، خلیفہ سید ۱۸۶، ۲۳۹، ۳۳۰
محمد حسن، واعظ بابا ۵۴۲
محمد حسین، حکیم ۴۶۸، ۵۴۴
محمد حسین ڈاکٹر۔ لاہور ۳۸۴
محمد حسین قریشی ۲۷۱
محمد حسین، مولوی۔ سبز پگڑی والے ۶۳۰
محمد حسین بٹالوی ۳۰، ۵۵
۵۶، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۳۳
۱۵۴، ۱۶۷، ۱۷۲
۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۹۷، ۲۰۸، ۲۲۱ تا ۲۲۳
۲۴۷، ۲۷۵، ۳۱۲، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۸۵، ۳۹۱، ۳۹۶، ۳۹۹
۴۰۰، ۴۰۶ تا ۴۱۳، ۴۲۲، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۳۱، ۴۳۹، ۴۶۱
۴۶۲، ۴۶۴ تا ۴۶۷، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۹، ۴۹۰، ۵۰۳، ۵۰۴
۵۰۶، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۶، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۷، ۵۴۸
۵۵۱، ۵۵۳، ۵۵۸، ۵۶۱، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۸، ۵۷۰
۵۹۸، ۶۰۵، ۶۲۲، ۶۲۵ تا ۶۳۰، ۶۳۶
محمد حسین خوشنویس، شیخ ۳۴۱، ۳۸۵
محمد حسین مراد آبادی ۱۹۱
محمد خاں کپور تھلوی ۲۰۹، ۲۱۴، ۳۴۱، ۳۶۸، ۳۷۰
۴۲۵، ۴۷۰، ۵۲۱
محمد دین فوق ۳۹۱
محمد رضا شیبی ۳۹۰
محمد رضا طہرانی نجفی، شیخ ۵۸۶
محمد سرور شاہ، مولوی سید ۳۹۸، ۴۹۲
محمد سعید، میر ۴۲۵، ۴۹۵
محمد سعید، مولوی ۱۴۸
محمد سعیدی شامی، السید ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۹۹
محمد شاہ ۳۴
محمد شریف، حکیم۔ دلی ۱۳۰، ۱۴۰
محمد شریف بنگلوری، مولوی ۱۳۵، ۱۷۵
محمد شریف کلانوری، حکیم ۱۴۳، ۱۵۴، ۱۸۹، ۲۴۵، ۲۴۷
محمد شفیع قاری، حافظ ۸۲
محمد صادق، مفتی ۱۸، ۲۴۸، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۶۷، ۳۸۱، ۴۱۳
۴۴۸، ۴۹۲، ۴۹۶، ۵۲۱
محمد صادق ہاشمی ۱۵۰

محمد صالح۔ عرب نوجوان ۹۶
محمد ظفراللہ خان، چوہدری سر ۶۵۵
محمد ظہور الدین اکمل، قاضی ۴۹۲، ۶۴۳، ۶۵۴
محمد عبدالعزیز، شیخ ۵۰۱
محمد عبداللہ، شیخ ۲۸۹
محمد عبداللہ، ملک ۶۵۳
محمد عبداللہ، قاضی ۳۸۲، ۵۸۳
محمد عبداللہ خاں، مولانا۔ پٹیالہ ۳۳۱، ۳۸۸، ۴۳۶
محمد عبدہ، علامہ مفتی ۴۱۸، ۵۳۰
محمد عثمان، مولوی ۴۲۳
محمد عسکری خاں، سید ۴۴۸
محمد علی ایم۔اے، مولوی ۲۲، ۴۹۲، ۵۷۳، ۶۳۹، ۶۴۳
محمد علی جوہر، مولانا ۳۹۲
محمد علی خاں، کرنیل ۴۶۲
محمد علی خاں، نواب ۵۴، ۴۴۸، ۴۹۲، ۵۵۳، ۵۸۷
محمد علی شاہ، سید ۷۲، ۸۰
محمد علی کانپوری، سید ۵۷۰، ۵۷۱
محمد عمر، حکیم ۲۴۰
محمد غوث، شیخ ۳۱
محمد فخرالدین فخر، مولوی سید ۵۶۹
محمد فرخ سید غازی، شہنشاہ ۳۲، ۳۳
محمد فضل چنگوی، مولوی ۶۴۳
محمد قدرت اللہ، مولوی ۳۳۴
محمد قاسم، مولوی ۱۴۲
محمد قاسم۔ بیگو والہ ۵۳
محمد قاسم نانوتوی ۳۹۷
محمد لدھیانوی ۱۷۳
محمد لطیف۔ انبالہ ۳۰۲
محمد لکھوکے، حافظ ۵۰۱
محمد مارماڈیوک پکتھال
محمد مبارک علی، مولوی ۴۹
محمد مختار پاشا ۴۶، ۳۶۶
محمد میاں، مولوی سید ۹۱
محمد ناصر، خواجہ ۲۴۲، ۲۴۳
محمد یاسین، میاں ۵۳
محمد یعقوب، منشی ۱۳۳، ۴۶۷
محمد یوسف حافظ، امرتسر ۲۰۹، ۲۱۵، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۵۴
محمد یوسف، مولوی ۱۷۷
محمد یوسف وکیل، خواجہ ۴۲۶
محمدی بیگم ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۲، ۳۲۵، ۳۲۷
محمود بیگ، مرزا ۳۲۵
محمود شلتوت ۴۱۸
محمود عباس عقاد ۵۳۰
محمود علی خاں چھتاری ۱۸۶
محمودہ بیگم بنت مرزا احمد بیگ ۳۲۵
محی الدین ابن عربی ۵۰، ۱۹۶، ۲۷۴، ۳۹۸
محی الدین غازی ۱۹
مختار احمد شاہ جہانپوری ۲۹۴، ۴۶۸، ۴۷۰، ۵۶۴

مدن گوپال مدن، پنڈت ۵۹۲، ۶۰۳
مراد بیگ جالندھری، مرزا ۹۳، ۹۷
مراد بیگم صاحبہ ۵۰، ۱۰۴
مراد علی ۲۵۸
مرتضیٰ حسن خاں، مولوی ۳۹۸
مردان علی، مولوی ۴۴۸
مرلی دھر۔ ہوشیار پوری ۲۶۰، ۲۴۳، ۲۷۶، ۲۹۶، ۳۰۱، ۳۰۲
حضرت مریم علیہ السلام ۱۰۲، ۱۰۳، ۳۴۴
مشتاق احمد انبیٹھوی، مولوی ۴۰۰
مشتاق حسین، نواب وقار الملک سید ۳۹۱
مصر صاحب دیال ۴۰
مصطفیٰ المراغی، الاستاذ ۴۱۸
مصطفیٰ علی، ڈاکٹر ۲۹۹
مصطفیٰ کمال پاشا ۶۱۰
مظفر علی قزلباش ۴۶۹
مظہر حسین، حکیم۔ سیالکوٹ ۹۴
معین الدین چشتی، شیخ ۵۳۶
معین الدین، حافظ ۱۲۱، ۱۳۵، ۱۴۵، ۲۰۸، ۳۷۹
۴۷۳، ۴۷۴
معراج الدین عمر، میاں ۳۷۱، ۴۴۸، ۵۲۳
مکنیب۔ ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ ۸۶
مکے شاہ ۱۳۲
مکھن لال ۵۹
ملاوامل، لالہ ۱۱۵، ۱۲۱، ۱۳۵، ۱۴۳، ۱۹۳، ۲۰۶، ۲۴۳

۲۳۵، ۲۴۴
ممتاز علی امتیاز، سید ۳۹۱، ۳۹۲
منٹگمری ۸۹
منصب علی، حکیم ۸۲، ۹۷، ۹۹
منظور محمد، پیر ۲۰۹، ۲۴۳
۲۴۵، ۲۷۲، ۲۸۵، ۴۶۸، ۵۹۹، ۶۱۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام ۱۹۲، ۳۴۶، ۳۸۶
موسیٰ، مولوی ۲۳۴
موسیٰ جار اللہ ۲۱۴
مولراج، دیوان ۴۰
موہن لال، پنڈت ۲۵۸
مہاراج سنگھ ۴۰
مہر علی شاہ گولڑوی، پیر ۴۵۵
مہر علی شیخ۔ ہوشیار پور ۲۱۶، ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۹۹، ۳۳۸
مہریشی لکھ ۱۵۲، ۶۱۳
مہدی حسین۔ میر ۴۹۲، ۴۹۵
مہدی سوڈانی ۲۲۱، ۵۱۳
مہدی علی خاں، نواب محسن الملک ۳۹۱، ۳۹۲، ۵۴۰
میراں بخش، منشی ۴۵۴، ۴۵۶
میراں بخش حجام ۱۰۱
میر حسن سیالکوٹی ۸۲، ۹۴، ۹۵، ۹۸، ۲۰۸
میسی مسٹر ۲۹، ۳۹
میکانکی مسٹر ۱۳۹
میکائیل برک ۵۲۸

میکنزی، پروفیسر ۴

میلکم ۲۵

ن

نارائن سنگھ ۸۷، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۹

ناصر شاہ، سید ۲۰۹، ۴۹۲، ۴۹۳

ناصر نواب، میر ۱۲۰، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۵، ۲۰۸، ۲۳۹، ۲۴۳

۲۴۶، ۴۴۴، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۵، ۵۱۹، ۵۳۳

ناظم حسین، سید ۶۳۷، ۶۳۸

نانک، بابا ۵۳۲ تا ۵۳۷، ۶۰۲

نبی بخش حافظ۔ فیض اللہ چک ۲۰۸

نبی بخش، صوفی ۴۶۸

نبی بخش، میاں۔ امرتسر ۳۹۶

نبی بخش پٹواری، منشی ۱۱۳، ۱۱۴

نبی بخش ذیلدار۔ بٹالہ ۳۲۸

نرائن داس، لالہ ۲۵۵، ۲۹۹

نذیر حسین دہلوی، مولوی ۱۳۶، ۲۴۵

۴۲۲، ۴۲۴ تا ۴۲۷، ۴۲۹، ۴۳۹، ۴۶۵، ۵۵۳

نصر اللہ۔ عیسائی ہیڈ ماسٹر ۹۲، ۹۹

نصرت جہاں بیگم، حضرت سیدہ ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۴۶،

۲۴۸ تا ۲۵۰، ۲۵۲، ۳۱۲، ۳۴۲، ۳۶۷، ۳۸۱، ۴۲۱،

۵۱۸، ۶۰۰، ۶۱۲

نظام الدین، مرزا ۴۱، ۷۵، ۲۶۴، ۳۱۶، ۳۲۰، ۳۲۵

نظام الدین، مولوی ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۱۰، ۵۱۵

نظام الدین، میر ۲۳۲

نظام الدین بریلوی نیازی، شاہ ۴۰۱

نعمت اللہ ولی ہانسوی ۲۷۴، ۴۶۴، ۵۰۱

نقاو بمس، حکیم ۵۲۴

نکلسن، جنرل ۴۰، ۴۱

نور احمد، شیخ۔ مالک مطبع ریاض ہند ۱۹۰، ۱۹۱، ۳۷۴

۳۸۵، ۳۸۶، ۴۱۴، ۴۲۰، ۴۷۲، ۵۹۴، ۶۱۱، ۶۱۲

نور احمد، شیخ ۱۳۵

نور الحسن قنوجی، سید ۲۱۴

نور الدین، الحاج حکیم مولانا۔ خلیفہ المسیح ۱۴، ۲۲

۴۲، ۱۸۰، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۸۵، ۲۸۸، ۳۱۲، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۶۲

۳۶۳، ۳۶۶، ۳۸۰ تا ۳۸۲، ۴۰۶، ۴۱۲، ۴۴۳، ۴۴۹، ۴۵۶

۴۷۴، ۴۸۰، ۴۸۴، ۴۸۶، ۴۹۲ تا ۴۹۴، ۴۹۶، ۵۱۹، ۵۲۱

۵۳۲، ۵۳۵، ۵۴۸، ۵۵۶، ۵۸۷، ۶۰۰، ۶۱۷، ۶۲۰، ۶۲۸

۶۳۰، ۶۳۹

نور الدین جمونی، خلیفہ ۴۴۸، ۴۸۴

نور الدین، ملک ۵۷۵

نور الدین، مولوی ۵۱۵

نور اللہ، مولوی ۱۴۲

حضرت نوح علیہ السلام ۳۰

نور دین آف بٹالہ، پادری ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۳۲

نور محمد، حافظ ۲۰۸، ۳۷۹

نور محمد، شیخ ۴۶۰

نونہال سنگھ ۴۰

نہال چند، پنڈت ۲۵۸، ۲۷۴، ۶۳۲

نیاز احمد بریلوی ۵۵۳
نیاز محمد خاں نیاز فتحپوری ۴۷۴

و

وارث، شیخ ۶۳۲
وارث دین، پادری ۶۲۱
وکٹوریہ، ملکہ ۹۰، ۴۷۵، ۴۷۶، ۶۱۳تا۶۱۷
ولی اللہ، شاہ۔ محدث دہلوی ۲۰۲، ۲۱۰
ولی اللہ، حاجی۔ کپور تھلہ ۲۱۴
ولفرڈ سکاون بلنٹ ۲۱
ولیم بنٹنگ، جنرل لارڈ ۵۰
ولیم سن، ایس جی ۱۴
ونچورا، جرنیل ۴۰
وہیری، میرس ۵۹
ویڈ، کیپٹن ۵۰
ویمبرے، اے ۲۴، ۲۶تا۲۸
ویورڈگار، پادری ۱۵

ہ

ہادی بیگ، مرزا ۲۳، ۲۹، ۳۱، ۳۲، ۴۰
ہاڈسن ۴۱
ہدایت علی، حافظ ۱۹۳
ہربرٹ ایڈورڈز، سر ۹۱
ہربرٹ وائٹ بریغٹ شانٹن ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۴
ہرچرن داس ۶۲۳
ہرکرن، پنڈت ۲۷۲
ہرکشن داس، بابو ۲۹۹
ہنٹر، پادری ۱۰۶
ہنری سوم ۲۶
ہنری لارنس ۸۹، ۹۱
ہنری مارٹن کلارک ۴۸۲تا۴۸۴، ۵۰۵، ۶۲۰
۶۲۱، ۶۲۴، ۶۲۶تا۶۳۰، ۶۳۶، ۶۴۰، ۶۴۲
ہنسراج، لالہ ۵۹۱
ہیڈلے، لارڈ ۵۱۴
ہیڈن، اے سی ۳۰
ہیرا سنگھ، سر ۲۵۴
ہیرلڈ لیم ۲۴
ہسٹنگز، مسٹر ۴۴
ہینز ۵۲۶

ی

یافث ۳۰
حضرت یحیٰ علیہ السلام ۳۳۴
یحیٰ بن عقب ۲۷۴
یعقوب بیگ، مرزا ۴۶۸، ۵۳۲، ۵۹۰، ۵۹۱
یعقوب علی عرفانی، شیخ ۵۳، ۸۷، ۹۵، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۱۷، ۱۱۹
۲۱۸، ۲۵۸، ۲۹۰، ۳۰۱، ۳۴۱، ۳۶۳تا۳۶۷، ۳۷۸
۴۰۸، ۴۴۴، ۴۵۸، ۴۹۲، ۴۹۶، ۶۳۳، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۵۳
ینگسن، مسٹر ۸۸
یوحنا، ڈاکٹر ۵۰۴

یوحنا مسیح، بابو	۱۱۳
یوسف	۶۳۲،۵۲۵
یوسف سلیم چشتی، پروفیسر	۲۱
یوسف شاہ، خواجہ۔ امرتسر	۴۶۷،۴۶۶،۲۵۴
حضرت یونس علیہ السلام	۳۲۶

مقامات

آ

آرہ ۳۸۸
آسٹریلیا ۱۵
آگرہ ۳۸۸
اٹک ۵۰
اٹلی ۵۲۶
اجمیر ۶۱۲، ۶۱۳
ارجنٹائن ۵۳۰
اسلام آباد (لندن) ۴۴۷، ۴۴۸
اشانٹی (غانا) ۱۴
اعظم گڑھ ۳۸۸
افریقہ ۱۵تا۱۷، ۱۹، ۵۰۰
الجیریا ۲۲۷، ۲۲۸
الہ آباد ۵۷۲
امرتسر ۷۱، ۸۴، ۱۰۱، ۱۲۴، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۵۳تا۱۵۵، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۹، ۱۹۰، ۲۵۶، ۲۶۹، ۳۸۸، ۳۹۲، ۳۹۵، ۳۹۶، ۴۱۳تا۴۱۵، ۴۲۱، ۴۶۵، ۴۶۷، ۴۷۲، ۴۸۲، ۴۸۴، ۴۸۹، ۴۹۲، ۵۰۳، ۵۱۲، ۵۷۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۶۲۳، ۶۲۵، ۶۲۷، ۶۳۰، ۶۳۲، ۶۳۵
امروہہ ۴۹۶
امریکہ ۸، ۹، ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۱۹، ۱۶۴، ۲۶۹، ۲۷۱، ۳۰۶تا۳۱۱، ۵۰۱، ۵۲۷، ۵۷۳
انبالہ ۲۳۹، ۳۰۲، ۳۱۱، ۳۳۹، ۵۷۲
انڈونیشیا ۲۲۸، ۵۴۵
انڈیمان ۴۵۲
انگلستان ۱۱، ۴۴، ۶۹، ۸۹، ۱۶۴، ۲۲۷، ۲۵۴، ۶۱۵
اوجلہ ۶۲۳
اوردکی ۱۵۶
اودھ ۸۹
ایران ۲۸، ۲۹، ۱۱۲، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۴۰، ۴۷۳، ۵۲۹
ایشیا ۱۵، ۱۹، ۲۴، ۲۵۴، ۲۶۹
ایمہ ۵۱، ۱۰۱

ب

بالاکوٹ ۳۳۴
بٹالہ ۵۴، ۵۵، ۷۱، ۷۳، ۷۵تا۷۷، ۸۶، ۱۰۱، ۱۱۱تا۱۱۳، ۱۳۵، ۱۹۵، ۲۰۹، ۲۱۵، ۳۲۸، ۳۳۴، ۳۸۸، ۵۹۴، ۵۹۹، ۶۲۰، ۶۲۴تا۶۲۷، ۶۳۰، ۶۳۲
بخارا ۲۸، ۱۲۹، ۵۷۸
بروسا ۶۱۰
بریلی ۱۹۶، ۴۰۲
بغداد ۴، ۴۵، ۸۹، ۲، ۵۷۸
بلخ ۳۲
بمبئی ۱۵۲، ۳۰۹، ۵۷۲، ۵۹۳

بنارس ۸۹، ۳۸۸

بنگال ۱۶۴، ۳۸۸

بنگلور ۱۳۵، ۵۷۲

بنوں ۵۰

بہادر حسین (گورداسپور) ۵۱

بیروت ۴

بیگووال ۳۴، ۴۰

بھاگووال ۳۴، ۴۲

بھوپال ۲۲۱، ۳۸۸

بھیرہ ۳۳۹، ۴۹۴، ۵۷۲

بھینی ۴۲، ۶۹

پ - ت - ٹ

پاکستان ۹، ۱۶، ۱۸، ۲۴۹

پٹنہ ۳۸۸

پٹیالہ ۲۱۵، ۲۳۹، ۲۴۴، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۹، ۳۹۲، ۴۳۵، ۴۳۶، ۵۷۲

پشاور ۳۷، ۳۹، ۴۰، ۵۰، ۳۸۸، ۵۷۲

پنجاب ۲۹، ۳۱ تا ۳۳، ۳۹ تا ۴۱، ۵۰، ۶۹، ۸۸ تا ۹۰، ۱۵۲، ۱۵۳، ۲۴۴، ۳۱۰، ۳۳۴، ۴۴۳، ۴۶۱، ۵۱۲، ۵۴۱

پونہ ۳۰۹

تاشقند ۳۲

تتلہ ۱۳۰، ۱۳۱

ترکی ۲۸، ۲۹، ۲۲۷، ۲۲۸، ۳۷۴، ۶۰۴، ۶۰۷، ۶۰۹، ۶۱۰

ترہٹ ۳۸۸

تیونس ۲۲۷، ۲۲۸

ٹانڈہ ۲۷۵

ج - چ - ح - خ

جاپان ۵۹

جالندھر ۲۱۶، ۳۳۹، ۳۹۲، ۴۶۳

جرمنی ۶۱۰

جمال پور۔ لدھیانہ ۴۶۴

جموں ۵۰، ۸۰، ۲۰۹، ۲۱۳، ۳۳۹، ۳۶۶، ۴۵۲، ۵۷۲

جنڈیالہ ۴۸۲، ۴۸۶

جورن ۵۲۶

جہلم ۳۸۸، ۵۷۲، ۶۲۰

جھنہٹ ۳۶۶

جھنگ ۵۰

چاچڑاں شریف ۴۷۶، ۵۵۱

چاند پور ۱۶۲

چنیوٹ ۵۴۵

چھلیانوالہ ۶۹

چین ۵۹

حبش ۵۲۳

حجاز ۵۰۰، ۶۱۰

حسن آباد ۱۳۸

حیدر آباد دکن ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۸۸، ۴۵۲، ۵۷۲

خراسان ۳۱

خوارزم ۲۸

خوست ۳۳۹

خوشاب ۵۷۲

ختن ۳۲

خیردی ۱۳۲، ۱۳۳

و – ڈ – ر

دمشق ۲۹۳،۴

دوراہہ ۳۳۲

دہلی ۳۳، ۳۴، ۳۷، ۴۱، ۴۶، ۵۶، ۸۹، ۱۱۱، ۱۴۰
، ۲۴۴ تا ۲۴۶، ۳۸۸، ۳۹۲، ۴۲۱، ۴۲۳، ۴۲۴
، ۴۲۷ تا ۴۳۰، ۴۳۲، ۵۹۳، ۶۱۴

دینانگر ۷۹

دیوبند ۳۸۸، ۴۰۰

ڈلہوزی ۷۱، ۷۶، ۷۷

ڈنمارک ۵۳۰

ڈیرہ بابا نانک ۵۳۲، ۵۳۳

ڈیرہ دون ۵۷۲

راجستھان ۱۶۲

راولپنڈی ۱۵۳، ۳۸۸، ۵۷۲، ۵۷۶، ۶۲۵، ۶۲۷

ربوہ ۴۴۴، ۴۴۶، ۴۴۷

رنگون ۳۱۰

روس ۲۵

روکوپور ۱۵

روم ۴۵، ۱۱۲

س – ش

سراوہ ۱۷۸

سری گوبند پور ۴۳، ۱۳۹

سرینگر (کشمیر) ۵۲۰، ۵۲۸

سکندر آباد (دکن) ۶۵۳

سکندریہ (مصر) ۵۲۳

سلطان ونڈ (امرتسر) ۶۲۱

سمرقند ۲۷ تا ۲۹، ۳۱، ۳۵، ۴۰، ۴۴ تا ۴۶

سم شریف (گورداسپور) ۱۳۲

سندھ ۵۵۱

سنگھڑ ۴۰۲

سنور ۳۳۲ ۲۱۵، ۲۳۹

سوات ۳۸۸

سوجان پور ۲۷۴، ۳۸۸

سوڈان ۲۲۸

سورج گڑھ ۲۵۲

سوغدیانہ (سغد) ۲۷، ۲۹

سوہدرہ ۳۸۸

سہارنپور ۳۸۸، ۴۰۲، ۴۰۳

سہسواں ۴۳۱

سیالکوٹ ۴۱، ۷۹ تا ۹۵، ۱۰۰، ۱۰۸
، ۱۱۸، ۱۳۸، ۳۳۹، ۳۸۸، ۳۹۲، ۴۳۵
، ۴۴۳، ۴۵۸ تا ۴۶۱، ۵۷۲، ۶۲۵، ۶۲۷

سیرالیون ۱۵

سیکھواں ۶۲۳، ۶۲۴

شام ۱۱۲، ۲۹۳، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۷۸، ۶۱۰

شاہ پور ۳۶۶، ۵۷۲

شتاب کوٹ ۱۳۸

شعب عامر ۴۹۹

شملہ ۳۳۰، ۵۷۲

ص ـ ض ـ ط ـ ظ

صوابی ۲۰۶

طائف ۵۷۸

طرابلس ۴۷۳، ۶۱۰

طہران ۴

ع ـ غ

عراق ۴۸۹، ۵۰۰، ۶۱۰

عرب ۱۱۲، ۲۲۷، ۴۷۳، ۴۹۹

علی گڑھ ۳۶۱، ۳۷۶، ۳۸۲، ۳۸۸، ۴۱۱

غازی پور ۳۸۸

غزہ ۵۳۰

غوث گڑھ ۳۶۶

ف

فرانس ۵۲۶، ۶۱۰

فرغانہ ۲۸

فرید کوٹ ۲۵۵

فلپائن ۳۱۳

فیروز پور ۴۹۵

فیروزوالہ ۵۴

ق

قادیان ۴، ۱۴، ۱۵، ۱۷، ۲۳، ۳۲ تا ۴۲، ۴۷، ۴۹ تا ۵۱
، ۵۴، ۵۵، ۶۹ تا ۷۶، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۳، ۱۳۷،
۱۳۹ تا ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۴۸، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۹۳ تا ۱۹۵، ۲۰۷، ۲۰۹،
۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱۸، ۲۲۹، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۵، ۲۴۶،
۲۴۹، ۲۵۴ تا ۲۶۰، ۲۶۴، ۲۶۷، ۲۷۱، ۲۷۴ تا ۲۷۶، ۲۸۹،
۳۰۲، ۳۰۶ تا ۳۱۱، ۳۳۴، ۳۳۷، ۳۶۶، ۳۷۷، ۳۸۱،
۳۹۷، ۴۱۵، ۴۲۱، ۴۴۰، ۴۴۳ تا ۴۴۸، ۴۵۸، ۴۶۴، ۴۶۹
۴۷۰، ۴۷۲، ۴۹۲ تا ۴۹۴، ۴۹۶، ۵۰۱، ۵۱۸، ۵۳۶، ۵۳۷،
۵۴۵، ۵۵۹، ۵۷۶، ۵۹۴، ۵۹۷، ۵۹۹، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۱۶
۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۳ تا ۶۲۵، ۶۳۹، ۶۴۲، ۶۵۳، ۶۵۴

قاہرہ ۴، ۱۲

قسطنطنیہ ۲۴۰، ۳۱۱، ۵۲۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۱۰

قصور ۵۰

قوقند ۲۸

قبچاق ۲۵

ک ـ گ

کابل ۴۶۸، ۵۴۸

کاشغر ۲۸

کامبیہ ۱۵

کانپور ۳۸۸
کانگڑہ ۵۰، ۳۶۶
کاہلواں ۷۹
کپور تھلہ ۳۴، ۱۱۰، ۱۴۰، ۲۱۲، ۳۳۹، ۳۷۰
، ۳۸۸، ۴۱۴، ۴۳۵، ۴۴۲، ۵۷۲
کٹک ۳۰۹
کراچی ۶۰۷
کریٹ ۶۰۷
کڑیانہ ۳۶۶
کش ۴۴
کشمیر ۱۰۲، ۲۸۹، ۵۱۷، ۵۲۰، ۵۲۲، ۵۲۸، ۵۳۰
کلانور ۸۰
کلکتہ ۳۰۹
کنجاہ ۵۵۵
کھارا ۴۲، ۶۹
گجرات ۶۹، ۳۸۸، ۴۷۰
گنگوہ ۳۸۸، ۴۰۰، ۴۰۱
گوالیار ۲۶۱
گوجرانوالہ ۲۶۱، ۳۳۹، ۵۹۴
گورداسپور ۲۹، ۴۰، ۴۱، ۷۱، ۷۲، ۱۳۳، ۱۳۵ تا ۱۳۷
، ۱۶۴، ۲۱۲، ۳۳۹، ۵۱۲، ۵۷۲، ۵۹۳، ۵۹۹
، ۶۲۳ تا ۶۲۵، ۶۲۷، ۶۳۱، ۶۳۵، ۶۵۴
گولیکی ۶۵۴

گوہد پور ۹۶
گیرو (غزنی) ۱۳۶
گھاٹا ۱۲

ل

لاہور ۳۹، ۷۱، ۷۲، ۱۳۷، ۱۵۳، ۱۵۴، ۲۴۴، ۲۵۴
۲۵۵، ۲۷۱، ۲۸۵، ۳۲۲، ۳۸۴، ۳۸۸، ۴۰۲، ۴۰۳،
۴۰۸، ۴۰۹، ۴۳۹، ۴۴۴، ۴۴۶، ۴۵۴، ۴۵۷، ۴۹۲، ۴۹۵
۵۵۴ تا ۵۵۶، ۵۶۰، ۵۷۰، ۵۷۲، ۵۸۶، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۴،
۵۹۵، ۶۰۴، ۶۱۴، ۶۲۴، ۶۳۳، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۵۳، ۶۵۴
لبنان ۶۱۰
لدھیانہ ۳۷، ۳۹، ۵۰، ۸۸، ۹۰، ۱۸۰ تا ۱۸۲، ۲۳۱ تا ۲۴۰
، ۲۴۴، ۲۶۶، ۳۳۲، ۳۳۵، ۳۳۷ تا ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۶۲،
۳۶۶، ۳۷۴، ۳۷۶، ۳۸۰، ۳۸۴، ۳۸۸، ۳۹۲، ۳۹۳،
۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۸، ۴۰۰، ۴۰۳، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۳، ۴۱۵،
۴۱۷، ۴۲۱، ۴۳۵، ۴۶۳، ۵۷۲، ۶۲۵
لکھنؤ ۸۹، ۳۸۸
لکھوکے ۳۸۸، ۴۰۰
لنڈن ۴، ۴۴۴، ۵۱۰، ۵۳۱، ۵۷۸، ۶۱۵
لیبیا ۲۲۸
لیگوس ۱۵

م

ماسکو ۲۵
مالٹا ۶۱۰

مالیر کوٹلہ ۲۳۸تا ۲۴۰، ۲۴۴، ۳۳۹، ۳۶۶
مٹھن کوٹ ۴۸۷
مدار ۲۰۹، ۲۱۵
مدراس ۳۰۹، ۵۷۲
مدینہ منورہ ۴۶۸، ۵۳۶
مراد آباد ۲۵۵، ۳۸۸، ۳۹۷
مراد ۶۵۴
مراکش ۲۲۷، ۲۲۸
مرسیا (سپین) ۲۹۳
مصر ۴۵، ۲۲۷، ۲۲۸، ۴۷۳، ۵۰۰، ۵۲۳، ۵۳۰، ۶۵۳
مکہ ۴، ۳۹۰، ۴۵۲، ۴۶۸، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۳۶، ۵۳۷
ملتان ۴۰، ۴۳، ۵۰، ۶۹، ۲۴۴، ۵۳۶، ۵۹۱، ۶۳۷، ۶۳۸
ممباسہ ۵۷۸
منٹگمری ۳۱۵
منیلا ۳۰۷، ۳۰۹
میرٹھ ۳۳۹

ن ـ و

نائیجیریا ۱۵
نجد ۲۲۷
نصیبین ۲۴۱
نصیر آباد ۶۱۴
نکودر ۳۱۴
ننگل ۴۲، ۶۹
واشنگٹن ۴
وزیر آباد ۳۸۸، ۵۷۲

ہ

ہالہ ۳۱۳
ہڈسن (نیویارک) ۳۱۳
ہرات ۵۲۹
ہزارہ ۴۰، ۵۰، ۳۸۸
ہندوستان ۱۳، ۲۵، ۲۹، ۳۳، ۴۱، ۴۵، ۴۶، ۵۰، ۵۶، ۸۸، ۸۹، ۱۱۲، ۱۵۲، ۱۶۴تا۱۶۶، ۱۷۸، ۱۷۹، ۲۰۹، ۲۲۱، ۲۲۷، ۲۳۱، ۲۴۲، ۲۵۴، ۲۷۴، ۳۰۷تا۳۰۹، ۳۸۸، ۳۹۷، ۴۴۳، ۴۷۳، ۴۹۹، ۵۱۰، ۵۲۸، ۵۳۰، ۵۳۱، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۱۴، ۶۱۷
ہوشیار پور ۲۰۹، ۲۷۳تا۲۷۷، ۲۹۶، ۳۰۱، ۳۳۸، ۶۲۳

ی

یورپ ۳، ۶، ۸، ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۱۹، ۲۲۷، ۲۵۴، ۲۶۹، ۵۷۳، ۶۵۳، ۶۵۴
یروشلم ۱۷
یونان ۶۱۰

کتابیات
BIBLOGRAPHY

تفسیر

درمنثور ۲۱
فتح البیان ۳۳۴، ۴۳۷
کتاب فی حروف اوائل السور ۲۱۴

حدیث

ابن ماجہ ۴۳۷، ۴۸۷، ۵۳۹
ابو داؤد ۵۳۹
بحار الانوار ۲۱۴، ۲۹۳
بخاری ۴۴، ۶۴، ۴۳۷، ۴۵۷، ۴۶۹، ۵۳۹
ترمذی ۴۳۷، ۵۳۹
دار قطنی ۵۱۵، ۵۳۹
سفر السعادة ۶۴
کنز العمال ۳۳۳
مرقاة شرح مشکوٰة ۲۰۲
مسلم ۲۱۴، ۵۳۹
مشکوٰة ۴۴، ۲۹۳
موطا ۵۳۹
نسائی ۵۳۹

کتب حضرت مسیح موعود

آریہ دھرم ۵۳۲، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۴۵
آسمانی فیصلہ ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۹، ۴۵۵، ۴۵۷
آئینہ کمالات اسلام ۴۷، ۵۷، ۶۰، ۷۸، ۱۵۱، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۷۱، ۲۹۳، ۲۹۴، ۳۳۳، ۴۴۹، ۴۷۰، ۴۷۲، ۴۷۸، ۴۸۷، ۴۸۹، ۴۹۶
اتمام الحجہ ۵۰۳
اربعین ۴۴
ازالہ اوہام ۳۷، ۴۶، ۴۷، ۶۰، ۲۱۴ تا ۲۱۷، ۲۴۰، ۲۶۶، ۲۷۲، ۳۶۴، ۳۸۹، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۳۷، ۴۵۲، ۴۶۳، ۴۷۰، ۵۷۷
استفتاء ۵۹۰، ۶۰۱
اسلامی اصول کی فلاسفی ۵۵۵، ۵۷۳، ۵۷۵، ۵۷۶
اعجاز احمدی ۲۳۰
التبلیغ ۴۷۲ تا ۴۷۵، ۴۸۹، ۴۹۶
الحق مباحثہ لدھیانہ ۴۰۶، ۴۰۹
الحق مباحثہ دہلی ۴۳۴، ۴۳۸
الوصیت ۲۱۴، ۲۵۲
انجام آتھم ۲۸۴، ۲۹۲، ۲۹۴، ۳۳۳، ۴۱۶، ۴۸۷، ۵۰۹، ۵۱۵
انوار الاسلام ۵۰۴، ۵۰۹، ۵۱۵، ۵۱۹
ایک غلطی کا ازالہ ۲۳۰

براہین احمدیہ ۲۱، ۵۷، ۶۰، ۱۰۵، ۱۱۷، ۱۳۱، ۱۵۰
۱۷۰تا۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۷تا۲۰۰، ۲۱۳تا۲۱۶، ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۲۹
۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۶، ۲۴۳، ۲۵۲، ۲۷۳، ۳۷۶، ۳۹۳، ۴۳۱
۴۵۶، ۵۱۴

برکات الدعا ۴۸۱

پرانی تحریریں ۱۶۸

تبلیغ رسالت ۱۶۸، ۱۹۸، ۲۷۱
۲۹۳، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۷۵، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۹۹، ۴۳۷
۴۳۸، ۴۴۹، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۸۸، ۴۹۶، ۵۱۵

تجلیات الٰہیہ ۱۱۷، ۲۱۴

تحفہ بغداد ۴۸۹، ۴۹۹

تحفہ قیصریہ ۴۷، ۶۱۳تا۶۱۶

تحفہ گولڑویہ ۴۴، ۲۱۴، ۵۱۵

تریاق القلوب ۶۰، ۱۰۵، ۱۳۶، ۱۹۸
۲۱۴، ۲۵۲، ۲۸۴، ۲۹۲، ۲۹۴، ۲۹۵، ۴۸۷

تذکرہ ۲۱، ۱۱۷، ۲۷۲

تذکرۃ الشہادتین ۲۱

توضیح مرام ۳۸۴، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۹، ۴۵۷

جنگ مقدس ۴۸۴، ۴۸۸، ۵۰۰

چشمہ معرفت ۴۴، ۲۱۴

حجۃ الاسلام ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۸

حجۃ اللہ ۶۱۰، ۶۱۱

حقیقۃ المہدی ۵۵۳

حقیقۃ الوحی ۴۴، ۴۹، ۸۴، ۱۰۵، ۱۹۷
۱۹۸، ۲۱۴، ۲۳۰، ۲۷۱، ۲۸۴، ۲۹۴، ۳۹۸، ۵۴۶، ۶۵۴

حمامۃ البشریٰ ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۱۵

درثمین (عربی) ۴۸۷

دیوان فرخ قادیانی (درمکنون) ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۵۱

سبز اشتہار ۲۸۲تا۲۸۵، ۲۹۳، ۲۹۴

ستارہ قیصرہ ۴۷

ست بچن ۵۳۲، ۵۳۶، ۵۴۴، ۶۰۲

سچائی کا اظہار ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۷، ۴۸۸، ۵۱۵

سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ۶۱۷

سرالخلافہ ۲۸۴، ۲۹۴، ۵۰۳، ۵۰۴

سراج منیر ۱۱۷، ۲۴۵، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۹۴، ۵۹۰، ۶۰۱، ۶۰۳

سرمہ چشم آریہ ۱۶۹، ۲۶۰، ۲۶۱
۲۷۱، ۲۷۲، ۲۹۶، ۲۹۹تا۳۰۱، ۳۰۳، ۳۱۳، ۴۵۶

شحنہ حق ۱۶۸، ۲۵۲، ۳۰۴تا۳۰۶، ۳۱۳

شہادۃ القرآن ۴۸۹، ۴۹۱، ۵۱۳

ضیاء الحق ۵۰۴، ۵۰۹، ۵۱۵، ۵۴۳

فتاویٰ مسیح موعود ۶۵۴

فتح اسلام ۳۷۷، ۳۸۳تا۳۸۹

قادیان کے آریہ اور ہم ۱۱۷

کرامات الصادقین ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۶، ۴۹۹

کتاب البریہ ۳۵، ۴۴، ۴۷، ۵۹، ۶۸، ۷۸، ۱۰۵

۱۰۷، ۱۱۷، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۵۰، ۲۰۱، ۶۲۰، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۵۴

کشف الغطاء ۴۷

لجہ النور ۴۷، ۱۱۷

لیکچر سیالکوٹ ۱۰۷

مکتوبات احمدیہ ۱۶۸، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۳۰

۲۴۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۳۰۳، ۳۷۸، ۳۸۲ تا ۳۸۴، ۴۵۲، ۵۵۳

منن الرحمٰن ۵۲۰ تا ۵۲۲، ۵۴۳

نزول المسیح ۱۳۵، ۲۳۰، ۲۹۵، ۳۳۴، ۴۸۷، ۴۸۸

نشان آسمانی ۴۶۴

نعمۃ الباری ۱۴۹

نور الحق حصہ اول ۵۰۰، ۵۱۳، ۵۱۵، ۵۳۱

نور الحق حصہ دوم ۴۸۷، ۵۰۲، ۵۳۱

کتب خلفاء سلسلہ

الازہار لذوات الخمار ۴۹۶

تصدیق براہین احمدیہ ۱۸۰، ۳۱۲

چشمہ ہدایت ۲۱

دعوت الامیر ۱۱۷

سیرت مسیح موعود ۴۷، ۱۰۶، ۲۳۰، ۳۶۷، ۴۸۸

مرقاۃ الیقین ۲۱۷، ۳۸۱، ۴۹۷

کتب مصنفین سلسلہ

آریہ سماج اور پرچار کے سادھنا میں ۱۴۲، ۱۶۹

آئینہ حق نما ۴۶۹

احمد دی پرامز ورلڈ ٹیچر ۵۷۶

احمدیت کا مستقبل ۴۸۰

احمدیہ جنتری ۵۷۷

اچھی مائیں ۴۸۰

ارجح المطالب فی مناقب اسد اللہ الغالب ۵۰۳

اسلامی خلافت کا نظریہ ۴۸۰

اشتراکیت اور اسلام ۴۸۰

اصحاب احمد ۲۱۶، ۲۳۰، ۳۶۸

۴۴۲، ۴۴۹، ۴۷۰، ۴۹۶، ۵۱۵، ۵۱۶، ۶۵۳

الحجۃ البالغہ ۴۸۰

الواح الہدیٰ ۶۵۴

ام الالسنہ ۵۴۳

امتحان پاس کرنے کے گر ۴۸۰

انعامات خداوند کریم ۱۹۷

انگریز اور بانی سلسلہ احمدیہ ۶۸، ۱۰۵، ۵۱۶

ایک اور تازہ نشان ۴۸۰

ایک سو پچیس برس کی جنتری ۳۱۷

تأثرات قادیان ۲۲

تاریخ احمدیت ۶۵۵

تاریخ مالابار ۶۵۳

تائید براہین احمدیہ ۳۱۴

تائید حق ۳۰۸، ۳۱۳

تائید نشان آسمانی ۴۶۹

تبلیغ ہدایت ۴۸۰

تحریک احمدیت کا اثر سکھوں پر ۵۴۵

تربیتی مضامین ۴۸۰

تذکرۃ المہدی ۵۹، ۶۸، ۷۸

۲۱۵، ۳۹۸، ۴۰۹، ۴۱۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۴۹

تصدیق المسیح ۴۸۰

جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات ۳۹۲

جماعتی تربیت کے اصول ۴۸۰

چالیس جواہر پارے ۴۸۰

حضرت مسیح موعود کے مختصر حالات ۱۰۶

حیات احمد ۴۷، ۵۹، ۶۸، ۷۸، ۱۰۶، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۳۵

۱۵۱، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۳۰، ۲۴۱، ۲۵۲، ۲۷۱، ۲۷۲

۳۰۳، ۳۱۴، ۳۸۰ تا ۳۸۳، ۳۹۹، ۴۱۶، ۴۳۸، ۴۶۹، ۴۷۰

۴۸۰، ۴۸۸، ۴۹۷، ۵۱۵، ۶۵۳

حیات النبیؐ ۴۶، ۴۷، ۵۹، ۶۰

۶۸، ۷۸، ۱۰۱، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۷

۱۳۵، ۱۳۶، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۶۸، ۲۱۴، ۲۳۰، ۶۵۳

حیات قدسی ۶۵۴

حیات ناصر ۱۳۶، ۲۵۲

ختم نبوت کی حقیقت ۴۸۰

درعدن ۵۸۷

ذکر حبیب ۱۰۷، ۱۱۷، ۱۵۰

۳۱۳، ۳۶۷، ۳۸۱، ۳۹۸، ۴۱۶، ۴۹۶، ۵۷۶، ۶۰۳

رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب ۵۷۶

رپورٹ جلسہ سالانہ ۴۶۹

رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۴۵۰، ۴۵۱

رپورٹ مجلس مشاورت ۳۸۲

رجسٹر بیعت اولیٰ ۳۴۳، ۳۴۴،

۳۶۶ تا ۳۶۸، ۳۷۳، ۳۷۸، ۴۱۶

روایات صحابہ ۱۳۵، ۱۳۶، ۴۱۶، ۴۹۶، ۶۵۳

روحانیت کے دو زبردست ستون ۴۸۰

سلسلہ احمدیہ ۳۶۷، ۳۸۱، ۴۷۹، ۵۷۶

سیرت المہدی ۴۴، ۴۶، ۴۸، ۵۹، ۶۰، ۶۸، ۷۸، ۱۰۵

۱۰۷، ۱۱۷، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۵۰، ۲۳۰، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۵۲، ۲۹۳

۳۱۳، ۳۶۴، ۳۶۶، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۳، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۱۶

۴۳۷، ۴۶۹، ۴۸۷، ۴۹۶، ۴۹۷، ۵۱۵، ۵۴۳

سیرت ام المومنین ۲۵۲، ۶۵۳

سیرت خاتم النبیین ۴۷۹، ۴۸۷

سیرت طیبہ ۴۸۰

سیرت مسیح موعود (از مولانا عبد الکریم سیالکوٹی) ۲۵۲، ۴۹۶

سیرت مسیح موعود (از عرفانی صاحب) ۵۹، ۱۳۵، ۱۵۰

۲۵۲، ۲۷۲، ۴۶۹، ۵۴۳، ۶۵۳

صداقت مریمیہ ۱۰۷

طبی ماۃ عامل ۵۴۴
ظہور المسیح ۶۵۴
ظہور المہدی ۶۵۴
عاقبۃ المکذبین ۵۵۳
عسل مصفّٰی ۳۸۲، ۵۴۳
قادیان ۴۷
قادیان کا خونی روزنامچہ ۴۸۰
قتل مرتد اور اسلام ۶۵۳
قرآن کا اول و آخر ۴۸۰
کلمۃ الفصل ۴۸۰
لائف آف احمد ۶۸، ۱۱۷، ۳۴۵
۱۶۸، ۲۴۱، ۲۵۲، ۲۷۲، ۳۰۳، ۳۱۳، ۳۶۵، ۳۸۱
مجدد اعظم ۱۶۸، ۲۱۷
مرکز احمدیت ۶۵۳
مسئلہ جنازہ کی حقیقت ۴۸۰
مکتوبات اصحاب احمد ۶۵۳
نور احمد ۱۹۸، ۳۹۷، ۴۳۳، ۴۷۰، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۹۷
نیا سال اور ہماری ذمہ داریاں ۴۸۰
واقعہ صلیب مسیح کی چشم دید شہادت ۵۲۳
ہمارا خدا ۴۸۰

اسلامیات

آثار قیامت ۲۱
احوال الآخرۃ ۵۱۵
اربعین فی احوال المہدیین ۲۰۲، ۲۹۳، ۴۶۹، ۵۱۵
اشارات فریدی ۲۵۲، ۴۸۷، ۵۱۴
اظہار الحق ۲۹۴
اظہار حق ۴۸۸
اعجاز التنزیل ۲۴۱
اقتراب الساعۃ ۲۰۲، ۵۱۴
الامر ۴۳۷
الخصائص الکبریٰ ۲۱۴
المہدیہ فی الاسلام ۵۱۵
تذکرہ (علامہ مشرقی) ۵۲۵
تذکرۃ الاولیاء ۲۷۲
ترجمان السنۃ ۲۱۴
دلائل الخیرات ۶۴
جواہر الاسرار ۵۸۸
حجج الکرامۃ ۲۰۲، ۳۹۸
حکمت بالغہ ۴۳۷
حیات المسیح و کشوف العصر الحدیث ۵۳۰
خطبات نبوی ۴۳۷
شمس المعارف ۲۹۳
طبقات ناصری ۴۴
فتوح الغیب ۶۴

فتوحات مکیہ ۲۹۳، ۳۹۸
فصوص الحکم ۴۹
گلدستہ کرامات ۲۵۲
مثنوی مولانا روم ۶۴، ۲۹۳
مذاہب اسلام ۲۳۰
مقابیس المجالس ۴۸۷
مقالات جمال الدین افغانی ۲۱
مکتوبات مجدد الف ثانی ۳۳۴
ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر ۴۶۹

سیرت و تاریخ

آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی ۴۳۷
آور مشنز ان انڈیا ۵۹
اٹھارہ سو ستاون کی جنگ آزادی ۳۳۴
اکبر نامہ ۲۹
الانساب مغل ۲۹
انساب الترک ۲۹
ایران بعہد ساسان ۴۵
ایریانہ اینٹی ۴۵
ایک خوفناک سازش ۲۹۴
بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد ۴۶
بین الاقوامی معلومات اور حالات حاضرہ ۴۳۷
پنجاب کا زمیندارہ رواج ۲۳
تاریخ اقوام عالم ۲۵
تاریخ التعلیم ۱۰۵
تاریخ انقلابات عالم ۲۳۰
تاریخ اہل حدیث ۵۹
تاریخ بشارت السند و پاکستان ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۱۷، ۱۵۱، ۲۸۸، ۵۴۴
تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ ہند ۱۴۸
تاریخ کامل ۴۸۷
تاریخ ملل قدیمہ ۴۵
تاریخ ہند و پاکستان ۴۶
تاریخ ہندوستان ۴۵
تحریک قادیان ۱۲۵، ۱۲۹
تذکرہ رؤساء پنجاب ۲۹، ۳۹، ۴۷، ۲۷۱
تذکرہ علماء پنجاب ۵۹
ترک وسط ایشیا میں ۴۵
ترکستان ۲۷
تزک تیموری ۲۷
تعارف ۲۱، ۴۶
تواریخ عجیبہ ۳۳۴
جمزس ڈائڈ ان کشمیر ۵۲۸
چیفس اینڈ فیمیلیز آف نوٹ ان دی پنجاب ۳۹
حیات جاوید ۳۹۱
حبیب السیر ۲۹

حدیقہ محمودیہ ۳۳۴
خامی خاں ۲۹
خلیفہ قادیان ۱۹۷، ۲۹۴
دربار تیمور میں سفارت ۴۵
دی پریچنگ آف اسلام ۳۱۳
ذکر اقبال ۱۰۶، ۲۹۴، ۴۶۹
روضہ الضبط ۲۹
رود کوثر ۴۶، ۵۴۴
سرگذشت ۲۹۴
سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۱۰۶
سیرت احمد شہید ۵۹
سیرت ثنائی ۱۳۶، ۲۱۶، ۲۵۲، ۵۵۲
شمشیر خالصہ ۳۲، ۴۶
ظفر نامہ ۲۷، ۲۹
علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ۱۰۵، ۱۰۶
عمدۃ التواریخ ۳۴، ۴۶
مآثر صدیقی ۲۳۰
مقدمہ تاریخ ہند قدیم ۴۵
منتخب اللباب ۲۹
موج کوثر ۲۲، ۲۳۰، ۲۵۲، ۴۳۷، ۵۴۵
مہدی سوڈانی ۵۱۶
نسل انسانی اور اس کی تقسیم ۴۵
نقش آزاد ۴۳۷
وسط ایشیا میں عربوں کی فتوحات ۴۵
ہارٹ آف ایشیا ۴۵
ہسٹری آف بخارا ۴۴، ۴۵
ہسٹری آف پرشیا ۴۵
ہسٹری آف منگول ۴۴
ہمارا ہندوستان اور اس کے فضائل ۳۹۷
ہماری بادشاہی ۶۱۹
یونیورسل جغرافی ۴۵

کتب مخالفین سلسلہ

انہزام کادیانی ۳۹۸
تاریخ مرزا ۲۱۶
تکذیب براہین احمدیہ ۱۸۰، ۱۹۷، ۲۶۱، ۳۰۴، ۳۱۴
حیات المسیح ۵۰۳
حرف محرمانہ ۴۹۶
حقیقت اختلاف ۲۹۴
خبط احمدیہ ۲۶۰، ۲۷۲، ۳۰۰، ۳۰۲
خبط قادیانی ۶۰۲
دافع الاوہام ۵۹۱، ۶۰۳
عصائے موسیٰ ۲۱۶
فتح رحمانی ۵۵۱
قادیانیت ۲۱، ۱۹۷، ۳۰۳

کلمہ فضل رحمانی	۳۳۳
گل شگفت	۲۷۱

کتب دیگر مذاہب

انجیل	۳۱۶٬۳۲۵، ۴۸۵، ۵۱۵، ۵۳۱، ۵۳۸
آہنسا کا اوتار	۶۰۳
انسانی دنیا میں ایک لاثانی ظہور	۱۶۹
امہات المومنین	۵۴۱
بائیبل	۱۵۶، ۱۱۳، ۴۸۵، ۵۲۷
تحفہ الہنود	۹۴
تحفہ ہند	۹۴
توریت	۳۱۶
توزین الاقوال	۵۰۰
جنم ساکھی بھائی بالا	۵۳۷، ۵۴۴
خلعت الہنود	۹۴
دیو آتما اور اس کا الوکک جیون برت	۱۶۸
دیو سماج کے بارے میں مختصر بات چیت	۱۶۹
دی فیوچر آف اسلام	۲۱
دی مشن۔ آر کلارک لندن	۱۰۵، ۱۰۶
دی نیو ورلڈ آف اسلام	۲۱
رنگیلا رسول	۵۴۱
ستیارتھ پرکاش	۱۶۸، ۲۹۷، ۲۹۹
سوامی دیانند اور ان کی تعلیم	۱۶۸، ۱۶۹
طالمود	۲۹۳
کرانسٹ آر محمدؐ	۲۲
کلیات آریہ مسافر	۲۳۰، ۲۷۱، ۲۹۳
گورپد نر	۵۴۵
میزان الحق	۱۱۳، ۱۳۲
ورتمان	۵۴۱
وید	۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۳، ۳۰۵، ۵۹۲
ہندوتو	۱۶۴

متفرق

انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا	۲۴، ۲۷، ۴۴، ۴۵، ۵۲۵
بیان اللسان	۴۴
توفیقات الہامیہ	۴۵، ۴۹، ۱۶۸، ۳۶۶، ۳۷۰، ۳۷۴
دیوان شبیہی	۳۹۸
غیاث اللغات	۴۵
طب اکبر	۱۳۲
طب روحانی	۱۹۷، ۲۳۶
قانونچہ	۸۶
لطائف للغہ	۴۴
مثنوی پس چہ باید کرد	۲۱
مجموعہ مکاتیب اقبال	۲۱، ۴۶۹
موجز	۸۶
میخانہ درد	۲۵۲

ARTADHARM ۶۰۳
CREATION ۱۳۵
HUMAN ORIGIN ۴۳۷
Kurt Berna Daslinner ۵۲۶
The Story of Eclipses ۵۱۵

اخبارات و رسائل

اخبار ۔ آزاد ۔ لاہور ۲۱، ۴۳۷
آریہ درپن ۱۵۶، ۱۵۷
اخبار ۔ آفتاب ۔ لاہور ۱۱۹، ۱۵۴، ۱۵۹
اخبار ۔ آفتاب ہند ۵۹۴
رسالہ ۔ استقلال ۔ لاہور ۲۲
رسالہ ۔ اشاعۃ السنۃ ۔ لاہور ۲۱، ۴۵، ۶۰، ۱۱۹، ۱۷۲،
۱۷۹، ۱۸۰، ۱۹۱، ۱۹۷، ۲۲۲، ۲۳۰، ۳۰۰، ۳۰۳، ۳۳۳، ۳۸۶،
۳۸۷، ۳۹۷ تا ۳۹۹، ۴۱۶، ۴۶۳، ۴۹۶، ۵۱۳، ۵۱۵، ۵۱۶،
۵۳۵، ۵۹۸
اخبار ۔ الاعتصام ۔ گوجرانوالہ ۵۱۶
اخبار ۔ البدر قادیان ۴۴۴، ۴۹۶، ۶۴۳، ۶۵۴
رسالہ ۔ البشریٰ ۔ حیفا ۵۴۴
رسالہ ۔ البصیر ۔ چنیوٹ ۳۹۷
اخبار ۔ الحکم ۔ قادیان ۴۴۴، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۵۳
الرسالہ مصر ۴۳۷
رسالہ ۔ العربی ۔ الکویت ۳۹۸
اخبار ۔ الفتح ۔ مصر ۱۸
رسالہ ۔ الفرقان ۔ ربوہ ۳۴۳، ۵۴۳
اخبار ۔ الفضل ۔ قادیان و ربوہ ۳۹۲، ۴۴۴
رسالہ ۔ المنار ۔ مصر ۵۳۰، ۵۴۴
رسالہ ۔ المنبر ۔ فیصل آباد ۱۹۸
رسالہ ۔ المواہب ۔ ارجنٹائن ۵۳۰
اخبار ۔ امروز ۱۰۶
اخبار ۔ انڈین اینٹی کویری ۴۶۹
اخبار ۔ انیس ہند ۔ میرٹھ ۵۹۳
رسالہ ۔ اہل سنت ۔ امرتسر ۳۰۳
اخبار ۔ ایشین ٹائمز ۴۵۲
اخبار ۔ برادر ہند ۔ لاہور ۱۱۹، ۱۵۸، ۱۶۹
اخبار ۔ پنجاب ابزرور ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۷۶
اخبار پنجاب سماچار ۵۹۷
اخبار پنجابی اخبار ۱۲۳
اخبار پیسہ اخبار ۔ لاہور ۱۹۷، ۴۵۵، ۵۹۶، ۶۴۲
اخبار پیغام صلح ۔ لاہور ۴۶۹
رسالہ ۔ تذکرہ ۔ کراچی ۴۳۷
رسالہ ۔ تشحیذ الاذہان ۲۸۵
اخبار ۔ جنرل و گوہر آصفی ۔ کلکتہ ۵۶۷، ۵۶۹
رسالہ ۔ جیون دھرم ۱۶۲

رسالہ ۔ چٹان ۔ لاہور ۴۳۷
اخبار ۔ چشمہ نور ۔ امرتسر ۱۵۶، ۲۵۸
اخبار ۔ چودھویں صدی ۔ راولپنڈی ۵۶۶
۵۶۷، ۵۷۶، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷
خالصہ سماچار ۔ امرتسر ۵۴۴
رسالہ ۔ خدام الدین ۲۱
رسالہ خط و کتابت ۳۳۳
رسالہ دلگداز ۔ لکھنؤ ۳۹۲
اخبار ۔ دی انگلش میل ۵۷۴
اخبار ۔ دی اینگلو بیلجین ٹائمز ۔ برسلز ۵۷۴، ۵۷۵
اخبار ۔ دی برسٹل ٹائمز اینڈ مرر ۵۷۴
اخبار ۔ دی ڈیلی نیوز ۔ شکاگو ۵۷۴
اخبار ۔ دیش و ہندوستان ۶۳۳
اخبار ۔ ڈیلی گزٹ ۔ امریکہ ۳۰۶، ۳۱۳
اخبار ۔ رندھیر ۵۹۲
اخبار ۔ رہبر ہند ۔ لاہور ۵۹۴
اخبار ۔ ریاض ہند ۔ امرتسر ۱۱۹، ۱۵۶
۳۳۴، ۳۷۴، ۳۷۴، ۳۸۲
رسالہ ۔ ریویو آف ریلیجنز ۴۸۰، ۵۴۳، ۶۵۳، ۶۵۴
اخبار ۔ زمیندار ۔ لاہور ۱۰۶، ۲۸۸
اخبار ۔ سراج الاخبار ۔ جہلم ۵۶۶
اخبار ۔ سفیر ہند ۔ امرتسر ۱۱۹، ۱۵۴، ۱۶۲، ۱۷۹، ۱۹۱
اخبار ۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ ۔ لاہور ۱۰۵
۵۱۱، ۵۱۴، ۵۱۶، ۵۶۶، ۵۶۷
اخبار ۔ سیاست ۔ لاہور ۲۹۴
اخبار ۔ شمس الاخبار ۔ لکھنؤ ۱۰۶
اخبار ۔ صادق الاخبار ۔ بہاولپور ۵۶۶، ۵۷۶
اخبار ۔ صحیفہ قدسی ۴۳۳
رسالہ ۔ ضربت عیسوی ۵۴۴
اخبار ۔ عادل ۲۹۴
اخبار ۔ عام ۔ لاہور ۲۷۱، ۵۳۸، ۵۸۸، ۵۹۳
اخبار ۔ قانونی ہند پریس ۲۵۸
رسالہ ۔ کلام حق ۔ گوجرانوالہ ۵۲۷
رسالہ ۔ کومدی ۔ کلکتہ ۱۲۹
اخبار ۔ کوہستان ۔ لاہور ۲۱
رسالہ ۔ لائف ۔ امریکہ ۲۲
اخبار ۔ مجاہد ۲۹۴
اخبار ۔ مخبر دکن ۔ مدراس ۵۶۶
اخبار ۔ مسافر ۔ آگرہ ۶۰۳
اخبار ۔ مسلم کرانیکل ۳۱۳
اخبار ۔ مسلم ورلڈ ۔ امریکہ ۲۲
اخبار ۔ مشرق ۔ گورکھپور ۳۹۲
اخبار ۔ مشیر ہند ۔ لاہور ۵۶۶، ۵۷۶
اخبار ۔ منادی ۔ دہلی ۵۴۸

اخبار ۔ منشور محمدی ۔ بنگلور ۱۰۷، ۱۱۴، ۱۱۷ تا ۱۱۹
۱۲۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۵۱، ۱۶۸، ۱۷۵، ۱۹۱، ۱۹۷
اخبار ۔ ناظم الہند ۶۰۵، ۶۰۸، ۶۳۷
رسالہ ۔ نگار ۔ لکھنؤ ۴۸۷
اخبار ۔ نوائے وقت ۔ لاہور ۲۹
اخبار ۔ نور افشاں ۔ لدھیانہ ۱۱۹، ۱۷۹
۳۰۰، ۳۲۰، ۳۲۸، ۵۱۵
اخبار ۔ نیر آصفی ۔ مدراس ۶۰۷
اخبار ۔ نیروبی ۱۸
اخبار ۔ ودیا پرکاش ۔ امرتسر ۱۱۹
رسالہ ۔ وزیر ہند ۔ سیالکوٹ ۱۱۹، ۵۶۶
رسالہ ۔ وطن ۔ لنڈن ۴۵۲
اخبار ۔ وکیل ۔ امرتسر ۲۲
اخبار ۔ وکیل ہندوستان ۱۱۹، ۱۵۳
اخبار ۔ ویسٹ افریقن ۲۲
اخبار ۔ ہمدرد ۔ دہلی ۳۹۲
اخبار ۔ ہندو باندھو ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۳، ۱۶۹
اخبار ۔ Stockhalm Tidingen ۵۲۵

تاریخ احمدیت

جلد دوم

۱۸۹۸ء سے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء تک

مؤلفہ

دوست محمد شاہد

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد دوم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-109-7

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-2 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Editicn : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt.Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-109-7

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

دیباچہ طبع اوّل

جیسا کہ احباب کو معلوم ہے کچھ عرصہ قبل سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اعلان فرمایا تھا کہ تاریخ سلسلہ کو محفوظ کرنے کا کام جلد ہی شروع کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس کے تھوڑا عرصہ بعد حضور نے مکرم مولوی دوست محمدؐ صاحب شاہد کا اس کام کے لئے انتخاب فرمایا اور مکرم مولوی صاحب موصوف نے تدوین کا کام شروع کر دیا۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے خاکسار کو یاد فرمایا اور تاریخ احمدیت کی طباعت اور اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنفین کے ذمہ لگائی۔ حضور نے اس ضمن میں بعض قیمتی ہدایات دیں اور فرمایا کہ جس قدر جلد ہو سکے اس عظیم کام کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے چنانچہ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں دسمبر ۱۹۵۷ء میں تاریخ احمدیت کی پہلی جلد اور دسمبر ۱۹۵۸ء میں دوسری جلد شائع کر دی گئی۔ اب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے تیسری جلد بھی شائع کی جا رہی ہے۔ ان ہر سہ جلدوں ☆ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے واقعات، سوانح حیات اور آپؑ کی سیرت طیبہ مکمل طور پر آ گئی ہے۔ تاریخ کی تینوں جلدوں کی ضخامت تیرہ سو صفحات سے زائد ہو گئی ہے کیونکہ اب تک تاریخ سلسلہ سے متعلق جس قدر کتابیں شائع ہو چکی ہیں ان سب کو تاریخ احمدیت کی تدوین میں مدنظر رکھ لیا گیا ہے۔ خاکسار نے مسودہ پر نظر ثانی کرتے ہوئے اس بات کو پوری طرح مدِنظر رکھا ہے کہ کتاب ہر لحاظ سے جامع اور مستند ہو اور کسی بات کی کمی باقی نہ رہے۔

حضرت حافظ سید مختار احمدؐ صاحب شاہجہان پوری، مکرم قاضی محمد نذیر صاحب فاضل، مکرم مولوی محمد شریف صاحب سابق مبلغ فلسطین، مکرم مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر فاضل اور مکرم مولوی فضل دین صاحب قابل شکریہ ہیں کہ انہوں نے بعض مقامات پر مسودہ کے متعلق بیش قیمت مشورے دیئے۔ **فجزاھم اللہ**۔ مکرم شاہ محمد صاحب کاتب بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مسودہ کی کتابت صرف کاتب ہونے کے لحاظ سے ہی نہیں کی بلکہ محبت اور عقیدت سے اسے لکھا اور اس کا حق ادا کیا۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تدوین تاریخ کے متعلق ایک یہ ہدایت بھی فرمائی تھی کہ صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر ''تاریخ احمدیت'' میں محفوظ ہونا ضروری ہے تا ان کے نیک نمونہ اور قربانیوں کی اقتداء آنے والی نسلیں کر سکیں۔ چنانچہ حضور کے اس ارشاد کی تعمیل میں تقریباً دو صد صحابہ کی مختصر سیرت و سوانح درج کر دی گئی ہیں اگر اس کو مجموعی رنگ میں شائع کیا جائے تو سیرت صحابہ پر

☆ موجودہ ایڈیشن میں یہ تینوں جلدیں دو جلدوں میں آ گئی ہیں۔

ایک خاصی کتاب بن سکتی ہے۔

ہمیں ایک گونہ خوشی ہے کہ ایک عظیم الشان دور کی تاریخ مکمل ہو گئی ہے۔ بقیہ کام کے متعلق اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں توفیق بخشے کہ ہم اس سے بھی سبکدوش ہو سکیں۔ آئندہ کے متعلق یہ پروگرام ہے کہ اگلے سال جلسہ سالانہ کے موقع پر خلافت اولیٰ کے دور کی تاریخ اور پھر اس کے بعد دو حصوں میں خلافت ثانیہ کے زمانہ کی تاریخ مکمل کر دی جائے۔ وہ احباب جن کے پاس ان زمانوں سے تعلق رکھنے والی تحریرات، یادداشتیں یا قیمتی دستاویزات ہوں وہ شعبہ تاریخ احمدیت ادارۃ المصنفین کو ارسال فرما کر شکریہ کا موقع دیں کیونکہ اس زمانہ کو دیکھنے والی ایک کثیر تعداد خدا کے فضل سے زندہ موجود ہے اور اس وقت مواد کی فراہمی آسان کام ہے۔ بالآخر احباب کی خدمت میں درخواست ہے کہ تاریخ احمدیت جیسی قیمتی کتاب کو حاصل کر کے اس سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش فرماویں اور کوشش کریں کہ نہ صرف خود بلکہ ان کی اولادیں بھی اس پاک دور کے متعلق معلومات حاصل کر لیں۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ''تاریخ احمدیت'' جلد اوّل اور جلد دوؔم کے شائع ہونے پر احباب کو خاص طور پر اس کی اشاعت کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اسی طرح حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور مکرم و محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے بڑے زور سے کتاب خریدنے کی تحریک کی تھی چنانچہ اس کے نتیجہ میں تاریخ احمدیت جلد اوّل اور دوؔم کا پہلا ایڈیشن فوراً ہاتھوں ہاتھ لے لیا گیا۔ اس کے بعد ہر دو حصوں کے ایڈیشن دوم بعد اضافہ کے شائع ہوئے ہیں۔ احباب کو چاہئے کہ ان کو بھی حاصل کر لیں اور اس قیمتی خزانہ سے پورا فائدہ اٹھائیں۔

خاکسار

ابوالمنیر نورالحق

مینجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین ربوہ ۶۲-۱۲-۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جابجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہوگیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کرکے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۳ کو جلد نمبر ۲ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد دوم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر و اشاعت قادیان)

فہرست مضامین
تاریخ احمدیت جلد نمبر ۲

ماموریت کا سترھواں سال
۱۸۹۸ء

مدرسہ تعلیم الاسلام کا قیام ۱
دو عظیم الشان انعامی چیلنج ۲
طاعون پھیلنے کی پیشگوئی اور اہل ملک کو اصلاح احوال کی تلقین ۷
حضور کی وفات کی مفتریانہ خبر ۹
''البلاغ'' یا ''فریاد درد'' کی تصنیف اور دنیا کی اہم زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی اشاعت کی جامع سکیم کا اعلان ۹
رشتہ ناطہ کے متعلق اپنی جماعت کے لئے ضروری اشتہار ۱۴
مقدمہ انکم ٹیکس سے بریت کا نشان ۱۵
''ایام الصلح'' اور ''ضرورت الامام'' کی تصنیف و اشاعت ۱۷
منشی الٰہی بخش صاحب کا عبرتناک انجام ۱۹
امن عامہ کے قیام کیلئے ایک اور ضروری میموریل ۲۰
''نجم الہدیٰ'' کی تصنیف و اشاعت ۲۱
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شورش انگیزی مقدمہ حفظ امن اور قبل از وقت پیشگوئی کے مطابق عبرتناک ذلت ۲۶
''راز حقیقت'' اور ''کشف الغطاء'' کی تصنیف و اشاعت ۳۶
سفر گورداسپور۔ دھاری وال۔ پٹھانکوٹ ۴۰
مقدمہ کا فیصلہ، حضور کی بریت اور کامیابی ۴۸
۱۸۹۸ء کے بعض صحابہ ۵۰

ماموریت کا اٹھارھواں سال
۱۸۹۹ء

''حقیقۃ المہدی'' کی تصنیف و اشاعت ۵۴
مولانا عبدالکریم صاحب کی طرف سے خطوط کا سلسلہ ۵۵
صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی ولادت ۵۵
حضرت مسیح موعودؑ کا پہلا فوٹو ۵۶
''تریاق القلوب'' کی تصنیف ۵۹
''ستارہ قیصریہ'' کی تصنیف و اشاعت ۶۰

حکومت برطانیہ پر اتمام حجت اور مذاہب عالم
کے جلسہ کے لئے میموریل ۶۱
مقدمہ گوڑ گانواں ۶۲
تصنیف ''مسیح ہندوستان میں'' سفر نصیبین کی تجویز
اور ''جلسہ الوداع'' ۶۳
۱۸۹۹ء کے بعض صحابہ ۶۵

ماموریت کا انیسواں سال

۱۹۰۰ء

جدی بھائیوں کی طرف سے ''الدار'' کا محاصرہ
اور مقدمہ دیوار ۷۰
اولاً ''ہجرت ثانیا'' مقدمہ کرنے کا فیصلہ ۷۲
جناب الٰہی کی طرف سے فتح کی بشارت ۷۳
سفر گورداسپور ۷۵
مقدمہ کا فیصلہ اور ہدم دیوار ۸۰
عید الفطر اور ''جلسہ دعا'' ۸۲
''تحفہ غزنویہ'' کی تصنیف و اشاعت ۸۳
''خطبہ الہامیہ'' کا زبردست علمی نشان ۸۳
بشپ جارج الفریڈ لیفرائے کا فرار اور اسلام کی
پے در پے فتوحات ۹۰
نواب عماد الملک فتح نواز جنگ مولوی سید مہدی
حسین صاحب کی قادیان میں آمد اور قبول حق ۹۶
جہاد بالسیف کے التواء کا فتویٰ رسالہ ''گورنمنٹ
انگریزی اور جہاد'' کی تصنیف و اشاعت ۱۰۰
حضرت مسیح موعودؑ کے نظریہ جہاد کی تائید علماء کی
طرف سے ۱۰۸
منارۃ المسیح کی تحریک اور بنیاد ۱۱۳
اسماء گرامی چندہ دہندگان بشرح یک صد روپیہ
برائے منارۃ المسیح قادیان ۱۲۲
''نجم النور'' کی تصنیف و اشاعت ۱۲۵
پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کو علمی مقابلہ کی
دعوت اور ان کا گریز ۱۲۵
حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے تفسیر نویسی کے
مقابلہ کا چیلنج ۱۲۸
''اربعین'' کی تصنیف و اشاعت اور مخالفین پر
اتمام حجت ۱۳۸
حافظ محمد یوسف صاحب ضلع دار نہر اور ان کے
ہم خیال علماء کیلئے پانچ سو روپیہ کا انعامی اشتہار ۱۴۲
پیر مہر علی شاہ پر اتمام حجت اور ''تحفہ گولڑویہ'' کی
تصنیف و اشاعت ۱۴۴
حضرت مسیح موعود کی جماعت کا فرقہ احمدیہ سے
موسوم ہونا ۱۵۳
دوسروں کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت ۱۵۴
حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب
(علاقہ خوست) کی احمدیت سے وابستگی ۱۵۶
ڈیورنڈ لائن کے ریکارڈ میں حضرت صاحبزادہ
عبداللطیف صاحب کا ذکر ۱۵۷

مجلس ''تشحیذ الاذہان'' کی بنیاد ۱۶۰
۱۹۰۰ء کے بعض صحابہ ۱۶۱

ماموریت کا بیسواں سال

۱۹۰۱ء

رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی تجویز
''انجمن اشاعت اسلام'' کی بنیاد ۱۶۵
عربی تفسیر ''اعجاز المسیح'' کی تصنیف واشاعت ۱۶۷
پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف سے
''سیف چشتیائی'' کی اشاعت ۱۶۹
جمع الصلوٰۃ کا نشان ۱۷۱
مخالف علماء کو صلح کی مخلصانہ پیشکش ۱۷۴
طاعون کے بارہ میں پھر انتباہ ۱۷۶
کابل میں حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی
شہادت ۱۷۷
امام الزماں کی کتابوں کے امتحان کی تحریک ۱۷۸
مقام نبوت کے متعلق ایک زبردست علمی انکشاف
اشتہار ''ایک غلطی کا ازالہ'' اور تعریف نبوت میں
تبدیلی کا پہلا تحریری اعلان ۱۸۴
فونوگراف کی ایجاد اور تبلیغ اسلام ۱۹۲
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد، حضرت
صاحبزادہ مرزا شریف احمد اور حضرت نواب
مبارکہ بیگم صاحبہ کی آمین ۱۹۴
برطانوی سیاح مسٹر ڈکسن کی قادیان میں آمد ۱۹۵
۱۹۰۱ء کے بعض ممتاز صحابہ ۱۹۷
حواشی ۱۹۸

ماموریت کا اکیسواں سال

۱۹۰۲ء

ریویو آف ریلیجنز (اردو اور انگریزی) کا
اجراء ۲۰۳
''ریویو'' کا اندرون ملک اور مغربی ممالک پر اثر ۲۰۳
''دافع البلاء و معیار اہل الاصطفاء'' کی تصنیف
واشاعت ۲۰۷
السید محمد رشید رضا کو عربی میں مقابلہ کا چیلنج اور
''الہدی والتبصرۃ لمن یری'' کی تصنیف
واشاعت ۲۰۸
نزول المسیح کی تصنیف ۲۱۰
جماعتی چندوں کے لئے ایک نظام کی بنیاد ۲۱۰
کشتی نوح کی تصنیف واشاعت ''الدار'' کی
غیر معمولی حفاظت اور جماعت کی حیرت انگیز
ترقی ۲۱۵
طاعون سے حفاظت کے دو نہایت اہم واقعات ۲۱۷
تحفۃ الندوہ کی تصنیف واشاعت ۲۱۹
ندوۃ العلماء کے جلسہ میں شمولیت کے لئے وفد ۲۲۰
اخبار ''البدر'' کا اجراء ۲۲۱
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد
صاحب کا نکاح ۲۲۳

مباحثہ مد ۲۲۶

''اعجاز احمدی'' کی تصنیف و اشاعت ۲۲۹

سیدنا حضرت مسیح موعود کا دس ہزار روپے کا چیلنج ۲۳۱

سفر بٹالہ ۲۳۲

مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کا مباحثہ اور حضرت مسیح موعود حکم ربانی کا ریویو ۲۳۳

امریکہ کے لئے نشان۔ جان الیگزنڈر ڈوئی کو دعوت مباہلہ ۲۴۱

امریکہ اور یورپ کے پریس کا تبصرہ ڈوئی کی ہلاکت پر ۲۴۷

حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے اسلام کی فتح کے اس عظیم الشان نشان کی منادی ۲۵۰

یورپ کے لئے نشان۔ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کی پگٹ کے متعلق پیشگوئی ۲۵۴

۱۹۰۲ء کے بعض صحابہ ۲۵۶

ماموریت کا بائیسواں سال

۱۹۰۳ء

مواہب الرحمٰن کی تصنیف و اشاعت اور مولوی کرم دین صاحب کے متعلق ایک پیشگوئی ۲۶۰

مولوی کرم دین صاحب کا پہلا مقدمہ

حضرت مسیح موعودؑ کا سفر جہلم اور بریت ۲۶۱

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی قادیان میں آمد ۲۷۰

روس کا عصا ملنے کی اطلاع بذریعہ رؤیا ۲۷۳

صاحبزادی امۃ النصیر صاحبہ کی ولادت ۲۷۳

مولوی کرم دین صاحب کا دوسرا مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی۔ حضرت مسیح موعودؑ کا سفر گورداسپور اور چیف کورٹ میں بریت ۲۷۸

آریہ سماج قادیان کی مخالفت اور تصنیف و اشاعت ''نسیم دعوت'' و ''سناتن دھرم'' ۲۹۹

مسجد البیت و بیت الدعا کی تعمیر ۳۰۱

تعلیم الاسلام کالج کا افتتاح ۳۰۲

کابل میں حضرت سید عبداللطیف صاحب کی دردناک شہادت ۳۱۱

حضرت صاحبزادہ صاحب کا سفر قادیان ۳۱۲

مراجعت وطن۔ مباحثہ اور شہادت کے دردانگیز واقعہ کی تفصیل حضرت مسیح موعودؑ کے قلم سے ۳۱۶

سانحہ شہادت کے بعد ایک عجیب آسمانی نشان کا ظہور ۳۲۶

ایک چشم دید شہادت ۳۲۹

حضرت شہید کا حلیہ مبارک اور عادات و فضائل ۳۳۱

ظلم کی پاداش میں جبار و قہار خدا کی تجلیات اور قہری نشانات کا ظہور ۳۳۵

''تذکرۃ الشہادتین'' کی تصنیف و اشاعت ۳۳۷

ایک آسٹریلین نومسلم کی قادیان میں آمد ۳۳۹

نواب عبدالرحیم صاحب کی شفایابی کا معجزہ ۳۴۰

''سیرۃ الابدال'' کی تصنیف و اشاعت ۳۴۱

۱۹۰۳ء کے بعض صحابہ ۳۴۱

ماموریت کا تیئیسواں سال

۱۹۰۴ء

''ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت'' کے متعلق پیشگوئی ۳۴۷

صاحبزادی سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی ولادت ۳۴۸

سیدنا حضرت مسیح موعود کا سفر لاہور اور لیکچرز ۳۴۹

بہائی مبلغ حکیم مرزا محمود زرقانی اور بہائی دنیا پر اتمام حجت ۳۵۴

سفر سیالکوٹ ۳۵۹

۱۹۰۴ء کے بعض صحابہ ۳۷۱

ماموریت کا چوبیسواں سال

۱۹۰۵ء

زلازل کے غیر معمولی سلسلہ کا آغاز ۳۷۶

کانگڑہ میں قیامت خیز زلزلہ ۳۷۷

''براہین احمدیہ، حصہ پنجم کی اشاعت اور زلزلہ عظیم کی عظیم الشان پیشگوئی ۳۸۲

''آہ نادر شاہ کہاں گیا'' ۳۹۴

مخدوم الملت حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اور حضرت مولوی برہان الدین صاحب کا انتقال اور مدرسہ احمدیہ کی بنیاد ۳۹۹

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے مختصر سوانح ۴۰۰

حضرت مولوی برہان الدین صاحب کی مختصر سوانح حیات اور اخلاص و فدائیت ۴۰۹

ایک عظیم الشان درسگاہ ''مدرسہ احمدیہ'' کی بنیاد ۴۱۲

اخبار ''وطن'' کی ایک تحریک اور اس کا انجام ۴۱۴

آخری سفر دہلی ۴۲۱

لدھیانہ میں قیام اور لیکچر ۴۲۸

امرتسر میں قیام اور لیکچر ۴۲۹

مسلمانان عالم کے بین الاقوامی اتحاد کیلئے الہام ۴۳۱

قرب وصال سے متعلق الہامات و رؤیا۔

''الوصیت'' کی تصنیف و اشاعت اور نظام خلافت کے قیام کی پیشگوئی ۴۳۵

بہشتی مقبرہ کا قیام ۴۳۷

صدر انجمن احمدیہ کی بنیاد ۴۴۱

اشتہار ''تبلیغ الحق'' ۴۴۲

''احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے'' ۴۴۴

۱۹۰۵ء کے بعض صحابہ ۴۴۵

ماموریت کا پچیسواں سال

۱۹۰۶ء

انقلاب ایران سے متعلق پیشگوئی ۴۴۶
حضرت سید میر محمد اسحٰق صاحب کی شادی ۴۴۷
تقسیم بنگال کی تنسیخ کے متعلق خبر ۴۴۸
''چشمہ مسیحی'' کی تصنیف واشاعت ۴۵۰
رسالہ ''تشحیذ الاذہان'' کا اجراء ۴۵۷
چراغ الدین جمونی کی ہلاکت کا نشان ۴۵۹
عبدالحکیم پٹیالوی کا جماعت سے اخراج' اس کی پیشگوئی اور انجام ۴۵۹
''حقیقۃ الوحی'' کی تصنیف واشاعت ۴۶۶
پادری احمد مسیح کی مباحثہ میں ناکامی اور مباہلہ سے گریز ۴۶۸
صاحبزادہ مرزا نصیر احمد صاحب کی ولادت اور وفات ۴۶۹
حضرت سید میر محمد اسماعیل صاحب کی شادی ۴۷۰
''تجلیات الٰہیہ'' کی تصنیف اور سلسلہ احمدیہ کے عالمگیر غلبہ کی پیشگوئی ۴۷۱
رسالہ ''تعلیم الاسلام'' کا اجراء ۴۷۱
احیائے موتی کا ایک نشان ۴۷۲
سید محمد یوسف بغدادی سیاح اور شیخ محمد چٹو صاحب کی قادیان میں آمد ۴۷۳
نکاح حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب ۴۷۴
۱۹۰۶ء کے بعض صحابہ ۴۷۵

ماموریت کا چھبیسواں سال

۱۹۰۷ء

طاعون کا اشد معاندین سلسلہ پر سخت حملہ اور ان کی پے در پے ہلاکت ۴۷۹
سعد اللہ لدھیانوی کی ہلاکت ۴۸
قادیان کے آریوں کی گندہ ذہنی اور تصنیف و اشاعت رسالہ ''قادیان کے آریہ اور ہم'' ۴۸۳
احیائے موتی کا بے نظیر نشان ۴۸۵
مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ ۴۸۶
مسودہ مباہلہ کی اشاعت حضرت اقدس کے قلم سے ۴۸۷
مولوی ثناء اللہ صاحب کا مباہلہ سے انکار وفرار ۴۹۰
ملکی شورش میں حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کو نصیحت ۴۹۴
''الواح الہدیٰ'' کی تجویز ۴۹۴
سفر بٹالہ ۴۹۵
حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی وفات ۴۹۵
''وقف زندگی'' کی پہلی منظم تحریک ۴۹۸
آریہ سماج لاہور وچھووالی کی مذہبی کانفرنس کے لئے حضرت اقدسؑ کا مضمون ۴۹۹
حضرت مسیح موعودؑ کے مبارک دور کا آخری سالانہ جلسہ ۵۰۷

۱۹۰۷ء کے بعض ممتاز صحابہ ۵۱۲

ماموریت کا ستائیسواں سال

۱۹۰۸ء

''چشمہ معرفت'' کی تصنیف واشاعت ۵۱۳
گوروہرسہائے ضلع فیروزپور میں باوانانک کے تبرکات میں ''قرآن شریف'' کا انکشاف ۵۱۴
نکاح حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ ۵۱۵
مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل کی بیعت ۵۱۷
سر جیمز ولسن فنانشل کمشنر پنجاب کا دورہ قادیان ۵۱۷
امریکن سیاح قادیان میں ۵۱۹
حضرت مسیح موعودؑ کا آخری سفر لاہور ۵۲۴
لاہور میں حضرت اقدسؑ کی مصروفیات تقاریر اور نصائح کا سلسلہ ۵۲۶
شہزادہ سلطان ابراہیم صاحب اور مسٹر محمد علی صاحب جعفری کی ملاقات ۵۲۷
جماعت کو نصائح اور توحید کا وعظ ۵۲۸
پروفیسر کلیمنٹ ریگ کی ملاقات اور اس کا اثر ۵۲۸
مسٹر سر فضل حسین صاحب کی ملاقات ۵۲۹
پبلک لیکچر اور روسائے لاہور کو تبلیغ ۵۳۰
اخبار عام کی غلط رپورٹ اور حضورؑ کی تردید ۵۳۱
آخری تقریر ۵۳۲
آخری صحابی ۵۳۲
قیام لاہور کا ایک ایمان افروز واقعہ ۵۳۳
اتحاد اقوام کے لئے ''پیغام صلح'' کی تصنیف ۵۳۳
وفات کے متعلق بار بار واضح الہامات ۵۳۹
آخری سیر ۵۴۰
مرض الموت کا آغاز ۵۴۰
سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کا وصال ۵۴۲
حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا ایک ایمان افروز خواب ۵۴۳
سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے عشاق کی حالت کا دردناک منظر ۵۴۴
نقشہ مقام وصال سیدنا حضرت مسیح موعودؑ ۵۴۵
حضرت مسیح موعودؑ کے اہل بیت کا بے مثال صبر ۵۴۷
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا عہد ۵۴۸
شرفاء کی ہمدردی اور اشد مخالفین کا افسوسناک مظاہرہ ۵۴۸
نعش مبارک کا لاہور سے قادیان لایا جانا ۵۴۹
صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کو حادثہ کی الہامی اطلاع ۵۵۰
جماعت احمدیہ کا خلافت پر پہلا اجماع ۵۵۵
حضرت مولوی نور الدین صاحب کی درد انگیز تقریر ۵۵۶

حضرت خلیفۃ المسیح اول کی بیعت ۵۵۷

صدر انجمن کی طرف سے جماعتوں کو اطلاع ۵۵۷

جنازہ، آخری زیارت اور تدفین ۵۵۸

مزار مبارک، کتبہ اور چار دیواری ۵۵۹

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی وفات پر اخبارات کے تبصرے ۵۵۹

حضرت مسیح موعود کا حلیہ مبارک، خصائل وشمائل اور اخلاق عالیہ ۵۷۵

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا ایک ایمان افروز مکتوب، مولف کتاب ''تاریخ احمدیت'' کے نام ۵۹۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
والسلام علیٰ عبدہ المسیح الموعود

مأموریت کا سترھواں سال

"مدرسہ تعلیم الاسلام" کا قیام

(۱۸۹۸ء)

قادیان میں اب تک بچوں کی تعلیم کے لئے دو سکول تھے' ایک سرکاری سکول جو لوئر پرائمری تک تھا اور ریتی چھلہ سے قریب واقع تھا' دوسرا آریہ سکول جس میں اس سے اوپر کی کچھ جماعتیں تھیں۔ اول الذکر پرائمری سکول گو سرکاری تھا مگر اس کا ہیڈ ماسٹر جو اتفاقی طور پر آریہ تھا مسلمان بچوں کو گمراہ کرنے کے لئے اسلام پر برملا حملے کیا کرتا تھا اور بچے اس سے بہت متاثر ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) کا بیان ہے کہ "اس پرائمری سکول میں میں بھی کچھ عرصہ پڑھا ہوں..... ایک دن جب میرا کھانا آیا جس میں کلیجی کا سالن تھا تو اسے دیکھ کر ایک طالب علم نے حیرانی سے اپنی انگلی دانتوں میں دبالی اور کہا یہ تو ماس ہے جس کا کھانا حرام ہے۔" جب سرکاری سکول کی یہ حالت ہو تو آریہ سکول میں اسلام کے خلاف طلبہ کے دماغوں میں کیا کچھ بھرا جاتا ہو گا؟ اس کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ [۱]

جب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس صورت حال کا علم ہوا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اب ہمارے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ ہم ایک اسلامی سکول کھولیں سو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۵/ ستمبر ۱۸۹۷ء کو جماعت کے نونہالوں کو عیسائیت' الحاد اور مغربی تہذیب سے بچانے اور انہیں اسلام کا مخلص خادم بنانے کی غرض سے قادیان میں ایک مثالی اسلامی درس گاہ کے قیام کی بذریعہ اشتہار تحریک فرمائی۔ چنانچہ حضور نے لکھا "اگرچہ ہم دن رات اسی کام میں لگے ہوئے ہیں کہ لوگ اس سچے معبود پر ایمان لاویں جس پر ایمان لانے سے نور ملتا ہے اور نجات حاصل ہوتی ہے لیکن اس مقصد تک پہنچانے کے لئے علاوہ ان طریقوں کے جو استعمال کئے جاتے ہیں ایک اور طریق بھی ہے

اور وہ یہ ہے کہ ایک مدرسہ قائم ہو کر بچوں کی تعلیم میں ایسی کتابیں ضروری طور پر لازمی ٹھہرائی جائیں جن کے پڑھنے سے ان کو پتہ لگے کہ اسلام کیا شے ہے اور کیا کیا خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے اور جن لوگوں نے اسلام پر حملے کئے ہیں وہ حملے کیسے خیانت اور جھوٹ اور بے ایمانی سے بھرے ہوئے ہیں .... میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر ایسی کتابیں جو خدا تعالیٰ کے فضل سے میں تالیف کروں گا بچوں کو پڑھائی گئیں تو اسلام کی خوبی آفتاب کی طرح چمک اٹھے گی۔ اور دوسرے مذاہب کے بطلان کا نقشہ ایسے طور سے دکھایا جائے گا جس سے ان کا باطل ہونا کھل جائے گا...... اسی لئے میں مناسب دیکھتا ہوں کہ بچوں کی تعلیم کے ذریعہ سے اسلامی روشنی کو ملک میں پھیلاؤں۔ اور جس طریق سے میں اس خدمت کو سرانجام دوں گا میرے نزدیک دوسروں سے یہ کام ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اس طوفان ضلالت میں اسلامی ذریت کو غیر مذاہب کے وساوس سے بچانے کے لئے اس ارادہ میں میری مدد کرے۔ سو میں مناسب دیکھتا ہوں کہ بالفعل قادیان میں ایک مڈل سکول قائم کیا جائے۔" [۲]

حضورؑ نے اس امر کی اہمیت واضح کرتے ہوئے ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ "دیکھو تمہاری ہمسایہ قوموں یعنی آریوں نے کس قدر حیثیت تعلیم کے لئے بنائی۔ کئی لاکھ سے زیادہ روپیہ جمع کر لیا۔ کالج کی عالی شان عمارت اور سامان بھی پیدا کیا۔ اگر مسلمان پورے طور پر اپنے بچوں کی تعلیم کی طرف توجہ نہ کریں تو میری بات سن رکھیں کہ ایک وقت ان کے ہاتھ سے بچے بھی جاتے رہیں گے...... ہر ایک شریف قوم کے بچوں کا عیسائیوں کے پھندے میں پھنس جانا اور مسلمانوں حتی کہ غوث و قطب کہلانے والوں کی اولاد اور سادات کے فرزندوں کا رسول کریم ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرنا دیکھ چکے ہو۔ ان صحیح النسب سیدوں کی اولاد جو اپنا سلسلہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہیں ہم نے کرسچین (عیسائی) دیکھی ہے جو بانئے اسلام کی نسبت قسم قسم کے الزام (نعوذ باللہ) لگاتے ہیں۔ ایسی حالت میں بھی اگر کوئی مسلمان اپنے دین اور اپنے نبی کے لئے غیرت نہیں رکھتا تو اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا۔؟" [۳]

انتظامیہ کمیٹی کی تشکیل

اس اہم تحریک کو عملی جامہ پہنانے' عملہ مہیا کرنے اور مدرسہ کے انتظامی امور پر سوچنے اور قواعد مرتب کرنے کی غرض سے حضرت اقدسؑ کی ہدایت کے مطابق ایک سب کمیٹی مقرر ہوئی جس کا پہلا اجلاس ۲۷ / دسمبر ۱۸۹۷ء کو منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مدرسہ کے لئے ایک انتظامیہ کمیٹی مقرر کی گئی جس کے پریذیڈنٹ حضرت حکیم الامت مولوی نور الدین صاب بھیروی' محاسب حضرت میر ناصر نواب صاحب' سیکرٹری خواجہ

کمال الدین صاحب وکیل ہائی کورٹ اور جائنٹ سیکرٹری حضرت مولانا عبدالکریم صاحب مقرر کئے گئے۔ [4] خواجہ صاحب چونکہ قادیان میں سکونت نہ رکھتے تھے اس لئے حضرت مولوی صاحب ہی عملاً سیکرٹری کا کام کرتے رہے اور بالآخر آپ ہی سیکرٹری ہو گئے۔ حضرت مولوی صاحب کو عمر بھر مدرسہ کے معاملات سے بہت دلچسپی رہی۔ [5] انتظامیہ کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ مدرسہ یکم جنوری ۱۸۹۸ء کو کھول دیا جائے۔

افتتاح

انتظامیہ کمیٹی کے فیصلہ کی رو سے تو مدرسہ یکم جنوری ۱۸۹۸ء کو ہی کھل جانا چاہیے تھا مگر چونکہ یہ دن جلسہ سالانہ کے تھے جن میں مہمان بکثرت آئے ہوئے تھے اس لئے اس کا افتتاح ۳/ جنوری ۱۸۹۸ء کو ہوا۔ [6] حضور علیہ السلام نے اس مدرسہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا۔

"ہماری غرض مدرسہ کے اجراء سے محض یہ ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کیا جاوے۔ مروجہ تعلیم کو اس لئے ساتھ رکھا ہے تاکہ یہ علوم خادم دین ہوں"۔

"ہماری یہ غرض نہیں کہ ایف اے یا بی اے پاس کر کے دنیا کی تلاش میں مارے مارے پھریں ہمارے پیش نظر تو یہ امر ہے کہ ایسے لوگ خدمت دین کے لئے زندگی بسر کریں' اور اسی لئے مدرسہ کو ضروری سمجھتا ہوں کہ شاید دینی خدمت کے لئے کام آسکے۔" [7]

مدرسہ کی عمارت

شروع میں مدرسہ کے لئے کوئی مخصوص عمارت موجود نہ تھی اس لئے اس کا آغاز مہمان خانہ میں ہوا لیکن جلد ہی مہمان خانہ کے متصل دو تین کمرے تعمیر کئے گئے ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء میں مزید عمارت بنوائی گئی۔ اس کے بعد حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ رئیس مالیر کوٹلہ ہجرت کر کے قادیان تشریف لائے تو حضور اقدس نے مدرسہ کا پورا نظم و نسق ان کے سپرد کر دیا۔ آپ نے ۲۔ دسمبر ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۵ء تک یہ قومی خدمت نہایت محنت اور ذوق و شوق سے سرانجام دی۔ مدرسہ کو ضروری فرنیچر فراہم کیا۔ اس کی پہلی عمارت کو وسعت دی اور ڈھاب پر کر کے بورڈنگ کے لئے کوارٹر بنوائے۔ [8]

۱۹۰۶ء میں مدرسہ کی ضروریات بڑھ گئیں تو اس کے متصل اور زمین خرید کی گئی۔ لیکن جب یہ زمین بھی کافی ثابت نہ ہوئی تو اس کی انتظامیہ کمیٹی نے قادیان کے شمال میں ایک وسیع قطعہ اراضی تین ہزار میں خرید لیا [9] جس کی بنیادوں کی کھدائی مارچ ۱۹۱۲ء کے آخر میں شروع ہوئی [10] اور ۱۵/ جون ۱۹۱۲ء کو قریباً چھ بجے شام پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الاول مولوی نور الدین صاحب نے دعا کر کے بنیادی اینٹ رکھی پھر آپ کے ارشاد کے مطابق حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

(خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب' حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت نواب محمد علی خاں صاحب نے ایک ایک اینٹ رکھی۔ [11] بعد ازاں یہاں تعلیم الاسلام ہائی سکول اور بورڈنگ کی شاندار عمارتیں بنیں۔ ۱۹۱۳ء میں ہائی سکول اپنی جدید عمارت میں آگیا۔ تیس سال بعد جب ۱۹۴۴ء میں یہ عمارت تعلیم الاسلام کالج کو دیدی گئی تو نور ہسپتال سے متصل ایک دوسری جگہ ہائی سکول تعمیر کیا گیا جو ہجرت ۱۹۴۷ء تک قائم رہا۔ ہجرت کے بعد ۶/ نومبر ۱۹۴۷ء کو بمقام چنیوٹ ملک بھگوان داس کی بلڈنگ میں یہ قومی ادارہ از سر نو جاری کیا گیا اور مارچ ۱۹۵۲ء کے نصف آخر میں اپنی موجودہ مستقل عمارت واقع ربوہ میں منتقل ہوا۔ [12]

مدرسہ کا اسٹاف مدرسہ کے اولین ہیڈ ماسٹر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب مقرر ہوئے اور ابتدائی اساتذہ بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نومسلم' مولوی فضل دین صاحب ساکن کھاریاں ضلع گجرات اور حافظ احمد اللہ صاحب تھے۔ [13] ان کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں کئی ایک قابل بزرگ اساتذہ اس کے اسٹاف میں شامل ہوئے۔ [14] مثلاً ۱۔ قاضی امیر حسین صاحب ۲۔ مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب' ۳۔ مولوی حکیم عبیداللہ صاحب بسمل' ۴۔ شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی [15] ۵۔ ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب جالندھری (سابق مہر سنگھ)' ۶۔ ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیر' ۷۔ منشی غلام محمد صاحب' ۸۔ مولوی غلام نبی صاحب مصری' ۹۔ ماسٹر عبدالعزیز خاں صاحب۔ [16] ۱۰۔ پیر منظور محمد صاحب' ۱۱۔ قاضی عبدالحق صاحب [17] '۱۲۔ منشی سکندر علی صاحب کلانوری۔ [18 تا 19]

ہیڈ ماسٹر جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے مدرسہ کے پہلے ہیڈ ماسٹر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب تھے۔ مگر تھوڑے عرصے کے بعد جب مدرسہ پرائمری سے مڈل تک ہو گیا تو حضرت شیخ صاحب پرائمری حصہ کے انچارج مقرر ہوئے اور مڈل کے عارضی ہیڈ ماسٹر مرزا ایوب بیگ صاحب۔ مرزا ایوب بیگ صاحب کے لاہور چلے جانے کے بعد ماسٹر فقیر اللہ صاحب ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ ماسٹر صاحب موصوف نے فروری ۱۸۹۹ء تک مدرسہ کی ہیڈ ماسٹری کے فرائض سرانجام دیئے۔ اس کے بعد دو ماہ کے لئے عارضی طور پر راجہ شیر محمد خاں صاحب بی۔ اے سپرنٹنڈنٹ محکمہ مال کشمیر اور پھر مئی ۱۸۹۹ء میں حضرت مولوی شیر علی صاحب ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۳ء میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو ہیڈ ماسٹر بنایا گیا۔ لیکن دو سال کے بعد مفتی صاحب اخبار "البدر" میں چلے گئے اور حضرت مولوی شیر علی صاحب دوبارہ ہیڈ ماسٹر بنا دیئے گئے۔ [20]

بورڈنگ ہاؤس اور اس کے سپرنٹنڈنٹ

اولین طلبہ جماعت کی قلت تعداد کے باعث بہت تھوڑے تھے۔ یہ طلباء مہمان خانے کے ایک کمرے میں رہتے تھے۔ ان کے نگران حضرت شیخ عبدالرحیم صاحب نومسلم (سابق جگت سنگھ) مقرر ہوئے۔ بورڈنگ ہاؤس کی مستقل صورت مئی ۱۹۰۰ء سے کی گئی۔ ابتداء" ۳۲ بورڈر تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں متعدد سپرنٹنڈنٹ بنے جن میں سے شیخ عبدالحق صاحب' حضرت مولوی عبیداللہ صاحب بسمل اور حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ [۲۱]

طلباء کی تعداد

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں طلباء کی تعداد حسب ذیل تھی :-

۱۸۹۸ء	...	۴۱	۱۹۰۴ء	...	۱۳۲
۱۸۹۹ء	...	۸۵	۱۹۰۵ء	...	۱۳۸
۱۹۰۰ء	...	۱۴۱	۱۹۰۶ء	...	۲۰۸
۱۹۰۱ء	...	۱۴۶	۱۹۰۷ء	...	۲۲۰
۱۹۰۲ء	...	۱۵۰	۱۹۰۸ء	...	۱۹۰
۱۹۰۳ء	...	۱۵۲			

پرائمری سکول سے کالج تک

مدرسہ تعلیم الاسلام نے جو اپنی ابتدائی شکل میں پرائمری کی صورت میں شروع ہوا۔ خدا کے فضل سے چند سالوں کے اندر اندر اس نے بڑی ترقی کی۔ چنانچہ ۱۸۹۸ء میں وہ مڈل سکول بنا۔ [۲۲] فروری ۱۹۰۰ء میں ہائی سکول ہوا اور مئی ۱۹۰۳ء میں کالج تک پہنچ گیا (جس کی تفصیل ۱۹۰۳ء کے واقعات میں آرہی ہے)۔

خدمات

جماعت احمدیہ کی اس پہلی مرکزی درسگاہ کی خدمات کا سلسلہ نصف صدی سے زائد عرصہ تک ممتد ہے۔ بالخصوص جماعت کے انگریزی خوان طبقہ میں دینوی علوم کے ساتھ ساتھ اسلامی ذوق اور دینی شغف پیدا کرنے میں "مدرسہ تعلیم الاسلام" نے ایک نمایاں حصہ لیا ہے۔ جماعت کے بہت سے مبلغ اور دوسرے مقامی کارکن اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس ادارہ کے قدیم طلباء میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب (خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب' حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب جیسی برگزیدہ ہستیاں بھی شامل ہیں۔

دو عظیم الشان انعامی چیلنج

۱۸۹۸ء کے آغاز میں حضرت مسیح موعود نے دو عظیم الشان انعامی چیلنج دیئے جنہیں قبول کرنے کی آج تک کسی شخص کو توفیق نہیں مل سکی۔

پہلا چیلنج پہلا چیلنج عیسائیوں کے نام تھا جو حضور نے "کتاب البریہ" میں بایں الفاظ دیا۔ "بھلا اس سید الکونین ﷺ کی تو شان عظیم ہے۔ ذرا انصافاً پادری صاحبان ان میرے الہامات کو ہی انصاف کی نظر سے دیکھیں اور پھر خود ہی منصف ہو کر کہیں کہ کیا یہ سچ نہیں کہ اگر ایسے کلمات سے خدائی ثابت ہو سکتی ہے تو یہ میرے الہامات یسوع کے الہامات سے بہت زیادہ میری خدائی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اگر خود پادری صاحبان نہیں سوچ سکتے تو کسی دوسری قوم کے تین منصف مقرر کر کے میرے الہامات اور انجیل میں سے یسوع کے وہ کلمات جن سے اس کی خدائی سمجھی جاتی ہے ان منصفوں کے حوالہ کریں۔ پھر اگر منصف لوگ پادریوں کے حق میں ڈگری دیں اور حلفاً یہ بیان کر دیں کہ یسوع کے کلمات میں سے یسوع کی خدائی زیادہ تر صفائی سے ثابت ہو سکتی ہے تو میں تاوان کے طور پر ہزار روپیہ دے سکتا ہوں۔" [۲۳]

دوسرا چیلنج دوسرا بیس ہزار روپیہ انعام کا چیلنج حضورؑ نے مسلمان علماء کو دیا جو یہ ہے۔ "اگر پوچھا جائے کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے؟ تو نہ کوئی آیت پیش کر سکتے ہیں اور نہ کوئی حدیث دکھلا سکتے ہیں..... اگر اسلام کے تمام فرقوں کی حدیث کی کتابیں تلاش کرو تو صحیح حدیث تو کیا کوئی وضعی حدیث بھی ایسی نہ پاؤ گے جس میں یہ لکھا ہو کہ حضرت عیسیٰ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے اور پھر کسی زمانے میں زمین کی طرف واپس آئیں گے۔ اگر کوئی ایسی حدیث پیش کرے تو ہم ایسے شخص کو بیس ہزار روپیہ تک تاوان دے سکتے ہیں اور توبہ کرنا اور تمام کتابوں کا جلا دینا اس کے علاوہ ہو گا۔ جس طرح چاہیں تسلی کر لیں۔" [۲۴]

طاعون پھیلنے کی پیشگوئی اور اہل ملک کو اصلاح احوال کی تلقین

دشمنان حق نے جب اپنی مخالفت انتہا تک پہنچا دی تو خدا تعالیٰ کے زور آور حملوں نے طاعون کی شکل اختیار کرلی جو ۱۸۹۶ء کے آخر میں بمبئی کے علاقہ سے نمودار ہوئی اور آہستہ آہستہ ہر دوار تک پہنچ گئی۔ پنجاب ابھی تک اس وبا سے محفوظ تھا اور انگریزی حکومت کے افسر اپنی حفاظتی تدابیر کے پیش نظر یقین رکھتے تھے کہ پنجاب محفوظ رہے گا مگر اللہ تعالیٰ نے ۶/ فروری ۱۸۹۸ء کو حضرت مسیح موعودؑ پر بذریعہ رویا ظاہر فرمایا کہ پنجاب میں بہت جلد طاعون پھیلنے والی ہیں۔ حضرت اقدسؑ نے یہ خبر ملتے ہی ایک اشتہار دیا جس میں اہل پنجاب کو اطلاع دی اور انہیں اصلاح احوال کی پر زور تحریک فرمائی۔

طاعون سے متعلق پہلا اشتہار

اس اشتہار میں حضورؑ نے تحریر فرمایا:۔

"آج جو ۶/ فروری ۱۸۹۸ء روز یک شنبہ ہے میں نے خواب میں دیکھا کہ خدا تعالیٰ کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں اور وہ درخت نہایت بدشکل اور سیاہ رنگ اور خوفناک اور چھوٹے قد کے ہیں۔ میں نے بعض لگانے والوں سے پوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ طاعون کے درخت ہیں جو عنقریب ملک میں پھیلنے والی ہے۔ میرے پر یہ امر مشتبہ رہا کہ اس نے یہ کہا کہ آئندہ جاڑے میں یہ مرض بہت پھیلے گا یا یہ کہا کہ اس کے بعد جاڑے میں پھیلے گا۔ لیکن نہایت خوفناک نمونہ تھا جو میں نے دیکھا۔ اور مجھے اس سے پہلے طاعون کے بارے میں الہام بھی ہوا اور وہ یہ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ اِنَّهٗ اٰوَى الْقَرْيَةَ یعنی جب تک دلوں کی وباء معصیت دور نہ ہو تب تک ظاہری وباء بھی دور نہ ہوگی...... یہ تقدیر ایسی ہے کہ جو دعا' صدقات اور خیرات اور اعمال صالحہ اور توبہ نصوح سے ٹل سکتی ہے۔ اس لئے میری ہمدردی نے تقاضا کیا کہ میں عام لوگوں کو اس سے اطلاع دوں۔" [۲۵]

"جلسہ طاعون" اور "دوائے طاعون"

مندرجہ بالا اشتہار کے بعد آپ نے ۲ مئی کو اپنے مخلصین خاص کا اجتماع کرکے انہیں متوقع وبائی خطرہ سے متعلق ضروری ہدایات دیں۔ [۲۶] آپ نے ان کے سچے خادم دین وملت ہونے کی وجہ

سے ارشاد فرمایا کہ ہماری جماعت بنی نوع انسان کی سچی ہمدردی اور گورنمنٹ کی ہدایتوں کی دل و جاں سے پیروی کر کے اپنی نیک ذاتی اور نیک عملی اور خیراندیشی کا نمونہ دکھاوے۔ [۲۷]

علاوہ ازیں حضور نے پہلے ہی "تریاق الٰہی" نامی ایک الہامی دوا بھی اڑھائی ہزار روپیہ کے صرف سے تیار کروائی تا جس وقت پنجاب میں طاعون پھیلنے کا احتمال ہو یہ دوا للہ تقسیم کر دی جائے ساتھ ہی بدن پر مالش کے لئے "مرہم عیسیٰ" بھی بنائی جو طاعون کی تمام قسموں کے لئے تیر بہدف اور مادہ سمی کی بہترین مدافعت کرتی ہے۔ دوائے طاعون کے لئے حضرت مولوی نورالدین صاحب نے دو ہزار روپے کے یاقوت رمانی دیئے۔ نیز شیخ رحمت اللہ صاحب' نواب محمد علی خان صاحب' ڈاکٹر بوڑے خاں صاحب اسسٹنٹ سرجن قصور اور منشی رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر انبالہ اور کئی اور دوستوں نے بھی اس کار خیر میں حصہ لیا۔ یہ دوا تیار ہو چکی تو حضور اقدسؑ نے ۲۳/ جولائی ۱۸۹۸ء کو اشتہار دیا جس میں عوام کے لئے بیش قیمت طبی ہدایات دیں اور ان ظاہری تدابیر کے ساتھ جو ہمیشہ سنت صلحاء کا خاصہ رہی ہیں سب سے ضروری بات یہ لکھی کہ "خدا تعالیٰ سے گناہوں کی معافی چاہیں' دل کو صاف کریں اور نیک اعمال میں مشغول ہوں۔" یہ اشتہار دو ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا۔ [۲۸]

انہیں دنوں حضور پر روحانی طریق سے یہ انکشاف بھی ہوا کہ طاعون اور خارش کا مادہ ایک ہے چنانچہ حضورؑ نے مشورہ دیا کہ اگر تجربہ کرنے والے اس امر کی طرف توجہ کریں اور بطور حفظ ماتقدم طاعون سے متاثرہ مقامات پر خارش کا مرض پھیلا دیں تو ممکن ہے کہ مادہ طاعون اس راہ سے تحلیل ہو جائے اور طاعون سے نجات مل جائے۔ [۲۹]

ملکی اخبارات کی مخالفت

حضورؑ نے طاعون کی پیشگوئی سے متعلق جو پہلا اشتہار شائع فرمایا وہ ملکی اخبارات کو بھی بھجوا دیا تھا مگر افسوس مکفر علماء کے علاوہ اخبارات نے بھی جو عوام کے نمائندے تھے اور ان کی مفید راہنمائی کر سکتے تھے اپنے قلم کا پورا زور گورنمنٹ کے قانون طاعون پر جرح قدح کرنے میں صرف کر دیا اور گورنمنٹ کے قانون اور مذہبی دست درازی کی آڑ لے کر اس سلسلہ میں چھوت چھات کی ایسی طویل بحثیں چھیڑ دیں کہ اصلی مقصد ہی فوت ہو گیا۔ لاہور کے روزنامہ "پیسہ اخبار" نے حضور کے اشتہار کے ایک حصہ کو بہت معقول' مؤثر' قیمتی مشورہ بہت عمدہ اور مدلل تسلیم کرنے کے باوجود اس پر متعدد اعتراضات اٹھائے۔ [۳۰]

مخالفین حضرات اسی طرح مخالفت کر رہے تھے کہ جلد ہی طاعون پنجاب میں بھی داخل ہو گئی۔ شروع میں اس کا حملہ زیادہ سخت نہیں تھا مگر وہ رفتہ رفتہ تیز ہوتی گئی یہاں تک کہ ۱۹۰۲ء میں اس نے کافی زور پکڑ لیا اور ۱۹۰۳ء سے لے کر ۱۹۰۷ء تک تو اس نے پورے صوبہ میں وہ تباہی مچائی کہ لوگوں

کی آنکھوں کے سامنے قیامت کا نمونہ آگیا۔ ہزاروں دیہات ویران ہو گئے۔ سینکڑوں شہروں اور قصبوں کے محلے کے محلے خالی ہو گئے اور بعض جگہ ایسی تباہی آئی کہ مردوں کو دفن کرنے کے لئے کوئی آدمی نہیں ملتا تھا اور لاشیں سڑکوں اور گلیوں میں پڑی ہوئی سڑتی تھیں۔ [۲۱]

جب یہاں تک نوبت پہنچی تو وہی اخبارات جنہوں نے حضرت اقدس کے اشتہارات پر ہنسی اڑائی تھی برملا لکھنے لگے کہ "یہ سب باتیں ثابت کرتی ہیں کہ خدا کے علم میں پنجاب کو ابھی اس وباء سے بہت کچھ نقصان پہنچنا تھا"۔ [۲۲] نیز انہیں حضرت اقدس کے بیان کی لفظاً لفظاً تصدیق کرتے ہوئے لکھنا پڑا کہ "طاعون کا اگر علاج ہے تو یہی ہے جو ہر شہر کے باشندے کر رہے ہیں کہ بد اعمال ترک کر کے سچے دل سے جناب باری میں التجا کریں تاکہ اس کا دریائے رحم جوش میں آکر اس قہر کی آگ کو بجھا دے۔" [۲۳]

حضور کی وفات کی مفتریانہ خبر

انہیں دنوں جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام طاعون کے پنجاب پر خطرناک حملہ کی خبر دے کر انہیں نیکی، تقویٰ شعاری اور اخلاق و مروت کی تلقین فرما رہے تھے، آپ کے مخالفوں نے آپ کی وفات کی مفتریانہ خبر اڑا دی۔ یہ افسوسناک حرکت ملا محمد بخش جعفر زٹلی نے کی تھی جس نے "افسوسناک حادثہ" کے عنوان سے اس مضمون کا اشتہار شائع کیا کہ مرزا صاحب (معاذ اللہ) طاعون میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے ہیں۔ یہ خبر چونکہ بڑی تیزی سے ملک بھر میں پھیل گئی تھی اس لئے ۱۳ اپریل ۱۸۹۸ء کو اس کے ازالہ کے لئے اخبار الحکم کا ایک غیر معمولی پرچہ شائع کرنا پڑا۔

"البلاغ" یا "فریاد درد" کی تصنیف اور
دنیا کی اہم زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی اشاعت کی جامع سکیم کا اعلان

کتاب اُمہات المؤمنین کی اشاعت

ایک بد زبان کشمیری مرتد احمد شاہ شائق عیسائی نے جو کسی زمانہ میں لداخ کا میڈیکل افسر اور جگراؤں ضلع لدھیانہ کا مشنری بھی رہ چکا تھا [۲۴] انگلینڈ میں "اُمہات المؤمنین" کے نام سے ایک گندی کتاب لکھی جو آر۔ پی پریس گوجرانوالہ میں چھپی اور اوائل ۱۸۹۸ء میں بڑے وسیع پیمانے پر مفت تقسیم کی

گئی اس کتاب میں آنحضرت ﷺ اور حضورؐ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا کو اتنی غلیظ گالیاں دی گئی تھیں کہ مسلمانان ہند کے جگر چھلنی اور دل پارہ پارہ ہو گئے اور ہر طرف اس کے خلاف بہت شور اٹھا اور اخباروں میں زبردست احتجاج کیا گیا۔ ہندوستان کے شرق و غرب میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ "انجمن حمایت اسلام" لاہور نے یہ اشتعال دیکھ کر گورنمنٹ کے نام ایک میموریل بھیجا کہ کتاب ضبط کرلی جائے حالانکہ کتاب ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم ہو کر اپنا زہر پوری شدت سے پھیلا چکی تھی اور اس کی ضبطی کا سوال اٹھانا محض اپنی شکست کا اعتراف کرنا تھا اور جیسا کہ ایک مسلمان اخبار "مخبر دکن" نے بھی تسلیم کیا تھا اس مطالبہ کی منظوری سے اس کے سوا اور کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہو سکتا کہ مخالفین اسلام بھی اسلامی لٹریچر کی ضبطی کا مطالبہ شروع کر دیتے اور یہ چکر ایک نہ ختم ہونے والی جنگ کی صورت اختیار کر جاتا اور بالآخر تبلیغ اسلام کے رستے قریباً مسدود ہو کے رہ جاتے۔ [۲۵]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے میموریل

یہ نازک صورت حال دیکھ کر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسلمانوں کی راہنمائی کے لئے فوراً میدان عمل میں آئے اور حضورؑ نے اپنی جماعت اور روشن خیال مسلمانوں کی طرف سے ۴ / مئی ۱۸۹۸ء کو لیفٹیننٹ گورنر صاحب پنجاب کو ایک مفصل میموریل بھجوایا کہ انجمن حمایت اسلام کے میموریل سے ہم قطعاً متفق نہیں ہیں۔ اسلام ایک مقدس اور معقول مذہب ہے اس کے نزدیک دین میں جبر و اکراہ جائز نہیں ہے۔ پس مذہبی آزادی کا دروازہ کھلا رکھنا ضروری ہے تا مذہبی علوم و معارف میں لوگ ترقی کریں۔ اور چونکہ اس عالم کے بعد ایک دوسرا عالم بھی ہے جس کے لئے ابھی سے سامان چاہیے اس لئے ہر ایک حق رکھتا ہے کہ نیک نیتی کے ساتھ ہر ایک مذہب پر بحث کرے۔ ہاں اس کے لئے تہذیب و شائستگی سے کام لینا ضروری ہے مگر کتاب امہات المومنین میں ہمارے نبی کریم ﷺ کو انتہائی شرمناک اور مکروہ ترین الفاظ سے یاد کیا گیا۔ اور یہ سب کچھ اس قوم نے کیا جس کا دعویٰ تہذیب کا تھا مگر قرآن مجید کا ہمیں یہی حکم ہے کہ ہم اہل کتاب تک حکیمانہ انداز' ناصحانہ رنگ اور احسن پیرایہ میں خدا کا پیغام پہنچائیں۔ اسلام کوئی عاجز اور فرومانده دین نہیں کہ جو حملہ کرنے والوں کا جواب دینے سے عاجز ہو۔ پس کتاب "امہات المومنین" کے خلاف حکومت اپنے ملکی قوانین کے لحاظ سے از خود جو چاہے قدم اٹھائے مگر ہمارا فرض صرف یہ ہونا چاہیے کہ ہم اس کے اعتراضات کا جو درحقیقت نہایت نادانی یا دھوکہ دہی کی غرض سے کئے گئے ہیں خوبی اور شائستگی کے ساتھ جواب دیں اس طرح اس کتاب کی قبولیت خود بخود گر جائے گی۔

حضورؑ نے اس میموریل میں آنحضرت ﷺ کے خلاف پادریوں کی دریدہ دہنی اور فحش گوئی اور بدزبانی کی طرف حکومت کو توجہ دلاتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ قرآن مجید میں پہلے سے یہ خبر موجود ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ عیسائی اپنے اعتراضات کے ذریعہ سے مسلمانوں کو بڑی اذیت پہنچائیں گے۔ پس پادریوں کی ان ناشائستہ حرکات سے بھی اسلام ہی کی سچائی ثابت ہوتی ہے۔[٢٦]

تصنیف "البلاغ" یا "فریاد درد"

اس میموریل کے علاوہ (جو اپنی ذات میں عیسائی حکومت کے لئے تبلیغ اسلام کا ایک مؤثر ذریعہ بھی تھا) حضورؑ نے دوسرا کام یہ کیا کہ انہی دنوں ایک کتاب "البلاغ" تصنیف فرمائی جس میں حضور نے مخالفین اسلام کے جواب میں دنیا کی مختلف زبانوں میں لٹریچر شائع کرنے کی ایک جامع سکیم مسلمانوں کے سامنے رکھی اور انہیں بتایا کہ اس وقت تک کروڑوں کتابیں عیسائیوں کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں۔ اس صورت میں اگر نقض امن کے اندیشہ کی تدبیر یہی ہے جو انجمن حمایت اسلام کو اب سوجھی کہ میموریل بھجوایا جائے تو آج تک کم از کم ایک کروڑ میموریل حکومت کو جانا چاہیے تھا۔ پس میموریل اس کا کوئی علاج نہیں۔ اس وقت پادریوں کی زہریلی تحریرات اور ملحدانہ فلسفہ نے اسلام پر یورش کر رکھی ہے اور امہات المومنین کی طرز کی کتابوں کا سیلاب اڈا آرہا ہے پس ایسی صورت میں دفاع کی صرف ایک ہی قابل عمل صورت ہے اور وہ یہ کہ ایک موزوں شخص کا انتخاب کیا جائے جو اعتراضات کا مجموعہ تیار کر کے نہ صرف نرمی اور متانت سے ان کا جواب تحریر کرے۔ بلکہ اسلامی تعلیم کی عمدگی ایسے دلکش انداز میں ثابت کر دکھائے کہ پادریوں کی ساٹھ سالہ دجالانہ کارروائیاں خاک میں مل جائیں اور اسلام کا منور چہرہ آفتاب کی طرف سامنے آجائے۔

اسلامی مدافعت سرانجام دینے والے شخص کی خصوصیات

اسلامی مدافعت کا یہ فریضہ نہایت درجہ نازک، پیچیدہ اور کٹھن تھا اور حضورؑ ایک عرصہ سے اس میدان میں مصروف جہاد تھے۔ لہٰذا حضورؑ نے اس کتاب میں وہ خصوصیات بھی تحریر فرمادیں جو مدافعت اسلامی کا کام کرنے والے شخص میں پائی جانی ضروری ہیں۔ یہ خصوصیات مندرجہ ذیل تھیں۔

١۔ وہ زبان عرب میں یکتائے روزگار ہو۔

٢۔ اس کی دینی معرفت میں صرف یہی کافی نہیں کہ چند حدیث اور فقہ اور تفسیر کی کتابوں پر اسے عبور ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ تحقیق اور تدقیق اور لطائف اور نکات اور براہین یقینیہ پیدا کرنے میں فی الواقعہ حکیم الامت اور زکی النفس ہو۔

۳۔ کسی قدر علوم طبعی اور طباعت اور ہیئت اور جغرافیہ میں بھی دسترس رکھتا ہو۔

۴۔ عیسائیوں کے مقابل پر وہ ضروری حصہ بائبل کا جو پیشگوئیوں وغیرہ میں قابل ذکر ہوتا ہے عبرانی زبان میں یاد رکھتا ہو۔

۵۔ خدا سے حقیقی ربط اور صدق اور وفا اور محبت الٰہیہ اور اخلاص اور طہارت باطنی اور اخلاق فاضلہ اور انقطاع الی اللہ رکھتا ہو کیونکہ علم دین آسمانی علوم میں سے ہے اور یہ علوم تقویٰ اور محبت الٰہیہ سے وابستہ ہیں

۶۔ علم تاریخ سے واقف ہو۔

۷۔ علم منطق اور علم مناظرہ میں بھی کسی قدر ملکہ ہونا ضروری ہے

۸۔ اس کے پاس معتبر اور مسلم الثبوت کتابوں کا ایک ذخیرہ ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ منقولات صحیحہ کی فوج جھوٹے کا منہ توڑنے کے لئے تیز حربوں کا کام دیتی ہے۔

۹۔ دینی خدمت کے لئے اس کی زندگی وقف ہو۔

۱۰۔ اسے اعجازی طاقت حاصل ہو کیونکہ انسان حقیقی روشنی حاصل کرنے کے لئے اور کامل تسلی پانے کے لئے اعجازی طاقت یعنی آسمانی نشانوں کے دیکھنے کا محتاج ہے اور سچے مذہب کے لئے ضروری ہے کہ ہمیشہ اس میں نشان دکھلانے والے پیدا ہوتے رہیں۔ [۳۷]

اشاعت کے بارے میں اہم تجاویز

حضور نے اس کی اشاعت کے لئے بھی متعدد اہم اور اصولی تجاویز پیش فرمائیں مثلاً ایسی کتاب اردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبان میں شائع ہو اور تمام بلاد اسلامیہ میں اس کی مفت اشاعت کی جائے۔ اخراجات کی فراہمی کے لئے حضورؑ نے یہ مشورہ دیا کہ مسلمانوں کی ایک کمیٹی قائم کی جائے جو ہر طبقہ کے مسلمانوں سے ایک رقم کثیر بطور چندہ جمع کرے۔ آمدہ رقوم ایک امین کے سپرد کی جائیں اور حسب ضرورت خرچ کی جائیں۔

فہرست کتب

کتاب کے آخر میں حضورؑ نے بطور ضمیمہ کتب حدیث، تفسیر، صرف و نحو، معانی، بیان، ادب، لغت، تاریخ، اصول فقہ، کلام، منطق، اخلاق و تصوف، طب اور کتب مذاہب اور علوم مختلفہ کی قریباً ڈیڑھ ہزار کتب کی فہرست بھی شامل کی جن سے مخالفین اسلام کے رد میں استفادہ کرنا ضروری ہے۔ اور جو حضور اور حضرت مولوی نور الدین صاحب کے کتب خانہ میں موجود تھیں۔

مسلمانوں سے اپیل

یہ جامع سکیم پیش کرتے ہوئے حضورؑ نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ "اے بزرگو! یہ وہ زمانہ ہے جس میں وہی دین اور دینوں پر غالب ہو گا جو اپنی ذاتی قوت سے اپنی عظمت دکھاوے۔ پس جیسا کہ ہمارے مخالفوں نے ہزاروں اعتراض کر کے یہ ارادہ کیا ہے کہ اسلام کے نورانی اور خوبصورت چہرہ کو بدشکل اور مکروہ ظاہر کریں ایسا ہی ہماری کوششیں اسی کام کے لئے ہونی چاہئیں کہ اس پاک دین کی کمال درجہ کی خوبصورتی اور بے عیب اور معصوم ہونا بپایہ ثبوت پہنچا دیں... اور ان کو دکھلا دیں کہ اسلام کا چہرہ کیسا نورانی' کیسا مبارک اور کیسا ہر ایک داغ سے پاک ہے...... خدا تعالیٰ نے ہمارے دل کو اسی امر کے لئے کھولا ہے کہ اس وقت اور اس زمانہ میں اسلام کی حقیقی تائید اسی میں ہے کہ ہم اس تخم بدنامی کو جو بویا گیا ہے اور ان اعتراضات کو جو یورپ اور ایشیا میں پھیلائے گئے ہیں جڑ سے اکھاڑ کر اسلامی خوبیوں کے انوار اور برکات اس قدر غیر قوموں کو دکھلا دیں کہ ان کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔" [۳۸]

حمایت اسلام کے میموریل کی نامنظوری اور مسلمانوں کا اظہار اطمینان

حضرت اقدسؑ کی پیش فرمودہ جامع سکیم آج بھی قائم ہے اور قیامت تک مشعل راہ کا کام دے گی مگر انجمن حمایت اسلام کا میموریل حکومت نے مسترد کر دیا جس پر مسلمانان پنجاب کے ذہین طبقہ نے بھی اظہار اطمینان کیا۔ [۳۹]

سر سید احمد خان صاحب کی طرف سے حضورؑ کے موقف کی تائید

مسلمانوں کے مشہور سیاسی لیڈر سر سید احمد خان صاحب بھی حضور اقدسؑ کے اس موقف کی تائید میں تھے کہ کتاب "اُمہات المؤمنین" کا جواب دینا چاہیے۔

سر سید اس کے جلد بعد انتقال کر گئے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "البلاغ" میں انہیں بہادر' زیرک' حقیقت شناس اور فریس انسان قرار دیتے ہوئے لکھا۔ "انہوں نے اپنی تمام عمر میں ایسا کوئی فضول میموریل کبھی گورنمنٹ عالیہ کی خدمت میں نہیں بھیجا جیسا کہ اب لاہور سے بھیجا گیا۔ بلکہ اب بھی جب ان کو کتاب "اُمہات المؤمنین" کے مضامین پر اطلاع ہوئی تو صرف رد لکھنا پسند فرمایا۔ سید صاحب تینوں باتوں میں میرے موافق رہے۔ اول حضرت عیسیٰ کی وفات کے مسئلہ میں۔ دوم جب میں نے یہ اشتہار شائع کیا کہ سلطان روم کی نسبت گورنمنٹ انگریزی کے حقوق ہم پر غالب ہیں تو سید صاحب نے میرے اس مضمون کی تصدیق کی اور لکھا کہ سب کو اس کی پیروی کرنی چاہیے۔ سوم اسی کتاب "اُمہات المؤمنین" کی نسبت ان کی یہی رائے تھی کہ اس کا رد لکھنا چاہیے۔

میموریل نہ بھیجا جائے کیونکہ سید صاحب نے اپنی عملی کارروائی سے رد لکھنے کو اس پر ترجیح دی۔" [۶۰]

"البلاغ" یا "فریاد درد" کی اشاعت

"البلاغ" کے بارے میں تجویز تھی کہ اردو کے علاوہ فارسی' عربی اور انگریزی زبانوں میں بھی اس کی اشاعت ہو۔ [۶۱] لیکن ۱۸۹۹ میں اس کا صرف انگریزی ایڈیشن شائع کیا گیا۔ [۶۲] اور اردو ایڈیشن حضورؑ کے وصال مبارک کے بعد ۱۹۲۲ء میں چھپا۔

رشتہ ناطہ کے متعلق

"اپنی جماعت کے لئے ضروری اشتہار"

علماء کی مسلسل جدوجہد نے ایسی فضا پیدا کردی تھی کہ غیر احمدی اقارب سے نئے رشتے غیر ممکن ہوگئے تھے اس لئے وقت آگیا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ جماعت کی اندرونی تنظیم و اصلاح اور اسے اہل و اقارب کے بد اثرات سے بچانے کے لئے کوئی واضح قدم اٹھائیں چنانچہ حضورؑ نے برسوں کے انتظار کے بعد بالآخر ۷/ جون ۱۸۹۸ء کو جماعت کے نام ایک اشتہار دیا جس میں تحریر فرمایا کہ "مال میں دولت میں علم میں فضیلت میں خاندان میں پرہیزگاری میں خدا ترسی میں سبقت رکھنے والے اس جماعت میں بکثرت موجود ہیں۔ ہر ایک اسلامی قوم کے لوگ اس جماعت میں پائے جاتے ہیں تو پھر اس صورت میں کچھ بھی ضرورت نہیں کہ ایسے لوگوں سے ہماری جماعت نئے تعلق پیدا کرے جو ہمیں کافر کہتے اور ہمارا نام دجال رکھتے یا خود تو نہیں مگر ایسے لوگوں کے ثناء خواں اور تابع ہیں۔" [۶۳]

کتاب البنین والبنات

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا گیا کہ شادیوں کے سلسلہ میں بڑی دقت محسوس ہو رہی ہے۔ جماعت کے قابل شادی لڑکے اور لڑکیوں کا ایک رجسٹر ہو تو مفید ہوگا۔ حضورؑ نے اس معقول تجویز کو پسند فرمایا اور مندرجہ بالا اشتہار میں ہی مخلصین جماعت کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنی اولاد کی فہرستیں بقید عمر و قومیت بھیج دیں تا جماعتی رشتوں کا پرائیویٹ ریکارڈ تیار ہو جائے۔ مخلصین جماعت کی طرف سے فہرستیں آنے لگیں تو حضورؑ نے ایک رجسٹر میں اپنے قلم سے ان کا اندراج شروع فرما دیا اور اس کا نام "کتاب البنین والبنات" [۶۴] تجویز فرمایا۔ حضورؑ کا منشاء مبارک تو مستقل طور پر ان فہرستوں کے اندراج کا تھا مگر ابھی ستر (۷۰) صاحب اولاد اصحاب کے نام درج ہوئے تھے کہ یہ تجویز درمیان میں ہی رہ گئی جس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک مخلص دوست کو رشتہ درکار تھا دوسری طرف اسی شخص کی ایک لڑکی قابل شادی تھی جو

شخص رجسٹر کھولنے کا محرک تھا۔ حضرت اقدسؑ نے اس مخلص دوست کو اس شخص کا نام بتایا کہ اس سے سلسلہ جنبانی کی جائے لیکن اس نے نہایت غیر معقول عذر کر کے رشتہ دینے سے انکار کر دیا جس پر حضورؑ نے فرمایا کہ آج سے میں شادیوں کے معاملہ میں دخل نہیں دوں گا۔ [۴۵]

گو اس طرح رجسٹر تو ناتمام رہ گیا مگر حضورؑ نے اپنے اشتہار میں شادی بیاہ کے لئے جو اصول ارشاد فرمایا تھا وہ آئندہ چل کر جماعت کی اصلاح و تنظیم اور اخوت و یگانگت اور خالص اسلامی ماحول کے قیام کا بہترین ذریعہ ثابت ہوا اور آپ کی طرف منسوب جن اصحاب نے اسے پس پشت ڈالنے کی کوشش کی وہ ایک لحاظ سے دوسرے عناصر میں ہی جذب ہو کے رہ گئے ہیں اور انہیں اپنی اولادوں کا مستقبل صاف طور پر تاریک دکھائی دے رہا ہے۔ [۴۶-۴۷]

مقدمہ انکم ٹیکس سے بریت کا نشان

اللہ تعالیٰ کی مالی مدد و نصرت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ تھی جس کی کثرت کو حاسدوں نے دیکھ کر یہ شاخسانہ کھڑا کر دیا کہ آپ کی آمدنی بہت ہے مگر آپ حکومت کے قانون کے مطابق انکم ٹیکس ادا نہیں کرتے اور سرکاری خزانہ کو نقصان پہنچا رہے ہیں چنانچہ بعض مخالفین کی مخبری پر وسط ۱۸۹۸ء میں حضورؑ پر حکومت پنجاب نے سات ہزار دو سو روپیہ پر ایک سو ستاسٹھ روپیہ آٹھ آنہ کا ٹیکس عائد کئے جانے کا مقدمہ دائر کر دیا۔ ڈاکٹر مارٹن کلارک اور ان کے ہمنوا جو اپنے مقصد میں ناکام ہو چکے تھے بڑے خوش ہوئے کہ اگر ہمارا پہلا نشانہ خطا ہو گیا تو اس مقدمہ میں اس کی تلافی ہو گی لیکن خدا تعالیٰ کو اپنے محبوب کی ذات اور اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کے نشان کے بعد مالی اعتبار سے بھی نصرت کا نشان دکھلانا مقصود تھا۔ یہ مقدمہ ایک ہندو تحصیلدار کے پاس تھا۔ حضرت اقدسؑ کی طرف سے شیخ علی احمد صاحب وکیل نے ۲۰/ جون ۱۸۹۸ء کو عذرداری داخل کی۔ [۴۸] اسی دوران میں حضور مسجد مبارک میں چند احباب کے ساتھ بیٹھے آمد خرچ کا حساب کر رہے تھے کہ آپ پر کشفی حالت طاری ہوئی اور آپ کو دکھایا گیا کہ ہندو تحصیلدار جس کے پاس مقدمہ تھا بدل گیا ہے اور اس کی بجائے ایک اور شخص کرسی پر بیٹھا ہے جو مسلمان ہے اور اس کشف کے ساتھ بعض ایسے امور بھی ظاہر ہوئے جو فتح کی بشارت دیتے تھے۔ حضور نے اسی وقت اپنا یہ کشف حاضرین کو سنا دیا جن میں خواجہ جمال الدین صاحب بی۔ اے انسپکٹر مدارس جموں و کشمیر کے علاوہ حضورؑ کے اور بہت سے خدام بھی موجود تھے۔

[۴۹-۵۰]

مسلمان تحصیلدار کی غیر جانبدارانہ رپورٹ

چنانچہ اس کے بعد حالات یکایک بدل گئے اور ہندو تحصیلدار کی کرسی پر ایک مسلمان منشی تاج الدین صاحب باغبانپوری بٹالہ آگئے جنہوں نے ۱۵۔ اگست ۱۸۹۸ء کو قادیان پہنچ کر اصل معاملہ کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کی اور ۳۱۔ اگست ۱۸۹۸ء کو مسٹر ایف۔ ٹی ڈکسن (F.T.DIXON) کلکٹر ضلع گورداسپور کی خدمت میں مفصل رپورٹ بھجوائی کہ "مرزا غلام احمد کی اپنی ذاتی آمدنی سوائے آمدنی تعلقہ داری زمین اور باغ کے اور نہیں ہے جو قابل ٹیکس ہو۔ ۵۱ گواہوں میں سے چھ گواہ گو معتبر اشخاص ہیں لیکن مرزا صاحب کے مرید ہیں اور اکثر مرزا غلام احمد کے پاس رہتے ہیں۔ دیگر سات گواہ مختلف قسم کے دوکان دار ہیں جن کو مرزا صاحب سے کچھ تعلق نہیں ہے بالعموم یہ سب گواہان مرزا غلام احمد کے بیان کی تائید کرتے ہیں اور اس کی ذاتی آمدنی تعلقہ داری زمین اور باغ کے اور کسی قسم کی نہیں بتلاتے۔ میں نے موقعہ پر بھی خفیہ طور سے مرزا غلام احمد صاحب کی ذاتی آمدنی کی نسبت بعض اشخاص سے دریافت کیا لیکن اگرچہ بعض اشخاص سے معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد کی ذاتی آمدنی بہت ہے اور یہ قابل ٹیکس ہے لیکن کہیں سے کوئی بین ثبوت مرزا صاحب کی آمدنی کا نہ مل سکا زبانی تذکرات پائے گئے کوئی شخص پورا پورا ثبوت نہ دے سکا۔ میں نے موضع قادیان میں مدرسہ اور مہمان خانہ کا بھی ملاحظہ کیا۔ مدرسہ ابھی ابتدائی حالت میں ہے اور اکثر عمارت خام بنا ہوا ہے اور کچھ مریدوں کے لئے گھر بھی بنے ہوئے ہیں۔ لیکن مہمان خانہ میں واقعی مہمان پائے گئے۔ اور یہ بھی دیکھا گیا کہ جس قدر مرید اس روز قادیان میں تھے انہوں نے مہمان خانہ سے کھانا کھایا۔ کمترین کی رائے ناقص میں اگر مرزا غلام احمد کی ذاتی آمدنی صرف تعلقہ داری اور باغ کی قرار دی جائے جیسا کہ شہادت سے عیاں ہوا اور جس قدر آمدنی مرزا صاحب کو مریدوں سے ہوتی ہے اس کو خیرات کا روپیہ قرار دیا جاوے جیسا کہ گواہان نے بالعموم بیان کیا تو مرزا غلام احمد پر موجودہ انکم ٹیکس بحال نہیں رہ سکتا۔"

تاج الدین صاحب تحصیلدار بٹالہ نے اپنی رپورٹ کے آخر میں یہ لکھا۔ "لیکن جب کہ دوسری طرف خیال کیا جاتا ہے کہ مرزا غلام احمد ایک معزز اور بھاری خاندان سے ہے اور اس کے آباؤ اجداد رئیس رہے ہیں اور ان کی آمدنی معقول رہی ہے اور مرزا غلام احمد خود ملازم رہا ہے اور آسودہ حال رہا تو ضرور گمان گزرتا ہے کہ مرزا غلام احمد ایک مالدار شخص ہے اور قابل ٹیکس ہے۔ مرزا صاحب کے اپنے بیان کے مطابق حال ہی میں اس نے اپنا باغ اپنی زوجہ کے پاس گروی رکھ کر اس سے چار ہزار کا زیور اور ایک ہزار روپیہ نقد وصول پایا۔ تو جس شخص کی عورت اس قدر روپیہ دے سکتی ہے اس کی

نسبت یہ ضرور گمان گزرتا ہے کہ ذہ مالدار ہو گا۔ کمترین نے جس قدر تحقیقات کی ہے وہ شامل مسل ہذا ہے۔"

فیصلہ اور بریت

۱۷۔ ستمبر ۱۸۹۸ کو اس مقدمہ کی مسل اور رپورٹ مسٹر ایف۔ ٹی۔ ڈکسن صاحب کے پاس ڈلہوزی گئی اور انہوں نے سب کاغذات دیکھ کر حضور کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دے دیا اور اپنے فیصلہ میں لکھا۔

"یہ ٹیکس اب کے ہی لگایا گیا ہے اور مرزا غلام احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ یہ تمام آمدنی میری جماعت کے لئے خرچ ہوتی ہے میرے ذاتی خرچ میں نہیں آتی۔ وہ اس بات کو بھی قبول کرتے ہیں کہ میری اور بھی جائداد ہے لیکن تحصیلدار صاحب کے سامنے انہوں نے بیان کیا ہے کہ اس میری جائداد کی آمدنی بھی جو از قسم زمین ہے اور پیداوار زراعت ہے اور زیر دفعہ (۵) ب ہے انکم ٹیکس سے بری ہے دینی مصارف میں کام آتی ہے۔ اس شخص کے اظہار نیک نیتی میں مجھے شک کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی جس کی جماعت کو ہر ایک جانتا ہے میں ان کے چندوں کی آمدنی کو جس کی تعداد ۵۲۰۰ بیان کرتے ہیں اور جو محض دینی کاموں میں خرچ ہوتی ہے زیر دفعہ ۵ (ای) انکم ٹیکس سے بری کرتا ہوں۔" ۵۲ (ترجمہ)

مقدمہ کے بعض کوائف

حضورؑ نے اس مقدمہ کی پیروی کے لئے حکیم مولوی فضل دین صاحب بھیروی کو مقرر فرمایا اور شیخ یعقوب علی صاحب تراب کو ان کا معاون۔ مقدمہ میں جماعت کے چھ افراد کی شہادتیں ہوئیں جن میں شیخ صاحب موصوف بھی شامل تھے۔ ۵۳

"ایام الصلح" کی تصنیف و اشاعت

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ۶ فروری ۱۸۹۸ء کو جو اشتہار طاعون کے متعلق تحریر فرمایا تھا اس پر بعض حلقوں سے یہ اعتراض اٹھایا گیا کہ طاعون کے استیصال کے لئے بیک وقت دوا بتانے اور یہ کہنے میں کہ یہ وباء شامت اعمال کا نتیجہ ہے دونو میں تناقض ہے۔ ایام الصلح اگرچہ بظاہر اس اعتراض کے جواب کے لئے لکھی گئی تھی مگر اس میں حضور نے فلسفہ دعا۔ تقدیر۔ ایمان اور اپنی صداقت کے دلائل پر اس خوبی اور شان جامعیت سے روشنی ڈالی کہ ایک انسان کو ایک نئی بصیرت اور ایک نئی روشنی عطا ہوتی ہے۔

ایام الصلح کا فارسی ایڈیشن (جو مولانا عبدالکریم صاحب نے تیار کیا) اگرچہ اگست ۱۸۹۸ء میں چھپ

چکا تھا اور اس کا اعلان بھی الحکم ۱۳۔ اگست ۱۸۹۸ء میں ہو گیا مگر اس پرچہ میں ایک خصوصی ضمیمہ کے ذریعہ سے اس کی اشاعت ایام الصلح اردو کی اشاعت تک مصلحتاً روک دی گئی اور یہ دونو کتابیں جنوری ۱۸۹۹ء میں ایک ساتھ منظر عام پر آئیں۔ [۵۴]

"ضرورۃ الامام" کی تصنیف و اشاعت

وجہ تصنیف حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ دیرینہ تعلق رکھنے والوں میں ایک صاحب منشی الٰہی بخش صاحب اکاؤنٹنٹ لاہور بھی تھے جنہیں اپنے الہامات پر ناز تھا۔ یہ صاحب ستمبر ۱۸۹۸ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حضور کے ایک اور مرید کے ساتھ قادیان پہنچے اور حضور کو تخلیہ میں اپنے بہت سے رؤیا اور الہامات سنائے۔ حضور کو اس امر سے تو خوشی ہوئی کہ خدا تعالیٰ نے انہیں الہامات کا شرف بخشا ہے لیکن جب انہوں نے ایک یہ خواب سنائی کہ میں نے آپ کی نسبت کہا ہے میں ان کی بیعت کیوں کروں بلکہ انہیں میری بیعت کرنا چاہیے [۵۵]۔ تو حضور نے اپنی فراست سے یہ سمجھ کر کہ اس نوع کی خوابوں سے انہیں ٹھوکر نہ لگ جائے صرف ڈیڑھ دن میں ایک پر معارف رسالہ "ضرورۃ الامام" تصنیف فرمایا جو اکتوبر ۱۸۹۸ء میں شائع ہوا۔ [۵۶]

رسالہ ضرورۃ الامام کیا ہے؟ حقائق و معارف کا خزانہ ہے جس میں حضور نے بڑی شرح و بسط سے بتایا ہے کہ امامت کے بلند منصب کے لئے اخلاق، قوت امامت، بسطت فی العلم، عزم، اقبال علی اللہ کی قوتوں اور کشوف و الہامات کے سلسلہ کا ہونا ضروری ہے جو آپ میں خدا تعالیٰ نے جمع کر دی ہیں۔ اس لئے آپ ہی امام الزمان ہیں جن کی پیروی تمام مسلمانوں، زاہدوں، خواب بینوں اور ملہموں کو کرنا خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں حضور نے سچے الہام کی دس ایسی واضح علامات بیان فرمائی ہیں جن سے شیطانی اور رحمانی الہامات میں امتیاز واضح ہو جاتا ہے اور جھوٹا ملہم مقابل پر نہیں ٹھہر سکتا۔ اس ضمن میں حضرت اقدسؑ نے یہ زبردست تحدی فرمائی کہ:۔

"اگر میں حکم نہیں ہوں تو میرے نشانوں کا مقابلہ کرو۔ میرے مقابل پر جو اختلاف عقائد کے وقت آیا ہوں اور سب بحثیں نکمی ہیں۔ صرف حکم کی بحث میں ہر ایک کا حق ہے جس کو میں پورا کر چکا۔ خدا نے مجھے چار نشان دیئے ہیں (۱) میں قرآن شریف کے معجزہ کے ظل پر عربی بلاغت فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے (۲) قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے (۳) میں کثرت قبولیت دعا کا نشان دیا گیا ہوں کوئی

نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میری دعائیں تیس ہزار کے قریب قبول ہو چکی ہیں اور ان کا میرے پاس ثبوت ہے (۴) میں غیبی اخبار کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔" ۵۷

حضرت اقدسؑ نے کتاب کے آخر میں نہایت درجہ ہمدردی اور دلسوزی سے الٰہی بخش صاحب کو ان کا نام لئے بغیر نصیحت فرمائی کہ "میرے عزیز ملہم اس دھوکہ میں نہ رہیں کہ فقرات الہامی اکثر ان پر وارد ہوتے ہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ میری جماعت میں اس قسم کے ملہم اس قدر ہیں کہ بعض کے الہامات کی ایک کتاب بنتی ہے۔" نیز یہ لطیف نکتہ بتایا کہ

"ہم انکار نہیں کرتے کہ آپ پر لدنی علم کے چشمے کھل جائیں مگر ابھی تو نہیں۔ خوابوں اور کشفوں پر استعارات اور مجازات غالب ہوتے ہیں مگر آپ نے اپنے خواب کو حقیقت پر حمل کر لیا۔ مجدد صاحب سرہندی نے ایک کشف میں دیکھا تھا کہ آنحضرت ﷺ کو ان کی طفیل خلیل اللہ کا مرتبہ ملا اور اس سے بڑھ کر شاہ ولی اللہ صاحب نے دیکھا تھا کہ گویا آنحضرت ﷺ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے مگر انہوں نے بباعث سعت علم کے وہ خیال نہ کیا جو آپ نے کیا بلکہ تاویل کی۔" ۵۸

منشی الٰہی بخش صاحب میدان مخالفت میں اور ان کا عبرتناک انجام

افسوس منشی الٰہی بخش صاحب "ضرورۃ الامام" جیسی مفصل و مدلل کتاب پڑھنے کے بعد بھی اپنے خیالات و وساوس کو دور کرنے کی بجائے اگلے سال ہی میر عباس علی شاہ صاحب لدھیانوی کی طرح کھلم کھلا میدان مخالفت میں آگئے اور اپنے دوستوں میں یہ مشہور کر دیا کہ انہیں خدا نے بذریعہ الہام خبر دی کہ مرزا صاحب (معاذ اللہ) مسرف و کذاب ہیں لیکن وہ اس مصلحت سے یہ الہامات شائع نہیں کرتے کہ مبادا وہ ہم پر انگریزی عدالت میں نالش کر دیں۔ حضرت اقدسؑ کو آپ کے پرانے رفیق شیخ حامد علی صاحب ساکن تھہ غلام نبی نے حافظ محمد یوسف صاحب ڈپٹی کلکٹر انہار کی زبانی یہ بات سنائی جس پر حضورؑ نے منشی الٰہی بخش صاحب کو اللہ تعالیٰ کی قسم کا واسطہ دے کر یقین دلایا کہ میں ایسے الہامات کی اشاعت پر کوئی نالش نہیں کروں گا بشرطیکہ وہ یہ الہامات حلفاً شائع کریں اور لکھیں کہ اگر یہ میری افترا پردازی ہے تو خدا تعالیٰ مجھے اس کی پاداش میں سزا دے۔ ۵۹

منشی صاحب نے خدا کے شیر کی یہ للکار سنی تو حضورؑ کی مخالفت میں "عصائے موسیٰ" کے نام سے چار سو صفحات کی ایک کتاب لکھ کر شائع کی اور اس میں بڑے طمطراق سے اپنے الہامات مثلاً ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی۔ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ۔ اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ وغیرہ

بھی شائع کئے۔ ۶۰ مگر حضورؑ کے ارشاد کے مطابق حلفیہ بیان شائع نہ کیا۔ لیکن چونکہ انہوں نے اپنی کتاب کا نام "عصائے موسیٰ" رکھ کر خدا کے مسیح کو معاذ اللہ فرعون اور اپنے آپ کو موسیٰ قرار دیا تھا نیز اس میں الہامات لکھے تھے کہ آپ پر خدا کا غضب نازل ہو گا اور طاعون میں مبتلا ہو جائیں گے۔ دوسری طرف اپنے ایک الہام کی بناء پر یہ لکھا تھا کہ جو خدمت مجھ کو سپرد ہوئی جب تک پوری نہ ہوئیں ہرگز نہ مروں گا اس لئے وہ حضورؑ کی زندگی میں ہی ۷۔ اپریل ۱۹۰۷ء کو لاہور میں طاعون کا شکار ہو کر اس جہان سے رخصت ہو گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک اور نشان ظاہر ہوا۔ ۶۱

"اہلحدیث" ۱۱۔ اپریل ۱۹۰۷ء نے ان کی وفات کی خبر شائع کرتے ہوئے لکھا۔ "افسوس منشی الٰہی بخش صاحب لاہوری مصنف عصائے موسیٰ بھی طاعون سے شہید ہو گئے۔" ۶۲

امن عامہ کے قیام کے لئے ایک اور ضروری میموریل

"امہات المومنین" کی اشاعت پر مسلمانوں میں زبردست ہیجان دیکھ کر عیسائی اخبار "نور افشاں" (لدھیانہ) نے نہایت درجہ عاقبت نااندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے اور زیادہ اشتعال پھیلانا شروع کر دیا جس نے ملکی فضا کو اور زیادہ مکدر کر دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فتنہ و فساد کے شعلوں کو پھیلتے دکھا تو اکتوبر ۱۸۹۸ء میں وائسرائے ہند وکٹر الیگزنڈر بروس ایلجن (۱۸۴۹۔ ۱۹۱۷) (Victor Alexander Bruce gth. Earl of Elgion) کے نام ایک میموریل بھیجا جس میں ۱۸۹۵ء کے مذہبی مباحثات سے متعلق میموریل کی تجاویز کا اعادہ کرتے ہوئے مزید یہ تجویز بھی پیش فرمائی کہ

"گورنمنٹ عالیہ دس برس تک جس حد تک مناسب سمجھے اس طریق بحث کو قطعاً مسدود فرما دے کہ کوئی فریق دوسرے کے عقیدے اور مذہب پر حملہ کرے یا کسی قسم کی نکتہ چینی سے فریق مخالف کو ایذا پہنچاوے بلکہ ہر ایک فریق اپنی کل تحریروں اور تقریروں کو اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے تک محدود رکھے اور دوسرے فرقوں اور دوسرے فرقوں کے عقائد اور ان کے حسن و قبح کا ذکر نہ کرے۔" ۶۳

افسوس پہلے میموریل کی طرح انگریزی حکومت نے اس اہم میموریل کی طرف بھی کوئی توجہ نہ کی۔ شاید انگریزی حکومت ان دنوں جس مذہبی آزادی کے تصور میں سرشار تھی وہ ایسا قدم اٹھانے سے اسے روکتا تھا۔

نجم الہدیٰ کی تصنیف و اشاعت

نجم الہدیٰ ''نجم الہدیٰ'' حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی ایک کتاب ہے جو حضورؑ نے ۲۰ / نومبر ۱۸۹۸ء کو صرف ایک دن میں تصنیف فرمائی تھی۔ [۷۴] اس کتاب میں جو بڑی تقطیع پر شائع ہوئی حضرت اقدسؑ نے آنحضرت ﷺ کے محاسن و کمالات کا حسین نقشہ کھینچا ہے اور اپنی قوم کے سامنے دجال کے عالمگیر فتنہ کا نظارہ پیش کرتے ہوئے ستاروں کی طرح چمکتے ہوئے دلائل و براہین اور نشانوں سے اپنی دعویٰ مسیحیت کی سچائی ثابت کر دکھائی ہے۔ حضورؑ نے سوز و گداز میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں اپیل کی ہے کہ ''اے بھائیو! اکیلے اکیلے ہو کر کھڑے ہو جاؤ اور پھر انصاف کی رو سے فکر کرو اور دشمنوں کی طرح مت رہو۔ کیا تمہارا دل یہ فتویٰ دیتا ہے کہ مصیبتیں اس حد تک پہنچیں اور مسلمانوں پر زمین تنگ ہو جائے اور فتنے بکثرت پیدا ہو جائیں یہاں تک کہ ان سے دلوں میں لرزہ پڑے اور بیقراریاں بڑھ جائیں۔ پھر باوجود تمام آفتوں کے خدا تعالیٰ کی مدد آسمان سے نازل نہ ہو اور خدا تعالیٰ کا وعدہ پورا نہ ہو اور صدی کا سراس بادل کی طرح گزر جائے جس میں پانی نہ ہو۔ اور کسی مجدد اور امام کا منہ اس میں ظاہر نہ ہو اور خدا تعالیٰ کی غیرت جوش میں نہ آوے باوجودیکہ فتنے ابر کی طرح محیط ہو جائیں۔ کیا یہ وہ بات ہے جس کو ایمانی فراست قبول کر سکتی ہے یا جس پر ربانی صحیفے گواہی دیتے ہیں...... کیا یہ بات سچ نہیں ہے کہ صلیب کا غلبہ اور اس بددین کا پھیلنا ظہور مسیح کی پہلی علامت ہے اور اس پر اہلسنت نے اقرار صحیح کے ساتھ اتفاق کیا ہے اور کوئی فرد ان میں سے اس حدیث صحیح کا مخالف نہیں ہے اور عقل سلیم اور طبع مستقیم قبول نہیں کر سکتی کہ علامتیں تو اس شوکت اور شان کے ساتھ ظاہر ہوں اور دجل اور فتنہ انگیزی کمال تک پہنچ جائے اور اس پر ایک زمانہ بھی گزر جائے اور مسیح موعود اب تک ظاہر نہ ہو۔'' [۷۵]

نجم الہدیٰ عربی، اردو اور فارسی زبانوں میں تین کالموں میں بڑی تقطیع پر شائع ہوئی تھی۔ اصل کتاب عربی میں تھی اور اس کا اردو اور فارسی ترجمہ بھی حضورؑ نے خود ہی کیا تھا۔ [۷۶] نجم الہدیٰ کا انگریزی ترجمہ خلافت ثانیہ میں خان بہادر چوہدری ابوالہاشم خان صاحب [۷۷] نے "The Load Star" کے نام سے شائع کیا۔

حواشی

۱- "الفضل" ۲۵- اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ کالم ۲ (ملفوظات سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)
۲- رسالہ تعلیم الاسلام جلد اول نمبر ۶ صفحہ ۲۳۰ تا ۲۳۲ و تبلیغ رسالت جلد ششم (بار اول) صفحہ ۱۵۳ تا ۱۵۵
۳- ملفوظات جلد اول صفحہ ۶۸ (بار اول)
۴- تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۱
۵- رسالہ "تعلیم الاسلام" جلد اول صفحہ ۲۳۲، ۲۳۳
۶- رسالہ تعلیم الاسلام جلد اول صفحہ ۲۳۳، ۲۳۶
۷- "الحکم" ۱۰/ دسمبر ۱۹۰۵ صفحہ ۲
۸- رسالہ تعلیم الاسلام جلد اول صفحہ ۲۴۹- یہ وہی جگہ ہے جہاں اب مدرسہ احمدیہ قادیان کی عمارت ہے۔
۹- رسالہ تعلیم الاسلام دسمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۲۴۹
۱۰- "رپورٹ صدر انجمن احمدیہ" صفحہ ۴۷- (اکتوبر ۱۹۱۱ء تا ستمبر ۱۹۱۲ء)
۱۱- اخبار "بدر" ۲۷/ جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۴-۵
۱۲- "رپورٹ صدر انجمن احمدیہ" ربوہ ۴۸-۱۹۴۷ صفحہ ۱۴" رپورٹ صدر انجمن احمدیہ" ۵۲-۱۹۵۱ء صفحہ ۴۳
۱۳- رسالہ تعلیم الاسلام دسمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۲۴۲-
۱۴- حضرت حافظ صاحبؓ ناگپور کے رہنے والے تھے۔ کئی برس تک مکہ معظمہ میں مقیم رہے اور وہیں شادی کی۔ ۱۸۹۳ء میں قادیان آئے اور الدار میں رہائش اختیار کی۔ آپ کئی مرتبہ حج سے مشرف ہوئے۔ ایک حج آپ نے حضرت سیدۃ النساء ام المومنین کے خرچ پر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے بھی کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بچپن میں انہی سے قرآن شریف پڑھا تھا۔ حافظ صاحب فرماتے تھے کہ ختم قرآن کی تقریب پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے ڈیڑھ سو روپے دیئے اور میری تحریک پر "محمود کی آمین" لکھی۔ ۱۵- اکتوبر ۱۹۳۶ء بروز جمعہ ۷۰ سال کی عمر میں وصال ہوا۔ (اخبار الفضل ۲۶/ اکتوبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۶ کالم ۲-)
۱۵- حضرت اقدس کے جلیل القدر صحابی تھے ۱۸۹۴ء میں بیعت کی ۶۷ سال کی عمر میں ۲۵- جون ۱۹۴۴ء کو انتقال ہوا۔ حضرت مسیح پاک کی جذب و تاثیر کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے۔ "ہم جب حضور کے روئے انور کو دیکھتے تو ہمیں معلوم ہوتا کہ جنت میں ہیں آپ کے چہرہ منور کو دیکھتے ہوئے سب غم دور ہو جاتے۔" (الحکم ۲۸/ نومبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۴ کالم ۲)
۱۶- بانی طبیہ عجائب گھر قادیان۔ ستمبر ۱۹۰۵ء میں داخل سلسلہ ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے خاندان سے آپ کو بڑی عقیدت تھی۔ حکیم مبارک احمد خان صاحب ایمن آبادی آپ ہی کے فرزند ہیں۔ ۳۰ جنوری ۱۹۴۶ء کو بعمر ۶۶ سال انتقال فرمایا اور بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔
۱۷- اصل وطن بوبک ضلع سیالکوٹ۔ حضرت قاضی صاحب بڑی خوبی اور مسلمہ قابلیت کے نوجوان تھے۔ آپ اکثر اپنا جوہر قابلیت و علمیت رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ذریعہ سے ظاہر کرتے رہتے تھے جس سے آپ کے علم کا سکہ اہل زبان پر بیٹھ گیا "انگریزی ترجمۃ القرآن" کے پہلے پارہ کا ترجمہ آپ نے انتہائی قابلیت اور تیز رفتاری سے کیا جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ آپ کا انتقال ۱۲- اگست ۱۹۱۶ء کو ہوا۔ آخری آرام گاہ بہشتی مقبرہ قادیان ہے۔ آپ کی وفات کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو قبل از وقت بذریعہ رویا اطلاع دی گئی تھی (الفضل ۱۵- اگست ۱۹۱۶ء صفحہ ۱، ۲)
۱۸- ۳۰/ مارچ ۱۹۰۲ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی۔ ۱۹۰۴ء سے ۱۹۲۸ء تک مدرسہ تعلیم الاسلام میں تعلیمی فرائض سرانجام دینے کی توفیق ملی (روایات صحابہ جلد ۱ صفحہ ۱۸)

۱۹۔ یہ نام رسالہ تعلیم الاسلام دسمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۲۲۳۔۲۲۶ سے ماخوذ ہیں۔

۲۰۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب کے بعد آج تک جو ہیڈ ماسٹر ہوئے ان کی فہرست درج ذیل ہے

مولوی صدر الدین صاحب (۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۴ء)

مولوی محمد دین صاحب (مئی ۱۹۱۴ء تا جنوری ۱۹۲۰ء و اپریل ۱۹۲۷ء تا مئی ۱۹۴۰ء)

قاضی محمد عبداللہ صاحب (جنوری ۱۹۲۰ء تا اپریل ۱۹۲۷ء و ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۴۰ء تا نومبر ۱۹۴۱ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (مئی ۱۹۴۰ء تا اکتوبر ۱۹۴۰ء)

اخوند عبدالقادر خان صاحب (نومبر ۱۹۴۱ء تا جون ۱۹۴۴ء)

سید سمیع اللہ شاہ صاحب (جون ۱۹۴۴ء تا ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۴۴ء)

سید محمود اللہ شاہ صاحب (۲۷۔ اکتوبر ۱۹۴۴ء تا دسمبر ۱۹۵۴ء)

صوفی محمد ابراہیم صاحب (دسمبر ۱۹۵۴ء تا جون ۱۹۵۶ء) میاں محمد ابراہیم صاحب (یکم جون ۱۹۵۶ء تا یکم مئی ۱۹۶۹ء) چوہدری فضل احمد صاحب ۲ مئی تا ۱۹ مئی ۱۹۶۹ء ملک حبیب الرحمٰن صاحب ۲۰ مئی ۱۹۶۹ء سے اب تک فرائض بجالا رہے ہیں (وفات۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۸۷ء) یکم ستمبر ۱۹۷۲ء کو دوسرے پرائیویٹ تعلیمی اداروں کے ساتھ تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ کو بھی قومی تحویل میں لے لیا گیا۔

۲۱۔ رسالہ تعلیم الاسلام دسمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۸۳ و ضمیمہ الحکم ۱۰۔ جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۲۰ (رپورٹ مدرسہ تعلیم الاسلام از مولانا عبدالکریم صاحب جائنٹ سیکرٹری مجلس منتظمہ)

۲۲۔ مدرسہ کے پہلے مڈل کے امتحان میں صوفی غلام محمد صاحب (مبلغ ماریشس)، راجہ اسمٰعیل صاحب۔ شیخ محمد نصیب صاحب شامل ہوئے اور تینوں پاس ہو گئے۔ ("روایات صحابہ" جلد ہشتم صفحہ ۱۲۳) دیگر مفصل کوائف "صدر انجمن احمدیہ" کی سالانہ رپورٹوں میں شائع شدہ ہیں۔

۲۳۔ کتاب البریہ طبع اول صفحہ ۸۰

۲۴۔ کتاب البریہ طبع اول حاشیہ صفحہ ۱۹۲

۲۵۔ تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۵، ۶

۲۶۔ ایام الصلح اردو (طبع اول) صفحہ ۱۳۰

۲۷۔ تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۳۵

۲۸۔ تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۴۷، ۴۸

۲۹۔ ایام الصلح صفحہ ۱۲۰، ۱۲۱

۳۰۔ اخبار "الحکم" ۲۰/ فروری ۱۸۹۸ء صفحہ ۶، ۷ "حیات احمد" مؤلفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ) جلد پنجم صفحہ ۲۴ (حالات ۱۸۹۸ء تا ۱۹۰۰ء)

۳۱۔ "سلسلہ احمدیہ" صفحہ ۱۲۰۔۱۲۱، بطور مثال ملاحظہ ہو البدر ۸۔ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۵ ۱۸۹۶ء سے ۱۹۳۳ء تک ایک کروڑ بیس لاکھ جانیں ہندوستان میں طاعون سے تلف ہوئیں۔ چنانچہ لکھا ہے۔

"The greatest toll was taken in India, where over 12,000,000 perished during the period between 1896 and 1933."

(Collier's Encyclopedia vol.19 P.95 Crowell Collier and Macmillan, Inc, 1967)

۳۲۔ "گلزار ہند" لاہور بحوالہ الحکم ۳۰/ اپریل ۱۹۰۴ء

۳۳۔ ایضاً

۳۴۔ حیات احمد جلد پنجم صفحہ ۳۴، ۳۵ (حالات ۱۸۹۸ء تا ۱۹۰۰ء)

۳۵۔ بحوالہ اخبار الحکم ۱۳، ۲۰/ مئی ۱۸۹۸ء

۳۶۔ ملخصاً از الحکم ۶' ۱۳/ مئی ' ۲۰' ۲۷/ مئی ۱۸۹۸ء
۳۷۔ البلاغ صفحہ ۲ تا ۷ (تلخیص)
۳۸۔ البلاغ طبع اول صفحہ ۱۴
۳۹۔ سراج الاخبار (۲۵/ جولائی ۱۸۹۸) بحوالہ الحکم ۶' ۱۳/ اگست ۱۸۹۸ء صفحہ ۸ کالم ۲
۴۰۔ البلاغ صفحہ ۳۳' ۳۴ (طبع اول) تاریخ وفات سرسید احمد خاں مرحوم (۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء
۴۱۔ الحکم ۲۰' ۲۷/ ستمبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۷ کالم ۱
۴۲۔ الحکم ۱۰/ جنوری ۱۹۰۰ء صفحہ ۴ کالم ۳
۴۳۔ تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۴۰' ۴۶
۴۴۔ یہ قلمی رجسٹر اس وقت "خلافت لائبریری" میں موجود ہے۔ رجسٹر کے اولین اندراج کی تاریخ ۱۵/ جون ۱۸۹۸ء معلوم ہوتی ہے فہرست کی ترتیب یہ تھی۔ نام صاحب اولاد۔ سکونت۔ نام اولاد۔ عمر۔ رجسٹر میں حضورؑ نے اپنے قلم سے سب سے پہلا نام محمد حسین صاحب قریشی (مالک کارخانہ رفیق الصحت لاہور) کا لکھا تھا اور آخری نام مرزا رسول بیگ صاحب (پسر مرزا نیاز بیگ صاحب کلانوری کا
۴۵۔ "برکات خلافت" طبع اول صفحہ ۲۷ (تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)
۴۶۔ لاہوری فریق کے ایک لیڈر لکھتے ہیں۔ "بہت سے نوجوان ہمارے سامنے ہیں جن کے باپ دادا سلسلے پر عاشق تھے لیکن ان نوجوانوں میں وہ روح آج مفقود ہے۔" (پیغام صلح ۶/ فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۷ کالم ۱) یہ حالات اس درجہ تشویشناک ہیں کہ ان حضرات کا کہنا ہے کہ "ہمارا مستقبل ایسی تاریکیوں کے اندر گھرا ہوا ہے کہ ان سے نکلنا اور پہلے کی سی روشن فضاؤں کا پیدا ہونا محال ہے۔..... اس صدی کے مجدد کی تحریک بھی اب زندگی کے آخری مرحلوں میں ہے اور اب نیا مجدد ہی آکر اس کو دوبارہ زندہ کریگا اس میں زندگی کی روح پیدا کرنا اب ہمارا کام نہیں" (پیغام صلح ۱۵/ جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۳ کالم ۱)
۴۷۔ علامہ نیاز محمد خان نیاز فتحپوری حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ بالا ارشاد کی تعمیل میں جماعت احمدیہ کے مسلک کو "اعتصام و فراست" سے موسوم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "اب رہا یہ امر کہ غیر احمدی لوگوں میں وہ رشتہ مصاہرت قائم نہیں کرتے اور ان کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تو اس پر کسی کو کیوں اعتراض ہو؟ کیا آپ کسی ایسے خاندان میں شادی کرنا گوارا کریں گے جس کے افراد آپ کے مسلک کے مخالف ہیں اور کیا آپ ان لوگوں کی اقتداء کریں گے جو اپنے کردار کے لحاظ سے مقتدا بننے کے اہل نہیں ہیں احمدی جماعت کا ایک خاص اصول زندگی ہے جس پر ان کے مرد' ان کے بچے اور ان کی عورتیں سب یکساں کار بند ہیں۔ اس لئے اگر وہ کسی غیر احمدی مرد یا عورت سے رشتہ ازدواج قائم کریں گے تو ان کی اجتماعیت یقیناً اس سے متاثر ہوگی اور وہ یک رنگی اور ہم آہنگی جو اس جماعت کی خصوصیت خاصہ ہے ختم ہو جائے گی۔ آپ اس کو تعصب کہتے ہیں میں اس کو اعتصام و فراست"۔ رسالہ نگار لکھنؤ اکتوبر ۱۹۶۰ء
۴۸۔ "لائف آف احمد" صفحہ ۱۴۴ (از مولانا عبدالرحیم صاحب درد)
۴۹۔ نزول المسیح ۲۲۹۔ حضرت اقدس نے نزول المسیح صفحہ ۲۲۹ میں خواجہ صاحب کے علاوہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے' مولوی عبدالکریم صاحب' مولوی نور الدین صاحب' مولوی شیر علی صاحب اور شیخ عبدالرحمٰن صاحب کو بھی اس نشان کا گواہ قرار دیا ہے
۵۰۔ حیات احمد جلد پنجم صفحہ ۴۹
۵۱۔ "لائف آف احمد" صفحہ ۱۴۴
۵۲۔ ضرورت الامام (طبع اول) صفحہ ۳۲۔ ۳۴ و نزول المسیح صفحہ ۲۲۹ حیات احمد جلد پنجم صفحہ ۵۲ (حالات ۱۸۹۸ تا ۱۹۰۰ء)
۵۳۔ حیات احمد جلد پنجم صفحہ ۴۹
۵۴۔ مولف کتاب "مجدد اعظم" (جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب) نیز مؤلف "حیات طیبہ" نے لکھا ہے کہ ایام الصلح یکم اگست ۱۸۹۸ء کو شائع ہو گئی تھی۔ مگر یہ درست نہیں کیونکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے ۲۰/ ستمبر ۱۸۹۸ء کے

"اشتہار واجب الاظہار" (مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۴۹) میں ایام الصلح اردو اور فارسی دونوں کو غیر شائع شدہ قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں ایڈیشن ایک ساتھ اشاعت پذیر ہوئے جیسا کہ اخبار الحکم ۱۰/ جنوری ۱۸۹۹ء صفحہ ۱۱ کی اس خبر سے ظاہر ہے کہ "کتاب ایام الصلح فارسی اور اردو دونوں مکمل ہو کر شائع ہو گئی ہیں۔"

۵۵۔ ضرورۃ الامام (طبع اول) صفحہ ۲۳ و عصائے موسیٰ صفحہ ۲۳ (از الٰہی بخش صاحب اکاؤنٹنٹ)

۵۶۔ الحکم ۲۹/ اکتوبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۶ کالم نمبر ۲ ("مجدد اعظم" حصہ اول صفحہ ۵۷۴ پر اس کی تاریخ اشاعت ستمبر ۱۸۹۸ء لکھی ہے جو صحیح نہیں)

۵۷۔ ضرورۃ الامام طبع اول صفحہ ۲۲

۵۸۔ ایضاً حاشیہ صفحہ ۲۹

۵۹۔ عصائے موسیٰ صفحہ ۲ (از منشی الٰہی بخش صاحب اکاؤنٹنٹ)

۶۰۔ ایضاً۔ صفحہ ۲۰۔۲۱

۶۱۔ ایضاً صفحہ ۱۹

۶۲۔ بحوالہ "حقیقۃ الوحی" تتمہ صفحہ ۱۰۸۔۱۱۰ (طبع اول)

۶۳۔ الحکم ۱۵۔ اکتوبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۷ کالم نمبر ۱

۶۴۔ نجم الہدیٰ (طبع اول) صفحہ ۴

۶۵۔ نجم الہدیٰ (طبع اول) صفحہ ۴

۶۶۔ حیات احمد جلد پنجم صفحہ ۱۱۴

۶۷۔ ناؤ ضلع راجشاہی بنگال میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں ٹیچر کی حیثیت سے گورنمنٹ کی ملازمت میں داخل ہوئے اور ترقی کر کے ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز کے عہدے تک پہنچے۔ دسمبر ۱۹۱۴ء میں مولوی مبارک علی صاحب۔ بی۔ اے۔ بی ٹی سابق مبلغ جرمنی و امیر صوبائی بنگال کے ذریعہ سے قادیان آکر قبول احمدیت کی سعادت پائی۔ دسمبر ۱۹۳۶ء میں ہجرت کر کے مستقل طور پر قادیان آگئے۔ آپ نے پوری عمر احمدیت کی خدمت میں بسر کی۔ نجم الہدیٰ کے علاوہ کشتی نوح' تحفۃ الملوک' آئینہ صداقت اور نماز کا انگریزی ترجمہ بھی آپ نے کیا۔ قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کی کمیٹی کے ایک رکن آپ بھی تھے۔ آخری بیماری میں جب کبھی کسی احمدی مجاہد کی کارگزاری پڑھتے تو رو رو کر دعا کرتے اے اللہ مجھے توفیق دے کہ میں تندرست ہو کر مصلح موعود کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے دینی جہاد کے میدان میں جاؤں اور اس راہ میں شہید ہو جاؤں۔ ۱۷/ جون ۱۹۴۶ء کو وفات پائی اور بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص میں سپرد خاک ہوئے۔ (الفضل یکم جولائی ۱۹۴۶ء صفحہ ۴)

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شورش انگیزی' مقدمہ حفظ امن اور قبل از وقت پیشگوئی کے مطابق عبرتناک ذلت "راز حقیقت" اور "کشف الغطاء" کی تصنیف و اشاعت

غیر مشروط مباہلہ کی دعوت

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو مقدمہ مارٹن کلارک میں جو کھلی شکست اور ذلت اٹھانی پڑی تھی اس کی تلافی کے لئے انہوں نے اپنی مخالفت انتہاء تک پہنچادی اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک مخلص مرید اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ہم مکتب مولوی عبدالقادر صاحب لدھیانوی نے حضرت اقدسؑ سے بٹالہ میں مولوی محمد حسین صاحب سے بلا شرط مباہلہ کرنے کی درخواست کی جسے حضورؑ نے منظور فرمالیا جس پر انہوں نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھی ایک طویل خط میں سچائی کے فیصلہ کے لئے حضرت اقدسؑ سے بٹالہ میں بلا شرط مباہلہ کرنے کی پرزور دعوت دی اور انہیں تحریص و ترغیب دلانے کے لئے ۲۰۰ روپے نقد انعام دینے کی پیشکش کی۔ مولوی عبدالقادر صاحب کا یہ خط جب الحکم ۲۰۔ ۲۷ ستمبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۱۱۔ ۱۲ میں شائع ہوا تو شملہ سیالکوٹ' بٹالہ اور رالہ آباد کی جماعتوں کے علاوہ قادیان اور دیگر مقامات کے بعض مخلص احباب کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ انہیں بھی مباہلہ کی تحریک میں شامل کیا جائے اور جوش و خروش کا ثبوت دیتے ہوئے مولوی محمد حسین صاحب کے مباہلہ میں کامیاب ہونے کی صورت میں انعام کی پیشکش بھی کی جس سے اکتوبر ۱۸۹۸ء کے آخر تک انعامی رقم دو ہزار پانچ سو پچیس روپیہ آٹھ آنہ تک پہنچ گئی۔ اس مرحلہ پر شیخ یعقوب علی صاحب تراب نے انعام پیش کرنے والوں کی فہرست دے کر اپنے اخبار الحکم (۲۹۔ اکتوبر ۱۸۹۸ء) میں بٹالوی صاحب کو

دعوت مباہلہ کا اشتہار دیا کہ آؤ اور مرد میدان بن کر مباہلہ کرو۔ اس ضمن میں لکھا کہ ان کو اختیار ہو گا کہ اخیر نومبر ۱۸۹۸ء تک اپنی منظوری سے اطلاع دیں۔

ان کی طرف سے اطلاع ملنے پر تین ہفتہ کے اندر پوری انعامی رقم انجمن حمایت اسلام یا اگر وہ چاہیں بنگال بنک میں جمع کرا دی جائے گی۔ روپیہ جمع کرا دینے کے ایک ہفتہ کے اندر تاریخ مقررہ میں بمقام بٹالہ غیر مشروط مباہلہ ہو گا اور مباہلہ میں کامیابی کی صورت میں یہ انعامی رقم بلا تامل ان کے حوالہ کر دی جائے گی۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا ردعمل

اس اشتہار اور دعوت کا کوئی معقول جواب دینے کی بجائے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سخت کلامی پر اتر آئے اور انہوں نے ابوالحسن صاحب تبتی اور ملا محمد بخش صاحب جعفرزٹلی کی طرف سے ایک گندہ اشتہار دیا جس میں حضورؑ کو گالیاں دی گئی تھیں۔[۱]

خدائی فیصلے کا اعلان

حضورؑ کو جب یہ گالیوں سے بھرا ہوا اشتہار ملا تو حضور اقدسؑ نے ۲۱/ نومبر ۱۸۹۸ء کو مندرجہ ذیل اشتہار دیا۔

"اس وقت وہ اشتہار میرے سامنے رکھا ہے اور میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ مجھ میں اور محمد حسین میں آپ فیصلہ کرے اور وہ دعا جو میں نے کی ہے یہ ہے کہ اے میرے ذوالجلال پروردگار اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل اور جھوٹا اور مفتری ہوں جیسا کہ محمد حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں بار بار مجھ کو کذاب اور دجال اور مفتری کے لفظ سے یاد کیا ہے اور جیسا کہ اس نے اور محمد بخش جعفرزٹلی اور ابوالحسن تبتی۔ نے اس اشتہار میں جو ۱۰/ نومبر ۱۸۹۸ء کو چھپا ہے میرے ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ تو اے میرے مولا میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل ہوں تو مجھ پر تیرہ ماہ کے اندر یعنی پندرہ دسمبر ۱۸۹۸ء سے پندرہ جنوری ۱۹۰۰ء تک ذلت کی مار وارد کر اور ان لوگوں کی عزت اور وجاہت ظاہر کر اور اس روز کے جھگڑے کو فیصلہ فرما۔ لیکن اگر اے میرے آقا میرے مولیٰ میرے منعم میری ان نعمتوں کو دینے والے جو تو جانتا ہے اور میں جانتا ہوں تیری جناب میں میری کچھ عزت ہے تو میں عاجزی سے دعا کرتا ہوں ان تیرہ مہینوں میں جو پندرہ دسمبر ۱۸۹۸ء سے ۱۵/ جنوری ۱۹۰۰ء تک شمار کئے جائیں گے۔ شیخ محمد حسین اور جعفرزٹلی اور تبتی مذکور کو جنہوں نے میرے ذلیل کرنے کے لئے یہ اشتہار لکھا ہے ذلت کی مار سے دنیا میں رسوا کر۔ غرض اگر یہ لوگ تیری نظر میں سچے اور متقی اور پرہیزگار ہیں اور میں کذاب اور مفتری ہوں تو مجھے ان تیرہ مہینوں٭ میں ذلت کی مار سے تباہ کر اور اگر تیری جناب میں مجھے وجاہت اور عزت ہے تو میرے لئے یہ نشان ظاہر فرما۔ ان تینوں کو

ذلیل اور رسوا اور ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ کا مصداق کر۔ آمین ثم آمین۔

یہ دعا تھی جو میں نے کی۔ اس کے جواب میں یہ الہام ہوا کہ "میں ظالم کو ذلیل اور رسوا کروں گا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹے گا۔ ٭ اور چند عربی الہامات ہوئے جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ ضَرْبُ اللّٰهِ اَشَدُّ مِنْ ضَرْبِ النَّاسِ۔ اِنَّمَا اَمْرُنَا اِذَا اَرَدْنَا شَيْئًا اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنَ۔ اَتَعْجَبُ لِاَمْرِیْ۔ اِنِّیْ مَعَ الْعُشَّاقِ۔ اِنِّیْ اَنَا الرَّحْمٰنُ ذُوالْمَجْدِ وَالْعُلٰى۔ وَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ وَ يُطْرَحُ بَيْنَ يَدَیَّ۔ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا۔ وَ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ۔ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ۔ فَاصْبِرْ حَتّٰى يَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔

یہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے جس کا ماحصل یہی ہے کہ ان دونو فریق میں سے جن کا ذکر اس اشتہار میں ہے یعنی یہ خاکسار ایک طرف اور شیخ محمد حسین اور جعفر زٹلی اور مولوی ابوالحسن تبتی دوسری طرف خدا کے حکم کے نیچے ہیں ان میں سے جو کاذب ہے وہ ذلیل ہو گا۔ یہ فیصلہ چونکہ الہام کی بناء پر ہے اس لئے حق کے طالبوں کے لئے کھلا کھلا نشان ہو کر ہدایت کی راہ ان پر کھولے گا۔"

☆ یہ تیرہ مہینے خدا تعالیٰ کے الہام سے معلوم ہوئے ہیں یعنی سال میں ایک ماہ اور زیادہ ہے۔ منہ

٭ ہاتھ کاٹنے سے مراد یہ ہے کہ جن ہاتھوں سے ظالم نے جو حق پر نہیں ہے ناجائز تحریر کا کام لیا وہ ہاتھ اس کی حسرت کا موجب ہوں گے اور افسوس کرے گا کہ کیوں یہ ہاتھ ایسے کام پر چلے۔ منہ

جعفر زٹلی کا اشتہار اور حضورؑ کی جماعت کو نصیحت

اس اشتہار پر جعفر زٹلی نے ۳۰/ نومبر ۱۸۹۸ء کو پھر مرصع گالیوں کا ایک اور اشتہار دے دیا اور حضورؑ کی پیشگوئیوں کی تکذیب کرتے ہوئے اپنے دل کا خوب غبار نکالا لیکن ۲۱/ نومبر ۱۸۹۸ء سے چونکہ فریقین کے صدق و کذب کا فیصلہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اس لئے حضورؑ نے بھی ۳۰/ نومبر ۱۸۹۸ء کو ایک رسالہ "راز حقیقت" شائع کر کے اپنی جماعت کو نہایت اعلیٰ درجہ کی نصیحت فرمائی کہ "وہ طریق تقویٰ پر پنجہ مار کر یاوہ گوئی کے مقابلہ پر یاوہ گوئی نہ کریں اور گالیوں کے مقابلہ میں گالیاں نہ دیں۔ وہ بہت کچھ ٹھٹھا اور ہنسی سنیں گے جیسا کہ وہ سن رہے ہیں مگر چاہیے کہ خاموش رہیں اور تقویٰ اور نیک بختی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی نظر میں قابل تائید ہوں تو صلاح اور تقویٰ اور صبر کو ہاتھ سے نہ دیں۔ اب اس عدالت کے سامنے مسل مقدمہ ہے جو کسی کی رعایت نہیں کرتی اور گستاخی کے طریقوں کو پسند نہیں کرتی۔ جب تک انسان عدالت کے کمرہ سے باہر ہے اگرچہ اس کی بدی کا بھی مواخذہ ہے مگر اس شخص کے جرم کا مواخذہ بہت سخت ہے جو عدالت کے سامنے کھڑے ہو کر بطور گستاخی ارتکاب جرم کرتا ہے۔ اس لئے میں تمہیں کہتا ہوں کہ

خدا تعالیٰ کی عدالت کی توہین سے ڈرو اور نرمی اور تواضع اور صبر اور تقویٰ اختیار کرو۔ اور خدا تعالیٰ سے چاہو کہ وہ تم میں اور تمہاری قوم میں فیصلہ فرما دے۔ بہتر ہے کہ شیخ محمد حسین اور اس کے رفیقوں سے ہرگز ملاقات نہ کرو بسا اوقات ملاقات موجب جنگ و جدل ہو جاتی ہے اور بہتر ہے کہ اس عرصہ میں کچھ بحث مباحثہ بھی نہ کرو کہ بسا اوقات مباحثہ سے تیز زبانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ضرور ہے کہ نیک عمل اور راستبازی اور تقویٰ میں آگے قدم رکھو کہ خدا ان کو جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں ضائع نہیں کرتا۔" [۳]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے ہم مشرب علماء کی ذلت کا غیبی سامان

۲۱/ نومبر ۱۸۹۸ء سے آسمانی عدالت میں مقدمہ دائر ہوا تھا اور اس کی میعاد تیرہ مہینے مقرر تھی مگر خدا تعالیٰ نے جو شہنشاہ کون و مکاں ہے اپنے بندوں کو زیادہ انتظار میں نہ رکھتے ہوئے اگلے مہینہ میں ہی اس کا فیصلہ کر دیا اور شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے ہمنواؤں کی ذلت کا ایک عجیب غیبی سامان پیدا کر دیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ شیخ صاحب نے ۱۴۔ اکتوبر ۱۸۹۸ء کو وکٹوریہ پریس لاہور سے ایک رسالہ انگریزی میں شائع کیا جس میں انہوں نے گورنمنٹ سے مربع حاصل کرنے کی خاطر امام مہدی آخر الزماں کی پیشگوئی کا صریحاً انکار کیا اور لکھا کہ میں مہدی کے آنے کی تمام حدیثیں موضوع سمجھتا ہوں۔ [۴] چنانچہ اس رسالہ میں انہوں نے اپنے ان مضامین کی فہرست دی جو انہوں نے انگریزی حکومت کی وفاداری وغیرہ میں لکھ کر رسالہ "اشاعت السنہ" میں شائع کئے تھے۔ اس فہرست کا عنوان یہ تھا۔

"The following is a list of Articles in the Ishat-us- Sunnah Where in the illegality of rebellion against or opposition to the Govt and the true nature of Jehad (creseentade) is explained.

یعنی ذیل میں "اشاعت السنہ" کے ان مضامین کی فہرست درج ہے جن میں گورنمنٹ کی مخالفت اور اس کے خلاف بغاوت کا ناجائز ہونا اور جہاد کی اصل حقیقت بیان کی ہے۔ اس کے بعد شیخ صاحب نے ایک ایک دو دو سطر میں ان مضامین کا خلاصہ دیا ہے جو انہوں نے ان اغراض کے لئے ۱۸۶۹ء سے لے کر ۱۸۹۶ء تک لکھے۔ انہی مضامین میں انہوں نے مہدی کے متعلق مضامین کا خلاصہ رسالہ کے صفحہ ۵ پر یہ دیا کہ

"Criticism of traditions regarding the Mahdi and arguments showing their incorrectness.

یعنی ان حدیثوں پر جرح کی گئی ہے جو مہدی کے متعلق ہیں اور دلائل دیئے گئے ہیں جن سے ان حدیثوں کا غلط اور باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نیز لکھا۔

"Questioning the authenticity of traditions describing the signs of Mahdi"

یعنی جن حدیثوں میں مہدی کی علامات دی گئی ہیں ان کے غیر وضعی ہونے میں شبہ ہے۔ [۵]

حضرت اقدسؑ نے جب مولوی محمد حسین صاحب کی محض دنیاوی فائدے کے لئے یہ غیر مومنانہ کارروائی دیکھی تو ۲۹/ دسمبر ۱۸۹۸ء کو علماء ہند سے فتویٰ کی غرض سے مندرجہ ذیل استفتاء لکھا:۔

"کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ ایک شخص مہدی موعود کے آنے سے جو آخری زمانہ میں آئے گا اور بطور ظاہر و باطن خلیفہ برحق ہو گا اور بنی فاطمہ میں سے ہو گا جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے قطعاً انکار کرتا ہے اور اس جمہوری عقیدہ کو جس پر تمام اہلسنّت دلی یقین رکھتے ہیں سراسر لغو اور بے ہودہ سمجھتا ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا ایک قسم کی ضلالت اور الحاد خیال کرتا ہے۔ کیا ہم اس کو اہل سنت میں سے اور راہ راست پر سمجھ سکتے ہیں یا وہ کذاب اور اجماع کا چھوڑنے والا اور ملحد اور دجال ہے۔ بینوا توجروا۔"

حضور انور نے یہ استفتاء لکھ کر اپنے ایک مخلص مرید ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب گوڑیانی [۶] کو دیا کہ وہ علماء سے اس کا جواب لائیں چنانچہ وہ بڑے بڑے علماء مثلاً مولوی عبدالحق صاحب غزنوی، مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی، مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری، مولوی غلام محمد صاحب بگوی امام شاہی مسجد، مولوی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی، مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب شیخ الکل دہلوی، مولوی فتح محمد صاحب مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی۔ مولوی خواجہ عبدالرزاق صاحب بلند شہر اور مولوی عبدالعزیز صاحب لدھیانوی کے پاس پہنچے۔ سبھی نے اس استفتاء پر بالاتفاق یہ لکھا کہ یہ "کافر مبتدع، ضال، مضل، مفتری، خارج از اہلسنّت والجماعت اور کذاب و دجال ہے۔" چنانچہ ذیل میں بیس علماء کے مفصل فتاویٰ درج کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ "جو شخص عقیدہ ثابتہ مسلم اہلسنّت و جماعت سے خلاف کرے تو وہ صریح اور بیشک اس آیت کریمہ کے وعید کا مستحق ہے۔ قَالَ عَزَّ مِنْ قَائِلٍ۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا[۱]۔ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قَيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوٗدَ۔ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِى النَّارِ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ۔ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ اُمَّتِىْ عَلٰى ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِى النَّارِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ۔ اور جمہور اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ مہدی علیہ السلام اخیر زمانہ میں تشریف لادیں گے وہ بنی فاطمہ میں سے ہو گا اور اس کے ہاتھ سے دین غالب ہو گا اور

[۱] النسآء: ۱۱۶

ظاہری باطنی خلافت کرے گا۔ وَمَنْ خَالَفَ عَنْ ذٰلِکَ فَقَدْ ضَلَّ وَاَضَلَّ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَالَہٗ مِنْ سَبِیْلٍ۔"

(حررہ عبدالحق الغزنوی تلمیذ مولوی عبداللہ غزنوی)

۲۔ "درباب مہدی معہود و نزول عیسیٰ بن مریم رسول اللہ و خروج دجال اکبر احادیث متواتر وارد اند و بریں است اجماع اہلسنّت و جماعت منکر احادیث متواترہ کافر و مخالف اہل سنت و جماعت مبتدع و ضال مضل است فقط۔" مہر (عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما)

۳۔ "اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایسا شخص جس کا ذکر سوال میں مندرج ہے۔ مبتدع اور دائرہ اہل السنہ و جماعت سے خارج ہے" (کَمَا حَرَّرَهَا الْمُجِیْبُ وَاَنَا عَبْدُ اللّٰہِ الْغَنِیُّ ابو محمد زبیر غلام رسول الحنفی القاسمی عفی عنہ امرت سر)

۴۔ "جو کچھ مولوی عبدالحق صاحب نے جواب میں لکھا ہے میرا اس سے اتفاق ہے ایسے آدمی کے ملنے والوں سے پرہیز چاہیے و نشست برخاست ترک کرنی چاہیے۔"

(وانا احمد اللہ عفی عنہ امرتسری) (مہر) [7]

۵۔ علماء عظام کا جواب صحیح ہے بیشک شخص مذکور السوال ضال اور مضل ہے اور اہل سنت سے خارج ہے۔" (فقیر غلام محمد البگوی عفاعنہ امام مسجد شاہی لاہور بقلم خود)

۶۔ "امام مہدی علیہ و علی آباۂ الصلوۃ والسلام کا قرب قیامت میں ظہور فرمانا اور دنیا کو عدل و انصاف سے پر کرنا احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اور جمہور امت نے اسے تسلیم کیا ہے اس امام موصوف کے تشریف لانے کا انکار صریح ضلالت اور مسلک اہل سنت والجماعت سے انحراف کرنا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَذْھَبُ الدُّنْیَا حَتّٰی یَمْلِکَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِّنْ اَھْلِ بَیْتِیْ یُوَاطِئُ اِسْمُہٗ اِسْمِیْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَہٗ قَالَ لَوْ لَمْ یَبْقَ مِنَ الدُّنْیَا اِلَّا یَوْمٌ یُطَوِّلُ اللّٰہُ ذٰلِکَ الْیَوْمَ حَتّٰی یَبْعَثَ اللّٰہُ فِیْہِ رَجُلًا مِّنِّیْ اَوْ مِنْ اَھْلِ بَیْتِیْ یُوَاطِئُ اِسْمُہٗ اِسْمِیْ وَاِسْمُ اَبِیْہِ اِسْمُ اَبِیْ یَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا کَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا۔ مشکوۃ شریف۔ قَالَ الْعَلَّامَۃُ التَّفْتَازَانِیُّ فِی الْمَقَاصِدِ قَدْ وَرَدَتِ الْاَحَادِیْثُ الصَّحِیْحَۃُ فِیْ ظُھُوْرِ اِمَامٍ مِّنْ وُّلْدِ فَاطِمَۃَ الزَّھْرَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا یَمْلَأُ الدُّنْیَا قِسْطًا وَعَدْلًا کَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا اَوْ ظُلْمًا ھٰذَا مَا عِنْدِیْ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ کَتَبَہُ الْعَبْدُ الْمُذْنِبُ الْمُفْتِیْ محمد عبداللہ عفی اللہ

عنہ (پروفیسر اورینٹل کالج لاہور و پریذیڈنٹ انجمن حمایت اسلام لاہور و سیکرٹری انجمن مستشار العلماء)

۷۔ "یہ شخص مذکور سوال مفتری کذاب وضال ومضل وخارج اہل سنت سے ہے۔"
(الراقم سید محمد نذیر حسین دہلوی بقلم خود) (مہر)

۸۔ "الجواب صحیح وصواب"۔ (محمد یعقوب) (مہر)

۹۔ "صح الجواب" حمزہ النقوی الدہلوی غفر اللہ القوی۔ سید محمد عبد السلام غفرلہ۔ سید محمد نذیر حسین۔ سید محمد ابو الحسن۔

۱۰۔ "جو عقیدہ خلاف اہلسنت والجماعت ہو وہ اہل اسلام کے نزدیک کس طرح معتبر ہو سکتا ہے۔ فقیر حشمت علی عفی اللہ عنہ (مہر) محمد عبد الغفار ابو یسار۔ ابو الحسن۔ محمد اسماعیل۔ خلیل الرحمٰن المنان غفرلہ (مہر) یہ مواہیر دہلی کے علماء کی ہیں۔

۱۱۔ "جو شخص مہدی علیہ السلام کا انکار کرے وہ گمراہ ہے اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے فقط۔" (العبد النحیف محمد وصیت علی مدرس حسین بخش صاحب) (مہر)

۱۲ "اصاب من اجاب۔" (محمد شاہ عفا عنہ) (مہر)

۱۳ "جو شخص کہ احادیث صحیحہ سے اور اجماع سے انکار کرے اس کی ضلالت اور گمراہی میں کچھ شک نہیں کیونکہ سینکڑوں حدیثوں سے امام مہدی علیہ السلام کا آنا اخیر زمانہ میں ثابت ہے اور یہ شخص کذاب اور دجال ہے۔ فقط۔" (محمد یونس مدرس مدرسہ مولوی عبد الواحد صاحب)
(مہر)

۱۴۔ "الجواب صحیح" (فتح محمد مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی) (مہر)

۱۵۔ "جو شخص مہدی علیہ السلام کا انکار کرے وہ گمراہ ہے۔"
(عبد الغفور مدرس مدرسہ حسین بخش صاحب) (مہر)

۱۶ جو شخص مہدی علیہ السلام کے وجود باجود کا انکار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ایسے مغشوس الرائے یاوہ گو عبد الدنیا کے کلام کا اعتبار نہیں۔ ایسا شخص منکر احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس کا مقام نار ہے۔" (محمد عبد الغنی الہ آبادی مدرس مدرسہ فتحپور)

۱۷ "واقعی یہ شخص مخالف حدیث نبوی کے عقیدہ رکھتا ہے۔ ایسے شخص کا مکان بلاشک نار ہے کیونکہ یہ فعل اہل بدعت کا ہے۔" (محمد ہدایت اللہ عفی عنہ فلتی علاقہ کانپور

مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی)

۱۸ "جو شخص امام مہدی علیہ السلام کا انکار کرتا ہے وہ گمراہ ہے اور احادیث صحاح کا منکر ہے۔ مثلاً ترمذی وغیرہ میں یہ حدیثیں موجود ہیں۔" (عبداللہ خان بچھرایونی بقلم خود) (مہر)

۱۹۔ "الجواب الصحیح۔ واقعی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے اور ایسے عقیدہ کا شخص کذاب لوگوں میں سے ہے۔ فقط"

(مولوی محمد عبدالرزاق خلف حاجی خدا بخش المتخلص ناچیز ساکن قصبہ خورجہ ضلع بلند شہر)

۲۰ "اَلْجَوَابُ اَقُوْلُ وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ۔ معلوم ہو کہ انکار ظہور امام مہدی سے جیسے احادیث میں ہے اور سلفاو خلفا اہل اسلام کے نزدیک مسلم ہے صرف ضلالت اور گمراہی ہے اور یہ انکار کسی دجال کا کام ہے۔ فقط وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔"

(دستخط الراقم عبدالعزیز عفی عنہ لودیانوی)

۲۱ "از بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمائید۔ مسیح موعود کا آغاز اور مہدی موعود کا آنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے چنانچہ ابوداؤد میں ان الفاظ میں وارد ہوئی لَوْ لَمْ یَبْقَ مِنَ الدُّنْیَا اِلَّا یَوْمٌ لَطَوَّلَ اللّٰہُ ذٰلِکَ الْیَوْمَ حَتّٰی یَبْعَثَ رَجُلًا مِنِّیْ اَوْ مِنْ اَھْلِ بَیْتِیْ یُوَاطِئُ اِسْمُہٗ اِسْمِیْ وَاسْمُ اَبِیْہِ اِسْمُ اَبِیْ یَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا کَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا انتہٰی پس جو شخص اس سے منکر ہے وہ مخالف عقیدہ سنت جماعت اور خاطی ہے اور اس کو ہرگز متبع سنت نہ جاننا چاہئے فقط واللہ اعلم۔ رشید احمد۔ مورخہ ۱۸ شعبان ۱۶ ہجری [۸]

ڈاکٹر صاحب دہلی۔ لاہور اور امرتسر سے ہو کر ۳۔ جنوری ۱۸۹۹ء کو یہ فتویٰ لکھوا کر حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچے [۹] اور حضور اسی روز مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے انگریزی رسالہ اور اپنے استفتاء اور علماء کے فتویٰ کی بابت پوری تفصیلات بذریعہ اشتہار منظر عام پر لے آئے اور لکھا کہ "آج میں اس خدائے قادر و قدوس کے ہزار ہزار شکر کے بعد جو مظلوموں کی فریاد کو پہنچتا اور سچائی کی حمایت کرتا ہے اور اپنے پاک کلمات کو پورے کرتا ہے عام مسلمان اور دوسرے لوگوں پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ جو میں نے مولوی محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعت السنہ کے مقابل پر اس کی بہت سی گالیوں اور بہتانوں اور دجال کذاب کافر کہنے کے بعد اور اس کی اس پلید گندہ زبانی کے بعد جو اس نے خود اور اپنے دوست محمد بخش جعفرزٹلی وغیرہ کے ذریعہ سے میری نسبت کی تھی ایک اشتہار بطور

مباہلہ ۲۱/ نومبر ۱۸۹۸ء کو لکھا تھا اور اس میں فریق ظالم اور کاذب کی نسبت یہ عربی الہام تھا کہ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ یعنی جس قسم کی فریق مظلوم کو بدی پہنچائی گئی ہے اس قسم کی فریق ظالم کو جزا پہنچے گی سو آج یہ پیشگوئی کامل طور پر پوری ہو گئی کیونکہ مولوی محمد حسین نے بدزبانی سے میری ذلت کی تھی اور میرا نام کافر اور دجال اور کذاب اور ملحد رکھا تھا اور یہی فتویٰ کفر وغیرہ کا میری نسبت پنجاب اور ہندوستان کے مولویوں سے لکھوایا اور اسی بناء پر محمد حسین مذکور کی تعلیم سے اور خود اس کے لکھوانے سے محمد بخش جعفرز ٹلی لاہور وغیرہ نے گندے بہتان میرے پر اور میرے گھر کے لوگوں پر لگائے۔ سو اب یہی فتویٰ پنجاب اور ہندوستان کے مولویوں بلکہ خود محمد حسین کے استاد نذیر حسین نے اس کی نسبت دے دیا.....

ہر ایک سوچ سکتا ہے کہ اس منافقانہ کارروائی سے جو محمد حسین گورنمنٹ کو تو کچھ کہتا رہا اور پوشیدہ طور پر لوگوں کو کچھ کہتا رہا کامل درجہ پر اس کی ذلت ہو گئی ہے اور مولویوں کی طرف سے وہ برے خطاب بھی اس کو مل گئے ہیں جو سراسر ظلم سے اس نے مجھے دیئے تھے یعنی ہر ایک نے اس کو کذاب اور دجال سمجھ لیا ہے۔" [۱۵]

اس اشتہار کے بعد حضور علیہ السلام نے ایک دوسرے اشتہار (۶/ جنوری ۱۸۹۹ء) میں فتویٰ دینے والے علماء کو مشورہ دیا کہ "اگر وہ چاہتے ہیں کہ ان پر منافقانہ طریق کا کوئی دھبہ نہ لگے اور ان کی دیانت اور امانت اور تقویٰ اور دینداری میں فرق نہ آئے تو وہ بلا توقف ایک جلسہ کر کے محمد حسین بٹالوی صاحب اشاعۃ السنہ کو اس جلسہ میں بلاویں اور اس کو صاف طور پر کہہ دیں کہ آج تک تم ہم سب پر یہ اپنا اعتقاد ظاہر کرتے رہے کہ تمہارا یہی عقیدہ ہے کہ تم اس مہدی معہود کے قائل ہو جو بنی فاطمہ میں سے آئے گا اور لڑائیاں کرے گا اور دین کو پھیلائے گا اور اب تمہاری نسبت یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم نے زمین لینے کی طمع سے گورنمنٹ کو یہ احسان جتلانا چاہا ہے کہ تم ان تمام حدیثوں کو جو مہدی معہود کے بارے میں آئی ہیں، جھوٹی سمجھتے ہو اور تم نے صریح طور پر ایک انگریزی فہرست مورخہ ۱۴۔ اکتوبر ۱۸۹۸ء میں مہدی کی حدیثوں کی نسبت لفظ موضوع لکھ کر اپنا عقیدہ انکار مہدی ظاہر کر دیا ہے۔ اب یا تو صاف طور پر اپنا توبہ نامہ شائع کرو تا گورنمنٹ عالیہ کو تمہارے اندرونی حالات معلوم ہوں اور یا اس بات کو مان لو کہ تم اس ہمارے فتویٰ کے مستحق اور اہلحدیث کے عام عقیدہ کے مخالف اور دجال اور کذاب اور ملحد اور بے دین ہو۔ [۱۶]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو جب یہ اشتہار پہنچا تو انہوں نے اشاعۃ السنہ کی انگریزی فہرست سے تو انکار کرنے کی جرات نہ کی البتہ اپنی بریت کے لئے مذکورہ بالا حضرات علماء وقت سے یہ عجیب و

غریب استفسار کیا کہ انہوں نے یہ فتویٰ لکھتے ہوئے منکر مہدی کسے سمجھا تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کو یا مجھے۔ اگر انہوں نے مجھے سمجھا تو بتائیں کہ انہوں نے مہدی موعود سے انکار میری زبان یا تحریر میں کب پایا نیز یہ بھی سوال کیا کہ میں نے ان حضرات میں سے کسی صاحب کے پاس اس عقیدہ کا کبھی اظہار کیا کہ مہدی موعود آئے گا اور وہ عیسائیوں وغیرہ کافروں سے لڑے گا میں نے ان کے روبرو کبھی یہ کہا ہے کہ میں نے غلطی سے احادیث متعلقہ مہدی کو ضعیف کہا تھا۔ وغیرہ [۱۲ تا ۱۳]

اس استفسار کے جواب میں مولوی ابو عبید احمد اللہ صاحب امرتسری' مولوی عبداللہ صاحب الغنی ابو محمد زبیر غلام رسول' مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی' مولوی عبدالحق غزنوی اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے لکھا کہ یہ فتویٰ دیتے ہوئے ہمارے پیش نظر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نہیں تھے بلکہ مرزا صاحب تھے۔ حالانکہ فتویٰ کسی خاص شخص سے متعلق نہیں ہوتا اس کی نوعیت عمومی رنگ رکھتی ہے۔ اور یہ وہ حقیقت تھی جس کا اعتراف انہی علماء نے اس جواب میں کر لیا تھا۔ چنانچہ اکثر علماء نے یہی لکھا کہ اگر مرزا صاحب کے علاوہ کوئی اور بھی مہدی کا منکر ہو تو اس پر بھی یہ فتویٰ ہو گا۔ [۱۴]

اس وضاحت نے اگرچہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے لئے ایک اور ذلت کا سامان پیدا کر دیا مگر اس ذلت کو انتہاء تک پہنچانے کے لئے ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب نے دوسرے علماء سے ایک دوسرا فتویٰ طلب کیا کہ کیا آپ حضرات نے بھی ان مولوی صاحبان کی طرح دھوکہ سے مہریں یا دستخط کفرنامہ پر لگائے ہیں یا عمومی فتویٰ دیا ہے۔ اس کے جواب میں باقی علماء تو خاموش رہے مگر مولوی مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی (پروفیسر اورینٹل کالج لاہور و پریذیڈنٹ انجمن حمایت اسلام لاہور و سیکرٹری انجمن مستشار العلماء) اور امام مسجد شاہی لاہور مولوی غلام محمد صاحب بگوی نے خدا ترسی اور دیانت داری کا ثبوت دیتے ہوئے صاف لکھ دیا کہ ہمارا فتویٰ کسی خاص آدمی کے متعلق نہیں۔ ایسا مسلک رکھنے والا آدمی خواہ زید ہو یا بکر اہل سنت والجماعت سے بہر نوع خارج ہے چنانچہ مفتی محمد عبداللہ صاحب نے جواب دیا "میں نے اس جواب دینے میں کسی قسم کا دھوکہ یا فریب نہیں کھایا اور میرے نزدیک اس وقت بھی استفتائے مذکور کا یہی جواب ہے اور میں اس شخص کو جس کا استفتائے مذکور میں ذکر ہے اس وقت بھی مسلک اہل سنت والجماعت سے منحرف جانتا ہوں خواہ وہ زید ہو یا بکر۔" مولوی غلام محمد صاحب بگوی نے لکھا۔ "جو استفتاء مطبوعہ مورخہ ۲۹/ دسمبر ۱۸۹۸ء مطابق ۱۵/ شعبان ۱۳۱۶ھ معرفت ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خاں مثبت بہ مواہیر اور دستخط علمائے امرتسر تھا میرے روبرو پیش ہوا۔ اس کے اوپر میں نے یہ عبارت لکھی ہے۔ "علمائے عظام کا جواب صحیح ہے بیشک شخص مذکور السوال ضال

اور مضل ہے اور اہل سنت سے خارج ہے پس یہ جواب بشرط صدق سوال صحیح ہے۔ مصداق علیہ اس کا خواہ زید ہو یا عمرو کسی خاص آدمی پر فتویٰ نہیں ہے۔ عام طور پر یہ عقیدہ اہل سنت کا لکھا گیا ہے اور اس میں کسی شخص کا کسی قسم کا دھوکہ نہیں ہے۔" [۱۵] غرضیکہ پہلے تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی تذلیل ہوئی اب ان کے بعض ہم خیال علماء پر بھی اخلاقی موت وارد ہو گئی اور "یَعُضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ" کا ایسا عظیم الشان نظارہ سامنے آیا کہ خدائی الہامات کے پورے ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہی۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی علمی ذلت اور "راز حقیقت" کی تصنیف و اشاعت

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی منافقت صاف نمایاں ہو گئی جو خود ایک بڑی ذلت اور رسوائی تھی مگر اس کے ساتھ علمی میدان میں بھی ان کی آبرو باختگی کا سامان ہوا۔ اور وہ اس طرح کہ حضورؑ نے ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء کے اشتہار میں اپنا ایک یہ الہام بھی درج فرمایا تھا کہ "اَتَعْجَبُ لِاَمْرِیْ۔" مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اس پر بے سوچے سمجھے اپنی عالمانہ شان کا سکہ جمانے کے لئے یہ اعتراض بڑے طمطراق سے پیش کیا کہ عربی زبان میں تعجب کا صلہ لام کبھی نہیں آتا اس لئے یہ الہام ہی سرے سے غلط ہے۔ حضرت اقدسؑ نے اس کا جواب "راز حقیقت" میں شائع فرمایا اور دیوان حماسہ سے شعرائے عرب کی پانچ مثالوں کے علاوہ حدیث میں مشکوۃ کتاب الایمان سے افصح العرب والعجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے عجب کا صلہ لام ثابت کر کے مولوی صاحب کے ادعا کی ایسی قلعی کھولی کہ دنیا پر ثابت ہو گیا کہ بٹالوی صاحب علم حدیث تو کیا علم ادب کے کوچہ سے بھی ناواقف ہیں۔

رسالہ "راز حقیقت" میں حضور نے حضرت مسیح علیہ السلام کے سفر کشمیر پر بھی نہایت جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور قبر مسیح کا نقشہ بھی درج فرمایا ہے جو قابل دید ہے۔

کشف الغطاء کی تصنیف و اشاعت

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے چونکہ اپنے انگریزی رسالہ میں حضرت اقدسؑ پر باغی ہونے کے الزام کا اعادہ کیا اور لکھا کہ آپ نے گویا کوئی الہام اس مضمون کا شائع کیا ہے کہ گورنمنٹ انگریزی آٹھ سال کے عرصہ میں تباہ ہو جائے گی۔ اس امر کا ازالہ کرنے کے لئے حضور نے ۲۷ / دسمبر ۱۸۹۸ء کو "کشف الغطاء" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا جس میں حضور نے حکومت کو کھول کر بتایا کہ

بغاوت کا الزام محض افتراء ہے اور مطالبہ کیا کہ گورنمنٹ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے جواب طلب کرے کہ کس کتاب یا اشتہار میں میں نے ایسا الہام شائع کیا ہے۔ اس رسالہ میں حضورؑ نے پیشگوئی "جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا" کے ظہور کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے حکومت کو اس طرف بھی توجہ دلائی کہ جو شخص اپنے انگریزی رسالہ میں حکومت کو خوش کرنے کے لئے کچھ بتاتا ہے اور اپنے ہم مسلک علماء پر ان کے عقیدہ کے مطابق اپنا عقیدہ ظاہر کرتا ہے۔ ایسے فاش جھوٹ کی موجودگی میں کیونکر اطمینان ہو کہ جو دوسری باتیں گورنمنٹ کو پہنچاتا ہے ان میں سچ بولتا ہے۔

پولیس کا محاصرہ اور مولوی محمد حسین صاحب کا مقدمہ حفظ امن

حضرت مسیح موعود علیہ السلام برسوں سے جو بغاوت کا الزام کا رد کرتے آرہے تھے گورنمنٹ نے اس کی طرف تو کوئی توجہ نہ کی مگر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے خفیہ انگریزی رسالہ کی اشاعت پر انہیں چار مربعوں سے نوازا اور ان کی مخبریوں پر حضرت اقدسؑ کے خلاف اس کی مشینری فوری حرکت میں آگئی۔ چنانچہ انگریز کپتان پولیس اور انسپکٹر پولیس (رانا جلال الدین صاحب) سپاہیوں کا ایک دستہ لے کر اکتوبر کے آخر میں بوقت شام قادیان پہنچ گئے اور سپاہیوں نے حضرت اقدس کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ کپتان اور انسپکٹر پولیس مسجد کے کوٹھے پر چڑھ گئے۔ حضور اطلاع ملنے پر باہر تشریف لائے تو کپتان پولیس نے کہا ہم آپ کی خانہ تلاشی کرنے آئے ہیں۔ ہم کو خبر ملی ہے کہ آپ امیر عبد الرحمٰن خاں والی افغانستان سے خفیہ ساز باز رکھتے اور خط و کتابت کرتے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ "یہ بالکل غلط ہے ہم تو گورنمنٹ انگریزی کے عدل و انصاف اور امن اور مذہبی آزادی کے سچے دل سے معترف ہیں اور ہم اسلام کو بزور شمشیر پھیلانے کو ایک بہتان عظیم سمجھتے ہیں لیکن اگر آپ کو شک ہے تو آپ بیشک ہماری تلاشی لے لیں۔ البتہ ہم اس وقت نماز پڑھنے لگے ہیں اگر آپ اتنا توقف کریں تو بہت مہربانی ہوگی"۔ کپتان پولیس نے کہا کہ آپ نماز پڑھ لیں پھر تلاشی ہو جائے گی۔ چنانچہ سب سے قبل حضرت مولانا عبد الکریم صاحب نے (جو ان کی آمد پر کوٹھے پر ہی موجود تھے) خود ہی اذان دی اور نماز مغرب پڑھائی اور پہلی رکعت میں سورہ بقرہ کا آخری رکوع پڑھا۔ حضرت مولانا کی جادو بھری آواز سن کر کوئی بڑے سے بڑا دشمن اسلام مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا مگر اس دن تو اذان اور قرات دونوں میں وہ بجلیاں بھری ہوئی تھیں کہ انگریز کپتان خدا کا پر شوکت کلام سن کر محو حیرت ہو گیا اور اس کی تمام غلط فہمیاں خود بخود دور ہو گئیں۔ وہ تلاشی وغیرہ کا خیال ترک کر کے نماز ختم ہوتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور حضرت اقدس سے کہنے لگا کہ "مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ ایک راستباز اور خدا پرست انسان ہیں اور جو کچھ آپ نے

کہا ہے وہ بالکل سچ ہے۔ آپ لوگ جھوٹ بول نہیں سکتے۔ یہ دشمنوں کا آپ کے متعلق غلط پروپیگنڈا تھا۔ پس خانہ تلاشی کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں رخصت ہوتا ہوں۔" اور یہ عرض کرکے وہ قادیان سے چل دیا۔ اور گورنمنٹ کو رپورٹ بھجوادی کہ مرزا صاحب کے خلاف پراپیگنڈا سرتاپا غلط ہے۔ [۱۶]

اس واقعہ کے بعد ماحول بظاہر پر سکون سا ہو گیا مگر ۱۸۹۸ء کے اختتام پر حالات نے یکدم پلٹا کھایا اور آپ کے خلاف ایک سنگین مقدمہ حفظ امن کے نام پر دائر کر دیا گیا۔

مقدمہ کی بنیاد

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے جو اپنے آپ کو دعوت مباہلہ کے سلسلہ میں لاجواب ہوتے دیکھا تو انہوں نے اس کے بچاؤ کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کئے کہ اسی اثناء میں حضور کی طرف سے ۱۳ ماہ کی میعاد ذلت کا اعلان ہوا۔ مولوی صاحب فرار کے لئے بہانہ کی تلاش میں تھے ہی انہوں نے جو یہ اعلان پڑھا تو اشتعال پھیلانے کے لئے ایک نئی راہ نکالی یعنی انہوں نے ایک تیز دھار چھری لوگوں کو دکھا دکھا کر عوام کو اکسانا شروع کر دیا کہ مرزا صاحب نے لیکھرام کی طرح میری ہلاکت کا انتظام کرکے اشتہار جاری کیا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ اس پیشگوئی کی صداقت کے واسطے وہ مجھے قتل کرائیں گے۔ [۱۷]

ڈپٹی انسپکٹر تھانہ پولیس بٹالہ کی رپورٹ

بٹالہ کے تھانہ میں اس وقت حضرت اقدس کا ایک شدید مخالف ڈپٹی انسپکٹر محمد بخش نامی متعین تھا۔ جس نے یکم دسمبر ۱۸۹۸ء کو ڈپٹی کمشنر گورداسپور (مسٹر جی ایم ڈوئی) کو رپورٹ بھجوائی کہ "حضور کو یاد ہو گا کہ جب مرزا غلام احمد مقدمہ حفظ امن پادری ہنری کلارک صاحب بہادر امرتسر سے بری ہوا تھا تو جناب مسٹر ڈگلس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر نے زبانی اس کو فہمائش فرمائی تھی کہ برائے آئندہ ایسے اشتہارات یا پیشگوئی جس سے نقض امن کا اندیشہ ہو نہ دیا کرے۔ کچھ عرصہ تک مرزا غلام احمد نے اس پر عمل کیا اور خاموشی رکھی اور اسی طرح اشتہار بازی شروع کر دی ہے جو موجب نقض امن کا ہے۔ لہذا رپورٹ اطلاعاً" ارسال بحضور ہے۔ اشتہارات و اخبارات لف ہیں۔ جہاں اس کا ذکر درج ہے اس پر نشان سرخی سے دیا گیا ہے۔ اگر پسند رائے حضور ہو تو معرفت انسپکٹر صاحب اس امر کی خفیہ دریافت فرما کر فریقین کی ضمانت و مچلکہ حفظ امن کا انتظام فرمایا جاوے۔ تحریر یکم دسمبر ۱۸۹۸ء عرضی کمترین محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ۔" [۱۸]

رپورٹ پولیس گورداسپور

اس درخواست پر گورداسپور پولیس نے یہ رپورٹ لکھی کہ سال گزشتہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے برخلاف مقدمہ زیر

دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری دائر کیا گیا تھا مگر کسی وجہ سے وہ رہا ہوا اور کپتان ڈگلس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر نے جن کی عدالت میں یہ مقدمہ سماعت ہوا تھا حکم دیا تھا کہ آئندہ کے لئے مرزا غلام احمد ایسی پیشگوئی نہ کرے مگر اب پھر اس نے اس حکم کے برخلاف کرنا شروع کیا ہے جس سے اندیشہ نقض امن کا ہے۔ ہماری دانست میں مرزا غلام احمد نے کپتان ڈگلس صاحب بہادر کے حکم اور وعدہ کے خلاف کیا ہے اور ضرور نقض امن کو روکنے کے لئے فریقین کا انتظام کرنا ضروری ہے۔ فریقین کی حفظ امن میں ضمانت لینی چاہیے۔" [۱۹]

اس رپورٹ کے چار یوم بعد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ۵ / دسمبر ۱۸۹۸ء کو ڈپٹی کمشنر سے درخواست کی۔ "جناب عالی! مرزا غلام احمد ساکن موضع قادیان نے برخلاف مظہر سائل بدیں مضمون اشتہار دیا ہے کہ مولوی ابو سعید محمد حسین کو ۱۳ ماہ کے اندر ذلت کی مار اور رسوائی ہوگی جس سے مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ اپنی پیشگوئی کو سچا کرنے کے لئے میری جان کو نقصان پہنچانے کی کوئی ناجائز تدبیر کرے گا۔ لہٰذا درخواست ہے کہ مظہر سائل کو ایک پستول اور ایک بندوق کا حفاظت جان کے لئے کل احاطہ پنجاب کے واسطے لائیسنس دیا جاوے کیونکہ مظہر کل پنجاب میں واسطے وعظ وغیرہ ضرورتوں کے دورہ کیا کرتا ہے۔ سوائے اوزار اس بات کا اندیشہ ہے کہ اس کی جماعت میں سے کوئی دشمن نقصان پہنچاوے۔

عرضی فدوی ابو سعید محمد حسین ایڈیٹر اشاعت السنہ ساکن بٹالہ ضلع گورداسپور" [۲۰]

ڈپٹی انسپکٹر کی رپورٹ اور اس درخواست پر ڈپٹی کمشنر نے ۵ / جنوری کو پیشی رکھ دی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے ہم خیالوں نے مقدمہ جیتنے کے لئے زور شور سے تیاری شروع کر دی۔ وکیلوں کی فیس کے لئے شہروں میں چندوں کا اہتمام کیا گیا۔ ہندو اور عیسائی جو پہلے فوجداری مقدمہ میں منہ کی کھا چکے تھے۔ اب پھر ان کے ساتھ میدان میں آگئے۔ غرضکہ اس مقدمہ نے بھی ایک انتہائی خطرناک صورت اختیار کرلی۔ [۲۱]

حضرت اقدس کو یہ سب اطلاعات مل چکی تھیں مگر حضور کو ذرہ بھر تشویش نہیں تھیں بلکہ آپ نے انہی دنوں سیٹھ اللہ رکھا عبدالرحمٰن صاحب مدراسی کو تسلی دیتے ہوئے لکھا کہ "یہ آخری ابتلا ہے جو محمد حسین کی وجہ سے پیش آگیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے راضی ہیں اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ مخالفوں نے اپنی کوششوں کو انتہاء تک پہنچا دیا ہے اور خدا تعالیٰ کے کام فکر اور عقل سے باہر ہیں۔ [۲۲]

پہلا سفر گورداسپور

چونکہ ۵/ جنوری ۱۸۹۹ء کو تاریخ مقدمہ تھی اس لئے حضرت اقدس ۴/ جنوری کی صبح کو پالکی میں بیٹھ کر براہ راست گورداسپور تشریف لے گئے اور باقی نو خدام جنہیں ساتھ جانے کا حضور ہی نے ارشاد فرمایا تھا بٹالہ ہوتے ہوئے گورداسپور پہنچ گئے جہاں لدھیانہ۔ کپور تھلہ۔ امرتسر۔ لاہور۔ شملہ۔ جموں۔ بدوملی وغیرہ مقامات سے مخلصین آ گئے تھے۔ چنانچہ دوسرے دن نماز فجر میں سو کے قریب احباب موجود تھے۔ [۲۳]

حضرت اقدس دس بجے اپنے خدام سمیت کچہری تشریف لے گئے۔ لوگوں کا انبوہ حضور کے مرجع خلائق ہونے کا ثبوت دیتا تھا۔ بارہ بجے تک حضور عدالت کے انتظار میں وہیں تشریف فرما رہے۔ لیکن چونکہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے وکیل اورٹل (ORTOL) نے بذریعہ تار مقدمہ کے التواء کی درخواست کی تھی اس لئے مجسٹریٹ نے مقدمہ کی سماعت کے لئے ۱۱/ جنوری کا دن مقرر کر دیا۔ [۲۴]

حضرت اقدسؑ نے اس کے بعد عدالت کے احاطہ میں ہی کھانا تناول فرمایا۔ پھر مخلصین کی کثیر تعداد کے ہمراہ قیام گاہ پر تشریف لائے اور نماز ظہر و عصر ادا کی۔ ازاں بعد حضور چند احباب کے ساتھ بذریعہ یکہ گورداسپور سے سیدھے قادیان تشریف لے آئے اور باقی خدام حضرت حکیم الامت مولانا نور الدین صاحب کی معیت میں ریل کے ذریعہ سے بٹالہ آئے اور بٹالہ سے قادیان پہنچے۔ [۲۵]

دوسرا سفر گورداسپور

۱۱/ جنوری کی تاریخ مقدمہ کے لئے حضور کو دوبارہ سفر گورداسپور اختیار کرنا پڑا۔ اس دن حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام، مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، محمد بخش صاحب انسپکٹر پولیس بٹالہ اور سید بشیر حسین صاحب انسپکٹر پولیس گورداسپور کے بیانات ہوئے۔ حضرت اقدسؑ کی طرف سے مسٹر ڈبلیو۔ براؤن (W-BROWN) مولوی فضل دین صاحب لاہور، خواجہ کمال الدین صاحب اور شیخ علی احمد صاحب مقامی پلیڈر بطور پیروکار پیش ہوئے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی طرف سے دو وکیل حاضر تھے۔ [۲۶]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے بیان دیا کہ میں ۱۸۹۷ء کے لیکھرام کے قتل سے خوفزدہ ہوں اور اپنی حفاظت کے لئے چھری رکھتا ہوں۔ ۲۰/ نومبر ۱۸۹۸ء کے اشتہار سے مرزا صاحب نے مجھے اور زیادہ خائف کر دیا ہے۔ [۲۷]

حضرت اقدس مسیح پاک علیہ السلام نے اپنے بیان میں فرمایا "میری پیشگوئی... عبداللہ آتھم..... کا سبب یہ تھا کہ عبداللہ آتھم نے مجھ سے یہ تحریری درخواست کی تھی۔ ان کی رضامندی اور تحریری درخواست پر میں نے یہ پیشگوئی کی تھی کیونکہ انہوں نے اصرار کیا تھا۔ عبداللہ آتھم کی درخواست جو

میرے نام تھی وہ بمقدمہ ڈاکٹر کلارک شامل ہے دیکھی جاوے۔ جو پیشگوئی مجھ کو سنائی گئی وہ پنڈت لیکھرام کی نسبت تھی اور میں نے پنڈت لیکھرام کی رضامندی سے اور اس کی تحریری درخواست پر کی تھی۔ اس خاص پیشگوئی کی خاطر وہ پشاور سے آکر قادیان میں دو ماہ رہا اور بہت بد زبانی کرتا رہا اور تمام پیغمبروں کو گالیاں دیتا رہا۔ اور پنڈت لیکھرام پانچ برس کے بعد سنا ہے کہ مارا گیا۔ جب میرے گھر کی تلاشی ہوئی۔ اور پنڈت لیکھرام کے مرنے کے بعد میں نے ایک اشتہار جاری کیا جو مجھ کو اب پڑھ کر سنایا گیا۔ جب مقدمہ ڈاکٹر کلارک صاحب کا ہوا اس میں کپتان ڈگلس صاحب نے مجھے یہ ہدایت دی تھی اور میں نے ایک نوٹس پر دستخط کئے تھے۔

پنڈت لیکھرام نے ایک اشتہار اپنی طرف سے میری نسبت دیا تھا کہ تم تین برس میں ہیضہ کی بیماری سے مرجاؤ گے۔ اور اس پیشگوئی کو اس نے پہلے آپ شائع کیا۔ ۲۸

ڈپٹی انسپکٹر پولیس بٹالہ نمبر ۵۶۴ گواہ استغاثہ نے اپنے بیان میں کہا۔ "دونوں فریقوں کا جوش بڑا اشتعال انگیز ہے اور دشمنی سالہا سال سے چلی آتی ہے۔ جب پنڈت لیکھرام مارا گیا اس وقت بٹالہ میں مذہبی جوش بہت تھا۔ مولوی محمد حسین جو اندیشہ بتاتا تھا میرے خیال میں وہ واقعی اندیشہ ہے مجھ کو اس واسطے خیال ہے کہ عام افواہ ہے کہ جو پیشین گوئیاں کی گئیں ان کے پورا کرنے کے لئے کوششیں کی گئی ہیں۔ میرے نزدیک واقعی اندیشہ ہے (جرح مسٹر اورٹل پر کہا) محمد حسین کی نسبت میرے پاس کوئی رپورٹ نہیں ہوئی کہ اس سے اندیشہ ہے۔ وہ کبھی کسی مقدمہ یا لڑائی میں شامل نہیں ہوا.... مولوی محمد حسین نے بعد اشتہار تیرہ ماہ کے مجھ کو چھری دکھلائی تھی۔ مجھ کو مقامی حالات کی وجہ سے یہ خیال ہے کہ جب بھی مرزا صاحب پیشین گوئی کرتے ہیں تو اس کی صداقت کے لئے کوشش کرتے ہیں۔"

سید شبیر حسین صاحب انسپکٹر پولیس نے یہ گواہی دی کہ "میں ضلع ہذا میں انسپکٹر پولیس ہوں۔ میں لاہور شہر میں انسپکٹر پولیس تھا۔ قبل اس کے ضلع ہذا میں آیا پنڈت لیکھرام کے قتل کے وقت وہاں تھا۔ یہ عام قوی شبہ تھا کہ مرزا غلام احمد کا تعلق اس قتل میں تھا۔ جو فقرات اس وقت پڑھ کر ہر دو فریق کے سنائے گئے ہیں ان کے شائع ہونے کی وجہ سے کوئی شبہ نہیں کہ نقض امن کا اندیشہ ہے۔ نہ مرزا نہ مولوی محمد حسین خود کوئی ایسا فعل کریں گے مگر وہ اپنے مریدوں کو اشتعال دیں گے (مسٹر اورٹل کی جرح پر) محمد حسین کی نسبت کبھی شبہ نہیں ہوا کہ اس نے یا اس کی پیروی کنندوں نے اشتعال قتل دیا ہے۔ ۲۹

ان بیانات کے بعد مقدمہ ۷ ۲ جنوری کو ملتوی ہوا اور آئندہ دھاریوال مقام سماعت قرار پایا۔ ۳۰

حضرت اقدسؑ کا تحریری بیان

حضرت اقدسؑ نے دفاع کی غرض سے ایک مفصل تحریری بیان لکھا جس کو انگریزی میں طبع کر کے داخل عدالت کیا گیا۔

آپ نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی' آتھم اور لیکھرام کی پیشگوئیوں کے واقعات بڑی تفصیل اور وضاحت سے بیان کئے جس سے آپ کا بری ہونا صاف کھل جاتا تھا۔ خصوصاً" مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے اس بیان کی تردید کی کہ آپ کی ۲۱/ نومبر ۱۸۹۸ء کے اشتہار میں کوئی ایسی پیشگوئی ہے جس سے ان کو یا ان کے کسی ہم خیال کی جان مال یا عزت کو خطرہ میں ڈالنے کا ارادہ کیا ہے۔ آپ نے بتایا کہ الہام "جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ" جس پر مقدمہ کا تمام ترمدار ہے قطعاً" قانونی زد میں نہیں آسکتا کیونکہ ہر مظلوم کا حق ہے کہ وہ ظالم کو یہ بددعا دے کہ جیسا تو نے میرے ساتھ کیا خدا تیرے ساتھ بھی ویسا کرے۔ اس صورت میں یہ بات تنقیح طلب ہوئی کہ فریق مظلوم کو کس قسم کی ذلت پہنچی ہے۔ اور فریق مخالف اس بات کو ہرگز قبول نہیں کرے گا کہ اس نے کبھی مجھ کو ایسی ذلت پہنچائی ہے جو فوجداری قوانین کے نیچے آسکتی۔ پس اس میں مثلی ذلت مراد ہے جو اپنے اصل معنے کی رو سے پوری شان سے پوری ہو چکی ہے کیونکہ 'مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے مجھ پر جیسا فتویٰ کفر لگایا تھا ویسا فتویٰ ان کے ہم خیال علماء انگریزی رسالہ کی اشاعت پر ان پر بھی لگا چکے ہیں۔ پیشگوئی میں ذلت کے لفظ کے ساتھ مثل کی شرط تھی سو اس شرط کے موافق الہام پورا ہو گیا اور اب کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہی۔

اگرچہ اتنا ہی جواب کافی ووافی تھا مگر حضورؑ نے فریق مخالف اور استغاثہ کے عائد کردہ الزام کے جواب میں ہر پہلو سے مسکت دلائل دیتے ہوئے لکھا:۔

"عدالت میں میری نسبت یہ الزام پیش کیا گیا ہے کہ گویا میری قدیم سے عادت ہے کہ خود بخود کسی کی موت یا ذلت کی پیشگوئی کیا کرتا ہوں اور پھر اپنی جماعت کے ذریعہ سے پوشیدہ طور پر اس کوشش میں لگا رہتا ہوں کہ کسی طرح وہ پیشگوئی پوری ہو جائے۔ گویا میں ایک قسم کا ڈاکو یا خونی یا رہزن ہوں اور گویا میری جماعت بھی اس قسم کے اوباش اور خطرناک لوگ ہیں جن کا پیشہ اس قسم کے جرائم ہیں۔ لیکن میں عدالت پر ظاہر کرتا ہوں کہ یہ الزام سراسر افتراء سے خمیر کیا گیا ہے اور نہایت بری طرح میری اور میری معزز جماعت کی ازالہ حیثیت عرفی کی گئی ہے۔ میں اس وقت اس کو زیادہ بیان کرنا غیر محل سمجھتا ہوں لیکن عدالت پر واضح کرتا ہوں کہ میں ایک شریف اور معزز خاندان میں سے ہوں۔ میرے باپ دادے ڈاکو اور خونریز نہ تھے اور نہ کبھی کسی عدالت میں میرے پر کوئی جرم ثابت ہوا۔ اگر ایسے بد اور ناپاک ارادہ سے جو میری نسبت..... بیان کیا گیا ہے۔ ایسی پیشگوئیاں کرنا میرا پیشہ ہوتا تو

اس بیس برس کے عرصہ میں جو براہین احمدیہ کی تالیف سے شروع ہوا ہے کم از کم دو تین سو پیشگوئی موت وغیرہ کی میری طرف سے شائع ہوتی حالانکہ اس مدت دراز میں بجز ان دو تین پیشگوئیوں کے ایسی پیشگوئی اور کوئی نہیں کی گئی۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ پیشگوئیاں لیکھرام اور عبداللہ آتھم کے بارے میں میں نے اپنی پیش دستی سے نہیں کیں بلکہ ان دونوں صاحبوں کے سخت اصرار کے بعد ان کی دستخطی تحریریں لینے کے بعد کی گئیں اور لیکھرام نے میری اشاعت سے پہلے خود ان پیشگوئیوں کو شائع کیا تھا اور میں نے بعد میں شائع کیا۔ چنانچہ لیکھرام کو اپنی کتاب تکذیب صفحہ ۳۳۲ میں اس بات کا اقرار ہے کہ وہ پیشگوئیوں کے لئے دو ماہ تک قادیان میں ٹھہرا رہا اور اس نے خود پیشگوئی کے لئے اجازت دی اور اپنی دستخطی تحریر دی۔ وہ اس صفحہ میں میری نسبت یہ بھی لکھتا ہے کہ "وہ موت کی پیشگوئی کو ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے جب تک اجازت نہ ہو۔" اور پھر اسی صفحہ میں اپنی طرف سے اجازت کا اعلان کرتا ہے... اور ڈپٹی عبداللہ آتھم کی ایک تحریر مسل مقدمہ ڈاکٹر کلارک کے ساتھ شامل ہے۔"

"ایک برس سے کچھ زیادہ عرصہ گزرتا ہے کہ میں نے اس عہد کو چھاپ کر شائع کر دیا ہے کہ میں کسی کی موت و ضرر وغیرہ کی نسبت ہرگز کوئی پیشگوئی شائع نہ کروں گا۔ پس اگر یہ پیشگوئی جو اشتہار مباہلہ ۲۱/ نومبر ۱۸۹۸ میں ہے کسی کی موت یا اس قسم کی ذلت کے متعلق ہوتی تو میں ہرگز اس کو شائع نہ کرتا لیکن اس پیشگوئی کو کسی کی ایسی ذلت سے جو قانونی حد کے اندر آسکتی ہے کچھ تعلق نہ تھا۔"

حضورؑ نے اپنے بیان میں انگریزی عدالت کو اپنا آسمانی پیغام دیتے ہوئے یہ بھی لکھا:۔

"امن اور سلامتی کے نشان اور امن اور سلامتی کی پیشگوئیاں جن کو آسودگی عامہ خلائق میں کچھ دست اندازی نہیں ہمیشہ ایک بارش کی طرح نازل ہو رہے ہیں لیکن خدا کی قدیم سنت کے موافق ضرور تھا کہ میں بھی اسی طرح عوام کی زبان سے دکھ دیا جاتا جیسا کہ پہلے پاک نبی دکھ دیئے گئے۔ خاص کر وہ اسرائیلی نبی، سلامتی کا شہزادہ جس کے پاک قدموں سے شعیر کے پہاڑ کو برکت پہنچی اور جو قوم کی ناانصافی اور نابینائی سے مجرموں کی طرح پیلاطوس اور ہیرودوس کے سامنے عدالت میں کھڑا کیا گیا تھا سو مجھے اس بات سے فخر ہے کہ اس پاک نبی کی مشابہت کی وجہ سے میں بھی عدالتوں کی طرف کھینچا گیا.... کاش اس گورنمنٹ محسنہ کو نشان دیکھنے کے ساتھ کچھ دلچسپی ہوتی اور کاش مجھ سے گورنمنٹ کی طرف سے یہ مطالبہ ہوتا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی آسمانی نشان یا کوئی ایسی پیشگوئی جو امن اور سلامتی کے اندر محدود ہو دکھلاؤ۔ تو جو میرے پر افترا کیا گیا ہے کہ گویا میں ڈاکوؤں کا کام کر رہا ہوں یہ سب حقیقت کھل جاتی۔ آسمان پر ایک خدا ہے جس کی قدرتوں سے یہ سب کچھ ہوتا ہے۔" [۶۰]

اس بیان میں حضورؑ نے مولوی محمد حسین صاحب اور جعفر زٹلی کی اشتعال انگیز تحریرات کے متعدد نمونے بھی پیش کئے۔

تیسرا سفر دھاریوال

حضرت اقدسؑ نے ۲۵/ جنوری ۱۸۹۹ء کی رات ہی کو علی الصبح روانگی کا حکم دے دیا تھا چنانچہ حسب معمول حکیم فضل دین صاحب بھیروی کے اہتمام میں روانگی کا انتظام ہوا۔ حضرت اقدسؑ براہ راست پالکی سے ۱۱ بجے دھاریوال روانہ ہوئے۔ حضورؑ کے ہمراہ سیٹھ اللہ رکھا عبدالرحمٰن صاحب مدراسی بھی تھے۔ چونکہ دھاریوال میں حضورؑ کی جائے قیام کے لئے کوئی انتظام مشکل تھا اس لئے میاں نبی بخش صاحب نمبردار بٹالہ' میاں عبدالعزیز صاحب اوجلوی (پٹواری)' میاں جمال الدین صاحب سیکھوانی اور میاں خیرالدین صاحب سیکھوانی وغیرہ نے دھاریول سے ایک میل کے فاصلہ پر موضع لیل میں حضرت اقدسؑ اور دیگر احباب جماعت کے قیام و طعام کا ایک وسیع مکان میں انتظام کرلیا تھا اور وہاں بیس پچیس دوست پہنچ بھی چکے تھے اور حضورؑ کا ارادہ بھی لیل ہی میں قیام فرمانے کا تھا مگر رستہ میں ہی سردار جیمل سنگھ کی بیوہ بھو رانی ایشور کور صاحبہ کا مخلصانہ پیغام آیا کہ حضور یہاں موضع کھنڈہ میں قیام فرمائیں۔ حضرت اقدسؑ نے ان کے جوش اخلاص کی وجہ سے یہ درخواست منظور فرمالی اور کھنڈہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیل کے دوست بہت حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے مگر اس میں بھی خدائی مصلحت تھی۔ سنا گیا تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی وہیں اترنے والے ہیں خدا نے چاہا کہ آپ کا قیام کسی دوسری جگہ ہو اور اس کے لئے خدا نے رانی ایشور کور صاحبہ کو تحریک کردی۔ بہرحال حضرت اقدسؑ لیل سے کھنڈہ تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد رانی ایشور کور صاحبہ نے اپنے اہل کاروں کے ہاتھ مصری اور باداموں کا ایک تھال حضورؑ کی نذر کیا جسے حضور نے منظور فرمالیا۔ لیل میں جو دوست تھے وہ بھی اطلاع ملنے پر آپہنچے۔ اس کے بعد ایک وسیع مکان میں رانی صاحبہ نے پر تکلف دعوت دی اور مہمان نوازی کا حق ادا کردیا۔ دعوت کے بعد منشی محمد علی صاحب پٹواری نے بیعت کی۔ رات کو حسب سابق گاڑی سے کپورتھلہ' جالندھر' جہلم اور لاہور وغیرہ مقامات سے بکثرت احباب پہنچ گئے اور اچھا خاصا اجتماع ہوگیا۔

دوسرے دن یہ مقدس قافلہ جس کے سالار امام الزمانؑ تھے کھنڈہ سے دھاریوال کے عدالتی کیمپ کی طرف روانہ ہوا۔ حضرت اقدسؑ معہ رفقاء ریلوے کی سڑک گزر کر دھاریوال کے کارخانہ کے ساتھ گزرتے ہوئے آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک ہجوم حضورؑ کے استقبال کے لئے چشم براہ ہے۔ پاس پہنچے تو انہوں نے السلام علیکم کی پرجوش آواز سے خیر مقدم کیا۔ ادھر سے بھی اسی لہجہ کے ساتھ وعلیکم

السلام کی آوز اٹھی اور سننے والوں پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ ذرا اور آگے جب ڈاک خانہ کے متصل پہنچے تو دھاریوال کے مشہور اون کے کارخانہ کے ہندو مسلمان ملازم اور ڈاک خانہ کے کلرک دوڑ کر آگے آئے اور کیمپ کا پتہ بتایا۔ راستہ میں حضرت اقدسؑ نے صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) کی ایک مبشر رؤیا بتلائی۔ نہر کے پل پر پہنچ کر کیمپ نظر آگیا۔ چپراسیوں اور اردلیوں نے وفور شوق سے سلام کیا۔ حضورؑ آگے آگے جا رہے تھے اور پیچھے خلقت کا ایک انبوہ تھا۔ نہر اور درختوں کا نظارہ دیکھ کر فرمایا "بہت اچھی جگہ ہے" اور پھر خیمہ سے کوئی سو قدم کے فاصلہ پر اتر پڑے۔ آپ بیٹھ گئے اور حضور کے مخلصین بھی اردگرد حلقہ بنا کر مئودبانہ بیٹھ گئے۔ ابھی چند منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے کہ خلقت کے انبوہ در انبوہ آتے گئے اور چند ہی منٹوں میں کوئی تین چار سو آدمی جمع ہو گیا یہاں تک کہ بعض احباب نے لوگوں کو ہٹانا چاہا تو انہوں نے کہا کہ "اسیں جیارت کرن آئے ہاں تسی سانوں ہٹاؤندے ہو۔ کم کار چھڈ کے کیناں کوہاں توں چلے آئے ہاں۔" یعنی ہم کاروبار چھوڑ کر کئی میلوں سے زیارت کے لئے آئے ہیں اور آپ روکتے ہیں۔ اس پر کسی کو کچھ نہ کہا گیا اور یہ مجمع اس قدر بڑھا کہ حضور کو بیٹھنا ہی دشوار ہو گیا اور آپ اٹھ کر ٹہلنے لگے۔ اس دن آنے والوں کی تعداد حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب کے ایک محتاط اندازے کے مطابق جو بحیثیت اخبار نویس موجود تھے دو اڑھائی ہزار تک پہنچی ہوئی تھی۔

حضورؑ بارہ بجے کے قریب عدالتی خیمہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت اقدسؑ کی طرف سے پہلے وکلاء ہی پیش ہوئے مگر مولوی محمد حسین صاحب آج ایک نئے قانونی مشیر مسٹر ہربرٹ پیروی کے لئے لائے جنہوں نے عذرداری پیش کی کہ جدید ضابطہ کی رو سے ایک ہی وقت پر فریقین کا مقدمہ سماعت نہیں ہو سکتا چنانچہ اس قانون کی وجہ سے مقدمہ کی اگلی تاریخ سماعت ۱۴/ فروری مقرر ہوئی اور ڈپٹی کمشنر صاحب نے سب سے پہلے حضرت کا مقدمہ سننے کا حکم دیا اور دوبارہ نوٹس بھیجنے کا حکم دیا۔ گویا سابقہ کارروائی کالعدم قرار دے دی گئی۔ بہرحال حضور علیہ السلام عدالت سے فراغت کے بعد باہر تشریف لائے اور نماز جمعہ کی تیاری فرمائی۔ ڈیڑھ ہزار افراد نے نماز جمعہ ادا کی۔ خطبہ حکیم الامت مولوی نور الدین صاحبؓ نے پڑھا جو نہایت لطیف اور بے حد پر درد اور اثر انگیز تھا۔ نماز کے وقت تک کارخانہ کے مزدور اور دوسرے لوگوں کا پھر ایک عظیم اجتماع ہو گیا۔ آخر نماز ادا ہوئی تو کارخانہ کے بعض انگریزی افسر بھی شوق زیارت میں بیتاب ہو کر کھچے کھچے چلے آئے اور انہوں نے آرزو ظاہر کی کہ آپ اپنی زیارت سے مشرف کریں۔ چنانچہ حضور سامنے آکھڑے ہوئے اور وہ انگریز کافی دیر تک حضور کے نورانی چہرہ کا دیدار کرتے رہے۔ پھر نماز عصر کے لئے جماعت کھڑی ہوئی تو وہ چلے

گئے۔ نماز کے بعد لوگوں کا ہجوم بہت ہو گیا چلنے کو راستہ نہ ملتا تھا۔ آخر عبادت علی نام ایک صاحب نے کہا کہ حضور لوگ دور دور سے کاروبار چھوڑ کر آئے ہیں حضور پل پر کھڑے ہو کر سب کو زیارت کرادیں۔ چنانچہ حضور انور چند منٹ پل پر رونق افروز رہے۔ دھاریوال سے کھنڈہ تک لوگوں کا ایک تانتا بندھا ہوا تھا۔ رستہ میں بیسیوں آدمی دوڑتے جاتے تھے اور پوچھتے جاتے تھے کہ سرکار ابھی روانہ تو نہیں ہوئے۔ حضرت اقدسؑ تھوڑی دیر کھنڈہ میں ٹھہر کر براہ راست قادیان تشریف لے آئے۔ حضور کے ہمراہ کوئی ستر اسی خدام ہوں گے۔

ادھر تو خدائی قبولیت کا یہ زبردست نشان نمودار ہوا ادھر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی حالت یہ تھی کہ گورنمنٹ کے منظور نظر اور اہل حدیث کے ایڈووکیٹ نے دھاریوال میں جمعہ کے وقت چند آدمیوں کے ہمراہ ایک جگہ کھڑے ہو کر اونچی آواز سے پکارا کہ جو مسلمان ہے وہ نماز پڑھ لے مگر نماز کی تیاری کے وقت ان کے پیچھے نماز ادا کرنے والوں کی تعداد بیس سے بڑھ نہ سکی۔ [۳۲]

اپنی بریت اور ظالم فریق کے ناکام ہونے کی بشارت

دھاریوال سے واپسی کے بعد ۳ / فروری ۱۸۹۹ء کو حضورؑ کو بذریعہ رؤیا بشارت دی گئی کہ آپ بری ہوں گے اور دشمن ناکام و نامراد رہیں گے چنانچہ حضورؑ نے ۵ / فروری ۱۸۹۹ء کو ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کو ایک مکتوب میں لکھا کہ "اب فوجداری مقدمہ کی تاریخ ۱۴/ فروری ۱۸۹۹ء ہو گئی ہے دراصل بات یہ ہے کہ اب تک یہی معلوم ہوتا ہے کہ حاکم کی نیت بخیر نہیں۔ جمعہ کی رات مجھے یہ خواب آئی ہے کہ ایک لکڑی یا پتھر کو میں نے جناب الٰہی میں دعا کر کے بھینس بنا دیا ہے اور پھر اس خیال سے کہ ایک بڑا نشان ظاہر ہوا ہے سجدہ میں گرا ہوں اور بلند آواز سے کہتا ہوں ربی الاعلی ربی الاعلی۔ میرے خیال میں ہے کہ شاید اس کی تعبیر یہ ہو کہ لکڑی اور پتھر سے وہی سخت اور منافق طبع حاکم (مراد) ہو اور پھر میری دعا سے اس کا بھینس بن جانا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ وہ ہمارے لئے ایک مفید چیز بن گئی ہے جس سے دودھ کی امید ہے۔ اگر یہ تاویل درست ہے تو امید قوی ہے کہ مقدمہ پلٹا کھا کر نیک صورت پر آجائے گا اور ہمارے لئے مفید ہو جائے گا۔ اور سجدہ کی تعبیر یہ لکھی ہے کہ دشمن پر فتح ہو۔ الہامات بھی اس کے قریب قریب ہیں۔" [۳۳] اس سلسلہ میں ۱۸ جنوری ۱۸۹۹ء کو بعض الہامات بھی ہوئے جن میں سے چند یہ تھے:

"اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِیْنَ ھُمْ مُحْسِنُوْنَ۔ اَنْتَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا۔ وَاَنْتَ مَعِیَ یَا اِبْرٰھِیْمُ۔ یَاْتِیْکَ نُصْرَتِیْ۔ اِنِّیْ اَنَا الرَّحْمٰنُ۔ یَا اَرْضُ ابْلَعِیْ مَاءَکِ۔ غِیْضَ الْمَاءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّھَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ اِنَّا تَجَالَدْنَا فَانْقَطِعَ

اَلْعُدُوَّ وَاَسْبَابُهٗ - وَيْلٌ لَّهُمْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ - يَعُضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ وَيُوْثَقُ - اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْاَبْرَارِ وَاِنَّهٗ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ - شَاهَتِ الْوُجُوْهُ - اِنَّهٗ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَاِنَّهٗ فَتْحٌ عَظِيْمٌ

یعنی خدا پرہیزگاروں کے ساتھ ہے اور تو پرہیزگاروں کے ساتھ ہے اور تو میرے ساتھ ہے اے ابراہیم میری مدد تجھے پہنچے گی۔ میں رحمان ہوں۔ اے زمین! اپنے پانی کو یعنی خلاف واقعہ اور فتنہ انگیز شکایتوں کو جو زمین پر پھیلائی گئی ہیں نگل جا۔ پانی خشک ہو گیا اور بات کا فیصلہ ہوا۔ تجھے سلامتی ہے یہ رب رحیم نے فرمایا اور اے ظالمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔ ہم نے دشمن کو مغلوب کیا اور اس کے تمام اسباب کاٹ دیئے۔ ان پر واویلا ہے کیسے افتراء کرتے ہیں۔ ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا اور اپنی شرارتوں سے روکا جائے گا اور خدا نیکوں کے ساتھ ہوگا۔ وہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ منہ بگڑیں گے۔ خدا کا یہ نشان ہے اور یہ فتح عظیم ہے۔ [۳۴]

حضرت اقدس علیہ السلام نے یہ رؤیا اور الہامات مقدمہ کے دوران ہی میں "حقیقۃ المہدی" میں ۲۱/ فروری ۱۸۹۹ء کو شائع فرما دیئے اور لکھا "جیسا کہ خدا تعالیٰ نے خواب میں ایک پتھر کو بھینس بنا دیا اور اس کو لمبی اور روشن آنکھیں عطا کیں اسی طرح انجام کار وہ میری نسبت حکام کو بصیرت اور بینائی عطا کرے گا اور وہ اصل حقیقت تک پہنچ جائیں گے۔ یہ خدا کے کام ہیں اور لوگوں کی نظر میں عجیب۔" [۳۵]

سفر پٹھانکوٹ

اس مقدمہ کے دوران حضور کو چوتھا سفر پٹھانکوٹ کی طرف پیش آیا۔ حضرت اقدس علیہ السلام ۱۳/ فروری کو علی الصبح اپنے خدام کے ہمراہ قادیان سے بٹالہ پہنچے اور بذریعہ ریل پٹھانکوٹ تشریف لے گئے۔ [۳۶]

مولف "مجدد اعظم" جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے اس سفر کا ایک ایمان افروز واقعہ یہ لکھا ہے کہ "اتفاق ایسا ہوا کہ جس مقام پر مسٹر ڈوئی ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور کا خیمہ لگا ہوا تھا اس کے نزدیک ہی ایک مکان میں حضرت مرزا صاحب جا کر قیام پذیر ہوئے۔ راجہ غلام حیدر خاں صاحب جو ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے مقدمہ کے دوران میں مسٹر ڈگلس کے مسل خواں تھے ان دنوں وہ پٹھانکوٹ میں تحصیل دار تھے انہوں نے حضرت مرزا صاحب کے قیام کے اہتمام میں خاص حصہ لیا۔ حضرت مرزا صاحب کی جائے سکونت اور ڈپٹی کمشنر کے خیمہ کے درمیان میں ایک میدان تھا جہاں حضرت مرزا صاحب اور آپ کے احباب نماز باجماعت پڑھا کرتے تھے۔ مغرب کا وقت تھا مغرب کی نماز کے لئے حضرت اقدس میدان میں تشریف لائے اور مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی حسب معمول امام بنے۔ انہوں نے نماز میں جو قرآن پڑھنا شروع کیا تو ان کی بلند مگر خوش الحان اور اثر میں

ڈوبی ہوئی آواز مسٹر ڈوئی کے کان میں پڑی وہ اپنے خیمہ کے آگے کھڑے ہوئے اور ایک انہماک کے عالم میں کھڑے قرآن سنتے رہے جب نماز ختم ہوئی تو راجہ غلام حیدر خان صاحب تحصیلدار پٹھانکوٹ کو بلا کر پوچھا کہ آپ کی ان لوگوں سے واقفیت ہے انہوں نے عرض کیا کہ ہاں کہا کہ میں نے ان لوگوں کو نماز میں قرآن پڑھتے سنا ہے میں اس قدر متاثر ہوا ہوں کہ حد سے باہر ہے۔ اس قسم کا ترنم اور اثر میں نے کسی کلام میں نہیں سنا اور نہ کبھی محسوس کیا۔ کیا پھر بھی یہ نماز پڑھیں گے اور مجھے نزدیک سے سننے کا موقع دیں گے۔؟ راجہ غلام حیدر خان صاحب حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کل ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا ہمارے پاس بیٹھ کر قرآن سنیں چنانچہ اب کی دفعہ نماز کے وقت ایک کرسی قریب بچھادی گئی اور صاحب بہادر آکر اس پر بیٹھ گئے۔ نماز شروع ہوئی اور مولوی عبدالکریم صاحب نے قرآن پڑھنا شروع کیا اور صاحب بہادر مسحور ہو کر جھومتے رہے۔" [37]

مقدمہ کا فیصلہ، حضورؑ کی بریت اور کامیابی

بالآخر ۲۴/ فروری ۱۸۹۹ء کا دن آپہنچا۔ اس دن حضرت اقدسؑ اپنے احباب کے ساتھ کثیر تعداد میں گورداسپور میں فیصلہ سننے کے لئے تشریف لے گئے۔ [38] مولوی محمد حسین صاحب اور ان کے دوست خوش تھے کہ آج ہمارا حریف عدالت کے کٹہرے میں مجرم قرار پائے گا اور انہیں فتح عظیم حاصل ہوگی۔ مگر جیسا کہ آپ کو قبل از وقت بتایا گیا تھا۔ اب وہ پتھر دل حاکم آپ کی دعا کی برکت سے ایک منصف و عادل کی شکل میں بدل چکا تھا۔ چنانچہ اس نے حضرت اقدس کی شائستہ اور متین تحریرات کے مقابل مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ابوالحسن تبتی کے دشنام آلود اشتہارات دیکھے تو وہ ہکا بکا رہ گیا اور اس نے پولیس کا بڑی محنت سے بنایا ہوا مقدمہ خارج کر دیا اور فریقین سے اس مضمون کے ایک نوٹس پر دستخط کرائے کہ "آئندہ کوئی فریق اپنے کسی مخالف کی نسبت موت وغیرہ دل آزار مضمون کی پیشگوئی نہ کرے، کوئی کسی کو کافر اور دجال اور مفتری اور کذاب نہ کہے، کوئی کسی کو مباہلہ کے لئے نہ بلاوے اور قادیان کو چھوٹے کاف سے نہ لکھا جاوے اور نہ بٹالہ کو طا کے ساتھ۔ اور ایک دوسرے کے مقابل پر نرم الفاظ استعمال کریں۔ بدگوئی اور گالیوں سے مجتنب رہیں اور ہر ایک فریق حتی الامکان اپنے دوستوں اور مریدوں کو بھی اس ہدایت کا پابند کرے اور یہ طریق نہ صرف باہم مسلمانوں میں بلکہ عیسائیوں میں بھی یہی چاہیے۔" [39]

حضرت اقدسؑ سے مسٹر جے ایم ڈوئی نے مقدمہ خارج کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ "وہ گندے الفاظ جو محمد حسین اور اس کے دوستوں نے آپ کی نسبت شائع کئے آپ کو حق تھا کہ عدالت کے ذریعہ سے اپنا انصاف چاہتے اور چارہ جوئی کراتے اور وہ حق اب تک قائم ہے" [40]

مسٹر ڈوئی عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی کو فہمائش کر رہے تھے کہ آئندہ وہ تکفیر اور بد زبانی سے باز رہیں اور سید شبیر حسین صاحب اور منشی محمد بخش صاحب ڈپٹی انسپکٹر عدالت میں حاضر تھے کہ عین اس وقت رسالہ "حقیقت المهدی" جس میں بریت کی پیشگوئیاں درج تھیں عدالت کے کمرہ میں مولوی فضل دین صاحب پلیڈر چیف کورٹ اور مسٹر براؤن پلیڈر چیف کورٹ کے ہاتھ میں دیا گیا اور وہ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے عدالت کے سامنے ان پیشگوئیوں کو پڑھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اس وقت یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور مسٹر براؤن صاحب نے شیخ رحمت اللہ صاحب (مالک انگلش ویرہاؤس لاہور) سے بھی کہا کہ پیشگوئی پوری ہو گئی بلکہ (حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی روایت کے مطابق) وہ خود حضور کی خدمت میں پہنچے اور حضور کی پیشگوئی کے پورے ہونے پر مبارکباد پیش کی۔ [61] ان معزز وکلاء کے مونہہ سے یہ باتیں اس لئے بے ساختہ نکل گئیں کہ انہوں نے کئی پیشیوں میں بچشم خود مشاہدہ کیا تھا کہ حضور کو سزا دلانے کے لئے پولیس اور شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی کی طرف سے کیسی جان توڑ کوششیں ہو رہی تھیں کہ آپ سزا پائیں یا کم سے کم معقول ضمانت ہو جائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی کو مسٹر ڈوئی نے مقدمہ سے اس لئے الگ کر دیا تھا کہ اس کی نسبت الزام کی بعد کو تحقیقات ہو گی لیکن اس آخری پیشی پر مولوی صاحب مذکور کسی تعلق کے بغیر محض تماشا دیکھنے کے لئے حاضر عدالت ہو گئے تب عدالت نے ان کو حاضر پا کر بلا توقف ان سے اس مضمون کے نوٹس پر دستخط کرائے کہ آئندہ وہ بد زبانی' دشنام طرازی اور تکفیر اور تکذیب سے باز رہیں گے حالانکہ ان کو اس وقت کسی نے بلایا نہیں تھا یہ محض خدا کا ارادہ ان کو کھینچ لایا تا اس کا یہ پاک الہام پورا ہو کہ ظالم اپنی شرارتوں سے روکا جائے گا (یعنی اس کا مونہہ بد زبانی سے بند کیا جائے گا) اور چہرے بگڑ جائیں گے۔

خدا کی قدرت!! یہ مقدمہ جو ایک متعصب ڈپٹی انسپکٹر نے آپ کے مخالفین کی پشت پناہی کے لئے کھڑا کیا تھا۔ آپ کی قبولیت اور شہرت میں اضافہ کا موجب بن گیا۔ انگریزی عدالت تک آپ کو اپنا پیغام پہنچانے کا موقعہ ملا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ اپنی پیشگوئی کے مطابق باعزت طور پر بری کر دیئے گئے اور ہر طرح کامیاب و کامران اور مظفر و منصور ثابت ہوئے لیکن اس کے برعکس مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی سخت ذلت ہوئی۔

حضرت اقدس کا تو ابتدا ہی سے یہ طریق تھا کہ حضور موت کی پیشگوئی فریق ثانی کی خواہش اور اجازت کے بغیر شائع نہیں فرمایا کرتے تھے۔ [62] جیسا کہ حضور نے اپنے دفاعی بیان میں بھی بالتفصیل ذکر فرمایا اور تکفیر اور سخت الفاظ کا استعمال آپ کو پسند نہیں تھا بلکہ حضور دو سال سے مولوی محمد حسین

صاحب بٹالوی اور ان کے ہمنو اعلماء سے کہتے آرہے تھے کہ "میری جماعت سے سات سال تک اس طور سے صلح کر لیں کہ تکفیر اور بد زبانی سے منہ بند رکھیں"۔ [۴۳]

مگر یہ حضرات اس طرف آنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے مگر بالآخر عدالت کے سامنے ان کو تکفیر و تکذیب سے دستبردار ہونا پڑا۔ اور جیسا کہ پیشگوئی میں بتایا گیا تھا ظالم فریق کے ہاتھ آئینی شکنجہ میں جکڑ دیئے گئے اور ان کا فتویٰ تکفیر جس کے لئے انہوں نے پشاور سے بنارس تک قدم فرسائی کی تھی خود انہی کے ہاتھوں چاک چاک ہو گیا۔

۱۸۹۸ء کے بعض صحابہ

اس سال بیعت کرنے والے بعض مشہور صحابہ کے نام یہ ہیں۔ مولوی فخر الدین صاحب گھوگھیاٹ [۴۴] ماسٹر عبد الرؤف صاحب بھیروی۔ [۴۵] چوہدری اللہ بخش صاحب۔ [۴۶] مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری۔ [۴۷]

۳/ جون ۱۸۹۸ء کو یاڑی پورہ (کشمیر) اور اس کے نواح میں اسی افراد داخل احمدیت ہوئے اور وہاں ایک مضبوط جماعت قائم ہو گئی۔ ان مبایعین میں یاڑی پورہ کے رئیس اعظم راجہ عطاء اللہ خاں کے افراد خاندان اور اہل خانہ بھی تھے [۴۸] راجہ صاحب موصوف اس سے قبل ہی حضرت اقدسؑ کی دستی بیعت کر چکے تھے۔ [۴۹]

اب چونکہ قادیان سے اخبار "الحکم" کا اجراء ہو چکا تھا اس لئے بیعت کرنے والوں کے نام بھی گاہے گاہے اس میں شائع کئے جانے لگے اور نئے حلقہ بگوش احمدیت ہونے والے بزرگوں کی بیعت کا ایک مستند ریکارڈ تیار ہونا شروع ہو گیا۔

شبیہ مبارک سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

عہد ماموریت کا سب سے پہلا فوٹو جو وسط ۱۸۹۹ء میں بمقام قادیان لیا گیا

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے صحابہ کے ساتھ (جون ۱۸۹۹ء)

دائیں سے بائیں:۔ (کرسیوں پر) حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب۔ حضرت سیدنا محمود مصلح موعود۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ (گود میں حضرت مرزا شریف احمد صاحب) حضرت حکیم الامت مولوی نورالدین صاحب بھیروی۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی۔ حضرت پیر منظور محمد صاحب موجد قاعدہ یسرنا القرآن۔ (کھڑے ہوئے) حضرت منشی کرم علی صاحب کاتب۔ مولوی عبداللہ عرب صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب۔ حضرت میاں معراج الدین صاحب عمر۔ حضرت حکیم فضل دین صاحب بھیروی۔ حضرت حکیم محمد حسین صاحب ''مرہم عیسیٰ''۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی (تراب) مفتی فضل الرحمٰن صاحب۔ حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب نومسلم۔

(فرش پر) حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی۔ حضرت حکیم قطب الدین صاحب۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب۔ ملک شیر محمد صاحب بی۔اے۔ جموں۔ (؟)

دائیں طرف سے:۔ (کرسیوں پر) ۱۔۲۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب میاں معراج الدین صاحب عمرؓ کی گود میں۔۳۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھیروی ۴۔ حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب (خلیفہ اولؓ)۔۵۔ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام (گود میں حضرت مرزا شریف احمد صاحب) ۶۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ۔ ۷۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ ۸۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب (خلیفہ ثانی) (فرش پر بیٹھے ہوئے) ۱۔ منشی کرم علی صاحب کاتب۔۲۔ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ۔۳۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب (عرفانی)۔ ۴۔ ملک شیر محمد صاحب بی اے آف جموں۔۵۔ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی جنکی گود میں ان کا بچہ ہے۔۶۔ مفتی فضل الرحمٰن صاحب۔ ۷۔؟ (پیچھے کھڑے ہوئے) ۱۔ ملک غلام حسین صاحب رہتاسی نان پز حضرت مسیح موعود۔۲۔ مولوی حکیم قطب الدین صاحب بدوملہوی۔۳۔ مہر نبی بخش صاحب بٹالوی۔۴۔ حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ۔۵۔ عبداللہ عرب صاحب۔۶۔ حضرت حکیم فضل دین صاحب بھیروی۔۷۔ حضرت بھائی چوہدری عبدالرحیم صاحبؓ نومسلم ۸۔ حضرت پیر منظور محمد صاحب موجد قاعدہ یسرنا القرآن جنکی گود میں ان کی بچی ہے۔۹۔ مرزا اسماعیل بیگ صاحب پریس مین بعدہ شیر فروش۔

حواشی

۱۔ مفصل اشتہار کے لئے جو خود حضرت مسیح موعودؑ نے ۲۱/ نومبر ۱۸۹۸ء کے اشتہار میں بطور ضمیمہ شامل کر دیا تھا ملاحظہ ہو تبلیغ رسالت جلد ہفتم ۵۶ تا ۶۰

۲۔ تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۵۱-۵۲

۳۔ راز حقیقت (طبع اول) صفحہ ۲

۴۔ تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۳۷

۵۔ تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۱۵-۱۶

۶۔ ڈاکٹر صاحب حضرت اقدس کے قدیم صحابہ میں سے تھے بڑے مخلص! بڑے نفس کش اور بڑے زندہ دل! ان کا نام حضور نے ۳۱۳ کی فہرست میں نمبر ۶۸ پر درج فرمایا ہے۔ حضور آپ سے بہت محبت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ ان سے فرمایا "ہمارے دو قسم کے دوست ہیں۔ ایک وہ جن کے ساتھ ہم کو حجاب نہیں اور دوسرے وہ جن کو ہم سے حجاب ہے اس لئے انکے دل کا اثر ہم پر پڑتا ہے۔ اور ہم کو ان سے حجاب رہتا ہے جن لوگوں سے ہم کو کوئی حجاب نہیں ہے ان میں سے ایک آپ بھی ہیں۔" (الحکم ۱۴/ مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۳) ۹۔ جون ۱۹۲۱ء کو ۶۵ برس کی عمر میں رحلت فرمائی۔ (الفضل ۹۔ ۱۳ جون ۱۹۲۱ء صفحہ ۱ کالم نمبر ۱)

۷۔ یہ مہرانجمن تائید الاسلام امرتسر کی تھی۔ اس انجمن کے تین سو کے قریب علماء ورئیس ممبر تھے۔ (مؤلف)

۸۔ بحوالہ الحکم ۱۰ جنوری ۱۸۹۹ء صفحہ ۴، ۶

۹۔ بحوالہ الحکم ۱۰ جنوری ۱۸۹۹ء صفحہ ۷ کالم ۱

۱۰۔ "اشتہار قابل توجہ گورنمنٹ" (الحکم ۱۰ جنوری ۱۸۹۹ء صفحہ ۴)

۱۱۔ الحکم ۱۰ جنوری ۱۸۹۹ء صفحہ ۱۵ تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۱۳

۱۲۔ اشاعت السنہ جلد ۱۹ نمبر ۹ صفحہ ۲۶۵-۲۶۶

۱۳۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۷/ جنوری ۱۸۹۹ء کو... مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری کی ایک تحریر شائع کی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ فہرست انگریزی کی اشاعت سے کئی ماہ قبل مولوی محمد حسین صاحب نے مولوی احمد اللہ صاحب کے آگے ایک تقریب پر اشارۃً یہ ظاہر کر دیا تھا کہ میں نے اعتقاد انکار مہدی سے رجوع کر لیا ہے۔ مولوی احمد اللہ صاحب کی تحریر کے الفاظ یہ تھے۔ "۹/ ذی قعدہ ۱۳۱۳ھ کے مطابق ۵/ مئی کو میرے سامنے مولوی محمد حسین صاحب نے میرے پاس صاف ظاہر کیا کہ میں حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کا معتقد ہوں (یعنی اب ہو گیا ہوں) مانتا ہوں جو وہ سوا حضرت مسیح علیہ السلام کے ہیں جن کے بعد حضرت مسیح آویں گے۔" (بحوالہ الحکم ۱۷/ جنوری ۱۸۹۹ء صفحہ ۷) لیکن اس رجوع کے بعد مولوی محمد حسین صاحب نے انگریزی فہرست میں پھر انکار مہدی کا عقیدہ ہی انگریزی حکومت پر ظاہر کیا اور اس کی آمد سے متعلق احادیث کو موضوع قرار دے دیا۔

۱۴۔ اشاعت السنہ جلد ۱۹ نمبر ۱۹ صفحہ ۲۶۵-۲۶۶

۱۵۔ تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۳۶-۴۱

۱۶۔ روایت رانا جلال الدین صاحب منقول از کتاب "مجدد اعظم" جلد اول صفحہ ۵۹۰۔ ۵۹۲ و حیات احمد جلد پنجم صفحہ ۷۷۔ ۷۸

۱۷۔ بیان ڈپٹی انسپکٹر پولیس (الحکم ۳ مارچ ۱۸۹۹ء صفحہ ۷)

۱۸۔ الحکم ۳ مارچ ۱۸۹۹ء صفحہ ۶، ۷

۱۹۔ الحکم ۳ مارچ ۱۸۹۹ء صفحہ ۷ کالم ۲، ۳

۲۰۔ بحوالہ الحکم ۳ مارچ ۱۸۹۹ء صفحہ ۷ کالم ۳

۲۱۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم حصہ اول صفحہ ۲۵

۲۲۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم حصہ اول صفحہ ۲۵
۲۳۔ الحکم ۱۰جنوری ۱۸۹۹ء صفحہ ۷ کالم ۲
۲۴۔ الحکم ۱۰جنوری ۱۸۹۹ء صفحہ ۹ و ۳ مارچ ۱۸۹۹ء صفحہ ۸ کالم ۱
۲۵۔ الحکم ۱۰جنوری ۱۸۹۹ء صفحہ ۹ کالم ۱
۲۶۔ الحکم ۷ اجنوری ۱۸۹۹ء صفحہ ۶ کالم ۲
۲۷۔ الحکم ۳ مارچ ۱۸۹۹ء صفحہ ۵ کالم ۲'۳
۲۸۔ الحکم ۳ مارچ ۱۸۹۹ء صفحہ ۹ کالم ۱
۲۹۔ الحکم ۳ مارچ ۱۸۹۹ء صفحہ ۹ کالم ۱
۳۰۔ الحکم ۱۳جنوری ۱۸۹۹ء صفحہ ۵ کالم ۱
۳۱۔ تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۳۶'۲۴
۳۲۔ اس سفر کی تفصیلات خفیف سے لفظی تغیر یا تخفیف کے ساتھ الحکم ۳۱/ جنوری ۱۸۹۹ء صفحہ ۵'۹ سے لی گئی ہیں۔
۳۳۔ حقیقتہ المہدی صفحہ ۱۰ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۳۳۶'۷ ۳۳ طبع سوم صفحہ ۳۳۱'۳۳۲
۳۴۔ حقیقتہ المہدی طبع اول صفحہ ۱۰'۱۳
۳۵۔ حقیقتہ المہدی طبع اول صفحہ ۱۱
۳۶۔ الحکم ۳ مارچ ۱۸۹۹ء صفحہ ۱۰ کالم ۳
۳۷۔ مجدد اعظم حصہ اول صفحہ ۶۰۶
۳۸۔ "تریاق القلوب" طبع اول صفحہ ا
۳۹۔ تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۴۴'۴۶
۴۰۔ تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۴۴'۴۶
۴۱۔ "تریاق القلوب" طبع اول صفحہ ۸۰ و "ذکر حبیب" صفحہ ۱۵ (مؤلفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ)
۴۲۔ (ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو اشتہار ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء و ۲۰/ فروری ۱۸۹۳ء) حضرت اقدس عدالتی معاہدہ کے بارے میں خود ہی تحریر فرماتے ہیں۔ "یہ سچ ہے کہ اس نوٹس پر میری طرف سے بھی اس عہد کے ساتھ دستخط ہیں کہ میں محمد حسین کی موت یا ذلت کے لئے کوئی پیشگوئی نہیں کروں گا مگر یہ ایسے دستخط نہیں ہیں جن سے ہمارے کاروبار میں کچھ بھی حرج ہو بلکہ مدت ہوئی کہ میں کتاب انجام آتھم کے صفحہ اخیر میں بتصریح اشتہار دے چکا ہوں کہ آئندہ ان لوگوں کو مخاطب نہیں کریں گے جب تک خود ان کی طرف سے تحریک نہ ہو بلکہ اس بارے میں ایک الہام بھی شائع کر چکا ہوں جو میری کتاب آئینہ کمالات اسلام میں درج ہے..... مجھے یہ بھی افسوس ہے کہ ان لوگوں نے محض شرارت سے یہ بھی مشہور کیا ہے کہ اب الہام کے شائع کرنے کی ممانعت ہو گئی اور ہنسی سے کہا کہ اب الہام کے دروازے بند ہو گئے۔ مگر ذرا حیا کو کام میں لا کر سوچیں کہ اگر الہام کے دروازے بند ہو گئے تھے تو میری بعد کی تالیفات میں کیوں الہام شائع ہوئے۔ اسی کتاب کو دیکھیں کہ اس میں الہام کم ہیں" (تریاق القلوب طبع اول صفحہ ۸۱)
۴۳۔ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۲'۷'۳۵
۴۴۔ والد ماجد مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر (انچارج شعبہ زود نویسی ربوہ) ولادت قریباً ۱۸۸۰ء وفات ۱۰/ نومبر ۱۹۴۰ء حضرت اقدس کے متعدد نشانات دیکھنے کا انہیں موقع نصیب ہوا۔ مثلاً ۱۹۰۳ء میں ان کے چھوٹے بھائی اور اہلیہ طاعون میں خطرناک طور پر مبتلا ہو گئے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں درخواست دعا لکھی تو حضور کا جواب آیا کہ اللہ تعالیٰ صحت دے گا۔ چنانچہ وہ خارق عادت طور پر صحت یاب ہو گئے۔ قادیان کے مرکزی دفاتر میں سالہا سال تک خدمات سرانجام دیں۔
۴۵۔ ولادت اپریل ۱۸۷۷ء وطن مالوف بھیرہ۔ مدرسہ تعلیم الاسلام کے قدیم اساتذہ میں سے تھے جو مئی ۱۸۹۹ء سے دسمبر ۱۹۰۲ء تک مدرس رہے ۱۹۰۴ء میں دفتر میگزین ریویو آف ریلیجنز میں کام کیا فروری ۱۹۰۶ء سے نومبر ۱۹۲۷ء تک مدرسہ "تعلیم الاسلام" کے

ہیڈ کلرک رہے (الحکم ۲۱ اپریل ۱۹۲۹ء) آپ نے ۱۰ مئی ۱۹۴۵ء کو وفات پائی اور بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔

۴۶۔ مالک "اللہ بخش سٹیم پریس قادیان" ولادت ۱۸۸۷ء وفات ۶ اکتوبر ۱۹۵۷ء ربوہ میں صحابہ کے قطعہ خاص میں مدفون ہیں۔

۴۷۔ ولادت قریباً ۱۸۸۲ء۔ زیارت قادیان ۱۸۹۸ء وفات ۱۹ / نومبر ۱۹۶۸ء۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۱۸۸۴ء میں انبالہ چھاؤنی سے پٹیالہ کے رستہ سنور تشریف لے گئے تو آپ کے والد مولوی محمد موسیٰ صاحب بھی استقبال کے لئے حاضر تھے اور آپ کو گود میں اٹھائے ہوئے تھے۔ آپ بہت دعائیں کرنے والے بزرگ تھے۔ سلسلہ کے مالی جہاد میں سرگرم اور نمایاں حصہ لیا کرتے تھے اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آپ کو خاص تعلق محبت و عقیدت تھا۔ سالہا سال تک حضرت خلیفہ المسیح الثانی المصلح الموعود کی اراضی ناصر آباد کے کامیاب مینجر رہے۔ چنانچہ حضور نے ۱۳۳۵ھ کی مجلس مشاورت میں فرمایا "اس سال تو صدر انجمن احمدیہ کو گھاٹا رہا لیکن مجھے نفع آیا ہے یہ محض منشی قدرت اللہ صاحب سنوری کے سجدوں کی برکت تھی۔" (رپورٹ صفحہ ۶۵-۶۶) آپ کی خود نوشت سوانح زندگی "تجلی قدرت" کے نام سے شائع شدہ ہے

۴۸۔ الحکم ۲۰-۲۷ جون ۱۸۹۸ء صفحہ ۷ پر اسماء مبایعین بھی درج ہیں

۴۹۔ الحکم ۲۰-۲۷ جون ۱۸۹۸ء سے پتہ چلتا ہے کہ یاڑی پورہ اور اس کے نواح کا ایک اجتماع صحن خانقاہ میں ہوا تھا جس میں شیخ غلام رسول صاحب، مولوی فضل حق صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب نے تقریریں کیں جس سے متاثر ہو کر اسی ۸۰ افراد داخل احمدیت ہو گئے۔ لوگوں نے حسب اجازت راجہ صاحب موصوف کے ہاتھ پر حضرت مسیح موعود کی بیعت کی۔ راجہ صاحب کے تفصیلی حالات حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے قلم سے الحکم ۷ / ستمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۷ / ۸ میں شائع شدہ ہیں۔ (تاریخ وفات ۱۴ / اپریل ۱۹۰۴ء)

ماموریت کا اٹھارھواں سال

"حقیقتہ المہدی" کی تصنیف و اشاعت

(۱۸۹۹ء)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی اس سال کی پہلی تصنیف "حقیقتہ المہدی" تھی جو ۲۱/ فروری ۱۸۹۹ء کو شائع ہوئی۔

یہ کتاب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے الزام بغاوت کی تردید میں لکھی گئی تھی۔ مولوی صاحب ابتداء ہی سے انگریزوں کے پاس شکایات کرتے آرہے تھے کہ یہ شخص سوڈانی مہدی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اور وہ فخریہ کہا کرتے تھے کہ میرے پاس وائسرے لیفٹیننٹ گورنروں' کمانڈر انچیف وغیرہ اعلیٰ عہدیداران حکومت کی چٹھیاں موجود ہیں مگر مرزا صاحب کسی ایک ضلع کے ڈپٹی کمشنر ہی کی کوئی چھٹی پیش کریں جس سے ان کا کوئی ذاتی اعزاز ثابت ہو۔ [1] وہ امیر کابل کے پاس بھی پہنچے۔ پھر اس کی طرف سے واپس آکر دھمکیاں دیں کہ وہاں چلو تو زندہ نہ آؤ گے۔ [2] اب جو انہوں نے حضورؑ کے خلاف فوجداری مقدمہ کھڑا کر کے اپنی کوششیں انتہاء تک پہنچادیں تو حضورؑ نے اس کتاب کے ذریعہ سے انکی مخالفانہ کارروائیوں کو ایک بار پھر بے نقاب کیا اور حکومت کے سامنے خیر خواہ اور باغی کی پہچان کے لئے ایک کھلا کھلا طریق آزمائش رکھا اور وہ یہ کہ حضور نے از خود عربی اور فارسی زبان میں جہاد کے متعلق اپنے عقائد اس کتاب میں اشتہار کی شکل میں شائع کئے اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے بھی مطالبہ کیا کہ اگر وہ حکومت کی خیر خواہی میں سچے ہیں تو وہ بھی عربی اور فارسی میں ایسا اشتہار شائع کردیں۔ [3]

حقیقتہ المہدی کے آغاز میں حضورؑ نے ایک دردانگیز دعا کی ہے جس کے چند ابتدائی اشعار یہ ہیں

اے قدیر و خالق ارض و سما　　اے رحیم و مہربان و رہنما
اے کہ میداری تو بر دلہا نظر　　اے کہ از تو نیست چیزے مستتر

گر تو مے بینی مرا پر فسق و شر گر تو دید استی کہ ہستم بدگہر
پارہ پارہ کن من بدکار را شاد کن ایں زمرہ اغیار را
آتش افشاں بر در و دیوار من دشمنم باش و تبہ کن کار من ۴

یعنی اے قادر اور آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے!! اے رحیم و مہربان اور رستہ دکھانے والے خدا!! اے وہ ذات جو دلوں پر نظر رکھتی ہے۔ اے وہ ہستی کہ تجھ سے کوئی چیز بھی چھپی ہوئی نہیں۔ اگر تو مجھے نافرمانی اور شرارتوں سے بھرا ہوا دیکھتا ہے اور اگر تو نے دیکھ لیا ہے کہ میں بدگہر ہوں تو تو مجھ بدکار کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال اور میرے دشمنوں کے گروہ کو خوش کر دے۔ میرے در و دیوار پر آگ برسا۔ میرا دشمن ہو جا اور میرا سلسلہ تباہ و برباد کر دے۔

مولانا عبدالکریم صاحبؓ کی طرف سے خطوط کا سلسلہ

آخر جون ۱۸۹۹ء سے حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ نے اخبار الحکم میں جماعت احمدیہ کے نام خطوط کا ایک دلچسپ اور ایمان افروز سلسلہ جاری کیا جو آپ کی وفات تک بدستور قائم رہا۔ ان خطوط میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے الہامات، ملفوظات اور دوسرے پیش آمدہ واقعات کا نہایت عمدہ اور موثر پیرایہ میں تذکرہ بھی ہوتا تھا اور وعظ و نصیحت بھی۔ ۵ جماعت کے دوست اس خط کا بہت دلچسپی سے انتظار کرتے تھے اور ان کے ایمانوں میں اس کے پڑھنے سے ایک نئی روح پھونکی جاتی تھی۔ ۶

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی ولادت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۱۸۸۳ء میں الہام ہوا تھا کہ "تین کو چار کرنے والا مبارک"۔ اس الہام میں خبر دی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نکاح ثانی سے آپ کو چار فرزند عطا فرمائے گا اور چوتھے کا نام مبارک ہو گا۔ ۷ علاوہ ازیں اشتہار ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء میں بھی بالواسطہ رنگ میں ان کی ولادت کا ذکر موجود تھا۔ ایک خواب میں یہ بھی بتایا گیا کہ اس فرزند کا عقیقہ سوموار کو ہو گا۔ چنانچہ اس بشارت کے مطابق ۱۴/ جون ۱۸۹۹ء (۴ صفر ۱۳۱۶ھ) بروز بدھ بعد دوپہر تین بجے حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب پیدا ہوئے جو حضورؑ کے آخری فرزند تھے۔ آپ کی ولادت سے قبل الہام ہوا۔ "انی اسقط من اللہ و اصیبہ" اس الہام کے متعلق حضرت اقدس نے اجتہاد یہ کیا کہ یہ لڑکا نیک ہو گا اور

روبخدا ہوگا یا جلد فوت ہو جائے گا۔" ۸ حضرت صاحبزادہ صاحب کی پیدائش کے وقت حضرت ام المومنین کا جسم اتنا سرد اور نیم جاں ہو گیا کہ موت کا شبہ ہونے لگا مگر حضرت اقدس کی دعا سے یکایک بدن گرم ہو گیا اور یہ نازک گھڑی ٹل گئی۔ ۹

حضرت صاحبزادہ صاحب کے عقیقہ کا دن ۲۵ / جون ۱۸۹۹ء بروز اتوار مقرر کیا گیا تھا۔ حضورؑ نے اس کا اہتمام منشی نبی بخش صاحب بٹالوی کے سپرد فرمایا۔ حضرت اقدسؑ کی طرف سے بڑی تاکید تھی اور یقین تھا کہ سب سامان ہو جائے گا۔ مگر اتوار کے مقررہ دن کو صبح صادق سے پہلے ہی بارش شروع ہو گئی۔ صبح کی نماز معمول سے سویرے پڑھی گئی اور دوست تاریکی اور ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے سو گئے اور انتظام دھرے کا دھرا رہ گیا۔ حضرت اقدس بھی سو گئے اور منشی صاحب بھی۔ دن خوب چڑھ گیا تو حضرت اقدس بیدار ہوئے تو دریافت فرمایا کہ عقیقہ کا کوئی سامان نظر نہیں آتا۔ حضور کو فکر ہوئی کہ مہمانوں کو ناحق تکلیف ہوئی ادھر منشی صاحب بڑے اضطراب اور ندامت کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت کی۔ فرمایا اچھا "فعل ما قدر۔" جو مقدر تھا وہی ہوا۔ مگر منشی صاحب کو صبر و قرار کہاں وہ بار بار حضور کے پاس معذرت کے لئے دوڑ کے گئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر حضور کو اس وقت اپنی رؤیا یاد آ گئی جو حضور نے چودہ سال ہوئے دیکھی تھی جس کا مضمون یہ تھا کہ "ایک چوتھا بیٹا ہوگا اور اس کا عقیقہ سوموار کو ہوگا۔" خدا تعالیٰ کی بات کے پورا ہونے اور اللہ تعالیٰ کے اس عجیب تصرف سے حضرت اقدس کو جو خوشی ہوئی اس نے ساری کوفت دور کر دی۔ چنانچہ دوسرے دن سوموار کو جب سب خدام صحن اندرون خانہ میں بیٹھے تھے اور حضرت صاحبزادہ کا سر مونڈا جا رہا تھا تو حضرت اقدسؑ نے بڑے جوش اور خوشی سے یہ رؤیا سنائی۔ ۱۰

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پہلا فوٹو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یورپ میں اشاعت کے لئے ایک کتاب تصنیف کرنے کا ارادہ فرمایا جس کا انگریزی ترجمہ مولوی محمد علی صاحب کو کرنا تھا۔ تجویز یہ ہوئی کہ یورپ میں چونکہ قیافہ شناسی کا علم اتنا ترقی کر چکا ہے کہ لوگ محض تصویر کے خدوخال دیکھ کر صاحب تصویر کے اخلاق کا پتہ چلا لیتے ہیں لہذا اس کتاب کے ساتھ مصنف اور مترجم کی تصاویر بھی لگا دی جائیں۔ ۱۱ محض یہ تبلیغی و دینی ضرورت تھی جس کی بناء پر حضور نے اپنا فوٹو اتروایا۔ خود فرماتے ہیں "میں اس بات کا سخت مخالف ہوں کہ کوئی میری تصویر کھینچے اپنے پاس رکھے یا شائع کرے۔ میں نے ہرگز ایسا حکم نہیں دیا کہ کوئی ایسا کرے۔ اور مجھ سے زیادہ بُت پرستی اور تصویر پرستی کا کوئی دشمن نہیں ہوگا۔ لیکن میں نے

دیکھا ہے کہ آج کل یورپ کے لوگ جس شخص کی تالیف کو دیکھنا چاہیں اول خواہش مند ہوتے ہیں کہ اس کی تصویر دیکھیں کیونکہ یورپ کے ملک میں فراست کے علم کو بہت ترقی ہے اور اکثر ان کی محض تصویر کو دیکھ کر شناخت کر سکتے ہیں کہ ایسا مدعی صادق ہے یا کاذب۔" [۱۲]

پہلے فوٹو کے لئے انتظام

میاں معراج دین صاحب عمر (انار کلی) لاہور سے ایک فوٹو گرافر لائے جس نے حضورؑ کے تین فوٹو کھینچے۔ دو صحابہ کے گروپ میں اور ایک پورے قد [۱۳] کا علیحدہ۔ دوسرے گروپ میں معمولی تبدیلی کے ساتھ پہلے گروپ کے بزرگ صحابہ ہی بیٹھے ہوئے تھے حضرت اقدس کی عادت غض بصر کی تھی۔ فوٹو گرافر بار بار عرض کرتا تھا کہ حضور آنکھیں ذرا کھول کر رکھیں ورنہ فوٹو اچھی نہیں آئے گی۔ اس کے اصرار پر حضور نے ایک مرتبہ تکلیف کے ساتھ آنکھوں کو کچھ زیادہ کھولا مگر وہ پھر نیم بند سی ہو گئیں۔ فوٹو گرافر نے حضور سے لباس اور نشست کے متعلق بھی معروضات کیں مگر حضور نے انتہائی سادگی اور بے تکلفی سے فوٹو کھچوایا اور یہی رنگ تصویر میں بھی جلوہ گر رہا۔

بعد ازاں میاں معراج دین صاحب عمر نے ان فوٹوؤں کی طباعت کا انتظام کر کے ۱۰/ اگست ۱۸۹۹ء کو بذریعہ الحکم ان کی اشاعت کا باقاعدہ اعلان شائع کر دیا۔ یہ فوٹو جو زمانہ مأموریت [۱۴] کا پہلا پورے قد کا فوٹو ہے حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کی کتاب "ذکر حبیب" میں بھی شائع شدہ ہے۔

حضورؑ کے اور کتنے فوٹو لئے گئے اور کہاں کہاں؟

ابتدائی فوٹوؤں کے بعد حضرت اقدس کے اور بھی متعدد فوٹو لئے گئے جن کی معین تعداد کا بتانا تو مشکل ہے البتہ سلسلہ کے لٹریچر سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے ہی سال "خطبہ الہامیہ" کے موقعہ پر ۱۱/ اپریل ۱۹۰۰ء کو بوقت عصر مسجد اقصیٰ میں ایک گروپ فوٹو لیا گیا۔ یہ فوٹو ڈاکٹر نور محمد صاحب لاہوری نے لیا تھا۔ [۱۵] ۱۷/ نومبر ۱۹۰۰ء کو ایک یورپین سیاح (T.DEXON) ٹی ڈکسن نے حضرت اقدس کے تین فوٹو لئے جس میں سے دو تو حضور کے خدام کے ساتھ تھے اور ایک فوٹو صرف حضور کا تھا [۱۶] ۱۹۰۲ء میں حضور کا ایک پورے قد کا فوٹو "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۲۳ پر شائع ہوا جو البائن پریس لاہور میں طبع ہوا۔ حضور کا ایک گروپ فوٹو حضور کے سیالکوٹ کے اصحاب کے ساتھ نومبر ۱۹۰۴ء میں کھینچا گیا۔ ایک اور گروپ فوٹو بھی لیا گیا جس میں ایک طرف ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب گوڑیانوی اور دوسری طرف ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب تھے۔ ان کے علاوہ ایک اور فوٹو ایسا بھی ملتا ہے جس میں حضور کے ساتھ صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کھڑے ہیں۔ مئو خرالذکر کس سال لئے گئے اس کی تعیین نہیں ہو سکی۔ قادیان میں حضرت اقدسؑ کے فوٹو اکثر

و بیشتر مسجد اقصیٰ میں لئے گئے۔ مگر بعض مدرسہ "تعلیم الاسلام" یا نواب محمد علی خان صاحب کے مکان (واقع اندرون شہر) کے صحن میں بھی کھینچے گئے تھے۔ [۱۷] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں حضور کے قلمی فوٹو بھی شائع ہوئے۔ مثلاً الحکم ۳۱/ جنوری ۱۹۰۴ء کی اشاعت میں پورے قد کا قلمی فوٹو چھپا۔ حقیقۃ الوحی کے عربی حصہ الاستفتاء (۱۵- اپریل ۱۹۰۷ء) میں حضور کی شبیہ مبارک کا خاکہ قلم سے نقل (TRACE) کر کے شائع ہوا۔

فوٹو کی یورپ میں اشاعت اور تاثرات

حضرت مسیحؑ موعود کے فوٹو کی "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی (۱۹۰۲ء تا ۱۹۰۵ء) کے ذریعہ سے جب مغربی ممالک میں اشاعت ہوئی تو حضرت اقدس کی خدمت میں کئی لوگوں کی چٹھیاں آئیں کہ ہم نے آپ کی فوٹو غور سے دیکھی ہے علم فراست کی رو سے ہمیں یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ جس کی یہ فوٹو ہے وہ ہرگز کاذب نہیں۔ ایک امریکی خاتون نے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ فوٹو دیکھتی رہوں یہ تو بالکل یسوع مسیح کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ ایک اور قیافہ شناس لیڈی نے کہا کہ "یہ نبیوں کی سی صورت ہے" بعض بڑے بڑے لوگوں نے اسے دیکھ کر کہا کہ "He is a Great Thinker" یعنی یہ ایک عظیم مفکر ہے۔ علم قیافہ کے ایک اور انگریز ماہر کے سامنے جب حضور کی فوٹو رکھی گئی تو وہ بڑے غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ کسی اسرائیلی پیغمبر کی فوٹو ہے۔ ایک دوسرے انگریز نجومی نے بھی یہی کہا کہ یہ شبیہ تو خدا کے کسی نبی کی ہے۔ [۱۸]

فوٹو کی عام اشاعت کی ممانعت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی تصویر کی عام اشاعت کو جو تبلیغی ضرورت کے بغیر محض نمائش کے طور پر ہو سخت ناپسند فرماتے تھے کہ اس طرح رفتہ رفتہ بدعات پیدا ہو جاتی ہیں اور شرک تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ حبیب الرحمٰن صاحب (حاجی پورہ) کا بیان ہے کہ "جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سب سے پہلا فوٹو لیا گیا تھا۔ میں نے وہ فوٹو خریدا اور اس پر فریم اور شیشہ بھی لگوایا۔ جب میں قادیان گیا اور حسب دستور تنہائی میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ میں نے حضور کا فوٹو خریدا ہے۔ اگر حضور کی اجازت ہو تو اپنی نشست گاہ میں دیوار پر لگایا جاوے حضور نے فرمایا نہیں ہمارا اس فوٹو سے ہرگز یہ منشاء نہ تھا کہ لوگ خریدیں اور اپنے پاس رکھیں۔ ہم نے صرف ولایت بھیجنے کی غرض سے یہ فوٹو کھنچوایا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اب میں اس کو خرید چکا ہوں اس کو کیا کیا جائے۔ فرمایا کہ کسی صندوق میں ڈال چھوڑو ایسی جگہ نہ رکھو کہ لوگ آئیں اور دیکھیں۔ اس طرح تصویروں کی پرستش ہو جاتی تھی۔ [۱۹]

ایک دفعہ آپ کی زندگی میں کسی نے کارڈ کی پشت پر آپ کی فوٹو شائع کر دی۔ آپ کو پتہ چلا تو یہ کارڈ آپ نے تلف کرا دیئے اور جماعت کو ہمیشہ کے لئے یہ نصیحت فرمائی کہ

"میں ایسی اشاعت کا سخت مخالف ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی شخص ہماری جماعت میں سے ایسے کام کا مرتکب ہو۔ ایک صحیح اور مفید غرض کے لئے کام کرنا اور امر ہے اور ہندوؤں کی طرح جو اپنے بزرگوں کی تصویریں جابجا در و دیوار پر نصب کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے۔ ہمیشہ دیکھا گیا ہے کہ ایسے لغو کام منجر شرک ہو جاتے ہیں بڑی بڑی خرابیاں ان سے پیدا ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ہندوؤں اور عیسائیوں میں پیدا ہو گئیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ جو شخص میری نصائح کو عظمت اور عزت کی نظر سے دیکھتا ہے اور میرا سچا پیرو ہے وہ اس حکم کے بعد ایسے کاموں سے دستکش رہے گا۔ ورنہ وہ میری ہدایتوں کے برخلاف اپنے تئیں چلاتا اور شریعت کی راہ میں گستاخی سے قدم رکھتا ہے۔" [۲۰-۲۱]

منشی الٰہی بخش صاحب کا فتنہ اور "تریاق القلوب" کی تصنیف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پچھلے سال ۱۸۹۸ء میں منشی الٰہی بخش صاحب کے اوہام اور وساوس کے ازالہ کے لئے "ضرورۃ الامام" تصنیف فرمائی جس پر وہ اپنی روش پر نظر ثانی کرنے کی بجائے اور بھی متشدد ہو گئے اور اپنے چند ساتھیوں مثلاً منشی عبد الحق صاحب پنشنر اکونٹنٹ خان بہادر سید فتح علی شاہ صاحب ڈپٹی کلکٹر اور حافظ محمد یوسف صاحب ضلع دار نہر [۲۲] کے سمیت ایک بڑے فتنہ کی طرح ڈالی۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کو دو خط بھیجے جن میں ان کو خدا کی قسم دے کر لکھا کہ وہ مسلمانوں کی حالت پر رحم کرتے ہوئے اپنے الہامات شائع کر کے بھجوا دیں تا خدا تعالیٰ خود ہی سچے اور جھوٹے کا فیصلہ فرما دے۔ دوسرا خط حضورؑ نے ۱۶/ جون ۱۸۹۹ء کو بھیجا اور اس کے آخر میں لکھا "پھر آخیر میں خدا تعالیٰ کی قسم آپ کو دیتا ہوں کہ آپ وہ تمام مخالفانہ پیشگوئیاں جو میری نسبت آپ کے دل میں ہوں لکھ کر چھاپ دیں۔ اب دس دن سے زیادہ میں آپ کو مہلت نہیں دیتا۔ جون، مہینے کی ۳۰/ تاریخ تک آپ کا اشتہار مخالفانہ پیشگوئیوں کا میرے پاس آ جانا چاہیے ورنہ یہی کاغذ چھاپ دیا جائے گا اور پھر آئندہ آپ کو کبھی مخاطب کرنا بھی بے فائدہ ہو گا۔" [۲۳] اس خط کے جواب میں انہوں نے جولائی ۱۸۹۹ء کے پہلے ہفتہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک خط لکھا جس میں حضور اور سلسلہ احمدیہ کے خلاف دو ایک پیشگوئیاں بھی درج تھیں۔

منشی الٰہی بخش صاحب چونکہ اب اپنے خط میں حضرت کے خلاف الہام بھجوا کر میدان مقابلہ میں اتر آئے اور افہام و تفہیم کی ہر صورت اپنے ہاتھوں ختم کر چکے تھے اس لئے حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کی دینی غیرت نے نہ چاہا کہ دنیا کے سامنے حق و باطل مشتبہ ہو کے رہ جائیں۔ اس لئے حضور نے جولائی کے آخر میں "تریاق القلوب" [۲۴] کے نام سے ایک عظیم الشان تصنیف کے لئے قلم اٹھایا جس میں یہ آسان طریق فیصلہ پیش فرمایا کہ "ایک مجمع مقرر کر کے کوئی ایسا شخص جو میرے دعویٰ مسیحیت کو نہیں مانتا اور اپنے تئیں ملہم اور صاحب الہام جانتا ہے مجھے مقام بٹالہ یا امرتسر یا لاہور میں طلب کرے اور ہم دونوں جناب الٰہی میں دعا کریں کہ جو شخص ہم دونوں میں سے جناب الٰہی میں سچا ہے ایک سال میں کوئی عظیم الشان نشان جو انسانی طاقتوں سے بالاتر اور معمولی انسان کے دسترس سے بلند تر ہو اس سے ظہور میں آوے۔ ایسا نشان کہ جو اپنی شوکت اور طاقت اور چمک میں عام انسانوں اور مختلف طبائع پر اثر ڈالنے والا ہو خواہ وہ پیشگوئی ہو یا اور کسی قسم کا اعجاز ہو جو انبیاء کے معجزات سے مشابہ ہو۔ پھر اس دعا کے بعد ایسا شخص جس کی کوئی خارق عادت پیشگوئی یا اور کوئی عظیم الشان نشان ایک برس کے اندر ظہور میں آجائے اور اس عظمت کے ساتھ ظہور میں آئے جو اس مرتبہ کا نشان حریف مقابل سے ظہور میں نہ آسکے وہ شخص سچا سمجھا جائے گا۔" [۲۵]

ایسی مجلس کے انعقاد کے لئے حضور نے یہ شرط بھی قرار دی کہ دس روز قبل بذریعہ اشتہار (جس پر بیس معزز اور نامور علماء اور رؤسا کے دستخط ثبت ہوں) یہ اعلان شائع کیا جائے کہ ان مقامات میں سے فلاں تاریخ اور فلاں وقت ایسا جلسہ قرار پایا ہے۔ [۲۶] یہ اصل رسالہ جو ۲۳ صفحات پر مشتمل تھا کیم اگست تک مکمل ہو کر انہی دنوں چھپ بھی گیا تھا لیکن حضور کو خیال آیا کہ "ملہم لاہوری پر اتمام حجت کے لئے لیکھرام اور دوسرے افراد کے متعلق پیشگوئیوں کا مفصل تذکرہ کیا جائے جو نہات آب و تاب سے پوری ہو چکی ہیں۔ چنانچہ حضور نے اس کے ساتھ دو ضمیموں کا اضافہ فرمایا.... پہلے ضمیمہ میں حضورؑ نے لیکھرام کے قتل کے نشان کے قریباً چار ہزار مصدقین میں سے ۲۷۹ اشخاص کی تصدیقی شہادتیں شامل کیں [۲۷] اور دوسرے ضمیمہ میں اس کے علاوہ دوسری متعدد پیشگوئیوں پر مفصل روشنی ڈالی۔ دسمبر ۱۸۹۹ء تک حضرت اقدس نے پچھتر پیشگوئیوں کا بیان لکھا جو ۱۵۸ صفحات پر مشتمل تھا۔

کتاب تریاق القلوب جنوری ۱۹۰۰ء تک ایک صفحہ کے مسودہ کے سوا چھپ چکی تھی مگر اس دوران میں وفد نصیبین کی تجویز کی وجہ سے حضور کی توجہ "لجۃ النور" کی تصنیف کی طرف مبذول ہو گئی اور تریاق القلوب کی اشاعت رک گئی۔ ازاں بعد ۱۹۰۲ء میں جب کہ کتب خانہ کا چارج حکیم فضل الدین صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے حضرت مولوی نور الدین صاحب سے عرض کی کہ بعض کتب بالکل تیار ہیں لیکن اس وقت تک شائع نہیں ہوئیں۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کریں کہ ان کی اشاعت کی اجازت فرما دیں چنانچہ حضرت مولوی صاحب نے حضرت اقدس سے ذکر

کیا اور حضور نے اجازت دے دی۔ "تریاق القلوب" ساری چھپ چکی تھی اور صرف ایک صفحہ کے قریب مضمون (حضرت اقدس کے ہاتھ کا لکھا ہوا کاتب کے پاس پڑا تھا۔ اس کے ساتھ حضرت اقدس نے ایک صفحہ کے قریب مضمون اور بڑھا دیا اور آخر میں دو ضمیمے لگا کر ۲۸/ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع کر دی گئی۔ ۲۸

"ستارہ قیصرہ" کی تصنیف و اشاعت

ساٹھ سالہ جوبلی کے موقعہ پر حضرت اقدس نے ملکہ وکٹوریہ کو تبلیغ و اشاعت اسلام کے سلسلہ میں "تحفہ قیصریہ" بھجوایا تھا اور توقع تھی کہ ملکہ تک اگر یہ رسالہ پہنچ گیا تو اپنے شاہی دستور کے مطابق وہ اس کے بارے میں ضرور اطلاع دیں گی۔ مگر جب دو سال تک اس کا کوئی جواب موصول نہ ہوا تو حضرت اقدس نے کافی انتظار کے بعد یہ خیال کر کے کہ ممکن ہے وہ رسالہ ان تک پہنچ نہیں سکا یا پہنچا تو ہے مگر اس کا جواب حکومت انگریزی کے افسروں نے آپ تک پہنچانا مناسب نہیں سمجھا ۲۴/ اگست ۱۸۹۹ء کو "ستارہ قیصرہ" کے نام سے ایک اور رسالہ شائع کیا جس میں "تحفہ قیصریہ" کا مضمون ایک دوسرے انداز میں ڈھال دیا۔ روح وہی رہی مگر الفاظ بدل گئے۔ یہ دونوں تصانیف ایک جوہر کے دو ٹکڑے ہیں جن کے حقیقی مقاصد کی تہ تک پہنچنے کے لئے ان کا یکجائی مطالعہ ضروری ہے۔

حکومت برطانیہ پر اتمام حجت اور مذاہب عالم کے جلسہ کے لئے میموریل

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے "ستارہ قیصرہ" کے بعد.... خدا کے الہام سے گورنمنٹ انگریزی پر اتمام حجت کے لئے ۲۷/ ستمبر ۱۸۹۹ء کو ایک میموریل بھی شائع کیا جس میں اسے جلسہ مذاہب کے انعقاد کی طرف زور دار رنگ میں توجہ دلائی اور تجویز رکھی کہ تمام قوموں کے نمائندے اپنے اپنے مذہب کی سچائی کے ثبوت میں ایک تو اپنے اپنے مذہب کی ہمہ گیر تعلیم بتائیں جو دوسری تعلیموں سے اعلیٰ ہو۔ دوسرے یہ کہ ان کے مذہب میں وہ روحانیت اور طاقت اب بھی موجود ہے جس کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ نشانات ظاہر ہو سکتے ہیں اور اس امر کے ثبوت میں وہ خدا سے علم پا کر یک سالہ پیشگوئیاں بھی کریں۔ آپ نے اس میموریل میں تحدی فرمائی کہ "اگر اس جلسہ

کے بعد.... ایک سال کے اندر میرے نشان تمام دنیا پر غالب نہ ہوں تو میں خدا کی طرف سے نہیں ہوں میں راضی ہوں کہ اس جرم کی سزا میں سولی دیا جاؤں اور میری ہڈیاں توڑی جائیں۔ لیکن وہ خدا جو آسمان پر ہے جو دل کے خیالات کو جانتا ہے۔ جس کے الہام سے میں نے اس عریضہ کو لکھا ہے وہ میرے ساتھ ہو گا اور میرے ساتھ ہے وہ مجھے اس گورنمنٹ عالیہ اور قوموں کے سامنے شرمندہ نہ کرے گا۔ اسی کی روح ہے جو میرے اندر بولتی ہے۔" [۲۹]

حکومت انگریزی اگر ماموروقت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے سرکاری سطح پر اس نوع کا جلسہ منعقد کر لیتی تو بلا مبالغہ اس کا بہت بڑا کارنامہ تصور کیا جاتا اور اسلام کی تبلیغ کی متعدد نئی راہیں نکل آتیں مگر حکومت نے اس طرف چنداں التفات نہیں کیا اور دنیا ایک سنہری موقعہ سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئی۔

مقدمہ گوڑگانواں

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے جنوری ۱۸۹۷ء میں عیسائیوں کو ایک ہزار روپے کا ایک انعامی اشتہار دیا تھا جس میں حضور نے لکھا تھا کہ "میرا دعویٰ ہے کہ یسوع کی پیشگوئیوں کی نسبت میری پیشگوئیاں اور میرے نشانات زیادہ ہیں۔ اگر کوئی پادری میری پیشگوئیوں اور میرے نشانوں کی نسبت یسوع کی پیشگوئیاں اور نشان ثبوت کے رو سے قوی تر دکھلا سکے تو میں اس کو ایک ہزار روپیہ نقد دوں گا۔" [۳۰]

اس اشتہار کو دیکھ کر جب کوئی عیسائی مرد میدان نہ بن سکا تو ایک مسلمان عالم اصغر علی حسین صاحب نے گوڑگانواں میں لالہ جوتی پرشاد مجسٹریٹ کی عدالت میں حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف نالش کی کہ میں مرزا صاحب کے اس چیلنج کو قبول کرتا ہوں کیونکہ میں بھی حضرت عیسیٰؑ کو مانتا ہوں اس واسطے میں بھی عیسائی ہوں اور مجھے مرزا صاحب سے ان کے اشتہار کے مطابق ایک ہزار روپیہ دلایا جائے۔ اخبار "عام" اور "ست دھرم" وغیرہ ہندو اخبارات کو جونہی یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اس پر لمبے چوڑے مخالفانہ نوٹ لکھے مقدمہ کا سمن قادیان پہنچا تو حضور نے پیروی کے لئے مولوی محمد علی صاحب ایم اے، مرزا خدا بخش صاحب اور مرزا افضل بیگ صاحب مختار قصوری کو بھجوایا۔ لالہ جوتی پرشاد نے سرسری سی کارروائی کے بعد مقدمہ خارج کر دیا اور زبانی کہا کہ دراصل یہ مقدمہ تو سماعت کے قابل نہ تھا مگر ہم نے اس خیال سے رکھ لیا تھا کہ اس بہانہ سے حضرت مرزا صاحب کی زیارت ہو جائے گی مگر وہ تشریف نہیں لائے اس لئے اسے یہیں ختم کرتا ہوں۔ [۳۱]

تصنیف "مسیح ہندوستان میں" سفر نصیبین کی تجویز اور "جلسہ الوداع"

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی قبر کا انکشاف تو ایک عرصہ سے ہو چکا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مختلف کتابوں میں اجمالاً اس پر روشنی بھی ڈالی تھی مگر اس نظریہ کی اہمیت و عظمت کے پیش نظر اس موضوع پر ایک مستقل تصنیف کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی جسے حضرت اقدس نے کتاب "مسیح ہندوستان میں" لکھ کر پورا کر دیا۔ یہ کتاب اپریل ۱۸۹۹ء میں تصنیف ہوئی اور ۲۰/ نومبر ۱۹۰۸ء کو شائع ہوئی۔ اس میں حضور نے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے صلیب سے زندہ اتر آنے اور پھر کشمیر کی طرف ہجرت کرنے اور عمر طبعی سے وفات پانے کا ایسے زبردست عقلی و نقلی دلائل سے ثبوت دیا ہے کہ ایک محقق کو آپ کا نظریہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول: مسیح کے صلیبی موت سے بچنے پر انجیلی دلائل۔

باب دوم: ان شہادتوں کے بیان میں جو حضرت مسیح کے صلیبی موت سے بچ جانے کی نسبت قرآن و حدیث سے ملتی ہیں۔

باب سوم: ان شہادتوں کے بیان میں جو طب کی کتابوں سے ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب سے زندہ اتر آئے اور ان کے زخموں کے لئے مرہم بنائی گئی جس کا نام "مرہم عیسیٰ" تھا۔

باب چہارم: ان شہادتوں کے بیان میں جو تاریخی کتابوں سے لی گئی ہیں جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کے واقعہ صلیب کے بعد اپنے ملک سے ہندوستان کی طرف ہجرت کرنے کا ذکر آتا ہے۔ اس باب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسلامی لٹریچر، بدھ مت کی کتابوں اور دیگر تاریخی کتابوں سے مسیح کی سیاحت پر روشنی ڈالی ہے اور تاریخ سے ثابت کیا ہے کہ مسیح کی "کھوئی ہوئی بھیڑیں" کشمیر اور افغانستان میں آباد تھیں اور ان ممالک کے باشندے اسرائیلی ہیں۔ کتاب میں حضور نے یروشلم سے سرینگر پہنچنے کا نقشہ سفر بھی دیا۔

حضور کا منشاء مبارک کتاب کی تصنیف سے قبل دس ابواب میں اپنی تحقیق پیش کرنے کا تھا مگر اس کتاب میں جو فی الحقیقت مجوزہ کتاب کا پہلا حصہ [۲۲۳] تھا صرف ابتدائی چار ابواب پر ہی آپ نے اکتفاء کی اور باقی ابواب کا مواد فراہم کرنے کے لئے (جس میں بعض اہم زبانی روایات، قرائن متفرقہ اور

معقولی اور الہامی شہادتوں سے بھی اس پہلو پر بحث کرنا آپ کے مد نظر تھا) حضور نے اپنے مخلص مرید خلیفہ نور دین [۲۳] صاحب کو قبر مسیح کی پوری تحقیقات کے لئے کشمیر بھیجا جنہوں نے اپنا خرچ کر کے وہاں قریباً چار ماہ تک قیام کیا اور بالآخر ۱۷/ ستمبر ۱۸۹۹ء کو قبر کا نقشہ تیار کر کے اور اس پر پانچ سو چھپن باشندگان کشمیر کی تصدیق بھی کرالائے کہ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے جسے عام لوگ شہزادہ نبی کی قبر اور بعض یوز آسف نبی اور بعض نبی صاحب کی قبر سے موسوم کرتے ہیں۔

وفد نصیبین کی تجویز

ان شہادتوں سے قبر مسیح کی تحقیق تو پایہ ثبوت تک پہنچ گئی اور آپ کے نظریہ کی صحت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی تھی مگر حضور یہ تحقیق پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کشمیر کے علاوہ نصیبین، کوہ نعمان اور کابل کی طرف بھی وفد بھجوانا چاہتے تھے کیونکہ ان مقامات میں حضرت مسیحؑ کے پہنچنے کا سراغ ملتا تھا۔ چنانچہ مشہور تاریخ کتاب "روضتہ الصفا" سے ثابت ہے کہ فتنہ صلیب کے وقت نصیبین کے بادشاہ نے حضرت مسیح کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی اور ایک انگریز اس پر گواہی دیتا ہے کہ حضرت مسیح کو واقعی بادشاہ کی طرف سے دعوت نامہ آیا تھا اور اس انگریز نے اپنی کتاب میں بادشاہ کا یہ خط بھی درج کیا ہے۔ ان حالات میں حضور یہ یقینی طور پر سمجھتے تھے کہ نصیبین کے آثار قدیمہ کی چھان بین کی جائے تو اس میں حضرت مسیح کی آمد کا کوئی اور واضح ثبوت بر آمد ہو جائے گا اور کوہ نعمان کی طرف وفد بھیجنے کی ضرورت یہ تھی کہ آثار سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام افغانستان سے کوہ نعمان میں گئے اور وہاں ایک مدت تک انکا قیام رہا تھا۔ حضور کو جولائی ۱۸۹۹ء کے ابتداء میں یہ اطلاع [۲۴] ملی تھی کہ ایک "شہزادہ نبی کا چبوترہ" اب تک جلال آباد (علاقہ کابل) میں موجود ہے اور اس چبوترے کے نام ریاست کابل میں کوئی جاگیر بھی موجود ہے جس کے کاغذات کی نقل حاصل کرنا آپ کے مد نظر تھا۔ [۲۵]

"جلسہ الوداع"

کابل اور کوہ نعمان بھجوانے کے لئے تو انہی علاقوں کے آدمی متعین کئے گئے۔ [۲۶] مگر سفر نصیبین کے لئے حضور نے تین افراد پر مشتمل ایک وفد تیار کیا جس کے امیر مرزا خدا بخش صاحب [۲۷] نامزد ہوئے (جو شہر جھنگ سے ہجرت کر کے قادیان میں آ رہے تھے اور دن رات خدمت میں مصروف تھے) حضرت میاں جمال الدین صاحب اور مولوی حکیم قطب الدین صاحب بدوملہی بطور رکن قرعہ اندازی سے شامل وفد کئے گئے۔ [۲۸] ۔ وفد کے اخراجات کے لئے حضرت اقدس نے ۴/ اکتوبر ۱۸۹۹ء [۲۹] کو بذریعہ اشتہار ایک پر زور تحریک فرمائی جس پر لبیک کہتے ہوئے حضرت مولوی نور الدین صاحب بھیروی نے مرزا خدا بخش صاحب کا سفر خرچ

اپنے ذمے لیا۔ [60] اور باقی دو افراد کے اخراجات حضرت نواب محمد علی خاں صاحب نے بھجوا دیئے۔ [61] علاوہ ازیں منشی عبدالعزیز صاحب اوجلہ۔ میاں جمال الدین صاحب۔ میاں امام الدین صاحب و میاں خیرالدین صاحب سیکھوانی بلکہ خود مرزا خدا بخش صاحب نے بھی چندہ دیا۔ [62] اس طرح انتظامات پایہ تکمیل کو پہنچے تو حضرت اقدس کی ہدایت پر ۱۲/ نومبر ۱۸۹۹ء کو ان کے الوداع کا جلسہ ہوا۔ [63]

اس کے بعد حضور کو تحریک ہوئی کہ وفد تحقیقات سفر مسیح کا فریضہ ادا کرنے کے علاوہ آپ کے پیغام کی اشاعت کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ حضور نے زیر تالیف کتاب "تریاق القلوب" کی تکمیل کی [64] بجائے ایک عربی رسالہ "لجۃ النور [65]" تصنیف فرمایا۔ نیز تجویز فرمائی کہ فونوگراف میں (جو نئی ایجاد ہوئی تھی) آپ چار گھنٹہ کی ایک عربی تقریر ریکارڈ کروا کر وفد کو دیں تا دور دراز کے اسلامی ممالک حضور ہی کی زبان مبارک سے پیغام سن لیں۔ [66] لیکن افسوس بعض وجوہ کی بناء پر وفد نصیبین کا جانا معرض التواء میں چلا گیا۔

۱۸۹۹ء کے بعض صحابہ

۱۸۹۹ء کے بعض مشہور صحابہ کے نام یہ ہیں۔

سیٹھ شیخ حسن صاحب حیدر آبادی۔ [67] چوہدری فتح محمد صاحب سیال۔ [68] ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب پٹیالوی۔ [69]

حواشی

۱۔ رسالہ اشاعت السنہ جلد ۱۵ نمبر ۱۱ صفحہ ۲۹۱
۲۔ حقیقتہ المہدی صفحہ ۳
۳۔ حقیقتہ المہدی صفحہ ۱۳
۴۔ حقیقتہ المہدی صفحہ ۱
۵۔ الحکم ۲۳/ جون ۱۸۹۹ء صفحہ ۶ کالم نمبر ۲
۶۔ الحکم ۱۰/ جولائی ۱۸۹۹ء صفحہ ۱ کالم ۱
۷۔ نزول المسیح صفحہ ۱۹۶
۸۔ الحکم ۱۵/ جون ۱۸۹۹ء ضمیمہ۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم حصہ اول مکتوب صفحہ ۲۶۔ ۲۷
۹۔ الحکم ۳۰/ جون ۱۸۹۹ء صفحہ ۸ کالم ۳
۱۰۔ الحکم ۳۰/ جون ۱۸۹۹ء صفحہ ۷
۱۱۔ ذکر حبیب مؤلفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ طبع اول صفحہ ۲۷۳ و براہین احمدیہ حصہ پنجم ضمیمہ صفحہ ۱۹۳۔ ۱۹۴
۱۲۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم ضمیمہ صفحہ ۱۶۲۔ ۱۹۴ نیز دیکھئے البدر ۲۴/ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۰ کالم ۱
۱۳۔ پورے قد کے فوٹو کے لئے اعلان ملاحظہ ہو الحکم ۱۰/ اگست ۱۸۹۹ء
۱۴۔ "زمانہ ماموریت" کی قید اس لئے لگائی ہے کہ حال ہی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قیام سیالکوٹ ۶۷۔ ۱۸۶۴ء کے دور کا فوٹو دریافت ہوا ہے۔ اس فوٹو کے دیکھنے والے احمدی دوست محمد فریدون خاں ولد رحمت اللہ خاں (ساکن شیخ البانڈی تحصیل ایبٹ آباد ہیڈ کلرک محکمہ امداد باہمی) کا حلفیہ بیان ہے کہ "۵۹۔ ۱۹۵۸ء کا ذکر ہے کہ میں خان محمد اصغر خاں صاحب قریشی اسسٹنٹ رجسٹرار کواپریٹو سوسائٹیز ہزارہ کے ہمراہ بحیثیت کیمپ کلرک دورے پر موضع نگری ٹوٹیال تحصیل ایبٹ آباد برائے معائنہ انجمن امداد باہمی گیا۔ دوران گفتگو جب ہمارے میزبان سردار عنایت الرحمان صاحب کو معلوم ہوا کہ میں جماعت احمدیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس مرزا صاحب کا فوٹو ہے جو ان کے زمانہ ملازمت سیالکوٹ کا ہے وہ میں آپ کو دکھاتا ہوں۔ چنانچہ بموجودگی خاں محمد اصغر خاں صاحب سردار صاحب مذکور ایک گروپ فوٹو لے آئے جو فریم میں نہیں تھا بلکہ ایک گتہ پر چسپاں تھا۔ میں نے ان کے بتانے کے بغیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شبیہ مبارک پہچان لی۔ حضرت اقدس کھڑے تھے اور فوٹو کے دائیں جانب سے تیسرے چوتھے نمبر پر تھے۔ اس فوٹو کا سائز فل سکیپ کے قریباً دو تہائی کے برابر تھا۔ یہ ایک گروپ فوٹو تھا۔ آگے کرسیوں پر کئی اصحاب بیٹھے تھے جن میں ایک انگریز بھی تھا۔ فوٹو کا رنگ پیازی تھا اور نقوش نہایت واضح تھے۔ میں نے سردار صاحب مذکور سے درخواست کی کہ یہ فوٹو چند دن کے لئے مجھے عنایت فرمادیں تا میں اس کی نقول تیار کروا کر اصلی کاپی آپ کو واپس کردوں مگر سردار صاحب نے مجھے ٹال دیا۔ اس کے بعد وہ مجھے کئی دفعہ ملے اور میں اس کے لئے ان سے اکثر کہتا بھی رہا۔ چنانچہ ایبٹ آباد میں انہوں نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میں فوٹو دے دوں گا۔"
خاکسار مرتب عرض کرتا ہے کہ ۲۵/ جنوری ۱۹۶۱ء کو محمد فریدون خان صاحب اور خاکسار دونوں نے سردار صاحب سے ان کی رہائش گاہ واقع مری روڈ راولپنڈی پر ملاقات کی جس پر انہوں نے مئی ۱۹۶۱ء میں فوٹو دکھانے کا وعدہ کیا مگر جب میں دوبارہ ان کے ہاں پہنچا تو انہوں نے بعض نامعلوم وجوہ کی بناء پر دکھانے سے معذرت کردی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کو یہ تاریخی فوٹو دیکھنے کی بہت آرزو تھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس اہم تاریخی یادگار کے برآمد ہونے کی کوئی غیبی صورت پیدا کردے۔
۱۵۔ ذکر حبیب صفحہ ۱
۱۶۔ الحکم ۲۴/ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۔ ۳
۱۷۔ الفضل ۳/ ستمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۳ کالم ۲۔ ۳

۱۸۔ الحکم ۳/ جنوری ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۰ کالم ۱' الحکم ۱۰/ اگست ۱۸۹۹ء صفحہ ۱' براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۹۴' ذکر حبیب صفحہ ۲۷۳۔ ۲۷۴ (از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ)' ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ جلد اول صفحہ ۳۷۴' سیرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۷۷' البدر ۵/ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۵۹ کالم ۱' الفضل ۳۔ ۷/ ستمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۳ کالم ۲۔ ۳ بدر ۱۳/ مئی ۱۹۰۹ء صفحہ ۲ کالم ۱' الحکم ۲۴/ مئی ۱۹۰۴ء کالم نمبر ۲

۱۹۔ الفضل ۲۶/ اگست ۱۹۱۵ء صفحہ ۵ کالم نمبر ۳

۲۰۔ ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۹۵ طبع اول

۲۱۔ حضرت اقدس کی ان تشریحات کے باوجود علماء وقت کی طرف سے حضور کے فوٹو کھچوانے پر بہت شور مخالفت اٹھا مگر بالآخر انہیں نہ صرف قولی لحاظ سے بلکہ عملی لحاظ سے بھی حضور کے مسلک دربارہ تصویر سے اصولاً اتفاق کرنا پڑا۔

i۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء میں سید سلیمان صاحب ندوی نے رسالہ "معارف" میں ایک مضبوط مضمون مجسمہ اور تصویر کے متعلق اسلام کا شرعی حکم لکھا جس میں بتایا کہ موجودہ دنیا کے اسلام کے تمام روشن خیال علماء کی (بشرطیکہ روشن خیالی منصب افتاء کے خلاف نہ ہو) رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ فوٹوگرافی مصوری نہیں ہے اور نہ فوٹو پر تصویر کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مصر و مراکش و ایران و قسطنطنیہ کے تمام اکابر ارباب تمام ہم کاغذی پیرایوں میں ہندوستان میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ فوٹوگرافی درحقیقت عکاسی ہے۔ جس طرح آئینہ' پانی اور دیگر شفاف چیزوں پر صورت کا عکس اتر آتا ہے اور اس کو کوئی گناہ نہیں سمجھتا اسی طرح فوٹو کے شیشہ پر مقابل صورت کا عکس اتر آتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ آئینہ وغیرہ کا عکس پائدار اور قائم نہیں رہتا اور فوٹو کا عکس مسالہ لگا کر قائم کر لیا جاتا ہے۔ ورنہ فوٹوگرافر مصور کی طرح اعضاء کی تخلیق و تکوین نہیں کرتا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ فوٹو عبادت کے کام میں نہیں آتے۔" (معارف اکتوبر ۱۹۱۹ء صفحہ ۲۶۴)

ii۔ حال کے ایک مشہور عالم کا فتویٰ فوٹو کے بارے میں یہ ہے کہ "جہاں تصویر لینے کا کوئی حقیقی تمدنی فائدہ ہو یا جب کہ تصویر کسی بڑی تمدنی مصلحت کے لئے ناگزیر ہو تو صرف اس غرض کو پورا کرنے کی حد تک یہ فعل جائز ہوگا مثلاً پاسپورٹ' پولیس کا مجرموں کی شناخت کے لئے تصویریں محفوظ کرنا' ڈاکٹروں کا علاج کے لئے یا فن طب کی تعلیم کے لئے مریضوں کی تصویریں لینا اور جنگی اغراض کے لئے فوٹوگرافی کا استعمال یہ اور اسی نوعیت کے دوسرے استعمالات حکم عام سے مستثنیٰ قرار پائیں گے بشرطیکہ وہ غرض جس کے لئے اس استثناء سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہو خود حلال ہو۔" "اصول فقہ کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات یعنی حقیقی ضروریات کے لئے وہ چیزیں جائز ہو جاتی ہیں جو بجائے خود ناجائز ہوں۔" (رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۱۵۴-۱۵۵۔ از سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی بانی جماعت اسلامی۔ ناشر اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۳۔ ای شاہ عالم مارکیٹ لاہور جنوری ۱۹۹۲ء)

iii۔ غلام احمد صاحب پرویز مدیر "طلوع اسلام" لکھتے ہیں۔ "جہاں تک تصویر کشی کا تعلق ہے قرآن میں بصراحت مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے بڑے نادرہ کار صناعوں سے تماثیل تیار کرایا کرتے تھے اور تماثیل کے اندر تصاویر اور مجسمے دونوں آجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس امر کو قرآن کریم ایک نبی کا عمل کہہ کر اس کا ذکر کرتا ہے اس کے خلاف کچھ نہیں کہتا تو وہ عمل کبھی ناجائز نہیں ہو سکتا۔" (رسالہ طلوع اسلام کراچی ۲۳/ جولائی ۱۹۵۵ء)

iv۔ مولوی سید محمد جعفر شاہ صاحب پھلواری لکھتے ہیں۔ "تصویر خواہ انسان کی ہو یا درخت اور پہاڑ کی۔ مجسمہ ہو یا منقوشہ' ان دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔ فیصلہ اس مقصد سے ہوگا جو تصویر کشی اور تصویر سازی سے قائم کیا جائے۔ اگر پوجا کا رجحان ہو تو گائے اور پیپل اور گنگا کی تصویر بھی ناجائز ہے اور اگر یہ نہ ہو تو تصویر محض ایک آرٹ ہے خواہ وہ انسان ہی کی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اخلاق سوزی یا کوئی اور گراہوا مقصد پیش نظر ہو تو خواہ اسلحہ خانہ کی تصویر ہو ناجائز ہوگی اور مقصد بلند ہو تو سینہ زن کی عکاسی بھی روا ہوگی۔ (رسالہ چٹان لاہور ۱۱/ اپریل ۱۹۶۰ء صفحہ ۱۸ کالم نمبر ۱)

v۔ مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے لکھا۔ "تصویر و تماثیل کی ممانعت کو بھی اسی سلسلہ میں لانا چاہیے جس سلسلے میں تمام ایسی چیزوں کو روک دیا گیا ہے جو گو خود کوئی برائی نہیں رکھتیں لیکن برائیوں کا وسیلہ و مقدمہ ہیں۔ جس طرح عورتوں کو زیارت قبور سے روکا اور جس طرح مداحوں کی نسبت وعید آئی ٹھیک اسی طرح تصویر سازی کو بھی ممنوع قرار دیا "فی نفسہ تصویر بنانے میں

کوئی مضرت نہیں ہے.... دراصل علت نہی شرک و اصنام پرستی تھی۔ اگر یہ علت باقی نہ رہے تو کیوں تصویر ممنوع ہو۔؟"
(رسالہ چٹان سالگرہ نمبر ۱۹۶۱ء (صفحہ ۱۵۔۱۶)

۲۲۔ الحکم ۱۰/ اگست ۱۸۹۹ء صفحہ ۹ کالم نمبر ۳
۲۳۔ تشحیذ الاذہان مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۴۱۔۴۶
۲۴۔ الحکم ۳۱/ جولائی ۱۸۹۹ء صفحہ ۶ کالم نمبر ۲۔ ۳
۲۵۔ تریاق القلوب طبع اول صفحہ ۲۲۔ ۲۳
۲۶۔ تریاق القلوب طبع اول صفحہ ۱۳
۲۷۔ تریاق القلوب صفحہ ۳۰
۲۸۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حقیقۃ النبوۃ طبع اول صفحہ ۲۳۔۱۳۱ از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ
۲۹۔ تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۶۰
۳۰۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد دوم طبع دوم صفحہ ۴۱۱
۳۱۔ الحکم ۳۱/ اگست ۱۸۹۹ء صفحہ ۵ کالم ا۔
۳۲۔ کتاب مسیح ہندوستان صفحہ ۱۳' ۱۰۵
۳۳۔ ولادت ۱۸۴۷ء وفات ۲/ ستمبر ۱۹۴۲ء
۳۴۔ حضرت مولانا عبد الکریم صاحب لکھتے ہیں کہ اس اطلاع سے حضرت اقدس اس قدر خوش ہوئے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ گواہ اور علیم ہے کہ اگر مجھے کوئی کروڑوں روپے لادیتا تو میں اتنا خوش نہ ہوتا (الحکم ۱۰/ جولائی ۱۸۹۹ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۱)
۳۵۔ اشتہار ۴/ اکتوبر ۱۸۹۹ء (تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۷۳۔ ۷۲)
۳۶۔ تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۷۴ حاشیہ
۳۷۔ آپ اس وقت حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے ہاں مالیر کوٹلہ میں بطور اتالیق مقیم تھے۔
۳۸۔ الحکم ۱۷ مارچ ۱۹۰۵ء صفحہ ۵ کالم ۴
۳۹۔ تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۷۶
۴۰۔ تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۷۴ (حاشیہ) اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۴۵۷ میں لکھا ہے کہ مرزا خدا بخش صاحب کے اخراجات سفر برداشت کرنے کی پیشکش کرنے والے باہمت مخلص سے مراد حضرت نواب محمد علی خاں صاحب تھے یہ صحیح نہیں کیونکہ ۱۴/ اکتوبر کے اشتہار کے حاشیہ میں حضرت نے اس کی تعیین خود فرما دی ہے کہ یہ حضرت مولوی نور الدین صاحب ہیں۔
۴۱۔ اصحاب احمد جلد ۲ صفحہ ۴۵۷
۴۲۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے منشی عبد العزیز صاحب اوجلوی' میاں جمال الدین صاحب' میاں امام الدین صاحب اور میاں خیر الدین صاحب کے چندہ کا ذکر کرتے ہوئے "اشتہار جلسہ الوداع" (مشمولہ تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۷۲) میں تعریفی کلمات ارشاد فرمائے چنانچہ لکھا کہ "ان چاروں صاحبوں کے چندہ کا معاملہ نہایت عجیب اور قابل رشک ہے کہ وہ دنیا کے مال سے نہایت ہی کم حصہ رکھتے ہیں۔ گویا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح جو کچھ گھروں میں تھا وہ سب لے آئے ہیں۔ اور دین کو آخرت پر مقدم کیا جیسا کہ بیعت میں شرط تھی۔"
۴۳۔ تبلیغ رسالت جلد ۸ صفحہ ۷۷ ذکر حبیب صفحہ ۵۹
۴۴۔ حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۲۲۔ ۲۵ طبع دوم از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ
۴۵۔ اس کا ذکر آگے آئے گا
۴۶۔ الحکم ۱۰/ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۴۔ ۱ (مفصل ۱۹۰۱ء کے حالات میں)
۴۷۔ ۱۲۵۱ھ بمطابق ۳۶۔ ۱۸۳۵ء بمقام یاد گیر پیدا ہوئے ۱۸۹۹ء میں قادیان جا کر حضور اقدس کے دست مبارک پر بیعت کی۔ قبول احمدیت کے بعد ان میں ایک خاص روحانی انقلاب پیدا ہو گیا پہلے نماز تک کی عادت نہ تھی اب تہجد گزار بن گئے اور الہامات و

کشوف سے نوازے گئے۔ بیعت کے نتیجہ میں آپ کے مال میں بھی غیر معمولی برکت پیدا ہو گئی۔ جس کثرت سے آپ کو رزق عطا ہوا اسی کثرت سے آپ نے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ بہت سے احمدی بچوں کو اپنے خرچ پر قادیان سے تعلیم دلوائی۔ علاوہ ازیں یادگیر میں بچوں اور بچیوں کے لئے مدرسے جاری کئے۔ "احمدیہ لائبریری" قائم کی۔ احمدیہ مسجد اور احمدیہ ہال تعمیر کرائے۔ کافی رقم "تحریک تراجم القرآن" میں دی۔ غرضکہ عمر بھر سلسلہ کی بڑی بڑی خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۴۵ء میں حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ حج کے بعد مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے قریب ایک مکان میں مقیم تھے کہ ۱۷/ دسمبر ۱۹۴۵ء کو ایک سو دس سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا اور جنت البقیع میں مزار مبارک حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے عقب میں سپرد خاک ہوئے (تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "حیات حسن" از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اصحاب احمد جلد اول صفحہ ۲۰۷۔ ۲۶۱ از ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے

۴۸۔ ۱۸۸۷ء میں بمقام جوڑہ کلاں (تحصیل قصور ضلع لاہور) میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۹ء میں اپنے والد کی معیت میں قادیان تشریف لائے اور حضرت اقدس کی بیعت کی۔ حضرت اقدس نے ۱۹۰۷ء میں تحریک وقف زندگی کا آغاز فرمایا تو چوہدری صاحب نے اس پر لبیک کہتے ہوئے اپنی درخواست حضور کی خدمت میں پیش کردی جس پر حضور نے اپنے قلم سے "منظور" کا لفظ لکھ کر آپ کا وقف قبول فرمالیا۔ اس کے بعد ہمہ تن دینی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ ۱۹۱۴ء میں انگلستان کے پہلے احمدیہ مشن کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۲۰ء میں مسجد فضل لنڈن کے لئے پٹنی ساؤتھ فلیڈ زمیں زمین خریدی۔ ۱۹۲۳ء میں علاقہ ملکانہ میں "امیر المجاہدین" مقرر ہوئے اور تحریک ارتداد کی روک تھام میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ بعد ازاں صدر انجمن احمدیہ میں متعدد عہدوں پر فائز رہے ۱۹۵۴ء میں ریٹائرڈ ہوئے مگر دوبارہ ناظر اصلاح وارشاد کے فرائض آپ کے سپرد ہوئے جنہیں ایک بہادر سپاہی کی طرح سرانجام دیتے ہوئے ۲۸/ فروری ۱۹۶۰ء کو انتقال فرمایا۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات پر لکھا۔ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان سے بہت محبت کرتے تھے جب میں نے تشحیذ الاذہان جاری کیا تو جن لوگوں نے ابتداء میں میری مدد کی ان میں یہ بھی شامل تھے۔ ملکانہ تحریک ساری انہوں نے چلائی تھی۔" (الفضل ۲/ مارچ ۱۹۶۰ء صفحہ ۱)

۴۹۔ ولادت یکم جنوری ۱۸۸۷ء وفات ۱۳/ اپریل ۱۹۶۷ء۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے بیان کے مطابق وہ ۱۸۹۹ء میں حضرت مولوی عبدالقادر صاحب لدھیانوی کے ذریعہ سلسلہ احمدیہ سے منسلک ہوئے جو حضور اقدس کی طرف سے بیعت لینے کے مجاز تھے (الفضل ۲۰/۱۷ اپریل ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۳ کالم ۳)۔ بعد ازاں آپ نے تحریری بیعت بھی ۵/ جون ۱۹۰۳ء کو کی (الحکم ۱۷/ جون ۱۹۰۲ء) آپ نے حضرت اقدس کی پہلی مرتبہ زیارت اگست ۱۹۰۵ء میں کی (بدر ۱۷/ اگست ۱۹۰۵ء صفحہ ۷ کالم ۳)۔ ڈاکٹر صاحب ۱۹۱۹ء سے ۱۹۵۴ء تک "نور ہسپتال" (قادیان و ربوہ) میں طبی خدمات پر فائز رہے اور آپ کو حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی معالج ہونے اور لمبے عرصہ تک فیض صحبت اٹھانے کا بھی فخر حاصل رہا۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۹/ ستمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۳ و الحکم ۳۱ جنوری ۱۹۳۸ء و سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۶۰۔ ۱۶۱ اصحاب احمد جلد ہشتم صفحہ ۷۷)

ماموریت کا انیسواں سال

جدی بھائیوں کی طرف سے "الدار" کا محاصرہ اور مقدمہ دیوار

(۱۹۰۰ء)

بیسوی صدی کا آغاز ایک انتہائی دردانگیز اور رنج دہ واقعہ سے ہوا جس نے قریباً پونے دو سال تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت کو نہایت درجہ پریشانی اور بھاری مصیبت میں مبتلا کئے رکھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے چچا زاد بھائیوں کے ساتھ ہمیشہ ہی اسلامی رواداری، مروت اور احسان کا سلوک کیا لیکن وہ فتنہ اٹھانے اور مظلوم احمدی آبادی کو اذیت پہنچانے میں خاص لذت محسوس کرتے تھے کوئی احمدی قریبی ڈھاب سے مٹی لینے جاتا تو وہ کدالیں اور ٹوکریاں تک چھین لیتے۔ ان کے ذوق ستم رانی کی حد یہ تھی کہ بعض اوقات اگر کوئی احمدی کھیت میں رفع حاجت کے لئے چلا جاتا اور وہ دیکھ پاتے تو اسے مجبور کیا جاتا کہ وہ اپنے ہاتھ سے اپنا پاخانہ اٹھائے اور اگر کوئی نالہ و فریاد کرتا تو فحش اور غلیظ گالیاں دی جاتیں بلکہ زدوکوب تک نوبت پہنچتی۔ کئی احمدی مہاجر ان مظالم کا تختہ مشق بنے۔ [۱] ایک دفعہ حضرت اقدس کسی جگہ عمارت بنانا چاہتے تھے کہ یہ بلوہ کر کے آگئے اور مجبوراً عمارت دو دفعہ ملتوی کرنا پڑی حالانکہ اس کا ان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ [۲] حضور کے گھر کے سامنے جہاں مہمانوں کے یکے ٹھہرتے تھے وہاں کھڑے ہو کر مزاحمت کرنا اور گالیاں دینا ان کا عام شیوہ تھا۔ [۳]

کوئی اور ہوتا تو ان کی ایذا رسانیوں کا منہ توڑ جواب دیتا لیکن حضرت اقدس علیہ السلام کا تاکیدی حکم تھا کہ صبر کرو۔ چنانچہ آپ کے خدام ہمیشہ انسانیت سوز مظالم کا نشانہ بنتے اور صبر کا قابل رشک نمونہ دکھاتے آرہے تھے۔ ان مظلوموں پر عرصہ حیات پہلے ہی تنگ تھا کہ ۵/ جنوری ۱۹۰۰ء [۴] کو مرزا

امام دین صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خدام کو تکلیف دینے کے لئے یہ انتقامی صورت نکالی کہ مہمان خانہ کو مسجد مبارک سے ملانے والی شارع عام بند کر کے اینٹوں سے دیوار کھینچ دی [۵] جس سے احمدی آبادی مسجد سے براہ راست منقطع ہو گئی اور وہ اپنے آقا کی ملاقات اور آپ کے پاک کلمات سننے کے لئے قصبہ کا ایک دوسرا لمبا چکردار اور ناہموار اور خراب رستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوئے جو سلسلہ کے اشد معاندین کے گھروں کے سامنے سے گزرتا تھا۔ آنے والے مہمان قبل ازیں دونوں وقت آپ ہی کے ساتھ کھانا کھاتے اور نمازوں میں باقاعدہ حاضر ہو سکتے تھے مگر اب بالخصوص صبح و عشاء کے وقت ضعیف اور کمزور صحت افراد کا مسجد میں پہنچنا ظالموں نے مشکل بنا دیا بلکہ خود حضرت اقدس کے باہر جانے کا رستہ بھی مسدود ہو گیا کیونکہ حضور اندرون خانہ سے گزرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ اگر یہاں سے گزر کر بھی مسجد اقصیٰ میں جانے کا قصد کرتے تو مکان کی دوسری منزل پر چڑھنا پڑتا۔ پھر دوسری طرف سے اتر کر جا سکتے تھے۔

حضرت اقدس اپنی کتابوں کے پروف اور کاپیاں بغرض احتیاط خود ہی پڑھتے تھے۔ پریس کے کارکنوں کو دن میں کئی بار حضور کی خدمت میں آنا پڑتا تھا مگر اب دیوار نے بڑی مشکل پیدا کر دی۔ ایک بڑی دقت یہ پیش آگئی کہ مرزا امام دین کے کنوئیں یا حضور کے مکان میں واقع کنوئیں سے مسجد مبارک تک سقہ کے ذریعہ سے پانی پہنچانے کی کوئی صورت نہ رہی۔ [۶] غرضکہ حضرت اقدس اور حضور کی جماعت پر زمین اپنی فراخی کے باوجود تنگ ہو گئی۔ حضرت اقدس کو دیوار کے کھینچے کی جب اطلاع ہوئی تو حضور نے چوہدری حاکم علی صاحب [۷] اور بعض دوسرے خدام کو مرزا امام الدین صاحب کے پاس بھجوایا کہ بڑی نرمی سے سمجھائیں کہ یہ راستہ بند نہ کریں اس سے میرے مہمانوں کو بہت تکلیف ہو گی۔ اور یہ بھی پیشکش کی کہ اگر چاہیں تو میری کوئی اور جگہ دیکھ کر بیشک قبضہ کر لیں لیکن مرزا امام دین صاحب سنتے ہی آگ بگولا ہو کر کہنے لگے کہ وہ (یعنی حضرت اقدس) خود کیوں نہیں آیا اور میں تم لوگوں کو کیا جانتا ہوں۔ پھر طنزاً کہا کہ جب سے وحی آنی شروع ہوئی ہے معلوم نہیں کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟

حاکم ضلع کی خدمت میں وفد

جب معاملہ نہایت سنگین صورت اختیار کر گیا تو حضور نے احباب کے مشورہ سے یہ تجویز فرمائی کہ ضلع کے حاکم اعلیٰ کے پاس ایک وفد بھیج کر اپنی مشکلات کے ازالہ کی کوشش کی جائے چنانچہ جماعت کے معززین کی ایک فہرست مرتب کی گئی جس میں زمیندار، تجار اور ملازمت پیشہ اصحاب شامل تھے۔ اتفاقاً ڈپٹی کمشنر گورداسپور اور ڈی۔ ایس۔ پی کا دورہ قادیان سے متصل ہرچووال میں مقرر ہو گیا۔ حضور کو علم ہوا تو

حضور نے فیصلہ کیا کہ وفد بھی اسی مقام پر پیش ہو چنانچہ وفد کے نامزد اصحاب کو اطلاعات بھجوا دی گئیں اور وہ تاریخ مقررہ سے پہلے ہی قادیان پہنچ گئے۔ حضور نے مناسب ہدایات دیں اور جماعت کا وفد (جو قریباً پچاس نفوس پر مشتمل تھا) حافظ حاجی حکیم فضل الدین صاحب بھیروی کی قیادت میں ہرچووال کے بنگلہ پر پہنچا۔ قافلہ کے ترجمان حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر اخبار الحکم تھے جن کو اس زمانہ میں عموماً ایسی خدمات سپرد ہوتی تھیں۔ حضرت شیخ صاحب، حکیم فضل الدین صاحب، چوہدری حاکم علی صاحب نمبردار چک پنیار ضلع سرگودھا اور بعض اور دوست آگے تھے۔ ڈپٹی کمشنر کے پاس پہنچ کر حضرت شیخ صاحب نے ابھی یہ کہا تھا کہ ہم قادیان سے آئے ہیں اور کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ڈپٹی کمشنر نے بات تک سننا گوارا نہ کیا اور نہایت غصہ سے کہا کہ "تم بہت سے آدمی جمع ہو کر مجھ پر رعب ڈالنا چاہتے ہو میں تم لوگوں کو خوب جانتا ہوں اور میں خوب سمجھتا ہوں کہ یہ جماعت کیوں بن رہی ہے اور میں تمہاری باتوں سے ناواقف نہیں اور میں اب جلد تمہاری خبر لینے والا ہوں اور تم کو پتہ لگ جائیگا کہ کس طرح ایسی جماعت بنایا کرتے ہیں"۔ [۸] نیز سپرنٹنڈنٹ پولیس کو مخاطب کر کے کہا کہ "ان لوگوں کا بندوبست کرنا چاہیے" اور بڑے جوش سے کہا "چلے جاؤ ورنہ گرفتار کر لئے جاؤ گے"۔ حضرت شیخ صاحب نے کہا۔ آپ ہماری عرض تو سن لیں۔ اس پر وہ اور غضب ناک ہو گیا اور وفد واپس آگیا۔

اولاً ہجرت ثانیاً مقدمہ کرنے کا فیصلہ

ضلع کے سب سے بڑے حاکم کے اس ناروا سلوک سے صورت حال اور زیادہ تشویشناک ہو گئی جس پر حضور نے اپنے خدام سے مشورہ کیا کہ اب یہاں ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ یہاں رہنا مشکل ہو گیا ہے اور ہم نے تو کام کرنا ہے یہاں نہیں تو کہیں اور سہی اور ہجرت بھی انبیاء کی سنت ہے۔ پس میرا ارادہ ہے کہ کہیں باہر چلے جائیں۔ اس پر سب سے قبل حضرت حکیم الامت مولوی نور الدین صاحب نے عرض کیا کہ حضور بھیرہ تشریف لے چلیں وہاں میرے مکانات حاضر ہیں۔ اور کسی طرح کی تکلیف نہیں۔ ان کے بعد مولوی عبد الکریم صاحب نے سیالکوٹ، شیخ رحمت اللہ صاحب نے لاہور چوہدری حاکم علی صاحب نے اپنے گاؤں چک پنیار تشریف لے چلنے کی مخلصانہ دعوت دی لیکن ۱۸۸۷ء کی طرح اب کی دفعہ بھی ہجرت کی تجویز درمیان ہی میں رہ گئی اور یہ فیصلہ ہوا کہ عدالت دیوانی میں مقدمہ دائر کیا جائے۔

عدالت میں مقدمہ

چنانچہ منشی خدا بخش صاحب (گورداسپور کے ڈسٹرکٹ جج) کی عدالت میں آپ کی طرف سے مقدمہ درج کرایا گیا۔ حضرت اقدس کی پوری زندگی

میں یہ پہلا اور آخری موقعہ ہے کہ آپ نے مدعی کی حیثیت سے کسی کے خلاف نالش کی ہے۔ آپ نے ہمیشہ دکھ اور تکلیفیں سہیں مگر کسی کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرنے اور قانونی شکنجہ میں لانے کا خیال تک ذہن میں نہیں لائے لیکن یہ معاملہ جماعتی اعتبار سے زندگی اور موت کا معاملہ تھا اور دوسری طرف وکلاء کا یہ مشورہ تھا کہ یہ راستہ چونکہ خاندان کا پرائیویٹ رستہ ہے لہذا آپ کے سوا کسی اور شخص کو قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق نہیں پہنچتا اس لئے مجبوراً آپ کو خلاف معمول یہ آخری اور ناگزیر اقدام کرنا پڑا۔ [9] اب جو نالش ہوئی تو ایک پرانی مسل کے ملاحظہ سے معلوم ہوا کہ دعویٰ بے بنیاد ہے اور اس کا خارج ہونا یقینی ہے کیونکہ جس زمین پر دیوار کھینچی گئی تھی اس کی نسبت کسی پہلے وقت کی مسل کی رو سے ثابت ہوتا تھا کہ مدعی علیہ قدیم سے اس کا قابض ہے اور یہ زمین دراصل کسی اور شریک کی تھی جس کا نام غلام جیلانی تھا اور اس کے قبضہ سے نکل گئی تھی اور اس نے مرزا امام دین صاحب کو اس کا قابض خیال کر کے گورداسپور میں بصیغہ دیوانی نالش کی تھی اور مخالفانہ قبضہ کے ثبوت کی وجہ سے وہ نالش خارج ہو گئی تھی تب سے مرزا امام دین صاحب کا اس پر قبضہ چلا آتا تھا جس سے بالوضاحت ثابت ہوتا تھا کہ اس زمین پر قبضہ مدعی علیہ کا ہے۔ یہ عقدہ لاینحل دیکھ کر آپ کے مرید خواجہ کمال الدین صاحب نے (جو اس مقدمہ میں آپ کے وکیل تھے) یہ مشورہ دیا کہ بہتر ہو گا کہ کچھ روپیہ دے کر مصالحت کر لی جائے اور آپ مجبوراً اس پر رضامند ہو گئے تھے مگر مرزا امام دین صاحب اپنی مخالفت میں اور زیادہ بڑھ گئے [10] اور فیصلہ کر لیا کہ مقدمہ خارج ہونے کے بعد ایک لمبی دیوار حضور کے گھر کے دروازوں کے آگے کھینچ دیں تا آپ قیدیوں کی طرح محاصرہ میں آجائیں اور گھر سے باہر نہ نکل سکیں۔ حضور خود فرماتے ہیں:۔

"یہ دن بڑی تشویش کے تھے یہاں تک کہ ہم ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ کا مصداق ہو گئے اور بیٹھے بیٹھے ایک مصیبت پیش آگئی۔"

جناب الٰہی کی طرف سے الہامات اور فتح کی بشارت

ان حالات میں حضور کی توجہ جناب الٰہی کی طرف ہوئی جس پر حضور پر الہامات کا ایک سلسلہ جاری ہوا جس میں حضور کی کامیابی کی خوشخبری دی گئی تھی۔ اس وحی الٰہی کے الفاظ یہ تھے:۔

"اَلرَّحٰی۔ تَدُوْرُ وَيَنْزِلُ الْقَضَاءُ۔ اِنَّ فَضْلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ وَلَيْسَ لِاَحَدٍ اَنْ يَّرُدَّ مَا اَتٰی۔ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ لَا يَتَبَدَّلُ وَلَا يَخْفٰی۔ وَيَنْزِلُ مَا تَعْجَبُ مِنْهُ۔ وَحْیٌ مِّنْ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰی۔ اِنَّ رَبِّیْ لَا يَضِلُّ وَلَا يَنْسٰی ظَفَرٌ مُّبِيْنٌ۔ وَاِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی۔ اَنْتَ مَعِیَ وَ

اَنَا مَعَکَ ۔قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْہُ فِیْ غَیِّہٖ یَتَمَطّٰی ۔اِنَّہٗ مَعَکَ وَاِنَّہٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَمَا اَخْفٰی ۔لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۔یَعْلَمُ کُلَّ شَیْءٍ وَّیَرٰی ۔اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِیْنَ ھُمْ یُحْسِنُوْنَ الْحُسْنٰی ۔اِنَّا اَرْسَلْنَا اَحْمَدَ اِلٰی قَوْمِہٖ فَاَعْرَضُوْا وَقَالُوْا کَذَّابٌ اَشِرٌ ۔وَجَعَلُوْا یَشْھَدُوْنَ عَلَیْہِ وَیَسِیْلُوْنَ اِلَیْہِ کَمَاءٍ مُنْھَمِرٍ ۔اِنَّ حِبِّیْ قَرِیْبٌ ۔اِنَّہٗ قَرِیْبٌ مُّسْتَتِرٌ ۔"[۱۱] یعنی چکی پھرے گی اور قضاء قدر نازل ہو گی یعنی مقدمہ کی صورت بدل جائے گی جیسا کہ چکی جب گردش کرتی ہے تو وہ حصہ چکی کا جو سامنے ہوتا ہے بباعث گردش کے پردہ میں آجاتا ہے اور وہ حصہ جو پردہ میں ہوتا ہے وہ سامنے آجاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مقدمہ کی موجودہ حالت میں جو صورت مقدمہ حاکم کی نظر کے سامنے ہے جو ہمارے لئے مضر اور نقصان رساں ہے قائم نہیں رہے گی اور ایک دوسری صورت پیدا ہو جائے گی جو ہمارے لئے مفید ہے۔ اور جیسا کہ چکی کو گردش دینے سے جو منہ کے سامنے حصہ چکی کا ہوتا ہے وہ پیچھے کو چلا جاتا ہے۔ اور جو پیچھے حصہ ہوتا ہے وہ منہ کے سامنے آجاتا ہے۔ اسی طرح جو مخفی اور در پردہ باتیں ہیں وہ منہ کے سامنے آجائیں گی اور ظاہر ہو جائیں گی اور جو ظاہر ہیں وہ ناقابل التفات اور مخفی ہو جائیں گی اور پھر بعد اس کے فرمایا کہ یہ خدا کا فضل ہے جس کا وعدہ دیا گیا ہے یہ ضرور آئے گا اور کسی کی مجال نہیں جو اس کو رد کر سکے یعنی آسمان پر یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ یہ صورت موجودہ مقدمہ کی جس سے یاس اور نا امیدی ٹپکتی ہے یک دفعہ اٹھا دی جائے گی اور ایک اور صورت ظاہر ہو جائے گی جو ہماری کامیابی کے لئے مفید ہے جس کا ہنوز کسی کو علم نہیں۔ اور پھر فرمایا کہ کہہ مجھے میرے خدا کی قسم ہے کہ یہی بات سچ ہے اس امر میں نہ کچھ فرق آئے گا اور نہ یہ امر پوشیدہ رہے گا اور ایک بات پیدا ہو جائے گی جو تجھے تعجب میں ڈالے گی۔ یہ اس خدا کی وحی ہے جو بلند آسمانوں کا خدا ہے۔ میرا رب اس صراط مستقیم کو نہیں چھوڑتا جو اپنے برگزیدہ بندوں سے عادت رکھتا ہے۔ اور وہ اپنے ان بندوں کو بھولتا نہیں جو مدد کرنے کے لائق ہیں سو تمہیں اس مقدمہ میں کھلی کھلی فتح ہو گی۔ مگر اس فیصلہ میں اس وقت تک تاخیر ہے جو خدا نے مقرر کر رکھا ہے تو میرے ساتھ ہے اور میں تیرے ساتھ ہوں تو کہہ ہر ایک امر میرے خدا کے اختیار میں ہے۔ پھر اس مخالف کو اس کی گمراہی اور ناز اور تکبر میں چھوڑ دے۔

پھر فرمایا کہ وہ قادر تیرے ساتھ ہے۔ اس کو پوشیدہ باتوں کا علم ہے بلکہ جو نہایت پوشیدہ باتیں ہیں جو انسان کے فہم سے بھی برتر ہیں وہ بھی اس کو معلوم ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ وہی خدا حقیقی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ انسان کو نہیں چاہیے کہ کسی دوسرے پر توکل کرے کہ گویا وہ اس کا معبود ہے۔ ایک خدا ہی ہے جو یہ صفت اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہی ہے جس کو ہر ایک چیز کا علم ہے اور جو ہر ایک چیز کو دیکھ رہا ہے اور وہ خدا ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور اس سے

ڈرتے ہیں۔ اور جب کوئی نیکی کرتے ہیں تو نیکی کے تمام باریک لوازم کو ادا کرتے ہیں۔ سطحی طور پر نیکی نہیں کرتے اور نہ ناقص طور پر بلکہ اس کی عمیق در عمیق شاخوں کو بجالاتے ہیں اور کمال خوبی سے اس کو انجام دیتے ہیں۔ سو انہیں کی خدا مدد کرتا ہے کیونکہ وہ اس کی پسندیدہ راہوں کے خادم ہوتے ہیں اور ان پر چلتے ہیں اور چلاتے ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ ہم نے احمد کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ پس قوم اس سے روگردان ہو گئی اور انہوں نے کہا کہ یہ تو کذاب ہے۔ دنیا کے لالچ میں پڑا ہوا ہے۔ یعنی ایسے ایسے حیلوں سے دنیا کمانا چاہتا ہے۔ اور انہوں نے عدالتوں میں اس پر گواہیاں دیں تاکہ اس کو گرفتار کروادیں۔ اور وہ ایک تند سیلاب کی طرح جو اوپر سے نیچے کی طرف آتا ہے۔ اس پر اپنے حملوں کے ساتھ گر رہے ہیں مگر وہ کہتا ہے کہ میرا پیارا مجھ سے بہت قریب ہے مگر مخالفوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔

الہامات کے وقت حضورؑ کی کیفیت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس سلسلہ الہامات کے متعلق لکھتے ہیں۔ "یہ الہام علیحدہ علیحدہ وقت کے نہیں بلکہ ایک ہی دفعہ ایک ہی وقت میں ہوئے مجھے یاد ہے کہ اس وقت سید فضل شاہ صاحب لاہوری برادر سید ناصر شاہ صاحب اوور سیر متعین بارہ مولہ کشمیر میرے پاؤں دبا رہا تھا اور دوپہر کا وقت تھا کہ یہ سلسلہ الہام دیوار کے مقدمہ کی نسبت شروع ہوا۔ میں نے سید صاحب کو کہا کہ یہ دیوار کے مقدمہ کی نسبت الہام ہے آپ جیسا جیسا یہ الہام ہوتا جائے لکھتے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے قلم دوات اور کاغذ لے لیا۔ پس ایسا ہوا کہ ہر ایک دفعہ غنودگی کی حالت طاری ہو کر ایک ایک فقرہ وحی الٰہی کا جیسا کہ سنت اللہ ہے زبان پر نازل ہوتا تھا اور جب ایک فقرہ ختم ہو جاتا تھا اور لکھا جاتا تھا تو پھر غنودگی آتی تھی اور دوسرا فقرہ وحی الٰہی کا زبان پر جاری ہوتا تھا یہاں تک کہ کل وحی الٰہی نازل ہو کر سید فضل شاہ صاحب لاہوری کی قلم سے لکھی گئی اور اس میں تفہیم ہوئی کہ یہ اس دیوار کے متعلق ہے جو امام الدین نے کھینچی ہے جس کا مقدمہ عدالت میں دائر ہے۔ اور یہ تفہیم ہوئی کہ انجام کار اس مقدمہ میں فتح ہوگی۔" [۱۲]

سفر گورداسپور

یہ تو خدائی الہامات تھے مگر بظاہر ان کا پورا ہونا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ بہر حال اس ناامیدی کے عالم میں اور بظاہر سراسر مخالف حالات میں مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی پھر اسی رنگ سے کم و بیش ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا۔ بالآخر ۱۵/ جولائی ۱۹۰۱ء کو فریق ثانی کی درخواست پر حضور کو گورداسپور کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ اس سفر کی تفصیل میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی لکھتے ہیں۔

"۱۵/ جولائی کی صبح کو حضرت اقدس نے دارالامان سے روانہ ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضور کے لئے پالکی کی سواری تیار کی گئی اور احباب کے لئے یکے کئے گئے۔ دارالامان سے حضرت اقدس مع زمرہ خدام قریباً ۷ بجے روانہ ہوئے اور کوئی پاؤ میل تک پیدل تشریف لے گئے حضور کی روانگی کا یہ نظارہ بھی قابل دید تھا۔ ایک گروہ کثیر خدام کا آپ کو حلقہ میں لئے ہوئے جا رہا تھا جس سے اس محبت اور عشق اور ارادت کا پتہ ملتا تھا جو آپ کے مریدوں کو آپ سے ہے چونکہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کو کچھ دیر لگی اس لئے حضور آپ کے انتظار کے لئے ٹھہر گئے۔ آخر مولوی صاحب کے پہنچنے پر احباب یکوں میں اور حضور پالکی میں سوار ہو کر رخصت ہوئے گورداسپور کو جاتے ہوئے راستہ میں ایک بہت بڑی نہر آتی ہے اور ایک مقام پر وہ نہر دو بڑے شعبوں میں منقسم ہو کر بہتی ہے ---- اس مقام کا نام ہم نے اپنے اس سفرنامہ میں مجمع البحرین رکھا ہے۔ جو احباب یکوں پر سوار ہو گئے تھے وہ وہاں پہلے پہنچے۔ اس لئے حضرت اقدس علیہ السلام کے انتظار میں ٹھہر گئے چنانچہ کوئی آدھ گھنٹہ کے انتظار کے بعد حضرت اقدس کی سواری آپہنچی۔ حضرت اقدس نے کھانا کھانے کا حکم دیا دستر خوان بچھایا گیا۔ احباب نے کھانا کھایا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد پھر احباب اور حضور اقدس روانہ ہوئے --- اور کوئی ڈیڑھ بجے کے قریب گورداسپور جا پہنچے۔

اگرچہ حضرت اقدس کی دارالامان سے روانگی محض پرائیوٹ رنگ میں تھی اور احباب کے طبقہ میں کوئی اطلاع اور خبر نہ تھی مگر کسی نہ کسی طرح جہاں جہاں احباب کو خبر پہنچی وہاں سے حضرت اقدس کے خدام مشتاق زیارت دوڑے آئے۔ چنانچہ کپورتھلہ 'امرتسر کے احباب جمع ہو گئے اور وہ دیوانہ وار حضرت اقدس کے استقبال کے لئے کوئی دو میل تک دو دفعہ آگے گئے اور آئے اور پھر گئے۔ کپورتھلہ کے احباب کو چونکہ ۱۵ جولائی تاریخ مقدمہ کی غلط اطلاع ملی تھی اس لئے ان کو بصد حسرت و افسوس ۱۵/ ہی کی شام کو واپس ہونا پڑا گورداسپور حضرت اقدس نے مولانا محمد علی صاحب کی تجویز کے موافق ان کے خسر منشی نبی بخش صاحب رئیس گورداسپور کے عالی شان مکان میں قیام فرمایا۔ مقدمہ کے متعلق باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور کسی کے یہ کہنے پر کہ فریق مخالف نے بہت بے ہودہ جرح کرنے کا ارادہ کیا ہوا ہے آپؑ نے فرمایا "میں اس بات کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ مومن کا ہاتھ اوپر ہی پڑتا ہے۔ **یداللہ فوق ایدیھم**۔ کافروں کی تدبیریں ہمیشہ الٹی ہو کر ان پر ہی پڑا کرتی ہیں۔ **مکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین**۔ میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ ان لوگوں کو میرے ساتھ ذاتی عداوت اور بغض ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ملل باطلہ کے رد کرنے کے لئے جس قدر جوش مجھے دیا گیا ہے میرا قلب فتویٰ دیتا ہے کہ اس تردید و ابطال ملل باطلہ کے لئے اگر تمام روئے زمین کے مسلمان ترازو

کے ایک پلہ میں رکھے جاویں اور میں اکیلا ایک طرف تو میرا پلہ ہی وزن دار ہو گا۔ آریہ عیسائی اور دوسری باطل ملتوں کے ابطال کے لئے جب میرا جوش اس قدر ہے پھر اگر ان لوگوں کو میرے ساتھ بغض نہ ہو تو اور کس کے ساتھ ہو۔ ان کا بغض اسی قسم کا ہے جیسے جانوروں کا ہوتا ہے۔ تین دن ہوئے مجھے الہام ہوا تھا انی مع الافواج اتیک بغتۃً۔ میں حیران ہوں یہ الہام مجھے بہت مرتبہ ہوا ہے اور عموماً مقدمات میں ہوا ہے۔ افواج کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقابل میں بڑے بڑے منصوبے کئے گئے ہیں اور ایک جماعت ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا جوش نفسانی نہیں ہوتا ہے اس کے تو انتقام کے ساتھ بھی رحمانیت کا جوش ہوتا ہے۔ پس جب وہ افواج کے ساتھ آتا ہے تو اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ مقابل میں بھی فوجیں ہیں۔ جب تک مقابل کی طرف سے جوش انتقام کی حد تک نہ ہو جاوے خدا تعالیٰ کی انتقامی قوت جوش میں نہیں آتی" اس کے بعد مقدمہ کے متعلق کچھ اور باتیں ہوتی رہیں لیکن بیچ میں کچھ نصیحتیں اور تقویٰ کی ترغیب اور اس کے خلاف کی ترہیب بھی ہوتی رہتی تھی۔

شام کو حضرت اقدس سیر کو تشریف لے گئے اور وہ رات اسی طرح پر مقدمہ کے متعلق بعض امور دریافت طلب اور بحث طلب میں مع الخیر گزر گئی۔ رات کو خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر پشاور سے تشریف لے آئے۔ ۱۶/ جولائی ۱۹۰۱ء کو دس بجے کے بعد حضرت اقدس کو شہادت میں پیش ہونا تھا۔ فجر کی نماز کے بعد کچھ دن چڑھے پھر احباب کا مجمع ہو گیا اور مقدمہ ہی کے متعلق ذکر شروع ہوا۔" [۱۲]

"جس روز رات کو گورداسپور پہنچے تھے حضرت اقدس کی طبیعت کسی قدر ناساز تھی۔ بایں ہمہ حضرت اقدس نے تمام احباب کو جو ساتھ تھے آرام کرنے اور سو جانے کی ہدایت فرمائی تھی۔ چنانچہ تعمیل ارشاد کے لئے متفرق مقامات پر جا کر احباب سو رہے۔ برادرم عبدالعزیز صاحب (اوجلوی۔ ناقل) اور دو تین اور دوست اس مکان میں رہے جہاں حضرت اقدس آرام کرتے تھے۔ ساری رات حضرت اقدس ناسازی طبیعت اور شدت حرارت کی وجہ سے سو نہ سکے۔ چونکہ بار بار رفع حاجت کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اس لئے بار بار۔۔۔ اٹھتے تھے۔ حضرت اقدس ارشاد فرماتے تھے کہ میں حیران ہوں منشی عبدالعزیز صاحب ساری رات یا تو سوئے ہی نہیں اور یا اس قدر ہشیاری سے پڑے رہے کہ ادھر میں سر اٹھاتا تھا ادھر منشی صاحب فوراً اٹھ کر اور لوٹا لے کر حاضر ہو جاتے تھے۔ گویا ساری رات یہ بندہ خدا جاگتا ہی رہا اور ایسا ہی دوسری رات بھی... پھر فرمایا کہ درحقیقت آداب مرشد اور خدمت گزاری ایسی شے ہے جو مرید و مرشد میں ایک گہرا رابطہ پیدا کر کے وصول الی اللہ اور حصول مرام کا نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ اس خلوص اور اخلاص کو جو منشی صاحب کا ہے ہماری جماعت کے ہر فرد کو حاصل کرنا چاہیے۔ جب دس بجے تو حضرت اقدس نے کچہری کو چلنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ارشاد عالی

سنتے ہی خدام اٹھ کھڑے ہوئے اور اس طرح پر کوئی چالیس آدمیوں کے حلقہ میں خدا کا برگزیدہ ادائے شہادت کے لئے چلا۔ راستہ میں لوگ دوڑ دوڑ کر زیارت کرتے تھے۔ آخر ضلع کی کچہری آگئی اور کچہری کے سامنے جو پختہ تالاب ہے اس کے جنوب اور شرقی گوشہ پر دری بچھائی گئی اور حضرت اقدس تشریف فرما ہوئے۔ حضور کا تشریف رکھنا ہی تھا کہ ساری کچہری امنڈ آئی اور اس دری کے گرد ایک دیوار بن گئی۔ زائرین کا ہجوم بڑھتا جاتا تھا چونکہ تیسری یا چوتھی دفعہ تھی جو حضور گورداسپور کی کچہری میں رونق بخش ہوئے پہلے اور طرف بیٹھا کرتے تھے۔ اس طرف بیٹھنے کے لئے یہ پہلی مرتبہ تھی۔ آپ نے فرمایا یہ جگہ باقی رہ گئی تھی۔ اس عرصہ میں ایک شخص معزز حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑے تپاک اور خندہ پیشانی سے حضرت سے مصافحہ کیا اور کچھ باتیں کرتے رہے اور اپنے لڑکے کے لئے جو بیمار تھا دعا کے لئے عرض کی۔ آپ نے دعا کا وعدہ فرمایا۔ پھر اس نے عرض کیا کہ جناب ہمارے لئے ہی یہاں تشریف لائے ہیں اور خدا تعالیٰ نے ہمارے واسطے ہی آپ کی تشریف آوری کی سبیل پیدا کی ہے کہ ہم مشتاقوں کو بھی آپ کی زیارت سے سعادت مندو بہرہ ور فرمائے۔ حضرت نے جواباً ارشاد فرمایا۔ ہاں ایسا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو بھی جو قادیان میں کسی وجہ سے نہیں آسکتے اور اپنے اندر اخلاص رکھتے ہیں ہماری ملاقات سے محروم نہ رکھے۔ فرمایا لکھا ہے کہ دو بزرگ ایک حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے مرشد حضرت ابو سعیدؒ اور ایک بزرگ ایک مقام میں جمع ہوئے اور گفتگو یہ ہوئی کہ حضرت اقدس و اکرم رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے مدینہ میں ہجرت کرا کر کیوں خدا تعالیٰ لے گیا؟ ان دونوں بزرگوں میں سے ایک نے فرمایا کہ مصلحت و حکمت الٰہی اس بات کی مقتضی تھی کہ جو مراتب اور علو درجات رسول اللہ ﷺ کو عطا کرنے تھے وہ اس ہجرت اور سفر اور مصائب و تکالیف شدیدہ کے برداشت کرنے سے آپ کو عنایت فرمائے۔ دوسرے بزرگ نے فرمایا کہ میرے خیال میں یہ آتا ہے کہ مدینہ میں بہت سی ایسی روحیں پر جوش اور با اخلاص اور خدا تعالیٰ کی طرف دوڑنے والی تھیں جو ایک ذریعہ عظیمہ اور سبب کبریٰ چاہتی تھیں اور وہ بباعث کسی سبب یا بیدست و پا ہونے کے کہیں جا نہیں سکتی تھیں سو ان کی تکمیل کے لئے خداوند جل شانہ نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ میں پہنچایا۔ غرض ان بزرگوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق یہ دو باتیں بیان کیں اور دونوں ہی باتیں سچی تھیں۔ سو خدا تعالیٰ جو ہمیں گورداسپور لایا اور وہ اپنی مرضی اور حکمت کی رو سے لایا اور نہ ہم خود اپنی مرضی اور خواہش سے آئے خدا ہی جانے اس میں کیا اس کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اور ہمارے ذریعہ یا ہمارے وجود سے حق کی کیا کیا تبلیغ اور سچائی کی کیا حجتیں پوری ہوں گی اور خدا کے علم میں اور کیا کیا باتیں ہیں جو ہمیں معلوم نہیں۔ خدا تعالیٰ اپنی حکمتوں سے خوب واقف ہے۔ پھر آپ نے چند نصیحتیں

کئی پیرایوں میں تقویٰ و طہارت اختیار کرنے اور برائیوں سے بچنے اور صدق اور راستی کے قبول کرنے کی نسبت بیان فرمائیں۔ غرض یہاں بیٹھے ہوئے ابھی چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ مقدمہ پیش ہو گیا۔ چنانچہ خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر اور مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے' ایل۔ ایل۔ بی پلیڈر مقدمہ کے لئے اندر پہنچے۔ [۱۴]

حضرت اقدس ؑ کی شہادت

اس کے بعد مدعی علیہ کے دو گواہ پیش ہوئے اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی گواہی ہوئی جس میں حضور نے مرزا امام الدین صاحب کی رقابت و عداوت کا سبب بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ "اس دیوار کے بننے سے مجھے بڑی ذاتی تکلیف ہوئی ہے۔ ذاتی تکلیف سے یہ مراد ہے کہ مالی تکلیف ہوئی ہے کہ کنواں بنانا پڑا اور چھاپہ خانہ کا بہت بڑا حرج ہوا مسافر اور میرے ملاقاتی جو بڑے معزز اور شریف آدمی ہوتے ہیں وہ ملاقات کے لئے ترستے رہتے ہیں۔ میں اوپر ہوتا ہوں اور وہ نیچے۔ میں الفاظ میں نہیں بیان کر سکتا کہ مجھے اس سے کس قدر درد پہنچتا ہے۔ آٹھ نو ماہ ہوئے ایک شریف عرب مجھے ملنے آیا اس کو چوٹیں لگیں۔ کیونکہ جو راستہ چکردار ہے وہ بہت خراب ہے۔ پتھریلا ہے برسات میں خصوصاً چلنے کے قابل نہیں ہوتا [۱۵] .... اس دیوار (کے) بننے سے پیشتر مہمان دونو وقت میرے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور نمازیں پڑھتے تھے اور تعلیمی باتیں سنتے تھے جن کے لئے میں خدا کی طرف سے آیا ہوں۔ اب اگر اوپر آتے ہیں تو بڑی تکلیف سے چکر کھا کر آتے ہیں اور صبح اور عشاء کی نماز میں ضعیف اور کمزور آدمی میرے ساتھ شریک نہیں ہو سکتے۔ ان مہمانوں کی غرض جو میرے پاس آتے ہیں دین سیکھنے کی ہوتی ہے لیکن جب اس دیوار کی وجہ سے ان کو تکلیف پہنچتی ہے تو مجھے ان تمام تکالیف کا صدمہ ہوتا ہے۔ جو کام میں کرنا چاہتا ہوں اس میں دقت پیدا ہوتی ہے۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں جن میں میں ان تکالیف کو بیان کر سکوں۔ مہمان کہیں ہوتے ہیں اور میں کہیں۔ وہ اس بات سے محروم رہتے ہیں جس کے لئے آتے ہیں۔ اور میں اپنا کام نہیں کر سکتا جس کے لئے بھیجا گیا ہوں۔"

"حضرت اقدس کے بیان میں وہ زور اور جوش تھا کہ ہم الفاظ میں اس کو ادا نہیں کر سکتے۔ الفاظ کے ادا سے ایک خاص قسم کا رعب اور ہیبت ٹپکتی تھی..... اس انداز کو ہم بیان نہیں کر سکتے اور اس اثر اور جوش کی تصویر نہیں دکھا سکتے جو اس وقت ظاہر ہو رہا تھا..... غرض اس طرح پر حضرت اقدس کا بیان ختم ہوا۔" [۱۶] اور حضرت اقدس علیہ السلام ایک مجمع کثیر کے ساتھ عدالت کے کمرہ سے باہر آئے۔ آپ اس قدر خوش تھے جس کی کوئی حد و پایاں نہیں.... اس کے بعد ظہر اور عصر کی نماز جمع کر کے پڑھی گئی... پھر فرودگاہ پر واپس آئے۔ شام کو حسب معمول سیر کو تشریف لئے گئے۔ راستہ میں ڈاکٹر

فیض قادر صاحب نے عرض کیا کہ حضور مہدی حسن تحصیلدار اور ان کے چند دوست چاہتے ہیں کہ آپ سے کچھ دریافت کریں۔ اگر حضور اجازت دیں تو ان کو شام کو لے آئیں۔ فرمایا۔ ہاں بے شک ان کو بلالو۔ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ واپس آکر مغرب اور عشاء دونوں نمازیں جمع کر کے پڑھیں اور پھر مہدی حسن صاحب مع صاحب مرزا سررشتہ دار ڈسٹرکٹ جج اور فیض الرحمٰن صاحب کلرک خزانہ اور ایک دو آدمیوں کے ساتھ آگئے" [۱۷] (اس کے بعد حضرت نے اس موقع پر نہایت لطیف پرایہ میں انہیں تبلیغ فرمائی)

دوسرے دن حضرت اقدس علی الصبح مراجعت فرمائے دارالامان ہوئے اور کوئی گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب بخیرت دارالامان پہنچ گئے۔" [۱۸]

مقدمہ کا فیصلہ اور ہدم دیوار

۱۶ / جولائی کے بعد مقدمہ ۱۰ / اگست ۱۹۰۱ء پر ملتوی کیا گیا چنانچہ ۱۰ / اگست کو مدعی علیہ کے دوسرے گواہ پیش ہوئے۔ [۱۹] اور وکلاء کی بحث بھی ختم ہو گئی۔ ۱۲ / اگست کو فیصلہ کا دن تھا اس دن مرزا امام دین صاحب اور ان کے ساتھی بہت خوش تھے کہ آج ان کا مقدمہ خارج ہو جائے گا اور وہ برملا کہتے تھے کہ آج سے ہمارے لئے ہر ایک قسم کی ایذاء کا موقع ہاتھ آجائے گا اور بظاہر صورت بھی یہی تھی کیونکہ ڈسٹرکٹ جج حضرت اقدس کا مخالف تھا۔ اس کے علاوہ آپ کے وکیل محض سماعی شہادتوں سے کام لیتے رہے جو ایک جوڈیشل (Judicial) فیصلہ کے مقابل چنداں کوئی حیثیت نہ رکھتی تھیں اور بالکل ہیچ تھیں۔ [۲۰]

پس اگر ڈسٹرکٹ جج مخالف نہ بھی ہوتا پھر بھی جب گورنمنٹ کے کاغذات اس زمین کا قبضہ مرزا امام دین کے متعلق بتا رہے تھے تو عدالت محض سنی سنائی باتوں کو کیا وقعت دے سکتی تھی۔ بہرنوع جب فیصلہ کا وقت آیا تو آپ کے سبھی مخالف دنگ رہ گئے کہ مقدمہ نے آناً فاناً پلٹا کھایا اور جج نے اپنی مخالفانہ روش کے باوجود آپ کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے دیوار گرانے اور سفید میدان میں کسی جدید تعمیر نہ کرنے کا دوامی حکم دے دیا اور ساتھ ہی مرزا امام دین (مدعی علیہ) پر اخراجات مقدمہ کے علاوہ ایک سو روپیہ بطور حرجانہ بھی ڈال دیا۔ [۲۱]

یہ فوری انقلاب دراصل حضرت اقدسؑ کی صداقت کا ایک خارق عادت نشان تھا کیونکہ ابتداء ہی سے حضور کو الہاماً بتایا جا چکا تھا کہ قضاء و قدر کی چکی گردش میں آئے گی اور یکایک پردہ غیب سے ایسے اسباب پیدا ہوں گے آپ فتحیاب ہوں گے۔ یہ نشان کس حیرت انگیز رنگ میں ظاہر ہوا حضور اس کی تفصیلات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "ایسا اتفاق ہوا کہ اس دن ہمارے وکیل خواجہ کمال الدین کو خیال آیا کہ پرانی مسل کا انڈکس دیکھنا چاہیے یعنی ضمیمہ جس میں ضروری احکام کا

خلاصہ ہوتا ہے جب وہ دیکھا گیا تو اس میں وہ بات نکلی جس کے نکلنے کی توقع نہ تھی یعنی حاکم کا تصدیق شدہ یہ حکم نکلا کہ اس زمین پر قابض نہ صرف امام دین ہے بلکہ مرزا غلام مرتضیٰ یعنی میرے والد صاحب بھی قابض ہیں۔ تب یہ دیکھنے سے میرے وکیل نے سمجھ لیا کہ ہمارا مقدمہ فتح ہو گیا۔ حاکم کے پاس یہ بیان کیا گیا اس نے فی الفور وہ انڈکس طلب کیا اور چونکہ دیکھتے ہی اس پر حقیقت کھل گئی اس لئے بلا توقف امام دین پر ڈگری زمین کی بمعہ خرچہ کر دی۔" [122]

قادیان میں فیصلہ کی اطلاع

۱۲/ اگست ۴ بجے شام کو مقدمہ کی فتحیابی کی خبر قادیان میں پہنچی تو جماعت میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ [123] حضرت مولوی عبدالکریم صاحب، مولوی محمد علی صاحب، مرزا خدا بخش صاحب، حکیم فضل دین صاحب، قاضی ضیاء الدین صاحب، پیر سراج الحق صاحب اور بھائی عبدالرحیم صاحب مسجد مبارک میں بیٹھے تھے کہ حضرت میر ناصر نواب صاحب نے دوڑتے ہوئے یہ خوشخبری سنائی کہ دیوار کو وہی بھنگی ڈھا رہا ہے جو اس شر اور فتنہ کے دن سے اسے کھڑا کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ [124] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خوشی کا اس دن کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ چنانچہ حضور نے فرمایا۔ "گویا ایک سال آٹھ ماہ کا رمضان تھا جس کی آج عید ہوئی۔" [125]

حضورؑ کی طرف سے خرچہ کی معافی

عدالتی فیصلہ میں مرزا امام دین صاحب پر مقدمہ کا خرچہ ڈالا گیا تھا اس لئے حضور کے وکیل نے (حضورؑ کی اطلاع اور مشورہ کے بغیر) خرچہ کی ڈگری لے کر اس کا اجراء کروا دیا۔ حضرت اقدس اس وقت گورداسپور میں فروکش تھے۔ اور آپ کی عدم موجودگی میں ہی سرکاری آدمی قادیان آیا۔ مرزا امام دین صاحب تو اس دوران میں فوت ہو چکے تھے اور مرزا نظام دین صاحب ان کے بھائی زندہ تھے مگر ان کی حالت ان مظالم کی پاداش میں اب اس درجہ ابتر ہو چکی تھی کہ وہ مطلوبہ رقم مبلغ ایک سو چوالیس [126] روپیہ پانچ آنہ سات پائی بھی ادا کرنے سے قاصر تھے اور قرقی کے سوا اور کوئی صورت نہیں تھی اس لئے انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بذریعہ خط درخواست کی کہ انہیں یہ رقم معاف کر دی جائے۔ ادھر (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی روایت کے مطابق) حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو عشاء کے وقت اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام یا خواب اطلاع دی کہ یہ بار ان پر بہت زیادہ ہے اور اس کی وجہ سے مخالف رشتہ دار بہت تکلیف میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے رات نیند نہیں آئے گی۔ اسی وقت آدمی بھیجا جائے جو کہہ دے کہ ہم نے یہ خرچ تمہیں معاف کر دیا ہے۔ [127] اس کے ساتھ ہی حضور نے معذرت بھی کی کہ "میری لاعلمی میں یہ

تکلیف پہنچی ہے" اور اس کارروائی پر جو آپ کی لاعلمی میں ڈگری کے اجراء کے متعلق کی گئی خفگی کا اظہار فرمایا۔ [۲۸] حضور نے ۲۱/ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو باقاعدہ ایک تحریر بھی عدالت کو بھجوائی کہ میں مرزا نظام الدین صاحب کو مقدمہ دیوار کے خرچہ کی رقم معاف کرتا ہوں جس کی ڈگری کا اجراء میرے مختار حکیم فضل دین صاحب نے کروایا ہے۔ میرا خرچہ کا کوئی مطالبہ نہیں اس لئے کاغذات داخل دفتر کئے جائیں۔ [۲۸]

عیدالفطر اور "جلسہ دعا"

مقدمہ دیوار کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد میں دوبارہ ۱۹۰۰ء کے حالات کی طرف آتا ہوں۔ ۲/ فروری ۱۹۰۰ء کو عیدالفطر تھی جس میں حضور کی تحریک پر قادیان اور اس کے قریبی دیہات کے علاوہ مدراس، کشمیر، شاہجہانپور (یو۔ پی) جھنگ، ملتان، پٹیالہ، سنور، کپورتھلہ، مالیرکوٹلہ، لدھیانہ، شاہ پور، سیالکوٹ، گجرات، لاہور، امرتسر، بٹالہ اور گورداسپور وغیرہ مقامات سے ایک ہزار سے متجاوز افراد جمع ہو گئے۔ حضور صبح ۸ بجے اپنی جماعت کے ساتھ اس وسیع میدان میں جو قصبہ قادیان کی غربی جانب واقع اور قدیمی عید گاہ ہے تشریف لے گئے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے نماز عید الفطر پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام نے ایک نہایت لطیف اور مؤثر خطبہ دیا جس میں سورہ والناس کی تفسیر کرتے ہوئے عجیب و غریب نکات و معارف بیان کئے۔ ان دنوں چونکہ انگریزی حکومت جنوبی افریقہ کے مقامی باشندوں سے نبرد آزما تھی۔ [۳۰] اس لئے آپ نے اپنی تقریر میں حکومت کی طرف سے آزادی مذہب کی پالیسی کو سراہتے ہوئے احباب کو اس کی فتح کے لئے دعا کی پرزور تحریک کی بلکہ تقریر کے بعد آپ نے حاضرین سمیت دعا بھی فرمائی [۳۱] اس مناسبت سے اس تقریب کو "جلسہ دعا" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

زخمیوں کے لئے امداد

دعا کے علاوہ حضور نے ۱۰/ فروری ۱۹۰۰ء کو بذریعہ اشتہار جنگ ٹرانسوال کے مجروحین کی امداد کے لئے چندہ کی تحریک بھی کی جس پر جماعت کے دوستوں کی طرف سے پانچ سو روپیہ کی امدادی رقم جمع ہوئی جو انہی ایام میں حکومت کو بھجوا دی گئی۔ [۳۲]

تحفہ غزنویہ کی تصنیف و اشاعت

مولوی عبدالحق صاحب غزنوی نے ایک اشتہار شائع کیا تھا جس میں سخت بدزبانی، ٹھٹھا اور ہنسی کی تھی اس اشتہار میں دو رنگ کے حملے کئے گئے تھے۔ اول بعض گزشتہ نشانوں اور پیشگوئیوں کو جو فی الواقع پوری ہو چکیں یا وہ عنقریب پوری ہونے کو تھیں ان کو پیش کر کے عوام کو یہ دھوکا دینا چاہا کہ گویا وہ پوری نہیں ہوئیں۔ دوم حضرت اقدس نے خدا تعالیٰ کے الہام سے بطور اتمام حجت یہ تجویز پیش کر رکھی تھی کہ بیماروں کی شفاء کے ذریعہ سے استجابت دعا کا مقابلہ کیا جائے۔ مولوی عبدالحق صاحب غزنوی نے اس اشتہار میں اس پر جرح کی کہ بھلا سارے مشائخ و علمائے ہند کیونکر ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں۔ پھر ان کے اخراجات کا متحمل کون ہو گا۔؟

حضرت اقدس نے اس اشتہار کے ان دونوں حملوں کے جواب میں "تحفہ غزنویہ" کے نام سے ایک رسالہ لکھا جو اکتوبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا۔ اور اس میں ان تمام غلط فہمیوں اور وسوسوں کا ازالہ فرمایا جو یہ حضرات عوام کو حق و صداقت سے منحرف کرنے کے لئے استعمال کر رہے تھے۔

"خطبہ الہامیہ" کا زبردست علمی نشان

۱۱۔ اپریل ۱۹۰۰ء کو عید الاضحیہ کی تقریب تھی لہذا اس موقع پر سیالکوٹ، امرتسر، بٹالہ، لاہور، وزیر آباد، جموں، پشاور، گجرات، جہلم، راولپنڈی، کپورتھلہ، لودھیانہ، پٹیالہ، بمبئی، لکھنؤ، سنور بہت سے مقامات سے مہمان آئے جن کی تعداد تین سو سے زیادہ تھی۔ [۲۳]

حضرت اقدس علیہ السلام اس وقت تک متعدد عربی تصانیف فرما چکے تھے جن کی فصاحت و بلاغت نے عرب و عجم میں دھوم مچا رکھی تھی مگر عربی میں تقریر کرنے کی آپ کو آج تک نوبت نہیں آئی تھی لیکن اس دن آپ کو صبح کے وقت بذریعہ الہام تحریک ہوئی کہ "آج تم عربی میں تقریر کرو تمہیں قوت دی گئی۔" "نیز الہام ہوا کلام افصحت من لدن رب کریم یعنی کلام میں خدا کی طرف سے فصاحت بخشی گئی ہے۔ [۲۴] جناب الٰہی سے یہ ارشاد پاتے ہی آپ نے اپنے بہت سے خدام کو اس کی اطلاع کر دی۔ نیز مولوی عبدالکریم صاحب اور مولوی نورالدین صاحب کو ہدایت فرمائی کہ وہ عید کے وقت قلم و دوات اور کاغذ لے کر آئیں تا خطبہ قلمبند کر سکیں۔ آٹھ بجے تک مسجد اقصیٰ قریباً پر ہو چکی تھی۔ حضرت اقدس کوئی ساڑھے آٹھ بجے تشریف لائے۔ سوا نو بجے عید کی نماز مسجد اقصیٰ میں پڑھی گئی جو

مولوی عبدالکریم صاحب نے پڑھائی۔ نماز کے بعد حضور کے لئے مسجد کے پرانے صحن میں جنوبی ڈاٹ کے آگے کرسی رکھ دی گئی۔ حضور خطبہ کے لئے مسجد کے وسطی دروازہ میں کھڑے ہوئے اور اردو میں ایک لطیف اور پر معارف خطبہ ارشاد فرمایا۔ [۲۵] اردو خطبہ کے بعد مولوی عبدالکریم صاحب اور مولوی نور الدین صاحب حضورؑ کے بائیں طرف بیٹھ گئے۔ حضور نے کھڑے ہو کر "یا عباد اللہ" کے لفظ سے فی البدیہ عربی خطبہ پڑھنا شروع کیا۔ آپ نے ابھی چند فقرے ہی کہے تھے کہ حاضرین پر جن کی تعداد کم و بیش دو سو تھی وجد کی ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ محویت کا یہ عالم تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ خطبہ کی تاثیر کا وہ اعجازی رنگ پیدا ہو گیا کہ اگرچہ مجمع میں عربی دان معدودے چند تھے مگر سامعین ہمہ تن گوش تھے۔ [۲۶] غرض یہ ایک ایسا روح پرور نظارہ تھا کہ تیرہ سو سال کے بعد آنحضرت ﷺ کی پاک مجلس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی حالت یہ تھی کہ آپ کی شکل و صورت، زبان اور لب و لہجہ سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ آسمانی شخص ایک دوسری دنیا کا انسان ہے جس کی زبان پر عرش کا خدا کلام کر رہا ہے۔ خطبہ کے وقت آپ کی حالت اور آواز میں ایک تغیر محسوس ہوتا تھا۔ ہر فقرہ کے آخر میں آپ کی آواز بہت دھیمی اور باریک ہو جاتی تھی۔ اس وقت آپ کی آنکھیں بند تھیں۔ چہرہ سرخ اور نہایت درجہ نورانی!

خطبہ کے دوران میں حضور نے خطبہ لکھنے والوں کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر کوئی لفظ سمجھ میں نہ آئے تو اسی وقت پوچھ لیں ممکن ہے کہ بعد کو میں خود بھی بتا نہ سکوں۔ پھر اس قدر تیزی سے آپ کلمات بیان فرماتے تھے کہ زبان کے ساتھ قلم کا چلنا مشکل ہو جاتا تھا۔ ان ہر دو وجوہ سے مولوی عبدالکریم صاحب اور مولوی نور الدین صاحب کو جو خطبہ نویسی کے لئے مقرر تھے بعض دفعہ الفاظ پوچھنا پڑتے تھے۔ [۲۷] چنانچہ خطبہ میں جب خناطیل کا لفظ آیا [۲۸] تو انہیں اس کے متعلق دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی۔ یہ تو وہ تاثر تھا جو سامعین لے رہے تھے مگر خود حضرت اقدس علیہ السلام جو اس وقت آسمانی انوار و برکات کے مہبط و مورد تھے آپ کے اندر اس وقت اتنی غیبی قوت کام کر رہی تھی کہ جیسا کہ آپ نے بعد ازاں بتایا کہ آپ یہ امتیاز نہیں کر سکتے تھے کہ میں بول رہا ہوں یا میری زبان سے فرشتہ کلام کر رہا ہے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اس کلام میں میرا دخل نہیں خود بخود برجستہ فقرے آپ کی زبان پر جاری ہوتے تھے۔ بعض اوقات الفاظ لکھے ہوئے بھی نظر آجاتے تھے اور ہر ایک فقرہ ایک نشان تھا۔ [۲۹] اس طرح جوں جوں آپ پر کلام اتر تا گیا آپ بولتے گئے۔ یہ سلسلہ کافی وقت تک جاری رہا جب یہ کیفیت زائل ہو گئی تو حضور نے خطبہ ختم کر دیا اور آپ کرسی [۳۰] پر تشریف فرما ہوئے۔

دعاؤں کی قبولیت

حضرت اقدسؑ نے عید سے ایک روز قبل حضرت مولوی نور الدین صاحب کو لکھا تھا کہ جتنے دوست یہاں موجود ہیں ان کی فہرست بھجوا دیں تاکہ میں ان کے لئے دعا کر دوں۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحب موصوف نے مدرسہ احمدیہ کے صحن میں (جو اس وقت ہائی سکول تھا) لوگوں کو جمع کیا اور ایک کاغذ پر سب دوستوں کے نام لکھوائے اور حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچا دیئے اور حضور بیت الدعا میں سارا دن دروازے بند کر کے مصروف دعا رہے۔ حضور نے خطبہ ختم کرنے کے بعد اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دراصل کل عرفہ کے دن اور عید کی رات میں جو میں نے دعائیں کی ہیں ان کی قبولیت کے لئے یہ خطبہ بطور نشان رکھا گیا تھا۔ یعنی اگر میں یہ خطبہ عربی زبان میں ارتجالاً پڑھ گیا تو ساری دعائیں درگاہ الٰہی میں قبول ہو گئیں۔ [۷۱]

اردو میں ترجمہ

حضورؑ کے اعجازی خطبہ کے بعد حضرت مولوی عبد الکریم صاحب دوستوں کی درخواست پر خطبہ کا ترجمہ سنانے کے لئے کھڑے ہوئے۔ ایک زبان کے خیالات دوسری زبان میں منتقل کرنا ایک نہایت مشکل امر ہے مگر روح القدس کی تائید سے آپ نے اس فرض کو اس خوبی سے ادا کیا کہ ہر شخص عش عش کر اٹھا۔ مولوی صاحب موصوف ابھی اردو ترجمہ سنا ہی رہے تھے کہ حضرت اقدس فرط جوش کے ساتھ سجدہ شکر میں گر گئے۔ آپ کے ساتھ حاضرین نے بھی سجدہ شکر ادا کیا۔ سجدہ سے سر اٹھا کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ "ابھی میں نے سرخ الفاظ میں لکھا دیکھا ہے کہ مبارک یہ گویا قبولیت کا نشان ہے۔" [۷۲]

خطبہ کو حفظ کرنے کی تحریک

خطبہ چونکہ ایک زبردست علمی نشان تھا اس لئے اس کی خاص اہمیت کے پیش نظر حضرت مسیح موعود نے اپنے خدام میں تحریک فرمائی کہ اسے حفظ کیا جائے۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں صوفی غلام محمد صاحب، حضرت میر محمد اسماعیل صاحب، مفتی محمد صادق صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کے علاوہ بعض اور اصحاب نے اسے زبانی یاد کیا۔ بلکہ مؤخر الذکر دو اصحاب نے مسجد مبارک کی چھت پر مغرب و عشاء کے درمیان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں بھی اسے زبانی سنایا۔ [۷۳] حضرت مولوی عبد الکریم صاحب جو انتہا درجہ ادبی ذوق رکھتے تھے وہ تو اس خطبہ کے اتنے عاشق تھے کہ اکثر اسے سناتے رہتے تھے اور اس کی بعض عبارتوں پر تو وہ ہمیشہ وجد میں آجاتے۔ مولوی صاحب ایسے بلند پایہ عالم کو خطبہ الہامیہ کے اعجازی کلام پر وجد آنا ایک طبعی بات قرار دی جا سکتی ہے مگر خدا کی طرف سے ایک تعجب انگیز امر یہ پیدا ہوا کہ تقریر سننے والے بچے بھی اس کی جذب و کشش سے خالی نہیں تھے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح

الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ وہ دن جس میں یہ تقریر کی گئی ابھی ڈوبا نہیں تھا کہ چھوٹے بچے جن کی عمر بارہ سال سے بھی کم تھی اس کے فقرے قادیان کے گلی کوچوں میں دہراتے پھرتے تھے جو ایک غیر معمولی بات تھی۔ [۶۶]

خطبہ الہامیہ کی اشاعت

یہ خطبہ اگست ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا۔ حضور نے نہایت اہتمام سے اسے کاتب سے لکھوایا۔ فارسی اور اردو میں ترجمہ بھی خود کیا اور اعراب بھی خود لگائے۔ اصل خطبہ کتاب کے اڑتیسویں صفحہ پر ختم ہو جاتا ہے جو کتاب کے باب اول کے تحت درج ہے۔ اگلا حصہ آخر تک عام تصنیف ہے جس کا اضافہ حضور نے بعد میں فرمایا اور پوری کتاب کا نام خطبہ الہامیہ رکھا گیا۔ [۶۵] یہ کتاب شائع ہوئی تو بڑے بڑے عربی دان اس کی بے نظیر زبان اور عظیم الشان حقائق و معارف پڑھ کر دنگ رہ گئے حق تو یہ ہے کہ مسیح محمدی کا یہ وہ علمی نشان ہے جس کی نظیر قرآن مجید کے بعد نہیں ملتی۔

خطبہ الہامیہ کے متعلق ایک وضاحت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی اس خطبہ کے متعلق رائے یہ ہے کہ "خطبہ الہامیہ سے یہ مراد نہیں کہ اس خطبہ کا لفظ لفظ الہام ہوا بلکہ یہ کہ وہ خدا کی خاص نصرت کے ماتحت پڑھا گیا اور بعض بعض الفاظ الہام بھی ہوئے۔" [۶۸] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طرز عمل سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ حضور نے اپنے الہامات میں خطبہ الہامیہ کے ابتدائی باب کو کہیں شامل نہیں فرمایا۔

حواشی

۱۔ سیرۃ المہدی حصہ اول (طبع دوم) صفحہ ۱۴۳
۲۔ الحکم ۳۰/ جولائی ۱۹۰۱ء صفحہ ۷ کالم نمبر ۳
۳۔ حقیقۃ الوحی (طبع اول) صفحہ ۲۶۷
۴۔ الحکم ۲۴/ جنوری ۱۹۰۰ء صفحہ ۵ کالم نمبر ۳ (مجدد اعظم حصہ اول صفحہ ۶۵۱ میں اس دیوار کے بنانے کی تاریخ سہواً ۷/ جنوری لکھی ہے)
۵۔ "سلسلہ احمدیہ" صفحہ ۱۰۸ (مؤلفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) یہ دیوار گول کمرہ اور موجودہ دفتر محاسب کے درمیان جہاں مسجد کا دروازہ ہے کھینچی گئی تھی
۶۔ الحکم ۳۱/ جولائی ۱۹۰۱ء صفحہ ۹۔۱۰ '۱۰/ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴
۷۔ حقیقۃ الوحی طبع اول صفحہ ۲۶۷
۸۔ "سیرۃ المہدی" حصہ اول صفحہ ۱۳۸۔۱۳۹ (طبع ثانی) و "اصحاب احمد" جلد نہم صفحہ ۲۲۱۔۲۲۴
۹۔ الحکم ۷/۱۴ جولائی ۱۹۴۳ء صفحہ ۵ کالم نمبر ۱ و "سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۰۸
۱۰۔ حقیقۃ الوحی (طبع اول) صفحہ ۲۶۶۔۲۶۷
۱۱۔ الحکم ۲۴/ جنوری ۱۹۰۰ء صفحہ ۱۰ اور حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۶۸۔۲۷۱
۱۲۔ الحکم ۲۴/ جنوری ۱۹۰۰ء صفحہ ۱۰ و "حقیقۃ الوحی" (طبع اول) ۲۶۷۔۲۶۸
۱۳۔ الحکم ۱۷/ جولائی ۱۹۰۱ء صفحہ ۹۔۱۰
۱۴۔ الحکم ۲۴/ جولائی ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۱۔۱۲
۱۵۔ الحکم ۳۱/ جولائی ۱۹۰۱ء صفحہ ۷۔۸
۱۶۔ الحکم ۱۰/ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴۔۱۵
۱۷۔ الحکم ۱۰/ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴۔۱۵
۱۸۔ الحکم ۱۷/ اکتوبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۶ کالم نمبر ۲
۱۹۔ الحکم ۱۷/ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴
۲۰۔ "حقیقۃ الوحی" صفحہ ۲۷۱۔۲۷۲
۲۱۔ الحکم ۱۷/ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴
۲۲۔ "حقیقۃ الوحی" (طبع اول) صفحہ ۲۷۱۔۲۷۲' اس مقدمہ میں خواجہ کمال الدین صاحب کے علاوہ مولوی محمد علی صاحب' منشی عبدالعزیز صاحب اوجلوی' میاں جمال الدین صاحب سیکھوانی کو بالالتزام پیشی پر پہنچنے کی سعادت نصیب ہوئی (الحکم ۲۴/ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۶ کالم نمبر ۲)
۲۳۔ الحکم ۱۷/ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۲' ۱۵ کالم نمبر ۳
۲۴۔ الحکم ۲۴/ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۹
۲۵۔ الحکم ۱۷/ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴ کالم نمبر ۳
۲۶۔ "لائف آف احمد" صفحہ ۵۲۹ حاشیہ
۲۷۔ الحکم ۷/۱۴ جولائی صفحہ ۵ کالم ۳ و الفضل جلد ۲۴ نمبر ۲۹ صفحہ ۸
۲۸۔ "سلسلہ احمدیہ" (مولفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) صفحہ؟
۲۹۔ "لائف آف احمد" صفحہ ۵۲۹ حاشیہ۔ مولانا عبدالرحیم صاحب درد۔ ایم۔ اے نے گورداسپور کے ریکارڈ آفس سے مقدمہ کی

اصل مسل دیکھی تھی اس کا نمبر ۸۰۰ تھا۔

۳۰۔ اس لڑائی کو بوئروں کی جنگ کا نام دیا گیا ہے۔ بوئر ولندیزی آباد کاروں کی نسل سے تھے۔ یہ لڑائی ۱۹۰۲ء تک جاری رہی اور اس کے اختتام پر ان علاقوں کو مستعمرات کا درجہ دے دیا گیا۔ جنہوں نے ۱۹۱۵ء میں آپس میں اتحاد کر کے جنوبی افریقہ کی متحدہ حکومت قائم کر لی۔

۳۱۔ ملاحظہ ہو "روئداد جلسہ دعا" مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان دار الامان ۱۹۲۵ء

۳۲۔ "روئداد جلسہ دعا" صفحہ ۳۶

۳۳۔ الحکم ۱۲/ اپریل ۱۹۰۰ء صفحہ ۱۔۲

۳۴۔ "حقیقتہ الوحی" صفحہ ۳۶۲

۳۵۔ مفصل خطبہ کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۱۷/ اپریل ۱۹۰۰ء صفحہ ۳ تا ۵

۳۶۔ روایات صحابہ جلد ۱۳ صفحہ ۳۸۵۔۳۸۶ (روایت حضرت منشی ظفر احمد صاحب ؓ کپور تھلوی)

۳۷۔ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۹۰۔۹۱

۳۸۔ "روایات صحابہ" جلد ۱۳ صفحہ ۳۸۵

۳۹۔ "حقیقتہ الوحی" صفحہ ۳۶۲

۴۰۔ "اصحاب احمد" جلد نہم صفحہ ۱۷۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کرسی حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے مل گئی ہے۔ مگر حضرت بھائی صاحب نے اپنے پاس موجود تبرکات کی جو فہرست الفضل ۲۲/ ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۲ میں شائع فرمائی تھی اس میں اس کرسی کا ذکر موجود نہیں ہے اس کرسی پر یہ عبارت لکھی ہے کہ "یہ وہ کرسی ہے جس پر بیٹھے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر خطبہ الہامیہ کا نزول ہوا۔" ان الفاظ میں کچھ ذہول کا دخل معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے یہ خطبہ کھڑے ہو کر دیا نہ کہ بیٹھ کر۔ اس لئے یہ خیال کہ اس کرسی پر "خطبہ الہامیہ" کا نزول ہوا صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ بعد میں جب مولوی برکات احمد صاحب راجیکی درویش قادیان نے ذکر کیا کہ ایسی متعدد کرسیاں دار المسیح میں موجود ہیں تو حضرت بھائی جی نے تسلیم کر لیا کہ یہ تعیین سہو ہے۔ ("اصحاب احمد" جلد نہم طبع دوم صفحہ ۵۲۶ مطبوعہ ۱۹۸۲ء)

۴۱۔ الحکم ۱۷/ اپریل ۱۹۰۰ء صفحہ ۲ کالم او یکم مئی ۱۹۰۰ء و "سیرت المہدی" حصہ سوم صفحہ ۶۰ و اصحاب احمد" جلد نہم صفحہ ۲۶۷ تا ۲۷۳

۴۲۔ الحکم یکم مئی ۱۹۰۰ء صفحہ ۵

۴۳۔ "روایات صحابہ" جلد ۳

۴۴۔ الحکم ۷/ ۱۴ جولائی ۱۹۴۳ء صفحہ ۵ کالم ۲

۴۵۔ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۰۷

۴۶۔ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۰۷

بشپ جارج الفریڈ لیفرائے کا فرار

اور

اسلام کی پے در پے فتوحات

بشپ جارج الفریڈ لیفرائے کا فرار اور اسلام کی پے در پے فتوحات

۱۸۹۹ء میں لارڈ کرزن ہندوستان کے وائسرائے بنا کر بھیجے گئے اور ساتھ ہی پنجاب کے عیسائی نظام میں یہ تبدیلی عمل میں لائی گئی کہ لارڈ کرزن کے چہیتے اور دلی کے مشہور پرجوش مسیحی پادری جارج الفریڈ لیفرائے [۱] (۱۸۵۴ء۔ ۱۹۱۹ء) کو لاہور کا بشپ بنا دیا گیا۔ یہ صاحب اپنے مذہب کی تبلیغ میں جارحانہ پالیسی کے قائل اور عبرانی' فارسی' اور اردو تینوں زبانوں کے فاضل تھے اور عیسائی حلقوں میں خاص عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ دلی کے مشہور نابینا مولوی احمد مسیح انہی کی کوششوں سے عیسائی ہوئے اور پادری اور مسیحی کہلائے۔ مباحثات کا شوق انہیں پہلے ہی جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا اس لئے انہوں نے بشپ بنتے ہی اپنے انگریز بھائیوں پر یہ بات واضح کی کہ خداوند یسوع نے ہندوستان کو بطور امانت سپرد کیا ہے اس لئے ہمیں تندہی سے تبلیغ کرنی چاہیے۔ [۲] نیز بڑے وسیع پیمانہ پر عیسائیت کی سرگرمیوں کا آغاز کرتے ہوئے لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔

اس پروگرام کے تحت ۱۸/ مئی ۱۹۰۰ء کو انہوں نے "معصوم نبی" کے موضوع پر ایک تقریر کی جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت محمد (رسول اللہ ﷺ) کے متعلق قرآن مجید میں ذنب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ گناہ گار تھے۔ آخر میں انہوں نے مسلمانوں کو چیلنج دیا کہ اگر انہیں کوئی اعتراض ہے تو میدان میں آئیں اور سوال کریں۔ اس مجمع میں حضرت مسیح موعودؑ کے مشہور مخلص مرید حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ بھی موجود تھے۔ باقی مسلمان تو لیفرائے کے دلائل سن کر دہشت زدہ ہو گئے وہ بولنے کی جرات کیسے کرتے مگر مفتی صاحب جو کاسر صلیب کے غلام تھے جوش غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور تقریر کے ایک ایک اعتراض کا اس خوبی سے جواب دیا کہ ان کے سبھی دعاوی کی دھجیاں بکھر گئیں مثلاً انہوں نے کہا کہ مسیح کی عصمت پر لوقا یا مرقس کے حوالے دینا کوئی سود مند بات نہیں ہو سکتی بہتر یہ ہے کہ خود مسیح کے اپنے منہ کے الفاظ دیکھے

جائیں کہ وہ اپنی طہارت اور پاکیزگی کی نسبت کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ انجیل متی باب ۱۹ آیت ۱۷ میں لکھا ہے کہ اس نے کہا "تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے۔ نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔" ۳ پس جو نیک نہیں وہ معصوم کیسے ٹھہر سکتا ہے۔ مفتی صاحب نے زبردست دلائل سے ثابت کیا کہ ذنب' خطا' جرم اور جناح سب الفاظ کا ترجمہ گناہ کیا جاتا ہے حالانکہ یہ محض غلط ہے۔ نیز بتایا کہ قرآن کریم کے نزدیک ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ نبی ہیں جن کی عصمت پر خدا تعالیٰ نے صاف لفظوں میں زور دیا ہے۔ اس تقریر سے بشپ صاحب مبہوت ہو کر رہ گئے اور مسلمان اسلام کی اس زبردست فتح پر بہت خوش ہوئے اور کئی دن تک اس کا عام چرچا رہا کہ "مرزائی جیت گئے۔" ۴

بشپ صاحب نے اپنی ناکامی کی خفت مٹانے کے لئے اشتہار دیا کہ وہ ۲۵/ مئی کو "زندہ رسول" پر پھر لیکچر دیں گے اس اشتہار سے مسلمانوں میں بڑا جوش پھیل گیا اور انہوں نے مقابلہ کے لئے امرتسر سے مولوی ثناء اللہ صاحب کو بلایا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب حیات مسیح کے قائل ہو کر بھلا کیا جواب دیتے انہوں نے الٹا ساری توجہ مسلمانوں کو جلسہ میں شمولیت سے باز رکھنے پر مبذول کر دی مگر جب وہ اس میں بری طرح ناکام ہوئے تو خود انہوں نے اور انکے بلانے والے دردمند مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ اس کا جواب صرف مرزا صاحب کی جماعت دے سکتی ہے۔ وہ برملا کہتے تھے کہ اب تو اسلام اور عیسائیت کی جنگ ہے جس میں "مرزائی بولے تو فتح ہو سکتی ہے ورنہ صاف شکست اٹھانا پڑے گی۔" ۵

۲۴/ مئی کو ظہر کی نماز کے بعد مفتی محمد صادق صاحبؓ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی زبانی ان واقعات کی خبر ہوئی۔ جلسہ میں اب صرف ۲۴ گھنٹے باقی تھے۔ ان دنوں آپ بیماری کی وجہ سے نڈھال تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و جلال کے لئے آپ کو خدا تعالیٰ نے جو دینی غیرت بخشی تھی اس نے اسلام و عیسائیت کی اس جنگ میں حصہ لینے کے لئے آپ کے اندر زبردست جوش پیدا کر دیا اور آپ نے اسی وقت قلم پکڑ لیا اور زندہ رسول کے متعلق ایک لاجواب مضمون لکھا جس میں آپؑ نے حضرت مسیحؑ کی وفات کا ناقابل تردید دلائل سے ثبوت دینے کے بعد بتایا کہ زندہ نبی تنہا ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ ہیں جن کی تاثیرات و برکات کا ایک زندہ سلسلہ قیامت تک جاری ہے اور اس کا ایک نمونہ میں موجود ہوں کہ کوئی قوم اس بات میں میرا مقابلہ نہیں کر سکتی "خدا نے مجھے بھیجا ہے کہ تا میں اس بات کا ثبوت دوں کہ زندہ کتاب قرآن اور زندہ دین اسلام ہے اور زندہ رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے" ۶

یہ مضمون جو صرف ڈیڑھ دو گھنٹہ ۷ میں روح القدس کی خاص تائید سے لکھا گیا تھا آپ کی ہدایت کے تحت راتوں رات چھاپ دیا گیا۔ حضرت اقدس خود لالٹین لے کر بورڈنگ میں تشریف

لائے اور طلباء کو اس کی کاپیاں تہہ کرنے کے لئے اٹھایا چنانچہ انہوں نے ساری رات جاگ کر نہایت خلوص سے یہ دینی خدمت سرانجام دی۔ مفتی صاحبؓ چار بجے صبح اشتہار لے کر بٹالہ روانہ ہوئے اور عین وقت پر لاہور جلسہ میں پہنچ گئے۔ ۸

حضرت اقدسؑ کا مضمون سنایا جانا

اشتہار کے مطابق بشپ لیفرائے نے "زندہ رسول" پر تقریر کی۔ اس کے بعد سوالات کا موقعہ دیا جس پر حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے حضرت اقدس علیہ السلام کا مطبوعہ مضمون نہایت پر شوکت انداز میں پڑھ کر سنایا۔ اس مضمون کی ایک بھاری خصوصیت یہ تھی کہ اگرچہ یہ ایک دن پہلے لکھا گیا تھا مگر اس میں بشپ صاحب کی تقریر کا مسکت جواب موجود تھا اور لوگ حیران تھے کہ بشپ صاحب کی تقریر کے خاتمہ پر اتنا زبردست مضمون آناً فاناً چھپ کر شائع کیسے ہو گیا؟ مضمون کا پڑھنا ہی تھا کہ لاہور ایک بار پھر اسلام کی فتح کے نعروں سے گونج اٹھا اور بشپ صاحب کو جو گزشتہ داغ مٹانے کے خیال سے آئے تھے ایسی زبردست شکست ہوئی کہ چہرے سے ہوائیاں اڑنے لگیں اور انہوں نے صرف یہ کہہ کر چپ سادھ لی کہ "معلوم ہوتا ہے تم مرزائی ہو ہم تم سے گفتگو نہیں کرتے ہمارے مخاطب عام مسلمان ہیں۔" ۹ اس وقت تین ہزار کے قریب مجمع تھا۔ ۱۰ مسلمانوں نے جو ایک کثیر تعداد میں موجود تھے بالاتفاق اقرار کیا کہ مرزائی اگرچہ کافر ہیں مگر آج اسلام کی عزت انہی نے رکھ دکھائی ہے۔ ۱۱

حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے نبی کے متعلق مقابلہ کی کھلی دعوت

"سوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے زندہ نبی پر مضمون لکھنے پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ بشپ صاحب کے گزشتہ لیکچر کا پورا پورا تعاقب کرتے ہوئے ۲۵/ مئی ۱۹۰۰ء کو ہی ایک دوسرا اشتہار دیا کہ بشپ صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابل پر مسلمان اپنے نبی ﷺ کا معصوم ہونا ثابت کر کے دکھلائیں۔ یہ ایک عمدہ ارادہ ہے مگر بشپ صاحب کے اس طریق بحث سے کوئی عمدہ نتیجہ پیدا نہیں ہو گا کہ پبلک کو یہ دکھایا جائے کہ فلاں نبی نے کوئی گناہ نہیں کیا کیونکہ مذاہب کا گناہوں کی تعیین پر اتفاق نہیں ہے۔ بعض فرقے شراب نوشی کو سخت گناہ قرار دیتے ہیں مگر بعض کے عقیدہ کے موافق اس میں روٹی بھگو کر نہ کھائی جائے تو دینداری کی سند نہیں حاصل ہو سکتی۔ بنابریں حضور نے انہیں توجہ دلائی کہ اگر وہ مرد میدان بن کر تحقیق حق کے شائق ہیں تو وہ "معصوم نبی" کا موضوع اختیار کرنے کی بجائے اس بارے میں بحث کر لیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی اور عملی اور اخلاقی اور تقدسی اور برکاتی اور تاثیراتی اور ایمانی اور عرفانی اور افاضہ خیر اور طریق معاشرت وغیرہ وجوہ فضائل میں باہم مقابلہ

اور موازنہ کیا جائے یعنی یہ دکھلایا جائے کہ ان تمام امور میں کس کی فضیلت اور فوقیت ثابت ہوتی ہے۔ پس اس قسم کی صفات فاضلہ میں مقابلہ ہونا چاہیے نہ صرف ترک شر میں جس کا نام بشپ صاحب معصومیت رکھتے ہیں۔ [۱۲]

بشپ لیفرائے نے جو دو دفعہ اسلام کے مقابلہ میں صریح شکست اٹھا چکے تھے حضرت اقدس کی دعوت پر بالکل چپ سادھ لی۔ اس پر حضرت اقدس نے بشپ صاحب کو اس علمی مقابلہ پر آمادہ کرنے کے لئے جماعت کے دوستوں کی ایک کمیٹی بنائی جس کے سیکرٹری مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے تجویز ہوئے۔ اس کمیٹی کی طرف سے ۸/ جون ۱۹۰۰ء کو حضرت مسیح کے نام کا واسطہ دے کر بشپ لیفرائے صاحب کو لکھا گیا کہ وہ عیسائی مذہب کے زبردست فاضل ہیں اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اسلام کے بے مثال نمائندے ہیں اور ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں یہ قیمتی موقع میسر آیا ہے کہ آپ بھی موجود ہیں اور وہ بھی۔ مرزا صاحب نے بحث کی جملہ شرائط منظور کر لی ہیں۔ آپ بھی ہماری التجاء قبول کر کے منظوری سے مطلع فرمائیں۔

مسلمان پہلے ہی انتہائی بے قراری سے بشپ صاحب کی منظوری کے لئے چشم براہ تھے۔ اب جو یہ دلچسپ مراسلہ پریس میں آیا تو ملک کے بعض مقتدر اخبارات نے بھی اس کا زبردست خیر مقدم کیا اور پر زور تحریک کی کہ بشپ صاحب کو اس طرف ضرور توجہ کرنا چاہیے۔ اور اخبار پانیر الٰہ آباد نے لکھا کہ

"بے شک اگر ڈاکٹر لیفرائے مقابلہ کرنا منظور کرے تو یہ مباحثہ نہایت ہی دلچسپ ہو گا۔"

"انڈین ڈیلی ٹیلی گراف" (۱۹۔ جون ۱۹۰۰ء) نے لکھا:۔

"ہم کسی دوسرے صفحہ پر ایک نہایت ہی دلچسپ مذہبی چیلنج جو مسلمانوں کے اس فرقہ کی طرف سے ہے جو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے پیرو ہیں لاہور کے بشپ کے نام دیا گیا ہے نقل کرتے ہیں۔ اس کی دلچسپی کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نہایت سنجیدگی اور نیک نیتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی قادیان کے رئیس ہیں۔ اور اس چیلنج میں ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ نہ صرف مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ہی کرتے ہیں بلکہ اس دعویٰ کو مضبوط اور قاطع دلیلوں کے ساتھ ثابت کر دکھایا ہے اور اپنے آپ کو وہ موعود ثابت کیا ہے جس کے آنے کی پیشگوئیاں قرآن مجید اور بائبل میں بیان کی گئی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس مشہور شخص کے پیرو دنیا کے مختلف حصوں میں تیس ہزار کے قریب ہیں اور ان کے دوست اور مرید دل سے چاہتے ہیں کہ وہ لاہور کے بشپ کے ساتھ جس کے لیکچروں نے مسلمانوں کو قائل کر دیا ہے کہ وہ اپنے مذہبی علوم میں لاثانی ہے مذہب اسلام اور عیسائیت کی سچائی پر ایک

فاضلانہ اور معقول بحث کریں۔ بشپ کا وسیع علم اور تجربہ اور اس کی عربی' فارسی اور اردو سے واقفیت اور اس کے مہذبانہ اور عمدہ اخلاق بھی بطور وجوہات بیان کئے گئے ہیں کہ کیوں خصوصاً اس کو اسلام کے اس پہلوان کے ساتھ مباحثہ کے لئے بلایا گیا۔

چیلنج سارے کا سارا نہایت مودبانہ الفاظ میں ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس تجویز کے مجوز بڑی سچی خواہش اس امر کی رکھتے ہیں کہ عیسائیت اور اسلام (نہ اسلام اور عیسائیت) کے بالمقابل فضائل اور خوبیوں پر ایک باقاعدہ اور عمدہ مباحثہ ہو جس میں دونو فریق کے لئے منصفانہ شرطیں پیش کی گئی ہیں اور چیلنج دینے والے جن کی تعداد بہت بڑی ہے ہندوستان کے مختلف حصوں سے ہیں اور بشپ کو یسوع مسیح کے نام کی قسم دے کر امید رکھتے ہیں کہ اس مباحثہ پر رضامند ہو جائے گا۔ ہماری رائے ہے کہ بشپ اگر اس چیلنج کو منظور کرے تو بہت اچھا ہو گا۔ خود بخود ایک ایسی بڑائی اختیار کر لینا جو مباحثہ کے لئے بھی جھک نہیں سکتی اس کی غلطی ہو گی۔ کیونکہ پھر چیلنج دینے والے یہ کہنے کے حقدار ہوں گے کہ چونکہ فریق ثانی نے اپنے مقدمہ کا دفاع نہیں کیا اس لئے اس کی عدم پیروی کے سبب سے فیصلہ ان کے حق میں ہونا چاہئے اور اس طرح پر وہ فتح کے دعویدار ہوں گے۔ نیز یہ امر کہ مرزا غلام احمد قادیانی وہ موعود شخص نہیں ہے جس کی آمد کے متعلق قرآن شریف اور بائبل میں پیشگوئیاں ہیں بشپ کے مقابلہ کرنے سے انکار کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ یہ سوال مجوزہ مباحثہ میں پیش نہیں ہو گا لیکن ممکن ہے کہ اگر بشپ چیلنج منظور کرے تو اپنے مخالف کو اس غلطی کا بھی قائل کر دے۔ یہ امر کہ مسلمان اپنے مسیح کو بشپ کے بالمقابل میدان مباحثہ میں پیش کرتے ہیں۔ یہ بشپ کی علیت کی بڑی سے بڑی توہین ہے جو وہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح پر وہ جتانا چاہتے ہیں کہ وہ ہندوستان میں بشپ کو عیسائی مذہب کا اول درجہ کا فاضل مانتے ہیں۔ ہم یہ بھی نہیں دیکھتے کہ بشپ کس طرح یہ عذر کر سکتا ہے کہ ایسے عمدہ مباحثہ میں اس کے وقت کا بڑا حصہ صرف ہو جائے گا۔ اس کو کسی طرح پر بھی ایسے مخالفوں کی تردید کرنے اور ان کو قائل کرنے کا یہ موقع ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے خصوصاً جب کہ اس سے یہ بات ثابت کرنے کی خواہش کی گئی ہے کہ عیسائیت اور اسلام ہر دو مذاہب میں سے کونسا مذہب زندہ کہلا سکتا ہے اور قرآن مجید اور بائبل دونو کی تعلیمات میں سے کس کی تعلیم زیادہ افضل اور انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ ہم پسند کریں گے اگر چیلنج منظور کر لیا جائے۔ کیونکہ ہمارے خیال میں یہ نہایت ہی دلچسپ ہو گا۔"

غرض یہ کہ ملک کے سبھی حلقوں کی نگاہیں بشپ صاحب کی طرف تھیں اور وہ انتہائی بے تابی سے ان کی منظوری کا اعلان سننے کے لئے منتظر تھے مگر افسوس بشپ صاحب نے جو لیکچر کے بعد لاہور سے

شملہ بھاگ گئے تھے اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے میدان مناظرہ میں آنے سے بالکل انکار کر دیا اور اس کے لئے یہ انتہائی مضحکہ خیز عذر پیش کیا کہ مرزا صاحب اپنے تئیں مسیح کہلاتے ہیں جس سے ہمارے مذہبی جذبات مجروح ہوتے ہیں نیز یہ کہ میرا اصل کام عیسائی کلیسا کی اندرونی اصلاح اور اس کو مضبوط کرنا ہے۔ یہ اصل کام چھوڑ کر میں مجوزہ مباحثہ میں حصہ نہیں لے سکتا وغیرہ وغیرہ۔ یہ عذرات ہی بتاتے تھے کہ بشپ صاحب کس بے بسی کے عالم میں میدان مباحثہ سے فرار کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔" [۱۳]

بشپ صاحب کے فرار پر ملکی اخبارات کا تبصرہ

عیسائیوں کی سرگرمیوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بہت جلد پورے ہندوستان کو زیر نگیں کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ [۱۴] مگر خدا کی قدرت!! انیسویں صدی ختم نہیں ہوئی کہ کاسر صلیب کے ہاتھوں اسلام کو عیسائیت کے مقابل زبردست اور نمایاں فتح حاصل ہو گئی۔ اس معرکہ نے تثلیث پرستوں کے حوصلے انتہائی پست کر ڈالے اور پھر آج تک کسی بشپ کو جرات نہ ہو سکی کہ وہ برملا مسلمانوں کو گزشتہ انداز میں بحث کا چیلنج دے سکے بلکہ اس کے برعکس یہ تبدیلی رونما ہوئی کہ دوران گفتگو جونہی پادریوں کو معلوم ہوتا کہ ان کا مخاطب کوئی احمدی ہے تو وہ بحث بند کر دیتے اپنا کیمپ اکھاڑ کر دوسری طرف چل دیتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خفیہ طور پر کوئی ایسے احکام ضرور جاری کئے گئے ہیں کہ وہ احمدیوں سے ہرگز گفتگو نہ کریں۔ [۱۵]

المختصر عیسائیت کے ایک نامور نمائندے کا یوں بے بسی کے ساتھ میدان چھوڑنے سے ملک کے چاروں طرف ایک شور سا مچ گیا اور ملکی اخبارات نے کھلے لفظوں میں لارڈ بشپ کے گریز کو عیسائیت کی بھاری شکست سے تعبیر کیا۔

"انڈین سپیکٹیٹر" کی طرف سے بشپ کے گریز پر تبصرہ

"انڈین سپیکٹیٹر" نے بشپ کے انکار پر لکھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ لاہور کے بشپ نے متانت کو چھوڑ کر جلد بازی کے ساتھ ایک ایسے چیلنج سے گریز اختیار کی ہے جس کا محرک وہ پہلے خود ہی ہوا تھا کچھ عرصہ ہوا کہ بشپ نے مسلمان حاضرین کے سامنے مسیح کی صداقت کا ثبوت پیش کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اس دعوت کو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جس کے دعویٰ مسیحیت کی نسبت ہم پیشتر ازیں اسی اخبار میں ذکر کر چکے ہیں قبول کر لیا۔ اب خواہ مرزا غلام احمد مفتری ہو اور خواہ وہ اپنے آپ کو واقعی مسیح موعود سمجھتا ہو دونو حالتوں میں کوئی وجہ نہیں کہ بشپ اس کے ساتھ مباحثہ کرنے سے کیوں انکار کرتا ہے۔ بشپ کا بیان ہے کہ مرزا صاحب نے

مسیح کہلا کر ایک خوفناک ہتک اور بے عزتی مسیح کی کی ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ دو ہزار سال گزرے اسی وجہ پر یہودیوں نے یسوع کو صلیب دی تھی۔ اس کے مسیح کہلانے پر انہوں نے ہتک محسوس کی۔ اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ بشپ مرزا غلام احمد کے دعویٰ مسیحائی کی نسبت یہ لکھتا ہے کہ پنجاب کے مسلمانوں کے ایک کثیر التعداد گروہ نے اس پر حقارت اور استہزاء ظاہر کیا ہے اور وہ اس کو مرزا صاحب کے دعویٰ کے بطلان کا قطعی اور یقینی ثبوت خیال کرتا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ جب پیلاطوس نے یہودیوں کے مجمع سے سوال کیا کہ عید فسح کے روز کسے آزاد کرانا چاہتے ہیں مسیح کو یا براباس کو تو ان سب نے بالاتفاق بدمعاش چور کے حق میں رائے دی۔ کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یسوع کا دعویٰ مسیحیت بے بنیاد تھا۔ ہم مرزا غلام احمد کے پیرو نہیں اور نہ اس کے دعاوی کو مسیح کے دعووں پر ترجیح دینا چاہتے ہیں۔ لیکن ہمارا اعتراض بشپ کی جھوٹی منطق پر ہے۔ اگر تمام مسلمانوں نے مرزا صاحب کا دعویٰ مان لیا ہوتا تو کیا بشپ ان کے رسالت کے دعویٰ کے متعلق اپنی رائے بدل لیتا۔ اس وقت اس ملک کے لوگ اپنے مذہبی خیالات پر بالاستقلال قائم نہیں ہیں اس لئے ایسے لوگوں کے لئے جو ان کو سچائی پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ وہ دلائل ایسے پیش نہ کریں جو نہایت مضبوط اور قاطع نہ ہوں۔" [۱۶] (ترجمہ)

عصمت انبیاء کے موضوع پر سلسلہ مضامین

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عیسائیت کے مایہ ناز علم کلام کی فرومائیگی کو انتہاء تک پہنچانے کے لئے رسالہ ریویو آف ریلیجنز [۱۷] میں "عصمت انبیاء" کے موضوع پر کئی قسطوں میں ایک زبردست مضمون لکھا جس نے بس دن ہی چڑھا دیا اور دیگر انبیاء کے مقابل ہر جہت سے آنحضرت ﷺ کے مقام کی افضلیت اور برتری بالکل نمایاں ہو گئی۔ [۱۸]

نواب عماد الملک فتح نواز جنگ مولوی سید مہدی حسین صاحب کی قادیان میں آمد اور قبول حق

لکھنؤ میں ایک بزرگ نواب عماد الملک سید مہدی حسین صاحب بیرسٹرایٹ لاء ہوتے تھے جو ایک زمانہ میں حیدر آباد کے ہوم سیکرٹری اور چیف جسٹس بھی رہ چکے تھے۔ [۱۹] نواب عماد الملک علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی اور علوم قدیمہ و جدیدہ کے زبردست فاضل تھے اور روشن خیال مسلمانوں میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے انہوں نے بشپ لیفرائے کے فرار کا واقعہ اخبار پانیئر الہ آباد میں

پڑھا تو ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ملاقات کا شوق دامن گیر ہو گیا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ کوئی معمولی انسان نہیں ہو سکتا جو اتنے بڑے آدمی کو ایک فوق العادت دعوت دیتا ہے اور اس کی غلامی میں بڑے عقیل و فہیم داخل ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے مولوی عبدالکریم صاحب کی مصنفہ کتاب "سیرۃ مسیح موعود" کا مطالعہ کیا اور گرویدہ ہو گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور مولوی صاحب سے خط و کتابت شروع کر دی۔ اسی دوران میں ان کی لکھنؤ میں (جہاں وکالت کرتے تھے) حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اسسٹنٹ سرجن سے ملاقات ہوئی جس کے بعد ۲۶/ دسمبر ۱۹۰۱ء کو حضور کی خدمت میں قادیان پہنچے اور حضور کے نیاز حاصل کر کے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے یہ موقعہ غنیمت سمجھتے ہوئے ان کو نہایت شرح و بسط سے پیغام حق پہنچایا اور بتایا کہ خدا نے مجھے صرف اس غرض سے بھیجا ہے تا میں ادیان عالم پر اسلام کو غالب کر دکھاؤں۔ میں اسی طرح مامور ہوں جس طرح پہلے مامور تھے۔ پس آپ میری مخالفت میں بھی بہت سی باتیں سنیں گے اور بہت قسم کے منصوبے پائیں گے لیکن میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ اور اگر میں خدا کی طرف سے آیا نہ ہوتا تو میری یہ مخالفت بھی ہرگز نہ ہوتی۔ [۲۰]

حضرت اقدسؑ کے ارشادات سن کر ان کے تمام شکوک رفع ہو گئے۔ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی کا بیان ہے کہ نواب صاحب سے سید عبداللہ صاحب بغدادی نے دریافت کیا کہ حضور انور کو کیسا پایا۔ تو انہوں نے عربی زبان میں جواب دیا۔ کہ آپؑ نبیوں جیسے اور آپ کا کام نبیوں جیسا ہے اور لاریب صادق ہیں۔

چونکہ نواب صاحب کو "آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" میں شامل ہونا تھا [۲۱] اس لئے جلد واپس تشریف لے گئے۔ قادیان سے جانے کے بعد ان کی سلسلہ سے ارادت و عقیدت روز بروز بڑھتی گئی۔ وہ قومی تحریکوں میں باقاعدہ شریک ہوتے۔ حضرت اقدسؑ اور الحکم سے ان کو خاص الفت تھی۔ انہیں قادیان میں آنے کی بار بار تڑپ پیدا ہوتی تھی اور وہ بارہا اس موقعہ کی تلاش میں بھی رہے مگر افسوس زندگی نے وفا نہ کی اور آپ ۱۳/ جنوری ۱۹۰۴ء کو بمقام لکھنؤ انتقال فرما گئے۔ [۲۲]

حواشی

۱۔۲۔ "تاریخ بشارت السند و پاکستان" صفحہ ۲۱۸۔۲۱۹ (مولفہ پادری خورشید عالم چرچ مشنری سوسائٹی گوجرہ' شائع شدہ ۱۹۴۹ء) والحکم ۱۴/ جنوری ۱۹۱۹ء صفحہ ا۔ ۲ و سلسلہ احمدیہ صفحہ ۹۲

۳۔ بعض نئی اناجیل میں ان الفاظ کی بجائے یہ الفاظ رکھ دیئے گئے ہیں "تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے نیک تو ایک ہی ہے" لیکن انگریزی کی متی انجیل اور مرقس باب ۱۰ آیت ۱۸ نیز لوقا باب ۱۸ آیت ۱۹ میں ابھی تک وہی الفاظ ہیں کہ "تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔"

۴۔ الحکم ۳۱/ مئی ۱۹۰۰ء صفحہ ا۔ ۲

۵۔ الحکم ۱۴/ فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۷ کالم نمبر ا تا ۳

۶۔ الحکم ۳۱/ مئی ۱۹۰۰ء صفحہ ۳۔ ۶

۷۔ "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۸ صفحہ ۲۱۱ (روایت مرزا افضل بیگ صاحب)

۸۔ الحکم ۳۱/ مئی ۱۹۰۰ء صفحہ ا۔ ۳

۹۔ الحکم ۳۱/ مئی ۱۹۰۰ء صفحہ ا تا ۳ و الحکم ۱۴/ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۷ کالم نمبر ا

۱۰۔ الحکم ۳۱/ مئی ۱۹۰۰ء صفحہ ا تا ۳' الحکم ۱۴/ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۷ کالم نمبر ا

۱۱۔ الحکم ۱۴/ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۷ کالم نمبر ا

۱۲۔ الحکم ۲۱/ جنوری ۱۹۱۹ء و "تبلیغ رسالت" جلد ۹ صفحہ ۳۔ ۱۱

۱۳۔ بحوالہ ریویو آف ریلیجنز اردو ۱۹۰۲ء صفحہ ۳۵۳۔ ۳۵۶

۱۴۔ اس امر کے ثبوت میں پادری ای ایڈ منڈ صاحب (E' ADMUND) کی وہ چھٹی پیش کرنا کافی ہو گا جو انہوں نے ۱۸۵۵ء میں دارالامارت کلکتہ سے ہندوستان کے تمام سرکاری ملازموں کے نام لکھی جس میں انہوں نے لکھا کہ تمام ہندوستان میں عمل داری بھی ایک ہو گئی ہے مذہب بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔ نیز اس خواہش کا اظہار کیا کہ موجودہ نسل یہ حقیقت سمجھ لے اور عیسائیت میں آجائے۔ (مکتوب کے لئے ملاحظہ ہو "اسباب بغاوت ہند" صفحہ ۱۹۲۔ ۲۰۲ (از سرسید احمد خاں شائع کردہ اردو اکیڈمی سندھ کراچی)

۱۵۔ اس قسم کے بعض ذاتی واقعات مولف "حیات طیبہ" اور مولف "مجدد اعظم" نے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں جو بڑے ایمان افروز ہیں۔ ایک غیر از جماعت دوست سلطان احمد صاحب اکوشٹ (پھوپھی زاد بھائی صوفی محمد رفیع صاحب ریٹائرڈ ڈی۔ ایس۔ پی سکھر) کا حلفیہ بیان ہے کہ

"۱۹۴۲ء کی بات ہے جب کہ میں دوران جنگ میں پونا چھاؤنی میں ملازم تھا۔ اس وقت فوجی افسران سے جو عموماً کرنل میجر کپتان اور لیفٹیننٹ کے عہدے کے انگریز ہوتے تھے سرکاری کام کے علاوہ دوسری باتیں بھی ہوتیں تھیں۔ ایک دن باتوں باتوں میں ایک لیفٹیننٹ نے جس کا نام فسٹ تھا مجھ سے کہا کہ آؤ آج مذہبی بحث کریں۔ میں نے کہا کہ بحث اس شرط پر کرتے ہیں کہ جو ہار جائے وہ دوسرے کا مذہب اختیار کرے۔ سو اگر اسلام سچا ہو تو تم مسلمان ہو جانا۔ پھر میں نے کہا کہ تم لوگوں میں سب سے بڑا مسئلہ تو مسیح کے ابن اللہ ہونے کا ہے مگر ابن اللہ ہونے کا زیادہ حقدار تو آدم ہیں۔ جب میں نے اتنا کہا تو وہ فوراً کہہ اٹھے کہ تم احمدیہ موومنٹ کے آدمی ہو۔ میں نے کہا نہیں میں احمدی نہیں ہوں۔ مگر اس نے میری ایک نہ مانی اور بار بار اس پر زور دیتا گیا کہ نہیں تم احمدی ہو۔ پھر اس نے یہ کہا کہ میں انگلستان کا انگریز نہیں ہوں بلکہ امریکہ کا انگریز ہوں اور وہاں ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تم کسی احمدی سے بات نہ کرنا ورنہ وہ تم کو مسلمان بنالے گا۔ سو اب میں تم سے بات نہیں کروں گا۔" الفضل ۹/ فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۶ کالم نمبر ا)

۱۶۔ بحوالہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو جلد نمبر ا صفحہ ۳۶۱۔ ۳۶۳

۱۷۔ رسالہ کے اجراء کا ذکر ۱۹۰۲ء میں آرہا ہے۔
۱۸۔ ملاحظہ ہو رسالہ ریویو آف ریلیجنز مئی ۱۹۰۲ء
۱۹۔ الحکم ۲۴/ جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۰
۲۰۔ الحکم ۳۱/ جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۔ ۲
۲۱۔ الحکم ۳۱/ جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۔ اس کانفرنس کی بنیاد سرسید مرحوم نے ۱۸۸۷ء میں ڈالی تھی۔
۲۲۔ الحکم ۲۴/ جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۰۔

جہاد (بالسیف) کے التواء کا فتویٰ
رسالہ "گورنمنٹ انگریزی اور جہاد"
کی تصنیف و اشاعت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت پر ابتداء ہی سے انگریزی حکومت بڑی کڑی نگرانی رکھتی آرہی تھی۔ خفیہ پولیس حضور کی نقل و حرکت کے متعلق رپورٹیں بھجواتی۔ وہ مہمان جو حضورؑ کو ملنے کے لئے آتا پولیس اس کا نام اور پتہ دریافت کرتی اور اس کے آنے کی غرض پوچھتی اور پوری طرح اس خیال میں رہتی کہ کسی منصوبہ کا پتہ لگتے ہی گرفتار کرلیا جائے۔ بعض انگریزی حکام ان روساء کو (جن کی نسبت ان کو معلوم ہو تا کہ احمدیت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں) بوقت ملاقات اشارۃ کہہ دیتے کہ گورنمنٹ تو اس سلسلہ کو شبہ کی نگاہوں سے دیکھتی ہے آپ ان سے کیوں تعلق رکھتے ہیں۔ حکومت کے احمدی ملازمین کو ان کے بالا افسر بہت دق کرتے تھے اور انگریزی حکام ان کے حقوق پامال کرنا عام بات سمجھتے تھے۔ [1] اور اس کی تمام تر وجہ یہ تھی کہ انگریزی حکومت حضور اور حضور کی جماعت کو مشکوک نگاہ سے دیکھتی تھی۔ یہ صورت حال ۱۹۰۷ء تک پوری شدت سے قائم رہی حتیٰ کہ سر ایبٹسن گورنر ہو کر آئے اور انہوں نے تمام حالات کا جائزہ لے کر اور حضور کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد گورنمنٹ کو یہ رپورٹ کی کہ اس جماعت کے ساتھ یہ سلوک ناروا ہے بلکہ بڑی ناشکر گزاری کی بات ہے کہ جس شخص نے امن قائم کیا اور جو امن پسند جماعت قائم کر رہا ہے اس پر پولیس چھوڑی گئی ہے یہ بڑی احسان فراموشی ہے اور میں اسے ہٹا کر چھوڑوں گا۔ [2] چنانچہ ان کی کوشش سے ۱۹۰۷ء میں احمدیوں کی نگرانی کا سلسلہ تو قریباً قریباً ختم ہو گیا مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی زندگی کے آخر تک حکومتی پالیسی سے مطمئن نہیں تھے جس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ ۸ مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے حضور کی خدمت میں تحریری درخواست کی کہ ایک انگریز

حضور سے ملنا چاہتے ہیں جس پر حضور نے جواب دیا کہ "مجھے معلوم نہیں کہ کیسا اور کس خیال کا انگریز ہے۔ بعض جاسوسی کے عہدے پر ہوتے ہیں اور بعد ملاقات خلاف واقعہ باتیں لکھ کر شائع کرتے ہیں صرف یہ اندیشہ ہے [۴]۔"

حضرت اقدسؑ کا مسلک مذہبی آزادی دینے والی حکومت کے متعلق

اس پالیسی کے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسلامی تعلیم کی روشنی میں ابتداء ہی سے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ (مذہبی آزادی دینے والی) باقاعدہ قائم شدہ حکومت کے خلاف اس کی حدود میں رہتے ہوئے جہاد بالسیف نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا مرحلہ ملک سے ہجرت کے بعد آتا ہے اور وہ بھی اس وقت جب کہ حکومت مذہبی آزادی نہ دے اور بزور شمشیر مسلمانوں کو ختم کرنے کی کوشش کرے اور انگریزی حکومت نے تو سکھاشاہی کے ظالمانہ دور کے بعد جس میں محض اسلام کی بناء پر مسلمانوں کا قتل عام ہوا اور اذان تک کہنے کی ممانعت کردی گئی تھی مذہبی آزادی دے کر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی راہ کھول دی اور اب مسلمان بلا مزاحمت اپنے عقائد حقہ کی اشاعت اور دوسروں کے عقائد باطلہ کی تردید کر سکتے تھے یہی وجہ ہے کہ تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ [۴] (۱۷۸۱-۱۸۳۱) حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ [۵] (۱۷۸۱-۱۸۳۱) حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ [۶] (۱۸۴۸-۱۸۸۶) اور مفتیان مکہ [۷] کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دوسرے ہم عصر نامور اور مستند مذہبی و سیاسی مسلم لیڈر مثلاً سید نذیر حسین صاحب دہلوی شیخ الکل [۸] (۱۸۰۵-۱۹۰۲) نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالوی [۹] (۱۸۳۲-۱۸۹۰) مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈووکیٹ اہلحدیث [۱۰] (۱۸۳۵-۱۹۲۰) سرسید احمد خاں کے۔ سی۔ ایس بانی علی گڑھ کالج [۱۱] (۱۸۱۷-۱۸۹۸) مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی [۱۲] (۱۸۲۸-۱۹۰۵) شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب [۱۳] (۱۸۳۶-۱۹۱۲) نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی [۱۴] (۱۸۴۶-۱۸۹۵) مولوی احمد رضا خاں بریلوی [۱۵] (متوفی ۱۹۲۱ء) اور دوسرے علماء یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ موجودہ انگریزی حکومت کی سیاسی اطاعت فرض اور بغاوت حرام ہے۔

مسئلہ جہاد کے متعلق ۱۸۸۲ء میں وضاحت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہلی دفعہ اپنے اس نظریہ کے اظہار کی ضرورت ۱۸۸۲ء میں محسوس ہوئی جب کہ ہندوستان کے مشہور تعلیمی کمیشن کے پریذیڈنٹ سرولیم ہنٹر آئی۔ سی۔ ایس نے اپنی کتاب مسلمانان ہند "The Indian Muslmans" (مطبوعہ ۱۸۷۱ء) میں یہ

خطرناک پراپیگنڈہ کر کے مسلمانوں کو قومی حیثیت سے ختم کر دینے کی مہم جاری کر رکھی تھی کہ مسلمان لوگ انگریزی حکومت کے وفادار نہیں اور انگریزوں سے جہاد کرنا واجب قرار دیتے ہیں نیز لکھا "تمام مسلمان اپنے بغاوت سکھانے والے پیغمبر کی زہر آمیز نصیحتوں کو نہایت ذوق و شوق سے سنتے ہیں۔" پھر لکھا "ہندوستان کے مسلمان اب بھی ہندوستان میں گورنمنٹ انگریزی کے لئے موجب خطر چلے آتے ہیں۔" [16]

اس قسم کے خیالات کا نتیجہ تھا کہ مسلمانان ہند کے حقوق بے دردی سے پامال ہو رہے تھے اور تعلیم و ملازمت کے دروازے ان پر اکثر و بیشتر مدتوں سے بند ہو چکے تھے۔ یہ افسوسناک صورت حال دیکھ کر پنجاب میں انجمن اسلامیہ لاہور اور انجمن ہمدردی اسلام نے انگریزی حکومت کو ایک میموریل بھجوانے کی تحریک اٹھائی۔ حضرت اقدس کو جب اس کا علم ہوا تو حضور نے براہین احمدیہ حصہ سوم میں اس کی تائید کرتے ہوئے یہ تجویز بھی رکھی کہ اس تمام تر خرابی کی وجہ ڈاکٹر ہنٹر اور ان جیسے متعصب انگریزوں کے جہاد کے متعلق غلط خیالات ہیں جو بعض سرحدی لوگوں کے (جو غیر مسلموں کو بلاوجہ قتل کر دیتے ہیں) ناشائستہ افعال میں تو موجود ہیں مگر اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے گورنمنٹ سے اخلاص اور وفاداری کے بڑے اعلیٰ نمونے دکھائے ہیں مگر ڈاکٹر ہنٹر نے ان تمام وفاداریوں اور مخلصانہ خدمات کو یکسر نظر انداز کر کے انصاف و حقیقت کا خون کیا ہے۔ پس مسلمانوں کی بہبود و ترقی کے لئے ضروری ہے کہ علماء کے فتووں کو محض انفرادی حیثیت سے چھاپنے کی بجائے مسلمانان ہند کی بڑی بڑی انجمنیں مستند اور مشہور علماء کے قلم سے وسیع پیمانے پر بکثرت یہ وضاحتی بیانات شائع کریں کہ ایسی سلطنت سے لڑائی یا جہاد جس کے زیر سایہ مسلمان لوگ امن و عافیت اور آزادی سے زندگی بسر کرتے ہوں قطعی حرام ہے۔ اس طریق سے ڈاکٹر سر ولیم ہنٹر اور ان جیسے دشمنان اسلام کے پراپیگنڈہ کا اثر زائل کرنے میں بھاری مدد ملے گی اور حکومت انگریزی پر بھی مسلمانوں کی صاف باطنی کھل جائے گی اور بعض حقیقت ناشناس مسلمان جنہیں اسلامی نظریہ جہاد کی واقفیت نہیں صحیح موقف سے آشنا ہو جائیں گے [17]۔

رسالہ "گورنمنٹ انگریزی اور جہاد" کی تصنیف اور فتویٰ التوائے جہاد

حضرت اقدس علیہ السلام براہین احمدیہ میں اس امر پر روشنی ڈال چکے تھے اور حکومت وقت سے اطاعت کے متعلق آپ کا موقف ملک اور حکومت کے سامنے آچکا تھا مگر رسول خدا ﷺ نے چونکہ مسیح موعود کے متعلق پہلے سے یہ خبر دے رکھی تھی "یضع الحرب [18] "یعنی وہ آکر سیفی جہاد اور مذہبی جنگوں کا التواء کر دے گا۔ اس لئے

آپ نے اسے اپنے آقا کی ہدایت سمجھتے ہوئے اور اس پر لفظاً لفظاً تعمیل کرنے کے لئے اول ۲۲ مئی ۱۹۰۰ء کو ایک رسالہ "گورنمنٹ انگریزی اور جہاد" کے نام سے شائع کیا جس میں آنحضرت ﷺ کی حدیث یضع الحرب کا ذکر کیا اور مسئلہ جہاد پر جامع رنگ میں روشنی ڈالی اور خود قرآن و حدیث سے ثابت کر دکھایا کہ اسلام سے بڑھ کر صلح و امن کا علمبردار کوئی مذہب نہیں ہے۔ وہی مذہب ہے جس نے اپنی دعوت کی بنیاد صلح پسندی کے عالمگیر اصولوں پر رکھی ہے اور اوائل اسلام میں جو جنگیں لڑنی پڑیں وہ محض وقتی اور مدافعانہ حیثیت کی تھیں اس لئے موجودہ حکومت میں جب کہ مذہبی آزادی ہے اور مسلمانوں کو مذہب کے نام پر قتل نہیں کیا جاتا تلوار اٹھانا اور ملک میں فساد پھیلانا اسلام کے خلاف ہے۔

جہاد کی حقیقت

چنانچہ حضورؑ نے تحریر فرمایا:

"جہاد کے مسئلہ کی فلاسفی اور اس کی اصل حقیقت ایسا ایک پیچیدہ امر اور دقیق نکتہ ہے کہ جس کے نہ سمجھنے کے باعث سے اس زمانہ اور ایسا ہی درمیانی زمانہ کے لوگوں نے بڑی بڑی غلطیاں کھائی ہیں اور ہمیں نہایت شرم زدہ ہو کر قبول کرنا پڑتا ہے کہ ان خطرناک غلطیوں کی وجہ سے اسلام کے مخالفوں کو موقع ملا کہ وہ اسلام جیسے پاک اور مقدس مذہب کو جو سراسر قانون قدرت کا آئینہ اور زندہ خدا کا جلال ظاہر کرنے والا ہے مورد اعتراض ٹھہراتے ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ جہاد کا لفظ جہد کے لفظ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کوشش کرنا اور پھر مجاز کے طور پر دینی لڑائیوں کے لئے بولا گیا......

اب ہم اس سوال کا جواب لکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کو جہاد کی کیوں ضرورت پڑی اور جہاد کیا چیز ہے؟ سو واضح ہو کہ اسلام کو پیدا ہوتے ہی بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور تمام قومیں اس کی دشمن ہو گئی تھیں......اور انہوں نے دردناک طریقوں سے اکثر مسلمانوں کو ہلاک کیا اور ایک زمانہ دراز تک جو تیرہ برس کی مدت تھی ان کی طرف سے یہی کارروائی رہی اور نہایت بے رحمی کی طرز سے خدا کے وفادار بندے اور نوع انسان کے فخر ان شریر درندوں کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور یتیم بچے اور عاجز اور مسکین عورتیں کوچوں اور گلیوں میں ذبح کئے گئے۔ اس پر بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر یہ تاکید تھی کہ شر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو۔ چنانچہ ان برگزیدہ راستبازوں نے ایسا ہی کیا۔ ان کے خونوں سے کوچے سرخ ہو گئے۔ پر انہوں نے دم نہ مارا۔ وہ قربانیوں کی طرح ذبح کئے گئے پر انہوں نے آہ نہ کی۔ خدا کے پاک اور مقدس رسولؐ کو جس پر زمین اور آسمان سے بے شمار سلام ہیں۔ بارہا پتھر مار مار کر خون سے آلودہ کیا گیا مگر اس صدق استقامت کے پہاڑ نے ان تمام

آزاروں کی دلی انشراح اور محبت سے برداشت کی۔ اور ان صابرانہ اور عاجزانہ روشوں سے مخالفوں کی شوخی دن بدن بڑھتی گئی.... تب اس خدا نے جو نہیں چاہتا کہ زمین پر ظلم اور بے رحمی حد سے گزر جائے.. اپنی پاک کلام شریف کے ذریعہ سے اپنے مظلوم بندوں کو اطلاع دی کہ.. میں تمہیں آج سے مقابلہ کی اجازت دیتا ہوں اور میں خدائے قادر ہوں ظالموں کو بے سزا نہیں چھوڑوں گا۔ یہ حکم تھا جس کا دوسرے لفظوں میں جہاد نام رکھا گیا اور اس حکم کی اصل عبارت جو قرآن شریف میں اب تک موجود ہے یہ ہے۔ اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا ۔ وان اللہ علی نصرھم لقدیر۔ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق۔ یعنی خدا نے ان مظلوم لوگوں کی جو قتل کئے جاتے ہیں اور ناحق اپنے وطن سے نکالے گئے فریاد سن لی اور ان کو مقابلہ کی اجازت دی گئی۔ اور خدا قادر ہے جو مظلوم کی مدد کرے (الجزو نمبر ۱۷ سورۃ الحج) مگر یہ حکم مختص الزمان والوقت تھا ہمیشہ کے لئے نہیں تھا بلکہ اس زمانہ کے متعلق تھا جب کہ اسلام میں داخل ہونے والے بکریوں اور بھیڑوں کی طرح ذبح کئے جاتے تھے لیکن افسوس کہ نبوت اور خلافت کے زمانہ کے بعد اس مسئلہ جہاد کے سمجھنے میں جس کی اصل جڑ آیت کریمہ مذکورہ بالا ہے لوگوں نے بڑی بڑی غلطیاں کھائیں۔ ناحق مخلوق خدا کو تلوار کے ساتھ ذبح کرنا دینداری کا شعار سمجھا گیا اور مسلمانوں نے انسانوں پر ناحق تلوار چلانے سے بنی نوع کی حق تلفی کی اور اس کا نام جہاد رکھا"۔

"یاد رہے کہ مسئلہ جہاد کو جس طرح پر حال کے اسلامی علماء نے جو مولوی کہلاتے ہیں سمجھ رکھا ہے اور جس طرح وہ عوام کے آگے اس مسئلہ کی صورت بیان کرتے ہیں ہرگز وہ صحیح نہیں اور اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ لوگ اپنے پرجوش وعظوں سے عوام وحشی صفات کو ایک درندہ صفت بنا دیں..... اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ جس قدر ایسے ناحق کے خون ان نادان اور نفسانی انسانوں سے ہوتے ہیں کہ جو اس راز سے بے خبر ہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے اسلام کو اپنے ابتدائی زمانہ میں لڑائیوں کی ضرورت پڑی تھی ان سب کا گناہ ان مولویوں کی گردن پر ہے کہ جو پوشیدہ طور پر ایسے مسئلے سکھاتے رہتے ہیں جن کا نتیجہ دردناک خونریزیاں ہیں۔ یہ لوگ جب حکام وقت کو ملتے ہیں تو اس قدر سلام کے لئے جھکتے ہیں کہ گویا سجدہ کرنے کے لئے طیار ہیں۔ اور جب اپنے ہم جنسوں کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں تو بار بار اصرار ان کا اسی بات پر ہوتا ہے کہ یہ ملک دارالحرب ہے اور اپنے دلوں میں جہاد کرنا فرض سمجھتے ہیں۔"

"اگر فرض بھی کرلیں کہ اسلام میں ایسا ہی جہاد تھا جیسا کہ ان مولویوں کا خیال ہے تاہم اس زمانہ میں وہ حکم قائم نہیں رہا کیونکہ لکھا ہے کہ جب مسیح موعود ظاہر ہو جائے گا تو سیفی جہاد اور مذہبی جنگوں کا

خاتمہ ہو جائے گا...... ہائے افسوس کیوں یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ تیرہ سو برس ہوئے کہ مسیح موعود کی شان میں آنحضرت ﷺ کے منہ سے کلمہ یضع الحرب جاری ہو چکا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ مسیح موعود جب آئے گا تو لڑائیوں کا خاتمہ کر دے گا...... جب کہ اس زمانہ میں کوئی شخص مسلمانوں کو مذہب کے لئے قتل نہیں کرتا تو وہ کس حکم سے ناکردہ گناہ لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔" [۱۹]

اپنی جماعت کو ہدایت

ایک ہفتہ بعد حضورؑ نے ۲۸ مئی ۱۹۰۰ء کو التوائے جہاد کا باقاعدہ فتویٰ دیتے ہوئے اپنی جماعت کو ہدایت فرمائی کہ "ہماری طرف سے امان اور صلح کاری کا سفید جھنڈا کھڑا کیا گیا ہے۔" نیز لکھا۔ "مسیح موعود اپنی فوج کو اس ممنوع کام سے پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیتا ہے۔ جو بدی کا بدی سے مقابلہ کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اپنے تئیں شریر کے حملہ سے بچاؤ مگر خود شریرانہ مقابلہ مت کرو۔" [۲۰]

فتویٰ جہاد کی وضاحت نظم میں

چند دن بعد ۷ جون ۱۹۰۰ء کو آپ کی ایک نظم بھی شائع ہوئی جس میں آپؑ نے اس فتویٰ کا سبب بیان کیا۔

اس نظم کے ابتدائی اشعار بطور نمونہ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال ۔۔۔ دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آ گیا مسیح جو دیں کا امام ہے ۔۔۔ دیں کے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نور خدا کا نزول ہے ۔۔۔ اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
کیوں بھولتے ہو تم یضع الحرب کی خبر ۔۔۔ کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر
فرما چکا ہے سید کونین مصطفیٰؐ ۔۔۔ عیسیٰؑ مسیح جنگوں کا کر دے گا التواء

حضورؑ نے اس نظم میں مسلمانوں کو نہایت لطیف پیرائے میں جہاں بانی کے حقیقی اصولوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اپنے اندر روحانی انقلاب پیدا کرنے کی تلقین بھی فرمائی۔ چنانچہ فرمایا۔

اب تم میں خود وہ قوت و طاقت نہیں رہی ۔۔۔ وہ سلطنت وہ رعب وہ شوکت نہیں رہی
وہ علم وہ صلاح وہ عفت نہیں رہی ۔۔۔ وہ نور اور وہ چاند سی طلعت نہیں رہی
وہ درد وہ گداز وہ رقت نہیں رہی ۔۔۔ خلق خدا پہ شفقت و رحمت نہیں رہی
دل میں تمہارے یار کی الفت نہیں رہی ۔۔۔ حالت تمہاری جاذب نصرت نہیں رہی
سب پر یہ اک بلا ہے کہ وحدت نہیں رہی ۔۔۔ اک پھوٹ پڑ رہی ہے مودت نہیں رہی۔ [۲۱]

جہاد بالسیف کی ممانعت محض وقتی اور ہنگامی نوعیت کی تھی

جیسا کہ مذکورہ بالا نظم سے بھی واضح

ہے حضورؑ نے جہاد بالسیف سے متعلق فتویٰ دیتے ہوئے ساتھ ہی یہ تصریح بھی کر دی کہ جہاد ایک عرصہ کے لئے ملتوی کیا گیا ہے ہمیشہ کے لئے اٹھا نہیں لیا گیا۔ اسی ضمن میں حضورؑ ابتداء ہی سے صاف لفظوں میں بتاتے آ رہے تھے کہ یہ التواء فقط اس لئے ہے کہ ہمارے ملک میں اور اس زمانہ میں جہاد کی شرائط موجود نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں "فَرُفِعَتْ هٰذِهِ السُّنَّةُ بِرَفْعِ اَسْبَابِهَا فِیْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ" یعنی جہاد (بالسیف) اس لئے جائز نہیں کہ اس زمانہ اور اس ملک ہندوستان میں اس کی شرائط معدوم ہیں۔ نیز فرمایا "وَاُمِرْنَا اَنْ نُّعِدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ كَمَا يُعِدُّوْنَ لَنَا وَلَا نَرْفَعُ الْحُسَامَ قَبْلَ اَنْ نُّقْتَلَ بِالْحُسَامِ۔" [۲۲] یعنی ہمیں ماموری اس غرض سے کیا گیا ہے کہ ہم کافروں کے مقابل اسی قسم کی جنگ کی تیاری کریں جس طرح ہمارے مقابل کرتے ہیں اور یہ کہ تلوار سے قتل کئے جانے سے قبل تلوار نہ اٹھائیں۔

اس مسلک کی وضاحت آپؑ نے اردو کے الفاظ میں یہ فرمائی کہ "اس زمانہ میں جہاد روحانی صورت سے رنگ پکڑ گیا ہے۔ اور اس زمانہ کا جہاد یہی ہے کہ اعلائے کلمہ اسلام میں کوشش کریں۔ مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں۔ دین متین اسلام کی خوبیاں دنیا میں پھیلا دیں۔ یہی جہاد ہے جب تک کہ خدا تعالیٰ کوئی دوسری صورت دنیا میں ظاہر کر دے۔" [۲۳]

فتویٰ کی مخالفت اور افسانہ کی اختراع

حضرت مسیح موعودؑ کے اس علمی جہاد کبیر کے اعلان پر اگر مسلمانان عالم توجہ کرتے تو آج دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا مگر افسوس یہ عجیب بات ہوئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو فتویٰ دیا وہ اگرچہ عملاً ۱۸۸۲ء سے علماء ہند کے سامنے تھا اور لدھیانہ کے چند علماء کے سوا جو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے نزدیک روح اسلام سے معرا اور سراسر ناواقف و جاہل تھے [۲۴] علمائے ہند نے آپ کا موقف صحیح تسلیم کیا۔ لیکن جب آپ نے اٹھارہ برس بعد محض رسول خدا ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں اس مسلک کا باقاعدہ اعلان کیا تو اس پر علماء کی طرف سے زبردست شور و غوغا بلند ہوا۔ اور باوجودیکہ آپ نے ساتھ ہی وضاحت کر دی کہ اس فتویٰ سے شرائط جہاد کے کالعدم ہونے کے باعث جہاد بالسیف کا التواء مقصود ہے مگر اس اعلان کو نہایت درجہ خدا ناترسی اور حق پوشی کے ساتھ "انکار جہاد" سے تعبیر کیا گیا۔ برسوں کے بعد جب عوامی ذہن اس پراپیگنڈا کے قبول کرنے کے لئے تیار ہو گیا تو اس میں سیاست کا رنگ بھرتے ہوئے یہ افسانہ اختراع کیا گیا کہ انگریزوں نے مسلمانوں سے جذبہ جہاد سلب کرنے کے لئے اس جماعت کو جنم دیا ہے اور یہ تحریک انگریز کی اٹھائی ہوئی ہے۔ اس مضحکہ خیز خیال کی تردید کے لئے ایک غیر از جماعت دوست کا یہ بیان کافی ہے کہ "جماعت احمدیہ کی شروع

زمانہ کی ترقی میں انگریزی حکومت کی سرپرستی کو بہت کم دخل ہے۔ مرزا صاحب اپنی زندگی میں اپنے معتقدین کو ایک منظم اور روبہ ترقی جماعت کی صورت میں قائم کر چکے تھے۔ مرزا صاحب ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے تھے اس وقت تک ہندوستان میں تحریک آزادی نے صحیح معنوں میں جنم ہی نہ لیا تھا اور انگریزوں کو اپنی رعایا میں وفا پیشہ افراد اور جماعتوں کی خاص طور پر حاجت نہ ہوئی تھی۔ مرزا صاحب کے زمانے میں ان کے مشہور مقتدر مخالفین مثلاً مولوی محمد حسین بٹالوی' پیر مہر علی شاہ گولڑوی' مولوی ثناء اللہ صاحب' سرسید احمد خاں سب انگریزوں کے ایسے ہی وفادار تھے جیسے مرزا صاحب۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں جو لٹریچر مرزا صاحب کے رد میں لکھا گیا اس میں اس امر کا کوئی ذکر نہیں ملتا کہ مرزا صاحب نے اپنی تعلیمات میں غلامی پر رضامند رہنے کی تلقین کی ہے۔" [۲۵]

برسوں کی آویزش کے بعد حکم و عدل کے علم کلام کی طرف رجوع

جہاد کی بناء پر جماعت احمدیہ پر انگریز کے آلہ کار ہونے کا خیال پیدا کرنے والے دماغ دارالعلوم دیوبند کی اس سیاسی تحریک کی طرف منسوب ہوتے ہیں [۲۶] جس کے بانی مشہور عالم مولوی محمود الحسن صاحب (۱۸۵۱۔۱۹۲۰) تھے جنہوں نے ۱۹۱۵ء میں تشدد اور جارحیت کی پالیسی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہندوستان کی قائم شدہ حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے ایک انقلابی پروگرام تجویز کیا جس کا خمیازہ ہندوستان کے مسلمانوں اور دوسرے ہندوستانی باشندوں کو نہایت عبرت انگیز رنگ میں بھگتنا پڑا۔ ہزاروں نفوس جیل میں ڈال دیئے گئے اور سینکڑوں تختہ دار پر لٹکا دیئے گئے۔ اور غلامی کی زنجیریں پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گئیں۔

تشدد و جبر کے اس دوسرے تجربہ کی ناکامی نے مولوی محمود الحسن صاحب اور ان کے ہم خیال علماء کی آنکھیں کھول دیں اور وہ بالآخر ۱۹۲۰ء میں یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوئے کہ ان کا متشددانہ مسلک غلط ہے چنانچہ...... ایک مسلمان لیڈر کا (جن کی پوری زندگی جماعت احمدیہ کو انگریز کا خود کاشتہ پودا ثابت کرنے کی کوشش میں صرف ہوئی ہے بلکہ یہ خیال ابتداء "انہی کے ذہن کی پیداوار ہے) اعتراف ہے کہ:

"۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں علماء شریک ہوئے اور ناکامی کے بعد مارے گئے کچھ قید ہوئے۔ ہزاروں انسان قتل ہوئے' شہزادے قتل ہوئے' ان کا خون کیا گیا۔ ان مصیبتوں کے بعد ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اسلامی حکومت قائم کرنے کا خیال شکست کھا گیا۔ اس کے بعد پھر ۱۹۱۴ء میں علماء کی ایک جماعت نے اسی خیال سے یعنی مسلم راج کرنے کے خیال سے تحریک شروع کی اور اس میں بھی شکست کھائی۔ اس کے بعد ۱۹۲۰ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبند مالٹا سے رہا ہو کر تشریف لائے۔ دہلی

میں ملک کے مختلف حصوں سے پانچ سو سے زائد علماء کا اجتماع ہوا اور وہاں یہ طے پایا کہ تشدد کا یہ راستہ غلط ہے موجودہ دور میں اسلامی حکومت کا قیام تقریباً ناممکن ہے لہٰذا کانگرس کے ساتھ شامل ہو کر ہندوستان کی تمام قومیں مل کر ملک کا انتظام کریں اور جمہوری حکومت بنائیں۔ چنانچہ اس وقت تک ہم اسی عقیدے پر قائم ہیں اور ہم اسی راستہ کو صحیح راستہ سمجھتے ہیں۔" [۲۷]

حضرت مسیح موعودؑ کے نظریہ جہاد کی تائید علماء کی طرف سے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نظریہ جہاد نے عالم اسلامی کے افکار و خیالات پر کتنا گہرا اثر ڈالا ہے اس کا اندازہ کرنے کے لئے صرف برصغیر ہندو پاک کے بعض جید علماء کی تحریرات ذیل میں درج کرتے ہیں:

۱ مولانا ابو الکلام آزاد سابق وزیر تعلیم بھارتی حکومت (۱۸۸۸ء-۱۹۵۸ء) لکھتے ہیں:

"جہاد کی حقیقت کی نسبت سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد کے معنی صرف لڑنے کے ہیں۔ مخالفین اسلام بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہوئے۔ حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان مقدس حکم کی عملی وسعت کو بالکل محدود کرنا ہے۔ جہاد کے معنی کمال درجہ کوشش کرنے کے ہیں۔ قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کمال درجہ سعی کو جو ذاتی اغراض کی جگہ حق پرستی اور سچائی کی راہ میں کی جائے جہاد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ سعی زبان سے بھی ہے مال سے بھی ہے۔ انفاق وقت و عمر سے بھی ہے محنت و تکالیف برداشت کرنے سے بھی ہے اور دشمنوں کے مقابلے میں لڑنے اور خون بہانے سے بھی ہے۔"

"دشمنوں کی فوج سے خاص وقت ہی میں مقابلہ ہو سکتا ہے لیکن ایک مومن انسان اپنی ساری زندگی کی ہر صبح و شام جہاد حق میں بسر کرتا ہے...... اس سے معلوم ہوا کہ لڑائی کے الگ کر دینے کے بعد بھی حقیقت جہاد باقی رہتی ہے۔" [۲۸]

۲ مولانا حسین احمد صاحب مدنی (۱۸۷۶ء-۱۹۵۷ء) لکھتے ہیں:

اگر کسی ملک میں اقتدار اعلیٰ کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھوں میں ہو لیکن مسلمان بھی بہرحال اس اقتدار میں شریک ہوں اور ان کے مذہبی اور دینی شعائر کا احترام کیا جاتا ہو تو وہ ملک حضرت شاہ صاحب (یعنی شاہ عبد العزیز قدس سرہ۔ ناقل) کے نزدیک بلاشبہ دار الاسلام ہو گا اور از روئے شرع مسلمانوں کا فرض ہو گا کہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر اس کے لئے ہر نوع کی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا معاملہ کریں۔" [۲۹]

۳ مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء) لکھتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد زریں سے لے کر آج تک مسلمانوں کا ہمیشہ یہ شعار رہا کہ وہ جس حکومت کے زیر سایہ رہے اس کے وفادار اور اطاعت گزار رہتے۔ یہ صرف ان کا طرز عمل نہ تھا بلکہ ان کے مذہب کی تعلیم تھی جو قرآن مجید حدیث فقہ سب میں کنایۃً اور صراحتاً مذکور ہے۔" [۲۰]

۴ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی (۱۸۸۴ء۔۱۹۵۳ء) لکھتے ہیں:

"جہاد کے معنی عموماً قتال اور لڑائی کے سمجھے جاتے ہیں مگر مفہوم کی یہ تنگی قطعاً غلط ہے...... لغت میں اس کے معنی محنت اور کوشش کے ہیں اس کے قریب قریب اس کے اصطلاحی معنی بھی ہیں یعنی حق کی بلندی اور اشاعت اور حفاظت کے لئے ہر ایک قسم کی جدوجہد' قربانی اور ایثار گوارا کرنا...... اور اس کے لئے جنگ کے میدان میں اگر ان سے لڑنا پڑے تو اس کے لئے بھی پوری طرح تیار رہنا بھی جہاد ہے"

"افسوس کہ مخالفوں نے اتنے اہم اور اتنے ضروری اور اتنے وسیع مفہوم کو جس کے بغیر دنیا میں کوئی تحریک نہ سرسبز ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے صرف دین کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کے تنگ میدان میں محصور کر دیا ہے۔"

"یہاں ایک شبہ کا ازالہ کرنا ضروری ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاد اور قتال دونوں ہم معنی ہیں حالانکہ ایسا نہیں...... بلکہ ان دونوں میں عام و خاص کی نسبت ہے یعنی ہر جہاد قتال نہیں بلکہ جہاد کی مختلف قسموں میں سے ایک قتال اور دشمنوں کے ساتھ لڑنا بھی ہے۔" [۲۱]

۵ مولوی ظفر علی خاں صاحب آف زمیندار (۱۸۷۳ء۔۱۹۵۶ء) لکھتے ہیں:

"اسلام نے جب کبھی جہاد (جہاد بالسیف مراد ہے۔ ناقل) کی اجازت دی ہے مخصوص حالات میں دی ہے۔ جہاد ملک گیری کی ہوس کا ذریعہ تکمیل نہیں ہے...... اس کے لئے امارت شرط ہے۔ اسلامی حکومت کا نظام شرط ہے۔ دشمنوں کی پیش قدمی اور ابتداء شرط ہے۔ اتنی شرطوں کے ساتھ جو مسلمان خدا کی راہ میں نکلتا ہے اس کو کوئی شخص مطعون نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر مسلمانوں نے اپنی حکومت و سلطنت کے زمانہ میں کبھی ملک گیری کے لئے توسیع مملکت اقوام و امم کو غلام بنانے کے لئے تلوار اٹھائی ہے تو اس کو جہاد سے کوئی تعلق نہیں۔" [۲۲]

۶ خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی (۱۸۷۸ء۔۱۹۵۵ء) لکھتے ہیں:

"جہاد کا مسئلہ ہمارے ہاں بچے بچے کو معلوم ہے وہ جانتے ہیں کہ جب کفار مذہبی امور میں حارج ہوں اور امام عادل جس کے پاس حرب و ضرب کا پورا سامان ہو لڑائی کا فتویٰ دے تو جنگ ہر

مسلمان پر لازم ہو جاتی ہے مگر انگریز نہ ہمارے مذہبی امور میں دخل دیتے ہیں نہ اور کسی کام میں ایسی زیادتی کرتے ہیں جس کو ظلم سے تعبیر کر سکیں نہ ہمارے پاس سامان حرب ہے ایسی صورت میں ہم لوگ ہرگز ہرگز کسی کا کہنا نہ مانیں گے اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالیں گے۔" [۲۳]

۷۔ "جہاد فی الاسلام" کے مصنف سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی (ولادت ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء) انگریزی حکومت کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

"ہندوستان اس وقت بلاشبہ دارالحرب تھا جب انگریزی حکومت یہاں اسلامی سلطنت کو مٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس وقت مسلمانوں کا فرض تھا کہ یا تو اسلامی سلطنت کی حفاظت میں جانیں لڑاتے یا اس میں ناکام ہونے کے بعد یہاں سے ہجرت کر جاتے لیکن جب وہ مغلوب ہو گئے انگریزی حکومت قائم ہو چکی اور مسلمانوں نے اپنے پرسنل لاء پر عمل کرنے کی آزادی کے ساتھ یہاں رہنا قبول کر لیا تو اب یہ ملک دارالحرب نہیں رہا۔" [۲۴]

ان چند تحریرات ہی سے جو بطور مثال درج کی گئی ہیں بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو مسلک حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسئلہ جہاد کے متعلق اختیار فرمایا مسلمانوں کے جید علماء بالآخر اس کی تائید کرنے پر مجبور ہوئے۔

حواشی

۱۔ ملخصاً از مضمون حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ مطبوعہ الفضل ۲۱ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۳

۲۔ الفضل ۱۸/ فروری ۱۹۵۹ء صفحہ ۶ کالم ۱ (خطبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)

۳۔ "ذکر حبیب" (از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ) صفحہ ۳۴۴-۳۴۵

۴۔ فرماتے ہیں "ہمارا اصل کام اشاعت توحید الٰہی اور احیاء سنن سید المرسلین ہے سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں۔" (سوانح احمدی صفحہ ۱۷ از مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری شائع کردہ صوفی پرنٹنگ کمپنی بہاؤالدین)

۵۔ سوانح احمدی صفحہ ۱۲۲

۶۔ "مجموعہ فتاویٰ" (مولانا عبدالحی لکھنوی) مطبوعہ ۱۳۱۱ھ جلد دوم صفحہ ۲۳۵ پر آپ نے انگریزی حکومت کو دارالاسلام قرار دیا ہے۔

۷۔ "جمال دین ابن عبداللہ شیخ عمر حنفی مفتی مکہ معظمہ احمد بن ذہنی شافعی مفتی مکہ معظمہ اور حسین بن ابراہیم مالکی مفتی مکہ سے بھی فتاویٰ حاصل کئے گئے جن میں ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کا اعلان کیا گیا تھا۔" (کتاب سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولفہ شورش کاشمیری صفحہ ۱۳۱)

۸۔ لکھتے ہیں "جب کہ شرط جہاد کی اس دیار میں معدوم ہوئی تو جہاد کا یہاں کرنا سبب ہلاکت اور معصیت ہوگا۔" (فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۴۷۲۔ ۴۷۳ مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس طبع اول ایضاً صفحہ ۷۳ تا ۳۹)

۹۔ کتاب "ہدایتہ السائل" اور دوسری متعدد کتابوں میں آپ نے لکھا کہ ہندوستان کے بلاد دارالاسلام ہیں نہ کہ دارالحرب......اور غدر ۱۸۵۷ء میں جن مفسدوں نے انگریزی گورنمنٹ کا مقابلہ کیا تھا وہ فساد تھا نہ جہاد" (اشاعت السنہ جلد ۹ صفحہ ۱۶ ایضاً" ترجمان وہابیہ" صفحہ ۱۵۔ ۳۰۔ ۸۴ مطبوعہ مطبع محمدی لاہور ۱۳۱۲ھ)

۱۰۔ ملاحظہ ہو ان کا رسالہ "الاقتصاد فی مسائل الجہاد۔" نیز اشاعت السنہ جلد ۶ نمبر ۱۰ صفحہ ۲۸۷ پر لکھتے ہیں "اہل اسلام کو ہندوستان کے لئے گورنمنٹ انگریزی کی مخالفت و بغاوت حرام ہے اور یہ......جہاد نہیں ہے۔"

۱۱۔ "اسباب بغاوت ہند" (مطبوعہ ۱۸۵۸ء) میں لکھتے ہیں "مسلمان ہماری گورنمنٹ و مستامن تھے۔ کسی طرح گورنمنٹ کی عملداری میں جہاد نہیں کر سکتے تھے (رسالہ مذکور صفحہ ۱۰۵۔ ۱۰۶ شائع کردہ اردو اکیڈیمی سندھ)

۱۲۔ فرماتے ہیں "مسلمانوں کو یہاں ہندوستان میں جو مقبوضہ اہل مسیح ہے رہنا اور ان کا رعیت بننا درست ہے۔" (فتویٰ صراط مستقیم از اشرف علی صاحب تھانوی بحوالہ رسالہ خالد اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۰)

۱۳۔ آپ نے اپنے ترجمہ قرآن میں اولوالامر کا مصداق انگریزوں کو قرار دیا تھا۔ ترجمہ پر ان کو ۱۹۰۲ء میں ایڈنبرا یونیورسٹی نے ایل ایل ڈی کی ڈگری پیش کی (داستان تاریخ اردو مصنفہ حامد حسن قادری صفحہ ۴۰۸ و "سید عطاء اللہ شاہ بخاری" مولفہ شورش کاشمیری صفحہ ۱۳۵)

۱۴۔ دیکھئے ان کی کتاب "تحقیق الجہاد"

۱۵۔ لکھتے ہیں "ہندوستان دارالاسلام ہے اسے دارالحرب کہنا ہرگز صحیح نہیں۔" نصرت الابرار صفحہ ۲۹ (مطبوعہ مطبع صحافی لاہور اپچی سن گنج)

۱۶۔ بحوالہ "حیات جاوید" جلد اول صفحہ ۱۴۴ (مولفہ مولانا الطاف حسین صاحب حالی) مطبوعہ ۱۹۰۳ء

۱۷۔ "براہین احمدیہ حصہ سوئم صفحہ ۱ تا ۴

۱۸۔ صحیح بخاری شریف صفحہ ۴۹۰ (مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ باہتمام شیخ ظفر علی و مولوی عبدالرحمٰن)

۱۹۔ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد صفحہ ۱ تا ۱۳

۲۰۔ تبلیغ رسالت جلد ۹ صفحہ ۴۷، ۴۸
۲۱۔ خطبہ الہامیہ ضمیمہ صفحہ ا تا ر "تحفہ گولڑویہ" صفحہ ۲۶، ۲۹ اور تبلیغ رسالت جلد ۹ صفحہ ۴۹، ۵۲
۲۲۔ "حقیقۃ المہدی" صفحہ ۱۹
۲۳۔ مکتوب حضرت مسیح موعود علیہ السلام بنام حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ مورخہ ۲۱ جنوری ۱۸۹۲ء مطبوعہ البدر ۱۴ اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۳۹ کالم ۳
۲۴۔ دیکھئے رسالہ "اشاعۃ السنہ" جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۱۷۵ حاشیہ
۲۵۔ احمدیہ تحریک صفحہ ۲۴۳ (ملک محمد جعفر خان صاحب ایڈووکیٹ) شائع کردہ سندھ ساگر اکادمی لاہور۔
۲۶۔ ملاحظہ ہو کتاب "سید عطاء اللہ شاہ بخاری" صفحہ ۲۲ مولفہ شورش کاشمیری
۲۷۔ سوانح حیات "سید عطاء اللہ شاہ بخاری" صفحہ ۱۲۰ مولفہ خاں کابلی مطبوعہ ہندوستانی کتب خانہ ۶۳ ریلوے روڈ لاہور طبع اول۔ جون ۱۹۴۰ء
۲۸۔ مسئلہ خلافت صفحہ ۱۴۷، ۱۴۸ شائع کردہ خیابان عرفان کچہری روڈ لاہور
۲۹۔ نقش حیات جلد دوم صفحہ ۱۱ بحوالہ رسالہ ترجمان القرآن لاہور مارچ ۱۹۵۷ء
۳۰۔ مقالات شبلی جلد اول صفحہ ۱۷۱ مطبوعہ معارف اعظم گڑھ ۱۹۵۴ء
۳۱۔ سیرت النبیؐ جلد ۵ صفحہ ۲۰۴ تا ۲۰۷ (طبع سوم ۱۹۵۲ء)
۳۲۔ اخبار زمیندار ۱۴ جون ۱۹۳۶ء (بحوالہ احمدیہ پاکٹ بک)
۳۳۔ رسالہ "شیخ سنوسی" صفحہ ۱۷ مولفہ خواجہ حسن نظامی
۳۴۔ "سود" حصہ اول صفحہ ۳۴۲۔۳۴۳ ناشر اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور اشاعت اگست ۱۹۹۲ء۔

منارۃ المسیح کی
تحریک اور بنیاد

منارۃ المسیح

مخبر صادق رسول خدا ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ بعث اللہ عیسی ابن مریم فینزل عند المنارۃ البیضاء شرقی دمشق۔ یعنی اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریمؑ کو معبوث فرمائے گا اور آپ ایک سفید منارہ کے پاس نزول فرما ہوں گے جو دمشق کے شرقی طرف واقع ہوگا۔

(صحیح مسلم شریف مصری جلد ۲ باب ذکر الدجال و صفتہ و ما معہ صفحہ ۳۲۰)

اسلام کے عہد اول سے ہی یہ عقیدہ عام تھا کہ یہ منارہ بیضاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل نبوت سے ہے اسی لئے یہ پیش گوئی پوری کرنے کے لئے ۴۶۱ھ مطابق ۱۰۶۹ء میں بڑے اہتمام سے دمشق میں جامع اموی میں کئی لاکھ دینار کے صرف سے مینار بنایا گیا لیکن شوال ۷۴۰ھ بمطابق اپریل ۱۳۴۰ء میں عیسائیوں نے جامع اموی کو آگ لگا دی اور مینار بھی تباہ ہو گیا [1] جس پر اس کی دوبارہ بنیاد رکھی گئی جو ابن طولون کی تحقیق کی رو سے ۷۷۴ھ (بمطابق ۷۳-۱۳۷۲ء) میں پایہ تکمیل تک پہنچی۔ [2] ازاں بعد ۸۰۳ھ (بمطابق ۱۴۰۰ء) میں جب تیمور نے دمشق پر چڑھائی کی تو جامع مسجد میں پھر اچانک آگ بھڑک اٹھی۔ تیمور نے آگ پر قابو پانے کی ہر چند کوشش کی مگر اسے سراسر ناکامی ہوئی اور جامع اور مینار دونوں پوری طرح اس کی زد میں آگئے اور جل گئے۔ نامور اسلامی مورخ ابن خلدون اور صاحب "ظفر نامہ" نے بھی اس حادثہ کا ذکر کیا ہے۔ [3] دمشق کے وقائع نگار محمد ادیب نے اس آتشزدگی کی بابت لکھا ہے کہ اس وقت جامع اموی کی پوری عمارت نذر آتش ہو گئی۔ مصحف عثمانی کا نسخہ جو اس میں رکھا تھا وہ بھی اس کی زد میں آگیا۔ علاوہ ازیں کتابوں کا تمام ذخیرہ ضائع ہو گیا۔ بالآخر دو برس بعد شام کے گورنر شیخ خاصکی نے ۸۰۵ھ (بمطابق ۳-۱۴۰۲ء) میں اس کی تعمیر کا کام شروع کیا۔ [4] اب تیسری بار کی سعی و جدوجہد سے گو جامع اموی بھی تعمیر ہو گئی اور "منارہ عیسیٰ" کے نام سے منارہ بھی قائم کر دیا گیا مگر خدا تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ مسیح موعود کے زمانے اور اس کے مقام ظہور میں اس کی بناء رکھی جائے۔ اس لئے اب عام خیال کے برعکس بعض مفکرین اسلام مثلاً نویں صدی ہجری کے

مجدد ۵ حضرت امام جلال الدین صاحب سیوطی کا ذہن خود بخود اس طرف منتقل ہو گیا کہ منار کا خاص دمشق میں ہونا ضروری نہیں اسے صرف دمشق سے مشرقی جانب ہونا چاہئے خواہ کہیں ہو۔ ۶

قادیان میں منار کی تعمیر کے لئے الٰہی تحریک

سو اسی تعبیر کے عین مطابق خدا تعالیٰ کی طرف سے ۱۹۰۰ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تحریک ہوئی کہ قادیان کی مسجد اقصیٰ میں (جو حدیث کے مطابق دمشق سے ٹھیک مشرقی جانب واقع ہے) ایک سفید منار تعمیر کیا جائے نیز یہ خبر دی گئی کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ سے اس منار کی تعمیر کا گہرا تعلق ہے۔ ۷، ۸

منار کے لئے اشتہار

یہ زمانہ مالی اعتبار سے جماعت کے لئے بڑا پر آشوب زمانہ تھا۔ ویسے بھی جماعت کی تعداد نہایت قلیل تھی اور ایسے عظیم الشان منار کے لئے کثیر رقم کی ضرورت تھی جس کا مہیا ہونا ایک مختصر سی جماعت کے لئے (جسے تبلیغ حق کے دوسرے کاموں میں بھی اپنی طاقت و بساط سے بڑھ کر خرچ کرنا پڑتا تھا) بڑا ہی مشکل امر تھا مگر جوں ہی خدا کا حکم آگیا حضرت اقدسؑ نے ہر قسم کے عواقب و خطرات سے بے نیاز ہو کر ۲۸/ مئی ۱۹۰۰ء کو جماعت کے نام ایک مفصل اشتہار شائع فرمایا جس میں بڑی شرح و بسط سے لکھا کہ۔

"حدیث نبوی کے مطابق ایک اونچا منار بنانے کی تجویز کی گئی ہے جو ماذنہ کا کام دے گا۔ اس پر لالٹین اور گھنٹہ بھی نصب ہوگا۔ منارہ تصویری زبان میں مسیح محمدی سے متعلق پیش گوئی لیظھرہ علی الدین کلہ کی طرف سے اشارہ کرے گا کہ جس طرح یہ مینار بلند ہے اسی طرح اسلامی سچائی بلندی کے انتہاء تک پہنچ جائے گی۔ اور جس طرح پر بلند ہونے والی آواز سب پر چھا جاتی ہے اسی طرح دین اسلام سب دینوں پر غالب آئے گا۔ منارہ کی لالٹین اور گھنٹہ یہ حقیقت بتائیں گے کہ زمینی علوم کے ساتھ آسمانی روشنی کا زمانہ آگیا اور دنیا کو اپنا وقت پہچاننا چاہئے۔"

منارۃ المسیح کی عظمت و اہمیت بیان کرتے ہوئے حضورؑ نے جماعت کو تحریک فرمائی کہ

"یہ منارہ وہ منارہ ہے جس کی ضرورت احادیث نبویہ میں تسلیم کی گئی اور منارہ کا خرچ دس ہزار روپیہ سے کم نہیں ہے اور جو دوست اس منارہ کی تعمیر کے لئے مدد کریں گے۔ میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ وہ ایک بھاری خدمت کو انجام دیں گے۔ اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ ایسے موقع پر خرچ کرنا ہرگز ہرگز ان کے نقصان کا باعث نہیں ہوگا۔ وہ خدا کو قرض دیں گے اور مع سود واپس لیں گے۔ کاش ان کے دل سمجھیں کہ اس کام کی خدا کے نزدیک کس قدر عظمت ہے۔ جس خدا نے منارہ کا حکم دیا ہے اس نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اسلام کی مردہ حالت میں اس جگہ سے زندگی کی روح پھونکی

جائے گی اور یہ فتح نمایاں کا میدان ہو گا۔ یہ کام بہت جلدی کا ہے۔ دلوں کو کھولو اور خدا کو راضی کرو۔ یہ روپیہ بہت سی برکتیں ساتھ لے کر پھر آپ کی طرف واپس آئے گا۔ میں اس سے زیادہ کہنا نہیں چاہتا اور ختم کرتا ہوں۔"

علماء کا اعتراض

یہ اشتہار شائع ہوا تو ہندوستان کے بعض علماء نے جن کا مقصد محض تکذیب تھا یہ اعتراض کیا کہ منارہ پر روپیہ خرچ کرنا اور گھڑیال رکھنا دونوں اسراف ہیں۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے یکم جولائی ۱۹۰۰ء کو دوسرا اشتہار دیا کہ

"ہمیں تعجب ہے کہ ایسی گستاخی کی باتیں زبان پر لانے والے پھر بھی مسلمان کہلاتے ہیں۔ یاد رہے کہ اس منارہ کے بنانے سے اصل غرض یہ ہے کہ تا پیغمبر خداؐ کی پیش گوئی پوری ہو جائے۔ یہ اسی قسم کی غرض ہے جیسا کہ ایک صحابیؓ کو کسریٰ کے مال میں سے سونے کے کڑے پہنائے تھے تا ایک پیش گوئی پوری ہو جائے اور نمازیوں کی تائید اور وقت شناسی کے لئے منارہ پر گھنٹہ رکھنا ثواب کی بات ہے نہ گناہ۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ مولوی نہیں چاہتے کہ آنحضرت ﷺ کی کوئی پیش گوئی پوری ہو۔"

اس اشتہار میں حضورؑ نے مخلصین کو مخاطب کر کے لکھا۔

"خدا تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ قادیان میں منارہ بنے کیوں کہ مسیح موعودؑ کے نزول کی یہی جگہ ہے۔ سو اب یہ تیسری مرتبہ خدا تعالیٰ نے آپ کو موقعہ دیا ہے کہ اس ثواب کو حاصل کریں۔ جو شخص اس ثواب کو حاصل کرے گا وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ہمارے انصار میں سے ہو گا۔"

"مسیح موعود کا حقیقی نزول یعنی ہدایت اور برکات کی روشنی کا دنیا میں پھیلنا یہ اسی پر موقوف ہے کہ یہ پیش گوئی پوری ہو یعنی منارہ تیار ہو۔"

"سو ابتداء سے یہ مقدر ہے کہ حقیقت مسیحیہ کا نزول جو نور اور یقین کے رنگ میں دلوں کو پھیرے گا منارہ کی تیاری کے بعد ہو گا۔"

تعمیری اخراجات کے لئے مخلصین کی قربانی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) کا بیان ہے کہ حضرت اقدس مسجد مبارک میں بیٹھے تھے۔ منار بنانے کی تجویز در پیش تھی۔ میر حسام الدین صاحب سیالکوٹی نے دس ہزار کا تخمینہ لگایا۔ مگر سوال یہ تھا کہ دس ہزار روپیہ کہاں سے آئے۔ کیوں کہ اس وقت جماعت کی حالت زیادہ کمزور تھی اور ان حالات میں منارہ کی تعمیر مشکل کام تھا اور حضور بار بار فرماتے تھے کہ کوئی ایسی تجویز بتاؤ کہ اس سے بھی کم روپیہ خرچ ہو۔ آخر حضور نے دس ہزار کو

سو سو روپیہ کے حصوں پر تقسیم فرمایا۔ [۱۰] چنانچہ یکم جولائی ۱۹۰۰ء کے اشتہار میں منار کے اخراجات کی فراہمی کے لئے حضرت اقدس اپنے ۱۰۱ خدام کی ایک فہرست شائع کرتے ہوئے کم از کم ایک ایک سو روپیہ چندہ دینے کی تحریک فرمائی اور فیصلہ کیا کہ اس پر لبیک کہنے والوں کے نام منار پر بطور یادگار کندہ کرائے جائیں گے۔ اس تحریک کے ساتھ ہی آپ کے چار مخلص خدام منشی عبدالعزیز صاحب اوجلوی اور میاں شادی خان صاحب [۱۱] لکڑی فروش سیالکوٹ، مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے اور شیخ نیاز احمد صاحب تاجر وزیر آباد نے حضور کی شرط کے مطابق چندہ پیش کر دیا جن میں سے اول الذکر دو اصحاب کا تذکرہ حضور نے اس اشتہار کے آغاز میں بھی نہایت درجہ تعریفی کلمات میں فرمایا اور ان کی قربانی کو جماعت کے لئے قابل رشک قرار دیا۔ [۱۲] حضرت ام المومنین نے منار کے لئے ایک ہزار روپیہ کا چندہ لکھوایا جو دہلی [۱۳] کے ایک ذاتی مکان کی فروخت سے ادا کیا۔

منار کے لئے ابتدائی انتظامات

منار کے لئے ابتدائی انتظامات میں پہلا مرحلہ نقشہ نویسی اور اینٹوں کی تیاری کا تھا۔ یہ دونوں کام ۱۹۰۱ء کے آخر تک پایہ تکمیل کو پہنچے۔ [۱۴] منار کے لئے مختلف جگہیں زیر تجویز تھیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین صاحب نے اپنا مکان پیش فرمایا کہ اس میں بنے مگر حضورؑ نے مسجد اقصیٰ کے احاطہ میں اس کی تعمیر کا فیصلہ فرمایا۔ [۱۵] منار کا نقشہ اور تخمینہ حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی کے چھوٹے بھائی سید عبدالرشید نے بنایا اور اینٹوں کے لئے زمین میاں امام دین صاحب قادیانی نے دی۔ [۱۶]

سنگ بنیاد

اینٹیں تو ایک مناسب مقدار میں ۱۹۰۱ء کے آخر تک تیار ہو چکی تھیں لیکن چونکہ جلد ہی ملک پر طاعون نے سخت حملہ کر دیا تھا اور سیالکوٹ اور بعض دوسرے مقامات جہاں سے معماروں کو آنا تھا [۱۷] اس وبا کی زد میں آچکے تھے۔ اس لئے ڈیڑھ سال تک کام معطل رہا اور بالآخر ۱۳۔ ذوالحجہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۳۔ مارچ ۱۹۰۳ء بروز جمعہ اس کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس دن جمعہ کی نماز کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور حکیم فضل الٰہی صاحب لاہوری، مرزا خدابخش صاحب، شیخ مولا بخش صاحب، قاضی ضیاء الدین صاحب وغیرہ احباب نے عرض کیا کہ حضور کے دست مبارک سے منارۃ المسیح کی بنیادی اینٹ رکھی جائے تو مناسب ہوگا۔ حضور نے فرمایا کہ ہمیں تو ابھی تک معلوم بھی نہیں کہ آج اس کی بنیاد رکھی جاوے گی۔ اب آپ ایک اینٹ لے آئیں میں اس پر دعا کر دوں گا اور پھر جہاں میں کہوں وہاں آپ جا کر رکھ دیں۔ چنانچہ حکیم فضل الٰہی صاحب اینٹ لے آئے اور حضورؑ نے اسے ران مبارک پر رکھ کر لمبی دعا فرمائی۔ دعا کے بعد آپ نے اس اینٹ پر دم [۱۸] کیا اور حکیم فضل الٰہی صاحب سے ارشاد فرمایا کہ آپ اس کو (مجوزہ) منارۃ المسیح کے مغربی حصہ میں

رکھ دیں۔ حکیم صاحب موصوف اور دوسرے احباب یہ مبارک اینٹ لے کر جب مسجد اقصیٰ پہنچے تو راستہ میں مولوی عبدالکریم صاحب نماز جمعہ پڑھا کر واپس آ رہے تھے۔ مولوی صاحب کا معمول تھا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر دیر تک مسجد اقصیٰ میں بیٹھتے تھے۔ علم و حکمت کی یہ بڑی پر کیف محفل ہوتی تھی جس میں باہر سے آنے والے احباب آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ اس دن بھی حسب معمول دیر سے آ رہے تھے۔ راستہ میں جب یہ حال آپ کو معلوم ہوا تو آپ رقت سے بھر گئے اور یہ اینٹ لے کر اپنے سینہ سے لگائی اور بڑی دیر تک دعا کرتے رہے اور فرمایا کہ یہ آرزو ہے کہ یہ کام فرشتوں میں شہادت کے طور پر رہے۔ آخر وہ اینٹ فضل الدین صاحب احمدی معمار نے بنیاد کی مغربی حصہ میں پیوست کر دی اور حضرت میر ناصر نواب صاحب اس کام کے نگران مقرر ہوئے۔

[۱۹] مینار کی بنیاد بہت گہری وسیع و عریض اور کنکریٹ کے ذریعہ سے مضبوط کر کے اٹھائی گئی۔ [۲۰]

مینار کے متعلق مقامی ہندوؤں کی حکومت کو شکایت

قادیان کے ہندو مخالفین نے اس موقعہ پر یہ شرارت اٹھائی کہ حکومت کے افسروں سے شکایتیں کیں کہ مینار کے بننے سے ہمارے مکانوں کی پردہ دری ہوگی۔ یہ معاملہ اس درجہ نازک صورت اختیار کر گیا کہ گورنمنٹ کی طرف سے تحصیل دار بٹالہ کو اس کی تحقیقات کے لئے قادیان بھجوایا گیا۔ یہ ۸۔ مئی ۱۹۰۳ء کا واقعہ ہے۔ حضور اس وقت سیر پر تشریف لے گئے تھے۔ کوئی آدھ گھنٹہ بعد جب حضور واپس پہنچے تو تحصیل دار صاحب [۲۱] ملاقات کے لئے آئے اور سوال کیا کہ منار کیوں بنوایا جاتا ہے۔ حضور اقدس ؑ نے جواباً فرمایا کہ اس منار کی تعمیر میں ایک یہ بھی برکت ہے کہ اس پر چڑھ کر خدا کا نام لیا جائے گا۔ اور جہاں خدا کا نام لیا جاتا ہے وہاں برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ آج کل اسی لئے سکھوں نے بھی اذانیں دلوائی ہیں اور مسلمانوں کو اپنے گھروں میں بلا کر قرآن پڑھوایا ہے۔ پھر اس کے اوپر ایک لالٹین بھی نصب کی جاوے گی جس کی روشنی دور دور تک نظر آوے گی۔ سنا گیا ہے کہ روشنی سے بھی طاعونی مواد کا دفعیہ ہوتا ہے اور ایک گھڑیال بھی اس پر لگایا جائے گا۔ مجھے حیرت ہے کہ یہاں کے ہندوؤں کے ساتھ ہم نے آج تک برادرانہ برتاؤ رکھا ہے اور یہ لوگ ہمارے منار کی تعمیر پر اس قدر جوش و خروش ظاہر کر رہے ہیں۔ اس مسجد کو ہمارے مرزا صاحب (حضور کے والد صاحب۔ ناقل) نے سات سو روپے کو خریدا تھا اور اس مینار کی تعمیر میں صرف مسجد ہی کے لئے مفید بات نہیں ہے بلکہ عوام کو بھی فائدہ ہے۔ یہ خیال کہ اس سے بے پردگی ہوگی یہ بھی غلط ہے۔ اب ہمارے سامنے ڈپٹی شنکر داس صاحب کا گھر ہے اور اس قدر اونچا ہے کہ آدمی اوپر چڑھے تو ہمارے گھر میں اس کی نظر برابر پڑتی ہے تو کیا اب ہم کہیں کہ اسے گرا دیا جائے بلکہ ہم کو چاہئے کہ اپنا

پردہ خود کر لیویں۔ ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ مذہبی امور میں ہم سے دل بستگی ظاہر کرتے اور اس امر میں ہماری امداد کرتے۔ اگر یہ لوگ اپنا معبد بلند کرنا چاہیں تو کیا ہم اسے روک سکتے ہیں۔ مجھے ان لوگوں پر بار بار افسوس آتا ہے کہ ہمارے دل میں تو ان کی ہمدردی ہے بیماریوں میں ہم ان کا علاج کرتے ہیں۔ ہر ایک ان کی مصیبت میں شریک ہوتے ہیں۔ انہی سے پوچھا جاوے کہ کبھی ان کے مذہبی معاملات میں میں نے ان سے نقیض کی ہے۔ اب میں ایسا فعل کیوں کرنے لگا جس سے ان کو بھی نقصان ہو اور مجھے بھی کیوں کہ مینار پر چڑھ کر جیسے اوروں کے گھر پر نظر پڑے گی ویسے ہی ہمارے گھر پر بھی پڑے گی۔ [۲۲]

الختصر حضرت اقدس کے اس مفصل بیان کے بعد فریقین کی تحریری شہادتوں سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ گئی کہ یہ شکایت محض تعصب اور مخالفت پر مبنی ہے۔ بنا بریں میجر ڈلس ڈپٹی کمشنر گورداسپور نے ۱۶/ اپریل ۱۹۰۳ء کو یہ مقدمہ خارج کر دیا۔ [۲۳]

مالی مشکلات کے باعث کام کا رک جانا

مینار کی تکمیل کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت سی برکات کا نزول وابستہ تھا اور اس لئے حضور اسے جلد سے جلد مکمل ہوتا دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر دلی خواہش و تمنا کے باوجود مالی مشکلات کے باعث تعمیر کا کام رک گیا۔ تب حضور نے اپریل ۱۹۰۵ء میں جماعت کے مخلصین سے چندہ خاص کی تحریک فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس وقت پانچ ہزار کی ضرورت ہے۔ اگر پانچ ہزار دوست ایک ایک روپیہ دیں تو یہ رقم جمع ہو سکتی ہے۔ [۲۴] مگر مالی تنگی کے باعث اس تحریک کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ بر آمد نہ ہوا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی روایت ہے کہ جب مینار کا کام (فنڈ کی کمی کے باعث) بند پڑا رہا تو ایک دن کسی شخص نے سوال کیا کہ حضور یہ مینار کب تیار ہو گا؟ حضور نے فرمایا۔ اگر سارے کام ہم ہی ختم کر جاویں تو پیچھے آنے والوں کے لئے ثواب کہاں سے ہو گا؟ [۲۵] چنانچہ یہی ہوا کہ حضور کی زندگی میں مینار کی عمارت صحن مسجد کی سطح سے چھ فٹ سے زیادہ بلند نہ ہو سکی۔ [۲۶]

ایک خلاف واقعہ بیان

حضور کے عہد مبارک میں مینار کے تکمیل تک نہ پہنچنے کی وجہ بتاتے ہوئے ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مولف "مجدد اعظم" نے لکھا ہے کہ ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو جب اطمینان ہو گیا تو اس نے تعمیر کی اجازت دے دی لیکن حضرت اقدس نے اجازت آجانے کے باوجود اس کی تعمیر رکوا دی اور پھر اس کی طرف سے آپ کی توجہ بالکل ہٹ گئی یہاں تک کہ آپ اس جہان سے گزر گئے۔ ظاہر ہے کہ اس کی تعمیر رک جانے کی وجہ مالی تنگی تو نہیں ہو سکتی تھی۔ بعد میں جماعت اس قدر بڑھ گئی تھی اور چندہ اس کثرت سے آنے لگا تھا کہ حضرت اقدس چاہتے تو ایسے کئی منارے بنوا سکتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی اشارہ غیبی یا القائے ربانی نے آپ

کی توجہ اس طرف سے ہٹا کر اس روحانی مینار کی طرف پھیر دی جو دراصل آپ کے علم کلام اور بے بہا لٹریچر کے ذریعہ تیار ہو رہا تھا۔ [۲۷]

مولف "مجدد اعظم" کے اس بیان میں تین باتیں نمایاں ہوتی ہیں۔

اول۔ اجازت ملنے کے باوجود حضور نے از خود مینار کی تعمیر رکوا دی۔

دوم۔ تعمیر مالی تنگی کے باعث نہیں رک سکتی تھی اس لئے کہ بعد ازاں اس کثرت سے چندہ آنے لگا تھا کہ حضور چاہتے تو ایسے کئی منارے بنوا سکتے تھے۔

سوم۔ دراصل کسی اشارہ غیبی یا القائے ربانی نے آپ کی توجہ ظاہری مینار سے ہٹا کر روحانی مینار کی طرف کر دی تھی۔

افسوس یہ تینوں دعاوی واقعات کے صریح خلاف اور محض مفروضات ہیں نہ تو اس بات میں کچھ صداقت ہے کہ حضور نے اجازت آنے کے بعد از خود اس کی تعمیر رکوا دی بلکہ اس کے برعکس حضور کو آخر دم تک اس مینار کا خیال رہا حتی کہ ۱۹۰۵ء میں بھی جب کہ قرب وصال کے الہامات نازل ہو رہے تھے حضور کو اس طرف توجہ تھی جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اس طرح یہ نظریہ کہ بعد میں چندے اتنی کثرت سے آنے شروع ہو گئے تھے کہ ایسے کئی منارے بنوائے جا سکتے تھے یہ بھی بے بنیاد بات ہے۔ الحکم ۸۔۷۔۱۹۰۷ء سے تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت اقدس کی زندگی کے آخری دنوں میں لنگر خانہ کے اخراجات بھی بار بار کی تحریک کے باوجود پورے نہیں ہو رہے تھے بلکہ مالی مشکلات کا یہ عالم تھا کہ ان دنوں باورچی خانہ کو نئے مہمان خانہ سے منتقل کرنے کے لئے نئے کچے مکانات بنوائے جا رہے تھے جو فنڈ کی کمی کے باعث روکنے پڑے۔ [۲۸]

پھر مولف "مجدد اعظم" کا یہ دعویٰ کہ بعد میں القائے ربانی نے حضور کی توجہ ظاہری مینار سے ہٹا کر روحانی مینار کی طرف منعطف کرا دی تھی سلسلہ کے لٹریچر سے ہرگز ثابت نہیں۔ اور اگر اسے ایک لمحہ کے لئے تسلیم کر لیا جائے تو منارۃ المسیح کی تحریک محض لغو چیز قرار پاتی ہے اور حضور کے مخالف علماء جنہوں نے شروع میں ہی اس کی مخالفت کی تھی حق پرست ماننا پڑتے ہیں حالانکہ حضرت اقدس صاف لکھتے ہیں "یہ مینار وہ مینار ہے جس کی ضرورت احادیث نبویہ میں تسلیم کی گئی۔" نیز فرماتے ہیں۔ "خدا نے منارہ کا حکم دیا ہے۔" [۲۹] سوال یہ ہے آخر وہ القائے ربانی کہاں ہے؟ جس نے خدا کے اس پہلے حکم کو منسوخ کر دیا۔ پس حقیقت یہی ہے کہ مینار کی تعمیر کے بند کرنے کا حقیقی اور واقعاتی سبب اخراجات کی کمی تھا۔ اگر تعمیر مینار کی مد میں کافی رقم فراہم ہو جاتی تو حضور اپنی زندگی میں ہی اسے مکمل کروا دیتے!

خلافت ثانیہ میں مینار کی تکمیل

اس ضمنی مگر اہم حقیقت کی نشان دہی کرنے کے بعد اب ہم پھر اصل مضمون کی طرف آتے ہیں۔

حضور کی وفات کے بعد خلافت اولیٰ کے دور میں بھی اس پر کوئی اضافہ نہ ہو سکا لیکن جب خلافت ثانیہ کا عہد آیا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جنہیں الہام الٰہی میں نور قرار دیا گیا تھا اور جن کے ہاتھوں ازل سے مسیح محمدی کے نوروں کی ضیاء پاشی مقدر تھی۔ [۲۰] خلافت ثانیہ کے پہلے ہی سال ۲۷۔ نومبر ۱۹۱۴ء کو منارہ کی ناتمام عمارت پر اپنے دست مبارک سے اینٹ رکھ کر اس کی تعمیر کا کام دوبارہ شروع کروا دیا۔ [۲۱] اس دفعہ تعمیر کی نگرانی کے فرائض قاضی عبدالرحیم صاحب بھٹی [۲۲] نے سرانجام دیئے۔ اس کے لئے اجمیر شریف سے بہترین سنگ مرمر مہیا کیا گیا اور آخر رسول خدا ﷺ کے دلائل نبوت کا یہ زبردست نشان دسمبر ۱۹۱۵ء [۲۳] میں پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔ یہ خوش نما اور دلکش اور شاندار مینار (جو فن تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے) ایک سو پانچ فٹ اونچا ہے۔ اس کی منزلیں تین گنبد ایک اور سیڑھیاں بانوے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دیرینہ خواہش کے مطابق اس پر ۲۱۱ مخلصین چندہ دہندگان کے نام درج ہیں جنہوں نے منارہ کے لئے ایک ایک سو روپیہ چندہ دیا۔ اس پر کلاک گھڑیاں بھی نصب ہیں اور بجلی کے قمقمے بھی آویزاں ہیں جو میلوں تک کے حلقہ کو روشنی پہنچاتے ہیں (اولین بنیاد کے اخرجات چھوڑ کر) اس کی تعمیر پر پانچ ہزار نو سو تریسٹھ روپے خرچ ہوئے (گھڑیاں، کٹہرے، بجلی کا سامان نیز چندہ دہندگان کی کتابت کے اخراجات اس سے علاوہ ہیں) [۲۴]

اسماء گرامی چندہ دہندگان بشرح یک صد روپیہ برائے منارۃ المسیح قادیان

۱۔ حضرت میرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام
۲۔ حضرت مولوی نور الدین خلیفۃ المسیح
۳۔ حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح
۴۔ حضرت نصرت جہاں بیگم
۵۔ حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب
۶۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب
۷۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب
۸۔ حافظ روشن علی صاحب
۹۔ مولوی ذوالفقار علی خان صاحب
۱۰۔ محمد حیات خان صاحب رئیس حافظ آباد
۱۱۔ غلام اکبر خاں صاحب حیدر آباد دکن
۱۲۔ بابو محمد افضل صاحب وزیرستان
۱۳۔ خان بہادر محمد علی خاں کوہاٹ
۱۴۔ چوہدری نعمت اللہ خان سیشن جج دہلی
۱۵۔ رشیدہ بیگم اہلیہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب
۱۶۔ اخوند محمد افضل خاں ڈیرہ غازی خاں
۱۷۔ دولت خاتون اہلیہ اخوند صاحب موصوف
۱۸۔ الطاف خاں پسر اخوند صاحب موصوف
۱۹۔ قریشی مختار احمد صاحب دہلی
۲۰۔ مریم صدیقہ اہلیہ بابو محمد شفیع نوشہرہ
۲۱۔ قاضی سید امیر حسین صاحب قادیان
۲۲۔ مولوی میر محمد سعید صاحب حیدر آباد دکن
۲۳۔ منشی شادی خان صاحب قادیان
۲۴۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی
۲۵۔ شیخ نیاز احمد صاحب تاجر وزیر آباد
۲۶۔ منشی عبد العزیز صاحب قادیان
۲۷۔ حاجی سیٹھ عبد الرحمن صاحب مدراسی
۲۸۔ سیٹھ علی محمد صاحب بنگلور
۲۹۔ حاجی سیٹھ صالح محمد مدراس
۳۰۔ سیٹھ احمد صاحب مدراس
۳۱۔ سیٹھ والجی لالجی صاحب مدارس
۳۲۔ سیٹھ ظہور علی صاحب حیدر آباد دکن
۳۳۔ میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹ
۳۴۔ نواب سید محمد رضوی صاحب بمبئی
۳۵۔ مفتی محمد صادق صاحب قادیان
۳۶۔ مستری محمد دین صاحب بھیرہ
۳۷۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین قادیان
۳۸۔ خلیفہ نور الدین صاحب جموں
۳۹۔ حافظ محمد اسحاق صاحب حیدر آباد دکن
۴۰۔ سید ناصر شاہ صاحب قادیان
۴۱۔ سید فضل شاہ صاحب قادیان
۴۲۔ سید غلام غوث صاحب قادیان
۴۳۔ ڈاکٹر رحمت علی صاحب افریقہ
۴۴۔ بابو محمد افضل ایڈیٹر اخبار البدر قادیان
۴۵۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خاں گڑیانی
۴۶۔ پیر برکت علی صاحب رتمل
۴۷۔ شیخ غلام نبی سیٹھی قادیان
۴۸۔ مولوی شیر علی صاحب قادیان
۴۹۔ مولوی عبد اللہ صاحب سنوری
۵۰۔ میاں رحمت اللہ صاحب سنوری
۵۱۔ میاں عبد الرحیم صاحب سنوری
۵۲۔ حبیب اللہ صاحب سنوری
۵۳۔ صوفی عبد القدیر صاحب بی۔ اے
۵۴۔ ماسٹر قادر بخش صاحب لودیانہ
۵۵۔ مولوی عبد الرحیم صاحب درد
۵۶۔ بابو گلاب خاں سیالکوٹ
۵۷۔ میاں محمد دین صاحب سیالکوٹ
۵۸۔ ماسٹر قمر الدین صاحب لودیانہ
۵۹۔ مولوی عبد القادر صاحب لودیانہ
۶۰۔ منشی محمد اکبر صاحب پٹیالہ
۶۱۔ حکیم محمد حسین قریشی لاہور
۶۲۔ منشی محمد جان صاحب اوجلہ
۶۳۔ چوہدری حاکم علی قادیان
۶۴۔ میاں محمد صدیق سیکھواں
۶۵۔ میاں امام الدین سیکھواں
۶۶۔ میاں جمال الدین سیکھواں
۶۷۔ میاں خیر الدین سیکھواں
۶۸۔ مولوی غلام امام صاحب منی پور آسام

۶۹- صوفی نبی بخش صاحب کلرک ممباسہ
۷۰- شیخ عبدالرحمٰن صاحب کلرک ممباسہ
۷۱- شیخ کرم الٰہی صاحب وکیل پٹیالہ
۷۲- بابو روشن دین صاحب سیالکوٹ
۷۳- بابو شاہ دین صاحب ڈومیلی
۷۴- حاجی ملاں امام بخش صاحب
۷۵- سیٹھ موسیٰ بن عثمان جام نگر
۷۶- ڈاکٹر رامانند ضلع گڑھوال
۷۷- شیخ یعقوب علی صاحب قادیان
۷۸- اہلیہ شیخ صاحب موصوف قادیان
۷۹- محمودہ دختر شیخ صاحب موصوف قادیان
۸۰- شیخ غلام غوث برادر شیخ صاحب موصوف قادیان
۸۱- مولوی حبیب الرحمان صاحب حاجی پورہ
۸۲- قاضی میر حسین علی پور ملتان
۸۳- حاجی غلام احمد صاحب کریام
۸۴- مولوی محمد الدین صاحب صریح
۸۵- اہلیہ مولوی محمد الدین صاحب صریح
۸۶- بابو جمال الدین گوجرانولہ
۸۷- مولوی احمد شیر خان حیدر آباد دکن
۸۸- سیٹھ شیخ حسن صاحب یادگیر
۸۹- منشی نادر خاں سرکالی ضلع جہلم
۹۰- میرزا محمد صادق صاحب لاہور
۹۱- حکیم مولوی فضل دین قادیان
۹۲- منشی رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر
۹۳- میاں نبی بخش صاحب امرتسر
۹۴- میاں چراغ دین صاحب لاہور
۹۵- مولوی غلام حسن پشاور
۹۶- شیخ رحمت اللہ تاجر لاہور
۹۷- شیخ عبدالرحمٰن بی۔اے لاہور
۹۸- ماسٹر غلام محمد صاحب سیالکوٹ
۹۹- شیخ فضل حق صاحب بٹالہ
۱۰۰- شیخ مولا بخش بوٹ مرچنٹ سیالکوٹ
۱۰۱- شیخ غلام حیدر صاحب سیالکوٹ
۱۰۲- مولوی عزیز بخش صاحب بی۔اے
۱۰۳- محمد اسماعیل ٹیلر سیالکوٹ
۱۰۴- فتح محمد جان صاحب وزیر آباد
۱۰۵- حکیم مرزا خدا بخش صاحب لاہور
۱۰۶- منشی مہردین پٹواری کوملیاں
۱۰۷- حکیم محمد قاسم صاحب لالہ موسیٰ
۱۰۸- حاجی مفتی گلزار محمد بٹالہ
۱۰۹- مرزا حسین بیگ کھرکا ضلع گجرات
۱۱۰- منشی اللہ دتا صاحب سیالکوٹ
۱۱۱- صوفی محمد یعقوب صاحب کیڑی افغاناں
۱۱۲- بابو فخردین کلرک سپلائی ڈپو
۱۱۳- ڈاکٹر عطاء اللہ خاں دہرم کوٹ بگہ
۱۱۴- بابو نظام الدین صاحب مال پور
۱۱۵- بابو عبدالعزیز صاحب ٹیلر ماسٹر سیالکوٹ
۱۱۶- بابو محمد وزیر خاں صاحب قادیان
۱۱۷- مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری
۱۱۸- میاں الہ دین صاحب ٹھیکریاں راولپنڈی
۱۱۹- راجہ علی محمد صاحب افسر مال لاہور
۱۲۰- خان بہادر شیخ محمد حسین علی گڑھ
۱۲۱- ڈاکٹر سید ولایت شاہ صاحب افریقہ
۱۲۲- منشی گوہر علی صاحب کوٹلہ افغاناں
۱۲۳- شیخ مشتاق حسین گوجرانوالہ
۱۲۴- خان صاحب فرزند علی صاحب قادیان
۱۲۵- خدیجہ بیگم اہلیہ خان صاحب موصوف
۱۲۶- امۃ اللہ بیگم اہلیہ دوم موصوف
۱۲۷- ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب
۱۲۸- اہلیہ ڈاکٹر صاحب موصوف
۱۲۹- ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب قادیان
۱۳۰- خان صاحب برکت علی صاحب آف شملہ
۱۳۱- مولوی عبدالرحیم نیر صاحب قادیان
۱۳۲- جماعت احمدیہ لیگوس
۱۳۳- مولوی عالمگیر خاں صاحب سندھ
۱۳۴- مستری علی بخش صاحب فرید کوٹ
۱۳۵- اہلیہ مستری صاحب موصوف
۱۳۶- ڈاکٹر عبدالکریم صاحب گھروال لودیانہ
۱۳۷- شیخ علی اظفر صاحب
۱۳۸- منشی محمد دین صاحب کھاریاں
۱۳۹- میاں غلام نبی صاحب مال پور
۱۴۰- شیخ فضل احمد صاحب بٹالہ

۱۴۱۔ اہلیہ شیخ صاحب موصوف
۱۴۲۔ ڈاکٹر سید محمد حسین دہرم کوٹ رندھاوا
۱۴۳۔ بچگان ڈاکٹر صاحب موصوف
۱۴۴۔ ڈاکٹر فضل الدین صاحب افریقہ
۱۴۵۔ اہلیہ ڈاکٹر صاحب موصوف
۱۴۶۔ بچگان ڈاکٹر صاحب موصوف
۱۴۷۔ شیخ احمد اللہ صاحب نوشہرہ
۱۴۸۔ قاضی عبداللہ صاحب قادیان
۱۴۹۔ صوفی محمد علی جنجوعہ صاحب جلال پور جٹاں
۱۵۰۔ بابو محمد عبداللہ صاحب فیروزپور
۱۵۱۔ ڈاکٹر فضل کریم صاحب قادیان
۱۵۲۔ سیٹھ عبداللہ بھائی صاحب سکندر آباد
۱۵۳۔ اہلیہ عبداللہ بھائی صاحب سکندر آباد
۱۵۴۔ سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب سکندر آباد
۱۵۵۔ بابو محمد شفیع اورسیر صاحب قادیان
۱۵۶۔ مولوی محمد الدین صاحب ہیڈ ماسٹر قادیان
۱۵۷۔ بچگان محمد الدین صاحب ہیڈ ماسٹر قادیان
۱۵۸۔ حافظ سید عبدالوحید منصوری صاحب
۱۵۹۔ بابو اعجاز حسین صاحب دہلی
۱۶۰۔ شیخ عبدالرحمان صاحب قادیانی
۱۶۱۔ صوبیدار غلام حسین صاحب چک ۱۸۱
۱۶۲۔ ماسٹر محمد طفیل صاحب قادیان
۱۶۳۔ ڈاکٹر شاہنواز صاحب سیالکوٹ
۱۶۴۔ حافظ سید عبدالمجید صاحب منصوری
۱۶۵۔ پیر منظور محمد صاحب قادیان
۱۶۶۔ منشی گل محمد صاحب تلہ گنگ کیمل پور
۱۶۷۔ شیخ نیاز احمد صاحب گوجرانوالہ
۱۶۸۔ بابو غلام حسین صاحب لدھیانوی
۱۶۹۔ سیٹھ علی محمد صاحب سکندر آباد
۱۷۰۔ فاطمہ بیگم صاحبہ بنت عبداللہ بھائی
۱۷۱۔ بابو فضل دین صاحب اورسیر مردان
۱۷۲۔ سیٹھ اسماعیل آدم صاحب بمبئی
۱۷۳۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب لاہور
۱۷۴۔ سید غلام حسین صاحب رہتک
۱۷۵۔ سیدہ جمیلہ خاتون صاحبہ مظفر گڑھ
۱۷۶۔ ماسٹر محمد ابراہیم صاحب ننکانہ
۱۷۷۔ میاں محمد شریف صاحب قصور
۱۷۸۔ امتہ الرحمان صاحبہ بھیرہ
۱۷۹۔ نواب محمد الدین صاحب جودھپور
۱۸۰۔ ملک مولیٰ بخش صاحب امرتسر
۱۸۱۔ بابو سراج الدین صاحب
۱۸۲۔ قریشی محمد عثمان صاحب کرنال
۱۸۳۔ مرزا برکت علی صاحب اباوان
۱۸۴۔ اہلیہ مرزا صاحب موصوف
۱۸۵۔ ابراہیم یوسف صاحب برودلی
۱۸۶۔ بابو عبدالرحمان صاحب انبالہ
۱۸۷۔ حاجی میراں بخش صاحب انبالہ
۱۸۸۔ میاں خدابخش صاحب ہانڈو
۱۸۹۔ چوہدری صادق علی صاحب تحصیلدار
۱۹۰۔ حکیم فضل الرحمٰن صاحب مبلغ افریقہ
۱۹۱۔ ڈاکٹر محمد رمضان صاحب سری گوبند پور
۱۹۲۔ چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب کھیوہ باجوہ
۱۹۳۔ ای۔ ملک مظفر صاحب پوربہار
۱۹۴۔ بابو علی حسن صاحب سنوری
۱۹۵۔ فہمیدہ بیگم صاحبہ شاہجہاں پور
۱۹۶۔ اہلیہ چوہدری مبارک احمد صاحب کوہاٹ
۱۹۷۔ چوہدری فتح محمد صاحب سیال
۱۹۸۔ ڈاکٹر بدر الدین احمد صاحب افریقہ
۱۹۹۔ مولوی عبدالغفور قادیان
۲۰۰۔ فاطمۃ الزہرہ صاحبہ اہلیہ عبدالغفور قادیان
۲۰۱۔ سردار محمد علی صاحب جوڑہ کرنانہ
۲۰۲۔ مولوی عبداللطیف چٹاگانگ
۲۰۳۔ سید محمد لطیف صاحب چک قاضیاں
۲۰۴۔ رسول بی بی صاحبہ تلونڈی موسیٰ
۲۰۵۔ مولوی عبدالحلیم صاحب تنگی پوری
۲۰۶۔ بابو محمد زبیر صاحب لاہور
۲۰۷۔ مولوی فضل دین صاحب وکیل قادیان
۲۰۸۔ چوہدری نور احمد محرر قادیان
۲۰۹۔ شیخ عبدالحمید صاحب آف شملہ قادیان
۲۱۰۔ زینب بی بی صاحبہ اہلیہ بھائی محمود احمد
۲۱۱۔ مولوی عبدالمغنی صاحب ناظر بیت المال قادیان ۳۵

تعمیر مینار کے بعد اسلام کے روحانی مینار کی شعاعیں دنیا کے کناروں تک جیسا کہ حضورؑ نے پہلے سے خبر دی تھی کہ مینار کی تکمیل کے بعد برکات اسلام کی روشنی تیزی سے پھیل جائے گی چنانچہ سچ مچ جونہی اس کی تعمیر مکمل ہوئی تبلیغ اسلام کی دنیا میں ایک نیا انقلابی دور شروع ہو گیا۔ ۲۶

''لجۃ النور'' کی تصنیف و اشاعت

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی سال عرب' شام' عراق اور ایران وغیرہ بلاد اسلامیہ کو پیغام پہنچانے کی غرض سے عربی میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام ''لجۃ النور'' رکھا۔ اس رسالہ میں عالم اسلام کا اس وقت کی حالت کا دردناک نقشہ کھینچتے ہوئے اپنے دعویٰ کی صداقت میں دلائل و براہین دیئے ہیں اور آخر میں پادریوں کے حملوں کا ذکر کرتے ہوئے خوش خبری دی ہے کہ خدا تعالیٰ نے میرے ہتھیاروں سے انہیں ہر مہم میں پسپا کر ڈالا ہے اور وہ میدان سے بھاگنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔

اس کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ حضور نے اس میں اپنے تئیں ابو محمود احمد ۲۷ کی کنیت سے یاد کرتے ہوئے دوسرے خدائی افضال میں سے خاص طور پر اس نعمت کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ انسان بعض اوقات اس خیال سے سخت افسردہ خاطر اور غمگین رہتا ہے کہ اس کی وفات کے بعد اس کا کوئی بیٹا وارث موجود نہیں ہے مگر مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک لحہ کے لئے بھی یہ غم نہیں ہوا کیوں کہ اس نے اپنی جناب سے بیٹے عطا کئے ہیں جو میرے بعد دین اسلام کی خدمت کریں گے۔ ۲۸

اس رسالہ میں حضور نے یہ عظیم الشان پیش گوئی بھی فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا کلام دنیا کے شرق و غرب میں پہنچا دے گا اور راستی کے دریا تموج میں آئیں گے یہاں تک کہ ان کی موجوں کے حباب لوگوں کو حیرت میں ڈال دیں گے۔ ۲۹

اشاعت ''لجۃ النور'' کی اشاعت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد فروری ۱۹۱۰ء میں نامکمل صورت میں ہوئی۔

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کو علمی مقابلہ کی دعوت اور ان کا گریز

۱۸۹۶ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جن سجادہ نشینوں کو نام لے کر مباہلہ کی طرف بلایا تھا ان میں گولڑہ (ضلع راولپنڈی) کے ایک نامی گرامی پیر مہر علی شاہ صاحب بھی تھے (ولادت قریباً ۱۸۵۷ء

وفات ۱۱۔ مئی ۱۹۳۷ء) یہ پیر صاحب چشتی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے اور انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ابتداءً ایک گونہ عقیدت بھی تھی چنانچہ ۹۷۔۱۸۹۶ء کی بات ہے کہ ان کے ایک مرید بابو فیروز علی صاحب اسٹیشن ماسٹر گولڑہ نے (جو بعد ازاں حضرت اقدس کی بیعت میں داخل ہو گئے) جب ان سے حضور کی بابت رائے دریافت کی گئی تو انہوں نے بلا تامل جواب دیا "امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ بعض مقامات منازل سلوک میں ایسے ہیں کہ وہاں اکثر بندگان خدا پہنچ کر مسیح و مہدی بن جاتے ہیں بعض ان کے ہم رنگ ہو جاتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ شخص منازل سلوک میں اس مقام پر ہے یا حقیقتاً وہی مہدی ہے جس کا وعدہ جناب سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام نے اس امت سے کیا ہے۔ مذاہب باطلہ کے واسطے یہ شخص شمشیر براں کا کام کر رہا ہے۔ اور یقیناً تائید یافتہ ہے۔" ۲۰

پیر صاحب میدان مخالفت میں

اس کے کچھ عرصہ بعد وہ اپنے گزشتہ صوفیانہ عمل کو چھوڑ کر میدان مخالفت میں آگئے اور جنوری ۱۹۰۰ء میں حضرت اقدس کے خلاف اردو میں "شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح" کتاب شائع کی۔ یہ کتاب جب حضرت مولوی نور الدین صاحب کو پہنچی تو انہیں بڑا قلق ہوا۔ زیادہ تعجب حضرت مولوی صاحب کو اس پر ہوا کہ کچھ عرصہ قبل پیر صاحب ہی نے ان کے نام دو کارڈ لکھے تھے جن میں حضرت اقدس کا تذکرہ عقیدت مندانہ الفاظ میں موجود تھا جس کی وجہ سے حضرت مولوی صاحب کو خود پیر صاحب سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہو چکا تھا۔ بہرحال اب جو ان کی طرف سے یہ کتاب پہنچی تو حضرت مولوی صاحب نے پیر صاحب کے نام (۱۸۔ فروری ۱۹۰۰ء کو) ایک مراسلہ لکھا جس میں پیر صاحب سے گیارہ سوالات کئے جو ابتدائی مطالعہ سے آپ کو پیدا ہوئے تھے۔ "شمس الہدایہ" میں ابن جریر اور تاریخ کبیر بخاری کے حوالے دئے گئے تھے جن کے متعلق آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آپ نے وہ خود ملاحظہ کی ہیں اور کیا آپ کے کتب خانہ میں موجود ہیں؟ چند دن بعد پیر صاحب کا جواب آیا تو اصل حقیقت کا پتہ چلا کہ یہ کتاب تو ان کے ایک مرید مولوی محمد غازی صاحب کی تالیف کردہ ہے مگر مرید نے کتاب شائع کروا کر اسے "زبدۃ المحققین و رئیس العارفین مولانا حضرت خواجہ مہر علی شاہ صاحب ادام اللہ فیوضہم" کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ چنانچہ پیر صاحب نے لکھا۔

"مولانا المعظم المکرم۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔ امابعد مولوی محمد غازی صاحب کتب حدیث و تفسیر اپنی معرفت سے پیدا کر کے ملاحظہ فرماتے رہے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف آج کل دولت خانہ کو تشریف لے گئے ہیں۔ مولوی غلام محی الدین اور حکیم شاہ نواز وغیرہ احباب نے میری نسبت

اپنے حسن ظن کے مطابق آپ کے سامنے بیان کیا ہوگا ورنہ من آنم کہ من دانم۔ مولوی صاحب نے اپنی سعی اور اہتمام سے کتاب شمس الہدایتہ کو مطبوع اور تالیف فرمایا ہاں احیاناً اس بے ہیچ سے بھی اتفاق استفسار بعض مضامین میں ہوا۔ جس وقت مولوی صاحب واپس آئیں گے کیفیت کتب مسئولہ اور جواب سرفراز نامہ اگر اجازت ہوئی تو لکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ جانبین کو صراط مستقیم [۲۱] پر ثابت رکھے زیادہ سلام۔ نیازمند علماء و فقراء مہر شاہ۔ ۲۶۔ شوال ۱۳۱۷ھ [۲۲]۔" (مطابق ۲۸۔ مارچ ۱۹۰۰ء)۔

پیر صاحب نے نہایت سادگی سے اصل بات تو لکھ دی مگر جب ان کے مریدوں میں اس کے عام چرچے ہوئے تو انہیں اپنے مریدوں کے کھسکنے کا زبردست خطرہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے واضح بیان پر پردہ ڈالنے کے لئے عجیب عجیب توجیہات کرنا شروع کر دیں۔ چنانچہ ایک مرید عبدالہادی نامی کو لکھا "آپ بے فکر رہیں۔ کوئی فقرہ حکمت اور صداقت سے انشاء اللہ خالی نہ ہوگا۔ لفظ تالیف اور طبع کے معنی نہ سمجھنے سے انہوں نے کہا جو کچھ کہا۔ وھو لنا و علیھم سیظھر۔ ان سے یہ پوچھنا کہ ایجاد مضامین اور تالیف میں عموم خصوص من وجہ ہوا کرتا ہے۔ بھلا مجھ کو یہ بتاؤ کہ دوسرا کاغذ جو مولوی نور الدین صاحب کو پہنچا ہے ذرا اس کی نقل بھی منگوا کر ملاحظہ کرو۔ والسلام۔ مہر شاہ بقلم خود۔" [۲۳]

ایک دوسرے مرید غلام محمد کلرک دفتر اکونٹنٹ پنجاب کو لکھا "مولوی نور الدین کی درخواست کے بارہ میں نیز وصف میرے علم کے جو کہ ان کو بذریعہ احباب پہنچی تھی اس کے بارہ میں نے لکھا تھا جس کا مضمون یہ ہے کہ میں تو اتنا علم نہیں رکھتا ہوں احباب نے حسن ظن کے مطابق تعریف کی ہوگی اور کتاب کے بارہ میں مولوی محمد غازی صاحب جب واپس آئے تو لکھیں گے کیوں کہ تجسس اور دیکھنا ان کے متعلق تھا میں مضامین غیر مرتبہ بسا اوقات ان کو دیتا رہا اور تالیف یعنی جمع و ترتیب و طبع کرانا یہ سب ان کے متعلق تھی۔ جناب مولوی نور الدین صاحب نے تالیف سے جو منسوب مولوی محمد غازی صاحب کی طرف کی گئی تھی اور فی الواقعہ یونہی تھا یہ سمجھ لیا کہ موجد مضامین اور مصنف مولوی صاحب فلاں نے یعنی میں نے اس کی تصنیف اور ایجاد سے انکار کیا تھا کبھی مولف اور موجد ایک ہی ہوتا ہے اور کبھی مختلف۔ میں نے بباعث کم فرصتی کے جمع اور ترتیب بمعہ مطالع کتب ان کے ذمہ پر رکھا تھا۔ الغرض جو مطلب تھا یعنی لوگوں کا دھوکہ نہ کھانا وہ تو بفضل خدا بخوبی حاصل ہو گیا بذریعہ خطوط روزمرہ مقبولیت کتاب معلوم ہوتی رہتی ہے باقی زید و عمرو سے کچھ غرض نہیں زیادہ سلام۔" [۲۴]

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی طرف سے خطوط کی اشاعت

حضرت
مولوی

عبدالکریم صاحب جنہیں اشاعت اسلام کا ایک پر جوش جذبہ عطا کیا گیا تھا اس دو رنگی پر خاموش نہ رہ سکے اور انہوں نے ۲۴۔ اپریل ۱۹۰۰ء کے اخبار الحکم میں یہ سب ہی مراسلات شائع کر دیئے اور ان سوالات کے جوابات کا دوبارہ مطالبہ کرتے ہوئے اصل واقعات سے کچھ اس انداز سے نقاب اٹھایا کہ انی مھین من اراد اھانتک کا نظارہ سامنے آگیا۔

اس مضمون کی اشاعت کے بعد باقاعدہ ایک محاذ قائم ہو گیا۔ پیر صاحب نے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے مولوی محمد غازی صاحب سے ایک اشتہار دلایا کہ "مولانا حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب" نے مولوی نورالدین صاحب کے سوالات کا جواب تو پہلے دن ہی لکھ رکھا تھا مگر بوجوہ اسے ان کی خدمت میں بھجوایا نہیں گیا لیکن اب چونکہ الحکم میں ان استفسارات کے دوبارہ جواب طلب کئے گئے ہیں اس لئے وہ جواب شائع کئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد پیر صاحب کے لکھے ہوئے جواب درج کئے۔ یہ جوابات ان کے گزشتہ خطوط سے بھی زیادہ مہمل تھے۔ نہ املاء صحیح نہ انشاء' نہ زبان درست نہ خیال!! بے ربط اور بے جوڑ!!

مولوی سید محمد احسن صاحب کی طرف سے دعوت مباحثہ

سید محمد احسن صاحب امروہوی اس سال جلسہ سالانہ پر حاضر نہیں ہو سکے تھے۔ مخالفین نے اپنی خفت مٹانے کے لئے یہ خبر مشہور کر دی کہ انہیں اب مرزا صاحب پر اعتقاد نہیں رہا۔ سید صاحب کو اس کا علم ہوا تو وہ بھی دارالامان آپہنچے۔ یہاں پیر صاحب سے بحث ہو رہی تھی انہوں نے کمال عقلمندی سے اپنے متعلق پراپیگنڈا کی عملی تردید کے لئے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے "شمس الہدایہ" کا مفصل جواب لکھا جو انہی دنوں "شمس بازغہ" کے نام سے شائع بھی ہو گیا۔ چونکہ مولوی محمد غازی صاحب نے شمس ہدایہ کے آخری صفحہ پر حضرت اقدس کو "بشرط کافی انتظام و اطمینان" مباحثہ کی دعوت بھی دی تھی اسلئے سید محمد احسن صاحب امروہوی نے بتاریخ ۹۔ جولائی ۱۹۰۰ء پیر صاحب کو بذریعہ اشتہار اطلاع دے دی کہ میں مباحثہ کے لئے تیار ہوں آپ اپنی طرف سے آمادگی کا اعلان فرمائیں ورنہ ثابت ہو جائے گا کہ حق ہماری طرف ہے۔ ۶۵

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے تفسیر نویسی کے مقابلہ کا چیلنج

پیر صاحب نے اس چیلنج کا از خود کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو اس وقت پیر صاحب کے ذاتی جواب کے منتظر تھے براہ راست پیر صاحب سے مخاطب ہوئے اور ۲۰۔ جولائی ۱۹۰۰ء کو اشتہار دیا کہ پیر مہر علی شاہ صاحب کے

ہزار ہا مرید یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ علم اور حقائق اور معارف دین میں علوم ادبیہ میں اس ملک کے تمام مولویوں سے بڑھ کر ہیں بلکہ خود انہوں نے بھی شمس الہدایہ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن مجید کی سمجھ ان کو عطا کی گئی ہے۔ یہ امر کہاں تک درست ہے؟ اس امر کا فیصلہ کے لئے میں ایک سہل طریق رکھتا ہوں اور وہ یہ کہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ جو لوگ درحقیقت خدا تعالیٰ کے راست باز بندے ہیں انہیں تین طریق سے خدا کی تائید ہوتی ہے۔

(۱) مقابلہ کے وقت خدا تعالیٰ ان سے خارق عادت سلوک کرتا ہے۔ (و یجعل لکم فرقانا)

(۲) ان کو علم معارف قرآن عطا کیا جاتا ہے۔ (لا یمسہ الا المطھرون)

(۳) ان کی اکثر دعائیں شرف قبولیت پاتی ہیں۔ (ادعونی استجب لکم)

لہٰذا حق و باطل کے امتیاز کے لئے پیر صاحب موصوف تفسیر نویسی میں علمی مقابلہ کریں جس کا طریق حضورؑ نے یہ تجویز فرمایا کہ۔

"لاہور میں جو پنجاب کا صدر مقام ہے صادق اور کاذب کے پرکھنے کے لئے ایک جلسہ قرار دیا جائے اور اس طرح پر مجھ سے مباحثہ کریں کہ قرعہ اندازی کے طور پر قرآن شریف کی کوئی سورۃ نکالیں اور اس میں سے چالیس آیت یا ساری سورۃ (اگر چالیس آیت سے زیادہ نہ ہو) لے کر فریقین یہ دعا کریں کہ یا الٰہی ہم دونوں میں سے جو شخص تیرے نزدیک راستی پر ہے اس کو تو اس جلسہ میں اس سورۃ کے حقائق اور معارف فصیح اور بلیغ عربی میں عین اسی جگہ میں لکھنے کے لئے اپنی طرف سے ایک روحانی قوت عطا فرما اور روح القدس سے اس کی مدد کر اور جو شخص ہم دونو فریق میں سے تیری مرضی کے مخالف اور تیرے نزدیک صادق نہیں ہے اس سے یہ توفیق چھین لے اور اس کی زبان کو فصیح عربی اور معارف قرآنی کے بیان سے روک لے تا لوگ معلوم کریں کہ تو کس کے ساتھ ہے اور کون تیرے فضل اور تیری روح القدس کی تائید سے محروم ہے۔ پھر اس دعا کے بعد فریقین عربی زبان میں اس تفسیر کو لکھنا شروع کریں اور یہ ضروری شرط ہوگی کہ کسی فریق کے پاس کوئی کتاب موجود نہ ہو اور نہ کوئی مددگار۔ اور ضروری ہوگا کہ ہر ایک فریق چپکے چپکے بغیر آواز سنانے کے اپنے ہاتھ سے لکھے تا اس کی فصیح عبارت اور معارف کے سننے سے دوسرا فریق کسی قسم کا اقتباس یا سرقہ نہ کر سکے اور اس تفسیر کے لکھنے کے لئے ہر ایک فریق کو پورے سات گھنٹے کی مہلت دی جائے گی اور زانو بہ زانو لکھنا ہوگا نہ کسی پردہ میں۔ ہر ایک فریق کو اختیار ہوگا کہ اپنی تسلی کے لئے فریق ثانی کی تلاشی کر لے اس احتیاط سے کہ وہ پوشیدہ طور پر کسی کتاب سے مدد نہ لیتا ہو اور لکھنے کے لئے فریقین کو سات گھنٹہ کی مہلت ملے گی مگر ایک ہی جلسہ میں اور ایک ہی دن میں اس تفسیر کو گواہوں کے روبرو ختم کرنا ہوگا۔ اور جب

فریقین لکھ چکیں تو وہ دونو تفسیریں بعد دستخط تین اہل علم کو جن کا اہتمام حاضری و انتخاب پیر مہر علی شاہ صاحب کے ذمہ ہو گا سنائی جائیں گی اور ان ہر سہ مولوی صاحبوں کا یہ کام ہو گا کہ وہ حلفاً یہ رائے ظاہر کریں کہ ان دونو تفسیروں اور دونو عربی عبارتوں میں سے کون سی تفسیر اور عبارت تائید روح القدس سے لکھی گئی ہے اور ضروری ہو گا کہ ان تینوں عالموں میں سے کوئی نہ اس عاجز کے سلسلہ میں داخل ہو اور نہ مہر علی شاہ کا مرید ہو۔ اور مجھے منظور ہے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب اس شہادت کے لئے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبد الجبار غزنوی اور مولوی عبد اللہ پروفیسر لاہوری کو یا تین اور مولوی منتخب کریں جو ان کے مرید اور پیر نہ ہوں۔ ضروری ہو گا کہ یہ تینوں مولوی صاحبان حلفاً اپنی رائے ظاہر کریں کہ کس کی تفسیر اور عربی عبارات اعلیٰ درجہ پر اور تائید الٰہی سے ہے لیکن یہ حلف اس حلف سے مشابہ ہونی چاہئے جس کا ذکر قرآن میں قذف محصنات کے باب میں ہے جس میں تین دفعہ قسم کھانا ضروری ہے اور دونو فریق پر یہ واجب اور لازم ہو گا کہ ایسی تفسیر جس کا ذکر کیا گیا ہے کسی حالت میں بیس ورق سے کم نہ ہو۔ اور ورق سے مراد اس اوسط درجہ کی تقطیع اور قلم کا ہو گا جس پر پنجاب اور ہندوستان کے صدہا قرآن شریف کے نسخے چھپے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ پس اس طرز کے مباحثہ سے اور اس طرز کے تین مولویوں کی گواہی سے اگر ثابت ہو گیا کہ در حقیقت پیر مہر علی شاہ صاحب تفسیر اور عربی نویسی میں تائید یافتہ لوگوں کی طرح ہیں اور مجھ سے یہ کام نہ ہو سکا یا مجھ سے ۶۶) بھی ہو سکا مگر انہوں نے بھی میرے مقابلہ پر ایسا ہی کر دکھایا تو تمام دنیا گواہ رہے کہ میں اقرار کروں گا کہ حق پیر مہر شاہ صاحب کے ساتھ ہے اور اس صورت میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اپنی تمام کتابیں جو اس دعویٰ کے متعلق ہیں جلا دوں گا اور اپنے تئیں مخذول اور مردود سمجھ لوں گا۔ لیکن اگر میرے خدا نے مجھے اس مباحثہ میں غالب کر دیا اور مہر علی شاہ صاحب کی زبان بند ہو گئی۔ نہ وہ فصیح عربی پر قادر ہو سکے اور نہ وہ حقائق و معارف سورہ قرآنی میں سے کچھ لکھ سکے یا یہ کہ اس مباحثہ سے انہوں نے انکار کر دیا تو ان تمام صورتوں میں ان پر واجب ہو گا کہ وہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں"۔ ۶۷

حضرت اقدس نے اس اشتہار میں اپنے بیس خدام کے بطور گواہ دستخط شائع کئے اور پیر صاحب سے کہا کہ وہ اس اشتہار کی وصولی کے بعد دس دن تک اشتہار کے ذریعے سے اپنی منظوری کا اعلان شائع کر دیں جس میں میرے اشتہار کی طرف سے بیس معززین کی شہادت ثبت ہو اور مغلوبیت کی صورت میں اپنی بیعت کا اقرار بھی درج ہو۔ ۶۸

پیر صاحب موصوف کا اشتہار

پیر صاحب کو چونکہ علمی میدان میں آنے کی تاب نہ تھی نیز وہ صاف انکار کر کے اپنی حقیقت بھی واضح نہیں کرنا چاہتے

تھے اس لئے انہوں نے ۲۵۔ جولائی کو اشتہار دیا کہ مجھ کو دعوت حاضری مسجد جلسہ منعقدہ لاہور مع شرائط مجوزہ مرزا صاحب بسرو چشم منظور ہے مگر سب سے پہلے ان کے دعویٰ مسیحیت سے متعلق بحث ہوگی پھر اگر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے دو نو ساتھیوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ اس بحث میں وہ حق پر نہیں تو انہیں میری بیعت کرنا پڑے گی۔ اس کے بعد تفسیر نویسی کے مقابلہ کی اجازت دی جائے گی۔ [۴۹]

صاف ظاہر ہے کہ یہ لفظ اقرار مقابلہ 'حقیقتاً مقابلہ سے کھلا انکار تھا اور حضور کی مقدس دعوت کی تضحیک و توہین!! جس میں ایک ایسے شخص کو مباحثہ کے لئے ثالث مقرر کر دیا گیا جو اول المکفرین اور مسیح موعود کی مخالفت کے اعتبار سے پیر صاحب کا ہم مشرب تھا۔ پھر پیر گولڑوی صاحب موصوف کا منقولی مباحثہ کے بعد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور اس نوع کے دو سرے دو اشخاص کو از خود حکم بنا لینا بھی ایک مضحکہ خیز بات تھی کیوں کہ یہ لوگ مسیح موعود علیہ السلام کی تکذیب کے معاملہ میں پہلے ہی پیر صاحب موصوف کے موید تھے۔

مولوی محمد احسن صاحب کا جواب

مولوی محمد احسن صاحب نے ۱۴۔ اگست ۱۹۰۰ء کو اشتہار دیا کہ اگر پیر صاحب مقابلہ سے فرار نہیں کر رہے تو وہی تین علماء جو تفسیر قرآن کے لئے حضور نے نامزد کئے تھے حلفاً یہ شائع کر دیں کہ پیر صاحب کا یہ طریق تفسیر نویسی کے مقابل عجز کا ثبوت نہیں ہے اس کے بعد اگر ایک سال کے اندر مرزا صاحب کی تائید میں کوئی نشان ظاہر نہ ہوا تو پھر ہم مغلوب متصور ہوں گے۔ اس کے علاوہ حضرت اقدسؑ کے لاہور کے خدام نے اپنی انجمن فرقانیہ [۵۰] کی طرف سے ۱۹ اور ۲۰ اگست کو دو دفعہ اشتہار دیا کہ اگر پیر صاحب موصوف حضرت اقدسؑ کی شرائط کے مقابل تفسیر لکھ لیں تاہم ایک ہزار روپیہ نقد بطور انعام پیر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ [۵۱] ان اشتہارات کے جواب میں ۲۱۔ اگست کو پیر صاحب کی طرف سے دوبارہ اشتہار دیا گیا جس میں تفسیر نویسی کو ٹالنے کے لئے سارا زور مباحثہ پر ہی تھا اور ساتھ ہی مباحثہ کی تاریخ از خود ۲۵۔ اگست تجویز کرلی۔ [۵۲]

مریدوں کی طرف سے دھمکیاں

مزید بر آں پیر صاحب کے بعد مرید آپے سے باہر ہو گئے اور انہوں نے حضرت اقدسؑ کو دشنام آلود خطوں کا باقاعدہ ایک سلسلہ شروع کر دیا جن میں فحش گوئی اور گندہ زبانی کو انتہاء تک پہنچاتے ہوئے قتل کی دھمکیاں دی گئی تھیں [۵۳] جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ عوامی ذہن کو آپ کے خلاف مسموم کرنے کی خطرناک مہم تیز کر دی گئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے صحیح صورت حال کا اظہار

تفسیر نویسی کے مقابلہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخلصانہ پیش کش ٹھکرائی جا چکی تھی اور کسی منقولی بحث میں الجھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا تاہم حضرت اقدس علیہ السلام نے اصلاح احوال کے لئے یہ ارادہ کر لیا کہ اپنے خدام میں سے سید محمد احسن صاحب فاضل امروہوی ایسے بلند پایہ عالم کو فقط منقولی بحث کے لئے بھجوادیں لیکن خود سید صاحب ہی نے جب گندے خطوط کا یہ سلسلہ دیکھا تو انہوں نے اعراض ہی کو بہتر سمجھا اور حضرت اقدسؑ بھی اپنے ارادے سے دستکش ہو گئے اور ۲۵۔ اگست ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ سے یہ تمام تفصیلات پبلک میں شائع کر دیں۔ [۵۴] اور ساتھ ہی پیر صاحب موصوف کا اشتہار بھی شامل کر دیا تا قارئین با آسانی فیصلہ کر لیں کہ کیا ان کی کارروائی نیک نیتی پر مبنی ہے؟ [۵۵]

پیر صاحب کی لاہور میں اچانک آمد

اب پیر صاحب کی سنئے۔ انہوں نے ۱۲۔ اگست کو یہ اشتہار دیا اور یہ انتظار کئے بغیر کہ حضرت اقدسؑ کی طرف سے اس کا کیا جواب دیا جاتا دو تین روز بعد ہی اپنے مریدوں کی ایک بڑی جمعیت لے کر ۲۴۔ اگست بروز جمعہ لاہور پہنچ گئے۔ [۵۶] حضرت اقدس نے تفسیر نویسی کے مقابلہ میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی اور مولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی پروفیسر اورینٹل کالج لاہور کا نام بطور ثالث تجویز کیا تھا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اس موقع پر اپنے ایک ذاتی کام کے بہانہ سے شملہ کی طرف چلے گئے [۵۷] مگر موخر الذکر دو اصحاب اس دن آموجود ہوئے اور مزعومہ مباحثہ کی کارروائی سننے کے لئے بیرونی مقامات سے بھی کافی لوگ آپہنچے۔ [۵۸]

پیر صاحب کے مریدوں نے آتے ہی یہ اشتہار دے دیا کہ پیر صاحب بغرض مباحثہ آگئے ہیں اور انہوں نے مرزا صاحب کے تمام شرائط منظور کر لئے ہیں۔ پیر صاحب کا یہاں قدم رکھنا ہی تھا کہ لاہور میں یکایک مخالفت کا ایک خوفناک سیلاب امڈ آیا۔ بر سر عام گالیاں سنائی دینے لگیں اور منبروں سے حضرت اقدس کے واجب القتل ہونے کے وعظ ہونے لگے۔ [۵۹]

پیر صاحب کو میدان تفسیر نویسی میں لانے کے لئے مخلصانہ سعی و جدوجہد

لاہور کے مخلص احمدیوں نے پیر صاحب کی آمد کی اطلاع ملتے ہی یہ مخلصانہ سعی و جدوجہد شروع کر دی کہ پیر صاحب مقابلہ تفسیر نویسی کے لئے تیار ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے ۲۴۔ اگست ہی کو اشتہار دے دیا کہ پیر صاحب کے عقیدت مند لاہور اور راولپنڈی سے حضرت اقدسؑ کے خلاف گالیوں سے پر اشتہارات دے رہے ہیں۔ مگر

حکیم سلطان محمود صاحب آف راولپنڈی' محمد دین صاحب کتب فروش لاہور اور دوسرے مرید اپنے قابل احترام پیر صاحب سے صاف لفظوں میں یہ اشتہار نہیں دلواتے کہ ہمیں حضرت اقدس کا مقابلہ تفسیر نویسی بلا شرط منظور ہے گو حضرت اقدس کی طرف سے مقابلہ کی مجوزہ تاریخ گزر چکی ہے تاہم اگر وہ اب بھی اسے تسلیم فرمالیں تو دوبارہ مناسب تاریخ مقرر ہو جائے گی اور حضرت اقدس اس میں شامل ہو جائیں گے۔ جب اس اشتہار پر بھی پیر صاحب کی طرف سے خاموشی رہی تو انہوں نے اشتہار کی بجائے پیر صاحب کی خدمت میں نہایت ادب سے ایک دستی خط میں لکھا کہ

"اگر در حقیقت جناب دین اسلام پر رحم کرکے اس بڑے فتنے کو مٹانے کے لئے ہی لاہور میں تشریف لائے تو فی الفور اپنے دستخط خاص سے اس مضمون کی ایک تحریر شائع کر دیں کہ ہم مرزا غلام احمد صاحب کے ساتھ ان کے ۲۵۔ جولائی ۱۹۰۰ء والے اشتہار کے مطابق بلا کم و کاست شرائط سے مقابلہ تفسیر نویسی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ایسی تحریر پر کم از کم لاہور کے چار مشہور رئیسوں اور مولویوں کے شہادۃ دستخط کرا دیں ہم یہ عرض بادب کرتے ہیں کہ للہ آپ اس فیصلہ کے لئے آمادہ ہوں اور کسی طرح گریز کا خیال نہ فرمائیں۔" [۶۰]

یہ خط اگلے دن ۲۵۔ اگست کو لکھا گیا تھا۔ ایک غیر از جماعت دوست میاں عبدالرحیم صاحب داروغہ مارکیٹ۔ حکیم سید محمد عبداللہ صاحب بغدادی' منشی عبدالقادر صاحب مدرس' میاں میر بخش صاحب دکاندار لاہور کے ہمراہ پیر صاحب کی خدمت میں نماز ظہر کے وقت پہنچے۔ پیر صاحب موصوف نے فرمایا کہ اس کا جواب عصر کے بعد دیں گے مگر جب داروغہ صاحب پانچ بجے ان کی قیام گاہ پر پہنچے تو ان کے مریدوں نے داروغہ صاحب کو اندر نہ جانے دیا اور باہر ہی سے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ پیر صاحب اس خط کا کوئی جواب نہیں دیتے۔ [۶۱]

لاہور کے خدام مسیح موعودؑ نے ۲۷۔ جون ۱۹۰۰ء سے بذریعہ اشتہار ایک چیلنج دے رکھا تھا کہ اگر کوئی عالم یا گدی نشین اپنے تئیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ پر حق پر سمجھتے ہیں تو وہ بھی جمع ہو کر دعا کی قبولیت میں مقابلہ کرلیں اور وہ اس طرح کہ بعض لاعلاج مریضوں اور مصیبت زدوں کو بذریعہ قرعہ اندازی تقسیم کر لیا جائے۔ آدھے حضرت مرزا صاحب کے حصے میں اور آدھے فریق ثانی کے حصے میں۔ دونو خدا سے دعا کریں اور چالیس دن کے اندر اندر خدا سے خبر پاکر یہ بات شائع کر دیں کہ ہمارے مریضوں میں سے فلاں فلاں مریض تندرست ہو جائیں گے جس کی دعا سے مریض تندرست اور مصیبت زدہ خوش حال ہو جائیں وہ حق پر سمجھا جائے۔ اس سیدھے سادھے طریق کے جواب میں ایک طویل خاموشی کے بعد اسی روز ۲۵۔ اگست ۱۹۰۰ء کو لاہور میں ایک اشتہار تقسیم ہوا

جس میں مولوی غازی صاحب وغیرہ پیر صاحب کے مریدوں نے صاف لفظوں میں اقرار کیا کہ نہ خدا ہمارا طرف دار ہے اور نہ بیماروں کو ہماری دعا سے شفاء ہو سکتی ہے۔ مرزا صاحب یک طرفہ نشان دکھائیں اور مریضوں کو شفاء دلائیں۔ [۶۲]

افہام و تفہیم کی یہ سب صورتیں جب یکسر ناکام رہیں تو حکیم فضل الٰہی صاحب اور میاں معراج الدین صاحب عمر نے دوسرے دن (۲۶۔ اگست ۱۹۰۰ء کو) پیر صاحب کے نام ایک رجسٹری خط میں درخواست کی کہ وہ اپنی دستخطی تحریر سے شائع فرمادیں کہ مجھے ۲۰۔ جولائی ۱۹۰۰ء کی دعوت تفسیر نویسی بلا کم و کاست منظور ہے [۶۳] لیکن افسوس پیر صاحب نے رجسٹری لینے سے صاف انکار کر دیا [۶۴] مگر ان کے مریدوں نے یہ خبر پھیلائی کہ پیر صاحب نے تو مرزا صاحب کو ۲۵۔ اگست کو کئی تار دئے ہیں مگر مرزا صاحب کی طرف سے ہی کوئی جواب نہیں ملا جس پر ۲۷۔ اگست کو اشتہار دیا گیا کہ پیر صاحب للہ شہادت شائع کردیں کہ یہ خبر صحیح ہے تو ہم اکاون روپے بطور نذرانہ پیش کریں گے [۶۵] مگر پیر صاحب بدستور خاموش رہے۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ اسی روز صبح شاہی مسجد میں علماء کرام نے اصل واقعات پر پردہ ڈالنے کے لئے ایک بھاری جلسہ کیا اور مسلمانوں کو تلقین کی کہ مرزا صاحب اور ان کے مریدوں کی پرواہ نہ کریں اور نہ ان کی کسی بات کا جواب دیں۔ [۶۶]

اس موقع پر منشی نظام الدین صاحب فنانشل سیکرٹری انجمن حمایت اسلام نے پیر صاحب کی خدمت میں باصرار درخواست کی کہ وہ بھی اپنے خیالات سے مستفید فرمائیں۔ پھر بادشاہی مسجد میں لوگوں نے بڑی لجاجت سے درخواست کی کہ پبلک جلسہ میں کچھ فرمائیں۔ مگر انہوں نے صاف جواب دے دیا کہ میری آواز دھیمی ہے میں منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ [۶۷]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مفصل اشتہار

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو آپؑ نے ۲۸۔ اگست ۱۹۰۰ء کو ایک مفصل اشتہار دیا جس میں لکھا کہ

"مجھے معلوم ہوا کہ لاہور کے گلی کوچے میں پیر صاحب کے مرید اور ہم مشرب شہرت دے رہے ہیں کہ پیر صاحب تو بالمقابل تفسیر لکھنے کے لئے لاہور پہنچ گئے تھے مگر مرزا بھاگ گیا اور نہیں آیا۔ اس لئے پھر عام لوگوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ یہ تمام باتیں خلاف واقع ہیں جب کہ خود پیر صاحب بھاگ گئے ہیں اور بالمقابل تفسیر لکھنا منظور نہیں کیا اور نہ ان میں یہ مادہ اور نہ خدا کی طرف سے تائید ہے اور میں بہر حال لاہور پہنچ جاتا۔ مگر میں نے سنا ہے کہ اکثر پشاور کے جاہل سرحدی پیر صاحب کے ساتھ ہیں اور ایسا ہی لاہور کے اکثر سفلہ اور کمینہ طبع لوگ گلی کوچوں میں مستوں کی طرح گالیاں دیتے پھرتے

ہیں اور نیز مخالف مولوی بڑے جوش سے وعظ کر رہے ہیں کہ یہ شخص واجب القتل ہے تو اس صورت میں لاہور میں جانا بغیر کسی احسن انتظام [۶۸] کے کس طرح مناسب ہے... پھر بھی اگر پیر صاحب نے اپنی نیت کو درست کرلیا ہے اور سیدھے طور پر بغیر زیادہ کرنے کسی شرط کے وہ میرے مقابل میں عربی میں تفسیر لکھنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں بہرحال اس مقابلے کے لئے جو محض بالمقابل عربی تفسیر لکھنے میں ہو گا' لاہور میں اپنے تئیں پہنچاؤں گا۔ صرف دو امر کا خواہش مند ہوں جن پر لاہور میں میرا پہنچنا موقوف ہے۔ اول یہ کہ پیر صاحب سیدھی اور صاف عبارت میں بغیر کسی پیچ ڈالنے یا زیادہ شرط لکھنے کے اس مضمون کا اشتہار اپنے نام پر شائع کر دیں جس پر پانچ لاہور کے معزز اور مشہور ارکان کے دستخط بھی ہوں کہ میں نے قبول کرلیا ہے کہ میں بالمقابل مرزا غلام احمد قادیانی کے عربی فصیح بلیغ میں تفسیر قرآن شریف لکھوں گا.... اور چونکہ موسم برسات ہے اس لئے ایسی تاریخ اس مقابلہ کی لکھنی چاہئے کہ کم از کم تین دن پہلے مجھے اطلاع ہو جائے۔

۲۔ دوسرا امر جو میرے لاہور پہنچنے کے لئے شرط ہے وہ یہ ہے کہ شہر لاہور کے تین رئیس یعنی نواب شیخ غلام محبوب سبحانی صاحب اور نواب فتح علی شاہ صاحب اور سید برکت علی خاں صاحب سابق اکسٹرا اسسٹنٹ ایک تحریر بالاتفاق شائع کر دیں کہ ہم اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ پیر مہر علی شاہ صاحب کے مریدوں اور ہم عقیدوں کی طرف سے گالی یا کوئی وحشیانہ حرکت ظہور میں نہیں آئے گی۔ [۶۹] اور یاد رہے کہ لاہور میں میرے ساتھ تعلق رکھنے والے پندرہ یا بیس آدمی سے زیادہ نہیں ہیں اور میں ان کی نسبت یہ انتظام کر سکتا ہوں کہ مبلغ دو ہزار روپیہ ان تینوں رئیسوں کے پاس جمع کرا دوں گا۔ اگر میرے ان لوگوں میں سے کسی نے گالی دی یا زدوکوب کیا تو وہ تمام روپیہ میرا ضبط کر دیا جائے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ اس طرح پر خاموش رہیں گے کہ جیسے کسی میں جان نہیں مگر پیر مہر علی شاہ صاحب جن کو لاہور کے بعض رئیسوں سے بہت تعلقات ہیں اور شاید پیری مریدی بھی ہے ان کو روپیہ جمع کرانے کی کچھ ضرورت نہیں کافی ہو گا کہ حضرات معزز رئیساں موصوفین بالا ان تمام سرحدی پرجوش لوگوں کے قول اور فعل کے ذمہ دار ہو جائیں جو پیر صاحب کے ساتھ ہیں اور نیز ان کے دوسرے لاہوری مریدوں خوش عقیدوں اور مولویوں کی گفتار کردار کی ذمہ داری اپنے سر لے لیں جو کھلے کھلے طور پر میری نسبت کہہ رہے ہیں اور لاہور میں فتویٰ دے رہے ہیں کہ یہ شخص واجب القتل ہے۔ ان چند سطروں کے بعد جو ہر سہ رئیساں مذکورین بالا اپنی ذمہ داری سے اپنے دستخطوں کے ساتھ شائع کر دیں گے اور پیر صاحب کے مذکورہ بالا اشتہار کے بعد پھر میں اگر بلاتوقف لاہور میں نہ پہنچ جاؤں تو کاذب ٹھہروں گا۔"

پیر صاحب کے لئے مباحثہ کی ایک آسان شرط

اس اشتہار کے آخر میں آپ نے پیر صاحب کے مطالبہ مباحثہ کو پورا کرنے کے لئے یہ آسان تجویز لکھی کہ

"اگر پیر مہر علی شاہ صاحب بالمقابل عربی تفسیر لکھنے سے عاجز ہوں جیسا کہ در حقیقت یہی سچا امر ہے تو ایک اور سہل طریق ہے جو وہ طرز مباحثہ کی نہیں جس کے ترک کے لئے میرا وعدہ ہے۔ اور وہ طریق یہ ہے کہ اس کی ذمہ داری مذکورہ بالا کے بعد میں لاہور میں آؤں اور مجھے اجازت دی جائے کہ مجمع عام میں جس میں ہر سہ رئیس موصوفین بھی ہوں تین گھنٹے تک اپنے دعویٰ اور اس کے دلائل کو پبلک کے سامنے بیان کروں۔ پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف کوئی خطاب نہ ہو گا۔ اور جب میں تقریر ختم کر چکوں تو پیر مہر علی شاہ صاحب اٹھیں اور وہ بھی تین گھنٹے تک پبلک کو مخاطب کر کے ثبوت دیں کہ حقیقت میں قرآن اور حدیث سے یہی ثابت ہے کہ آسمان سے مسیح آئے گا۔ پھر بعد اس کے لوگ ان دونو تقریروں کا خود موازنہ اور مقابلہ کر لیں گے اور ان دونو باتوں میں سے اگر کوئی بات پیر صاحب منظور فرماویں تو بشرط تحریری ذمہ داری رؤسائے مذکورین میں لاہور میں آجاؤں گا۔" ۸۰

پیر صاحب کی گولڑہ کو واپسی

پیر مہر علی شاہ صاحب کا ارادہ ابتداء یکم ستمبر بروز جمعہ تک لاہور میں قیام کرنے کا تھا لیکن انہوں نے سوچا جمعہ کے دن پھر تقریر کے مطالبہ کی بوچھاڑ ہو گی اور ان کا رہا سہا وقار بھی خاک میں مل جائے گا۔ لہٰذا وہ قیام لاہور کا مزید پروگرام منسوخ کر کے جمعہ سے قبل ہی چل دیئے۔ اور جاتے ہوئے اپنے مریدوں کو وصیت فرما گئے کہ مرزا صاحب اور ان کی جماعت کی کتابیں اور اشتہارات ہرگز نہ پڑھیں ورنہ گمراہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب حضرت اقدسؑ کا یہ آخری اشتہار لاہور میں پہنچا تو وہ گولڑہ تشریف لے جا چکے تھے۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب منشی تاج الدین صاحب سیکرٹری انجمن فرقانیہ اور حضرت اقدسؑ کے دوسرے خدام نے مل کر انہیں فوراً یہ اشتہار رجسٹری بھجوا دیا اور انہیں لکھا کہ چونکہ آپ خلاف توقع جمعہ سے قبل ہی لاہور سے روانہ ہو گئے تھے اس لئے اسے رجسٹری کر کے آپ کی خدمت میں بھجوا رہے ہیں۔ احتیاطاً دو اشتہار آپ کے مریدان باصفا کو بھی دئے جا رہے ہیں کہ پیش خدمت کر دیں۔ نیز لکھا کہ اشتہار میں حضرت مرزا صاحب کی طرف سے رؤساء سے دستخط کروانے کی پانچ یوم کی مہلت میں مزید دس روز کا اضافہ کر دیا گیا ہے آپ اس عرصہ میں مذکورہ رؤساء سے دستخط کرا کے بھیج دیں۔ علاوہ ازیں انہیں یہ پیشکش بھی کی کہ اگر آپ اس مقابلہ میں تشریف لادیں گے تو آپ کو کرایہ ریل سیکنڈ کلاس اور آپ کے دو خادموں کا کرایہ انٹرمیڈیٹ کلاس آمد و رفت کا ہم نذر کریں گے۔ امید ہے کہ

آپ حق کے فیصلہ کے واسطے بہت جلد اس کا احسن انتظام کر کے لاہور میں تشریف لاویں گے۔" [۴۱]

جو وصیت پیر صاحب نے اپنے مریدوں کو کی تھی وہ بھلا خود اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے رجسٹری کیسے وصول کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس دفعہ بھی رجسٹری لینے سے صاف انکار کر دیا اور اس طرح سفر و قیام کے اخراجات کی پیشکش کے باوجود نہ ان کو اور نہ ان کے ہم مشرب علماء کرام کو حضرت اقدسؑ کے مطالبہ کی تکمیل میں وہ حدیث پیش کرنے کی جرات ہو سکی جس میں حضرت مسیح کے بجسد عنصری آسمان پر جانا اور پھر آنا مذکور ہو نیز وہ تفسیر نویسی اور بالمشافہ تقریر کے بھی مرد میدان نہ بن سکے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے اتمام حجت

پیر صاحب کے لاہور سے جانے کے بعد ان کے عقیدت مندوں کی طرف سے اشتہاروں کا ایک سلسلہ جاری کر دیا گیا جس میں لکھا کہ پیر مہر علی شاہ صاحب جیسے مقدس انسان بالمقابل تفسیر لکھنے کے لئے صعوبت سفر اٹھا کر لاہور پہنچے مگر مرزا صاحب اس بات پر اطلاع پا کر کہ وہ بزرگ نابغہ زماں سحبان دوراں اور علم و معارف قرآن میں لاثانی روزگار ہیں اپنے گھر کے کسی گوشہ میں چھپ گئے ورنہ حضرت پیر صاحب کی طرف سے معارف قرآنی بیان کرنے اور زبان عربی کی فصاحت دکھلانے میں بڑا نشان ظاہر ہوتا۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حق پوشی کا یہ رنگ دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی تحریک سے ۱۵۔ دسمبر ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ سے پیر مہر علی شاہ صاحب کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ ہم دونوں ستر دن میں اپنی اپنی جگہ فصیح و بلیغ عربی زبان میں سورہ فاتحہ کی تفسیر شائع کریں۔ نیز اعلان فرمایا کہ اگر تین اہل علم جو ادیب اور اہل زباں ہوں اور فریقین سے کچھ تعلق نہ رکھتے ہوں فیصلہ دیں کہ پیر صاحب کی تفسیر فصاحت و معارف کے اعتبار سے آپ کی تفسیر پر فائق ہے تو حضور بلا توقف پانچ سو روپیہ نقد پیر صاحب کی نذر کر دیں گے۔ اس اعلان کے بعد حضور نے پیر صاحب کو کھلی اجازت دی کہ وہ بے شک اپنی مدد کے لئے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی اور محمد حسن صاحب بھیں وغیرہ کو بلالیں بلکہ وہ چار عرب ادیبوں کی بھی خدمات حاصل کر سکتے ہیں۔ اور بالآخر لکھا کہ "اگر میعاد مجوزہ تک یعنی ۱۵۔ دسمبر ۱۹۰۰ء سے ۲۵۔ فروری ۱۹۰۱ء تک جو ستر دن میں ہے فریقین میں سے کوئی فریق تفسیر فاتحہ چھاپ کر شائع نہ کرے اور یہ دن گزر جائیں تو وہ جھوٹا سمجھا جائے گا اور اس کے کاذب ہونے کے لئے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں رہے گی۔" [۴۲]

"اربعین" کی تصنیف و اشاعت اور مخالفین پر اتمام حجت

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اپنے دعویٰ کی اشاعت اور مخالفین پر اتمام حجت کے لئے ہمیشہ نئی نئی راہیں سوچتے رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ نے جولائی ۱۹۰۰ء میں یہ تجویز فرمائی کہ ایک یا دو صفحے پر چالیس اشتہار شائع کئے جائیں اور اسی لئے حضورؑ نے شروع میں اس کا نام "اربعین اتمام الحجہ علی المخالفین" تجویز فرمایا اور قارئین کو ہدایت فرمائی کہ وہ ان اشتہارات کو جمع کرتے جائیں۔ شروع میں حضرت اقدسؑ یہی چاہتے تھے کہ ہر پندرہ دن کے بعد (بشرطیکہ کوئی روک پیدا نہ ہو) یہ اشتہار نکلتے رہیں یہاں تک کہ چالیس پورے ہو جائیں یا کوئی مخالف صحت نیت کے ساتھ میدان میں آکر حضور کی طرح کوئی نشان دکھلائے۔ [۳۷] لیکن بعد میں جو آپ نے قلم اٹھایا تو حالات ایسے ہو گئے کہ آپ کو بڑے بڑے اشتہارات شائع کرنا پڑے اور ابھی آپ نے چار اشتہار [۳۸] ہی دئے تھے کہ ان کا حجم ۱۲۸ صفحات تک پہنچ گیا جو ابتدائی اندازہ سے کہیں زیادہ تھا آپ کے مد نظر گنتی کو پورا کرنا نہیں تھا بلکہ دعویٰ کی اشاعت اور اتمام حجت اصل مقصود تھا اس لئے آپ نے یہ سلسلہ یہیں ختم کر دیا اور اسے پندرہ دسمبر ۱۹۰۰ء کو ایک سرورق لگا کر شائع کر دیا۔

نشان نمائی کی دعوت

اربعین کے پہلے اشتہار میں آپ نے ایک دفعہ پھر پورے زور اور قوت سے نہایت پر جلال الفاظ میں یہ دعویٰ فرمایا کہ۔

"میرا خدا جو آسمان اور زمین کا مالک ہے میں اس کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ میں اس کی طرف سے ہوں اور وہ اپنے نشانوں سے میری گواہی دیتا ہے۔ اگر آسمانی نشانوں میں کوئی میرا مقابلہ کر سکے تو میں جھوٹا ہوں۔ اور اگر دعاؤں کے قبول ہونے میں کوئی میرے برابر اتر سکے تو میں جھوٹا ہوں۔ اگر قرآن کے نکات اور معارف بیان کرنے میں کوئی میرا ہم پلہ ٹھہر سکے تو میں جھوٹا ہوں اگر غیب کی پوشیدہ باتیں اور اسرار جو خدا کی اقتداری قوت کے ساتھ پیش از وقت مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں ان میں کوئی میری برابری کر سکے تو میں خدا کی طرف سے نہیں ہوں۔

اب کہاں ہیں وہ پادری صاحبان جو کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ حضرت سیدنا و سید الوریٰ محمد مصطفیٰ ﷺ سے کوئی پیش گوئی اور کوئی امر خارق عادت ظہور میں نہیں آیا۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ زمین پر وہ ایک ہی انسان گزرا ہے جس کی پیش گوئیاں اور دعائیں قبول ہونا اور دوسرے خوارق ظہور میں آنا

ایک ایسا امر ہے جو اب تک امت کے سچے پیروؤں کے ذریعہ سے دریا کی طرح موجیں مار رہا ہے۔ بجز اسلام وہ مذہب کہاں اور کدھر ہے جو یہ خصلت اور طاقت اپنے اندر رکھتا ہے اور وہ لوگ کہاں اور کس ملک میں رہتے ہیں جو اسلامی برکات اور نشانوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں... اور میں صرف یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا تعالیٰ کی پاک وحی سے غیب کی باتیں میرے پر کھلتی ہیں اور خارق عادت امر ظاہر ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی کہتا ہوں کہ جو شخص دل کو پاک کر کے اور خدا اور اس کے رسول پر سچی محبت رکھ کر میری پیروی کرے گا وہ بھی خدا تعالیٰ سے یہ نعمت پائے گا مگر یاد رکھو کہ تمام مخالفوں کے لئے یہ دروازہ بند ہے۔ اور اگر دروازہ بند نہیں ہے تو کوئی آسمانی نشانوں میں مجھ سے مقابلہ کرے۔ اور یاد رکھیں کہ ہرگز نہیں کر سکیں گے۔ پس یہ اسلامی حقیقت اور میری حقانیت کی ایک زندہ دلیل ہے۔" [۷۰]

اسی قوت نشان نمائی کی آزمائش کے لئے حضورؑ نے اپنے اشتہاروں میں دو نہایت آسان صورتیں پیش فرمائیں۔

پہلی صورت

اسلام کی سچائی اور اپنی سچائی کی زندہ دلیل یعنی قوت نشان نمائی کے امتحان کے لئے پہلی صورت یہ پیش کی کہ علمائے وقت میں سے کم از کم چالیس نامی جید اور فاضل علماء جیسے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی (شیخ الکل) مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی' مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی' مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور پیر مہر علی شاہ صاحب پچاس معزز مسلمانوں کے دستخط سے اخبار میں یہ اقرار نامہ شائع کر دیں کہ اگر مرزا صاحب کی طرف سے کوئی فوق العادت نشان ظاہر ہو تو ہم حضرت ذوالجلال سے ڈر کر مخالفت چھوڑ دیں گے اور بیعت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ضروری کوئی جدید نشان ظاہر کرے گا۔ یہ نہیں ہو گا کہ وہ کوئی پچاس ساٹھ سال مقرر کر دے بلکہ کوئی معمولی مدت ہو گی جو عدالت سے مقدمات یا امور تجارت میں بھی اہل غرض اس کو اپنے لئے منظور کر لیتے ہیں۔ [۷۱]

دوسری صورت

اپنے دعویٰ کی آزمائش کی دوسری صورت آپ نے یہ رکھی کہ اگر یہ طریق ان کو منظور نہ ہو اور ایسا اقرار وہ اپنی عظمت و شان کے منافی تصور فرمائیں تو "آپ لوگ محض خدا تعالیٰ سے خوف کر کے اور اس امت محمدیہ کے حال پر رحم کرتے ہوئے بٹالہ یا امرتسر یا لاہور میں ایک جلسہ کریں اور اس میں جہاں تک ممکن ہو اور جس قدر ہو سکے معزز علماء اور دنیادار جمع ہوں اور میں بھی اپنی جماعت کے ساتھ حاضر ہو جاؤں۔ تب وہ سب یہ دعا کریں کہ یا الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ یہ شخص مفتری ہے اور تیری طرف سے نہیں ہے اور نہ مسیح موعود ہے اور نہ مہدی ہے

تو اس فتنہ کو مسلمانوں سے دور کر اور اس کے شر سے اسلام اور اہل اسلام کو بچالے جس طرح تو نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کو دنیا سے اٹھا کر مسلمانوں کو ان کے شر سے بچالیا۔ اور اگر یہ تیری طرف سے ہے اور ہماری ہی عقلوں اور فہموں کا قصور ہے تو اے قادر ہمیں سمجھ عطا فرما تا ہم ہلاک نہ ہو جائیں اور اس کی تائید میں کوئی ایسے امور اور نشان ظاہر فرما کہ ہماری طبیعتیں قبول کر جائیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔ اور جب یہ تمام دعا ہو چکے تو میں اور میری جماعت بلند آواز سے آمین کہیں اور پھر بعد اس کے میں دعا کروں گا اور اس وقت میرے ہاتھ میں وہ تمام الہامات ہوں گے جو ابھی لکھے گئے ہیں اور جو کسی قدر ذیل میں لکھے جائیں گے غرض یہی رسالہ (مراد اربعین نمبر۲۔ ناقل) مطبوعہ جس میں تمام یہ الہامات ہیں ہاتھ میں ہو گا اور دعا کا یہ مضمون ہو گا کہ یا الٰہی اگر یہ الہامات جو اس رسالہ میں درج ہیں اور جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے جن کی رو سے میں اپنے تئیں مسیح موعود اور مہدی معہود سمجھتا ہوں اور حضرت مسیح کو فوت شدہ قرار دیتا ہوں تیرا کلام نہیں ہے اور میں تیرے نزدیک کاذب اور مفتری اور دجال ہوں جس نے امت میں فتنہ ڈالا ہے اور تیرا غضب میرے پر ہے تو میں تیری جناب میں تضرع سے دعا کرتا ہوں کہ آج کی تاریخ سے ایک سال کے اندر زندوں میں سے میرا نام کاٹ ڈال اور میرا تمام کاروبار درہم برہم کر دے اور دنیا میں سے میرا نشان مٹا ڈال۔ اور اگر میں تیری طرف سے ہوں اور یہ الہامات جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہیں تیری طرف سے ہیں اور میں تیرے فضل کا مورد ہوں تو اے قادر کریم اس آئندہ سال میں میری جماعت کو ایک فوق العادت ترقی دے اور فوق العادت برکات شامل حال فرما اور میری عمر میں برکت بخش اور آسمانی تائید نازل کر اور جب یہ دعا ہو چکے تو تمام مخالف جو حاضر ہوں آمین کہیں۔"

یہ صورت پیش کرتے ہوئے حضورؑ نے پیشوایان قوم سے دردمندانہ اپیل کی کہ

"اے بزرگو اور قوم کے مشائخ اور علماء پھر میں آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اس درخواست کو ضرور قبول فرمائیں... میں نے محض خدا کے لئے یہ تجویز نکالی ہے۔ اور میرا خدا شاہد حال ہے کہ میں نے صرف اظہار حق کے لئے یہ تجویز پیش کی ہے۔ اس میں کوئی تجویز مباہلہ کی نہیں جو کچھ ہے وہ میری جان اور عزت پر ہے۔ برائے خدا اس کو ضرور منظور فرمائیں۔" [۷۷]

اس نوع کے جلسہ کے انعقاد کے لئے حضور نے پہلے ۱۵۔ اکتوبر [۷۸] ۱۹۰۰ء کی تاریخ مقرر کی جسے علماء کرام کی سہولت کے لئے ۲۵۔ دسمبر ۱۹۰۰ء [۷۹] کر دی۔

قوم کو درد دل سے ایک دعوت

ان دونو صورتوں میں سے اگر اس زمانہ کے علماء کوئی صورت اختیار فرما لیتے تو دنیا ضرور خدا تعالیٰ کا ایک اور

زبردست نشان دیکھتی اور امت مسلمہ کا انتشار اور تفرقہ بھی بہت حد تک رفع ہو جاتا۔ مگر افسوس اس زمانہ کے مامور ربانی کی درد بھری آواز کا جواب سب و شتم اور گالیوں کی شکل میں دیا جس پر حضرت اقدسؑ نے ۲۹۔ دسمبر ۱۹۰۰ء کو لکھا۔

"میں محض نصیحتاً مخالف علماء اور ان کے ہم خیال لوگوں کو کہتا ہوں کہ گالیاں دینا اور بد زبانی کرنا طریق شرافت نہیں ہے۔ اگر آپ لوگوں کی یہی طینت ہے تو خیر آپ کی مرضی۔ لیکن اگر مجھے آپ لوگ کاذب سمجھتے ہیں تو آپ کو یہ بھی تو اختیار ہے کہ مساجد میں اکٹھے ہو کر یا الگ الگ میرے پر بد دعائیں کریں اور رو رو کر استیصال چاہیں۔ پھر اگر میں کاذب ہوں گا تو ضرور وہ دعائیں قبول ہو جائیں گی اور آپ لوگ ہمیشہ دعائیں کرتے بھی ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ اگر آپ اس قدر دعائیں کریں کہ زبانوں میں زخم پڑ جائیں اور اس قدر رو رو کر سجدوں میں گریں کہ ناک گھس جائیں اور آنسوؤں سے آنکھوں کے حلقے گل جائیں اور پلکیں جھڑ جائیں اور کثرت گریہ و زاری سے بینائی کم ہو جائے اور آخر دماغ خالی ہو کر مرگی پڑنے لگے یا مالیخولیا ہو جائے تب بھی وہ دعائیں سنی نہیں جائیں گی۔ کیوں کہ میں خدا تعالیٰ سے آیا ہوں۔ جو شخص میرے پر بد دعا کرے گا وہ بد دعا اسی پر پڑے گی۔ جو شخص میری نسبت یہ کہتا ہے کہ اس پر لعنت ہو وہ لعنت اس کے دل پر پڑتی ہے مگر اس کو خبر نہیں۔"

"میری روح میں وہی سچائی ہے جو ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ مجھے خدا سے ابراہیمی نسبت ہے۔ کوئی میرے بھید کو نہیں جانتا مگر میرا خدا۔ مخالف لوگ عبث اپنے تئیں تباہ کر رہے ہیں۔ میں وہ پودہ نہیں ہوں کہ ان کے ہاتھ سے اکھڑ سکوں۔ اگر ان کے پہلے اور ان کے پچھلے اور ان کے زندے اور ان کے مردے تمام جمع ہو جائیں۔ اور میرے مارنے کے لئے دعائیں کریں تو میرا خدا ان تمام دعاؤں کو لعنت کی شکل پر بنا کر ان کے منہ پر مارے گا۔ دیکھو صدہا دانش مند آدمی آپ لوگوں کی جماعت میں سے نکل کر ہماری جماعت میں ملتے جاتے ہیں۔ آسمان پر ایک شور برپا ہے اور فرشتے پاک دلوں کو کھینچ کر اس طرف لا رہے ہیں اب اس آسمانی کارروائی کو کیا انسان روک سکتا ہے؟ بھلا اگر کچھ طاقت ہے تو روکو۔ وہ تمام مکر و فریب جو نبیوں کے مخالف کرتے رہے ہیں وہ سب کرو اور کوئی تدبیر اٹھائے نہ رکھو۔ ناخنوں تک زور لگاؤ۔ اتنی بد دعائیں کرو کہ موت تک پہنچ جاؤ پھر دیکھو کہ کیا بگاڑ سکتے ہو۔ خدا کے آسمانی نشان بارش کی طرح برس رہے ہیں مگر بد قسمت انسان دور سے اعتراض کرتے ہیں۔ جن دلوں پر مہریں ہیں ان کا ہم کیا علاج کریں۔ اے خدا! تو اس امت پر رحم کر' آمین۔" ۸۰

حافظ محمد یوسف صاحب ضلع دار نہر اور ان کے ہم خیال علماء کے لئے پانچ سو روپیہ کا انعامی اشتہار

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دعویٰ مسیحیت کے وقت اکثر مخالف علماء اور عامتہ المسلمین کا یہ خیال تھا کہ آپ کی تحریک مخالفت کی تاب نہ لا کر بہت جلد تباہ و برباد ہو جائے گی۔ لیکن برسوں کی آویزش اور کشمکش کے بعد جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضور کی جماعت روز بروز بڑھتی گئی اور اسے غیر معمولی ترقی نصیب ہونے لگی اور حضورؑ کے دعویٰ الہام و کلام پر تیس اور اس کی اشاعت پر بھی اکیس برس ہو گئے تو اس کا ردعمل اس شکل میں ظاہر ہوا کہ انہوں نے قرآن مجید کے واضح اعلان اور امت کے چودہ سو سالہ متفقہ عقیدہ سے ہٹ کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ کسی شخص کا دعویٰ الہام و کلام کے بعد تیئیس برس کی مہلت پانا اور ترقی حاصل کرنا اس کی سچائی کی دلیل نہیں ہے۔ [۸۱]

یہ خیال غالباً سب سے پہلے برملا پیش کرنے والے حافظ محمد یوسف صاحب ضلع دار نہر تھے جنہوں نے لاہور میں بعض غلط کار علماء سے متاثر ہو کر ایک مجلس میں جہاں مرزا خدا بخش صاحب، میاں معراج دین صاحب عمرؔ، مفتی محمد صادق صاحب، صوفی محمد علی صاحب کلرک، میاں چٹو صاحب لاہوری، خلیفہ رجب دین صاحب، شیخ یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر الحکم، حکیم محمد حسین صاحب قریشی، حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ، میاں چراغ دین صاحب کلرک اور مولوی یار محمد صاحب موجود تھے۔ بڑے اصرار کے ساتھ اپنے اس مسلک کا اظہار کیا کہ اگر کوئی نبی یا رسول یا اور کوئی مامور من اللہ ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرے تو اپنے افتراء کے ساتھ تیئیس برس تک یا اس سے زیادہ زندہ رہ سکتا ہے یعنی افتراء علی اللہ کے بعد اس قدر عمر پانا اس کی سچائی کی دلیل نہیں ہو سکتا نیز دعویٰ کیا بلکہ تحریر لکھ دی کہ ایسے کئی لوگوں کے نام میں نظیراً پیش کر دوں گا جنہوں نے نبی یا رسول یا مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ تیئیس برس یا اس سے زیادہ عرصہ تک لوگوں کو سناتے رہے کہ خدا کا کلام ہم پر نازل ہوتا ہے حالانکہ وہ کاذب تھے۔

اس دعویٰ پر چونکہ براہ راست رسول خدا ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر زد پڑتی تھی اور نبوت محمدیہ پر خطرناک حرف آتا تھا اس لئے حضورؑ نے اربعین نمبر ۳ اور نمبر ۴ میں حافظ محمد یوسف صاحب اور ان کے ہم خیال علماء، مشائخ اور سجادہ نشینوں کو پانچ سو روپیہ انعام کا اعلان کرتے ہوئے زبردست چیلنج دیا کہ "اگر حافظ محمد یوسف صاحب اور ان کے دوسرے ہم مشرب جن کے نام میں نے

اس اشتہار میں لکھے ہیں اپنے اس دعویٰ میں صادق ہیں یعنی اگر یہ بات صحیح ہے کہ کوئی شخص نبی یا رسول اور مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کر کے اور کھلے کھلے طور پر خدا کے نام پر کلمات لوگوں کو سنا کر پھر باوجود مفتری ہونے کے برابر تئیس برس تک جو زمانہ وحی آنحضرت ﷺ ہے زندہ رہا ہے تو میں ایسی نظیر پیش کرنے والے کو بعد اس کے جو مجھے ثبوت کے موافق یا قرآن کے ثبوت کے موافق ثبوت دے دے پانچ سو روپیہ نقد دے دوں گا۔" [۸۲]

حضرت اقدسؑ نے صرف اس چیلنج پر اکتفا نہ کرتے ہوئے لو تقول کی قرآنی دلیل پر ہر پہلو سے مفصل روشنی ڈالی اور تحریر فرمایا کہ

"ہم یقیناً جانتے ہیں کہ قرآنی دلیل کبھی ٹوٹ نہیں سکتی یہ خدا کی پیش کردہ دلیل ہے نہ کسی انسان کی۔ کئی کم بخت بد قسمت دنیا میں آئے اور انہوں نے قرآن کی اس دلیل کو توڑنا چاہا مگر آخر آپ ہی دنیا سے رخصت ہو گئے مگر یہ دلیل نہ ٹوٹ سکی۔ حافظ صاحب علم سے بے بہرہ ہیں ان کو خبر نہیں کہ ہزار ہا نامی علماء اور اولیاء ہمیشہ اس دلیل کو کفار کے سامنے پیش کرتے رہے اور کسی عیسائی یا یہودی کو طاقت نہ ہوئی کہ کسی ایسے شخص کا نشان دے جس نے افتراء کے طور پر مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کر کے زندگی کے تئیس برس پورے کئے ہوں۔ پھر حافظ صاحب کی کیا حقیقت اور سرمایہ ہے کہ اس دلیل کو توڑ سکیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی وجہ سے بعض جاہل اور نافہم مولوی میری ہلاکت کے لئے طرح طرح کے حیلے سوچتے رہے ہیں تا یہ مدت پوری نہ ہونے پاوے جیسا کہ یہودیوں نے نعوذ باللہ حضرت مسیحؑ کو رفع سے بے نصیب ٹھہرانے کے لئے صلیب کا حیلہ سوچا تھا تا اس سے دلیل پکڑیں کہ عیسیٰ بن مریمؑ ان صادقوں میں سے نہیں ہے جن کا رفع الی اللہ ہوتا رہا ہے مگر خدا نے مسیح کو وعدہ دیا کہ میں تجھے صلیب سے بچاؤں گا اور اپنی طرف سے تیرا رفع کروں گا جیسا کہ ابراہیم اور دوسرے پاک نبیوں کا رفع ہوا۔ سو اسی طرح ان لوگوں کے منصوبوں کے برخلاف خدا نے مجھے وعدہ دیا کہ میں اسی برس یا دو تین برس کم یا زیادہ تیری عمر کروں گا تا لوگ کمئی عمر سے کاذب ہونے کا نتیجہ نہ نکال سکیں جیسا کہ یہودی صلیب سے نتیجہ عدم رفع کا نکالنا چاہتے تھے... اور خدا نے مجھے اطلاع دی کہ بعض ان میں سے تیرے پر بددعائیں بھی کرتے رہیں مگر ان کی بددعائیں میں انہی پر ڈالوں گا اور در حقیقت لوگوں نے اس خیال سے کہ کسی طرح لو تقول کے نیچے مجھے لے آئیں۔ منصوبہ بازی میں کچھ کمی نہیں کی۔ بعض مولویوں نے قتل کے فتوے دئے بعض مولویوں نے جھوٹے قتل کے مقدمات بنانے کے لئے میرے پر گواہیاں دیں بعض مولوی میری موت کی جھوٹی پیش گوئیاں کرتے رہے۔ بعض مسجدوں میں میرے مرنے کے لئے ناک رگڑتے رہے بعض نے جیسا کہ مولوی غلام دستگیر قصوری نے

اپنی کتاب میں اور مولوی اسمٰعیل علی گڑھ والے نے میری نسبت قطعی حکم لگایا کہ وہ اگر کاذب ہے تو ہم سے پہلے مرے گا اور ضرور ہم سے پہلے مرے گا کیوں کہ کاذب ہے۔ مگر جب ان تالیفات کو دنیا میں شائع کر چکے تو پھر بہت جلد آپ ہی مر گئے اور اس طرح پر ان کی موت نے فیصلہ کر دیا کہ کاذب کون تھا مگر پھر بھی یہ لوگ عبرت نہیں پکڑتے۔" ۸۲

علماء کا عجز

اس انعامی چیلنج کے مقابلہ میں حافظ محمد یوسف صاحب اور ان کے ہم خیال علماء بالکل لاجواب اور عاجز رہ گئے اور وہ کوئی ایک نظیر بھی پیش نہ کر سکے۔ اور بعض علماء نے بڑی دیدہ ریزی اور برسوں کی مسلسل سعی و جدوجہد کے بعد جو مثالیں پیش کیں ان کا حضرت اقدس ؑ کے چیلنج سے کوئی تعلق ہی نہ تھا یعنی ان کے پیش کردہ بعض افراد تو وہ تھے جن کا دعویٰ الہام تاریخی اعتبار سے ثابت نہیں ہو سکتا اور جن کے متعلق ایسا دعویٰ ثابت ہوتا ہے وہ یا تائب ہو گئے یا کیفر کردار تک پہنچ کر لو تقول کی ابدی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر گئے۔

پیر مہر علی شاہ صاحب پر اتمام حجت اور "تحفہ گولڑویہ" کی تصنیف و اشاعت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پیر مہر علی شاہ صاحب نے (جو تفسیر نویسی کے مقابلہ سے چھٹکارا پانے کے لئے) دعوت مباحثہ دی تو چونکہ آپ "انجام آتھم" میں اپنے اس فیصلہ کا اعلان فرما چکے تھے کہ آئندہ علماء سے ان کی غیر اسلامی روش اور دشنام طرازی کے سبب کبھی مباحثہ نہیں کریں گے بلکہ مخاطب تک نہیں کریں گے۔ ۸۳ اس لئے حضور نے مباحثہ تو منظور نہیں کیا مگر طبعاً آپ کو اندیشہ ہوا کہ عوام کا حافظہ بہت کمزور اور غور و فکر کا مادہ کم ہوتا ہے وہ اگرچہ یہ تو سمجھ لیں گے کہ پیر صاحب عربی فصیح میں تفسیر لکھنے پر قادر نہیں تھے لیکن ساتھ ہی ان کو یہ خیال بھی گزرے گا کہ منقولی مباحثات پر ضرور وہ قادر ہوں گے تبھی تو درخواست پیش کر دی اور اپنے دلوں میں گمان کریں گے کہ ان کے پاس حضرت مسیح ؑ کی زندگی اور حضور کی صداقت کے دلائل کے رد میں کچھ دلائل ہیں۔ اور ان کا ذہن قطعاً اس طرف نہیں جائے گا کہ یہ زبانی مباحثہ کی جرات بھی آپ ہی کے عہد ترک بحث نے ان کو دلائی ہے جو انجام آتھم میں طبع ہو کر لاکھوں انسانوں میں مشتہر ہو چکا تھا۔ لہٰذا حضور نے "تحفہ گولڑویہ" جیسی لاجواب کتاب تالیف فرمائی اور اعلان کیا کہ اگر پیر صاحب اس کے مقابل کوئی رسالہ لکھ کر میرے تمام دلائل اول سے آخر تک توڑ دیں اور پھر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بٹالہ میں

ایک جلسہ منعقد کر کے ہم دونو کی حاضری میں یہ تمام دلائل ایک ایک کر کے حاضرین کے سامنے ذکر کریں اور پھر ہر ایک دلیل کے مقابل پر جسے وہ کسی تصرف کے بغیر حاضرین کو سنادیں پیر صاحب کے جوابات سنادیں اور خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہیں کہ یہ جوابات صحیح ہیں اور دلیل پیش کردہ کا قلع قمع کرتے ہیں تو میں پچاس روپیہ انعام پیر صاحب کو ان کے فاتح ہونے کے اعتراف میں اسی مجلس میں دے دوں گا اور اگر پیر صاحب تحریر فرمائیں تو میں یہ رقم پہلے سے مولوی محمد حسین صاحب کے پاس جمع کرادوں گا قسم کھانے کے بعد میری شکایت ان پر کوئی نہیں ہوگی صرف خدا پر نظر ہوگی جس کی وہ قسم کھائیں گے پیر صاحب کا یہ اختیار نہیں ہوگا کہ یہ فضول عذرات پیش کریں کہ میں نے پہلے سے رد کرنے کے لئے کتاب لکھی ہے کیوں کہ انہوں نے اگر اس انعامی رسالہ کا جواب نہ دیا تو بلاشبہ واضح ہو جائے گا کہ وہ سیدھے طریق سے مباحثات پر بھی قادر نہیں ہیں۔ [۸۵] چنانچہ عملاً ایسا ہی ہوا۔ پیر صاحب موصوف اور ان کے مرید زمین و آسماں کے قلابے تو ملاتے رہے مگر انہیں اس کا جواب دینے اور سیدھے سادھے طریق فیصلہ کے قبول کرنے کی آخر دم تک جرات نہ ہو سکی۔

تحفہ گولڑویہ کی تالیف کا آغاز جولائی ۱۹۰۰ء میں ہوا اور اس کی اشاعت یکم ستمبر ۱۹۰۲ء میں ہوئی یہ مفصل و مدلل تصنیف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے دلائل و براہین کا جامع اور لطیف ترین مجموعہ ہے۔ اس میں حضور نے موسوی و محمدی سلسلوں کی حیرت انگیز مماثلت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم و حدیث اور اولیاء امت محمدیہ کے کشوف اور پیش گوئیوں سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح کر دکھایا ہے کہ مسیح موعودؑ کو چودھویں صدی میں ظہور کرنا چاہئے تھا اور یہ کہ وہ میں ہی ہوں جس کے آنے سے خدا کے گزشتہ نوشتے ایسی صفائی سے پورے ہو گئے کہ کسی کو انکار کی مجال نہیں رہی۔

حضرت پیر کوٹھے والے صاحب کی شہادت

اس ضمن میں آپ نے بالخصوص ایک صاحب کشف و الہام بزرگ پیر کوٹھے والے صاحب [۸۶] کی شہادت پیش کی جنہوں نے اپنی وفات سے چند سال قبل اپنے خاص محبوں کو بتادیا کہ امام مہدی آخر الزماں پیدا ہو چکا ہے لیکن ابھی ظاہر نہیں ہوا۔ زبان اس کی پنجابی ہے۔ اس پر اس قدر شدید مصائب آئیں گے جن کی نظیر گزشتہ زمانہ میں نہ ہوگی مگر اسے ذرہ بھر پروا نہ ہوگی نیز خبر دی کہ میرے بعض احباب مہدی آخری الزماں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے یہ شہادت حضرت پیر کوٹھے والے کے خلیفہ زادہ حکیم محمد یحییٰ صاحب دیپگرانی نے ۲۳۔ جنوری ۱۹۰۰ء کو حضرت اقدسؑ کی خدمت میں بھجوائی تھی جو حضرت پیر صاحب کے دو خاص مصاحبوں (حافظ نور محمد صاحب [۸۷]

متوطن گڑھی امازئی اور گلزار خان ساکن بڈا بیر علاقہ پشاور) کی چشم دید روایت پر مبنی تھی۔ علاوہ ازیں اس علاقہ کے بعض اور متدین اور معزز احباب مثلاً (محمد اسمٰعیل صاحب محلہ گلباد شاہ پشاور اور مولوی حمید اللہ صاحب ملا صوات) نے بھی اس روایت کی تصدیق کی۔ مولوی حمید اللہ صاحب نے تو حضرت اقدس کی خدمت میں بزبان فارسی ایک خط میں حلفاً یہ بیان تحریر کیا اور حضرت پیر صاحب کے یہ اصل افغانی لفظ بھی لکھے جو ان کی زبان مبارک سے نکلے تھے یعنی "چہ مہدی پیدا شوے وے او وقت د ظہور ندے" [۸۸] یعنی مہدی موعودؑ پیدا ہو گیا ہے لیکن ابھی ظاہر نہیں ہوا۔

حواشی

۱۔ "منتجبات التاریخ لدمشق" جزو سوم صفحہ ۱۰۳۵ (از محمد ادیب آل تقی الدین الحصنی) مطبعۃ الحدیثہ دمشق ۱۹۳۴ء و معجم البدان جلد ۴ صفحہ ۷۷ (مولفہ امام شہاب الدین ابو عبداللہ) طبع اول ۱۹۰۶ء و "تمدن عرب" اردو صفحہ ۱۶۵ (از فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاولی بان) مترجم شمس العلماء سید علی بلگرامی صاحب مطبوعہ اعظم سٹیم پریس حیدر آباد دکن۔ "اسلامی انسائیکلوپیڈیا" جلد اول صفحہ ۲۲۱ مرتبہ منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور۔

۲۔ "منتجبات التواریخ لدمشق" جلد سوم صفحہ ۱۰۳۵۔

۳۔ ملاحظہ ہو ترجمہ "بلاد فلسطین وشام" از جی۔ بی اسٹرینج صفحہ ۳۲۹ (شائع کردہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن)۔

۴۔ "منتجبات التواریخ" جلد سوم صفحہ ۱۰۳۶۔

۵۔ حج الکرامہ صفحہ ۱۳۸ میں حضرت امام سیوطی کا یہ دعویٰ لکھا ہوا موجود ہے کہ "انی المجدد" (میں مجدد ہوں) مصر کے باشندے تھے۔ آپ کی تصنیفات کی تعداد چار سو کے قریب ہے جن میں تفسیر در منثور اور جلالین کا آخری حصہ بہت مشہور ہے۔ ۱۵۰۵ء میں وفات پائی (قاموس المشاہیر)

۶۔ حاشیہ ابن ماجہ مصری صفحہ ۲۶۵ (مطبوعہ ۱۳۱۳ھ)۔

۷۔ اشتہار ۱۸۔ مئی ۱۹۰۰ء (مشمولہ خطبہ الہامیہ)

۸۔ نزول عیسیٰ والی حدیث مکاشفات میں سے ہے اور مکاشفات ہمیشہ مجازات واستعارات پر مبنی ہوتے اور کئی رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں لہذا حضرت اقدس نے اس منارہ کی تحریک ہونے سے قبل اس حدیث کی بناء پر پیش گوئی فرمائی کہ حضور یا حضور کا کوئی خلیفہ دمشق کی طرف سفر کرے گا (حمامتہ البشریٰ صفحہ ۷ ۳ مطبوعہ جنوری ۱۸۹۴ء) چنانچہ حضورؑ کے جانشین سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ۱۹۲۴ء کے سفر یورپ کے دوران دمشق بھی ٹھہرے اور منارہ بیضاء کے مشرقی طرف قیام پذیر ہوئے۔ اس کے بعد جب آپ نے دوسری مرتبہ سفر یورپ اختیار فرمایا تو آپ بذریعہ طیارہ دمشق میں نزول فرما ہوئے اور حدیث نبوی ظاہری لحاظ سے بھی کمال صفائی سے پوری ہو گئی۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

۹۔ تبلیغ رسالت جلد ۹ صفحہ ۳۳۔۴۹ (ضمیمہ خطبہ الہامیہ)۔

۱۰۔ الفضل ۲۶ جنوری ۱۹۲۰ء صفحہ ۸

۱۱۔ منشی صاحب نے تو اپنے گھر کا تمام سامان فروخت کر کے تین سو روپیہ پیش کر دیا جس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ شادی خاں صاحب سیالکوٹی نے بھی وہی نمونہ دکھایا ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دکھایا تھا کہ سوائے خدا کے اپنے گھر میں کچھ نہیں چھوڑا۔ جب میاں شادی خاں نے یہ سنا تو گھر میں جو چارپائیاں تھیں ان کو بھی فروخت کر ڈالا اور ان کی رقم بھی حضرت کے حضور پیش کر دی۔ (الحکم ۲۶۔ جنوری ۱۹۲۰ء صفحہ ۸)۔ ایضاً "سیرت احمد" طبع اول صفحہ ۱۴۳ (مولفہ حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری)

۱۲۔ تبلیغ رسالت جلد ۹ صفحہ ۵۳۔ ۶۴

۱۳۔ الحکم ۱۴۔ فروری ۱۹۱۸ء صفحہ ۱۲ و ۲۸۔ فروری ۱۹۱۸ء صفحہ ۱۲۔

۱۴۔ الحکم ۲۸۔ فروری ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۵ کالم ۳

۱۵۔ الحکم ۱۴۔ فروری ۱۹۱۸ء صفحہ ۱۱۔ ۱۲

۱۶۔ الحکم ۲۱/ ۱۴ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۴ کالم ۱ اور "اصحاب احمد" جلد ششم صفحہ ۱۳۱ روایت حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب (مولفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے قادیان)

۱۷۔ الحکم ۲۸۔ فروری ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۵ کالم ۳

۱۸۔ مستری فضل الدین صاحب معمار کا بیان ہے کہ اس اینٹ کی نچلی طرف کچھ لکھا ہوا تھا پھر لکھا ہوا حصہ حضور نے نیچے رکھ کر بنیاد

میں رکھنے کے لئے دے دیا اور ارشاد فرمایا اس اینٹ کو اسی طرح منار کی بنیاد میں رکھ دو اس کو الثانہ کرنا۔ چنانچہ یہ اینٹ اسی طرح لگادی گئی۔ (اصحاب احمد جلد ششم صفحہ ۱۳۱)

۱۹۔ الحکم ۱۷۔ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۴۔ ۵ و الحکم ۲۰۔ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۸ کالم ۳

۲۰۔ الحکم ۲۱/۱۴ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۴ کالم ۱۔ ۲

۲۱۔ اخبار الحکم ۳۱۔ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۹ کالم ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ تحصیل دار صاحب کے علاوہ ضلع کے مجسٹریٹ بھی اس سلسلہ میں قادیان آئے ہوئے تھے۔

۲۲۔ بدر ۲۲۔ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳۸۔ ۱۳۹' الحکم ۳۱۔ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۹ و سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۵۲۔ ۱۵۳ (طبع ثانی) روایت حضرت حافظ روشن علی صاحب۔

۲۳۔ الحکم ۱۰۔ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۹ کالم ۳ و الحکم ۱۷۔ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۸

۲۴۔ الحکم ۱۰۔ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۱ کالم ۱

۲۵۔ "سیرت احمد" (مرتبہ مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری) صفحہ ۱۴۳ مطبوعہ دسمبر ۱۹۶۱ء۔

۲۶۔ الحکم ۲۱/۱۴ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۴ کالم ۱۔ ۲

۲۷۔ "مجدد اعظم" حصہ اول صفحہ ۶۹۱

۲۸۔ الحکم ۱۷۔ نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱ کالم ۱

۲۹۔ اشتہار مورخہ ۲۸۔ مئی ۱۹۰۰ء

۳۰۔ حضرت اقدس خود فرماتے ہیں۔ "چونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ میری نسل میں سے ایک بڑی بنیاد حمایت اسلام میں ڈالے گا اور اس میں سے وہ شخص پیدا کرے گا جو آسمانی روح اپنے اندر رکھتا ہو گا اس لئے اس نے پسند کیا کہ اس خاندان (میر درد۔ ناقل) کی لڑکی میرے نکاح میں لاوے اور اس سے وہ اولاد پیدا کرے جو ان نوروں کو جن کی میرے ہاتھ سے تخم ریزی ہوئی ہے زیادہ سے زیادہ پھیلاوے۔" (تریاق القلوب طبع اول صفحہ ۶۵)

۳۱۔ الفضل ۲۹۔ نومبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۱' الفضل ۲۶۔ دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۳ کالم ۱

۳۲۔ الحکم ۲۱/۱۴ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۴ کالم ۱۔ ۲ و "اصحاب احمد" جلد ششم صفحہ ۲۷' منارۃ المسیح کے علاوہ تعلیم الاسلام ہائی سکول' بورڈنگ ہائی سکول' مسجد نور' مسجد اقصیٰ کا سقف وغیرہ سلسلہ کی عظیم الشان عمارتوں کی تعمیر بھی حضرت قاضی صاحب کی نگرانی میں ہوئی ہے۔ (اصحاب احمد جلد ششم صفحہ ۲۷)

۳۳۔ الفضل ۲۸۔ دسمبر ۱۹۱۵ء' ۱۶' ۱۷۔ فروری ۱۹۲۳ء کو مینار پر گیس کے ہنڈے نصب ہوئے تھے جو نائیجیریا کے مخلص احمدیوں کی رقم سے خریدے گئے۔ (الفضل ۲۲۔ فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۱ کالم ۱)

۳۴۔ الحکم ۲۱/۱۴ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۴ کالم ۱' ۲

۳۵۔ احمدی جنتری قادیان ۱۹۳۷ء صفحہ ۳۸' ۳۹ مرتبہ مولوی محمد یامین صاحب (تاجر کتب قادیان)

۳۶۔ اس کی تفصیل خلافت ثانیہ کے واقعات میں آرہی ہے۔

۳۷۔ لجتہ النور طبع اول صفحہ ۱

۳۸۔ لجتہ النور طبع اول صفحہ ۵۶

۳۹۔ لجتہ النور طبع اول صفحہ ۶۷

۴۰۔ الحکم ۲۴۔ جون ۱۹۰۴ء صفحہ ۵ کالم ۲۔ ۳

۴۱۔ الحکم ۲۴۔ اپریل ۱۹۰۰ء صفحہ ۷ کالم ۱۔ ۲

۴۲۔ الحکم ۲۴۔ اپریل ۱۹۰۰ء صفحہ ۷ کالم ۱۔ ۲

۴۳۔ الحکم ۲۴۔ اپریل ۱۹۰۰ء صفحہ ۷ کالم ۲

۴۴۔ الحکم ۲۴۔ اپریل ۱۹۰۰ء صفحہ ۷ کالم ۳

۴۵۔ الحکم ۹۔ جولائی ۱۹۰۰ء صفحہ ۱۰۔۱۱' الحکم ۲۳۔ جولائی ۱۹۰۰ء صفحہ ۵ کالم ۳
۴۶۔ اشتہار میں "سے" کا لفظ موجود نہیں جو سہو ہے۔ (مرتب)
۴۷۔ تبلیغ رسالت جلد ۹ صفحہ ۶۵۔۷۰
۴۸۔ تبلیغ رسالت جلد ۹ صفحہ ۷۰
۴۹۔ مفصل مکتوب کے لئے ملاحظہ ہو "واقعات صحیحہ" صفحہ ۲۵۔۳۶ (مولفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب)
۵۰۔ اس انجمن کے صدر حکیم فضل الٰہی صاحب۔ سیکرٹری منشی تاجدین صاحب اور جائنٹ سیکرٹری میاں معراج دین صاحب عمر تھے۔
۵۱۔ "واقعات صحیحہ" صفحہ ۳۶۔۳۷
۵۲۔ عصائے موسیٰ صفحہ ۴۱۸
۵۳۔ تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۶۔۱۳۹
۵۴۔ تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۵۔۱۳۷
۵۵۔ پیر صاحب کے بعض مریدوں نے ان کے اس مطالبہ بحث کے جواب میں حضرت اقدس کے اشتہار ۲۵۔ جولائی ۱۹۰۰ء کی یہ عبارت پیش کی "کہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے یا کسی آخری زمانہ میں جسم عنصری کے ساتھ نازل ہوں گے۔ اگر لکھا ہے تو کیوں ایسی حدیث پیش نہیں کرتے۔" سوال یہ ہے کہ اس سیدھے سادھے مطالبہ کے لئے کسی مباحثہ کی ضرورت ہی کیا تھی۔ جس طرح حضرت مسیح موعودؑ نے تحریری چیلنج دیا تھا اسی طرح ان کے لئے بھی اپنے کسی اشتہار میں یہ مطلوبہ حدیث شائع کر دینا کافی تھا مگر وہ بھی بے چارے معذور تھے احادیث کے ذخیرہ میں یہ حدیث نہ آج تک کسی کو مل سکی ہے نہ آئندہ قیامت تک مل سکتی ہے پھر بھلا وہ کہاں سے لاتے؟
۵۶۔ "عصائے موسیٰ" صفحہ ۴۱۸
۵۷۔ "خود لکھتے ہیں۔ خاکسار نے... مرزا کے دعویٰ بالمقابلہ تفسیر نویسی اور نشان نمائی کو اس کی قدیم لاف زنی سمجھ کر... اعراض اختیار کیا اور اپنی اور ذاتی ضرورتوں کے لئے شملہ پہنچا" (اشاعت السنہ جلد ۱۹ صفحہ ۱۲۹)
۵۸۔ "عصائے موسیٰ" صفحہ ۴۱۸
۵۹۔ "واقعات صحیحہ" صفحہ ۱۴۔۶۳ (مؤلفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب)
۶۰۔ مفصل خط کے لئے ملاحظہ ہو "واقعات صحیحہ" صفحہ ۴۵۔۴۶
۶۱۔ "واقعات صحیحہ" صفحہ ۴۴' ۴۵' ۴۷
۶۲۔ "واقعات صحیحہ" صفحہ ۱۹۔۲۰
۶۳۔ "واقعات صحیحہ" صفحہ ۴۷
۶۴۔ "واقعات صحیحہ" صفحہ ۴۷
۶۵۔ "واقعات صحیحہ" صفحہ ۴۹
۶۶۔ اشاعت السنہ جلد ۱۹ نمبر ۵ صفحہ ۱۳۲ پر اس جلسہ کی کارروائی میں علماء کا یہ فیصلہ ان الفاظ میں درج ہے۔
"آئندہ کوئی اہل اسلام مرزا قادیانی یا اس کے حواریوں کی کسی تحریر کی پروانہ کریں اور نہ ان سے مخاطب ہوں۔ اور نہ ہی انہیں کچھ جواب دیں کیوں کہ ان کے عقاید وغیرہ بالکل خلاف اسلام ہیں۔"
۶۷۔ الحکم ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۶۔۷
۶۸۔ حضرت اقدس کو تو یہ شرط لاہور کے ماحول کو دیکھ کر کافی وقت کے بعد مجبوراً عائد کرنا پڑی مگر پیر صاحب کے نمائندہ مولوی محمد غازی نے "شمس الہدایۃ" کے آخری صفحہ پر پہلے ہی یہ لکھ دیا تھا کہ "ہم مباحثہ کے واسطے بھی مرزا صاحب سے بشرط کافی انتظام کے ہر طرح سے تیار ہیں۔"
۶۹۔ اس شرط کے متعلق منشی الٰہی بخش صاحب اکونٹنٹ نے لکھا۔ "سبحان اللہ! یہ خوب انصاف ہے کہ خود بدولت مرزا صاحب تو کسی

کی ایک شرط بھی ہرگز قبول نہ کریں اور آپ شرائط پر شرائط بڑھاتے جائیں اور وہ بھی ایسے ناممکن العمل کہ کبھی ہو نہ سکیں" (عصائے موسیٰ صفحہ ۴۲۰) ان الفاظ سے اس شرط کی اہمیت نمایاں ہو جاتی ہے۔ دراصل حضرت اقدس کو اس موقع پر یہی سب سے بڑا شکوہ تھا کہ ایک دینی معاملہ اخلاق و تحمل کے جس ماحول کا مقتضی ہے وہ سرے سے مفقود ہے۔ اگر عملاً یہ بات نہیں تھی تو مطلوبہ ذمہ داری حاصل کرنے کو "ناممکن العمل" کیوں قرار دیا گیا۔ خصوصاً جب کہ یہ اصحاب پیر صاحب کے مرید یا ہم عقیدہ ہی تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی اس قسم کا ایک واقعہ ملتا ہے۔ چنانچہ "سنن ابوداؤد" (کتاب الخراج والفئی والامارۃ باب خبر النضیر) میں لکھا ہے کہ بنو نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ تیس آدمی لے کر آئیں ہم بھی اپنے احبار لے کر آئیں گے۔ اگر ہمارے احبار آپ کی تصدیق کریں تو ہمیں بھی کچھ عذر نہ ہوگا لیکن چونکہ وہ بغاوت کی تیاری کر چکے تھے حضور علیہ السلام نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم ایک معاہدہ نہ لکھ دو تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔

۷۰۔ تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۷۔۱۴۱

۷۱۔ "واقعات صحیحہ" صفحہ ۶۱۔ ۶۲

۷۲۔ تبلیغ رسالت جلد ۹ صفحہ ۹۶

۷۳۔ "اربعین" نمبر ۱ صفحہ ۱ و "اربعین" نمبر ۴ صفحہ ۱۴

۷۴۔ ان کی اشاعت کی تاریخیں یہ ہیں۔ نمبر ۱۔ ۲۳۔ جولائی ۱۹۰۰ء، نمبر ۲۔ ۲۷۔ ستمبر ۱۹۰۰ء، نمبر ۳، ۴۔ ۱۵۔ دسمبر ۱۹۰۰ء، ضمیمہ نمبر ۳۔ ۴، ۱۵۔ ۲۹۔ دسمبر ۱۹۰۰ء

۷۵۔ اربعین نمبر ۱ صفحہ ۴۔ ۵

۷۶۔ اربعین نمبر ۲ صفحہ ۲۸۔ ۲۹

۷۷۔ "اربعین" نمبر ۲ صفحہ ۲۹۔ ۳۰

۷۸۔ "اربعین" نمبر ۲ صفحہ ۳۲

۷۹۔ "اربعین" نمبر ۲ صفحہ ۴۰

۸۰۔ ضمیمہ اربعین نمبر ۳۔ ۴ صفحہ ۵ تا ۷

۸۱۔ قرآن مجید میں جو مکمل ضابطہ حیات ہے صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ ولو تقول علینا بعض الاقاویل۔ لاخذنا منہ بالیمین۔ ثم لقطعنا منہ الوتین۔ (الحاقہ ع ۲) یعنی اگر ہمارا یہ رسول ﷺ کوئی جھوٹا الہام بنا کر ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اسے یقیناً دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ خدا تعالیٰ کے اس واضح معیار اور آنحضرت ﷺ کے دعویٰ الہام کے بعد تیئیس سالہ عمر کی روشنی میں علامہ سعد الدین تفتازانیؒ (۱۳۹۰/۱۳۲۲) نے مذہبی دنیا کو چیلنج دیا تھا فان العقل یجزم بامتناع اجتماع ھذہ الامور فی غیر الانبیاء و ان یجمع اللہ ھذہ الکمالات فی حق من یعلم انہ یفتری علیہ ثم یمھل ثلاثا و عشرین سنہ۔ ("شرح عقائد نسفی" صفحہ ۱۳۰ مطبوعہ مصر و "نبراس" صفحہ ۴۴۴) یعنی عند العقل یہ بات ممتنع قرار پاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مفتری کو ۲۳ سال کی مہلت دے۔ عالم اسلام کے مشہور مناظر حضرت امام ابن قیمؒ (متوفی ۱۱۷۵) عیسائیوں کے سامنے آنحضرت ﷺ کی صداقت میں سب سے بڑی دلیل یہی پیش کیا کرتے تھے (زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۵۰۰) ان متکلمین کے علاوہ علامہ فخر الدین رازیؒ (۱۱۵۰۔ ۱۲۱۰) امام ابو جعفر طبریؒ (متوفی ۸۳۵ء) حضرت علامہ خطیب بغدادیؒ (۱۰۰۶۔ ۱۰۷۰) علامہ حافظ ابو الفداء اسمٰعیل بن عمرو دمشقیؒ (متوفی ۱۳۷۲ء) علامہ جلال الدین سیوطیؒ (متوفی ۱۵۰۵ء) صاحب کشاف علامہ محمد بن عمرو زمخشریؒ (۱۰۷۴۔ ۱۱۴۲) اور دوسرے اکابر امت بھی یہی مسلک رکھتے تھے۔ ہندوستان میں جب پادری فنڈل نے "میزان الحق" میں رسول خدا ﷺ پر اعتراض کیا تو مولوی رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ (۱۸۱۷۔ ۱۸۹۱) اور مولوی سید آل حسن صاحب قنوجیؒ نے "ازالہ اوہام" اور "استفسار" میں اسی دلیل سے عدوان دین کا منہ بند کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ اگر مفتری ہوتے تو تیئیس سالہ مہلت دعویٰ نبوت کے بعد کیوں کرپا سکتے تھے۔ حال کے علماء میں سے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری (۱۸۶۸۔ ۱۹۴۸) نے بھی اسے تسلیم کرتے ہوئے صاف لکھا تھا۔ "نظام عالم میں جہاں اور قوانین الٰہی ہیں وہاں یہ بھی ہے کہ کاذب مدعی نبوت کی ترقی نہیں ہوتی بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے۔ واقعات گزشتہ سے بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ خدا نے کبھی کسی مدعی نبوت کو

سرسبزی نہیں دکھائی یہی وجہ ہے کہ دنیا میں باوجود غیر متناہی مذاہب ہونے کے جھوٹے نبی کی امت کا ثبوت مخالف بھی نہیں بتلا سکتے... مسیلمہ کذاب اور عبید اللہ عنسی نے... دعویٰ نبوت کے کئے... لیکن آخر کار خدا کے زبردست قانون کے نیچے آکر کچلے گئے "دعویٰ نبوت کاذبہ مثل زہر کے ہے جو کوئی زہر کھائے گا ہلاک ہوگا" (مقدمہ تفسیر ثنائی صفحہ ۱۷ مطبوعہ مطبع چشمہ نور امرتسر ۱۳۱۴ھ) غرض کہ یہ امت محمدیہ کا ایک مسلمہ متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے کہ جھوٹا مدعی الہام آیت لو تقول کے مطابق ۲۳ برس مہلت نہیں پاسکتا اور نہ کامیابی کا منہ دیکھ سکتا ہے۔

۸۲۔ اربعین نمبر ۳ صفحہ ۱۸ (طبع اول)

۸۳۔ اربعین نمبر ۳ صفحہ ۸ تا ۱۱

۸۴۔ انجام آتھم صفحہ ۲۶۰

۸۵۔ خفیف سے تصرف کے ساتھ "تحفہ گولڑویہ" سرورق صفحہ ۲ سے ماخوذ ہے۔

۸۶۔ دریائے سندھ کے کنارے تحصیل صوابی ضلع پشاور میں ایک گاؤں کوٹھ شریف نامی ہے یہ بزرگ اسی جگہ رہتے تھے اور پیر کوٹھے والے کے نام سے مشہور تھے۔ ۱۷۹۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۷۸ء میں وفات پائی۔ ان کے مرید ان کو تیرھویں صدی کے مجدد اور دوسرا مجدد الف ثانی" یقین کرتے ہیں۔ پیر صاحب کے سوانح حیات اور ملفوظات' مراقبات اور بعض الہامات "مخزن عرفانی" اور "نظم الدرر فی سلک السیر" کے نام سے شائع شدہ ہیں۔ (موخر الذکر کتاب فارسی میں تھی جس کا اردو ترجمہ "در اسرار" کے نام سے جون ۱۹۸۵ء میں پشاور سے صاحبزادہ بک فاؤنڈیشن نے شائع کر دیا ہے)۔

۸۷۔ پیر کوٹھ شریف کے جانشین تھے۔ جنوری ۱۹۰۵ء میں فوت ہوئے بمقام نینی تال آپ کا مزار ہے۔

۸۸۔ "تحفہ گولڑویہ" "طبع اول" صفحہ ۳۴ تا ۳۶ (حاشیہ)۔

جماعت کا فرقہ احمدیہ سے موسوم ہونا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کا فرقہ احمدیہ سے موسوم ہونا

سلسلہ حقہ کی بنیاد اگرچہ مارچ ۱۸۸۹ء میں پڑ چکی تھی مگر اب تک اس کا کوئی مستقل نام تجویز نہیں کیا گیا تھا اور مسلمانوں کے دوسرے فرقوں سے امتیاز کے لئے بعض لوگ آپؑ کے ماننے والوں کو پنجاب میں "مرزائی" اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں "قادیانی" کے نام سے پکارتے تھے لیکن اب ۱۹۰۱ء میں سرکاری طور پر مردم شماری ہونے والی تھی جس میں یہ التزام کیا جانے والا تھا کہ ہر ایک فرقہ جو دوسرے فرقوں سے امتیاز رکھتا ہے علیحدہ خانہ میں اس کا اندارج کیا جائے اور جس نام کو کسی فرقہ نے اپنے لئے تجویز کیا ہے وہی نام سرکاری کاغذات میں لکھا جائے۔ لہٰذا اس اہم مقصد کے پیش نظر حضرت اقدسؑ نے ۴ نومبر ۱۹۰۰ء کو "اشتہار واجب الاظہار" کے ذریعہ سے یہ اعلان فرمایا کہ

"ہمارے نبی ﷺ کے دو نام تھے ایک محمد ﷺ۔ دوسرا احمد ﷺ۔ اور اسم محمد جلالی نام تھا اور اس میں یہ پیش گوئی مخفی تھی کہ آنحضرت ﷺ ان دشمنوں کو تلوار کے ساتھ سزا دیں گے جنہوں نے تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کیا اور صدہا مسلمانوں کو قتل کیا لیکن اسم احمد جمالی نام تھا جس سے یہ مطلب تھا کہ آنحضرت ﷺ دنیا میں آشتی اور صلح پھیلائیں گے۔ سو خدا نے ان دو ناموں کی اس طرح پر تقسیم کی کہ اول آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی میں اسم احمد کا ظہور تھا اور ہر طرح سے صبر اور شکیبائی کی تعلیم تھی اور پھر مدینہ کی زندگی میں اسم محمدؐ کا ظہور ہوا اور مخالفوں کی سرکوبی خدا کی حکمت اور مصلحت نے ضروری سمجھی لیکن یہ پیش گوئی کی گئی تھی کہ آخری زمانہ میں پھر اسم احمد ظہور کرے گا اور ایسا شخص ظاہر ہوگا جس کے ذریعہ سے احمدی صفات یعنی جمالی صفات ظہور میں آئیں گی اور تمام لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا پس اسی وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ اس فرقہ کا نام فرقہ احمدیہ رکھا جائے تا اس نام کو سنتے ہی ہر ایک شخص سمجھ لے کہ یہ فرقہ دنیا میں آشتی اور صلح پھیلانے آیا ہے اور جنگ اور لڑائی سے اس فرقہ کو کچھ سروکار نہیں۔" ؁

جماعت کو ذمہ داری کے احساس کے لئے نصیحت

"احمدی مذہب کے مسلمان" یا "مسلمان فرقہ احمدیہ" نام کے ساتھ جماعت پر جو اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں ان کی طرف توجہ دلانے کے لئے حضرت اقدسؑ نے اگلے ماہ دسمبر ۱۹۰۰ء میں لکھا۔

"خدا نے تمہیں اس عیسیٰ احمد صفت کے لئے بطور اعضاء کے بنایا۔ سو اب وقت ہے کہ اپنی اخلاقی قوتوں کا حسن اور جمال دکھلاؤ۔ چاہیئے کہ تم میں خدا کی مخلوق کے لئے عام ہمدردی ہو اور کوئی چھل اور دھوکہ تمہاری طبیعت میں نہ ہو۔ تم اسم احمد کے مظہر ہو۔ سو چاہئے کہ دن رات خدا کی حمد و ثناء تمہارا کام ہو اور خادمانہ حالت جو حامد ہونے کے لئے لازم ہے اپنے اندر پیدا کرو اور تم کامل طور پر خدا کی کیوں کر حمد کر سکتے ہو جب تک تم اس کو رب العالمین یعنی تمام دنیا کا پالنے والا نہ سمجھو۔ اور تم کیوں کر اس اقرار میں سچے ٹھہر سکتے ہو جب تک ایسا ہی اپنے تئیں بھی نہ بناؤ۔"

"پس تم کیوں کر سچے احمد یا حامد ٹھہر سکتے ہو جب تک کہ اس خلق کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔ حقیقت میں احمد بن جاؤ اور یقیناً سمجھو کہ خدا کی اصل اخلاقی صفات چار ہی ہیں جو سورہ فاتحہ میں مذکور ہیں۔ (۱) رب العالمین سب کا پالنے والا (۲) رحمان بغیر عوض کسی خدمت کے خود بخود رحمت کرنے والا (۳) رحیم کسی خدمت پر حق سے زیادہ انعام واکرام کرنے والا اور خدمت قبول کرنے والا اور ضائع نہ کرنے والا (۴) اپنے بندوں کی عدالت کرنے والا۔ سو احمد وہ ہے جو ان چاروں صفتوں کو عملی طور پر اپنے اندر جمع کرے۔ یہی وجہ ہے کہ احمد کا نام مظہر جمال ہے... اور یہی جمالی حالت ہے جو حقیقت احمدیہ کو لازم پڑی ہوئی ہے۔ محبوبیت جو اسم محمدؐ میں تھی صحابہ کے ذریعہ سے ظہور میں آئی ۲ اور جو لوگ ہتک کرنے والے اور گردن کش تھے محبوب الٰہی ہونے کے جلال نے ان کی سرکوبی کی۔ لیکن اسم احمد میں شان محبیت تھی یعنی عاشقانہ تذلل اور فروتنی، یہ شان مسیح موعودؑ کے ذریعہ سے ظہور میں آئی سو تم شان احمدیت کے ظاہر کرنے والے ہو لہٰذا اپنے ہر ایک بے جا جوش پر موت وارد کرو اور عاشقانہ فروتنی دکھلاؤ۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔" ۳

دوسروں کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت

۲۳۔ مارچ ۱۸۸۹ء کو جماعت کی بنیاد رکھی گئی اور ۱۸۹۲ء میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے علمائے ہند سے فتویٰ تکفیر لے کر شائع کیا جس میں حضور اور حضور کی جماعت کو کافر اور مرتد قرار دیتے ہوئے فتاویٰ دیئے گئے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا، ان سے تعلق نکاح قائم کرنا اور ان کا جنازہ پڑھنا حرام

ہے۔ اس فتویٰ پر ہر جگہ جس سختی سے عمل کیا گیا اس کے لئے اس زمانہ کے ایک صاحب مولوی عبدالاحد نامی کا یہ بیان کافی ہے۔ لکھتے ہیں۔ "طائفہ مرزائیہ امرتسر میں بہت خوار و ذلیل ہوئے جمعہ و جماعات سے نکالے گئے اور جس مسجد میں جمع ہو کر نماز پڑھتے تھے اس میں سے بے عزتی کے ساتھ بدر کئے گئے... معاملہ و برتاؤ مسلمانوں سے بند ہو گیا۔ عورتیں منکوحہ و مخطوبہ بوجہ مرزائیت کے چھینی گئیں۔ مردے ان کے بے تجہیز و تکفین اور بے جنازہ گڑھوں میں دبائے گئے۔" [۴] "تمام لوگوں کے نزدیک مخذول و مطرود ہوئے۔ **ملعونین اینما ثقفوا اخذوا** کا مصداق بن گئے۔ معاملہ و برتاؤ تم سے روکا گیا۔ عورتیں چھینی گئیں۔ مردے خراب و بے جنازہ پھینکے گئے' مال و آبرو کا نقصان' روپوں کی آمدنی میں خلل آگیا... مردے کے کپڑے یہاں راولپنڈی سے قادیان بھیجے گئے... نہ مسجدوں میں جا سکو نہ مجلسوں میں۔" [۵]

اس نوع کے دلدوز حالات میں بھی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت دوسرے فرقہ کے ان ائمہ کے پیچھے جو تکفیر بازی کے شغل میں ملوث نہیں ہوئے کئی سال تک نمازیں ادا کرتی رہی۔ جب یہ سلسلہ زیادہ ناگوار شکل اختیار کر گیا تو حضرت اقدس نے حدیث رسول ﷺ "**وامامکم منکم**" (بخاری) کی روشنی میں باہمی کشمکش ختم کرنے کے لئے یہ ہدایت فرمائی کہ آئندہ کسی مکفر و مکذب و متردد شخص کی اقتداء میں بالکل نماز نہ ادا کی جائے تا مسجدوں میں فتنے کا کوئی احتمال نہ رہے۔ یہ ہدایت ۱۸۹۸ء کے لگ بھگ دی گئی تھی اور اس کا علم زیادہ تر انہی احباب تک محدود تھا جو اس وقت تک شدید مظالم کا نشانہ بن چکے تھے۔ اس ضمن میں کوئی تحریری ہدایت جماعت کے نام نہیں دی گئی تھی۔ [۶]

لیکن جب غیروں کی سختیاں انتہاء کو پہنچ گئیں اور مکفرین کی سینہ زوری اور خدا ناترسی کا منظر ہر شخص نے بچشم خود دیکھ لیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے ۱۹۰۰ء کے آخر میں تحریری شکل میں بھی یہ ہدایت بذریعہ اشتہار جاری کر دی کہ

"یاد رکھو کہ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر اور مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ چاہئے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔ اسی کی طرف حدیث بخاری کے ایک پہلو میں اشارہ ہے کہ امامکم منکم۔ یعنی جب مسیح نازل ہو گا تو تمہیں دوسرے فرقوں کو جو دعویٰ اسلام کرتے ہیں بکلی ترک کرنا پڑے گا۔ تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔ پس تم ایسا ہی کرو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ خدا کا الزام تمہارے سر پر ہو۔ اور تمہارے عمل حبط ہو جائیں اور تمہیں کچھ خبر نہ ہو۔ جو شخص مجھے دل سے قبول کرتا ہے وہ دل سے اطاعت بھی کرتا ہے اور ہر ایک

حال میں مجھے حکم ٹھہراتا ہے اور ہر ایک تنازع کا مجھ سے فیصلہ چاہتا ہے مگر جو شخص مجھے دل سے قبول نہیں کرتا اس میں تم نخوت اور خودپسندی اور خود اختیاری پاؤ گے پس جانو کہ وہ مجھ سے نہیں ہے کیوں کہ وہ میری باتوں کو جو مجھے خدا سے ملی ہیں عزت سے نہیں دیکھتا اس لئے آسمان پر اس کی عزت نہیں۔" [۷]

اس ارشاد کے کچھ عرصہ بعد حضور کے ایک مرید خان محمد عجب خاں صاحب تحصیل دار آف زیدہ نے حضور سے استفسار کیا کہ جو لوگ سلسلہ احمدیہ سے ناواقف ہیں ان کے پیچھے نماز ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ حضور نے جواب دیا۔

"ناواقف امام سے پوچھ لو اگر وہ مصدق ہو تو نماز اس کے پیچھے پڑھی جاوے ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک جماعت الگ بنانا چاہتا ہے اس لئے اس کے منشاء کی کیوں مخالفت کی جاوے۔ جن لوگوں سے وہ جدا کرنا چاہتا ہے بار بار ان میں گھسنا یہی تو اس کے منشاء کے مخالف ہے۔" [۸]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نماز سے متعلق اس ہدایت کے ساتھ ہی خبر دی کہ "صبر کرو اور اپنی جماعت کے غیر کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ بہتری اور نیکی اسی میں ہے اور اسی میں تمہاری نصرت اور فتح عظیم ہے اور یہی اس جماعت کی ترقی کا موجب ہے۔ دیکھو دنیا میں روٹھے ہوئے اور ایک دوسرے سے ناراض ہونے والے بھی اپنے دشمن کو چار دن منہ نہیں لگاتے اور تمہاری ناراضگی اور روٹھنا تو خدا کے لئے ہے تم ان میں اگر رلے ملے رہے تو خدا تعالیٰ جو خاص نظر تم پر رکھتا ہے وہ نہیں رکھے گا۔ پاک جماعت جب الگ ہو تو پھر اس میں ترقی ہوتی ہے۔" [۹]

چنانچہ سچ مچ ایسا ہی ہوا۔ آپ کے اس فرمان کی تعمیل کرنے والے روز افزوں ترقی کرتے گئے اور کرتے جا رہے ہیں۔

حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب علاقہ خوست کی احمدیت سے وابستگی

موضع سید گاہ علاقہ خوست (افغانستان) میں ایک باکمال بزرگ حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب رہتے تھے۔ حضرت صاحبزادہ حضرت مخدوم شیخ ابوالحسن علی ہجویری گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ (۱۰۰۹۔ ۱۰۷۲) کی اولاد [۱۰] میں سے تھے اور ملک کے مشہور مذہبی پیشوا، مقتدر عالم اور صاحب کشف و الہام تھے [۱۱] چنانچہ آپ کو خدا تعالیٰ نے اوائل ہی میں یہ خبر دی کہ پنجاب میں مسیح موعود پیدا ہو گیا ہے۔ [۱۲] آپ کے عقیدت مند افغانستان میں بڑی کثرت سے موجود تھے۔ دربار شاہی میں بھی آپ ممتاز منصب رکھتے تھے۔ دنیاوی وجاہت کا یہ عالم تھا کہ ملک کے چوٹی کے جاگیرداروں میں ان کا شمار

ہوتا تھا۔ سیاسی اثر و نفوذ کے لحاظ سے بھی ان کی شخصیت نمایاں تھی۔ چنانچہ جب امیر کابل عبدالرحمٰن (۱۸۴۴۔۱۹۰۱) کے عہد میں ہندوستان اور افغانستان کی سرحدوں کی تعیین کے لئے کمیشن مقرر ہوا تو برطانوی گورنمنٹ کی طرف سے سر مارٹیمر ڈیورنڈ اور نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خاں آف ٹوپی ضلع پشاور ممبر مقرر ہوئے اور افغانستان کی طرف سے سردار شرندل خاں گورنر سمت جنوبی اور حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیفؓ صاحب تجویز ہوئے۔ کمیشن نے ۲۹۔ جولائی ۱۸۹۴ء سے ۳۔ دسمبر ۱۸۹۴ء تک چھ ماہ میں اپنا حد بندی کا کام ختم کر لیا اور وہ تاریخی ڈیورنڈ لائن قائم ہوئی جو آج بھی پاکستان اور افغانستان کی حد فاصل ہے۔ کمیشن کے قیام سے دونوں ملکوں کی سرحدوں کا تعین تو لازماً ہونا ہی تھا۔ اس کا تحریک احمدیت کو بھی روحانی فائدہ ہوا کہ کمیشن کے ارکان پاراچنار کے مقام پر دن کو حد بندی کا کام کرتے اور رات کو مختلف امور پر تبادلہ خیالات ہوتا۔ حسن اتفاق سے کمیشن کے محرر پشاور کے سید چن بادشاہ صاحب نے ایک مرتبہ دوران گفتگو میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کا تذکرہ کیا جس سے حضرت سید عبداللطیفؓ صاحب بڑے متاثر ہوئے۔ سید چن بادشاہ صاحب نے آپ کی خواہش دیکھی تو حضرت اقدس کی ایک تصنیف "آئینہ کمالات اسلام" پیش کی جس کے مطالعہ کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب کو حضرت اقدس سے بے حد عقیدت و الفت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے حضور سے رابطہ قائم کرنے کے لئے اپنے بعض خاص شاگردوں مثلاً حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب، حضرت مولوی عبدالستار صاحب [۱۳] اور حضرت مولوی عبدالجلیل صاحب کو حضرت اقدس کی خدمت میں بار بار بھیجنا شروع کیا۔ آپ کے یہ مخلص شاگرد قادیان میں حضرت اقدس کی صحبت میں کچھ وقت گزارتے اور حضورؑ کی تازہ تالیفات لے کر حضرت صاحبزادہ صاحب کے پاس آتے۔ اس طرح حضور کے تازہ کوائف کا بھی علم انہیں ہوتا رہتا تھا۔

دسمبر ۱۹۰۰ء میں حضرت صاحبزادہ صاحب نے حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو اپنے چند شاگردوں کے ساتھ حضرت اقدس کی خدمت میں بیعت کا خط دے کر بھجوایا۔ نیز حضور کے لئے کچھ خلعتیں بھی تحفہ کے طور پر بھجوائیں۔ [۱۴]

ڈیورنڈ لائن کے ریکارڈ میں
حضرت صاحبزادہ عبداللطیفؓ صاحب کا ذکر

No. 247
Translation of letter dated 13th Zilhij (18th June 1894) from

Sardar Shirindil Governor of khost to J.S. Donald Esquire C.I.E Officer on special duty. kurram.

After Complements I have persued you, letter of the 17th June you wrote today Sahibzada Latif Jan and Dad Muhammad Khan, Hakim of the chakmannis, have stated that you have no power to do the demarcation beyond the Peiwar Kotal. But that from the Peiwar Kotal up to Kimatai Sar you are willing to demarcate the boundary along the water shed, and from Kimatai Sar you are willing to continue the boundary along the watershed of that spur which runs down in an eastern direction from Kimatai Sar and up to a spot between the Kharlachi post and the village of Lar Istia. That from this post which is between the post of Kharlachi and the village of Lar Istia you are willing to demarcate a line which will separate the lands of Kharlachi from those of pathan This will be demarcated in our persence on the spot. If you really agree to this line please let me know in clear language so that I may understand it

My friend sahibzada (Abdul Latif Jan) and Dad Mohammad Khan came and told me that under my instructions they had been to Mr. Danald's camp.

No. 393

No.551c.,dated28thJuly1894

From J.S. Donald, Esquire, C.I.E officer on special duty, Kurram to the commissioner and superintendent, Peshawar division.

On the morning of the 27th instant Sahibzada Latif Jan, and agent of the Sardar,s and his right- hand man in connection with demarcation operations, returned with my letter and said that the Sardar was puzzled at my having asked so many questions, that the disposition of his highness the Amir was "Barik" (delicate), and that his highness would be very much offended at the sight of so many questions and answers. The Sahibzada went on to say that the Sardar would be obliged if I could put my questions in a simple form, so that he may understand them. That though my questions may be clear enough in the English language, some of them had no meaning when rendered into Persian

After consultation with the Sahibzada, I drew up another set of three (questions here with submitted). The Sahibzada seemed to be pleased with these as he thought the Sardar would understand them better. As the purport of most of the 20 questions is contained in these three questions, I did not see much difference myself in the two sets of questions, but as the second set pleased the Sahibzada, I told him he might take away both sets and after comparing them carefully see if he could discover any great difference.

No. 526

No.641C,dated24thSeptember1894

From J.S. Donald Esquire C.I.R officer on special duty, Kurram to the commissinoner and Suprintendent, Peshawar division.

One of these letters was sent by me to the Sardar on the morning of the 21st instant, and it was brought back to me on the evening of the date by Sahibzada Lafif Jan, a trusted agent of the Sardar. Latif Jan came to me with Shirindil Khan,s copy of a map which professes to be a tracing of the map of Afganistan on a scale of 1" - 24 miles and asked me to point out to him where in the Sardar's map differed from my map which was supposed by me to be the Kabul agreement map.

ترجمہ

نمبر ۷ ۲۴

اس خط کا ترجمہ جو محترم سردار شرندیل خان صاحب گورنر آف خوست نے جناب جے۔ ایس۔ ڈانلڈ صاحب بہادر سی۔ آئی۔ ای۔ آفیسران سپیشل ڈیوٹی کرم کو مورخہ ۱۳۔ ذی الحج (۱۸۔ جون ۱۸۹۴ء) کو تحریر کیا۔

سلام و آداب کے بعد واضح ہو کہ میں نے آپ کا وہ خط پڑھ لیا ہے جس میں آپ نے لکھا ہے۔ کہ صاحبزادہ عبد اللطیف ؓ جان صاحب اور داد محمد خان صاحب حاکم چقمانی نے آپ کو بتایا ہے۔ کہ مجھے پائیوار کوٹل کے علاقے سے پرے کی جانب حد بندی کے اختیارات حاصل نہیں۔ لیکن پائیوار کوٹل سے کیماٹائی سر کے مقامات تک ذخیرہ آب کے ساتھ ساتھ سرحدی لائن کھینچے جانے سے مجھے اتفاق ہے۔ بالخصوص جب کہ یہ لائن خرلاچی پوسٹ اور رلار اشیاء کے دیہات کے مابین گزرے۔ اس طرح مجھے اس امر پر بھی اعتراض نہیں۔ اگر یہ خط خرلاچی دیہات کی زمینوں کو پٹھان گاؤں کی زمینوں سے الگ کر دے۔ اور اس خط کی تعیین۔ ہم دونوں۔ موقع پر کریں۔

میرے دوست صاحبزادہ عبد اللطیف ؓ جان صاحب اور داد محمد خان صاحب میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ میری ہدایت کے مطابق ڈانلڈ صاحب کے پاس گئے ہیں۔

نمبر ۳۹۳

نمبر ۱۵۵ سی مورخہ ۲۸ جولائی ۱۸۹۴ء

جناب جے۔ ایس۔ ڈانلڈ آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی کرم کی طرف سے جناب کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ صاحب بہادر پشاور ڈویژن کے نام!

۲۵ تاریخ کی صبح کو صاحبزادہ عبد اللطیف ؓ جان صاحب جو سردار شرندل کے نمائندے اور ان کے دست راست ہیں میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ سردار صاحب اتنے بہت سے سوالات پر کچھ پریشان سے ہیں اور پھر جناب امیر صاحب والی کابل بھی نازک طبیعت کے مالک ہیں اور وہ سرحدی تعین کے بارے میں سوالات کی پیچیدگی اور ان کی ناروا تفصیل کو دیکھ کر الجھن محسوس کریں گے بالخصوص جب کہ ان سوالات کو انگریزی زبان سے الگ کر کے فارسی زبان کا جامہ پہنایا جائے چنانچہ میں نے صاحبزادہ صاحب کے مشورے کے بعد فقط تین سوالوں پر مشتمل ایک سوال نامہ تیار کیا جسے دیکھ کر صاحبزادہ بھی کچھ مطمئن ہوئے اور فرمایا۔ کہ اب یہ سوال نامہ بہتر صورت میں ہے۔ میں نے انہیں یہ سوال نامہ اور اس کے ساتھ ہی پہلا سوال نامہ (جس میں ۲۰۔ سوال تھے) دونوں ان کی

خدمت میں پیش کئے اور کہا۔ کہ وہ انہیں لے جائیں اور خود ملاحظہ فرماویں کہ آیا دونوں کے مضمون اور مفہوم میں کوئی فرق تو نہیں؟

نمبر ۵۲۶

نمبر ۱۴۶۴ سی مورخہ ۲۴۔ ستمبر ۱۸۹۴ء

جناب جے۔ ایس ڈانلڈ۔ سی۔ آئی۔ آر۔ آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی کرم بنام کمشنر صاحب (و سپرنٹنڈنٹ) پشاور ڈویژن

میں نے ایک خط مورخہ ۲۱ ستمبر کو جناب سردار شرندیل خان صاحب کے خدمت میں بھیجا تھا اور اس کا جواب مجھے صاحبزادہ عبداللطیفؓ جان صاحب کے ذریعے شام کے وقت موصول ہوا جو سردار صاحب موصوف کے قابل اعتماد ساتھی اور نمائندے ہیں۔ جناب صاحبزادہ صاحب میرے پاس ایک نقشہ لے کر آئے۔ جس کے متعلق یہ خیال ہے۔ کہ وہ افغانستان کے نقشے کی صحیح نقل ہے۔ (بحساب ۱ انچ فی ۔ ۲۴ میل) اور مجھ سے انہوں نے دریافت کیا۔ کہ میں یہ نقشہ دیکھ کر انہیں بتاؤں کہ اس نقشے میں اور میرے نقشے میں کیا فرق ہے؟

(نوٹ:) مندرجہ بالا اقتباسات ڈیورنڈ لائن (۹۴۔ ۱۸۸۳ء) کے قدیم ریکارڈ سے ماخوذ ہیں جو پشاور میوزیم میں محفوظ ہے اور جس کی مصدقہ نقل شعبہ تاریخ احمدیت ربوہ کے دفتر میں بھی ہے۔

مجلس "تشحیذ الاذہان" کی بنیاد

۱۹۰۰ء [۱۵] میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ایک مجلس کی بنیاد رکھی جس کا نام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "تشحیذ الاذہان" تجویز فرمایا۔ یہ دنیا میں احمدی نوجوانوں کی پہلی فعال مرکزی مجلس تھی۔ مجلس کے پریذیڈنٹ صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب منتخب ہوئے۔ [۱۶] اس مجلس کی غرض و غایت یہ تھی کہ نوجوانوں کو تبلیغ اسلام کے لئے تیار کرے۔ یہ انجمن اگرچہ ۱۹۰۰ء میں معرض وجود میں آئی مگر نمایاں رنگ میں اس کی سرگرمیاں ۱۹۰۶ء میں جماعت کے سامنے آئیں جب کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے ہاتھوں میں اس کا احیاء عمل میں آیا اور "تشحیذ الاذہان" ہی کے نام سے اس کا ترجمان بھی جاری ہوگیا۔ ۱۹۰۶ء میں مجلس تشحیذ الاذہان کے ابتدائی عہدیدار اور ممبر یہ تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (پریذیڈنٹ) منشی عبدالرحیم صاحب مالیر کوٹلی (سیکرٹری)۔ چوہدری فتح محمد صاحب سیال (ممبر)۔ چوہدری عبدالسلام صاحب (محاسب انجمن) منشی برکت علی صاحب (نائب سیکرٹری) شیخ تیمور صاحب

(ممبر) سید طفیل حسین صاحب (ممبر) چوہدری محمد ضیاء الدین صاحب (ممبر) محب الرحمٰن صاحب (ممبر) عبداللہ خاں صاحب کوئٹہ (ممبر) بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی (ممبر)۔ [۱۷]

۱۹۰۰ء کے بعض صحابہ

اس سال جماعت میں شامل ہونے والے بعض ممتاز اصحاب کے نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیفؓ صاحب خوست کابل۔ (۲) حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بسمل [۱۸] (۳) خان ذوالفقار علی خان صاحب گوہر۔ [۱۹] (۴) حضرت حافظ روشن علی صاحب [۲۰] (۵) عماد الملک مولوی سید مہدی حسین شاہ صاحب لکھنوی (۶) ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب [۲۱] (۷) مولوی ابوالحسنؓ صاحب بزدار [۲۲] (۸) چوہدری مولا بخش صاحب بھٹی سیالکوٹی [۲۳]

حواشی

۱۔ "اشتہار واجب الاظہار" مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نہم صفحہ ۹۱
۲۔ (از مؤلف) موجودہ زمانہ کے مشہور فلسفی شاعر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے حضرت اقدس ؑ کے اسی نظریہ کو مستعار لیا ہے چنانچہ ان کا شعر ہے۔ ہو چکا گو قوم کی شان جلالی کا ظہور :۔ ہے ابھی باقی مگر شان جمالی کا ظہور۔
۳۔ اربعین نمبر۴ صفحہ ۱۸۔۲۰
۴۔ "اظہار مخادعت مسیلمہ قادیانی" صفحہ ۲ مطبوعہ "چودھویں صدی" پریس راولپنڈی ۱۹۰۱ء
۵۔ "اظہار مخادعت مسیلمہ قادیانی" صفحہ ۱۴ مطبوعہ "چودھویں صدی" پریس راولپنڈی ۱۹۰۱ء
۶۔ "ایام الصلح" اردو صفحہ ۱۳۳ (طبع اول)
۷۔ اربعین نمبر۳ صفحہ ۲۸ (حاشیہ) طبع اول
۸۔ البدر ۲۰۔ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۴۔۳۵ و الحکم فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳ کالم ۱
۹۔ الحکم ۱۰۔ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۳
۱۰۔ "شہید مرحوم کے چشم دید حالات" (از سید احمد نور کابلی) صفحہ ۵ (مطبوعہ قادیان) طبع اول
۱۱۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "شہید مرحوم کے چشم دید حالات" حصہ اول و دوم۔
۱۲۔ "حقیقتہ الوحی" صفحہ ۲۰۲، ۲۰۳ رسالہ "دی مسلم ہیرلڈ" (THE MUSLIM HERALD) لنڈن بابت ماہ اپریل ۱۹۶۸ء (مضامین رشید احمد خان چودھری و بشیر احمد خان صاحب رفیق امام مسجد فضل لنڈن)
۱۳۔ آپ ابتداء ۱۸۹۷ء میں قادیان تشریف لائے۔ ۱۹۰۴ء سے آپ نے مستقل طور پر قادیان میں رہائش اختیار کرلی۔ حضرت مولوی صاحب نہایت منکسر المزاج اور صاحب کشف بزرگ تھے اور عمر بھر مہمان خانہ کے ایک چھوٹے سے حجرہ میں نہایت صبر و شکر کے ساتھ فقیرانہ رنگ میں اقامت گزیں رہے۔ ۱۸۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو ساڑھے آٹھ بجے صبح رحلت فرمائی اور بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔
حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات پر فرمایا کہ آپ کو غصہ کے وقت اپنے نفس پر بہت قابو حاصل تھا بلکہ وہ اس خصوص میں حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف ؓ صاحب سے بھی آگے بڑھے ہوئے تھے۔ نیز فرمایا کہ یہ ان کے روحانی تعلق کا ثبوت ہے کہ جب تک میں ڈلہوزی سے واپس نہیں آیا ان کی وفات نہیں ہوئی۔ پھر آپ نے اپنی ایک رؤیا کا ذکر فرمایا کہ ڈلہوزی میں میں نے دیکھا کہ قادیان میں ایک ایسے شخص کی وفات ہوئی ہے جس سے زمین و آسمان ہل گئے ہیں (الفضل ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۱)
۱۴۔ "عاقبتہ المکذبین" صفحہ ۲۹ تا ۳۱ (از قاضی محمد یوسف صاحب) طبع اول و "شہید مرحوم کے چشم دید حالات" صفحہ ۱۔۶ (از احمد نور صاحب کابلی) حصہ اول۔
۱۵۔ الحکم دسمبر ۱۹۳۹ء جوبلی نمبر صفحہ ۶۴
۱۶۔ البدر ۱۹۔ دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۶۳ کالم ۱
۱۷۔ اخبار بدر ۱۳۔ دسمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۶
۱۸۔ ولادت ۱۸۵۲ء وفات ۲۹۔ ستمبر ۱۹۳۸ء۔ مولانا کے والد بزرگوار مہتاب خاں (مظہر جمال) حضرت امام علی شاہ صاحب سجادہ نشین رتڑ چھتر کے خلیفہ مجاز تھے۔ مولانا بسمل اپنی عمر کے ابتدائی دور میں شیعی خیالات کے قائل ہو گئے تھے اور اس مسلک میں عظیم مقام پیدا کر لیا تھا۔ "ارجح المطالب" آپ کے اسی زمانہ کی تصنیف ہے۔ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سوانح میں سند تسلیم کی جاتی ہے۔ اس کے بعد آپ کو "سر الخلافہ" کا مطالعہ کرتے ہوئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ احمدیت میں شامل ہو گئے اور زندگی کے آخر دم تک سلسلہ کی علمی خدمات میں مصروف رہے۔

فارسی کے چوٹی کے قادر الکلام شاعر تھے اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے... ان کو "فردوسی" کا لقب عطا فرمایا تھا۔ اور حضرت مولانا نورالدین تو فرمایا کرتے تھے کہ مولوی صاحب فارسی کے اتنے بڑے عالم ہیں کہ مجھے رشک آتا ہے کہ کاش مجھے بھی ایسا علم عربی زبان میں ہوتا۔ مولانا کے انتقال پر اختلاف مسلک کے باوجود ہندوستان کے علمی طبقہ میں گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ (مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۲۹۔۸۔۱۹۳۸ء)

۱۹۔ برصغیر ہند و پاکستان کے مشہور سیاسی لیڈر علی برادران کے بڑے بھائی ۱۸۶۹ء میں بمقام رامپور ضلع مراد آباد (یو۔پی) میں پیدا ہوئے اور ۲۶۔ فروری ۱۹۵۴ء کو لاہور میں انتقال فرمایا اور ربوہ میں صحابہ کے قطعہ خاص میں سپرد خاک ہوئے۔ ۱۸۸۸ء میں "ریاض الاخبار" (گورکھپور) میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک خط الیگزینڈر رسل ویب سفیر امریکہ فلپائن کے نام شائع ہوا تھا جسے دیکھ کر حضرت خان صاحب کو پہلی مرتبہ حضرت اقدسؑ سے غیبی تعارف ہوا۔ ۱۹۰۰ء میں "ازالہ اوہام" کا مطالعہ کرتے ہی حضورؑ کی خدمت میں بیعت کا خط لکھ دیا۔ پہلی بار ۱۹۰۴ء میں بمقام گورداسپور حضورؑ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اس وقت آپ نائب تحصیلدار تھے۔ ۱۹۲۰ء میں مستقل طور پر قادیان میں ہجرت کر کے آ گئے ۱۹۲۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ جن خدام کو اپنے ساتھ یورپ لے گئے ان میں حضرت خان صاحب بھی تھے۔ پاکستان بننے سے قبل کراچی میں کسی کانگرسی لیڈر نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے دو چھوٹے بھائیوں نے تو وطن کی آزادی کے لئے جدوجہد کی آپ نے ایسا کیوں نہ کیا۔ جواب دیا میں بڑا بھائی تھا اس لئے میں نے اپنے ذمہ بڑا کام لیا۔ اس نے پوچھا کون سا۔ فرمایا ساری دنیا شیطان کی غلامی میں پھنسی ہے اور ساری دنیا کو آزاد کرانا ہندوستان کی آزادی سے بڑا کام ہے اس لئے میں اس تحریک میں شامل ہوں اور اس کا سپاہی ہوں جس تحریک کا یہی مقصد ہے یعنی تحریک احمدیت ("روایات صحابہ" جلد ۶ صفحہ ۳۴ تا ۷۹۔ ۳۔ الفضل ۱۳۔۱۶۔۱۷۔ مارچ ۱۹۵۴ء)

۲۰۔ ولادت ۸۴۔۱۸۸۳۔ وفات ۲۳۔ جون ۱۹۲۹ء موضع رتمل (تحصیل پھالیہ ضلع گجرات) کے مشہور صوفی اور اہل اللہ حضرت نوشہ کی دسویں پشت میں تھے۔ بچپن میں حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی سے قرآن حفظ کیا۔ ۱۸۹۹ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میں آئے (الحکم ۱۰۔ نومبر ۱۸۹۹ء صفحہ ۷ کالم ۳) اور غالباً ۱۹۰۰ء میں حضرت مولانا نورالدین کی شاگردی اختیار کی۔ آپ کی صرف ایک آنکھ میں معمولی بینائی تھی اس لئے تمام دینی علوم محض سن کر تحصیل کئے اور بلا خرابی زبردست قوت حافظہ اور خداداد ذہانت سے نہ صرف موعود جماعت کے علماء کی صف اول میں شمار ہوئے بلکہ جماعت میں بڑے بڑے نامور علماء پیدا کرنے کا موجب بنے۔ تفسیر علم کلام، حدیث، تصوف اور ادب کے مثالی عالم تھے۔ بے شمار حوالے اور ہزاروں عربی شعر ازبر تھے۔ آواز نہایت دلکش اور درد بھری تھی۔ طبیعت میں مزاح اور گفتگو میں بڑی شگفتگی تھی۔ ہزاروں تقریریں کیں۔ سینکڑوں مباحثے کئے۔ بیسیوں مرتبہ قرآن مجید کا پورا درس دیا۔ شدید گرمیوں میں روزہ رکھ کر ایک پارے کا روزانہ درس دیتے اور وہ بھی اس طرح کہ پہلے ایک پارہ تلاوت فرماتے پھر بلا تامل ترجمہ کرتے پھر تفسیر بیان فرماتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ آپ کو قریباً ہر سفر میں بطور عالم ساتھ رکھتے۔ چنانچہ جب آپ نے پہلی مرتبہ سفر یورپ اختیار فرمایا تو حضرت حافظ صاحب موصوف کو بھی حضور کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا اور شام میں آپ کی تقریروں کی دھوم مچ گئی۔ نہایت وجیہہ اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ آپ نے رؤیا میں دیکھا کہ میرے تمام اعضاء علیحدہ علیحدہ کر دئے گئے ہیں۔ خواب میں آپ کو بتایا گیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے مہمانوں کے لئے گوشت تیار کرنا ہے۔ پھر دیکھا کہ اعضاء کچھ نقص کے ساتھ متصل کر دئے گئے۔ اس خواب کی تعبیر آپ نے خود ہی یہ فرمائی کہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کا کوئی ایسا کام سپرد ہوگا جس کی وجہ سے میرے اعضاء میں نمایاں ضعف و اختلال ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آخر عمر میں آپ کو فالج کا حملہ ہوا تاہم اس سے بڑی حد تک آپ کو افاقہ ہو گیا اور کسی قدر چلنے پھرنے کے بھی قابل ہو گئے۔ مجلس مشاورت میں تشریف لائے اور تلاوت بھی کی مگر اچانک پیچش اور قے کے عوارض نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور آپ دار فانی سے دار البقاء کی طرف چل بسے آپ کی آخری وصیت یہ تھی کہ "میرے شاگرد ہمیشہ تبلیغ کرتے رہیں۔" حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول کو چھوڑ کر سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات کے بعد کوئی حادثہ حضرت حافظ صاحب کی وفات کے حادثہ جیسا نہیں ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات پر فرمایا۔

"حافظ صاحب مولوی عبدالکریم صاحب ثانی تھے اور اس بات کے مستحق تھے کہ ہر ایک احمدی انہیں نہایت ہی عزت و توقیر کی نظر سے دیکھے۔ انہوں نے اسلام کی بڑی بھاری خدمت سرانجام دی ہے اور جب تک یہ مقدس سلسلہ دنیا میں قائم ہے ان کا کام کبھی نہ بھولے گا۔ ان کی وفات ہمارے سلسلہ اور اسلام کے لئے ایک بڑا صدمہ ہے۔"

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۸۔ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۱'۲'۷'۸۔ و الفضل ۶۔ اگست ۱۹۲۹ء صفحہ ۷۔۸' رسالہ "جامعہ احمدیہ" (قادیان) سالنامہ دسمبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۳' رسالہ "الفرقان" (ربوہ) دسمبر ۱۹۶۰ء)

۲۱۔ ولادت ۱۸۶۸ء۔ وفات ۱۹۔ فروری ۱۹۵۷ء۔ بہت دعاگو' شب بیدار اور صاحب کشف و رؤیا بزرگ تھے۔ اگست ۱۹۰۰ء میں جب کہ آپ افریقہ میں ملازم تھے بذریعہ خط بیعت کی۔ فروری ۱۹۰۱ء میں قادیان آئے اور حضرت اقدس کی پہلی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ حضرت اقدس کی زندگی میں آپ کو ایک سال تک مع اہل و عیال قادیان میں رہائش کی توفیق ملی اور بہت سے نشانات و معجزات کا مشاہدہ کیا۔ ۱۹۰۴ء میں مدرسہ احمدیہ کی شمالی طرف مکانات خریدے مگر الوصیت کی اشاعت پر ان کو وصیت میں دے دیا۔ ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد غالباً ۱۹۲۸ء میں مستقل طور پر قادیان میں آگئے اور بقیہ عمر قادیان اور پھر ربوہ میں بسر کی (الفضل ۲۱۔ فروری ۱۹۵۷ء صفحہ ۱' الفضل ۳۰۔ جولائی ۱۹۵۸ء صفحہ ۳' "روایات صحابہ" جلد ۵ صفحہ ۲۱ تا ۲۸)

۲۲۔ وفات ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء۔ ضلع ڈیرہ غازی خاں میں جہاں جہاں قدیم احمدیہ جماعتیں موجود ہیں (مثلاً بستی بزدار' بستی رنداں' بستی مندرانی' کوٹ قیصرانی) وہ سب آپ کی تبلیغ سے قائم ہوئیں۔ حضرت مسیح موعود کا جب دلی میں نکاح ہوا تو اس وقت مولوی صاحب وہاں بخاری شریف پڑھتے تھے اور اسی محلہ میں مقیم تھے جہاں حضرت میر ناصر نواب صاحب کا مکان تھا۔ ابتداء "ازالہ اوہام" اور "آئینہ کمالات اسلام" کا مطالعہ کیا جن سے سب ہی شکوک دور ہو گئے اور بذریعہ خط بیعت کر لی۔ دسمبر ۱۹۰۰ء میں پہلی مرتبہ قادیان گئے اور دستی بیعت سے مشرف ہوئے۔ قادیان سے واپسی کے بعد دریائے سندھ کے شرقی اور غربی علاقہ میں آپ کے خلاف زبردست مخالفت اٹھ کھڑی ہوئی مگر آپ دیوانہ وار تبلیغ میں معروف رہے اور کئی روحوں کو احمدیت میں لانے کا موجب بنے۔ (الحکم ۱۴۔ فروری' ۲۸۔ فروری' ۷۔ مارچ ۱۹۳۹ء)

۲۳۔ ولادت ۱۸۶۵ء بیعت ۲۸۔ ستمبر ۱۹۰۰ء (الحکم ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۰۰ء ص ۷) وفات ۲۔ نومبر ۱۹۱۶ء بڑے مخلص اور جری اور پرجوش مبلغ تھے۔ آپ نے صرف کثیر سے منارۃ المسیح کا کتبہ بنایا جو منارہ پر نصب ہے تصانیف۔ الہام الخصیم مع اختیار ابراہیم ۲۔ احمد رسول۔ ڈاکٹر محمد شاہنواز خاں صاحب (ریٹائرڈ میجر و میڈیکل مشنری سیرالیون) آپ ہی کے فرزند تھے (الفضل ۱۴/۱۱ نومبر ۱۹۱۶ء ص ۲)

ماموریت کا بیسواں سال

رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" کی تجویز
"انجمن اشاعت اسلام" کی بنیاد

(۱۹۰۱ء)

اب ہم بیسویں صدی میں قدم رکھ رہے ہیں۔ اس صدی کا آغاز رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" (مذاہب عالم پر تبصرہ) کی تجویز سے ہوا۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ابتداء ہی سے مغربی ممالک میں تبلیغ اسلام کے عظیم الشان کام کی طرف خاص توجہ اور دلچسپی تھی۔ ایک دفعہ آپ کے کوئی مرید ایک مناظرہ میں کامیابی کی خوش خبری لائے تو حضورؑ نے فرمایا کہ "میں نے تو یہ سمجھا کہ یہ خبر لائے ہیں کہ گویا یورپ مسلمان ہو گیا۔" [1] حضورؑ کو اللہ تعالیٰ سے بشارتیں بھی مل چکی تھیں کہ آپ کی تحریریں یورپ میں بکثرت شائع ہوں گی اور ان سے متاثر ہو کر لاکھوں انگریز حلقہ بگوش اسلام ہوں گے۔ اور گو اس وقت تک حضور کے اشتہارات اور چند کتابیں انگریزی میں ترجمہ ہو کر یورپ اور امریکہ میں پہنچ چکی تھیں [2] لیکن کام کی اہمیت و نوعیت کے باعث دعویٰ مسیحیت کے آغاز ہی سے حضور کا منشاء مبارک تھا [3] کہ مغربی ممالک تک اسلام کی آواز پہنچانے کے لئے ایک ماہوار انگریزی رسالہ کا اجراء عمل میں لایا جائے جس میں خاص طور پر ان مضامین کے تراجم شائع ہوں جو تائید اسلام میں حضور کے قلم سے نکلتے ہوں۔ چنانچہ اسی سال حضور انور نے اپنے بعض انگریزی دان خدام کے مشورہ سے ۱۵/ جنوری ۱۹۰۱ء [4] کو ایک انگریزی رسالہ کے اجراء کا اعلان فرمایا اور اس کی ادارت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے اور خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے پلیڈر پشاور کے سپرد فرمائی۔ رسالہ کے نظم و نسق کے لئے حضور کے حکم سے ۳۱/ مارچ ۱۹۰۱ء اور یکم اپریل ۱۹۰۱ء کو جماعت کے دوستوں کے اہم اجلاس مسجد اقصیٰ اور مسجد مبارک میں منعقد ہوئے اور فیصلہ ہوا کہ رسالہ انگریزی اور حضرت اقدس کی کتب کے انگریزی تراجم کے لئے ایک مستقل ادارہ "انجمن اشاعت اسلام" کے

نام سے قائم کیا جائے۔ اس ادارہ کا ابتدائی سرمایہ دس ہزار قرار پایا جس کی فراہمی کے لئے اس ادارہ کے ایک ہزار حصے مقرر کئے گئے۔ ہر حصہ دس روپے کا تجویز ہوا۔ یہ تو "انجمن اشاعت اسلام" کے ابتدائی سرمایہ کے متعلق فیصلہ تھا۔ جہاں تک اس کے انتظامی معاملات کی سرانجام دہی کا تعلق ہے ایک بورڈ آف ڈائریکٹرز تشکیل دیا گیا جس کے بیس ممبر تجویز ہوئے۔ ۵ انجمن کے سرپرست حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی تھے۔ باقی عہدیدار یہ نامزد ہوئے۔

پریذیڈنٹ	حضرت مولوی نورالدین صاحب
وائس پریذیڈنٹ	مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی
سیکرٹری	خواجہ کمال الدین صاحب
اسسٹنٹ سیکرٹری	مولوی محمد علی صاحب
فنانشل سیکرٹری	شیخ رحمت اللہ صاحب مالک بمبئی ہاؤس لاہور
محاسب	میاں تاجدین صاحب لاہوری

رسالہ کا نام "بورڈ آف ڈائریکٹرز" نے "دی ریویو آف ریلیجنز" (THE REVIEW OF RELEGIONS) تجویز کیا اور اس کی اشاعت کا مرکز اور دفتر لاہور میں قرار پایا۔ ۶-۷

انجمن کے قواعد و ضوابط مرتب کرنے کا کام ایک سب کمیٹی ۸ نے کیا جس کی آخری منظوری دیتے ہوئے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک لطیف تقریر کی اور فرمایا کہ ممبروں کی رائے میں تاجرانہ اصول کا لحاظ رکھنا بھی موجودہ حالات کے ماتحت ضروریات سے ہے کیوں کہ بعض وقت چندوں کی بہتات موجب ابتلاء ہو جاتی ہے۔ انجمن کی بنیاد کے دو ہفتہ کے اندر اندر اس کے قریباً ۷۷۵ حصے فروخت ہو گئے جن میں سب سے زیادہ حصے حضرت مولوی نورالدین صاحب کے تھے۔ ۹ آپ نے ۱۶۰ حصے خریدے تھے۔ آپ کے بعد شیخ رحمت اللہ صاحب اور چوہدری محمد سلطان خان صاحب بیرسٹر جہلم نے۔ ۱۰ انجمن نے ۲۴/ نومبر ۱۹۰۱ء کو یہ بھی فیصلہ کیا کہ اگر تین سو خریدار مہیا ہو جائیں تو "ریویو آف ریلیجنز" کا اردو ایڈیشن بھی شائع کیا جائے گا۔ ۱۱

یہ جماعت احمدیہ میں قائم ہونے والے سب سے پہلے اشاعتی ادارے کی تفصیلات ہیں جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نگرانی میں قائم ہوا۔ ۱۹۰۶ء کے آغاز میں جب صدر انجمن احمدیہ کا قیام عمل میں آیا تو دوسرے اداروں کے ساتھ یہ ادارہ بھی اس میں مدغم کر دیا گیا۔ ۱۲

عربی تفسیر "اعجاز المسیح" کی تصنیف و اشاعت

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے پیر مہر علی شاہ صاحب اور ان کے ہمنو اعلماء کو بالمقابل تفسیر فاتحہ شائع کرنے کا جو چیلنج دے رکھا تھا اس کی میعاد حضور نے ۱۵/ دسمبر ۱۹۰۰ء سے ۲۵/ فروری ۱۹۰۱ء تک مقرر فرمائی تھی اور لکھا تھا کہ "فریقین میں سے کوئی فریق تفسیر چھاپ کر شائع نہ کرے۔ اور یہ دن گزر جائیں تو وہ جھوٹا سمجھا جائے گا اور اس کے کاذب ہونے کے لئے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں رہے گی۔" [۱۳] سو خدا کے فضل اور اس کی خاص تائید سے حضورؑ کے قلم سے ۲۳/ فروری ۱۹۰۱ء کو "اعجاز المسیح" کے نام سے فصیح و بلیغ عربی میں سورہ فاتحہ کی تفسیر چھپ کر شائع ہو گئی [۱۴] جو حضورؑ کا ایک عظیم الشان نشان اور بے مثال علمی معجزہ تھا۔

"ایک عزت کا خطاب"

حضور کو قبل از وقت بتایا گیا تھا کہ آپ کو ایک عزت کا خطاب عطا ہو گا اور اس کے ساتھ بڑا نشان دیا جائے گا۔ [۱۵] "اعجاز المسیح" سے اللہ تعالیٰ کی یہ بشارت بھی پوری ہوئی اور آپ جناب الٰہی کے دربار سے ایک عزت کی کرسی پر بٹھائے گئے اور سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ایک قابل فخر عزت کا خطاب آپ کو عطا ہوا۔

تصنیف کی تکمیل میں روح القدس کی تائید

حضور نے ایک ماہ سے بھی کم عرصہ میں یہ تفسیر تصنیف فرمائی تھی کیوں کہ ۲۰/ جنوری ۱۹۰۱ء تک تو حضور اپنی دیگر دینی مصروفیات کے باعث صرف اردو میں مختصر مواد لکھ سکے تھے [۱۶] اور باوجودیکہ آپ پر ان دنوں مختلف امراض کے ایسے ایسے سخت حملے ہوئے کہ آپ خیال کرتے تھے کہ آخری دم ہے۔ [۱۷] اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح القدس سے ایسی غیر معمولی تائید و نصرت فرمائی کہ آپ نے عربی زبان میں قلم برداشتہ لکھنا شروع کیا۔ غیب سے بے تکلف مضامین اور الفاظ صف بستہ ہو کر آتے جاتے تھے۔ [۱۸] ایک مرتبہ مولانا سید محمد احسن صاحب کو کتاب کے پروف دیکھتے ہوئے ایک جگہ پر یہ شبہ ہوا کہ جو لفظ حضور اقدسؑ نے استعمال فرمایا ہے اس کا صلہ آنا چاہئے۔ چونکہ کتاب کا مضمون خدا کی طرف سے آپ کے دل پر جاری ہوا تھا اس لئے جب حضور کے سامنے اس شبہ کا اظہار کیا گیا تو حضور نے فرمایا "جو کچھ میں نے لکھا ہے صحیح ہے آپ لغت کی کتاب دیکھ لیں۔" چنانچہ مولانا صاحب موصوف نے لغت کی بہت سے کتابوں کی ورق گردانی کے بعد معلوم کر لیا کہ جو کچھ حضور نے لکھا تھا وہ درست تھا۔ [۱۹]

"اعجاز المسیح" کے دوران تصنیف کا ایک واقعہ

اعجاز المسیح کے دوران تصنیف کا ایک واقعہ ہے کہ ۱۵/ فروری ۱۹۰۱ء کو تعلیم الاسلام سکول کے طلبہ کا کرکٹ میچ تھا۔ حضرت اقدسؑ کے ایک صاحبزادہ نے بچپن کی سادگی میں کہا کہ ابا آپ کیوں کرکٹ پر نہیں گئے۔ بچہ کا یہ معصومانہ سوال سن کر حضور پر نور نے جواب دیا۔ "لوگ تو کھیل کر واپس آجائیں گے مگر میں وہ کرکٹ کھیل رہا ہوں جو قیامت تک باقی رہے گا۔" [۲۰]

اعجاز المسیح کے جواب سے علماء کا عاجز آنا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اعجاز المسیح سے متعلق یہ الہام ہوا تھا کہ من قام للجواب و تنمر فسوف یری انہ تندم و تذمر۔ یعنی جو شخص اس کتاب کے جواب پر آمادہ ہوا۔ وہ عنقریب دیکھ لے گا کہ وہ نادم ہو گا اور حسرت کے ساتھ اس کا خاتمہ ہو گا۔ [۲۱] چنانچہ حضور نے یہ پیش گوئی "اعجاز المسیح" کے سرورق پر درج کرنے کے علاوہ اس کتاب میں بھی بڑی تحدی کے ساتھ یہ اعلان فرمادیا کہ اگر آپ کے مقابل دنیا بھر کے علماء، حکماء اور فقہاء اور چھوٹے بڑے سب جمع ہو کر اس جیسی تفسیر لکھنا چاہیں تو وہ ہرگز نہیں لکھ سکیں گے۔ چنانچہ اس عظیم الشان پیش گوئی کے مطابق نہ پیر صاحب کو نہ ان کے علاوہ عرب و عجم کے کسی بڑے سے بڑے عالم و فاضل کو اس کتاب کا فصیح عربی میں جواب دینے کی جرات ہو سکی۔

مولوی محمد حسن صاحب فیضی کا ادعائے جواب اور اس کی سزا

مولوی محمد حسن فیضی ساکن موضع بھین تحصیل چکوال ضلع جہلم (مدرس مدرسہ نعمانیہ واقع شاہی مسجد لاہور) نے عوام میں شائع کیا کہ میں اس کتاب کا جواب لکھتا ہوں مگر سلطان القلم کے بیان فرمودہ حقائق و معارف کا وہ عربی میں کیا جواب دے سکتے تھے؟ انہوں نے اردو میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی کے خلاف "اعجاز المسیح" اور مولانا امروہی کی کتاب "شمس بازغہ" کے حاشیہ پر ایک لمبا چوڑا مضمون لکھا جس میں انہوں نے ضمناً اعجاز المسیح کی چند مفروضہ غلطیاں بھی تحریر کیں اور بعض توارادت کو سرقہ قرار دیتے ہوئے آسمانی نکات کا بھی مذاق اڑایا اور بالآخر بعض مقامات پر "لعنہ اللہ علی الکاذبین" تک لکھ ڈالا لیکن اس لعنت پر ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ خود موت کے پنجے میں آگئے۔ [۲۲] اس طرح انہوں نے اعجاز المسیح کے خلاف قلم اٹھا کر معاذ اللہ خدا کے جری پہلوان کی ذلت و شکست کا ارادہ کیا تو خود ہی چند دنوں کے اندر اندر اس جہاں سے ہزاروں حسرتوں کے ساتھ اٹھ گئے اور ان کی موت

مسیح پاک کی صداقت پر ہمیشہ کے لئے ایک نشان چھوڑ گئی۔

پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف سے "سیف چشتیائی" کی اشاعت

پیر مہر علی شاہ صاحب جو اعجاز المسیح کے اولین مخاطب تھے مہینوں خاموش رہے مگر محمد حسن صاحب کی وفات کے بعد جب کہ "اعجاز المسیح" کو شائع ہوئے ایک عرصہ ہو چکا تھا انہوں نے "اعجاز المسیح" کے جواب میں "سیف چشتیائی" کے نام سے اردو میں ایک کتاب شائع کی جو حضور علیہ السلام کو یکم جولائی ۱۹۰۲ء کو بذریعہ ڈاک پہنچی۔ حضور اس وقت "نزول المسیح" تصنیف فرما رہے تھے کتاب پہنچنے سے قبل ہی حضور کو خبر پہنچ چکی تھی کہ پیر صاحب "اعجاز المسیح" کے مقابل پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں مگر حضور کو یہ امید نہ تھی کہ وہ عربی تفسیر کا جواب اردو میں لکھیں گے لیکن آپ کا یہ خیال صحیح نہ نکلا حضور نے جب ان کی کتاب "سیف چشتیائی" دیکھی تو وہ اردو زبان میں تھی اور تفسیر کا نام و نشان اس میں نہ تھا۔ البتہ "اعجاز المسیح" کے چند فقروں پر چند صفحات میں نکتہ چینی ضرور کی گئی تھی اور آپ پر سرقہ کا الزام لگایا گیا تھا۔ "اعجاز المسیح" پر ایک عرصہ گزرنے کے بعد بھی پیر مہر علی شاہ صاحب کا عربی تفسیر کے مقابلہ سے کھلم کھلا گریز کرنا ان کا اعتراف شکست تھا جس نے اس امر پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ "اعجاز المسیح" خدا کی طرف سے ایک نشان ہے۔ اس پہلو سے "سیف چشتیائی" کے مضمون کے جواب کی سرے سے ضرورت ہی نہ تھی مگر حضور نے "نزول المسیح" میں بڑی شرح و بسط سے لکھا کہ عرب کے مسلمہ شعراء اور ادباء میں ایک دوسروں کی عبارتیں یا اشعار ہو بہو یا کچھ تغیر کے ساتھ ان کے دیوان میں موجود ہیں تو کیا یہ سرقہ ہے یا پھر اسے توارد قرار دیا جائے گا کیوں کہ جنہوں نے ہزارہا نمونے اپنی انشا پردازی کے دنیا کے سامنے پیش کر کے اپنی لیاقت علمی کا سکہ بٹھا دیا ان میں چند فقرات کے اندراج سے ان کا منصب داغدار کرنا انتہائی ظلم ہے۔ اسی طرح خود میں نے بیسیوں کتابیں فصیح بلیغ عربی میں لکھی ہیں کیا یہ تمام علمی لٹریچر "حریری" یا "ہمدانی" کے سرقہ سے تیار ہوا ہے۔ پھر ہزارہا حقائق و معارف جو ان کتابوں میں لکھے گئے ہیں وہ "حریری" اور "ہمدانی" میں کہاں ہیں؟ پس صرف چند فقرے ہزار فقروں میں سے پیش کر کے یہ دعویٰ کرنا کہ یہ سرقہ ہے انصاف و دیانت کا خون کرنا ہے۔ [۱۶۳]

ایک اہم اطلاع

ابھی حضور علیہ السلام کا ارادہ اسی الزام کے بارے میں مزید لکھنے کا تھا کہ ۲۶/ جولائی ۱۹۰۲ء کو مولوی محمد حسن فیضی کے ایک دوست میاں شہاب الدین ساکن بھین کے خط کے ذریعہ سے آپ کو یہ خبر ملی کہ پیر مہر علی شاہ صاحب کی "سیف چشتیائی" دراصل مولوی محمد حسن صاحب فیضی کے مسودہ کی من و عن نقل اور مسروقہ مضمون ہے جسے "زبدۃ المحققین و

رئیس العارفین مولانا حضرت مہر علی شاہ صاحب" کی تصنیف قرار دے کر شائع کیا گیا ہے۔ یہ انکشاف ان پر اتفاقاً ہوا۔ وہ پیر مہر علی شاہ صاحب کی تصنیف "سیف چشتیائی" بیٹھے دیکھ رہے تھے کہ ایک آدمی مولوی محمد حسن صاحب کے گھر کا پتہ پوچھتا ہوا ان کے پاس آیا۔ اس کے پاس کچھ کتابیں بھی تھیں۔ استفسار پر اس آدمی نے بتایا کہ مولوی محمد حسن صاحب کی یہ کتابیں پیر صاحب نے منگوائی تھیں جواب واپس دینے آیا ہوں۔ شہاب دین نے وہ کتابیں دیکھیں تو ایک "اعجاز المسیح" اور دوسری "شمس بازغہ" تھی جن پر مولوی محمد حسن صاحب متوفی کے لکھے ہوئے نوٹ تھے۔ انہوں نے ان نوٹوں کا "سیف چشتیائی" سے مقابلہ کیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جو کچھ محمد حسن صاحب نے لکھا تھا وہ کسی تصرف کے بغیر اس کتاب میں موجود تھا [۲۴] جس پر انہوں نے جوش میں آکر براہ راست گولڑوی صاحب کو خط لکھا کہ آپ نے کیا لکھا جو کچھ محمد حسن کے نوٹ تھے وہی درج کر کے شائع کر دیئے۔ [۲۵] جناب گولڑوی صاحب نے جو یہ راز کھلتا دیکھا تو انہوں نے محمد حسن صاحب کے والد کو خط لکھا کہ شہاب الدین کو وہ یہ کتابیں مت دکھائیں یہ ہمارا مخالف ہے۔ انہوں نے اپنے قلم سے بھین کے ایک مولوی محمد کرم الدین صاحب کو ایک کارڈ لکھا جس میں انہوں نے از خود اعتراف کر لیا کہ مولوی محمد حسن صاحب کے نوٹ لے کر انہوں نے "سیف چشتیائی" کی رونق بڑھائی ہے۔ [۲۶] مولوی کرم الدین صاحب اور میاں شہاب الدین صاحب نے نہ صرف یہ خط حضرت اقدسؑ کی خدمت میں ضروری تفصیل کے ساتھ ارسال کر دیا بلکہ انتہائی کوشش کر کے وہ دونوں کتابیں بھی بھجوا دیں جن پر مولوی محمد حسن صاحب کے لکھے ہوئے نوٹ درج تھے... جس پر مولوی کرم الدین صاحب' میاں شہاب الدین صاحب اور گولڑوی صاحب کے خطوط الحکم (۱۷/ ستمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۳-۶) میں پبلک کے سامنے شائع کر دیئے گئے اور مولوی غازی صاحب اور ان جیسے خوش عقیدہ لوگوں کو علم ہوا کہ ان کے پیرو مرشد کس پایہ کے انسان ہیں! بہرحال پیر مہر علی شاہ صاحب اس واقعہ کے بعد مزید ۳۵ سال تک زندہ رہے اور ۱۱/ مئی ۱۹۳۷ء کو فوت ہوئے مگر وہ "اعجاز المسیح" کا جواب لکھنے کی توفیق نہ پا سکے۔ پیر صاحب کے سوانح نگار مولوی فیض احمد صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ "حضرت قبلہ عالم" (یعنی پیر صاحب) نے تفسیر لکھنے کا قصد تو کیا تھا مگر پھر دست کش ہو گئے اور یہ دلچسپ عذر پیش کیا کہ "میرے خیال تفسیر نویسی پر' میرے قلب پر معانی و مضامین کی اس قدر بارش شروع ہو گئی ہے جسے ضبط تحریر میں لانے کے لئے ایک عمر درکار ہوگی اور کوئی اور کام نہ ہو سکے گا" ("مہر منیر" صفحہ ۲۴۵۔ اشاعت ۱۹۷۳ء گولڑہ)

"اعجاز المسیح" کی بلاد عرب میں اشاعت

حضرت اقدس علیہ السلام نے اعجاز المسیح کے متعدد نسخے نہ صرف دلی کے نامی گرامی علماء کو بھجوائے بلکہ حرمین اور شام و مصر میں بھی اس کی اشاعت فرمائی۔ [۲۷] قاہرہ کے بعض اخبارات مثلاً "مناظر" اور "ہلال" نے اعتراف کرتے ہوئے اس پر شاندار ریویو لکھے اور اس کی فصاحت و بلاغت کی تعریف کی۔ بلکہ اخبار "مناظر" کے ایڈیٹر نے تو یہاں تک لکھا کہ بے شبہ اس کتاب کی فصاحت و بلاغت معجزے کی حد تک پہنچ گئی ہے اور علماء ہرگز اس کے مقابل پر تفسیر لکھنے پر قادر نہیں ہو سکیں گے۔ [۲۸]

جمع الصلوۃ کا نشان

پیغمبر عالم آنحضرت ﷺ نے مسیح موعود کی جو علامات بتائی تھیں ان میں ایک علامت یہ بھی تھی کہ "تجمع لہ الصلوۃ" یعنی مسیح موعود کے لئے نمازیں جمع کی جائیں گی [۲۹] جس میں اس طرف اشارہ تھا کہ مصروفیت کا ایک زمانہ اس پر ایسا آئے گا کہ اس کے دینی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے نمازیں جمع کی جائیں گی۔ ضمناً اس سے یہ بھی بتانا مقصود تھا کہ مسیح موعود نماز کے وقت پیش امام نہیں ہو گا بلکہ کوئی اور امامت کرائے گا سو اس پیش گوئی کے عین مطابق قریباً اکتوبر ۱۹۰۰ء سے فروری ۱۹۰۱ء تک کا دور ایسا آیا جب کہ "خطبہ الہامیہ" "تحفہ گولڑویہ" "تریاق القلوب" اور بعض دوسری کتب کی تکمیل اور "اعجاز المسیح" کی تصنیف کے سلسلہ میں چار پانچ ماہ تک حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مسجد مبارک میں ظہر و عصر کی نمازیں جمع کرواتے رہے۔ [۳۰] یہ دور فی الحقیقت آپ کے لئے ایک زبردست علمی جنگ کا تھا اور ضعف دماغ اور دوسرے مہلک عوارض کے باوجود دل میں خدمت دین کا اس درجہ جوش پیدا ہوا کہ "اعجاز المسیح" لکھ چکے تو طبیعت نے چاہا کہ دوسری اہم دینی مہمات کی طرف توجہ کرنے سے پہلے دو تین دن آرام کیا جائے مگر خالی بیٹھے رہنا آپ کو گوارا نہ ہوا۔ چنانچہ ۲۳/ فروری ۱۹۰۱ء کو خود ہی فرمایا۔

"تفسیر کا کام تو ختم ہو گیا اور ہم چاہتے تھے کہ دوسرے ضروری کاموں کے شروع کرنے سے پہلے دو تین دن آرام کر لیتے مگر جی نہیں چاہتا کہ خالی بیٹھے رہیں۔ مثنوی مولانا روم میں لکھا ہے کہ ایک بیماری ہوتی ہے کہ انسان چاہتا ہے کہ اس کو ہر وقت کوئی کمیاں مارتا رہے۔ ایسا ہی اہل اللہ کا حال ہوتا ہے کہ وہ آرام نہیں کر سکتے کبھی خدا ان پر کوئی محنت نازل کرتا ہے اور کبھی وہ آپ کوئی ایسا کام چھیڑ بیٹھتے ہیں جس سے ان پر محنت نازل ہو۔ نہایت درجہ برکت کی بات یہ ہے کہ انسان خدا کے واسطے کسی

کام میں لگا رہے۔" [21]

مولوی محمد احسن صاحب کے اعتراض کے جواب میں حضرت مسیح موعودؑ کی تقریر

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی راوی ہیں کہ جمع صلوٰۃ کے سلسلہ پر جب دو ماہ کا عرصہ ہو چلا تو ایک دن مولانا محمد احسن صاحب امروہوی نے حضرت مولوی نور الدین صاحب کی خدمت میں خط لکھا کہ بہت دن نمازیں جمع کرتے ہو گئے ہیں لوگ اعتراض کریں گے تو ہم اس کا کیا جواب دیں گے۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب نے جواب دیا کہ حضرت صاحب ہی سے پوچھیں۔ مولوی محمد انوار حسین خاں صاحب شاہ آبادی اس خط و کتابت میں قاصد تھے [22] ان سے حضرت منشی صاحب کو بھی اس سوال و جواب کا علم ہو گیا چنانچہ انہوں نے حضور کی خدمت میں اس امر کا تذکرہ کر دیا [23] (یہ دسمبر ۱۹۰۰ء کا واقعہ ہے) [24] اس وقت تو حضور نے کچھ نہ فرمایا لیکن مغرب کے بعد حضور نے اس پر خفگی کا اظہار فرمایا اور جمع صلوٰۃ کے نشان کے متعلق ایک پر جلال تقریر فرمائی جس میں حضور نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس امر پر روشنی ڈالنے کے بعد کہ گزشتہ پیش گوئیوں کے مطابق جمع صلوٰۃ کے علاوہ کئی اور اجتماعی رنگ کے نشانات روز روشن کی طرح پورے ہوئے۔ [25] حضور نے فرمایا کہ "میں وہی ہوں جس کا خدا نے وعدہ کیا تھا۔ ہاں میں وہی ہوں جس کا سارے نبیوں کی زبان پر وعدہ ہوا۔ اور پھر خدا تعالیٰ نے ان کی معرفت بڑھانے کے لئے منہاج نبوت پر اس قدر نشانات ظاہر کئے کہ لاکھوں انسان ان کے گواہ ہیں... زمین نے اپنے نشانات الگ ظاہر کئے آسمان نے الگ... پھر اس قدر نشانات کے بعد اگر کوئی انکار کرتا ہے تو وہ ہلاک ہوتا ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک پر خدا نے ایسا فضل کیا ہے کہ ایک بھی تم میں سے ایسا نہیں جس نے اپنی آنکھوں سے کوئی نہ کوئی نشان نہیں دیکھا؟ ایک بھی نہیں۔ پھر ایسی بصیرت اور معرفت رکھنے والے نشانوں کے بعد مجھ پر حسن ظن ہی نہیں رہا بلکہ میری سچائی اور خدا کی طرف سے مامور ہو کر آنے پر تم علیٰ وجہ البصیرت گواہ ہو اور تم پر حجت پوری ہو چکی ہے۔ پھر وہ بڑا ہی بد قسمت اور نادان ہو گا جو اتنے نشانوں کے بعد اس پیش گوئی کے پورا ہونے پر ابتلاء میں پڑے۔"

[26]

"تم بہت سے نشانات دیکھ چکے ہو۔ اور حروف تہجی کے طور پر اگر ایک نقشہ تیار کیا جاوے تو کوئی حرف باقی نہ رہے گا کہ اس میں کئی نشان نہ آویں۔ تریاق القلوب میں بہت سے نشان جمع کئے گئے ہیں اور تم نے اپنی آنکھوں سے پورے ہوتے دیکھے۔ اب وقت ہے کہ تمہارے ایمان مضبوط ہوں اور کوئی زلزلہ اور آندھی تمہیں ہلا نہ سکے۔ بعض تم میں سے ایسے بھی صادق ہیں کہ انہوں نے کسی نشان

کی اپنے لئے ضرورت نہیں سمجھی گو خدا نے اپنے فضل سے ان کو سینکڑوں نشان دکھا دیئے لیکن اگر ایک بھی نشان نہ ہوتا تب بھی وہ مجھے صادق یقین کرتے اور میرے ساتھ تھے۔ چنانچہ مولوی نورالدین صاحب کسی نشان کے طالب نہیں ہوئے۔ انہوں نے سنتے ہی امنا کہہ دیا اور فاروقی ہو کر صدیقی عمل کر لیا۔ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ شام کی طرف گئے ہوئے تھے واپس آئے تو راستہ ہی میں آنحضرت ﷺ کے دعویٰ نبوت کی خبر پہنچی۔ وہیں انہوں نے تسلیم کر لیا۔"

حضرت اقدس کی اس پر معارف تقریر نے ایک نیا ایمان و عرفاں پیدا کر دیا۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب پر تو اس کا اتنا اثر ہوا کہ آپ عقیدت و ارادت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اٹھے اور عرض کیا کہ میں اس وقت حاضر ہوا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی رسول کریم ﷺ کے حضور **رضیت باللہ ربا و بمحمد نبیا** کہہ کر اقرار کیا تھا۔ اب میں اس وقت صادق امام مسیح موعود اور مہدی معہود کے حضور وہی اقرار کرتا ہوں کہ مجھے کبھی ذرا بھی شک اور وہم حضور کے متعلق نہیں گزرا۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بہت سے اسباب ایسے ہیں جن کا ہمیں علم نہیں اور میں نے ہمیشہ اس کو آداب نبوت کے خلاف سمجھا ہے کہ کبھی کوئی سوال اس قسم کا کروں۔ میں آپ کے حضور اقرار کرتا ہوں **رضینا باللہ ربا و بک مسیحا و مهدیا۔**

اس تقریر کے ساتھ ہی حضرت اقدس نے اپنی تقریر ختم کر دی۔ [37] مولانا محمد احسن صاحب جنہوں نے دراصل یہ سوال اٹھایا تھا زار و قطار رو رہے تھے اور توبہ کر رہے تھے۔ [38]

آداب رسالت اختیار کرنے کی پر حکمت تلقین

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم و عدل کے مقدس منصب پر فائز تھے اس لئے حضور نے اس تقریر میں اظہار ناراضگی کرتے ہوئے اپنے خدام کو اس امر کی خاص طور پر تلقین فرمائی کہ وہ سوالات کے معاملہ میں آداب ملحوظ رکھیں۔ چنانچہ حضور نے فرمایا۔

"ہماری جماعت کے لئے تو یہ امر دور از ادب ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں پیش کریں یا ان کے وہم میں بھی ایسی باتیں آئیں۔ اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ میں جو کرتا ہوں وہ خدا تعالیٰ کی تفہیم اور اشارہ سے کرتا ہوں۔ پھر کیوں اس کو مقدم نہیں کرتے... اگر اس قدر نشان دیکھتے ہوئے بھی کوئی اعتراض کرتا اور علیحدہ ہوتا ہو تو وہ بے شک نکل جاوے اور علیحدہ ہو جاوے اس کی خدا کو کیا پرواہ ہے وہ کہیں جگہ نہیں پا سکتا۔ جب کہ خدا تعالیٰ نے مجھے **حکم عدل** ٹھہرایا ہے اور تم نے مان لیا ہے۔ پھر نشانہ اعتراض بنانا ضعف ایمان کا نشان ہے۔ **حکم** مان کر تمام زبانیں بند ہو جانی چاہئیں...

جب تک خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ حکم کی بات کے سامنے اپنی زبانوں کو بند نہ کرو گے وہ ایمان پیدا نہیں ہو سکتا جو خدا چاہتا ہے اور جس غرض کے لئے اس نے مجھے بھیجا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میرا یہ عمل اپنی تجویز اور خیال سے نہیں اللہ تعالیٰ کی تفہیم سے ہے اور رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے لئے ہے… میں ایسے لوگوں کو صلاح دیتا ہوں کہ وہ کثرت سے استغفار کریں اور خدا سے ڈریں ایسا نہ ہو کہ خدا ان کی جگہ اور قوم لاوے… تم نے میرے ہاتھ پر جو بیعت کی ہے اور مجھے مسیح موعود حکم عدل مانا ہے تو اس ماننے کے بعد میرے کسی فیصلہ یا فعل پر اگر دل میں کوئی کدورت یا رنج آتا ہے تو اپنے ایمان کی فکر کرو۔ وہ ایمان جو خدشات یا توہمات سے بھرا ہوا ہے کوئی نیک نتیجہ پیدا کرنے والا نہیں ہوگا۔ لیکن اگر تم نے سچے دل سے تسلیم کر لیا ہے کہ مسیح موعود واقعی حکم ہے تو پھر اس کے حکم اور فعل کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دو اور اس کے فیصلوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھو تا تم رسول اللہ ﷺ کی پاک باتوں کی عزت و عظمت کرنے والے ٹھہرو۔ رسول اللہ ﷺ کی شہادت کافی ہے وہ تسلی دیتے ہیں کہ وہ تمہارا امام ہوگا۔ وہ حکم عدل ہوگا۔ اگر اس پر تسلی نہیں ہوتی تو پھر کب ہوگی۔ یہ طریق ہرگز اچھا اور مبارک نہیں ہو سکتا کہ ایمان بھی ہو اور دل کے بعض گوشوں میں بدظنیاں بھی ہوں۔ میں اگر صادق نہیں ہوں تو پھر جاؤ اور صادق تلاش کرو۔" [illegible]

مخالف علماء کو صلح کی مخلصانہ پیشکش

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ مسیحت سے لے کر اس وقت تک مخالف علماء جماعت احمدیہ کو مسلم معاشرہ سے بالجبر کاٹ پھینکنے کے لئے مسلسل جدوجہد کر رہے تھے مگر حضرت اقدسؑ تو امن و سلامتی کے شاہزادے تھے اور بنی نوع انسان کی ہمدردی آپ کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ نے مسلسل دس سال تک اذیتیں برداشت کیں اور اف تک نہ کی۔ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے معتقدین کو مظالم کا تختہ مشق بنتے دیکھا اور انہیں صبر و تحمل کی تعلیم دی گالیاں سنیں اور اس کے جواب میں دعاؤں اور تعلق باللہ کی ہدایت فرمائی لیکن اس نرمی اخلاق اور محبت و مروت کا علماء پر یہ الٹا اثر ہوا کہ وہ اور زیادہ تشدد پر اتر آئے۔ بالآخر حضرت اقدسؑ نے امت کی صفوں میں یک جہتی اور اتحاد پیدا کرنے کے لئے ۵/ مارچ ۱۹۰۱ء کو ایک اشتہار دیا جس میں علماء کو صلح کی یہ نہایت مخلصانہ پیشکش کی کہ "آئندہ فریقین ایک پختہ عہد کریں کہ وہ اور تمام وہ لوگ جو ان کے زیر اثر ہیں ہر ایک قسم کی سخت زبانی سے باز رہیں اور کسی تحریر یا تقریر یا اشارہ کنایہ سے فریق مخالف کی عزت پر حملہ نہ کریں اور اگر دونو فریق میں سے کوئی صاحب اپنے فریق مخالف کی مجلس میں جائیں تو جیسا کہ

شرط تہذیب و شائستگی ہے فریق ثانی مدارات سے پیش آئیں" نیز لکھا کہ "میں نے یہ انتظام کرلیا ہے کہ ہماری جماعت میں سے کوئی شخص تحریر یا تقریر کے ذریعہ سے کوئی ایسا مضمون شائع نہیں کرے گا جس میں آپ صاحبوں میں سے کسی صاحب کی تحقیر اور توہین کا ارادہ کیا گیا ہو اور اس انتظام پر اس وقت سے پورا عمل درآمد ہو گا جب کہ آپ صاحبوں کی طرف سے اسی مضمون کا ایک اشتہار نکلے گا۔"

اس اشتہار میں حضور نے علماء کو اس طرف بھی توجہ دلائی کہ "اگر یہ کاروبار خدا کی طرف سے نہیں ہے تو خود یہ تباہ ہو جائے گا اور اگر خدا کی طرف سے ہے تو کوئی دشمن اس کو تباہ نہیں کر سکتا اس لئے محض قلیل جماعت خیال کرکے تحقیر کے درپے رہنا طریق تقویٰ کے برخلاف ہے یہی تو وقت ہے کہ ہمارے مخالف علماء اپنے اخلاق دکھلائیں ورنہ جب یہ احمدی فرقہ دنیا میں چند کروڑ انسانوں میں پھیل جائے گا اور ہر ایک طبقہ کے انسان اور بعض ملوک بھی اس میں داخل ہو جائیں گے جیسا کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے تو اس زمانہ میں تو یہ کینہ اور بغض خود بخود لوگوں کے دلوں سے دور ہو جائے گا لیکن اس وقت کی مخالفت اور مدارات خدا کے لئے نہیں ہوگی... آئندہ جس فریق کے ساتھ خدا ہو گا وہ خود غالب ہوتا جائے گا دنیا میں سچائی اول چھوٹے سے تخم کی طرف آتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ ایک عظیم الشان درخت بن جاتا ہے وہ پھل اور پھول لاتا ہے اور حق جوئی کے پرندے اس میں آرام کرتے ہیں۔" [۶۶]

علماء کا مصالحت سے قطعی انکار

اس زمانہ کے علماء نے جو ہر حال میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خدام کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے درپے تھے صلح کے نام پر ہی سخت آگ بگولا ہو گئے اور مصالحت سے صاف انکار کرتے ہوئے بذریعہ اشتہار اعلان کیا کہ ہم آپ سے تہذیب و شائستگی اور مدارات کا معاملہ کرنا جائز ہی نہیں سمجھتے آپ (معاذ اللہ) مرتد و کافر اور داعی الی الضلال ہیں اور آیت **یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم وماوھم جھنم وبئس المصیر** [۶۷] کے مصداق۔ لہٰذا آپ سے صلح ان شرائط سے ہو سکتی ہے اول یہ کہ آپ علماء سے معافی مانگیں دوسرے آپ اپنی تمام کتابوں کو علیٰ رؤس الاشہاد جمع کرکے جلا دیں اور اشتہار عام کے ذریعہ سے ان کتابوں سے بیزاری کا اظہار کریں اور آئندہ پختہ عزم کریں کہ زندگی بھر ان کے مذہب کی تائید و خدمت کروں گا اور جو کچھ حق میں چھپایا ہے اسے خوب بیان کروں گا۔ جب مرزا صاحب ایسا کریں گے تب جناب پیر (مہر علی شاہ ناقل) صاحب اور ہم سب اہل اسلام مرزا صاحب کو از سر نو اسلام میں داخل ہونے کی مبارک باد دے کر مصالحت کا

عہد و پیماں موافق ان کی مرضی کے فوراً شائع کردیں گے اور مشہور کردیں گے کہ مرزا صاحب کفرو ارتداد سے نکل کر اسلام میں داخل ہو گئے ہیں۔ [۶۳]

اس حقارت آمیز رویہ کے پیچھے صرف یہ خیال کار فرما تھا کہ یہ جماعت اپنی تعداد میں نہایت درجہ قلیل ہے اور عنقریب مخالفتوں کی تاب نہ لا کر صفحہ ہستی سے ہمیشہ کے لئے محو ہو جائے گی چنانچہ انہوں نے صاف لکھا۔ "اس فرقہ ابو جہلیہ و طائفہ احمقیہ کو اتباع مسیلمہ کذاب و اسود عنسی و امثالہا پر قیاس کرنا چاہئے نہ حنفی شافعی وغیرہا پر۔ اور عنقریب انشاء اللہ ان کی طرح خدا اس کو مضمحل و نیست و نابود کردے گا۔" "ایسا مذہب خبیث 'ناپاک' بے بنیاد' عقل اور نقل دونوں کے خلاف متناقض و متہات کبھی پھیل نہیں سکتا۔" [۶۴]

لیکن یہ محض ان کی خام خیالی تھی آخر ہوا وہی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا تھا کہ احمدیت کا بیج بویا جاچکا ہے اب یہ عظیم الشان درخت بننے والا ہے اور حق جوئی کے پرندے آرام کرنے والے ہیں۔ چنانچہ پوری صدی کی مخالفتوں اور فتنہ سامانیوں کے بعد اب احمدیت کا درخت نہایت سرعت سے شرق و غرب میں پھیل رہا ہے اور طیور ابراہیمی اس پر بسیرا کر رہے ہیں۔

طاعون کے بارے میں پھر انتباہ

یوں تو حضرت اقدسؑ خدا تعالیٰ سے علم پاکر تین سال سے طاعون کی خبر دے رہے تھے مگر اب ۱۹۰۱ء میں جب خدا کی پیش گوئی کے مطابق طاعون کا زور بہت بڑھ گیا اور وہ سیل رواں کی طرح ملک کے چاروں طرف داخل ہو گئی تو آپ نے ہندوستان کے باشندوں کو ۱۷/ مارچ ۱۹۰۱ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ سے انتباہ فرمایا کہ "اے غافلو! یہ ہنسی اور ٹھٹھے کا وقت نہیں ہے یہ وہ بلا ہے جو آسمان سے آتی اور صرف آسمان کے خدا کے حکم سے دور ہوتی ہے اگرچہ ہماری گورنمنٹ عالیہ بہت کوشش کر رہی ہے اور مناسب تدبیروں سے یہ کوشش کر رہی ہے مگر صرف زمینی کوششیں کافی نہیں ایک پاک ہستی موجود ہے جس کا نام خدا ہے۔ یہ بلا اسی کے ارادہ سے ملک میں پھیلی ہے کوئی نہیں بیان کر سکتا کہ یہ کب تک رہے گی اور اپنی رخصت کے دنوں تک کیا کچھ انقلاب پیدا کرے گی اور کوئی کسی کی زندگی کا ذمہ دار نہیں۔ سو اپنے نفسوں اور اپنے بچوں اور اپنی بیویوں پر رحم کرو۔ چاہئے کہ تمہارے گھر خدا کی یاد اور توبہ اور استغفار سے بھر جائیں اور تمہارے دل نرم ہو جائیں۔" [۶۵]

اس اردو اشتہار کے بعد ۱۰/ دسمبر ۱۹۰۱ء کو حضور نے عربی زبان اور اردو ترجمہ کے ساتھ ایک اور اشتہار دیا جس میں ایک شفیق اور مہربان آسمانی طبیب کی حیثیت سے اہل ملک کو دوبارہ طاعون کے

روحانی علاج کی طرف سے توجہ دلائی۔ [66]

کابل میں حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی شہادت

حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب کا قادیان کی طرف آخری سفر

جیسا کہ ۱۹۰۰ء کے حالات میں ذکر آچکا ہے کہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کے سفیر مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو دو یا تین مرتبہ قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں رہنے کا شرف نصیب ہوا۔ ہر مرتبہ کئی کئی ماہ تک حضور سے فیض پاتے اور حضور کی دعاوی اور تعلیمات پر ایک نیا ایمان لے کر لوٹتے تھے۔ آخری بار وہ دسمبر ۱۹۰۰ء میں قادیان آئے۔ [67] یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آفریدی، وزیری اور محسودی وغیرہ آزاد قبائل ڈیورنڈ لائن کو اپنی خود مختاری اور آزادی کے لئے خطرہ تصور کر کے سرحد پر انگریزوں کے خلاف بڑے جوش و خروش سے اٹھے ہوئے تھے۔ اس شورش کو علماء نے بھاری تقویت دی جنہوں نے جہاد کے نام پر انگریزوں کے قتل کا فتویٰ دے دیا خود امیر عبدالرحمٰن خاں کی خاص ہدایت پر ایک رسالہ "تقویم الدین در بارہ تحریک جہاد" کے نام سے سرحد پر شائع کیا گیا۔ [68] نتیجہ یہ ہوا کہ آزاد قبائل میں شورش کی آگ پورے زور سے بھڑک اٹھی اور محض اختلاف مذہب کی بناء پر پشاور اور بنوں میں کئی انگریز موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ [69] جہاد ایسے مقدس مسئلہ کی اس غلط تعبیر نے اسلام اور مسلمان دونو کو بہت بدنام کیا اور انگریز اور دوسرے غیر مسلموں میں یہ خیال پختہ ہو گیا کہ مسلمان رہزنوں اور ڈاکوؤں کی طرح بن جائیں گے اور جہاد کے بہانہ سے اپنے نفس کی خواہش پوری کریں گے۔ لہٰذا حضرت اقدس علیہ السلام نے مسئلہ جہاد کی اسلامی نکتہ نگاہ سے وضاحت بیان کرنے کے لئے بعض رسائل شائع کئے جیسا کہ پہلے ۱۹۰۰ء کے حالات میں ذکر آچکا ہے۔ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے جب قادیان میں حضور اقدس کے یہ رسائل پڑھے تو ان پر مسئلہ جہاد کی حقیقت بالکل آشکار ہو گئی۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد پھر کابل گئے جہاں انہوں نے جب مسئلہ جہاد کے متعلق اپنا مسلک پیش کیا تو امیر عبدالرحمٰن خاں (۱۸۴۴۔ ۱۹۰۱) سے شکایت کی گئی جسے بعض شریر پنجابیوں نے جو اس کے ملازم تھے اور زیادہ ہوا دی اور ظاہر کیا کہ یہ ایک پنجابی شخص کا مرید ہے جو اپنے تئیں مسیح موعود ظاہر کرتا ہے اس کی تعلیم یہ ہے کہ انگریزوں سے جہاد درست نہیں بلکہ اس زمانہ میں وہ قطعاً جہاد کا مخالف ہے۔ امیر عبدالرحمٰن خاں نے جو یہ سنا تو اس نے سخت برافروختہ ہو کر حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی نظر بندی کا حکم دے دیا اور بالآخر آپ گردن میں کپڑا ڈال کر اور دم بند

کر کے نہایت بے دردی سے شہید کر دیئے گئے ۵۰ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب احمدیت کے وہ پہلے بزرگ تھے جنہیں حق و صداقت کی راہ میں جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ حضرت مسیح موعود کو اس سے قبل الہام ہو چکا تھا کہ "شاتان تذبحان" کہ دو بکرے مارے جائیں گے۔ ۵۱ چنانچہ اس الہام کے مطابق سب سے پہلے حضرت مولوی صاحب موصوف شہید کئے گئے۔ یہ حادثہ وسط ۱۹۰۱ء میں ہوا۔ ۵۲ قادیان میں اس کی خبر نومبر میں حضرت مولوی عبدالستار صاحب کے ذریعہ سے پہنچی جو اپنے تین رفقاء سمیت علاقہ خوست غزنی سے حضور کی زیارت کے لئے تشریف لائے تھے۔ ۵۳ کہتے ہیں اس حادثہ شہادت پر افغانستان کی سرزمین میں کئی آسمانی نشان ظاہر ہوئے۔ ۵۴

امیر عبدالرحمٰن خاں پر فالج سب سے بڑا نشان یہ تھا کہ امیر عبدالرحمٰن خاں صاحب پر اس ظلم کی پاداش میں ۱۰/ ستمبر ۱۹۰۱ء کو فالج گرا۔ ہندوستان اور افغانستان کے حاذق طبیبوں اور ماہر ڈاکٹروں نے بڑا علاج کیا مگر بیماری یہاں تک بڑھ گئی کہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی معذور ہو گئے اور بالآخر ایک ماہ تک اس مرض میں مبتلا ہو کر ۳/ اکتوبر ۱۹۰۱ء کو چل بسے۔ ۵۵

امام الزماں کی کتابوں کے امتحان کی تحریک

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ۹/ ستمبر ۱۹۰۱ء کو "مفید الاخیار" کے نام سے ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں حضور نے اپنی اس دلی خواہش کا اظہار فرمایا کہ ہماری جماعت میں کم از کم ایک سو اہل کمال و فضل پیدا ہونے چاہئیں جو سلسلہ کے علم کلام اور اس کے دلائل و نشانات سے اچھی طرح آگاہ ہوں اور غیر مسلموں کے زہریلے لٹریچر کے بد اثرات سے ہر طالب حق کو نجات دے سکیں۔ اس غرض کے لئے حضور نے یہ اہم تحریک فرمائی کہ ہر سال قادیان میں دسمبر کی تعطیلات میں حضور کی کتابوں کا امتحان لیا جائے اور جو خدام اس امتحان میں کامیاب ہوں ان کو سلسلہ کی تبلیغی خدمات پر مامور اور دعوت حق کے لئے مناسب مقامات پر بھیجا جائے۔ ۵۶

پہلے امتحان کے لئے جو کورس تجویز کیا گیا وہ مندرجہ ذیل کتب پر مشتمل تھا۔ "فتح اسلام" "توضیح مرام" "ازالہ اوہام" "انجام آتھم" "ایام الصلح" "سرمہ چشم آریہ" "حمامتہ البشریٰ" "خطبہ الہامیہ"۔ نیز فیصلہ ہوا کہ یہ امتحان ۲۷/ دسمبر ۱۹۰۱ء کو ختم ہو جائے گا۔ جو لوگ دور دراز مقامات سے شامل نہ ہو سکیں وہاں پرچے روانہ کر دیئے جائیں گے جو ایک مہتمم کی نگرانی میں بغرض جواب تقسیم ہوں گے۔ امتحان میں شریک ہونے والے امیدواروں کی فہرست کی تیاری کا کام ایڈیٹر الحکم جناب شیخ یعقوب علی صاحب تراب کے سپرد ہوا۔ ۵۷ مگر اتنی سعی و جدوجہد کے باوجود افسوس

حضرت اقدسؑ کی زندگی میں یہ تحریک عمل میں نہ لائی جا سکی۔ اور سات سال تک معرض التواء میں رہنے کے بعد حضرت مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اپنے زمانہ خلافت کے پہلے سال ہی اس کی طرف توجہ فرمائی [۵۸] اور چونکہ جلسہ ۱۹۰۸ء میں اس کے لئے فرصت نہ نکل سکتی تھی اس لئے آپ نے اجازت دی کہ احباب معزز دوستوں کی نگرانی میں اپنے اپنے مقام پر ہی امتحان دے سکتے ہیں۔ [۵۹] اس کے بعد خلافت ثانیہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے امتحان کا سلسلہ باقاعدہ رنگ میں شروع ہوا۔ ابتداء نظارت "تعلیم و تربیت" قادیان نے امتحان کا اہتمام کیا۔ اس کے بعد جماعت کی بعض دوسری تربیتی تنظیموں نے بھی اس کی ترویج میں سرگرم حصہ لینا شروع کر دیا۔

حواشی

۱۔ "ذکر حبیب" صفحہ ۵۲۔ ۵۳ مؤلفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب
۲۔ الحکم ۳۰/ نومبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۶ کالم اور ریویو ۱۹۰۲ء صفحہ ۴۹۵
۳۔ فتح السلام صفحہ ۵۱ طبع اول
۴۔ "تبلیغ رسالت" جلد دہم صفحہ ۱۔ ۳
۵۔ ممبروں کے نام حضرت مولوی نور الدین صاحب' نواب محمد علی خاں صاحب' مولوی محمد علی صاحب' مولوی عبد الکریم صاحب' شیخ رحمت اللہ صاحب' خواجہ کمال الدین صاحب' میاں تاجدین صاحب لاہوری' مرزا افضل بیگ صاحب قصور' ڈاکٹر رحمت علی صاحب' خلیفہ رشید الدین صاحب' خواجہ کمال الدین صاحب' حکیم فضل الدین صاحب بھیروی' میر حامد شاہ صاحب' سیٹھ عبد الرحمٰن صاحب مدراسی' مولوی عزیز بخش صاحب ڈیرہ غازی خاں' منشی محمد نواب خاں صاحب تحصیلدار' مرزا خدا بخش صاحب' شیخ یعقوب علی صاحب تراب (عرفانی)
۶۔ الحکم ۱۷/ اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۸۔ ۹
۷۔ ۲۴/ نومبر ۱۹۰۱ء کو بورڈ آف ڈائریکٹرز نے ایک اجلاس میں گزشتہ فیصلوں میں بعض ترامیم منظور کیں۔ مثلاً رسالہ کا مقام اشاعت لاہور کی بجائے قادیان قرار دیا گیا اور اس کے ساتھ سب ہی عہدیدار مقامی تجویز ہوئے۔ یعنی (سیکرٹری) مولوی محمد علی صاحب (اسسٹنٹ سیکرٹری و محاسب) مفتی محمد صادق صاحب (فنانشل سیکرٹری) حضرت مولوی نور الدین صاحب (امین) نواب محمد علی خاں صاحب (الحکم ۳۰/ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۳۔ ۱۴)
۸۔ سب کمیٹی (مولوی عبد الکریم صاحب' خواجہ کمال الدین صاحب' مولوی محمد علی صاحب' شیخ رحمت اللہ صاحب' ڈاکٹر رحمت علی صاحب) پانچ ممبروں پر مشتمل تھی۔ (الحکم ۱۷/ اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۸ کالم ۲)
۹۔ الحکم ۱۷/ اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۱ کالم ۱
۱۰۔ الحکم ۱۷/ اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۱ کالم ۱
۱۱۔ الحکم ۳۰/ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴
۱۲۔ "بدر" ۱۶/ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۵
۱۳۔ اشتہار ۱۵/ دسمبر ۱۹۰۰ء' مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نہم صفحہ ۹۶
۱۴۔ الحکم ۳/ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۲ کالم ۳ و ۱۰۔ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۵ کالم ۱
۱۵۔ "اربعین" نمبر ۳ صفحہ ۳۷
۱۶۔ الحکم ۳۱/ جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۱ کالم ۱
۱۷۔ الحکم ۳/ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۹ کالم ۱
۱۸۔ الحکم ۱۷/ مئی ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۲ کالم ۲۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نزول المسیح صفحہ ۵۶۔ ۵۷ میں عربی اور اردو تحریر کے وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے غیبی اعانت کا مفصل بیان فرمایا ہے۔ جو قابل دید ہے۔
۱۹۔ الحکم ۲۸/ جنوری ۱۹۳۸ء صفحہ ۴ کالم ۲۔ ۳
۲۰۔ "سیرت مسیح موعود" صفحہ ۳۵۸ از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی
۲۱۔ "اعجاز المسیح" سرورق "نزول المسیح" صفحہ ۱۹۳۔ ۱۹۴
۲۲۔ "نزول المسیح" صفحہ ۱۹۳۔ ۱۹۴
۲۳۔ "نزول المسیح" صفحہ ۵۲۔ ۶۲
۲۴۔ نزول المسیح صفحہ ۶۷

۲۵۔ نزول المسیح صفحہ ۴۷

۲۶۔ نزول المسیح صفحہ ۷۶۔۷۹ حاشیہ۔ پیر صاحب کے خط کا متن "مُحبی و مخلصی مولوی کرم الدین صاحب سلامت باشند و علیکم السلام و رحمہ اللہ۔ امابعد ایک نسخہ بذریعہ ڈاک یا کسی آدم معتبر فرستادہ خواہد شد۔ آپ کو واضح ہو کہ اس کتاب (سیف چشتیائی) میں تردید متعلق تفسیر فاتحہ (یعنی اعجاز المسیح) جو فیضی صاحب مرحوم و مغفور کی ہے باجازت ان کے مندرج ہے چنانچہ فیمابین تحریراً و نیز مشافہۃً جہلم میں قرار پاچکا تھا بلکہ فیضی صاحب مرحوم کی درخواست پر میں نے تحریر جواب شمس بازغہ پر مضامین ضروریہ لاہور میں ان کے پاس بھیج دیئے تھے اور ان کو اجازت دی تھی کہ وہ اپنے نام پر طبع کرا دیویں۔ افسوس کہ حیات نے وفا نہ کی اور نہ وہ میرے مضامین مرسلہ مجھے لاہور میں ملے۔ آخر الامر مجھ کو ہی یہ کام کرنا پڑا۔ لہٰذا آپ سے ان کی کتابیں مستعملہ منگوا کر تفسیر کی تردید مندرجہ حسب اجازت تبعیر ما کی گئی ہے۔ آئندہ شاید آپ کو یا مولوی غلام محمد صاحب کو تکلیف اٹھانی ہوگی۔ والسلام۔"
(منقول از نزول المسیح حاشیہ صفحہ ۷۹)
پیر صاحب کا یہ ادعا کہ صرف اعجاز المسیح کی تردید کا حصہ فیضی صاحب کا لکھا ہوا ہے باقی میں نے تحریر کیا ہے کتاب کی اندرونی شہادت کے خلاف ہے کیوں کہ اس کے صفحہ ۸۵ پر یہ الفاظ موجود ہیں۔ "پیر مہر علی شاہ صاحب کے لئے آپ ہر چند دانت پیستے رہے مگر ان کی شہرت ہی شہرت اور عزت ہی عزت ہوتی رہی۔" صاف ظاہر ہے کہ یہ الفاظ لکھنے والے بہرحال خود پیر صاحب موصوف نہیں ہو سکتے۔

۲۷۔ الحکم ۲۸/ جنوری ۱۹۳۸ء صفحہ ۴۰ کالم ۳ بحوالہ تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۲۶

۲۸۔ المنار جلد ۴ صفحہ ۵۴۵

۲۹۔ فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۱۶، مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۹۰

۳۰۔ مجموعہ فتاویٰ احمدیہ جلد ۱ صفحہ ۱۸۷، مرتبہ مولوی فضل محمد خاں صاحب چنگوی

۳۱۔ الحکم ۳/ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۲ کالم ۲

۳۲۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ۳۱۳ اصحاب کبار میں آپ کا نام ۵۲ پر درج فرمایا ہے (ضمیمہ انجام آتھم) ۲۷/ جولائی ۱۹۳۱ء کو ۷۱ سال کی عمر میں وفات پائی۔

۳۳۔ "اصحاب احمد" جلد چہارم صفحہ ۱۳۱۔۱۳۲

۳۴۔ الحکم ۲۴/ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱، ۲ میں ۳ دسمبر کی تاریخ تو صحیح درج ہوئی ہے مگر ۱۹۰۰ء کی بجائے سہواً ۱۹۰۱ء لکھا گیا ہے (مولف)

۳۵۔ حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی کی روایت ہے کہ "عصر کے بعد جب حضور معمولاً مسجد میں چھت پر تشریف فرما تھے تو آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ ایسے اعتراض کیوں دل میں اٹھتے ہیں۔۔ الخ "اصحاب احمد" جلد چہارم صفحہ ۱۳۱۔۱۳۲۔ الحکم ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۔۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؑ نے مغرب کے بعد اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ایک لمبی تقریر ارشاد فرمائی تھی جیسا کہ اوپر درج ہے۔

۳۶۔ الحکم ۲۴/ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۲ کالم ۲

۳۷۔ الحکم ۱۰/ دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۲ کالم ۲۔۳

۳۸۔ "اصحاب احمد" جلد چہارم صفحہ ۱۳۲

۳۹۔ الحکم ۳۰/ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۲ کالم ۲۔۳ و الحکم ۱۰/ دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱ کالم ۱۔۲

۴۰۔ سوال و جواب کے اس واقعہ سے محترم جناب مؤلف کتاب "مجدد اعظم" نے یہ تبصرہ کیا ہے کہ "ایسے واقعات سے صاف پتہ لگتا ہے کہ خود حضرت اقدس مرزا صاحب کے اقوال اور افعال کو ان کے مریدین مخلصین کس قدر نکتہ چینی کی نظر سے دیکھتے تھے اور اگر ان کا کوئی قول یا فعل کسی مرید کی سمجھ میں نہ آتا یا اپنی سمجھ کے مطابق اس میں قرآن و سنت سے ذرا بھی انحراف دیکھتا تو وہ اعتراض کرنے سے کبھی بھی نہ چوکتا اور جب تک تشفی نہ ہو جاتی وہ اپنے اس اعتراض سے باز نہ آتا۔" ("مجدد اعظم" جلد ۲ صفحہ ۷۶۴)
سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی واضح تصریح کے باوجود اس کے سوالات و اعتراضات کی یہ صورت بے ادبی اور گستاخی

ہے۔ حضور کے مخلص صحابہ کے متعلق یہ نظریہ قائم کرنا کہ عمر بھران کا یہ معمول رہا کہ معاذ اللہ وہ حکم و عدل کی زندگی کو ناقدانہ نظر سے دیکھتے اور اعتراض کرتے رہتے تھے۔ بہت بڑی جسارت ہے!!

۴۱۔ الحکم ۱۰/ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴

۴۲۔ ترجمہ۔ اے پیغمبر کافروں اور منافقوں کے خلاف جہاد کر اور ان پر سختی کر۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے۔

۴۳۔ "اظہار مخادعت مسیلمہ قادیانی" صفحہ ۷۔ ۸ و الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۹

۴۴۔ "اظہار مخادعت مسیلمہ قادیانی" صفحہ ۹۔ ۱۲

۴۵۔ الحکم ۲۴/ مارچ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۱ کالم ۲

۴۶۔ الحکم ۲۴/ دسمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۴۔ ۹

۴۷۔ "تذکرۃ الشہادتین" (از حضرت مسیح موعودؑ مشمولہ ریویو آف ریلیجنز اردو نومبر و دسمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۴۴۳۔ "عاقبۃ المکذبین" (از قاضی محمد یوسف صاحب مردان) صفحہ ۳۱

۴۸۔ "AFGHANISTAN" (افغانستان) مصنفہ مسٹر انگس ہملٹن مطبوعہ لنڈن ۱۹۰۶ء صفحہ ۴۱۵ (بحوالہ "عاقبۃ المکذبین") صفحہ ۲۹ از قاضی محمد یوسف صاحب

۴۹۔ عاقبۃ المکذبین صفحہ ۲۹

۵۰۔ تذکرۃ الشہادتین اور عاقبۃ المکذبین صفحہ ۲۹

۵۱۔ "براہین احمدیہ" طبع اول صفحہ ۵۱۲ حاشیہ

۵۲۔ "عاقبۃ المکذبین" صفحہ ۳۲

۵۳۔ الحکم ۲۴/ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۵ کالم ۱۔ ۲

۵۴۔ "تذکرۃ الشہادتین" مشمولہ ریویو آف ریلیجنز اردو نومبر و دسمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۴۴۴

۵۵۔ "تاریخ افاغنہ" حصہ اول صفحہ ۹۹ مولفہ شہاب الدین ثاقب مطبوعہ حمیدیہ پریس لاہور بحوالہ "عاقبۃ المکذبین"

۵۶۔ الحکم ۱۷/ ستمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴ کالم ۱۔ ۲

۵۷۔ الحکم ۱۷/ اکتوبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۵ کالم ۱

۵۸۔ الحکم ۱۸/ جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ ۲

۵۹۔ بدر ۷/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۱ کالم ۲

تعریف نبوت میں تبدیلی

کا

پہلا تحریری اعلان

مقام نبوت سے متعلق ایک زبردست علمی انکشاف اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" اور تعریف نبوت میں تبدیلی کا پہلا تحریری اعلان

۱۹۰۰ء کے آخر اور ۱۹۰۱ء کے اوائل میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام پر یہ انکشاف ہوا کہ مقام نبوت صرف کثرت مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہونے کا نام ہے اور نئی شریعت کا لانا پہلی شریعت کا ترمیم کرنا یا براہ راست منصب نبوت و رسالت کا حصول نبی کی تعریف میں داخل نہیں ہے جیسا کہ عامتہ المسلمین کی عام مروج اصطلاح سے خیال کیا جاتا ہے۔ [1] اس انکشاف سے آپ پر صاف کھل گیا کہ آپ کے الہامات میں آپ کو جو نبی قرار دیا گیا ہے وہ مجازاً یا استعارہ کے رنگ میں محض محدثیت نہیں بلکہ آپ اصلی اور صحیح معنوں کی رو سے آنحضرتؐ کی غلامی کے طفیل فی الواقع نبی اور رسول ہیں اور نفس نبوت کے لحاظ سے آپ میں اور دوسرے انبیاء میں کچھ فرق نہیں۔ فرق صرف حصول نبوت کے ذریعہ میں ہے نہ کہ نبوت میں۔ پہلے نبی براہ راست مقام نبوت پانے کی وجہ سے مستقل انبیاء کہلاتے ہیں اور آپ آنحضرت ﷺ کی پیروی اور افاضہ روحانیہ کے واسطہ سے مقام نبوت تک پہنچے ہیں اور امتی نبی کہلاتے ہیں تا آنحضرت ﷺ کی قوت قدسیہ اور فیضان کا کمال ثابت ہو۔ چنانچہ حضورؑ فرماتے ہیں۔

"یاد رہے کہ بہت سے لوگ میرے دعویٰ میں نبی کا نام سن کر دھوکہ کھاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ گویا میں نے اس نبوت کا دعویٰ کیا ہے جو پہلے زمانوں میں براہ راست نبیوں کو ملی ہے لیکن وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ میرا ایسا دعویٰ نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی مصلحت اور حکمت نے آنحضرت ﷺ کا افاضہ روحانیہ کا کمال ثابت کرنے کے لئے یہ مرتبہ بخشا ہے کہ آپ کے فیض کی برکت سے مجھے مقام نبوت تک پہنچایا اس لئے میں صرف نبی نہیں کہلا سکتا بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے

امتی... تا معلوم ہو کہ ہر ایک کمال مجھ کو آنحضرت ﷺ کی اتباع اور آپ کے ذریعہ سے ملا ہے۔" [۲]

تبدیلی عقیدہ کا ذکر حضورؑ کے قلم سے

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس عظیم الشان تبدیلی کا ذکر کرتے ہوئے "حقیقۃ الوحی" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریمؑ سے کیا نسبت ہے۔ وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔" [۳]

ان الفاظ سے صاف کھل جاتا ہے کہ مسئلہ نبوت میں آپ نے اپنے عقیدہ میں ضرور کوئی تبدیلی فرمائی ہے اور وہ بھی "تریاق القلوب" اور ریویو جلد اول کے درمیانی زمانہ میں کیوں کہ حضور نے جس سوال کے جواب میں یہ لکھا ہے اس کا تعلق اسی دور سے ہے۔ نیز ظاہر ہوتا ہے کہ آپ پہلے اس بناء پر کہ مسیح نبی ہے اور آپ غیر نبی مسیح سے اپنے تئیں افضل نہیں سمجھتے تھے لیکن خدا تعالیٰ کی وحی میں صریح طور پر نبی کا خطاب آپ کو دیا گیا تو آپ نے اس پہلے عقیدہ میں تبدیلی کرلی اور اپنے تئیں صراحتاً صحیح معنوں میں نبی قرار دینے لگے۔ [۴]

تعریف نبوت میں تبدیلی کے نتائج

تعریف نبوت میں تبدیلی سے پہلے حضور اسلامی اصطلاح کے لحاظ سے نبی و رسول کی یہ تعریف سمجھتے تھے کہ "وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی سابق کی امت نہیں کہلاتے اور براہ راست بغیر استفاضہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔" [۵] لیکن تعریف نبوت میں تبدیلی کے انکشاف کے بعد حضور علیہ السلام نے اس تعریف میں یہ ترمیم فرمادی کہ نبی کے لئے غیر امتی ہونا ضروری نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کی پیروی اور افاضہ روحانیہ سے آپ کا امتی بھی مقام نبوت پاسکتا ہے۔ چنانچہ آپؑ نے فرمایا۔ "یہ تمام بدقسمتی اس دھوکہ سے پیدا ہوئی ہے کہ نبی کے حقیقی معنوں پر غور نہیں کی گئی۔ نبی کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو اور شرف مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اس کے لئے ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ صاحب شریعت رسول کا متبع نہ ہو۔ پس ایک امتی کو ایسا نبی قرار دینے سے کوئی

محذور لازم نہیں آتا بالخصوص اس حالت میں کہ وہ امتی اپنے نبی متبوع سے فیض پانے والا ہو۔" [6]

اگرچہ "براہین احمدیہ" پنجم اور "حقیقتہ الوحی" (جن کے اقتباسات اوپر دئے گئے ہیں) ۱۹۰۱ء کے بعد کی کتابیں ہیں مگر دراصل اس تبدیلی کی بنیاد ۱۹۰۱ء سے پڑی ہے اور اس کا پہلا تحریری اعلان "ایک غلطی کا ازالہ" میں ہوا (جیسا کہ ذکر آرہا ہے) چنانچہ اس رسالہ کی اشاعت کے بعد حضور نے نبی کی ہمیشہ یوں تعریف بیان فرمائی کہ

۱۔ "میرے نزدیک نبی اسی کو کہتے ہیں جس پر خدا کا کلام یقینی و قطعی بکثرت نازل ہو جو غیب پر مشتمل ہو۔" [7]

۲۔ "جب کہ وہ مکالمہ مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیت کی رو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی کثافت یا کمی باقی نہ ہو اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہوتا ہے جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے۔" [8]

۳۔ "خدا کی یہ اصطلاح ہے جو کثرت مکالمات و مخاطبات کا نام اس نے نبوت رکھا ہے۔" [9]

تعریف نبوت میں تبدیلی کا یہ نتیجہ بھی ہوا کہ آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ آپ کا مقام محدثیت کے مقام سے بالا ہے۔ محدث کو نبوت جزوی طور پر حاصل ہوتی ہے اور آپ کو مقام نبوت علیٰ وجہ الکمال حاصل ہے اس لئے حضور نے اپنے متعلق جزئی نبی یا ناقص نبی یا محض محدث کا اطلاق ہمیشہ کے لئے ترک فرمادیا۔

لیکن یاد رہے آپ کے دعویٰ کی کیفیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی وہ شروع سے لے کر آخر تک ایک ہی رہا ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہیں وہ بکثرت آپ سے ہم کلام ہوتا ہے اور آپ پر کثرت سے امور غیبیہ کا اظہار کرتا ہے اسی حقیقت کا نام پہلے جزوی نبوت اور محدثیت رکھتے تھے مگر بعد میں اسے نبوت کا مقام قرار دیا اور صاف اعلان فرمایا۔

"اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔ اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں کیوں کہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور یہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا تاکہ آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی صفائی سے پوری ہو جاتی۔ کیوں کہ اگر دوسرے صلحاء جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں وہ بھی اس قدر مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ اور امور غیبیہ سے حصہ پالیتے تو وہ بھی نبی کہلانے کے مستحق ہو جاتے تو اس صورت میں آنحضرت

ﷺ کی پیش گوئی میں ایک رخنہ واقع ہو جاتا۔ اس خدا تعالیٰ کی مصلحت نے ان بزگوں کو اس نعمت کو پورے طور پر پانے سے روک دیا تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہو گا وہ پیش گوئی پوری ہو جائے۔" [10]

اس واضح اعلان کے علاوہ اہل عالم کو یہاں تک تحدی فرمائی کہ

"خدا تعالیٰ نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو ان کی نبوت ثابت ہو سکتی ہے۔" [11]

تعریف نبوت میں تبدیلی کا پہلا تحریری اعلان

حضرت اقدسؑ نے تعریف نبوت کی تبدیلی کا سب سے پہلا تحریری اعلان ۵۔ نومبر ۱۹۰۱ء کو اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" کے ذریعہ سے فرمایا۔ [12] اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" کی تالیف کا فوری سبب یہ ہوا کہ نومبر ۱۹۰۱ء کے پہلے ہفتہ میں حضورؑ کے ایک مخلص خادم حضرت شیخ غلام احمد صاحب واعظ [13] پر امرتسر میں بعض غیر از جماعت دوستوں نے اعتراض کیا کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے وہ نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ حضرت شیخ صاحب نے اس کا جواب محض انکار کے الفاظ سے دیا جو صحیح نہیں تھا۔ حضرت اقدسؑ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اشتہار لکھا کہ

"خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے لفظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ بلکہ اس وقت تو پہلے زمانہ کی نسبت بھی بہت تصریح اور توضیح سے یہ الفاظ موجود ہیں اور براہین احمدیہ میں بھی جس کو طبع ہوئے بائیس برس ہوئے یہ الفاظ کچھ تھوڑے نہیں چنانچہ وہ مکالمات الٰہیہ جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکے ہیں ان میں سے ایک یہ وحی اللہ ہے هو الذی ارسل رسوله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله پھر یہ وحی اللہ ہے جو صفحہ ۵۵۷ براہین میں درج ہے "دنیا میں ایک نذیر آیا" اس کی دوسری قرات یہ ہے کہ "دنیا میں ایک نبی آیا۔"

"نبی کے معنی لغت کی رو سے یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے اطلاع پا کر غیب کی خبر دینے والا۔ پس جہاں یہ معنی صادق آئیں گے نبی کا لفظ بھی صادق آئے گا۔"

"اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاؤ کس نام سے اس کو پکارا جائے۔ اگر کہو اس کا نام محدث رکھنا چاہئے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کے معنی کسی لغت کی کتاب میں اظہار غیب نہیں ہیں۔ مگر نبوت کے معنی اظہار غیب ہے اور نبی ایک لفظ ہے جو عربی اور عبرانی میں مشترک ہے۔ یعنی عبرانی میں اس لفظ کو نابی کہتے ہیں اور یہ لفظ نابا سے مشتق ہے جس کے یہ معنی ہیں

خدا سے خبر پا کر پیش گوئی کرنا اور نبی کے لئے شارع ہونا شرط نہیں ہے۔ یہ صرف موہبت ہے جس کے ذریعہ سے امور غیبیہ کھلتے ہیں۔ پس میں جب کہ اس مدت تک ڈیڑھ سو پیش گوئی کے قریب خدا کی طرف سے پاکر بچشم خود دیکھ چکا ہوں کہ صاف طور پر پوری ہو گئیں تو میں اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے کیوں کر انکار کر سکتا ہوں اور جب کہ خود خدا تعالیٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو میں کیوں کر رد کر دوں یا کیوں کر اس کے سوا کسی دوسرے سے ڈروں..... اور جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں میں کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پاکر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے۔ سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا۔ اور میرا یہ قول کہ "من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب" اس کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ میں صاحب شریعت نہیں ہوں۔ ہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے اور ہرگز فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ میں باوجود نبی اور رسول کے لفظ کے ساتھ پکارے جانے کے خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں کہ یہ تمام فیوض بلاواسطہ میرے پر نہیں ہیں بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے جس کا روحانی افاضہ میرے شامل حال ہے یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ۔" ۱۱۴

"ایک غلطی کا ازالہ" کے حاشیہ میں فیصلہ کن تصریحات

"ایک غلطی کا ازالہ" کے حاشیہ میں حضورؑ نے تحریر فرمایا کہ

"یہ ضرور یاد رکھو کہ اس امت کے لئے وعدہ ہے کہ وہ ہر ایک ایسے انعام پائے گی جو پہلے نبی اور صدیق پا چکے۔ پس منجملہ ان انعامات کے وہ نبوتیں اور پیش گوئیاں ہیں جن کی رو سے انبیاء علیہ السلام نبی کہلاتے رہے لیکن قرآن بجز نبی بلکہ رسول ہونے کے دوسروں پر علوم غیبیہ کا دروازہ بند کرتا ہے جیسا کہ آیت لا یظھر علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسول سے ظاہر ہے۔ پس مصفی غیب پانے کے لئے نبی ہونا ضروری ہوا۔ اور آیت انعمت علیھم گواہی دیتی ہے کہ اس مصفی غیب سے یہ امت محروم نہیں۔ مصفی غیب حسب منطوق آیت نبوت اور رسالت کو چاہتا ہے اور وہ طریق براہ راست بند ہے اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ اس موہبت کے لئے محض بروز اور ظلیت اور فنافی الرسول کا دروازہ کھلا ہے۔"

اس اقتباس سے مندرجہ ذیل امور بالکل واضح ہیں۔

۱- جس امر کا امت کو وعدہ ہے وہ نبوت اور پیش گوئیاں ہیں۔

۲- نبوتوں اور پیش گوئیوں کی وجہ سے پہلے انبیاء نبی کہلائے (حالانکہ سابق تعریف نبوت اس سے مختلف تھی)۔

۳- یہی نبوتیں اور پیش گوئیاں جن کی وجہ سے پہلے انبیاء نبی کہلائے امت محمدیہ کا وعدہ ہے۔

۴- آیت انعمت علیھم گواہی دیتی ہے کہ مصفی غیب سے یہ امت محروم نہیں۔

۵- مصفی غیب سے حسب منطوق آیت **فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول** نبوت ورسالت کو چاہتا ہے۔

۶- مصفی غیب کا ملنا (جو نبوت اور رسالت کو چاہتا ہے) براہ راست بند ہے۔

۷- اس لئے ماننا پڑا کہ اس موہبت کے لئے یعنی مصفی غیب کی موہبت کے لئے جو نبوت ورسالت کو چاہتا ہے صرف بروز' ظلیت اور فنافی الرسول کا دروازہ کھلا ہے۔

۸- بروز' ظلیت' فنافی الرسول مومن کی ترقی کا انتہائی مقام نہیں بلکہ انتہائی مقام کے حصول کا ذریعہ ہے

الختصر اس اقتباس کا یہ صاف نتیجہ ہے کہ نبوت پہلے براہ راست ملا کرتی تھی بند ہونے کے بعد اب وہی موہبت رسول کریم ﷺ کے واسطہ سے ملا کرے گی۔

پس نفس نبوت کے ملنے میں پہلے انبیاء اور امت محمدیہ میں ہونے والے نبی میں کوئی فرق نہیں۔ فرق صرف حصول کے ذریعہ میں ہے۔ سابقہ تعریف نبوت میں نبی کے لئے جو شرائط مقرر تھیں وہ اس جگہ مذکور نہیں۔ صرف ایک امر جو نبوت کے لئے ذاتی ہے وہ مصفی غیب کا ملنا یا بالفاظ دیگر نبوتیں یا پیش گوئیاں ہیں جن کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام نبی کہلائے۔ یہی امر نبوت کے لئے ذاتی ہے باقی امور یعنی نئی شریعت کا لانا یا شریعت میں ترمیم و تنسیخ یا اس کا مستقل اور براہ راست ہونا یا بالواسطہ ہونا نبوت کے لئے ذاتی امور نہیں بلکہ عرضی حقائق ہیں جو کسی نبی میں پائے جاتے ہیں کسی میں نہیں۔

اشتہار کا اثر اپنوں پر

اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" کی اشاعت کے بعد پوری جماعت کا رجحان اس طرف ہو گیا کہ حضور نفس نبوت کے لحاظ سے سچ مچ نبی ہیں اور ویسے ہی نبی ہیں جیسے پہلے انبیاء تھے گو ذریعہ حصول نبوت میں فرق ہے یعنی پہلے انبیاء کو براہ راست نبوت تفویض ہوئی تھی مگر حضور کو حضرت رسول کریم ﷺ کی غلامی میں یہ منصب ملا ہے۔ [۱۵] اور اسی لئے آپ کا منصب "امتی نبی" کا ہے محض نبی کا نہیں۔ چوہدری فتح محمد صاحب سیال کا حلفیہ بیان ہے کہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" شائع کیا ان دنوں میں مستقل طور پر قادیان چلا آیا تھا اور تعلیم الاسلام ہائی سکول میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ ایک صاحب محمد شاہ ساکن تونسہ اس زمانہ میں مطبع میں ملازم تھے انہوں نے صبح کی نماز کے بعد مجھ سے اس اشتہار کا ذکر کیا... میں خود اسی وقت مطبع میں گیا اور ایک کاپی "ایک غلطی کا ازالہ" لے کر پڑھی۔ اس وقت سے میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو نبی یقین کرتا ہوں۔ ۱۶

یہ اسی اشتہار کا اثر تھا کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب جو مسجد مبارک کے امام تھے اب اپنے خطبات و مضامین میں گزشتہ سال سے بھی زیادہ زور اور وضاحت سے حضرت اقدسؑ کی نبوت و رسالت پیش کرنے لگے اور آخر وقت تک حضور کی موجودگی میں سلسلہ احمدیہ کو منہاج نبوت پر قائم ہونے والا سلسلہ اور حضور کو نبی' رسول' مرسل' اور صادق مرسل کے نام سے یاد کرتے رہے۔ ۱۷ اس ضمن میں حضرت مولوی صاحب کی تحریرات کو غور سے دیکھا جائے تو اس میں بھی ایک خاص تبدیلی عقیدہ کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ آپ نے ۱۴۔ اپریل ۱۸۹۸ء کو اپنے ایک خط میں جو "خلافت راشدہ" میں شائع ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو "ہمارے مجدد سلمہ اللہ تعالیٰ" کے الفاظ سے یاد کیا۔ لیکن جب انہوں نے اس کتاب کا مقدمہ ۱۲/جون ۱۹۰۲ء کو لکھا تو اس میں حضور کو "حضرت نبی اللہ" سے موسوم کیا ۱۸ اور اس بارہ میں حضرت مولانا کا عقیدہ اتنا پختہ ہو گیا کہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے ایک مرتبہ آپ نے ایک مقدمہ کے سلسلہ میں حضرت مسیح موعودؑ کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کی "اے خدا کے مرسل تیری رسالت کی قسم کہ یہ معاملہ اس طرح ہے"۔ ۱۹ حضور کے دوسرے صحابہ کا آپ کے نبی ہونے کے متعلق جو ایمان تھا اس کی متعدد شہادتیں ۲۰ طبع شدہ موجود ہیں جن سے یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ بعض صحابہ تو حضور کے فیض صحبت کے نتیجہ میں اس اعلان سے پہلے ہی سمجھ چکے تھے کہ آپ سچ مچ نبی ہیں۔ تاہم اس اعلان کے بعد وہ حضور کی خدمت میں خط لکھتے ہوئے حضور کو برملا نبی اللہ کے القاب سے یاد کرنے لگے۔ ۲۱ یہ اظہار صرف خطوط اور زبانی گفتگوؤں تک محدود نہیں تھا بلکہ سلسلہ کے اہل قلم کی طرف سے اخبار الحکم اور بدر میں بکثرت ایسے مضامین شائع ہوئے جن میں آپ کو نبی کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس پر باقاعدہ قرآن و حدیث اور عقل سے دلائل لکھے گئے۔ خصوصاً رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" کے سابق ایڈیٹر مولوی محمد علی صاحب نے "ریویو آف ریلیجنز" میں آپ کے مقام نبوت و رسالت کا تذکرہ بڑی کثرت و صفائی سے کیا۔ ۲۲

غرض کہ نبوت مسیح موعود کا مسئلہ حضرت اقدسؑ کی زندگی ہی میں جماعت احمدیہ کا مسلمہ متفقہ اور اجماعی عقیدہ بن گیا۔ ۲۳ چنانچہ حضرت اقدسؑ کی وفات پر حضور کے کارناموں کے متعلق

اخبارات سلسلہ میں جو مضامین شائع ہوئے ان میں حضرت اقدس کا یہ معجزہ بھی پیش کیا گیا کہ "ایک نبی آیا جب کہ تمام قوم کا متفق طور سے یہ عقیدہ تھا کہ اب کوئی نبی نہ ہو گا اور پھر اس نے چار لاکھ انسان کو اپنا متبع بنا لیا۔ کیا یہ خدا کا فضل نہیں۔ کیا ہمیں اس کلمتہ اللہ کی قوت قدسیہ و روحانیہ پر ایمان نہیں لانا چاہئے۔" [۲۴]

اشتہار کا اثر دوسروں پر مخالف علماء آپ پر اپنی اصطلاح کے مطابق دعویٰ نبوت کا الزام دے رہے تھے حالانکہ ایسا دعویٰ حضورؑ نے سرے سے کبھی کیا ہی نہیں تھا۔ چنانچہ حضورؑ نے ان کے الزام کا ذکر کرتے ہوئے اسی اشتہار کے آخر میں پوری وضاحت سے لکھا کہ "مخالف میری نسبت الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ مجھے ایسا کوئی دعویٰ نہیں۔ میں اس طور سے جو وہ خیال کرتے ہیں نہ نبی ہوں نہ رسول ہوں" مزید برآں بعد میں بھی صاف لفظوں میں بتایا کہ "میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ و مخاطبہ رکھتے ہیں میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔ ولکل ان یصطلح۔" [۲۵]

اس تصریح و توضیح کے بعد آپ کے مخالف علماء کا اصولی طور پر فرض صرف یہ تھا کہ وہ آپ کی پیش فرمودہ تعریف نبوت کا عقل و نقل سے رد کر دکھاتے مگر انہوں نے اس سے قطعی گریز کیا اور اپنے نظریہ نبوت پر ہی قائم رہتے ہوئے بدستور یہ الزام قائم رکھا کہ (حضرت) مرزا صاحب نے اس اشتہار میں بھی دعویٰ نبوت و رسالت کیا ہے۔ چنانچہ سلسلہ کے مخالف منشی الٰہی بخش صاحب اکوشٹ کے ساتھی حافظ محمد یوسف صاحب امرتسر نے اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" پڑھتے ہی مولوی محمد احسن صاحب امروہوی کو لکھا کہ "کل میں نے اشتہار دیکھا جس میں مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کا کیا ہے۔" [۲۶] حضرت مولوی محمد احسن صاحب نے اس کے جواب میں الحکم میں بڑا مفصل مضمون لکھا جس میں بتایا کہ آپ حضرات نہ دعویٰ کو سمجھے نہ انکار کو۔ کوئی ذرہ بھر عقل و دانش رکھنے والا انسان اس اشتہار میں جہاں انکار نبوت کے متعدد الفاظ موجود ہیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس فنانی الرسول نے اس نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا ہے جس کا انکار اجماع امت کر رہا ہے۔ [۲۷]

انہی دنوں ایک اور شخص نے اعتراضات کئے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ آیت خاتم النبیین اور لا نبی بعدی کے خلاف ہے اس کا جواب بھی انہی دنوں اخبار الحکم میں شائع کر دیا گیا کہ آیت و حدیث

میں نبوت تشریعی کا ختم مراد ہے نہ کہ غیر تشریعی کا۔ اور حضرت مرزا صاحب کو دوسرے تمام مجددین امت میں نبی اللہ کہنا اس لئے جائز ہے کہ آپ کے الہامات کے علاوہ حدیث اور قرآن میں مسیح موعود کے متعلق نبی اور رسول کے لفظ موجود ہیں۔ [۲۸]

بالآخر واضح رہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ نے جس قسم کی نبوت کا دعویٰ فرمایا ہے وہ نہ اجماع امت کے خلاف ہے اور نہ اس سے آنحضرت ﷺ کی کسر شان ہوتی ہے بلکہ آپ کے دعویٰ سے آنحضرت ﷺ کی اس ارفع اور اعلیٰ اور بلند ترین شان کا اظہار ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خادموں اور غلاموں میں آپ کی پیروی اور آپ کے فیض کے واسطہ سے مقام نبوت مل سکتا ہے گویا آنحضرت ﷺ صرف نبی ہی نہیں بلکہ نبی الانبیاء بھی ہیں اور مثال کے طور پر آپ محض روحانی بادشاہ ہی نہیں بلکہ روحانی شہنشاہ بھی ہیں جن کی ماتحتی اور غلامی میں روحانی بادشاہت کا مقام بھی حاصل کرنے والے لوگ پیدا ہوں گے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

فونوگراف کی ایجاد اور تبلیغ اسلام

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسلام کی عالمگیر اشاعت کا مقصد لے کر مبعوث ہوئے تھے اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ نشر و اشاعت کے کام میں مدد دینے والی اکثر و بیشتر اہم ایجادوں کا زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دور حیات (۱۸۳۵ء۔ ۱۹۰۸ء) کے گرد چکر لگاتا ہے۔ [۲۹] ان میں سے ہر ایک ایجاد ایسی ہے جس کا وجود حضرت مسیح موعود کے بین الاقوامی مشن کو فروغ دینے کے لئے ازبس ضروری تھا۔ ان ایجادات میں سے ایک فونوگراف ہے جس کی ایجاد ۱۸۷۷ء میں اڈیسن نے کی [۳۰] مگر ہندوستان میں آئے ہوئے اسے چند سال ہوئے ہوں گے۔ حضور کے مخلص خادم اور جماعت کی ایک برگزیدہ ہستی حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے فونوگراف خریدا۔ حضرت اقدسؑ کو اکتوبر ۱۹۰۱ء [۳۱] میں اس کی اطلاع ہوئی۔ حضور جو دنیا میں اپنی آواز پہنچانے کی صبح و شام نئی نئی راہیں سوچتے تھے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ "جب وفد نصیبین جائے تو ہم اپنی ایک تقریر جو عربی زبان میں ہو اور قریباً چار گھنٹہ کے برابر ہو اس میں بند کر دیں جس میں ہمارے دعاوی اور دلائل بیان کئے جائیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جہاں جہاں یہ لوگ جائیں گے وہاں اس تقریر کو اس کے ذریعہ سنائیں۔ اس سے عام تبلیغ ہو جائے گی اور گویا ہم ہی بولیں گے اور یوں مسیحؑ کے سیاح ہونے کے معنی پورے ہو جائیں گے۔ آج تک اس فونوگراف سے صرف کھیل کی طرح کام لیا گیا ہے مگر حقیقت میں خدا نے ہمارے لئے یہ ایجاد رکھی ہوئی تھی اور بہت بڑا کام اس سے نکلے گا۔" [۳۲]

یہ بھی تجویز ہوئی کہ حضورؑ کے خطاب سے قبل حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی ایک تقریر اس موضوع پر ریکارڈ کی جائے کہ انیسویں صدی مسیحی کے سب سے بڑے انسان کی تقریر آپ کو سنائی جاتی ہے جس نے خدا کی طرف سے مامور ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور جو مسیح موعود اور مہدی معہود کے نام سے دنیا میں آیا ہے اور جس نے ارض ہند میں ہزاروں لوگوں کو اپنے ساتھ ملالیا ہے اور جس کے ہاتھ پر ہزاروں تائیدی نشان ظاہر ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے جس کی ہر میدان میں نصرت کی وہ اپنی دعوت بلاد اسلامیہ میں کرتا ہے۔ سامعین خود اس کے منہ سے سن لیں کہ اس کا دعویٰ اور دلائل کیا ہیں؟
۲۲ فونوگراف کا تجربہ کرنے کے لئے حضرت اقدسؑ نے نواب محمد علی خاں صاحب کو لکھا کہ جب وہ قادیان آئیں فونوگراف ساتھ لیتے آویں۔ چنانچہ وہ وسط نومبر ۱۹۰۱ء میں حضور کی خدمت میں لائے اور ۱۵۔ نومبر ۱۹۰۱ء کو نماز عصر کے بعد اس کے ریکارڈ سنائے اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی دو سلنڈروں میں آواز ریکارڈ کی۔ ۲۳ قادیان میں فونوگراف کا چرچا ہوا تو دوسرے لوگوں میں بھی اس کے دیکھنے کی بڑی خواہش پیدا ہوئی۔ قادیان کے آریہ سماجی لالہ شرمپت رائے کو تو اس قدر اشتیاق ہوا کہ انہوں نے براہ راست حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں بھی درخواست کردی۔ یہ ۲۰/ نومبر ۱۹۰۱ء کا واقعہ ہے۔ حضور نے نماز ظہر کے وقت حضرت نواب صاحب سے اس کا تذکرہ فرمایا تو نواب صاحب نے اس کی بخوشی اجازت دے دی۔ ان لوگوں کا فونوگراف دیکھنا تو محض تماشائی کے رنگ میں تھا مگر حضرت مسیح موعودؑ نے اسے تبلیغ کا ایک بھاری ذریعہ بنالیا اور وہ یوں کہ حضورؑ نے چند منٹوں میں خاص اس تقریب کے لئے ایک لطیف اور تبلیغی نظم کہی جس کے ابتدائی دو شعر یہ تھے۔

آواز آرہی ہے یہ فونوگراف سے ڈھونڈو خدا کو دل سے نہ لاف و گزاف سے
جب تک عمل نہیں ہے دل پاک صاف سے کم تر نہیں یہ مشغلہ بت کے طواف سے

حضرت اقدسؑ کی ہدایت کے تحت مولانا عبدالکریم صاحب نے یہ نظم اور اس کے علاوہ

عجب نوریست درجان محمدؐ

کے مصرعہ والی مشہور نظم اور قرآن مجید کی چند آیات پڑھیں نیز حضور کی ایک فارسی نظم کے چند اشعار منشی نواب خاں صاحب ثاقب آف مالیر کوٹلہ نے پڑھے جو فونوگراف میں محفوظ کرلئے گئے۔ یہ تیاری مکمل ہو چکی تو ساڑھے چار بجے کے قریب حضرت اقدس علیہ السلام کے بالاخانہ کے صحن میں فونوگراف رکھ دیا گیا۔ حضرت اقدسؑ کی طرف سے تحریری اطلاع ملنے پر نہ صرف لالہ شرمپت رائے اور آریہ سماج کا سیکرٹری بلکہ دوسرے اور ہندو اور مسلمان کثیر تعداد میں پہنچ گئے۔ لالہ شرمپت رائے کو فونوگراف کے قریب بٹھایا گیا۔ فونوگراف نے سب سے پہلے مالیر کوٹلوی کے لب و لہجہ میں اشعار

سنائے پھر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی سریلی آواز سے حضرت اقدس کی تازہ اور قدیم نظم نشر ہوئی۔ حضرت اقدسؑ کی تازہ نظم دوبار سنائی گئی اور دونو مرتبہ جماعت کے بزرگوں کے چہرے خوشی سے تمتما اٹھے اور ان پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری رہی مگر لالہ شرمپت رائے اور دوسرے غیر مسلموں کا رنگ بالکل فق ہو جاتا تھا۔ بہرحال حضرت اقدسؑ نے تبلیغ اسلام کا حق ادا کر دیا اور یہ تجربہ تبلیغی نکتہ نگاہ سے نہایت درجہ کامیاب ثابت ہوا۔ آخر میں قرآن شریف مولانا عبدالکریم صاحب کی زبان سے سنایا گیا اور یہ جلسہ جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے دنیا میں پہلا جلسہ تھا برخواست ہوا۔

تجویز کی التواء

افسوس جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے وفد نصیبین کے التواء کی وجہ سے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی تقریر کے ریکارڈ کی تجویز بھی رہ گئی اور جماعت کو قیامت تک کے لئے حضور کی آواز سے محروم ہونا پڑا۔ یہی نہیں جن دو بزرگوں کی آواز محفوظ کی گئی تھی وہ بھی محفوظ نہ رہ سکی اور سلنڈر بہت جلد بیکار ہو گئے۔

(حضرت صاحبزادہ) مرزا بشیر احمد صاحب (حضرت صاحبزادہ) مرزا شریف احمد صاحب اور (حضرت) نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی آمین

قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے ختم قرآن شریف کی پر مسرت تقریب پر ۳۰/ نومبر ۱۹۰۱ء [۲۵] کو آمین کی تقریب ہوئی جس میں حضورؑ نے بطور شکریہ ایک پر تکلف دعوت دی اور مساکین اور یتامی کو کھانا کھلایا [۲۶] ایک دعائیہ نظم بھی حضور نے لکھی۔ اس موقع پر حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے عرض کیا کہ حضور یہ آمین کوئی رسم ہے یا کیا ہے۔ حضور نے اس سوال پر مفصل تقریر کرتے ہوئے فرمایا "میں ہمیشہ فکر میں رہتا ہوں اور سوچتا رہتا ہوں کہ کوئی راہ ایسی نکلے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا اظہار ہو اور لوگوں کو اس پر ایمان پیدا ہو۔ ایسا ایمان جو گناہ سے بچاتا ہے اور نیکیوں کے قریب کرتا ہے اور میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے مجھ پر لاانتہاء فضل اور انعام ہیں ان کی تحدیث مجھ پر فرض ہے۔ پس میں جب کوئی کام کرتا ہوں تو میری غرض اور نیت اللہ تعالیٰ کے جلال کا اظہار ہوتی ہے۔ ایسا ہی اس آمین کی تقریب پر بھی ہوا ہے۔ یہ لڑکے چونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک نشان ہیں اور ہر ایک ان میں سے خدا کی

پیشگوئیوں کا زندہ نمونہ ہیں اس لئے میں اللہ تعالیٰ کے ان نشانوں کی قدر کرنی فرض سمجھتا ہوں کیوں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور قرآن کریم کی حقانیت اور خود اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت ہیں۔ اس وقت جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو پڑھ لیا تو مجھے کہا گیا کہ اس تقریب پر چند دعائیہ شعر جن میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا شکریہ بھی ہو لکھ دوں۔ میں (جیسا کہ ابھی کہا ہے) اصلاح کی فکر میں رہتا ہوں میں نے اس تقریب کو بہت ہی مبارک جانا کہ اس طرح پر تبلیغ کر دوں۔ پس یہ میری نیت اور غرض تھی۔ چنانچہ میں نے اس کو شروع کیا۔ اور جب یہ مصرعہ لکھا۔

ہر ایک نیکی کی جڑھ یہ اتقا ہے

تو دوسرا مصرعہ الہام ہوا

اگر یہ جڑھ رہی سب کچھ رہا ہے

جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھی میرے اس فعل سے راضی ہے۔" [۳۷]

برطانوی سیاح مسٹرڈکسن کی قادیان میں آمد

صبح کی سیر حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا دستور مبارک تھا کہ اپنے خدام کے ساتھ صبح سیر کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ دربار شام میں تو حضور اقدسؑ شام کو مسجد مبارک میں رونق افروز ہو کر اپنے مقدس کلمات سے نوازتے تھے اور صبح کی سیر کے دوران میں علم و معرفت کے پھول بکھیرتے۔ یہ بھی گویا ایک چلتا پھرتا دربار تھا جس میں یہ روحانی شہنشاہ تقریروں سے اپنے عشاق کی تشنگی بجھاتا اور ان کو ایک زندہ ایمان عطا فرماتا۔ ۱۷/ نومبر ۱۹۰۱ء کا واقعہ ہے کہ حضور اقدس علیہ السلام حسب معمول سیر کے لئے گئے۔ راستہ میں حضرت میر ناصر نواب صاحب نے (ایک عزیز کے نام) اپنا ایک تبلیغی خط سنانا شروع کیا۔ خط کافی لمبا تھا جو حضور کے واپس گھر پہنچنے پر بھی ختم نہ ہوا تھا۔ لہذا حضور اقدس علیہ السلام حضرت مولوی نور الدین صاحب کے مطب میں بیٹھ گئے۔ حضرت میر صاحب کے عزیز نے اپنے خط میں ترکوں کی مذمت کی تھی۔ حضرت میر صاحب اس کا معقول جواب سنا رہے تھے کہ حضرت اقدسؑ نے اس پر فرمایا اگرچہ ہمارے نزدیک "ان اکرمکم عند اللہ اتقکم" ہی ہے اور ہمیں خواہ مخواہ ضروری نہیں کہ ترکوں کی تعریف کریں یا کسی اور کی۔ مگر سچی اور حقیقی بات کے اظہار سے ہم رک نہیں سکتے۔ ترکوں کے ذریعہ سے اسلام کو بہت بڑی قوت حاصل ہوئی ہے۔۔۔۔ دنیا میں خدا تعالیٰ نے دو ہی گروہ رکھے ہوئے ہیں۔ ایک ترک دوسرے سادات۔ ترک ظاہری حکومت اور ریاست کے حقدار ہوئے اور سادات کو فقر اور روحانی فیض کا مبداء قرار دیا گیا۔ چنانچہ صوفیوں نے

فقراور روحانی فیوض کا مبداء سادات ہی کو ٹھہرایا ہے۔ اور میں نے بھی اپنے کشف میں ایسا ہی پایا ہے۔"

حضور یہ ذکر فرما ہی رہے تھے کہ ایک یورپین السلام علیکم کہتے ہوئے مطب میں آپہنچے۔ حضرت اقدسؑ کے ایماء پر حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ترجمان مقرر ہوئے۔ حضرت اقدسؑ نے ان کے آنے کا سبب دریافت فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ڈی۔ ڈی ڈکسن نامی ایک فرنگی سیاح ہیں جو عرب۔ کربلا اور کشمیر کی سیاحت کرتے ہوئے یہاں صرف ایک دن کے قیام کا پروگرام لے کر آئے ہیں اور آئندہ مصر۔ الجیریا اور سوڈان جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حضرت اقدسؑ نے ان سے باصرار کہا کہ جب آپ نظارہ عالم کے لئے گھر سے نکلے ہیں تو قادیان میں بھی ایک ہفتہ کے لئے ٹھہریئے مگر اصرار کے باوجود صرف ایک رات رہنے پر رضامند ہوئے۔ حضرت اقدسؑ یہ ہدایت دے کر کہ شیخ مسیح اللہ خانساماں ان کے حسب منشاء کھانا تیار کریں اور ان کو گول کمرہ میں ٹھہرایا جائے اندرون خانہ تشریف لے گئے۔ مولوی محمد علی صاحب اور بعض دوسرے احباب انہیں مدرسہ تعلیم الاسلام دکھانے لے گئے۔ سکول کی لائبریری میں ناٹووچ روسی سیاح کی کتاب "مسیح کی نامعلوم زندگی کے حالات" دیکھ کر ڈکسن نے مطالعہ کی خواہش ظاہر کی جسے پورا کر دیا گیا۔ کتاب لئے وہ گول کمرے میں آئے جہاں حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب اور مفتی محمد صادق صاحب مناسب رنگ میں انہیں تبلیغ کرتے رہے۔ مسیح کی قبر کشمیر' عربی ام الالسنہ اور جماعت احمدیہ کی امتیازی خصوصیات کے بارے میں خصوصاً گفتگو ہوتی رہی۔ عصر کی نماز کے بعد انہوں نے حضرت اقدسؑ کے تین فوٹو لئے۔ دو فوٹو آپ کے خدام کے ساتھ اور ایک فوٹو صرف آپ کا الگ لیا۔ دوسرے دن صبح چونکہ ڈکسن صاحب نے بٹالہ کی طرف واپس جانا تھا اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی ان کی مشایعت کے لئے بٹالہ کی طرف ہی سیر کو نکلے اور نہر کے پل تک تشریف لے گئے اور انہیں الوادع کہا۔ دوران سیر حضورؑ نے ڈکسن صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے ایک پرجوش تقریر فرمائی جس میں اپنے دعویٰ کی غرض و غایت بتائی کہ پاک زندگی جو گناہ سے بچ کر ملتی ہے وہ ایک لعل تاباں ہے جو کسی کے پاس نہیں ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ نے وہ لعل تاباں مجھے دیا ہے۔ اور مجھے اس نے مامور کیا ہے کہ میں دنیا کو اس لعل تاباں کے حصول کی راہ بتادوں۔ اس راہ پر چل کر میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہر ایک شخص یقیناً یقیناً اس کو حاصل کرے گا۔ فلاسفر آسمان اور زمین کو دیکھ کر اور دوسرے مصنوعات کی ترتیب ابلغ و محکم پر نظر کر کے صرف اتنا بتاتا ہے کہ کوئی صانع ہونا چاہئے۔ مگر میں اس سے بلند تر مقام پر لے جاتا ہوں۔

مسٹر ڈکسن حضرت اقدسؑ کے دینی خیالات' آپ کے حسن سلوک اور مہمان نوازی سے بہت

متاثر ہوئے اور بالخصوص یہ دیکھ کر تو وہ دنگ ہی رہ گئے کہ کس طرح آپ کی شخصیت نے ایک چھوٹے سے گاؤں میں (جس میں دنیاوی اعتبار سے کوئی کشش موجود نہیں مشرقی و مغربی علوم کے ماہر جمع کر دیئے ہیں۔ [۳۸]

۱۹۰۱ء کے بعض ممتاز صحابہ

حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب۔ [۳۹] مرزا محمد شفیع صاحب۔ [۴۰] خان صاحب منشی برکت علی صاحب شملوی' [۴۱] حضرت ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیر۔ [۴۲] ڈاکٹر محمد طفیل صاحب بٹالوی۔ [۴۳] مولوی عبداللہ صاحب بوتالوی۔ [۴۴] مولوی محمد دین صاحب۔ [۴۵] مولوی فضل الدین صاحب وکیل۔ [۴۶] سید وزارت حسین صاحب مونگھیری۔ [۴۷] ڈاکٹر رحمت علی صاحب آف گجرات [۴۸]

حواشی

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "حقیقۃ النبوۃ" از سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز صفحہ ۱۱۹۔ ۱۳۱ اور "قول بلیغ" از مولانا قاضی محمد نذیر صاحب صفحہ ۳۰ تا ۱۳۹
۲۔ "حقیقۃ الوحی" طبع اول صفحہ ۱۴۹۔ ۱۵۰ مطبوعہ ۱۵/ مئی ۱۹۰۷ء
۳۔ "حقیقۃ الوحی" طبع اول صفحہ ۱۴۹۔ ۱۵۰ مطبوعہ ۱۵۔ مئی ۱۹۰۷ء
۴۔ "حقیقۃ الوحی" طبع اول صفحہ ۱۴۹۔ ۱۵۰ مطبوعہ ۱۵۔ مئی ۱۹۰۷ء
۵۔ مکتوب حضرت مسیح موعود علیہ السلام بنام حضرت نواب محمد علی خان صاحب مورخہ ۷/ اگست ۱۸۹۹ء مشمولہ الحکم ۱۷/ اگست ۱۸۹۹ء صفحہ ۶ و مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر چہارم صفحہ ۱۰۳
۶۔ ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۳۸
۷۔ "تجلیات الہیہ"
۸۔ "الوصیت" صفحہ ۱۱ طبع اول
۹۔ "چشمہ معرفت" طبع اول صفحہ ۳۲۷
۱۰۔ "حقیقۃ الوحی" طبع اول صفحہ ۳۹۱
۱۱۔ "چشمہ معرفت" طبع اول صفحہ ۳۱۷
۱۲۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کے خطبات جمعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۰۰ء میں اس خیال کا اظہار شروع ہو گیا تھا۔ گو پورے زور اور پوری صفائی سے نہ تھا چنانچہ انہوں نے ۱۷/ اگست ۱۹۰۰ء کو ایک خطبہ میں حضرت مسیح موعودؑ کو مرسل ثابت کیا اور لانفرق بین احد منھم والی آیت حضورؑ پر چسپاں کی جسے حضور نے بھی پسند فرمایا (الحکم ۲۴/ اگست ۱۹۰۰ء صفحہ ۶) لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں پورا انکشاف ۱۹۰۱ء میں ہی ہوا ہے۔
۱۳۔ "حیات احمد" جلد پنجم صفحہ ۱۰۴ حالات ۲۔ ۱۹۰۱ء
۱۴۔ "اشتہار ایک غلطی کا ازالہ" مشمولہ الحکم ۱۰/ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۵۔ ۷
۱۵۔ بیان حضرت منشی برکت علی خاں صاحب شملوی (اصحاب احمد جلد سوم صفحہ ۸) مزید ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو حلفیہ بیان میاں محمد سعید صاحب سعدی (رسالہ فرقان جنوری ۱۹۴۳ء صفحہ ۹) حلفیہ بیان قاضی حبیب اللہ صاحب مزنگ لاہور (رسالہ فرقان مئی ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۷) حلفیہ بیان حضرت سید عبد الستار شاہ صاحب (رسالہ فرقان جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۴) حلفیہ بیان حضرت میر قاسم علی صاحب (رسالہ فرقان ستمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۶) حلفیہ بیان حضرت ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب (رسالہ فرقان نومبر ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۴) حلفیہ بیان سردار کرم داد خان صاحب (رسالہ فرقان مئی و جون ۱۹۴۴ء صفحہ ۳۸)
۱۶۔ رسالہ "فرقان" ستمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۰
۱۷۔ ملاحظہ ہو الحکم ۱۰/ دسمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۲۔ ۱۴' الحکم ۱۰/ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۳ کالم ۳' الحکم ۲۴/ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۷۔ ۸' الحکم ۱۰/ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۱ کالم ۱۔ ۲' الحکم ۱۷/ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳ کالم ۲' الحکم ۱۰/ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۷ کالم ۱' الحکم ۲۴/ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۷ کالم ۱' الحکم ۱۷/ جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۵ کالم ۱' الحکم ۳۱/ مارچ ۱۹۰۵ء صفحہ ۸ کالم ۱' الحکم ۱۰/ جولائی ۱۹۰۵ء صفحہ ۱ کالم ۱
۱۸۔ "خلافت راشدہ" حصہ اول مقدمہ صفحہ ۱۷' ۱۱۰ (از مولوی عبد الکریم صاحب) طبع سوم مطبوعہ وزیر ہند پریس امرتسر۔ نومبر ۱۹۲۲ء
۱۹۔ بیان حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی روایات صحابہ جلد ۱۲ صفحہ ۱۳۹
۲۰۔ ملاحظہ ہو رسالہ "الفرقان" قادیان ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۴ء
۲۱۔ بیان میاں محمد شریف صاحب ای۔ اے۔ سی (فرقان نمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۴) روایت حضرت سید مہدی حسین شاہ صاحب (روایات

صحابہ جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۱)

۲۲۔ بطور مثال ملاحظہ ہو رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو جلد ۳ نمبر ۳، جلد ۳ نمبر ۷، جلد ۳ نمبر ۱۱، جلد ۴ نمبر ۲، جلد ۴ نمبر ۳، جلد ۴ نمبر ۱۰، جلد ۴ نمبر ۱۲، جلد ۵ نمبر ۴، جلد ۵ نمبر ۶، جلد ۵ نمبر ۸، جلد ۶ نمبر ۳، جلد ۶ نمبر ۴، جلد ۶ نمبر ۷، جلد ۷ نمبر ۷

۲۳۔ چنانچہ اخبار بدر ۱۸/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۱ کالم ۳ پر لکھا ہے۔ "ہر ایک احمدی اس عقیدہ پر قائم ہے کہ مبارک و مطہر و مقدس وجود جسے لوگ مرزا قادیانی کہتے تھے خدا کا برگزیدہ نبی ہے۔"

شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری نے ۲۴/ اگست ۱۹۳۵ء کو اپنی ایک حلفیہ شہادت میں لکھا کہ "میں حضرت صاحب یعنی مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کا احمدی ہوں میں نے ۱۹۰۵ء میں بیعت کی تھی۔ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اسی طرح کا نبی یقین کرتا تھا اور کرتا ہوں جس طرح خدا کے دیگر نبیوں اور رسولوں کو یقین کرتا ہوں۔ نفس نبوت میں نہ اس وقت کوئی فرق کرتا تھا اور نہ اب کرتا ہوں۔ میرے اس عقیدہ کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تقاریر و تحریرات اور جماعت احمدیہ کا متفقہ عقیدہ تھا۔" (حلفیہ شہادت رسالہ "فرقان" مارچ ۱۹۴۶ء صفحہ ۲۸)

۲۴۔ اخبار بدر ۱۱/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۶

۲۵۔ حقیقۃ الوحی طبع اول تتمہ صفحہ ۶۸

۲۶۔ الحکم ۲۴/ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۹۔ ۱۴

۲۷۔ الحکم ۲۴/ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۶۔ ۱۴

۲۸۔ الحکم ۲۴/ دسمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۱

۲۹۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ اقوام عالم" شائع کردہ مجلس ترقی ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب لاہور۔ "جدید معلومات سائنس" از آفتاب حسن ناشر انجمن ترقی اردو ہند دہلی۔ "موجدوں کی کہانیاں" "ایجادیں" "سائنس کے معجزے" مطبوعہ فیروز سنز لاہور۔

۳۰۔ "THE NEW CENTURY CYCLOPEDIA OF NAMES" EDITED BY CLARENCE L. BARNBART VOLUME 1 1954 P. 1399.

۳۱۔ الحکم ۱۰/ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱ کالم ۱

۳۲۔ الحکم ۱۰/ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۴ کالم ۱

۳۳۔ الحکم ۱۰/ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ ۲

۳۴۔ "اصحاب احمد" جلد دوم صفحہ ۵۷۴ (ڈائری حجتہ اللہ حضرت نواب محمد علی خاںؓ)

۳۵۔ الحکم ۳۰/ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴ کالم ۳

۳۶۔ الحکم ۳۰/ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴ کالم ۳

۳۷۔ الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۲ کالم ۳، الحکم ۱۷/ اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۱ کالم ۱

۳۸۔ الحکم ۲۴/ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۔ ۳، الحکم ۳۰/ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ ۲، الحکم ۱۷/ دسمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۔ ۴، الحکم ۲۴/ دسمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۔ ۳

۳۹۔ وفات ۲۳/ جون ۱۹۳۰ء عمر ۷۵ سال۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے خسر اور جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب حال ناظر امور خارجہ کے والد ماجد ۱۹۲۰ء میں پنشن لینے کے بعد قادیان میں مستقل رہائش اختیار کرلی تھی۔ نہایت مخلص صحابی، صاحب کشف و الہام اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے (ان کے بعض ایمان افروز واقعات کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۳/ ستمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۳۔ ۴)

۴۰۔ ولادت اندازاً ۱۸۷۷ء وفات ۱۷/ جنوری ۱۹۴۵ء پہلی بار ۱۹۰۳ء میں قادیان آئے اور حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کی۔ ۱۹۲۳ء میں مستقل طور پر قادیان ہجرت کر کے آگئے اور یہاں وفات تک پہلے آڈیٹر اور پھر محاسب کے عہدے پر فائز رہے۔ دہلی میں انتقال ہوا اور بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص میں دفن ہونے کی سعادت پائی (الفضل ۲۹۔ ۳۰/ مارچ ۱۹۴۵ء)

۴۱۔ ولادت ۱۸۷۲ء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک بے نفس فدائی۔ جن کی عمر سلسلہ احمدیہ کی مالی اور انتظامی خدمت میں گزری۔ تعمیر منارۃ المسیح کی تحریک میں آپ کو اور آپ کی اہلیہ صاحبہ دونوں کو شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ موصی بھی تھے اور تحریک جدید کی پانچ ہزاری فوج کے سپاہی بھی "بدر" اور "تشحیذ الاذہان" میں متعدد مضامین لکھنے کے علاوہ بعض رسائل بھی تالیف کئے مثلاً گوشت خوری۔ انتخاب خلافت۔ قدامت روح و مادہ و تناسخ۔ اصول قرآن فہمی۔ کیا اسلام بذریعہ تبلیغ پھیلایا یا بذریعہ شمشیر۔ ۱۹۳۲ء میں ہجرت کر کے قادیان آگئے۔ ۱۹۳۴ء میں حج کیا۔ ۷/ اگست ۱۹۵۸ء کو وفات پائی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "اصحاب احمد" جلد سوم طبع دوم۔ مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے)

۴۲۔ ان مجاہدین کی صف اول میں تھے جنہوں نے اندرون ملک کے علاوہ یورپ اور افریقہ میں تبلیغ اشاعت اسلام کی توفیق پائی۔ قادیان آنے سے قبل کپور تھلہ میں سکول ماسٹر تھے مگر بیعت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مقناطیسی محبت آپ کو کھینچ کر بالآخر دیار حبیب میں لے آئی اور آپ ستمبر ۱۹۰۶ء سے قادیان میں رہائش پذیر ہو گئے۔ ابتداء آپ مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے استاد مقرر ہوئے اور کئی سال تک نہایت اخلاص و محنت سے یہ خدمت سرانجام دی۔ ۱۵/ جولائی ۱۹۱۹ء کو چوہدری فتح محمد صاحب سیال کے ساتھ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے انگلستان روانہ ہوئے۔ انگلستان میں کئی ماہ فریضہ تبلیغ ادا کرنے کے بعد آپ کو افریقہ بھجوایا گیا۔ ۲۱/ فروری ۱۹۲۱ء کو آپ نے ساحل افریقہ پر قدم رکھا اور سب سے پہلے سیرالیون اور مغربی افریقہ کے دوسرے علاقوں میں پہنچے آپ کو حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوئی اور ہزاروں افریقی حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔ ایک سال تک نائیجیریا ٹھہرنے کے بعد آپ کو دوبارہ انگلستان بھجوا دیا گیا جہاں سے آپ ۱۹۲۴ء کے آخر میں حضرت فضل عمر ایدہ اللہ تعالیٰ کی رفاقت میں بانیل و مرام واپس آگئے۔ انگلستان سے واپسی کے بعد آپ نے پانچ سال تک دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں بھوپال اور حیدر آباد میں خدمت سرانجام دیں۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات کے بعد آپ گوجرانوالہ میں پناہ گزین ہو گئے اور اسی مقام پر ۱۷/ ستمبر ۱۹۴۸ء کو اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔

۴۳۔ ولادت ۱۸۸۳ء حضرت ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیر سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے اور انہی کی تلقین و تحریک سے داخل سلسلہ ہوئے۔ جس زمانہ میں قادیان تک ریل نہیں گئی تھی متعدد اکابر سلسلہ بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول بھی بعض اوقات آپ کے یہاں (بٹالہ میں) قیام فرماتے تھے۔ مدرسہ احمدیہ میں برسوں تک نہایت محنت اور خلوص سے مدرسی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ خدمت خلق آپ کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ قادیان کی لوکل کمیٹی کے صدر بھی رہے۔ جلسہ سالانہ کے ایام میں قادیان کے اندرون شہر کا قریباً سارا انتظام بطور ناظم جلسہ آپ کے سپرد ہوتا تھا۔ دیگر اہم قومی خدمات بھی بجالانے کا آپ کو موقعہ ملا۔ ۲۰/ اگست ۱۹۵۰ء کو بمقام لائلپور انتقال فرمایا اور ربوہ میں موصیوں کے قبرستان میں امانتاً سپرد خاک ہوئے۔ (الفضل ۲۶/ ستمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۶۔۷)

۴۴۔ ولادت ۲۰/ مئی ۱۸۸۱ء احمدیت کی آواز آپ تک حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب رضی اللہ عنہ نے پہنچائی اور اس کی صداقت کا انکشاف بذریعہ رؤیا ہوا۔ آپ موصی بھی تھے اور تحریک جدید کے دفتر اول کے مجاہد بھی۔ علاوہ ازیں آپ کو سلسلہ کی متعدد خدمات کی توفیق ملی۔ ۱۹۳۵ء میں پنشن لے کر قادیان آگئے اور آخر دم تک جماعتی کاموں کے لئے وقف رہے سلسلہ کا لٹریچر بڑے اہتمام سے رکھتے تھے۔ اور تبلیغ کا خاص ذوق و شوق تھا۔ ۳/ مئی ۱۹۵۲ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ ربوہ کے مقبرہ خاص کے قطعہ صحابہ میں آپ کا مزار مبارک ہے۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے پرائیویٹ سیکرٹری اور مولوی قدرت اللہ صاحب مبلغ ہالینڈ آپ ہی کے فرزند ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "اصحاب احمد" جلد ہفتم صفحہ ۶۷۔۲۱۸)

۴۵۔ ولادت ۴/ دسمبر ۱۸۸۱ء وطن مالوف لاہور۔ شروع ۱۹۰۳ء میں مستقل ہجرت کر کے قادیان آگئے۔ ۱۹۰۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریک وقف زندگی پر جن بزرگوں نے لبیک کہی ان میں آپ بھی شامل ہیں مئی ۱۹۱۴ء سے جنوری ۱۹۲۱ء تک تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں ہیڈ ماسٹر رہے۔ جنوری ۱۹۲۳ء سے دسمبر ۱۹۲۵ء تک امریکہ میں تبلیغ اسلام کے فرائض سرانجام دیئے۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۴۰ء تک دوبارہ ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے تعلیم الاسلام ہائی اسکول قادیان کی خدمات بھی بجالائے۔ ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۷ء تک گرلز ہائی سکول قادیان کے ہیڈ ماسٹر رہے اور اب ناظر تعلیم کے عہدہ پر فائز ہیں۔ مولوی صاحب

موصوف ریٹائرڈ ہو چکے ہیں اور ان دنوں بیت المال ربوہ میں خدمت سلسلہ بجالا رہے ہیں۔

۴۶۔ ولادت ۱۸۸۷ء بیعت ۱۹۰۱ء ہجرت قادیان ۱۷۔۱۹۱۶ء مدرسہ احمدیہ میں سالہا سال تک عربی کے مدرس رہے۔ ۱۹۱۹ء میں جب صدر انجمن احمدیہ میں نظارتوں کا قیام عمل میں آیا تو آپ ناظم قضاء مقرر ہوئے۔ سلسلہ کے مشیر قانونی کی حیثیت سے عرصہ تک کام کرنے کی توفیق ملی۔ آپ کی مشہور تصنیفات یہ ہیں۔ جماعت مبائعین کے عقائد صحیحہ۔ نعم الوکیل۔ التشریح الصحیح۔ جواب کلمہ فضل رحمانی۔ بہائی مذہب کی حقیقت۔ ۲۹۔ ہجرت / مئی ۱۳۴۷ ہش ۱۹۶۸ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

۴۷۔ ولادت ۱۸۸۲ء بیعت کے بعد ۱۹۰۳ء میں چند دن تک مدرسہ تعلیم الاسلام کی ایک کلاس میں تعلیم دی جس کی بدولت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی کلاس کے معلم ہونے کا فخر بھی حاصل ہوا۔ بعدہ کئی ماہ تک ریویو آف ریلیجنز کے تنہاء انچارج کلرک رہے۔ پٹنہ ہائی کورٹ اور مدراس ہائی کورٹ میں جب علی الترتیب احمدیہ مسجد مونگھیر اور احمدی کے فسخ نکاح کے مقدمات دائر تھے اور چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے کامیاب وکالت کی تو آپ نے ضروری مواد کی فراہمی میں بڑا کام کیا۔ ان ہر دو مقدمات میں جماعت احمدیہ کو کامیابی حاصل ہوئی۔ ۱۹۲۴ء میں علاقہ ملکانہ میں تین ماہ تک تبلیغی جہاد کیا۔ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۴۶ء تک آپ مونگھیر کے راجہ صاحبان کی ملازمت میں رہے۔ مگر جہاں گئے اسلام و احمدیت کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ آپ تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین میں سے ہیں۔ حضرت مولوی عبد الماجد صاحب بھاگلپوری کی وفات کے بعد سالہا سال تک امیر جماعت احمدیہ بہار رہے مگر اب کئی سال سے بوجہ پیرانہ سالی سبکدوش ہو گئے ہیں (الحکم ۱۷/ فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۸ پر آپ کی بیعت درج ہے)۔ وفات یکم مئی ۱۹۷۵ء۔

۴۸۔ الحکم ۱۰ اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۴

رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" کا اجراء

اور

مغربی ممالک میں تبلیغ اسلام

ماموریت کا اکیسواں سال

"ریویو آف ریلیجنز" (اردو اور انگریزی) کا اجراء

(۱۹۰۲ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے (۱۹۰۱ء) میں جس رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" کی تجویز فرمائی تھی وہ مولوی محمد علی صاحب کی ادارت میں "انگریزی" اور "اردو" ہر دو زبان میں جنوری ۱۹۰۲ء سے جاری ہو گیا۔ انگریزی رسالہ تو ابتداء سے کچھ عرصہ تک لاہور میں ہی شائع ہوتا رہا مگر اردو ایڈیشن کا پہلا پرچہ لاہور کے "مطبع فیض عام لاہور" میں چھپا۔ اس کے بعد شیخ یعقوب علی صاحب تراب کے "انوار احمدیہ پریس قادیان" میں طبع ہونے لگا۔

"ریویو" کا اندرون ملک اور مغربی ممالک پر اثر

شروع شروع میں رسالہ کے اکثر اردو مضامین حضور ہی کے لکھے ہوتے تھے اور بعض مضامین کے متعلق نوٹ لکھا کر راہنمائی فرماتے تھے۔ [1] اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور کی روحانی توجہ کی بدولت رسالہ کو اندرون ملک میں ہی نہیں مغربی ممالک میں بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اندرون ملک میں پہلے ہی سال اس سے متاثر ہو کر کئی سعید روحوں نے حق قبول کیا بلکہ مدراس کے ایک ہندو دوست رسالہ کا اپنی زبان میں ترجمہ سن کر حضرت اقدس کی زیارت کے شوق میں قادیان بھی پہنچے۔ [2] علاوہ ازیں ملک کے اسلامی اخبارات نے اس پر تبصرے لکھے چنانچہ رسالہ "البیان" (لکھنؤ) نے لکھا

"ریویو آف ریلیجنز ہی ایک ایسا پرچہ ہے جس کو خالص اسلامی پرچہ کہنا صحیح ہے۔ ہم نے اس کے کئی نمبر دیکھے اور ہم کو اس امر کے ظاہر کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ عربی میں "المنار" اور اردو میں "ریویو آف ریلیجنز" سے بہتر پرچے کسی زبان میں شائع نہیں ہوتے مسلمانوں کو خوش ہونا چاہیے کہ

ہندوستان میں ایک ایسا رسالہ نکل رہا ہے جس کے زوردار مضامین پر علم و فضل کو ناز ہے۔" [۳]

پھر لکھا کہ:۔ "ہندوستان کا بہترین اسلامی میگزین ہے"۔ [۴]

رسائل کے علاوہ عوام نے بھی اس رسالہ کا بڑا خیر مقدم کیا۔ چنانچہ مسٹر میکبلین (پالم پور) نے لکھا۔

"مجھے اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے تیرہ سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔.... مگر اب تک میں نے ایک بھی ایسی کتاب نہیں پڑھی جس میں اسلام کی حمایت اس قدر زور کے ساتھ کی گئی ہو جیسا کہ آپ کے شاندار پرچے میں۔" [۵]

اخبار "ملت" لاہور نے لکھا:۔

"اب تک جتنے اعلیٰ اور بے نظیر مضامین رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ذریعہ مرزا صاحب کے اصول مناظرہ کے مطابق یورو پین لوگوں کی نظروں سے گزرے ہیں انہوں نے یورپ کی مذہبی دنیا میں ہلچل مچادی ہے اور پادریوں کے گروہ ماتم زدہ نظر آرہے ہیں۔ ان مضامین نے کثیر التعداد یورو پین لوگوں کو اسلام کے روحانی چشمہ سے سیراب کر دیا ہے اور ابھی اس کا فیض جاری ہے۔" [۶]

مغربی ملکوں میں جن تک اسلام کی آواز پہنچانے کے لئے یہ رسالہ جاری ہوا تھا تین رنگ میں اس کا اثر ظاہر ہوا پہلا اثر یہ ہوا کہ یورپ اور امریکہ کے نومسلم انگریزوں میں اسلام کے لئے نیا جوش اور نیا ولولہ پیدا کیا۔ اور قبل ازیں جو اپنے تئیں تنہا سمجھے بیٹھے تھے اب دلائل و براہین کی تازہ کمک پہنچنے پر ان کے حوصلے یکایک بلند ہو گئے اور انہوں نے اشاعت اسلام کی مہم تیز سے تیز تر کر دی۔ اس حقیقت کا اندازہ لگانے کے لئے ذیل میں چند نومسلموں کی آراء درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ اخبار "کریسنٹ" (لورپول) انگلستان کے مشہور اسلامی پرچہ نے اس رسالہ پر ریویو کرتے ہوئے ۱۳/ ستمبر ۱۹۰۳ء کے ایشوع میں لکھا۔ "ریویو آف ریلیجنز" کا پرچہ دلچسپ مضامین سے بھرا ہوا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ کی ذات پاک کے متعلق جو جاہل عیسائی الزام لگایا کرتے ہیں ان کی تردید میں ایک نہایت ہی فاضلانہ مضمون اس میں لکھا گیا ہے جس سے عمدہ مضمون آج تک ہماری نظر سے نہیں گزرا۔" (ترجمہ)

۲۔ امریکہ کے پہلے نومسلم محمد الگزنڈر رسل وب (امریکہ) نے لکھا:۔

"میں یقین کرتا ہوں کہ یہ رسالہ دنیا میں مذہبی خیال کو ایک خاص صورت دینے کے لئے ایک نہایت زبردست طاقت ہو گی اور یہ بھی یقین کرتا ہوں کہ آخر کار یہی رسالہ ان روکوں کو دور کرنے کا ذریعہ ہو گا جو جہالت سے سچائی کی راہ پر ڈالی گئی ہیں۔" (ترجمہ)

۳۔ شیخ عبد اللہ کوئیلم (لورپول) نے لکھا:۔

"میں ریویو آف ریلیجنز کو پڑھ کر بہت ہی خوش ہوتا ہوں اور اس مقدس مذہب کی تائید میں اسے ایک نہایت ہی قیمتی تحریر سمجھتا ہوں۔" [۷] (ترجمہ)

دوسرا اثر مغربی ملکوں پر یہ ہوا کہ وہاں چوٹی کے غیر مسلم مفکروں اور ادیبوں تک اسلام کا پیغام پہنچا۔ ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا اور وہ اسلامی نظریات کے قریب آگئے اور انہیں اسلام کی صحیح تصویر سمجھنے میں کافی مدد ملی۔ مغرب میں اسلام کے لئے جو ایک شاندار فضا بدلی ہے اس میں اس رسالے کا بھی نمایاں حصہ ہے۔ چنانچہ مسٹر اے۔ آر۔ وب نے امریکہ سے لکھا:۔

"اس رسالہ کے مضامین روحانی صداقتوں کی نہایت پر حکمت اور روشن تفسیر ہیں۔"

کونٹ ٹالسٹائے نے روس سے لکھا:۔

"اس رسالہ کے خیالات بڑے وزنی اور سچے ہیں۔"

پروفیسر ہالٹسما ایڈیٹر "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" نے لکھا

"یہ رسالہ از حد دلچسپ ہے۔"

"ریویو آف ریویوز" لندن نے لکھا:۔

"یورپ اور امریکہ کے وہ لوگ جو محمد (ﷺ) کے مذہب میں دلچسپی رکھتے ہیں ان کو چاہئے کہ یہ رسالہ ضرور منگائیں"۔ [۸]

"ریویو آف ریلیجنز" کا تیسرا اثر یہ ہوا کہ اس نے عیسائیت کے علمبرداروں میں ایک غیر معمولی جنبش پیدا کر دی۔ چنانچہ انگلستان کے اخبار "چرچ فیملی (CHURCH FAMILY)" نے لکھا کہ مرزا غلام احمد صاحب کے پیدا کردہ لٹریچر کا جواب نہ دیا جائے وہ عیسویت کے خلاف ایسا حربہ لٹریچر کی شکل میں پیدا کر دیں گے کہ بائبل کا صفایا ہو جائے گا۔ [۱۰۰]

حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے "ریویو آف ریلیجنز" کے بارے میں پیغام

رسالہ کے بین الاقوامی اثر و نفوذ اور شہرت و اہمیت کے پیش نظر حضرت اقدس نے اگلے سال کے وسط میں جماعت کے نام ایک پیغام دیا کہ

"اصل غرض خدا تعالیٰ کی میرے بھیجنے سے یہی ہے کہ جو جو غلطیاں اور گمراہیاں عیسائی مذہب نے پھیلائی ہیں ان کو دور کر کے دنیا کے عام لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جاوے اور اس غرض مذکورہ بالا کو جسکو دوسرے لفظوں میں احادیث صحیحہ میں کسر صلیب کے نام سے یاد کیا گیا ہے پورا کیا جائے۔ اس لئے اور انہی اغراض کے پورا کرنے کے لئے رسالہ انگریزی جاری کیا گیا ہے جس کا شیوع یعنی

شائع ہونا امریکہ اور یورپ کے اکثر حصوں میں بخوبی مفید ثابت ہو چکا ہے اور بہت سے دلوں پر اثر ہونا شروع ہو گیا ہے بلکہ امید سے زیادہ اس رسالہ کی شہرت ہو چکی ہے اور لوگ نہایت سرگرم شوق سے اس رسالہ کے منتظر پائے جاتے ہیں۔ لیکن اب تک اس رسالہ کے شائع کرنے کے لئے مستقل سرمایہ کا انتظام کافی نہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ رسالہ کم توجہی اس جماعت سے بند ہو گیا تو یہ واقعہ اس سلسلہ کے لئے ایک ماتم ہو گا۔ اس لئے میں پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جواں مردوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی اعانت اور مالی امداد میں جہاں تک ان سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلادیں۔"

"جو کوئی میری موجودگی اور میری زندگی میں میرے منشاء کے مطابق میری اغراض میں مدد دے گا امید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت میں بھی میرے ساتھ ہو گا.. پھر بعد اس کے وہ وقت آجائے گا کہ اگر ایک سونے کا پہاڑ بھی اس راہ میں خرچ کریں تو اس وقت کے ایک پیسہ کے برابر نہیں ہو گا۔ یہ ایک ایسا مبارک وقت ہے کہ تم میں وہ خدا کا فرستادہ موجود ہے جس کی صدہا سال سے امتیں انتظار کر رہی تھیں۔ اور ہر روز خدا تعالیٰ کی تازہ وحی تازہ بشارتوں سے بھری ہوئی نازل ہو رہی ہے اور خدا تعالیٰ نے متواتر ظاہر کر دیا کہ واقعی اور حقیقی طور پر وہی شخص اس جماعت میں داخل سمجھا جائے گا کہ اپنے عزیز مال کو اس راہ میں خرچ کرے گا۔"

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:۔ "اگر اس رسالہ کی اعانت کے لئے اس جماعت میں دس ہزار خریدار اردو یا انگریزی کا پیدا ہو جائے تو رسالہ خاطر خواہ چل نکلے گا۔ اور میری دانست میں اگر بیعت کرنے والے اپنی بیعت کی حقیقت پر قائم رہ کر اس بارے میں کوشش کریں تو اس قدر تعداد کچھ بہت نہیں بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد بہت کم ہے۔ سوائے جماعت کے سچے مخلصو! خداوند تمہارے ساتھ ہو۔ تم اس کام کے لئے ہمت کرو۔ خدا تعالیٰ آپ تمہارے دلوں میں القاء کرے کہ یہی وہ وقت ہمت کا ہے۔" [11]

مخلصین کا لبیک

حضرت اقدسؑ کی اس تحریک پر جماعت کے بعض مخلصین نے اگرچہ اصل مسودہ ہی کو دیکھ کر تعمیل حکم میں بڑی سرگرمی دکھلائی [12] لیکن افسوس کہ حضرت اقدس کا یہ منشاء کہ اس کا حلقہ اشاعت دس ہزار تک پہنچ جانا چاہئے ابھی تک پورا نہیں ہو سکا۔ جماعت کی تعداد اب پہلے سے بہت بڑھ چکی ہے اس لئے جماعت کا فرض ہے کہ وہ حضورؑ کی اس خواہش کو پورا کرے۔ (الحمد للہ کہ خلافت رابعہ کے بابرکت دور میں یہ منشاء مبارک پورا ہوتا صاف دکھائی دے رہا ہے)۔

"دافع البلاء و معیار اہل الاصطفاء" کی تصنیف و اشاعت

اس سال سے طاعون کا زور ملک میں بڑھتا جا رہا تھا بلکہ خود قادیان کے باہر ماحول میں اس کی بکثرت واردات شروع ہو چکی تھیں چنانچہ حضور نے ۳/ اپریل ۱۹۰۲ء کو ایک خط میں اسی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی کو لکھا "اسوقت قادیان کے چاروں طرف طاعون ہے۔ قریباً دو کوس کے فاصلہ پر اور قادیان اس وقت ایک ایسی کشتی کی طرح ہے جس کے اردگرد سخت طوفان ہو اور وہ دریا میں چل رہی ہے۔ ہر یک ہفتہ میں شاید بیس ہزار کے قریب آدمی مرجاتا ہے۔"

۱۲

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اہل ملک کو طاعون سے بچانے کے لئے اپریل ۱۹۰۲ء میں "دافع البلاء و معیار اہل الاصطفاء" کے نام سے ایک رسالہ شائع فرمایا جس میں حضور نے اپنے الہامات کی روشنی میں طاعون کا روحانی پس منظر بیان کرتے ہوئے خبر دی کہ طاعون آپ کی مخالفت کے باعث نمودار ہوئی ہے جو اس حالت میں فرو ہوگی جبکہ لوگ خدا کے فرستادہ کو قبول کرلیں گے اور کم سے کم یہ کہ شرارت اور ایذا اور بدزبانی سے باز آجائیں گے نیز یہ کہ خدا تعالیٰ بہرحال جب تک طاعون دنیا میں رہے گو ستر برس تک رہے قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے اور یہ تمام امتوں کے لئے نشان ہے۔

مذہبی لیڈروں کو چیلنج

اس رسالہ میں حضرت اقدسؑ نے "الدار" کی خصوصی اور قادیان کی عمومی حفاظت کا ذکر کرکے ہندوستان کے تمام مذہبی لیڈروں کو مخاطب کرکے لکھا کہ "خدا نے سبقت کرکے اپنی طرف سے قادیان کا نام لے دیا ہے۔ اب اگر آریہ لوگ وید کو سچا سمجھتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ بنارس کی نسبت جو وید کے درس کا اصل مقام ہے ایک پیشگوئی کر دیں کہ ان کا پرمیشر بنارس کو طاعون سے بچالے گا۔ اور سناتن دھرم والوں کو چاہیے کہ کسی ایسے شہر کی نسبت جس میں گائیاں بہت ہوں مثلاً امرتسر کی نسبت پیشگوئی کر دیں کہ گئو کے طفیل اس میں طاعون نہیں آئے گی۔۔ اسی طرح عیسائیوں کو چاہیے کہ کلکتہ کی نسبت پیشگوئی کر دیں کہ اس میں طاعون نہیں پڑے گی۔ کیونکہ بڑا بشپ برٹش انڈیا کا کلکتہ میں رہتا ہے۔ اس طرح میاں شمس الدین اور ان کی انجمن حمایت اسلام کے ممبروں کو چاہیے کہ لاہور کی نسبت پیشگوئی کر دیں کہ وہ طاعون سے محفوظ رہے گا۔ اور منشی الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ جو الہام کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے لئے بھی یہی موقع ہے کہ اپنے الہام سے لاہور کی نسبت پیشگوئی کرکے انجمن حمایت اسلام کو مدد دیں اور مناسب ہے کہ

عبدالجبار اور عبدالخالق شہر امرتسر کی نسبت پیشگوئی کر دیں۔ اور چونکہ فرقہ وہابیہ کی اصل جڑ دلی ہے اس لئے مناسب ہے کہ نذیر حسین اور محمد حسین دلی کی نسبت پیشگوئی کر دیں کہ وہ طاعون سے محفوظ رہے گا۔" [14]

اس کے ساتھ ہی حضور نے نہایت پر شوکت الفاظ میں یہ اعلان بھی فرمایا "ہر ایک مخالف خواہ وہ امروہہ میں رہتا ہے اور خواہ امرتسر میں اور خواہ دہلی میں اور خواہ کلکتہ میں اور خواہ لاہور میں اور خواہ گولڑہ میں اور خواہ بٹالہ میں اگر وہ قسم کھا کے کہے گا کہ اس کا فلاں مقام طاعون سے پاک رہے گا تو ضرور وہ مقام طاعون میں گرفتار ہو جائے گا کیونکہ اس نے خدا تعالیٰ کے مقابل پر گستاخی کی۔" [15]

حضورؑ کے اس چیلنج پر آپ کے مخالفین میں سے خواہ وہ کسی فرقہ یا طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں کسی کو بھی یہ جرات نہ ہو سکی کہ وہ یہ تجویز قبول کر کے اس قسم کا اعلان کرتا۔

السید محمد رشید رضا کو عربی میں مقابلہ کا چیلنج اور "الہدیٰ و التبصرۃ لمن یریٰ" کی تصنیف و اشاعت

مفتی محمد عبدہ "شیخ الاسلام" کے ایک نامور شاگرد السید محمد رشید رضا [16] (۱۸۶۸۔ ۱۹۳۵) تھے جن کی ادارت میں مصر کا مشہور رسالہ "المنار" شائع ہوتا تھا۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مصر میں جہاں اور علماء اور صحافیوں کو "اعجاز المسیح" کے چند نسخے ارسال کئے وہاں السید محمد رشید رضا کو بھی ایک نسخہ بھجوایا تھا۔ قاہرہ کے اخبار "مناظر" اور "ہلال" نے تو اس کی فصاحت و بلاغت کی بہت تعریف کی اور اسے ایک اعجازی تصنیف قرار دیا۔ [17] مگر السید محمد رشید رضا صرف اس وجہ سے کہ اس میں حضورؑ نے "جہاد" کا صحیح نظریہ مسلمانوں کے سامنے رکھا تھا۔ [18] سخت کلامی پر اتر آئے اور لکھا کہ اس میں باطنیہ اور متصوفہ کا مسلک اختیار کیا گیا ہے اور کتاب میں تفسیر کا نام و نشان نہیں۔ نیز لکھا کہ اگر یہ شخص مسیح ہونے کا دعویٰ نہ کرتا اور سورہ فاتحہ کے الفاظ میں تحریف نہ کرتا تو یہ تفسیر مسلمانوں میں بڑی مقبول ہوتی۔ یہ شخص علم و فصاحت میں بہت سے مشائخ سے بڑھا ہوا ہے صرف مریدوں کی کثرت نے اسے دھوکہ میں ڈال دیا ہے حالانکہ اس کے کلام سے عجمیت ٹپکتی ہے اور بہت سی باتیں عربی محاورات کے بھی خلاف ہیں۔ [19] ستر دن کی معیاد میں جواب لکھنے کا جو چیلنج حضور نے اس میں دیا تھا اس کے بارے میں انہوں نے یہ تعلی کی کہ "ان کثیرا من اھل العلم یستطیعون ان یکتبوا خیرا منہ فی سبعۃ ایام" [20] یعنی بہت سے علماء اس سے بہتر رسالہ سات دن میں لکھ سکتے

ہیں۔ "المنار" کا یہ پرچہ آپ کے مخالف علماء کو ہاتھ آگیا اور انہوں نے اپنی طرف سے مزید حاشیہ آرائی کر کے اسے راولپنڈی کے اخبار "چودھویں صدی" میں شائع کرا دیا جس پر حضور علیہ السلام نے علماء پر واضح کرنے کے لئے کہ جس شخص پر ان کو ناز ہے اس کو علم و ادب میں کہاں تک دخل ہے۔ "اَلْہُدٰی وَ التَّبْصَرَۃُ لِمَنْ یَّرٰی" کے نام سے فصیح و بلیغ عربی میں ایک تصنیف فرمائی جو ۱۲/ جون ۱۹۰۲ء کو شائع ہوئی۔

"اَلْہُدٰی وَ التَّبْصَرَۃُ لِمَنْ یَّرٰی" میں حضور نے اسلام کے اندرونی اور بیرونی فتنوں کا مفصل نقشہ کھینچتے ہوئے ان کا حقیقی علاج تجویز فرمایا اور صاحب "المنار" کو مخاطب کر کے لکھا۔ "وُفِّقْتُ لِتَالِیْفِ ذَالِکَ الْکِتَابِ فَسَاُرْسِلُہٗ بَعْدَ الطَّبْعِ وَ تَکْمِیْلِ الْاَبْوَابِ فَاِنْ اَتٰی بِالْجَوَابِ الْحَسَنِ وَ اَحْسَنَ الرَّدِّ عَلَیْہِ فَاُحْرِقُ کُتُبِیْ وَ اُقَبِّلُ قَدَمَیْہِ وَ اُعْلِقُ بِذَیْلِہٖ وَ اُکِیْلُ النَّاسَ بِکَیْلِہٖ۔" یعنی میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی اور اس نے میری دعا قبول فرمائی اور اس کی جناب سے مجھے یہ کتاب لکھنے کی توفیق عطا ہوئی پس میں اس کے ابواب کی تکمیل اور طبع کے بعد شیخ رشید رضا کے پاس بھیجوں گا۔ اگر انہوں نے اچھا جواب دیا اور عمدگی سے اس کا رد لکھ دیا تو میں اپنی تمام کتابیں جلا دوں گا ان کے پاؤں کو بوسہ دوں گا ان کے دامن سے وابستہ ہو جاؤں گا اور باقی لوگوں کو بھی اس کے پیمانے سے ماپوں گا۔ [۲۱]

ساتھ ہی یہ پیشگوئی فرمائی کہ اَمْ لَہٗ فِی الْبَرَاعَۃِ یَدٌ طُوْلٰی سَیُھْزَمُ فَلَا یُرٰی نَبَاً مِّنَ اللّٰہِ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰی۔" یعنی کیا انہیں فصاحت و بلاغت میں بڑا کمال حاصل ہے عنقریب میدان مقابلہ سے ہٹ جائیں گے۔ یہ اس خدا کی پیشگوئی ہے جو نہاں در نہاں امور سے آگاہ ہے۔ [۲۲]

جب کتاب شائع ہوئی تو حضورؑ نے اس کا ایک نسخہ رشید رضا صاحب کو بھی ہدیۃً بھجوایا۔ [۲۳] انہوں نے "اعجاز المسیح" کے متعلق تو لکھ دیا تھا کہ سات دن میں اس کا جواب لکھا جا سکتا ہے مگر اب جو "الہدیٰ" میں براہ راست ان کو مخاطب کیا گیا اور کسی مدت کی تعیین کئے بغیر اس کا جواب طلب کیا گیا تھا تو ان پر بالکل سکوت طاری ہو گیا۔ وہ اس کے بعد تینتیس برس تک زندہ رہے۔ اس دوران میں انہوں نے متعدد تصانیف بھی کیں اور اپنا رسالہ بھی جاری رکھا۔ جماعت احمدیہ کے بعض مبلغین نے ان کو ان کی وفات سے پانچ برس پہلے بھی یاد دہانی کرائی کہ وہ "الہدیٰ" کے مقابلہ میں کتاب لکھ کر اس پیشگوئی کو باطل ثابت کر دکھائیں مگر اس کے باوجود وہ آخر دم تک جواب نہ شائع کر سکے۔ [۲۴]

"نزول المسیح" کی تصنیف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارادہ تھا کہ آپ ایک ایسی کتاب تصنیف فرمائیں جس میں آپ کے علم کلام اور لٹریچر کا جامع خلاصہ آجائے۔ ۲۵ اس غرض کے لئے حضورؑ نے "نزول المسیح" جیسی معرکتہ الاراء تصنیف شروع فرمائی جسمیں علاوہ متعدد لطیف نکات و معارف کے الہام رحمانی کی گیارہ فیصلہ کن نشانیاں تحریر فرمانے کے بعد اپنے الہامات میں سے بطور نمونہ ۱۲۳ پیشگوئیوں کا مفصل ذکر کیا جو پوری ہوئیں اور جن کے گواہ سینکڑوں کی تعداد میں موجود تھے۔ اسی کتاب میں حضورؑ نے پہلی دفعہ مولوی کرم دین صاحب ساکن بھین کی خط و کتابت درج فرمائی جس سے یہ انکشاف ہوتا تھا کہ پیر مہر علی شاہ صاحب نے مولوی محمد حسن صاحب فیضی کے مضمون کا سرقہ کیا ہے۔ یہ کتاب ابھی زیر طبع تھی کہ اس کا ایک نسخہ کسی ذریعہ سے مولوی کرم دین صاحب کو پہنچ گیا جس پر انہوں نے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا کہ اس کتاب میں جو میرے خطوط درج ہیں وہ جعلی ہیں ۲۶ بعض دوسری تصنیفات و مصروفیات کے باعث "نزول المسیح" کی تصنیف مکمل نہ ہو سکی اور یہ کتاب حضور کی وفات کے بعد اگست ۱۹۰۹ء میں شائع ہوئی۔

جماعتی چندوں کے لئے ایک نظام کی بنیاد

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سب سے زیادہ اس فکر میں رہتے تھے کہ حق کے طالبوں کا ایک گروہ ہمیشہ آپ کے پاس رہے اور دور و نزدیک سے لوگ آکر رہیں اور اپنے شبہات کا ازالہ کریں اور خدا کی راہ آپ سے سیکھیں۔ نیز جو کچھ آپ کتاب یا اشتہار کی شکل میں لکھیں وہ شائع ہو۔ اگرچہ یہ سلسلہ اب تک باقاعدگی سے جاری تھا۔ اور اس کے لئے جماعت کے مخلصین ۲۷ اپنی مرضی سے حسب توفیق بوجھ اٹھاتے آرہے تھے لیکن اب چونکہ تنہاء لنگر خانے کا خرچ آٹھ سو ماہوار تک پہنچ چکا تھا اور مدرسہ تعلیم الاسلام اور میگزین (ریویو آف ریلیجنز) کے اجراء سے جماعت پر مزید ذمہ داریاں عائد ہو چکی تھیں اس لئے وقت آگیا تھا کہ جماعتی چندوں کی فراہمی کے لئے ایک نظام قائم کیا جائے۔ لہٰذا حضرت اقدس نے ۵/ مارچ ۱۹۰۲ء کو بذریعہ اشتہار ہدایت فرمائی کہ ہر ایک احمدی لنگر خانہ اور مدرسہ کی ضروریات کے لئے اپنی استطاعت کے مطابق ماہوار چندہ اپنے پر مقرر کر کے مولوی عبدالکریم صاحب کو اطلاع دے۔ ان لازمی چندوں کے علاوہ زکوۃ اور صدقات کی رقوم کے متعلق بھی آپ نے

ارشاد فرمایا کہ وہ ہر ماہ یہاں آنی چاہئیں۔ اس اشتہار میں (جسے جماعت احمدیہ کے مالی نظام کے لئے سنگ بنیاد کی حیثیت حاصل ہے) حضورؑ نے اس نئے نظام کی اہمیت واضح کرتے ہوئے تاکید فرمائی کہ

"ہر ایک شخص جو مرید ہے اس کو چاہیے جو اپنے نفس پر کچھ ماہواری چندہ مقرر کردے خواہ ایک پیسہ ہو اور خواہ ایک دھیلہ۔ اور جو شخص کچھ بھی مقرر نہیں کرتا اور نہ جسمانی طور پر اس سلسلہ کے لئے کچھ بھی مدد دے سکتا ہے وہ منافق ہے۔ اب اس کے بعد وہ سلسلہ میں نہیں رہ سکے گا۔ اس اشتہار کے شائع ہونے سے تین ماہ بعد تک ہر ایک بیعت کرنے والے کے جواب کا انتظار کیا جائے گا کہ وہ کیا کچھ ماہواری چندہ اس سلسلہ کی مدد کے لئے قبول کرتا ہے۔ اور اگر تین ماہ تک کسی کا جواب نہ آیا تو سلسلہ بیعت سے اس کا نام کاٹ دیا جائے گا اور مشتہر کردیا جائے گا۔" [۲۸]

اس اشتہار کے نتیجہ میں لنگر خانہ اور میگزین کے لئے ذرا باقاعدگی سے چندہ فراہم ہونا شروع ہوگیا اور کئی دوستوں نے سرگرمی دکھلائی خصوصاً صوبہ پنجاب [۲۹] کی احمدی جماعتوں نے ایسا نمایاں حصہ لیا کہ حضورؑ نے بھی بہت تعریف فرمائی۔

حواشی

۱۔ "سلسلہ احمدیہ" صفحہ ۱۱۸ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب۔ "حیات احمد" جلد پنجم صفحہ ۳۹ (حالات ۲۔۱۹۰۱ء) حضور کے ان مضامین کے علاوہ وہ جو پہلی دفعہ اس رسالہ میں شائع ہوئے۔ آپ کی متعدد تصانیف کے متن یا تراجم بھی اس میں چھپے مثلاً اسلامی اصول کی فلاسفی۔ کشتی نوح۔ لیکچر لاہور۔ نسیم دعوت۔ تذکرۃ الشہادتین۔ الوصیت

۲۔ "البدر" ۲۱/ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۹

۳۔ رسالہ "البیان" جلد ۴ نمبر ۵ صفحہ ۲۲ (بحوالہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو دسمبر ۱۹۰۵ء ٹائٹل صفحہ ۲)

۴۔ رسالہ "البیان" جلد ۵ صفحہ ۲۶۰

۵۔ بحوالہ "ریویو آف ریلیجنز" (اردو) دسمبر ۱۹۰۵ء سرورق

۶۔ بحوالہ الحکم ۷/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۴

۷۔ "ریویو آف ریلیجنز" (اردو) سرورق ۱۹۰۵ء

۸۔ بحوالہ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۱۹

۹۔ بحوالہ "حیات احمد" جلد پنجم (حالات ۲۔۱۹۰۱ء)

۱۰۔ مولوی محمد علی صاحب ۱۹۱۳ء تک رسالہ کے اردو اور انگریزی ایڈیشنوں کے ایڈیٹر رہے۔ ان کے بعد ۱۹۴۷ء تک "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی کی ادارت کے فرائض مندرجہ ذیل حضرات نے سرانجام دیئے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب۔ مولوی محمد دین صاحب۔ مولوی عبدالرحیم صاحب درد۔ خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب۔ ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے۔ صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز۔ چوہدری علی محمد صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ تقسیم ہند کے بعد اس رسالہ کا دوبارہ احیاء ربوہ میں دسمبر ۱۹۵۱ء میں ہوا اور اس کے ایڈیٹر صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی مقرر ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد چوہدری مظفر الدین صاحب اس کے مدیر ہوئے۔ ۱۹۶۰ء میں مکرم سید داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ اس کے مینجنگ ایڈیٹر بنے۔ جولائی ۱۹۶۲ء سے جناب سید صاحب موصوف اور جناب صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب ادارت کے فرائض بجالا رہے ہیں۔ (خلافت رابعہ کے عہد مبارک میں اب یہ رسالہ لنڈن سے چھپ رہا ہے)

"ریویو آف ریلیجنز" اردو میں ۱۹۴۷ء تک جن اصحاب نے وقتاً فوقتاً یہ فریضہ ادا کیا ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ حضرت مولوی محمد دین صاحب۔ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل۔ نذیر احمد صاحب افریقی۔ نور الدین صاحب بی۔ اے۔ بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی۔ مولوی علی محمد صاحب اجمیری۔ ملک محمد عبداللہ صاحب۔ ملک غلام فرید صاحب۔ صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز۔ چوہدری علی محمد صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ رحمت اللہ خاں صاحب شاکر۔ ستمبر ۱۹۴۷ء سے ریویو اردو بند ہو چکا ہے اور ابھی تک اس کا اجراء نہیں ہوا۔

۱۱۔ الحکم ۳۰/ ستمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۹۔۲۰

۱۲۔ الحکم ۳۰/ ستمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۹۔۲۰

۱۳۔ مکتوبات احمدیہ جلد حصہ اول صفحہ ۳۲

۱۴۔ "دافع البلاء و معیار اہل الاصطفاء" (طبع اول) صفحہ ۱۰۔۱۱

۱۵۔ "دافع البلاء و معیار اہل الاصطفاء" (طبع اول) صفحہ ۱۸

۱۶۔ السید محمد رشید رضا کی وفات پر علمائے ہند نے لکھا تھا۔ "علامہ ابن تیمیہ کے بعد آج تک کسی مسلمان عالم نے مرحوم کے برابر دین کی خدمت نہیں کی۔

"علامہ رشید رضا علم کے بحر ذخار تھے۔ تفسیر حدیث اور فقہ کے امام تھے اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرماتے تھے وہ قول فیصل کا حکم رکھتا تھا۔ آپ تمام دنیائے اسلام کے محترم تھے یہاں تک کہ سلطان ابن سعود آپ کو امام اور پیشوا کہہ کر

خطاب کرتے تھے"۔(رسالہ "ایمان پٹی" ۳۰/ستمبر ۱۹۳۵ بحوالہ "الفضل" ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۴)

۱۷۔ بحوالہ "تبلیغ رسالت" جلد دہم صفحہ ۲۷

۱۸۔ بحوالہ تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ ۲۷

۱۹۔ رسالہ "المنار" جلد ۴ صفحہ ۴۶۵، ۵۴۵

۲۰۔ رسالہ "المنار" جلد ۴ صفحہ ۴۶۶

۲۱۔ ترجمہ "الھدیٰ والتبصرہ لمن یریٰ" (طبع اول) صفحہ ۱۹۔۲۰

۲۲۔ ترجمہ "الھدیٰ والتبصرہ لمن یریٰ" (طبع اول) صفحہ ۱۹۔۲۰

۲۳۔ رسالہ "المنار" جلد ۵ صفحہ ۳۱۷

۲۴۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "الفضل" ۲۹/اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۵

۲۵۔ نمونہ پرچہ "القادیان" صفحہ ۶

۲۶۔ اس مقدمہ کی تفصیل آگے آتی ہے

۲۷۔ مثلاً حضرت مولوی نور الدین صاحب۔ مولوی عبد الکریم صاحب۔ سیٹھ عبد الرحمٰن صاحب مدراسی۔ حضرت نواب محمد علی خاں صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب۔ بیگم فضل دین صاحب۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب گوڑیانوی۔ ڈاکٹر رحمت علی خاں صاحب ممباسہ۔ شیخ حامد علی صاحب۔ میاں عبد العزیز صاحب پٹواری۔ میاں جمال الدین صاحب۔ میاں خیر الدین صاحب میاں امام الدین صاحب۔ صاحبزادہ افتخار احمد صاحب۔ منشی رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر انبالہ۔ منشی عبد اللہ صاحب سنوری۔ سید فضل شاہ صاحب۔ سید ناصر شاہ صاحب اوورسیر۔ میاں محمد علی صاحب لاہور۔ شیخ غلام نبی صاحب راولپنڈی۔ سید امیر علی شاہ صاحب۔ بابو تاج الدین صاحب لاہور۔ منشی زین الدین محمد ابراہیم صاحب انجنیئر بمبئی۔ مولوی غلام امام صاحب برہما آسام۔ مولوی محمد احسن صاحب۔ سید حامد شاہ صاحب۔ خلیفہ نور الدین صاحب۔ پیر منظور محمد صاحب۔

۲۸۔ "تبلیغ رسالت" جلد ۱۰ صفحہ ۴۹۔۵۰

۲۹۔ تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۵۹۔۶۰ (متحدہ پنجاب مراد ہے)

کشتی نوحؑ کی تصنیف و اشاعت

"الدار" کی غیر معمولی حفاظت

اور

جماعت احمدیہ کی حیرت انگیز ترقی

”کشتی نوح“ کی تصنیف و اشاعت ”الدار“ کی غیر معمولی حفاظت اور جماعت کی حیرت انگیز ترقی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۵/ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو ”کشتی نوح“ تقویۃ الایمان“ کے نام سے حقائق و معارف پر مشتمل ایک لطیف کتاب شائع فرمائی جس میں حضور نے گورنمنٹ کی طرف سے طاعون کے ٹیکہ کے انتظامات کو سراہا مگر ساتھ ہی لکھا ”اگر ہمارے لئے ایک آسمانی روک نہ ہوتی تو سب سے پہلے رعایا میں سے ہم ٹیکا کراتے۔ اور آسمانی روک یہ ہے کہ خدا نے چاہا ہے کہ اس زمانہ میں انسانوں کے لئے ایک آسمانی رحمت کا نشان دکھاوے۔ سو اس نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ ”تو اور جو شخص تیرے گھر کی چار دیوار کے اندر ہوگا اور جو کامل پیروی اور اطاعت اور سچے تقویٰ سے تجھ میں محو ہو جائیگا وہ سب طاعون سے بچائے جائیں گے اور ان آخری دنوں میں خدا کا یہ نشان ہوگا تا وہ قوموں میں فرق کر کے دکھلاوے۔“ [1]

نیز لکھا:۔ ”انجام کار لوگ تعجب کی نظر سے اقرار کریں گے کہ نسبتاً و مقابلتہً خدا کی حمایت اس قوم کے ساتھ ہے اور اس نے خاص رحمت سے ان لوگوں کو ایسا بچایا ہے جس کی نظیر نہیں۔“ [2]

”الدار“ کی توسیع

کشتی نوح میں ہی حضور نے اپنے خدام سے یہ تحریک فرمائی کہ ہمارا گھر جس کے لئے خدا نے حفاظت خاص کا وعدہ فرمایا بطور کشتی کے تو ہے مگر آئندہ اس کشتی میں نہ کسی اور مرد کی گنجائش ہے نہ عورت کی۔ اس لئے اس کی توسیع کے لئے چندہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ صحابہ نے اس تحریک میں حصہ لیا۔ مکان کی وسعت صرف اس کے غربی جانب ہو سکتی تھی اور یہ جگہ مرزا غلام حیدر متوفی کی حویلی تھی اور مرزا امام الدین صاحب کے قبضہ میں تھی۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب کی کوشش سے مرزا امام الدین صاحب اس بات پر راضی ہو گئے کہ حویلی میں سے حضور کا حصہ بھی دے دیں نیز بقیہ حصہ قیمت پر حضورؑ کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ اس حویلی کا ملحق مکان ڈپٹی شنکر داس کے قبضہ میں تھا جو شیخ صاحب نے خود خرید لیا اور اس کا تیسرا حصہ

حضرت مسیح موعودؑ کے نام ہبہ کر دیا۔ اس طرح "الدار" کی توسیع عمل میں آئی۔ [۳]

"الدار" کی غیر معمولی حفاظت

حضرت مسیح موعودؑ نے خدا کے حکم سے جو پیشگوئی فرمائی وہ بعد کو لفظاً لفظاً پوری ہوئی۔ حضور کے "الدار" (جہاں طاعون کے ایام میں آپ کے مخلصین کثیر تعداد میں رہائش پذیر تھے) کی دیواروں سے ملحق مکانوں تک طاعون پہنچی اور ہمسایہ کے ہندو طاعون کا شکار ہوئے۔ [۴] مگر "الدار" میں چوہا تک طاعون سے نہیں مرا۔ اسی طرح جیسا کہ حضورؑ نے پیشگوئی فرمائی تھی جماعت سے بھی خارق عادت سلوک ہوا جس کے نتیجہ میں جماعت کی ان دنوں اتنی غیر معمولی ترقی ہوئی کہ اس کی تعداد ہزاروں سے نکل کر ۱۹۰۲ء میں ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ ۱۹۰۳ء میں اس کثرت سے لوگ آپ کے مبائعین میں شامل ہوئے کہ اخبار "الحکم" کو مجبوراً نئے مبائعین کی فہرست کا کالم ہی بند کر دینا پڑا۔ [۵] ۱۹۰۴ء میں یہ تعداد دو لاکھ تک [۶] اور ۱۹۰۶ء میں چار لاکھ تک پہنچ گئی۔ [۷] حضور طاعون کے زمانہ میں بیعت کرنے والوں کو ازراہ ظرافت "طاعونی احمدی" کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ [۸]

جماعت کے لئے مقدس تعلیم

"کشتی نوح" کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضورؑ نے اپنی مقدس تعلیم لکھی ہے جو نہ صرف طاعون بلکہ دنیا کی آفات و مصائب کے طوفانوں میں کشتی کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ تعلیم جب اہل عرب کے سامنے عربی زبان میں رکھی گئی تو بعض نے اسے زبانی حفظ کیا تھا۔ بطور نمونہ چند الفاظ درج کرتا ہوں حضور فرماتے ہیں:۔

"سو اے وے تمام لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔ سو اپنی پنج وقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو۔ اور اپنے روزوں کو خدا کے۔ لئے صدق کے ساتھ پورے کرو۔ ہر ایک جو زکوۃ کے لائق ہے وہ زکوۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔ نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔ یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا ہے جو تقویٰ سے خالی ہے۔ ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے۔ جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہیں ہوگی وہ عمل بھی ضائع نہیں ہوگا۔ ضرور ہے کہ انواع رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے۔ سو خبردار ہو! ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے۔ جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے نہ دشمن کے ہاتھوں سے۔ اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت

آسمان پر دے گا۔۔ اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو اور گالیاں سنو اور شکر کرو اور ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو۔ تم خدا کی آخری جماعت ہو سو وہ عمل نیک دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجے پر ہو۔"

حضرت مسیح ناصری کے پہاڑی وعظ کو عیسائی دنیا ایک شاہکار سمجھتی ہے مگر پہاڑی وعظ کو حضرت مسیح محمدی کی کشتی نوح میں بیان فرمودہ تعلیم سے کچھ نسبت نہیں۔

"کشتی نوح" پر اخبارات کی تنقید اور حضور کا ایمان افروز جواب

طاعون پر ابتدائی اشتہار کی طرح "کشتی نوح" پر بھی ("سول ملٹری گزٹ" کے سوا) متعصب ملکی اخبارات نے مخالفانہ رنگ میں تقریظات لکھی تھیں اور بڑی مخالفت کی کہ گویا حضورؑ نے گورنمنٹ کی راہ میں روڑے اٹکا دیئے ہیں۔ [9] مصری اخبار "اللواء" نے لکھا کہ یہ لوگ قرآن مجید نہیں سمجھتے اور ترک اسباب کرتے ہیں حالانکہ حدیث میں ہے ما من داء الا له دواء کہ ہر بیماری کے لئے دوا موجود ہے۔ حضرت اقدسؑ نے اس اعتراض کے جواب میں مفصل تقریر فرمائی کہ اسباب پرستی بھی آجکل ایک خطرناک شرک کی حد تک پہنچی ہوئی ہے حالانکہ مومن کا جس قدر ایمان اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے اسی قدر وہ اسباب کی نفی اپنے ایمان میں کرتا اور اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ اور توکل رہتا ہے۔ اس درجہ پر بعض امور اس قسم کے بھی پیش آتے ہیں کہ فی الحقیقت بلا توسط اسباب ظاہری اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو مدد دیتا ہے اور شفا دیتا ہے۔ میں نے اپنی ذات پر ان امور کو مشاہدہ کیا ہے۔ بعض امراض میں بدوں کسی دوا کے استعمال کے مجھے شفا دی ہے۔ اسباب پرست خواہ کچھ ہی کہے مگر میں ایسے نشانوں کو بے قدری کی نگاہ سے دیکھوں یا انہیں ضائع کردوں تو یہ معصیت ہوگی۔ اسی طرح یہ طاعون سے محفوظ رہنے کا نشان جو مجھے دیا گیا ہے میں اس کا کیونکر انکار کرسکتا ہوں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ٹیکہ کے بغیر مجھے بچایا گیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہر مرض کی دوا اس نے پیدا کی ہے مگر یہ تو نہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی مرض کو دوا کے بغیر شفاء نہیں دیتا۔ [10]

طاعون سے حفاظت کے دو نہایت اہم واقعات

مئی ۱۹۰۴ء کا واقعہ ہے کہ مولوی محمد علی صاحب کو شدید بخار ہوا۔ [11] جس پر انہیں طاعون کا شبہ ہوگیا۔ حضور کو خبر ہوئی تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اگر آپ کو طاعون ہو تو پھر انی احافظ کل من فی الدار کا الہام اور یہ سب کاروبار عبث ہے۔ پھر حضورؑ نے ان کی نبض پر ہاتھ رکھا تو بخار کا نام و نشان نہ تھا۔ حضورؑ نے خود یہ واقعہ بایں الفاظ میں بیان

فرمایا ہے:۔

"ایک دفعہ طاعون کے زور کے دنوں میں جب قادیان میں بھی طاعون تھی مولوی محمد علی صاحب ایم اے کو سخت بخار ہو گیا اور ان کو ظن غالب ہو گیا کہ یہ طاعون ہے اور انہوں نے مرنے والوں کی طرح وصیت کر دی اور مفتی محمد صادق صاحب کو سمجھا دیا اور وہ میرے گھر کے ایک حصہ میں رہتے تھے جس گھر کی نسبت خدا تعالیٰ کا یہ الہام ہے انی احافظ کل من فی الدار ۔ تب میں ان کی عیادت کے لئے گیا اور ان کو پریشان اور گھبراہٹ میں پا کر میں نے ان کو کہا کہ اگر آپ کو طاعون ہو گئی تو پھر میں جھوٹا اور میرا دعویٰ الہام غلط ہے۔ یہ کہہ کر میں نے ان کی نبض پر ہاتھ لگایا۔ یہ عجیب نمونہ قدرت الٰہی دیکھا کہ ہاتھ لگانے کے ساتھ ہی ایسا بدن سرد پایا کہ تپ کا نام و نشان نہ تھا۔" [۱۷]

اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ ۱۹۰۶ء میں ہوا جس کی تفصیل حضور ہی کے الفاظ میں درج کرتا ہوں فرماتے ہیں۔

"میں نے کئی دفعہ ایسی منذر خوابیں دیکھیں جن میں صریح طور پر یہ بتلایا گیا تھا کہ میر ناصر نواب جو میرے خسر ہیں ان کے عیال کے متعلق کوئی مصیبت آنے والی ہے.. میں دعا میں لگ گیا ہوں اور وہ اتفاقاً مع اپنے بیٹے اسحاق اور اپنے گھر کے لوگوں کے لاہور جانے کو تھے میں نے ان کو یہ خوابیں سنا دیں اور لاہور جانے سے روک دیا اور انہوں نے کہا کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر ہرگز نہیں جاؤں گا۔ جب دوسرے دن کی صبح ہوئی تو میر صاحب کے بیٹے اسحاق کو تیز تپ چڑھ گیا اور سخت گھبراہٹ شروع ہو گئی اور دونوں طرف بن ران میں گلٹیاں نکل آئیں اور یقین ہو گیا کہ طاعون ہے۔ کیونکہ اس ضلع کے بعض مواضع میں طاعون پھوٹ پڑی ہے۔ تب معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا خوابوں کی تعبیر یہی تھی اور دل میں سخت غم پیدا ہوا۔ اور میں نے میر صاحب کے گھر کے لوگوں کو کہہ دیا کہ میں تو دعا کرتا ہوں اور آپ بہت توبہ و استغفار کریں۔ کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ نے دشمن کو اپنے گھر میں بلایا ہے اور یہ کسی لغزش کی طرف اشارہ ہے۔ اور اگرچہ میں جانتا تھا کہ موت فوت قدیم سے ایک قانون قدرت ہے لیکن یہ خیال آیا کہ اگر خدانخواستہ ہمارے گھر میں کوئی طاعون سے مر گیا تو ہماری تکذیب میں شور قیامت برپا ہو جائے گا اور پھر گو میں ہزار نشان بھی پیش کروں تب بھی اس اعتراض کے مقابل پر کچھ بھی ان کا اثر نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں صدہا مرتبہ لکھ چکا ہوں اور شائع کر چکا ہوں اور ہزارہا لوگوں میں بیان کر چکا ہوں کہ ہمارے گھر کے تمام لوگ طاعون کی موت سے بچے رہیں گے۔ غرض اس وقت جو کچھ میرے دل کی حالت تھی میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں فی الفور دعا میں مشغول ہو گیا اور بعد دعا کے عجیب نظارہ قدرت دیکھا کہ دو تین گھنٹہ میں خارق عادت کے طور پر اسحاق کا تپ اتر گیا

اور گلٹیوں کا نام و نشان بھی نہ رہا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور نہ صرف اس قدر بلکہ پھرنا۔ چلنا۔ کھیلنا۔ دوڑنا شروع کر دیا۔ گویا کبھی کوئی بیماری نہیں ہوئی تھی۔ یہی ہے احیائے موتی۔ میں حلفاً کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ کے احیائے موتی میں اس سے ایک ذرہ کچھ زیادہ نہ تھا۔" [۱۳]

"تحفتہ الندوۃ" کی تصنیف و اشاعت

دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ تحریک کے متوازی ایک وسطی طریق اختیار کرنے کے لئے ۱۸۹۴ء سے ایک تنظیم لکھنؤ میں "ندوۃ العلماء" کے نام سے کام کر رہی تھی۔ اس تحریک کے مقاصد میں نصاب تعلیم کی اصلاح' اسلامی دارالعلوم اور دارالافتاء کا قیام خاص طور پر شامل تھا۔ مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری اس کے ناظم اول تھے۔ شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء۔ ۱۹۱۴) اور مولوی عبدالحق صاحب دہلوی مؤلف تفسیر حقانی نے اس کے قواعد و ضوابط مرتب کئے اور مسلمانوں کے بڑے بڑے لیڈروں مثلاً سرسید' نواب محسن الملک' نواب وقار الملک نے اس کا خیر مقدم کیا [۱۴] اپریل ۱۸۹۴ء میں بمقام کانپور اس کا سب سے پہلا جلسہ ہوا۔ اس کے بعد لکھنؤ بریلی' اور میرٹھ میں بھی جلسے ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں ندوۃ العلماء کا کلکتہ میں اجلاس ہوا تو اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی شمولیت کی دعوت دی گئی۔ حضور تو اپنی دیگر دینی مصروفیات کے باعث شامل نہ ہو سکے البتہ حضور کی طرف سے مولوی عبدالکریم صاحب نے ایک مفصل تبلیغی خط ندوہ کے نام لکھا جس میں امام الزمان کی آواز پر لبیک کہنے کی تحریک کی مگر اہل ندوہ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ [۱۵] اگلے سال ۹/۱۰/۱۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو اس کا اجلاس امرتسر میں ہونا قرار پایا۔ [۱۶] حافظ محمد یوسف صاحب پنشنر نے جو لو تقول کی آیت کے متعلق آپ سے الجھ رہے تھے ایک ہفتہ قبل ۲/ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو حضرت مسیح موعودؑ کے نام اشتہار دیا کہ میرے اس مسلک کے ثبوت میں کہ مفتری و کاذب ملہم بھی آنحضرت ﷺ کی طرح دعویٰ الہام کے بعد تئیس برس تک عمر پا سکتا ہے۔ ان کے دوست ابو اسحاق محمد دین نے "قطع الوتین" نامی رسالہ لکھا ہے جس میں ایسے مدعیان کاذب کے نام مع مدت دعویٰ تاریخی کتابوں کے حوالے سے درج ہے۔ مرزا صاحب بھی جلسہ میں شامل ہوں اور لکھ دیں کہ رسالہ "قطع الوتین" میں بیان شدہ مثالوں کو اگر ندوۃ کے منتخب علماء تاریخی لحاظ سے صحیح تسلیم کر لیں تو مرزا صاحب عین جلسہ پر ہی توبہ کا اعلان کر دیں گے۔ [۱۷] اشتہار سے چونکہ آنحضرت ﷺ کی سچائی پر حرف آتا تھا اور آنحضرت کی سخت توہین ہوتی تھی۔ اس لئے حضرت اقدسؑ نے ۶/ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو ایک مختصر سا رسالہ "تحفتہ الندوۃ" کے نام سے شائع فرمایا جس میں حضور نے نہایت لطیف

پیرایہ میں حافظ محمد یوسف صاحب کے غلط مسلک کی تردید کر کے خدا تعالیٰ کی فعلی شہادتوں سے اپنی صداقت کے متعدد ثبوت پیش فرمائے نیز لکھا کہ "ندوۃ العلماء" کو دینی مسئلہ میں حکم قرار نہیں دے سکتا۔ لہٰذا امرتسر جانے کی ضرورت نہیں۔ ہاں "ندوۃ العلماء" حافظ صاحب سے ایسے مدعیان نبوت کا حلفاً ثبوت مانگے جن کی وحی کاذب کا قرآن شریف کی طرح سے تئیس برس تک برابر سلسلہ جاری رہا اور ان سے ثبوت مانگے کہ کہاں انہوں نے قسم کے ساتھ بیان کیا کہ ہم درحقیقت نبی ہیں اور ہماری وحی قرآن کی طرح قطعی یقینی ہے اور یہ بھی ثبوت مانگے کہ کیا وہ لوگ اس زمانے کے مولویوں کے فتوے سے کافر ٹھہرائے گئے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں ٹھہرائے گئے تو اس کی کیا وجہ۔ کیا ایسے مولوی فاسق فاجر تھے یا نہیں جنہوں نے دین میں ایسی لاپروائی ظاہر کی۔ اور یہ بھی ثبوت مانگے کہ ایسے لوگ کن قبروں میں دفن کئے گئے؟ کیا مسلمانوں کی قبروں میں یا علیحدہ۔ اور اسلامی سلطنت میں قتل ہوئے یا امن سے عمر گزاری؟ حافظ صاحب سے تو یہ ثبوت طلب کیا جائے۔ دوسری طرف پھر میرے معجزات اور دیگر دلائل نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کے طلب ثبوت کے لئے بعض منتخب علماء ندوہ کے قادیان میں آئیں اور مجھ سے معجزات اور دلائل یعنی نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کے ثبوت لیں۔ پھر اگر سنت انبیاء علیہم السلام کے مطابق میں نے پورا ثبوت نہ دیا تو میں راضی ہوں کہ میری کتابیں جلائی جائیں"۔ [۱۸]

"ندوۃ العلماء" کے جلسہ میں شمولیت کے لئے وفد

حضرت اقدسؑ نے تحفۃ الندوہ کے ذریعہ تبلیغ کا حق ادا کر دیا تھا مگر اتمام حجت کے لئے حضور نے ۹/ اکتوبر کو جلسہ میں شمولیت کے لئے قادیان سے ایک وفد بھی بھیجا جس میں مندرجہ ذیل احباب شامل تھے مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی (امیر وفد) مولوی ابو یوسف محمد مبارک علی صاحب سیالکوٹی۔ مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب ہزاروی۔ مولوی محمد عبداللہ صاحب کشمیری۔ شیخ یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر اخبار الحکم۔ [۱۹] امرتسر پہنچ کر وفد کو یہ علم ہوا کہ حافظ صاحب نے ندوہ والوں سے مشورہ کے بغیر از خود اشتہار وغیرہ دے دیا ہے اور ندوہ کے سیکرٹری سے اس بارہ میں قطعاً کوئی اجازت یا مشورہ تک حاصل نہیں کیا گیا۔ [۲۰] لہٰذا وفد نے جلسہ کے تینوں دن انفرادی رنگ میں سلسلہ حقہ کا پیغام پہنچایا' اور "تحفۃ الندوہ" اور "دعوۃ الندوہ" [۲۱] تقسیم کر کے اس کی خوب اشاعت کی۔

اخبار "البدر" کا اجراء

اس وقت تک مرکز سے صرف ایک اخبار "الحکم" شائع ہوتا تھا لیکن اس سال بابو محمد افضل صاحب آف مشرقی افریقہ اور ڈاکٹر فیض علی صاحب صابر کی کوشش سے ۳۱/ اکتوبر ۱۹۰۲ء سے دوسرا ہفت روزہ "البدر" کے نام سے جاری ہو گیا جس کا پہلا نمونہ کا پرچہ "القادیان" کے نام سے چھپا مگر اس کے بعد حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے اس کا نام "البدر" تجویز فرمایا [۲۲] اور اس کے اجراء کی اجازت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "ہماری طرف سے اجازت ہے خواہ آپ ایک سو پرچہ جاری کریں شاید اللہ تعالیٰ اس میں ہی برکت دیدے۔" [۲۳]

"البدر" کے مالک و مدیر محمد افضل صاحب [۲۴] اور منیجر منشی فیض عالم صاحب صابر تھے [۲۵]۔ محمد افضل صاحب موصوف نہایت اخلاص سے ادارت کی ذمہ داری ادا کر رہے تھے کہ ۲۱/ مارچ ۱۹۰۵ء کو اچانک انتقال کر گئے جس پر اخبار میاں معراج الدین صاحب عمر نے خرید لیا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے مفتی محمد صادق صاحب کو جو ان دنوں تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے اخبار "البدر" کا ایڈیٹر مقرر فرما دیا اور ۳۰/ مارچ ۱۹۰۵ء کو ایک خاص اعلان کے ذریعہ سے جماعت کو اطلاع دی کہ "میں بڑی خوشی سے یہ چند سطریں تحریر کرتا ہوں کہ اگرچہ منشی محمد افضل مرحوم ایڈیٹر اخبار البدر قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے شکر اور فضل سے ان کا نعم البدل اخبار کو ہاتھ آ گیا ہے یعنی ہمارے سلسلہ کے ایک برگزیدہ رکن جوان صالح اور ہر یک طور سے لائق جن کی خوبیوں کو بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں یعنی مفتی محمد صادق صاحب بھیروی قائم مقام منشی محمد افضل مرحوم ہو گئے ہیں۔

میری دانست میں خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے اس اخبار کی قسمت جاگ اٹھی ہے کہ اس کو ایسا لائق اور صالح ایڈیٹر ہاتھ آیا۔ خدا تعالیٰ یہ کام ان کے لئے مبارک کرے اور ان کے کاروبار میں برکت ڈالے۔ آمین ثم آمین"۔ [۲۶]

حضرت اقدس کی یہ فراست حرف بحرف صحیح نکلی اور حضرت مفتی صاحب رضی اللہ عنہ کے زمام ادارت سنبھالتے ہی سچ مچ اخبار کی قسمت جاگ اٹھی اور اس کا نام اور دو پرچوں کے بعد تفاول کے طور پر "بدر" رکھا گیا۔ بدر دسمبر ۱۹۱۳ء تک باقاعدگی سے نکلتا رہا اور پھر بند ہو گیا۔ قریباً چالیس برس کے وقفہ کے بعد ۷/ مارچ ۱۹۵۳ء [۲۷] کو درویشان قادیان کی ہمت سے دوبارہ اس کا احیاء عمل میں آیا۔ موجودہ دور جدید میں اس کے پہلے ایڈیٹر مولوی برکات احمد صاحب راجیکی مقرر ہوئے۔ اب یہ

اخبار قادیان سے مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ (تاریخ وفات مولانا محمد حفیظ صاحب ۵- نومبر ۱۹۸۷ء)

اخبار "البدر" و "بدر" کی شاندار خدمات

اخبار "الحکم کی طرح اخبار "البدر" اور "بدر" نے بھی مسیح پاک علیہ السلام کے تازہ الہامات و ملفوظات، اکابر سلسلہ کے مضامین اور مرکزی خبروں کے بروقت جماعت تک پہنچانے میں شاندار خدمات سرانجام دی ہیں اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سلسلہ کا ایک بازو الحکم کو اور دوسرا اسے قرار دیا کرتے اور فرمایا کرتے تھے "یہ اخبار "الحکم و بدر ہمارے دو بازو ہیں۔ الہامات کو فوراً ملکوں میں شائع کرتے ہیں اور گواہ بنتے ہیں"۔ [۲۸] خلافت اولیٰ کے زمانہ میں اس اخبار کو یہ بھاری خصوصیت بھی حاصل ہوئی کہ اس میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا درس قرآن اور درس بخاری اور آپ کی ڈائری بھی "کلام امیر" کے نام سے الگ الگ ضمیمہ کی شکل میں شائع ہوتی تھی۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا نکاح

حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی مقدس اولاد کی بارے میں مدت سے یہ الٰہی بشارت مل چکی تھی کہ آپ کی نسل بہت ہوگی اور کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی۔ [۲۹] نیز الہاماً آپ کو بتایا جا چکا تھا کہ "تری نسلا بعیدا۔" [۳۰] (یعنی آپ دور کی نسل بھی دیکھیں گے) لہٰذا حضور چاہتے تھے کہ یہ خدائی وعدہ جلد سے جلد ظہور میں آجائے اور آپ اپنی آنکھوں سے اسے پورا ہوتا دیکھ لیں اور اسی لئے حضور اپنے صاحبزادگان کے رشتے بھی جلد سے جلد کرنا چاہتے تھے۔

چنانچہ حضور نے صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے نکاح کی تحریک کے لئے اپنے نہایت مخلص مرید مولوی غلام حسن صاحب سب رجسٹرار پشاور کے نام ۲۴/اپریل ۱۹۰۲ء کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا کہ "میرے دل میں تھا کہ بشیر احمد اپنے درمیانی لڑکے کے لئے تحریک کروں جس کی عمر دس برس کی ہے اور صحت اور متانت، مزاج اور ہر ایک بات میں اس کے آثار اچھے معلوم ہوتے ہیں اور آپ کی تحریر کے موافق عمریں بھی باہم ملتی ہیں۔ اس لئے یہ خط آپ کو لکھتا ہوں اور میں قریب ایام میں اس بارے میں استخارہ بھی کروں گا اور بصورت رضامندی یہ ضروری ہوگا کہ ہمارے خاندان کے طریق کے موافق آپ لڑکی کو ضروریات علم دین سے مطلع فرمادیں اور اس قدر علم ہو کہ قرآن شریف باترجمہ پڑھ لے۔ نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور حج کے مسائل سے باخبر ہو اور نیز بآسانی خط لکھ سکے اور پڑھ سکے اور لڑکی کے نام سے مطلع فرمادیں اور اس خط کے جواب سے اطلاع بخشیں۔ زیادہ

خیریت ہے۔" ۲۱

نکاح مولوی غلام حسن خان صاحب نے کمال خلوص سے اس تعلق پر رضامندی کا اظہار کیا۔ چنانچہ ۱۲۔ ستمبر ۱۹۰۲ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے نکاح کی تقریب عمل میں آئی۔ احباب نماز عصر کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کمرہ کے سامنے والے صحن میں جو مسجد مبارک سے ملحق تھا۔ جمع ہوئے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے آپ کا نکاح مولوی غلام حسن خان صاحب کی دختر نیک اختر سرور سلطان صاحبہ سے ایک ہزار روپیہ مہر پر پڑھا اور ایجاب و قبول کے بعد کھجوریں تقسیم کی گئیں اور حاضرین کی تواضع چائے سے کی گئی۔ اسی روز شام کو اخبار "الحکم" کا ایک غیر معمولی پرچہ اس مبارک تقریب کی خوشی میں شائع کیا گیا۔ ۲۲

شادی حضرت صاحبزادہ صاحب کی شادی مئی ۱۹۰۶ء کے دوسرے ہفتے میں ہوئی۔ حضرت صاحبزادہ صاحب اپنے واجب الاحترام نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحب اور برادر بزرگ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور دیگر احباب کے ساتھ قادیان سے ۱۰/ مئی ۱۹۰۶ء کی صبح کو پشاور روانہ ہوئے اور ۱۶/ مئی ۱۹۰۶ء کو بعد دوپہر واپس قادیان پہنچے۔ ۲۳

آپ کی اولاد صاحبزادی سرور سلطان صاحبہ کے بطن سے آپ کے ہاں گیارہ بچے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں۔ سیدہ امتہ السلام بیگم صاحبہ (ولادت ۷ / اگست ۱۹۰۷ء)۔ صاحبزادہ اول مرزا حمید احمد صاحب (متوفی ۱۹۱۰ء)۔ صاحبزاہ مرزا مظفر احمد صاحب (ولادت ۲۸ / فروری ۱۹۱۳ء)۔ صاحبزاہ مرزا حمید احمد صاحب (ولادت ۱۵ / جنوری ۱۹۱۵ء)۔ سیدہ امتہ الحمید بیگم صاحبہ (ولادت ۱۶ / اگست ۱۹۱۶ء)۔ صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب (ولادت اگست ۱۹۱۸ء)۔ صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب اول (متوفی ۱۹۲۱ء)۔ صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب ثانی (ولادت اگست ۱۹۲۲ء)۔ صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب (ولادت ۱۸/ جولائی ۱۹۲۴ء) سیدہ امتہ المجید بیگم صاحبہ (۱۵/ جنوری ۱۹۲۶ء)۔ سیدہ امتہ اللطیف بیگم صاحبہ (۵/ نومبر ۱۹۳۵)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا نکاح

ستمبر میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا نکاح ہوا تھا۔ اگلے ماہ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی تقریب نکاح عمل میں آئی۔

حضورؑ کے ایک مخلص عقیدت مند حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب تھے جن کی بڑی صاحبزادی رشیدہ تھیں۔ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے ڈاکٹر صاحب کو انہی کے متعلق رشتہ کی تحریک

فرمائی۔ پھر کچھ مدت بعد لکھا کہ "اس رشتہ پر محمود بھی راضی معلوم ہوتا ہے اور گو ابھی الہامی طور پر اس بارے میں کچھ معلوم نہیں جس کے معلوم ہونے کے بارے میں مجھے خواہش ہے تا کوئی کام ہمارا مرضی الٰہی کے خلاف نہ ہو مگر محمود کی رضامندی ایک دلیل اس بات پر ہے کہ یہ امر غالباً واللہ اعلم جناب الٰہی کی رضامندی کے موافق انشاء اللہ ہو گا۔ لہٰذا آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ کی یہ مرضی ہو اور اس میں کوئی مخالفت نہ ہو جائے جس کے مقابل پر سب ارادے کالعدم ہو جاتے ہیں تو اس صورت میں اور اس شرط سے آپ تیار اور مستعد رہیں کہ جب آپ کو مسنون طور پر نکاح کے لئے لکھا جائے۔ چند ہفتہ تک استخارہ کریں کہ ہر ایک کام جو استخارہ اور خدا تعالیٰ کی مرضی سے کیا جاتا ہے وہ بحالیکہ مبارک ہوتا ہے۔ دوسرے میرا ارادہ ہے کہ اس نکاح میں انبیاء کی سنت کی طرح سب کام ہو۔ بدعت اور بیہودہ مصارف اور لغو رسوم اس نکاح میں نہ ہوں بلکہ ایسے سیدھے سادھے طریق پر ہو جو خدا کے پاک نبیوں نے پسند فرمایا ہے۔ نکاح ہو جاوے تا موجب برکات ہو۔" ۲۴

رڑکی میں نکاح

حضرت ڈاکٹر صاحب کے غیر احمدی خاندان میں اس پر مخالفت ہوئی مگر حضرت ڈاکٹر صاحب نے بلا تامل اپنے آقا کے ارشاد پر سر تسلیم خم کر دیا جس پر اکتوبر ۱۹۰۲ء کا پہلا ہفتہ نکاح کے لئے مقرر ہوا اور قرار پایا کہ نکاح رڑکی میں ہو۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ۲/ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو قادیان سے علی الصبح حضرت مولوی نور الدین صاحب۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب۔ مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی۔ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب۔ پیر سراج الحق صاحب نعمانی۔ مفتی محمد صادق صاحب اور ڈاکٹر نور محمد صاحب کے ہمراہ رڑکی کے لئے روانہ ہوئے اور اسی روز عشاء کے وقت رڑکی پہنچے۔ اسٹیشن پر حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اپنے دوستوں کے ساتھ استقبال کے لئے موجود تھے۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب نے حضرت ڈاکٹر صاحب کی صاحبزادی سیدہ محمودہ بیگم صاحبہ کا ایک ہزار روپیہ مہر پر نکاح پڑھا۔ ۲۵ ڈاکٹر صاحب کے بھائی اس رشتہ میں ان کے مخالف تھے اور اسی لئے وہ شامل بھی نہ ہوئے تھے مگر حضرت ڈاکٹر صاحب نے اس کی چنداں پروانہ کی اور یہی کہا کہ بہرحال مسیح موعود علیہ السلام کے حکم کی تعمیل ہونی چاہیے۔ ۲۶

۵/ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو بعد نماز عصر یہ قافلہ رڑکی سے بخیریت قادیان پہنچا۔ اسی روز نماز مغرب کے بعد حضرت مسیح موعود حسب معمول شہ نشین پر رونق افروز ہوئے تو حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ نے مبارکباد دی اور حضرت ڈاکٹر صاحب کے اخلاص کی بہت تعریف کی جس پر حضور نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت اخلاص دیا ہے۔ ان میں اہلیت اور زیرکی بہت

ہے۔ اور میں نے دیکھا ہے ان میں نور فراست بھی ہے۔ [۳۷]

رخصتانہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کا نکاح تو اسی سال ہوا مگر رخصتانہ کی تقریب اگلے سال ۱۹۰۳ میں اکتوبر کے دوسرے ہفتہ آگرہ میں عمل میں آئی جہاں ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب میڈیکل کالج میں پروفیسر تھے۔ [۳۸] حضرت صاحبزادہ صاحب ۱۱/ اکتوبر ۱۹۰۳ء کی شام کو اپنے اہل بیت کے ساتھ قادیان پہنچے۔ [۳۹] بارات میں آپ کے ساتھ ناناجان حضرت میر ناصر نواب صاحب بھی تھے۔ [۴۰] اگلے دن حضورؑ کے گھر سے دلہن کی خوشی میں بتاشے تقسیم ہوئے۔ [۴۱-۴۲]

آپ کے بطن سے یہ اولاد ہوئی۔

اولاد

صاحبزادہ مرزا نصیر احمد صاحب (متوفی) حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ولادت ۱۶/ نومبر ۱۹۰۹ء) صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب (ولادت ۹/ مئی ۱۹۱۴ء)۔ صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب (ولادت یکم فروری ۱۹۱۸ء)۔ صاحبزادی امتہ العزیز بیگم صاحبہ (متوفیہ)۔ صاحبزادی امتہ العزیز بیگم صاحبہ۔ صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب (متوفی)۔ صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب ثانی (ولادت ۱۹۲۶ء)۔ صاحبزادہ مرزا انور احمد صاحب (ولادت ۳/ اکتوبر ۱۹۲۷ء) صاحبزادہ مرزا اظہر احمد صاحب (ولادت ۱۷/ اکتوبر ۱۹۳۰ء) صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب (ولادت ۲۸/ جولائی ۱۹۳۵)

دوسرے نکاح

اس پہلی شادی کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے بعد جو خواتین مبارکہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کے عقد میں آئیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

حرم دوم۔ سیدہ امتہ الحی بیگم صاحبہ [۴۳] دختر نیک حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفتہ المسیح اولؓ۔ (نکاح ۳۱/ مئی ۱۹۱۴ء)۔ اولاد۔ صاحبزادی امتہ القیوم بیگم صاحبہ (ولادت ۱۹۱۶ء) صاحبزادی امتہ الرشید بیگم صاحبہ (ولادت ۶/ نومبر ۱۹۱۸ء)۔ صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب (ولادت ۱۱/ نومبر ۱۹۲۴ء)

حرم ثالث۔ سیدہ مریم بیگم صاحبہ (ام طاہر) دختر نیک اختر سید عبد الستار شاہ صاحبؓ۔ (نکاح ۷/ فروری ۱۹۲۱ء) [۴۴]۔ اولاد۔ صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (متوفی)۔ صاحبزادی امتہ الحکیم بیگم صاحبہ (ولادت ۲۶/ مارچ ۱۹۲۶ء)۔ صاحبزادی امتہ الباسط صاحبہ (ولادت ۱۳/ مئی ۱۹۲۷ء)۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ (۱۸/ دسمبر ۱۹۲۸ء)۔ صاحبزادہ مرزا اظہر احمد صاحب

(متوفی)۔ صاحبزادی امتہ الجمیل صاحبہ (ولادت ۳۰/ جولائی ۱۹۳۷ء)

حرم رابع حضرت سارہ بیگم صاحبہ دختر نیک اختر حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری (نکاح ۱۲/ اپریل ۱۹۲۵ء) ۴۵ اولاد:۔ صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب (ولادت ۵ / مارچ ۱۹۲۷ء)۔ صاحبزادی امتہ النصیر بیگم صاحبہ (ولادت ۱۳- اپریل ۱۹۲۹ء)۔ صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب (ولادت ۲۴- مارچ ۱۹۳۲ء)

حرم خامس حضرت عزیزہ خاتون صاحبہ (ام وسیم) دختر نیک اختر سیٹھ ابوبکر یوسف صاحب آف جدہ۔ (نکاح یکم فروری ۱۹۲۶ء) ۴۶۔ اولاد:۔ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب (ولادت یکم اگست ۱۹۲۷ء) صاحبزادہ مرزا نعیم احمد صاحب (ولادت ۲۴/ ۲۳ مارچ ۱۹۳۲ء)

حرم سادس حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ (ام متین) دختر نیک اختر حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ۔ (نکاح ۳۰ / ستمبر ۱۹۳۵ء) ۴۷ اولاد:۔ صاحبزادی امتہ المتین صاحبہ (ولادت ۲۱/ دسمبر ۱۹۳۶ء)۔

حرم سابع سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ دختر نیک اختر جناب سید عزیز اللہ شاہ صاحب۔ (نکاح ۲۴/ جولائی ۱۹۴۴ء) ۴۸

مباحثہ مد

مد ضلع امرتسر میں ایک گاؤں ہے جہاں ایک بزرگ میاں محمد یعقوب صاحب رہتے تھے۔ ۴۹ میاں صاحب موصوف جب داخل احمدیت ہوئے تو مد والوں نے ان کا عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ یہاں تک کہ سوشل بائیکاٹ کی نوبت آپہنچی جس پر میاں محمد یعقوب صاحب نے اپنے بھائی محمد یوسف صاحب اپیل نویس بکٹ گنج مردان کو اطلاع دی۔ ۵۰ وہ مد پہنچے اور مخالفین کو مناسب طریق پر سمجھایا۔ چنانچہ فریقین کی رضامندی سے فیصلہ ہوا کہ مسائل متنازعہ کے تصفیہ کے لئے علماء کا مناظرہ ہو۔ ۵۱ میاں صاحب کے ایک رشتہ دار نے اس سلسلہ میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو لانے کا بھی ذمہ اٹھایا۔ جب مناظرہ کی بات پختہ ہو گئی تو میاں محمد یوسف صاحب قادیان گئے اور حضرت اقدس کی خدمت میں اصل واقعات پیش کئے اور علماء بھجوانے کے لئے عرض کیا۔ یہ ۲۴/ اکتوبر ۱۹۰۲ء کی بات ہے۔ حضرت اقدسؑ نے تو اول تو فرمایا کہ ایسے مباحثات سے فائدہ نہیں ہوتا مگر منشی صاحب کا اصرار ۵۲ دیکھا تو حضور نے مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کو مد پہنچنے کا ارشاد فرمایا کہ وہاں احمدیت کی تبلیغ کریں اور اگر ضرورت پڑے تو مہذبانہ طریق سے مباحثہ کریں۔ مولوی سید محمد سرور شاہ صاحبؓ کے ساتھ مولوی

عبداللہ صاحب کشمیری کو بھی روانہ ہونے کا حکم ملا۔ چنانچہ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب کشمیری یکہ پر قادیان سے امرتسر آئے اور وہاں سے اجنالہ کے رستہ سے مد پہنچے۔ ۵۳ فیصلہ کے مطابق مولوی ثناء اللہ صاحب بھی آگئے اور آتے ہی گاؤں کی فضا یکسر مکدر کر دی اور عوام میں زبردست اشتعال پیدا کر ڈالا اور تعلی کی کہ میں بہادر اور فتحیاب ہوں۔ میرے یہاں پہنچنے کا راز افشانہ ہو جائے ورنہ مجھے ڈر ہے کہ مرزائی مناظر دہشت زدہ ہو کر بھاگ جائیں گے۔ اسی ماحول میں مباحثہ کے لئے منادی کرائی گئی اور لوگ جلد جلد اس کے مضافات سے آٹھ بجے کے قریب گاؤں کے غربی حصہ میں ایک درخت کے نیچے جمع ہوئے۔ ۵۴ مد کی آبادی ان دنوں دو اڑھائی سو کے قریب تھی اردگرد سے شامل ہونے والے غیر احمدیوں کی تعداد چھ سات سو تک پہنچ گئی مگر احمدی صرف تین چار تھے۔ مباحثہ کی شرائط کا مرحلہ پیش آیا تو فریقین میں متنازعہ مسائل کے متعلق تحریری مباحثہ کا ہونا طے پا گیا اور صدر مجلس احمد علی صاحب نام ایک دوست مقرر ہوئے جو مد کے قریب پیلو وال کے باشندہ تھے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب ابتداء ہی میں اس بات پر اڑ گئے کہ پرچہ کے لئے صرف بیس بیس منٹ کی باری مقرر ہو مگر حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے زور دیا کہ زیر بحث مضامین بڑی اہمیت کے حامل اور تفصیل طلب ہیں لہٰذا پرچہ کے لئے کم سے کم وقت ایک ایک گھنٹہ ہونا چاہیے۔ ۵۵ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے منشی محمد یوسف صاحب کو بھی اس طرف توجہ دلائی لیکن عوام کے تیور بدلے ہوئے تھے تنہا منشی صاحب کیا کر سکتے تھے؟ اس بحث و تکرار میں مولوی ثناء اللہ صاحب اور ان کے ساتھیوں کی ہنگامہ آرائی سے مجمع بے قابو ہو رہا تھا۔ احمدیوں نے اس نازک موقعہ پر مدد و نصرت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعا کی اور بامر مجبوری بیس منٹ کے وقت پر راضی ہو گئے۔ مباحثہ شروع ہوا۔ ہر فریق بیس منٹ تک لکھتا اور سنا دیتا۔ پھر ایک دوسرے کا دونوں جواب لکھتے تھے۔ مباحثہ کا اولین اور معرکتہ الآراء مسئلہ وفات مسیح تھا مباحثہ دو دن (۲۹۔۳۰ اکتوبر) جاری رہا۔ ۵۶

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قبل ازیں ایک موقعہ پر مولوی ثناء اللہ صاحب کی کسی تحریر کے جواب میں فرمایا تھا کہ وفات مسیح کے لئے فلما توفیتنی والی آیت ہی کافی ہے۔ یہ عظیم نکتہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولوی صاحب موصوف کو عین موقعہ پر سمجھا دیا اور پھر آپ کی روح القدس سے ایسی تائید ہوئی اور آپ نے اسے اس طرح مدلل اور مسکت انداز میں پیش کیا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا اور صدر مباحثہ کو اٹھ کر صاف اعلان کرنا پڑا کہ مولوی سرور شاہ صاحب نے جو بیان کیا ہے اسے سن کر اب میں کفر سمجھتا ہوں کہ مسیح کو زندہ سمجھوں۔ ۵۷ اس طرح ابتداء میں

ہی حق و باطل کا فیصلہ ہو گیا اور صداقت کی فتح ہوئی۔

آخری مضمون صداقت مسیح موعودؑ کے بارے میں تھا۔ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے قرآن شریف سے معیار صداقت پیش کر کے حضرت مسیح موعود کی سچائی واضح فرمائی۔ مولوی ثناء اللہ صاحب جو "حیات مسیح" کے مسئلہ میں کھلی شکست و ہزیمت اٹھا چکے تھے اس مرتبہ بھی اصل مسئلہ سے گریز اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ دوران مباحثہ میں انہوں نے قرآنی آیات کے جواب میں جو بات کہی وہ ان کی "عالمانہ" حیثیت کو واضح کرنے کے لئے کافی تھی۔ انہوں نے بحث کے دوران کہا کہ ہمارے پاس احادیث موجود ہیں اس کے مقابل قرآن تو بیکار شے ہے۔ [۵۸] یہی نہیں قرآنی دلائل سے عاجز ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف سخت دشنام طرازی اور دروغ گوئی پر اتر آئے اور قسمیں کھا کھا کر اور خلاف واقعہ اعتراضات کر کر کے لوگوں کو خوب بھڑکایا۔ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے اس موقعہ پر علمی دلائل پیش کئے۔ سامعین عموماً دیہاتی لوگ تھے اس لئے وہ باریک علمی بحث تو پوری طرح سمجھ نہ سکتے تھے ہاں مولوی ثناء اللہ صاحب کی گالیوں اور پھبتیوں سے انہوں نے خوب لطف اٹھایا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کے سوانح نگار مولوی عبدالمجید صاحب سوہدروی نے اپنی کتاب "سیرت ثنائی" میں جہاں مولوی ثناء اللہ صاحب کے دوسرے مناظروں کا ذکر کیا ہے وہاں مباحثہ مد کا نام تک نہیں لیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں علمی لحاظ سے ضیغم اسلام حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب کے مقابل حقیقتاً سخت زک اٹھانا پڑی تھی۔

مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کی واپسی اور حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کو قیمتی نصائح

حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب مباحثہ میں کامیاب و کامراں ہو کر یکم نومبر ۱۹۰۲ء کو قادیان میں حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مناظرہ کی تفصیل عرض کی۔ [۵۹] اور حضور کی مجالس میں کئی دنوں تک اس کا چرچا رہا۔ حضور کو مباحثہ کی کارروائی سنائی گئی تو حضور نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ پرچہ لکھنے کے لئے بیس بیس منٹ وقت مقرر کیا گیا۔ اور اپنی جماعت کو نصیحت فرمائی کہ ایسے موقعہ پر جب مخالف بہت سے اعتراضات رکھ دے تو معترض کا سب سے اہم اعتراض لے لیں اور اس کا فیصلہ کر کے آگے بڑھیں۔ اصولاً گفتگو کرنے سے پہلے کچھ ضوابط مقرر کر لئے جائیں اور مخالف سے دریافت کر لیا جائے کہ وہ منہاج نبوت کو مانتا ہے یا نہیں۔ پھر عوام الناس کے سامنے ہمیشہ موٹی موٹی باتیں رکھنی چاہیے۔ بلاغت کا کمال یہ بھی ہے کہ ایک بات دوسرے کے دل تک پہنچائی جائے۔ اور یہ امر ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہیے کہ فریق مخالف اپنی چالاکی سے سامعین کو دھوکہ نہ دے جائے۔ اکثر دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ

سامعین کے باطل عقائد کے موافق یہ لوگ ہماری طرف سے ایسی باتیں سناتے ہیں کہ جن سے لوگ مشتعل ہو جاتے ہیں۔ پھر اس صورت میں خواہ ان کے سامنے کیسی ہی مدلل بات پیش کی جائے وہ ایک بھی نہیں سنتے۔ [۶۰]

مباحثہ کے پرچے

مباحثہ مد کے پرچے شیخ یعقوب علی صاحب تراب نے لے لئے تھے تا ان کو شائع کریں لیکن افسوس ہے کہ وہ گم ہو گئے [۶۱] اور یہ قیمتی مواد شائع نہ ہو سکا۔

مد پر طاعون کا حملہ

مد کے رہنے والوں نے چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب کو خود بلوا کر گالیاں دلوائیں اور ان کو شرارت سے باز رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی اس لئے پانچ چھ ماہ بعد یہاں طاعون کا سخت حملہ ہوا اور دو اڑھائی سو کی آبادی میں سے مئی ۱۹۰۳ء تک ایک سو تیس افراد اس کا شکار ہو کر لقمہ اجل ہو گئے۔ ۱۹۱۰ء میں دوبارہ مد میں طاعون کا زور ہوا اور گاؤں کی عورتوں نے ملانوں کو سخت سست کہا کہ انہوں نے مولوی ثناء اللہ وغیرہ کو بلوا کر مرزا صاحب کے حق میں سخت گوئی کی اور وبا پھیلی۔ [۶۲] طاعون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا دوہرا نشان تھی کیونکہ حضور نے قبل از وقت پیشگوئی فرمائی تھی۔

اری ارض مد قد اربد تبارھا
و غادرھم ربی کغصن تجذر [۶۳]

یعنی میں دیکھتا ہوں کہ مد کی تباہی کا وقت آگیا ہے اور میرے رب نے ان کو کٹی ہوئی ٹہنی کی طرح کر دیا ہے۔

انعامی کتاب

"اعجاز احمدی" کی تصنیف و اشاعت

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مد کے مباحثہ میں یہ بھی کہا تھا کہ کتاب "اعجاز المسیح" معجزہ نہیں اور میں اس طرح کی کتاب بناؤں گا۔ [۶۴] سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کو خیال آیا کہ اگر "اعجاز المسیح" کی نظیر طلب کرنے پر مولوی ثناء اللہ صاحب اور دوسرے علماء صاحبان یہ حجت پیش کر

دیں کہ یہ کتاب دو برس میں لکھی گئی ہے اور ہمیں بھی دو برس مہلت ملنی چاہیئے تو یہ امر عوام کی نظر میں مشتبہ ہو جائے گا۔ حضورؑ کئی روز تک اسی فکر میں تھے کہ ۷ / نومبر ۱۹۰۲ کی شام کو آپ کے دل میں ڈالا گیا کہ ایک اعجازی رنگ کا عربی قصیدہ مد کے مباحثہ کے متعلق لکھیں کیونکہ بہرحال مباحثہ مد کا زمانہ تو یقینی اور قطعی ہے۔ ۶۵ مگر حضور کو دوسرے روز ۷ / نومبر ۱۹۰۲ء کو بٹالہ میں ایک گواہی کے لئے تشریف لے جانا پڑا اور قادیان سے بٹالہ تک آپ نے رتھ میں ہی بیٹھے ہوئے عربی قصیدہ کے چند اشعار رقم فرمائے۔ پھر ۸ / نومبر ۱۹۰۲ء سے باقاعدہ اسے لکھنا شروع کر دیا بالآخر یہ عربی قصیدہ مع ایک اردو مضمون کے (جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے تھے اور حضورؑ کی کتابوں کا ایک جامع خلاصہ تھا) ۱۲ / نومبر کو پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔ قصیدہ میں حضورؑ نے مناظرہ مد کے واقعات کا بڑے جامع رنگ میں نقشہ کھینچا اور اپنی سچائی کے ثبوت میں بھاری دلائل دیے اور بتایا کہ لوگ بہشت اور اس کے انعام و لذات کے طلب گار ہیں مگر میری خواہش جس پر میری خوشی موقوف ہے فقط یہ ہے کہ کسی طرح صلیب ٹوٹ جائے یہی میرا فردوس اور یہی میری جنت ہے۔ اس قصیدہ میں حضور نے مولوی سرور شاہ صاحب کو شیر قرار دیتے ہوئے فرمایا:۔

فکان ثناء اللہ مقبول قومہ
ومنا تصدی للتخاصم سرور
کان مقام البحث کان کاجمۃ
بہ الذئب یعوی والغضنفر یزءر

یعنی بحث کے لئے مولوی ثناء اللہ صاحب جو اپنی قوم میں مقبول سمجھے جاتے تھے پیش ہوئے اور ہماری طرف سے مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب بطور مناظرہ پیش ہوئے۔ گویا بحث کا مقام ایک ایسے جنگل کی طرح تھا جس میں ایک طرف بھڑیا چیختا تھا اور دوسری طرف شیر دھاڑ رہا تھا۔

اعجاز احمدی کی اشاعت

حضرت اقدسؑ کا یہ مضمون اور قصیدہ "اعجاز احمدی" کے نام سے ۱۵ / نومبر ۱۹۰۲ء کو ساڑھے تین ہزار کی تعداد میں شائع ہوا۔ اگلے ہی روز مولوی محمد سرور شاہ صاحب اور شیخ یعقوب علی صاحب تراب اس کے نسخے لے کر مولوی ثناء اللہ صاحب اور دوسرے مخالفین میں تقسیم کرنے کے لئے امرتسر گئے۔ ۶۶ اس رسالہ میں چونکہ پیر مہر علی شاہ صاحب، مولوی اصغر علی صاحب اور مولوی علی حائری صاحب شیعہ بھی مخاطب تھے اس لئے اسی تاریخ کو انہیں بھی یہ رسالہ بذریعہ رجسٹری روانہ کر دیا گیا۔

سیدنا حضرت مسیح موعود کا دس ہزار روپے کا چیلنج

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی ثناء اللہ صاحب اور ان کے مددگاروں کو "اعجاز احمدی" میں دس ہزار روپے کا انعامی چیلنج دیتے ہوئے اعلان فرمایا تھا کہ "اگر وہ اسی میعاد میں یعنی پانچ دن میں ایسا قصیدہ معہ اسی قدر اردو مضمون کے جواب کے جو وہ بھی ایک نشان ہے بنا کر شائع کر دیں تو میں بلا توقف دس ہزار روپیہ ان کو دے دوں گا چھپوانے کے لئے ایک ہفتہ کی ان کو مہلت دیتا ہوں یہ کل بارہ دن ہیں اور دو دن ڈاک کے بھی ان کا حق ہے۔"

"دیکھو میں آسمان اور زمین کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ آج کی تاریخ سے اس نشان پر حصر رکھتا ہوں۔ اگر میں صادق ہوں اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں صادق ہوں تو کبھی ممکن نہیں ہوگا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اور ان کے تمام مولوی پانچ دن میں ایسا قصیدہ بنا سکیں اور اردو مضمون کا رد لکھ سکیں کیونکہ خدا تعالیٰ ان کی قلموں کو توڑ دے گا اور ان کے دلوں کو غبی کر دے گا۔"

اس انعامی چیلنج کے علاوہ حضورؑ نے دس ہزار روپیہ کا ایک الگ انعامی اشتہار بھی دیا جس میں اصل میعاد سے چھ دن کی مزید توسیع کا یہ اعلان فرمایا کہ "اگر بیس دن میں جو دسمبر ۱۹۰۲ء کی دسویں کے دن کی شام تک ختم ہو جائے گی انہوں نے اس قصیدہ اور اردو مضمون کا جواب چھاپ کر شائع کر دیا تو یوں سمجھو کہ میں نیست و نابود ہو گیا اور میرا سلسلہ باطل ہو گیا۔ اس صورت میں میری تمام جماعت کو چاہیے کہ مجھے چھوڑ دیں اور قطع تعلق کریں۔" [۶۷]

مخالف علماء کے قلم ٹوٹ گئے

خدائی تائید و نصرت سے لکھے ہوئے اعجازی مضمون اور قصیدے کا ارضی علماء بھلا کیا جواب دیتے یا دے سکتے تھے۔ پوری مقررہ میعاد گزر گئی مگر وہ "اعجاز المسیح" اور "الہدیٰ" کی طرح "اعجاز احمدی" کا جواب شائع کرنے میں بھی سراسر ناکام رہے اور جیسا کہ سلطان القلم نے قبل از وقت پیشگوئی فرمائی تھی خدا تعالیٰ نے سچ مچ ان کے دل غبی کر دیئے اور ان کے قلم توڑ دیئے۔ ایک شخص قاضی ظفر الدین احمد صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج نے اس کے جواب میں عربی نظم لکھنا شروع کی مگر ابھی چند شعر لکھے تھے کہ ملک الموت نے ان کو آلیا۔ ان کی وفات کے چار سال بعد ان کا ایک بیٹا فیض اللہ خاں ایک احمدی منشی مہتاب علی صاحب جالندھری سے مباہلہ کر کے ۱۳/ اپریل ۱۹۰۷ء کو ہلاک ہو گیا۔ [۶۸]

میرٹھ کے ایک اخبار "شحنہ ہند" نے اعجاز احمدی کا انعامی اعلان پڑھ کر یہ تعلی کی کہ آئندہ شروع سال ۱۹۰۳ء (یعنی میعاد کے بعد) اس کتاب کا اعجازی جواب شائع کیا جائے گا۔ اور اس غرض کے لئے اس نے مسلمانوں سے تین ہزار روپے چندہ کی بھی اپیل کی [۶۹] مگر یہ اعلان بھی محض ایک اخباری

اعلان ثابت ہوا اور اس کا جواب بن نہ پڑا۔

سفر بٹالہ

حکیم فضل الدین صاحب مہتمم مطبع ضیاء الاسلام نے قادیان کے شمالی جانب نیلام شدہ فصیل کا ایک ٹکڑا خرید کیا تھا اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے نام اس کا بیع نامہ لکھا تھا۔ قادیان کے کسی شخص نے اس زمین کے متعلق دعویٰ دائر کر دیا کہ اس میں کچھ حصہ اس کی ملکیت کا بھی شامل ہے۔ یہ مقدمہ قریباً ڈیڑھ سال سے چل رہا تھا۔ آخر مدعی نے حضرت اقدس کو شہادت کے لئے طلب کرایا۔ چنانچہ ۷ / نومبر ۱۹۰۲ء کو حضرت اقدسؑ نے سفر بٹالہ اختیار فرمایا۔ حضرت اقدسؑ سات بجے صبح بالاخانہ سے تشریف لائے۔ آگے نواب محمد علی خاں صاحب کی رتھ تیار تھی اور احباب جماعت اور طلباء مدرسہ ارد گرد جمع تھے۔ حضور کے چاروں صاحبزادے تو رتھ میں بیٹھ گئے اور حضور اپنے خدام کے ساتھ پاپیادہ قصبہ سے باہر تک تشریف لے گئے اور سب سے مصافحہ کر کے رتھ میں سوار ہوئے۔ اس سفر میں حضرت میر ناصر نواب صاحب، مولوی محمد علی صاحب مولوی شیر علی صاحب ہیڈ ماسٹر، مفتی محمد صادق صاحب، شیخ یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر الحکم، ماسٹر فقیر اللہ صاحب اور ماسٹر محمد نصیب صاحب اور مدرسہ کے چند طلباء حضور کے ہمراہ تھے۔

حضور ۹ بجے کے قریب بٹالہ میں عدالت کے متصل ایک باغ میں پہنچے۔ کچہری کے عملہ کے علاوہ دوسرے زائرین کا ایک ہجوم ہو گیا۔ حضرت اقدسؑ حلقہ احباب میں فرش پر تشریف فرما ہوئے۔ کھانا دستر خوان پر چنا گیا۔ کھانے کے دوران میں ہی حضور سے بعض خدام نے ملاقات کی اور حضور اپنے قیمتی اور پر معارف کلام سے نوازتے رہے۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو اور لوگ بھی حضور کی خدمت میں ملاقات کے لئے آئے۔ بٹالہ آنے کا تذکرہ ہوا تو فرمایا۔ ہمارا یہاں آنا تو کوئی اور ہی حکمت رکھتا ہے۔ ہر جگہ جو انسان قدم رکھتا ہے اس میں خدا کی حکمت ہوتی ہے۔ زمین پر کچھ نہیں ہوتا جب تک آسمان پر تحریک مقدر نہ ہو۔

اسی اثناء میں شیخ علی احمد صاحب پلیڈر گورداسپور آ گئے۔ انہوں نے حضور سے اپنے مقاصد کے لئے درخواست دعا کی۔ ایک مولوی صاحب نے بھی جو عیسائیوں سے مباحثات کے بڑے مشتاق تھے حضور سے نیاز حاصل کیا۔ حضرت اقدسؑ نے انہیں فرمایا کہ اب آپ لوگوں کے وہ پرانے ہتھیار کام نہیں دیتے وہ کند ہو گئے ہیں اور خاطر خواہ کام نہیں دیتے بلکہ ان سے الٹا اسلام کو نقصان پہنچتا ہے۔ ۲۹ لاکھ کے قریب مسلمان مرتد ہو چکے ہیں۔ ان کا وہی حال ہے جس طرح کوئی کہے کہ فلاں شخص مرا تو

نہیں مگر ہاں نبض بھی نہیں۔ سانس بھی نہیں لیتا۔ پیٹ بھی پھول گیا ہے۔ حرکت بھی نہیں کرتا۔ غرض ساری علامات مردوں کی ہیں مگر مرا نہیں۔ یہی ان لوگوں کا حال ہے کہ مسیح کو خدا نہیں کہتے مگر ساری خدائی کی صفات کو اس میں جمع کر دیتے ہیں۔ مولوی صاحب آخر سن سن کر چپکے سے اٹھ کر چل دیئے۔

چونکہ عدالت کی پیشی میں دیر تھی۔ اس لئے نماز ظہر و عصر قصر کر کے جمع کی گئی۔ نماز میں کوئی دو سو کے قریب آدمی شریک ہوئے خلقت کا ایک اژدھام ہو گیا۔ اس موقعہ پر اٹھوال' سیکھواں' دھرم کوٹ اور امرتسر کی جماعت کے دوست بھی بکثرت آئے ہوئے تھے۔ بہت سے دوستوں نے اس وقت مجمع میں دوبارہ بیعت کی۔

آخر دو بجے کے بعد آپ بطور گواہ پیش ہوئے۔ خلقت کا ہجوم اس قدر تھا کہ برآمدوں اور کمرہ عدالت میں جگہ نہ تھی۔ عدالت میں بمشکل کمرہ خالی کرایا اور بند کمرے میں آپؑ کی شہادت ہوئی۔ منشی نصیرالدین صاحب منصف عدالت نے نہایت احترام سے حضرت اقدسؑ کے لئے کرسی بچھائی اور آپ کو اس وقت تک کرسی پر بیٹھے رہنے کے لئے کہا جب تک کہ وہ عدالت کے کمرہ کو خالی نہ کرا چکے۔ کمرہ میں گواہی کے وقت آپ کے خدام میں سے شیخ یعقوب علی صاحب تراب' مفتی محمد صادق صاحب' مولوی محمد علی صاحب اور شیخ عبدالرحمٰن صاحب نو مسلم موجود تھے۔ شہادت ختم ہوئی تو حضورؑ باہر تشریف لائے اور ایک جم غفیر کے حلقہ میں فرودگاہ پر پہنچے۔ پھر بٹالہ سے روانہ ہوئے اور کوئی ساڑھے چھ بجے شام کے قریب قادیان پہنچ گئے۔ [۷۰]

مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کا مباحثہ اور حضرت مسیح موعودؑ حکم ربانی کا ریویو

فرقہ اہل حدیث' حدیث کے بارے میں یہ غالیانہ عقیدہ رکھے ہوئے تھا کہ حدیث قرآن پر مقدم ہے۔ [۷۱] اس افراط کی راہ کا رد عمل بیسویں صدی عیسوی کے آغاز ہی میں خود اہل حدیث کے اندر یہ پیدا ہوا کہ ان میں سے ایک طبقہ نے سرے سے حجت حدیث ہی سے انکار کر دیا اور اپنا نام اہل قرآن رکھ لیا۔ اس گروہ کے بانی مولوی غلام نبی صاحب عرف مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی تھے۔ [۷۲] مولوی عبداللہ صاحب نے اپنے خیالات کی ترویج و اشاعت کے لئے سب سے قبل "البیان الصریح لاثبات کراہۃ التراویح" تالیف کیا۔ پھر تفسیر القرآن کی ایک جلد شائع کی جس میں سلف

صالحین کے خلاف بہت سے مسائل اختراع کئے اور لکھا کہ قرآن میں سب احکام شرعیہ مفصل و مشرح موجود ہیں لہٰذا احادیث کی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ کا منصب صرف اتنا ہے کہ وہ پیغام رساں ہیں انہیں تبلیغ قرآن کے علاوہ حدیث سے کوئی تشریح یا تفصیل بیان کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ ان عقائد کی شہرت ہوئی تو کئی ایک اہل حدیث بھی اس سے متاثر ہوئے۔ یہ دیکھ کر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی سے ایک تحریری مباحثہ کیا۔ [47] جس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ۲۷/ نومبر ۱۹۰۲ء کو ایک محاکمہ لکھا۔

حضرت اقدسؑ کا محاکمہ

اس محاکمہ میں حضورؑ نے تحریر فرمایا۔

"مسلمانوں کے ہاتھ میں اسلامی ہدایتوں پر قائم ہونے کے لئے تین چیزیں ہیں (۱) قرآن شریف جو کتاب اللہ ہے جس سے بڑھ کر ہمارے ہاتھ میں کوئی کلام قطعی اور یقینی نہیں وہ خدا کا کلام ہے وہ شک اور ظن کی آلائشوں سے پاک ہے (۲) دوسری سنت اور اس جگہ ہم اہل حدیث کی اصطلاحات سے الگ ہو کر بات کرتے ہیں۔ یعنی ہم حدیث اور سنت کو ایک چیز قرار نہیں دیتے جیساکہ رسمی محدثین کا طریق ہے بلکہ حدیث ایک الگ چیز ہے اور سنت الگ چیز۔ سنت سے مراد ہماری صرف آنحضرت ﷺ کی فعلی روش ہے جو اپنے اندر تواتر رکھتی ہے اور ابتداء سے قرآن شریف کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی اور ہمیشہ ساتھ ہی رہے گی یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف خدا تعالیٰ کا قول ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل۔

..(۳) تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے۔ اور حدیث سے مراد ہماری وہ آثار ہیں کہ جو قصوں کے رنگ میں آنحضرت ﷺ سے قریباً ڈیڑھ سو برس بعد مختلف راویوں کے ذریعوں سے جمع کئے گئے۔ پس سنت اور حدیث میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ سنت ایک عملی طریق ہے جو اپنے ساتھ تواتر رکھتا ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے جاری کیا اور وہ یقینی مراتب میں قرآن شریف سے دوسرے درجہ پر ہے اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کی اشاعت کے لئے مامور تھے ایسا ہی سنت کی اقامت کے لئے بھی مامور تھے.... اس لئے یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ان حدیثوں کا دنیا میں اگر وجود بھی نہ ہوتا جو مدت دراز کے بعد جمع کی گئیں تو اسلام کی اصلی تعلیم کا کچھ بھی حرج نہ تھا کیونکہ قرآن اور سلسلہ تعامل نے ان ضرورتوں کو پورا کر دیا تھا تاہم حدیثوں نے اس نور کو زیادہ کیا گویا اسلام نور علیٰ نور ہو گیا اور حدیثیں قرآن اور سنت کے لئے گواہ کی طرح کھڑی کی گئیں اور اسلام میں بہت سے فرقے جو بعد میں پیدا ہو گئے ان میں سے سچے فرقے کو احادیث صحیحہ سے بہت

فائدہ پہنچا۔ پس مذہب اسلم یہی ہے کہ نہ تو اس زمانے کے اہل حدیث کی طرح حدیثوں کی نسبت یہ اعتقاد رکھا جائے کہ قرآن پر وہ مقدم ہیں اور نیز اگر ان کے قصے صریح قرآن کے بیانات سے مخالف پڑیں تو ایسا نہ کریں کہ حدیثوں کے قصوں کو قرآن پر ترجیح دی جاوے اور قرآن کو چھوڑ دیا جاوے اور نہ حدیثوں کو مولوی عبداللہ چکڑالوی کے عقیدہ کی طرح محض لغو اور باطل ٹھہرایا جاوے بلکہ چاہئے کہ قرآن اور سنت کو حدیثوں پر قاضی سمجھا جائے۔ اور جو حدیث قرآن اور سنت کے مخالف نہ ہو۔ اس کو بسرو چشم قبول کیا جاوے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ مبارک وہ جو اس کے پابند ہوتے ہیں۔ نہایت بد قسمت اور نادان وہ شخص ہے جو بغیر لحاظ اس قاعدہ کے حدیثوں کا انکار کرتا ہے۔ ۷۴ ۷۵

حواشی

۱۔ کشتی نوح صفحہ ۱‘۲
۲۔ کشتی نوح صفحہ ۲‘۳
۳۔ حیات احمد جلد پنجم صفحہ ۱۳۹‘۱۴۰
۴۔ مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۴ صفحہ ۱۱۶
۵۔ الحکم ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۲
۶۔ تقریروں کا مجموعہ نمبر ۲۷
۷۔ تجلیات الٰہیہ صفحہ ۵
۸۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۲۲
۹۔ البدر جلد نمبر ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۲ کالم ۳
۱۰۔ الحکم ۳۰ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۵ کالم ۱‘۲
۱۱۔ البدر ۸‘۱۶ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۴ کالم ۲
۱۲۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۳ (طبع اول) و الحکم ۲۴/ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۴
۱۳۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۲۷ تا ۳۲۹
۱۴۔ موج کوثر صفحہ ۱۸۷۔۱۹۳ مولفہ شیخ محمد اکرام صاحب ناشر ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور۔ طبع پانزدہم ۱۹۸۸ء یاد ایام صفحہ ۱۰۲ تا ۱۰۸ از محمد عبد الرزاق صاحب کانپوری شائع کردہ عبد الحق اکیڈمی حیدر آباد دکن دسمبر ۱۹۴۶ء
۱۵۔ مفصل خط کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۱۰/ دسمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۵ و الحکم ۲۴/ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۵ کالم ۱۔ ریویو آف ریلیجنز اردو ۱۹۰۲ء صفحہ ۳۱۱۔۳۳۸
۱۶۔ الحکم ۱۷/ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۵ کالم ۳
۱۷۔ تحفۃ الندوۃ
۱۸۔ تحفۃ الندوہ طبع دوم صفحہ ۷۔۸
۱۹۔ الحکم ۱۷/ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۵ و الحکم ۲۳/ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۵ کالم نمبر ۲۔ شیخ یعقوب علی صاحب تراب اخبار نویس کی حیثیت سے شامل وفد کئے گئے تھے چنانچہ انہوں نے بعد میں جلسہ ندوہ کی کارروائی پر مبسوط تبصرہ بھی شائع کیا (ملاحظہ ہو الحکم ۳۱/ اکتوبر ۱۹۰۲ء تا ۲۴/ دسمبر ۱۹۰۲ء)
۲۰۔ الحکم ۳۱/ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۳
۲۱۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحبؓ کا منظوم عربی رسالہ
۲۲۔ البدر ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱ کالم ۲
۲۳۔ القادیان صفحہ ۱۰
۲۴۔ ذکر حبیب صفحہ ۱۲۷
۲۵۔ ولادت ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء۔ سن زیارت و بیعت ۱۹۰۰ء۔ قادیان کی ہجرت کا سال قریباً ۱۸۹۹ء۔ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کے برادر نسبتی تھے۔ آپ ہی نے منشی محمد افضل صاحب آف افریقہ سے مل کر اخبار البدر جاری کیا۔ البدر کا ڈکلریشن آپ کے نام تھا اور ادارت کے سوا باقی تمام فرائض آپ کے ذمہ ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ڈائری بھی آپ لکھتے تھے۔ ابتداً لنگر خانہ کے مہتمم بھی رہے۔ ۱۴/ جنوری ۱۹۵۵ء کو انتقال فرمایا اور ربوہ میں صحابہ کے قطعہ خاص میں دفن ہوئے (حالات کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۲۸ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۷۔۸۔ الفضل ۴/ اکتوبر ۱۹۵۵ء۔ روایات صحابہ (غیر مطبوعہ)

جلد ہشتم صفحہ ۱۴۹ - ۱۶۷

۲۶- البدر ۶/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۱

۲۷- نمونے کا پرچہ ۲۰ دسمبر ۱۹۵۱ء کو شائع ہوا تھا۔ اولین پرنٹر و پبلشر حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی تھے اور مطبع راما آرٹ پریس امرتسر

۲۸- ذکر حبیب صفحہ ۱۹۳

۲۹- اشتہار ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء مندرجہ ذیل اشعار میں اسی بشارت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:۔

خدایا تیرے فضلوں کو کروں یاد بشارت تو نے دی اور پھر یہ اولاد

کہا ہرگز نہیں ہوں گے یہ برباد بڑھیں گے جیسے باغوں میں ہوں شمشاد

۳۰- اربعین نمبر ۲ صفحہ ۳۴

۳۱- بحوالہ الفضل ۷، ۲ جولائی ۱۹۴۶ء صفحہ ۳

۳۲- الحکم ۱۷ ستمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۹، ۱۰

۳۳- الحکم ۱۷ مئی ۱۹۰۶ء صفحہ ۲

۳۴- مکتوب مورخہ ۱۰/ مارچ ۱۹۰۱ء (اصل خط خلیفہ صلاح الدین صاحب مرحوم دارالیمن ربوہ کی اولاد کے پاس محفوظ ہے)

۳۵- آپ کا پہلا نام رشیدہ تھا مگر حضرت ام المومنینؓ نے آپ کو محمودہ بیگم کا نام دیا اور اسی نام سے آپ آخر عمر تک موسوم رہیں الفضل ۷/ اگست ۱۹۵۸ء

۳۶- الحکم ۱۷/ ۱۰- اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۸، ۹

۳۷- الحکم ۱۷/ ۱۰- اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۸، ۹

۳۸- جناب مئولف صاحب "مجدد اعظم" نے لکھا ہے کہ نکاح کے ساتھ شادی بھی ہوئی یہ صحیح نہیں۔ شادی اگلے سال ہوئی تھی۔

۳۹- ضمیمہ الحکم ۱۰- اکتوبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳ و البدر ۲۳ اکتوبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۳۱۴

۴۰- اصحاب احمد جلد ۶ صفحہ ۱۳۰

۴۱- الفضل ۴/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۴ کالم نمبر ۳ (حضرت سیدہ محمودہ کی سیرت و شمائل کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۷/ اگست ۱۹۵۸ء صفحہ ۳۔ الفضل ۱۲/ اگست ۱۹۵۸ء صفحہ ۳۔ الفضل ۱۳/ اگست ۱۹۵۸ء صفحہ ۳۔ الفضل ۱۶/ اگست ۱۹۵۸ء صفحہ ۳۔ ۴

۴۲- حضرت سیدہ محمودہ بیگم صاحبہ کو جو ام ناصر کہلائیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سب سے بڑی اور سب سے پہلی بہو تھیں پچپن چھپن سال تک حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی رفاقت اختیار کرنے کی سعادت ملی اور ۳۱/ جولائی ۱۹۵۸ء کو انہوں نے مری میں انتقال فرمایا اور ربوہ میں دفن ہوئیں۔ حضرت سیدہ نہایت درجہ خدا رسیدہ غریب پرور اور ہمدرد خلائق خاتون تھیں۔ نیکیوں اور قربانیوں میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سے جو خرچ ملتا تھا اس کا اکثر حصہ چندے میں دے دیتی تھیں اور اولین موصیوں میں سے تھیں۔ آپ کی قربانی اور ایثار کی بہترین اور روشن یادگار اخبار "الفضل" کا اجراء ہے جس کے لئے آپ نے اپنے دو زیور اپنے مقدس خاوند کو پیش کردیئے اور اس سرمایہ سے اخبار جاری ہوا۔

۴۳- الفضل یکم جون ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ (تاریخ ولادت یکم اگست ۱۹۰۱ء۔ تاریخ وفات ۱۰ دسمبر ۱۹۲۴ء)

۴۴- الفضل ۱۰/ فروری ۱۹۲۱ء صفحہ ۱

۴۵- الفضل ۱۸ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۔ تاریخ وفات ۱۳ مئی ۱۹۳۳ء

۴۶- الفضل ۹، ۵ فروری ۱۹۲۶ء صفحہ ۱

۴۷- الفضل ۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱

۴۸- الفضل ۲۶ جولائی ۱۹۴۴ء صفحہ ۱

۴۹۔ میاں احمد بخش صاحب نائب تحصیلدار مردان متوطن مد تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر کے تین بیٹے تھے۔ میاں محمد یوسف صاحب۔ میاں محمد یعقوب صاحب۔ میاں محمد احسن صاحب۔ سب سے پہلے میاں محمد احسن صاحب احمدیت کے نور سے منور ہوئے۔ میاں محمد یعقوب نے ان کے بعد بیعت کی (بدر ۷۔۱۵/ اپریل ۱۹۰۹ء صفحہ ۱)

میاں محمد یوسف صاحب ۱۹۰۱ء میں داخل سلسلہ ہوئے اور ۶/ مئی ۱۹۶۱ء کو مردان میں وفات پائی آپ کے ذریعہ کئی افراد نے حق قبول کیا۔ خود آپ کو احمدیت میں لانے کا موجب بابو شاہ دین صاحب اسٹیشن ماسٹر (ساکن ساہووال تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ (متوفی ۱۶/ مئی ۱۹۰۸ء) تھے۔ آپ ایک لمبے عرصہ تک امیر جماعت احمدیہ مردان رہے۔ میاں محمد یعقوب صاحب کی وفات حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ہوئی (یہ حالات قاضی محمد یوسف صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ پشاور ڈویژن کی ایک تحریر سے ماخوذ ہیں)

۵۰۔ دیکھیں حاشیہ نمبر ۴۹

۵۱۔ الحکم ۳۰ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۶

۵۲۔ اعجاز احمدی صفحہ ۱

۵۳۔ اصحاب احمد جلد پنجم صفحہ ۷۸

۵۴۔ اعجاز احمدی صفحہ ۳۹، ۴۱

۵۵۔ اعجاز احمدی و اصحاب احمد جلد پنجم صفحہ ۷۹

۵۶۔ اعجاز احمدی صفحہ ۳۶

۵۷۔ اصحاب احمد جلد پنجم ۸۱

۵۸۔ اعجاز احمدی صفحہ ۵۵

۵۹۔ البدر ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۹ کالم ۲

۶۰۔ اعجاز احمدی۔ الحکم ۱۰/ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۵۔ البدر ۱۴/ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۹۔ ۲۰۔ اصحاب احمد جلد ۵ صفحہ ۷۶۔ ۱۰۰

۶۱۔ اصحاب احمد جلد ۵ صفحہ ۸۲

۶۲۔ الحکم ۷ امئی ۱۹۰۲ء کالم نمبر ۲۔ بدر ۳/ مارچ ۱۹۱۰ صفحہ ۱

۶۳۔ اعجازی احمدی صفحہ ۴۵ مطبوعہ ۱۵/ نومبر ۱۹۰۲ء

۶۴۔ اعجازی احمدی صفحہ ۴۳

۶۵۔ اعجاز احمدی صفحہ ۳۵، ۳۶ و صفحہ ۸۹

۶۶۔ الحکم ۱۷/ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۷ کالم نمبر ۳

۶۷۔ اعجاز احمدی صفحہ ۳۶۔ ۳۷ و صفحہ ۹۰

۶۸۔ تتمہ حقیقتہ الوحی صفحہ ۱۶۵۔ ۱۶۶

۶۹۔ البدر ۱۲/ دسمبر ۱۹۰۲ء

۷۰۔ الحکم ۱۰/ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۴۔ ۱۶۔ البدر ۱۴/ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۳۔ البدر ۲۱/ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۶۔ ۲۷

۷۱۔ رسالہ "اشاعۃ السنہ" جلد ۱۳ نمبر ۱۰ صفحہ ۲۹۶ حاشیہ

۷۲۔ مولوی عبداللہ صاحب کے ان خیالات کی اشاعت کے لئے ۱۹۲۴ء میں خواجہ احمد دین صاحب امرتسری نے "امت مسلمہ" نامی رسالہ جاری کیا۔ ۱۹۲۸ء میں اس کی ترقی یافتہ شکل کا آغاز رسالہ "طلوع اسلام" سے ہوا جس کے ذریعہ سے حافظ محب الحق صاحب بہاری کے شاگرد حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری اور مسٹر غلام احمد صاحب پرویز نے انکار حدیث کی تحریک کو فروغ دینے کے لئے ایک نیا انداز فکر اختیار کیا۔ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کے نظریات سے اس انداز کو بڑی تقویت ملی۔ حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری بھی ابتداً اہل حدیث تھے مگر عمر کے آخر میں حدیثوں کو محض تاریخ دین کی حیثیت دینے لگے تھے۔

۷۳۔ مباحثہ کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو "اشاعت السنۃ" جلد ۱۹ نمبر ۵ صفحہ ۱۴۱۔ ۲۳۱

۷۴۔ الحکم ۳۰/نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۶ تا ۹

۷۵۔ حضرت اقدس کا قرآن سنت اور حدیث کے متعلق یہ نظریہ بھی ایسا ہے جو بالآخر دوسرے مسلمان علماء کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کہتے ہیں۔ "ملت اسلامی کی عمارت دراصل اسی ترتیب پر قائم ہوئی تھی کہ پہلے قرآن اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت"۔ نیز لکھا۔ "عام لوگوں میں غلط فہمی پیدا ہونے کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ حدیث اور سنت کے فرق سے ناواقفیت ہے۔ سنت اس طریقے کو کہتے ہیں جسے حضور نے خود اختیار فرمایا اور امت میں اسے جاری کیا۔ اس کے برعکس حدیث سے مراد وہ روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے کیا کیا اور کس چیز کو کرنے کا حکم دیا۔ اس لحاظ سے حضورؐ کی پوری زندگی کا طور طریقہ سنت ہے" (ملاحظہ ہو "تنقیحات" صفحہ ۱۱۹ طبع پنجم (مکتبہ جماعت اسلامی دارالاسلام پٹھانکوٹ۔ اخبار "تسنیم" (لاہور) ۱۷/ مئی ۱۹۵۵ صفحہ ۱ کالم ۲۔۳

ڈوئی اور پگٹ کو دعوت مقابلہ

امریکہ اور یورپ کیلئے عظیم الشان نشان

اور

اسلام کی فتح عظیم

امریکہ کے لئے نشان

ڈاکٹر جان الیگزینڈر ڈوئی کو دعوت مباہلہ

ڈوئی کے ابتدائی حالات اور دعویٰ پیغمبری سکاٹ لینڈ کا ایک شخص جان الیگزینڈر ڈوئی (۱۸۴۷ء - ۱۹۰۷ء) تھا جو بچپن میں اپنے والدین کے ساتھ آسٹریلیا چلا گیا جہاں ۱۸۷۲ء کے قریب وہ ایک کامیاب مقرر اور پادری کی حیثیت سے پبلک کے سامنے آیا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے یہ اعلان کیا کہ یسوع مسیح کے کفارہ پر ایمان لانے سے بیماروں کو شفا دینے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ طاقت اس زمانہ میں اسے بھی عطا کی گئی ہے۔ ۱۸۸۸ء میں وہ امریکہ کی نئی دنیا میں اپنے خیالات پھیلانے کے لئے سان فرانسسکو آگیا۔ سان فرانسسکو کے قرب و جوار اور دوسری مغربی ریاستوں میں کامیاب جلسے کرنے کے بعد اس نے ۱۸۹۳ء میں شکاگو میں اپنی خاص سرگرمیاں شروع کر دیں ایک مکان کرایہ پر لیا جس کا نام "زائن روم" رکھا۔ ایک اور بلڈنگ میں "زائن پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ ہاؤس" کھولا۔ اور ایک اخبار "لیوز آف ہیلنگ" کے نام سے جاری کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں امریکہ کے طول و عرض میں اسے بڑی شہرت حاصل ہوئی اور اس کے ماننے والوں میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ ڈوئی نے یہ کامیابی دیکھ کر ۲۲/ فروری ۱۸۹۶ء کو ایک نئے فرقہ کی بنیاد رکھی اور اس کا نام "کرسچن کیتھولک چرچ" رکھا۔ ۱۸۹۹ء یا ۱۹۰۰ء میں اس نے پیغمبری کا دعویٰ کیا اور اس فرقہ کو "کرسچن کیتھولک اپاسٹلک چرچ" کا نام دے دیا۔ [۱]

اپنی ترقی کی رفتار تیز کرنے کے لئے اس نے ایک صیحون نامی شہر کی بنیاد رکھی اور ظاہر کیا کہ مسیح اسی شہر میں نازل ہو گا۔ اس طریق سے اس کے مریدوں کی تعداد بھی بڑھ گئی اور مالی آمد میں یہاں تک اضافہ ہوا کہ سال کے شروع میں اسے دس لاکھ ڈالر یعنی تیس لاکھ سے بھی زیادہ روپیہ اپنے مریدوں سے نئے سال کے تحفہ کے طور پر ملنے لگا اور وہ ملک میں شہزادوں کی طرح زندگی بسر کرنے لگا۔ انہی ترقیات کو دیکھ کر اس نے اپنے اخبار "لیوز آف ہیلنگ" میں لکھا۔ "اگر یہ ترقی اس طرح جاری رہی

تو ہم بیس سال کے عرصے میں ساری دنیا کو فتح کر لیں گے۔"

ڈوئی کی اسلام دشمنی

ڈوئی شروع ہی سے اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کا سخت دشمن تھا۔ وہ آنحضرت ﷺ کو (معاذ اللہ) کاذب اور مفتری خیال کرتا تھا اور اپنی خباثت سے گندی گالیاں اور فحش کلمات سے حضورؐ کو یاد کرتا تھا۔ اس کے اندرونی بغض اور بدباطنی کا اندازہ لگانے کے لئے فقط یہ امر ہی کافی ہے کہ اس نے اپنے اخبار "لیوز آف ہیلنگ" ۲۵/ اگست ۱۹۰۰ء میں صاف اور کھلے لفظوں میں یہ پیش گوئی کہ "میں امریکہ اور یورپ کی عیسائی اقوام کو خبردار کرتا ہوں کہ اسلام مردہ نہیں ہے اسلام طاقت سے بھرا ہوا ہے اگرچہ اسلام کو ضرور نابود ہونا چاہئے محمڈن ازم کو ضرور تباہ ہونا چاہئے مگر اسلام کی بربادی نہ تو مضمحل لاطینی عیسویت کے ذریعہ ہو سکے گی نہ ہی بے طاقت یونانی عیسویت کے ذریعہ سے۔"

حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے ڈوئی کو مباہلہ کا چیلنج

جب ڈوئی اپنی شوخیوں اور بے باکیوں میں یہاں تک پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں آنحضرت ﷺ کی غیرت کا ایک زبردست جوش پیدا کیا۔ چنانچہ حضورؑ نے ستمبر ۱۹۰۲ء کو ایک مفصل اشتہار لکھا جس میں حضورؑ نے تثلیث پرستی پر تنقید کرنے اور اپنے دعویٰ مسیحیت کا تذکرہ کرنے کے بعد تحریر فرمایا۔

"حال میں ملک امریکہ میں یسوع مسیح کا ایک رسول پیدا ہوا ہے جس کا نام ڈوئی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ یسوع مسیح نے بحیثیت خدائی دنیا میں اس کو بھیجا ہے تا سب کو اس بات کی طرف کھینچے کہ بجز مسیح کے اور کوئی خدا نہیں... اور بار بار اپنے اخبار میں لکھتا ہے کہ اس کے خدا یسوع مسیح نے اس کو خبر دی ہے کہ تمام مسلمان تباہ اور ہلاک ہو جائیں گے اور دنیا میں کوئی زندہ نہیں رہے گا بجز ان لوگوں کے جو مریمؑ کے بیٹے کو خدا سمجھ لیں اور ڈوئی کو اس مصنوعی خدا کا رسول قرار دیں۔"

"سو ہم ڈوئی صاحب کی خدمت میں باادب عرض کرتے ہیں کہ اس مقدمہ میں کروڑوں مسلمانوں کے مارنے کی کیا حاجت ہے ایک سہل طریق ہے جس سے اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ آیا ڈوئی کا خدا سچا ہے یا ہمارا خدا۔ وہ بات یہ ہے کہ وہ ڈوئی صاحب تمام مسلمانوں کو بار بار موت کی پیش گوئی نہ سنا دیں بلکہ ان میں سے صرف مجھے اپنے ذہن کے آگے رکھ کر یہ دعا کر دیں کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مر جائے کیوں کہ ڈوئی یسوع مسیح کو خدا مانتا ہے مگر میں اس کو ایک بندہ عاجز مگر نبی مانتا ہوں۔ اب فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ دونوں میں سے سچا کون ہے۔ چاہیئے کہ اس دعا کو چھاپ دے اور کم سے کم ہزار آدمی کی اس پر گواہی لکھے۔ اور جب وہ اخبار شائع ہو کر میرے پاس پہنچے گی تب میں بھی بجواب

اس کے یہی دعا کروں گا اور انشاء اللہ ہزار آدمی کی گواہی لکھ دوں گا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ڈوئی کے اس مقابلہ سے تمام عیسائیوں کے لئے حق کی شناخت کے لئے راہ نکل آئے گی۔ میں نے ایسی دعا کے لئے سبقت نہیں کی بلکہ ڈوئی نے کی۔ اس سبقت کو دیکھ کر غیور خدا نے میرے اندر یہ جوش پیدا کیا۔ اور یاد رہے کہ میں اس ملک میں معمولی انسان نہیں ہوں میں وہی مسیح موعود ہوں جس کا ڈوئی انتظار کر رہا ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ ڈوئی کہتا ہے کہ مسیح موعود پچیس برس کے اندر اندر پیدا ہو جائے گا اور میں بشارت دیتا ہوں کہ وہ مسیح پیدا ہو گیا اور وہ میں ہی ہوں۔ صدہا نشان زمین سے اور آسمان سے میرے لئے ظاہر ہو چکے۔ ایک لاکھ کے قریب میرے ساتھ جماعت ہے جو زور سے ترقی کر رہی ہے۔"

"اگر ڈوئی اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور در حقیقت یسوع مسیح خدا ہے تو یہ فیصلہ ایک ہی آدمی کے مرنے سے ہو جائے گا۔ کیا حاجت ہے کہ تمام ملکوں کے مسلمانوں کو ہلاک کیا جائے لیکن اگر اس نے نوٹس کا جواب نہ دیا یا اپنے لاف و گزاف کے مطابق دعا کر دی۔ اور پھر دنیا سے قبل میری وفات کے اٹھایا گیا تو یہ تمام امریکہ کے لئے ایک نشان ہو گا۔ مگر یہ شرط ہے کہ کسی کی موت انسانی ہاتھوں سے نہ ہو بلکہ کسی بیماری سے یا بجلی سے یا سانپ کے کاٹنے سے یا کسی درندہ کے پھاڑنے سے ہو اور ہم اس جواب کے لئے ڈوئی کو تین ماہ تک مہلت دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا سچوں کے ساتھ ہو۔ آمین" [۴]

حضرت اقدسؑ نے یہ اشتہار براہ راست ڈوئی کو بھجوا دیا لیکن ڈوئی نے اس طریق فیصلہ کی طرف بھی ذرا توجہ نہ کی بلکہ حضور کو براہ راست اس کا جواب تک نہ دیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسلام کے خلاف پہلے سے زیادہ بدزبانی شروع کر دی۔ چنانچہ اپنے ستمبر ۱۹۰۲ء کے پرچہ میں لکھا کہ۔

"میرا کام یہ ہے کہ میں مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب سے لوگوں کو جمع کروں اور مسیحیوں کو اس شہر اور دوسرے شہروں میں آباد کروں یہاں تک کہ وہ دن آجائے کہ مذہب محمدی دنیا سے مٹا دیا جائے۔" [۵]

اخبارات میں چیلنج کی وسیع اشاعت

حضرت اقدسؑ نے ڈوئی کی اولاً بے التفاتی اور ثانیاً یہ شوخی دیکھی تو کئی ماہ کے انتظار کے بعد اپنا مضمون مباہلہ امریکہ کے ان مشہور روزناموں کو بھیج دیا جو بڑی کثرت سے دنیا میں شائع ہوتے تھے۔ ان اخبارات کے ایڈیٹر گو عیسائی اور اسلام کے مخالف تھے مگر انہوں نے نہایت شد و مد سے حضورؑ کے مضمون کی اتنی کثرت سے اشاعت کی کہ امریکہ اور یورپ میں اس کی دھوم مچ گئی۔ [۶] ان میں سے

بعض اخبارات نے حضرت اقدسؑ کا فوٹو شائع کیا۔ بعض نے قبر مسیح کی تصویر بھی چھاپی۔ [8] اخبار "ارگونات سان فرانسکو" نے حضرت اقدسؑ کے پیش فرمودہ طریق فیصلہ کو معقول اور منصفانہ تجویز قرار دیا۔ [9] اخبار "برلنگٹن فری پریس" نے لکھا۔

"مسیح موعود نے بڑی ہوشیاری سے ایک ایسا ہتھیار تجویز کر دیا ہے کہ اگر ڈوئی اس تجویز کو نہ مانے تو دوسرے الفاظ میں اس کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ اپنے معاملہ کو اس بڑے مقتدر حاکم کے ہاتھ میں نہیں دینا چاہتا جس کی طرف سے وہ ہونے کا مدعی ہے۔"

شکاگو کے ایک اخبار نے یہ تبصرہ کیا کہ "ڈوئی نے چیلنج کو منظور نہیں کیا اور نہ اب تک انکار ہی کیا ہے۔ غالباً پہاڑ کی خوش گوار ہوا میں وہ جواب تجویز کر رہا ہے۔ ممکن ہے کہ بحیثیت فریق ثانی وہ شرائط میں کچھ تبدیلی چاہے۔ اس صورت میں اس کی درخواست یہ ہوگی کہ بجائے دعا کے گالیوں میں مقابلہ کیا جاوے اور جو دوسرے کو زیادہ گالیاں دے سکے وہی فتح یاب سمجھا جائے۔" [10]

ڈوئی کی خاموشی

حضورؑ کے اشتہار کو ایک سال گزر گیا اور امریکہ کے اخباروں نے اس کی بکثرت اشاعت کر کے ڈوئی کو شرم دلائی مگر ڈوئی نے اب بھی ایک لفظ تک منہ سے نہ نکالا اور نہ اس چیلنج کو قبول کیا نہ انکار۔ البتہ اس نے مفتی محمد صادق صاحب فنانشل سیکرٹری انجمن اشاعت اسلام کے نام ایک پرائیویٹ خط میں لکھا "خواہ کوئی شخص مجھے الیاس مانے یا نہ مانے میرے سلسلہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ میری نبوت کو ماننا میرے سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے ضروری نہیں۔" [11]

بعض امریکی اخباروں نے لکھا کہ ڈاکٹر ڈوئی کے مریدوں سے جب اس خاموشی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ڈوئی کے پاس اتنا وقت نہیں کہ کسی پنجابی سے مقابلہ کرے۔ [12]

حضرت مسیح موعودؑ کا دوسرا اشتہار اور ڈوئی کے عبرت ناک انجام کی پیشگوئی

حضورؑ نے جب دیکھا کہ ڈوئی ایک سال کا عرصہ گزر جانے پر بھی نہ کھلے طور پر میدان مقابلہ میں آتا ہے نہ اپنی بد زبانی سے باز آتا ہے تو حضورؑ نے ۲۳/ اگست ۱۹۰۳ء کو ایک اور انگریزی اشتہار جو چھ صفحے کا تھا لاہور سے شائع فرمایا۔ [13] اس اشتہار میں مترجم کا نوٹ بھی درج تھا اور نیچے حضورؑ کے دستخط تھے۔ [14] اور اشتہار کا عنوان تھا۔ "پگٹ اور ڈوئی کے متعلق پیش گوئیاں۔" [15] حضورؑ نے اس اشتہار میں صاف صاف تحریر فرمایا کہ۔

"مسٹر ڈوئی اگر میری درخواست مباہلہ قبول کرے گا اور صراحتاً یا اشارۃً میرے مقابلہ پر کھڑا ہو گا تو میرے دیکھتے دیکھتے بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ اس دنیائے فانی کو چھوڑ دے گا۔"

"اب تک ڈوئی نے میری اس درخواست مباہلہ کا کچھ جواب نہیں دیا اور نہ اپنے اخبار میں کچھ اشارہ کیا ہے اس لئے میں آج کی تاریخ سے جو ۲۳/ اگست ۱۹۰۳ء ہے اس کو پورے سات ماہ کی اور مہلت دیتا ہوں اگر وہ اس مہلت میں میرے مقابلہ پر آگیا اور جس طور سے مقابلہ کرنے کی میں نے تجویز کی ہے جس کو میں شائع کرچکا ہوں اس تجویز کو پورے طور پر منظور کرکے اپنے اخبار میں عام اشتہار دے دیا تو جلد تر دنیا دیکھ لے گی کہ اس مقابلہ کا انجام کیا ہوگا۔ میں عمر میں ستر برس کے قریب ہوں اور وہ جیسا کہ بیان کرتا ہے پچاس برس کا جوان ہے جو میری نسبت گویا ایک بچہ ہے۔ لیکن میں نے اپنی بڑی عمر کی کچھ پروا نہیں کی کیونکہ اس مباہلہ کا فیصلہ عمروں کی حکومت سے نہیں ہوگا بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا مالک اور احکم الحاکمین ہے وہ اس کا فیصلہ کرے گا۔ اور اگر مسٹر ڈوئی اس مقابلہ سے بھاگ گیا تو دیکھو آج میں تمام امریکہ اور یورپ کے باشندوں کو اس بات پر گواہ کرتا ہوں کہ یہ طریق اس کا بھی شکست کی صورت سمجھی جائے گی اور نیز اس صورت میں پبلک کو یقین کرنا چاہئے کہ یہ تمام دعویٰ اس کا الیاس بننے کا محض زبان کا مکر اور فریب تھا۔ اور اگرچہ وہ اس طرح موت سے بھاگنا چاہے گا لیکن در حقیقت ایسے بھاری مقابلہ سے گریز کرنا بھی ایک موت ہے۔ پس یقین سمجھو کہ اس کے صیحون پر جلد تر ایک آفت آنے والی ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں سے ضرور ایک صورت اس کو پکڑے گی۔" [۱۶]

اخبارات میں چرچا

حضورؑ کے اس اشتہار کا بھی امریکہ کے اخباروں میں عام چرچا ہوا مثلاً اخبار "گلاسگو ہیرلڈ" نے ۲۷/ اکتوبر ۱۹۰۳ء کی اشاعت میں لکھا "مرزا غلام احمد صاحب اپنی پیش گوئی مورخہ ۲۳/ اگست ۱۹۰۳ء میں ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اپنی دعوت مقابلہ کے جواب کا سات ماہ آئندہ تک انتظار کریں گے۔ اگر اس عرصہ میں ڈاکٹر ڈوئی نے اس مقابلہ کو منظور کرلیا اور اس کی شرائط کو پورا کیا تو تمام دنیا اس مقابلہ کا انجام دیکھ لے گی۔ میری عمر ستر سال کے قریب ہے حالانکہ ڈاکٹر ڈوئی صرف پچپن سال کی عمر کا ہے لیکن چونکہ اس امر کا انفصال عمر پر نہیں ہے اس واسطے میں ان عمر کے سالوں کی تفاوت کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ مرزا غلام احمد صاحب کہتے ہیں کہ اگر اب بھی ڈوئی مقابلہ سے انکار کرے گا تو امریکہ کے پیغمبر کے دعاوی جھوٹ اور افترا ثابت ہو جائیں گے۔

[۱۸،۱۷]

ڈوئی کا اشارتاً میدان مقابلہ میں آنا

حضرت اقدسؑ کے اس اشتہار کے جواب میں ڈوئی اشاروں اشاروں سے میدان مقابلہ میں آگیا۔ اور وہ اس طرح کہ اس نے ۲۶/ دسمبر ۱۹۰۳ء کو اپنے اخبار میں لکھا کہ "لوگ مجھے بعض اوقات کہتے ہیں

کہ کیوں تم فلاں فلاں بات کا جواب نہیں دیتے۔ جواب! کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں ان کیڑوں مکوڑوں کو جواب دوں گا۔ اگر میں اپنا پاؤں ان پر رکھوں تو ایک دم ان کو کچل سکتا ہوں۔ مگر میں ان کو موقع دیتا ہوں کہ میرے سامنے سے دور چلے جائیں اور کچھ دن اور زندہ رہ لیں۔" [۱۹] ۱۲/ دسمبر ۱۹۰۳ کو لکھا "اگر میں خدا کی زمین پر خدا کا پیغمبر نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں۔" [۲۰] اس کے معابعد اس نے ۲۷/ دسمبر ۱۹۰۳ء کے اخبار میں نہایت بد زبانی سے حضورؑ کے لئے "بیوقوف محمدی مسیح" کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے لکھا۔

"ہندوستان میں ایک بے وقوف شخص ہے جو محمدی مسیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ مجھے بار بار کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کشمیر میں مدفون ہیں جہاں ان کا مقبرہ دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہتا ہے کہ اس نے خود وہ (مقبرہ) دیکھا ہے مگر بے چارہ دیوانہ اور جاہل شخص پھر بھی یہ بہتان لگاتا ہے کہ حضرت مسیح ہندوستان میں فوت ہوئے۔ واقعہ یہ ہے کہ خداوند مسیح بیت عنیاہ کے مقام پر آسمان پر اٹھایا گیا جہاں وہ اپنے سماوی جسم میں موجود ہے۔" [۲۱]

پھر ۲۳/ جنوری ۱۹۰۴ء کو مسلمانوں کی تباہی کی پیش گوئی دوہراتے ہوئے لکھا۔ "سینکڑوں ملین مسلمان جو اس وقت ایک جھوٹے نبی کے قبضہ میں ہیں انہیں یا تو خدائی آواز سنی پڑے گی یا وہ تباہ ہو جائیں گے۔" [۲۲]

ڈوئی کی اخلاقی موت

یوں کھلم کھلا مقابلہ میں آنے کے بعد ڈوئی کا کیسا عبرت ناک انجام ہوا اب اس کی تفصیل سنئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیش گوئی کے مطابق ڈوئی کے خدائی قہر کی زد میں آنے کی اولین صورت خود اس کے ہاتھوں یہ پیدا ہوئی کہ اس کی پیدائش ناجائز نکلی اور وہ ولد الحرام ثابت ہوا۔ یہ حقیقت اخبار "نیویارک ورلڈ" کے ذریعہ سے منکشف ہوئی جس نے ڈوئی کے سات خطوط شائع کئے جو اس نے اپنے باپ "جان مرے ڈوئی" کو اپنی ناجائز ولدیت کے بارہ میں لکھے تھے۔ جب ملک میں اس امر کا چرچا عام ہونے لگا تو خود "ڈاکٹر جان الیگزنڈر ڈوئی" نے ۲۵/ ستمبر ۱۹۰۴ء کو اعلان کیا کہ وہ چونکہ ڈوئی کا بیٹا نہیں اس لئے "ڈوئی" کا لفظ اس کے نام کے ساتھ ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔ [۲۳]

فالج کا حملہ

اس اخلاقی موت کے ایک سال کے بعد یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء کو اس پر فالج کا شدید حملہ ہوا۔ ابھی اس کے اثرات چل رہے تھے کہ ۱۹/ دسمبر ۱۹۰۵ء کو اس پر دوبارہ فالج گرا اور وہ اس سخت بیماری سے لاچار ہو کر میں سے ایک جزیرہ کی طرف چلا گیا۔

مریدوں کی کھلم کھلا بغاوت

جوں ہی ڈوئی نے صیحوں سے باہر قدم رکھا اس کے مریدوں کو تحقیقات سے معلوم ہوا کہ وہ ایک نہایت ناپاک اور سیاہ کار انسان ہے۔ وہ مریدوں کو شراب بلکہ تمباکو نوشی سے بھی روکتا تھا مگر خود گھر جا کر مزے سے شراب پیا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے پرائیویٹ کمرہ سے شراب برآمد ہوئی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے تعلقات بعض کنواری لڑکیوں سے تھے۔ قریباً پچاسی لاکھ روپے کی اس کی خیانت بھی ثابت ہوئی کیوں کہ یہ روپیہ صیحوں کے حساب میں سے کم تھا۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک لاکھ سے زیادہ روپیہ اس نے صرف بطور تحائف صیحوں کی خوبصورت عورتوں کو دے دیا تھا۔ ان الزامات سے ڈوئی اپنی بریت ثابت نہ کر سکا۔ اب نتیجہ یہ ہوا کہ اپریل ۱۹۰۶ء کو اس کی کیبنٹ کے نمائندوں کی طرف سے ڈوئی کو تار دیا گیا کہ ہم تمہاری بجائے والوا کی قیادت کو تسلیم کرتے ہیں اور تمہاری منافقت' جھوٹ' غلط بیانیوں' فضول خرچیوں' مبالغہ آمیزیوں اور ظلم واستبداد کے خلاف زبردست احتجاج کرتے ہیں۔ اس تار میں اسے متنبہ کیا گیا کہ اگر اس نے نئے انتظام میں کوئی مداخلت کی تو اس کے تمام اندرونی رازوں کا پردہ چاک کر دیا جائے گا اور اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

موت

اس نے یہ کوشش کی کہ عدالتوں کے ذریعہ صیحوں پر اور روپے پر قبضہ حاصل کرلے مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی۔ وہ صیحوں کے شہر میں جہاں ہزاروں آدمی اس کے ادنیٰ اشارے پر چلتے تھے واپس آیا تو ایک بھی آدمی اس کے استقبال کے لئے موجود نہ تھا۔ اس نے چاہا کہ اپنے مریدوں کے سامنے اپیل کر کے ان کو پھر اپنا مطیع کرلے مگر چاروں طرف سے اس کے لئے مایوسی ہی مایوسی تھی۔ جسمانی طور پر اس کی حالت ایسی خراب ہو گئی کہ وہ خود اٹھ کر ایک قدم بھی نہ چل سکتا تھا بلکہ اس کے حبشی ملازم اسے ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جاتے تھے۔ اسی حالت میں وہ دیوانہ ہو گیا اور بالآخر ۹/ مارچ ۱۹۰۷ء کی صبح کو بڑے دکھ اور حسرت کے ساتھ دنیا سے کوچ کر گیا [۲۴] اور خدا کے مقدس مسیح موعودؑ کے یہ الفاظ "کہ وہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس دنیائے فانی کو چھوڑ دے گا" عبرت ناک رنگ میں پورے ہو گئے۔ [۲۵]

امریکہ اور یورپ کے پریس کا تبصرہ ڈوئی کی ہلاکت پر

ڈوئی کی ہلاکت کا نشان دنیا کی تاریخ میں ایک غیر معمولی نوعیت کا نشان تھا جس نے مغرب کی مادیت پرست دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور امریکہ اور یورپ کے بعض اخبارات کو تسلیم کرنا پڑا کہ محمدی مسیح کی پیش گوئی ایسی شان سے پوری ہوئی ہے جس پر وہ جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔

۱۔ چنانچہ "شکاگو ٹریبون" (۱۰۔ مارچ ۱۹۰۷ء) نے لکھا۔

"ڈوئی کل صبح ۷ بج کر ۴۰ منٹ پر شیلوہاؤس میں مرگیا۔ اس وقت اس کے خاندان کا کوئی فرد بھی موجود نہ تھا۔"

"ڈوئی کے مرنے کے چند گھنٹے بعد ہی اس کے آراستہ و پیراستہ اقامت گاہ اور اس کے سارے سامان پر سرکاری ریسیور مسٹر جان ہارٹلے نے صیحوں کے قرض خواہوں کے نام پر قبضہ کرلیا۔ جب ڈوئی کی نعش صندوق میں پڑی ہوئی تھی اس وقت سرکاری کسٹوڈین مکان کے احاطہ میں جائداد کی نگرانی کرتا رہا۔

یہ خود مصنوعی پیغمبر کسی اعزاز کے بغیر بالکل کس مپرسی کے عالم میں مرگیا۔ اس وقت اس کے پاس نصف درجن سے بھی کم وفادار پیرو موجود تھے جن میں باتنخواہ ملازمین من جملہ ایک حبشی کے شامل تھے۔ اس کے بستر موت پر کوئی قریبی عزیز نہ آیا۔ اس کی بیوی لڑکا جمیل مشی گن کے دوسری طرف والے مکان بین مکدوہی میں اس عرصہ میں مقیم رہے۔

وہ آدمی جس نے دوسروں کو شفا دینے کا پیشہ اختیار کیا وہ خود کو شفا نہ دے سکا۔ اس کی غیر مطیع سپرٹ کو اس بیماری کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا جو اس کو قریباً دو سال سے دبوچے ہوئے تھی۔ اس کا شفا دینے کا ایمان اس کے فالج' ڈراپسی اور دوسری پیچیدہ امراض کے سامنے بالکل بے طاقت ثابت ہوا۔" (ترجمہ) [۲۶]

۲۔ رسالہ "انڈی پینڈنٹ" (۱۴/ مارچ ۱۹۰۷ء) نے لکھا۔

"ڈوئی اپنی مذہبی اور مالی طاقت میں آنکھوں کو خیرہ کردینے والے کمال تک پہنچا مگر پھر یک لخت نیچے آگرا۔ اس حال میں اس کی بیوی' اس کا لڑکا' اس کا چرچ سب اس کو چھوڑ چکے تھے۔ اس نے اپنے مزعومہ پیغمبری مرتبہ کے لئے رنگا رنگ کا ایسا لباس بنایا ہوا تھا جو یوسف یا ہارون نے کبھی نہ پہنا ہوگا.... شہر صیحوں کے لئے اور اپنی ذاتی شان و شوکت کے لئے اس نے ان اموال کو جو اس کی تحویل میں دے گئے ناجائز طور پر استعمال کیا۔ ایسے آدمی سمجھتے ہیں کہ ان کے لئے ناجائز کام کرنا بھی مناسب ہے کیوں کہ ان کو یہ زعم ہوتا ہے کہ ان کا نظریہ اخلاق دنیا کے مسلمہ نظریات سے بہت بلند ہے۔" [۲۷]

۳۔ امریکن اخبار "ٹروتھ سیکر" (۱۵/ جون ۱۹۰۷ء) نے "مرسلین کی جنگ" کے عنوان سے اداریہ لکھا۔

"ڈوئی (حضرت) محمد (ﷺ) کو مفتریوں کا بادشاہ سمجھتا تھا۔ اس نے نہ صرف یہ پیش گوئی کی

کہ اسلام مسیحوں کے ذریعہ سے تباہ کر دیا جائے گا بلکہ وہ ہر روز یہ دعا بھی کیا کرتا تھا کہ ہلال (اسلامی نشان) جلد از جلد نابود ہو جائے۔ جب اس کی خبر ہندوستانی مسیح کو پہنچی تو اس نے اس ایلیاء ثانی کو للکارا کہ وہ مقابلہ کو نکلے اور دعا کریں کہ "جو ہم میں سے جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں مر جائے۔" قادیانی صاحب نے پیش گوئی کی کہ اگر ڈوئی نے اس چیلنج کو قبول کر لیا تو وہ میری آنکھوں کے سامنے بڑے دکھ اور ذلت کے ساتھ اس دنیا سے کوچ کر جائے گا۔ اور اگر اس نے چیلنج کو قبول نہ کیا تو تب اس کا اختتام صرف کچھ توقف اختیار کر جائے گا۔ موت اس کو پھر بھی جلد پالے گی اور اس کے صیحوں پر بھی تباہی آجائے گی۔ یہ ایک عظیم الشان پیش گوئی تھی کہ صیحوں تباہ ہو جائے اور ڈوئی (حضرت) احمد (علیہ السلام) کی زندگی میں مر جائے۔ "مسیح موعود" کے لئے یہ ایک خطرے کا قدم تھا کہ وہ لمبی زندگی کے امتحان میں اس "ایلیا ثانی" کو بلائیں۔ کیونکہ چیلنج کرنے والا ہر دو میں سے کم و بیش پندرہ سال زیادہ عمر رسیدہ تھا۔ ایک ایسے ملک میں جو پلیگ اور مذہبی دیوانوں کا گھر ہو۔ حالات اس کے مخالف تھے مگر آخر کار وہ جیت گیا۔"

۴۔ "بوسٹن ہیرلڈ" نے اپنے سنڈے ایڈیشن (مورخہ ۲۳/ جون ۱۹۰۷ء) کے ایک پورے صفحے میں اس پیش گوئی کی تفصیلات درج کیں اور ساتھ ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پورے قد کا بڑا فوٹو بھی شائع کیا اور مندرجہ ذیل دوہرے عنوان کے ساتھ اپنے مضمون کو شروع کیا۔ "مرزا غلام احمد المسیح ایک عظیم الشان انسان ہے۔" "آپ نے پہلے ڈوئی کی حسرت ناک موت کی پیش گوئی کی اور اب طاعون طوفان اور زلازل کی خبر دیتے ہیں۔" "۲۳/ اگست ۱۹۰۳ء کو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے الیگزینڈر ڈوئی موسوم بہ ایلیا سوم کی موت کی پیش گوئی کی جو اس مارچ میں پوری ہو گئی۔" نیز لکھا۔

"یہ ہندوستانی صاحب مشرقی دنیا میں کئی برس سے مشہور ہیں۔ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ آپ ہی مسیح صادق ہیں جو آخری زمانہ میں آنے والا تھا۔ اور یہ کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو اپنی تائید سے ... ہے۔ امریکہ میں آپ کا تعارف ۱۹۰۳ء میں ہوا جب کہ آپ نے ڈوئی سے مقابلہ کیا.... آپ نے نہ صرف ڈوئی کی موت کی پیش گوئی کی تھی بلکہ یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ آپ کی زندگی میں مرے گا اور بڑی حسرت اور درد اور دکھ کے ساتھ مرے گا۔" "اس وقت ڈوئی ۵۹ سال کا تھا اور یہ نبی ۷۵ سال کا۔"

"ڈوئی ایسی حالت میں مر گیا کہ اس کے دوست اس کو چھوڑ چکے تھے اور اس کی جائداد تباہ ہو

چکی تھی۔ اس کو فالج اور دیوانگی کا حملہ ہوا اور وہ ایسی حالت میں ایک دردناک موت مرا کہ اس کا میحون اندرونی تفرقات سے پارہ پارہ ہو چکا تھا۔" [۲۸]

اس عظیم الشان نشان کی منادی

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کی ڈوئی کی ہلاکت کی اطلاع ملتے ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۷/ اپریل ۱۹۰۷ء کو "فتح عظیم" کے عنوان سے ایک مفصل اشتہار شائع فرمایا جس میں آپ نے ڈوئی سے مباہلہ کے بعد کے حالات اور اس کی موت کا مفصل ذکر کرتے ہوئے لکھا۔

"یہ شخص میرے مضمون مباہلہ کے بعد جو یورپ اور امریکہ اور اس ملک میں شائع ہو چکا تھا بلکہ تمام دنیا میں شائع ہو گیا تھا شوخی میں روز بروز بڑھتا گیا اور اس طرف مجھے یہ انتظار تھی کہ جو کچھ میں نے اپنی نسبت خدا تعالیٰ سے فیصلہ چاہا ہے ضرور خدا تعالیٰ سچا فیصلہ کرے گا اور خدا تعالیٰ کا فیصلہ کاذب اور صادق میں فرق کر کے دکھلا دے گا۔ اور میں ہمیشہ اس بارہ میں خدا تعالیٰ سے دعا کرتا تھا اور کاذب کی موت چاہتا تھا۔ چنانچہ کئی دفعہ خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی کہ تو غالب ہو گا اور دشمن ہلاک کیا جائے گا۔ اور پھر ڈوئی کے مرنے سے قریباً پندرہ دن پہلے خدا تعالیٰ نے اپنی کلام کے ذریعہ سے مجھے میری فتح کی اطلاع بخشی جس کو میں اس رسالہ میں جس کا نام ہے "قادیان کے آریہ اور ہم۔" اس کے ٹائٹل پیج کے پہلے ورق کے دوسرے صفحہ میں ڈوئی کی موت سے قریباً دو ہفتہ پہلے شائع کر چکا ہوں۔ اور وہ یہ ہے۔

تازہ نشان کی پیش گوئی

خدا فرماتا ہے کہ میں ایک تازہ نشان ظاہر کروں گا جس میں فتح عظیم ہوگی۔ یہ تمام دنیا کے لئے ایک نشان ہوگا (یعنی ظہور اس کا صرف ہندوستان تک محدود نہیں ہوگا) اور خدا کے ہاتھوں سے اور آسمان سے ہوگا۔ چاہیئے کہ ہر ایک آنکھ اس کی منتظر رہے کیوں کہ خدا اس کو عنقریب ظاہر کرے گا تا وہ یہ گواہی دے کہ یہ عاجز جس کو تمام قومیں گالیاں دے رہی ہیں اس کی طرف سے ہے۔ مبارک وہ جو اس سے فائدہ اٹھاوے۔

المشتہر میرزا غلام احمد مسیح موعود

مشتہرہ ۲۰/ فروری ۱۹۰۷ء

اب ظاہر ہے کہ ایسا نشان (جو فتح عظیم کا موجب ہے) جو تمام دنیا ایشیا اور امریکہ اور یورپ اور

ہندوستان کے لئے ایک کھلا کھلا نشان ہو سکتا ہے وہ یہی ڈوئی کے مرنے کا نشان ہے کیوں کہ اور نشان جو میری پیش گوئیوں سے ظاہر ہوئے ہیں وہ تو پنجاب اور ہندوستان تک ہی محدود تھے اور امریکہ اور یورپ کے کسی شخص کو ان کے ظہور کی خبر نہ تھی۔ لیکن یہ نشان پنجاب سے بصورت پیش گوئی ظاہر ہو کر امریکہ میں جا کر ایسے شخص کے حق میں پورا ہوا جس کو امریکہ اور یورپ کا فرد فرد جانتا تھا.... اب ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا معجزہ ہو گا۔ چونکہ میرا اصل کام کسر صلیب ہے سو اس کے مرنے سے ایک بڑا حصہ صلیب کا ٹوٹ گیا کیوں کہ وہ تمام دنیا سے اول درجہ حامی صلیب تھا جو پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میری دعا سے تمام مسلمان ہلاک ہو جائیں گے اور اسلام نابود ہو جائے گا اور خانہ کعبہ ویران ہو جائے گا۔ سو خدا تعالیٰ نے میرے ہاتھ پر اس کو ہلاک کیا۔ میں جانتا ہوں کہ اس کی موت سے پیش گوئی قتل خنزیر والی بڑی صفائی سے پوری ہو گئی۔ کیوں کہ ایسے شخص سے زیادہ خطرناک کون ہو سکتا ہے کہ جس نے جھوٹے طور پر پیغمبری کا دعویٰ کیا اور خنزیر کی طرح جھوٹ کی نجاست کھائی۔ اور جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے اس کے ساتھ ایک لاکھ کے قریب ایسے لوگ ہو گئے تھے جو بڑے مالدار تھے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کا وجود اس کے مقابل میں کچھ چیز نہ تھا نہ اس کی طرح شہرت ان کی تھی۔ نہ اس کی طرح کروڑہا روپیہ کے وہ مالک تھے۔ پس میں قسم کھا سکتا ہوں کہ یہ وہی خنزیر تھا جس کے قتل کی آنحضرت ﷺ نے خبر دی تھی کہ مسیح موعود کے ہاتھ پر مارا جائے گا۔ اگر میں اس مباہلہ کے لئے نہ بلاتا اور اگر میں اس پر بددعا نہ کرتا۔ اور اس کی ہلاکت کی پیش گوئی نہ کرتا تو اس کا مرنا اسلام کی حقیقت کے لئے کوئی دلیل نہ ٹھہرتا۔ لیکن چونکہ میں نے صدہا اخباروں میں پہلے شائع کرا دیا تھا کہ وہ میری زندگی میں ہی ہلاک ہو جائے گا۔ میں مسیح موعود ہوں اور ڈوئی کذاب ہے۔ اور بار بار لکھا کہ اس پر یہ دلیل ہے کہ وہ میری زندگی میں ذلت اور حسرت کے ساتھ ہلاک ہو جائے گا چنانچہ وہ میری زندگی میں ہی ہلاک ہو گیا۔ اس سے زیادہ کھلا کھلا معجزہ جو نبی اکرم ﷺ کی پیش گوئی کو سچا کرتا ہے اور کیا ہو گا۔ اب وہی اس سے انکار کرے گا جو سچائی کا دشمن ہو گا۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

المشتہر

میرزا غلام احمد مسیح موعود از مقام قادیان

ضلع گورداسپور پنجاب ۱۷/ اپریل ۱۹۰۷ء ۲۵

حواشی

۱۔ "انسائیکلوپیڈیا آف برٹینکا" زیر لفظ "ڈوئی" "امریکہ کے ڈاکٹر جان الیگزینڈر ڈوئی کا عبرتناک انجام (مؤلفہ چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر ایم۔اے۔ سابق مبلغ امریکہ) شائع کردہ الشرکتہ الاسلامیہ لیمٹڈ ربوہ صفحہ ۱۴۔۲۳

۲۔ بحوالہ "عبرت ناک انجام" ۴۳۔۴۴

۳۔ بحوالہ "عبرت ناک انجام" صفحہ ۷

۴۔ ریویو آف ریلیجنز اردو ستمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۳۴۲۔۳۴۵۔ ریویو آف ریلیجنز (انگریزی) ستمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۳۴۲۔۳۴۵

۵۔ بحوالہ "حقیقتہ الوحی" "تتمہ صفحہ ۷۳

۶۔ بحوالہ "حقیقتہ الوحی" "تتمہ صفحہ ۷۲

۷۔ ان امریکی اخبارات میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ "شکاگو انٹرپریٹر" (۲۸/ جون ۱۹۰۳ء) "ٹیلی گراف" (۵/ جولائی ۱۹۰۳ء) "ارگوناٹ سان فرانسسکو" (یکم دسمبر ۱۹۰۲ء) "لٹریری ڈائجسٹ" نیویارک (۲۰/ جون ۱۹۰۳ء) "نیویارک میل اینڈ میل ایکسپریس" (۲۸/ جون ۱۹۰۳ء) "ہیرلڈ روچسٹر" (۲۵/ جون ۱۹۰۳ء) "ریکارڈ بوسٹن" (۲۷/ جون ۱۹۰۳ء) "ایڈورٹائزر" بوسٹن (۲۵/ جون ۱۹۰۳ء) "پائیلاٹ" بوسٹن (۲۷/ جون ۱۹۰۳ء) "پاتھ فائنڈر" واشنگٹن (۲۷/ جون ۱۹۰۳ء) "انٹراوشن" شکاگو (۲۷/ جون ۱۹۰۳ء) "ووسٹر سپائی" (۲۸/ جون ۱۹۰۳ء) "ڈیموکریٹ کرانیکل" روچسٹر (۲۵/ جون ۱۹۰۳ء) "برلنگٹن فری پریس" (۲۷/ جون ۱۹۰۳ء) "شکاگو انٹراوشن" (۲۸/ جون ۱۹۰۳ء) "البنی پریس" (۲۵/ جون ۱۹۰۳ء) "جیکسنول ٹائمز" (۲۸/ جون ۱۹۰۳ء) "بالٹی مور امریکن" (۲۵/ جون ۱۹۰۳ء) "بفلو ٹائمز" (۲۵/ جون ۱۹۰۳ء) "نیویارک میل" (۲۵/ جون ۱۹۰۳ء) "بوسٹن ریکارڈ" (۲۷/ جون ۱۹۰۳ء) "ڈیزرٹ انگلش نیوز" (۲۷/ جون ۱۹۰۳ء) "ہیلینا ریکارڈ" (یکم جولائی ۱۹۰۳ء) "گروم شائر گزٹ" (۱۷/ جولائی ۱۹۰۳ء) "نوینٹن کرانیکل" (۱۷/ جولائی ۱۹۰۳ء) "ہیوسٹن کرانیکل" (۳/ جولائی ۱۹۰۳ء) "مسونا نیوز" (۲۹/ جون ۱۹۰۳ء) "رچمنڈ نیوز" (یکم جولائی ۱۹۰۳ء)۔

یہ اخبارات صرف وہ تھے جو ان دنوں حضور تک بھی پہنچ گئے اور تتمہ حقیقتہ الوحی صفحہ ۷۰۔۷۲ میں حضور نے ان کا خلاصہ مضمون بھی درج فرمادیا۔

۸۔ "ریویو آف ریلیجنز" اردو۔ ستمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۴۳

۹۔ تتمہ "حقیقتہ الوحی" صفحہ ۷۱

۱۰۔ بحوالہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو ۱۹۰۳ء (ستمبر) صفحہ ۳۴۲۔۳۴۶

۱۱۔ بحوالہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو ۱۹۰۳ء (ستمبر) صفحہ ۳۴۱۔۳۴۷

۱۲۔ بحوالہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو ۱۹۰۳ء (ستمبر) صفحہ ۳۴۷

۱۳۔ حقیقتہ الوحی تتمہ صفحہ ۷۱ (حاشیہ) و ریویو آف ریلیجنز اردو ۱۹۰۳ء صفحہ ۴۷۷

۱۴۔ حقیقتہ الوحی تتمہ صفحہ ۷۱ حاشیہ و ریویو آف ریلیجنز ۱۹۰۳ء صفحہ ۴۷۷

۱۵۔ پگٹ لنڈن کا ایک عیسائی پادری جس نے ڈوئی کی طرح جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا۔ پگٹ کا ذکر ڈوئی کے واقعہ کے معاً بعد آرہا ہے۔

۱۶۔ "ریویو آف ریلیجنز" اردو اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۴۳۔۱۴۴

۱۷۔ بحوالہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو (۱۹۰۳ء) صفحہ ۴۷۷۔۴۷۹

۱۸۔ بعض اور اخبارات جن میں اس اشتہار کا ذکر کیا گیا "نیویارک کمرشل ایڈورٹائزر" (۲۶/ اکتوبر ۱۹۰۴ء) "دی مارننگ ٹیلی گراف" نیویارک (۲۸/ اکتوبر ۱۹۰۳ء)

۱۹۔ بحوالہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۴۵۔۱۴۶

۲۰۔ بحوالہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۴۶

۲۱۔ حقیقۃ الوحی تتمہ صفحہ ۷۳و"عبرت ناک انجام" صفحہ ۴۵

۲۲۔ "عبرت ناک انجام" صفحہ ۱۱

۲۳۔ رسالہ "انڈی پنڈنٹ" (۱۹۔ اپریل ۱۹۰۶ء) بحوالہ "امریکہ کے ڈاکٹر جان الیگزنڈر ڈوئی کا عبرت ناک انجام" صفحہ ۵۳۔ ۵۷ (مؤلفہ چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر ایم۔ اے سابق انچارج مبلغ امریکہ)

۲۴۔ بحوالہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۴۷۔ ۱۴۸"عبرت ناک انجام" صفحہ ۸۴۔ ۸۵

۲۵۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا میں لکھا ہے۔

In April 1906 a revolt against his domination took place in zion city. He was charged with preculation and with practising polygamy and was depsosed, with the assent of his own wife and son. Dowie was now broken in health and unmistakably insane; he was struck with paralysis and died in March 1907. zion city in

ترجمہ: اپریل ۱۹۰۶ء میں ڈوئی کے اقتدار کے خلاف شہر صیحون میں بغاوت ہو گئی اور اس پر غبن اور تعدد ازدواج کا الزام لگایا گیا اور اس کی بیوی اور اس کے لڑکے کی رضامندی سے اسے معزول کر دیا گیا۔ اب ڈوئی کی صحت تباہ ہو چکی تھی اور وہ بدیہی طور پر پاگل ہو چکا تھا۔ اسی حالت میں اس پر فالج کا حملہ ہوا جس کے باعث مارچ ۱۹۰۷ء میں وہ شہر صیحون میں مر گیا۔

۲۶۔ بحوالہ "عبرت ناک انجام" صفحہ ۹۴ تا ۹۶

۲۷۔ بحوالہ "عبرت ناک انجام" صفحہ ۹۴ تا ۹۶

۲۸۔ بحوالہ "عبرت ناک انجام" صفحہ ۹۸۔ ۱۹۴ ایضاً رسالہ "A FATE OF A FALSE PROPHET" مؤلفہ سید حسنات احمد صاحب دہلوی' ناشر امریکن فضل ماسک پبلیکیشنز ۱۹۸۵ء (واشنگٹن) رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی ربوہ اگست ۱۹۸۴ء

۲۹۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۷۳۔ ۸۰ تتمہ۔

یورپ کے لئے نشان

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی پگٹ کے متعلق

امریکہ میں ڈوئی کے دعویٰ نبوت سے ایک عام شور بلند تھا کہ لنڈن سے یہ خبر شائع ہوئی کہ وہاں بھی کلپٹن کے ایک پادری جان ہیوگ سمتھ پگٹ (REV.J.H.SMITH-PIGOTT) نے ۹/ ستمبر ۱۹۰۲ء کو گرجا میں وعظ کرتے ہوئے خدا ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ کئی عیسائی یہ سنتے ہی روتے ہوئے اس کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔ پھر جوں جوں اس کی شہرت پھیلی گئی لوگ دیوانہ وار اس کے مرید ہونے لگے۔ [1]

پگٹ کے دعویٰ کی خبر پڑھ کر مفتی محمد صادق صاحب نے اسے ایک تبلیغی خط لکھا [2] اور مزید حالات دریافت کئے۔ پگٹ کے سیکرٹری نے اس کے جواب میں دو اشتہار اور ایک خط بھیجا جو انہوں نے ۹/ نومبر ۱۹۰۲ء کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں سنائے۔ ایک اشتہار کا عنوان "کشتی نوح" تھا۔ حضورؑ نے اسے سن کر فرمایا۔ "اب ہماری سچی کشتی نوح جھوٹی پر غالب آجائے گی" اور فرمایا کہ "یورپ والے کہا کرتے تھے کہ جھوٹے مسیح آنے والے ہیں سو اول لندن میں ایک جھوٹا مسیح آگیا۔ اس کا قدم اس زمین میں اول ہے بعد ازاں ہمارا ہو گا جو کہ سچا مسیح ہے۔ اور یہ جو حدیثوں میں ہے کہ دجال خدائی اور نبوت کا دعویٰ کرے گا تو موٹے رنگ میں اب اس قوم نے وہ بھی کر دکھایا۔ ڈوئی امریکہ میں نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے اور پگٹ لنڈن میں خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے اور اپنے آپ کو خدا کہتا ہے۔" [3]

پگٹ کے نام اشتہار

یہ شخص بھی ڈوئی کی طرح اسلام کا مخالف تھا اس لئے حضور نے اس کے نام بھی اشتہار لکھا اور مولوی محمد علی صاحب کو بھیجا کہ وہ اس کا ترجمہ کر کے ولایت بھیج دیں۔ اتفاقاً مفتی محمد صادق صاحب بھی اس وقت مولوی صاحب موصوف کے پاس ان کے دفتر میں موجود تھے۔ اس اشتہار کی دو خصوصیتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ حضور عموماً لمبے اشتہار

لکھا کرتے تھے مگر یہ اشتہار صرف چند سطروں کا تھا جو ایک چھوٹے سے صفحہ پر آگیا۔ دوسرے یہ کہ اس کے آخر میں حضورؑ نے اپنا نام اس طرح لکھا تھا۔ "النبی مرزا غلام احمد" ۴

اس اشتہار کا عنوان تھا۔ "ایک الوہیت کے مدعی کو تنبیہ" حضور نے تحریر فرمایا "یہ امر خدا کی غیرت کو بھڑکانے والا ہے کہ ایک شخص انسان ہو کر پھر خدا بنتا ہے اور زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اپنے تئیں قرار دیتا ہے اور اس طرح پر خدا کے مقدس نبیوں کی بے عزتی کا بھی موجب ہوتا ہے۔ اس لئے میرے سچے اور پاک اور کامل خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے کہ میں ایسے شخص کو آنے والی سزا سے متنبہ کروں" ۵

اشتہار کی اشاعت انگلستان میں

انگلستان کے اخباروں نے اس اشتہار پر دلچسپی لی اور اسے بڑی کثرت سے شائع کیا مثلاً اخبار "سنڈے سرکل" (SUNDAY CIRCLE) لنڈن نے ۱۴۔ فروری ۱۹۰۳ء کی اشاعت میں "سب سے آخری مسیح" اور "پادری پگٹ کا ایک ہندوستانی حریف" کے دوہرے عنوان سے لکھا کہ مشرق میں ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں ایک اسی دعویٰ کا مدعی پیدا ہوا ہے جو پگٹ نے کیا تھا۔ اس سب سے آخری مسیح کا نام مرزا غلام احمد ہے اور وہ قادیان میں رہتے ہیں جس کے وہ رئیس ہیں۔ انہوں نے بھی ایک اشتہار یورپ اور امریکہ میں اشاعت کے لئے بھیجا ہے۔" (آگے اشتہار کی عبارت نقل کی ہے)۔ ۶

حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے پگٹ کو دوسری بار انتباہ

اس مخصوص اشتہار کے علاوہ جو پگٹ کو انتباہ کرتے ہوئے شائع کیا گیا تھا جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۳۔ اگست ۱۹۰۳ء کو "پگٹ اور ڈوئی کے متعلق پیش گوئیاں" کے نام سے اشتہار شائع کیا جس میں پگٹ کے بارے میں پیش گوئی فرمائی کہ "یہ دلیر دروغ گو یعنی پگٹ جس نے خدا ہونے کا لنڈن میں دعویٰ کیا ہے وہ میری آنکھوں کے سامنے نیست و نابود ہو جائے گا۔" ۷

پیش گوئی کے مطابق پگٹ کی ناکامی و نامرادی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب پگٹ کو انتباہ کیا تو وہ پورے عروج پر تھا مگر اس کے بعد یکایک غیب سے ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ عیسائیوں کی مخالفت کی تاب نہ لا کر اس نے آئندہ اپنے دعویٰ مسیحیت کا ذکر تک چھوڑ دیا۔ ڈوئی تو ولد الحرام ثابت ہوا تھا اور اس پر حرام کاری کا الزام عائد کیا گیا جو عدالت میں بھی قائم رہا اور پگٹ نے اپنی بقیہ عمر گوشہ نشینی اور انتہائی

کسمپرسی اور گمنامی میں بسر کی اور نامرادی کی حالت میں اس جہاں سے رخصت ہوا۔ اس طرح جھوٹے مسیح کی جھوٹی کشتی خدا کے سچے مسیح کے ہاتھوں ہمیشہ کے لئے ٹوٹ پھوٹ گئی اور اس کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیش گوئی فرمائی تھی پگٹ کیفر کردار کو پہنچا۔ ۸

۱۹۰۲ء کے بعض صحابہ

۱۹۰۲ء کے بعض ممتاز صحابہ یہ ہیں۔

میر قاسم علی صاحب دہلوی ۹ قاضی محمد یوسف صاحب فاروقی پشاور' ۱۰ چوہدری برکت علی صاحب گڑھ شنکر' ۱۱ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب۔ ۱۲

حواشی

۱۔ ذکر حبیب صفحہ ۱۰۶ "English Massiahs" by Ronald Mathews
Publishors, Mathaen and co Ltd London 36 Essen street W.C

۲۔ مفصل خط اخبار "البدر" ۲۱/ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۹ کالم ۲۔ ۳ پر درج ہے۔

۳۔ مفصل خط اخبار "البدر" ۲۱۔ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۹

۴۔ ذکر حبیب از مفتی محمد صادق صاحب صفحہ ۱۰۶۔ ۱۰۷

۵۔ حضرت اقدسؑ کے اشتہار کے یہ الفاظ اخبار "سنڈے سرکل" لنڈن ۱۴۔ فروری ۱۹۰۳ء سے ماخوذ ہیں جو "ریویو آف ریلیجنز" اردو (۱۹۰۳ء) صفحہ ۳۴۹۔ ۳۵۱ پر چھپ چکے ہیں۔

۶۔ "ریویو آف ریلیجنز" ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۴۸۔ ۳۵۱

۷۔ "ریویو آف ریلیجنز" اردو (۱۹۰۷ء) صفحہ ۱۴۴

۸۔ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے بعض انگریز محققین کے بیانات کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک انگریز مورخ رانلڈ میتھیوز (Ronald Mathews) اپنی کتاب "English Messiahs" میں پگٹ کے حالات میں لکھتا ہے کہ جان ہیوگ سمتھ پگٹ ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوا۔ ۱۸۸۲ء میں کلیسیائے انگلستان میں شامل ہو گیا۔ ۱۸۹۲ء میں کلیپٹن میں ہنری جیمز پرنس کے چرچ کا اجراء ہوا۔ یہاں پگٹ ہر اتوار کو فرقہ کے اراکین سے خطاب کیا کرتا تھا اور بتاتا تھا کہ روح القدس کے پیغامبر ہنری جیمز پرنس کی پیش گوئی کے مطابق نجات دہندہ یسوع مسیح کی آمد قریب ہے۔

۱۸۹۹ء میں ہنری جیمز پرنس کا انتقال ہو گیا۔ اب آہستہ آہستہ پگٹ کے خطبات کا انداز بدلنے لگا کہ مسیحا کی آمد ثانی موہوم امید نہیں بلکہ یقینی چیز ہے اور یہاں تک کہہ دیا کہ عین ممکن ہے کہ آنے والے مسیح ان کے درمیان ہی ہوں۔ آخر ۹۔ ستمبر ۱۹۰۲ء بروز اتوار اس نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا "ہنری جیمز پرنس مسیحا کی آمد ثانی کے لئے راستہ تیار کرنے کے لئے آئے تھے اور انہوں نے جو کچھ بتایا تھا وہ درست تھا۔ میں آج رات..... جو آپ کے سامنے کھڑا تقریر کر رہا ہوں... وہی یسوع مسیح ہوں جو فوت ہوا۔ اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلا گیا۔"

اخبارات میں اس کے دعویٰ مسیحائی کی خبر چھپ گئی۔ اس کے جلد بعد اس کی اتنی زیادہ مخالفت ہوئی کہ کوشش کے باوجود وہ دوبارہ اپنے کلیپٹن کے گرجا میں عبادت و خطبات کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکا۔ اور لنڈن چھوڑ کر سپکسٹن (Spexton) چلا گیا اور اپنی زندگی کے آئندہ ۲۵ برس وہیں گوشہ تنہائی میں گزارے اور مارچ ۱۹۲۷ء میں اس کی وفات ہوئی (English Messiahs صفحہ ۱۸۳ تا ۱۹۵)

ایک اور انگریز مسٹری۔ ڈی۔ ٹی بیکر کار (C.D.T.Bakar-Carr) لکھتا ہے کہ ۱۹۰۲ء میں پگٹ نے دعویٰ الوہیت کیا۔ اس کے فرقہ کے اکثر افراد اپنے گھٹنوں کے بل جھک گئے اور سینکڑوں لوگ دور دراز سے صرف اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے آئے۔ وہ اپنے آپ کو خدا کہتا تھا۔ اس نے مسیح کا بھی لقب اختیار کیا اور ایک مرتبہ تو اتوار کے دن تقریباً چھ ہزار آدمی صبح سے شام تک گرجے کے باہر اس کو دیکھنے کے منتظر بیٹھے رہے۔ گھوڑ اسوار پولیس مجمع کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے باوجود چند لوگ گرجے کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ شام کو جب اس کے گھر جانے کا وقت آیا تو انتہائی مشکل کے ساتھ پگٹ کو اپنے گھر کا راستہ ملا۔ پھر بھی بعض افراد نے اس پر اینٹیں اور پتھر پھینکے۔ نامہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اگر پولیس کی حفاظت نہ ہوتی اس کے لئے گھر تک پہنچنا بڑا مشکل ہوتا۔

جب لنڈن میں اس شخص کے متعلق نفرت اور حقارت انتہاء کو پہنچی تو یہ سمرسیٹ کے مقام پر چلا گیا اور وہاں اپنے فرقے کو ترقی دینے کے متعلق تدابیر اختیار کرتا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں ایک خوبصورت لڑکی جس کا نام "پریس" (PREECE) تھا آئی اور پگٹ اور اس کی بیوی کے ساتھ رہنے لگی۔ ۲۳۔ جون ۱۹۰۵ء کو اس لڑکی کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام گلوری رکھا گیا۔

یہیں ۱۹۰۸ء میں اس لڑکی کے ہاں ایک اور لڑکا پیدا ہوا جس کا نام پاور رکھا گیا۔ مقامی پادریوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے ایک عدالت میں پگٹ کے خلاف دعویٰ دائر کیا اور اس پر حرام کاری کا الزام عائد کیا۔ عدالت نے دعویٰ کو درست تسلیم کیا اور پگٹ پر فرد جرم عائد کر دیا گیا۔ پگٹ کے پرائیوٹ گرجا کی پڑتال کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہاں تقریباً ایک سو عورتیں تھیں۔ اور یہ تمام لوگ کئی درجوں میں منقسم تھے۔ ان میں سے بعض ایسے افراد تھے جو چھوٹے کام کرنے پر مقرر تھے اور بعض ایسے افراد تھے جو پگٹ کے منظور نظر تھے۔ پگٹ نے اپنے فرقہ کی شاخ امریکہ اور سکنڈے نیویا میں بھی قائم کر لی تھی۔

ایک نقاد نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انگلستان کی تاریخ میں پگٹ کا گرجا اور اس کا دعویٰ الوہیت اور مسیحیت سب سے بڑا دھوکا تھا جو لوگوں کو دیا گیا۔ اور کئی صدیوں تک اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

پگٹ بوڑھا ہو چکا تھا۔ حتیٰ کہ مارچ ۱۹۲۷ء میں وہ گھڑی آگئی جب اس نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔ گرجے کے چاروں طرف خاردار تاریں لگائی گئیں اور انتہائی خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس کا جنازہ لے جایا گیا۔

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ پگٹ کے فرقہ میں موت کو گناہ کی نشانی سمجھا جاتا تھا اور یہی خیال کیا جاتا تھا کہ اس فرقہ کو ابدی زندگی عطا ہوگی مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

آج اس مختصر ترین فرقہ کی سربراہ اس کی محبوبہ بیوی پرلیس ہے جس کی عمر اسی سال سے تجاوز کر چکی ہے۔ چند مٹھی بھر افراد اس کے ساتھ ہیں اور پگٹ کا مخصوص گرجا ہمیشہ مقفل رہتا ہے۔

(اخبار "دی ایوننگ نیوز" لنڈن کیم فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۷ زیر عنوان "BogusMessiahs")

۹۔ بیعت جولائی ۱۹۰۲ء، وفات ۲۱۔ اپریل ۱۹۴۲ء بعمر ۷۰ سال۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص مرید اور بہادر سپاہی جنہوں نے اپنی پوری زندگی خدمت دین میں صرف کر دی۔ حضرت میر صاحب نے خلافت اولیٰ میں دہلی سے اخبار "الحق" اور رسالہ "احمدی" اور خلافت ثانیہ میں قادیان میں اخبار "فاروق" جاری کیا جس کے ذریعہ سے وہ آخر دم تک مذاہب باطلہ کا مقابلہ کرتے رہے۔ علاوہ ازیں آپ نے بہت سی کتابیں بھی تصنیف کیں جو سلسلہ کے لٹریچر میں قابل قدر اضافہ ہیں۔ بعض مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔ خلافت محمود، دین الحق، النبوۃ فی خیر الامۃ، تحفہ مستریاں، بطالوی کا انجام، انیسویں صدی کا مہرشی، شدھی کی اشدھی۔ سلسلہ تالیف و تصنیف میں ان کا یہ کارنامہ ہمیشہ یادگار رہے گا کہ انہوں نے سال ہا سال کی محنت اور کوشش سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہارات صحیح ترتیب کے ساتھ جمع کر کے دس جلدوں میں شائع کئے اور احمدیت کی ابتدائی تاریخ کا ایک اہم حصہ محفوظ کر لیا۔

آزمودہ کار اہل قلم ہونے کے علاوہ آپ کو خدا تعالیٰ نے مؤثر اور دلچسپ تقریر کرنے کی قابلیت بھی بخشی تھی اور مخالفین بھی آپ کے بیان کی خوبی اور دلائل کی قوت کے قائل ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ (الفضل ۲۳۔ اپریل ۱۹۴۲ء صفحہ ۱)

۱۰۔ ولادت یکم ستمبر ۱۸۸۳ء۔ ۱۵/ جنوری ۱۹۰۲ء کو منشی خادم حسین صاحب بھیروی کی تحریک پر بذریعہ خط بیعت کی۔ ۲۱/ جنوری ۱۹۰۲ء کو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے قلم سے لکھا ہوا آپ کو خط ملا کہ "حضرت اقدس آپ کی بیعت قبول فرماتے ہیں۔ خط لکھتے رہا کریں۔" "الحکم ۲۸/ فروری ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۶ کالم ۳ پر آپ کا نام مبائعین میں درج ہے۔ سالانہ جلسہ دسمبر ۱۹۰۲ء میں پہلی مرتبہ قادیان کی زیارت کی اور حضور کے ہاتھ پر مسجد مبارک میں (دستی) بیعت کی۔ قاضی صاحب نے اردو، فارسی اور پشتو زبان میں... جو تصانیف کی ہیں ان کی تعداد سو سے متجاوز ہے۔ آپ کے ذریعہ سے کئی سعید روحیں داخل احمدیت ہوئیں۔ آپ ایک لمبا عرصہ تک صوبہ سرحد کی امارت کے فرائض نہایت کامیابی سے سرانجام دیتے رہے۔

۱۱۔ ولادت ۸۷۔۱۸۸۶ء۔ ۱۹۰۲ء میں پہلی مرتبہ قادیان آئے اور ۱۹۰۴ء میں مستقل ہجرت کر کے اخبار الحکم کے عملہ میں شامل ہو گئے۔ جولائی ۱۹۰۹ء میں صدر انجمن احمدیہ میں ملازم ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں تحریک چندہ خاص کو کامیاب بنانے میں خاص حصہ لیا۔ ۱۹۳۱ء میں کشمیر ریلیف فنڈ کے فنانشل سکرٹری بنے۔ ۱۹۳۲ء میں صدر انجمن احمدیہ کے آڈیٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید کے مالی شعبہ کے انچارج بنے۔ ۱۹۵۷ء میں تحریک جدید کی تیئس سالہ خدمات کے بعد ایک کامیاب وکامران وکیل المال کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے اور ۷ ماہ شہادت/ ۱۳۳۹ہش، اپریل ۱۹۶۰ء کو انتقال کیا۔

ان کی آخری شاندار خدمت کتاب "تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین" کی تیاری اور اشاعت ہے۔ اس طرح انہوں نے

پچاس سال سے زائد عرصہ اس اخلاص اور جانثاری اور وفاداری اور محنت سے نبھایا جو ہر احمدی کے لئے قابل رشک ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آپ کے متعلق ایک مرتبہ فرمایا "چوہدری برکت علی صاحب ان چند اشخاص میں سے ہیں جو محنت، کوشش اور اخلاص سے کام کرنے والے ہیں اور جن کے سپرد کوئی کام کر کے پھر انہیں یاددہانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔" (اصحاب احمد جلد ہفتم صفحہ ۲۱۹۔۲۵۶ مؤلفہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان)

۱۲۔ غالباً اسی سال ڈاکٹر بشارت احمد صاحب (مؤلف مجدد اعظم) بھی داخل سلسلہ ہوئے۔ آپ ۳/ اکتوبر ۱۸۶۷ء کو بمقام دھرم سالہ پیدا ہوئے۔ فروری ۱۸۹۲ء میں بمقام سیالکوٹ حضور کی پہلی بار زیارت کی۔ ۱۹۱۴ء میں جب سلسلہ احمدیہ میں اختلاف کا آغاز ہوا تو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سرگرم ممبر بن گئے۔ ۲۱/ اپریل ۱۹۴۳ء کو بمبئی میں وفات پائی۔ اور لاہور کے قبرستان میانی صاحب (احاطہ احمدیہ) میں سپرد خاک کئے گئے (پیغام صلح لاہور ۲۳/ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۳) آپ کے قلم سے قبول احمدیت کے حالات اخبار پیغام صلح ۷/ ستمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۱۔ ۱۳ میں شائع شدہ ہیں جن سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاثیرات قدسی اور اعجاز مسیحائی کا پتہ چلتا ہے۔ اپنے حالات کے آخر میں آپ تحریر فرماتے ہیں میں تو حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں جب بیٹھتا تھا اور اس نورانی چہرہ پر میری نظر جمی ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ کے شکر سے میرا قلب لبریز ہو جاتا تھا کہ اللہ اللہ جس شخص کی زیارت کی تمنا بڑے بڑے اولیاء کرتے چلے گئے مجھ گناہ گار کو اس کی زیارت اور بیعت نصیب کی یہ کس قدر جناب الٰہی کا احسان ہے۔"

ماموریت کا بائیسواں سال

"مواہب الرحمٰن" کی تصنیف و اشاعت اور مولوی کرم دین صاحب کے متعلق ایک پیش گوئی

(۱۹۰۳ء)

مصری اخبار "اللواء" کے ایڈیٹر نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام پر اعتراض کیا تھا کہ آپ نے اپنے متبعین کو طاعون کے ٹیکہ کی ممانعت کر کے ترک اسباب کیا ہے جو قرآنی آیت "لا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ" (البقرہ:۱۹۶) یعنی اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو۔ کے منافی اور توکل کے خلاف ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں حضورؑ نے عربی میں ایک کتاب "مواہب الرحمٰن" کے نام سے تصنیف فرمائی جو جنوری ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔ اس لطیف کتاب میں حضورؑ نے اخبار "اللواء" کے ایڈیٹر کے اعتراض کا مسکت اور مدلل جواب دینے کے علاوہ اپنے عقائد درج فرمائے اور ان خارق عادت نشانات پر بھی روشنی ڈالی جو گزشتہ تین برسوں میں آپ کی صداقت کے ثبوت میں ظاہر ہوئے تھے۔ اس ضمن میں آپؑ نے مولوی کرم دین صاحب ساکن بھیں (تحصیل چکوال) کے بارے میں یہ پیش گوئی درج فرمائی کہ۔

"من جملہ میرے نشانوں کے ایک یہ ہے کہ خدائے علیم و حکیم نے ایک لئیم شخص کی نسبت اور اس کے بہتان عظیم کی نسبت مجھے خبر دی اور مجھے اپنی وحی سے اطلاع دی کہ یہ شخص میری عزت پر حملہ کرے گا اور انجام کار میرا نشانہ آپ بن جائے گا۔ اور خدا نے تین خوابوں میں یہ حقیقت میرے پر ظاہر کی اور خواب میں میرے پر ظاہر کیا کہ یہ دشمن تین حمایت کرنے والے اپنی کامیابی کے لئے مقرر کرے گا تاکہ کسی طرح اہانت کرے اور رنج پہنچائے۔ اور مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ گویا میں کسی عدالت میں گرفتاروں کی طرح حاضر کیا گیا ہوں۔ اور مجھے دکھلایا گیا کہ انجام ان حالات کا میری نجات

ہے اگرچہ کچھ مدت کے بعد ہو۔ اور مجھے بشارت دی گئی کہ اس دشمن کذاب مہین پر بلا رد کی جائے گی پس ان تمام خوابوں اور الہامات کو میں نے قبل از وقت شائع کر دیا۔ اور جن اخباروں میں شائع کیا ایک کا نام ان میں سے "الحکم" اور دوسری کا نام "البدر" ہے۔ پھر میں انتظار کرتا رہا کہ کب یہ پیش گوئی کی باتیں ظہور میں آئیں گی۔ پس جب ایک برس گزرا تو یہ مقدر باتیں کرم دین کے ہاتھ سے ظہور میں آگئیں (یعنی اس نے ناحق میرے پر فوجداری مقدمات دائر کئے) پس اس کے مقدمات دائر کرنے سے پیش گوئی کا ایک حصہ تو پورا ہو گیا اور جو باقی حصہ ہے یعنی میرا اس کے مقدمات سے نجات پانا اور آخر اسی کا سزایاب ہونا یہ بھی عنقریب پورا ہو جائے گا۔" [1] (ترجمہ)

مولوی کرم دین صاحب کا پہلا مقدمہ
حضرت مسیح موعودؑ کا سفر جہلم اور بیعت

جیسا کہ "نزول المسیح" کے حالات میں مفصل بیان ہو چکا ہے کہ مولوی کرم دین ساکن بھیں نے حضرت مسیح موعودؑ اور حکیم فضل دین صاحب کے نام خطوط لکھے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کی کتاب "سیف چشتیائی" دراصل مولوی محمد حسن فیضی کا علمی سرقہ ہے۔ مولوی کرم دین صاحب نے اس امر کے ثبوت میں وہ کارڈ بھی حضرت مسیح موعودؑ کو ارسال کیا جو پیر صاحب موصوف نے ان کے نام گولڑہ سے بھیجا تھا اور جس میں پیر صاحب موصوف نے محمد حسن صاحب فیضی کے نوٹوں کو اپنی کتاب میں درج کرنے کا اعتراف کیا تھا۔

حضرت مسیح موعود "نزول المسیح" لکھ رہے تھے کہ حضورؑ کو یہ خطوط پہنچے جو حضورؑ نے کتاب میں درج کر دیئے۔ ایسا ہی ایڈیٹر اخبار الحکم نے بھی ان کی بناء پر ۱۷/ ستمبر ۱۹۰۲ء کو ایک مضمون شائع کیا جس میں ان خطوط کی نقول بھی درج کر دیں۔

مولوی کرم دین صاحب کا انحراف حق

مولوی کرم دین صاحب نے پہلے تو خود ہی اصل واقعہ سے پردہ اٹھایا تھا مگر جب پریس میں اس کی اشاعت ہوئی تو وہ صاف مکر گئے اور اخبار "الحکم" کے مضمون کے جواب میں مولوی کرم دین صاحب نے ایک مضمون اور قصیدہ "سراج الاخبار" جہلم (مورخہ ۶/ اکتوبر ۱۹۰۲ء و ۱۳/ اکتوبر ۱۹۰۲ء) میں شائع کیا کہ یہ سب خطوط جعلی ہیں۔ نیز لکھا کہ مرزا غلام احمد (صاحب) کی اہلیت کی آزمائش کے لئے میں نے اسے دھوکہ دیا اور خلاف واقعہ خطوط لکھے اور لکھائے۔ اور ایک بچے کے ہاتھ سے نوٹ لکھوا

کر ان کو محمد حسن صاحب فیضی کے نوٹ ظاہر کئے۔ پھر اس دھوکے کے ذریعہ چھ روپے بھی حاصل کئے۔ نیز لکھا کہ مرزا صاحب کا تمام کاروبار (معاذ اللہ) محض مکرو فریب ہے اور آپ اپنے دعویٰ میں (معاذ اللہ) کذاب اور مفتری ہیں۔

مولوی کرم دین کے خلاف تین استغاثے

حضرت اقدسؑ کو یہ حق تھا کہ اپنی بریت ثابت کرنے اور ازالہ حیثیت عرفی کے لئے عدالت کی طرف رجوع کرتے لیکن آپ نے اپنے قدیم مسلک کے مطابق انتہائی صبر کیا اور منتظر رہے کہ مولوی کرم دین صاحب از خود اس مضمون کی تردید شائع کریں۔ لیکن ایک ماہ تک انہوں نے کوئی تردید نہ کی جس پر حکیم فضل دین صاحب مالک و مہتمم "ضیاء الاسلام" پریس قادیان نے (جن کے نام مولوی کرم دین صاحب نے ابتدائی خطوط لکھے تھے) ۱۴/ نومبر ۱۹۰۲ء کو گورداسپور کی عدالت میں ان کے خلاف زیر دفعہ ۴۲۰ استغاثہ دائر کیا۔ اس مقدمہ کی شہادت استغاثہ ہو رہی تھی کہ حکیم فضل الدین صاحب کی شہادت کے دوران میں ۲۲/ جون ۱۹۰۳ء کو مولوی کرم دین صاحب نے زیر طبع کتاب "نزول المسیح" کے اوراق پیش کئے اور مستغیث سے تصدیق کروانا چاہی جس پر حکیم فضل دین صاحب نے ۲۹/ جون ۱۹۰۳ء کو زیر دفعہ ۴۱۱ تعزیرات ہند دوسرا استغاثہ دائر کر دیا اور بیان دیا کہ یہ کتاب بحیثیت مہتمم مطبع ضیاء الاسلام قادیان میری ملکیت تھی۔ اور چونکہ ابھی تک باضابطہ شائع نہیں ہوئی اس لئے یہ مال مسروقہ ہے اور ملزم (کرم دین صاحب) مال مسروقہ کو اپنے قبضہ میں رکھنے کا مجرم ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ مولوی کرم دین صاحب نے شیخ یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر الحکم کے خلاف بھی زہر اگلا تھا اس لئے شیخ صاحب موصوف نے بھی مولوی کرم دین صاحب اور مولوی فقیر محمد صاحب ایڈیٹر و مالک "سراج الاخبار" کے خلاف زیر دفعات ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲ ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کر دیا۔ اس طرح مولوی کرم دین صاحب کے خلاف تین استغاثے دائر ہوئے۔

مولوی کرم دین صاحب کی طرف سے استغاثہ

ان استغاثوں کے جواب میں مولوی کرم دین صاحب نے بھی رائے سنسار چند صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر مجسٹریٹ درجہ اول جہلم کی عدالت میں زیر دفعات ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲ حضرت مسیح موعودؑ۔ عبد اللہ صاحب کشمیری اور شیخ یعقوب علی صاحب تراب کے نام ازالہ حیثیت عرفی کا استغاثہ دائر کر دیا۔ بنیاد یہ رکھی کہ میرے بہنوئی مولوی محمد حسن فیضی متوفی کی (جس کا جدی لحاظ سے بھی قرابت کا تعلق ہے) سخت توہین کی گئی ہے۔ اس مقدمہ پر حضورؑ اور دوسرے

رفقاء کے نام وارنٹ جاری ہوئے اور عدالت میں پیشی کی تاریخ ۱۷/ جنوری ۱۹۰۳ء مقرر ہوئی۔

دشمنوں کی خوشی

حضرت اقدسؑ کے خلاف مقدمہ دائر ہونے کی خبر پر مخالف اخبارات نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ چنانچہ لاہور کے اخبار "پنجاب سماچار" نے لکھا کہ "مرزا قادیانی پر نالش ہے۔ ان کا طرز تحریر بھی جہاں تک پڑھا ہے ملک کے لئے کسی طرح مفید نہیں بلکہ بہت دلوں کو دکھانے والا ہے۔ اگر عدالت نالش کو سچا سمجھے تو مناسب ہے کہ سزا عبرت انگیز دیوے تاکہ ملک ایسے شخصوں سے جس قدر پاک رہے ملک اور گورنمنٹ دونوں کے لئے مفید ہے۔" [5]

ان الفاظ سے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ دشمنان حق نے مقدمہ کی خبر پر کتنی خوشیاں منائی ہوں گی لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ خدائے ذوالعرش کی طرف سے اس مقدمہ کے پیچھے تائید و نصرت کے کیسے کیسے سامان کئے جارہے ہیں اور یہ سامان بھی اس انسان کے لئے جو ابتداء ہی سے خلوت نشینی کو شہرت پر ترجیح دیتا رہا ہے۔ چنانچہ حضورؑ نے ۴/ جنوری ۱۹۰۳ء کو سفر جہلم کے سلسلہ میں فرمایا "میری طبیعت ہمیشہ شور اور غوغا سے جو کثرت ہجوم کے باعث ہوتا ہے متنفر ہے... وہی وقت انسان کسی علمی فکر میں صرف کرے تو خوب ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہماری اشاعت کا طریق خوب رکھا ہے کہ ایک جگہ بیٹھے ہیں نہ کوئی واعظ ہے نہ مولوی نہ لیکچرار جو لوگوں کو سناتا پھرے۔ وہ خود ہی ہمارا کام کر رہا ہے۔ بیعت کرنے والے خود آرہے ہیں۔ بڑے امن کا طریق ہے۔" [6]

سفر جہلم

سفر جہلم کی تیاری میں اولین چیز "مواہب الرحمٰن" کی طباعت تھی۔ [7] کیونکہ اللہ تعالیٰ کے جس عظیم الشان نشان کو پورا کرنے کے واسطے حضرت احمد مرسل یزدانی مسیح قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سفر اختیار کرنا تھا اس کی کنجی وہ پیش گوئی تھی جو اس کتاب میں درج تھی کہ اللہ تعالیٰ اس مقدمہ میں کامیاب و کامران فرمائے گا۔ ۱۵/ جنوری ۱۹۰۳ء کو روانگی تھی اور ۱۴/ جنوری ۱۹۰۳ء کی شام کو ابھی کتاب کی گیارہ کاپیاں چھپنا باقی تھیں مگر کارپردازوں کے حسن انتظام اور جاں فشانی نے ہر ایک مشکل کو آسان کر دیا اور دوسرے روز ۱۵/ جنوری کو ظہر کے قریب کتاب "مواہب الرحمٰن" چھپ کر تیار ہو گئی۔

روانگی

حضورؑ پرنور تین بجے کے قریب اپنے خدام سمیت (جن میں حضرت سید عبداللطیف صاحب [8] کابلی بھی شامل تھے) روانہ ہوئے اور نصف میل تک خدام کے ساتھ پاپیادہ چل کر رتھ میں سوار ہو گئے۔ باقی خدام میں سے اکثر یکوں پر بیٹھ گئے اور بعض نے حضورؑ کے رتھ کے ساتھ پاپیادہ چلنے کو پسند کیا۔ یہ قافلہ چھ بجے کے قریب بٹالہ پہنچا اور حضورؑ آٹھ بجے کے قریب ٹرین میں

سوار ہوئے۔

امرتسر میں ورود ٹرین آٹھ بجے کے بعد بٹالہ سے چل کر امرتسر پہنچی تو امرتسر کے احمدی احباب کے علاوہ بعض دیگر احباب نے بھی جو کہ حسن عقیدت رکھتے تھے حضورؑ کا استقبال کیا۔ ایک لیڈی جو جرنیل کی بیوی تھی ولایت سے آرہی تھی ہجوم کو دیکھ کر حیران رہ گئی اور میاں معراج دین صاحب عمرؔ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں اور ہجوم اس قدر کیوں ہے۔ انہوں نے جواب دیا یہ یسوع مسیح ہیں جو اپنی دوسری بعثت میں آئے ہیں۔ اس نے قریب جا کر ہاتھ ملانا چاہا مگر حضرت صاحبؑ نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ اس پر اس نے حضورؑ کا فوٹو لے لیا۔ [۵] گاڑی امرتسر سے روانہ ہو کر گیارہ بجے کے قریب لاہور پہنچی۔

لاہور پہنچنا لاہور اسٹیشن پر بھی بہت زیادہ افراد حضورؑ کے استقبال اور شرف دیدار کے لئے موجود تھے۔

لاہور میں قیام اور بشارت الٰہی لاہور میں حضورؑ دہلی دروازہ کے باہر میاں چراغ دین صاحب رئیس لاہور کے ایک نئے مکان میں مقیم ہوئے۔

یہاں قریباً چالیس آدمی بیعت میں داخل ہوئے جن میں امام و متولی مسجد چینیاں والی بھی شامل تھے۔ اگلے روز نماز فجر کے بعد آپ پاپیادہ اسٹیشن کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں فرمایا کہ رات کو کثرت سے یہ الہام ہوا ہے اریک برکات من کل طرف یعنی میں ہر ایک جانب سے تجھے برکتیں دکھاؤں گا۔

گاڑی کے آنے میں دیر تھی اس لئے پلیٹ فارم پر ہی آپؑ کے لئے ایک کرسی بچھا دی گئی۔ لوگ بکثرت زیارت کے واسطے آنے شروع ہوئے۔ بعض فوجی افسر بھی دہلی کے دربار سے واپس ہوتے ہوئے لاہور ٹھہرے تھے اور اسی ٹرین سے سفر کر رہے تھے حضورؑ کی خدمت میں آئے۔ ان سب کو ایک ایک نسخہ کتاب "مواہب الرحمٰن" کا دیا گیا۔ اسی اثناء میں گاڑی آئی اور حضورؑ سوار ہو گئے۔ جب تک گاڑی کھڑی رہی لوگ پروانوں کی طرح شوق زیارت میں آتے رہے۔

لاہور سے جہلم تک لاہور سے جہلم تک کا نظارہ قابل دید تھا۔ ہر اسٹیشن پر بڑا ہجوم ہوتا تھا اور اردگرد کے مختلف دیہات سے خلقت امڈی چلی آتی تھی۔

مولوی عبدالواحد خاں صاحب سیالکوٹی (حال کراچی) کا بیان ہے کہ "وزیر آباد میں... حضور علیہ السلام کی ٹرین ہمارے سامنے دوسرے پلیٹ فارم پر کھڑی تھی۔ لوگوں کا ہجوم بہت تھا اور ٹرین کے ڈبے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر ہمیں مایوسی ہوئی کہ ہم لوگ شاید اس میں سوار نہ ہو سکیں گے لوگ کثرت سے حضورؑ کی زیارت کے لئے چلے آرہے ہیں۔ پلیٹ فارم پر ٹکٹ ٹکٹ کا شور مچ رہا

ہے۔ اتنے میں .... اسٹیشن ماسٹر صاحب تشریف لائے اور بکنگ کلرک پر ناراض ہوتے ہوئے بولے ٹکٹ بند کرو گیٹ کھول دو۔ لوگوں کو جانے دو۔ ہجوم میں مرزا صاحب کی زیارت کا جوش ہے۔ کھڑکی جلدی بند کرو خطرہ ہے کہ لوگ کھڑکی نہ توڑ دیں۔ گیٹ کے قریب ایک ادھیڑ عمر کی ہندو عورت کو کہتے سنا "بڑی دنیا درشن واسطے آئی ہے۔ پرماتما اوتار ہے۔ نیڑے نہیں جا سکدی دوروں ہی دیکھ لواں گی۔" حضور علیہ السلام کی زیارت کا لوگوں میں اس قدر جوش تھا کہ ہجوم نے ٹرین روک لی اور اسٹیشن ماسٹر نے بھی گاڑی لیٹ کر دی۔" [10]

یہ تو صرف وزیر آباد کی بات ہے ورنہ لاہور سے جہلم تک ہر اسٹیشن پر رجوع خلائق کا ایک نرالا رنگ نظر آتا تھا۔

جہلم میں آمد گاڑی دو بجے کے قریب جہلم پہنچی۔ جناب غلام حیدر خاں صاحب تحصیل دار جہلم نے (جو حفظ امن کے انتظام کے لئے متعین تھے) حضرت اقدسؑ سے ملاقات کی اور نہایت عزت و احترام سے حضرت اقدسؑ کو بحفاظت تمام گاڑی سے اتارا۔ اور شائقین کی تڑپ دیکھ کر حضرت اقدسؑ سے درخواست کی کہ حضورؑ دو ایک منٹ کے لئے گاڑی کے دروازہ میں کھڑے ہو کر اپنے منور چہرہ کی زیارت کرا دیں۔ چنانچہ حضورؑ نے یہ درخواست قبول فرمالی اور زائرین حضورؑ کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ ازاں بعد حضورؑ ایک گاڑی میں مجوزہ فرودگاہ (بنگلہ سردار ہری سنگھ صاحب رئیس جہلم) کو چلے۔ ایک انبوہ کثیر اس وقت حضورؑ کے ساتھ تھا اور جہاں تک نگاہ جاتی تھی ہر طرف آدمی ہی آدمی دکھائی دیتے تھے۔ اس قدر مخلوق تھی کہ اژدھام اور بھیڑ میں حضورؑ کی گاڑی بڑی مشکل سے آہستہ آہستہ چلتی تھی۔ حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی کی خوشیوں کا اس دن کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ آپ اس دن ضعیف العمری کے باوجود کمر کے ساتھ چادر باندھے گاڑی کے آگے یہ کہتے جارہے تھے کہ "پیلی (چیونٹی) کے گھر نارائن (یعنی بروز خدا) آیا ہے۔" [11] تین بجے گاڑی بنگلہ کے سامنے آکر رکی اور حضرت اقدسؑ گاڑی سے اتر کر اندر بنگلے کے بڑے کمرہ میں ایک کرسی پر جلوہ افروز ہوئے۔ باہر بہت سے لوگ زیارت کی غرض سے کھڑے تھے لہٰذا یہاں بھی حضورؑ سے عرض کیا گیا کہ لوگ حضورؑ انور کو دیکھنے کے لئے ترس رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضورؑ کمرہ سے بنگلہ کی چھت پر تشریف لے گئے اور آرام کرسی پر بیٹھ گئے۔ ان دنوں مخالف علماء نے یہ خبر مشہور کر رکھی تھی کہ (معاذ اللہ) مرزا صاحب جذام کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ یہ بات چونکہ جہلم کے علاقہ میں بھی بکثرت پھیلائی گئی تھی اس لئے حضرت مولوی برہان الدین صاحب نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور جوں ہی حضورؑ کرسی پر رونق افروز ہوئے انہوں نے حضرت اقدسؑ کی آستینیں اٹھا کر لوگوں کو بازو اور پاؤں

دکھائے اور کہا کہ دیکھ لو دشمن جھوٹ بولتا تھا کہ اس مقدس انسان کے ہاتھ اور پاؤں پر معاذ اللہ کسی بیماری کے نشان ہیں۔ [۱۱۲] المختصر حضورؑ پانچ منٹ کے بعد نیچے اترے [۱۱۳] اور ظہر و عصر کی نمازیں پڑھانے کے بعد اپنے کمرے میں تشریف لے گئے۔ مغرب و عشاء کی نماز کے بعد (جو مولوی سید محمد احسن نے جمع کرادی تھیں) کئی لوگوں نے بیعت کی۔ رات کو امرتسر' لاہور' گوجرانوالہ' سیالکوٹ' وزیر آباد' گجرات' لالہ موسیٰ' کھاریاں' بھیرہ' کشمیر وغیرہ سے بہت سے دوست پہنچ گئے۔

اگلے روز (۱۷/ جنوری کو) دس بجے کے بعد ایک گاڑی میں بیٹھ کر حضرت اقدسؑ کچہری کو تشریف لے گئے۔ جو ہجوم کثیر خلقت کا گاڑی سے اترتے وقت آپؑ کے ہمراہ تھا اس سے زیادہ اب موجود تھا۔

حضرت اقدسؑ عدالت کے میدان میں

حضرت اقدسؑ کچہری میں پہنچ کر باہر میدان میں ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور خدام اردگرد حلقہ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور کچھ دریوں پر بیٹھ گئے۔ حضورؑ اس وقت حضرت مولوی سید عبداللطیف صاحب سے فارسی میں گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک دوست نے عرض کیا کہ حضورؑ اردو میں تقریر فرمائیں جس پر حضورؑ نے اردو میں تقریر شروع فرمائی کہ مسلمانوں کے تمام فرقے مہدی کے منتظر ہیں۔ مگر مہدی نے تو بہرحال ایک شخص ہی ہونا تھا اور وہ میں ہوں۔ اگر میں شیعوں سے کہوں کہ میں تمہارا مہدی ہوں جو کچھ تمہاری روایات میں درج ہے وہ صحیح ہے۔ اور اس طرح سنیوں اور وہابیوں کو بھی کہوں تاکہ سب مجھ سے راضی ہو جائیں تو یہ ایک منافقت ہے۔ ان کو اتنا معلوم نہیں کہ مہدی کا نام حکم عدل ہے وہ تو سب فرقوں کا صحیح فیصلہ کرے گا جس کی غلطی ہو گی اس کو بتائے گا تب وہ سچا ہو گا۔ بس یہی وجہ ہے کہ سب فرقے ہمارے دشمن ہو گئے ہیں ورنہ ہم نے ان کا اور کیا قصور کیا ہے۔ [۱۱۴]

جس شخص نے ایک ملزمانہ حیثیت میں ابھی کورٹ میں پیش ہونا ہے کیا اس کو دینی نصائح لوگوں کو باہر سنانا سوجھ سکتا ہے؟ مگر یہ خدا کا برگزیدہ اپنی اسی آن بان میں خدا کے پاک کلمات اس الٰہی مکتب کے طالب علموں کو سناتا رہا اور ان کو ترقی کے مراتب بتلاتا رہا۔

کچہری سے واپسی

اسی دوران میں معلوم ہوا کہ مقدمہ دو بجے پیش ہونا ہے اس لئے آپ کچہری سے واپس تشریف لائے۔ ہجوم اسی طرح ساتھ تھا۔ بنگلہ میں آکر حضورؑ نے ظہر و عصر کی نمازیں ادا فرمائیں اور پھر کچہری کی طرف روانہ ہوئے۔

دوبارہ کچہری میں

کچہری کے میدان میں آکر حضرت اقدسؑ کی گاڑی ٹھہری اور کثرت ہجوم کی وجہ سے حضرت اقدسؑ گاڑی میں ہی تشریف فرما رہے۔ آدمی پر آدمی گرا پڑتا تھا۔ پولیس ڈنڈوں سے لوگوں کو پیچھے ہٹاتی تھی مگر وہ شوق و ذوق کے عالم میں آگے ہی آگے بڑھتے جاتے تھے۔

تین بجے کے قریب حضرت اقدسؑ نے عدالت میں قدم رکھا۔ عدالت کا کمرہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا حتیٰ کہ جس پلیٹ فارم پر مجسٹریٹ کی کرسی تھی۔ اس پر بھی لوگ کھڑے تھے۔ حضرت اقدسؑ کرسی پر بیٹھے حضورؑ کے ساتھ ایک بیرسٹر اور چار وکلاء [۱۵] اور مستغیث (کرم دین صاحب) کی طرف سے تین وکلاء دو ہندو اور ایک مسلمان حاضر عدالت تھے۔ حضورؑ کے وکلاء نے سوال اٹھایا کہ قانون کی رو سے کیا مولوی کرم دین صاحب کو اس دعویٰ کے دائر کرنے کا استحقاق ہے؟ اور کیا یہ متوفی کے ان قریبی رشتہ داروں میں سے ہیں جو اس قسم کا استغاثہ دائر کر سکتے ہیں۔ عدالت نے کرم دین صاحب کے بیانات لئے تو معلوم ہوا کہ مولوی کرم دین صاحب دراصل متوفی محمد حسن کے برادر نسبتی ہیں۔ اس پر حضورؑ کے وکلاء نے ثابت کیا کہ مسلمانوں میں بہنوئی کی وفات پر برادر نسبتی کا کوئی حصہ اس کے ترکہ میں سے نہیں رکھا گیا اور نہ رواج ہی نے برادر نسبتی کو کچھ دلایا ہے اس لئے کسی صورت میں یہ قریبی رشتہ داروں میں شمار نہیں ہو سکتے۔ اور ان کے پرداروں کا سگے بھائی ہونا بھی ان کو ایک خاندان ہونا ثابت نہیں کر سکتا۔ اور اس استدلال کی تائید میں بہت سے حوالہ جات قانونی فیصلے بھی دکھلائے۔ اور بحث کے آخر میں کہا کہ مستغیث کے وکلاء کو کوئی ایسی نظیر پیش کرنی چاہئے کہ کسی متوفی کے قریبی رشتہ داروں مثلاً بیوی، بچہ اور باپ کی موجودگی میں برادر نسبتی یا کسی اور دور کے رشتہ دار نے حق کا دعویٰ کیا ہو اور عدالت نے اسے صحیح تسلیم کر لیا ہو۔ مستغیث کے وکلاء نے اس کے جواب میں بہت ہاتھ پیر مارے اور کہا کہ عام زبان زد خلائق ہے کہ۔

ساری خدائی ایک طرف جورو کا بھائی ایک طرف

یہ ترمیم شدہ شعر سن کر حاضرین میں ایک فرمائشی قہقہہ پڑا۔ عدالتی کارروائی پانچ بجے تک جاری رہی بالآخر مجسٹریٹ نے ۱۹/ جنوری ۱۹۰۳ء کو فیصلہ کا دن مقرر کیا اور کہا کہ اب فریقین کو جہلم میں نہ ٹھہرنے کی ضرورت ہے نہ دوبارہ آنے کی۔ ان کے وکلاء کے سامنے ۱۹/ جنوری ۱۹۰۳ء کو فیصلہ سنا دیا جائے گا۔

حضرت اقدسؑ کی کچہری سے واپسی

حضرت اقدسؑ اجلاس ختم ہوتے ہی عدالت سے باہر تشریف لائے اور گاڑی میں سوار ہوئے۔ بنگلہ

پر پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع اور قصر کر کے پڑھی گئیں۔ اس کے بعد پھر بیعت کا سلسلہ شروع ہوا اور لوگ جوق در جوق بیعت میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ مردوں کی بیعت ہو چکی۔ تو حضرت اقدسؑ اس کمرہ میں تشریف لے گئے جہاں مستورات بیعت کے لئے آپؑ کی منتظر تھیں وہاں سے واپس تشریف لائے تو اور لوگ بیعت کے لئے موجود تھے۔ حضورؑ نے ان کی بھی بیعت لی۔ اگرچہ جہلم میں حضورؑ کی یہ آخری رات تھی اور صبح کو حضرت اقدسؑ کی روانگی تھی مگر اس رات بھی بہت سے اور احباب بغرض ملاقات پہنچ گئے۔

اگلے روز ۱۸/ء جنوری کو سورج کے طلوع کرتے ہی حضورؑ سے درخواست کی گئی کہ لوگ بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ پھر بیعت کا سلسلہ شروع ہوا جو کئی گھنٹے تک جاری رہا۔ ابھی بیعت کرنے والوں کی کثیر تعداد باقی تھی کہ عرض کیا گیا کہ مستورات بھی بیعت کے لئے جمع ہیں۔ چنانچہ حضورؑ اندر تشریف لے گئے اور بیعت لی۔ بعد ازاں پھر مردوں کی بیعت ہونے لگی۔ کچھ وقت بعد پھر درخواست پہنچی کہ چند مستورات آئی ہیں اور بیعت کرنا چاہتی ہیں۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ دوبارہ زنان خانہ میں تشریف لے گئے۔

جماعت احمدیہ جہلم کی طرف سے مہمانوں کی مہمان نوازی

اس مقدمہ کی تقریب کا پیدا ہونا جماعت احمدیہ جہلم کے لئے بڑی خوش نصیبی تھی۔ اور جیسے یہ مبارک موقعہ ان کو نصیب ہوا ویسے ہی انہوں نے اس کی قدر کی۔ باوجودیکہ بعض اوقات ایک ہزار کے قریب بھی مہمان دسترخوان پر آئے مگر ان کی مہمان نوازی بڑی فراخ حوصلگی اور کشادہ دلی سے کی گئی۔ جماعت جہلم کو چار وقت دعوت کے انتظام کا موقعہ ملا جس میں انہوں نے مہمانوں کی خدمت کا حق ادا کر دیا۔

جہلم سے واپسی

پروگرام کے مطابق ۱۰ بجے کے بعد حضرت اقدسؑ بنگلہ سے روانہ ہوئے اور گیارہ بجے کے قریب گاڑی میں سوار ہوئے۔ لوگ پہلے کی طرح دیوانہ وار ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے کہ آپ کا چہرہ مبارک دیکھیں۔ کچھ دیر کے بعد گاڑی روانہ ہوئی جہلم واپسی پر بھی حسب سابق ہر اسٹیشن پر بڑا ہجوم ہوتا تھا۔ مرید کے اور کامونکے اسٹیشن کے درمیان حضورؑ کو الہام ہوا۔ اثرک اللہ علی کل شی [۱۶] یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر شے پر تجھے ترجیح دی۔ عصر کے بعد لاہور پہنچے۔ لاہور کے احمدی احباب استقبال کے لئے اسٹیشن پر حاضر تھے۔ حضورؑ گاڑی پر سوار ہو کر میاں چراغ دین صاحب کے مکان میں ہی تشریف فرما ہوئے۔ اس موقعہ پر بھی کئی دوستوں نے بیعت کی۔ اگلے روز حضورؑ بذریعہ ریل لاہور سے بٹالہ پہنچے اور اپنے رفقاء سمیت بخیریت وارد قادیان

ہوئے۔

مقدمہ کا فیصلہ اور حضورؑ کی بریت

جہلم سے واپسی کے بعد عدالت نے حسب اعلان ۱۹/ جنوری ۱۹۰۳ء کو فیصلہ سناتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ کو بری کر دیا اور مولوی کرم دین کے استغاثہ جات خارج کر دئے۔ فاضل مجسٹریٹ رائے سنسار چند نے اپنے فیصلہ میں تعزیرات ہند کی روشنی میں متعدد ایسی وجوہ تحریر کیں جن کی بناء پر مستغیث کو محمد حسن فیضی (متوفی) کی بیوہ، باپ اور اولاد کی موجودگی میں استغاثہ دائر کرنے کا قانوناً کوئی حق حاصل نہیں ہے خواہ وہ ان پڑھ ہیں یا پڑھے ہوئے۔ [۱۷] اس فیصلہ پر مولوی کرم دین صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعودؑ، حکیم فضل دین صاحب، مولوی عبداللہ صاحب اور ایڈیٹر الحکم کے خلاف سیشن جج بہادر جہلم کی عدالت میں نگرانی دائر کی جو خارج ہو گئی۔ [۱۸]

"اریک برکات من کل طرف" کا روح پرور نظارہ

الختصر اریک برکات من کل طرف کی عظیم الشان خوش خبری جو خدا تعالیٰ نے سفر جہلم کے آغاز میں دی تھی اس شان سے پوری ہوئی کہ اپنے اور بیگانے سبھی دنگ رہ گئے۔ اس سفر میں عوام کی طرف سے حضورؑ کی زیارت کے لئے جس عظیم جذبہ کا مظاہرہ کیا گیا وہ ملکی تاریخ میں فقید المثال تھا۔ چنانچہ ایک مخالف اخبار "پنجۂ فولاد" نے لکھا۔

"۱۵۔ جنوری کو دوپہر کے بعد جہلم کی واپسی پر مرزا غلام احمد صاحب قادیانی وزیر آباد پہنچے۔ باوجودیکہ نہ انہوں نے شہر میں آنا تھا اور نہ آنے کی کوئی اطلاع دی تھی اور صرف اسٹیشن پر ہی چند منٹوں کا قیام تھا پھر بھی ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر خلقت کا وہ ہجوم تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ اگر سٹیشن ماسٹر صاحب جو نہایت خلیق اور ملنسار ہیں خاص طور پر اپنے حسن انتظامی سے کام نہ لیتے تو کچھ شک نہیں کہ اکثر آدمیوں کے کچلے جانے اور یقیناً کئی ایک کے کٹ جانے کا اندیشہ تھا۔ مرزا صاحب کے دیکھنے کے لئے ہندو اور مسلمان یکساں شوق اور یکساں دلی کشش سے موجود تھے۔" [۱۹]

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے اس مبارک سفر کی تفصیل میں تحریر فرمایا۔

"جب میں ۱۹۰۳ء میں کرم دین کے فوجداری مقدمہ کی وجہ سے جہلم جا رہا تھا تو راہ میں مجھے الہام ہوا۔ اریک برکات من کل طرف یعنی میں ہر ایک پہلو سے تجھے برکات دکھلاؤں گا اور یہ الہام اسی وقت تمام جماعت کو سنا دیا گیا بلکہ اخبار الحکم میں درج کر کے شائع کیا گیا۔ اور یہ پیش گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ جب میں جہلم کے قریب پہنچا تو تخمیناً دس ہزار سے زیادہ آدمی ہو گا کہ وہ میری ملاقات کے لئے آیا اور تمام سڑک پر آدمی تھے اور ایسے انکسار کی حالت میں تھے کہ گویا سجدے کرتے

تھے۔ اور پھر ضلع کی کچہری کے ارد گرد اس قدر لوگوں کا ہجوم تھا کہ حکام حیرت میں پڑ گئے۔ گیارہ سو آدمیوں نے بیعت کی اور قریباً دو سو عورت بیعت کر کے اس سلسلہ میں داخل ہوئی اور کرم دین کا مقدمہ جو میرے پر تھا خارج کیا گیا اور بہت سے لوگوں نے ارادت اور انکسار سے نذرانے دیئے اور تحفے پیش کئے۔ اور اس طرح ہم ہر ایک طرف سے برکتوں سے مالامال ہو کر قادیان میں واپس آئے اور خدا تعالیٰ نے نہایت صفائی سے وہ پیش گوئی پوری فرمائی۔" [20]

"راستہ میں لاہور سے آگے گوجرانوالہ اور وزیر آباد اور گجرات وغیرہ سٹیشنوں پر اس قدر لوگ ملاقات کے لئے آئے کہ سٹیشنوں پر انتظام رکھنا مشکل ہو گیا۔ ٹکٹ پلیٹ فارم ختم ہونے کی وجہ سے لوگ بلا ٹکٹ پلیٹ فارم پر چلے گئے۔ اور بعض مقامات پر گاڑی کو کثرت ہجوم کی وجہ سے زیادہ دیر تک ٹھہرایا گیا اور نہایت نرمی سے زائروں کو ملازمین ریل نے گاڑی سے علیحدہ کیا۔ بعض جگہ کچھ دیر تک لوگ گاڑی کو پکڑے ہوئے ساتھ چلے گئے۔ خوف تھا کہ کوئی آدمی نہ مرجاوے۔ ان واقعات کو مخالف اخباروں نے بھی مثل "پنجہ فولاد" کے شائع کیا تھا۔" [21]

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی قادیان میں آمد

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے "اعجاز احمدی" میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو دعوت دی تھی کہ وہ "تحقیق کے لئے قادیان میں آویں اور تمام پیش گوئیوں کی پڑتال کریں اور ہم قسم کھا کر وعدہ کرتے ہیں کہ ہر ایک پیش گوئی کی نسبت جو منہاج نبوت کی رو سے جھوٹی ثابت ہو ایک سو روپیہ ان کی نذر کریں گے.... اور ہم آمد و رفت کا خرچ بھی دیں گے اور کل پیش گوئیوں کی پڑتال کرنی ہو گی تا آئندہ کوئی جھگڑا باقی نہ رہ جائے اور اسی شرط سے روپیہ ملے گا۔ اور ثبوت ہمارے ذمہ ہو گا" [22] ساتھ ہی حضورؑ نے یہ پیش گوئی فرمائی کہ وہ "قادیان میں تمام پیش گوئیوں کی پڑتال کے لئے میرے پاس ہرگز نہیں آئیں گے اور سچی پیش گوئیوں کی اپنے قلم سے تصدیق ان کے لئے موت ہو گی۔" [23]

چنانچہ وہی کچھ ہوا جس کی خبر آپؑ نے قبل از وقت دے دی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ۱۰/ جنوری ۱۹۰۳ء کو حضور کو اطلاع تک دیئے بغیر بٹالہ سے دو تین سپاہیوں کی معیت میں قادیان آئے اور آریہ سماج کے مندر میں ٹھہرے۔ [24] حضرت اقدسؑ کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوا کہ وہ براہ راست آپ کے پاس آنے کی بجائے آریہ سماج کے مندر ہی میں کیوں مقیم ہو گئے؟ چنانچہ حضورؑ نے ایک دوسرے موقعہ پر اس درد کا اظہار فرمایا کہ "میں نے ثناء اللہ کو ہرگز نہیں کہا کہ میرے مکان پر نہ آوے.... بلکہ وہ خود ان آریہ سماج والوں کے مکان پر اترا جو ہمارے نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صدہا گالیاں نکالتے تھے جن کے گندے رسالے اب تک موجود ہیں۔ ایک غیرت مند مومن کا کام نہیں کہ ایسے پلید گروہ دشمن اسلام کے گھر میں اترے..... وہ میرے دروازہ پر نہیں آیا میں اس کی خاطرداری کرتا بلکہ دشمنان اسلام اور دشمنان نبی کریمؐ کے دروازہ پر گیا۔" [۲۵]

مولوی ثناء اللہ صاحب کا خط

مغرب کے وقت ایک قاصد نے مولوی صاحب کا یہ رقعہ حضورؑ کی خدمت میں پیش کیا کہ "خاکسار حسب دعوت آپ کے مندرجہ "اعجاز احمدی" صفحہ ۱۱ و ۲۳ قادیان میں اس وقت حاضر ہے... اس لئے امید ہے کہ آپ میری تفہیم کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں گے اور حسب وعدہ خود مجھے اجازت بخشیں گے کہ میں مجمع میں آپ کی پیش گوئیوں کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کروں۔" [۲۶]

قطع نظر اس امر کے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا آریہ سماج مندر میں قیام کرنا خود یہ واضح کر رہا تھا کہ ان کو حضرت اقدسؑ سے کتنا ذاتی بغض و عناد ہے لیکن ان کی اس تحریر نے تو صاف واضح کر دیا کہ ان کا قادیان آنا حضورؑ کی دعوت کے قبول کرنے کے نتیجہ میں نہیں تھا کیوں کہ حضورؑ نے اپنی دعوت میں صاف طور پر دو باتیں لکھی تھیں۔ اول۔ مولوی صاحب موصوف تمام پیش گوئیوں کی تحقیق کے لئے قادیان آئیں (مناظرہ کے لئے نہیں کیوں کہ حضورؑ خود "انجام آتھم" میں اس سے ہمیشہ کے لئے دستکش ہونے کا اعلان کر چکے تھے) دوم۔ مولوی صاحب تحقیق سے قبل لکھ دیں کہ وہ منہاج نبوت کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن مولوی صاحب نے ان دو امور کی صریحاً خلاف ورزی کی اور وہ تحقیق کی بجائے مناظرہ کے لئے پہنچے جیسا کہ ان کے سیرت نگار نے اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "مولانا بھلا کب چوکنے والے تھے فوراً قادیان پہنچ گئے اور مرزا صاحب کو اطلاع بھجوا دی کہ بندہ حاضر ہے مناظرہ کے لئے میدان میں آیئے۔" [۲۷]

حضرت اقدسؑ کا جواب

ان حالات میں حضرت اقدسؑ کا مولوی ثناء اللہ صاحب کے رقعہ کا جواب دینا اور ان کو مخاطب کرنا اصولاً یا اخلاقاً کسی طرح واجب نہیں تھا مگر باوجود اس غم کے جو مولوی صاحب کے آریہ سماج کے ہاں قیام کے باعث آپ کو پہنچا تھا حضورؑ نے دوسرے دن صبح ۱۱/ جنوری ۱۹۰۳ء کو جوابی خط لکھا۔

"میں ہمیشہ طالب حق کے شبہات دور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگرچہ آپ نے اپنے اس رقعہ میں دعویٰ تو کر دیا ہے کہ میں طالب حق ہوں مگر مجھے تامل ہے کہ اس دعویٰ پر آپ قائم رہ سکیں۔ کیوں کہ آپ لوگوں کی عادت ہے کہ ہر ایک بات کو کشاں کشاں بیہودہ اور لغو مباحثات کی طرف لے آتے ہیں اور میں خدا تعالیٰ کے سامنے وعدہ کر چکا ہوں کہ ان لوگوں سے مباحثات ہرگز نہیں کروں گا سو وہ

طریق جو مباحثات سے بہت دور ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس مرحلہ کو صاف کرنے کے لئے اول یہ اقرار کر دیں کہ آپ منہاج نبوت سے باہر نہیں جائیں گے اور وہ اعتراض نہ کریں گے جو آنحضرت ﷺ پر یا حضرت عیسیٰؑ یا حضرت موسیٰؑ یا حضرت یونسؑ پر عائد ہوتا ہے اور اس حدیث اور قرآن کی پیش گوئیوں پر زد نہ پڑتی ہو۔ دوسری شرط یہ ہوگی کہ آپ زبانی بولنے کے ہرگز مجاز نہ ہوں گے صرف آپ مختصر ایک سطر یا دو سطر تحریر دے دیں کہ میرا یہ اعتراض ہے پھر آپ کو عین مجلس میں مفصل جواب سنایا جائے گا... تیسری شرط یہ ہے کہ ایک دن میں صرف ایک ہی اعتراض آپ پیش کریں گے کیوں کہ آپ اطلاع دے کر نہیں آئے.... اور ہم ان دنوں میں بباعث کم فرصتی اور کام طبع کتاب ۲۸ کے تین گھنٹہ سے زیادہ وقت نہیں دے سکتے.... آپ کو خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اگر سچے دل سے آئے ہیں تو اس کے پابند ہو جائیں اور ناحق فتنہ و فساد میں عمر بسر نہ کریں۔" ۲۹

مولوی ثناء اللہ صاحب کا تحقیق حق سے گریز

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اس معقول طریق تحقیق کے جواب میں جو رقعہ لکھا اس میں انہوں نے حضورؑ کی پیش کردہ کوئی شرط بھی تسلیم نہ کی حتیٰ کہ یہ لکھ کر دینے سے بھی صریحاً گریز کیا کہ میں آپ کے دعویٰ کو پر رکھنے کے لئے منہاج نبوت سے باہر نہیں جاؤں گا۔ دوسری طرف پھر مناظرہ کی طرح ڈالتے ہوئے لکھا کہ "میں اپنی دو تین سطریں مجمع میں کھڑا ہو کر سناؤں گا اور ہر ایک گھنٹہ کے بعد تین سطریں پانچ نہایت دس منٹ تک آپ کے جواب کی نسبت رائے ظاہر کروں گا۔" ۳۰

اس رقعہ نے ان کی مناظرانہ روش بالکل واضح کر دی۔ اس لئے مولوی سید محمد احسن صاحب نے انہیں حضورؑ کی اجازت سے یہ جواب بھجوا دیا کہ "حضرت اقدس" "انجام آتھم" میں اور نیز اپنے خط مرقومہ جواب رقعہ میں قسم کھا چکے ہیں کہ مباحثہ کی شان سے مخالفین سے کوئی تقریر نہ کریں گے خلاف معاہدہ الٰہی کے کوئی مامور من اللہ کیوں کر کسی فعل کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ طالب حق کے لئے جو طریق حضرت اقدسؑ نے تحریر فرمایا ہے کیا وہ کافی نہیں؟ لہٰذا آپ کی اصلاح جو بطرز شان مناظرہ آپ نے لکھی ہے وہ ہرگز منظور نہیں ہے اور یہ بھی منظور نہیں فرماتے ہیں کہ کل قادیان کے اہل الرائے وغیرہ مجتمع ہوں۔" ۳۱

مولوی صاحب کی قادیان سے واپسی اور پراپیگنڈا

مولوی ثناء اللہ صاحب اس معقول جواب پر قادیان سے چلے گئے اور "فتح قادیان" کے نام سے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں لکھا کہ مرزا صاحب نے خود ہی

دعوت مناظرہ دی تھی اور خود ہی الہام کا بہانہ بنا کر انکار کر دیا۔ انہوں نے اپنے پمفلٹ میں "اعجاز احمدی" (صفحہ ۱۱، ۲۳) کے اقتباس بھی شامل کئے مگر وہ تمام فقرات جن میں دعوت کی شرائط یعنی تحقیق حق اور منہاج نبوت کا ذکر تھا۔ عمداً حذف کر دئے [۲۱] اور ثابت کر دیا کہ ان کا جانا تحقیق حق کی خاطر نہیں تھا اور یہ کہ ان کو "منہاج نبوت" کے پیش نظر حضورؑ کی کسی پیش گوئی پر اعتراض کرنے کی جرات نہیں ہو سکی۔"

روسی حکومت کا عصا ملنے کی بذریعہ رؤیا اطلاع

۲۲۔ جنوری ۱۹۰۳ء کو اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو بذریعہ خواب اطلاع دی کہ مستقبل میں روسی حکومت کا عصا آپ کی جماعت کو دیا جانا مقدر ہے۔ حضورؑ نے اس رؤیا کی تفصیل بایں الفاظ بیان فرمائی۔

"دیکھتا ہوں کہ زار روس کا سونٹا میرے ہاتھ میں ہے اور ایک عجیب سیاہ رنگ کا ہے جیسے انگریزی کارخانوں میں روغنی چیزیں بہت عمدہ اور نفیس بنا کرتی ہیں اور یہ حصہ اس کا لوہے کا ہے۔ اس سونٹے میں ایک یا دو نالی بندوق کی بھی ہیں لیکن اس ترکیب سے بنی ہوئی ہیں کہ سونٹے میں مخفی ہیں اور جب چاہو تو اس سے کام بھی لے سکتے ہیں۔" [۲۲]

"پھر دیکھا کہ خوارزم بادشاہ جو بو علی سینا کے وقت میں تھا اس کی تیر کمان میرے ہاتھ میں ہے۔ بو علی سینا بھی پاس ہی کھڑا ہے اور اس تیر کمان سے میں نے ایک شیر کو بھی شکار کیا۔" [۲۳]

یہ عظیم پیش گوئیاں کب اور کس شکل میں پوری ہونے والی ہیں؟ یہ خدا کے علم میں ہے۔ حال کا مورخ اس بارہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ع

ہے یہ تقدیر خداوند کی تقدیروں سے

صاحبزادی امتہ النصیر صاحبہ کی ولادت

۲۸۔ جنوری ۱۹۰۳ء کو ۴ بجے صبح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی جس کا نام امتہ النصیر رکھا گیا۔

ولادت سے قبل الہام

صاحبزادی امتہ النصیر صاحبہ کی ولادت سے قبل حضورؑ کو الہام ہوا کہ "غاسق اللہ" جس کے معنی یہ تھے کہ جو بچہ پیدا ہونے والا ہے وہ زندہ نہ رہے گا۔ یہ متوحش الہام آپ کو صاحبزادی کے پیدا ہونے سے قریباً چار گھنٹے پیشتر بوقت بارہ ایک بجے شب ہوا جس پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اٹھ کر مولوی محمد احسن صاحب امروہی

کی کوٹھری میں تشریف لے گئے۔ دروازہ بند تھا۔ حضورؑ نے دستک دی۔ مولوی صاحب نے لاعلمی سے پوچھا کون ہے؟ حضرت اقدسؑ نے جواب دیا غلام احمد۔ مولوی محمد احسن صاحب نے دروازہ کھولا۔ حضورؑ نے فرمایا کہ مجھے ایک کشفی صورت میں خواب میں دکھلایا گیا ہے کہ میرے گھر سے (یعنی حضرت ام المومنینؓ) کہتی ہیں کہ اگر میں فوت ہو جاؤں تو میری تجہیز و تکفین آپ خود اپنے ہاتھ سے کرنا۔ اس کے بعد مجھے ایک بڑا منذر الہام ہوا غاسق اللہ۔ مجھے اس کے معنی یہ معلوم ہوئے ہیں کہ جو بچہ میرے ہاں پیدا ہونے والا ہے وہ زندہ نہ رہے گا اس لئے آپ دعا میں مشغول ہوں اور باقی احباب کو بھی اس کی تحریک کریں۔ [۲۵]

وفات

اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کے طفیل حضرت ام المومنینؓ کو اس مصیبت کی گھڑی سے نجات بخشی مگر صاحبزادی امتہ النصیر صاحبہ کی موت سے متعلق خدا کا نوشتہ پورا ہوا اور صاحبزادی صاحبہ ۳۔ دسمبر ۱۹۰۳ء کو انتقال فرما گئیں [۲۶] اور اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کی گئیں۔ مولوی شیر علی صاحب کا بیان ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام صاحبزادی امتہ النصیر صاحبہ کو قبرستان میں دفنانے کے لئے لے گئے اور خود اسے اٹھا کر قبر کے پاس لے گئے۔ کسی نے آگے بڑھ کر حضورؑ سے لڑکی کو لینا چاہا مگر حضورؑ نے فرمایا میں خود لے جاؤں گا۔ [۲۷]

حواشی

۱۔ مواہب الرحمٰن صفحہ ۱۲۹۔۱۳۰۔۱۳۱ (ترجمہ) از حقیقتہ الوحی صفحہ ۲۱۵
۲۔ ملخصاً از تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۶۵۔۶۶
۳۔ ملاحظہ ہو "مصدقہ مسل مقدمہ"
۴۔ مفصل بیان کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۷/ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۹ کالم ۱۔۲
۵۔ بحوالہ الحکم ۳۱۔ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳ کالم ۱
۶۔ البدر ۲۳۔۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۳ کالم ۲
۷۔ سفر جہلم کے اکثر حالات کے لئے ملاحظہ ہو البدر ۲۳' ۳۰۔ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰۔ ۱۳ و البدر ۶۔ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۰۔۲۱ و اخبار الحکم ۲۴/ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۸۔ سیرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۶۹۔۷۰' روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ۹ صفحہ ۱۸۳ و جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۷
۸۔ الحکم ۷/ مئی ۱۹۳۵ء و تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۴۳
۹۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ۹ صفحہ ۱۸۱۔۱۸۲
۱۰۔ مسودہ سیرت المہدی حصہ چہارم غیر مطبوعہ از رسالہ "خالد" جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۳۹
۱۱۔ سوانح حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی (غیر مطبوعہ) صفحہ ۲۹ از مولوی عبد المغنی صاحب جہلمی
۱۲۔ سوانح حیات حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی (غیر مطبوعہ) صفحہ ۵۹ (از مولوی عبد المغنی صاحب جہلمی)
۱۳۔ کہتے ہیں کہ ان زائرین میں ایک بوڑھا سکھ بھی تھا جو زور زور سے منادی کر رہا تھا کہ نبیوں کا اوتار آج جہلم میں موجود ہے لوگو اس کی زیارت کرلو۔ یہ مبارک وقت خدا نے تم کو دیا ہے روایت صحابہ جلد ۴ صفحہ ۱۲۷ (غیر مطبوعہ) (روایات ماسٹر خلیل الرحمٰن صاحب متوطن موضع ونجیڑی ریاست جموں)
۱۴۔ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۶۹۔۱۷۰
۱۵۔ ان کے نام یہ ہیں۔ مسٹر آرٹیل بیرسٹرایٹ لاء لاہور۔ خواجہ کمال الدین صاحب بی۔اے' ایل۔ایل۔بی پلیڈر پشاور۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے پلیڈر ضلع گورداسپور۔ شیخ نور احمد صاحب پلیڈر ایبٹ آباد۔ میاں عزیز الدین صاحب امرتسری۔ (البدر ۲۳' ۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۸ کالم ۱)
۱۶۔ البدر ۳۰/۲۳ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۸ کالم ۱
۱۷۔ فیصلہ کی مکمل نقل اخبار الحکم ۷/ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۹۔ ۱۲ میں شائع شدہ ہے۔
۱۸۔ الحکم ۳۱/ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۴ کالم ۲
۱۹۔ بحوالہ الحکم ۳۱/ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳ کالم ۳
۲۰۔ حقیقتہ الوحی صفحہ ۲۵۲
۲۱۔ حقیقتہ الوحی حاشیہ صفحہ ۲۵۲
۲۲۔ اعجاز احمدی صفحہ ۲۳
۲۳۔ اعجاز احمدی صفحہ ۳
۲۴۔ الحکم ۱۷/ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۶ کالم ۱
۲۵۔ شکارپور (سندھ) سے ایک شخص مسمی عبد القادر بیدل نے چند سوالات کئے تھے جن کے جواب میں حضرت اقدس ؑ نے یہ لکھا تھا (اخبار بدر ۲۲۔ جون ۱۹۰۵ء صفحہ ۴ کالم ۱۔۲)
۲۶۔ البدر ۱۶۔ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۹۹' ۱۰۰ و الحکم ۷/ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۷

۲۷۔ "سیرت ثنائی" صفحہ ۳۱۶، ۳۱۷ (از مولوی عبدالمجید صاحب سوہدری)

۲۸۔ مراد "مواہب الرحمٰن" (مئولف)

۲۹۔ الحکم ۷/ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۶، ۷۔ مواہب الرحمٰن صفحہ ۱۰۹۔ ۱۱۶ میں حضورؑ نے اس خط کا عربی ترجمہ بھی شائع فرمادیا۔

۳۰۔ الحکم ۷/ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۷۔ ۸

۳۱۔ الحکم ۷/ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۷، ۸

۳۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "الحکم" ۳۱/ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۴۔ ۱۵

۳۳۔ البدر ۶/ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۳

۳۴۔ الحکم ۳۱/ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۵ کالم ۳

۳۵۔ الحکم ۳۱ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۵ کالم ۲، البدر ۳۰/ ۲۳ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۹، الحکم ۷/ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۴ کالم ۲۔ ۳

۳۶۔ غیر معمولی پرچہ الحکم ۳/ دسمبر ۱۹۰۳ء

۳۷۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۲۲ (طبع دوم)

مولوی کرم دین صاحب کا دوسرا طویل مقدمہ

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے گورداسپور کی طرف

متعدد سفر اور

ہائی کورٹ میں بریت

مولوی کرم دین صاحب کا دوسرا مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی

حضرت مسیح موعودؑ کے سفر گورداسپور اور چیف کورٹ میں بریت

مولوی کرم دین صاحب کو جب اپنے پہلے مقدمہ میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ اور حکیم فضل دین صاحب مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیان کے خلاف ۲۸/ جنوری ۱۹۰۳ء کو دوسرا فوجداری مقدمہ زیر دفعات ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲ تعزیرات ہند رائے سنسار چند صاحب مجسٹریٹ جہلم ہی کی عدالت میں دائر کر دیا۔ یہ مقدمہ "مواہب الرحمٰن" صفحہ ۱۲۹ کے ان الفاظ کی بناء پر تھا جس میں ان کے لئے کذاب، لئیم اور بہتان عظیم کے لفظ استعمال کئے گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے عدالت میں بیان دیا کہ ۱۷/ جنوری ۱۹۰۳ء کو مرزا غلام احمد قادیانی نے کتاب مواہب الرحمٰن جو اس کی اپنی تصنیف ہے۔ اور جو ۱۴/ جنوری ۱۹۰۳ء کو ملزم نمبر ۲ (مراد حکیم فضل دین صاحب۔ ناقل) کے مطبع ضیاء الاسلام میں چھپی تھی اس کے صفحہ ۱۲۹ پر ہتک آمیز الفاظ میری بابت درج کئے... اس عبارت میں جو کذاب مہین کا لفظ لکھا گیا ہے وہ قرآن شریف میں ایک خاص کافر ولید بن مغیرہ کی نسبت لکھا گیا ہے اور اس لفظ کے کہنے سے مجھ کو گویا اس کافر سے تشبیہ دی گئی ہے۔" [۱]

حضرت مسیح موعودؑ کا پر شوکت اعلان

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں اس کی اطلاع ۳۱/ جنوری ۱۹۰۳ء کو پہنچی تو حضورؑ نے فرمایا "اب یہ ان لوگوں کی طرف سے ابتداء ہے۔ کیا معلوم کہ خدا تعالیٰ ان کے مقابلہ میں کیا کیا تدابیر اختیار کرے گا۔ یہ استغاثہ ہم پر نہیں اللہ تعالیٰ پر ہی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ مقدمات کر کے تھکانا چاہتے ہیں... میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا زور آور حملوں سے سچائی ظاہر کر دے گا۔ اس وقت یہ پورے زور لگائیں گے تاکہ قتل کے مقدمہ کی حسرتیں نہ رہ جائیں کہ کیوں چھوٹ گیا۔ یہ لوگ ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے جو خدا کی طرف سے میں پیش کرتا ہوں۔ مگر وہ دیکھ لیں گے کہ اکراما

عجیبا کیسے ہوتا ہے۔ [2]

انجام مقدمات کی نسبت قبل از وقت بشارات اور پیش گوئی

مقدمہ ابھی بالکل ابتدائی مرحلے میں ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اس کے انجام کی بابت بھی اطلاع دینا شروع کر دی۔ چنانچہ ابتداء ۲۸/ جنوری ۱۹۰۳ء کی شام کو الہام ہوا۔ "ان اللہ مع عبادہ یواسیک" [3] یعنی خدا اپنے بندوں کے ساتھ ہے وہ تیری غم خواری کرے گا۔ ۲۹/ جنوری کی صبح کو الہام ہوا۔ "ساکرمک اکراما عجیبا" یعنی شاندار رنگ میں تیری عزت قائم کی جائے گی۔ [4] ۱۷/ فروری ۱۹۰۳ء کو الہام ہوا۔ "یَوْمُ الْاِثْنَیْنِ وَ فَتْحُ الْحُنَیْنِ" [5] (روز دو شنبہ اور حنین والی فتح) اس کے چھ ماہ بعد ۱۸/ اگست ۱۹۰۳ء کو پھر الہام ہوا۔ "ساکرمک بعد توہینک" [6] یعنی تیری اہانت کے بعد تجھے عزت عطا کی جائے گی۔ ۲۸/ جون ۱۹۰۳ء کو درمیانی رات کو الہام ہوا "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ فِیْهِ اٰیَاتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ۔" [7] کہ ان دونوں فریقوں میں سے خدا اس فریق کے ساتھ ہوگا اور اس کو فتح اور نصرت نصیب کرے گا جو پرہیزگار ہے اور خدا سے ڈر کر اس کے بندوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی اور نیکی کے ساتھ پیش آتا ہے اور بنی نوع کا وہ سچا خیر خواہ ہے۔ سو انجام کار ان کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ تب وہ لوگ جو پوچھا کرتے ہیں کہ ان دونوں گروہوں میں سے حق پر کون ہے ان کے لئے یہ ایک نشان بلکہ کئی ایک نشان ظاہر ہوں گے۔

ان الہاموں اور پیش گوئیوں میں یہ بتایا گیا تھا کہ اول اس مقدمہ میں ایک ابتلاء پیش آئے گا یعنی اول عدالت کا فیصلہ آپ کے حق میں نہ ہوگا مگر انجام کار ایسے غیر معمولی حالات پیدا ہوں گے کہ آپ کی عزت ظاہر کی جائے گی مگر مخالف کی بے عزتی ہوگی۔

مقدمہ کی سماعت

مولوی کرم دین صاحب نے ۲۶/ جنوری ۱۹۰۳ء کو حضرت اقدسؑ اور حکیم فضل الدین صاحب کے خلاف جہلم میں استغاثہ دائر کیا تھا جو ۲۹/ جون ۱۹۰۳ء کو منتقل ہو کر گورداسپور میں ایک کٹر اور متعصب آریہ لالہ چندو لال صاحب بی۔ اے مجسٹریٹ درجہ اول کی عدالت میں آگیا۔ [8] جہاں دوسرے تین مقدمات بنام مولوی کرم دین چل رہے تھے۔

[9] ۱۸/ اگست ۱۹۰۳ء کو گورداسپور میں اس مقدمہ کی پیشی ہوئی۔ خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر نے حضرت اقدسؑ کی طرف سے یہ درخواست پیش کی کہ عدالت گورداسپور (حضرت) مرزا صاحب کی اصالتاً حاضری کو معاف فرمائے [10] مگر یہ درخواست رد کر دی گئی۔

۱۷/ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو مولوی کرم دین صاحب نے بیان دیا کہ میں اعوان قوم کا ممتاز فرد ہوں جو

حضرت علیؓ کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے علوی کہلاتا ہے۔ اسلامی انجمنوں کے سالانہ جلسوں میں مجھے مدعو کیا جاتا ہے۔ مقامی حکام مجھ کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ سرکاری طور پر جو جلسے کئے جاتے ہیں اول میں بلایا جاتا ہوں۔ بہ نظر اس عزت کے جو پبلک کے دلوں میں میری نسبت ہے فقرہ جات استغاثہ میں میری سخت بے عزتی ہوئی ہے۔ [۱۱]

۱۲/ نومبر سے ۱۶/ نومبر ۱۹۰۳ء تک پھر اس مقدمہ کی سماعت ہوئی جس میں مولوی کرم دین صاحب نے تتمہ بیان کے علاوہ جرح کے جواب میں بھی متعدد بیان دئے جن میں عدالت کو بتایا کہ میں چار مسجدوں کا امام ہوں۔ فیصلوں کی یادداشت کے لئے سرکاری طور پر مجھے رجسٹر ملا ہوا ہے۔ ایک قصیدہ میں نے سرکاری جلسہ میں بھی پڑھا تھا جس پر انعام ملا۔ اورینٹل کالج لاہور میں مولوی فاضل کی تعلیم پائی مگر امتحان میں شامل نہ ہوا اور نہ سند حاصل کی۔ ۶/ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے اخبار سراج الاخبار میں جو مضمون چھپا ہے وہ میرا نہیں ہے۔ میں نے کوئی خط حکیم فضل دین صاحب کو نہیں لکھا نہ لکھوایا۔ نہ میں نے شہاب الدین کو کوئی اطلاع دی کہ پیر صاحب نے فیضی صاحب کی کتاب سیف چشتیائی سرقہ کی ہے۔ ۱۳/ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے سراج الاخبار میں جو نوٹوں کی نقل اور خط و کتابت اور خام نویس سے لکھائے جانے کی بابت لکھا ہے وہ جھوٹ ہے۔ انگریزوں کی ملاقاتوں میں مجھ کو کرسی ملتی ہے۔ رسم تاج پوشی کے دہلی کے دربار میں مجھے بلایا گیا۔" [۱۲] نیز بجواب جرح کہا۔ میں دروغ گو عالم کی عزت کروں گا اور اگر وہ معزز ہے۔ دروغ گوئی موجب نفی عزت نہیں۔ اگر وہ عادی جھوٹا ہو تو اس کی عالمانہ حیثیت میں کسی قدر فرق آجاتا ہے۔ [۱۳]

ان ہی ایام میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری بطور گواہ استغاثہ پیش ہوئے اور بیان دیا کہ میں مستغیث کو عالم مولوی اور مسلمانوں کا لیڈر سمجھتا ہوں لئیم سخت تحقیر کا کلمہ ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کے بعد مولوی محمد علی صاحب کی گواہی ہوئی جس میں انہوں نے مختلف لغات اور تراجم قرآن سے کذاب اور لئیم کے معنی واضح کئے۔ [۱۴]

۱۶/ دسمبر کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے مستغیث مولوی کرم دین صاحب پر جرح کے وقت اپنے مخصوص عقائد کی ایک فہرست عدالت میں داخل فرمائی [۱۵] جس میں حضورؑ نے تحریر فرمایا کہ۔

"میں مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی معہود اور امام الزماں اور مجدد وقت اور ظلی طور پر رسول اور نبی اللہ ہوں اور مجھ پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے۔" نیز لکھا کہ "مسیح موعودؑ اس امت کے تمام گزشتہ اولیاء سے افضل ہیں۔"

حضرت مسیح موعودؑ کا سفر گورداسپور

۱۳ / جنوری ۱۹۰۴ء کی پیشی کے لئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام ۱۲/ جنوری ۱۹۰۴ء کو قادیان سے بٹالہ کے راستہ سے گورداسپور کو روانہ ہوئے اور قریباً ساڑھے تین بجے کے قریب گورداسپور پہنچے۔ رات کو بہت سے احباب مختلف مقامات سے حاضر ہو گئے۔ اس دن خواجہ کمال الدین صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی طرف سے ایک تحریری بیان پیش کیا جو چھپا ہوا تھا۔ مجسٹریٹ صاحب نے زبانی تسلیم کیا تھا کہ تحریری بیان دے دیں۔ مجسٹریٹ صاحب نے پہلے تو یہ بیان اپنے اقرار کے مطابق لے لیا لیکن پھر انہوں نے اس کا شامل مسل ہونا نامنظور کر دیا۔ [۱۶]

۱۴/ جنوری ۱۹۰۴ء کو حضورؑ عدالت میں تشریف نہ لے جا سکے اور ڈاکٹر کے سرٹیفکیٹ پر آپ کو حاضری عدالت سے ایک ماہ کی اجازت ملی اور حضورؑ اسی روز شام کو بذریعہ ریل بٹالہ آئے۔ رات یہیں قیام فرمایا اور دوسرے دن (۱۵/ جنوری ۱۹۰۴ء کو) قریباً دس بجے روانہ ہو کر قادیان تشریف لے آئے۔ [۱۷]

انتقال مقدمہ کے لئے درخواست اور نامنظوری اور مقدمہ کا نازک ترین دور

مجسٹریٹ صاحب اب تک ہر مرحلہ پر جو اپنی جانب دارانہ بلکہ مخالفانہ روش کا مظاہرہ کرتے آ رہے تھے اس کی بناء پر ۴۔ فروری ۱۹۰۴ء کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بہادر ضلع گورداسپور کی عدالت میں انتقال مقدمہ کی درخواست کی گئی [۱۸] جو ۱۲/ فروری ۱۹۰۴ء کو رد کر دی گئی۔ [۱۹] اس پر چیف کورٹ کی طرف رجوع کیا گیا۔ پیشی کے لئے ۲۲/ فروری ۱۹۰۴ء کا دن مقرر ہوا۔ گو ابھی چیف کورٹ کا فیصلہ نہیں ہوا تھا مگر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی طرف سے درخواست انتقال کی نامنظوری سے ہی مقدمہ نے انتہائی نازک صورت اختیار کر لی کیوں کہ مقدمہ پھر لالہ چندولال صاحب ہی کی عدالت میں زیر سماعت آ گیا اور وہ کھلم کھلا دشمنی پر اتر آئے۔ اور اس کا اثر تھا کہ یکایک گورداسپور کا ماحول حضرت مسیح موعودؑ اور حضورؑ کے خدام کے خلاف خطرناک مخالفت کی آماجگاہ بن گیا اور اب اس میں برملا مختلف متوحش افواہیں پھیل گئیں۔ [۲۰]

حضرت مسیح موعودؑ کو قید کرنے کا منصوبہ اور اس میں ناکامی

یہ افواہیں بے وجہ نہیں تھیں بلکہ لالہ چندو لال صاحب فی الحقیقت یہ منصوبہ کر چکے تھے کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خواہ ایک دن کے لئے سہی ضرور نظر بند کر دیا جائے مگر خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے کچھ ایسے سامان پیدا ہوئے کہ مجسٹریٹ صاحب کی یہ ناپاک سازش ناکام ہو گئی۔ چنانچہ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ کا بیان ہے۔

"جن دنوں میں گورداسپور میں کرم دین صاحب کے ساتھ مقدمہ تھا اور مجسٹریٹ نے تاریخ دی ہوئی تھی اور حضرت صاحب قادیان میں آئے ہوئے تھے حضورؑ نے تاریخ سے دو روز پہلے مجھے گورداسپور بھیجا کہ میں جا کر وہاں بعض حوالے نکال کر تیار رکھوں... جب ہم گورداسپور مکان پر آئے تو نیچے سے ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خاں صاحب مرحوم کو آواز دی گئی کہ وہ نیچے آویں اور دروازہ کھولیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اس وقت مکان میں اوپر ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہمارے آواز دینے پر ڈاکٹر صاحب نے بے تاب ہو کر رونا اور چلانا شروع کر دیا۔ ہم نے کئی آوازیں دیں مگر وہ اسی طرح روتے رہے۔ آخر تھوڑی دیر کے بعد وہ آنسو پونچھتے ہوئے نیچے آئے۔ ہم نے سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس محمد حسین منشی آیا تھا.... محمد حسین مذکور گورداسپور میں کسی کچہری میں محرر یا پیش کار تھا اور سلسلہ کا سخت مخالف تھا اور مولوی محمد حسین بٹالوی کے ملنے والوں میں سے تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے بیان کیا کہ محمد حسین منشی آیا اور اس نے مجھے کہا کہ آج کل یہاں آریوں کا جلسہ ہوا ہے۔ بعض آریہ اپنے دوستوں کو بھی جلسہ میں لے گئے تھے چنانچہ اس طرح میں بھی وہاں چلا گیا جلسہ کی عام کارروائی کے بعد انہوں نے اعلان کیا کہ اب جلسہ کی کارروائی ہو چکی ہے اب لوگ چلے جائیں کچھ ہم نے پرائیویٹ باتیں کرنی ہیں۔ چنانچہ سب غیر لوگ اٹھ گئے۔ میں بھی جانے لگا مگر میرے آریہ دوست نے کہا کہ اکٹھے چلیں گے آپ ایک طرف ہو کر بیٹھ جاویں یا باہر انتظار کریں۔ چنانچہ میں وہاں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر ان آریوں میں سے ایک شخص اٹھا اور مجسٹریٹ کو مرزا صاحب کا نام لے کر کہنے لگا کہ یہ شخص ہمارا سخت دشمن اور ہمارے لیڈر لیکھرام کا قاتل ہے اب وہ آپ کے ہاتھ میں شکار ہے اور ساری قوم کی نظر آپ کی طرف ہے۔ اگر آپ نے شکار کو ہاتھ سے جانے دیا تو آپ قوم کے دشمن ہوں گے۔ اور اس قسم کی جوش دلانے کی باتیں کیں۔ مجسٹریٹ نے جواب دیا کہ میرا تو پہلے سے خیال ہے کہ ہو سکے تو نہ صرف مرزا کو بلکہ اس مقدمہ میں جتنے بھی اس کے ساتھی اور گواہ ہیں سب کو جہنم میں پہنچا دوں مگر کیا کیا جاوے کہ مقدمہ ایسی ہوشیاری سے چلایا جا رہا ہے کہ کوئی ہاتھ ڈالنے کی جگہ نہیں ملتی۔ لیکن اب عہد کرتا ہوں کہ خواہ کچھ ہو اس پہلی پیشی میں ہی عدالتی کارروائی عمل میں لے آؤں گا.... ڈاکٹر صاحب بیان کرتے تھے کہ محمد حسین مجھ سے کہتا تھا کہ آپ یہ نہیں سمجھے ہوں گے کہ عدالتی کارروائی سے کیا مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مجسٹریٹ کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ شروع یا دوران مقدمہ میں جب چاہے ملزم کو بغیر ضمانت قبول کئے گرفتار کر کے حوالات میں دے دے۔ محمد حسین نے کہا۔ ڈاکٹر صاحب! آپ جانتے ہیں کہ میں اس سلسلہ کا سخت مخالف ہوں مگر مجھ میں یہ بات ہے کہ میں کسی معزز خاندان کو ذلیل و برباد ہوتے خصوصاً ہندوؤں کے ہاتھوں سے ذلیل ہوتے

نہیں دیکھ سکتا۔ اور میں جانتا ہوں کہ مرزا صاحب کا خاندان ضلع میں سب سے زیادہ معزز ہے۔ پس میں نے آپ کو یہ خبر پہنچادی ہے کہ آپ اس کا کوئی انتظام کرلیں۔ اور میرے خیال میں دو تجویزیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ چیف کورٹ لاہور میں یہاں سے مقدمہ تبدیل کرانے کی کوشش کی جاوے۔ اور دوسرے یہ کہ خواہ کسی طرح ہو مگر مرزا صاحب اس آئندہ پیشی میں حاضر عدالت نہ ہوں اور ڈاکٹری سرٹیفکیٹ پیش کردیں۔ مولوی صاحب نے بیان کیا کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ واقعہ بیان کیا تو ہم سب بھی خوف زدہ ہو گئے اور فیصلہ کیا کہ اسی وقت قادیان کوئی آدمی روانہ کر دیا جاوے جو حضرت صاحب کو یہ واقعات سنادے۔ رات ہو چکی تھی ہم نے یکہ تلاش کیا اور گو کئی یکے موجود تھے مگر مخالفت کا اتنا جوش تھا کہ کوئی یکہ نہ ملتا تھا۔ ہم نے چار گنے کرایہ دینا کیا مگر کوئی یکہ والا راضی نہ ہوا۔ آخر ہم نے شیخ حامد علی اور عبدالرحیم باورچی اور ایک تیسرے شخص کو قادیان پیدل روانہ کیا۔ وہ صبح کی نماز کے وقت قادیان پہنچے اور حضرت صاحب سے مختصراً عرض کیا۔ حضورؑ نے بے پروائی سے فرمایا۔ خیر ہم بٹالہ چلتے ہیں۔ خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب لاہور سے آتے ہوئے وہاں ہم کو ملیں گے ان سے ذکر کریں گے اور وہاں پتہ لگ جائے گا کہ تبدیلی مقدمہ کے متعلق ان کی کوشش کا کیا نتیجہ ہوا۔ چنانچہ اسی دن حضورؑ بٹالہ آ گئے۔ گاڑی میں مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ صاحب بھی مل گئے۔ انہوں نے خبر دی کہ تبدیلی مقدمہ کی کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ پھر حضرت صاحب گورداسپور چلے آئے اور رستہ میں خواجہ صاحب اور مولوی صاحب کو اس واقعہ کی کوئی اطلاع نہیں دی جب آپ گورداسپور پہنچے تو حسب عادت الگ کمرے میں چارپائی پر جا لیٹے۔ مگر اس وقت ہمارے بدن کے رونگٹے کھڑے تھے کہ اب کیا ہوگا۔ حضورؑ نے تھوڑی دیر کے بعد مجھے بلایا۔ میں گیا۔ اس وقت حضرت صاحب نے اپنے دونوں ہاتھوں کے پنجے ملا کر اپنے سر کے نیچے دئے ہوئے تھے اور چت لیٹے ہوئے تھے۔ میرے جانے پر ایک پہلو پر ہو کر کہنی کے بل اپنی ہتھیلی پر سر کا سہارا دے کر لیٹ گئے اور مجھ سے فرمایا۔ میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ وہ سارا واقعہ سنوں کہ کیا ہے۔ اس وقت کمرے میں کوئی اور آدمی نہیں تھا صرف دروازے پر میاں شادی خاں کھڑے تھے۔ میں نے سارا واقعہ سنایا کہ کس طرح ہم نے یہاں آکر ڈاکٹر اسمٰعیل خاں صاحب کو روتے ہوئے پایا۔ پھر کس طرح ڈاکٹر صاحب نے منشی محمد حسین کے آنے کا واقعہ سنایا اور پھر محمد حسین نے کیا واقعہ سنایا۔ حضورؑ خاموشی سے سنتے رہے۔ جب میں شکار کے لفظ پر پہنچا تو یکلخت حضرت صاحب اٹھ کر بیٹھ گئے اور آپ کی آنکھیں چمک اٹھیں اور چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا۔ میں اس کا شکار ہوں! میں شکار نہیں ہوں! میں شیر ہوں اور شیر بھی خدا کا شیر وہ بھلا خدا کے شیر پر ہاتھ ڈال سکتا ہے؟ ایسا کر کے تو دیکھے۔ یہ الفاظ

کہتے ہوئے آپ کی آواز اتنی بلند ہو گئی کہ کمرے کے باہر بھی سب لوگ چونک اٹھے اور حیرت کے ساتھ ادھر متوجہ ہو گئے مگر کمرے کے اندر کوئی نہیں آیا۔ حضورؑ نے کئی دفعہ خدا کے شیر کے الفاظ دہرائے۔ اور اس وقت آپ کی آنکھیں جو ہمیشہ جھکی ہوئی اور نیم بند رہتی تھیں واقعی شیر کی آنکھوں کی طرح کھل کر شعلہ کی طرح چمکتی تھیں اور چہرہ اتنا سرخ تھا کہ دیکھا نہیں جاتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ میں کیا کروں میں نے تو خدا کے سامنے پیش کیا ہے کہ میں تیرے دین کی خاطر اپنے ہاتھ اور پاؤں میں لوہا پہننے کو تیار ہوں مگر وہ کہتا ہے کہ نہیں میں تجھے ذلت سے بچاؤں گا اور عزت کے ساتھ بری کروں گا۔ پھر آپ محبت الٰہی پر تقریر فرمانے لگے اور تقریباً نصف گھنٹہ تک جوش کے ساتھ بولتے رہے لیکن پھر یکلخت بولتے بولتے آپ کو ابکائی آئی اور ساتھ ہی قے ہوئی جو خالص خون کی تھی جس میں کچھ خون جما ہوا تھا اور کچھ بہنے والا تھا۔ حضرت نے قے سے سر اٹھا کر رومال سے اپنا منہ پونچھا اور آنکھیں بھی پونچھیں جو قے کی وجہ سے پانی لے آئیں تھیں۔ مگر آپ کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ قے میں کیا نکلا ہے کیوں کہ آپ نے یکلخت جھک کر قے کی اور پھر سر اٹھا لیا۔ مگر میں اس کے دیکھنے کے لئے جھکا تو حضورؑ نے فرمایا۔ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا حضورؑ قے میں خون نکلا ہے۔ تب حضورؑ نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب اور دوسرے لوگ بھی کمرے میں آ گئے اور ڈاکٹر [۲۱] کو بلوایا۔ ڈاکٹر انگریز تھا وہ آیا اور قے دیکھ کر خواجہ صاحب کے ساتھ انگریزی میں باتیں کرتا رہا جس کا مطلب یہ تھا کہ اس بڑھاپے کی عمر میں اس طرح خون کی قے آنا خطرناک ہے۔ پھر اس نے کہا کہ یہ آرام کیوں نہیں کرتے؟ خواجہ صاحب نے کہا آرام کس طرح کریں مجسٹریٹ صاحب قریب قریب کی پیشیاں ڈال کر تنگ کرتے ہیں حالانکہ معمولی مقدمہ ہے جو یوں ہی طے ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا اس وقت آرام ضروری ہے میں سرٹیفکیٹ لکھ دیتا ہوں۔ کتنے عرصہ کے لئے سرٹیفکیٹ چاہیئے پھر خود ہی کہنے لگا۔ میرے خیال میں دو مہینے آرام کرنا چاہیئے۔ خواجہ صاحب نے کہا فی الحال ایک مہینہ کافی ہو گا۔ اس نے فوراً ایک مہینہ کے لئے سرٹیفکیٹ لکھ دیا اور لکھا کہ اس عرصہ میں ان کو کچہری میں پیش ہونے کے قابل نہیں سمجھتا۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے واپسی کا حکم دیا۔ مگر ہم سب ڈرتے تھے کہ اب کہیں کوئی نیا مقدمہ نہ شروع ہو جائے۔ کیوں کہ دوسرے [۲۲] دن پیشی تھی اور حضورؑ گورداسپور آکر بغیر عدالت کی اجازت کے واپس جا رہے تھے۔ مگر حضرت صاحب کے چہرہ پر بالکل اطمینان تھا۔ چنانچہ ہم سب قادیان چلے آئے۔ بعد میں ہم نے سنا کہ مجسٹریٹ نے سرٹیفکیٹ پر جرح کی اور بہت تلملایا اور ڈاکٹر کو شہادت کے لئے بلوایا۔ مگر اس انگریز ڈاکٹر نے کہا میرا سرٹیفکیٹ بالکل درست ہے اور میں اپنے فن کا ماہر ہوں۔ اس پر میرے فن کی رو سے کوئی اعتراض نہیں کر سکتا اور

میرا سرٹیفکیٹ تمام اعلیٰ عدالتوں تک چلتا ہے۔ مجسٹریٹ بڑبڑاتا رہا مگر کچھ پیش نہ گئی۔ [۲۳]"

چیف کورٹ میں درخواست مسترد

چیف کورٹ میں انتقال مقدمہ کی جو درخواست دی گئی تھی اس کی پیشی ۲۲/ فروری ۱۹۰۴ء کو تھی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے مسٹر آرٹیل بیرسٹر نے وجوہات انتقال پیش کئے لیکن چیف کورٹ نے ان کو ناکافی جان کر درخواست مسترد کر دی۔ [۲۴]

مقدمہ پھر سے لالہ چندولال کی عدالت میں

اب مقدمہ پھر سے لالہ چندو لال کی عدالت میں آ گیا۔ ۲۴/ فروری ۱۹۰۴ء کو خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب نے بطور وکیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستخطوں سے ایک بیان عدالت میں پیش کیا جس میں مقدمہ کے واقعات کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا تھا کہ اصول اسلام کے مطابق اس معاملہ کا ایک اور بھی پہلو ہے اور وہ یہ کہ جو شخص کسی مدعی نبوت اور رسالت کو جھوٹا سمجھتا ہے۔ کذاب ہے۔ یہ بات شہادت استغاثہ میں تسلیم کی گئی ہے۔ اب مستغیث نہایت اچھی طرح جانتا ہے کہ ملزم (یعنی حضرت مرزا صاحبؑ) نے اس حیثیت یعنی نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور باوجود اس کے مستغیث نے اس کی تکذیب کی ہے۔ پس مذہب اسلام کی اصطلاح کی رو سے بھی مستغیث کذاب ہے۔ (ترجمہ) [۲۵]

۸/ مارچ ۱۹۰۴ء کو خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنی چار گھنٹے کی تقریر میں مستغیث کے اپنے بیانات اور گواہوں کے بیانات سے استنباط کر کے ثابت کیا کہ یہ مقدمہ سرے سے ہمارے خلاف چل ہی نہیں سکتا۔ ابھی تقریر باقی تھی کہ عدالت برخواست ہو گئی لہٰذا ۹/ مارچ کو خواجہ صاحب نے اپنی تقریر ختم کی۔ [۲۶]

حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے ڈاکٹری سرٹیفکیٹ اور مجسٹریٹ کا ناروا رویہ

۱۴/ مارچ کو بھی مقدمہ کی پیشی تھی مگر ۱۳/ مارچ ۱۹۰۴ء کو (کیپٹن پی ایس سی مور) سول سرجن صاحب گورداسپور قادیان آئے اور انہوں نے حضرت اقدسؑ کی عام حالت صحت کے لحاظ سے چھ ہفتہ تک سفر کرنے کے ناقابل ہونے کا سرٹیفکیٹ دیا۔ لہٰذا حضورؑ گورداسپور تشریف نہ لے گئے۔ [۲۷] لالہ چندو لال صاحب یہ سرٹیفکیٹ دیکھ کر بہت سٹپٹائے اور انہوں نے سرٹیفکیٹ پر اجلاس دوسرے دن (۱۵/ مارچ ۱۹۰۴ء) کے لئے ملتوی کر دیا کہ سول سرجن صاحب عدالت میں شہادت دیں کہ واقعی مرزا صاحب بیمار ہیں۔ خواجہ صاحب نے عدالت کو توجہ دلائی کہ یہ شہادت "ایکٹ شہادت" کے رو سے بالکل غیر متعلق ہے۔ اس

کے علاوہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے متعلق جب سرٹیفکیٹ پیش ہوتے رہے تو عدالت نے کبھی یہ تجویز نہیں کی [۲۸] کہ ڈاکٹر خود آکر حلفی شہادت دے مگر مجسٹریٹ صاحب نے اپنا فیصلہ بحال رکھا اور ۱۵/ مارچ ۱۹۰۴ء کو ڈاکٹر صاحب کی شہادت ہوئی جنھوں نے اپنے سرٹیفکیٹ کی تصدیق کی۔ [۲۹] اب لالہ چندولال صاحب کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ مقدمہ چند ہفتوں کے لئے ملتوی کردیں۔ چنانچہ انہوں نے مقدمہ کی تاریخ ۱۰/ اپریل مقرر کردی۔ [۳۰]

لالہ چندولال صاحب کی تبدیلی اور عہدہ میں تنزل

لالہ چندولال صاحب نے ۱۰/ اپریل کی تاریخ تو اس خیال سے رکھی تھی کہ اب اس کے بعد اپنے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر حضورؑ کو نظربند کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے مگر عین اس وقت جب کہ ان کے مظالم کا پیمانہ انتہاء تک پہنچ چکا تھا اور سلسلہ کے دشمن متحد ہو کر اپنے بد ارادوں کو عملی شکل میں دیکھنے کو تیار بیٹھے تھے خدا کی غیرت اپنے مامور کی نصرت و تائید کے لئے یکایک جوش میں آئی اور خود حکومت نے اپنے مصالح [۳۱] کی بناء پر لالہ چندولال کو موجودہ عہدہ سے معزول کرکے ان کا تبادلہ بطور منصف ملتان کردیا۔ یعنی وہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر سے منصف بنادیئے گئے۔ [۳۲] پھر کچھ عرصہ بعد پنشن پاکر لدھیانہ آئے۔ یہاں ان کی حالت بہت خراب ہوگئی اور پھر دماغی خرابی میں مبتلا ہو کر کوچ کرگئے۔ [۳۳] لالہ چندولال صاحب کی تنزلی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک دوہرا چمکتا ہوا نشان تھا کیوں کہ آپ نے اس کے متعلق پیشگوئی بھی فرمائی تھی۔ [۳۴] چنانچہ جب ایک دفعہ چند ایک غیر احمدیوں نے حضورؑ سے عرض کیا کہ حضورؑ چندولال کا ارادہ آپ کو قید کرنے کا ہے۔ آپ دری پر لیٹے ہوئے تھے اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ میں تو چندولال کو عدالت کی کرسی پر نہیں دیکھتا۔ [۳۵]

دو ایمان افروز واقعات

حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی نے چندولال صاحب سے متعلق دو ایمان افروز واقعات لکھے ہیں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ "ایک دفعہ دوران مقدمہ میں حضورؑ کا بیان ہونا تھا اور آدمیوں کی اس دن بہت کثرت تھی اس لئے چندولال نے اس دن باہر میدان میں کچہری لگائی اور حضرت صاحب کے بیان میں دریافت کیا۔ آپ کو نشان نمائی کا بھی دعویٰ ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ اور تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا جو نشان چاہیں میں اس وقت دکھا سکتا ہوں اور یہ بڑے جوش میں آپ نے فرمایا۔ اس وقت وہ سناٹے میں آگیا اور لوگوں پر اس کا بڑا اثر ہوا۔"

۲۔ "ایک دفعہ چندو لعل نے عدالت میں حضورؑ کے الہام انی مھین من اراد اھانتک کے متعلق سوال کیا کہ یہ خدا نے آپ کو بتایا ہے؟ حضورؑ نے فرمایا یہ اللہ کا کلام ہے اور اس کا مجھ سے وعدہ ہے۔ وہ کہنے لگا جو آپ کی ہتک کرے وہ ذلیل و خوار ہو گا۔ آپ نے فرمایا بے شک۔ اس نے کہا اگر میں کروں۔ فرمایا چاہے کوئی کرے۔ تو اس نے دو تین مرتبہ کہا۔ اگر میں کروں۔ تو آپ یہی فرماتے رہے چاہے کوئی کرے۔ پھر وہ خاموش ہو گیا۔" [۲۶]

دوسرے مجسٹریٹ مہتہ آتمارام صاحب کی تشدد آمیز پالیسی اور حضرت اقدس کا گورداسپور میں دو ماہ تک قیام

لالہ چندو لال کی جگہ جو مجسٹریٹ آیا وہ بھی ایک متعصب ہندو تھا جس کا نام مہتہ آتمارام تھا۔ اس شخص نے پہلے مجسٹریٹ سے بھی زیادہ متشددانہ پالیسی اختیار کی اور ہندوؤں اور عیسائیوں کا آلہ کار بن کر کھلم کھلا تعصب اور جنبہ داری کا مظاہرہ کیا۔ اور ایک ایسے انسان کے کھڑے کئے ہوئے مقدمہ کو محض عداوت اور بغض کے باعث بہت لمبا کر دیا جس کا سرقہ دھوکہ دہی اور ازالہ حیثیت عرفی کا جرم بالکل واضح تھا۔ قبل ازیں حضورؑ کو ہر عدالت میں باقاعدہ کرسی ملتی تھی مگر انہوں نے نہ صرف کرسی دینے سے انکار کیا بلکہ بعض دفعہ سخت پیاس کے باوجود پانی پینے کی بھی اجازت نہ دی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مقدمات کی تاریخیں اتنی قریب قریب مقرر کرنا شروع کر دیں [۲۷] کہ حضرت اقدسؑ کو مئی ۱۹۰۴ء سے جولائی ۱۹۰۴ء تک متعدد بار گورداسپور کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ [۲۸] اور پھر اس بارے میں اتنی سختی کی کہ بالآخر حضورؑ نے وسط اگست ۱۹۰۴ء سے مقدمہ کی پیروی کے لئے گورداسپور میں ہی ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ حضورؑ ۱۳/ اگست کو دارالامان سے روانہ ہو کر بٹالہ سے گورداسپور تشریف لے گئے۔ مہمانوں کی رہائش کے لئے عارضی طور پر حضورؑ کی فرودگاہ کے سامنے ایک بڑا شامیانہ نصب کر دیا گیا۔ اس طرح احاطہ کچہری میں بھی! جب تک حضورؑ وہاں قیام پذیر رہے حضورؑ کے ملفوظات کا چشمہ جو قادیان میں رواں ہوا کرتا تھا گورداسپور میں بھی جاری رہا اور آپ تبلیغ حق کی سعی و جدوجہد میں ایک بہادر جرنیل کی طرح دیوانہ وار مصروف رہے۔ دو ماہ بعد ۱۱/ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو حضورؑ قادیان تشریف لائے۔ یہ دن ساکنان قادیان کے لئے عید سے کم نہ تھا۔ [۲۹]

مقدمہ میں حضرت مسیح موعودؑ کے منصب نبوت کے بارے میں بار بار وضاحت

عمومی واقعات کے بیان کے بعد اب ہم لالہ آتمارام کی سماعت کے زمانہ کی تفصیلات کی طرف آتے ہیں۔

لالہ آتمارام صاحب نے گورداسپور میں منتقل ہونے کے معاً بعد ۱۱/ اپریل ۱۹۰۴ء کو اس مقدمہ

کی سماعت شروع کی۔ ۱۰/ مئی سے مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے گواہ استغاثہ کا بیان و جرح شروع ہوئی مولوی صاحب نے ۱۳/ مئی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی موجودگی میں یہ حلفیہ بیان دیا کہ۔

"مکذب مدعی نبوت کذاب ہوتا ہے۔ مرزا صاحب ملزم مدعی نبوت ہے۔ اس کے مرید اس کو دعوے میں سچا اور دشمن جھوٹا سمجھتے ہیں۔ پیغمبر اسلام مسلمانوں کے نزدیک سچے نبی ہیں اور عیسائیوں کے نزدیک جھوٹے ہیں۔" [۴۰]

انہوں نے ایک ماہ بعد ۱۶/ جون ۱۹۰۴ء کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی موجودگی میں بجواب مستغیث دوبارہ حلفاً بیان دیا کہ۔

"مرزا صاحب دعویٰ نبوت کا اپنی تصانیف میں کرتے ہیں۔ یہ دعویٰ نبوت اس قسم کا ہے کہ میں نبی ہوں لیکن کوئی نئی شریعت نہیں لایا۔ ایسے مدعی کا مکذب قرآن شریف کی رو سے کذاب ہے۔ میسلمہ مدعی نبوت تھا۔ میں اس کی نبوت سے منکر ہوں۔ میسلمہ مجھے کذاب کہہ سکتا ہے اگر موجود ہو۔" [۴۱]

مقدمہ میں مولوی ثناء اللہ امرتسری استغاثہ کے گواہ تھے چنانچہ انہوں نے بجواب مستغیث کہا کہ "مرزا صاحب ملزم کا دعویٰ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ قرآن میں حضرت محمدؐ صاحب کو خاتم الانبیاء کہا گیا ہے اور حدیث میں لکھا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔" [۴۲]

اس بیان کے جواب میں دونوں فاضل وکلاء (خواجہ کمال الدین صاحب و مولوی محمد علی صاحب) نے "تحذیر الناس" وغیرہ کتابیں پیش کرکے ثابت کیا کہ تشریعی نبوت بند ہے مگر غیر تشریعی نبوت جاری ہے۔ غرض کہ اس مقدمہ میں حضرت اقدسؑ کے دعویٰ نبوت کا ایسا کھلا اور واضح اعلان خود حضرت اقدس علیہ السلام اور آپ کے وکلاء خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے ہوا کہ آپ کے منصب نبوت کے بارہ میں کوئی شک و شبہ نہ رہا۔

مصالحت کی کوشش اور حضورؑ کا ایمان افروز جواب

جون کے آغاز میں حالات نے کروٹ لی۔ بات معمولی تھی مگر مقدمہ نے طول کھینچا۔ یہ صورت حال دیکھ کر گورداسپور کے بعض نیک دل اور دور اندیش لوگوں نے خلوص کے ساتھ کوشش شروع کردی کہ فریقین میں صلح ہو جائے۔ اور شریف مزاج اور ہمدرد مسلمانوں کا ایک وفد مولوی کرم دین صاحب کو دست برداری پر آمادہ کرکے حضورؑ کی خدمت میں بغرض مصالحت پہنچا۔ حضورؑ نے جواب دیا۔ صلح کی صورت صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ کرم دین صاحب کہہ دیں کہ یہ میرے ہی خطوط ہیں۔ وفد کے ایک ممبر نے کہا کہ وہ مقدمہ سے دست بردار ہوتا ہے۔ حضورؑ نے فرمایا۔ یہ مقدمہ ایماء الٰہی سے ہے جب تک کرم دین صاحب اپنے خطوط کا اقرار

نہ کریں کہ میرے ہیں جن کا اس نے عدالت میں انکار کیا تب تک کوئی صفائی نہیں۔ وفد نے کہا کہ حضورؑ حکام کی نظر اچھی نہیں ہے۔ آپؑ نے فرمایا۔ حکام کیا کریں گے مجھے سزا دے دیں گے اور کیا کریں گے۔ یہ سن کر وفد واپس چلا گیا۔ [۶۳]

مگر اس واقعہ کے بعد بھی وفد کی طرف سے مصالحت کی کوششیں جاری رہیں اور بالآخر یہ قرار پایا کہ مولوی کرم دین صاحب اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام علیحدہ علیحدہ بیان لکھیں۔ حضورؑ کا بیان یہ ہو کہ "میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے الفاظ کذاب بہتان و لئیم مولوی کرم دین کے متعلق یہ یقین کر کے لکھے تھے کہ خطوط محولہ مقدمات اور مضامین مندرجہ سراج الاخبار ۶، ۱۳/ اکتوبر ۱۹۰۲ء مولوی کرم دین کے ہیں اور میں دعا کرتا ہوں کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہو۔"

اسی طرح مولوی کرم دین صاحب کے تحریری بیان کے الفاظ یہ ہوں کہ "میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ خطوط محولہ مقدمات جو میری طرف سے ظاہر کئے گئے اور مضمون سراج الاخبار مندرجہ ۶۔ اکتوبر و ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء جو میرے نام پر اخبار میں شائع ہوئے ہیں میرے نہیں ہیں اور میں دعا کرتا ہوں کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہو۔"

مصالحت کنندوں نے یہ مجوزہ مسودہ صحیح تسلیم کیا البتہ یہ کہا کہ اس میں لعنت کا لفظ بڑا سخت ہے اس کو کسی طرح بدل دیا جاوے۔ سو حضورؑ نے اس کی بجائے یہ ترمیم کر دی کہ "میں اس مقدمہ کو انصاف کے لئے خدا تعالیٰ کی عدالت میں سپرد کرتا ہوں۔" لیکن جب یہ مسودہ مولوی کرم دین صاحب کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں قسم نہیں کھاتا۔ حالانکہ قبل ازیں رائے چندو لال کی عدالت میں وہ حلفیہ بیان دے چکے تھے۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ بجائے خدا کی قسم کے اقرار صالح کا لفظ لکھا جاوے۔ چنانچہ مسودہ میں اس کے مطابق ترمیم کر دی گئی مگر بعد ازاں مولوی کرم دین صاحب نے یہ اعتراض اٹھا دیا کہ مسودہ سے خدا کی عدالت میں انصاف کے لئے سپردگی کے لفظ بھی نکال دئے جائیں جس کی وجہ یہ بتائی کہ میرے برخلاف پیش گوئیاں کی جائیں گی۔ سو اس کے متعلق بھی شرط مان لی گئی تھی لیکن وہ کسی طرح رضامند نہ ہوئے اور وفد کی طرف سے مصالحت کی تمام تر کوششیں ناکام ہو گئیں۔ [۶۴]

مقدمہ کی کارروائی پھر شروع ہو گئی

اب مقدمہ کی کارروائی پھر سے شروع ہو گئی۔ چنانچہ ۱۶، ۱۷/ جون کو مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے اور مولوی ثناء اللہ کی باقی جرح ختم ہوئی۔ [۶۵] ۱۷/ جون کو مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے وکلاء کے ایک سوال کے جواب میں بیان دیا کہ مفتی ہونا لیاقت پر منحصر ہے اس لئے فتویٰ

دینے والا دنیاوی کاموں میں کتناہی جھوٹا ثابت ہو مجھے اس سے فتویٰ لینے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ ۴۶

۲۵ تا ۲۸/ جولائی کو مولوی غلام محمد صاحب قاضی تحصیل چکوال کی شہادت صفائی اور اس پر جرح ہوئی۔ اسی شہادت و جرح پر مقدمہ میں شہادت استغاثہ ختم ہوئی اور وہی فرد جرم جو بابو چندولال صاحب سابق مجسٹریٹ نے لگایا تھا بحال رکھا گیا۔

پیر مہر علی شاہ صاحب کی گواہی کیلئے درخواست اور مجسٹریٹ کا انکار

حضرت اقدس علیہ السلام کے وکلاء کی طرف سے قبل ازیں ۴۴ گواہوں کی ایک فہرست دی گئی تھی جن میں سب سے اہم جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی تھے مگر مجسٹریٹ صاحب نے صرف گیارہ گواہ ۴۷ بلانے منظور کئے اور دیگر گواہوں کے علاوہ پیر مہر علی شاہ صاحب کو چھوڑ دیا ۴۸ جس پر حکیم فضل دین صاحب نے مجسٹریٹ صاحب کو تحریری درخواست پیش کی کہ اس تمام مقدمہ میں کوئی واقعہ ثبوت طلب نہیں کہ جس کے متعلق گواہ مذکور کو ذاتی علم نہ ہو۔ پھر کتاب "اعجاز المسیح" متروکہ محمد حسن متوفی کے نوٹوں کے بارے میں پیر صاحب کا بیان فیصلہ کن ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ امر ثابت ہے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب اور مستغیث کی خط و کتابت ہے اور مستغیث کے دستخط کو یہ جانتے ہیں اور چونکہ وہ سجادہ نشین ہیں اس لئے ممکن نہیں کہ وہ جھوٹی شہادت دیں۔ یہ بہت ہی ضروری ہے ہم اس کے عوض ایک اور گواہ بھی چھوڑنے کو تیار ہیں۔ ۴۹ لیکن مجسٹریٹ صاحب نے یہ درخواست رد کردی اور پیر صاحب موصوف کو جو اس مقدمہ کے ایک نہایت اہم گواہ تھے عدالت میں پیش نہیں ہونے دیا۔ اس کے برعکس ۱۰/ اگست کو حضرت اقدسؑ کے وکیل نے درخواست کی کہ اب حضورؑ کو حاضری عدالت سے معاف رکھا جائے تو مجسٹریٹ صاحب نے حکم دیا کہ آپ سے حاضری عدالت کے لئے مچلکہ دلایا جائے۔ چنانچہ اس وقت مچلکہ داخل کردیا گیا۔ ۵۰

مقدمہ کا فیصلہ اور حضورؑ کو قید کرنے کی دوسری سازش میں مجسٹریٹ کی ناکامی

غرض کہ اس نوعیت کی لمبی چوڑی عدالتی کارروائیوں کے بعد (جو ۲۴/ ستمبر ۱۹۰۴ء تک ختم ہوئی ۵۱) آئندہ تاریخ یکم اکتوبر ۱۹۰۴ء مقرر کی گئی۔ ۵۲ چونکہ اس روز عام خبر تھی کہ فیصلہ سنایا جائے گا اس واسطے کچہری کے احاطہ میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ خصوصاً حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے اڑھائی تین سو خدام مقدمہ کا فیصلہ سننے کے لئے کراچی، حیدر آباد، سندھ، پشاور، وزیر آباد، راہوں ضلع جالندھر، کپور تھلہ، قادیان، لاہور، امرتسر، نارووال، دینانگر وغیرہ مقامات سے پہنچے ہوئے تھے۔ ۵۳ لیکن افسوس اس تاریخ کی

بجائے مجسٹریٹ لالہ آتمارام صاحب نے ۸ / اکتوبر ۱۹۰۴ء کو فیصلہ سنایا جس میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کو پانچ سو روپیہ اور حکیم فضل الدین صاحب کو دو سو روپیہ جرمانہ اور بصورت عدم ادائیگی چھ چھ ماہ قید کی سزا دی۔ فیصلہ کے وقت اس نے اچھی طرح پولیس کا انتظام کیا ہوا تھا اور عدالت کے اردگرد سپاہی کھڑے تھے جو کسی کو اندر نہیں جانے دیتے تھے۔

۸ / اکتوبر کو ہفتہ کا دن تھا اور یہ دن مجسٹریٹ صاحب نے ایک خاص منصوبہ کے تحت مقرر کیا تھا اور وہ یہ کہ اگلے دن تعطیل تھی اور ان کا ارادہ یہ تھا کہ فیصلہ برخاست عدالت سے صرف چند منٹ پیشتر سنایا جائے تا حضرت اقدسؑ کی طرف سے جرمانہ کی فوری ادائیگی نہ ہونے پائے اور آپ کو کم از کم ہفتہ اور اتوار دو روز تو جیل خانہ میں رکھا جا سکے۔

قید سے بچاؤ کیلئے خدام کی ایک تجویز اور حضورؑ کا ارشاد

منشی احمد دین صاحب لدھیانوی ملازم نواب محمد علی خاں صاحب کا بیان ہے کہ میں ان دنوں گورداسپور آیا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب اور چند اور احباب مل کر مشورہ کر رہے تھے کہ اگر مجسٹریٹ نے قید کا حکم سنایا تو ہم اپیل کریں گے۔ مجھ سے انہوں نے دریافت کیا تو میں نے کہا کہ یہ مشورہ فضول ہے جب ایک دفعہ ہتھکڑی لگ جائے اور قید خانے میں چلے جائیں تو ہماری عزت کہاں۔ انہوں نے کہا آپ ہی بتائیں کیا کرنا چاہئے۔ میں نے مشورہ دیا کہ ایک آدمی تلاش کرو اور چار ہزار یا بیس ہزار وغیرہ جتنی ضمانت مانگنے کا احتمال ہو سکتا ہے اتنی جائداد کا وہ مالک ہو اور بروقت ضمانت دے سکے اور ایک درخواست اپیل کی لکھ کر اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستخط کروائے جائیں اور اپیل چونکہ سیشن کورٹ امرتسر کی عدالت میں ہوگی اس لئے امرتسر میں ایک بیرسٹر کو ایک دن کی پوری فیس دی جائے اور وہ عدالت کے دروازے پر موجود رہے اور ایک موٹر اپنے قبضہ میں رکھنی چاہئے۔ حکم سنتے ہی فوری تار دیا جائے اور وہ بیرسٹر جو امرتسر سیشن جج کی عدالت کے دروازے پر کھڑا ہو اپیل داخل کر کے منظوری کی بذریعہ فوری تار اطلاع دے دے۔ یہ رائے سن کر سب عش عش کر اٹھے کہ یہ رائے بہت اچھی ہے۔ تب انہوں نے کہا کہ آپ ہی حضرت صاحبؑ کے پاس جا کر اس رائے کو پیش کریں۔ چنانچہ میں گیا۔ حضرت صاحب لیٹے ہوئے تھے میں حضورؑ کے پاؤں دابنے لگا۔ باتوں باتوں میں میں نے ذکر کیا معلوم ہوتا ہے جج دشمن ہے اور اس کی نیت نیک نہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں ہے تو دشمن ہی۔ تو میں نے عرض کیا کوئی تدبیر کرنی چاہئے۔ اور پھر خود ہی اپنی پوری سکیم حضورؑ کی خدمت میں پیش کر دی۔ سن کر بیٹھ گئے اور فرمایا "منشی صاحب یہ تو انتہائی تدبیر ہے اگر یہ کی جائے تو اس طرح خدا

کانشان مٹتا ہے۔" یہ سن کر میں خاموش ہو گیا۔ ۵۴

حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کی طرف سے جرمانہ کی ادائیگی

ادھر یہ بات ہوئی ادھر خدا تعالیٰ نے حضورؑ کے کئی خدام کے دل میں یہ تحریک کی کہ وہ فیصلہ کے دن روپے ساتھ لے گئے بلکہ حضرت نواب محمد علی خاں صاحب نے تو احتیاطاً نو سو روپیہ فیصلہ سے ایک روز پیشتر ہی اپنے آدمی کے ہاتھ بھجوا دیا۔ چنانچہ جوں ہی فیصلہ سنایا گیا خواجہ کمال الدین صاحب نے اس رقم ۵۵ سے اسی وقت جرمانہ کی رقم ادا کر دی اور لالہ آتما رام اور ان کے ساتھیوں کا سارا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔

فیصلہ کی مزید تفصیلات

مؤلف "مجدد اعظم" کا بیان ہے کہ "حضرت اقدس اور حکیم فضل دین صاحب کو عدالت میں بلایا گیا اور عدالت میں پہرہ لگا دیا گیا اور سپاہیوں کو کہہ دیا گیا کہ سوائے مرزا صاحب اور حکیم فضل الدین کے کوئی دوسرا شخص عدالت کے کمرہ میں نہ آوے اور ایک سپاہی ہتھکڑیاں لے کر عدالت کے کمرہ میں کھڑا کر دیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ جرمانہ کا حکم سنتے ہی اگر فوراً جرمانہ ادا نہ ہو تو دونو صاحبوں کو فوراً ہتھکڑیاں لگا کر جیل خانہ پہنچا دیا جائے۔ حضرت اقدسؑ ان تمام منصوبوں سے بے خبر نہایت بے پروائی سے کمرہ عدالت میں داخل ہو گئے اور ساتھ ہی حکیم صاحب بھی۔ خواجہ صاحب حوائج ضروریہ کے لئے گئے ہوئے تھے وہ واپس آئے تو دیکھا کہ حضرت اقدسؑ عدالت کے کمرہ میں اکیلے داخل ہو رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مجسٹریٹ نے فیصلہ سنانے کے لئے بلایا ہے اور حکم دیا ہے کہ کوئی اور آدمی کمرہ میں نہ آوے۔ ان کا ماتھا ٹھنکا انہوں نے سمجھ لیا کہ خیر نہیں۔ بھاگ کر عدالت کے کمرہ کے دروازے پر پہنچے۔ اندر گھسنے لگے تو دو سپاہیوں نے دروازہ پر دونوں طرف سے آگے بڑھ کر روکا۔ انہوں نے کہا کہ میں کیسے اندر نہ جاؤں میں ملزمان کا وکیل ہوں اور ساتھ ہی بغیر کسی جواب کے انتظار کے دونوں ہاتھ پھیلا کر دونوں سپاہیوں کو دروازہ کے باہر دھکیل دیا۔ ماشاء اللہ تنومند آدمی تھے سپاہی پھر نہ بولے۔ کمرہ کے اندر گئے تو مجسٹریٹ فیصلہ سنا رہا تھا..... وہاں جو سات سو روپیہ جرمانہ سنا تو انہوں نے فوراً سات سو روپیہ کے نوٹ جیب میں سے نکال کر عدالت کی میز پر رکھ دئے۔ مجسٹریٹ ہکا بکا رہ گیا۔ اس کا سارا منصوبہ حضرت اقدسؑ کو قید کرنے کا خاک میں مل گیا۔ بہت تلملایا اور چہرہ سیاہ پڑ گیا لیکن نوٹوں کو دیکھ کر پھر چہرہ پر رونق آ گئی اس زمانہ میں نوٹوں پر لاہور، کلکتہ، کراچی، مدراس وغیرہ لکھا ہوتا تھا۔ باقی نوٹ دوکاندار قبول نہ کرتے تھے۔ خواجہ صاحب نے جو نوٹ عدالت کے آگے پیش کئے تھے ان پر "مدراس۔ کراچی" لکھا ہوا تھا۔ فوراً مجسٹریٹ صاحب بولے کہ یہ نوٹ مدارس۔ کراچی کے ہیں یہاں قابل قبول نہیں۔ خواجہ صاحب

نے کہا کہ آپ لکھ دیں کہ سات سو روپے کے نوٹ پیش کئے گئے تھے مگر چونکہ وہ مدارس کراچی کے تھے اس لئے عدالت نے قبول نہیں کئے۔ اس پر وہ عاجز آگیا۔ کیوں کہ گو بازار میں دوکاندار مدراس۔ کراچی کے نوٹ نہ لیں لیکن گورنمنٹ اپنے نوٹ برٹش انڈیا کی حدود کے اندر لینے سے انکار نہیں کر سکتی۔ چار و ناچار اس نے نوٹ قبول کر لئے اور بصد حسرت و یاس حضرت اقدسؑ اور حکیم صاحب کو جانے کی اجازت دے دی۔" [۵۶]

لالہ آتمارام صاحب قہرالٰہی کی زد میں

لالہ آتمارام صاحب بھی اپنے پیش رو رائے چندو لال کی طرح قہر الٰہی کی زد سے نہ بچ سکے۔ خدا کے مامور سے جو ظالمانہ اور انسانیت سوز سلوک انہوں نے روا رکھا اس کی پاداش میں دوران مقدمہ میں ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ سزا ملی کہ ان کے دو لڑکے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی پیش گوئی کے مطابق صرف بیس پچیس دن کے مختصر سے وقفہ میں مر گئے [۵۷] اور ان کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ حضورؑ پر بذریعہ کشف ظاہر کیا گیا تھا کہ آتمارام صاحب اپنی اولاد کے ماتم میں مبتلا ہوں گے۔ اور آپ نے یہ کشف پہلے سے اپنی جماعت کو سنا بھی دیا تھا۔ [۵۸]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ (لالہ آتمارام) "کا بیٹا دریا میں ڈوب کر مر گیا اور وہ اس غم میں نیم پاگل ہو گیا۔ اس واقعہ کا اتنا اثر تھا کہ وہ لدھیانہ کے سٹیشن پر مجھے ملا اور بڑے الحاح سے کہنے لگا کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے صبر کی توفیق دے۔ مجھ سے بڑی بڑی غلطیاں ہوئی ہیں اور میری حالت ایسی ہے کہ میں ڈرتا ہوں کہ میں کہیں پاگل نہ ہو جاؤں۔ [۵۹]

چیف کورٹ میں حضرت اقدسؑ کی بریت اور مولوی کرم دین صاحب کے جرمانہ کی بحالی اور کذاب ہونے پر مہر

مولوی کرم دین صاحب نے اپنے مقدمہ میں سب سے زیادہ زور اس امر پر دیا تھا کہ "لئیم" کے لفظ کے معنی (جسے مرزا صاحب نے اس کے متعلق استعمال کیا ہے) ولدالزنا کے ہیں۔ اور کذاب کے یہ معنی ہیں جو ہمیشہ جھوٹ بولتا ہو۔ حضرت اقدسؑ اور آپ کے وکلاء کا موقف یہ تھا کہ یہ لفظ ان معنوں پر مستعمل نہیں۔ پہلی عدالت نے یہی معنی تسلیم کئے اور اسی بناء پر جرمانہ کیا۔ مگر عین اس وقت جب مقدمہ زور شور سے جاری تھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورؑ کو الہام ہوا کہ "معنی دیگر نہ پسندیم ما" جس کی تفہیم یہ ہوئی کہ دوسری عدالت میں یہ معنی قائم نہیں رہیں گے۔ [۶۰] چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ ۵ / نومبر ۱۹۰۴ء کو مسٹر اے۔ ای ہری صاحب ڈویژنل جج امرتسر کی عدالت میں اس فیصلہ کے خلاف اپیل کی گئی جس پر حکام نے مستغیث کی مدد کے لئے سرکاری وکیل مقرر کر دیا اور دشمن

کو وکیل کرنے کی بھی ضرورت نہ رہی۔ [61] مگر خدائی بشارت کے عین مطابق ڈویژنل جج صاحب امرتسر نے بتاریخ ۷ / جنوری ۱۹۰۵ء حضرت اقدسؑ کو ہر الزام سے بری کر دیا اور مولوی کرم دین صاحب کے تمام عذرات کو رد کر کے خاص طور پر اپنے فیصلہ میں لکھا کہ۔

"مستغیث کذاب اور لئیم وغیرہ الفاظ کا بالکل مستحق تھا تاکہ عوام الناس اس امر کا اندازہ لگا سکیں کہ مستغیث کے فعل اور قول کی کیا وقعت ہونی چاہئے۔؟"

"سراج الاخبار" میں شائع شدہ مضامین کے بارے میں لکھا کہ

"ان سے ایک دانستہ منصوبہ چال بازی اور خلاف بیانی اور جعل سازی کا ظاہر ہوتا ہے جس پر بے حیائی سے ایک عام اخبار کی سطروں میں دنیا کے سامنے فخر کیا گیا ہے..... مستغیث نے ان کی تردید کے بارے میں یا ان کے نویسندہ ہونے سے انکار کرنے کی بابت کبھی کوئی تحریر اخبار میں نہیں بھیجی۔ اندرونی شہادت سے دلالت ہوتی ہے کہ سوائے مستغیث کے کسی اور نے یہ مضامین تحریر نہیں کئے۔ بے شک مرزا صاحب کا کوئی مرید ایسا کام نہیں کر سکتا۔ نویسندہ اپنی چالاکی پر نہات خوش معلوم ہوتا ہے۔ اور غالباً اس کارروائی کی عزت کسی اور کو دینا پسند نہیں کرتا۔ مستغیث نے اس تحریر کو جو اس کی بیان کی جاتی ہے شناخت کرنے میں اس قدر ٹال مٹول کیا ہے کہ ہم اس پر کوئی اعتبار نہیں کر سکتے۔"

اس فیصلہ کے آخری الفاظ یہ تھے کہ

"بہت ہی افسوس ہے کہ ایسے مقدمہ میں جو کارروائی کے ابتدائی مرحلہ پر ہی خارج کیا جانا چاہئے تھا اس قدر وقت ضائع کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہر دو ملزمان مرزا غلام احمد و حکیم فضل دین بری کئے جاتے ہیں۔ ان کا جرمانہ واپس دیا جائے گا۔" [62]

جرمانہ کی واپسی

فیصلہ کے مطابق ۲۴ / جنوری ۱۹۰۵ء کو جرمانہ واپس ہوا۔ جو مولوی محمد علی صاحب خواجہ کمال الدین صاحب اور شیخ یعقوب علی صاحب تراب نے گورداسپور کے سرکاری خزانہ سے وصول کیا۔ [63]

مقدمہ کا ذکر سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے قلم مبارک سے

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اس نشان کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"کرم دین نام ایک مولوی نے فوجداری مقدمہ گورداسپور میں میرے نام دائر کیا اور میرے مخالف مولویوں نے اس کی تائید میں آتمارام اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کی عدالت میں جا کر گواہیاں دیں اور ناخنوں تک زور لگایا۔ اور ان کو بڑی امید ہوئی کہ اب کی دفعہ ضرور کامیاب ہوں گے اور ان کو جھوٹی

خوشی پہنچانے کے لئے ایسا اتفاق ہوا کہ آتمارام نے اس مقدمہ میں اپنی نافہمی کی وجہ سے پوری غور نہ کی اور مجھ کو سزائے قید دینے کے لئے مستعد ہو گیا۔ اس وقت خدا نے میرے پر ظاہر کیا کہ وہ آتمارام کو اس کی اولاد کے ماتم میں مبتلا کرے گا چنانچہ یہ کشف میں نے اپنی جماعت کو سنا دیا۔ اور پھر ایسا ہوا کہ قریباً بیس پچیس دن کے عرصہ میں دو بیٹے اس کے مر گئے۔ اور آخر یہ اتفاق ہوا کہ آتمارام سزائے قید تو مجھ کو نہ دے سکا۔ اگرچہ فیصلہ لکھنے میں اس نے قید کرنے کی بنیاد بھی باندھی مگر اخیر پر خدا نے اس کو اس حرکت سے روک دیا لیکن تاہم اس نے سات سو روپیہ جرمانہ کیا۔ پھر ڈویژنل جج کی عدالت سے عزت کے ساتھ میں بری کیا گیا اور کرم دین پر سزا قائم رہی اور میرا جرمانہ واپس ہوا مگر آتمارام کے دو بیٹے واپس نہ آئے۔ پس جس خوشی کے حاصل ہونے کی کرم دین کے مقدمہ میں ہمارے مخالف مولویوں کو تمنا تھی وہ پوری نہ ہو سکی اور خدا تعالیٰ کی اس پیش گوئی کے مطابق جو میری کتاب مواہب الرحمٰن میں پہلے سے چھپ کر شائع ہو چکی تھی میں بری کیا گیا اور میرا جرمانہ واپس کیا گیا اور حاکم مجوز کو منسوخی حکم کے ساتھ یہ تنبیہ ہوئی کہ یہ حکم اس نے بے جا دیا۔ مگر کرم دین کو جیسا کہ میں مواہب الرحمٰن میں شائع کر چکا تھا سزا مل گئی اور عدالت کی رائے سے اس کے کذاب ہونے پر مہر لگ گئی اور ہمارے تمام مخالف مولوی اپنے مقاصد میں نامراد رہے۔ افسوس کہ میرے مخالفوں کو باوجود اس قدر متواتر نامرادیوں کے میری نسبت کسی وقت محسوس نہ ہوا کہ اس شخص کے ساتھ درپردہ ایک ہاتھ ہے جو ان کے ہر ایک حملہ سے اس کو بچاتا ہے۔ اگر بدقسمتی نہ ہوتی تو ان کے لئے یہ ایک معجزہ تھا کہ ان کے ہر ایک حملہ کے وقت خدا نے مجھ کو ان کے شر سے بچایا اور نہ صرف بچایا بلکہ پہلے اس سے خبر بھی دے دی کہ وہ بچایا جائے گا اور ہر ایک مرتبہ اور ہر ایک مقدمہ میں خدا تعالیٰ مجھے خبر دیتا رہا کہ میں تجھے بچاؤں گا۔ چنانچہ وہ اپنے وعدے کے موافق مجھے محفوظ رکھتا رہا۔" [۶۴-۶۵]

مولوی کرم دین صاحب کے خلاف مقدمات

مولوی کرم دین صاحب کے دائر شدہ مقدمہ کے واقعات کے بعد اب ان مقدمات کے مختصر حالات بیان کرتے ہیں جو خود مولوی کرم دین صاحب کے خلاف دائر تھے۔

پہلا مقدمہ

پہلا مقدمہ حکیم فضل دین صاحب کے زیر دفعہ ۴۲۰ تھا۔ مولوی کرم دین صاحب نے اپنے خلاف جملہ مقدمات کے بارے میں عدالت عالیہ چیف کورٹ میں درخواست دی کہ یہ گورداسپور سے منتقل کئے جائیں لیکن یہ درخواست نامنظور ہوئی۔ [۶۶] اور گورداسپور عدالت میں ہی ان کی کارروائی شروع ہوئی۔ چنانچہ استغاثہ کی طرف سے ۲۳/جون ۱۹۰۳ء کو مفتی سلیم اللہ صاحب لاہور اور فقیر محمد صاحب مالک سراج الاخبار' ۲۴/جون ۱۹۰۳ء کو

فیض الحسن صاحب بھیں، شاہ حسین گولڑوی، منشی لنگر گولڑہ بطور گواہ پیش ہوئے۔ ۱۶/ جولائی ۱۹۰۳ء کو منشی غلام حیدر صاحب تحصیل دار اور مولوی عبدالکریم صاحب کی شہادتیں ہوئیں۔ مولوی عبدالکریم صاحب کا بیان مختصراً یہ تھا کہ (حضرت) مرزا صاحب کی خط و کتابت میں کرتا ہوں جو خطوط (حضرت) مرزا صاحب کی طرف سے آتے ہیں وہ براہ راست ان کی خدمت میں نہیں پہنچتے۔ ان میں سے اکثر خطوط کو میری طرف جواب دینے کے لئے بھیج دیتے ہیں۔ مرزا صاحب کی مجلس میں بیٹھنے کا وقت (ظہر) کی نماز سے کسی قدر پہلے ہے اور مغرب سے شام کی نماز پڑھ کر عشاء کی نماز تک برابر بیٹھے رہتے ہیں۔ جن خطوط کا تعلق عام بہتری اور مصالح کے ساتھ ہوتا ہے ان کو مجلس میں سنا دیتا ہوں۔ خط و کتابت کا کام میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے محض رضاکارانہ کرتا ہوں۔ قبل ازیں استغاثہ کی طرف سے پیر مہر علی شاہ صاحب کو بھی بلایا گیا تھا لیکن انہوں نے اپنے وکیل دیوان سنت رام ایڈووکیٹ گورداسپور کی طرف درخواست دی کہ میرے ہزاروں مرید ہیں اور کم از کم چار پانچ سو مرید میرے ساتھ آئیں گے اس لئے اندیشہ نقض امن ہے۔ دوسرے سائل بیمار ہے اس لئے بذریعہ کمیشن شہادت لی جائے۔ مجسٹریٹ صاحب نے ڈاکٹری سرٹیفکیٹ طلب کیا جو ۱۶/ جولائی ۱۹۰۳ء کو پیش کر دیا گیا اور ان کو حاضری سے معاف کر دیا گیا۔ اگلے دن ۱۷۔ جولائی ۱۹۰۳ء کو وکیل استغاثہ نے پیر صاحب کی شہادت کے لئے دوبارہ درخواست دی جو رد کر دی گئی۔ [۶۷]

شہادت صفائی کے لئے ۱۹/ اگست ۱۹۰۳ء [۶۸] کی تاریخ مقرر تھی۔ ملزم نے اس شہادت کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اور حکیم فضل دین صاحب کو مزید جرح کے لئے بلوایا تھا [۶۹] چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام ۱۷۔ اگست ۱۹۰۳ء کو نماز ظہر و عصر جمع کر کے گورداسپور کے لئے روانہ ہوئے۔ حضورؑ کے ہمراہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد (ایدہ اللہ تعالیٰ) بھی تھے۔ ۱۲۔ بجے کے قریب گورداسپور پہنچے۔

عدالت میں ایک نشان کا ظہور

۱۹/ اگست کی صبح کو حضورؑ کو الہام ہوا کہ یسئلونک عن شانک قل اللہ ذرھم فی خوضھم یلعبون [۷۰] یعنی تیری شان کے بارے میں پوچھیں گے کہ تیری شان اور تیرا مرتبہ کیا ہے۔ کہہ! وہ خدا ہے جس نے مجھے یہ مرتبہ بخشا ہے۔ پھر ان کو اپنی لہو ولعب میں چھوڑ دے۔

حضرت مولوی شیر علی صاحب کا بیان ہے کہ جب یہ الہام ہوا تو حضورؑ کے پاس صرف میں اور مفتی محمد صادق صاحب ہی تھے۔ حضرت اقدسؑ لیٹے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سو رہے ہیں۔ اس حالت میں حضورؑ نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے لکھ لیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت

وہاں کوئی قلم و دوات بلکہ پنسل تک موجود نہ تھی آخر باورچی خانہ سے ایک کوئلہ لایا اور اس سے مفتی محمد صادقؓ صاحب نے کاغذ پر لکھا۔ آپؑ پھر اسی طرح لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آپ نے الہام لکھایا۔ غرض اسی طرح آپ نے اس وقت چند الہامات لکھوائے جن میں سے ایک یسئلونک عن شانک والا الہام بھی تھا۔ اس کے بعد حضور اقدسؑ نے اپنے خدام کے سامنے جو چالیس سے کم نہ تھے یہ الہام سنا دیا۔ جن میں مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے اور خواجہ کمال الدین صاحب بھی تھے۔ [۷۱] اسی روز حضور اقدسؑ کی گواہی تھی۔ چونکہ عدالت کو علم تھا کہ حضرت اقدسؑ کی موجودگی سے شائقین زیارت بکثرت جمع ہوں گے اس لئے عدالت کی کرسی عمارت سے باہر باغ کے درمیان نصب کی گئی اور بنچوں اور کرسیوں وغیرہ کا کافی انتظام کر دیا گیا جس سے شائقین بڑے آرام اور عمدگی سے عدالتی کارروائی سن سکیں۔ اس موقعہ پر عدالت کے کل افسر اور گورداسپور کے روٴسا اور وکلاء موجود تھے۔ حکیم فضل الدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب کی مختصر شہادت لی گئی اس کے بعد حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا بیان شروع ہوا۔ [۷۲] اور خدا کی قدرت!! فریق ثانی کے وکیل نے آپ سے یہی سوال کیا کہ کیا آپ کی شان اور مرتبہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تحفہ گولڑویہ [۷۳] میں لکھا گیا ہے۔ حضورؑ نے جواب دیا کہ ہاں خدا کے فضل سے یہی مرتبہ ہے۔ اسی نے یہ مرتبہ مجھے عطا کیا ہے۔ چنانچہ سرکاری عدالت کی مقدمہ مسل میں حضرت اقدسؑ کے بیان کا ایک حصہ ان الفاظ میں درج ہے۔

"تحفہ گولڑویہ میری تصنیف ہے۔ یکم ستمبر ۱۹۰۲ء کو شائع ہوئی۔ پیر مہر علی کے مقابلہ پر لکھی ہے۔ یہ کتاب سیف چشتیائی کے جواب میں نہیں لکھی گئی۔ (سوال) جن لوگوں کا ذکر صفحہ ۴۸ لغایت ۵۰ اس کتاب میں لکھا ہے آپ ہی اس کے مصداق ہیں (جواب) خدا کے فضل اور رحمت سے اس کا مصداق ہوں... الخ۔" [۷۴]

اس طرح وہ الہام جو خدا کی طرف سے صبح کو ہوا تھا قریباً عصر کے وقت پورا ہو گیا [۷۵] اور ازدیاد ایمان کا موجب بنا۔

بیان ختم ہوا تو شام کو حضرت اقدسؑ گورداسپور سے رخصت ہو کر بٹالہ تشریف لائے اور دوسرے دن ۲۰/ اگست کو ۸ بجے صبح قادیان پہنچ گئے۔ [۷۶] بالآخر ۱۴/ جنوری ۱۹۰۴ء کو رائے چندو لال مجسٹریٹ نے اس مقدمہ کا فیصلہ سنایا کہ مستغیث (حکیم فضل الدین صاحب) کے پیش کردہ خطوط اور مضمون سراج الاخبار مولوی کرم دین یا اس کے شاگرد شہاب الدین کے ہی لکھے ہوئے ہیں لیکن جرم ثابت نہیں۔ اس لئے مقدمہ خارج کیا جاتا ہے۔ [۷۷]

دوسرا مقدمہ

دوسرا مقدمہ حکیم فضل دین صاحب نے دفعہ ۴۱۱ کے تحت "نزول المسیح" کے سرقہ کا دائر کر رکھا تھا۔ اس میں بھی عدالت نے ۱۶۔ مارچ ۱۹۰۴ء کو ملزم کو بری کر دیا۔

تیسرا مقدمہ

تیسرا مقدمہ ایڈیٹر الحکم شیخ یعقوب علی صاحب تراب کی طرف سے دائر تھا۔ محولہ بالا مقدمات اور اس مقدمہ کے انتقال کی درخواست کی گئی تھی جو نامنظور ہوئی اور مقدمہ گورداسپور کی عدالت میں ہی دوسرے مقدموں کے ساتھ چلتا رہا۔

۱۹۔ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے بجواب جرح بیان دیا کہ میں یعقوب علی مستغیث کا پیر بھائی ہوں۔ جو لوگ مرزا صاحب کو نہیں مانتے ان کو ہم کافر نہیں سمجھتے منکر خدا تعالیٰ کی پیش گوئیوں کا اور قرآن و حدیث کے وعدوں کا سمجھتے ہیں۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کی پیش گوئیوں اور قرآن و حدیث کے وعدوں کے منکر ہیں ان کو ہم کافر سمجھتے ہیں۔ جو لوگ مرزا صاحب کے پیرو نہیں ہیں ان سے ہم سلام علیکم کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے نہ ان کے جنازہ میں شامل ہوتے ہیں۔ [۷۸]

اس مقدمہ میں بھی پیر مہر علی شاہ صاحب کو استغاثہ کی طرف سے گواہ طلب کیا گیا تھا لیکن پیر صاحب نے لالہ سنت رام پیرسٹرایٹ لاء کے ذریعہ سے ۲۷۔ نومبر ۱۹۰۳ء کو میڈیکل سرٹیفکیٹ پیش کرتے ہوئے درخواست دی کہ سائل اپنی بیماری کی وجہ سے چند منٹ کے لئے بھی سوال و جواب سے معذور ہے۔ لہٰذا لالہ چندولال نے ان کی پیشی ۱۶۔ دسمبر ۱۹۰۳ء کو رکھ دی۔ لیکن اس دن پھر ڈاکٹری سرٹیفکیٹ پیش کر دیا گیا۔ لالہ چندولال صاحب نے فیصلہ کیا کہ اس حالت میں گواہ کو یہاں حاضر کرنے کے لئے مجبور کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا اور فی الحال بادی النظر میں اس کی شہادت کی بھی چنداں ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

اس مقدمہ کا فیصلہ ۸۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف دائر شدہ مقدمہ کرم دین سے پیشتر سنایا گیا کہ کرم دین اور فقیر محمد کا جرم ثابت ہے لہٰذا ملزم نمبر۱ کو پچاس روپیہ جرمانہ بصورت عدم ادائے جرمانہ دو ماہ کی قید محض اور ملزم نمبر۲ کو چالیس روپیہ جرمانہ بصورت عدم ادائے جرمانہ ڈیڑھ ماہ قید محض کی سزا دی جاتی ہے۔ [۷۹ تا ۸۰]

"آریہ سماج قادیان" کی مخالفت اور تصنیف و اشاعت "نسیم دعوت" و "سناتن دھرم"

مقدمات کی تفصیلات یکجا بیان کرتے ہوئے ہم ۱۹۰۵ء تک پہنچ گئے تھے۔ لہٰذا اب ہم پھر ۱۹۰۳ء کے واقعات کی طرف پلٹتے ہیں۔ ابتداء ۱۹۰۳ء کا واقعہ ہے کہ قادیان کے بعض نومسلم دوستوں نے "آریہ سماج اور قادیان کا مقابلہ" کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا جس میں نہایت تہذیب، متانت اور شائستگی سے آریوں، ہندوؤں اور سکھ اصحاب کو مدعو کیا گیا تھا کہ وہ دعا اور مباہلہ یا ایک مذہبی کانفرنس کے ذریعہ سے اپنے اپنے مذاہب کی صداقت کا اظہار کریں۔ یہ اشتہار حجتہ اللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایماء سے شائع نہیں ہوا تھا بلکہ خود قادیان کے نومسلم احباب نے محض ہمدردی اور خیر خواہی کی بناء پر اپنی قوم پر اتمام حجت کے لئے دیا تھا۔ [۸۱] اور یہ خیال بھی نہیں آسکتا تھا کہ اس سے آریہ سماج کی طرف سے کوئی اشتعال انگیز محاذ قائم کر لیا جائے گا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۸۔ فروری ۱۹۰۳ء کو الہام ہوا "حرب مهیجه" (جوش سے بھری ہوئی جنگ) تفہیم یہ ہوئی کہ آریہ سماج کو جو اشتہار نومسلموں نے دیا ہے اس سے جوش میں آکر وہ لوگ کچھ گندی گالیاں دیں گے۔ [۸۲] چنانچہ یہ پیش گوئی اسی شام کو پوری ہو گئی جب کہ آریہ سماج کا ایک اشتہار نہایت گندہ اور گالیوں سے بھرا ہوا پہنچا۔ اس اشتہار پر سات فروری کی تاریخ درج تھی۔ اس کا عنوان تھا "قادیانی پوپ کے چیلوں کی ایک ڈینگ کا جواب" اس کے بعد آریہ سماج لاہور کے ایک انگریزی اخبار میں بھی اسی طرز کی تحریر چھپی۔ اور ایک اشتہار طوطی رام نام کی طرف سے شائع ہوا۔ ان سب اشتہارات میں دردبھری دعوت کا جواب گالیوں سے دیا گیا تھا۔ خصوصاً پہلے اشتہار میں سید و مولیٰ جناب رسول اللہ ﷺ کی نسبت، حضرت اقدسؑ کی نسبت اور آپؑ کی معزز جماعت کی نسبت سخت الفاظ اور گالیاں دی گئی تھیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے ۲۸۔ فروری و یکم مارچ ۱۹۰۳ء کو قادیان میں ایک سالانہ جلسہ کرنے کا بھی فیصلہ کیا۔ حضورؑ کا دل تو یہی چاہتا تھا کہ ایسے لوگوں کو مخاطب نہ کیا جائے مگر وحی خاص سے آپ کو اس کے جواب کا حکم دیا گیا جس پر حضورؑ نے "نسیم دعوت" تصنیف فرمائی۔ چنانچہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ

"خدا تعالیٰ نے اپنی وحی خاص سے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ اس تحریر کا جواب لکھ اور میں جواب دینے میں تیرے ساتھ ہوں۔ تب مجھے اس مبشر وحی سے بہت خوشی پہنچی کہ جواب دینے میں میں

اکیلا نہیں۔ سو میں اپنے خدا سے قوت پا کر اٹھا اور اس کی روح کی تائید سے میں نے اس رسالہ کو لکھا اور جیسا کہ خدا نے مجھے تائید دی میں نے یہی چاہا کہ ان تمام گالیوں کو جو میرے نبیؐ مطاع کو اور مجھے دی گئی ہیں نظرانداز کر کے نرمی سے جواب لکھوں اور پھر یہ کاروبار خدا تعالیٰ کے سپرد کر دوں۔" [۸۳]

رسالہ "نسیم دعوت" اپنے عالی مضامین اور جدید طرز بیان کی وجہ سے بجائے خود ایک معجزہ تھا جس کی تصنیف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ رسول کی خاص تائید اور نصرت فرمائی۔ آریہ صاحبوں نے اپنے اشتہار میں سب سے بڑا اعتراض یہ اٹھایا تھا کہ ان نومسلموں کا مسلمان ہونا اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اول چاروں وید نہ پڑھتے' پھر آریہ دھرم کا اسلام سے مقابلہ کرتے۔ حضرت اقدسؑ نے "نسیم دعوت" میں پہلے اس امر پر روشنی ڈالی کہ تبدیلی مذہب کے لئے کس قدر معلومات درکار ہیں۔ چنانچہ حضورؑ نے تحریر فرمایا کہ تبدیلی مذہب کے لئے تمام جزئیات کی تفتیش کچھ ضروری نہیں صرف تین باتوں کا دیکھنا ضروری ہے۔ اول یہ کہ اس مذہب میں خدا کی نسبت کیا کیا تعلیم ہے یعنی اس کی توحید اور قدرت اور علم اور کمال اور عظمت اور سزا اور رحمت اور دیگر لوازم اور خواص الوہیت کی نسبت کیا بیان ہے؟ دوم ہر نفس انسانی نیز بنی نوع اور قوم کے بارے میں وہ کیا تعلیم دیتا ہے۔ سوم۔ طالب حق کو یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ یہ مذہب کوئی مردہ اور فرضی خدا تو نہیں پیش کرتا جو محض قصوں اور کہانیوں کے سہارے پر مانا گیا ہو۔ ایسا خدا انسان کو پاک زندگی بخش نہیں سکتا اور نہ شبہات کی تاریکی سے باہر نکال سکتا ہے بلکہ ایک مردہ پرمیشر سے ایک زندہ بیل بہت بہتر ہوتا ہے جس سے کاشت کاری کر سکتے ہیں۔ پس کوئی طالب حق کسی ایسے مذہب پر راضی نہیں ہو سکتا جس میں زندہ خدا اپنا جلوہ قدرت نہیں دکھلاتا اور اپنے جلال کی بھری ہوئی آواز سے تسلی نہیں بخشتا۔ [۸۴]

ان اصولی امور کے اظہار کے بعد حضورؑ نے بڑی تفصیل سے نہایت زوردار پیرایہ میں ثابت کیا کہ یہ تینوں قسم کی خوبیاں محض اسلام میں پائی جاتی ہیں اور باقی جس قدر مذاہب روئے زمین پر موجود ہیں کیا آریہ اور کیا عیسائی اور کیا کوئی اور مذہب والا وہ سب ان خوبیوں سے بالکل خالی ہیں۔ اس کتاب میں حضورؑ نے آریوں کے مسئلہ نیوگ کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ یہ کتاب ۲۸۔ فروری ۱۹۰۳ء کو ایک ہفتہ کے اندر اندر تصنیف و طبع ہو کر عین اس وقت شائع ہوئی جب کہ قادیان کی آریہ سماج کا سالانہ جلسہ منعقد ہو رہا تھا۔

تصنیف و اشاعت "سناتن دھرم"

یہ کتاب "نسیم دعوت" جب پنڈت رام بھجدت صاحب پریذیڈنٹ آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب کے پاس آریہ سماج کے جلسہ قادیان میں پہنچی تو انہوں نے اپنی آخری تقریر میں حضورؑ کا ذکر کر کے کہا کہ

اگر وہ مجھ سے اس بارے میں گفتگو کرتے تو جو کچھ نیوگ کرانے کیفائدے ہیں سب ان کے سامنے بیان کرتا۔ حضرت اقدس کو جب ایک ذمہ دار آریہ سماجی لیڈر کی نیوگ جیسے مسئلہ کے بارے میں یہ رائے پہنچی تو حضورؑ نے "سناتن دھرم" کے نام سے ۸۔ مارچ ۱۹۰۳ء کو ایک دوسرا مختصر رسالہ شائع فرمایا جو "نسیم دعوت" کا تتمہ کہنا چاہئے۔ حضورؑ نے "سناتن دھرم" میں نیوگ کی بناء پر آریہ سماج کی خوب قلعی کھولی۔ ساتھ ہی سناتن دھرمیوں کی تعریف بھی فرمائی کہ "سناتن دھرم والے ان کی چند باتوں کو الگ کرکے آریہ سماجیوں سے ہزارہا درجہ بہتر ہیں۔ وہ اپنے پرمیشر کی اس طرح بے حرمتی نہیں کرتے کہ ہم انادی اور غیر مخلوق ہونے کی وجہ سے اس کے برابر ہیں۔ وہ نیوگ کے قابل شرم مسئلہ کو نہیں مانتے۔ وہ اسلام پر بیہودہ اعتراض نہیں کرتے کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ اسلام کی باتیں سب قوموں میں مشترک ہیں۔ ۸۵

"نسیم دعوت" اور "سناتن دھرم" کا انگریزی ایڈیشن

چند ماہ بعد ان دونوں کتابوں کا انگریزی ایڈیشن بھی شائع کیا گیا اور ان کی متعدد کاپیاں مفت تقسیم کی گئیں۔ ۸۶

"مسجد البیت" و "بیت الدعا" کی تعمیر

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بچپن ہی سے ذکر الٰہی اور دعا سے جو عشق اور شغف تھا وہ اب آخری سالوں میں بڑھتا جا رہا تھا۔ چنانچہ اب آپ اکثر فرمایا کرتے کہ اب تبلیغ و تصنیف کا کام تو ہم اپنی طرف سے کر چکے ہیں اب ہمیں باقی ایام میں دعامیں مصروف ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے دنیا میں حق و صداقت قائم فرمائے اور ہمارے آنے کی غرض پوری ہو۔ ۸۷ چنانچہ حضورؑ نے اسی آرزو کی تکمیل کے لئے ۱۳۔ مارچ ۱۹۰۳ء کو جمعہ کے بعد بیت الفکر کے ساتھ غربی جانب ایک مقدس کمرہ کی بنیاد رکھی جس کا نام "مسجد البیت" اور "بیت الدعا" تجویز فرمایا۔ ۸۸

بیت الدعا کی غرض و غایت

حضورؑ نے "مسجد البیت" اور "بیت الدعا" کے بارے میں ایک دفعہ اپنے مخلص صحابی حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ سے فرمایا۔

"ہم نے سوچا کہ عمر کا اعتبار نہیں۔ ستر سال کے قریب عمر سے گزر چکے ہیں۔ موت کا وقت مقرر نہیں خدا جانے کس وقت آجائے اور کام ہمارا ابھی بہت باقی ہے۔ ادھر قلم کی طاقت کمزور ثابت ہوئی ہے۔ رہی سیف اس کے واسطے خدا تعالیٰ کا اذن اور منشاء نہیں۔ لہٰذا ہم نے آسمان کی طرف ہاتھ

اٹھائے اور اسی سے قوت پانے کے واسطے ایک الگ حجرہ بنایا اور خدا سے دعا کی کہ اس مسجد البیت اور بیت الدعا کو امن اور سلامتی اور اعداء پر بذریعہ دلائل نیرہ اور براہین ساطعہ کے فتح کا گھر بنادے۔" [۸۹]

کمرہ کے اخراجات اس کمرہ کے سب اخراجات حضورؑ کے مخلص مرید شیخ رحمت اللہ صاحب مالک بمبئی ہاؤس لاہور نے ادا کئے۔ [۹۰]

"تعلیم الاسلام کالج" کا افتتاح

مدرسہ تعلیم الاسلام جس کا آغاز یکم جنوری ۱۸۹۸ء کو پرائمری سکول سے ہوا تھا فروری ۱۹۰۰ء [۹۱] میں ہائی سکول بنا۔ اس کے تین سال بعد ترقی دے کر کالج بنا دیا گیا جو "تعلیم الاسلام کالج" کے نام سے موسوم ہوا۔

"تعلیم الاسلام کالج" کا افتتاح ۱۵۔ مئی ۱۹۰۳ء کو قرار پایا تھا مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ناسازی طبع کے باعث ۲۸۔ مئی ۱۹۰۳ء کی تاریخ مقرر کی گئی۔ یہ موجودہ دنیا میں غالباً پہلا کالج تھا جس کی افتتاحی تقریب ہر قسم کی عرفی رسومات سے بالکل منزہ تھی۔ اس موقعہ پر اگر کالج کی طرف سے حکام کو دعوت دی جاتی تو وہ ضرور شریک ہوتے۔ مگر ایک ایسے مذہبی کالج کے افتتاح پر جس کے قیام کی واحد غرض اسلامی عظمت اور مذہبی تعلیم کی اشاعت ہے حکام کی شمولیت محض تکلف سمجھی گئی۔ چنانچہ نہ اس میں دعوت کے کارڈ جاری ہوئے نہ اس میں کسی پارٹی کا اہتمام کیا گیا بلکہ سیدھے سادھے طریق پر محض دعا کے لئے ایک جلسہ کا انتظام کیا گیا۔ [۹۲]

۲۸۔ مئی ۱۹۰۳ء کو صبح ساڑھے چھ بجے کے بعد احاطہ سکول میں بورڈنگ ہاؤس اور اس کے درمیانی میدان میں ایک شامیانہ نصب کیا گیا۔ شامیانہ کے نیچے شمالی جانب ایک عارضی چبوترہ بنایا گیا جس پر اراکین مدرسہ اور دوسرے معززین کے لئے کرسیاں بچھائی گئیں اور جنوبی طرف ایک میز رکھی گئی۔ میز پر دائیں جانب قرآن کریم اور بائیں جانب کرہ ارض رکھا تھا۔ میز کے سامنے طالب علموں کی ورزش کے لئے ایک ستون قائم کیا گیا۔

جلسہ کی اصل غرض تو صرف یہ تھی کہ حضرت امام الزماں مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قدم رنجہ فرما کر دعا کریں اور اپنی زبان فیض ترجمان سے ارشاد بھی فرمائیں اور اس لئے پہلے بھی یہ جلسہ ملتوی کر دیا گیا تھا مگر افسوس اس روز بھی حضورؑ خرابی صحت کی وجہ سے تشریف نہ لاسکے اور اپنی طرف سے حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کو اپنا پیغام دے کر بھجوایا۔ چنانچہ عین اس وقت جب کہ سب کی

نظریں دروازے کی طرف اپنے محبوب آقا کے استقبال کے لئے لگی ہوئی تھیں حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے کھڑے ہو کر حضرت اقدسؑ کا پیغام سنایا۔ اور یہی پیغام جلسہ کی افتتاحی تقریر کہنا چاہئے۔ انہوں نے فرمایا۔ "حضرت اقدسؑ نے مجھے ایک پیغام دے کر روانہ کیا ہے۔ میں نے خلیفہ اللہ علیہ السلام کی خدمت میں تشریف آوری کے واسطے عرض کی تھی آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت بیمار ہوں حتی کہ چلنے سے بھی معذور ہوں لیکن وہاں حاضر ہونے سے بہت بہتر کام یہاں کر سکتا ہوں کہ ادھر جس وقت افتتاح کا جلسہ ہو گا میں بیت الدعا میں جا کر دعا کروں گا۔ یہ کلمہ اور وعدہ حضرت خلیفہ اللہ علیہ السلام کا بہت خوش کن اور امید دلانے والا ہے۔ اگر آپ خود تشریف لاتے تو بھی باعث برکت تھا اور اگر اب نہیں لائے تو دعا فرمادیں گے اور یہ بھی خیر و برکت کا موجب ہوگی۔" حضرت مولوی صاحبؓ اس قدر تقریر فرما کر کرسی پر بیٹھ گئے۔

پھر حضرت حکیم الامت مولوی نور الدین صاحبؓ کی صدارت میں جلسہ کی باضابطہ کارروائی شروع ہوئی۔ اولاً تعلیم الاسلام کالج کے ڈائریکٹر حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ نے مختصر سی تقریر فرمائی جس میں بتایا کہ سکول نے جو فوق العادت ترقی کی ہے وہ حضرت مسیح موعودؑ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے تاہم ظاہری اسباب کے لحاظ سے طلبہ' ان کے والدین اور دوسرے احباب کو اس کی مالی اعانت میں ضرور حصہ لینا چاہئے۔ حضرت نواب صاحبؓ کے بعد حضرت حکیم الامت نے نہایت لطیف اور باموقع برجستہ صدارتی خطاب فرمایا۔ چنانچہ آپ نے میز پر رکھے ہوئے قرآن مجید اور کرہ ارضی نیز سائبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ تم کو اس قرب الہی کے حاصل کرنے کی ضرورت ہے جس سے عرب کی نابود ہستی بود ہو کر نظر آئی وہ ذریعہ قرآن کریم ہے کہ جس سے اس کرہ پر ان کو حکمرانی حاصل ہوئی تھی۔ مگر اس کے ساتھ ہی اصل جڑھ یہ تھی کہ فضل الہی کا سائبان بھی ان پر تھا۔ کالج کی اصل غرض یہی ہے کہ دینی و دنیوی تربیت ہو مگر اول فضل کا سایہ ہو پھر کتاب پر دستور العمل ہو۔ اس کے بعد دیکھو کہ کیا کامیابی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو توفیق دے کہ فضل خدا کا سایہ تم پر ہو۔ اس کی کتاب دستور العمل ہو۔ کرہ زمین پر عزت سے زندگی بسر کرو۔

حضرت حکیم الامت کی اس تقریر کے بعد مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب نے نظمیں پڑھیں۔ بعد ازاں دعا پر یہ افتتاحی رسم ختم ہوئی۔ [۴۲] جلسہ کے بعد حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں جلسہ کامیابی سے اختتام پذیر ہونے کی اطلاع دی تو حضورؑ نے جواباً تحریر فرمایا کہ

"رات سے مجھ کو دل کے مقام پر درد ہوتی تھی اس لئے حاضر نہیں ہو سکا۔ لیکن میں نے اسی

حالت میں بیت الدعا میں نماز میں اس کالج کے لئے بہت دعا کی۔ غالباً آپ کا وہ وقت اور میری دعاؤں کا وقت ایک ہی ہوگا۔ خدا تعالیٰ قبول فرماوے۔" [۹۴]

کالج کا اسٹاف

کالج کا ابتدائی اسٹاف یہ تھا۔

۱۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب (پرنسپل و پروفیسر انگریزی) [۹۵]

۲۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب (منیجر و پروفیسر منطق و سپرنٹنڈنٹ)

۳۔ حضرت حکیم مولوی عبید اللہ صاحب بسمل (پروفیسر فارسی)

۴۔ حضرت حکیم الامت مولوی نور الدین صاحب (پروفیسر دینیات)

۵۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب (پروفیسر ادب عربی)

۶۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے (پروفیسر ریاضی) [۹۶]

مؤخر الذکر تینوں اصحاب محض آنریری طور پر یہ خدمت سرانجام دیتے تھے۔ [۹۷] (کالج میں تاریخ [۹۸] کا مضمون بھی تھا مگر اس کے پروفیسر کون تھے اس کا علم نہیں ہو سکا)

کالج کے ڈائریکٹر

جیسا کہ اوپر آچکا ہے حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کالج کے ڈائریکٹر تھے جن کا قریباً سارا وقت کالج کے لئے وقف تھا۔ آپ سکول کے علاوہ کالج کو بھی گراں قدر عطیہ دیتے تھے بلکہ کالج کی بہت سی ضروریات کے کفیل آپ ہی تھے۔ [۹۹]

ابتدائی طلبہ

کالج کے بعض ابتدائی طلبہ کے نام یہ ہیں (حافظ صوفی) غلام محمد صاحب (مبلغ ماریشس) ڈاکٹر غلام محمد صاحب (ایم۔ بی۔ بی۔ ایس۔ لاہور۔ غیر مبائع) شیخ عالم دین صاحب (بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ شیخوپورہ۔ غیر مبائع) مولوی محمد الدین صاحب (حال صدر، صدر انجمن احمدیہ ربوہ) نے بھی چند روز تک اس ادارہ میں پرائیوٹ طور پر تعلیم حاصل کی۔ [۱۰۰]

مقام

حضرت مولوی محمد الدین صاحب کی یادداشت کے مطابق درزی خانہ والا کمرہ کلاس روم تھا مگر اس کے علاوہ پرانے صحن مدرسہ کا شرقی کمرہ بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔ [۱۰۱]

فیس

کالج میں کوئی فیس نہیں لی جاتی تھی۔ [۱۰۲] "تعلیم الاسلام کالج" دو سال تک برابر کامیابی سے چلتا رہا۔ اس کے نتائج بھی عمدہ تھے مگر حکومت کے کالج یونیورسٹی کمیشن کی کڑی شرائط کے باعث اسے بند کر دینا پڑا۔ تاہم حضرت امام الزمان علیہ السلام کی دعائیں قریباً چالیس سال بعد پھر رنگ لائیں اور ۱۹۴۴ء میں قادیان میں ہی اس کا دوبارہ اجراء عمل میں آیا۔ [۱۰۳]

حواشی

۱۔ بیان مورخہ ۲۸/ جنوری ۱۹۰۳ء مسل مقدمہ ورق نمبر ۱۰ (بحوالہ مصدقہ نقل صفحہ ۱۔ یہ مصدقہ نقل جو ۱۹۲۳ء میں گورداسپور عدالت سے حاصل کی گئی تھی اور جس پر عدالت کی مہر تصدیق ثبت ہے خلافت لائبریری میں محفوظ ہے)

۲۔ الحکم ۱۴/ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۵ کالم ۲ (ترجمہ عجیب اکرام)

۳۔ البدر ۳۰/ ۲۳ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۱ کالم ۲ و الحکم ۳۱/ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۵ کالم ۲

۴۔ الحکم ۳۱/ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۵ کالم ۲ و البدر ۳۰/ ۲۳ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۹ کالم ۲

۵۔ البدر ۲۰/ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۹ کالم ۳ و الحکم ۲۱/ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۶ کالم ۳

۶۔ البدر ۲۸/ اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۵۳ کالم ۳

۷۔ الحکم ۳۰/ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۱

۸۔ البدر ۳/ جولائی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۸۸ کالم ۳

۹۔ ان کی تفصیل آگے آئے گی۔

۱۰۔ البدر ۲۸/ اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۵۶ کالم ۱

۱۱۔ ورق ۳۴ تا ۳۶ (بحوالہ مصدقہ نقل صفحہ ۲۔۳)

۱۲۔ ورق مسل ۵۱، ۵۲، ۵۸، ۶۹، ۷۳

۱۳۔ ورق مسل ۵۰۳

۱۴۔ ورق مسل ۲۵۴ نقل صفحہ ۲۰

۱۵۔ مفصل فہرست کے لئے ملاحظہ ہو نقل مسل مقدمہ نیز رسالہ "فرقان" جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۶۔۷

۱۶۔ الحکم ۱۷/ جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۲ کالم ۴

۱۷۔ الحکم ۱۸/ جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۲ کالم ۳

۱۸۔ الحکم ۱۰/ فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۳ کالم ۲

۱۹۔ الحکم ۱۷/ فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۴ کالم ۳، ۴

۲۰۔ الحکم ۱۷/ فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۴ کالم ۳

۲۱۔ یہ ڈاکٹر کیپٹن پی ایس سی مور (CAPTAIN P.S.C MORE) سول سرجن گورداسپور تھے (مئولف) (ملاحظہ ہو نقل مسل مقدمہ)

۲۲۔ یعنی ۱۶/ فروری ۱۹۰۴ء کو (مئولف)

۲۳۔ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۹۲۔۹۸ (طبع دوم)

۲۴۔ البدر یکم مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۵ کالم ۱

۲۵۔ تحریری بیان صفحہ ۱۱ (مشمولہ نقل مسل مقدمہ)

۲۶۔ الحکم ۱۰/ مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۶ کالم ۲

۲۷۔ الحکم ۱۷/ مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۲ کالم ۲

۲۸۔ مثلاً مسٹر محمد اعظم اسسٹنٹ سرجن لاہور نے ۱۴/ جولائی ۱۹۰۳ء کو اور ماسٹر سن اسسٹنٹ سرجن نے ۲۴/ نومبر ۱۹۰۳ء کو پیر مہر علی شاہ صاحب سے متعلق سرٹیفکیٹ جاری کئے (نقل بمقدمہ حکیم فضل دین صاحب بنام مولوی کرم دین صاحب)۔

۲۹۔ (کیپٹن پی ایس سی مور کا بیان ملخصاً) میں نے یہ سرٹیفکیٹ ۱۳/ مارچ ۱۹۰۴ء کو مرزا صاحب کے قادیان میں ملاحظہ کے بعد لکھا تھا میری اب بھی یہی رائے ہے جو میں سرٹیفکیٹ میں دے چکا ہوں۔ میری رائے میں ان کا گورداسپور کا سفر بحالت موجودہ صحت

کے لئے خطرناک ہے۔ (بجواب جرح) اس سے قبل بھی دو مرتبہ گورداسپور میں ہی ان کا معائنہ کر چکا ہوں۔ پہلی دفعہ معائنہ آج سے دو ماہ قبل کیا تھا۔ جب میں نے دوبارہ ۱۶/ فروری ۱۹۰۴ء کو معائنہ کیا تو ان پر شدید قسم کی BRONCHITIS کا حملہ ہوا تھا مگر میں نے سرٹیفکیٹ میں کسی بیماری کا ذکر نہیں کیا جس میں وہ اب مبتلا ہیں۔

۳۰۔ الحکم ۱۷/ مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۲ کالم ۲

۳۱۔ مؤلف "مجدد اعظم" نے لکھا ہے کہ "گورداسپور جیل میں ایک مجرم کو پھانسی لگنی تھی۔ قاعدہ ہوتا ہے کہ ڈپٹی کمشنر ایک مجسٹریٹ کی ڈیوٹی لگا دیتا ہے جو اپنے سامنے پھانسی لگواتا ہے۔ اس دفعہ لالہ چندولال صاحب کی ڈیوٹی لگی۔ انہوں نے ڈپٹی کمشنر کو لکھا کہ میں بہت رقیق القلب ہوں کسی مجرم کو پھانسی لگتے دیکھ نہیں سکتا اس لئے مجھے معاف رکھا جائے۔ ڈپٹی کمشنر نے..... کسی دوسرے مجسٹریٹ کی ڈیوٹی لگا دی لیکن ساتھ ہی گورنمنٹ میں رپورٹ کر دی کہ یہ شخص یعنی چندولال اس قابل نہیں کہ اسے فوجداری اختیارات دئے جائیں..... چنانچہ اس کی اس رپورٹ پر..... رائے چندولال صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری سے تنزل ہو کر منصف بنا دئے گئے۔" (مجدد اعظم صفحہ ۹۶۶۔۹۶۷)

۳۲۔ حکومت نے "گورنمنٹ گزٹ" ۱۰/ مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۳۰۹ پر ان کی تنزلی کی ہدایت بایں الفاظ شائع کی۔

"NOTIFICATON NO. --1985.

Posting Lala Chandu Lal B.A. Munsif of the lst grade, on reversion from the post of officiating Extra Assistant Commissioner is posted to Mooltan in the Civial District of Mooltan

یعنی لالہ چندولال صاحب بی۔ اے منصف درجہ اول اپنے قائم مقامی عہدہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری سے واپس ہو کر سول ڈسٹرکٹ ملتان کے مقام ملتان میں تعینات کئے گئے۔ (بحوالہ البدر ۲۴/ مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۵ کالم ۲)

۳۳۔ الحکم ۱۴/ جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ کالم ۳

۳۴۔ حقیقتہ الوحی طبع اول صفحہ ۲۱۶ نشان ۲۹

۳۵۔ الحکم ۱۴/ جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ کالم ۳

۳۶۔ اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ ۱۰۷

۳۷۔ الحکم ۱۰/ جولائی ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۲ کالم ۴

۳۸۔ اس دوران کے بعض سفروں کی تاریخیں یہ ہیں۔

۸/ مئی '۲۴/ مئی '۳۱/ مئی '۲۴/ جون '۱۷/ جولائی (ملاحظہ ہو الحکم ۱۷/ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۵ کالم ۱' الحکم ۲۴/ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۲ کالم ۱' الحکم ۳۱/ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۷ کالم ۲' الحکم ۲۴/ جون ۱۹۰۴ء صفحہ ۷ کالم ۱' البدر ۲۴/ جولائی ۱۹۰۴ء صفحہ ۸ کالم ۴)

۳۹۔ الحکم ۳۱/ جولائی '۱۰/ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ ۲' الحکم ۱۷/ ۱۰/ ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۶ کالم ۲

۴۰۔ مسل مقدمہ کرم دین کا ورق ۲۶۵ (نقل ۲۳)

۴۱۔ ورق مسل ۲۸۱ (نقل صفحہ ۲۶)

۴۲۔ ورق مسل مقدمہ صفحہ ۳۶۱ بحوالہ الفرقان جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۱۔ ۱۲ (نقل صفحہ ۳۸)

۴۳۔ الحکم ۱۴/ ۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ کالم ۱

۴۴۔ ملخصاً الحکم ۱۰/ جولائی ۱۹۰۴ء صفحہ ۲ (تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ ۴۴ تا ۴۷)

۴۵۔ البدر ۲۴/ مئی و یکم جون ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۰ کالم ۳

۴۶۔ ملخصاً ورق مسل صفحہ ۴۹۹ (نقل ۴۱)

۴۷۔ الحکم ۱۷' ۲۴/ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۶ کالم ۱' ۲

۴۸۔ الحکم ۲۴/ ۱۷ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۶ کالم ۱' ۲

۴۹۔ الحکم ۱۷' ۲۴/ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۶ کالم ۱' ۲

۵۰۔ سراج الاخبار بحوالہ اخبار "وطن" لاہور ۲۸/ اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۷ (اصل اخبار خلافت لائبریری میں موجود ہے)
۵۱۔ الحکم ۲۴/ ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۷ کالم ۴ و البدر ۸/ ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۲ کالم ۳
۵۲۔ الحکم ۳۰/ ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۷ کالم ۲۔۳
۵۳۔ الحکم ۳۰/ ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۷ کالم ۲۔۳
۵۴۔ بحوالہ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ (الحکم ۲۶/ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۶ کالم ۳)
۵۵۔ مجدد اعظم جلد دوم صفحہ ۹۷۷ پر بعض احباب کا یہ بیان لکھا ہے کہ کسی پرانے مؤکل نے خواجہ صاحب کو اسی روز سات سو روپے ان کی بقایا فیس کے ان کے عدالت میں داخل ہونے سے تین دن قبل دے... الخ یہ بیان درست نہیں۔ چنانچہ مؤرخ احمدیت حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی لکھتے ہیں۔
"خواجہ کمال الدین مرحوم کے سات سو روپیہ کا قصہ محض غلط ہے.... یہ سات سو نواب صاحب ہی کے روپے کا ایک جزو تھا اور احتیاطاً خواجہ صاحب کو ایک ہزار دیا گیا تھا کہ امید یہی تھی کہ پانچ پانچ سو جرمانہ کرے اور ایک ہزار اور محفوظ رکھا گیا کہ ممکن ہے ہزار ہزار کردے۔" (اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۴۶۳)
۵۶۔ مجدد اعظم جلد دوم صفحہ ۹۷۶۔۹۷۷
۵۷۔ حقیقتہ الوحی صفحہ ۲۱۶ (طبع اول) نشان نمبر ۲۸
۵۸۔ حقیقتہ الوحی صفحہ ۱۲۱۔۲۲۲
۵۹۔ تفسیر کبیر (النور) صفحہ ۳۵۹ کالم ۲
۶۰۔ الحکم ۲۴/ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۲ کالم ۱ البدر یکم اگست ۱۹۰۴ء کالم ۳
۶۱۔ از مکتوب حضرت مسیح موعود علیہ السلام بنام نواب محمد علی خان صاحبؓ مورخہ ۲۰/ دسمبر ۱۹۱۶ء مشمولہ "مکتوبات احمدیہ" جلد ہفتم حصہ اول صفحہ ۵۳۔۵۴
۶۲۔ مفصل فیصلہ کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۲۴/ جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۷۔۸
۶۳۔ البدر یکم فروری ۱۹۰۵ء صفحہ ۵ کالم ۲
۶۴۔ حقیقتہ الوحی صفحہ ۱۲۱۔۱۲۲
۶۵۔ ایک غیر احمدی مولوی سمیع اللہ فاروقی صاحب، مولوی کرم دین اور مسٹر آتمارام سے متعلق حضورؑ کی پیش گوئی کے پورے ہونے کا اعتراف بایں الفاظ کرتے ہیں۔ "مولوی کرم دین صاحب نے مرزا صاحب کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا ایک دعویٰ گورداسپور کی عدالت میں دائر کیا۔ بنائے دعویٰ مرزا صاحب کے یہ الفاظ تھے جو انہوں نے مولوی کرم دین کے خلاف استعمال کئے تھے یعنی لئیم اور کذاب۔ عدالت ابتدائی نے مرزا صاحب کو ملزم قرار دیتے ہوئے سزا دے دی لیکن مرزا صاحب کو اطلاع ملی "ہم نے تمہارے لئے لوہے کو نرم کر دیا۔ ہم کسی اور معنی کو پسند نہیں کرتے.... ان کی کوئی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔" اس کے بعد مرزا صاحب نے اپیل دائر کی جس پر صاحب ڈویژنل جج نے لکھا کہ "کذاب اور لئیم کے الفاظ کرم دین کے حسب حال ہیں۔ چنانچہ مرزا صاحب کو بری کر دیا۔" "محولہ بالا مقدمہ مجسٹریٹ سماعت کنندہ مسٹر آتمارام کے متعلق مرزا صاحب کو اطلاع ملی کی آتمارام اپنی اولاد کے ماتم میں مبتلا ہو گا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیس پچیس دن کے عرصہ میں یکے بعد دیگرے اس کے دو بیٹے وفات پا گئے۔" (اظہار حق صفحہ ۱۱، ۱۲، ۲۰)
۶۶۔ الحکم ۱۷/ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۶ کالم ۲، البدر ۲۹/ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۴۹ کالم ۳
۶۷۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مسل مصدقہ
۶۸۔ الحکم ۱۷/ اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۹ کالم ۱
۶۹۔ البدر ۲۸/ اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۵۶ کالم ۱۔۲
۷۰۔ حقیقتہ الوحی صفحہ ۲۶۵۔۲۶۶
۷۱۔ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۴

۷۲- البدر ۲۸/ اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۵۶ کالم ۱-۲

۷۳- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی میں تحفہ گولڑویہ کی بجائے تریاق القلوب لکھا ہے جو سہو ہے۔ جیسا کہ عدالت کی مصدقہ نقل سے ثابت ہے کہ یہ تحفہ گولڑویہ سے متعلق ہی سوال تھا۔ ایک فیصلہ کن واقعاتی ثبوت اس امر کا یہ بھی ہے کہ صفحہ ۴۸ تا ۵۰ تک کا زیر بحث مضمون تریاق القلوب میں نہیں تحفہ گولڑویہ میں ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ یکم ستمبر ۱۹۰۲ء تحفہ گولڑویہ کی تاریخ اشاعت ہے نہ کہ تریاق القلوب کی۔

۷۴- سیرت المہدی حصہ دوم میں صفحہ ۶۷ پر مزید سوالات کے جوابات بھی شائع ہو چکے ہیں۔

۷۵- حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۶۶ (طبع اول)

۷۶- البدر ۲۸/ اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۵۶ کالم ۲ و البدر ۴/ ستمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۵۸ کالم ۲' اخبار "وطن" ۲۸/ اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۷ کالم ۳

۷۷- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نقل مسل مقدمہ و الحکم ۱۷/ جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۳-۵

۷۸- نقل مسل مقدمہ

۷۹- نقل مصدقہ مسل

۸۰- مولوی کرم دین صاحب کی زندگی کے آخری سال انتہائی دکھ میں گزرے اور کئی قسم کی ذلتیں انہیں اٹھانا پڑیں مثلاً ۱۹۴۰ء میں انہوں نے ایک ساس اور داماد کا نکاح پڑھا جس پر ان کے گاؤں بھیں اور گردونواح میں شور پڑ گیا اور انہی کے ہم عقیدہ مشہور علماء نے ان کے مقابلہ پر موضع بھیں جلسہ کیا جس میں دو سو افراد نے مولوی کرم دین صاحب کے عذرات کے بارے میں حلفاً گواہی دی کہ "مولوی کرم دین کی طرف رائی کے دانے کے برابر بھی صداقت نہیں بلکہ بناوٹ ہے جو طمع نفسانی کی خاطر ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔" جلسہ میں لوگوں نے بکثرت یہ شکایت کیں کہ فلاں جگہ میں مولوی کرم دین نے نکاح پر نکاح پڑھا ہے۔ ایک عالم نے دوران تقریر کہا کہ "مولوی کرم دین صاحب نے کس قدر تعصب اور عناد سے کام لیا ہے کہ خواہ مخواہ اہل السنۃ والجماعت کے لوگوں کو شیعہ قرار دیا اور علماء کرام کو دھوکہ دیا.... لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔"

جلسہ کے بعد علماء نے مولوی کرم دین صاحب سے مناظرہ بھی کیا۔ مناظرہ کے بعد ان کو "ننگ اسلام" قرار دیتے ہوئے فتویٰ دیا گیا کہ اگر وہ عوام کے سامنے توبہ نصوح نہ کریں تو دینی و دنیاوی معاملات میں نشست و برخاست علیک سلیک حرام قطعی ہے۔ (اشتہار بعنوان "ننگ اسلام مولوی محمد کرم الدین صاحب کی عبرت آموز شکست) از قاضی محمد عابد کرتھی متصل بھیں مطبوعہ ہمدرد سٹیم پریس راولپنڈی (یہ اشتہار خلافت لائبریری میں موجود ہے)۔ اس واقعہ کے اگلے سال ۶/۷۔ جولائی ۱۹۴۱ء کی رات کو ڈومن تحصیل چکوال میں ان کا بیٹا مولوی منظور حسین چکوال کے ایس ڈی او کو قتل کر کے فرار ہو گیا جس پر پولیس نے مولوی کرم دین صاحب کو ۲۱۔ جولائی ۱۹۴۱ء کو ڈھاب کلاں تحصیل چکوال میں گرفتار کر لیا اور اسے شہر بشہر لئے پھرتی رہی اور ان کی بیوی بھی کئی دن تک پولیس کی تحویل میں رہی۔ آخر جب مولوی منظور حسین کا کچھ سراغ نہ ملا تو ۲۵/ جولائی ۱۹۴۲ء کو مولوی کرم دین صاحب کی جائداد کی ضبطی یا نیلامی کا حکم دے دیا گیا تا دہشت زدہ ہو کر وہ اپنا لڑکا حاضر عدالت کر دیں مگر ان کا لڑکا ۲۹/ نومبر ۱۹۴۲ء کو بنوں پولیس کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا چنانچہ اخبار "پربھات" میں یہ خبر شائع ہوئی۔

"مسٹر چوہدری آئی۔ سی۔ ایس (S.D.O) چکوال کا ۴۱/۷/۶ کی درمیانی رات بمقام ڈومن تحصیل چکوال میں قتل ہوا۔ اس کے قاتل عبد العزیز ولد حیات محمد اور منظور حسین ولد کرم دین بھیں تھے۔ ہر دو قاتل غیر علاقہ میں چلے گئے تھے۔ تقریباً ایک سال بعد بنوں میں پولیس سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ منظور حسین اس لڑائی میں مارا گیا۔"

ان پے در پے صدمات نے ان کی کمر بالکل توڑ دی اور وہ بالآخر ۱۹۴۶ء میں حافظ آباد میں ایک چھت کی منڈیر سے گر کر ملک عدم کو چل بسے۔ (الفضل ۱۳۔ جون ۱۹۵۲ء صفحہ ۷ کالم ۱۔ مضمون خواجہ محمد شفیع صاحب وکیل چکوال)

۸۱- الحکم ۲۱۔ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۴ کالم ۲

۸۲- البدر ۱۳۔ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۵' البدر ۲۰۔ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۸

۸۳- نسیم دعوت صفحہ ۱-۲

۸۴۔ نسیم دعوت صفحہ ۱۰۔۱۱
۸۵۔ سناتن دھرم صفحہ ۷
۸۶۔ الحکم ۱۷/ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۶ کالم ۳
۸۷۔ سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۷
۸۸۔ البدر ۲۰/ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱ کالم ۱' اصحاب احمد جلد اول ضمیمہ صفحہ ۱۵ الحکم ۲۱۔ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۲ کالم ۳
۸۹۔ ذکر حبیب' مؤلفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ صفحہ ۱۰۹۔۱۱۰
۹۰۔ البدر ۱۰/ اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۹۳ کالم ۲
۹۱۔ البدر ۵/ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۵۵ کالم ۱
۹۲۔ الحکم ۲۴/ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۱۔۲
۹۳۔ البدر ۵/ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۵۴۔ ۱۵۵' ۱۹/ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۷۱۔ ۱۷۲' ۲۶/ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۷۶ الحکم ۲۴/ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰۔۱۳
۹۴۔ الحکم ۲۴/ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳ کالم ۲
۹۵۔ دو ماہ تک آپ کی بیماری کے ایام میں آپ کے برادر اکبر حضرت حافظ عبد العلی صاحب بھی انگریزی پڑھاتے رہے۔
۹۶' ۹۷۔ الحکم ۲۴/ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳ کالم ۱
۹۸۔ الحکم ۱۷/ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۴ کالم ۱
۹۹۔ الحکم ۱۷/ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۴ کالم ۱
۱۰۰۔ "اصحاب احمد" جلد دوم صفحہ ۱۸۲
۱۰۱۔ "اصحاب احمد" جلد دوم صفحہ ۱۸۲
۱۰۲۔ الحکم ۱۷/ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۴ کالم ۱
۱۰۳۔ اس کی تفصیل ۱۹۴۴ء کے حالات میں آ رہی ہے۔

کابل میں

حضرت سید عبداللطیف صاحب کی دردناک شہادت

کابل میں حضرت سیّد عبداللطیف صاحب کی دردناک شہادت

(۱۴/ جولائی ۱۹۰۳ء مطابق ۱۸/ ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ بروز منگل)

دو مظلوموں کی شہادت کے متعلق برسوں قبل کی پیشگوئی

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو شروع زمانہ ماموریت میں الہام ہوا۔

"وَاِنْ لَّمْ یَعْصِمْکَ النَّاسُ فَیَعْصِمُکَ اللّٰہُ مِنْ عِنْدِہٖ...اَلْفِتْنَۃُ ھٰھُنَا..فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُوْلُو الْعَزْمِ....شَاتَانِ تُذْبَحَانِ وَ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ۔ وَلَا تَھِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔[1]

یعنی اگر تمام لوگ تیرے بچانے سے دریغ کریں مگر خدا تجھے بچائے گا۔ اس جگہ فتنہ ہے۔ پس صبر کر جیسے اولوالعزم لوگوں نے صبر کیا ہے۔ دو بکریاں ذبح کی جائیں گی۔ اور زمین پر کوئی ایسا نہیں جو مرنے سے بچ جائے گا۔ سست مت ہو اور غم مت کرو۔ کیا خدا اپنے بندہ کو کافی نہیں ہے؟

علم التعبیر میں "شاۃ" کی تعبیر نہایت مطیع اور فرمانبردار رعایا بھی ہوتی ہے لہذا بتایا گیا تھا کہ دو آدمی جو اپنے بادشاہ کے نہایت فرمانبردار اور مطیع ہوں گے۔ باوجودیکہ انہوں نے کوئی قانون شکنی نہ کی ہوگی وہ قتل کئے جائیں گے وَ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ اس کے بعد اس ملک پر ایک عام تباہی آئیگی المختصر اس الہام الٰہی میں مندرجہ ذیل خبریں دی گئی تھیں۔

۱۔ حضرت اقدس ؑ کے خلاف قتل کے منصوبے کئے جائیں گے مگر ناکام رہیں گے

۲۔ اس کے بعد ایک فتنہ اٹھے گا۔

۳۔ آپ کے دو مرید شہید کئے جائیں گے۔

۴۔ وہ قتل ناواجب ہوگا کسی سیاسی جرم کے متعلق نہیں ہوگا۔

۵۔ اس شہادت کے بعد ملک میں عام تباہی آئے گی

۶۔ مگر یہ واقعہ خدا کے سلسلہ کی ترقی میں سد راہ نہیں بن سکے گا۔ اس پیشگوئی میں گو ملک وغیرہ کا کچھ نشان نہیں دیا گیا تھا مگر اس کی عبارت سے یہ ضرور معلوم ہوتا تھا کہ اول تو واقعہ انگریزی علاقہ میں نہیں ہوگا بلکہ کسی ایسے ملک میں ہوگا کہ جہاں عام ملکی قانون کی اطاعت کرتے ہوئے بھی لوگوں کے غصہ اور ناراضگی کے نتیجہ میں انسان قتل کئے جا سکتے ہیں۔ دوم دونو شہادتیں اس ایک ہی علاقہ میں ہوں گی کیونکہ دونوں کو ایک ہی لفظ میں جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ باتیں اس پیشگوئی کو بہت بالا کر دیتی ہیں۔ [۲]

اس پیشگوئی کے بعد تقریباً بیس سال تک کوئی ایسے آثار نظر نہ آئے جن سے یہ پیش گوئی پوری ہوتی معلوم ہو مگر جب کہ قریباً بیس سال اس الہام پر گزرے تو اس پیشگوئی کا ایک حصہ ۱۹۰۱ء میں مولوی عبد الرحمٰن صاحب کی شہادت سے پورا ہو گیا۔ الہام کے مطابق ایک اور شہادت باقی تھی جو اس سال کے وسط مین ۱۴/ جولائی ۱۹۰۳ء کو واقعہ ہوئی یعنی حضرت صاجزادہ عبد اللطیف صاحبؓ جیسے بزرگ اور متدین انسان بھی محض حضرت اقدسؑ پر ایمان کے جرم میں دردناک طور پر شہید کر دئے گئے۔

حضرت صاجزادہ صاحب کا سفر قادیان

واقعہ یوں ہوا کہ حضرت صاجزادہ عبد اللطیف صاحب آخر ۱۹۰۲ء [۲] میں حج بیت اللہ کے ارادہ سے اپنے وطن سے روانہ ہوئے۔ امیر حبیب اللہ خاں نے انعام واکرام سے رخصت کیا۔ آپ کابل سے خوست اور وہاں سے لاہور رہوتے ہوئے ۱۸۔ نومبر کو قادیان تشریف لائے۔ حضرت صاجزادہ صاحب کے ساتھ مولوی عبد الجلیل صاحب اور سید عبد الستار صاحب اور ایک عالم بھی تھے جن کو وزیریوں کا مولوی کہا جاتا تھا۔ سید عبد الستار صاحب کا بیان ہے کہ حضرت مولوی عبد اللطیف صاحب پیدل ہی بٹالہ سے قادیان روانہ ہوئے۔ جب ہم قادیان پہنچے تو بلند آواز سے **یاتون من کل فج عمیق ویاتیک من کل فج عمیق** پڑھنے لگے ہم سب حضرت مولوی نور الدین صاحب سے ملے۔ آپ نے ملاقات کے بعد فرمایا۔ صاجزادہ عبد اللطیف کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا یہ آپ کے پاس بیٹھے ہیں تب مولوی نور الدین صاحب اٹھ کر حضرت صاجزادہ صاحب سے بغلگیر ہوئے اور گفتگو فرمانے لگے۔ ظہر کی نماز کے بعد حضور علیہ السلام سے ملاقات کی۔ حضرت اقدسؑ نے اس ملاقات کے بارہ میں اپنے تاثرات یوں لکھے ہیں۔ "جب مجھ سے ان کی ملاقات ہوئی تو قسم اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے ان کو اپنی پیروی اور اپنے دعویٰ کی تصدیق میں ایسا فنا شدہ پایا کہ جس سے

بڑھ کر انسان کے لئے ممکن نہیں۔ اور جیسا کہ ایک شیشہ عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے ایسا ہی میں نے ان کو اپنی محبت سے بھرا ہوا پایا۔ اور جیسا کہ ان کا چہرہ نورانی تھا ایسا ہی انکا دل مجھے نورانی معلوم ہوتا تھا۔" ۴

اخبار البدر۔ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۳۵ کالم ۲ میں لکھا ہے "۱۸۔ نومبر ۱۹۰۲ء سہ شنبہ... ظہر و عصر۔ ان دونوں میں حضرت اقدس نے نماز با جماعت ادا کی۔ چند ایک احباب معہ مولوی عبدالستار صاحب جو آج تشریف لائے تھے ان سے ملاقات کی ان کے تحفے تحائف لے کر انہوں نے حضرت اقدس کے بطور نذر پیشکش کئے تھے۔ فرمایا ان کا آنا بھی ایک نشان ہے اور اس الہام یاتون من کل فج عمیق کو پورا کرتا ہے۔"

ملاقات کے بعد حضور نے صاحبزادہ صاحب اور آپ کے رفقاء کے قیام کا تسلی بخش انتظام فرمایا۔ ۵ حضرت صاحبزادہ صاحب یہاں ارادہ تو مختصر ملاقات کا لے کر آئے تھے مگر اس سے پہلے جو کتابوں کے ذریعہ سے سمجھا تھا چونکہ یہاں بہت کچھ زیادہ دیکھا اس لئے صفائی قلب کی وجہ سے نور الٰہی کی طرف ایسے جذب کئے گئے کہ سفر حج ملتوی کر کے کئی ماہ تک قادیان میں قیام کئے رکھا۔

قیام قادیان کے بعض واقعات

احمد نور صاحب کابلی کا بیان ہے کہ "حضرت مسیح موعود کے ساتھ جب ہم سیر کو جایا کرتے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سیر سے واپس آکر گھر میں داخل ہوتے تو شہید مرحوم اپنے کپڑے گرد و غبار سے صاف نہیں کرتے تھے جب تک ذرا ٹھہر نہ جائیں اور اندازہ نہ لگالیں کہ اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے کپڑے جھاڑ لئے ہوں گے۔

شہید مرحوم کو الہام اور بکثرت صحیح کشف بھی ہوتے تھے۔ ایک روز مہمان خانہ میں سوئے ہوئے تھے کہ یکلخت اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ مجھ پر محمد ﷺ چادر کی مانند بچھائے گئے کہ... بالکل جدا نہیں ہو سکتے اور یہ الہام ہوا کہ جِسْمُہٗ مُنَوَّرٌ مُعَمَّرٌ مُعَطَّرٌ یُضِیُّ کَالُّلُؤْلُؤِ الْمَکْنُوْنِ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٌ۔ اور یہ بھی کہا کہ یہ نور ہمارے اختیار میں ہے۔ چنانچہ ایک روز مولوی عبدالستار صاحب سے کہا کہ میرے چہرہ کی طرف دیکھو اور جھک گئے۔ مولوی صاحب دیکھنے لگے تو نہ دیکھ سکے۔ آنکھیں نیچی ہو گئیں۔ پھر جب شہید مرحوم کھڑے ہو گئے تو مولوی صاحب نے دیکھا اور سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھنا شروع کیا۔ وزیریوں کے مولوی صاحب نے کہا کہ تم نے کیا دیکھا ہے۔ مولوی صاحب ہنسے اور کہا کہ بہت کچھ دیکھا ہے اور یہ بھی کہا کہ جب میں نے آپ کے چہرہ کی طرف دیکھا تو ان کے چہرہ کی چمک نے جو کہ سورج کی مانند تھی میری نظر کو چندھیا دیا اور نیچے کر دیا۔ اور پھر جب انہوں نے سر اٹھایا تو میں دیکھنے

کے قابل ہوا۔ اور دیکھا۔ شہید مرحوم نے وزیریوں کے مولوی صاحب سے کہا کہ تم میں تقویٰ کم ہے اس لئے تم نے نہیں دیکھا۔ [۶]

شہید مرحوم پر عجیب و غریب احوال ظاہر ہوتے تھے۔ ایک روز بہشتی مقبرہ کی طرف جاتے ہوئے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم پیچھے رہ گئے ہو میرے ساتھ ملنے کی کوشش کرو۔ رسول اللہ ﷺ کے برکات و انوار مجھے عطا کئے گئے ہیں۔ پھر مولوی عبدالستار صاحب سے فرمایا کہ میرے چہرہ کی طرف ذرا دیکھو۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ سورج جو کہ کافی اونچا تھا میں اس کی طرف دیکھ سکتا تھا۔ شہید مرحوم کی پیشانی کی طرف دیکھنا مشکل تھا۔ آپ کے چہرہ سے ایسی شعاعیں نکلتی تھیں کہ سورج سے کئی درجہ بڑھ کر تھیں۔ قریباً تین مہینے شہید مرحوم نے قادیان میں قیام کیا۔

حضرت مسیح موعودؑ شہید مرحوم سے از حد محبت رکھتے تھے۔ [۷] ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سیر کو تشریف لے جا رہے تھے اور شہید مرحوم اور چند ایک آدمی اور بھی ساتھ تھے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام سیر سے واپس گھر چلے آئے تو شہید مرحوم نے ہمیں مہمان خانہ میں آکر اور مخاطب ہو کر یہ کشفی نظارہ بیان فرمایا۔ آج ایک عجیب واقعہ ہوا ہے کہ جنت سے ایک حور اچھے خوبصورت لباس میں میرے سامنے آئی اور کہا کہ آپ میری طرف دیکھیں۔ میں نے کہا جب تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام میرے ساتھ ہیں ان کو چھوڑ کر تیری طرف میں نہیں دیکھوں گا۔ تب وہ روتی ہوئی واپس چلی گئی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہم سب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ سیر کو جا رہے تھے پھر جب واپس گھر آئے تو شہید مرحوم نے مجھے فرمایا کہ تم نے اپنے والد صاحب کو دیکھا؟ میں نے کہا۔ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تو تمہارے ساتھ ساتھ اور حضرت مسیح موعود کے پیچھے آ رہے تھے حالانکہ میرے والد صاحب کئی برس پہلے گزر چکے تھے۔

شہید مرحوم کھانا بہت کم کھایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں دوزخ کا شور و غوغا سنتا ہوں اگر لوگ سنیں تو وہ بھی کھانا نہ کھائیں۔

ایک دفعہ عجب خاں تحصیل دار جو ہمارے یہاں آئے ہوئے تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے گھر جانے کی اجازت لے کر شہید مرحوم کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے حضرت صاحب سے اجازت لے لی ہے لیکن مولوی نور الدین صاحب سے نہیں لی۔ شہید مرحوم نے فرمایا کہ مولوی صاحب سے جاکر ضرور اجازت لینا۔ حضرت مسیح موعودؑ کے بعد یہی اول خلیفہ ہوں گے۔ چنانچہ جب شہید مرحوم جانے لگے تو مولوی صاحب سے حدیث بخاری کے دو تین صفحے پڑھے اور ہم سے فرمایا کہ

یہ میں نے اس لئے پڑھے ہیں کہ تا میں بھی ان کی شاگردی میں داخل ہو جاؤں۔ حضرت صاحب کے بعد یہ خلیفہ اول ہوں گے۔" ۸

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب سفر جہلم اختیار فرمایا تو حضرت صاحبزادہ صاحب بھی حضور کے ہمرکاب تھے۔ مولوی عبد اللطیف صاحب قادیان میں ہی تھے کہ حضرت اقدس کو حضرت صاحبزادہ صاحب کی شہادت کا علم دیا گیا۔ آپ کو الہام ہوا۔ "قُتِلَ خَیْبَۃً وَّ زِیْدَ ھَیْبَۃً۔" ۹ یعنی ایسی حالت میں شہید ہو کہ اس کی بات کو کسی نے نہ سنا اور اس کا مارا جانا ایک ہیبت ناک امر تھا۔ دوسری طرف حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف صاحبؓ پر بھی یہ امر بالکل منکشف ہو چکا تھا کہ کابل کی زمین آپ کے خون کی منتظر ہے چنانچہ مولوی عبد الواحد خاں صاحب ۱۰ سیالکوٹی کی روایت ہے کہ جہلم کی بات ہے حضرت صاحبزادہ صاحب رات کے وقت ہمارے کمرے میں تشریف لائے اور فرمایا کہ "بار بار الہام مے شود' سردہ' سردہ' سردہ" کہ مجھے بار بار الہام ہوتا ہے کہ سردو' سردو' سردو ۱۱

قادیان سے کابل کو واپسی

حضرت صاحبزادہ صاحب امیر کابل سے چھ ماہ کی رخصت لے کر آئے تھے۔ جب روانگی کا وقت آیا تو صاحبزادہ صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ سے رخصت ہونے کی اجازت مانگی تو حضورؑ نے فرمایا کہ جب آپ کو دوسرے سال حج کے لئے جانا ہے تو آپ یہیں ٹھہر جائیں مگر انہوں نے عرض کیا کہ حج کے لئے پھر آجاؤں گا۔ آخر حضورؑ نے ان کے اصرار پر دو چار روز کے بعد اجازت دے دی۔ ۱۲

جب حضرت صاحبزادہ صاحب روانہ ہوئے تو حضور اور حضور کے خدام احمد نور صاحب کابلی کے بیان کے مطابق ڈیڑھ میل تک اور بعض کے بیان کے مطابق وڈالہ کی نہر تک چھوڑنے کے لئے تشریف لے گئے۔ ۱۳ یہ غالباً آخر جنوری ۱۹۰۳ء ۱۴ کا واقعہ ہے۔ صاحبزادہ صاحب رخصت ہونے لگے تو آپ جوش عقیدت سے حضرت اقدسؑ کے قدموں پر گر پڑے اور دونوں ہاتھوں سے حضور کے قدم مبارک پکڑ لئے اور عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرمائیں تو حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ اچھا میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں آپ میرے پاؤں چھوڑ دیں انہوں نے پاؤں نہ چھوڑنے پر اصرار کیا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ۔ تب صاحبزادہ صاحب نے یہ لفظ سنتے ہی پاؤں چھوڑ دیئے۔ حضور سے رخصت ہو کر آپ سیدھے بٹالہ آئے وہاں سے لاہور پہنچے۔ تمام راستہ میں حضرت صاحبزادہ صاحب قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے۔ لاہور پہنچ کر میاں چراغ دین صاحب کے پرانے مکان کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد میں تین چار دن قیام فرمایا۔ مکان تو آپ کے دوستوں کے بھی تھے مگر آپ نے خلوت پسندی کی خاطر مسجد کو ہی ترجیح دی۔ ۱۵ جمعہ کے دن آپ نے مسجد گنٹی والی میں نماز

جمعہ کے بعد ایک لطیف وعظ فرمایا۔ [۱۶] بعد ازاں باہر تشریف لے گئے اور کچھ کتابیں خرید کر ان کی جلدیں بندھوائیں۔ جب تمام کتابیں مجلد ہوگئیں تو لاہور سے بذریعہ ریل کوہاٹ پہنچے۔ اس سفر میں آپ کا معمول تلاوت قرآن ہی رہا۔ کوہاٹ سے آپ بذریعہ ٹم ٹم بنوں پہنچے۔ پھر دو ایک روز قیام کے بعد علاقہ خوست کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں آپ کو الہام ہوا۔ "اذھب الی فرعون۔" [۱۷]

مراجعت وطن مباحثہ اور شہادت کے دردانگیز واقعہ کی تفصیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قلم سے

اس کے بعد کیا ہوا؟ کس طرح شہادت کا دردانگیز واقعہ پیش آیا؟ اس کی تفصیل خود حضرت اقدس علیہ السلام کے قلم مبارک سے درج کی جاتی ہے فرماتے ہیں۔

"مولوی صاحب خوست علاقہ کابل سے قادیان میں آکر کئی مہینہ میرے پاس اور میری صحبت میں رہے۔ پھر بعد اس کے جب آسمان پر یہ امر قطعی طور پر فیصلہ پاچکا کہ وہ درجہ شہادت پاویں تو اس کے لئے یہ تقریب پیدا ہوئی کہ وہ مجھ سے رخصت ہو کر اپنے وطن کی طرف واپس تشریف لے گئے۔ اب جیساکہ معتبر ذرائع سے اور خاص دیکھنے والوں کی معرفت مجھے معلوم ہوا ہے قضاء وقدر سے یہ صورت پیش آئی کہ مولوی صاحب جب سرزمین علاقہ کابل کے نزدیک پہنچے تو علاقہ انگریزی میں ٹھہر کر بریگیڈیر محمد حسین کوتوال کو جو ان کا شاگرد تھا ایک خط لکھا کہ اگر امیر صاحب سے میرے آنے کی اجازت حاصل کر کے مجھے اطلاع دیں تو امیر صاحب کے پاس بمقام کابل میں حاضر ہو جاؤں۔ بلااجازت اس لئے تشریف نہ لئے گئے کہ وقت سفر امیر صاحب کو یہ اطلاع دی تھی کہ میں حج کو جاتا ہوں مگر وہ ارادہ قادیان میں بہت دیر تک ٹھہرنے سے پورا نہ ہو سکا اور وقت ہاتھ سے جاتا رہا۔ اور چونکہ وہ میری نسبت شناخت کر چکے تھے کہ یہی شخص مسیح موعود ہے اس لئے میری صحبت میں رہنا ان کو مقدم معلوم ہوا۔ اور بموجب نص اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول حج کا ارادہ انہوں نے کسی دوسرے سال پر ڈال دیا۔ اور ہر ایک دل اس بات کو محسوس کر سکتا ہے کہ ایک حج کے ارادہ کرنے والے کے لئے اگر یہ بات پیش آجائے کہ وہ اس مسیح موعود کو دیکھ لے جس کا تیرہ سو برس پہلے اہل اسلام میں انتظار ہے تو بموجب نص صریح قرآن اور احادیث کے وہ بغیر اس کی اجازت کے حج کو نہیں جا سکتا۔ ہاں بااجازت اس کے دوسرے وقت میں جا سکتا ہے۔ غرض چونکہ وہ مرحوم سید الشہداء اپنی صحت نیت سے حج نہ کر سکا اور قادیان میں ہی دن گزر گئے۔ تو قبل اس کے کہ وہ سرزمین کابل میں وارد ہوں اور حدود ریاست کے اندر قدم رکھیں احتیاطاً قرین مصلحت سمجھا کہ انگریزی علاقہ میں رہ کر امیر کابل پر اپنی سرگذشت کھول دی جائے کہ اس طرح پر حج کرنے سے معذوری پیش آئی۔ انہوں نے مناسب

سمجھا کہ برگیڈیئر محمد حسین کو خط لکھا تا وہ مناسب موقع پر اصل حقیقت مناسب لفظوں میں گوش گزار کر دیں اور اس خط میں یہ لکھا کہ اگرچہ میں حج کرنے کے لئے روانہ ہوا تھا مگر مسیح موعود کی مجھے زیارت ہو گئی۔ اور چونکہ مسیح کے ملنے کے لئے اور اس کی اطاعت مقدم رکھنے کے لئے خدا اور رسول کا حکم ہے اس مجبوری سے مجھے قادیان میں ٹھہرنا پڑا۔ اور میں نے اپنی طرف سے یہ کام نہ کیا بلکہ قرآن اور حدیث کی رو سے اسی امر کو ضروری سمجھا جب یہ خط برگیڈیر محمد حسین کوتوال کو پہنچا تو اس نے وہ خط اپنے زانو کے نیچے رکھ لیا اور اس وقت پیش نہ کیا مگر اس کے نائب کو جو مخالف اور شریر آدمی تھا کسی طرح پتہ لگ گیا کہ یہ مولوی صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کا خط ہے اور وہ قادیان میں ٹھہرے رہے۔ تب اس نے وہ خط کسی تدبیر سے نکال لیا اور امیر صاحب کے آگے پیش کر دیا۔ امیر صاحب نے برگیڈیر محمد حسین کوتوال سے دریافت کیا کہ کیا یہ خط آپ کے نام آیا ہے۔ اس نے امیر کے موجودہ غیظ و غضب سے خوف کھا کر انکار کر دیا۔ پھر ایسا اتفاق ہوا کہ مولوی صاحب شہید نے کئی دن پہلے خط کے جواب کا انتظار کر کے ایک اور خط بذریعہ ڈاک محمد حسین کوتوال کو لکھا۔ وہ خط افسر ڈاک خانہ نے کھول لیا اور امیر صاحب کو پہنچا دیا۔ چونکہ قضا و قدر سے مولوی صاحب کی شہادت مقدر تھی اور آسمان پر وہ برگزیدہ بزمرہ شہداء داخل ہو چکا تھا اس لئے امیر صاحب نے ان کے بلانے کے لئے حکمت عملی سے کام لیا اور ان کی طرف یہ خط لکھا کہ آپ بلا خطرہ چلے آؤ۔ اگر یہ دعویٰ سچا ہو گا تو میں بھی مرید ہو جاؤں گا۔ بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ خط امیر صاحب نے ڈاک میں بھیجا تھا یا دستی روانہ کیا تھا۔ بہرحال اس خط کو دیکھ کر مولوی صاحب موصوف کابل کی طرف روانہ ہو گئے اور قضاء و قدر نے نازل ہونا شروع کر دیا۔ راویوں نے بیان کیا ہے کہ جب شہید مرحوم کابل کے بازار سے گزرے تو گھوڑے پر سوار تھے ان کے پیچھے آٹھ سرکاری سوار تھے اور ان کی تشریف آوری سے پہلے عام طور پر کابل میں مشہور تھا کہ امیر صاحب نے اخوندزادہ صاحب کو دھوکا دے کر بلایا ہے۔ اب بعد اس کے دیکھنے والوں کا یہ بیان ہے کہ جب اخوندزادہ صاحب مرحوم بازار سے گزرے تو ہم اور دوسرے بہت سے بازاری لوگ ساتھ چلے گئے۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ آٹھ سرکاری سوار خوست سے ہی ان کے ہمراہ کئے گئے تھے کیونکہ ان کے خوست میں پہنچنے سے پہلے حکم سرکاری انکے گرفتار کرنے کے لئے حاکم خوست کے نام آ چکا تھا۔ غرض جب امیر صاحب کے روبرو پیش کئے گئے تو مخالفوں نے پہلے سے ہی ان کے مزاج کو بہت کچھ متغیر کر رکھا تھا اس لئے وہ بہت ظالمانہ جوش سے پیش آئے اور حکم دیا کہ مجھے ان سے بو آتی ہے ان کو فاصلہ پر کھڑا کرو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد حکم دیا کہ ان کو اس قلعہ میں جس میں خود امیر صاحب رہتے ہیں قید کر دو اور زنجیر غراغراب لگا دو۔ یہ زنجیر وزنی ایک من

چوبیس سیر انگریزی کا ہوتا ہے۔ گردن سے کمر تک گھیر لیتا ہے۔ اور اس میں ہتھکڑی بھی شامل ہے۔ اور نیز حکم دیا کہ پاؤں میں بیڑی وزنی آٹھ سیر انگریزی کی لگادو۔ پھر اس کے بعد مولوی صاحب مرحوم چار مہینہ قید میں رہے اور اس عرصہ میں کئی دفعہ ان کو امیر کی طرف سے فہمائش ہوئی۔ اگر تم اس خیال سے توبہ کرو کہ قادیانی درحقیقت مسیح موعود ہے تمہیں رہائی دی جائے گی۔ مگر ہر ایک مرتبہ انہوں نے یہی جواب دیا کہ میں صاحب علم ہوں اور حق اور باطل کی شناخت کرنے کی خدا نے مجھے قوت عطا کی ہے۔ میں نے پوری تحقیق سے معلوم کرلیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مسیح موعود ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میرے اس پہلو کے اختیار کرنے میں میری جان کی خیر نہیں ہے اور میرے اہل وعیال کی بربادی ہے مگر میں اس وقت اپنے ایمان کو اپنی جان اور ہر ایک دنیوی راحت پر مقدم سمجھتا ہوں۔ شہید مرحوم نے نہ ایک دفعہ بلکہ قید ہونے کی حالت میں بارہا یہی جواب دیا اور یہ قید انگریزی قید کی طرح نہیں تھی جس میں انسانی کمزوری کا کچھ کچھ لحاظ رکھا جاتا ہے بلکہ ایک سخت قید تھی جس کو انسان موت سے بدتر سمجھتا ہے اس لئے لوگوں نے شہید موصوف کی اس استقامت اور استقلال کو نہایت تعجب سے دیکھا اور درحقیقت تعجب کا مقام تھا کہ ایسا جلیل الشان شخص جو کئی لاکھ روپیہ کی ریاست کابل میں جاگیر رکھتا تھا اور اپنے فضائل علمی اور تقویٰ کی وجہ سے گویا تمام سرزمین کابل کا پیشوا تھا اور قریباً پچاس برس کی عمر تک تنعم اور آرام میں زندگی بسر کی تھی اور بہت سا اہل وعیال اور عزیز فرزند رکھتا تھا۔ پھر یک دفعہ وہ ایسی سنگین قید میں ڈالا گیا جو موت سے بدتر تھی اور جس کے تصور سے بھی انسان کے بدن پر لرزہ پڑتا ہے۔ ایسا نازک اندام اور نعمتوں کا پروردہ انسان وہ اس روح کے گداز کرنے والی قید میں صبر کرسکے اور جان کو ایمان پر فدا کرے۔ بالخصوص جس حالت میں امیر کابل کی طرف سے بار بار ان کو پیغام پہنچتا تھا کہ اس قادیانی شخص کے تصدیق دعویٰ سے انکار کردو تو تم ابھی عزت سے رہا کئے جاؤ گے مگر اس قوی الایمان بزرگ نے اس بار بار کے وعدہ کی کچھ بھی پروانہ کی اور بار بار یہی جواب دیا کہ مجھ سے یہ امید مت رکھو کہ میں ایمان پر دنیا کو مقدم رکھ لوں۔ اور کیونکر ہوسکتا ہے کہ جس کو میں نے خوب شناخت کرلیا اور ہر ایک طرح سے تسلی کرلی اپنی موت کے خوف سے اس کا انکار کردوں؟ یہ انکار تو مجھ سے نہیں ہوگا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ میں نے حق پالیا اس لئے چند روزہ زندگی کے لئے مجھ سے یہ بے ایمانی نہیں ہوگی کہ میں اس ثابت شدہ حق کو چھوڑ دوں۔ میں جان چھوڑنے کے لئے تیار ہوں اور فیصلہ کرچکا ہوں مگر حق میرے ساتھ جائے گا۔ اس بزرگ کے بار بار کے یہ جواب ایسے تھے کہ سرزمین کابل کبھی ان کو فراموش نہیں کرے گی اور کابل کے لوگوں نے اپنی تمام عمر میں یہ نمونہ ایمان داری اور استقامت کا کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ اس جگہ یہ بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ

کابل کے امیروں کا یہ طریق نہیں ہے کہ اس قدر بار بار وعدہ معافی دے کر ایک عقیدہ کے چھڑانے کے لئے توجہ دلائیں۔ لیکن مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم کی یہ خاص رعایت اس وجہ سے تھی کہ وہ ریاست کابل کا گویا ایک بازو تھا اور ہزارہا انسان اس کے معتقد تھے۔ اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں وہ امیر کابل کی نظر میں اس قدر منتخب عالم فاضل تھا کہ تمام علماء میں آفتاب کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ پس ممکن ہے کہ امیر کو بجائے خود یہ رنج بھی ہو کہ ایسا برگزیدہ انسان علماء کے اتفاق رائے سے ضرور قتل کیا جائے گا۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ آجکل ایک طور سے عنان حکومت کابل کی مولویوں کے ہاتھ میں ہے اور جس بات پر مولوی لوگ اتفاق کرلیں پھر ممکن نہیں کہ امیر اس کے برخلاف کچھ کرسکے۔ پس یہ امر قرین قیاس ہے کہ ایک طرف اس امیر کو مولویوں کا خوف تھا اور دوسری طرف شہید مرحوم کو بے گناہ دیکھتا تھا۔ پس یہی وجہ ہے کہ وہ قید کی تمام مدت میں یہی ہدایت کرتا رہا کہ آپ اس شخص قادیانی کو مسیح موعود مت مانیں اور اس عقیدہ سے توبہ کرلیں تب آپ عزت کے ساتھ رہا کردیئے جاؤ گے۔ اور اسی نیت سے اس نے شہید مرحوم کو اس قلعہ میں قید کیا تھا جس قلعہ میں وہ آپ رہتا تھا تا متواتر فہمائش کا موقعہ ملتا رہے۔ اور اس جگہ ایک اور بات لکھنے کے لائق ہے اور دراصل وہی ایک بات ہے جو اس بلا کی موجب ہوئی اور وہ یہ ہے کہ عبدالرحمٰن شہید کے وقت سے یہ بات امیر اور مولویوں کو خوب معلوم تھی کہ قادیانی جو مسیح موعود کا دعویٰ کرتا ہے جہاد کا سخت مخالف ہے اور اپنی کتابوں میں بار بار اس بات پر زور دیتا ہے کہ اس زمانہ میں تلوار کا جہاد درست نہیں۔ اور اتفاق سے اس امیر کے باپ نے جہاد کے واجب ہونے کے بارے میں ایک رسالہ لکھا تھا جو میرے شائع کردہ رسالوں کے بالکل مخالف ہے اور پنجاب کے شرانگیز بعض آدمی جو اپنے تئیں موحد یا اہل حدیث کے نام سے موسوم کرتے تھے امیر کے پاس پہنچ گئے تھے۔ غالباً ان کی زبانی امیر عبدالرحمٰن نے جو امیر حال کا باپ تھا میری ان کتابوں کا مضمون سن لیا ہوگا اور عبدالرحمٰن شہید کے قتل کی بھی یہی وجہ ہوئی تھی کہ امیر عبدالرحمٰن نے خیال کیا تھا کہ یہ اس گروہ کا انسان ہے جو لوگ جہاد کو حرام جانتے ہیں۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ قضاوقدر کی کشش سے مولوی عبداللطیف مرحوم سے بھی یہ غلطی ہوئی کہ اس قید کی حالت میں بھی جتلادیا کہ اب یہ زمانہ جہاد کا نہیں اور وہ مسیح موعود جو درحقیقت مسیح ہے اس کی یہی تعلیم ہے کہ اب یہ زمانہ دلائل کے پیش کرنے کا ہے تلوار کے ذریعہ سے مذہب کو پھیلانا جائز نہیں۔ اور اب اس قسم کا پودا ہرگز بارآور نہیں ہوگا بلکہ جلد خشک ہو جائے گا۔ چونکہ شہید مرحوم سچ کے بیان کرنے میں کسی کی پروا نہیں کرتے تھے اور درحقیقت ان کو سچائی کے پھیلانے کے وقت اپنی موت کا بھی اندیشہ نہ تھا اس لئے ایسے الفاظ ان کے منہ سے نکل گئے۔ اور عجیب بات یہ ہے ان کے بعض شاگرد بیان کرتے

ہیں کہ جب وہ وطن کی طرف روانہ ہوئے تو بار بار کہتے تھے کہ کابل کی زمین اپنی اصلاح کے لئے میرے خون کی محتاج ہے۔ اور درحقیقت وہ سچ کہتے تھے کیونکہ سرزمین کابل میں اگر ایک کروڑ اشتہار شائع کیا جاتا اور دلائل قویہ سے میرا مسیح موعود ہونا ان میں ثابت کیا جاتا تو ان اشتہارات کا ہرگز ایسا اثر نہ ہوتا جیسا کہ اس شہید کے خون کا اثر ہوا۔ کابل کی سرزمین پر یہ خون اس تخم کی مانند پڑا ہے جو تھوڑے عرصہ میں بڑا درخت بن جاتا ہے اور ہزارہا پرندے اس پر اپنا بسیرا لیتے ہیں۔ اب ہم اس دردناک واقعہ کا باقی حصہ اپنی جماعت کے لئے لکھ کر اس مضمون کو ختم کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب چار مہینے قید کے گزر گئے تب امیر نے اپنے روبرو شہید مرحوم کو لا کر پھر اپنی عام کچہری میں توبہ کے لئے فہمائش کی اور بڑے زور سے رغبت دی کہ اگر تم اب بھی قادیانی کی تصدیق اور اس کے اصولوں کی تصدیق سے میرے روبرو انکار کرو تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی اور تم عزت کے ساتھ چھوڑے جاؤ گے۔ شہید مرحوم نے جواب دیا کہ یہ تو غیر ممکن ہے کہ میں سچائی سے توبہ کروں۔ اس دنیا کے حکام کا عذاب تو موت تک ختم ہو جاتا ہے لیکن میں اس سے ڈرتا ہوں جس کا عذاب کبھی ختم نہیں ہو سکتا ہاں چونکہ میں سچ پر ہوں اس لئے چاہتا ہوں کہ ان مولویوں سے جو میرے عقیدے کے مخالف ہیں میری بحث کرائی جائے۔ اگر میں دلائل کے رو سے جھوٹا نکلا تو مجھے سزا دی جائے راوی اس قصہ کے کہتے ہیں کہ ہم اس گفتگو کے وقت موجود تھے۔ امیر نے اس بات کو پسند کیا اور مسجد شاہی میں خان ملا خان اور آٹھ مفتی بحث کے لئے منتخب کئے گئے اور ایک لاہوری ڈاکٹر جو خود پنجابی ہونے کی وجہ سے سخت مخالف تھا بطور ثالث کے مقرر کر کے بھیجا گیا۔ بحث کے وقت مجمع کثیر تھا اور دیکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس بحث کے وقت موجود تھے۔ مباحثہ تحریری تھا صرف تحریر ہوتی تھی اور کوئی بات حاضرین کو سنائی نہیں جاتی تھی اس لئے اس مباحثہ کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ سات بجے صبح سے تین بجے سہ پہر تک مباحثہ جاری رہا۔ پھر جب عصر کا آخری وقت ہوا تو کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور آخر بحث میں شہید مرحوم سے یہ بھی پوچھا گیا کہ اگر مسیح موعود یہی قادیانی شخص ہے تو پھر تم عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیا کہتے ہو کیا وہ واپس دنیا میں آئیں گے یا نہیں؟ تو انہوں نے بڑی استقامت سے جواب دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اب وہ ہرگز واپس نہیں آئیں گے۔ قرآن کریم ان کے مرنے اور نہ آنے کا گواہ ہے۔ تب تو وہ لوگ ان مولویوں کی طرح جنہوں نے حضرت عیسیٰ کی بات کو سن کر اپنے کپڑے پھاڑ دیئے تھے گالیاں دینے لگے اور کہا اب اس شخص کے کفر میں کیا شک رہا اور بڑی غضب ناک حالت میں یہ کفر کا فتویٰ لکھا گیا۔
پھر بعد اس کے اخوند زادہ حضرت شہید مرحوم اسی طرح پابہ زنجیر ہونے کی حالت میں قید خانہ میں بھیجے گئے۔

اور اس جگہ یہ بات بیان کرنے سے رہ گئی کہ جب شاہزادہ مرحوم کی ان بد قسمت مولویوں سے بحث ہو رہی تھی تب آٹھ آدمی برہنہ تلواریں لے کر شہید مرحوم کے سر پر کھڑے تھے۔ پھر بعد اس کے وہ فتویٰ کفررات کے وقت امیر صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا اور یہ چالاکی کی گئی کہ مباحثہ کے کاغذات ان کی خدمت میں نہ بھیجے گئے اور نہ عوام پر ان کا مضمون ظاہر کیا گیا۔ یہ صاف اس بات پر دلیل تھی کہ مخالف مولوی شہید مرحوم کے ثبوت پیش کردہ کا کوئی رد نہ کر سکے مگر افسوس امیر پر کہ اس نے کفر کے فتویٰ پر ہی حکم لگا دیا اور مباحثہ کے کاغذات طلب نہ کئے حالانکہ اس کو چاہئے تو یہ تھا کہ اس عادل حقیقی سے ڈر کر جس کی طرف عنقریب تمام دولت و حکومت کو چھوڑ کر واپس جائے گا خود مباحثہ کے وقت حاضر ہوتا بالخصوص جب کہ وہ خوب جانتا تھا کہ اس مباحثہ کا نتیجہ ایک معصوم بے گناہ کی جان ضائع کرنا ہے تو اس صورت میں مقتضاء خدا ترسی کا یہی تھا کہ بہر حال افتاں و خیزاں اس مجلس میں جاتا۔ اور نیز چاہئے تھا کہ قبل ثبوت کسی جرم کے اس شہید مظلوم پر یہ سختی روا نہ رکھتا کہ ناحق ایک مدت تک قید کے عذاب میں ان کو رکھتا اور زنجیروں اور ہتھکڑیوں کے شکنجہ میں اس کو دبایا جاتا اور آٹھ سپاہی برہنہ شمشیروں کے ساتھ اس کے سر پر کھڑے کئے جاتے اور اس طرح ایک عذاب اور رعب میں ڈال کر اس کو ثبوت دینے سے روکا جاتا۔ پھر اگر اس نے ایسا نہ کیا تو عادلانہ حکم دینے کے لئے یہ تو اس کا فرض تھا کہ کاغذات مباحثہ کے اپنے حضور میں طلب کرتا بلکہ پہلے سے یہ تاکید کر دیتا کہ کاغذات مباحثہ کے میرے پاس بھیج دینے چاہئیں اور نہ صرف اس بات پر کفایت کرتا کہ آپ ان کاغذات کو دیکھتا بلکہ چاہئے تھا کہ سرکاری طور پر ان کاغذات کو چھپوا دیتا کہ دیکھو کیسے یہ شخص ہمارے مولویوں کے مقابل پر مغلوب ہو گیا اور کچھ ثبوت قادیانی کے مسیح موعود ہونے کے بارے میں اور نیز جہاد کی ممانعت میں اور حضرت مسیحؑ کے فوت ہونے کے بارے میں نہ دے سکا۔ ہائے!! وہ معصوم اس کی نظر کے سامنے ایک بکرے کی طرح ذبح کیا گیا اور باوجود صادق ہونے کے اور باوجود پورا ثبوت دینے کے اور باوجود ایسی استقامت کے کہ صرف اولیاء کو دی جاتی ہے پھر بھی اس کا پاک جسم پتھروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور اس کی بیوی اور اس کے یتیم بچوں کو خوست سے گرفتار کر کے بڑی ذلت اور عذاب کے ساتھ کسی اور جگہ حراست میں بھیجا گیا۔ اے نادان! کیا مسلمانوں میں اختلاف مذہب اور رائے کی یہی سزا ہوا کرتی ہے؟ تو نے کیا سوچ کر یہ خون کر دیا۔ سلطنت انگریزی جو اس امیر کی نگاہ میں اور نیز اس کے مولویوں کے خیال میں ایک کافر کی سلطنت ہے کس قدر مختلف فرقے اس سلطنت کے زیر سایہ رہتے ہیں۔ کیا اب تک اس سلطنت نے کسی مسلمان یا ہندو کو اس قصور کی بناء پر پھانسی دے دیا کہ اس کی رائے پادریوں کی رائے کے مخالف ہے؟ ہائے افسوس آسمان کے نیچے یہ بڑا ظلم ہوا کہ

ایک بے گناہ معصوم باوجود صادق ہونے کے باوجود اہل حق ہونے کے اور باوجود اس کے وہ ہزارہا معزز لوگوں کی شہادت سے تقویٰ اور طہارت کے پاک پیرایہ سے مزین تھا اس طرح بے رحمی سے محض اختلاف مذہب کی وجہ سے مارا گیا۔ اس امیر سے وہ گورنر ہزارہا درجہ اچھا تھا جس نے ایک مخبری پر حضرت مسیح کو گرفتار کر لیا تھا یعنی پیلاطوس جس کا آج تک انجیلوں میں ذکر موجود ہے کیونکہ اس نے یہودیوں کے مولویوں کو جب کہ انہوں نے حضرت مسیح پر کفر کا فتویٰ لکھ کر یہ درخواست کی کہ اس کو صلیب دی جائے یہ جواب دیا کہ اس شخص کا میں کوئی گناہ نہیں دیکھتا۔ افسوس اس امیر کو کم سے کم اپنے مولویوں سے یہ تو پوچھنا چاہئے تھا کہ یہ سنگساری کا فتویٰ کس قسم کے کفر پر دیا گیا اور اس اختلاف کو کیوں کفر میں داخل کیا گیا اور کیوں انہیں یہ نہ کہا گیا کہ تمہارے فرقوں میں خود اختلاف بہت ہے۔ کیا ایک فرقہ کو چھوڑ کر دوسروں کو سنگسار کرنا چاہئے۔ جس امیر کا یہ طریق اور یہ عمل ہے نہ معلوم وہ خدا کو کیا جواب دے گا۔ بعد اس کے کہ فتویٰ کفر لگا کر شہید مرحوم قید خانہ میں بھیجا گیا صبح روز دوشنبہ کو شہید موصوف کو سلام خانہ یعنی خاص مکان دربار امیر صاحب میں بلایا گیا۔ اس وقت بھی بڑا مجمع تھا۔ امیر صاحب جب ارک یعنی قلعہ سے نکلے تو راستہ میں شہید مرحوم ایک جگہ بیٹھے تھے ان کے پاس ہو کر گزرے اور پوچھا کہ اخوند زادہ صاحب کیا فیصلہ ہوا۔ شہید مرحوم کچھ نہ بولے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان لوگوں نے ظلم پر کمر باندھی ہے مگر سپاہیوں میں سے کسی نے کہا کہ ملامت ہو گیا۔ یعنی کفر کا فتویٰ لگ گیا۔ پھر امیر صاحب جب اپنے اجلاس پر آئے تو اجلاس میں بیٹھتے ہی پہلے اخوند زادہ صاحب مرحوم کو بلایا اور کہا کہ آپ پر کفر کا فتویٰ لگ گیا ہے اب کہو کہ کیا توبہ کرو گے یا سزا پاؤ گے؟ تو انہوں نے صاف لفظوں میں انکار کیا اور کہا میں حق سے توبہ نہیں کر سکتا۔ کیا میں جان کے خوف سے باطل کو مان لوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔ تب امیر صاحب نے دوبارہ توبہ کرنے کے لئے کہا اور توبہ کی حالت میں بہت امید دی اور وعدہ معافی دیا مگر شہید موصوف نے بڑے زور سے انکار کیا اور کہا کہ مجھ سے یہ امید مت رکھو کہ میں سچائی سے توبہ کروں۔ ان باتوں کو بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ سنی سنائی باتیں نہیں بلکہ ہم خود اس مجمع میں موجود تھے اور مجمع کثیر تھا۔ شہید مرحوم ہر ایک فہمائش کا زور سے انکار کرتا تھا اور وہ اپنے لئے فیصلہ کر چکا تھا کہ ضرور ہے کہ میں اسی راہ میں جان دوں۔ تب اس نے یہ بھی کہا کہ میں بعد قتل چھ روز تک پھر زندہ ہو جاؤں گا۔ یہ راقم کہتا ہے کہ یہ قول وحی کی بناء پر ہو گا جو اس وقت ہوئی ہو گی کیونکہ اس وقت شہید مرحوم منقطعین میں شامل ہو چکا تھا اور فرشتے اس سے مصافحہ کرتے تھے۔ تب فرشتوں سے یہ خبر پا کر ایسا اس نے کہا اور اس قول کے یہ معنے تھے کہ وہ زندگی جو اولیاء اور ابدال کو دی جاتی ہے چھ روز تک مجھے مل جائے گی اور قبل اس کے جو خدا کا دن آوے یعنی ساتواں دن میں

زندہ ہو جاؤں گا۔ اور یاد رہے کہ اولیاء اللہ اور خاص لوگ جو خدا تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں وہ چند دنوں کے بعد پھر زندہ کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء یعنی تم ان کو مردے مت خیال کرو جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں وہ تو زندہ ہیں۔ پس شہید مرحوم کا اسی مقام کی طرف اشارہ تھا اور میں نے ایک کشفی نظر میں دیکھا کہ ایک درخت سرو کی ایک بڑی لمبی شاخ جو نہایت خوبصورت اور سرسبز تھی ہمارے باغ میں سے کاٹی گئی ہے اور وہ ایک شخص کے ہاتھ میں ہے تو کسی نے کہا کہ اس شاخ کو اس زمین میں جو میرے مکان کے قریب ہے اس بیری کے پاس لگادو جو اس سے پہلے کاٹی گئی تھی اور پھر دوبارہ اگے گی۔ اور ساتھ ہی مجھے یہ وحی ہوئی کہ کابل سے کاٹا گیا اور سیدھا ہماری طرف آیا۔ اس کی میں نے یہ تعبیر کی کہ تخم کی طرح شہید مرحوم کا خون زمین پر پڑا ہے اور وہ بہت بار آور ہو کر ہماری جماعت کو بڑھادے گا اس طرف میں نے یہ خواب دیکھی اور اس طرف شہید مرحوم نے کہا کہ چھ روز تک میں زندہ کیا جاؤں گا۔ میری خواب اور شہید مرحوم کے اس قول کا مال ایک ہی ہے۔ شہید مرحوم نے مرکر میری جماعت کو ایک نمونہ دیا ہے اور در حقیقت میری جماعت ایک بڑے نمونہ کی محتاج تھی۔ اب تک ان میں ایسے بھی پائے جاتے ہیں کہ جو شخص ان میں ادنیٰ خدمت بجالاتا ہے وہ خیال کرتا ہے کہ اس نے بڑا کام کیا ہے اور قریب ہے کہ وہ میرے پر احسان رکھے۔ حالانکہ خدا کا اس پر احسان ہے کہ اس خدمت کے لئے اس نے اس کو توفیق دی۔ بعض ایسے ہیں کہ پورے زور اور پورے صدق سے اس طرف نہیں آئے۔ اور جس قوت ایمان اور انتہاء درجہ کے صدق و صفا کا وہ دعویٰ کرتے ہیں آخر تک اس پر قائم نہیں رہ سکتے اور دنیا کی محبت کے لئے دین کو کھو دیتے ہیں اور کسی ادنیٰ امتحان کی بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ خدا کے سلسلے میں بھی داخل ہو کر ان کی دنیاداری کم نہیں ہوتی لیکن خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ایسے بھی ہیں کہ وہ سچے دل سے ایمان لائے اور سچے دل سے اس طرف کو اختیار کیا اور اس راہ کے لئے ہر ایک دکھ اٹھانے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن جس نمونہ کو اس جوانمرد نے ظاہر کر دیا اب تک وہ قوتیں اس جماعت کی مخفی ہیں۔ خدا سب کو وہ ایمان سکھادے اور وہ استقامت بخشے جس کا اس شہید مرحوم نے نمونہ پیش کیا ہے۔ یہ دنیوی زندگی جو شیطانی حملوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے کامل انسان بننے سے روکتی ہے۔ اور اس سلسلہ میں بہت داخل ہوں گے مگر افسوس کہ تھوڑے ہیں کہ یہ نمونہ دکھائیں گے۔

پھر ہم اصل واقعہ کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ جب شہید مرحوم نے ہر ایک مرتبہ توبہ کرنے کی فہمائش پر توبہ کرنے سے انکار کیا تو امیر نے ان سے مایوس ہو کر اپنے ہاتھ سے ایک لمبا چوڑا کاغذ لکھا

اور اس میں مولویوں کا فتویٰ درج کیا اور اس میں یہ لکھا کہ ایسے کافر کی سنگسار کرنا سزا ہے تب وہ فتویٰ اخوند زادہ مرحوم کے گلے میں لٹکا دیا گیا اور پھر امیر نے حکم دیا کہ شہید مرحوم کے ناک میں چھید کر کے اس میں رسی ڈال دی جائے اور اسی رسی سے شہید مرحوم کو کھینچ کر مقتل یعنی سنگسار کرنے کی جگہ تک پہنچایا جائے۔ چنانچہ اس ظالم امیر کے حکم سے ایسا ہی کیا گیا اور ناک کو چھید کر سخت عذاب کے ساتھ اس میں رسی ڈالی گئی۔ (نوٹ از مولف۔ حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں جو روایات پہنچیں ان کے مطابق تو واقعہ یہی ہے لیکن بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ناک میں رسی ڈالنے کی بات ہرگز درست نہیں معلوم ہوتا ہے کہ دشمنوں کا یہ خواب شہید مرحوم کے مریدوں نے پوری نہیں ہونے دی) تب اس رسی کے ذریعہ سے شہید مرحوم کو نہایت ٹھٹھے اور ہنسی اور گالیوں اور لعنت کے ساتھ مقتل تک لے گئے اور امیر اپنے تمام مصاحبوں کے ساتھ اور مع قاضیوں، مفتیوں اور دیگر اہل کاروں کے یہ دردناک نظارہ دیکھتا ہوا مقتل تک پہنچا اور شہر کی ہزارہا مخلوق جنکا شمار کرنا مشکل ہے اس تماشا کے دیکھنے کے لئے گئی۔ جب مقتل پر پہنچے تو شہزادہ مرحوم کو کمر تک زمین میں گاڑ دیا اور پھر اس حالت میں جب کہ وہ کمر تک زمین میں گاڑ دیئے گئے تھے امیر ان کے پاس گیا اور کہا کہ اگر تو قادیانی سے جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے انکار کرے تو اب بھی تجھے بچالیتا ہوں۔ اب تیرا آخری وقت ہے اور یہ آخری موقعہ ہے جو تجھے دیا جاتا ہے اور اپنی جان اور اپنے عیال پر رحم کر۔ تب شہید مرحوم نے جواب دیا۔ نعوذ باللہ سچائی سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے اور جان (کی) کیا حقیقت ہے اور عیال و اطفال کیا چیز ہیں جنکے لئے میں ایمان کو چھوڑ دوں۔ مجھ سے ایسا ہرگز نہیں ہو گا اور میں حق کے لئے مروں گا۔ تب قاضیوں اور فقیہوں نے شور مچایا کہ کافر ہے کافر ہے اس کو جلد سنگسار کرو۔ اس وقت امیر اور اس کا بھائی نصراللہ خاں اور قاضی اور عبدالاحد کمیدان یہ لوگ سوار تھے اور باقی تمام لوگ پیادہ تھے۔ جب ایسی نازک حالت میں شہید مرحوم نے بار بار کہہ دیا کہ میں ایمان کو جان پر مقدم رکھتا ہوں تب امیر نے اپنے قاضی کو حکم دیا کہ پہلا پتھر تم چلاؤ کہ تم نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے اور قاضی نے کہا کہ آپ بادشاہ وقت ہیں آپ چلادیں۔ تب امیر نے جواب دیا کہ شریعت کے تم ہی بادشاہ ہو اور تمہارا ہی فتویٰ ہے اس میں میرا کوئی دخل نہیں۔ تب قاضی نے گھوڑے سے اتر کر ایک پتھر چلایا۔ جس پتھر سے شہید مرحوم کو زخم کاری لگا اور گردن جھک گئی۔ پھر بعد اس کے بدقسمت امیر نے اپنے ہاتھ سے پتھر چلایا پھر کیا تھا اس کی پیروی سے ہزاروں پتھر اس شہید پر پڑنے لگے اور کوئی حاضرین میں سے ایسا نہ تھا جس نے اس شہید مرحوم کی طرف پتھر نہ پھینکا ہو۔ یہاں تک کہ کثرت پتھروں سے شہید مرحوم کے سر پر ایک کوٹھہ پتھروں کا جمع گیا۔ پھر امیر نے واپس ہونے کے وقت کہا کہ یہ شخص کہتا تھا کہ میں چھ روز تک زندہ

ہو جاؤں گا۔ اس پر چھ روز تک پہرہ رہنا چاہئے۔ بیان کیا گیا کہ یہ ظلم یعنی سنگسار کرنا ۱۴/ جولائی کو وقوع میں آیا۔ اس بیان میں اکثر حصہ ان لوگوں کا ہے جو اس سلسلہ کے مخالف تھے جنہوں نے یہ بھی اقرار کیا کہ ہم نے بھی پتھر مارے تھے۔ اور بعض ایسے آدمی بھی اس بیان میں شامل ہیں کہ شہید مرحوم کے پوشیدہ شاگرد تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس سے زیادہ دردناک ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کیونکہ امیر کے ظلم کو پورے طور پر ظاہر کرنا کسی نے روانہ رکھا۔ اور جو کچھ ہم نے لکھا ہے بہت سے خطوط کے مشترک مطلب سے ہم نے خلاصتہ لکھا ہے۔ ہر ایک قصہ میں اکثر مبالغہ ہوتا ہے لیکن یہ قصہ ہے کہ لوگوں نے امیر سے ڈر کر اس کا ظلم پورا پورا بیان نہیں کیا۔ اور بہت سی پردہ پوشی کرنی چاہی۔ شاہزادہ عبد اللطیف کے لئے جو شہادت مقدر تھی وہ ہو چکی اب ظالم کا پاداش باقی ہے۔ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰ۔ افسوس کہ یہ امیر زیر آیت من یقتل مومنا متعمدا داخل ہو گیا اور ایک ذرہ خدا تعالیٰ کا خوف نہ کیا اور مومن بھی ایسا مومن کہ اگر کابل کی تمام سرزمین میں اس کی نظیر تلاش کی جائے تو تلاش کرنا لاحاصل ہے ایسے لوگ اکسیر احمر کے حکم میں ہیں جو صدق دل سے ایمان اور حق کے لئے جان بھی فدا کرتے ہیں اور زن و فرزند کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے۔

"اے عبد اللطیف تیرے پر ہزاروں رحمتیں کہ تو نے میری زندگی میں ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا۔ اور جو لوگ میری جماعت میں سے میری موت کے بعد رہیں گے میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کام کریں گے" [۱۸]

"صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف مرحوم کا اس بے رحمی سے مارا جانا اگرچہ ایسا امر ہے کہ اس کے سننے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے (وَمَا رَاَيْنَا ظُلْمًا اَغْيَظَ مِنْ هٰذَا) لیکن اس خون میں بہت برکات ہیں کہ بعد میں ظاہر ہوں گے اور کابل کی زمین دیکھ لے گی کہ یہ خون کیسے کیسے پھل لائے گا۔ یہ خون کبھی ضائع نہیں جائے گا۔ پہلے اس سے غریب عبد الرحمٰن میری جماعت کا ظلم سے مارا گیا اور خدا چپ رہا مگر اس خون پر اب وہ چپ نہیں رہے گا اور بڑے بڑے نتائج ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ سنا گیا ہے کہ جب شہید مرحوم کو ہزاروں پتھروں سے قتل کیا گیا تو انہیں دنوں میں سخت ہیضہ کابل میں پھوٹ پڑا اور بڑے بڑے ریاست کے نامی اس کا شکار ہو گئے اور بعض امیر کے رشتہ دار اور عزیز بھی اس جہان سے رخصت ہوئے۔ مگر ابھی کیا ہے۔ یہ خون بڑی بے رحمی کے ساتھ کیا گیا ہے اور آسمان کے نیچے ایسے خون کی اس زمانہ میں نظیر نہیں ملے گی۔ ہائے اس نادان امیر نے کیا کیا کہ ایسے معصوم شخص کو کمال بیدردی سے قتل کر کے اپنے تئیں تباہ کر لیا۔ اے کابل کی زمین! تو گواہ رہ کہ تیرے پر سخت جرم کا

ارتکاب کیا گیا۔ اے بد قسمت زمین! تو خدا کی نظر سے گر گئی کہ تو اس ظلم عظیم کی جگہ ہے۔" [۱۹]

سانحہ شہادت کے بعد ایک عجیب آسمانی نشان کا ظہور

عبدالاحد خاں صاحب کابلی مرحوم درویش قادیان اکثر سنایا کرتے تھے کہ

"جب حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحبؓ کو سنگسار کر کے شہید کر دیا گیا تو اس دن میرے بڑے بھائی کی ڈیوٹی دوسرے کئی سپاہیوں کے ہمراہ حضرت شہید مرحوم کی نعش کی حفاظت پر لگی ہوئی تھی۔ ایک وسیع میدان میں حضرت صاحبزادہ صاحب کو سنگسار کیا گیا تھا۔ اس دن شام کے بعد سخت بارش ہونے لگی اور شدید آندھی آ گئی۔ تمام سپاہی میدان چھوڑ کر قریبی برآمدے میں چلے گئے برآمدے کے اندر اسی وقت دوسرے سپاہیوں کے ہمراہ میرے بڑے بھائی صاحب نے بھی یہ نظارہ دیکھا کہ ایک بجلی کا ستون حضرت شہید مرحوم کے سر کے اوپر کے پتھر کے ڈھیر سے نکلا ہے اور آسمان کی طرف اونچا ہونا شروع ہوا۔ اور اسی طرح کا ایک بجلی کا ستون آسمان کی طرف سے حضرت شہید مرحوم کے سر پر اترنا شروع ہوا۔ آخر زمین اور آسمان کے درمیان یہ دونوں بجلی کے ستون مل گئے۔ گویا کہ زمین سے آسمان تک بجلی کا ایک بہت بڑا ستون تیار ہو گیا اور اس وقت بہت زیادہ روشنی پھیل گئی۔ یہ نظارہ تھوڑی دیر رہا مگر اس سے وہاں موجود تمام سپاہیوں کے دل سہم گئے اور وہ بہت ڈر گئے اور کہنے لگ گئے کہ سنگسار کیا جانے والا تو کوئی ولی اللہ اور بزرگ معلوم ہوتا ہے۔" [۲۰]

اخبار "وطن" میں اس دردناک واقعہ کی خبر

حضرت سید عبداللطیف صاحب شہید کے دردناک واقعہ کی خبر اخبار "وطن" لاہور (۲۸/ اگست ۱۹۰۳ء) نے بایں الفاظ شائع کی۔

"ایک احمدی کا قتل"

علاقہ خوست واقعہ سلطنت افغانستان میں ایک معزز خاندان صاحبزادگان کا رہتا ہے جو داتا گنج بخش صاحب کی اولاد میں سے ہیں جن کی زمین ضلع بنوں میں متصل سرائے نورنگ واقع ہے۔ ان کا ایک بزرگ ابتدائے حکومت امیر عبدالرحمٰن خاں صاحب مرحوم سے خوست میں رہتا ہے جس کو امیر صاحب سے پنشن ملا کرتی ہے۔ چنانچہ صاحبزادہ مولوی عبداللطیف صاحب جو ہندوستان سے دینی تعلیم پا کر عرصہ سے یہاں آئے ہوئے تھے۔ اور وہ امیر صاحب کی طرف سے اول حد بندی میں شامل تھے اور ایک ہزار روپیہ آپ کو پنشن ملتی تھی اور خاص کابل میں امیر صاحب نے ان کو ایک جید عالم ہونے

کی وجہ سے افسر عطاء مقرر کیا تھا۔ معلوم نہیں کہ ان کو مرزا صاحب قادیانی سے کس طرح جان پہچان ہو گئی کہ موسم سرما گزشتہ میں وہ خوست سے باجازت امیر حبیب اللہ خاں صاحب حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے اور بجائے حج کے مرزا صاحب کے پاس چلے گئے اور جب وہ دو تین ماہ وہاں رہ کر خوست میں واپس آئے تو مرزا صاحب کے چند رسالے و کتب مع اپنے عقیدہ تحریری کے سردار نصر اللہ خاں صاحب کی خدمت میں بھیج دیئے جس پر فوراً بارہ سوار کابل سے آئے اور مولوی مذکور کو گرفتار کر کے لے گئے اور اس کو علماء کے سپرد کیا گیا۔ انہوں نے اس کو مرزائی عقیدہ سے تائب ہونے کے لئے کہا مگر وہ تائب نہ ہوا جس پر عام مجمع علماء اور رؤسا کے سامنے اس کو سنگسار کیا گیا۔ اس خاندان کے باقی اشخاص بھی اگرچہ مرزائی عقیدہ کے پیرو نہ تھے تاہم مرد و زن وہ بھی گرفتار کئے گئے ہیں اور ان کا اثاث البیت نیلام ہو کر ان کو کابل جانے کا حکم ہوا ہے" [۲۱]

حضرت شہیدؓ کا مزار مبارک

سید عبداللطیف صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مقتل پر تین روز تک سخت پہرہ [۲۲] رہا بعد اس کے سرکاری انتظام کیا گیا کہ حضرت شہیدؓ کی نعش کو کوئی نکال کر نہ لے جائے اور بظاہر کوئی صورت نعش کو نکالنے کی نہیں تھی کہ حضرت شہیدؓ کے ایک شاگرد سید احمد نور کابلی (جو حضرت شہید مرحوم کے سفر قادیان میں ان کے ساتھ رہے اور بیعت سے مشرف ہوئے اور جن کو حضرت شہید نے وصیت فرمائی کہ جب میں مارا جاؤں گا تو میرے مرنے کی اطلاع حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کر دینا [۲۳] یہ عزم کر کے کابل پہنچے کہ خواہ مجھے بھی بالآخر سنگسار ہونا پڑے میں حضرت شہیدؓ کی نعش مبارک نکال کر دفن کرنے کی کوشش کروں گا۔ وہ کابل میں ایک مزدور سے تابوت اور کفن دفن کا سامان وغیرہ اٹھوا کر آدھی رات کے وقت شہادت گاہ پر گئے۔ نعش کو پتھروں کے نیچے دبے ہوئے چالیس دن ہو گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد پلٹن کے ایک حوالدار بھی جو حضرت شہید کے دوست تھے امداد کے لئے چند اور ساتھیوں کے ساتھ پہنچ گئے۔ احتیاطاً ایک آدمی کو پہرہ کے لئے مقرر کیا گیا اور باقیوں نے پتھر ہٹا کر صاف میدان کر دیا۔ جب نعش مبارک نظر آنے لگی تو ایک اعلیٰ درجہ کی خوشبو نے آپ کے جسد اطہر سے نکل کر فضا کو معطر کر دیا جب نعش زمین سے اٹھا کر کفن میں رکھی گئی تو سید احمد نور صاحب کو بذریعہ کشف دکھایا گیا کہ پہاڑی کے پیچھے پچاس آدمی اور ایک سوار گشت پر آ رہے ہیں۔ اس زمانہ میں رات کے وقت پہرہ ہوتا تھا اور اگر کوئی رات کو پکڑا جاتا تو اسے بلا تامل مار دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس کشف پر انہوں نے اپنے ساتھیوں کو لاش سے ہٹ کر اوٹ میں آنے کے لئے کہا۔ تھوڑی دیر بعد واقعی بہت سے آدمی اور سوار آ گئے جو کچھ دیر بعد پلٹ گئے۔

تب یہ سب دوبارہ حضرت شہیدؓ کی لاش پر آگئے اور اسے تابوت میں رکھ دیا۔ اس وقت لاش اس قدر بھاری تھی کہ اٹھائی نہیں جاسکتی تھی۔ سید احمد نور صاحب کابلی کا بیان ہے کہ اس وقت میں نے لاش کو مخاطب کر کے کہا کہ "جناب یہ بھاری ہونے کا وقت نہیں۔ ہم تو ابھی مصیبت میں گرفتار ہیں کوئی اور اٹھانے والے نہیں آپ ہلکے ہو جائیں"۔ اس کے بعد ہم نے ہاتھ لگایا تو لاش اتنی ہلکی ہو گئی تھی کہ میں نے کہا کہ میں اکیلا ہی اٹھاتا ہوں لیکن حوالدار نے کہا کہ نہیں میں اٹھاؤں گا۔ آخر وہ میری پگڑی لے کر اور تابوت کو اس کے ذریعہ سے اٹھا کر نزدیک کے ایک مقبرہ میں پہنچا کر رخصت ہوئے۔

صبح ہوتے ہی سید احمد نور صاحب نے مقبرہ کے ایک مجاور کو کچھ پیسے دے کر ساتھ کر لیا اور تابوت شہر کے اندر لائے اور شمال کی طرف ایک پہاڑی بالائی سار کے نام ہے جس کے دوسرے جانب واقع قبرستان میں دفن کر دیا۔ حضرت شہیدؓ کی نعش مبارک یہاں سید احمد نور صاحب کابلی کے بیان کے مطابق ایک سال اور قاضی محمد یوسف صاحب مردان کی تحقیق کے مطابق صرف چند دن تک رہی اس کے بعد حضرت شہیدؓ کے ایک شاگرد میرو نام نے اسے انکے گاؤں سید گاہ میں لے جا کر دفن کر دیا اور ایک نامعلوم سی قبر بنائی۔ اتفاقاً خان عجب خاں صاحب احمدی (ساکن زیدہ ضلع پشاور) مرام شاہ وزیرستان میں نائب تحصیلدار تھے انہوں نے اپنے خرچ پر ان کے روضہ کو پختہ اور خوبصورت بنا دیا۔ رفتہ رفتہ ملک خوست میں یہ خبر پھیل گئی اور حضرت شہیدؓ کے کثیر التعداد معتقد ان کے مزار پر بغرض زیارت آنے لگے اور وہ مقام زیارت گاہ خاص و عام ہو گیا۔ یہ دیکھ کر حاکم خوست نے (نائب السلطنت) سردار نصر اللہ خاں کو اطلاع دی۔ انہوں نے شاہ غاصی محمد اکبر خاں حاکم اعلیٰ خوست سمت جنوبی کو حکم دیا کہ فوراً فوج کا ایک دستہ لے کر روضہ پر پہنچو اور راتوں رات تابوت نکال کر کسی غیر معروف مقام کی طرف لے جاؤ۔ چنانچہ جنوری ۱۹۱۰ء میں شاہ غاصی نے تابوت کو رات کے اندھیرے اور فوج کی حفاظت میں نکال کر کسی نامعلوم جگہ میں دفن کر دیا۔ [۲۲] اس طرح خدائی مصلحت نے حضرت شہیدؓ کی قبر کو شرک کی آماجگاہ بننے سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔

ایک چشم دید شہادت

"املاء حاجی خواجہ محمد عمر ہشتاد و ہفت سال ساکن خوست حال مہاجر افغانستان کرم ایجنسی سدہ۔ پاکستان

من میر قلم را خوب می شناسم۔ بسیار دوست ما بود۔ بجائے ما می آمد من بجائے او می رفتم۔ او عمن بیان کردہ بود کہ زمانہ شہادت صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب جوان بودم۔ جنازہ اش کہ می آوردد در حد المرائی جدران خوست رسانید برائے من خبر دار کہ شما چند نفراں برائے معاونت جنازہ صاحبزادہ صاحب مرحوم در المرائی جدران بہ آمد۔ من ہمراہ چند نفر دیگر در مواضع المرائی جدران رسیدم۔ جنازہ او را بشانہ گرفتیم در خوست در مقام سید گاہ بخانہ خود صاحبزادہ صاحب مرحوم رسانیدیم۔ و در مقبرہ آبائے آنشان دفن کردیم۔ بعد از دفن او کہ خبر مشہور شد ہر قسم مریضاں برائے شفاء بمرقد مبارک او می آمدند۔ شفا می یافتند۔ ایں آوازہ بسیار مشہور شد۔ ایں خبر بہ امیر حبیب اللہ در کابل رسید۔ امیر حبیب اللہ برائے حاکم خوست خبر داد کہ تابوت او را از قبر بکشید بہ جائے نامعلوم دفن کنید کہ قبر او گم شود۔ بعد آں حاکم خوست با قبر او بامدند۔ وقت نماز خفتن تابوت او از مدفن کشیدہ در مقبرہ قوم متون بہ دامن کوہ دفن کردند و آثار قبر او را ہموار کردند۔ در حال قبر او معدوم الاثرات قبر او معلوم نمی شد۔ میر قلم خان ایں را گفتہ بود کہ جنازہ صاحبزادہ مرحوم بشانہ خود گرفتیم از تابوت او خوشبوئی می آمد۔ ما یاں مانند عطر توی می کردند حالانکہ بالائے تابوت او عطر پاشیدہ نہ شدہ بود۔ از باطن تابوت برائے ما یاں خوشبوی می آمد بیان بزبان میر قلم خاں ختم شد۔ حاجی خواجہ محمد مرید می گوید کہ پس ازاں خود من بسیار کوشش کردم کہ قبر صاحبزادہ صاحب مرحوم معلوم کنم۔ در آنجا گشتم مگر نشانہ قبر صاحبزادہ صاحب معلوم نہ شد در حال قبر او معدوم الاثر است اکنوں کہ در افغانستان قتل و قتال و تسلسل شوروی شروع است سبب انتقام شہادت صاحبزادہ صاحب مظلوم و مولوی عبدالرحمان صاحب

مظلوم۔ و مولوی عبد الحلیم صاحب و مولوی نعمت اللہ صاحب کہ شاگردگان صاحبزادہ صاحب بودند شہادت ناحق ایشان است۔ نیز میر قلم خاں یکے از شاگردگان صاحبزادہ صاحب بود۔ ایناں صاحب رسوخ نہ بودند ازیں سبب محفوظ ماندند از ظلم کشتن و بندی شدن۔ آنہارا کہ شہید کردند سبب ایں بود کہ علماء بودند۔ صاحب رسوخ بودند۔ شاگرداں داشتند تبلیغ احمدیت می کردند۔ ہشت دہ خانہ احمدیاں بودند حکومت تحریر کردند۔ در شکنجہ ظلم گرفتہ اند در حال مخالفین شناختہ نمی شود کہ ایں احمدی است غیر از خانہ میر قلم خاں و من خواجہ محمد خاں۔ حکومت قسم دادند کہ من احمدی نیستم۔ دریں سبب ست شدند۔ ضعیف الایمان شدند و می ترسد اظہار احمدیت نہ توانند کرد بلے اولادہائے اوشاں زندہ است۔

میر قلم خاں علی الاعلان می گفتہ اند کہ امام مہدی در قادیاں موجود است براد ایمان بہ آورید قریباً پانزدہ سال براو ایمان بہ آورید مگر خدا او را محفوظ کردہ کہ اجل خود فوت شد۔

ایں مضمون من املاء کردہ ام خواجہ محمد

گواہ شد عبد الرحیم صابر بقلم خود

ترجمہ بیان حاجی خواجہ محمد صاحب بعمر ۸۷ سال ساکن خوست حال مہاجر افغانستان کرم ایجنسی پاکستان

میں میر قلم خاں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ ہمارا گہرا دوست تھا۔ ہمارے ہاں آیا کرتا تھا۔ ہم اس کے ہاں جایا کرتے تھے۔ اس نے ہم سے بیان کیا تھا کہ میں حضرت صاحبزادہ سید عبد اللطیف صاحب کی شہادت کے زمانہ میں جوان تھا۔ جب ان کے تابوت کو علاقہ خوست کے موضع المرائی جدران کے حدود میں لے کر پہنچا۔ مجھے اطلاع دی کہ آپ چند احباب حضرت صاحبزادہ مرحوم کے جنازہ کے سلسلہ میں میری مدد کے لئے موضع المرائی جدران آجائیں۔ ہم آپ کے جنازہ کو کندھوں پر اٹھا کر حضرت صاحبزادہ صاحب کے گھر سید گاہ کے مقام پر لے آئے اور انہیں ان کے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کر دیا۔ جب آپ کی تدفین کا چرچا عوام میں ہوا تو ہر قسم کے مریض بغرض شفاء یابی آپ کی قبر مبارک پر آتے تھے۔ اور صحت یاب ہو کر جاتے تھے۔ جب اس کا عام چرچا ہوا تو یہ بات امیر حبیب اللہ والی کابل تک پہنچی۔ اس نے حاکم خوست کو فرمان بھیجا کہ آپ کے تابوت کو قبر سے نکال کر کسی نامعلوم جگہ پر دفن کر دیا جائے۔ تاکہ قبر کا پتہ نہ چل سکے۔ حاکم خوست آیا اور نماز عشاء کے وقت ان کے تابوت کو

مدفن سے نکالا اور دامن کوہ میں قوم متوں کے قبرستان میں دفن کر کے قبر کے نشان کو ناپید کر دیا۔ اس وقت آپ کی قبر کے آثار ناپید ہیں اور معلوم نہیں کہ قبر کہاں ہے۔

میر قلم خاں نے یہ بات بیان کی تھی کہ جب ہم نے صاحبزادہ صاحب مرحوم کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا۔ آپ کے تابوت سے عطر کی مانند خوشبو آرہی تھی۔ جس سے ہمارے مشام معطر ہو رہے تھے۔ حالانکہ آپ کے تابوت پر کوئی عطر نہیں چھڑکا گیا تھا۔ تابوت کے اندر سے ہم سب کو خوشبو آرہی تھی۔ میر قلم خاں کی زبانی سنا ہوا بیان ختم ہوا۔

حاجی خواجہ محمد مزید بیان کرتا ہے کہ اس کے بعد میں نے خود ذاتی طور پر بہت کوشش کی کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کی قبر کا سراغ لگاؤں۔ اس جگہ گھومتا رہا۔ لیکن قبر کا نشان دریافت نہ ہو سکا۔ اور اس وقت آپ کی قبر معدوم الاثر ہے۔ اس وقت افغانستان میں جو روسی تسلط اور قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے) صاحبزادہ صاحب شہید مظلوم اور ان کے مظلوم شاگردان شہید مولوی عبد الرحمٰن صاحب، مولوی عبد الحلیم صاحب، مولوی نعمت اللہ صاحب کے قتل ناحق کا انتقام ہے۔ میر قلم خاں بھی حضرت صاحبزادہ صاحب کے شاگردوں میں سے تھا۔ لیکن ایسے شاگرد با اثر نہ تھے۔ اس لئے قتل اور قید و بند سے بچ نکلے۔ جو شہید ہوئے وہ بدیں سبب کہ علماء میں شمار ہوتے تھے۔ اور صاحب اثر و رسوخ تھے۔ اور کافی تعداد میں شاگرد رکھتے تھے اور احمدیت کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ احمدیوں کے آٹھ۔ دس گھرانے تھے۔ جنہیں حکومت نے ایذا اور تشدد کا نشانہ بنایا۔ اب مخالفت کے نتیجہ میں یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ کون احمدی ہے۔ کیونکہ انہوں نے بجز میر قلم خاں اور خاکسار خواجہ محمد خاں کے حلفیہ طور پر حکومت کے سامنے احمدیت سے انکار کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ ست اور کمزور ایمان ہو گئے۔ اور خوف کی وجہ سے احمدیت کو ظاہر کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ان کی اولادیں اب تک موجود ہیں۔ میر قلم خاں اعلانیہ کہا کرتے تھے کہ امام مہدی علیہ السلام قادیان میں موجود ہیں۔ ان پر ایمان لائیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا اور انہیں نے قریباً ۱۵ سال قبل طبعی طور پر وفات پائی۔

یہ مضمون میں نے املا کروایا ہے (دستخط) خواجہ محمد

گواہ شد عبد الرحیم مہاجر بقلم خود

حضرت شہیدؓ کا حلیہ مبارک اور عادات و فضائل

حضرت ۱۲۵ شہیدؓ کا قد اور جسم درمیانہ۔ ریش مبارک بہت گھنی نہ تھی اور جیسا کہ جدید تحقیق سے ثابت ہے عمر کے آخر تک آپ کے اکثر بال سفید ہو چکے تھے۔

آواز بلند تھی۔ قرآن شریف اور آنحضرت ﷺ سے نہایت درجہ عشق تھا۔ ہر وقت یادالٰہی اور دینی باتوں میں گداز رہتے تھے۔ علوم مروجہ پر عبور حاصل ہونے کے علاوہ ایک بلندپایہ عالم ربانی کی حیثیت سے آپ کو جناب الٰہی سے علوم روحانیہ سے حصہ ملا تھا اور آپ صاحب کشف و الہام تھے۔ آپ بڑے مہمان نواز تھے۔ آپ کے مہمان خانہ میں بیس چالیس آدمی ہر وقت رہتے تھے۔ قرآن و حدیث کا درس آپ کے یہاں جاری رہتا تھا۔ کئی ہزار حدیثیں آپ کو ازبریاد تھیں۔ آپ بندوق چلانے کے بہت مشاق اور خوب ماہر تھے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ساٹھ ستر برس کے درمیان تھی۔ [۲۶]

حضرت شہید مرحوم کے بال

حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی شہادت کے بعد سید احمد نور صاحب کابلی ان کا ایک بال حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے پاس قادیان لائے۔ حضور نے وہ بال ایک کھلے منہ کی چھوٹی بوتل میں ڈال کر یہ بوتل سر بمہر کردی اور تاگہ باندھ کر اسے بیت الدعا کی کھونٹی سے لٹکا دیا اور یہ سارا عمل آپ نے ایسے طور پر کیا کہ گویا اسے آپ ایک تبرک خیال فرماتے تھے۔ خود حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔ "ایک بال ان کا اس جگہ پہنچایا گیا جس سے اب تک مشک کی خوشبو آتی ہے اور ہماری بیت الدعا کے ایک گوشہ میں شیشہ میں آویزاں ہے۔" [۲۷] یہ بوتل کئی سال تک بیت الدعا میں لٹکتی رہی۔

حضرت سید عبداللطیف صاحبؓ کے خاندان پر مظالم اور آپ کی اہلیہ اور اولاد کا قابل رشک صبر اور استقلال

حضرت سید عبداللطیف صاحب نے اپنی یادگار ایک اہلیہ [۲۸] اور پانچ فرزند چھوڑے۔ اہلیہ صاحبہ کا نام شاہجہان بی بی اور صاحبزادوں کے نام یہ تھے (۱) صاحبزادہ سید محمد سعید صاحب (۲) صاحبزادہ سید عبدالسلام صاحب (۳) صاحبزادہ سید ابوالحسن صاحب قدسی (۴) صاحبزادہ سید محمد عمر صاحب (۵) صاحبزادہ سید محمد طیب صاحب۔ حادثہ شہادت کے بعد حکومت افغانستان کی طرف سے آپ کی اہلیہ [۲۹] اور بچوں پر بہت مظالم ڈھائے گئے جن کو سن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے مگر انہوں نے قابل رشک صبر و استقلال کا نمونہ دکھایا۔ آپ کی اہلیہ ہر موقعہ پر یہی فرماتی رہیں کہ اگر احمدیت کی وجہ سے میں اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے شہید کر دیئے جائیں تو میں اس پر خداتعالیٰ کی بے حد شکرگزار ہوں گی اور بال بھر بھی اپنے عقائد تبدیل نہ کروں گی۔ [۳۰]

غرضکہ ان کے سامنے مصائب و آلام کے کوہ گراں آئے لیکن ان کے پائے استقلال کو متزلزل نہ کرسکے صاحبزادہ سید محمد سعید صاحب و سید محمد عمر صاحب انہی مشکلات کی تاب نہ لا کر افغانستان ہی میں

شہید ہو گئے اور بالآخر قید و صعوبت و دیگر مصائب کا مسلسل نشانہ بننے کے بعد حضرت سید عبد اللطیف صاحب شہید کے خاندان کا لٹا ہوا قافلہ افغانستان سے ہجرت کر کے بالآخر ۲/ فروری ۱۹۲۶ء کو علاقہ بنوں میں آگیا جہاں اس خاندان کی اپنی جاگیر موجود تھی۔ یہ قافلہ مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل تھا۔

(۱) شاہجہان بی بی صاحبہ (اہلیہ (۲) صاحبزادہ سید عبد السلام صاحب مع دو لڑکے (۳) صاحبزادہ سید ابو الحسن صاحب قدسی (۴) صاحبزادہ سید محمد طیب صاحب (۵) صاحبزادہ سید محمد سعید صاحب مرحوم کا فرزند سید محمد ہاشم، دو لڑکیاں اور ایک بیوی (۶) حضرت شہید کی ہمشیرہ صاحبہ اور ان کے دو صاحبزادے عبد القدوس اور عبد الرب [۲۱]

تفصیل اولاد حضرت صاحبزادہ سید عبد اللطیف صاحب شہید مرحوم

"(پوری تفصیل و ترتیب عمر کے اعتبار سے ہے۔ بیٹیوں اور ان کی اولاد کی تفصیل شامل نہیں)۔

ا۔ صاحبزادہ سید محمد سعید صاحب مرحوم

(شہید مرحوم کے سب سے بڑے صاحبزادے)

رہائش	اولاد
سرائے نورنگ	ا۔ سیدہ بی بی صاحبہ اہلیہ صاحبزادہ سید عبد الرب صاحب
بنوں چھاؤنی	۲۔ ڈاکٹر صاحبزادہ سید محمد ہاشم صاحب
	۳۔ سیدہ بی بی حلیمہ صاحبہ مرحومہ (ان کی شادی نہیں ہوئی تھی)

۲۔ صاحبزادہ سید عبد السلام صاحب مرحوم

(شہید مرحوم کے صاحبزادے)

رہائش	اولاد
سرائے نورنگ ضلع بنوں	ا۔ صاحبزادہ سید ہبتہ اللہ صاحب
	۲۔ صاحبزادہ سید حمایت اللہ صاحب
پشاور	۳۔ صاحبزادہ سید محمود احمد صاحب

سرائے نورنگ	۴۔ صاحبزادہ سید صدیق احمد صاحب
سرائے نورنگ	۵۔ سیدہ امتہ الحفیظ صاحبہ بیگم صاحبزادہ سید محمد شفیع صاحب
	۶۔ سیدہ شوکت خاتون صاحبہ مرحومہ (غیر شادی شدہ)

۳۔ صاحبزادہ سید ابوالحسن قدسی صاحب مرحوم

(شہید مرحوم کے صاحبزادے)

رہائش	اولاد
کراچی	ا۔ صاحبزادہ سید نعیم احمد قدسی صاحب
واشنگٹن امریکہ	۲۔ صاحبزادہ سید فہیم احمد قدسی
	۳۔ صاحبزادہ سید مودود احمد قدسی
کراچی	۴۔ صاحبزادہ سید شمیم احمد قدسی
	۵۔ صاحبزادہ سید انیس احمد قدسی
لاہور	۶۔ سیدہ قدسیہ قدسی اہلیہ مرزا انور بیگ صاحب

۴۔ صاحبزادہ سید محمد عمر صاحب مرحوم

(شہید مرحوم کے صاحبزادے)

ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ دوران قید ہی شہادت پائی۔

۵۔ صاحبزادہ سید محمد طیب صاحب لطیف مرحوم

(شہید مرحوم کے سب سے چھوٹے صاحبزادے)

رہائش	اولاد
ملائیشیا	ا۔ سیدہ امتہ الہادی لطیف صاحبہ اہلیہ مرزا مشتاق احمد ناصر صاحب مرحوم
وفات شدہ	۲۔ صاحبزادہ سید محمد احمد لطیف صاحب مرحوم
واشنگٹن امریکہ	۳۔ صاحبزادہ سید مہدی لطیف صاحب
	۴۔ صاحبزادہ سید طاہر لطیف صاحب

کیلی فورنیا امریکہ	۵۔ صاجزادہ سید راشد لطیف صاحب
کوہاٹ پاکستان	۶۔ صاجزادہ سید بشیر احمد لطیف صاحب
پشاور	۷۔ صاجزادہ سید فاضل لطیف صاحب
راولپنڈی	۸۔ سیدہ امتہ الحی لطیف صاحبہ اہلیہ صاجزادہ سید محمد رفیع صاحب
کوہاٹ	۹۔ صاجزادہ سید محمد جمیل لطیف صاحب
سیاٹل امریکہ	۱۰۔ صاجزادہ سید عبدالحی لطیف صاحب
ٹورانٹو کینیڈا	۱۱۔ صاجزادہ سید امجد لطیف صاحب
کراچی	۱۲۔ سیدہ ناصرہ لطیف صاحبہ اہلیہ مرزا ہارون علی صاحب
	۱۳۔ صاجزادہ سید عبداللطیف احمد ٹیپو مرحوم

نوٹ:۔

ہمارے ابا جان مرحوم نے تین شادیاں کیں سب سے بڑی ہماری امی جان ہیں۔ دوسری شادی سے اولاد نمبر ۳٬ ۵ اور ۸ ہیں۔ تیسری شادی سے صرف ایک بیٹا نمبر ۱۰ صاجزادہ عبدالحیٔ لطیف ہے۔

(ہماری امی جان پشاور میں میرے بھائی صاجزادہ فاضل لطیف کے پاس ہیں)

سیدہ ناصرہ لطیف

اہلیہ مرزا ہارون علی ۸/۵/۷۷ عزیز آباد کراچی ۳۹"

ظلم کی پاداش میں جبار و قہار خدا کی تجلیات اور قہری نشانات کا ظہور

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت سید عبداللطیف صاحب شہید کے واقعات بیان کرتے ہوئے پیشگوئی کی تھی کہ شہید کا خون رنگ لائے بغیر نہیں رہے گا۔ اور اس ملک کے حکمرانوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور بیس سال پیشتر کے الہام میں بھی یہ خبر دی گئی تھی کہ اس ملک پر عام تباہی آئے گی۔ چنانچہ عملاً ایسا ہی ہوا۔ اور جس طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں شامل ہونے والوں کو سزا ملی اسی طرح حضرت سید عبداللطیف صاحب شہید کے خون سے ہاتھ رنگنے والے بھی چن چن کر پکڑے گئے۔

پہلا قہری نشان اس ضمن میں پہلا قہری نشان یہ ظاہر ہوا کہ شہادت کے کے پہلے روز ۱۴/ جولائی کی شام کو ۹ بجے کے قریب ملک میں ایک خوفناک آندھی کا غیر معمولی طوفان اٹھا۔ ۳۲ جو ظالمانہ موت کی آسمانی شہادت تھی۔

دوسرا قہری نشان دوسرے روز یعنی ۱۵/ جولائی کو شہر کابل اور ارد گرد کے علاقوں میں اچانک اور خطرناک ہیضہ پھوٹ پڑا جس سے روزانہ کئی اموات ہونے لگیں۔ اور لوگوں پر سخت ہیبت طاری ہوئی اور لوگوں نے محسوس کرلیا کہ یہ بلا سید مظلوم کی وجہ سے ہم پر پڑی ہے۔ خود سردار نصراللہ خاں کی بیوی اور نوجوان لڑکا ہیضہ کا شکار ہوئے اور بعض وہ ملا بھی جنہوں نے آپ کے خلاف فتویٰ کفر دیا تھا۔ [۲۲]

تیسرا قہری نشان وہ شریر اہل حدیث پنجابی بھی کیفر کردار کو پہنچے جنہوں نے حضرت شہید کو قید و بند دلائی اور آخر کار شہید کروادیا۔ ان سب کے سرغنے ڈاکٹر عبد الغنی اور اس کے بھائی مولوی نجف علی اور محمد چراغ تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں نے ان کو نمک حرامی کی سزا میں گیارہ سال تک اسیر زنداں کردیا۔ ڈاکٹر عبد الغنی دوران قید میں ہی تھا کہ اس کی بیوی لنڈی کوتل سرائے میں مر گئی اور اس کا نوجوان بیٹا شہر کابل میں دن دہاڑے قتل ہو گیا۔ پھر گیارہ سال جیل کاٹنے کے بعد وہ رہا ہوا تو ملک بدر کر دیا گیا۔

مولوی نجف علی نادر شاہ کے عہد حکومت میں ایک فارسی منظوم کتاب "درہ نادرہ" جس پر عدالت عالیہ نے اسے کافر و مرتد قرار دیا اور حکم دیا کہ اس کو سنگسار کیا جاوے۔ آخر کار سفیر برطانیہ کی مداخلت سے کابل سے اسے ہندوستان واپس جانے کی اجازت ملی۔ اس کے ساتھ اس کا بھائی محمد چراغ بھی کابل سے نکال دیا گیا۔

چوتھا قہری نشان حضرت شہید پر فتویٰ دینے والے قاضی عبد الرزاق اور قاضی عبد الروف قندھاری تھے۔ قاضی عبد الرزاق افسر مدارس اور ملائے حضور کا عہدہ رکھتا تھا۔ امیر حبیب اللہ خاں نے ایک جرم کی بناء پر اسے ان سب عہدوں سے برطرف کر دیا۔ اور اسے ایک ہزار روپے جرمانہ کیا۔ اس سزا کے بعد وہ کابل سے بالکل غائب ہی ہو گیا۔ قاضی عبد الرؤف بھی گمنامی کی حالت میں رخصت ہوا اور اس کا لڑکا اور جانشین قاضی عبد الواسع ۱۹۲۹ء میں نہایت بے رحمی سے ہلاک کیا گیا۔

پانچواں قہری نشان ملاؤں کے فتویٰ کی تکمیل میں ایک بہت بڑا ہاتھ سردار حبیب اللہ خاں کے بھائی سردار نصراللہ خاں کا تھا۔ اسی نے حضرت شہید کو پابہ جولاں کیا۔ اور قید میں رکھا۔ یہی سزا اسے ملی۔ وہ سردار امان اللہ خاں کے حکم شاہی فرمان سے پابہ جولاں کابل لایا گیا اور اسے نظر بند کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس صدمہ سے اس کا دماغ مختل ہو گیا اور وہ کچھ عرصہ کے بعد رات کے وقت اس برج میں جہاں مقید تھا حبس دم کر کے قتل کر دیا گیا اور جس طرح اس نے حضرت

شہید مرحوم کی قبر معدوم کرادی تھی اس طرح امیر امان اللہ خاں نے اس کی قبر کا نام و نشان مٹادیا۔ سردار نصر اللہ خاں کا نوجوان لڑکا قتل ہوا اور اس کی لڑکی عالیہ بیگم سے امیر امان اللہ خاں نے خفیہ نکاح کیا مگر بوقت معزولی اسے طلاق دے دی گویا اس کی آخری یادگار لڑکی کا انجام بھی خراب ہوا۔

چھٹا قہری نشان امیر حبیب اللہ خاں کا حشر بھی نہایت عبرتناک ہوا یعنی اسے ۲۰/ فروری ۱۹۱۹ء کو کسی نامعلوم شخص نے پستول سے اڑادیا۔ اور جس طرح اس نے حضرت شہید مرحوم کے جسد اطہر پر سنگ باری کی تھی ٹھیک اسی طرح علاقہ شنوار کے باغیوں نے جلال آباد پر حملہ کر کے اس کی قبر پر پتھروں کی بارش کی اور مرنے کے بعد رجم کیا۔ امیر حبیب اللہ خاں کے حکم سے حضرت شہید کے دو نوجوان فرزند حضرت محمد سعید جان اور حضرت محمد عمر جان جیل فور سے شہید ہو گئے۔ خدا تعالیٰ نے امیر حبیب اللہ خاں سے اس کا یوں انتقام لیا کہ خود اس کا جوان بیٹا سردار حیات اللہ خاں پھانسی چڑھا۔ کتاب "زوال غازی" کا مصنف لکھتا ہے

"بچہ سقاؤ نے خفیہ ہی خفیہ اسے پھانسی دے کرا رک کی ایک دیوار کے نیچے دبادیا"۔ ۳۴

غرضکہ کابل کے عوام سے لے کر امیر حبیب اللہ خاں تک خدائے قہار کی قاہرانہ تجلیوں کا شکار ہوئے اور بالآخر ۱۹۲۹ء میں اس کی پاداش میں ایسا انقلاب آیا کہ بچہ سقہ جیسے ایک ادنیٰ شخص نے حکومت افغانستان کا تختہ الٹ دیا اور امیر حبیب اللہ خاں کے خاندان سے حکومت چھن گئی اور اس کے آخری تاجدار امیر امان اللہ خاں کو ملک سے بھاگ کر اٹلی میں پناہ لینا پڑی۔ ۳۵-۳۶

"تذکرۃ الشہادتین" کی تصنیف و اشاعت

حضرت سید عبداللطیف صاحب شہیدؓ کا دل ہلا دینے والا حادثہ شہادت جماعت احمدیہ کی تاریخ میں نہایت درجہ اہمیت رکھنے والا اور ناقابل فراموش حادثہ تھا۔ لہٰذا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے دنیا کے سامنے اس کی تفصیلات بتانے اور جماعت کو حضرت سید عبداللطیف صاحب شہید اور حضرت مولوی عبدالرحمٰن شہید کا اسوہ حسنہ تاقیامت پیش نظر رکھنے کی تحریک کرنے کے لئے "تذکرۃ الشہادتین" تصنیف فرمائی جو اکتوبر ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔ حضرت اقدسؑ کا ارادہ تھا کہ یہ کتاب ۱۶/ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو تالیف کر کے گورداسپور لے جائیں جہاں حضور پر فوجداری مقدمہ دائر تھا۔ لیکن ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کو سخت درد گردہ شروع ہو گیا۔ حضور کو خیال ہوا کہ یہ کام ناتمام رہ گیا۔ صرف دو چار دن ہیں۔ اگر میں اسی طرح درد گردہ میں مبتلا رہا جو ایک مہلک بیماری ہے تو یہ تالیف نہیں ہو سکے گی۔ تب خدا تعالیٰ نے آپ کو دعا کی طرف توجہ دلائی۔ حضور نے رات کے وقت تین بجے کے قریب

اپنے اہل بیت سے کہا کہ اب میں دعا کرتا ہوں تم آمین کہو۔ سو آپ نے اسی دردناک حالت میں صاحبزادہ مولوی سید عبداللطیف شہید کے تصور سے دعا کی کہ یا الٰہی اس مرحوم کے لئے میں لکھنا چاہتا تھا۔ تو ساتھ ہی حضور کو غنودگی ہوئی اور الہام ہوا۔ سلام قو لا من ر ب ر حیم یعنی سلامتی اور عافیت ہے یہ خدائے رحیم کا کلام ہے۔ حضور فرماتے ہیں "پس قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ابھی صبح کے چھ نہیں بجے تھے کہ میں بالکل تندرست ہو گیا اور اسی روز نصف کے قریب کتاب کو لکھ لیا"۔ یہ گویا مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم کی ایک جدید کرامت تھی جو ان کی وفات کے بعد "تذکرۃ الشہادتین" کی تکمیل کے ذریعہ سے ظاہر ہوئی۔

کتاب کے مضامین کا خلاصہ

حضرت اقدسؑ نے اس کتاب کے آغاز میں ایک لطیف پیرایہ میں اپنی صداقت پر روشنی ڈالی اور حضرت مولوی عبداللطیف صاحبؓ کے سانحہ شہادت کے مفصل حالات لکھے۔ [۲۷] نیز جماعت کو نصیحت فرمائی کہ

"اگر تم صدق اور ایمان پر قائم رہو گے تو فرشتے تمہیں تعلیم دیں گے اور آسمانی سکینت تم پر اترے گی اور روح القدس سے مدد دیئے جاؤ گے اور خدا ہر ایک قدم پر تمہارے ساتھ ہو گا اور کوئی تم پر غالب نہیں ہو سکے گا۔ خدا کے فضل کی صبر سے انتظار کرو۔ گالیاں سنو اور چپ رہو۔ ماریں کھاؤ اور صبر کرو اور حتی المقدور بدی کے مقابلہ سے پرہیز کرو تا آسمان پر تمہاری قبولیت لکھی جاوے۔"

تین سو سال تک احمدیت کی عالمگیر روحانی حکومت کے قیام کی پر شوکت پیشگوئی

اس کتاب کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ اس میں حضورؑ نے نہایت واضح اور کھلے لفظوں میں پیشگوئی فرمائی ہے کہ احمدیت تین سو سال تک دنیا میں غالب آجائے گی اور نزول مسیح کا عقیدہ عیسائی اور مسلمان دونوں ترک کر دیں گے۔ چنانچہ حضورؑ نے لکھا۔

"اے تمام لوگو سن رکھو کہ یہ اس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حجت اور برہان کے رو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہو گا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا۔ اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا۔ اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔"

"یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہیں اترے گا۔ ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی ان میں سے عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر ان کی اولاد جو

باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور ان میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گزر گیا۔ دنیا دوسرے رنگ میں آگئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ اب تک آسمان سے نہ اترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کے انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے" [۳۸، ۳۹]

"تذکرۃ الشہادتین" کا عربی حصہ وعلامات المقربین

تذکرۃ الشہادتین کے آخری حصہ میں حضرت اقدسؑ نے عربی میں ایک مضمون سپرد قلم فرمایا ہے جس کا عنوان ہے "الوقت وقت الدعاء لا وقت الملاحم وقتل الاعداء [۴۰] اس مضمون کے بعد آپ نے ایک مختصر عربی رسالہ بھی بطور ضمیمہ شامل کیا ہے جس کا نام علامات المقربین ہے اور جس میں مقربین کے صفات و علامات پر نہایت ایمان پرور الفاظ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

ایک آسٹریلین نومسلم قادیان میں

محمد عبدالحق صاحب ایک آسٹریلین نومسلم تھے جو سات سال سے مشرف بہ اسلام تھے۔ وہ آسٹریلیا سے لنڈن گئے اور سفیر روم سے اسلامی علوم سے واقفیت حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ سفیر روم نے انہیں مصر کے دارالحکومت قاہرہ جانے کا مشورہ دیا مگر انگلستان کے ایک نومسلم لارڈ سٹینلے نے ان کو صلاح دی کہ ان کا مدعا بمبئی میں حاصل ہوگا۔ چنانچہ وہ ہندوستان کے سفر پر بذریعہ جہاز روانہ ہوئے رستہ میں انہیں رویا میں بتلایا گیا کہ تمہارا گوہر مقصود ان پہاڑوں کی طرف ملے گا جو کہ ہندوستان میں کابل اور کشمیر کی طرف ہیں۔ اس الٰہی اشارے کے تحت انہوں نے پنجاب کی طرف رخ کیا۔ لاہور پہنچے اور اس جستجو میں پھرنے لگے کہ کسی ایسے راستباز مسلمان سے ملاقات ہو جو مجسم اسلام ہو اور اسلام کے تمام خدوخال کا نقشہ اس میں موجود ہو تا اس کی حقیقی صحبت کی برکت سے وہ خود بھی ایک برگزیدہ بن جائیں اور وہ اسلام کی طرف سے ایک نشان اور حجت بن کر اپنے آپ کو مشرقی و مغربی دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ لاہور میں میاں معراج الدین صاحب عمر اور حکیم نور محمد صاحب احمدی کو ان

کا پتہ چلا تو انہیں اپنے ساتھ قادیان چلنے کی تحریک کی جس پر وہ ۲۲/ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو قادیان گئے جہاں ان کا بڑے تپاک سے استقبال کیا گیا۔ عبدالحق صاحب نے قادیان میں دو دن قیام کیا۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب کے درس قرآن کے معارف سے محظوظ ہوئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی ملاقات کی۔ دوران ملاقات اس بات کا اظہار کیا کہ یہاں آکر مجھے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کی عرصہ سے مجھے تلاش تھی وہ قادیان ہی کے لوگ ہیں۔ رنگون میں میں نے آپ کے حالات سنے اور چند تصانیف بھی دیکھی تھیں مگر مجھے آپ کا پتہ معلوم نہ ہوا۔ اور یہ امید نہ تھی کہ اس قدر جلد زیارت میسر آجائے گی۔ مسٹر عبدالحق صاحب نے یہ بھی عرض کی کہ قرآن مجید کا ایک ترجمہ شائع کیا جائے یورپین لوگوں کو بہت ضرورت ہے۔ حضور نے فرمایا کہ میرا خود بھی یہ ارادہ ہے کہ ایک ترجمہ قرآن شریف کا ہمارے سلسلہ کی طرف سے شائع ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کے سامنے اپنی اس دیرینہ آرزو کا بھی اظہار فرمایا کہ "یورپین لوگوں میں سے کوئی ایسا نکلے جو اس سلسلہ کے لئے زندگی کا حصہ وقف کرے۔ لیکن ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ کچھ عرصہ صحبت میں رہ کر رفتہ رفتہ وہ تمام ضروری امور سیکھ لیوے جن سے اہل اسلام پر سے ایک ایک داغ دور ہو سکتا ہے اور وہ تمام قوت اور شوکت سے بھرے ہوئے دلائل سمجھ لیوے جن سے یہ مرحلہ طے ہو سکتا ہے تب وہ دوسرے ممالک میں جاکر اس خدمت کو ادا کر سکتا ہے۔"

عبدالحق صاحب نے معذرت کی اور کہا کہ میں کل یہاں سے رخصت ہوں گا اور ایک ضروری دورہ پر روانہ ہوں گا۔ اس دورہ کے بعد دیکھوں گا کہ مجھے کونسی راہ اختیار کرنی چاہئے۔ چنانچہ وہ اگلے روز ۲۴/ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو واپس چلے گئے پھر معلوم نہیں کہ کیا ہوئے بہرحال حضورؑ نے ان تک پیغام صداقت پہنچانے کا حق ادا کر دیا [۴۷]

نواب عبدالرحیم صاحب (ابن حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ) کی شفایابی کا معجزہ

۲۵/ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ سے عبدالرحیم صاحب (ابن حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ) کی شفایابی کا معجزہ ظاہر ہوا جس کی تفصیل یہ ہے کہ نواب عبدالرحیم صاحب سخت بیمار ہو گئے چودہ روز مسلسل بخار رہا اور حواس میں فتور اور بے ہوشی رہی آخر نوبت احتراق تک پہنچی۔ حضرت خلیفۃ اللہ مسیح موعود علیہ السلام کو ہر روز دعا کے لئے عرض کی جاتی تھی اور

حضور دعا کرتے تھے کہ اس روز حضور کی خدمت میں اطلاع پہنچی کہ عبد الرحیم صاحب کی زندگی کے آثار اچھے نظر نہیں آتے حضور نے تہجد میں دعا کی تو خدا کی وحی سے آپ پر کھلا کہ "تقدیر مبرم ہے اور ہلاکت مقدر۔"

حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کا بیان ہے کہ "میرے آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے بالمواجہ مجھے فرمایا کہ جب خدا تعالیٰ کی یہ وحی نازل ہوئی تو مجھ پر حد سے زیادہ حزن طاری ہوا۔ اس وقت بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا کہ یا الٰہی اگر یہ دعا کا موقعہ نہیں تو میں شفاعت کرتا ہوں اس کا موقعہ تو ہے۔ اس پر معاً وحی نازل ہوئی۔ یسبح لہ من فی السموت و من فی الارض من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہ۔ اس جلالی وحی سے میرا بدن کانپ گیا اور مجھ پر سخت خوف اور ہیبت طاری ہوئی کہ میں نے بلا اذن شفاعت کی ہے۔ ایک دو منٹ کے بعد پھر وحی ہوئی۔ انک انت المجاز۔ یعنی تجھے اجازت ہے۔ اس کے بعد حالاً بعد حال عبد الرحیم کی صحت ترقی کرنے لگی اور اب ہر ایک جو دیکھتا اور پہچانتا تھا اسے دیکھ کر خدا تعالیٰ کے شکر سے بھر جاتا اور اعتراف کرتا کہ لاریب مردہ زندہ ہوا ہے"۔ [۴۲]

"سیرۃ الابدال" کی تصنیف و اشاعت

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے "سیرۃ الابدال" کے نام سے دسمبر ۱۹۰۳ء میں ایک عربی رسالہ شائع فرمایا۔ یہ رسالہ صرف پندرہ صفحات پر مشتمل اور آپ کے عربی رسائل میں سب سے مختصر تھا اور اس میں حضور نے اولیاء و اتقیاء کی تیئس اہم علامات بیان فرمائیں۔ مثلاً وہ عین ضرورت زمانہ کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں۔ انہیں قبل از وقت عروج و کمال کی بشارتیں عطا ہوتی ہیں۔ خدمت دین اور رضا الٰہی ان کا حقیقی مقصود ہوتا ہے۔ آسمانی تقدیروں سے وہ پہلے ہی مطلع کئے جاتے ہیں۔ وہ منصور ہوتے ہیں۔ ان کا فیض صحبت انسانوں کو فضائے روحانیت میں محو پرواز کر دیتا ہے اور ان کے اخلاق مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

"سیرۃ الابدال" اس لحاظ سے آپ کی تمام عربی کتابوں سے ممتاز ہے کہ اسے آپ نے نہایت فصیح و بلیغ مگر مشکل عربی عبارت میں لکھا ہے جس سے آپ کی زبردست اعجازی قوت کا پتہ چلتا ہے۔

۱۹۰۳ء کے بعض صحابہ

۱۹۰۳ء کے بعض جلیل القدر صحابہ کے نام یہ ہیں

حاجی غلام احمد صاحب آف کریام۔ [۴۳] صوفی محمد حسن صاحب بروکن ہل آسٹریلیا۔ [۴۴] ماسٹر محمد علی صاحب اشرف [۴۵]۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب [۴۶] مولوی محمد جی صاحب۔ [۴۷] حکیم محمد چراغ الدین صاحب۔ [۴۸] اسی سال سابق والی قلات میر خداداد خاں صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حلقہ غلامی میں شامل ہوئے۔ [۴۹]

حواشی

۱۔ براہین احمدیہ جلد چہارم صفحہ ۵۱۰۔۵۱۱ طبع اول

۲۔ دعوۃ الامیر از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز صفحہ ۱۹۷۔۱۹۸ ملخصاً

۳۔ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب مردان کی رائے کے مطابق یہ غالباً رجب المرجب ۱۳۲۰ھ مطابق اکتوبر۔ نومبر ۱۹۰۲ء کے ایام تھے۔ (عاقبۃ المکذبین مولفہ جناب قاضی صاحب موصوف صفحہ ۳۹ حصہ اول) اخبار "البدر" ۲۸۔ نومبر۔ ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۳۵ سے حضرت شہید مرحوم کی تاریخ ورود قادیان قطعی طور پر ۱۸۔ نومبر ۱۹۰۲ء ثابت ہوتی ہے۔

۴۔ تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۱۰ (طبع اول)

حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ کا بیان ہے کہ "مہمان خانہ" میں جہاں اس وقت جنوب کی طرف پہلا کمرہ ہے اس میں حضرت شہید مرحوم اور ان کے ساتھی ٹھہرے تھے اور جہاں اب کنواں ہے وہاں ہر صبح چارپائی پر رو بقبلہ قرآن کا مطالعہ و تلاوت فرماتے رہتے اور خاکسار کنواں کے پاس شمال کی جانب پہلے کمرہ میں مقیم تھا ہر روز نماز باجماعت میں شامل ہونے کی غرض سے مسجد مبارک میں حاضر ہوتے۔ حضرت شہید صف اول کے جنوبی کونے میں کھڑے ہوتے۔ بعد از نماز حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں بیٹھے رہتے اور موقعہ بہ موقعہ کچھ فرمایا بھی کرتے۔" (عاقبۃ المکذبین صفحہ ۴۰ مولفہ قاضی محمد یوسف صاحب)

۵۔ تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۷ الحکم ۷/مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ کالم نمبر ۳ "شہید مرحوم کے چشم دید واقعات" صفحہ ۷ از سید احمد نور کابلی طبع اول اکتوبر ۱۹۲۱ء ضیاء الاسلام پریس قادیان

۶۔ شہید مرحوم کے چشم دید واقعات مؤلفہ سید احمد نور صاحب کابلی صفحہ ۸، الحکم ۱۴/دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۱

۷۔ حضرت شہید مرحوم نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں ایک فارسی قصیدہ بھی رقم فرمایا تھا جو آپ کی شہادت کے بعد اخبار البدر ۶/اکتوبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۰۹ پر شائع ہوا۔

۸۔ شہید مرحوم کے چشم دید واقعات صفحہ ۸۔۱۰

۹۔ تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۷۳

۱۰۔ تاریخ ولادت ۶/۷ جنوری ۱۸۷۱ء میں بیعت غالباً فروری ۱۸۹۶ء "لیکچر سیالکوٹ" ۱۹۰۴ء کے انتظامات میں آپ کو بھی حصہ ملا رسالہ خالد (ربوہ) جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۴۰ کالم ۲

۱۱۔ چشم دید حالات صفحہ ۱۰ و عاقبۃ المکذبین صفحہ ۴۲ مؤلفہ قاضی محمد یوسف صاحبؓ

۱۲۔ تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۱۱۹ طبع اول)

۱۳۔ چشم دید حالات صفحہ ۱۰ و عاقبۃ المکذبین صفحہ ۴۲ مؤلفہ قاضی محمد یوسف صاحبؓ

۱۴۔ چشم دید حالات صفحہ ۱۰ و عاقبۃ المکذبین صفحہ ۴۲ مؤلفہ قاضی محمد یوسف صاحبؓ

۱۵۔ چشم دید حالات صفحہ ۱۰۔۱۱

۱۶۔ الفضل ۱۷/اگست ۱۹۱۵ء صفحہ ۷ کالم نمبر ۲

۱۷۔ شہید مرحوم کے چشم دید حالات صفحہ ۱۳

۱۸۔ تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۷۴ تا ۵۸ (طبع دوم)

۱۹۔ تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۷۲ (طبع دوم) مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "شہید مرحوم کے چشم دید واقعات"۔

۲۰۔ الفضل ۱۹ تبوک/۱۳۴۷ہش ستمبر ۱۹۶۸ء صفحہ ۵

۲۱۔ اخبار "وطن" ۲۸/اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۷ کالم نمبر ۱۔۲

۲۲۔ جس جگہ آپ کی شہادت ہوئی اسے "ہندو سوزاں" کہا جاتا ہے

۲۳۔ "شہید مرحوم کے چشم دید واقعات" صفحہ ۱۶

۲۴۔ "شہید مرحوم کے چشم دید واقعات" صفحہ ۲۰۔۲۶ "عاقبۃ المکذبین" صفحہ ۵۷۔۵۸
۲۵۔ بروایت حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ
۲۶۔ سیرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۵۴۔ شہید مرحوم کے چشم دید واقعات صفحہ ۲۵ الفضل ۲۲ مئی ۱۹۸۹ء صفحہ ۴۔۵ (مقالہ دوست محمد شاہد) الفضل ۴۔ اکتوبر ۱۹۹۰ء (مکتوب مولانا بشیر احمد خاں صاحب رفیق۔ انگلستان)
۲۷۔ حقیقۃ الوحی طبع اول صفحہ ۲۰۲
۲۸۔ حضرت سید عبد اللطیف صاحب کی چار بیویاں تھیں (الفضل ۲۶/ مارچ ۱۹۲۶ء صفحہ ۴ کالم نمبر ۳
۲۹۔ الفضل ۱۲/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۔ ۲ حضرت شاہجہان بی بی صاحبہ کا یکم نومبر ۱۹۲۹ء کو انتقال ہوا۔ مرحومہ صوم وصلوۃ کی پابند تھیں۔ انہوں نے ورثہ کے ۱/۳ حصہ کی وصیت بھی کی تھی۔
۳۰۔ ان دردانگیز حالات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو صاحبزادہ ابوالحسن صاحب کا بیان (مطبوعہ الفضل ۲۶/ مارچ ۱۹۲۶ء صفحہ ۲)
۳۱۔ الفضل ۲۶/ مارچ ۱۹۲۶ء صفحہ ۳۔۴
۳۲۔ "Under the Abssulute Amir" (از فرینک اے مارٹن مطبوعہ ۱۹۰۷ء صفحہ ۲۰۴)
۳۳۔ مسٹر انگس ہملٹن نے لکھا ہے:۔

"۱۹۰۳ء میں افغانستان کے شہر کابل اور شمالی و مشرقی صوبہ جات میں زور شور سے ہیضہ پھوٹ پڑا جو اپنی شدت کے سبب سے ۱۸۷۹ء کے وبائی ہیضہ سے بدتر تھا۔ سردار نصر اللہ خان کی بیوی اور ایک بیٹا اور خاندان شاہی کے کئی افراد اور ہزار ہا کابلی باشندے اس وباء کا شکار ہوئے اور شہر میں افراتفری پڑ گئی اور ہر شخص کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔" (کتاب "افغانستان" بحوالہ عاقبۃ المکذبین صفحہ ۵۷)

اس خوفناک ہیضہ کا ذکر مسٹر انگس ہملٹن کے علاوہ مسٹر فرینک اے مارٹن (Frank A. Martin) نے بھی کیا ہے جو کئی سال تک افغانستان کی حکومت میں چیف انجینئر کے عہدہ پر ممتاز رہ چکے ہیں ملاحظہ ہو
"Under the Abolute Amir" مطبوعہ ۱۹۰۷ء شائع کردہ ہارپر اینڈ برادرز لندن۔ نیویارک (صفحہ ۱۹۹۔۲۰۱)

۳۴۔ "زوال غازی" صفحہ ۳۸۱۔۳۸۶ از عزیز ہندی مطبوعہ ثنائی برقی پریس امرتسر طبع اول
۳۵۔ "زوال غازی" صفحہ ۳۸۱۔۳۸۶ از عزیز ہندی
۳۶۔ حضرت سید عبد اللطیف صاحب شہید کے حالات اور ان کے بعد کے ملکی انقلابات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "عاقبۃ المکذبین" مؤلفہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب امیر جماعت ہائے پشاور ڈویژن
۳۷۔ جو حضرت مولوی عبد اللطیف صاحب شہید کے واقعات میں درج ہو چکے ہیں۔
۳۸۔ تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۴۔۶۵ (طبع دوم)
۳۹۔ خدا کے عجیب تصرفات ہیں کہ ابھی تیسری صدی چھوڑ پہلی صدی بھی ختم نہیں ہوئی کہ مسلمان علماء اور عوام کا ایک مقبول طبقہ حیات المسیح کے عقیدہ سے سراسر بیزار ہو چکا ہے بلکہ اب تو بعض اور مسلمان اداروں کی طرف سے یہ آوازیں اٹھنا شروع ہو گئی ہیں کہ "نزول مسیح کا عقیدہ قرآن کریم سے تو ثابت نہیں۔ باقی رہیں روایات تو وہ بھی (درایت اور موافق قرآن ہونے کا اصول تو ایک طرف) اصول روایت کے معیار پر بھی پوری نہیں اترتیں۔ لہٰذا جب تک یہ غیر قرآنی عقیدہ موجود ہے آپ قادیانی تحریک کو بمشکل شکست دے سکتے ہیں۔" قادیانی تحریک یا اسی قسم کی اور تحریکوں کو ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ امت سے اس قسم کے غیر قرآنی عقائد کو ختم کیا جائے" (رسالہ "طلوع اسلام" لاہور اگست ۱۹۶۰ء صفحہ ۶۸)

یہ تو مسلمانوں کی بیزاری کا اظہار ہے۔ جہاں تک عیسائیوں کا تعلق ہے انہوں نے مسیح کے صعود کی آیات الحاقی پا کر انجیل کے متن سے خارج کر دی ہیں۔ یہی نہیں ۱۹۵۵ء میں بی بی سی ریڈیو اسٹیشن سے ابرڈین یونیورسٹی کی ایک لیکچرار کی طرف سے تقریر ہوئی کہ "حضرت مسیح واقعی ایک انسان گزرے ہیں جو یہودیوں میں وعظ کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ ڈھونگ ہے کہ وہ خدا اور کنواری ماں کے بیٹے ہیں یا وہ وفات کے بعد زندہ آسمان پر اٹھ گئے۔" (اخبار "نوائے وقت" مورخہ ۲۰/ جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۳)

خدا کی شان!! کسے خبر تھی کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی پیشگوئی پر ابھی نصف صدی ہی گزرنے پائے گی کہ لندن کا عالمگیر ریڈیو دنیا بھر میں مسیح کی وفات کا اعلان نشر کرنا شروع کردے گا۔

۴۰۔ یہ دشمنوں کے قتل کرنے اور جنگ کرنے کا وقت نہیں دعا کرنے کا وقت ہے۔ (ترجمہ)

۴۱۔ البدر ۲۳/ اکتوبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۱۷۔ ۳۱۸، ۲۹/ اکتوبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۲۲۔ ۳۲۳

۴۲۔ البدر ۲۹/ اکتوبر و ۸/ نومبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۲۱، ایضاً حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۹ نشان نمبر ۸۴ طبع اول ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء

۴۳۔ ولادت ۷۶۔ ۱۸۷۵ء وفات ۴/ جولائی ۱۹۴۳ء جنوری فروری ۱۹۰۳ء میں قادیان جا کر حضرت اقدس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضور نے بیعت لینے کے بعد فرمایا کہ فکر نہ کریں۔ آپ کے ہاں اللہ تعالیٰ بہت جلد جماعت پیدا کردے گا۔ سو یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں جماعت کریام کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی۔ حاجی صاحب سلسلہ کی خاطر مالی اور جانی قربانیوں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے (الحکم ۷/ ۱۴ نومبر ۱۹۴۰ء)
(مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو "اصحاب احمد" جلد دہم صفحہ ۷۵ تا ۱۳۲)

۴۴۔ بیعت ۳/ اکتوبر ۱۹۰۳ء حضرت خلیفہ اول کے عہد مبارک میں قادیان آئے قریباً ۱۴ سال تک آسٹریلیا آنریری طور پر نہایت درجہ اخلاص و محنت سے مبلغ اسلام کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ جزیرہ فجی میں بھی ان کے ذریعہ سے پیغام حق پہنچا ۱۸/ اگست ۱۹۴۵ء کو انتقال فرمایا۔ (الفضل ۲۸/ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۸۵ کالم نمبر ۱۔ ۲ و رسالہ "اصحاب احمد" جلد دوم نمبر ۳۔ ۴ صفحہ ۲۵ ریکارڈ بہشتی مقبرہ ربوہ)

۴۵۔ ولادت ۱۶/ اکتوبر ۱۸۸۳ء وفات ۱۸/ جون ۱۹۶۰ء۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ہم مکتب تھے بدر کے جائنٹ ایڈیٹر بھی رہے۔ اردو اور پنجابی زبان میں سلسلہ کی تائید میں نظمیں کہا کرتے تھے۔ ہجرت کے بعد چنیوٹ میں آباد ہوئے اور یہیں انتقال فرمایا (تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۷۔ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۲۔ ۱۳ و الحکم ۷/ ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۷۔ ۸)

۴۶۔ ولادت ۱۳/ مارچ ۱۸۸۹ء ۱۹۰۳ء سے ۱۹۰۸ء تک مدرسہ تعلیم الاسلام میں تعلیم پائی اور حضرت مسیح موعود کے فیض صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ ۱۹۰۸ء میں گورنمنٹ کالج میں داخلہ لیا مگر ۱۹۱۰ء میں حضرت خلیفہ اول کے ارشاد پر آپ واپس قادیان آگئے اور حضرت خلیفہ اول کی شاگردی اختیار کر کے موطا امام مالک، صحیح بخاری اور فوز الکبیر پڑھی۔ عربی صرف و نحو اور اصول شاشی کا علم حضرت حافظ روشن علی صاحب سے حاصل کیا اور منطق کی تحصیل حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب حلالپوری سے کی۔ ۲۶/ جولائی ۱۹۱۳ء کو آپ اعلیٰ عربی تعلیم کے لئے بلاد عربیہ میں بھجوائے گئے اور آپ نے قاہرہ بیروت اور حلب کی مشہور درسگاہوں میں تکمیل تعلیم کی اور بیت المقدس کے صلاح الدین ایوبیہ کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ نیز شام میں سلطانیہ کالج کے وائس پرنسپل بھی بنے۔ اس دوران آپ کو انگریزوں نے نظر بند کردیا اور ۲۶/ مئی ۱۹۱۹ء کو رہا ہو کر آپ قادیان پہنچے۔ ۲۷/ جون ۱۹۲۵ء کو آپ مولانا جلال الدین صاحب شمس کے ساتھ تبلیغی مصر و مبلغ کی حیثیت سے بلاد شام کی طرف روانہ ہوئے جہاں چند ماہ گزارنے کے بعد آپ کو عراق میں بھجوایا گیا جہاں آپ نے امیر فیصل اور ہائی کمشنر سے احمدیت پر پابندی اٹھائے جانے کے بارہ میں ملاقاتیں کیں اور بالآخر اپنے مشن میں کامیاب ہو کر ۱۰/ مئی ۱۹۲۶ء کو وارد قادیان ہوئے۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۶ء تک ناظر دعوۃ تبلیغ رہے۔ اسی دور میں آپ نے تحریک آزادی کشمیر میں بھی سرگرم حصہ لیا اور کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ بعد ازاں ناظر تعلیم و تربیت کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ستمبر ۱۹۴۶ء سے اپریل ۱۹۴۸ء تک آپ بھارتی حکومت کی قید میں رہے بعد ازاں آپ ناظر دعوت و تبلیغ اور ناظر امور عامہ وغیرہ اہم عہدوں پر فائز رہنے کے بعد یکم جون ۱۹۵۴ء کو پنشن یاب ہوئے۔ (وفات ۱۶۔ مئی ۱۹۶۳ء)

آپ سلسلہ کے ان ممتاز علماء میں سے ہیں جو عربی زبان کے قادر الکلام ادیب ہیں۔ "اسلامی اصول کی فلاسفی" کا ترجمہ آپ ہی نے کیا ہے جو بلاد عربیہ میں بہت مقبول ہے۔ اردو اور عربی میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ صحیح بخاری کے انیس جلدوں کی اردو شرح لکھ چکے ہیں جو "ادارۃ المصنفین ربوہ" کی طرف سے شائع کی جارہی ہے۔ اب تک بارہ اجزاء شائع ہو چکے ہیں

۴۷۔ سن ولادت ۹۰۔ ۱۸۸۹ء۔ مارچ ۱۹۰۳ء میں پہلی مرتبہ قادیان گئے۔ حضرت حکیم الامت مولوی نور الدین خلیفۃ المسیح الاول کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ ایک لمبے عرصہ تک مدرسہ احمدیہ میں مدرس رہے اور سلسلہ کی تعلیمی خدمات بجالاتے

رہے۔ آپ نے چوہدری غلام محمد صاحب بی۔اے سیالکوٹی کے ساتھ مل کر مشہور عربی لغت "المنجد" کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے جو "تسہیل العربیہ" کے نام سے چھپا ہوا موجود ہے۔ (وفات ۱۳۔جون ۱۹۶۷ء)

۴۸۔ حکیم محمد چراغ الدین صاحب منشی عبدالحق صاحب خوشنویس کے والد اور مکرم ابوالمنیر مولوی نورالحق صاحب کے دادا تھے۔ منشی عبدالحق صاحب کو خدا تعالیٰ نے ۱۸۹۷ء میں بیعت کی توفیق دی۔ حضرت حکیم صاحب متعدد بار قادیان گئے۔ لیکن بیعت کے لئے انشراح نہ ہوا۔ آخر جب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام جہلم کرم الدین کے مقدمہ کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تو وہاں حکیم صاحب نے پہنچ کر بیعت کی۔ حضرت حکیم صاحب پابند صوم صلوۃ۔ قرآن مجید کے عاشق تھے اور خدمت خلق ان کے دل کی تسکین تھی۔ سیدنا حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے متعدد خطبات میں ان کی حضور ایدہ اللہ سے قادیان میں پہلی ملاقات کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

"ہمارے مولوی نورالحق صاحب کے دادا بھی ایسے لوگوں میں سے تھے یعنی لمبی عمر پانے والے۔ حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی جن دنوں فالج کے حملہ سے بیمار تھے اسی سال خدام الاحمدیہ کا دفتر بن رہا تھا۔ میں وہ دفتر دیکھنے جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی بڑا تیز تیز چل کر میری طرف آرہا ہے۔ وہ مجھے ملا اور اس نے مجھ سے مصافحہ کیا میں نے دریافت کیا کہ آپ کا کیا نام ہے؟ انہوں نے اپنا نام بتایا اور کہا میں گجرات سے آیا ہوں۔ پھر انہوں نے پنجابی زبان میں کہا۔ جیہڑا غلام رسول وزیر آبادی کہلاندا اے میں اس دا حال پوچھنے آیا ہوں۔ یعنی غلام رسول وزیر آبادی جو کہلاتے ہیں ان کا حال دریافت کرنے آیا ہوں۔ حافظ غلام رسول صاحب ہماری جماعت میں بہت بڑے محترم سمجھے جاتے تھے مگر انہوں نے اس بے تکلفی سے ان کا نام لیا تو میں نے پوچھا کہ حافظ صاحب سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ میرے بھتیجے ہیں۔ میں نے کہا معلوم ہوتا ہے آپ کے والد نے آخری عمر میں دوسری شادی کی تھی جس سے آپ پیدا ہوئے اس لئے آپ کی عمر ان سے چھوٹی معلوم ہوتی ہے۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ جدوں غلام رسول دی ماؤ داویاہ ہویا سی میں اٹھارہ سال دا ساں۔ بعد میں وہ ۱۰۳ یا ۱۰۷ سال کی عمر میں فوت ہوئے اور وہ اس عمر میں خوب چل پھر لیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں بیس بیس پچیس پچیس میل پیدل چلا جاتا ہوں۔" (الفضل ۱۴/ دسمبر ۱۹۵۶ء)

آپ کی وفات ۷/اکتوبر ۱۹۴۲ء کو ہوئی۔ سیدنا حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ بہشتی مقبرہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار کے مشرقی جانب واقعہ احاطہ قبور میں دفن کئے گئے۔

۴۹۔ انہوں نے ۱۱رجون ۱۹۰۳ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں اپنی ارادت وعقیدت کا ایک خط بھی لکھا تھا جس کا عکس "خلافت لائبریری ربوہ" میں محفوظ ہے اور حضرت المصلح الموعودؓ کی تالیف "مسئلہ وحی ونبوت کے متعلق اسلامی نظریہ" کے صفحہ ۳۶ پر بھی چھپ چکا ہے اور "تاریخ احمدیت" جلد ۱۶ صفحہ ۳۹۶ پر بھی (ولادت ۱۲۵۵ھ/۴۰-۱۸۳۹ء)۔ میر احمد خاں دوئم بادشاہ اورنگ زیب کے ہمعصر اور قلات میں براہوئی سلطنت کے بانی تھے۔ میر خداداد خان صاحب اسی مرد جری کی نسل میں سے تھے۔ آپ کے والد کا نام میر محراب، خاں دوم تھا آپ غدر ۱۸۵۷ء کے دوران تخت نشین ہوئے اور سترہ سال تک خطرات میں محصور رہے اور قبائلی سرداروں کی لگاتار بغاوتوں کو فرو کرتے رہے۔

آپ کی شاہی انگشتری میں "خدادادگان را خدا دادہ" اور "دین ودنیا مرا خدا دادست" کے الفاظ نقش تھے آپ واحد خان تھے جنہوں نے ریاست میں باقاعدہ فوج اور مرکزی خزانہ کی ضرورت محسوس کی۔ زمانہ حال کے بعض مورخین کے نزدیک "ہمت، استقلال، خلوص، فراست، رقابت اور بربریت آپ کی سیاسی کشتی کے چپو تھے۔

آپ نماز اور دیگر مذہبی فرائض کی ادائیگی بہت التزام واہتمام سے کرتے تھے اور عالمانہ مذاق رکھتے تھے۔ آپ ۳۷ سال تک حکمران رہے۔ اور بلوچستان کے انگریز ایجنٹ گورنر جنرل کی سازش سے مارچ ۱۸۹۲ء میں معزول کردیئے گئے اور تاجشاہی اگلے سال ۱۰رنومبر ۱۸۹۳ء کو ان کے بیٹے محمود خان کو پہنا دیا گیا۔ آپ نے ۲۰رمئی ۱۹۰۹ء کو پشین میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اسی جگہ سپرد خاک کئے گئے۔ آپ ایک عام خشتی گنبد کے نیچے ایک سادہ سی قبر میں مدفون ومکنون ہیں۔

(ماخذ۔ ۱۔ تاریخ بلوچستان صفحہ ۱۳۰ر۱۳۱ مصنفہ رائے بہادر ہتورام۔ طبع اول ۱۹۰۷ء طبع دوم ۱۹۸۵ء ناشر سنگ میل پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

۲۔ بلوچ قوم کی تاریخ حصہ اول صفحہ ۱۷۴ تا ۲۵۷ مصنف محمد سردار خاں بلوچ۔

ترجمہ پروفیسر ایم انور رومان ڈائریکٹر بیورو آف کریکولم بلوچستان ناشر نساء ٹریڈرز جناح کلاتھ مارکیٹ کوئٹہ طبع اول فروری ۱۹۸۰ء مؤخر الذکر کتاب کا انگریزی ایڈیشن ۱۹۵۸ء میں درج ذیل نام سے شائع ہوا۔

"History of Baluchrace and Baluchistan"

ماموریت کا تیئسواں سال

"ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت" کے متعلق پیشگوئی

(۱۹۰۴ء)

۱۸۹۴ء [1] کی چین اور جاپان کے درمیان جنگ کے بعد روس جرمنی اور فرانس کی مداخلت نے جاپان کو کوریا پر قبضہ جمانے سے محروم کردیا تھا۔ روس 'مانچوریا اور جزیرہ لیاؤ ٹونگ پر قبضہ جمالینے کے بعد کوریا میں بھی نفوذ حاصل کرنے کا متمنی تھا۔ جاپان کوریا کے بدلے مانچوریا پر روس کا حق ماننے کو تیار تھا۔ مگر روس نے یہ بات نہ مانی اس لئے جاپان کے شہنشاہ میکاڈو نے ۶/ فروری ۱۹۰۴ء کو روس کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔ ابھی یہ لڑائی شروع ہی ہوئی تھی اور ابھی جاپان نے کوئی میدان نہیں مارا تھا کہ حضرت اقدسؑ کو الہام ہوا "ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت۔" [2]

اس الہام میں یہ واضح خبر دی گئی تھی کہ

۱۔ دوسری طاقتوں کے مقابل ایک خاصی زبردست طاقت مشرق میں ظاہر ہوگی۔

۲۔ کوریا کی حالت نازک ہو جائے گی۔

چنانچہ اس الہام کے بعد اس جنگ میں روس کو پے در پے شکستیں ہوئیں اور جاپان کا کوریا پر مکمل قبضہ ہوگیا اور جاپان دنیا میں "مشرقی طاقت" شمار ہونے لگا۔ ایک پاکستانی وقائع نگار لکھتا ہے "اس جنگ میں جاپان نے ثابت کردیا کہ عسکری تنظیم 'جنگی صلاحیت 'فوجوں کی قیادت اور جنگی چالوں میں جاپان کی تیاری یورپ کے ملکوں کی تیاریوں سے کسی لحاظ سے بھی کم نہیں۔ روس کو بالآخر ہار ماننی پڑی اور امریکہ کی مداخلت سے روس اور جاپان کے درمیان پورٹس ماؤتھ کا معاہدہ طے ہوا جس کی رو سے روس نے لیاؤ ٹونگ کا علاقہ جاپان کو دے دیا۔ کوریا پر جاپان کی سیادت کا مکمل حق تسلیم کرلیا... پورٹس

ماؤتھ کا معاہدہ ۵/ ستمبر ۱۹۰۵ء کو طے ہوا"۔ [۳]

حضرت اقدسؑ کی اس پیشگوئی کا دوسری مرتبہ ظہور ۱۹۵۰ء میں بھی ہوا جب کہ جاپان مشرقی طاقت کی حیثیت سے ختم ہو گیا اور اشتراکیت کا علمبردار روس جو کبھی مغربی طاقت قرار دیا جاتا تھا ایک زبردست مشرقی طاقت بن کر دنیا کے سامنے ظاہر ہوا اور شمالی کوریا کی اشتراکی ریاست نے جنوبی کوریا پر حملہ کر کے کوریا کی حالت کو اتنا نازک کر دیا کہ تیسری عالمگیر جنگ کے چھڑ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ وہی وقائع نگار کوریا کی اس حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "شمالی کوریا کی اشتراکی ریاست نے جنوبی کوریا کی جمہوری ریاست پر حملہ کر دیا اور اس سرعت رفتاری کے ساتھ پیش قدمی کی کہ جنوبی کوریا کی ہستی کا خاتمہ یقینی نظر آنے لگا... امریکہ کی سرکردگی میں اقوام متحدہ کے اینگلو امریکی بلاک کی فوجیں شمالی کوریا کے اشتراکیوں کے خلاف لڑنے لگیں جن کی امداد کے لئے اشتراکی چین کے رضا کار بھی پہنچ گئے یہ جنگ اقوام عالم کی تیسری بڑی جنگ کا پیش خیمہ بنتی نظر آ رہی تھی۔" [۴]

صاحبزادی سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کی ولادت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مئی ۱۹۰۴ء میں الہام ہوا "دخت کرام" [۵] چنانچہ اس الٰہی بشارت کے مطابق ۲۵/ جون ۱۹۰۴ء کو صاحبزادی سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ پیدا ہوئیں۔ کتاب "حقیقتہ الوحی" صفحہ ۲۱۸ میں حضور نے ان کو اپنی صداقت کا چالیسواں نشان قرار دیا ہے۔

حضرت سیدہ موصوفہ کا نکاح حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب [۶] سے جو حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کی پہلی بیگم سے دوسرے صاحبزادے تھے ۷/ جون ۱۹۱۵ء کو مسجد اقصیٰ میں پندرہ ہزار روپے مہر پر ہوا۔ حضرت اقدس خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق خطبہ نکاح حضرت مولوی غلام رسول صاحبؓ راجیکی نے پڑھا جو اس تقریب سعید پر لاہور سے مدعو کئے گئے تھے اور ۲۲/ فروری ۱۹۱۷ء کو آپ کی شادی کی مبارک تقریب عمل میں آئی۔ [۷]

حضرت سیدہ کی اولاد

حضرت سیدہ موصوفہ کے بطن سے تین فرزند اور چھ صاحبزادیاں پیدا ہوئیں جن کے نام یہ ہیں۔

صاحبزادی طیبہ بیگم صاحبہ (ولادت ۱۸/ مارچ ۱۹۱۹ء) خان عباس احمد خاں صاحب (ولادت ۲/ جون ۱۹۲۰ء) صاحبزادی طاہرہ بیگم صاحبہ (ولادت ۳/ جون ۱۹۲۱ء) صاحبزادی زکیہ بیگم صاحبہ (ولادت ۲۳/ نومبر ۱۹۲۳ء) صاحبزادی قدسیہ بیگم صاحبہ (ولادت ۲۰/ جون ۱۹۲۷ء) صاحبزادی شاہدہ بیگم صاحبہ (ولادت ۳۱/ اکتوبر ۱۹۳۴ء) صاحبزادہ شاہد احمد خاں صاحب (ولادت ۱۹/ اکتوبر ۱۹۳۵ء) صاحبزادی

فوزیہ بیگم صاحبہ (ولادت ۲۲/ نومبر۱۹۴۱ء) میاں مصطفیٰ احمد خاں صاحب (ولادت ۱۰/ جولائی ۱۹۴۳ء) ۸

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سفر لاہور اور لیکچر "اس ملک کے موجودہ مذاہب اور اسلام"

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام جب گزشتہ سال جنوری ۱۹۰۳ء میں سفر جہلم سے واپس تشریف لا رہے تھے تو حضورؑ نے ایک روز لاہور میں قیام فرمایا۔ رات کے وقت جب کہ بہت سے حاضرین زیارت کے لئے جمع تھے۔ حضرت اقدسؑ نے ایک نہایت ہی مؤثر تقریر کے دوران میں خود ہی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ ہمارا ارادہ ہے کہ کسی وقت لاہور میں چند روز ٹھہر کر اتمام حجت کے لئے تمام مخالفین اسلام کو بذریعہ ایک اعلان کے مدعو کر کے تبلیغ کی جاوے اور نیز جو جو بدگمانیاں ہماری نسبت ہمارے کم فہم مخالفوں نے عوام الناس کے دلوں میں بٹھا رکھی ہیں ان کے دور کرنے کے لئے کوشش کی جائے تاکہ یہ لوگ غلطی میں رہ کر جاہلانہ موت نہ مریں۔ ۹

اسی ارادہ کی تکمیل کے لئے حضور نے پہلے آخر مارچ ۱۹۰۴ء میں لاہور جانے کا فیصلہ کیا مگر اسے شدید مصروفیات کے باعث ملتوی کرنا پڑا۔ پھر حضور نے ۲۰ / اگست ۱۹۰۴ء کو (جبکہ مقدمات گورداسپور زوروں پر تھے) سفر لاہور اختیار فرمایا۔ حضور بذریعہ ٹرین گورداسپور سے مع اہل بیت روانہ ہوئے بٹالہ اور امرتسر میں بعض اصحاب نے بیعت اختیار کی۔ امرتسر اسٹیشن پر احمدی دوست اور دوسرے معززین کثیر تعداد میں زیارت و ملاقات سے مشرف ہونے کے لئے حاضر تھے۔ گاڑی دو بجے کے قریب لاہور پہنچی پلیٹ فارم پر حضور کی زیارت کے لئے کثرت سے لوگ موجود تھے اور تل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ سب سے اول حضور کے اہل بیت کو گاڑیوں میں سوار کر کے حکیم نور محمد صاحب مالک کارخانہ ہمدم صحت کے زیر اہتمام قیام گاہ تک پہنچایا گیا۔ بعد ازاں حضرت مسیح موعود اور آپ کے دیگر مقتدر اصحاب گاڑیوں میں سوار ہوئے۔ حضور کی گاڑی بہت آہستہ آہستہ چلتی تھی تا ان لوگوں کو جو حسن عقیدت کی وجہ سے پاپیادہ ہمراہ آرہے تھے تکلیف نہ ہو۔ حضور کے قیام کے لئے اس دفعہ میاں معراج الدین صاحب عمر احمدی رئیس کا مکان واقع بیرون دہلی گیٹ تجویز ہوا۔ باقی مہمانوں کے لئے میاں چراغ الدین صاحب رئیس کی "مبارک منزل" آراستہ کی گئی جہاں حضور نے سفر جہلم کے دوران قیام فرمایا تھا۔ ۱۰

حضور کے یہاں پہنچنے کے تیسرے دن بعد حضرت مولوی نور الدین صاحب اور مولوی عبد الکریم صاحب (معہ اہل بیت) حضور کے ارشاد کے تحت لاہور تشریف لے گئے اور اس سے اگلے دن نواب محمد علی خان صاب بھی ایک جماعت کے ساتھ لاہور پہنچ گئے۔ [۱۱] چند دنوں میں زائرین کافی تعداد میں پہنچ گئے۔ لاہور میں حضور نے اتمام حجت کی غرض سے چار عظیم الشان لیکچر دئے۔

پہلا لیکچر پہلا لیکچر ۲۱/ اگست ۱۹۰۴ء کو دیا۔ حضور ظہر کے وقت تشریف لائے اور نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد احباب کی درخواست پر ایک کرسی پر رونق افروز ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے اصلاح نفس 'مذہب کی غرض' وحدت جمہوری اور اپنے دعویٰ مسیحیت و مہدویت پر نہایت ہی بصیرت افروز روشنی ڈالی۔ اس موقعہ پر وزیر آباد کے ایک متعصب مولوی صاحب نے بیجا مداخلت کی اور بیجا کلام کر کے مباحثہ کی طرح ڈالنے کی کوشش کی مگر حضور اول تو اسے نہایت حلیمی سے سمجھاتے رہے لیکن جب معلوم ہوا کہ اس کی غرض رفع شکوک و شبہات نہیں صرف مناظرے کا اکھاڑہ قائم کرنا ہے تو فرمایا کہ مباحثہ کا دروازہ تو ہم بند کر چکے ہیں اب اس میں پڑنا پسند نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں حضور نے مولوی صاحب مذکور کے بعض اعتراضات کا مفصل جواب دیا اور جماعت کو تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین فرمائی اور دعا پر یہ تقریب ختم ہوئی۔ [۱۲]

دوسرا لیکچر دوسرا لیکچر حضور نے ۲۸/ اگست ۱۹۰۴ء کو صبح بوقت سات بجے دیا۔ ڈیڑھ ہزار سے زیادہ افراد حضور کے اس خطاب سے مستفید ہوئے۔ اس لیکچر میں حضور نے نہایت لطیف انداز میں حاضرین کو توبہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اپنے دعویٰ کے زبردست دلائل پیش فرمائے۔ [۱۳]

"پیسہ اخبار" لاہور نے (۳۰/ اگست ۱۹۰۴ء کو) اس لیکچر کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا۔

"اس تقریر کے وقت کوئی ڈیڑھ ہزار سے زائد آدمی موجود تھا۔ پولیس کا انتظام قابل تعریف تھا۔ آخر مرزا صاحب کے مریدوں اور دوسرے لوگوں نے مصافحہ شروع کیا۔ قریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک یہ لوگ مصافحہ کرتے رہے بعض لوگ ان ملاقاتیوں سے کسی قدر سختی سے پیش آنے لگے تو مرزا صاحب نے فرمایا۔ دیکھو مجھے خدا تعالیٰ نے ایسے وقت میں جب کہ کوئی آدمی میرے ساتھ نہ تھا اس زمانہ کی خبر دی تھی کہ کثرت سے لوگ تیرے پاس آئیں گے تو ان سے تھکو مت اور ان سے بد اخلاقی سے مت پیش آنا۔ بس میں اجازت نہیں دیتا کہ ایسا کیا جائے۔ جو آگے آنا چاہتے ہوں آنے دو کسی کو جھڑکو مت اور روکو نہیں۔ یہ معصیت ہوگی۔ پھر آپ مریدوں کے ایک لمبے حلقہ میں تشریف لے گئے...... مرزا صاحب کے مریدین اس وقت لاہور میں پانچ چھ سو کے قریب جمع ہیں اور لاہور کی جماعت احمدیہ ان

سب مہمانوں کی مہمانداری کر رہی ہے یہ اخوت' ہمدردی اور جوش ایثار سنجیدہ پبلک کی توجہ کے قابل ہے۔" [۱۴]

تیسرا لیکچر ۲/ ستمبر کو جمعہ تھا۔ خطبہ جمعہ حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ نے پڑھا۔ نماز جمعہ کے بعد حضرت اقدسؑ زائرین اور مشتاقان زیارت کے اصرار و خواہش پر۔ اجلاس فرما ہوئے۔ حاضرین میں سے ہر ایک دوسرے سے پہلے آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ ان کے بڑھے ہوئے جوش زیارت اور شوق ارادت میں انتظام کا ہونا کوئی آسان امر نہ تھا۔ دھکے پر دھکا کھاتے تھے اور آگے بڑھتے جاتے تھے۔ آخر جب حضور کا حکم سنا کہ بیٹھ جاؤ تو جہاں کوئی کھڑا تھا وہیں بیٹھ گیا۔ حضور خاموش بیٹھے تھے کہ آپ کے ایک ارادت مند نے نہایت پر درد اور پر جوش لہجہ میں پنجابی کی ایک نظم پڑھی جس میں حضور کی لاہور میں آمد کا نہایت مؤثر پیرایہ میں ذکر تھا۔ نظم ختم ہونے کے بعد حضور نے ایک پر معارف اور زوردار تقریر فرمائی جس میں تبلیغ و تربیت کا حق ادا کر دیا۔ جب آپ اس مقام پر پہنچے کہ "قرآن شریف میں مسیح کی وفات کا ذکر موجود ہے مگر یہ حضرات ماننے میں نہیں آتے اور اس عقیدہ پر مخالف قرآن شریف آڑے آتے ہیں۔" تو حضور کی آواز اور تقریر میں ایک خاص جلال اور شوکت پیدا ہوئی جس سے آنحضرت ﷺ کی محبت و عظمت جو آپ کے دل میں تھی زبان سے ابل ابل کر سامنے آرہی تھی۔ [۱۵]

چوتھا عظیم الشان پبلک لیکچر حضور کا چوتھا عظیم الشان لیکچر ۳/ ستمبر کو بوقت ساڑھے سات بجے "اس ملک کے موجودہ مذاہب اور اسلام" کے موضوع پر ہوا۔ یہ لیکچر دربار داتا گنج بخش کے عقب کے منڈوہ میلارام میں ہوا۔ اس لیکچر کے لئے احباب لاہور نے پہلے سے اشتہار دیا تھا اور اس کا بہت چرچا تھا۔ علماء نے بھی اس دن عوام کو حضور کی تقریر سننے سے روکنے کی ہر ممکن صورت اختیار کی۔ بیرون دہلی دروازہ سے لے کر شاہ محمد غوث اور داتا گنج بخش تک راستہ میں مختلف جگہ پر جلسے ہو رہے تھے۔ غیر احمدی ٹولیاں بنا کر کھڑے تھے اور چھاتیاں پیٹتے تھے اور کہتے تھے "ہائے ہائے مرزا" مگر خدا کا فضل ایسا ہوا کہ جب حضرت اقدس فٹن پر سوار ہو کر جلسہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے تو رستہ میں جو لوگ مولویوں کی زہریلی تقریریں سن رہے تھے ان میں سے ایک کثیر تعداد حضور کے پیچھے ہولی اور جلسہ گاہ کی رونق میں اضافہ کا موجب بنی۔ [۱۶] باوجود مولویوں کی مخالفانہ کوشش کے منڈوہ میں حضرت کا لیکچر سننے کے لئے بارہ ہزار سے زائد مجمع ہو گیا۔ [۱۷]

حضرت اقدسؑ نے جلسہ اعظم مذاہب کی طرح مجمع کے سامنے لیکچر سنانے کی خدمت حضرت مولوی عبد الکریم صاحب ہی کے سپرد فرمائی۔ چنانچہ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب نے اپنے مخصوص انداز

میں یہ مضمون پڑھنا شروع کیا جو اپنے دلائل و حقائق کے لحاظ سے خود ہی بڑی جذب و کشش رکھتا تھا۔ مضمون کے پہلے حصے میں حضور نے اسلام اور دیگر مذاہب کا اس خوبی سے موازنہ فرمایا کہ زبانیں عش عش کر اٹھیں اور لفظ لفظ سے حق و صداقت کے چشمے پھوٹ پڑے۔ دوسرے حصہ میں حضور نے اپنے دعویٰ مسیحیت و مہدویت کے ثبوت میں واضح اور صاف دلائل دیتے ہوئے فرمایا کہ "اس وقت اسلامی تفرقہ کے دور کرنے کے لئے اور بیرونی حملوں سے اسلام کو بچانے کے لئے اور دنیا میں گمشدہ روحانیت کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے بلاشبہ ایک آسمانی مصلح کی ضرورت ہے جو دوبارہ یقین بخش کر ایمان کی جڑوں کو پانی دیوے اور اس طرح بدی اور گناہ سے چھوڑا کر نیکی کی طرف رجوع دیوے۔ سو عین ضرورت کے وقت میں میرا آنا ایسا ظاہر ہے کہ میں ظاہر نہیں کر سکتا کہ بجز سخت متعصب کے کوئی اس سے انکار کر سکے۔

اس لیکچر کا اختتام اس دعویٰ پر ہوا کہ میری پیشگوئیوں کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی صبر اور صدق سے سننے والا ہو تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ پیشگوئیاں اور نشان میری تائید میں ظاہر کئے گئے ہیں.... میں امید رکھتا ہوں اور یقین کامل سے کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص چالیس روز بھی میرے پاس رہے تو کوئی نشان دیکھ لے گا [۱۸]

یہ لیکچر تین گھنٹہ میں ختم ہوا۔ مولوی عبدالکریم صاحب جب لیکچر پڑھتے تھے تو لوگوں پر محویت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ اور جب دوران لیکچر میں قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو لوگ لحن داؤدی سے جھوم جاتے اور مجمع پر ایک سناٹا سا چھا جاتا۔ [۱۹]

لیکچر بخیرو خوبی ختم ہوا تو خواجہ کمال الدین صاحب نے عرض کیا کہ حضور خود بھی کچھ ارشاد فرمائیں۔ حضور نے فرمایا مجھے زکام کی تکلیف ہے۔ خواجہ صاحب نے دوبارہ سہ بارہ درخواست کی کہ جن لوگوں کا خیال ہے کہ یہ سب کچھ ہم لوگ کرتے ہیں وگرنہ آپ خود نہ کچھ بول سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں۔ [۲۰] چنانچہ حضور تقریر کے لئے اٹھے تو لوگوں نے جو اتنا عرصہ خاموش تھے چیئرز کے طور پر تالیاں بجانا شروع کر دیں اور ایک شور مچ گیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور بہت سے سپاہی جو انتظام کے لئے آئے ہوئے تھے لوگوں کو خاموش کراتے رہے مگر غوغا کسی طرح کم نہ ہوا۔ حضور تو کھڑے ہی رہے مگر مولوی عبدالکریم صاحب نے بیٹھے بیٹھے تلاوت شروع کر دی اور سورہ الفرقان کا آخری رکوع پڑھنے لگے۔ ابھی پہلی ہی آیت پڑھی کہ جلسہ میں بالکل خاموشی ہو گئی اور پہلا سا سماں بندھ گیا۔ رکوع ختم ہوا تو حضرت اقدس نے سامعین سے ایک مختصر مگر وجد انگیز خطاب فرمایا جس میں ان کا صبر و سکون سے تقریر سننے پر شکریہ ادا کرتے ہوئے انہیں اس طرف توجہ دلائی کہ مذہب تو اس لئے ہوتا ہے کہ اخلاق

وسیع کرے جیسے خدا کے اخلاق وسیع ہیں۔ پس اسی طرح حقیقی مذہب والا تنگ ظرف نہیں ہو سکتا۔ کوئی ہزاروں اسے گالیاں دے وہ اس پر پتھر نہیں برسا دیتا۔ آخر میں حضور نے یہ قیمتی نصیحت فرمائی "دل کو روشن کرو پھر دوسروں کی اصلاح کے لئے زبان کھولو۔ اس ملک کی شائستگی اور خوش قسمتی کا زمانہ تب آئے گا جب نرمی زبان نہ ہو گی بلکہ دل پر دار و مدار ہو گا۔ پس اپنے تعلقات خدا تعالیٰ سے زیادہ کرو۔ یہی تعلیم سب نبیوں نے دی ہے اور یہی میری نصیحت ہے" [۲۱]

سٹیج پر جہاں حضور نے کھڑے ہو کر تقریر شروع فرمائی تھی۔ اس بات سے خوش ہو کر لوگوں نے میری بات سن لی ہے۔ آپ خوشی میں تقریر کرتے کرتے کوئی پانچ چھ قدم آگے بڑھ آئے تھے۔ [۲۲] اس موقعہ پر ایک نہایت عجیب واقعہ یہ ہوا کہ شیخ رحمت اللہ صاحب وکیل (جو غیر احمدی تھے اور اس جلسہ میں موجود تھے) کہتے ہیں کہ میں نے دوران تقریر میں دیکھا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے سر سے نور کا ایک ستون نکل کر آسمان کی طرف جا رہا تھا۔ اس وقت میرے ساتھ ایک اور دوست بھی بیٹھے ہوئے تھے میں نے ان سے کہا دیکھو وہ کیا چیز ہے۔ وہ دیکھتے ہی پکار اٹھے کہ یہ نور ہے جو حضرت مرزا صاحب کے سر سے نکل کر آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔ اس نظارہ کا شیخ صاحب پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے اسی دن حضرت اقدس کی بیعت کر لی۔ [۲۳]

حضرت اقدسؑ کا تحریری لیکچر پہلے ہی ایک رسالہ کی شکل میں میاں معراج الدین صاحب عمر سیکرٹری انجمن فرقانیہ و حکیم شیخ نور محمد صاحب مالک ہمدم صحت لاہور نے رفاہ عالم سٹیم پریس لاہور سے شائع کر دیا تھا۔ [۲۴] اور زبانی تقریر انہی دنوں الحکم میں چھپ گئی تھی۔

میاں عبدالعزیز صاحب المعروف مغل کا چشم دید بیان ہے کہ جلسہ سے واپسی پر راستہ میں میں نے دیکھا کہ مولوی غلام اللہ قصوری صاحب (متوفی ۱۹۲۲ء) جو کہ سفید ریش تھے ایک جگہ وعظ کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں ایک دفعہ مرزا صاحب کے پاس گیا۔ وہ چونکہ حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے میں نے ان کو جاتے ہی کہا کہ اگر آپ اس حجرے سمیت آسمان پر چلے جائیں پھر بھی میں آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا۔ [۲۵]

بہر حال مخالفت کی اس شدت کے باوجود حضور کا یہ چوتھا لیکچر نہایت کامیاب ہوا اور آپ ہزاروں سعید روحوں تک پیغام حق پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔ انہی دنوں کا ذکر ہے کہ ایک سبز پوش فقیر نے اصرار کیا کہ آپ مجھے لکھ دیں کہ جو کچھ آپ نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے سب سچ ہے۔ حضور نے فرمایا ایک ہفتہ بعد آؤ ہم لکھ دیں گے۔ جب ایک ہفتہ کے بعد وہ آیا تو حضور نے یہ الفاظ لکھ کر اور اپنی مہر لگا کر اسے دیئے۔

"میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر جو جھوٹوں پر لعنت کرتا ہے یہ گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ میں نے دعویٰ کیا ہے یا جو کچھ اپنے دعویٰ کی تائید میں لکھا ہے یا جو میں نے الہام الٰہی اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں وہ سب صحیح ہے سچ ہے اور درست ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ الراقم خاکسار مرزا غلام احمد (مہر)" [۲۶]

واپسی حضرت اقدسؑ نے لاہور میں ۲۰/ اگست ۱۹۰۴ء سے ۳/ ستمبر ۱۹۰۴ء تک قیام فرمایا ۵/ ستمبر کو چونکہ مقدمہ کرم الدین کے سلسلہ میں گورداسپور کی عدالت میں پیشی تھی اس لئے حضور ۴/ ستمبر [۲۷] کو لاہور سے روانہ ہو کر گورداسپور تشریف لے گئے۔

بہائی مبلغ حکیم میرزا محمود صاحب زرقانی اور بہائی دنیا پر اتمام حجت

بابی و بہائی تحریک ایک ایرانی سید علی محمد باب (۱۸۱۹ء تا ۱۸۵۰ء) نے جو شیعوں کے فرقہ شیخیہ کا ایک فرد تھا۔ ۲۳/ مئی ۱۸۴۴ء کو دعویٰ کیا کہ میں امام مہدی کا باب یعنی دروازہ [۲۸] ہوں۔ اور تعلیم دینی شروع کی کہ گردنیں اڑا دی جائیں۔ کتابیں اور اوراق جلا دیئے جائیں۔ مقامات منہدم کر دیئے جائیں اور ایمان لانے اور تصدیق کرنے والوں کے سوا قتل عام کر دیا جائے۔ [۲۹]

باب کی تعلیم کے نتیجہ میں ملک میں بدامنی اور انتشار پیدا ہو گیا جس پر حکومت ایران نے قیام امن کی خاطر اس پر بعض پابندیاں عائد کر دیں۔ باب نے ۱۳/ ستمبر ۱۸۴۶ء کو مسجد میں علماء کے مطالبہ کے مطابق اپنے دعویٰ سے توبہ کا اعلان کیا۔ [۳۰] اور علماء کی دستِ بوسی کی نیز ناصر الدین شاہ ایران کو تحریری توبہ نامہ ارسال کیا مگر خود باب کے معتقدوں نے حکومت کے خلاف شدت سے ٹکر لینا شروع کر دی۔ حکومت نے بالآخر باب کو ماکو میں نظر بند کر دیا۔ بابی یہ صورت حال دیکھ کر صحرائے بدشت میں جمع ہوئے اور انہوں نے ایک تو ماکو میں پہنچ کر باب کو بزور رہا کرنے کا فیصلہ کیا دوسرے تجویز کی کہ اسلامی شریعت کی تنسیخ کا اعلان کر دیا جائے۔ چنانچہ کتاب "اقتدار" میں لکھا ہے کہ "اگر اعتراض و اعراض اہل فرقان نبود ہر آئینہ شریعت فرقان دریں ظہور نسخ نمے شود۔" [۳۱] یعنی اگر اہل اسلام باب سے اعتراض و اعراض نہ کرتے تو اسلامی شریعت ہرگز منسوخ نہ کی جاتی۔

قرآن مجید کی تنسیخ کے اعلان کے بعد سید علی محمد باب نے قلعہ ماکو میں ایک نئی شریعت لکھنی شروع کر دی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اپنی شریعت کو انیس حصوں پر تقسیم کرے گا اور ہر حصے میں انیس باب لکھے گا۔ [۳۲] مگر ابھی اس نے صرف آٹھ حصے ہی مکمل کئے تھے کہ حکومت ایران نے ۹/ جولائی

۱۸۵۰ء [۲۳] کو علماء کے فتویٰ اور سیاسی حالات کے تحت باب کو تبریز کے میدان میں گولی سے اڑا دیا۔
سید علی محمد بابؔ کی ناکام موت کے کافی عرصہ بعد اس کے پیروؤں میں سے ایک شخص میرزا حسین علی (المعروف بہاء اللہ ۱۸۱۷ء۔ ۱۸۹۲ء) نے ایک نئی شریعت اختراع کی جو کتاب "اقدس" میں درج ہے۔ "اقدس" کی اشاعت نہ بہاء اللہ کے وقت میں ہوئی اور نہ اس کے بعد آج تک بہائیوں نے اپنی ذمہ داری پر اسے شائع کیا ہے بلکہ بہاء اللہ کے بیٹے عبدالبہاء نے "اقدس" کی اشاعت کی ممانعت کرتے ہوئے یہ ہدایت بھی دی کہ "کتاب اقدس اگر طبع شود۔ نشر خواہد شد در دست اراذل متعصبین خواہد افتاد و لہٰذا جائز نہ [۲۴] یعنی کتاب اقدس اگر چھپ گئی تو پھیل جائے گی اور کمینے متعصب لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی اس لئے اس کا چھپوانا جائز نہیں۔

میرزا محمود زرقانی کی خلاف عقل و فہم دعوت مباحثہ

بابی اور بہائی تحریک کے مختصر تعارف کے بعد اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام جن دنوں لاہور تشریف لائے لاہور میں ایک بہائی مبلغ میرزا محمود صاحب زرقانی بھی آئے ہوئے تھے۔ یہ صاحب ایک ہفتہ تک بالکل خاموش رہے مگر جب (گورداسپور کی عدالتی کارروائی میں شامل ہونے کے لئے) حضورؑ کی روانگی کا وقت قریب آیا تو انہوں نے بہاء اللہ کو مدعی مسیحیت کے طور پیش کر کے حضور کو دعوت مباحثہ دے دی۔

ضمناً یہ بتانا مناسب ہو گا کہ مباحثہ کی یہ دعوت سراسر خلاف عقل و فہم تھی۔ بہاء اللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابل میدان مسیحیت میں پیش ہی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ (۱) وہ ایک ایسے شخص کے مہدی ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا جس کا جھوٹا اور مفتری ہونا واقعات نے ثابت کر دکھایا (۲) وہ مسیح الاسلام نہیں تھا بلکہ ناسخ الاسلام تھا۔ حالانکہ خود بہائیوں نے یہ حدیث پیش کی ہے کہ "یُقِیْمُ الدِّیْنَ وَ یُنْفِخُ الرُّوْحَ فِی الْاِسْلَامِ یُعِزُّ اللّٰہُ بِہِ الْاِسْلَامَ بَعْدَ ذِلَّتِہٖ وَ یُحْیِیْہِ بَعْدَ مَوْتِہٖ" [۲۵] یعنی مہدی دین کو قائم کرے گا اور اسلام میں نئی روح پھونکے گا اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے اسلام کو ذلت کے بعد عزت اور موت کے بعد زندگی عطا کرے گا۔ (۳) بہاء اللہ نہ صرف یہ کہ لفظی الہام کا قائل [۲۶] نہ تھا جس کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام قائل تھے بلکہ وہ اپنے کلام کو ہی خدا کا کلام قرار دیتا تھا۔ گویا وہ خود ہی مدعی الوہیت تھا۔ (۴) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کی طرح اس کی کتاب "الاقدس" وغیرہ کی بھی کبھی عام اشاعت نہیں ہوئی نہ اس کی اشاعت کی اجازت دی گئی۔ (۵) یہ فتنہ بدشت سے شروع ہوا جو علاقہ خراسان [۲۷] میں واقع ہے اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا۔ "اَلدَّجَّالُ یَخْرُجُ مِنْ اَرْضٍ بِالْمَشْرِقِ یُقَالُ لَهَا خُرَاسَانَ۔" [۲۸] یعنی دجال مشرق کی سرزمین

سے جسے خراسان کہا جاتا ہے خروج کرے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے آسان طریق فیصلہ

اس ضمنی بحث کے بعد اب ہم پھر اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں۔ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ حکیم مرزا محمود صاحب زرقانی مبلغ بہائیت نے ایسے وقت میں جب کہ حضور لاہور سے واپس جانے والے تھے مباحثہ کی دعوت دی۔ اس دعوت کا علم حضورؑ کو ۲/ ستمبر کو ہوا۔ اگلے دن ۳/ ستمبر کو حضور کا پبلک لیکچر پہلے ہی مقرر تھا اور ۴/ ستمبر کو گورداسپور کی عدالت میں آپ کی پیشی تھی۔ ان حالات میں زرقانی صاحب کی دعوت مباحثہ تحقیق حق کی غرض سے نہیں ہو سکتی تھی تاہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حق و باطل میں امتیاز کے لئے یہ آسان طریق ان کے سامنے رکھا کہ کل ۳/ ستمبر کو جو جلسہ میں میرا مضمون پڑھا جائے گا وہ مضمون ایڈیٹر صاحب پیسہ اخبار بتمام و کمال شائع کر دیں۔ حکیم صاحب (مراد زرقانی صاحب۔ ناقل) موصوف سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس مضمون کے مقابلہ میں اسی اخبار میں اپنا مضمون شائع کرا دیں اور پھر خود پبلک ان دونوں مضمونوں کو پڑھ کر فیصلہ کرلے گی کہ کس شخص کا مضمون راستی پر اور سچائی اور دلائل قویہ پر مبنی ہے اور کس شخص کا مضمون اس مرتبہ سے گرا ہوا ہے۔ میری دانست میں یہ طریق فیصلہ ان بد نتائج سے بہت محفوظ ہو گا جو آج کل زیادہ متوقع ہیں بلکہ چونکہ اس طرز میں روئے کلام حکیم صاحب کی طرف نہیں نہ ان کی نسبت کوئی تذکرہ ہے اس لئے ایسا مضمون ان رنجشوں سے بھی برتر ہو گا جو باہم مباحثات سے کبھی کبھی پیش آجایا کرتے ہیں۔" ۲۹۵

لیکچر لاہور میں اسلام کی حقانیت کے دلائل

چنانچہ اس اعلان کے مطابق حضور نے دوسرے روز ایک معرکتہ الآراء لیکچر دیا جس میں بہائیت کا آپ نے گو نام لینے کی ضرورت نہیں سمجھی مگر اس میں اسلام کی حقانیت اور اپنے دعویٰ کی سچائی پر ایسے زبردست نکات سامنے رکھ دیئے کہ بہائی دنیا اور دیگر مذاہب آج تک اس کا جواب لانے سے قاصر ہیں۔ مثلاً آپ نے ثابت کیا کہ (۱) اسلام کی سچائی کی دلیل یہ ہے کہ اس نے توحید حقیقی اور خدا کے حقیقی حسن کا نقشہ ایسا کھینچا ہے جو کسی اور مذہبی کتاب میں نہیں۔ (۲) سچا مذہب وہی ہے جو مکالمہ مخاطبہ تک پہنچائے اور اس کے ماننے والوں پر فرشتوں کا نزول ہو۔ اور یہ خصوصیت اسلام کی برکت سے مجھے حاصل ہوئی ہے اس لئے میں مسیح موعود ہوں اور خدا کے شرف مکالمہ مخاطبہ سے سرفراز۔ (۳) کامل تعلیم صرف قرآن نے دی ہے۔ (۴) جب سے خدا نے مجھے دنیا میں مامور کر کے بھیجا ہے اس وقت سے دنیا میں ایک انقلاب عظیم برپا ہو رہا ہے۔ یورپ اور امریکہ میں جو حضرت

عیسیٰ کی خدائی کے دلدادہ تھے اب آہستہ آہستہ خود بخود اس عقیدہ سے علیحدہ ہوتے جاتے ہیں۔ (۵) خدا تعالیٰ نے میرے لئے رمضان میں مقررہ تاریخوں میں چاند سورج کے گرہن کا نشان دکھایا اور اس کے بعد سچائی کے ثبوت میں طاعون کا عذاب نازل ہوا۔ (۶) میری پیدائش چھٹے ہزار کے آخر میں ہوئی ہے جو میری صداقت پر برہان عظیم ہے۔ (۷) آیت انا نحن نزلنا الذکر میں مسیح الاسلام کی پیشگوئی تھی جس کے مطابق میں آگیا۔ (۸) مجھے ربع صدی سے مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہونے کا دعویٰ ہے۔ میں نے وہ الہام قبل از وقت اپنی کتابوں میں دنیا کے سامنے شائع کئے اور ان میں سے متعدد آج تک پورے ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں ان الہامات کے بعد سے اس وقت تک خدا کی تائید میرے شامل حال ہے جو میرے خدا کی طرف سے ہونے کا ثبوت ہے۔ (۹) حضرت مسیح علیہ السلام حقیقت میں فوت شدہ ہیں اور ضروری تھا کہ سورہ تحریم کی پیشگوئی کے مطابق اس امت میں سے ابن مریم پیدا ہو۔ چنانچہ میرے ذریعہ سے یہ وعدہ پورا ہوا اور میرا نام عیسیٰ رکھا گیا جو میری صداقت کا واضح ثبوت ہے۔

مرزا محمود زرقانی کی طرف جوابی مضمون اور حق کی فتح

قرآن مجید کے کامل شریعت اور حضور کے دعویٰ کی سچائی کے ان زبردست دلائل کے جواب میں مرزا محمود صاحب زرقانی نے ایک بے ہنگم سا مضمون "پیسہ" اخبار (۱۵/ نومبر ۱۹۰۴ء) میں شائع کرایا جس میں انہوں نے ان دلائل کا رد کرنا تو کجا اکثر کو چھوا تک نہیں۔ البتہ دو تین پیشگوئیاں بہاء اللہ کی طرف منسوب کیں جو خود محتاج ثبوت تھیں۔

زرقانی صاحب نے اپنے جواب میں سب سے زیادہ زور اس امر پر دیا کہ بہاء اللہ کا ظہور مرزا صاحب سے پہلے ہے اس لئے انہی کو سچا مدعی کہنا چاہیے [۶۱] مگر اس کی تردید انہوں نے اپنے قلم سے یوں کر دی کہ "جب حق کے ظہور فرمانے کا زمانہ نزدیک ہوا تو ہندوستان اور دوسرے ملک اور اقلیموں میں بہت سے جھوٹے مدعی... کھڑے ہوئے" [۶۲] جس کا صاف نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو مدعی سچے سے پہلے دعویٰ کرے وہ بہرحال جھوٹا ہی ہوتا ہے۔

دہلی میں حضور کے ایک خادم کی دعوت مباحثہ اور مرزا محمود زرقانی کا گریز

مرزا محمود صاحب زرقانی لاہور کے بعد کلکتہ بمبئی، رنگون، راولپنڈی اور سیالکوٹ وغیرہ کئی شہروں میں مقیم رہ کے بالآخر ۱۹۰۶ء میں دہلی گئے تو حضرت مسیح موعود کے ایک مخلص خادم میر قاسم علی صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ دہلی نے ان کو مباحثہ کا چیلنج دیا۔ مولوی عبدالمجید صاحب دہلوی نے اس کے لئے مکان زینت محل تجویز کیا اور حفظ امن کی خود ذمہ داری اٹھائی اور کہا کہ فریقین مباحثہ کی شرائط طے کر لیں جب تصفیہ ہو چکے تو مجھے اس

کی اطلاع کر دی جائے میں اس کا اعلان شائع کردوں گا۔ زرقانی صاحب نے اصرار کیا کہ تعیین یوم و مکاں میری رائے پر منحصر ہے۔ میر صاحب نے یہ بات بھی قبول کرلی اور آخر بڑی ردوقدح کے بعد ۲۵ / جولائی ۱۹۰۶ء کو مغرب کے بعد کا وقت مباحثہ کے لئے مقرر ہوا۔ مقام مناظرہ مولوی عبد الحق صاحب دہلوی مولف تفسیر حقانی کا مکان تجویز کیا گیا۔ شرائط مباحثہ کے لئے فریقین ۲۵ اور ۲۶ جولائی ۱۹۰۶ء کو مولوی عبد الحق صاحب حقانی کے مکان پر جمع ہوئے۔ حکیم رضی الدین صاحب خلف الرشید حکیم ظہیر الدین خاں آنریری مجسٹریٹ دہلی نے یہ تجویز پیش کی کہ اس وقت شرائط طے کرلی جائیں۔ میر قاسم علی صاحب نے اس تجویز سے پورا پورا اتفاق ظاہر کیا اور کہا کہ میں تو جملہ شرائط لکھ کر پہلے ہی دے چکا ہوں۔ ان شرائط کی روشنی میں تصفیہ ہو جائے اور زور دیا کہ مرزا محمود صاحب زرقانی اپنا دعویٰ پیش کریں۔ لیکن زرقانی صاحب نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا میں اپنا دعویٰ پیش نہیں کروں گا۔ حکیم رضی الدین صاحب نے بہتیرا سمجھایا کہ زرقانی صاحب ایران سے محض اسی غرض کے واسطے ہندوستان تشریف لائے ہیں کہ اہل ہند کو اپنا مذہب سنا کر منوائیں۔ پس ان کو علی الاعلان اپنے دعاوی و دلائل کا بیان کرنا ضروری ہے۔ اور ہر شخص کو اس پر جرح کا حق دینا انصاف پر مبنی ہے لیکن زرقانی صاحب کسی طرح تیار نہ ہوئے اور مجلس برخاست ہو گئی۔ چند دن بعد میر قاسم علی صاحب میرزا محمود صاحب زرقانی کو دوبارہ ملے اور کہا کہ آپ اگر گفتگو کرنے سے ڈرتے ہیں تو کم از کم کسی جلسہ میں اپنے دعاوی و دلائل و عقائد بیان کر دیں یا اپنے مذہب کی کوئی کتاب ہمیں قیمتاً ہی دے دیں اگر آپ کے پاس کتاب نہیں تو ہم کو پتہ لکھ دیجئے ہم وہ کتابیں خود منگالیں گے مگر زرقانی صاحب نے جواب دیا کہ جلسہ دہلی میں نہیں ہو سکتا کیونکہ ٹاؤن ہال میں اجازت جلسہ ملنی مشکل ہے اور دوسری جگہ جلسہ کرنا مجھے منظور نہیں ہے۔ کتب مذہبی میرے پاس نہیں نہ کوئی ایسی جامع کتاب ہے جس میں ہمارے مذہبی دعاوی و دلائل جمع ہوں۔ [۶۴]

بہائیت کے متعلق مضامین

۱۹۰۸-۷ء میں بابی اور بہائی مذہب کے متعلق ریویو آف ریلیجنز اردو و انگریزی میں متعدد مفصل مضامین شائع ہوئے جن سے اس نام نہاد مذہب کی حقیقت بالکل نمایاں ہو گئی اس طرح خود سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی اس کے علمبرداروں پر ہر طرح حجت پوری کر دی گئی۔

سفر سیالکوٹ

قیام لاہور کے دوران میں جماعت سیالکوٹ نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے سیالکوٹ تشریف لے جانے کے لئے عرض کیا۔ حضور نے یہ درخواست منظور فرمائی اور جماعت کے دوستوں نے نہایت مستعدی اور کمال جوش کے ساتھ سیالکوٹ میں جاکر مکانات وغیرہ کا انتظام شروع کر دیا۔ مقدمات سے فرصت پاکر حضور قادیان تشریف لے گئے تو میاں محمد رشید صاحب جماعت سیالکوٹ کی طرف سے بطور نمائندہ سفر سیالکوٹ کی تاریخ کی تعیین کی غرض سے قادیان گئے۔ حضور کی طبیعت ان دنوں کچھ ناساز تھی اس لئے فرمایا کہ دو چار روز کے بعد جواب دوں گا۔ حضور کا منشاء استخارہ مسنونہ کا بھی تھا۔ آخر ۲۷/ اکتوبر ۱۹۰۴ء کی صبح تاریخ روانگی مقرر ہوئی۔ حضور نے روانگی کے لئے ایک ایسی گاڑی تجویز فرمائی جو رات کو سیالکوٹ پہنچتی تھی ادھر جماعت سیالکوٹ کی یہ خواہش تھی اور اس کے اظہار کے لئے انہوں نے کارڈ کے علاوہ ایک اور خاص آدمی بھی بھیجا کہ حضور کا داخلہ شہر سیالکوٹ میں دن کے وقت ہو اس لئے حضور ایسی گاڑی میں آئیں جو دن کو داخل ہو۔ مقصود یہ تھا کہ رات کو کثرت انبوہ میں انتظامی مشکلات نہ ہوں۔ دوسرے حضور کی زیارت کے مشتاق کثرت کے ساتھ سیالکوٹ میں جمع ہونے والے تھے اور کل شہر اس بابرکت دن کا انتظار کر رہا تھا اس لئے دن کو یہ نظارہ دوسروں پر اثر انداز ہو سکتا تھا۔ کوئی دنیوی جاہ و حشم یا استقبال و نمائش کا بھوکا ہوتا یا گدی نشین ہوتا تو اس رائے کو پسند کرتا مگر خدا کے اس برگزیدہ نے جو محض اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں ہی لذت و ذوق پاتا تھا اس صورت کے لئے تیار نہ ہوا اور حضور نے اپنے پروگرام میں کسی قسم کی ترمیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے اسی گاڑی سے سیالکوٹ جانے کا فیصلہ فرمایا جو رات کو وہاں پہنچتی تھی

روانگی از قادیان

تاریخ طے پا چکی تو سفر کے انتظام کے متعلق مختلف احباب کو مختلف خدمات سپرد کی گئیں۔ چنانچہ مفتی محمد صادق صاحب گاڑی کے ریزرو کرانے اور سواری کا انتظام کرنے پر مامور ہوئے اور مرزا خدا بخش صاحب مصنف "عسل مصفی" منتظم اسباب

بنے۔

مقررہ پروگرام کے مطابق حضور ۲۷/ اکتوبر ۱۹۰۴ء کی صبح کو ۴ بجے کے قریب دارالامان سے روانہ ہوئے۔ اس وقت کا نظارہ ایک نہایت ایمان افروز اور قابل دید نظارہ تھا۔ قادیان کے قریباً تمام احمدی حاضر تھے۔ کچھ تو حضور کی مشایعت کے لئے اور کچھ حضور کے ہمراہ جانے کے لئے۔ مدرسہ کے بہت سے طلبہ اور استاد اور بہت سے دیگر دوست بٹالہ تک حضور کے ہمراہ چلنے پر آمادہ تھے۔ بہرحال ۴ بجے کے قریب حضور علیہ السلام اپنے خدام کے حلقہ میں دارالامان سے روانہ ہوئے۔ ایک درجن سے زیادہ یکے ساتھ تھے اس سفر میں حضور کے ہمراہ حضرت ام المومنین علیہا السلام اور آپ کے خاندان کے دوسرے افراد بھی تھے اس لئے رتھ کے علاوہ پالکی بھی ساتھ تھی۔ حضرت اقدسؑ نے نصف راستہ پالکی میں طے کرلینے کے بعد پاپیادہ سفر اختیار فرمایا اور خدام کے ایک بہت بڑے مجمع کے ساتھ پیدل چلتے ہوئے آٹھ بجے کے قریب بٹالہ پہنچے۔

بٹالہ اسٹیشن

بٹالہ اسٹیشن سے سیالکوٹ تک ایک سیکنڈ کلاس اور ایک تھرڈ کلاس ڈبہ ریزرو کرایا گیا تھا۔ بٹالہ اسٹیشن پر جماعت بٹالہ نے شرف نیاز حاصل کیا۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ کوئی محنت و تکلیف اٹھائے بغیر کمال حاصل ہو جائے۔ اس پر حضور نے بڑا لطیف جواب دیا اور بتایا کہ حصول کمال کے لئے مجاہدہ شرط ہے۔ اس قسم کے ذکرواذکار اور خدام کی ملاقات میں گاڑی کا وقت آپہنچا۔ دس بجے کے قریب گاڑی نے روانگی کا وسل دیا۔ پلیٹ فارم پر خاصہ اژدہام تھا۔ قادیان کی جماعت جو حضور کو اسٹیشن تک چھوڑنے آئی تھی واپس روانہ ہوئی اور چند ہی منٹ کے اندر گاڑی اسٹیشن سے نکل کر آخر ان کی نظر سے غائب ہو گئی اور خدا کا محبوب امرتسر کی طرف روانہ ہوا۔

امرتسر ریلوے اسٹیشن

بٹالہ سے گاڑی روانہ ہو کر درمیانی سٹیشنوں سے گزرتی ہوئی گیارہ بجے کے قریب امرتسر پہنچی۔ گاڑی کے پہنچتے ہی ہر طرف سے لوگ دوڑتے ہوئے سامنے آکھڑے ہوئے۔ موافق تو موافق مخالف بھی کھچے چلے آتے تھے حتی کہ خود جماعت امرتسر کو مصافحہ کرنا مشکل ہو گیا۔ اس مقام پر چند دوستوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میں شامل ہونے کا شرف بھی حاصل کیا۔ جماعت امرتسر نے حضور اور حضور کے خدام کے لئے گاڑی میں ہی کھانا پیش کیا۔ اس دعوت کے لئے انہوں نے حضور سے پہلے ہی منظوری لے رکھی تھی۔ ۱۲ بجے کے قریب گاڑی نے امرتسر اسٹیشن چھوڑا اور بہت سی روحوں کو شوق زیارت میں مضطرب چھوڑ کر آگے نکل گئی۔

اٹاری اسٹیشن اس دن ریلوے لائن کے اردگرد کے دیہات میں خود بخود ایسی رو چلی ہوئی تھی کہ ہر معمولی اسٹیشن پر زائرین کا ہجوم ہوتا تھا چنانچہ اٹاری اسٹیشن پر بھی غیر معمولی مجمع تھا۔ اٹاری کے احمدی بھائیوں نے اپنے سید و مولیٰ امام کے حضور دودھ پیش کیا اور ساتھ ہی ٹکٹ لے کر خود بھی سوار ہو گئے۔

میاں میر اسٹیشن ایک بجے کے بعد گاڑی میاں میر اسٹیشن پر پہنچی۔ اٹاری کی جماعت یہاں اتر کر دوسری گاڑی میں واپس ہوئی۔ یہاں بھی بعض مخلصین زیارت سے مشرف ہوئے۔

لاہور اسٹیشن لاہور ریلوے اسٹیشن پر اس کثرت سے اژدہام تھا کہ وہاں کے پیسہ اخبار کو بھی مخالفت کے باوجود اس کا اعتراف کرنا پڑا۔ حالانکہ بہت سے لوگوں کو اندر آنے سے روکا گیا اور پلیٹ فارم ٹکٹ بھی بند کر دئے گئے۔ یہاں چونکہ گاڑی کو ذرا زیادہ دیر تک ٹھہرنا تھا اس لئے لاہور کی احمدی جماعت کو ملاقات کا اچھا موقع میسر آیا۔ ۲ بجے کے قریب لاہور اسٹیشن کو بھی الوداع کہا۔

گوجرانوالہ اسٹیشن گاڑی بادامی باغ سے ہوتی ہوئی بالآخر گوجرانوالہ پہنچی۔ یہاں بھی حضور کے استقبال کے لئے کثیر تعداد میں لوگ موجود تھے جن کی تعداد سات آٹھ سو سے کم نہ تھی۔ احمدی احباب نے مصافحہ کیا۔ وقت معینہ پر گاڑی گوجرانوالہ سے چل کے گکھڑ آئی۔ اس جگہ بھی پچاس سے زیادہ احباب شوق زیارت میں آئے ہوئے تھے۔ جس ذوق و شوق اور جوش و اخلاص سے یہ لوگ آتے اور گاڑی کی طرف لپکتے اور دوڑتے تھے وہ دیکھنے کی چیز تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد گاڑی وزیر آباد کھڑی ہو گئی۔

وزیر آباد اسٹیشن وزیر آباد جنکشن ہے جہاں سے سیالکوٹ کی طرف گاڑی جاتی ہے۔ سیالکوٹ یہاں سے قریباً ایک گھنٹہ کی مسافت پر ہے۔ وزیر آباد اسٹیشن پر بھی اس کثرت سے مجمع زائرین موجود تھا کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی کیونکہ مقامی جماعت تو بہت تھوڑی تھی اور حافظ عبد المنان صاحب جیسے مخالف سلسلہ یہاں موجود تھے مگر اس کے باوجود لوگوں کے اشتیاق کا یہ عالم تھا کہ جب حضور کی ریزرو گاڑیوں کو کاٹ کر سیالکوٹ جانے والی ٹرین کے ساتھ لگانے کے لئے دور نالہ پلکھو کے پل تک لے جانا پڑا تو ریزرو گاڑی کے ساتھ ساتھ دونوں طرف مخلوقات دیوانہ وار بھاگتی چلی گئی۔ آخر حضور کی ریزرو گاڑیاں سیالکوٹ ٹرین سے لگا دی گئیں اور لوگوں کا ہجوم بدستور رہا۔ وزیر آباد کے احباب جماعت نے حضور اور حضور کے ہمراہیوں کی سوڈا واٹر سے تواضع

کی۔ گاڑی کافی دیر ٹھہرنے کے بعد سیالکوٹ کی طرف روانہ ہو گئی چونکہ کثرت مخلوق اور ہجوم میں بہت سے لوگوں کو حضرت اقدسؑ سے مصافحہ کرنے کا شرف نہ مل سکا اس لئے اکثر احباب ساتھ ہی گاڑی میں سوار ہو گئے اور سیالکوٹ اور وزیر آباد کے درمیان اسٹیشنوں پر جہاں جہاں جس کو موقع ملا اس سعادت سے بہرہ اندوز ہوا۔

سیالکوٹ میں ورود

آخر گاڑی سوہدرہ اور دوسرے اسٹیشنوں سے ہوتی ہوئی سیالکوٹ اسٹیشن پر چھ بجے کے بعد پہنچی جب کہ آفتاب غروب ہو چکا تھا اور تاریکی اپنا اثر سطح زمین پر ڈال رہی تھی۔ ایسے وقت میں لوگوں کا اسٹیشن پر پہنچنا بڑا مشکل تھا اور اسی لئے جماعت سیالکوٹ نے صبح کی گاڑی کا پروگرام تجویز کیا تھا۔ سیالکوٹ کے علماء ایک ہفتہ سے وعظ کر رہے تھے کہ کوئی شخص مرزا صاحب کو دیکھنے کے لئے اسٹیشن پر نہ جائے ورنہ اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی لیکن ان مخالفتوں اور سراسر ناموافق حالات کے باوجود سیالکوٹ کے لوگ ایسے کھینچے گئے کہ رک سکتے ہی نہیں تھے۔ جس طرف نظر جاتی تھی آدمی ہی آدمی دکھائی دیتے تھے جو حضرت اقدسؑ کے جذب و کشش اور راستبازی اور حقانیت کا ایک عظیم الشان ثبوت تھا۔ اسٹیشن پر اس قدر انبوہ تھا کہ اگر مقامی حکام اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کی طرف سے امن کا تسلی بخش انتظام نہ کیا جاتا تو کئی حوادث کا ہونا بالکل ممکن تھا۔ آنریری مجسٹریٹ سیالکوٹ سردار محمد یوسف صاحب خاص طور پر شکریہ کے مستحق تھے کہ وہ ہمہ تن انتظام میں مصروف رہے۔ مقامی جماعت نے اس پلیٹ فارم پر جہاں ریزرو گاڑیاں کھڑی ہوئیں (اور جو احاطہ اسٹیشن کے دوسری طرف سرائے مہاراجہ صاحب جموں و کشمیر کے متصل لب سڑک واقع ہے) روشنی کا عمدہ انتظام کر رکھا تھا۔ حضور کی آمد پر بطور خیر مقدم مہتابیاں بھی چھوڑی گئیں۔

شہر کی طرف روانگی کا نظارہ

پلیٹ فارم کا ریزرو گاڑی والا حصہ بالکل خالی کرا لیا گیا اور عین گاڑی کے دروازے پر حضور کی سواری کے لئے گاڑی لا کر کھڑی کر دی گئی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت ام المومنینؓ اور دوسرے افراد خاندان جدا جدا گاڑیوں میں سوار ہو گئے اور یہ شاندار جلوس پولیس اور مقامی حکام کے انتظام کے ساتھ شہر کی طرف روانہ ہوا۔ گاڑیوں کے آگے مہتابیاں چھوڑی جاتی تھیں۔ اسٹیشن سے فرودگاہ تک دکانوں، مکانوں کی چھتوں اور بازار میں آدم زاد کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ خدا کا جری ایک کھلی گاڑی میں بیٹھا ہوا اس انبوہ و اژدہام میں جا رہا تھا اور لوگ اس کے دیدار کے لئے بھاگے جا رہے تھے۔ اور یہ عجیب بات تھی کہ بعض لوگ باوجودیکہ وہ مخالف تھے محض زیارت کے لئے یہ کہتے تھے کہ ہم تو مرید

ہیں ہمیں نہ ہٹاؤ۔

فرودگاہ

حضور کے قیام کے لئے جناب حکیم میر حسام الدین صاحب کا ایوان تجویز ہوا۔ چنانچہ حضور وہیں فروکش ہوئے۔ یہ وہی محلہ تھا جس میں حضور انتہائی گمنامی کی حالت میں قریباً چالیس برس پیشتر زمانہ ملازمت کے دوران قیام پذیر رہے۔ حضور کے علاوہ باقی خدام اور مہمانوں کے لئے حکیم صاحب کے محلہ میں کچھ ایسے انداز سے ملتے جلتے مکان خالی کرائے گئے تھے کہ وہ سارا محلہ جہاں یہ مہمان فروکش تھے ایک محلہ کی بجائے ایک ہی مکان کا حکم رکھتا تھا۔

جماعت سیالکوٹ کی وسیع پیمانے پر مہمان نوازی

اس موقعہ پر جماعت سیالکوٹ نے حضور کے اس تاریخی سفر کے موقعہ پر مہمانوں کی آمد کا اندازہ کر کے بڑے وسیع پیمانے پر مہمان نوازی کا انتظام کر رکھا تھا اور حضور اور حضور کے مہمانوں کی تواضع' دل جوئی اور آرام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے گھر مہمانوں کے لئے خالی کر دیئے۔ ہر مکان میں ضروری سامان پہلے سے مہیا کر دیا۔ کوئی کمرہ یا کوٹھری ایسی نہ تھی جس میں روشنی اور پانی کا کافی انتظام نہ ہو۔ بیماروں کے لئے الگ کھانا تیار ہوتا تھا۔ بازار میں عطاروں کی دکانیں مخصوص کر دی تھیں جہاں سے مریض ہر وقت جو دوا چاہیں مفت لے سکتے تھے۔ حضور کے تشریف لاتے ہی مہمانوں کی کثرت بڑھتی گئی اور ہر آنے والی ٹرین مہمانوں کی ایک معقول تعداد لانے کا موجب بن رہی تھی مگر اہل سیالکوٹ کی میزبانی میں کوئی فرق نہیں آیا وہ برابر اھلا و سھلا و مرحبا کہنے کو تیار تھے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی تقریر ۲۸/ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو جمعہ کے بعد

۲۸/ اکتوبر کو جمعہ تھا۔ اس دن لوگ نہایت کثرت سے اس مسجد میں جو حضورؑ کی فرودگاہ سے بالکل ملی ہوئی تھی اور میر حکیم حسام الدین صاحب کی مسجد کہلاتی ہے وقت مقررہ سے پہلے ہی جمع ہو گئے۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے (جو کئی دن قبل ہی سیالکوٹ میں تشریف لے آئے تھے) سورہ جمعہ پر خطبہ پڑھا اور نماز جمعہ پڑھائی۔ نماز جمعہ کے بعد بہت سے اصحاب نے بیعت کی۔ یہ ناممکن تھا کہ سب لوگ حضور کے دست مبارک پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرتے اس لئے بارہ پگڑیاں مختلف سمتوں میں ڈال دی گئیں۔ اس طرح مختلف جماعتوں نے بیعت توبہ کی۔ بیعت کے بعد حضور نے ایک پر جذب و تاثیر تقریر فرمائی جس میں حضور نے بیش قیمت نصائح فرمائیں اور اپنے دعویٰ کی صداقت پر روشنی ڈالی۔

واپسی کا ارادہ

حضور اس روز کافی دیر تک انبوہ خلائق میں تشریف فرما رہے اور تقریر کی وجہ سے حضور کی طبیعت دوران سر وغیرہ سے ناساز ہو گئی اور آپ ۲۹، ۳۰ اکتوبر کو باہر نہ تشریف لا سکے۔ اس سلسلہ میں مہمانوں کی اور بھی کثرت ہو گئی اس لئے حضور کو خیال پیدا ہوا کہ یہ کثرت جماعت سیالکوٹ کے لئے ابتلا کا موجب نہ بن جائے لہٰذا حضورؑ نے ۳۱/ اکتوبر کو واپسی کا ارادہ فرمایا۔ واپسی کی خبر پر مخلصین سیالکوٹ کے ہوش اڑ گئے۔ پاس ادب سے کچھ عرض کرنیکی جرات نہ کرتے تھے۔ دل تھا کہ اندر ہی اندر بیٹھا جاتا تھا۔ حیران تھے کہ کریں تو کیا کریں۔ میر حکیم حسام الدین صاحب نے حضور کے اس ارادہ کو بہت ہی محسوس کیا اور پیرانہ سالی میں اس سے بہت ہی مضمحل ہو کر حضور کی خدمت میں اس ارادہ کے التواء کے لئے عرض کیا اور سامان خورد و نوش کی کثرت کا ذکر کیا۔ جس پر حضور نے اپنا ارادہ ۳/ نومبر تک ملتوی فرما دیا۔

لیکچر کا ارادہ

اب اس التواء ارادہ اور قیام سہ روزہ میں ۳۱/ اکتوبر کو تجویز ہوئی کہ حضور کی طرف سے اسلام پر ایک پبلک لیکچر دیا جاوے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غرض و مقصد زندگی احیائے اسلام و تبلیغ اسلام ہی تھا۔ چنانچہ حضور نے ضعف اور دورہ مرض کے باوجود یہ امر پسند فرمایا اور ۲/ نومبر ۱۹۰۴ء کو یہ لیکچر دیا جانا تجویز ہوا۔ دو تین دن کے قلیل عرصہ میں لیکچر کا تیار کرنا آسان امر نہیں تھا لیکن خدا کی تائید اور نصرت جس شخص کے شامل حال ہو وہ سب تکلیفوں اور مشکلات پر فتح پا لیتا ہے۔

زیارت کے لئے بیتابی

۳۱/ اکتوبر تک حضور باہر تشریف نہ لا سکے اور اس عرصہ میں زائرین بیقرار و مضطرب ہو کر دیوانہ وار آپ کے ایوان کے نیچے بند کوچہ میں پھر رہے تھے اور کسی نہ کسی طرح چاہتے تھے کہ زیارت ہو جاوے مگر حضور کی ناسازی طبع اس پر بیعت کا سلسلہ پھر مضمون لیکچر لکھنے کا ارادہ سب باتیں مل ملا کر انہیں مایوس کر رہی تھیں۔ اور جوں جوں دیر ہوتی تھی اس قدر جوش زیارت بڑھتا جاتا تھا۔ آخر اس بڑھتے ہوئے اضطراب اور جذبہ عشق نے اپنا کام کیا اور حضور کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ حضور کی زیارت کے لئے بہت لوگ جمع ہیں اور سخت گھبرائے ہوئے ہیں۔ یہ ۳۱/ اکتوبر کا دن اور بعد دوپہر کا وقت تھا۔ حضورؑ نے فرمایا کہ میں نے ابھی مضمون بھی شروع نہیں کیا اب میرا ارادہ ہے کہ اسے لکھوں اور بیعت کا سلسلہ بھی کثرت سے جاری ہے۔ اگر میں نیچے اتروں گا تو پھر مضمون رہ جائے گا۔ اس پر عرض کیا گیا کہ حضور صرف دو ایک منٹ کے لئے دریچہ میں رونق افروز ہوں لوگ گلی میں کھڑے ہو کر زیارت کر لیں۔ چنانچہ حضور کوئی ایک منٹ کے لئے دریچہ میں تشریف فرما رہے۔ اس وقت کوچہ سے لے کر بازار تک اور مسجد اور

مکانوں کی چھتوں پر آدمی ہی آدمی تھے۔

لیکچر کی تصنیف و طباعت

حضور نے ۳۱/ اکتوبر کی دوپہر کے بعد لیکچر لکھا اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ۲/ نومبر کو یہ لیکچر چھپ بھی گیا۔ اس طرح لیکچر کی تیاری میں صرف ایک ہی دن صرف ہوا۔ لیکچر کے متعلق حکیم حسام الدین صاحب چوہدری محمد سلطان صاحب میونسپل کمشنر' آغا محمد باقر خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ' چوہدری نصر اللہ خاں صاحب پلیڈر چوہدری محمد امین صاحب پلیڈر کی طرف سے ایک اشتہار بھی شائع کیا گیا جس کا عنوان تھا "حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود کا لیکچر اسلام پر" اور اس میں پبلک کو اطلاع دی گئی تھی کہ "یہ لیکچر ۲/ نومبر ۱۹۰۴ء کو بدھ کے دن صبح سات بجے بمقام سیالکوٹ سرائے مہاراجہ صاحب بہادر والی جموں و کشمیر سنایا جائے گا۔ مولوی عبد الکریم صاحب اس لیکچر کو پڑھ کر سنائیں گے اور حضرت میرزا صاحب خود بھی تشریف فرما ہوں گے سامعین کو چاہیے کہ ٹھیک وقت پر تشریف لاویں۔ کسی صاحب کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی۔ نہایت متانت اور خاموشی سے لیکچر کو سننا ہوگا۔"

لیکچر گاہ کی تیاری اور مخالفین کی لیکچر میں جانے سے روکنے کی کوششیں

یکم نومبر کی شام کو لیکچر گاہ (یعنی مہاراجہ جموں و کشمیر کی وسیع سرائے متصل ریلوے اسٹیشن سیالکوٹ) میں شامیانوں کا انتظام کیا گیا اور دریوں کا فرش بچھایا گیا۔ اور کرسیاں رکھی گئیں۔ دراصل لیکچر کے لئے پہلے اسی محلہ میں جہاں حضور فروکش تھے ایک خالی میدان تجویز ہوا تھا مگر وہ ناکافی تھا۔ اس لئے سب سامان وہاں سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لے جایا گیا اور لیکچر گاہ راتوں رات تمام ضروری سامان سے آراستہ کر دی گئی۔ لوگوں کو جگہ نہ ملنے کا اس قدر خیال تھا کہ بہت سے لوگ تو رات ہی کو وہاں سوئے اور اکثر علی الصبح اٹھ کر فجر کی نماز سے بھی پہلے وہاں جا پہنچے۔

دوسری طرف مخالف علماء نے لوگوں کو لیکچر میں شامل ہونے سے روکنے کی یہ صورت کی کہ ۲/ نومبر کی صبح کو چھ بجے سے یعنی حضور کے لیکچر سے ایک گھنٹہ قبل ہی شہر کے چار مختلف مقامات پر مجالس وعظ شروع کر دیں اور قبل از وقت ان مجالس کا اعلان بھی بذریعہ اشتہار کر دیا۔ اس منصوبے کا اثر بالکل الٹا پڑا اور سوائے بعض متعصب مخالفوں کے جو علماء کی تقریروں میں بیٹھے رہے سیالکوٹ کے عوام اس طرح جوق در جوق لیکچر گاہ میں پہنچے کہ خدائی تائید و نصرت کا ایک ایمان افروز منظر آنکھوں کے سامنے آگیا۔

حضورؑ کی جلسہ گاہ کو روانگی

حضرت اقدسؑ قریباً ساڑھے چھ بجے اپنے ایوان سے نیچے اترے ملاقات کرنے والے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ آخر یہ انتظام کیا گیا کہ مصافحہ کرنے والوں کو روک دیا جاوے۔ حضور ابھی مکان سے اترے نہیں تھے کہ ایک مخلص نیاز علی نام نے میر حکیم حسام الدین صاحب کے توسط سے نہایت عجز و الحاح سے عرض کیا کہ حضور جب جلسہ گاہ کو تشریف لے چلیں تو میرے گھر میں قدم ضرور رکھ دیں تا کہ آپ کا مبارک قدم میرے گھر میں برکات کا موجب ہو یہ حسن ارادت و عقیدت حضرتؑ کو اس کے گھر لے گیا اور حضور دو تین منٹ تک اس کے گھر کو اپنے قدموں سے برکت دے کر تشریف لائے اور دو گھوڑوں والی گاڑی میں تشریف فرما ہوئے' حضور کے ہمراہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ بھی تھے۔ بازار میں گاڑیوں کا اچھا خاصہ سلسلہ تھا قریباً پندرہ سولہ گاڑیاں یکے بعد دیگرے کھڑی تھیں۔ سردار محمد یوسف صاحب سٹی مجسٹریٹ خاص اس انتظام کے لئے متعین تھے۔ وہ ابتدائے لیکچر سے اخیر تک جلسہ گاہ میں برابر کھڑے رہے۔ پولیس نے اس موقعہ پر قیام امن کا پورا اہتمام کیا تھا۔ چنانچہ انسپکٹر صاحب پولیس بھی حضورؑ کی گاڑی کے ساتھ تھے۔ یہ بھی بڑا عجیب نظارہ تھا جب کہ خدا کا مسیح ہزاروں انسانوں کے درمیان گاڑی میں بیٹھا جا رہا تھا اور اس کے راستہ کے تمام در و دیوار اور کوٹھے زن و مرد سے لدے ہوئے اس کا دیدار کر رہے تھے۔ دو رویہ انسانوں کی سڑک میں جب یہ جلوس گزرا تو لوگ بھی گاڑی کے ساتھ بھاگے جاتے تھے اور ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ رستہ میں مخالفوں کے اڈوں میں جو وعظ ہو رہا تھا اس میں گالیوں کے علاوہ دوسری آواز یہ سنائی دیتی تھی کہ خبردار کوئی سرائے میں نہ جاوے۔ یہ شور مچانے والوں کی رگیں پھول پھول جاتیں تھیں مگر لوگ تھے کہ برابر دوڑے چلے جاتے تھے۔

حضرت اقدسؑ جلسہ گاہ میں

الغرض حضرت اقدسؑ کا جلوس اسی شان سے گزرتا ہوا بالآخر لیکچر گاہ تک پہنچا جہاں شہر کے ہر مذہب و ملت کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں آپ کے لئے چشم براہ تھے۔ حضور جب جلسہ گاہ میں داخل ہوئے تو لوگوں میں ایک عجیب اضطراب اور کشمکش پیدا ہو گئی۔ ہر شخص اس کوشش میں تھا کہ میں ایسی جگہ بیٹھوں جہاں سے خدائے تعالیٰ کے برگزیدہ مامور اور معزز لیکچر پڑھنے والے کو دیکھ سکوں۔ شامیانوں کے نیچے دریوں کا فرش تھا جس کے تین طرف معززین شہر کے لئے کرسیاں بچھی تھیں۔ اور حضور کی کرسی لکڑی کے ایک پلیٹ فارم پر تھی جہاں سے لوگ اطمینان سے زیارت کر سکتے تھے حضور اس وقت سرخ جبہ میں جلوہ افروز تھے۔ حضور کا نورانی اور خدانما چہرہ غض بصر کا عملی سبق دینے والی آنکھیں سامعین کو اپنی طرف

خصوصیت سے متوجہ کر رہی تھیں۔ حضور کے ساتھ ہی ایک کرسی پر حضرت حکیم الامت مولوی نور الدین صاحبؓ اور دوسری کرسی پر ایک میز کے سامنے حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ تشریف فرما تھے۔

جلسہ کی کارروائی کا آغاز

چاروں طرف قدرتی طور پر سناٹا اور خاموشی طاری تھی کہ جناب مسٹر فضل حسین صاحب بیرسٹرایٹ لاء نے جلسہ کی صدارت کے لئے حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب کا نام پیش کیا جو متفق طور پر منظور ہوا۔ اور حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب کی صدارت میں جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ ابتداء" حضرت مولوی نور الدین صاحب نے ایک مختصر مگر نہایت بصیرت افروز خطاب فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ دنیا میں بہت سے جلسے ہوتے ہیں بعض ملکی اور سیاسی نوعیت کے ہوتے ہیں اور بعض میں کسی خاص قوم کی اصلاح کے لئے غور کیا جاتا ہے مگر آج کا جلسہ ان سب سے ممتاز ہے کیونکہ اس میں ایک ایسے شخص کا کلام پیش کیا جا رہا ہے جو کہتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو سننے، سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق بخشے۔

حضرت اقدسؑ کے لیکچر کا پڑھا جانا

حضرت حکیم الامت کی اس افتتاحی تقریر کے بعد حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے اپنے مخصوص انداز میں قرآن مجید کی چند آیات تبرکاً تلاوت کیں۔ پھر حضورؑ کے مطبوعہ لیکچر کو پڑھنا شروع کیا۔ اس لیکچر کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی تھی "دنیا کے مذاہب پر اگر نظر کی جائے تو معلوم ہو گا کہ بجز اسلام ہر ایک مذہب اپنے اندر کوئی نہ کوئی غلطی رکھتا ہے۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ درحقیقت وہ تمام مذاہب ابتداء سے جھوٹ ہیں بلکہ اس لئے کہ اسلام کے ظہور کے بعد خدا نے ان مذاہب کی تائید چھوڑ دی اور وہ ایسے باغ کی طرح ہو گئے جس کا کوئی باغبان نہیں" اس تمہید کے بعد حضور نے نہایت اچھوتے رنگ میں اپنے وجود کو اسلام کی صداقت کے ثبوت میں پیش فرمایا اور اس ضمن میں پہلی دفعہ مجمع عام میں کرشن ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ "میرا اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آنا محض مسلمانوں کی اصلاح کے لئے ہی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں اور ہندوؤں اور عیسائیوں تینوں قوموں کی اصلاح منظور ہے... وہ خدا جو زمین و آسمان کا خدا ہے اس نے یہ میرے پر ظاہر کیا ہے۔ اور نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ مجھے بتلایا ہے کہ تو ہندوؤں کے لئے کرشن [۲۲] اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود ہے۔ مجھے منجملہ اور الہاموں کے اپنی نسبت ایک یہ بھی الہام ہوا تھا کہ "ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے۔؟" لیکچر کے آخر میں حضور نے فرمایا "مجھے اس زمین سے ایسی

ہی محبت ہے جیسا کہ قادیان سے۔ کیونکہ میں اپنے اوائل زمانہ کی عمر میں سے ایک حصہ اس میں گذار چکا ہوں اور اس شہر کی گلیوں میں بہت سا پھر چکا ہوں۔ میرے اس زمانہ کے دوست اور مخلص اس شہر میں ایک بزرگ ہیں یعنی حکیم حسام الدین صاحب جن کو اس وقت بھی مجھ سے بہت محبت رہی ہے وہ شہادت دے سکتے ہیں کہ وہ کیسا زمانہ تھا اور کیسی گمنامی کے گڑھے میں میرا وجود تھا۔ اب میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ ایسے زمانہ میں ایسی عظیم الشان پیشگوئی کرنا کہ ایک گمنام کا آخر کار یہ عروج ہو گا کہ لاکھوں لوگ اس کے تابع اور مرید ہو جائیں گے اور فوج در فوج لوگ بیعت کریں گے اور باوجود دشمنوں کی سخت مخالفت کے رجوع خلائق میں فرق نہیں آئے گا بلکہ اس قدر لوگوں کی کثرت ہو گی کہ قریب ہو گا کہ وہ لوگ تھکا دیں کیا یہ انسان کے اختیار میں ہے اور کیا ایسی پیشگوئی کوئی مکار کر سکتا ہے کہ چوبیس سال پہلے تنہائی اور بے کسی کے زمانہ میں اس عروج اور مرجع خلائق ہونے کی خبر دے۔"

جلسہ کا اختتام اور فرودگاہ کو روانگی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس روح پرور تقریر کے بعد حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحب نے اختتامی خطاب فرمایا جس کے بعد جلسہ ختم ہو گیا لیکن لوگ کچھ ایسے اطمینان خاطر سے بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ اٹھنا ہی نہیں چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ کچھ اور سنایا جائے۔ منتظمین نے نہایت عمدگی کے ساتھ راستہ کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گاڑی میں سوار کرایا کیونکہ ہزاروں ہزار آدمی موجود تھے اور شوق زیارت میں ہر ایک آگے بڑھتا تھا۔ حضرت اقدسؑ کی گاڑی باہر نکل گئی تو مقامی حکام خصوصاً سردار یوسف خاں سرائے کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور تھوڑی دیر کے لئے لوگوں کو باہر جانے کی اجازت دی۔ لوگ باہر نکل کر دوڑے تا ایک مرتبہ پھر زیارت ہو جائے۔ مخالفین جو باہر اڈے جمائے ہوئے شور مچا رہے تھے کہ لوگو! کوئی اندر نہ جائے۔ لیکن ایک یورپین انسپکٹر صاحب پولیس نے جو جلسہ میں آخر وقت تک موجود رہے باہر آکر مخالف واعظین سے کہا کہ ہم کو تعجب ہے کہ تم لوگ اس شخص کی مخالفت کیوں کرتے ہو۔ مخالفت تو ہمیں (عیسائیوں کو) یا ہندوؤں کو کرنی چاہئے جن کے مذہب کی وہ تردید کر رہا ہے اسلام کو تو وہ سچا اور حقیقی مذہب ثابت کر رہا ہے ابطال تو ہمارے مذہب کا کر رہا ہے اور تم یونہی مخالفت کر رہے ہو؟

حضرت اقدسؑ کی گاڑی جب بازار سے مکان کو واپس آئی تو پھر وہی پہلا سا ذوق و شوق عوام میں موجزن تھا۔

بیعت کرنے والوں کی کثرت

چونکہ ۳/ نومبر کو حضرت اقدسؑ کی تاریخ روانگی مقرر تھی اس لئے بیعت کرنے والوں میں جوش ارادت انتہاء کو پہنچ

گیا اور وہ کثرت سے حضور کی بیعت میں شامل ہوئے۔ کئی بار بیعت ہوئی اور حضور حسب معمول بیعت کے بعد لوگوں کو نصائح فرماتے رہے کہ "اس بیعت کی اصل غرض یہ ہے کہ خدا کی محبت میں ذوق و شوق پیدا ہو اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو کر اس کی جگہ نیکیاں پیدا ہوں۔" بیعت کا سلسلہ حضور کی روانگی تک برابر جاری رہا۔ سیالکوٹ کی جماعت کے لئے حضرت اقدس کی جدائی شاق تھی مگر مجبور تھے۔

دارالامان کو روانگی

دوسرے دن ۳/ نومبر کو جماعت سیالکوٹ نے ۱۰ بجے تک کل مہمانوں کو کھانا کھلا کر فارغ کر دیا اور رخت سفر بندھنے لگا۔ سب سے پہلے مستورات کو حضرت میر ناصر نواب صاحب کے زیر انتظام اسٹیشن پر پہنچا دیا گیا۔ حضرت اقدس بارہ بجے کے قریب باہر تشریف لائے اس وقت بھی زائرین کے اشتیاق کی وہی کیفیت تھی جو پہلے سے طاری تھی۔ جیسے شمع پر پروانے گرتے ہیں اس طرح مخلوق گرتی تھی۔ میاں نیاز علی کی درخواست پر حضور دوبارہ ان کے گھر کو برکت دینے کے لئے تشریف لے گئے اور پھر گاڑی پر سوار ہو گئے اور جلوس کی شکل میں پوری شان کے ساتھ اسٹیشن تک پہنچے اور ایک ریزرو گاڑی میں تشریف فرما ہوئے اور دوسرے خدام دوسری گاڑی میں بیٹھے۔ حضور کے الوداع کے لئے اسٹیشن پر زائرین کا بہت بڑا مجمع موجود تھا۔ علماء جو مخالفانہ وعظ کر رہے تھے اس کا ایک نتیجہ اس وقت یہ بر آمد ہوا کہ بعض مخالفوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اہل بیت کے سامنے برہنہ ناچ کیا۔ چنانچہ اخبار اہلحدیث نے ۱۱/ نومبر ۱۹۰۴ء کی اشاعت میں لکھا۔ "مسلمانوں نے قادیانی کرشن جی کی مہمانی میں اپنے اسلامی اخلاق کو بھی بالائے طاق رکھ دیا۔ چلتی گاڑی کے وقت اسٹیشن سے ایک طرف پردہ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور مرزا صاحب کی مستورات کے سامنے جوش جنوں میں ننگے ہو کر ناچتے رہے.... تاہم یہ حرکت اسلامی اخلاق سے بہت گری ہوئی ہے۔"

وزیر آباد سے قادیان تک

گاڑی وزیر آباد اسٹیشن پر پہنچی تو زائرین کا پہلا سا ہجوم موجود تھا۔ حافظ غلام رسول صاحب نے حضور اور حضور کے ساتھیوں کی لیمونیڈ اور سوڈا واٹر سے دعوت کی۔ اسٹیشن پر ڈسکہ کے مشنری پادری اسکاٹ [۲۵] نے بھی ملاقات کی اور حضور نے ان سے تبادلہ خیالات فرمایا۔ گاڑی ہی میں بہت سے آدمیوں نے بیعت توبہ کی۔ حضور کی ریزرو گاڑی گورداسپور کی گاڑی سے لگائی گئی۔ کچھ دیر بعد گاڑی روانہ ہو گئی۔ واپسی پر ہر اسٹیشن پر وہی مجمع اور وہی رونق تھی جو آمد کے موقعہ پر دکھائی دی تھی۔ گاڑی مغرب کے بعد لاہور پہنچی جہاں جماعت لاہور نے استقبال کیا اور ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب کی طرف سے حضرت اقدس

اور حضور کے ہمراہیوں کو کھانا پیش کیا گیا۔ گاڑی لاہور سے روانہ ہو کر بٹالہ پہنچی۔ اسٹیشن سے اترتے ہی جماعت بٹالہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے خدام کی دعوت کی اور سرائے متصل اسٹیشن میں قیام کا انتظام کیا۔ قادیان سے بہت سے خدام بٹالہ پہنچ گئے تھے۔ حضرت اقدس اور حضور کے دوسرے خدام ۴ / نومبر ۱۹۰۴ء بروز اتوار ۱۲ بجے کے قریب بخیرت قادیان دارالامان میں پہنچ گئے۔ حضور کی واپسی اور داخلہ دارالامان پر حافظ روشن علی صاحبؓ (تلمیذ حضرت حکیم الامت مولوی نور الدین) نے خیر مقدم کے طور پر ایک عربی قصیدہ لکھا جس کے چند اشعار یہ تھے

جَاءَ اَلْاِمَامُ فَابْشِرُوْا یَا اِخْوَتِیْ
قُوْمُوْا اِلَی اِسْتِقْبَالِہٖ یَا جِبَّتِیْ
یَامَنْ دَعوتَ النَّاسَ وَقْتَ ھَلَاکِھِمْ
دَعْوَی الْمُحِبِّ اِلٰی جِنَانَ النِّعْمَۃِ
اُعْطِیْتَ مِنْ رَّبِّ السَّمَاءِ رِسَالَۃً
تُوِّجْتَ مِنْ مَولَاکَ تَاجَ الْعِزَّۃِ
یَا قَمَرَ اَرْضِ الْھِنْدِ نَوِّرْ اَرْضَنَا
اَسْرِجْ سَرَاجَ قُلُوْبِنَا بِالْمِنَّۃِ

(ترجمہ) اے میرے بھائیو! تمہیں خوشخبری ہو کہ حضرت امام تشریف لے آئے ہیں۔ میرے پیارو اٹھو ان کے استقبال کو چلیں۔

اے وہ جس نے لوگوں کی ہلاکت کے وقت پیار کرنے والوں کی طرح نعمت کے باغوں کی طرف دعوت دی ہے۔

تجھے آسمان کے رب کی طرف سے رسالت عطا کی گئی ہے اور تیرے مولیٰ نے تجھے عزت کا تاج پہنایا ہے۔

اے سرزمین ہند کے چاند! ہماری زمین کو روشن کر اور ہمارے دل اپنے احسان سے منور کر دے۔ [۲۶]

حضرت اقدسؑ کی تقریریں

جلسہ سالانہ ۱۹۰۴ء کے موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے جو پر معارف تقریریں فرمائیں وہ بعد کو "حضرت اقدسؑ کی تقریریں" کے نام سے شائع کی گئیں۔ ان تقاریر میں حضورؑ نے

حقیقت دعا، صحبت صادقین کی ضرورت اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی تاکید فرمائی۔

۱۹۰۴ء کے بعض صحابہ

۱۹۰۴ء کے بعض ممتاز صحابہ یہ ہیں۔

(۱) چوہدری نصراللہ خاں صاحب [۴۷]

(۲) ماسٹر مولا بخش صاحب [۴۸]

(۳) سید دلاور شاہ صاحب بخاری [۴۹]

(۴) چوہدری غلام محمد صاحب پوبلہ مہاراں [۵۰]

(۵) شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی [۵۱]

حواشی

۱۔ تاریخ اقوام عالم صفحہ ۶۶۷ از مرتضیٰ حسن خاں
۲۔ الحکم ۱۰/ جولائی ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۰ کالم نمبر ۲
۳۔ تاریخ اقوام عالم صفحہ ۶۶۷۔۶۶۸
۴۔ تاریخ اقوام عالم صفحہ ۸۰۰۔۸۰۱
۵۔ البدر ۱۶/ ۸/ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۰
۶۔ ولادت یکم جنوری ۱۸۹۶ء۔ وفات ۱۸/ ستمبر ۱۹۶۱ء سلسلہ کے ان بزرگوں میں سے تھے جو نوابی میں بھی درویشی کا نمونہ تھے۔ انقلاب ہجرت کے بعد جب ۱۱/ ستمبر ۱۹۴۷ء کو صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی تشکیل ہوئی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور حضور نے آپ کو ناظر اعلیٰ نامزد فرمایا۔ چنانچہ آپ نے اس نہایت درجہ نازک اور اہم ذمہ داری کو کمال محنت وخلوص سے نبھایا۔ اسی دوران میں ۸/ فروری ۱۹۴۹ء کو آپ پر دل کی بیماری کا شدید حملہ ہوا اور ساتھ ہی تشنج کے دورے بھی پڑنے لگے علاج معالجہ سے کچھ افاقہ تو ہوا مگر آپ مستقل طور پر صاحب فراش ہو گئے اور بالآخر اسی بیماری میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے روحانی مقام کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو وفات سے چار برس پیشتر بذریعہ رؤیا خبر دی جا چکی تھی کہ آپ کا ۶۶ سال کی عمر میں وصال ہوگا۔ سو یہ رؤیا نہایت صراحت سے پوری ہوئی۔ آپ کی قبر مبارک ربوہ کے خاص قبرستان میں حضرت اماں جان کے مزار اقدس کی چاردیواری میں جنوب مشرقی حصہ میں واقع ہے۔
۷۔ الفضل ۱۰/ جون ۱۹۱۵ء صفحہ ۱
۸۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۰۳
۹۔ البدر ۲۴۔ جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۹ کالم نمبر ۱
۱۰۔ البدر ۱۶/ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۲
۱۱۔ الحکم ۱۷/ ۲۴ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۶ کالم نمبر ۱' ۳' الحکم ۱۴' ۱۰/ اکتوبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۔۲' البدر ۱۶/ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۳
۱۲۔ الحکم ۳۰/ ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۳۔۶ (مفصل تقریر) البدر ۸۔۱۶۔ ۲۴/ ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۳۔۸
۱۳۔ الحکم ۱۷/ ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۔۶ (مفصل تقریر) البدر ۱۶/ ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۲۔۷
۱۴۔ بحوالہ الحکم ۲۴/ ۱۷/ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ نمبر ۱۱
۱۵۔ الحکم ۲۴/ ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۔۵ و الحکم ۳۰/ ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۔۲
۱۶۔ الحکم ۲۱/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۰ کالم نمبر ۲ و الفضل ۱۳/ دسمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۲
۱۷۔ الحکم ۱۷/ ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۷ کالم نمبر ۱
۱۸۔ لیکچر لاہور
۱۹۔ الحکم ۲۱/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۰ کالم نمبر ۱۔۲۔۳
۲۰۔ پیغام صلح ۲۵/ مئی ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۴ کالم نمبر ۱' ۲
۲۱۔ الحکم ۱۷/ ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۷ (مفصل تقریر) و البدر ۲۴/ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۲
۲۲۔ الفضل ۱۲/ دسمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۱
۲۳۔ تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ دوم صفحہ ۳۱۱
۲۴۔ ملاحظہ ہو الحکم ۱۷/ ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۷ کالم نمبر ۲
۲۵۔ الفضل ۱۲/ دسمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۲
۲۶۔ ذکر حبیب صفحہ ۱۲۴

۲۷۔ الحکم ۱۷/ ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۸ کالم نمبر ۴
۲۸۔ "بہاء اللہ کی تعلیمات" صفحہ ۵ مطبوعہ آگرہ (بحوالہ "تحریک بہائیت پر تبصرہ" از جناب مولانا ابو العطاء صاحب فاضل)
۲۹۔ "مکاتیب عبد البہاء" جلد ۲ صفحہ ۲۶۶ میں لکھا ہے:۔ در یوم ظہور حضرت اعلیٰ منطوق بیان ضرب اعناق و حرق کتب و اوراق و ہدم بقاع و قتل عام الا من آمن و صدق بود۔"
۳۰۔ الحراب مصنفہ استاذ محمد فاضل مطبوعہ مصر ۳/۷ (بحوالہ بہائی تحریک پر تبصرہ صفحہ ۳۲)
۳۱۔ اقتدار صفحہ ۷۔۴۸ مولفہ بہاء اللہ
۳۲۔ الکواکب ۴۰۶ بہائی تحریک پر تبصرہ" صفحہ ۵۵ طبع اول
۳۳۔ بہاء اللہ و عصر جدید صفحہ ۳۴
۳۴۔ رسالہ "جواب نامہ جمعیت لاہائی" صفحہ ۳ مطبوعہ مصر بحوالہ بہائی تحریک پر تبصرہ
۳۵۔ الفرائد صفحہ ۵۱ بحوالہ تحریک بہائیت پر تبصرہ صفحہ ۷
۳۶۔ اقدس صفحہ ۱۸۱ مطبوعہ مطبع ناصری بمبئی ۱۳۱۴ء
۳۷۔ نقطۃ الکاف صفحہ ۱۴۴
۳۸۔ مشکوۃ المصابیح مطبوعہ مطبع محمدی بمبئی۔ باب العلامات بین الساعۃ و ذکر الدجال صفحہ ۴۶۹
۳۹۔ سرورق نمبر ۲ لیکچر لاہور
۴۰۔ اس روز مرزا محمود ایرانی کے ایک خط کے جواب میں اپنی سچائی کے ثبوت میں بالتفصیل بتایا کہ سورہ کہف میں آخری زمانہ میں ایک ذوالقرنین کے ظہور کی پیشگوئی ہے۔ یہ پیشگوئی مسیح موعود کے متعلق ہے۔ جس کا مصداق دنیا کے پردے پر صرف میں ہوں کیونکہ میرے وجود نے مشہور و معروف صدیوں میں خواہ ہجری ہیں خواہ مسیحی خواہ بکرماجیتی اس طور پر اپنا ظہور کیا ہے کہ ہر جگہ دو صدیوں پر مشتمل ہے۔ (لیکچر لاہور صفحہ ۵۳۔ ۵۴)
۴۱۔ "جواب لیکچر جناب قادیانی" صفحہ ۲۴۔ ۲۶ شائع کردہ انجمن اشاعت بہائیاں رنگون ۱۹۰۸ء
۴۲۔ "جواب لیکچر جناب قادیانی" صفحہ ۳ شائع کردہ انجمن اشاعت بہائیاں رنگون ۱۹۰۸ء
۴۳۔ الحکم ۱۰/ اگست ۱۹۰۶ء صفحہ ۳۔ ۸ کالم ۲ تا ۴
۴۴۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ دعویٰ گیتا کی پیشگوئی اور ضرورت زمانہ کے عین مطابق اور حضور کی صداقت کا ایک بھاری ثبوت تھا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز اردو مارچ ۱۹۳۴ء)
۴۵۔ "حیات طیبہ" میں لکھا ہے کہ اس موقعہ پر پادری اسکاٹ کے ساتھ شیخ عبد الحق صاحب نو مسلم بھی تھے یہ صحیح نہیں۔ اس سفر کی پوری روداد شیخ یعقوب علی صاحب تراب نے لکھی تھی۔ اور انہوں نے قطعاً یہ نہیں لکھا۔ صرف یہ لکھا ہے کہ پادری اسکاٹ کے ساتھ شیخ عبد الحق صاحب نو مسلم کے تعلقات تھے۔ (الحکم ۲۴/۱۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۵ کالم نمبر ۳)
۴۶۔ الحکم ۱۷/۱۰ نومبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۱، ۱۰ الحکم ۲۴/ نومبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۳۔ ۶۔ الحکم ۳۰/ نومبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۳۔ ۶۔ الحکم ۱۲۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۳۔ ۷
۴۷۔ ولادت ۱۸۶۳ء۔ حضرت چوہدری صاحب کو ابتداء ہی سے سلسلہ سے محبت تھی۔ وہ اکثر مولوی عبد الکریم صاحب کے درس میں شامل ہوتے اور اس درجہ متاثر تھے کہ خود مولوی صاحب اکثر فرماتے تھے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ چوہدری صاحب اس سلسلہ سے علیحدہ رہیں۔ مولوی مبارک علی صاحب کے خلاف احمدی ہونے کے باعث ایک مقدمہ دائر ہوا اور جماعت سیالکوٹ نے چوہدری صاحب کو وکیل مقرر کیا۔ مقدمہ کی پیروی کی خاطر آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لٹریچر کا تفصیلی مطالعہ کرنا پڑا۔ اور آپ بڑے متاثر ہوئے۔ ۱۹۰۴ء میں آپ کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے مولوی کرم دین صاحب والے مقدمہ میں بطور گواہ صفائی بھی طلب کیا گیا جہاں انہیں پہلی بار حضرت مسیح موعود کی خدمت میں شرف باریابی حاصل ہوا اور آپ بہت خوشگوار اثر لے کر واپس آئے۔ اور بالآخر حضور کے قیام سیالکوٹ کے دوران بیعت کرلی۔ (آپ کی اہلیہ محترمہ نے اپنے کشف کی بناء پر چند دن پہلے بیعت کرنے کی سعادت پائی) بیعت کے بعد چوہدری صاحب میں ایک عظیم روحانی انقلاب

پیدا ہو گیا۔ آپ ۱۹۱۷ء میں اپنی کامیاب وکالت چھوڑ کر قادیان تشریف لے آئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے نظارت علیا کے علاوہ صیغہ بہشتی مقبرہ کے فرائض سپرد فرمائے۔ اس منصب کو آپ نے آخری دم تک آنریری طور پر نہایت خوش اسلوبی سے نبھایا۔ اکیرن کے معرکہ شدھی میں بھی آپ کو حصہ لینے کا شرف حاصل ہوا۔ ۱۹۲۴ء میں حج سے مشرف ہوئے۔ آپ کا ایک علمی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بہت سے کتب کے جامع انڈکس تیار کئے۔ ۲/ ستمبر ۱۹۲۶ء کو جب کہ آپ اپنے قابل فخر اور لائق فرزند چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے ہاں لاہور میں مقیم تھے انتقال فرما گئے۔ حضرت خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو آپ کے وصال کی خبر ڈلہوزی میں ملی جس پر حضور قادیان تشریف لائے اور ۴/ ستمبر ۱۹۲۶ء کو جنازہ پڑھایا اور چارپائی کو اٹھا کر لحد تک لے گئے اور آپ کی نعش کو مقبرہ بہشتی کی خاک کے سپرد کیا۔ بعد ازاں خود اپنے ہاتھ سے کتبہ کی عبارت تحریر فرمائی جس میں لکھا۔ نہایت شریف الطبع' سنجیدہ مزاج' مخلص انسان تھے۔ بہت جلد جلد اخلاص میں ترقی کی۔ بڑی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔ آخر میری تحریک پر وکالت کا پیشہ جس میں آپ بہت کامیاب تھے ترک کر کے دین کے کاموں کے لئے بقیہ زندگی وقف کی اور اعلیٰ اخلاص کے ساتھ جس میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمیشہ ترقی ہوتی گئی۔ قادیان آبیٹھے۔ اسی دوران میں حج بھی کیا۔ میں نے انہیں ناظر اعلیٰ کا کام سپرد کیا تھا جسے انہوں نے نہایت محنت اور اخلاص سے پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ میری خوشنودی اور احمدی بھائیوں کا فائدہ اور ترقی کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔ ساتھ کام کرنے کی وجہ سے میں نے دیکھا کہ نگاہ دور بین تھی۔ باریک اشاروں کو سمجھتے اور ایسی نیک نیتی کے ساتھ کام کرتے کہ میرا دل محبت اور قدر کے جذبات سے بھر جاتا تھا اور آج تک ان کی یاد دل کو گرما دیتی ہے۔" (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "میری والدہ" از حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب الفضل ۷/ ستمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۔ ۲' ۱۷/ ستمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۵۔ ۶۔ ۱۲۔ نومبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۸۔ ۱۹۔ ۱۶/ نومبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۸۔ ۹)

۴۸۔ ولادت ۱۸۷۶ء۔ مدرسہ احمدیہ کے قدیم اساتذہ میں سے تھے۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کئی بچوں کو پرائیوٹ ٹیوٹر کی حیثیت سے پڑھاتے رہے۔ ۲۱/ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو جب ربوہ میں لوئر مڈل سکول کی ابتداء ہوئی تو آپ اس کے سب سے پہلے ہیڈ ماسٹر بنے ۹/ اگست ۱۹۵۰ء کو حرکت قلب بند ہونے سے وفات پائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات پر خطبہ جمعہ میں فرمایا "ماسٹر مولا بخش صاحب ان بزرگوں میں سے تھے جو استثنائی ہوتے ہیں۔ باوجود اندھے ہو جانے کے ان کا پڑھانے کا شوق نہیں جاتا تھا جہاں بھی خدمت کا کوئی موقعہ نکلتا وہ اپنے آپ کو اس کے لئے پیش کر دیتے۔ باوجود زور دینے کے میں نے دیکھا ہے کہ وہ پیسے نہیں لیتے تھے۔ میری بچیوں کو بھی انہوں نے پڑھایا ہے مگر باوجود زور دینے کے انہوں نے پیسے نہیں لئے... حالانکہ میں جانتا ہوں کہ ان کی مالی حالت بہت کمزور تھی۔ (از رسالہ اصحاب احمد جلد اول صفحہ ۱ تا ۳)

حضرت ماسٹر صاحب کے ایک فرزند مولوی عطاء الرحمٰن صاحب طالب تھے جو عرصہ دراز تک سلسلہ کے مرکزی اداروں میں تعلیمی خدمات بجالاتے رہے اور ۲۴/ ظہور/ اگست ۱۹۶۳ / ۱۳۴۲ ہش کو انتقال کر گئے۔ دوسرے فرزند مولوی عبد القادر صاحب ضیغم میں جو سالہا سال تک امریکہ میں مبلغ اسلام رہے اور اب نائب وکیل التبشیر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

۴۹۔ وفات ۶/ جون ۱۹۴۴ء کئی سال تک اخبار "سن رائز" میں قلمی خدمات بجالائے۔ ایک اچھی ملازمت آپ نے قومی خدمت کی خاطر ترک کر دی۔ راجپال کے مقدمہ میں آپ نے "مسلم آؤٹ لک" کے ایڈیٹر کی حیثیت سے ہائی کورٹ کے فیصلہ پر بڑی جرات سے تبصرہ کیا جس پر آپ کو چھ ماہ قید کی سزا دی گئی۔ نہایت قانع بزرگ تھے اور مذہبی مسائل پر تقریر کرنے کا خاص سلیقہ اور جوش رکھتے تھے۔

۵۰۔ صاحب کشف والہام تھے۔ جب سے سیالکوٹ میں ضلع وار نظام قائم ہوا ہے وہ اپنے حلقہ میں بیس اکیس جماعتوں کے امیر رہے۔ خلافت ثانیہ کی بیعت میں آپ کی سابقت سے دوسرے احباب کو بھی خلافت سے وابستہ ہونے کی توفیق ملی۔ ۳۱/ دسمبر ۱۹۶۰ء کو انتقال فرمایا اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہوئے۔

۵۱۔ ولادت غالباً ۱۸۸۳ء دستی بیعت ۱۹۰۷ء۔ وفات ۳۰ ظہور/ اگست ۱۹۶۸ / ۱۳۴۷ ہش۔ ۱۹۲۳ء میں جہاد ملکانہ میں شرکت کی۔ ستمبر ۱۹۳۵ء کے قریب ملازمت سے پنشن یاب ہو کر مستقل طور پر قادیان آگئے اور ۱۹۳۶ء سے ۱۹۵۰ء تک سلسلہ کے متعدد انتظامی اداروں میں خدمات بجالاتے رہے۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو آپ سے بہت محبت تھی۔ بہت دعا گو اور

حلیم الطبع بزرگ تھے۔ (تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ اصحاب احمد جلد سوم طبع دوم صفحہ ۵۷ تا ۱۳۶ مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے دسمبر ۱۹۶۹ء)

ماموریت کا چوبیسواں سال

زلازل کے غیر معمولی سلسلہ کا آغاز

(۱۹۰۵ء)

ملک میں طاعون زوروں پر تھی کہ حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو ۱۹۰۳ء کے آخر سے مسلسل یہ خبر دی جانے لگی کہ خدا تعالیٰ کے زور آور حملے زلازل کی شکل میں بھی ظاہر ہونے والے ہیں۔ چنانچہ حضور کو دسمبر ۱۹۰۳ء میں بذریعہ رویا "زلزلہ کا ایک دھکہ" آنے کی خبر دی گئی۔ بعد ازاں الہام ہوا۔ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَضُرُّ - اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا - وَالَّذِيْنَ هُمْ مُحْسِنُوْنَ" [۱] (اللہ تعالیٰ ضرر نہیں پہنچائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کریں۔ اور نیکوکار ہوں) ۲۸ / اپریل ۱۹۰۴ء کو الہام ہوا "امن است در مکان محبت سرائے ما" (ہمارا مکان جو ہماری محبت سرا ہے اس میں ہر طرح سے امن ہے)۔ یکم جون ۱۹۰۴ء کو الہام نازل ہوا۔ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ عَفَتِ الدِّيَارُ مَحَلُّهَا وَمَقَامُهَا۔ [۲] (یعنی تمہارے لئے سلامتی ہے۔ تم خوش رہو۔ عارضی رہائش کے مکانات بھی مٹ جائیں گے اور مستقل رہائش گاہیں بھی) اس کے ساتھ ہی دوبارہ یہ الہام ہوا "زلزلہ کا دھکہ" [۳] ایک ہفتہ بعد پھر الہام ہوا "عَفَتِ الدِّيَارُ مَحَلُّهَا وَمَقَامُهَا اِنِّيْ اُحَافِظُ كُلَّ مَنْ فِي الدَّارِ۔" [۴]

غرضکہ حضور کو بکثرت رویا اور الہامات کے ذریعہ سے اطلاع دی گئی کہ ایک خطرناک زلزلہ آنے والا ہے اور الہام میں ایسی جگہ پر زلزلہ کے سب سے زیادہ تباہ کن ہونے کی خبر دی گئی جہاں کثرت سے عارضی رہائش گاہیں ہوں گی۔ یعنی کیمپ، ہوٹل، سرائیں اور فوجی بارکیں وغیرہ۔ ساتھ ہی یہ بتا دیا۔ گیا کہ زلزلہ کے اثرات سے حضور کا مکان بھی محفوظ رہے گا اور وہ لوگ بھی سلامت رہیں گے جو آپ کے ماننے والے اور متقی ہوں گے۔

۴۔اپریل ۱۹۰۵ء کو کانگڑہ میں قیامت خیز زلزلہ

ان الٰہی خبروں پر تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ یکایک ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کو خدائی تقدیر اور اس کے فیصلہ کے مطابق کانگڑہ کی آتش فشاں اور خاموش پہاڑی جو بالکل بے ضرر سمجھی جاتی تھی اور جس کے متعلق علم طبقات الارض کے ماہرین کا خیال تھا کہ اس سے کسی تباہی کا خطرہ نہیں جنبش میں آگئی اور ۴۔اپریل ۱۹۰۵ء کو صبح چھ بجے کانگڑہ اور اس کے اردگرد سینکڑوں میل تک کی زمین میں زبردست زلزلہ آگیا جس سے کانگڑہ کا "دیوی" نامی قیمتی مندر جو دو ہزار سال سے موجود تھا بالکل نابود ہو گیا۔ دھرم سالہ کی چھاؤنی کی بیرکوں اور انگریزوں کی عالی شان کوٹھیوں کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ ڈلہوزی اور بکلوہ کی چھاؤنیوں کی عمارتیں بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اور دیگر شہروں مثلاً شملہ۔ مسوری۔ ڈیرہ دون۔ امرتسر۔ دہلی۔ گوجرانوالہ۔ کیتھل۔ کرنال۔ جموں اور لاہور وغیرہ کو بھی سخت نقصان پہنچا۔ ہزاروں آدمی اس زلزلہ میں ہلاک ہوئے۔ [۵] اس زمانے کے اخبارات و رسائل میں اس زلزلہ کی جو تفصیلات ملتی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قہر الٰہی قیامت کا نمونہ تھا۔ چنانچہ اخبار "بھارت" نے لکھا۔ "۴۔ اپریل کی صبح ہندوستان اور دنیا کے بعض حصوں کو نہیں بھولے گی۔ وہ قیامت کا سماں وہ ہولناک سین جب آنکھوں کے آگے آجاتا ہے تو جان ہوا ہو جاتی ہے۔ باپ نے بیٹا نہیں سنبھالا۔ عورت نے خاوند کی پرواہ نہیں کی"۔ [۶] اخبار "اہلحدیث" نے لکھا۔ [۷] "۴۔ اپریل کو سورج کے نکلتے ہی قیامت کا نمونہ قائم ہوا"۔ اخبار "زمیندار" نے لکھا ۴۔ اپریل کا زلزلہ اس خوفناک منظر کی شہادت دے رہا ہے جو قرب قیامت کی آئندہ خوفناک نشانیوں کے ظاہر ہونے پر دنیا کو دیکھنا ہو گا۔ [۸] "پبلک میگزین" نے لکھا "اب ایک ایسے بھونچال سے ملک کو مقابلہ کرنا پڑا ہے کہ جس نے ہزاروں جانوں کو قتل اور زخمی کرنے کے علاوہ کروڑوں اربوں کی جائیداد تباہ کر دی ہے"۔ [۹] اخبار "وکیل" نے لکھا "یہ زلزلہ اس قدر ہولناک اور مہیب تھا کہ اسے قیامت صغریٰ کہنا کچھ مبالغہ نہ ہو گا بلکہ جس وقت وہ اپنی پوری شدت پر خدائے قہار کا جلال ظاہر کر رہا تھا۔ اس وقت تو لوگوں کو عموماً یہی یقین آگیا تھا کہ بس قیامت آہی گئی۔" [۱۰]

دو عجیب خدائی تصرفات

دھرم سالہ میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے ہیڈ کلرک ایک ہندو دوست پنڈت مولا رام ہوتے تھے ان کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے خط و کتابت تھی۔ ۳/ اپریل ۱۹۰۵ء کو یعنی زلزلہ آنے سے صرف ایک دن قبل ان کو حضور کا ایک خط پہنچا جس میں حضور نے لکھا تھا کہ خدا کا عذاب آسمان پر بھڑک رہا ہے اور اس کا عذاب سالوں میں نہیں مہینوں میں نہیں بلکہ سیکنڈوں میں زمین پر نازل ہونے والا ہے۔ [۱۱] پنڈت صاحب نے شام کو یہ خط

پڑھے بغیر سرہانے تلے رکھ دیا۔ صبح کو انہوں نے اسے پڑھنا شروع کیا۔ پنڈت صاحب یہ خط ابھی پڑھ ہی رہے تھے یا پڑھ چکے تھے کہ زلزلہ آگیا اور وہ خط پڑھتے پڑھتے اپنے مکان سے باہر نکل آئے اور حضور کے خط کی برکت سے اس کی جان بچ گئی۔ [۱۲] اس سے عجیب تر واقعہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ حضور ۴/ اپریل ۱۹۰۵ء کی صبح کو "نصرۃ الحق" یعنی "براہین احمدیہ حصہ پنجم" کا مسودہ لکھ رہے تھے اس دوران میں جب حضور اس الہام تک پہنچے کہ "دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کردے گا۔" حضورؑ یہ الفاظ لکھ کر اس کے پورا ہونے کا ثبوت درج کرنے کو تھے کہ زلزلہ آگیا۔ [۱۳]

حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے اشتہار "الدعوت"

حضور نے دوسرے ہی روز (۵/ اپریل ۱۹۰۵ء کو) "الدعوت" کے نام سے ایک اشتہار دیا جس میں حضور نے دعوت و تبلیغ کرتے اور اس نشان کی طرف اہل ملک کو توجہ دلاتے ہوئے اتمام حجت فرمائی اور لکھا "عزیزو شرم اور حیا کرو کہ خدا کے دن آگئے اور آسمان تمہیں وہ کرشمے دکھا رہا ہے جن کی تمہارے آباء واجداد کو خبر نہ تھی مبارک وہ جو میرے بارے میں ٹھوکر نہ کھاویں"۔ [۱۴]

قادیان۔ دھرم سالہ اور دوسری احمدی جماعتوں کی خدائی حفاظت

الہامات میں حضور کے مخلص خدام کی زلزلہ کے نقصانات سے بچاؤ کی واضح خبر دی گئی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ گو قادیان میں یہ زلزلہ تین منٹ تک پورا زور سے رہا۔ یہاں اس کا جھٹکا پہلے شرقاً غرباً اور پھر شمالاً جنوباً محسوس ہوا۔ اس کے بعد دن کے مختلف اوقات میں زلزلہ محسوس ہوتا رہا۔ [۱۵] مگر خدا کے فضل سے حضور یا سلسلہ عالیہ کے مکانات وغیرہ کو کوئی خفیف سا نقصان بھی اس سے نہیں ہوا۔ [۱۶] علاوہ ازیں دھرم سالہ کی احمدیہ جماعت باوجودیکہ زلزلہ کے مرکز میں ہونے کے براہ راست زد میں تھی معجزانہ طور پر بالکل محفوظ رہی۔ بعض اور احمدی دوست بھی جو عارضی طور پر پالم پور گئے تھے۔ وہ بھی بچ گئے۔ یہی نہیں ضلع کانگڑہ کے سبھی احمدی افراد بالکل صحیح و سالم رہے [۱۷-۱۸]

مکرم ماسٹر عطاء محمد صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ کا بیان ہے کہ "میرے محترم چچا حضرت مولوی وزیر الدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیم صحابہ میں سے تھے وہ سجان پور ٹیرہ ضلع کانگڑہ کے ورنیکلر مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ ان کے اہل و عیال کیریاں

ضلع ہوشیار پور میں مقیم تھے اور میں چچا میاں کے ساتھ سجان پور ٹیرہ میں رہتا تھا۔

۱۹۰۵ء کے غالباً فروری یا مارچ کے مہینہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اشتہار بعنوان "عفت الدیار محلها و مقامها" چچا جان کو موصول ہوا جو دیواروں پر چسپاں کرنے کے لئے انہوں نے میرے سپرد کر دیا۔ میں سکول کے گیٹ اور دکانوں کی دیواروں پر یہ اشتہار چسپاں کر رہا تھا کہ وہاں ایک سادہ کار (سنار) حسن دین نام میرے پاس سے گزرا اور اشتہار دیکھ کر کہنے لگا کہ مرزائیوں کی صف لپیٹی جائے گی۔ یہ سن کر میرے منہ سے بے اختیار نکلا کہ احمدیوں کو تو نہیں البتہ تمہاری صف لپٹنے کا وقت آگیا ہے۔ وہ تو چلا گیا اور بات آئی گئی ہو گئی۔ ۳/ اپریل ۱۹۰۵ء کو شام کو دو احمدی بابو محمد اسمٰعیل صاحب پوسٹ ماسٹر اور منشی امام دین صاحب لمبا گاؤں ضلع کانگڑہ جو سجان پور کے قریب ہی ہے۔ اور ایک اور غیر احمدی صاحب جو زیر تبلیغ تھے ہمارے ہاں مہمان تھے اور ہم سب کی دعوت ایک صاحب کریم بخش صاحب رنگریز نے کر رکھی تھی۔ صبح کا گندھا ہوا آٹا جو بچا ہوا تھا اسی طرح رکھا رہا اور اس کے پکانے کی نوبت نہ آئی۔ دعوت کھا کر رات دیر سے گھر آئے اور آتے ہی سو گئے۔

جس مکان میں محترم چچا جان رہتے تھے وہ سکول سے ملحقہ زمین میں بنا ہوا تھا۔ سکول کی عمارت دو منزلہ تھی۔ نچلی منزل سکول کے طور پر کام آتی تھی اور اوپر کی منزل بطور بورڈنگ ہاؤس۔ اس مکان میں میرے اور میرے چچا جان کے علاوہ تین مذکورہ بالا مہمان تھے۔ ۴/ اپریل ۱۹۰۵ء کو عین طلوع آفتاب کے وقت وہ قیامت خیز زلزلہ آیا جس سے ضلع بھر کی بستیاں اور شہر تہ و بالا ہو گئے۔ دریائے بیاس میں جو سجان پور ٹیرہ شہر کے بالکل قریب بہتا تھا پہاڑ کی چوٹی گرنے سے بند لگ گیا اور پانی پہاڑ کی ترائی پر بنے ہوئے مکانوں اور انسانوں کی تباہی کا موجب ہوا۔ ڈاک اور تار کا سلسلہ یکسر منقطع ہو گیا۔ ہمارے مکان اور سکول کی بنیادیں تک اکھڑ گئیں اور شہر میں اس قدر تباہی مچی کہ دن چڑھتے ہی کہرام مچ گیا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے گھر میں جس قدر افراد تھے سب کے سب معجزانہ طور پر محفوظ رہے۔ بورڈنگ ہاؤس کے بعض طالب علموں کی چارپائیاں نیچے سڑک یا گلی میں گر پڑیں ایسی حالت میں کہ لڑکا چارپائی پر پڑا ہے اور اس کی چارپائی پر دو ترکی صورت میں ایک کڑی پڑی ہے جس کے نیچے بچہ بالکل محفوظ ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ سکول میں جتنے ماسٹر صاحبان پڑھاتے تھے اور جس قدر طالب علم سکول میں پڑھتے تھے سب کے سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محفوظ رہے اور کسی کو خراش تک بھی نہ آئی سوائے ایک ماسٹر دلیپ سنگھ صاحب کے جو نئے نئے آئے تھے اور انہوں نے ابھی چارج بھی نہ لیا تھا زلزلہ میں صرف ان کو چند معمولی چوٹیں آئیں۔ اس کے برخلاف وہ حسن دین جو کہتا تھا کہ مرزائیوں کی صف لپیٹی جائے گی اس کے اپنے خاندان کے بیس کے قریب افراد تھے جن میں سے ایک

دو کے سوا باقی سب لقمہ اجل ہو گئے۔ شہر میں اس قدر موتا موتی لگی کہ بعض گھر جن میں ۱۱۔۱۱ افراد تھے ان میں سے صرف ایک زندہ رہا اور باقی سب نہنگ اجل کا شکار ہو گئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اس جگہ یہ بات بھی بیان کر دینے کے لائق ہے کہ جہاں میری چارپائی تھی وہاں سرہانے اور پائینتی کی طرف تھوڑی دیواریں کھڑی رہیں۔ اور چھت کے چار بالے بدستور اپنی جگہ قائم رہے اور میں بالکل محفوظ حالت میں اپنی چارپائی پر پڑا رہا۔ اور نہ صرف میں بالکل محفوظ رہا۔ بلکہ گھر کے دیگر افراد بھی ہر طرح خیریت سے رہے۔ اور گھر کی جملہ اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حفظ و امان میں رکھا۔ فالحمدللہ رب العالمین۔"[19]

غیروں کا اقرار

یہ خطرناک زلزلہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی واضح اور بین شہادت تھا کہ بعض متعصب اخبارات کو بھی صاف صاف اقرار کرنا پڑا کہ "جب سے مرزا صاحب نے دعویٰ کیا ہے تب سے ایسے صدمات وبائی امراض اور زلزلے آنے لگے ہیں۔ اس سے پیشتر ایک صدی کی تاریخ کو بغور دیکھا جاوے تو اس صدی میں کسی ایسے صدمے کا آنا معلوم نہیں ہوتا"۔[20] بایں ہمہ اس نشان سے فائدہ اٹھانے کی بجائے الٹا انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ "زلزلہ کی پیشگوئیاں کرنا جرم قرار دینا چاہیے۔"[21]

زلزلے کے بعد حضرت اقدسؑ اور حضور کے خدام کی رہائش باغ میں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا بیان ہے کہ "جب ۱۹۰۵ء کا زلزلہ آیا تو.... نواب محمد علی خاں صاحب کے شہر والے مکان کے ساتھ ملحق حضرت صاحب کے مکان کا جو حصہ تھا اس میں ہم دوسرے بچوں کے ساتھ چارپائیوں پر لیٹے ہوئے سو رہے تھے۔ جب زلزلہ آیا تو ہم سب ڈر کے بے تحاشہ اٹھے اور ہم کو کچھ خبر نہیں تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے.... ہم بھاگتے ہوئے بڑے مکان کی طرف آئے۔ وہاں حضرت مسیح موعودؑ اور والدہ صاحبہ کمرے سے نکل رہے تھے۔ ہم نے جاتے ہی حضرت مسیح موعودؑ کو پکڑ لیا اور آپ سے لپٹ گئے... کوئی ادھر کھینچتا تھا تو کوئی ادھر اور آپ سب کے درمیان میں تھے۔ آخر بڑی مشکل سے آپ اور آپ کے ساتھ چمٹے ہوئے ہم سب بڑے صحن میں پہنچے۔ اس وقت تک زلزلے کے دھکے بھی کمزور ہو چکے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ہم کو لے کر اپنے باغ میں تشریف لے گئے۔ دوسرے احباب بھی.... باغ میں پہنچ گئے۔ وہاں حسب ضرورت کچھ کچے مکان بھی تیار کروا لئے گئے اور کچھ خیمے منگوا لئے گئے اور پھر ہم سب ایک عرصہ باغ میں مقیم رہے۔ ان دنوں میں مدرسہ بھی وہیں لگتا تھا۔ گویا

باغ میں ایک شہر آباد ہو گیا تھا" [۲۲]

باغ سے الدار میں واپسی

حضرت اقدسؑ ۴/ اپریل ۱۹۰۵ء کو زلزلہ کے دوران میں باغ میں تشریف لائے رہتے۔ ۳۰/ جون ۱۹۰۵ء کو آپ نے فرمایا کہ بہت جلد قادیان چلے جانے کا ارادہ ہے میں صرف اس امر کا منتظر ہوں کہ ذرا بارش ہو جائے۔ چنانچہ یکم جولائی ۱۹۰۵ء کی رات کو بارش شروع ہوئی اور حضور نے دوسرے روز ۲/ جولائی کی صبح کو کوچ کا حکم دے دیا۔ چنانچہ ظہر کی نماز پڑھ کر حضرت اقدسؑ خیریت کے ساتھ قادیان آگئے۔ باغ میں جو چہل پہل تھی وہ قادیان میں نظر آنے لگی اور احمدی محلہ از سر نو آباد ہو گیا۔ [۲۳]

آئندہ زلازل کے متعلق خبریں

حضرت اقدسؑ کا ابتداء" باغ میں آنے کا منشاء صرف یہ تھا کہ چند روز باغ میں چل کر دعائیں کریں مگر اس کے بعد آپ کو الہامات کے ذریعہ سے مسلسل خبریں ملنے لگیں کہ پھر زلزلے آنے والے ہیں۔ لہٰذا حضور کو مزید انکشافات تک یہیں رہنا پڑا۔ [۲۴] حضرت اقدسؑ کو ۸/ اپریل ۱۹۰۵ء '۹/ اپریل ۱۹۰۵ء اور پھر ۲۹/ اپریل ۱۹۰۵ء کو زلازل کے متعلق متعدد الہامات ہوئے جو آپ نے انہی دنوں مختلف اشتہارات کے ذریعہ سے اہل ملک تک پہنچا دیئے۔ [۲۵]

سوان پیشگوئیوں کے مطابق اگلے سال سے پھر زلازل شروع ہو گئے۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء میں کیلیفورنیا [۲۶] اور والپریزو اور چلی میں زبردست زلزلے آئے۔ ۱۹۰۷ء میں جمیکا میں زلزلہ آیا۔ ۰۸-۱۹۰۸ء میں میسینا اور کلیبریا میں '۱۹۱۴ء میں اٹلی میں ۱۹۳۴ء میں بہار میں اور ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ میں زلزلہ آیا۔ [۲۷]

۱۹۰۵ء کے زلزلہ کے بعد عام طور پر خیال تھا کہ ہندوستان میں یہ آفت نہیں آئے گی۔ چنانچہ جاپان کا ایک پروفیسر اموری جو علم زلازل کا محقق اور مبصر تھا زلازل کی تحقیقات کے لئے ہندوستان آیا اور تحقیقات کے بعد بعد اس نے اپنی رائے ظاہر کی کہ یہاں اب دو سو سال تک اور کوئی زلزلہ نہیں آئے گا [۲۸] لیکن اگلے سال ہی ۲۷/ فروری ۱۹۰۶ء کا دن گزرنے کے بعد رات کو ڈیڑھ بجے کے قریب ایسا زبردست زلزلہ آیا کہ بہت سے گھر مسمار اور بہت سی جانیں تلف ہو گئیں۔ [۲۹] حضرت اقدس کو یہ الہام ہوا تھا کہ ع

"پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی"

اس کے بارے میں آپ کی تفہیم یہ تھی کہ "بہار کے زمانہ میں ایک اور سخت زلزلہ آنے والا ہے۔ وہ بہار کے دن ہوں گے۔" [۳۰] چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق یہ زلزلہ بہار ہی کے دنوں میں آیا۔

اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا بھی غیروں نے کھلا اعتراف کیا۔ چنانچہ مولانا عبداللہ العمادی (ولادت ۱۸۷۴ء) نے اپنے رسالہ "البیان" میں لکھا۔ "آٹھویں فروری کو جو زلزلہ آیا تھا اس کے متعلق قادیان کے مذہبی اخبار "بدر" نے ہمارے پاس ایک اشتہار شائع کرنے کو بھیجا ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ کی پیشین گوئی جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بہت پیشتر کر چکے تھے۔ اور اسی زمانہ میں اخباروں اور رسالوں میں شائع ہو چکی تھی۔ میرزا صاحب کی فراست ایمانی کے ہم بھی قائل ہیں اور ان کی پیشگوئیاں صحیح بھی ہوتی ہیں لیکن افسوس ہے کہ ایک طویل اشتہار شائع کرنے کی البیان میں گنجائش نہیں۔" [۲۱]

"براہین احمدیہ" حصہ پنجم (نصرۃ الحق) کی تصنیف اور جنگ عظیم (زلزلہ عظیمہ) کی عظیم الشان پیشگوئی

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۸۸۰ء سے کتاب "براہین احمدیہ" کی اشاعت کا آغاز فرمایا تھا۔ خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے ایسا اتفاق ہوا کہ براہین احمدیہ کے چار حصے آپ نے ۱۸۸۴ء تک شائع فرما دیئے۔ اس کے بعد اکیس برس تک اس کتاب کا چھپنا ملتوی رہا۔ اس مدت میں حضور اقدسؑ نے اسی کے قریب تالیفات فرمائیں جن میں سے بعض بڑے بڑے حجم کی تھیں لیکن اس کتاب کی تکمیل کی طرف توجہ پیدا نہ ہوئی۔ کئی مرتبہ حضور کے دل میں یہ درد بھی پیدا ہوا کہ براہین احمدیہ کے ملتوی رہنے پر ایک زمانہ دراز گزر گیا۔ اور باوجود اس کے خریداروں کی طرف سے کتاب کے مطالبہ کے لئے بڑا اصرار ہوا۔ اور اس قدر زمانہ التواء میں مخالفوں کی طرف سے بھی سخت سے سخت اعتراضات اٹھائے گئے مگر پھر بھی قضاو قدر کے مصالح سے اس کتاب کی تکمیل نہ ہو سکی [۲۲] لیکن اس سال فروری ۱۹۰۵ء میں تصرف الٰہی سے حضور کا ذہن اس طرف مبذول ہوا اور آپ نے "براہین احمدیہ" کے پانچویں حصہ کی تصنیف کر کے اس کی تکمیل کر دی۔ حضرت اقدسؑ "براہین احمدیہ" کے پہلے چار حصوں کو "عہد نامہ عتیق" اور پانچویں حصے کو "عہد نامہ جدید" قرار دیا کرتے تھے۔ [۲۳]

یہ عظیم الشان تصنیف جو حضورؑ کی وفات کے بعد شائع ہوئی ایک دیباچہ، دو باب اور ایک ضمیمہ پر مشتمل ہے۔ دیباچہ میں حضورؑ نے کتاب کی تاخیر والتواء کے خدائی اسباب درج فرمائے ہیں۔ پہلا باب معجزہ کی اصل حقیقت اور ضرورت کے بیان میں ہے۔ اور دوسرا ان نشانوں کے بیان میں جو بذریعہ ان

پیشگوئیوں کے ظاہر ہوئے جو "براہین احمدیہ" میں شائع کی گئی تھیں اور بعد کو پوری شان سے پوری ہوئیں۔ کتاب کے ضمیمہ میں زلزلہ کی پیشگوئی کے متعلق بعض مخالفین کے اعتراضات کے جوابات کے علاوہ مشہور بنگالی عالم مولانا سید عبد الواحد صاحب برہمن بڑیہ کے سوالات کا بھی مکمل جواب دیا جو انہوں نے اس زمانہ میں حضور کی خدمت میں لکھ کر بھجوائے تھے۔ مولوی سید عبد الواحد صاحب پر ان جوابات نے حق بالکل منکشف کر دیا اور آپ یکم نومبر ۱۹۱۲ء کو حضرت خلیفہ المسیح الاول کے ہاتھ پر بیعت کر کے داخل سلسلہ ہو گئے اور پھر پوری عمر تبلیغ حق میں گزار دی۔ [۳۴]

اس کتاب میں حضور نے "زندہ مذہب" اور سورۃ مومنون کی ابتدائی آیات پر ایسی لطیف روشنی ڈالی ہے کہ انسان اس علمی معجزہ کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ کتاب میں حضور کی دو طویل مگر مؤثر اردو نظمیں اور ایک عربی نظم بھی شامل ہیں جن میں آپ کے دعاوی اور ان کے دلائل اور نشانات کا نہایت عمدہ رنگ میں خلاصہ آگیا ہے۔

زلزلہ عظیمہ کی زبردست پیشگوئی اور اس کا ظہور جنگ عظیم کی شکل میں

ایک زلزلہ عظیم کے متعلق حضرت اقدسؑ نے "النداء من السماء" اور دوسرے اشتہارات میں جو پیشگوئیاں فرمائیں تھی ان کو مزید تفصیلات حضورؑ نے براہین احمدیہ حصہ پنجم میں ایک نظم کے آخر میں درج فرمائیں۔ چنانچہ آپؑ نے فرمایا

اک نشان ہے آنے والا آج سے کچھ دن کے بعد — جس سے گردش کھائیں گے دیہات و شہر اور مرغزار
آئے گا قہر خدا سے خلق پر اک انقلاب — اک برہنہ سے نہ یہ ہو گا کہ تا باندھے آزار
یک بیک اک زلزلہ سے سخت جنبش کھائیں گے [۴۸] — کیا بشر اور کیا شجر اور کیا حجر اور کیا بحار
اک جھپک میں یہ زمیں ہو جائے گی زیر و زبر — نالیاں خوں کی چلیں گی جیسے آب رود بار
رات جو رکھتے تھے پوشاکیں برنگ یاسمن — صبح کر دے گی انہیں مثل درختان چنار
ہوش اڑ جائیں گے انساں کے پرندوں کے حواس — بھولیں گے نغموں کو اپنے سب کبوتر اور ہزار
ہر مسافر پر وہ ساعت سخت ہے اور وہ گھڑی — راہ کو بھولیں گے ہو کر مست و بے خود راہوار
خون سے مردوں کے کوہستان کے آب رواں — سرخ ہو جائیں گے جیسے ہو شراب انجبار
مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جن و انس — زار بھی ہو گا تو ہو گا اس گھڑی باحال زار
اک نمونہ قہر کا ہو گا وہ ربانی نشاں — آسماں حملے کرے گا کھینچ کر اپنی کٹار
ہاں نہ کر جلدی سے انکار اے سفیہ ناشناس — اس پہ ہے میری سچائی کا سبھی دار و مدار

وحی حق کی بات ہے ہو کر رہے گی بے خطا کچھ دنوں کر صبر ہو کر متقی اور بردبار
یہ گماں مت کر کہ یہ سب بدگمانی ہے معاف قرض ہے واپس ملے گا تجھ کو یہ سارا ادھار ۳۷

اس زلزلہ عظیمہ کے بارے میں حضور نے اپنی نوٹ بک میں ایک نظم بھی درج فرمائی تھی جس کے چند اشعار یہ تھے۔

وحی حق کے ظاہری لفظوں میں ہے۔ وہ زلزلہ لیک ممکن ہے کہ ہو کچھ اور ہی قسموں کی مار
کچھ ہی ہو پر وہ نہیں رکھتا زمانے میں نظیر فوق عادت ہے کہ سمجھائے گا وہ روز شمار
وہ تباہی آئے گی شہروں پہ اور دیہات پر جس کی دنیا میں نہیں ہے مثل کوئی زینہار
ایک دم میں غمکدے ہو جائیں عشرت کدے شادیاں جو کرتے تھے بیٹھیں گے ہو کر سوگوار
ایک ہی گردش سے گھر ہو جائیں گے مٹی کا ڈھیر جس قدر جانیں تلف ہوں گی نہیں ان کا شمار
ان ہے پر آگ سے وہ سب بچائے جائیں گے جو کہ رکھتے ہیں خدائے ذوالعجائب سے پیار ۳۸

ایک اہم روایت

یہاں ایک اہم روایت کا درج کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ حضرت اقدسؑ نے براہین احمدیہ کی نظم میں "مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جن وانس" کی بجائے دراصل یہ مصرعہ لکھا تھا کہ "مضمحل ہو جائیں گی اس خوف سے سب طاقتیں۔" مگر خواجہ کمال الدین صاحب کے اصرار پر حضورؑ نے "طاقتیں" کا مفہوم "جن وانس" کے لفظ سے ظاہر کر کے مصرعہ بدل دیا۔ اس لطیف تصرف سے اصل مطلب میں تو کوئی فرق نہیں آیا مگر اس سے جن و انس کی ایک واقعاتی تعبیر نمایاں ہو گئی۔ وہ ورق جس پر پہلا مصرعہ چھپا تھا رہنے دیا گیا اور اس کی بجائے ترمیم کر کے دوسرا ورق شامل کتاب کر دیا گیا۔ (پہلا ورق شعبہ تاریخ احمدیت ربوہ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

زلزلہ عظیمہ میں الہام کے مطابق تاخیر

یہ زلزلہ عظیمہ کی پیشگوئی جس کے متعلق پہلے آپ کو اطلاع ملی تھی کہ آپ کی زندگی میں آئے گا۔ حضور کی دعا کی برکت سے آپ کی زندگی میں ملتوی کر دیا گیا۔ چنانچہ ۲۹/ مارچ کو الہام ہوا۔ "اَخَّرَهُ اللهُ الی وقت مسمی" کہ اسے تاخیر میں ڈال دیا گیا ہے۔ ۳۹ مگر یہ تاخیر محض وقتی تھی۔ لہٰذا وہ بالآخر ۱۸/ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم کی شکل میں ظاہر ہوا جس میں الہام الٰہی کی تمام بیان شدہ علامات صفائی سے پوری ہوئیں اور اس سے تمام دنیا پر حجت تمام ہوئی۔ کانگڑہ کے زلزلہ نے ثابت کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت زمین کی گہرائیوں سے لے کر اس کی سطح تک ہے مگر اس زلزلہ عظیمہ نے یہ ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح جمادات و نباتات پر حکومت رکھتا ہے ان لوگوں کے دلوں

پر بھی وہی حاکم ہے جو حکومت کے نشہ میں چور ہو کر اپنے آپ کو خدائی سے باہر سمجھتے ہیں۔

زلزلہ عظیمہ سے متعلق مختلف علامات کا جنگ عظیم اول میں پورا ہونا

زلزلہ عظیمہ کی پیشگوئی میں یہ بتایا گیا تھا کہ اس کی ابتداء اس طرح ہو گی کہ کوئی مصیبت نازل ہو گی اور تمام دنیا پر زلزلہ آئے گا۔ چنانچہ اسی طرح اس جنگ کی ابتداء ہوئی۔ ۲۸/ جون ۱۹۱۴ء کو آسٹریا کا شہزادہ (آرچ ڈیوک فرانس فرڈیننڈ) قتل ہوا جس کے نتیجہ میں عالمگیر جنگ چھڑ گئی۔

دوسری بات اس پیشگوئی میں یہ بتائی گئی تھی کہ اس آفت عظیمہ کا اثر ساری دنیا پر ہو گا۔ چنانچہ یہ بات روز روشن کی طرح پوری ہوئی۔ اس سے پہلے ایک بھی مصیبت ایسی نہیں آئی جس کا اثر اس وسعت کے ساتھ ساری دنیا پر پڑا ہو۔

ایک علامت یہ بتائی گئی تھی کہ پہاڑ اور شہر اڑائے جائیں گے اور کھیت برباد ہوں گے سو ایسا ہی ہوا۔ بیسیوں پہاڑیاں کثرت گولہ باری اور سرنگوں کے لگانے سے مٹ گئیں اور بہت سے شہر برباد ہو گئے۔ جس ملک کی فوج آگے بڑھی اس نے دوسرے ملک کے کھیت اور شہر اجاڑ دیئے۔ سبزہ کا نام و نشاں باقی نہ چھوڑا۔

ایک علامت یہ بتائی گئی تھی کہ جانوروں کے ہوش و حواس اڑ جائیں گے۔ سو ایسا ہی ہوا۔

ایک علامت یہ بتائی گئی تھی کہ زمین الٹ پلٹ ہو جائے گی۔ چنانچہ فرانس۔ سرویا اور روس کے علاقوں میں گولہ باری کی کثرت سے بعض جگہ اس قدر بڑے گڑھے پڑ گئے کہ نیچے سے پانی نکل آیا اور اسی طرح خندقوں کی جنگ کے طریق پر زور دینے کی وجہ سے ملک کا ہر حصہ کھد گیا۔

ایک علامت یہ بتائی گئی تھی کہ ندیوں کے پانی خون سے سرخ ہو جائیں گے اور خون کی ندیاں چلیں گی۔ سو بلا مبالغہ اسی طرح ہوا۔ بعض دفعہ اس قدر خون ریزی ہوتی تھی کہ ندیوں کا پانی فی الواقعہ میلوں میل تک سرخ ہو جاتا تھا۔

ایک علامت یہ بتائی گئی تھی کہ مسافروں پر وہ ساعت سخت ہو گی اور بعض ان میں سے راستہ بھولتے پھریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جس وقت جنگ شروع ہوئی ہے اس وقت ہزاروں لاکھوں آدمی دشمنوں کے ممالک میں گھر گئے اور بعض ہزاروں میل کا چکر لگا کر گھروں کو پہنچے اور جنگ کے درمیان بھی بہت دفعہ فوجی سپاہیوں کو بعض ناکوں کے دشمن کے قبضہ میں چلے جانے کی وجہ سے سینکڑوں میل کا سفر کر کے جانا پڑتا تھا اور انگریز سپاہی بوجہ فرانس میں مسافر ہونے کے راستہ بھول جاتے تھے۔ چنانچہ

اس قسم کے حوادث کی کثرت کی وجہ سے آخر فرانسیسی زبان میں ان کی رجمنٹوں وغیرہ کے نام تختوں پر لکھ کر ان کے گلوں میں لٹکانے پڑے۔

ایک علامت یہ بتائی گئی تھی کہ یورپ جو کچھ عمارات تیار کرا رہا ہے وہ مٹادی جائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس جنگ نے علاوہ ظاہری عمارتوں کے گرانے کے یورپین تمدن کی بنیادوں کو بھی ہلا دیا۔

ایک علامت اس جنگ کی یہ بتائی گئی تھی کہ تمام بیڑے اس وقت تیار رکھے جائیں گے۔ چنانچہ اس جنگ کے دوران میں برسرپیکار قوموں کے علاوہ دوسری حکومتوں کو بھی اپنے بیڑے ہر وقت تیار رکھنے پڑتے تھے۔

ایک علامت اس جنگ کی یہ بتائی گئی تھی کہ بحری تیاریاں بھی بڑے زور سے ہوں گی۔ چنانچہ جس قدر جہاز اس جنگ میں استعمال ہوئے اس سے پہلے کبھی اس کی مثال نہیں ملتی۔

ایک نشانی اس آفت کی یہ بتائی گئی تھی کہ وہ اچانک آئے گی۔ چنانچہ بڑے بڑے مدبروں نے اقرار کیا کہ گو وہ ایک جنگ کے منتظر تھے مگر اس قدر جلد اس کے پھوٹ پڑنے کی ان کو امید نہ تھی

ایک علامت یہ تھی کہ جس طرح خدا کا ذکر مٹ گیا ہے اس طرح گھر برباد کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سب سے زیادہ عیاشی میں مبتلا فرانس کا مشرقی علاقہ تھا۔ تمام یورپ کو شراب وہیں سے بہم پہنچائی جاتی تھی اور عیش و عشرت کو پسند کرنے والے کل مغربی ممالک سے وہاں جمع ہوتے تھے۔ سو اسی علاقہ کو سب سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ جس طرح خدا کا ذکر وہاں سے مٹ گیا تھا وہاں کے در و دیوار اسی طرح مٹا دیئے گئے۔

ایک عظیم الشان علامت جو اپنے اندر کئی نشانات رکھتی ہے۔ یہ بتائی گئی تھی کہ اس جنگ میں زار کا حال بہت ہی خراب ہو گا جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی اس وقت کے حالات اس کے الفاظ کے پورا ہونے کے بالکل مخالف تھے۔ مگر پیشگوئی پوری ہوئی اور ہر ایک کے لئے حیرت کا موجب بنی۔ جس وقت روس میں فساد پھوٹا اس وقت زار روس سرحد پر فوجوں کے معائنہ کے لئے گیا ہوا تھا۔ زار روس نے لوگوں میں جوش کی حالت معلوم کر کے گورنر کو سختی کرنے کا حکم دے دیا۔ مگر اس دفعہ سختی نے خلاف معمول اثر کیا۔ لوگوں کا جوش اور بھی بڑھ گیا۔ بادشاہ نے اس گورنر کو بدل کر ایک اور گورنر مقرر کر دیا اور خود دارالخلافہ کی طرف چلا۔ مگر راستہ میں اسے اطلاع ملی کہ لوگوں کا جوش تیزی پر ہے اور یہ کہ اس کو اس وقت دارالخلافہ کی طرف نہیں آنا چاہیے۔ مگر بادشاہ نے اس نصیحت کی پرواہ نہ کی اور خیال کیا کہ اس کی موجودگی میں کوئی شور نہیں ہو سکتا اور آگے بڑھتا گیا۔ کچھ ہی دور آگے ٹرین گئی تھی کہ معلوم ہوا باغیوں نے دفاتر وزارت پر قبضہ کر لیا ہے اور ملکی حکومت قائم ہو گئی ہے۔ یہ سب

کچھ ایک ہی دن میں ہو گیا۔ یعنی بارہ ۱۲۔ مارچ ۱۹۱۷ء کی صبح سے شام تک دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ اختیار رکھنے والا بادشاہ جو اپنے آپ کو زار کہتا تھا یعنی کسی کی حکومت نہ ماننے والا اور سب پر حکومت کرنے والا، حکومت سے بیدخل ہو کر اپنی رعایا کے ماتحت ہو گیا اور پندرہ مارچ کو مجبوراً اسے اپنے ہاتھ سے یہ اعلان لکھنا پڑا کہ وہ اور اس کی اولاد تخت روس سے دستبردار ہوتے ہیں اور حضرت اقدس کی پیشگوئی کے مطابق زاروں کے خاندان کی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ مگر ابھی اللہ تعالیٰ کے کلام کے بعض حصوں کا پورا ہونا باقی تھا۔ نکولس ثانی (زار روس) یہ سمجھتا تھا کہ وہ حکومت سے بیدخل ہو کر اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی جان بچالے گا اور خاموشی سے اپنی ذاتی جائدادوں کی آمد پر گزارہ کرلے گا۔ مگر اس کا یہ ارادہ بھی پورا نہ ہو سکا۔ پندرہ مارچ کو وہ حکومت سے دستبردار ہوا اور ۲۱/ مارچ کو قید کر کے سکوسیلو بھیج دیا گیا۔ ۲۲/ مارچ کو امریکہ نے ۲۴/ مارچ کو انگلستان۔ فرانس اور اٹلی نے باغیوں کی حکومت تسلیم کرلی اور زار کی سب امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اس نے دیکھ لیا کہ اس کی دوست حکومتوں نے جس کی مدد پر اسے بھروسہ تھا اور جن کے لئے وہ جرمن سے جنگ کر رہا تھا کہ ایک ہفتہ کے اندر اندر اس کی باغی رعایا کی حکومت تسلیم کرلی ہے اور اس کے لئے ایک کمزور سی آواز بھی نہیں اٹھائی۔ مگر اس تکلیف سے زیادہ تکلیفیں اس کے لئے مقدر تھیں تاکہ وہ اپنی زار حالت سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو پورا کرے۔ گو وہ قید ہو چکا تھا مگر روس کی حکومت کی باگ شاہی خاندان کے ایک فرد شہزادہ ڈلواد کے ہاتھ میں تھی جس کی وجہ سے قید میں اس کے ساتھ احترام کا سلوک ہو رہا تھا اور وہ اپنے بچوں سمیت باغبانی اور اسی قسم کے دوسرے شغلوں میں وقت گزارتا تھا۔ مگر جولائی میں اس شہزادہ کو بھی علیحدہ ہونا پڑا اور حکومت کی باگ کرنسکی کے ہاتھ میں دی گئی جس سے قید کی سختیاں بڑھ گئیں۔ تاہم انسانیت کی حدود سے آگے نہیں نکلی تھیں۔ لیکن سات نومبر کو بولشوک بغاوت نے کرنسکی کی حکومت کو بھی بیدخل کر دیا اب زار کی وہ خطرناک حالت شروع ہوئی جسے سن کر سنگدل سے سنگدل انسان بھی کانپ جاتا ہے زار سکوسیلو کے شاہی محل سے نکال کر مختلف جگہوں میں رکھا گیا اور آخر ان مظالم کی یاد دلانے کے لئے جو وہ سائبیریا کی قید کے ذریعہ اپنی بیکس رعایا پر کیا کرتا تھا ایکیٹیرن برگ بھیج دیا گیا جو ایک چھوٹا سا شہر ہے جو جبل یورال کے مشرق کی طرف واقع ہے اور ماسکو سے ۱۴۴۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور اس جگہ وہ سب مشینیں تیار ہوتی ہیں جو سائبیریا کی کانوں میں جہاں روسی پولیٹیکل قیدی کام کیا کرتے تھے استعمال کی جاتی ہیں۔ گویا ہر وقت اس کے سامنے اس کے اعمال کا نقشہ رکھا رہتا تھا۔

صرف ذہنی عذابوں پر ہی اکتفاء نہیں کی گئی بلکہ سوویٹ نے اس کے کھانے پینے میں بھی تنگی کرنا

شروع کردی اور اس کے بیمار بچہ کو وحشی سپاہی اس کے اور اس کی بیوی کے سامنے نہایت بیدردی سے مارتے اور اس کی بیٹیوں کو بھی نہایت ظالمانہ طور سے دق کرتے۔ آخر ایک دن زارینہ کو سامنے کھڑا کرکے اس کی نوجوان لڑکیوں کی جبراً عصمت دردی کی گئی۔ اور جب زارینہ اپنا منہ روتے ہوئے دوسری طرف کرلیتی تو ظالم سپاہی سنگینیں مار مار کو اس کو مجبور کرتے کہ وہ ادھر منہ کرکے دیکھے جدھر ظالم وحشیوں کا گروہ انسانیت سے گری ہوئی کارروائیوں میں مشغول تھا۔ زار اسی قسم کے مظالم کو دیکھتا اور ان سے زیادہ سختیاں برداشت کرتا ہوا جتنی کہ شاید کبھی کسی شخص پر بھی نازل نہ ہوئی ہوں گی ۱۶/ جولائی ۱۹۱۸ء کو معہ کل افراد خاندان کے نہایت سخت عذاب کے ساتھ قتل کردیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے نبی کی بات پوری ہوئی کہ ع

"زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار" [۶۰]

ایک غیر احمدی عالم کا اعتراف

مولوی سمیع اللہ صاحب فاروقی اپنے رسالہ "اظہار الحق" میں لکھتے ہیں۔

"اپریل ۱۹۰۵ء میں آپ کو اطلاع ملی کہ "زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار" یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ زار اپنی پوری قوت اور طاقت کے ساتھ روس کے کروڑہا بندگان خدا پر خود مختارانہ حکومت کر رہا تھا۔ لیکن چند ہی سال بعد انقلاب روس کے موقعہ پر بالشویکیوں کے ہاتھ سے زار روس کی جو گت بنی وہ نہایت ہی عبرت انگیز ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا خود مختار بادشاہ پائے بجولاں ہے۔ اس کے خاندان کے تمام ارکان پابند سلاسل ہیں اور باغی اپنی سنگینوں اور بندوقوں سے خاندان شاہی کے ایک ایک رکن کو ہلاک کرتے ہیں۔ جب زار کے تمام بچوں اور بیوی کو باغی تڑپا تڑپا کر مار چکتے ہیں تو زار کو نہایت بے رحمانہ طریق پر قتل کردیتے ہیں۔" [۶۱]

قادیان میں مولانا ابوالنصر آہ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی آمد

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نیا علم کلام ہندوستان میں مقبول ہو رہا تھا جس سے حساس اور دردمند دل رکھنے والے مسلم حلقے متاثر تھے اور غیر مسلموں کے سامنے اسے پیش کرتے تھے۔ ان متاثرین میں مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء۔ ۱۹۵۸ء) کے بڑے بھائی غلام یاسین مولانا ابوالنصر آہ (۱۸۸۲ء ۱۹۰۷ء) بھی تھے۔ مولانا ابوالنصر سے صدہا آدمیوں نے بیعت کر رکھی تھی۔ وہ بمبئی میں وائی۔ ایم۔ ایس کے پریچنگ ہال میں ہر ہفتہ جاتے اور غیر مسلموں سے نہایت سرگرم مباحثے کرتے تھے۔ [۶۲] ان مباحثات میں وہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام لٹریچر سے استفادہ کرتے تھے۔ اور ان کی بڑی

خواہش تھی کہ قادیان میں آکر کسی وقت حضورؑ کی زیارت کا شرف حاصل کریں۔ [۶۳]

حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹۰۲ء میں مولانا ابو النصر نے ایک خواب دیکھا کہ میں اور میرا چھوٹا بھائی ابو الکلام قادیان گئے ہیں۔ ایک چھوٹی سی مسجد میں مرزا صاحب سے ملاقات ہوئی۔ کچھ دینی مسائل میں مرزا صاحب سے گفتگو ہوئی۔ اس گفتگو کے دوران میں میرے بھائی ابو الکلام آزاد نے مرزا صاحب سے سخت کلامی کی۔ پاس ہی عینک لگائے ہوئے ایک بزرگ بیٹھے تھے ان کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے ابو الکلام کو ڈانٹ کر کہا "چپ کس ہستی کے ساتھ بے ادبانہ کلام کرتا ہے جس کی تعریف رسول اللہ ﷺ فرما گئے ہیں" اس عینک والے بزرگ کا بڑا زوردار آواز تھا اور اس کی آواز میں ایک ہیبت تھی جس سے فوراً میری آنکھ کھل گئی۔ مولانا ابو النصر صاحب نے اپنا یہ خواب مجھے سنایا تو میں نے ان سے کہا کہ میرے پاس ایک گروپ فوٹو ہے اس میں حضرت مرزا صاحب کی تصویر بھی ہے۔ میں خود بھی اس تصویر میں ہو۔ اگر میں آپ کو دکھاؤں تو آپ اس بزرگ کو پہچان لیں گے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں مجھے انکا چہرہ اچھی طرح یاد ہے۔ دو چار دن کے بعد سیٹھ صاحب وہ فوٹو ان کے پاس لے گئے اور انہوں نے بڑے غور سے دیکھ کر اپنی انگلی سے ان کو بتایا کہ یہ مرزا صاحب ہیں اور عینک لگائے ہوئے بزرگ جنہوں نے میرے بھائی کو ڈانٹا تھا وہ یہ ہیں۔ تب سیٹھ صاحب نے ان کو بتایا کہ ان کا نام مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی ہے۔ ان کی آواز بہت بلند ہے اور ۱۸۹۶ء میں لاہور میں جو جلسہ مذاہب ہوا تھا اس میں حضرت مرزا صاحب کا مضمون سنانے والے یہی بزرگ ہیں۔

اس خواب کے تین سال بعد وہ اپنے چھوٹے بھائی ابو الکلام آزاد کو لے کر (جن کی عمر اس وقت سترہ سال کی تھی) بمبئی سے انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں شرکت کے لئے لاہور آئے جہاں سے فارغ ہو کر ۲/ مئی ۱۹۰۵ء کو نماز ظہر سے قبل قادیان پہنچے اور نہایت عقیدت کے ساتھ حضور کی خدمت میں باغ میں جہاں آپ مقیم تھے حاضر ہوئے حضرت اقدسؑ ان کا حال دریافت فرماتے رہے۔ اس کے بعد حضورؑ نے ان کو بہت قیمتی نصائح فرمائیں۔ [۶۴] جن سے وہ بہت متاثر ہوئے اور بیعت کر لی۔ مولانا ابو الکلام صاحب آزاد قادیان کے سفر میں ان کے ساتھ نہیں تھے وہ ۲۵/ مئی ۱۹۰۵ء کو قادیان گئے۔ [۶۵] بہر کیف دونوں بھائی مختصر سے قیام اور انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں شرکت کے بعد پنجاب سے واپس بمبئی پہنچے۔ یہاں مولانا ابو النصر آہ سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب سے ان کی دکان پر ملے اور بتایا کہ ہم قادیان گئے تھے۔ اور جو واقعہ خواب میں میں نے دیکھا تھا اسی طرح وقوع پذیر ہوا یعنی وہی چھوٹی سی مسجد' مرزا صاحب کے ساتھ گفتگو اور میرے بھائی کی سخت کلامی اور مولوی عبد الکریم صاحب کا ڈانٹنا بالکل اسی طرح وقوع پذیر ہوا جیسا خواب میں دیکھا تھا۔ نیز یہ کہ میں حضرت

مرزا صاحب کی بیعت کر آیا ہوں مگر اخبار میں اعلان نہ کرنے کے لئے کہہ آیا ہوں۔ کیونکہ ایک تو والدہ صاحب کا خیال ہے اور دوسرے میرے بھائی ابو الکلام کا بیعت نہ کرنا ہے۔ [۳۶]

مولانا ابو النصر آہ کے تاثرات

مولانا ابو النصر آہ نے امرتسر کے اخبار "وکیل" میں انہی دنوں مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنے تاثرات شائع کئے۔

"میں نے اور کیا دیکھا؟ قادیان دیکھا۔ مرزا صاحب سے ملاقات کی۔ مہمان رہا۔ مرزا صاحب کے اخلاق اور توجہ کا مجھے شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ میرے منہ میں حرارت کی وجہ سے چھالے پڑ گئے تھے اور میں شور غذائیں نہیں کھا سکتا تھا مرزا صاحب نے (جب کہ دفعتاً گھر سے باہر تشریف لے آئے) دودھ اور پاؤ روٹی تجویز فرمائی۔ آج کل مرزا صاحب سے قادیان سے باہر ایک وسیع اور مناسب باغ میں (جو خود انہیں کی ملکیت ہے) قیام پذیر ہیں۔ بزرگان ملت بھی وہیں ہیں۔

قادیان کی آبادی تقریباً ۳ ہزار آدمیوں کی ہے مگر رونق اور چہل پہل بہت ہے۔ نواب صاحب مالیر کوٹلہ کی شاندار اور بلند عمارت تمام بستی میں صرف ایک ہی عمارت ہے۔ راستے کچے اور ناہموار ہیں بالخصوص وہ سڑک جو بٹالہ سے قادیان آئی ہے اپنی نوعیت میں سب پر فوق لے گئی ہے۔ آتے ہوئے مجھے یکہ میں جس قدر تکلیف ہوئی تھی نواب صاحب کے رتھ نے لوٹتے وقت نصف کی تخفیف کر دی۔ اگر مرزا صاحب کی ملاقات کا اشتیاق میرے دل میں موجزن نہ ہوتا تو شاید آٹھ میل تو کیا آٹھ قدم بھی آگے نہ بڑھ سکتا۔ اکرام الضیف کی صفت خاص اشخاص تک محدود نہ تھی چھوٹے سے لے کر بڑے تک ہر ایک نے بھائی کا سلوک کیا۔ اور مولانا حاجی حکیم نور الدین صاحب جن کے اسم گرامی سے تمام انڈیا واقف ہے۔ اور مولانا عبد الکریم صاحب جن کی تقریر کی پنجاب میں دھوم ہے۔ مولوی مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر جن کی تحریروں سے کتنے انگریز یورپ میں مسلمان ہو گئے ہیں۔ جناب میر ناصر نواب صاحب دہلوی مرزا صاحب کے خسر ہیں۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ایل ایل۔ بی ایڈیٹر "ریویو آف ریلیجنز" مولوی یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر الحکم۔ جناب شاہ سراج الحق صاحب وغیرہ وغیرہ پرلے درجہ کی شفقت اور نہایت محبت سے پیش آئے۔ افسوس مجھے اور اشخاص کا نام یاد نہیں ورنہ میں ان کی مہربانیوں کا بھی شکریہ ادا کرتا۔ میرزا صاحب کی صورت نہایت شاندار ہے جس کا اثر بہت فوری ہوتا ہے۔ آنکھوں میں ایک خاص طرح کی چمک اور کیفیت ہے اور باتوں میں ملائمت ہے۔ طبیعت منکسر مگر حکومت خیز۔ مزاج ٹھنڈا مگر دلوں کو گرما دینے والا۔ بردباری کی شان نے انکساری کی کیفیت میں اعتدال پیدا کر دیا ہے۔ گفتگو ہمیشہ اس نرمی سے کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا متبسم ہیں۔ رنگ گورا ہے۔ بالوں کو حنا کا رنگ دیتے ہیں۔ جسم مضبوط اور

مختی ہے۔ سر پر پنجابی وضع کی سپید پگڑی باندھتے ہیں۔ سیاہ یا خاکی لمبا کوٹ زیب تن فرماتے ہیں۔ پاؤں میں جراب اور دیسی جوتی ہوتی ہے۔ عمر تقریباً ۶۶ سال کی ہے۔ مرزا صاحب کے مریدوں میں میں نے بڑی عقیدت دیکھی اور انہیں بہت خوش اعتقاد پایا۔ میری موجودگی میں بہت سے معزز مہمان آئے ہوئے تھے جن کی ارادت بڑے پایہ کی تھی اور بے حد عقیدت مند تھے۔

مرزا صاحب کی وسیع الاخلاقی کا یہ ایک ادنیٰ نمونہ ہے کہ اثنائے قیام کی متواتر نوازشوں کے خاتمہ پر بایں الفاظ مجھے مشکور ہونے کا موقعہ دیا" ہم آپ کو اس وعدہ پر اجازت دیتے ہیں کہ آپ پھر آئیں اور کم از کم دو ہفتہ قیام کریں۔ "(اس وقت کا تبسم ناک چہرہ اب تک میری آنکھوں میں ہے) میں جس شوق کو لے کر گیا تھا ساتھ لایا۔ اور شاید وہی شوق مجھے دوبارہ لے جائے۔ واقعی قادیان نے اس جملہ کو اچھی طرح سمجھا ہے کہ حَسِّنْ خُلُقَکَ وَلَوْ مَعَ الْکُفَّارِ۔"

میں نے اور کیا دیکھا؟ مگر قلمبند کرنے کا موقع نہیں۔ سٹیشن پر جانے کا وقت سر پر آچلا ہے۔ پھر کبھی بتاؤں گا کہ میں نے کیا دیکھا۔ راقم ا۔ہ۔" [۶۷]

مولانا ابوالکلام آزاد کے تاثرات

مولانا ابوالنصر آہ نے قادیان سے واپسی کے معاً بعد اپنے تاثرات شائع کر دیئے مگر مولانا آزاد نے کافی عرصہ بعد اپنی سوانح لکھواتے ہوئے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کو اپنے سفر قادیان کے حالات قلمبند کرائے جو ان کی وفات کے بعد کتاب "آزاد کی کہانی" میں شائع ہوئے۔ جہاں مولانا ابوالنصر کے تاثرات صاف واضح اور واقعات کے عین مطابق ہیں وہاں مولانا آزاد کے بیان میں شاید اس وجہ سے کہ برسوں بعد محض اپنی یادداشت سے مرتب کیا گیا تھا کئی خلاف واقعہ باتیں بھی آگئی ہیں۔ "مثلاً انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت اقدسؑ نے شب گزشتہ کا یہ الہام سنایا کہ "ایاک نعبد و ایاک نستعین"۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضور کو عمر بھر ایسا کوئی الہام نہیں ہوا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خود مولانا نے واقعات کو عمداً مسخ کر کے پیش کیا ہو (جیسا کہ ان کی اس خود نوشت سوانح حیات کے بارے میں رسالہ "الفرقان" بریلی نے تاریخی حقائق کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ وہ سراسر غلط ہیں) افسوسناک بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی سوانح میں اپنے بڑے بھائی کے قادیان میں جانے کا اشارہ تک ذکر کرنے سے بھی گریز کیا ہے۔ البتہ ان کے بیان سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات کے دوران کوئی ایسا رنگ ضرور اختیار کیا جو حضرت اقدس علیہ السلام پر گراں گزرا۔ جیسا کہ مولانا ابوالنصر آہ کو رؤیا میں دکھایا گیا تھا۔ بہرحال سفر قادیان سے متعلق انہوں نے اپنے تاثرات یہ لکھوائے کہ "سفر پنجاب میں قادیان بھی گیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے

دعاوی اور بعض رسالے دیکھ چکا تھا۔ طبیعت میں ہر نئی بات کے تجسس اور واقفیت کا شوق تھا ہی۔ خیال ہوا کہ انہیں بھی دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ بٹالہ گیا اور وہاں سے قادیان روانہ ہوا۔ سخت گرمی شروع ہو چکی تھی اور سڑک بالکل کچی تھی بڑی تکلیف ہوئی۔ وہاں پہنچا تو قصبے کے باہر ہی ایک باغ میں اتارا گیا معلوم ہوا کہ مرزا صاحب اور ان کے وابستہ اشخاص یہیں مقیم ہیں۔ اس سال مشہور کانگڑے کا زلزلہ آیا تھا اور اس کے بعد عرصے تک کچھ کچھ وقفے کے بعد زلزلوں کا ظہور ہوتا رہا تھا۔ یہ زیادہ نقصان رساں نہ تھے لیکن آئندہ کے لئے کھٹکا پیدا ہو گیا تھا۔ زلزلے ہی کی وجہ سے مرزا صاحب عمارات چھوڑ کر باغ میں آ گئے تھے۔ شام کو مغرب کے بعد پہنچا۔ یکے والا مرزا صاحب کا مرید تھا اس لئے وہ ٹھیک منزل مقصود پر لے گیا۔ انجمن کے جلسے میں قادیان کے کئی شخصوں سے ملاقات ہو گئی تھی۔ انہی میں مولوی یعقوب علی ایڈیٹر "الحکم" بھی تھے۔ انہوں نے حسب عادت بہت اصرار کیا تھا کہ میں قادیان جاؤں۔ اور وعدہ لیا تھا کہ روانگی سے پہلے اطلاع دے دینا لیکن میں نے کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔ ایک درخت کے نیچے چارپائی پر مولوی عبدالکریم مرحوم بیٹھے تھے۔ میں نے ان کو بیساکھی سے جو پاس پڑی تھی پہچان لیا کہ مولوی عبدالکریم ہی ہیں کیونکہ میں پہلے سن چکا تھا۔ ان کے بعض عزیز والد مرحوم کے مرید تھے اور کلکتے میں ذکر کیا کرتے تھے میں ان سے ملا اور اپنے آنے کا مقصد مرزا صاحب کی ملاقات بتایا۔ وہ بڑے اخلاق سے ملے اور فوراً لوگوں سے کہا کہ میرے لئے کھانا لے آئیں۔ اور کہا کہ "اکرام ضیف" تو ہمارا فرض ہے۔ میں یکے کے سفر اور کچی سڑک کی وجہ سے ہچکولوں سے بالکل چور ہو رہا تھا۔ عشاء کی نماز مولوی عبدالکریم صاحب کے پیچھے پڑھ کے ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا اور صبح کو چار بجے اٹھا تو نماز کے چبوترے پر لوگوں کو نماز صبح کے لئے تیار پایا اور اس سے طبیعت متاثر ہوئی۔ نماز کے بعد مرزا صاحب باہر نکلے اور ایک چارپائی پر بیٹھ گئے۔ معتقدین نے ہر طرف سے ہجوم کیا۔ بعض لوگ پاؤں دبانے لگے۔ انہوں نے مولوی نور الدین مرحوم کو بلایا۔ میں ان کا نام مرزا صاحب کی جماعت کے ایک خاص کارکن کی حیثیت سے سن چکا تھا۔ وہ خضاب حنا کی وجہ سے ڈھاٹا باندھے آئے اور مرزا صاحب نے شب گزشتہ کے تازہ الہامات سنانا شروع کئے۔ ایک الہام یہ تھا۔ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" مولوی نور الدین مرحوم سے وہ پوچھتے تھے کہ اس کا مقصد کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس پر یاد نہیں کہ مولوی صاحب نے کیا جواب دیا۔ پھر وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور میرے حالات پوچھتے رہے اور کہا کہ جب آپ آئے ہیں تو کم سے کم چالیس دن تک ضرور رہیے۔ اس طرح آنے سے اور جلد چلے جانے سے تو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد مرزا صاحب اندر چلے گئے اور مولوی عبدالکریم مرحوم نے مجھے پھر مولانا نور الدین صاحب مرحوم اور

جماعت کے بڑے لوگوں سے ملایا۔ نواب محمد علی مالیر کوٹلہ کے بھی وہیں تھے۔ جمعہ کی نماز وہیں ایک میدان میں ہوئی۔ میں گیا تو لوگوں نے مجھے پہلی صف میں جگہ دی۔ اتنے میں مرزا صاحب آئے اور منبر کے جنب میں امام کے مصلے پر بیٹھ گئے۔ اس وقت مولوی عبدالکریم مرحوم نے خطبہ دیا۔ خطبے کا موضوع یہ تھا کہ بہت سی برکتیں انبیائے سلف میں نہیں آئیں۔ ان سے خدا نے مرزا صاحب کو سرفراز فرمایا۔ ازاں جملہ یہ کہ اعلان و تبلیغ رسالت کے یہ وسائل ان انبیاء کے زمانے میں کہاں تھے۔ ریل' تار' ڈاک' گریموفون' اخبارات پریس ان وسائل سے کس طرح پر صدا مشرق و مغرب میں پھیلائی جا سکتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ نماز بھی مولوی عبدالکریم نے پڑھائی اور مرزا صاحب صف سے آگے مگر ان سے دو انچ پیچھے تنہا کھڑے رہے۔ نماز کے بعد پھر میری طرف ملتفت ہوئے اور اصرار کیا کہ میں چند دن قیام کروں۔ میں نے معذرت کی اور اسی دن روانگی کا ارادہ ظاہر کیا۔ میرا مقصود اس سفر سے صرف وہاں کا طور طریقہ دیکھ لینے کا تھا تاکہ معلومات سے باہر یہ معاملہ باقی نہ رہے۔ اس سے زیادہ کوئی خواہش نہ تھی۔ وہاں یہ کوشش تھی کہ میں کوئی معین خیال بھی ظاہر کروں۔ مرزا صاحب نے کئی باتیں اپنے دعاوی اور منصب کی نسبت ایسی کہیں جو سامع کو نفیاً یا اثباتاً کسی جانب پر مجبور کرنے والی تھیں لیکن میں خاموش رہا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میری تمام کتابیں تم نے دیکھی ہیں؟ جو رسائل دیکھے ان کا ذکر کیا۔ اس پر انہوں نے چند کتابیں مجھے دینے کے لئے مولوی محمد صادق ایڈیٹر "بدر" سے کہا جو اس صحبت کے نوٹ لے رہے تھے انہوں نے وفات مسیح کا بھی ذکر چھیڑا اور کہا کہ یہی مسئلہ ہے جس کے اعلان نے کسر صلیب کی خبر پوری کر دی۔ اس پر میں نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ سے پہلے بعض مفسرین مثلاً صاحب "اسرار الغیب" اور اس عہد میں مولوی چراغ علی اور سرسید اس کا بڑے زور شور سے اعلان کر چکے ہیں۔

یہ بات ان پر گراں گزری۔ انہوں نے کہا چراغ علی اور سرسید نے جو کچھ کہا وہ صرف مادی رنگ میں تھا اور میں نے اسے روحانی رنگ میں ثابت کیا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی لیکن میں بحث کا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ اس طرح کا کوئی جذبہ اپنے اندر رکھتا تھا۔ میرے خیالات اس وقت سرسید کی تقلید پر مبنی تھے اس لئے ان کے مشن سے مجھے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کے بعد کچھ دیر تک مولوی نور الدین مرحوم اور بعض دیگر وہاں کے اہلیان سے میں ملا۔ واپسی میں نواب محمد علی نے اپنی رتھ بٹالے تک کے لئے دے دی جو کچی سڑک پر بہت آرام دیتی ہے اور واپسی میں مجھے اس سے بہت آرام رہا۔" ۲۸

"آہ نادر شاہ کہاں گیا"

۵ / مئی ۱۹۰۵ء کو حضرت مسیح موعود کو ایک رؤیا میں یہ الفاظ لکھے ہوئے دکھلائے گئے۔ "آہ نادر شاہ کہاں گیا" [۴۹] یہ مختصر الفاظ اپنے اندر افغانستان کی حکومت کے متعلق ایک زبردست انقلاب کی پیشگوئی پر مشتمل تھے جو ۸ / نومبر ۱۹۳۳ء کو پوری شان سے پوری ہوئی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۲۹ء میں جب امیر امان اللہ خاں صاحب (ولادت ۱۸۹۲ء) والی افغانستان کی حکومت کا تختہ حبیب اللہ خاں صاحب نے الٹ دیا تو افغانوں نے نادر خاں صاحب (۱۸۸۰ء - ۱۹۳۳ء) کو فرانس سے بلوا کر تخت حکومت ان کے سپرد کر دیا۔ اس دن سے نادر خاں صاحب نے اپنے خاندانی اور ملکی لقب "خان" کو چھوڑ کر "شاہ" کا لقب اختیار کیا اور نادر شاہ کہلانے لگے [۵۰] جو حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی کے مطابق ایک غیر معمولی تغیر تھا۔ [۵۱] اس کے تین سال بعد ۸ / نومبر ۱۹۳۳ء کو عین دن کے وقت نادر شاہ کو عبد الخالق نامی ایک شخص کے ذریعہ سے مجمع عام میں قتل کر دیا گیا۔ اس طرح نادر شاہ صاحب کی بے وقت اور اچانک موت سے اہل عالم پکار اٹھے "آہ نادر شاہ کہاں گیا۔" [۵۲، ۵۳]

حواشی

۱- البدر یکم جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۶ کالم نمبر ۳- الحکم ۲۴/۱۷ دسمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۵
۲- الحکم ۳۱/ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۹ کالم نمبر ۳- البدر یکم جون ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۵
۳- اشتہار ۱۸/ اپریل ۱۹۰۵ء منقول از الحکم ۲۴/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۵ کالم نمبر ۳
۴- الحکم ۱۷/۱۰ جون ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۰ کالم نمبر ۳
۵- "انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا" میں زیر لفظ "KANGRA" لکھا ہے کہ اس زلزلہ میں کانگڑہ میں ۱۳۳۹ء اور دوسرے مقامات پر بیس ہزار جانوں کا نقصان ہوا۔ "Records of the Geological Survay of India" جلد ۳۲ حصہ ۴ میں زلزلہ کانگڑہ کی تباہ کاریوں کا مفصل تذکرہ ہے
۶- بحوالہ الحکم ۱۷/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۸ کالم نمبر ۴
۷- بحوالہ الحکم ۲۴/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۱ کالم نمبر ۲
۸- بحوالہ ۱۷/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۷ کالم نمبر ۱
۹- بحوالہ الحکم ۲۴/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۱ کالم نمبر ۴
۱۰- بحوالہ الحکم ۱۷/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۸ کالم نمبر ۳۔ ان اخبارات کے علاوہ پیسہ اخبار' پرکاش' تہذیب نسواں' پولیس ایڈووکیٹ' مجاز الاسلام' سول اینڈ ملٹری گزٹ اور اردو اخبار وغیرہ نے بھی زلزلہ پر اسی طرز کے تبصرے لکھے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۱۷/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۷۔۸ و ۲۴/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۰ و ۳/ اپریل ۱۹۰۵ء نمبر ۱۰۔ ۱۲)
۱۱- سیرت المہدی حصہ دوم روایت نمبر ۳۳۴
۱۲- تحریری بیان لالہ ڈھیروں مل گھڑی ساز مورخہ ۹/ اکتوبر ۱۹۳۲ء/ منقول از سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۲۰۳۔ ۲۰۴
۱۳- البدر ۶/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۶ کالم نمبر ۳
۱۴- الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۸۔ ۱۱
۱۵- الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۶' ۱۱
۱۶- الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۱
۱۷- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۱/ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ کالم نمبر ۴ و الفضل ۳۰/ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵
۱۸- الحکم ۲۴/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۳ کالم نمبر ۲۔ بدر ۴/ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۸ کالم نمبر ۳
۱۹- الفضل ۱۴/ صلح/ جنوری ۱۹۶۹ء/ ۱۳۴۸ ہش صفحہ ۵
۲۰- پیسہ اخبار بحوالہ الحکم ۲۴/ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۱ کالم نمبر ۴
۲۱- پیسہ اخبار یکم مئی ۱۹۰۵ء بحوالہ الحکم ۱۰/ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۶ کالم نمبر ۱
۲۲- سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۶ روایت ۳۲
۲۳- الحکم ۳۰/ جون ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۴
۲۴- الحکم ۱۰/ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۸
۲۵- الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۲ کالم نمبر ۲ و الحکم ۳۰/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۱ کالم نمبر ۴
۲۶- انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا زیر لفظ (Earthquake)
۲۷- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو بدر ۳/ مئی ۱۹۰۶ء و پمفلٹ "خدا کے قہری نشان" صفحہ نمبر ۷ از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔
۲۸- الحکم ۱۰/ مارچ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱ کالم نمبر ۱

۲۹۔ اخبار بدر ۳/ مئی ۱۹۰۶ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۲۔ ۳
۳۰۔ الوصیت صفحہ ۱۳
۳۱۔ رسالہ "البیان" جلد ۵ نمبر ۳ (۱۵/ صفر ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۰/ اپریل ۱۹۰۶ء)
۳۲۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم دیباچہ
۳۳۔ البدر ۵/ مارچ ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۳
۳۴۔ بدر ۷/ نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۴' وفات ۲۰/ مارچ ۱۹۲۶ء۔ بنگال میں بہت سی احمدیہ جماعتیں آپ کے ذریعہ سے قائم ہوئیں۔ آپ نے اپنی بیعت کے مفصل حالات "جذبات الحق" نامی رسالہ میں لکھے ہیں جو قابل دید ہیں (مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۳ اپریل ۱۹۲۶ء صفحہ ۹' الفضل ۲۶/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۲ و الفضل ۳۰/ مارچ ۱۹۴۳ء۔ الفضل ۲۴/ دسمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۳۱)
۳۵۔ تاریخ۔ ۱۵/ اپریل ۱۹۰۵ء
۳۶۔ حاشیہ "خدا تعالیٰ کی وحی میں زلزلہ کا بار بار لفظ ہے اور فرمایا کہ ایسا زلزلہ ہو گا جو نمونہ قیامت ہو گا بلکہ قیامت کا زلزلہ اس کو کہنا چاہیے جس کی طرف سورۃ اذا زلزلت الارض زلزالھا اشارہ کرتی ہے لیکن میں ابھی تک اس زلزلہ کے لفظ کو قطعی یقین کے ساتھ ظاہر پر جما نہیں سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ معمولی زلزلہ نہ ہو بلکہ کوئی اور شدید آفت ہو جو قیامت کا نظارہ دکھلاوے جس کی نظیر کبھی اس زمانہ نے نہ دیکھی ہو اور جانوں اور عمارتوں پر سخت تباہی آوے۔ ہاں اگر ایسا فوق العادت نشان ظاہر نہ ہو اور لوگ کھلے طور پر اپنی اصلاح بھی نہ کریں تو اس صورت میں میں کاذب ٹھہروں گا۔"
۳۷۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۲۰ طبع اول
۳۸۔ درثمین اردو
۳۹۔ الحکم ۳۱/ مارچ ۱۹۰۹ء صفحہ ا کالم نمبر ا
۴۰۔ ملخصاً از "دعوۃ الامیر" ۲۴۳ تا صفحہ ۲۴۴ جنگ عظیم کے متعلق ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹینکا زیر لفظ "World War"
۴۱۔ رسالہ اظہار حق صفحہ ۲۱
۴۲۔ آزاد کی کہانی ۱۸۱ (بہ روایت مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی) ناشر حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی طبع اول اپریل ۱۹۵۸ء
۴۳۔ مولانا عبدالمجید صاحب سالک اپنی کتاب "یاران کہن" صفحہ ۴۱ میں آغا حشر' نظیر حسن سخا اور ابو نصر آہ کے متعلق لکھتے ہیں "مناظروں کے سلسلے میں انہیں مرزا غلام احمد قادیانی کی بعض ایسی کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا جن میں عیسائیوں اور آریوں کے مقابلے میں اسلام کی حمایت کی گئی تھی۔ یاروں کا یہ مجمع ایک دفعہ تو فیصلہ ہی کر چکا تھا کہ پنجاب جائیں اور مرزا صاحب سے ملیں"۔
۴۴۔ مفصل ملاحظہ ہو۔ الحکم ۲۴/ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ نمبر ۱۱
۴۵۔ الحکم ۳۱/ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ا کالم نمبر ۳ پر گزشتہ ہفتہ کی خبروں میں لکھا ہے کہ "سیاح قادیان کے بھائی مولانا آزاد بھی ایک روز کے لئے آئے اور واپس گئے۔" اور مولانا آزاد کے اپنے بیان سے ظاہر ہے کہ یہ جمعرات کا دن تھا جو تقویم شمسی کی رو سے ۲۵/ مئی ہی قرار پاتا ہے۔
۴۶۔ الفضل ۱۴/ جولائی ۱۹۴۵ء صفحہ ۴ کالم نمبر ا حضرت سیٹھ صاحب کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں بھائی گویا ایک ساتھ قادیان گئے تھے جو صحیح نہیں ہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے مولانا ابو النصر آہ ۲/ مئی ۱۹۰۵ء کو اور مولانا ابو الکلام آزاد ۲۵/ مئی ۱۹۰۵ء کو قادیان گئے تھے جب یہ حقیقت ہے تو مولانا ابو النصر نے اپنے خواب کے پورا ہونے کا جو تذکرہ کیا ہو گا وہ اپنے بھائی مولانا آزاد کے بتانے پر ہی کیا ہو گا۔ اندریں صورت ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حضرت سیٹھ صاحبؓ کو بیان کے اس قصہ میں یقیناً سہو ہوا ہے اور ان کی یادداشت میں مولانا ابو النصر آہ کے اصل الفاظ پوری طرح محفوظ نہیں رہ سکے۔ بایں ہمہ پورا بیان اصولی اعتبار سے ایک ناقابل تردید واقعہ ہے جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ حضرت سیٹھ صاحبؓ نے یہ واقعہ مولانا آزاد کو جون ۱۹۴۵ء میں بذریعہ خط لکھ کر بھیج دیا تھا اور اپنا یہ خط اخبار الفضل میں بھی شائع کرا دیا۔ مولانا آزاد اس کے بعد تیرہ برس تک زندہ رہے مگر انہوں نے مولانا ابو النصر آہ کے اس خواب کے پورا ہونے کی بابت قطعاً کوئی تردید شائع نہ کی۔

۴۷- بحوالہ الحکم ۲۴/ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۰۔ ۱۱ و بدر ۲۵/ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۸

۴۸- آزاد کی کہانی صفحہ ۳۳۹ تا ۳۴۲

۴۹- الحکم ۱۰/ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ا کالم نمبر ۴

۵۰- دیکھو اخبار "سیاست" ۱۱/ دسمبر ۱۹۲۹ء زوال غازی صفحہ ۴۲۰۔ ۴۲۲ (مولفہ عزیز ہندی۔ مطبوعہ ثنائی برقی پریس امرتسر۔ سن اشاعت ۱۹۳۳ء)

۵۱- سلسلہ احمدیہ کے اشد ترین معاند اخبار "اہلحدیث" نے ۲۸/ فروری ۱۹۳۰ء کو (جبکہ نادر شاہ نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اور اخبار "الفضل" نے اس کے "نادر شاہ" کہلانے کو حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی کا پورا ہونا ثابت کیا لکھا "شاہ کے لفظ میں پیشگوئی ہے کہ نادر خاں آخر میں نادر شاہ بن جائے گا" (الفضل ۳/ جنوری ۱۹۳۰ء) بات تو بہت معقول ہے مگر ہم پوچھتے ہیں کہ افغانستان میں نادر شاہ بولا جاتا ہے۔ کیا افغانستان کی اصطلاح میں بادشاہ کو شاہ کے لقب سے کبھی یاد کیا گیا کیا کبھی عبد الرحمٰن شاہ یا حبیب اللہ شاہ یا امان اللہ شاہ کے القاب کسی نے سنے۔ وہاں تو شاہ کا لقب بادشاہ کے لئے ہے بھی نہیں بلکہ ہم کہیں گے کسی معتبر تحریر میں عبد الرحمٰن شاہ یا حبیب اللہ شاہ وغیرہ نہیں تھے۔ پس اگر یہ الہام افغانستان کے مافی الضمیر کی ترجمانی ہوتی تو شاہ کا لقب نہ ہوتا بلکہ نادر خاں کا لقب ہوتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نادر شاہ والا الہام کسی اور موقعہ کے لئے ہے۔"

۵۲- چنانچہ انقلاب نے لکھا آہ صد ہزار حسرت و آہ کہ آج افغانستان اپنے بہترین خادم سے محروم ہو گیا" (۱۱/ نومبر ۱۹۳۳ء)
"سیاست" نے لکھا۔ "آہ نادر شاہ خلد آشیاں"۔ (۱۱/ نومبر ۱۹۳۳ء)
اخبار "مدینہ" نے لکھا ہندوستان کے ہوش و حواس پر یہ برقی خبر بجلی کی طرح گری کہ ۸/ نومبر ۳ بجے اعلیٰ حضرت نادر شاہ غازی بادشاہ افغانستان کو کسی غدار وطن نے شہید کر دیا۔ تمام مسلمان غم و افسوس کی تصویر بن گئے" (۱۳/ نومبر ۱۹۳۳ء)

۵۳- سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے نادر شاہ کی موت پر "آہ نادر شاہ کہاں گیا" ہی کے عنوان سے "الفضل" (۲۳ نومبر ۱۹۳۳ء) میں ایک مفصل مضمون لکھا جو ٹریکٹ کی شکل میں شائع ہو گیا تھا۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اور
حضرت مولوی برہان الدین صاحب کا انتقال
اور مدرسہ احمدیہ کی بنیاد

مخدوم الملت حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ اور حضرت مولوی برہان الدین صاحبؓ کا انتقال

عام الحزن ۱۹۰۵ء کا سال عام الحزن کہلانے کا مستحق ہے کیوں کہ اس سال جماعت کے کئی مقتدر بزرگ انتقال فرما گئے۔ مثلاً حضرت منشی عبدالحمید خان صاحب کپور تھلوی (تاریخ وفات ۱۰/ مارچ ۱۹۰۵ء) بابو محمد افضل صاحب ایڈیٹر "البدر" (تاریخ وفات ۲۱/ مارچ ۱۹۰۵ء) مولوی جمال الدین صاحب سید والہ (تاریخ وفات ۲۲/ جولائی ۱۹۰۵ء) حضرت مولوی عبدالکریم صاحب (تاریخ وفات ۱۱/ اکتوبر ۱۹۰۵ء) حضرت مولوی برہان الدین صاحب (تاریخ وفات ۳/ دسمبر ۱۹۰۵ء) ان کے علاوہ حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کی بڑی اہلیہ فاطمہ صاحبہ (تاریخ وفات ۲۸/ جولائی ۱۹۰۵ء) اور ان کے صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب (تاریخ وفات ۲۱/ اگست ۱۹۰۵ء) بھی اسی سال فوت ہو گئے۔

یوں تو سلسلہ کو ان سب بزرگوں اور دوستوں کی جدائی کا نقصان پہنچا مگر مخدوم الملت حضرت مولوی عبدالکریم صاحب صافی اور حضرت مولوی برہان الدین صاحب جیسے بلند پایہ علماء اور خدام ملت بزرگوں کی مفارقت نے تو پوری جماعت کو سوگوار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت ۱۲/ ستمبر ۱۹۰۵ء کو ان حوادث کے بارے میں حضورؑ کو الہاماً بتایا تھا کہ "دو شہتیر ٹوٹ گئے" [1] نیز الہام ہوا "فرع عیسیٰ و من معہ" عیسیٰ اور اس کے ساتھی گھبرا گئے۔ [2] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بالخصوص مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی وفات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ چند دن گزرنے کے بعد حضورؑ نے شام کے بعد دوستوں میں بیٹھنا چھوڑ دیا اور خدام کے عرض کرنے پر فرمایا کہ جب میں باہر دوستوں میں بیٹھا کرتا تھا تو مولوی عبدالکریم صاحب میرے دائیں بیٹھے ہوتے تھے۔ اب میں بیٹھتا ہوں اور مولوی صاحب نظر نہیں آتے تو میرا دل گھٹنے لگتا ہے اس لئے میں نے مجبوراً یہ طریق چھوڑ دیا ہے۔ [3] مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضورؑ نے معاذ اللہ ان کی وفات پر بے صبری کا اظہار فرمایا نہیں ایسا ہر گز نہیں۔ حضورؑ کا تو یہ مقام تھا کہ آپ نے فطری غم کے باوجود دوسروں کو نصیحت فرمائی کہ "مولوی عبدالکریم صاحب کی

موت پر حد سے زیادہ غم کرنا ایک قسم کی مخلوق کی عبادت ہے۔ کیوں کہ جس سے حد سے زیادہ محبت کی جاتی ہے یا حد سے زیادہ اس کی جدائی کا غم کیا جاتا ہے وہ معبود کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ ایک کو بلا لیتا ہے دوسرا قائم مقام اس کے کر دیتا ہے قادر اور بے نیاز ہے۔" [۴] چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان کی وفات سے جو جگہ خالی ہوئی تھی اسے پر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت حافظ روشن علی صاحب کو کھڑا کر دیا۔ [۵]

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کے مختصر سوانح

آپ ۱۸۵۸ء میں بمقام سیالکوٹ پیدا ہوئے۔ آپ کا پیدائشی نام کریم بخش تھا جسے بعد کو حضرت مسیح موعودؑ نے عبدالکریم میں تبدیل کر دیا۔ ابتدائی تعلیم اس زمانہ کے دستور کے مطابق مسجد کے مکتب میں پائی اور قرآن مجید اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور پرائیوٹ طور پر ہی عربی اور فارسی علوم کا مطالعہ کر کے ان میں یہاں تک دسترس حاصل کی کہ امریکن مشن سیالکوٹ میں فارسی کے استاد مقرر کئے گئے۔ ایک روز آپ مشنری کلاس کو فارسی پڑھا رہے تھے کہ کسی طالب علم نے قرآن شریف کے متعلق کوئی گستاخی کا کلمہ کہا۔ حضرت مولوی صاحب یہ دیکھ کر جوش میں آگئے اور غیرت ایمانی کا مظاہرہ کیا چنانچہ اسی بات پر آپ کو سکول سے موقوف کر دیا گیا جس پر آپ نے بورڈ مڈل سکول میں ملازمت اختیار کر لی مگر یہاں بھی آپ نے استعفیٰ دے دیا اور پبلک وعظوں کا سلسلہ جاری کر دیا۔ سیالکوٹ کے راجہ بازار کا چوک آپ کا لیکچر گاہ تھا۔ یہ غالباً ۱۸۸۰ء کی بات ہے۔ آپ کی آواز اتنی دلکش اور مؤثر تھی کہ بعض اوقات ہندو سکھ بھی آپ کی تلاوت قرآنی کو سن کر از خود رفتہ ہو جاتے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ فرشتے آسمان سے اتر کر اللہ تعالیٰ کی حمد کے ترانے گا رہے ہیں۔ علاقہ بھر میں آپ کا چرچا ہو گیا اور لوگ کثرت سے آپ کے جادو بھرے وعظ میں شریک ہونے لگے۔ جو سنتا مسحور ہو جاتا۔ آپ بہت جلد اپنی خداداد طاقت سے ایک فصیح و بلیغ اور پر جوش مقرر بن گئے اور عربی، فارسی، انگریزی اور اردو میں آپ کو اتنی مہارت حاصل ہو گئی کہ ان زبانوں کے عالم بھی آپ کو داد فصاحت دینے لگے۔ آپ کی تقاریر سے عیسائی مشن تھرا گیا اور انہوں نے ہر چند کوشش کی کہ انہیں اپنی ملازمت میں دوبارہ لے سکیں مگر کامیابی نہ ہوئی۔ ایک عرصہ سے آپ کو حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ سے گہرا تعلق رہا بلکہ آپ ایک دفعہ مسلسل چھ ماہ تک کشمیر میں ان کی خدمت میں حاضر رہے۔ یہ تعلق مولوی عبدالکریم صاحب کو بالآخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دامن سے وابستہ کرنے کا موجب بنا۔ [۶] مارچ ۱۸۸۸ء میں حضورؑ سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ ستمبر ۱۸۹۸ء میں آپ مستقل ہجرت کر کے قادیان آبسے اور حضورؑ کے مکان کے اس حصہ میں

رہائش اختیار کرلی جو مسجد مبارک کے اوپر کے صحن کے ساتھ ملحق ہے۔ ۷ اس مکان کے نیچے خود حضرت صاحب کا رہائشی کمرہ تھا۔ ۸ یہاں پانچ وقت کی نماز اور جمعہ کی نماز کی امامت آپ ہی کے سپرد ہوئی جس کے فرائض آپ عمر بھر سرانجام دیتے رہے۔ ۹ آپ پہلے نیچری خیالات رکھتے تھے مگر حضرت اقدسؑ کے فیض صحبت نے آپ کے نظریات کو یکسر پلٹ کر جلد ہی زبردست عاشقانہ رنگ پیدا کر دیا تھا اور وہ قومی اور قلمی جہاد کے میدان کے لئے ایک جرنیل بن گئے اور آخر وقت تک وہ اس خدمت میں مصروف عمل رہے۔ ۱۰ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کی وفات پر اس زبردست تبدیلی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ "وہ اس سلسلہ کی محبت میں بالکل محو تھے۔ جب اوائل میں میرے پاس آئے تھے تو سید احمد کے معتقد تھے۔ کبھی کبھی ایسے مسائل پر میری ان کی گفتگو ہوتی جو سید احمد کے غلط عقائد میں تھے۔ اور بعض دفعہ بحث کے رنگ تک نوبت پہنچ جاتی مگر تھوڑی ہی مدت کے بعد ایک دن علانیہ کہا کہ آپ گواہ رہیں آج میں نے سب باتیں چھوڑ دیں۔ اس کے بعد وہ ہماری محبت میں ایسے محو ہو گئے تھے کہ اگر ہم دن کو کہتے کہ ستارے ہیں اور رات کو کہتے کہ سورج ہے تو وہ کبھی مخالفت کرنے والے نہ تھے۔ ان کو ہمارے ساتھ ایک پورا اتحاد اور پوری موافقت حاصل تھی۔ کسی امر میں ہمارے ساتھ خلاف رائے کرنا وہ کفر سمجھتے تھے۔ ان کو میرے ساتھ نہایت درجہ کی محبت تھی اور وہ اصحاب الصفہ میں سے ہو گئے تھے جن کی تعریف خدا تعالیٰ نے پہلے سے ہی اپنی وحی میں کی تھی۔ ان کی عمر ایک معصومیت کے رنگ میں گزری تھی اور دنیا کی عیش کا کوئی حصہ انہوں نے نہیں لیا تھا۔ نوکری بھی انہوں نے اسی واسطے چھوڑی تھی کہ اس میں دین کی ہتک ہوتی ہے۔ پچھلے دنوں ان کو ایک نوکری دو سو روپے ماہوار کی ملتی تھی مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ خاکساری کے ساتھ انہوں نے اپنی زندگی گزار دی۔ صرف عربی کتابوں کے دیکھنے کا شوق رکھتے تھے۔ اسلام پر جو اندرونی بیرونی حملے ہوتے تھے ان کے دفاع میں اپنی عمر بسر کر دی باوجود اس قدر بیماری اور ضعف کے ہمیشہ ان کی قلم چلتی رہتی تھی۔ ان کے متعلق ایک خاص الہام بھی تھا۔ "مسلمانوں کا لیڈر" میں جانتا ہوں کہ ان کا خاتمہ قابل رشک ہوا کیوں کہ ان کے ساتھ دنیا کی ملونی نہ تھی" ۱۱

ذیابیطس کا حملہ

آپ کی شبانہ روز قلمی و علمی مصروفیات کا نتیجہ تھا کہ زلزلہ کانگڑہ سے قبل آپ کو کثرت پیشاب کا شدید عارضہ ہو گیا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی دعا کی برکت سے افاقہ ہوا ہی تھا کہ ۱۲۔ اگست ۱۹۰۵ء کو آپ کی پشت پر دونوں کندھوں کے درمیان ایک چھوٹی سے پھنسی نمودار ہوئی جو پہلے معمولی سمجھی گئی مگر بعد میں اس نے یکایک خطرناک صورت اختیار کرلی۔ ابتداء اس میں کاربنکل (CARBUNCLE) کی علامات پوری پوری نہ پائی جاتی تھیں مگر چند روز بعد وہ

پورا کاربنکل بن گیا۔ ساتھ ہی آپ کی ڈاڑھ میں سخت درد شروع ہو گیا۔ ڈاکٹر مرزا محمد یعقوب بیگ صاحب نے (جو تین ماہ کی چھٹی پر قادیان آئے ہوئے تھے) صبح کو ڈاڑھ نکالی اور شام کو پھوڑے کا اپریشن کیا۔ [۱۲] حضرت مولوی صاحبؓ کو اس سے انتہائی تکلیف اور درد و کرب پہنچی اور آپ رات بھر سو نہ سکے۔ یہ رات حضرت اقدسؑ کے لئے بھی انتہائی بے چینی کی رات تھی۔ باوجودیکہ ۲۰/ اگست ۱۹۰۵ء کو الماری کے تختے سے سر کو چوٹ لگنے سے بہت سا خون آپ کا نکل گیا تھا اور پہلے ہی سخت درد تھا نیز دوران سر کی بیماری کی شکایت بھی تھی لیکن حضور اقدسؑ کو مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی تکلیف کا بے حد احساس تھا اور خود نہ صرف اس رات بلکہ کئی راتیں جاگتے گزاریں اور دعاؤں میں مصروف رہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کبھی اس قسم کا اضطراب اور فکر میں نے اپنی اولاد کے لئے بھی نہیں کیا۔

دعا کا معجزہ اور مولوی صاحبؓ کی کاربنکل سے ہکلی شفایابی

حضرت اقدسؑ کی شبانہ روز دعاؤں کا ایسا معجزانہ اثر ہوا کہ کاربنکل جیسی مہلک بیماری سے آپ ہکلی شفایاب ہو گئے۔ [۱۳] حالانکہ ذیابیطس کا مریض اگر کاربنکل کا شکار ہو جائے اور مریض بوڑھا ہو تو اس کا بچنا مشکل ہوتا ہے۔ [۱۴]

ڈاکٹر مرزا محمد یعقوب بیگ صاحب کا بیان ہے کہ "مولوی صاحب کی یہ ابتدائی بیماری بہت سخت اور خطرناک تھی۔ اس شدت سے اس کا دورہ ہوا کہ میں ایمان سے کہہ سکتا ہوں کہ مولوی صاحب کا اتنی لمبی معیاد یعنی ۵۱ دن تک زندہ رہنا ایک معجزہ تھا۔ اور یہ محض حضرت اقدسؑ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا۔ ۴/ ستمبر ۱۹۰۵ء کو حضرت مولوی صاحبؓ کو کلوروفام سنگھا کر ان کا بڑا آپریشن ہوا جس سے ہاتھ پاؤں سرد اور نبض قریباً ساقط ہو گئی۔ حضورؑ کو اطلاع ہوئی تو آپؑ نے ان کے لئے مشک بھجوایا اور دعا میں مشغول ہو گئے۔ ادھر آپ نے دعا کے لئے سجدہ میں سر رکھا ادھر مولوی صاحب کی حالت جو نہایت خطرناک تھی اصلاح پکڑنے لگی اور ابھی حضورؑ دعا سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ نبض بالکل درست اور مضبوط ہو گئی۔ اس حیرت انگیز معجزہ کو دیکھ کر ڈاکٹر دنگ رہ گئے۔ اس طرح کا واقعہ یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء کو بھی پیش آیا جب کہ ان پر غشی کی کیفیت طاری تھی۔ کئی روز سے پیچش تھی کچھ کھایا پیا بھی نہیں تھا اور نبض نامعلوم سی تھی۔ حضرت اقدسؑ کو اطلاع ہوئی۔ آپ نے دوا بھی دی اور دعا بھی فرمائی۔ ابھی دوا اندر بھی نہ گئی تھی کہ نبض فوراً طاقت میں آگئی اور آپ ہوش میں آگئے۔" [۱۵]

المختصر دعاؤں نے اعجازی اثر دکھایا یہاں تک کہ خود مولوی صاحب نے فرمایا کہ اب مجھے اصل بیماری سے بالکل صحت ہو گئی ہے اور انشاء اللہ دو تین روز تک چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔ [۱۶]

جماعت کے احباب میں بھی ان کی شفایابی نے خوشی اور مسرت کی ایک نئی لہر دوڑا دی۔

الہامات کے مطابق اور بہشتی مقبرہ میں تدفین

مگر یہ ایک وقتی امر تھا ورنہ دراصل آسمان پر شہنشاہ حقیقی کی طرف سے اپنے دربار میں بلاوے کا حکم صادر ہو چکا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامات میں مولوی صاحبؓ کی واپسی کی متواتر خبریں بھی دی جارہی تھیں۔ مثلاً ۲/ ستمبر ۱۹۰۵ء کو خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا۔ "سینتالیس سال کی عمر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" [۱۷] (مولوی صاحب کی عمر اس وقت ۴۷ سال کی تھی) اسی روز دوسرا الہام یہ ہوا "اس نے اچھا ہونا ہی نہ تھا۔" [۱۸] ۸/ ستمبر کو الہام ہوا "کفن میں لپیٹا گیا۔" [۱۹] ۹/ ستمبر کو الہام ہوا۔ "اِنَّ الْمَنَایَا لَا تَطِیْشُ سِھَامُھَا" [۲۰] (یقیناً موت کے تیر خطا نہیں جاتے)۔ ان تمام الہامات میں آپ کی وفات کی اطلاعات موجود تھیں جو تقدیر مبرم تھی۔ اس لئے حضرت مولوی صاحبؓ کو کاربنکل کی بیماری سے پورا افاقہ ہوا ہی تھا کہ آپ ذات الجنب کی بیماری میں مبتلا ہو گئے جس سے ۱۰۶ درجہ بخار ہو گیا [۲۱] اور آپ ۱۱/ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو بدھ کے دن اڑھائی بجے کے قریب عالم جاودانی کو رحلت فرما گئے [۲۲] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ کی نعش حضرت اقدسؑ کے حکم کے مطابق ۱۲/ اکتوبر کو قبل دوپہر ایک صندوق میں پہلے امانتاً دفن کی گئی کیونکہ حضورؑ کا منشاء اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق "بہشتی مقبرہ" کے قیام کا تھا اور حضورؑ سب سے پہلے آپ ہی کو اس میں سپرد خاک کرنا چاہتے تھے۔ [۲۳] ۲۶/ دسمبر کو جب کہ بیرون جات سے احمدی دوست جلسہ سالانہ کے موقعہ پر کثیر تعداد میں حاضر تھے نماز ظہر و عصر کے بعد احباب حضرت مولوی صاحبؓ کا تابوت اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے باغ میں پہنچے۔ اگلے روز ۲۷/ دسمبر کی صبح کو دس بجے کے قریب حضورؑ نے اپنے خدام کو لے کر نماز جنازہ پڑھی اور آپ کو "بہشتی مقبرہ" میں دفن کیا گیا۔ [۲۴] اس طرح آپ کے مقدس وجود سے بہشتی مقبرہ کا باقاعدہ افتتاح ہوا۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کا کتبہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کے کتبہ کے لئے ایک درد انگیز مرثیہ لکھا جو آپ کے مزار مبارک کی لوح پر آج تک موجود ہے۔ اس مرثیہ کے چند اشعار یہ ہیں۔

کے تواں کردن شمار خوبیٔ عبدالکریم — آنکہ جاں داد از شجاعت برصراط مستقیم
حامیٔ دیں آنکہ یزداں نام او لیڈر نہاد — عارف اسرار حق گنجینۂ دین قویم
گرچہ جنس نیکواں ایں چرخ بسیار آورد — کم بزاید مادرے با ایں صفا در یتیم
اے خدا برتربت او بارش رحمت ببار — داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم [۲۵]

یعنی عبدالکریم کی خوبیاں کیوں کر گنی جا سکتی ہیں جس نے شجاعت کے ساتھ صراط مستقیم پر جان دی۔ وہ جو دین اسلام کا حامی تھا اور جس کا نام خدا نے لیڈر رکھا تھا وہ خدائی اسرار کا عارف اور دین متین کا خزانہ تھا۔ اگرچہ آسمان نیکوں کی جماعت بکثرت لاتا رہتا ہے مگر ایسا شفاف اور قیمتی موتی ماں بہت کم جنا کرتی ہے۔ اے خدا اس کی قبر پر رحمت کی بارش نازل فرما اور نہایت درجہ فضل کے ساتھ اسے جنت میں داخل کر دے۔

محب اور محبوب کی محبت کا پر کیف منظر

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ کے عشق کا یہ حال تھا کہ بیماری کی عین شدت درد و اضطراب میں حضرت اقدس کی یاد میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے۔ ان کی اہلیہ صاحبہ کا بیان ہے کہ "جب مولوی عبدالکریم صاحب بیمار ہوئے اور ان کی تکلیف بڑھ گئی تو بعض اوقات شدت تکلیف کے وقت نیم غشی کی سی حالت میں وہ کہا کرتے تھے کہ سواری کا انتظام کرو میں حضرت صاحب سے ملنے کے لئے جاؤں گا۔ گویا وہ سمجھتے تھے کہ میں کہیں باہر ہوں اور حضرت صاحب قادیان میں ہیں اور بعض اوقات کہتے تھے اور ساتھ ہی زار و قطار رو پڑتے تھے کہ دیکھو میں نے اتنے عرصہ سے حضرت کا چہرہ نہیں دیکھا تم مجھے حضرت صاحب کے پاس کیوں نہیں لے جاتے ابھی سواری منگواؤ اور مجھے لے چلو۔ ایک دن جب ہوش تھی کہنے لگے جاؤ حضرت صاحب سے کہو کہ میں مرچلا ہوں مجھے صرف دور سے کھڑے ہو کر زیارت کرا جائیں اور بڑے روئے اور اصرار کے ساتھ کہا کہ ابھی جاؤ میں نیچے حضرت صاحب کے پاس آئی کہ مولوی صاحب اس طرح کہتے ہیں۔ حضرت صاحب فرمانے لگے کہ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کیا میرا دل مولوی صاحب کے ملنے کو نہیں چاہتا؟ مگر بات یہ ہے کہ میں ان کی تکلیف کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت ام المومنین نے کہا کہ جب وہ اتنی خواہش رکھتے ہیں تو آپ کھڑے کھڑے ہو آئیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اچھا میں جاتا ہوں مگر تم دیکھ لینا کہ ان کی تکلیف کو دیکھ کر مجھے دورہ ہو جائے گا۔ خیر حضرت صاحب نے پگڑی منگا کر سر پر رکھی اور ادھر جانے لگے۔ میں جلدی سے سیڑھیاں چڑھ کر آگے چلی گئی تاکہ مولوی صاحب کو اطلاع دوں کہ حضرت صاحب تشریف لاتے ہیں۔ جب میں نے مولوی صاحب کو جا کر اطلاع دی تو انہوں نے الٹا مجھے ملامت کی کہ تم نے حضرت صاحب کو کیوں تکلیف دی؟ کیا میں نہیں جانتا کہ وہ کیوں تشریف نہیں لاتے؟ میں نے کہا کہ آپ نے خود تو کہا تھا انہوں نے کہا وہ تو میں نے دل کا دکھڑا رویا تھا تم فوراً جاؤ اور حضرت صاحب سے عرض کرو کہ تکلیف نہ فرمائیں۔ میں بھاگی گئی تو حضرت صاحب سیڑھیوں کے نیچے کھڑے اوپر آنے کی تیاری کر رہے تھے۔ میں نے عرض کر دیا کہ حضور آپ تکلیف نہ فرمائیں۔" [۲۶]

اخبار "پنجہ فولاد" لاہور میں مخدوم الملت مرحوم کی وفات پر حسب ذیل مراسلہ شائع ہوا۔

مولوی عبدالکریم صاحب کی قادیان میں وفات

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش شید زجام دھر مئے کل من علیھا فان

افسوس کہ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو قادیان میں داعی اجل کو لبیک کہا اور ان کے طائر روح نے ناپائیدار دنیا کو یہ شعر عرفی مرحوم کا سنا کر بعالم آخرت پرواز کیا۔ ع

مشتاب اے غم دنیا کہ مکروم نرسی بکن از دور دواعم کہ شتابان رفتم

مولوی صاحب جوان عمر تھے۔ اور سیالکوٹ کشمیری محلہ میں آپ کا مکان بالمقابل مکان راقم کے تھا۔ عہد طفولیت میں ہی عجیب قسم کے ذہین تھے۔ محلہ کے لڑکوں میں کبھی کھیل وکود میں شامل نہیں ہوئے۔ پہلے مرحوم سرسید کی تہذیب الاخلاق کے گرویدہ بنے رہے۔ پھر مرزا صاحب کی بیعت میں داخل ہو کر ایسے معتقد اور فنافی البیعت ہوئے کہ وطن سے ہجرت کر کے وہاں ہی سکونت اختیار کرلی اور آخر مرزا صاحب کے قدموں میں ہی جان قربان کردی۔ ان کی زندگی لہو ولعب سے برکنار رہی علمی مجلس کے مشتاق تھے۔ ابتداء میں شعرو سخن کا شوق رہا۔ جب آپ نے پہلے پہل لاہور کو دیکھا تو لاہور کی تعریف میں ایک دلکش نظم فارسی کی لکھی۔ جس میں علاوہ اور صفتوں کے یہ بھی ثابت کیا گیا کہ لاہور کا نام دو زبان سے مرکب ہے لا بزبان عربی۔ ہور بزبان پنجابی۔ یعنی ایسا اور نہیں ہے اس نظم کا اس وقت صرف ایک شعر راقم کو یاد ہے۔

ماہر دیان بلدہ لاہور دل صافی ربودہ اندبجور

صافی آپ کا تخلص تھا۔ آپ کی ایک غزل فارسی کی راقم کے پاس ہے جو کسی آئندہ پرچہ میں شائع ہوگی۔ ایک دفعہ سیالکوٹ میں چند احباب کا مجمع تھا۔ اور اس شعر کا تذکرہ ہو رہا تھا۔

بھلا کیونکر کوئی تجھ سے کرے لے کد دن کی دوستی اک پل میں توڑی

کریلے۔ کدو۔ توری سبزیات کا نام لے کر شاعر نے مضمون باندھا ہے۔ مولوی صاحب مرحوم نے بھی ایک شعر سنایا (یہ معلوم نہیں کہ ان کا اپنا شعر ہے یا کسی اور شاعر کا)۔

صاف سینا دیکھ کر درزن کو میں سینا دیا کچھ تو سینے وہ لگی اور کچھ تو میں سینے لگا

راقم کو بھی ایک شعر مولوی سراج الدین احمد ایڈیٹر اخبار زمیندار کا (ان کے والد مرحوم کی زبان سے جو راقم کے مہربان تھے سنا ہوا) یاد تھا جس کو سن کر مولوی صاحب بہت ہی محظوظ ہوئے اور بار بار پڑھتے تھے اور داد دیتے تھے۔ شعر مذکور یہ ہے۔

ہوا کم خواب ہونا اپنا خاصہ فراق یار میں نینوں کو ململ

کخواب ۔ خاصہ ۔ نینون ۔ ململ کو کس طرح جدائی کے پیرایہ میں ادائے کیا گیا ہے ۔ اکثر موسم گرما میں پچھلے پہر رات کے وقت جب آپ اپنی کوٹھی پر اس مشہور قصیدہ کو (مرحبا سید مکی مدنی العربی) اپنے شوق میں پڑھتے تھے ۔ تو محلہ والے لوگ تاثیر آواز سے جو جادو سے کم نہ تھی ۔ چونک پڑتے تھے ۔ ایک دفعہ اس شعر پر شب معراج عروج نور افلاک گذشت ۔

بمقامیکہ رسیدی نرسد ہیچ نبی ۔ میرا ایک مہمان وجد کی حالت میں بے خود ہو گیا آپ کی خوش الحانی وجادو بیانی یاد کر کر بے اختیار دل سے یہ شعر نکل جاتا ہے ۔

آناں کہ بعد زبان سخن گفتند ے آیا چہ شنیدند کہ خاموش شدند

مولوی صاحب جس وقت سیالکوٹ کے مہاراجہ والے بازار کے چوک میں با آواز بلند قرآن شریف پڑھ کر وعظ کرتے تھے ۔ عام ہندو مسلمان عیسائی جمع ہو جاتے اور شوق سے سنتے تھے ۔ قرآن شریف کے عاشق دلدادہ تھے ۔ افسوس کہ ضعیف العمر والدین کے اکلوتے فرزند تھے ۔ اور جہاں تک راقم کو معلوم ہے (اگرچہ قادیان چلے جانے کے بعد پھر ملاقات کا اتفاق نہیں ہوا) مرحوم لاولد تھے ۔ مرزا صاحب اور جماعت احمدیہ کو ان کی دائمی جدائی کا سخت صدمہ پہنچا ہے اور ان کے دوستوں اور عام مسلمانوں کو عموماً سخت قلق ہے ۔ مرزا صاحب کی طرف سے ہر چند دوا اور دعا کی گئی ۔ مگر مقدر مبدل نہیں ہو سکتا ۔ چوں مبدل شد اعتدال مزاج نہ عزیمت اثر کند نہ علاج ۔ زمانہ کئی انقلاب دیکھنے کے بعد کبھی جا کے اس دل و دماغ کا دو سرا پیدا کرے گا ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

خداوند تعالیٰ مرحوم کو مغفرت کرے اور اس کے متعلقین کو صبر جمیل بخشے ۔

"راقم لدھا خاں از گھڑتل ضلع سیالکوٹ" (الحکم قادیان ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۱)

حضرت مصلح موعود مولانا عبدالکریم صاحب کے بے مثال عاشقانہ رنگ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مولوی عبدالکریم صاحب کو خاص عشق تھا اور ایسا عشق تھا کہ اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس زمانہ کو دیکھا ۔ دوسرے لوگ اس کا قیاس بھی نہیں کر سکتے ۔ وہ ایسے وقت میں فوت ہوئے جب میری عمر ۱۶ ۔ ۱۷ سال تھی اور جس زمانہ سے میں نے ان کی محبت کو شناخت کیا ہے ۔ اس وقت میری عمر ۱۲ ۔ ۱۳ سال کی ہو گی ۔ یعنی بچپن کی عمر تھی لیکن باوجود اس کے مجھ پر ایک ایسا گہرا نقش ہے کہ مولوی صاحب کی دو چیزیں مجھے کبھی نہیں بھولتیں ایک تو ان کا

پانی پینا اور ایک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے ان کی محبت۔ آپ ٹھنڈا پانی بہت پسند کرتے تھے اور اسے بڑے شوق سے پیتے تھے اور پیتے وقت غٹ غٹ کی ایسی آواز آیا کرتی تھی کہ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت کی نعمتوں کو جمع کر کے بھیج دیا ہے۔ اس زمانہ میں اس مسجد اقصیٰ کے کنویں کا پانی بہت مشہور تھا۔ اب تو معلوم نہیں لوگ کیوں اس کا نام نہیں لیتے۔ آپ کا طریق یہ تھا کہ کہتے بھئی کوئی ثواب کماؤ اور پانی لاؤ۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام خود موجود ہوتے تو اور بات تھی ورنہ آپ سیڑھیوں پر آکر انتظار میں کھڑے ہو جاتے اور پھر لوٹا لے کر منہ سے لگا لیتے۔ دوسرے آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں بیٹھے ہوتے تو یوں معلوم ہوتا کہ آپ کی آنکھیں حضور کے جسم میں سے کوئی چیز لے کر کھا رہی ہیں اس وقت گویا آپ کے چہرے پر بشاشت اور شگفتگی کا ایک باغ لہرا رہا ہوتا تھا اور آپ کے چہرہ کا ذرہ ذرہ مسرت کی لہر پھینک رہا ہوتا تھا جس طرح مسکرا مسکرا کر آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی باتیں سنتے اور جس طرح پہلو بدل بدل کر داد دیتے۔ وہ قابل دید نظارہ ہوتا۔ اگر اس کا تھوڑا سا رنگ میں نے کسی اور میں دیکھا تو وہ حافظ روشن علی صاحب مرحوم تھے۔ غرض مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے خاص عشق تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ السلام کو بھی آپ سے ویسی ہی محبت تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریق تھا کہ مغرب کی نماز کے بعد ہمیشہ بیٹھ کر باتیں کرتے لیکن مولوی صاحب کی وفات کے بعد آپ نے ایسا کرنا چھوڑ دیا۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور اب بیٹھتے نہیں تو فرمایا کہ مولوی عبدالکریم صاحب کی جگہ کو خالی دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے۔" [۸۷] حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کا بیان ہے۔

"امیر حبیب اللہ خان صاحب نے کابل میں ایک دارلترجمہ قائم کیا اور اس میں قابل اور ماہر فن لوگوں کے جمع کرنے کی کوشش کی۔ حضرت مخدوم الملت فارسی۔ عربی۔ انگریزی زبانوں میں ایسے ماہر تھے کہ اہل زبان اور قادر الکلام لوگوں کی طرح ان زبانوں پر حکومت رکھتے تھے ایام الصلح کا فارسی ترجمہ مخدوم الملت کی قلم سے ہوا اور آئینہ کمالات میں جو حصہ تبلیغ ہے اس کا فارسی ترجمہ بھی حضرت مخدوم الملت نے کیا۔ غرض جب یہ دارالترجمہ قائم ہوا اور ہندوستان سے لائق آدمیوں کو جمع کرنے کا کام شروع ہوا تو حضرت مخدوم الملت کو مترجم کی اسامی پیش کی گئی اور ایک بیش قرار تنخواہ معاوضہ کے طور پر پیش ہوئی۔ ایسے موقعہ پر ہر شخص کی قدرتی طور پر خواہش ہو سکتی ہے کہ وہ اس عزت کی اسامی کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ دربار کابل میں اس سے رسوخ بڑھتا تھا اور ایک بیش قرار معاوضہ ملتا تھا۔ کام محض علمی تھا جو خود ان کو پسند تھا مگر کیا اس تحریک نے مخدوم الملت کے دل پر کچھ بھی اثر کیا؟ ہرگز

نہیں۔ فرمایا "قادیان جو دولت ملتی ہے وہ دنیا کے کسی مقام پر آج نہیں پائی جاتی تیرہ سو برس کے بعد خدا تعالیٰ نے اپنی مرسل کو ہم میں بھیجا اس کی پاک صحبت کو چھوڑ کر سونے چاندی کے سکوں کے لئے نکل جانا مردار دنیا پر منہ مارنا ہے اور اعلیٰ کا ادنیٰ سے تبادلہ ہے۔ خدا کی قسم اگر دنیا کی ساری دولت میرے قدموں پر لاکر ڈھیر کردی جائے اور اس کے بدلہ میں قادیان سے مجھے الگ ہونے کی خواہش کی جاوے تو میں سونے چاندی کے اس ڈھیر پر پیشاب بھی نہ کروں۔"

غرض نہایت حقارت کے ساتھ اس آفر کو رد کردیا۔ جیسا کہ مولوی صدر الدین صاحب نے بیان کیا وہ گرمی سے بہت گھبراتے تھے مگر مجھے کہا کرتے تھے۔ شیخ صاحب! یہ گرمی روح میں ایک سکینت اور برودت پیدا کرتی ہے حضرت کی صحبت اکسیر ہے اس کے پاس بیٹھ کر کوئی تکلیف اور غم آہی نہیں سکتا۔ ہم دنیا والوں کو کس طرح اس کیفیت کے کیف اور مزہ سے آگاہ کریں۔ یہ ذوقی بات ہے اور ایمان کے بغیر یہ لذت اور کیف حاصل نہیں ہوتا۔ القصہ آپ نے نہ تو اس بیش قرار مشاہرہ کی پرواہ کی اور نہ اس عزت و مرتبہ نے ان کو اپنی طرف کھینچا جو کابل میں آپ کو میسر آسکتا تھا۔ آپ نے اپنے آقا و مولیٰ کی صحبت کے لئے دنیا کی حکومت اور دولت کو ہیچ سمجھا اور قادیان سے نہ نکلے اور آئے تو پھر مرکر بھی یہاں ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مدارج اور مراتب میں لاانتہا ترقی فرمائے آمین۔"

(الحکم ۱۴ اگست ۱۹۲۳ء صفحہ ۳)

یہ تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے عشق و فدائیت کا عالم تھا۔ دوسری طرف حضرت مسیح موعودؑ نے ان کی بیماری کے دوران میں علاج اور توجہ میں جو نمونہ قائم کیا وہ انبیاء علیہم السلام کی ذات میں تو نظر آتا ہے لیکن کسی اور انسان میں دکھائی نہیں دیتا صبح و شام آپؑ مولوی صاحبؓ کے لئے دعاؤں میں گویا وقف تھے۔ ہر لحظہ حضورؑ کی توجہ مولوی صاحب کی طرف رہتی۔ مولوی صاحب کا حال دریافت فرماتے جس چیز کے کھانے کی خواہش ظاہر کرتے یا جس دوا کی ضرورت ہوتی حضورؑ فوراً آدمی بھیج کر لاہور یا امرتسر سے منگوا دیتے۔ حضرت اقدسؑ نے مولوی صاحب کے علاج معالجہ کے لئے بے دریغ روپیہ خرچ کیا اور کوئی ایسی چیز باقی نہ رہ گئی جس کی نسبت خیال ہوا کہ مولوی صاحب کے علاج کے لئے مفید ہوگی ان کے لئے بہم نہ پہنچائی گئی ہو۔ [۲۸] حضرت اقدسؑ مولوی صاحبؓ کی تکلیف کو دیکھ نہ سکتے تھے چنانچہ باہر مسجد میں کئی دفعہ فرماتے تھے مولوی صاحب کی ملاقات کو بہت دل چاہتا ہے مگر میں ان کی تکلیف دیکھ نہیں سکتا۔ چنانچہ آخر مولوی صاحب اسی مرض میں فوت ہوگئے مگر حضورؑ ان کے پاس تشریف نہ لے جاسکے۔ [۲۹]

تالیفات حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی تالیفات یہ ہیں:۔ ۱۔ لیکچر گناہ ۲۔ لیکچر (حضرت مسیح موعودؑ نے کیا اصلاح و تجدید کی) ۳۔ سیرت مسیح موعودؑ ۴۔ اثبات خلافت شیخین ۵۔ خلافت راشدہ (حصہ اول) ۶۔ القول الفصیح فی اثبات حقیقتہ المسیح ۷۔ دعوۃ الندوہ ۸۔ خطبات کریمیہ

(مرتبہ عرفانی صاحبؓ) ۹۔ الفرقان (خلافت راشدہ حصہ دوم)

حضرت مولوی برہان الدین صاحبؓ کی مختصر سوانح حیات اور اخلاص و فدائیت

حضرت مولوی برہان الدین صاحبؓ غالباً ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ پچیس سال کی عمر میں دینی تعلیم کے حصول کے لئے دہلی تشریف لے گئے اور سید نذیر حسین صاحب دہلوی سے علم حدیث حاصل کیا۔ قریباً ۱۸۶۵ء میں وطن آکر اہلحدیث تحریک کے پرجوش علم بردار کی حیثیت سے اس مسلک کی اشاعت شروع کردی اور متعدد اہلحدیث جماعتیں قائم کیں۔ ۱۸۶۷ء سے ۱۸۸۶ء تک مرد حق کی تلاش میں سرگرم عمل رہے اور اس سلسلہ میں پہلے موضع باؤلی شریف کے ایک بزرگ کی شاگردی اختیار کی پھر حضرت مولوی عبداللہ صاحبؒ غزنوی کی صحبت میں کئی سال گزارے بعد ازاں حضرت پیر کوٹھہ شریف سے اظہار عقیدت کیا لیکن آپ کو اپنا گوہر مقصود نہ مل سکا۔ آخر ۱۸۸۶ء میں آپ ہوشیار پور کے مقام پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنی فراست سے بیعت کے لئے عرض کیا۔ حضورؑ نے فرمایا ابھی بیعت لینے کی اجازت نہیں۔ ۱۸۹۱ء میں جب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضورؑ کے دعویٰ مسیحیت پر فتویٰ کفر لکھا تو ان کے اصرار پر مولوی صاحب نے ایک مشروط فتویٰ لکھا۔ مگر جوں ہی آپ نے حضرت اقدسؑ کی اصل تحریرات مطالعہ کیں تو شرح صدر سے ۲۰ جولائی ۱۸۹۲ء کو حضورؑ کی بیعت کرلی۔ ؎ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو مولوی صاحب کے رجوع کا صاف طور پر علم ہو چکا تھا مگر انہوں نے پھر بھی مولوی صاحب کا فتویٰ شائع کر دیا بلکہ چند ماہ بعد انہیں ۲/ نومبر ۱۸۹۲ء کو ایک خط میں لکھا کہ یہ فتویٰ کا مشروط پہلو اڑا دیں اور صاف اور قطعی لکھیں کہ مرزا صاحب فتاویٰ علماء کے مطابق واقع میں کافر ہیں۔ حضرت مولوی صاحب نے اس خط کے جواب میں ایک مسکت اور مفصل مکتوب لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت مرزا صاحب کی کتابوں سے ہی میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت اقدسؑ کا دعویٰ برحق ہے اور آپ جو چھ ماہ سے ان کے خلاف کمربستہ ہیں تو یہ آپ کی طرف سے محض مغلوب الغضبی کا مظاہرہ ہے۔ اللہ آپ کو اہل اللہ کے لعن طعن سے بچائے۔

بیعت کرنے کے بعد حضرت مولوی صاحب ہر سال قادیان میں تشریف لے جاتے۔ حضورؑ فرمایا کرتے کہ "مولوی صاحب آپ کے آنے سے مجھے آرام ملتا ہے۔" حضرت اقدسؑ جب سیر کر کے واپس گھر کی طرف آتے تو آپ آگے بڑھ کر حضورؑ کی نعلین مبارک اپنی کندھے والی چادر سے صاف کر دیتے۔ مستری نظام الدین صاحب سیالکوٹی سنایا کرتے تھے کہ مولوی صاحب کا اخلاص جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء میں جب حضرت اقدسؑ سیالکوٹ تشریف لے گئے تو مولوی صاحب بھی

وہاں پہنچ گئے۔ وہاں حضرت اقدسؑ اپنے خدام کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے کہ کسی عورت نے کھڑکی سے حضورؑ پر راکھ ڈالی۔ حضور گزر گئے مگر راکھ مولوی صاحب کے سر پر پڑی۔ آپ پر محویت طاری ہو گئی اور نہایت خوشی سے فرمانے لگے "پا اے مائے پا" یعنی بڑھیا اور راکھ ڈالو۔ حضرت اقدسؑ جب سیالکوٹ سے واپس آئے اور آپ حضور کو الوداع کہنے کے بعد پیچھے رہ گئے تو بعض شریروں نے آپ کی بے عزتی کی بلکہ پکڑ کر منہ میں گوبر تک ٹھونس دیا لیکن آپ نے نہایت بشاشت کے ساتھ فرمایا "او برہانا ایہہ نعمتاں کتھوں" یعنی اے برہان الدین یہ نعمتیں روز روز کہاں میسر آتی ہیں۔ ایک مرتبہ قادیان دارالامان میں حضرت اقدسؑ شہ نشین پر جلوہ افروز تھے اور حضورؑ کے کلمات طیبات کا سلسلہ جاری تھا اور حضورؑ حقائق و معارف بیان فرما رہے تھے۔ حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ، حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ اور دوسرے بزرگ بھی مجلس میں بیٹھے تھے کہ مولوی صاحب نے زار و قطار رونا شروع کر دیا اور بے اختیاری کی وجہ سے ہچکی بندھ گئی۔ حضرت اقدسؑ نے پوچھا کیا بات ہے آپ کیوں روتے ہیں۔ لیکن حضورؑ جتنا پوچھتے آپ اتنا ہی زور سے رونے لگ جاتے۔ آخر بار بار پوچھنے اور تسلی دلانے پر مولوی صاحب نے عرض کیا حضورؑ سب سے پہلے میں باؤلی شریف والوں کی خدمت کرتا رہا پھر مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کی خدمت میں رہا۔ اس کے بعد پیر صاحب کوٹھہ شریف کے پاس گیا اور اب حضورؑ کا خادم اور مرید بنا ہوں۔ خدا تعالیٰ کا مسیح آگیا۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے مجھے ایمان لانے کی توفیق عطا فرما دی لیکن میں دیکھتا ہوں کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں کہ اسلام کے لئے قربان کر سکوں (حالانکہ وہ غریب ہی اس لئے ہوئے تھے کہ وہ احمدی ہو گئے تھے) ہم سنا کرتے تھے کہ مسیح آئے گا تو خزانے لٹائے گا اور حضورؑ نے خوب خزانے لٹائے۔ اور پھر کہنے لگے کہ میں تو پھر بھی "جھڈو کا جھڈو" ہی رہا۔ یعنی اب تک ناکارہ کا ناکارہ ہوں۔ یہ کہہ کر پھر چیخیں مار کر رونے لگے۔ [۱۲۱] اس پر حضورؑ نے نہایت شفقت اور محبت سے فرمایا "آپ گھبرائیں نہیں اور کوئی فکر نہ کریں آپ نے جہاں پہنچنا تھا آپ پہنچ گئے ہیں اب رونے دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔" مولوی صاحب جب بھی قادیان آتے تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اس خواہش کا ضرور اظہار فرماتے کہ آپ قادیان میں ہی آجائیں مگر مولوی صاحب عرض کرتے کہ حضورؑ میں نالائق ہوں اس قابل تو نہیں کہ حضورؑ کی خدمت کر سکوں الٹا اپنا بوجھ آپ پر ڈالوں۔" مولوی صاحب قادیان سے واپسی پر ہمیشہ امرتسر، لاہور وغیرہ احمدی جماعتوں کا دورہ کرتے اور اپنے دوستوں کو تبلیغ کرتے ہوئے جہلم آتے تھے۔

حضرت مولوی صاحب تمام دینی علوم تفسیر، حدیث، فقہ، نحو وغیرہ کے متجر عالم تھے۔ طب یونانی

میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ اردو' فارسی' عربی اور پشتو کے ماہر اور تحریر و تقریر میں یکتائے روزگار تھے۔ مناظروں میں ہمیشہ فریق مخالف آپ کے دلائل سے ساکت و لاجواب ہو جاتے تھے۔ علم حدیث میں آپ کے بہت شاگرد ہوئے جن میں حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی' مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی' مولوی محمد عرفان صاحب ڈونگا گلی مری' مولوی حشمت علی صاحب راجوروی' مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی مولوی عبدالرحمٰن صاحب کھیوال' مولوی محمد قاری صاحب جہلمی بہت ممتاز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مؤخر الذکر تین اصحاب کو قبول احمدیت کی سعادت بھی بخشی۔ آپ بڑے متوکل انسان تھے اور بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ [۲۲]

مرض الموت

مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ کی طرح آپ کسی لمبی بیماری میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ مختصر سی علالت سے اچانک وفات پائی۔ حضرت مولوی صاحب نے جب یہ الہام سنا کہ "دو شہتیر ٹوٹ گئے" تو انہوں نے ایک شہتیر مولوی عبدالکریم صاحب کو اور دوسرا شہتیر اپنے آپ کو سمجھا۔ آپ رمضان شریف کو ۲۰ تاریخ (بمطابق ۱۹/ نومبر ۱۹۰۵ء) اعتکاف میں بیٹھے۔ اعتکاف کے ایام میں قرآن شریف کا ان کو پہلے سے بھی زیادہ شغف ہو گیا اور دن رات قرآن شریف پڑھتے رہتے تھے۔ اعتکاف میں یہ الہام ہوا۔ اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَھْزِئِیْنَ۔ اور بعد اس کے ایک اور الہام ہوا جس کا خلاصہ یہ تھا امام الوقت تو ایک طرف رہے اب تو ان کے مریدوں کو بھی الہام ہونے لگے۔ پھر ہم اس سچے سلسلہ کی تائید کیوں نہ کریں؟ (۲۸/ نومبر کو) اعتکاف سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے۔ کھانا کھانے کے بعد فرمایا مجھے سردی سی لگی ہے اور رات کو سخت بخار ہو گیا۔ یکم دسمبر بروز جمعہ آپ کی طبیعت کچھ سنبھل گئی۔ مسجد میں آئے اور بیٹھ کر جمعہ پڑھا۔ ۲/ دسمبر کی رات کو پھر بخار ہو گیا۔ مگر آپ آدھی رات تک مغرب کی طرف منہ کر کے زبانی قرآن شریف پڑھتے رہے۔ ۲ بجے کے قریب آپ سو رہے اور تین بجے اٹھے۔ صبح کی نماز پڑھی اور پھر فرمانے لگے کہ دونوں دروازے کھولو کہ مجھے انتظار ہے۔ پوچھا گیا کس کی؟ جواب نہ دیا۔ اور پھر دو دفعہ پاخانہ کی حاجت ہوئی اور پھر آپ چارپائی پر لیٹ گئے اور آنکھیں کھولیں۔ کلمہ شریف پڑھا اور دو منٹ کے اندر آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ [۲۳] ساڑھے چار بجے شام آپ کا جنازہ پڑھا گیا جس میں ۱۳۰۰ احباب نے شرکت کی اور آپ کو جہلم کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ [۲۴]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظر میں حضرت مولوی برہان الدین صاحبؓ کا مقام

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی برہان الدین صاحبؓ کو ۱۹۰۳ء میں ارشاد فرمایا "آپ اپنی پہلی حالت کو یاد کریں جب کہ

آغاز سال ۱۸۸۶ء میں صرف حبتہ للہ کا جوش آپ کو کشاں کشاں یہاں لایا تھا اور آپ پاپیادہ افتاں خیزاں اس قدر دور فاصلہ سے پہلے قادیان پہنچے تھے اور جب ہم کو اس جگہ نہ پایا تو اسی بے تابی و بے قراری کے جوش میں ننگا پو کر کے پیدل ہی ہمارے پاس ہوشیار پور جا پہنچے تھے۔ اور جب وہاں سے واپس ہونے لگے تو اس وقت ہم سے جدا ہونا آپ کو بڑا شاق گزرتا تھا۔" [۲۵] ازاں بعد آپ کی وفات پر فرمایا۔ "مولوی صاحب ایک صوفی مشرب آدمی تھے۔ اکثر فقراء اور بزرگوں کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ مولوی عبداللہ صاحب کے استاد کے پاس بھی ایک مدت تک رہے تھے۔ ان کو ایک فقر کی چاشنی تھی۔ قریباً بائیس برس سے میرے پاس آیا کرتے تھے۔ پہلی دفعہ جب آئے تو میں ہوشیار پور میں تھا۔ اس جگہ میرے پاس پہنچے۔ ایک سوزش اور جذب ان کے اندر تھا اور ہمارے ساتھ ایک مناسبت رکھتے تھے۔ انہوں نے مجھ سے ایک دفعہ قرآن شریف پڑھنا شروع کیا تھا مگر صرف چند سطریں پڑھی تھیں۔ ایک صوفیانہ مذاق رکھتے تھے۔" [۲۶]

ایک عظیم الشان درس گاہ "مدرسہ احمدیہ" کی بنیاد

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اور حضرت مولوی برہان الدین صاحب رضی اللہ عنہما کی وفات سے جماعت میں جو زبردست خلاء پیدا ہو گیا اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بہت تشویش ہوئی اور حضورؑ کا ذہن خدائی تصرف کے تحت اس طرف منتقل ہوا کہ آئندہ جماعت میں قادر الکلام اور خدمت دین کرنے والے علماء پیدا کرنے کا کوئی مستقل انتظام ہونا چاہئے۔ چنانچہ حضورؑ نے ۶/ دسمبر ۱۹۰۵ء کو فرمایا کہ ہماری جماعت میں سے اچھے اچھے لوگ مرتے جاتے ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالکریم صاحبؓ جو ایک مخلص آدمی تھے اور ایسا ہی اب مولوی برہان الدین صاحب جہلم میں فوت ہو گئے۔ اور بھی بہت سے مولوی صاحبان اس جماعت میں فوت ہوئے مگر افسوس کہ جو مرتے ہیں ان کا جانشین ہم کو کوئی نظر نہیں آتا۔ پھر فرمایا مجھے مدرسہ کی طرف دیکھ کر بھی رنج ہی پہنچتا ہے کہ جو کچھ ہم چاہتے تھے وہ بات اس سے حاصل نہیں ہوئی۔ اگر یہاں سے بھی طالب علم نکل کر دنیا کے طالب ہی بننے تھے تو ہمیں اس کے قائم کرنے کی ضرورت ہی کیا تھا۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ دین کے لئے خادم پیدا ہوں۔ [۲۷]

احباب سے مشورہ

چنانچہ حضورؑ نے اس صورت حال کا جائزہ لینے اور مزید اصلاحی قدم اٹھانے کے لئے بہت سے احباب بلا کر ان کے سامنے یہ امر پیش فرمایا کہ "مدرسہ (تعلیم الاسلام) میں ایسی اصلاح ہونی چاہئے کہ یہاں سے واعظ اور علماء پیدا ہوں جو آئندہ ان لوگوں کے قائم مقام ہوتے رہیں جو گزرتے چلے جاتے ہیں۔ سب سوچو کہ اس مدرسہ کو ایسے رنگ

میں رکھا جاوے کہ یہاں سے قرآن دان' واعظ اور علماء پیدا ہوں جو دنیا کی ہدایت کا ذریعہ ہوں۔ [28]
حضرت اقدسؑ کے اس ارشاد پر بعض احباب نے تو یہ رائے دی کہ مدرسہ تعلیم الاسلام کو توڑ کر ایک خالص مذہبی مدرسہ کی بنیاد رکھی جائے۔ خود مدرسہ کے ارباب حل و عقد اس بات پر متفق تھے کہ مدرسہ ختم کر دیا جائے۔ مگر حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ اور حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اس خیال کی مخالفت کرتے ہوئے مدرسہ کے قیام و بقا کے لئے انتہائی جدوجہد کی اور حضرت اقدسؑ کے منشاء مبارک کے مطابق یہی مشورہ دیا کہ مدرسہ تعلیم الاسلام قائم رہے مگر اس میں ایسی تبدیلی کر دی جائے کہ حقیقی مقصد کی تکمیل ہو سکے۔ [29]

حضورؑ کا فیصلہ

اس ضمن میں متعدد تجاویز اور ان پر اعتراضات بھی حضورؑ کے سامنے رکھے گئے مگر حضرت اقدسؑ نے حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ اور حضرتؓ صاحبزادہ صاحب کے خیال کو پسند فرماتے ہوئے [30] مدرسہ تعلیم الاسلام میں ہی دینیات کی ایک شاخ کھولنے کا فیصلہ فرمایا [31] اور اس کے لئے حضورؑ نے ۲۶/ دسمبر ۱۹۰۵ء کو جلسہ سالانہ کی تقریر میں نہایت قیمتی ہدایات بھی دیں۔ [32] چنانچہ حضورؑ کے ارشاد سے یہ "شاخ دینیات" جنوری ۱۹۰۶ء کے آخر میں کھل گئی اور اسی شاخ کے قیام سے "مدرسہ احمدیہ" کی بنیاد پڑی۔ [33]

مدرسہ احمدیہ کا آغاز "شاخ دینیات" کی شکل میں

"مدرسہ احمدیہ" یا "شاخ دینیات" کا آغاز نہایت مختصر رنگ میں ہوا۔ ابتداء میں حضرت قاضی سید امیر حسین شاہ صاحب (اول مدرس) اور مولوی فضل دین صاحب (کھاریاں) دو استاد مقرر ہوئے ان کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ہی حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب بھی اس میں مدرس ہو گئے۔ [34] "شاخ دینیات" میں پنجم پرائمری پاس طلبہ داخل کئے جاتے تھے۔ اس کی پہلی جماعت میں ۱۰ طلبا داخل ہوئے جس کا اسی سال امتحان ہوا۔ اور ان میں سے نو پاس قرار دئے گئے۔ علاوہ ازیں پانچ طلبہ مزید داخل ہوئے اس طرح ۱۹۰۶ء میں پہلی اور دوسری جماعت کے طلبہ کی مجموعی تعداد ۱۴ ہو گئی۔

جماعت اول کے دینیات کا نصاب یہ تھا۔ ترجمہ قرآن شریف 'بلوغ المرام' رسالہ جات عربی شائع کردہ انجمن حمایت اسلام' مفتاح الادب' ہدیتہ الصرف' دروس النحویہ۔ اس کے علاوہ طب اور انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی مگر یہ لازمی مضامین نہیں تھے۔ بعض طلبہ طب پڑھتے تھے اور بعض انگریزی۔ طب میں "تشریح الطب" اور "طب احسانی" پڑھائی جاتی تھیں اور انگریزی کا وہی کورس تھا جو اول مڈل کے لئے ان دنوں مقرر تھا۔ انگریزی پڑھنے کے لئے طلبہ کو مڈل کی کلاس میں جانا پڑتا

تھا۔

جماعت دوم کے لئے یہ کتابیں بطور نصاب مقرر تھیں۔ شمائل ترمذی' مالا بدمنہ' عجالہ نافعہ' اصول شاشی' دروس نحویہ چہار حصص' آجرومیہ 'قدوری' سراجی' حساب' اردو گوہر منظوم فارسی' طب' تکسیف الحکمتہ' قانونچہ' شرح رباعیات یوسفی' انگریزی میں دوم مڈل کاکورس تھا جو مڈل کے ساتھ مل کر پڑھایا جاتا تھا۔ "شاخ دینیات" کے طلبہ مدرسہ کے دوسرے لڑکوں کی طرح باقاعدہ ورزش میں بھی شامل ہوتے تھے۔ [۶۵]

مدرسہ احمدیہ کی عمارت کا ابتدائی نقشہ

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے "اس وقت یہ عمارتیں (بورڈنگ مدرسہ احمدیہ کی) نہ تھیں بلکہ یہاں پانی ہوتا تھا اور اس جگہ لوگ نہاتے تھے۔ صرف ایک عمارت تھی جس میں چند کلاسیں پڑھتی تھیں اس میں وہ دو کمرے جو راستہ کی طرف ہیں' نہیں تھے۔ صرف چار کمرے تھے جو کنوئیں کے سامنے ہیں۔ اب بازار کی طرف جو کمرے ہیں وہ بعد میں بنائے گئے۔ اس وقت نہ بینچ تھے نہ کرسیاں نہ ڈیکس ہوتے تھے نہ میزیں صرف تپڑ (ٹاٹ) ہوتے تھے اور وہ بھی ایلجن ملز کے بنے ہوئے نہیں بلکہ عام تپڑ جو چوہڑے چمار بنا کر بیچتے ہیں۔ وہ عرض میں اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی معمولی جسم والا انسان بھی ان پر بیٹھے تو اس کا آدھا جسم نیچے ہو جاتا ہے۔ جانماز استاد کی جگہ ہوتی تھی۔" [۶۶]

یہ مدرسہ احمدیہ جیسی عظیم الشان درس گاہ کی ابتداء تھی جس نے آئندہ چل کر خدا کے فضل اور امام وقت کی روحانی توجہ کی بدولت برصغیر ہندوپاکستان میں بڑے بڑے مقتدر علماء پیدا کئے جنہوں نے اکناف عالم میں اشاعت اسلام کی خدمات سرانجام دیں اور اب بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ [۶۷]

اخبار "وطن" کی ایک تحریک اور اس کا انجام

۱۹۰۵ء کے آخر میں اخبار "وطن" کے ایڈیٹر مولوی انشاء اللہ خاں (۱۸۶۸۔۱۹۲۸) نے "ریویو آف ریلیجنز" کی مقبولیت اور عالمگیر اثر دیکھ کر اپنی کسی خارجی مصلحت کے مدنظر تحریک کی کہ اگر آئندہ اس رسالہ میں حضرت مرزا صاحب اور آپ کے مشن کا ذکر نہ ہو تو وہ مسلمانوں کو بھی اس کے بذریعہ اخبار اعانت کی طرف توجہ دلائیں گے [۶۸] اور خود بھی اس کی اشاعت کے لئے دس روپیہ ماہوار ادا کرتے رہیں گے۔ [۶۹] مولوی انشاء اللہ خاں کی اس تحریک پر خواجہ کمال الدین صاحب نے مولوی محمد علی صاحب ایڈیٹر ریویو کے اتفاق رائے سے ان کو اطلاع دی کہ "آپ سے اور آپ کے ہم رائے

دوستوں سے اس حد تک تو متفق ہوں کہ "ریویو آف ریلیجنز کو بلا لحاظ فرقہ شائع کیا جائے اور کل مسلمان جو احمدی یا غیر احمدی ہوں اسے اپنا آرگن سمجھ کر اشاعت دین اسلام میں کوشش کریں۔ ایڈیٹر اور دیگر مدیران رسالہ ہذا کا فرض ہوگا کہ آئندہ اس کے صفحات کو خاص دعاوی حضرت مرزا صاحب سے خالی رکھیں۔" انہوں نے ساتھ ہی یہ تجویز کی کہ "ریویو آف ریلجنز" کے علاوہ ایک ضمیمہ شائع کیا جاوے جو الگ سرورق کے ساتھ شائع ہو۔ اس کی قیمت بھی الگ ہو۔ اس میں جو مضامین احمدیہ مذاق کے مطابق ہوں۔ وہ شائع ہوا کریں۔ یہ ضمیمہ صرف احمدی احباب کے لئے شائع ہوگا یا جو خود دعاوی حضرت مرزا صاحب سے آگاہی حاصل کرنا چاہیں۔ [۵۰] خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب اور ان کے ہم خیال اصحاب کی یہ تجویز جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک پہنچی تو حضورؑ نے اسے اس بناء پر رد کر دیا کہ مجھ کو چھوڑ کر کیا مردہ اسلام پیش کرو گے۔ [۵۱] علاوہ ازیں یہ خط و کتابت جب الحکم میں شائع ہو کر جماعت کے سامنے آئی تو جماعت نے بھی اپنے ایمان و اخلاص کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے خلاف زبردست آواز بلند کی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ مرکزی اخبار میں مرکزی کارکنوں کی طرف سے غلط قدم دیکھ کر جماعت کی طرف سے منظم رنگ میں زبردست صدائے احتجاج بلند کی گئی [۵۲] بلکہ حضرت اقدسؑ کے مخلص مرید حبیب الرحمٰن صاحب حاجی پورنے ۲۸/ فروری ۱۹۰۶ء کو حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں باقاعدہ اس کے خلاف ایک اپیل بھجوائی جس میں عرض کیا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر یہ لوگ اس زمانہ کے رسول کے خیالات اور تعلیم اور وہ کلام ربانی جو اس رسول پر نازل ہوتا ہے کو چھوڑ دیں گے تو وہ اور کون سی باتیں ہیں جن کی اشاعت کرنا چاہتے ہیں۔ کیا اسلام کوئی دوسری چیز ہے جو اس رسول سے علیحدہ ہو کر بھی مل سکتا ہے۔ کیا احمد سے علیحدہ ہو کر محمد ﷺ کا راستہ مل سکتا ہے... پھر کیا ایسا معاہدہ کرنے والے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنانا چاہتے ہیں یا منشی انشاء اللہ خاں کے دو سو خریدار بہم پہنچانے پر ریجھ گئے ہیں؟ کیا اس خدائی سلسلہ کی اشاعت انشاء اللہ خاں کی امداد پر منحصر ہے۔ ریویو پہلے کیا تھا اور اب کیا ہے۔ یہ ترقی اور مقبولیت مولوی انشاء اللہ خاں کی وجہ سے ہوئی ہے۔ ہرگز نہیں۔ خدا تعالیٰ ہی سب کچھ کر رہا ہے۔ اور حضورؑ کی دعائیں ہیں اور بس۔ ریویو صرف اس واسطے ہے کہ یورپ اور امریکہ میں عیسائیوں کے بناوٹی خدا کو انسان بنادے جس نے بالا خر وفات پائی۔ کیا یہ عقیدہ ظاہر کرنے کے واسطے ان کے پاس کوئی اور راہ ہے جب کہ وہ مسیح موعود کی پاک تعلیم کو ریویو سے علیحدہ کر لیں گے۔ اور اگر ایسا نہ کیا تو پھر منشی انشاء اللہ خاں کے بہم پہنچائے ہوئے خریدار قائم رہ جائیں گے۔ ہرگز نہیں۔ کیا ریویو کے مضامین کی مقبولیت اور قابل تعریف ہونا جناب ایڈیٹر صاحب و مینجر صاحب نے اپنی ذات

تک ہی محدود سمجھ لیا ہے۔ اگر ان کا ایسا خیال ہے تو غلط ہے اور بالکل غلط ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ حضورؑ ہی کی برکت کا نتیجہ ہے۔ یوں ان کو اختیار ہے کہ وہ علیحدہ رسالہ جاری کردیں۔ لیکن وہ بھی دوسرے اسلامی رسالوں کی طرح بے مغز اور بے برکت ہوگا.... خدا کے لئے مینجر صاحب ریویو کو حکم دے دیویں کہ وہ اپنے ان خیالات کو چھوڑ دیں ورنہ جو رسالہ یا کتاب یا اخبار ہمارے سردار حضرت مسیح موعود کے ذکر اور تعلیم سے خالی ہے وہ ہمارا نہیں۔" [۵۳]

مولوی انشاء اللہ خان کی مخالفت

مولوی انشاء اللہ خان نے جب اپنی تجویز کا یہ حشر دیکھا کہ جماعت کا کوئی مخلص فرد ان کی تحریک پر رضامند ہونے کے لئے تیار نہیں تو انہوں نے جماعت احمدیہ پر تنگ ظرفی کا الزام دے کر مخالفت شروع کردی اور اخبار میں لکھا کہ ان کی تحریک کے باعث بہت سے لوگوں نے ریویو کی اعانت کے چندے قادیان بھیج دئے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ گویا چندوں کی بھاری رقوم تھیں جو ہضم کرلی گئیں۔ حالانکہ اصل واقعہ تھا کہ اخبار "وطن" کی تحریک پر چندہ دینے والے صرف چار اصحاب تھے جن میں سے دو تو احمدی تھے۔ تیسرے شخص منشی امام بخش صاحب تھے جنہوں نے جواباً لکھا کہ "میں نے جو چندہ دیا وہ حب اسلام کی خاطر تھا اور میں ہرگز اس کو واپس لینے پر آمادہ نہیں بلکہ اس کو باعث شرم سمجھتا ہوں۔" چوتھے کو لکھا گیا کہ چندہ واپس لے لیں مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ [۵۴]

مولوی انشاء اللہ خاں پر فتویٰ کفر

مولوی انشاء اللہ خان کی تحریک اور مخالفت دونوں دراصل محض ذاتی مصالح کی بناء پر تھیں۔ خدمت اسلام کا جذبہ اس میں کار فرما نہیں تھا۔ وہ خالص دنیادار آدمی تھے اور دین کے نام پر دنیا کمانے کے فن میں ماہر۔ چنانچہ ایڈیٹر صاحب اخبار "الحکم" نے مولوی انشاء اللہ خاں کے صلح پسند مسلمان اور ہمدرد اسلام ہونے کی قلعی کھولنے کے لئے ۱۷/ ستمبر ۱۹۰۶ء کو ایک کھلی چٹھی میں یہ راز کھولا کہ مولوی انشاء اللہ خاں اپنے تئیں تبلیغ اسلام کے شیدائی اور مسلمانوں کے حامی بتا کر اشاعت کفر کر رہے ہیں اور وہ اس طرح کہ وہ اسلام کے بدترین مخالف پادریوں مثلاً میور اور ٹسڈل وغیرہ کی دل آزار کتابوں کی محض روپیہ کے لالچ میں اصل قیمت سے بھی زیادہ قیمت پر فروخت کرکے کفر و الحاد کو ملک میں پھیلا رہے ہیں۔ [۵۵] مولوی انشاء اللہ خاں کی اس نازیبا حرکت کے واضح ہونے پر روزنامہ "پیسہ اخبار" (۱۵/ اکتوبر ۱۹۰۶ء) اور اخبار "زمیندار" (یکم اکتوبر و ۶/ اکتوبر ۱۹۰۶ء) نے مولوی انشاء اللہ خاں پر سخت تنقید کی۔ [۵۶] اس کے چند دن بعد الہ آباد کے نامی علماء محمد بشیر صاحب، سید محمد عبدالسلام صاحب، سید محمد صاحب، عبدالوہاب صاحب، ابو محمد عبدالحق صاحب اور تلطف حسین صاحب نے

صریح طور پر ایڈیٹر "وطن" پر کافر، ضال و مضل اور دشمن اسلام ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ ۵۷

ایڈیٹر "وطن" کا رجوع

۱۹۰۶ء میں ایڈیٹر "وطن" نے ریویو کے متعلق معاہدہ کی تنسیخ کو تنگ دلی پر محمول کیا تھا مگر ۱۹۱۲ء میں انہوں نے اپنے اس خیال سے رجوع کر لیا۔ بات یہ ہوئی کہ یورپ میں تبلیغ اسلام کی کوششوں کو تیز تر کرنے کی خاطر نظارت المعارف القرآنیہ دہلی نے ووکنگ مشن کی اعانت کے لئے دو مسلمان واعظ روانہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جس پر ایڈیٹر "وطن" نے لکھا۔

"ضرور غیر احمدی واعظوں کا احمدی واعظ و مناد کے ساتھ مل کر کام کرنا منتج خرابی ہو گا اور جو کچھ اس کام پر سرمایہ لگایا جا رہا ہے وہ سب ضائع ہو جائے گا..... نظارت المعارف القرآنیہ دہلی اپنے واعظوں کو کسی اور ملک میں بھیجے یا وہ ملک کے اندر ہی کروڑ ہا جاہل اور دین و دیانت سے غافل لوگوں کا سدھار کرے تو اچھا ہے۔" ۵۸

حواشی

۱۔ بدر ۱۴/ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم ۱' الحکم ۱۰/ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۲ کالم ۴ پر یہ الہام ان الفاظ میں شائع ہوا "دو شہتیر ٹوٹ جائیں گے"
۲۔ بدر ۱۷/ اگست ۱۹۰۵ء صفحہ ۲
۳۔ الفضل ۱۸/ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵ کالم ۳ اور رسالہ "جامعہ احمدیہ" سالنامہ ۱۹۳۰ء صفحہ ۳
۴۔ بدر ۱۳/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم ۳
۵۔ الفضل ۱۸/ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵ کالم ۳ اور رسالہ "جامعہ احمدیہ" سالنامہ ۱۹۳۰ء صفحہ ۳
۶۔ رسالہ "اصحاب احمدیہ" جلد اول صفحہ ۲۔۳' رسالہ "جامعہ احمدیہ" (سالنامہ ۱۹۳۰ء)
۷۔ تاریخ احمدیت حصہ دوم میں ۱۸۹۳ء سن ہجرت لکھا گیا تھا مگر بعد میں خود حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کا ۱۶/ جولائی ۱۹۰۳ء کا ایک عدالتی بیان ملا ہے جس میں انہوں نے اپنی مستقل ہجرت کا زمانہ ستمبر ۱۸۹۸ء بتایا۔ اس بیان میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے قبل بھی میں قادیان میں آیا کرتا تھا اور بسا اوقات سات آٹھ مہینے تک بھی رہتا تھا (ملاحظہ ہو نقل مسل مقدمہ حکیم فضل دین بنام مولوی کرم دین)
۸۔ سیرت المہدی طبع دوم صفحہ ۲۸۹
۹۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۴۷
۱۰۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کے اس عاشقانہ رنگ کی ایک عجیب مثال مکرم فضل دین صاحب پنشنر سپرنٹنڈنٹ ہائی کورٹ نے مؤلف ہذا سے یہ بیان کی کہ ان کے والد حضرت میاں فیروز الدین صاحب (۱۸۷۴ء۔ ۱۹۵۴ء) ساکن شہر سیالکوٹ نے ان کو بتایا کہ میاں نظام الدین صاحب آف سیالکوٹ نے ان سے ذکر کیا کہ قریباً ۱۸۹۶ء کا واقعہ ہے کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ مسجد مبارک سے متصل کمرہ میں تشریف فرماتے اور ہم آپ کی خدمت میں حاضر تھے کہ سیدنا محمود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سامنے سے گزرے۔ میں نے عرض کیا کہ صاحبزادہ کہاں پڑھتے ہیں۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے بیساختہ جواب دیا جہاں ان کے والد پڑھتے ہیں۔ (یعنی آسمانی آقا کی درس گاہ میں)
۱۱۔ بدر ۱۲/ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۳ کالم ۱' الحکم ۳۰/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔۳
۱۲۔ الحکم ۳۱/ اگست ۱۹۰۵ء و الحکم ۳۱/ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۴
۱۳۔ الحکم ۲۴/ اگست ۱۹۰۵ء صفحہ ۱ کالم ۳ نیز ۳۱/ اگست ۱۹۰۵ء صفحہ ۱
۱۴۔ مخزن حکمت مؤلفہ ڈاکٹر حکیم شمس الاطباء غلام جیلانی صاحب زیر لفظ شب چراغ
۱۵۔ الحکم ۱۰/ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۴ کالم ۱۔۲
۱۶۔ الحکم ۳۱/ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۴ کالم ۲
۱۷۔ الحکم ۱۰۔ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳ کالم ۱
۱۸۔ تتمہ "حقیقۃ الوحی" صفحہ ۲۶
۱۹۔ بدر ۷/ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲
۲۰۔ الحکم ۱۰/ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم ۲
۲۱۔ الحکم ۳۱/ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۴ کالم ۴
۲۲۔ الحکم ۱۷/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۱ کالم ۱
۲۳۔ الحکم ۱۷/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۱ کالم ۴
۲۴۔ الحکم ۱۰/ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۶ کالم ۲۔۳
۲۵۔ الحکم ۱۰/ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۱ کالم ۱

۲۶۔ سیرۃ المہدی جلد اول (طبع اول) صفحہ ۲۸۸
۲۷۔ الفضل یکم جون ۱۹۳۳ء صفحہ ۶
۲۸۔ الحکم ۱۰/ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۴۔۵
۲۹۔ سیرۃ المہدی (طبع دوم) صفحہ ۲۸۸
۳۰۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "آئینہ کمالات اسلام" میں آپ کے نام ۳۹ نمبر پر اور ضمیمہ "انجام آتھم" میں ۸۴ نمبر پر درج فرمایا ہے۔
۳۱۔ الفضل ۱۷/ دسمبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۵۔۶
۳۲۔ غیر مطبوعہ سوانح مولانا برہان الدین صاحبؓ از مولوی عبد المغنی صاحبؓ امیر جماعت جہلم خلف الرشید مولوی برہان الدین صاحبؓ سے ماخوذ
۳۳۔ غیر مطبوعہ سوانح مولانا برہان الدین صاحبؓ از مولوی عبد المغنی صاحبؓ امیر جماعت جہلم خلف الرشید مولوی برہان الدین صاحبؓ سے ماخوذ (یہ سوانح ماہنامہ "انصار اللہ" اگست ستمبر ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئے)
۳۴۔ الحکم ۱۷/ دسمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۶ کالم ۳۔۴
۳۵۔ البدر یکم/ دسمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۵۲ کالم ۲
۳۶۔ بدر ۸/ دسمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۷ کالم ۲۔۳
۳۷۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۳ صفحہ ۶۲
۳۸۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم ۳ صفحہ ۶۲۔۶۳ مرتبہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ
۳۹۔ الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۶۵ کالم ۴
۴۰۔ الحکم ۱۰/ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۲ کالم ۱
۴۱۔ بدر ۱۲/ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۸ کالم ۳' حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کے مکتب میں ہمیشہ پانچ دس طلباء کی کلاس آپ سے دینیات کی تحصیل کرتی رہتی تھی جو اس شاخ کے علاوہ تھی چنانچہ ۱۹۰۵ء کے بعض طلبہ یہ تھے۔ مولوی غلام نبی صاحب' حافظ روشن علی صاحبؓ' میاں غلام محمد صاحب کشمیری' ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب' سید عبد الحی عرب صاحب' عبد الرحمٰن صاحب واتوی' محمد جی صاحب ہزاروی' محمد شاہ صاحب' ابو سعید عرب صاحب' محمد یار صاحب۔ (بدر ۱۲/ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۸ کالم ۳)
۴۲۔ الحکم ۱۰/ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۲ کالم ۱۔۲
۴۳۔ رسالہ "تعلیم الاسلام" جلد ۱ صفحہ ۲۰۰۔۲۰۱
۴۴۔ رسالہ "تعلیم الاسلام" جلد ۲ صفحہ ۳۲۲ و الفضل ۲۶/ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۹ کالم ۱۔۲
۴۵۔ رسالہ "تعلیم الاسلام" جلد اول نمبر ۵ صفحہ ۲۰۱۔۲۰۲' جلد دوم صفحہ ۳۲۲
۴۶۔ الفضل ۲۲/ دسمبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۶ کالم ۱۔۲
۴۷۔ خلافت اولیٰ میں چونکہ اس درس گاہ کو مستقل ادارہ کی حیثیت حاصل ہوئی اس لئے اس کے مفصل کوائف کا تذکرہ بھی خلافت اولیٰ کے حالات میں کیا جا رہا ہے' انشاء اللہ تعالیٰ۔
۴۸۔ الحکم ۱۷/ مارچ ۱۹۰۶ء صفحہ ۲ کالم ۲
۴۹۔ الحکم ۱۷/ مارچ ۱۹۰۶ء صفحہ ۲ کالم ۲
۵۰۔ الحکم ۲۴/ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۶ کالم ۲۔۳
۵۱۔ الفضل ۱۹/ اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۱ کالم ۲
۵۲۔ الحکم ۱۷/ مارچ ۱۹۰۶ء صفحہ ۲' ۲۴ مارچ ۱۹۰۶ء کالم ۲ و ۱۰۔ مارچ ۱۹۰۶ء صفحہ ۵ و م ۱۔۲
۵۳۔ الحکم ۱۰/ مارچ ۱۹۰۶ء صفحہ ۳ کالم ۳۔۴

۵۴۔ ریویو آف ریلیجنز اردو۔ نومبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۴۳۹
۵۵۔ الحکم ۱۷/ ستمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۸
۵۶۔ الحکم ۱۷/ اکتوبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۶ کالم ۱۔۲
۵۷۔ الحکم ۲۴/ اکتوبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۹۔۱۰
۵۸۔ بحوالہ الفضل ۱۱/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۳ کالم ۳

آخری سفر دہلی

لدھیانہ اور امرتسر میں پبلک لیکچر

سفر دہلی اور لدھیانہ اور امرتسر میں پبلک لیکچر

حضرت میر ناصر صاحب دہلی سے ہجرت کر کے قادیان آچکے تھے اور برسوں سے کوئی تقریب ایسی پیدا نہ ہو سکی تھی کہ حضرت ام المومنین اپنے عزیز و اقارب سے مل سکیں۔ حضورؑ نے کئی بار سفر کا ارادہ بھی کیا مگر اسے ملتوی کر دینا پڑا۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی وفات کے بعد حضورؑ نے دوبارہ سفر دہلی کا فیصلہ فرمایا جس کا ایک محرک یہ بھی تھا کہ ان دنوں ڈاکٹر میر محمد اسمعیل صاحب اسسٹنٹ سرجن بھی دہلی کے ڈفرن ہسپتال میں متعین تھے۔ [1] ۲۱/ اکتوبر کی رات حضورؑ نے رؤیا میں دیکھا کہ "دہلی گئے ہیں تو تمام دروازے بند ہیں۔" پھر دیکھا کہ ان پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ پھر دیکھا کہ کوئی شخص کچھ تکلیف دینے والی چیز میرے کان میں ڈالتا ہے۔ میں نے کہا تم مجھے دکھ کیا دیتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ کو اس سے زیادہ دکھ دیا گیا ہے۔ [2]

روانگی حضورؑ پروگرام کے مطابق ۲۲/ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو صبح آٹھ بجے کے قریب قادیان سے روانہ ہوئے [3] حضورؑ کے اہل بیت اور خادمات کے علاوہ مندرجہ ذیل خدام کو آپ کے ہم سفر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ (۱) مولوی سید محمد احسن صاحب فاضل امروہی (۲) سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مالک ساجن کوٹھی مدراس (۳) ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اسسٹنٹ سرجن شاہ پور (۴) مولوی عبدالرحیم صاحب میرٹھی (۵) مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر (۶) خلیفہ رجب الدین صاحب لاہوری (۷) شیخ غلام احمد صاحب نو مسلم (۸) بابو نور الدین صاحب کلرک ڈاک خانہ (۹) شیخ حامد علی صاحب (۱۰) شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم۔ مخلصین حضورؑ کی مشایعت میں دور تک ساتھ آئے۔ اور بعض طالب علم تو حضرت اقدس کی سواری کے ساتھ ساتھ بٹالہ تک دوڑتے چلے گئے۔

بٹالہ اسٹیشن حضرت اقدسؑ کی روانگی کی خبر کسی طرح سیکھواں بھی پہنچ گئی تھی اور وہاں سے میاں جمال دین صاحب اور منشی عبدالعزیز صاحب پٹواری بھی شرف زیارت کے لئے آگئے۔ حضرت اقدسؑ دس بجے کے بعد بٹالہ پہنچے۔ [4] یہاں حضورؑ اور دیگر احباب نے کھانا کھایا اور

مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی کی اقتداء میں ظہر و عصر کی نمازیں جمع و قصر کر کے پڑھیں۔

بٹالہ سے امرتسر
بٹالہ سے گاڑی ایک بج کر ۳۵ منٹ پر روانہ ہوئی۔ روانگی سے پہلے صرف دہلی روانگی کا تار دیا گیا کیوں کہ کچھ عرصہ قبل جب کہ احباب کو حضورؑ کے سفر دہلی کی اطلاع ملی پھگواڑہ' پھلور' لدھیانہ کے اسٹیشنوں پر کئی کئی دن تک خدام' حاضر رہے اور آخر انتظار کے بعد بنگہ ضلع جالندھر کی جماعت قادیان میں آپہنچی تھی۔ حضرت اقدسؑ نے اسی بناء پر کسی اور جگہ اطلاع دینے کی اجازت نہ دی۔ گاڑی بٹالہ سے امرتسر پہنچی۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ کپور تھلہ سے منشی ظفر احمد صاحب اور منشی اروڑا خاں صاحب اور ڈاکٹر فیض قادر صاحب حاضر ہوئے۔ جماعت امرتسر کے مخلص فرد ڈاکٹر عباد اللہ صاحب کو خبر ہوئی۔ وہ دوڑے ہوئے اسٹیشن پہنچے اور حضورؑ کی خدمت میں جماعت امرتسر کی طرف سے کھانے کی درخواست کی جسے حضورؑ نے قبول فرما لیا اور وہ نماز مغرب کے وقت پر تکلف کھانا تیار کر کے لے آئے۔

دہلی کو روانگی
رات کے نو بجے کے قریب گاڑی امرتسر اسٹیشن سے دہلی کو روانہ ہوئی [۵] اور مختلف منازل طے کرتی ہوئی بالاخر دوسرے روز (۲۳/ اکتوبر کو) قریباً تین بجے بعد دوپہر دہلی پہنچی۔ [۶]

دہلی میں ورود
دہلی میں اس وقت میر قاسم علی صاحب' ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب گوڑیانوی اور دیگر چند احمدی تھے جنہوں نے اگرچہ الف خاں سیاہی والے کا مکان (واقع چتلی قبر متصل مسجد سید رفاعی صاحب) کرایہ پر پہلے سے لے لیا تھا۔ [۷] مگر چونکہ ان کو بٹالہ سے روانگی کے وقت کا تار نہیں مل سکا تھا اس لئے اسٹیشن پر کوئی صاحب استقبال کے لئے بھی موجود نہ تھے۔ مزید یہ کہ حضورؑ کی تشریف آوری سے قبل حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ)' حضرت میر ناصر نواب صاحب اور حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب تو دہلی سے پہلی ٹرین سے واپس قادیان کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ امرتسر اسٹیشن پر ان کو پتہ چلا کہ حضرت اقدسؑ تو دہلی تشریف لے گئے ہیں چنانچہ وہ اگلی گاڑی سے دہلی واپس آئے۔ بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب دہلی اسٹیشن پر قدم رکھا تو خاندان یا جماعت کے افراد میں سے کوئی موجود نہ تھا جس پر باقی ہمراہی تو بہت حیران ہوئے مگر حضورؑ کو کچھ بھی ملال نہ ہوا اور آپؑ پلیٹ فارم پر اپنے اہل بیت کے ساتھ تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر گئے۔ پھر آہستہ آہستہ شہر کو چل پڑے تھوڑی دور گئے تھے کہ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خاں صاحب گوڑیانوی بھی آملے۔ جب الف خاں سیاہی والے کے مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ سب ہی دروازے بند ہیں۔ مکان بالکل خالی پڑا تھا مگر ڈاکٹر صاحب نے پوری مستعدی سے تمام ضروری اشیاء کا انتظام کر دیا۔

بزرگان امت کے قبور کی زیارت

دوسرے روز صبح مفتی صاحبؓ نے بعض احباب کی خواہش پر سیر دہلی کی اجازت چاہی تو حضورؑ نے فرمایا لہو ولعب کے طور پر پھرنا درست نہیں یہ فضول بات ہے میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں یہاں اکثر اولیاء اللہ اور اکابر امت کے مزار ہیں ان پر جانے کا ہمارا بھی ارادہ ہے وہاں ہو آئیں۔ ایک فہرست ان مزاروں کی تیار کرلی جائے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل بزرگوں کے نام لکھوائے گئے۔ (۱) خواجہ باقی باللہ صاحبؒ (۱۵۲۴۔ ۱۵۶۴ء) (۲) خواجہ میردرد صاحبؒ (وفات ۱۷۸۵ء) (۳) شاہ ولی اللہ صاحبؒ (۱۷۰۳۔ ۱۷۶۳ء) (۴) خواجہ نظام الدین اولیاء صاحبؒ (۱۲۳۸۔ ۱۳۲۵ء) (۵) جناب خواجہ قطب الدین صاحب بختیار کاکیؒ (وفات ۱۲۳۵ء) (۶) مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ (وفات ۱۳۵۶ء) فہرست تیار ہونے پر گاڑیاں منگوائی گئیں اور حضرت اقدسؑ اپنے بعض خدام کے ساتھ جن میں حضرت میرناصر نواب صاحبؓ بھی تھے روانہ ہوئے۔ راستہ میں فرمایا۔ قبرستان میں ایک روحانیت ہوتی ہے اور صبح کا وقت زیارت قبور کے لئے سنت ہے۔ یہ ثواب کا کام ہے اور اس سے انسان کو اپنا مقام یاد آجاتا ہے اور اس سے اس کے دل پر عمدہ اثر پڑتا ہے۔ انسان اس دنیا میں ایک مسافر ہے آج زمین پر ہے تو کل زمین کے نیچے ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان قبر پر جاوے تو کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَ اِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ۔ انسان قبر پر جاکر اہل قبر کی مغفرت اور ترقی درجات کے لئے دعا کرے۔ درود شریف بھی ایک دعا ہے۔ حضورؑ کچھ وقت کے بعد قبرستان تک پہنچ گئے۔ [۸] وہاں بہت سی قبریں ایک دوسری کے قریب قریب اور اکثر زمین کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔ حضرت اقدسؑ نہایت احتیاط سے ان قبروں کے درمیان سے چلتے تھے۔ حضرت باقی باللہؒ کے مزار پر پہنچ کر حضورؑ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر لمبی دعا کی۔ دعا کے بعد مفتی محمد صادق صاحبؓ نے عرض کیا کہ قبر پر کیا دعا کرنی چاہئے۔ فرمایا صاحب قبر کے واسطے دعائے مغفرت کرنی چاہئے اور اپنے واسطے بھی خدا سے دعا کرنی چاہئے۔ انسان ہر وقت دعا کرنے کا محتاج ہے۔ قبر کے سرہانے کی طرف خواجہ صاحب کے متعلق ایک نظم لکھی تھی جو حضورؑ کی ہدایت پر مفتی صاحب نے نقل کرلی۔ حضرت اقدسؑ نے اس موقعہ پر فرمایا خواجہ باقی باللہؒ بڑے مشائخ میں سے تھے۔ شیخ احمد سرہندیؒ کے پیر تھے۔ نیز فرمایا۔ خواجہ باقی باللہ صاحبؒ کی عمر بہت تھوڑی تھی۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم سے بھی کم عمر پائی تھی۔ [۹] الغرض حضورؑ خواجہ صاحبؒ کے مزار پر دعا کر کے واپس اپنی فرودگاہ پر تشریف لے آئے۔

اگلے دن ۲۵/ اکتوبر کو حضورؑ کی طبیعت کسی قدر ناساز تھی اس لئے باہر تشریف نہ لے گئے۔ ۲۶/

اکتوبر کو حضورؑ خواجہ میر دردؒ کے مزار پر جماعت کو ساتھ لے گئے اور لمبی دعا کی۔ وہاں سے فارغ ہو کر حضرت ولی اللہ شاہ صاحبؒ اور آپ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ (۱۶۴۴ء۔۱۷۱۹ء) کے مزار پر گئے اور بہت دیر تک دعا میں مصروف رہے۔ ۲۹/ اکتوبر کو شاہ نظام الدین صاحب محبوب الٰہی قدس اللہ سرہ کے مزار مبارک پر تشریف لے گئے۔ [۱۰] اس وقت وہاں کے سجادہ نشینوں میں سے صاحبزادہ سید غلام معین الدین نظامی کے علاوہ خواجہ حسن نظامی صاحب بھی موجود تھے جنہوں نے نہایت محبت و خلوص سے تمام مقامات دکھائے اور ہر مقام کے تاریخی حالات عرض کئے اور اپنے خاص حجرے میں بھی حضرت اقدسؑ اور خدام کو لے گئے اور ایک کتاب بنام "شواہد نظامی" پیش کی بلکہ حضورؑ کے وہاں تشریف لے جانے سے پیشتر مکان پر آکر یہ بھی عرض کی۔ آپ جب وہاں آئیں تو اپنے اصحاب کے ساتھ میری دعوت قبول فرمائیں (خواجہ صاحب حضورؑ کی دہلی سے روانگی کے وقت پر بھی اسٹیشن پر موجود تھے) حضرت اقدسؑ نے شاہ نظام الدین صاحب اولیاءؒ اور امیر خسروؒ (۱۲۵۳۔۱۳۲۵ء) کے مزار پر فاتحہ پڑھا۔ [۱۱] [۱۲]

حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کی آمد کا ایمان افروز واقعہ

اسی روز حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ قادیان سے دہلی پہنچے۔ حضورؑ کو نقرس کی تکلیف ہو گئی تھی اس لئے ان کو تار دیا گیا تھا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ آپ کے سفر دہلی کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو تار دلوائی کہ فوراً دلی پہنچ جائیں۔ تار لکھنے والے نے تار میں امیجی ایٹ (Immediate) یعنی بلا توقف کے الفاظ لکھ دیئے۔ حضرت خلیفہ اول کو جب یہ تار پہنچی تو اس وقت آپ اپنے مطب میں تشریف رکھتے تھے۔ تار کے ملتے ہی یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ حضرت صاحبؑ نے بلا توقف بلایا ہے میں جاتا ہوں اور گھر میں قدم تک رکھنے کے بغیر سیدھے اڈہ خانہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کیفیت یہ تھی کہ اس وقت نہ جیب میں خرچ تھا اور نہ ساتھ کوئی بستر وغیرہ۔ گھر والوں کو اطلاع ملی تو پیچھے سے ایک کمبل تو کسی شخص کے ہاتھ بھجوا دیا مگر خرچ کا انہیں بھی خیال نہ آیا اور شاید اس وقت گھر میں کوئی رقم ہو گی بھی نہیں۔ اڈہ خانہ پہنچ کر حضرت خلیفہ اول نے یکہ لیا اور بٹالہ پہنچ گئے مگر ٹکٹ خریدنے کا کوئی سامان نہیں تھا۔ چونکہ گاڑی میں کچھ وقت تھا آپ خدا پر توکل کر کے اسٹیشن پر ٹہلنے لگ گئے۔ اتنے میں غالباً ایک ہندو رئیس آیا اور حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر عرض کی کہ میری بیوی بہت بیمار ہے آپ تکلیف فرما کر میرے ساتھ تشریف لے چلیں اور اسے میرے گھر پر دیکھ آئیں۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو امام کے حکم پر دلی جارہا

ہوں اور گاڑی کا وقت ہونے والا ہے میں اس وقت نہیں جاسکتا۔ اس نے بمنت عرض کیا کہ میں اپنی بیوی کو یہیں سٹیشن پر لے آتا ہوں آپ اسے یہیں دیکھ لیں۔ آپ نے فرمایا اگر یہاں لے آؤ اور گاڑی میں کچھ وقت ہوا تو میں دیکھ لوں گا۔ چنانچہ وہ اپنی بیوی کو سٹیشن پر لایا اور آپ نے اسے دیکھ کر نسخہ لکھ دیا۔ یہ ہندو رئیس چپکے سے گیا اور دلی کا ٹکٹ لاکر حضرت خلیفہ اول کے حوالہ کیا اور ساتھ ہی معقول نقدی بھی پیش کی۔" ۱۲

بعض علماء کا حضورؑ کی مجلس میں آنا

دہلی میں قیام کے دوران میں بعض علماء بھی حضورؑ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ ۲۴/ اکتوبر ۱۹۰۵ء بعد نماز ظہر ایک صاحب عبدالحق صاحب چند طالب علموں کے ساتھ آئے۔ چند اور بھی دہلی والے آموجود ہوئے۔ عبدالحق صاحب نے اپنی تشفی کے لئے سوال کیا کہ کیا آپ خود مسیح اور مہدی ہونے کے مدعی ہیں؟ حضورؑ نے اس کا بڑا لطیف جواب دیا اور ان کو توجہ دلائی کہ اس وقت عیسائیت اسلام کو کھا رہی ہے۔ آیا عیسوی مذہب کی بیخ و بن اس سے اکھڑ سکتی ہے کہ ہم عیسائیوں کی طرح حضرت مسیحؑ کو آسمان پر تسلیم کریں یا اس طرح کہ ہم عیسائیوں کے سامنے ثابت کر دیں کہ جس شخص کو تم اپنا معبود مانتے ہو وہ دوسرے انبیاء کی طرح مدفون ہے اور اس کی قبر بھی موجود ہے۔ اس بات کا عبدالحق صاحب پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے کھڑے ہو کر حضورؑ کے ہاتھ چوم لئے اور کہا کہ میں سمجھ گیا ہوں۔ آپ اپنا کام کئے جائیں انشاء اللہ تعالیٰ ضرور کامیاب ہوں گے۔ ۱۴

اگلے روز (۲۵/ اکتوبر کو) ایک اور مولوی صاحب آئے اور انہوں نے سوال کیا کہ خدا نے ہمارا نام مسلمان رکھا ہے۔ آپ نے اپنا فرقہ کا نام احمدی کیوں رکھا ہے؟ حضورؑ نے اس سوال کے جواب میں مفصل تقریر فرمائی اور بتایا کہ "جو لوگ اسلام کے نام سے انکار کریں یا اس نام کو عار سمجھیں ان کو تو میں لعنتی کہتا ہوں میں کوئی بدعت نہیں لایا جیسا کہ حنبلی شافعی وغیرہ نام تھے ایسا ہی احمدی بھی نام ہے بلکہ احمدی کے نام میں اسلام اور اسلام کے بانی احمد ﷺ کے ساتھ اتصال ہے اور یہ اتصال دوسرے ناموں میں نہیں۔ احمد آنحضرت ﷺ کا نام ہے۔ اسلام احمدی ہے اور احمدی اسلام ہے۔ بعض اوقات الفاظ بہت ہوتے ہیں مگر مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔ احمدی نام ایک امتیازی نشان ہے۔ آج کل اس قدر طوفان زمانہ میں ہے کہ اول آخر کبھی نہیں ہوا اس واسطے کوئی نام ضروری تھا۔ خدا کے نزدیک جو مسلمان ہیں وہ احمدی ہیں۔" ۱۵

۲۱/ اکتوبر کو حضرت اقدسؑ نے ایک لمبی تقریر فرمائی۔ چند مولویوں نے تقریر کے بعد حضرت اقدسؑ سے ایک تحریر لکھوائی کہ حضور کیوں مسیحؑ کی وفات کے قائل ہیں؟ ۱۶-۱۷

دہلی میں خدام کی آمد حضورؑ کے سفر دہلی کی خبر سن کر لاہور' مظفر نگر' میرٹھ' گڑھی پختہ (ضلع مظفر گڑھ یوپی) پٹیالہ' انبالہ' لدھیانہ' اٹاوہ' امروہہ' شاہ آباد ضلع ہردوئی' بلب گڑھ ضلع دہلی' لارنس پور' رعیہ ضلع سیالکوٹ اور بعض دیگر مقامات کے بہت سے خدام پہنچ گئے۔ لدھیانہ سے مولوی عبدالقادر صاحب بطور نمائندہ آئے اور درخواست کی کہ حضورؑ واپسی پر لدھیانہ بھی قیام فرماویں جسے حضورؑ نے منظور فرمالیا۔ جماعت پٹیالہ کی طرف سے منشی عبدالغنی صاحب آفیسر فراش خانہ نے بھی پٹیالہ میں قیام کی درخواست کی۔ [۱۸]

حیرت صاحب کا بیہودہ چیلنج یکم نومبر ۱۹۰۵ء کو مرزا حیرت صاحب دہلوی نے "کرزن گزٹ" میں حضرت اقدسؑ کے خلاف سخت زہر اگلا اور مناظرہ کا چیلنج بھی دیا۔ حضرت اقدسؑ نے ان کی گزشتہ آزاد اسلامی اور نمائشی طبیعت کو دیکھ کر اعراض ہی مناسب سمجھا۔ البتہ جماعت دہلی کی طرف سے اشتہار دیا گیا کہ مرزا حیرت صاحب محض ایک اخبار نویس ہیں لہٰذا ان کے ساتھ "حیات و وفات مسیح" کے موضوع پر ایڈیٹر اخبار الحکم و بدر مناظرہ کرنے کو تیار ہیں۔ مرزا حیرت صاحب نے جوابی اشتہار دیا کہ میں ایسی بحثوں کو بیکار سمجھتا ہوں۔ حضرت مسیحؑ ایک بار نہیں سو بار فوت ہو جائیں۔ ہاں ایک شخص کو خواہ مخواہ عیسیٰ ابن مریم تسلیم کرلینا بحث طلب ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ "بحث طلب" معاملہ بھی جسے موضوع بحث بنانے کے لئے انہوں نے یہ اشتہار دیا تھا ان کی نگاہ میں اصولی نہیں تھا اور نہ چنداں اہمیت تھی۔ کیوں کہ وہ خود ہی ایک سال قبل ۲۳/ اپریل ۱۹۰۴ء کو اپنے اخبار "کرزن گزٹ" میں لکھ چکے تھے "جو جدید مسائل مرزا صاحب اب تک پیش کر چکے ہیں۔ ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں اس لئے کہ ہم ان مسائل کو بہت معمولی سمجھتے ہیں۔ اگرچہ مرزا صاحب کے حریفوں نے بہت سی ضخیم ضخیم کتابیں ان مسائل میں لکھ دی ہیں اور مرزا صاحب سے کئی سال تک ان کی بابت تو تو میں میں رہی مگر ہمارے خیال میں وہ باتیں ایسی نہیں ہیں جن کا ذکر بھی کیا جاوے۔ ہم نہایت فراخ دلی اور خندہ پیشانی سے ان معاملات میں مرزا صاحب ہی کو ڈگری دیتے ہیں۔" [۱۹]

نیز لکھا۔ "تیسری بات یہ ہے کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو مثیل مسیح کہتے ہیں۔ اچھا ہم تسلیم کرتے ہیں آپ مثیل مسیح ہی سہی جب کہ حضور انور ﷺ کی مرحوم امت کا ہر فرد مثل انبیاء بنی اسرائیل کے ہے اور ہو سکتا ہے پھر اگر مرزا صاحب مثیل مسیح ہو گئے تو کیا غضب ہو گیا ہمیں اس کی تردید کی کیا ضرورت ہے۔" [۲۰]

دہلی کے دروازے بند رہے دہلی میں حضورؑ کا کوئی پبلک لیکچر نہیں ہوا۔ ہاں عام تقریریں ضرور ہوئیں۔ ایک درجن کے قریب بیعتیں بھی ہوئیں۔
بھائی عبدالرحیم صاحب کا بیان ہے کہ "ایک شخص بیعت کے لئے آیا اور اس نے عرض کی کہ حضورؑ یہاں بیعت کرنا اپنی بیوی کو طلاق دینا ہے اس لئے بیعت سے پہلے گھر جا کر اپنی بیوی سے فیصلہ کر لوں۔ وہ گھر گیا اور اس نے اپنی بیوی کے پاس ذکر کیا۔ اس نے کہا میں بھی تمہارے ساتھ بیعت کر لوں گی۔ اس طرح ہر دو نے بیعت کی۔" [۲۱] دہلی میں احباب کے اصرار پر حضرت حکیم الامت نور الدین صاحبؓ کے لیکچر کی تجویز ہوئی۔ ۳/ نومبر کو اس کی اجازت کے لئے کوشش کی گئی مگر معلوم ہوا کہ کسی وجہ سے اتوار تک لیکچر نہیں ہو سکتا۔ [۲۲] الغرض دہلی والوں نے اس موقع سے کوئی خاص فائدہ نہ اٹھایا اور جیسا کہ حضورؑ کو قبل از وقت بتا دیا گیا تھا دہلی کے دروازے مقفل ہی رہے۔

واپسی حضورؑ ۴/ نومبر ۱۹۰۵ء کی شام کو دہلی سے روانہ ہو کر ۵/ نومبر ۱۹۰۵ء کو ۱۱ بجے کے قریب لدھیانہ پہنچے۔ [۲۳]

لدھیانہ میں قیام اور لیکچر

دہلی کے برعکس لدھیانہ میں حضورؑ کی زیارت کے لئے اسٹیشن پر استقبال کرنے والے ہزاروں لوگ ہر طبقہ ہر عمر اور ہر مذاق کے موجود تھے۔ چنانچہ ایک مقامی اخبار نے لکھا کہ ایک میلہ لگا ہوا تھا اور پولیس والے بھی عاجز آ گئے۔ حضورؑ انور ایک بڑی کوٹھی میں (جو سڑک کے کنارے واقع تھی) مقیم ہوئے۔ یہاں بھی لوگوں کا ہر وقت تانتا بندھا رہتا تھا۔

گرد و نواح کے اضلاع سے بہت سے احمدی جمع ہو گئے۔ جماعت لدھیانہ نے مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ مخالفین کی طرف سے سب و شتم سے بھرے ہوئے اشتہار شائع ہوئے جن کا جواب ایڈیٹر الحکم نے بذریعہ اشتہار دیا۔ اسی روز (۵/ نومبر کی شام کو) یہ تجویز ہوئی کہ حضرت اقدسؑ کا ایک پبلک لیکچر ہو۔ راتوں رات جماعت احمدیہ لدھیانہ نے پوری مستعدی اور ہوشیاری کے ساتھ اشتہار چھپوا کر چسپاں کروائے اور علی الصبح تقسیم بھی کر دیا۔ وقت مقررہ پر ہزاروں لوگ متصل مکان آریہ سکول محاذ کمیٹی باغ کے احاطہ میں جہاں لیکچر قرار پایا تھا جمع ہو گئے۔ [۲۴]

حضرت اقدسؑ نے ساڑھے آٹھ بجے سے ساڑھے گیارہ بجے تک اسلام کی خوبیوں اور سلسلہ احمدیہ حقہ کی صداقت پر ایک پر معارف تقریر فرمائی۔ [۲۵] حضورؑ کی تقریر کے آخری الفاظ یہ تھے۔
"میرے نشانات تھوڑے نہیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ انسان میرے نشانوں پر گواہ ہیں اور زندہ ہیں۔

میرے انکار میں جلدی نہ کرو ورنہ مرنے کے بعد کیا جواب دو گے؟ یقیناً یاد رکھو خدا سر پر ہے اور وہ صادق کو صادق ٹھہراتا اور کاذب کو کاذب۔" [۲۶] حضورؑ کے لیکچر کے بعد مولوی عبدالصمد پٹیالوی نے ایک نظم حضورؑ کی تصدیق میں پڑھی۔ ازاں بعد مصری شاہ صاحب ساکن نواں شہر ضلع جالندھر نے اپنا یہ رؤیا حلفاً بیان کیا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے دہن مبارک سے حضرت مسیح موعودؑ کے مدارج کو سنا اور تصدیق فرمائی تھی۔ [۲۷]

امرتسر میں قیام اور لیکچر

حضرت اقدسؑ ۸/ نومبر کی صبح کو لدھیانہ سے روانہ ہوئے اور امرتسر تشریف لائے جہاں حضورؑ نے دو روز تک اس مکان میں قیام فرمایا جہاں ۱۸۹۳ء کے مباحثہ جنگ مقدس کے دوران ٹھہرے تھے۔ [۲۸] ۹/ نومبر کی صبح امرتسر میں بھی حضورؑ کی ایک تقریر ہونا قرار پائی۔ جماعت امرتسر نے اس لیکچر کے لئے اشتہار بھی دیا کہ عالی جناب حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے ہماری درخواست پر ایک پبلک وعظ اسلام کے زندہ مذہب ہونے اور اس کے انوار و برکات کے بارے میں کرنا منظور فرمالیا ہے۔ چونکہ یہ جلسہ محض تبلیغ حق کی خاطر ہوگا اور اس سے کوئی غرض مباحثہ یا مناظرہ نہیں ہے اس لئے کسی شخص کو اس میں بولنے کی اجازت نہ ہوگی۔ [۲۹]

لیکچر کے لئے رائے کنھیا لال صاحب وکیل کا لیکچر ہال لیا گیا تھا۔ ۸ بجے کے بعد حضورؑ نے تقریر شروع فرمائی پہلے یہ بیان فرمایا کہ قریباً چودہ سال پہلے مجھ پر کفر کا فتویٰ دیا گیا اور مولوی عبدالحق غزنوی نے میرے ساتھ مباہلہ کیا جس کے بعد خدا تعالیٰ نے میری بہت مدد فرمائی۔ تین لاکھ سے زیادہ آج میرے مرید ہیں اور کثرت سے مخلصین میرے ساتھ ہیں۔ مخالفوں کی زبردست کوششوں اور منصوبوں کے باوجود خدا تعالیٰ نے مجھے کامیاب کیا۔ غرض پون گھنٹہ کے قریب حضورؑ نے تقریر فرمائی۔ اس کے بعد حضورؑ نے اسلام کی خوبیوں کا ذکر شروع کرنا چاہا تو مخالفین نے (جن میں غزنوی گروہ اور مولوی ثناء اللہ صاحب کی پارٹی کے لوگ شامل تھے اور جو پہلے سے منصوبہ کر کے آئے تھے) ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ بعض نے تالیاں بجائیں، سیٹیاں ماریں اور فحش گالیاں دینا شروع کر دیں۔ امرتسر کے رؤساء نے کھڑے ہو کر بار بار ان کو سمجھایا مگر کسی نے ایک نہ سنی اور اس قدر شور برپا کیا کہ لیکچر بند کرنا پڑا۔ حضورؑ گاڑی میں سوار ہوئے تو ہر طرف سے پتھر اور اینٹیں برسانا شروع کر دیں۔ [۳۰] عین سنگ باری کے دوران میں ایک آدمی نے زور سے السلام علیکم کہا۔ حضورؑ نے فرمایا وعلیکم السلام۔ اس نے کہا میں نے وہ سلام پہنچایا ہے جو رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب مہدی آئے تو اس کو میرا سلام پہنچانا۔

حضورؑ نے مسکراتے ہوئے فرمایا الحمد للہ کہ رسول کریمؐ کی پیش گوئی پوری ہو گئی۔ پتھر بھی قوم نے برسائے اور السلام علیکم بھی پہنچ گیا۔ [۱۲۱]

حضرت بھائی عبدالرحیم صاحبؓ کا چشم دید بیان

حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب کا بیان ہے کہ اہل امرتسر کچھ حاصل نہ کر سکے۔ لوگ لیکچر سننے کے لئے آئے۔ اپنے ساتھ اینٹیں' پتھر اور ٹوٹے ہوئے جوتے لائے۔ اور بڑے بڑے مولویوں کے سکھانے پر لوگ شور کرتے رہے۔ چونکہ حضور علیہ السلام سفر میں تھے اس واسطے روزہ نہیں رکھا تھا۔ ابھی گھنٹہ بھر لیکچر نہ ہوا تھا کہ مفتی فضل الرحمٰن صاحب نے ایک چائے کی پیالی پیش کی۔ جوں ہی حضور علیہ السلام نے اسے اٹھایا اور گھونٹ پیا تمام لوگوں نے شور ڈال دیا۔ بعض رئیسوں نے کہا کہ ہمارے شہر والو! دیکھو تم کیا نمونہ دکھلا رہے ہو یہ بہتر نہیں۔ مگر کون سنتا تھا اس طرح شور پڑتا رہا۔ آخر حضور علیہ السلام اٹھ کر ایک راستہ سے تشریف لے گئے اور کہلا بھیجا اب ہم ان کو کوئی لیکچر نہ سنائیں گے اس لئے تمام لوگ اس مکان سے نکال دئے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک گاڑی لائی گئی تا کہ حضور علیہ السلام اپنے ڈیرہ کو تشریف لے جائیں۔ لوگ دکانوں پر چڑھے ہوئے تھے سب کے ہاتھ میں اینٹ' پتھر اور پرانے جوتے تھے۔ جوں ہی حضور علیہ السلام بند گاڑی میں سوار ہوئے گاڑی پر پتھروں' اینٹوں' جوتوں کی بوچھاڑ شروع ہوئی۔ گاڑی نکل گئی اور جماعت احمدیہ کے تمام آدمی پیچھے رہے۔ راستہ میں بڑے سخت حملے ہوئے۔ چنانچہ ایک شخص نے لاٹھی سے بڑے زور سے گاڑی پر حملہ کیا۔ بابو غلام محمد صاحب ٹائم کیپر لاہوری جو کہ گاڑی کے پائدان پر کھڑے تھے فوراً آگے آگئے۔ ان کو کسی قدر چوٹ لگی۔ مولوی محمد علی صاحب اپنا سونٹا لئے ہوئے پیچھے بھاگ رہے تھے لوگوں نے یہ سمجھا کہ کوئی مخالف مرزا صاحب پر حملہ کرنے کے لئے لاٹھی لے کر بھاگ رہا ہے اس لئے وہ بھی بچ گئے ورنہ نہ معلوم کیا ہوتا کیوں کہ وہ اکیلے تھے۔ تمام مخالف دکانوں پر چڑھے ہوئے اینٹیں' پتھر برسا رہے تھے اور جہاں سے گزرتے تھے وہ سب گاڑی کے پیچھے ہو لیتے تھے۔ حضرت میاں محمود احمد صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) فرماتے تھے کہ ہم گاڑی کی کھڑکی بند کرتے تھے ادھر اس پر پتھر پڑتا تھا اور پھر کھل جاتی تھی۔ الغرض گاڑی والا اینٹ کھاتا ہوا گاڑی کو بھگا کر لے گیا۔ شیخ رحمت اللہ صاحب کو بھی ایک دو ٹوٹی ہوئی جوتیاں لگیں۔ حکیم محمد حسین مرہم عیسیٰ کے لڑکے کے سر پر بھی اینٹ لگی مگر یہ سب خفیف تھیں حضرت میاں بشیر احمد صاحب کے ناخن پر بھی ضرب آئی تھی مگر یہ سب ضربیں کچھ نہ تھیں۔۔ خیر یہ ایک سنت باقی تھی وہ بحمد اللہ پوری ہوئی اور کسی کو ضرب نہ آئی۔ لیکچر حضور علیہ السلام نے یہاں سے شروع فرمایا تھا۔ میں خدا تعالیٰ کا بڑا شکر کرتا ہوں۔ میں یہاں

چودہ سال کے بعد آیا ہوں۔ پہلے جب میں آیا تھا تو اتنے مرید تھے جو انگلیوں پر شمار ہو سکتے تھے اور اب میں چار لاکھ سے زیادہ مرید لے کر آیا ہوں۔ یہ وہ کامیابی ہے جو غزنوی کے مباہلہ کا انجام ہوا۔ الغرض نشان بیان کرتے کرتے طاعون کا ذکر فرما رہے تھے کہ لیکچر ختم ہوا۔ دہلی میں حضور علیہ السلام نے رؤیا میں سخت زلزلہ دیکھا جس کی تعبیر حضور علیہ السلام نے غم' رنج اور ہم فرمائی تھی۔ پھر دیکھا تھا کہ تالی (چابی) گم ہو گئی تھی۔ اس کے متعلق حضور علیہ السلام نے ایک خط میں (جو مولوی محمد علی صاحب کے نام لکھا تھا) تحریر فرمایا تھا کہ خطرہ ہے کہ راستہ میں کوئی امر مکروہ پیش نہ آوے۔ یہ رؤیا بھی پوری ہوئی۔ [٣٢]

احباب امرتسر کی مہمان نوازی

امرتسر کی غریب جماعت نے حضورؑ اور حضورؑ کے خدام کی مہمان نوازی کا حق ادا کر دیا۔ حضورؑ کے لیکچر کی خبر سن کر اطراف سے بہت سے دوست امرتسر میں جمع ہو گئے تھے۔ جماعت امرتسر نے بھی نہایت ہمت' حوصلہ اور فراخ دلی کے ساتھ سب کی خدمت کی۔ کھانے' پینے اور رہائش گاہ کے انتظامات سب خاطر خواہ تھے۔ [٣٣]

قادیان کی طرف مراجعت

حضورؑ اسی روز امرتسر سے بٹالہ تشریف لے گئے اور دوسرے روز ۱۰/ نومبر کو بٹالہ سے ۸ بجے صبح روانہ ہو کر بخیر و عافیت ۱۲ بجے کے قریب دارالامان پہنچے۔ [٣٤]

مسلمانان عالم کے بین الاقوامی اتحاد کے لئے الہام

۲۰/ نومبر ۱۹۰۵ء کو حضرت مسیح موعودؑ پر الہام نازل ہوا "اِنِّیْ مَعَکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ" سب مسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں جمع کرو "عَلٰی دِیْنٍ وَّاحِدٍ" [٣٥] اس مبشر الہام میں حضور کو بتایا گیا کہ مسلمانان عالم میں بین الاقوامی اتحاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کا ایک عظیم مقصد ہے جو حضورؑ کی جماعت کے ذریعہ سے بالآخر پوری شان و شوکت کے ساتھ پورا ہو کر رہے گا۔ انشاء اللہ۔ [٣٦ تا ٣٧]

حواشی

۱- الحکم ۲۴/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۵ کالم ۱۔ ۲ و بدر ۲۷/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲
۲- الحکم ۳۱/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ او بدر ۲۷/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳ کالم ۱۔ ۲
۳- بدر ۲۷/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳ کالم ۴
۴- الحکم ۳۰/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴ کالم ۳
۵- الحکم ۱۰/ دسمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۵ کالم ۲
۶- الحکم ۳۱/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم او بدر ۲۷/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم ۳
۷- الحکم ۲۱/ ۱۴ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ کالم ۱
۸- الحکم ۱۰/ مارچ ۱۹۰۶ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ ۲' الحکم ۳۱/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم ۲
۹- بدر ۳۱/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲
۱۰- الحکم ۳۱/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم ۲
۱۱- بدر ۲۴/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳ کالم ۱
۱۲- جب حضرت اقدسؑ دہلی سے قادیان واپس آئے تو حضورؑ نے خواجہ حسن نظامی صاحب کے زبانی اصرار اور تحریری درخواست کے جواب میں (جو انہوں نے بعد کو بذریعہ ڈاک قادیان بھیجی تھی) مندرجہ ذیل تحریر بھجوائی۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ الحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ خاتم النبین وآلہ و اصحابہ و جمیع عبادۃ الصالحین امابعد شعبان المبارک ۱۳۲۳ھ میں مجھے جب دہلی جانے کا اتفاق ہوا تو مجھے ان صلحاء اور اولیاء الرحمٰن کے مزاروں کی زیارت کا شوق پیدا ہوا جو خاک میں سوئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ جب مجھے دہلی والوں سے محبت اور انس محسوس نہ ہوئی تو میرے دل نے اس بات کے لئے جوش مارا کہ وہ ارباب صدق و صفا اور عاشقان حضرت مولیٰ جو میری طرح اس زمین کے باشندوں سے بہت سا جور و جفا دیکھ کر اپنے محبوب حقیقی کو جا ملے ان کی متبرک مزاروں کی زیارت سے اپنے دل کو خوش کرلوں۔ پس میں اسی نیت سے حضرت خواجہ شیخ نظام الدین ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار متبرک پر گیا۔ اور ایسا ہی دوسرے چند مشائخ کی متبرک مزاروں پر بھی۔ خدا ہم سب کو اپنی رحمت سے معمور کرے۔ آمین ثم آمین"
الراقم عبداللہ الصمد غلام احمد المسیح الموعود من اللہ الاحد القادیانی ۱۲/ نومبر ۱۹۰۵ء (بدر ۲۴/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳ کالم ۱)
۱۳- الفضل ۶/ دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۴۔ ۵
۱۴- بدر ۳۱/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳
۱۵- بدر ۳/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳۔ ۴
۱۶- بدر ۳/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳۔ ۴
۱۷- تحریر کا متن بدر ۶/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴ پر شائع ہوا۔
۱۸- الحکم ۳۱/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ گڑھی پختہ ایک قصبہ ہے جو تحصیل کیرانہ ضلع مظفر نگر (یوپی) میں واقع ہے اور تھانہ بھون کے قریب ہے۔
۱۹- الحکم ۲۴/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ ۳
۲۰- الحکم ۲۴/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ ۳
۲۱- مکتوب بھائی عبدالرحیم صاحب مرقومہ آخر ۱۹۰۵ء (اصل خط قاضی محمد یوسفؓ صاحب پشاوری کے ریکارڈ میں ہے)
۲۲- الحکم ۱۰/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۱ کالم ۱
۲۳- الحکم ۱۰/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۱ کالم ۲

۲۴۔ الحکم ۱۰/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ا و سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۲۷۲ (مفصل اشتہار کے لئے ملاحظہ ہو بدر ۱۰/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ ۳)

۲۵۔ بدر ۱۰۔ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم ۲

۲۶۔ الحکم ۳۰/ نومبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۶ کالم ا۔ بدر ۱۰/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳ کالم ۲

۲۸۔ الحکم ۱۰/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ا کالم ۳

۲۹۔ مفصل اشتہار کے لئے ملاحظہ ہو بدر ۲۴/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۶ کالم ۳

۳۰۔ بدر ۱۵۔ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴ کالم ۲۔ ۳

۳۱۔ (روایت حضرت بھائی عبد الرحیم صاحبؓ) سیرۃ احمد صفحہ ۲۱ مرتبہ حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوریؓ

۳۲۔ خط حضرت بھائی عبد الرحیم صاحب مرقومہ آخر ۱۹۰۵ء اصل قاضی محمد یوسف صاحبؓ ہوتی مردان کے ریکارڈ میں محفوظ ہے

۳۳۔ بدر ۱۵/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴ کالم ۲

۳۴۔ از خط حضرت بھائی عبد الرحیم صاحب نیز الحکم ۱۷/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ا کالم ۲

۳۵۔ بدر ۲۴/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۔ الحکم ۲۴/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ا

۳۶۔ حضرت اقدسؑ نے اس الہام کی تشریح کرتے ہوئے انہی دنوں فرمایا۔ "یہ امر جو ہے کہ سب مسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں جمع کرو علیٰ دین واحد۔ یہ ایک خاص قسم کا امر ہے۔ احکام اور امر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک شرعی رنگ میں ہوتے ہیں جیسے نماز پڑھو' زکوٰۃ دو' خون نہ کرو وغیرہ اس قسم کے اوامر میں ایک پیش گوئی بھی ہوتی ہے کہ گویا بعض ایسے بھی ہوں گے جو اس کی خلاف ورزی کریں گے۔ جیسے یہود کو کہا گیا کہ توریت کو محرف و مبدل نہ کرنا۔ یہ بتاتا ہے کہ بعض ان میں سے کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ غرض یہ امر شرعی ہے اور یہ اصطلاح شریعت ہے۔ دوسرا امر کونی ہوتا ہے اور یہ احکام اور امر قضاء و قدر کے رنگ میں ہوتے ہیں جیسے قلنا یا نار کونی بردا و سلاما اور وہ پورے طور پر وقوع میں آگیا۔ اور یہ امر جو میرے اس الہام میں ہے یہ بھی اسی قسم کا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلمانان روئے زمین علیٰ دین واحد جمع ہوں اور وہ ہو کر رہیں گے ہاں اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان میں کوئی کسی قسم کا بھی اختلاف نہ رہے۔ اختلاف بھی رہے گا مگر وہ ایسا ہو گا جو قابل ذکر اور قابل لحاظ نہیں۔" (الحکم ۳۰/ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲)

۳۷۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب لکھتے ہیں۔ "جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی جس کی زندگی کا ایک بڑا مقصد آپ کے متعدد دعاوی کے لحاظ سے جو چیز تحریر میں آچکے ہیں مسلمانوں میں وحدت قائم کرنا تھا۔" (ستارہ صبح ۸/ دسمبر ۱۹۱۶ء بحوالہ رسالہ "ظفر علی خاں کی گرفتاری" صفحہ ۵ مرتبہ حبیب الرحمٰن عرف خان کابلی احمد افغانی مطبوعہ ۲/ مارچ ۱۹۳۷ء)

قرب وصال سے متعلق الہامات

تحریک الوصیت کی بنیاد

اور

نظام خلافت کے قیام کی پیشگوئی

قرب وصال سے متعلق الہامات و رؤیا۔ "الوصیت" کی تصنیف و اشاعت اور نظام خلافت کے قیام کی پیش گوئی

اللہ تعالیٰ نے ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ظاہر فرمایا کہ آخری حصہ زندگی کا یہی ہے جو اب گزر رہا ہے۔ چنانچہ ۱۸/ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو حضورؑ نے رؤیا میں دیکھا کہ "ایک کوری ٹنڈ میں کچھ پانی مجھے دیا گیا ہے۔ پانی صرف دو تین گھونٹ باقی اس میں رہ گیا ہے لیکن بہت مصفی اور مقطر پانی ہے۔" اس کے ساتھ ہی الہام ہوا "آب زندگی" [۱] پھر الہام ہوا "خدا کی طرف سے سب پر اداسی چھا گئی" [۲] دسمبر ۱۹۰۵ء میں صاف بتایا گیا قرب اجلک المقدر (یعنی تیری اجل مقدر آگئی ہے) [۳] بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اس دن سب پر اداسی چھا جائے گی۔ یہ ہوگا یہ ہوگا یہ ہوگا بعد اس کے تمہارا واقعہ ہوگا۔ تمام حوادث اور عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئے گا۔ [۴]

دسمبر ۱۹۰۷ء میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مزید اس حادثہ کی تعیین میں یہ الہام ہوا "ستائیس کو ایک واقعہ (ہمارے متعلق) اللہ خیر و ابقی" [۵]

"الوصیت" کی تصنیف

ان الٰہی خبروں کی بناء پر حضورؑ نے ۲۰/ دسمبر ۱۹۰۵ء کو "الوصیت" کے نام سے ایک رسالہ شائع فرمایا جس میں ان الہامات کا تذکرہ کر کے حضورؑ نے جماعت کو نہایت شفقت بھرے الفاظ میں اپنے اندر روحانی انقلاب برپا کرنے کی تلقین فرمائی اور اپنے بعد قدرت ثانیہ یعنی نظام خلافت کے ظہور کی خوش خبری دی چنانچہ لکھا۔ "یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے۔ اور جب سے کہ اس نے انسان کو زمین میں پیدا کیا ہے ہمیشہ اس سنت کو وہ ظاہر کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا اور ان کو غلبہ دیتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی (خدا نے لکھ رکھا ہے کہ وہ اور اس کے نبی غالب رہیں گے) اور غلبہ سے

مراد یہ ہے کہ جیسا کہ رسولوں اور نبیوں کا یہ منشاء ہوتا ہے کہ خدا کی حجت زمین پر پوری ہو جائے اور اس کا مقابلہ کوئی نہ کرسکے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ ان کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے اور جس راست بازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اس کی تخم ریزی انہیں کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اس کی پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ ایسے وقت میں ان کو وفات دے کر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن اور تشنیع کا موقعہ دے دیتا ہے اور جب وہ ہنسی ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کو دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر ناتمام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں۔ غرض دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے۔ (۱) اول۔ خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کو ہاتھ دکھلاتا ہے۔ (۲) دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردد میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کئی بدقسمت مرتد ہونے کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے۔ پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے اس معجزہ کو دیکھتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وقت میں ہوا جب کہ آنحضرت ﷺ کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین نادان مرتد ہو گئے اور صحابہؓ بھی مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوتے تھام لیا اور اس وعدہ کو پورا کیا جو فرمایا تھا وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا یعنی خوف کے بعد پھر ہم ان کے پیر جما دیں گے۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا جب کہ حضرت موسیٰؑ مصر اور کنعان کی راہ میں پہلے اس سے جو بنی اسرائیل کو وعدے کے موافق منزل مقصود تک پہنچا دیں فوت ہو گئے اور بنی اسرائیل میں ان کے مرنے سے بڑا ماتم برپا ہوا جیسا کہ توریت میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل اس بے وقت موت کے صدمہ سے اور حضرت موسیٰؑ کی ناگہانی جدائی سے چالیس دن تک روتے رہے۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ ہوا۔ اور صلیب کے واقعہ کے وقت تمام حواری تتر بتر ہو گئے اور ایک ان میں سے مرتد بھی ہو گیا۔ سو اے عزیزو! جب کہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا دے۔ سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین

مت ہو۔ اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جاویں کیوں کہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیوں کہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا۔ سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدے کا دن ہے۔ وہ ہمارا خدا وعدوں کا سچا اور وفادار اور صادق خدا ہے وہ سب کچھ تمہیں دکھائے گا جس کا اس نے وعدہ فرمایا۔ اگرچہ یہ دن دنیا کے آخری دن ہیں اور بہت بلائیں ہیں جن کے نزول کا وقت ہے۔ پر ضرور ہے کہ یہ دنیا قائم رہے جب تک وہ تمام پوری نہ ہو جائیں جن کی خدا نے خبر دی میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا۔ اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔ سو تم خدا کی قدرت ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہو کر دعا کرتے رہو اور چاہئے کہ ایک صالحین کی جماعت ہر ایک ملک میں اکٹھے ہو کر دعا میں لگے رہیں تا دوسری قدرت آسمان سے نازل ہو اور تمہیں دکھاوے کہ تمہارا خدا ایسا قادر خدا ہے۔" [۶]

دین واحد پر جمع کرنے کی وصیت

"الوصیت" میں حضورؑ نے جماعت کو یہ وصیت بھی فرمائی کہ۔ "خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیاء' ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کے لئے دنیا میں بھیجا گیا۔ سو تم اس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے۔" [۷]

بہشتی مقبرہ کا قیام

آنحضرت ﷺ نے مسیح محمدی کے متعلق پیش گوئی فرمائی تھی "یُحَدِّثُهُمْ بِدَرَجَاتِهِمْ فِی الْجَنَّةِ" [۸] یعنی وہ اپنی جماعت کے لوگوں کو ان کے جنت میں درجات کے بارے میں اطلاع دے گا۔ اس پیش گوئی میں مخبر صادق ﷺ نے نہایت لطیف پیرایہ میں ایک بہشتی مقبرہ کی طرف اشارہ فرمایا تھا جو مسیح موعودؑ کے زمانہ میں مقدر تھا۔ چنانچہ عین اس خبر کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو ۱۸۹۸ء کے قریب ایک کشف ہوا جس کی تفصیل آپ کے الفاظ میں یہ تھی "مجھے ایک جگہ

دکھلادی گئی کہ یہ تیری قبر کی جگہ ہوگی۔ [۹] ایک فرشتہ میں نے دیکھا کہ وہ زمین کو ناپ رہا ہے تب ایک مقام پر اس نے پہنچ کر مجھے کہا کہ یہ تیری قبر کی جگہ ہے۔ پھر ایک جگہ مجھے ایک قبر دکھلائی گئی کہ وہ چاندی سے زیادہ چمکتی تھی اور اس کی تمام مٹی چاندی کی تھی۔ تب مجھے کہا گیا کہ یہ تیری قبر ہے اور ایک جگہ مجھے دکھلائی گئی اور اس کا نام بہشتی مقبرہ رکھا گیا اور ظاہر کیا گیا کہ وہ ان برگزیدہ جماعت کے لوگوں کی قبریں ہیں جو بہشتی ہیں۔" [۱۰]

حضورؑ نے حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ کے نام ۶/ اگست ۱۸۹۸ء کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا کہ۔

"میرے دل میں خیال ہے کہ اپنے اور اپنی جماعت کے لئے خاص طور پر ایک قبرستان بنایا جائے جس طرح مدینہ میں بنایا گیا تھا۔ بقول شیخ سعدیؒ کہ "بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم" یہ بھی ایک وسیلہ مغفرت ہوتا ہے جس کو شریعت میں معتبر سمجھا گیا ہے۔ اس قبرستان کی فکر میں ہوں کہ کہاں بنایا جائے۔ امید ہے کہ خدا تعالیٰ کوئی جگہ میسر کردے گا اور اس کے اردگرد ایک دیوار چاہئے۔" [۱۱] اس لحاظ سے آپ ۱۸۹۸ء سے ایک خاص قبرستان کی بنیاد کے لئے کوشاں تھے مگر چونکہ موقعہ کی عمدہ زمینیں بہت قیمت سے ملتی تھیں اس لئے یہ غرض مدت دراز تک معرض التواء میں رہی۔ [۱۲] بالاخر اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں کے ماتحت اس کا قیام دسمبر ۱۹۰۵ء کے آخر میں عمل میں آیا جس کا فوری موجب حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کا انتقال اور خود حضورؑ کے قرب وصال کے الہامات تھے۔

بہشتی مقبرہ اور اس میں دفن ہونے کی شرائط کا اعلان

حضورؑ نے اپنی ملکیتی زمین الٰہی حکم کی تعمیل میں مقبرہ کے لئے وقف فرمادی اور رسالہ الوصیت میں اس میں دفن ہونے والوں کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا اعلان فرمایا۔

"چونکہ اس قبرستان کے لئے بڑی بھاری بشارتیں مجھے ملی ہیں اور نہ صرف خدا نے یہ فرمایا کہ یہ مقبرہ بہشتی ہے بلکہ یہ بھی فرمایا انزل فیھا کُلّ رَحْمَۃٍ یعنی ہر ایک قسم کی رحمت اس قبرستان میں اتار دی گئی ہے اور کسی قسم کی رحمت نہیں جو اس قبرستان والوں کو اس سے حصہ نہیں۔ [۱۳] اس لئے خدا نے میرا دل اپنی وحی خفی سے اس طرف مائل کیا کہ ایسے قبرستان کے لئے ایسے شرائط لگادیے جائیں کہ وہی لوگ اس میں داخل ہوسکیں جو اپنے صدق اور کامل راست بازی کی وجہ سے ان شرائط کے پابند ہوں۔ سو وہ تین شرطیں ہیں اور سب کو بجالانا ہوگا۔"

۱۔ اس قبرستان کی زمین موجودہ بطور چندہ کے میں نے اپنی طرف سے دی ہے لیکن اس احاطہ کی

تکمیل کے لئے کسی قدر اور زمین خریدی جائے گی جس کی قیمت اندازاً ہزار روپیہ ہوگی اور اس کے خوش نما کرنے کے لئے کچھ درخت لگائے جائیں گے اور ایک کنواں لگایا جائے گا۔ اور اس قبرستان سے شمال کی طرف بہت پانی ٹھہرا رہتا ہے جو گزر گاہ ہے اس لئے وہاں ایک پل تیار کیا جائے گا اور ان متفرق مصارف کے لئے دو ہزار روپیہ درکار ہوگا۔ سو کل یہ تین ہزار روپیہ ہوا جو اس تمام کام کی تکمیل کے لئے خرچ ہوگا۔ سو پہلی شرط یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو اس قبرستان میں مدفون ہونا چاہتا ہے وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے ان مصارف کے لئے چندہ داخل کرے اور یہ چندہ محض ان لوگوں سے طلب کیا گیا ہے نہ دوسروں سے۔ بالفعل یہ چندہ اخویم مکرم مولوی نور الدین صاحب کے پاس آنا چاہئے۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو یہ سلسلہ ہم سب کی موت کے بعد بھی جاری رہے گا۔ اس صورت میں ایک انجمن چاہئے کہ ایسی آمدنی کا روپیہ جو وقتاً فوقتاً جمع ہوتا رہے گا اعلائے کلمہ اسلام اور اشاعت توحید میں جس طرح مناسب سمجھیں خرچ کریں۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تمام جماعت میں سے اس قبرستان میں وہی مدفون ہوگا جو یہ وصیت کرے جو اس کی موت کے بعد دسواں حصہ اس کے تمام ترکہ کا حسب ہدایت اس سلسلہ کے اشاعت اسلام اور تبلیغ احکام قرآن میں خرچ ہوگا۔ اور ہر ایک صادق کامل الایمان کو اختیار ہوگا کہ اپنی وصیت میں اس سے بھی زیادہ لکھ دے۔ لیکن اس سے کم نہیں ہوگا۔ اور یہ مالی آمدنی ایک بادیانت اور اہل علم انجمن کے سپرد رہے گی اور وہ باہمی مشورہ سے ترقی اسلام اور اشاعت علم قرآن و کتب دینیہ اور اس سلسلہ کے واعظوں کے لئے حسب ہدایت مذکورہ بالا خرچ کریں گے۔ اور خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس سلسلہ کو ترقی دے گا۔ اس لئے امید کی جاتی ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے ایسے مال بھی بہت اکٹھے ہو جائیں گے اور ہر ایک امر جو مصالح اشاعت اسلام میں داخل ہے جس کی اب تفصیل کرنا قبل از وقت ہے وہ تمام امور ان اموال سے انجام پذیر ہوں گے۔ اور جب ایک گروہ جو متکفل اس کام کا ہے فوت ہو جائے گا تو وہ لوگ جو ان کے جانشین ہوں گے ان کا بھی یہی فرض ہوگا کہ ان تمام خدمات کو حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ بجا لاویں۔ ان اموال میں سے ان یتیموں اور مسکینوں اور نو مسلموں کا بھی حق ہوگا جو کافی طور پر وجوہ معاش نہیں رکھتے اور سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں۔ اور جائز ہوگا کہ ان اموال کو بطور تجارت کے ترقی دی جائے یہ مت خیال کرو کہ یہ صرف دور از قیاس باتیں ہیں بلکہ یہ اس قادر کا ارادہ ہے جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ مجھے اس بات کا غم نہیں کہ یہ اموال

جمع کیوں کر ہوں گے اور ایسی جماعت کیوں کر پیدا ہو گی جو ایمان داری کے جوش سے یہ مردانہ کام دکھلائے بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ ہمارے زمانے کے بعد وہ لوگ جن کے سپرد ایسے مال کئے جائیں وہ کثرت مال کو دیکھ کر ٹھوکر نہ کھاویں اور دنیا سے پیار نہ کریں۔ سو میں دعا کرتا ہوں کہ ایسے امین ہمیشہ اس سلسلہ کو ہاتھ آتے رہیں جو خدا کے لئے کام کریں ہاں جائز ہو گا کہ جن کا کچھ گزارہ نہ ہو ان کو بطور مدد خرچ ان میں سے دیا جائے۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس قبرستان میں دفن ہونے والا متقی ہو اور محرمات سے پرہیز کرتا اور کوئی شرک اور بدعت کا کام نہ کرتا ہو۔ سچا اور صاف مسلمان ہو۔

۴۔ ہر ایک صالح جو اس کی کوئی بھی جائیداد نہیں اور کوئی مالی خدمت نہیں کر سکتا۔ اگر یہ ثابت ہو کہ وہ دین کے لئے اپنی زندگی وقف رکھتا تھا اور صالح تھا تو وہ اس قبرستان میں دفن ہو سکتا ہے۔" [۱۴]

الوصیت میں حضورؑ نے یہ بھی لکھا کہ "میری نسبت اور میرے اہل و عیال کی نسبت خدا نے استثناء رکھا ہے باقی ہر ایک مرد ہو یا عورت ان کو ان شرائط کی پابندی لازم ہو گی اور شکایت کرنے والا منافق ہو گا۔" [۱۵] نیز تحریر فرمایا "یہ انتظام منافقوں پر بہت گراں گزرے گا اور اس سے ان کی پردہ دری ہو گی اور بعد موت وہ مرد ہوں یا عورت اس قبرستان میں ہرگز دفن نہ ہوں گے۔"

مقبرہ کی غرض

"الوصیت" میں حضورؑ نے اس مقبرہ کی غرض یہ لکھی کہ "خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ایسے کامل الایمان ایک ہی جگہ دفن ہوں تا آئندہ کی نسلیں ایک ہی جگہ ان کو دیکھ کر اپنا ایمان تازہ کریں اور تا ان کے کارنامے یعنی جو خدا کے لئے انہوں نے دینی کام کئے ہمیشہ کے لئے قوم پر ظاہر ہوں۔" [۱۶]

نظام الوصیت کے متعلق ایک عظیم الشان پیش گوئی

حضورؑ نے الوصیت میں ہی پیش گوئی فرمائی "یہ مت خیال کرو کہ یہ صرف دور از قیاس باتیں ہیں بلکہ یہ اس قادر کا ارادہ ہے جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ مجھے اس بات کا غم نہیں کہ یہ اموال جمع کیوں کر ہوں گے اور ایسی جماعت کیوں کر پیدا ہو گی جو ایمان داری کے جوش سے یہ مردانہ کام دکھلائے بلکہ مجھے یہ فکر ہے ہمارے زمانہ کے بعد وہ لوگ جن کے سپرد ایسے مال کئے جائیں وہ کثرت مال کو دیکھ کر ٹھوکر نہ کھاویں اور دنیا سے پیار نہ کریں۔ سو میں دعا کرتا ہوں کہ ایسے امین ہمیشہ اس سلسلہ کو ہاتھ آتے رہیں جو خدا کے لئے کام کریں۔" [۱۷]

نظام نو کی بنیاد تحریک الوصیت دراصل دنیا کے نظام نو کی بنیاد ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کے نائب حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹۴۲ء میں اس کی وضاحت میں فرمایا تھا "جب وصیت کا نظام مکمل ہو گا تو صرف تبلیغ ہی اس سے نہ ہو گی بلکہ اسلام کے منشاء کے ماتحت ہر فرد بشر کی ضرورت کو اس سے پورا کیا جائے گا اور دکھ اور تنگی کو دنیا سے مٹا دیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔ یتیم بھیک نہ مانگے گا۔ بیوہ لوگوں کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے گی۔ بے سامان پریشان نہ پھرے گا۔ کیوں کہ وصیت بچوں کی ماں ہو گی۔ جوانوں کی باپ ہو گی۔ عورتوں کا سہاگ ہو گی۔ اور جبر کے بغیر محبت اور دلی خوشی کے ساتھ بھائی بھائی کی اس کے ذریعہ سے مدد کرے گا اور اس کا دینا بے بدلہ نہ ہو گا بلکہ ہر دینے والا خدا تعالیٰ سے بہتر بدلہ پائے گا۔ نہ امیر گھاٹے میں رہے گا نہ غریب' نہ قوم قوم سے لڑے گی بلکہ اس کا احسان سب دنیا پر وسیع ہو گا۔" ۱۸

صدر انجمن احمدیہ کی بنیاد

"بہشتی مقبرہ" کی آمد کی حفاظت' اسے فروغ دینے اور خرچ کرنے کے لئے حضورؑ نے ایک انجمن بنائی جس کا نام "انجمن کارپردازان مصالح بہشتی مقبرہ" تجویز فرمایا اور اس سلسلہ میں بعض خاص ہدایات دے کر الوصیت کے ساتھ بطور ضمیمہ درج کر کے لکھا کہ "یہ ضروری ہو گا کہ مقام اس انجمن کا ہمیشہ قادیان رہے کیوں کہ خدا نے اس مقام کو برکت دی ہے۔" یہ انجمن کوئی دنیوی یا جمہوری طرز کی کوئی انجمن نہیں تھی بلکہ ان اموال کی حفاظت اور توسیع اور اشاعت اسلام کی غرض سے بنائی گئی تھی جو نظام الوصیت کے نتیجہ میں جماعت کو عطا ہونے والے تھے۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے مشورہ دیا کہ بہشتی مقبرہ والی انجمن کو قانونی وسعت دے کر دوسرے جماعتی اداروں (مثلاً ریویو آف ریلیجنز اور مدرسہ تعلیم الاسلام وغیرہ) کو بھی اس کے ساتھ شامل کر دیا جائے اور اس کا نام صدر انجمن احمدیہ رکھا جائے۔ جماعتی تنظیم کے اعتبار سے یہ ایک معقول اور مفید تجویز تھی اس لئے حضورؑ نے اسے قبول بھی فرما لیا اور ۳۱/ جنوری ۱۹۰۶ء تک اس کے قواعد و ضوابط تجویز کر لئے گئے جو ۱۰/ فروری ۱۹۰۶ء کی "الحکم" اور ۱۶/ فروری ۱۹۰۶ء کے "بدر" میں جماعت کی اطلاع کے لئے شائع بھی کر دیئے گئے۔ اس طرح اصل "انجمن کارپرداز مصالح قبرستان" میں ہی دوسرے تمام جماعتی ادارے مدغم کر کے موجودہ صدر انجمن احمدیہ کی بنیاد پڑی۔ اور قواعد ضوابط کے مطابق پہلی وصیت بابا محمد حسن صاحب اوجلوی کی منظور کی گئی۔ ۱۹

انجمن کا نظم و نسق صدر انجمن احمدیہ کے زیر انتظام چار مجالس انتظامیہ قواعد میں شامل کی گئیں۔ مجلس اشاعت اسلام۔ مجلس کارپردازان مصالح قبرستان۔ مجلس تعلیم، مجلس انتظام امور متفرقہ۔

مجلس معتمدین کے ارکان حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجلس معتمدین کے مندرجہ ذیل عہدیدار ارکان نامزد فرمائے۔

۱۔ حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحب بھیروی (پریذیڈنٹ) ۲۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی (سیکرٹری) ۳۔ خواجہ کمال الدین صاحب وکیل چیف کورٹ پنجاب (قانونی مشیر) ۴۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (رکن) ۵۔ مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی (رکن) ۶۔ خان صاحب نواب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ (رکن) ۷۔ سیٹھ عبد الرحمٰن صاحب مدراس (رکن) ۸۔ مولوی غلام حسن صاحب سب رجسٹرار پشاور (رکن) ۹۔ میر حامد شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ عدالت ضلع سیالکوٹ (رکن) ۱۰۔ شیخ رحمت اللہ صاحب مالک انگلش ویرہاؤس لاہور (رکن) ۱۱۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اسسٹنٹ سرجن لاہور (رکن) ۱۲۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اسسٹنٹ سرجن (رکن) ۱۳۔ ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب اسسٹنٹ سرجن (رکن) ۱۴۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب اسسٹنٹ سرجن (رکن) [۲۰]

جماعت کا انتظامیہ ادارہ الغرض "صدر انجمن احمدیہ" جماعت کا محض انتظامیہ ادارہ تھا جس کے ذمہ بہشتی مقبرہ اور دوسرے صیغوں کے اموال کی حفاظت کا کام کیا گیا۔ چنانچہ صدر انجمن احمدیہ کے پہلے جنرل سیکرٹری مولوی محمد علی صاحب نے انجمن کی پہلی سالانہ رپورٹ میں یہ بات واضح کرتے ہوئے لکھا تھا "اس مجلس کے چودہ ممبر ہیں جن کو حضرت صاحبؑ نے خود مقرر فرمایا اور ان کے امیر یعنی میر مجلس اپنی فراست سے اس عظیم الشان انسان کو قرار دیا جو علم الٰہی میں آپ کے بعد آپ کا خلیفہ ہونے والا تھا اور جو اس وقت ہم سب کے امیر اور مقتدر ہیں۔ اس مجلس کے سپرد حضرت اقدسؑ نے اس سلسلہ کے کل انتظامی کاروبار کو کیا۔" [۲۱]

اشتہار "تبلیغ الحق"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کسی شخص نے حضورؑ کے کسی نادان مرید کے متعلق یہ افسوس ناک خبر دی کہ اس نے سید الشہداء حضرت امام حسن علیہ السلام کی شان میں گستاخی کی ہے۔
حضرت اقدسؑ کو آنحضرت ﷺ سے عشق کامل تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کو حضرت ابو بکر

صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ، حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے بے نظیر محبت و عقیدت تھی اور آپ ان کے بارے میں خفیف سی بے حرمتی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے حضورؑ سے پوچھا کہ کیوں نہ ہم آپ کو مدارج میں شیخین سے افضل سمجھا کریں۔ اس کے جواب میں حضورؑ نے چھ گھنٹے تک ایک پر جلال تقریر فرمائی اور بتایا کہ "میرے لئے یہ کافی فخر ہے کہ میں ان لوگوں (صحابہؓ) کا مداح اور خاک پا ہوں جو جزئی فضیلت خدا تعالیٰ نے انہیں بخشی ہے وہ قیامت تک کوئی اور شخص پا نہیں سکتا۔ کب دوبارہ محمد رسول اللہ ﷺ دنیا میں پیدا ہوں اور پھر کسی کو ایسی خدمت کا موقعہ ملے جو جناب شیخین علیہما السلام کو ملا۔" [۲۲]

اسی طرح پنج تن پاک کے متعلق تو آپؑ کا مشہور شعر ہے۔

جان و دلم فدائے جمال محمدؐ است خاکم نثار کوچہ آل محمدؐ است

یعنی میرے جان و دل محمد رسول اللہ ﷺ کے حسن و جمال پر فدا ہیں اور میری خاک کوچہ آل محمدؐ پر نثار!!

اسی الفت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے حضورؑ نے ۸/ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو "تبلیغ الحق" کے عنوان سے ایک مفصل اشتہار دیا جس میں اس نام نہاد مرید کی اس حرکت پر انتہائی نفرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

"مجھے یہ امید نہیں کہ میری جماعت کے کسی راست باز کے منہ سے ایسے خبیث کلمے نکلے ہوں مگر ساتھ اس کے دل میں یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ چونکہ اکثر شیعہ نے اپنے ورد تبرہ اور لعن و طعن میں مجھے بھی شریک کر لیا ہے اس لئے کچھ تعجب نہیں کہ نادان بے تمیز نے سفیہانہ بات کے جواب میں سفیہانہ بات کہہ دی ہو..... بہر حال میں اس اشتہار کے ذریعہ سے اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع دنیا کا کیڑا اور ظالم تھا اور جن معنوں کی رو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنی اس میں موجود نہ تھے..... بد نصیب یزید کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں؟ دنیا کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا۔ مگر حسین رضی اللہ عنہ طاہر مطہر تھا اور بلاشبہ ان برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے اور بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے اور ایک ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے۔ اور اس امام کی تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر اور استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتداء کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہو گیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا وہ

دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقویٰ اور استقامت اور محبت الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے جیسا کہ ایک صاف آئینہ ایک خوبصورت انسان کا نقش۔ یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ کون جانتا ہے ان کی قدر مگر وہی جو ان میں سے ہیں۔ دنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کر سکتی کیوں کہ وہ دنیا سے بہت دور ہیں۔ یہی وجہ حسینؓ کی شہادت کی تھی کیوں کہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانہ میں محبت کی تا حسین رضی اللہ عنہ سے بھی محبت کی جاتی۔ غرض یہ امر نہایت درجہ شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی تحقیر کیا جائے اور جو حسینؓ یا کسی اور بزرگ کی جو آئمہ مطہرین میں سے ہے تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہ استخفاف ان کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے کیوں کہ اللہ جل شانہ اس شخص کا دشمن ہو جاتا ہے جو اس کے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے۔" ۲۳

"احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے"

۲۶/ دسمبر ۱۹۰۵ء کی صبح کو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر مہمان خانہ جدید کے بڑے کمرے میں احباب جماعت کا ایک اجلاس اس غرض کے لئے منعقد ہوا کہ "مدرسہ تعلیم الاسلام" کی اصلاح کے مسئلہ پر غور و فکر کیا جائے متعدد احباب نے اس اجلاس میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ ضمناً ایک احمدی نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا۔ حضرت اقدس علیہ الصلوۃ والسلام کے سلسلہ اور دوسرے مسلمانوں میں صرف مسئلہ حیات و وفات مسیحؑ کا فرق ہے اس کے سوا کوئی امر اصولی طور پر موجب نزاع نہیں ہے۔ ۲۴

حضورؑ نے اگرچہ اس اجلاس کے آخر میں دوپہر سے قبل ایک مبسوط تقریر فرمائی جس میں آپ نے زیر بحث سوال کے علاوہ جماعت کے مقام و منصب اور بعض متفرق امور پر مبسوط روشنی ڈالی ۲۵ مگر خصوصاً اس شبہ کے ازالہ کے لئے دوسرے روز یعنی ۲۷/ دسمبر ۱۹۰۵ء کو نماز ظہر و عصر کے بعد مسجد اقصیٰ میں ایک پر معارف تقریر فرمائی جو بعد میں "احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے" کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اس تقریر میں حضورؑ نے یہ ثابت کرنے کے بعد کہ "وفات مسیحؑ میں اسلام کی زندگی ہے" متعدد ایسی علمی اور عملی غلطیوں کی نشان دہی کی جن کے دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم فرمایا اور واضح کیا کہ "بہت سی باتیں ہیں جو کہ ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں جن سے خدا تعالیٰ ناراض ہے اور جو اسلامی رنگ سے بالکل مخالف ہیں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ اب ان لوگوں کو مسلمان

نہیں جانتا جب تک کہ وہ غلط عقائد کو چھوڑ کر راہ راست پر نہ آجاویں۔ اور اس مطلب کے واسطے خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے کہ میں ان سب غلطیوں کو دور کر کے اصل اسلام پھر دنیا میں قائم کروں۔ یہ فرق ہے ہمارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان۔ ان کی حالت وہ نہیں رہی جو اسلامی حالت تھی۔ یہ مثل ایک خراب اور نکمے باغ کے ہو گئے۔ ان کے دل ناپاک ہیں اور خدا چاہتا ہے کہ نئی قوم پیدا کرے جو صدق اور راستی کو اختیار کر کے سچے اسلام کا نمونہ ہو۔" [۲۶]

۱۹۰۵ء کے بعض صحابہ

۱۹۰۵ء کے بعض جلیل القدر صحابہ کے نام یہ ہیں۔

چوہدری احمد الدین صاحب پلیڈر گجرات۔ [۲۷] بابو فقیر علی صاحب اسٹیشن ماسٹر۔ [۲۸] چوہدری غلام محمد صاحب سیالکوٹی۔ [۲۹] مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری [۳۰] چوہدری علی محمد صاحب بی۔ اے بی۔ ٹی [۳۱]

ماموریت کا پچیسواں سال

انقلاب ایران سے متعلق پیش گوئی

۱۹۰۶ء

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام پر ۱۵/ جنوری ۱۹۰۶ء کو الہام نازل ہوا۔ "تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد" یعنی شاہ ایران کے محل میں تزلزل پڑ گیا۔ [۲۲]

جب یہ الہام ہوا شاہ ایران مظفر الدین شاہ (۱۸۵۳ء۔ ۱۹۰۷ء) کی حالت بالکل محفوظ تھی کیوں کہ وہ ۱۹۰۵ء میں عوامی مطالبات قبول کر کے پارلیمنٹ کے قیام کا اعلان کر چکے تھے اور ایران بھر میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں کہ شاہ نے کسی قسم کی خون ریزی کے بغیر ملک کو حقوق نیابت عطا کر دئے ہیں۔ باقی دنیا بھی اس نئے تجربے پر جو جاپان کو چھوڑ کر باقی ایشیائی ملکوں کے لئے بالکل نیا تھا۔ شوق و امید کی نظریں لگائے بیٹھی تھی۔ ایران اپنی نئی آزادی پر اور شاہ مظفر الدین اپنی قبولیت پر خوش ہو رہے تھے کہ اکتوبر ۱۹۰۶ء میں قومی اسمبلی کا افتتاح ہوا۔ شاہ اس کے چند ماہ بعد ۸/ جنوری ۱۹۰۷ء کو رحلت کر گئے۔ [۲۳] اور مرزا محمد علی تخت نشین ہوئے۔ محمد علی مرزا نے تخت پر بیٹھتے ہی مجلس کے استحکام اور نیابتی حکومت کے دوام کا اعلان کیا لیکن چند دن بعد ہی ایران میں فتنہ و فساد کے آثار نظر آنے لگے اور بادشاہ نے تہران چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ اس تغیر مکانی کے وقت بادشاہ کی محافظ فوج اور قوم پرستوں کے درمیان اختلاف ہو گیا جس پر بادشاہ نے پارلیمنٹ موقوف کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جمہوریت کے دلدادوں نے حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور خانہ جنگی شروع کر دی۔ بادشاہ نے خزانہ اور اسباب روس میں بھیجنا شروع کر دیا اور پورا زور لگایا کہ بغاوت فرو ہو جائے مگر یہ ملکی فساد اور بڑھتا گیا۔ جنوری ۱۹۰۹ء میں اصفہان کے علاقہ میں بھی بغاوت پھوٹ پڑی اور بختیاری سردار بھی قوم پرستوں کے ساتھ مل گئے اور شاہی افواج کو سخت شکست ہوئی۔ بادشاہ نے مجبوراً حکومت نیابتی کی حفاظت کا عہد کیا اور بار بار اعلان کئے کہ وہ استبدادی حکومت کو ہرگز قائم نہیں کرے گا مگر خدا کے وعدے کب ٹل سکتے تھے ایوان کسریٰ میں گھبراہٹ بڑھتی گئی حتیٰ کہ بادشاہ کی محافظ فوج بھی بادشاہ کو

چھوڑ کر خود باغیوں سے مل گئی اور بادشاہ کو اپنے حرم سمیت ۱۵/ جولائی ۱۹۰۹ء کو روسی سفارت گاہ میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ [۳۳] اس طرح اڑھائی سال کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کا الہام "تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد" نہایت واضح طور پر پورا ہو گیا۔

مرزا محمد علی کا حملہ اور ناکامی مرزا محمد علی نے معزول ہونے کے بعد اپنا تخت دوبارہ حاصل کرنے کی کوششیں جاری رکھیں اور بالاخر ۱۷/ جون ۱۹۱۱ء کو بحیرہ کیسپین کے کنارے واقع شہر (GUMESH TEPE) پر اترا۔ عین اس وقت اس کے بھائی سالار الدولہ نے بھی یکایک کردستان میں بغاوت کے شعلے بلند کر دیئے اور دونوں نے دو اطراف سے دارالخلافہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا مگر جلد ہی دونوں کی فوجیں پسپا ہو گئیں۔ [۳۵]

حضرت سید محمد اسحٰق صاحبؓ کی شادی

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ۴/ فروری ۱۹۰۶ء کو رؤیا میں دیکھا کہ سید محمد اسحٰق صاحب (خلف الرشید حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ) اور صالحہ خاتون صاحبہ (بنت صاحبزادہ پیر منظور محمد صاحب) کے نکاح کی تیاری ہو رہی ہے۔ [۳۶] اسی قسم کی رؤیا حضرت ام المومنینؓ کو بھی ہوئی حالانکہ قبل ازیں اس تعلق میں کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے اس رؤیا کی بناء پر صاحبزادہ پیر منظور محمد صاحب کو تحریک فرمائی اور دوسرے ہی دن (۵/ فروری) کو نکاح کی تقریب عمل میں آ گئی۔ حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ نے نماز ظہر و عصر کے جمع کرنے کے بعد مسجد اقصیٰ میں ایک خاص جوش کے ساتھ خطبہ نکاح پڑھا۔ حضرت اقدسؑ بھی اس وقت رونق افروز تھے۔ [۳۷] یہ موقعہ جماعت کے لئے دوہری خوشی کا تھا کیوں کہ اس دن عید الاضحیٰ بھی تھی اور کپورتھلہ، لاہور، امرتسر، سیالکوٹ، رعیہ ضلع سیالکوٹ، بھبو والی ضلع ہوشیار پور اور دوسرے مقامات سے کئی احباب قادیان میں حاضر تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اپنے ماموں کی شادی پر فی البدیہہ ایک دعائیہ نظم بھی کہی۔ [۳۸]

اولاد حضرت صالحہ خاتون صاحبہ کے بطن سے یہ اولاد ہوئی۔ [۳۹]
۱۔ سیدہ نصیرہ بیگم صاحبہ، ۲۔ سیدہ سیدہ بیگم صاحبہ، ۳۔ سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ، ۴۔ سید داؤد احمد صاحب، ۵۔ سید مسعود احمد صاحب، ۶۔ سید محمود احمد صاحب، ۷۔ سیدہ آنسہ بیگم صاحبہ۔

تقسیم بنگال کی تنسیخ کے متعلق خبر

لارڈ کرزن نے ۱۹۰۵ء میں صوبہ بنگال کو مشرقی اور مغربی دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ انڈین نیشنل کانگرس نے لارڈ کرزن سے اس اعلان کی واپسی کا پرزور مطالبہ کیا مگر لارڈ کرزن نے جواب دیا کہ "یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔" [۶۰] اس پر ملک میں جابجا دہشت انگیز اور انقلاب پسند انجمنیں قائم ہو گئیں۔ [۶۱] بم سازی اور یورپین افسروں کے قتل کی سازشیوں نے زور پکڑا۔ لارڈ منٹو نے یہ ہنگامے دیکھ کر ہندوستانیوں کو بعض حقوق دینے کا فیصلہ کر لینے کے باوجود مطالبہ تنسیخ ماننے سے بالکل انکار کر دیا۔ [۶۲]

عین اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو ۱۱/ فروری ۱۹۰۶ء کو الہاماً بتایا گیا۔ "پہلے بنگالہ کی نسبت جو حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دل جوئی ہو گی۔" [۶۳]

پیش گوئیوں پر ہندوؤں کا تمسخر

یہ الہام اس درجہ مخالف ماحول اور بالکل غیر متوقع فضا میں ہوا کہ بعض ہندوؤں نے اس کا برملا تمسخر اڑایا۔ چنانچہ اخبار "پرکاش" نے اپنی فروری ۱۹۰۶ء اور ۶/ مارچ ۱۹۰۶ء کی اشاعتوں میں لکھا۔ "تقسیم بنگال منسوخ ہو جائے گی" ناظرین اس نوٹ کی سرخی کو دیکھ کر حیران ہوں گے اور پوچھیں گے کہ کیا مسٹر جان مارلے نے کوئی تار بھیجا ہے کہ یہ تقسیم منسوخ کر دی جائے گی؟ ہم ان کے جواب میں صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ گورنمنٹ نے اپنے عمل سے کوئی ایسی امید نہیں دلائی بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی کو الہام ہوا ہے کہ تقسیم بنگال کے متعلق لوگوں کی دلجوئی کی جائے گی۔ سوال پیدا ہو گا کہ جب بنگالی گورنمنٹ کی خدمت میں پروٹسٹ بھیج چکے کوئی نہ سنی گئی جلسے کر چکے' تقریریں کر چکے' کوئی شنوائی نہ ہوئی بطور دھمکی کے وہ انگریزی اشیاء کا استعمال بھی قطعاً ناجائز قرار دے چکے پھر بھی کچھ نہ بنا تو مرزا صاحب کے اس ڈھونگ سے کچھ بن جائے گا۔ ہم جانتے ہیں کہ مرزا صاحب کا الہام اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔

"ہندوستان کی پولیٹیکل امیدوں کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ پچھلے منگل وار کو مسٹر ہربرٹ رابرٹس نے تقسیم بنگال کے سوال پر ترمیم پیش کی۔ مسٹر مارلے وزیر ہند نے سوال کو از سر نو چھیڑنے سے انکار کر دیا۔ وجہ جو دی ہے اس کو پڑھ کر تو ایک بچہ بھی ہنس دے گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ گو تقسیم بنگال کی تجویز لوگوں کی خلاف مرضی پاس کی گئی ہے لیکن چونکہ اب جوش کم ہو جانے لگا ہے اس لئے اس سوال کو میں چھیڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ملک کو اب آرام اور چین کی ضرورت ہے۔ حیرت ہے کہ جب جوش کی

وجہ دور نہ ہوئی تو جوش کیسے ٹھنڈا پڑے گا۔" مسٹر مارلے کے جواب کے ساتھ ایک اور معاملہ کا تعلق ہے اور وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی پیش گوئی بابت بنگال ہے۔ اس جواب نے مرزا صاحب کی پیش گوئی کو قطعی طور پر غلط ثابت کر دیا ہے۔ مرزا صاحب نے پیش گوئی کی تھی کہ بنگالیوں کی دل جوئی ہو گی۔ ان کو شاید یہ الہام اس لئے ہوا تھا کہ لبرل گورنمنٹ طاقت میں آگئی تھی لیکن کیا خیال تھا کہ ان کے سر پر اتنی جلدی آفت نازل ہو گی اور انہیں دنیا کے سامنے روسیاہ ہونا پڑے گا۔ گورنمنٹ نے تقسیم بنگال کے متعلق اتنی دل جوئی ضرور کی کہ ان کی پولی ٹیکل امیدوں کا ہی بالکل خاتمہ کر دیا۔ ۶۴

پیش گوئی کا پورا ہونا

خدائی پیش گوئی پر یہ تمسخر اور ہنسی جاری تھی کہ چار سال بعد حالات نے یکایک ایسا پلٹا کھایا کہ "تقسیم بنگال" جسے حکومت اور عوام دونوں ایک "طے شدہ" مسئلہ قرار دیئے بیٹھے تھے اللہ تعالیٰ کے زبردست ہاتھ سے منسوخ کر دی گئی اور وہ اس طرح کہ شہنشاہ ہند جارج پنجم (۱۸۶۵ء۔ ۱۹۳۶ء) ۷/ دسمبر ۱۹۱۱ء کو ہندوستان کے قدیم دارالسلطنت دہلی میں پہنچے اور ۱۲/ دسمبر ۱۹۱۱ء کو ایک عظیم الشان دربار منعقد کر کے اس میں تقسیم بنگال کی منسوخی کا از خود اعلان کر کے ایک دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا کیوں کہ ہندوستان کے عوام تو رہے ایک طرف خود برطانوی پارلیمنٹ کے ممبروں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ شہنشاہ معظم اپنے خصوصی اختیارات سے ایسی اہم تبدیلی کریں گے۔ چنانچہ جب اس تاریخ کو دارالعلوم اور دارالامراء میں یہ شاہی اعلان سنایا گیا تو دارالامراء کے ممبر لارڈ لینڈوں نے کہا کہ یہ تبدیلیاں اہم اچانک اور جلد بازی سے عمل میں لائی گئی ہیں۔ زیادہ اہم یہ اس لئے ہیں کہ وہ خاص شہنشاہ کی حسب مرضی کی گئی ہیں۔" ۶۵

ایک انگریز مصنف کا بیان

ہیرلڈ نکلسن (Herold Nicholson) ایک انگریز مصنف لکھتا ہے "دربار کے خاتمہ پر جب وائسرائے نے اپنی تقریر ختم کی تو حاضرین کی حیرانی کی کوئی حد نہ رہی کہ ملک معظم خود اٹھے اور انہوں نے بلند آواز اور واضح الفاظ میں تقسیم بنگال کی تنسیخ کا اعلان کیا۔" (ترجمہ) ۶۶

اخبارات کی رائے

ہندوستان کے اخبارات نے بھی اس اعلان پر صاف تسلیم کیا کہ (جیسا کہ مامور وقت کی پیش گوئی میں بتایا گیا تھا) واقعی بنگالیوں کی دلجوئی ہوئی ہے۔ ۶۷

دوسری بار دلجوئی

تقسیم بنگال کی تنسیخ مسلمانوں کو طبعاً گوارا گزری کیوں کہ بنگال کی تقسیم سے وہ سمجھتے تھے کہ لازمی طور پر مشرقی بنگال کے پامال شدہ حقوق نمایاں حیثیت اختیار کر لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی دل جوئی کا سامان یوں کیا کہ حکومت نے ڈھاکہ یونیورسٹی

قائم کردی اور کونسل میں کچھ نشستیں بھی ان کے لئے بڑھادیں جس سے مسلمانوں کی سیاسی پوزیشن زیادہ مضبوط ہو گئی۔ ۶۸

"چشمہ مسیحی" کی تصنیف واشاعت

بانس بریلی کے ایک ناواقف مسلمان نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں اس نے عیسائی پادری کی کتاب "ینابیع الاسلام" سے متاثر ہو کر اسلام پر اپنے شک کا اظہار کیا تھا۔ حضرت اقدسؑ نے اس خط کے جواب میں ۹/ مارچ ۱۹۰۶ء کو "چشمہ مسیحی" کے نام سے ایک لطیف تصنیف شائع فرمائی جس میں "ینابیع الاسلام" کے وساوس کا مسکت جواب دیا اور لکھا۔

"میں سخت متعجب ہوں کہ آپ ایسے شخص کی تحریروں سے کیوں متاثر ہوئے۔ یہ لوگ ان ساحروں سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے موسیٰ نبی کے سامنے رسیوں کے سانپ بنا کر دکھادئے تھے مگر چونکہ موسیٰ خدا کا نبی تھا اس لئے اس کا عصا ان تمام سانپوں کو نگل گیا۔ اسی طرح قرآن شریف خدا تعالیٰ کا عصا ہے وہ دن بدن رسیوں کے سانپوں کو نگلتا جاتا ہے اور وہ دن آتا ہے بلکہ نزدیک ہے کہ ان رسیوں کے سانپوں کا نام ونشان نہیں رہے گا۔ صاحب ینابیع الاسلام نے اگر یہ کوشش کی ہے کہ قرآن شریف فلاں فلاں قصوں یا کتابوں سے بنایا گیا ہے یہ کوشش اس کی اس کوشش کے ہزارم حصہ پر بھی نہیں جو ایک فاضل یہودی نے انجیل دریافت کرنے کے لئے کی ہے۔ اس فاضل نے اپنے خیال میں اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ انجیل کی اخلاقی تعلیم یہودیوں کی کتاب طالمود اور بعض اور چند بنی اسرائیل کی کتابوں سے لی گئی ہے۔ اور یہ چوری اس قدر صریح طور پر عمل میں آئی ہے کہ عبارتوں کی عبارتیں بعینہٖ نقل کردی گئی ہیں اور اس فاضل نے دکھلا دیا ہے کہ درحقیقت انجیل مجموعہ مال مسروقہ ہے۔ درحقیقت اس نے حد کردی اور خاص کر پہاڑی تعلیم کو جس پر عیسائیوں کو بہت کچھ ناز ہے طالمود سے اخذ کرنا لفظ بلفظ ثابت کر دیا ہے اور دکھلا دیا ہے کہ یہ طالمود کی عبارتیں اور فقرے ہیں اور ایسا ہی دوسری کتابوں سے وہ مسروقہ عبارتیں نقل کر کے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔"

کتاب کے خاتمہ میں حضورؑ نے نجات حقیقی کے بیان میں ایک مفصل نوٹ لکھا جس سے اسلام کی فضیلت پر نہایت عمدہ پیرایہ میں روشنی پڑتی ہے۔ حضورؑ نے بالآخر مسلمانوں کو توجہ دلائی۔

"ہمارے نبی ﷺ اور ہمارے سید و مولیٰ (اس پر ہزار سلام) اپنے افاضہ کی رو سے تمام انبیاء سے سبقت لے گئے ہیں کیونکہ گزشتہ نبیوں کا افاضہ ایک حد تک آکر ختم ہو گیا اور اب وہ قومیں اور وہ مذہب مردہ ہیں۔ کوئی ان میں زندگی نہیں مگر آنحضرت ﷺ کا روحانی فیضان قیامت تک جاری

ہے اس لئے باوجود اس فیضان کے اس امت کے لئے ضروری نہیں کہ کوئی مسیح باہر سے آوے بلکہ آپ کے سایہ میں پرورش پانا ایک ادنیٰ انسان کو مسیح بنا سکتا ہے جیسا کہ اس نے اس عاجز کو بنایا۔" [۴۹]

حواشی

۱۔ ریویو دسمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴۸۰، بدر ۸/ دسمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۱ کالم ۱
۲۔ بدر ۲۰/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳ کالم ۳ و الحکم ۲۴/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۱
۳۔ بدر ۸/ دسمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ و الحکم ۱۰/ دسمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۱
۴۔ الوصیت و الحکم ۱۰/ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۷ کالم ۱
۵۔ بدر ۱۹/ دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۵ و الحکم ۲۴/ دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۴
۶۔ الوصیۃ صفحہ ۴۔۶، الحکم ۱۰/ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۷۔۸
۷۔ الوصیۃ صفحہ ۸ الحکم ۱۰/ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۸ کالم ۱
۸۔ صحیح مسلم جلد ۲ مصری صفحہ ۵۱۵ (اس کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو مضمون مولوی محمد احسن صاحب امروہی بدر ۳۱/ جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ ۱)
۹۔ اس کشف کے بارے میں ۱۸۹۸ء کی تعیین کا اندازہ حضورؑ کے خط مطبوعہ مکتوب احمدیہ جلد پنجم نمبر چہارم صفحہ ۸۶ سے کیا گیا ہے۔
۱۰۔ الوصیت
۱۱۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم صفحہ ۸۶
۱۲۔ الوصیت
۱۳۔ بعد میں اعتراض کیا گیا کہ اس نوع کا قبرستان رسول خداؐ کے زمانہ میں کیوں نہ بنایا گیا؟ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے مئی ۱۹۲۶ء میں اس کا مفصل جواب دیا۔ ملاحظہ ہو الفضل ۸/ جون ۱۹۶۲ء صفحہ ۵۔۶
۱۴۔ الوصیت صفحہ ۱۶۔۱۸، الحکم ۱۰/ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۰۔۱۱
۱۵۔ الوصیت ۱۶/ ۱۷ او الحکم ۱۷/ ۱۰ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۱ کالم ۲
۱۶۔ الوصیت صفحہ ۱۹، الحکم ۱۰/ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۰۔۱۱
۱۷۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الوصیت کا مسودہ تحریر کر کے خواجہ کمال الدین صاحب کو دیا۔ خواجہ صاحب جب پڑھتے پڑھتے اس عبارت تک آئے تو وہ بے خود ہو گئے اور اپنی رانوں پر ہاتھ مار کر کہنے لگے۔ واہ واہ مرزا تو نے احمدیت کی جڑوں کو مضبوط کر دیا ہے (بحوالہ "نظام نو" تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ)۔
۱۸۔ نظام نو تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ فرمودہ ۲۷/ دسمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۱۲۔۱۱۳
۱۹۔ الحکم ۱۰/ اگست ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۱۔ یاد رہے کہ الوصیت کی اشاعت کے معاً بعد ہی وصیتوں کے لکھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور عملاً پہلی وصیت نور الدین صاحب ولد اللہ بخش صاحب آف لاہور نے کی تھی۔ (الحکم ۱۳/ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۱)
۲۰۔ بدر ۲۳/ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۶۔۷
۲۱۔ سالانہ رپورٹ "صدر انجمن احمدیہ" ۸۔۱۹۰۷ء صفحہ ۲
۲۲۔ اخبار الحکم ۱۷/ اگست ۱۸۹۹ء صفحہ ۵ کالم ۱
۲۳۔ الحکم ۱۰/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ و بدر ۱۳/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳
۲۴۔ الحکم ۱۷/ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۲ کالم ۱
۲۵۔ حضورؑ کی یہ مفصل تقریر ۱۷، ۲۴، ۳۱/ جنوری و ۱۰/ فروری ۱۹۰۶ء کے الحکم میں چھپی
۲۶۔ بدر ۲۳/ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۳ کالم ۲۔۳
۲۷۔ ولادت ۱۸۷۸ء وفات ۲۴/ مئی ۱۹۵۷ء۔ صاحب کشف و الہام بزرگ تھے۔ آپ نے ایک خواب کی بناء پر احمدیت قبول کی۔

آپ نے خواب میں دیکھا کہ گویا پیغمبر خدا ﷺ کا روضہ ہے اور حضور ﷺ حضرت مرزا صاحب کی شکل میں باہر تشریف لائے اور مجھ سے معانقہ کیا۔ آپ عمر میں بارہ سالہ نوجوان معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے خیال کیا حضور ﷺ کس طرح زندہ ہو گئے ہیں تو خود ہی سوچا کہ مرزا صاحب جو بروز کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ یہی واقعہ نہ ہو۔ آپ برسوں تک گجرات کے امیر جماعت کے کامیاب فرائض سرانجام دیتے رہے۔ (الفضل ۲۳، ۲۴/ جولائی ۱۹۵۷ء روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ۱۰ صفحہ ۶۶۔ ۶۷)

۲۸۔ والد جناب مولوی نذیر احمد علی صاحب رئیس التبلیغ افریقہ۔ ولادت ۱۸۷۹ء وفات ۱۳/ دسمبر ۱۹۵۹ء منشی عبدالغنی صاحب اوجلوی نے ان کو حضورؑ کا اشتہار "الانذار" بھجوایا جس سے متاثر ہو کر بذریعہ خط انہوں نے بیعت کر لی۔ نومبر ۱۹۰۵ء میں پہلی مرتبہ قادیان آئے اور حضرت اقدسؑ کی زیارت سے مشرف ہوئے (روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ۸ صفحہ ۱۸۱۔ ۱۸۵) قادیان کے سب سے پہلے اسٹیشن ماسٹر آپ ہی تھے۔ نیکی، تقویٰ، دیانت داری اور راست بازی میں آپ ایک مثالی ریلوے ملازم مشہور تھے۔ (تفصیلی حالات اصحاب احمد جلد سوم طبع دوم مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے میں ملاحظہ ہوں)۔

۲۹۔ ولادت ۱۸۷۷ء وفات ۷/ اگست ۱۹۶۱ء۔ بیعت سے دو برس بعد مسیح موعود علیہ السلام کی قادیان میں زیارت کی۔ الہ آباد یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۱۶/ مئی ۱۹۰۹ء سے تعلیم الاسلام ہائی سکول میں بطور مدرس متعین ہوئے اور ۱۹۳۸ء تک ابتداء مدرس پھر ہیڈ ماسٹر بعد ازاں مینیجر نصرت گرلز سکول کی حیثیت سے تعلیمی و انتظامی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ نے مولوی محمد جی صاحب فاضل کی مدد سے ایک لغت "تسہیل العربیہ" کے نام سے شائع کی جو مقبول ہوئی۔ (اصحاب احمد جلد ۸)

۳۰۔ ولادت اکتوبر ۱۸۷۳ء وفات ۱۷/ امان ۱۳۴۳ ہش (۱۷/ مارچ ۱۹۶۴ء) سلسلہ احمدیہ کے صاحب کشف و الہام بزرگ تھے جن کی پوری زندگی تبلیغ اسلام و احمدیت میں گزری۔ ۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۲ء تک پنجاب میں تبلیغی خدمات بجالاتے رہے۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۸ء تک سندھ کے پہلے امیر التبلیغ کی حیثیت سے سرفروشانہ کارنامے سرانجام دئے اور ساٹھ کے قریب جماعتیں قائم کیں۔ حضورؓ نے اس زمانہ میں آپ کو بیعت لینے کی اجازت بھی دے دی تھی۔ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۸ء تک آپ مرکز میں ابتداء واعظ مقامی پھر متفرق کلاس کے معلم اول رہے۔ ۱۹۳۸ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ آپ نے اپنی سوانح اور تبلیغی جدوجہد کے حالات "حیات بقاپوری" کے نام سے اپنی زندگی میں شائع فرمادئے تھے جو بہت ایمان افروز اور معلومات افزاء ہیں۔ (مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو اصحاب احمد جلد دہم صفحہ ۲۱۱۔ ۲۳۴)

۳۱۔ ولادت ۱۸۹۲ء، سن زیارت ۲۳/ اگست ۱۹۰۷ء ماسٹر صاحب کو قریباً نصف صدی تک سلسلہ احمدیہ کی علمی خدمت کرنے کا موقع ملا ہے ۱۹۱۳ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول میں ملازم ہوئے اور ۱۹۴۶ء میں سیکنڈ ماسٹر کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔ اس درمیانی عرصہ میں آپ کو پرائیوٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانی، نائب ناظر تعلیم اور نائب ناظر امور عامہ وغیرہ عہدوں پر بھی وقتاً فوقتاً کام کرنا پڑا۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد ایڈیٹر رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" افسر لنگر خانہ، نائب ناظر تالیف و تصنیف اور لیکچرار جامعہ نصرت کالج ربوہ کے فرائض بھی سرانجام دئے ہیں۔ (وفات ۱۴۔ جنوری ۱۹۷۹ء)

۳۲۔ الحکم ۲۴۔ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۱ کالم ۴

۳۳۔ "انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا" (زیر لفظ مظفر الدین)

۳۴۔ ملخصاً از دعوۃ الامیر صفحہ ۲۰۴۔ ۲۰۵ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا بر۔ ٹینیکا" زیر لفظ (Persia)

۳۵۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا" زیر لفظ (Persia)

۳۶۔ بدر ۹/ فروری ۱۹۰۶ء حصہ ۲۔ ۵

۳۷۔ بدر ۹/ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۲۔ ۵

۳۸۔ الحکم ۱۰/ فروری صفحہ ۱۱ کالم ۲۔ ۳

۳۹۔ سلسلہ احمدیہ کی نہایت بلند مقام رکھنے والی خاتون تھیں۔ اپنے قابل فخر شوہر کی زندگی میں ان کے شانہ بشانہ خدمت دین، خلق اللہ کی فلاح، یتامی اور مساکین کی نگہداشت اور غرباء کی امداد کے لئے مصروف رہیں۔ ان کی وفات کے بعد بھی اپنے اس عظیم

الشان مشن کو آخر دم تک جاری رکھا۔ خدا تعالیٰ نے ان کو رؤیا و کشوف کی نعمتوں سے بھی نوازا تھا۔ علم و فضل کے اعتبار سے آپ کی شخصیت جماعت کی خواتین میں مسلمہ طور پر بڑی ممتاز حیثیت رکھتی تھی۔
سال ہا سال تک "لجنہ اماء اللہ" کی نائب صدر رہیں اور احمدی عورتوں کی تعلیم اور اخلاقی اور دینی ترقی میں نمایاں حصہ لیا۔ جلسہ سالانہ پر عورتوں کے قیام و طعام کے جملہ انتظامات آپ ہی کی نگرانی میں ہوتے تھے۔ غرض کہ اپنی عظمت و وجاہت کے لحاظ سے عہد نبویؐ کی صحابیات کا جیتا جاگتا نمونہ اور جماعت کی نہایت برگزیدہ ہستی تھیں۔ ۸/ ستمبر ۱۹۵۲ء کو آپ نے انتقال فرمایا اور ربوہ کے مقبرہ خاص میں دفن ہوئیں۔

۴۰۔ حیات محمد علی جناح از سید رئیس احمد جعفری کہا جاتا ہے کہ اس وقت کے برطانوی وزیر خارجہ نے بھی انہیں تاثرات کا اظہار کیا تھا۔

۴۱۔ کتاب "LIFE AND TIMES OF TILAK" کے صفحہ ۱۵۰ میں لکھا ہے کہ لارڈ کرزن کے فیصلہ تقسیم بنگال کے طول و عرض میں ایک زبردست آگ لگا دی تھی۔

۴۲۔ تاریخ ہند صفحہ ۲۳۰

۴۳۔ "بدر" ۱۶/ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۲ کالم ۱، الحکم ۱۷/ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۱ کالم ۱

۴۴۔ بحوالہ اخبار بدر ۴/ جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۔ ۴

۴۵۔ بحوالہ الحکم ۲۱/ دسمبر ۱۹۱۱ء

۴۶۔ "King George v his life and reigin" صفحہ ۱۶۸ مطبوعہ کانسٹیبل اینڈ کمپنی لنڈن

۴۷۔ اخبار "عام" نے لکھا۔ "حضور شہنشاہ معظم نے دیکھ لیا کہ اہل بنگال کی بیزاری نہ تو مصنوعی ہے اور نہ ہی بے جا ہے اور دوبار کارونیشن (تاج پوشی) کی رعایتوں میں اس کے متعلق ایسی دل جوئی فرمائی ہے گویا کہ ایک اشارہ سے تمام بنگالہ میں شب تاریک کو روز روشن کا نس مکھ نظارہ بنا دیا ہے۔" پایونیر (الہ آباد) نے لکھا۔ "تقسیم بنگال منسوخ ہو گئی ہے اور بنگالیوں کی منہ مانگی مراد ملی ہے۔" لیڈر الہ آباد نے لکھا "تقسیم بنگال کی منسوخی کا اعلان کیا گیا ہے گویا بنگالیوں کے زخمی دل پر مرہم رکھ دیا گیا ہے۔" انڈین ڈیلی ٹیلی گراف نے لکھا "معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم بنگال کی منسوخی کے سوال پر غور کرتے ہوئے بنگالیوں کی دلجوئی کو خاص طور پر مد نظر رکھا گیا ہے ورنہ ہمارا خیال ہے کہ اگر لبرل فریق کی بجائے آج کنزرویٹو فریق برسر حکومت ہوتا تو تقسیم بنگال کی منسوخی کا فیصلہ ہرگز نہ کیا جاتا۔" (بحوالہ اخبار الحکم ۲۱/ دسمبر ۱۹۱۱ء)

ایک غیر احمدی عالم کا اقرار

مولوی سمیع اللہ صاحب فاروقی لکھتے ہیں۔ "۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن وائسرائے ہند نے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ وائسرائے بہادر کے اس اقدام سے بنگالی مشتعل ہو گئے اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ بنگال کو دوبارہ متحد کر دیا جائے۔ وائسرائے نے انکار کیا۔ بنگالیوں نے انارکی شروع کر دی۔ چنانچہ صوبہ بنگال میں تشدد کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ انارکسٹ پارٹی نے بم سازی اور بم باری شروع کر دی۔ کئی انگریزوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ پولیٹیکل ڈاکوؤں کا سلسلہ شروع ہو گیا الغرض بنگال کی حالت بے حد خطرناک ہو گئی لیکن وائسرائے صاحب نے صاف طور پر اعلان کر دیا کہ وہ تقسیم بنگال کو ہرگز منسوخ نہ کریں گے۔ اس حالت میں کون سمجھ سکتا تھا کہ وائسرائے کا یہ حکم منسوخ ہو جائے گا اور بنگالیوں کی دل جوئی ہو گی۔ مگر قارئین متعجب ہوں گے کہ ۱۹۰۶ء میں مرزا صاحب کو اطلاع ملی کہ "پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہو گی" اس کے بعد بھی حکومت کی طرف سے یہی کہا جاتا تھا کہ اس حکم میں کوئی ترمیم نہ ہو گی۔ لیکن ۱۹۱۱ء میں شاہ جارج پنجم ہندوستان میں تشریف لائے اور آپ نے تقسیم بنگال کو منسوخ کر کے بنگالیوں کی دلجوئی کر دی۔ گویا پانچ سال بعد خود بادشاہ سلامت کے ہاتھوں مرزا صاحب کی پیش گوئی پوری ہو گئی۔ یقیناً اس پیش گوئی کے پورا ہونے میں صاحب نظر لوگوں کے لئے ایک سبق ہے اور اصحاب دانش کے لئے غور و فکر کا موقعہ ہے۔" (اظہار حق صفحہ ۱۸)

۴۸۔ پاکستان کے مشہور اہل قلم جناب رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں۔ "حکومت نے تقسیم کا اعلان منسوخ کر دیا لیکن دل ہی دل میں وہ نادم بھی تھی۔ اپنی کمزوری اور بزدلی کو محسوس بھی کر رہی تھی۔ اپنی خفت کو مسلمانوں کی اشک شوئی کر کے مٹانا چاہتی تھی۔

چنانچہ ڈھاکہ یونیورسٹی قائم کی اور اس یونیورسٹی کو اقامتی درس گاہ کی حیثیت سے قائم کیا۔ ساتھ ہی ساتھ اس یونیورسٹی میں علوم مشرقیہ و دینیہ کی تعلیم کا کافی بندوبست کیا۔ علاوہ ازیں کونسل میں ان کی کچھ نشستیں بھی بڑھادیں اور نسبتاً ان کے ساتھ مراعات اور دل جوئی کا طریقہ اختیار کیا۔" (حیات محمد علی جناح مئولفہ رئیس احمد جعفری)

۴۹۔ چشمہ مسیحی صفحہ ۷۵ (طبع اول)

رسالہ تشحیذ الاذہان کا اجراء

رسالہ "تشحیذ الاذہان" کا اجراء

یکم مارچ ۱۹۰۶ء سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ادارت میں ایک سہ ماہی رسالہ کا اجراء ہوا جس کا نام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے انجمن "تشحیذ الاذہان" ہی کے نام پر "تشحیذ الاذہان" رکھا۔ اس رسالہ کے مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد تھے۔

۱۔ اسلام کا نورانی چہرہ دنیا کے سامنے پیش کرنا۔

۲۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے وہ نصائح جو گھر میں کیے جاتے ہیں شائع کرنا۔

۳۔ اسلام اور خصوصاً سلسلہ احمدیہ پر اعتراضات کا تہذیب کے ساتھ رد کرنا۔

۴۔ مشاہیر اسلام کی سوانح عمریاں درج کرنا۔

۵۔ مسائل شرعیہ کا اندراج تا ناواقف لوگ واقفیت حاصل کریں۔

۶۔ اس رسالہ سے کوئی مالی فائدہ ہرگز ہرگز متصور نہیں ہو گا اور جو آمد بھی ہو گی اشاعت اسلام میں خرچ کی جائے گی۔

اپنوں اور بیگانوں کی طرف سے پرجوش خیر مقدم

"ریویو آف ریلیجنز" کی طرح اس رسالہ کا بھی اپنوں اور بیگانوں کی طرف سے گرم جوشی سے خیر مقدم کیا گیا۔ چنانچہ۔

۱۔ مولوی محمد علی صاحب ایڈیٹر ریویو نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

"رسالہ تشحیذ الاذہان قادیان سے سہ ماہی نکلنا شروع ہوا ہے جس کا پہلا نمبر یکم مارچ کو شائع ہو گیا ہے اس سلسلہ کے نوجوانوں کی ہمت کا نمونہ ہے۔ خدا تعالیٰ اس میں برکت دے۔ چندہ سالانہ ۱۲/ (آنے) ہے۔ اس رسالہ کے ایڈیٹر مرزا بشیرالدین محمود احمد حضرت اقدسؑ کے صاحبزادہ ہیں اور پہلے نمبر میں چودہ صفحوں کا ایک انٹروڈکشن ان کی قلم سے لکھا ہوا ہے۔ جماعت تو اس مضمون کو پڑھے گی مگر میں اس مضمون کو مخالفین سلسلہ کے سامنے بطور ایک بین

دلیل کے پیش کرتا ہوں جو اس سلسلہ کی صداقت پر گواہ ہے۔"

"اس وقت صاحبزادہ کی عمر اٹھارہ انیس سال کی ہے اور تمام دنیا جانتی ہے کہ اس عمر میں بچوں کا شوق اور امنگیں کیا ہوتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اگر وہ کالجوں میں پڑھتے ہیں تو اعلیٰ تعلیم کا شوق اور آزادی کا خیال ان کے دلوں میں ہوگا۔ مگر دین کی یہ ہمدردی اور اسلام کی حمایت کا یہ جوش جو اوپر کے بے تکلف الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے ایک خارق عادت بات ہے۔ صرف اس موقعہ پر نہیں بلکہ میں نے دیکھا ہے کہ ہر موقع پر یہ دلی جوش ان کا ظاہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ابھی میر محمد اسحاق کے نکاح کی تقریب پر چند اشعار انہوں نے لکھے تو ان میں یہی دعا ہے کہ اے خدا تو ان دونوں اور ان کی اولاد کو خادم دین بنا۔ برخوردار عبدالحی کی آمین کی تقریب پر اشعار لکھے تو ان میں یہی دعا بار بار کی ہے کہ اسے قرآن کا سچا خادم بنا ایک اٹھارہ برس کے نوجوان کے دل میں اس جوش اور امنگوں کا بھر جانا معمولی امر نہیں کیوں کہ یہ زمانہ سب سے بڑھ کر کھیل کود کا زمانہ ہے۔ اب وہ سیاہ دل لوگ جو حضرت مرزا صاحب کو مفتری کہتے ہیں اس بات کا جواب دیں کہ اگر یہ افتراء ہے تو یہ سچا جوش اس بچہ کے دل میں کہاں سے آیا؟ جھوٹ تو ایک گند ہے پس اس کا اثر تو چاہئے تھا کہ گندہ ہوتا نہ یہ کہ ایسا پاک اور نورانی جس کی کوئی نظیر ہی نہیں ملتی۔ اگر ایک انسان افتراء کرتا ہے تو اگرچہ وہ باہر کے لوگوں سے افتراء کو چھپا بھی لے مگر اپنے ہی بچوں سے جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں چھپا نہیں سکتا۔ وہ اس کی ہر ایک حرکت اور سکون کو دیکھتے ہیں۔ ہر ایک گفتگو کو سنتے ہیں۔ ہر موقع پر اس کے خیالات کو ظاہر ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔ پس اگر افتراء ہو تو ضرور ہے کہ وہ افتراء کسی نہ کسی وقت اس کے اپنے بچوں یا بیوی پر ظاہر ہو جائے۔ اے بد قسمت لوگو! غور کرو! کیا مفتری کی اولاد جو اس کے افتراء کے زمانہ میں پرورش پائے ایسی ہوا کرتی ہے؟ کیا تمہارے دل انسانی دل نہیں جو ان باتوں کو سمجھ نہیں سکتے اور ان سچے خیالات کا ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ کیوں تمہاری سمجھیں الٹی ہو گئی ہیں۔ غور کرو! کہ جس کی تعلیم اور تربیت کا یہ پھل ہے وہ کاذب ہو سکتا ہے۔ اگر وہ کاذب ہے تو پھر دنیا میں صادق کا کیا نشان ہے؟"

۲۔ مولوی عبداللہ العمادی نے لکھا۔

مارچ ۱۹۰۶ء سے یہ رسالہ قادیان ضلع گورداسپور سے ماہوار اردو میں شائع ہوتا ہے۔ جس غرض کے لئے یہ رسالہ جاری ہوا ہے وہ نہایت اہم ہے لیکن جس طرز پر اس کی ابتداء ہوئی ہے اس سے امید ہوتی ہے کہ اپنے مقصد میں ضرور اس کو کامیابی ہوگی۔ مضامین زوردار ہیں اور

بڑی قابلیت سے لکھے گئے ہیں۔ اس رسالہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ایک پیشوائے مذہب کے گھر سے شائع ہوتا ہے اور امام وقت کے صاحبزادے اس کو ایڈٹ کرتے ہیں۔" [۳]

۳۔ اخبار "نیراعظم" (مراد آباد) نے لکھا۔

"بلا مبالغہ اسلامی رسالوں میں ریویو آف ریلیجنز کے بعد اس کا شمار کرنا چاہئے۔ مذہب اسلام کو اس کے اجراء سے بہت مدد ملے گی۔" [۴]

تشحیذ الاذہان کی خدمات

یہ رسالہ ابتداء میں سہ ماہی تھا مگر اگلے ہی سال ماہوار کر دیا گیا اور قوم کی توقعات کے عین مطابق بہت جلد کامیاب رسالوں کی صف اول میں شمار ہونے لگا۔ اس زمانہ میں آپ کے زیر ادارت بڑے بڑے معرکتہ الاراء مضمون نکلے۔ ۱۹۱۴ء میں "تشحیذ الاذہان" کے ایڈیٹر قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل آف گولیکے مقرر ہوئے جنہوں نے آٹھ سال تک ادارتی فرائض نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دئے۔ آخر مارچ ۱۹۲۲ء میں اسے "ریویو آف ریلیجنز" اردو میں مدغم کر دیا گیا۔ [۵]

چراغ الدین جمونی کی ہلاکت کا نشان

ایک شخص چراغ الدین جمونی نے جو پہلے احمدی تھا ۱۹۰۲ء میں احمدیت کو چھوڑ کر نبی و رسول ہونے کا ادعا کیا۔ حضرت مسیح موعود کو الہاماً بتایا گیا کہ اگر اس نے توبہ نہ کی تو ہلاک ہو جائے گا۔ [۶] اس آسمانی خبر کے کچھ عرصہ بعد اس نے حضورؑ کے خلاف مباہلہ کی ایک دعا لکھی۔ خدا کی قدرت! مضمون مباہلہ کی کاپی کاتب کے لکھنے کے بعد ابھی پتھر پر بھی نہیں جمی تھی کہ اس کے دونوں لڑکے طاعون میں مبتلا ہو کر مر گئے اور آخر ۴/ اپریل ۱۹۰۶ء کو وہ خود بھی طاعون کا شکار ہو کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔ [۷]

عبدالحکیم پٹیالوی کا جماعت سے اخراج، اس کی پیشگوئی اور انجام

ریاست پٹیالہ کا ایک شخص ڈاکٹر عبدالحکیم چراغ الدین جمونی کی طرح پہلے سلسلہ احمدیہ میں داخل تھا جس نے یہ عقیدہ قائم کر لیا کہ معاذاللہ نجات اخروی کے حصول کے لئے آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں بلکہ ہر ایک جو خدا کو وحدہ لاشریک جانتا ہے گو آنحضرت ﷺ کا مکذب ہے وہ نجات پائے گا۔ [۸] یہ عقیدہ چونکہ احمدیت کی تعلیم کے سراسر منافی اور گستاخانہ تھا اس لئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے ۳۰/ اپریل ۱۹۰۶ء کو اعلان شائع کیا کہ اس سے بکلی قطع تعلق کر

لیں۔ نیز "حقیقتہ الوحی" میں اس کے اس عقیدہ کا ابطال کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اعلان

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے اعلان کا مکمل متن یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تمام جماعت احمدیہ کے لئے اعلان

چونکہ ڈاکٹر عبدالحکیم اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ نے جو پہلے اس سلسلہ میں داخل تھا نہ صرف یہ کام کیا کہ ہماری تعلیم سے اور ان باتوں سے جو خدا نے ہم پر ظاہر کیں منہ پھیر لیا بلکہ اپنے خط میں وہ سختی اور گستاخی دکھلائی اور وہ گندے اور ناپاک الفاظ میری نسبت استعمال کئے کہ بجز ایک سخت دشمن اور سخت کینہ ور کے کسی کی زبان اور قلم سے نہیں نکل سکتے۔ اور صرف اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ بے جا تہمتیں لگائیں اور اپنے صریح لفظوں میں مجھ کو ایک حرام خور اور بندہ نفس اور شکم پرور اور لوگوں کا مال فریب سے کھانے والا قرار دیا اور محض تکبر کی وجہ سے مجھے پیروں کے نیچے پامال کرنا چاہا۔ اور بہت سی ایسی گالیاں دیں جو ایسے مخالف دیا کرتے ہیں جو پورے جوش عداوت سے ہر طرح سے دوسرے کی ذلت اور توہین چاہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ پیشگوئیاں جن پر ناز کیا جاتا ہے کچھ چیز نہیں۔ مجھ کو ہزارہا ایسے الہام اور خوابیں آتی ہیں جو پوری ہو جاتی ہیں۔ غرض اس شخص نے محض توہین اور تحقیر اور دل آزاری کے ارادہ سے جو کچھ اپنے خط میں لکھا ہے اور جس طرح اپنی ناپاک بدگوئی کو انتہاء تک پہنچا دیا ہے ان تمام تہمتوں اور گالیوں اور عیب گیریوں کے لکھنے کے لئے اس اشتہار میں گنجائش نہیں۔ علاوہ اس کے میری تحقیر کی غرض سے جھوٹ بھی پیٹ بھر کے بولا ہے مگر مجھے ایسے مفتری اور بدگو لوگوں کی کچھ پروا نہیں۔ کیونکہ اگر جیسا کہ مجھے اس نے دغاباز' حرام خور' مکار' فریبی اور جھوٹ بولنے والا قرار دیا ہے اور طریق اسلام اور دیانت اور پیروی آنحضرت ﷺ سے باہر مجھے کرنا چاہا ہے اور میرے وجود کو محض فضول اور اسلام کے لئے مضر ٹھہرایا ہے۔ بلکہ مجھے محض شکم پرور اور دشمن اسلام قرار دیا ہے۔ اگر یہ باتیں سچ ہیں تو میں اس کیڑے سے بھی بدتر ہوں جو نجاست سے پیدا ہوتا اور نجاست میں ہی مرتا ہے۔ لیکن اگر یہ باتیں خلاف واقعہ ہیں تو میں امید نہیں رکھتا کہ خدا ایسے شخص کو اس دنیا میں بغیر مواخذہ کے چھوڑے گا جو مرید ہو کر اور پھر مرتد ہو کر اس درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ جو ذلیل سے ذلیل زندگی بسر کرنے والے جیسے چوہڑے اور چمار جو شکم پرور کہلاتے ہیں اور مردار کھانے سے بھی عار نہیں رکھتے ان کی مانند مجھے بھی محض شکم پرست اور بندہ نفس اور حرام خور قرار

دیتا ہے۔

اب میں ان باتوں کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتا اور خدا کی شہادت کا منتظر ہوں۔ اور اس کے ہاتھ کو دیکھ رہا ہوں اور اس اشارہ پر ختم کرتا ہوں۔

اِنَّمَا اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

اب چونکہ یہ شخص اس درجہ پر میرا دشمن معلوم ہوتا ہے جیسا کہ عمر بن ہشام آنحضرت ﷺ کی عزت اور جان کا دشمن تھا۔ اس لئے میں اپنی تمام جماعت کو متنبہ کرتا ہوں کہ اس سے بکلی قطع تعلق کر لیں۔ اس کے ساتھ ہرگز واسطہ نہ رکھیں ورنہ ایسا شخص ہرگز میری جماعت میں سے نہیں ہو گا۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفَاتِحِیْنَ۔ آمین' آمین' آمین۔

المشتہر

خاکسار مرزا غلام احمد مسیح موعودؑ

از قادیان ضلع گورداسپور۔ پنجاب [9]

عبدالحکیم کی پیش گوئی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۱۹۰۵ء سے قرب وصال کے مسلسل الہامات ہو رہے تھے بلکہ جیسا کہ اوپر مفصل ذکر آچکا ہے۔ یہاں تک بتایا جا چکا تھا کہ آپ کی زندگی کے صرف دو تین گھونٹ باقی ہیں اور اسی لئے حضورؑ نے "الوصیت" بھی شائع فرمادی تھی۔ عبدالحکیم نے اپنی ولایت کا سکہ جمانے کے لئے یہ موقعہ غنیمت سمجھا اور ان الہامات کی بناء پر اپنی طرف سے بھی ایک پیش گوئی شائع کر دی کہ "مرزا مسرف کذاب اور عیار ہے۔ صادق کے سامنے شریر فنا ہو جائے گا اور اس کی میعاد تین سال بتائی گئی ہے۔ [10]

اشتہار "خدا سچے کا حامی ہو"

حضرت مسیح موعودؑ نے ۱۶/ اگست ۱۹۰۶ء کو "خدا سچے کا حامی ہو" کے عنوان سے ایک اشتہار دیا جس میں حضورؑ نے خدا سے علم پاکر اس کی نسبت یہ الہامی پیش گوئی شائع فرمائی "خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ فرشتوں کی کھچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے۔ پر تو نے وقت کو نہ پہچانا نہ دیکھا نہ جانا رَبِّ فَرِّقْ بَیْنَ صَادِقٍ وَّ کَاذِبٍ اَنْتَ تَرٰی کُلَّ مُصْلِحٍ وَّ صَادِقٍ۔" [11]

پہلی پیش گوئی کی منسوخی

یہ الہام شائع ہوا تو عبدالحکیم نے اپنی پہلی پیش گوئی منسوخ کر کے ایک اور پیش گوئی کی کہ "اللہ تعالیٰ نے اس کی شوخیوں اور

نافرمانیوں کی سزا میں سہ سالہ میعاد میں سے جو ۱۱/ جولائی ۱۹۰۹ء کو پوری ہونی تھی دس مہینے اور گیارہ دن کم کر دئے اور مجھے یکم جولائی ۱۹۰۷ء کو الہاماً فرمایا "مرزا آج سے ۱۴ ماہ تک سزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا۔" [۱۲]

حضرت مسیح موعودؑ کا اشتہار

اللہ تعالیٰ نے حضورؑ کو بتایا کہ دشمن اپنی اس خبر میں بھی ناکام و نامراد رہے گا۔ چنانچہ آپ نے اس خدائی بشارت کے ماتحت ۵/ نومبر ۱۹۰۷ء کو ایک اور اشتہار دیا جس میں یہ خدائی وعدہ شائع کیا کہ "دشمن جو کہتا ہے کہ صرف جولائی ۱۹۰۷ء سے چودہ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں یا ایسا ہی جو دوسرے دشمن پیش گوئی کرتے ہیں ان سب کو میں جھوٹا کروں گا اور تیری عمر کو بڑھا دوں گا۔" نیز فرمایا "یہ عظیم الشان پیش گوئی ہے جس میں میری فتح اور دشمن کی شکست اور میری عزت اور دشمن کی ذلت اور میرا اقبال اور دشمن کا ادبار بیان فرمایا ہے اور دشمن کے ساتھ غضب اور عقوبت کا وعدہ کیا ہے مگر میری نسبت لکھا ہے کہ "دنیا میں تیرا نام بلند کیا جائے گا اور نصرت اور فتح تیرے شامل حال ہوگی۔" [۱۳]

پیش گوئی کی بار بار منسوخی

اس اشتہار کے بعد ڈاکٹر عبدالحکیم نے اپنی دوسری پیش گوئی کو بھی منسوخ قرار دے کر ایک تیسری پیش گوئی شائع کی کہ "مرزا ۲۱ ساون ۱۹۶۵ مطابق (۴/ اگست ۱۹۰۸ء) تک ہلاک ہو جائے گا۔" [۱۴] مگر عبدالحکیم اس تیسری پیش گوئی پر بھی قائم نہ رہا اور ۴/ اگست ۱۹۰۸ء مطابق ۲۱ ساون ۱۹۶۵ تک کی میعاد بھی منسوخ کی گئی۔

عبدالحکیم کی نئی پیش گوئی

اب عبدالحکیم نے اپنی تیسری پیش گوئی کو بھی منسوخ کرتے ہوئے ایک نئی اور آخری پیش گوئی یہ شائع کی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ۴/ اگست تک نہیں ۴/ اگست کو واقع ہوگی۔ چنانچہ لکھا۔

"مرزا ۲۱/ ساون سمت ۱۹۶۵ کو مرض مہلک میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔" [۱۵]

مولوی ثناء اللہ نے اپنے اخبار "اہل حدیث" میں ڈاکٹر عبدالحکیم کے یہ الہامات شائع کر کے لکھا۔

"آہ ہم افسوس سے کہتے ہیں کہ ہمارا اس خبر کے شائع کرنے سے دل دکھتا ہے مگر کیا کریں واقعات کا اظہار ہے۔ ہمارا ماتھا تو اس وقت اس بد خبر کے سننے کے لئے ٹھنکا تھا جب مرزا صاحب نے اپنا آخری وصیت نامہ شائع کیا تھا۔" [۱۶]

ان الفاظ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر عبدالحکیم کی اس طرز کی پیش گوئیوں میں کوئی قدرت و ندرت کا اظہار نہیں تھا بلکہ جب سے حضور علیہ السلام نے وصیت شائع فرمائی مولوی

ثناء اللہ صاحب جیسے معاند بھی یہ سمجھنے لگے تھے کہ حضورؑ کی وفات کا وقت اب قریب آگیا ہے۔ پس عبدالحکیم کی پیش گوئی کرنا محض سرقہ، شرارت اور چالاکی کا ایک مظاہرہ تھا۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کا جھوٹا ہونا کھل گیا

ڈاکٹر عبدالحکیم کی اس آخری خود ساختہ پیش گوئی کے درحقیقت دو اجزاء تھے۔ اول۔ حضرت اقدسؑ ۴/ اگست تک یقینی طور پر زندہ رہیں گے۔ دوم۔ ۴/ اگست ۱۹۰۸ء کو بہرحال فوت ہو جائیں گے۔ خدائے حکیم و خبیر نے جو اپنے پیارے مسیح سے یہ وعدہ کر چکا تھا کہ میں دشمنوں کو جھوٹا کروں گا۔ عبدالحکیم کی پیش گوئی کے دونوں اجزاء کو یوں باطل کر دیا کہ حضورؑ اپنے بعض گزشتہ الہامات کی بناء پر ۲۶/ مئی ۱۹۰۸ء کو انتقال فرما گئے اور صاف طور پر واضح کر دیا کہ عبدالحکیم کاذب و مفتری انسان ہے۔ یہ حقیقت اتنی واضح اور نمایاں تھی کہ "پیسہ اخبار" کے ایڈیٹر کے علاوہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بھی اس کا اقرار کیا۔ چنانچہ لکھا "ہم خدا لگتی کہنے سے رک نہیں سکتے کہ ڈاکٹر صاحب اگر اسی پر بس کرتے یعنی چودہ ماہیہ پیش گوئی کر کے مرزا کی موت کی تاریخ مقرر نہ کر دیتے جیسا کہ انہوں نے کیا۔ چنانچہ ۱۵۔ مئی ۱۹۰۸ء کے اہل حدیث میں ان کے الہامات درج ہیں کہ ۲۱/ ساون یعنی ۴/ اگست کو مرزا مرے گا تو آج وہ اعتراض نہ ہوتا جو معزز ایڈیٹر "پیسہ" اخبار نے ڈاکٹر صاحب کے اس الہام پر چبھتا ہوا کیا ہے کہ ۲۱/ ساون کو کی بجائے ۲۱/ ساون تک ہوتا تو خوب ہوتا۔" [۱۷]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد عبدالحکیم نے پیش گوئی کی کہ (۱) یعقوب (مراد شیخ یعقوب علی صاحب تراب۔ ناقل) کی موت قریب ہے۔ (۲) مولوی نورالدین صاحب ۱۱/ جنوری ۱۹۱۱ء تک فوت ہو جائیں گے [۱۸] مگر یہ مفتریانہ بات بھی سراسر غلط نکلی۔

عبرتناک موت

عبدالحکیم نے ۳۰/ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو اپنا یہ الہام شائع کیا کہ "مرزا پھیپھڑے کے مرض سے ہلاک ہو گیا۔" [۱۹] حضرت اقدسؑ کو تو باوجود انتہائی علمی مشاغل و مصروفیات کے خدا نے اس مرض سے محفوظ رکھا مگر وہ خود کیم جون ۱۹۲۰ء کی شب کو گمنامی کی حالت میں سل کی مرض میں چند ماہ مبتلا رہ کر اپنے الہامات کی صریح ناکامی اور سلسلہ احمدیہ کی کامیابی دیکھتا ہوا چل بسا۔

عبدالحکیم کو بیماری اور موت کی حالت میں دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ نہایت ہی خوفناک اور دل ہلا دینے والا نظارہ تھا۔ مرنے سے پہلے ہی بہت تعفن پیدا ہو گیا تھا اور موت کے بعد تو یہ حالت تھی کہ کوئی شخص غسل تک دینے کو تیار نہیں ہوتا تھا۔ [۲۰]

حواشی

۱۔ تشحیذ الاذہان جلد ۱ نمبر ۱ سرورق ۴

۲۔ ریویو اردو مارچ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۱۷۔۱۱۹

۳۔ رسالہ البیان لکھنؤ جلد ۵ نمبر ۳ صفحہ ۱۰۴

۴۔ تشحیذ الاذہان جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ج

۵۔ الفضل ۹/ مارچ ۱۹۲۲ء صفحہ ۹

۶۔ دافع البلاء صفحہ ۲۳ حاشیہ ۱۔۲

۷۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حقیقتہ الوحی صفحہ ۳۷۷۔۳۷۸ (طبع اول)

۸۔ حقیقتہ الوحی صفحہ ۱۰۹ و الذکر الحکیم نمبر ۴

۹۔ اخبار الحکم نمبر ۱۵ جلد ۱۰۔ ۳۰/ اپریل ۱۹۰۶ء صفحہ ۲

۱۰۔ کانا دجال صفحہ ۵۰

۱۱۔ الحکم ۱۷/ اگست ۱۹۰۶ء صفحہ ۶ کالم ۲

۱۲۔ "اعلان و اتمام الحجہ و تکملہ" صفحہ ۶ مؤلفہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں

۱۳۔ الحکم ۱۰/ نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۶

۱۴۔ اعلان الحق صفحہ ۸

۱۵۔ پیسہ اخبار لاہور ۱۵/ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۴ کالم ۲

۱۶۔ اہل حدیث ۱۵/ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۶ و اعلان الحق صفحہ ۱۹ از عبدالحکیم پٹیالوی

۱۷۔ اہل حدیث ۱۲/ جون ۱۹۰۸ء

۱۸۔ ضمیمہ الحکم ۱۴/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۲

۱۹۔ اعلان الحق صفحہ ۸

۲۰۔ الفضل ۱۶/ ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۳، ۴

"حقیقۃ الوحی" کی تصنیف

"حقیقۃ الوحی" کی تصنیف و اشاعت

۱۹۰۶ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دور مسیحیت کے سب سے ضخیم اور جامع کتاب "حقیقۃ الوحی" تصنیف کرنا شروع فرمائی جس میں قرآنی حقائق و معارف کے علاوہ اپنی صداقت کے دو سو سے زائد آسمانی نشانات درج فرمائے۔ یہ بے نظیر کتاب ۱۵/ مئی ۱۹۰۷ء کو شائع ہوئی۔

وجہ تصنیف اس عظیم الشان کتاب کی وجہ تصنیف حضورؑ کے الفاظ میں یہ تھی۔ "اس زمانہ میں جس طرح اور صدہا طرح کے فتنے اور بدعتیں پیدا ہو گئی ہیں اسی طرح یہ بھی ایک بزرگ فتنہ پیدا ہو گیا ہے کہ اکثر لوگ اس بات سے بے خبر ہیں کہ کس درجہ اور کس حالت میں خواب یا الہام قابل اعتبار ہو سکتا ہے اور کن حالتوں میں اندیشہ ہے کہ وہ شیطان کا کلام ہو نہ خدا کا۔ اور حدیث النفس ہو نہ حدیث الرب.... سو ان کی یہ نشانی ہے کہ خدا کی فضل کی بارشیں ان پر ہوتی ہیں اور خدا کی قبولیت کی ہزاروں علامتیں اور نمونے ان میں پائے جاتے ہیں جیسا کہ ہم اس رسالہ میں انشاء اللہ ذکر کریں گے۔ لیکن افسوس کہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ ابھی شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہیں مگر پھر بھی خوابوں اور الہاموں پر بھروسہ کر کے اپنے ناراست اعتقادوں اور ناپاک مذہبوں کو ان خوابوں اور الہاموں سے فروغ دینا چاہتے ہیں بلکہ بطور شہادت ایسی خوابوں اور الہاموں کو پیش کرتے ہیں.... یہ وہ خرابیاں ہیں جو اس ملک میں بہت بڑھ گئی ہیں اور ایسے لوگوں میں بجائے دین داری اور راست بازی کے بے جا تکبر اور غرور پیدا ہو گیا ہے اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ حق اور باطل میں فرق کرنے کے لئے یہ رسالہ لکھوں۔" [۱]

یہ کتاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک عظیم شاہکار ہے جس سے حضورؑ کی سچائی بھی سورج کی طرح ثابت ہو جاتی ہے اور اسلام کا زندہ مذہب ہونا بھی!

خطبہ الہامیہ کی مبارک تقریب کا گروپ فوٹو (۱۱ اپریل ۱۹۰۰ء)

دائیں سے بائیں بیٹھے ہوئے۔ حضرت خلیفہ رشید الدین صاحب۔ حضرت سیٹھ اسماعیل آدم صاحب۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ مرزا خدا بخش صاحب۔ شیخ مولا بخش صاحب۔ شیخ عبدالرزاق صاحب ولد شیخ عبدالرحمٰن صاحب

کرسیوں پر۔ جناب شیخ رحمت اللہ صاحب۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ حضرت مولوی غلام حسن صاحب پشاوری۔ حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب (خلیفۃ المسیح الاول)۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب (مولانا موصوف کی گود میں)

کھڑے ہوئے۔ عبدالحمید ابن شیخ رحمت اللہ صاحب۔ حکیم فضل الٰہی صاحب لاہوری۔ منشی تاج الدین صاحب۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب۔ حضرت میر حامد شاہ صاحب۔ ماسٹر غلام محمد صاحب سیالکوٹی۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی)

دائیں سے بائیں کھڑے ہوئے پیچھے۔ ۱۔؟ ۲۔ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ۳۔مفتی فضل الرحمٰن صاحبؓ ۴۔حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ ۵۔حضرت حکیم فضل دین صاحب بھیرویؓ

کرسیوں پر دائیں سے بائیں۔ ۱۔؟ ۲۔حضرت چوہدری مولا بخش صاحب سیالکوٹی ۳۔سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مع صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب ۴۔ حضرت شیخ نور احمد صاحب ریاض ہند پریس ۵۔مستری فیض احمد صاحب جموں

نیچے بیٹھے ہوئے۔ ۱۔حضرت حکیم شمس الدین سیالکوٹی ۲۔حضرت پیر سراج الحق نعمانیؓ کے ایک عزیز ۳۔پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ ۴۔محمد یعقوب صاحب ابن حضرت حکیم محمد حسین صاحب قریشی مفرح عنبری ۵۔حضرت حکیم محمد حسین صاحب قریشی مفرح عنبری لاہور

دائیں طرف سے (کھڑے ہوئے) ۱۔؟ ۲۔؟ ۳۔؟ ۴۔شیخ غلام حسین۔حاجی پورہ سیالکوٹ ۵۔میاں بشارت احمد صاحب کلرک ڈاکخانہ سیالکوٹ ۶۔سید ارشاد شاہ صاحب سیالکوٹی ۷۔؟ ۸۔حضرت حکیم فضل دین بھیروی صاحب ۹۔میاں غلام محمد صاحب کاتب
۱۰۔شیخ محمد اکبر صاحب حاجی پورہ سیالکوٹ ۱۱۔میاں خدا بخش صاحب سیالکوٹ چھاؤنی ۱۲۔شیخ مولا بخش سیالکوٹی۔ (کرسیوں پر) ۱۔؟ ۲۔؟ ۳۔حضرت منشی اللہ دتہ صاحب سیالکوٹ موری دروازہ ۴۔حضرت میاں نظام دین صاحب سیالکوٹ ۵۔سیدنا حضرت
اقدس مسیح موعود علیہ السلام ۶۔حضرت حکیم حسام الدین صاحب (گود میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب) ۷۔میاں فضل دین صاحب زرگر سیالکوٹی (گود میں صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) (فرش پر) ۱۔؟ ۲۔مستری شہاب الدین صاحب جموں
۳۔منشی محمد عبداللہ صاحب سیالکوٹی ۴۔میاں محمد دین صاحب کانسٹیبل سیالکوٹی ۵۔منشی رحیم بخش صاحب سیالکوٹی (گود میں حضرت میر محمد اسحٰق صاحب) ۶۔شیخ جان محمد صاحب وزیر آبادی ۷۔حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب

دائیں سے بائیں (کھڑے ہوئے) ۱۔؟ ۲۔حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ۳۔؟ ۴۔حضرت چوہدری مولابخش صاحب ۵۔؟ ۶۔حضرت ڈاکٹر فیض علی صابر صاحب

(کرسیوں پر) ۱۔حضرت منشی عبدالعزیز صاحب دہلوی مصنف حیرت کی حیرانی ۲۔حضرت ڈاکٹر محمد اسماعیل خان صاحب گوڑیانی ۳۔سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام ۴۔حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحب ۵۔حضرت مرزا نیاز بیگ صاحب کلانوری۔

(نیچے بیٹھے ہوئے) ۱۔؟ ۲۔حضرت منشی رستم علی خاں صاحب مدار ضلع جالندھر ۳۔حضرت منشی روڑا خان صاحب کپورتھلوی ۴۔حضرت منشی کرم علی صاحب کاتب ۵۔چوہدری فضل دین صاحب دفتری۔

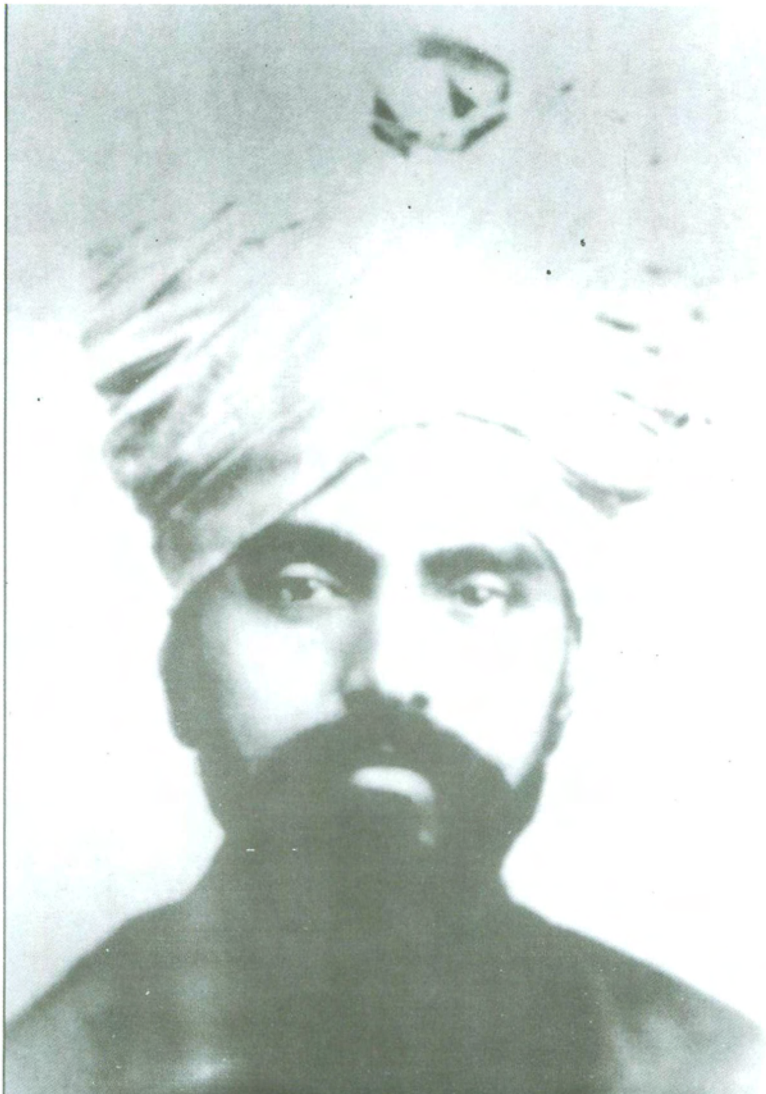

حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب

ابن حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعودؑ

سیدنا محمود المصلح الموعود

یہ تصویر ۱۹۰۴ء کے وسط آخر کی ہے جبکہ سیدنا مسیح موعود علیہ السلام گورداسپور میں مولوی کرم دین کے مقدمہ کے دوران مقیم تھے۔ سیدنا محمودؓ اس وقت مدرسہ تعلیم الاسلام کی دسویں جماعت میں پڑھتے تھے۔

دائیں سے بائیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود ۲۔حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ۳۔حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب

۴۔صاحبزادی حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ ۵۔صاحبزادی حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ

حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحبؓ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد

حضرت سردار نواب محمد علی خان صاحبؓ رئیس مالیر کوٹلہ

مسکن : مالیر کوٹلہ/قادیان

ولادت : یکم جنوری ۱۸۷۰ء

وفات : ۱۰ فروری ۱۹۴۵ء

حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب

ولد: سید ناصر نواب صاحب

مسکن: دہلی/قادیان

ولادت: ۱۸ جولائی ۱۸۸۱ء وفات: ۱۸ جولائی ۱۹۴۷ء

حضرت میر محمد اسحاق صاحب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تین سو تیرہ میں سے بعض رفقاء

حضرت منشی روڑا خان صاحب

مسکن: کپورتھلہ

وفات: ۱۹۱۹ء

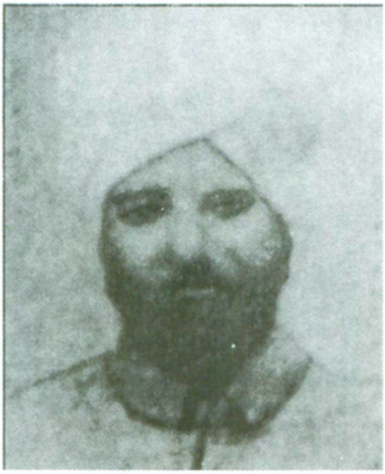

حضرت منشی ظفر احمد صاحب

مسکن: کپورتھلہ

وفات: ۲۰ اگست ۱۹۴۱ء

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی

مسکن: سیالکوٹ

حضرت الحاج حکیم مولوی نورالدین صاحب

مسکن: بھیرہ ضلع شاہ پور

بیعت: ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء

حضرت حکیم فضل دین صاحب بھیروی

مسکن: بھیرہ

وفات: ۹ اپریل ۱۹۱۰ء

حضرت صاحبزادہ افتخار احمد صاحب لدھیانوی

ولد: حضرت صوفی احمد جان

مسکن: لدھیانہ

حضرت میاں عبداللہ صاحب پٹواری

حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب

حضرت سردار نواب محمد علی خان صاحبؓ رئیس مالیر کوٹلہ

مسکن : مالیر کوٹلہ/قادیان

ولادت : یکم جنوری ۱۸۷۰ء

وفات : ۱۰ فروری ۱۹۴۵ء

حضرت مفتی محمد صادق صاحب

مسکن : بھیرہ

وفات : ۱۳ فروری ۱۹۵۷ء

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب

ولد: سید ناصر نواب صاحب

مسکن: دہلی/قادیان

ولادت: ۱۸ جولائی ۱۸۸۱ء وفات: ۱۸ جولائی ۱۹۴۷ء

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب

(سابق مہتہ ہریش چندر صاحب)

مسکن: قادیان

ولادت: ۱۸۷۹ء

ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب
(حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے نانا جان)
مسکن: لاہور

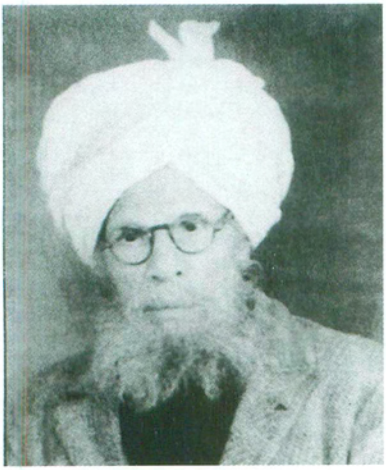

سید مہدی حسین صاحب
مسکن: پٹیالہ
وفات: ۳۱ اگست ۱۹۴۱ء

حضرت خلیفہ نور دین صاحب جموں

حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحبؓ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض دیگر بلند پایہ رفقاء

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب

مدیر و بانی الحکم

بیعت ۷ فروری ۱۸۹۲ء

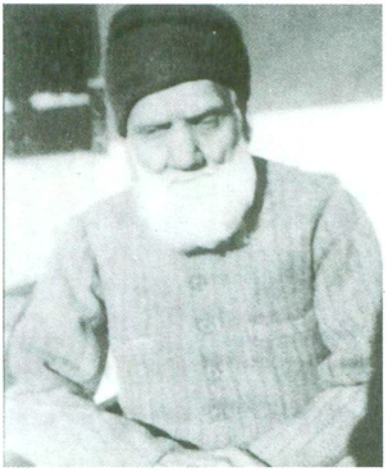

حضرت حافظ سید مختار احمد شاہجہان پوری

بیعت ۱۸۹۲ء

حضرت میاں عبدالعزیز صاحب مغلؓ (بیعت: ۱۸۹۲ء)

وحضرت سید دلاور شاہ صاحب بخاریؓ (بیعت: ۱۹۰۴ء)

حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسیؓ

بیعت: ۱۸۹۴ء

حضرت مولوی امام دین صاحب

حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب

بیعت: ۱۸۹۷ء

حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی

بیعت: ۱۸۹۷ء

حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب

بیعت: ۱۸۹۷ء

حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب

بیعت قبل ۶ مارچ ۱۸۹۷ء

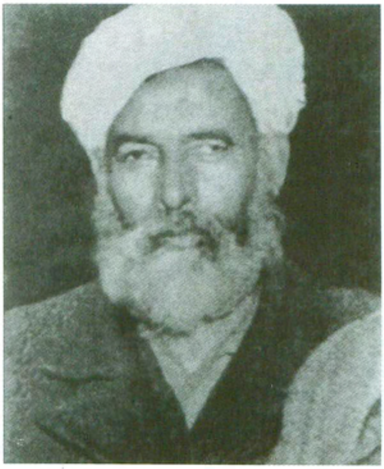

حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ

بیعت : ۱۸۹۷ء

حضرت بابو فخر الدین صاحب آف گھوگھیاٹ

بیعت:۱۸۹۸ء

حضرت الحاج مولوی قدرت اللہ صاحب سنوریؓ

حضرت منشی عبدالحق صاحب کاتب

بیعت:۱۸۹۸ء

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب

بیعت: ۱۸۹۹ء

حضرت حافظ روشن علی صاحب

بیعت: نومبر ۱۸۹۹ء

حضرت صاحبزادہ عبداللطیف شہید

رئیس اعظم خوست' افغانستان

بیعت: ۱۹۰۰ء

شہادت: ۱۴جولائی ۱۹۰۳ء

حضرت میاں احمد نور صاحب کابلی

(شاگرد صاحبزادہ عبداللطیف شہید)

کابل۔افغانستان

حضرت چوہدری مولابخش صاحب بھٹی سیالکوٹی

بیعت: ۲۸ ستمبر ۱۹۰۰ء

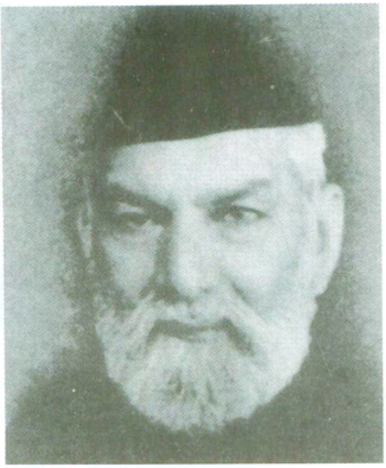

حضرت مولانا ذوالفقار علی گوہر صاحب رامپوری

بیعت: ۱۹۰۰ء

حضرت ڈاکٹر فیض علی صابر صاحب

بیعت: ۱۹۰۰ء

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر

بیعت: ۱۹۰۱ء

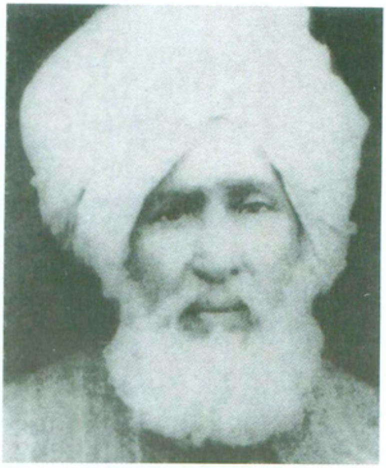

حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار صاحب
کلر سیداں ضلع راولپنڈی
(نانا جان خلیفۃ المسیح الرابع)
بیعت: ۱۹۰۱ء

حضرت ماسٹر محمد طفیل خان صاحبؓ
بیعت : ۱۹۰۱ء

حضرت مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالویؓ
بیعت:۱۹۰۱ء

حضرت میاں محمد یوسف صاحبؓ
بیعت: ۱۹۰۱ء

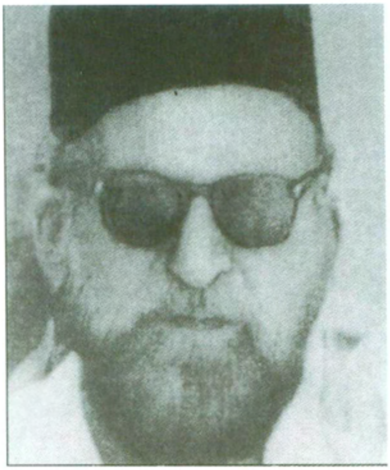

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب

بیعت : ۱۹۰۳ء

حضرت محمد حسن موسیٰ صاحب

ابن حاجی موسیٰ خان صاحب ترین۔ کراچی

بیعت : ۱۹۰۳ء

حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ

زیارت: ۱۹۰۳ء

حضرت میاں رحمت اللہ صاحب باغانوالے

بنگہ ضلع جالندھر

بیعت: ۱۹۰۳ء

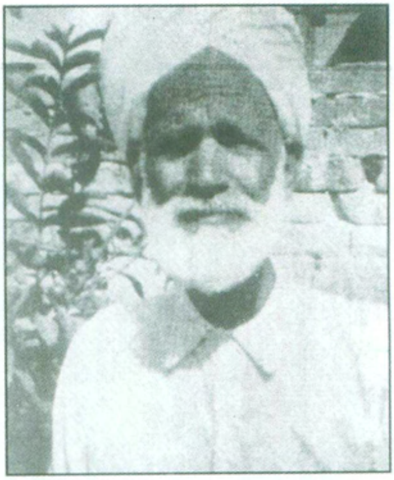

حضرت شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی

بیعت: ۱۹۰۴ء

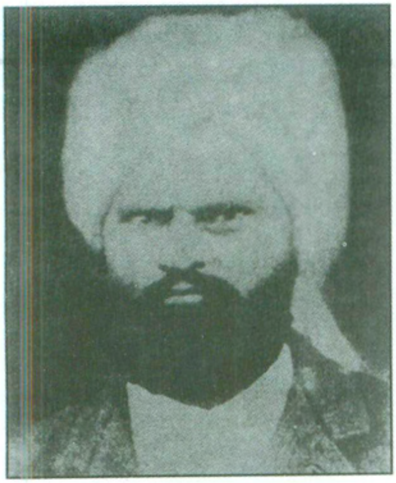

حضرت چوہدری نصر اللہ خان صاحب

ڈسکہ۔ سیالکوٹ

بیعت: ستمبر ۱۹۰۴ء

حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب

ابن چوہدری نصر اللہ خان صاحب

ڈسکہ۔ سیالکوٹ

بیعت: ۱۶؍ستمبر ۱۹۰۷ء

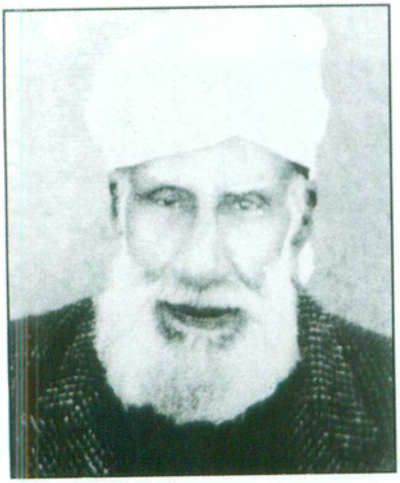

حضرت سید ڈاکٹر غلام غوث صاحبؓ

بیعت : ۱۹۰۵ء

حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری

بیعت: ۱۹۰۵ء

حضرت مولوی عبدالرحیم درد صاحب

ولادت ۱۸۹۴ء (پیدائش)

حضرت سیٹھ ابوبکر یوسف صاحبؓ آف جدہ

بیعت : ۱۹۰۷ء

خاندان سیکھواں برادران

میاں محمد ابراہیم صاحب خسر محمد صادق بٹ صاحب احمد نگر۔ میاں محمد حسین بٹ صاحب والد احمد حسین بٹ صاحب درویش۔ میاں شہاب دین صاحب صحابی والد جلال دین بٹ صاحب۔ بشیر احمد صاحب ابن میاں امام دین صاحب برادر کلاں علامہ جلال الدین شمس صاحب۔ امیر بی بی صاحبہ عرف مائی کاکو صحابیہ (۳۱۳) منشی چراغ دین صاحب والد نور دین منیر صاحب۔ میر ولی محمد صاحب آف لدھیانہ والد علی محمد نجم صاحب۔ میاں خیر دین سیکھوانی صاحب صحابی (۳۱۳) والد مولوی قمر دین صاحب علامہ جلال الدین شمس صاحب۔ میاں امام دین سیکھوانی صاحب صحابی (۳۱۳) والد علامہ جلال الدین شمس صاحب۔ محمد ابراہیم صاحب (شمس صاحب کی بڑی ہمشیرہ ہاجرہ بیگم آف گھٹیکے بانگر کے صاحبزادے) نور دین صاحب منیر ولد منشی چراغ دین صاحب۔ حکیم محمد اسماعیل صاحب ابن میاں جمال دین صاحب سیکھوانی صحابی (۳۱۳) شمس صاحب کے تایا زاد بھائی۔ مولوی قمر دین صاحب ولد میاں خیر دین صاحب۔ چوہدری وزیر محمد صاحب آف پٹیالہ والد امۃ المجید صاحب ایم اے۔

''الدار'' میں بیت الدعاء کا مقدس کمرہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقدس مکان کا ایک روح پرور منظر

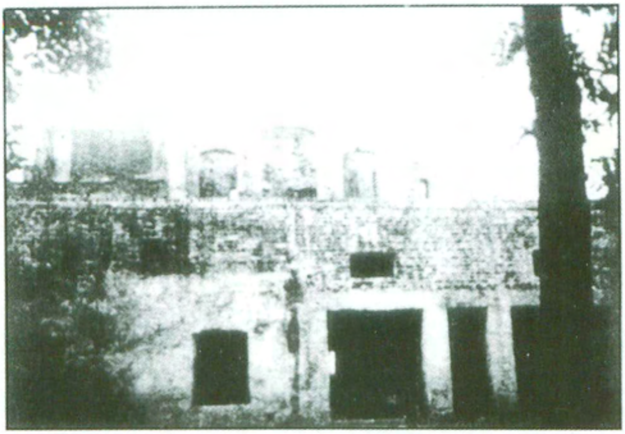

جہلم کی کوٹھی جہاں حضرت مسیح موعود نے ۱۹۰۳ء میں قیام فرمایا تھا۔

مکان ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ (واقع احمدیہ بلڈنگ لاہور) کا منظر (۲۷ مئی ۱۹۶۲ء)

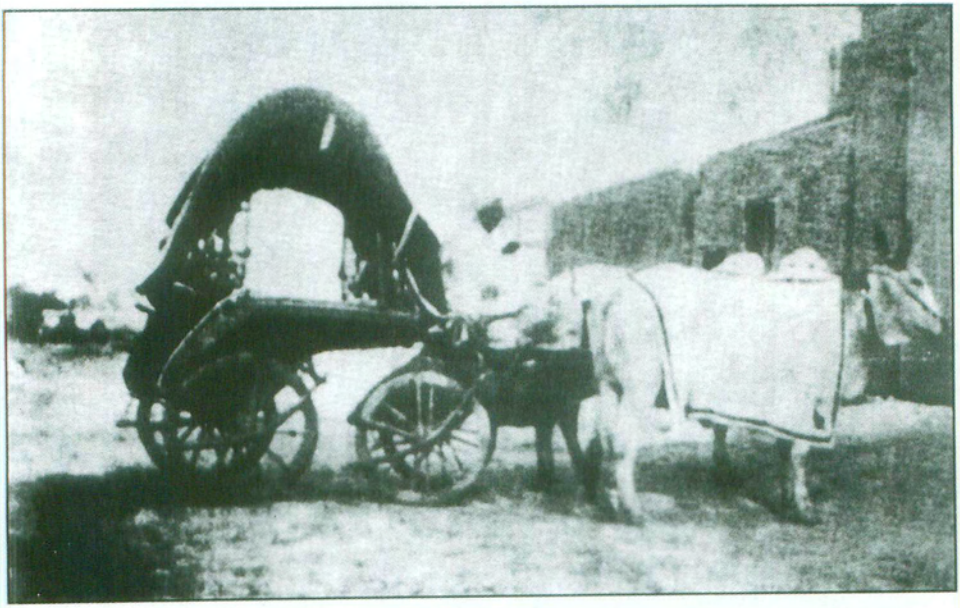

یہ رتھ حضرت نواب محمد علی خان صاحب مالیر کوٹلہ سے قادیان لائے تھے اور حضور علیہ السلام مقدمہ کرم دین کے دوران اس میں بیٹھ کر کئی دفعہ گورداسپور تشریف لے گئے۔

ڈیورنڈ لائن کے موقع پر افغانی اور انگریزی نمائندوں کا ایک گروپ فوٹو (۱۸۹۴ء)

پہلی قطار بائیں سے دائیں۔ ا۔ سر عبدالقیوم خان آف ٹوپی۔ ۲۔ سر مارٹمر ڈیورنڈ ۳۔ شرندل خان گورنر خوست۔ ان کے بعد چوتھے نمبر پر جو بزرگ کھڑے ہیں وہ صاحبزادہ سعید جان مرحوم کی اہلیہ (شہید مرحوم کی بڑی بہو) کی رائے میں قطعی طور پر حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب ہیں۔ شعبہ تاریخ احمدیت کی طرف سے مزید تحقیق جاری ہے۔

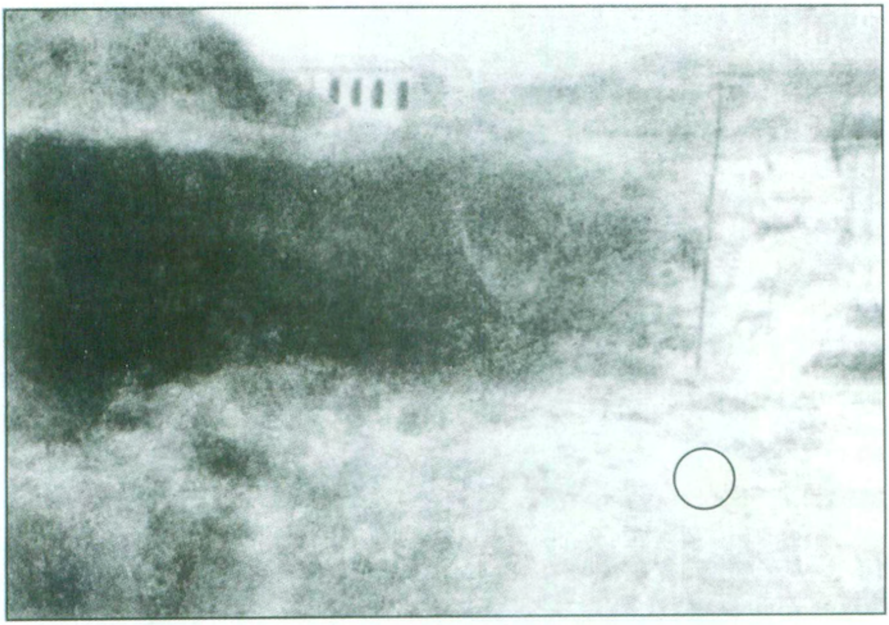

وہ میدان جہاں صاحبزادہ صاحب شہید کیئے گے

O (نشان شہادت گاہ)

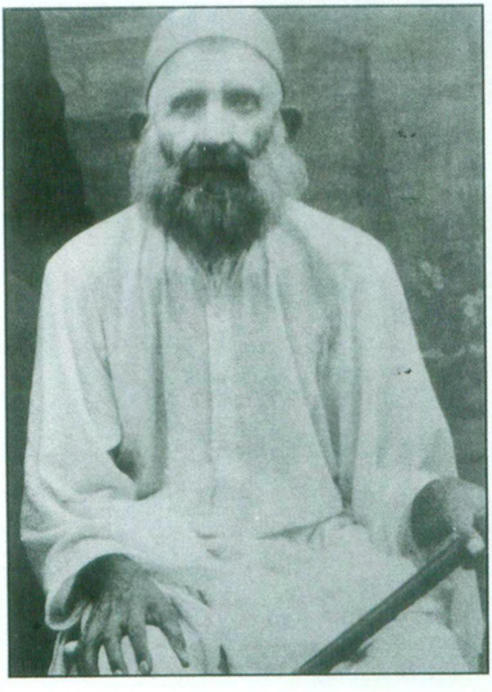

حضرت مولوی عبدالستار صاحب المعروف بزرگ صاحب

ایک نہایت مقدس اور قدیم دستاویز

حضرت مسیح موعود نے ۳۰ ستمبر ۱۸۸۴ء کو ایک سائل کے جواب میں ایک مفصل خط رقم فرمایا تھا جس کے دو صفحات کا عکس ذیل میں دیا گیا ہے۔ حضور کی شان مجددیت و ماموریت کس درجہ بلند ہے؟ اس پر حضور کی یہ نہایت قدیم اور نایاب تحریر بہت کچھ روشنی ڈالتی ہے۔ اصل خط مولف کے پاس محفوظ ہے۔

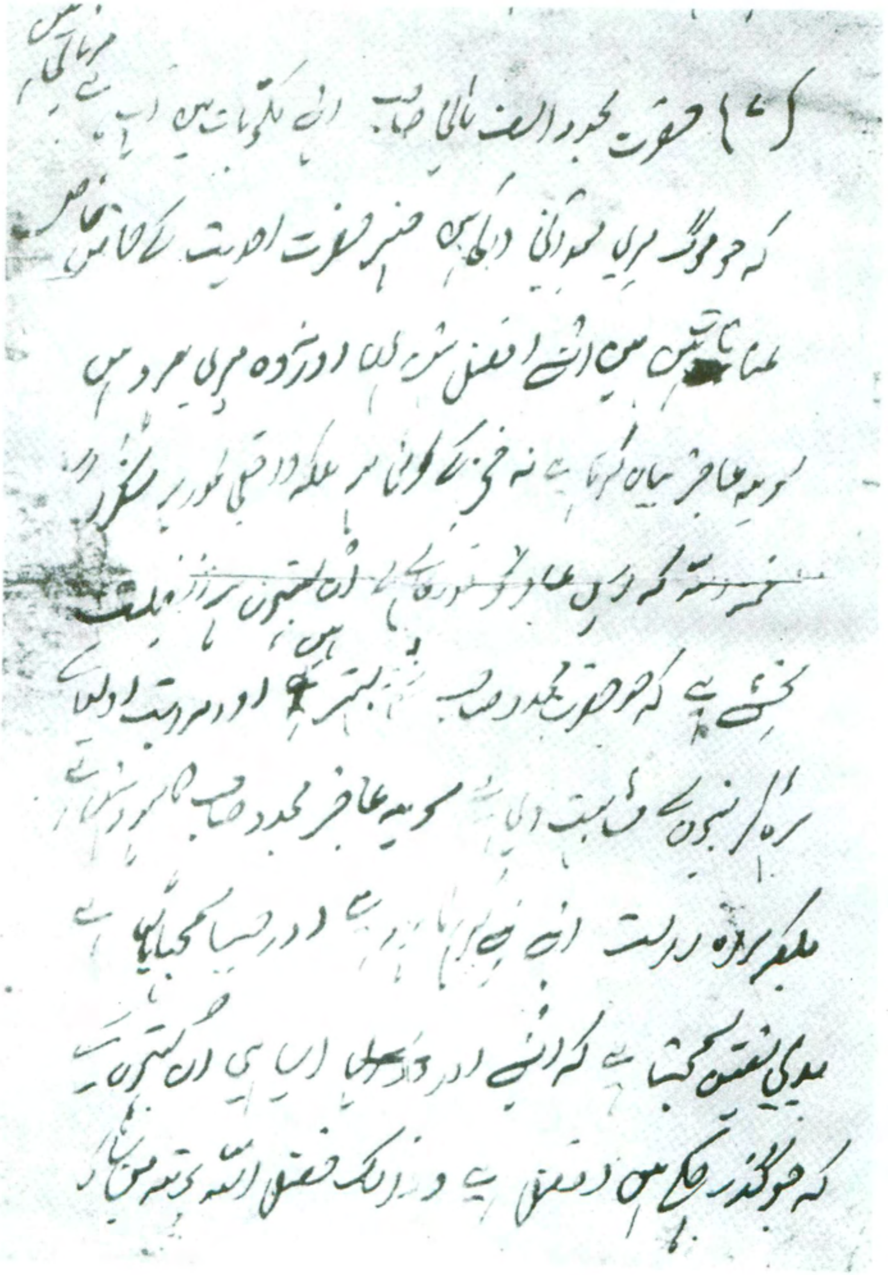

(۸) خداتعالیٰ کے کلام کا جیسے یہ محاورہ ہیں بی مجبالی فضیلت

خداوند کریم محض اپنے فضل سے صدیقی کے لئے [illegible]

اور نیز دوسری ایسے نکتوں سے جنکی نسبت آپ کو وراثت ملی ہوگی

اور حضرت خداوند کریم نے مجھ کو اس خطاب سے سرفراز کیا کہ

ربّی فضلک علی العالمین مثل الذی اورثتہ الکتاب

جیسا۔ یہ بات ہونی ظاہر ہے کہ اس بیچارہ کو تمام

عالمین اور نیز تمام زمین کے باشندوں پر فضیلت بخشی گئی

پس سوال [illegible] ایسے قدر [illegible]

(۹) اس بیچارہ کے والد مرحوم کا نام مرزا غلام مرتضیٰ

وہی ہیں جو حکیم حاذق تھے اور دنیوی وضع پر اس ملک

گرد و نواح [illegible] منشی [illegible] تھی اور [illegible] رتبہ الٰہی

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کے ایک خط کا عکس

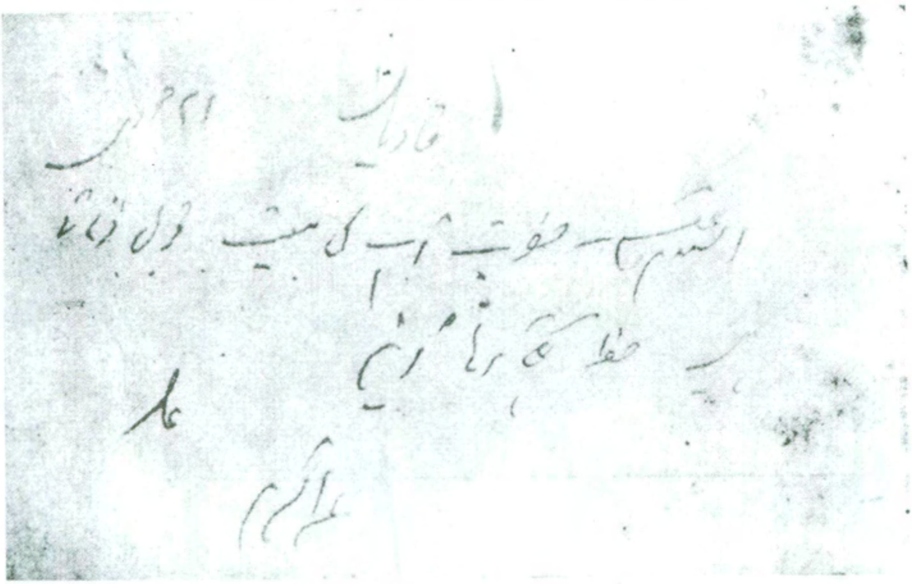

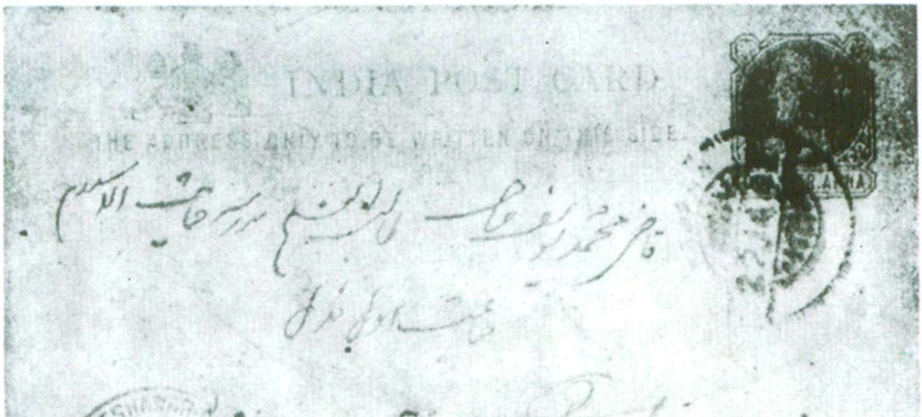

INDIA POST CARD

THE ADDRESS ONLY TO BE WRITTEN ON THIS SIDE.

Peshawar

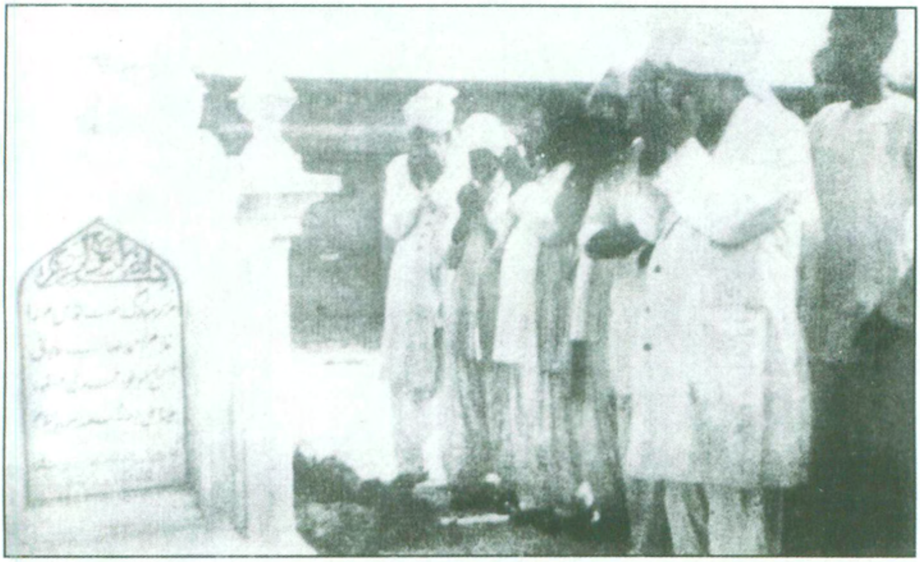

مزار مبارک سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حضرت المصلح الموعودؓ اپنے خدام کے ساتھ دعا کر رہے ہیں۔ (مارچ ۱۹۴۴ء)

کتاب کے چار باب

وحی کی حقیقت واضح کرنے کے لئے حضورؑ نے یہ کتاب چار ابواب میں تقسیم فرمائی۔ باب اول ان لوگوں کے بیان میں جن کو بعض سچی خوابیں آتی ہیں یا بعض سچے الہام ہوتے ہیں لیکن ان کو خدا تعالیٰ سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

باب دوم ان لوگوں کے بیان میں جن کو بعض اوقات سچی خوابیں آتی ہیں یا سچے الہام ہوتے ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ سے کچھ تعلق ہے لیکن بڑا تعلق نہیں۔ باب سوم ان لوگوں کے بیان میں جو خدا تعالیٰ سے اکمل اور اصفیٰ طور پر وحی پاتے ہیں اور کامل طور پر شرف مکالمہ اور مخاطبہ ان کو حاصل ہوتا ہے اور خوابیں بھی ان کو فلق الصبح کی طرح سچی آتی ہیں اور خدا تعالیٰ سے اکمل اور اتم اور اصفیٰ تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ کے پسندیدہ نبیوں اور رسولوں کا تعلق ہوتا ہے۔ باب چہارم حضورؑ کے اپنے حالات کے بیان میں کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور کرم نے حضورؑ کو ان اقسام ثلاثہ میں سے کس قسم میں داخل فرمایا ہے؟ [۲]

سوالات کے جوابات اور تعریف نبوت میں تبدیلی کا واضح ترین بیان

شاہ جہان پور میں ایک عالم ابو یحییٰ مولوی محمد صاحب رہتے تھے۔ [۳] جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں (حافظ سید مختار احمد صاحب شاہ جہان پوری کے توسط سے) نو سوالات لکھ کر بھجوائے اور نہایت انکسار سے ان کے جواب کی درخواست کی۔ اپنے خط میں انہوں نے مصلحتاً اپنا نام "منشی برہان الحق" لکھا۔ [۴] حقیقۃ الوحی ان دنوں زیر تصنیف تھی اس میں مولوی محمد صاحب کے سوالات کے بھی مفصل جواب دیئے۔ حضرت اقدسؑ کی طرف سے دیئے ہوئے سب ہی جوابات اپنے اندر ایک خاص شان رکھتے تھے۔ مگر پہلے سوال کے جواب کو یہ بھاری خصوصیت حاصل تھی کہ حضورؑ نے اس میں "ایک غلطی کا ازالہ" کے بعد تعریف نبوت میں تبدیلی کا دوسری بار واضح ترین اعلان فرمایا۔ [۵] نیز آیت واخرین منھم لما یلحقوا بھم (سورۃ الجمعہ) کی تفسیر لکھتے ہوئے لکھا۔

"اس سے یہ ثابت ہے کہ آنے والی قوم میں ایک نبی ہوگا کہ وہ آنحضرت ﷺ کا بروز ہوگا.... بہرحال یہ آیت آخری زمانہ میں ایک نبی کے ظاہر ہونے کی نسبت ایک پیش گوئی ہے.... ہر ایک جانتا ہے کہ منھم کی ضمیر اصحاب رضی اللہ عنہم کی طرف راجع ہے لہٰذا وہی فرقہ منھم میں داخل ہو سکتا ہے جس میں ایسا رسول موجود ہو کہ جو آنحضرت ﷺ کا بروز ہے۔" [۶]

الاستفتاء

حضرت اقدس علیہ السلام نے اسلام اور فقہائے ملت خیر الانام تک دعوت حق پہنچانے کے لئے فصیح و بلیغ عربی میں ایک رسالہ "الاستفتاء" لکھا اور اسے "حقیقۃ الوحی" کے

آخر میں بطور ضمیمہ شامل فرمایا۔ "الاستفتاء" میں حضورؑ نے نہایت درجہ درد کے ساتھ اپنی تائید میں نشانات سماوی کے ظہور کی مثالیں دے دے کر ان سے فتویٰ طلب فرمایا ہے کہ کیا ایسا انسان بھی مفتری قرار دیا جاسکتا ہے جس کی تائید میں آسمانی نشانات بکثرت نازل ہو رہے ہوں؟

پادری احمد مسیح کی مباحثہ میں ناکامی اور مباہلہ سے گریز

دہلی میں ایک صاحب احمد مسیح تھے جو بشپ جارج ایلفرڈ لیفرائے کے ذریعہ سے اسلام چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے۔ [۷] پادری صاحب کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک مخلص مرید میر قاسم علی صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ دہلی سے مباحثہ ہوا جس کا موضوع تھا۔ "آیا مسیح علیہ السلام واقعی صلیب پر قتل ہوئے یا نہیں؟" میر صاحب نے پرزور دلائل سے ثابت کر دیا کہ مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ صلیب سے زندہ سلامت اترے اور اپنی طبعی عمر پا کر کشمیر میں آکر مرے اور یہیں دفن ہوئے۔ مباحثہ کے چیئرمین مسٹر مارٹن تھے۔ [۸]

اس مباحثہ میں پادری احمد مسیح کو یہاں تک شکست فاش ہوئی کہ نہ صرف سامعین نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ پادری احمد مسیح صاحب بالکل لاجواب ہو گئے بلکہ خود پادری صاحب کو اپنی تقریر میں اقبال کرنا پڑا کہ میں ہار گیا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے کہا "صاحبو! میرا ہار جانا ایسا نہیں ہے جو میرے لئے باعث ندامت ہو کیوں کہ میں تو سرے سے اندھا ہوں اور اندھے بے حیا ہوتے ہیں۔ شرم و حیا کے محسوس کرنے کے واسطے آنکھوں کی ضرورت ہے جو ندارد ہیں پر مجھے ہار جانے کا کیا غم۔" [۹] پھر کہا "آپ نے بغیر سوچے جلدی سے سید صاحب کی ڈگری تو کر دی مگر یہ نہ جانا کہ اس ڈگری دینے سے ہم کو سید صاحب کے مذہب اور عقائد کا مان لینا بھی ضروری ہو گیا۔ پس میں بھی سید صاحب کو ہی ڈگری دیتا ہوں کہ آپ نے ایک کثیر جماعت سے عقائد احمدیہ کو منوالیا۔" [۱۰]

اس اعتراف شکست کے باوجود پادری احمد مسیح نے یہ تعلّی کی کہ "اگر میں ہار گیا تو میرے پر دین مسیح کے دلائل ختم نہیں ہوئے۔ میرا ہارنا قوم کا ہارنا نہ سمجھا جائے اور لوگ مسیحی قوم میں بڑے بڑے فاضل ہیں وہ ہر ایک بحث کو بخوبی طے کر سکتے ہیں۔" [۱۱]

میر قاسم علی صاحب نے کھلا چیلنج دیا کہ کوئی نامی گرامی پادری صاحب میدان مقابلہ میں آئیں میں ان سے بھی مباحثہ کرنے کے لئے تیار ہوں مگر کسی پادری کو سامنے آنے کی جرات نہ ہو سکی۔

حضرت مسیح موعودؑ کو پادری احمد مسیح کی دعوت مباہلہ اور حضورؑ کی طرف سے منظوری کا اعلان

آخر جب دلائل و براہین کے ذریعہ سے حجت پوری ہو گئی تو میر قاسم علی صاحب نے پادری احمد مسیح کو مباہلہ کے لئے للکارتے ہوئے ۱۲/ اپریل ۱۹۰۶ء کو ایک اشتہار شائع کیا۔ [12] پادری احمد مسیح نے اس کے جواب میں اشتہار لکھا کہ "مباہلہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے ہو گا۔" [13] یہ اشتہار حضورؑ کی خدمت میں ۲/ جون ۱۹۰۶ء کو پہنچا جس پر حضورؑ نے ۵/ جون ۱۹۰۶ء کو "درخواست مباہلہ منظور" کے عنوان سے مفصل اشتہار دیا کہ "دہلی کے سواد دوسری جگہ کے تو شاید احمد مسیح کے نام سے بھی واقف نہ ہوں پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک گمنام آدمی سے مباہلہ کا کیا فائدہ ہو گا۔ وہ اپنے مباحثہ کا اثر صرف اپنی ہی ذات تک مانتا ہے تو مباہلہ کا اثر اس کی قوم پر کیوں کر سمجھا جاوے گا۔ اور علاوہ بریں وہ تو پہلے ہی سے اندھا ہے اور احمد مسیح اپنے اس درخواست میں کوئی وجہ نہیں بتاتا کہ میر قاسم علی صاحب سے کیوں مباہلہ نہیں کرتا جب کہ مباحثہ اس سے کیا ہے.... احمد مسیح کو اگر مباہلہ کرنا ہی ہے تو وہ میرے مرید میر قاسم علی صاحب سے بطور خود کرے جس نے اس کو دعوت کی ہے۔ لیکن اگر میرے ساتھ ہی مباہلہ ضروری ہے تو میں اس کی درخواست کو اس صورت میں منظور کر سکتا ہوں جب لاہور، کلکتہ، مدراس اور بمبئی کے بشپ صاحبان (جو اپنے عہدہ، واقفیت، رسوخ اور اثر کی وجہ سے زیادہ قابل قدر ہیں) ایسی درخواست کریں۔ کیوں کہ اس صورت میں مباہلہ کا اثر تمام قوم پر ہو گا نہ کہ فرد واحد پر۔" [14]

چھ روز کے بعد حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حق و باطل کے فیصلہ کی غرض سے یہ اعلان بھی کر دیا کہ آپ پادری احمد مسیح سے براہ راست بھی مباہلہ کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ چاروں بشپ صاحبان یا پھر کم از کم لاہور کے بشپ صاحب ہی اخبار "پاؤنیر" یا "سول" میں اپنی طرف سے شائع کر دیں کہ احمد مسیح کا مغلوب ہونا ہمارا مغلوب ہونا سمجھا جائے گا۔ [15] مگر پادری احمد مسیح صاحب جو قبل ازیں مباحثہ میں اپنی شکست کو خود اقرار کر چکے تھے درخواست مباہلہ کر کے فرار اختیار کر گئے اور عیسائی دنیا پر ایک بار پھر حجت تمام ہوئی۔

صاحبزادہ مرزا نصیر احمد صاحب کی ولادت اور وفات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قریباً ۱۸۶۵ء سے الہام ہو چکا تھا کہ تری نسلا بعیدا یعنی تو دور کی نسل بھی دیکھے گا۔ [16] ۲۶۔ دسمبر ۱۹۰۵ء [17] اور اپریل ۱۹۰۶ء [18] میں وحی نازل ہوئی "انا

نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ نَافِلَۃً لَّکَ - یعنی ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو "نافلہ" ہو گا۔ حضورؑ نے اس کی تعبیر میں فرمایا "ممکن ہے کہ اس کی یہ تعبیر ہو کہ محمود کے ہاں لڑکا ہو کیوں کہ نافلہ پوتے کو بھی کہتے ہیں۔" [19]

ان الٰہی بشارتوں اور پیش گوئیوں کے مطابق ۲۶/ مئی ۱۹۰۶ء کو بوقت ۷ بجے شام صاحبزادہ مرزا محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ہاں صاحبزادہ نصیر احمد پیدا ہوئے۔ [20] حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "حقیقۃ الوحی" میں اس نشان کا بیالیسویں نمبر پر تذکرہ فرمایا۔

"تری نسلاً بعیداً" کی پیش گوئی کا پورا ہونا

گو صاحبزادہ مرزا نصیر احمد صاحب نے چند ماہ بعد وفات پائی تاہم اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ نَافِلَۃً لَّکَ کے الہام کی یہ تعبیر کہ سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بیٹا پیدا ہو گا پوری شان سے پوری ہو گئی۔ مگر چونکہ پیش گوئیاں ذوالوجوہ ہوتی ہیں اس لئے قبل از وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ اس کا ظہور کس رنگ میں ہو گا۔ کیوں کہ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ نَافِلَۃً لَّکَ کے معنی عربی زبان کے لحاظ سے یہ ہو سکتے ہیں کہ ہم تمہیں ایک ایسے پوتے کی بشارت دیتے ہیں جو عظیم الشان ہو گا۔ وَلَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔

الہام تری نسلاً بعیداً کے مطابق خدا کے فضل سے حضورؑ کی نسل بعید نومبر ۱۹۶۱ء تک ۱۸۵ کی تعداد تک پہنچ چکی ہے۔ [21] [22]

حضرت سید محمد اسمٰعیل صاحبؓ کی شادی

حضرت سید محمد اسحاق صاحبؓ کی شادی کے چھ ماہ بعد اسی سال ان کے بڑے بھائی حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن سے ہوئی۔ برات جو میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ، حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ اور حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ پر مشتمل تھی سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ گئی۔ [23] حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ اس جگہ شادی پر راضی نہ تھے جس پر حضورؑ نے ان کو خط لکھا "میرے نزدیک اور میری رائے میں یہی بہتر ہے کہ اس رشتہ کو مبارک سمجھو اور اس کو قبول کر لو۔ اور اگر تم نے ایسا کیا تو میں بھی تمہارے لئے دعا کروں گا۔" [24] چنانچہ انہوں نے بسرو چشم حضورؑ کے فرمان کی تعمیل کی۔ اس کے بعد حضرت میر صاحب کی دوسری شادی حضرت مرزا محمد شفیع صاحبؓ کے ہاں ہوئی جس سے آپ کے ہاں یہ اولاد پیدا ہوئی۔

۱۔ سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ ۲۔ سید محمد احمد صاحب ۳۔ سید سید احمد صاحب ۴۔ سید امین احمد

صاحب ۵۔ سیدہ امتہ اللہ صاحبہ ۶۔ سیدہ طیبہ صاحبہ ۷۔ سیدہ امتہ القدوس صاحبہ ۸۔ سیدہ امتہ الھادی صاحبہ ۹۔ سیدہ امتہ السمیع صاحبہ ۱۰۔ سیدہ امتہ الرفیق صاحبہ۔

"تجلیات الہیہ" کی تصنیف اور سلسلہ احمدیہ کے عالم گیر غلبہ کی پیش گوئی

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چشمہ مسیحی کے ساتھ وسط مارچ میں "تجلیات الہیہ" کے نام سے ایک اور مختصر رسالہ بھی تالیف فرمایا جو نامکمل رہا اور حضورؑ کی زندگی میں شائع نہ ہوا۔ آخر کئی سالوں کے بعد ۲۹/ جون ۱۹۲۲ء کو اسی نامکمل صورت میں شائع ہوا۔ یہ مختصر رسالہ نامکمل ہونے کے باوجود اتنے حقائق و معارف پر حاوی ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے اور خدائی تجلیات کا ایک نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ آئندہ پانچ زلازل کے متعلق پیش گوئی' چار لاکھ حقیقی مسلمانوں کا آپ کے ہاتھ پر معاصی اور گناہوں اور شرک سے توبہ کرنے اور اپنے دعویٰ نبوت کی دلیل وغیرہ امور کے واضح بیان ہے۔ اور یہ عظیم الشان پیش گوئی فرمائی ہے کہ۔

"خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلہ کو تمام زمین میں پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا۔ اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کے رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پئے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جاوے گا۔ بہت سی روکیں پیدا ہوں گی اور ابتلاء آئیں گے مگر خدا سب کو درمیان سے اٹھا دے گا اور اپنے وعدہ کو پورا کرے گا۔ اور خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ سو اے سننے والو! ان باتوں کو یاد رکھو اور ان پیش خبریوں کو اپنے صندوقوں میں محفوظ رکھ لو کہ یہ خدا کا کلام ہے جو ایک دن پورا ہو گا۔" [۲۵]

رسالہ "تعلیم الاسلام" کا اجراء

جولائی ۱۹۰۶ء میں قادیان سے ایک اور رسالہ "تعلیم الاسلام" جاری ہوا۔ اس سے قبل یہاں

سے تین رسائل "ریویو آف ریلیجنز" (اردو، انگریزی) "طبیب حاذق" اور "تشحیذ الاذہان" نکل رہے تھے اب ان کی تعداد چار ہو گئی۔ اس رسالہ کے ایڈیٹر حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ تھے اور یہ ہیڈ ماسٹر صاحب تعلیم الاسلام ہائی سکول کے اہتمام سے شائع ہوتا تھا۔ رسالہ کی اصل غرض و غایت تفسیر قرآن تھی۔ حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کے درس کے نوٹ اور آپ کی عربی تفسیر کا خلاصہ اور حضرت مولوی سرور شاہ صاحب کی تفسیر اس میں درج ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں حضرت اقدسؑ کے الہامات اور مدرسہ تعلیم الاسلام کے متعلق خبریں بھی ہوتی تھیں [26]۔ مئی ۱۹۰۷ء میں یہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" کے ساتھ بطور ضمیمہ چھپنے لگا۔ افسوس یہ قیمتی تفسیر صرف سورۃ انعام تک شائع ہو سکی۔

احیائے موتی کا ایک نشان

اس سال حضرت سیٹھ عبد الرحمٰن صاحب مدراسی کی شفایابی کا اعجازی نشان ظاہر ہوا۔ اس نشان کی تفصیل حضرت اقدسؑ ہی کے الفاظ میں یہ ہے۔

"میرے ایک صادق دوست اور نہایت مخلص جن کا نام ہے سیٹھ عبد الرحمٰن تاجر مدراس۔ ان کی طرف سے ایک تار آیا کہ وہ کاربنکل یعنی سرطان کی بیماری سے جو ایک مہلک پھوڑا ہوتا ہے بیمار ہیں۔ چونکہ سیٹھ صاحب موصوف اول درجہ کے مخلصین میں سے ہیں اس لئے ان کی بیماری کی وجہ سے بڑا فکر اور بڑا تردد ہوا۔ قریباً ۹ بجے دن کا وقت تھا کہ میں غم اور فکر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دفعہ غنودگی ہو کر میرا سر نیچے کی طرف جھک گیا اور معاً خدائے عزوجل کی طرف سے وحی ہوئی کہ "آثار زندگی۔" بعد اس کے ایک اور تار مدراس سے آیا کہ حالت اچھی ہے کوئی گھبراہٹ نہیں۔ لیکن پھر ایک اور خط آیا کہ جو ان کے بھائی صالح محمد مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا جس کا یہ مضمون تھا کہ سیٹھ صاحب کو پہلے اس سے ذیابیطس کی بھی شکایت تھی۔ چونکہ ذیابیطس کا کاربنکل اچھا ہونا قریباً محال ہے اس لئے دوبارہ غم اور فکر نے استیلاء کیا اور غم انتہاء تک پہنچ گیا۔ اور یہ غم اس لئے ہوا کہ میں نے سیٹھ عبد الرحمٰن کو بہت ہی مخلص پایا تھا اور انہوں نے عملی طور پر اپنے اخلاص کا اول درجہ پر ثبوت دیا تھا اور محض دلی خلوص سے ہمارے لنگر خانہ کے لئے کئی ہزار روپیہ مدد کرتے رہے تھے جس میں بجز خوشنودی خدا کے اور کوئی مطلب نہ تھا اور وہ ہمیشہ صدق اور اخلاص کے تقاضا سے ماہواری ایک رقم کثیر ہمارے لنگر خانہ کے لئے بھیجا کرتے تھے اور اس قدر محبت سے بھرا ہوا اعتقاد رکھتے تھے کہ گویا محبت اور اخلاص میں محو تھے اور ان کا حق تھا کہ ان کے لئے بہت دعا کی جائے۔ آخر دل نے ان کے

لئے نہایت درجہ جوش مارا جو خارق عادت تھا اور کیا رات اور کیا دن میں نہایت توجہ سے دعا میں لگا رہا تب خدا تعالیٰ نے بھی خارق عادت نتیجہ دکھلایا اور ایسی مہلک مرض سے سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب کو نجات بخشی گویا ان کو نئے سرے سے زندہ کیا۔ چنانچہ وہ اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی دعا سے بڑا معجزہ دکھلایا ورنہ زندگی کی کچھ بھی امید نہ تھی۔ اپریشن کے بعد زخم کا مندمل ہونا شروع ہو گیا اور اس کے قریب ایک نیا پھوڑا نکل آیا جس نے پھر خوف اور تہلکہ میں ڈال دیا تھا۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کاربنکل نہیں۔ آخر چند ماہ کے بعد بکلی شفا ہو گئی۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہی مردہ کا زندہ ہونا ہے۔ کاربنکل اور پھر اس کے ساتھ ذیابیطس اور عمر پیرانہ سالی اس خوفناک صورت کو ڈاکٹر لوگ خوب جانتے ہیں کہ کس قدر اس کا اچھا ہونا غیر ممکن ہے۔ ہمارا خدا بڑا رحیم و کریم ہے۔ اور اس کی صفات میں سے ایک احیاء کی سنت بھی ہے۔ [۲۷]

سید محمد یوسف بغدادی سیاح اور شیخ محمد چٹو صاحب کی قادیان میں آمد

حکیم محمد حسین صاحب قریشی کے دادا شیخ محمد چٹو صاحب ابتداء سرگرم اہل حدیث تھے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے حسن ظن ہوا۔ مگر عمر کے آخر میں چکڑالوی ہو گئے تھے۔ قریشی صاحب اخیر اکتوبر ۱۹۰۶ء میں اپنے دادا اور دو اور چکڑالویوں کو جن میں سے ایک سید محمد یوسف بغدادی سیاح کہلاتے تھے قادیان میں لائے شیخ محمد چٹو صاحب نے حضرت اقدسؑ سے آپ کے دعویٰ امامت کا ثبوت قرآن شریف سے مانگا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ جن دلائل سے آپ نے قرآن شریف کو سچا مانا ہے انہی دلائل کے ذریعہ سے پھر میری سچائی کو پرکھ لیں۔ شیخ محمد چٹو صاحب تو اس کا کوئی جواب نہ دے سکے البتہ سیاح صاحب نے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد کہا کہ میں مباہلہ کرتا ہوں۔ حضورؑ نے فرمایا کہ آپ پہلے میری ایک کتاب پڑھ لیں پھر بڑے شوق سے مباہلہ کر لیں۔ سیاح صاحب نے کہا کہ ابھی میں دو گھنٹہ میں کتاب پڑھ لیتا ہوں۔ حضورؑ نے فرمایا کہ آپ بے شک دو گھنٹہ میں مطالعہ کر لیں میں بعد ازاں چند ایک سوال کروں گا جن سے اندازہ ہو جائے گا کہ آپ مضمون کتاب کو سمجھ گئے ہیں۔ اس پر سیاح صاحب نے معذرت کر دی اور قادیان میں مزید قیام کا ارادہ ملتوی کر کے واپس چلے آئے اور لاہور میں آکر رسالہ "اشاعت القرآن" [۲۸] میں اصل واقعات کو چھپا کر لکھ دیا کہ مرزا صاحب مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کے ساتھ مباحثہ کر لیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کی طرف سے یہ ناانصافی دیکھی تو ان کو دوبارہ دعوت مباہلہ دی [۲۹] اور مباحثہ کے متعلق مفتی محمد صادق صاحبؓ نے لکھا کہ حضرت اقدسؑ اپنی کتاب "انجام آتھم" میں مباحثات بند کر چکے ہیں۔ ہاں اگر مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی اپنے شبہات کا ازالہ کرانا چاہیں تو وہ مہذب رنگ میں درخواست کریں اور بتائیں کہ حضورؑ کا دعویٰ قرآن مجید کے کن نصوص قطعیہ کے خلاف ہے؟ مگر عبداللہ صاحب چکڑالوی اس تجویز سے آمادہ نہ ہوئے اور شیخ محمد چٹو صاحب اس کے بعد جلد ہی اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ [۳۰]

نکاح حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ

حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کی دوسری بیوی محترمہ امتہ الحمید بیگم کا ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو انتقال ہوا تھا۔ [۳۱] ان کی وفات کے بعد حضرت نواب صاحب اپنی اکلوتی بیٹی بو زینب بیگم صاحبہ کی شادی کے متعلق بہت متفکر تھے۔ خود حضرت مسیح موعودؑ کو بھی اس معاملہ میں بہت خیال تھا اور اکثر فکر کے ساتھ اس کا گھر میں ذکر فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت اقدسؑ کو اس طرف خاص توجہ پیدا ہو گئی۔ حضورؑ نے صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے متعلق حضرت نواب صاحب کو پیغام دیا جسے انہوں نے بسرو چشم قبول کر لیا۔ حضرت نواب صاحب کے غیر احمدی بھائی اور دوسرے عزیز بہت ناراض ہوئے مگر حضرت نواب صاحب نے اس کی قطعاً پروانہ کی اور فرمایا۔

"اگر شریف احمد ٹھیکرا لے کر گلیوں میں بھیک مانگ رہا ہوتا اور دوسری جانب ایک بادشاہ رشتہ کا خواستگار ہوتا تب بھی میں شریف احمد ہی کو بیٹی دیتا۔" [۳۲، ۳۳]

نکاح ۱۵۔ نومبر ۱۹۰۶ء (بمطابق ۲۷/ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ) بعد نماز عصر نئے مہمان خانے کے صحن میں حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے نکاح کی مبارک تقریب عمل میں آئی۔ اس تقریب پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضورؑ کے قادیان میں موجود خدام موجود تھے۔ حضرت حکیم الامت مولوی نورالدین صاحبؓ نے ایک ہزار روپیہ مہر پر نکاح پڑھا اور ایک لطیف اور پر از معارف خطبہ ارشاد فرمایا۔ [۳۴]

شادی حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کی شادی ۹۔ مئی ۱۹۰۹ء کو ہوئی اور ولیمہ ۱۰۔ مئی ۱۹۰۹ء کو۔ [۳۵]

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا بیان ہے کہ "بو زینب بیگم صاحبہ کا رخصتانہ نہایت سادگی سے ہمارے دارالمسیحؑ سے ملحق مکان سے عمل میں آیا۔ حضرت اماں جان نے سامان کپڑا زیور وغیرہ ہمارے

ہاں بھجوادیا تھااور چونکہ نواب صاحب کا منشاء تھا کہ حضرت فاطمہؓ کی طرح رخصتانہ ہو۔ سو دلہن تیار ہو گئی تو نواب صاحب نے پاس بٹھا کر نصائح کیں اور پھر مجھے کہا کہ حضرت ام المومنین کی طرف چھوڑ آؤں۔ سیدہ ام ناصر صاحبہ والے صحن میں جو سیدہ ام وسیم صاحبہ کی طرف سے سیڑھیاں اترتی ہیں وہاں حضرت اماں جان نے استقبال کیا اور دلہن کو دار البرکات میں لے گئیں۔" [۲۶]

اولاد صاحبزادی بوزینب بیگم صاحبہ کے بطن سے مندرجہ ذیل اولاد ہوئی۔

۱۔ صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب (ولادت ۱۳/ مارچ ۱۹۱۱ء)

۲۔ صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب (ولادت ۱۰/ جولائی ۱۹۱۳ء)

۳۔ صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب (ولادت ۲۰/ اگست ۱۹۱۴ء)

۴۔ صاحبزادی امۃ الودود صاحبہ (ولادت ۱۵/ اکتوبر ۱۹۱۸ء وفات ۲۰۔ جون ۱۹۴۰ء)

۵۔ صاحبزادی امۃ الباری صاحبہ (ولادت ۱۷/ اکتوبر ۱۹۲۸ء)

۶۔ صاحبزادی امۃ الوحید بیگم صاحبہ (ولادت ۲۱/ اگست ۱۹۳۵ء) [۲۷]

۱۹۰۶ء کے بعض صحابہ

۱۹۰۶ء کے بعض جلیل القدر صحابہ یہ ہیں۔ ۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب۔ [۲۸] ۲۔ مولوی علی احمد صاحب بھاگل پوری [۲۹] ۳۔ سردار محمد یوسف صاحب (سابق سورن سنگھ) [۳۰] ۴۔ مولوی علی احمد صاحب حقانی [۳۱] ۵۔ ماسٹر محمد علی صاحب اظہر۔ [۳۲]

حواشی

۱۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۔۲
۲۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۴۔۵
۳۔ اہل حدیث تھے۔ حدیث کی سند سید نذیر حسین صاحب دہلوی سے 'طب حکیم اجمل خان صاحب کے بڑے بھائی عبدالمجید صاحب سے حاصل کی تھی۔ درس و تدریس اور مطب کا شغل تھا۔ شاہجہان پور میں دفن ہیں
۴۔ اسی لئے حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۸ پر یہی نام درج ہے
۵۔ حقیقۃ الوحی (طبع اول)
۶۔ حقیقۃ الوحی تتمہ صفحہ ۲۷
۷۔ بشارت السندو پاکستان صفحہ ۲۱۹
۸۔ بحوالہ الحکم ۳۰/ اپریل ۱۹۰۶ء صفحہ ۴ کالم ۱۔۲
۹۔ بحوالہ الحکم ۳۰/ اپریل ۱۹۰۶ء صفحہ ۴ کالم ۱۔۲
۱۰۔ بحوالہ الحکم ۳۰/ اپریل ۱۹۰۶ء صفحہ ۴ کالم ۱۔۲
۱۱۔ الحکم ۱۷/ اپریل ۱۹۰۶ء صفحہ ۵ کالم ۱۔۲
۱۲۔ الحکم ۱۷/ مئی ۱۹۰۶ء صفحہ ۶ کالم ۳
۱۳۔ الحکم ۱۰/ مئی ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۱
۱۴۔ بدر ۱۰/ مئی ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۔۳ و الحکم ۱۰/ مئی ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۱
۱۵۔ الحکم ۱۷/ مئی ۱۹۰۶ء صفحہ ۱
۱۶۔ اربعین نمبر ۳ مطبوعہ ۱۹۰۰ء صفحہ ۲۹۔۳۰' ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۰ طبع اول
۱۷۔ بدر ۲۹/ دسمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ و الحکم ۱۰/ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۱
۱۸۔ الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۶ء صفحہ ۱ کالم ۲
۱۹۔ الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۶ء صفحہ ۱ کالم ۲
۲۰۔ الحکم ۳۱/ مئی ۱۹۰۶ء صفحہ ۲ کالم ۱
۲۱۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ پوتے ۳۰' پوتیاں ۱۸' پڑپوتے ۲۸' پڑپوتیاں ۴۴' نواسے ۵' نواسیاں ۱۱' پڑنواسے ۹' پڑنواسیاں ۵' پوتیوں کے بیٹے ۱۵' پوتوں کی بیٹیاں ۱۴' پڑپوتوں کے بیٹے ۲' پڑپوتوں کی بیٹیاں ۱' پڑپوتیوں کے بیٹے ۲' پوتوں کے نواسے ۱ (ملاحظہ ہو "شجرہ طیبہ" شائع کردہ قریشی محمد حنیف قمر علوی سائیکل سیاح متوطن موضع کنڈور ضلع میرپور آزاد کشمیر حال ربوہ۔ تاریخ اشاعت ۲۰ / نومبر ۱۹۶۱)
۲۲۔ نومبر ۱۹۶۱ء سے جون ۱۹۷۱ء تک خاندان مسیح موعود علیہ السلام میں قریباً پچاس وجودوں کا اضافہ ہوا۔
۲۳۔ بدر ۱۹/ جولائی ۱۹۰۶ء صفحہ ۱ و بدر ۲۶/ جولائی ۱۹۰۶ء صفحہ ۷
۲۴۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر پنجم صفحہ ۲۲۸۔۲۳۱
۲۵۔ تجلیات الہیہ صفحہ ۲۱ (طبع اول)
۲۶۔ رسالہ تعلیم الاسلام جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۲۷۹
۲۷۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۲۵۔۳۲۷ (طبع اول)
۲۸۔ انجمن مسلم اہل الذکر و القرآن ماہنامہ جو مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کے خیالات کا ترجمان تھا اور مولوی صاحب کے بعد عرصہ تک مولوی حشمت العلی صاحب دہلوی کی زیر ادارت بازار سریانوالہ لاہور سے شائع ہوتا رہا۔

۲۹۔ بدر ۱۷/ جنوری ۱۹۰۷ء

۳۰۔ الحکم ۲۴/ اکتوبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۲

۳۱۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۵۶

۳۲۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۵۶

۳۳۔ الحکم ۲۴/ نومبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۷ (مفصل خطبہ کے لئے ملاحظہ ہو بدر ۱۳/ دسمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۸)

۳۴۔ بدر ۱۳۔ مئی ۱۹۰۹ء صفحہ ۲ کالم

۳۵۔ شیخ صاحب موصوف کی عمر کے آخری ایام چکڑالویوں سے لڑنے جھگڑنے میں گذرے (پوری تفصیل رسالہ اشاعت القرآن ۱۵۔ اپریل و مارچ ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۸۔۲۹ میں مذکور ہے)

۳۶۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۶۹

۳۷۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۳۰۱

۳۸۔ ولادت ۳/ اکتوبر ۱۸۹۰ء۔ حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کے فرزند اور سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے پوتے! حضرت اقدسؑ کو آپ کی بیعت کے بارے میں سات برس قبل ۲۰/ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو یہ خواب دکھایا گیا کہ "ایک لڑکا ہے جس کا نام عزیز ہے اور اس کے باپ کے نام کے سر پر سلطان کا لفظ ہے۔ وہ لڑکا پکڑ کر میرے پاس لایا گیا اور میرے سامنے بٹھایا گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک پتلا سا لڑکا گورے رنگ کا ہے (ضمیمہ تریاق القلوب نمبر ۴ صفحہ ۲ از اشتہار ۲۲/ اکتوبر ۱۸۹۹ء) سو اس خواب کے مطابق مارچ ۱۹۰۶ء میں حضرت صاحبزادہ موصوف نے حضورؑ کے دست مبارک پر بیعت کر لی (الحکم ۱۰۔ مارچ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱) حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) ان کی بیعت کا پیغام لے کر حضورؑ کی خدمت میں گئے تھے اور حضورؑ نے اس پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا (الفضل ۷/ مارچ ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۱ کالم ۲) اور غالباً دوسرے ہی روز اپنے گھر میں ان کی دعوت کی جس میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب، حضرت میر محمد اسحٰق صاحب بھی شامل تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کا بیان ہے "دو تخت بچھے ہوئے تھے ان پر ایک چاندنی بچھی ہوئی تھی ہم نے وہاں کھانا کھایا۔ حضرت ام المومنین کھانا نکال کر دے رہی تھیں اور حضرت صاحب پاس ہی ٹہل رہے تھے اور جہاں تک مجھے یاد ہے نہایت خوش نظر آتے تھے۔ یقین سے تو نہیں کہہ سکتا مگر کچھ یاد آتا ہے کہ حضرت اقدسؑ نے میری طرف اشارہ کر کے حضرت خلیفۃ ثانی سے کہا "محمود یہ تمہارا بھتیجا ہے" صاحبزادہ موصوف کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین صاحب کی برات میں بھی شمولیت کا فخر حاصل ہوا (روایات صحابہ "غیر مطبوعہ جلد ۷ صفحہ ۷۷۔۷۹) ۲/ فروری ۱۹۳۰ء کو آپ کا نکاح محترمہ نصیرہ بیگم صاحبہ (بنت حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ) سے ہوا۔ خطبہ نکاح خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (الفضل ۷/ مارچ ۱۹۳۰ء صفحہ ۸۔۱۱) آپ ایک لمبا عرصہ ایک ممتاز فرض شناس اور دیانت دار افسر کی حیثیت سے سرکاری ملازمت میں رہے اور بالآخر اے۔ ڈی۔ ایم۔ کے عہدہ سے ریٹائرڈ ہوئے۔ ۱۶/ جولائی ۱۹۴۹ء سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے ناظر اعلیٰ کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں (اب کتاب کی طبع ثانی کے دوران مئی ۱۹۷۱ء (ہجرت ۱۳۵۰ ہش) سے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ اس خدمت سے سبکدوش ہوئے اور آپ کی شاندار خدمات کے اعتراف کے لئے ۱۲/ ہجرت کو ایک الوداعی تقریب منعقد کی گئی جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی شرکت فرمائی۔ (وفات ۲۵۔ جنوری ۱۹۷۳ء)

۳۹۔ ولادت ۱۸۷۹ء وفات ۲۲/ جون ۱۹۵۷ء۔ طالب علمی کے زمانہ میں جب کہ آپ میٹرک کا امتحان دے رہے تھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ پر ایمان لانے کا بھری مجلس میں اعلان کیا جس پر آپ کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر آپ آخر دم تک نہایت پامردی اور ثابت قدمی سے حق و صداقت پر قائم رہے۔ بڑے منکسر المزاج، خلیق اور ملنسار بزرگ تھے۔ میاں عبدالرحیم احمد صاحب ایم۔ اے۔ جن کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سے شرف دامادی حاصل ہوا آپ ہی کے فرزند ہیں۔ مقبرہ خاص ربوہ کے خاص قطعہ صحابہ میں آپ کا مزار ہے۔

۴۰۔ سکھوں سے مسلمان ہوئے۔ وسط ۱۹۰۶ء میں قادیان آکر حضرت مسیح موعودؑ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ حضرت مولوی

نورالدین صاحبؓ نے ان کو حضورؑ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضورؑ ان کے مسلمان ہونے کے حالات سے بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ ان کا لیکچر ہونا چاہئے چنانچہ انہوں نے ۲۹/ جون ۱۹۰۶ء کو مسجد اقصیٰ میں لیکچر دیا۔ جو آپ کا پہلا لیکچر تھا (روایات صحابہ رجسٹر ۱۱ صفحہ ۱۹۷۔ ۲۰۰ و بدر ۱۲۔ جولائی ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی تصنیف "چشمہ معرفت" میں سکھ مذہب کے لئے جو مواد مطلوب تھا وہ اکثر و بیشتر شیخ صاحب ہی نے مہیا کیا جس پر حضورؑ نے بہت خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ شیخ صاحب کی پوری عمر سکھوں کو تقریر و تحریر کے ذریعہ سے پیغام اسلام پہنچاتے ہوئے گزری۔ آپ نے ہندی اور گورمکھی دونو زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم اور رسول مقبول ﷺ کی سیرت مقدسہ شائع کی جو بہت مقبول ہوئی۔ علاوہ ازیں دو درجن کے قریب کتب بھی لکھیں۔ خلافت اولیٰ کے عہد میں آپ نے سکھوں میں تبلیغ اور سکھ مسلم اتحاد کی غرض سے ایک اخبار "نور" شروع کیا جو ۱۹۴۸ء کے آغاز تک آپ کی ادارت میں باقاعدہ جاری رہا۔ قادیان سے آپ ہجرت کر کے گوجرانوالہ میں پناہ گزین ہوئے اور ابھی اخبار کے دوبارہ اجراء پر تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ ۶/ مئی ۱۹۵۲ء کو بعمر ۶۴ سال آپ کا انتقال ہو گیا۔

۴۱۔ ولادت ۱۸۶۵ء وفات ۲۵/ فروری ۱۹۱۷ء۔ سلسلہ کے ایک پرجوش مقرر مخلص خادم اور بلند پایہ شاعر اور دبلے پتلے اکہرے جسم اور متوسط قد کے نہایت سنجیدہ و متین بزرگ تھے۔ آپ کا کلام "گلدستہ حقانی" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ عمر بھر محکمہ تعلیم کی ملازمت میں رہے۔ آپ کی نیکی، تقویٰ شعاری کا یہ اثر تھا کہ آپ کے بہت سے شاگرد سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ جماعت احمدیہ راولپنڈی کے پریذیڈنٹ اور امام الصلوۃ بھی تھے۔ (رسالہ رفیق حیات اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۱۔ ۴)

۴۲۔ ولادت غالباً ۱۸۸۷ء۔ قریباً بائیس سال تک تعلیم الاسلام ہائی سکول میں بطور ٹیچر کام کیا۔ اس دوران میں کئی سال تک ٹیوٹر بھی رہے۔ یکم نومبر ۱۹۶۲ء کو انتقال فرمایا اور ربوہ کے خاص قبرستان میں دفن ہوئے۔ بڑے مخلص متدین اور سادہ طبیعت بزرگ تھے۔ تبلیغ کا بڑا جوش تھا۔ آپ کے ایک فرزند قریشی سعید احمد صاحب اظہر سلسلہ کے مربی ہیں۔

ماموریت کا چھبیسواں سال

طاعون کا اشد معاندین سلسلہ پر سخت حملہ اور ان کی پے درپے ہلاکت

(۱۹۰۷ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیش گوئی کے مطابق ملک میں طاعون کا زور ہر طرف بڑھتا جارہا تھا اور مرنے والوں کی سالانہ تعداد پچھلے چند سالوں میں ہزاروں سے نکل کر لاکھوں تک پہنچ چکی تھی۔ اس عام تباہی کے علاوہ طاعونی حملے کا حیران کن پہلو یہ تھا کہ ایک طرف جماعت احمدیہ کے افراد عموماً اور "الدار" خصوصاً بالکل محفوظ و مصئون تھے مگر دوسری طرف سلسلہ حقہ کے اشد مخالفین نہایت تیزی کے ساتھ اس کی زد میں آرہے تھے ان میں سے ایک کثیر حصہ ان معاندین کا تھا جنوں نے حضور علیہ السلام کے خلاف مباہلہ کیا یا بددعا کی اور پھر خود ہی طاعون سے ہلاک ہو گئے۔

بعض معاندین جو ہلاک ہوئے

۱۔ مولوی رسل بابا امرتسری جس نے حضورؑ کے خلاف گندی کتاب لکھی اور بد زبانی سے کام لیا تھا۔ طاعون کا شکار ہوا۔ ۲۔ موضع بھڑی چٹھہ تحصیل حافظ آباد میں ایک شخص نور احمد رہتا تھا جس نے تعلی کی کہ طاعون ہمیں نہیں مرزا صاحب کو ہلاک کرنے آئی ہے۔ اس پر ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ وہ مرگیا۔ ۳۔ مولوی زین العابدین نے ایک احمدی سے مباہلہ کیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد وہ خود' اس کی بیوی داماد وغیرہ گھر کے ستر افراد طاعون کا شکار ہو گئے۔ ۴۔ حافظ سلطان سیالکوٹی اپنے خاندان کے نو دس افراد سمیت طاعون سے رخصت ہوا۔ ۵۔ حکیم محمد شفیع سیالکوٹی طاعون کا شکار ہوا اور اس کی بیوی اس کی والدہ اور اس کا بھائی سب یکے بعد دیگرے طاعون سے مرگئے۔ ۶۔ مرزا سردار بیگ سیالکوٹی جو اپنی گندہ دہنی اور شوخی میں بڑھ گیا تھا طاعون میں مبتلا ہوا۔ ۷۔ چراغ الدین جمونی اپنی گستاخیوں کی پاداش میں ہلاک ہوا۔ ۸۔ مولوی محمد ابوالحسن نے حضرت اقدسؑ کے خلاف کتاب "بجلی آسمانی بر سر دجال

قادیانی" لکھی جس میں کئی مقامات پر کاذب کی موت کے لئے بد دعا کی آخر جلد ہی طاعون سے مر گیا۔ ۹۔ ابو الحسن عبد الکریم نام نے جب اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنا چاہا تو وہ بھی طاعون کا شکار ہو گیا۔ ۱۰۔ اسی طرح ایک شخص فقیر مرزا دوالمیال ضلع جہلم کا رہنے والا تھا۔ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف بہت کچھ بد زبانی کر کے یہ تحریری پیش گوئی کی کہ "میرزا غلام احمد صاحب کا سلسلہ ۲۷/ رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ تک ٹوٹ پھوٹ جاوے گا اور بڑی سخت درجہ کی ذلت وارد ہو گی جسے تمام دنیا دیکھے گی"۔ یہ پیش گوئی ۲۷/ رمضان کو لکھی گئی تھی سو اگلے سال جب دوسرا رمضان آیا تو اس کے محلہ میں طاعون نمودار ہو گئی اور پہلے اس کی بیوی پھر خود فقیر مرزا سخت طاعون میں مبتلا ہو گیا اور آخر پورے ایک سال بعد عین ۲۷/ رمضان کو بتاریخ ۱۶/ نومبر ۱۹۰۴ء ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھتے ہوئے اٹھ گیا۔ غرض کہ جو بھی حضورؑ کے مقابل آیا وہی مارا گیا۔ جس نے حضورؑ کے خلاف طاعون پڑنے کی بد دعا کی وہ بد دعا خود اسی پر پڑی۔ ■

یہ تو ۱۹۰۷ء سے قبل کی بعض اموات ہیں۔ اس کے بعد گو طاعون کی عام تباہ کاریاں نسبتاً کم ہو گئیں مگر اب اس کا زور سلسلہ احمدیہ کے اشد معاندین کی طرف پہلے سے بھی بڑھ گیا اور ان کا جلد جلد خاتمہ ہونے لگا چنانچہ ۱۹۰۷ء میں جو مکفر و مکذب طاعون سے ہلاک ہوئے ان میں سے بعض قابل ذکر یہ ہیں۔ "شبھ چنتک" اخبار کا پورا عملہ (جس کا ذکر آگے آرہا ہے) مولوی الٰہی بخش صاحب اکونٹنٹ، عبد القادر صاحب پنڈوری، ظفر احمد صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور۔

سعد اللہ لدھیانوی کی ہلاکت

۱۹۰۷ء میں جو معاند طاعون کا شکار ہوئے ان میں سب سے زیادہ بدگو مولوی سعد اللہ لدھیانوی نو مسلم تھا جس کی وفات جنوری ۱۹۰۷ء کے پہلے ہفتہ میں ہوئی۔ اس شخص نے ابتداء ہی سے سلسلہ کی مخالفت انتہاء تک پہنچا دی تھی اور سب و شتم سے بھری ہوئی تحریرات نظم و نثر میں شائع کیں۔ اس پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے سعد اللہ لدھیانوی نے اپنی کتاب "شہاب ثاقب بر مسیح کاذب" میں حضورؑ کی ہلاکت و تباہی کی پیش گوئی کی کہ۔

اخذ یمین و قطع وتین است بہر تو بے رونقی و سلسلہ ہائے مزوری
اکنوں باصطلاح شما نام ابتلا است آخر بروز حشر و بایں دار خاسری

یعنی خدا کی طرف سے تیرے لئے مقدر ہو چکا ہے کہ خدا تجھے پکڑے گا اور تیری رگ جاں کاٹ دے گا۔ تب تیرے مرنے کے بعد یہ تیرا جھوٹا سلسلہ تباہ ہو جائے گا۔ اور اگرچہ تم لوگ کہتے ہو کہ ابتلاء بھی آیا کرتے ہیں مگر آخر تو حشر کے دن نیز اس دنیا میں نامراد رہے گا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو ۲۹/ ستمبر ۱۸۹۴ء کو بذریعہ الہام خبر دی کہ "ان شانئک ھو الابتر۔" یعنی (سعد اللہ) تیرا دشمن خود ابتر اور مقطوع النسل مرے گا۔ سعد اللہ یہ پیش گوئی غلط ثابت کرنے کے لئے بارہ برس تک اپنی کثرت اولاد اور حضورؑ کی موت اور تباہی کے لئے دعائیں کرتا رہا۔ اس حسرت پر اس کے یہ اپنے اشعار کافی ہیں جو اس نے "قاضی الحاجات" کی سرخی سے شائع کئے۔

دلے چند زاں ہا گرفتی تو باز ۔۔۔ جگر گوشہ ہا دادی اے بے نیاز
بلطف از غم و غصہ آزاد کن ۔۔۔ دل من بنعم البدل شاد کن
بود ہر یکے قرۃ العین من ۔۔۔ زازواج و اولادم اے ذوالمنن
زمہجوریٔ شاں دلم ریش ریش ۔۔۔ جگر پارہائے کہ رفتند پیش

یعنی اے خدائے بے نیاز تو نے تو مجھے اولاد تو بخشی مگر ان میں سے بعض کو واپس بلا لیا۔ اب ان کے عوض اور اچھی اولاد دے کر میرا دل خوش کر دے اور اپنے لطف و کرم سے مجھے رنج و غم سے آزاد کر۔ اے محسن میری ازواج و اولاد میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے۔ اور جو جگر کے ٹکڑے مجھ سے آزاد ہو چکے ہیں ان کے غم سے میرا دل پارہ پارہ ہو چکا ہے۔

ان دردناک اشاعت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اولاد نہ ہونے اور ہو کر مر جانے سے کس قدر حسرتیں سعد اللہ کے دل میں بھری ہوئی تھیں اور کس طرح اس کی زندگی بے قراری اور اضطراب میں سے گزر رہی تھی۔

حقیقۃ الوحی میں حضورؑ کی طرف سے سعد اللہ کو چیلنج

حضرت اقدسؑ نے "حقیقۃ الوحی" میں سعد اللہ کے ابتر رہنے کی پیش گوئی کو اپنا ایک سو ستاسٹھواں نشان قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا "سعد اللہ پر فرض ہے کہ اس پیش گوئی کی تکذیب کے لئے یا تو اپنے گھر اولاد پیدا کر کے دکھلاوے اور یا پہلے لڑکے کی شادی کر کے اولاد حاصل کرا کر اس کی مردمی ثابت کرے۔ اور یاد رکھے کہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات اس کو ہرگز حاصل نہیں ہو گی کیوں کہ خدا کے کلام نے اس کا نام ابتر رکھا ہے اور ممکن نہیں کہ خدا کا کلام باطل ہو وہ ابتر ہی مرے گا۔"

خواجہ کمال الدین صاحب کی گھبراہٹ اور حضرت اقدسؑ کا بصیرت افروز جواب

حقیقتہ الوحی کا یہ حصہ ابھی پریس میں بھی نہیں گیا تھا کہ خواجہ کمال الدین صاحب وکیل گھبرائے ہوئے حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قانونی نقطۂ نگاہ سے اس کی اشاعت مناسب نہیں۔ حضورؑ نے سعد اللہ کے متعلق ابتر تحریر فرمایا ہے۔ حالانکہ ابھی وہ خود زندہ ہے اس کا لڑکا بھی زندہ ہے۔ اور حضورؑ نے لکھ دیا ہے کہ وہ لڑکا اس قابل ہی نہیں ہے کہ اس سے آگے نسل چل سکے۔ اس پر اگر وہ چاہے تو عدالت میں استغاثہ کر سکتا ہے۔ ۴ پھر قانون کی سزا سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور مصائب کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا اور حکومت ضرور سزا دے گی اس لئے یہ وحی مصلحتاً پردہ اخفاء میں رکھی جائے۔ ۵

حضورؑ نے ایک گونہ خفگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا خواجہ صاحب آپ کوئی فکر نہ کریں اگر مقدمہ ہمارے خلاف چل بھی گیا تو ہم آپ کو وکیل نہیں کریں گے۔ ۶ نیز فرمایا کہ میرے نزدیک تو صحیح راہ یہی ہے کہ الہام کی تعظیم مقدم ہے اور اس کا اخفاء اللہ تعالیٰ کی معصیت اور کمینگی!! یاد رکھو خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اور اللہ کے حکم کے بعد مجھے حکام کے عتاب کی قطعاً پروا نہیں ہے۔ ہم جناب الٰہی میں (جو ہر فضل کا سرچشمہ ہے) دعا کریں گے۔ اور اگر قضاء وقدر میں ہمارے لئے مصیبت لکھی ہے تو ہم اسی ذلت کی زندگی پر ہی راضی ہیں مگر خدا کی قسم وہ اس شریر کو مجھ پر ہرگز مسلط نہیں کرے گا۔ اس پر خدا کی آفت نازل ہوگی اور میں جو اس کی پناہ کا طالب ہوں محفوظ رہوں گا۔

اس واقعہ کے بعد حضورؑ نے تین روز تک سعد اللہ کی موت کے لئے دعائیں کیں جس پر حضورؑ پر وحی نازل ہوئی کہ "رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ" یعنی بعض لوگ جو عوام کی نگاہ میں پراگندہ مُو اور غبار آلود ہوتے ہیں جناب الٰہی میں وہ مقام رکھتے ہیں کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھا جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم ضرور پوری کر دیتا ہے۔ ۷

سعد اللہ کی ابتر موت

حضورؑ کی بددعا اور اس الہام پر ابھی صرف چند راتیں ہی گزریں تھی کہ سعد اللہ کو جنوری ۱۹۰۷ء کے پہلے ہفتہ میں پلیگ ہوا۔ اور وہ ہزار حسرتوں کے ساتھ اس جہاں سے چل بسا۔ اس کے لڑکے کی نسبت حاجی عبد الرحیم کی دختر سے ہو چکی تھی اور عنقریب شادی ہونے والی تھی مگر اسے یہ بھی نصیب نہ ہوا کہ اپنے اکلوتے لڑکے کی شادی دیکھ لیتا۔ ۸ سعد اللہ کی موت کے بعد اس کے بیٹے نے گو شادی کرلی مگر لمبا عرصہ زندہ رہنے کے باوجود تمام عمر لاولد رہ کر ۱۲/ جولائی ۱۹۲۶ء کو موضع کرم کلاں (ضلع لدھیانہ) میں فوت ہو گیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی

پیش گوئی ہر لحاظ سے لفظاً لفظاً پوری ہو گئی۔

قادیان کے آریوں کی گندہ دہنی اور تصنیف و اشاعت رسالہ "قادیان کے آریہ اور ہم"

قادیان کے آریہ سماج اگرچہ ابتداء ہی سے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے زور شور سے مخالفت کرتے آرہے تھے مگر ۶-۱۹۰۵ء میں ان کی شوخی اور بے باکی انتہاء کو پہنچ گئی۔ ایک تو انہوں نے مدرسہ "تعلیم الاسلام" کو ناکام کرنے کے لئے "دیانند جوبلی سکول" کھولا۔ [۹] دوسرے سلسلہ احمدیہ کو بدنام کرنے اور اس کے مقدس پیشوا کی ہتک کے لئے قادیان سے "شبھ چنتک" کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ سومراج اس اخبار کا ایڈیٹر مقرر ہوا۔ اچھر چند اس کا مینجر اور بھگت رام اس کا بھائی سرگرم معاون! اس اخبار نے گالیوں اور گستاخیوں کی حد کر دی۔ [۱۰] بعد ازاں تیسرا کام انہوں نے یہ کیا کہ عین جلسہ سالانہ (۲۷/دسمبر ۱۹۰۶ء) کے موقعہ پر جب کہ حضرت اقدس اپنے دو ہزار کے قریب فدائیوں اور جاں نثاروں کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں مصروف نماز تھے ایک زبان دراز آریہ نے حضور اور حضورؑ کے خدام کو نہایت مغلظ گالیاں دینا شروع کر دیں اور جب تک نماز جاری رہی وہ دریدہ دہن بھی برابر بدزبانی کرتا اور گند اچھالتا رہا۔ اور یہ سب کچھ بٹالہ کے ڈپٹی انسپکٹر پولیس کی موجودگی میں ہوا۔

حضرت اقدسؑ کی طرف سے صبر کی تلقین اور آریوں پر اتمام حجت

نماز ختم ہوئی تو حضورؑ نے یہ دیکھ کر ان گالیوں نے بہت سے دلوں کو مجروح کیا ہے بڑی مؤثر تقریر فرمائی جس کا ملخص یہ تھا کہ سب رنج و غم دلوں سے نکال دو۔ خدا تعالیٰ دیکھتا ہے اور وہ ظالم کو آپ سزا دے گا اور قادیان کے ہندو سب سے زیادہ خدا کے غضب کے نیچے ہیں کیوں کہ انہوں نے خدا کا یہ عظیم الشان نشان دیکھا ہے کہ آج سے چھبیس سال قبل جب کہ میں بالکل گوشۂ گمنامی میں تھا خدا نے مجھے یہ خبر دی تھی کہ ہزاروں لاکھوں انسان ہر ایک راہ سے تیرے پاس آویں گے یہاں تک کہ سڑکیں گھس جائیں گی اور ہر ایک راہ سے مال آئے گا۔ یہ پیش گوئی کس شان سے پوری ہو رہی ہے۔ قادیان کے آریہ بالخصوص لالہ شرمپت اور ملاوامل اس پر گواہ ہیں۔ پس قادیان کے آریوں پر خدا تعالیٰ کی حجت پوری ہو چکی ہے مگر یہ لوگ پھر بھی اس زبردست طاقتوں والے خدا سے نہیں ڈرتے جو ایک دم میں معدوم کر سکتا ہے۔ [۱۱]

اخبار ''شبھ چنتک'' کی تکذیب اور ''قادیان کے آریہ اور ہم'' کی تصنیف

اخبار ''شبھ چنتک'' نے حضرت اقدسؑ کی اس تقریر پر سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ بالکل کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا اور نہ یہ لالہ صاحبان ہی ان کے گواہ ہیں چنانچہ اس پر حضورؑ نے ایک فیصلہ کن رسالہ ''قادیان کے آریہ اور ہم'' کے نام سے ۲۰/ فروری ۱۹۰۷ء کو شائع فرمایا۔

اس رسالہ میں حضورؑ نے بطور نمونہ چند نشانات پیش کر کے ملاوامل اور لالہ شرمپت کو چیلنج دیا کہ وہ خدا کی قسم کے ساتھ مجھ سے فیصلہ کریں اور خواہ مقابل پر اور خواہ تحریر کے ذریعہ سے اس طرح پر خدا کی قسم کھائیں کہ فلاں فلاں نشان جو نیچے لکھے گئے ہیں ہم نے نہیں دیکھے۔ اور اگر ہم جھوٹ بولتے ہیں تو خدا ہم پر اور ہماری اولاد پر اس جھوٹ کی سزا نازل کرے۔ [12]

نیز لکھا کہ ''یہ لوگ اس طرح پر قسم نہ کھائیں گے بلکہ حق پوشی کا طریق اختیار کریں گے اور سچائی کا خون کرنا چاہیں گے۔ تب بھی میں امید رکھتا ہوں کہ حق پوشی کی حالت میں ہی خدا ان کو بے سزا نہیں چھوڑے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی پیش گوئی کی بے عزتی خدا کی بے عزتی ہے۔'' [13]

اخبار ''شبھ چنتک'' کے عملہ کی طاعون سے ہلاکت

اس ماہ یعنی فروری ۱۹۰۷ء میں جب کہ یہ کتاب شائع ہوئی اچھر چند مینجر اخبار اور سیکرٹری آریہ سماج قادیان نے ایڈیٹر الحکم شیخ یعقوب علی صاحب تراب سے ایک گفتگو کے دوران میں کہا کہ میں بھی مرزا صاحب کی طرح دعویٰ کرتا ہوں کہ طاعون سے کبھی نہیں مروں گا۔ [14] خدا کی قدرت! چند روز کے اندر اندر ''شبھ چنتک'' کا پورا عملہ طاعون کا شکار ہو گیا اور خدا کے اس قہر نے ان کی اولاد اور اہل و عیال کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ [15] چنانچہ سب سے پہلے سومراج اور بھگت رام کی نرینہ اولاد لقمہ طاعون ہوئی پھر بھگت رام اور اچھر چند چل بسے۔ باقی رہا سومراج وہ بھی اپنے گھر اور اپنے جگری دوستوں کی تباہی و بربادی کا دردناک نظارہ دیکھنے کے بعد سخت بیمار ہو گیا۔ اس نے گھبرا کر حکیم مولوی عبیداللہ صاحب بسمل کو کہلا بھیجا کہ میں بیمار ہوں آپ مہربانی فرما کر علاج کریں۔ مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھ کر پوچھا کہ سومراج نے مجھ سے علاج کرنے کے لئے درخواست کی ہے حضورؑ کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟ حضرت مسیح موعودؑ نے جواب میں فرمایا ''آپ علاج ضرور کریں کیونکہ انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے مگر میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ یہ شخص بچے گا نہیں۔'' چنانچہ حکیم بسمل صاحب کے ہمدردانہ رویہ کے باوجود سومراج کی حالت بدتر ہوتی گئی اور وہ آخر دوسرے روز ۴ بجے کے قریب اپنے

ساتھیوں سے جاملا۔[16]

ایڈیٹر "شبھ چنتک" کی آخری تحریر پنڈت سومراج نے ایک دوسرے آریہ اخبار "پرکاش" کے نام ایک چٹھی بطور معذرت لکھی تھی جو ٹھیک اس دن شائع ہوئی جس روز پنڈت سومراج اس دنیا سے رخصت ہوا۔ یہ چٹھی بجائے خود ان مصائب و حوادث کا ایک خاکہ ہے جو پنڈت سومراج پر وارد ہوئیں۔ چنانچہ اس نے لکھا۔ "یکایک مہاشہ اچھر چند کی استری اور عزیز بھگت رام برادر لالہ اچھر چند کا لڑکا بیمار ہو گئے۔ خیران کی استری کو تو آرام ہو گیا لیکن لڑکا گزر گیا۔ اس تکلیف کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا تھا کہ میری استری اور میرا چھوٹا لڑکا عزیز شوراج بیمار ہو گئے۔ میری استری تو ابھی بیمار ہی ہے مگر ہونہار لڑکا پلیگ کا شکار ہو گیا۔ اس مصیب کو ابھی بھول نہیں گئے تھے کہ ایک ناگہانی مصیبت اور سر آپڑی۔ اور وہ یہ تھی کہ عزیز بھگت رام جس کے لڑکے کے گزر جانے کا اوپر ذکر کیا ہے بیمار ہو گیا اور چھ روز بیمار رہ کر ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اب کے ہم گوروکل میں بھی نہیں جا سکے اور اخبار بھی دو ہفتہ سے بند ہے۔ اور ابھی اپریل کا کوئی پرچہ نکلنے کی آشا نہیں ہے کیوں کہ لالہ اچھر چند جی تو اول کئی ہفتے اسی صدمے سے کام کرنے کے قابل نہیں رہے۔"[17]

احیائے موتی کا بے نظیر نشان

گزشتہ سال کی طرح اس سال (۱۹۰۷ء میں) بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا اور توجہ سے احیائے موتی کا ایک بے نظیر نشان ظاہر ہوا جس نے دنیا کے خصوصی ماہرین امراض کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اس نشان کی تفصیل خود حضرت اقدسؑ کے الفاظ میں یہ ہے۔

"عبدالکریم نام ولد عبدالرحمٰن ساکن حیدر آباد دکھن[18] ہمارے مدرسہ میں ایک لڑکا طالب العلم ہے قضاء و قدر سے اس کو سگ دیوانہ کاٹ گیا۔ ہم نے اس کو معالجہ کے لئے کسولی بھیج دیا۔ چند روز تک اس کا کسولی میں علاج ہوتا رہا پھر وہ قادیان میں واپس آیا۔ تھوڑے دن گزرنے کے بعد پھر اس میں آثار دیوانگی کے ظاہر ہوئے جو دیوانہ کتے کے کاٹنے کے بعد ظاہر ہوا کرتے ہیں اور پانی سے ڈرنے لگا اور خوفناک حالت پیدا ہو گئی تب اس غریب الوطن عاجز کے لئے میرا دل سخت بے قرار ہوا اور دعا کے لئے ایک خاص توجہ پیدا ہو گئی۔ ہر ایک شخص سمجھتا تھا کہ وہ غریب چند گھنٹہ کے بعد مر جائے گا۔ ناچار اس کو بورڈنگ سے باہر نکال کر ایک الگ مکان میں دوسروں سے علیحدہ ہر ایک احتیاط سے رکھا گیا اور کسولی کے انگریز ڈاکٹروں کی طرف تار بھیج دیا اور پوچھا گیا کہ اس حالت میں اس کا کوئی

علاج بھی ہے۔ اس طرف سے بذریعہ تار جواب آیا کہ اب اس کا کوئی علاج نہیں۔ [۱۹] مگر اس غریب اور بے وطن لڑکے کے لئے میرے دل میں بہت توجہ پیدا ہو گئی اور میرے دوستوں نے بھی اس کے لئے دعا کرنے کے لئے بہت ہی اصرار کیا۔ کیوں کہ اس غربت کی حالت میں وہ لڑکا قابل رحم تھا اور نیز دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر وہ مر گیا تو ایک برے رنگ میں اس کی موت شماتت اعداء ہو گی۔ تب میرا دل اس کے لئے سخت درد اور بے قراری میں مبتلا ہوا اور خارق عادت توجہ پیدا ہوئی جو اپنے اختیار سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ محض خدا تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر پیدا ہو جائے تو خدا تعالیٰ کے اذن سے وہ اثر دکھاتی ہے کہ قریب ہے کہ اس سے مردہ زندہ ہو جائے۔ غرض اس کے لئے اقبال علی اللہ کی حالت میسر آگئی۔ اور جب وہ توجہ انتہاء تک پہنچ گئی اور درد نے اپنا پورا تسلط میرے دل پر کر لیا تب اس بیمار پر جو در حقیقت مردہ تھا اس توجہ کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ اور یا تو وہ پانی سے ڈرتا اور روشنی سے بھاگتا تھا اور یا یک دفعہ طبیعت نے صحت کی طرف رخ کیا اور اس نے کہا کہ اب مجھے پانی سے ڈر نہیں آتا۔ تب اس کو پانی دیا گیا تو اس نے بغیر کسی خوف کے پی لیا بلکہ پانی سے وضو کر کے نماز بھی پڑھ لی اور تمام رات سوتا رہا اور خوفناک اور وحشیانہ حالت جاتی رہی۔ یہاں تک کہ چند روز تک بکلی صحت یاب ہو گیا۔ میرے دل میں فی الفور ڈالا گیا کہ یہ دیوانگی کی حالت جو اس میں پیدا ہو گئی تھی یہ اس لئے نہیں تھی کہ وہ دیوانگی اس کو ہلاک کرے بلکہ اس لئے تھی کہ تا خدا کا نشان ظاہر ہو اور تجربہ کار لوگ کہتے ہیں کہ کبھی دنیا میں ایسا دیکھنے میں نہیں آیا کہ ایسی حالت میں کہ جب کسی کو دیوانہ کتے نے کاٹا ہو اور دیوانگی کے آثار ظاہر ہو گئے ہوں پھر کوئی شخص اس حالت سے جانبر ہو سکے۔" [۲۰]

"مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "انجام آتھم" (مطبوعہ جنوری ۱۸۹۷ء) میں جن علماء کو مباہلہ کی دعوت دی تھی ان میں گیارہواں نمبر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا تھا۔ مولوی صاحب اس پہلی دعوت مباہلہ پر خاموش رہے۔ البتہ جن دنوں حضورؑ "اعجاز احمدی" تصنیف فرما رہے تھے حضورؑ نے ان کی ایک دستخطی تحریر دیکھی جس میں انہوں نے درخواست کی تھی کہ میں اس طور پر کسی فیصلہ کے لئے خواہش مند ہوں کہ فریقین یہ دعا کریں کہ جو شخص ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہی مر جائے۔ [۲۱] جس پر حضورؑ نے اسی کتاب میں تحریر فرمایا۔

"اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب صادق کے پہلے مر جائے تو ضرور وہ پہلے مریں گے۔"

[۲۲]

مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس کے جواب میں لکھا۔ "چونکہ یہ خاکسار نہ واقع میں اور نہ آپ کی طرح نبی یا رسول یا ابن اللہ یا الہامی ہے اس لئے ایسے مقابلہ کی جرات نہیں کر سکتا۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ مجھے ان باتوں پر جرات نہیں۔" [۲۳]

مولوی ثناء اللہ صاحب کی پھر مباہلہ پر آمادگی اور اس کی منظوری کا اعلان

اس انکار کے بعد انہوں نے "اہل حدیث" میں دوبارہ مباہلہ پر آمادگی کا اعلان شائع کیا۔ [۲۴] جس پر حضرت مفتی محمد صادق صاحب ؓ ایڈیٹر اخبار بدر قادیان نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حکم سے اس چیلنج کی منظوری کا اعلان کرتے ہوئے لکھا کہ۔

"مولوی ثناء اللہ صاحب کو بشارت دیتا ہوں کہ مرزا صاحب نے ان کے اس چیلنج کو منظور کر لیا ہے۔ وہ بے شک قسم کھا کر بیان کریں کہ یہ شخص (یعنی حضرت مسیح موعودؑ۔ ناقل) اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور بے شک یہ بات کہیں کہ اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو لعنتہ اللہ علی الکاذبین۔ مباہلہ کی بنیاد جس آیت قرآنی پر ہے اس میں تو صرف لعنتہ اللہ علی الکاذبین ہے۔" [۲۵]

البتہ ان کے مقام مباہلہ کے بارہ میں لکھا کہ قرآن کریم نے فتنہ سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ امرتسر یا بٹالہ میں مباہلہ کے لئے جمع ہونا فتنہ کو برپا کرنا ہے۔ کیا ان کو ۱۹۰۵ء میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام پر امرتسر میں پتھر برسائے جانے کا واقعہ بھول گیا ہے؟ کیا اس شہر میں اب مباہلہ تجویز ہونا مناسب ہے؟ اگر آپ نے امرتسر یا بٹالہ کو مقام مباہلہ تجویز کرنے میں گریز کی بنیاد نہیں رکھی تو پھر کیا حرج ہے کہ تحریری مباہلہ ہو جائے۔ لیکن اگر ان کو زبانی مباہلہ پر ہی اصرار ہے تو ہمیں یہ بھی منظور ہے وہ قادیان تشریف لے آئیں۔ ان کو دس افراد ساتھ لانے کی اجازت ہے۔ ان کو اخراجات سفر بھی ادا کر دئے جائیں گے اور حفظ امن کی ذمہ داری ہم پر ہوگی۔ مباہلہ کرنے سے پہلے ہمارا حق ہوگا کہ ہم دو گھنٹہ تک اپنے دعاوی اور ثبوت کی تبلیغ کریں اور مولوی صاحب خاموشی سے سنتے رہیں اور بعد میں وہ حلفاً اعلان کریں کہ میں اس تبلیغ کے سننے کے بعد بھی مرزا غلام احمد کے دعاوی کو صحیح نہیں سمجھتا۔ اگر آخر الذکر مباہلہ کو مولوی ثناء اللہ صاحب پسند کریں تو جب چاہیں وہ آسکتے ہیں۔ [۲۶]

مسودہ مباہلہ کی اشاعت حضرت اقدس ؑ کے قلم سے

اب مولوی ثناء اللہ صاحب خوف زدہ ہو کر مباہلہ کی بجائے قسم پر آمادہ ہوئے جس پر آپ کو تحریک ہوئی۔ [۲۷] کہ آپ خود ہی مسودہ مباہلہ شائع فرمائیں۔

حضرت اقدسؑ "اعجاز احمدی" کے زمانہ سے یہ دعا کر رہے تھے کہ مباہلہ کی صورت میں جھوٹے فریق کو عذاب انسانی ہاتھوں سے نہ ہو۔ [۲۸] اللہ تعالیٰ نے ۱۴/ اپریل ۱۹۰۷ء کو آپ پر الہام نازل کیا کہ "اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ" [۲۹] یعنی میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر یہ مباہلہ ہوا تو اللہ تعالیٰ حضور کو زندہ رکھے گا اور فریق مخالف کو ایسا عذاب دے گا جس میں انسانی ہاتھ کا دخل نہیں ہوگا۔ سو حضرت اقدسؑ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو میدان مباہلہ میں لانے کے لئے از خود ۱۵/ اپریل ۱۹۰۷ء کو اپنی طرف سے مسودہ مباہلہ [۳۰] شائع کیا جس کا عنوان ہی یہ رکھا کہ

"مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ"

مسودہ مباہلہ

"مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ"

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

یَسْتَنْبِئُوْنَکَ اَحَقٌّ ھُوَ۔ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْ اِنَّہٗ لَحَقٌّ

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب۔ اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

مدت سے آپ کے پرچہ اہل حدیث میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود کذاب دجال مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کاذب اور دجال ہے۔ اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سراسر افتراء ہے۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا۔ مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں حق کے پھیلانے میں مامور ہوں اور آپ بہت سے افتراء میرے پر کرکے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں اور مجھے ان گالیوں اور ان تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں کہ جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہو سکتا۔ اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تا خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔ اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئی تو میں خدا کی طرف سے

نہیں۔ یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیش گوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے۔ اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر و قدیر جو علیم و خبیر ہے۔ جو میرے دل کے حالات سے تو واقف ہے۔ اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔ مگر اے میرے کامل اور صادق خدا اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھ کو دکھ دیتا ہے۔ آمین یا رب العالمین۔ میں ان کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گزر گئی۔ وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لئے سخت نقصان رساں ہوتا ہے اور انہوں نے ان تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ علم پر بھی عمل نہیں کی اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مفسد اور ٹھگ اور دوکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بد آدمی ہے۔ سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بد اثر نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ انہیں تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور اے میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اس لئے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما۔ اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھا لے۔ یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ۔ آمین۔

بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ وہ میرے اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

الراقم۔ عبداللہ الصمد میرزا غلام احمد

مسیح موعود عافاہ اللہ وایّد

مرقومہ ۱۵/ اپریل ۱۹۰۷ء

یکم ربیع الاول ۱۳۲۵ھ" [۲۱]

مولوی ثناء اللہ صاحب کا مباہلہ سے انکار و فرار

اس دعائے مباہلہ کی اشاعت پر مولوی ثناء اللہ صاحب کو اپنی موت نظر آنے لگی اور انہیں یقین ہو گیا کہ اگر میں مقابلہ پر موکد بعذاب قسم کھاؤں گا تو ہلاک ہو جاؤں گا۔ چنانچہ انہوں نے نہایت لجاجت سے لکھا "کوئی ایسا نشان دکھاؤ جو ہم بھی دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ مر گئے تو کیا دیکھیں گے۔" [۲۲]

"میرا مقابلہ تو آپ سے ہے۔ اگر میں مر گیا تو میرے مرنے سے اور لوگوں پر کیا حجت ہو سکتی ہے جب کہ (بقول آپ کے) مولوی غلام دستگیر قصوری مرحوم مولوی اسمٰعیل علی گڑھی مرحوم اور ڈاکٹر ڈوئی امریکن اسی طرح سے مر گئے تو کیا لوگوں نے آپ کو سچا مان لیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اگر یہ واقعہ بھی ہو گیا تو کیا نتیجہ۔" [۲۳]

نیز لکھا۔

"یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے۔" "تمہاری یہ دعا کسی صورت میں فیصلہ کن نہیں ہو سکتی۔" [۲۴]

پھر ساتھ ہی نائب ایڈیٹر کی طرف سے مولوی ثناء اللہ صاحب نے یہ بھی شائع کیا کہ:۔

"قرآن تو کہتا ہے کہ بدکاروں کو خدا کی طرف سے مہلت ملتی ہے۔ سنو مَنْ کَانَ فِی الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا (پ۱۶ع۸) اور اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا اِثْمًا (پ۴ع۹) اور وَیَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ (پ۳ع۸)... جن کے صاف یہی معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ جھوٹے دغا باز مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی برے کام کر لیں۔" [۲۵]

مولوی صاحب نے نائب ایڈیٹر کے اس بیان کو درست تسلیم کیا اور اخبار میں ہی شائع کیا کہ "میں اس کو صحیح جانتا ہوں۔" [۲۶] جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے نزدیک بھی جھوٹے دغا باز مفسد اور نافرمان کی لمبی عمریں ہوا کرتی ہیں تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی برے کام کر لیں۔

مولوی ثناء اللہ نے مرقع قادیانی بابت ماہ اگست ۱۹۰۷ء صفحہ ۹ میں یہ بھی لکھا "آنحضرت علیہ السلام باوجود سچا نبی ہونے کے مسیلمہ کذاب سے پہلے انتقال کر گئے۔ مسیلمہ باوجود کاذب ہونے کے

صادق سے پیچھے مرا۔"

حضرت اقدسؑ کی طرف سے ایک غلطی کا ازالہ

مسودہ مباہلہ کی اشاعت کے چند ماہ بعد کسی غیر احمدی کا سوال حضورؑ کی خدمت میں پیش ہوا کہ "آپ نے اپنی تصانیف میں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاتا ہے یہ درست نہیں کیوں کہ مسیلمہ کذاب آنحضرت ﷺ کے بعد فوت ہوا تھا" حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:۔

صرف جھوٹا نہیں بلکہ جھوٹا مباہلہ کرنے والا سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاتا ہے

"یہ کہاں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے ہم نے تو اپنی تصانیف میں ایسا نہیں لکھا۔ لاؤ پیش کرو وہ کون سی کتاب ہے جس میں ہم نے ایسا لکھا ہے۔ ہم نے تو یہ لکھا ہوا ہے کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاتا ہے۔ مسیلمہ کذاب نے تو مباہلہ کیا ہی نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اتنا فرمایا تھا کہ اگر تو میرے بعد زندہ بھی رہا تو ہلاک کیا جائے گا سو ویسا ہی ظہور میں آیا۔ مسیلمہ کذاب تھوڑے ہی عرصہ بعد قتل کیا گیا اور پیش گوئی پوری ہوئی۔ یہ بات کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرجاتا ہے یہ بالکل غلط ہے.... ہاں اتنی بات صحیح ہے کہ سچے کے ساتھ جو جھوٹے مباہلہ کرتے ہیں تو وہ سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہوتے ہیں جیسے کہ ہمارے ساتھ مباہلہ کرنے والوں کا حال ہو رہا ہے"۔ [۲۷]

مولوی ثناء اللہ صاحب کو منہ مانگا نشان دیا گیا

اللہ تعالیٰ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو خود ان کے پیش کردہ معیار اور منہ مانگی خواہش کے مطابق نشان یہ دیا کہ انہیں حضرت اقدسؑ کی وفات کے بعد ایک لمبا عرصہ زندہ رکھا۔ انہوں نے عمر بھر احمدیت کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ متعدد مناظرے کئے اور اتنی کثرت سے مخالفانہ لٹریچر لکھا کہ خود کہا کرتے تھے۔ "قادیان کے متعلق میری کتابیں اتنی ہیں کہ مجھے خود ان کا شمار یاد نہیں" [۲۸] مگر وہ احمدیت کی حیرت انگیز رفتار ترقی کو روکنے میں سراسر ناکام رہے۔ [۲۹]

حواشی

۱۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۱۸۹۶ء سے اپریل ۱۹۰۶ء تک ہندوستان میں طاعونی اموات کی تعداد یہ تھی۔
۱۸۹۶ء ۲۲۱۹' ۱۸۹۷ء ۴۷۹۷۴' ۱۸۹۸ء ۸۹۲۶۵' ۱۸۹۹ء ۱۰۲۴۶۹' ۱۹۰۰ء ۶۷۵۳۴۷' ۱۹۰۱ء ۲۳۶۴۳۶' ۱۹۰۲ء ۴۵۲۶۵۵' ۱۹۰۳ء ۶۸۴۴۵' ۱۹۰۴ء ۹۳۸۰۱۰' ۱۹۰۵ء ۹۴۰۸۲۱' تا اپریل ۱۹۰۶ء ۳۰۰۳۵۵۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا) زیر لفظ پلیگ۔
۲۔ حقیقتہ الوحی صفحہ ۲۲۶۔ ۲۲۷ و ۳۶۷۔ ۳۶۸ و تتمہ صفحہ ۱۵۹
۳۔ انعامی اشتہار تین ہزار صفحہ ۱۲ مشمولہ انوار الاسلام۔
۴۔ مجدد اعظم جلد دوم صفحہ ۱۱۲۴
۵۔ الاستفتاء مشمولہ حقیقتہ الوحی صفحہ ۳۶ (طبع اول)
۶۔ ذکر حبیب صفحہ ۱۶۔ ۱۷ تقریر حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ و ذکر حبیب صفحہ ۱۵۶ مؤلفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ
۷۔ الاستفتاء صفحہ ۳۶
۸۔ حقیقتہ الوحی تتمہ (طبع اول) صفحہ ۵' ۲۳' ۲۴
۹۔ الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۹ و ۱۰/ جون ۱۹۰۷ء صفحہ ۸ کالم ۲ و رسالہ تعلیم الاسلام جلد اول صفحہ ۲۳۳
۱۰۔ الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۹ تفصیل کے لئے دیکھیں تتمہ حقیقتہ الوحی صفحہ ۱۵۲۔ ۱۵۳
۱۱۔ قادیان کے آریہ اور ہم صفحہ ۳۔ ۱۰ (طبع اول)
۱۲۔ قادیان کے آریہ اور ہم صفحہ ۲۴ (طبع اول)
۱۳۔ قادیان کے آریہ اور ہم صفحہ ۳۸ (طبع اول)
۱۴۔ تتمہ حقیقتہ الوحی صفحہ ۱۵۴ (حاشیہ)
۱۵۔ تتمہ حقیقتہ الوحی صفحہ ۱۵۴ (حاشیہ)
۱۶۔ الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۲۰۔ در منثور صفحہ ۶۳۔ ۶۴ تقریر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ بر موقع جلسہ سالانہ ۱۹۶۰ء
۱۷۔ بحوالہ الحکم ۱۷/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۵ کالم ۲
۱۸۔ بڑے خلوت پسند اور بڑے متدین انسان تھے۔ ۱۸۹۱ء کے قریب پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۶ء میں حضرت سیٹھ شیخ حسن صاحب حیدر آبادی کے ذاتی خرچ پر بغرض تعلیم قادیان آئے اور مدرسہ تعلیم الاسلام کی چوتھی جماعت میں داخلہ لیا۔ اگلے سال شروع ۱۹۰۷ء میں ان کے ساتھ باؤلے کتے کے حملے کا وہ حادثہ پیش آیا جس کی تفصیل اوپر متن میں ہے۔ ۱۹۰۸ء کی موسمی تعطیلات میں وہ مستقل طور پر اپنے وطن چلے گئے۔ ۹/ رمضان ۱۳۵۸ھ بمطابق ۲۴/ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو انتقال کیا اور احمدیہ قبرستان یادگیر میں دفن ہوئے (تفصیل کے لئے دیکھئے اصحاب احمد مؤلفہ مکرم ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے قادیان جلد اول صفحہ ۲۶۱۔ ۲۷۲)
۱۹۔ تار کے انگریزی الفاظ یہ تھے:۔
"Sorry nothing can be done for Abdul Karim." افسوس ہے عبدالکریم کے لئے کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ (تتمہ حقیقتہ الوحی صفحہ ۴۸) تار کا عکس الفضل ۲۴ اپریل ۱۹۸۴ء صفحہ ۴ میں شائع ہو چکا ہے۔
۲۰۔ تتمہ حقیقتہ الوحی صفحہ ۴۶۔ ۴۷
۲۱۔ اعجاز احمدی صفحہ ۱۲
۲۲۔ اعجاز احمدی صفحہ ۳۷
۲۳۔ الہامات مرزا صفحہ ۸۵ (طبع دوم)
۲۴۔ اہل حدیث ۲۹/ مارچ ۱۹۰۷ء
۲۵۔ بدر ۴/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۴ کالم ۱۔ ۲

۲۶۔ بدر ۴/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۵ کالم ۱ (ملخص)
۲۷۔ بدر ۲۵/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۲
۲۸۔ بدر ۲۵/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۲
۲۹۔ بدر ۱۸/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۳ کالم ۱' الحکم ۱۷/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۲ کالم ۱
۳۰۔ یہ اشتہار قطعی طور پر مسودہ مباہلہ تھا جس کے متعدد ثبوت ہیں۔ مثلاً

(۱) حضرت اقدسؑ نے اس اشتہار کو "آخری فیصلہ" سے موسوم فرمایا جو خود مولوی ثناء اللہ صاحب کی اصطلاح میں مباہلہ ہی کا دوسرا نام ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ثنائی جلد ۲ صفحہ ۴۰ زیر آیت مباہلہ)

(۲) اشتہار کے عنوان میں "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ" کا لفظ بھی اس کے مسودہ مباہلہ ہونے کی تصدیق کرتا ہے اور یک طرفہ دعا کی نفی۔

(۳) مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو بھی اس کے مسودہ مباہلہ ہونے کا اقرار ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔ (ا) "کرشن قادیانی نے ۱۵/ اپریل ۱۹۰۷ء کو میرے ساتھ مباہلہ کا اشتہار کیا تھا۔" "دجال قادیانی پر میرے مباہلہ کا اثر"۔ "ان واقعات کو ملحوظ رکھ کر کوئی دانا کہہ سکتا ہے کہ مرزاجی کی دعائے مباہلہ کا اثر کچھ ظاہر ہوا۔" "ابوالوفا کے ساتھ مباہلہ کا اعلان کیا تو اس کا بر اثر بھی آپ ہی پر پڑتا رہا۔" (ملاحظہ ہو مرقع قادیانی بابت ماہ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۸۔ ۲۴)۔ (ب) "مرزاجی نے میرے ساتھ مباہلہ کا ایک طولانی اشتہار دیا تھا۔" (مرقع قادیانی بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۳) (ج) "وہ اپنے اشتہار مباہلہ ۱۵/ اپریل ۱۹۰۷ء میں چیخ اٹھا تھا کہ اہل حدیث نے میری عمارت کو ہلا دیا ہے (اہل حدیث ۱۹/ جون ۱۹۰۸ء) (د) آج تک مرزا صاحب نے کسی مخالف سے ایسا کھلا مباہلہ نہ کیا تھا بلکہ ہمیشہ گول گول رکھا کرتے تھے۔" (اشتہار مولوی ثناء اللہ صاحب بعنوان "مرزا صاحب قادیانی کا انتقال اور اس کا نتیجہ")

(۴) مولوی ثناء اللہ صاحب کے سوانح نگار کو بھی یہ مسلم ہے کہ یہ دعا مسودہ مباہلہ تھی۔ چنانچہ مولوی عبدالمجید صاحب سوہدروی "سیرت ثنائی" صفحہ ۱۷۲ پر لکھتے ہیں "میرزا صاحب قادیانی نے اس مباہلہ سے متعلق جو اشتہار شائع کئے... وہ تاریخی اشتہار ذیل میں بجنسہ نقل کرتے ہیں "اس کے بعد انہوں نے "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" کے اشتہار کا مکمل متن درج کیا ہے جو اس کے مسودہ مباہلہ ہونے کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ لیکن چونکہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا تھا اس لئے انہوں نے سراسر خلاف واقعہ یہ بات بھی لکھ دی کہ "حضرت مولانا مرحوم (یعنی مولوی ثناء اللہ صاحب۔ ناقل) نے یہ مباہلہ قبول کیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مرزائے قادیان ۲۶/ مئی ۱۹۰۸ء کو.... ہلاک ہو گئے۔" (سیرت ثنائی صفحہ ۱۷۲)

۳۱۔ اخبار بدر نمبر ۱۶ جلد ۶۔ ۱۸۔ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۴
۳۲۔ اخبار وطن ۲۶/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱
۳۳۔ اخبار اہل حدیث ۲۶/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۵
۳۴۔ اخبار اہل حدیث ۲۶/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۵
۳۵۔ اخبار اہل حدیث ۲۶/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۵ صفحہ ۴ حاشیہ
۳۶۔ اخبار اہل حدیث ۳۱/ جولائی ۱۹۰۷ء۔ مزید تحقیق و تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا قاضی محمد نذیر صاحب ناظر اشاعت و تصنیف کا تحقیقی مقالہ "آخری اتمام حجت" ناشر نظارت اشاعت لٹریچر و تصنیف ربوہ۔ دسمبر ۱۹۷۳ء
۳۷۔ الحکم ۱۰/ اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۹ کالم ۱۔ ۳
۳۸۔ اہل حدیث کا مذہب شائع کردہ "جمعیتہ اہل حدیث لاہور"
۳۹۔ خود مولوی صاحب کی زندگی کے آخری ایام کس درجہ بے بسی اور غم و اندوہ میں گزرے اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "سیرت ثنائی" صفحہ ۳۸۸ تا ۳۹۷ (مؤلفہ مولوی عبدالمجید صاحب سوہدروی) یہ حالت پڑھ کر دل کانپ اٹھتے اور صاحب بصیرت انسان عبرت حاصل کرتے ہیں۔

ملکی شورش میں حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کو نصیحت

"تقسیم بنگال" کے نتیجہ میں جو شورش اٹھ کھڑی ہوئی تھی اس نے ۱۹۰۷ء کے آغاز میں زیادہ خطرناک صورت اختیار کرلی۔ لہٰذا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے ۷/ مئی ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار میں اپنی جماعت کو پر زور نصیحت و ہدایت فرمائی کہ وہ ملکی شورش سے بالکل الگ رہے۔ [1] اس سلسلہ میں ۱۲/ مئی ۱۹۰۷ء کو ۵ بجے شام ایک جلسہ بھی منعقد کیا گیا جس میں مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے جلسہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی صدر جلسہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور حضرت حکیم الامت مولوی نور الدین صاحب نے قیام امن پر تقاریر فرمائیں۔ حضرت حکیم الامت نے بالخصوص اس طرف توجہ دلائی کہ حکومت سے سب سے زیادہ فائدہ ہندوؤں نے اٹھایا ہے کروڑوں کی جائداد ہر سال مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر ہندوؤں کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے۔ سرکاری ملازمتوں میں دیکھو تو تمام بڑے بڑے عہدے علی العموم ہندوؤں کے قبضہ میں ہیں اور کیا مجال ہے کہ کسی مسلمان کو معمولی دفتر کی کلرکی بھی لینے دیں ہاں چپڑاسی وغیرہ مسلمان رکھ لئے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہندوؤں ہی نے سب سے زیادہ ناشکری کی اور ان سے اس سے زیادہ کچھ امید بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ جو مشرک اپنے حقیقی محسن خالق مالک کو چھوڑ کر ایک پتھر کے آگے سر جھکاتا ہے اس سے کیا امید ہو سکتی ہے کہ وہ انسان کے احسان کو شکریہ کے ساتھ دیکھے گا؟ [2]

"الواح الہدیٰ" کی تجویز

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو روز و شب یہ فکر رہتا تھا کہ کسی طرح دنیا میں تقویٰ و نیکی قائم ہو۔ شاید ہی حضورؑ کی کوئی تصنیف ایسی ہو جس میں تزکیہ نفس کے ذرائع نہ بیان کئے گئے ہوں اور اخلاق حسنہ کے حصول کے وسائل کا تذکرہ نہ ہو مگر اس سال حضورؑ کے دل میں یہ تجویز آئی کہ احمدی تقویٰ اور تزکیہ نفس کے ضروری اصول لکڑی کے تختیوں پر لکھ کر دیواروں یا دروازوں پر لٹکا دیں تا ان پر ہر وقت نظر پڑتی رہے اس تجویز کا چرچا چند روز تک رہا مگر دیگر ضروری کاموں کے سبب پھر اس طرف توجہ نہ رہی۔ [3]

سفر بٹالہ

حضرت ام المومنین اور حرم حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ اپنے صاحبزادگان سمیت حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کے ساتھ تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے ۴/ جولائی ۱۹۰۷ء سے لاہور گئے ہوئے تھے اور انہیں ۱۴/ جولائی ۱۹۰۷ء کو ایک بجے کی گاڑی سے بٹالہ واپس پہنچنا تھا لہذا حضرت اقدسؑ ان کے استقبال کے لئے چند خدام کے ہمراہ ۱۴/ جولائی کی صبح کو بٹالہ تشریف لے گئے۔ حضورؑ صبح پانچ بجے کے قریب پالکی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے اور دس بجے کے قریب بٹالہ پہنچے اور اسٹیشن کے قریب قیام فرمایا۔ تحصیل دار بٹالہ رائے جسمل صاحب حضورؑ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور بتایا کہ میں شہر سے باہر رہتا ہوں۔ حضورؑ نے فرمایا کہ باہر رہنا بہتر ہے کیوں کہ شہر میں اکثر طاعون کا خوف ہوتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگ اصلاح عمل کی طرف توجہ نہیں کرتے اور جب تک کہ اصلاح عمل نہ ہوگا یہ عذاب دور نہ ہوگا۔ ایک دفعہ ایک انگریز اور ایک دیسی افسر ٹیکہ لگانے کے واسطے قادیان میں آئے۔ تب ہم نے اپنی کتاب "کشتی نوح" کا ایک نسخہ اس کو بھیجا تھا جس کا انگریزی میں ترجمہ سن کر انگریز نے کہا کہ سچ تو یہی ہے جو اس کتاب میں لکھا ہے باقی تو سب حیلے ہی ہیں۔ اصلی علاج یہی ہے۔ پس یہ آسمانی اور روحانی باتیں ہیں اور زمینی لوگ ان کو نہیں سمجھ سکتے۔ غرض حضورؑ نے بڑے لطیف پیرایہ میں ان تک پیغام پہنچایا۔

واپسی حضورؑ بٹالہ میں چند گھنٹہ قیام فرمارہے اور شام کو اپنے اہل بیت سمیت دارالامان پہنچ گئے۔ ۴

حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی وفات

جیسا کہ ۱۸۹۹ء کے حالات میں گزر چکا ہے حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی ولادت سے قبل ہی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو ان سے متعلق الہاماً خبر دی گئی تھی کہ "اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَ اُصِیْبُہٗ" یعنی میں رو بخدا ہوں گا یا جلد فوت ہو جاؤں گا۔ علاوہ ازیں ان کی ولادت کے بعد حضورؑ کو ۷۔۱۹۰۶ء میں بھی مختلف الہامات و کشوف کے ذریعہ سے بار بار ان کی وفات کی اطلاع ملی۔ چنانچہ ان آسمانی خبروں کے عین مطابق حضرت صاحبزادہ صاحب ۱۶/ ستمبر ۱۹۰۷ء کو بوقت صبح انتقال فرما گئے۔ ۵

صبر کا شاندار نمونہ

صاحبزادہ صاحب حضرت اقدسؑ کے سب سے چھوٹے بچے تھے اس لئے حضورؑ کو بھی طبعاً ان سے بہت محبت تھی۔ مگر حضرت صاحبزادہ صاحب کی وفات پر حضورؑ نے صبر و تحمل کا بے نظیر نمونہ دکھایا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب بیمار ہوئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام دن رات ان کی تیمارداری میں مصروف رہتے تھے اور بڑے فکر اور توجہ کے ساتھ ان کے علاج میں مشغول رہتے تھے۔ اور چونکہ حضرت صاحب کو ان سے بڑی محبت تھی اس لئے لوگوں کا خیال تھا کہ اگر خدانخواستہ وہ فوت ہو گئے تو حضرت صاحب کو بڑا صدمہ گزرے گا جس وقت صاحبزادہ مبارک احمد فوت ہونے لگے تو وہ سوئے ہوئے تھے۔ حضرت حکیم الامت مولوی نور الدین صاحبؓ نے ان کی نبض دیکھی تو غیر معمولی کمزوری محسوس کی جس پر آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ نبض میں بہت کمزوری ہے کچھ کستوری دیں۔ حضرت صاحب جلدی سے صندوق میں سے کستوری نکالنے لگے۔ مگر پھر مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضورؑ نبض نہایت ہی کمزور ہے۔ اس وقت دراصل مبارک احمد فوت ہو چکے تھے مگر حضرت مولوی صاحب حضرت مسیح موعودؑ کی تکلیف کا خیال کر کے یہ کلمہ زبان پر نہ لا سکتے تھے مگر حضرت صاحب سمجھ گئے اور خود آکر نبض پر ہاتھ رکھا تو دیکھا کہ صاحبزادہ مبارک احمد صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ اس پر حضورؑ نے انا للہ و انا الیہ راجعون کہا اور بڑے اطمینان کے ساتھ بستہ کھولا اور بڑے جذبہ کے ساتھ بیرونی احباب کو خط لکھنے بیٹھ گئے کہ مبارک احمد فوت ہو گیا ہے اور ہم کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونا چاہئے۔ اور مجھے بعض الہاموں سے بتایا گیا تھا کہ یہ لڑکا یا تو بہت خدا رسیدہ ہو گا یا بچپن میں ہی فوت ہو جائے گا۔ سو ہم کو اس لحاظ سے خوش ہونا چاہئے کہ خدا کا کلام پورا ہوا۔ [۶]

باغ میں تقریر

حضرت صاحبزادہ صاحب کا جنازہ مدرسہ میں پڑھا گیا اور نعش مبارک بہشتی مقبرہ میں دفن کرنے کے لئے لے گئے۔ قبر کی تیاری میں کچھ دیر تھی اس لئے حضورؑ قبر سے کچھ فاصلہ پر باغ میں بیٹھ گئے [۷] اور ایک ایمان افروز تقریر فرمائی جس کے لفظ لفظ سے صبر و رضا کی جھلک نمایاں ہوتی تھی۔ حضورؑ نے فرمایا "میں تو اس سے بڑا خوش ہوں کہ خدا کی بات پوری ہوئی۔ گھر کے آدمی اس کی بیماری میں بعض اوقات بہت گھبرا جاتے تھے۔ میں نے ان کو جواب دیا تھا کہ آخر نتیجہ موت ہی ہونا ہے یا کچھ اور ہے۔ مجھے بڑی خوشی اس بات کی بھی ہے کہ میری بیوی کے منہ سے سب سے پہلا کلمہ جو نکلا ہے وہ یہی تھا کہ انا للہ و انا الیہ راجعون اور کوئی جزع فزع نہیں کی۔ انسان جب کوئی مجاہدہ کرتا ہے تو وہ اپنا تصرف رکھتا ہے مگر جب خدا کی طرف سے کوئی امتحان آتا ہے تو اس میں انسان کے تصرف کا دخل نہیں ہوتا۔ انسان خدا کے امتحان میں بہت جلد ترقی کر لیتا ہے اور وہ

مدارج حاصل کرلیتا ہے جو اپنی کوشش اور محنت سے کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی واسطے ادعونی استجب لکم میں اللہ تعالیٰ نے کوئی بشارت نہیں دی مگر ولنبلونکم بشیئی... الایہ میں بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں اور فرمایا ہے کہ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف بڑی بڑی برکتیں اور رحمتیں ہوں گی اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ غرض یہی طریق ہے جس سے انسان خدا کو راضی کر سکتا ہے نہیں تو اگر خدا کے ساتھ شریک بن جاوے اور اپنی مرضی کے مطابق اسے چلانا چاہے تو یہ ایک خطرناک راستہ ہو گا جس کا انجام ہلاکت ہے۔ ہماری جماعت کو منتظر رہنا چاہئے کہ اگر کوئی ترقی کا ایسا موقع آجاوے تو اس کو خوشی سے قبول کیا جاوے۔" [8]

اخلاق و شمائل

حضرت صاحبزادہ مبارک احمد صاحب نہایت درجہ شکیل اور پاک صورت و سیرت تھے اور اپنی صغر سنی کے باوجود روحانی اور دینی باتوں میں اتنا شغف اور لگاؤ تھا کہ لوگ اکثر انہیں ولی قرار دیتے تھے۔ [9] وفات سے ایک رات قبل حضرت صاحبزادہ صاحب نے حضرت اقدسؑ کو بلایا اور حضورؑ سے مصافحہ کیا جیسے کوئی رخصت ہوتا اور آخری ملاقات کرتا ہے۔ ان کی یہ کرامت بہت مشہور ہے کہ ۴/ اپریل ۱۹۰۵ء والے خوفناک زلزلہ سے قبل ان کی زبان پر اکثر دفعہ "زمین ہل گئی" کے الفاظ جاری رہتے تھے۔ [10] بیماری کے دوران کسی نے خواب دیکھا کہ آپ کی شادی ہو رہی ہے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ معبرین نے لکھا ہے کہ اس کی تعبیر تو موت ہے مگر اسے ظاہری رنگ میں پورا کر دینے کی صورت میں موت ٹل جاتی ہے چنانچہ حضورؑ کے ارشاد پر حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ نے (۳۰/ اگست ۱۹۰۷ء کو نماز عصر کے بعد) صاحبزادہ صاحب کا نکاح مریم بنت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب سے پڑھا مگر خدا کا کلام پورا ہوا اور آپ داغ مفارقت دے گئے۔ [11]

آپ کی وفات پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک رقت آمیز نظم کہی جو آپ کے لوح مزار پر درج ہے جو یہ ہے:۔

جگر کا ٹکڑا مبارک احمد جو پاک شکل اور پاک خو تھا ‏ ‏ ‏ وہ آج ہم سے جدا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر
کہا کہ آئی ہے نیند مجھ کو یہی تھا آخر کا قول لیکن ‏ ‏ ‏ کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ جاگے تھکے بھی ہم پھر جگا جگا کر

برس تھے آٹھ اور کچھ مہینے کہ جب خدا نے اسے بلایا
بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

"وقف زندگی" کی پہلی منظم تحریک

احمدیت کا پیغام اب تک محض خدا تعالیٰ کے خاص تصرفات اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی کتب وغیرہ سے پہنچ رہا تھا۔ واعظین کا کوئی باقاعدہ نظام اس غرض کے لئے موجود نہیں تھا۔ لیکن اب چونکہ سلسلہ کا کام بہت بڑھ چکا تھا اور ایک تنظیم کے ساتھ اندرون ملک اور بیرونی دنیا کو حق پہنچانے کی ضرورت شدت محسوس ہو رہی تھی اس لئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے ستمبر ۱۹۰۷ء میں جماعت کے سامنے "وقف زندگی" کی پرزور تحریک فرمائی۔ [۱۲]

ابتدائی واقفین زندگی

اس تحریک پر قادیان میں مقیم نوجوانوں کے علاوہ بعض اور دوستوں نے بھی زندگی وقف کرنے کی درخواستیں حضورؑ کی خدمت میں پیش کیں۔ حضرت اقدسؑ کی ڈاک کی خدمت ان دنوں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے سپرد تھی اس لئے حضرت اقدسؑ نے مفتی صاحب ہی کو ہدایت فرمائی کہ ایسے واقفین کی فہرست بنائیں چنانچہ انہوں نے اس غرض کے لئے ایک رجسٹر کھول دیا۔ [۱۳]

ابتداءً جن اصحاب نے زندگی وقف کی ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ شیخ محمد تیمور صاحب طالب علم علی گڑھ کالج (ان کی درخواست پر حضورؑ نے لکھا "بعد پورا کرنے تعلیم بی۔اے اس کام پر لگیں") ۲۔ چوہدری فتح محمد صاحب سیال (ان کی درخواست پر حضورؑ نے تحریر فرمایا "منظور") ۳۔ مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب (ان کی درخواست پر حضورؑ نے لکھا "آپ کو اس کام کے لائق سمجھتا ہوں") ۴۔ میاں محمد حسن صاحب دفتر رسالہ ریویو آف ریلیجنز (ان کی درخواست پر حضور نے لکھا "قبول ہے") ۵۔ مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر اخبار بدر (حضورؑ نے ان کی درخواست پر تحریر فرمایا "منظور") ٦۔ صوفی غلام محمد صاحب طالب علم بی۔اے (حضورؑ نے ان کی درخواست پر لکھا "بی۔اے کا نتیجہ نکلنے کے بعد اس کام کے واسطے طیار ہو جائیں") ۷۔ مولوی محمد دین صاحب طالب علم علی گڑھ کالج (ان کی درخواست پر حضورؑ نے لکھا "نتیجہ کے بعد اس خدمت پر لگ جائیں") ۸۔ شیخ عبد الرحمٰن صاحب طالب علم مدرسہ احمدیہ (ان کی درخواست پر حضورؑ نے لکھا "سلسلہ کی پوری واقفیت پیدا کرلیں") ۹۔ اکبر شاہ خاں صاحب نائب سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہاؤس مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول (ان کی درخواست پر حضورؑ نے لکھا "وقت پر آپ کو یاد کیا جائے گا") ۱۰۔ مولوی عظیم اللہ صاحب ساکن نابھہ (ان کی درخواست پر حضورؑ نے تحریر فرمایا "وقت پر آپ کو یاد کیا جائے گا") [۱۴] ۱۱۔ مولوی فضل دین صاحب ۱۲۔ خواجہ عبد الرحمٰن صاحب ۱۳۔ قاضی محمد

عبداللہ صاحب (ان کی درخواست پر حضورؑ نے تحریر فرمایا "خط کے مضمون سے آگہی ہوئی۔ امید ہے آپ کو انتظام کے وقت میں یاد کروں گا اور مناسب جگہ میں خدمت دین کے لئے بھیجوں گا۔ مناسب ہے اپنا نام مفتی صاحب کے رجسٹر میں درج کرا دیں۔ والسلام مرزا غلام احمد")

حضرت اقدسؑ نے ان سب درخواستوں پر اظہار خوشنودی فرمایا [۱۵] اور ۲۵ اور ۲۹/ ستمبر ۱۹۰۷ء کو اس سلسلہ میں نہایت قیمتی نصائح فرمائیں جو مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حضورؑ کی سکیم یہ تھی کہ ابتداء میں ۱۲ واقفین کا انتخاب کیا جائے جو قریبی اضلاع میں متعین ہوں اور دو ایک ماہ تبلیغ میں باہر گزار دیں پھر دس پندرہ روز کے لئے مرکز میں آجایا کریں۔ کچھ لٹریچر ان کے پاس موجود ہو تا جہاں مناسب سمجھیں وہاں تقسیم کریں۔ [۱۶]

وقف زندگی کی شرائط

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے "وقف زندگی" کی تحریک کا اعلان کرنے کے بعد میر حامد شاہ صاحب سے اس کی شرائط لکھوائیں اور کچھ اصلاح کے ساتھ ان کو پسند فرمایا۔

ان شرائط میں ایک شرط یہ تھی کہ "میں کوئی معاوضہ نہ لوں گا۔ چاہے مجھے درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرنا پڑے میں گزارہ کروں گا اور تبلیغ کروں گا۔" [۱۷]

ایک ضروری ہدایت حضورؑ نے یہ دی کہ واقفین کو ہر ہفتہ باقاعدگی سے اپنی رپورٹ بھجوانی ہوگی۔ [۱۸]

تحریک "وقف زندگی" کی بنیاد گو حضرت اقدس علیہ السلام ہی کے ہاتھ سے رکھی گئی۔ مگر حضورؑ کی زندگی میں اپنے نام پیش کرنے والے واقفین کو اندرون ملک یا بیرون ملک میں بغرض تبلیغ مقرر کرنے کی نوبت نہیں آسکی۔ تاہم حضورؑ کے منشاء مبارک کی تکمیل خلافت ثانیہ کے زمانہ میں ہوئی جس کا تفصیل کے ساتھ ذکر انشاء اللہ تعالیٰ خلافت ثانیہ کے عہد کے واقعات میں کیا جائے گا۔

آریہ سماج لاہور و چھووالی کی مذہبی کانفرنس کے لئے حضرت اقدسؑ کا مضمون

آریہ سماج لاہور و چھووالی نے نومبر ۱۹۰۷ء میں اپنے تیسویں ۲۳ سالانہ جلسہ کے موقعہ پر ایک مذہبی کانفرنس منعقد کرنے کا اشتہار دیا اور لکھا کہ مختلف مذاہب کے دوران نہایت مہذبانہ رنگ میں اس سوال پر روشنی ڈالیں گے کہ کیا کوئی کتاب الہامی ہو سکتی ہے۔ اور اگر ہو سکتی ہے تو کون سی؟ [۱۹]

سیکرٹری آریہ سماج ڈاکٹر چرنجیو بھاردواج نے اس اشتہار کے علاوہ حضورؑ کی خدمت میں کئی انکسار کے خط لکھے اور عاجزانہ درخواست کی کہ آپ بھی ان سوالات کے جواب لکھیں کہ ہم لوگ آپ کے درشن کے بھی مشتاق ہیں مگر حضورؑ کو چونکہ اس ملمع دار اشتہار اور انکساری کے خطوط پر اعتماد [20] نہیں تھا اس لئے آپ نے اس میں شرکت سے انکار کر دیا۔ مزید بر اں اخبار الحکم (۱۰/ نومبر ۱۹۰۷ء) نے نوٹ شائع کیا کہ اشتہار کے مطابق مذہبی کانفرنس کے لئے صرف چند گھنٹے مخصوص کئے گئے ہیں۔ آریہ سماج کو اگر مذہبی شوق تھا تو وہ کئی دن اس غرض کے لئے رکھ سکتی تھی۔ پس یہ اشتہار محض نمائشی ہے۔

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کا اصرار اور حضورؑ کی طرف سے رضامندی

اس نوٹ کی اشاعت کے بعد آریہ سماج لاہور نے مذہبی کانفرنس کے لئے چار دن (۲، ۳، ۴، ۵۔ دسمبر ۱۹۰۷ء) مقرر کر دئے۔ [21] اس دوران میں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اسسٹنٹ سرجن لاہور بھی حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آریہ سماج کا سیکرٹری میرا دوست ہے اس نے پختہ یقین دلایا ہے کہ اس جلسہ میں مذاہب کے متعلق کوئی دل شکنی کی بات نہ ہو گی بلکہ وہ اس بات کے لئے گویا قسم کھانے کو بھی تیار ہو گئے۔ [22] حضرت اقدسؑ نے ان کی طرف سے جو اس قدر اصرار دیکھا تو جلسہ میں مضمون بھجوانے کے لئے رضامند ہو گئے اور اپنے خدام کو بھی اطلاع دے دی کہ وہ آریہ صاحبوں کے جلسہ پر حاضر ہوں اور ان کو تسلی دی کہ وہ بڑی شرافت و تہذیب سے مضمون سنائیں گے۔ [23]

۱۸۹۶ء کے جلسہ مذاہب کی طرف جماعت کے افراد نے اس کانفرنس میں بھی شرکت کے لئے بڑے زور شور سے تیاری شروع کر دی۔ لاہور کی مقامی احمدیہ انجمن نے احمدی مہمانوں کے قیام کے لئے خواجہ کمال الدین صاحب کی جدید کوٹھی عزیز منزل (واقع کیلیانوالی سڑک) پر انتظامات مکمل کر لئے بلکہ ریلوے کے رعایتی ٹکٹوں کا بھی انتظام کر لیا گیا۔ [24]

حضرت اقدسؑ کی طرف سے مضمون کا لکھا جانا اور اس کے سنائے جانے کی تجویز

حضرت اقدس نے ۳۰/ نومبر ۱۹۰۷ء کو قلم اٹھایا اور ۲/ دسمبر کی صبح تک آپ نے ۶۹ صفحہ کا ایک مبسوط اور پر معارف مضمون مکمل کر لیا۔

مضمون ختم کر چکے تو الہام ہوا "اِنَّھُمْ مَا صَنَعُوْا ھُوَ کَیْدُ سَاحِرٍ وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ رُوْحِیْ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ النَّجْمِ الثَّاقِبِ جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ" یعنی جو کچھ انہوں نے بنایا ہے وہ جادوگر کی تدبیر ہے اور جادوگر کسی راہ سے بھی آئے کامیاب نہیں ہو گا تو مجھ سے بمنزلہ میری روح کے ہے تو مجھ سے بمنزلہ اس ستارے کے ہے جو قوت اور روشنی کے ساتھ شیطان پر

حملہ کرتا ہے۔ حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔ [۲۵] حضورؑ نے یہ الہام مضمون کے آخر میں درج فرما دیئے۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی وفات کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ ایک عام مجمع میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا مضمون پڑھا جانے کو تھا اور ابھی حضرت اقدسؑ نے مضمون لکھا بھی نہ تھا کہ مضمون کے پڑھنے کا سوال پیدا ہو گیا۔ حضورؑ کی خدمت میں مختلف نام پیش کئے گئے۔ حضرت اقدسؑ نے فیصلہ کرنے کے لئے مسجد مبارک میں ایک جلسہ منعقد کیا اور اس میں حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ' ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی سے مضمون پڑھوا کر سنا اور بالآخر حضورؑ نے حضرت مولوی نور الدین صاحب کا انتخاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت اگر مولوی عبدالکریم صاحب زندہ بھی ہوتے تو بھی میں مولوی صاحب ہی کو ترجیح دیتا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مولوی عبدالکریم صاحب بھی مولوی صاحب ہی کے شاگرد تھے۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب جہیر الصوت تھے اس لئے وہ حضرت حکیم الامت کے مددگار قرار پائے۔

۲/ دسمبر ۱۹۰۷ء کو ۱۰ بجے کے قریب حضرت اقدسؑ نے حضرت حکیم الامت کو روانہ فرمایا اور خود بھی مشایعت کے لئے باہر تشریف لے گئے [۲۶] حضرت مولوی صاحب کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب' حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب' حضرت میر ناصر نواب صاحب' شیخ یعقوب علی صاحب تراب' حضرت مفتی محمد صادق صاحب' ابو سعید صاحب عرب اور قادیان کے اور کئی اصحاب بھی قادیان سے لاہور پہنچ گئے۔ یہاں انبالہ' لدھیانہ' کپورتھلہ' امرتسر' اجنالہ' وزیر آباد' گوجرانوالہ' سیالکوٹ اور دوسرے اضلاع سے بھی کئی سو احمدی پہنچے ہوئے تھے۔ [۲۷]

حضرت اقدسؑ کا مضمون پڑھا جانا

۲/ دسمبر ۱۹۰۷ء کو سناتن دھرم اور عیسائیوں کی طرف سے مضامین پڑھے گئے اور ۳/ دسمبر کا دن برہموؤں اور مسلمانوں کے لئے مخصوص تھا۔ حضرت اقدسؑ کے لئے آریہ سماج نے ۳/ دسمبر ۱۹۰۷ء کی شام کو ۸ بجے سے ۱۰ بجے تک کا وقت مقرر کر رکھا تھا۔ جہاں پہلے اجلاسوں میں حاضری معمولی تھی وہاں اس روز لوگ ۵ بجے ہی آنا شروع ہو گئے اور ۶ بجے تک آریہ مندر وچھووالی (جہاں جلسہ ہو رہا تھا) کا صحن' کمرے اور گیلری سب پر ہو گئے۔ ۶ بجے جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی اور سب سے پہلے ماسٹر رگھوناتھ سہائے نے برہمو سماج کے نمائندہ کی حیثیت سے ایک گھنٹہ لیکچر دیا۔ یہ لیکچر ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ داخلہ کے ٹکٹ بند کر دینا پڑے۔ سلسلہ احمدیہ کے مخالفوں نے قبل ازیں قلمی اشتہار چسپاں کر دیئے تھے کہ لوگ اس جلسہ میں نہ جائیں۔ مگر اس کا الٹا اثر یہ ہوا کہ لوگ اس قدر کثرت سے پہنچے کہ

تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ ماسٹر گھوناتھ کا لیکچر ختم ہوا تو حضرت مولوی نور الدین صاحب سٹیج پر تشریف لائے اور نہایت درجہ بلند آواز سے لیکچر پڑھنا شروع کیا۔ جب کوئی آیت آپ تلاوت فرماتے تو مجلس پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی۔ [۲۸]

مضمون کا ابتدائی حصہ حضرت مولوی صاحب نے اور آخری حصہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے پڑھا۔ یہ مضمون سوا دو گھنٹے تک جاری رہا۔ [۲۹]

حضرت اقدسؑ نے اپنے مضمون میں ابتداء الہام کے متعلق لوگوں کے عقائد کا ذکر کیا اور پھر الہام کے ماننے والوں میں سے ان کا ذکر کیا جو کہتے ہیں کہ اب نہیں ہوتا۔ اس کے بعد الہام کے متعلق اپنا مذہب بیان فرمایا۔ اس کے ضمن میں اسلام کی عالمگیر تعلیم اور تمام قوموں میں نبیوں کی بعثت پر لطیف بحث فرمائی اور آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن مجید کی ہدایت اور وحی کی شوکت اور جلال کو پر شوکت الفاظ میں ادا کیا اور ثابت کیا کہ صرف اور صرف اسلام ہی ایک مذہب ہے جس کے ذریعہ اس زمانہ میں نبوت کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

اس بحث میں امن عامہ کے قیام اور عام رواداری و صلح کاری کی اسلامی تعلیم نہایت اچھوتے انداز میں پیش فرمائی اور اسلامی مسئلہ جہاد کے متعلق پیدا شدہ غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے اسلام کے حقیقی نظریہ کی وضاحت فرمائی۔

مضمون کا اختتام

معرفت اور نور سے بھرا ہوا یہ مضمون دس بجے کے قریب ختم ہو گیا۔ مضمون کے آخر میں الہامات درج تھے جن کے ترجمہ کے متعلق عام لوگوں نے شدید خواہش ظاہر کی جس پر کھڑے ہو کر حضرت مولوی صاحب نے ترجمہ بیان کیا۔ نیز اپنی جماعت کی طرف سے حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ آپ لوگ اس پر غور کریں گے۔

آپ کے بعد صدر جلسہ لالہ کاشی رام وید نے حضرت مولوی صاحب سے درخواست کی کہ ہمارے لئے دعا کریں کہ ہم کو بھی ہدایت نصیب ہو۔ اس کے بعد جلسہ برخواست ہوا۔

اخبارات کا تبصرہ

سلسلہ کے قدیم مخالف "پیسہ" اخبار نے ۳/ دسمبر ۱۹۰۷ء کے مذکورہ جلسہ کے متعلق مندرجہ ذیل رائے دی۔

"مذہبی مباحثہ کا جلسہ بر سرپرستی آریہ سماج شہر لاہور ۳/ دسمبر کی شام کو سماج مذکور کے مندر واقع وچھووالی میں ٹھیک ۶ بجے شروع ہوا اور ۱۰ بجے شب تک قائم رہا۔ خلقت کا ہجوم پہلے دن سے کہیں زیادہ اور اس قدر عظیم تھا کہ مندر کا سارا صحن' دالان' کمرے' بالائی برآمدے اور سب سے اوپر والی چھت کے کنارے لوگوں سے بھر گئے اور کہیں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ آخرکار ٹکٹ بند کر دینے

پڑے۔ اتنے بڑے اژدہام میں خوش انتظامی تو دشوار تھی تاہم غنیمت ہے کہ کسی قسم کی بدمزگی نہ ہونے پائی۔ کارروائی جلسہ کا افتتاح مسٹر روشن لال صاحب پریذیڈنٹ کی ایک مختصر تقریر سے ہوا۔ اور پہلے گھنٹہ میں برہمو سماج کے ایک قائم مقام نے اپنا لیکچر بلند آواز سے پڑھا جو جملہ مذاہب کی کتب مقدسہ کو قابل قدر ماننے کے خیالات پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد حکیم مولوی نور الدین صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے بالترتیب ایک ایک گھنٹہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا ایک مطبوعہ لیکچر جس کی ضخامت ۶۴ صفحہ تھی سنایا۔ جس کے ابتدائی حصہ میں اسلام کی عالمگیر تعلیم صلح جوئی وامن پسندی پر قابل تعریف بحث کی گئی تھی اور مذاہب غیر کو توجہ دلائی گئی تھی کہ وہ اسلام جس طرح اپنے پیروؤں کو سابق پیغمبروں کی تعظیم اور کتب ہائے مقدسہ کی تکریم کا حکم دیتا ہے اسی طرح وہ بزرگان اسلام کو ناگوار لفظوں میں یاد کر کے مسلمانوں کا دل نہ دکھائیں۔" [۲۰]

ولایت کے مشہور ماہنامہ "ریویو آف ریویوز" نے اس لیکچر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

"راقم مضمون بہت سے قرآن شریف کی آیات حوالہ میں پیش کرتا ہے جن کی بابت اس کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ آیات تمام مسلمانوں پر فرض عین قرار دیتی ہے کہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاویں جن کو دنیا کے کثیر حصہ نے قبول کر لیا ہے۔ یہ تحمل کا بہت ہی وسیع اصل اور قاعدہ ہم اپنے آزاد خیال عیسائی بھائیوں کے سامنے بطور سفارش پیش کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک بالکل نئی بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ مذہب جو اب تک تمام مذہبوں سے زیادہ متعصب اور غیر متحمل خیال کیا گیا تھا اپنے تمام دشمنوں اور مقابل کے لوگوں کے مشن کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہے۔" [۲۱]

سیکرٹری آریہ سماج کی دشنام آلود تقریر

۴/ دسمبر ۱۹۰۷ء کا دن آریہ سماج نے اپنے لئے مخصوص کیا تھا۔ عیسائیوں، سناتنیوں اور دوسرے غیر مذاہب کے نمائندوں کی تقریر میں کوئی خلاف تہذیب و شائستگی بات نہ تھی۔ اور حضورؑ کا مضمون تو سراپا صلح و امن کا پیغام تھا۔ مگر افسوس اس روز ہی ڈاکٹر چرنجیو بھاردواج (جس نے بار بار تہذیب و شائستگی کا یقین دلایا تھا) کھڑا ہوا اور اپنے مضمون میں نہایت شوخی اور بے باکی سے پاکوں کے سردار حضور سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کی مقدس ذات بابرکات پر ایسی ایسی تہمتیں لگائیں کہ مسلمانوں کے جگر پاش پاش ہو گئے۔ اجلاس کے پریذیڈنٹ نے اگرچہ بعد ازاں معذرت کی کہ یہ لیکچر ہم نے پہلے نہیں دیکھا تھا [۲۲] مگر یہ عذر گناہ بدتر از گناہ تھا۔ وہ چاہتے تو لیکچر کے دوران تقریر میں ہی روک سکتے تھے۔ درحقیقت یہ پرلے درجہ کی شرارت اور بدگوئی ایک سوچی سمجھی انتقامی سازش کے ساتھ عمل میں لائی گئی تھی جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ دسمبر ۱۸۹۶ء میں جلسہ اعظم مذاہب کے موقعہ پر

اسلام کو حضرت اقدسؑ کے ذریعہ سے جو شاندار فتح نصیب ہوئی تھی اس پر پردہ ڈال دیا جائے۔ مگر ان ناشائستہ حرکات سے ان کی مزید ذلت و رسوائی ہوئی اور خدا کا وہ الہام جو حضورؑ نے اپنے مضمون کے آخر میں درج فرما دیا تھا دوسرے ہی روز پورا ہو گیا اور آریہ سماج کی یہ مکروہ کارروائی اسلام کی سچائی کا ایک چمکتا ہوا نشان بن گئی جسے ہزاروں نے بچشم خود ملاحظہ کر لیا۔

گالیوں کی مجلس میں بیٹھے رہنے پر حضرت مسیح موعودؑ کی اظہار خفگی

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین صاحب محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) کا بیان ہے کہ "میری عمر اس وقت سترہ سال کی تھی مگر میں اس بدگوئی کو برداشت نہ کر سکا اور میں نے کہا میں تو ایک منٹ کے لئے بھی اس جلسہ میں نہیں بیٹھ سکتا۔ میں یہاں سے جاتا ہوں۔ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی مجھے کہنے لگے مولوی صاحب (حضرت حکیم الامت مولوی نور الدین صاحبؓ۔ ناقل) تو یہاں بیٹھے ہیں اور آپ اٹھ کر باہر جا رہے ہیں۔ اگر یہ غیرت کا مقام ہوتا تو کیا مولوی صاحب کو غیرت نہ آتی؟ میں نے کہا کچھ ہو مجھ سے تو یہاں بیٹھا نہیں جاتا اور رسول کریم ﷺ کی نسبت یہ سخت کلامی مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی۔ وہ کہنے لگے آپ کو کم سے کم نظام کی تو اتباع کرنی چاہئے۔ مولوی صاحب اس وقت ہمارے لیڈر ہیں اس لئے جب تک وہ بیٹھے ہیں اس وقت تک نظام کی پابندی کے لحاظ سے آپ کو اٹھ کر باہر نہیں جانا چاہئے۔ ان کی یہ بات اس وقت کے لحاظ سے مجھے معقول معلوم ہوئی اور میں بیٹھ گیا۔ جب ہم واپس آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو اس واقعہ کا علم ہوا تو... آپ کو اس قسم کا غصہ پیدا ہوا کہ ویسا غصہ آپ میں بہت ہی کم دیکھا گیا ہے۔ آپؑ بار بار فرماتے۔ دوسرے مسلمان تو مردہ ہیں ان کو کیا علم ہے کہ رسول کریم ﷺ کی کیا شان ہے۔ لیکن ہم نے تو اس طرح اسلامی تعلیم کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے اور اس طرح رسول کریم ﷺ کے فضائل اور آپؐ کے کمالات کو روشن کیا ہے کہ اس کے بعد یہ تسلیم ہی نہیں کیا جا سکتا کہ ہماری جماعت کو یہ معلوم نہیں تھا کہ رسول کریم ﷺ کی کیا شان ہے؟ آپؑ نے فرمایا کہ تمہیں تو ایک منٹ کے لئے بھی اس جگہ پر بیٹھنا نہیں چاہئے تھا۔ بلکہ جس وقت اس نے یہ الفاظ کہے تھے تمہیں اسی وقت کھڑے ہو جانا چاہئے تھا اور اس ہال سے باہر نکل آنا چاہئے تھا۔ اور اگر وہ تمہیں نکلنے کے لئے راستہ نہ دیتے تو پھر اس ہال کو خون سے بھرا ہوا ہونا چاہئے تھا۔ یہ کیوں کر تم نے بے غیرتی دکھائی کہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دی گئیں اور تم خاموشی سے بیٹھ کر ان گالیوں کو سنتے رہے۔

حضرت خلیفہ اولؓ اس وقت آپؑ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ جماعت کے ایک بڑے آدمی

تھے مگر وہ بھی سرڈالے بیٹھے رہے۔ آپؑ بار بار فرماتے تمہاری غیرت نے یہ کیوں کر برداشت کر لیا کہ تم اس جگہ پر بیٹھے رہو جہاں رسول کریم ﷺ کی ہتک ہو رہی ہے تب مولوی محمد احسن صاحب امروہی گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور جس طرح حضرت ابو بکرؓ نے رسول کریم ﷺ کی ایک ناراضگی کے موقعہ پر یہ الفاظ کہے تھے کہ رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد رسولا اسی قسم کے الفاظ انہوں نے کہے اور پھر کہا حضورؑ ذہول ہو گیا یعنی ہر آدمی سے بعض موقعوں پر غلطی ہو جاتی ہے ہم سے بھی ذہول کے ماتحت یہ غلطی ہوئی ہے حضورؑ درگزر فرمائیں۔ آخر بہت دیر کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا غصہ فرو ہوا اور آپؑ نے اس غلطی کو معاف فرمایا۔" [۲۲]

حواشی

۱۔ بدر ۹/ مئی ۱۹۰۷ء صفحہ ۶
۲۔ بدر ۱۶/ مئی ۱۹۰۷ء صفحہ ۵ کالم ۱۔ ۲ و بدر ۳۰/ مئی ۱۹۰۷ء صفحہ ۵ تا ۸
۳۔ بدر ۲۷/ جون ۱۹۰۷ء صفحہ ۴ کالم او ذکر حبیب صفحہ ۱۴۹ از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ
۴۔ بدر ۱۸/ جولائی ۱۹۰۷ء صفحہ ۵ کالم ۱
۵۔ بدر ۱۹/ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۴ کالم ۲ الحکم ۱۷/ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ا۔ ب
۶۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۷۶۔ ۱۷۷
۷۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۷۶۔ ۱۷۷
۸۔ الحکم ۲۴/ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۵ کالم ۱۔ ۲
۹۔ الحکم ۲۴/ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۶ کالم ۱۔ ۲
۱۰۔ بدر ۱۹/ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۴ کالم ۳ و الحکم ۲۴/ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۵ کالم ۱۔ ۲
۱۱۔ بدر ۵/ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۳ و الحکم ۳۱/ اگست ۱۹۰۷ء صفحہ ۵۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۱۹
۱۲۔ بدر ۳/ اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۴ کالم ۲۔ ۳
۱۳۔ بدر ۳/ اکتوبر ۱۹۰۷ء ذکر حبیب صفحہ ۱۴۷، ۱۵۳ از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ
۱۴۔ ذکر حبیب صفحہ ۱۴۷۔ ۱۴۸ مؤلفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ۔ ان خطوط میں سے بعض کا عکس رسالہ "انصار اللہ" ربوہ کے بعض ابتدائی نمبروں میں چھپ چکا ہے۔
۱۵۔ بدر ۳/ اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۴ کالم ۴
۱۶۔ بدر ۳/ اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۴ کالم ۳
۱۷۔ بیان حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز مندرجہ "الفضل" ۲۴/ دسمبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۲
۱۸۔ بدر ۳/ اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۴ کالم ۳
۱۹۔ الحکم ۱۰/ نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۸ کالم ۲
۲۰۔ چشمہ معرفت صفحہ ب۔ ج
۲۱۔ الحکم ۲۴/ نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۴ کالم ۱
۲۲۔ چشمہ معرفت صفحہ ب۔ ج
۲۳۔ چشمہ معرفت صفحہ ب۔ ج
۲۴۔ الحکم ۳۰/ نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۴ کالم ۲
۲۵۔ الحکم ۱۰/ دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۳ و چشمہ معرفت ضمیمہ صفحہ ۶۸
۲۶۔ الحکم ۱۰/ دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۴ کالم ۱۔ ۲ و الفضل ۱۶/ جولائی ۱۹۴۴ء صفحہ ا کالم ۲۔ ۳
۲۷۔ الحکم ۱۰/ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۳ کالم ۲ و بدر ۱۲/ دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ ۲
۲۸۔ الحکم ۱۰/ دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۴ تا ۷
۲۹۔ بدر ۱۲/ دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۴ کالم ۱
۳۰۔ بحوالہ الحکم ۱۰/ دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۶۔ ۷
۳۱۔ بحوالہ ریویو آف ریلیجنز اردو مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۹۱۔ ۱۹۲
۳۲۔ چشمہ معرفت صفحہ ج۔ د صفحہ ۲۔ ۵ و بدر ۱۲/ دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۶ کالم ۱
۳۳۔ الفضل ۱۶/ جولائی ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۱۹۔ ۲۲۰

حضرت مسیح موعودؑ کے مبارک دور کا

آخری سالانہ جلسہ

۱۹۰۷ء کا سالانہ جلسہ

۱۹۰۷ء کا سالانہ جلسہ تاریخ احمدیت میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ یہ آخری جلسہ تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبارک زندگی میں ہوا۔

مہمانوں کی آمد

جلسہ سالانہ ۱۹۰۷ء کے لئے احباب کی آمد ۱۹/ دسمبر سے شروع ہو گئی تھی۔ چند ایک دوست اس سے بھی پہلے دارالامان میں پہنچ چکے تھے مگر سب سے پہلے آنے والی جماعت دوالمیال کی تھی جو اپنے امیر مولوی کرم داد صاحب کے ہمراہ قادیان پہنچی تھی۔ اس کے بعد ہر روز ملک کے چاروں طرف سے بکثرت احباب کی آمد شروع ہو گئی۔ ۲۴/ دسمبر کی شام اور اس کے بعد سیالکوٹ' جموں' وزیر آباد' گوجرانوالہ' جہلم' گجرات' لاہور' امرتسر' کپور تھلہ' لودھیانہ' جالندھر' دہلی اور دیگر مختلف اطراف کی جماعتیں وارد ہوئیں۔ ۲۶۔ ۲۷ دسمبر کو بھی مہمانوں کی بکثرت آمد ہوئی۔

۲۵/ دسمبر کا دن۔ تشحیذ الاذہان کا جلسہ

۲۵/ دسمبر کو نماز ظہر کے بعد تشحیذ الاذہان کا ایک عام اجلاس ہوا۔ سب سے اول حافظ عبدالرحیم صاحب نے سالانہ رپورٹ پڑھی۔ اس کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے زمانہ کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے نوجوان کو ان کی اہم ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے (جو اس وقت مدرسہ تعلیم الاسلام کے طالب علم تھے۔) اپنا مضمون پڑھا اور اکبر شاہ خان صاحب اور نعمت اللہ صاحب گوہر نے نظمیں سنائیں۔ آخری تقریر حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے واعظ کے مزکی ہونے کے بارے میں فرمائی۔

۲۶/ دسمبر کا دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیر کا ایمان افروز نظارہ

۲۶/ دسمبر کی صبح کو حضرت اقدسؑ باہر سیر کے واسطے تشریف لے گئے۔ خدام جوق در جوق ساتھ ہوئے اور پروانوں کی طرح زیارت کے واسطے آگے بڑھتے تھے۔ اس قدر ہجوم تھا کہ سیر پر جانا مشکل ہو گیا۔ حضرت اقدس گاؤں کے باہر ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے اور اپنے خدام کو قریباً دو گھنٹے مصافحہ کا شرف بخشا۔ اس وقت کا نظارہ قابل دید تھا۔ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ سب سے پہلے میں آگے بڑھوں اور زیارت کروں۔ ایک دیہاتی دوسرے کو کہہ رہا تھا کہ اس بھیڑ میں سے زور کے ساتھ اندر جا اور زیارت کر۔ اور ایسے موقعہ پر بدن کی بوٹیاں بھی اڑ جائیں تو پروا نہ کر۔ مفتی محمد صادق صاحبؓ نے یہ دیکھ کر کہا لوگ بیچارے سچے ہیں کیا کریں۔ تیرہ سو سال کے بعد ایک نبی کا چہرہ دنیا میں نظر آیا ہے۔ پروانے نہ بنیں تو کیا کریں۔

ظہر و عصر کی کارروائی

ظہر اور عصر ہر دو نمازیں مسجد اقصیٰ میں جمع کر کے پڑھی گئیں۔ نماز کے بعد حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ نے بعض نکاح پڑھے اور خطبہ میں نکاح کے مقصد پر ایک لطیف تقریر فرمائی۔ نکاح کے بعد میر قاسم علی صاحب نے ایک منظوم مبارک نامہ پڑھا۔ [۲]

۲۷/ دسمبر کا دن۔ حضرت اقدسؑ کی پہلی تقریر

۲۷/ دسمبر کو مسجد اقصیٰ میں جمعہ پڑھا گیا جمعہ کے موقت مسجد اقصیٰ کے اندر اور باہر کا صحن پوری طرح بھر گیا اور خدام نے اردگرد کی دوکانوں گھروں اور ڈاکخانہ کی چھتوں پر نماز جمعہ ادا کی۔ کل حاضری تین ہزار کے قریب ہو گی۔ حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ نے خطبہ پڑھا۔ نماز جمعہ کے ساتھ ہی نماز عصر بھی جمع کی گئی۔ اس کے بعد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے خدام سے نہایت روح پرور خطاب فرمایا۔ [۳] جس میں حضورؑ نے سورہ فاتحہ کی لطیف تفسیر بیان فرمانے کے بعد جماعت کو تزکیہ نفس کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا۔ تزکیہ نفس اسے کہتے ہیں کہ خالق و مخلوق دونوں طرف کے حقوق کی رعائت کرنے والا ہوں۔ خدا تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ جیسا زبان سے اسے وحدہ لاشریک مانا جائے ایسا ہی عملی طور سے اسے مانیں اور مخلوق کے ساتھ برابر نہ کیا جاوے۔ اور مخلوق کا حق یہ ہے کہ کسی سے ذاتی بغض نہ ہو۔ بیشک خدا کا حق بڑا ہے مگر اس بات کو پہچاننے کا آئینہ کہ خدا کا حق ادا کیا جا رہا ہے یہ ہے کہ مخلوق کا حق بھی ادا کر رہا ہے یا نہیں جو شخص اپنے بھائیوں سے معاملہ صاف نہیں رکھ سکتا۔ وہ خدا سے بھی صاف نہیں رکھتا۔

دیکھو آنحضرت ﷺ کی جماعت نے بیشمار فتوحات پائیں مگر کس لئے کہ بمنزلہ جان واحد

ہو گئے۔ خانہ خدا اس کو نہ کہیں گے جو بت خانہ ہو۔ انسان کا دل خدا کا گھر ہے یہ خدا کا گھر اس وقت کہلائیگا اور اس وقت فرشتوں کا طواف گاہ بنے گا جب یہ اوہام باطلہ و عقائد فاسدہ سے بالکل پاک و صاف ہو۔ جب تک انسان کا دل صاف نہ ہو اس کی عملی حالت درست نہیں ہو سکتی۔ دیکھو یہ وقت ہے جو کچھ کرنا ہے کرلو ایسا نہ ہو کہ بوجہ مخالفت دنیا سے بھی رہو اور دین سے بھی خالی چلے جاؤ۔ کسی کو کیا معلوم کہ کون آئے گا۔ موتا موتی لگ رہی ہے توبہ و خشوع و خضوع سے کام لو۔ [۴] تقریر کے بعد احباب حضورؑ سے مصافحہ کرتے رہے۔

۲۸/دسمبر کا دن۔ حضور کی سیر

۲۸/دسمبر کو صبح حسب معمول سیر کے لئے حضورؑ تشریف لے گئے۔ احباب بہت کثرت سے ساتھ تھے مگر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، چوہدری مولا بخش صاحب، ملک محمد حیات صاحب، حکیم محمد عمر صاحب اور ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب نے ایسا انتظام کیا کہ تمام دوستوں نے نہایت اطمینان کے سات حضور کی زیارت کا شرف حاصل کرلیا۔ حضرت اقدسؑ میدان میں ایک جگہ بیٹھ گئے۔ اس وقت پہلے ایک امرتسری دوست نے بعد ازاں ابو یوسف مولوی مبارک علی صاحب نے نظمیں سنائیں۔ [۵]

حضرت اقدسؑ کی دوسری تقریر

اس دن ظہر و عصر کی نمازیں مسجد اقصیٰ میں جمع ہوئیں۔ بعد ازاں حضرت اقدسؑ نے دوسری تقریر فرمائی جس کی ابتداء میں حضور نے فرمایا "جو کچھ کل میں نے تقریر کی تھی اس کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا کیونکہ بسبب علالت طبع تقریر ختم نہ ہو سکی اس واسطے آج پھر میں تقریر کرتا ہوں۔ زندگی کا کچھ اعتبار نہیں جس قدر لوگ آج اس جگہ موجود ہیں معلوم نہیں ان میں سے کون سال آئندہ تک زندہ رہے گا اور کون مر جائے گا۔؟"

ان درد انگیز الفاظ کے بعد جو دلوں کو ہلا دینے والے تھے حضورؑ نے اپنے خدام کو نہایت لطیف پیرائے میں شرح و بسط کے ساتھ صبر کی تلقین فرمائی۔ علاوہ ازیں ان کو اور بھی قیمتی نصائح سے نوازا۔ اور یہ سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی تقریر ان الفاظ پر ختم ہوئی۔

"کیا پہلے سے نہیں کہا گیا تھا کہ آخری زمانہ میں ایک قرناء آسمان سے پھونکی جائے گی۔ کیا وحی خدا کی آواز نہیں۔ انبیاء جو آتے ہیں وہ قرناء کا حکم رکھتے ہیں۔ نفخ صور سے یہی مراد تھی کہ اس وقت ایک مامور کو بھیجا جائے گا وہ سنا دے گا کہ اب تمہارا وقت آگیا ہے۔ کون کسی کو درست کر سکتا ہے۔ جب تک کہ خدا درست نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ایک قوت جاذبہ عطا کرتا ہے کہ لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ خدا کے کام کبھی حبط نہیں جاتے۔ ایک قدرتی کشش کام کر

دکھائے گی۔ اب وہ وقت آگیا ہے جس کی خبر تمام انبیاء ابتداء سے دیتے چلے آئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فیصلہ کا وقت قریب ہے اس سے ڈرو اور توبہ کرو۔"[۶]

کانفرنس صدر انجمن احمدیہ

اسی روز ۲۸/ دسمبر ۱۹۰۷ء کو بعد از نماز مغرب صدر انجمن احمدیہ کی کانفرنس ہوئی جس میں بیرونجات کی اکثر انجمنوں کے سیکرٹری اور پریذیڈنٹ شامل ہوئے سیکرٹری صاحب کی پیش کردہ رپورٹ مختلف صیغوں کی پڑھی گئی اور اس کے بعد بجٹ برائے ۱۹۰۸ء پیش ہوا۔ بجٹ کے بعد خواجہ کمال الدین صاحب نے تمام ضروری امور پر ایک مفصل بحث کی۔ ازاں بعد حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ نے ایک تقریر فرمائی جس میں بتایا کہ قرآن شریف کی رو سے کس قسم کی انجمنوں کا بنانا جائز ہے۔ اس تقریر سے ظاہر ہوتا تھا کہ قرآن شریف علوم کا ایک ایسا سمندر ہے کہ اس میں ہر ایک ضروری چیز پائی جاتی ہے۔[۷]

بیعت

ایام جلسہ میں ہر روز بیعت کا سلسلہ جاری رہا۔ بیعت کرنے والوں کی تعداد بعض اوقات اتنی بڑھ جاتی کہ لوگوں کا حضور تک پہنچنا اور معمول کے مطابق حضرت اقدس علیہ السلام کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کرنا ناممکن ہو جاتا اس لئے پگڑیوں کے ذریعہ بیعت کی جاتی اور اس کا طریق یہ ہوتا کہ لوگ اپنی پگڑیاں اتار کر مختلف سمتوں میں پھیلا دیتے اور بعض پگڑیوں کو ایک دوسری سے باندھ کر دور دور تک پہنچا دیا جاتا۔ ان پگڑیوں کا ایک سرا ان بیعت کرنے والوں کے ہاتھ میں ہوتا۔ جو حضرت اقدسؑ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کر رہے ہوتے تھے اور دوسرے بیعت کرنے والے ان پگڑیوں کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیتے اس طرح گویا بظاہر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور ان بیعت کرنے والوں میں روحانی رو کا تسلسل قائم کیا جاتا۔ بیعت کے الفاظ دوہراتے وقت چونکہ حضور کی آواز بھی دور بیٹھے ہوئے بیعت کرنے والوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی اس لئے مجمع میں دو تین خدام کھڑے ہو جاتے جو حضرت اقدسؑ کی اتباع میں بیعت کے الفاظ بلند آواز سے دوہراتے ہوئے دوسرے بیعت کرنے والوں تک پہنچاتے تھے۔

لنگر خانہ کا انتظام اور الہام اطعموا الجائع والمعتر

شیخ یعقوب علی صاحب، حکیم فضل الدین صاحب، مفتی فضل الرحمٰن صاحب، قاضی امیر حسین صاحب نیز مدرسہ کے دوسرے اساتذہ اور طلباء نے بطور والنٹیرز مہمانوں کے کھانا کھلانے میں بہت محنت سے کام کیا۔ لیکن مہمانوں کی آمد اندازے سے بہت ہی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ایک دن بعض مہمانوں کو ناگزیر وجوہ کی بناء پر بہت دیر سے کھانا ملا۔ اور بعض مہمان تو بغیر کھانا کھائے بھوکے ہی اپنے اپنے کمروں میں جا کر سو گئے۔ نہ تو انہوں نے شکایت کی نہ کسی سے ذکر

کہ کوئی ان سے ہمدردی کرتا۔ مگر جب انہوں نے صبر کیا اور کسی سے ذکر تک نہ کیا تو خود رب العرش نے جس کے وہ مہمان تھے اپنے فرستادہ نمائندہ کو الہام کیا "اطعموا الجائع والمعتر" بھوکے اور مضطر کو کھانا کھلاؤ۔ صبح سویرے حضورؑ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ بعض مہمان رات بھوکے رہے۔ اسی وقت حضورؑ نے لنگر کے منتظمین کو بلایا اور بہت تاکید فرمائی کہ مہمانوں کی ہر طرح سے خاطر تواضع کی جائے اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ [8]

۱۹۰۷ء کے بعض ممتاز صحابہ

۱۹۰۷ء کے بعض ممتاز صحابہ کے نام یہ ہیں۔

۱۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب [9] (حال صدر عالمی عدالت انصاف ہیگ)

۲۔ حاجی ابوبکر یوسف صاحب جدہ۔ [10]

۳۔ شیخ نیاز محمد صاحب انسپکٹر پولیس۔ [11]

ماموریت کا ستائیسواں ۲۷ سال

"چشمہ معرفت" کی تصنیف و اشاعت

(۱۹۰۸ء)

وجہ تالیف

آریہ سماج نے اپنی مذہبی کانفرنس میں اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر ناپاک حملے کئے تھے۔ اور گو آریہ سماج نے جب اس کانفرنس کے مضامین شائع کئے تو اس میں سے قابل اعتراض حصے حذف کر دیئے۔ [۱۲] مگر جن گندی باتوں کو ہزاروں افراد نے سنا ان کا ازالہ کرنا ازبس ضروری تھا۔ لہٰذا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے شروع جنوری ۱۹۰۸ء میں ہی اس کے جواب میں "چشمہ معرفت" کے نام سے ایک مبسوط اور جامع کتاب تالیف فرمادی جو ۱۵/ مئی ۱۹۰۸ء کو شائع ہوئی۔ یہ کتاب اپنے نام کی طرح معرفت کا ایسا پاک چشمہ ہے جس سے اسلام کی خوبیاں اور کمالات بحر مواج کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔

چشمہ معرفت کی خصوصیت اور اس کا خلاصہ مضمون

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں میں سے "چشمہ معرفت" میں بہت ہی لطیف مضامین ہیں۔ اور اس میں خوبی اور کمال یہ ہے کہ اس میں بہت سے مضامین نہایت جامعیت کے ساتھ چند سطروں میں آجاتے ہیں اور چند سطروں کے بعد ایک نیا مضمون سامنے آجاتا ہے۔

چشمہ معرفت کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں حضورؑ نے ان دعاوی کا رد فرمایا ہے جو ڈاکٹر بھارد واج سیکرٹری آریہ سماج لاہور نے وید کے بارے میں کئے تھے۔ دوسرے حصہ میں ان حملوں کا رد ہے جو قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے گئے تھے۔ خاتمہ کتاب میں حضور علیہ السلام نے باوا نانک صاحب کی اسلام کی نسبت گواہی لکھی اور چولہ صاحب اور سکھوں کی کتاب سے باوا صاحب کے مسلمان ہونے کے قطعی ثبوت دیئے۔ کتاب کے آخر میں حضور کا وہ معرکتہ الاراء مضمون شامل کیا گیا ہے جو آریہ سماج کی مذہبی کانفرنس میں پڑھا گیا تھا۔

غیر مذاہب کو چیلنج حضور علیہ السلام نے چشمہ معرفت میں بھی اسلام کے زندہ مذہب ہونے کے متعلق تمام غیر مذاہب کو چیلنج کیا اور لکھا کہ "میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اسلام ایسے بدیہی طور پر سچا ہے کہ اگر تمام کفار روئے زمین دعا کرنے کے لئے ایک طرف کھڑے ہوں اور ایک طرف صرف میں اکیلا اپنے خدا کی جناب میں کسی امر کے لئے رجوع کروں تو خدا میری ہی تائید کرے گا۔ مگر نہ اس لئے کہ سب سے میں ہی بہتر ہوں بلکہ اس لئے کہ میں اسکے رسول پر دلی صدق سے ایمان لایا ہوں۔" [۱۳]

گوروہر سہائے ضلع فیروز پور میں باوا نانکؒ کے تبرکات میں "قرآن شریف" کا انکشاف

اس سال حضرت مسیح موعودؑ کا باوا نانک صاحبؒ کے مسلمان ہونے کی ایک نئی شہادت ملی اور وہ یہ کہ گورو ہر سہائے واقع ضلع فیروز پور میں سکھوں کے ایک نہایت معزز خاندان کے قبضہ میں باوا نانک صاحبؒ اور بعد کے گدی نشین گوروؤں کے چند تبرکات چلے آتے تھے جن میں باوا صاحب کی ایک تسبیح، پوتھی، قرآن شریف [۱۴] اور چند دیگر اشیاء بھی تھیں۔ یہ قرآن شریف اور دیگر تبرکات نہایت ادب کے ساتھ بہت سے ریشمی غلافوں میں بند تھے اور گورو بشن سنگھ صاحب [۱۵] کے پاس تھے جن کے مورث اعلیٰ سکھوں کے چوتھے گورو رام داس تھے۔ امرتسر کا مشہور "سنہری مندر" [۱۶] ان ہی گورو صاحب سے موسوم ہے۔ ان تبرکات کے سبب یہ خاندان سکھ قوم میں ہمیشہ ممتاز اور بڑی بڑی جاگیروں کا مالک رہا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ گوشتہ مہاراجہ والی ریاست فرید کوٹ بھی وہاں گئے اور ایک ہاتھی اور ایک ہزار روپیہ نقد ان تبرکات کے سبب گورو صاحب کی نذر کیا۔ [۱۷]

گوروہر سہائے کے لئے وفد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو جب یہ معلومات پہنچیں تو آپ کو بہت خوشی ہوئی اور آپ نے مزید تحقیق کے لئے ایک وفد بھجوایا جس کے ممبر یہ تھے۔

۱۔ مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر اخبار بدر قادیان۔
۲۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ایڈیٹر رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیان۔
۳۔ حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب ایڈیٹر رسالہ تشحیذ الاذہان۔
۴۔ سید امیر علی شاہ صاحب سب انسپکٹر جلال آباد۔

۵۔ حکیم ڈاکٹر نور محمد صاحب لاہوری مالک کارخانہ ہمدم صحت لاہور۔
۶۔ شیخ عبدالرحیم صاحب نو مسلم (سابق جگت سنگھ)۔
۷۔ چوہدری فتح محمد صاحب (سیال) طالب علم گورنمنٹ کالج لاہور۔

وفد نے گورو ہرسہائے میں پہنچ کر ۴/ اپریل ۱۹۰۸ء کو گورو بشن سنگھ صاحب کے ذریعہ سے یہ قرآن شریف کھول کر پڑھا جو دراصل ایک نہایت خوشخط لکھی ہوئی حمایل شریف تھی۔ جس کا سائز تخمیناً تین انچ چوڑا اور ساڑھے چار انچ لمبا تھا۔ ہر صفحہ پر ارد گرد سنہری لکیریں پڑی تھیں اور بعض مقامات پر سنہری بیل تھی گورو بشن سنگھ صاحب نے بتایا کہ پرانے گورو صاحبان سے یہ قرآن شریف بطور تبرک چلا آتا ہے۔ [۱۸] ایک سکھ ودوان اس وفد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "وفد کے تمام ممبر تعلیم یافتہ تھے۔ قرآن ان کے نوک زبان تھا۔ پوتھی دیکھ کر اسے قرآن کہنے میں انہیں کوئی مغالطہ نہیں لگا۔" [۱۹]

ہندو اور سکھ اصحاب پر اتمام حجت

وفد نے واپس آکر جب قرآن شریف کے موجود ہونے کی تصدیق کر دی تو حضور علیہ السلام نے "چشمہ معرفت" میں یہ تمام تفصیلات درج فرما کر لکھا کہ "باوا نانک صاحب" کا وجود تمام ہندوؤں پر خدا تعالیٰ کی ایک حجت ہے خاص کر سکھوں پر جو ان کے پیرو کہلاتے ہیں۔ خدا نے آریوں میں سے ایک ایسا مقدس شخص پیدا کیا کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ اسلام سچا ہے اور جو تکذیب کرتے ہیں وہ ان کے منہ پر تھوکتے ہیں۔ پس اے وہ تمام لوگو! جو اس مقدس گرو کے سکھ ہو خدا سے ڈرو! صرف میں ہی تم کو ملزم نہیں کرتا بلکہ وہ مقدس بزرگ بھی تم کو ملزم کر رہا ہے جس کی پیروی کا تم کو دعویٰ ہے۔ اگر تم اس مقدس گرو کے سچے سکھ ہو تو ہندوؤں کا تعلق چھوڑ دو جیسا کہ اس نے چھوڑ دیا تھا۔ اور اس پاک مذہب کی روشنی سے تم بھی نور حاصل کرو جس کے نور سے وہ بزرگ سرتاپا روشن ہو گیا تھا۔" [۲۰]

نکاح حضرت سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا

۱۷/ فروری ۱۹۰۸ء کو حضرت سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہ کا نکاح حجتہ اللہ حضرت نواب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ سے چھپن ہزار روپیہ مہر پر مسجد اقصیٰ میں ہوا۔ خطبہ نکاح حضرت حکیم الامت مولوی نور الدین صاحبؓ نے پڑھا۔ نواب صاحب موصوف کے خاندان میں حق مہر کے متعلق یہ دستور تھا کہ کئی کئی لاکھ روپیہ مقرر کیا جاتا تھا اور انہوں نے اپنی خاندانی رسم کی وجہ سے اب بھی یہی کہا تھا کہ مہر زیادہ رکھا جائے مگر حضرت اقدس علیہ السلام نے اسے پسند نہ فرمایا۔ [۲۱] البتہ مہر کے متعلق

تحریر کو باقاعدہ رجسٹری کروا کے اس پر شہادتیں ثبت کروا دیں جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ حضرت نواب صاحب موصوف کی جائداد سرکار انگریزی کے علاقے میں واقع نہ تھی بلکہ ایک ریاست میں تھی اور اس کے متعلق تنازعات اور پیچیدگیاں پیدا ہونے کا احتمال ہو سکتا تھا اس لئے مہرنامہ کو بقاعدہ رجسٹری کروانا ضروری خیال کیا گیا۔ [۲۲] دوسرے ریاست مالیر کوٹلہ میں بیوی قانوناً محروم الارث ہوتی ہے لہٰذا نواب صاحب موصوف کی جائداد میں شرعی لحاظ سے جتنا حصہ حضرت سیدہ موصوفہ کا متعین ہوتا تھا اسی کے مطابق مہر تجویز کر دیا گیا۔ [۲۳]

نکاح کی مبارک تقریب میں شمولیت کے لئے لاہور کے میاں چراغ دین صاحب' ڈاکٹر حکیم نور محمد صاحب' حکیم محمد حسین صاحب قریشی' بابو غلام محمد صاحب' مستری محمد موسیٰ صاحب' شیخ رحمت اللہ صاحب' خواجہ کمال الدین صاحب اور خلیفہ رجب دین صاحب اور بعض دیگر احباب بھی قادیان پہنچ گئے۔

رخصتانہ

رخصتانہ کی تقریب میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد ۱۴/ مارچ ۱۹۰۹ء کو بروز اتوار منعقد ہوئی۔ حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کا بیان ہے کہ "رخصتانہ نہایت سیدھی سادھی طرز سے ہوا۔ مبارکہ بیگم صاحبہ کے آنے سے پہلے مجھ کو حضرت ام المومنین علیہا السلام نے فہرست جہیز بھیج دی اور دو بجے ام المومنین علیہا السلام مبارکہ بیگم صاحبہ کو اپنے ساتھ لے کر میرے مکان پر ان سیڑھیوں کے راستہ سے جو میرے مکان اور حضرت اقدسؑ کے مکان کو ملحق کرتی تھیں' تشریف لائیں۔ میں چونکہ مسجد میں تھا اسلئے ان کو بہت انتظار کرنا پڑا۔ اور جب بعد نماز میں آیا تو مجھ کو بلا کر مبارکہ بیگم صاحبہ کو بایں الفاظ نہایت بھری آواز سے کہا کہ "میں اپنی یتیم بیٹی کو تمہارے سپرد کرتی ہوں" اس کے بعد ان کا دل بھر آیا اور فوراً السلام علیک کر کے تشریف لے گئیں۔" [۲۴]

حضرت نواب محمد علی خاں صاحب نے اگلے دن ۱۵/ مارچ ۱۹۰۶ء کو قادیان کے تمام احمدیوں اور قصبہ کے بعض عمائدین کو دعوت ولیمہ دی۔ [۲۵]

اولاد

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے بطن سے یہ اولاد ہوئی:۔

نواب محمد احمد خاں صاحب (ولادت ۱۱/ جولائی ۱۹۱۰ء)' صاحبزادی منصورہ بیگم صاحبہ (ولادت ۲۷/ ستمبر ۱۹۱۱ء) نواب مسعود احمد خاں صاحب (ولادت ۱۷/ اپریل ۱۹۱۳ء)' صاحبزادی محمودہ بیگم صاحبہ (ولادت ۱۵/ اگست ۱۹۱۸ء)' صاحبزادی آصفہ مسعودہ بیگم صاحبہ (ولادت ۲/ ستمبر ۱۹۲۹ء) [۲۶]

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل کی بیعت

ماموریت کے اس آخری سال میں جو بزرگ صحابہ کے مقدس زمرہ میں شامل ہوئے ان میں سب سے ممتاز مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل حلال پوری [۲۷] تھے۔ آپ نے ۱۷/ فروری ۱۹۰۸ء کو تحریری اور ۱۳/ اپریل ۱۹۰۸ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی۔ قبول احمدیت کی راہ میں آپ کو بڑی بڑی تکالیف برداشت کرنا پڑیں مگر آپ اس پامردی اور استقلال سے ایمان پر قائم رہے کہ کئی پہلے آنے والوں سے بھی اپنے اخلاص و فدائیت میں بہت آگے نکل گئے۔ و ذلک فضل اللہ یو تیہ من یشاء۔

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل کے علاوہ پنجابی کے مشہور شاعر مولوی محمد دلپذیر صاحب اور ان کے بیٹے ڈاکٹر منظور احمد صاحب بھی حضور کی بیعت کر کے زمرہ صحابہ میں شامل ہوئے۔

سر جیمز ولسن صاحب فنانشل کمشنر پنجاب کا دورہ قادیان

سر جیمز ولسن صاحب فنانشل کمشنر پنجاب ایک روزہ دورہ پر ۲۱/ مارچ ۱۹۰۸ء صبح گیارہ بجے قادیان آئے۔ ان کے ہمراہ کنگ صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور مہتمم بندوبست اور پرائیویٹ سیکرٹری بھی تھے۔

معزز مہمانوں کا استقبال

معزز مہمانوں کے استقبال کے لئے مدرسہ تعلیم الاسلام کی مجوزہ زمین کے کھلے میدان میں خیمے نصب کئے گئے۔ داخلہ کے لئے ایک دروازہ بھی بنایا گیا جس پر سنہری حروف میں (Welcome) یعنی خوش آمدید لکھا ہوا تھا ۲۰/ مارچ کی شام کو خواجہ کمال الدین صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ فنانشل کمشنر کے استقبال کے لئے آگے جانا چاہیے۔ حضورؑ نے فرمایا مجھے ان تکلفات سے نفرت ہے۔ باقی استقبال وغیرہ کرنا کمیٹیوں کا کام ہے۔ آپ چند آدمی اپنے ساتھ لے لیں اور ان کا استقبال کریں۔ [۲۸] چنانچہ خواجہ صاب موصوف حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب اور خواجہ جمال الدین صاحب کے ساتھ ۲۱/ مارچ کی صبح کو گھوڑوں پر سوار ہو کر قادیان سے بغرض استقبال گئے۔ کوئی گیارہ بجے صبح ڈپٹی کمشنر ضلع اور پرائیویٹ سیکرٹری کے ساتھ قادیان میں داخل ہوئے۔ خیمہ کے ساتھ مدرسہ تعلیم الاسلام کے طلبہ دو رویہ قطار میں کھڑے تھے۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب ہیڈ ماسٹر مدرسہ تعلیم

السلام نے جو (جو صف کے سرے پر کھڑے تھے) استقبال کیا۔ کمشنر صاحب نے ان سے مدرسہ کے حالات دریافت کئے۔ آگے چبوترہ پر جماعت احمدیہ کے معزز اراکین [۲۹] بیٹھے تھے جن میں سے اکثر وہ تھے جو خاص طور پر اس تقریب کے لئے باہر سے آئے تھے۔ مولوی محمد علی صاحب نے ان کا تعارف کروایا اور خواجہ کمال الدین صاحب نے جماعت کی طرف سے شام کے کھانے کی پیش کش کی جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ [۳۰] چنانچہ حضورؑ کے ارشاد کے مطابق لنگر سے پکا پکایا کھانا کیمپ میں پہنچا دیا گیا۔ [۳۱]

حضرت اقدسؑ نے فنانشل کمشنر صاحب کی ملاقات

اثنائے گفتگو میں فنانشل کمشنر صاحب نے حضرت اقدسؑ سے ملاقات کے لئے خواہش کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ حضورؑ اپنے بعض خدام کے ساتھ شام کے پانچ بجے تشریف لے گئے۔ اس وقت عجب نظارہ تھا کیمپ کے اردگرد مخلوق خدا کا ایک تانتا بندھا تھا فنانشل کمشنر صاحب نہایت اخلاق و اکرام سے احتراماً آگے آئے اور اپنے خیمہ کے دروازہ پر حضور کا شایان شان استقبال کیا۔ حضرت اقدسؑ اور دوسرے احباب کرسیوں پر بیٹھ گئے اور نہایت اچھے ماحول میں سلسلہ کلام شروع ہوا۔ حضورؑ پون گھنٹہ تک اسلام کی خوبیوں اور اپنے سلسلہ کے اغرض و مقاصد مختلف امور پر گفتگو فرماتے رہے۔ فنانشل کمشنر صاحب حضور کی ملاقات پر بہت ہی خوش ہوئے۔ زاں بعد حضور واپس تشریف لے آئے۔ واپسی پر اتنا ہجوم تھا کہ لوگ ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ خدام نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر حضور کے اردگرد حلقہ بنا لیا۔ حضورؑ بہت ہشاش بشاش تھے۔ رستہ میں حضورؑ نے خود ہی بتایا ہم نے خوب کھول کھول کر فنانشل کمشنر کو اسلام کی خوبیاں سنائیں اور اپنی طرف سے حجت پوری کر دی۔ مہدی خونی کے کے بارے میں بھی صاحب نے سوال کیا ہم نے بتایا کہ ہمارے فلاں فلاں رسالہ کو دیکھو۔ ہم خونی مہدی کے عقیدہ کو غلط سمجھتے ہیں ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ دین اسلام دلائل قویہ اور نشانات آسمانی سے پھیلا ہے اور اسی سے آئندہ پھیلے گا۔ اور جو جنگیں اسلام میں ہوئیں وہ سب دفاعی تھیں۔ اسلام کا تلوار سے پھیلنے کا غلط عقیدہ مخالفوں کی اختراع ہے۔ صاحب فنانشل کمشنر نے اور بھی باتیں کرنا چاہیں وہ دنیاوی باتیں تھیں۔ میں نے کہا آپ دنیاوی حاکم ہیں خدا نے ہمیں دین کے لئے روحانی حاکم بنایا ہے جس طرح آپ کے وقت کاموں کے مقرر ہیں اسی طرح ہمارے بھی کام مقرر ہیں اب ہماری نماز کا وقت ہو گیا۔ ہم کھڑے ہو گئے۔ فنانشل کمشنر بھی کھڑے ہو گئے اور خوش خوش ہمارے ساتھ خیمہ تک باہر آئے اور ٹوپی اتار کر سلام کیا اور ہم چلے آئے۔ [۳۲]

[۳۳]

امریکن سیاح قادیان میں

۷/ اپریل ۱۹۰۸ء کو قادیان میں شکاگو کے ایک سیاح مسٹر جارج ٹرنر اپنی لیڈی مس بارڈون اور ایک سکاچ مین 'مسٹر بانسر کے ہمراہ قریباً دس بجے قادیان آئے۔ مسجد مبارک کے نیچے دفاتر میں ان کو بٹھایا گیا۔ اور چونکہ انہوں نے حضرت اقدسؑ سے ملاقات کرنے کی درخواست کی تھی اس لئے حضرت اقدس بھی وہیں تشریف لے آئے۔ ڈپٹی مجسٹریٹ علی احمد صاحب ایم۔ اے اور حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ترجمان بنے۔ سیاح نے سلسلہ کلام شروع کرتے ہوئے سوال کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ نے مسٹر ڈوئی کو کوئی چیلنج دیا تھا۔ کیا یہ درست ہے؟ اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں یہ درست ہے۔ ہم نے ڈوئی کو چیلنج دیا تھا۔

اس کے بعد سوال و جواب کا ایک سلسلہ جاری ہو گیا۔ کچھ دیر بعد امریکن سیاح نے سوال کیا کہ آپنے جو دعویٰ کیا ہے اس کی سچائی کے دلائل کیا ہیں؟ حضور علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ خود آپ کا اتنے دور دراز ممالک سے یہاں اک چھوٹی سی بستی میں آنا بھی ہماری صداقت کی ایک بھاری دلیل ہے کیونکہ ایسے وقت میں جب کہ ہم بالکل گمنامی کی حالت میں پڑے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ وَیَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ یعنی اس کثرت سے لوگ تیری طرف آئیں گے کہ جن راہوں پر وہ چلیں گے وہ عمیق ہو جائیں گے اور خدا کی مدد ایسی راہوں سے آئے گی کہ وہ لوگوں کے بہت چلنے سے گہرے ہو جائیں گے سیاح نے سوال کیا کہ آپ کے آنے کا مقصد کیا ہے؟ حضورؑ نے مفصل جواب دیا۔

اس گفتگو کے بعد ان کے سامنے کھانا رکھا گیا۔ اس دوران میں انہوں نے حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ سے پوچھا کہ مرزا صاحب کی وفات کے بعد کیا ہو گا۔ مفتی صاحبؓ نے کہا "وہ ہو گا جو خدا کو منظور ہو گا اور جو ہمیشہ انبیاء کی موت کے بعد ہوا کرتا ہے۔" کھانے کے بعد یہ لوگ مدرسہ تعلیم الاسلام میں گئے جہاں ایک طالب علم نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات نہایت خوش الحانی سے پڑھ کر سنائیں جسے سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور رخصت ہو کر بٹالہ چلے گئے۔ [۲۲]

حواشی

۱۔ بدر ۲۶/ دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۵ کالم نمبر ۲-۳
۲۔ بدر ۹/ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۲-۳
۳۔ بدر ۹/ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۲-۳
۴۔ بدر ۹/ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۲ کالم نمبر ۱-۲ و صفحہ ۲ کالم ۳ مفصل تقریر بدر کے علاوہ الحکم ۲ تا ۱۴/ جنوری ۱۹۰۸ء کے نمبروں میں بھی چھپ گئی تھی
۵۔ بدر ۹/ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۳ کالم نمبر ۱
۶۔ بدر ۱۶/ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۴-۸
۷۔ بجٹ کا خلاصہ بدر ۹/ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۱ پر چھپ گیا جس کے مطابق ۱۹۰۸ء کے لئے مجوزہ آمد کی میزان ۶۳۸۷۵ اور مجوزہ خرچ کی میزان ۹۶۵۵۹ تھی
۸۔ بدر ۹/ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۳
۹۔ ولادت ۶/ فروری ۱۸۹۳ء بمقام سیالکوٹ۔ آپ داخل احمدیت کیسے ہوئے؟ اس پر خود ہی روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں (ستمبر ۱۹۰۴ء میں)

"جب میں نے پہلی بار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی تو میرے دل میں اس وقت کسی قسم کے عقائد کی تنقید نہیں تھی۔ جو اثر بھی میرے دل پر اس وقت ہوا وہ یہی تھا کہ یہ شخص صادق ہے اور جو کچھ کہتا ہے وہ سچ ہے۔ اور ایک ایسی محبت میرے دل میں آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈال دی گئی کہ وہی میرے لئے حضور علیہ السلام کی صداقت کی اصل دلیل ہو گئی۔ میں گو اس وقت بچہ ہی تھا لیکن اس وقت سے لے کر اب تک مجھے کسی وقت بھی کسی دلیل کی ضرورت نہیں پڑی۔ بعد میں متواتر ایسے واقعات رونما ہوتے رہے ہیں جو میرے ایمان کی مضبوطی کا باعث ہوئے ہیں لیکن میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کا چہرہ مبارک دیکھ کر ہی مانا تھا اور وہی اثرات اب تک میرے لئے حضور کے دعاوی کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت ہیں اس لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ میں ۳/ ستمبر ۱۹۰۴ء کے دن سے ہی احمدی ہوں۔"

قادیان کی پہلی مرتبہ زیارت ستمبر ۱۹۰۵ء میں نصیب ہوئی اور آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر ۱۶/ ستمبر ۱۹۰۷ء کو بیعت کی جیسا کہ آپ خود لکھتے ہیں۔

"جب ستمبر ۱۹۰۷ء میں میں والد صاحب کے ساتھ قادیان آیا تو حضرت خلیفۃ المسیح اول کے ارشاد کی تعمیل میں میں نے خود ہی ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور یہ ۱۶/ ستمبر ۱۹۰۷ء کا دن تھا۔" (مسودہ سیرت المہدی حصہ چہارم غیر مطبوعہ صفحہ ۴۳۹/ ۴۴۱/ ۴۹۱/ ۴۹۲/ "تحدیث نعمت" صفحہ ۷-۸ مؤلفہ حضرت چوہدری صاحب طبع اول ستمبر ۱۹۷۱ء)

زمانہ تعلیم کے بعد (جس میں کنگز کالج کیمبرج میں حصول تعلیم کا زمانہ بھی شامل ہے) آپ کی قانونی زندگی کا آغاز ۱۹۱۶ء میں ہوا۔ برطانوی ہند میں آپ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۱ء تک وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن رہے۔ ۱۹۳۹ء میں لیگ آف نیشنز کے اجلاس میں ہندوستانی وفد کی قیادت کا فرض ادا کیا۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک سے قبل قائداعظم محمد علی جناح کی خواہش پر ریڈ کلف ایوارڈ کے سامنے مسلم لیگ کے کیس کی وکالت کی۔ قیام پاکستان پر آپ کو قائداعظم نے وزیر خارجہ مقرر کیا۔ ۱۹۵۲ء میں آپ اولاً عالمی عدالت انصاف کے جج اور بعد ازاں اس کے نائب صدر بنے۔ ۱۸/ ستمبر ۱۹۶۲ء کو بھاری اکثریت سے جنرل اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے۔ چوہدری صاحب موصوف کی حمایت میں مصر سمیت تمام عرب ممالک نے ووٹ دیئے۔ آپ کے مدمقابل سیلون کے پروفیسر مالا سکیرا کو باضابطہ سو ووٹوں میں سے صرف ۲۸ ووٹ ملے۔ ووٹروں میں کیمونسٹ ممالک "کیوبا" یوگوسلاویہ "اسرائیل" بھارت اور سیلون وغیرہ شامل تھے۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے صحیح اسلامی تعلیم کو دنیا کے بین الاقوامی علمی اور سیاسی حلقوں تک پہنچانے میں بڑے شاندار کارنامے سرانجام دیے ہیں جن کا مفصل تذکرہ خلافت ثانیہ کے دور

میں آرہا ہے۔ (وفات ۱۱ ستمبر ۱۹۸۵ء)

۱۰۔ ولادت قریباً ۱۸۷۵ء وفات ۱۰/ جنوری ۱۹۵۵ء پہلی مرتبہ ۱۵/ ستمبر ۱۹۰۷ء کو قادیان گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہو کر ۲۶/ ستمبر ۱۹۰۷ء کو اپنے اصلی وطن جدہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت اقدس نے ان کو مکہ معظمہ اور جدہ کے علماء میں تقسیم کرنے کے لئے "استفتاء" اور "تفسیر سورہ فاتحہ" کے دس دس نسخے عطا فرمائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی حرم خامس حضرت سیدہ عزیزہ بیگم (ام وسیم احمد) آپ ہی کی صاحبزادی ہیں

۱۱۔ ولادت ۱۸۸۶ء مرحوم شیخ صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سخت مخالف محمد بخش صاحب تھانیدار بٹالہ کے بیٹے تھے۔ شیخ صاحب کی اہلیہ صاحبہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ ایک دن حضرت مسیح موعود ہنستے ہوئے اندر تشریف لائے اور ایک کپڑا مجھے دے کر فرمایا کہ معلوم ہے یہ کپڑا تمہیں کس نے دیا ہے؟ پھر فرمایا۔ یہ اسی کے بیٹے نے دیا ہے جس نے تمہارے ٹرنک لیکھرام کی تلاشی کے وقت توڑے تھے۔ بہرحال حضور انور کو اس خیال سے کس قدر روحانی سرور حاصل ہوا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخالفین کی اولاد کو پکڑ پکڑ کر حضورؑ کے قدموں میں گرا رہا ہے۔ (سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۰۰ طبع اول) شیخ صاحب پولیس کی ملازمت سے ریٹائرڈ ہو کر ۱۹۴۱ء میں مستقل طور پر قادیان آگئے تھے اور کچھ عرصہ تک آپ نے افسر حفاظت کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔ ۲۴/ جولائی ۱۹۵۳ء کو ربوہ میں فوت ہوئے

۱۲۔ رسالہ کا نام "الہام" ہے جو خلافت لائبریری ربوہ کے ہندو لٹریچر میں موجود ہے

۱۳۔ "چشمہ معرفت" (طبع اول) صفحہ ۳۲۴۔۳۲۵

۱۴۔ ایک سکھ وِدوان لکھتے ہیں:۔ "گورو ہرسہائے میں ایک قرآن شریف پڑا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہ قرآن شریف ہے جس کو گورو نانک صاحبؑ کے اور مدینے کے سفر میں اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔" (خالصہ سماچار ۸/ اکتوبر ۱۹۳۱ء بحوالہ سکھ مسلم اتحاد کا گلدستہ اردو مؤلفہ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ قادیان)

۱۵۔ ان کے مختصر حالات کے لئے ملاحظہ ہو "تذکرہ رؤسائے پنجاب" (اردو) جلد اول صفحہ ۳۴۸۔۳۵۱

۱۶۔ فیروز پور گزٹ مطبوعہ ۱۸۸۶ء

۱۷۔ "چشمہ معرفت" (طبع اول) صفحہ ۳۳۶۔۳۳۷

۱۸۔ "چشمہ معرفت" صفحہ ۳۳۶۔۳۳۷

۱۹۔ (ترجمہ) پراچین بیتر اس صفحہ ۱۸

۲۰۔ چشمہ معرفت صفحہ ۳۳۸۔۳۳۹

۲۱۔ بدر ۲۷/ فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲

۲۲۔ سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۵۳

۲۳۔ الفضل ۲۴/ ۲۵ نومبر ۱۹۶۰ء (خطبہ نکاح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی)

۲۴۔ "اصحاب احمد" جلد دوم صفحہ ۲۵۳

۲۶۔ ایضاً صفحہ ۳۰۲

۲۷۔ ۶/ نومبر ۱۸۸۳ء کو پیدا ہوئے۔ نومبر ۱۹۰۴ء میں بمقام لاہور حضور علیہ السلام کی پہلی مرتبہ زیارت کی۔ ۲۸/ جنوری ۱۹۰۹ء سے قادیان میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور مدرسہ احمدیہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۹ء میں "جامعہ احمدیہ" میں سالہاسال تک پروفیسر رہنے کے بعد ریٹائر ہوئے۔ سلسلہ احمدیہ کے اعلیٰ پایہ کے عالم، بہت بڑے محقق، علوم شرقیہ کے ماہر نہایت منکسر المزاج، بےنفس اور بالغ نظر بزرگ تھے۔ سلسلہ کے بہت سے مبلغین بلکہ متعدد افراد خاندان مسیح موعود کو آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے تقویم ہجری و شمسی کے لئے جو کمیٹی مقرر کی تھی اس میں سب سے اہم کام کرنے والے رکن آپ تھے۔ اسی طرح کشوف والہامات مسیح موعود کی ترتیب و تدوین میں آپ نے نمایاں حصہ لیا بلکہ اس اہم خدمت کے اصل انچارج اور ذمہ دار آپ ہی تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت سے سفروں میں ہمرکاب رہے کیونکہ آپ کو علوم عربی کے علاوہ حضرت مسیح موعود کی کتابوں اور سلسلہ کے خصوصی مسائل پر غیر معمولی عبور

تھا۔ آپ نے متعدد کتابیں لکھیں جو احمدیہ لٹریچر میں عمدہ اضافہ ہیں۔ مثلاً "تنویر الابصار" "درود شریف" "محامد خاتم النبین" "تبدیلی عقائد مولوی محمد علی صاحب" "اہل پیغام کے بعض خاص کارنامے" "نشان رحمت"۔ ۸/ مارچ ۱۹۴۰ء کو آپ کا انتقال ہوا

۲۸۔ "سیرت احمد" صفحہ ۵۴۔ ۲۶۱ (مؤلفہ مولوی قدرت اللہ صاحب سنوریؓ)

۲۹۔ ان کے نام بدر ۲۶/ مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۲ پر چھپ گئے تھے

۳۰۔ بدر ۲۶/ مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۲ و الحکم ۲۶ مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۱

۳۱۔ "سیرت احمد" صفحہ ۲۶۱۔ ۲۶۲

۳۲۔ ایضاً صفحہ ۵۷۔ ۵۸

۳۳۔ "حیات طیبہ" طبع دوم میں لکھا ہے کہ "حضورؑ نے خیمہ سے باہر آنے پر دیکھا کہ بہت سے احمدی جمع ہیں اور مصافحہ کے خواہشمند۔ اس پر حضورؑ قادیان کی آبادی کے باہر ایک جگہ کھڑے ہو گئے اور سب خادموں کو مصافحہ کا شرف بخشا۔" سلسلہ کے قدیم اخبارات سے اس امر کی تائید نہیں ہوتی۔ اور ویسے عقلاً بھی اسے صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ حضور ۵ بجے شام کیمپ میں تشریف لے گئے۔ پون گھنٹہ تک آپ نے گفتگو فرمائی۔ اندازاً پونے چھ بجے ایسے وقت میں روانہ ہوئے جب کہ شام کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ جیسا کہ مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری کی عینی شہادت ہے۔ اندریں صورت آپ کا قادیان کی آبادی سے باہر سب خادموں کو مصافحہ کا شرف عطا فرمانا درست معلوم نہیں ہوتا۔ خصوصاً جب کہ اس وقت ایک جم غفیر موجود تھا واللہ اعلم بالصواب

۳۴۔ الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۔ ۴ بدر ۹/ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۲۔ ۱۵

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا

آخری سفر لاہور!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آخری سفر لاہور

"چشمہ معرفت" کی اہم تصنیف اور دوسرے مسلسل علمی و دینی مشاغل کی وجہ سے حضرت مسیح موعود کی صحت پر بہت اثر پڑا تھا۔ مزید بر آں حضرت ام المومنین کی طبیعت بھی ان دنوں ناساز تھی اور ان کی باصرار خواہش تھی کہ لاہور جا کر کسی ماہر لیڈی ڈاکٹر سے علاج کرائیں۔ [1] حضور نے حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ سے فرمایا کہ مجھے ایک کام درپیش ہے دعا کرو اور اگر کوئی خواب آئے تو مجھے بتانا۔ چنانچہ انہوں نے رویا میں دیکھا کہ "وہ چوبارہ پر گئی ہیں اور وہاں حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ ایک کتاب لئے بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو اس کتاب میں میرے متعلق حضرت صاحب کے الہامات ہیں اور میں ابوبکر ہوں۔" دوسرے دن حضرت سیدہ موصوفہ نے حضور کو یہ خواب سنائی تو حضرت اقدسؑ نے ارشاد فرمایا "یہ خواب اپنی اماں کو نہ سنانا۔" [2] اس خواب کے علاوہ ۲۶/ اپریل ۱۹۰۸ء بوقت چار بجے صبح یعنی تیاری سے صرف ایک روز قبل خود حضرت اقدس علیہ السلام پر الہام بھی ہوا۔

"مباش ایمن از بازی روزگار" [3]

ان آسمانی خبروں کی بناء پر حضورؑ کو احساس ہو چکا تھا کہ اس سفر میں حضور کو سفر آخرت بھی پیش آنے والا ہے اور اسی لئے حضورؑ لاہور تشریف لے جانے میں بہت متامل تھے۔ [4]

قادیان سے روانگی

لیکن خدائی تقدیر چونکہ یہی تھی لہذا حضور علیہ السلام ۲۷/ اپریل ۱۹۰۸ء کی صبح کو قادیان سے بٹالہ روانہ ہو گئے۔ حضورؑ کے ہمراہ اس سفر میں گیارہ افراد تھے۔ [5] روانگی سے قبل حضرت اقدس علیہ السلام نے وہ حجرہ بند کیا جس میں آخری عمر میں حضور تصنیف فرمایا کرتے تھے۔ حضور نے یہ حجرہ بند کرتے ہوئے کسی کو مخاطب کرنے کے بغیر فرمایا "اب ہم اس کو نہیں کھولیں گے۔" [6]

بٹالہ پہنچے تو خلاف توقع ریزرو گاڑی نہ مل سکی۔ حضور اقدس علیہ السلام نے ریزرو گاڑی کے

انتظار میں ایک روز قیام فرمایا۔ [۸۷] اور ۲۹/اپریل ۱۹۰۸ء کو بٹالہ سے گاڑی میں سوار ہوئے۔ گاڑی امرتسر اسٹیشن پر پہنچی تو مخلصین امرتسر نے حضورؑ سے مصافحہ کیا۔ اس وقت جذب و کشش کا یہ عالم تھا کہ اسٹیشن پر جس انسان کے کان میں آپ کا نام پہنچا شوق زیارت میں بھاگا چلا آیا۔ اسی اثناء میں ایک معزز غیر احمدی دوست چند احباب کے ساتھ تشریف لائے۔ حضرت اقدسؑ نے ان کو گاڑی کے اندر بلا کر بٹھا لیا اور نہایت محبت بھرے الفاظ میں ان کو مسئلہ وفات مسیحؑ کے بارے میں قرآنی شہادت پیش فرمائی۔ اتنے میں گھنٹی بجی اور گاڑی لاہور کو چل دی۔ [۹] حضور بالآخر بخیریت لاہور پہنچ گئے۔

احمدیہ بلڈنگس میں قیام اور مخلصین کی آمد

لاہور میں حضورؑ ابتداء خواجہ کمال الدین صاحب بی اے، ایل ایل بی وکیل چیف کورٹ کے مکان میں فروکش ہوئے۔ بعد ازاں ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اسسٹنٹ کیمیکل ایگزیمینر پنجاب کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ اخبار بدر کا دفتر ساتھ ہی نبی بخش صاحب احمدی کے زیر تعمیر مکان میں کھولا گیا اور یہیں سے اس کی طباعت و اشاعت کا انتظام ہونے لگا۔ حضرت حکیم الامت مولوی نورالدین صاحبؓ نے احمدیہ بلڈنگس کے میدان میں روزانہ قرآن شریف کا درس بھی جاری فرما دیا۔ حضرت اقدس کی لاہور میں آمد کی خبر سن کر حضورؑ کے خدام کثیر تعداد میں پہنچنے لگے۔ سینکڑوں احمدی احباب دور و نزدیک سے آکر احمدیہ بلڈنگس میں ڈیرے ڈالے پڑے رہتے اور وسیع میدان میں گھاس پر چٹائیاں بچھا کر سو رہتے تھے۔ جماعت لاہور نے عزم کر رکھا تھا کہ جب تک حضور علیہ السلام کا قیام رہے گا وہ جملہ اخراجات برداشت کرے گی۔ مگر مقامی جماعت کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے چند دن بعد ایک نانبائی کی صاف ستھری دکان کا بھی انتظام کر لیا گیا۔ [۱۰-۱۱]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی لاہور میں جائے رہائش اور اس کا ماحول

یہاں بتانا مناسب ہو گا کہ ان دنوں حضورؑ کی رہائش گاہ جس حلقہ میں تھی وہ احمدیہ بلڈنگس کے نام سے موسوم ہوتا تھا۔ ان دنوں احمدیہ بلڈنگس میں مختلف احمدیوں کے دو چار چھوٹے چھوٹے مکانات کے علاوہ تین بڑی عمارتیں تھیں۔

ا۔ سید محمد حسین شاہ صاحب کا وسیع دو منزلہ مکان اسلامیہ کالج گراؤنڈ کے سامنے جو کیلیانوالی سڑک (برانڈرتھ روڈ) کے کنارے واقع تھا۔ اسی مکان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بالآخر رہائش پذیر ہوئے۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا بیان ہے کہ "جہاں کیلوں والی سڑک پر ہماری گاڑی کھڑی ہوتی تھی جنوب کی جانب وہاں لکڑی کی سیڑھی چڑھ کر ہم اوپر (سید محمد حسین شاہ صاحب

کے مکان میں۔ ناقل) جاتے تھے اور داخل ہوتے ہی سامنے جو کمرے تھے ان میں دائیں ہاتھ کے کمرے میں حضرت اقدسؑ کا دن میں قیام رہتا تھا اور دوسرا کمرہ جس میں آخری وقت چارپائی تھی یہ خالی تھا مگر اس میں آپ ٹہلتے بھی تھے اور گزرگاہ یہی تھا اس سے صحن میں جانا ہوتا تھا۔ باہر سے آکر بھی اس کمرے میں گزرنے کا راستہ تھا.... اسی کمرہ کے سرہانے کی جانب (مغرب میں) ایک چھوٹے چھوٹے کمروں کا سلسلہ تھا۔ دو تین یا شاید چار ہوں ان میں حضرت بڑے بھائی صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ۔ ناقل) اور منجھلے بھائی صاحب (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ ناقل) وغیرہ رہتے تھے۔ ان کے سامنے چھجے بھی تھے..... اسی کے ساتھ صحن میں آپ رات کو سوتے تھے۔" [۱۱۲]

۲۔ اس مکان کے مشرقی جانب خواجہ کمال الدین صاحب کا مکان تھا۔ دونوں کے درمیان گلی تھی جس کے اوپر دونوں مکانوں کے الحاق کے لئے ایک پردہ والا پل بنا ہوا تھا جس کے دروازے عموماً بند رہتے تھے اور صرف نماز کے وقت حضورؑ کے تشریف لانے پر کھلتے تھے۔ نمازیں خواجہ صاحب کے مکان کی بالائی منزل میں ہوتی تھیں۔ [۱۱۳]

۳۔ تیسرا مکان کوٹھی کی طرز کا ڈاکٹر مرزا محمد یعقوب بیگ صاحب کا تھا جس کے مشرق میں بعد ازاں خلافت اولیٰ میں احمدیہ بلڈنگس کی مسجد تعمیر ہوئی۔

لاہور میں حضرت اقدسؑ کی مصروفیات۔ تقاریر اور نصائح کا سلسلہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی ہمیشہ معمور الاوقات رہی مگر یہاں تو حضورؑ کی مصروفیات کا رنگ ہی اور ہو گیا تھا۔ اور گو آپ بظاہر تبدیلی آب و ہوا کی نیت سے یہاں آئے تھے مگر یہاں تشریف لاتے ہی آپ اس طرح پیغام حق میں مصروف ہو گئے کہ یوں نظر آتا تھا کہ گویا عظیم فاتح جرنیل ہے جو ایک دوسری منزل پر روانہ ہونے سے قبل اپنا کام تیزی سے ختم کرنے کی فکر میں دن رات ایک کئے ہوئے ہے۔

حضور علیہ السلام حسب معمول نمازوں کے اوقات میں باہر تشریف لاتے۔ خدام اور زائرین کا ان اوقات میں ایک ہجوم ہو جاتا اور حضورؑ اپنی پاک مجلسوں میں ایمان و عرفاں کے نکات بیان فرماتے۔ ملاقات کرنے والوں میں رؤساء، سیاسی لیڈر، مسلمان، سکھ اور ہندو غرضکہ ہر طبقہ کے لوگ شامل ہوتے اور فیض اٹھاتے۔ اور جن سعید روحوں پر حق کھل جاتا وہ آپ کی بیعت میں شامل ہو جاتے۔ چنانچہ ان دنوں اتنی کثرت سے لوگ بیعت میں داخل ہوئے کہ اخبار "بدر" میں ان کی اشاعت مشکل

ہو گئی۔ [۱۴]

قیام لاہور کا پہلا دن

۳۰/ اپریل ۱۹۰۸ء حضورؑ کے قیام لاہور کا پہلا دن تھا جب کہ ابھی پوری طرح یکسوئی اور سکون میسر نہیں آسکا تھا مگر اس دن سے ہی حضور نے پوری قوت سے پیغام پہنچانا شروع کر دیا۔ چنانچہ اس روز فرمایا۔

"ہمیں خدا نے ایک پکا وعدہ دیا ہے اس میں ذرا بھی شک نہیں اور وہ یہ ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔" نیز فرمایا۔

"جب بات حد سے بڑھ جاتی ہے تو فیصلہ کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ ہمیں تبلیغ کرتے ہوئے چھبیس سال ہوئے۔ اور جہاں تک ممکن تھا ہم ساری تبلیغ کر چکے ہیں۔ اب وہ خود ہی کوئی ہاتھ دکھلاوے گا اور فیصلہ کرے گا۔" [۱۵]

شہزادہ سلطان ابراہیم صاحب اور مسٹر محمد علی صاحب جعفری کی ملاقات

ان دنوں شیرانوالہ گیٹ لاہور میں احمد شاہ ابدالی کی نسل میں سے ایک دوست رہتے تھے جن کا نام شہزادہ سلطان ابراہیم تھا۔ [۱۶] ۲/ مئی کو نماز عصر کے بعد شاہزادہ صاحب موصوف حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے ان کو فارسی زبان میں تبلیغ فرمائی [۱۷] اور دوران ملاقات خلیفۃ المسلمین ترکی کے متعلق یہ پیشگوئی فرمائی کہ "بادشاہ اور خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کہلا کر بھی خدا کی طرف سے بے پروائی اچھی بات نہیں۔ مخلوق سے اتنا ڈرنا کہ گویا خدا کو قادر ہی نہیں سمجھنا یہ ایک قسم کی سخت کمزوری ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ خادم الحرمین ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ حرمین اس کے حافظ ہیں۔ حرمین کی برکت اور طفیل ہے کہ اب تک وہ بچا ہوا ہے۔" یہ الفاظ بعد میں جس شان سے پورے ہوئے اس پر ایک عالم گواہ ہے۔

اسی روز مسٹر محمد علی جعفری ایم۔ اے وائس پرنسپل اسلامیہ کالج بھی ملاقات کے لئے آئے تو انہیں مخاطب کرتے ہوئے حضورؑ نے ایک پر معارف تقریر فرمائی۔ نیز بتایا "ہم نے زبانی اور تحریری

طور پر اپنا کام پورا کر دیا ہے اور دنیا میں شاید ہی کوئی کہہ سکے کہ اسے ہماری تبلیغ نہیں ہوئی یا ہمارا دعویٰ نہیں پہنچا۔" [۱۸]

جماعت کو نصائح اور توحید کا وعظ

قیام لاہور کے دوران حضورؑ نے جماعت کو اپنی تربیت و اصلاح کی طرف بھی بار بار توجہ دلائی۔ چنانچہ ۴/ مئی کو ارشاد فرمایا کہ دوسرے مسلمانوں کی طرح تم بھی مسلمان کہلاتے ہو مگر اللہ صرف دعووں سے خوش نہیں ہوتا جب تک اس کے ثبوت میں کچھ عملی ثبوت تبدیلی حالت کی دلیل نہ ہو۔ بیعت کی حقیقت یہی ہے کہ بیعت کنندہ اپنے اندر سچی تبدیلی اور خوف خدا اپنے دل میں پیدا کرے اور اصل مقصود کو پہچان کر اپنی زندگی میں ایک پاک نمونہ کر کے دکھاوے۔ [۱۹]

اسی طرح ۹/ مئی کو توحید کے مسئلہ پر ایک لطیف وعظ میں فرمایا "مسلمانوں کو توحید کا فخر ہے۔ توحید سے مراد صرف زبانی توحید کا اقرار نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ عملی رنگ میں حقیقتاً اپنے کاروبار میں اس امر کا ثبوت دے دو کہ واقعی تم موحد ہو اور توحید تمہارا شیوہ ہے۔" [۲۰] [۲۱]

پروفیسر کلیمنٹ ریگ کی ملاقات اور اس کا اثر

پہلی ملاقات انگلستان کے ایک ماہر ہیئت دان پروفیسر ریگ ان دنوں ہندوستان کی سیاحت کر رہے تھے۔ مفتی محمد صادق صاحبؓ نے ان سے ملاقات کی اور حضرت اقدسؑ کے دعاوی اور دلائل وغیرہ ان کو سنائے جس پر پروفیسر صاحب نے حضرت اقدسؑ سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا۔ چنانچہ ۱۲/ مئی ۱۹۰۸ء کو قبل ظہر ان کو شرف باریابی نصیب ہوا۔ پروفیسر صاحب نے دوران ملاقات میں حضور سے کئی سوالات کئے۔ مثلاً جب خدا کی مخلوق بے شمار اور غیر محدود ہے تو اس کے فضل کو کیوں صرف اس حصہ زمین یا کسی مذہب و ملت میں محدود رکھا جائے؟ گناہ کیا چیز ہے؟ شیطان کسے کہتے ہیں؟ آئندہ زندگی کس طرح سے ہوگی اور وہاں کیا کیا حالات ہوں گے؟ مسٹر ریگ کے ساتھ ایک لیڈی بھی تھی جس نے یہ سوال کیا کہ کیا مردوں سے رابطہ قائم کر کے ان کے صحیح حالات دریافت کئے جا سکتے ہیں؟ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ان تمام سوالات کے نہایت لطیف، مسکت اور جامع جوابات دیئے جنہیں سن کر مسٹر ریگ از حد متاثر ہوئے [۲۲] اور حضور کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ "مجھے اپنے سوالات کا جواب کافی اور تسلی بخش ملنے سے بہت خوشی ہوئی اور مجھے ہر طرح سے کامل

اطمینان ہو گیا اور یہ اطمینان دلانا خدا کے نبی کے سوا کسی میں نہیں۔" ۲۳

دوسری ملاقات

مسٹر ریگ ۱۸ / مئی کو دوبارہ حاضر ہوئے اور اس دفعہ بھی حضورؑ سے کئی سوالات کئے۔ مثلاً کیا خدا محدود ہے یا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اس میں کوئی شخصیت یا جذبات پائے جاتے ہیں؟ اس کی کوئی شکل بھی ہے؟ دنیا میں اس نے ادنیٰ اعلیٰ کا تفاوت کیوں رکھ دیا؟ کیا بائبل کے بیان کے مطابق پہلا انسان جیحوں سیحوں میں پیدا ہوا تھا؟ کیا حضور مسئلہ ارتقاء کے قائل ہیں؟ سپر چولزم کی رائے ہے کہ زندگی چاند سے پہنچی ہے کیا یہ صحیح ہے؟ مکھیوں یا ادنیٰ قسم کے جانوروں میں جو زندگی پائی جاتی ہے اس کو کس نام سے تعبیر کیا جائے گا۔ وغیرہ ذلک۔

غرضکہ علوم جدیدہ کے ماہرین کے دلوں میں جن باتوں سے خلش ہوتی ہے وہ مسٹر ریگ نے دل کھول کر حضور کے سامنے رکھیں۔ حضورؑ نے ہر سوال کے جواب میں ایسی مختصر مگر جامع روشنی ڈالی کہ وہ وجد میں آکر کہنے لگے میں تو خیال کرتا تھا کہ سائنس اور مذہب میں بڑا تضاد ہے جیسا کہ عام طور پر علماء میں مانا گیا ہے مگر آپ نے تو اس تضاد کو بالکل اٹھا دیا ہے۔ ۲۴ حضورؑ نے فرمایا یہی تو ہمارا کام ہے اور یہی تو ہم ثابت کر رہے ہیں کہ سائنس اور مذہب میں بالکل اختلاف نہیں بلکہ مذہب بالکل سائنس کے مطابق ہے اور سائنس خواہ کتنا ہی عروج پکڑ جاوے مگر قرآن کی تعلیم اور اسلام کے اصولوں کو ہرگز ہرگز نہ جھٹلا سکے گی۔

پروفیسر ریگ کے خیالات میں تبدیلی

اس ملاقات کے بعد پروفیسر ریگ کے خیالات میں بھاری تبدیلی واقع ہو گئی۔ چنانچہ پہلے وہ ہمیشہ اپنے لیکچروں میں مسیح کی مصلوب تصویر پیش کر کے کہا کرتے تھے کہ یہ مسیح کی تصویر ہے جس نے تمام دنیا کے گناہوں کا کفارہ ہو کر اپنی کامل محبت اور رحم کا ثبوت دیا مگر اب وہ صرف یہ الفاظ کہتے کہ یہ تصویر صرف عیسائیوں کے واسطے موجب خوشی ہو سکتی ہے سچی تعریف اور ستائش کے لائق وہی سب سے بڑا خدا ہے۔ ۲۵

پروفیسر صاحب بعد میں احمدی ہو گئے تھے اور مرتے دم تک اسلام پر قائم رہے اور ان کے خطوط حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے پاس آتے رہے۔ ۲۶

مسٹر فضل حسین صاحب کی ملاقات

مسلمانوں کے مشہور روشن خیال سیاسی لیڈر فضل حسین صاحب بیرسٹرایٹ لاء (متوفی ۱۹۳۶ء) ایک دوسرے بیرسٹر کے ہمراہ ملاقات کے لئے ۱۵ / مئی کو حاضر ہوئے۔ مسٹر فضل حسین صاحب نے

متعدد سوالات کئے جن کا حضورؑ نے مفصل جواب دیا۔ مثلاً ایک سوال کے جواب میں حضور نے فرمایا کہ ہم کسی کلمہ گو کو اسلام سے خارج نہیں کہتے جب تک کہ وہ ہمیں کافر کہہ کے خود کافر نہ بن جائے۔ جب میں نے مامور ہونے کا دعویٰ کیا تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے میرے خلاف فتویٰ کفر شائع کیا۔ اب یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو مومن کو کافر کہے وہ کافر ہوتا ہے۔ پس اس مسئلہ سے ہم کس طرح انکار کر سکتے ہیں؟ [۲۷]

پبلک لیکچر اور رؤسائے لاہور کو تبلیغ

۱۷/ مئی ۱۹۰۸ء کا دن قیام لاہور کے عرصہ میں ایک یادگاری دن تھا۔ کیونکہ اس روز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواہش کے مطابق لاہور کے عمائد و رؤساء کو کھانے پر مدعو کیا گیا۔ حضورؑ کی طبیعت ۱۶/ مئی کی شب کو اسہال کے باعث بہت ناساز ہو گئی تھی اور یہ امید نہ رہی کہ حضور خود تقریر فرما سکیں گے۔ چنانچہ اسی خیال سے حضور نے حکیم الامت مولوی نور الدین صاحبؓ کو ارشاد فرمایا کہ معزز مہمانوں کو کچھ سنا دیں اور انہوں نے تقریر شروع بھی کر دی تھی۔ مگر صبح کو اللہ تعالیٰ نے بشارت دی کہ انی مع الرسول اقوم (میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہوں) چنانچہ حضورؑ وعدہ الٰہی کے مطابق غیبی طاقت و قوت پا کر بنفس نفیس تشریف لے آئے اور ۱۱ بجے سے ایک بجے بعد دوپہر تک بڑی پرزور اور مؤثر تقریر فرمائی۔ بارہ بجے حضور نے فرمایا اگر آپ چاہیں تو میں تقریر بند کر دوں آپ کھانا کھا لیں۔ مگر تمام معزز سامعین نے یک زبان ہو کر عرض کیا کہ نہیں آپ تقریر جاری رکھیں وہ کھانا تو ہم روز کھاتے ہیں مگر یہ روحانی غذا پھر کہاں میسر آئے گی۔ الغرض ایک بجے کے بعد حضورؑ کی یہ پر معارف تقریر ختم ہوئی۔ اس تقریر میں حضورؑ نے صوبہ کے صدر مقام کے معزز مسلمانوں اور تعلیمیافتہ رؤسا پر اتمام حجت کر دی۔ [۲۸]

اس جلسہ دعوت میں لاہور کے بڑے بڑے رؤسا، امراء، وکلاء، بیرسٹر اور اخبارات کے ایڈیٹر مدعو تھے جن میں سے اکثر غیر احمدی تھے۔ حضرت اقدسؑ کی بے نظیر تقریر سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ [۲۹] یہ جلسہ سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان کے نچلے صحن میں منعقد ہوا [۳۰] اور کھانے کا انتظام خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان میں کیا گیا تھا۔ [۳۱]

دعویٰ نبوت کی وضاحت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اس جلسہ میں اپنے دعویٰ کی وضاحت میں فرمایا کہ

"میرا دعویٰ صرف یہ ہے کہ موجودہ مفاسد کے باعث خدا نے مجھے بھیجا ہے اور میں اس امر کا

اخفاء نہیں کر سکتا کہ مجھے مکالمہ مخاطبہ کا شرف عطا کیا گیا ہے۔ اور خدا مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے اور کثرت سے ہوتا ہے۔ اس کا نام نبوت ہے۔ مگر حقیقی نبوت نہیں... یہ تو نزاع لفظی ہے۔ کثرت مکالمہ مخاطبہ کو دوسرے الفاظ میں نبوت کہا جاتا ہے۔

دیکھو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول کہ **قولوا انہ خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدہ** اس امر کی صراحت کرتا ہے نبوت اگر اسلام میں موقوف ہو چکی ہے تو یقین جانو کہ اسلام بھی مر گیا اور پھر کوئی امتیازی نشان بھی نہیں ہے۔" [۶۲]

اخبار عام کی غلط رپورٹ اور حضورؑ کی تردید

اخبار عام ۲۳/ مئی ۱۹۰۸ء نے حضورؑ کے پبلک لیکچر کی خبر دیتے ہوئے یہ غلط رپورٹ شائع کی کہ گویا حضور نے جلسہ میں اپنی نبوت سے انکار کیا ہے جس پر حضورؑ نے اسی دن ایڈیٹر صاحب اخبار عام کو ایک مفصل تردیدی خط لکھا کہ۔

"اس جلسہ میں میں نے صرف یہ تقریر کی تھی کہ میں ہمیشہ اپنی تالیفات کے ذریعہ سے لوگوں کو اطلاع دیتا رہا ہوں اور اب بھی ظاہر کرتا ہوں کہ یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا۔ اور اپنا علیحدہ کلمہ علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتداء اور متابعت سے باہر جاتا ہوں یہ الزام صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر کتاب میں ہمیشہ میں یہ لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔ اور جس بناء پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں۔ وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جب تک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا ہے۔ اور انہی امور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہو گا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دنیا سے گزر جاؤں۔ مگر میں ان معنوں سے نبی نہیں ہوں کہ گویا میں اسلام سے اپنے تئیں الگ

کرتا ہوں یا اسلام کا کوئی حکم منسوخ کرتا ہوں۔ میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا اور کسی کی مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا شعشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے.... میں خودستائی سے نہیں بلکہ خدا کے فضل اور اس کے وعدہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ اگر تمام دنیا ایک طرف ہو اور ایک طرف صرف میں کھڑا کیا جاؤں اور کوئی امر ایسے پیش کیا جائے جس سے خدا کے بندے آزمائے جاتے ہیں تو مجھے اس مقابلہ میں خدا غلبہ دے گا۔ اور ہر ایک پہلو کے مقابلہ میں خدا میرے ساتھ ہوگا اور ہر ایک میدان میں وہ مجھے فتح دے گا۔ بس اسی بناء پر خدا نے میرا نام نبی رکھا ہے۔" [23، 24]

آخری تقریر

اہلحدیث عالم مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے حضورؑ کی خدمت میں رقعہ بھجوایا کہ وہ مسائل متنازعہ فیہ میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت اقدسؑ "پیغام صلح" [25] لکھنے میں مصروف تھے اس لئے حضورؑ نے ۲۵/ مئی ۱۹۰۸ء کو مولوی محمد احسن صاحب کو تبادلہ خیالات کرنے کا ارشاد فرمایا۔ رقعہ ملنے کے وقت چونکہ حضور اپنے خدام میں تشریف فرما تھے اس لئے حضور نے اسی وقت حیات مسیح کے رد میں ایک مفصل تقریر بھی کی جس کے آخر میں فرمایا۔

"عیسیٰ کو مرنے دو کہ اس میں اسلام کی حیات ہے۔ ایسا ہی عیسیٰ موسوی کی بجائے عیسیٰ محمدی آنے دو کہ اس میں اسلام کی عظمت ہے۔"

یہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی آخری تقریر تھی جو آپ نے بڑے زور اور خاص جوش سے فرمائی۔ دوران تقریر حضور کا چہرہ اس قدر روشن اور درخشاں ہو جاتا تھا کہ نظر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تقریر میں ایک خاص اثر اور جذب تھا۔ رعب ہیبت اور جلال اپنے کمال عروج پر تھا۔ بعض خاص خاص تحریکات اور موقعوں پر ہی یہ شان دیکھنے میں آئی ہوگی جس کا ظہور اس دن ہو رہا تھا۔ اس تقریر کے بعد حضورؑ نے کوئی تقریر نہیں فرمائی۔ [26]

آخری صحابی حضرت میاں جہاں خان صاحب آف مانگٹ اونچا تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ آخری صحابی ہیں جنہیں دستی بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کی تحریری بیعت اخبار بدر ۲۵- اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱ پر شائع ہوئی۔ انہوں نے ایک بار خود بیان فرمایا کہ "حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام جب لاہور تشریف لائے تو انہوں نے حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر دستی بیعت کی تھی" (مکتوب حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنام مولف کتاب مورخہ ۱۷

۔جون ۱۹۹۴ء۔لندن) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے "حیات قدسی" جلد ۳ صفحہ ۵ (از حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ)

قیام لاہور کا ایک ایمان افروز واقعہ

بابو غلام محمد صاحب فورمین لاہور اور میاں عبدالعزیز صاحب مغل کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب کہ حضورؑ لاہور تشریف لائے تو ہم چند نوجوانوں نے مشورہ کیا کہ دوسری قوموں کے بڑے بڑے لیڈر جب یہاں آتے ہیں تو ان کے نوجوان گھوڑوں کی بجائے خود ان کی گاڑیاں کھینچتے ہیں۔ اور ہمیں جو لیڈر اللہ تعالیٰ نے دیا ہے یہ اتنا جلیل القدر ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ بھی اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ پس آج گھوڑوں کی بجائے ہمیں ان کی گاڑی کھینچنی چاہیے۔ چنانچہ ہم نے گاڑی والے سے کہا کہ اپنے گھوڑے الگ کر لو آج گاڑی ہم کھینچیں گے۔ کوچ مین نے ایسا ہی کیا۔ جب حضور باہر تشریف لائے تو فرمایا کہ گھوڑے کہاں ہیں؟ ہم نے عرض کیا کہ حضور دوسری قوموں کے لیڈر آتے ہیں تو ان قوموں کے نوجوان ان کی گاڑیاں کھینچتے ہیں آج حضور کی گاڑی کھینچنے کا شرف ہم حاصل کریں گے۔ فرمایا فوراً گھوڑے جوتو!! ہم انسان کو حیوان بنانے کے لئے دنیا میں نہیں آئے ہم تو حیوان کو انسان بنانے کے لئے آئے ہیں۔ [۳۷]

اتحاد اقوام کے لئے

"پیغام صلح" کی تصنیف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قیام لاہور کے دوران میں صرف تقاریر کے ذریعہ سے ہی اتمام حجت نہیں فرمائی بلکہ حضور نے ان دنوں ایک عظیم الشان رسالہ "پیغام صلح" بھی لکھا جو حضور کی آخری تصنیف تھی۔ حضور کے لکھے ہوئے مسودہ کو ساتھ ہی ساتھ کاتب بھی لکھتا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ نماز عصر کے بعد حسب معمول تشریف فرما تھے اور احباب جھرمٹ ڈالے بیٹھے تھے۔ خواجہ کمال الدین صاحب بھی موجود تھے۔ کاتب مضمون لکھ رہا تھا اور خواجہ صاحب اپنی نگرانی میں لکھوا رہے تھے۔ حضورؑ نے پوچھا کہ خواجہ صاحب مضمون کا کیا حال ہے؟ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور کاتب لکھ رہا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ "خواجہ صاحب جلدی کیجئے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہماری صحت کا کیا حال

ہے۔" ۴۸ بہرحال مشیت الٰہی میں جتنا حصہ لکھا جانا مقدر تھا وہ جب تک پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا حضورؑ کی وفات نہیں ہوئی۔

"پیغام صلح" میں حضورؑ نے ملک کی دو بڑی قوموں یعنی مسلمانوں اور ہندوؤں کو صلح و آشتی کا شاندار پیغام دے کر اتحاد و اتفاق کی ایک مضبوط و مستحکم بنیاد قائم کردی اور ہندو مسلم کشمکش کے مسئلہ کے خاتمہ کے لئے ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ ۴۹

معاہدہ کی تجویز

چنانچہ حضورؑ نے اس میں خدا تعالیٰ کی عالمگیر صفت ربوبیت کا تذکرہ کرنے کے بعد ہندوؤں کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ ہندو اور آریہ صاحبان اگر ہمارے نبی ﷺ کو خدا کا سچا نبی مان لیں اور آئندہ توہین و تکذیب چھوڑ دیں تو میں سب سے پہلے اس اقرار نامہ پر دستخط کرنے پر تیار ہوں کہ ہم احمدی سلسلہ کے لوگ ہمیشہ وید کے مصدق ہوں گے اور وید اور اس کے رشیوں کا تعظیم اور محبت سے نام لیں گے۔ اور اگر ایسا نہ کریں گے تو ایک بڑی رقم تاوان کی جو تین لاکھ روپیہ سے کم نہیں ہوگی ہندو صاحبوں کی خدمت میں ادا کریں گے۔ اور اگر ہندو صاحبان دل سے ہمارے ساتھ صفائی کرنا چاہتے ہیں تو وہ بھی ایسا ہی اقرار لکھ کر اس پر دستخط کردیں اور اس کا مضمون بھی یہ ہوگا کہ ہم حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوت پر ایمان لاتے ہیں اور آپ کو سچا نبی اور رسول سمجھتے ہیں اور آئندہ آپ کو ادب اور تعظیم کے ساتھ یاد کریں گے جیسا کہ ایک ماننے والے کے مناسب حال ہے۔ اور اگر ہم ایسا نہ کریں تو ایک بڑی رقم تاوان کی جو تین لاکھ روپیہ سے کم نہیں ہوگی احمدی سلسلہ کے پیش رو کی خدمت میں پیش کریں گے۔" ۵۰

اعلان حق

اس تجویز کے ساتھ ہی حضورؑ نے صاف صاف لفظوں میں لکھا۔

"میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم شورہ زمین کے سانپوں اور بیابانوں کے بھیڑیوں سے صلح کرسکتے ہیں لیکن ان لوگوں سے ہم صلح نہیں کرسکتے جو ہمارے پیارے نبیؐ پر جو ہمیں اپنی جان اور ماں باپ سے بھی پیارا ہے ناپاک حملے کرتے ہیں۔" ۵۱-۵۲

حواشی

۱۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر پنجم صفحہ ۲۰۴ و سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۷۷
۲۔ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۳۷
۳۔ بدر ۲۰/ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۱
۴۔ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۳۷
۵۔ اصحاب احمد جلد نہم صفحہ ۱۹۷ و حاشیہ
۶۔ روایت حضرت اماں جیؓ (سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۲۶۲)
۷۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۷۷، بدر ۳۰/ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۷ کالم نمبر ۲ و بدر ۲۴/ جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۱
۸۔ بٹالہ میں حضور کا قیام ریلوے روڈ پر واقع سرائے مائی اچھراں دیوی میں تھا جو "رائل فونڈری بٹالہ" کے قریب بازار کے مشرقی حصہ میں ہے۔ اس سرائے کے دروازے پر تحریر ہے کہ اس کی بنیاد ۱۵/ اگست ۱۸۹۳ء کو رکھی گئی تھی۔ سرائے کا دروازہ سڑک کی طرف کھلتا ہے۔ دروازہ کے اندر داخل ہوتے ہی سیڑھیاں دائیں جانب سے اوپر کو چڑھتی اور ایک کمرہ کے سامنے جاکر ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ کمرہ دوسری منزل پر ہے اور اسی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام ٹھہرے تھے۔ یہیں سے حضور اقدسؑ ام المومنین کو لے کر علی وال بھی تشریف لے گئے۔ (اصحاب احمد جلد ۹ صفحہ ۱۹۷)
۹۔ الحکم ۶/ اگست ۱۹۰۸ء صفحہ ۴ کالم نمبر ۲۔۳
۱۰۔ بدر ۲۴/ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۱۔۲، ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ نمبر ۷ کالم نمبر ۲
۱۱۔ احمدیہ بلڈنگس کی بنیاد ۱۹۰۶ء میں رکھی گئی۔ یہ زمین چوہدری اللہ یار صاحب کی ملکیت تھی جن سے ابتداً ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب نے غالباً ننانوے سال کے لئے کرایہ پر حاصل کی اور مکانات تعمیر کئے بعد ازاں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور میاں نبی بخش صاحب نے بھی عمارات تعمیر کیں۔ (پیغام صلح ۱۷/ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۶۔۲۷)
۱۲۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا ۱۹/ جون ۱۹۶۲ء کا مکتوب گرامی جو حضرت سیدہ موصوفہ نے مئولف کتاب "تاریخ احمدیت" کو ارسال فرمایا مکمل خط کا چربہ کتاب ہذا کے آخر میں شامل کیا گیا ہے۔
۱۳۔ روایت مکرم صوفی محمد رفیع صاحب امیر جماعت احمدیہ سکھر (ملاحظہ ۱۲/ جون ۱۹۶۲ء صفحہ ۵ کالم نمبر ۳۔۴)
۱۴۔ بدر ۲۶/ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۷ کالم نمبر ۱
۱۵۔ الحکم ۲۶/ اگست ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ کالم نمر ۱۔۳
۱۶۔ تذکرہ رؤسائے پنجاب جلد اول صفحہ ۶۷۴ طبع دوم میں غالباً انہی کے حالات درج ہیں
۱۷۔ مفصل تقریر کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۱۴/ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ تا ۷
۱۸۔ الحکم ۱۸/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ تا ۷
۱۹۔ الحکم ۱۸/ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۔۲ کالم نمبر ۴
۲۰۔ الحکم ۳۰/ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۱۔۲
۲۱۔ الحکم ۳۰/ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۱۔۲
۲۲۔ الحکم ۲/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۶۔۸
۲۳۔ بدر ۲۶/ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ کالم نمبر ۲
۲۴۔ الحکم ۳۰/ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۴ تا ۷
۲۵۔ الحکم ۶/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ کالم نمبر ۲۔۳
۲۶۔ الحکم ۶/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ کالم نمبر ۲۔۳

۲۷۔ بدر ۲۴/ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۴ کالم نمبر ۲۔ ۳
۲۸۔ الحکم ۱۴/ جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ نمبر ا
۲۹۔ مفصل تقریر کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۱۴/ جولائی ۱۹۰۸ء
۳۰۔ حیات قدسی رجسٹر سوم (غیر مطبوعہ) صفحہ ۷۰۵ از حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ
۳۱۔ روایت حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب پٹیالویؓ
۳۲۔ الحکم ۱۴/ جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۲ کالم نمبر ا۔ ۲
۳۳۔ بدر ۱۱/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۰ کالم نمبر ا۔ ۲
۳۴۔ یہ خط حضورؑ کی وفات کے بعد شائع ہوا
۳۵۔ اس کا ذکر اگلے صفحہ پر آ رہا ہے
۳۶۔ بدر ۱۱/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۷ کالم نمبر ا۔ ۲' بدر ۲/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۷ کالم نمبر ۲۔ ۳' الحکم ۱۸/ جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۷۔ ۸
۳۷۔ حیات طیبہ (طبع دوم) صفحہ ۴۵۶۔ ۴۵۷ مؤلفہ جناب شیخ عبدالقادر صاحبؓ سابق سوداگر مل مربی سلسلہ احمدیہ و بدر ۲۱/ اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۳ روایت حضرت صاحب دین صاحبؓ
۳۸۔ الحکم ۲۸/ مئی ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۰ کالم نمبر ا
۳۹۔ اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور۔ اور دی انڈین پیٹریاٹ مدراس (۷ ستمبر ۱۹۰۸ء) نے پیغام صلح پر زبردست خراج تحسین ادا کیا
۴۰۔ پیغام صلح (طبع اول مطبوعہ نو لکشور پریس لاہور) صفحہ ۲۵۔ ۲۶
۴۱۔ پیغام صلح صفحہ ۲۷ تا ۳۱
۴۲۔ حضورؑ کا یہ آخری مقدس پیغام عوام تک پہنچانے کے لئے ۲۱/ جون ۱۹۰۸ء کو پنجاب یونیورسٹی ہال لاہور میں رائے پرتول چندر صاحب جج چیف کورٹ کی زیر صدارت ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں خواجہ کمال الدین صاحب نے "پیغام صلح" کا مطبوعہ مضمون نہایت بلند آواز اور مؤثر لہجے میں پڑھا جسے حاضرین نے بہت سراہا۔ اندرون ملک میں "پیغام صلح" کی مقبولیت اور پسندیدگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود ہندوؤں نے اس کی تائید کی اور اس پر عمدہ رائے کا اظہار کیا۔ چنانچہ اخبار "ہندو پیٹریٹ" مدراس نے لکھا "وہ عظیم الشان طاقت اور اعلیٰ درجہ کی ہمدردی جو قادیان کے بزرگ کے اس آخری پیغام صلح سے ظاہر ہوتی ہے وہ یقیناً ایک خاص امتیاز کے ساتھ اسے ایک عظیم الشان انسان ثابت کرتی ہے۔.. ایسی اپیل ایسے عظیم الشان انسان کی طرف سے یونہی ضائع نہیں جانی چاہیے اور ہر ایک محب وطن ہندوستانی کا مدعا ہونا چاہیے کہ وہ مجوزہ صلح کو عملی رنگ پہنانے کی کوشش کرے" (بحوالہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو ۱۹۰۸ء صفحہ ۴۴۰۔ ۴۴۴)۔ ایک غیر مسلم دوست پی بی سنگھ نے لکھا "کتاب پیغام صلح نے مجھ پر حیرت انگیز اثر کیا ہے۔ میں اسلام کو اچھا مذہب خیال نہیں کرتا تھا۔ اسلام کے متعلق مسلمانوں کا جو تھوڑا بہت لٹریچر میں نے مطالعہ کیا ہے اس سے بھی مجھ پر یہی اثر ہوا تھا کہ اسلام جارحانہ مذہب ہے میں اسے کبھی رواداری کا مذہب نہیں سمجھتا تھا جیسا کہ اب سمجھتا ہوں۔" (بحوالہ الفضل ۲۹/ مارچ ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۲) مسٹر برہم دت ڈیرہ دون نے لکھا "چالیس برس پیشتر یعنی اس وقت جب کہ مہاتما گاندھی ابھی ہندوستان کے افق سیاست پر نمودار نہ ہوئے تھے (حضرت) مرزا غلام احمد (علیہ السلام) نے ۱۸۹۱ء میں دعویٰ مسیحیت فرما کر اپنی تجاویز رسالہ "پیغام صلح" کی شکل میں ظاہر فرمائیں جن پر عمل کرنے سے ملک کی مختلف قوموں کے درمیان اتحاد و اتفاق اور محبت و مفاہمت پیدا ہوتی ہے۔ آپ کی یہ شدید خواہش تھی کہ لوگوں میں رواداری 'اخوت اور محبت کی روح پیدا ہو۔ بے شک آپ کی شخصیت لائق تحسین اور قابل قدر ہے کہ آپ کی نگاہ نے مستقبل بعید کے کثیف پردے میں سے دیکھا اور (صحیح) راستہ کی طرف رہنمائی فرمائی (اخبار فرنٹیر میل ۲۲/ دسمبر ۱۹۴۸ء (بحوالہ تحریک احمدیت صفحہ ۱۲۔ ۱۳ مؤلفہ جناب مولوی برکات احمد صاحب راجیکی قادیان) "پیغام صلح" کو مغربی ممالک میں بھی خاص عظمت و وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ چنانچہ مشہور انگریزی رسالہ "ریویو آف دی ریویوز" نے اس پر تبصرہ لکھا کہ "یہ پیغام ایک سنہری پل کا کام دے سکتا ہے جس پر سے ہو کر مسلمانان ہند قانون اساسی کے خیمہ میں پہنچ سکتے ہیں۔ پیغام صلح شروع میں ہی تمام ہندوستانیوں کے ایک ہونے کو تسلیم کرتا ہے.... وہ بات جس سے اس کی خواہش کی سچائی ثابت ہوتی ہے کہ تمام

نبیوں کو خدا کی طرف سے مان کر مذہبی اتفاق اور اتحاد کی بنیاد رکھی جائے اس پیغمبر صلح کی یہ نرالی تجویز ہے۔" ترجمہ (بحوالہ ریویو آف ریلیجنز اردو ۱۹۰۸ء صفحہ ۴۳۸۔۴۴۰)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا

وصال مبارک

جنازہ و تدفین

اخبارات کے تبصرے

وفات کے متعلق بار بار واضح الہامات

فرائض ماموریت و نبوت کی تکمیل کے بعد وہ وقت آگیا کہ برگزیدہ اور خدانما وجود اس دنیا کو خیرباد کہہ دے۔ جیسا کہ ہم نے بتایا ہے سفر لاہور سے پیشتر ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بذریعہ الہام اطلاع ہو چکی تھی کہ یہ سفر سفرِ آخرت کا پیش خیمہ ثابت ہونے والا ہے۔ لاہور میں ۹ / مئی ۱۹۰۸ء کو

"اَلرَّحِيْلُ ثُمَّ الرَّحِيْلُ" [1]

کا الہام نازل ہوا تو حضور علیہ السلام نے حضرت حکیم الامت مولوی نور الدین صاحبؓ کی اہلیہ محترمہ کو بلایا کہ جس جگہ ہم مقیم ہیں اس میں آپ آجائیں اور ہم آپ والے حصہ میں چلے جاتے ہیں کیونکہ خدا نے الہام میں "الرحیل" فرمایا ہے جسے ظاہر میں بھی نقل مکانی سے پورا کر دینا چاہیے [2] اور معذرت بھی فرمائی کہ اس نقل مکانی سے آپ کو تکلیف تو ہوگی مگر میں اس خدائی الہام کو ظاہر میں بھی پورا کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ خواجہ صاحب والا مکان بدل کر حضورؑ سید محمد حسین شاہ صاحب والے مکان میں تشریف لے گئے۔ [3] ایک ہفتہ بعد ۱۷/ مئی ۱۹۰۸ء کو "مکن تکیہ بر عمر ناپائدار" کا الہام ہوا جس میں صاف طور پر وفات کی خبر تھی۔ [4] اس کے بعد ۲۰/ مئی کو جبکہ حضرت اقدسؑ "پیغام صلح" کی تصنیف میں مصروف تھے آخری الہام ہوا کہ

"اَلرَّحِيْلُ ثُمَّ الرَّحِيْلُ وَالْمَوْتُ قَرِيْبٌ" [5]

یعنی کوچ کا وقت آگیا ہے ہاں کوچ کا وقت آگیا ہے اور موت قریب ہے

یہ الہام اپنے اندر کسی تاویل کی گنجائش نہیں رکھتا تھا لیکن سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دانستہ اس کی کوئی تشریح نہیں فرمائی تاہم ہر سمجھدار شخص سمجھتا تھا کہ اب وقتِ مقدر سر پر آگیا ہے۔ اس پر ایک دن حضرت ام المومنینؓ نے گھبرا کر حضرت مسیح موعودؑ سے کہا کہ اب قادیان واپس چلیں۔ حضورؑ نے فرمایا اب تو ہم اسی وقت جائیں گے جب خدا لے جائے گا۔ اور آپ بدستور پیغام صلح کا

مضمون لکھنے میں مصروف رہے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ سرعت اور توجہ کے ساتھ لکھنا شروع کر دیا۔ بالآخر ۲۵/ مئی کی شام کو آپ نے اس مضمون کو قریباً مکمل کر کے کاتب کے سپرد کر دیا۔ ۶

آخری سیر حضورؑ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر حسب طریق سیر کے خیال سے باہر تشریف لائے۔ ایک کرایہ کی گھوڑا گاڑی حاضر تھی جو فی گھنٹہ مقررہ شرح کرایہ پر منگائی گئی تھی۔ آپ نے اپنے نہایت مخلص رفیق شیخ (بھائی) عبدالرحمٰن صاحب قادیانی سے فرمایا کہ اس گاڑی والے سے کہہ دیں اور اچھی طرح سے سمجھا دیں کہ اس وقت ہمارے پاس صرف ایک گھنٹہ کے کرایہ کے پیسے ہیں وہ ہمیں صرف اتنی دور لے جائے کہ ہم اس وقت کے اندر اندر ہوا خوری کر کے گھر واپس پہنچ جائیں۔ چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی اور آپ تفریح کے طور پر چند میل پھر کر واپس تشریف لے آئے۔ اس وقت آپ کو کوئی خاص بیماری نہیں تھی صرف مسلسل مضمون لکھنے کی وجہ سے کسی قدر ضعف تھا اور غالباً آنے والے حادثہ کے مخفی اثر کے ماتحت ایک گونہ ربودگی اور انقطاع کی کیفیت طاری تھی۔ ۷

مرض الموت کا آغاز

حضرت اقدسؑ سیر سے واپس بخیرت سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان تک پہنچے۔ حضور نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں...... پھر تھوڑا سا کھانا تناول فرمایا اور آرام کے لئے لیٹ گئے۔ ۸

حضورؑ کو اسہال کی بیماری بہت دیر سے تھی اور جب آپ کوئی دماغی کام زور سے کرتے تھے تو یہ عارضہ ہو جاتا تھا جس سے نبض ساقط ہو جاتی تھی اور عموماً مشک کے استعمال سے واپس آجاتی تھی۔ لاہور آکر بھی دو تین دفعہ اس بیماری کا حملہ ہوا مگر پھر طبیعت بحال ہو گئی لیکن اس روز (۲۵/ مئی کی شام کو) حضورؑ نے کھانے کے چند نوالے ہی کھائے تھے کہ اسہال کی حاجت ہوئی۔ اس کے بعد تھوڑی دیر تک حضور کو دبایا جاتا رہا اور آپ آرام سے لیٹ کر سو گئے اور حضرت ام المومنینؓ بھی سو گئیں۔ لیکن تھوڑی دیر بعد آپ کو پھر حاجت محسوس ہوئی۔ کوئی گیارہ بارہ بجے کے قریب طبیعت بے حد کمزور ہو گئی۔ ۹ حضورؑ نے حضرت ام المومنینؓ کو جگایا آپ اٹھیں اور حضورؑ کے پاؤں مبارک کو دبانا شروع کیا۔ کچھ وقت کے بعد حضور کی حالت ضعف سے بہت نازک ہو گئی جس پر حضرت ام المومنینؓ نے پوچھا کیا مولوی صاحب (حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ) کو بلا لیں؟ حضورؑ نے فرمایا۔ بلا لو۔ نیز فرمایا۔ محمود کو جگا لو۔ ۱۰

علاج کی کوشش چنانچہ حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحبؓ حاضر ہو گئے۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بلوا لیا گیا۔ حضورؑ نے فرمایا کہ مجھے سخت دورہ اسہال کا ہو گیا ہے آپ کوئی دوا تجویز کریں۔ پھر (مرزا یعقوب بیگ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ "حقیقت میں تو دوا آسمان پر ہے آپ دوا بھی کریں اور دعا بھی۔" ۱۱ علاج شروع ہوا مگر کمزوری لحظہ بہ لحظہ بڑھتی گئی۔ زبان اور گلے میں خشکی بھی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے بولنے میں تکلیف محسوس ہوتی تھی مگر جو کلمہ اس وقت آپؑ کے منہ سے سنائی دیتا تھا وہ ان لفظوں میں محدود تھا "اللہ میرے پیارے اللہ" اس کے سوا کچھ نہیں فرمایا" ۱۲

حضورؑ کے سب خدام اس وقت مضطرب الحال تھے کچھ دوا وغیرہ میں مصروف تھے اور اکثر نماز تہجد پڑھ رہے تھے۔ ۱۳ صبح کے وقت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت اقدسؑ کے چہرہ مبارک پر نظر ڈالی تو ان کا دل بیٹھ گیا کیونکہ آپ کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ مرض الموت ہے۔ اس وقت حضور بہت کمزور ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر نے نبض دیکھی تو ندارد۔ سب سمجھے کہ وفات پا گئے۔ یکدم سب پر ایک سناٹا سا چھا گیا مگر تھوڑی دیر بعد نبض میں پھر حرکت پیدا ہوئی مگر حالت بدستور نازک ہوتی گئی۔ ۱۴ کوئی پانچ بجے کے قریب حضرت نواب محمد علی خاں صاحب بھی آپہنچے۔ اس وقت حضور کا بدن گرم تھا اور گھبراہٹ تھی مگر حواس پوری طرح قائم تھے۔ آہستہ آہستہ بولتے تھے۔ نواب صاحب کے پہنچنے پر حضورؑ نے دو ایک دفعہ کروٹ بدلی۔ آنکھ مبارک کھولی اور ان کی طرف دیکھا۔ نواب صاحب نے السلام علیکم عرض کیا جس کے جواب میں حضور نے وعلیکم السلام فرمایا۔ ۱۵ اتنے میں صبح ہو گئی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چارپائی کو باہر صحن سے اٹھا کر اندر کمرے میں لے آئے۔ جب ذرا روشنی ہو گئی تو حضورؑ نے پوچھا کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ حضور ہو گیا ہے اس پر حضور نے بستر پر ہی ہاتھ مار کر تیمم کیا اور لیٹے لیٹے ہی نماز شروع کر دی۔ اسی حالت میں تھے کہ غشی سی طاری ہو گئی اور نماز پوری نہ کر سکے۔ تھوڑی دیر بعد حضور نے پھر دریافت فرمایا کہ صبح کی نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ عرض کیا گیا حضور ہو گیا ہے۔ آپ نے پھر نیت باندھی اور لیٹے لیٹے نماز ادا کی۔ اس کے بعد نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری رہی مگر جب کبھی ہوش آتا تھا وہی الفاظ اللہ میرے پیارے اللہ سنائی دیتے تھے اور ضعف لحظہ بلحظ بڑھتا جاتا تھا۔ ۱۶ غالباً آٹھ یا ساڑھے آٹھ بجے (اور ایک روایت کے مطابق ساڑھے سات بجے) ۱۷ ڈاکٹر نے پوچھا کہ حضور کو خاص طور پر کیا تکلیف محسوس ہوتی ہے مگر حضور زبان سے جواب نہ دے سکتے تھے اس لئے کاغذ قلم دوات منگوائی گئی اور حضورؑ نے بائیں ہاتھ پر سہارا

لے کر بستر سے کچھ اٹھ کر لکھنا چاہا مگر بمشکل چند الفاظ لکھ سکے اور پھر بوجہ ضعف کے کاغذ کے اوپر قلم گھسٹتا ہوا چلا گیا اور حضورؑ پھر لیٹ گئے۔ ۱۸ کاغذ پر جو غالباً حنائی رنگ کا تھا حضور نے یہ لکھا تھا کہ "تکلیف یہ ہے کہ آواز نہیں نکلتی کوئی دوا دی جائے۔" یہ الفاظ سید مہدی حسین صاحب (جو اس وقت پلنگ کے سرہانے کھڑے تھے) کاغذ پر تحریر دیکھے بغیر قلم کی روانی اور حرکت کی وجہ سے ساتھ کے ساتھ پڑھتے گئے۔ ۱۹

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال

نو بجے کے بعد حضورؑ کی حالت زیادہ تشویشناک ہو گئی اور تھوڑی دیر کے بعد نزع کی حالت طاری ہو گئی۔ غرغرہ میں کوئی آواز وغیرہ نہیں تھی بلکہ صرف سانس لمبا لمبا اور کھچ کھچ کر آتا تھا۔ حضرت ام المومنینؓ اس وقت دعاؤں میں مصروف تھیں۔ کبھی سجدہ میں گر جاتیں اور بار بار یہی کہتی تھیں کہ اے حی و قیوم خدا۔ اے میرے پیارے خدا۔ اے قادر مطلق خدا۔ اے مردوں کے زندہ کرنے والے خدا تو ہماری مدد کر۔ اے واحد لاشریک خدا۔ اے خدا میرے گناہوں کو بخش میں گنہگار ہوں۔ اے میرے خدا میری زندگی بھی تو ان کو دیدے میری زندگی کس کام کی ہے یہ تو دین کی خدمت کرتے ہیں۔ میری زندگی بھی ان کو دیدے۔ بار بار یہی الفاظ آپ کی زبان پر تھے۔ اور اخیر میں جبکہ نزع کا آخری وقت بالکل قریب تھا آپ نے فرمایا۔ اے میرے پیارے خدا یہ تو ہمیں چھوڑتے ہیں مگر تو ہمیں نہ چھوڑیو۔ اور کئی بار یہ کہا۔ ۲۰

تھوڑی دیر غرغرہ کا سلسلہ جاری رہا اور ہر آن سانس کے درمیان کا وقفہ لمبا ہوتا گیا حتیٰ کہ قریباً ساڑھے دس بجے دو ایک دفعہ لمبے سانس آئے۔ ۲۱ روح قفس عنصری ہی سے پرواز کر گئی اور خدا کا برگزیدہ، قرآن کا فدائی، اسلام کا شیدائی، محمد مصطفےٰ ﷺ کا عاشق اور دین محمدیؐ کا فتح نصیب جرنیل جس نے اپنی پوری عمر علمی و قلمی جہاد کی قیادت میں بسر کی تھی، اپنے اہل بیت اور اپنے عشاق کو سوگوار اور افسردہ چھوڑ کر اپنے آسمانی آقا کے دربار میں حاضر ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

وفات کے وقت حضورؑ کی عمر سوا تہتر سال کے قریب تھی۔ دن منگل کا تھا اور شمسی تاریخ ۲۶/ مئی ۱۹۰۸ء تھی جو (ڈاکٹر محمد شہید اللہ صاحب پروفیسر راجشاہی یونیورسٹی مشرقی پاکستان کی) جدید تحقیق کے مطابق آنحضرت ﷺ کا یوم وصال بھی ہے۔ ۲۲

حضرت مفتی محمد صادق صاحب کا چشمدید بیان ہے۔

"لاہور میں آپ پیغام صلح لکھ رہے تھے چونکہ وہاں مسافرت کا مقام تھا۔ جلد واپس آنے کا بھی خیال تھا پیغام صلح کے لیکچر کی بڑے زور شور سے تیاری ہو رہی تھی۔ اشتہار شائع ہو گئے مضمون بہت زبردست تھا۔ غیر قومیں مخاطب تھیں اس واسطے بہت توجہ سے آپ اس مضمون کے لکھنے میں مصروف ہوئے اور رات دن اسی کام میں لگے رہتے۔ شام کی سیر بھی ترک کی ہوئی تھی۔ کئی روز تک متواتر کام کرتے رہے۔ آخری دن جس دن مضمون ختم ہوا تو فرمایا آج ہم نے اپنا کام ختم کیا اس شام کو سیر کے واسطے بھی تشریف لے گئے مگر طبیعت پر اس محنت کی کوفت کا اثر نمایاں تھا۔ عصر کی نماز میں ایک ملاں نے مباحثہ کا رنگ اختیار کیا۔ اس کو آپ بہت سمجھاتے رہے جب اس نے بہت ضد کی تو بالآخر فرمایا کہ ہم تو اپنا کام پورا کر چکے ہیں اب تم جاؤ جو تمہارا جی چاہے کرتے پھرو۔ اسی رات کو عشاء کے قریب آپ پر وہی دوران سر اور ہاتھ پاؤں کے سرد ہونے کا دورہ پڑا۔ اور اسہال ہوا۔ پہلے اس کو اکثر نے معمولی سمجھا اور علاج معالجہ ہوتا رہا۔ مگر طبیعت ساعت بساعت زیادہ خراب ہوتی گئی۔ فجر کی نماز کے وقت میں پاؤں دبا رہا تھا۔ صاحبزادہ محمود احمد صاحب سرہانے بیٹھے تھے۔ تب آپ نے آہستگی سے فرمایا "نماز" صاحبزادہ صاحب نے خیال کیا کہ مجھے نماز پڑھنے کے واسطے فرماتے ہیں انہوں نے عرض کی کہ میں نے نماز پڑھ لی ہے آپ نے پھر فرمایا "نماز" اور دونوں ہاتھوں کو سینے پر رکھا تب ہم نے جانا کہ خود نماز پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد جلد آپ کو بے ہوشی ہوئی اور اپنے خدا سے جا ملے۔ اس دنیا میں آپ کا آخری کام بھی خدا کی عبادت ہی تھا۔ میں آپ کے قدموں میں حاضر تھا۔" [۲۳]

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا ایک ایمان افروز خواب

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مد ظلہا العالی کا بیان ہے کہ "آپ (سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ناقل) وسط صحن میں بستر پر بیٹھ کر آخری شام دیر تک (پیغام صلح کا ناقل) مضمون لکھتے رہے تھے۔ آپ کے چہرہ مبارک پر ایک خاص جوش اور ایک خاص سرخی تھی اور قلم معمول سے زیادہ تر تیز تھا۔ مجھے اس وقت آپ کے بیٹھ کر اس انہماک اور تیزی سے لکھنے پر اپنا خواب یاد آیا تھا جو میں آپؑ کو سنا چکی تھی اور وہم آیا جس کو بار بار دل سے دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہی خیال آتا تھا کہ اس خواب میں آپ اسی طرح بستر پر بیٹھے اس رنگ میں لکھ رہے تھے میں نے لاہور آنے سے کچھ عرصہ ہی پہلے خواب دیکھا تھا کہ

"میں نیچے اپنے صحن میں ہوں اور گول کمرہ کی طرف جاتی ہوں تو وہاں بہت سے لوگ ہیں جیسے

کوئی خاص مجلس ہو۔ مولوی عبدالکریم صاحبؓ دروازے کے پاس آئے اور مجھے کہا بی بی جاؤ ابا سے کہو کہ رسول کریم (ﷺ) اور صحابہؓ تشریف لائے ہیں آپؑ کو بلاتے ہیں۔ میں اوپر گئی اور دیکھا کہ پلنگ پر بیٹھے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بہت تیزی سے لکھ رہے تھے اور ایک خاص کیفیت آپؑ کے چہرہ پر ہے پر نور اور پر جوش۔ میں نے کہا ابا مولوی عبدالکریمؓ کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں۔ آپؑ نے لکھتے لکھتے نظر اٹھائی اور مجھے کہا کہ جاؤ کہو "یہ مضمون ختم ہوا اور میں آیا۔"

ٹھیک یہی الفاظ تھے اور وہی نظارہ میری آنکھوں میں اس آخری شام کو پھر گیا۔"

(مکتوب ۱۹۔ جون ۱۹۶۹ء بنام مولف)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے عشاق کی حالت کا دردناک منظر

حضورؑ کی وفات کی خبر بجلی طرح شہر میں پھیل گئی۔ احمدیہ جماعتوں کو بذریعہ تار اس حادثہ کی اطلاع دے دی گئی اور انہیں ہدایت دی گئی کہ وہ جنازہ کے لئے قادیان پہنچیں۔ اسی دن یا دوسرے روز اخبارات کے ذریعہ سے تمام ہندوستان کو اس عظیم الشان انسان کی وفات کی خبر ملی۔ یہ محض خبر نہیں تھی ایک قیامت تھی جو آناً فاناً آئی جس نے حضورؑ کے خدام کے دل و دماغ پر ایک زلزلہ طاری کر دیا۔ ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور باوجودیکہ خدا کا پیارا انہیں خدائی الہامات سنا سنا کر اپنی واپسی کی متواتر اطلاع دیتا آ رہا تھا اور دو سال پہلے الوصیت بھی لکھ دی تھی مگر اس کے پروانے یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ ہمارا شاہد، ہمارا رازداں، مجسمہ رحم و شفقت، محبوبوں کا محبوب، باپ سے بڑھ کر شفیق و غمگسار، جس کے نورانی چہرہ پر ایک نظر سے غموں کی گھٹائیں پاش پاش ہو جاتی تھیں۔

نقشہ مقام وصال سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

(بمطابق ماہ مئی ۱۹۰۸ء)

نوٹ: یہ سرسری خاکہ دوسری منزل کا ہے جو سلسلہ کے متعدد قدیم بزرگوں کی مجموعی شہادتوں کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے۔ اس کی تیاری میں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی نے خاص طور پر مدد دی ہے۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ۔

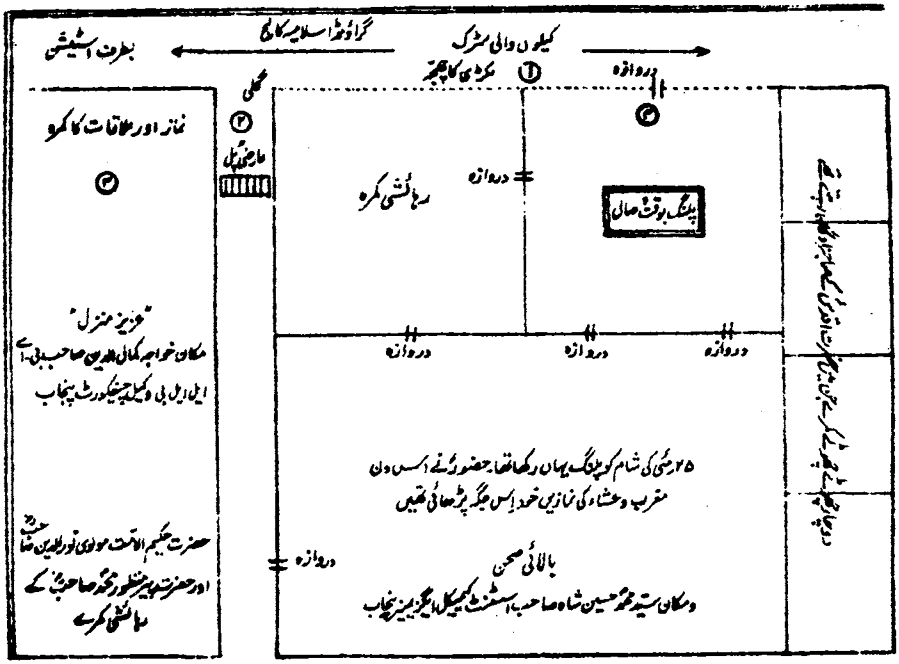

۱۔ یہاں عام طور پر حضور علیہ السلام کی گاڑی کھڑی ہوتی تھی۔

۲۔ ۱۵ مئی کو مسٹر فضل حسین صاحب کی ملاقات اس جگہ ہوئی تھی اس وقت گلی میں چارپائیاں بچھادی گئی تھیں (بروایت مولوی فضل الدین صاحب وکیل۔ الحکم ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۵)

۳۔ (ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کی روایت کے مطابق) ۱۷ مئی کو روؤسائے لاہور کی دعوت طعام کا انتظام اس کمرہ میں تھا۔

۴۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کی اطلاع پر حضرت مولوی نورالدین صاحب اس کمرے میں آئے اور حضورؑ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دے کر باہر تشریف لے گئے۔ جونہی حضرت مولوی صاحب کا قدم اس دروازہ سے باہر ہوا۔ مولوی سید محمد احسن صاحب نے رقت بھری آواز میں حضرت مولوی صاحب سے کہا انت صدیق۔ حضرت مولوی صاحبؓ نے فرمایا مولوی صاحب یہاں یہ سوال رہنے دیں قادیان جاکر فیصلہ ہو گا۔ (سیرت المہدی حصہ اول طبع دوم صفحہ ۱۴)

اور جس کا ہر لفظ زندگی کی ایک نئی روح پیدا کر دیتا تھا ہم سے کبھی جدا ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ جو تار بیرونی جماعتوں کی اطلاع کے لئے لاہور سے دیئے گئے تھے اور استدعا کی گئی تھی کہ لوگ جنازہ کے لئے فوراً قادیان پہنچ جائیں انہیں بھی اکثر لوگوں نے جھوٹ سمجھا (اور گو وہ قادیان آئے مگر صرف احتیاط کے طور پر آئے اور اس خیال سے آئے کہ جھوٹ کا پول کھولیں۔) [۲۴]

اہل قادیان کی یہ حالت تھی کہ یہاں خواجہ کمال الدین صاحب کی طرف سے مولوی محمد علی صاحب کو شام کے پانچ بجے کے قریب تار مل گیا تھا اس کے باوجود کسی کو حضورؑ کی وفات کا یقین نہ آتا تھا بلکہ شبہ گزرا کہ شاید یہ کسی دشمن کا تار ہو۔ کسی نے کہا کہ کوئی آدمی بٹالہ بھیجا جائے جو لاہور سے بذریعہ تار اصل حالات معلوم کرے۔ اسی دوران مسجد مبارک میں ایک مجمع ہو گیا۔ [۲۵] عین اس وقت چوہدری نعمت اللہ صاحب گوہر جو صبح نو بجے تک احمدیہ بلڈنگس ہی میں تھے لاہور سے صبح دس بجے کی گاڑی سے چل کر قادیان پہنچ گئے انہوں نے حضورؑ کی شدید علالت کا کھول کر ذکر کیا اور وہ الہامات جو حضور علیہ السلام کو دو تین روز پیشتر ہوئے تھے حاضرین کو سنائے تب کہیں لوگوں کو یقین آیا کہ حضور فی الواقعہ انتقال فرما گئے ہیں۔ یہ معلوم کر کے قادیان اس طرح غم کدہ بن گیا جس طرح صبح ساڑھے دس بجے احمدیہ بلڈنگز کی سرزمین بن گئی تھی۔ [۲۶] مغرب کی نماز میں مسجد مبارک کی چھت پر آہ و بکا اور گریہ و زاری سے محشر سا پا تھا اور نمازیوں کے منہ سے نماز کے فقرات بھی پوری طرح نہیں نکل سکتے تھے۔ آنسوؤں کی شدت گلے میں گرہ ڈال دیتی تھی۔ [۲۷]

غرض کہ جہاں جہاں یہ خبر پہنچی حضورؑ کے خدام مارے غم کے دیوانے ہو گئے اور وہ سچ مچ سمجھتے تھے کہ ہم یتیم ہو گئے ہیں۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو اشکبار نہ ہو اور کوئی دل نہ تھا جو شدت غم سے پارہ پارہ نہ ہو رہا ہو آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جو خود بخود بہتا آ رہا تھا۔ اس دردناک منظر کا نقشہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ "آپ کے ساتھ جو محبت آپ کی جماعت کو تھی اس کا حال اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بہت تھے جو آپ کی نعش مبارک کو صریحاً اپنی آنکھوں کے سامنے پڑا دیکھتے تھے مگر وہ اس بات کو قبول کرنے کے لئے تو تیار تھے کہ اپنے حواس کو مختل مان لیں لیکن یہ باور کرنا انہیں دشوار و ناگوار تھا کہ ان کا حبیبؑ ان سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا ہے۔ پہلے مسیح کے حواریوں اور اس مسیح کے حواریوں کی اپنے مرشد کے ساتھ محبت میں یہ فرق ہے کہ وہ تو مسیح کے صلیب سے زندہ اتر آنے پر حیران تھے اور یہ اپنے مسیح کے وصال پر ششدر تھے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مسیح زندہ کیونکر ہے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مسیح فوت کیونکر ہوا؟ آج سے تیرہ سو سال پہلے ایک شخص جو خاتم النبیین ہو کر آیا تھا اس کی وفات پر نہایت سچے دل سے ایک شاعر نے یہ

صداقت بھرا شعر کہا تھا کہ:۔

کُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیَ عَلَیَّ [۲۸] النَّاظِرُ
مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ

(ترجمہ) تو تو میری آنکھ کی پتلی تھا تیری موت سے میری آنکھ اندھی ہو گئی۔ اب تیرے بعد کوئی شخص پڑا مرا کرے ہمیں اس کی پروا نہیں کیونکہ ہم تو تیری ہی موت سے ڈر رہے تھے۔

آج تیرہ سو سال کے بعد اس نبی کے ایک غلام کی وفات پر پھر وہی نظارہ چشم فلک نے دیکھا کہ جنہوں نے اسے پہچان لیا تھا ان کا یہ حال تھا کہ یہ دنیا ان کی نظروں میں حقیر ہو گئی اور ان کی تمام تر خوشی اگلے جہان میں ہی چلی گئی.... خواہ صدی بھی گزر جائے مگر وہ دن ان کو کبھی نہیں بھول سکتے جب کہ خدا تعالیٰ کا پیارا رسول ان کے درمیان چلتا پھرتا تھا"۔ [۲۹]

حضرت مسیح موعودؑ کے اہل بیت کا بےمثال صبر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے والہانہ عقیدت رکھنے والے عشاق جو جماعت کی ذمہ داری کو سمجھتے اور وقت کی نزاکت کو پہنچانتے تھے اپنے دلوں کے جذبات کو روکے ہوئے تھے اور چشم پر آب ہونے کے باوجود انہوں نے اس وقت صبر و تحمل کا قابل رشک نمونہ دکھایا حتیٰ کہ لاہور کے مخالفین نعش کی طرف آتے تھے تو حیران ہو کر واپس چلے جاتے تھے اور یقین نہ کرتے تھے کہ آپ فوت ہو گئے ہیں کیونکہ ان کو چیخیں مار کر روتا ہوا اور آہ و بکا میں مصروف کوئی نہ دکھائی دیتا تھا۔ بالخصوص حضرت اقدسؑ کے اہل بیت نے اس عظیم ترین صدمہ میں جس رضا بالقضاء کا ثبوت دیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت اقدس علیہ السلام کی زندگی کے آخری لمحات کے وقت حضرت ام المومنینؓ نے بجائے دنیادار عورتوں کی طرح رونے چیخنے اور بے صبری کے کلمات منہ سے نکالنے کے صرف اللہ تعالیٰ کے حضور گر کے سجدہ میں نہایت عجز و انکسار کے ساتھ دعائیں مانگنے کا پاک نمونہ دکھایا۔ جب اخیر میں یٰسٓ پڑھی گئی اور حضورؑ کی روح مقدس قفس عنصری سے پرواز کر کے اپنے محبوب حقیقی کے حضور حاضر ہو گئی تو حضرت ام المومنینؓ نے فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اور بس خاموش ہو گئیں کسی قسم کا جزع فزع نہیں کیا۔ اندر بعض مستورات نے رونا شروع کیا آپ نے ان عورتوں کو بڑے زور سے جھڑک دیا اور کہا میرے تو خاوند تھے میں نہیں روتی تم رونے والی کون ہو۔ یہ صبر و استقلال کا نمونہ ایک ایسی پاک عورت سے جو ناز و نعمت میں پلی ہو اور جس کا ایسا روحانی بادشاہ اور ناز اٹھانے والے مقدس خاوند انتقال کر جائے ایک زبردست اعجاز تھا۔ [۳۰]

یہی نہیں۔ حضرت ام المومنینؓ نے حضورؑ کی وفات کے وقت یا اس کے تھوڑی دیر بعد اپنے بچوں کو جمع کیا اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے انہیں نصیحت بھی فرمائی کہ:۔

"بچو گھر خالی دیکھ کر یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ابا تمہارے لئے کچھ نہیں چھوڑ گئے انہوں نے آسمان پر تمہارے لئے دعاؤں کا بڑا بھاری خزانہ چھوڑا ہے جو تمہیں وقت پر ملتا رہے گا۔" [۲۱]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحبؓ کا عہد

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر نہ صرف صبر کا عدیم النظیر نمونہ دکھایا بلکہ سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سرہانے کھڑے ہو کر یہ عہد کیا کہ :-

"اگر سارے لوگ بھی آپ کو چھوڑ دیں گے اور میں اکیلا رہ جاؤں گا تو میں اکیلا ہی ساری دنیا کا مقابلہ کروں گا اور کسی مخالفت اور دشمن کی پرواہ نہیں کروں گا۔" [۲۲]

شرفاء کی ہمدردی اور اشد مخالفین کا افسوسناک مظاہرہ

ملک کے مسلم و غیر مسلم حلقے جو مسلک و عقیدہ کے اختلاف کے باوجود حضورؑ کی روحانی عظمت و شان اور علمی قابلیت کے دل سے معترف تھے انہوں نے آپ کی وفات پر اظہار ہمدردی کیا اور ہمدردی کے خطوط لکھے۔ علاوہ ازیں ملکی پریس نے حضرت اقدسؑ کی وفات پر نہایت عمدہ ریویو لکھے اور آپ کی وفات کو ایک ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔ مگر بعض مخالفین نے اس موقعہ پر انتہائی افسوسناک مظاہرہ کیا۔ چنانچہ احمدیہ بلڈنگس کے نزدیک ہی جہاں اس خدا کے فرستادہ کی نعش مبارک رکھی تھی دکھی اور زخم رسیدہ دلوں کی نمک پاشی کے لئے شہر کے آوارہ مزاج بڑی تعداد میں جمع ہو گئے اور انہوں نے نہایت بے شرمی کے ساتھ سامنے کھڑے ہو کر خوشی کے گیت گائے، مسرت کے ناچ ناچے اور شادمانی کے نعرے لگائے اور فرضی جنازے بنا بنا کر نمائشی ماتم کے جلوس نکالے۔ [۲۳]

بعض اخبار نویسوں کی طرف سے سلسلہ کی تباہی کی پیشگوئی

وہ تو اوباشوں کی حرکات تھیں جو عین نعش کے سامنے کی گئیں لیکن اس کے بعد بعض کم ظرف اخبار نویسوں نے بھی اپنے اخبارات میں آپؑ کی وفات پر بڑی خوشی کا اظہار کر کے اپنے کم ظرف ہونے کا ثبوت دیا۔ اور پبلک کو یقین دلایا کہ مرزا صاحب کی وفات کے بعد یہ سلسلہ تباہ ہو جائے گا۔ [۲۴]

نعش مبارک کا لاہور سے قادیان لایا جانا

حضورؑ کا وصال ساڑھے دس بجے کے قریب ہوا تھا۔ انتقال کے معمولی وقفہ کے بعد لاہور میں تمام موجود احمدی یکے بعد دیگرے آئے اور حضرت اقدسؑ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیتے گئے۔ کچھ دیر کے بعد حضور کے خدام ذرا باہر بیٹھے اور شیخ رحمت اللہ صاحب' خواجہ کمال الدین صاحب' ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب لاہور کے سول سرجن صاحب کے پاس سرٹیفکیٹ کے لئے گئے۔ [۲۵] سرٹیفکیٹ میں سول سرجن صاحب نے صاف لکھا تھا کہ حضرت اقدسؑ نے اسہال کی خراش سے انتقال کیا ہے۔ بٹالہ کے لئے ریزرو گاڑی کا انتظام کیا گیا۔ اڑھائی بجے تک غسل اور کفن سے فراغت ہو گئی۔ غسل دینے والے بھائی عبدالرحیم صاحب اور شیخ رحمت اللہ صاحب اور ایک اور احمدی دوست تھے۔ [۲۶] ایک کثیر جماعت نے جنازہ پڑھا [۲۷] اور اس کے بعد جوق در جوق احمدی اور غیر احمدی زیارت کے واسطے آتے رہے حضرت اقدسؑ کی شکل مبارک نہایت منور تھی اور کسی قدر سرخی بھی رخسار پر تھی۔ چار بجے کے قریب پہلے مستورات اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئیں بعد ازاں احمدیہ بلڈنگس سے چارپائی پر جنازہ اٹھایا گیا۔ اسٹیشن پر پہنچ کر تابوت گاڑی میں رکھا گیا۔ یہاں آکر اس خطرناک سازش کا پتہ چلا کہ کسی مخالف نے ٹریفک سپرنٹنڈنٹ سے کہہ دیا کہ مرزا صاحب ہیضہ سے فوت ہوئے ہیں اس لئے جنازہ گاڑی سے نہیں جانا چاہیئے۔ چنانچہ اسٹیشن ماسٹر نے نعش بھجوانے سے انکار کر دیا جس پر شیخ رحمت اللہ صاحب نے سول سرجن کا سرٹیفکیٹ دکھلایا۔ اسے مجبوراً اجازت دینا پڑی اور مخالفوں کا یہ منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ [۲۸]

پونے چھ بجے کے قریب گاڑی لاہور سے بٹالہ کو روانہ ہوئی۔ گاڑی میں جنازہ کے ساتھ اہل بیت حضرت اقدسؑ' حضرت مولوی نور الدین صاحب' حضرت میر ناصر نواب صاحب اور حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کے علاوہ حضرت اقدسؑ کے بہت سے خدام بھی تھے۔ [۲۹] جناب عبدالمجید صاحب سالک کے بیان کے مطابق مولانا ابوالکلام آزاد امرتسر سے لاہور آئے اور یہاں سے مرزا صاحب کے جنازے کے ساتھ بٹالہ تک گئے۔ [۳۰]

گاڑی لاہور سے امرتسر پہنچی تو یہاں سے بھی بہت سے احمدی دوست مثلاً میاں نبی بخش صاحب سوداگر اور ڈاکٹر عباد اللہ صاحب اور احباب کپورتھلہ شہر مثلاً حضرت منشی ظفر احمد صاحب جنازہ کے ساتھ ہوئے۔ گاڑی رات دس بجے کے قریب بٹالہ پہنچی نعش مبارک ریزرو ڈبہ میں ہی رہی جس کے پاس خدام موجود رہے۔ دو بجے کے قریب حضورؑ کا جسد مبارک صندوق سے نکال کر ایک آم کے

درخت [۶۱] کے نیچے چارپائی پر اور صندوق و برف گڈے پر رکھے گئے۔ مستورات تو دو گھنٹہ بعد نو بجے قادیان پہنچیں [۶۲] مگر احباب جنازہ کو شانہ بشانہ اٹھا کر قادیان کی طرف روانہ ہو گئے۔ دیوانی والی کے تکیہ میں دوستوں نے صبح کی نماز ادا کی۔ [۶۳] نہر کے پل کے قریب جماعت قادیان کے دوست بھی آشامل ہوئے۔ کوئی آٹھ بجے جنازہ قادیان پہنچا اور حضورؑ کی نعش مبارک بہشتی مقبرہ سے ملحق باغ میں واقعہ پکے مکان میں رکھ دی گئی۔ [۶۴]

صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحبؓ کو حادثہ کی الہامی اطلاع

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے ایام میں صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب جالندھر میں افسر مال کی حیثیت میں متعین تھے۔ حضور کی وفات سے پیشتر آپ باہر اپنے حلقہ میں دورہ پر تھے۔ دورہ ختم کر کے آپ واپس گھوڑے پر سوار جالندھر کی طرف تشریف لا رہے تھے کہ راستہ میں آپ کو یکایک الہام ہوا "ماتم پرسی" آپ گہری سوچ میں پڑ کر بدستور چلتے چلے گئے کہ راستہ میں دوبارہ یہی الہام ہوا۔ اب خیالات بہت پراگندہ ہو گئے قیاس کیا کہ شاید تائی صاحبہ کا انتقال ہو گیا ہو مگر ابھی گھوڑے پر سوار چلتے گئے کہ تیسری مرتبہ پھر الہام ہوا "ماتم پرسی" جس پر آپ سخت خوفزدہ ہو گئے اور فوراً گھوڑے سے اتر کر راستہ میں ہی زمین پر بیٹھ گئے اور سخت پریشانی میں سوچنے لگے کہ اس الہام کا مطلب کیا ہے۔ آخر گہرے سوچ بچار کے بعد دل میں یہ سوال اٹھا کہ خدا تعالیٰ کی جانب سے ماتم پرسی ہو تو لازمی ہے کہ یہ کسی اعلیٰ اور ارفع ہستی کی موت اور وصال سے وابستہ ہو۔ اس خیال کا آنا تھا کہ آپ کو قطعی یقین ہو گیا کہ بس یہ حضرت والد صاحب (مسیح موعودؑ) کا ہی وصال ہے۔ یہ خیال راسخ ہوتے ہی آپ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے اور اسی غم و حزن کی حالت میں بجائے اپنے بنگلہ پر جانے کے سیدھے انگریز ڈپٹی کمشنر صاحب جالندھر کے بنگلہ کو تشریف لے گئے ڈپٹی کمشنر سے ملاقات ہوئی تو ان کو اطلاع دی کہ میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے فوراً رخصت دے دی جائے میں جا رہا ہوں اور یہ بھی بتلایا کہ میں اس غرض سے دورہ سے سیدھا آپ کے بنگلہ پر آیا ہوں۔

صاحب موصوف نے دریافت کیا کہ کیا والد صاحب کی وفات کی خبر آپ کو راستہ میں ملی ہے یا کوئی اطلاع موصول ہوئی ہے یا کوئی آدمی آیا ہے۔ مگر آپ نے جواب دیا کہ نہ کوئی تار آیا ہے نہ کوئی آدمی اور نہ کسی اور ذریعہ سے اطلاع ہوئی ہے صرف خدائی تار آیا ہے اور صاحب موصوف کے دریافت کرنے پر آپ نے اپنے راستہ کا تمام ماجرا سنایا تو صاحب کو بہت حیرت ہوئی کہ اس پر اتنا یقین کر لیا اور کہا یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے یونہی آپ کو وہم ہو گیا ہے آپ اطمینان رکھیں ایسا کوئی حادثہ نہیں ہوا

ہے آپ رخصت کے لئے جلدی نہ کریں اور گھبرائیں نہیں۔ لیکن آپ بدستور اپنے یقین کامل سے رخصت پر مصر رہے مگر صاحب بہادر کے اصرار پر اپنے بنگلہ پر واپس تشریف لے آئے۔ تھوڑی دیر بعد ہی آپ کو حضرت اقدس علیہ السلام کی وفات حسرت آیات کا تار بھی موصول ہو گیا۔ چنانچہ آپ وہ تار لے کر صاحب کے بنگلہ پر دوبارہ گئے اور بتلایا کہ اس وقت میں دورہ سے سیدھا آپ کے بنگلہ پر آگیا وہ خدائی اطلاع کی بناء پر تھا۔ اب یہ تار بھی آگیا ہے۔ صاحب بہادر یہ کیفیت دیکھ کر بہت ہی حیران اور ششدر رہ گئے کہ آپ لوگوں کو خدا پر کیسا یقین اور وثوق اور ایمان ہے اور صاحبزادہ صاحب کو رخصت دے دی۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف فوراً قادیان روانہ ہو گئے۔ جب آپ جالندھر سے امرتسر پہنچے تو اسٹیشن پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جنازہ بھی پہنچ چکا تھا۔ ۶۵

حواشی

۱۔ بدر ۲۸ / مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۷ کالم نمبر ۳' الحکم ۳۰ / مئی ۱۹۰۸ صفحہ ۱ کالم نمبر ۱

۲۔ مؤلف مجدد اعظم نے نقل مکانی کی یہ وجہ لکھی ہے جو خلاف واقعہ ہے کہ "حضرت اقدسؑ کی زوجہ محترمہ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان میں جو تشریف لے گئیں تو وہ مکان انہیں زیادہ پسند آیا"

۳۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۷۸ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۵۹

۴۔ تذکرہ بحوالہ بدر ۲ / جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۱

۵۔ تذکرہ بحوالہ بدر ۲ / جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۱۔ اسی مصرعہ سے تاریخ وفات (۱۳۲۶ھ) بھی نکلتی ہے

۶۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۸۱۔۱۸۲

۷۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۸۲

۸۔ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۱۱ طبع دوم

۹۔ اصحاب احمد جلد ۲ (ڈائری نواب محمد علی صاحب) اخبار الحکم ضمیمہ ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء

۱۰۔ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۱۱' ۱۲

۱۱۔ ضمیمہ الحکم ۳۰ / مئی ۱۹۰۸ء بعنوان "وفات مسیح" صفحہ ۱۲

۱۲۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۸۳

۱۳۔ الحکم ۲۸ / مئی ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۰ نمبر ۱

۱۴۔ سیرت المہدی حصہ اول (طبع دوم) صفحہ ۹۔۱۰

۱۵۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۵۸۶۔۵۸۷

۱۶۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۸۳

۱۷۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۰

۱۸۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۰

۱۹۔ الحکم ۲۸ / مئی ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۰ کالم نمبر ۲

۲۰۔ بدر ۲ / جون ۱۹۰۸ء صفحہ نمبر ۴ کالم نمبر ۲ از ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب

۲۱۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۸۴ اور سیرت المہدی حصہ اول صفحہ نمبر ۱۱

۲۲۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد شہید اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن میں اتفاق ہے کہ یہ دوشنبہ تھا لیکن تاریخ کے متعلق اختلافات ہیں۔ واقدی۔ ابن سعد اور ابن اسحاق (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگار) کی رائے میں یہ تاریخ ۱۲ ربیع الاول تھی۔ ابن عقبہ' ابو نعیم' لیث اور خوارزمی کے مطابق یہ تاریخ یکم ربیع الاول تھی۔ ابو مخنف کلبی اور سلیمان التیمی کی رائے میں یہ دوسری ربیع الاول ہے۔ حافظ ابن حجر بخاری کی شرح میں اور حافظ مغلطائی دوسری تاریخ قبول کرتے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے یکم ربیع الاول ثابت کی ہے۔ یہ متفق علیہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج ۹ / ذی الحج کو ہوا تھا اور وہ جمعہ کا روز تھا۔ یہاں سے شروع کر کے ۱۱ھ کی بارہ ربیع الاول تک حساب لگایا جائے تاکہ یہ طے ہو سکے کہ بارہ ربیع الاول تک کس کس تاریخ میں پیر کا روز آتا ہے ہم کو یاد رکھنا چاہیے کہ قمری مہینہ یا تو ۳۰ دن کا ہوتا ہے یا ۲۹ دن کا۔ ذیل میں ہم ۳۰ اور ۲۹ دن کا ہر حساب شمار کریں گے۔ ہم چھٹی ساتویں آٹھویں اور نویں تاریخوں کو نظر انداز کرتے ہیں کیونکہ کسی نے ان تاریخوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ہم بارھویں تاریخ کو بھی نہیں لے سکتے ہیں کیونکہ کسی حساب سے اس تاریخ میں دوشنبہ نہیں ہو سکتا ہے۔ دوسری ربیع الاول قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے متواتر ۳ ماہ ۲۹ روز کے ہونے چاہیں۔ مولانا سلیمان منصور پوری ۱۳ / ربیع الاول بتاتے ہیں۔ اگرچہ اس سے پہلے یہ تاریخ کسی نے نہیں بتائی ہے اس کو بھی نظر انداز کر دینا چاہیے

کیونکہ تین ماہ متواتر ۳۰ روز کے ہوں تب یہ ہو سکتا ہے لیکن یہ غیر ممکن ہے۔ اس وجہ سے ہم ۱۱ھ کی یکم ربیع الاول ہی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی تاریخ قبول کرنے پر مجبور ہیں اور مولانا شبلی نے اسے قبول کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے ایک واقعہ سے اس تاریخ کی تصدیق ہوتی ہے۔ ابن ابی حاتم' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ سورہ بقرہ کی ۲۸۱ عدد کی آیت (واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله) کا نزول آخری حج کے روز ہوا تھا۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۸۱ روز حیات رہے۔ اب حساب لگایئے ۱۰ھ ۹ ذی الحجہ سے یکم ربیع الاول ۱۱ھ تک۔ یعنی ۲۱+۳۰+۲۹+۱=۸۱' اس میں نویں ذی الحجہ اور یکم ربیع الاول شمار کی گئی ہیں اور ذی الحجہ کا مہینہ ۲۹ روز کا مانا گیا ہے یہ بھی قبول کیا گیا ہے۔ اب عیسوی تاریخ ایک حساب سے نکالتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے ۱۰ھ کی ۲۹ شوال کو انتقال فرمایا تھا۔ اس روز آفتاب گرہن میں تھا۔ اب علم ہیت کے ذریعہ سے حساب کیا گیا ہے کہ یہ تاریخ ۶۳۲ء کی ۲۷/ جنوری تھی۔ ۲۹ شوال ۱۰ھ ۔ ۲۷ جنوری ۶۳۲ء۔ ۳۰ شوال ۱۰ھ ۔ ۲۸ جنوری ۶۳۲ء' ذی قعدہ (۳۰ دن)۔ ۲۹/ جنوری سے ۲۷ فروری ۶۳۲ء ذی الحجہ (۲۹ دن)۔ ۲۸/ فروری سے ۲۷/ مارچ ۶۳۲ء (لیپ کا سال)' محرم (۳۰ دن)۔ ۲۸ مارچ سے ۲۶/ اپریل ۶۳۲ء' صفر (۲۹ دن)۔ ۲۷/ اپریل سے ۲۵/ مئی ۶۳۲ء' یکم ربیع الاول۔ ۲۶/ مئی ۶۳۲ء۔ اس حساب سے ۱۱ھ کی یکم ربیع الاول پیر کے دن عیسوی حساب سے ۲۶/ مئی ۶۳۲ء ہوتا ہے۔ اکثر بیان کیا جاتا ہے کہ وہ تاریخ ۶۳۲ء کی ۷/ جون تھی یہ صحیح نہیں ہو سکتی۔"
(اخبار "جنگ" کراچی ۲۸/ ستمبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۷ عید میلاد ایڈیشن)

۲۳۔ بدر ۱۸ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۰

۲۴۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۸۵۔ اصحاب احمد جلد ۱۳ صفحہ ۳۰۲۔ ۳۰۳ مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے ناشر احمدیہ بک ڈپو ربوہ دسمبر ۱۹۶۷ء

۲۵۔ روایات صحابہ جلد ۱۴ صفحہ ۳۱۱ (غیر مطبوعہ)

۲۶۔ الحکم ۲۸/ مئی ۱۹۳۹ء صفحہ ا

۲۷۔ الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۶۶ کالم نمبر ۲

۲۸۔ شرح دیوان حسان بن ثابت مطبوعہ مصر میں علی کی بجائے ملیک کا لفظ ہے۔ خود حضرت مسیح موعودؑ نے "حقیقۃ الوحی" اور ضمیمہ نزول المسیح میں جہاں یہ شعر لکھا ہے ملیک ہی درج فرمایا ہے

۲۹۔ سیرت مسیح موعود علیہ السلام صفحہ ۵۸' صفحہ ۵۹ از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی

۳۰۔ بدر ۲۲/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ نمبر ۱۴ الحکم ضمیمہ ۳۰/ مئی ۱۹۰۸ء

۳۱۔ الفضل ۱۹/ جنوری ۱۹۶۲ء صفحہ ۵ کالم نمبر ۲ (روایت حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا)

۳۲۔ الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۱۱ کالم ۱۔ ۲

۳۳۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۸۵

۳۴۔ اخبار "اہل فقہ" امرتسر نے ایک مضمون لکھا کہ "ہمیں تو امید تھی کہ احمدی مرزا صاحب کی لاش کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے"۔
(ریویو آف ریلیجنز اردو ۱۹۰۸ء صفحہ ۲۸۴)

۲۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے ۱۳/ جون ۱۹۰۸ء کے اخبار وکیل امرتسر میں لکھا "ہم سے کوئی پوچھے تو ہم خدا لگتی کہنے کو تیار ہیں کہ مسلمانوں سے ہو سکے تو مرزا صاحب کی کل کتابیں سمندر میں نہیں کسی جلتے تنور میں جھونک دیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ آئندہ کوئی مسلم یا غیر مسلم مؤرخ تاریخ ہند یا تاریخ اسلام میں ان کا نام تک نہ لے۔" (بحوالہ الحکم ۱۸/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۸ کالم نمبر ۱)

۳۔ اخبار "عصر جدید" نے گو نمائشی جنازے اور سوانگ وغیرہ حرکات کے خلاف نفرت کا اظہار کیا مگر ساتھ ہی "قادیانی تحریک کا خاتمہ" کے عنوان سے لکھا "قادیانی تحریک بلحاظ ایک مستقل دین کے جس کے لئے ایک رسول امام اور موعود مہدی آیا تھا بالکل فنا ہو گئی۔ اب صرف پیری مریدی اور عمل بالحدیث اور صوفیت ظاہریت اور باطنیت کے درمیان ایک فرقہ رہ گیا ہے جس کے مخصوص حالات روز بروز مفقود ہوتے جائیں گے۔" (رسالہ "عصر جدید" جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۲۱۹۔ ایڈیٹر خواجہ غلام الثقلین بی اے

اے ایل ایل بی وکیل ہائی کورٹ)
۴۔ اس وقت کی مخالفت کی رو سے خواجہ حسن نظامی صاحب جیسے انسان بھی متاثر ہوئے۔ انہوں نے لکھا۔
"جناب مرزا صاحب نے مسیحیت و مہدویت کا دعویٰ محض ایک حکمت پر کیا تھا۔ کیونکہ وہ جان گئے تھے کہ قوم میں کام کرنے کا جذبہ بغیر کسی حکیمانہ طرز کے پیدا ہونا ناممکن ہے اس لئے انہوں نے اپنی نیت کو خیر کی بنیاد پر قائم کرکے ایسے دعوے کر دیئے جن کی عدم واقعیت کو وہ خود اچھی طرح جانتے تھے۔ اب ان کی نیت کا نتیجہ ظاہر ہو گیا اور کام چل نکلا تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک بے اصل معاملے پر اڑے رہیں اور موجودہ وقت کی ضرورتوں میں مشغول ہو کر اسلامی خدمت نہ کریں۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ مرزا صاحب جیسے سمجھ دار اور منتظم شخص کی عدم موجودگی کے سبب احمدی جماعت مخالفین کی شورش کو برداشت نہ کر سکے گی اور اس کا شیرازہ بکھر جائے گا"۔ (پیسہ اخبار لاہور ۵/ جون ۱۹۰۸ء بعنوان "قادیانی مشن" بحوالہ اخبار بدر ۱۸/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۳ کالم ۲۔ ۳)

۳۵۔ نام مسٹر کننگھم۔ ملاحظہ ہو ڈائری حضرت نواب محمد علی خاں صاحب (اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۵۸۷۔ ۵۸۸) "ہلعم ثانی" صفحہ ۷ مولفہ حضرت میر قاسم علی صاحب "مجدد اعظم" نیز "حیات طیبہ" میں سرٹیفکیٹ دینے والے صاحب کا نام میجر سدرلینڈ پرنسپل میڈیکل کالج بتایا گیا ہے۔ ڈاکٹر عبد الحمید صاحب چغتائی خلف اکبر حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ کا بیان ہے کہ ڈاکٹر سدرلینڈ دراصل معالج تھے اور ڈاکٹر کننگھم صاحب سول سرجن لاہور مجاز تھے۔ ڈاکٹر سدرلینڈ کی تصدیق پر یہ سرٹیفکیٹ دیا گیا تھا (مکتوب محررہ ۱۹/ مارچ ۱۹۶۲ء)

۳۶۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جولائی ۱۹۴۷ء صفحہ ۳۷

۳۷۔ حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی کی رائے میں ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان کے نچلے صحن میں ہوا تھا (الفضل ۲۳/ اکتوبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۲) مگر حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کی ڈائری (مشمولہ اصحاب احمد جلد نمبر ۲) کے مطابق خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان میں!!

۳۸۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۵۸۷۔ ۵۸۸ روایت حضرت نواب محمد علی خاں صاحب

۳۹۔ بدر ۲/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۲ پر بعض نام ملاحظہ ہوں۔

۴۰۔ یاران کہن صفحہ ۴۲۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی کتاب آئینہ صداقت صفحہ ۱۱۳ سے بھی (جو جولائی ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی) پتہ چلتا ہے کہ خواجہ یوسف شاہ صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ اور مولانا ابو الکلام آزاد اسٹیشن تک آئے۔ اسٹیشن سے مراد امرتسر کا اسٹیشن ہے یا لاہور کا۔ اس کی وضاحت نہیں۔

۴۱۔ یہ آم کا درخت جو بٹالہ اسٹیشن سے باہر سیڑھیاں اتر کر سڑک کے ساتھ ہی غربی طرف واقع ہے اب تک موجود ہے (اصحاب احمد جلد نہم صفحہ ۱۹۶۔ ۱۹۷) طبع اول اپریل ۱۹۶۱ء

۴۲۔ حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی کی ڈیوٹی حضرت سیدۃ النساء ام المومنینؓ کی رتھ کے ساتھ تھی۔ حضرت سیدۃ النساء بٹالہ سے قادیان تک خاموشی کے ساتھ ذکر و اذکار اور دعاؤں میں مشغول رہیں۔ جب رتھ نہر کے پل پر سے گزر کر آگے بڑھی تو حضرت سیدہ نے ایک پرسوز اور رقت آمیز آواز سے فرمایا "بھائی جی پچیس سال گزرے میری ڈولی اس سڑک پر سے گزری تھی۔ آج میں بیوگی کی حالت میں اس سڑک پر سے گزر رہی ہوں۔" رتھ مسجد فضل کے سامنے والی گلی سے ہوتی ہوئی سیدھی بڑے باغ میں پہنچی (اصحاب احمد جلد نہم صفحہ ۲۷۵۔ ۲۷۶ و الفضل ۲۳/ جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۱)

۴۳۔ الفضل ۲۳/ اکتوبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۲

۴۴۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۵۸۸

۴۵۔ سیرت المہدی حصہ چہارم (غیر مطبوعہ) حضرت صاحبزادہؓ نے یہ پورا واقعہ امرتسر اسٹیشن پر حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی کو خود سنایا تھا۔

جماعت احمدیہ کا خلافت پر پہلا اجماع

خلافت کے لئے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ پر اتفاق

انتخاب اور بیعت

نعش مبارک کے قادیان پہنچنے کے بعد سب سے پہلا کام جو سلسلہ کے مقتدر بزرگوں نے اس وقت کیا وہ خلافت کے لئے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کا انتخاب تھا۔ چنانچہ جماعت کے دوست اکٹھے ہوئے اور مشورہ ہوا تو سب کی نظریں حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کی طرف اٹھیں۔ چنانچہ جب متفقہ فیصلہ ہو چکا تو اکابر سلسلہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کے مکان پر حاضر ہوئے اور مناسب رنگ میں بیعت خلافت کے لئے درخواست پیش کی۔ آپ نے کچھ تردد کے بعد فرمایا "میں دعا کے بعد جواب دوں گا" چنانچہ وہیں پانی منگایا گیا آپ نے وضو کیا اور غربی کوچہ کے متصل دالان میں نماز نفل ادا کی۔ اس عرصہ میں یہ وفد باہر صحن میں انتظار کرتا رہا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا چلو ہم سب وہیں چلیں جہاں ہمارے آقا کا جسد اطہر ہے اور جہاں ہمارے بھائی انتظار میں ہیں۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحبؓ کی معیت میں تمام حاضرین باغ میں پہنچے۔ [1]

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ سب دوستوں کے سامنے جو باغ میں اپنے محبوب آقا کی نعش کے پاس جمع تھے کھڑے ہوئے اور حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کی خدمت میں بطور نمائندہ مندرجہ ذیل تحریر پڑھ کر سنائیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ مُحَمَّدَ الۡمُصۡطَفٰی وَعَلَی الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ خَاتَمِ الۡاَوۡلِیَاءِ

امابعد مطابق فرمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام مندرجہ رسالہ الوصیت ہم احمدیان جن کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں اس امر پر صدق دل سے مطمئن ہیں کہ اول المہاجرین حضرت حاجی مولوی

حکیم نورالدین صاحب جو ہم سب میں سے اعلم اور اتقیٰ ہیں اور حضرت امام کے سب سے زیادہ مخلص اور قدیمی دوست ہیں اور جن کے وجود کو حضرت امام علیہ السلام اسوۂ حسنہ قرار فرما چکے ہیں۔ جیسا کہ آپؑ کے شعر۔

چہ خوش بودے اگر ہریک زامت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہریک پر از نور یقیں بودے

سے ظاہر ہے۔ کے ہاتھ پر احمد کے نام پر تمام احمدی جماعت موجودہ اور آیندہ نئے ممبر بیعت کریں اور حضرت مولوی صاحب موصوف کا فرمان ہمارے واسطے آیندہ ایسا ہی ہو۔ جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔ [۱]

حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کی دردانگیز تقریر

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ جب مذکورہ بالا تحریر سنا چکے تو حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کھڑے ہوئے اور تشہد و تعوذ اور آیت ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر کی تلاوت کے بعد ایک دردانگیز تقریر کی جس میں فرمایا۔

"میری پچھلی زندگی پر غور کر لو۔ میں کبھی امام بننے کا خواہشمند نہیں ہوا۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم امام الصلوٰۃ بنے تو میں نے بھاری ذمہ داری سے اپنے تئیں سبکدوش خیال کیا تھا۔ میں اپنی حالت سے خوب واقف ہوں اور میرا رب مجھ سے بھی زیادہ واقف ہے۔ میں دنیا میں ظاہرداری کا خواہشمند نہیں۔ میں ہرگز ایسی باتوں کا خواہشمند نہیں۔ اگر خواہش ہے تو یہ کہ میرا مولیٰ مجھ سے راضی ہو جائے۔ اس خواہش کے لئے میں دعائیں کرتا ہوں اور قادیان بھی اس لئے رہا اور رہتا ہوں اور رہوں گا۔ میں نے اسی فکر میں کئی دن گزارے کہ ہماری حالت حضرت صاحب کے بعد کیا ہوگی اس لئے میں کوشش کرتا رہا کہ میاں محمود کی تعلیم اس درجہ تک پہنچ جائے۔ حضرت صاحب کے اقارب میں اس وقت تین آدمی موجود ہیں۔ اول میاں محمود احمد وہ میرا بھائی بھی ہے میرا بیٹا بھی۔ اس کے ساتھ میرے خاص تعلقات ہیں۔ قرابت کے لحاظ سے میر ناصر نواب صاحب ہمارے اور حضرت کے ادب کا مقام ہیں۔ تیسرے قریبی نواب محمد علی خاں صاحب ہیں۔ اسی طرح خدمت گزاران دین میں سے....اور بھی کئی اصحاب ہیں۔" [۲]

"پس میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جن عمائد کا نام لیا ہے ان میں سے کوئی منتخب کر لو میں تمہارے ساتھ بیعت کرنے کو تیار ہوں۔ اگر تم میری بیعت ہی کرنا چاہتے ہو تو سن لو کہ بیعت بک جانے کا نام

ہے۔ ایک دفعہ حضرتؑ نے مجھے اشارۃً فرمایا کہ وطن کا خیال بھی نہ کرنا۔ سو اس کے بعد میری ساری عزت اور سارا خیال انہی سے وابستہ ہو گیا اور میں نے کبھی وطن کا خیال تک نہیں کیا۔ پس بیعت کرنا ایک مشکل امر ہے۔"

آخر میں فرمایا

"اب تمہاری طبیعتوں کے رخ خواہ کسی طرف ہوں تمہیں میرے احکام کی تعمیل کرنی ہوگی اگر یہ بات تمہیں منظور ہو تو میں طوعاً و کرہاً اس بوجھ کو اٹھاتا ہوں۔

وہ بیعت کے دس شرائط بدستور قائم ہیں۔ ان میں خصوصیت سے قرآن کو سیکھنے اور زکوٰۃ کا انتظام کرنے، واعظین کے بہم پہنچانے اور ان امور کو جو وقتاً فوقتاً اللہ میرے دل میں ڈالے شامل کرتا ہوں۔ پھر تعلیم دینیات، دینی مدرسہ کی تعلیم میری مرضی اور منشاء کے مطابق کرنا ہوگی۔ اور میں اس بوجھ کو صرف اللہ کے لئے اٹھاتا ہوں جس نے فرمایا ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر۔ یاد رکھو کہ ساری خوبیاں وحدت میں ہیں جس کا کوئی رئیس نہیں وہ مرچکی۔ فقط" [۷۴]

حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی بیعت

حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول کی اس تقریر پر سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم آپ کے احکام مانیں گے۔ آپ ہمارے امیر ہیں اور ہمارے مسیحؑ کے جانشین ہیں۔ چنانچہ باغ میں ہی قریباً بارہ سو احباب نے بیعت کی۔ [۷۵]

صدر انجمن کی طرف سے جماعتوں کو اطلاع

۲۸ / مئی ۱۹۰۸ء کو الحکم کا ایک غیر معمولی پرچہ شائع کیا گیا جس میں خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی وفات اور حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے انتخاب کی اطلاع مندرجہ ذیل الفاظ میں شائع ہوئی:۔

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ قادیان میں پڑھا جانے سے پہلے آپ کے وصایا یا مندرجہ الوصیت کے مطابق حسب مشورہ معتمدین صدر انجمن احمدیہ موجودہ قادیان واقرباء حضرت مسیح موعود و باجازت حضرت ام المومنین کل قوم نے جو قادیان میں موجود تھی اور جس کی تعداد اس وقت بارہ سو تھی والا مناقب حضرت حاجی الحرمین شریفین جناب حکیم نور الدین صاحب سلمہ کو آپؑ کا جانشین اور خلیفہ قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ معتمدین میں سے ذیل کے اصحاب موجود تھے۔ مولانا حضرت سید محمد احسن صاحب۔ صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب، جناب نواب محمد علی خاں صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ ڈاکٹر سید محمد حسین

شاہ صاحب۔ خلیفہ رشید الدین صاحب و خاکسار (خواجہ کمال الدین)

موت اگرچہ بالکل اچانک تھی اور اطلاع دینے کا بہت ہی کم وقت ملا تاہم انبالہ۔ جالندھر۔ کپور تھلہ۔ امرتسر۔ لاہور۔ گوجرانوالہ۔ وزیر آباد۔ جموں۔ گجرات۔ بٹالہ۔ گورداسپور وغیرہ مقامات سے معزز احباب آگئے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا جنازہ ایک کثیر جماعت نے قادیان اور لاہور میں پڑھا۔ حضرت قبلہ حکیم الامت سلمہ کو مندرجہ بالا جماعتوں کے احباب اور دیگر کل حاضرین نے جن کی تعداد اوپر دی گئی ہے بالاتفاق خلیفتہ المسیح قبول کیا۔ یہ خط بطور اطلاع کل سلسلہ کے ممبران کو لکھا جاتا ہے کہ وہ اس خط کے پڑھنے کے بعد فی الفور حضرت حکیم الامت خلیفتہ المسیح والمہدی کی خدمت بابرکت میں بذات خود یا بذریعہ تحریر بیعت کریں۔" [۷]

الغرض حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی وفات پر جماعت کا سب سے پہلا اجماع خلافت پر ہوا اور حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ خلیفتہ المسیح الاول قرار پائے۔

جنازہ' آخری زیارت اور تدفین

بیعت خلافت ہو چکی تو حضرت خلیفتہ المسیح الاولؓ نے کچھ وقفہ بعد حضرت مرزا سلطان احمد صاحبؓ کے مملوکہ باغ میں کنوئیں کے قریب نماز جنازہ پڑھائی۔ [۸] اس وقت رقت کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف سے گریہ وزاری کی آواز اٹھ رہی تھی۔ [۹] نماز عصر کے بعد سب خدام نے یکے بعد دیگرے حضورؑ کے نورانی چہرہ کا آخری دیدار کیا۔ آخری زیارت کرانے کی یہ خدمت حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی کے حصہ میں آئی۔ حضور کا جسد اطہر اس وقت اس مکان کے درمیانی کمرہ میں جنوبی دیوار کے دونوں مغربی دروازوں کے درمیان رکھا ہوا تھا جو بہشتی مقبرہ کے شمال مغرب کی طرف ہے۔ نعش مبارک اس چارپائی پر رکھی ہوئی تھی جو لاہور سے ساتھ لائی گئی تھی۔ حضرت بھائی صاحبؓ چارپائی کے شمال میں حضورؑ کے سر مبارک کی طرف زمین پر بیٹھ گئے۔ پہلے مردوں نے پھر مستورات نے زیارت کی۔ احباب صحن کی طرف مغربی دیوار کے جنوبی حصہ میں لگے ہوئے دروازہ سے صحن میں اور صحن سے کمرہ میں آتے اور زیارت کر کے کمرہ کے شمالی دروازہ سے باہر نکلتے جاتے۔ [۱۰] حضورؑ کے چہرہ مبارک پر نور برس رہا تھا اور جسم مقدس پر گرمی کے اثرات کا کچھ بھی اثر نہ تھا۔

حضرت ام المومنینؓ اس وقت صحن کے جنوب مغربی حصہ میں خواتین کے مجمع میں تشریف فرما تھیں۔ آخری زیارت کے بعد نعش مبارک صحن کے مشرقی دروازہ سے نکال کر مدفن تک لے جائی گئی اور کوئی چھ بجے کے قریب حضورؑ کا جسد مبارک سینکڑوں اشکبار آنکھوں اور غمزدہ دلوں کے ساتھ

بہشتی مقبرہ کی خاک مقدس کے سپرد کر دیا گیا۔ ۱۶۱

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم کہ بہار آخر شد

مزار مبارک، کتبہ اور چار دیواری حضرت اقدسؑ کا مزار مبارک بالکل کچا رکھا گیا اور محض شناخت کے لئے قبر کے سرہانے چونے کی دیوار پر سیاہی سے عارضی طور پر یہ الفاظ لکھ دیئے گئے "جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رئیس قادیان مسیح موعود و مجدد صدی چہار دہم تاریخ وفات ۲۶ / مئی ۱۹۰۸ء" ۱۶۲ مستقل کتبہ کے لئے مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے جو افسر بہشتی مقبرہ تھے ۲۱ / فروری ۱۹۰۹ء کے الحکم میں ایک بہت لمبا کتبہ لکھا جس میں مسیح وقت و مہدی و مجدد جری اللہ فی حلل الانبیاء اور نبی وغیرہ القاب سے یاد کیا گیا تھا مگر خلافت اولیٰ میں اس کے لکھنے کی نوبت نہ آئی۔ خلافت ثانیہ میں جب کہ بارشوں کی وجہ سے دیوار کی سیاہی کے الفاظ دھل گئے تو سنگ مرمر کا مستقل کتبہ نصب کیا گیا جس پر یہ الفاظ درج کئے گئے۔

"مزار مبارک حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب
قادیانی مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ و علیٰ مطاعہ
محمد الصلوہ والسلام تاریخ وفات ۲۴ / ربیع الثانی
۱۳۲۶ھ بمطابق ۲۶ / مئی ۱۹۰۸ء۔ انا للہ و انا الیہ
راجعون۔

یہی کتبہ آج تک موجود ہے۔ نومبر ۱۹۲۵ء میں حفاظت کی غرض سے مزار کے ارد گرد چار دیواری بھی تعمیر کر دی گئی۔ ۱۶۳

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر

اخبارات کے تبصرے

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام جیسی بین الاقوامی شخصیت کا انتقال جس نے مذہبی دنیا میں اپنے فولادی قلم، زبردست مقناطیسی جذب و کشش، مقدس تعلیمات اور غیر معمولی قوت قدسی کے ساتھ ربع صدی سے زائد عرصہ تک تہلکہ مچائے رکھا کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا کہ اس پر خاموشی اختیار کی جا سکتی۔ ادھر یہ چونکا دینے والی خبر سنی گئی ادھر ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پریس میں ایک شور پڑ گیا اور اخبارات نے حضور کی وفات کی خبر شائع کرتے ہوئے آپ کو

خراج عقیدت پیش کیا۔ ان اخبارات میں مسلمان، ہندو اور عیسائی وغیرہ ہر قسم کے مکتبہ خیال کے لوگ شامل تھے۔

ہندوستان کے جن مسلم اخبارات نے اس موقعہ پر تبصرے شائع کئے ان میں سے اخبار وکیل امرتسر۔ البیان لکھنؤ۔ تہذیب نسواں لاہور۔ زمیندار لاہور۔ اخبار کرزن گزٹ دہلی۔ البشیر (اٹاوہ)۔ یونین گزٹ بریلی۔ میونسپل گزٹ لاہور۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ۔ صادق الاخبار ریواڑی۔ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اخبار "وکیل" امرتسر

مسلمان اخبارات میں سب سے زوردار مؤثر اور حقیقت افروز ریویو اخبار "وکیل" امرتسر کا تھا جو مولانا ابوالکلام آزاد[۱۶۷] کے قلم سے نکلا۔ انہوں نے لکھا۔

"وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شور قیامت ہو کے خفتگان خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا۔ خالی ہاتھ دنیا سے اٹھ گیا....... مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جاوے اور مٹانے کے لئے اسے امتداد زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازش فرزندان تاریخ بہت کم منظر عالم پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔"

"میرزا صاحب کی اس رفعت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ہاں تعلیمیافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا ہے کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔

ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جاوے تاکہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پامال بنائے رکھا۔ آئندہ بھی جاری رہے۔"

"مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج

جب کہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ وقت ہرگز لوح قلب سے نسیاً منسیاً نہیں ہو سکتا جب کہ اسلام مخالفین کی یورشوں میں گھر چکا تھا اور مسلمان جو حافظ حقیقی کی طرف سے عالم اسباب و وسائط میں حفاظت کا واسطہ ہو کر اس کی حفاظت پر مامور تھے اپنے قصوروں کی پاداش میں پڑے سسک رہے تھے اور اسلام کے لئے کچھ نہ کرتے تھے یا نہ کر سکتے تھے۔ ایک طرف حملوں کے امتداد کی یہ حالت تھی کہ ساری مسیحی دنیا اسلام کی شمع عرفان حقیقی کو سر راہ منزل مزاحمت سمجھ کے مٹا دینا چاہتی تھی اور عقل و دولت کی زبردست طاقتیں اس حملہ آور کی پشت گری کے لئے ٹوٹی پڑی تھیں اور دوسری طرف ضعف مدافعت کا یہ عالم تھا کہ توپوں کے مقابلہ پر تیر بھی نہ تھے اور حملہ اور مدافعت دونوں کا قطعی وجود ہی نہ تھا...... کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ مدافعت شروع ہوئی جس کا ایک حصہ مرزا صاحب کو حاصل ہوا۔ اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑائے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اڑنے لگا.... غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے۔ قائم رہے گا۔

اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے۔ مرزا صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب نے اس وقت سے کہ سوامی دیانند نے اسلام کے متعلق اپنی دماغی مفلسی کی نوحہ خوانی جابجا آغاز کی تھی' ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ ان حضرات نے عمر بھر سوامی جی کا قافیہ تنگ رکھا۔ جب وہ اجمیر میں آگ کے حوالے کر دیئے گئے اس وقت سے اخیر عمر تک برابر مرزا صاحب آریہ سماج کے چہرہ سے انیسویں صدی کے ہندو ریفارمر کا چڑھایا ہوا ملمع اتارنے میں مصروف رہے۔ ان کی آریہ سماج کے مقابلہ کی تحریروں سے اس دعویٰ پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے کہ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہو جائے ناممکن ہے کہ یہ تحریریں نظر انداز کی جا سکیں۔

فطری ذہانت مشق و مہارت اور مسلسل بحث مباحثہ کی عادت نے مرزا صاحب میں ایک شان خاص پیدا کر دی تھی۔ اپنے مذہب کے علاوہ مذہب غیر پر ان کی نظر نہایت وسیع تھی اور اپنی ان معلومات کا نہایت سلیقہ سے استعمال کر سکتے تھے۔ تبلیغ و تلقین کا یہ ملکہ ان میں پیدا ہو گیا تھا کہ مخاطب

کسی قابلیت یا کسی مشرب و ملت کا ہو ان کے برجستہ جواب سے ایک دفعہ ضرور گہرے فکر میں پڑ جاتا تھا۔ ہندوستان آج مذاہب کا عجائب خانہ ہے اور جس کثرت سے چھوٹے بڑے مذاہب یہاں موجود ہیں اور باہمی کشمکش سے اپنی موجودگی کا اعلان کرتے رہتے ہیں اس کی نظیر غالباً دنیا میں کسی جگہ سے نہیں مل سکتی۔ مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ میں ان سب کے لئے حکم و عدل ہوں۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان مختلف مذاہب کے مقابلہ پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی ان میں بہت مخصوص قابلیت تھی اور یہ نتیجہ تھی ان کی فطری استعداد کا ذوق مطالعہ اور کثرت مشق کا۔ آئندہ امید نہیں ہے کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو جو اپنی اعلیٰ خواہشیں محض اس طرح مذاہب کے مطالعہ میں صرف کر دے۔" [۱۵]

(دوسرا تبصرہ) اخبار وکیل امرتسر

(مورخہ ۳۰/ مئی ۱۹۰۸ء ص ۱)

مرزا غلام احمد مرحوم

۲۲/ مئی ۱۹۰۸ء کی صبح ہندوستان کی جدید مذہبی تاریخ میں دیر تک اہمیت سے دیکھی جائے گی۔ جب کہ دس بجے کے قریب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بعارضہ ہیضہ یا بقول بعارضہ درد گردہ انتقال کیا۔ مرحوم آجکل اپنی اہلیہ کے علاج اور تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے لاہور میں مقیم تھے۔ مگر وہ خدائی حکم جو ایک ادنیٰ فرد اور زبردست تاجدار پر اور ایک فقیر اور اولوالعزم نبی پر یکساں عمل کرتا ہے آپہنچا اور اس سے ایک ایسے شخص کے وجود پر بدنیتی کا پردہ ڈال دیا جس نے اپنے عبرتناک دعاوی سے مذہبی دنیا میں تلاطم برپا کر دیا۔

مرزا صاحب کی لائف (سوانح عمری) میں ابتدائی دنوں کے سوا آپ کو ایسے تھوڑے ہی صفحے ملیں گے جو حیرت انگیز واقعات سے معنون اور تعجب خیز کیفیتوں سے مزین نہ ہوں۔ خواہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں دشمنان اسلام کے ساتھ نبرد آزمائی کر رہے ہوں خواہ قادیان میں بیٹھے ہوئے پیروان رسول پر مخالفت کی آگ برسا رہے ہوں۔ خواہ یورپ میں مادہ پرست عیسائیوں کو مذہب اسلام کی برکتوں سے آگاہ کر رہے ہوں۔

اگرچہ مرزا صاحب نے علوم مروجہ اور دینیات کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی تھی مگر ان کی زندگی اور زندگی کے کارناموں سے کے مطالعہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاص فطرت لے کر پیدا ہوئے تھے جو ہر کس وناکس کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے آپنے مطالعہ اور فطرت سلیم کی رو سے مذہبی لٹریچر پر کافی عبور حاصل کیا۔ ۱۸۷۷ء کے قریب جبکہ ان کی ۳۶/۳۵ سال کی عمر تھی ہم ان کو ایک غیر معمولی مذہبی جوش میں سرشار پاتے ہیں۔ وہ ایک سچے اور پاکباز مسلمان کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کا دل دنیوی کششوں سے غیر متاثر ہے۔ وہ خلوت میں انجمن اور انجمن میں خلوت کا لطف اٹھانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ ہم اسے بے چین پاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ایسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں ہے جس کا پتہ فانی دنیا میں نہیں ملتا۔ اسلام اپنے گہرے رنگ کے ساتھ اس پر چھایا ہوا ہے۔ کبھی وہ آریوں سے مباحثہ کرتا ہے۔ کبھی حمایت و حقیقت اسلام میں وہ کتابیں لکھتا ہے۔

۱۸۸۶ء میں بمقام ہوشیار پور آریوں سے جو مباحثات انہوں نے کئے تھے ان کا لطف اب تک دلوں سے محو نہیں ہوا۔ غیر مذاہب کی تردید اور اسلام کی حمایت میں جو نادر کتابیں انہوں نے تصنیف کی تھیں ان کے مطالعہ سے جو وجد پیدا ہوا وہ اب تک نہیں اترا۔ ان کی ایک کتاب براہین احمدیہ غیر مسلموں کو مرعوب کر دیا۔ اور اسلامیوں کے دل بڑھا دیئے اور مذہب کی پیاری تصویر کو ان آلائشوں اور گرد و غبار سے صاف کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا جو مجاہیل کی توہم پرستیوں اور فطری کمزوریوں نے چڑھا دیئے تھے۔ غرضکہ اس تصنیف نے کم از کم ہندوستان کی مذہبی دنیا میں ایک گونج پیدا کر دی تھی جس کی صدائے بازگشت ہمارے کانوں میں اب تک آرہی ہے۔ گو بعض بزرگان اسلام اب براہین احمدیہ کے برا ہونے کا فیصلہ دیدیں محض اس وجہ سے کہ اس میں مرزا صاحب نے اپنی نسبت بہت سی پیشگوئیاں کی تھیں اور بطور حفظ ماتقدم اپنے آئندہ دعاوی کے متعلق بہت کچھ مصالحہ فراہم کر لیا تھا۔ لیکن اس کے بہترین فیصلہ کا وقت ۱۸۸۰ء تھا جب کہ وہ کتاب شائع ہوئی۔ مگر اس وقت مسلمان بالاتفاق مرزا صاحب کے حق میں فیصلہ دے چکے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے بعد مرزا صاحب نے اپنے تئیں اس کا مستحق نہ دکھایا۔

کیریکٹر کے لحاظ سے ہمیں مرزا صاحب کے دامن پر سیاہی کا ایک چھوٹا سا دھبہ بھی نظر نہیں آتا وہ ایک پاکباز کا جینا جیا اور اس نے ایک متقی کی زندگی بسر کی غرض کہ مرزا صاحب کی زندگی کے ابتدائی پچاس سالوں نے کیا بلحاظ اخلاق و عادات اور پسندیدہ اطوار۔ کیا بلحاظ مذہبی خدمات و حمایت دین مسلمانان ہند میں ان کو ممتاز برگزیدہ اور قابل رشک مرتبہ پر پہنچا دیا...."

"تہذیب النسواں" لاہور سید ممتاز علی صاحب امتیاز نے لکھا:۔ "مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی۔ وہ نہایت باخبر عالم' بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم انہیں مذہبا مسیح موعود تو نہیں مانتے تھے لیکن ان کی ہدایت و رہنمائی مردہ روحوں کے لئے واقعی مسیحائی تھی۔" [۱۶]

اخبار "زمیندار" لاہور منشی سراج الدین صاحب (والد مولوی ظفر علی خاں صاحب) ایڈیٹر اخبار "زمیندار" نے لکھا:۔

"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے اس وقت آپ کی عمر ۲۲۔ ۲۴ سال کی ہو گی اور ہم چشمدید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ کاروبار ملازمت کے بعد ان کا تمام وقت مطالعہ دینیات میں صرف ہوتا تھا' عوام سے کم ملتے تھے۔ ۱۸۷۷ء میں ہمیں ایک شب قادیان میں آپ کے یہاں مہمانی کی عزت حاصل ہوئی ان دنوں بھی آپ عبادت اور وظائف میں اس قدر محو و مستغرق تھے کہ مہمانوں سے بھی بہت کم گفتگو کرتے تھے۔ ۱۸۸۱ء یا ۱۸۸۲ء میں آپ نے براہین احمدیہ کی تصنیف کا اعلان کر دیا اور ہم اس کتاب کے اول خریداروں میں سے تھے.... ہم بارہا کہہ چکے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ آپ کے دعاوی خواہ دماغی استغراق کا نتیجہ ہوں مگر آپ بناوٹ اور افتراء سے بری تھے۔ مسیح موعود یا کرشن کا اوتار ہونے کے دعاوی جو آپ نے کئے ان کو ہم ایسا ہی خیال کرتے ہیں جیسا کہ منصور کا دعویٰ انا الحق تھا..... گو ہمیں ذاتی طور پر مرزا صاحب کے دعاوی یا الہامات کے قائل اور معتقد ہونے کی عزت حاصل نہ ہوئی مگر ہم ان کو ایک پکا مسلمان سمجھتے تھے"۔ [۱۷]

"البشیر" اٹاوہ "البشیر" اٹاوہ نے لکھا کہ:۔

"اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت اقدس اس زمانہ کے نامور مشاہیر میں سے تھے۔ اس ترقی علوم و فنون کے زمانہ میں در حقیقت یہ امر کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے کہ ان کے کئی لاکھ راسخ الاعتقاد مرید ایسے تھے جو ان کے ہر ایک حکم کو ہر ایک پیشگوئی کو وحی خیال کرتے اور بلا چون و چرا تسلیم کرتے تھے۔ ان مریدوں میں عوام الناس اور جہلا' پڑھے لکھے' غریب و امیر' عالم و فاضل اور نئے تعلیمیافتہ غرضکہ ہر درجہ اور ہر حیثیت کے مسلمان موجود ہیں جو درجہ کہ حضرت اقدس مرزا صاحب ؑ کو اپنے مریدوں میں حاصل تھا اور جو اثر کہ حضرت اقدس کا اپنے مریدوں کی جماعت پر تھا اس میں کچھ کلام

نہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں نہ یہ اثر کسی مولوی اور نہ عالم وفاضل کو اپنے معتقدوں پر تھا اور نہ کسی صوفی اور ولی اللہ کا اپنے مریدین پر تھا اور نہ کسی لیڈر اور نہ کسی ریفارمر کا اپنے مقلدین پر۔ چونکہ وہ مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت کے پیشوا اور امام برحق تھے لہٰذا تہذیب مجبور کرتی ہے کہ ہم ان کی عزت کریں اور ان کے انتقال پر افسوس ظاہر کریں۔ ۱۸

"علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ" علیگڑھ

"علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ" علی گڑھ نے لکھا کہ۔

"مرحوم ایک مانے ہوئے مصنف اور مرزائی فرقہ کے بانی تھے۔ ۱۸۷۴ء سے ۱۸۷۶ء تک شمشیر قلم عیسائیوں' آریوں اور برہمو صاحبان کے خلاف خوب چلایا۔ آپ نے ۱۸۸۰ء میں تصنیف کا کام شروع کیا۔ آپ کی پہلی کتاب اسلام کے ڈیفنس میں تھی جس کے جواب کے لئے آپ نے دس ہزار روپیہ انعام رکھا تھا..... آپ نے اپنی تصنیف کردہ اسی ۸۰ کتابیں پیچھے چھوڑی ہیں جس میں سے بیس عربی زبان میں ہیں....بیشک مرحوم اسلام کا ایک بڑا پہلوان تھا۔" ۱۹

"صادق الاخبار" ریواڑی

"صادق الاخبار" ریواڑی نے لکھا کہ:۔

"مرزا صاحب نے اپنی پرزور تقریروں اور شاندار تصانیف سے مخالفین اسلام کو ان کے لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر ہمیشہ کے لئے ساکت کر دیا ہے اور کر دکھایا ہے کہ حق حق ہی ہے اور واقعی مرزا صاحب نے حق حمایت اسلام کا کماحقہ ادا کر کے خدمت دین اسلام میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ انصاف متقاضی ہے کہ ایسے اولوالعزم حامی اسلام اور معین المسلمین فاضل اجل عالم بے بدل کی ناگہانی اور بیوقت موت پر افسوس کیا جائے۔" ۲۰

"کرزن گزٹ" دہلی "یونین گزٹ" بریلی

"کرزن گزٹ" دہلی کے ایڈیٹر مرزا حیرت دہلوی نے لکھا کہ:۔

"مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں وہ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی۔ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا.....اگرچہ مرحوم پنجابی تھا مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ بلندی ہند میں بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں.....اس کا پرزور لٹریچر اپنی

شان میں بالکل نرالا ہے اور واقعی اس کی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے.... اس نے ہلاکت کی پیشگوئیوں' مخالفتوں اور نکتہ چینیوں کی آگ میں سے ہو کر اپنا رستہ صاف کیا اور ترقی کے انتہائی عروج تک پہنچ گیا۔" [۲۱]

"یونین گزٹ" (بریلی) میں بھی میرزا حیرت دہلوی کا یہ تبصرہ معمولی تخفیف الفاظ کے ساتھ شائع ہوا۔ [۲۲] ان اخبارات کے علاوہ ملت۔ پیسہ اخبار لاہور۔ نسیم آگرہ۔ [۲۳] نیر اعظم" مراد آبادی [۲۴] روہن کھنڈ بریلی [۲۵] وغیرہ بیسیوں اخباروں میں حضور علیہ السلام کی وفات پر عمدہ مضامین شائع ہوئے۔

غیر مسلم اخبارات

یہ تو ہندوستان کے اسلامی جرائد و رسائل کا تذکرہ تھا جہاں تک غیر مسلم اخباروں اور رسالوں کا تعلق ہے انہوں بھی اس موقعہ پر بڑے مؤثر اور زوردار اداریے لکھے مثلاً' میونسپل گزٹ لاہور۔ آریہ پترکا لاہور۔ اندر سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور۔ امرتابازار پترکا۔ برہم پرچارک پاونیر الہ آباد۔ جیون تت۔ یونٹی کلکتہ۔ بنگالی کلکتہ۔ سٹیٹسمین۔

"میونسپل گزٹ"

چنانچہ "میونسپل گزٹ" نے لکھا کہ:۔

"مرزا صاحب علم و فضل کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے۔ تحریر میں بھی روانی تھی۔ بہرحال ہمیں ان کی موت سے بحیثیت اس بات کے کہ وہ ایک مسلمان عالم تھے نہایت رنج ہوا ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایک عالم دنیا سے اٹھ گیا۔ [۲۶]

"آریہ پترکا"

"آریہ پترکا" نے لکھا کہ۔

"عام طور پر جو اسلام دوسرے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے اس کی نسبت آپ کے خیالات اسلام کے متعلق زیادہ وسیع اور زیادہ قابل برداشت تھے۔ مرزا صاحب کے تعلقات آریہ سماج سے کبھی بھی دوستانہ نہیں ہوئے۔ اور جب ہم آریہ سماج کی گزشتہ تاریخ کو یاد کرتے ہیں تو ان کا وجود ہمارے سینوں میں بڑا جوش پیدا کرتا ہے۔" [۲۷]

"اندر" لاہور

"اندر" لاہور نے لکھا کہ:۔

"اگر ہم غلطی نہیں کرتے تو مرزا غلام احمد صاحب ایک صفت میں حضرت محمد (ﷺ) صاحب سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ اور وہ صفت ان کا استقلال تھا۔ خواہ وہ کسی مقصود کو.... لے کر تھا۔ اور

ہم خوش ہیں کہ وہ آخری دم تک اس پر ڈٹے رہے اور ہزاروں مخالفتوں کے باوجود ذرا بھی لغزش نہیں کھائی۔" [۲۸]

"سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور

"سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور نے لکھا کہ:۔

"مرزا غلام احمد خاں صاحب ساکن قادیان ضلع گورداسپور.... ایک مشہور و معروف اسلامی واعظ اور سلسلہ احمدیہ کے بانی تھے..... انہوں نے مذہبی اور تعلیمی کام میں مشغول ہونے کی خاطر ملازمت سے استعفیٰ دے دیا تھا..... وہ لاہور میں ہندو مسلمانوں میں اتحاد اور اتفاق کے بڑھانے کے لئے ایک انجمن قائم کرنے کے لئے تشریف لائے تھے" [۲۹] (ترجمہ)

"امرتا بازار پتر کا" کلکتہ

امرتا بازار پترکا کلکتہ نے لکھا:

"وہ فقیرانہ طور پر زندگی بسر کرتے تھے اور سینکڑوں آدمی روزانہ انکے لنگر سے کھانا کھاتے تھے۔ ان کے مریدین میں ہر قسم کے لوگ فاضل۔ مولوی۔ باا ثر۔ رئیس۔ تعلیم یافتہ آدمی۔ امیر اور سوداگر ہیں۔" [۳۰]

"برمھ پرچارک"

"برمھ پرچارک" نے لکھا کہ:۔

"ہم یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ کیا بلحاظ لیاقت اور کیا بلحاظ اخلاق اور شرافت کے ایک بڑے پایہ کے انسان تھے۔" [۳۱]

"پاؤنیر" الہ آباد

اخبار "پاؤنیر" الہ آباد نے لکھا کہ:۔

"اگر پچھلے زمانہ کے اسرائیلی نبیوں میں سے کوئی نبی عالم بالا سے واپس آکر دنیا میں اس وقت تبلیغ کرے تو وہ بیسویں صدی کے حالات میں اس سے زیادہ غیر موزوں نہ ہو گا جیسے کہ مرزا غلام احمد قادیانی معلوم ہوتے تھے..... مرزا غلام احمد صاحب کو اپنے متعلق کبھی کوئی شک نہیں ہوا اور وہ کامل صداقت اور خلوص سے اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ ان کو خارق عادت طاقت بخشی گئی ہے۔ انہوں نے بشپ ویلڈن (بشپ لیفرائے چاہیے۔ ناقل) کو..... چیلنج دیا کہ نشانوں میں ان کا مقابلہ کریں.... اور اس مقابلہ کا یہ نتیجہ قرار دیا کہ تا فیصلہ ہو کہ سچا مذہب کونسا ہے...... بہرحال قادیان کا نبی ایک ایسا انسان تھا جو ہر روز دنیا میں پھر نہیں آیا کرتے 'ان پر سلامتی ہو۔" [۳۲]

"جیون تت" دیو سماج

"جیون تت" میں دیو سماج کے سیکرٹری نے لکھا:۔

"وہ اسلام کے مذہبی لٹریچر کے خصوصیت سے عالم تھے۔ سوچنے اور لکھنے کی اچھی طاقت رکھتے تھے۔ کتنی ہی بڑی بڑی کتابوں کے مصنف تھے۔..... مرزا صاحب اپنے خاص عقائد اور ارادہ کے پکے تھے اس لئے انہیں اپنی راہ میں بہت سخت مخالفین اور بدنامیاں سہنی پڑیں مگر وہ ان پر قائم رہے۔"

[۲۳]

"دی یونٹی اینڈ دی مسٹری" کلکتہ

"دی یونٹی اینڈ دی مسٹری" کلکتہ نے لکھا کہ:۔

"مرحوم ایک عالم آدمی تھے اور آپ صرف اپنے ہی مذہب سے پوری واقفیت نہ رکھتے تھے بلکہ عیسائیت اور ہندو مذہب کے بھی خوب جاننے والے تھے۔ آپ کا میگزین جس کا نام ریویو آف ریلیجنز ہے اور جس کو بڑی قابلیت سے چلایا جاتا ہے آپ کی طاقت تنقید کی باریکی کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کو بھی مذہبی اتحاد کا خیال تھا.... لیکن آپ نے عیسائیت کے بعض مسائل کی خوب دل بھر کر قلعی کھولی ہے.... ایسے آدمی کی وفات قوم کے لئے افسوسناک ہے۔ [۲۴] (ترجمہ)

"بنگالی" کلکتہ

"بنگالی" کلکتہ نے لکھا کہ:۔

"مرزا صاحب مذہب اسلام کے مجدد تھے۔" [۲۵]

"سٹیٹس مین" کلکتہ

"سٹیٹس مین" کلکتہ نے لکھا کہ:۔

"مرزا صاحب ایک مشہور مقدس اسلامی واعظ اور فرقہ احمدیہ کے بانی تھے۔" [۲۶] (ترجمہ)

ان کے علاوہ اور بھی کئی اخبارات مثلاً اخبار "عام" (لاہور) اخبار "ٹائمز" (لنڈن) وغیرہ نے بھی تبصرے کئے مگر ان کے درج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ [۲۷]

حواشی

۱۔ الفضل ۲۳/ فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ کالم نمبر ۱۔ ۲
۲۔ اس درخواست پر بہت سے احباب کے دستخط تھے جن کے نام بدر ۲/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۲ پر لکھے ہیں:۔
مثلاً شیخ رحمت اللہ صاحب (مالک انگلش ویر ہاؤس لاہور) (صاحبزادہ) مرزا محمود احمد صاحب۔ مفتی محمد صادق صاحب عفی اللہ عنہ۔ سید محمد احسن صاحب امروہی۔ سید محمد حسین اسسٹنٹ سرجن لاہور۔ (مولوی) محمد علی صاحب ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز۔ خواجہ کمال الدین صاحب۔ (ڈاکٹر) مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ احمد دین صاحب اپیل نویس گوجرانوالہ۔ (مولوی) ماسٹر شیر علی صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام۔ (ڈاکٹر) عباد اللہ صاحب امرتسری۔ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی۔ (نواب) محمد علی خاں صاحب (رئیس مالیر کوٹلہ)۔ سید احمد نور صاحب کابلی۔ سید حیدر شاہ صاحب قصور۔ (صاحبزادہ) مرزا بشیر احمد صاحب۔ (حضرت میر) ناصر نواب صاحب۔
۳۔ اس سلسلہ میں آپ نے حضرت سید محمد احسن صاحب امروہی اور مولوی محمد علی صاحب کا ان کی شاندار دینی خدمات کے باعث خاص طور پر ذکر فرمایا بعد ازاں حضرت سید حامد شاہ صاحب اور حضرت مولوی غلام حسن خاں صاحب کا نام لیا۔
۴۔ بدر ۲/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۷۔ ۸ کالم نمبر ۳
۵۔ اصحاب جلد دوم صفحہ ۵۸۹
۶۔ یہ پہلی بیعت باغ کے کس حصہ میں ہوئی؟ اس بارہ میں اختلاف ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور بعض دیگر جلیل القدر صحابہ مثلاً حضرت مولوی محمد دین صاحب صدر، صدر انجمن احمدیہ ربوہ، حضرت ماسٹر فقیر اللہ صاحب کی رائے میں پہلی بیعت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے باغ میں ہوئی تھی جو مخلوط باغ کے جنوبی حصہ میں مقبرہ بہشتی کے ساتھ متصل ہے۔ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا غالب خیال بھی یہی ہے اس کے برعکس بالخصوص حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ اور حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحبؓ قادیانی جیسے ممتاز صحابہ حتمی طور پر حضرت مرزا سلطان احمد صاحبؓ کے باغ کو بیعت اولیٰ کا مقام قرار دیتے تھے۔ ایک صحابی جناب محمد اسمٰعیل صاحبؓ معتبر کا بیان ہے کہ بیعت اولیٰ دونوں مقامات پر ہوئی ہے پہلے حضرت مسیح موعودؑ کے باغ میں پھر حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحبؓ کے باغ میں (الفضل ۴، ۲۳/ فروری ۱۹۵۵ء)
۷۔ ضمیمہ الحکم ۲۸/ مئی ۱۹۰۸ء و بدر ۲/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ نمبر ۱
۸۔ الفضل ۲۳/ فروری ۱۹۵۵ء صفحہ نمبر ۲
۹۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۸۸
۱۰۔ اصحاب احمد جلد نہم ۱۰۲، ۱۰۳
۱۱۔ الحکم ۲۸/ مئی ۱۹۰۸ء اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۵۸۹ اصحاب احمد جلد نہم صفحہ ۷۷ ۲ حضرت قاضی عبد الرحیم صاحب میر عمارت صدر انجمن احمدیہ اس وقت تدفین کے انصرام و انتظام پر متعین تھے۔ آپ کی خواہش تھی کہ تختوں کے اوپر کی ڈاٹ پختہ اینٹوں کی بنائی جائے تا قبر کے بیٹھ جانے کا اندیشہ نہ ہو مگر چونکہ حضرت مولانا نور الدین خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اس کی اجازت نہ دی اس لئے حضور کا جسد اطہر بغیر تابوت، صندوق یا بکس کے صرف کفن میں لپیٹا ہوا قبر میں اتار گیا جس کے فرش پر کچھ ریت بچھا دی گئی تھی۔ قبر کے گڑھے کے اندر اینٹ کی دیواروں پر لاہور آئے ہوئے بکس کے تختے ڈال کر چھت دیا گیا اور ان کے اوپر سے کچی اینٹوں کی ڈاٹ لگا دی گئی پھر اس کے اوپر مٹی ڈال دی گئی (بروایت حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحبؓ قادیانی۔ مرقومہ الفضل ۱۶/ وفا/ جولائی ۱۳۲۱/ ۱۹۴۲ء ہش صفحہ ۴)
۱۲۔ الفضل ۱۲/ ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۷ کالم نمبر ۳
۱۳۔ الفضل ۲۶/ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۴ کالم نمبر ۳
۱۴۔ یاران کہن صفحہ ۳۲ از مولانا عبد المجید سالک (طبع اول) بعض حضرات نے یہ شذرہ مولانا عبد اللہ العمادی کا بتایا ہے جو صحیح نہیں

کیونکہ اس شذرہ کا انداز تحریر اپنی قوت و شوکت کے اعتبار سے خود نشاندہی کر رہا ہے کہ اس کے لکھنے والے مولانا ابو الکلام آزاد ہی ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا آزاد کی خود نوشت سوانح " آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی " (صفحہ ۳۰۹-۳۱۰) سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تھاء آپ ہی ان دنوں اخبار " وکیل " کے ایڈیٹر تھے مگر مولانا عبد اللہ العمادی لکھنؤ میں رسالہ " البیان " کی ادارت کر رہے تھے اور انہوں نے ان دنوں الگ حضرت اقدس کی وفات پر اداریہ سپرد قلم کیا (ملاحظہ ہو البیان جولائی ۱۹۰۸ء)۔ قریباً پچاس برس پہلے جماعت احمدیہ کلکتہ نے مولانا آزاد کے نام سے یہ شذرہ اشتہار کی شکل میں شائع کیا اور مولانا آزاد کو خاص طور پر بھجوایا۔ مگر اس وقت انہوں نے اس کی قطعاً تردید نہیں کی۔ (مولانا شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی نے اس تاریخی واقعہ سے متعلق ایک فیصلہ کن نوٹ لکھا تھا جو الفضل ۱۱/ جون ۱۹۶۳ء اور ان کی تالیف " حیات قمر الانبیاء " کے صفحہ ۲۷۶ تا ۲۸۱ میں شائع شدہ ہے۔ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے جناب شیخ صاحب کی تحقیق کے بارہ میں لکھا " آپ کے معلومات بہت پختہ اور یقینی معلوم ہوتے ہیں ")

۱۵۔ بحوالہ بدر ۱۸/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۲-۳۔ اخبار " ملت " لاہور ۷/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۳ تا ۱۵۔ بحوالہ اخبار الحکم جلد ۱۵ نمبر ۱

۱۶۔ بحوالہ تشحیذ الاذہان جلد ۳ نمبر ۱۰ صفحہ ۳۸۳-۱۹۰۸ء

۱۷۔ بحوالہ بدر ۲۵/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۳ کالم نمبر ۱-۲

۱۸۔ بحوالہ بدر ۲۰/ اگست ۱۹۰۸ء صفحہ ۶ کالم نمبر ۱-۲

۱۹۔ بحوالہ تشحیذ الاذہان جلد ۳ نمبر ۸-۱۹۰۸ء صفحہ ۳۳۲

۲۰۔ بحوالہ تشحیذ الاذہان جلد ۳ نمبر ۱۰ صفحہ ۳۸۲

۲۱۔ بحوالہ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۸۹

۲۲۔ مفصل تبصرہ ملاحظہ ہو الحکم ۱۴/ ۷ جولائی ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۱ کالم نمبر ۱-۲

۲۳۔ " تشحیذ الاذہان " ۱۹۰۸ء صفحہ ۳۳۶

۲۴۔ بروایت حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوریؓ

۲۵ بروایت حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوریؓ

۲۶۔ بحوالہ تشحیذ الاذہان جلد ۳ نمبر ۱۰-۱۹۰۸ء صفحہ ۳۸۲

۲۷۔ بحوالہ تشحیذ الاذہان ۱۹۰۸ء صفحہ ۳۳۴

۲۸۔ بحوالہ تشحیذ الاذہان ۱۹۰۸ء صفحہ ۳۳۴

۲۹۔ بحوالہ تشحیذ الاذہان ۱۹۰۸ء صفحہ ۳۳۳

۳۰۔ بحوالہ تشحیذ الاذہان صفحہ ۳۸۳

۳۱۔ بحوالہ تشحیذ الاذہان صفحہ ۳۸۲

۳۲۔ بحوالہ تشحیذ الاذہان جلد ۳ نمبر ۹ صفحہ ۳۸۰-۳۸۲

۳۳۔ بحوالہ بدر ۲/ جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱ کالم نمبر ۲-۳

۳۴۔ بحوالہ تشحیذ الاذہان ۱۹۰۸ء صفحہ ۳۳۱-۳۳۲

۳۵۔ بحوالہ تشحیذ الاذہان ۳۸۳

۳۶۔ بحوالہ تشحیذ الاذہان صفحہ ۳۸۴

۳۷۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے مگر خدا کے فضل سے حضور کی جلیل القدر شخصیت اور عظیم الشان خدمات کے اعتراف کا سلسلہ آج تک جاری ہے بلکہ جوں جوں صداقت کی روشنی پھیلتی جاتی ہے حضور کی مقدس ذات دنیا کی گہری توجہ اور خاص دلچسپی کا مرکز بنتی جا رہی ہے اور عالمی رجحانات بڑی تیزی سے اس حقیقت کی طرف آ رہے ہیں کہ بیسویں صدی کی کوئی مذہبی تاریخ آپ کے ذکر کے بغیر مکمل ہی نہیں سمجھی جا سکتی بطور نمونہ چند آراء درج ذیل کی جاتی ہیں جن سے یہ بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضورؑ کے وجود نے صفحہ عالم پر کتنے گہرے اور روشن نقوش قائم کر دیئے

ہیں۔

۱۔ پروفیسر سید عبدالقادر صاحب ایم۔ اے:۔

"حضرت مرزا غلام احمد...... نے مذہبی دنیا میں نہایت عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا..... ایسے وقت میں حضرت مرزا صاحب آئے جب کہ مسلمانوں کی مذہبی حالت نہایت بری ہو چکی تھی۔ ایسی حالت میں حضرت مرزا صاحب نے مسلمانوں کو ابھارا اور مذہب کی طرف لوٹنے کی ترغیب دی۔ اس مقصد میں انہیں کس قدر کامیابی ہوئی اس کے متعلق مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔"

(بحوالہ الفضل ۸/ مارچ ۱۹۱۹ء صفحہ ۳)

۲۔ خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی:۔

"مرزا غلام احمد صاحب اپنے وقت کے بہت بڑے فاضل بزرگ تھے...... آپ کی تصانیف...... کے مطالعہ اور آپ کے ملفوظات کے پڑھنے سے بہت فائدہ پہنچ رہا ہے اور ہم آپ کے تبحر علمی اور فضیلت و کمال کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔" (اخبار منادی ۲۷/ فروری و ۴/ مارچ ۱۹۳۰ء)

۳۔ مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب:۔

"اب ایک ایسے شخص سے میرے ملنے کا حال سنئے جو اپنے فرقے میں نبی سمجھا جاتا ہے اور دوسرے فرقے والے خدا جانے اس کو کیا کچھ نہیں کہتے۔ یہ کون ہے؟ جناب مرزا غلام احمد قادیانی بانی فرقہ احمدیہ۔ ان سے میرا رشتہ یہ ہے کہ میری خالہ زاد بہن ان سے منسوب تھیں۔ اس لئے یہ جب کبھی دلی آتے تو مجھے ضرور بلا بھیجتے اور پانچ روپے دیتے۔ چنانچہ دو تین دفعہ ان سے میرا ملنا ہوا مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ انہوں نے کبھی مجھ سے ایسی گفتگو نہیں کی جس کو تبلیغ کہا جا سکے۔ میں اس زمانہ میں ایف۔ اے میں پڑھتا تھا۔ زیادہ تر مسلمانوں کی تعلیم کا ذکر ہوتا تھا اور اس پر وہ افسوس ظاہر کیا کرتے تھے کہ مسلمان اپنی مذہبی تعلیم سے بالکل بے خبر ہیں۔ اور جب تک مذہبی تعلیم عام نہ ہوگی اس وقت تک مسلمان ترقی کی راہ سے ہٹے رہیں گے۔

میرے ایک چچا تھے جن کا نام مرزا عنایت اللہ بیگ تھا۔ یہ بڑے فقیر دوست تھے۔ تمام ہندوستان کا سفر فقیروں سے ملنے کے لئے کیا بڑی بڑی سخت ریاضتیں کیں۔ چنانچہ اس سے ان کی محنت کا اندازہ کر لیجئے کہ تقریباً ۴ سال تک یہ رات کو نہیں سوئے۔ صبح کی نماز پڑھ کر دو ڈھائی گھنٹے کے لئے سو جاتے ورنہ سارا وقت یاد الٰہی میں گزارتے۔ ایک دن میں جو مرزا غلام احمد صاحب کے یہاں جانے لگا تو چچا صاحب قبلہ نے مجھ سے کہا۔ "بیٹا میرا ایک کام ہے وہ کر دو۔ اور وہ کام یہ ہے کہ جن صاحب سے تم ملنے جا رہے ہو ان کی آنکھوں کو دیکھو کس رنگ کی ہیں۔" میں سمجھا بھی نہیں اس سے ان کا کیا مطلب ہے مگر جب مرزا صاحب کے پاس گیا تو بڑے غور سے ان کی آنکھوں کو دیکھتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں سبز رنگ کا پانی گردش کرتا معلوم ہوتا ہے۔ اسی سلسلے میں میں نے خود بھی ان کو ذرا غور سے دیکھا کیونکہ اس سے پہلے جو میں ان کے پاس جاتا تھا تو ہمیشہ نیچی آنکھیں کر کے بیٹھتا تھا۔ اس دفعہ میں نے دیکھا ان کا چہرہ بہت بارونق تھا۔ سر پر کوئی دو انگل کے بال ہیں۔ داڑھی خاصی نیچی ہے۔ آنکھیں جھکی جھکی ہیں۔ بات کرتے ہیں تو بہت متانت سے کرتے ہیں مگر بعض وقت جھلا بھی جاتے ہیں۔ بہرحال وہاں سے واپس آنے کے بعد میں نے چچا صاحب قبلہ سے تمام واقعات بیان کئے۔

"فرحت دیکھو اس شخص کو برا بھی نہ کہنا۔ فقیر ہے اور یہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ہیں" میں نے کہا یہ آپ نے کیونکر جانا۔ فرمایا کہ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں ہر وقت غرق رہتا ہے اس کی آنکھوں میں سبزی آجاتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ سبز رنگ کے پانی کی ایک لہر ان میں دوڑ رہی ہے۔ میں نے اس وقت تو ان سے وجہ نہ پوچھی مگر بعد میں معلوم ہوا کہ سب فقراء اور اہل طریقت اس پر متفق ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سبز ہے اس کا عکس آپ کے زیادہ خیال کرنے سے آنکھوں میں جم جاتا ہے۔" (عالمی ڈائجسٹ کراچی بابت اکتوبر ۱۹۶۸ء صفحہ ۷۳۔ ۷۴)

۴۔ مولوی ظفر علی خان صاحب:

"ہندو اور عیسائی مذہبوں کا مقابلہ مرزا صاحب نے نہایت قابلیت کے ساتھ کیا ہے۔ آپ کی تصانیف "سرمہ چشم آریہ" اور "چشمہ مسیحی" وغیرہ آریہ ساجیوں اور مسیحیوں کے خلاف نہایت اچھی کتابیں لکھی ہیں۔" (زمیندار ۱۲/ ستمبر ۱۹۲۳ء)

۵۔ مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی:

"مرزا صاحب تو بہرحال اپنے تئیں مسلمان اور خادم اسلام کہتے ہیں اور مسیحوں' آریوں' ملحدوں کے جواب میں اور تائید اسلام میں سینکڑوں ہزاروں صفحے لکھ گئے ہیں۔" (اخبار سچ منقول از اخبار پیغام صلح ۲۲/ جنوری ۱۹۲۵ء صفحہ ا کالم نمبر ۳)

۶۔ مولوی نور محمد صاحب نقشبندی چشتی مالک اصح المطابع دہلی

"ولایت کے انگریزوں نے روپے کی بہت بڑی مدد کی اور آئندہ کی مدد کے مسلسل وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا تلاطم برپا کیا... تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہو گئے اور پادری اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو چکا ہے اور جس عیسیٰ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں... اس ترکیب سے اس نے نصرانیوں کو اتنا تنگ کیا کہ اس کے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا اور اس ترکیب سے اس نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دیدی۔" (دیباچہ صفحہ ۳۰ بر ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی)

۷۔ چوہدری افضل حق صاحب مفکر احرار

"آریہ سماج کے معرض وجود میں آنے سے پیشتر اسلام جسد بیجان تھا جس میں تبلیغی حس مفقود ہو چکی تھی...... مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لئے پیدا نہ ہو سکی ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اٹھا۔ ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشرو اشاعت کے لئے بڑھا..... اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا۔ جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے بلکہ دنیا کی تمام اشاعتی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے۔" (فتنہ ارتداد اور پولٹیکل قلابازیاں طبع دوم صفحہ ۲۴)

۸۔ مولانا نیاز احمد خاں فتحپوری

"میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مرزا صاحب جھوٹے انسان نہیں تھے۔ وہ واقعی اپنے آپ کو مہدی موعود سمجھتے تھے اور یقیناً انہوں نے یہ دعویٰ ایسے زمانہ میں کیا جب قوم کی اصلاح و تنظیم کے لئے ایک ہادی و مرشد کی سخت ضرورت تھی۔" (رسالہ نگار لکھنؤ اگست ۱۹۵۹ء صفحہ ۴)

"وہ صحیح معنی میں عاشق رسول تھے اور اسلام کا بڑا مخلصانہ درد اپنے دل میں رکھتے تھے..... لوگ منزل تک پہنچنے کے لئے راہیں ڈھونڈنے میں برسوں سرگردان رہتے ہیں اور ان میں صرف چند ہی ایسے ہوتے ہیں جو منزل کو پا لیتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں انہیں میں سے ایک مرزا غلام احمد قادیانی بھی تھے۔" (نگار بابت جولائی صفحہ نمبر ۹ دسمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۱-۲۲)

۹۔ "تذکرہ شعرائے پنجاب" میں لکھا ہے:۔

"میرزا مذکورہ در جواب تبلیغات ضد اسلامی قیام نمودہ و با دلائل بسیار محکم و قاطع دشمنان اسلام را شکست داد۔" (تذکرہ شعرائے پنجاب صفحہ ۲۶۰-۲۶۱ مرتبہ خواجہ عبدالرشید صاحب۔ ناشر بی۔ اے ڈار مجید اقبال اکادمی کراچی ۲۹/ اکتوبر ۱۹۶۷ء)

۱۰۔ مسٹر والٹر ایم۔ اے سیکرٹری آل انڈیا کرسچن ایسوسی ایشن

"مرزا صاحب اپنی عادات میں سادہ اور فیاضانہ جذبات رکھتے تھے۔ ان کی اخلاقی جرات جو انہوں نے اپنے مخالفین کی طرف سے شدید مخالفت اور ایذا رسانی کے مقابلہ میں دکھائی یقیناً قابل تحسین ہے۔ صرف ایک مقناطیسی جذب اور دلکش اخلاق رکھنے والا شخص ایسے لوگوں کی دوستی اور وفاداری حاصل کر سکتا ہے جن میں سے کم از کم دو نے افغانستان میں اپنے عقاید کے لئے جان دے دی مگر مرزا صاحب کا دامن نہ چھوڑا۔" (ترجمہ احمدیہ موومنٹ)

۱۱۔ لارنس ایمی براؤن پروفیسر دینیات مانچسٹر یونیورسٹی

"مرزا غلام احمد صاحب قادیانی پنجاب کے رہنے والے کئی امور میں ہمیں خود محمد (ﷺ) کی یاد دلاتے ہیں... دونوں نے ایک ایسے مضبوط روحانی تجربے کو اس طرح محسوس کیا کہ اس کے زیر اثر وہ دنیا کی اصلاح پر مامور کئے گئے ہیں۔ (دی پراسپکٹس آف اسلام)

۱۲۔ مسیحی رسالہ "ھما" جبلپور

"جناب مرزا غلام احمد صاحب مرحوم نے سلسلہ احمدیہ مدعی موعود دم واپسیں تک ایک طرف مسیحی مناظرین سے نبرد آزما تھے دوسری طرف قرآنی الفاظ کی عجیب و غریب صرفی و نحو موشگافیاں کر کے دیگر مسائل کی طرح وفات مسیح کے مسئلہ پر بڑے بڑے

صاحب جبہ و دستار مولویوں کو اپنی غیر معمولی قرآنی بصیرت اور علم کلام پر عبور ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے جید علماء اسلام کو اپنے دلائل و براہین کی ندرت اور معقولات و منقولات پر بے پناہ قدرت و دستگاہ سے حواس باختہ کر دیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنی زندگی میں ہر مکتب فکر کے ملاؤں کی شدید مخالفت (کے) باوجود اپنے مقصد میں کامیاب رہے اور اپنے پیچھے ایک بڑی فعال و جاں نثار جماعت دنیا میں چھوڑ گئے۔" (۱۴ اکتوبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۳۵)

حلیہ مبارک

خصائل و شمائل

اور

اخلاق عالیہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حلیہ مبارک خصائل و شمائل اور اخلاق عالیہ

حلیہ مبارک اور ذاتی خصائل

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک اعلیٰ درجہ کے مردانہ حسن کے مالک تھے اور فی الجملہ آپ کی شکل ایسی وجیہہ اور دلکش تھی کہ دیکھنے والا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ ایک دفعہ مردان کا ایک شخص قادیان آیا۔ یہ شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سخت ترین دشمن تھا۔ اور اس نے قادیان آکر اپنی رہائش کے لئے مکان بھی احمدیہ محلہ سے باہر لیا۔ ایک احمدی دوست نے اسے کہا کہ تم نے حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھنا پسند نہیں کیا مگر ہماری مسجد تو دیکھتے جاؤ۔ وہ اس بات کے لئے رضامند ہو گیا مگر یہ شرط کی کہ مجھے ایسے وقت میں مسجد دکھاؤ کہ جب مرزا صاحب مسجد میں نہ ہوں۔ چنانچہ یہ صاحب اسے ایسے وقت میں قادیان کی مسجد مبارک دکھانے کے لئے لے گئے کہ جب نماز کا وقت نہیں تھا اور مسجد خالی تھی مگر قدرت خدا کا کرنا یہ ہوا کہ ادھر یہ شخص مسجد میں داخل ہوا اور ادھر حضرت مسیح موعودؑ کے مکان کی کھڑکی کھلی اور حضور کسی کام کے تعلق میں اچانک مسجد میں تشریف لے آئے۔ جب اس شخص کی نظر حضرت مسیح موعودؑ پر پڑی تو وہ حضور کا نورانی چہرہ دیکھتے ہی بیتاب ہو کر حضور کے قدموں میں آگرا اور اسی وقت بیعت کرلی۔

آپؑ کا چہرہ کتابی تھا اور رنگ سفیدی مائل گندمی تھا اور خدوخال نہایت متناسب تھے۔ سر کے بال بہت ملائم اور سیدھے تھے مگر بالوں کے آخری حصہ میں کسی قدر خوبصورت خم پڑتا تھا۔ داڑھی گھندار تھی مگر رخسار بالوں سے پاک تھے۔ قد درمیانہ تھا اور جسم خوب سڈول اور متناسب تھا اور ہاتھ پاؤں بھرے بھرے اور رہڈی فراخ اور مضبوط تھی۔

چلنے میں قدم بہت تیزی سے اٹھتا تھا مگر یہ تیزی ناگوار نہیں معلوم ہوتی تھی۔ زبان بہت صاف تھی مگر کسی لفظ میں کبھی کبھی خفیف سی لکنت پائی جاتی تھی جو صرف ایک چوکس آدمی ہی محسوس کر سکتا

تھا۔ [۲] پچھتر سال کی عمر پائی مگر کمر میں خم نہیں آیا اور نہ ہی رفتار میں فرق پڑا۔ دور کی نظر ابتداء سے کمزور تھی مگر پڑھنے کی نظر آخر تک اچھی رہی اور یوم وصال تک تصنیف کے کام میں مصروف رہے۔ کہتے ہیں ابتداء میں جسم زیادہ ہلکا تھا مگر آخر عمر کسی قدر بھاری ہو گیا تھا۔

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے یا یونہی بلا ضرورت ادھر ادھر نظر اٹھانے کی عادت بالکل نہیں تھی بلکہ اکثر اوقات آنکھیں نیم بند اور نیچے کی طرف جھکی رہتی تھیں۔ گفتگو کا انداز یہ تھا کہ ابتداء میں آہستہ آہستہ کلام شروع فرماتے تھے مگر پھر حسب حالات اور حسب تقاضائے وقت آواز بلند ہوتی جاتی تھی۔ چہرہ کی جلد نرم تھی اور جذبات کا اثر فوراً ظاہر ہونے لگتا ہے۔ لباس ہمیشہ پرانی ہندوستانی وضع کا پہنتے تھے یعنی عموماً بند گلے کا کوٹ یا جبہ۔ دیسی کاٹ کا کرتہ یا قمیص اور معروف شرعی ساخت کا پاجامہ جو آخری میں عمر میں عموماً گرم ہوتا تھا۔ جوتا ہمیشہ دیسی پہنا کرتے تھے اور ہاتھ میں عصا رکھنے کی عادت تھی۔ سر پر اکثر سفید ململ کی پگڑی باندھتے تھے جس کے نیچے عموماً نرم قسم کی رومی ٹوپی ہوتی تھی۔ کھانے میں نہایت درجہ سادہ مزاج تھے اور کسی چیز سے شغف نہیں تھا بلکہ جو چیز بھی میسر آتی تھی بے تکلف تناول فرماتے تھے اور عموماً سادہ غذا کو پسند فرماتے تھے۔ غذا بہت کم تھی اور جسم اس بات کا عادی تھا کہ ہر قسم کی مشقت برداشت کر سکے۔

اپنے خداداد مشن کے متعلق کامل یقین اور آنحضرتؐ کے ساتھ بے نظیر محبت

جہاں تک ان اخلاق کا سوال ہے جو دین اور ایمان سے تعلق رکھتے ہیں حضرت مسیح موعودؑ میں دو خلق خاص طور پر نمایاں نظر آتے تھے۔ اول اپنے خداداد مشن پر کامل یقین دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بینظیر عشق و محبت۔ یہ دو اوصاف آپ کے اندر اس کمال کو پہنچے ہوئے تھے کہ آپ کے ہر قول و فعل اور ہر حرکت و سکون میں ان کا پر زور جلوہ نظر آتا تھا۔ بسا اوقات اپنے خداداد مشن اور الہامات کا ذکر کر کے فرماتے تھے کہ مجھے ان کے متعلق ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ دنیا کی کسی چیز کے متعلق زیادہ سے زیادہ یقین ہو سکتا ہے۔ اور بعض اوقات اپنی پیشگوئیوں کا ذکر کر کے فرماتے تھے کہ چونکہ وہ خدا کے منہ سے نکلی ہوئی ہیں اس لئے وہ ضرور پوری ہو کر رہیں گی اور اگر وہ پوری نہ ہوں تو میں اس بات کے لئے تیار ہوں کہ مجھے مفتری قرار دے کر برسر عام پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیا جائے تاکہ میرا وجود دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو۔ ایک جگہ اپنے منثور کلام میں فرماتے ہیں۔

"یہ مکالمہ الٰہیہ جو مجھ سے ہوتا ہے یقینی ہے۔ اگر میں ایک دم کے لئے بھی اس میں شک کروں تو کافر ہو جاؤں اور میری آخرت تباہ ہو جاوے۔ وہ کلام جو میرے پر نازل ہوا یقینی اور قطعی ہے اور جیسا

کہ آفتاب اور اس کی روشنی کو دیکھ کر کوئی شک نہیں کر سکتا کہ یہ آفتاب اور یہ اس کی روشنی ہے۔ ایسا ہی میں اس کلام میں شک نہیں کر سکتا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے پر نازل ہوتا ہے اور میں اس پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ خدا کی کتاب پر۔" ۳

آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنی محبت و عشق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است ‏ خاکم نثار کوچہ آلِ محمدؐ است

دیدم بعین قلب شنیدم بگوش ہوش ‏ در ہر مکاں ندائے جمالِ محمدؐ است ۴

یعنی میرے جان و دل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن خداداد پر قربان ہیں۔ اور میں آپ کے آل و عیال کے کوچہ کی خاک پر نثار ہوں میں نے اپنے دل کی آنکھ سے دیکھا اور ہوش کے کانوں سے سنا ہے کہ ہر کون و مکاں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کی ندا آرہی ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم ‏ گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

جانم فدا شود برہ دین مصطفیٰ ‏ اینست کام دل اگر آید میسرم ۵

یعنی خدا سے اتر کر میں محمد ﷺ کے عشق کی شراب سے متوالا ہو رہا ہوں۔ اور اگر یہ بات کفر میں داخل ہے تو خدا کی قسم میں سخت کافر ہوں۔ میرے دل کا واحد مقصد یہ ہے کہ میری جان محمد ﷺ کے دین کے راستے میں قربان ہو جائے۔ خدا کرے کہ مجھے یہ مقصد حاصل ہو جائے۔

پھر فرماتے ہیں۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا ‏ نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں ‏ وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

وہ دلبر یگانہ علموں کا ہے خزانہ ‏ باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے ۶

آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت مسیح موعودؑ کی یہ والہانہ محبت محض کاغذی یا نمائشی محبت نہیں تھی بلکہ آپؑ کے ہر قول و فعل اور ہر حرکت و سکون میں اس کی ایک زندہ اور زبردست جھلک نظر آتی تھی۔

ایک دفعہ آپؑ علیحدگی میں ٹہلتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے درباری شاعر حسان بن ثابت کا یہ شعر تلاوت فرما رہے تھے اور ساتھ ساتھ آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے جا رہے تھے۔

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیَ عَلَیْکَ النَّاظِرُ ‏ مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ

یعنی اے محمد ﷺ تو میری آنکھ کی پتلی تھا پس تیری وفات سے میری آنکھ اندھی ہو گئی ہے۔ سو

اب تیرے بعد جس شخص پر چاہے موت آجاوے مجھے اس کی پروا نہیں کیونکہ مجھے تو صرف تیری موت کا ڈر تھا جو واقع ہو گئی۔

راوی بیان کرتا ہے کہ جب آپ کے ایک مخلص رفیق نے آپ کو اس رقت کی حالت میں دیکھا تو گھبرا کر پوچھا کہ "حضرت! یہ کیا معاملہ ہے؟" آپ نے فرمایا "کچھ نہیں میں اس وقت یہ شعر پڑھ رہا تھا اور میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہو رہی تھی کہ کاش یہ شعر میری زبان سے نکلتا۔"

قادیان میں ایک صاحب محمد عبداللہ ہوتے تھے جنہیں لوگ پروفیسر کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن بہت مخلص تھے مگر جوش اور غصے میں بعض اوقات اپنا توازن کھو بیٹھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں کسی نے بیان کیا کہ فلاں مخالف نے حضور کے متعلق فلاں جگہ بڑی سخت زبانی سے کام لیا ہے اور حضور کو گالیاں دی ہیں۔ پروفیسر صاحب طیش میں آکر بولے کہ اگر میں ہوتا تو اس کا سر پھوڑ دیتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیساختہ فرمایا "نہیں نہیں۔ ایسا نہیں چاہئے۔ ہماری تعلیم صبر اور نرمی کی ہے۔" پروفیسر صاحب اس وقت غصے میں آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ جوش کے ساتھ بولے واہ صاحب واہ! یہ کیا بات ہے۔ آپ کے پیر (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوئی برا بھلا کہے تو آپ فوراً مباہلہ کے ذریعہ اسے جہنم تک پہنچانے کو تیار ہو جاتے ہیں مگر ہمیں یہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص آپ کو ہمارے سامنے گالی دے تو ہم صبر کریں!! پروفیسر صاحب کی یہ غلطی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بڑھ کر صبر کس نے کیا ہے؟ اور کس نے کرنا ہے؟ مگر اس چھوٹے سے واقعہ میں عشق رسول اور غیرت ناموس رسول کی وہ جھلک نظر آتی ہے جس کی مثال کم ملے گی۔

خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سب سے بڑے لڑکے تھے جو ڈپٹی کمشنر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے اور دنیا کا بڑا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی بھر حضور کی بیعت میں داخل نہیں ہوئے گو بعد میں انہوں نے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے زمانہ میں بیعت کرلی۔ بہرحال خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب کے غیر احمدی ہونے کے زمانہ کی بات ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے فرمایا "ایک بات میں نے والد صاحب (یعنی حضرت مسیح موعودؑ) میں خاص طور پر دیکھی ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف والد صاحب ذرا سی بات بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اگر کوئی شخص آنحضرتؐ کی شان کے خلاف ذرا سی بات بھی کہتا تھا تو والد صاحب کا چہرہ سرخ ہو جاتا تھا اور غصے سے آنکھیں متغیر ہونے لگتی تھیں اور فوراً ایسی مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم سے تو والد صاحب کو عشق تھا ایسا عشق میں نے کسی

شخص میں نہیں دیکھا اور مرزا سلطان احمد صاحب نے اس بات کو بار بار دہرایا۔

ایک دفعہ بالکل گھریلو ماحول کی بات ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی طبیعت کچھ ناساز تھی اور آپؑ گھر میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اور حضرت اماں جان نور اللہ مرقدہا اور حضرت میر ناصر نواب صاحب مرحوم بھی پاس بیٹھے تھے کہ حج کا ذکر شروع ہو گیا۔ حضرت نانا جان نے کوئی ایسی بات کہی کہ اب تو حج کے لئے سفر اور رستے وغیرہ کی سہولت پیدا ہو رہی ہے حج کو چلنا چاہیے۔ اس وقت زیارت حرمین شریفین کے تصور میں حضرت مسیح موعودؑ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور آپ اپنے ہاتھ کی انگلی سے اپنے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ حضرت نانا جان کی بات سن کر فرمایا "یہ تو ٹھیک ہے اور ہماری بھی دلی خواہش ہے مگر میں سوچا کرتا ہوں کہ کیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کو دیکھ بھی سکوں گا۔" ۷

یہ ایک خالصتہً گھریلو ماحول کی بظاہر چھوٹی سی بات ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو اس میں اس اتھاہ سمندر کی طغیانی لہریں کھیلتی ہوئی نظر آتی ہیں جو عشق رسول کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے قلب صافی میں موجزن تھیں۔ حج کی کس سچے مسلمان کو خواہش نہیں مگر ذرا اس شخص کی بے پایاں محبت کا اندازہ لگاؤ جس کی روح حج کے تصور میں پروانہ وار رسول پاک (فداہ نفسی) کے مزار پر پہنچ جاتی ہے اور وہاں اس کی آنکھیں اس نظارہ کی تاب نہ لاکر بند ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔

رسول پاک ﷺ کے ساتھ اسی عشق کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کی آل و اولاد اور آپؐ کے صحابہؓ کے ساتھ بھی بے پناہ محبت تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ جب محرم کا مہینہ تھا اور حضرت مسیح موعودؑ اپنے باغ میں ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے مبارکہ بیگم سلمہا اور مبارک احمد مرحوم کو جو سب بہن بھائیوں میں چھوٹے تھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا "آؤ میں تمہیں محرم کی کہانی سناؤں" پھر آپ نے بڑے درد انگیز انداز میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعات سنائے۔ آپؑ یہ واقعات سناتے جاتے تھے اور آپؑ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور آپ اپنی انگلیوں کے پوروں سے اپنے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ اس دردناک کہانی کو ختم کرنے کے بعد آپ نے بڑے کرب کے ساتھ فرمایا "یزید پلید نے یہ ظلم ہمارے نبی کریمؐ کے نواسے پر کروایا مگر خدا نے بھی ان ظالموں کو بہت جلد اپنے عذاب میں پکڑ لیا۔ اس وقت آپؑ پر عجیب کیفیت طاری تھی اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ کی المناک شہادت کے تصور سے آپؑ کا دل بہت بے چین ہو رہا تھا اور یہ سب کچھ رسول پاکؐ کے عشق کی وجہ سے تھا۔ ۸

مذہبی بزرگوں کا احترام

مگر آنحضرت ﷺ کی محبت کے یہ معنی نہیں تھے کہ آپؑ دوسرے بزرگوں کی محبت سے خالی تھے بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی محبت نے آپؑ کے دل میں دوسرے پاک نفس بزرگوں کی محبت کو بھی ایک خاص جلا دے دی تھی اور آپ کسی بزرگ کی ہتک گوارا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ اپنے اصحاب کی ایک مجلس میں یہ ذکر فرما رہے تھے کہ نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی تلاوت ضروری ہے اور امام کے پیچھے بھی سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ اس پر حاضرین میں سے کسی شخص نے عرض کیا کہ "حضور کیا سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی؟ آپؑ نے فوراً فرمایا "نہیں نہیں ہم ایسا نہیں کہتے کیونکہ حنفی فرقہ کے کثیر التعداد بزرگ یہ عقیدہ رکھتے رہے ہیں کہ سورہ فاتحہ کی تلاوت ضروری نہیں اور ہم ہرگز یہ خیال نہیں کرتے کہ ان بزرگوں کی نماز نہیں ہوئی۔"

اسلام کے گزشتہ مجددین کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام بڑی غیرت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنے بچپن کے زمانہ میں جہانگیر کا شاندار مقبرہ دیکھنے کا شوق ظاہر کیا۔ اس پر حضرت مسیح موعود نے نصیحت کے رنگ میں فرمایا۔

"میاں تم جہانگیر کا مقبرہ دیکھنے کے لئے بے شک جاؤ لیکن اس کی قبر پر نہ کھڑا ہونا کیونکہ اس نے ہمارے ایک بھائی حضرت مجدد الف ثانی کی ہتک کی تھی۔" [۹]

تین سو سال سے زائد زمانہ گزرنے پر بھی ایک مسلمان بادشاہ کے ایسے فعل پر جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے اسلامی تاریخ میں گویا ایک عام واقعہ ہے کیونکہ مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں ایسے کئی واقعات گزر چکے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اس قدر غیرت ظاہر کرنا اور مجدد الف ثانیؒ کے لئے بھائی جیسا پیارا لفظ استعمال کرنا اس یگانگت اور محبت اور عقیدت کی ایک بہت روشن مثال ہے جو آپ کے دل میں امت محمدیہ کے صلحاء کے لئے موجزن تھی۔

اسی طرح آپؑ کو غیر مسلم قوموں کے بزرگوں کی عزت کا بھی بہت خیال تھا اور ہر قوم کے تسلیم شدہ مذہبی بزرگوں کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے بلکہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کے نام کو عزت کے ساتھ دنیا میں قائم کر دیتا ہے اور لاکھوں کروڑوں انسانوں کے دلوں میں اس کی بزرگی کا خیال بٹھا دیتا ہے اور اس کے سلسلہ کو استقلال اور دوام حاصل ہو جاتا ہے تو ایسا شخص جسے اس قدر قبولیت حاصل ہو جاوے جھوٹا نہیں ہو سکتا اور ہر انسان کا فرض ہے کہ سچوں کی طرح اس کی عزت کرے اور کسی رنگ میں اس کی ہتک کا مرتکب نہ ہو۔ اس معاملہ میں خود اپنے مسلک کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

ما ہمہ پیغمبراں را چاکریم ہمچو خاکے اوفتادہ بردرے
ہر رسولے کو طریق حق نمود جان ما قربان براں حق پرورے [۱۰]

یعنی میں ان تمام رسولوں کا خادم ہوں جو خدا کی طرف آتے رہے ہیں اور میرا نفس ان پاک روحوں کے دروازے پر خاک کی طرح پڑا ہے۔ ہر رسول جو خدا کا رستہ دکھانے کے لئے آیا ہے (خواہ وہ کسی زمانہ اور کسی ملک میں آیا ہو) میری جان اس خادم دین پر قربان ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا صبر و استقلال اور شجاعت

روحانی مصلحوں کا دستہ پھولوں کی سیج میں سے نہیں گزرتا بلکہ انہیں فلک بوس پہاڑیوں اور بے آب و گیاہ بیابانوں اور مہیب سمندروں میں سے ہو کر اپنی منزل مقصود تک پہنچنا پڑتا ہے۔ بلکہ جتنا کسی رسول کا مشن زیادہ اہم اور زیادہ وسیع ہوتا ہے اتنا ہی اس کے راستے میں ابتلاؤں اور امتحانوں کی بھی زیادہ کثرت ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ اپنی ان مشکلات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

دعوت ہر ہرزہ گو کچھ خدمت آساں نہیں ہر قدم پر کوہ ماراں ہر گذر میں دشت خار

مگر آپ کو وہ چیز حاصل تھی جس کے سامنے یہ ساری مشکلات ہیچ ہو جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

عشق ہے جس سے ہوں طے یہ سارے جنگل پر خطر عشق ہے جو سر جھکا دے زیر تیغ آب دار

اور دل بھی آپ کو خدا نے وہ عطا کیا تھا جو دنیا کی کسی طاقت کے سامنے مرعوب ہونے والا نہیں تھا۔ فرماتے ہیں۔

سخت جاں ہیں ہم کسی کے بغض کی پروا نہیں دل قوی رکھتے ہیں ہم دردوں کی ہے ہم کو سہار
جو خدا کا ہے اسے للکارنا اچھا نہیں ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ زار و نزار

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک آریہ نے اسلام پر یہ اعتراض کیا کہ قرآن نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق یہ بات قانون قدرت کے خلاف بیان کی ہے کہ جب دشمنوں نے ان کو آگ میں ڈالا تو خدا کے حکم سے آگ ان پر ٹھنڈی ہو گئی۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اولؓ نے اس اعتراض کے جواب میں یہ لکھا کہ یہاں آگ سے حقیقی آگ مراد نہیں بلکہ دشمنی اور شرارت کی آگ مراد ہے۔ مگر جب حضرت مولوی صاحب کے اس جواب کی اطلاع حضرت مسیح موعود کو پہنچی تو آپ نے بڑے جلال کے ساتھ فرمایا کہ "مولوی صاحب کو اس تاویل کی ضرورت نہیں تھی۔ خدا کے بنائے ہوئے قانون قدرت کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟ حضرت مسیح موعودؑ نے اس موقعہ پر صرف ایک حقیقت اور ایک فلسفہ کا ہی اظہار نہیں فرمایا بلکہ ایک ربانی مصلح اور ذاتی مشاہدہ سے مشرف انسان کی حیثیت میں بڑے وثوق

اور جلال کے ساتھ یہ بھی فرمایا۔ حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ تو گزر چکا اب ہم خدا کی طرف سے اس زمانہ میں موجود ہیں۔ ہمیں کوئی دشمن آگ میں ڈال کر دیکھ لے خدا کے فضل سے ہم پر بھی آگ ٹھنڈی ہوگی۔" چنانچہ اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے اپنی ایک نظم میں بھی فرماتے ہیں۔

ترے مکروں سے اے جاہل مرا نقصان نہیں ہرگز
کہ یہ جاں آگ میں پڑ کر سلامت آنے والی ہے [۱۱]

یہ صرف ایک خالی دعویٰ نہیں تھا بلکہ جب سے کہ آپؑ نے خدا سے الہام پاکر مسیح موعودؑ ہونے کا اعلان کیا اس وقت سے لے کر اپنے یوم وصال تک آپ کی زندگی صبر اور استقلال اور شجاعت کا ایسا شاندار منظر پیش کرتی ہے جو سوائے خدا کے خاص الخاص بندوں کے کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتا یہی وہ منظر تھا جس نے دشمنوں تک کے دل کو موہ لیا ہے اور وہ بے اختیار ہو کر بول اٹھے کہ خواہ مرزا صاحب کے عقائد سے ہمیں کتنا ہی اختلاف ہو مگر اسمیں شبہ نہیں کہ "اس نے مخالفتوں کی آگ میں سے ہو کر اپنا رستہ صاف کیا اور ترقی کے انتہائی عروج تک پہنچ گیا۔" [۱۲]

محنت اور انہماک جس وقت سے کہ آپؑ نے خدا کے حکم کے ماتحت ماموریت کے میدان میں قدم رکھا اس وقت سے لے کر یوم وفات تک آپ کی زندگی کا ہر لحہ اس سپاہی کی طرح گزرا جسے کسی عظیم الشان قومی خطرے کے وقت میں کسی نہایت نازک مقام پر بطور نگران سنتری مقرر کیا گیا ہو اور اس کی چوکسی یا غفلت پر قوم و ملک کی زندگی اور موت کا انحصار ہو۔ یہ تشبیہ قطعاً کسی مبالغہ کی حامل نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ یہ تشبیہ اس حالت کا صحیح صحیح نقشہ کھینچنے سے قاصر ہے جو ہر دیکھنے والے کو حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں نظر آتی ہے۔

آپؑ کی زندگی گویا ایک مقابلہ کی دوڑ تھی جس کا ہر قدم اس احساس کے ماتحت اٹھایا جاتا ہے کہ اس قدم کے اچھا اٹھ جانے پر اس مقابلہ کی ساری کامیابی یا ناکامی کا دارمدار ہے بسا اوقات کام کے انہماک میں حضرت مسیح موعودؑ کھانا اور سونا تک بھول جاتے تھے اور ایسے موقعوں پر آپ کو کھانے کے متعلق بار بار یاد کروا کے احساس پیدا کرنا پڑتا تھا۔ کئی مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ تصنیف کے کام میں آپؑ نے ساری ساری رات خرچ کر دی اور ایک منٹ کے لئے بھی آرام نہیں کیا۔ اس قسم کے واقعات شاذ کے طور پر نہیں تھے بلکہ کام کے زور کے ایام میں کثرت کے ساتھ پیش آتے رہتے تھے اور دیکھنے والے حیران ہوتے تھے کہ آپؑ کی خلقت میں کس پاک مٹی کا خمیر ہے کہ فرائض منصبی کی ادائیگی میں اپنے نفس کے ہر آرام کو فراموش کر رکھا ہے۔ لیکن چونکہ آپ نے ہر جہت سے لوگوں کے لئے ایک پاک نمونہ بننا تھا اس لئے آپ کا یہ شغف اور یہ انہماک دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں

دخل انداز نہیں ہوتا تھا اور سب لوگوں کے حقوق کو ایک مذہبی فریضہ کے طور پر احسن صورت میں ادا فرماتے تھے بلکہ اپنے نفس کی قربانی میں بھی جب آپ یہ دیکھتے تھے کہ یہ قربانی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ بشری لوازمات کے ماتحت خود کام کا نقصان پہنچنے کا احتمال ہے تو آپ فوراً چوکس ہو کر اپنے نفس کے حقوق کی طرف بھی توجہ فرماتے تھے اور اس طرح آپ نے اپنی زندگی کے ہر فعل کو ایک مقدس عبادت کا رنگ دے لیا تھا۔ بہرحال آپ کی زندگی مصروف اور فرائض منصبی کے لحاظ سے ایک بے نظیر نمونہ پیش کرتی تھی اور صحیح اور کامل معنوں میں معمور الاوقات تھے اور آپ کے متعلق خدا کا یہ الہام کہ اَنْتَ الشَّیْخُ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَا یُضَاعُ وَقْتُہٗ یعنی تو وہ برگزیدہ مسیح ہے جس کا کوئی وقت بھی ضائع جانے والا نہیں۔[۱۱۳] آپ کی زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ افروز تھا۔

عبادت الٰہی

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی ایک مجسم عبادت تھی کیونکہ آپ کا ہر قول و فعل خواہ وہ بظاہر اپنے نفس کے حقوق کی ادائیگی کے لئے تھا یا اپنے اہل و عیال اور رشتہ داروں اور دوستوں اور مہمانوں اور ہمسایوں کے آرام کی خاطر تھا یا کسی اور غرض سے تھا اس میں آپؑ کی نیت صرف رضائے الٰہی کی جستجو تھی اور آپ اپنے آقا اور مخدوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاک ارشاد کا عملی نمونہ تھے جس میں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ ہر اچھا کام جو انسان رضائے الٰہی کے خیال سے کرتا ہے وہ عبادت میں داخل ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی انسان اپنی بیوی کے منہ میں اس نیت کے ساتھ لقمہ ڈالتا ہے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ بیوی کے آرام کا خیال رکھو تو اس کا یہ فعل بھی ایک عبادت ہے۔ اس معنی میں اور اس تشریح کے ساتھ حضرت مسیح موعودؑ کی ساری زندگی یقیناً ایک مجسم عبادت تھی مگر عبادت کے معروف مفہوم کے لحاظ سے بھی آپ کا پایہ نہایت بلند تھا۔ جوانی کی زندگی جو نفسانی لذات کے زور کا زمانہ ہوتی ہے وہ آپؑ نے ایسے رنگ میں گزاری کہ دیکھنے والوں میں آپ کا نام "مسیتڑ" مشہور ہو گیا تھا جو پنجابی زبان میں ایسے شخص کو کہتے ہیں جو اپنا بیشتر وقت مسجد میں بیٹھ کر عبادت الٰہی میں گزار دے۔ قرآن شریف کے مطالعہ میں آپ کو اس قدر شغف تھا کہ گویا وہ آپؑ کی زندگی کا واحد سہارا ہے جس کے بغیر جینا ممکن نہیں ہے۔ اور قرآن شریف کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ایک جگہ خدا کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

پنجگانہ نماز تو خیر فرض ہی ہے جس کے بغیر کوئی شخص جو اسلام کا دعویٰ رکھتا ہو مسلمان نہیں رہ سکتا نفل نماز کے موقعوں کی بھی حضرت مسیح موعودؑ کو اس طرح تلاش رہتی تھی جیسے ایک پیاسا انسان پانی کی تلاش کرتا ہے۔ تہجد کی نماز جو نصف شب کے بعد اٹھ کر ادا کی جاتی ہے اس کے متعلق حضرت

مسیح موعودؑ کا دستور تھا کہ باقاعدہ شروع وقت میں اٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ اور اگر کبھی زیادہ بیماری کی حالت میں بستر سے اٹھنے کی طاقت نہیں ہوتی تھی تو پھر بھی وقت پر جاگ کر بستر میں ہی اس مقدس عبادت کو بجالاتے تھے۔

جوانی کے عالم میں ایک دفعہ مسلسل آٹھ نو ماہ تک روزے رکھے اور آہستہ آہستہ خوراک کو اس قدر کم کر دیا کہ دن رات میں چند تولہ سے زیادہ نہیں کھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے خدا کے فضل سے اپنے نفس پر اس قدرت حاصل ہے کہ اگر کبھی فاقہ کرنا پڑے تو قبل اس کے مجھے ذرا بھی اضطراب ہو ایک موٹا تازہ شخص اپنی جان کھو بیٹھے۔ بڑھاپے میں بھی جب کہ صحت کی خرابی اور عمر کے طبعی تقاضے اور کام کے بار ی بوجھ نے گویا جسمانی طاقتوں کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔ روزے کے ساتھ خاص محبت تھی اور بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ سحری کھا کر روزہ رکھتے تھے اور دن کے دوران میں ضعف سے مغلوب ہو کر جبکہ قریباً غشی کی سی حالت ہونے لگتی تھی خدائی حکم کے ماتحت روزہ چھوڑ دیتے۔ مگر جب دوسرا دن آتا تو پھر شوق عبادت میں روزہ رکھ لیتے۔

زکوٰۃ آپؑ پر کبھی فرض نہیں ہوئی یعنی آپ کے پاس کبھی اس روپیہ جمع نہیں ہوا کہ آپ پر زکوٰۃ فرض ہوتی بلکہ آپ نے اپنے محبوب آقا اور مخدوم نبی کی طرح جو بھی ملا اسے خدا کی راہ میں اور دین کی ضروریات میں بے دریغ خرچ کر دیا اور دنیا کے اموال سے اپنے ہاتھوں کو خالی رکھا اور مقدس بانی اسلام کی طرح اس اصول کو حرز جان بنایا کہ **الفقر فخری** یعنی فقر کی زندگی گزارنا میرے لئے فخر کا موجب ہے۔

حج بھی آپ باوجود خواہش کے کبھی ادا نہیں کر سکے کیونکہ اسلام نے حج کے لئے جو شرطیں مقرر کی ہیں وہ آپ کو میسر نہیں تھیں یعنی اول تو آپ کے پاس کبھی بھی حج کے مصارف کے لئے کافی روپیہ جمع نہیں ہوا۔ دوسرے ان خطرناک فتووں کے پیش نظر جو اسلامی دنیا میں آپ کے خلاف لگ چکے تھے آپ کے لئے حج کا رستہ یقیناً پر امن نہیں تھا مگر خدا نے آپ کی اس خواہش کو بھی خالی نہ جانے دیا چنانچہ آپ کی وفات کے بعد حضرت ام المومنینؓ نے آپؑ کی خواہش کو اس طرح پورا فرما دیا کہ اپنے خرچ پر ایک شخص کو مکہ مکرمہ میں بھجوا کر آپؑ کی طرف سے حج کروا دیا۔ غرض آپ ہر جہت سے عبادت الٰہی میں ایک بہترین نمونہ تھے۔

تقویٰ اللہ اور اطاعت رسول

حضرت مسیح موعودؑ کو تقویٰ کی باریک در باریک راہوں پر نگاہ رہتی تھی اور ہر قدم اٹھاتے ہوئے آپ کی نظر اس جستجو میں گھومتی تھی کہ اس معاملہ میں خدا اور اس کے رسولؐ کا کیا ارشاد ہے؟ زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتیں

جن میں ایک عام انسان کو یہ خیال تک نہیں جاتا کہ اس معاملہ میں بھی شریعت کا کوئی حکم ہو گا ان میں بھی ہر قدم پر قرآن و حدیث کا حکم مستحضر رہتا تھا اور آپ اس حکم کو رسم و عادت یا چٹی کے طور پر نہیں بلکہ ایک مقدس فرض کے طور پر رحمت کے احساس کے ساتھ بجالاتے تھے۔ میں بڑی باتوں کو دانستہ ترک کرتے ہوئے ایک نہایت معمولی واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے اہل ذوق آپؑ کے اطاعت رسولؐ کے جذبہ کا کسی قدر اندازہ کر سکتے ہیں۔ گورداسپور میں جب کہ مولوی کرم دین جہلمی کی طرف سے آپ کے خلاف ایک فوجداری مقدمہ دائر تھا۔ ایک گرمیوں کی رات میں جب کہ سخت گرمی تھی اور آپ اس روز قادیان سے گورداسپور پہنچے تھے آپ کے لئے مکان کی کھلی چھت پر پلنگ بچھایا گیا۔ اتفاق سے اس مکان کی چھت پر صرف معمولی منڈیر تھی اور کوئی پردہ کی دیوار نہیں تھی۔ جب حضرت مسیح موعود بستر پر جانے لگے تو یہ دیکھ کر چھت پر کوئی پردہ کی دیوار نہیں ہے ناراضگی کے لہجہ میں خدام سے فرمایا کہ "میرا بستر اس جگہ کیوں بچھایا گیا ہے کیا آپ لوگوں کو معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے۔" اور چونکہ اس مکان میں کوئی اور مناسب صحن نہیں تھا آپؑ نے باوجود شدت گرمی کے کمرہ کے اندر سونا پسند کیا مگر اس کھلی چھت پر نہیں۔ آپؑ کا یہ فعل اس خوف کی وجہ سے نہیں تھا کہ ایسی چھت پر سونا خطرے کا باعث ہے بلکہ اس خیال سے تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے۔

ایک اور موقعہ پر جب کہ آپ اپنے کمرے میں بیٹھے تھے اور اس وقت دو تین باہر سے آئے ہوئے احمدی بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھے کسی شخص نے دروازہ پر دستک دی۔ اس پر حاضر الوقت احباب میں سے ایک شخص نے اٹھ کر دروازہ کھولنا چاہا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ دیکھا تو گھبرا کر اٹھے اور فرمایا "ٹھہریں ٹھہریں میں خود کھولوں گا۔ آپ دونوں مہمان ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مہمان کا اکرام کرنا چاہیے۔" غرض حضرت مسیح موعودؑ کو نہایت چھوٹی باتوں میں بھی قال اللہ اور قال الرسول کا انتہائی پاس تھا اور زندگی کے ہر قدم پر خواہ وہ بظاہر کیسا ہی معمولی ہو آپ کی نظر لازماً سیدھی خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف اٹھتی تھی۔ اس ضمن میں آپ نے جو تعلیم اپنے متبعین کو دی ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں۔ "جو شخص اپنے نفس کے لئے خدا کے کسی حکم کو ٹالتا ہے وہ آسمان میں ہرگز داخل نہ ہو گا سو تم کوشش کرو جو ایک نقطہ اور شعشہ قرآن شریف کا بھی تم پر گواہی نہ دے تا تم اس کے لئے پکڑے نہ جاؤ۔" [۱۲] اور مخصوص طور پر تقوی اللہ کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عجب گوہر ہے جس کا نام تقویٰ مبارک وہ ہے جس کا کام تقویٰ

سنو ہے حاصل اسلام تقویٰ خدا کا عشق مے اور جام تقویٰ
مسلمانو! بناؤ تمام تقویٰ کہاں ایماں اگر ہے خام تقویٰ
یہ دولت تو نے مجھ کو اے خدا دی فسبحان الذی اخزی الاعادی ۱۵

راست گفتاری

راست گفتاری کی صفت تقویٰ و طہارت ہی کا ایک حصہ ہے لیکن چونکہ اس پر ایک روحانی مصلح کے دعویٰ کی بنیاد ہوتی ہے اس لئے اس کے متعلق ایک علیحدہ نوٹ نامناسب نہ ہوگا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی راست گفتاری نہایت نمایاں اور مسلم تھی۔ ظاہر ہے کہ عام حالات میں ہر شخص ہی سچ بولتا ہے اور بلاوجہ کوئی شخص راستی کے طریق کو ترک نہیں کرتا۔ پس اس معاملہ میں انسان کا اصل امتحان عام حالات میں نہیں ہوتا بلکہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ ایسے حالات میں بھی صداقت پر قائم رہے جب کہ ایسا کرنے میں اس کی ذات یا اس کے عزیز و اقارب یا اس کے دوستوں اور تعلق داروں یا اس کی قوم و ملک کو کوئی نقصان پہنچتا ہو۔ ان حالات میں راست گفتاری حقیقتہ ایک بڑی قربانی کا درجہ رکھتی ہے اور وہی شخص اسے اختیار کر سکتا ہے جو سچائی کے مقابلہ پر ہر دنیوی نفع اور ہر دنیوی رشتہ کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو اور سچائی کے اختیار میں بظاہر جتنا زیادہ نقصان ہو یا جتنا زیادہ خطرہ درپیش ہو اتنی ہی اس کے مقابلہ پر اس قربانی کا درجہ نہایت بلند ہو جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے لئے چونکہ ایک روحانی مصلح بننا مقدر تھا اس لئے آپ کی زندگی میں ایسے متعدد موقعے پیش آئے کہ جب راستی کو اختیار کرنا آپ کے لئے بظاہر بہت بڑے نقصان یا خطرے کا باعث تھا مگر آپؑ نے ہر ایسے موقعہ پر اپنے نفع اور فائدہ کو پرپشہ کے برابر بھی حیثیت نہیں دی اور ایک مضبوط چٹان کی طرح صداقت اور راستی پر قائم رہے اور ہر قسم کے نقصان اور خطرے کو برداشت کیا مگر سچ کا دامن نہیں چھوڑا۔

تکلفات سے پاک زندگی

حضرت مسیح موعودؑ کے اخلاق و عادات کا ایک اور نمایاں پہلو یہ تھا کہ آپ کی زندگی کلیتہ تکلفات سے پاک تھی یعنی نہ صرف جیسا کہ اس باب کے شروع میں بتایا گیا ہے۔ آپ خوراک اور لباس وغیرہ کے معاملہ میں بالکل سادہ مزاج تھے بلکہ زندگی کے ہر شعبہ اور اخلاق کے ہر پہلو میں آپ کا ہر طریق ہر جہت سے سادہ اور ہر قسم کے تکلفات سے بالا تھا اور یوں نظر آتا تھا کہ آپ کے اعلیٰ اخلاق تمام مصنوعی آرائشوں سے آزاد ہو کر اپنے قدرتی زیور میں جلوہ افروز ہیں۔ کھانے میں ' پینے میں ' سونے میں ' جاگنے میں ' کام میں ' آرام میں ' تکلیف میں ' آسائش میں ' سفر میں ' حضر میں ' عزیزوں میں ' بیگانوں میں ' گھر کے اندر ' گھر کے باہر ' غرض زندگی کے ہر پہلو میں آپ کے اخلاق و عادات اپنے فطری بہاؤ پر چلتے تھے اور ان میں تکلف کی

کوئی دور کی جھلک بھی نظر نہیں آتی تھی۔

خوراک لباس وغیرہ کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ ان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادات نہایت درجہ سادہ تھیں، جو کھانا بھی آپؑ کے سامنے رکھ دیا جاتا آپ اسے بے تکلفی سے تناول فرماتے اور کبھی کسی کھانے پر اعتراض نہیں کیا اور نہ کبھی کھانے پینے کے شوقین لوگوں کی طرح کسی خاص کھانے کی خواہش کی۔ یہ نہیں کہ ملامتی فرقہ کے لوگوں کی طرح آپ کو اچھے کھانے سے پرہیز تھا اور ضرور ادنیٰ کھانا ہی کھاتے تھے بلکہ جو کھانا بھی میسر آتا آپ اسے خوشی کے ساتھ کھاتے اور عموماً سادہ غذا کو پسند فرماتے۔ اسی طرح جو لباس بھی گھر میں تیار کروادیا جاتا یا باہر سے تحفتہ" آجاتا۔ آپ اسے خوشی کے ساتھ استعمال فرماتے تھے مگر سادہ لباس پسند تھا اور کسی قسم کے فیشن وغیرہ کا خیال تک نہ آتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ نے اپنے ایک غریب رشتہ دار کو جسے کوٹ کی ضرورت تھی اپنا ایک استعمال شدہ کوٹ بھجوایا۔ میر صاحب کے اس عزیز نے اس بات کو بہت برا منایا کہ مستعمل کوٹ بھیجا گیا ہے اور ناراضگی میں کوٹ واپس کردیا۔ جب خادم اس کوٹ کو واپس لارہا تھا تو اتفاق سے اس پر حضرت مسیح موعودؑ کی نظر پڑ گئی۔ آپؑ نے اس سے حال دریافت فرمایا۔ اور جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ کوٹ میر صاحب کو واپس جارہا تو حضرت مسیح موعودؑ نے اس خادم سے یہ کوٹ لے لیا اور فرمایا واپس کرنے سے میر صاحب کی دل شکنی ہوگی تم مجھے دے جاؤ میں خود یہ کوٹ پہن لوں گا اور میر صاحب سے کہہ دینا کہ کوٹ ہم نے اپنے لئے رکھ لیا ہے۔ یہ ایک بہت معمولی سا گھریلو واقعہ ہے مگر اس سے حضرت مسیح موعودؑ کے اعلیٰ اخلاق اور بے تکلفانہ زندگی پر کتنی روشنی پڑتی ہے۔

پیروں اور سجادہ نشینوں میں یہ ایک عام مرض ہے کہ کوئی مرید پیر کے برابر ہو کر نہیں بیٹھ سکتا۔ یعنی ہر مجلس میں پیر کے لئے ایک مخصوص مسند مقرر ہوتی ہے اور مریدوں کو اس سے ہٹ کر نچلی جگہ بیٹھنا پڑتا ہے بلکہ پیروں پر ہی حصر نہیں دنیا کے ہر طبقہ میں مجلسوں میں خاص مراتب ملحوظ رکھے جاتے ہیں اور کوئی شخص انہیں توڑ نہیں سکتا لیکن حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں قطعاً کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا بلکہ آپ کی مجلس میں ہر طبقہ کے لوگ آپ کے ساتھ مل کر اس طرح ملے جلے بیٹھتے تھے کہ جیسے ایک خاندان کے افراد گھر میں مل کر بیٹھتے ہیں۔ اور بسا اوقات اس بے تکلفانہ انداز کا یہ نتیجہ ہوتا تھا کہ حضرت مسیح موعود بظاہر ادنیٰ جگہ پر بیٹھ جاتے تھے اور دوسرے لوگوں کو اچھی جگہ مل جاتی تھی۔ مثلاً بیسیوں مرتبہ ایسا ہو جاتا تھا کہ چارپائی کے سرہانے کی طرف کوئی دوسرا شخص بیٹھا ہے اور پائنتی کی طرف حضرت مسیح موعودؑ ہیں۔ یا ننگی چارپائی پر آپ ہیں اور بستر والی چارپائی پر آپ کا کوئی مرید بیٹھا ہے۔ یا اونچی جگہ میں کوئی مرید ہے اور نیچی جگہ میں آپ ہیں مجلس کی اس صورت کی وجہ سے بسا

اوقات ایک نووارد کو دھوکہ لگ جاتا تھا کہ حضرت مسیح موعود کون ہیں؟ اور کہاں بیٹھے ہیں؟ مگر یہ ایک کمال ہے جو صرف انبیاء کی جماعتوں میں ہی پایا جاتا ہے کہ اس بے تکلفی کے نتیجہ میں کسی قسم کی بے ادبی نہیں پیدا ہوتی تھی بلکہ ہر شخص کا دل محبت اور ادب واحترام کے انتہائی جذبات سے معمور رہتا تھا۔ خادموں تک سے پوری بے تکلفی کا برتاؤ تھا۔ گھر کے کام کاج میں بھی حضرت مسیح موعودؑ کی طبیعت نہایت درجہ سادہ اور تکلفات سے آزاد تھی۔ ضرورت کے موقعہ پر نہایت معمولی کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے اور کسی کام میں عار نہیں محسوس کرتے تھے۔ مثلاً چارپائی یا بکس وغیرہ اٹھا کر ادھر ادھر رکھ دینا یا بستر بچھانا یا کسی مہمان کے لئے کھانے یا ناشتہ کے برتن لگا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا وغیرہ وغیرہ۔ وبائی امراض کے ایام میں بسا اوقات حضرت مسیح موعودؑ خود بھنگن کے سر پر کھڑے ہو کر نالیوں کی صفائی کرواتے تھے اور بعض اوقات نالیوں میں خود اپنے ہاتھ سے پانی بہا کر فینائل وغیرہ ڈالتے تھے۔ غرض حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی ہر جہت سے بالکل سادہ اور تکلفات کی آلائش سے بالکل پاک تھی۔

بیوی بچوں سے سلوک

قرآن شریف نے بار بار اور تاکید کے ساتھ مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ شفقت واحسان کا سلوک کریں اور آنحضرت ﷺ حدیث میں فرماتے ہیں خیر کم خیر کم لاھلہ یعنی اے مسلمانو! تم میں سے خدا کی نظر میں بہترین اخلاق والا شخص وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ سلوک کرنے میں سب سے بہتر ہے۔ اس معیار کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ یقیناً ایک خیر الناس وجود تھے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ آپ کا سلوک نہایت درجہ پاکیزہ اور حسن واحسان کی خوبیوں سے معمور تھا۔

حضرت مسیح موعودؑ ایک بہترین خاوند اور بہترین باپ تھے اور گھر کے اس بہشتی ماحول اور اس بارے میں حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم کی وجہ سے جماعت احمدیہ کی مستورات اپنے خانگی تنازعات میں حضرت مسیح موعودؑ کو اپنا ایک زبردست سہارا اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے ایک نہایت مضبوط ستون خیال کرتی تھیں کیونکہ انہیں یہ یقین تھا کہ ہماری ہر شکایت نہ صرف انصاف بلکہ رحمت واحسان کے جذبات کے ساتھ سنی جائیگی ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کے عہد حکومت میں ایک دفعہ ایک معزز احمدی نے کسی خانگی بات میں ناراض ہو کر اپنی بیوی کو سخت سست کہا۔ بیوی بھی حساس تھیں وہ خفا ہو کر حضرت مسیح موعودؑ کے گھر میں آگئیں اور حضرت مسیح موعودؑ تک اپنی شکایت پہنچائی۔ دوسری طرف وہ صاحب بھی غصہ میں جماعت احمدیہ کے ایک نہایت معزز فرد حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کے پاس آئے اور ان کے ذریعہ حضرت مسیح موعودؑ تک اپنے حالات پہنچانے چاہے۔ حضرت

مولوی صاحب مرحوم کی طبیعت نہایت ذہین اور بامذاق تھی ان دوست کی بات سن کر کہنے لگے "میاں تم جانتے ہو کہ آج کل ملکہ کا راج ہے پس میرا مشورہ یہ ہے کہ چپکے سے اپنی بیوی کو منا کر گھر واپس لے جاؤ اور جھگڑے کو لمبا نہ کرو۔" چنانچہ ان صاحب نے ایسا ہی کیا اور گھر کی ایک وقتی ناراضگی پھر امن اور خوشی کی صورت میں بدل گئی۔ لطیفہ اس بات میں یہ تھا کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے جو یہ کہا کہ آج کل ملکہ کا راج ہے اس سے ان کی یہ مراد تھی کہ جہاں آج کل حکومت انگریزی کی باگ ڈور ایک ملکہ کے ہاتھ میں ہے وہاں جماعت احمدیہ کی روحانی بادشاہت میں بھی جہاں تک اس قسم کے خانگی امور کا تعلق ہے حضرت مسیح موعودؑ گھر والوں کی بات کو زیادہ وزن دیتے ہیں اور عورتوں کی ہمدردی اور ان کے حقوق کا ان کو خاص خیال رہتا ہے۔

دوسری طرف حضرت مسیح موعودؑ کے احسان اور شفقت کا یہ نتیجہ نہیں تھا کہ ہماری والدہ صاحبہ (یعنی حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا۔ ناقل) کے دل میں حضرت مسیح موعودؑ کے ادب و احترام یا آپ کی قدر و منزلت میں کوئی کمی آجاتی بلکہ حضرت مسیح موعودؑ کے لئے ان کا رویہ نہایت مخلصانہ اور نہایت درجہ مؤدبانہ تھا۔ چنانچہ جب حضرت مسیح موعودؑ نے خدا سے علم پاکر اپنے لئے ایک نکاح ثانی کی پیشگوئی فرمائی تو گو یہ پیشگوئی بعض شرائط کے ساتھ مشروط تھی مگر پھر بھی چونکہ اس وقت اس کا ظاہر پہلو یہی سمجھا جاتا تھا کہ یہ ایک نکاح کی پیشگوئی ہے اور لڑکی کے والدین اور عزیز و اقارب حضرت مسیح موعودؑ کے سخت خلاف تھے تو ایسے حالات میں حضرت والدہ صاحبہ نے کئی دفعہ خدا کے حضور رو رو کر دعائیں کیں کہ "خدایا تو اپنے مسیح کی سچائی کو ثابت کر اور اس رشتہ کے لئے خود اپنی طرف سے سامان مہیا کر دے۔" اور جب حضرت مسیح موعودؑ نے ان سے دریافت کیا کہ "اس رشتہ کے ہو جانے سے تو تم پر سوکن آتی ہے پھر تم ایسی دعا کس طرح کرتی ہو؟" تو حضرت ام المومنینؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ "کچھ بھی ہو میری خوشی اس میں ہے کہ آپ کے منہ سے نکلی ہوئی بات پوری ہو جائے۔" اس چھوٹے سے گھریلو واقعہ سے اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے بینظیر حسن سلوک اور عدیم المثال شفقت نے آپ کے اہل خانہ پر کس قدر غیر معمولی اثر پیدا کیا تھا؟ الغرض آپ کا اپنے اہل و عیال کے ساتھ ایسا اعلیٰ سلوک تھا کہ جس کی نظیر تلاش کرنا بے سود ہے!!

دوستوں کے ساتھ سلوک

حضرت مسیح موعودؑ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا دل عطا کیا تھا جو محبت اور وفاداری کے جذبات سے معمور تھا۔ آپ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے کسی محبت کی عمارت کو کھڑا کر کے پھر اس کو گرانے میں کبھی پہل نہ کی۔ ایک صاحب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی آپ کے بچپن کے دوست اور ہم مجلس تھے گو آپ کے دعویٰ مسیحیت

پر آکر انہیں ٹھوکر لگ گئی اور انہوں نے نہ صرف دوستی کے رشتہ کو توڑ دیا بلکہ حضرت مسیح موعودؑ کے اشد ترین مخالفوں میں سے ہو گئے اور آپؑ کے خلاف کفر کا فتویٰ لگانے میں سب سے پہل کی۔ مگر حضرت مسیح موعودؑ کے دل میں آخر وقت تک ان کی دوستی کی یاد زندہ رہی۔ اور گو آپ نے خدا کی خاطر ان سے قطع تعلق کر لیا اور ان کی فتنہ انگیزیوں کے ازالہ کے لئے ان کے اعتراضوں کے جواب میں زوردار مضامین بھی لکھے مگر ان کی دوستی کے زمانہ کو کبھی نہیں بھولے اور ان کے ساتھ قطع تعلق ہو جانے کو ہمیشہ تلخی کے ساتھ یاد رکھا۔ چنانچہ اپنے آخری زمانہ کے اشعار میں مولوی محمد حسین صاحب کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

قَطَعْتَ وَدَادًا قَدْ غَرَسْنَاهُ فِی الصِّبَا وَلَیْسَ فُؤَادِیْ فِی الْوِدَادِ یُقَصِّرُ

یعنی تو نے اس محبت کے درخت کو کاٹ دیا جو ہم دونوں نے مل کر بچپن میں لگایا تھا۔ مگر میرا دل محبت کے معاملہ میں کوتاہی کرنے والا نہیں ہے۔ [۱۱]

دوستی اور وفاداری کے تعلق میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دل حقیقتہً "بے نظیر جذبات کا حامل تھا چنانچہ آپؑ کے مقرب حواری حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ روایت کرتے ہیں کہ۔

"حضرت مسیح موعودؑ نے ایک دن فرمایا۔ میرا یہ مذہب ہے کہ جو شخص عہد دوستی باندھے مجھے اس کی اتنی رعایت ہوتی ہے کہ وہ شخص کیسا ہی کیوں نہ ہو اور کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے میں اس سے قطع تعلق نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر وہ خود قطع تعلق کر دے تو ہم لاچار ہیں۔ ورنہ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اگر ہمارے دوستوں میں سے کسی نے شراب پی ہو اور بازار میں گرا ہوا ہو تو ہم بلا خوف لومہ لائم اسے اٹھا کر لے آئیں گے۔ فرمایا۔ عہد دوستی بڑا قیمتی جوہر ہے اس کو آسانی سے ضائع نہیں کر دینا چاہیے اور دوستوں کی طرف سے کیسی ہی ناگوار بات پیش آئے اس پر اغماض اور تحمل کا طریق اختیار کرنا چاہیے۔" [۱۲]

اس روایت کے متعلق حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک نہایت مخلص صحابی تھے بیان کرتے تھے کہ اس موقعہ پر حضرت مسیح موعودؑ نے یہ بھی فرمایا تھا اگر ایسا شخص شراب میں بے ہوش پڑا ہو تو ہم اسے اٹھا کر لے آئیں گے اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کریں گے اور جب وہ ہوش میں آنے لگے گا تو اس کے پاس سے اٹھ کر چلے جائیں گے تاکہ وہ ہمیں دیکھ کر شرمندہ نہ ہو۔

اپنے دوستوں اور خادموں کے لئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام مجسم عفو و شفقت تھے۔ چنانچہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ اپنی تصنیف "سیرت مسیح موعودؑ" میں لکھتے ہیں۔

"ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ جن دنوں حضرت مسیح موعود اپنی کتاب "آئینہ کمالات اسلام" کا عربی حصہ لکھ رہے تھے حضور نے مولوی نور الدین صاحبؓ (خلیفہ اول) کو ایک بڑا دو ورقہ اس زیر تصنیف کتاب کے مسودہ کا اس غرض سے دیا کہ فارسی میں ترجمہ کرنے کے لئے مجھے پہنچا دیا جائے وہ ایسا مضمون تھا کہ اس خدا داد فصاحت و بلاغت پر حضرت کو ناز تھا۔ مگر مولوی صاحب سے یہ دو ورقہ کہیں گر گیا۔ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مجھے ہر روز کا تازہ عربی مسودہ فارسی ترجمہ کے لئے ارسال فرمایا کرتے تھے اس لئے اس دن غیر معمولی دیر ہونے پر مجھے طبعاً فکر پیدا ہوا اور میں نے مولوی نور الدین صاحب سے ذکر کیا کہ آج حضرت کی طرف سے مضمون نہیں آیا اور کاتب سر پر کھڑا ہے اور دیر ہو رہی ہے معلوم نہیں کیا بات ہے۔ یہ الفاظ میرے منہ سے نکلتے تھے کہ مولوی نور الدین صاحب کا رنگ فق ہو گیا۔ کیونکہ دو ورقہ مولوی صاحب سے کہیں گر گیا تھا۔ بے حد تلاش کی مگر مضمون نہ ملا اور مولوی صاحب سخت پریشان تھے۔ حضرت مسیح موعود کو اطلاع ہوئی تو حسب معمول ہشاش بشاش مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے اور خفا ہونا یا گھبراہٹ کا اظہار کرنا تو درکنار الٹا اپنی طرف سے معذرت فرمانے لگے کہ مولوی صاحب کو مسودہ کے گم ہونے سے ناحق تشویش ہوئی مجھے مولوی صاحب کی تکلیف کی وجہ سے بہت افسوس ہے۔ میرا تو یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے گمشدہ کاغذ سے بہتر مضمون لکھنے کی توفیق عطا فرما دے گا۔"

اس لطیف واقعہ سے ایک طرف حضرت مسیح موعودؑ کے غیر معمولی جذبہ شفقت اور دوسری طرف اپنے آسمانی آقا کی نصرت پر غیر معمولی توکل پر خاص روشنی پڑتی ہے۔ غلطی حضرت مولوی صاحبؓ سے ہوئی تھی کہ ایک قیمتی مسودہ کی پوری حفاظت نہیں کی اور اسے ضائع کر دیا مگر حضرت مسیح موعودؑ کی شفقت کا یہ مقام ہے کہ خود پریشان ہوئے جاتے ہیں اور معذرت فرماتے ہیں کہ مولوی صاحب کو مسودہ گم ہونے سے اتنی تکلیف ہوئی ہے۔ اور پھر توکل کا یہ مقام ہے کہ ایک مضمون کی فصاحت و بلاغت اور اس کے معنوی محاسن پر ناز ہونے کے باوجود اس کے کھوئے جانے پر کس استغناء کے رنگ میں فرماتے ہیں کہ کوئی فکر کی بات نہیں خدا ہمیں اس سے بہتر مضمون عطا فرما دے گا!! یہ شفقت اور توکل اور یہ تحمل خدا کے بندوں کے سوا کسی اور میں پایا جانا ممکن نہیں ہے۔

جب کوئی دوست کچھ عرصہ کی جدائی کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کو ملتا تو اسے دیکھ کر آپ کا چہرہ یوں شگفتہ ہو جاتا تھا جیسے کہ ایک بند کلی اچانک پھول کی صورت میں کھل جائے اور دوستوں کے رخصت ہونے پر آپ کے دل کو از حد صدمہ پہنچتا تھا۔ ایک دفعہ جب آپ نے اپنے بڑے فرزند حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ کے قرآن شریف ختم کرنے پر آمین لکھی اور اس تقریب پر

بعض بیرونی دوستوں کو بھی بلا کر اپنی خوشی میں شریک فرمایا تو اس وقت آپ نے اس آمین میں اپنے دوستوں کے آنے کا بھی ذکر کیا اور پھر ان کے واپس جانے کا خیال کر کے اپنے غم کا بھی اظہار فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

مہماں جو کر کے الفت' آئے بصد محبت دل کو ہوئی ہے فرحت اور جاں کو میری راحت
پر دل کو پہونچے غم جب یاد آئے وقت رخصت یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
دنیا بھی اک سرا ہے بچھڑے گا جو ملا ہے گر سو برس رہا ہے' آخر کو پھر جدا ہے
شکوہ کی کچھ نہیں جا' یہ گھر ہی بے بقا ہے یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی [۱۸]

اوائل میں آپؑ کا قاعدہ تھا کہ آپ اپنے دوستوں اور مہمانوں کے ساتھ مل کر مکان کے مردانہ حصہ میں کھانا تناول فرمایا کرتے تھے اور یہ مجلس اس بے تکلفی کی ہوتی تھی اور ہر قسم کے موضوع پر ایسے غیر رسمی رنگ میں گفتگو کا سلسلہ رہتا تھا کہ گویا ظاہری کھانے کے ساتھ علمی اور روحانی کھانے کا بھی دستر خوان بچھ جاتا تھا۔ ان موقعوں پر آپ ہر مہمان کا خود ذاتی طور پر خیال رکھتے اور اس بات کی نگرانی فرماتے کہ ہر شخص کے سامنے دستر خوان کی ہر چیز پہنچ جاوے۔ عموماً ہر مہمان کے متعلق خود دریافت فرماتے تھے کہ اسے کسی خاص چیز مثلاً دودھ یا چائے پان وغیرہ کی عادت تو نہیں اور پھر حتی الوسع ہر اک کے لئے اس کی عادت کے مطابق ہر چیز مہیا فرماتے۔ جب کوئی خاص دوست قادیان سے جانے لگتا تو آپ عموماً اس کی مشایعت کے لئے ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو میل تک اس کے ساتھ جاتے اور بڑی محبت اور عزت کے ساتھ رخصت کر کے واپس آتے تھے۔

آپ کو یہ بھی خواہش رہتی تھی کہ جو دوست قادیان آئیں وہ حتی الوسیع آپؑ کے پاس آپ کے مکان کے ایک حصہ میں ہی قیام کریں اور فرمایا کرتے تھے کہ زندگی کا اعتبار نہیں جتنا عرصہ پاس رہنے کا موقعہ مل سکے غنیمت سمجھنا چاہیے۔ اس طرح آپؑ کے مکان کا ہر حصہ گویا ایک مستقل مہمان خانہ بن گیا تھا اور کمرہ کمرہ مہمانوں میں بٹا رہتا تھا۔ مگر جگہ کی تنگی کے باوجود آپ اس طرح دوستوں کے ساتھ مل کر رہنے میں انتہائی راحت پاتے تھے۔

ایک بہت شریف اور غریب مزاج احمدی سیٹھی غلام نبی صاحب ہوتے تھے جو رہنے والے تو چکوال کے تھے مگر راولپنڈی میں دوکان کیا کرتے تھے انہوں نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں حضرت مسیح موعودؑ کی ملاقات کے لئے قادیان آیا۔ سردی کا موسم تھا اور کچھ بارش بھی ہو رہی تھی۔ میں شام کے وقت قادیان پہنچا۔ رات کو جب میں کھانا کھا کر لیٹ گیا اور کافی رات گزر گئی اور قریباً بارہ بجے کا وقت ہو گیا تو کسی نے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دی میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو حضرت مسیح

موعودؑ کھڑے تھے۔ ایک ہاتھ میں گرم دودھ کا گلاس تھا اور دوسرے ہاتھ میں لالٹین تھی۔ میں حضورؑ کو دیکھ کر گھبرا گیا مگر حضور نے بڑی شفقت سے فرمایا کہیں سے دودھ آگیا تھا میں نے کہا آپ کو دے آؤں۔ آپ یہ دودھ پی لیں آپ کو شاید دودھ کی عادت ہوگی۔ سیٹھی صاحب کہا کرتے تھے کہ میری آنکھوں میں آنسو امڈ آئے کہ سبحان اللہ کیا اخلاق ہیں! یہ خدا کا برگزیدہ مسیح اپنے ادنیٰ خادموں تک کی خدمت اور دلداری میں کتنی لذت پاتا ہے اور کتنی تکلیف اٹھاتا ہے!!

حضرت مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کا ذکر اوپر آچکا ہے وہ بہت ممتاز صحابہ میں سے تھے اور انہیں حضرت مسیح موعودؑ کی قریب کی صحبت کا بہت لمبا موقعہ میسر آیا تھا وہ بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ گرمی کا موسم تھا اور حضرت مسیح موعودؑ کے اہل خانہ لدھیانہ گئے ہوئے تھے میں حضورؑ کو ملنے اندرون خانہ گیا۔ کمرہ نیا نیا بنا تھا اور ٹھنڈا تھا۔ میں ایک چارپائی پر ذرا لیٹ گیا اور مجھے نیند آگئی۔ حضورؑ اس وقت کچھ تصنیف فرماتے ہوئے ٹہل رہے تھے۔ میں چونک کر جاگا تو دیکھا کہ حضرت مسیح موعودؑ میری چارپائی کے پاس نیچے فرش پر لیٹے ہوئے تھے۔ میں گھبرا کر ادب سے کھڑا ہو گیا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بڑی محبت سے پوچھا۔ مولوی صاب! آپ کیوں اٹھ بیٹھے؟ میں نے عرض کیا حضور نیچے لیٹے ہوئے ہیں میں اوپر کیسے سو سکتا ہوں؟ مسکرا کر فرمایا۔ آپ بے تکلفی سے لیٹے رہیں میں تو آپ کا پہرہ دے رہا تھا۔ بچے شور کرتے تھے تو میں انہیں روکتا تھا تاکہ آپ کی نیند میں خلل نہ آئے۔ اللہ اللہ۔ شفقت کا کیا عالم تھا!! [۹]

دلداری اور غریب نوازی کا ایک اور واقعہ بھی بہت پیارا اور نہایت ایمان افروز ہے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مغرب کی نماز کے بعد مسجد مبارک قادیان کی اوپر کی چھت پر چند مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانے کے انتظار میں تشریف فرما تھے۔ اس وقت ایک احمدی دوست میاں نظام دین صاحب ساکن لدھیانہ جو بہت غریب آدمی تھے اور ان کے کپڑے بھی پھٹے پرانے تھے حضورؑ سے چار پانچ آدمیوں کے فاصلہ پر بیٹھے تھے۔ اتنے میں چند معزز مہمان آکر حضور کے قریب بیٹھتے گئے اور ان کی وجہ سے ہر دفعہ میاں نظام دین کو پرے ہٹنا پڑا۔ حتیٰ کہ وہ ہٹتے ہٹتے جوتیوں کی جگہ پر پہنچ گئے۔ اتنے میں کھانا آیا تو حضورؑ نے جو یہ سارا نظام دیکھ رہے تھے ایک سالن کا پیالہ اور کچھ روٹیاں ہاتھ میں اٹھا لیں اور میاں نظام دین سے مخاطب ہو کر فرمایا "آؤ میاں نظام دین ہم اور آپ اندر بیٹھ کر کھانا کھائیں۔" یہ فرما کر حضورؑ مسجد کے ساتھ والی کوٹھڑی میں تشریف لے گئے اور حضورؑ نے اور میاں نظام دین نے کوٹھڑی کے اندر اکٹھے بیٹھ کر ایک ہی پیالہ میں کھانا کھایا۔ اس وقت میاں نظام دین خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے اور جو لوگ میاں نظام دین کو عملاً پرے دھکیل کر حضرت مسیح موعودؑ کے قریب بیٹھ

گئے تھے وہ شرم سے کٹے جاتے تھے۔

دشمنوں کے ساتھ سلوک

قرآن شریف فرماتے ہے لا یجر منکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھوا قرب للتقوی۔ (الحجرات) یعنی اے مسلمانو چاہیے کہ کسی قوم یا فرقہ کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان کے معاملہ میں عدل و انصاف کا طریق ترک کردو بلکہ تمہیں ہر حال میں ہر فریق اور ہر شخص کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرنا چاہیے۔ قرآن شریف کی یہ زریں تعلیم حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی کا نمایاں اصول تھی۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں کسی شخص کی ذات سے عداوت نہیں بلکہ جھوٹے اور گندے خیالات سے دشمنی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"میں تمام مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں اور آریوں پر یہ بات ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا میں کوئی میرا دشمن نہیں ہے۔ میں بنی نوع انسان سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ جیسے ایک والدہ مہربان اپنے بچوں سے کرتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر۔ میں صرف ان باطل عقائد کا دشمن ہوں جن سے سچائی کا خون ہوتا ہے۔ انسان کی ہمدردی میرا فرض ہے اور جھوٹ اور شرک اور ظلم اور ہر ایک بد عملی اور بد اخلاقی سے بیزاری میرا اصول۔" [20]

یہ ایک محض زبانی دعویٰ نہیں تھا بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ آپؑ کی زندگی کا ہر لمحہ مخلوق خدا کی ہمدردی میں گزرتا تھا اور دیکھنے والے حیران ہوتے تھے کہ خدا کا یہ بندہ کیسے ارفع اخلاق کا مالک ہے کہ اپنے دشمنوں تک کے لئے حقیقی ماؤں کی سی تڑپ رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ جو آپ کے مکان ہی کے ایک حصہ میں رہتے تھے اور بڑے ذہین اور نکتہ رس بزرگ تھے۔ روایت کرتے ہیں کہ جن دنوں پنجاب میں طاعون کا دور دورہ تھا اور بے شمار آدمی ایک ایک دن میں اس موذی مرض کا شکار ہو رہے تھے انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو علیحدگی میں دعا کرتے سنا اور یہ نظارہ دیکھ کر محو حیرت ہو گئے۔ حضرت مولوی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

"اس دعا میں آپ کی آواز میں اس قدر درد اور سوزش تھی کہ سننے والے کا پتہ پانی ہوتا تھا اور آپؑ اس طرح آستانہ الٰہی پر گریہ وزاری کر رہے تھے کہ جیسے کوئی عورت دردزہ سے بیقرار ہو۔ میں نے غور سے سنا تو آپ مخلوق خدا کے واسطے طاعون سے نجات کے لئے دعا فرمارہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ الٰہی! اگر یہ لوگ طاعون کے عذاب سے ہلاک ہو گئے تو پھر تیری عبادت کون کرے گا۔" [21]

قادیان کے بعض آریہ سماج حضرت مسیح موعودؑ کے سخت مخالف تھے اور آپ کے خلاف ناپاک پراپیگنڈے میں حصہ لیتے رہتے تھے مگر جب بھی انہیں کوئی تکلیف پیش آتی یا کوئی بیماری لاحق ہوتی تو

وہ اپنی کارروائیوں کو بھول کر آپؑ کے پاس دوڑے آتے اور آپ ہمیشہ ان کے ساتھ نہایت درجہ ہمدردانہ اور محسنانہ سلوک کرتے اور ان کی امداد میں دلی خوشی پاتے۔ چنانچہ ایک صاحب قادیان میں لالہ بڈھامل ہوتے تھے جو حضرت مسیح موعودؑ کے سخت مخالف تھے۔ جب قادیان میں منارۃ المسیح بننے لگا تو ان لوگوں نے حکام سے شکایت کی۔ اس پر ایک مقامی افسر یہاں آیا اور اس کی معیت میں لالہ بڈھامل اور بعض دوسرے مقامی ہندو اور غیر احمدی اصحاب حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ گفتگو کے دوران میں آپؑ نے اس افسر سے فرمایا کہ اب یہ لالہ بڈھامل صاحب ہیں۔ آپ ان سے پوچھئے کہ کیا کبھی کوئی موقعہ ایسا آیا ہے کہ جب یہ مجھے کوئی نقصان پہنچا سکتے ہوں اور انہوں نے اس موقعہ کو خالی جانے دیا ہو۔ اور پھر انہی سے پوچھئے کہ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ انہیں فائدہ پہنچانے کا کوئی موقعہ مجھے ملا ہو اور میں نے اس سے دریغ کیا ہو؟ حضرت مسیح موعودؑ کی اس گفتگو کے وقت لالہ بڈھامل اپنا سر نیچے ڈالے بیٹھے رہے اور آپؑ کے جواب میں ایک لفظ تک منہ پر نہیں لا سکے۔

دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں بلا امتیاز قوم و ملت بنی نوع انسان کی ہمدردی اور دلداری کا جذبہ اس طرح کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کہ وہ ایک پہاڑی چشمہ کی طرح جو اوپر سے نیچے کو بہتا ہے ہمیشہ اپنے طبعی بہاؤ میں زور کے ساتھ بہتا چلا جاتا تھا۔ حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی مرحوم جو حضرت مسیح موعودؑ کے ایک بہت پرانے اور مقرب صحابی تھے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ منی پور آسام کے دور دراز علاقہ سے دو (غیر احمدی) مہمان حضرت مسیح موعودؑ کا نام سن کر حضور کو ملنے کے لئے قادیان آئے اور مہمان خانہ کے پاس پہنچ کر لنگر خانہ کے خادموں کو اپنا سامان اتارنے اور چارپائی بچھانے کو کہا لیکن ان خدام کو اس طرف فوری توجہ نہ ہوئی اور وہ ان مہمانوں کو یہ کہہ کر دوسری طرف چلے گئے کہ آپ یکہ سے سامان اتار دیں چارپائی بھی آجائے گی۔ ان تھکے ماندے مہمانوں کو یہ جواب ناگوار گزرا اور وہ رنجیدہ ہو کر اسی وقت بٹالہ کی طرف واپس روانہ ہو گئے۔ مگر جب حضورؑ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو حضور نہایت جلدی ایسی حالت میں کہ جوتا پہننا بھی مشکل ہو گیا ان کے پیچھے بٹالہ کے رستہ پر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چل پڑے چند خدام بھی ساتھ ہو گئے حضورؑ اس وقت اتنی تیزی کے ساتھ ان کے پیچھے گئے کہ قادیان سے دو اڑھائی میل پر نہر کے پل کے پاس انہیں جالیا اور بڑی محبت اور معذرت کے ساتھ اصرار کیا کہ واپس چلیں اور فرمایا آپ کے واپس چلے آنے سے مجھے بہت تکلیف ہوئی ہے۔ آپ یکہ پر سوار ہو جائیں میں آپ کے ساتھ پیدل چلوں گا مگر وہ احترام اور شرمندگی کی وجہ سے سوار نہ ہو سکے اور حضور انہیں اپنے ساتھ لے کر قادیان واپس آگئے اور مہمان خانہ میں پہنچ کر ان کا سامان اتارنے کے لئے حضور نے خود اپنا ہاتھ یکہ کی طرف

بڑھایا مگر خدام نے آگے بڑھ کر سامان اتار لیا۔ اس کے بعد حضورؑ ان کے پاس محبت اور دلداری کی گفتگو فرماتے رہے اور کھانے وغیرہ کے متعلق بھی پوچھا کہ آپ کیا کھانا پسند کرتے ہیں اور کسی خاص کھانے کی عادت تو نہیں؟ اور جب تک کھانا نہ آیا حضرتؑ ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے بڑی شفقت کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ دوسرے دن جب یہ مہمان واپس روانہ ہونے لگے تو حضورؑ نے دودھ کے دو گلاس منگوا کر ان کے سامنے بڑی محبت کے ساتھ پیش کئے اور پھر دو اڑھائی میل پیدل چل کر بٹالہ کے رستہ والی نہر تک چھوڑنے کے لئے ان کے ساتھ گئے اور اپنے یکہ پر سوار کرا کے واپس تشریف لائے۔ ۲۲

الغرض حضرت مسیح موعودؑ کا وجود ایک رحمت تھا۔ وہ رحمت تھا اپنے عزیزوں کے لئے اور رحمت تھا اپنے دوستوں کے لئے اور رحمت تھا اپنے ہمسائیوں کے لئے اور رحمت تھا اپنے خادموں کے لئے اور رحمت تھا سائلوں کے لئے اور رحمت تھا عامۃ الناس کے لئے اور دنیا کا کوئی چھوٹا یا بڑا طبقہ ایسا نہیں ہے جس کے لئے اس نے رحمت اور شفقت کے پھول نہ بکھیرے ہوں بلکہ میں کہتا ہوں وہ رحمت تھا اسلام کے لئے جس کی خدمت اور اشاعت کے لئے اس نے انتہائی فدائیت کے رنگ میں اپنی زندگی کی ہر گھڑی اور اپنی جان تک قربان کر رکھی تھی۔

حضرت مسیح موعودؑ کے اخلاق و شمائل پر ایک جامع نوٹ

بالآخر ایک جامع نوٹ پر اس مقالہ کو ختم کرتا ہوں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم نے حضرت مسیح موعودؑ کے اخلاق و اوصاف کے متعلق ایک مضمون لکھا تھا اس مضمون میں فرماتے ہیں۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اخلاق میں کامل تھے یعنی آپ نہایت رؤف رحیم تھے۔ سخی تھے۔ مہمان نواز تھے۔ اشجع الناس تھے۔ ابتلاؤں کے وقت جب لوگوں کے دل بیٹھے جاتے تھے آپ شیر نر کی طرح آگے بڑھتے گئے۔ عفو۔ چشم پوشی۔ فیاضی۔ دیانت۔ خاکساری۔ صبر۔ شکر۔ استغناء۔ حیا۔ غض بصر۔ عفت۔ قناعت۔ وفاداری۔ بے تکلفی۔ سادگی۔ شفقت۔ ادب الٰہی۔ ادب رسول و بزرگان دین۔ حلم۔ میانہ روی۔ ادائیگی حقوق۔ ایفائے عہد۔ چستی۔ ہمدردی۔ اشاعت دین۔ تربیت۔ حسن معاشرت۔ مال کی نگہداشت۔ وقار۔ طہارت۔ زندہ دلی اور مزاح۔ رازداری۔ غیرت۔ احسان۔ حفظ مراتب۔ حسن ظنی۔ ہمت۔ اولوالعزمی۔ خودداری۔ خوشروئی اور کشادہ پیشانی۔ کظم غیظ۔ کف ید و کف لسان۔ ایثار۔ معمور الاوقات ہونا۔ انتظام۔ اشاعت علم و معرفت۔ خدا اور اس کے رسول کا عشق۔ کامل اتباع رسول۔ یہ مختصراً آپؑ کے اخلاق و عادات تھے۔

آپ میں ایک مقناطیسی جذب تھا۔ ایک عجیب کشش تھی۔ رعب تھا۔ برکت تھی۔ موانست تھی۔ بات میں اثر تھا۔ دعامیں قبولیت تھی۔ خدام پروانہ دار حلقہ باندھ کر آپ کے پاس بیٹھتے تھے اور دلوں سے زنگ خودبخود دھلتا جاتا تھا۔ غرض یہ کہ آپؑ نے اخلاق کا وہ پہلو دنیا کے سامنے پیش کیا جو معجزانہ تھا۔ سراپا حسن تھے۔ سراسر احسان تھے۔ اور اگر کسی شخص کا مثیل آپ کو کہا جا سکتا ہے تو وہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہے وبس۔

آپ کے اخلاق کے اس بیان کے وقت قریباً ہر خلق کے متعلق میں نے دیکھا کہ میں اس کی مثال بیان کر سکتا ہوں۔ یہ نہیں کہ میں نے یونہی کہہ دیا ہے میں نے آپ کو اس وقت دیکھا جب میں دو برس کا بچہ تھا۔ پھر آپ میری ان آنکھوں سے اس وقت غائب ہوئے جب میں ۲۷ سال کا جوان تھا۔ مگر میں خدا کی قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ میں نے آپؑ سے بہتر آپ سے زیادہ خلیق آپ سے زیادہ نیک آپ سے زیادہ بزرگ۔ آپ سے زیادہ اللہ اور رسول کی محبت میں غرق کوئی شخص نہیں دیکھا۔ آپ ایک نور تھے جو انسانوں کے لئے دنیا پر ظاہر ہوا۔ اور ایک رحمت کی بارش تھے جو ایمان کی لمبی خشک سالی کے بعد اس زمین پر برسی اور اسے شاداب کر گئی۔ اگر حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کی نسبت یہ بات سچی کہی تھی کہ "کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنُ" تو ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت اسی طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ۔ کَانَ خُلُقُہُ حُبَّ مُحَمَّدٍ وَّ اتِّبَاعِہٖ۔ "عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ"

حواشی

۱- یہ باب اول سے آخر تک حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کی مقدس تحریرات (مندرجہ سلسلہ احمدیہ در منشور سیرت طیبہ در مکنون اور سیرت المہدی حصہ اول تا سوم) سے ماخوذ ہے اور حضرت صاحبزادہ صاحبؓ ہی کے مبارک الفاظ میں ہے
۲- قمری لحاظ سے ۷۵ سال ۶ ماہ دس دن (ولادت ۱۴ شوال ۱۲۵۰ھ وفات ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ
۳- تجلیات الٰہیہ
۴- اشتہار ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء
۵- ازالہ اوہام
۶- قادیان کے آریہ اور ہم مصنفہ ۱۹۰۷ء
۷- روایات حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ
۸- روایات حضرت سیدہ نواب مبارک بیگم صاحبہ
۹- روایات میاں عبدالعزیز صاحب مغل مرحوم
۱۰- سراج منیر
۱۱- تتمہ حقیقتہ الوحی
۱۲- غیر احمدی اخبار "کرزن گزٹ" دہلی
۱۳- تذکرہ صفحہ ۳۶۶ (طبع اول) صفحہ ۴۰۱ (طبع دوم)
۱۴- کشتی نوح
۱۵- در ثمین اردو
۱۶- براہین احمدیہ حصہ پنجم ۱۹۰۵ء
۱۷- سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۴۶
۱۸- در ثمین اردو
۱۹- سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۳۶
۲۰- اربعین نمبر ا صفحہ ۲
۲۱- سیرت مسیح موعود شمائل و اخلاق حصہ سوم صفحہ ۳۹۵ مئولفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ
۲۲- اصحاب احمد جلد چہارم مولفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے درویش قادیان۔

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا
ایک ایمان افروز مکتوب

(مولف کتاب "تاریخ احمدیت" کے نام)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا کی خدمت میں راقم الحروف نے ایک عریضہ لکھا تھا جس میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے مقام وصال کا ایک نقشہ بھی بغرض نظر ثانی ارسال کیا نیز درخواست کی کہ "تاریخ احمدیت" حصہ چہارم کے لئے مواد فراہم کیا جا رہا ہے ازراہ شفقت "شعبہ تاریخ احمدیت" کو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے حالات سے نواز کر ممنون فرمائیں۔

حضرت سیدہ موصوفہ نے اس خط کے جواب میں اپنے قلم سے ایک نہایت معلومات افروز مکتوب ارسال فرمایا جس کا متن درج ذیل کیا جاتا ہے:

پام ویو ۵ ڈیوس روڈ لاہور
۱۹/ جون ۶۲ء

برادرم مکرم سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم۔ آپ کا خط ملا تھا۔ میری صحت کچھ عرصہ سے ٹھیک نہیں جو جواب نہ دے سکی۔

اس مکان کا نقشہ اور ایک ایک جگہ مجھے خوب یاد ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آخری سفر لاہور میں قیام فرمایا اور جہاں آپ کا وصال ہوا۔ مگر نقشہ ٹھیک تحریر نہیں کر سکتی کسی وقت ربوہ آنے پر حضرت منجھلے بھائی صاحب کے سامنے آپ کو بتلا سکتی ہوں ان شاء اللہ۔

جہاں کیلوں والی سڑک پر ہماری گاڑی کھڑی ہوتی تھی جنوب کی جانب وہاں لکڑی کی سیڑھی چڑھ کر ہم اوپر جاتے تھے اور داخل ہوتے ہی سامنے جو دو کمرے تھے ان میں دائیں ہاتھ کے کمرے میں حضرت اقدس کا دن میں قیام رہتا تھا اور دوسرا کمرہ جس میں آخری وقت چارپائی تھی یہ خالی تھا مگر اس میں آپ ٹہلتے بھی تھے اور گذرگاہ یہی تھا اس سے صحن میں جانا ہوتا تھا باہر سے آکر بھی اسی کمرے میں سے گذرنے کا راستہ تھا۔ نقشہ میں چارپائی کی جگہ بالکل ٹھیک ہے مگر ذرا نیچے ہٹ کر تھی یعنی صحن کی جانب دیوار سے قریب لیکن کمرہ کے وسط میں قریباً اسی کمرہ کے سرہانے کی جانب (مغرب میں) ایک

چھوٹے چھوٹے کمروں کا سلسلہ تھا دو تین یا شاید چار ہوں ان میں حضرت بڑے بھائی صاحب اور منجھلے بھائی صاحب وغیرہ رہتے تھے۔ ان کے سامنے چھجے بھی تھے ایک دو نقشہ میں جو کمرہ ہے جس میں چارپائی آپ کی وقت وصال دکھائی ہے اسی کے ساتھ صحن میں آپ رات کو سوتے تھے اور کمرے کے قریب کے رخ پلنگ تھا جس وقت آپ علیل ہوئے۔ صحن سے ہی راستہ جاتا تھا جہاں سے آپ نیچے نماز کو تشریف لے جاتے تھے اسی راستہ کے دائیں ہاتھ پر کمرے تھے جن میں حضرت خلیفہ اولؓ اور پیر منظور محمد صاحب رہتے تھے۔

اگر کوئی مجھے اس گھر میں اسی رخ لے جائے اور وہ صحن وہ کمرے اسی حالت میں ہوں تو ایک ایک جگہ ٹھیک بتا سکتی ہوں۔ آپ صحن میں بستر پر بیٹھ کر آخری شام دیر تک مضمون لکھتے رہے تھے۔ آپ کے چہرہ مبارک پر ایک خاص جوش اور ایک خاص سرخی تھی اور قلم معمول سے زیادہ تر تیز تھا مجھے اس وقت آپ کے بیٹھ کر اس انہاک اور تیزی سے لکھنے پر اپنا خواب یاد آیا تھا۔ جو میں آپ کو سنا چکی تھی اور وہم آیا جس کو بار بار دل سے دور کرنے کی کوشش کی تھی یہی خیال آتا تھا کہ اس خواب میں آپ اسی طرح بستر پر بیٹھے اسی رنگ میں لکھ رہے تھے۔ میں نے لاہور آنے سے کچھ عرصہ ہی پہلے خواب دیکھا تھا کہ میں نیچے اپنے صحن میں ہوں اور گول کمرہ کی طرف جاتی ہوں تو وہاں بہت لوگ ہیں جیسے کوئی خاص مجلس ہو مولوی عبدالکریم صاحبؓ دروازے کے پاس آئے اور مجھے کہا بی بی جاؤ ابا سے کہو کہ رسول کریم (ﷺ) اور صحابہ تشریف لے آئے ہیں آپ کو بلاتے ہیں میں اوپر گئی اور دیکھا کہ پلنگ پر بیٹھے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بہت تیزی سے لکھ رہے ہیں اور ایک خاص کیفیت آپ کے چہرہ پر ہے پرنور اور پر جوش میں نے کہا کہ ابا مولوی عبدالکریم کہتے ہیں رسول کریمؐ صحابہؓ کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں۔ آپ نے لکھتے لکھتے نظر اٹھائی اور مجھے کہا کہ جاؤ کہو "یہ مضمون ختم ہوا اور میں آیا" ٹھیک یہی الفاظ تھے اور وہی نظارا میری آنکھوں میں اس آخری شام کو پھر گیا۔

بس اب زیادہ لکھا نہیں جا رہا جو ہو سکا لکھ دوں گی یا جو کچھ مجھے یاد ہے حضرت خلیفہ اول کے متعلق زبانی بتا دوں گی انشاءاللہ ضرور۔

فقط مبارکہ

اشاریہ جلد۲

(مرتبہ:- ریاض محمود باجوہ شاہد)

اسماء	صفحہ	۳ تا ۲۳
مقامات	صفحہ	۲۵ تا ۳۲
کتابیات	صفحہ	۳۳ تا ۴۰

اسماء

آ

آتمارام، لالہ ۲۸۷، ۲۹۱، ۲۹۳، ۳۰۷
آثم، عبداللہ ۴۰، ۴۲، ۴۳
آرنیل، مسٹر ۴۱، ۲۷۵، ۲۸۵
آصفہ مسعودہ بیگم ۵۱۶
آل حسن قنوجی، مولوی سید ۱۵۰
آنسہ بیگم، سیدہ ۴۴۷
آئی سی ایس، چوہدری ۳۰۸

ا

ابن خلدون ۱۱۴
ابن سعود، سلطان ۲۱۴
ابن طولون ۱۱۴
ابن قیم، امام ۱۵۰
ابواسحاق محمد دین ۲۱۹
ابوالاعلیٰ مودودی ۱۱۰، ۲۳۹
ابوالحسن بزدار، مولوی ۱۶۱
ابوالحسن تبتی ۲۷، ۲۸
ابوالحسن عبدالکریم ۴۸۰
ابوالحسن علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش ۱۵۶
ابوالحسن قدسی، سید ۳۳۲، ۳۳۴
ابوالحسن محمد اسماعیل ۳۸
ابوالکلام آزاد ۷۶، ۱۰۸، ۳۸۸تا۳۹۱، ۳۹۶
۵۴۹، ۵۵۴، ۵۶۰، ۵۷۰
ابوالفداء اسماعیل بن عمرو دمشقی ۱۵۰
ابوالمنذر نور الحق ۳۴۶
ابوالنصر آہ، مولانا ۳۸۸تا۳۹۱، ۳۹۶
ابوالہاشم خاں، خان بہادر ۲۱
ابوجعفر طبری، امام ۱۵۰
ابوسعید عرب ۵۰۱
ابوبکر صدیقؓ ۱۷۳، ۴۴۲، ۵۰۵
ابویوسف، سیٹھ ۲۲۶، ۵۱۴
ابومحمد زبیر غلام رسول ۳۵
ابومحمد عبدالحق، مولوی ۴۱۶
ابویحییٰ محمد، مولوی ۴۶۷

ابویوسف محمد مبارک علی سیالکوٹی ۲۲۰، ۳۰۳، ۴۱۱، ۵۱۰

اچھر چند ۴۸۳تا۴۸۵

احمد اللہ امرتسری ۳۰، ۳۱، ۳۵، ۵۱

احمد اللہ ناگپوری، حافظ ۴

احمد بخش، میاں ۲۳۸

احمد دین، چوہدری۔ گجرات ۴۴۵

احمد دین امرتسری، خواجہ ۲۳۸

احمد دین لدھیانوی، منشی ۲۹۱

احمد رضا خاں بریلوی ۱۰۱

احمد سرہندی، شیخ ۴۲۴

احمد شاہ ابدالی ۵۲۷

احمد شاہ شائق ۹

احمد علی آف پیلوواں نزد مد ۲۲۷

احمد مسیح، پادری ۳۶۸، ۳۶۹

احمد مسیح، مولوی۔ دلی ۹۰

احمد نور کابلی ۳۱۵، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۳۲، ۵۶۹

اروڑا خاں کپورتھلوی، منشی ۴۲۳

اسکاٹ، پادری ۳۶۹، ۳۷۳

اسمٰعیل، راجہ ۲۳

اسمٰعیل آدم، سیٹھ ۳۸۹، ۳۹۷

اسمٰعیل شہید، مولانا ۱۰۱

اسمٰعیل علی گڑھی، مولوی ۱۴۴، ۴۹۰، ۴۹۱

اسماء چندہ دہندگان برائے منارۃ المسیح ۱۲۲تا۱۲۴

اصغر علی، مولوی ۲۳۰

اصغر علی حسین۔ گوڑ گانواں ۶۲

اطہر احمد، مرزا ۲۲۵

اعظم یار جنگ، نواب ۱۰۱

افتخار احمد، پیر ۲۱۳

افضل بیگ، مرزا ۶۲، ۱۸۰

افضل حق، چوہدری۔ مفکر احرار ۵۷۲

اکبر شاہ خان نجیب آبادی ۴۹۸، ۵۰۴، ۵۰۸، ۵۶۹

اللہ بخش، چوہدری ۵۰

اللہ رکھا عبد الرحمان مدراسی، سیٹھ ۴۴، ۱۸۰، ۲۰۷، ۲۱۳، ۴۲۲، ۴۴۲، ۴۷۲، ۴۷۳

الٰہی بخش اکونٹنٹ ۱۸تا۲۰، ۵۹، ۱۴۹، ۱۹۱، ۲۰۷، ۴۸۰

امام الدین سیکھوانی، میاں ۶۵، ۶۸، ۲۱۳

امام بخش، منشی ۴۱۶

امام دین، مرزا ۷۱، ۷۳، ۷۵، ۸۰، ۸۱، ۲۱۵

امام دین، منشی۔ لمبا گاؤں ۳۷۹

امام دین قادیانی، میاں ۱۱۷
امان اللہ خان، سردار ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۹۴
امۃ الباری ۴۷۵
امۃ الباسط ۲۲۵
امۃ الجمیل ۲۲۶
امۃ الحفیظ بیگم، نواب ۳۴۸
امۃ الحکیم بیگم ۲۲۵
امۃ الحمید بیگم اہلیہ نواب محمد علی خان ۴۷۴
امۃ الحمید بیگم بنت مرزا بشیراحمد ایم۔ اے ۲۲۳
امۃ الحی بیگم ۲۲۵
امۃ الرشید بیگم ۲۲۵
امۃ الرفیق، سیدہ ۴۷۱
امۃ السلام بیگم ۲۲۳
امۃ السمیع ۴۷۱
امۃ القدوس ۴۷۱
امۃ القیوم بیگم ۲۲۵
امۃ اللطیف بیگم ۲۲۳
امۃ اللہ، سیدہ ۴۷۱
امۃ المتین، سیدہ ۲۲۶
امۃ المجید بیگم ۲۲۳
امۃ النصیر، صاحبزادی۔ بنت حضرت مسیح موعود ۲۷۴
امۃ النصیر بیگم بنت حضرت مصلح موعود ۲۲۶
امۃ الوحید بیگم ۴۷۵
امۃ الودود ۴۷۵
امۃ الہادی، سیدہ ۴۷۱
امیر حسین، قاضی ۴، ۴۱۳، ۵۱۱
امیر علی شاہ سید ۲۱۳، ۵۱۴
امین احمد، سید ۴۷۱
انشاء اللہ خان، مولوی ۴۱۴تا۴۱۶
انگسن ہملٹن ۱۸۲، ۳۴۴
ایڈمنڈ، ای۔ پادری ۹۸
ایشور کور، رانی ۴۴
ایوب بیگ، مرزا ۴

ب

بارڈون، مس ۵۱۹
باقی باللہ، خواجہ ۴۲۴
بانسر، مسٹر ۵۱۹
بڈھامل، لالہ ۵۹۵
براؤن، ڈبلیو۔ وکیل ۴۰، ۴۹
برکات احمد راجیکی، مولوی ۸۸، ۲۲۱

برکت علی، چوہدری۔ گڑھ شنکر ۲۵۶، ۲۵۹
برکت علی خاں، سید۔ رئیس لاہور ۱۳۵
برکت علی شملوی، منشی ۱۷۰، ۱۹۷، ۱۹۸
برہان الدین جہلمی، مولانا ۳۹۸، ۳۹۹
۴۰۹تا۴۱۲، ۴۱۹
برہم دت، مسٹر ۵۳۶
بشارت احمد، ڈاکٹر ۴۷، ۱۱۹، ۲۵۶، ۲۵۹
بشریٰ بیگم، سیدہ (مہر آپا) ۲۲۶
بشریٰ بیگم بنت سید میر محمد اسحاق صاحب ۴۴۷
بشن سنگھ، گورو ۵۱۵
بشیر احمد ایم۔ اے، مرزا ۵، ۶۶، ۸۶، ۱۹۴، ۲۰۱
۲۱۲، ۲۲۲، ۳۸۰، ۴۳۰، ۵۰۱، ۵۲۶، ۵۴۱، ۵۴۵، ۵۶۹
بشیر الدین محمود احمد، مرزا۔ المصلح الموعود ۱
۳تا۵، ۴۵، ۱۷۰، ۲۲۳تا۲۲۵، ۲۹۶، ۴۱۳، ۴۱۸، ۴۲۳
۴۲۵، ۴۴۲، ۴۴۷، ۴۵۷، ۴۹۴، ۵۰۱، ۵۰۴، ۵۰۸
۵۱۷، ۵۴۱، ۵۴۸، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۶۹، ۵۸۰، ۵۹۱
بوڑے خاں، ڈاکٹر ۸
بوزینب بیگم ۴۷۴، ۴۷۵
بوعلی سینا ۲۷۳
بیکر کار، سی۔ ڈی۔ ٹی ۲۵۷
بھگت رام ۳۸۳تا۳۸۵
بھگوان داس، ملک ۴

پ

پاور۔ پادری ہگٹ کا بیٹا ۲۵۸
پریس۔ پادری ہگٹ کی بیوی ۲۵۷، ۲۵۸
ہگٹ، پادری ۲۴۰، ۲۵۲، ۲۵۴تا۲۵۸
پیلاطوس ۴۳، ۹۶

ت۔ ٹ۔ ث

تاج دین۔ تحصیلدار بٹالہ ۲۲
تاج دین لاہوری، منشی ۱۳۶، ۱۴۹، ۱۶۶، ۱۸۰، ۲۱۳
تلطف حسین، مولوی ۴۱۶
تیمور، امیر ۱۱۴
تیمور، شیخ ۱۶۰، ۱۶۱
تسلسل ۴۱۶
ثناء اللہ امرتسری، مولوی ۹۱، ۱۰۷، ۱۵۰
۲۲۶تا۲۳۱، ۲۷۰تا۲۷۲، ۲۸۰، ۲۸۹، ۴۶۲، ۴۶۳
۴۸۶تا۴۹۰، ۴۹۳، ۵۵۳

ج

جارج الفریڈ لیفرائے ۸۹تا۹۶، ۴۶۸
جارج پنجم ۴۴۹

جارج ٹرنر ۵۱۹
جان مارلے ۴۴۸، ۴۴۹
جان مرے ڈوئی ۲۴۶
جان ہار ٹلے ۲۴۸
جلال الدین، رانا۔ انسپکٹر پولیس ۳۷، ۵۱
جلال الدین سیوطی ؒ ۱۱۵، ۱۲۶، ۱۵۰
جمال الدین بی۔ اے، خواجہ ۱۵، ۵۱۷
جمال الدین، مولوی۔ سیدوالہ ۳۹۹
جمال الدین سیکھوانی، میاں ۴۴، ۶۴، ۶۵، ۶۸، ۸۷، ۲۱۳، ۴۲۲
جمیل سنگھ، سردار ۴۴
جوتی پرشاد، لالہ ۶۲
جہان خاں، میاں ۵۳۲
جہانگیر، بادشاہ ۵۸۰
جیمز ولسن، سر ۵۱۷
جیمل۔ ڈوئی کالڑکا ۲۴۸

چ

چٹو لاہوری، میاں ۱۴۲
چراغ الدین جمونی ۴۵۹، ۴۷۹
چراغ دین، میاں رئیس لاہور ۲۶۸، ۳۱۵، ۳۴۹، ۵۱۶
چراغ دین کلرک، میاں ۱۴۲
چراغ علی، مولوی ۳۹۳
چرنجیو بھاردواج، ڈاکٹر ۵۰۰
چمن بادشاہ، سید ۱۵۷
چندولال، لالہ۔ مجسٹریٹ ۲۷۹، ۲۸۱، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۹۰، ۲۹۳، ۲۹۸، ۳۰۶

ح

حامد شاہ سیالکوٹی، میر ۱۷، ۱۸۰، ۲۱۳، ۳۴۲، ۴۴۲، ۴۹۹، ۵۶۹
حاکم علی، چوہدری۔ چک ۹ پنیار ۷۱، ۷۲
حامد علی، شیخ۔ تھہ غلام نبی ۱۹، ۲۱۳، ۲۸۳، ۴۲۲
حبیب الرحمٰن ۴۱۵
حبیب الرحمٰن، شیخ ۵۸
حبیب الرحمٰن، ملک ۲۳
حبیب اللہ، قاضی۔ لاہور ۱۹۸
حبیب اللہ خاں، میر ۳۱۲، ۳۲۹، ۳۳۶، ۳۳۷، ۴۰۷
حسام الدین سیالکوٹی، میر ۱۱۶، ۳۶۴، ۳۶۵
حسن، امام ۴۴۳
حسن حیدر آبادی، شیخ سیٹھ ۶۵
حسن دین سنار ۳۷۹
حسن نظامی، خواجہ ۴۲۵، ۴۳۲، ۵۵۴، ۵۷۱

حسین، امام ۲، ۱۴۲، ۴۴۲ تا ۴۴۴
حسین احمد مدنی ۱۰۸
حسین علی، مرزا۔ بہاء اللہ ۳۵۵
حشمت اللہ خان، ڈاکٹر ۵۴۵
حشمت اللہ خان پٹیالوی ۶۵
حشمت علی، فقیر دہلوی ۳۲، ۴۷۶
حمزہ النقوی الدہلوی ۳۲
حمید احمد اول، مرزا ۲۲۳
حمید احمد ثانی، مرزا ۲۲۳
حمید اللہ، مولوی۔ ملا صوات ۱۴۶
حنیف احمد، مرزا ۲۲۶
حیات اللہ خان، سردار ۳۳۷
حیدر شاہ قصوری، سید ۵۶۹
حیرت دہلوی، مرزا ۴۲۷

خ

خادم حسین بھیروی، منشی ۲۵۸
خدا بخش، مرزا ۶۲، ۶۴، ۶۵
۶۸، ۸۱، ۱۱۷، ۱۴۲، ۱۸۰، ۳۵۹
خدا بخش، منشی ۷۲
خدا داد خان، میر ۳۷۱، ۳۷۵
خسرو، امیر ۴۲۵
خطیب بغدادی، علامہ ۱۵۰
خلیل احمد، مرزا ۲۲۵
خلیل الرحمٰن المنان ۳۲
خیرالدین سیکھوانی، میاں ۴۴، ۶۵، ۶۸، ۲۱۳

د۔ ڈ۔ ذ

داد محمد خاں ۱۵۹
داؤد احمد، مرزا ۴۷۵
داؤد احمد، سید میر ۲۱۲، ۴۴۷
درد، خواجہ میر ۴۲۴، ۴۲۵
دلاور شاہ بخاری، سید ۳۷۱
دلاور، شہزادہ ۳۸۷
دلیپ سنگھ، ماسٹر ۳۷۹
دیانند، سوامی ۵۶۱
ڈانلڈ، جے ایس ۱۵۹، ۱۶۰
ڈکسن، ٹی ۵۷، ۱۹۵، ۱۹۶
ڈکسن، ایف ٹی ۱۶، ۱۷
ڈگلس ۳۸، ۳۹، ۴۱، ۴۷
ڈلس، میجر ۱۱۹

ڈوئی، ڈاکٹر جان الیگزنڈر ۲۴۰تا۲۵۱، ۲۵۴، ۴۹۰، ۵۱۹
ڈوئی، جی ایم ۳۸، ۴۷تا۴۹
ڈھیرول، لالہ ۳۹۵
ڈیورنڈ، سر مارٹیمر ۱۵۷
ذوالفقار علی خاں گوہر، خان ۱۶۱

ر ـ ز

رابرٹس، ہربرٹ ۴۴۸
رام بھجدت ۳۰۰
رانلڈ میتھیوز ۲۵۷
رجب دین، خلیفہ ۱۴۲، ۴۲۲، ۵۱۶
رحمت اللہ، شیخ ۸، ۴۹، ۴۲، ۷۷، ۱۶۶، ۱۸۰، ۲۱۳، ۳۰۲، ۳۵۳، ۴۴۲، ۵۱۶، ۵۴۹، ۵۵۷، ۵۷۹
رحمت اللہ خان شاکر ۲۱۲
رحمت اللہ کیرانوی، مولوی ۱۵۰
رحمت علی خاں، ڈاکٹر ۱۸۰، ۲۱۳
رستم علی، منشی ۸، ۲۱۳
رسل بابا امرتسری ۴۷۹
رسول بیگ، مرزا ـ کلانور ۲۴
رشید احمد گنگوہی ۳۳، ۳۵، ۱۰۱، ۱۳۹
رشید الدین، ڈاکٹر خلیفہ ۹۷، ۱۸۰، ۱۹۶، ۲۱۳، ۲۲۳تا۲۲۶
۴۴۲، ۵۱۰، ۵۵۸
رضی الدین، حکیم ۳۵۸
رفیع احمد، مرزا ۲۲۶
رگھوناتھ، ماسٹر ۵۰۲
روشن علی، حافظ ۱۶۱، ۳۴۵، ۳۷۰
رئیس احمد جعفری ۴۵۴
زار ۲۷۳، ۳۸۷، ۳۸۸
زکیہ بیگم، صاحبزادی ۳۴۸
زین الدین محمد ابراہیم ـ بمبئی ۲۱۳
زین العابدین، مولوی ۴۷۹
زین العابدین ولی اللہ شاہ، سید ۱۱۹، ۳۴۲، ۵۰۸

س ـ ش

سارہ بیگم، سیدہ ۲۲۶
سالار الدولہ ۴۴۷
سٹینلے، لارڈ ۳۳۹
سدر لینڈ، میجر ڈاکٹر ۵۵۴
سراج الحق نعمانی، پیر ۸۱، ۹۷، ۲۲۴
سراج الدین، مولوی ۴۰۵، ۵۶۴
سردار بیگ سیالکوٹی، مرزا ۴۷۹
سرور سلطانہ ۲۲۳

سعد اللہ لدھیانوی ۴۸۰تا۴۸۲
سعدی، شیخ ۴۳۸
سعید احمد اظہر، قریشی ۴۷۸
سکندر علی کلانوری، منشی ۴
سلطان ابراہیم، شہزادہ ۵۲۷
سلطان احمد، مرزا ۵۵۰، ۵۶۹، ۵۷۸، ۵۷۹
سلطان سیالکوٹی، حافظ ۴۷۹
سلطان محمود، حکیم۔ راولپنڈی ۱۳۳
سلیم اللہ، مفتی۔ لاہور ۲۹۵
سلیمان ندوی، سید ۱۰۹
سمیع اللہ شاہ، سید ۲۳
سمیع اللہ فاروقی ۳۰۹، ۳۸۸، ۴۵۴
سن، ماسٹر ۳۰۵
سنت رام، دیوان ۲۹۶، ۲۹۸
سنسار چند، رائے ۲۶۲، ۲۶۹، ۲۷۸
سومراج، پنڈت ۴۸۰تا۴۸۵
سید احمد، سید ۴۷۰
سید احمد، بریلوی ۱۰۱
سید احمد خاں، سر ۱۳، ۱۰۱، ۱۰۷، ۲۱۹، ۳۹۳
سید محمد، مولوی ۴۱۶
سیدہ بیگم، سیدہ ۴۴۷
شادی خاں، میاں ۱۱۷، ۱۴۷، ۲۸۳
شاہجہان بی بی ۳۳۲، ۳۳۳
شاہ حسین گولڑوی ۲۹۶
شاہد احمد خاں، نواب ۳۴۸
شاہدہ بیگم، صاحبزادی ۳۴۸
شاہ دین، بابو ۲۳۸
شاہ نواز، حکیم ۱۲۶
شبلی نعمانی، مولانا ۱۰۸، ۲۱۹، ۵۵۲، ۵۵۳
شبیر حسین، سید ۴۰، ۴۱، ۴۹
شرسوت رائے، لالہ ۱۹۳، ۴۸۳، ۴۸۴
شرندل خاں، سردار ۱۵۷تا۱۶۰
شریف احمد، مرزا ۴، ۵، ۵۷، ۱۹۴، ۴۷۴
شنکر داس، ڈپٹی ۱۱۸، ۲۱۵
شہاب الدین، میاں۔ ساکن بھین ۱۶۹، ۱۷۰، ۲۸۰، ۲۹۷
شیر علی، مولانا ۴، ۲۳، ۲۱۲، ۲۳۲
۲۷۴، ۲۹۶، ۳۰۴، ۵۱۷، ۵۶۹، ۵۹۰
شیر محمد خاں، راجہ ۴

ص ۔ ض

صالح محمد مدراسی، سیٹھ ۴۷۲

صالحہ خاتون ۴۴۷
صدیق حسن خاں، نواب ۱۰۱
ضیاءالدین، قاضی ۸۱، ۱۱۷، ۲۰۰

ط - ظ

طاہر احمد - اول ۲۲۵
طاہر احمد، مرزا - خلیفۃ المسیح الرابع ۲۲۵
طاہر بیگم، سیدہ ۳۴۸
طوطی رام ۲۹۹
طیبہ، سیدہ ۴۷۱
طیبہ بیگم ۳۴۸
ظفر احمد، پروفیسر ۴۸۰
ظفر احمد کپورتھلوی، منشی ۱۷۲، ۲۸۶، ۴۳۲، ۵۹۵
ظفرالدین، قاضی پروفیسر ۲۳۱
ظفر علی خاں، مولوی ۱۰۹، ۴۳۳، ۵۷۱

ع - غ

عالم دین، شیخ ۳۰۴
عالیہ بیگم ۳۳۷
عائشہ صدیقہ ۵۳۱
عباداللہ امرتسری، ڈاکٹر ۴۲۳
عبادت علی ۳۶
عباس احمد خاں، نواب ۳۴۸
عباس علی لدھیانوی، میر ۱۹
عبدالاحد، مولوی ۱۵۵
عبدالاحد کیدان - کابل ۳۲۴، ۳۲۶
عبدالجبار غزنوی ۳۰، ۳۱، ۳۵، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۷، ۱۳۹، ۲۰۸
عبدالجلیل، مولوی - افغانی ۱۵۷، ۳۱۲
عبدالحکیم پٹیالوی ۳۵۹ تا ۳۶۳
عبدالحق، شیخ ۳۷۳
عبدالحق، قاضی ۴، ۵
عبدالحق، مولوی - دہلی ۴۲۶
عبدالحق اکونٹنٹ، منشی ۵۹
عبدالحق خوشنویس، منشی ۳۴۶
عبدالحق غزنوی ۳۰، ۳۱، ۳۵، ۸۳
عبدالحلیم، مولوی - افغانستان ۳۳۱
عبدالحمید خاں کپورتھلوی ۳۹۹
عبدالحیٔ لکھنوی، مولانا ۱۰۱
عبدالخالق، مولوی ۲۰۸
عبدالخالق - افغانی ۳۹۴
عبدالرب - نواسہ صاحبزادہ عبداللطیف شہید ۳۳۳
عبدالرحمٰن، خواجہ ۴۹۸

عبدالرحمان، مولوی۔ افغانستان ۱۵۷، ۱۷۷، ۳۱۹، ۳۲۹، ۳۳۷

عبدالرحمان انور ۲۰۰

عبدالرحمان جالندھری، ماسٹر ۴، ۱۹۸، ۲۳۳، ۲۹۸

عبدالرحمان خاں، امیر ۷، ۳۷، ۱۵۷، ۱۷۷، ۱۷۸، ۳۲۶

عبدالرحمان داتوی ۴۱۹

عبدالرحمان قادیانی، بھائی ۴، ۸۸، ۱۶۱، ۲۱۲، ۵۴۰، ۵۵۴، ۵۶۹

عبدالرحمان کھیوال، مولوی ۴۱۱

عبدالرحمان مصری، شیخ ۱۹۹

عبدالرحیم، حاجی۔ سعد اللہ لدھیانوی کا بیٹا ۴۸۲

عبدالرحیم، حافظ ۵۰۸

عبدالرحیم شاہ۔ شاہ ولی اللہ کے والد ۴۲۵

عبدالرحیم، بھائی شیخ ۵، ۸۱، ۴۲۸، ۴۳۰، ۵۱۵، ۵۵۴

عبدالرحیم، منشی۔ مالیر کوٹلہ ۱۶۰

عبدالرحیم، میاں۔ داروغہ ۱۳۳

عبدالرحیم، نواب ۳۴۰

عبدالرحیم ایم۔ اے، میاں ۴۷۷

عبدالرحیم باورچی۔ گورداسپور ۲۸۳

عبدالرحیم بھٹی، قاضی ۱۲۱

عبدالرحیم درد، مولانا ۸۷، ۳۱۲

عبدالرحیم صابر ۳۳۰

عبدالرحیم میر، قاضی ۵۶۹

عبدالرحیم میرٹھی، مولوی ۴۲۲

عبدالرحیم نیر، مولوی ۴، ۱۹۷، ۲۰۰

عبدالرزاق، خواجہ۔ بلند شہر ۳۰، ۳۳

عبدالرزاق، قاضی ۳۳۶

عبدالرشید سیالکوٹی، میر ۱۱۷

عبدالرؤف، قاضی۔ قندھار ۳۳۶

عبدالرؤف بھیروی، ماسٹر ۵۰

عبدالسلام، چوہدری ۱۶۰

عبدالسلام، صاحبزادہ سید ۳۳۲، ۳۳۳

عبدالستار، مولوی۔ المعروف بزرگ صاحب ۱۵۷، ۱۷۸، ۳۱۲ تا ۳۱۴

عبدالستار شاہ، ڈاکٹر سید ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۲۵

عبدالصمد پٹیالوی ۴۲۹

عبدالعزیز، میاں۔ المعروف مغل ۳۵۳، ۵۳۳، ۵۹۸

عبدالعزیز اوجلوی، میاں ۴۴، ۶۵، ۶۸، ۷۷

عبدالعزیز خاں، ماسٹر ۴

عبدالعزیزی لدھیانوی، مولوی ۳۰، ۳۳

عبدالعلی، حافظ ۳۰۹

عبدالغفور مدرس ۳۲

عبدالغنی، ڈاکٹر۔ افغانی ۳۳۶

عبدالغنی، منشی۔ پٹیالہ ۴۲۷

عبدالغنی اوجلوی، منشی ۴۵۳

عبدالقادر، پروفیسر سید ۵۷۱

عبدالقادر، منشی ۱۳۳

عبدالقادر بیدل ۲۷۵

عبدالقادر خاں، اخوند ۲۳

عبدالقادر ضیغم، مولوی ۳۷۴

عبدالقادر لدھیانوی، مولوی ۲۶، ۶۹، ۴۲۷

عبدالقادر پنڈوری ۴۸۰

عبدالقدوس۔ نواسہ حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف شہید ۳۲۳

عبدالقدیر نیاز، صوفی ۴۱۲

عبدالقیوم ابن حضرت خلیفہ المسیح الاول ۳۹۹

عبدالقیوم خاں، صاحبزادہ سر ۱۵۷

عبدالکریم سیالکوٹی، مولانا ۳، ۳۷، ۴۷، ۵۵، ۶۸
۷۲، ۸۱، ۸۳ تا ۸۵، ۱۱۸، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۶۳، ۱۶۶، ۱۷۱، ۱۸۰، ۱۹۰
۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۸، ۲۱۳، ۲۱۹، ۲۵۸، ۲۹۶ تا ۲۹۸
۳۰۳، ۳۴۱، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۶۳، ۳۶۵ تا ۳۶۷، ۳۸۹
۳۹۰، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۸ تا ۴۰۰، ۴۰۸، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۸
۴۲۲، ۴۲۴، ۴۳۹، ۵۰۱، ۵۹۰، ۵۹۳، ۵۹۴، ۶۰۰

عبدالکریم ولد عبدالرحمٰن ۴۸۵، ۴۸۶

عبداللطیف شہید، صاحبزادہ سید ۱۵۶ تا ۱۶۲، ۲۶۳، ۲۶۶
۳۱۰ تا ۳۱۲، ۳۱۵، ۳۱۷، ۳۱۹، ۳۲۵ تا ۳۳۸، ۳۴۴

عبداللہ العمادی، مولوی ۳۸۲، ۴۵۸، ۵۶۹، ۵۷۰

عبداللہ بوتالوی ۱۹۷

عبداللہ بغدادی، سید ۹۷

عبداللہ چکڑالوی، مولوی ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۸
۴۷۳، ۴۷۴

عبداللہ خاں۔ کوئٹہ ۱۶۱

عبداللہ خاں بھچرایوانی ۳۳

عبداللہ سنوری ۲۱۳

عبداللہ کوئیلم۔ لور پول ۲۰۵

عبدالماجد بھاگلپوری ۲۰۱، ۲۲۶

عبدالماجد دریا آبادی ۵۷۱

عبدالمجید دہلوی ۳۵۷

عبدالمجید سوہدروی ۲۲۸

عبدالمحی عرب، سید ۴۱۹

عبدالواحد، سید ۳۸۳
عبدالواحد خان سیالکوٹی ۲۶۴، ۳۱۵
عبدالواسع، قاضی۔ افغانی ۳۳۶
عبدالوہاب، مولوی۔ الہ آباد ۳۱۶
عبدالہادی ۱۲۷
عبیداللہ بسمل، حکیم ۴، ۵، ۳۰۴، ۴۸۴
عبیداللہ بسمل، مولانا ۱۶۱، ۱۶۲
عثمان غنیؓ ۴۴۳
عزیز احمد، مرزا ۵، ۴۷۵
عزیز الدین امرتسری، میاں ۲۷۵
عزیز اللہ شاہ، سید ۲۲۶
عزیز بخش، مولوی۔ ڈیرہ غازیخاں ۱۸۰
عزیزہ خاتون ۲۲۶
عطاء اللہ خاں، راجہ ۵۰
عطاء الرحمان طالب ۳۷۴
عطاء محمد، ناشر ۳۷۸
عظیم اللہ، مولوی۔ نابھہ ۴۹۸
علی احمد، شیخ ۱۵، ۴۰، ۲۳۲
علی احمد ایم۔ اے۔ ڈپٹی مجسٹریٹ ۵۱۹
علی احمد بھاگلپوری ۴۷۵
علی حائری، مولوی ۲۳۰
علی احمد حقانی، مولوی ۴۷۵
علی شاہ، امام ۱۶۲
علی کرم اللہ وجہہ ۱۶۲، ۲۸۰، ۴۴۳
علی محمد، سید۔ المعروف باب ۳۵۴، ۳۵۵
علی محمد اجمیری، مولوی ۳۱۲
علی محمد بی۔ اے بی۔ ٹی ۲۱۳، ۴۴۵
عمر بن الخطابؓ ۱۷۳، ۴۴۳
عنایت الرحمان، سردار ۶۶
عنایت اللہ بیگ، مرزا ۵۷۱
حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۶، ۶۲تا۶۴، ۹۲، ۹۶
۱۴۹، ۱۸۵، ۲۱۹، ۲۴۶، ۳۲۰، ۳۳۸، ۳۳۹
غلام احمد ایم۔ اے، مرزا ۳۱۲
غلام احمد پرویز ۶۷، ۳۳۸
حضرت غلام احمد قادیانی، مرزا مسیح موعود و مہدی معہود
۱۶، ۱۷، ۳۵، ۳۸، ۳۹، ۴۱، ۶۶، ۹۳تا۹۶
۱۱۶، ۱۳۳، ۲۰۵، ۲۳۵، ۲۴۹تا۲۵۱، ۲۵۵، ۲۶۱
۲۶۹، ۲۷۴، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۹۴، ۳۵۴، ۳۶۵، ۳۷۰
۳۸۲، ۳۹۱، ۴۲۹، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۶۱، ۴۶۹، ۴۷۰
۴۸۰، ۴۸۷، ۴۸۹، ۴۹۹، ۵۰۴، ۵۵۹، ۵۶۰

۵۶۲تا۵۶۴'۵۶۶تا۵۶۸'۵۷۱'۵۷۲'۵۷۵تا۶۰۰
غلام احمد کریام' حاجی ۳۴۲
غلام احمد واعظ' شیخ ۱۸۷'۴۲۲
غلام اللہ قصوری' مولوی ۳۵۳
غلام امام' مولوی۔ برہما ۲۱۳
غلام حسن خاں پشاوری مولوی ۲۲۲' ۲۲۳' ۳۴۲' ۵۶۹
غلام حیدر' راجہ ۴۷'۴۸'۲۶۵
غلام حیدر' مرزا ۲۱۵
غلام دستگیر قصوری' مولوی ۱۴۳'۴۹۰
غلام رسول' شیخ ۵۳
غلام رسول راجیکی' مولانا ۱۹۸'۳۴۸
غلام رسول وزیر آبادی' حافظ ۱۶۳'۳۴۲'۳۶۹
غلام غوث' ڈاکٹر سید ۱۶۱
غلام فرید ایم۔ اے' ملک ۲۱۲
غلام محبوب سبحانی' شیخ ۱۳۵
غلام محمد' بابو ۴۳۰'۵۱۶'۵۳۳
غلام محمد' چوہدری۔ پوہلہ مہاراں ۳۷۱
غلام محمد' حافظ صوفی ۲۳'۸۵'۳۰۴'۴۹۸
غلام محمد' ڈاکٹر ۳۰۴
غلام محمد بگوی ۳۰'۳۱'۳۵
غلام محمد سیالکوٹی' چوہدری ۴۳۵
غلام محمد قاضی' مولوی ۲۹۰
غلام محمد' منشی ۴
غلام محمد' مولوی ۱۸۱
غلام محی الدین' مولوی ۱۳۶
غلام مرتضیٰ' مرزا ۸۱
غلام معین الدین نظامی ۴۲۵
غلام نبی' مٹھی ۵۹۲
غلام نبی' شیخ ۲۱۳
غلام نبی مصری' مولوی ۴

ف

فاطمہ الزہراؓ ۴۴۳
فاطمہ صاحبہ اہلیہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول ۳۹۹
فتح علی شاہ' سید ۵۹'۱۳۵
فتح محمد سیال' چوہدری ۶۵'۱۶۰'۱۸۹'۴۹۸'۵۱۵
فتح محمد' مولوی ۳۰'۳۲
فخرالدین رازی' علامہ ۱۵۰
فخرالدین گھوگھیاٹ' مولوی ۵۰
فرحت اللہ بیگ' مرزا ۵۷۱
فرزند علی خاں' مولوی ۲۱۲

فرسٹ لیفٹیننٹ (امریکہ) ۹۸
فضل احمد، چوہدری ۲۳
فضل احمد بٹالوی، شیخ ۳۷۱
فضل الدین معمار ۱۱۸، ۱۴۷
فضل الرحمان، مفتی ۴۳۰، ۵۱۱
فضل الٰہی لاہوری، حکیم ۱۱۷، ۱۴۴، ۱۴۹
فضل حق، مولوی ۵۳
فضل حسین، سر ۵۲۹، ۵۴۵
فضل دین، مولوی۔ کھاریاں ۴، ۴۱۳
فضل دین بھیروی، حکیم ۴۴، ۷۲، ۸۱، ۸۲
۱۸۰، ۲۳۲، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۹، ۲۷۸تا۲۸۰
۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۴تا۲۹۸، ۴۹۸، ۵۱۱
فضل دین وکیل۔ لاہور ۴۰، ۱۹۷، ۵۴۵
فضل شاہ لاہوری، سید ۷۵، ۲۱۳
فقیر اللہ، ماسٹر ۴، ۲۳۲
فقیر علی، بابو ۴۴۵
فقیر محمد، مولوی۔ ایڈیٹر "سراج الاخبار" ۲۶۳، ۲۹۵، ۲۹۸
فقیر مرزا۔ دوالمیال ۴۸۰
فنذل، پادری ۱۵۰
فوزیہ بیگم صاحبہ ۳۴۹
فیض احمد، مولوی ۱۷۰
فیض الحسن بھیں ۲۹۶
فیض الرحمان۔ گورداسپور ۸۰
فیض اللہ خاں ۲۳۱
فیض علی صابر، ڈاکٹر ۲۲۱
فیض قادر، ڈاکٹر ۵۰، ۴۲۳

ق

قاسم علی، میر ۱۹۸، ۲۵۷، ۲۵۸
۳۵۸، ۴۲۳، ۴۶۸، ۴۶۹، ۵۰۹
قدرت اللہ، مولوی ۲۰۰
قدرت اللہ سنوری، مولوی ۵۰، ۵۳، ۵۲۲
قدسیہ بیگم، صاحبزادی ۳۴۸
قطب الدین، حکیم ۶۴
قطب الدین بختیار کاکی ۴۲۴

ک۔گ

کاشی رام، لالہ ۵۰۲
کرزن، لارڈ ۹۰، ۴۴۸، ۴۵۴
کرم داد، مولوی۔ دولمیال ۵۰۸
کرم داد خاں، سردار ۱۹۸
کرم دین، مولوی، ساکن بھیں ۱۷۰، ۱۸۱، ۲۱۰، ۲۶۰تا۲۶۲

۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۷تا۲۸۰، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۲، ۲۹۴
۲۹۵، ۲۹۷، ۳۰۶تا۳۰۸، ۳۴۶
کسریٰ ۱۱۶
کلیمنٹ ریگ، پروفیسر ۵۲۸، ۵۲۹
کمال الدین، خواجہ ۳، ۴۰، ۷۷، ۸۰، ۸۷، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۸۰
۲۷۵، ۲۷۹، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۸، ۲۹۱، ۲۹۳، ۲۹۴، ۳۰۷
۳۵۲، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۵۲، ۴۸۲،
۵۰۰، ۵۱۱، ۵۱۶تا۵۱۸، ۵۳۰، ۵۳۶، ۵۳۹، ۵۵۸، ۵۶۹
کنگ ۵۱۷
کننگھم، ڈاکٹر ۵۵۴
کنھیا لال، رائے ۴۲۹
کونٹ ٹالسٹائے ۳۰۵
گلزار خاں ۱۳۶
گوری۔ پادری ہگٹ کا بیٹا ۲۵۷

ل

لارنس ایچ براؤن، پروفیسر ۵۷۲
لدھے خاں ۴۰۶
لیکھرام، پنڈت ۱۴تا۴۳، ۲۸۲

م

مارٹن، فرینک اے ۳۴۴
مبارک احمد، صاحبزادہ مرزا ۵۵، ۲۹۵تا۴۹۷
مبارک احمد خاں، حکیم۔ ایمن آباد ۲۲
مبارکہ بیگم، سیدہ نواب ۱۹۴، ۴۷۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۲۴،
۵۲۵، ۵۳۵، ۵۴۳، ۵۴۵، ۵۹۹
مبشر احمد اول، مرزا ۲۲۳
مبشر احمد ثانی، مرزا ۲۲۳
مجدد الف ثانی ۵۸۱
مجید احمد، مرزا ۲۲۳
محب الحق بہاری، حافظ ۲۳۸
محب الرحمان ۱۶۱
محسن الملک، نواب ۴۱۹
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۹۰، ۱۳۹، ۱۵۴
۲۰۵، ۲۴۸، ۲۸۸، ۴۱۵، ۴۳۷، ۵۳۴، ۵۴۲
۵۵۲، ۵۴۴، ۵۵۹، ۵۶۶، ۵۷۲، ۵۷۷، ۵۸۰
محمد، خواجہ ۳۲۹، ۳۳۰
محمد ابراہیم، صوفی ۲۳
محمد ابراہیم، میاں ۲۳
محمد ابراہیم بقا پوری، مولوی ۴۴۵
محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولوی ۵۳۲
محمد ابوالحسن، سید ۳۲

محمد ابوالحسن، مولوی ۴۷۹

محمد احسن، میاں ۲۳۸

محمد احسن امروہی، سید ۱۲۸، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۶۷، ۱۷۲،
۱۷۳، ۱۹۱، ۲۱۳، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۷۳، ۲۷۴، ۴۲۲،
۴۲۳، ۴۴۲، ۵۰۵، ۵۴۲، ۵۴۵، ۵۵۷، ۵۵۹، ۵۶۹

محمد احمد، سید ۴۷۰

محمد احمد خاں، نواب ۵۱۶

محمد ادیب، دمشقی ۱۱۴

محمد اسحاق، سید میر ۲۱۸، ۴۴۷، ۴۷۰

محمد اسلم جیراجپوری، حافظ ۲۳۸

محمد اسماعیل، بابو ۴۷۹

محمد اسماعیل۔ پشاور ۱۳۶

محمد اسماعیل پانی پتی، شیخ ۵۷۰

محمد اسماعیل حلالپوری ۵۱۷، ۵۲۱، ۵۲۲

محمد اسماعیل خان، ڈاکٹر ۲۸۲، ۲۸۳

محمد اسماعیل، ڈاکٹر میر ۸۵، ۲۲۴، ۲۲۶، ۴۲۲،
۴۲۳، ۴۴۲، ۴۷۰، ۵۹۶

محمد اسماعیل سرساوی، شیخ ۴

محمد اسماعیل گوزیانی، ڈاکٹر ۳۰، ۳۵، ۵۷، ۲۱۳، ۴۲۳

محمد اسماعیل معتبر ۵۶۹

محمد اصغر خاں قریشی، خان ۶۶

محمد اعظم۔ لاہور (اسسٹنٹ سرجن) ۳۰۵

محمد افضل، بابو۔ مشرقی افریقہ ۲۲۱، ۲۳۶، ۳۹۹

محمد اقبال، ڈاکٹر سر ۱۴۳، ۲۳۸

محمد اکبر خاں ۳۲۸

محمد الیگزینڈر رسل ۱۴۳، ۲۰۴

محمد امین، چوہدری ۳۶۵

محمد باقر خاں، آغا ۳۶۵

محمد بخش۔ انسپکٹر پولیس بٹالہ ۳۸، ۴۰، ۴۹

محمد بخش جعفر زٹلی ۹، ۲۷، ۲۸، ۳۳، ۳۴

میر بخش، میاں۔ لاہور ۱۳۳

محمد بشیر، مولوی۔ الہ آباد ۴۱۶

محمد بن عمر زمخشری، علامہ ۱۵۰

محمد تیمور، شیخ ۴۹۸

محمد جعفر شاہ پھلواری، مولوی ۶۷

محمد جی، مولوی ۳۴۲

محمد چٹو، شیخ ۴۷۳

محمد چراغ افغانی ۳۳۶

محمد چراغ الدین، حکیم ۳۴۲، ۳۴۶

محمد حسن، صوفی۔ بروکن ہل ۳۴۲

محمد حسن، میاں ۴۹۸
محمد حسن اوجلوی، بابا ۴۴۱
محمد حسن فیضی ساکن بھین ۱۳۷
۱۶۸ تا ۱۷۰، ۱۸۱، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۶۷
۲۴۹، ۲۸۰، ۲۹۰
محمد حسین، حکیم۔ مرہم عیسیٰ ۱۴۲، ۴۳۰
محمد حسین، ڈاکٹر سید ۳۴۹، ۴۴۲
محمد حسین، منشی ۲۸۲، ۲۸۳
محمد حسین بٹالوی ۲۶ تا ۲۹، ۳۳ تا ۴۲، ۴۴ تا ۵۲، ۵۴
۱۰۱، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۳۰ تا ۱۳۲، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۴، ۱۵۴
۲۰۸، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۸۲، ۴۰۹، ۵۳۰، ۵۸۹، ۵۹۰
محمد حسین کوتوال ۳۱۶، ۳۱۷
محمد حسین قریشی، حکیم ۲۴، ۱۴۲، ۴۷۳، ۵۱۶
محمد حفیظ بقا پوری ۲۲۲
محمد حنیف قمر علوی۔ سائیکل سیاح ۴۷۶
محمد دلپذیر، مولوی۔ پنجابی شاعر ۵۱۷
محمد دین، مولوی ۲۳، ۱۹۷، ۲۱۲، ۳۰۴، ۴۹۸، ۵۶۹
محمد دین۔ کتب فروش لاہور ۱۳۳
محمد رشید، میاں ۳۵۹
محمد رشید رضا، السید ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۲
محمد سرور شاہ، سید ۴، ۵، ۲۲۰، ۲۲۶ تا ۲۳۰، ۲۸۱، ۴۱۳
۴۷۰، ۴۷۲، ۴۹۸
محمد سعید، سید ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۷
محمد سعید سعدی، میاں ۱۹۸
محمد سلطان، چوہدری ۱۶۶
محمد شاہ ۳۲
محمد شاہ تونسوی ۱۹۰
محمد شریف، میاں ۱۹۸
محمد شفیع، مرزا ۱۹۷، ۴۷۰
محمد شفیع سیالکوٹی، حکیم ۴۷۹
محمد شفیع وکیل، خواجہ ۳۰۸
محمد شہید اللہ، پروفیسر ڈاکٹر ۵۴۲، ۵۵۲
محمد صادق، مفتی ۴، ۴۹، ۵۳، ۸۵، ۹۰، ۹۱، ۱۰۰، ۱۴۲، ۱۸۰،
۱۹۶، ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۲۴، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۴۴، ۲۵۴، ۲۹۶، ۲۹۷،
۳۰۴، ۳۵۹، ۳۹۰، ۳۹۳، ۴۲۲، ۴۴۴، ۴۷۴، ۴۸۷،
۴۹۸، ۵۰۱، ۵۰۹، ۵۱۴، ۵۱۹، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۴۲، ۵۵۵، ۵۶۹
محمد ضیاء الدین، چوہدری ۱۶۱
محمد طفیل بٹالوی، ڈاکٹر ۱۹۷
محمد طیب لطیف، سید ۳۳۲ تا ۳۳۴
محمد ظفر اللہ خاں، سر چوہدری ۲۰۱، ۵۱۲، ۵۲۰

محمد ظہور الدین اکمل، قاضی ۲۱۲، ۴۵۹
محمد عبدالحق۔ آسٹریلین نومسلم ۳۳۹، ۳۴۰
محمد عبدالسلام، سید ۳۲، ۴۱۶
محمد عبدالغفار ابوالیار ۳۲
محمد عبدالغنی الہ آبادی ۳۴، ۳۵
محمد عبداللہ۔ المعروف پروفیسر صاحب ۵۷۸
محمد عبداللہ، قاضی ۴۳، ۴۹۸
محمد عبداللہ، ملک ۲۱۲
محمد عبداللہ بغدادی، حکیم سید ۱۳۳
محمد عبداللہ ٹونکی ۳۰، ۳۲، ۳۵، ۱۳۰، ۱۳۲
محمد عبداللہ خاں، نواب ۳۴۸، ۳۷۲
محمد عبداللہ کشمیری ۵۳، ۲۲۰، ۲۲۷، ۲۶۲، ۲۶۹، ۳۰۳
محمد عبدہ، مفتی ۲۰۸
محمد عجب خاں۔ زیدہ ۱۵۶، ۳۱۴، ۳۲۸
محمد علی، مرزا۔ شاہ ایران ۴۴۶، ۴۴۷
محمد علی، میاں۔ لاہور ۲۱۳
محمد علی اشرف، ماسٹر ۳۴۲
محمد علی اظہر، ماسٹر ۴۷۵
محمد علی ایم۔ اے، مولوی ۵۶، ۶۲، ۷۶، ۷۹، ۸۱،
۸۵، ۸۷، ۱۱۷، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۸۰، ۱۹۰، ۱۹۲، ۲۰۳، ۲۱۰،
۲۱۲، ۲۱۷، ۲۱۸ ۲۲۲، ۲۳۳، ۲۷۵، ۲۸۰، ۲۸۳، ۲۸۴،
۲۸۸، ۲۹۱، ۲۹۴، ۳۰۴، ۳۹۰، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۳۰، ۴۳۱،
۴۴۲، ۴۵۷، ۴۹۴، ۵۱۴، ۵۱۸، ۵۴۶، ۵۵۷، ۵۶۹
محمد علی پٹواری ۴۴
محمد علی خاں، نواب ۳، ۴، ۸، ۵۸، ۶۵، ۶۸، ۱۸۰ ۱۹۲تا۱۹۴
۲۱۳، ۲۳۲، ۲۹۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۵۰، ۳۸۰، ۳۹۴، ۴۳۸،
۴۴۲، ۴۷۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۴۱، ۵۴۹، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۶۹
محمد علی جعفری ایم۔ اے۔ لاہور ۵۲۷
محمد علی کانپوری، مولوی سید ۲۱۹
محمد علی کلرک، صوفی ۱۴۲
محمد عمر، حکیم ۵۱۰
محمد عمر، سید ۳۳۲، ۳۳۴، ۳۴۷
محمد غازی، مولوی ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۴، ۱۴۹، ۱۷۰
محمد فریدون خاں ۶۶
محمد قاری جہلمی، مولوی ۴۱۱
محمد قاسم، مولوی ۵۶۱
محمد موسیٰ، مستری ۵۱۶
محمد موسیٰ، مولوی ۵۳
محمد نذیر حسین دہلوی، سید ۳۰، ۳۲، ۳۴،
۱۰۱، ۱۳۹، ۲۰۸، ۴۰۹

محمد نصیب، شیخ ۲۳، ۲۲۲
محمد نواب خاں، منشی ۱۸۰
محمد وصیت لعی ۳۲
محمد ہاشم، سید ۳۳۳
محمد ہدایت اللہ۔ کانپور ۳۲
محمد یحییٰ دہمکرانی، حکیم ۱۴۵
محمد یعقوب، مولوی ۳۲
محمد یعقوب، میاں ۲۲۶، ۲۳۸
محمد یعقوب بیگ، ڈاکٹر مرزا ۵۷، ۲۱۳، ۳۰۲، ۴۲۲، ۵۰۰
۵۰۱، ۵۰۲، ۵۱۰، ۵۲۶، ۵۳۵، ۵۴۱، ۵۴۹، ۵۵۷، ۵۶۹
محمد یعقوب طاہر، مولانا ۵۲
محمد یوسف، حافظ ۱۹، ۵۹، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۹۱، ۲۱۹، ۲۲۰
محمد یوسف، سردار۔ سابق سورن سنگھ ۴۷۵
محمد یوسف، سردار۔ مجسٹریٹ سیالکوٹ ۳۶۲، ۳۶۶
محمد یوسف، قاضی، مردان ۲۳۸، ۲۵۶، ۲۵۸، ۳۲۸، ۳۴۳
محمد یوسف، میاں ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۳۸
محمد یوسف بغدادی، سید ۴۷۳
محمد یونس۔ مدرس ۳۲
محمود احمد، سید میر ۴۴۷
محمود الحسن، مولانا ۱۰۷
محمود اللہ شاہ، سید ۲۳
محمود زرقانی، حکیم مرزا ۳۵۴تا۳۵۸، ۳۷۳
محمودہ بیگم، سیدہ (ام ناصر) ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۳۷
محمودہ بیگم، نواب ۵۱۶
مختار احمد شاہجہانپوری، حافظ سید ۴۶۷
مریم بیگم، سیدہ (ام طاہر) ۲۲۵
مریم صدیقہ، سیدہ (ام متین) ۲۲۶، ۴۷۰
مسعود احمد خان، نواب ۵۱۶
مسیح اللہ، شیخ ۱۹۶
مسیلمہ کذاب ۴۹۰
مصطفیٰ احمد خاں، نواب ۳۴۹
مطیع الرحمٰن بنگالی، صوفی ۲۱۴
مظفر احمد، مرزا ۲۲۳
مظفر الدین بنگالی، چوہدری ۲۱۲
مظفر الدین شاہ۔ شاہ ایران ۴۴۶
معراج دین عمر، میاں ۵۷، ۱۳۴
۱۴۲، ۱۴۹، ۲۲۱، ۲۶۴، ۳۳۹، ۳۴۹، ۳۵۳
ملا خاں، خان ۳۲۰
ملاوامل، لالہ ۴۸۳، ۴۸۴
ممتاز علی امتیاز، سید ۵۶۴

منٹو، لارڈ ۴۳۸
منظور احمد، ڈاکٹر ۵۱۷
منظور حسین ولد کرم دین مولوی ۳۰۸
منظور محمد، پیر ۴، ۲۱۳، ۴۴۷، ۶۰۰
منصور احمد، مرزا ۴۷۵
منصورہ بیگم، صاحبزادی ۵۱۹
منیر احمد، مرزا ۲۲۳
مور، ڈاکٹر ۳۰۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام ۴۳۶
مولابخش، شیخ ۱۱۷
مولابخش، ماسٹر ۳۷۱، ۳۷۴
مولابخش بھٹی سیالکوٹی ۱۶۱، ۵۱۰
مولارام، پنڈت ۳۷۷
مہتاب خاں ۱۴۲
مہتاب علی جالندھری ۲۳۱
مہدی حسن مرزا ۸۰
مہدی حسین، سید ۵۴۲
مہدی حسین، نواب عماد الملک ۹۶، ۹۷، ۱۶۱، ۱۹۸
مہر علی شاہ گولڑوی، پیر ۱۰۷، ۱۲۵تا۱۳۹
۱۴۴، ۱۴۵، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۵، ۱۸۱
۲۳۰، ۲۶۱، ۲۸۶، ۲۹۰، ۲۹۶تا۲۹۸، ۳۰۶
میرو ۳۲۸
میکاڈو، شہنشاہ ۳۴۷
میور ۴۱۶

ن

نالووچ۔ روسی سیاح ۱۹۶
نادر شاہ ۳۳۶، ۳۹۴، ۳۹۷
ناصر احمد، مرزا۔ خلیفۃ المسیح الثالث ۲۳، ۲۲۵
ناصر الدین۔ شاہ ایران ۳۵۴
ناصر شاہ اوورسیئر، سید ۷۵، ۳۱۳
ناصر نواب، سید میر ۲، ۸۱، ۱۱۸
۱۹۵، ۲۱۸، ۲۲۳تا۲۲۵، ۳۹۰
۴۲۲تا۴۲۴، ۴۷۰، ۵۰۱، ۵۳۹، ۵۵۲، ۵۶۹، ۵۷۹
ناصرہ لطیف، سیدہ ۳۳۵
نصر اللہ خان، چوہدری ۳۷۱
نعیم احمد، مرزا ۲۲۶
نور احمد۔ بھڑی چٹھہ ۴۷۹
نور احمد پلیڈر، شیخ ۲۷۵
نور الدین، بابو ۴۲۲
نور الدین، خلیفہ ۲۱۳
نور الدین، الحاج حکیم مولانا ۲، ۳، ۸، ۴۰

۶۴، ۷۲، ۸۲تا۸۵، ۱۱۷، ۱۲۷، ۱۶۳، ۱۶۶، ۱۷۳، ۱۷۹
۱۸۰، ۱۹۵، ۲۱۳، ۲۲۲تا۲۲۵، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۱۴، ۳۲۵
۳۵۰، ۳۵۱، ۳۶۷، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۹، ۴۱۳، ۴۱۹، ۴۲۵
۴۲۸، ۴۷۲، ۴۷۴، ۴۹۴، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۴، ۵۰۸، ۵۰۹
۵۱۱، ۵۱۵، ۵۲۴، ۵۳۰، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۵، ۵۴۹
۵۵۵تا۵۵۸، ۵۸۱، ۵۹۱، ۵۹۹، ۶۰۰

نورالدین بی۔اے ۲۱۴
نور محمد، حافظ۔گڑھی امازئی ۱۴۶
نور محمد، ڈاکٹر ۵۷، ۲۲۴، ۳۳۹، ۳۵۳، ۵۱۵، ۵۱۶
نور محمد نقشبندی، مولوی ۵۷۲
نیاز احمد خاں نیاز فتحپوری ۲۴، ۵۷۲
نیاز علی، میاں۔سیالکوٹ ۳۳۶، ۳۶۹
نیاز محمد، شیخ۔انسپکٹر پولیس ۵۱۲، ۵۲۱

و

والٹر ایم۔اے ۵۷۲
وزارت حسین مونگھیری، سید ۱۹۷
وقار الملک، نواب ۲۱۹
وکٹر الیگزنڈر بروس ایلجن ۲۰
ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ ۴۲۴، ۴۲۵
ولید بن مغیرہ ۲۷۸
ولیم ہنٹر، ڈاکٹر ۱۰۲
ہالسما، پروفیسر ۲۰۵
ہربرٹ ۴۵
ہری ۴ے۔ای ۲۹۳
ہری سنگھ، سردار۔جہلم ۲۶۵
ہنری جیمز پرنس ۲۵۷
ہنری مارٹن کلارک، ڈاکٹر ۱۵، ۲۶، ۳۸، ۴۱، ۴۳، ۴۷
ہیرلڈ نکلسن ۴۴۹
ہیرودوس ۴۳

ی

یار محمد، مولوی ۱۴۲
یعقوب علی عرفانی، شیخ ۴، ۱۷، ۲۶، ۴۵، ۷۲
۷۵، ۱۴۲، ۱۷۸، ۱۸۰، ۲۱۵، ۲۲۰، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۳۳
۲۳۶، ۲۶۲، ۲۹۴، ۲۹۸، ۳۰۷، ۳۹۰، ۴۰۷، ۴۲۲، ۴۸۴
۵۰۱، ۵۱۱، ۵۶۹
یوسف شاہ، خواجہ ۵۵۴

مقامات

آ ۔ ا

آسٹریلیا ۲۴۱، ۳۳۹، ۳۴۵
آسٹریا ۳۸۵
آگرہ ۲۲۵
اٹاری ۳۱
اٹاوہ ۴۲۷
اٹلی ۳۳۷، ۳۸۷
اٹھوال ۲۳۳
اجنالہ ۲۲۷، ۲۳۸، ۵۰۱
افغانستان ۳۷، ۶۳، ۱۵۷، ۳۲۶، ۳۲۹تا۳۳۳، ۳۳۷، ۳۹۴، ۳۹۷، ۵۷۲
الجیریا ۱۹۶
الرامی جدران ۳۲۹، ۳۳۰
الہ آباد ۲۶، ۴۵۳
امروہہ ۲۰۸، ۴۲۷
امریکہ ۹۸، ۱۶۳، ۲۰۵، ۲۴۰تا۲۴۳، ۲۴۵، ۲۴۷، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۴، ۲۵۸، ۳۳۵، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۵۶، ۳۷۴، ۳۸۷
امرتسر ۳۳، ۳۵، ۴۰، ۶۰، ۷۶، ۸۲، ۸۳، ۹۱، ۱۵۵، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۲۰، ۲۲۷، ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۶۴، ۲۶۶، ۲۹۰، ۲۹۳، ۳۶۰، ۳۷۷، ۴۰۸، ۴۱۰، ۴۲۱تا۴۲۳، ۴۲۹تا۴۳۱، ۴۴۷، ۴۸۷، ۵۰۱، ۵۰۸، ۵۲۵، ۵۴۹، ۵۵۱، ۵۵۳، ۵۵۸
انبالہ ۸، ۵۳، ۴۲۷، ۵۰۱، ۵۵۸
انگلستان ۹، ۶۹، ۹۸، ۲۰۰، ۲۰۵، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۵۸، ۳۳۹، ۳۸۷، ۵۲۸
ایبٹ آباد ۶۶
ایران ۶۷، ۱۲۵، ۳۵۴، ۴۴۶
ایشیا ۲۵۰

ب

بارہ مولہ ۷۵
بانس بریلی ۴۵۰
باؤلی شریف ۴۰۹، ۴۱۰
بٹالہ ۱۶، ۲۶، ۲۸، ۳۸، ۴۰، ۴۱، ۴۷، ۶۰، ۸۲، ۸۳، ۹۲، ۱۱۸، ۱۹۶، ۲۰۸، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۸۱، ۲۸۳، ۲۸۷

۲۹۷، ۳۱۵، ۳۶۰، ۳۷۰، ۳۹۰، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۳۱، ۴۸۷
۴۹۵، ۵۱۹، ۵۲۱، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۳۵، ۵۴۹، ۵۵۴، ۵۵۸
۵۹۶
بدوملہی ۶۴
بڈابیر ۱۳۶
بروکن ہل ۴۴۲
بریلی ۳۱۹
بستی بزدار ۱۶۴
بستی رنداں ۱۶۳
بستی مندرانی ۱۶۴
بکلوہ ۳۷۷
بلب گڑھ ۴۲۷
بلند شہر ۳۰، ۳۳
بمبئی ۷، ۸۳، ۳۳۹، ۳۵۷، ۳۸۸، ۴۶۹.
بنارس ۵۰
بنگال ۲۵، ۳۹۶، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۴، ۴۹۴
بنگہ ۴۲۳
بنوں ۳۲۶، ۳۳۳
بوبک ۲۲
بھووالی ۴۴۷
بیروت ۳۴۵
بھڑی چٹھہ ۴۷۹
بھیرہ ۵۲، ۷۴، ۲۶۶
بھین ۱۶۸، ۲۱۰، ۲۶۰، ۲۶۱

پ

پاراچنار ۱۵۷
پاکستان ۱۵۷
پالم پور ۳۷۸
پٹنی ۶۹
پٹیالہ ۵۳، ۸۲، ۸۳، ۴۲۷، ۴۶۰
پٹھانکوٹ ۴۷
پشاور ۴۱، ۵۰، ۷۷، ۸۳
۱۶۵، ۲۲۲، ۲۹۰، ۳۳۳، ۳۳۵
پنجاب ۷، ۸، ۹، ۱۳، ۲۳، ۹۰، ۱۳۰
۱۵۳، ۱۵۶، ۲۵۱، ۲۵۵، ۳۳۹، ۳۹۴، ۴۵۴، ۵۹۴
پونا ۹۸
پھگواڑہ ۴۲۳
پھلور ۴۲۳

ت - ٹ

تبریز ۳۵۵
تھہ غلام نبی ۲۰
ٹورانٹو ۳۳۵

ج - چ

جاپان ۳۴۷،۳۴۸،۳۴۶
جالندھر ۵۰۸،۵۵۱،۵۵۸
جدہ ۵۲۱
جرمنی ۲۵،۳۴۷
جگراؤں ۶
جلال آباد ۶۴،۳۳۷
جموں ۱۵،۴۰،۸۳،۳۷۷،۵۰۸،۵۵۸
جوڑا کلاں ۲۹
جہلم ۸۳،۲۶۳تا۲۶۹،۲۷۵
۲۷۸،۲۷۹،۳۱۵،۳۴۹،۴۱۰،۴۱۱،۴۸۰،۵۰۸
جھنگ ۶۴،۸۳
چک ۹ چنیار ۷۲
چنیوٹ ۴
چین ۳۴۷

ح - خ

حلب ۳۴۵
حیدر آباد ۹۲،۲۹۰
خراسان ۳۵۵،۳۵۶
خوارزم ۲۷۳
خورجہ ۳۳
خوست ۱۵۶،۱۵۸،۱۵۹
۱۷۸،۳۱۳،۳۱۶،۳۱۷،۳۲۶،۳۲۹،۳۳۰

د - ڈ - ر - ڑ

دمشق ۱۱۴،۱۱۵،۱۴۷
دوالمیال ۴۸۰
دھاریوال ۴۱،۴۴،۴۵،۴۶
دھرم سالہ ۲۵۹،۳۷۷،۳۷۸
دھرم کوٹ ۲۳۳
دہلی ۳۲،۳۳،۹۰،۱۰۷،۱۶۴،۱۹۹
۲۰۸،۲۶۴،۳۵۷،۳۵۸،۳۷۷،۴۰۹،۴۱۷
۴۲۱تا۴۲۸،۴۳۱،۴۳۲،۴۴۹،۴۶۸،۴۶۹،۵۰۸
ڈیناگر ۲۹۰
ڈلہوزی ۱۷،۱۶۲،۳۷۷

ڈیرہ دون ۳۷۷
رام پور ۱۶۳
راولپنڈی ۸۳، ۱۳۲، ۱۵۵، ۳۳۵، ۳۵۷
راہوں ۲۹۰
ربوہ ۳، ۱۶۳، ۱۶۴، ۲۰۰، ۳۷۴
رتڑ چھتڑ ۱۶۴
رڑکی ۲۲۴
رعیہ ۳۲۷، ۳۴۷
رنگون ۳۴۰، ۳۵۷
رنمل ۱۶۳
روس ۳۴۷، ۳۸۵
زیرہ ۱۵۶

س - ش - ص

سان فرانسسکو ۲۳۱
سائبیریا ۳۸۷
سکھان پور ٹیرہ ۳۷۸، ۳۷۹
سرائے نورنگ ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۴
سرویا ۳۸۵
سرینگر ۶۳
سکاٹ لینڈ ۲۳۱
سکندرہ راؤ ۴۷۰
سکنڈے نیویا ۲۵۸
سکوپیلو ۳۸۷
سمرسیٹ ۲۵۷
سندھ ۲۹۰
سنور ۵۳، ۸۲، ۸۳
سوڈان ۱۹۶
سیائل ۳۳۵
سیالکوٹ ۲۶، ۵۷، ۷۲، ۸۲، ۸۳، ۲۵۹، ۲۶۶
۳۵۷، ۳۵۹، ۳۶۱تا۳۶۴، ۳۶۹، ۳۷۳، ۳۷۴، ۴۰۰
۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۸، ۴۴۷، ۵۰۱، ۵۰۸، ۵۶۴
سید گاہ ۱۵۶، ۳۲۸
سیکھواں ۲۳۳، ۴۲۲
شام ۱۲۵، ۱۶۳، ۱۷۴، ۳۴۵
شاہ آباد ۴۲۷
شاہ پور ۸۲
شاہجہانپور ۸۲
شمیر ۴۳

شکارپور ۲۷۵

شکاگو ۲۳۱، ۲۳۳، ۵۱۹

شملہ ۲۶، ۳۰، ۱۳۳، ۳۷۷

شنوار ۳۳۷

شیخ الباہڑی ۶۶

صیحون ۲۳۱، ۲۳۶تا۲۵۰

ع

عراق ۱۳۵

علی گڑھ ۱۳۳

ف

فجی ۳۳۵

فرانس ۳۳۷، ۳۸۵تا۳۸۷

فلپائن ۱۶۳

فیصل آباد (لائلپور) ۲۰۰

ق

قادیان ۱تا۳، ۱۲، ۱۸، ۲۰، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۹تا۳۱، ۳۳، ۳۷، ۴۸، ۵۰، ۵۲، ۵۷، ۶۲، ۶۳، ۷۲، ۸۱، ۸۲، ۹۶، ۹۷، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۵۵، ۱۶۳، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۹۵، ۱۹۶، ۲۰۳، ۲۰۷، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۵تا۲۳۳، ۲۵۸، ۲۶۸، ۲۷۰تا۲۷۳، ۲۸۱تا۲۸۳، ۲۸۷، ۲۹۰، ۲۹۷، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۲، ۳۰۵، ۳۱۲تا۳۱۷، ۳۲۷، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۵، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۸تا۳۷۰، ۳۷۳، ۳۷۸، ۳۸۱، ۳۸۸تا۳۹۳، ۳۹۶، ۴۰۰، ۴۰۸تا۴۱۰، ۴۱۲، ۴۲۲تا۴۲۵، ۴۳۱، ۴۳۳، ۴۳۷، ۴۵۳، ۴۵۸، ۴۶۱، ۴۷۳، ۴۸۳، ۴۸۵، ۴۹۱، ۴۹۵، ۵۰۱، ۵۰۸، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۹تا۵۲۲، ۵۳۳، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۴۹تا۵۵۱، ۵۵۳، ۵۵۷، ۵۶۳، ۵۶۷، ۵۷۵، ۵۹۳تا۵۹۵

قاہرہ ۳۳۹، ۳۴۵

قطیفہ ۶۷

ک ۔ گ

کابل ۶۴، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۵تا۳۲۰، ۳۲۳، ۳۲۵، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۹، ۳۴۳، ۴۰۷

کاموکے ۲۶۸

کانپور ۲۱۹

کانگڑہ ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۸۳، ۲۹۳، ۲۹۵، ۳۰۱

کپورتھلہ ۴۰، ۷۶، ۸۲، ۸۳، ۲۰۰، ۲۹۰، ۳۳۷، ۵۰۱، ۵۰۸، ۵۲۹، ۵۵۸

کراچی ۱۶۳، ۲۹۰، ۲۹۲، ۲۹۳، ۳۳۳

کردستان ۴۴۷

کرم کلاں ۴۸۲

کرنال ۳۷۷

کسولی ۴۸۵

کشمیر ۱۵، ۶۳، ۶۴، ۸۲، ۱۹۶، ۲۶۶، ۳۳۹، ۴۶۸

کلکتہ ۹۸، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۱۹، ۲۹۳، ۳۵۷، ۴۶۹

کنڈور ۴۷۶

کوریا ۳۴۷، ۳۴۸

کوٹ قیصرانی ۱۶۴

کوٹھ شریف ۱۵۱

کوہاٹ ۳۱۶، ۳۳۵

کیتھل ۳۷۷

کمشیون برگ ۳۸۷

کیلی فورنیا ۳۳۵

کھاریاں ۲۶۶

کھنڈہ ۴۴، ۴۶

گجرات ۸۰، ۸۳، ۵۰۸، ۵۵۸

گڑھی امازئی ۱۴۶

گڑھی پختہ ۴۲۷، ۴۳۲

گوجرانوالہ ۹، ۲۰۰، ۲۶۶، ۲۷۰، ۳۶۱، ۳۷۷، ۵۰۱، ۵۰۸، ۵۵۸

گورداسپور ۳۸، ۴۰، ۷۱، ۷۲، ۷۵، ۷۶، ۷۸، ۸۱، ۸۲، ۸۷، ۱۱۹، ۱۶۳، ۲۳۲، ۲۶۲، ۲۷۷تا۲۸۷، ۲۹۱، ۲۹۳تا۲۹۷، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۴۹، ۳۵۴، ۵۵۸

گورو ہرسہائے ۵۱۳، ۵۱۵

گوڑ گانواں ۶۴

گولڑہ ۱۲۶، ۱۳۶، ۲۰۸

گکھڑ ۳۶۱

ل

لارنس پور ۴۲۷

لالہ موسیٰ ۲۶۶

لاہور ۴، ۱۰، ۲۰، ۲۳، ۴۰، ۴۱، ۵۷، ۶۰، ۷۲، ۸۲، ۸۳، ۹۰، ۹۲تا۹۴، ۱۲۹، ۱۳۲تا۱۳۷، ۱۴۲، ۱۶۳، ۱۸۰، ۱۸۱، ۲۰۳، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۵۹، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۶، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۸۳، ۲۹۰، ۲۹۲، ۳۱۲، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۳۳، ۳۳۹، ۳۳۸، ۳۵۱، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۹، ۳۶۱، ۳۷۰، ۳۷۷، ۳۸۹، ۴۰۵، ۴۰۸، ۴۲۷، ۴۴۷، ۴۶۹، ۴۷۳، ۴۹۵، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۸، ۵۲۲تا۵۳۰

۵۳۳، ۵۴۳، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۹، ۵۵۴، ۵۵۸، ۵۶۴، ۵۹۹
لداخ ۹
لدھیانہ ۴۰، ۸۲، ۸۳، ۱۰۶، ۲۸۶
۲۹۳، ۳۲۱تا۳۲۳، ۳۲۷، ۳۲۸، ۵۰۱، ۵۰۸، ۵۹۳
لکھنؤ ۸۳، ۹۶، ۹۷، ۲۱۹
لباگاؤں ۳۷۹
لنڈن ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۷، ۳۳۹
لنڈی کوتل ۳۳۶
لیاؤ ٹونگ ۳۴۷
لیل ۴۴

م

ماسکو ۳۸۷
ماکو ۳۵۴
مالٹا ۱۰۷
مالیر کوٹلہ ۳، ۶۸، ۸۲
مانچوریا ۳۴۷
مانگٹ اونچا ۵۳۲
مد ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۸
مدراس ۸۲، ۲۹۲، ۲۹۳، ۳۶۹، ۴۷۲
مدینہ ۵۲۱
مراکش ۶۷
مردان ۲۳۸، ۳۴۳، ۵۷۵
مریدکے ۲۶۸
مسوری ۳۷۷
مصر ۶۷، ۱۴۷، ۱۹۶
مظفرنگر ۴۲۷
مکہ ۲۲، ۱۱۱، ۵۲۱
مکھیریاں ۳۷۸
ملائیشیا ۳۳۳
ملتان ۸۲، ۳۰۶
ملکانہ ۶۹، ۳۰۱
مونگھیر ۳۰۱
میاں میر ۳۶۱
میرٹھ ۲۱۹، ۴۲۷

ن

نارووال ۲۹۰
ناصر آباد ۵۳
ناگپور ۲۲

ناگ ۲۵
ندوہ ۲۱۹
نصیبین ۶۰، ۶۳تا۶۵، ۱۹۲، ۱۹۴
نگری ٹوٹیال ۶۶
نواں شہر ۴۲۹
نینی تال ۱۵۱

و

واشنگٹن ۳۳۴
وچھووالی ۴۹۹، ۵۰۱، ۵۰۲
وڈالہ ۴۱۵
وزیر آباد ۸۳، ۲۶۴تا۲۶۶، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۹۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۹، ۵۰۱، ۵۰۸، ۵۵۸
وزیرستان ۳۲۸

ہرچوال ۷۱، ۷۲
ہندوستان ۳۴، ۶۳، ۹۰، ۹۵، ۹۸، ۱۰۲، ۱۰۷، ۱۱۱، ۱۱۶، ۱۳۰، ۱۵۳، ۱۵۷، ۱۶۳، ۲۰۴، ۲۰۷، ۲۳۶، ۲۵۱، ۲۵۵، ۳۲۶، ۳۳۹، ۳۵۷، ۳۷۸، ۳۸۸، ۴۰۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۴، ۵۳۰، ۵۳۷، ۵۶۰، ۵۶۲، ۵۶۵، ۵۷۲
ہوشیار پور ۴۰۹، ۴۱۲، ۵۶۳

ی

یادگیر ۶۸، ۶۹، ۴۹۲
یاڑی پورہ ۵۰، ۵۳
یروشلم ۶۳
یورال ۳۸۷
یورپ ۵۶، ۵۷، ۱۶۳، ۱۶۵، ۲۰۵، ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۴۷، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۴تا۲۵۶، ۳۸۶، ۵۶۲

کتابیات

تفسیر

تفسیر ثنائی ۱۴۸، ۳۸۸

تفسیر کبیر (سورہ نور) ۲۹۸

دیباچہ بر ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی ۵۷۲

حدیث

ترمذی ۳۳

سنن ابو داؤد ۳۳

فتح الباری ۱۸۱

مسلم شریف ۱۱۳

مسند احمد بن حنبل ۱۸۱

مشکوٰۃ ۳۷۳

کتب حضرت مسیح موعود

آئینہ کمالات اسلام ۱۵۷، ۴۰۷، ۵۹۱

احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے ۴۴۴

اربعین ۱۳۸

ازالہ اوہام ۱۷۸

اعجاز احمدی ۲۲۹ تا ۲۳۱، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۳، ۳۸۶، ۳۸۸

اعجاز المسیح ۱۶۷ تا ۱۶۹

۱۷۱، ۲۰۸، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۹۰

الاستفتاء ۳۶۷، ۳۶۸

البلاغ ۹، ۱۱، ۱۳، ۱۴

الوصیت ۴۳۵، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۴۰، ۴۶۱

الہدیٰ والتبصرۃ لمن یریٰ ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۳۱

انجام آتھم ۱۷۸، ۲۷۱، ۲۷۲، ۴۷۴، ۴۸۶

ایام الصلح ۱۷، ۱۸، ۱۷۸، ۴۰۷

ایک غلطی کا ازالہ ۱۸۴، ۱۸۶ تا ۱۹۱

براہین احمدیہ ۱۸۶، ۳۷۸، ۳۸۲، ۳۸۴

پیغام صلح ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۶، ۵۳۹، ۵۴۳

تجلیات الٰہیہ ۱۹۸، ۴۷۱

تحفۃ الندوہ ۲۱۹، ۲۲۰

تحفہ غزنویہ ۸۳

تحفہ قیصریہ ۶۱

تحفہ گولڑویہ ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۷۱، ۲۹۷

تریاق القلوب ۵۹ تا ۶۱، ۶۵، ۱۷۱، ۱۸۵

تذکرۃ الشہادتین ۱۸۲، ۳۳۷، ۳۳۹

توضیح مرام ۱۷۸

چشمہ مسیحی ۳۵۰، ۴۷۱
چشمہ معرفت ۵۱۳
حقیقۃ المہدی ۴۷، ۴۹، ۵۴
حقیقۃ الوحی ۵۸، ۱۸۵
۱۸۶، ۳۳۸، ۳۶۰، ۳۶۵ تا ۳۶۷، ۳۷۰، ۳۸۱
حمامۃ البشریٰ ۱۷۸
خطبہ الہامیہ ۵۷، ۸۳، ۸۶، ۱۷۱، ۱۷۸
دافع البلاء و معیار اہل الاصطفاء ۲۰۷
راز حقیقت ۲۶، ۲۸، ۳۶
ستارہ قیصرہ ۶۱
سرمہ چشم آریہ ۱۷۸
ساتن دھرم ۲۹۹ تا ۳۰۱
سیرۃ ابدال ۳۴۱
ضرورت الامام ۱۸، ۵۹
فتح اسلام ۱۷۸
فریاد درد ۹، ۱۱، ۱۴
قادیان کے آریہ اور ہم ۲۵۰، ۴۸۳، ۴۸۴
کتاب البریہ ۶
کشتی نوح ۲۱۴ تا ۲۱۷، ۲۵۴، ۴۹۵
کشف الغطاء ۲۶، ۳۶
گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ۱۰۰ تا ۱۰۳
لجۃ النور ۶۰، ۶۵، ۱۲۵
لیکچر لاہور ۳۴۹
مسیح ہندوستان میں ۶۳
مواہب الرحمٰن ۲۶۰، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۹۵
نجم الہدیٰ ۲۱
نزول المسیح ۱۶۹، ۱۷۰، ۲۱۰، ۲۶۱، ۲۶۲
نسیم دعوت ۲۹۹، ۳۰۱

کتب خلفاء سلسلہ

برکات خلافت ۲۴
حقیقۃ النبوۃ ۶۸، ۱۹۸

کتب مصنّفین سلسلہ

آئینہ صداقت ۵۵۴
احمدی جنتری قادیان ۱۴۸
اثبات خلافت شیخین ۴۰۸
اصحاب احمد ۱۴۸
التشریح الصحیح ۲۰۱
القول النصوح فی اثبات حقیقۃ المسیح ۴۰۸

النبوۃ فی خیر الامہ ۲۵۸

انیسویں صدی کا مہرشی ۲۵۸

بٹالوی کا انجام ۲۵۸

بہائی مذہب کی حقیقت ۲۰۱

تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین ۲۵۸

تحفہ مستریاں ۲۵۸

جماعت مبایعین کے عقائد صحیحہ ۲۰۱

جواب کلمہ فضل رحمانی ۲۰۱

حیات حسن ۶۹

حیات قدسی ۵۳۳

حیات قمر الانبیاء ۵۷۰

خطبات کریمہ ۴۰۸

خلافت راشدہ ۴۰۸، ۴۰۹

خلافت محمود ۲۵۸

دعوۃ الندوۃ ۲۲۰، ۴۰۸

دین الحق ۲۵۸

ذکر حبیب ۵۷، ۶۶

سوانح احمدی ۱۱۱

سیرت احمد ۱۴۷

سیرت مسیح موعود ۹۷، ۴۰۸، ۵۹۰

شدھی کی اشدھی ۲۵۸

شمس بازغہ ۱۴۸، ۱۶۸، ۱۷۰

شہید مرحوم کے چشمدید حالات ۱۶۴

عاقبۃ المکذبین ۱۶۴، ۱۸۲

عبرتناک انجام ۲۵۲، ۲۵۳

اسلامیات (فقہ، تصوف)

تحقیق الجہاد ۱۱۱

ترجمان وہابیہ ۱۱۱

تقویم الدین دربارہ تحریک ۱۷۷

تفہیمات ۲۳۹

حجج الکرامہ ۱۴۷

رسائل و مسائل ۶۷

سود ۱۱۲

شواہد نظامی ۴۲۵

فتاویٰ نذیریہ ۱۱۱

فتویٰ صراط مستقیم ۱۱۱

مثنوی مولانا روم ۱۷۱

مجموعہ فتاویٰ ۱۱۱

مخزن عرفانی ۱۵۱
نصرت الابرار ۱۱۱
نظم الدرر فی سلک السیر ۱۵۱
ہدایۃ السائل ۱۱۱

سیرت و تاریخ

آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی ۳۹۱، ۳۹۲، ۵۷۰
احمدیہ تحریک ۱۱۲
احمدیہ مومنٹ ۵۷۲
اسباب بغاوت ہند ۹۸، ۱۱۱
بلاد فلسطین و شام ۱۴۷
بلوچ قوم کی تاریخ ۳۷۵
تاریخ افاغنہ ۱۸۲
تاریخ اقوام عالم ۳۷۲
تاریخ بشارت السند و پاکستان ۹۸
تاریخ بلوچستان ۳۷۵
تذکرہ رؤسائے پنجاب ۵۳۵
تذکرہ شعرائے پنجاب ۵۷۲
تمدن عرب ۱۴۷
حیات جاوید ۱۱۱
حیات محمد علی جناح ۴۵۵
داستان تاریخ ۱۱۱
دی انڈین مسلمانز ۱۰۱
دی پراسپکٹس آف اسلام ۵۷۲
روضۃ الصفا ۶۴
زاد المعاد ۱۵۰
زوال غازی ۳۳۷
سوانح خواجہ حسن نظامی ۵۷۰
سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۱۱۱، ۱۱۲
سیرت ثنائی ۲۲۸
شیخ سنوسی ۱۱۲
ظفرنامہ ۱۱۴
مسیح کی نامعلوم زندگی کے حالات ۱۹۶
معجم البلدان ۱۴۷
منتخبات التاریخ لدمشق ۱۴۷
موج کوثر ۲۳۶
نقش حیات ۱۱۲
یاران کہن ۵۵۴، ۵۶۹

کتب مخالفین سلسلہ

اظہار مخادعت مسیلمہ قادیانی ۱۶۲، ۱۸۲
اعلان الحق ۴۶۴
تجلی آسمانی بر سر دجال قادیانی ۴۷۹
تکذیب براہین احمدیہ ۴۳
سیف چشتیائی ۱۶۹، ۱۷۰، ۲۶۱، ۲۸۰، ۲۹۷
شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح ۱۲۶ تا ۱۲۸، ۱۴۹
شہاب ثاقب بر مسیح کاذب ۴۸۰
عصائے موسیٰ ۱۹، ۲۰، ۲۵، ۱۴۹
فتح قادیان ۲۷۲
مرقع قادیانی ۴۹۰
مہر منیر ۱۷۰

کتب دیگر مذاہب

اقتدار ۳۵۴، ۳۷۳
اقدس ۳۵۵، ۳۷۳
اشراب ۳۷۳
الفرائد ۳۷۳
الکواکب ۳۷۳
امہات المومنین ۹، ۱۰، ۱۳، ۲۰
انجیل ۴۵۰
بہاءاللہ کی تعلیمات ۳۷۳
بہاءاللہ و عصر جدید ۳۷۳
جواب نامہ جمعیت لاہائی ۳۷۳
خالصہ ساچار ۵۲۱
جواب لیکچر جناب قادیانی ۳۷۳
طالمود ۴۵۰
گیتا ۳۷۳
مکاتیب عبدالبہاء ۳۷۳
میزان الحق ۱۵۰
نقطۃ الکاف ۳۷۳
ینابیع الاسلام ۴۵۰

متفرق کتب

اظہار الحق ۳۸۸
اسلامی انسائیکلوپیڈیا ۱۴۷، ۲۰۵
انسائیکلوپیڈیا آف برٹینکا ۲۵۲، ۲۵۳، ۳۰۵، ۳۵۳
تسہیل العربیہ ۳۳۶، ۳۵۳
حریری ۱۶۹
دیوان حماسہ ۳۶

قاموس المشاہیر ۱۴۷
ہمدانی ۱۶۹

اخبارات و رسائل

اخبار آ[illegible] پترکا۔ لاہور ۵۶۶
اخبار ارگونات سان فرانسسکو ۲۴۴
رسالہ اشاعۃ السنہ۔ بٹالہ ۲۹، ۳۴، ۱۱۱، ۱۴۹
رسالہ اشاعت القرآن۔ لاہور ۴۷۳
اخبار البدر، بدر۔ قادیان ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۶۱، ۳۱۳، ۳۸۲، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۳۲
رسالہ البیان۔ لکھنؤ ۲۰۳، ۳۸۲، ۵۶۰، ۵۷۰
اخبار البشیر۔ اٹاوہ ۵۶۰، ۵۶۴
اخبار الحق۔ دہلی ۲۵۸
اخبار الحکم۔ قادیان ۹، ۲۶، ۵۰، ۵۵، ۵۷، ۱۲۸، ۱۷۰، ۱۹۰، ۱۹۱، ۲۱۶، ۲۲۱ تا ۲۲۳، ۲۶۱، ۲۶۹، ۵۵۷، ۵۵۹
اخبار الفضل۔ قادیان ۲۳۷
اخبار القادیان ۲۱۳، ۲۲۱
اخبار اللواء۔ مصر ۲۱۷، ۲۶۰
رسالہ المنار۔ مصر ۱۸۱، ۲۰۳، ۲۰۸، ۲۰۹
رسالہ امت مسلمہ ۲۳۸
اخبار امرتا بازار پترکا۔ کلکتہ ۵۶۶، ۵۶۷
رسالہ انجمن مسلم اہل الذکر والقرآن۔ لاہور ۴۷۶
اخبار اندر۔ لاہور ۵۶۶
رسالہ انڈی پینڈنٹ ۲۴۸، ۲۵۳
اخبار انڈین ڈیلی ٹیلی گراف ۹۳
اخبار انڈین سپکٹیٹر ۹۵
اخبار انقلاب۔ لاہور ۳۹۷
اخبار اہل حدیث۔ امرتسر ۲۰، ۳۶۹، ۳۷۷، ۳۹۷، ۴۶۲، ۴۸۷، ۴۸۸
اخبار اہل فقہ۔ امرتسر ۵۵۳
رسالہ ایمان (پٹی) ۲۱۳
اخبار برلنگٹن فری پریس ۲۴۴
اخبار برہم پرچارک ۵۶۶، ۵۶۷
اخبار بنگالی۔ کلکتہ ۵۶۶، ۵۶۸
اخبار بوسٹن ہیرلڈ ۲۴۹
اخبار پاؤنیر الہ آباد ۹۳، ۲۶۹، ۵۶۶، ۵۶۷
رسالہ پبلک میگزین ۳۷۷
اخبار پنجاب سماچار۔ لاہور ۲۶۳
اخبار پنجۂ فولاد ۲۶۹، ۲۷۰، ۴۰۵

اخبار پیسہ اخبار۔ لاہور ۸، ۳۵۰
۳۵۷، ۳۶۱، ۴۱۶، ۴۶۳، ۵۰۲، ۵۶۶
اخبار تسنیم۔ لاہور ۲۳۹
رسالہ تشحیذ الاذہان قادیان ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۹، ۴۷۲
رسالہ تعلیم الاسلام۔ قادیان ۲۲، ۲۳، ۴۷۱
اخبار تہذیب نسواں۔ لاہور ۵۶۰، ۵۶۴
اخبار ٹائمز۔ لندن ۵۶۸
اخبار ٹروتھ سیکر۔ امریکہ ۲۴۸
رسالہ جامعہ احمدیہ۔ قادیان ۱۶۴
اخبار جیون تت ۵۶۶، ۵۶۸
رسالہ چٹان۔ لاہور ۶۷، ۶۸
اخبار چرچ فیملی۔ انگلستان ۲۰۵
اخبار چودھویں صدی۔ راولپنڈی ۱۶۲
رسالہ دی مسلم ہیرلڈ۔ لنڈن ۱۶۲
اخبار دی انڈین پتریات۔ مدراس ۵۳۶
اخبار دی ایوننگ نیوز۔ لنڈن ۲۵۸
رسالہ رفیق حیات۔ قادیان ۴۷۸
اخبار روہن کھنڈ۔ بریلی ۵۶۶
رسالہ ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان ۵۷، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۹۰
۲۰۲ تا ۲۰۵، ۲۱۰، ۴۱۴ تا ۴۱۶، ۴۵۷، ۴۵۹، ۴۷۲
رسالہ ریویو آف ریویوز۔ لندن ۲۰۵، ۵۰۳، ۵۳۶
اخبار زمیندار۔ لاہور ۱۱۳، ۳۷۷، ۴۱۶، ۵۶۰، ۵۶۴
اخبار ست دھرم ۶۲
اخبار سٹیٹسمین۔ کلکتہ ۵۶۶، ۵۶۸
اخبار سچ ۵۷۲
اخبار سراج الاخبار۔ جہلم ۲۴، ۲۶۱
۲۶۲، ۲۸۰، ۲۸۹، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۷
اخبار سنڈے سرکل۔ انگلستان ۲۵۵
اخبار سن رائز ۳۷۴
اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ۔ لاہور ۲۱۷،
۴۶۹، ۵۳۶، ۵۶۶، ۵۶۷
اخبار سیاست۔ لاہور ۳۹۷
اخبار شبھ چنتک۔ قادیان ۳۸۰ تا ۳۸۵
اخبار شکاگو ٹریبیون ۲۴۸
اخبار صادق الاخبار۔ ریواڑی ۵۶۰، ۵۶۵
رسالہ طبیب حاذق۔ قادیان ۴۷۲
رسالہ طلوع اسلام۔ کراچی ۶۷، ۲۳۸
رسالہ عالمی ڈائجسٹ۔ کراچی ۵۷۱

اخبار عام۔ لاہور ۶۲، ۵۳۱، ۵۶۸
اخبار عصر جدید۔ کلکتہ ۵۵۳
اخبار علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ۔ علی گڑھ ۵۶۰، ۵۶۵
اخبار فاروق۔ قادیان ۲۵۸
اخبار فرنٹیر میل ۵۳۶
رسالہ قطع الوتین ۲۱۹
اخبار کرزن گزٹ۔ دہلی ۴۲۷، ۵۶۰، ۵۶۵
اخبار کریسنٹ۔ لورپول ۲۰۴
اخبار گلاسگو ہیرلڈ۔ امریکہ ۲۴۵
اخبار گلزار ہند۔ لاہور ۲۳
اخبار لیوز آف پبلنگ۔ شکاگو ۲۴۱، ۲۴۲
اخبار مخبر۔ دکن ۱۰
اخبار مدینہ۔ بجنور ۳۹۷
اخبار مسلم آؤٹ لک ۳۷۴
رسالہ معارف۔ اعظم گڑھ ۶۷
اخبار ملت۔ لاہور ۲۰۴
اخبار منادی۔ دہلی ۵۷۱
اخبار مناظر۔ قاہرہ ۱۷۱، ۲۰۸
اخبار میونسپل گزٹ۔ لاہور ۵۶۰، ۵۶۶
اخبار نسیم۔ آگرہ ۵۶۶
رسالہ نگار۔ لکھنؤ ۲۴، ۵۷۴
اخبار نوائے وقت۔ لاہور ۳۴۴
اخبار نور۔ قادیان ۴۷۸
اخبار نور افشاں۔ لدھیانہ ۲۰
اخبار نیر اعظم۔ مراد آباد ۴۵۹، ۵۶۶
اخبار نیویارک ورلڈ ۲۴۶
اخبار وطن۔ لاہور ۳۲۶، ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۱۷
اخبار وکیل۔ امرتسر ۳۷۷، ۳۹۰، ۵۶۰، ۵۶۴
اخبار ہلال۔ قاہرہ ۱۷۱، ۲۰۸
رسالہ ہما۔ جبلپور ۵۷۲، ۵۷۴
اخبار ہندو پیٹریٹ۔ مدراس ۵۳۶
اخبار دی یونٹی اینڈ دی مسٹری۔ کلکتہ ۵۶۶، ۵۶۸
اخبار یونین گزٹ۔ بریلی ۵۶۰، ۵۶۵، ۵۶۶

تاریخِ احمدیّت

حضرت حکیم حافظ حاجی الحرمَین مولوی نورالدین صاحب بھیرویؓ

خلیفۃ المسیحؑ الاولؓ

کے

عہد خلافت کی جامع اور مستند تاریخ اور آپ کے

عظیم الشان اور زندہ جاوید کارناموں کا مفصّل تذکرہ

جلد سوم

مؤلفہ

دوست محمد شاہد

نام کتاب : تاریخ احمدیت جلد سوم
مرتبہ : مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن : 2007
تعداد : 2000
شائع کردہ : نظارت نشر واشاعت قادیان
مطبع : پرنٹ ویل امرتسر
ISBN - 181-7912-110-0

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-3 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007
Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516
Distt. Gurdaspur (Punjab) INDIA
Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-110-0

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایاپلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جا بجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یادرکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یادرکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنّفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۴ کو جلد نمبر ۳ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد سوم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر و اشاعت قادیان)

فہرست تاریخ احمدیت جلد ۳

عنوان	صفحہ
سیدی حضرت خلیفہ اول اور آپ کا عہد خلافت	
(دیباچہ از جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب بالقابہ)	ا
حصہ اول	
پہلا باب	
(حضرت خلیفۃ المسیح اول ؓ کی جائے پیدائش۔ سن ولادت۔ بچپن۔ ابتدائی تعلیم۔ سفر ہند)	
جائے پیدائش	۱۵
سن ولادت	۱۶
خاندان	۱۶
والد بزرگوار	۱۹
ننھیال کا شجرہ نسب	۲۴
حضرت کے ننھیال	۲۵
ایام طفولیت اور ابتدائی درسگاہ میں تعلیم	۲۶
لاہور میں تعلیم کا حصول	۲۸
لاہور سے بھیرہ کو مراجعت	۲۸
جہاد فی سبیل اللہ کا شوق	۳۰
راولپنڈی کے نارمل سکول میں داخلہ اور کامیابی	۳۰
پنڈ دادنخان میں قیام اور ملازمت سے استعفیٰ	۳۱
سفر رامپور	۳۳
لکھنؤ میں آمد	۳۷
رامپور میں دوبارہ ورود	۴۰
سفر میرٹھ و دہلی	۴۳
بھوپال میں پہلی مرتبہ آمد	۴۴
دوسرا باب	
(سفر حرمین شریفین سے لے کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پہلی زیارت تک)	
حرمین شریفین کے لئے سفر	۵۹
مکہ معظمہ میں پہلی بار	۶۰
سفر مدینہ طیبہ	۶۳
حضرت شاہ عبدالغنیؒ سے چالیس احادیث کی روایت کا فخر	۶۷
مکہ معظمہ میں دوسری بار	۶۸
شرف حج اور اس کے تاثرات	۶۹

عنوان	صفحہ
مکہ معظمہ سے وطن کو مراجعت	۷۰
بھیرہ میں واپسی	۷۱
قتل کی سازش	۷۳
پہلی شادی	۷۶
بھیرہ میں درس و تدریس اور مطب کا آغاز	۷۷
بھوپال سے دعوت اور آپ کا سفر لاہور	۸۱
لارڈ لٹن کے دربار دہلی میں شمولیت	۸۱
بھوپال میں دوسری بار ورود	۸۳
بھیرہ میں آمد اور ریاست جموں و کشمیر میں	
ملازمت کی تحریک	۸۴
ریاست جموں و کشمیر میں ملازمت کا آغاز	۸۶
عظیم الشان طبی خدمات	۸۸
زمانہ جموں کے ایک کارڈ کا چربہ	۹۰
ریاست میں تبلیغ و اشاعت اسلام کی وسیع سرگرمیاں	۹۱
اس زمانہ کی تصنیفات	۹۳
جموں میں درس قرآن	۹۴
اشاعت قرآن کریم کے لئے ایک سکیم	۹۴
تفسیر تورات کے لئے سرسید کا آپ کو بلانا	۹۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت	۹۶

عنوان	صفحہ
سوامی دیانند سرسوتی پر اتمام حجت	۹۶
انجمن اشاعت اسلام	۹۷
حفظ قرآن	۹۸
انجمن حمایت اسلام	۹۸
حضرت مسیح موعودؑ سے غائبانہ تعارف	۱۰۰
حضرت مسیح موعودؑ کی پہلی بار زیارت	۱۰۱
علم کلام کے متعلق تاثرات	۱۰۲
حضرت مولوی صاحب آیت اللہ تھے اور آپ	
کی آمد نشان	۱۰۳
دوسری ملاقات اور ایک مجاہدہ کی ہدایت	۱۰۴

تیسرا باب

("**فصل الخطاب**" کے مجاہدہ سلوک سے لے کر ہجرت قادیان تک)

عنوان	صفحہ
"**فصل الخطاب**" کی تصنیف و اشاعت	۱۱۵
خدمت دین کے لئے ملازمت سے استعفیٰ کا فیصلہ	۱۱۶
"سرمہ چشم آریہ" اور "سراج منیر" کی اشاعت	
میں حصہ	۱۱۷
حضرت مولوی عبدالکریم صاحب آپ کی شاگردی میں	۱۱۷

عنوان	صفحہ
آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس	۱۱۷
شیخ محمد عبداللہ صاحب (علیگ) کا قبولِ اسلام	۱۱۸
حضرت اقدس سے مراسلت	۱۱۸
"منشور محمدی" میں ایک معرکۃ الآراء مضمون	۱۱۸
بیماری اور عیادت کے لئے حضرت مسیح موعود کی تشریف آوری	۱۲۰
حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھیروی آپ کی شاگردی میں	۱۲۱
دوسری شادی لدھیانہ میں	۱۲۱
لدھیانہ کی بیعت اولیٰ میں شرکت	۱۲۱
عکس الفاظ بیعت اولیٰ (رقم فرمودہ حضرت مسیح موعود)	۱۲۳
دوسرا مجاہدہ "تصدیق براہین احمدیہ" کی تصنیف و اشاعت	۱۲۴
سب سے پہلی تصویر	۱۲۴
دعویٰ مسیحیت پر ایمان	۱۲۵
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے تبادلہ خیالات	۱۲۵
ڈاکٹر جگن ناتھ کا مطالبہ نشان	۱۲۶
ملازمت سے استعفیٰ کی ممانعت	۱۲۷
سفر قادیان	۱۲۸
جماعت احمدیہ کے پہلے سالانہ جلسہ میں شرکت	۱۲۸
سفر لاہور اور لیکچر	۱۲۸
"ازالہ اوہام" کی اشاعت میں اعانت	۱۲۹
مولوی سید محمد احسن صاحب کے لئے چندہ	۱۲۹
مہمانان جلسہ کے لئے ایک مکان کی تعمیر	۱۲۹
ریاست جموں و کشمیر سے تعلق ملازمت کا خاتمہ اور اس کا پس منظر	۱۳۰
اخبار "چودھویں صدی" (راولپنڈی) کا انکشاف	۱۳۳
حضرت مسیح موعود کا ارشاد ریاست کے متعلق	۱۳۴
ریاست سے روانگی کے دن نصرت الٰہی	۱۳۴
ریاست سے بھیرہ	۱۳۵
حضرت مسیح موعود کے دو نایاب خطوط	۱۳۵
انجمن حمایت اسلام کے جلسہ ۱۸۹۳ء میں پُرمعارف لیکچر	۱۳۷
قادیان کی طرف مستقل ہجرت	۱۳۷

چوتھا باب

(آغاز ہجرت سے لے کر حضرت مسیح موعود کے وصال مبارک تک)

عنوان	صفحہ
ہجرت کی مخالفت اور آپ کا ثبات و استقلال	۱۴۶
قادیان میں دینی مشاغل	۱۴۷
دوسروں کو ہجرت کی تحریک	۱۴۸
عکس خط حضرت مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح اول ؓ بنام مخدوم محمد صدیق صاحب ؓ	۱۴۹
سرسید احمد خاں سے خط و کتابت	۱۵۰
مباحثہ جنگ مقدس	۱۵۰
حضرت مسیح موعود کی شان میں عربی مضمون اور عربی قصیدہ	۱۵۱
اشتہار "اللوائے جلسہ" میں ذکر	۱۵۱
سفر جموں	۱۵۲
حضرت مسیح ناصری کی قبر کا انکشاف	۱۵۲
نئے ترجمہ قرآن کی ضرورت اور اس کے اصول	۱۵۲
سفر بہاولپور اور حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف سے ملاقات	۱۵۴
سفر مالیر کوٹلہ	۱۵۴
"جلسہ اعظم مذاہب" لاہور	۱۵۵
"انجمن حمایت اسلام" کے سالانہ جلسہ پر لیکچر	۱۵۶
ڈگلس کی عدالت میں گواہی	۱۵۶
سفر ملتان	۱۵۶
سالانہ جلسہ ۱۸۹۷ء پر ایمان افروز تقریر	۱۵۷
الحکم کا قادیان سے اجراء	۱۵۸
انجمن ہمدردان اسلام میں لیکچر	۱۵۸
مقدمہ حفظ امن کے لئے سفر گورداسپور	۱۵۸
ولادت میاں عبدالحی صاحب	۱۵۸
مولوی کرم الدین آف بھیں کا خط	۱۵۹
وفد نصیبین	۱۶۰
قومی ضرورتوں کی طرف توجہ	۱۶۰
علامہ شبلی نعمانی مرحوم سے خط و کتابت	۱۶۰
۲۷ر دسمبر ۱۹۰۰ء کو ایک وعظ	۱۶۱
ولادت سیدہ امۃ الحی صاحبہ	۱۶۱
اردو ترجمہ قرآن مجید	۱۶۱
"الدار" میں قیام	۱۶۲
اخبار البدر کی قلمی معاونت	۱۶۲
ایک الزام کا عارفانہ جواب	۱۶۲
صاحبزادہ عبدالقیوم کی ولادت	۱۶۲
سفر کپور تھلہ	۱۶۳
میاں عبدالرحیم خاں کا علاج	۱۶۳

عنوان	صفحہ
فونوگراف میں وعظ	۱۶۳
کتاب "نور الدین" کی تصنیف و اشاعت	۱۶۴
سفر لاہور	۱۶۵
گورداسپور میں قیام	۱۶۵
رسالہ "ابطال الوہیت مسیح" کی تصنیف	۱۶۶
سفر سیالکوٹ	۱۶۶
زلزلہ کانگڑہ پر لطیف نوٹ	۱۶۶
بیماری اور وصیت	۱۶۷
میاں عبد الحی صاحب کا ختم قرآن	۱۶۷
حرم اول کی وفات	۱۶۸
میاں عبد السلام صاحب کی ولادت	۱۶۸
"انجمن کارپرداز مصالح قبرستان"	۱۶۸
صدر انجمن احمدیہ کے پریذیڈنٹ	۱۶۹
دینیات کا پہلا رسالہ	۱۶۹
ڈاکٹر عبد الحکیم مرتد کے نام خط	۱۶۹
حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کا خطبہ نکاح	۱۷۰
زبان پر تصرف الٰہی سے کلمات حدیث جاری ہونا	۱۷۰
"مبادی الصرف" کی تالیف و اشاعت	۱۷۰

عنوان	صفحہ
حضرت مسیح موعود کی ہدایت	۱۷۱
جلسہ تشحیذ الاذہان کی صدارت	۱۷۱
عبد الکریم صاحب حیدر آبادی کے لئے اجتماعی دعا	۱۷۱
ترجمہ قرآن کے پہلے پارہ کی اشاعت اور حضرت مسیح موعود کا مکتوب	۱۷۱
شدید علالت	۱۷۲
میاں مبارک احمد صاحب اور میاں عبد الحی صاحب کے خطبہ نکاح	۱۷۲
جلسہ آریہ سماج لاہور میں شرکت	۱۷۲
درود شریف کے فلسفہ پر لطیف روشنی	۱۷۳
ولادت میاں عبد الوہاب صاحب	۱۷۴
"مجمع الاخوان" کا قیام	۱۷۵
خطبہ جمعہ میں آیت استخلاف کا ذکر	۱۷۵
قرآن سیکھنے کی ایک مجرب راہ	۱۷۵
قادیان میں عہد مسیح موعود کا آخری خطبہ جمعہ	۱۷۶
احمدیہ بلڈنگس لاہور میں قیام	۱۷۶
حضرت مسیح موعود کے آخری لمحات میں آپ کا صبر و استقلال	۱۷۷

عنوان	صفحہ

حصہ دوم

پہلا باب

عنوان	صفحہ
(حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اول کی خلافت پر قوم کا اجماع۔ خلافت اولیٰ کا پہلا سال ۱۹۰۸ء)	۱۸۷
حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی پہلی تقریر	۱۸۹
صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے بیرونی جماعتوں کو اطلاع	۱۹۱
خواجہ کمال الدین صاحب کا ایک حیرت انگیز بیان قیام خلافت اولیٰ کی نسبت	۱۹۲
خواجہ کمال الدین صاحب کے خود نوشت بیان کا چربہ	۱۹۵
مولوی سید محمد احسن صاحب کا بیان خلافت اولیٰ کے قیام کے متعلق	۲۰۰
حضرت اقدس کے وصال مبارک کا اثر	۲۰۱
حضرت میر محمد اسماعیل صاحب کا خط حضرت ام المومنین کے نام	۲۰۲
مخالفین احمدیت کی منظم یورش اور اس کی روک تھام	۲۰۴
خلافت اولیٰ کے عہد میں صدر انجمن احمدیہ کا سب سے پہلا اجلاس	۲۰۷
بیت المال کا قیام	۲۰۸
قادیان میں پہلی پبلک لائبریری کا قیام	۲۰۸
اہلبیت کے اخراجات کا الہام الٰہی کے مطابق انتظام	۲۰۸
کتاب "پیغام صلح" کے خلاف محاذ	۲۱۱
قدرت ثانیہ کے لئے اجتماعی دعا	۲۱۲
مجلس ضعفاء کا قیام	۲۱۲
ناناجان حضرت میر ناصر نواب صاحب کی ناقابل فراموش خدمات	۲۱۳
حضرت مسیح موعود کی یادگار میں دینی مدرسہ کے لئے تحریک و اعظین سلسلہ کا تقرر	۲۱۶
بھیرہ کی جائیداد کا سلسلہ احمدیہ کے لئے وقف کرنا	۲۱۷
تشدد پسند پارٹیوں کی مذمت	۲۱۷
مولوی عبداللہ العمادی کا ایک نوٹ اور حضرت خلیفہ اول کا ان کے نام ایک خط	۲۱۸
حضرت مسیح موعود کی ایک پیشگوئی کا ظہور	۲۱۹
سیلاب اور جماعت کی خبرگیری کا انتظام	۲۱۹
مسجد مبارک میں اعتکاف اور درس	۲۲۰
لنگر خانہ کا انتظام صدر انجمن کی نگرانی میں	۲۲۰
۱۹۰۸ء میں سیدنا محمود کے بعض تبلیغی سفر	۲۲۰

عنوان	صفحہ
عہد خلافت اولیٰ کے پہلے سالانہ جلسہ کے مختصر کوائف	۲۲۱
خلیفہ وقت سے انحراف کا پہلا پبلک مظاہرہ	۲۲۳
حضرت خلیفہ اول کی تقریر کے لئے وقت کی پابندی	۲۲۸
جماعتی کانفرنس میں مدرسہ دینیہ کے قیام کی شدید مخالفت	۲۲۹
۱۹۰۸ء کے بعض متفرق واقعات	۲۳۲

دوسرا باب

فصل اول

(فتنہ انکار خلافت کا تفصیلی پس منظر۔ حضرت خلیفہ اول کا معرکۃ الآراء فیصلہ اور عفو عام ۱۹۰۹ء)

عنوان	صفحہ
ممبران انجمن کی تقریروں کا ردعمل	۲۴۱
فتنہ کے متعلق حضرت مسیح موعود کے رویاء والہامات	۲۴۱
خواجہ کمال الدین صاحب اور ان کے رفقاء کی سلسلہ میں شمولیت کا مقصد	۲۴۴
حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کو پیش کرنے کی ضرورت	۲۴۵
ایڈیٹر اخبار "وطن" سے گٹھ جوڑ	۲۴۵
ڈاکٹر عبد الحکیم کے دلی خیالات	۲۴۶
انجمن کے بارے میں منکرین خلافت کا غالیانہ عقیدہ	۲۴۷
صدر انجمن احمدیہ کا قیام	۲۴۸
انجمن کارپرداز مصالح قبرستان کا صدر انجمن احمدیہ سے موسوم ہونا	۲۴۹
ممبران انجمن کے تقرر کا واقعہ	۲۵۰
ممبران انجمن کی حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ اور خاندان مسیح موعود سے پرانی رقابت	۲۵۱
انجمن میں خواجہ صاحب کے حامیوں کی اکثریت	۲۵۱
لنگر خانہ پر قبضہ کرنے کی کوشش	۲۵۲
حضرت مسیح موعود پر بے جا اسراف کے الزامات	۲۵۳
حضرت مسیح موعود کا آخری سفر اور لنگر خانہ کا انتظام	۲۵۳
خلافت اولیٰ کا قیام اور اختیارات کو محدود کرنے کی سازش	۲۵۳
حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی طرف سے وضاحت طلب سوال	۲۵۴

عنوان	صفحہ
مولوی محمد علی صاحب کے خیالات کا بے نقاب ہونا	۲۵۴
حضرت خلیفہ اول کی طرف سے جماعتی شوریٰ کا حکم	۲۵۵
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب پر فتنہ کا انکشاف اور آپ کا جواب	۲۵۵
دوسرے ممبران انجمن کا جواب	۲۵۶
خواجہ صاحب کا لاہور میں جلسہ	۲۵۶
خواجہ صاحب کے زہریلے پراپیگنڈا کا اثر	۲۵۷
حضرت خلیفہ اولؓ کے نام انجمن کے ایک دلدادہ کا خط	۲۵۸
۳۱ر جنوری ۱۹۰۹ء کا یوم الفرقان	۲۵۸
حضرت خلیفہ اول کی جلالی تقریر	۲۶۲
دوبارہ بیعت کا ارشاد	۲۶۲
خواجہ صاحب کا اقرار	۲۶۳
بیعت کے بعد مولوی محمد علی صاحب کا ایمان سوز مظاہرہ	۲۶۳
یہ فتنہ کس پاک شخصیت کے خلاف تھا	۲۶۴
حضرت خلیفہ اول کے صریح حکم کی خلاف ورزی	۲۶۵
خلیفہ کے بجائے پریذیڈنٹ کے لفظ کا استعمال	۲۶۵
بھیرہ کی حویلی کا واقعہ اور منکرین خلافت کی شورش	۲۶۵
ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کا خط	۲۶۸
ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب کا خط	۲۶۸
مولوی محمد علی صاحب کا تبصرہ خطوط پر	۲۶۹
حضرت خلیفہ اول کا عفو عام اور وحدت کی تلقین	۲۶۹
معافی پانے والوں کا تجاہل عارفانہ	۲۷۱

فصل دوم

(مدرسہ احمدیہ کے سنگ بنیاد سے تمکین خلافت کے نشان تک)

عنوان	صفحہ
مدرسہ احمدیہ کی بنیاد مستقل درسگاہ کی حیثیت سے	۲۸۴
عہد خلافت اولیٰ کے اساتذہ	۲۸۶
مدرسہ کے اولین طلبہ	۲۸۶
مدرسہ کا انتظام حضرت صاحبزادہ بشیرالدین	

عنوان	صفحہ
محمود احمد صاحب کے ہاتھ میں	۲۸۷
مدرسہ احمدیہ کی ترقی کے لئے زریں خدمات	۲۸۷
مدرسہ خلافت ثانیہ میں	۲۹۰
حضرت میر محمد اسحاق صاحب کی اصلاحات کا دور	۲۹۰
مدرسہ احمدیہ کا احیاء پاکستان میں	۲۹۱
اعانت یتامیٰ و مساکین کے لئے تحریک	۲۹۱
حضرت مسیح موعودؑ کی دو عظیم پیشگوئیوں کا ظہور	۲۹۱
حضرت خلیفہ اول کا مکتوب خواجہ حسن نظامی صاحب کے نام	۲۹۲
نواب وقار الملک کے نام خط	۲۹۲
انجمن "الاخوان" کے سالانہ جلسہ پر تقریر	۲۹۳
دہلی سے قصور تک تبلیغی دورہ	۲۹۳
اردو کی تائید میں ریزولیوشن	۲۹۴
جلسہ انجمن احمدیہ فیروز پور	۲۹۴
انگریزی ترجمہ قرآن مجید	۲۹۴
مباحثہ رام پور	۳۰۰
جماعت کو ذمہ داریوں کے احساس کی طرف توجہ دلانا	۳۰۱
صاحبزادگان کا سفر کشمیر	۳۰۱
مسجد نور بھیرہ	۳۰۲

عنوان	صفحہ
گرلز سکول (مدرسۃ البنات)	۳۰۲
دیانند مت کھنڈن سبھا دہلی	۳۰۲
اخبار نور کا اجراء	۳۰۳
مباحثہ منصوری	۳۰۳
انجمن ارشاد کا قیام	۳۰۳
حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی ولادت	۳۰۴
جلسہ سالانہ کا پروگرام	۳۰۴
"نجات"	۳۰۴
مسیحی لیکچروں کے جواب میں اسلامی لیکچر	۳۰۵
مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری سے چپقلش اور تکفیر سے رجوع	۳۰۵
ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کے سولات کے جوابات	۳۰۷
حضرت خلیفہ اول کی طرف سے تمکین خلافت کے نشان کا ظہور	۳۰۹
۱۹۰۹ء کے متفرق واقعات	۳۱۰

تیسرا باب

(قادیان میں متعدد پبلک عمارتوں کی تعمیر ۱۹۱۰ء)

عنوان	صفحہ
محلہ دار العلوم	۳۱۱

عنوان	صفحہ
مسجد نور	۳۱۱
بورڈنگ تعلیم الاسلام ہائی سکول	۳۱۲
تعلیم الاسلام ہائی سکول	۳۱۲
اخبار ''الحق'' کا اجراء	۳۱۳
سنگاپور اور سیلون میں تبلیغی وفد بھجوانے کی تجویز	۳۱۴
حضرت صاحبزادہ صاحب کے درس قرآن کا آغاز	۳۱۴
مسجد اقصیٰ کی توسیع	۳۱۴
نماز جمعہ میں مستورات کی پہلی بار شمولیت	۳۱۵
حضرت خلیفہ اول کا ایک خط سیکرٹری مدرسہ الٰہیات کے نام	۳۱۵
''الانذار''	۳۱۵
خطبہ جمعہ ۲۵/ مارچ ۱۹۱۰ء کی خصوصیت	۳۱۶
دسمبر ۱۹۰۹ء کا جلسہ مارچ ۱۹۱۰ء میں	۳۱۶
انجمن راجپوتان ہند کا قیام	۳۱۷
حضرت خلیفہ اول کی طرف سے ایک ضروری اعلان	۳۱۷
جلسہ پر آنیوالوں کو ایک نصیحت دردمند دل کے ساتھ	۳۱۸
امتحان میں کامیابی	۳۱۸
حضرت امیر المومنین کو مبارکباد	۳۱۹

عنوان	صفحہ
جھوٹے مدعیوں کا خروج	۳۱۹
نوجوانوں کے لئے تربیتی کلاس	۳۱۹
حضرت مسیح موعودؑ کے تیسرے پوتے کی ولادت	۳۲۰
مدرسہ تعلیم الاسلام کے لئے وظائف	۳۲۰
حضرت سیدہ امۃ الحی صاحبہ کی آمین	۳۲۰
مباحثہ کھارا	۳۲۰
سفر پشاور	۳۲۰
اپنے خرچ پر دو احمدیوں کو حج پر بھجوانے کی خواہش	۳۲۱
سفر ملتان	۳۲۱
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا سب سے پہلا خطبہ جمعہ	۳۲۳
حضرت صاحبزادہ صاحب کی اقتداء میں نماز جمعہ	۳۲۴
جلسہ میرٹھ	۳۲۴
ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت	۳۲۴
مکفرین کے ایک اشتہار کا جواب	۳۲۴
مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کا لاہور میں تقرر اور منکرین خلافت کی حالت	۳۲۴
یوپی میں مبلغین احمدیت کے کامیاب دورے	۳۲۷

عنوان	صفحہ
مرکزی علماء مونگھیر میں	۳۲۸
حضرت خلیفہ اول کا گھوڑے سے گرنے کا حادثہ	۳۲۹
جماعت کی طرف سے اپنے امام سے بے پناہ خلوص و محبت کا اظہار	۳۳۰
حضرت خلیفہ اول کی بیماری اور اس کے کوائف	۳۳۱
حضرت خلیفہ اول کے مقام عشق و فدائیت کے ایمان افروز واقعات	۳۳۲
آئندہ خلیفہ کے لئے وصیت	۳۳۹
حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کی شادی خانہ آبادی	۳۴۲
خواجہ کمال الدین صاحب کے لیکچروں کا ردعمل اور حضرت خلیفہ اول کا واضح ارشاد	۳۴۳
غیروں کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں حضرت مسیح موعود کا فیصلہ کن مسلک حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے ایک خط کا عکس	۳۴۵
جلسہ سالانہ ۱۹۱۰ء	۳۴۶
حضرت خلیفہ اول کے دو خطوط کا عکس	۳۴۸
۱۹۱۰ء کے متفرق واقعات	۳۵۳

چوتھا باب

(انجمن انصار اللہ کا قیام ۱۹۱۱ء)

عنوان	صفحہ
رسالہ "احمدی" کا اجراء	۳۶۲
ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی کی پیشگوئی کا غلط ہونا	۳۶۳
انجمن انصار اللہ کا قیام اور اس کے کارنامے	۳۶۳
صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کی ولادت	۳۶۶
"خاتم النبیین" پر نظام المشائخ میں مضمون	۳۶۷
حضرت خلیفہ اول کی طرف سے اہم تصریح	۳۶۷
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے لئے چندہ	۳۶۸
مسلمان وہی ہے جو سب ماموروں کو مانے	۳۶۹
خواجہ کمال الدین صاحب کا طرز عمل	۳۷۰
سنسکرت کی تعلیم کا انتظام	۳۷۲
حضرت خلیفہ اول کا اعلان حق	۳۷۳
جلسہ بنارس	۳۷۳
مسکوزین سے نیکی کی تلقین	۳۷۳
نکتہ معرفت	۳۷۳
ایک پرائیویٹ کلاس	۳۷۴
جلسہ تاجپوشی پر تقریر و جلسہ بٹالہ	۳۷۴

عنوان	صفحہ
چوہدری محمد ظفراللہ خانصاحب کا پہلا سفرانگلستان	۳۷۵
مباحثہ مانگٹ اونچے ضلع گوجرانوالہ	۳۷۸
مباحثہ مونگھیر	۳۷۸
سفرڈلہوزی	۳۷۸
حضرت امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی آمین	۳۷۹
نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے میموریل	۳۷۹
خلیفہ اور انجمن کے تعلقات پر بحث کرنے والوں کے خلاف اظہار نفرت	۳۸۱
خطبہ عید	۳۸۲
احمدی علماء جنوبی ہند میں	۳۸۲
نواب سید رضوی صاحب کی طرف سے خواجہ صاحب کو دس ہزار روپیہ کی پیش کش	۳۸۲
ایک ضروری اعلان	۳۸۳
حضرت خلیفہ اوّل کا خط مولوی عبدالحق صاحب حقانی کے نام	۳۸۳
تقسیم بنگال کی تنسیخ	۳۸۳
حضرت خلیفۃ المسیح اول کا خطاب جلسہ سالانہ ۱۹۱۱ء پر	۳۸۴
مدارج تقویٰ	۳۸۶
۱۹۱۱ء کے متفرق واقعات	۳۸۶

پانچواں باب

(حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) کے سفرہند و عرب ۱۹۱۲ء)

عنوان	صفحہ
دعائے خاص کا ایک یادگاری واقعہ	۳۹۱
مدرسہ احمدیہ کی ترقی و بہبود کے لئے سفرہند	۳۹۲
جواب اشتہار جناب غلام سرور صاحب کانپوری	۳۹۶
حضرت خلیفہ اول کا سفرلاہور	۳۹۷
لاہور میں تقریریں	۳۹۹
"مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نورالدین"	۴۰۳
رسالہ "احمدی خاتون" کا اجراء	۴۰۵
خواجہ کمال الدین صاحب کا سفرانگلستان	۴۰۵
کلام امیر کی اشاعت	۴۰۸
نقشہ عرب و مصر	۴۰۹
حضرت صاحبزادہ صاحب کا سفرمصروعرب	۴۰۹
حضرت صاحبزادہ صاحب کا خط حضرت خلیفۃ المسیح اول کے نام (عکس)	۴۱۲
بنگال میں احمدیت۔ حضرت مولوی سید عبدالواحد صاحب	

عنوان	صفحہ
کی بیعت	۴۲۴
جنگ بلقان	۴۲۷
دو تحریکیں	۴۲۸
قاضی محمد یوسف صاحب کے ایک رقعہ کا جواب	۴۲۸
انجمن مبلغین کا قیام	۴۲۹
"خطبات نور" کی اشاعت	۴۲۹
ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب سے خط و کتابت	۴۲۹
حضرت مسیح موعود کی نبوت کا واضح اعلان	۴۳۰
ٹرکی کی شکست اور حضرت مسیح موعود کی ایک پیشگوئی	۴۳۰
حضرت خلیفہ اول کی تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۱۲ء پر	۴۳۱

چھٹا باب

(اخبار "الفضل" اور "پیغام صلح" کا اجراء۔
تحریک انصار اللہ کے ممبر مصر و انگلستان میں
لاہور کے گمنام ٹریکٹوں کی شورش اور سالانہ جلسہ
پر خلافت حقہ کی تائید کا روح پرور نظارہ ۱۹۱۳ء)

عنوان	صفحہ
عربی ممالک میں تبلیغ	۴۳۸
تعمیر ہال کی تحریک	۴۳۸
کلمات قرآنی کی فہرست	۴۳۸
بخاری شریف کا ایک عام درس	۴۳۹
پادری غلام مسیح کے لیکچر کا رد	۴۳۹
قادیان میں ایک غیر احمدی صحابی کی آمد	۴۳۹
حضرت خلیفہ اول کا ایک مکتوب	۴۴۲
کلام محمود کی اشاعت	۴۴۲
خواجہ کمال الدین صاحب کے نام ایک اہم خط	۴۴۳
حضرت خلیفۃ المسیح کی دردانگیز دعا ایک اولوالعزم امام کے ظہور کے لئے	۴۴۴
اخبار "الفضل" کا اجراء	؍؍
حضرت سیدنا محمود کا مکتوب (عکس)	۴۴۸
صاحبزادہ عبدالحی صاحب کا نکاح	۴۵۰
ایک عظیم الشان نشان کا ظہور	۴۵۰
ایک غیر احمدی عالم کا اعتراف حق	۴۵۱
اخبار پیغام صلح کا اجراء	۴۵۲
حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال کا سفر انگلستان اور یورپ میں سب سے پہلے احمدی مسلم مشن کا قیام	۴۵۷
چوہدری فتح محمد صاحب کا عریضہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام اور حضور کا جواب (عکس)	۴۵۹
سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کا سفر مصر و شام	۴۶۲

عنوان	صفحہ
خانہ کعبہ اور مدینہ میں اسلام اور احمدیت کے لئے دعائے خاص کی تحریک	۴۶۲
حضرت خلیفہ اول کے پنجابی اشعار	۴۶۳
جماعت احمدیہ شملہ کا سالانہ جلسہ	۴۶۳
اٹھوال کا گاؤں آغوش احمدیت میں	۴۶۷
ترجمہ قرآن مجید اور کتب احادیث کی اشاعت کی تحریک	۴۶۷
حضرت صاحبزادہ صاحب کی ایک اہم تجویز	۴۶۷
گوجرانوالہ میں جلسہ	۴۶۸
حضرت مولوی شیر علی صاحب کے مکان کی بنیاد	۴۶۸
جماعت احمدیہ لکھنؤ کا سالانہ جلسہ	۴۶۸
حضرت خلیفہ اول کے پانچویں بچہ کی ولادت	۴۶۸
اخبار پیغام صلح کی طرف سے نبوت مسیح موعود سے متعلق واضح اعلان	۴۶۹
لاہور سے گمنام ٹریکٹوں کی اشاعت "پیغام صلح" کی تائید اور حضرت خلیفہ اول کی شدید ناراضگی	۴۷۰
حضرت خلیفۃ المسیح کی اس تحریر کا عکس کہ "پیغام صلح" دراصل پیغام جنگ ہے	۴۷۴
"الحق" کا زبردست احتجاج	۴۷۵
حضرت خلیفہ اول کے حکم سے گمنام ٹریکٹوں کا مسکت جواب	۴۷۶
حضرت صاحبزادہ صاحب کے نام ایک کھلا خط اور اس کا بصیرت افروز جواب	۴۷۶
سفر ملتان	۴۸۴
اخبار "بدر" کی بندش	۴۸۴
خلافت اولیٰ کے عہد کا آخری سالانہ جلسہ	۴۸۴
تائید خلافت کا روح پرور نظارہ	۴۸۵
ساتواں باب	
(خلافت اولیٰ کے آخری ایام۔ حضرت خلیفہ اول کا وصال اور خلافت ثانیہ کا قیام	
جلسہ لودی ننگل اور سفر فتح گڑھ چوڑیاں	۴۹۴
تبلیغ احمدیت کے لئے ملک گیر سکیم	۴۹۵
دعوۃ الی الخیر فنڈ	۴۹۵
حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں مولوی محمد علی صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن کے نوٹ سنانا اور آپ کا انہیں نصیحت فرمانا	۴۹۶
سفر چکوال	۴۹۷

عنوان	صفحہ
مباحثہ مدرسہ چٹھہ	۴۹۸
مسجد احمدیہ وزیر آباد کا افتتاح	۴۹۹
الحکم کے احیاء کی کوشش	۴۹۹
مولوی صدر الدین صاحب کے ولایت بھجوانے کی تجویز	۴۹۹
حضرت خلیفہ اول کی مرض الموت کا آغاز	۵۰۰
حضرت نواب محمد علی خانصاحب کی کوٹھی میں منتقل ہونا	۵۰۴
حضرت خلیفہ اول کی وصیت (مع عکس)	۵۰۶
اختلافی مسائل کا عام چرچا اور ذاتی حملے	۵۰۹
قیام اتحاد واتفاق کے لئے حضرت صاحبزادہ صاحب کی جدوجہد	۵۰۹
حضرت خلیفہ اول کی مقدس زندگی کے آخری لمحات	۵۱۰
حضرت خلیفہ اول ؓ کا وصال	۵۱۱
وفات کی خبر کیسے ملی؟	۵۱۲
قادیان کا دردناک نظارہ	۵۱۳
حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کی تقریر	۵۱۴
مولوی محمد علی صاحب کی خطرناک سازش	۵۱۵
سمجھوتے کی آخری کوشش	۵۱۶
مسجد نور میں اجتماع اور انتخاب خلافت	۵۱۶
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعا اور تقریر	۵۲۱
حضرت خلیفہ اول کی تدفین	۵۲۲
ملکی پریس کے تبصرے	۵۲۳

آٹھواں باب

(امیر المومنین سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح اول ؓ کی سیرت طیبہ)

(فصل اول)

عنوان	صفحہ
(سیرت نور ؓ پر ایک عمومی نوٹ)	۵۳۴

فصل دوم

(سیرت کے بعض نمایاں اور ممتاز پہلو)

عنوان	صفحہ
بے مثال توکل اور غیبی رزق کی آمد	۵۵۵
عدیم النظیر عشق قرآن	۵۵۷
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بے نظیر اطاعت اور فدائیت	۵۶۰
خاندان حضرت مسیح موعود کا ادب واحترام	

عنوان	صفحہ
اور عقیدت	۵۶۷
نواں باب	
(فصل اول)	
(خلافت اولیٰ کی نسبت آسمانی شہادتیں)	۵۸۲
(فصل دوم)	
(حضرت مسیح موعود کے رؤیاء والہامات میں	
حضرت خلیفہ اولؓ کا ذکر)	۵۸۵
(فصل سوم)	
(حضرت خلیفہ اولؓ کا بلند مقام۔	
تحریرات حضرت مسیح موعود کی روشنی میں)	۵۸۶
تصانیف میں ذکر	۵۸۶
سیدنا حضرت مسیح موعود کی رقم فرمودہ ایک تحریر	۵۹۱
اشتہارات میں ذکر	۵۹۲
خطوط میں ذکر	۵۹۲
(فصل چہارم)	
حضرت خلیفہ اول کے بعض رؤیاء وکشوف اور	
الہامات	۸۹۴
دسواں باب	
(امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح اول کے عہد	
خلافت پر ایک طائرانہ نظر)	
قادیان حضرت خلیفہ اول کے زمانہ میں	۶۰۲
ادبیات	۶۰۴
مسائل متنازعہ فیہ کا فیصلہ دربار خلافت سے	۶۰۴
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چند عظیم الشان	
پیشگوئیوں کا ظہور خلافت اولیٰ میں	۶۰۴

عنوان	صفحہ
خاندان حضرت مسیح موعود میں ترقی	۶۰۵
سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت	
خلافت اور خدمات جلیلہ	۶۰۵
خلافت اولیٰ میں انتقال کرنے والے بزرگ	۶۰۶
عہد خلافت اولیٰ میں پیدا ہونے والے بعض	
نامور فرزند احمدیت	۶۰۶
حضرت خلیفہ اولؓ کی ڈاک	۶۰۶
آخری سال میں صدر انجمن احمدیہ کے عہدیدار	۶۰۷
خلافت اولیٰ کے بعض مصنفین	۶۰۷
لٹریچر کی اشاعت	۶۰۸
خلافت اولیٰ کے مقررین	۶۰۸
برصغیر پاک وہند کی بعض مشہور جماعتیں	۶۰۸
نئی مساجد کی تعمیر	۶۰۹
مشہور مباحثے	۶۰۹
احمدیہ پریس میں نمایاں اضافہ	۶۰۹
خلافت اولیٰ کے عہد میں جماعت کی مالی ترقی	۶۰۹
قادیان میں پبلک عمارتوں کی تعمیر	۶۰۹
تبلیغی جلسے	۶۱۰
خلافت اولیٰ کے بعض مبایعین	۶۱۰
بیرونی ممالک کی بعض احمدیہ جماعتیں	۶۱۱
رونما ہونے والے فتنے اور ان کا عبرتناک	
انجام	۶۱۱
حضرت خلیفۃ المسیح اول کے بعض مکتوبات کا	
عکس	۶۱۳
تبصرے	۶۲۰

سیدنا حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاولؓ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

سیدی حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ اور آپ کا عہد خلافت

(از قلم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب سابق صدر جنرل اسمبلی اقوام متحدہ)

خاکسار کو حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی زیارت کا شرف اول مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی ۱۹۰۴ء میں سیالکوٹ تشریف آوری کے موقعہ پر حاصل ہوا۔ والد صاحب مرحوم کو تو پہلے سے شرف نیاز حاصل تھا۔ گو والد صاحب نے ابھی بیعت نہیں کی تھی۔ دل میں فیصلہ کر چکے تھے۔ ان کے ایک ہم پیشہ چوہدری محمد امین صاحب کو بھی حسن ظن تھا اور والد صاحب کی خواہش تھی کہ اگر وہ بھی بیعت کا فیصلہ کر لیں تو دونوں ایک ہی وقت میں سلسلہ میں شامل ہو جائیں۔ چوہدری محمد امین صاحب کی پوری تسلی کے لئے یہ طے ہوا کہ دونوں صاحب نماز مغرب کے بعد حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کریں اور چوہدری محمد امین صاحب حضرت مولوی صاحبؓ کی خدمت میں اپنے سوال پیش کر کے اپنے شبہات کا ازالہ کر لیں۔ چنانچہ یہ مجلس تین چار روز تک جاری رہی۔ خاکسار بھی ان دونوں بزرگوں کے ہمراہ حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو تا رہا۔ خاکسار کی عمر اس وقت ساڑھے گیارہ سال تھی اور اس واقعہ پر اب ساٹھ سال گزرنے کو ہیں اس لئے اول تو خاکسار اس وقت بھی اس گفتگو کے موضوع کو اپنے ذہن سے بالا تصور کرتا تھا اور دوسرے اگر کوئی تفصیل اس کی ذہن میں آئی بھی تو افسوس ہے کہ اب وہ محفوظ نہیں رہی۔

فقط اتنا یاد ہے کہ آخری مجلس سے واپسی پر والد صاحب نے چوہدری محمد امین صاحب سے دریافت کیا۔ اب آپ کی کیا رائے ہے تو انہوں نے کہا میرے اعتراضات کا جواب تو آگیا ہے۔ والد صاحب نے کہا پھر کل بیعت کر لیں؟ چوہدری صاحب نے کہا۔ اچھی بات صبح جب آپ بیعت کے لئے حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ تو مجھے بھی ساتھ لیتے چلیں۔ دوسری صبح نماز فجر سے قبل ہی

والد صاحب گھر سے روانہ ہوئے۔ خاکسار بھی ہمراہ تھا رستے میں چوہدری صاحب کے مکان پر رک کر چوہدری صاحب کو آواز دی۔ انہوں نے دوسری منزل پر سے اپنی کھڑکی کھول کر کہا۔ میرے دل کو ابھی اطمینان نہیں اس لئے میں آپ کے ہمراہ نہیں جا سکتا۔ چنانچہ والد صاحب گئے اور بعد نماز فجر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت اقدس میں گزارش ارسال کی کہ بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حضور اقدس نے اپنی جائے قیام پر فخر باریابی بخشا اور والد صاحب نے حضورؑ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ خاکسار بھی موجود تھا۔ اور جماعت سیالکوٹ کے چند بزرگ بھی موجود تھے۔

اس کے بعد والد صاحب کا معمول تھا کہ ستمبر کی تعطیلات میں اور جلسہ سالانہ کے موقعہ پر قادیان حاضر ہوا کرتے تھے اور خاکسار کو بھی ہمراہ لے جاتے تھے۔ ان ایام میں خاکسار کو حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے۔ مثنوی مولانا روم کے درس میں جو آپ اپنے مطب میں قبل دوپہر دیا کرتے تھے شامل ہونے اور قرآن کریم کے درس میں جو بعد نماز عصر مسجد اقصیٰ میں ہوا کرتا تھا۔ شامل ہونے کا فخر حاصل ہوتا رہتا تھا۔ اور بعض نصائح جو ان دنوں خاکسار نے سنیں وہ اب تک یاد میں محفوظ ہیں۔

آپ قبل دوپہر احمدیہ چوک کے شمال مشرقی کونے میں ایک لمبے دالان کے ایک حصے میں مطب کیا کرتے تھے۔ اور مثنوی مولانا روم کا درس دیا کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا معمول تھا کہ حضورؑ دس بجے کے قریب سیر کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور حضرت مولوی صاحبؓ سیر میں حضورؑ کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے۔ آپ نے ایک خادم کو مقرر کیا ہوا تھا کہ وہ حضورؑ کے دروازے کے باہر کھڑا رہے اور جونہی حضور دروازے کے باہر قدم رنجہ فرمائیں۔ جلدی سے آپ کو مطب میں پہنچ کر اطلاع کردے۔ جیسے ہی یہ خادم دالان کے دروازے پر پہنچتے ہی اطلاع کرتا حضور تشریف لے آئے ہیں۔ حضرت مولوی صاحبؓ دالان کے دوسرے سرے پر فوراً جو فقرہ منہ میں ہوتا وہیں ادھورا چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے اور دستار سنبھالتے اور پاپوش گھسیٹتے ہوئے دروازے کی طرف لپک پڑتے کہ جلد سے جلد حضور کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔

حضورؑ کی مجلس میں آپ نہایت مودبانہ سر جھکائے خاموش بیٹھے رہتے۔ صرف حضورؑ کے مخاطب فرمانے پر سر اٹھاتے اور حضور کے مبارک چہرے کی طرف نگہ اٹھا کر نہایت ادب کے لہجے میں جواب عرض کردیتے۔

اپریل ۱۹۰۷ء میں خاکسار نے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ اور والد صاحب نے خاکسار کو گورنمنٹ کالج لاہور میں مزید تعلیم کے لئے بھیج دیا۔ گرمیوں کی تعطیلات میں خاکسار گھر آیا ہوا تھا ان دنوں

حضرت مولوی صاحبؓ کا ایک کارڈ والد صاحب کے نام آیا۔ جس کا مضمون بس اتنا ہی تھا۔ اب آپ اپنے بچے کی بیعت کرا دیں۔ اس سے خاکسار کو یہ احساس ہوا کہ حضرت مولوی صاحبؓ خاکسار کو پہچانتے ہیں۔ ستمبر میں جب خاکسار والد صاحب کے ہمراہ قادیان گیا تو کچھ عرصہ تو اس انتظار میں رہا کہ والد صاحب بیعت کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں لیکن جب مہینے کا وسط آگیا اور والد صاحب نے کچھ نہ فرمایا تو خاکسار نے خود ہی ۱۶/ ستمبر ۱۹۰۷ء بعد نماز ظہر مسجد مبارک میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دست مبارک پر بیعت کرنے کا شرف حاصل کر لیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل تھا کہ حضرت مولوی صاحبؓ کے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ وہ والد صاحب کو اس ناچیز کی بیعت کے متعلق یاد دہانی فرمائیں اور اگرچہ والد صاحب نے اس بارے میں خاکسار کو کوئی ارشاد نہیں فرمایا۔ لیکن خاکسار نے حضرت مولوی صاحبؓ کا کارڈ پڑھ لیا تھا اور آپ کی یہ توجہ خاکسار کے متعلق اس امر کا موجب ہوئی کہ خاکسار کو ستمبر ۱۹۰۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ دل سے تو خاکسار اس لحظہ سے ہی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی غلامی میں داخل ہو چکا تھا جب کمال خوش قسمتی سے ۳/ ستمبر ۱۹۰۴ء کے دن لیکچر لاہور کے موقعہ پر خاکسار کو حضورؑ کا دیدار اول مرتبہ نصیب ہوا تھا۔ لیکن اگر حضرت مولوی صاحبؓ کی توجہ نہ ہوتی تو قیاس یہی ہے کہ خاکسار کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دست مبارک پر بیعت کی سعادت حاصل نہ ہوتی۔ اور خاکسار ان برکات سے محروم رہتا جو اس ذاتی عہد و پیمان کے ساتھ وابستہ تھیں۔ کیونکہ ستمبر ۱۹۰۷ء میں خاکسار کی عمر ابھی ساڑھے چودہ سال تھی اور مئی ۱۹۰۸ء میں مشیت ایزدی کے مطابق حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا وصال وقوع میں آیا۔ حضرت مولوی صاحبؓ کا یہ ایک احسان عظیم خاکسار پر ہوا اور پھر اس کے بعد تو ایک لمبا سلسلہ شفقت و رافت اور ذرہ نوازیوں کا شروع ہو گیا۔ جو آپ کے وصال تک پیہم جاری رہا۔

۲۶/ مئی ۱۹۰۸ء کے قیامت خیز روحانی زلزلے کے دن خاکسار لاہور میں موجود تھا اور حضرت اقدس علیہ الصلوۃ والسلام کے جنازے کے ہمراہ قادیان حاضر ہونے کی سعادت میں شریک ہوا۔ اندازہ ہے کہ بعض احباب نے لاہور سے بٹالہ تک کا وہ غم ناک سفر دوسرے درجے میں طے کیا۔ لیکن یہ خوب یاد ہے کہ حضرت مولوی صاحبؓ ہم سب کے ساتھ تیسرے درجے میں تشریف فرما تھے اور آپ کی موجودگی ہمارے لئے بہت ڈھارس کا موجب تھی۔ اکثر حصہ سفر آپ سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے اور دعاؤں اور ذکر الٰہی میں یہ عرصہ صرف ہوا۔ امرت سر پہنچنے پر آپ نے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر ہی مغرب و عشاء کی نمازیں پڑھائیں۔ دوسرے دن صبح طلوع آفتاب پر تھوڑا ہی وقت گزرنے پر یہ

حزیں قافلہ قادیان وارد ہوا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے جسد اطہر کو حضورؑ کے باغ والے مکان کے دالان میں نماز جنازہ کی انتظار میں رکھ دیا گیا۔ اس اثناء میں بعد مشورہ طے پایا کہ حضرت مولوی نور الدین صاحب ﷺ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے خلیفہ ہوں۔ چنانچہ آپ نے جماعت کی بیعت لی۔ اور جماعت کو نہایت قیمتی نصائح فرمائیں۔ اور خلیفتہ المسیح اول کی حیثیت سے جماعت کی باگ ہاتھ میں لی اور شکستہ اور زخم خوردہ دلوں کے لئے سہارا اور مرہم اور غمخوار اور غمگسار بنے۔ خاکسار نے بھی اس موقعہ پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا جنازہ باغ کے آموں والے حصہ میں پڑھا گیا اور حضور کی تدفین عمل میں آئی۔

خلافت اولیٰ کے دوران میں اگست ۱۹۱۱ء تک خاکسار کا یہ معمول رہا کہ گرمیوں کی تعطیل میں اور سالانہ جلسے پر تو بالالتزام قادیان حاضر ہوتا اور درمیان میں جب موقعہ مل جاتا۔ مئی ۱۹۱۱ء میں بی۔اے کا امتحان دینے کے بعد خاکسار قادیان حاضر ہو گیا اور چند ہفتے متواتر حضرت خلیفتہ المسیح اولؓ کی خدمت میں حاضر رہنے اور آپ کے چشمہ فیض سے متمتع ہونے کا موقع ملا۔ کم و بیش دو ماہ قبل گھوڑے پر سے گرنے سے آپ کو چوٹیں آئی تھیں۔ اور ان میں سے ایک جو کنپٹی کے قریب تھی۔ ناسور کی صورت اختیار کر گئی تھی جب خاکسار حاضر ہوا۔ تو آپ بیٹھ تو جاتے تھے۔ لیکن ابھی چلتے پھرتے نہیں تھے۔ آپ کے پلنگ کے ساتھ ہی آپ کی نشست کا انتظام تھا آپ تکیوں کے سہارے بیٹھے ہوئے درس بھی دیتے تھے۔ مریضوں کو بھی دیکھتے تھے۔ حاجت مندوں کی حاجت روائی بھی فرماتے تھے۔ اور منصب خلافت سے متعلقہ احکام اور ہدایات بھی جاری فرماتے تھے۔

نماز کے لئے آپ مسجد میں تو تشریف لے جا نہیں سکتے تھے۔ اس لئے جب مسجد سے اذان کی آواز آتی تو آپ حاضرین سے ارشاد فرماتے جاؤ مسجد میں نماز ادا کرو۔ اور خود نماز کی تیاری فرماتے اور اپنی نشست پر ہی قبلہ رو ہو جاتے۔ چند شاگردوں اور خادموں کو ہدایت تھی کہ وہ آپ کے ساتھ نماز ادا کریں۔ شیخ تیمور صاحب ایم۔اے جن کی تربیت آپ کی نگرانی میں ہوئی تھی امام ہوا کرتے تھے۔ خاکسار کی حاضری کے پہلے ہی دن جب آپ نے فرمایا جاؤ مسجد میں نماز پڑھو تو خاکسار بھی دوسرے حاضرین کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ خاکسار کو یاد تھا کہ کئی دفعہ آپ فرما چکے تھے کہ جب عام ہدایت دی جاتی ہے کہ یوں کرو تو اکثر لوگ تو فوراً مستعدی سے اس کے مطابق عمل شروع کر دیتے ہیں لیکن بعض جو اپنے تئیں نمبردار شمار کرتے ہیں حرکت نہیں کرتے۔ گویا کہ وہ مخاطب ہی نہیں تھے۔ آپ کے اس ارشاد کے پیش نظر خاکسار فوراً چستی سے مسجد جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ تو آپ نے نگاہ بلند کر کے فرمایا۔ میاں تم یہیں نماز پڑھا کرو۔ خاکسار نے یوں محسوس کیا کہ دنیا کے سب سے بڑے روحانی دربار سے

خلعت فاخرہ عطا ہوئی ہے اس وقت خاکسار کی عمر ۱۸ سال تھی۔

جب آپ قبلہ رو ہو کر بیٹھ جاتے اور نماز کے لئے صف بنتی تو آپ کے بائیں طرف تو آپ کا پلنگ ہوتا اور دائیں طرف خاکسار کھڑا ہو جاتا۔ اور اس خیال سے کہ آپ کے بالکل قریب کھڑا ہونا آپ کی طبیعت پر گراں نہ ہو اور پاس ادب سے بھی خاکسار چند انچ کا فاصلہ درمیان میں چھوڑ کر کھڑا ہوتا۔ لیکن آپ اپنے دائیں دست مبارک سے خاکسار کو بالکل قریب کر لیتے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ عصر کی نماز کے وقت شیخ تیمور صاحب موجود نہیں تھے۔ جب آپ نماز کے لئے تیار ہو گئے۔ تو آپ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی اور پھر خاکسار کو کمال شفقت سے فرمایا۔ میاں تم نے بھی قرآن پڑھا ہے۔ تم نماز پڑھاؤ۔ تعمیل ارشاد کے سوائے چارہ نہ تھا!

امتحان کے بعد قادیان حاضر ہونے سے پہلے خاکسار والد صاحب کے استفسار پر ان کی خدمت میں گذارش کر چکا تھا کہ خاکسار کو قوی امید بفضل اللہ امتحان میں کامیابی کی ہے۔ قادیان کے قیام کے دوران میں والد صاحب کا ارشاد موصول ہوا کہ حضرت خلیفتہ المسیح کی خدمت میں گذارش کرو کہ امتحان میں کامیابی کی بفضل اللہ امید ہے اور بصورت کامیابی اگر آپ اجازت عطا فرمائیں تو میرے والد صاحب کی خواہش ہے کہ وہ مجھے مزید تعلیم کے لئے انگلستان بھیجیں اس لئے حضور کی خدمت میں اجازت کی درخواست پیش ہے۔ زبانی تو عرض کرنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ خاکسار نے ایک رقعہ جس میں علاوہ اس گذارش کے امتحان میں کامیابی کی دعا کی اور بعض دیگر امور کے متعلق گذارشات تھیں آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ پڑھتے گئے اور ساتھ ساتھ حاشیے پر اپنے ارشادات عالیہ مختصر الفاظ میں رقم فرماتے گئے اور پھر رقعہ خاکسار کو مع اپنے ارشادات کے واپس کر دیا۔ جن فقروں میں دعا کی گذارش تھی ان کے مقابل پر دعا کریں گے ثبت تھا اور باقی فقروں کے مقابل مناسب احکام و ہدایات تھیں۔ انگلستان جانے کی اجازت طلبی کے متعلق ارشاد تھا۔ استخارہ کریں۔ آپ بھی اور آپ کے والد صاحب بھی۔ پھر اگر اطمینان ہو تو اجازت ہے۔ خاکسار نے اسی دن اس ارشاد کی تعمیل میں استخارہ شروع کر دیا۔ اور چند دن کے اندر واضح اشارہ والد صاحب کی خواہش کی تائید میں پایا۔ انہی دنوں میں دو تین اور طلباء نے بھی ایسی ہی اجازت حاصل کرنے کے لئے حضرت خلیفتہ المسیح کی خدمت میں گذارش کی تھی لیکن آپ نے اجازت عطا نہیں فرمائی۔ خاکسار کو تو کوئی خاص شوق بھی انگلستان جانے کا نہیں تھا۔ بلکہ والدہ صاحبہ کی پریشانی کے پیش نظر طبیعت رکتی تھی۔ لیکن آپ نے استخارے کے نتیجہ میں اطمینان ہونے کی شرط پر اجازت مرحمت فرما دی۔

آپ کی مجلس تو ہر لحظہ سبق آموز تھی۔ لیکن ایک دن دو واقعات تھوڑے سے وقفے پر ایسے پیش

آئے جن کا خاکسار کی طبیعت پر گہرا اثر ہوا۔ آپ درس و تدریس میں مشغول تھے۔ نظر اٹھا کر کمرے کے نچلے حصے کی طرف جو توجہ فرمائی تو دیکھا کہ آپ کے شاگرد مولوی غلام نبی صاحب مصری مرحوم جو کمرے میں کوئی کتاب یا کاغذ ایک الماری سے لینے کے لئے داخل ہوئے تھے اب واپس لوٹ رہے ہیں مولوی صاحب نے کمرے میں داخل ہوتے وقت السلام علیکم کہا تھا۔ جو خاکسار نے بھی سنا تھا۔ لیکن چونکہ آپ کی توجہ کسی اور طرف تھی آپ نہ سن پائے ہوں گے۔ چنانچہ مسکرا کر فرمایا۔ مولوی صاحب السلام علیکم۔ مولوی صاحب نے بڑے انکسار سے وعلیکم السلام عرض کیا اور کہا حضور میں نے السلام علیکم تو عرض کیا تھا لیکن حضور تک پہنچا نہیں سکا۔

ان دنوں آپ بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ شیخ تیمور صاحب پڑھتے جاتے تھے اور باقی شاگرد سنتے تھے کہیں کہیں شیخ صاحب یا کوئی اور شاگرد سوال کرتے اور آپ وضاحت فرماتے یا خود ہی کوئی نکتہ بیان فرما دیتے۔ اس دن شیخ صاحب نے ایک حدیث پڑھی اور اس کے متعلق کوئی سوال کیا اتنے میں کسی نے کوئی رقعہ پیش کر دیا تھا یا کسی محکمے سے کوئی کاغذ آگیا تھا اور آپ کی توجہ ادھر ہو گئی تھی۔ آپ نے شیخ صاحب کا سوال نہ سنا۔ جب آپ دوسری طرف سے فارغ ہوئے اور توجہ درس کی طرف لوٹی۔ تو شیخ صاحب نے اگلی حدیث پڑھ دی۔ آپ نے پہلی حدیث کی طرف توجہ دلا کر فرمایا۔ فلاں بات رہ گئی۔ شیخ صاحب نے کچھ ناز سے کچھ دق ہونے کے لہجے میں کہا۔ میں نے پوچھا تو تھا آپ نے توجہ نہیں کی میں نے خیال کیا۔ آپ کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ آپ مسکرائے اور نظر اٹھا کر باقی شاگردوں کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا۔ شیخ خفا ہو گیا!

عصر کی نماز کے بعد جب صحن میں سایہ ہو جاتا تو آپ کی مجلس صحن میں منتقل ہو جاتی۔ جب تک آپ مجلس میں جلوہ افروز رہتے۔ خاکسار بالالتزام حاضر رہتا۔ ایک دن کچھ تعجب کے لہجے میں فرمایا میاں اس وقت سب لڑکے تفریح کے لئے کھیل کود میں حصہ لیتے ہیں تمہارا دل نہیں چاہتا؟ خاکسار نے عرض کیا۔ حضور مجھے شوق نہیں۔ آپ مسکرا دیئے۔

ایک دن آپ صحن میں تشریف فرماتے تھے۔ گھر میں استعمال کے لئے ایندھن آیا۔ اور باہر کی ڈیوڑھی میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں سے ایندھن باورچی خانے کے ساتھ کی کوٹھڑی میں منتقل کرنے کے لئے صحن میں سے گذرنا پڑتا تھا کچھ لڑکے ایندھن اٹھا کر ڈیوڑھی سے کوٹھڑی کو لے جا رہے تھے خاکسار بھی شوق خدمت میں ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ آپ نے دیکھا تو مسکراتے ہوئے فرمایا۔ میاں تم چھوڑ دو تمہارا یہ کام نہیں۔

دوپہر کے وقت ڈاکٹر صاحبان آپ کی کنپٹی والے زخم کی مرہم پٹی کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے ان

کے آنے پر مجلس برخاست ہو جاتی اور شیخ تیمور صاحب۔ چوہدری فتح محمد صاحب سیال مرحوم اور ایک دو شاگرد حاضر خدمت رہ جاتے۔ ڈاکٹر صاحبان کے چلے جانے کے بعد آپ کچھ دیر استراحت فرماتے اور جو خدام حاضر ہوتے ان میں سے کوئی آہستہ آہستہ بدن دباتا۔ ایک دن اتفاق سے ڈاکٹر صاحبان کے چلے جانے پر فقط خاکسار ہی حاضر تھا۔ چنانچہ اس خدمت کی سعادت خاکسار کے حصے میں آئی۔ چند منٹ دبانے کے بعد خاکسار کو خیال ہوا کہ شاید آپ سو گئے ہوں اور مزید دبانے سے آپ کے آرام میں خلل آئے اس لئے خاکسار نے ایک لحظہ اپنے ہاتھ تھام لئے۔ آپ سوئے نہیں تھے اور یہ محسوس کر کے کہ خاکسار اٹھنے کو ہے آپ نے اپنا بازو اٹھا کر خاکسار کے گلے میں ڈالا اور خاکسار کے چہرے کو نیچا کر کے اپنے مبارک چہرے کے ساتھ لگالیا۔ دو تین منٹ اسی حالت میں گذرے۔ خاکسار نے اندازہ کیا کہ آپ دعا فرما رہے ہیں۔ پھر اپنا بازو ہٹالیا اور لیٹے لیٹے ہی فرمایا میاں ہم نے تمہارے لئے بہت بہت دعائیں کی ہیں۔

غرض خاکسار کے قیام دارالامان کا وہ عرصہ اسی کیفیت میں گذرا کہ تمام دن آپ کی مجلس میں گزرتا اور خاکسار پیہم آپ کی محبت و شفقت اور ذرہ نوازیوں سے بہرہ ور ہوتا۔ فالحمد لله على ذالک۔

اسی اثناء میں امتحان کا نتیجہ نکل آیا۔ خاکسار آپ کی مجلس برخاست ہونے پر محسنم و مشفقم حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب (غفر الله و جعل الله الجنة العليا مثواه) کے دولت کدے پر دوپہر کے کھانے کے لئے گیا۔ وہاں پہنچنے پر محترمی جناب مبارک اسماعیل صاحب کا کارڈ لاہور سے لکھا ہوا ملا۔ جس میں یہ خبر درج تھی کہ بی۔ اے کے امتحان کا نتیجہ نکل آیا ہے۔ اور تم بفضل اللہ اول درجہ میں پاس ہو گئے ہو خاکسار کارڈ ہاتھ میں لئے الٹے پاؤں پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اور خاموشی سے کارڈ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ پڑھ کر آپ بہت خوش ہوئے اور خاکسار کو مبارکباد اور دعا دی۔ اس دن سہ پہر کی مجلس میں جو صاحب بھی حاضر ہوتے آپ انہیں مخاطب کر کے فرماتے۔ آج ہمیں ایک بہت خوشی کی خبر ملی ہے۔ اور خاکسار کی طرف اشارہ کر کے فرماتے یہ امتحان میں اول درجے میں پاس ہو گئے ہیں۔ اور تعجب ہے کہ انہیں پہلے ہی معلوم تھا کہ پاس ہو جائیں گے۔ یہ آخری جملہ بھی اظہار خوشنودی کا ایک طریق تھا ورنہ خاکسار نے تو اپنے رقعے میں صرف اتنا گذارش کیا تھا کہ پرچے بفضل اللہ اچھے ہو گئے ہیں اور امید ہے کہ خاکسار پاس ہو جائے گا۔

ایک دن آپ نے فرمایا ہمیں بار بار پیاس محسوس ہوتی ہے ڈاکٹروں نے جو کچھ تجویز کیا ہم نے کر دیکھا ہے۔ کچھ افاقہ نہیں ہوا۔ ڈاکٹروں کی تجویزیں تو الگ رہیں آپ خود ملک بھر میں چوٹی کے صاحب

تجربہ حاذق طبیب تھے۔ اور یہ خاکسار ایک نادان بچہ تھا۔ آج تک یہ بات یاد آنے پر پیشانی عرق انفعال سے نم ہو جاتی ہے۔ کہ کیسی احمقانہ جرأت کا ارتکاب خاکسار سے ہوا کہ وفور محبت میں سب کچھ بھول گیا۔ اور عرض کی کہ اگر حضور چائے الائچی کی آمیزش کے ساتھ نوش فرمائیں تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تکلیف کا ازالہ فرمائے۔ کیا ہی دل لبھانے والی وہ مسکراہٹ تھی اور کس قدر پر شفقت وہ نگاہ تھی اور کیا ہی دلنوازوہ انداز تھا۔ جس میں آپ نے فرمایا۔ میاں ہمارا تجربہ تو یہ ہے کہ ہمیں دودھ کی ملاوٹ کی وجہ سے چائے کے استعمال کے نتیجے میں اسہال کی تکلیف ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی کسی خادم کو ارشاد فرمایا۔ ہمارے ایک پیارے نے یہ تجویز کی ہے اندر کہہ دو الائچی ڈال کر چائے تیار کریں اور ہمیں بھیج دیں ہم اسے استعمال کریں گے۔

امتحان کا نتیجہ معلوم ہو جانے کے چند دن بعد خاکسار سفر انگلستان کی تیاری کرنے کے لئے دارالامان سے سیالکوٹ چلا گیا۔ اور تیاری مکمل ہو جانے پر والد صاحب والدہ صاحبہ ماموں جان میاں جماں (جو ہمارے دادا جان کے وقت سے ہماری زمینوں کا انتظام کیا کرتے تھے) اور خاکسار دارالامان حاضر ہوئے تا خاکسار حضرت خلیفتہ المسیح اول سے بعد دعا سفر پر روانہ ہو۔ اس دفعہ دارالامان میں قیام کا عرصہ بہت مختصر تھا۔ غالباً ایک دن رات ہی میسر آسکے۔ میاں جماں اپنے کام میں تو خوب ہوشیار تھے لیکن لکھے پڑھے نہ تھے اور روحانی مجالس کے آداب سے بھی چنداں واقف نہیں تھے پہلی دفعہ انہیں قادیان حاضر ہونے کا موقعہ ملا تھا۔ گھر سے فیصلہ کر کے روانہ ہوئے تھے کہ دارالامان پہنچ کر بیعت کا شرف حاصل کریں گے۔ چنانچہ بعد نماز عصر حضرت خلیفتہ المسیح اول کی خدمت میں بیعت قبول کئے جانے کی درخواست کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کچھ دن ٹھہریں۔ میاں جماں نے کمال سادگی سے عرض کیا۔ حضور مجھے تو کل چوہدری صاحب (والد صاحب مرحوم) کے ہمراہ جانا ہے۔ آپ نے ہنستے ہوئے فرمایا تو پھر آپ چوہدری صاحب کی بیعت کریں ہماری بیعت کیوں کرتے ہیں۔ کیسے مختصر الفاظ میں آپ نے عہد بیعت کی حقیقت اور اس کا مفہوم واضح فرمادیئے۔ بیعت کے معنے تو ہیں بک جانا۔ جب آپ ہمارے ہاتھ پر بک گئے تو ہماری اطاعت لازم ہو گئی۔ چوہدری صاحب کا یا کسی اور کا پھر کیا دخل باقی رہ گیا۔ دنیا جانتی ہے کہ آپ نے اپنے عہد بیعت کو کس طور پر اور کس خوبی سے نباہا تھا۔ تب ہی تو اپنے محبوب آقا کے دربار سے یہ سنہری سند خوشنودی پائی۔ ؎

چہ خوش بودے اگر ہر یک زامت نوردیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل. پراز نور یقیں بودے

خاکسار کو پاس بٹھا کر کمال شفقت سے چند نصائح لکھوائیں جن پر بفضل اللہ خاکسار عمل پیرا رہنے

کی توفیق پاتا رہا ہے اور بڑے بڑے فوائد ان سے حاصل کئے ہیں۔

فرمایا۔ جب سفر ختم ہونے کے قریب منزل مقصود نظر آنے لگے تو اللھم رب السمٰوات السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الریاح وما ذرین ورب الشیاطین وما اظللن انی اسئلک خیر ھذہ القریۃ و خیر اھلھا و خیر ما فیھا واعوذ بک من شر ھذہ القریۃ و شر اھلھا و شر ما فیھا اللھم ارزقنا حباھا واعذنا من وباھا اللھم حببنا الی اھلھا و حبب صالحی اھلھا الینا مسنون دعا پڑھا کرنا۔ اللھم ارزقنی جلیسا صالحا کا ورد رکھنا۔ قرآن کریم میں جس قدر میسر ہو روزانہ پڑھنا۔ ہمیں خط لکھتے رہنا تا دعا کی تحریک ہوتی رہے۔ ہر ملک میں شرفاء کا طبقہ ہوتا ہے وہاں کے شرفاء سے میل جول رکھنا۔ اپنے ہم ملک طلباء کے ساتھ زیادہ ربط نہ بڑھانا۔

وہ ملک سرد ہے لوگ کہتے ہیں سردی کی مدافعت کے لئے شراب کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ہم طبیب ہیں اور ہم کہتے ہیں یہ بات غلط ہے۔ اگر سردی سے بچاؤ کے لئے کچھ پینے کی ضرورت محسوس کرو تو کوکو استعمال کرو۔

O

یہ آخری ملاقات تھی۔ لیکن خط و کتابت کے ذریعے نصف الملاقات کا شرف انگلستان بیٹھے ہوئے بھی نصیب ہوتا رہا۔ ہر عریضے کا جواب بالالتزام آپ دست مبارک سے رقم فرماتے اور خطاب بدلتے رہتے۔ کبھی تو صرف پیارے السلام علیکم پر اکتفا فرماتے۔ کبھی ارشد وارجمند باشی۔ السلام علیکم۔ کبھی ظفر اللہ باشی السلام علیکم وغیرہ۔

خاکسار اگر تعطیل کے ایام میں انگلستان سے باہر جانے کا ارادہ کرتا تو پہلے آپ کی خدمت میں اجازت کی درخواست ارسال کرتا اور اجازت ملنے پر سفر اختیار کرتا۔ چنانچہ ایک بار اجازت کی درخواست کے جواب پر ارشاد تحریر فرمایا کوئی دینی یا دنیوی مقصد سامنے رکھ لو۔ اجازت ہے۔

آخری بیماری میں بھی خاکسار کا عریضہ اجازت سفر کے بارے میں خدمت اقدس میں پہنچا تو دست مبارک سے اجازت تحریر فرمائی اور خاکسار کو آپ کا ارشاد آپ کے وصال سے چند دن قبل وصول ہو گیا ان دنوں قادیان سے لندن خط پہنچنے میں ۱۷-۱۸ دن صرف ہوا کرتے تھے۔

۱۹۱۲ء میں خواجہ کمال الدین انگلستان تشریف لے گئے تھے۔ لندن پہنچنے پر انہوں نے اسی مکان میں قیام پسند فرمایا جس میں خاکسار ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک دن شام کے وقت سیر کے دوران میں خواجہ صاحب نے اپنے دو خواب خاکسار سے بیان کئے جن کا ذکر یہاں غیر متعلق نہ ہو گا۔

خواجہ صاحب نے بیان کیا کہ جن دنوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام آخری بار لاہور میں تشریف فرما تھے میں نے خواب میں دیکھا کہ مولوی محمد علی صاحب ڈاکٹر میرزا یعقوب بیگ صاحب اور تین چار ہمارے اور دوست اور میں گرفتار ہو گئے ہیں اور ہم پر الزام یہ ہے کہ ہم نے بغاوت کی ہے چنانچہ ہمیں عدالت میں حاضر کیا گیا۔ میں نے خواب میں خیال کیا کہ ہمیں بادشاہ کے حضور پیش کیا گیا ہے۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہیں۔ آپ نے ہمیں مخاطب کر کے فرمایا تم نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ بتاؤ تمہیں کیا سزا دی جائے۔ میں نے کہا اب آپ کا راج ہے آپ جو چاہیں حکم صادر فرمائیں۔ اس پر حضرت مولوی صاحبؓ نے فرمایا ہم تمہیں ملک بدر کرتے ہیں۔ بیدار ہونے پر جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں حاضری کا موقعہ ملا تو میں نے اپنا خواب حضور کی خدمت میں گذارش کیا۔ آپ نے فرمایا شاہی قیدی ہونا کوئی بری بات نہیں پھر میں حضرت مولوی صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں اپنا خواب سنایا۔ وہ سن کر چند منٹ تو سر جھکائے خاموش رہے پھر کہا کسی اور سے ذکر نہ کرنا۔ چند دن بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا وصال ہو گیا۔ میں حضرت مولوی صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ حضرت میرا وہ خواب پورا ہو گیا۔ میری بیعت قبول فرمائیے۔ آپ نے کہا نہیں نہیں قادیان چل کر مشورہ کریں۔ حضرت ام المومنینؓ سے دریافت کریں۔ میاں محمود سے مشورہ کریں۔ نواب محمد علی خاںؓ۔ میر ناصر نوابؓ سے مشورہ کریں۔ قادیان پہنچنے کے بعد فوراً مشورہ ہوا۔ اور حضرت مولوی صاحبؓ کا انتخاب بطور خلیفتہ المسیح الموعود عمل میں آیا۔ کچھ عرصہ کے بعد میں نے پھر خواب میں دیکھا کہ ہم وہی لوگ پھر گرفتار ہو کر مولوی صاحب کے روبرو پیش کئے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم لوگوں نے پھر ہمارے خلاف بغاوت کی ہے ہم حکم دیتے ہیں کہ تمہارے سر کاٹ دیئے جائیں۔ چنانچہ ہمیں مقتل میں لے جایا گیا اور جب بھی میں اس نظارے کو یاد کرتا ہوں جب جلاد نے ایک ہیبت ناک کلہاڑے کے وار سے میرا سر میرے تن سے جدا کر دیا تو مجھ پر ویسی ہی وحشت طاری ہو جاتی ہے جیسی خواب میں طاری ہوئی تھی۔

حضرت خلیفتہ المسیح الاولؓ کی وفات سے چند دن پیشتر شیخ نور احمد صاحب نے جو خواجہ صاحب کے منشی رہ چکے تھے اور بعد میں انگلستان پہنچ کر خواجہ صاحب کے مددگار کے طور پر ان کے ساتھ ووکنگ میں رہائش رکھتے تھے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام حضورؐ کے خلیفہ مقرر ہوئے ہیں۔ شیخ نور احمد صاحب نے خود ہی اس خواب کی تعبیر بیان کی کہ حضرت خلیفتہ المسیح اولؓ کی وفات قریب ہے اور ان کے بعد جناب صاحبزادہ میرزا بشیر الدین

محمود احمد صاحب (ایدہ اللہ بنصرہ و متعنا اللہ بطول حیاتہ) خلیفہ ہوں گے۔

آپ کی وفات پر جماعت میں اختلاف ہو گیا۔ والد صاحب کا خط خاکسار کو ملا کہ یہ دین کا معاملہ ہے میں اس بارے میں تمہیں کوئی مشورہ نہیں دیتا۔ صرف اتنا کہتا ہوں کہ جلدی نہ کرنا غور و فکر اور دعاؤں میں ہدایت طلب کرنے کے بعد فیصلہ کرنا۔ والدہ صاحبہ کی طرف سے خط ملا کہ جماعت میں بہت فساد پیدا کر دیا گیا ہے میں نے اپنی طرف سے اور تمہاری بہن اور بھائیوں کی طرف سے بیعت کا خط لکھوا دیا ہے تم میرا یہ خط ملتے ہی فوراً بیعت کا خط لکھ دینا۔ خاکسار کی طبیعت پہلے ہی تیار تھی۔ خاکسار نے اسی دن حضرت خلیفتہ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ و متعنا اللہ بطول حیاتہ کی خدمت میں بیعت کا عریضہ ارسال کر دیا۔

انگلستان سے خاکسار کی واپسی شروع نومبر ۱۹۱۴ء میں ہوئی۔ خاکسار سیالکوٹ اپنے والدین کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے سفر کے دوران ہی میں قادیان حاضر ہوا اور حضرت خلیفتہ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ کی خدمت اقدس میں باریابی اور حضور کے دست مبارک پر بیعت کے شرف سے مشرف ہوا۔

خاکسار کی واپسی پر عزیز عبدالحیٔ مرحوم نے بتایا کہ جس دن تمہارا عریضہ حضرت خلیفتہ المسیح اولؓ کی خدمت میں پہنچتا تھا آپ کو بہت خوشی ہوتی تھی اور آپ گھر میں پیغام بھیج دیا کرتے تھے آج ہمارا کوئی مرغوب کھانا تیار کرنا ہمیں اپنے ایک پیارے کا خط ملا ہے اور ہمیں بھوک محسوس ہوتی ہے اس کے بعد جب جمعہ کا دن آتا اور آپ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد کو جانے کے لئے تیار ہو جاتے تو فرماتے اس کا خط ہماری جیب میں رکھ دو ہم اس کے لئے دعا کریں گے۔

اللہ اللہ کس قدر شفقت اور رأفت آپ کے وسیع اور پر درد دل میں ایک نادان ناچیز حقیر خادم بچے کے لئے تھی۔ اور آپ کی کریمانہ توجہ پر وہ بچہ باوجود اپنی بے شمار کوتاہیوں اور کمزوریوں کے کس قدر نازاں تھا۔ ؎

اے خدا برتربت او بارش رحمت ببار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم

خاکسار ظفر اللہ خان
نیویارک ۱۳/ ستمبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تاریخ احمدیت جلد چہارم

اللہ تعالیٰ کا یہ فضل اور احسان ہے کہ ہم امسال احباب کی خدمت میں تاریخ احمدیت جلد چہارم پیش کر رہے ہیں اس جلد میں حاجی الحرمین حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفتہ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے زندہ جاوید کارناموں کی تفصیل مکمل سوانح حیات اور سیرت طیبہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب کی ضخامت ساڑھے چھ صد صفحات سے زائد ہو گئی ہے۔ ایک سال کے عرصہ میں اتنی ضخیم کتاب کی تدوین و ترتیب۔ کتابت اور طباعت ایک مشکل مرحلہ نظر آتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مکرم مولوی دوست محمد صاحب فاضل کو اس قلیل عرصہ میں مسودہ کے تیار کرنے اور ہمیں اس کی طباعت کی توفیق عطا فرمائی۔ مکرم مولوی صاحب موصوف نے کتاب کے لئے مواد حاصل کرنے کے لئے قادیان۔ بھیرہ۔ لاہور۔ ملتان اور بعض دیگر مقامات کا سفر بھی کیا۔ اور اسی طرح بہت سے ایسے دوستوں سے جن کو حضرت خلیفہ اولؓ کی ذات گرامی کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا تھا۔ مل کر روایات حاصل کیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی سعی کو قبول فرمائے اور بہترین بدلہ عطا کرے۔

مکرم سید محمد باقر صاحب خوشنویس بھی قابل شکریہ ہیں کہ انہوں نے نہایت محنت اور ہمت سے کتابت کی اور مکرم عبدالرحمٰن صاحب پریس مین بھی قابل شکریہ ہیں کہ انہوں نے باوجود تنگی وقت کے اس کی طباعت کو جلد از جلد ختم کرنے کی پوری کوشش کی۔ فجزاھم اللہ۔

حضرت خلیفتہ المسیح اول رضی اللہ عنہ ایک عظیم الشان انسان تھے اور قصر احمدیت کی پہلی بنیادی اینٹ۔ آپ کو جو بلند مرتبہ حاصل ہوا وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی کامل اطاعت اور

آپ میں فنا ہونے سے ہی ملا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی بے نظیر اطاعت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ "آپ میری اسی طرح پیروی کرتے ہیں۔ جیسے نبض کی حرکت تنفس کی حرکت کی پیروی کرتی ہے"۔ پھر آپ کی فدائیت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے حضور اقدسؑ کی خدمت میں لکھا کہ "میں آپ کی راہ میں قربان ہوں۔ جو کچھ ہے۔ میرا نہیں۔ آپ کا ہے"۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک اشارہ پر اپنی جائداد اور اپنے وطن کو چھوڑ دیا اور قادیان میں آکر دھونی رمالی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے ایک لاکھ کیا ایک کروڑ روپیہ یومیہ بھی کوئی دے اور قادیان کے باہر رکھنا چاہے۔ میں نہیں رہ سکتا"۔

علاوہ ازیں آپ کے اندر تمام وہ اوصاف حمیدہ پائے جاتے تھے۔ جو کامل انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ آپ کا بے مثال توکل اور قرآن مجید سے انتہائی عشق آپ کی سیرت کے ممتاز اور نمایاں پہلو ہیں اور ضرورت ہے کہ ہر احمدی اس کو اپنے اندر جاری و ساری کرے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"دل میں از بس آرزو ہے کہ اور لوگ بھی مولوی صاحب کے طور پر چلیں۔ مولوی صاحب پہلے راستبازوں کا نمونہ ہیں۔ جزاهم الله احسن الجزاء" (ازالہ اوہام)

ہمارے لئے ضروری ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ جیسی فدائیت اور اطاعت کو پیدا کرنے کے لئے ہم بار بار آپ کی سوانح حیات کا مطالعہ کریں۔ اور اپنے اندر وہی روح پیدا کریں جو آپ میں موجزن تھی۔

اگلی جلد سے خلافت ثانیہ کے واقعات کا آغاز ہو گا۔ اور اس کی تکمیل تین جلدوں میں ہو گی احباب سے گذارش ہے کہ جن دوستوں کے پاس سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خطوط ہوں وہ مکرم مولوی دوست محمد صاحب فاضل کو بھجوا دیں۔ اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آئندہ سال خلافت ثانیہ کے واقعات پر مشتمل پہلی جلد کو شائع کرنے کی توفیق عطا کرے۔ تا ہم اس ذمہ داری سے جلد عہدہ برآ ہو سکیں۔ جو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تاریخ احمدیت کی اشاعت کے متعلق ہم پر ڈالی ہے۔ و باللہ التوفیق۔

خاکسار ابو المنیر نور الحق
مینجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین۔ ربوہ

۱۰/ دسمبر ۱۹۶۳ء

حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب بھیروی
خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی

(قبل از خلافت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حصہ اول (پہلا باب)

حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی جائے پیدائش۔ سن ولادت۔ خاندان۔ بچپن۔ ابتدائی تعلیم۔ سفر ہند (لکھنؤ۔ رامپور۔ میرٹھ۔ دہلی۔ بھوپال)

(۴۲-۱۸۴۱ء سے ۶۶-۱۸۶۵ء بمطابق ۱۲۵۸ھ سے ۱۲۸۲ھ تک)

جائے پیدائش زمانہ قبل از تاریخ سے جو شہراب تک آباد ہیں ان میں (جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے) بھیرہ سب سے قدیم ہے۔ کوئی شخص قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ اس کی بنیاد کب اور کس زمانہ میں پڑی؟ تاریخ میں اس کا نام سب سے پہلے سکندر اعظم کے حملے کے وقت آتا ہے جبکہ دریائے جہلم کے کنارے اس نے راجہ پورس کو شکست دی تھی۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ سکندر کی یورش کے وقت یہاں جنگل تھا جسے یونانی فوجوں نے بیرہ کہنا شروع کر دیا۔ فوجی پڑاؤ سے یہاں ایک بستی آباد ہو گئی جو بیرہ کہلائی اور بالاخر بھیرہ کے نام سے یاد کی جانے لگی۔ [۱] جنرل کننگھم نے "قدیم جغرافیہ ہند" (Ancient Geografy of India) میں بھیرہ کی قدامت کو تسلیم کیا ہے۔ [۲] سکندر کے حملہ کے بعد جو ۳۲۷ ق۔م میں ہوا۔ [۳] بھیرہ کا دوسری مرتبہ نام مشہور چینی سیاح فاہیان کے سفرنامہ میں ملتا ہے جو پانچویں صدی عیسوی میں اس نے لکھا۔ [۴] تیسری مرتبہ اس کا تذکرہ ساتویں صدی عیسوی میں آنے والے ایک اور چینی سیاح ہیون سانگ کے حالات سفر میں پایا جاتا ہے [۵]۔

اسلامی تاریخ میں بھیرہ کا ذکر سلطان محمود غزنوی کے حملہ سے شروع ہوتا ہے۔ جو اس نے ۱۰۰۴ء میں کیا۔ اس کے بعد ۱۲۹۲ء میں بھیرہ پر مغل تاجداروں کے حملے شروع ہوئے۔ امیر تیمور

(۱۳۳۶-۱۴۰۵) کا حملہ ان میں سب سے آخری تھا۔ ظہیر الدین بابر (۱۴۸۳-۱۵۳۰ء) نے ۱۵۰۹ء میں اسے فتح کیا۔ اس کے بعد آئے دن کے بیرونی حملوں سے برباد ہو کے رہ گیا۔ سب سے زیادہ تباہی احمد شاہ کے جرنیل نور الدین نامی شخص کے ذریعہ سے ہوئی جس نے ۱۷۵۴ء کے قریب اس قدیم شہر کو تاخت و تاراج کر دیا۔ جس پر شیر شاہ سوری نے اپنے عہد حکومت میں اسے دوبارہ آباد کیا۔ شاہان مغلیہ کے زمانہ میں اسے برابر عروج حاصل ہوتا رہا۔ مغلوں نے اس شہر میں پختہ عمارات بنائیں اور اس کے گرد شہرپناہ بھی تعمیر کی گئی جس کے آٹھ بڑے بڑے دروازے تھے۔ فصیل تو منہدم ہو چکی ہے مگر اس کے آثار و نشانات دروازوں کی شکل میں ابھی تک موجود ہیں۔

مغلیہ حکومت میں اس تاریخی شہر کو جو رونق حاصل ہوئی بعد ازاں سکھ گردی کے پر آشوب ایام میں بالکل غارت ہو گئی [6]۔

سن ولادت

یہی وہ تاریک ترین زمانہ ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے نور الدین ہی کے مبارک نام سے بھیرہ ہی کی سرزمین میں ایک عظیم الشان اور برگزیدہ انسان پیدا کیا۔ پہلے نور الدین (احمد شاہ کے جرنیل) نے تو بھیرہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ مگر اس نور الدینؓ نے (جو وہ بھی احمد کی فوجوں کا سپہ سالار بنا) اپنے نور ایمان و عرفاں۔ نور اخلاق و توکل اور نور خلافت سے نہ صرف دین اسلام کا نور چار دانگ عالم میں پھیلا دیا بلکہ اس کے قدم سے بھیرہ کا نام و مقام بھی ہمیشہ کے لئے روشن ہو گئے۔ جب تک یہ زمین قائم ہے آسمان شہرت پر اس کا نام بھی قیامت تک چمکتا رہے گا انشاء اللہ۔ میری مراد امیر المومنین خلیفۃ المسیح اول مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ سے ہے جو پنجاب کے سکھ راجہ شیر سنگھ [7] کے عہد حکومت میں ۱۲۵۸ھ یا ۱۸۴۱ء یا ۱۸۹۸ سمت [8] کے قریب بھیرہ [9] کے (محلہ معماراں) میں تولد ہوئے دلی کے تخت پر اس وقت ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ متمکن تھا اور اس کا........ روزنامچہ "سراج الاخبار" کے نام سے چھپنا شروع ہو چکا تھا یا ہونے والا تھا [10] اور ملک ہند کے متعدد مقامات آگرہ۔ میرٹھ بنارس۔ بریلی۔ پنجاب۔ بمبئی اور مدراس وغیرہ میں بڑی کثرت سے مطابع و اخبارات جاری ہو چکے تھے۔ اور ہو رہے تھے۔ [11] ہندوستان کے ہمسایہ ممالک میں سے ایران پر قاچاری خاندان حکمران تھا اور ترکی پر سلطان عبد المجید اول کا پھریرا لہرا رہا تھا۔

خاندان

حضرت مولوی نور الدین صاحب کے والد بزرگوار کا نام حضرت حافظ غلام رسول صاحب اور والدہ ماجدہ کا نام نور بخت تھا [12]۔ آپ کا سلسلہ نسب باپ کی طرف سے بتیس (۳۲) واسطوں کے ساتھ خلیفۃ الرسول حضرت فاروق اعظم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ [13] ددھیال کے علاوہ ننھیال سے بھی آپ کا خاندان شرف و مجد میں نہایت اعلیٰ ہے چنانچہ آپ کی والدہ ماجدہ

نسب نامہ حضرت خلیفہ اوّل رضؓ سے متعلق ضروری نوٹ

حضرت عمرؓ سے حضرت شہزادہ قاضی شعیبؒ کا شجرہ (خزینۃ الاصفیاء فارسی ص۲۸۵ مؤلفہ غلام سرور قریشی اسدی الہاشمی الباری) سے ماخوذ ہے۔ اور اس سلسلہ کے ناموں کی وضاحت محمد علی اصغر کی مشہور کتاب "جواہر فریدی" فارسی ص۲۴۵-۲۴۷) کی روشنی میں کی گئی ہے۔ جواہر فریدیؒ کے اس حصہ کی نقل قاضی محمد یوسف صاحب فاروقی مرحوم نے مردان سے مؤلف کو بھجوائی تھی۔ کتاب پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی فہرست میں موجود ہے مگر مؤلف ہذا کو مل نہیں سکی۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے پہلی دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا شجرہ نسب بدر ۲۸ مارچ ۱۹۱۳ء میں شائع فرمایا تھا جو آپ کی سوانح عمری (مرقاۃ الیقین) میں بھی موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ شجرہ نسب مولوی غلام احمد صاحب بھیرہ سے قادیان لائے تھے اور بڑے بڑے کاغذوں پر لکھا تھا۔ اس شجرہ نسب میں "خزینۃ الاصفیاء" کے مقابل کچھ فرق ہے۔ بعض افراد کے نام درج نہیں گو بعض نام زیادہ بھی ہیں۔ مثلاً شیخ فتح محمد خاں اور عبد السامع مگر کسی مستند کتاب میں ان کا نام سلسلہ نسب میں نہیں دیکھا گیا۔ یہ شجرہ نسب خفیف سے تغیر کے ساتھ "مراۃ الانساب" ص۲۶ میں بھی درج ہے۔ مگر کسی پشت میں یہ نام وہاں بھی موجود نہیں۔ غائب شدہ ابتدائی کڑیوں کی تصدیق "خزینۃ الاصفیاء" اور "جواہر فریدی" کے علاوہ انساب کی دوسری کتابوں مثلاً (مرزا محمد اختر دہلوی کی کتاب "تذکرہ اولیائے ہند و پاک ص۵۸" سے بھی ہوتی ہے۔ بہرکیف بدر کا مطبوعہ شجرہ نسب حضرت عمرؓ سے حضرت شہزادہ قاضی محمد شعیب تک یوں پہنچتا ہے۔ حضرت امیر المومنین عمرؓ۔ سلطان المشائخ شیخ عبد اللہ۔ حضرت نصیر الدینؒ۔ حضرت سلطان ابراہیم ادھمؒ۔ حضرت شیخ اسحاقؒ۔ حضرت شیخ فتح محمد خانؒ۔ حضرت واعظ اکبرؒ۔ حضرت واعظ اصغرؒ۔ حضرت عبد اللہؒ۔ حضرت مسعودؒ۔ حضرت عبد السامعؒ۔ شیخ محمودؒ۔ حضرت نصیر الدینؒ۔ حضرت شیخ فرخ شاہ کابلی قدس سرہٗ العزیز۔ حضرت شیخ احمد المعروفؒ۔ حضرت شیخ شہاب الدینؒ۔ حضرت شیخ محمدؒ۔ حضرت شیخ یوسفؒ۔ حضرت شعیبؒ۔

حضرت شعیبؒ سے حضرت مولوی نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ تک کے بزرگوں کے نام بدر میں مطبوعہ شجرہ نسب پر مبنی ہیں۔ عام طور پر انساب کی کتابوں میں حضرت قاضی شعیبؒ کے بیٹے شیخ جمال الدین کو حضرت خواجہ فرید الدین شکر گنج کا والد قرار دیا گیا ہے۔ مگر تذکرہ اولیائے ہند و پاک کے مؤلف کی رائے میں آپ کے والد بزرگوار حضرت شعیبؒ کے ایک بیٹے حضرت سلیمانؒ تھے (ص۵۸)۔

"تذکرہ اولیاء" مؤلفہ رئیس احمد جعفری میں بھی حضرت کے والد کا نام قاضی سلیمان لکھا ہے ص۲۶۳۔

امروہہ کے ایک صاحب نے تو "سیادت فاروقی" کتاب میں یہاں تک ثابت کیا ہے کہ حضرت بابا صاحب سید تھے۔ فاروقی النسب نہیں تھے۔ (ایضاً ص۲۱) مگر یہ صحیح نہیں۔

"قاموس المشاہیر ص۱۳۲ مؤلفہ نظامی بدایونی میں سلیمان کی بجائے شیخ جلال الدین نام لکھا ہے۔

اب خواہ والد سلیمان تھے یا شیخ جلال الدین۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ کا یہ نظریہ موجودہ شجرہ نسب کی روشنی میں بالکل درست ہے کہ حضرت فرید الدین شکر گنج کے والد اور میرے جد امجد (یعنی شیخ جمال الدین مرحوم) دونوں سگے بھائی تھے۔

حضرت حافظ غلام رسول صاحبؒ کی اولاد کے نام حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے قلمی بیاض (جو خاندان خلیفہ اوّل کے پاس محفوظ ہے) سے ماخوذ ہیں اور باقی کوائف مؤلف کی ذاتی تحقیق کا نتیجہ ہیں!!

نسب نامہ حضرت مولوی نورالدین صاحب بھیروی خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے لیکر اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل تک

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

عبدالرحمٰن — حضرت عبداللہ — محمد[1]

حضرت عبیداللہ ناصر — خواجہ سلیمان المنصور — حضرت ابوالفتح ادہم — حضرت سلطان ابراہیم ادہم بادشاہ بلخ — شہزادہ اسحاق — خواجہ ابوالفتح کامل

حضرت احمد فرخ شاہ بادشاہ کابل — سلطان نصیرالدین — محمود المعروف تطہین شاہ — سامان شاہ — خواجہ سلیمان — خواجہ سلطان مسعود — واعظ الاصغر — واعظ الاکبر

خواجہ شہاب الدین — خواجہ محمد — خواجہ یوسف — خواجہ احمد شہید — شہزادہ قاضی محمد شعیب — حضرت شیخ جمال الدین — حضرت شیخ سلیمان — حضرت شیخ بہاؤالدین

حافظ یار محمد — حافظ عبدالعزیز — حافظ نصراللہ — حافظ عبدالنصیر — حافظ عبدالغنی — حضرت قاضی عبدالرحمٰن — حضرت شیخ بدرالدین

حافظ عبدالرب — حافظ فخرالدین — حافظ معزالدین — حافظ غلام محمد — حضرت حافظ غلام رسول صاحب والد بزرگوار حکیم الامت مدفون پیر مصطفےٰ قبرستان بھیرہ

(۱) مولوی سلطان احمد (مدفون بھیرہ)
- مولوی حافظ محمد تھانیدار (جموں)
- مولوی حمداللہ
  - عزیز احمد
  - نذیر حسین

(۲) مولوی غلام نبی (٭٭٭)

(۳) حکیم مولوی غلام احمد(۴) (مدفون خانقاہ مخدوم میانی)
- مولوی دوست محمد (٭٭)
- مولوی سردار محمد ۳۱۳ اصحاب کی فہرست میں ۲۵۶
  - قریشی عبدالحق
  - قریشی بشیر احمد
    - امیر محمد (جوہرآباد)
    - ڈاکٹر محمد عبداللہ (ہومیوپیتھ)
    - منیر احمد (تصمی)
    - سلطان احمد
  - قریشی محمود احمد

(۴) مولوی محمد بخش[2]
- سائیں عبدالرحمٰن
- معصومہ
- خدیجہ

(۵) محی الدین

(۶) بیٹا — نام معلوم نہیں ہو سکا

(۷) امام بی (والدہ محمد شفیع قریشی مرحوم)
- محمد شفیع مرحوم شتولی پیدائش ۱۸۶۱ء بیعت ۱۸۹۲ء ۳۱۳ اصحاب ۲۵۱
  - غلام احمد — ڈاکٹر انیہا لائل پور
    - اسمٰعیل
    - عبدالماجد
  - احمد شفیع (میانوالی)

(۸) غلام بی[3]

(۹) **حضرت حکیم الامت مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ**

بقیہ شجرہ اگلے صفحات پر دیکھیں

(دوفات ۳ نومبر ۱۹۱۵ء مدفون بہشتی مقبرہ قادیان ریکارڈ بہشتی مقبرہ ۳۱۳ کی فہرست میں ۲۵۳ و انجام آتھم ملک ضمیمہ ذکر حبیب (از مفتی محمد صادق) کے صفحہ ۲۶۱ پر ان کے ایک ایمان افروز واقعہ کا ذکر ہے)۔

(٭٭٭) غالباً بھیرہ میں مدفون ہیں انکی اولاد سبحان پور کے قریب آباد ہوگئی۔

(٭٭) ۳۱۳ اصحاب میں ۲۵۷ ان کے بیٹے حکیم محمد زمان مفقود الخبر ہوگئے تھے (الفضل یکم اپریل ۱۹۱۶ء صفحہ ۲۴)

(۴) ان کی دو بیٹیاں سردار بی اور مہتاب بی تھیں۔

(٭) لیہ میں کتابیں فروخت کرنے کیلئے گئے سبحان زہیر کی مرض سے انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ (ضمیمہ بدر، ر نومبر ۱۹۱۲ء کالم ۳ آخر)

[1] ۔ دہلی کے مشہور محدثین کا خاندان جس میں حضرت شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالغنی، شاہ اسمٰعیل شہید جیسے بزرگ شامل ہیں۔ آپ ہی کی اولاد ہے۔

[2] ۔ غالباً ان کی بیٹی حضرت قاضی امیر حسین کے عقد میں آئی۔ (الفضل ۲۸ اگست ۱۹۳۰ء صفحہ ۹ کالم ۲)

[3] ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے لکھا ہے کہ میرے ہر ایک بھائی کے غالباً پانچ پانچ چھ چھ بچے تھے (مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۶۵) یہاں صرف معروف اولاد کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ سب بھائی حضرت مسیح موعودؑ کے دعوئ ماموریت سے قبل وفات پا چکے تھے (مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۶۳، ۱۶۵) سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ غلام رسول صاحب کے سات بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں اور حکیم الامت سب سے چھوٹے تھے۔ حکیم الامت کی ایک بہن جو احمدی نہیں تھیں جنوری ۱۸۹۸ء میں قادیان بھی تشریف لائیں۔ (اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۵۲)

اولاد زوجہ اولیٰ فاطمہ صاحبہ بنت مفتی شیخ مکرم صاحب قریشی بھیروی۔ متوفی ۲۸ جولائی ۱۹۰۵ء (حیات جاودانی صـ۲)

حکیم الامت الحاج مولوی نورُ الدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول رضی

1. عبداللہ (درس القرآن کلاں ص ۲۵)
2. اسامہ (اسی لئے ابو اسامہ کنیت تھی فصل الخطاب) (ولادت ۱۸۶۹ء یا اس سے قبل)
3. فضل الٰہی
4. حفیظ الرحمٰن
   - (۳ و ۴) جموں میں فوت ہوئے (مرقاۃ الیقین صـ۱۹۹) (مکتوبات احمد جلد پنجم ـ ۲ صـ۲)
5. عبدالقیوم — ولادت ۲۲ ستمبر ۱۹۰۳ء وفات ۱۲ اگست ۱۹۰۵ء (احمدی جنتری مؤلفہ منظور الٰہی صـ۶۱، ۶۲)
6. محمود احمد (مرقاۃ الیقین صـ۱۸۲)
7. بیٹا
8. بیٹا
9. بیٹا
   - (۷ تا ۹) (نام معلوم نہیں ہوئے)
10. اُمامہ — وفات ۲۶ اگست ۱۸۹۵ء بعمر ۲۶ سال (الحکم ۲۴ اگست ۱۸۹۹ء) زوجہ مولوی عبدالواحد غزنوی خلف حضرت مولوی عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ
    - مولوی محمد اسمٰعیل غزنوی
    - مولوی ابراہیم غزنوی (وفات ۱۹۱۰ء)
    - آمنہ زوجہ حافظ عبداللہ غزنوی
    - خدیجہ زوجہ حکیم غلام نبی
11. حفصہ اہلیہ مفتی فضل الرحمٰن صاحب مرحوم — ولادت ۱۸۸۸ء وفات ۱۴ ستمبر ۱۹۱۷ء (الفضل ۱۸ ستمبر ۱۹۱۷ء صـ۱)
    - محمد حبیب الرحمٰن، حفیظ الرحمٰن، فضل کریم، عبدالحفیظ، محمد عبداللہ، عبدالمالک، احمد، ہاجرہ، امۃ الرحمٰن، امۃ الحفیظ
    - (حیاتِ جاودانی صـ۳ احمدی جنتری مرتبہ منظور الٰہی صـ۶ کلام امیر صـ۴ ضمیمہ بدر)
12. امۃ اللہ — ۹-۱۰ سال کی عمر میں جموں میں انتقال کر گئیں (حیات جاودانی صـ۲)
13. عائشہ
14. رابعہ
    - (۱۳ و ۱۴) (ان میں سے جو صاحبزادی چھوٹی تھیں ان کا انتقال مئی ۱۸۹۵ء میں ہوا)

نوٹ:۔ (۱) حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے مرقاۃ الیقین صـ۲۱۳ میں اجمالاً ذکر فرمایا ہے کہ آپ کی تین بیویاں تھیں دو بیویوں کا نام اور اولاد کی تفصیل کا اوپر ذکر آگیا ہے مگر تیسری بیوی کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا کہتے ہیں کہ عرب میں بھی آپ نے ایک شادی کی تھی اور اولاد بھی ہوئی ؛

(۲) حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے خط مطبوعہ (الحکم ۱۰ فروری ۱۹۰۱ء صـ۱ کالم ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ۱۷ اپریل ۱۸۸۱ء کو بھیرہ میں تھے ؛

(۳) آپ کے نواسہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی حضرت مسیح موعودؑ کی دعا کے نتیجہ میں پیدا ہوئے تھے (الفضل ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۶ء صـ۸ کالم ۲ ؛

اولاد زوجہ ثانیہ حضرت صغریٰ بیگم صاحبہؓ بنت حضرت صوفی احمد جان صاحب لدھیانویؓ

حکیم الامت الحاج مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاولؓ

(۱)
محمد احمد
سرالخلافہ صفحہ ۵۳
ولادت بھیرہ
وفات قادیان
(بدر ۶ر اپریل ۱۹۱۱ء)

(۲)
میاں عبدالحی صاحب
(مدفون بہشتی مقبرہ قادیان)
ولادت ۱۵ر فروری ۱۸۹۹ء
(ضمیمہ الحکم ۱۷ر فروری ۱۸۹۹ء)
وفات ۱۱ر نومبر ۱۹۱۵ء
(الفضل ۱۴ر نومبر ۱۹۱۵ء)

(۳)
حضرت امۃ الحی صاحبہ
(حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)
مدفون بہشتی مقبرہ قادیان
ولادت: یکم اگست ۱۹۰۱ء
(الفضل ۳۰ر مئی ۱۹۱۳ء)
وفات: ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۴ء

- صاحبزادی امۃ القیوم
  حرم حضرت مرزا مظفر احمد
  ولادت: ۱۹۱۶ء
- صاحبزادی امۃ الرشید
  حرم میاں عبدالرحیم احمد
  ولادت: ۶ر نومبر ۱۹۱۸ء
- صاحبزادہ مرزا خلیل احمد
  ولادت: ۱۰ر نومبر ۱۹۲۳ء
  وفات: ۴ر مارچ ۱۹۷۵ء

(۴)
میاں عبدالسلام مرحوم
ایل ایل۔بی (علیگ)
ولادت: ۲۸ر دسمبر ۱۹۰۵ء
(بدر ۵ر جنوری ۱۹۰۶ء)
وفات: ۲۴/۲۵ مارچ ۱۹۵۶ء
(مدفون بہشتی مقبرہ ربوہ)

(۵)
میاں عبدالوہاب
ولادت: ۸ر فروری ۱۹۰۸ء
(بدر ۱۳ر فروری ۱۹۰۸ء)
احمدی جنتری مؤلفہ منظور الٰہی
صفحہ ۶۱

(۶)
میاں عبدالمنان
ولادت: ۱۹ر اپریل ۱۹۱۰ء
(بدر ۲۱ر اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۱)

(۷)
میاں عبداللہ
ولادت: ۱۸ر نومبر ۱۹۱۳ء
(بدر ۲۰ر نومبر ۱۹۱۳ء)
وفات: ۹ر جون ۱۹۱۴ء

اعوان قوم سے تھیں۔ [۱۴] جس کا مورث اعلیٰ مورخین نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو قرار دیا ہے۔ [۱۵] اس اعتبار سے آپ فاروقی بھی ہیں اور علوی بھی۔

حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اول ؓ کے آباء و اجداد مدینہ سے نکل کر بلخ میں آباد ہوئے پھر کابل و غزنی کے حکمران بنے اور بالآخر چنگیزی حملہ کے دوران میں کابل سے ہجرت کر کے پہلے ملتان کے نواح میں بعد ازاں بھیرہ میں آبسے۔ آپ کے خاندان میں بہت سے اولیاء و مشائخ طریقت گذرے ہیں اور حفاظ کا سلسلہ تو اس خاندان میں برابر گیارہ پشت سے چلا آتا ہے۔ جو اس مقدس خاندان کے ابتداء ہی سے قرآن مجید سے والہانہ شغف اور غیر معمولی لگاؤ کا پتہ دیتا ہے جو شاید آپ کے مورث اعلیٰ حضرت عمر فاروق ؓ کے کلمہ حسبنا کتاب اللہ " [۱۶] فرمانے کا روحانی اثر و جذب تھا جو آنحضرت ﷺ کی زندگی کی آخری گھڑی میں آپ کی زبان مبارک سے نکلا تھا۔ آپ کے خاندان میں جو اہل اللہ گذرے ہیں ان میں سے بعض مشہور بزرگوں کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ : سیدنا حضرت عمر فاروق ؓ کے فرزند اور حضرت حفصہ ؓ زوجہ رسول ؐ کے سگے بھائی اپنے زمانہ کے مشہور محدث اور بلند پایہ علماء میں سے تھے۔ عہد صدیقی میں شامیوں سے جو زبردست مقابلہ ہوا۔ اس میں اسلامی فوج کے کمانڈر آپ ہی تھے۔ شامیوں کا جرنیل آپ ہی کے ہاتھوں تہ تیغ ہوا۔ آپ کی وفات ۶۹۲ء میں ہوئی۔ [۱۷]

حضرت عبید اللہ ناصرؒ : بنی امیہ کے ظلم سے تنگ آکر مدینہ سے ترکستان ہجرت کر آئے۔ اور بلخ میں سکونت پذیر ہوئے [۱۸]۔

حضرت خواجہ ادھمؒ : ایک جوان صالح جن کو حاکم بلخ نے نیکی اور پارسائی کی وجہ سے اپنی لڑکی دی اور خانہ داماد بنایا۔ کیونکہ حاکم کی نرینہ اولاد نہ تھی اس طرح حاکم بلخ ہو گئے [۱۹]۔

حضرت سلطان ابراہیم ادھمؒ : اولیائے کبار و صوفیائے عظام میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ابتداء میں بلخ کے بادشاہ تھے مگر ایک عبرتناک خواب دیکھ کر عین عنفوان شباب میں تاج و تخت ٹھکرا دیئے۔ اور فقیرانہ لباس بدل کر شہر سے نکل گئے اپنے گناہوں پر روتے جاتے تھے اور جنگلوں اور وادیوں میں سے پاپیادہ گذرتے جاتے تھے اسی حالت میں آپ نواح نیشاپور میں پہنچ گئے وہاں ایک غار نظر آیا جو نہایت تاریک اور بھیانک تھا۔ یہاں تقریباً نو سال تک ریاضت کرتے رہے پھر مکہ شریف پہنچے اور حضرت امام اعظم ' سفیان ثوری اور ابو یوسف غولی کی صحبت میں رہنے لگے۔ حضرت جنید قدس سرہ

فرماتے تھے کہ آپ علم کی کنجی ہیں۔ حضرت امام اعظم آپ کو سیدنا کہا کرتے تھے۔ خرقہ ولایت حضرت فضل عیاض سے پہنا تھا۔ آپ سے کرامات کا اس درجہ ظہور ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ ۲۸/ اگست ۷۲۸ء کو ۱۱۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مزار مبارک جبلہ (شام) میں ہے۔ یہ خیال شہزادہ دارا شکوہ کا ہے۔ بعض آپ کی قبر بغداد شریف میں بتاتے ہیں اور بعض شام میں! مگر حضرت فرید الدین عطارؒ کے نزدیک کوئی خیال درست نہیں آپ کی قبر کسی نامعلوم جگہ پر ہے۔ [۲۰]

حضرت خواجہ سلطان محمود نشیمان شاہؒ : آپ نے حکومت بلخ میں نواحی کابل کو بھی فتح کر لیا۔

حضرت شاہ سلطان نصیر الدینؒ : بلخ کا شہر چھوڑ کر آپ کابل میں قیام پذیر ہو گئے آپ کے ایک بیٹے حضرت احمد فرخ شاہ بھی تھے۔ [۲۱]

حضرت احمد فرخ شاہ کابلیؒ : "سیر الاولیاء" میں لکھا ہے کہ آپ بادشاہ کابل تھے مگر جب غزنی حکومت کا زور بڑھا تو آپ کی سلطنت بھی اس میں مدغم ہو گئی لیکن آپ کے فرزند کابل ہی میں رہے۔ آخر اسی دوران میں چنگیز خان نے خروج کر کے ایک عالم کو زیر و زبر کیا۔ اور سلطنت کابل کا تختہ بھی الٹ گیا۔ حضرت احمد فرخ شاہ کابلی بخراب میں درہ فرخ شاہ واقع بخراب کوہ دامن میں مدفون ہیں آپ کا روضہ مرجع عام و خاص ہے۔ [۲۲]

حضرت شہزادہ خواجہ احمد شہیدؒ : حضرت خواجہ یوسفؒ کے فرزند تھے تاتاری فوج کے حملہ میں شہید ہو گئے اور حکومت پر تاتاری قابض ہو گئے۔ [۲۳]

حضرت شہزادہ قاضی شعیبؒ : حضرت خلیفۃ المسیح اول ؓ کے جد اعلیٰ جو سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ میں اپنے اہل و عیال سمیت کابل سے ہجرت کر کے پہلے پشاور آئے [۲۴] پھر لاہور سے قصور پہنچے۔ [۲۵] یہ ۵۹۹ھ مطابق ۱۲۰۳ء کا واقعہ ہے قاضی قصور نے ان کی بہت خاطر مدارات کی اور بادشاہ وقت کو ان کی آمد کی اطلاع دی۔ بادشاہ نے ملتان کے قریب ایک قصبہ کھتے وال (یا کھوتوال) میں ان کو قاضی مقرر کر دیا اور قصبہ پاکپتن مع نواحی بطور جاگیر عنایت کی۔ [۲۶] آپ وہیں مقیم ہو گئے اور اسی جگہ وفات پائی اور دفن ہوئے۔ [۲۷]

حضرت خواجہ ولی اللہ المعروف نارنجی باباؒ : آپ جہانگیر بادشاہ کے زمانہ کے اولیاء

میں سے تھے۔ درہ نارنجی بونیر میں مدفون ہیں۔ [۲۸]

حضرت قاضی عبدالرحمٰن شاطر مدراسیؒ : یہ بھی اکابر اولیاء میں سے تھے۔ مگر افسوس ان کے حالات پر کتابوں سے روشنی نہیں پڑتی۔

المختصر آپ کے اجداد میں اولیاء، علماء، محدثین، بادشاہ، صوفی، قاضی، شہید ہر طبقہ کے بزرگ گذرے ہیں اور آپ کا خاندان ہمیشہ ہی ایک ممتاز شان کا حامل رہا ہے۔ یاغستان میں آپ کے افراد خاندان آج تک شہزادے کہلاتے ہیں۔ [۲۹] اور بھیرہ میں جو آپ کا آبائی وطن ہے آپ کے خاندان کو ابتداہی سے حد درجہ عقیدت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح اول تحریر فرماتے ہیں:

"گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ

یہ خاکسار قریشی فاروقی ہے۔ میرا سلسلہ نسب حضرت عمرؓ سے پھر حضرت شعیب سے ملتا ہے۔ جو کابل سے پشاور اور وہاں سے لاہور پھر قصور پھر کھتے وال علاقہ بہاولپور میں مقیم ہوئے قاضی عبدالرحمٰن شاطر مدراسی۔ بابانارنجی مقیم یاغستان اسی سلسلہ کے ممتاز ہیں۔ حضرت فرید شکر رحمتہ اللہ کے والد اور میرے جد امجد دونوں حقیقی بھائی تھے۔ یہ قصہ طویل ہے۔ بھیرہ ضلع شاہ پور میرا وطن تھا۔ وہاں صدیقی قریشیوں کا ایک بڑا محلہ ہے۔ نورالدین" [۳۰]

والد بزرگوار آپ کے والد حضرت حافظ غلام رسول صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے نہایت متدین سنی المذہب اور حنفی مشرب بزرگ تھے اور سلسلہ چشتیہ سے تعلق رکھتے تھے قرآن مجید سے ان کو خاندانی روایات کے مطابق خاص عشق تھا اور قرآن مجید کی ترویج و اشاعت ہی ان کی زندگی کا سب سے محبوب مشغلہ تھا [۳۱] ہزاروں روپے کے قرآن شریف خریدتے اور ملک کے اطراف میں ان کو پھیلا دیتے تھے۔ بمبئی کے ایک تاجر کا کہنا ہے کہ میں تیس ہزار روپیہ کے قرآن شریف خرید کر بھیرہ گیا جہاں آپ نے وہ سب کے سب خرید لئے مجھ کو اس میں منافع عظیم ہوا۔ پھر دوبارہ اسی طرح ہزاروں ہزار کے قرآن شریف خرید کے لے جاتا تھا۔ [۳۲]

قرآن مجید سے فدائیت کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت خلیفہ اولؓ کی بڑی بہن کی شادی ہوئی تو آپ نے جہیز میں سب سے اوپر قرآن شریف رکھ دیا اور فرمایا۔ ہماری طرف سے یہی ہے۔ اس قرآن شریف کا کاغذ حریری اور باریک بڑی محنت اور صرف زر سے میسر ہوا۔ مولوی نور احمد صاحب جلالپور جٹاں نے سو روپیہ صرف لکھنے کا نذرانہ لیا۔ جدول۔ رول۔ آیات کی علامات لکھنا۔ رنگ بھرنا سونے کے پانی پھیرنے کے اخراجات اس کے علاوہ تھے۔ [۳۳]

حضرت حافظ صاحب بڑے شہسوار تھے۔ [۲۴] اور گھوڑیوں کا انہیں بڑا شوق تھا۔ خدا نے مال و دولت بھی بہت دے رکھی تھی۔ [۲۵] اور بڑے عالی حوصلہ اور شاہانہ طبیعت و مزاج کے انسان تھے۔ چہرہ سے ہمیشہ بشاشت ٹپکتی تھی۔ اپنے بچوں خصوصاً اپنے سب سے چھوٹے صاحبزادے (حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح اولؓ) پر بڑی شفقت فرماتے۔ اور ان کے کسی بڑے سے بڑے خرچ کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ [۲۶] اکثر لاہور سے اشیاء منگوانے کا انتظام فرماتے تھے۔ [۲۷] ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ اپنے مکتب میں کھڑے تختی سکھا رہے تھے کہ آپ کا اچانک گذر ہوا۔ دیکھا کہ سیاہ رنگ کے پانی سے بھرے ہوئے ایک گھڑے سے انہوں نے تختی صاف کی ہے اور بازو گندے ہو گئے ہیں۔ فرمایا ہم اس کام کو پسند نہیں کرتے اور آپ کو بازار سے بہت سے کاغذ خرید دیئے اور ایک شخص غلام حسن سے اس کی وصلیاں بنوا دیں۔ حضرت مولوی نورالدینؓ چند وصلیاں لے کر گھر آئے [۲۸]۔ اور ہر ایک پر الف۔ ب وغیرہ حروف لکھ کر سب سیاہ کر ڈالیں۔ بڑے بھائی نے آپ سے عرض کیا کہ نورالدین نے تھوڑی دیر میں کتنے ہی کاغذ خراب کر دیئے ہیں انہوں نے فرمایا۔ کیا حرج ہے تم اس کے نام کا بہی کھاتہ جدا کر دو اور وہاں سے خرچ کرتے رہو جب بڑا ہو گا تو اپنا قرضہ خود اتارے گا۔

ایک دفعہ حضرت مولوی صاحب "گلستان" پڑھ رہے تھے کہ آپ کے والد محترم نے فرمایا۔ یہ اچھے خط کی نہیں اسے چھوڑ دو اور جلد ہی کشمیر سے ایک نہایت خوشخط گلستان منگوا کے ان کے حوالہ کر دی۔ کچھ عرصہ بعد حضرت مولوی صاحب نے اس پر دوات رکھی اور وہ ہوا سے الٹ کر اس کے ورقوں پر پھیل گئی اور کتاب غارت ہو گئی مگر آپ کے والد صاحب نے نہایت درجہ حوصلہ مندی اور بشاشت قلبی سے فرمایا کہ کیا حرج ہے اور لے دیں گے۔ [۲۹]

بچوں کی ذہنی نشوونما اور اعلیٰ صحت کے برقرار رکھنے کا آپ کو بہت خیال رہتا۔ آپ کا دسترخوان انار۔ سیب اور انگور وغیرہ عمدہ پھلوں سے بھرا رہتا تھا۔ جو خاص اہتمام سے آپ منگواتے تھے۔ [۳۰] اس کے ساتھ اپنے بچوں کی خالص اسلامی رنگ میں تربیت کا ان کو خاص خیال رہتا تھا۔ کبھی نقد پیسہ اپنے بچوں کو نہیں دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شے تم چاہو ہم تم کو منگا دیں گے ایک دفعہ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے ان سے عیدی مانگی تو فرمایا جو کچھ کہو گے ہم منگا دیں گے پیسے کیا کرو گے۔ اور صرف ادھنی آپ کو دی۔ [۳۱]

اپنے بچوں کو تعلیم دلانے کے آپ از حد شائق تھے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح اول فرمایا کرتے تھے۔ "میرے باپ کو اپنی اولاد کی تعلیم کا بہت شوق تھا۔ مدن چند ایک ہندو عالم تھا وہ کوڑھی ہو گیا لوگوں

نے اسے باہر مکان بنا دیا۔ میرے باپ نے اس کے پاس میرے بھائی کو پڑھنے کو بھیجا۔ لوگوں نے کہا خوبصورت بچہ ہے کیوں اس کی زندگی کو ہلاکت میں ڈالتے ہو اس پر میرے باپ نے کہا۔ مدن چند جتنا علم پڑھ کر اگر میرا بیٹا کوڑھی ہو گیا تو کچھ پروا نہیں........ میرے والد ایسے بلند ہمت تھے کہ وہ اگر اس زمانہ میں ہوتے تو مجھے امریکہ بھیج دیتے۔ ایک دفعہ مجھے کہا کہ تم تعلیم حاصل کرنے کے لئے جاؤ مگر ماں کو خبر نہ ہو۔ دوم اتنی دور جاؤ کہ اگر ہم مرجائیں تو تم کو خبر نہ ہو۔ [22]

بھینسیں رکھنے کا آپ کو از حد شوق تھا۔ چرواہے کو تاکید کر دی تھی کہ ہماری بھینس کا دودھ نہ دوہا کر۔ ہم تجھے زیادہ اجرت دیں گے۔ لیکن وہ ایک دن دودھ دوہتا ہوا پکڑا گیا۔ تو کہنے لگا کہ حضور میرا بیٹا مر گیا ہے اس کی جمعرات ہے میں نے بہت سوچا پھر یقین ہو گیا کہ آپ کی بھینس طیب حلال ہے اس کا دودھ اس کی فاتحہ میں دوں [23]

آپ بہت مضبوط، تنومند اور بہت تیز چلنے کے عادی تھے اور آخر عمر تک اس تیز رفتاری میں فرق نہیں آیا۔ [24]

لباس عمدہ ہوتا۔ ایک قسم کی لنگی پہنتے تھے جس پر تلا ضرور ہوتا تھا۔ یہ لنگی آپ کی بیٹیاں اپنے ہاتھ سے تیار کرتی تھیں اور اس پر ان کو فخر ہوتا تھا۔ [25] آپ کی وفات ۱۸۷۱ء کے بعد ہوئی جبکہ حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ سفر حجاز سے واپس تشریف لا چکے تھے۔

آپ کی دس پشتوں میں ایک ہی شخص سے خاندان کی نسل چلتی چلی آئی ہے یعنی کوئی اور بھائی اور بہن اس کے ساتھ نہیں ہوتا تھا۔ یہی بات آپ میں تھی۔ نہ آپ کا کوئی اور بھائی تھا نہ بہن!! مگر آپ کی پشت سے چونکہ نور الدین جیسا مقدس وجود ظاہر ہونا مقدر تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے گذشتہ خاندانی سلوک کو بدل کر آپ کو خارق عادت رنگ میں سات بیٹے اور دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔ یہ سب لکھے پڑھے تھے۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اولؓ عمر کے اعتبار سے آپ کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ اور پہلی اولاد گویا آپ کے لئے بطور ارہاص تھی۔ آپ کے بیٹوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ **مولوی سلطان احمد صاحب** : بڑے متبحر عالم تھے۔ [26] بھیرہ کی جامع مسجد میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ مگر بعد میں لاہور چلے آئے اور یہاں آپ نے مطبع قادری کے نام سے کابلی مل کی حویلی میں ایک مطبع کھول دیا۔ جو لاہور کے قدیم ترین مطابع میں سے سمجھا جاتا ہے [27]۔ مولف "اختر شہنشاہی" (اختر الدولہ حاجی سید محمد اشرف نقوی مالک اخبار اختر ہند) نے لاہور کے ایک پرانے مطبع قادری کا ذکر کیا ہے جس کا اجراء قادر بخش نامی کسی صاحب نے ۱۸۸۱ء میں کیا تھا۔ [28] مگر مولوی

سلطان احمد صاحب کا پریس غدر ۱۸۵۷ء سے بھی کئی برس پہلے کا ہے۔ [۴۹] کنہیالال ایگزیکٹو انجینئر لاہور کی مشہور تاریخ لاہور میں سب سے پہلا مطبع "کوہ نور" کو قرار دیا گیا ہے۔ [۵۰] جو منشی ہر سکھ رائے نے ۱۸۵۰ء میں جاری کیا تھا۔ ممکن ہے کہ ہندوؤں میں سے ہر سکھ رائے کا پریس سب سے پہلا ہو مگر لاہور کے مسلمان پریس میں مولوی سلطان احمد صاحب کے پریس ہی کو اولیت حاصل ہے۔ مطبع قادری میں کتابیں اور اخبار دونوں چھپتے تھے۔ ایک دفعہ اس میں اخبار "لاہور گزٹ" بھی شائع ہوا۔ [۵۱] اس نام کے مطبع کی چھپی ہوئی ایک کتاب "ناصرۃ العطرۃ الطاہرۃ" جو سید ابو القاسم کی تالیف ہے صادق لائبریری (قادیان) میں اب بھی موجود ہے اس کا سن اشاعت ۱۲۷۶ھ بمطابق ۷۹-۱۸۷۸ء ہے۔

مولوی سلطان احمد صاحب اور ان کے دوسرے بھائیوں کے استاد مولوی احمد الدین صاحب بگوی (بگے والے) تھے۔ [۵۲] مولوی سلطان احمد صاحب کی شادی بھی بگوی خاندان میں ہی ہوئی تھی۔ جو مولوی احمد الدین صاحب کی حقیقی بھتیجی تھی۔ چنانچہ آپ کی بیوی نے حضرت مولوی نور الدین صاحب کو دودھ چھڑانے کے بعد اکثر اپنے پاس رکھا وہ آپ کو بہلاتے ہوئے اکثر کہا کرتی تھیں انت الھادی انت الحق لیس الھادی الا ھو۔ [۵۳] آپ کے دو مشہور صاحبزادے تھے ۱۔ مولوی حافظ محمد صاحب جو ۳۱۳۔ اصحاب میں سے ۲۵۸ نمبر پر تھے ۲۔ مولوی احمد اللہ صاحب۔ مولوی سلطان احمد صاحب بھیرہ میں ہی مدفون ہیں ان کی وفات اپنے والد بزرگوار کے بعد ہوئی۔

۲۔ مولوی غلام نبی صاحب : ان کی اولاد بھیرہ کے نزدیک سبحان پور میں آباد ہوئی۔

۳۔ حکیم غلام احمد صاحب : میانی میں ہی رہا کرتے تھے۔ اور میانی کے قبرستان خانقاہ مخدوم صاحب میں ہی آپ کی آخری آرام گاہ ہے [۵۴] (معہ اہلیہ صاحبہ) مولوی سردار محمد صاحب اور مولوی دوست محمد صاحب جن کا نام حضرت مسیح موعودؑ نے انجام آتھم کی ۳۱۳ کی فہرست میں بالترتیب ۲۵۶، ۲۵۷ پر لکھا ہے آپ ہی کے صاحبزادے تھے۔

۴ تا ۶۔ مولوی محمد بخش صاحب : تاجر کتب تھے۔ کتابیں فروخت کرتے ہوئے لیہ تشریف لے گئے اور وہیں زحیر کی مرض میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔ [۵۵]

ان کے علاوہ ایک بیٹے غلام محی الدین صاحب تھے۔ بہنوں کا نام یہ ہے۔ غلام بی۔ امام بی [۵۶]

۷۔ حضرت حافظ مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ۔ [۵۷]

حضرت حافظ غلام رسول صاحب اور آپ کے سب ہی فرزند (حضرت مولوی نور الدین خلیفۃ

اولؓ کے سوا) جماعت احمدیہ کے قیام سے قبل انتقال فرما چکے تھے البتہ آپ کی ایک بیٹی کا بعد میں بھی زندہ رہنا بلکہ جنوری ۱۸۹۸ء میں اور اس کے بعد دوبارہ قادیان میں آنا بھی ثابت ہے یہ بیٹی کسی پیر کی مریدہ تھیں اور ان کے آنے کا مقصد بڑا دلچسپ تھا یعنی ان کو یہ مشورہ کرنا تھا کہ چونکہ ان کے پاس روپیہ کافی ہو گیا ہے اس لئے اس کو خرچ کرنے کے لئے کوئی مقدمہ کرنا چاہئے۔ حضرت مولوی صاحب یہ لطیفہ درس میں بھی سناتے تھے۔ حضرت خلیفہ اولؓ کی طرح دراز قد اور مضبوط جسم کی خاتون تھیں۔

۵۸

حضرت حافظ غلام رسول صاحب ۱۸۸۹ء سے قبل فوت ہوئے۔ آپ کا مزار بھیرہ کے قبرستان پیر مصطفیٰ میں بتایا جاتا ہے۔

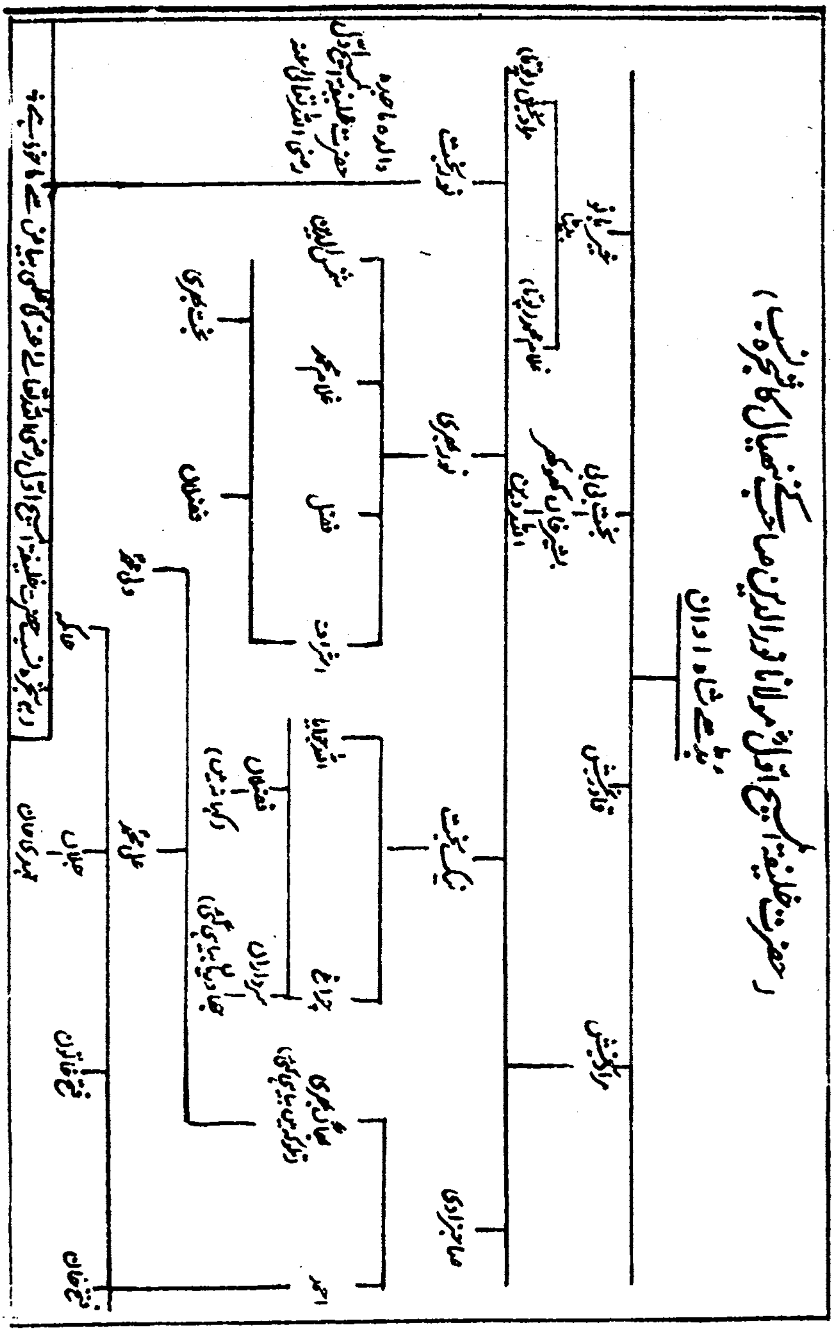

(یہ شجرہ نسب حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی قلمی بیاض سے ماخوذ ہے)

حضرت کے ننھیال حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اولؓ کے ننھیال کھانہ ضلع جہلم میں تھے جو دریائے جہلم کے کنارے پر پنڈ دادنخاں سے جانب غرب للہ اسٹیشن سے قریباً چار میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔

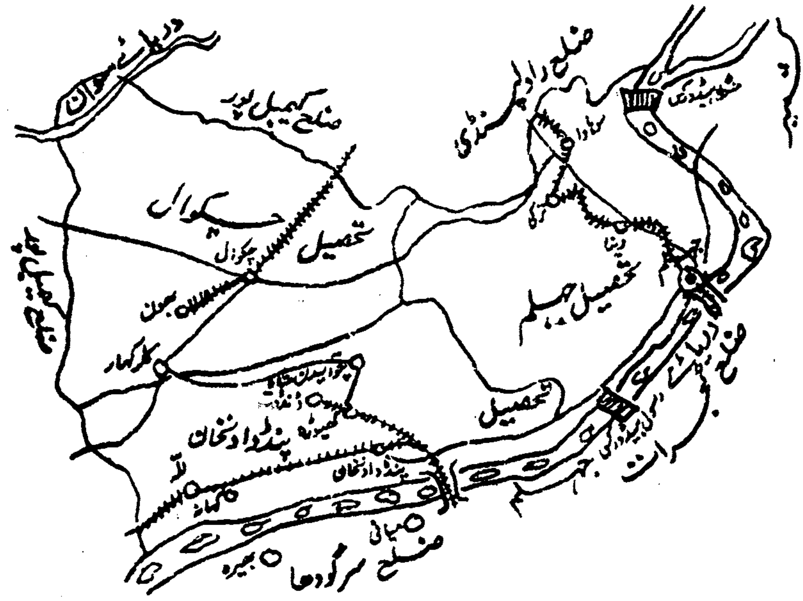

حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے نانا کا نام مراد بخش اور پڑنانا کا نام بڈھے شاہ تھا جو اعوان قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام نور بخت تھا جو ایک بزرگ اعظم کی نواسی بھی تھیں۔ [59]

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت نور بختؓ اپنے خاوند کی طرح بڑی دیندار اور عقیدہ و مسلک کے لحاظ سے سنی حنفی فرقہ سے تعلق رکھتی تھیں [60] نماز کی بہت پابند تھیں اور باورچی خانہ میں اپنا مصلیٰ کھونٹی پر لٹکا رکھتی تھیں۔ نماز کا وقت ہوتا تو بے تامل وہیں نماز پڑھ لیتی تھیں [61] آپ اچھی پڑھی لکھی 'مذہبی مسائل سے واقف اور قرآن مجید کو خوب سمجھتی سمجھاتی تھیں۔ [62] تیرہ برس کی عمر سے انہوں نے قرآن شریف پڑھانا شروع کیا۔ [63] ہزاروں لڑکیوں اور لڑکوں نے آپ سے قرآن شریف پڑھا۔ [64] پنجابی میں قرآن مجید کے عجیب عجیب نکات بیان فرماتیں۔ ان کی زبان سے کبھی خفیف سے ناشائستہ الفاظ بھی نہیں سنے گئے۔ اگر کبھی خفا ہوتیں تو زیادہ سے زیادہ یہ کہتیں۔ "محروم نہ جائیں" یا نامحروم [65]

ان کو ابتداء ہی سے شوق تھا کہ آپ کی اولاد قرآن مجید سے گہری محبت اور غیر معمولی شغف رکھتی

ہو۔ چنانچہ آپ کے سب بچوں کو قرآن شریف اور اسلامی لٹریچر سے خاص لگاؤ پیدا ہوا۔ اس میں ان کی دلی آرزو اور حسن تربیت کا بھاری عمل دخل تھا۔ حضرت مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح اولؓ فرماتے تھے کہ "میری ماں قرآن خوب جانتی تھی۔ حمل کے اندر بھی قرآن ہی کی آواز مجھے پہنچی [66] اللہ تعالیٰ کی بہت بہت رحمتیں ہوں میری کھلائی پر کہ مجھے بہلانے کے وقت اور لوری دیتے ہوئے اس کے منہ میں اللہ کا نام اور نبی کا نام رہتا تھا ابتداء میں میرے مسلمان ہونے کا سبب یہی ہوا...... پھر میں نے اپنی ماں کی گود میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی آواز سنی اور گود میں قرآن پڑھا۔ [67] میری والدہ ماجدہ ۸۵ برس کی عمر تک لوگوں کو قرآن شریف پڑھاتی رہیں [68]

آپ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ سے بہت پیار کرتی تھیں۔ بچپن میں ایک مکھن کا پیڑا سا بنا کر آپ کے سر مبارک پر رکھ دیتیں جو جذب ہو جاتا۔ [69] آپ عظیم الشان شخصیت کی مالکہ تھیں۔

لوگ حسن عقیدت یا دنیوی آرام یا دینی اغراض پر اپنی اولاد کو ان کا دودھ پلانے کے خواہشمند تھے اسی لئے آپ کے بہت سے رضائی بیٹے تھے جن میں حافظ غلام محی الدین بھی ہیں۔ [70] حضرت نور بخت کا مئی ۱۸۸۹ء میں بھیرہ میں انتقال ہوا۔ [71] آپ کے کفن دفن کا انتظام حضرت قاضی سید امیر حسین صاحب نے کیا اور آپ قبرستان پیر مصطفیٰ میں دفن ہوئیں۔ انتقال کے وقت حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ جموں میں مقیم تھے جب آپ کو اپنی والدہ کا تار ملا تو اس وقت آپ بخاری شریف پڑھا رہے تھے۔ وہ بخاری اعلیٰ درجہ کی تھی۔ آپ نے یہ خبر ملتے ہی کہا۔ اے اللہ میرا باغ تو یہی ہے پھر آپ نے وہ بخاری وقف کر دی جو خان صاحب منشی فرزند علی صاحب آف فیروز پور کے پاس عرصہ تک رہی۔ [72]

ایام طفولیت اور ابتدائی درسگاہ میں تعلیم

حضرت خلیفۃ المسیح اول مولانا نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ ابتداء ہی سے غضب کا حافظہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کو اپنا دودھ چھوڑنا بھی یاد تھا چنانچہ فرماتے ہیں۔ "میری ماں نے پستان کے اوپر بال لگالئے اور میں نے اپنے بھائی سے کہا تھا یہ ہوا ہے" [73] اس غیر معمولی حافظہ کے ساتھ یہ مزید فضل الٰہی ہوا کہ آپ کی آنکھیں ایسے گھر میں کھلیں جہاں ہمیشہ قال اللہ اور قال الرسول ہی کا چرچا رہتا تھا۔ اور والد سے لے کر بھاوج اور چھوٹے بھائی تک سب قرآن ہی کی محبت میں سرشار تھے۔ ابتداء میں آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کی گود میں قرآن مجید پڑھا اور انہیں سے پنجابی زبان میں فقہ کی کتابیں پڑھیں اور کچھ حصہ قرآن شریف کا اپنے والد سے بھی پڑھا۔ [74، 75]

اس گھریلو تعلیم کے بعد آپ مدرسہ میں داخل ہوئے اور میاں غلام حیدر صاحب بھٹا اور حاجی

کریم بخش صاحب اور ان کے بیٹے حاجی شرف الدین صاحب سے پڑھا۔ [۷۶] اس وقت کے سکولوں میں طلبہ کی کثرت نہ ہوتی تھی جیسا کہ اب ہے آپ کے استاد ایک خاص رنگ کے آدمی تھے وہ دس لڑکوں کو ملا کر سبق نہ پڑھاتے بلکہ ایک ایک لڑکے کو باری باری الگ الگ سبق دیتے تھے۔ جو زیادہ خدمت کرتا اسے زیادہ اور عمدہ سبق پڑھ لینے کا موقعہ ملتا اور جو کم خدمت کرتا اسے کم موقعہ ملتا۔ مدرسہ کا ماحول بھی پاکیزہ اور ستھرا تھا۔ جہاں بچپن میں آپ نے اسلام کے خلاف کوئی بات نہ دیکھی نہ سنی۔ [۷۷]

نماز کی طرف رغبت مکتب کی پڑھائی کے دوران سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ اور آپ کے استاد دوسرے بچوں کے ساتھ آپ کو نماز پڑھنے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک لڑکے نے وضو کر لینے کے بعد سب کو مخاطب کر کے کہا کہ نماز کون پڑھتا ہے یہ کہہ کر اس نے اپنی پیشانی ایک کچی دیوار سے رگڑی جس سے مٹی کا نشان ماتھے پر نظر آنے لگا۔ (یہ شخص بعد میں شہر کا اول نمبر چور بنا اور کیفر کردار تک پہنچا) اس طرح اس نے سب لڑکوں کو نماز نہ پڑھنے اور جھوٹ بولنے کی انگل سکھانے کی کوشش کی مگر آپ پر اس کا نہ صرف ذرہ برابر اثر نہ ہوا بلکہ نماز کے ساتھ آہستہ آہستہ دعاؤں کا ذوق و شوق بھی دل میں پیدا ہو گیا۔ ایک دفعہ کسی ضرورت کے پیش آنے پر آپ نے استاد سے پوچھا کہ کیا تدبیر کروں اس نے جواب دیا کہ افسوس! میرے پاس اس مطلب کے حصول کے لئے کوئی عمل نہیں ہے اس پر خدا نے آپ کی راہ نمائی فرمائی اور آپ سے کہا آؤ عقد ہمت سے کام لیں اور دعا کریں۔ جس پر آپ کا یہ مطلب عشاء کے وقت ہی پورا ہو گیا۔ استاد نے اس سے یہ یقین کر لیا کہ آپ کوئی عمل جانتے ہیں؟ [۷۸]

مدرسہ کے زمانہ ہی سے جبکہ آپ کے سن تمیز کا آغاز نہیں ہوا تھا کہ آپ کو کتابوں کا شوق دامن گیر ہو گیا اور بچپن میں جلد کی خوبصورتی کے سبب کتابیں جمع کرنے لگے اور یہی دراصل آپ کے لڑکپن کی دلچسپی کا سامان تھا۔ [۷۹] ورنہ آپ عمر بھر کبھی کوئی کھیل نہیں کھیلے آپ نے صرف ایک ہی کھیل کھیلا ہے اور وہ تیرنا ہے آپ کو تیرنا خوب آتا تھا۔ بعض اوقات بڑے بڑے دریاؤں میں بھی تیرتے رہے ہیں۔ [۸۰] آپ کو بچپن ہی سے گھوڑے کی سواری کا شوق تھا خود فرماتے ہیں۔ "ہم چھوٹے تھے ہمارے والد صاحب لگام چھپا دیتے تھے تا چھوٹے بچے تیز گھوڑوں پر سوار ہو کر گر نہ جائیں مگر ہم گھوڑے کے گلے کی رسی ہی سے ان کو چلا لیتے تھے۔ آپ کے سامنے آپ کے ہم جولیوں نے کبھی گالی نہیں دی۔ بلکہ آپ کو دور سے دیکھ کر بہت محتاط ہو جاتے اور آپس میں کہا کرتے تھے کہ یارو! سنبھل کر بولنا [۸۱] بچپن ہی سے آپ کی گفتار و کردار سے غیر معمولی اولوالعزمی اور علو ہمتی ٹپکتی تھی۔ ایک دفعہ

آپ کے ایک ہم جولی (شیخ احمد صاحب برادر اکبر شیخ حکیم فضل احمد صاحب سرکاری ڈاکٹر راولپنڈی) نے آپ سے کہا کہ چلو سبق یاد کریں۔ آپ نے فرمایا "یہ تم کیا کہتے ہو۔ تم تو محض حکیم بننا چاہتے ہو لیکن میں تو بادشاہ بنوں گا"۔ ۸۲

آپ کے وطن میں ٹھیٹھ پنجابی بولی جاتی تھی اور پہلی دفعہ آپ نے ایک ہندوستانی سپاہی کو اردو زبان میں کلام کرتے سنا جسے آپ نے بہت پسند کیا۔ ۸۳ آپ کے بچپن کے خاص دوستوں میں حکیم نجم الدین صاحب ۸۴ اور حکیم فضل الدین صاحب بھیروی تھے۔ ۸۵

لاہور میں تعلیم کا حصول

۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۳ء کے قریب جبکہ آپ کی عمر بارہ برس کی ہوئی آپ کو اپنے بڑے بھائی مولوی سلطان احمد صاحب کے پاس لاہور میں آنا پڑا۔ جنہوں نے کابلی مل کی حویلی میں مطبع قادری کھول رکھا تھا۔ یہاں آکر آپ کو خناق کا مرض ہو گیا اور آپ حکیم غلام دستگیر صاحب لاہوری ساکن سید مٹھ کے زیر علاج رہے اس وقت آپ کے دل میں طبی تعلیم کی تحریک پیدا ہوئی مگر آپ کے بھائی صاحب نے آپ کو طب پڑھانے کی بجائے منشی محمد قاسم صاحب کشمیری کے پاس فارسی کی تکمیل کے لئے سپرد کر دیا۔ ۸۶ وہ بڑی محنت سے رزم نرم اور بہاریہ مضامین لکھ دیتے اور حضرت مولوی صاحب سے لکھواتے۔ خوشخطی کے استاد مرزا امام ویردی مقرر ہوئے اور مشق کے لئے یہ شعر لکھ کر دیا۔ ۸۷

سرنوشت ماز دست خود نوشت خوشنویس است و نخواہد بدنوشت ۸۸

مگر خدا تعالیٰ نے آپ کی دماغی صلاحیتیں بہت اعلیٰ وارفع اور نہایت عظیم الشان مقصد کے لئے پیدا کی تھیں۔ اس لئے زبان فارسی سے آپ کی کوئی چنداں دلچسپی پیدا نہ ہوئی اور فن خوشخطی سے تو معرا ہی رہے۔ ۸۹ اور صرف ا۔ب۔ج۔د چار حروف ہی سیکھ سکے۔ ۹۰ البتہ اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ یہ دونوں استاد چونکہ شیعہ مذہب کے پابند تھے (گو مباحثات سے ان دونوں بزرگوں کا تعلق کم تھا) آپ کی معلومات میں شیعہ مذہب کے بارے میں مزید اضافہ ہوا۔ قیام لاہور کے اس زمانہ میں آپ کو لاہور کے مشہور سنی حکیم اللہ دین صاحب لاہوری ۹۱ (مقیم گمٹی بازار) سے بھی نیاز حاصل ہوا مگر فارسی اور خوشخطی کے شغل میں آپ ان سے کوئی استفادہ نہ کر سکے!!

لاہور سے بھیرہ کو مراجعت

دو سال کے بعد آپ ۱۸۵۵ء میں واپس بھیرہ آگئے اور یہاں حاجی شرف الدین سے فارسی کی دوبارہ تعلیم شروع کی مگر طبیعت اب بھی اس زبان سے مانوس نہ ہو سکی۔ ہاں عدم دلچسپی کے سبب ایک خوشگوار نتیجہ یہ ضرور بر آمد ہوا کہ سبق یاد کرنے کی محنت سے آپ بچ گئے۔ اور قویٰ خوب مضبوط رہے۔ ورنہ عین ممکن تھا

کہ کثرت مطالعہ اور علمی محنت سے دماغ پر دباؤ پڑ جاتا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد آپ کے بھائی مولوی سلطان احمد صاحب بھی بھیرہ میں آگئے اور انہوں نے باضابطہ عربی کی تعلیم دینی شروع کی۔ ان کا طریقہ تعلیم نہایت سادہ دلچسپ اور موثر تھا۔ انہوں نے صرف میں بناؤں اور تعلیلات کا گورکھ دھندا آپ کے سامنے نہ رکھا۔ اور آپ نے بہت جلد عربی کے رسائل پڑھ لئے۔ پھر جناب الٰہی کے انعامات میں سے ایک یہ بات بھی پیدا ہوئی کہ ۱۸۵۷ء میں ایک شخص کلکتہ کے تاجر کتب جو مجاہدین کے پاس اس زمانہ میں روپیہ لے جایا کرتے تھے۔ آپ کے مکان میں اترے انہوں نے غالباً مولوی سلطان احمد صاحب ہی سے (جو اس وقت آپ کے استاد تھے) آپ کی پڑھائی کی بابت سوال کیا انہوں نے بتایا۔ تو اس شخص نے کہا کہ آپ جو اس کو مخلوق کی کتاب پڑھاتے ہیں خدا کی کتاب کیوں نہیں پڑھاتے یہ کہہ کر وہ اٹھے اور اس نے آپ کو ایک مترجم پنج سورہ جو مطبع مصطفائی کا چھپا ہوا تھا۔ دے دیا۔ اور مولوی سلطان احمد صاحب نے بھی آپ کو وہی پڑھانا شروع کر دیا۔ اس وقت سے آپ کو قرآن مجید کی الفت و محبت پیدا ہو گئی۔ [۹۲] اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں۔ "انہوں نے ترجمہ قرآن کی طرف یا یہ کہنا چاہئے کہ اس گراں بہا جواہرات کی کان کی طرف مجھے متوجہ کیا جس کے باعث میں اس بڑھاپے میں نہایت شادمانہ زندگی بسر کرتا ہوں۔ و ذالک فضل اللہ علینا و علی الناس و اکثر الناس لا یعلمون"۔ [۹۳]

انہی دنوں بمبئی کے ایک تاجر کی تحریک سے "تقویۃ الایمان" (مولفہ حضرت سید اسماعیل صاحب شہیدؒ) اور مشارق الانوار پڑھنے کا بھی موقعہ ملا۔ قبل ازیں ایک واعظ غلام محی الدین کے وعظوں میں بیٹھنے کا موقعہ ملتا رہتا تھا اور آپ توحید سے وابستہ ہو چکے۔ مگر ان کتابوں سے آپ کے خیالات میں نمایاں انقلاب پیدا ہوا اور آپ عقیدہ توحید میں اور پختہ ہو گئے۔ اور باوجودیکہ آپ کے اب وجد چشتی سلسلہ سے منسلک تھے مگر آپ پر توحید کا رنگ چڑھنے لگا۔ اور لا الہ الا اللہ کا نقش رفتہ رفتہ نمایاں ہوتا چلا گیا۔ "مشارق الانوار" کو آپ نے نہایت محنت سے پڑھا اور بہت فائدہ اٹھایا۔ آپ کو یوں بھی اردو سے بہت رغبت تھی اور شرک سے نفرت۔ اس لئے وہ کتاب بالخصوص آپ کے ذوق کی تھی۔ [۹۴] مگر آپ کے خاندان کے دوسرے افراد ان خیالات سے ناواقف ہی تھے۔ آپ نے یہ کتابیں خوب غور سے پڑھیں اور تھوڑے دنوں بعد دوبارہ لاہور آگئے جہاں آپ نے حکیم الہ دین صاحب لاہوری سے طب کی کتاب موجز پڑھی۔ عربی عبارت نہایت صحیح پڑھانا اور تلفظ میں احتیاط کرنا یہ ان کو ہمیشہ مد نظر رہتا تھا مگر چند روز کے بعد آپ کو پھر بھیرہ آنا پڑا۔

جہاد فی سبیل اللہ کا شوق

۵۶-۱۸۵۵ء میں ترکی و روس کی لڑائی...... جاری تھی۔ ۹۵ اور ہندوستان میں ہر روز متوحش خبریں آتی تھیں آپ ان ایام میں اپنے وطن بھیرہ میں تھے اور آپ کے سب بھائی اور بہنیں اور ان کی اولاد سب ایک رات کو اتفاقاً گھر میں جمع تھی اور سوائے حضرت مولانا المکرم کے سب شادی شدہ تھے اس لئے گھر بڑا بارونق ہو رہا تھا۔ آپ نے والدین سے عرض کیا کہ کس قدر مسلمان مارے جاتے ہیں اور روزمرہ ہزاروں آدمیوں کے مارے جانے کی خبریں آتی ہیں۔ آپ کے گھر میں بفضل خدا بہت رونق اور امن ہے۔ اگر مجھے خدا کی راہ میں قربان کر دیں تو عین ثواب ہے اتنی بڑی اولاد میں سے ایک کو فی سبیل اللہ دے دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ آپ کو خدا کے ہاں سے بڑا اجر ملے گا۔ مگر آپ کی والدہ ماجدہ صاحبہ نے کہا۔ کہ میں اپنی زندگی میں یہ بات کب برداشت کر سکتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا کفن دفن آپ کریں۔ خدا تعالیٰ کی غیرت کو دیکھو وہ اپنا کیا کام کر گئی۔ تھوڑے دنوں کے بعد والدین ہی کے سامنے باقی اولاد فوت ہونی شروع ہوئی حتیٰ کہ سارا گھر خالی ہو گیا آپ ان دنوں میں جموں میں تھے۔ ایک دفعہ موسم گرما میں وطن میں آئے اور ایک کمرہ میں سوئے ہوئے تھے کہ آپ کی والدہ قریب کے کمرہ میں آئیں اور انہوں نے اتنی زور سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا کہ آپ کی آنکھ کھل گئی۔ اور اپنی والدہ ماجدہ کو گھبرایا ہوا اور پریشان دیکھ کر صبر کی ہدایت کی پھر آپ نے والدہ صاحبہ سے عرض کیا کہ اماں جان آپ کو معلوم ہے کہ گھر کیوں ویران اور خالی ہو گیا ہے۔ فرمایا کہ ہاں خوب یاد ہے یہ اس غلطی کا نتیجہ ہے جو میں نے آپ کی بات کو رد کیا تھا اور اب تو میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میں اس وقت مروں گی جبکہ تو بھی میرے پاس نہیں ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ ذکر آ چکا ہے۔

راولپنڈی کے نارمل سکول میں داخلہ اور کامیابی

قریباً ۱۸۵۸ء میں جبکہ آپ کی عمر اٹھارہ برس کے قریب تھی آپ نے نارمل سکول راولپنڈی میں داخلہ لیا۔ منشی محمد قاسم صاحب کی تعلیم کی قدر اس وقت معلوم ہوئی کیونکہ آپ نارمل سکول میں سہ نثر ظہوری اور ابوالفضل کے پڑھنے میں طلباء کے سرتاج تھے مولوی سکندر علی صاحب ہیڈ ماسٹر سکول اتنے خوش ہوئے کہ آپ کی غیر حاضری کو بھی معاف کر دیا۔ اس غیر حاضری میں آپ کو یہ فائدہ ہوا کہ حساب اور جغرافیہ پڑھنے کے لئے آپ نے ایک استاد رکھ لیا۔ نارمل سکول آپ کے مکان سے دو تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ مگر اس طرح نارمل سکول کے آنے جانے میں جو وقت صرف ہوتا تھا اب وہ اقلیدس حساب اور جغرافیہ کے لئے مفت بچ جاتا تھا۔ تقسیم کسور و مرکب سیکھنے کے لئے آپ نے شیخ غلام نبی صاحب ہیڈ ماسٹر لون میانی کی خدمات حاصل کر لیں ان کا سیکھنا ہی تھا

کہ مبادی الحساب کے چاروں حصے پڑھانے میں آپ شیخ صاحب کے بھی استاد ہو گئے۔ علم اقلیدس منشی نہال چند ساکن شاہ پور سے سیکھا اور پہلے مقالہ کی چند شکلیں پڑھیں اس کے بعد محض خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ نارمل کے سارے تعلیمی حصہ پر حاوی ہو گئے۔ اور آپ نے تحصیل کا امتحان اس درجہ نمایاں کامیابی سے پاس کر لیا کہ آپ پنڈ دادنخان کے انگریزی مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر بنا دیئے گئے۔

راولپنڈی میں آپ کی رہائش گاہ کے ساتھ ایک انگریز پادری الیگزینڈر کی کوٹھی تھی ایک دفعہ کوئی شخص آپ کو وہاں لے گیا۔ اس نے رسوائے عالم پادری فنڈر کی مشہور کتابیں "میزان الحق" اور "طریق الحیاۃ" جو بڑی دیدہ زیب چھپی ہوئی تھیں آپ کو پڑھنے کے لئے دیں ان کتابوں سے آپ کو پہلی دفعہ عیسائیت کے عقائد کا علم ہوا۔ آپ کی عمر ابھی چھوٹی ہی تھی لیکن چونکہ قرآن کریم سے اس زمانہ میں بھی آپ کو محبت تھی۔ اس لئے آپ کو یہ دونوں کتابیں بہت لچر معلوم ہوئیں۔ [۹۶] حالانکہ اس زمانہ میں عیسائی لوگوں کو ان پر بہت ناز تھا اور خصوصاً "میزان الحق" تو وہ کتاب تھی جس سے کئی مسلمان مرتد ہو چکے تھے۔ [۹۷-۹۸]

راولپنڈی میں مولانا محمد فضل صاحب چشتی سے ملاقات ہوئی جو اپنے زمانہ کے ایک عظیم الشان مصنف اور بزرگ تھے۔ [۹۹]

پنڈدادنخاں میں قیام

تحصیل جہلم میں دریائے جہلم کے تھوڑے سے فاصلہ پر پنڈ دادنخاں کا قصبہ آباد ہے [۱۰۰] اس قصبہ میں ۹/ فروری ۱۸۵۵ء کو ورنیکلر مڈل سکول جاری ہوا۔ جس میں فارسی اور انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی اور اس کی موجودہ عمارت کی بنیاد جیسا کہ اس کے بیرونی دروازہ کی گول ڈاٹ پر کندہ حروف سے پتہ چلتا ہے ۱۸۶۹ء میں رکھی گئی تھی [۱۰۱] نومبر ۱۹۰۴ء میں یہ سکول ہائی سکول بنا دیا گیا۔ [۱۰۲] جو اب تک قائم ہے حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اولؓ اس سکول میں چار سال تک ہیڈ ماسٹر رہے۔ سکول کے فارسی مدرس آپ کی مخالفت میں اپنے شاگردوں کو امتحاناً سوال کرنے کے لئے بھیج دیتے مگر اپنی خداداد قابلیت سے آپ ان کا مکمل جواب دیتے۔ اس طرح آپ کی علمی لیاقت کا سکہ بیٹھ گیا۔ ہیڈ ماسٹری کے زمانہ میں ہی آپ کے بھائی نے عربی تعلیم پھر سے شروع کرا دی اور نحو کی کتاب الفیہ منطق کے رسائل اور علم کلام کی کتاب شرح عقائد نسفی آپ نے ختم کر لیں۔

ملازمت سے استعفیٰ

پنڈ دادنخاں سکول کی ہیڈ ماسٹری سے آپ نے از خود استعفیٰ دیا۔ یہ آپ کی شان استغناء اور توکل علی اللہ کا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ جس کی

تفصیل خود حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی زبان مبارک سے لکھتا ہوں۔ فرماتے ہیں "میں پنڈدادنخاں میں ہیڈ ماسٹر تھا وہاں انسپکٹر مدارس آگئے۔ میں اس وقت کھانا کھا رہا تھا۔ میں نے ان کو کہا کہ آپ بھی آجائیں۔ تو انہوں نے بجائے اس کے کہ میرے ساتھ کھانا کھاتے۔ مجھے فرمایا۔ کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟ میں انسپکٹر مدارس ہوں اور میرا نام خدا بخش ہے۔ میں نے کہا آپ بہت ہی نیک آدمی ہیں مدرسوں کے ہاں کھانا نہیں کھاتے تو بس پھر تو یہ بہت ہی بہتر ہے یہ کہہ کر میں بڑے مزے سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ اور وہ بچارا اپنا گھوڑا خود ہی پکڑے ہوئے اس بات کا انتظار کرتا رہا۔ کہ شاید اب بھی یہ کسی لڑکے کو میرا گھوڑا پکڑنے کے لئے بھیج دے۔ جب میں نے کوئی لڑکا نہ بھیجا تو اس نے خود مجھ سے کہا کہ کسی لڑکے کو تو بھیج دیجئے۔ جو میرا گھوڑا تھام لے۔ میں نے کہا جناب آپ مدرسوں کے گھر کا کھانا تو کھاتے ہی نہیں کیونکہ آپ اس کو رشوت سمجھتے ہیں تو پھر ہم لڑکے کو گھوڑا پکڑنے کے لئے کیسے کہہ دیں کیونکہ وہ تو یہاں صرف پڑھنے ہی آتے ہیں گھوڑے تھامنے کے لئے تو نہیں آتے۔ پھر اگر کسی لڑکے کو گھوڑا تھامنے کے لئے کہہ دیا جائے تو آپ یہ بھی کہیں گے کہ اس کو کہیں باندھ بھی دو۔ اور گھاس بھی ڈالا جائے۔ تو پھر جب آپ مدرسوں کے کھانے کو رشوت سمجھتے ہیں تو ہم آپ کے گھوڑے کو گھاس کیسے دیں؟

اس کا گھوڑا بڑا شور کرتا تھا۔ اتنی دیر میں اس کے ملازم بھی آگئے انہوں نے گھوڑے کو باندھا اور جلدی ہی روٹی وغیرہ تیار کرلی۔ اس نے کہا کہ میں امتحان لوں گا۔ میں لڑکوں کو امتحان دینے کے لئے تیار کرکے علیحدہ جا بیٹھا۔ وہ خود ہی امتحان لیتا رہا بعد میں مجھے کہنے لگا کہ میں نے سنا ہے آپ بڑے لائق ہیں۔ اور بڑی لیاقت سے آپ نے نارمل وغیرہ پاس کرکے بہت عمدہ اسناد حاصل کی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اسی باعث سے آپ کو اس قدر ناز ہے میں نے یہ بات سن کر اس کو کہا کہ جناب ہم اس ایک بالشت کے کاغذ کو خدا نہیں سمجھتے اور ایک شخص کو کہا کہ بھائی اس بت کو ذرا نکال کر تو لاؤ۔ پھر اس کے سامنے ہی اسے منگا کر پھاڑ ڈالا اور دکھلا دیا کہ ہم کسی چیز کو خدا کا شریک نہیں سمجھتے (اس شخص کو میری اس طرح پر اپنی اسناد کو پھاڑ ڈالنے سے رنج بھی ہوا جس کا اس نے نہایت تاسف سے اظہار کیا۔ اور کہنے لگا آپ کے اس نقصان کا باعث میں ہوا ہوں۔ نہ میں یہ بات کہتا اور نہ آپ کا نقصان ہوتا) لیکن حقیقت میں جب سے میں نے اس ڈپلوما کو پھاڑا تب ہی سے میرے پاس اس قدر روپیہ آتا ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ میں نے لاکھوں روپیہ کمایا ہے"۔ [۱۰۳]

ملازمت کو خیرباد کہنے کے بعد آپ کے والد ماجد نے آپ کو تعلیم عربی کی تکمیل کے لئے تاکید فرمائی اور آپ نے مولوی احمد الدین صاحب بگوی سے پڑھنا شروع کیا مگر ان کو جامع مسجد بنانے کی ایسی

فکر لگی ہوئی تھی کہ ایک جگہ ٹھہرنا ان کے لئے محال تھا آپ ایک سال تک سفر و حضر میں ان کے ہمراہ رہے اور عربی زبان کی ابتدائی درسی کتابیں نہایت تکلیف سے پڑھیں اور تنگ آکر اپنے بھائی مولوی سلطان احمد صاحب سے کہا وہ آپ کو لاہور لائے اور آپ کو حکیم محمد بخش صاحب اور چند اور اساتذہ کے سپرد کر کے بھیرہ تشریف لے آئے۔

سفر رامپور

مولوی سلطان احمد صاحب کے جاتے ہی ایک طالب علم نے ہندوستان جا کر تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ آپ ایک لمبے سفر پر محض علم کے حصول کے لئے لاہور سے نکل کھڑے ہوئے آپ کے ساتھ دو اور طالب علم بھی تھے۔ ایک کا نام مولوی محمد مصطفیٰ اور دوسرے کا مولوی علاؤ الدین تھا۔ سنت رسول کے مطابق ایک صاحب امیر مقرر ہوئے اور یہ قرار پایا کہ کسی ایسے شہر میں تین برس تک رہیں جہاں بہت زیادہ عالم ہوں تا مختلف علوم میں زیادہ سے زیادہ دسترس حاصل ہو سکے۔ چلتے چلتے ایک بستی کاندلہ میں پہنچے تو مولوی نور الحسن صاحب ایک پاک صورت اور معمور الاوقات بزرگ ملے انہوں نے کاندلہ میں ہی قیام کرنے کی فرمائش کی مگر آپ کا اصل ارادہ رامپور جانے کا تھا جو ان دنوں مشرقی علوم کا مرکز تھا اور لکھنؤ اور دہلی کے تمام کاملین علوم و فنون وہاں جمع تھے۔ [۱۰۴] اس لئے آپ نے وہاں ٹھہرنا پسند نہ کیا۔ اور آپ بالآخر رامپور میں پہنچ گئے۔ سب غریب الدیار تھے اور کوئی واقفیت نہیں تھی۔ ناچار تینوں نے ایک مختصر اور ویران سی مسجد میں ڈیرہ ڈال دیا۔ جب کھانے کا وقت آیا۔ تو سات آٹھ سال کی ایک بچی کھانا لے آئی۔ کھانا کھا کر آپ شہر میں علماء کی جستجو میں گھومتے رہے دوسرے دن بھی یہی بچی کھانا لائی تیسرے دن اس نے کھانا پیش کرتے ہوئے کہا کہ میری امی کہتی ہیں کہ آپ دعا کریں کہ میرا خاوند میری طرف توجہ کرے آپ اس کے خاوند کے ہاں پہنچے اور خوب وعظ کیا۔ جس پر اس نے اپنی بیوی سے حسن سلوک شروع کر دیا۔ رامپور میں ایک محلہ پنجابیوں کا بھی ہے آپ اسی دن شام کے قریب اکیلے ہی اس محلہ میں تشریف لے گئے وہاں مولوی حافظ عبدالحق صاحب سے آپ کو تعارف ہوا وہ بڑی مروت اور محبت سے پیش آئے [۱۰۵] اور انہوں نے سرسری سی پہلی ملاقات میں ہی تینوں طلبہ کے قیام و طعام بلکہ کتابوں کی فراہمی تک کی ذمہ داری اٹھالی اور استادوں کی بھی!! چنانچہ آپ اپنے ساتھیوں سمیت انہی کی مسجد میں مقیم ہو گئے حافظ صاحب نے بھی ایک سال تک اپنے عہد کو کمال خوبی سے نبھایا اور اہل محلہ کا بھی آخر تک آپ کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک رہا!! رامپور میں آپ نے مشکوۃ شریف سید حسن شاہ صاحب سے۔ [۱۰۶] شرح وقایہ (فقہ) مولوی عزیز اللہ افغان سے اور اصول شاشی (فقہ) اور میبذی (فلسفہ) مولوی ارشاد حسین صاحب مجددی سے [۱۰۷] دیوان متنبی (عربی) مفتی محمد سعد اللہ صاحب سے [۱۰۸] صدری

(منطق) وغیرہ مولوی عبدالعلی صاحب سے [109] اور ملا حسن (منطق) سعد اللہ رڑیال (پنجاب) سے پڑھیں۔ [110]

حضرت مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح اول کے خیالات پر حضرت مولوی محمد اسماعیل شہید دہلوی کا بڑا گہرا اثر تھا [111] (گو آپ کے خاندان کو ان عقائد سے قطعاً واقفیت نہ تھی۔ اب جو آپ رامپور وغیرہ میں آئے تو آپ کو دوسری درسی کتابوں کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تالیفات میں سے "حجۃ اللہ البالغہ" "ازالۃ الخفاء" اور "خیر کثیر" کے پڑھنے کا بھی موقعہ ملا۔ اور آپ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل سے معتقد ہو گئے۔ [112]

رامپور میں آپ کو کئی ایسے واقعات پیش آئے جن میں سے بعض کا ذکر دلچسپی کا موجب ہو گا۔

۱۔ جس طالب علم کی تحریک پر آپ نے یہ طویل سفر اختیار فرمایا تھا وہ چپکے سے کہیں چل دیئے اور اب آپ دو ہی رہ گئے ان دنوں آپ اکثر طالب علموں میں رہا کرتے تھے ایک دفعہ بہت سے طالب علموں کا نحو کے ایک مسئلہ پر گرما گرم مباحثہ ہو رہا تھا جو سوال زیر بحث تھا اس کا ایک مکمل جواب خدا نے آپ کو سمجھا دیا اور آپ نے بلند آواز سے کہا کہ میں اصل سوال کا جواب دیتا ہوں بہت سے طالب علموں نے آپ کا مذاق اڑایا مگر پنجابی طالب علم آپ کے طرفدار ہو گئے۔ اور کہا کہ پہلے امتحان لیا جائے کہ اس نے سوال سمجھا ہے یا نہیں اگر سوال سمجھا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے جواب کو توجہ اور قدر سے نہ سنا جائے۔ اس پر مباحثہ کسی قدر سرد پڑ گیا۔ آپ نے تجویز پیش کی۔ کہ نحو کا کوئی بڑا عالم ثالث مقرر کرو۔ چنانچہ اتفاق رائے سے ایک بزرگ مولوی غلام نبی صاحب ثالث قرار پائے جب ان کے سامنے یہ معاملہ رکھا گیا تو انہوں نے آپ سے اصل سوال اور اس کا جواب سن کر کہا۔ کہ اس سوال کے دو جواب "شرح ملا جامی" میں لکھے ہیں پھر وہ جواب بھی سنائے مگر وہ جواب اس درجہ کمزور تھے کہ خود مولوی صاحب نے تسلیم کیا کہ یہ بہت کمزور ہیں مگر آپ کے جواب کو بہت صحیح قرار دیا۔ نیز کہا کہ یہ لوگ تو آپ سے کبھی نہ مانتے جب تک وہی جواب نہ سنتے جو کتاب میں درج ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب آپ کے غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ اس تقریر سے خوش ہوئے۔ مگر ساتھ ہی فیصلہ کر لیا کہ اب میں شرح جامی تک کی کتابیں ہرگز نہیں پڑھوں گا۔ اور اس کی بجائے دوسری کتابیں مختلف اساتذہ سے شروع کر دیں۔

۲۔ فلسفہ کی کتاب میبذی پڑھنے میں آپ کو یہ افسوسناک تجربہ ہوا کہ جو باتیں آپ کے دل میں کھٹکتی تھیں ان کے بارے میں اساتذہ کا ذہن بھی صاف نہیں ہوتا تھا سمجھانا تو درکنار وہ خود بھی نہیں سمجھتے تھے اس وجہ سے نہ صرف اس کتاب سے آپ کو سخت کراہت پیدا ہو گئی بلکہ آپ کو پہلی مرتبہ

بڑی شدت سے یہ احساس پیدا ہوا کہ ہندوستان کی اسلامی درسگاہوں کا نظام تعلیم یکسر بدلنے کے لائق ہے۔ نصاب کافی غور و فکر اور بڑے فہم و تدبر سے مقرر کیا جانا چاہئے۔ باقاعدہ امتحان لیا جائے اور اس بات کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے کہ طلباء دین و دنیا میں ترقی کر سکیں۔

ایک سب سے بڑا مسئلہ آپ کے لئے یہ پیدا ہوا کہ نہ تو اساتذہ یہ رہنمائی کرتے ہیں کہ کن کتابوں کا انتخاب کرنا چاہئے۔ نہ طلباء آزادی رائے کے ساتھ کوئی کتاب انتخاب کر کے اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو بروئے کار لا سکتے ہیں ایک نقص یہ بھی ہے کہ اس پورے نظام میں اخلاق فاضلہ کی تعلیم و تلقین کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ آپ ہمیشہ عمر کے آخر تک دکھ بھرے دل سے فرماتے کہ "اس زمانہ میں کسی استاد میں یہ بات نہ دیکھی ان باتوں کا رنج مجھے اب تک بھی ہے۔ کس قدر رنج ہوتا ہے جبکہ میں غور کرتا ہوں کہ اس وقت ہمارے افعال اقوال عادات اخلاق پر کبھی ہمارے معلموں میں سے کسی نے نوٹس نہ لیا بلکہ عقائد کے متعلق بھی کبھی کچھ نہ کہا مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ مشکوۃ میں ہی ہمارے اخلاق پر توجہ دلائی گئی ہو"۔ [۱۱۳]

۳۔ رام پور میں ان دنوں ایک بزرگ حضرت شاہ عبدالرزاق رہا کرتے تھے [۱۱۴] حضرت مولوی صاحب کو اکثر ان سے فیض صحبت اٹھانے کا موقعہ ملتا تھا ایک دفعہ آپ کچھ دنوں کے وقفہ سے جو ان کی خدمت میں پہنچے تو فرمایا۔ نور الدین تم بہت دنوں میں آئے اب تک کہاں تھے؟ عرض کیا کہ حضرت ہم طالب علموں کو اپنے درس و تدریس کے اشغال سے بہت کم فرصت ملتی ہے۔ کچھ مجھ سے بھی تساہل ہو گیا۔ فرمانے لگے کبھی تم نے قصاب کی دکان بھی دیکھی ہے۔ عرض کیا ہاں اکثر اتفاق ہوا ہے فرمایا تم نے دیکھا ہو گا کہ گوشت کاٹتے کاٹتے جب اس کی چھریاں کند ہو جاتی ہیں تو وہ دونوں چھریاں لے کر آپس میں رگڑتا ہے اس طرح چھریوں کی دھار پر جمی ہوئی چربی دور ہو جاتی ہے اور چھریاں پھر تیز ہو جاتی ہیں۔ یہ لطیف مثال دے کر فرمانے لگے کچھ ہم پر غفلت کی چربی چھا جاتی ہے کچھ تم پر۔ جب تم آ جاتے ہو تو کچھ تمہاری غفلت دور ہو جاتی ہے اور کچھ ہماری۔ پس ہم سے ملتے رہا کرو اور زیادہ عرصہ جدائی اور دوری میں نہ گزارا کرو۔ [۱۱۵]

۴۔ رامپور کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ آپ کے ایک جگری دوست ایک صاحب میاں سبحان شاہ رامپوری کے پاس گئے اور شریعت کے متعلق کچھ عرض کیا میاں صاحب ان کی بات ہنسی میں ٹال گئے آپ کے دوست کھڑے ہو گئے میاں صاحب نے کہا آپ جاتے تو ہیں مگر آپ تو پھر بھی ہمارے یہاں آ ہی جائیں گے دوست نے غلیظ قسم کھائی کہ میں آپ کے یہاں ہرگز نہ آؤں گا۔ جب وہ مکان پر آیا تو اس کو معلوم ہوا کہ اس کے گلے میں کوئی رسہ ڈالا گیا ہے اور زور سے کوئی کھینچتا ہے۔ چنانچہ وہ

مجبوراً اٹھ کر کھنچے چلے جاتے تھے۔ راستہ میں انہوں نے سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ وہ ورد کرتا جاتا اور سبحان شاہ کے مکان کی طرف بڑھتا جاتا تھا پھر اس دوست نے بڑی الحاح سے دعا مانگی یہاں تک کہ وہ رسہ ٹوٹ گیا۔ اور وہ راستہ میں ہی اپنے مکان کو واپس چلے آئے۔ بہت دنوں کے بعد وہ خود ہی سبحان شاہ کے مکان پر گئے تو انہوں نے دیکھتے ہی کہا چلے جاؤ۔ یہ دوست چلے آئے مگر یہ کہتے ہوئے آئے کہ آپ کا رسہ تو ہم نے توڑ ہی دیا ہے۔ [۱۱۶]

۵۔ آپ کے استاد مولوی ارشاد حسین صاحب سلسلہ نقشبندیہ میں مرید ہونے کی وجہ سے آپ کے پیر بھائی بھی تھے۔ مگر ان کی مجلس میں جب کبھی حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ کی شان میں کوئی ناروا بات کہی جاتی تو آپ برداشت نہ کر سکتے۔ آپ نے ہر چند کوشش کی کہ وہاں یہ جھگڑے نہ ہوں کیونکہ ان کا پڑھائی پر سخت ناگوار اثر پڑتا تھا مگر آپ کا کوئی سکوت کارگر نہ ہوا۔ ایک دن آپ کے استاد صاحب نے آپ سے کہا کہ تم جو مولوی محمد اسماعیل صاحب کے اس درجہ عقیدت مند ہو گیا تم نے ان کو دیکھا ہے ہم تو علم میں ان سے زیادہ ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ آپ علم میں ان سے زیادہ ہی سہی لیکن یہی تو ان کا جذب ہے کہ میں ان کے مقابلہ میں آپ کو یا کسی کو نہیں سمجھتا یہ سنکر مولوی ارشاد حسین صاحب بہت خفا ہو گئے اور ایک آسودہ حال طالب علم عبد القادر خاں نے اس محلہ میں جا کر جہاں حضرت مولوی نور الدین صاحب نماز پڑھاتے تھے۔ ایک سادہ طبع شخص کلن خاں کو اکسایا کہ امام الصلوۃ کا اپنے استاد سے کئی مسائل میں اختلاف ہے اس لئے وہ کسی عزت کا مستحق نہیں ہے مگر وہ اس کے بھرے میں نہ آئے بلکہ غضب ناک ہو کر اپنی تلوار نکال کر اسے دکھائی۔ یہ دیکھتے ہی عبد القادر خان بھاگ گیا۔ بہت دنوں کے بعد حضرت مولوی صاحب نے کلن خاں سے اصل واقعہ پوچھا تو انہوں نے ہنس کر کہا کہ وہ آپ کے متعلق کچھ کہنے لگا تھا مگر رہ گیا۔ اگر ذرا زیادہ زبان ہلاتا تو میں فوراً اس کا سر اڑا دیتا۔ آپ نے فرمایا۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اگر خدانخواستہ یہ بات نواب صاحب تک پہنچتی تو آپ کو مشکل پیش آتی۔ کہا۔ نہیں جناب ہمارا سارا محلہ ذبح ہو جائے گا تب کوئی آپ کو ہاتھ لگا سکے گا۔

رامپور میں آپ کا تین سال تک قیام رہا۔ [۱۱۷] یہاں دور دور مقام پر دوپہر اور رات کو جا جا کر سبق پڑھنے اور دن رات مطالعہ میں منہمک رہنے کی وجہ سے آپ کو بے خوابی کا مرض لاحق ہو گیا آپ رامپور سے مراد آباد چلے گئے جہاں ایک پنجابی نوجوان تاجر اسمٰعیل کے توسط سے ایک صاحب عبد الرشید بنارسی سے ملاقات ہو گئی [۱۱۸] جنہوں نے مہینہ ڈیڑھ مہینہ تک آپ کی بے حد خدمت کی۔ حتیٰ کہ آپ اس عارضہ سے بکلی شفایاب ہو گئے۔

لکھنؤ میں آمد بحالی صحت کے بعد آپ نے لکھنؤ کا قصد کیا۔ کانپور میں آپ کے بھائی کے ایک دوست عبدالرحمٰن خان مالک مطبع نظامی کے پاس آپ ٹھہر گئے انہوں نے حکیم علی حسین صاحب لکھنوی کی بہت تعریف کی اور دوسرے دن گاڑی میں سوار کرا کے لکھنؤ روانہ کر دیا۔

۱۱۹

لکھنؤ میں آپ کس حالت میں پہنچے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعلیم اور رہائش کے لئے کس طرح غیبی سامان فرمائے یہ نہایت درجہ ایمان پرور اور روح افزا حالات ہیں جن کا تذکرہ خود حضرت خلیفہ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے قلم مبارک ہی سے لکھتا ہوں۔ فرماتے ہیں :۔

"کچی سڑک اور گرمی کا موسم۔ گردوغبار نے مجھے خاک آلودہ کر دیا تھا کہ میں لکھنؤ پہنچا جہاں وہ گاڑی ٹھہری وہاں اترتے ہی میں نے حکیم صاحب کا پتہ پوچھا۔ خدائی عجائبات ہیں کہ جہاں گاڑی ٹھہری تھی اس کے سامنے ہی حکیم صاحب کا مکان تھا۔ یہاں ایک پنجابی مثل یاد کرنے کے قابل ہے۔ "لل کرے اولیاں رب کرے سولیاں" اسی وحشیانہ حالت میں مکان میں جا گھسا۔ ایک بڑا ہال نظر آیا۔ ایک فرشتہ خصلت دلربا۔ حسین۔ سفید ریش نہایت سفید کپڑے پہنے ہوئے ایک گدیلے پر چار زانو بیٹھا ہوا۔ پیچھے اس کے ایک نہایت نفیس تکیہ اور دونوں طرف چھوٹے تکیے۔ سامنے پاندان۔ اگالدان۔ خاصدان۔ قلم دوات۔ کاغذ دھرے ہوئے۔ ہال کے کنارے کنارے جیسا کوئی التحیات میں بیٹھتا ہے بڑے خوشنما چہرے قرینے سے بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ نہایت براق چاندنی کا فرش اس ہال میں تھا۔ وہ قمقمہ دیوار دیکھ کر میں حیران سا رہ گیا۔ کیونکہ پنجاب میں کبھی ایسا نظارہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ بہرحال اس کے مشرقی دروازہ سے (اپنا بستہ اس دروازہ ہی میں رکھ کر) حضرت حکیم صاحب کی طرف جانے کا قصد کیا۔ گرد آلودہ پاؤں جب اس چاندنی پر پڑے تو اس نقش و نگار سے میں خود ہی محجوب ہو گیا۔ حکیم صاحب تک بے تکلف جا پہنچا اور وہاں اپنی عادت کے مطابق زور سے السلام علیکم کہا جو لکھنؤ میں ایک نرالی آواز تھی۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ حکیم صاحب نے وعلیکم السلام زور سے یا دبی آواز سے کہا ہو مگر میرے ہاتھ بڑھانے سے انہوں نے ضرور ہی ہاتھ بڑھایا اور خاکسار کے خاک آلودہ ہاتھوں سے اپنے ہاتھ آلودہ کئے اور میں دو زانو بیٹھ گیا۔ یہ میرا دو زانو بیٹھنا بھی اس چاندنی کے لئے جس عجیب نظارہ کا موجب ہوا وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے جو اراکین لکھنؤ سے تھا اس وقت مجھے مخاطب کر کے کہا کہ آپ کس مہذب ملک سے تشریف لائے ہیں۔ میں تو اپنے قصور کا پہلے ہی قائل ہو چکا تھا مگر خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد۔ میں نے نیم نگاہی کے ساتھ اپنی جوانی کی ترنگ میں اس کو یہ جواب دیا کہ یہ بے تکلفیاں اور السلام علیکم کی بے تکلف آواز وادی غیر ذی

زرع کے امی اور بکریوں کے چرواہے کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ ﷺ ۔فداہ ابی و امی۔ اس میرے کہنے کی آواز نے بجلی کا کام دیا اور حکیم صاحب پر وجد طاری ہوا۔ اور وجد کی حالت میں اس امیر کو کہا کہ آپ تو بادشاہ کی مجلس میں رہے ہیں کبھی ایسی زک آپ نے اٹھائی ہے؟ اور تھوڑے وقفہ کے بعد مجھ سے کہا۔ کہ آپ کا کیا کام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں پڑھنے کے لئے آیا ہوں اس پر آپ نے فرمایا کہ میں اب بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور پڑھانے سے مجھے ایک انقباض ہے میں خود تو نہیں پڑھا سکتا۔ میں نے قسم کھالی ہے کہ اب نہیں پڑھاؤں گا۔ میری طبیعت ان دنوں بہت جوشیلی تھی اور شاید سحر کا بقیہ بھی ہو۔ اور حق تو یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ ہی کے کام ہوتے ہیں منشی محمد قاسم صاحب کی فارسی تعلیم نے یہ تحریک کی کہ میں نے جوش بھری اور دردمند آواز سے کہا کہ شیرازی حکیم نے بہت ہی غلط کہا۔ رنجانیدن دل جہل است و کفارہ یمین سہل۔ اس پر ان کو دوبارہ وجد ہوا اور چشم پر آب ہو گئے۔ تھوڑے وقفہ کے بعد فرمایا مولوی نور کریم حکیم ہیں اور بہت لائق میں آپ کو ان کے سپرد کر دوں گا اور وہ آپ کو اچھی طرح پڑھائیں گے جس پر میں نے عرض کیا کہ ملک خدا تنگ نیست و پائے مرا لنگ نیست۔ تب آپ پر تیسری دفعہ وجد کی حالت طاری ہوئی اور فرمایا ہم نے قسم توڑ دی۔ اس کے بعد حکیم صاحب تو گھر کو تشریف لے گئے اور وہ لوگ جو مختلف اغراض اور بیماریوں کے لئے آئے تھے اپنی اپنی جگہ چلے گئے میں نے بھی تنہائی کو غنیمت سمجھ کر اپنا بوریا بدھنا سنبھالا اور اس مکان سے باہر نکلا۔ میرے بھائی صاحب کے دوست علی بخش خان مرحوم مطبع علوی کے مالک تھے میں ان کے مکان پر پہنچا وہاں میں نے بڑا آرام پایا۔ غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ خاں صاحب نے انار کا ایک خوبصورت درخت دکھایا جو ان کے مطبع والے مکان میں تھا۔ اور فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی کی یادگار ہے۔ وہاں آرام پا کر میں مختلف علماء سے جو لکھنؤ میں تھے ملا اور عجیب عجیب باتیں سننے میں آئیں۔

آخر علی بخش خاں نے مجھے ایک مکان دیا اور وہاں کھانے کا انتظام مجھے خود کرنا پڑا۔ جیسے کہ میں کہہ چکا ہوں حرفہ کے لئے میرے دماغ میں کوئی بناوٹ نہیں۔ اپنی روٹی پکانے کے لئے ایک منطق سے کام لینے لگا۔ چولھے میں آگ جلائی توا رکھا اور روٹی گول بنانے کی یہ ترکیب سوجھی کہ آٹے کو بہت پتلا گھول لیا۔ اور ایک برتن کے ذریعہ اس گرم توے پر بلا گھی اور خشکے کے خوبصورت دائرہ کی طرح آٹا ڈال دیا۔ جب اس کا نصف حصہ پک گیا تو پلٹنے کے لئے روٹی کو اٹھانے کی فضول کوششیں کیں۔ ان کوششوں میں روٹی اوپر تک پک چکی تھی۔ خیالی فلسفہ نے توے کو اتار کر آگ کے سامنے رکھوایا۔ جب عمدہ طور پر اوپر کا حصہ پختہ نظر آیا تو چاقو سے اتارنے کی ٹھہری مگر چاقو کے ذریعہ اترنے سے بھی اس نے انکار کیا اور مجھے دعا کی توفیق ملی۔ اس مکان سے باہر نکل کر آسمان کی طرف منہ اٹھا کر یوں دعا مانگنے

لگا۔ اے کریم مولیٰ ایک نادان کے کام سپرد کرنا اپنے بنائے ہوئے رزق کو ضائع کرنا ہے۔ یہ کس لائق ہے جس کے سپرد روٹی پکانا کیا گیا۔

اس روٹی کے انتظام اور دعا کے بعد حکیم صاحب کے حضور پر تکلف لباس میں جا پہنچا۔ جاتے ہی اپنی دعا کی قبولیت کا یہ اثر دیکھا کہ حکیم صاحب نے فرمایا۔ آپ اس وقت آئے اور بے اجازت چلے گئے یہ شاگردوں کا کام ہے؟ آئندہ تم روٹی ہمارے ساتھ کھایا کرو اور یہیں رہو یا جہاں ٹھہرے ہو وہاں رہو مگر روٹی یہاں کھایا کرو۔ میں نے کچھ عذر معذرت کی پھر آپ نے فرمایا کیا پڑھنا چاہتے ہو میں نے عرض کیا طب پڑھنا چاہتا ہوں مجھے اس وقت یہ بھی اطلاع نہ تھی کہ دنیا میں بڑا طبیب کون ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا طب کہاں تک پڑھنا چاہتے ہو میں نے عرض کیا افلاطون کے برابر۔ مجھ کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ افلاطون کوئی حکیم ہے یا طبیب۔ آپ نے ہنس کر فرمایا۔ کچھ تو ضرور ہی پڑھ لوگے۔ اگر کسی چھوٹے کا نام لیتے تو میرے دل کو بہت صدمہ پہنچتا۔ کیونکہ ہر ایک انسان اپنی غایت مطلوب تک نہیں پہنچتا۔ حکیم الہ دین لاہوری مرحوم اور حکیم محمد بخش لاہوری مرحوم سے کسی قدر موجز تو میں پڑھ ہی چکا تھا اور علمی مباحثات کے لئے میری پہلی تعلیم کافی سے بھی زیادہ تھی میں نے عرض کیا قانون شروع کرا دو۔ اس پر حکیم صاحب نے تبسم کیا۔ پھر میں نے جلد جواب دیا۔ کہ میں تو خدا تعالیٰ کی کتاب بھی سمجھ سکتا ہوں بوعلی سینا یا اس کا قانون اس سے بڑے ہیں؟ حکیم صاحب نے نفیسی کی طرف اور اس کے علمی حصہ کے لئے مجھے مجبور کیا۔ میں نے کتاب شروع کر دی۔ ایک ہی سبق تمام دن میں میرے لئے ہرگز قابل برداشت نہ تھا۔ میں نے بہت کوشش کی۔ کہ کہیں کوئی اور سبق پڑھوں مگر وہابیت کا خدائے تعالیٰ بھلا کرے اس نے کوئی جگہ پسند نہ کرنے دی۔ پھر بھی مولوی فضل اللہ نام فرنگی محلی سے میری سفارش ہوئی ١٧٠ اور انہوں نے ملا حسن یا حمد اللہ پڑھانے کا وعدہ کیا اور شروع کرا دی میں نے چند ہی سبق پڑھے ہوں گے کہ تنہائی میں اپنی گذشتہ عمر کا مطالعہ شروع کیا اور اس بات تک پہنچ گیا کہ اگر تو اسی طرح پڑھے گا تو ان علوم سے متمتع ہونے کے دن تجھ کو کب ملیں گے اور میرے دل نے فیصلہ کر لیا کہ اگر چھ سات سبق ہر روز نہ ہوں تو پڑھنا گویا عمر کو ضائع کرنا ہے غرض اس فیصلہ کے بعد حکیم صاحب کے حضور صرف اس لئے گیا کہ آج میں ان سے رخصت ہو کر رامپور جاؤں گا لیکن قدرت خداوندی کے کیا تماشے ہیں کہ میری اس ادھیڑبن کے وقت حکیم صاحب کے نام نواب کلب علی خاں نواب رامپور کا تار آیا تھا کہ آپ ملازمت اختیار کر لیں۔ ١٧١ علی بخش نام ان کے ایک چہیتے خدمت گار علیل ہیں ان کا آکر علاج کریں۔ دوپہر کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر میں وہاں حاضر ہوا اپنے منشاء کا اظہار کر کے عرض کیا۔ کہ اب میں رامپور جانا چاہتا ہوں حکیم صاحب نے فرمایا تم یہ بتاؤ مجھ جیسے آدمی کو ملازمت اچھی

ہے یا آزادی سے علاج کرنا۔ چار سو کے قریب یہاں شہر میں آمدنی ہوتی ہے۔ کیا اس آمدنی کو چھوڑ کر ملازمت اختیار کریں؟ تمہارے خیال میں یہ بھلی بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ نوکری آپ کے لئے بہت ضروری ہے کیونکہ موجودہ حالت میں اگر آپ کے حضور کوئی شخص اپنے پہلو یا سرین کو کھجلانے لگے تو آپ کو یہی خیال ہوگا۔ کہ یہ کچھ دینے لگا ہے اس پر وہ قہقہہ مار کر ہنسے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ ڈال دیا کہ یہ بھی اس شخص کے تصرفات کی کوئی بات ہے غرض ہماری ولایت کا وہاں سکہ بیٹھ گیا۔ پھر وہ تار نکالا اور کہا کیا یہ آپ کے رامپور جانے کی ترکیب نہیں؟ اچھا ہم منظور کرتے ہیں اور آپ ساتھ چلیں۔ غرض معاً رامپور آنے کی تیاری ہو گئی"۔ ۱۲۲

لکھنؤ اس زمانے سے لے کر آج تک شیعیت کا ہندوستان بھر میں بہت بڑا مرکز رہا ہے اس لئے لکھنؤ کے زمانہ قیام میں آپ کو شیعہ حضرات کے عقائد و اعمال کو قریب سے دیکھنے اور سننے کا بڑا اتفاق ہوا۔ کیونکہ وہاں شیعہ طلباء بھی تھے۔ اور علماء بھی۔ سب کے حالات دیکھنے کا آپ کو بخوبی موقعہ ملا۔ تب آپ کو شوق ہوا کہ میں تحقیقات کروں کہ دنیا میں کس قدر مختلف الخیال لوگ ہیں اور ان میں باہم کیا اختلاف ہے۔ ازاں بعد آپ کی نظر میں جوں جوں وسعت اور دماغ میں اور زیادہ بصیرت پیدا ہوتی گئی۔ آپ کے سامنے مذاہب عالم کے اختلافات کے سب ہی گوشے نمایاں ہو گئے اور اختلافی مسائل کا ایک وسیع میدان دکھائی دیا۔ مگر آپ پوری زندگی کی تحقیق و مطالعہ کے بعد بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ مقلد ہوں یا غیر مقلد، سنی ہوں یا شیعہ ان میں کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے"۔ ۱۲۳

رامپور میں دوبارہ ورود

لکھنؤ سے آپ حکیم علی حسین صاحب کے ہمراہ رامپور چلے آئے اور دوبارہ حافظ عبدالحق صاحب کے ہاں قیام پذیر ہوئے اور محلہ پنجابیاں کے لوگ بدستور آپ سے بہت مروت کرتے رہے۔ رامپور آکر حکیم صاحب نے حضرت مولوی نورالدین صاحب سے علی بخش کی صحت کے لئے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ بچتا نظر نہیں آتا اور مجھے اس کے لئے دعا کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور بدوں توجہ دعا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ علی بخش مر گیا۔ اس کے مرنے پر حکیم صاحب نے آپ سے کہا۔ کہ علی بخش کے مرنے پر ہمارے شہر کے ایک حکیم ابراہیم صاحبؒ کو دربار میں ہم پر ہنسی کا موقعہ ملا ہے۔ آپ کی زبان مبارک سے بے ساختہ نکلا۔ کہ اس مریض جیسا کوئی ان کے ہاتھ سے بھی مر رہے گا۔ قدرت الٰہی !! نہ گمان نہ خیال علی بخش کے بالمقابل نواب کلب علی کا ایک دوسرا خدمت گار بھی اسی بیماری میں گرفتار ہوا۔ اور حکیم ابراہیم صاحب لکھنوی اس کے معالج تجویز ہوئے۔ معالج حکیم اس کی صحت کے متعلق بہت پر امید تھے۔ اور انہوں نے اس کا اظہار کرتے ہوئے کہہ بھی دیا کہ ہم کو اس کی صحت کی بہت امید ہے۔ مگر حضرت

مولوی صاحب نے یہ سن کر فرمایا۔ کہ اب یہ مرگیا ہے۔ خدا تعالیٰ کے عجائبات ہیں سچ مچ وہ خدمت گار راہی ملک عدم ہو گیا۔ اور حکیم ابراہیم صاحب آئندہ تمسخر سے باز آگئے۔

حضرت مولوی صاحب نے اپنی طبی تعلیم میں ایک خاص اصول و مسلک اپنے پیش نظر رکھا اور وہ یہ کہ آپ نے مفرد اور مرکب ادویہ کے متعلق حکیم علی حسین صاحب سے کبھی کوئی سوال نہ کیا کہ یہ مرکب کس طرح بنتا ہے یا اس مفرد کا کیا نام ہے بات یہ تھی کہ اگر وہ نام بتاتے تو صرف لکھنؤ کا مروج نام اور وہ میرے لئے اپنے وطن میں بھی مفید نہ ہوتا۔ اور آپ کو یقین تھا کہ مرکبات کے معلوم کرنے کے لئے قرابادینوں کا مطالعہ کافی ہو گا۔ باقی رہا نسخہ نویسی کا علم تو اس کے متعلق حکیم علی حسین صاحب یہ چاہتے تھے کہ آپ ان کے نسخے لکھا کریں مگر آپ کو علم پڑھنا مطلوب تھا اس لئے جونہی آپ مطب میں بیماروں کا ہجوم دیکھتے تو اپنے دوسرے اساتذہ کے پاس اور علوم کے واسطے چلے جاتے۔ کیونکہ حکیم صاحب موصوف کے پاس صبح سے عشاء تک اپنا ضروری سبق بھی بمشکل ختم ہو سکتا تھا۔

ایک دفعہ آپ کے طبی امتحان کا موقعہ آیا جس میں خدا تعالیٰ نے عجیب رنگ سے آپ کو کامیابی بخشی۔ اس واقعہ کی تفصیل خود حضرت مولوی صاحب کے قلم مبارک سے تحریر کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

"ایک دن مرمن ماشرہ کا مبتلا ایک بیمار آیا اس کا سر اس قدر موٹا ہو گیا تھا جیسے ہاتھی کا۔ اس کے ہونٹوں اور آنکھوں کی شکل بھی بڑی بھیانک تھی۔ میں اس سے دو تین روز پہلے یہ مرض پڑھ چکا تھا مگر مریض کو دیکھ کر سمجھ میں نہ آیا۔ کہ یہ ماشرہ ہے ادھر حکیم صاحب نے فرمایا کہ اس کا نسخہ لکھو میں سخت گھبرایا آخر میرے پاس تو دعا ہی کا ہتھیار تھا۔ معاً حکیم صاحب نے بے ساختہ فرمایا۔ کہ ایسے ماشرہ دنیا میں کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ تب میں نے عرض کیا۔ کہ اس مریض کو دیکھنے میں بہت جمگھٹا ہو گیا ہے۔ یہ اس کو مکان پر لے جائیں۔ اور پھر آکر نسخہ لے جائیں۔ اس طرح وقت کو ٹلا دیا اور خود اپنے کمرہ میں جاکر حکیم صاحب کی زیر نظر کتابیں۔ شرح گیلانی قانون ترویح الارواح طبری اور مجموعہ بقائی کو دیکھنا شروع کیا۔ اور ان تمام کتابوں سے ایک مشترکہ نسخہ ضماد اور طلاء اور کھانے کا لکھ لیا۔ اور کتابیں اپنی اپنی جگہ رکھوا دیں۔ اور نسخے قریباً یاد کر لئے۔ تیمار دار دیر کے بعد آیا اور حکیم صاحب نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ آپ نے نسخہ لکھا ہے؟ میں نے کہا کہ ابھی لکھ دیتا ہوں قلم اٹھا کر نسخے لکھ دیئے اور حکیم صاحب کے حضور پیش کئے۔ حکیم صاحب نے ان کو دیکھ کر مجھے اشارہ کیا کہ شرح گیلانی ترویح اور مجموعہ بقائی لاؤ میں لایا۔ میرے نسخوں کو سامنے رکھ کر سرسری نظر ان کتابوں پر ڈال لی اور نسخے تیمار دار کو دے دیئے۔ جب فراغت ہوئی تو اپنا بیاض بڑی محبت سے مجھ کو عطا کیا اور فرمایا تم اس کے اہل ہو۔ دے کر آپ حرم سرا میں تشریف لے گئے۔ میں نے دیکھا اس میں کچھ نسخے تھے۔ اس بیاض کو میں نے

مطب میں ہی چھوڑ دیا۔ اور اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ کسی دوسرے وقت حکیم صاحب آئے اور بیاض کو اس طرح کھلا پڑا ہوا دیکھ کر اٹھایا اور مجھے دیا۔ میں نے عرض کیا اس کو کیا کروں۔ نسخہ لکھنا تو تشخیص پر منحصر ہے اور اس میں کوئی تشخیص نہیں اس پر متبسم ہو کر کہا کہ بات تو ٹھیک ہے"۔

آپ اس کورس کو (جو اندھا دھند ملک میں اب تک رائج ہے) پڑھنا تضیع اوقات سمجھتے تھے۔ آپ کا خیال تھا اور وہ خیال بالکل بجا تھا کہ جس طرح اور علوم میں ایک ملکہ پیدا ہونے پر دوسری کتابوں کے پڑھنے اور سمجھنے پر انسان قادر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح طب کا حال ہے اس واسطے آپ نے طول وطویل کورس طب کا پڑھنا تضیع اوقات سمجھ کر قانون کے عملی حصہ کو پڑھ لینا کافی سمجھا۔ اس عرصہ میں آپ نے حکیم صاحب کی ہدایت پر ایک مولوی محمد اسحاق نگینوی کو شرح اسباب پڑھا دی اور آپ کو اس کے پڑھانے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کو دیوان متنبی کے پڑھنے کا شوق ہوا آپ مفتی سعد اللہ صاحب کی خدمت میں گئے۔ آپ نے ان کی بڑی منت سماجت کی۔ کہ آپ مجھے متنبی کا ایک سبق پڑھا دیا کریں۔ مگر مفتی صاحب نے صاف انکار کر دیا۔ آپ نے جلالی شان میں آکر کہا کہ اچھا ہم بھی اسی وقت پڑھیں گے جب آپ ہماری منت کریں گے یہ کہہ کر اپنے مکان پر چلے آئے۔ اور اسی فرط رنج وغم سے آپ نے حکیم صاحب سے کہا کہ اب ہم علم پڑھنا پسند نہیں کرتے۔ انہوں نے فرمایا کہ کیوں؟ آپ نے کہا کہ آپ غایت علم بتائیں کہ اس سے کیا نتیجہ ملتا ہے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ علم سے اخلاق فاضلہ پیدا ہوتے ہیں۔ خیر آپ سن کر خاموش ہو رہے۔ حکیم صاحب نے محبت سے پوچھا کہ کیا بات ہے آپ یوں متفکر ہیں آپ نے فرمایا کہ مفتی سعد اللہ صاحب کے پاس گیا تھا اور ان سے کچھ پڑھنے کی درخواست کی تھی مگر انہوں نے خشک سا جواب دے دیا ہے کہ ہمیں فرصت نہیں۔ حکیم صاحب نے اسی وقت ایک پرچہ مفتی صاحب کو کچہری میں لکھ بھیجا کہ کچہری سے اٹھتے ہی ادھر سے ہوتے جائیں۔ مفتی صاحب تشریف لائے حکیم صاحب نے آپ سے پہلے ہی سے کہہ رکھا تھا کہ آپ اپنی کوٹھڑی میں جا کر بیٹھیں۔ حکیم صاحب نے مفتی صاحب سے کہا کہ اگر میں پڑھنا چاہوں تو آپ کچھ وقت دے سکتے ہیں۔ مفتی صاحب نے کہا کہ ہاں بہت وقت دے سکتا ہوں۔ حکیم صاحب نے پھر فرمایا کہ اگر ہمارے پیرو مرشد پڑھیں تو آپ وقت دے سکیں گے؟

مفتی صاحب نے کہا کہ ان کو ہم وہاں پڑھا دیا کریں گے جہاں وہ چاہیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد حکیم صاحب نے آپ کو طلب فرمایا۔ آپ جب سامنے ہوئے تو مفتی صاحب دیکھ کر ہنس پڑے اور کہا کہ آؤ صاحب اب ہم آپ کی منت کرتے ہیں کہ آپ ہم سے پڑھیں اور ہم ضرور پڑھائیں گے۔ اور

یہ پہلی مثال نہیں قبل ازیں لکھا جا چکا ہے کہ آپ کے جذب نے حکیم صاحب پر وہ اثر کیا ہوا تھا کہ اب وہ آپ کو اپنا پیرو مرشد تسلیم کرتے تھے اور مفتی صاحب جیسے بڑے آدمی منت سے کہتے تھے کہ ہم آپ کے پڑھانے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ اس سے اس حدیث کی بھی کیسی وقعت اور شان بڑھ جاتی ہے کہ طالب علم کے لئے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔

رامپور ہی کا واقعہ ہے کہ طلباء میں یہ سوال اٹھا کہ اہل کمال اپنا کمال کسی کو بتاتے ہیں یا نہیں؟ آپ کا دعویٰ تھا کہ اہل کمال تو اپنا کمال بتانے اور سکھانے میں دریغ نہیں کرتے مگر کوئی سیکھنے والا ہی نہیں ہے مگر دوسرے اس کے مخالف تھے۔ آپ نے کہا کہ یوں اس جھگڑے کا تصفیہ ناممکن ہے اول تم کوئی اہل کمال پیش کرو اس کے پاس جانے پر فیصلہ ہو جائے گا۔ انہوں نے ایک صاحب کمال امیر شاہ عامل کا نام لیا۔ ۱۲۴ غرض سب طلباء عامل موصوف کے باغیچہ میں گئے۔ عامل صاحب ایک تخت پر لیٹے ہوئے تھے اور سامنے ایک چھوٹی سی چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ بڑے طلباء تو اس چٹائی پر بیٹھ گئے اور باقی زمین پر اور آپ دیوار کے پاس کھڑے رہے۔ عامل صاحب نے آپ کو کھڑا دیکھ کر اپنے پاس بٹھالیا۔ اور آنے کا سبب پوچھا۔ سب حال بیان کیا گیا۔ انہوں نے سن کر فرمایا کہ یہ صاحب (یعنی حضرت مولانا نورالدین) حق بجانب ہیں۔ پھر اٹھنے لگے تو عامل صاحب نے کہا۔ ذرا ٹھہرو اور وہ اندر چلے گئے۔ اور ایک بہت بڑی ضخیم قلمی کتاب اٹھا لائے اور فرمایا کہ یہ میری ساری عمر کی اندوختہ ہے اور اس میں عملیات کا خزانہ ہے اور میں بڑی خوشی سے آپ کو دیتا ہوں۔ آپ نے کہا کہ میں طالب علم ہوں ابھی تعلیم پاتا ہوں مجھے فرصت نہیں اور نہ مجھے اس کی ضرورت ہے وہ سن کر چشم پر آب ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کو دیتے ہیں اور آپ لیتے نہیں اور یہ لوگ (مراد طلباء) مانگتے ہیں اور ہم ان کو دیتے نہیں۔ چلتے ہوئے شاہ صاحب موصوف نے آپ کو ایک عجیب نکتہ بتایا اور وہ یہ کہ اگر کوئی شخص آپ کے پاس کسی غرض کے لئے آئے تو آپ درگاہ ایزدی میں دعا کریں۔ کہ الٰہی میں نے اس کو نہیں بلایا۔ تو نے خود بھیجا ہے جس کام کے لئے وہ آیا ہے اگر آپ کے ہاں منظور نہیں تو جس گناہ کے لئے میرے لئے یہ سامان ذلت بھیجا گیا ہے میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ اس دعا کے بعد اگر وہ شخص اصرار کرے تو آپ دوبارہ دعا مانگ کر کچھ لکھ دیا کریں۔ ۱۲۵

سفر میرٹھ و دہلی

حضرت مولوی صاحب دو برس تک حکیم صاحب کے پاس رہے اور بمشکل قانون بو علی سینا کا عملی حصہ ختم کیا۔ اور سند حاصل کرنے کے بعد ان سے اجازت چاہی کہ عربی کی تکمیل اور حدیث پڑھنے کے لئے جانا ہے انہوں نے میرٹھ اور دہلی جانے کا مشورہ دیا۔ اور نہایت محبت سے فرمایا۔ کہ ہم معقول خرچ ان دونوں شہروں میں تمہیں بھیجا کریں گے۔

مگر جب آپ میرٹھ پہنچے تو حافظ احمد علی صاحب سہارنپوری کلکتہ کو چلے گئے تھے اور مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی مجاہدین کو روپیہ پہنچانے کے مقدمہ میں ماخوذ تھے۔ یہ ۶۵۔ ۱۸۶۴ء کا واقعہ ہے۔ [۱۲۶] اس طرح ان دونوں اصحاب سے ایک حرف تک پڑھنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ اور گو ایک دوسرے وقت میں آپ نے حافظ صاحب سے پھر بھی بہت کچھ استفادہ کیا مگر مولوی نذیر حسین صاحب سے تو بالکل کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفہ اولؓ خود فرمایا کرتے تھے۔ "میں نے دہلی میں نذیر حسین سے پڑھنے کا کئی بار قصد کیا مگر موقعہ نہ نکلا آخر اس کی حکمت مجھ پر اب کھلی کہ وہ مکذب رسول نکلا۔ ورنہ دہلی کے محمد اسماعیل شاہ عبد الغنی سے میں نے بہت فائدے اٹھائے ہیں۔ [۱۲۷]

بھوپال میں پہلی مرتبہ آمد

میرٹھ اور دہلی میں جب آپ کو حصول تعلیم میں کامیابی نہ ہوئی تو آپ ریاست بھوپال کی طرف روانہ ہو گئے گوالیار پہنچے تو حضرت سید احمد بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے مخلصین میں سے ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی ان کی صحبت سے آپ کو ایسی خوشی ہوئی کہ وہیں رہ پڑے انہوں نے دوران ملاقات میں خواجہ محمد وزیر وزیر کا یہ قطعہ پڑھا جس نے آپ کے دل پر بڑا گہرا اثر کیا [۱۲۸]

نہ کر عوض مرے عصیان و جرم بے حد کا ۔۔۔ کہ تیری ذات غفور الرحیم کہتے ہیں
کہیں نہ کہہ دے عدو دیکھ کر مجھے غمگیں ۔۔۔ یہ اس کا بندہ ہے جس کو کریم کہتے ہیں [۱۲۹]

گوالیار میں چند دن قیام کے بعد آپ ایک ساتھی محمود نامی افغان کے ساتھ آگے روانہ ہوئے۔ یہ سفر نہایت کٹھن تھا۔ پاؤں زخمی اور ماندہ ہو گئے تھک کر ایک چھاؤنی گونہ نامی میں شب باش ہوئے ایک مسجد ویران پڑی ہوئی تھی۔ وہاں ٹھہرے بہت حصہ رات کا گذرا تھا کہ ایک آدمی نماز پڑھنے کے لئے آیا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ بڑی دیر سے نماز پڑھتے ہیں اس نے ذکر کیا کہ یہ مسجد بڑی آباد تھی اور پانچ وقت یہاں باجماعت نماز ہوتی تھی یہاں رفع یدین اور آمین بالجہر کا جھگڑا ہوا اور قریب تھا کہ لوگ کٹ کر ڈھیر ہو جائیں آخر کو ایک امیر نے کہہ دیا کہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیا کریں۔ مسجد میں کوئی نماز نہ پڑھے۔ ورنہ ان مولویوں کے کہنے سے سب ہلاک ہو جاؤ گے اس پر سب نے مسجد میں آنا چھوڑ دیا۔ اس لئے جب سب لوگ رات کو سو جاتے ہیں تو میں مسجد میں آکر نماز پڑھتا ہوں آپ نے کہا کہ کل تم تمام لوگوں کو خبر کردو کہ ایک شخص آیا ہے اور وعظ کرنا چاہتا ہے چنانچہ اس شخص نے تمام لوگوں کو آگاہ کر دیا اور لوگ جمع ہو گئے۔ آپ نے اتفاق پر وعظ فرمایا اور کہا کہ ان چھوٹے چھوٹے اختلافوں کی وجہ سے اتنے بڑے عظیم الشان حکم خدا یعنی نماز باجماعت کو ترک کر دینا سخت غلطی ہے۔ خدا کے فضل سے آپ کے وعظ کا ایسا عمدہ اثر ہوا کہ مسجد پھر آباد ہو گئی اور لوگ

باجماعت نمازیں پڑھنے لگے۔ گونہ چھاؤنی سے آگے چل کر تھوڑی دور رستے میں ایک اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ رستے میں ایک زمیندار نے کہا کہ اس سڑک پر آپ لوگ نہ جائیں مری یعنی ہیضہ پڑا ہوا ہے۔ مگر محمود خان نے اسی طرف سے جانے پر اصرار کیا۔ گو آپ نے روکا مگر نہ رکا۔ الغرض وہ ہیضہ میں گرفتار ہو کر دو تین روز میں مر گیا۔ اور اس کے دفن کرنے میں آپ کو بڑی دقت ہوئی۔ کافی روپیہ دے کر اس کی قبر کے لئے جگہ خریدی اور اس کو خود ہی تجہیز و تکفین کر کے دفن کیا۔ اور باوجود منت و سماجت کے کسی نے اس کے دفن کرنے میں مدد نہ دی۔ تین چار روز تک کچھ کھانے پینے کو بھی نہ ملا۔ آخر ان میں سے ایک آدمی کا اکلوتا بیٹا مبتلائے ہیضہ ہوا اور وہ دوڑا ہوا آپ کے پاس آیا کہ چلو میرے ہاں روٹی کھاؤ اور میرے لڑکے کو دیکھو۔ آپ اس کے گھر گئے اور اس کے لڑکے کا علاج کیا اور وہ خدا کے فضل سے بچ گیا۔ پھر تو تمام شہر میں آپ کی طبابت کی شہرت ہو گئی اور لوگ دوڑے دوڑے آئے یہ حال دیکھ کر اس نمبردار نے جس نے قبر کے لئے روپیہ لے لیا تھا۔ منت سماجت کر کے روپیہ واپس کر دیا بلکہ وعدہ کیا کہ ہم آپ کو اپنے خرچ سے بھوپال تک پہنچا دیتے ہیں چنانچہ اس نے اپنا وعدہ ایفا کیا۔ رستے میں آپ کو کنگن ولی کے مزار پر جانے کا اتفاق ہوا۔ جو شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے بزرگان سے تھے۔ ان کا نام نامی حضرت شاہ وجیہہ الدین تھا اور اس جگہ کو جہاں ان کا مزار ہے گنج شہیدان کہتے ہیں۔

جب آپ بھوپال میں پہنچے تو شہر کے باہر ایک سرائے میں اپنا اسباب اور روپیہ رکھ دیا۔ اور اپنے ہمراہ صرف ایک روپیہ لے کر چل دیئے۔ شہر کے اندر بلا کسی خاص اجازت کے جانے نہیں دیتے تھے آپ اندر شہر کے داخل ہوئے آپ کو بھوک لگی ہوئی تھی باورچی کی دکان پر گئے اور آٹھ آنے میں ایک وقت کا کھانا ملا۔ کھانا کھا کر شہر میں گشت لگانے گئے تو اٹھنی جو باقی تھی وہ کہیں گر گئی جب سرائے میں گئے تو دیکھا کہ اسباب میں روپیہ ندارد۔ کوئی لے گیا یا سرائے والے نے چرا لیا۔ غرض وہاں سے اسباب اٹھا کر شہر میں لے گئے اور طباخی کی دکان پر کتابیں وغیرہ رکھ کر شہر میں پھرتے رہے اور ایک مسجد میں جو باجی کی مسجد سے موسوم ہے ٹھہر گئے۔ وہاں کوئی واقفیت نہ تھی۔ اور نہ پاس روپیہ رہا تھا اس لئے کئی روز تک فاقہ کشی کرنی پڑی۔ اور بالآخر فاقہ سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ مارے بھوک کے آپ کی جان قریب بہ ہلاکت ہو گئی۔ آپ مسجد مذکور کے چبوترہ پر لیٹے ہوئے تھے کہ ناگہاں اللہ تعالیٰ نے منشی جمال الدین صاحب مدار المہام ریاست بھوپال کو وہاں بھیج دیا منشی صاحب نے نماز سے فارغ ہو کر امام مسجد کو آپ کے پاس دریافت حال کے لئے بھیجا۔ آپ نے امام صاحب کو کچھ روکھا سا جواب دیا۔ امام صاحب اپنا سا منہ لے کر منشی صاحب کے پاس گئے معلوم نہیں امام صاحب نے کیا جا کر کہا۔ خیر منشی

صاحب خود ہی معہ اپنے ہمراہیوں کے آپ کے پاس پہنچے۔ آپ مارے ضعف کے ہل جل بھی نہیں سکتے تھے اسی طرح ہی لیٹے رہے۔ منشی صاحب نے پوچھا کہ آپ کچھ پڑھے ہوئے ہیں آپ نے کہا ہاں پڑھا ہوا ہوں پھر انہوں نے کہا آپ کیا علوم جانتے ہیں۔ آپ نے کہا سب ہی کچھ جانتا ہوں۔ اس پر منشی صاحب نے اپنی نبض دکھلائی آپ نے نبض دیکھ کر کہا کہ بد ہضمی ہے نسخہ طلب کیا آپ نے قیمتی نسخہ لکھ دیا۔ انہوں نے کہا۔ اگر فائدہ نہ کرے تو کیا ہوگا۔ آپ نے بڑی سختی سے کچھ جواب دے دیا۔ پھر انہوں نے سوال کیا کہ آپ علم مساحت جانتے ہیں آپ نے کہا ہاں جانتا ہوں۔ سامنے ایک بڑا تالاب تھا انہوں نے کہا یہاں بیٹھ کر آپ اس کی مساحت کر سکتے ہیں آپ نے کہا ہاں۔ غرض آپ نے ایک قاعدہ بتایا اور وہ مطمئن ہو کر چلے گئے اور رستے میں سے کہلا بھیجا کہ ہم آپ کی ضیافت کرتے ہیں آپ اٹھ بیٹھ تو سکتے نہیں تھے آپ نے جواب دے دیا کہ ہمیں ضیافت کی ضرورت نہیں۔ پھر اس کے بعد منشی صاحب موصوف نے آپ کے پاس دوبارہ آدمی بھیجا کہ مسنون دعوت ہے آپ نے سنت پر عمل کرنے کے لئے منظور کر لیا غرض ایک سپاہی کھانے کے وقت بلانے آیا۔ آپ نے فرمایا میں چل نہیں سکتا۔ اس آدمی نے آپ کو اپنی پشت پر اٹھالیا اور منشی صاحب کے مکان پر لے گیا۔ دستر خوان پر کھانا چنا ہوا تھا جب آپ منشی صاحب کے قریب بیٹھے تو غور کے بعد پلاؤ کی رکابی سے ایک لقمہ اٹھایا مگر بوجہ ضعف ڈرے کہ کہیں حلق میں لقمہ پھنس نہ جائے اس واسطے اسے پھینک دیا۔ اور اس کی بجائے تھوڑا سا مرغ کا شوربا پی لیا۔ جس سے آپ کی جان میں جان آئی اور آنکھیں روشن ہو گئیں کھانے سے فراغت کے بعد منشی صاحب نے آپ سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ اور یہاں کس غرض سے آئے ہیں۔ ان دنوں آپ کا اردو لب و لہجہ لکھنوی طرز پر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایک پنجابی ہوں یہاں پڑھنے کے ارادہ پر آیا ہوں یہ بات بہت مفید ثابت ہوئی منشی صاحب کو یہ گمان تھا کہ یہ کوئی آسودہ حال مگر صدمہ رسیدہ ہے پڑھنے کا یونہی نام لیتا ہے ورنہ یہ خود عالم ہے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ بہت بہتر آپ ہمارے ہاں رہا کریں اور ہمارے ہی ساتھ کھانا کھایا کریں۔ اور جہاں آپ پڑھیں گے ہم آپ کو مدد دیں گے غرض منشی صاحب نے توشہ خانہ میں رہنے کو ایک کمرہ دے دیا اور مہتمم کتب خانہ کو کہہ دیا کہ جو کتاب آپ پڑھنا چاہیں آپ کو مت روکیں اور دوکان سے بھی اسباب منگوا لیا گیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت مولوی عبد القیوم صاحب سے جو ایک باخدا بزرگ و عالم تھے صحیح بخاری اور ہدایہ پڑھنا شروع کیا اور ایک مدت تک سبق جاری رکھا۔

منشی جمال الدین صاحب گو مدار المہام تھے اور اس ریاست میں سب سے بڑے جلیل القدر منصب پر متعین تھے تاہم ان کو قرآن کریم کی اشاعت کا بے حد شوق تھا۔ آپ بعد نماز مغرب قرآن

شریف کا لوگوں کو لفظی ترجمہ پڑھایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اولؓ کو بھی وہاں اس درس میں شریک ہونے کا اتفاق ہو گیا۔ اس وقت منشی صاحب موصوف اس آیت کا ترجمہ کر رہے تھے **و اذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا و اذا خلا بعضھم الی بعض** (بقرہ ع۹) آپ نے کہا کہ کیا اجازت ہے کہ ہم لوگ کچھ سوال بھی کریں۔ منشی صاحب نے کہا۔ بڑی خوشی سے۔ آپ نے فرمایا یہاں بھی منافقوں کا ذکر ہے اور یہاں خدا تعالیٰ نے نرم لفظ بولا ہے یعنی **بعضھم الی بعض**۔ اور اس سورۃ کے ابتداء میں جہاں انہیں منافقین کا ذکر ہے وہاں بڑا تیز لفظ استعمال ہوا ہے یعنی یہ کہا گیا ہے **اذا خلوا الی شیٰطینھم** (بقرہ ع ۲) اس نرمی اور اس سختی کی کیا وجہ ہے منشی صاحب نے فرمایا۔ ہمیں تو نہیں آتا۔ کیا آپ جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میرے خیال میں یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ مدینہ منورہ میں دو قسم کے منافق رہتے تھے۔ ایک اہل کتاب اور ایک مشرک۔ اہل کتاب منافق کے لئے نرم لفظ استعمال ہوا ہے اور مشرک منافق کے لئے سخت۔ منشی صاحب اس نکتہ کو سن کر اس قدر مسرور ہوئے کہ اسی وقت اپنی مسند سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جہاں آپ تھے وہاں آ گئے اور آپ کو فرمایا کہ آپ مسند پر جا بیٹھیں۔ اب آپ ہی قرآن پڑھایا کریں اور ہم آپ سے قرآن سیکھیں گے۔ اس طرح ایک ہی نکتہ پر آپ قرآن مجید کے مدرس و مفسر بن گئے۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کے معارف اور نکات ایسے سکھلا دیئے تھے کہ جب آپ بیان فرماتے تو اس سے لوگوں کو بڑا فائدہ پہنچتا اور منشی صاحب کو آپ کا قرآن پڑھانا ایسا پسند آیا کہ آپ سے بے حد محبت کرنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کے بغیر کھانا بھی نہیں کھاتے تھے۔ ایک دفعہ منشی صاحب کی مجلس میں ایک اخلاقی مسئلہ پیش ہوا۔ آپ بھی وہاں موجود تھے قاضی شہر نے شاہ اسحاق صاحب محدث دہلوی کی نسبت کوئی سخت لفظ کہا۔ جس کو آپ برداشت نہ کر سکے اور آپ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے اور کھانے کے وقت منشی صاحب کے دستر خوان پر بھی نہ آئے۔ منشی صاحب نے بھی ان کے بغیر کھانا نہ کھایا۔ دوسرے دن منشی صاحب دریافت کر کے خود اس جگہ تشریف لے گئے جہاں آپ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے وہ آپ کے داہنی طرف بیٹھ گئے جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا۔ اخاہ! آپ نے تو سلام کی ابتداء ہی کر دی۔ اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیا۔ اور بگھی میں سوار کر کے لے چلے اور فرمانے لگے کہ آپ نے تو ہم کو کل سے بھوکا رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا آپ کی مجلس میں حضرت شاہ اسحاق صاحب کی توہین ہوتی ہے اور میں شاہ صاحب کا عاشق ہوں میں ان کی توہین گوارا نہیں کر سکتا۔ منشی صاحب نے فرمایا کہ ہم تو شاہ صاحب کے شاگرد اور سخت معتقد ہیں انہوں نے ہی تو ہم کو شیعہ سے سنی بنایا تھا۔ اس وقت ایک سرکاری معاملہ تھا ایسی باتوں کی طرف زیادہ التفات نہیں چاہئے۔ یہ کہہ کر بگھی مکان کی طرف لے آئے اور کھانا پیش کیا اور دوبارہ کہا

کہ آپ ایسی باتوں کا زیادہ خیال نہ کیا کریں۔

منشی صاحب موصوف کو قرآن سے بے مثال محبت تھی اور وقاف للقرآن ہونے میں ان کی نظیر نہ تھی ہمیشہ نابینا مرد و عورت کی تلاش میں رہتے اور ان کی شادیوں کے سارے اخراجات اپنی گرہ سے ادا کرتے ان کا ایک محلہ بھی آباد کیا۔ ان کے بچوں کے لئے اسی محلہ میں ایک مدرسہ بھی جاری کر رکھا تھا ایک روز ایک لڑکے کو (جس کے والدین نابینا تھے) دیکھ کر ان پر وجد کی سی حالت طاری ہو گئی اور حضرت مولوی صاحب ؓ سے کہنے لگے کہ دیکھو ان کی دونوں آنکھیں کیسی اچھی ہیں؟ وہاں دور دراز علاقوں کے اندھے جمع تھے حتیٰ کہ ایک اندھا سیالکوٹ کا بھی تھا۔ گویا یہ دنیا میں اپنی طرز کا واحد اندھوں کا عجائب گھر تھا جسے دیکھ دیکھ کر ان کا دل باغ باغ ہو جاتا اور روح فرط مسرت سے جھوم جاتی تھی!!

حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح اول ؓ نے بھوپال کے مفتی صاحب سے ایک حدیث مسلسل بھی سنی جو حضرموت کے ایک بزرگ محمد بن ناصر حضرمی نے ان تک پہنچائی تھی۔ [۱۲۰]

حضرت مولوی صاحب ؓ کی دو نہایت عمدہ صدریاں تھیں جن کے پہننے کی ہمیشہ آپ کو عادت تھی ان میں سے ایک چوری ہو گئی۔ آپ نے اس یقین سے کہ طالب علمی میں یہ ایک مصیبت ہے اور مصیبت میں صبر کرنے والے کو جناب الٰہی سے نعم البدل عطا ہوتا ہے دوسری صدری بھی اس کے شکریہ میں دے دی۔ تھوڑے دنوں بعد ایک امیر کبیر لڑکا سوزاک میں گرفتار ہو گیا اس نے ایک شخص (پیر ابو احمد مجددی) سے کہا کہ کوئی غیر معروف سا طبیب لاؤ جو بنی ہوئی دوا کی بجائے سہل سی دوا بتلا دے تا اس کے بنانے میں عام نوکروں کو آگاہی نہ کرنی پڑے۔ پیر ابو احمد مجددی آپ کو وہاں لے گئے۔ آپ نے حقیقت حال دریافت کر کے کہا کہ کیلے کی جڑ کا ایک چھٹانک پانی صاف کریں اور اس میں وہ قلمی شورہ ملا کر جو آپ کے دالان میں بارود کے لئے رکھا ہے کئی دفعہ پئیں اور شام تک مجھے اطلاع دیں۔ آپ یہ کہہ کر چلے آئے۔ قدرت الٰہی سے اسے شام تک کافی تخفیف ہو گئی۔ اس نے آپ کو ایک گراں بہا خلعت اور اتنا روپیہ دیا کہ آپ پر حج فرض ہو گیا۔ [۱۲۱]

اب آپ نے حرمین کا ارادہ کر لیا۔ جب بھوپال سے رخصت ہونے لگے تو مولوی عبدالقیوم صاحب سے آخری ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ سینکڑوں آدمی مشایعت کی غرض سے آپ کے ہمراہ تھے جن میں اکثر علماء اور معزز طبقہ کے آدمی تھے۔ آپ نے مولوی عبدالقیوم صاحب سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی بات بتائیں جس سے میں ہمیشہ خوش رہوں۔ فرمایا۔ کہ نہ خدا بننا نہ رسول۔ آپ نے عرض کیا کہ حضرت میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی اور یہ بڑے بڑے عالم موجود ہیں غالباً یہ بھی نہ سمجھے ہوں گے سبھی نے کہا کہ ہم بھی نہیں سمجھے مولوی عبدالقیوم صاحب نے پوچھا کہ تم خدا کس کو کہتے ہو۔ آپ

کی زبان سے بے ساختہ نکلا خدا تعالیٰ کی ایک صفت فعال لما یرید ہے وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے فرمایا کہ بس ہمارا مطلب اسی سے ہے یعنی تمہاری کوئی خواہش ہو اور وہ پوری نہ ہو تو تم اپنے نفس سے کہو کہ میاں تم کوئی خدا ہو۔ اسی طرح رسول کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آتا ہے وہ یقین کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی سے لوگ جہنم میں جائیں گے اسلئے وہ سخت رنجیدہ ہوتا ہے تمہارا فتویٰ کوئی مانے یا نہ مانے وہ یقینی جہنمی تھوڑا ہی ہو سکتا ہے لہٰذا تم کو اس کا بھی رنج نہ ہونا چاہئے [۱۳۲]۔

حواشی باب ۱

۱۔ "تعارف" شائع کردہ حاجی کریم بخش شاہ دلی تاجران کتب انار کلی لاہور صفحہ ۴۹۳۔
۲۔ صفحہ ۱۵۵-۱۵۹۔
۳۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا
۴۔ فاہیان نے اپنا سفر ۳۹۹ء میں شروع کیا اور پندرہ برس بعد چین واپس پہنچ کر اپنا سفرنامہ مرتب کیا قدیم تاریخ ہند از جمیل الرحمٰن ایم۔اے) صفحہ ۱۴
۵۔ سفرنامے کا زمانہ ۶۲۹ء تا ۶۶۵ء (ایضاً صفحہ ۱۶)
۶۔ شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی نے "بھیرہ کے تاریخی حالات" کے عنوان سے ایک مضمون امروز میں شائع کیا تھا جس میں بہت اہم معلومات جمع کردی تھیں۔ ہم نے بھی اس سے کافی استفادہ کیا ہے مزید معلومات کے لئے ملاحظہ ہو۔ پنجاب ڈسٹرکٹ گزیٹیر (جہلم) ۱۹۰۴ء صفحہ ۲۶۳-۲۹۱ تا ۲۹۳ و پنجاب ڈسٹرکٹ گزیٹیر (جہلم) ۱۹۱۷ء صفحہ ۲۹۱۔ و پنجاب ڈسٹرکٹ گزیٹیر (جہلم) ۸۴-۱۸۸۳ء صفحہ ۱۱۰۔ (یہ سب پنجاب پبلک لائبریری لاہور (حصہ انگریزی) میں موجود ہیں۔ Archaeolgical Survey Report Vol xiv p35 40 انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا زیر لفظ "بھیرہ"۔ تعارف شائع کردہ حاجی کریم بخش شاہ دلی تاجران کتب انار کلی لاہور صفحہ ۴۹۳
۷۔ تاریخ گورو خالصہ حصہ سوم صفحہ ۲۲۴ (از بھائی گیان سنگھ)
۸۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۵۵-۵۸ ۱۲۵۸ھ کے مطابق سن عیسوی ۱۸۴۲ء اور ۱۸۹۸ سمت کے مطابق ۱۸۴۱ء کا سال بنتا ہے۔
۹۔ آپ کی پیدائش کا یادگیری کمرہ قریب قریب اپنی اصلی صورت میں اب بھی مسجد نور بھیرہ کی عمارت میں غربی جانب موجود ہے۔
۱۰۔ سراج الاخبار ۱۸۴۱ء میں جاری ہوا "بہادر شاہ ظفر اور ان کا دور" (از سید رئیس احمد جعفری ندوی) صفحہ ۷۷۴۔
۱۱۔ سراج الاخبار ۱۸۴۱ء میں جاری ہوا ("بہادر شاہ ظفر اور ان کا دور" (از سید رئیس احمد جعفری ندوی) صفحہ ۸۷۴۔
۱۲۔ عجیب بات ہے "نور بخت" کے حروف ابجد ۱۲۵۸ بنتے ہیں جو حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح اول کی پیدائش کا سال ہے۔
۱۳۔ ملاحظہ ہو نسب نامہ مشمولہ کتاب ہذا
۱۴۔ بدر ۵/ اکتوبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۶ و مرقاۃ الیقین
۱۵۔ پاک و ہند کے ایک مورخ مولانا محمد الدین صاحب فوق لکھتے ہیں:

اعوان اور ان کی اکثر شاخوں اور اعوان مصنفوں کو اس بات پر قطعی اتفاق ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے فرزند حضرت عباس علمدار کی اولاد سے ہیں جو معرکہ کربلا میں شہید ہو گئے تھے ان کے فرزند عبداللہ یا عبیداللہ (وفات ۱۲۰ھ بعہد خلیفہ ہشام بن عبدالملک اموی مدفن مدینہ) کی نانویں پشت میں عون بن قاسم لیلٰی سے اعوان کا شجرہ ملتا ہے اور چونکہ اعوانوں کا نسب حضرت عباس علمدار تک جاتا ہے اس لئے یہ عباسی بھی ہیں اور حضرت عباس علمدار چونکہ حضرت علی کے فرزند تھے۔ اس لئے یہ علوی بھی ہیں۔ علوی اس کو کہتے ہیں جو باپ کی طرف سے علی المرتضیٰؓ تک جائے۔ اور جس کا مادری سلسلہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ بنت رسول کریم ﷺ کے سوا حضرت علیؓ کی کسی اور زوجہ تک پہنچتا ہو۔ جیسا کہ حضرت فاطمہؓ اور حسنؓ و حسینؓ اور محسنؓ تھے جس گروہ اور قبیلہ کا نام سادات ہے وہ حسنؓ اور حسینؓ کی اولاد سے ہیں۔ اور جو گروہ علوی کہلاتا ہے وہ حضرت علیؓ کی دوسری بیویوں کے بطن سے ہے حضرت عباس علمدار اور ان کے باقی تین بھائیوں جعفر عبداللہ عثمان کی والدہ ام البنین بنت حرام وحیدیہ تھیں اس لئے ان کی اولاد سادات کی بجائے علوی کہلاتی ہے اور اسی طرح حضرت علیؓ کے دوسرے فرزندوں محمد بن حنفیہ وغیرہ کی اولاد جن کی مائیں قریش کے دوسرے قبیلوں سے تھیں علوی قریشی مشہور ہے۔

مصنف باب الاعوان صفحہ ۱۲۶ پر میزان قطبی و میزان ہاشمی کے حوالہ سے لکھتا ہے۔ قاسم لیلی کا اصل نام لیلی تھا لقب قاسم وطن

بغداد مذہب شیعہ ولادت کا سال ۳۸۵ھ اور وفات کا سال ۴۷۳ھ تھا۔ پھر صفحہ ۲۸۱-۲۸۷ پر لکھا ہے۔ ان کے فرزند کا نام عون تھا اور لقب قطب شاہ۔ ان کی پیدائش ۴۱۹ھ میں بغداد میں ہوئی اپنے آباؤ اجداد کی طرح یہ بھی شیعہ تھے۔ حضرت عبد القادر جیلانی کی خالہ بی بی عائشہ ان کے گھر تھیں۔ اس قرابت قریبیہ کی وجہ سے حضرت شیخ کے ہاں اکثر جایا کرتے تھے۔ مذہب شیعہ انہی کی تبلیغ و تحریک سے ترک کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور صاحب الشریعت و الطریقت اور منصب خلافت سے مشرف ہو کر ہندوستان آئے۔ ہزارہا لوگ آپ کے مو عظہ حسنہ اور اخلاق فاضلہ سے مسلمان ہو گئے۔ ان فیوض و برکات کی وجہ سے قطب شاہ کے نام سے موسوم ہوئے چونکہ اصل نام عون تھا اس لئے ان کی اولاد عون قطب شاہی یا اعوان قطب شاہی کہلائی عمر کے آخری حصہ میں بغداد واپس گئے اور وہیں ۵۵۶ھ میں بعمر ۱۳۳ سال وفات پا گئے۔ اور بغداد کے مقبرہ قریش میں دفن ہوئے"۔ (تاریخ اقوام پونچھ صفحہ ۲۸۰-۲۸۲ ناشران ظفر برادرز تاجران کتب لاہور و سرینگر کشمیر)

۱۶۔ ہمیں خدا کی کتاب کافی ہے (بخاری شریف جلد ۳ صفحہ ۶۱)

۱۷۔ قاموس المشاہیر جلد دوم صفحہ ۱۷ (مرتبہ نظامی بدایونی مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ظہور احمد موعود صفحہ ۱۵۴ از قاضی محمد یوسف صاحب فاروقیؓ

۱۸۔ قاموس المشاہیر جلد دوم صفحہ ۱۷ مرتبہ نظامی بدایونی مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ظہور احمد موعود صفحہ ۱۵۴ از قاضی محمد یوسف صاحب فاروقیؓ)

۱۹۔ قاموس المشاہیر ظہور احمد موعود

۲۰۔ اردو ترجمہ "سفینۃ الاولیاء" صفحہ ۱۲۱-۱۲۲۔ "قاموس المشاہیر" جلد اول صفحہ ۱۳۔ خزینۃ الاصفیاء (فارسی) صفحہ ۲۳۱ نیا تذکرۃ الاولیاء" از سید رئیس احمد جعفری صفحہ ۳۶-۴۱ (ترجمہ) تذکرۃ الاولیاء از حضرت فرید الدین عطارؒ مترجم عبد الرحمن شوق صفحہ ۸۹-۱۰۴

۲۱۔ اردو ترجمہ سفینۃ الاولیاء صفحہ ۱۵۵

۲۲۔ تذکرہ اولیائے ہند مرزا محمد اختر صفحہ ۵۸ "تاریخ احمدیہ" از قاضی محمد یوسف صاحبؓ مرحوم فاروقی صفحہ ۸۷ "و ظہور احمد موعود" صفحہ ۱۵۵

۲۳۔ ظہور احمد موعود صفحہ ۱۵۵

۲۴۔ مراۃ الانساب صفحہ ۴۰ "خزینۃ الاصفیا" صفحہ ۲۸۸

۲۵۔ الحکم ۱۴/ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۴ کالم ۱

۲۶۔ تذکرہ علمائے ہند از مرزا اختر دہلوی صفحہ ۵۸۔ مراۃ الانساب صفحہ ۴۰ "آب کوثر" شیخ اکرام بی۔ اے صفحہ ۲۴۴ "ظہور احمد موعود" صفحہ ۱۵۵۔

۲۷۔ تذکرہ علمائے ہند (از مرزا اختر دہلوی) صفحہ ۵۸۔

۲۸۔ ظہور احمد موعود از قاضی محمد یوسف صاحب فاروقیؓ۔ ہوتی مردان صفحہ ۱۵۷۔

۲۹۔ بدر ۱۹۱۱ء نمبر ۱ صفحہ ۴۔

۳۰۔ الحکم ۱۴/ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۴ کالم ۱

۳۱۔ بدر ۱۸/ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۵-۶۔ الحکم ۱۴/ ۷/ دسمبر ۱۹۱۸ء صفحہ ۳ کالم ۱۔

۳۲۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۹۰ (طبع دوم)

۳۳۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۷۲ (طبع دوم)

۳۴۔ کلام امیر۔ صفحہ ۴

۳۵۔ بدر ۶/ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۷ کالم ۱۔

۳۶۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴

۳۷۔ الحکم ۱۴/ ۷/ دسمبر ۱۹۱۸ء صفحہ ۵

۳۸۔ وصلی ۔ دو باہم پیوند کئے ہوئے کاغذ کا ورق جس پر خوشنویس لوگ قطعہ وغیرہ کی مشق کرتے ہیں۔ مشق کرنے کا موٹا کاغذ ۔ ناسخ کا شعر ہے ۔

لگ گئی پیٹھ مری ہجر میں یوں بستر سے جس طرح وصلی میں کاغذ سے ہو پیوند (فرہنگ آصفیہ)

۳۹۔ بدر ۲۶/ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۳ کالم ۳۔

۴۰۔ بدر ۶/ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۷ کالم ۱

۴۱۔ بدر ۶/ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۷ کالم ۱

۴۲۔ بدر ۷/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۸ کالم ۳۔

۴۳۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۷۳-۱۷۵

۴۴۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۷۳۔

۴۵۔ الحکم ۲۴/ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۶ کالم ۲

۴۶۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۷۶۔ عسل مصفی از مرزا خدا بخش صاحب حصہ دوم صفحہ ۶۷۵۔

۴۷۔ یہ حویلی سنہری مسجد کے آگے دائیں طرف ایک گلی میں واقع تھی حکیم محمد حسین صاحب قریشی موجد مفرح عنبری کسی زمانہ میں اس جگہ رہا کرتے تھے۔

۴۸۔ اختر شاہنشاہی صفحہ ۱۹۱۔

۴۹۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۵۵۔

۵۰۔ تاریخ لاہور صفحہ ۴۵

۵۱۔ ملاحظہ ہو اخبار کوہ نور ۲۹/ جنوری ۱۸۵۶ء صفحہ ۸۰ (اصل پرچہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے)

۵۲۔ ضلع جہلم میں ایک گاؤں بگہ ہے جو کسی زمانہ میں بڑا علمی مرکز تھا یہاں ایک خاندان آباد ہے جو سالہا سال سے حافظ چلا آتا ہے مولوی صاحب اسی خاندان میں سے تھے آپ نے چودہ سال تک دہلی میں تحصیل علم کیا اور ظاہری علوم حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور حضرت شاہ محمد اسحاق سے حاصل کئے اور بیعت شاہ غلام علی شاہ سے کی۔ چھ مہینے بگہ میں اور چھ مہینے لاہور میں درس دیتے۔ کہتے ہیں کہ دو ہزار علماء فضلاء نے آپ سے حدیث کی سند حاصل کی۔ اپنی زندگی کے آخری ایام بھیرہ میں گذارے اور جامع مسجد میں دفن ہوئے۔ ولادت ۱۸۰۲ء وفات ۱۸۷۰ء (نقوش لاہور نمبر صفحہ ۵۴۳) (ایضاً "برق آسمانی" حاشیہ صفحہ ۶۰ از ظہور احمد صاحب بگوی) ان کی لکھائی ہوئی بعض یادداشتیں حافظ احمد الدین صاحب پراچہ کی بیاض میں ہیں جو مولف ہذا کے پاس موجود ہے۔

۵۳۔ ہادی اور حق تو ہی ہے تیرے سوا کوئی ہادی نہیں (مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۷۳) و بدر ۷/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲ کالم ۱ قلمی بیاض حضرت خلیفۃ المسیح اول ؓ

۵۴۔ مرقاۃ الیقین میں حضرت خلیفہ اول ؓ نے یہ لکھا ہے کہ "میانی میں بھی ہمارا ایک گھر تھا" (صفحہ ۲۰۷)۔ یہ گھر حکیم غلام احمد صاحب ہی کا تھا۔ میانی کا قصبہ دریائے جہلم کے بائیں کنارے پر واقع ہے حضرت خلیفہ اول ؓ جب پنڈ دادنخان میں ہیڈ ماسٹر تھے تو اسی رستہ سے دریا عبور کر کے جایا کرتے تھے۔ میانی کا قدیم نام شمس آباد ہے۔ گو وہ سیلاب کی نذر ہو گیا جسے شاہجہان کے خسر آصف جاہ نے دوبارہ بنوایا۔ مگر نور الدین (جنرل احمد شاہ) نے ۱۷۵۴ء میں اسے بھی تباہ کر دیا۔ اس کے بعد اس مقام پر موجودہ قصبہ آباد ہوا۔ جو "لون میانی" کہلاتا ہے۔ پنجاب ڈسٹرکٹ گزیٹیر ضلع جہلم صفحہ ۲۶۳

۵۵۔ کلام امیر صفحہ ۵۸

۵۶۔ بیاض قلمی حضرت خلیفہ اول ؓ۔ آپ کے قلم سے تیسری بیٹی کا نام اللہ بی کا بھی پتہ چلتا ہے مگر مرقاۃ میں صرف دو بیٹیوں کا آپ نے ذکر فرمایا ہے اور اسی کے مطابق شجرہ نسب بنایا گیا ہے۔

۵۷۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۷۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے ہر بھائی کی غالباً پانچ پانچ چھ چھ تک اولاد تھی۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۰۸ پر آپ کے ایک بھتیجا شاہسوار نامی کا ذکر ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ یہ آپ کے کس بھائی کا بیٹا تھا۔

۵۸۔ تفسیر کبیر از حضرت المصلح الموعود سورۃ القریش صفحہ ۲۴۲۔ الفضل ۲۹/ جون ۱۹۶۰ء صفحہ ۳ کالم ۱۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۵۲۰۔ قاضی ظہور الدین صاحب اکمل کی روایت ہے۔ کہ یہ بہن بھی بالآخر آپ کے زمانہ میں بیعت کر کے احمدی ہو گئی تھیں۔ اور قادیان میں ہی فوت ہوئیں۔ مگر دوسرے رشتہ داران کی نعش اپنے وطن میں لے گئے تھے۔ ان کا ایک پر لطف واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے یہ لکھا ہے کہ:

"حضرت خلیفہ اول ﷺ کی ایک بہن تھیں جو کسی پیر کی مرید تھیں۔ ایک دفعہ وہ آپ سے ملنے کے لئے آئیں۔ تو آپ نے اس سے کہا۔ بہن تمہیں نماز کی طرف توجہ نہیں تم آخر خدا کو کیا جواب دو گی؟ اس نے کہا میں نے جس پیر کی بیعت کی ہوئی ہے اس نے مجھے کہہ دیا ہے کہ چونکہ تم نے میری بیعت کر لی ہے۔ اس لئے اب تمہیں سب کچھ معاف ہے۔ آپ نے اپنی بہن سے کہا۔ بہن اپنے پیر سے پوچھنا کہ خدا کا حکم کس طرح معاف ہو گیا۔ نماز کا حکم تو خدا نے دیا ہے اور وہ قیامت کے دن اس کا حساب لے گا۔ آپ کی بیعت کرنے سے یہ حکم کس طرح معاف ہو گیا؟ اس نے کہا بہت اچھا۔ جب میں جاؤں گی تو یہ بات ضرور دریافت کروں گی۔ کچھ مدت کے بعد وہ پھر آپ سے ملنے کے لئے آئی۔ تو آپ نے اس سے پوچھا۔ کہ بتاؤ تم نے اپنے پیر صاحب سے وہ بات دریافت کی تھی اس نے کہا ہاں میں اپنے پیر صاحب کے پاس گئی تھی اور ان سے میں نے یہ بات دریافت کی تو وہ کہنے لگے تو نوردین سے ملنے گئی تھی معلوم ہوتا ہے یہ شرارت تجھے نوردین نے ہی سکھائی ہے۔ میں نے کہا کسی نے سکھائی ہو آپ یہ بتائیں کہ اس کا جواب کیا ہے؟ انہوں نے کہا۔ قیامت کے دن جس وقت خدا تم سے پوچھے گا کہ تم نمازیں کیوں نہیں پڑھا کرتی تھیں تو تم کہہ دینا کہ میرا جواب پیر صاحب سے لیجئے۔ انہوں نے کہا تھا کہ میری بیعت کر لینے سے اب تمام ذمہ داری مجھ پر آپڑی ہے تمہیں نمازیں پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اس پر خدا کے فرشتے تمہیں چھوڑ دیں گے اور وہ تم کو کچھ نہیں کہیں گے۔ میں نے کہا پیر صاحب! پھر آپ کا کیا بنے گا؟ اتنے لوگوں کے گناہ آپ کے ذمہ لگ جائیں گے۔ اس پر وہ کہنے لگے۔ جس وقت خدا ہم سے حساب لینا چاہے گا تو ہم لال لال آنکھیں نکال کر اس سے کہیں گے کہ کربلا میں ہمارے دادا امام حسین کی شہادت کچھ کم تھی کہ اب ہم کو بھی دق کیا جاتا ہے۔ اس پر خدا اپنی آنکھیں نیچی کر لے گا۔ اور ہم بھی فوراً جنت میں چلے جائیں گے"۔ (تفسیر کبیر (القریش) صفحہ ۲۴۲)

۵۹۔ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے اپنی قلمی بیاض میں جو آپ کے خاندان میں محفوظ ہے۔ آپ کی والدہ کے ننھیال کا شجرہ بھی درج فرمایا ہے جو یہ ہے:

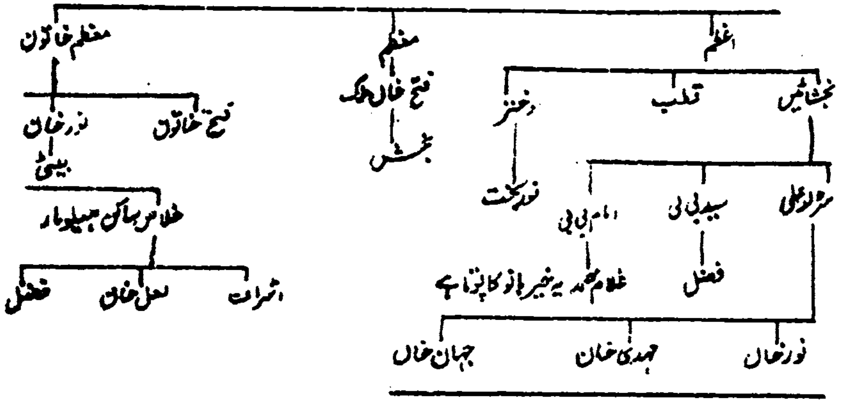

۶۰۔ بدر ۱۸/ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۵-۶

۶۱۔ الحکم ۱۴/ جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۴ کالم ۲

۶۲۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۷۳

۶۳۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۷۴ و الحکم ۲۸/ اگست ۱۹۲۳ء صفحہ ۱ کالم ۱

۶۴۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۷۳، ۱۷۴

۶۵۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۷۳، ۱۷۴

۶۶۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۳۶ و بدر ۷/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲

۶۷۔ بدر ۱۸/ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۳ کالم ۳ و الحکم ۳۱/ جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۶ کالم ۳

۶۸۔ الحکم ۱۷/ جون ۱۹۰۵ء صفحہ ۱ کالم ۲

۶۹۔ روایت جناب حکیم محمد صدیق صاحب میانی گھوگھیاٹ

۷۰۔ بدر ۱۷/ اپریل ۱۹۱۳ء صفحہ ۷ کالم ۳ و الحکم جلد ۳ نمبر ۱۳ صفحہ ۱ کالم ۱۔ حضرت حافظ صاحب آخری عمر میں قادیان آگئے تھے اور سلسلہ کی رضاکارانہ خدمت کیا کرتے تھے ان کی ایک صاحبزادی حضرت ملک نور الدین صاحب کے عقد میں آئیں دو بیٹے ڈاکٹر عبد المغنی صاحب اور عبد العزیز صاحب ان کی یادگار ہوئے۔ ۳۱۳ کی فہرست میں ان کا نام ۲۹۷ نمبر پر ہے (حیات احمد چہارم صفحہ ۲۸۶)

۷۱۔ الحکم ۱۷/ جولائی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۲ کالم ۲۔

۷۲۔ الفضل ۳/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵ کالم ۲

۷۳۔ بدر ۷/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲ کالم ۱ و مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۷۸

۷۴۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۵۵۔ بدر ۱۹/ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۵ کالم ۳

۷۵۔ حضرت خلیفہ اول اس زمانہ کا ایک واقعہ بیان کرتے تھے کہ جب میں پڑھنے لگا تو مجھے خوب یاد ہے کہ یاغستان سے ایک تاجر ہمارے ڈیرہ میں آیا اس نے کوئی چیز پڑھتے وقت میرے بھائی سے کہا کہ اسے قرآن شریف پڑھایئے اور مجھے ایک سورۃ اذا وقعت الواقعہ معہ ترجمہ دی"۔ بدر ۷/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲ کالم ۱)

۷۶۔ قلمی بیاض حضرت خلیفہ اولؓ۔

۷۷۔ بدر ۱۸/ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۴، ۵۔ یہ مدرسہ ایک اسلامی مکتب تھا اور آپ کے پڑھانے والے ایک مسلمان تھے۔ ڈسٹرکٹ اسکول بھیرہ ۱۹/ جولائی ۱۸۵۴ء سے جاری ہوا تھا (پنجاب ڈسٹرکٹ گزٹ ۸۴۔۱۸۸۳ء صفحہ ۶۳) لہذا ابتداء آپ جس درس گاہ میں پڑھے وہ یہ ڈسٹرکٹ اسکول تو بہرحال نہیں ہو سکتا۔

۷۸۔ بدر ۷/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

۷۹۔ مدرسہ میں داخلہ یا اس کے قریب کا ایک واقعہ حضرت خلیفہ اولؓ یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ۱۸۴۶ء میں چاوہ کے ایک مشہور ڈاکو مردانہ نامی کا سر پکڑ کر اڑا دیا گیا اور بھیرہ کی چٹی پل کے دروازہ پر اس کا سر لٹکا دیا گیا۔ اس نامی گرامی ڈاکو کو دیکھنے کے لئے سب لوگ گئے تھے جن میں آپ بھی تھے ایک ہجوم میں کھڑے آپ نے اس کو دیکھا۔ (مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۷۹)

۸۰۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۷۸

۸۱۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۷۸۔ اخبار نور جلد ۴ نمبر ۱ صفحہ ۱۳۔

۸۲۔ بروایت ملک عبد الرشید صاحب متصل مسجد فضل احمدیہ بھیرہ۔

۸۳۔ بدر ۲۸/۲۱ جولائی ۱۹۱۰ء صفحہ ۳ کالم ۱، ۲۔

۸۴۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸۔۱۹۰۷ء صفحہ ۴۴

۸۵۔ حکیم امین الدین شاری والے آف بھیرہ کا کہنا ہے کہ آپ کے ہم مکتبوں میں بابو امام الدین صاحب بھی تھے جو میاں اسلام احمد کے چھوٹے بھائی تھے۔

۸۶۔ حکیم صاحب کے آپ کے بھائیوں سے گہرے تعلقات تھے بلکہ آپ کے بھائی طب میں ان کے شاگرد بھی تھے (مرقاۃ الیقین صفحہ ۵۵) حکیم صاحب سکھ عہد کے بلند پایہ اطباء میں سے تھے۔ علم و فضل میں بھی یگانہ روزگار تھے سکھوں کے دربار میں ان کی بڑی عزت تھی۔ تاریخ لاہور کنہیا لال صفحہ ۶۱) آپ کے شاگردوں میں حکیم الہ دین بہت مشہور ہوئے۔ حکیم صاحب انگریزی عہد میں

چند سال گذار کر فوت ہو گئے (نقوش لاہور نمبر صفحہ ۸۱۴)

۸۷۔ کنہیالال کی "تاریخ لاہور" میں آپ کا نام صفحہ ۱۵۱ پر لکھا ہے بڑے فاضل ادیب اور نہایت اعلیٰ درجہ کے خوشنویس تھے کابل سے آکر آباد ہوئے اور لاہور میں حویلی میاں خاں میں سکونت پذیر ہوئے (اخبار نویسوں کے حالات از فوق صفحہ ۵۹) ان کے لکھے ہوئے قطعات بعض مساجد اور نوابان قزلباش کے امام باڑہ واقع چوک نواب صاحب میں اب تک بھی موجود ہیں۔ کندہ کاری اور نقاشی دونوں کے ماہر تھے خود ہی لکھتے خود ہی نقاشی کرتے اور خود ہی پتھر کھودتے۔ لاہور میں ان کے بے شمار تلامذہ تھے ۱۸۸۰ء میں انتقال ہوا۔ اودھ اخبار لکھنؤ (۱۹/ فروری ۱۸۸۹ء) نے ان کی وفات پر لکھا۔ "امام ویردی مرحوم خوشنویسی میں اپنے وقت کے امام اور میرپنجہ کش مرحوم دہلوی کے قائم مقام تھے"۔ (نقوش لاہور نمبر صفحہ ۱۰۴۸۔۱۰۴۹)

۸۸۔ بدر ۱۳/ اکتوبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۹

۸۹۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۵۵، ۵۶

۹۰۔ الحکم ۱۴/ ۷ جولائی ۱۹۱۱ء صفحہ ۵ کالم ۳

۹۱۔ حکیم شمس الدین صاحب کے فرزند تھے طب حکیم غلام دستگیر صاحب سے پڑھی ان کا شمار لاہور کے مقتدر اطباء میں سے ہوتا تھا۔ کثیر الاولاد تھے مگر آپ کی وفات کے وقت تین لڑکے زندہ تھے۔ حکیم احمد الدین شارح موجز۔ حکیم چراغ دین۔ حکیم فیروز دین جو ماہنامہ رفیق الاطباء و الحکیم کے ایڈیٹر تھے۔ (نقوش لاہور نمبر صفحہ ۸۱۶)

۹۲۔ بدر ۶/ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۷ کالم ۲۔ بدر ۲۸۔۲۱ جولائی ۱۹۱۰ء صفحہ ۳ کالم ۱، ۲

۹۳۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۵۶، ۵۷

۹۴۔ بدر ۷ / جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲ کالم ۲، ۳۔ ابتدائی کتابوں میں سے جو آپ نے توحید کے مسلک پر پڑھی ہیں ایک کتاب "رفاہ المسلمین" بھی تھی۔ (ایضاً)۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۵۷

۹۵۔ ترکی اور روس میں تین مشہور جنگیں ہوئیں۔ ۱۔ (۱۸۲۷ء تا ۱۸۲۹ء) ۔ ۲۔ (۱۸۵۴ تا ۱۸۵۶) ۔ ۳۔ ۷۸۔۱۸۷۷ء۔ سب سے پہلی لڑائی کا خاتمہ صلح نامہ ایڈریانوپل کی شکل میں ہوا۔ جس کے مطابق یونان کو خود مختاری حاصل ہوئی۔ دوسری جنگ کے بعد جس کا ذکر اوپر واقعات میں کیا گیا ہے معاہدہ پیرس عمل میں آیا جس کی رو سے ترکی کی سالمیت برقرار رکھنے کا یقین دلایا گیا۔ تیسری لڑائی میں بلقانی ریاستوں (Balkan States) کو خود مختاری نصیب ہوئی (اردو انسائیکلوپیڈیا شائع کردہ فیروز سنز لمیٹڈ۔ صفحہ ۵۵۶)۔

۹۶۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۸۱۔ بدر ۱۸/ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۶۔

۹۷۔ صلیب کے علمبردار مصنفہ پادری برکت اللہ ایم۔ اے صفحہ ۲۱

۹۸۔ جناب چوہدری احمد جان صاحب امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی اور جناب مولوی عبد الرحمن صاحب خاکی نے راولپنڈی کے محکمہ تعلیم سے اس زمانہ کے ریکارڈ برآمد کرنے کی کوشش کی مگر معلوم ہوا کہ وہ مدت ہوئی انسپکٹر آف سکول کے دفتر میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ لیکن وہاں سے بھی کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ اگر وہ ریکارڈ مل جاتا تو حضرت خلیفہ اول ؓ کے متعلق کئی نئے امور کا قطعی پتہ مل جاتا۔ اور عین ممکن ہے کہ آپ کی معین تاریخ ولادت کی بھی نشان دہی ہو جاتی۔

۹۹۔ قلمی بیاض حضرت خلیفہ اول ؓ

۱۰۰۔ پنڈ دادنخاں کی بنیاد ۱۶۲۳ء میں رکھی گئی۔ ۱۸۶۳ء میں یہاں میونسپلٹی قائم ہوئی۔ ۱۸۶۸ء میں اس کی آبادی ۷۸۱۹ نفوس پر مشتمل تھی (پنجاب گزیٹیر ۸۴۔۱۸۸۳ء صفحہ ۱۶۱) موجودہ آبادی بیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اور چار حصوں میں منقسم ہے۔ شہر کے باہر ایک پرانا قلعہ ہے۔ اس میں تحصیل ہوتی ہے اور ایک بارہ دری بھی اب تک موجود ہے جو راجہ گلاب سنگھ کی بنوائی ہوئی ہے۔ یہاں کے باشندے اکثر نمک کھودنے کا کام کرتے ہیں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وقت یہ نمک کی بھاری منڈی تھی (میانی والے بھی چونکہ یہیں سے نمک لے جاتے تھے اس لئے میانی کو لون میانی کہا جاتا تھا) (تعارف صفحہ ۴۴۳)

۱۰۱۔ یہ معین تاریخ......ڈاکٹر ممتاز نبی صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ پنڈ دادنخاں نے بہم پہنچائی ہے۔ جزاء اللہ احسن الجزاء

۱۰۲۔ پنجاب ڈسٹرکٹ گزیٹر (ضلع جہلم) ۱۹۰۴ء صفحہ ۲۶۳

۱۰۳۔ الحکم ۲۸۔۲۱ جولائی ۱۹۵۴ء صفحہ ۲ کالم ۲، ۳۔ ایضاً مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۸۶۔ حضرت مولانا راجیکی صاحب نے اپنے ایک غیر مطبوعہ

مضمون "الدر المنثور فی لمعات النور" میں بھی جو انہوں نے میاں عبدالمنان صاحب عمر ایم اے...... کو لکھ کر دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ افسر مدارس حنفی خیال کا تھا۔ اور جب اس نے دیکھا کہ آپ نے سند چاک کر دی ہے۔ تو وہ بھی بول اٹھا کہ ایمان ہو تو ایسا ہو۔ (صفحہ ۷۴-۷۵)

۱۰۴۔ قاموس المشاہیر جلد دوم صفحہ ۱۵۴۔

۱۰۵۔ آبائی وطن رامپور محلہ پنجابیاں ہی ہے علم تجوید کے ماہر اور عمدہ قاری تھے کتب فارسی کے علاوہ عربی صرف و نحو کی کتب درسیہ بھی جانتے تھے قرآن مجید اور مسائل فقہ پر گہری نظر تھی۔ نہایت پرہیزگار اور خداپرست تھے یہ ان کی دین داری کا ثمرہ تھا کہ مولوی فضل حق رامپوری اور حکیم محمد نبی جیسے فاضل فرزند یادگار ہوئے تقریباً اسی سال کی عمر میں ۱۳۲۹ھ (مطابق ۱۹۱۱ء) میں انتقال فرمایا "تذکرہ کاملان رامپور صفحہ ۱۹۸۔ مولفہ حافظ احمد علی خاں رام پور اسٹیٹ یو۔ پی مطبوعہ ۱۲/ جنوری ۱۹۲۹ء)

۱۰۶۔ حضرت جلال بخاری کی اولاد میں سے تھے غالباً ۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۱۱ء میں تولد ہوئے زمانہ طالب علمی میں خواب میں آپ کو آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی اور عرض کیا کہ حضور جو کام کروں حضور سے دریافت کر کے کروں گا۔ حکم ہوا اچھا۔ خواب کے بعد حدیث پڑھنے کا شوق بڑھ گیا۔ چھ برس تک مراد آباد میں رہ کر صحاح ستہ اور موطا اور تصانیف شاہ ولی اللہ صاحب مولوی عالم علی صاحب سے پڑھیں اور سند حاصل کی۔ نواب وزیر الدولہ نے ٹونک میں رکھنا چاہا۔ مگر عذر کیا کہ میں نے حدیث پڑھی ہے میری آرزو ہے کہ تازندگی اپنے مکان پر یہ خدمت سرانجام دوں۔ چنانچہ اللہ کے فضل سے ایسا ہی ہوا۔ نہایت درجہ سادہ مزاج تھے انکسار اور تواضع میں بے مثل؟ا طریقہ نقشبندی میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی سے بیعت تھے اگست ۱۸۹۴ء میں فوت ہوئے اور شاہ بغدادی صاحب کے احاطہ مزار میں دفن کئے گئے منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی نے تاریخ رحلت لکھی (تذکرہ کاملان رامپور صفحہ ۱۰۸، ۱۱۴)

۱۰۷۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت مجدد الف ثانیؒ تھے ۲۶ جولائی ۱۸۳۱ء کو رامپور میں پیدا ہوئے۔ ۲۵/ دسمبر ۱۸۹۳ء کو وفات پائی اور اپنی مسجد کے متصل دفن ہوئے تصانیف میں ایک ضخیم کتاب انتصار الحق بزبان اردو موجود ہے ترجمہ کتاب الجمیل عالمگیری اردو قلمی کتب خانہ ریاست رامپور میں ہے۔ ایک کتاب ارشاد الصرف ان کی چھپی ہوئی موجود ہے (ایضاً صفحہ ۳۰، ۳۲)

۱۰۸۔ ولادت ۲۳/ اکتوبر ۱۸۰۴ء وفات ۲۳/ ستمبر ۱۸۷۷ء مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی۔ مولانا محمد اسحاق صاحب قدس سرہ کے درس سے استفادہ کیا۔ شیخ جمال مکی سے حدیث کی سند حاصل کی ۱۸۵۴ء میں حج و زیارت حرمین سے مشرف ہوئے۔ غدر سے پہلے رامپور میں عہدہ قضاء و افتاء پر رہے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی، حکیم علی حسین خاں لکھنوی آپ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں فارسی و عربی علوم و فنون میں مجمع البحرین تھے۔ فارسی میں آشفتہ تخلص کرتے تھے آپ کی تصانیف بہت ہیں شاہ بغدادی صاحب کے مزار کے احاطہ میں آپ کا مزار ہے۔ مولوی لطف اللہ اور مولوی بشارت اللہ دو فرزند یادگار چھوڑے (ایضاً صفحہ ۱۵۱-۱۵۴) نواب صدیق حسن خاں نے اپنی کتاب ابجد العلوم صفحہ ۹۲۵-۹۲۶ میں بھی ان کے حالات لکھے ہیں۔

۱۰۹۔ رام پور میں اس نام کے کئی علماء گذرے ہیں ایک مولوی عبدالعلی خان کا جو غالباً حضرت کے استاد تھے تذکرہ "کاملان رامپور" میں آتا ہے۔ کہ انہوں نے حدیث حضرت شاہ اسحاق صاحب سے اور طب حکیم صادق علی صاحب سے سیکھی ان کے شاگردوں میں مولوی احمد رضا خاں بریلوی بھی تھے۔ ۸۶-۱۸۸۵ء میں انتقال فرمایا اور محلہ راج دوارہ میں مولوی غلام جیلانی کے پہلو میں دفن ہوئے (صفحہ ۲۲۸، ۲۲۹)

۱۱۰۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۶۴۔

۱۱۱۔ حضرت مولوی محمد اسماعیل شہیدؒ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے اور مشہور مفسر اور محدث شاہ عبدالعزیزؒ کے بھتیجے تھے۔ حضرت سید احمد بریلوی نے سکھوں کے خلاف جو جہاد کیا اس میں آپ ان کے دست راست تھے اور بالا کوٹ میں ہی بڑی جرات و مردانگی کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور وہیں آپ کا اور حضرت سید احمد بریلویؒ کا مزار ہے۔

۱۱۲۔ بدر ۱۷/ اپریل ۱۹۱۳ء صفحہ ۷ کالم ۳

۱۱۳۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۶۱۔

۱۱۴۔ "تذکرہ کاملان رامپور" میں اس نام کے کئی بزرگوں کے حالات آتے ہیں معلوم نہیں حضرت کے استاد ان میں سے کون سے ہیں؟ ایک بزرگ اخوند عبدالرزاق تھے جو اول قلندر خاں کے گھر میں آم والی مسجد میں رہے پھر وہاں سے اس محلہ کی دوسری مسجد میں چلے گئے آپ کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی اس محلہ میں بہت شہرت تھی۔ بلاسپور دروازہ کے قریب سڑک سے جنوب کی جانب مزار ہے ان کے انتقال کا سن ۸۷-۱۸۸۶ء بتایا جاتا ہے غالب خیال ہے کہ آپ ہی یہ بزرگ ہوں گے۔ (صفحہ ۲۱۶)

۱۱۵۔ مرقاۃ الیقین۔ صفحہ ۶۱' ۶۲۔

۱۱۶۔ مرقاۃ الیقین۔ صفحہ ۶۳' ۶۴۔

۱۱۷۔ مرقاۃ الیقین۔ صفحہ ۲۱۷' ۲۱۶

۱۱۸۔ آپ بڑے متوکل انسان تھے۔ اور مسجد کے حجرہ میں رہا کرتے تھے حضرت خلیفہ اول کا چشم دید واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کے یہاں عشاء کے بعد کوئی مہمان آیا حیران ہوئے کہ کیا بندوبست کروں اور کس سے کہوں انہوں نے مہمان سے تو کہا کہ کھانا پکنے تک آرام کریں اور خود قبلہ رخ بیٹھ کر یہ دعا کرنی شروع کر دی وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد۔ تھوڑی دیر بعد ہی جتنی دیر میں کھانا پک سکتا ہے وہ برابر دعا میں مصروف تھے کہ ایک آدمی نے باہر سے آواز دی کہ حضرت میرا ہاتھ جلتا ہے جلدی آؤ۔ یہ آئے ایک شخص تانبے کی رکابی میں گرم گرم پلاؤ لئے ہوئے آیا۔ انہوں نے لے کر مہمان کو دے دیا۔ اس رکابی کا کوئی مالک نہ نکلا وہ ہمیشہ کہتے رہے کہ جس کی رکابی ہو لے جائے لیکن کوئی اس کا مالک پیدا نہ ہوا۔ (مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۱۷)

۱۱۹۔ ۱۶-۱۸۱۵ء میں لکھنؤ کے جوہری محلہ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ لکھنؤ کے مشہور اساتذہ مولوی عبدالحکیم فرنگی محلی۔ مولوی حسین احمد ملیح آبادی مولوی سلامت اللہ کانپوری مفتی سعد اللہ مراد آبادی اور حکیم مینا سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ اپنے معاصرین میں یکتائے روزگار تھے پڑھاتے بھی تھے اور مطب بھی کرتے تھے تورع اتقا۔ خوش خلقی اور علم و تواضع میں اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ کے تلامذہ بہت ہیں جن میں حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اول کے علاوہ یہ بھی بہت مشہور ہیں۔ مولوی حکیم محمد سعید معالج نظام دکن۔ مولوی حافظ محمد احمد مہاجر مہتمم مصارف حرمین بھوپال۔ میر ببر علی انیس لکھنوی۔ آپ نے پہلا حج ۱۸۵۴ء میں اور دوسرا ۱۸۷۳ء میں کیا۔ دوسرے سفر حج میں حاجی امداد اللہ مہاجر سے بیعت ہوئے ساٹھ برس کی عمر میں آپ کے کل اعضا (دائیں بازو کے سوا) بے حس و حرکت ہو گئے تھے مگر عشق رسول کا یہ عالم تھا کہ اس معذوری کے عالم میں بھی خفیہ طور پر اپنے ایک عزیز کو ساتھ لے کر کعبۃ اللہ کو روانہ ہو گئے اور حرم مقدس کے قریب جہاں سے کعبۃ اللہ نظر آتا تھا ایک مکان لے کر رہائش پذیر ہو گئے اور چھ ماہ بعد ۲۷/ رجب ۱۲۹۴ھ مطابق ۸/ اگست ۱۸۷۷ء کو انتقال فرمایا اور ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ کے قبہ مبارک کے قریب دفن ہوئے۔ (تذکرۃ کاملان رامپور صفحہ ۲۵۵' ۲۵۷)

۱۲۰۔ فن معقولات میں یکتائے روزگار تھے خصوصاً درس زواہد ثلاثہ آپ کا حصہ تھا۔ مدت تک کیننگ کالج میں افسر مدرس عربی رہے آپ کے تلامذہ کثرت سے تھے آپ نے اخذ بیعت مولانا شاہ عبدالرزاق قدس سرہ سے کی۔ آپ کی بھاری خصوصیت یہ تھی کہ ماہر معقولات ہونے کے باوجود بڑے راسخ الاعتقاد مسلمان اور مودب و منکسر المزاج تھے۔ ۱۸۹۲ء میں حج سے مشرف ہوئے۔ آپ کی تصانیف مختلف اوقات میں ضائع ہو گئیں ایک حاشیہ میر زاہد رسالہ کا دستیاب ہوا جو مطبع یوسفی میں طبع ہو چکا ہے ۲۳/ اکتوبر ۱۸۹۳ء کو آپ نے وفات پائی (احوال علمائے فرنگی محل مولفہ مولوی شیخ الطاف الرحمٰن صاحب رئیس بڑا گاؤں ضلع بارہ بنکی اودھ مطبع مجتبائی واقع لکھنؤ)

۱۲۱۔ نواب سید علی محمد خاں کی اولاد میں سے تھے روہیل کھنڈ کی مشہور ریاست رامپور کے نواب یوسف علی خاں کے بعد فرمانروا ہوئے ساڑھے بائیس سال تک حکومت کی۔ نہایت علم نواز ہنر پسند اور عربی کے قدردان علم و فن نواب تھے شعر و سخن میں بھی کمال ذوق تھا اردو فارسی دیوان یادگار ہیں ۲۳/ مارچ ۱۸۸۷ء کو رحلت ہوئی (قاموس المشاہیر حصہ دوم صفحہ ۱۵۴)

۱۲۲۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۶۷ تا ۷۱ طبع دوم ناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ دسمبر ۱۹۶۲ء

۱۲۳۔ بدر ۱۸/ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۶ کالم ۱۔

۱۲۴۔ آپ رامپور میں پیدا ہوئے جوان ہو کر عربی و فارسی علوم پڑھے میاں غلام حسن شاہ کو پیر و مرشد تسلیم کیا آپ کے کمالات رامپور میں بہت مشہور ہیں نہایت باثر اور خدا پرست درویش تھے ۲۳/ اپریل ۱۸۷۳ء کو واصل بحق ہوئے تصانیف: ۱۔ رسالہ

کشفیہ (فارسی قلمی) اس کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ "شوال ۱۲۴۷ھ مطابق ۱۸۳۲ء میں چلہ کشی کے نتیجہ میں بوسیلہ مرشد جو حالات مجھ پر منکشف ہوئے ان کو درج کرتا ہوں"۔ ۲۔ دعوت دعائے سیفی (فارسی قلمی) اس کے خاتمہ میں آپ نے اپنے مرشد کی تعلیم درج کی ہے۔ ۳۔ تعلیم الخواص یہ ہزار صفحہ کی ایک ضخیم کتاب ہے۔ (تذکرہ کاملان رامپور صفحہ ۶۰، ۶۱)

۱۲۵۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۷۲، ۷۶

۱۲۶۔ تاریخ اہلحدیث از میر محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی صفحہ ۴۲۸

۱۲۷۔ بدر ۷ / جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۸ کالم ۲۔ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح دہلی گئے اور سید نذیر حسین صاحب دہلوی کے پاس ٹھہرے آپ نے ان سے اس حدیث کا مطلب پوچھا کہ گرگٹ کو مارنا چاہئے کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں پھونکیں مارتا تھا۔ سوال یہ تھا کہ یہ گرگٹ جو اب موجود ہے اس کا کیا قصور؟ اس کا جواب مولوی نذیر حسین صاحب کچھ نہ دے سکے۔ اور کہا یہ اعتراضات اس زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں آپ ہی اس کا جواب دیں گویا حق بہ حقدار رسید دہلوی محدث صاحب نے تسلیم کرلیا۔ کہ زمانہ حال کے پیدا شدہ شبہات و وساوس کا جواب دینے کی قابلیت آپ ہی کو دی گئی ہے۔ نیز انہوں نے ایک بخاری بھی حضرت کو نذر کی جس سے ان کی نگاہ میں حضرت مولوی صاحب کا بلند مقام و منصب بھی ثابت ہوتا ہے۔ (الحکم ۲۱ اگست۔ ۷ / ستمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۷ کالم ۲)

۱۲۸۔ لکھنؤ وطن تھا آبائی سلسلہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ اور ننھیالی قرابت میرزاؤں کے ایک نامی گرامی خاندان سے تھی۔ گوشہ نشینی اور توکل باپ دادا سے ترکہ میں ملا تھا۔ ساری عمر کسی کی نوکری نہیں کی۔ شعر و سخن کا شوق بچپن سے تھا شیخ امام بخش ناسخ سے مشق سخن کی اور انہی کی زندگی میں استاد مسلم الثبوت بن گئے لوگ ان کی آمدنی کو دست غیب پر محمول کرتے تھے۔ ۱۲۷۰ھ بمطابق ۵۴۔۱۸۵۳ء میں وفات پائی (تذکرہ شعرائے اردو صفحہ ۳۶۸ از سید عبدالحی صاحب سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

۱۲۹۔ تذکرہ شعراء اردو صفحہ ۳۱۷ میں اصلی قطعہ یوں لکھا ہے کہ ۔ :

نہ کر عوض مرے جرم و گناہ بے حد کا — الٰہی تجھ کو غفور الرحیم کہتے ہیں

کہیں نہ عدو دیکھ کر مجھے محتاج — یہ ان کے بندے ہیں جن کو کریم کہتے ہیں

۱۳۰۔ انتہائی بے نفس خدا رسیدہ اور متقی انسان تھے۔ عربی زبان میں بڑی تیزی سے کلام فرماتے۔ مگر کوئی لفظ قرآن و حدیث سے باہر نہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ آپ منشی جمال الدین صاحب مدار لمہام کے مکان پر آئے تو منشی صاحب نے ایک ہزار روپیہ کی تھیلی ان کے سامنے رکھ دی یہ دیکھتے ہی ان پر خفگی کے آثار نمایاں ہوگئے۔ منشی صاحب نے فوراً تھیلی اٹھائی تو ان کے چہرہ پر بشاشت کھیلنے لگی فرمانے لگے ہمارا ارادہ آپ کو حدیث رسولؐ سنانے کا تھا مگر آپ نے روپیہ رکھا تو سخت قلق ہوا کہ یہ تو دنیادار آدمی ہیں حدیث میں آتا ہے کہ روپیہ کوئی دے تو واپس نہ کرو اس لئے ہم روپیہ تو لے لیتے مگر روپیہ لے کر پھر حدیث نہ سناتے مگر اب جبکہ تم نے روپیہ واپس لے لیا ہے تم کو حدیث سنائیں گے۔ (مرقاۃ الیقین صفحہ ۹۵)

۱۳۱۔ مرقاۃ الیقین و الحکم ۱۴ / فروری ۱۹۱۵ء صفحہ ۷ کالم نمبر ۱، ۲

۱۳۲۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۷۶۔۸۸

دوسرا باب

سفر حرمین شریفین سے حضرت مسیح موعودؑ کی پہلی زیارت تک

(۶۶۔۱۸۶۵ء تا ۱۸۸۵ء بمطابق ۸۳-۱۲۸۲ھ تا ۱۳۰۳ھ تک)

حرمین شریفین کے لئے سفر

آپ جب دیار حبیب خدا (ﷺ) کے لئے روانہ ہوئے تو بعض روایات کے مطابق آپ کی عمر ۲۵/۲۴ سال کے لگ بھگ تھی گویا عین عنفوان شباب تھا۔ شمسی حساب سے یہ ۶۶۔۱۸۶۵ء ہوگا۔ بھوپال سے الوداع ہو کر آپ برہان پور اسٹیشن پر اترے۔ یہاں ایک شخص نے جو آپ کے والد بزرگوار کا پرانا دوست تھا۔ آپ کی بہت خاطر تواضع کی اور چلتے ہوئے ایک ٹوکری پیش کی جب رستہ میں آپ نے یہ کھولی تو اس میں مکہ کے ایک دولتمند کے نام ایک ہزار روپیہ کے چیک کے علاوہ کچھ نقد روپیہ بھی رکھا تھا۔ بمبئی پہنچے تو وہاں آپ کی ملاقات مولوی عنایت اللہ نامی ایک بزرگ سے ہوئی۔ ان دنوں آپ کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی مختصر سی کتاب الفوز الکبیر کا بڑا شوق تھا۔ انہوں نے بمبئی کی چھپی ہوئی دکھائی اور کہا کہ اس کی قیمت پچاس روپیہ لوں گا۔ آپ نے فوراً پچاس کا نوٹ نکال کر دیا اور کتاب لیکر باہر جانے لگے۔ انہوں نے اس قدر جلدی جانے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ خرید و فروخت میں ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ حنفی لوگ تفارق قولی کے قائل ہیں۔ اور محدثین تفارق جسمی کی طرف مائل ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ احتیاطاً دونوں کے موافق سودا صحیح اور قوی ہو جائے اس لئے جانے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ جھوم گئے اور آپ کے حسن ذوق کو دیکھ کر پچاس روپے نذر کئے۔ آپ نے روپے لینے سے انکار کیا کہ میں طالب علم تو ہوں مگر محتاج نہیں مگر انہوں نے اصرار کر کے آپ کو واپس ہی کر دیئے۔

بمبئی سے روانگی کے وقت آپ کو اپنے وطن کے پانچ آدمی حج کو جاتے ہوئے مل گئے جن کے

باعث آپ کو جہاز میں بڑا آرام ملا۔ جہاز بندرگاہ سے حدیدہ میں لنگر انداز ہوا تو چونکہ اسے کچھ مدت ٹھہرنا تھا آپ یمنی علماء سے ملاقات کے لئے حدیدہ سے مراعہ پہنچے وہاں کے ایک نوجوان نے آپ سے (نحو کی کتاب) الفیہ کی اجازت لکھوائی جو بڑے اچنبھے کی بات تھی اور اس کا کچھ حصہ آپ سے پڑھ بھی لیا الغرض یمن کے وسطی حصہ کے حالات کا بچشم خود مطالعہ کرنے کے بعد آپ حدیدہ سے بذریعہ جہاز جدہ پہنچے اور جدہ سے بالآخر مکہ معظمہ کی مقدس سرزمین میں داخل ہوئے۔ رستہ میں کئی خدائی نصرت و غیبی مدد کے نظارے آئے جن کی تفصیل آپ کی سوانح عمری میں موجود ہے۔

مکہ معظمہ میں پہلی بار

مکہ معظمہ میں ایک بزرگ محمد حسین صاحب سندھی رہا کرتے تھے۔ آپ ان کے مکان پر اترے انہوں نے اپنا بیٹا آپ کے ساتھ کر دیا کہ آپ کو طواف القدوم کرا دے (یعنی وہ طواف جو مکہ میں آنے والے ہر زائر کو کرنا مسنون ہے) اس طواف میں مطوف آپ کے ساتھ تھا وہ مسنون دعائیں بتاتا جاتا تھا اور قدم قدم پر سنن کو نہایت احتیاط سے مدنظر رکھتا تھا۔ [1] طواف کرتے ہوئے آپ نے پہلے حجر اسود کی طرف جاکر تکبیر و کلمہ کہا اور اسے بوسہ دیا۔ پھر دائیں دروازے سے ہو کر سات بار خانہ کعبہ کے گرد چکر لگائے اور مقام ابرہیم کے پاس جاکر دو رکعت نماز ادا کی۔ آپ کو ایک دوسرے موقعہ پر یہ خصوصیت بھی حاصل ہوئی کہ آپ نے خانہ کعبہ کا طواف ایک دفعہ ایسے وقت میں کیا جب کہ کوئی اور طواف نہیں کر رہا تھا۔ [2] چنانچہ اپنی ایک قلمی بیاض میں فرماتے ہیں "ایک بار وہ طواف نصیب ہوا جس میں میں تنہا تھا اور دعاؤں میں لذت حاصل کی و ھذا فضل و رحمۃ منک یا ارحم الرحمین"

آپ نے کسی روایت کے ذریعہ سنا تھا کہ بیت اللہ نظر آتے ہی جو دعا کی جاتی ہے ضرور قبول ہو جاتی ہے۔ محدثین کی نگاہ میں تو یہ روایت ثقہ نہیں مگر اس وقت آپ کے دل میں ایسا خدائی تصرف ہوا کہ آپ نے بیت اللہ شریف پر نظر پڑتے ہی بے اختیار یہ دعا مانگی کہ الٰہی میں تو ہر وقت محتاج ہوں اب میں کون کون سی دعا مانگوں پس میں یہی دعا مانگتا ہوں کہ میں جب ضرورت کے وقت تجھ سے مانگوں تو اس کو قبول کر لیا کر [3] اس مبارک گھڑی کی یہ دعا خدا کے فضل سے ایسے شاندار رنگ میں پوری ہوئی کہ حیرت آتی ہے بعد میں بڑے بڑے نیچریوں، فلاسفروں اور دہریوں سے آپ کے بڑے بڑے معرکے ہوئے اور دعا کی برکت سے آپ کو ہمیشہ نمایاں فتح و کامیابی نصیب ہوئی مکہ معظمہ میں آپ نے جن اکابر علماء و فضلاء سے حدیث پڑھی ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) شیخ محمد خزرجی [4] (نسائی، ابو داؤد۔ ابن ماجہ)

(۲) شیخ الحدیث سید حسین [5] (صحیح مسلم شریف)

(۳) حضرت مولوی رحمت اللہ صاحب کیرانوی مہاجر مکہ [۶] (موطا)

شیخ محمد خزرجی کا سبق عبداللہ حلوانی نامی ایک شخص کے مکان پر ہوتا تھا۔ [۷] سید حسین حرم میں درس دیتے تھے۔ [۸] اور مولوی رحمت اللہ صاحب اپنے خلوت خانہ میں پڑھاتے تھے جو مسجد کے صحن کے ساتھ ہی تھا۔ [۹]

حضرت مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی کا مکان جس محلہ میں تھا۔ اس کا نام حارث الباب ہے اور یہ حرم سے شمال مغرب کی طرف واقع ہے جس میں ترک و عرب آباد ہیں [۱۰] حضرت مولوی نورالدین صاحب بعض اوقات آپ کے مکان پر بھی تشریف لے جاتے تھے اس وقت تو حضرت مولوی رحمت اللہ صاحب کا حلقہ درس کچھ اتنا وسیع نہ تھا۔ مگر چند سال بعد (جب کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب حرمین سے واپس اپنے وطن چلے آئے) آپ نے اسی محلہ میں ۱۸۷۴ء میں مدرسہ صولیہ کی بنیاد رکھی [۱۱] جس نے حکومت کی سرپرستی سے کافی ترقی کرلی اور کثرت سے طلباء پڑھنے لگے۔ اس کے بعد سہ منزلہ عمارت میں دارالاقامتہ (بورڈنگ ہاؤس) درسگاہ' لیکچر روم' اور باہر سے آئے ہوئے طلباء کی رہائش کے لئے علیحدہ علیحدہ کمرے ہیں اور پاس ہی صنعتی سکول اور مسجد بھی ہے۔ [۱۲]

حضرت مولوی نورالدین صاحب گو ایک طالب علم کی حیثیت سے یہاں پہنچے تھے مگر آپ اساتذہ کی ہر بات اپنی مجتہدانہ بصیرت سے پرکھتے اور جانچتے تھے آپ کی عادت تھی کہ سبق کو پڑھ کر کسی بڑے کتب خانہ میں اس کتاب کی شرح کا مطالعہ کرتے اور اگر کوئی لغوی الجھن ہوتی تو لغات بھی دیکھ لیتے تھے اور جب تک پوری تسلی نہ ہو جاتی تھی کوئی بات قبول نہ کرتے تھے۔ خود فرماتے ہیں۔ "میری طبیعت اس وقت بھی بہت آزاد' حریت پسند اور دلائل کی محتاج تھی۔" [۱۳]

ایک دفعہ آپ ابوداؤد پڑھ رہے تھے۔ اعتکاف کے مسئلہ میں حدیث سے معلوم ہوتا تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر انسان معتکف میں بیٹھے آپ کو استاد شیخ محمد خزرجی نے اشارہ کیا کہ حدیث کا حاشیہ پڑھو یہ حدیث بہت مشکل ہے آپ نے عرض کیا کہ یہ حدیث تو بہت آسان ہے حکماً یہ دیکھ لیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے سرسری طور پر اس کا حاشیہ دیکھا اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ حدیث مشکل ہے کیونکہ اکیس تاریخ کی صبح کو بیٹھیں تو ممکن ہے اکیسویں رات لیلتہ القدر ہو' عصر کو بیٹھیں تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ آپ نے دیکھکر کہا کہ ذرا بھی مشکل نہیں۔ یہ حواشی کی غلطی ہے میں ایسی راہ عرض کرتا ہوں جس میں ذرا بھی اشکال نہیں یعنی بیس کی صبح کو بیٹھے۔ انہوں نے کہا یہ تو اجماع کے خلاف ہے آپ نے کہا امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اجماع محض دعاوی ہیں۔ ہر ایک شخص اپنے اپنے مذہب کی کثرت کو دیکھ کر لفظ اجماع بول لیا کرتا ہے اس پر وہ بہت ہی خفا ہو گئے مگر آپ صبح سے لیکر

دوپہر تک سبق پڑھتے ہی چلے گئے۔ مگر وہ بالکل چپ بیٹھے رہے جب ظہر کی اذان کی آواز آئی تو اتنا فرمایا کہ جماعت مشکل سے ملے گی۔ سو آپ وضو کر کے ظہر کی نماز کو چلے گئے۔ ظہر کے بعد مولوی رحمت اللہ صاحب کے خلوت خانہ میں جا پہنچے انہوں نے فرمایا کہ آج تمہارا اپنے شیخ سے مباحثہ ہوا ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ شاگرد اور استاد کا کوئی مباحثہ نہیں ہو سکتا۔ میں طالب علم آدمی ہوں میرا مباحثہ ہی کیا ہمارے شیخ بڑے آدمی ہیں۔ ہاں یوں طالب العلم اساتذہ سے کچھ پوچھا ہی کرتے ہیں۔ فرمانے لگے نہیں کوئی بڑا مسئلہ ہے۔ آپ نے کہا مسئلہ تو کوئی نہیں ایک جزوی بات تھی۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ تمہارے شیخ آئے تھے اور فرماتے تھے کہ بعض طالب علم بہت دلیر آجاتے ہیں اور ان کے مشکلات کا خمیازہ ہمیں اٹھانا پڑتا ہے پھر انہوں نے پھر سارا واقعہ ہم کو سنایا آپ نے جب سمجھ لیا کہ اب اخفا کا کوئی موقع نہیں تو ان سے عرض کیا کہ یہ ایک جزوی مسئلہ ہے اکیس کی صبح کو نہ بیٹھے بیس کی صبح کو بیٹھ گئے اس طرح حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ مولوی رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے فرمایا کہ یہ بات اجماع کے خلاف ہو جاتی ہے۔ آپ نے کہا کہ اس چھوٹی سی بات پر بھلا اجماع کیا ہو گا تب انہوں نے فرمایا کہ سبق کل پڑھائیں گے اب تم ہمارے ساتھ ہمارے مکان پر چلو یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے جب خلوت خانہ سے نکل کر مسجد کے صحن میں پہنچ گئے آپ نے عرض کیا حضرت اس کوٹھے کی طرف لوگ سجدہ کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ کا حکم ہے۔ آپ نے کہا انبیاء کا اجماعی قبلہ تو بیت المقدس ہے پھر آپ ایک شخص کے فرمان پر اجماع انبیاء بنی اسرائیل کیوں چھوڑتے ہیں؟ اتنے بڑے اجماع کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ میں نے اگر جزوی مسئلہ میں ایک حدیث کے معنی میں اختلاف کیا تو حرج کیا ہوا فرمایا دل دھڑکتا ہے۔ آپ نے کہا جس کا دل نہ دھڑکے وہ کیا کرے پھر فرمایا کہ دل دھڑکتا ہے اور کھڑے ہو گئے تب آپ نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ محقق اور عالم ہیں۔ ہر مسئلہ میں شخص واحد کی اتباع کے متعلق آپ مجھے ارشاد کریں۔ فرمایا ہم تو امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں مگر ہر مسئلہ میں تو ہم فتویٰ نہیں دیتے۔ پھر فرمایا ہم علی العموم ان باتوں کے دشمن نہیں تمہاری شفاعت تمہارے شیخ سے کر دی ہے۔ تم سبق پڑھنے جائیو وہ روکیں گے نہیں اور آزادی سے پڑھو ہم نے شیخ کو مطمئن کر دیا ہے۔ آپ نے عرض کیا ہمارے شیخ حدیث کا بڑا ادب کرتے ہیں اگر میں ان کے حضور پڑھتا رہوں تو وہ کبھی مجھ کو بند نہ کریں گے فرمایا وہ ڈرے تھے ہم نے مطمئن کر دیا ہے چنانچہ آپ دوسرے دن گئے گو شیخ صاحب اس دن تو نہ بولے مگر آپ نے سبق پڑھ لیا۔ اور نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ انہی سے آپ نے پڑھ لیں۔ کچھ مدت کے بعد حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ مدینہ سے مکہ میں تشریف لائے [۱۴]۔ شہر میں بڑا شہرہ ہوا۔ آپ بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت وہ حرم شریف میں بیٹھے ہوئے تھے

اور ہزاروں آدمی ان کے گرد موجود تھے سب سے پہلے آپ نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ اعتکاف کب بیٹھا جائے؟ انہوں نے بیساختہ جواب دیا۔ بیس کی صبح کو۔ آپ نے مزید پوچھا۔ حضرت میں نے سنا ہے کہ یہ اجماع کے خلاف ہے بڑے عجیب لہجہ میں فرمایا کہ جہالت بڑی بری بلا ہے۔ حنفیوں میں فلاں فلاں شافعیوں میں فلاں۔ حنابلہ میں فلاں۔ مالکیوں میں فلاں۔ کئی کئی آدمیوں کے نام لیکر کہا کہ ہر فقہ میں اس بیس کے بھی قائل ہیں اس علم اور تجربہ سے آپ پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ تب وہاں سے ہٹ کر آپ نے ایک عرضی لکھی کہ میں پڑھنے کے واسطے اس وقت آپ کے ساتھ مدینہ جا سکتا ہوں؟ اس کاغذ کو پڑھ کر یہ حدیث مجھے سنائی المستشار موتمن پھر فرمایا کہ تمام کتابوں سے فارغ ہو کر مدینہ آنا چاہئے۔ آپ نے یہ قصہ جا کر حضرت مولانا رحمت اللہؒ کے حضور پیش کیا اور عرض کیا کہ علم تو اس کو کہتے ہیں یہ بھی عرض کیا کہ ہمارے شیخ تو ڈر گئے تھے مگر حضرت شاہ عبدالغنی صاحب نے تو حرم میں بیٹھ کر ہزارہا مخلوق کے سامنے فتویٰ دیا۔ مگر کسی نے چوں بھی نہ کی۔ فرمایا شاہ صاحب بہت بڑے عالم ہیں۔

مکہ میں حضرت مولانا نورالدین خلیفہ اولؓ نہ صرف پڑھتے تھے بلکہ اپنے علم سے دوسروں کو بھی مستفید فرماتے تھے۔ چنانچہ انہیں ایام میں آپ مولوی ابوالخیر صاحب دہلوی خلف الرشید حضرت محمد عمر صاحب نقشبندی مجددی کو فقہ کی کتاب درمختار پڑھایا کرتے تھے [۱۵]

اس وقت تک آپ نے لکھنؤ و رامپور میں زیادہ تر یونانی طب سیکھی اور اس کا تجربہ کیا تھا مگر مکہ میں آکر آپ کو ڈاکٹری طب کی طرف بھی توجہ پیدا ہو گئی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب جو حضرت مولوی رحمت اللہ صاحب کیرانوی کے دوست اور مناظرہ آگرہ میں شامل تھے۔ مولوی صاحب کے مکان پر ان سے آپ کی ملاقات ہوئی ان دنوں شریف مکہ کو سنگ مثانہ تھا۔ فرانس سے پتھری نکالنے کا آلہ منگوایا گیا۔ اور ڈاکٹر صاحب نے وہ پتھری پیس کر نکال دی۔ اس کامیاب تجربہ سے آپ کو ڈاکٹری طب کا بہت شوق ہوا۔ مگر آپ کی تعلیمی مصروفیت ایسی تھی کہ اس طرف توجہ نہ کر سکے۔ [۱۶]

مکہ میں آپ کو بعض بڑے افسوسناک واقعات بھی پیش آئے جن کا آپ نے تفصیل سے اپنی سوانح عمری میں ذکر فرمایا ہے۔

مکہ معظمہ میں پہلی مرتبہ آپ کا قیام ڈیڑھ برس تک ہو چکا تھا کہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب سے نیاز حاصل ہو گئے اور آپ نے ان سے فیض صحبت اٹھانے کے لئے مدینہ طیبہ کا قصد کر لیا۔

سفر مدینہ طیبہ

مدینہ طیبہ جانے کے لئے چونکہ آپ نے حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے راہنمائی اور مشورہ حاصل کر لیا تھا۔ اس لئے آپ مدینہ پہنچتے ہی ان کی خدمت

میں حاضر ہوئے انہوں نے ایک علیحدہ حجرہ رہنے کے واسطے آپ کو دے دیا۔ ۱۷ جس کے متصل ایک اور حجرہ تھا۔ جہاں چشتی جام پور کے ایک مولوی نبی بخش رہتے تھے ۱۸ یہاں آپ صرف مدینہ کے برکات سے مستفید ہونے اور حضرت شاہ عبدالغنی کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کے لئے آئے تھے اس لئے آپ نے آکر کسی سے سبق نہیں پڑھا البتہ آپ فرصت کے وقت ایک کتب خانہ میں (جو مسجد نبوی کے جنوب و مشرق میں تھا) اکثر تشریف لیجاتے اور کتابیں مطالعہ فرمایا کرتے تھے شروع شروع میں آپ کے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ مگر یہ تحریک کئی قسم کے خیالات آنے پر پھر مدھم پڑ جاتی۔ کبھی سوچتے کہ قرآن مجید میں ہر چیز موجود ہے ان لوگوں سے کیا زائد چیز ملے گی۔ اگر حسن اعتقاد سے نفع ہے تو عقیدت تو مجھ کو ویسے ہی بہت ہے کسی وقت خیال آتا کہ ہزاروں لوگ جو آپ سے بیعت ہوئے ہیں آخر کسی فائدہ کو دیکھ کر ہی ہوئے ہیں؟ غرضکہ کئی دن اسی غور و فکر میں گذر گئے۔ بہت دنوں کے بعد آخر آپ نے پختہ ارادہ کرلیا کہ کم سے کم بیعت کر کے تو دیکھیں اس میں فائدہ کیا ہے؟ اگر کچھ فائدہ نہ ہوا تو پھر چھوڑنے کا اختیار ہے۔ لیکن جب آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خیال آیا کہ ایک شریف آدمی معاہدہ کر کے چھوڑ دے تو یہ بھی حماقت ہی ہے۔ پہلے ہی اس سے بات کو سوچ لینا بہتر ہے بہ نسبت اس کے پھر چھوڑ دے۔ آخر ایک دن عرض کیا کہ میں بیعت کرنی چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کہ استخارہ کرو۔ آپ نے عرض کیا کہ میں تو بہت کچھ استخارہ اور فکر کیا ہے لیکن شاہ صاحب نے جونہی اپنا ہاتھ بیعت لینے کے لئے بڑھایا آپ کے دل میں بڑی مضبوطی سے یہ بات آئی کہ معاہدہ قبل از تحقیقات یہ کیا بات ہے؟ اس لئے باوجودیکہ انہوں نے ہاتھ بڑھایا تھا۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ کھینچ لئے۔ مربع بیٹھ گئے اور عرض کیا کہ بیعت سے کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا کہ سمعی کشفی گردد و دید۔ شنید مبدل گردد۔ اور یہ وہ جواب ہے جو نجم الدین کبریٰ نے دیا تھا پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا دیئے لیکن اس وقت آپ نے اپنے ہاتھ کو ذرا سا پیچھے ہٹالیا۔ اور فرمایا تمہیں وہ حدیث یاد ہے جس میں ایک صحابی نے درخواست کی تھی کہ اسئلک مرافقتک فی الجنتہ میں جنت میں آپ کی رفاقت کا طلب گار ہوں آپ نے عرض کیا خوب یاد ہے آپ نے فرمایا اس امر کے لئے تم کو اگر اصول اسلام سیکھنے ہوں تو کم سے کم چھ مہینے میرے پاس رہنا ہوگا۔ اور اگر فروع اسلام سیکھنے ہیں تو ایک برس رہنا ہوگا۔ تب آپ نے اور بھی ہاتھ بڑھایا اس پر آپ نے بیعت لی اور فرمایا کہ ہم کوئی مجاہدہ سوائے اس کے آپ کو نہیں بتاتے کہ ہر وقت آپ آیت و نحن اقرب الیہ من حبل الورید پر توجہ رکھیں پھر و اللہ معکم این ما کنتم کی نسبت بھی ایسا ہی فرمایا۔ اس توجہ میں آپ نے بارہا حضرت نبی کریم ﷺ کی زیارت کی۔ حضرت خلیفہ اولؓ اپنی ایک قلمی بیاض میں (خدا کو

مخاطب کرتے ہوئے) لکھتے ہیں "مدینہ طیبہ میں وہ مقدس انسان وانت حسیبہ شیخ عبد الغنی فداہ ابی و امی تونے مجھے ملایا جس کے کرامات سے میں نے تجھے انت الھادی انت الحق پایا۔ اور تیرے رسول خاتم النبیین سید المرسلین ﷺ اللھم صلی و سلم بارک و سلم سے بار بار ملا۔"

حضرت شاہ صاحب مدینہ میں بخاری شریف، ترمذی شریف، مثنوی مولانا رومؒ اور (تصوف کی کتاب) تفسیر یہ کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کے کھانے پینے کے عجائبات میں سے ایک یہ بات ہے کہ اکبر خاں صاحب سنوری (حضرت مسیح موعود کے مرید اور خاص خادم) کے ایک حقیقی بھائی ولی داد خاں صاحب تھے [۱۹] جو مدینہ منورہ میں حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں اکثر رہتے تھے ان کو ایک دفعہ گیہوں خریدنے کے لئے بھیجا وہ نہایت عمدہ گیہوں جس میں جو کا ایک دانہ بھی نہ تھا لائے لیکن آئندہ بازار کا سودا ان کی معرفت منگوانا بند کر دیا۔ آخر ایک شخص کو پھر گیہوں خریدنے کے لئے بھیجا اس شخص نے وہ روپیہ جو گیہوں خریدنے کا تھا ولی داد خاں کو دیا اور یہ کہا کہ اب کی دفعہ جو گیہوں حضرت صاحب کے واسطے لاؤ تو اس میں بہت سے جو ملے ہوئے ہوں چنانچہ وہ گیہوں لائے جس میں بہت سے جو ملے ہوئے تھے۔ خوش ہو کر فرمانے لگے کہ یہ گیہوں کون لایا ہے اس شخص نے سفارش کے طور پر کہا کہ ولی داد خاں لائے ہیں فرمانے لگے کہ اب ان کو عقل آگئی ہے لہٰذا آئندہ وہی لایا کریں۔ ایک دفعہ مذاہب کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا اشھر المذاھب مذھب ابی حنیفہ واوسع المذاھب مذھب مالک اقوی المذاھب مذھب شافعی و احوط المذاھب احمد بن حنبل۔

(ترجمہ) مذاہب میں سب سے مشہور حضرت امام ابو حنیفہ کا۔ سب سے وسیع حضرت امام مالکؒ کا۔ سب سے قوی حضرت امام شافعی کا اور سب سے محتاط حضرت امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے مکان میں ہر روز ختم ہوتا تھا اور بعض مرید انیس ہزار دفعہ لا الہ الا اللہ ہر روز پڑھتے تھے ایک شخص نے شکایت کی کہ نور دین اتنی محنت نہیں کرتا۔ نیز امام کے پیچھے الحمد پڑھتا ہے اور رفع یدین کا قائل ہے آپ نے فرمایا کہ آپ ایک ایسی چھری لائیں جو رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ کو بخاری میں سے کاٹ سکے اور انیس ہزار بار لا الہ الا اللہ پڑھنے کی کوئی سند ہے تو وہ نور الدین کو دکھلائی جائے اگر وہ صحیح ہوگی تو وہ مان لے گا۔ اس پر آپ کے سب پیر بھائی بالکل خاموش ہو گئے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا نور الدین صاحب کی مولوی نبی بخش صاحب سے ایک رکعت وتر کے معاملہ میں دوستانہ گفتگو تھی جس میں انہوں نے کہا کہ ایک رکعت وتر امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیقات کے خلاف ہے اور کوئی دلیل اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ امام کا فیصلہ کافی دلیل ہے کہ ایک

رکعت کوئی نماز نہیں۔ کچھ دن بعد آپ نے ان کو ایک کتاب میں نماز عاشقاں دکھائی جو ایک رکعت ہوتی ہے اور ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر پڑھی جاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ نماز بہت ہی مجرب ہے' آپ نے کہا یہ امام صاحب کی اس ایک رکعت والی تحقیق کے خلاف ہے تب انہوں نے امام صاحب کے حق میں بڑی ہی گستاخی کے کلمات کہے۔ آپ نے کہا کہ اس دن آپ اتنے مداح تھے یا اب ایسے گستاخ ہیں کہنے لگے کہ وہ فقہاء کے مقابلہ میں ہیں۔ اور یہ تو سلطان جی نے لکھا ہے سلطان جی تو عرش پر پہنچنے والے ہیں۔ ان کے سامنے امام ابو حنیفہ وغیرہ ملا لوگوں کی کیا حقیقت ہے۔ تب آپ نے فیصلہ کیا کہ محبت اور تقلید بھی بڑی تکلیف میں ڈالنے والی چیز ہے۔ وہ مدینہ میں اس وجہ سے رہتے تھے کہ حالت یقظہ میں نبی کریم ﷺ کو دیکھیں۔ آپ نے ایک دفعہ رؤیاء میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا کھانا تو ہمارے گھر میں ہے لیکن نبی بخش کا ہم کو بہت فکر ہے۔" ان دنوں میں آپ نے نبی بخش کو بہت ڈھونڈا۔ باوجودیکہ آپ کے ساتھ کے حجرہ میں رہتے تھے مگر ملاقات نہیں ہو سکی اور وہ حجرہ میں آئے ہی نہیں۔ بہت دنوں کے بعد جب ملے تو آپ نے کہا کہ آپ کو کوئی تکلیف ہو تو بتائیں اور ضرورت ہو تو میں آپ کو کچھ دام دیدوں۔ کہا کہ مجھ کو بہت شدت کی تکلیف تھی مگر آج مجھ کو چونہ اٹھانے کی مزدوری مل گئی ہے اور اجرت بھی ہاتھ آگئی ہے اس لئے ضرورت نہیں۔

مدینہ طیبہ میں ایک ترک کو آپ سے بہت محبت تھی۔ اس نے کہا کہ اگر کوئی کتاب آپ کو پسند ہو تو ہمارے کتب خانہ سے لے لیا کریں۔ گو ہمارا قانون نہیں ہے مگر آپ کے اس عشق و محبت کی وجہ سے جو آپ کو قرآن کریم سے ہے آپ کو اجازت ہے آپ نے فرمایا کہ مسئلہ ناسخ منسوخ کے متعلق کوئی کتاب دو۔ انہوں نے ایک کتاب دی جس میں چھ سو آیت منسوخ لکھی تھی۔ آپ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ ساری کتاب پڑھی اور مزا نہ آیا۔ آپ اس کتاب کو واپس لے گئے اور کہا کہ میں جوان آدمی ہوں اور خدا کے فضل سے یہ چھ سو آیتیں یاد کر سکتا ہوں مگر مجھے یہ کتاب پسند نہیں وہ بہت بوڑھے اور ماہر شخص تھے انہوں نے ایک اور کتاب دی جس کا نام "اتقان" تھا اور ایک مقام اس میں بتایا جہاں ناسخ منسوخ کی بحث تھی۔ آپ نے فوز الکبیر کو جو بمبئی میں پچاس روپیہ کو خریدی تھی ابھی پڑھا نہیں تھا کہ آپ اتقان لے آئے اور پڑھنا شروع کیا اس میں لکھا تھا کہ انیس آیتیں منسوخ ہیں۔ آپ اس کو دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئے اور سوچا کہ انیس یا بیس آیتوں کو تو فوراً یاد کر لوں گا۔ گو آپ کو خوشی بہت ہوئی۔ مگر آپ کو ایسا قلب اور علم دیا گیا تھا کہ پھر بھی وہ کتاب آپ کو پسند نہ آئی۔ تب فوز الکبیر کا خیال آیا کہ اس کو بھی تو پڑھ کر دیکھیں اس کو پڑھا تو اس کے مصنف نے لکھا تھا کہ خدا تعالیٰ نے جو علم مجھے دیا ہے اس میں پانچ آیتیں منسوخ ہیں۔ یہ پڑھ کر تو بہت ہی خوشی ہوئی مگر آپ نے جب ان پانچ پر غور کی تو

خدا تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمایا کہ یہ ناسخ منسوخ کا جھگڑا ہی بے بنیاد ہے۔ کوئی چھ سوبتاتا ہے کوئی انیس یا اکیس اور کوئی پانچ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تو صرف فہم کی بات ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ قطعی طور پر اس نتیجہ تک پہنچے کہ ناسخ و منسوخ کا معاملہ صرف بندوں کے فہم پر ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص شاہ صاحب کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ میں مدینہ منورہ ہجرت کرکے آیا ہوں لیکن یہاں کے لوگوں کے حالات سے میں تنگ آگیا ہوں شاہ صاحب سن کر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ہم بھی تو ہجرت کرکے آئے ہیں تم نے اگر جوار نبی کریم ﷺ کے لئے ہجرت کی ہے تو وہ موجود ہے۔ اور اگر اس لئے کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ یہاں موجود ہیں۔ تو یہ لوگ تو بیشک آج موجود نہیں ہیں۔ آپ یہاں سے چلے جائیں۔ [۲۰] آپ کا حضرت شاہ عبد الغنیؒ کے بتائے ہوئے وظیفہ پر عمل جاری تھا کہ ایک دفعہ دوپہر کو سو گئے اٹھے تو جماعت ہو چکی تھی آپ کا خون خشک ہو گیا آپ کو ایسا معلوم ہوا کہ یہ اتنا بڑا کبیرہ گناہ ہے کہ قابل بخشش ہی نہیں خوف کے مارے رنگ زرد ہو گیا۔ مسجد سے اندر قدم رکھنے سے بھی ڈر معلوم ہوتا تھا۔ مسجد نبوی کا ایک باب الرحمت ہے اس پر لکھا ہے۔ **یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم۔** (الزمر ۳۹ آیت ۵۴) جب آپ نے یہ آیت دیکھی تو اس سے قلبی دہشت کچھ کم ہوئی پھر بھی آپ نے بہت ہی سہمے ہوئے اور حیران و پریشان ہو کر مسجد میں قدم رکھا جب منبر اور حجرہ شریف کے درمیان پہنچے اور نماز ادا کرنے لگے تو رکوع میں بڑے زور سے خیال آیا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ **ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ** کہ میرے گھر اور منبر کے درمیان کا ایک ٹکڑا بہشتی ہے۔ اور جنت تو وہ مقام ہے جہاں جو التجا کی جاتی ہے وہ مل جاتی ہے پس آپ نے دعا مانگی کہ الٰہی میرا یہ قصور معاف کر دیا جائے۔ اور معافی کی صورت میں مجھے بطور اطلاع اس کی دلیل بھی بتائی جائے۔ ظہر کی نماز تھی رکوع میں ہی آپ کو یہ آیت بتائی گئی کہ **ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون** اور القا ہوا کہ تمہارا یہ گناہ بخشا گیا ہے۔ [۲۱]

حضرت شاہ عبد الغنی سے چالیس احادیث کی روایت کا فخر

قیام مدینہ کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ آپ کو اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ عبد الغنیؒ کے ذریعہ سے آنحضرت ﷺ کی چالیس صحیح احادیث کا راوی بننے کا شرف حاصل ہوا جو ان تک ستائیس واسطوں سے مسلسل و متصل صورت میں پہنچی تھیں یہ چالیس احادیث وہ ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے "اربعین" میں شائع فرمادی تھیں اور آگے انہی سے یہ سلسلہ اسناد دو راویوں سے حضرت شاہ عبد الغنی مجددی تک آیا تھا۔ یعنی

حضرت شاہ ولی اللہ سے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے روایت سنی ان سے شاہ اسحاقؒ نے اور حضرت شاہ اسحاق سے حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ نے اور ان سے حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ تک پہنچی [۲۲]

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے **من حفظ علی امتی اربعین حدیثا فی امر دینها بعثه الله تعالی فقیها و کنت له یوم القیامة شافعا و شهیدا** [۲۳] یعنی جس شخص نے میری امت کے لوگوں کو سنانے اور سمجھانے کے لئے چالیس حدیثیں یاد رکھیں جو دین کے بارے میں ہوں تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن فقہاء و علماء کے زمرہ میں داخل کرے گا اور میں اس کی سفارش بھی کروں گا اور اس کے حق میں گواہی بھی دوں گا۔

اس حدیث کے مطابق حضرت مولوی نورالدین خلیفہ اولؓ نے نہ صرف یہ احادیث خود یاد کیں بلکہ ان کو اپنے بعض شاگردوں تک بھی پہنچایا۔ چنانچہ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مجھے حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ حضرت مولوی حکیم نورالدین ﷺ نے اپنے شفاخانہ میں فرمایا۔ کہ آنحضرت ﷺ کی چالیس حدیثیں ایسی ہیں جو زبانی مجھ تک پہنچی ہیں آؤ میں وہ تمہیں سناؤں.... آپ نے پہلے اپنے سے آنحضرت ﷺ تک کے راوی بیان فرمائے پھر وہ چالیس حدیثیں مجھے ایک ایک کر کے سنائیں اور ان کے معنی بتائے اور ان کی مختصر تفسیر فرمائی۔ پھر مجھے ان حدیثوں کے حفظ کرنے کی ہدایت کی۔ جس پر میں نے وہ حدیثیں اسی زمانہ میں یاد کرلیں.... یہ واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی زندگی میں پیش آیا اور حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب نے اپنے مطب کے مشرقی دروازہ میں بیٹھ کر ظہر کی نماز کے بعد جب کہ حافظ روشن علی صاحبؓ بھی موجود تھے۔ مجھے ان حدیثوں کا راوی بنایا اور اس وقت کی بات سے مترشح ہوتا تھا کہ حافظ صاحب کو بھی حضرت مولوی صاحب اس سے قبل ان حدیثوں کا راوی بنا چکے تھے۔ [۲۴]

مکہ معظمہ میں دوسری بار

مدینہ میں کچھ عرصہ گذار کر حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ مدینہ سے دوبارہ عازم مکہ ہوئے یہ ۸۶۔۱۲۸۵ھ یا ۶۹۔۱۸۶۸ء کی بات ہے [۲۵] اور حج کے مہینے تھے۔ مکہ کے رستہ میں ایک جگہ آپ نے ڈیرا کیا۔ ساتھ ہی ایک عظیم الشان خیمہ نصب تھا جس میں مقلد اور غیر مقلد مسئلہ تقلید پر الجھے ہوئے تھے۔ حضرت مولوی صاحب نے جو اس وقت خیمہ سے باہر ہی کھڑے یہ بحث سن رہے تھے بلند آواز سے فرمایا کہ جب ایک مسئلہ میں اتنے بڑے علم کی ضرورت ہے تو ایک امام کو دوسرے امام پر تمام مسائل میں ترجیح دینے کے لئے لاکھوں علوم کی ضرورت ہوگی۔ آپ کی اس آواز نے سب پر بجلی کا سا کام دیا مگر وہ لوگ.... امراء تھے

اور ان دنوں اس طبقہ سے آپ کو نفرت تھی۔

جب آپ مکہ معظمہ کے قریب پہنچے تو آپ کو خیال آیا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کداء مقام کی طرف سے مکہ میں داخل ہوئے تھے لیکن آدمیوں کی بار برداریاں اور سواریاں اس راستہ نہیں جاتی تھیں اس لئے جہاں دوسرے لوگ معروف رستہ سے آگے بڑھے وہاں آپ ذی طویٰ مقام سے ذرا آگے بڑھ کر اونٹ سے کود پڑے اور آنحضرت ﷺ کی سنت مبارکہ کے مطابق کداء ہی کے رستہ سے مکہ میں داخل ہوئے۔

مکہ معظمہ میں جہاں آپ فروکش تھے آپ مکان ہی سے احرام باندھ کر عمرہ کر لیا کرتے تھے جن کے گھر میں رہتے تھے وہ ایک بوڑھا مخدوم تھا۔ اس نے بار بار وہاں احرام باندھتے ہوئے دیکھ کر کہا کہ آپ تنعیم سے جہاں سے تمام اہل مکہ احرام باندھتے ہیں کیوں احرام نہیں باندھتے آپ نے کہا کہ تنعیم میں جاکر احرام باندھنا بیہودہ بات ہے اس نے گھبرا کر کہا کہ آپ تمام شہر کے خلاف کرتے ہیں۔ آپ نے بڑی جرات سے فرمایا کہ ان کی میں ذرا بھی پرواہ نہیں کرتا۔ جب کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مکہ والے اپنے گھروں سے احرام باندھ سکتے ہیں۔ میرا عمل تمام شہر مکہ کے خلاف تو نہیں ہاں گدھے والوں کے خلاف ہے کیونکہ ان کے کرایہ میں کمی ہوتی ہے یہ بات سن کر وہ ہنس پڑا اور خاموش ہو گیا۔ [۲۶]

شرف حج اور اس کے تاثرات

آپ قبل ازیں ایک حج کر چکے تھے اس سال آپ دوسری دفعہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے [۲۷] جس سے روحانی انوار و برکات بھی آپ کو حاصل ہوئے اور حج کا فلسفہ اور بے شمار فوائد پر بھی حق الیقین ہوا پھر جوں جوں عمر اور تجربہ اور روحانیت میں اضافہ ہوتا گیا یہ بصیرت و معرفت بھی بڑھتی چلی گئی۔ [۲۸] چنانچہ آپ نے بعد میں خود ہی ان باطنی مشاہدات کا تذکرہ بڑے روح پرور الفاظ میں ایک لطیف مضمون میں کیا ہے مضمون کیا ہے حقائق و معارف کا بحر زخار اور تصوف اسلامی کا نچوڑ ہے۔

حج سے آپ کو ایک نکتہ معرفت یہ بھی حاصل ہوا کہ چونکہ ہر سال نئے حاجی آتے ہیں اور وہ بہت جلد چلے جاتے ہیں۔ اس واسطے وہاں کے لوگوں کو کسی کامل انسان سے بھی سچی محبت نہیں ہو سکتی وہاں ہر روز نئے مہمان آتے اور جاتے ہیں اگر وہ شدید محبت کسی سے کریں تو پھر تو ان کی ہلاکت ہے۔ آپ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ وہاں جناب الٰہی کی محبت کے واسطے خالص سامان مہیا ہے انسانی محبتیں کوئی چیز نہیں [۲۹]

مکہ سے وطن کو مراجعت

الغرض دیار حبیب کے فیوض و برکات سے مالا مال ہو کر اور دوبار شرف حج حاصل کر کے آپ مکہ معظمہ سے جدہ اور جدہ سے بذریعہ جہاز بمبئی پہنچے [20]۔ یہاں آپ کو ایک میاں بیوی کے حالات سن کر جن کو آپ نے مکہ میں بھی دیکھا تھا شدید احساس ہوا کہ بیوگان کو بٹھا رکھنا بڑے تلخ نتائج پیدا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جن کے گھر میں جوان بیوہ عورتیں بیٹھی ہیں۔ یہ توفیق دے کہ ان کا نکاح استخارہ کر کے کر دیں۔ [21]

بمبئی سے ریل پر سوار ہو کر دہلی آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا دہلی میں درس و تدریس جاری تھا [22] اور غالباً یہی موقعہ تھا یا ۱۸۷۷ء کا اوائل جب کہ آپ کو بھی ان کی مجلس میں شامل ہونے کا موقعہ ملا چنانچہ خود ہی بیان فرماتے ہیں۔ میں نے مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب کو دیکھا ہے بڑے تیز آدمی تھے۔ فلسفیانہ طبع تھی ہر سوال کا جواب فوراً دیتے تھے۔ دیانندان کے مقابلہ میں آنے سے ڈرتا تھا ایک دفعہ حدیث پڑھا رہے تھے ایک حدیث میں آیا کہ آخری زمانہ میں مال کم ہو گا اور اس کے بعد ایک اور حدیث آئی کہ کسی جگہ سونا نکلے گا۔ میں نے چاہا کہ سوال کروں ابھی میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ "حضور پہلی" تو فوراً سمجھ گئے اور جھٹ جواب دیا کہ میاں کیا تم نے چراغ بجھتا ہوا نہیں دیکھا۔ میں بھی جواب سمجھ گیا اور خاموش ہو گیا۔ مطلب یہ تھا کہ بجھتے بجھتے چراغ کی روشنی یکدفعہ آخر میں اٹھتی ہے یہ آخری جوش ہے [23]

دہلی میں آپ کو اپنے طبیب استاد (مولوی حکیم علی حسین صاحب لکھنوی) سے بھی اچانک ملاقات ہو گئی انہوں نے پوچھا کہ تم حرمین سے کیا کیا لائے؟ آپ نے بعض لطیف کتابوں کا ذکر کیا جو آپ لائے تھے کہنے لگے وہ سب مجھے دیدو۔ آپ نے انشراح صدر سے فرمایا کہ وہ تو آپ ہی کی چیز ہے لیکن میں نے صندوق بذریعہ ریل لاہور بھجوا دیئے ہیں۔ میں لاہور سے وہ صندوق آپ کی خدمت میں بھجوا دوں گا۔ انہوں نے کہا کہ ہم بھی لاہور دیکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ خوشی خوشی ان کی رفاقت میں لاہور تشریف لائے اور بہت سے مقامات کی ان کو سیر کرائی آپ صندوق لینے کے لئے اسٹیشن کو جانے لگے تو انہوں نے اپنا نوکر بھیج کر صندوق منگوا لئے اور ان کا محصول بھی اپنی گرہ سے ادا کر دیا۔ پھر کہا کہ یہ ہم نے صرف اس لئے کیا ہے کہ کچھ ہمارا حصہ بھی ان میں شامل ہو جائے دراصل بات یہ تھی کہ اس وقت آپ کی جیب میں اتنے روپے ہی نہیں تھے کہ ان صندوقوں کا کرایہ ریل ادا کر سکتے مگر خدا تعالیٰ نے خود ہی ایسا سامان کیا کہ آپ نے تو اس کا ذکر تک کسی سے نہ کیا اور بمبئی سے لاہور تک کے اخراجات آپ کے استاد نے از خود ادا کر دیئے وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

بہر حال آپ اپنے استاد کو رخصت کر کے شہر لاہور میں داخل ہوئے تو بھیرہ کا ایک ہندو مل گیا جس

کے پاس بار برداری کا سامان تھا اس نے آپ سے کہا کہ میں آپ کا اسباب بھیرہ لئے چلتا ہوں آپ مجھے روپیہ بھیرہ میں دے دیں۔ شام کو آپ چینیاں [۳۴] والی مسجد میں گئے نماز کے لئے جب وضو کر رہے تھے تو میاں محمد علی برادر مولوی محمد حسین صاحب نے ناسخ منسوخ کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی ناسخ منسوخ نہیں۔ جب مولوی محمد حسین صاحب کو اس کے متعلق اطلاع ہوئی تو وہ آپ کے پاس دوڑے ہوئے آئے کہ آپ ناسخ و منسوخ کے قائل نہیں آپ کی طرح ابو مسلم اصفہانی اور سید احمد خاں صدر الصدور بھی قائل نہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ پھر تو ہم تین آدمی ہو گئے وہ کہنے لگے کہ امام شوکانی لکھتا ہے کہ جو نسخ کا قائل نہیں وہ بدعتی ہے آپ نے فرمایا کہ پھر تم تو صرف دو آدمی قائل ہوئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ بہتر ہے کہ آپ کوئی آیت جو تمہارے نزدیک منسوخ ہو پڑھو ہم ثابت کر دیں گے کہ منسوخ نہیں۔ غرض مولوی صاحب نے ایک آیت پڑھی آپ نے جواب دیا کہ فلاں بزرگ نے اپنی فلاں کتاب میں لکھا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں اور یہ وہ بزرگ ہیں جن کو تم بھی بزرگ مانتے ہو پھر ایسے خاموش ہوئے کہ کچھ جواب ان سے نہ بن پڑا [۳۵]

بھیرہ میں واپسی

دور دراز ممالک ہند و عرب کے طویل اور تھکا دینے والے سفر اختیار کرنے اور طبی اور دینی علوم کی تکمیل کے بعد آخر وہ دن بھی آپہنچا جب کہ آپ واپس اپنے وطن مالوف بھیرہ میں رونق افروز ہوئے۔ یہ وسط ۱۸۷۱ء [۳۶] کا ذکر ہے جب کہ آپ کی عمر مبارک تیس سال کے لگ بھگ ہو چکی تھی۔ اور والدین خدا کے فضل سے زندہ تھے [۳۷] مگر اس دوران میں کئی بھائی وفات پا چکے تھے۔ [۳۸]

آپ کے بلاد عرب و ہند سے تعلیم پا کے آنے کی خبر شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بجلی کی طرح پھیل گئی اور مسلمان اور ہندو بڑی کثرت سے آپ کے استقبال کے لئے جمع ہو گئے عین اس موقع پر ایک حنفی عالم نے یہ کہہ ڈالا کہ بخاری ایک ایسی کتاب ہے جو ہزار سال سے گوشہ گمنامی میں پڑی تھی اسے دلی کے ایک شخص نے جس کا نام اسماعیل تھا شائع کیا ہے بخاری شریف کی شان اقدس میں جسے اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کا مرتبہ حاصل ہے یہ گستاخانہ کلمات گویا تیر و نشتر بن کر آپ کے سینہ میں پیوست ہو گئے اور دل و دماغ میں سخت غیظ و غضب پیدا ہوا۔ وطن میں آنے کا یہ پہلا دن اور ملاقات کا یہ پہلا نازک موقع تھا اور طالب علمی کے دور کے بعد اب اپنے شہر میں زندگی کے نئے دور کا آغاز کر رہے تھے۔ مگر رسول خدا ﷺ کا یہ عظیم عاشق اور حق و صداقت کا یہ علمبردار یہ بے ادبی و جسارت کیسے گوارا کر سکتا۔ چنانچہ آپ نے بھری مجلس میں جواب دیا کہ اول تو میں ابھی طالب علمی سے آیا ہوں نہ میرا مطالعہ نہ میری وسعت نظر نہ مجھے تجربہ۔ لیکن بخاری کے ساتھ شروح کے نام

اس وقت مجھے یاد ہیں اگر ایک شرح کو سولہ برس کے قریب قریب ختم کر لیا جائے تو کچھ زیادہ مدت معلوم نہیں ہوتی تو اس ہزار برس میں ہر روز بخاری شریف کی شرح لکھی گئی ہے اور یہ شرحیں شافعی مذہب کی بھی - حنفیوں کی بھی - مالکیوں کی بھی اور حنبلیوں کی بھی ہیں میں نے خود بخاری کو بڑے حنفی مذہب مولوی عبدالقیوم صاحب سے بھوپال میں پڑھا ہے پھر شاہ عبدالغنی صاحب سے بھی - ان دونوں کی صحبت میں میں نے کبھی ایسے الفاظ نہیں سنے !!

یہ حنفی مولوی صاحب جو بخاری شریف کے سخت دشمن تھے - اس وقت تو اس کا جواب دینے سے قاصر رہے مگر اندر ہی اندر آپ کو وہابی قرار دے کر آپ کے خلاف اشتعال پھیلانے اور منصوبے بنانے کی درپردہ سازشیں شروع کر دیں - ان دنوں اہل حدیث فرقہ حکومت انگریزی کی نگاہ میں بھی سخت معتوب تھا اور پنجاب میں حنفی علماء نے تو ہر جگہ اہل حدیثوں کی مخالفت میں اکھاڑے قائم کر لئے تھے - [۶۹] اور ان کی سخت تحقیر و تذلیل کی جاتی تھی - اس وقت تک یہ تحریک لاہور - وزیر آباد - جہلم - سیالکوٹ وغیرہ شہروں میں زور پکڑ رہی تھی - جہاں علی الترتیب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ' حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی - حضرت مولوی برہان الدین صاحب اور میر ابراہیم صاحب سیالکوٹی ان خیالات کی ترویج و اشاعت میں مصروف تھے لیکن اب جو بھیرہ کے مشہور حنفی خاندان میں یہ تحریک سرایت کرنے لگی تو حنفی (مقلد) علماء نے شہر بھر میں ایک آگ لگا دی اور علماء - پیر - طبیب - دکاندار عوام غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگ آپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ پر عرصہ حیات تنگ کرنے کے لئے ہر قسم کے حربے اور حیلے استعمال کئے جانے لگے !!

چنانچہ بھیرہ کے ایک کٹر حنفی عالم (مولوی ظہور احمد بگوی) خود لکھتے ہیں - "حرمین سے واپسی پر نور الدین نے وہابیت اختیار کی اور ترک تقلید پر وعظ کئے - اور عدم جواز تقلید پر کتابیں تصنیف کیں - بھیرہ میں ہیجان عظیم برپا ہو گیا - حضرت مولانا غلام نبی صاحب للوی - مولانا غلام رسول صاحب چودی اور مولانا غلام مرتضٰی صاحب بریلوی و حضرت زبدۃ العارفین مولانا عبدالعزیز بگوی کے دستخطوں سے ایک فتویٰ غیر مقلدین کے خلاف شائع ہوا اور محلہ پراچگان بھیرہ میں فیصلہ کن مناظرے کے بعد غیر مقلدین کا بھیرہ میں ناطقہ بند ہو گیا - [۷۰]

المختصر ان علماء نے پہلے مختلف اختلافی مسائل (رفع یدین ' یا عبدالقادر شیئاً للہ کہنا) وغیرہ پر بحث مباحثہ کا بازار گرم ہوا مگر ہر معرکہ میں ان کو سخت زک اٹھانا پڑی - بعض پیر حنفی علماء کی طرح مقابلہ میں آئے مگر وہ بھی آپ کے زبردست دلائل ' قوت جاذبہ اور عالمانہ استدلال کے سامنے دم بخود رہ گئے - آپ کی سوانح عمری ان واقعات سے بھری پڑی ہے کہ کس طرح غیر معمولی حالات اور ماحول میں آپ

کو تائید الٰہی حاصل ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ اپنے قلمی بیاض میں فرماتے ہیں:

"اب عملی دشمن اس صدا کے (لا الٰہ الا اللہ کے۔ناقل) وطن میں نظر آئے اور مجھے پیر حیدر شاہ کے گھر میں......... غلام محمد حائک نے دھوکہ دے کے پہنچایا میں نے دیکھا کہ میری مخالفت میں جم غفیر جمع ہے اور الزام یہ قائم کیا گیا کہ دعا بعد الاذان میں میں نے میاں عزیز مستری کو جو یادداشت لکھ دی تھی اس میں وارزقنا شفاعته نہیں ملتا اس لئے دلائل الخیرات میں سے وارزقنا شفاعته کا لفظ نکال کر لوگوں کو بھڑکایا گیا وہ کون تھا جس نے میرا ہاتھ مولوی غلام قادر صاحب کی طرف بڑھایا اور دلائل (الخیرات) ان سے لینا چاہی انہوں نے تامل فرمایا۔ میں نے ان کے ہاتھ سے لے لی......... اور جب میں نے دلائل (الخیرات) کو کھولا تو مطبع نظامی کی دلائل کے صفحہ نمبرے کو کس نے نکال دیا۔ تو نے۔ تو نے۔ تو نے۔ (خدا تعالیٰ کو خطاب ہے۔ ناقل) اور وہی دعا لکھی تھی جو میں نے عزیز مستری کو لکھ دی تھی تب میں نے یقین کیا تو ہادی اور حق ہے وہاں علماء و عوام کے سامنے کیا نظارہ تیرے فضل کا تھا کہ پیر صاحب (نے کہا۔ ناقل) حضرت سید عبدالقادر صاحب کو تم کیا سمجھتے ہو......... میں نے کہا ان مولویوں سے پوچھو کہ اس انسان کو یہ لوگ یقینی اور قطعی طور پر جنتی کہتے ہیں؟ تو کیا تو ہی نہ تھا جس نے........ علوم کو اس وقت سلب کیا کہ بول اٹھے سوائے عشرہ مبشرہ کسی کو ہم لوگ جنتی نہیں کہہ سکتے تو میں نے کہا ان کی ولایت کا تمہیں کب اور کیسے یقین ہوا۔ پیر صاحب متحیر ہو گئے۔"

قتل کرنے کی سازش

علماء نے اپنی شکست محسوس کر کے آپ کو قتل کرانے کی ٹھان لی اور اس کے لئے عوام کو اکسانا شروع کیا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ لکھتے ہیں "ایک مرتبہ میری مخالفت بھیرہ میں اس قدر بڑھی کہ لوگ میرے قتل کے منصوبے کیا کرتے تھے۔ یہاں تک زور ہوا کہ ایک شخص میرا دودھ شریک بھائی تھا اس نے میرے دشمنوں سے کہا کہ میں نورالدین کے چھری مار کر اس کا کام تمام کر دوں گا میں نے جب سنا تو میں ایک دن رات کو نماز عشاء کے بعد اس کے گھر چلا گیا اس کی ماں کا چونکہ میں نے دودھ پیا تھا اس لئے وہ مجھ سے پردہ تو کرتی ہی نہ تھی میں وہاں جا کر لیٹ گیا اور خراٹوں تک بھی نوبت پہنچا دی۔ سب نے سمجھا کہ یہ سو گیا ہے میرے دل میں یہ خیال اور شوق کہ دیکھوں یہ کس طرح چھری مارے گا۔ یہاں تک کہ جب آدھی رات کا وقت ہوا تو اس کی ماں نے مجھے جگایا کہ بیٹا اب تم اپنے گھر جاؤ میں نے کہا کہ میں یہیں سو رہوں گا کیونکہ آدھی رات تو گذر ہی گئی ہے اس نے کہا کہ نہیں تم اپنے گھر ہی جا کر سوؤ۔ میں نے کہا کہ اچھا میں تنہا نہ جاؤں گا۔ اس کو (دودھ شریک بھائی کو) میرے ساتھ بھیجو کہ مجھ کو مکان تک پہنچا آئے وہ میرے ساتھ ہو لیا میں نے دانستہ اس کو پیچھے رکھا اور خود آگے آگے چلا لیکن اس نے کچھ نہ کیا۔ پھر جب میں اپنے

گھر کے دروازے پر پہنچا تو میں دروازہ کی سیڑھیوں پر اوپر کھڑے ہو کر اس کو نیچے کی سیڑھی پر کھڑا کر کے باتیں کرنے لگا کہ اب یہ اطمینان سے چھری بھونک دیگا لیکن وہ تو اس قدر گھبرایا کہ اس نے مجھ سے کہا کہ اب اجازت دیجئے میں نے کہا۔ اچھا" [61]

جب عوامی اشتعال کارگر نہ ہوا تو جامع مسجد میں آپ کو بلوا کر فتویٰ لگا کے شہید کر دینے کی ایسی زبردست سازش کی کہ تحصیلدار بھی اس میں شامل ہو گیا۔ آپ یہ واقعہ خود تحریر فرماتے ہیں "ایک دفعہ وہاں کے علماء مباحثہ کے لئے جمع ہوئے وہاں کی جامع مسجد کو جو شیر شاہ کی بنوائی ہوئی ہے اکھاڑہ بنایا ۔ کئی قسم کی گفتگو کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ تم جو اولیاء کا پکارنا شرک کہتے ہو اگر علماء میں سے کسی نے ایسا لکھا ہو تو بلا گفتگو اس امر کو مان لیں گے بہت سے علماء تھے جن سے یہ پختہ اقرار کرایا گیا۔ دوسرے دن آپ تفسیر عزیزی لے گئے اور اس میں سے و تبتل الیہ تبتیلا کا موقع ان کو دکھایا جہاں شاہ عبد العزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ "بعضے پیر پرستان از زمرہ مسلمین در حق پیران خود امر اول را ثابت میکنند و در وقت احتیاج بمیں اعتقاد بانہا استعانت مے نمایند الخ۔ اس کے لطیف جوابوں میں ایک شخص نے جو بڑے پیر بنے ہوئے تھے اور عالم بھی مشہور تھے آپ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور کہا آپ گھبرا کر کیوں بات کرتے ہیں۔ یہاں کیا کوئی تمہارا دشمن ہے؟ دوسرے مولوی نے کہا کہ یہ لفظ پیران (بپائے فارسی) نہیں بلکہ بیران (ببائے موحدہ) ہے اور بیر ہنومان کو کہتے ہیں۔ پھر آپس میں کچھ اشارے کر کے سب کھڑے ہو گئے معلوم ہوا کہ کوئی خاص منصوبہ انہوں نے تجویز کیا ہے۔ اور اس لئے انہوں نے ایسی بھی کوشش کی تھی کہ وہاں آپ کے دوستوں سے ایک شخص بھی موجود نہ تھا آپ اس وقت اپنے دل میں یہ دعا مانگ رہے تھے عذت بربی و ربکم ان ترجمون۔ اس مسجد جامع میں ایک منبر تھا ایک مولوی اس پر جا کھڑا ہوا۔ ایک دنیادار آدمی جس کو آپ کے خسر سے محبت تھی اس عظیم الشان ازدھام اور کہرام میں آپ کے پاس سے یہ کہتا ہوا گذر گیا کہ "اگر یہ وقت ٹل جائے تو پھر ہم انتظام کر سکتے ہیں۔" جب مولوی کھڑا ہوا تو آپ کو یقین ہو گیا کہ اب یہ کسی قسم کا فتویٰ دیگا اور اس فتوے کی حقیقت آپ کو معلوم نہ تھی آپ کے داہنی طرف شہر کے تحصیلدار کھڑے تھے ان کا نام رامداس تھا اور ان کے داہنے ہاتھ پر تھانیدار تھے۔ اور تھانیدار کے دہنے اور پیچھے بہت سے سپاہی تھے باقی ہزارہا مخلوق ان کے پیچھے تھی۔ اس تھانہ دار کا نقار تو صحیح تھا کیونکہ مولوی آپ کے مخالف تھے لیکن آپ کو بڑا تعجب ہوا جب کہ تحصیلدار نے آپ کو دھمکی دی اور کہا کہ آپ کی نسبت جو یہ شخص فتویٰ دینے لگا ہے اس میں یہ شخص مختار ہے یہ سنتے ہی میں نے خدا تعالیٰ سے تائید پا کر اپنی پوری طاقت سے تحصیلدار کی رگ گردن کو جو شہ رگ کہلاتی ہے انگوٹھے اور انگلی کی مدد سے اس طرح دبایا کہ تحصیلدار صاحب کی چیخ

نکل گئی اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ تھانہ دار کو جب یہ معلوم ہوا کہ تحصیلدار مارا جاچکا ہے تو اس کو خیال آیا کہ ہم تھانہ سے باقاعدہ روناپچہ میں روانگی درج کر کے نہیں آئے ہم کو تھانہ سے باقاعدہ آنا چاہئے۔ چنانچہ تحصیلدار کے بیہوش ہو کر گرتے ہی تھانہ دار مع تمام سپاہیوں کے وہاں سے بھاگ گیا اس کے جاتے ہی یکلخت تمام مسجد خالی ہو گئی حتیٰ کہ ان منبر پر چڑھنے والے مولوی صاحب کا بھی کوئی پتہ نشان نہ تھا۔ تحصیلدار رام داس کو جب ہوش آیا تو ان کا چہرہ زرد اور منہ فق تھا۔ اور اس تمام مسجد میں سوائے آپ کے اور ان کے کوئی تیسرا آدمی نہ تھا۔ تحصیلدار نے بڑی لجاجت اور خوفزدہ آواز سے کہا۔ مہاراج میں آپ کا مخالف نہیں ہوں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کو اندیشہ ہے کہ یہ مذہب کے جوش میں مجھ کو قتل نہ کر ڈالیں۔ آپ نے ان کو محبت سے اٹھایا اور گلے لگالیا۔ لیکن ان کا اندیشہ رفع نہ ہوا۔ تحصیلدار قد میں آپ سے چھوٹے اور بڑے شریف الطبع انسان تھے آپ نے ان کو اپنی بغل میں دبا لیا۔ اور اسی طرح بغل میں لئے مسجد سے باہر نکل آئے۔ لوگ ہوا ہو گئے تھے کسی کا پتہ نشان نہ تھا جوں جوں دونوں شہر کے قریب آتے جاتے تھے تحصیلدار کا چہرہ بشاش ہوتا جاتا تھا جب دروازہ میں آئے تو انہوں نے ذرا ہوش سنبھالا اور جب چوک میں پہنچے تو بالکل سنبھل گئے اور آپ سے کہا کہ آپ ارشاد کریں تو میں تحصیل کو چلا جاؤں آپ نے کہاہاں جاؤ۔ [۶۲]

جب قتل کے منصوبوں میں بھی صریح ناکامی ہوئی تو علماء نے بعض پیروں سے سازباز کر کے آپ کو بھیرہ سے نکال دینے کی تجویزیں سوچنا شروع کر دیں۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے "مرقاۃ الیقین" میں لکھا ہے! کہ "ہمارے شہر میں ایک بہت بڑے پیر ولایت تھے بہت کچھ سمجھا کر ان سے لوگوں نے یہ اقرار لے لیا کہ اس قدر مدد دے دیں گے کہ نورالدین کو شہر سے نکال دیں جب پیر صاحب آرہے۔ بلے۔ کہہ چکے مجھ کو بھی یہ خبر پہنچی۔ میں دوپہر کے وقت پیر صاحب کے پاس پہنچا اور وہ ایسا وقت تھا کہ اس وقت پیر صاحب اکثر تنہا ہی ہوتے تھے میں نے کہا کہ عرض کرنے آیا ہوں جو بہت ہی مختصر ہے یہ باغ جو آپ کے گھر کے پاس ہے اس باغ کی نسبت ایک سوال ہے کہ "آپ حجرہ شاہ مقیم" کے رہنے والے ہیں اور وہ یہاں سے بہت دور ہے یہ باغ آپ کو اس شہر میں کس طرح مل گیا؟ بس میرا اتنا ہی سوال ہے" پیر صاحب نے فرمایا کہ آپ کے دادا نے ہمارے دادا کو دیا تھا۔ میں نے کہا کہ بہرحال آپ کو ہمارے خاندان سے کچھ نفع پہنچا ہے یہ سن کر انہوں نے فرمایا کہ میں اور آپ کا بڑا بھائی لاہور میں ایک جگہ رہتے تھے اور ہمارے باہم بہت کچھ رسم آمدورفت تھی۔ میں نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ میرے اس شہر سے نکالنے میں شریک ہیں۔ خیر یہ تو احسان کا بدلہ ہی ہو گا۔ مگر اتنا آپ یاد رکھیں کہ جو لوگ میرے مرید اور معتقد ہیں وہ تو کم سے کم آپ کو کبھی سلام نہ کریں گے۔ یہ

کہہ کر میں چلا آیا۔ دن کے آخر حصہ میں جب علماء اکٹھے ہو کر ان کے پاس گئے اور میرے اخراج کا فتویٰ پیش کیا۔ تو پیر صاحب نے ہنس کر یہ فرمایا کہ فقر کا دروازہ بڑا ہی اونچا ہے۔ ہندو۔ سکھ۔ مسلمان۔ عیسائی۔ وہابی سب فقر کے سلامی ہیں۔ تب ان علماء نے عرض کیا کہ آپ نے کل فرمایا تھا کہ میں کل تدبیر بتادوں گا۔ اور ہم سے خوب پکی بات آپ کی اس کام کے متعلق ہو چکی تھی۔ پیر صاحب نے کہا کہ ہاں آپ رسولؐ کی گدی کے مالک ہیں اور اس لئے آپ کی رعایت کرنی ضروری ہے لیکن فقر کا دروازہ بہت اونچا ہے اور فقر کے سب سلامی ہیں مولویوں نے بڑا ہی زور دیا مگر سلام کے لفظ کو پیر صاحب چھوڑ نہ سکے۔ پھر ان کا آدمی پہنچا اور کہا کہ پیر صاحب آپ کے مکان کے قریب سے گذریں گے جب وہ قریب آئیں تو آپ باہر نکل کر ان سے ملیں۔ میں نے خیال رکھا۔ جب مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ قریب ہیں میں مکان سے نکل کر ان سے ملا وہ ایک گھوڑی پر سوار تھے مگر کوئی آدمی ان کے آگے پیچھے نہ تھا۔ حالانکہ وہ بڑے ذی وجاہت آدمی تھے مجھ سے کہنے لگے کہ "جوان! میں نے وہ کام کر دیا ہے۔ یار! اب اپنے مریدوں سے کہہ دینا کہ وہ ہم کو سلام کر لیا کریں" آپ نے کہا کہ "جب میں نے خود آپ کو سلام کیا ہے تو میرے مرید بھلا کیوں نہ کریں گے۔" [۲۳، ۲۴]

بھیرہ میں چونکہ آپ کے خلاف ایک زبردست ہنگامہ بپا تھا [۲۵] اس لئے فریقین کی ضمانتیں اور مچلکے ہوئے بایں ہمہ علماء کا جوش انتقام فرو نہیں ہوا بلکہ انہوں نے علاقہ بھر میں اپنی سرگرمیوں کو اور بھی تیز کر دیا اور جہاں جہاں تک ان کا بس چلا عوام کو آپ کی مخالفت اور بائیکاٹ پر اکساتے چلے گئے [۲۶]

پہلی شادی

انہیں ایام میں (عمر تیس سال) آپ کی پہلی شادی مفتی شیخ مکرم صاحب قریشی عثمانی بھیروی کی لڑکی محترمہ فاطمہ بی بی صاحبہ سے ہوئی۔ بھیرہ میں تقلیدی رسوم و بدعات کے خلاف سب سے پہلی آواز حضرت مولوی صاحب نے ہی بلند کی جس کی وجہ سے آپ کی مخالفت اور زیادہ بڑھ گئی اور مخالفین کا گروہ آپ کے نکاح میں بھی حارج و مانع ہوا۔ نکاح پڑھنے والے آپ کے ایک استاد تھے۔ آپ نے ان سے کہا کہ مہر تو مجھے ادا کرنا پڑے گا آپ کو نہیں اس لئے مہر واجبی رکھئے۔ عورتوں میں ایک شور مچ گیا کہ لڑکا بول پڑا۔ آپ کے استاد صاحب بھی ناراض ہو گئے عورتیں بھی سخت جز بز ہوئیں لیکن آپ نے پانسو سے زیادہ منظور نہ کرنا تھا نہ کیا۔ [۲۷، ۲۸] بہرکیف آپ کے خسر نے ان باتوں کی کچھ پرواہ نہ کی۔ حضرت مولوی صاحب کی مخالفت میں سب سے زیادہ اور نمایاں حصہ تو حنفی یا مقلدین اصحاب نے لیا تھا مگر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ہر قسم کے خیال و مسلک کے لوگ آپ کی تکفیر پر جمع ہو گئے چنانچہ آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

"وطن آیا تو مقلد لوگ شیخ ابن عربی محمد اسماعیل کے باعث 'صوفی ابن تیمیہ کے سبب' غیر مقلد آئمہ اربعہ اور امام یوسف و امام محمد کی محبت کے موجب کافر بنانے لگے۔" [۴۹]

یہ تو اندرون ملک کی مخالفتوں کا مختصر سا بیان ہے ورنہ آپ کے مخالفین حضرات آپ کے پیرو مرشد حضرت شاہ عبدالغنی مجددی اور حضرت مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی کی خدمت میں بھی پہنچے مگر ناکام و نامراد واپس آئے۔ [۵۰]

علماء باوجودیکہ ان کی اکثریت تھی اور عوام بھی ان کے ساتھ تھے آپ کی زبردست شخصیت سے مرعوب تھے وہ اپنی مجلسوں میں آپ کی مذمت کرتے مگر بعض اوقات ایسا ہوتا کہ جونہی ان کی نظر آپ پر پڑ جاتی ان پر سکتہ کا عالم طاری ہو جاتا تھا [۵۱]

دراصل ان کے دل یہ تسلیم کرتے تھے کہ جس شخص سے ہمارا نظریاتی اختلاف ہے وہ معمولی شخصیت کا انسان نہیں بہت بڑا عاشق رسول ہے چنانچہ بھیرہ کے گیلانی خاندان کے ایک بزرگ پیر بادشاہ صاحب بتایا کرتے تھے کہ مولوی نورالدین صاحب کے مخالف فریق کا ایک شخص کہا کرتا تھا کہ دشمنی کے باوجود میں ان کو ولی کہتا ہوں۔ کیونکہ جب آنحضرت ﷺ کا نام ان کے سامنے لیا جاتا ہے تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور ایک خاص وجدانی کیفیت ان سے ظاہر ہوتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سے ان کا کوئی خاص گہرا تعلق ہے اور نفسیاتی طور پر آپ کے نام سے ہی آپ کے وجود پر بڑا اثر پڑتا ہے [۵۲]

بھیرہ میں درس و تدریس اور مطب کا آغاز

حضرت مولوی نورالدین صاحب نے بھیرہ میں آتے ہی قرآن و حدیث کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر دیا۔ ابتدا میں آپ نے مشکوٰۃ پڑھانی شروع کی۔ [۵۳] یہ درس آپ کی آبائی مسجد میں ہوتا تھا [۵۴]۔ آپ کے والد ماجد جن کو شروع ہی سے آپ کو قاری سے قرآن پڑھانے کا بہت ذوق و شوق تھا آپ کے درس میں شامل ہوا کرتے تھے۔ [۵۵]

درس کے علاوہ (جو آپ کی روحانی غذا تھا) آپ نے محض خدمت خلق کے جذبہ کے ساتھ مطب بھی جاری کر دیا۔ مطب چلنے کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ آپ مریضوں سے مانگتے نہیں تھے اور غرباء کو دوا بالکل مفت دیتے تھے (اور یہی دستور آپ کا آخر دم تک رہا) فصد کرنا' معجون اور شربت کا استعمال آپ قبیح سمجھتے تھے اس لئے تمام جراح اور پنساری آپ کے دشمن ہو گئے [۵۶] اور علماء کی شدید مخالفت و مزاحمت اس کے علاوہ تھی بعض مقامی طبیبوں نے مطب کے اجراء سے قبل آپ کو صاف صاف انتباہ کر دیا۔ کہ آپ یہاں کسی طرح کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ مگر آپ نے اللہ پر توکل کر کے

اپنے ایک شاگرد سے یہ سرمہ بنانے کی ہدایت فرمائی۔ جست (بیس ماشہ) سرمہ سیاہ (بیس ماشہ) زنگار (تین ماشہ) سفیدہ کاشغری (چار ماشہ) افیون (تین ماشہ) سمندر جھاگ (چار ماشہ) اور افیون کے سوا انہیں اجزاء کا دوسرا سرمہ بھی آپ نے تیار کرالیا۔ ۵۷ آپ نے عصر کے بعد وضو کرتے ہوئے ایک شخص کی آنکھوں کو بغور ملاحظہ فرما کر پہلی قسم کا سرمہ لگا دیا۔ اس کی دیکھا دیکھی ایک اور نے درخواست کی۔ یہ آپ کا گویا پہلا اشتہار تھا۔ بھیرہ میں رطوبت کے زیادہ ہونے سے یہ بیماری بھی عام پھیلی ہوئی تھی۔ دوسرے دن صبح مریضوں کا ہجوم آپ کے پاس ہو گیا بعض مریض نزلی اور بعض معدی آشوب کا شکار تھے۔ اور بعض کو طبقات العین میں یہ عارضہ تھا اس لئے آپ نے سرمہ بھی لگایا اور اطریفل کشنیزی کے استعمال کی بھی ہدایت دی۔ بعض کے کانوں کے پیچھے یا ہڈی یا گردن پر پلاسٹر بھی لگا دیا۔ بس یہ آپ کے مطب کا پہلا دن تھا خدا تعالیٰ کے عجائبات ہیں کہ آگے چل کر اس سرمہ کی بدولت آپ کو طب میں غیر معمولی برکت اور عظیم الشان کامیابی ہوئی گردونواح میں آپ کی دھوم مچ گئی۔ اور آپ کی طبابت کا سکہ بیٹھ گیا۔ ۵۸ اور پھر ہر طرف اتنا چرچا ہوا کہ آپ کے ہمعصر اطباء کی آنکھیں بھی چکاچوند ہو گئیں۔

اہل حرفہ دوسرے ہم پیشہ کو اپنا حریف سمجھتے ہیں۔ مگر آپ کے مدنظر تو مخلوق خدا کی ہمدردی تھی آپ کے مطب کا دروازہ صرف مریضوں ہی کے لئے نہیں طبیبوں کے لئے بھی ہمیشہ کھلا رہتا تھا اور آپ ان کو قیمتی سے قیمتی نسخہ جات بتانے میں کچھ تامل نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اس زمانہ کے بعض نسخے بھیرہ کے قدیم خاندانوں کی طبی بیاضوں میں آج تک موجود ہیں۔ ۵۹

بھیرہ میں آپ کا مطب ابتداءً ایک ایسے وسیع مکان میں تھا جو ایک طبیب کے لئے نہایت موزوں تھا۔ اس کا انتخاب اپنے والد ماجد کے ارشاد ہی سے کیا تھا مگر جب کچھ عرصہ بعد آپ کے والد ماجد کا وصال ہو گیا۔ تو آپ کے سب سے بڑے بھائی مولوی سلطان احمد صاحب نے (جنہوں نے آپ کو پڑھایا پرورش کی اور شادی کا انتظام کیا تھا) آپ سے کہا کہ یہ مکان میرے روپیہ سے خرید اگیا تھا اور میں نے ہی اس کی مرمت کے اخراجات ادا کئے تھے۔ لہٰذا آپ تحریر میں بھی یہ بات لکھ دیں اور جیسا کہ بعد میں آپ کی والدہ محترمہ نے بھی وضاحت فرمادی اس تحریر کا منشا یہ نہیں تھا کہ آپ یہ مکان ہی چھوڑ دیتے مگر آپ نے پوری بشاشت قلبی سے یہ تحریر بھی لکھ دی اور اپنے شاگردوں سے کہا کہ دوائیں اٹھا کر فلاں مسجد کے حجرہ میں رکھ دو اور اسی وقت مکان خالی کر دیا اب یہ حالت تھی کہ آپ ان دنوں بالکل تہی دست تھے۔ اور بظاہر کوئی تدبیر نئے مکان بنوانے کی نہیں تھی۔ ۶۰ شہر میں ایک سرکاری زمین تھی جس کو کمیٹی کی زمین کہتے تھے آپ نے اپنے ایک دوست مستری سے کہا کہ تم اس

زمین پر مکان بناؤ اور ایک ہندو سے کہا کہ تم روپیہ دے دو۔ مکان بننا شروع ہو گیا۔ وہاں تحصیلدار (جن کا نام منصب دار خاں تھا اور جو راولپنڈی کے علاقہ کے رہنے والے تھے) نے آپ کے پاس کہلا بھیجا کہ اول تو کوئی مکان بلا اجازت اور بغیر نقشہ منظور کرائے بنانا جائز نہیں پھر یہ سرکاری زمین میں مکان بنانا قانون کے خلاف ہے۔ میں بسبب ادب کے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر ہاں یہ بتائے دیتا ہوں کہ کمیٹی بھی اگرچہ بہ سبب ادب کے کچھ نہیں کہہ سکی۔ لیکن انہوں نے ڈپٹی کمشنر کو رپورٹ کر دی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بنا بنایا مکان گرا دیا جائے گا۔ آپ کے دوست مستری نے بھی یہی کہا۔ مگر چونکہ آپ کا دل انشراح صدر سے یہی کہتا تھا کہ مکان ضرور رہے گا اسلئے آپ نے اسے یہی فرمایا کہ تم اپنا کام کئے جاؤ۔ صاحب ڈپٹی کمشنر نے کمیٹی والوں کی رپورٹ پر کہا کہ ہم بہت جلد وہاں آنے والے ہیں خود ہی آکر موقع کا ملاحظہ کریں گے چنانچہ وہ آئے اور بعد ملاحظہ فرمایا کہ جس قدر مکان بن چکا ہے وہ تو ابھی رہنے دو باقی تعمیر کا کام روک دو۔ آپ بھی اس وقت وہاں قریب کے مکان میں موجود تھے ڈپٹی کمشنر صاحب کے آنے کی خبر سن کر وہاں پہنچے تو ڈپٹی کمشنر صاحب وہاں سے چلے گئے تھے اور بہت سے قدم آگے نکل گئے تھے مگر آپ کو آتا دیکھ کر شاید ان کے ہمراہی لوگوں میں سے کسی نے کہا ہو گا کہ مکان بنوانے والا آگیا ہے وہ پھر واپس آئے اور ان کو واپس ہوتے دیکھ کر آپ کے دل نے کہا کہ حکم ٹوٹ گیا۔ جب وہ آگئے تو آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ سرکاری زمین ہے؟ آپ نے کہا ہاں! مگر سارا شہر ہی سرکاری زمین ہے انہوں نے پوچھا کہ وہ کس طرح؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر سرکار کو اس شہر کے مقام پر فوجی میدان بنانا پڑے تو کیا شہر کے لوگ انکار کر سکتے ہیں؟ کہا ہاں نہیں کر سکتے آپ نے فرمایا بس اسی طرح ہر جگہ سرکاری ہی کہلاتی ہے۔ تب انہوں نے کہا کہ اچھا آپ کا مکان سرکاری زمین کے کتنے حصہ میں بن سکتا ہے آپ نے کہا کہ ایک طرف تو سڑک ہے دوسرے طرف بھی شارع عام ہے اس کے درمیان جتنی زمین ہے اس میں مکان بن سکتا ہے ڈپٹی کمشنر نے کہا اچھا ابھی میخیں گاڑ دو۔ چنانچہ میخیں گاڑ دی گئیں۔ پھر تحصیلدار اور میونسپلٹی کے لوگوں سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو کوئی اعتراض ہے؟ انہوں نے کہا کہ ان کا مکان تو نافع عام ہوتا ہے ہم کو کوئی اعتراض نہیں آپ سے کہا کہ اچھا آپ اپنا مکان بنائیں جب وہ چلے گئے تو تحصیلدار نے آپ کے پاس آکر کہا کہ یہ تو سکھا شاہی فیصلہ ہوا ہے کیونکہ ڈپٹی کمشنر صاحب کو خود بھی اختیار اس طرح سرکاری زمین دینے کا نہیں ہے آپ نے ان سے کہا کہ آپ خاموش رہیں بہت دور جا کر ڈپٹی کمشنر پھر واپس آئے اور آپ سے کہا کہ سڑک کے ساتھ ساتھ بدرو ہے آپ کو اس کے سبب سے بہت تکلیف پہنچے گی آپ نے کہا میں نے سنا ہے انگریز بہت عقل مند ہوتے ہیں آپ ہی کوئی تدبیر بتائیں۔ کہا میں نے تدبیر یہ سوچی ہے کہ سرکار

کی طرف سے آپ کے مکان کا پشتہ کمیٹی بنادے۔ پھر کمیٹی والوں سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ آپ کو کوئی اعتراض ہے؟ انہوں نے کہا نہیں وہ تحصیلدار آپ سے کہنے لگا کہ یہ ایک ہزار روپیہ اور ہم پر جرمانہ ہوا۔ آپ نے ان سے کہا کہ تم ان باتوں کو کیا سمجھ سکتے ہو؟ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایک بار پھر غیبی نصرت فرمائی اور مکان تیار ہو گیا [۶۱] اس کے بعد ہندو کے قرض کی ادائیگی کس طرح ہوئی یہ بھی ایک ایمان افروز واقعہ ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔"

آپ کے مطب کی یہ خصوصیت ابتداہی سے رہی کہ یہ ایک مکمل درسگاہ ہوتا تھا جس میں مریضوں کی تشخیص اور دوا دینے کے علاوہ قرآن و حدیث اور دوسرے علوم کی تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا چنانچہ خلیفہ نورالدین صاحب جمونی (جو اس زمانہ میں جموں سے بھیرہ میں آپ کی خدمت میں حاضر تھے) بیان کرتے ہیں۔

"ایک دفعہ میرا بھیرہ جانا ہوا۔ وہاں حضرت مولوی نورالدین صاحب کے بڑے بھائی سلطان احمد صاحب نے ذکر کیا کہ ان کے بھائی (حضرت خلیفہ اولؓ) حدیث کا علم حاصل کرنے کے لئے مکہ گئے ہوئے ہیں اور کچھ عرصہ تک واپس آئیں گے۔ میں ان کا منتظر رہا۔ ایک روز صبح کے وقت گجرات میں میرے والد صاحب اور مولوی برہان الدین صاحب حمام میں نہانے کے لئے گئے۔ نہا کر مولوی برہان الدین صاحب نے فرمایا۔ کہ بھیرہ میں ایک اہلحدیث حدیث کا علم پڑھ کر آیا ہے میں نے مولوی صاحب سے ان کا نام پوچھا انہوں نے فرمایا۔ نورالدین۔ میں نے پوچھا۔ کیا وہ آگیا ہے کہنے لگے ہاں۔ میں نے کہا کہ میں تو اس کا منتظر تھا۔ چنانچہ میں نماز پڑھ کر ایک کمبل کاندھے پر رکھ کر چل پڑا۔ تیسرے روز بھیرہ پہنچا اور حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت مولوی صاحب نے حکیم فضل الدین صاحب اور دیگر اہل حدیثوں سے فرمایا کہ یہ ایک اور اہلحدیث آیا ہے۔ حضرت مولوی صاحب نے مجھے اہل حدیثوں کی مسجد یعنی حکیماں والی مسجد کا امام مقرر فرمایا۔ اور میرا کھانا اپنے گھر پر مقرر کر دیا۔ مولوی صاحب مجھے خود حدیث پڑھاتے تھے لیکن پڑھائی کے دوران میں بہت مریض آجایا کرتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب ایک دو حدیثیں پڑھانے کے بعد مجھے نسخے لکھوانے لگ جاتے اور پھر فرماتے ان کو یہ دوائیاں بانٹ دو۔ دوائیوں کی تقسیم کے بعد مولوی صاحب پھر پڑھانا شروع کر دیتے اس اثناء میں اور مریض آجاتے تو پھر نسخہ لکھنے اور دوائیاں تقسیم کرنے کا کام شروع ہو جاتا۔ غرضیکہ مریضوں کے ہر گروہ کے وقفہ کے درمیان ایک دو حدیثوں کی پڑھائی ہوتی۔ [۶۲]

بھوپال سے دعوت اور آپ کا سفر لاہور

منشی جمال الدین صاحب مدار المہام ریاست بھوپال کو آپ سے جو محبت و عقیدت تھی۔ اس کی بنا پر وہ چاہتے تھے کہ آپ دوبارہ بھوپال میں تشریف لائیں۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحبؓ کی خدمت میں ان کی طرف سے جو تحریری دعوت نامہ پہنچا تو آپ بھی بھوپال جانے کے لئے بھیرہ سے روانہ ہو گئے۔ اور خلیفہ نور الدین صاحب جمونی کو بھی ساتھ لے لیا۔ لاہور پہنچے تو ان سے کہا کہ آپ لاہور میں ہی ٹھہریں بھوپال پہنچ کر آپ کو وہاں بلا لیں گے۔ لیکن اس اثناء میں آپ کے بڑے بھائی مولوی سلطان احمد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اس لئے حضرت مولوی صاحب کو یہ سفر ملتوی کر کے واپس بھیرہ آنا پڑا خلیفہ نور الدین صاحب نے لاہور کے ایک مدرسہ میں باقاعدہ داخلہ لے لیا تھا مگر آپ ان کو بھی ساتھ ہی لے آئے۔ اور طب اور حدیث کی تعلیم کا سلسلہ پھر سے باقاعدہ جاری ہو گیا۔ اپنے بچوں کی تعلیم و پرورش میں امداد' ادویہ کی کوٹ چھان کی نگرانی' مریضوں کے لئے نسخہ جات لکھنا اور ان کی تیاری اور تقسیم کا سب کام آپ نے انہی کے سپرد کر رکھا تھا۔ خلیفہ صاحب موصوف دس بارہ سال تک آپ کی خدمت میں حاضر رہے اور گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے رہے۔ [۶۳]

لارڈ لٹن کے دربار دہلی میں شمولیت

مکان کی عمارت تو بارہ سو روپیہ میں مکمل ہو گئی مگر اب آپ کو فکر لاحق ہوئی کہ ہندو قرض خواہ کہیں اپنا روپیہ ہی نہ طلب کر بیٹھے اتفاق کی بات یہ ہوئی کہ یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو وائسرائے ہند لارڈ لٹن (Lard Lutton) کا دربار دہلی کی پرانی چھاؤنی میں اس پہاڑی کے نیچے منعقد ہو رہا تھا [۶۴] جس پر سے انگریزوں نے شہر کو فتح کیا تھا دربار میں بڑے بڑے رئیس' جاگیردار اور راجے مہاراجے مدعو تھے اور خود آپ کو شمولیت کے لئے اطلاع آ چکی تھی۔ مگر بعض مخصوص حالات کے باعث آپ کا دہلی جانا ممکن نہیں تھا کہ اس اثناء میں آپ کے ایک دوست ملک فتح خانصاحب گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کی خدمت میں پہنچے اور بتایا کہ بڑے رئیس تو دہلی دربار میں جمع ہونگے مگر.... اسی تاریخ کو راولپنڈی میں بھی دربار ہو رہا ہے اور ہم اس میں بلائے گئے ہیں حضرت مولوی صاحب نے ان کے کان میں چپکے سے کہا کہ مجھے بھی دربار میں جانا ہے انہوں نے جھٹ اپنا گھوڑا سواری کے لئے پیش کر دیا۔ چنانچہ آپ گھر میں اطلاع دیئے بغیر سوار ہو کر ان کے ساتھ چل دیئے۔ جہلم پہنچ کر ملک صاحب تو راولپنڈی کی ریل میں سوار ہو گئے اور آپ تنہا رہ گئے سفر میں آپ کے کپڑے بہت ہی میلے ہو چکے تھے۔ اس لئے آپ ملک حاکم خاں تحصیلدار کے ہاں پہنچے اور ان کا ایک پاجامہ پگڑی اور کوٹ زیب تن کر لیا۔ مگر نیچے کرتا نہیں پہنا۔ سیر کے لئے باہر نکلے اور ٹہلتے ہوئے سٹیشن جہلم پر پہنچے کسی سے دریافت کیا کہ لاہور کا تھرڈ

کلاس کا کیا کرایہ ہے معلوم ہوا کہ پندرہ آنہ۔ اس کوٹ کی جیب میں دیکھا تو صرف پندرہ آنہ کے پیسے پڑے تھے۔ آپ نے ٹکٹ لیا اور لاہور پہنچے۔ یہاں بڑی بھیڑ تھی کیونکہ لوگ دربار کے سبب دہلی جا رہے تھے ٹکٹ کا ملنا محال تھا اور آپ کی جیب میں تو کوئی پیسہ بھی نہ تھا ایک پادری جن سے کسی مرض کے متعلق طبی مشورہ دینے کے سبب آپ کی پہلے سے جان پہچان تھی سٹیشن پر مل گئے ان کا نام گولک ناتھ تھا انہوں نے کہا کہ آپ کہاں جاتے ہیں ٹکٹ تو بڑی مشکل سے ملے گا۔ آپ نے کہا مجھ کو دہلی جانا ہے گولک ناتھ نے کہا میں جاتا ہوں اور ٹکٹ کا انتظام کرتا ہوں چنانچہ وہ گئے اور بہت ہی جلد ایک ٹکٹ دہلی کا لائے۔ آپ نے ٹکٹ ان سے لے لیا اور جیب میں ہاتھ ڈالا۔ تو پادری صاحب کہنے لگے آپ میری ہتک نہ کریں معاف کریں میں اس کے دام نہ لوں گا اور میں بھی تو دہلی جاتا ہوں رستہ میں دیکھا جائے گا۔ آپ رستہ میں ان کو تلاش کرتے رہے مگر وہ نظر نہ آئے اور دہلی کے سٹیشن پر بھی باوجود تلاش کے آپ کو نہ ملے۔ دہلی سٹیشن پر اترے تو عصر کا وقت تھا۔ آہستہ آہستہ اس سڑک پر چلے جس پر رؤساء کے خیمے نصب تھے۔ اور غالباً پانچ میل نکل گئے اب چونکہ آفتاب غروب ہونے کو تھا آپ نے واپسی کا ارادہ کیا اتنے میں ایک سپاہی جو منشی جمال الدین صاحب مدار المہام بھوپال کا ملازم تھا دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کو منشی صاحب بلاتے ہیں انہوں نے آپ کو دیکھ کر مجھے بلانے بھیجا ہے آپ نے کہا اب تو وقت تنگ ہے میں کل انشاء اللہ تعالیٰ ان کی خدمت میں آؤں گا اس نے کہا کہ وہ بہت اصرار سے آپ کو بلاتے ہیں آپ نے پھر بھی کہا کہ کل آؤں گا۔ اس نے کہا پاس ہی تو خیمہ ہے آپ ذرا تکلیف کر کے خود ہی ان سے عذر کر لیں۔ جب آپ تشریف لے گئے تو وہ حسب عادت بڑی ہی مہربانی سے پیش آئے اور فرمایا کہ میرا ایک نواسہ محمد عمر نام بیمار ہے آپ اس کو دیکھیں۔ آپ نے فرمایا میں کل آکر اس کو دیکھوں گا انہوں نے کہا کہ آپ آج رات کو یہیں رہیں کل ہم آپ کے مکان پر چلیں گے چنانچہ آپ کے لئے علیحدہ ایک آرام دہ خیمہ کھڑا کرا دیا۔ اور اگلے روز چونکہ جمعہ تھا انہوں نے یہ سمجھ کر مکان پر جانے سے تو اس کو ہم نے روک لیا ہے راتوں رات ہی آپ کے لئے کپڑے تیار کرا دیئے۔ جو آپ نے اگلے روز پہن لئے۔ جمعہ کا وقت آیا تو آپ دونوں جامع مسجد گئے اور نماز پڑھی۔ جس طرف حضرت مظہر جانجاناںؒ شیخ المشائخ کی قبر ہے اس طرف کی سیڑھیوں سے وہ اترے وہیں ان کی بگھیاں کھڑی تھیں۔ آپ سے کہا کہ آپ کا مکان کہاں ہے ادھر چلیں آپ حیران۔ سامنے ایک تنگ گلی نظر آئی آپ نے کہا ادھر ہے۔ فرمایا اس طرف تو ہماری بگھی نہیں جا سکتی۔ اپنے دو آدمی آپ کے ساتھ کر دیئے اور کہا کہ اسباب لے آؤ۔ آپ ان آدمیوں کو ساتھ لئے ہوئے اس گلی میں پہنچے کسی ارادہ کے بغیر چلے جاتے تھے کہ ایک مکان نظر پڑا کہ اس مکان میں بڑی

کثرت سے لوگ جاتے ہیں اور آتے بھی ہیں - اس مکان میں مخلوق کی اس قدر آمد و رفت دیکھ کر آپ بھی بلا تکلف اس مکان میں گھس گئے - جب اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ نیچے ایک بہت بڑا دالان ہے اور اوپر زینہ کے راستہ بالا خانہ پر لوگ جا رہے ہیں - آپ نے ان سپاہیوں کو تو اس دالان میں بٹھایا اور بلا تکلف سیڑھیوں پر چڑھ گئے دل میں ذرا بھی وسوسہ نہ آیا کہ یہ کس کا اور کیسا مکان ہے گویا قدرت کا ایک ہاتھ تھا جو آپ کو پکڑ کر اوپر لے گیا - وہاں کثرت سے آدمی بیٹھے ہوئے تھے آپ بھی ان کی طرف متوجہ ہوئے آپ نے ان لوگوں میں سے صرف عبید اللہ صاحب ساکن بنت مصنف تحفتہ الہند کو پہچانا آپ کو دیکھتے ہی وہ بڑے خوش ہو کر بولے آپ کا آنا تو میرے لئے بڑا ہی مبارک ہوا ہے میرے ساتھ کچھ نوجوان نو مسلم ہیں میں اسی فکر میں تھا کہ ان کو کہاں رکھوں - اب آپ جیسا انسان اور کون مل سکتا ہے - آپ ان کو اپنے یہاں لے جائیں یقین ہے کہ بڑی مہربانی سے رکھیں گے انہیں نو مسلموں میں آپ کے ایک دوست ہدایت اللہ بھی تھے وہ بہت کمسن تھے ! آپ نے کہا ہاں میں بخوشی ان کی خدمتگزاری کو موجود ہوں مجھ کو بھی اپنے مکان پر واپس جانا ہے آپ میرے ساتھ کر دیں مولوی صاحب نے کہا ان کے ساتھ ان کے بسترے اور سب ضروری سامان موجود ہے آپ نے فرمایا میرے آدمی نیچے بیٹھے ہیں وہ سب اٹھوا کر لے چلیں گے ان کو دیدو - ان سپاہیوں سے اسباب اٹھوا کر آپ بخیر و عافیت منشی صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے - وہ بہت ہی خوش اور احسان مند ہوئے اور سب کو اپنی بگھیوں میں سوار کرا کر کیمپ میں لے آئے - آپ نے کہا کہ میں تھوڑے ہی دن آپ کے پاس رہ سکتا ہوں اور میاں محمد عمر کے رسولی ہے یہ بہت دونوں کے بعد جائے گی - اور میں گھر میں اطلاع دیکر بھی نہیں آیا - انہوں نے کہا آپ ضرور ٹھہریں اور گھر کے لئے پانسو روپیہ کا نوٹ بھیج دیں آپ بہت مشوش ہوئے کہ ہم تو بارہ سو کے مقروض ہو کر نکلے تھے اور یہ تو پانسو ہی دیتے ہیں شاید وہ جگہ نہیں جہاں ہمیں جانا ہے - المختصر آپ نے وہ نوٹ تو اس ہندو قرض خواہ کو بھجوا دیا اور گھر میں لکھا کہ آپ مطمئن رہیں تھوڑے ہی دونوں کے بعد منشی صاحب نے سات سو روپیہ اور دیا - اور آپ سے کہا کہ جس طرح ممکن ہو آپ بھوپال تک چلیں - آپ نے سمجھا کہ میرا قرضہ تو پورا ہو ہی گیا ہے اب جہاں چاہیں جا سکتے ہیں - پھر قبل ازیں آپ بھوپال آنے کا وعدہ بھی فرما چکے تھے - اس کے پورا کرنے کا موقع اب آچکا تھا - ۷۵

بھوپال میں دوسری بار ورود

چنانچہ آپ منشی صاحب کے ہمراہ بھوپال تشریف لے گئے منشی صاحب نے کچھ ماہانہ اپنے پاس سے اور دو سو روپیہ ریاست سے مقرر کرا دیا ۷۶ اور کہا کہ لوگوں سے فیس لے سکتے ہیں غرض آپ کا کچھ مدت تک بھوپال میں قیام

رہا۔ [67] پھر آپ ریاست کی ملازمت چھوڑ کر واپس بھیرہ میں آگئے۔

بھیرہ میں آمد اور ریاست جموں و کشمیر میں ملازمت کی تحریک

بھیرہ جو آپ کے چلے جانے سے کچھ بے رونق سا ہو گیا تھا آپ کی تشریف آوری سے دوبارہ آباد ہو گیا اور عوام پھر سے آپ کے طبی اور دینی کمالات سے فیض یاب ہونے لگے اس زمانہ میں کئی اہم واقعات ہوئے۔

(۱) آپ کی خاص کوشش سے بھیرہ کی ایک مسجد کے ساتھ (جو پنکھے بنانے والوں کے محلہ میں واقع تھی) کنواں بنا اور مسلمان عورتیں جن کو بازار میں سے ہو کر پانی لانا پڑتا تھا ان کو بڑا آرام ہو گیا۔ [68]

(۲) ایک امیر کبیر آدمی محرقہ تپ کا مریض آپ کے زیر علاج تھا آپ نے اس کے علاج معالجہ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی آپ کو یقین تھا کہ ساتواں دن بحران کا ہے جس کے بعد بخار ٹوٹ جائے گا۔ اس کے گھر والے اس بات سے ناواقف تھے۔ انہوں نے جو ساتویں روز کی شام کو مریض کو سخت اضطراب میں پایا تو وہ راتوں رات پنڈ دادنخاں کے ایک خاندانی طبیب کرم علی کو بلا لائے۔ بحران شروع ہو چکا تھا اس طبیب کی ایک پڑیہ سے ہی تپ ختم ہو گیا۔ گھر والوں نے اس جادو بھری پڑیہ پر اسے انعام و اکرام دیا۔ اور آپ کو یہ انعام ملا کہ مخلوق پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ [69]

(۳) آپ کے ایک دوست خان بہادر ملک صاحب خاں صاحب ٹوانہ رئیس ٹوانہ سی ایس آئی اسی برس کے ہو چکے تھے [70] اور لاولد تھے ایک مرتبہ وہ کسی انگریز کی کوٹھی میں تھے۔ انگریز نے سوال کیا کہ محمد (رسول اللہ ﷺ) سچے رسول تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تمہاری کوٹھی میں آکر تو حضور سچے رسول ہی ثابت ہوتے ہیں۔ اس نے پوچھا کیسے؟ انہوں نے کہا۔ کہ میرے پاس تین لاکھ جمع ہے اسی برس کی عمر ہے اور اولاد کوئی نہیں پھر بھی آپ کی کوٹھی میں آکر یہی جی چاہتا ہے کہ کچھ زمین اور مل جائے کوئی کرسی کا درجہ بڑھ جائے مال و دولت اور عورت وغیرہ ہی لطف کی چیزیں ہیں۔ لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا کہ دنیا سے محبت نہ کرو۔ کسی کا مال نہ لو کسی کی عورت کو نہ دیکھو۔ پھر اپنی اولاد (سادات) کے لئے زکوۃ تک لینا ممنوع کر دیا۔ پس اب یہ بتاؤ کہ پیغمبری سے انہوں نے خود کون سا فائدہ اٹھایا حتی کہ اولاد کے لئے صدقہ تک حرام کر دیا یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے زبردستی ہی پیغمبری کا دعویٰ کرایا ہو گا۔ یعنی خدا تعالیٰ نے ہی پیغمبر بنایا ہو گا۔

جب حضرت مولوی صاحب کو اس واقعہ کا پتہ چلا تو سنتے ہی آپ کی زبان پر بے ساختہ جاری ہوا کہ اب ضرور ملک صاحب کے لڑکا بھی پیدا ہو گا۔ [71]

ملک صاحب نے حضرت مولوی صاحب کی تحریک دلانے پر ایک دوشیزہ سے شادی کرلی۔ اور بالاخر اس مردخدا کی زبان سے نکلی ہوئی بات حرف بحرف پوری ہوئی یعنی ان کے ہاں ۱۸۷۴ء [۴۲] میں ملک عمر حیات خاں [۴۳] پیدا ہوئے جنہوں نے بعد میں بہت ترقیات کیں اور ٹوانہ خاندان میں بڑا نام پیدا کیا اور یہ سب کچھ خدا کے فضل اور آپ کی توجہ اور روحانی قوت کا نتیجہ تھا۔

(۴)　ان دنوں آپ کو تاریخ ابن خلدون کا بہت شوق تھا۔ ایک تاجر ستر روپیہ میں بیچتا تھا۔ آپ بالاقساط یہ رقم دینا چاہتے تھے مگر تاجر اس پر رضامند نہ ہوا۔ لیکن جب آپ نماز ظہر کے لئے مطب میں آئے تو تاریخ کی یہ کتاب وہاں رکھی تھی۔ ہرچند آپ نے تحقیق کی کہ کون رکھ گیا ہے مگر کچھ پتہ نہ چلا کچھ مدت کے بعد معلوم ہوا کہ کسی رئیس نے ایک عرصے سے ایک سکھ کو حکم دے رکھا تھا کہ مولوی صاحب کو کوئی ضرورت پیش آئے تو بلا تامل پوری کردیا کرو۔ اتفاق سے یہ سکھ بھی اس دن مجلس میں موجود تھا اس نے فوراً یہ کتاب اس تاجر سے خرید کر مطب میں رکھ دی اور اس کی قیمت اس رئیس سے وصول کرلی۔ [۴۴]

(۵)　ان دنوں ایک مفلوج کا آپ نے کامیاب علاج کیا جس سے آپ کی غیر معمولی شہرت ہو گئی۔ [۴۵] اس بیماری میں آپ نے گو علاج تو یونانی ہی کیا۔ مگر ڈاکٹروں سے بھی مشورہ کرلیا۔ مکہ معظمہ میں پہلی مرتبہ آپ کو ڈاکٹری کی طرف توجہ ہوئی تھی اب اس موقعہ پر آپ کو اس کی طرف اور زیادہ رجحان پیدا ہو گیا۔ [۴۶]

بھیرہ میں غالباً سب سے اہم واقعہ جو باطنی اعتبار سے آپ کی ملازمت جموں وکشمیر پر منتج ہوا یہ پیش آیا کہ آپ کو سفر حرمین کے بعد سے بیوہ عورتوں کی شادیوں کی طرف خاص توجہ پیدا ہو چکی تھی ان دنوں آپ نے ایک بیوہ کو نکاح کی تحریک کی۔ اس نے پہلے معذرت کی پھر کہا کہ نکاح کرلیا جائے ولی بعد میں راضی ہو جائیں گے۔ حضرت خلیفہ اول ؓ نے ولی کی مزاحمت کے باوجود اس کی پروا نہ کرتے ہوئے اس بیوہ سے نکاح کرلیا۔ ابھی رخصتانہ کی نوبت نہ آئی تھی کہ آپ نے حضرت رسول مقبول ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ حضور کا چہرہ زرد ہے اور ریش مبارک مونڈی ہوئی ہے اور زمین پر لیٹے ہوئے ہیں آپ پر خواب کی تعبیر کھلی کہ یہ نکاح سنت نبوی علیہ السلام کے خلاف ہوا ہے۔ اس پر آپ نے ایک خط مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کو اور ایک خط مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب کو اس وقت اہلحدیث کے پیشوا اور ایڈووکیٹ سمجھے جاتے تھے۔ لکھا کہ ایک بیوہ عورت ہے بالغ ہے ہوش و حواس سالم ہیں نکاح کرنا چاہتی ہے مگر ولی مانع ہیں۔ جواب آیا کہ وہ ولی معزول ہو جاتے ہیں جو مانع نکاح ہوں۔ بیوہ ایسی حالت میں باختیار خود نکاح کی مجاز ہے۔ کیونکہ حدیث لا نکاح

الا بولی میں کلام ہے چونکہ فتویٰ عین منشاء کے مطابق نکلا۔ آپ کو بڑی مسرت ہوئی اور ارادہ کرلیا کہ اب بیوہ مذکورہ کو گھر میں لایا جائے اپنے دیوان خانہ کے دروازہ تک پہنچے تو ایک شخص سامنے سے آیا اور کہنے لگا کہ اس حدیث کا مطلب مجھے سمجھائیں الاثم ماحاک فی صدرک ولو افتاک المفتون آپ نے اسے ایک غیبی آواز سمجھا اور آپ کے دل میں میخ آہنی کی طرح بیٹھ گیا کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تنبیہہ ہوئی ہے کہ ان مفتیوں کے فتویٰ کی پرواہ نہ کرو۔ دیوان خانہ کا دروازہ بند کر کے دالان میں داخل ہوئے پھر دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ اول تو حدیث مجروح ہے پھر مفتیوں نے فتویٰ بھی جواز کا دے دیا ہے ادھر دوسری حدیث ڈراتی ہے تو اب کیا کیا جائے خدا کی قدرت اسی فکر میں لیٹ گئے آپ پر نوم کا غلبہ ہوا تو آپ کو رؤیاء میں دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی دیکھا کہ حضور سامنے بیٹھے ہوئے ہیں آپ ۲۵ برس کی عمر کے معلوم ہوتے ہیں مگر بائیں جانب سے آپ کی ریش مبارک خشخشی ہے اور دائیں طرف سے داڑھی کے بال لمبے ہیں۔ آپ نے دل میں کہا کہ اگر رسول کریم ﷺ کی ریش مبارک کے بال دونوں جانب سے یکساں ہوتے تو بہت خوبصورت معلوم ہوتے۔ پھر معاً آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ چونکہ مجھے اس حدیث کی صحت میں تامل ہے اس لئے یہ فرق ریش مبارک میں ہے پھر آپ نے عزم بالجزم کرلیا کہ خواہ کوئی انسان ہو اگر وہ اس حدیث کو ضعیف کہے گا میں ہرگز اس کا کہا نہیں مانوں گا اس خیال کا دل میں آنا تھا کہ آپ نے دیکھا آنحضرت ﷺ کی ریش مبارک برابر ہوگئی حضور آپ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا۔ کہ کیا آپ کشمیر دیکھنا چاہتے ہیں آپ نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ۔ آپ اٹھے اور چل پڑے۔ حضورؐ آگے آگے اور آپ پیچھے پیچھے تھے اور بالآخر خواب میں ہی بانہال کے رستہ سے کشمیر پہنچ گئے۔ [۷۷]

اس رؤیاء کی تکمیل کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ بھیرہ کے ایک ہندو لالہ متھر اداس جو آپ کے ہمسایہ بھی تھے اور مہاراجہ رنبیر (یا رندھیر [۷۸]) سنگھ والئی ریاست جموں و کشمیر کے عہد میں پولیس افسر تھے سل میں مبتلا ہو کر اور بھیرہ آکر آپ کے زیر علاج رہے اور شفا پائی جس کا دور دور تک شہرہ ہوا۔ اسی اثناء میں دیوان کرپارام [۷۹] وزیر اعظم کشمیر پنڈ دادنخاں سے گزرے اور انہیں بھی اس کامیابی کا علم ہوا واپس جا کر انہوں نے اور لالہ متھر اداس کے ماموں بخشی جوالہ سنگھ صاحب نے مہاراجہ صاحب سے آپ کے علم و فضل کا تذکرہ کیا۔ یہ ۱۸۷۶ء [۸۰] یا اس سے کچھ پیشتر کا واقعہ ہے۔ مہاراجہ صاحب نے لالہ متھر اداس ہی کو بھیجا کہ مولوی صاحب کو جا کر بھیرہ سے لے آؤ۔ [۸۱]

ریاست جموں و کشمیر میں ملازمت کا آغاز

لالہ متھر اداس صاحب مہاراجہ کا حکم لیکر بھیرہ آئے چنانچہ حضرت مولوی نورالدین

صاحب اور آپ کے شاگرد خلیفہ نورالدین صاحب جمونی اور لالہ متھر اداس تینوں ایک یکہ میں سوار ہو کر کئی روز میں وزیر آباد اور سیالکوٹ کے رستہ جموں پہنچے۔ لالہ متھر اداس نے کہا کہ مولوی صاحب کے دو سو روپیہ مشاہرہ ریاست بھوپال سے ملتا رہا ہے چنانچہ مہاراجہ صاحب نے فی الفور دو سو روپیہ منظور کر لئے اور کہا کہ اگر ایسا آدمی دو ہزار بھی مانگے تو ہم اس قدر رقم دینی منظور کر کے بھی انہیں ضرور رکھ لیں کچھ عرصہ کے بعد یہ تنخواہ چار سو اور پھر پانچ سو تک کر دی گئی۔ [۸۲]

جموں میں آپ نے ایک مختصر سرکاری بالاخانہ میں رہائش اختیار کر لی۔ یہاں سے آپ کو دربار آنے جانے میں سہولت تھی اس مکان کا مہتمم بڑا بد عہد مشہور تھا۔ اسی بناء پر آپ نے ایک سال کے لئے اسٹامپ بھی لکھوا لیا۔ مگر وہ دوسرے تیسرے روز ہی عہد سے پھر گیا اور کہا کہ فلاں کرایہ دار مجھے دوگنا کرایہ دیتا ہے باقی رہی تحریر تو میرے نزدیک یہ قابل اعتبار نہیں ہے آپ اسے دوگنا کرایہ دینے پر رضامند ہو گئے لیکن وہ تھوڑی دیر کے بعد آ کے کہنے لگا کہ وہ آدمی چوگنا کرایہ دیتا ہے آپ نے فرمایا اچھا ہم چوگنا ہی دیتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آیا اور کہنے لگا کہ وہ بارہ گنا کرایہ دیتا ہے ایک سرکاری افسر کی پیرانہ سالی میں اس درجہ بد عہدی دیکھ کر آپ کو شہر سے ہی نفرت ہو گئی اور آپ اسباب بندھوا کر نیچے اترنے لگے کہ جموں کے رئیس شیخ فتح محمد صاحب آ گئے۔ اصل قصہ معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے آدمیوں سے اسباب اٹھوا لیا اور آپ کو اپنے گھر جو محلات شاہی کے قریب ہی واقع تھا لے آئے۔ آپ بارہ سال ان کے مکان میں فروکش رہے اور انہوں نے اور ان کے گھر کے تمام افراد نے آپ سے اس درجہ عمدہ سلوک کیا کہ آپ نے خود لکھا ہے کہ "میں اب تک ان کے وسعت حوصلہ پر حیران ہوں .... اور یہ بات ان کی ذات ہی سے وابستہ نہیں تھی۔ بلکہ ان کے گھر کے تمام چھوٹے بڑے سب ایک ہی رنگ میں رنگین دیکھے۔ [۸۳]

۱۸۸۸ء تک آپ کی نشست گاہ اور مطب دونوں شیخ فتح محمد صاحب کے مکان پر رہے جس میں مختصر سے دو کمرے اور سامنے ایک بڑا لمبا پلیٹ فارم تھا۔ اور زنانہ مکان تھوڑے فاصلہ پر محلہ کے اندر مسجد کے پاس تھا۔ [۸۴]

۱۸۸۸ء کے بعد جب کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ فوت ہو چکے تھے اور مہاراجہ پرتاب سنگھ حکمران تھے [۸۵] آپ بخشی رامداس صاحب وزیر وزارت کے مکان کے پاس ایک دو منزلہ عمارت میں منتقل ہو گئے اور یہیں مطب بھی آ گیا تھا۔

۱۸۸۸ء سے ۱۸۹۲ء کے آخر تک پھر آپ کا اسی جگہ قیام رہا [۸۶] اس زمانہ میں آپ کو دیکھنے والے بعض لوگ جو اب تک بقید حیات ہیں ان میں سے ایک (غیر احمدی دوست) محمد اکرم خاں پنشنر

ڈی۔ سی و چیئرمین مجلس اوقاف اسلامیہ جموں بھی ہیں۔ ان کا چشم دید بیان ہے کہ گو اس وقت میری عمر زیادہ نہ تھی تاہم مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ عام طور پر نماز جمعہ مسجد منصب داراں واقع کوچہ موچیاں محلہ تالاب کھٹیکاں جموں میں ادا کرتے اور بعد ادائے نماز جمعہ میرے حقیقی چچا کرنل سردار یار محمد خاں صاحب کے مکان واقعہ محلہ تالاب کھٹیکاں میں مجلس عرفان گرم رہتی اس مجلس میں دینی مسائل وغیرہ پر گفت و شنید ہوتی۔ اتنے میں نماز عصر آجاتی۔ چائے نوش کرنے اور نماز عصر کی ادائیگی کے بعد بیماروں کو دیکھنے کے لئے تشریف لے جاتے آپ غریبوں کا علاج مفت کرتے تھے اور آپ ان سے ہمدردی سے پیش آتے تھے اور مفلس مریضوں کی نقدی سے بھی امداد کرتے تھے۔

آپ کی رہائش گاہ جموں میں دایوں کے دو منزلہ مکان کے اندر تھی (نزد مکان بخشی رام داس صاحب وزیر وزارت) باعمل متبحر عالم تھے۔ آپ کی مجلس میں شرکت کرنے والوں میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

کرنل سردار یار محمد خاں خانصاحب۔ خلیفہ نور الدین صاحب۔ چوہدری فتح محمد صاحب کھٹیک۔ مفتی محمد صادق صاحب۔ شیخ فتح محمد صاحب سپرنٹنڈنٹ خاطر تواضع۔ مولوی امیر عالم صاحب۔ حکیم مولوی عمر الدین صاحب۔ حکیم مولوی محمد حسین صاحب۔ منشی فضل احمد صاحب۔ چوہدری اللہ دتہ کھٹیک صاحب۔ سید محمد شاہ صاحب ٹھیکیدار بخشی رام داس صاحب وزیر وزارت۔ لالہ امریک رائے صاحب وزیر وزارت۔ [۸۷]

عظیم الشان طبی خدمات

ملازمت ریاست کے دوران مہاراجہ کی توقع کے مطابق ریاست کو بھاری فائدہ ہوا۔ اور آپ کے قدم سے اس کی خوش نصیبی کے دن پلٹ آئے نجی طور پر بھی آپ نے مطب جاری کر رکھا تھا [۸۸] جس سے عوام و خواص وسیع پیمانہ پر استفادہ کرتے تھے بے شمار لاعلاج مریض آپ کے ہاتھوں شفایاب ہوئے۔ میاں لعل دین صاحب رئیس جموں (جو خدمت گاری کے عہدے پر فائز تھے [۸۹]) ان کی بیٹی نے زحیر کاذب کی مرض سے نجات پائی جس پر انہوں نے آپ کو ایک یارقندی یابو مع زین بھی دیا اور خلعت بھی ملی [۹۰] ایک جنگی افسر نے شدید قولنج سے شفا پائی۔ بعض لوگ جو خطرناک ضعف باہ میں مبتلا تھے آپ کے علاج سے صحت یاب ہوئے۔ [۹۱،۹۲]

۱۸۷۹ء کے قریب کشمیر میں سخت قحط پڑا [۹۳] اور اس کے بعد ہیضہ کی خطرناک وبا پھوٹ پڑی اور ہزاروں لوگ لقمہ اجل ہوئے آپ نے اس وباء میں مخلوق خدا کی خدمت میں دن رات ایک کر دیا جس پر آپ کو مہاراجہ صاحب نے ایک نہایت قیمتی خلعت بطور انعام پیش کی۔ ۸۱۔۱۸۸۰ء میں راجہ

پونچھ کو پیچش کے شدید مرض سے مخلصی ہوئی اور کئی سال تک وہ آپ کو خطیر رقم بطور شکریہ بھجواتے رہے۔ [۹۴]

۱۸۸۶ء میں راجہ پونچھ کے بیٹے ٹکہ بلدیو سنگھ کو زلزلوں سے دماغی خلل ہو گیا جس کا آپ نے ایسا کامیاب علاج کیا کہ راجہ پونچھ نے ہزاروں روپے دیئے۔ بلکہ مہاراجہ جموں و کشمیر نے آپ کو سال بھر کی تنخواہ کے علاوہ مزید انعام دیا۔ [۹۵] غرض کہ کہاں تک ذکر کیا جائے تاریخ کشمیر کا یہ دور نہایت سنہری دور ہے جس میں ریاست کو آپ سا بے مثال حکیم و حاذق طبیب میسر آیا اور ہزاروں جانیں تلف ہونے سے بچ گئیں۔ [۹۶]

زمانہ جموں کے ایک کارڈ کا چربہ

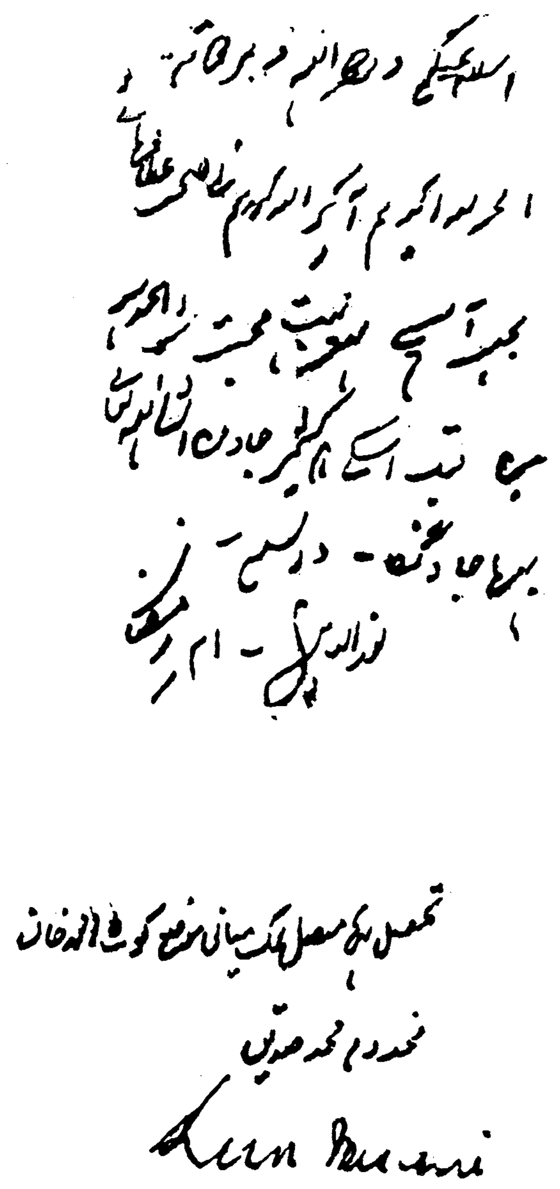
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
نور الدین
مخدوم محمد صدیق

ریاست میں تبلیغ واشاعت اسلام کی وسیع سرگرمیاں

ملازمت کے دوران آپ کی سعی و جدوجہد صرف طبی خدمات تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ اس دور میں آپ نے تبلیغ و اشاعت اسلام کی وسیع سرگرمیاں جاری کر رکھی تھیں اور یہ زمانہ آپ کے لئے زبردست تبلیغی اور تربیتی اور علمی جہاد کا زمانہ تھا۔ مہاراجہ کشمیر اسی ہزار مربع میل کا مالک اور تقریباً پچیس لاکھ نفوس پر حکمران تھا [۹۷]۔ اور اڑتالیس ہزار فوج اس کے ادنیٰ اشارہ پر حرکت میں آجاتی تھی [۹۸] اس کے رعب وداب اور شان و شوکت کو دیکھ کر اس کے سامنے بڑے بڑے لوگوں کے دل دہل جاتے تھے اور ان کے لئے خوشامد اور چاپلوسی اور کاسہ لیسی کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

مگر حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ المسیح اولؓ تو خدا کے بہادر سپاہی اور بیشہ علم و عمل کے شیر تھے جو باطل کی بڑی سے بڑی قوت کے ساتھ اپنے علم و اخلاق اور روحانیت سے ٹکرا جاتے تھے۔ مگر اس کے سامنے دب کر رہنا آپ کو کسی طرح گوارا نہیں تھا!! مہاراجہ کے دربار میں آپ کی حق گوئی جرأت اور خودداری مشہور تھی۔ آپ سولہ برس تک غیر مسلم فرمانروا کے ملازم رہے مگر آپ کو دوسرے درباریوں کی طرح ایک دفعہ بھی ان کو سلام کرنا نہیں پڑا [۹۹] مہاراجہ کشمیر بارہا سر دربار آپ کی طرف اشارہ کر کے تمام درباریوں کو مخاطب کر کے کہا کرتے تھے کہ تم سب اپنی اپنی غرض لے کر میرے پاس جمع ہوئے ہو اور میری خوشامد کرتے ہو لیکن صرف یہ شخص ہے جس کو میں نے اپنی غرض کے لئے بلایا ہے اور مجھ کو اس کی خوشامد کرنا پڑتی ہے۔ [۱۰۰] ایک دفعہ مہاراج نے آپ کو تنہائی میں بتایا کہ میں آپ سے بہت ڈرتا ہوں اور بعض اوقات ایسی چشم پوشی کرتا ہوں کہ میری طبیعت کے وہ بالکل خلاف ہوتی ہے۔ پھر کہا کہ سلطان محمود غزنوی شاہی خاندان کا شاہزادہ اور حسب و نسب کے اعتبار سے شاہان ایران کی نسل سے تھا مگر فردوسی نے بعض شعر کہکر ہمیشہ کے لئے اس پر خطرناک ٹیکہ لگادیا۔ یہی وجہ ہے کہ ئیں آپ جیسے مصنف لوگوں سے بہت ڈرتا ہوں۔ [۱۰۱]

مہاراج سے آپ کا کئی دفعہ مذہبی تبادلہ خیالات بھی ہوتا تھا۔ اور بات اکثر بحث و مباحثہ تک جا پہنچتی تھی [۱۰۲] مگر آپ ہر قسم کے عواقب سے بے پرواہ ہو کر بر سر مجلس کلمہ حق سنا دیتے تھے اور دلائل ایسے پیش فرماتے کہ ان کو لاجواب اور ساکت ہونا پڑتا تھا۔ حالانکہ ہمیشہ آپ انہی کو منصف مقرر کرتے تھے۔ [۱۰۳]

ایک مرتبہ مہاراجہ صاحب نے آپ سے کہا کیوں مولوی جی! تم ہم کو تو کہتے ہو کہ تم سور کھاتے ہو اس لئے بیجا حملہ کر بیٹھتے ہو۔ بھلا یہ بھی تو بتاؤ کہ انگریز بھی تو سور کھاتے ہیں وہ اس طرح عاقبت نااندیشی

سے حملہ نہیں کرتے۔ آپ نے برجستہ جواب دیا کہ وہ ساتھ ہی گائے کا گوشت بھی کھاتے رہتے ہیں اس سے اصلاح ہو جاتی ہے۔ یہ سن کر وہ دم بخود رہ گئے اور دو سال تک آپ سے کوئی مذہبی مباحثہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ ۱۰۴

کسی دوسرے موقعہ پر مہاراجہ کشمیر نے کہا کہ مولوی صاحب! ان اختلافوں کے مٹانے کے لئے بھی کوئی معیار ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آپ ہی کچھ سوچئے کہ کیا معیار ہو سکتا ہے کہنے لگے مذہب وہ سچا ہے۔ جو پراچین (قدیم) ہو اور تمہارا تو صرف بارہ سو سال سے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے یہاں فبھدا ھم اقتدہ (سورہ انعام آیت : ۹۱) آیا ہے یعنی جو پرانا اور اچھا ہو اس کی پیروی کرو۔ انہوں نے سنکر کہا کہ رامچندر جی سب سے پرانے ہیں ہم ان کو مانتے ہیں۔ آپ نے پوچھا۔ رامچندر جی کس کی پرستش کرتے تھے کہنے لگا۔ وشن کی۔ آپ نے سوال کیا کہ وہ کس کی کرتے تھے کہا وہ ردر کی۔ آپ نے پھر پوچھا وہ کس کی عبادت کرتے تھے جواب دیا۔ برہما کی۔ پھر آپ نے پوچھا برہما کس کی عبادت کرتے تھے۔ مہاراجہ نے کہا۔ ایشور کی۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ ہم وحدہ لاشریک خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ اور اس کا نام اسلام ہے ۱۰۵ غرض کہاں تک بیان کیا جائے۔ مہاراجہ کے سامنے حق کی آواز پہنچانے اور دین اسلام کی خوبیاں بیان کرنے میں آپ پوری طرح نڈر اور بے خوف تھے۔ اس سے بخوبی اندازہ لگ سکتا ہے کہ جب مہاراج کو کھلم کھلا تبلیغ کرتے ہوئے آپ کی طرف سے اس جوش اور اس ولولہ کا اظہار ہوتا تھا تو دوسرے درباریوں' رئیسوں' پنڈتوں اور عیسائی پادریوں سے مذہبی گفتگوؤں کا کیا رنگ ہوگا؟ ایک دفعہ وہاں کے گورنر پنڈت رادھا کشن نے (جو بدھ تھے) راجہ امر سنگھ کے مکان پر کہا ۱۰۶ کہ لیکھرام کے اسلام پر بعض اعتراضات بالکل لاجواب ہیں۔ آپ نے راجہ صاحب کو منصف بنا کر ان سے پوچھا کہ ان اعتراضوں میں سب سے اعلیٰ درجہ کا اعتراض کریں ابھی فیصلہ ہو جاتا ہے انہوں نے اعتراض کیا کہ اسکندریہ کا کتب خانہ حضرت عمرؓ کے حکم سے جلایا گیا تھا؟ آپ نے ان سے دریافت کیا۔ کہ اس دور کی کوئی مستند تاریخ آپ کے نزدیک کونسی ہے اس پر انہوں نے انگریز مورخ ایڈورڈ گبن (۱۷۳۷ - ۱۷۹۴) (E.GIBBON) کی کتاب Decline and fall of the Roman Empire Dioline (تاریخ زوال سلطنت روما) کا نام لیا۔ یہ کتاب اسی وقت کتب خانہ سے منگوالی گئی اس میں گبن نے اس شرمناک الزام کی سختی سے تردید کی تھی۔ اور اس کا بے بنیاد ہونا دلائل سے ثابت کیا تھا۔ ۱۰۷ اس حوالہ نے ساری بحث کا خاتمہ کر دیا۔ ۱۰۸

غالباً انہی گورنر یا دیوان امرناتھ گورنر جموں سے آپ کی عورت مرد میں مساوات کے بارے میں ایک دلچسپ گفتگو بھی ہوئی۔ جس سے وہ ہکا بکا رہ گیا۔ ۱۰۹

غیر مسلموں کے علاوہ مسلمان علماء خصوصاً شیعہ حضرات سے بھی گاہے گاہے گرما گرم بحثیں جاری رہتی تھیں۔ اور چونکہ دیوان اننت رام وزیر اعظم [۱۱۰] کے استاد مولوی عبد اللہ صاحب شیعہ خیال کے تھے اسی لئے بعض اوقات ان کے سامنے بھی سوال و جواب ہوتے تھے۔ اور آپ کے معقول و مسکت جوابات سے ان کی تسلی ہو جاتی تھی۔ [۱۱۱] ایک غالی شیعہ طبیب (غالباً میر نواب لکھنوی) [۱۱۲] ولی عہد کے خاص طبیب تھے ایک دن انہوں نے مطاعن صحابہ کا ذکر شروع کر دیا۔ آپ نے ان سے صرف اس قدر کہا کہ عمرؓ نام صحابی کی اولاد میں سے میں بھی ہوں۔ ہاں اب آپ اعتراض کیجئے۔ ان کی متانت و شائستگی اور شرافت دیکھو جب تک آپ ریاست میں رہے انہوں نے پھر کبھی آپ کے سامنے مذہبی چھیڑ چھاڑ نہیں کی آپ نے ۸۱-۱۸۸۰ء میں ولی عہد کی تحریک پر ایک خط بھی "خطوط جواب شیعہ و رد نسخ" کے نام سے شائع کیا مگر وہ خاموش ہی رہے۔ اور کوئی جواب نہ دیا۔ [۱۱۳]

اس زمانہ کی تصنیفات

اس زمانہ کی تصنیفات جو آپ کے قلم سے شائع ہوئیں۔

(۱) کتاب فصل الخطاب فی مسئلہ فاتحۃ الکتاب ۱۵/ نومبر ۱۸۷۹ء کو رگھوناتھ پریس جموں میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب مولوی فضل الدین صاحب گجراتی (۱۸۳۴-۱۹۰۸ء) والد قریشی محمد حسن صاحب لاہور کے جواب میں تالیف فرمائی جو ان دنوں ریاست جموں و کشمیر کے محکمہ تاریخ کے سپرنٹنڈنٹ تھے اور مدرسہ نعمانیہ کے بانیوں میں سے تھے۔

(۲) خطوط جواب شیعہ و رد نسخ (سن تالیف ۸۱-۱۸۸۰ء)

(۳) ایک عیسائی کے تین سوالوں کے جواب (پادری جیمز کے جواب میں ایک رسالہ جسے انجمن حمایت اسلام لاہور نے وسط ۱۸۸۹ء میں شائع کیا (تاریخ احمدیت جلد دوم صفحہ ۱۸۳ پر اس کا ذکر آچکا ہے۔

(۴) تصدیق براہین احمدیہ (سن اشاعت ۱۸۹۰ء) اس کا کسی قدر تذکرہ تاریخ احمدیت جلد دوم میں گذر چکا ہے مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۵) رد تناسخ (مطبوعہ ۱۸۹۱ء) پنجاب پریس سیالکوٹ۔

اس کے علاوہ آپ ان دنوں مختلف رسائل و اخبارات میں اپنے مجربات یا مضمون بھی بھیجا کرتے تھے۔ مثلاً ۱۸۷۹ء میں "مرءۃ الطبابت" میں مجربات لکھتے رہے۔ (طبیب حاذق جلد ۱ نمبر ۲) دھاریوال ضلع گورداسپور سے ایک رسالہ "انتخاب الحکمت" [۱۱۴] مطبع شعلہ نور بٹالہ سے چھپتا تھا۔ اس کے جولائی ۱۸۸۸ء کے ایشوع میں (صفحہ ۹ کالم ۱) آپ کے مجربات شائع ہوئے جن کا عنوان تھا "علاج ہیضہ

مجربہ مولوی نور الدین حکیم مہاراجہ کشمیر" وغیرہ۔ رسالہ منشور محمدی ۱۸۸۷ء (بنگلور) میں آپ کا ایک اہم مضمون چھپا جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

جموں میں درس قرآن

آپ قرآن مجید کے بے مثال عاشق تھے۔ قرآن مجید آپ کے لئے سب سے بڑا روحانی مائدہ تھا اور اس کا درس و تدریس آپ کی روحانی و قلبی تسکین کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بھیرہ کی طرح ریاست میں بھی آپ کا سلسلہ درس زور شور سے جاری رہا۔ اور اس غرض کے لئے آپ نے بے دریغ روپیہ صرف کیا۔ [۱۱۵] آپ کو قرآن سنانے کا کس درجہ بے پناہ شوق تھا اور اس میں کتنی پر تاثیر کشش و جاذبیت ہوتی تھی اس کا کسی قدر اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ آپ کو بعض خاص مصاحبوں کی مجلس میں جانے کا موقع ملا۔ مجلس میں سب ہندو تھے آپ نے دو ایک روز ان کو قرآن مجید سنایا۔ ایک ہندو جو افسر خزانہ کا بیٹا بھی تھا اور خود بھی خزانہ کا ایک افسر تھا برسر عام کہنے لگا کہ دیکھو ان کو قرآن سنانے سے روکو ورنہ میں مسلمان ہو جاؤں گا قرآن شریف بڑی دلربا کتاب ہے اور اس کا مقابلہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور نور الدین کے سنانے کا انداز بھی بہت ہی دلفریب اور دلربا ہے۔ [۱۱۶]

آپ ایک معقول آمد والے معزز عہدے پر ممتاز تھے تنخواہ اور انعام سرکاری اور پرائیویٹ پریکٹس سب ملا کر بہت سا روپیہ ماہوار آجاتا تھا مگر آپ کا طریق زندگی بہت سادہ تھا اور آپ کا روپیہ سب دینی کاموں پر ہی خرچ ہوتا تھا۔

اشاعت قرآن کے لئے ایک سکیم

انہی دنوں آپ نے تجویز کی کہ اپنے خرچ پر دو طلبہ کو اعلیٰ درجہ کی عبرانی پڑھوائیں۔ دو کو یونانی دو کو سنسکرت اور دو کو انگریزی ایسا ہی دیگر زبانیں اور علوم پڑھائے جائیں اور یہ ایک جماعت ہو جو تمام مذاہب مروجہ کے دینی علوم سے پوری واقفیت حاصل کر کے قرآن شریف کی تفسیر لکھے اور خدمت دین میں اپنی زندگی گزارے اس مجوزہ سکیم کا آغاز کیا تھا اور انجام کیا ہوا۔ حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں

"مجھے یہ سوجھا کہ میں اپنے صرف اپنے خرچ سے ایسے بارہ آدمی تیار کروں جن کو ضروریات کے لئے پچاس روپے ماہانہ دیا جائے۔ اور وہ زمانہ کی رفتار پر مصلح بنیں۔

عربی کے عالم دو۔ عربی کے ماہر دو۔ یونانی جاننے والے دو۔ سنسکرت جاننے والے دو۔ انگریزی دان دو۔ عربی انگریزی دو۔

پھر اس خیال پر دو مولوی بڑے عربی دان اور میرے نزدیک بہت ٹھیک عربی پڑھنے کے لئے پہلے

چریاکوٹ پھر کلکتہ کو بھیجے اور وہ دو برس میں بڑے کامل عربی دان بن کر واپس آئے اور دو علی گڑھ کے کالج میں بھیجے اور سید احمد خان کے کہنے پر ان کو تیس روپے ماہانہ کے قریب دیتے رہے۔

غرض قصہ مختصر جب یہ صاحبان میرے پاس تشریف لائے تو میں نے ایک جلسہ کیا اور اپنے خیال میں اہل الرائے احباب کو جمع کیا اور پوچھا سردست کس طرح کام شروع کیا جائے۔ تو سب ساکت ہوئے آخر میرے اصرار پر وہ عربی دان بولے آپ کو جنون ہے ہم تو طب پڑھ کر روپیہ جمع کر لیں گے اور بس کہاں کا بکھیڑا مذہب مذہب یا قوم یا قوم!

علی گڑھ والے بولے ہم نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اب پلیڈری کریں گے۔ تو روپیہ جمع کر کے بیرسٹری کے لئے ولایت جائیں گے اب مجھے گھبرا کر کچھ کہنے کا ارادہ تھا کہ ایک پیر صاحب بولے۔ اٹھیئے ہمارے مرید بہت ہیں ہم تمہارے منشاء کے مطابق قرآن کریم ان کو سنوایا کریں گے۔ آخر جلسہ مابین ناکامی و کامیابی (پیر صاحب کے بھولے پن کی مہربانی) برخاست۔ ایک اور صاحب علی گڑھ میں انگریزی و سنسکرت پڑھتے تھے اور برہمن کا خون بھی ان میں تھا۔ [۱۱۷] مجھے فرمایا کہ یہ مردہ زبان ہے۔ اور اس کے پڑھانے والے احمق پنڈت ہیں میں اب نہیں پڑھ سکتا آخر پلیڈر بن گئے اب ان کی یہ حالت ہے کہ ایک آشنا کو پرائیویٹ خط میں کہتے ہیں کہ قادیانی لوگ لائق تھے مگر کود کر اسلام سے نکل گئے اور خود نہ نماز نہ روزہ نہ زکوٰۃ نہ حج اور نہ قرآن کریم کا فہم یہ تہذیب اور شائستگی وہاں سیکھی"۔ [۱۱۸]

الختصر آپ کی یہ سکیم درمیان میں رہ گئی۔ مگر خدا نے آپ کے جذبہ ایمان کو اس درجہ نوازا کہ لاکھوں کی جماعت آپ کے قدموں میں ڈال دی۔ جس کے قیام کا مقصد وحید ہی اشاعت اسلام اور تبلیغ قرآن ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں فرمایا۔

"میں نے بڑی محنتوں سے قرآن سنانا چاہا۔ مگر باوجود خرچ اموال مجھے اس کثرت سے سننے والے نہ ملے۔ اب تم اس کثیر تعداد سے سننے والے موجود ہو۔ میں نے کوشش سے سنانا چاہا تو بہت کم لوگوں نے سنا مگر میرے مولیٰ نے میری سچائی اور دلی تڑپ کو دیکھ لیا اور سننے والے مہیا کر دیئے۔ [۱۱۹]

تفسیر تورات کے لئے سرسید کا آپ کو بلانا

سرسید نے ایک دفعہ تورات کی تفسیر کرنے کے لئے غازی پور کے مشہور مناظر اسلام اور عربی و عبرانی کے عالم مولوی عنایت رسول صاحب چریاکوٹی کی خدمات حاصل کیں۔ [۱۲۰] اور ان کی اعانت کے لئے سرسید کی نگاہ انتخاب حضرت حکیم الامت مولوی نور الدین صاحب پر پڑی۔ چنانچہ رسالہ "مصنف" علی گڑھ (ماہ جون ۱۹۲۲ء صفحہ ۲۰) میں لکھتا ہے۔

مولانا عنایت الرسول صاحب نے ایک بار سرسید سے فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ اسلامی

نقطہ نظر سے تورات کی تفسیر مجھ سے لکھوالیں کیونکہ یہ کام میرے بعد غالباً نہ ہو سکے گا۔ اس کے لئے پریس۔ سٹاف۔ تورات کی شرحوں اور یہود کی تاریخوں کی ضرورت تھی۔ سرسید نے یہ تجویز پسند کی اور ایک پریس اس غرض سے منگوایا جو سائنٹیفک سوسائٹی میں تھا۔ چنانچہ تہذیب الاخلاق اور خطبات احمدیہ میں تورات کی جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں وہ اسی پریس کی چھپی ہوئی ہیں۔ سرسید نے مولانا کی مدد کے لئے حکیم نور الدین قادیانی کو بلانا چاہا۔ جو عبرانی زبان کسی قدر جانتے تھے مگر مولانا صاحب نہ آسکے۔ اور یہ کام نہ ہو سکا۔" [۱۱۲]

آنحضرت ﷺ کی زیارت

جموں میں آپ کو آنحضرت ﷺ کی خواب میں پھر زیارت ہوئی۔ آپ نے دیکھا کہ جموں کے ایک مندر (واقع جلا کا محلہ) کے سامنے پرچون کی دکان ہے وہاں ایک لکڑی کی چوکی پر آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہیں حضور نے آپ کو گذرتے دیکھ کر فرمایا کہ تم ہمارے یہاں سے آٹا لے لو۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ایک لکڑی کی ترازو میں آٹا تولا۔ جو بظاہر ایک آدمی کی خوراک کے قابل تھا۔ آپ نے اپنے دامن میں اس کو لیا۔ جب آپ کی جھولی میں آٹا ڈال چکے تو پلڑے کو زور سے ڈنڈی سے مارا اور سب آٹا آپ کے دامن میں گرا دیا۔ بعد ازاں آپ نے حضور سے سوال کیا کہ کیا آپ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو کوئی ایسی بات بتائی تھی۔ جس سے وہ آپ کی حدیثیں یاد رکھتے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "ہاں" آپ نے عرض کیا وہ بات مجھے بھی بتا دیں۔ تامیں بھی آپ کی حدیثیں یاد کر لوں۔ فرمایا۔ ہم کان میں بتاتے ہیں۔ آپ نے کان آگے کیا اور حضورؐ نے بھی اپنا دہن مبارک آپ کے کان سے لگایا کہ خلیفہ نور الدین صاحب نے نماز کے لئے آپ کو جگا دیا۔ آپ نے سوچا کہ حدیث پر عمل کرنا ہی حدیثوں کے یاد کرنے کا ذریعہ ہے اٹھانے والا بھی خواب ہی کا فرشتہ ہوتا ہے۔ اور "نور الدین" کے لفظ سے اس وقت یہ تعبیر آپ کے ذہن میں آئی [۱۱۳] خدا کی قدرت!! آئندہ چل کر آپ اس جگانے والے کے نام کی طرح خود ہی صحیح معنوں میں خلیفہ نور الدین ہو گئے اور اس مبارک خواب کی ایک دوسری تعبیر کھلی۔

زمانہ قیام ریاست کے حالات پر عمومی رنگ میں روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم دوبارہ ۱۸۷۶-۷۷ء کی طرف آتے ہیں اور (ترتیب کے ساتھ) اس دور کے بعض دوسرے جستہ جستہ ضروری واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

سوامی دیانند سرسوتی پر اتمام حجت

اپریل ۱۸۷۷ء کا واقعہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے مباحثہ شاہجہانپور

کرنے کے بعد سوامی دیانند (بانی آریہ سماج) نے پنجاب کا رخ کیا اور رتن باغ لاہور [۱۲۳] میں ڈیرہ جمایا۔ [۱۲۴] حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کو بھی انہی دنوں لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ آپ گفتگو کے لئے دیانند کے پاس بھی چلے گئے۔ سوامی جی نے کہا کہ زمانہ قدیم ہے۔ آپ نے فرمایا۔ زمانہ چیز کیا ہے۔ جس کو تم قدیم کہتے ہو؟ سوامی جی پریشان ہو گئے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا کہیں۔ آپ نے خود ہی جواب دیا کہ زمانہ ہمارے مقدار فعل کا نام ہے اور فعل فاعل پر موقوف ہے۔ اور وہ دودرجے نیچے ہے۔ وہ ایک حادث چیز ہے۔ جب زید بولتے ہیں تو ابھی ی پیدا بھی نہیں ہوتی کہ ز کا زمانہ موقوف ہو جاتا ہے۔ پھر د نہیں بولی جاتی کہ ی کا زمانہ فنا ہو جاتا ہے۔ [۱۲۵] اس منقلی دلیل کا سوامی جی سے کوئی معقول جواب نہ بن پڑا۔ [۱۲۶]

انجمن اشاعت اسلام

۱۸۸۰ء کے آخر اور ۱۸۸۱ء کے شروع میں ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے علمائے ہند کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ دنیا بھر میں اسلام کی منادی اور اعلائے کلمہ اسلام کے لئے ملک بھر کے مسلمانوں کی ایک مشترکہ انجمن ہونی چاہئے جس کے فرائض میں عیسائی مشنریوں کی طرح واعظوں کا اندرون و بیرون ملک میں بھجوانا۔ اسلامی لٹریچر شائع کرنا اور اسلامی مدارس کھولنا ہو۔ اس کا نام انہوں نے "انجمن اشاعت اسلام" تجویز کیا [۱۲۷] مشاہیر علماء نے جن میں حضرت مولوی نور الدین صاحب کے علاوہ مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی۔ مولوی عبد الحیٔ صاحب لکھنوی۔ حافظ محمد لکھوکی اور مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری بھی شامل تھے۔ یہ تجویز بہت پسند کی اور کئی مسلمان اخباروں (مثلاً اخبار انجمن پنجاب لاہور۔ پنجابی اخبار لاہور۔ جریدہ روزگار مدراس۔ منشور محمدی بنگلور وغیرہ) نے بھی اس کی پر زور تائید کی اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے لاہور میں ایک انجمن کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے بعض ممتاز ممبر یہ تھے۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب حکیم ریاست جموں۔ حضرت حکیم فضل الدین صاحب بھیروی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی۔ خلیفہ حمید الدین صاحب مدرس گورنمنٹ سکول لاہور۔ خلیفہ رجب الدین صاحب سوداگر پشمینہ۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لاہور میں انجمن کے قیام پر اخبار منشور محمدی میں لکھا "ان حضرات (یعنی انجمن کے ممبروں۔ ناقل) نے اپنے اپنے حوصلہ کے موافق انجمن کے لئے چندہ بھی مقرر کیا ان سب میں بالفعل جناب مولوی نور الدین صاحب سبقت لے گئے ہیں جنہوں نے ساٹھ روپیہ سالانہ مقرر فرمایا ہے اور سو روپیہ یکمشت دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اب اس انجمن کے اتمام و استحکام میں صرف اتنی کسر باقی ہے کہ بعض معزز رؤساء اسلام اس میں شامل ہوں اور کسی قدر اور مشاہیر علماء

کرامؒ اس میں شریک ہوں۔ تھوڑے سے رؤساء اور کسی قدر اور علماء اس انجمن کے معاون ہو جاویں اور کارروائی شروع ہو۔ تو اکثر علماء صدہا عوام و رؤساء اس میں شامل ہو جائیں گے۔ چنانچہ اکثر جمہوری کام اسی طرح استحکام پکڑتے ہیں اور رفتہ رفتہ ایک سے ہزار ہو جاتے ہیں۔" [۱۲۸]

افسوس حضرت مولوی نورالدین صاحب نے تو پورے طور پر اپنا فرض منصبی ادا فرمادیا۔ مگر چونکہ اشاعت اسلام کی بنیادی اینٹ آسمانی حکومت کے ازلی فیصلہ کے مطابق عنقریب مسیح محمدی کے مقدس ہاتھوں سے رکھی جانے والی تھی اور عمارت اسلام کی تکمیل بھی مسیح موعود کی جماعت کے ذریعہ مقدر تھی اور اس کے ظہور کا وقت آن پہنچا تھا [۱۲۹] اس لئے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی یہ خوش آئند تجویز جس کے پروان چڑھنے کی ان کو بڑی توقع اور کامل وثوق تھا ان کے خیال میں رہ گئی یا اشاعۃ السنۃ کے کاغذوں میں!! ۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

حفظ قرآن

۱۸۸۱ء (بمطابق ۱۸۳۷ سمت) میں آپ ایک راجہ کے ساتھ ایک شاہزادہ کی شادی پر تشریف لے گئے آپ ہاتھی پر سوار تھے کہ ایک اسپرنگ کی وجہ سے آپ زخمی ہو گئے زخم خدا خدا کر کے مندمل ہوا۔ تو آپ ایک گھوڑی پر آگے روانہ ہوئے اگرچہ آپ بڑی احتیاط سے زین کے ایک طرف رہے لیکن چار میل بعد آپ کو آگے جانے کی طاقت نہ رہی۔ دیوان لچھمن داس نے جو فوجی افسر بھی تھے آپ کے لئے پالکی کا انتظام کیا۔ اس میں آرام کے لئے بستر بچھا ہوا تھا آپ اس میں لیٹ گئے اور شکریہ میں قرآن مجید یاد کرنا شروع کر دیا۔ ایک مہینہ کا سفر تھا جب آپ جموں پہنچے تو ۱۶ پارے آپ نے حفظ کر لئے تھے۔ [۱۳۰] بقیہ چودہ پارے آپ نے بعد میں یاد کئے اور اپنی خاندانی روایات کے مطابق آپ کو بھی حفظ قرآن کا شرف حاصل ہوا۔

انجمن حمایت اسلام

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی انجمن کی ناکامی کے بعد انہی اغراض و مقاصد کو لیکر ایک دوسری انجمن "حمایت اسلام" کے نام سے مارچ ۱۸۸۴ء میں قائم ہوئی چنانچہ لکھا ہے۔

"چودھویں صدی ہجری کا پہلا سال یعنی ۱۳۰۱ھ مسلمانان پنجاب کی تعلیمی ترقی کی تاریخ میں زریں حروف سے لکھا جائے گا۔ کیونکہ اس سال شروع ماہ جمادی الاولیٰ مطابق ۱۸۸۴ء میں لاہور کے چند مسلمان جن کے دل قومی درد اور اسلامی جذبہ سے معمور تھے ایک جگہ اکٹھے ہوئے۔ تاکہ عیسائی مشنریوں کی مخالف اسلام ریشہ دوانیوں اور نئی جاری شدہ آریہ سماج کی تازہ تازہ معاندانہ سرگرمیوں

کی روک تھام کا انتظام کیا جائے اس کے ساتھ ہی مسلمانان ہندوستان کے قائد اعظم جناب سر سید خان بہادر علیہ الرحمتہ کی اٹھائی ہوئی آواز پر کہ قوم کی پستی کا علاج دینی تعلیم کے ساتھ مروجہ تعلیم میں مضمر ہے غور کیا جائے اس مجلس مشاورت کا نتیجہ ایک جماعت کی تشکیل ہوا۔ جس کا نام انجمن حمایت اسلام لاہور رکھا گیا۔ (۱) مخالفین اسلام کے اعتراضات کا تحریری و تقریری جواب دینا (۲) مسائل اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور (۳) مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کی دینی اور دنیوی تعلیم کا انتظام یہ تین مقاصد قرار پائے۔" [131]

حضرت مولوی نور الدین صاحب نے جو پہلے "اشاعت اسلام" کے نام پر دیوانہ وار آگے آئے اب پھر "حمایت اسلام" کے نام پر دل و جان سے لبیک کہتے ہوئے میدان عمل میں آگئے اور انجمن کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ہر ممکن سعی و جدوجہد سے کام لینے لگے اور ہمیشہ اس کی مالی اعانت بھی کی۔ مضامین بھی لکھے۔ اور اس کے پلیٹ فارم سے قرآنی علوم و معارف کے نکات سنا سنا کر خوابیدہ دل مسلمانوں کو جگاتے اور ان کے دلوں کو گرماتے رہے۔ [132] اگرچہ تبلیغ و اشاعت اسلام کی غرض جو اس کے اولین مقاصد میں سے تھی [133] انجمن کے وجود سے نہ پوری ہوئی نہ ہو سکتی تھی جیسا کہ امام الزمان نے "فتح اسلام" میں کھول کر بتایا یہ چیز تو مامور ربانی سے ہی سرانجام پا سکتی ہے۔ محض انجمنوں کا وجود کافی نہیں ہے۔ تاہم حضرت مولوی صاحب انجمن کی شاندار تعلیمی خدمات کو آخر دم تک قدر کی نگاہ سے دیکھتے رہے حتیٰ کہ اس کے خلاف کوئی نازیبا بات آپ کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتی تھی۔ چنانچہ آپ کے زمانہ خلافت میں آپ کے ایک مرید (عبد العلی صاحب بھیروی) نے انجمن کو کچھ نا ملائم و ناشائستہ الفاظ سے یاد کیا تو آپ نے ان کے سگے بھائی کو اپنے قلم سے ایک خط لکھا اس میں سخت سرزنش فرمائی اور بتایا کہ۔

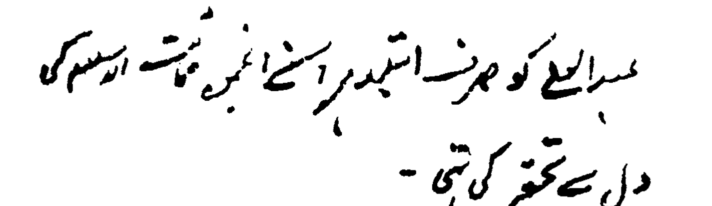

"عبد العلی کو صرف ابتلا ہے اس نے انجمن حمایت اسلام کی دل سے تحقیر کی تھی۔" خط مرقومہ ۱۶/ جنوری ۱۹۰۹ء بنام حافظ احمد دین صاحب پراچہ بھیروی" [134]

حضرت مسیح موعودؑ سے غائبانہ تعارف

اب ہم حضرت مولوی صاحب کے سوانح حیات کے اس اہم حصہ تک آپہنچے ہیں جسے آپ کی زندگی کا عہد انقلاب کہا جائے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔ اور وہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تعلق وابستگی کا آغاز!!

حضرت اقدس علیہ السلام سے آپ پہلے پہل کیسے روشناس ہوئے؟ آپ کے شاگرد خلیفہ نور الدین صاحب جمونی کا کہنا ہے کہ حضرت اقدسؑ کا تعارف آپ کو سب سے پہلے ضلع گورداسپور ہی کے ایک صاحب شیخ رکن الدین صاحب سے ہوا۔ (جو ان دنوں جموں کے ایک ہندو کی جائیداد پر منتظم و منصرم تھے) شیخ صاحب نے بتایا کہ ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں قادیان میں ایک شخص مرزا غلام احمد صاحب نے اسلام کی حمایت میں رسالے لکھے ہیں (غالباً ان دنوں براہین احمدیہ شائع ہو رہی تھی) حضرت مولوی صاحب نے یہ سن کر حضرت کی خدمت میں خط لکھ کر کتابیں منگوائیں اور ان کے آنے پر جموں میں حضورؑ کا چرچا شروع ہو گیا۔ [125]

گو حضرت اقدس علیہ السلام کے مضامین "منشور محمدی" وغیرہ مسلم اخبارات میں ایک عرصہ سے نکل رہے تھے مگر ہمیں یہ باور کرنے میں ذرہ برابر تامل نہیں ہے بلکہ ہم اسے عین قرین قیاس سمجھتے ہیں کہ حضور کا نام مبارک ابتداءً آپ نے شیخ صاحب ہی کی زبانی سنا ہوگا۔ کیونکہ وہ بھی ضلع گورداسپور ہی کے باشندے تھے جہاں قادیان واقع ہے۔ تاہم حضورؑ سے تعلق و رابطہ کی فوری وجہ یہ ہوئی کہ آپ کا ایک تعلیم یافتہ مسلمان افسر سے ختم نبوت کے بارے میں ایک مباحثہ ہوا۔ جس کے دوران میں آپ کو حضرت مسیح موعود کا وہ پہلا اشتہار ملا جو حضور نے اپنے دعویٰ ماموریت کے بعد نشان نمائی کی عالمگیر دعوت کے لئے ایشیا امریکہ اور یورپ کے تمام مذہبی عمائد و مفکرین کو بھجوایا تھا [126] یہ اشتہار آپ کو دیوان اننت رام یا دیوان گوبند سہائے نے دیا تھا۔ جو ان دنوں ریاست کے وزیر اعظم تھے [127]۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحب اس واقعہ کی تفصیل میں خود ہی تحریر فرماتے ہیں۔

"میں نے بہت بزرگوں سے بیعت بھی کی ہے۔ منجملہ ان مشہور لوگوں کے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مہاجر مدنی مجددی بھی ہیں۔ اور ملک بخارا کی طرف کے مشہور لوگوں میں سے حضرت محمد جی نامی میرے پیرو مرشد تھے۔ اور علماء میں سے مولوی عبدالقیوم صاحب مرحوم مولوی عبدالحئی صاحب مرحوم کے صاحبزادے تھے۔ اور ان کے سوا اور بزرگ بھی ہیں۔

میں نے بڑے بڑے شہروں۔ مثلاً لکھنؤ۔ رام پور' بھوپال' مکہ معظمہ' یمن' مدینہ طیبہ اور آخر کشمیر وغیرہ میں اس دعا کے بعد جن جن لوگوں سے تعلق محبت یا نیاز پیدا کیا ہے۔ وہ سب کے سب

بحمد اللہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی میری سچی اور دردِ دل کی دعاؤں کو ضائع نہیں کیا۔ اور نہ ہی کبھی مجھے کسی دھوکا میں مبتلا کیا۔

حضرت مرزا صاحب کا خیال مجھے پہلے پہلے اس بات سے پیدا ہوا کہ ایک بڑا انگریزی تعلیم یافتہ اور بہت بڑا عہدہ دار شخص جو کہ مسلمان کہلاتا تھا۔ میرا اس سے حضرت نبی کریم ﷺ کی نبوت کے معاملہ میں مباحثہ ہوا۔ کیونکہ وہ ایسے دعاوی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ آخر کار دوران گفتگو میں اس نے تسلیم کیا کہ میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبین یقین کرتا ہوں لہٰذا اس معاملہ میں اب بحث نہیں کرتا۔ اس پر میں نے اس سے پوچھا کہ بھلا ختم نبوت کی کوئی دلیل تو بیان کرو۔ کیونکہ میرا خیال تھا کہ اس شخص نے اس وقت یہ اقرار صرف پیچھا چھڑانے کی غرض سے کرلیا ہے۔ چنانچہ میرا وہ خیال درست نکلا اور اس نے یہ جواب دیا کہ آنحضرت کی کمال دانائی اور عاقبت اندیشی اس امر سے مجھے معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ نے ختم نبوت کا دعویٰ کیا۔ کیونکہ آپ زمانہ کی حالت سے یہ یقین کر چکے تھے کہ لوگوں کی عقلیں اب بہت بڑھ گئی ہیں اور کہ آئندہ ایسا زمانہ اب نہیں آوے گا کہ لوگ آئندہ کسی کو مرسل یا مہبط وحی مان سکیں۔ اسی بناء پر آپ نے (نعوذ باللہ) دعویٰ کردیا۔ کہ میں ہی خاتم النبین ہوں اور یہی وجہ ہے کہ آپ کو بڑے اعلیٰ درجہ کا دانا اور عاقبت اندیش انسان مانتا ہوں۔ میں نے اس دلیل کو سن کر بہت ہی رنج کیا۔ اور میرے دل کو سخت صدمہ اور دکھ پہنچا کہ یہ شخص بڑا ہی محجوب اور بے باک ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ اولیائے کرامؒ کے حالات سے بھی نابلد محض ہے۔ اب چونکہ ایک طرف تو اس سے مباحثہ ہوا تھا اور اس کا صدمہ دل پر ابھی باقی تھا۔ دوسری طرف وہیں کے پرائم منسٹر نے مجھے حضرت اقدسؑ کا پہلا اشتہار دیا۔ جس میں اس سوفسطائی کا ظاہر اور بین جواب تھا جونہی کہ پرائم منسٹر نے مجھے وہ اشتہار دیا میں فوراً اس کو لیکر اسی عہدہ دار کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ دیکھو تمہاری وہ دلیل کیسی غلط اور ظنی ہے۔ اس وقت بھی ایک شخص نبوت کا مدعی موجود ہے اور وہ کہتا ہے کہ خدا مجھ سے کلام کرتا ہے۔ یہ سن کر وہ نہایت گھبرایا اور متحیر ہو کر بولا کہ اچھا دیکھا جاوے گا۔" ۱۲۸

حضرت مسیح موعودؑ کی پہلی بار زیارت

دنیائے اسلام میں اشاعت و حمایت اسلام کا دم بھرنے والی انجمنیں اپنے فرائض منصبی فراموش کرچکی تھیں۔ عیسائیت' برہمو سماج' آریہ سماج اور دوسرے فتنے اسلام کو نڈھال کر رہے تھے۔ اور مسلمان علماء و عوام میں ان کے مقابلہ کا دم خم باقی نہیں تھا۔ اور گو اب تک آپ اپنے ماحول میں غیر مسلموں سے گویا چومکھی لڑائی لڑ رہے تھے۔ مگر یہ کام صرف ایک عالم دین کا نہیں تھا اس کے لئے تو

آسمانی نشانات اور آسمانی کلام لانے والے مامور من اللہ کی ضرورت تھی اور زمانہ کی حالت پکار پکار کر اس ضرورت کا اعلان کر رہی تھی اس لئے حضرت مولوی نورالدین صاحب بعض دوسرے بزرگوں کی بیعت میں شامل ہونے کے باوجود حضرت مسیح موعود کا پہلا اشتہار دیکھتے ہی پروانہ وار جموں سے قادیان پہنچے۔ اور فراست وبصیرت کی باطنی آنکھ سے جو صرف صدیقوں کا خاصہ ہے۔ خدا کے اس برگزیدہ کو پہچان لیا جس کے انتظار میں ہزاروں نہیں کروڑوں اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ یہ مارچ ۱۸۸۵ء سے کچھ پہلے کی بات معلوم ہوتی ہے [۱۲۹]۔ اس وقت نہ تو حضور نے بیعت کا سلسلہ شروع کیا تھا نہ مسیحیت وغیرہ کے دعاوی تھے نہ نشانات و معجزات کا بظاہر کوئی ظہور آپ کے سامنے ہوا اور نہ ہونے کا کوئی تصور تھا۔ اور آئندہ ہونے والے معرکے کارنامے اور شائع ہونے والا عظیم الشان لٹریچر پردہ غیب میں تھا۔ مگر آپ نے حضور علیہ السلام کا نورانی مکھڑا دیکھتے ہی انوار ماموریت کو بھانپ لیا اور آپ کی محبت و عقیدت میں ایسے کھوئے گئے کہ سچ مچ سب کچھ آپ ہی کے قدموں پر قربان اور نثار کر دیا۔ اس بے مثال الفت و شیفتگی کی وجہ پر آپ کس پیارے اور دل کو لبھانے والے الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں۔

"اگلے زمانہ میں جب ہم چھوٹے تھے تو سنا کرتے تھے کہ حضرت علیہ السلام آئیں گے ایسے ہوں گے ایسے ہوں گے ویسے ہوں گے غرضیکہ یہ سب باتیں سن کر احمقوں نے جو دل میں ایک تصویر بنالی تھی۔ اس کو عین سمجھ لیا اور مرزا صاحب کا انکار اسی بناء پر کیا گیا۔ کہ وہ ان کی خیالی تصویر کے مطابق نہ اترے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک ہماری طرح ہی آدمی ہے۔ ہمارے پاس لوگ بیمار آتے ہیں وہ بھی دل میں کئی کئی خیال جما کر آتے ہیں کہ وہ ایسے ہوں گے اس طرح بیٹھے ہوں گے۔ پھر دیکھنے کے وقت ہم انہیں ایک معمولی انسان نظر آتے ہیں اس قاعدہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک حکمت رکھی ہوئی ہے اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ وہ خیالی تصویر رہنے نہیں دیتا تاکہ خدا کی نسبت غلط خیال نہ بیٹھ جاویں۔ اس سے مجھے مرزا صاحب کے ماننے میں ذرا بھی دقت نہ ہوئی۔ خیالی تصویر تو ہم نے بنائی ہوئی نہ تھی حدیث والے خدو خال ہم کو مل ہی گئے۔" [۱۳۰]

علم کلام کے متعلق تاثرات

یہ تو حضور کی ذات والا صفات کے بارے میں آپ کے جذبات تھے جہاں تک حضور کی تعلیم اور علم کلام کا تعلق ہے۔ اس کی قوت و شوکت اور فولادی تاثیر اور جذب و کشش سے متعلق آپ کے تاثرات بڑے ہی فیصلہ کن تھے۔ چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں۔

"میں جب قادیان میں آیا۔ شروع میں یہاں مرزا صاحب مرحوم و مغفور ہی تھے ان کی بیوی خود کھانا پکاتی تھی اور ایک خادمہ تھی بس۔ لیکن جب تعلیم دیکھی تو میں نے کہا کہ ایسی ہے کہ عقلمندوں کو کھا جائے گی۔ اور مجبوراً یہ صداقت دنیا کو پہنچ جائے گی۔ لیکن امیر نہ مانیں گے چنانچہ میرے دیکھتے دیکھتے یہ سب آگئے اب بھی عقلمند سن کر مقابلہ نہیں کر سکتا۔" [۱۴۱]

حضرت مولوی صاحب آیت اللہ تھے اور آپ کی آمد نشان حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ماموریت کے وقت سے ہی دعا میں مصروف تھے کہ الٰہی دین اسلام کی خدمت کے لئے مجھے مددگار اور انصار عطا فرما۔ آپ کی دعائیں اور التجائیں عرش تک پہنچیں اور رب العزت نے کشمیر سے مولانا نورالدین جیسا عظیم الشان انسان بھیج دیا اور وہ خبر پوری ہو گئی کہ مہدی کے انصار کشمیر سے آئیں گے۔ اس اعتبار سے حضرت مولوی صاحب کی آمد یقیناً ایک عظیم الشان نشان تھی اور آپ بلاشبہ آیت اللہ تھے۔

یہ امر بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"مازلت مذ امرت من حضرة الرب و احییت من الحی ذی العجب احن الی عیان انصار الدین و لا حنین العطشان الی الماء المعین و کنت اصرخ فی لیلی و نہاری و اقول یا رب من انصاری یا رب من انصاری انی فرد مہین فلما تواتر رفع ید الدعوات و امتلاء منہ جو السموات اجیب تضرعی و فارت رحمۃ رب العالمین فاعطانی ربی صدیقا صدوقا ہو عین اعوانی و خالصۃ خلصانی و سلالۃ احبائی فی الدین المتین اسمہ کصفاتہ النورانیۃ نور الدین ہو بھیروی مولدا و قرشی فاروقی نسبا من سادۃ الاسلام و من ذریۃ النجیبین الطیبین فوصلت بوصولہ الی الجذل المفروق و استبشرت بہ کاستبشار السید ﷺ بالفاروق ولقد انسیت احزانی مذ جاءنی ولقانی .... ولما جاءنی ولاقانی و وقع نظری علیہ رایتہ آیۃ من آیات ربی و ایقنت انہ دعائی الذی کنت اداوم علیہ و اشرب حسی و نبانی حدسی انہ من عباد اللہ المنتخبین۔" [۱۴۲]

(ترجمہ) جب سے میں خدا تعالیٰ کی درگاہ سے مامور کیا گیا ہوں اور حی وقیوم نے مجھے نئی زندگی بخشی ہے مجھے دین کے چیدہ مددگاروں کا شوق رہا ہے۔ اور وہ شوق پیاسے سے کہیں بڑھ کر رہا ہے میں خدا تعالیٰ کے حضور آہ و زاری کرتا تھا اور عرض کرتا تھا کہ الٰہی میرا ناصر و مددگار کون ہے میں تنہا اور بے حقیقت ہوں پس جب دعا کا ہاتھ مسلسل اٹھا اور فضائے آسمانی میری دعاؤں سے معمور ہو گئی اللہ

تعالیٰ نے میری عاجزانہ دعا قبول کی اور رب العالمین کی رحمت جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک مخلص اور صدیق عطا فرمایا۔ جو میرے مددگاروں کی آنکھ اور میرے مخلصین دین کا خلاصہ ہے اس مددگار کا نام اس کی نورانی صفات کی طرح نورالدین ہے وہ مولد کے لحاظ سے بھیروی اور نسب کے اعتبار سے ہاشمی قریشی ہے وہ اسلام کے سرداروں میں سے ہے اور بزرگوں کی نسل سے ہے مجھے آپ کے ملنے سے ایسی خوشی ہوئی کہ گویا کوئی جدا شدہ جسم کا ٹکڑا مل گیا۔ اور ایسا مسرور ہوا جیسا کہ آنحضرت ﷺ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے ملنے سے ہوئے تھے۔ مجھے سارے غم بھول گئے.... جب وہ میرے پاس آئے اور مجھ سے ملاقات کی اور میری نگاہ ان پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ آپ میرے رب کی آیات میں سے ہیں۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میری اسی دعا کا نتیجہ ہیں جو میں ہمیشہ کیا کرتا تھا اور میری فراست نے مجھے بتادیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں میں سے ہیں۔

دوسری ملاقات اور ایک مجاہدہ کی ہدایت

اس اولین ملاقات کے جلد بعد ہی آپ دوبارہ قادیان تشریف لائے اور حضرت سے عرض کیا کہ آپ کی راہ میں مجاہدہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں حضور نے فرمایا کہ مجاہدہ یہی ہے کہ عیسائیوں کے مقابل پر ایک کتاب لکھیں آپ نے عرض کیا کہ بعض سوال اس قسم کے ہوتے ہیں جن میں الزامی جواب ہی دشمن کو خاموش کرتا ہے [۱۴۳]۔ لہذا اگر ان کے بعض اعتراضات کا صرف الزامی جواب دیا جائے تو کیا آپ اس طریق کو پسند فرمادیں گے؟ کیونکہ بعض اعتراض بہت ہی لاجواب ہوتے ہیں۔ حضورؑ نے فرمایا یہ بڑی ہی بے انصافی ہوگی۔ اگر ایک بات جس کو انسان خود نہیں مانتا دوسرے کو منوانے کے واسطے تیار ہو۔ ہاں اگر کوئی ایسا ہی مشکل سوال آپ کی راہ میں آجاوے جس کا جواب ہرگز آپ کی سمجھ میں نہ آسکتا ہو تو اس کے واسطے یہ راہ مناسب ہے کہ اس کے جواب کے لئے آپ اس سوال کو نہایت ہی خوشخط اور جلی قلم سے لکھ کر اپنی اکثر اوقات نشست گاہ کے سامنے جہاں ہمیشہ نظر پڑتی رہے لٹکا دیا کریں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنے خاص فضل سے وہ فیضان نازل فرمائے جس سے کسی بھی اسلامی صداقت کے متعلق آپ کو کوئی مشکل پیش آئی ہو۔ آپ فرمایا کرتے تھے " اس طریق دعا کا میں کم و بیش پہلے سے قائل تھا۔ آج مجھے اس کی مضبوط چٹان پر حضرت اقدسؑ نے کھڑا کردیا۔" [۱۴۴]

اپنی ایک قلمی بیاض میں لکھتے ہیں۔

"احمد مرزا نے قرآن کی محبت ' رسول کریمؐ کی محبت ' بخاری کی محبت ' سید عبدالقادر جیلانی کی محبت ' اور مجاہدات کے لئے فصل الخطاب۔ براہین احمدیہ کی تصدیق۔ الوہیت مسیح کا ابطال۔ نورالدین۔

و تفسیر و ترجمہ قرآن جیسے بیج میرے اندر بوئے۔ فارحمہ و عافہ و اکرم نزلہ وصل و سلم و بارک وارحم محبوبہ خاتم النبیین سید الاولین و الاخرین و الہ و خلفاءہ امین۔"

حواشی باب ۲

۱- مرقاۃ الیقین صفحہ ۹۲-۹۳

۲- بدر ۳/ ستمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۱ کالم ۲

۳- بدر ۹/ نومبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۵ کالم اور الحکم ۱۴/ نومبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۳ کالم ۳ میں آپ کی یہ دعا ان الفاظ میں لکھی ہے۔ یا الٰہی میں جب مضطر ہو کر کوئی دعا تجھ سے مانگوں تو اس کو قبول کر لینا۔"

۴- صحاح ستہ پر آپ کو کافی عبور تھا سادہ سادہ پڑھاتے تھے اور مباحثات کی طرف سے ان کی طبیعت بالکل متنفر تھی۔

۵- نہایت ہی کم سخن بزرگ تھے اور باتیں کرنے میں اس قدر تامل تھا کہ بعض اوقات ضروری کلام بھی نہیں فرماتے تھے۔ حضرت خلیفہ المسیح اول نے لکھا ہے کہ ان کی صحبت میں مدت دراز تک حاضری کا اتفاق رہا مگر میں نے الفاظ حدیث کے سوا ان کی زبان سے کوئی لفظ نہیں سنا برسوں سے ان کی یہی حالت تھی بالکل الگ تھلگ سے رہتے اور کسی کو یہ راز نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ کھاتے کہاں سے ہیں؟ ان کا یہ روزانہ معمول تھا کہ ان کے درس میں جو سائل آتے تو وہ تھوڑی دیر تک ان کو دیکھتے رہتے پھر کسی کو "یا باسط" کسی کو "یا غنی" کسی کو "یا حمید" اور کسی کو "یا مجید" پڑھنے کا ارشاد فرماتے۔ (مرقاۃ الیقین صفحہ ۹۴)

۶- ولادت ۱۸۱۷ء بمقام کیرانہ ضلع مظفر نگر۔ مولانا احمد علی مفتی سعد اللہ لکھنوی سے تحصیل علم کیا اور جلد ہی نامور علماء اور مناظرین کی صف اول میں شمار ہونے لگے۔

۱۸۴۴ء میں مشہور پادری فنڈر سے آگرہ میں آپ نے کامیاب مناظرہ کیا۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے اور کئی مغربی مؤلفین کی کتابوں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد وہ اپنے قابل شاگرد اور حاجی ڈاکٹر وزیر خاں کے ساتھ مکہ معظمہ ہجرت کر کے چلے گئے اور ایک عربی کتاب اظہار الحق تصنیف کی جس کا یورپ کی چند زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ تین مرتبہ قسطنطنیہ گئے۔ مگر تعلیم کے شوق اور ضعف پیری کے سبب پھر مکہ تشریف لے آئے۔

بڑے محتاط۔ وسیع الخلق۔ قلیل الکلام اور بڑے دل گردہ کے انسان تھے۔ سخت سے سخت اعتراضات بھی بڑی کشادہ قلبی سے سنتے اور مسکراتے رہتے تھے۔ دینی علوم میں بڑی وسیع نظر تھی۔

۱۸۷۰ء میں آپ نے دوسرے علماء ہند (مولوی عبد الحئی لکھنوی قاضی و مفتی سعد اللہ صاحب وغیرہ) کے ساتھ ہندوستان میں جہاد کی حرمت کا فتویٰ دیا (اخبار اکمل الاخبار دہلی جلد ۵ نمبر ۳۹ صفحہ ۳۰۶)

سلطان عبد الحمید خان ثانی نے ان کی تین سو روپیہ ماہوار کی پنشن مقرر کر دی تھی۔ ۱۸۹۱ء میں انتقال کیا اور جنت معلی میں دفن کئے گئے۔ (قاموس المشاہیر جلد دوم صفحہ ۳۵۹-۳۶۰ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۹۲)

۷- مرقاۃ الیقین صفحہ ۹۵

۸- مرقاۃ الیقین صفحہ ۹۳

۹- مرقاۃ الیقین صفحہ ۹۵

۱۰- تاریخ مکہ معظمہ (مؤلفہ پیر غلام دستگیر صاحب نامی ہاشمی) طبع اول صفحہ ۱۶۳، ۱۶۷

۱۱- "حقیقت حج" از منظور علی شملوی (۱۳۵۳ھ طبع اول صفحہ ۳۳۶)

۱۲- یہ معلومات پیر غلام دستگیر نامی کی کتاب "تاریخ مکہ معظمہ" صفحہ ۱۶۳، ۱۶۷ سے ماخوذ ہیں جو پیر صاحب نے ۱۹۲۷ء میں لکھی تھی اب تو اس میں اور بھی ترقی ہو چکی ہو گی!!! اخبار نور الانوار کانپور نے (۱۷/ جنوری ۱۸۷۴ء صفحہ ۲۰ کالم ۳) مدرسہ کے افتتاح پر خبر شائع کی۔ "جناب مولوی رحمت اللہ صاحب نے فی الحال پچاس روپیہ ماہواری چندہ جمع کر کے ماہ رمضان المبارک میں ایک حافظ قرآن مصری اور ایک ہندوستانی اور دو مدرس مقرر کئے اور مکہ معظمہ میں مدرسہ قائم کیا"۔

۱۳- البدر ۶/ اکتوبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۹۴ صفحہ ۱۔

۱۴۔ اہل اللہ میں سے تھے دہلی میں ۱۸۲۰ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے مرید مرزا کامران قلعہ معلی کے متعلق خبر دی کہ وہ بد اخلاقی کا مرکز بن رہا ہے آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ قلعہ چھوڑ کر چلے جائیں۔ عصر کے وقت مرزا کامران قلعہ سے باہر چلے آئے شام کے وقت آپ کو الہام ہوا کہ تم نے قلعہ والوں کو تباہ کر دیا جب تک یہ قلعہ میں تھا ہم نے عذاب روک رکھا تھا تب شاہ عبد الغنیؒ کو اس کا افسوس ہوا۔ قلعہ اور دلی شہر فتح ہو گئے تو شاہ صاحب وہاں سے مع اہل و عیال پہلے کراچی اور کراچی سے مکہ معظمہ میں ہجرت کر آئے پھر مکہ سے مدینہ منورہ چلے گئے (مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۹۳) یہیں حضرت مولانا نور الدینؓ ان سے بیعت بھی ہوئے۔ آپ حافظ قرآن بھی تھے اور حنفی فقہ کے ماہر بھی اور علماء ہند و حجاز سے اجازت حاصل کرنے کے بعد درس حدیث میں مصروف ہو گئے "الحاج الحاجہ" اور بعض دوسری کتابیں ان کی تالیفات ہیں مولوی صدیق حسن خاں صاحب نے ان کے حالات اپنی کتاب ابجد العلوم کے صفحہ ۹۲۹ پر لکھے ہیں۔

۱۵۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۹۶۔

۱۶۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۹۸۔

۱۷۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۰۰

۱۸۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۰۳

۱۹۔ کہتے ہیں کہ ولید اد خاں صاحب ملک سے پیدل مکہ گئے تھے حضرت شاہ عبد الغنی مجددی سے والہانہ عشق تھا اور ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ ہوئے۔

۲۰۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۰۷

۲۱۔ بدر ۲۰/ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۲ کالم ۲۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۰۷۔ ۱۰۹

۲۲۔ الفضل ۲۱/ دسمبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۳۔ ۴ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ کی ایک تقریر (مطبوعہ الفضل ۲۱/ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۳) سے بھی اس واقعہ کی تصدیق ہوتی ہے۔

۲۳۔ بیہقی بحوالہ چالیس جواہر پارے۔

۲۴۔ الفضل ۲۱/ دسمبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۳۔ ۴ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ نے اس نمبر کے الفضل میں یہ سب تفصیلات بتانے کے بعد یہ اعلان فرمایا تھا کہ جو دوست میری طرح ان حدیثوں کا راوی بننا چاہتے ہیں وہ ان حدیثوں کو میرے سامنے زبانی سنادیں تب میں ان کے آگے یہ سنا کر انہیں راوی بنا دونگا معلوم نہیں کہ آگے کس کس کو یہ توفیق و سعادت ملی کہ وہ آپ سے احادیث سن کر راوی بن سکیں۔

۲۵۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۱۱

۲۶۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۱۰

۲۷۔ بدر ۱۹۰۳ء صفحہ ۹۴۔

۲۸۔ ملاحظہ ہو بدر ۲/ اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۹۴۔۳۔۹۵۔۳۔

۲۹۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۱۲۔

۳۰۔ اصحاب احمد جلد ششم مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے میں لکھا ہے کہ حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب رضی اللہ عنہ کے والد قاضی غلام احمد صاحب نے سفر حج پر جاتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے ساتھ اکٹھے ایک ہی جہاز میں سفر کیا تھا (ایک روایت کے مطابق) قاضی غلام احمد صاحب بتایا کرتے تھے کہ جب ہم سوار ہوئے سردیوں کا موسم تھا بڑی سخت آندھی آئی تیز بارش کے ساتھ اولے بھی گرے لوگوں نے احرام باندھا ہوا تھا مگر سب نے سروں پر کپڑے ڈھانک لئے تھے مگر میں نے دیکھا کہ ایک تنومند بالا قد نوجوان نے اپنا سر نہیں چھپایا تھا یہ نوجوان حضرت مولوی نور الدین خلیفۃ المسیح اولؓ تھے آپ نے فرمایا کہ میرے قویٰ ایسے ہیں کہ میں سخت سردی کو برداشت کر سکتا ہوں اس طرح قاضی صاحب کے تعلقات حضرت خلیفہ اولؓ سے قائم ہو گئے۔

۳۱۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۱۳

۳۲۔ پیدائش ۱۸۳۲ء بمقام نانوتہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے تھے شیخ نہال احمد نانوتوی و مولوی محمد نیاز سہارنپوری سے کتب عربی و فارسی پڑھ کر دہلی گئے اور مولانا مملوک علی صاحب مدرس اول مدرسہ دہلی سے تحصیل علوم کی اور سند حدیث حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے حاصل کی ۱۸۶۰ء میں پہلا حج کیا ۱۸۶۸ء میں دوسری مرتبہ حج سے واپس آکر دہلی میں تعلیم و تدریس شروع کی ۱۸۷۶ء میں پادری تاراچند سے چاندپور ضلع شاہجہانپور میں اور ۱۸۷۷ء میں دیانند سرسوتی سے مناظرے کئے اس کے بعد مولانا کی صحت خراب رہی اور آپؒ نے پچاس سال کی عمر سے پہلے ہی ۴ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۵/ اپریل ۱۸۸۰ء میں وفات پائی اور قصبہ نانوتہ میں آپ کا مزار شریف ہے تحذیر الناس۔ حجتہ الاسلام۔ رسائل قاسم العلوم۔ مصابیح التراویح۔ آب حیات۔ تقریر دلپذیر۔ مباحثہ شاہجہان پور۔ ہدیتہ الشیعہ۔ قبلہ نما آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ (قاموس المشاہیر جلد دوم ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ موج کوثر صفحہ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ سوانح قاسمی از مناظر احسن صاحب گیلانی

۳۳۔ بدر ۲/ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ا کالم ۲

۳۴۔ محلہ چابک سواراں میں ایک پرانی مسجد جو حویلی نواب سعد اللہ خاں المشہور میاں خاں سے متصل ہے حضرت مولوی عبداللہ غزنوی بھی کچھ عرصہ یہاں رہے ہیں اب یہ مسجد فرقہ اہل حدیث کے قبضہ میں ہے اور آباد ہے بہت سا روپیہ صرف کر کے اس کی مرمت و توسیع کی گئی ہے اس کے ساتھ لڑکیوں کا مدرسہ بنات المسلمین بھی قائم ہے (نقوش لاہور نمبر صفحہ ۵۶۰)

۳۵۔ مرقاۃ الیقین ایضاً الحکم ۷/ ۲/ مارچ ۱۸۹۸ء صفحہ ۱۰)

۳۶۔ بدر ۲۷/ ۲/ جولائی ۱۹۰۵ء صفحہ ۷ کالم ا۔ حضرت مولوی صاحب کے ہمعصر حکماء میں سے بھیرہ کے ایک حافظ احمد دین صاحب (ولادت ۱۸۴۳ء) والد حافظ محمد یحییٰ صاحب (متولد ۷/ اکتوبر ۱۸۸۰ء) پراچہ بھیرہ بھی تھے۔ حافظ احمد دین صاحب مرحوم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک سو سالہ طبی بیاض مولف ہذا کے پاس محفوظ ہے جس میں حضرت خلیفتہ المسیح اولؓ کے بعض وہ نسخے بھی درج ہیں جو ان کی بھیرہ کی واپسی کے بعد حافظ صاحب کو حاصل ہوئے ایک نسخہ پر جو اطریفل کا ہے ۱۱/ ستمبر ۱۸۷۱ء کی تاریخ درج ہے جس سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ آپ ۱۱/ ستمبر ۱۸۷۱ء سے قبل واپس آچکے تھے دوسری طرف تقویم شمسی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال حج ۳/ مارچ ۱۸۷۱ء کو ہوا۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۱۲ سے قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ آپ حج سے فراغت کے معاً بعد ہی وطن کے لئے روانہ ہو گئے تھے اب اگر اس زمانہ کے ذرائع رسل و رسائل کے مدنظر مکہ سے بھیرہ تک کی مسافت کا اگر تین چار ماہ میں طے ہونا فرض کر لیا جائے تو آپ کی مراجعت جون جولائی ۱۸۷۱ء میں ہوئی۔

۳۷۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۲۶۔

۳۸۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۷۵ سے ثابت ہے کہ ۵۶۔ ۱۸۵۴ء کی ترکی و روس کی جنگ کے بعد ہی کئی بھائی فوت ہو چکے تھے اور ریاست جموں میں ملازمت تک تو سبھی کا انتقال ہو گیا تھا۔

۳۹۔ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے اپنی سوانح میں ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مقلدوں کی مخالفت سے اہل حدیث کس درجہ سہمے ہوئے تھے واقعہ یہ ہے کہ آپ کے ننھیال میں ایک نوعمر کٹر وہابی مولوی تھا جو اہلحدیث کی کتاب "زینتہ الاسلام" کا ٹائٹل پیج پھاڑ کر اس کی بجائے ایک دوسری کتاب "دارالشفا" کا سرورق چسپاں کر رکھا تھا (مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۳۶)

۴۰۔ برق آسمانی بر خرمن قادیانی صفحہ ۶۱

۴۱۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۰۳۔ ۲۰۴

۴۲۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۲۰۔ ۱۲۲۔

۴۳۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔

۴۴۔ ان پیر صاحب کا نام غالباً پیر حیدر شاہ تھا جو سید محبوب ربانی صاحب گیلانی (غوثیہ منزل بھیرہ) کے دادا تھے اور گیلانی سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ پیر شمشیر علی صاحب آف بھیرہ کا بیان ہے کہ ہمارے والد صاحب بیان کیا کرتے تھے کہ جب بھیرہ میں حضرت مولوی صاحب کی مخالفت ہوئی تو ہمارے خاندان نے ان سے تعاون کیا اور آپ نے ایک خط میں اس کا شکریہ بھی ادا فرمایا تھا۔

۴۵۔ ان اصحاب نے حضرت کے مکان سے متصل نانبائی پر بھی دباؤ ڈالا کہ آپ کی روٹی پکانے سے انکار کر دے مگر اللہ کے اس بندہ نے

مولویوں کی ایک نہ مانی اور ڈٹا رہا۔ حضرت مولوی صاحب نے اس تعاون پر اس کو تنور والی جگہ ہی ہبہ کر دی جواب بھی اس کے بیٹوں کے قبضہ میں ہے اور جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نومبر ۱۹۵۰ء میں بھیرہ تشریف لے گئے تو ایک روٹی اس تنور کی آپ کی خدمت میں بھی پیش کی گئی جو حضور نے بڑی خوشی سے تناول فرمائی۔

۴۶۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۳۳۔۱۳۵ پر اس سلسلہ میں ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔ جس میں آپ کے چکرم داس شاہپور خوشاب سے ہوتے ہوئے سکیسر جانے کا ذکر ہے جو بھیرہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر ہے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح سکیسر تک کا ماحول علماء نے آپ کے خلاف مسموم کر دیا تھا۔

۴۷۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۸۲

۴۸۔ عوامی ذہن ان دنوں کس درجہ خراب ہو چکا تھا اس کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ قصبہ کے حجام تک آپ کا مذاق اڑانے میں بیباک ہو گئے تھے چنانچہ حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں "میری شادی تھی مفتیوں کے محلہ میں وہاں جراح رہتے تھے۔ میرا بیاہ تھا وہ آتے رہتے تھے ایک نے مجھ سے کچھ ہنسی کی میں نے کہا کہ تم بڑے جاہل ہو اس نے کہا کہ کیا تو ہمارا محتاج نہیں ہے۔ کبھی خون نہ نکلوانا ہو گا۔ میں نے کہا کہ میں نکلواؤں گا ہی نہ بلکہ یہ تمہارا کام ہی چھڑا دوں گا میاں شیخ احمد صاحب نے..... مجھے کہا کہ یہ لوگ آپ سے ناراض ہو جائیں گے اور طب کے کام میں مشکل پڑے گی۔" بدر ۲۰/ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۲ کالم ۳)

۴۹۔ بدر ۱۷/ اپریل ۱۹۱۳ء صفحہ ۸ کالم ا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مسلک توحید گو اہلحدیث کے سب سے زیادہ قریب تھا مگر معروف اصطلاح سے آپ اہلحدیث کبھی نہیں ہوئے اس لئے آئمہ کی محبت کی رو سے آپ کو "حنفی اہلحدیث" کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

۵۰۔ اخبار بدر ۱۷/ اپریل ۱۹۱۳ء صفحہ ۸

۵۱۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۲۴

۵۲۔ بروایت فضل الرحمان صاحب بھیرہ (غیر احمدی)

۵۳۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۱۵

۵۴۔ یہ مسجد جو مکان کے بالکل متصل تھی اب غیر احمدیوں کے قبضہ میں ہے مختصر مگر نہایت خوبصورت مسجد ہے حضرت کے رہائش کا کمرہ اوپر تھا اور کتابیں نچلی منزل میں ہوتی تھیں (کلام امیر حصہ دوم صفحہ ۹۱ کالم ۲)

۵۵۔ الحکم ۱۹۰۵ء نمبر ۲۱ صفحہ ا

۵۶۔ خط حضرت خلیفہ اول بنام مخدوم محمد صدیق صاحب (اصل خط جناب مخدوم بشیر احمد صاحب بھیرہ اور جناب مخدوم محمد ایوب صاحب بی۔ اے صدر جماعت احمدیہ میانی کے پاس محفوظ ہے۔ ایضاً مرقاۃ الیقین ۱۲۵۔

۵۷۔ یہ سرمے سرمہ نگاری اور سرمہ مبارک وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں۔

۵۸۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۲۵۔۱۲۶۔

۵۹۔ مثلاً ڈاکٹر فیض قادر صاحب کے پاس ان کے والد جناب ملک قادر بخش صاحب کی طبی بیاض میں!! حافظ احمد دین صاحب کی طبی بیاض کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

۶۰۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۲۶۔

۶۱۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۲۷۔۱۲۸

۶۲۔ حیات احمد جلد چہارم حاشیہ صفحہ ۱۱۶۔۱۱۷ از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ابتداء آپ نے ہندو پنساری رکھا ہوا تھا (بروایت مخدوم بشیر احمد صاحب بھیرہ)

۶۳۔ حیات احمد جلد چہارم حاشیہ صفحہ ۱۱۶۔۱۱۷

۶۴۔ چراغ دہلی صفحہ ۵۲ ۴ شائع کردہ کرزن گزٹ تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ ہند صفحہ ۲۱۹ از مولانا ذکاء اللہ خاں دہلوی

۶۵۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۲۸۔۱۳۱

۶۶۔ حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۱۱۷۔

۶۷- بھوپال کے بعض واقعات کے لئے ملاحظہ ہو مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۳۱- ۱۳۲-
۶۸- مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۳۵-
۶۹- مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۳۶-۱۳۷-
۷۰- ان کے حالات سرلیپل گریفن نے "تذکرہ رؤسائے پنجاب" (ترجمہ اردو حصہ دوم صفحہ ۲۹۵) میں لکھے ہیں۔ اپنی صاف دلی سچائی اور قابلیت سے بڑی شہرت پائی اور اپنے خاندانی جھگڑوں سے الگ ہو کر بڑی پاکیزہ عمر بسر کی۔ غدر کی خدمات کے صلہ میں پنشن کے علاوہ کافی جاگیر ملی بہت سی زمین انہوں نے خود بھی خریدی اور اس کی آبپاشی کے لئے دریائے جہلم سے ایک نہر بھی نکلوائی۔
۷۱- مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۴۷-۲۴۸-
۷۲- ترجمہ تذکرہ رؤسائے پنجاب طبع دوم صفحہ ۲۶۶
۷۳- اکیس برس کی عمر میں اپنی والد ماجد کی جائیداد پر قابض ہوئے۔ ۴-۱۹۰۳ء میں سمالی لینڈ اور تبت میں فوجی خدمات سرانجام دیں ۱۹۰۶ء میں صوبائی لیجسلیٹو کونسل کے ممبر نامزد ہوئے غرضکہ عمر بھر بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز رہے (تذکرہ رؤسائے پنجاب طبع دوم صفحہ ۲۹۸) ملک خضر حیات خان صاحب جو متحدہ پنجاب کے آخری وزیر اعظم بنے آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔ (مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو' یادگار دربار تاج پوشی' ۱۹۱۱ء صفحہ ۳۴۶-۳۴۵ مولفہ منشی محمد دین صاحب ایڈیٹر میونسپل گزٹ لاہور

۷۴- مرقاۃ الیقین۔ ۱۳۸-۱۳۹-
۷۵- مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۳۹-۱۴۰
۷۶- رسالہ "حکیم حاذق" لاہور۔ بابت ماہ نومبر ۱۹۰۷ء (خود نوشت اجمالی سوانح عمری حضرت مولوی نور الدین خلیفہ اولؓ) صفحہ ۱۴
۷۷- مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۴۰-۱۴۱
۷۸- حیات احمد جلد چہارم ۱۱۷- اور رہنمائے کشمیر از مولانا فوق کشمیری صفحہ ۶۹-۷۰ پر اس کا نام رنبیر سنگھ لکھا ہے۔ مگر "صحیفہ زریں" ۶-۷ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ پر رندھیر سنگھ لکھا ہے۔ اگست ۱۸۵۷ء میں والد مہاراجہ گلاب سنگھ کی وفات پر مسند نشین ہوئے اور ۱۲ ستمبر ۱۸۸۵ء کو راہی ملک عدم ہوئے۔ (صحیفہ زریں صفحہ ۷) مذہبی مباحثات سننے کے بہت دلدادہ تھے (رہنمائے کشمیر صفحہ ۶۹) مولوی حشمت اللہ خاں لکھنوی نے اپنی کتاب "مختصر تاریخ جموں و ریاست ہائے مفتوحہ مہاراجہ گلاب سنگھ بہادر" کے صفحہ ۶۶ سے صفحہ ۷۳ تک مہاراجہ رنبیر کے دربار کے حالات کا نقشہ کھینچا ہے اور ان کی تصویر بھی شائع کی ہے (اصل کتاب قادیان کی صادق لائبریری میں موجود ہے اور راقم الحروف نے دیکھی ہے۔)
۷۹- اصل وطن ایمن آباد تھا ۱۸۶۵ء سے اپنی وفات ۱۸۷۶ء تک دیوان کے عہدہ پر رہے علوم مشرقیہ کے ماہر تھے اور کئی فارسی کتابوں کے مؤلف بھی۔ مثلاً تاریخ کشمیر۔ گلاب نامہ
۸۰- اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ دیوان کرپارام جنہوں نے مہاراجہ سے آپ کا ذکر کیا ۱۸۷۶ء میں فوت ہوئے (ملاحظہ ہو تذکرہ رؤسائے پنجاب حصہ دوم صفحہ ۲۱۳-۲۱۰) نیز مولوی محرم علی چشتی نے اپنے اخبار رفیق ہند (لاہور) ۱۹/ اپریل ۱۸۸۴ء میں شائع کیا تھا کہ "حکیم مولوی نور الدین سات آٹھ سال سے سرکار کشمیر کے درباریوں میں حکیم اول کے عہدہ پر ممتاز ہیں" (بحوالہ کتاب رئیس قادیان" صفحہ ۸۱ جلد اول از ابوالقاسم دلاوری) اس خبر کے مطابق حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی ملازمت کا سال ۱۸۷۶ء و ۱۸۷۷ معلوم ہوتا ہے اب چونکہ دیوان کرپارام کی وفات ۱۸۷۶ء میں ہوئی اور مہاراجہ صاحب کے سامنے انہوں نے جونہی آپ کا ذکر کیا مہاراجہ صاحب نے آپ کو بلوا بھیجا اس لئے ۱۸۷۶ء ہی کا سن متعین ہوتا ہے!!
۸۱- مرقاۃ الیقین ۱۴۰۔ حکیم حاذق نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۴ حیات احمد چہارم صفحہ ۱۱۷ حاشیہ۔
۸۲- حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۱۱۷ حاشیہ (ان دنوں وزیر آباد سے جموں تک ریل نہیں تھی)
۸۳- مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۴۲-۱۴۳- ایضاً رسالہ حکیم حاذق۔
۸۴- کلام امیر صفحہ ۹۵ پاکستان کے ایک فاضل و محقق حیف کیفوی لکھتے ہیں کہ
"تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ رنبیر سنگھ کے وقت تصنیف و تالیف کا ایک محکمہ حکیم مولوی نور الدین (خلیفہ اول جماعت قادیان)

کی نگرانی میں کام کر رہا تھا جس کا قیام جموں اور کشمیر میں ۱۸۷۶ء سے ۱۸۹۰ء تک رہا۔ وہ شاہی طبیب بھی تھے اور دارالترجمہ کے نگران بھی۔ اس دور میں سنسکرت کی کچھ کتابیں ڈوگری میں منتقل ہوئیں جس میں ایک حساب کی کتاب بھی شامل ہے اور جس کا ذکر ڈاکٹر بوہلر نے اپنی رپورٹ میں کیا ہے۔ اس کا انکشاف انہیں راجپوتانہ میں سنسکرت کے مخطوطات کی تلاش کے دوران ہوا"
(کشمیر میں اردو صفحہ ۱۵-۱۶ مولفہ حیف کیفوی ناشر مرکزی اردو بورڈ پوسٹ بکس ۳۱۷۷ گلبرگ لاہور طبع اول اپریل ۱۹۷۹ء)

۸۵- ولادت ۱۸۵۰ء (مسند نشینی ۱۲/ ستمبر ۱۸۸۵ء وفات ۱۹۲۵ء صحیفہ زریں صفحہ ۶-۸۔ مختصر تاریخ جموں و ریاستہائے مفتوحہ مہاراجہ گلاب سنگھ بہادر صفحہ ۷۳-۸۷ ان ہر دو کتب میں مہاراجہ کی تصویر بھی موجود ہے۔

۸۶- جناب ملک صلاح الدین ایم۔ اے مؤلف اصحاب احمد کچھ عرصہ ہوا قادیان سے جموں گئے تھے معلوم ہوا کہ شیخ فتح محمد صاحب کا مکان اور اس جگہ کی شکل بہت کچھ بدل گئی ہے نیز اس دور کا ریاستی ریکارڈ بھی محفوظ نہیں ہے۔

۸۷- مکتوب محمد اکرم خانصاحب آف جموں (مورخہ ۲۱/ مارچ ۱۹۶۳ء بنام مؤلف ہذا)

۸۸- مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۵۸۔

۸۹- مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۶۴۔

۹۰- مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۴۳۔ یارقند۔ چینی۔ ترکستان کا ایک شہر ہے اور یابو چھوٹے گھوڑے کو کہتے ہیں (فرہنگ عامرہ)

۹۱- مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۴۳ء

۹۲- مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۵۸

۹۳- تواریخ کشمیر ۲۲۱ از سالگ رام مالک آریہ پریس ۱۸۸۸ء میں بھی ہیضہ کی وبا عام ہو گئی تھی (اخبار ریاض ہند یکم مئی ۱۸۸۸ء) حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۱۱۹ حاشیہ۔

۹۴- مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۱۹۔ و مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۴۴

۹۵- مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۴۹-۱۵۰ تاریخ اقوام پونچھ صفحہ ۶۷۹۔

۹۶- کشمیر میں ان طبی خدمات کے سلسلہ میں آپ کو ہندی طب کی طرف بھی توجہ پیدا ہوئی اور آپ نے پنڈت ہرنام داس سے امرت ساگر اور سسرت سبقاً سبقاً پڑھی (مرقاۃ الیقین ۱۵۷) اس طرح آپ یونانی ڈاکٹری اور ویدک تینوں علوم میں یکتائے زمانہ بن گئے۔ دنیائے طب میں ایک نیا انقلاب آیا۔ جس کے نتیجہ میں ہر قسم کی طبی تحقیقات کا اجتماع ہو گیا اور اس انقلاب کے بانی آپ تھے۔

۹۷- صحیفہ زریں صفحہ ۸

۹۸- مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۲۸۔

۹۹- مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۲۰۔

۱۰۰- مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۲۹۔

۱۰۱- مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۵۳۔

۱۰۲- مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۲۳۔

۱۰۳- مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۲۳۔

۱۰۴- مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۲۱۔

۱۰۵- مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۲۵۔

۱۰۶- راجہ پرتاب سنگھ کے چھوٹے بھائی۔

۱۰۷- چنانچہ گبن نے کتاب کی تیسری جلد صفحہ ۱۷۷ پر صاف لکھا ہے کہ میں کتب خانہ کے نذر آتش کئے جانے کو قطعاً تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں۔

۱۰۸- مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۵۶۔

۱۰۹- مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۲۸-۲۲۹۔

۱۱۰۔ لالہ سالگ رام اپنی کتاب "تواریخ کشمیر" صفحہ ۲۱۴۔۲۱۵ پر ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔ امیر بن امیر، عربی، شاستری و انگریزی علوم کے عالم، امور مملکت میں رسا و دقیقہ سنج۔ نہایت متحمل۔ خلیق۔ سلیم الطبع۔ خندہ پیشانی، مصلحت داں، فیاض۔ جفاکش و محنتی ہیں مگر نازک بدن و ضعیف الدماغ ہیں۔

۱۱۱۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۶۱۔

۱۱۲۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۶۲۔

۱۱۳۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۶۰۔۱۶۱۔

۱۱۴۔ منشور محمدی کا یہ فائل خلافت لائبریری ربوہ میں اور رسالہ انتخاب الحکمت کا ایک نسخہ قادیان کے کتب خانہ میں آج تک محفوظ ہے۔

۱۱۵۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۲۵۔

۱۱۶۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۵۵۔

۱۱۷۔ شیخ محمد عبد اللہ پلیڈر مراد ہیں۔

۱۱۸۔ الحکم ۲۴/ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۵۔

۱۱۹۔ بدر ۷/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۸ کالم ۳

۱۲۰۔ حیات جاوید حصہ اول صفحہ ۱۱۰۔۱۱۱۔ از مولانا الطاف حسین حالی

۱۲۱۔ اس واقعہ کا صحیح سن معلوم نہیں ہوا۔ محض سرسید کے تذکرہ کی مناسبت سے یہاں اس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

۱۲۲۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۵۵۔

۱۲۳۔ یہ وہی مقام ہے جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ معہ دیگر خاندان حضرت مسیح موعودؑ ہجرت ۱۹۴۷ء کے بعد قیام پذیر ہوئے۔

۱۲۴۔ جیون چرتر صفحہ ۲۹۸ از پنڈت لیکھرام

۱۲۵۔ بدر ۶/ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۷۔۸۔

۱۲۶۔ جیون چرتر ص ۲۶۳ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے بابو نیلامبر صاحب مصاحب مہاراجہ کشمیر اور دیوان اننت رام کو بھی سوامی صاحب سے ملنے کے لئے بھیجا تھا اور مہاراجہ صاحب کا ارادہ ان کو جموں میں بلوانے کا تھا اور سوامی صاحب تیار بھی ہو گئے تھے۔ مگر پنڈت گنیش شاستری (جج جموں) نے کہا کہ اگر ان کو بلاتے ہیں تو پہلے مندروں کو گرا دیجئے گا۔ اس پر مہاراجہ نے یہ ارادہ ترک کر دیا گویا سوامی صاحب کے ریاست میں لانے کا ایک منصوبہ سوچا گیا تھا اور اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید حضرت مولوی صاحب کو بھی اس کا علم ہو گیا ہو۔ اور آپ کوئی موقعہ نکال کر خود ہی اس سے گفتگو کرنے کے لئے لاہور تشریف لے آئے ہوں۔

۱۲۷۔ منشور محمدی جلد ۱۰ نمبر ۲ صفحہ ۲۲۔۲۳۔

۱۲۸۔ منشور محمدی جلد ۱۰ نمبر ۷ صفحہ ۷۸۔

۱۲۹۔ ۱۸۸۱ء میں اس انجمن کی تجویز ہوئی اور مارچ ۱۸۸۲ء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو ماموریت کے مقام پر کھڑا کر دیا۔

۱۳۰۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۴۶۔

۱۳۱۔ "روداد گولڈن جوبلی انجمن حمایت اسلام" صفحہ ۱۵

۱۳۲۔ آپ کا لیکچر اکثر انجمن کے سالانہ جلسوں پر ہوا کرتا تھا جس کا تذکرہ انجمن کی متعدد رودادوں میں آج تک موجود ہے۔ (جیسا کہ آگے ذکر آ رہا ہے) علاوہ ازیں انجمن کے کتب خانہ میں مدت تک حضرت مولوی صاحب کی کتابیں شائع یا فروخت ہوتی رہیں۔ جن کا منافع بہرحال انجمن کو پہنچتا رہا۔ مثلاً ایک عیسائی کے تین سوالوں کے جواب ابطال الوہیت مسیح۔ فصل الخطاب۔ تصدیق براہین احمدیہ (ملاحظہ ہو۔ فارسی کی دوسری کتاب۔ اور دینیات کا تیسرا رسالہ و صرف فارسی کا ابتدائی رسالہ شائع کردہ انجمن

حمایت اسلام ۱۱۔۱۳۰۹ھ) اس سے ظاہر ہے کہ انجمن کو ابتداء میں تبلیغ اسلام کے ٹھوس کام کی اگر کچھ تھوڑی بہت توفیق ملی ہے تو وہ بھی حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اول ؓ کی برکت سے ملی ہے۔

۱۳۳۔ لیکچر قرآن شریف کی دنیا کو ضرورت شائع کردہ انجمن حمایت اسلام ۱۸۹۸ء اور دوسرے رسائل میں لکھا ہے کہ انجمن حمایت اسلام کے مقاصد یہ ہیں۔ اول مخالفین مذہب اسلام کے جواب تحریری و تقریری تہذیب کے ساتھ دیئے جائیں دوم مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام۔ ایک آخری مقصد یہ تھا کہ گورنمنٹ انگلشیہ کی وفاداری کے نتائج حقہ سے اہل اسلام کو آگاہ کرنا۔ اس آخری مقصد کی تکمیل کے لئے ایک مضمون سرکار انگلشیہ کے عہد کے برکات اور رعایا کے دلوں میں نمک حلالی کے خیالات...... اور بعض دوسرے مضامین شائع ہوئے۔ (ملاحظہ ہو رپورٹ انجمن حمایت اسلام اپریل ۱۹۰۳ء)

۱۳۴۔ حضرت مولوی صاحب کے انجمن سے ان تعلقات ہی کا نتیجہ ہے کہ باوجودیکہ جماعت احمدیہ پر ابتداہی سے کفر کا فتویٰ دے دیا گیا تھا مگر انجمن حمایت اسلام سے احمدیوں کے مراسم وروابط عرصہ دراز تک قائم رہے چنانچہ انجمن حمایت اسلام کی سالانہ رپورٹوں سے ظاہر ہے کہ احمدیوں نے سالہاسال تک چندہ دیا احمدی لیکچرار اور شعراء ہمیشہ اس کے سالانہ جلسوں کی رونق ہوتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء کی بات ہے کہ انجمن حمایت اسلام اور جلسہ سالانہ قادیان دونوں ایک ہی تاریخوں میں منعقد ہوئے جس پر احمدی لیکچرار نہ آسکے اور جلسہ کچھ زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ چنانچہ اجلاس عام میں ہی خان بہادر اللہ بخش نے کہہ ڈالا کہ "اس دفعہ اور بھی کئی قومی اور اسلامی مجالس انہی دنوں قائم تھیں ندوۃ العلماء کا جلسہ دہلی میں منعقد ہو رہا تھا اس لئے قاری شاہ سلیمان اور مولانا شبلی نعمانی دیگر علمائے کرام ادھر مصروف ہونے کے باعث اس جلسہ میں تشریف نہیں لاسکے۔ احمدیوں کا جلسہ قادیان میں تھا اس لئے کچھ مسلمان ادھر مصروف رہے۔" (انجمن حمایت اسلام کے چھبیسویں سالانہ جلسہ کی روداد مارچ۔ اپریل ۱۹۱۱ء ضمیمہ ۴۱)

انجمن کے سالانہ جلسوں میں جن احمدی مقررین نے (حضرت مولوی نور الدین صاحب کے علاوہ) تقریریں کیں یا نظمیں پڑھیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب ؓ (جلسہ ۱۸۹۴ء ۱۸۹۵ء ۱۸۹۷ء) ان سالوں میں حضرت میر صاحب نے ایک نظم پڑھی "پھولوں کی گر طلب ہے تو پانی چمن کو دے۔ جنت کی گر طلب ہے تو زر انجمن کو دے" اس نظم پر انجمن کو بہت چندہ ہوا۔ (حیات ناصر۔ صفحہ ۳۱) خواجہ کمال الدین صاحب (۱۸۹۴ء۔ ۱۸۹۵ء) مولوی محمد علی صاحب (صدارت ۱۹۲۲ء) مولوی عصمت اللہ صاحب (۱۹۲۲ء۔ ۱۹۲۵ء) شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور (۱۹۲۷ء) مولوی صدر الدین صاحب (۱۹۲۷ء) مولوی عبد الحق صاحب ودیار تھی (۱۹۲۷ء) ۱۹۳۶ء میں انجمن حمایت اسلام نے بیرونی دباؤ سے متاثر ہو کر احمدیوں کے اخراج کے لئے باقاعدہ ایک ریزولیوشن پاس کیا کہ "عقائد نبوت وحی اور خاتمیت میں انجمن حمایت اسلام عامۃ المسلمین کی ہمنوا ہے اور یہ کونسل اس امر کا اعلان ضروری سمجھتی ہے کہ مسئلہ ختم نبوت اسلام کا اساسی اصول ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد کوئی نبی کسی رنگ میں نہیں آسکتا انجمن کا مسلک یہی ہے اور ایسا ہی رہے گا۔" (بحوالہ ٹریکٹ انجمن حمایت اسلام لاہور کا اعلان رقم کردہ جناب مولوی محمد علی صاحب مرحوم امیر انجمن اشاعت اسلام لاہور) یہ ریزولیوشن عامۃ المسلمین کو مسلم کی تعریف سے خارج کرتا تھا کیونکہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام جیسے مستقل نبی کی آمد ثانی کے منتظر تھے مگر عجیب بات یہ ہوئی کہ ایسا ماننے والے تو انجمن حمایت اسلام کے ممبر ہی رہے مگر احمدیوں پر اس کے دروازے آج تک بند ہیں جن کا قصور صرف یہ ہے کہ دوسرے جہاں حضرت مسیح ؑ کے آسمان سے آنے کا عقیدہ رکھتے ہیں وہاں ان کے نزدیک آنے والا مسیح آنحضرت ﷺ کی امت میں سے پیدا ہونے والا ہے اور آپ کے غلاموں میں سے ایک غلام اور خادموں میں سے ایک خادم ہے اور حدیث نبوی ﷺ کے مطابق اس کی نبوت کے صرف یہ معنی ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ سے کثرت مکالمہ مخاطبہ کی خبر پاکر دنیا میں اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کی عالمگیر حکومت قائم کردے!! یا للعجب۔

۱۳۵۔ حیات احمد چہارم صفحہ ۱۱۸ حاشیہ۔

۱۳۶۔ اس اشتہار کا ذکر تاریخ احمدیت جلد دوم (طبع دوم) میں ۱۸۸۵ء کے واقعات میں صفحہ ۶۷ پر آچکا ہے۔

۱۳۷۔ تذکرہ روسائے پنجاب حصہ دوم صفحہ ۲۱۱ پر لکھا ہے کہ دیوان اننت رام نے ۱۸۸۵ء میں دماغی عارضہ کے باعث استعفیٰ دیدیا تھا۔ اور ان کی جگہ گوبند سہائے وزیر اعظم مقرر ہوئے تھے۔ اس لئے یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ آپ کو اشتہار دینے والے کون تھے۔

۱۳۸۔ الحکم ۲۲/ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۲۔ ۳

۱۳۹۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۱۔ ۲ پر آپ کے نام حضرت مسیح موعود کا پہلا خط ۸/ مارچ ۱۸۸۵ء کا ہے جس سے یہ تخمینہ لگایا گیا ہے۔

۱۴۰۔ بدر ۱۰/ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳ کالم ۱۔ حضرت خلیفہ اولؓ نے نہایت روح پرور الفاظ میں اپنے پہلے سفر قادیان اور زیارت مسیح موعود کا جو واقعہ رقم فرمایا ہے وہ تاریخ احمدیت حصہ دوم میں آچکا ہے۔

۱۴۱۔ کلام امیر صفحہ ۱۹ کالم ۱، ۲۔

۱۴۲۔ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۸۱۔ ۵۸۳

۱۴۳۔ الزامی جواب علم مباحثہ میں اس دلیل کو کہتے ہیں جو صرف فریق مخالف کے عقیدہ پر مبنی ہوتی ہے جواب دینے والا اس کا قائل نہیں ہوتا۔ اس کی ایک دلچسپ مثال حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ایک واقعہ سے ملتی ہے لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک پادری صاحب شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ کیا آپ کے پیغمبر خدا کو پیارے ہیں آپ نے فرمایا ہاں وہ کہنے لگا تو پھر انہوں نے قتل حسینؓ کے وقت فریاد کی یا یہ فریاد سنی نہ گئی۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضور نے فریاد تو کی تھی۔ لیکن انہیں جواب آیا کہ تمہارے نواسے کو قوم نے ظلم سے شہید کیا۔ ہے لیکن ہمیں اس وقت اپنے بیٹے عیسیٰ کا صلیب پر چڑھنا یاد آرہا ہے۔ (رود کوثر صفحہ ۵۶۸ اشاعت سوم از شیخ محمد اکرام ایم۔ اے۔

۱۴۴۔ الحکم ۲۲/ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ کالم ۳

تیسرا باب

فصل الخطاب کے مجاہدہ سلوک سے لیکر ہجرت قادیان تک

(ابتداء ۱۸۸۶ء تا ۱۸۹۳ء بمطابق ۱۳۰۳ھ تا ۱۳۱۰ھ)

فصل الخطاب کی تصنیف و اشاعت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مجاہدہ کا حکم لیکر آپ وطن آئے تو ایک ہم مکتب حافظ مل گیا جو عیسائیت سے بہت متاثر ہو چکا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اپنے پادری سے مجھے بھی ملاؤ۔ چنانچہ وہ آپ کو پنڈ دادنخاں کے انگریز پادری تھامس ہاول کے پاس لے گیا ▫۔ اس نے کہا میں بعد میں اعتراضات لکھ کر بھجوا دوں گا۔ اس پر آپ نے حافظ سے وعدہ لیا کہ جب تک پادری صاحب کے سوالات ہم تک پہنچ کر ان کے جوابات آپ کو نہ مل جائیں آپ بپتسمہ نہ لیں۔ آخر پادری صاحب نے اعتراضوں کا ایک بڑا پلندہ آپ کو جموں روانہ کر دیا۔ اتفاق سے انہی دنوں مہاراجہ پونچھ نے آپ کو اپنے بیٹے کے علاج کے لئے پونچھ بلا لیا اور شہر سے الگ تھلگ مکان میں جگہ دی۔ یہاں آپ کو تنہائی میسر آگئی اور آپ نے جواب لکھنا شروع کر دیا۔ ادھر راجہ کا لڑکا اچھا ہوا۔ ادھر آپ نے چار جلدوں میں جواب بھی مکمل کر لیا۔ جواب کا نام آپ نے ایک بزرگ سید محمد غوث صاحب ؒ کی کتاب کے نام پر "فصل الخطاب" ہی رکھا ▫۔ اب اس کے چھپنے کا مرحلہ باقی تھا۔ تو اس کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ غیبی سامان کیا کہ راجہ پونچھ اور مہاراجہ جموں سے آپ کو بہت کچھ انعام و اکرام ملا۔ چنانچہ آپ نے یہ ساری آمد اور فصل الخطاب کی دو جلدوں کا مسودہ طباعت کے لئے مطبع مجتبائی دہلی کے مالک (مولوی عبدالواحد صاحب) کو بھجوا دیئے۔ ▫ اس طرح یہ کتاب ان کے زیر انتظام ۱۳۰۵ھ مطابق ۸۸۔۱۸۸۷ء میں چھپ کر شائع ہو گئی۔

فصل الخطاب اپنی نوعیت کی نرالی اور لاجواب تصنیف تھی۔ عیسائیت سے متاثر حافظ اور ان کے

دوسرے ساتھی اس کی بدولت ارتداد سے بچ گئے اور کہا کہ اب ہم سچے دل سے مسلمان ہو گئے باقی دو جلدوں کی اشاعت کی ضرورت نہیں۔ بعض ججوں نے آپ کو اس کی اشاعت پر مبارکباد بھی دی۔
۴ یہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی ۵ کے علاوہ انجمن حمایت اسلام ۶ اور بک ڈپو وکیل ۷ ٹریڈنگ کمپنی امرتسر میں بکثرت فروخت ہوئی اور اس پر نہایت عمدہ تبصرے شائع کئے گئے ذیل میں ہم مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری کا تبصرہ درج کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اس عمدہ کتاب میں پرجوش تحریر کے ساتھ اکثر نئی تحقیق کا دریا موجزن ہے اسلام کی خوبی کو مختصر طور سے خوب دکھایا ہے۔ اور غالباً عیسائیوں کے کل اعتراضوں کے جواب الزامی اور تحقیقی خوش اسلوبی سے دیئے ہیں۔ اور نبوت سرور انبیاء اور ضرورت قرآن مجید کو عمدہ طرز سے ثابت کیا ہے" ۸

خدمت دیں کے لئے ملازمت سے استعفیٰ کا فیصلہ

حضرت اقدس علیہ السلام کے ارشاد کی تعمیل میں آپ نے اپنے اخلاص فدائیت اور عقیدت میں صرف "فصل الخطاب" کے مجاہدہ پر ہی بس نہیں کی۔ بلکہ آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دے کر حضورؑ کی خدمت میں چلے آنے کا قصد کر لیا۔ حضرت اقدس علیہ السلام کو جب اس کا علم ہوا تو حضور نے مشورہ دیا کہ ملازمت سے علیحدگی ہرگز اختیار نہ کریں۔ ۹ لیکن حضرت مولوی صاحب استعفیٰ دے چکے تھے۔ چونکہ خدا کی جناب میں آپ کا ریاست میں رہنا اس کی مصالح کے لحاظ سے ضروری تھا اور حضرت اقدس کی دلی خواہش بھی یہی تھی اس لئے آپ کا استعفیٰ ریاست سے منظور ہی نہیں ہوا۔ ۱۰ اور آپ عرصہ تک ریاست میں ہی بیٹھ کر اپنے آقا و مرشد کی روحانی رفاقت کا حق ادا کرتے رہے چنانچہ حضور کی خدمت میں نہایت اخلاص بھرے الفاظ میں لکھا۔

"مولانا۔ مرشدنا۔ امامنا۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

عالی جناب میری دعا یہ ہے کہ ہر وقت حضور کی جناب میں حاضر رہوں اور امام زمان سے جس مطلب کے واسطے وہ مجدد کیا گیا وہ مطالب حاصل کروں۔ اگر اجازت ہو تو میں نوکری سے استعفیٰ دے دوں اور دن رات خدمت عالی میں پڑا رہوں۔ یا اگر حکم ہو تو اس تعلق کو چھوڑ کر دنیا میں پھروں اور لوگوں کو دین حق کی طرف بلاؤں اور اسی راہ میں جان دوں۔ میں آپ کی راہ میں قربان ہوں میرا جو کچھ ہے۔ میرا نہیں آپ کا ہے۔ حضرت پیرو مرشد میں کمال راستی سے عرض کرتا ہوں کہ میرا سارا مال و دولت اگر دینی اشاعت میں خرچ ہو جائے تو میں مراد کو پہنچ گیا۔ اگر خریدار براہین کے توقف طبع کتاب سے مضطرب ہوں تو مجھے اجازت فرمایئے کہ یہ ادنیٰ خدمت بجالاؤں کہ اس کی تمام قیمت ادا کر

کے اپنے پاس سے واپس کردوں۔ حضرت پیرو مرشد! نابکار شرمسار عرض کرتا ہے اگر منظور ہو تو میری سعادت ہے۔ میرا منشاء ہے کہ براہین کے طبع کا تمام خرچ میرے پر ڈال دیا جائے۔ پھر جو کچھ قیمت میں وصول ہو وہ روپیہ آپ کی ضروریات میں خرچ ہو مجھے آپ سے نسبت فاروقی ہے اور سب کچھ اس راہ میں فدا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ دعا فرمادیں کہ میری موت صدیقوں کی موت ہو"۔ [۱۱]

"سرمہ چشم آریہ" اور "سراج منیر" کی اشاعت میں حصہ

"براہین احمدیہ" کی تصنیف و اشاعت تک چونکہ آپ کی حضور سے کوئی رسم و راہ نہ تھی اس لئے آپ اس کی طباعت کے وقت کوئی مالی خدمت نہ کر سکے۔ لیکن جونہی آپ حضور کے قدموں میں آئے آپ نے اول براہین احمدیہ کی اشاعت میں حصہ لیا دوم حضور کی ہر تالیف و تصنیف میں اعانت پر کمربستہ ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے ۱۸۸۶ء میں "سرمہ چشم آریہ" کی سو جلدیں خرید کر مفت تقسیم کیں اور رسالہ "سراج منیر" کے لئے بھی چندہ دیا جس کی ایک قسط پچاس روپیہ کا دینا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے ایک خط سے بھی ثابت ہے۔ [۱۲]

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب آپ کی شاگردی میں

مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی حضرت مولوی نورالدین صاحب کی خدمت میں بخاری شریف پڑھنے کے لئے اسی سال ۱۸۸۶ء میں جموں آگئے اور چھ ماہ تک آپ کے پاس رہے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اپنی شاگردی کے اس دور پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں۔ مجھ پر ایک وقت آیا ہے کہ میں علم حدیث سے ناآشنا تھا اور اس طرف توجہ کرنی پسند نہ کرتا تھا۔ میرے مخدوم و استاذ مولوی صاحب جو اس حلاوت علم کے ذوق سے حظ وافر رکھتے تھے مجھے ہمیشہ اس کی طرف توجہ کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ آخر ۱۸۸۶ء میں جب کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی مشیت نے کشمیر میں چھ ماہ کے لئے ایک جگہ رکھا اور مولوی صاحب نے بخاری شریف مجھے سنائی یا یوں کہو کہ میں نے ان سے سنی اس وقت اس کی برکات مجھ پر منکشف ہوئیں اور اب تو میں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ جو کوئی حضرت رسول کریم ﷺ کی پاک صورت دیکھنا چاہے وہ حدیث پڑھے۔ قرآن شریف پڑھنے کے بعد بڑا سعادت مند وہ ہے جو حدیث پڑھتا ہے حضرت مولوی نورالدین صاحب کی صحبت سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اس قسم کی خوبیوں اور معارف سے واقف ہوا۔" [۱۳]

آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

علی گڑھ کالج کے قیام کے بعد برصغیر ہندو پاکستان کے مقتدر مسلم لیڈر سر سید احمد خاں (۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء)

نے دوسرا بڑا اہم کارنامہ یہ سرانجام دیا کہ ۱۸۸۶ء میں انہوں نے آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی جس نے ہندوستان کے مختلف صوبوں اور ضلعوں میں پھیلے ہوئے چھ کروڑ مسلمانوں میں ایک حرکت سی پیدا کر دی اور مسلمانوں میں عام تعلیمی بیداری پیدا کرنے میں "ایجوکیشنل کانفرنس" کالج سے بھی زیادہ مفید ثابت ہوئی ۔ کانفرنس کے اجلاس میں علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء ۔ ۱۹۱۴ء) مولانا حالی (۱۸۳۷ء ۔ ۱۹۱۴ء) نواب محسن الملک (۱۸۳۷ء ۔ ۱۹۰۷ء) وغیرہ اکابر لیکچر دیتے اور بیداری کے نئے آثار نمودار ہو جاتے ۔ [۱۴]

حضرت مولوی نور الدین صاحب ؓ کو چونکہ مسلمانان ہند کی دینی و دنیوی ترقی سے خاص دلچسپی تھی ۔ اور یوں بھی سرسید مرحوم کی خدمات کے آپ دل سے معترف تھے اس لئے آپ کانفرنس کے معاونوں میں شامل ہو گئے ۔ اور مقدور بھر اس کی ہمیشہ مدد کرتے رہے ۔ [۱۵] دراصل آپ ان دنوں سرسید احمد خاں مرحوم کے خیالات اور ان کے طریق استدلال کی طرف کسی قدر مائل ہو گئے تھے ۔ [۱۶] اس لئے بسا اوقات معجزات اور اس قسم کے روحانی تصرفات کی تاویل فرما دیا کرتے تھے ۔ ان کی تفسیر میں اس میلان کی جھلک احمدیت کے ابتدائی ایام میں بھی نظر آتی ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں آہستہ آہستہ یہ اثر ڈھلتا گیا ۔ حتیٰ کہ فنائیت کامل کا مقام حاصل ہو گیا ۔ [۱۷]

(خان بہادر) شیخ محمد عبد اللہ صاحب (علیگ) کا قبول اسلام

پونچھ میں قیام کے زمانہ میں "فصل الخطاب" کی تصنیف کے علاوہ ایک نہایت اہم واقعہ یہ ہوا کہ یہاں موضع بھان تنی کے ایک برہمن خاندان کے نوجوان ٹھاکر داس سے پونچھ کے سکول میں آپ سے ملاقات ہوئی جس کے بعد وہ نوجوان آپ کی تحریک پر مزید تعلیم کے لئے جموں آیا اور آپ کی توجہ ، تعلیم و تلقین اور فیض صحبت سے بالآخر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا اور بعد ازاں آپ کی خصوصی توجہات و عنایات کی بدولت خان بہادر شیخ محمد عبد اللہ بی ۔ اے ۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ایم ایل اے بنا اور علی گڑھ تحریک کے لئے بے حد تقویت کا موجب ہوا ۔ [۱۸]

حضرت اقدس ؑ سے مراسلت

حضرت مولوی صاحب ؓ کی حضور سے پہلی ملاقات کے معاً بعد سے سلسلہ مراسلت جاری ہو چکا تھا ۔ جو آپ کے زمانہ ہجرت قادیان تک برابر جاری رہا ۔ [۱۹]

منشور محمدی میں ایک معرکتہ الآرا مضمون

پنڈ دادنخان کے پادری ٹھامس ہاول صاحب نے پرچہ "نور افشاں" ۶ / جون

۱۸۸۷ء میں رسالہ "شحنہ حق اور مرزا غلام احمد صاحب کے الہام" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا۔ حضرت مولوی صاحب نے جو ان کے پہلے اعتراضوں کا قلع قمع کر چکے تھے اس مضمون کا بھی دندان شکن جواب لکھا۔ جو "منشور محمدی" بنگلور کی کئی قسطوں میں شائع ہوا۔ اس مضمون کا عنوان تھا۔ "جناب مرزا غلام احمد صاحب کے الہامات کی بابت پادری تھامس ہاول کی نکتہ چینیوں پر ایک مفصل ریمارک" اور آخر میں نام کی بجائے صرف ن۔ و۔ جموں کے الفاظ لکھے تھے۔ مضمون کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا تھا۔ "مرزا غلام احمد صاحب قادیانی جو فی زماننا مسلمانوں میں ایک عالم صوفی ہیں دین اسلام کی حقیت اور منجانب اللہ ہونے کے بے نظیر مدعی و مثبت ہیں ان کی طرف سے حال میں ایک کتاب شحنہ حق شائع ہوئی ہے جس کا خاص مدعا یہ ہے کہ جہلاء پسند رسالوں کی بیہودہ اصلیت اور پر تزویر تقریروں اور علمی صورت تحریروں کی پر فساد حیثیت کو آریوں کے کم علم اور بے خبر ممبروں پر کسی قدر کھول دیا جائے تاکہ وہ ایسے لغویات کو بعض آوارہ طبع اور منہ پھٹ آریوں کا (جن کا مشیر شاید کوئی نیک طبع آریہ نہ ہوگا) عین کمال سمجھ کر بھیڑوں کی طرح ان کی تقلیدی گڑھے میں نہ کودیں۔" [۲۰]

اس کے بعد ایک جگہ لکھا "سبھی مسلمان اولیاء اللہ کے الہامات کے قائل ہیں جبکہ ان کے نزدیک نیک بندوں کا ہر صدی میں صاحب الہام ہونا ممکن اور مسلم ہے تو ان کو اس بارے میں مرزا صاحب کی مخالفت کرنے سے پہلے اپنے مسلم اعتقادوں اور مسائل صحیحہ دینیہ کی تردید بھی کرنی پڑتی ہے اور کوئی عاقل شخص اور حق پسند ان میں سے بدوں کامل تحقیق کے اس مخالفت کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ [۲۱]

پادری صاحب مذکور نے اعتراض کیا تھا کہ جب شرکاء کے بارے میں خدا نے دعا قبول نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا تو لمبے چوڑے مقدمات مرزا غلام قادر صاحب و مرزا غلام مرتضٰی صاحب نے کیوں کئے۔ اس کے جواب میں آپ نے بالوضاحت لکھا کہ یہ مقدمات مرزا غلام مرتضٰی صاحب کی وفات کے بعد ان کے بیٹے مرزا غلام قادر صاحب نے دائر کئے اور آپ نے مرزا غلام قادر صاحب تک یہ الہام پہنچا بھی دیا مگر انہوں نے صرف یہ کہا کہ اگر ہمیں پہلے خبر ہوتی تو ہم مقدمہ نہ کرتے۔ اور اس قدر خرچ کرنے سے دست کش رہتے اب چھوڑنا مشکل ہے آخر وہ ہائیکورٹ تک پہنچے اور ہار گئے۔ [۲۲]

آپ نے جب مضمون کی سب قسطیں حضرت مسیح موعود کی خدمت میں ارسال فرمائیں تو حضور نے ۲۳/ جنوری ۱۸۸۸ء کو اس پر اپنے ایک خط میں کمال خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔ "منشور محمدی میں جو آنمخدوم نے مضمون چھپوایا ہے وہ سب پرچے پہنچ گئے وہ مضمون نہایت ہی عمدہ

ہے۔ جزاکم اللہ خیراً" [۲۳]

بیماری اور عیادت کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کی تشریف آوری

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حکیم فضل الدین صاحب کا جموں سے خط ملا کہ حضرت مولوی صاحب سخت بیمار ہیں [۲۴] جس پر حضور اپنے خادم حافظ حامد علی صاحبؓ کو ساتھ لے کر آپ کی عیادت کے لئے جموں تشریف لائے بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جموں جاتے ہوئے آپ وزیر آباد کے محلہ شیخ لال کے قریب پیر حیدر شاہ کے مکان پر قیام فرما رہے۔ کئی لوگ آپ کی ملاقات کے لئے بھی حاضر ہوئے جموں میں خلیفہ نور الدین صاحب جمونی کے کمرہ میں آپ فروکش ہوئے۔ [۲۵]

یہ اندازاً ۱۷/ جنوری ۱۸۸۸ء کا واقعہ ہے۔ [۲۶] آپ بخار اور سردرد کے عارضہ میں مبتلا تھے اور کمزوری بہت ہی ہو گئی تھی۔ حضرت اقدس تین دن تک قیام پذیر رہے۔ آپ نے پہلے سے آپ کو اطلاع دی کہ "مجھے بشارت دی گئی ہے۔ کہ میرے وہاں پہنچنے کے وقت آپ کو آرام ہو گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ [۲۷] حضرت مولوی صاحب اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

"حکیم فضل الدین صاحب نے میری کسی بیماری میں گھبرا کر حضرت صاحب (مسیح موعود) کو لکھ دیا کہ بیمار ہیں۔ حضرت صاحب بیتاب ہو کر میرے پاس جموں تشریف لے گئے" [۲۸]۔

قیام جموں کے دوران حضور کے دل میں بڑے زور سے دو خیال اٹھے (۱) حضرت مولوی صاحب دوسرا نکاح کر لیں۔ (۲) اپنے اخراجات پر کنٹرول کر کے کچھ نہ کچھ تنخواہ میں سے پس انداز کریں۔ چنانچہ قادیان واپس جا کر حضور نے ۲۲/ جنوری ۱۸۸۸ء کو حضرت مولوی صاحب کو لکھا۔ "جب سے یہ خاکسار آپ کی ملاقات کر کے آیا ہے تب سے مجھے آپ کے ہموم و غموم کی نسبت دن رات خیال لگا ہوا ہے اور میرا دل بڑے یقین سے یہ فتویٰ دیتا ہے کہ اگر نکاح ثانی کا دلخواہ انتظام ہو جاوے تو یہ امر موجب برکات کثیرہ ہو گا۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ اس سے تمام کسل و حزن بھی دور ہو گا اور اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے اولاد صالح صاحب عمر و برکت بھی عطا کرے گا.....

دوسرے ایک یہ امر بھی قابل انتظام ہے کہ آپ کے اخراجات ایسے حد سے بڑھے ہوئے ہیں کہ جن کے سبب سے ہمیشہ آپ کو تہی دست رہنا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ میں نے مولوی کریم بخش صاحب (مراد مولوی عبد الکریم صاحب۔ ناقل) کی زبانی سنا ہے کہ جو آٹھ سو روپیہ مجھ کو آپ نے بھیجا تھا وہ بھی قرضہ لیکر ہی بھیجا تھا۔ دامن [۲۹] سے لا تبسط کل البسط کی طرف خیال رکھنا چاہئے۔ اور اپنے نفس سے ایک مستحکم عہد کر لیں کہ تیسرا یا چوتھا حصہ تنخواہ میں سے خرچ کریں اور باقی کسی دکان وغیرہ

میں جمع کرادیں۔" [۲۰]

حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھیروی آپ کی شاگردی میں

حضرت مسیح موعودؑ کی واپسی کے معاً بعد قریبی ایام میں ہی مفتی محمد صادق صاحب کو آپ کے والد جموں لائے اور حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں چھوڑ کر وطن چلے گئے چنانچہ حضرت مفتی صاحبؓ کی روایت ہے کہ پورے طور پر جو میرا تعلق حضرت (مولوی صاحب۔ ناقل) سے شروع ہوا۔ وہ ۱۸۸۸ء کے ابتدائی مہینوں.... میں تھا۔ جب کہ میرے والد مرحوم باوجود اس ضعف و علالت و پیری کے جو اس وقت ان کے شامل حال تھی مجھے بھیرہ سے جموں لے گئے... آپ انہیں ایام میں سخت بیماری بخار اور شدید سردرد سے شفایاب ہوئے تھے اور کمزوری کے آثار ہنوز آپ کے چہرہ پر نمودار تھے۔ چہرہ کا رنگ زردی مائل ہو رہا تھا۔ [۲۱]

حضرت مولوی صاحب کی شادی لدھیانہ میں

اس خط کے بعد حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ آپ کی برادری میں جو سلسلہ جنبانی ہو رہا تھا وہ بوجوہ قائم نہ رہ سکا۔ جن کی تفصیل کا ہمیں کوئی علم نہیں اس لئے اب خود حضرت مسیح موعودؑ نے کئی جگہ خطوط روانہ کئے اور بالآخر منشی احمد جان صاحبؓ کی صاحبزادی صغریٰ بیگم صاحبہؓ سے رشتہ کی تجویز پختہ ہو گئی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام معہ حضرت خلیفہ اولؓ اور دیگر احباب شادی کی برات میں لدھیانہ تشریف لائے۔ اور بعد نکاح مع دلہن واپس تشریف لے گئے [۲۲] یہ ۷/ مارچ ۱۸۸۹ء سے قبل کا واقعہ ہے۔ [۲۳]

لدھیانہ کی بیعت اولیٰ میں شرکت

حضرت مولوی صاحب نے ایک عرصہ سے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کر رکھا تھا کہ جب حضور کو بیعت کا اذن ہو تو سب سے پہلی بیعت آپ کی لی جائے۔ چنانچہ حضور نے یہ درخواست منظور فرما لی۔ ازاں بعد جب حضور کو خدا کی طرف سے بیعت کا حکم ملا تو حضور نے آپ کی بیعت سے پہلے استخارہ کا ارشاد فرمایا جس کا طریق حضور نے یہ بتایا۔

اول دو رکعت نماز پڑھیں پہلی رکعت میں قل یایها الکافرون دوسری رکعت میں قل هو الله پھر التحیات کے بعد نماز ہی میں یہ دعا پڑھیں۔ سات روز استخارہ کریں اگر ہر نماز کے بعد استخارہ ہو تو بہتر ہے۔ ورنہ عشاء کے بعد تو ضرور چاہئے۔

دعائے استخارہ اللھم انی استخیرک بعلمک و استقدرک بقدرتک فانک تعلم ولا اعلم و تقدر ولا اقدر و انت علام الغیوب۔ اللھم ان کنت تعلم ان بیعتی بغلام احمد خیر لی فی دینی و دنیائی و عاقبۃ امری و عاجلہ فقدرہ لی ثم بارک لی فیہ اللھم و ان کنت تعلم ان بیعتی بہ شر لی فی دینی و دنیائی و عاقبۃ امری و عاجلہ فاصرفہ عنی و اصرفنی عنہ و قدر لی الخیر حیث ما شئت ثم بارک لی فیہ آمین۔ [۲۴]

اے میرے اللہ! میں تیرے علم سے خیر اور تیری قدرت سے طاقت چاہتا ہوں کیونکہ تو جانتا ہے میں نہیں جانتا تو قادر ہے میں قادر نہیں ہوں۔ اور تو سب غیبوں سے پوری طرح واقف ہے۔ اے میرے اللہ! اگر تیری نگاہ میں غلام احمد کی بیعت کرنا میرے دین و دنیا اور میری عاقبت اور موجودہ زندگی کے لئے بہتر ہے تو مجھے اس کی توفیق بھی دے پھر اس میں برکت بھی ڈال لیکن اگر تیرے نزدیک میری یہ بیعت میرے دین و دنیا اور موجودہ اور آئندہ زندگی کے لئے بری ہے تو مجھے اس سے اور اسے مجھ سے پھیر دے اور تیری جناب میں جہاں بھی بھلائی ہو وہ مجھے عطا کر کے میرے لئے اس میں برکت رکھ دے۔

چنانچہ حضرت مولوی صاحب حضور کے ارشاد کے تحت استخارہ کر کے لدھیانہ پہنچے۔ جہاں ۲۳/ مارچ ۱۸۸۹ء کو بیعت اولیٰ ہوئی اور اول المبایعین ہونے کا شرف حاصل کیا۔ حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "نبی کو جو فراست دی جاتی ہے۔ وہ دوسروں کو نہیں دی جاتی۔ حضور نے جب میری بیعت لی تو میرا ہاتھ پہنچے سے پکڑا۔ حالانکہ دوسروں کے ہاتھ اس طرح پکڑے جیسے مصافحہ کیا جاتا ہے۔ پھر مجھ سے دیر تک بیعت لیتے رہے اور تمام شرائط بیعت کو پڑھوا کر اقرار لیا۔ اس خصوصیت کا علم مجھے اس وقت نہیں ہوا۔ مگر اب یہ بات کھل گئی۔" [۲۵]

کسی شخص نے بعد ازاں حضرت خلیفہ اولؓ سے سوال کیا کہ آپ نے حضرت مرزا صاحب کی بیعت کر کے کیا فائدہ حاصل کیا؟ جواب میں فرمایا۔ دنیا سے سرد مہری۔ رضا بالقضا کا ابتدا اخلاص۔ فہم قرآن میں بین ترقی۔ طول امل سے تنفر۔ اور المنکر سے بحمد اللہ حفاظت۔ فتن دجال سے بحمد اللہ حفاظت تامہ۔ کبر۔ کسل۔ کذب۔ کفر۔ جبن سے امن تامہ۔ [۲۶]

حضور نے جن الفاظ میں آپ سے بیعت لی تھی وہ آپ کی درخواست پر حضورؑ نے اپنے قلم سے لکھ کر انہیں عنایت فرما دیئے تھے۔ [۲۷]

بیعت اولیٰ کے الفاظ جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اپنے قلم سے لکھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی

آج میں احمد کے ہاتھ پر اپنے اُن تمام گناہوں اور خراب عادتوں سے توبہ کرتا ہوں
جن میں مَیں مبتلا تھا۔ اور اپنے سچے دل اور پکے ارادہ سے عہد کرتا ہوں
کہ جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے اپنی عمر کے آخری دن تک تمام گناہوں سے
بچتا رہوں گا اور دین کو دنیا کے آراموں اور نفس کے لذات پر مقدم
رکھوں گا اور میں اپنی گذشتہ گناہوں کی خدا تعالیٰ سے معافی
چاہتا ہوں استغفر اللہ ربی استغفر اللہ ربی استغفر اللہ ربی من کل
واشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ
ذنب واتوب الیہ رب انی ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی
ذنوبی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت۔

اور ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کی دس شرطوں پر حتی الوسع کاربند رہوں گا

دوسرا مجاہدہ تصدیق براہین احمدیہ کی تصنیف و اشاعت

حضرت اقدسؑ نے پہلا مجاہدہ تو رد عیسائیت بتایا تھا۔ اب اس کتاب کی اشاعت پر دوسرے مجاہدہ۔ رد آریہ دھرم۔ کی تلقین و تحریک فرمائی [۵۸] اور تحریر فرمایا کہ "آج ہمارے مخالف اسلام کو صدمہ پہنچانے کے لئے بہت زور لگا رہے ہیں۔ میرے نزدیک آج جو شخص میدان میں آتا ہے۔ اور اعلائے کلمتہ الاسلام کے لئے فکر میں ہے وہ پیغمبروں کا کام کرتا ہے۔ [۵۹] چنانچہ حضرت مولوی صاحب نے اس مجاہدہ کی تکمیل میں (پنڈت لیکھرام کی کتاب "تکذیب براہین" کے جواب میں "تصدیق براہین احمدیہ" جیسی لاجواب کتاب تصنیف فرمائی جو ۱۸۹۰ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ان ہر دو مجاہدات میں بڑے بڑے فوائد ہوئے۔" [۶۰]

"تکذیب براہین" کے جواب میں ایک اور عالم مولوی ابو رحمت حسن نے بھی "تہذیب المکذبین" کے نام سے ایک کتاب شائع کرائی جو بڑی قابل قدر ہے [۶۱]۔ مگر مقبولیت و شہرت صرف آپ ہی کی کتاب کو حاصل ہوئی جو آپ کے مجاہدہ کے مقبول و منظور ہونے کی آسمانی سند ہے۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کتاب پر یہ ریویو فرمایا کہ۔

"حضرت مولوی صاحب علوم فقہ اور حدیث اور تفسیر میں اعلیٰ درجہ کی معلومات رکھتے ہیں فلسفہ اور طبعی قدیم اور جدید پر نہایت عمدہ نظر ہے۔ فن طبابت میں ایک حاذق طبیب ہیں۔ ہر ایک فن کی کتابیں بلاد مصر و عرب و شام و یورپ سے منگوا کر ایک نادر کتب خانہ تیار کیا ہے۔ اور جیسے اور علوم میں فاضل جلیل ہیں۔ مناظرات دینیہ میں بھی نہایت درجہ نظر وسیع رکھتے ہیں۔ بہت ہی عمدہ کتابوں کے مؤلف ہیں۔ حال ہی میں کتاب "تصدیق براہین احمدیہ" بھی حضرت ممدوح نے ہی تالیف فرمائی ہے جو ہر ایک محققانہ طبیعت کے آدمی کی نگاہ میں جواہرات سے بھی زیادہ بیش قیمت ہے۔ [۶۲]

سب سے پہلی تصویر

۱۸۹۰ء کے قریب راجہ امر سنگھ صاحب نے آپ کا ایک فوٹو لیا تھا۔ [۶۳] جو غالباً آپ کا سب سے پہلا فوٹو ہے۔ فوٹو میں اگرچہ آپ خلعت فاخرہ زیب تن کئے ہوئے ہیں مگر چہرے سے سادگی اور استغنا اور تقدس کا نور صاف طور پر عیاں ہے۔ حکیم محمد عمر صاحب کا بیان ہے کہ یہ تصویر پہلی دفعہ مجھے ۱۹۰۷ء کے قریب کلکتہ میں کہیں سے حاصل ہوئی تھی جو میں قادیان لایا اور آج تک اسی کی اشاعت ہو رہی ہے۔

یہ تصویر پہلی دفعہ حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ نے اپنے رسالہ حکیم حاذق ۱۹۰۷ء (صفحہ ۳) پر شائع کی تھی۔ بلاک سے نہیں بلکہ کاتب نے اپنے ہاتھ سے اس کا خاکہ اتار لیا تھا۔

دعویٰ مسیحیت پر ایمان

۱۸۹۰ء کے آخر میں جب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے حکم سے "فتح اسلام" میں دعویٰ مسیحیت فرمایا تو بعض بڑے بڑے عقیدت مندوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور ایمان متزلزل ہو گیا۔ مگر آپ جو خدا کے مسیح کی شان مسیحائی پر پہلے ہی ایمان لا چکے تھے حضور کے دعویٰ مسیحیت پر اور بھی پختہ ہو گئے۔

آپ کے ایمان و اخلاص اور فہم و فراست کا ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ آپ کو تو رسالہ "فتح اسلام" کی اشاعت کا علم تک نہیں تھا۔ مگر ایک مولوی عطاء اللہ یہ کتاب اچھی طرح پڑھ کر لدھیانہ گیا۔ آپ بھی ان دنوں لدھیانہ میں ہی تھے۔ مولوی عطاء اللہ نے وہاں جا کر کئی لوگوں سے نہایت وثوق سے کہا کہ میں مولوی نور الدین صاحب کو مرزا صاحب سے ابھی الگ کر دوں گا۔ پھر آپ کے پاس آیا اور پوچھا کہ ختم نبوت کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے اپنے اس زمانہ کے مسلک و عقیدہ کی روشنی میں مختصر سا جواب دیا۔ اس نے کہا کہ اچھا اب اگر اس زمانہ میں کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے تو اس کو آپ کیا سمجھیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ راستباز انسان ہے اور ہم نے اس کو راستباز مان لیا ہے پھر تو ہم کو کوئی دقت ہی نہیں کیونکہ ختم نبوت کے جو معنی وہ بتائے گا وہی ٹھیک ہوں گے.... آپ کا یہ کہنا تھا کہ وہ اٹھ کر چل دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مولوی نور الدین تو اب لاعلاج ہو چکا ہے۔

۶۶

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے تبادلہ خیالات

جن لوگوں نے حضرت اقدسؑ کے دعویٰ مسیحیت پر مخالفت کا طوفان اٹھایا ان میں سرفہرست مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈووکیٹ اہلحدیث تھے جنہوں نے ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گھوم پھر کر علماء سے فتاویٰ کفر لئے اور ان کو شائع کر کے ملک بھر میں حضور کے خلاف ایک آگ لگا دی!

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے "فتح اسلام" کے ابتدائی صفحات پڑھتے ہی ایک طرف تو حضور کو وہ خط لکھا جس کا ذکر تاریخ احمدیت حصہ دوم (صفحہ ۱۹۱) پر آیا ہے دوسری طرف حضرت مولوی صاحب سے طویل خط و کتابت شروع کر دی۔ اور آپ کو مباحثہ کے لئے لکھا جس کے جواب میں آپ نے ۳ / مارچ ۱۸۹۱ء کو لکھا کہ جناب والا کو خاکسار بہت مدت سے مرزا جی کے خلاف پر مستعد یقین کرتا ہے جناب سورج کے سامنے نجوم کے شعاع کو کون دیکھتا ہے ابھی مرزا زندہ ہیں۔ میں آپ کے دعاوی اور علم سے ناواقف نہیں اور یہ امراب پبلک کے سامنے آگیا ہے اب پرائیویٹ خط و کتابت کو بند کیجئے۔ میں لوگوں سے مباحثہ کروں مجھے اختیار ہے مجھے کچھ ضرورت نہیں کہ میں آپ کی خدمت میں

حاضر ہو کر عقائد کی اصلاح کروں اس سے زیادہ میں اس لئے نہیں لکھتا کہ میں آپ سے مایوس ہوں۔" [۴۵]

اس مراسلہ کے بعد حضرت مولوی صاحب کو مہاراجہ جموں کے ہمراہ لاہور تشریف لانا پڑا۔ مہاراجہ صاحب ابھی لاہور میں مقیم تھے [۴۶] کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کے لئے لدھیانہ پہنچے اور ۱۳/ اپریل ۱۸۹۱ء [۴۷] کو لدھیانہ سے دوبارہ لاہور آکر کوچہ کوٹھی داران میں منشی امیرالدین صاحب کے مکان پر فروکش ہوئے۔ [۴۸] دراصل لاہور کے مخلصین جماعت کی خواہش تھی کہ حضرت مولوی صاحب سے مولوی عبدالرحمن صاحب لکھوکے کی گفتگو کرائیں گے اور آپ اسی لئے دوبارہ لاہور آئے تھے۔ مگر معلوم ہوا کہ مولوی عبدالرحمن صاحب تو کہیں چلے گئے ہیں اور طے پایا کہ مسئلہ حیات و وفات مسیحؑ پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے بالمشافہ تبادلہ خیالات کیا جائے چنانچہ منشی امیرالدین صاحب کے مکان پر ہی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بلوایا گیا۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب جو اس موقعہ پر شامل بحث تھے بیان فرماتے ہیں کہ مولوی محمد حسین صاحب بڑے طمطراق سے اپنے جبہ کو سنبھالتے ہوئے آئے وہ ہمیشہ بڑا دامن دراز جبہ پہنا کرتے تھے اور پیچھے سے اٹھا کر کے ایک ہاتھ میں سنبھالے رکھتے تھے.... حضرت حکیم الامت اپنی سادہ وضع سے آئے۔" [۴۹] اس موقع پر مولوی محمد حسین صاحب نے آپ سے گفتگو کی۔ وہ انہوں نے اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ (صفحہ ۱۹-۳۱) میں شائع کر دی تھی [۵۰]۔ اس گفتگو کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب اصل مبحث سے گریز کر کے بے تعلق سوالات کرتے رہے چنانچہ جن حضرات [۵۱] نے یہ تقریب پیدا کی تھی انہوں نے بھی مولوی محمد حسین صاحب کے غیر متعلق سوالات اور طریق بیان کو ناپسند کیا اور انہیں توجہ دلائی کہ مسئلہ حیات و وفات مسیح پر گفتگو ہونی چاہئے مگر مولوی صاحب نے اصل موضوع کی طرف آنے کا نام ہی نہ لیا۔ اور یہ پہلو بچانا چاہا صاف طرح دے گئے جس پر ان دوستوں نے کہا کہ ہم نے جو کچھ سمجھنا تھا سمجھ لیا ہے اس غیر ضروری مکالمہ کو طول دینے کی ضرورت نہیں ہے چنانچہ حضرت مولوی صاحب صبح چار بجے سے چار بجے شام تک نزیل لاہور رہ کر رات کی گاڑی سے واپس لدھیانہ تشریف لے گئے [۵۲] جہاں ۱۸/ اپریل تک قیام فرمایا پھر اپنے اہل بیت کو لیکر ۱۹/ اپریل ۱۸۹۱ء کو لاہور اور لاہور سے جموں پہنچ گئے۔ [۵۳-۵۴]

ڈاکٹر جگن ناتھ کا مطالبہ نشان

مارچ ۱۸۹۱ء کا واقعہ ہے کہ حضرت مولوی صاحب نے جموں میڈیکل ڈیپارٹمنٹ کے ایک ڈاکٹر جگن ناتھ کے سامنے (جن سے آپ بے تکلفانہ تعلقات رکھتے تھے اور مذہبی تبادلہ خیالات کرتے رہتے تھے) صداقت اسلام

پر دوسرے دلائل کے علاوہ اس کے زندہ مذہب ہونے اور اس میں زندہ نشانات کے جاری ہونے کی دلیل بھی پیش کی اور اس بحث میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وجود مبارک بطور مثال پیش کیا۔ اس پر ڈاکٹر جگن ناتھ آمادہ ہو گئے کہ ان کو کوئی نشان دکھایا جائے۔

چنانچہ حضرت مولوی صاحب نے ان کا یہ مطالبہ حضرت کی خدمت میں لکھا تو حضور نے نشان نمائی کا یہ مطالبہ منظور فرما لیا۔ مگر شرط یہ عائد کی کہ "امر خارق پر کوئی ناجائز اور بے سود شرطیں نہ لگائی جائیں۔ بلکہ خارق عادت صرف اس طور سے سمجھا جائے جو انسانی طاقتیں اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہوں۔ مگر یہ سب اس وقت ہو گا کہ جب پہلے اجازت الٰہی اس بارے میں ہو جائے۔" ۵۵

اس پر ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ وہ صرف انسانی طاقتوں سے بالا اعجازی نشان دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ حضور نے فوراً ایک رجسٹری خط بھیجا کہ اگر آپ بلا تخصیص کسی خارق عادت نشان پر سچے دل سے مسلمان ہونے کو تیار ہیں تو پنجاب گزٹ (سیالکوٹ)۔ رسالہ انجمن حمایت اسلام (لاہور)۔ ناظم الہند (لاہور)۔ اخبار عام (لاہور)۔ نور افشاں (لدھیانہ)۔ اخبارات میں حلفاً اقرار شائع کرا دیں کہ میں نشان دیکھ کر مسلمان ہو جاؤں گا تو ایک سال کے اندر اندر وہ ایسا خارق عادت نشان ضرور دیکھ لیں گے۔ بصورت دیگر ڈاکٹر صاحب جو سزا اور تاوان میری مقدرت کے موافق میرے لئے تجویز کریں وہ مجھے منظور ہے۔ اور بخدا مجھے مغلوب ہونے کی حالت میں سزائے موت سے بھی کچھ عذر نہیں۔ ۵۶

مگر ڈاکٹر صاحب کو جو مہینوں سے نشان طلبی کا مطالبہ کر رہے تھے اس طرز کا حلف شائع کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اور وہ صریحاً گریز اختیار کر گئے!!

حضرت مولوی نور الدین صاحب نے ڈاکٹر جگن ناتھ کی طرف سے جب (بتاریخ ۷ / جنوری ۱۸۹۲ء) حضور کو اطلاع دی کہ وہ اب بلا تخصیص نشان دیکھنے پر رضامند ہیں تو ساتھ ہی حضور کی خدمت میں لکھا۔ "عالی جناب مرزا جی مجھے اپنے قدموں میں جگہ دو۔ اللہ کی رضامندی چاہتا ہوں اور جس طرح وہ راضی ہو سکے تیار ہوں۔ اگر آپ کے مشن کو انسانی خون کی آبپاشی ضرور ہے تو یہ نابکار (مگر محب انسان) چاہتا ہے کہ اس کام میں کام آوے۔" ۵۷

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خط کا یہ حصہ درج کر کے اپنے قلم سے اشتہار میں رقم فرمایا کہ "حضرت مولوی صاحب جو انکسار اور ادب اور ایثار مال و عزت اور جانفشانی میں فانی ہیں وہ خود نہیں بولتے بلکہ ان کی روح بول رہی ہے۔" ۵۸

ملازمت سے استعفیٰ کی ممانعت

دعویٰ مسیحیت کے بعد اب حضرت مولوی صاحب کے دل میں زور سے پھر یہ خیال اٹھا کہ ریاست کی نوکری

چھوڑ دینی چاہئے اور باقی وقت خدمت دین میں گذارنے کے لئے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں چلے جانا چاہئے۔ مگر جب حضورؑ کو آپ کے اس ارادہ کا پتہ چلا تو حضور نے دوبارہ اس کی ممانعت فرمادی۔ اور لکھا " آنمکرم کی نوکری ہمارے ہی کام آتی ہے۔ ظاہر اس کا دنیا اور باطن سراسر دین ہے اگرچہ بظاہر صورت تفرقہ میں ہے مگر انشاء اللہ القدیر اس میں جمیعت کا ثواب ہے اور انشاء اللہ القدیر ذریعہ بہت سے برکات اور خوشنودی مولیٰ کا ہو جائے گا۔ خدا تعالیٰ نے جو حکیم و علیم ہے بعض مصالح کے رو سے اس مقام میں آپ کو متعین فرمایا ہے پس قیام فی ما اقام اللہ ضروری ہے۔ اس راہ سے آپ کو فیض رحمانی پہنچیں گے۔ [۵۹]

سفر قادیان

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نومبر ۱۸۹۱ء میں سفر دہلی و لدھیانہ و پٹیالہ سے واپس تشریف لائے تو حضور نے حضرت مولوی نورالدین صاحب اور دوسرے مخلصین جماعت کو قادیان میں بلوایا۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحب بھی اپنے آقا کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے جموں سے سیالکوٹ آئے۔ رات کو ایک سرائے میں قیام کیا اور دوسرے دن قادیان روانہ ہو گئے۔ [۶۰]

جماعت احمدیہ کے پہلے سالانہ جلسہ میں شرکت

۲۷ / دسمبر ۱۸۹۱ء کو بعد نماز ظہر مسجد اقصیٰ قادیان میں سب سے پہلا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ اس اولین جلسہ میں جن ۷۵۔ اصحاب احمد نے شمولیت اختیار کی ان میں سب سے ممتاز حضرت مولوی نورالدین صاحب تھے۔ [۶۱] اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں آنے والے ہر سالانہ جلسہ میں آپ اپنی امتیازی شان کے ساتھ موجود رہے۔

سفر لاہور اور لیکچر

۳۱ / جنوری ۱۸۹۲ء کو جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اہل لاہور پر اتمام حجت کے لئے لاہور میں تشریف فرما تھے حضرت مولوی صاحب بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اس تاریخ کو منشی میراں بخش صاحب کوٹھی میں ایک عظیم الشان جلسہ بھی ہوا۔ جس میں حضرت اقدسؑ کی تقریر کے بعد آپ حضرت اقدسؑ کے ارشاد پر اٹھے اور میز پر کھڑے ہو کر فرمایا۔

" آپ نے مرزا صاحب کا دعویٰ اور اس کے دلائل آپ کی زبان سے سنے اور اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں اور بشارتوں کو بھی سنا جو ان مخالف حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہیں۔ تمہارے اس شہر والے لوگ مجھے اور میرے خاندان کو جانتے ہیں۔ علماء بھی مجھ سے ناواقف نہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن کا فہم دیا ہے۔ میں نے بہت غور مرزا صاحب کے دعاوی پر کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں۔

ان کی خدمات اسلامی کو دیکھا اور اس کی مخالفت کرنے والوں کے حالات پر غور کیا تو قرآن مجید نے میری رہنمائی فرمائی میں نے دیکھا کہ اس سے پہلے آنے والوں کا مقابلہ جس طرح پر کیا گیا وہی اب ہو رہا ہے۔ گویا اس پرانی تاریخ کو دہرایا جا رہا ہے۔ میں کلمہ شہادت پڑھ کر کہتا ہوں کہ مرزا حق پر ہے اور اس حق سے ٹکرانے والا باطل پاش پاش ہو جائے گا۔ مومن حق کو قبول کرتا ہے۔ میں نے حق سمجھ کر اسے قبول کیا ہے اور حضرت نبی کریم کے ارشاد کے موافق کہ مومن جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ اپنے بھائی کے لئے پسند کرتا ہے۔ آپ کو بھی اس حق کی دعوت دیتا ہوں و ما علینا الا البلاغ۔ السلام علیکم۔ یہ کہکر میز پر سے اتر آئے اور جلسہ برخاست ہو گیا۔" [۶۲]

"ازالہ اوہام" کی اشاعت میں اعانت

حضرت مولوی نور الدین صاحب نے "ازالہ اوہام" کی اشاعت میں قابل قدر حصہ لیا۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے ایک اشتہار میں خاص طور پر اس کا ذکر فرمایا اور لکھا اس جگہ اخویم مکرم مولوی حکیم نور الدین صاحب معالج ریاست جموں کی نئی امداد جو انہوں نے کئی نوٹ اس وقت بھیجے قابل اظہار ہے خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر بخشے۔ [۶۳]

مولوی سید محمد احسن صاحب کے لئے چندہ

مولوی سید محمد احسن صاحب احمدیت کی وجہ سے محلہ چوبدار پورہ (بھوپال) میں نوکری سے علیحدہ ہو کر خانہ نشین تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کے گذارہ کے لئے اپنے مخلصین سے چندہ کی اپیل فرمائی جس پر حضرت مولوی صاحب نے ملازمت سے علیحدگی کے باوجود لبیک کہی اور اپنے ذمہ کچھ رقم بطور چندہ واجب کر لی۔ [۶۴]

مہمانان جلسہ کے لئے ایک مکان کی تعمیر

۱۸۹۱ء میں سالانہ جلسہ کی بنیاد پڑ چکی تھی اور اس جلسہ پر آنے والوں کا باقاعدہ ایک سلسلہ شروع ہو رہا تھا لہذا آپ نے مہمانان جلسہ کے لئے سات سو روپیہ کے صرف سے قادیان میں ایک مکان بنوایا جس کی تعمیر میں حکیم فضل الدین صاحب بھیروی نے بھی تین چار سو روپیہ کی امداد کی !! یہ بات جب ایک غیر احمدی صاحب کو معلوم ہوئی تو انہوں نے چینیاں والی مسجد (لاہور) کے امام مولوی رحیم بخش صاحب سے استفتاء کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ ایسے جلسہ پر روز معین پر دور سے سفر کر کے جانے میں کیا حکم ہے اور ایسے جلسہ کے لئے اگر کوئی مکان بطور خانقاہ تعمیر کیا جائے تو ایسے مدد دینے والے کی نسبت کیا فتویٰ ہے؟ اس دلچسپ استفتاء کے جواب میں چینیاں والی مسجد کے مکفر مولوی صاحب نے ایک طول طویل عبارت اور ایک غیر متعلق حدیث کا غلط سلط مطلب بیان کر کے یہ فتویٰ دیا

کہ ایسے جلسہ پر جانا بدعت بلکہ معصیت ہے اور ایسے جلسوں کا ہونا محدثات میں سے ہے۔ جس کے لئے کتاب و سنت میں کوئی سند نہیں اور جو شخص ایسا کرے وہ مردود ہے۔ [65] پس اس غرض کے لئے کوئی مکان بھی اسی ذیل میں آجاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس فتویٰ کا مفصل جواب دیا (جو تاریخ احمدیت میں آچکا ہے) اور مکان بنوانے کے متعلق آپ نے لکھا "رہا مکان کا بنانا تو اگر کوئی مکان بہ نیت مہمانداری اور بہ نیت آرام ہر یک صادر و وارد بنانا حرام ہے۔ تو اس پر کوئی حدیث یا آیت پیش کرنی چاہئے اور اخویم حکیم نور الدین صاحب نے کیا گناہ کیا کہ محض للہ اس سلسلہ کی جماعت کے لئے ایک مکان بنوا دیا۔ جو شخص اپنی تمام طاقت اور اپنے مال عزیز سے دین کی خدمت کر رہا ہے اس کو جائے اعتراض ٹھہرانا کس قسم کی ایمانداری ہے"؟ [66]

ریاست جموں و کشمیر سے تعلق ملازمت کا خاتمہ اور اس کا پس منظر

ریاست جموں و کشمیر سے جو تعلق ملازمت مہاراجہ رنبیر سنگھ کے ذریعہ ۱۸۷۶ء میں ہوا تھا وہ ستمبر ۱۸۹۲ء میں اس کے نالائق جانشین مہاراجہ پرتاب سنگھ کے اس ظالمانہ حکم سے ختم ہوا کہ آپ اڑتالیس گھنٹہ کے اندر اندر ریاست سے نکل جائیں۔ چنانچہ اخبار "سرمور گزٹ" (۱۶/ ستمبر ۱۸۹۲ء صفحہ ۲ کالم ۲) نے پیسہ اخبار کے حوالہ سے یہ خبر شائع کی۔

"افسوس ہے کہ جناب مولانا مولوی نور الدین صاحب کی نسبت اخباروں کی خبروں سے یہ امر تحقیق ہو گیا ہے کہ جناب ممدوح کو ریاست سے علیحدہ کر دیا گیا ہے پیسہ اخبار لکھتا ہے کہ مہاراجہ صاحب نے سری نگر سے جموں تار بھیجا۔ کہ اڑتالیس گھنٹہ کے اندر مولوی حکیم نور الدین صاحب کو نکال دیا جائے چنانچہ مولوی صاحب بھیرہ روانہ ہو گئے ہیں"۔ [67]

ایک ایسا شخص جس نے نہایت وفاداری اور امن پسندی اور رواداری کے ساتھ پندرہ سولہ سال تک ریاست کے ہر طبقہ کی خدمت کی ہو اور اپنے دینی اور اخلاقی کیریکٹر کے اعتبار سے ایک مثالی شان کا حامل ہے۔ وہ بھلا قانون شکنی کا مرتکب ہو سکتا ہے؟ دراصل پس پردہ کچھ اور سازشیں تھیں جو مدت سے ریاست کے اندر ہی اندر آپ کے خلاف پرورش پا رہی تھیں اور جو اخراج ریاست کے المناک حادثہ پر منتج ہوئیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۸۴۴ء کے قریب قریب سکھوں کے راجہ گلاب سنگھ صاحب نے ریاست جموں و کشمیر پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ ۱۸۴۶ء میں جب انگریزی حکومت پنجاب پر قابض

ہوئی تو انگریزوں نے ۹/ مارچ ۱۸۴۶ء [68] کو راجہ گلاب سنگھ سے معاہدہ کیا کہ وہ پچھتر لاکھ روپیہ نذر کر کے اس حصہ ملک پر قابض و متصرف رہیں جس پر "سکھوں کے عہد میں قابض و متصرف تھے راجہ گلاب سنگھ نے انگریزوں کی حکومت اعلیٰ تسلیم کرلی اور یہ اقرار کیا کہ ہمسایہ ریاستوں سے اگر کوئی نزاع پیش آئے گا تو اس کا فیصلہ برٹش گورنمنٹ کرے گی اور وہ ہنگامی حالات میں انگریزی فوج کی اعانت کریں گے۔ اس طرح جموں و کشمیر کی ریاست قائم ہوئی۔ اور راجہ گلاب سنگھ اس ریاست کے مہاراجہ ہوئے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کا زمانہ نہات درجہ تکلیف دہ زمانہ تھا جس میں کشمیر کے مسلمان باشندوں کو زر خرید غلاموں سے بھی بدتر حیثیت دی گئی تھی۔ اگست ۱۸۵۷ء میں راجہ گلاب سنگھ چل بسے۔ [69] اور ان کی جگہ ان کے بیٹے مہاراجہ رنبیر سنگھ گدی پر بیٹھے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ اہل کمال کے قدر دان اور علم دوست حکمران تھے۔ خصوصاً علم طب سے ان کو خاص شغف تھا ان کے دربار میں قریباً پچیس نامی گرامی حکیم' ڈاکٹر اور وید جن میں حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب بھیروی' کلکتہ کے مشہور بنگالی ڈاکٹر گوپال چندر۔ حکیم فدا محمد دہلوی' حکیم سید احمد شاہ لاہوری اور حکیم ولی شاہ لاہوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں ملازم تھے۔ [70] ۱۲/ ستمبر ۱۸۸۵ء کو مہاراجہ رنبیر سنگھ کے آنکھ بند کرتے ہی ریاست کا یہ سنہری دور رخصت ہو گیا اور ریاست میں ہر طرف خلفشار' انتشار اور بدنظمی پھیل گئی اور اس کے تینوں بیٹوں پرتاب سنگھ' امر سنگھ اور رام سنگھ میں اتفاق نہ رہا۔

مہاراجہ پرتاب سنگھ [71] نے (جو مہاراجہ رنبیر سنگھ کا بڑا بیٹا اور اس کا جانشین تھا) انتظامی امور سے کنارہ کشی اختیار کرلی یا بعض لوگوں کے خیال کے مطابق کرنیل۔ مسٹ ریذیڈنٹ کی شکایات کی بناء پر حکومت ہند نے مہاراجہ کے اختیارات سلب کرلئے اور وہاں ایک کونسل قائم کردی۔ بہرحال مہاراجہ کا استعفا قبول کیا گیا اور مہاراجہ پرتاب سنگھ کے بھائی راجہ امر سنگھ اور راجہ رام سنگھ کونسل کے ممبر تجویز ہوئے۔ اور دیوان لچھمن داس ایمن آبادی کونسل کے صدر قرار پائے۔ کونسل میں ایک اور ممبر نالہ باگ رام بھی تھے ان کے علاوہ کچھ انگریزی افسر بھی شامل کئے گئے۔ کونسل میں صرف ایک مسلمان ممبر خان بہادر غلام محی الدین نامزد ہوئے اور یہ قرار پایا۔ کہ اگرچہ کونسل کو کامل اختیارات ہیں۔ لیکن کوئی اہم کام ریذیڈنٹ کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے۔ اور ریذیڈنٹ کونسل کی کاروائیوں کے مشیر کے فرائض سرانجام دے گا۔ کچھ عرصہ بعد دیوان لچھمن داس صدارت سے برطرف کردیئے گئے اور ان کی جگہ مہاراجہ ہری سنگھ کے والد راجہ امر سنگھ ممبر کونسل پریذیڈنٹ مقرر ہو گئے اور ان کی جگہ راجہ سورج کول نام ایک عہدیدار لاہور سے سینئر ممبر بنا کر بھیجے گئے۔ [72]

حضرت مولوی نورالدین صاحب تو ایک درویش طبع اور خدا رسیدہ بزرگ تھے انہیں حکومت

میں دخیل و متصرف ہونے کا نہ پہلے خیال تھا نہ اب ہو سکتا تھا۔ البتہ اب ان کے لئے تبلیغی نقطہ نگاہ سے ایک عمدہ موقعہ پیدا ہوا۔ جو پہلے میسر نہیں تھا۔ کیونکہ جیسا کہ خان بہادر شیخ محمد عبداللہ صاحب (علیگ) (سابق ٹھاکرداس) کے قبول اسلام کے حالات میں آچکا ہے مہاراجہ پرتاب سنگھ ایک تنگدل اور تنگ خیال شخص تھا جس نے ۱۸۸۶ء میں دیوان امرناتھ گورنر جموں کو بلوا کر یہ حکم دیا کہ ہندو لڑکے کو مولوی صاحب کے مکان پر جانے کی اجازت نہیں ہے۔

چنانچہ گورنر نے مہاراجہ کے اس حکم کی پوری پوری تعمیل کرائی۔ [۴۳] لیکن چار سال بعد جب مہاراجہ پرتاب سنگھ کا اقتدار چھن گیا۔ تو حضرت مولوی صاحب کے لئے اپنی تبلیغی کوششوں کو جاری رکھنا نسبتاً زیادہ آسان ہو گیا۔ راجہ امر سنگھ صاحب اور راجہ رام سنگھ صاحب دونوں سے حضرت مولوی صاحب کے تعلقات (جو مہاراجہ پرتاب سنگھ کے زمانہ سے ہی تھے اور جن کی وجہ سے خود حضرت مولوی صاحب کا وجود بھی اس کی نگاہ میں خار بن کر کھٹکنا شروع ہو گیا تھا) اور زیادہ مستحکم ہو گئے اور آپ نے ان دونوں کو قرآن شریف پڑھانا شروع کیا جو آپ کی روحانی غذا تھی۔ چنانچہ راجہ رام سنگھ صاحب نے جو چھوٹے بھائی تھے۔ قریباً سارا قرآن شریف ترجمہ سے ختم کر لیا اور دل سے مسلمان ہو گئے۔ اس کے بھائی (مہاراجہ ہری سنگھ کے والد) راجہ امر سنگھ صاحب نے صرف پندرہ پارے تک پڑھا اور گو اسلام تو قبول نہ کیا مگر حضرت مولوی صاحب سے نہایت درجہ گہرے تعلقات قائم کر لئے۔ آپ کے قادیان آجانے کے بعد بھی برابر ان کی خط و کتابت جاری رہی۔ [۴۴]

حضرت مولوی صاحب کا وجود چونکہ مسلمانان کشمیر کے لئے ایک بڑے سہارا کا موجب رہا اور ویسے بھی آپ کی شخصیت کا بھاری اثر تھا اس لئے جونہی پرتاب سنگھ صاحب دوبارہ برسراقتدار آئے کونسل کے بعض ممبروں اور دوسرے حاسدوں نے جن میں راجہ سورج کول اور باگ رام کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ [۴۵] اور جن کو آپ سے مذہبی اختلاف کے علاوہ ذاتی بغض و عناد بھی تھا آپ کے ریاست بدر کرنے کی اندر ہی اندر سازش شروع کر دی۔ حضرت مولوی صاحب اپنی تبلیغی کوششوں اور راجہ امر سنگھ و راجہ رام سنگھ سے تعلق و مراسم کی وجہ سے مہاراجہ پرتاب سنگھ کی صاحب کی نظر میں پہلے ہی سے معتوب تھے اب جو دوسرے ممبروں نے بھی اس کے کان بھرنے شروع کر دیئے تو وہ اور زیادہ بھڑک اٹھا اور بالآخر اس ڈر سے کہ کہیں رام سنگھ اور اس کے بھائی مسلمان نہ ہو جائیں اس نے حضرت مولوی صاحب کے خلاف اخراج از ریاست کے وہ شرمناک احکام جاری کر دیئے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اخراج ریاست سے قبل مہاراجہ پونچھ نے آپ پر راجہ امر سنگھ کا حامی قرار دے کر ایک مقدمہ کی بھی بنا ڈالی تھی [۴۶، ۴۷، ۴۸]

اخبار "چودھویں صدی" (راولپنڈی) کا انکشاف

اخراج ریاست کے محرکات و عوامل پر ہم اپنی تحقیق پوری تفصیل سے لکھ چکے ہیں اب ہم اخبار "چودھویں صدی" (۲۳/ جولائی ۱۸۹۵ء) کا ایک نہایت درجہ اہم مضمون بعنوان "مسلمانان کشمیر کی حق تلفی کا اصلی سبب" درج کرتے ہیں۔ جس سے ہمارے اس نظریہ کی حرف بحرف تصدیق ہوتی ہے کہ کونسل کے زمانہ میں مسلمانوں کو ریاست بدر یا ملازمت سے برطرف کرنے کی منظم سازش کی گئی تھی۔ اور حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کا اخراج بھی اسی سازش کی ایک کڑی تھی۔

جموں اور کشمیر کی حکومت میں مہاراجہ گلاب سنگھ کا زمانہ تو ایک نہایت پر آشوب زمانہ تھا ان کے زمانہ حکومت سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب کا عہد حکومت ایک پرامن زمانہ تھا اور طرز حکومت کی ایک مستقل بناء پڑ گئی تھی۔ اور ہر ایک قسم کی ترقیاں ہوئیں تھیں۔ جو سب سے بڑی خوبی مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب کی حکومت میں تھی وہ یہ تھی کہ وہ اپنی رعایا کے ہر ایک فرقہ کے ساتھ ان کے حقوق کے مقدار کے مطابق سلوک کرنے کی طرف مائل رہتے تھے اپنی مسلمان رعایا سے بھی ایسی ہی الفت رکھتے تھے جیسی ہندو رعایا سے۔ اور اگرچہ ان کے نزدیک ہندو اور مسلمانوں میں ان کی رعایا ہونے کے اعتبار سے باہم کوئی فرق نہ تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو اپنی ملازمت میں رکھنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ اس سبب سے اچھے اچھے اور جلیل القدر عہدوں پر اکثر مسلمان ملازم دکھائی دیتے تھے۔ اور ادنیٰ ملازمت میں بھی بے شمار مسلمان تھے اس وقت ہمارے پاس کوئی فہرست تو اس زمانہ کے ملازموں کی نہیں ہے لیکن ہم حافظہ سے بہت سے نام گنا دے سکتے ہیں (اس کے بعد بارہ مسلمانوں کے نام لکھ کر تیرھواں نام آپ کا لکھا یعنی "مولوی نورالدین صاحب حکیم اعلیٰ" اور آپ کے بعد چند مزید لکھنے کے بعد تحریر کیا) مولوی نورالدین صاحب حکیم اعلیٰ وغیرہ جیسے بزرگ اور قدیم اور ہر دل عزیز عہدہ دار کی نسبت صرف یہ امر قابل بیان ہے کہ ان کے نکالنے کے واسطے گاؤ کشی کا الزام تجویز کیا گیا تھا۔ کیونکہ اور کوئی بہانہ نہیں مل سکتا تھا۔" [۷۹]

تاریخ کا یہ حصہ یقیناً نا تمام رہے گا اگر میں یہ نہ بتاؤں کہ حضرت مولوی صاحب کے اخراج کے باوجود راجہ رام سنگھ نے اسلام سے تعلق و رابطہ اور زیادہ استوار کرکے کوشش شروع کر دی تھی کہ اسلامی ریاستوں سے تعلق قائم کرکے کشمیر کو انگریزی اقتدار سے آزاد کرالے مگر افسوس انگریزوں نے اس کے ان عزائم کو بھانپ کر اسے زہر دے دیا۔ [۸۰]

حضرت مسیح موعود کا ارشاد ریاست کے متعلق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب ان مخالفانہ حالات کا علم ہوا۔ تو آپؑ نے ریاست کو بدقسمت قرار دیا۔ اور فرمایا "کیا بدقسمت وہ ریاست ہے جس سے ایسے مبارک قدم۔ نیک بخت اور سچے خیر خواہ نکالے جائیں اور معلوم نہیں کہ کیا ہونے والا ہے۔" ۸۱-۸۲

ریاست سے روانگی کے دن نصرت الٰہی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قبل ازیں اپنے ۱۶ / اگست ۱۸۹۱ء کے مکتوب میں دعا فرمائی تھی کہ حمایت و حفاظت الٰہی آپ کے شامل ہے" چنانچہ اس دعا کی قبولیت کا ایک عجیب نظارہ اس دن نظر آیا جب آپ ریاست سے جانے والے تھے۔

حضرت مولوی نورالدین صاحب نصرت الٰہی کے اس واقعہ کی تفصیل میں تحریر فرماتے ہیں :

"جموں میں حاکم نام ایک ہندو پنساری تھا وہ مجھ سے ہمیشہ نصیحتاً کہا کرتا تھا کہ ہر مہینہ میں ایک سو روپیہ آپ پس انداز کرلیا کریں۔ یہاں مشکلات پیش آجاتی ہیں میں ہمیشہ یہی کہدیا کرتا ایسے خیالات کرنا اللہ تعالیٰ پر بدظنی ہے۔ ہم پر انشاء اللہ تعالیٰ کبھی مشکلات نہ آئیں گے جس دن میں وہاں سے علیحدہ ہوا ہوں اس دن وہ میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ آج شاید آپ کو میری نصیحت یاد آئی ہو گی۔ میں نے کہا میں تمہاری نصیحت کو جیسا پہلے حقارت سے دیکھتا تھا آج بھی ویسا ہی حقارت سے دیکھتا ہوں ابھی وہ مجھ سے باتیں ہی کر رہا تھا کہ خزانہ سے چار سو اسی روپیہ میرے پاس آئے کہ یہ آپ کے ان دنوں کی تنخواہ ہے اس پنساری نے افسروں کو گالی دے کر کہا کہ کیا نوردین تم پر نالش تھوڑا ہی کرنے لگا تھا ابھی وہ اپنے غصہ کو فرو نہ کرنے پایا تھا۔ کہ ایک رانی صاحبہ نے میرے پاس بہت سا روپیہ بھجوایا اور کہا کہ اس وقت ہمارے پاس اس سے زیادہ روپیہ نہ تھا یہ ہمارے جیب خرچ کا روپیہ ہے جس قدر اس وقت موجود تھا سب کا سب حاضر خدمت ہے۔" ۸۳

حضرت مولوی صاحب کے ذمہ کشمیر میں ایک لاکھ پچانوے ۸۴ ہزار قرض تھا اس کی ادائیگی کا بھی خارق عادت رنگ میں خدائی سامان ہوا۔ کشمیر سے جانے کے بعد پہلی بار آپ نے قرض خواہ کو صرف پانچ روپے کی قسط روانہ فرمائی۔ جس پر قرض خواہ نے لکھا۔ کہ آپ نے مجھ سے تمسخر کیا ہے۔ مگر آپ نے جواب دیا کہ "اس وقت میرے پاس اتنی ہی رقم تھی۔ جو میں نے روانہ کر دی۔ قرض آپ کا میرے ذمہ ہے اور میں ہی اسے ادا کرونگا۔ آپ فکر نہ کریں" ۸۵ اس واقعہ کے بعد یہ ہوا کہ راجہ امر سنگھ صاحب سے ایک ہندو چیل کا ٹھیکہ لینے کے لئے آیا تو راجہ صاحب نے کہا اگر تم اس ٹھیکہ کے منافع کی نصف رقم حضرت مولوی نورالدین صاحب کو دینے کے لئے تیار ہو تو میں یہ ٹھیکہ تمہیں دلا

دونگا۔ اس نے یہ شرط منظور کرلی اور یہ ٹھیکہ دے دیا۔ اب یہ عجیب بات ہوئی کہ اس کے منافع کی رقم بالکل قرض کی رقم کے برابر تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ ہندو ٹھیکیدار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں قادیان آیا اور حضرت مولوی نورالدین صاحب کی خدمت میں یہ روپیہ پیش کیا حضرت مولوی صاحب نے یہ روپیہ خود تو نہ لیا اور قرض خواہ کا نام لے کر اسے بتایا کہ اسے میری طرف سے ادائیگی کر دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اگلے سال وہ شخص پھر آیا اور اس سے کچھ زیادہ رقم پیش کی۔ حضرت خلیفہ اولؓ نے پوچھا یہ کیسی رقم ہے؟ اس کے بتانے پر آپ نے فرمایا۔ لے جاؤ اس میں ہمارا کوئی حق نہیں اس نے بہت اصرار کیا مگر آپ نہ مانے۔ آخر اس نے کہا کہ آپ اپنے لئے نہیں تو کم سے کم میرے لئے یہ رقم قبول کرلیں۔ کیونکہ راجہ صاحب آئندہ مجھے ٹھیکہ نہیں دیں گے آپ نے فرمایا بہرحال یہ رقم تو میں لینے کا نہیں البتہ راجہ صاحب کے نام سفارشی چھٹی لکھ دیتا ہوں چنانچہ آپ نے ایک چٹھی لکھ دی اور وہ چلا گیا۔ ۸۶

ریاست سے بھیرہ

ریاست سے واپس اپنے وطن بھیرہ تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کا ارادہ ہوا کہ بڑے وسیع پیمانے پر ایک شفاخانہ ہو اور ایک عالی شان مکان تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے مکان کی عمارت زور شور سے شروع کروا دی۔ ۸۷

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دو نایاب خطوط

قیام بھیرہ کے دوران حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دو خط لکھے جو آج تک سلسلہ کے لٹریچر میں نہیں آئے۔

پہلا خط :۔ مخدومی و مکرمی حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'۔ یقین کہ آں مکرم بخیر و عافیت بھیرہ میں پہنچ گئے ہوں گے میں امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ بہرحال آپ سے بہتر معاملہ کرے گا۔ میں نے کتنی دفعہ جو توجہ کی تو کوئی مکروہ امر میرے پر ظاہر نہیں ہوا۔ بشارت کے امور ظاہر ہوتے رہے اور دو دفعہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا۔

انی معکما اسمع و اری۔ ایک دفعہ دیکھا گیا کہ گویا ایک فرشتہ ہے اس نے ایک کاغذ پر مہر لگا دی اور وہ مہر دائرہ کی شکل پر تھی۔ اس کے کنارہ پر محیط کی طرف اعلیٰ کے قریب لکھا تھا۔ نوردین اور درمیان یہ عبارت تھی۔ ازواج مطھرۃ۔ میری دانست میں ازواج دوستوں اور رفیقوں کو بھی کہتے ہیں اس کے یہ معنی ہوں گے کہ نورالدین خالص دوستوں میں سے ہیں کیونکہ اسی رات اس سے پہلے میں نے ایک خواب دیکھا کہ فرشتہ نظر آیا۔ وہ کہتا ہے کہ تمہاری جماعت کے لوگ پھرتے جاتے ہیں فلاں

فلاں اپنے اخلاص پر قائم نہیں رہا۔ تب میں اس فرشتہ کو ایک طرف لے گیا اور اس کو کہا کہ لوگ پھرتے جاتے ہیں تم اپنی کہو کہ تم کس طرف ہو تو اس نے جواب دیا کہ ہم تو تمہاری طرف ہیں تب میں نے کہا کہ جس حالت میں خدا تعالیٰ میری طرف ہے تو مجھے اس کی ذات کی قسم ہے کہ اگر سارا جہان پھر جائے تو مجھے کچھ پرواہ نہیں پھر بعد اس کے میں نے کہا کہ تم کہاں سے آتے ہو اور آنکھ کھل گئی۔ اور ساتھ الہام کے ذریعہ سے یہ جواب ملا۔ کہ اجی من حضرۃ الوتر۔ میں نے سمجھا کہ چونکہ اس بیان سے جو فرشتہ نے کیا وتر کا لفظ مناسب تھا کہ وتر تنہا اور طاق کو کہتے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ کا نام الوتر بیان کیا۔ اس خواب اور اس الہام سے کچھ مجھے بشریت سے تشویش ہوئی اور پھر سو گیا۔ تب پھر ایک فرشتہ آیا اور اس نے ایک کاغذ پر مہر لگا دی اور نقش مہر جو چھپ گیا دائرہ کی طرح تھا اور وہ اس قدر دائرہ تھا جو ذیل میں لکھتا ہوں اور تمام شکل یہی تھی۔

مجھے دل میں گذرا کہ یہ میری دل شکنی کا جواب ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ ایسے خالص دوست بھی ہیں۔ جو ہر ایک لغزش سے پاک کئے گئے ہیں جن کا اعلیٰ نمونہ آپ ہیں۔ والسلام خاکسار غلام احمد از قادیان۔ بخدمت اخویم حکیم فضل دین صاحب السلام علیکم ۸۸

دوسرا خط :۔ مخدومی و مکرمی اخویم حضرت مولوی صاحب سلمہ'

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' عنایت نامہ پہنچ کر باعث مشکوری ہوا۔ عام طور پر لوگ آں مکرم کے استقلال کو بڑی تعجب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ درحقیقت اللہ جل شانہ' کے بندے جو اس کی ذات پر توکل رکھتے ہیں۔ ان کے لئے خدا تعالیٰ کافی ہے کسی راجہ رئیس کا کیا پرواہ ہے۔ جب کہ اس بات کو مان لیا۔ خدا ہے اور ان صفتوں والا کہ ایک طرفتہ العین میں جو چاہے کر دیوے۔ تو پھر ہم کیوں غم کریں۔ اور زید و عمر کی بے التفاتی سے ہمارا کیا نقصان آپ کو اپنے بہت سے برکات کا مورد بنا دے۔ کہ آپ نے اس عاجز کی اللہ وہ خدمت کی ہے کہ جس کی نظیر اس زمانہ میں ملنا مشکل ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ چونکہ انسان کے بعض اخلاق مخفیہ کا خلقت پر ظاہر ہونا کسی قسم کی تکلیف پر موقوف ہے اس لئے وہ رحیم و کریم اپنے مستقیم الحال بندوں پر حوادث بھی نازل کرتا ہے۔ تا ان کے دونوں قسم کے اخلاق جو ایام راحت اور ایام رنج سے متعلق ہیں۔ ظاہر ہو جاویں اسی وجہ سے ہم خدا تعالیٰ کے

مشیت میں کھنچے چلے جاتے ہیں تا جو کچھ ہمارے اندر ہے ظاہر ہو جاوے۔ اس عاجز کا پہلا خط جس میں ایک دو الہام درج ہیں شاید پہنچ گیا ہو گا۔ والسلام۔ خاکسار غلام احمد از قادیان ۱۳/ ستمبر ۱۸۹۲ء [۸۹]

انجمن حمایت اسلام کے جلسہ ۱۸۹۳ء میں پر معارف لیکچر [۹۰]

حضرت مولوی صاحب نے اوائل ۱۸۹۳ء میں انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں شرکت فرمائی اور بصیرت افروز لیکچر بھی دیا [۹۱] یہیں آپ سے مشہور مسلم مشنری مولوی حسن علی صاحب مونگھیری کی ملاقات بھی ہوئی۔ مولوی حسن علی صاحب آپ کے لیکچر اور ملاقات کا واقعہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

"۱۸۹۳ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں مجھ کو شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ یہاں پر میں اس عالم و مفسر قرآن سے ملا۔ جو اپنی نظیر اس وقت سارے ہند کیا بلکہ دور دور تک نہیں رکھتا۔ یعنی حکیم مولوی نورالدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں ۱۸۸۷ء کے سفر پنجاب میں بھی حکیم صاحب ممدوح کی بڑی تعریفیں سن چکا تھا۔ غرض حکیم صاحب نے انجمن کے جلسے میں قرآن مجید کی چند آیتیں تلاوت کر کے ان کے معنی و مطالب کو بیان کرنا شروع کیا۔ کیا کہوں اس بیان کا مجھ پر کیا اثر ہوا۔ حکیم صاحب کا وعظ ختم ہوا اور میں نے کھڑے ہو کر اتنا کہا کہ مجھ کو فخر ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اتنے بڑے عالم اور مفسر کو دیکھا اور اہل اسلام کو جائے فخر ہے کہ ہمارے درمیان اس زمانے میں ایک ایسا عالم موجود ہے.... میری خواہش تھی کہ جناب مولوی حکیم نورالدین صاحب سے ملاقات کرتا لیکن مولوی صاحب از راہ کرم خود اس خاکسار سے ملنے آئے میں نے ان سے تنہائی میں سوال کیا کہ مرزا صاحب سے جو آپ نے بیعت کی ہے اس میں کیا نفع دیکھا ہے؟ جواب دیا کہ ایک گناہ تھا جس کو میں ترک نہیں کر سکتا تھا۔ جناب مرزا صاحب سے بیعت کر لینے کے بعد وہ گناہ نہ صرف چھوٹ ہی گیا بلکہ اس سے نفرت ہو گئی جناب مولوی حکیم نورالدین صاحب کی اس بات کا مجھ پر ایک خاص اثر ہوا۔" [۹۲]

قادیان کی طرف مستقل ہجرت

اوپر یہ ذکر آچکا ہے کہ حضرت مولوی صاحب نے بھیرہ میں ایک عالی شان عمارت شروع کر رکھی تھی۔ جس پر سات ہزار روپے صرف ہو چکے تھے۔ ابھی یہ عمارت ناتمام ہی تھی کہ آپ کسی ضرورت کے سبب لاہور تشریف لائے۔ [۹۳] یہ ۱۸۹۳ء کی پہلی سہ ماہی کے قریب کا واقعہ ہے۔ لاہور آکر آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کا خیال آیا اور آپ قادیان تشریف لے گئے۔

اس ایمان افروز واقعہ کا ذکر آپ نے ایک دفعہ درس قرآن کے دوران میں بایں الفاظ فرمایا۔

"میں یہاں قادیان میں صرف ایک دن کے لئے آیا اور ایک بڑی عمارت بنتی چھوڑ آیا حضرت

صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ اب تو آپ فارغ ہیں میں نے عرض کیا ہاں۔ ارشاد فرمایا۔ آپ رہیں۔ میں سمجھا دو چار روز کے لئے فرماتے ہیں۔ ایک ہفتہ خاموش رہا۔ فرمایا آپ تنہا ہیں ایک بیوی منگوالیں۔ تب میں سمجھا کہ زیادہ دنوں رہنا پڑے گا۔ تعمیر کا کام بند کرا دیا۔ چند روز بعد فرمایا۔ کتابوں کا آپ کو شوق ہے یہیں منگوا لیجئے۔ تعمیل کی گئی۔ فرمایا۔ اچھا دوسری بیوی بھی یہیں منگوالیں۔ پھر مولوی عبدالکریم صاحب نے ایک دن ذکر کیا کہ مجھے الہام ہوا ہے لا تصبون الی الوطن فیه تهان و تمتحن یہ الہام نورالدین کے متعلق معلوم ہوتا ہے مجھ سے فرمایا وطن کا خیال چھوڑ دو چنانچہ میں نے چھوڑ دیا۔ اور کبھی خواب میں بھی وطن نہیں دیکھا"۔ ۹۴، ۹۵

حواشی باب ۳

۱۔ ان دنوں یہی انگریز پادری پنڈ دادنخان میں تھے منشور محمدی جلد ۷ نمبر ۱۳ صفحہ ۲۹۔ تاریخ بشارت الہند و پاکستان (ص ۲۱۶) میں لکھا ہے۔ پادری گارڈن صاحب نے پنڈ دادنخان میں بشارتی خدمت کو سنبھالا جہاں بعد کو پادری تھامس ہاول بہت دیر تک خدمت کرتے رہے۔

۲۔ حیات قدسی چہارم صفحہ ۱۴۹۔ ۱۵۰

۳۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۴۷۔ ۱۴۸ و کتاب پیغام محمدی از مولانا سید محمد علی کانپوری مطبوعہ ۱۳۰۹ھ نامی پریس کانپور۔

۴۔ الحکم ۲۲/ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ کالم ۳۔ مرقاۃ الیقین ص ۱۵۰۔

۵۔ پیغام محمدی

۶۔ فارسی کی دوسری کتاب مطبوعہ "انجمن حمایت اسلام"۔

۷۔ فہرست خیر جلیس فی الزمان کتاب صفحہ ۶۶۔

۸۔ پیغام محمدی از مولانا سید محمد علی صاحب کانپوری۔ وکیل ٹریڈنگ کمپنی امرتسر کی مطبوعہ فہرست "خیر جلیس فی الزمان کتاب" صفحہ ۶۶ پر لکھا ہے "اس میں اسلام کی خوبی اور اس کی ضرورت اور عیسائیوں کے اکثر الزامی اور تحقیقی جواب عمدہ طور سے بیان کئے ہیں۔"

۹۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۱۶

۱۰۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۹

۱۱۔ فتح اسلام صفحہ ۶۲ طبع اول

۱۲۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۱۱۔ ۱۲۔

۱۳۔ رسالہ اصحاب احمد نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۵۔

۱۴۔ موج کوثر صفحہ ۸۲۔

۱۵۔ اس کے ثبوت میں کانفرنس کی سالانہ رپورٹیں بابت ۱۸۸۸ء۔ ۱۸۸۹ء۔ ۱۸۹۱ء اور ۱۸۹۳ء ملاحظہ ہوں ان سب میں چندہ دہندگان کی فہرستوں میں آپ کا نام بھی درج ہے ۱۸۸۸ء کے بعد کا چندہ تو آپ نے براہ راست بھجوایا۔ مگر ۱۸۸۸ء میں ولی احمد صاحب اسلامیہ بورڈنگ ہاؤس لاہور کی معرفت رقم بھجوائی۔

۱۶۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے سرسید کو ایک سو روپیہ بھی بھیجا کہ جو لکھیں بھیج دیا کریں (بدر ۷/ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۵ کالم ۱) مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ سرسید کے عقائد سے آپ پوری طرح متفق ہو گئے تھے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں چنانچہ مولوی عبدالکریم صاحب فرماتے ہیں۔ "میرے مخدوم مولوی صاحب بھی سید صاحب کی تصانیف منگواتے اور صفات الٰہی کے مسئلہ میں ہمیشہ سید صاحب سے الگ رہے اور میں ان کے ساتھ ہو کر بھی سید صاحب کی ہر بات کی پچ کرتا اور کبھی مولوی صاحب مجھ سے الجھ بھی پڑتے۔" (الحکم ۳۱/ اکتوبر ۱۸۹۹ء صفحہ ۲ کالم ۱)

۱۷۔ سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۵۷۔

۱۸۔ مورخ کشمیر جناب محمد الدین فوق نے اپنی کتاب "تاریخ اقوام پونچھ" میں شیخ صاحب کے قبول اسلام کے مفصل واقعات لکھے ہیں جو اختصار اً درج ذیل ہیں۔

"حکیم مولوی نور الدین جو مہاراجہ رنبیر سنگھ کے شاہی طبیب تھے ٹکہ بلدیو سنگھ کے علاج کے لئے جموں سے پونچھ بلوائے گئے۔ وہ ہفتہ میں ایک دو مرتبہ مکتب میں بھی آتے اور لڑکوں سے ان کے سبق سنا کرتے اور ان سے علمی سوالات کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی نور الدین صاحب نے پوچھا بتاؤ انسان اور حیوان میں کیا فرق ہے لڑکوں نے جواب دیا کہ انسان بول سکتا ہے۔

لیکن حیوان بول نہیں سکتا۔ فرمایا طوطا بھی بولتا ہے کیا وہ بھی انسان ہے۔ شیخ محمد عبد اللہ نے جوان دنوں ٹھاکر داس تھے کہا۔ انسان دوسرے انسان کو پڑھا سکتا ہے۔ حیوان نہیں پڑھا سکتا فرمایا یہ کچھ پتہ کی بات ہے جو تم نے کہی ہے۔ واقعی انسان اور حیوان میں یہ فرق ضرور ہے۔ کہ انسان جو بات خود سیکھ سکتا ہے وہ دوسروں کو بھی سکھا سکتا ہے۔ لیکن حیوان اگر کچھ خود سیکھ سکتا ہے تو دوسرے حیوانوں کو سکھا نہیں سکتا۔ چنانچہ طوطا جو بات خود سیکھ سکتا ہے کسی دوسرے طوطے کو نہیں سکھا سکتا۔ فرمایا لیکن اس کے سوا کوئی اور بات بھی انسان اور حیوان کے فرق کی ہو تو بتاؤ۔ لڑکوں کی خاموشی کے بعد مولوی نور الدین صاحب مرحوم نے خود ہی فرمایا۔ انسان اور حیوان میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ انسان اپنی حالت بدل سکتا ہے لیکن حیوان نہیں بدل سکتا۔ ایک آدمی کا باپ اگر جاہل ہے تو بیٹا عالم ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک بیل کا بچہ بیل ہی رہے گا۔ ایک بکرا جیسے کہ آج سے سو سال قبل تھا۔ آج اس کی اولاد بھی اسی کی طرح ویسا ہی ایک بکرا ہے۔

چند دنوں کے بعد حکیم مولوی نور الدین صاحب ہی کی تحریک سے آپ نے طب پڑھنے کا شوق ظاہر کیا اور حکیم صاحب نے میاں نظام الدین وزیر اعظم سے ذکر کیا۔ میاں نظام الدین جب شام کو مکتب میں آئے تو انہوں نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا۔ سنا ہے تم طب پڑھنا چاہتے ہو۔ پونچھ میں کوئی طبیب نہیں ہے۔ اگر کوئی لڑکا یہ علم پڑھ سکے۔ تو اس کے لئے بہت اچھا ہو گا ان الفاظ سے آپ کو حصول طب کا اور زیادہ شوق ہو گیا۔ آپ نے ایک دو ابتدائی کتابیں پونچھ ہی میں حکیم صاحب سے پڑھیں چونکہ وہ عارضی طور پر ٹکہ بلدیو سنگھ کے علاج کے لئے آئے ہوئے تھے اس لئے حکیم صاحب نے فرمایا کہ اگر تم ہمارے ساتھ جموں چل سکو تو ہم طب کی تمام کتابیں تم کو پڑھا دیں گے۔

آپ کے والدین آپ کو روانگی کی اجازت نہ دیتے تھے لیکن اس خیال سے کہ میاں نظام الدین وزیر اعظم پونچھ میں ایک ماہر طبیب کی ضرورت ظاہر کرتے ہیں اور وہ ضرور قدر دانی فرمائیں گے انہوں نے آپ کو حکیم صاحب کے ہمراہ جموں جانے کی اجازت دے دی۔ جموں جاتے ہی آپ تیسری جماعت میں داخل ہو گئے ان ایام میں مولوی عبد الکریم کاشمیری سیالکوٹی مرحوم حکیم نور الدین صاحب مرحوم کے پاس جموں میں مقیم تھے انہوں نے دو ہی ماہ کے اندر آپ کو اتنی انگریزی پڑھا دی کہ آپ پانچویں جماعت میں داخل ہو گئے۔ اردو فارسی میں آپ کو اچھا ملکہ تھا۔ آپ کو ذہین و ذکی دیکھ کر ماسٹر اندر نرائن اور ماسٹر مکند لال نے سکول ٹائم کے علاوہ انگریزی پڑھانا شروع کر دی۔ اور سالانہ امتحان آپ نے کامیابی سے دیا۔ کہ چھٹی جماعت کی بجائے آپ کو ساتویں جماعت میں داخل کر لیا گیا۔ لیکن ساتھ ہی ماسٹر مکند لال نے حکیم مولوی نور الدین کے ہاں آنے جانے اور وہاں کے قیام سے منع کر دیا۔ آپ نے کہا کہ میں وہاں طب پڑھنے کے لئے ٹھہرا ہوا ہوں۔ اور اسی غرض سے گھر سے نکلا ہوں۔ ان دنوں دیوان امرناتھ گورنر جموں تھے اور راجہ امر سنگھ کا جو مہاراجہ سر پرتاب سنگھ کے چھوٹے بھائی تھے بڑا زور تھا۔ اور مولوی نور الدین راجہ امر سنگھ کے نہایت معتمد مشیر تھے۔ اس لئے ان پر یکایک حملہ کرنا بہت دشوار تھا۔ تاہم لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ یہ لڑکا مولوی نور الدین کے اثر سے ضرور مسلمان ہو جائے گا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ تک آخر یہ بات پہنچائی گئی کہ مولوی نور الدین ایک ہندو لڑکے کو مسلمان کرنے کی فکر میں ہیں۔ چنانچہ مہاراجہ صاحب کے حکم سے دیوان امر ناتھ نے آپ کو بلا کر کہا کہ مہاراجہ صاحب کا حکم ہے کہ آج سے حکیم صاحب کے مکان پر نہ جایا کرو۔ جب تک تمہارے والدین یا رشتہ دار نہ آئیں تم پنڈت نندلال کے مکان پر رہا کرو۔ چنانچہ اس کے بعد جب تک آپ جموں رہے پنڈت نندلال کے مکان پر ہی رہے۔

مولوی حکیم نور الدین آپ کے مربی اور محسن تھے۔ ان کی جدائی آپ کو بہت شاق گذری۔ ایک دو مرتبہ اس واقعہ کے بعد ان سے چوری چھپے ملاقات بھی ہوئی لیکن ان دشواریوں اور مجبوریوں کی وجہ سے آپ نے جموں ہی کی رہائش کو ترک کر دینا مناسب سمجھا۔ ان پریشانیوں اور تکلیفوں کے باوجود آپ جماعت میں سب سے اول رہتے تھے اور جب کہ کوئی شخص باہر سے ریاست کا یہ واحد ہائی سکول دیکھنے آتا تھا تو استاد اور پرنسپل اپنے لڑکوں میں سے بطور مثال آپ کو پیش کیا کرتے تھے۔ آپ کو اب مدرسہ سے وظیفہ بھی ملنے لگا تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ ریاست تم کو اپنے خرچ پر لاہور میں بی۔ اے کی تعلیم دلائے گی۔

لیکن آپ جموں سے پہلے پونچھ اپنے گھر چلے گئے۔ وہاں ایک ماہ قیام کیا۔ پھر جموں جانے کی بجائے سیدھے لاہور آ گئے اور گورنمنٹ ہائی سکول (واقعہ حویلی راجہ دھیان سنگھ) میں داخل ہو گئے۔ اور ایک ہی سال ۱۸۹۱ء میں آپ نے انٹرنس کا امتحان

پاس کرلیا۔ مولوی نورالدین صاحب نے اپنے چند دوستوں کو ان کی خبر گیری و حفاظت کی اطلاع دیدی تھی۔ اور خود بھی جب کبھی لاہور آتے تو ان سے ملا کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ آپ کو قادیان بھی لے گئے اور ایک مرتبہ لدھیانہ میں بھی جہاں مرزا غلام احمد قیام پذیر تھے.... پونچھ سے آتے ہی آپ مولوی صاحب سے ملے ان کے مشورہ کے مطابق آپ علی گڑھ چلے گئے۔ مولوی صاحب نے سرسید احمد خاں مرحوم کے نام بھی ایک خط لکھ دیا تھا۔ وہ بڑی شفقت سے پیش آئے علی گڑھ کے اسلامیہ دارالعلوم میں آپ فسٹ ائیر میں داخل ہو گئے اور ہر امتحان میں باتعریف پاس ہو کر وظائف لیتے رہے۔ بی۔ اے پاس کرنے کے بعد وکالت کا امتحان (ایل۔ ایل۔ بی) بھی پاس کرلیا۔ اور علی گڑھ ہی میں وکالت شروع کردی اور سرسید احمد خاں مرحوم کے ارشاد کے مطابق علی گڑھ کو صرف اپنا گھر ہی نہیں بلکہ اپنا وطن بنالیا..........

اختلاف رائے یا اختلاف عقائد کی وجہ سے آپ مرزا صاحب یا حکیم صاحب کے ذاتی اوصاف کے خلاف نہیں ہیں آپ فرماتے ہیں "مذہبی پہلو کو نظرانداز کر کے ان دونوں بزرگوں کے صرف انسانی پہلو کو سامنے رکھ کر اگر کوئی ان کی نسبت رائے قائم کرے تو وہ ان کو ہمدردان بنی نوع انسان کی صف اول میں جگہ دینے پر مجبور ہو گا.... کسی مذہبی اختلاف کی وجہ سے ان کے انسانی اوصاف پر مٹی ڈال دینا انصاف اور انسانیت کے قطعاً خلاف ہے..... مجھ پر ابتداء میں مولوی نورالدین صاحب مرحوم کی فلسفیانہ باتوں کا بڑا اثر پڑا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اسلام کے اعلیٰ اصولوں نے میرے دل میں گھر کرلیا۔ اور گو طالب علمی کے زمانہ میں اور وہ بھی صرف تین ماہ مرزا صاحب کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا لیکن میرے ایمان اور اعتقاد کی پختگی کے لئے یہ تین ماہ بہت مفید ثابت ہوئے۔" (تاریخ اقوام پونچھ از مولانا محمد دین فوق) صفحہ ۶۷۸۔ ۶۸۳ مطبوعہ ۱۹۳۶ء)

۱۹۔ ملاحظہ ہو مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ

۲۰۔ منشور محمدی جلد ۷ انمبر ۳ صفحہ ۲۸۔

۲۱۔ منشور محمدی جلد ۷ انمبر ۱۳ صفحہ ۳۰

۲۲۔ منشور محمدی صفحہ ۱۵۴۔ (اس مضمون کی قسطیں منشور محمدی کے مندرجہ ذیل پرچوں میں ملاحظہ ہوں جلد ۷ انمبر ۳ صفحہ ۶۸۔ جلد ۷ انمبر ۹ صفحہ ۱۰۱۔ جلد ۷ انمبر ۱۳۔ جلد ۷ انمبر ۱۳ صفحہ ۲۹۔ جلد ۷ انمبر ۱۳ صفحہ ۱۵۳۔ ۱۵۶)

۲۳۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم۔ نمبر ۲ صفحہ ۵۶

۲۴۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۵۰

۲۵۔ حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۱۲۱ حاشیہ۔ رئیس قادیان جلد ۱ صفحہ ۸۲۔ ۸۳ ابو القاسم دلاوری)

۲۶۔ یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ حضور نے حضرت مولوی صاحب کو ۵/ جنوری ۸۸ء کے خط میں پہلے سے یہ اطلاع دے دی تھی کہ آپ ۷/ جنوری ۱۸۸۸ء کو یہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۵۰۔

۲۷۔ کلام امیر صفحہ ۹۵ کالم ۲۔

۲۸۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۹۲۔

۲۹۔ نقل مطابق اصل

۳۰۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۵۰ تا ۵۲۔

۳۱۔ کلام امیر صفحہ ۹۵ کالم ۱۔ ۲

۳۲۔ حیات احمد جلد سوم صفحہ ۱۲۔ ۱۵۔

۳۳۔ الحکم ۱۰/ جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۳ کالم ۴۔

۳۴۔ الحکم ۲۸/ مئی ۱۹۱۰ء صفحہ ۵ کالم ۲۔ ۳۔

۳۵۔ تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۱۰ صفحہ ۷۷ ۴۔ ایضاً کلام امیر صفحہ ۲۵ کالم ۲۔

۳۶۔ الحکم ۳۱/ اگست ۱۹۰۷ء صفحہ ۳ کالم ۱۔

۳۷۔ الفضل ۲۸/ فروری ۱۹۳۱ء صفحہ ۲۔

۳۸۔ الحکم ۲۴/ جون ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۱ کالم ۲۔

۳۹۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۳۸۔
۴۰۔ الحکم ۲۴/جون ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱ کالم ۲۔
۴۱۔ قادیان کی لائبریری میں اس کا تیسرا ایڈیشن جو ۱۹۰۹ء کا ہے اور نامی پریس میرٹھ کا چھپا ہوا ہے راقم الحروف نے دیکھا ہے۔
۴۲۔ فتح اسلام صفحہ ۶۳۔ ۶۴ حاشیہ (طبع اول)
۴۳۔ ذکر حبیب از مفتی محمد صادق صاحب صفحہ ۲۴۔
۴۴۔ الحکم ۷/جولائی ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۳ کالم ۲۔
۴۵۔ بحوالہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ نمبر ۱ صفحہ ۱۴۔ ۱۵ حیات احمد جلد سوم صفحہ ۶۷۔
۴۶۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ نمبر ۱ صفحہ ۱۶ و صفحہ ۳۲۔
۴۷۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ نمبر ۱ صفحہ ۱۶ و ۳۲
۴۸۔ حیات احمد چہارم صفحہ ۴۷۔
۴۹۔ حیات احمدیہ سوئم از ۱۸۸۹ء تا ۱۸۹۲ء صفحہ ۴۷۔ اس مجلس کے بعض حاضرین مولوی محمد عبد اللہ صاحب پروفیسر عربی کالج۔ سید فقیر الدین رئیس و آنریری اسسٹنٹ کمشنر لاہور۔ شیخ خدا بخش صاحب جج اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ نمبر ۱ صفحہ ۱۷۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبد الرحمان صاحب لکھو کے بھی بعد ازاں اس مجلس میں پہنچ گئے تھے۔
۵۰۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ صفحہ ۳۴ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی روداد ضمیمہ "پنجاب گزٹ" (۲۵/اپریل ۱۸۹۱ء) میں بھی چھپی تھی۔
۵۱۔ مرزا امان اللہ صاحب۔ منشی عبد الحق صاحب۔ بابو الٰہی بخش صاحب۔ حافظ محمد یوسف صاحب۔ منشی محمد یعقوب صاحب یہ سب حضرات اہلحدیث تھے اور اس تبادلہ خیالات کے محرک۔ (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۹۸)
۵۲۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ صفحہ ۳۲۔ ۳۳۔
۵۳۔ حیات احمد سوم از ۱۸۸۹ء تا ۱۸۹۲ء صفحہ ۴۷۔
۵۴۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ نمبر ۱ صفحہ ۳۳۔
۵۵۔ حیات احمد سوم صفحہ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ مکتوبات احمدیہ پنجم نمبر ۲ صفحہ ۱۰۴۔
۵۶۔ آسمانی فیصلہ صفحہ ۷ طبع اول۔ تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ ۹۱۔
۵۷۔ تبلیغ رسالت جلد دوم حاشیہ صفحہ ۱۸۔
۵۸۔ تبلیغ رسالت جلد دوم حاشیہ صفحہ ۱۸۔
۵۹۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۱۰۰۔
۶۰۔ حیات احمد جلد پنجم صفحہ ۱۱۸۔ ۱۱۹ حاشیہ (روایت خلیفہ نور الدین صاحب جمونی)
۶۱۔ آسمانی فیصلہ طبع اول صفحہ ۳۱۔
۶۲۔ حیات احمد جلد سوم صفحہ ۲۰۹۔ (۱۸۸۹ء تا ۱۸۹۲ء)
۶۳۔ تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ ۷۳۔
۶۴۔ تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ ۱۱۱۔
۶۵۔ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۰۶ (طبع اول)
۶۶۔ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۱۲ (ح) طبع اول
۶۷۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کا بیان ہے کہ "ریاست کی ملازمت سے جب آپ علیحدہ ہوئے میں اس وقت آپ کی خدمت میں موجود تھا کیونکہ میں بھی اس وقت جموں ہائی سکول میں ٹیچر تھا۔ ہزار پندرہ سو روپے ماہوار کی آپ کی آمدنی تھی اور خرچ جو قریباً سارا ہی فی سبیل اللہ ہوتا تھا وہ اس کے برابر یا اس سے زیادہ ہوتا تھا کبھی آپ کی عادت نہ تھی کہ روپیہ پیسہ جمع رکھیں۔ اس حالت میں ملازمت ریاست سے اچانک علیحدگی کے باوجود نہ آپ کے چہرے پر کوئی ملال تھا نہ اس کا کوئی احساس تھا جیسا روزمرہ

آپ درس و تدریس میں بیماروں کو دیکھنے میں لوگوں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے میں اور اپنی کتب کے مطالعہ کرنے میں معروف اپنی نشست گاہ میں کھلا دربار لگائے بیٹھے رہتے تھے جہاں لوگ بے تکلف آتے جاتے رہتے تھے ایسا ہی اس دن اور اس سے دوسرے دن جو تیاری سفر کا دن تھا آپ حسب معمول بیٹھے رہے گویا علیحدگی ملازمت کا واقعہ ہوا ہی نہیں یا ہوا ہے تو روزمرہ کی باتوں میں سے ایک معمولی سی بات ہے" (حیات نور الدین" صفحہ ۱۵۳)

۶۸۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا زیر لفظ "کشمیر" (KASHMIR)

۶۹۔ صحیفہ زریں صفحہ ۷۔

۷۰۔ کتاب رئیس قادیان جلد دوم صفحہ ۱۰۳۔ ۱۰۴ رنبیر سنگھ کی وفات کے وقت حضرت خلیفہ اول پونچھ میں تھے (الحکم ۱۰/ فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۶ کالم ۱۔

۷۱۔ ولادت ۱۸۵۰ء وفات ۱۹۲۵ء انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا زیر لفظ "کشمیر"۔

۷۲۔ رئیس قادیان جلد دوم صفحہ ۱۰۴ و صحیفہ زریں صفحہ ۷۔ اخبار چودھویں صدی ۲۳/ جولائی ۱۸۹۵ء صفحہ ۶ کالم ۱۔

۷۳۔ تاریخ اقوام پونچھ صفحہ ۶۸۰ (از مولانا محمد دین فوق)

۷۴۔ الفضل ۱۴/ فروری ۱۹۳۲ء صفحہ ۷ کالم ۲ (خطبہ جمعہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)۔

۷۵۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۶۶۔ حضرت مولوی صاحب نے راجہ سورج کول سے ذاتی مخاصمت کا ایک واقعہ درج کرنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے۔ کہ لالہ باگ رام نے آپ سے کھلم کھلا یہ بھی کہدیا تھا کہ اگر آپ استعفیٰ دیدیں تو اس میں بڑے مصالح ہیں آپ نے ان سے فرمایا کہ بنے ہوئے روزگار کو خود چھوڑنا ہماری شریعت میں پسند نہیں کیا گیا الاقامۃ فی ما اقام اللہ ضروری ہے لیکن آخر ایک روز علیحدگی کا پروانہ آگیا۔

۷۶۔ رسالہ حکیم حاذق ۷ ۱۹۰ء صفحہ ۱۶۔

۷۷۔ مہاراجہ پونچھ صاحب کو دراصل امر سنگھ صاحب سے دشمنی تھی جن کے ساتھ حضرت مولوی صاحبؓ کے مراسم تھے۔ نیز اس مقدمہ میں ان کے ایک وزیر کا ہاتھ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس نے ایک دفعہ آپ کو مہاراجہ کے علاج کرنے پر یہ دھمکی دی تھی کہ "آپ یہاں علاج کرنے آئے ہیں یا ہمارے ولی عہد کو حکومت سکھانے آئے ہیں۔ آپ صرف دوا وغیرہ بتا دیا کریں اور حکومت کرنی نہ سکھائیں ورنہ آپ کو بڑی تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ یہ لوگ اگر ایسے ہو جائیں جیسا آپ چاہتے ہیں تو ہم لوگ روٹی کہاں سے کھائیں؟" مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۵۳۔

۷۸۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ اور مہاراجہ پرتاب سنگھ کے زمانہ میں کشمیر کے حالات پر ہندوؤں یا سکھوں کی طرف سے جو کتابیں راقم الحروف نے دیکھی ہیں ان میں کہیں حضرت مولوی صاحب کا تذکرہ موجود نہیں ہے جس سے صاف تعصب اور جنبہ داری کی اس ذہنیت کا پتہ چلتا ہے۔ جو آپ کے خلاف غیر مسلم عناصر میں کام کر رہی تھی۔

۷۹۔ اخبار چودھویں صدی راولپنڈی ۲۳/ جولائی ۱۸۹۵ء صفحہ ۵-۶۔

۸۰۔ یہ واقعہ آج تک ایک سربستہ راز تھا جس پر خدا جانے کب تک پردہ پڑا رہتا۔ مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے جناب مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر فاضل کو کہ انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ایک غیر مطبوعہ تحریر سے ایک اہم اقتباس مؤلف ہذا کو بھجوا دیا ہے۔ جس میں حضور نے اپنی زبان مبارک سے تاریخ کے اس گمشدہ ورق پر روشنی ڈالی ہے۔ جناب مولانا فرماتے ہیں۔

"حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو مہاراجہ پرتاب سنگھ نے جموں سے اڑتالیس گھنٹہ کے اندر اندر اخراج کا جو ظالمانہ حکم دیا تھا اس کی وجوہ کے متعلق سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ایک نہایت قیمتی روایت میرے پاس محفوظ ہے جسے تاریخ احمدیت میں اندراج کے لئے میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں یہ بات ہمارے سلسلہ کے لٹریچر میں کہیں شائع نہیں ہوئی مگر میں نے خود حضور کی زبان مبارک سے یہ بات سنی ہے اور میں علی وجہ البصیرت اس کی شہادت دیتا ہوں۔ حضور نے فرمایا :۔

حضرت خلیفہ اول کشمیر کے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے شاہی طبیب تھے۔ اور موجودہ مہاراجہ کشمیر کے [1] والد اور ان کے بھائی رام

سنگھ کے اتالیق تھے۔ اپنے میل جول کے زمانہ میں حضرت خلیفہ اولؓ نے موجودہ مہاراجہ کے والد اور اس کے بھائی کو قرآن شریف پڑھانا شروع کیا راجہ رام سنگھ نے جو چھوٹا بھائی تھا قریباً سارا قرآن شریف ترجمہ سے ختم کر لیا۔ مگر ان کے بھائی نے جو موجودہ راجہ کے والد تھے صرف ایک حصہ پڑھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رام سنگھ دل سے مسلمان ہو گئے یہ نوجوان شہزادہ بڑی جنگی روح رکھتا تھا اور اس کے بڑے بھائی مہاراجہ پرتاب سنگھ نے اس کو فوج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا تھا۔ جو جس عرصہ میں اس نے کشمیر کی سخت وادیوں میں قلعے بنا دیئے تھے اور چترال اور گلگت کی طرف کے مسلمان حکمرانوں سے تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ اس کا منشا یہ تھا کہ طاقت پکڑ کر انگریزوں سے بغاوت کرے اور کشمیر کو آزاد کرائے مہاراجہ پرتاب سنگھ کو اس کی اسلام کی طرف رغبت کا علم ہو گیا۔ کچھ اس کے قلعے بنانے کی مہم نے انگریزوں کو ہوشیار کر دیا جس پر مقامی روایات کے مطابق انگریزوں نے رام سنگھ کو زہر دے کر مروا دیا۔

مہاراجہ پرتاب سنگھ نے کچھ انگریزوں کے ڈر کے مارے اور کچھ اس ڈر سے کہ رام سنگھ اور اس کے بھائی مسلمان نہ ہو جائیں حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کو جو اس کے شاہی طبیب تھے اور بعد میں جماعت احمدیہ کے پہلے خلیفہ بنے۔ اڑتالیس گھنٹے کا نوٹس دے کر ریاست بدر کر دیا۔"

حاشیہ در حاشیہ (i) یہ ایک عرصہ قبل کی تحریر ہے اس میں "موجودہ مہاراجہ" سے مراد راجہ ہری سنگھ صاحب ہیں جو اس وقت حکمران تھے اور جن کے والد امر سنگھ تھے۔ راجہ ہری سنگھ مہاراجہ پرتاب سنگھ کی موت کے بعد ۱۹۲۵ء میں گدی پر بیٹھے ۱۹۴۷ء میں پاک و ہند کی آزادی کے ساتھ ڈوگرہ شاہی حکومت کا تختہ الٹ گیا۔ کچھ حصہ مجاہدین نے آزاد کرا لیا اور باقی بھارت کے قبضہ میں ہے۔

(ii) اخبار "چودھویں صدی" (راولپنڈی ۲۳/ نومبر ۱۸۹۵ء صفحہ ا کالم ۲) نے ان کے بارے میں یہ خبر شائع کی تھی "سر راجہ رام سنگھ کے۔ سی۔ بی کمانڈر انچیف افواج کشمیر کی انصاف پسندی کی تعریف کئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ.... جناب ممدوح نے منشی غلام محمد ڈپٹی انسپکٹر کو اس کے عہدہ پر بحال فرما دیا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ ایک نہایت ہی انصاف کا کام کیا گیا ہے۔"

۸۱۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۱۲۳۔

۸۲۔ حضرت امام الزمان کی یہ آہ خالی نہیں گئی بلکہ اس کے نتیجہ میں مسلمانان ہند نے ریاستی مسلمانوں پر مظالم کے خلاف بڑی جرات سے آواز اٹھانا شروع کر دی۔ اور اخبار "چودھویں صدی" راولپنڈی میں ۱۸۹۵ء سے باقاعدہ ایک سلسلہ مضامین جاری ہوا۔ حتیٰ کہ آپ ہی کے نائب اور خلیفہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ذریعہ یہ آواز "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" کی شکل میں ایک موثر ترین تحریک کی صورت پکڑ گئی۔ جس نے ڈوگرہ راج کی جڑیں کھوکھلی کر دیں اور مسلمانوں کو ان کے بہت سے پامال شدہ حقوق پھر سے واپس دلائے۔ اور ان کی آزادی کی بنیادیں رکھ دیں۔ مگر اس کی تفصیل اگلے حصہ میں آئے گی یہاں اسی قدر کافی ہے کہ تحریک آزادی کشمیر میں بے شک اسباب ظاہری بہت کام کرتے نظر آتے ہیں مگر پس پردہ باطنی و حقیقی سبب آپ کی مہاراجہ کے خلاف بددعا تھی جس نے جناب الٰہی کے فضل کو جذب کیا اور مسلمانان کشمیر پھر سے زندگی کا سانس لینے کے قابل ہوئے اور ہو رہے ہیں اور وہ دن دور نہیں جب کہ حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اولؓ اور دوسرے مسلمانوں پر کئے جانے والے مظالم رنگ لائیں گے اور کشمیر کی وہ وادی جو خطہ جنت ہونے کے باوجود آج آگ اور خون کا منظر پیش کر رہی ہے سچ مچ دنیا کی سطح پر بہشت بریں کا نمونہ پیش کرے گی۔ انشاء اللہ وماذلک علی اللہ بعزیز۔

۸۳۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۶۷۔۱۶۹۔

۸۴۔ حضرت خلیفہ اولؓ کی ایک تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک لاکھ پچانوے ہزار کے علاوہ آپ پر پانچ ہزار روپیہ ایک دوسرے شخص کا بھی قرض تھا (الحکم ۲۱۔ ۲۸ فروری ۱۹۱۵ء صفحہ ۲۔ ۳)

۸۵۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۴۸۵۔

۸۶۔ روایت حکیم محمد عمر صاحب

۸۷۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۶۸۔

۸۸۔ منقول از اخبار زمیندار ۱۹/ نومبر ۱۹۳۲ء بحوالہ "برق آسمانی" از مولوی ظہور احمد صاحب بگوی صفحہ ۶۷۔۶۸۔

۸۹۔ منقول از اخبار زمیندار ۱۹/ نومبر ۱۹۳۲ء بحوالہ برق آسمانی بر خرمن قادیانی۔ صفحہ ۶۸ مئولفہ (مولوی ظہور احمد صاحب بگوی)

۹۰۔ جلسہ سالانہ قادیان (منعقدہ ۱۸۹۲ء) پر آپ نے جو لیکچر دیا اس کا ذکر تاریخ احمدیت حصہ دوم (طبع دوم صفحہ ۲۵۶ پر کیا جاچکا ہے۔ (مئولف)

۹۱۔ انجمن کا آٹھواں سالانہ جلسہ ۲۵۔۲۶ فروری ۱۸۹۳ء کو ہوا پیسہ اخبار ۶/ مارچ ۱۸۹۳ء نے خبر دی کہ حکیم نور الدین کے وعظ سے حاضرین پر بہت اچھا اثر پڑا مستعد دلوگوں نے دل کھول کر چندے دیئے۔

۹۲۔ تائید حق صفحہ ۶۷۔۶۹

۹۳۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۶۸۔ حضرت مولوی صاحب نے ۱۳/ اگست ۱۸۹۷ء کے اپنے ایک عدالتی بیان میں جو آپ نے ڈگلس کی عدالت میں دیا فرمایا کہ میں چار سال سے برابر مرزا صاحب کے پاس رہتا ہوں" کتاب البریہ صفحہ ۲۰۸۔۲۱۰

۹۴۔ ضمیمہ بدر ۲۹/ جولائی ۱۹۰۹ء صفحہ ۷۷ کالم ۲۔

۹۵۔ یہ الہام ۲/ اپریل ۱۸۹۳ء کا ہے تذکرہ طبع دوم میں ۲/ اپریل ۱۸۹۲ء چھپ گئی جو سہو ہے۔ ان دنوں تو آپ ابھی ریاست میں ہی مقیم تھے۔ اس شعر کا ترجمہ یہ ہے۔ تو وطن کی طرف ہرگز توجہ نہ کر اس میں تیری اہانت ہو گی اور تکالیف برداشت کرنا پڑیں گی۔ حضرت خلیفہ اول کی جیبی بیاض میں اس الہام کے الفاظ یہ لکھے ہیں لا تصبون الی الوطن۔ فیہ تصنام و تمتھن یعنی اپنے وطن کی جانب مت راغب ہو اس میں تجھ پر ظلم کیا جائے گا اور تو ذلیل ہو گا۔ (تذکرہ طبع دوم صفحہ ۱۷۱۔۱۷۲ حاشیہ)

چوتھا باب

آغاز ہجرت سے لیکر حضرت مسیح موعودؑ کے وصال مبارک تک

(اپریل ۱۸۹۳ء تا ۲۶۔ مئی ۱۹۰۸ء بمطابق ۱۳۱۰ھ تا ۱۳۲۶ھ)

ہجرت کی مخالفت اور آپ کا ثبات و استقلال

ہجرت کے بعد کئی لوگوں نے حضرت مولوی صاحب کو تحریک کی کہ وہ مہاراجہ کے شاہی طبیب رہے ہیں اور ویسے بھی علم و فضل میں آپ کا مقام بہت بلند ہے اس لئے آپ قادیان کی بجائے لاہور یا امرت سر میں شفاخانہ کھول لیں۔ خلقت دیوانہ وار آپ کے پاس پہنچ جائے گی مگر آپ نے ان بڑے بڑے شہروں کے مقابل قادیان جیسے گمنام گاؤں کو ترجیح دی۔ اور اپنے آقا و مرشد کی خدمت میں دھونی رما کر بیٹھ گئے۔ اور جس طرح اول السابقین کی سعادت حاصل کی تھی اول المہاجرین کا شرف بھی پالیا [1]۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ اپنے خط (بنام نواب محمد علی خاں مالیر کوٹلہ) میں آپ کے اس عظیم الشان ایثار و قربانی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"بیچارہ نور الدین جو دنیا کو عموماً لات مار کر اس جنگل قادیان میں آبیٹھا ہے بیشک قابل نمونہ ہے۔ بہتیری تحریکیں ہوئیں کہ آپ لاہور میں رہیں اور امرت سر میں رہیں دنیاوی فائدہ طبابت کی رو سے بہت ہو گا۔ مگر کسی کی بات انہوں نے قبول نہیں فرمائی۔ میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ انہوں نے سچی توبہ کر کے دین کو دنیا پر مقدم رکھ لیا ہے۔" [2]

ہجرت سے نہ صرف مولوی صاحب کی دلی تمنا بر آئی بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برسوں قبل کی یہ دعا قبول ہوئی کہ مولوی صاحب اور آپ دونوں کی بقیہ زندگی ایک جگہ بسر ہو۔ [3] کچھ عرصہ الدار میں رہائش کے بعد آپ نے ڈھاب کے کنارے الگ مکان بنالیا اور ایک چھوٹی سی کوٹھری میں اپنا مطب قائم کر لیا۔

قادیان میں دینی مشاغل

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد مبارک میں حضرت مولوی صاحب کے علاوہ چونکہ علم و تقویٰ کے مقام میں جماعت کا کوئی دوسرا فرد آپ کا ہمسرو ہم پلہ نہیں تھا اور حضرت مسیح موعودؑ کے فیض صحبت میں رہنے کی وجہ سے آپ کو ایک خاص امتیازی اور مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اس لئے حضرت مسیح موعودؑ کے بعد اپنے اور بیگانے اپنے مسائل و معاملات میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے بلکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام اکثر فقہی مسائل کے جواب کے لئے دوستوں کو آپ کی طرف بھجواتے۔ حضور کی اپنی بیماری یا اہل بیت یا دوسرے خدام کی بیماریوں میں آپ کو دوا دینے کا ارشاد ہوتا۔ حضرت اقدس جو کتاب تصنیف فرماتے اس کے لئے مختلف حوالہ جات کی فراہمی اور پروف ریڈنگ کے کام میں بھی آپ حضورؑ کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ پھر دربار شام اور سیر اور سفر میں اکثر آپ کو حضور کے ساتھ ہونے کا موقعہ ملتا تھا۔ آپ کی قادیان کی زندگی کا ایک پہلو یہ تھا کہ آپ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مقدس اور مبشر اولاد کو قرآن مجید' بخاری اور دینیات پڑھاتے تھے خصوصاً حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تو خاص طور پر آپ سے یہ علوم سیکھے تھے چنانچہ سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ خود ہی فرماتے ہیں۔

مجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علوم سے بہت کچھ دیا ہے.... مگر اس فضل کے جذب کرنے میں حضرت استاذی المکرم مولوی نور الدین صاحب خلیفہ المسیح اولؓ کا بہت سا حصہ ہے میں چھوٹا تھا اور بیمار رہتا تھا۔ وہ مجھے پکڑ کر پاس بٹھالیتے تھے اور اکثر یہ فرماتے تھے کہ میاں تم کو پڑھنے میں تکلیف ہوگی میں پڑھتا جاتا ہوں تم سنتے جاؤ اور اکثر اوقات خود ہی قرآن پڑھتے اور خود ہی تفسیر بیان کرتے۔ اس کے علوم کی چاٹ مجھے انہوں نے لگائی اور اس کی محبت کا شکار بانی سلسلہ احمدیہ نے بنایا۔ بہرحال وہ عاشق قرآن تھے اور ان کا دل چاہتا تھا کہ سب قرآن پڑھیں۔ مجھے قرآن کا ترجمہ پڑھایا اور پھر بخاری کا اور فرمانے لگے لو میاں سب دنیا کے علوم آگئے ان کے سوا جو کچھ ہے یا زائد یا ان کی تشریح ہے۔" [۲]

اس کے علاوہ بہت سے مشاغل و مصروفیات جاری رہتیں جن کا آج ہم پوری طرح اندازہ بھی نہیں کرسکتے۔ غرضکہ آپ کی زندگی نہایت درجہ معمور الاوقات زندگی تھی۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ مختصراً ان مشاغل پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"آپ صبح سویرے بیماروں کو دیکھتے تھے۔ اس کے بعد طالب علموں کو درس حدیث و طبی کتب دیتے تھے۔ مثنوی شریف اور حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کا درس بھی گاہے دیتے تھے اور بعد نماز عصر روزانہ درس قرآن شریف دیا کرتے تھے۔ مہمانوں کی امانتیں اپنے پاس رکھتے تھے۔ غرباء کی امداد کا

خیال رکھتے تھے اور تمام احمدیوں کو اچھے کاموں کے کرنے اور بدیوں سے بچنے کی نصیحت کرتے رہتے تھے۔ اور باہر سے آنے والے خطوط کا جو متعلق مسائل دینیہ و طبیہ ہوتے تھے جواب لکھتے اور لکھاتے رہتے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ صبح سے شام تک بلکہ اکثر عشاء تک سوائے نمازوں کے اوقات کے ایک ہی جگہ اپنی نشست گاہ میں بیٹھے رہتے تھے۔ جس میں صرف چٹائی بچھی ہوتی تھی۔ اور آپ کے واسطے کوئی الگ مسند نہ ہوتی تھی۔ ہر طرح کے حاجتمند آتے تھے اور آپ سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ ایک کھلا دربار ہوتا تھا۔ جس پر کبھی کوئی دربان مقرر نہ ہوا۔ اندر زمانہ میں عموماً صبح کے وقت آپ عورتوں میں بھی درس قرآن شریف دیا کرتے تھے۔ جب تک آپ کے شاگرد رشید اور رفیق وانیس حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب زندہ رہے وہ مسجد مبارک میں پنج وقت نماز اور جمعہ کی امامت کراتے تھے اور مسجد اقصیٰ میں نماز جمعہ پڑھاتے تھے حضرت مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد آپ پانچ نمازیں اور جمعہ ان مساجد میں پڑھاتے رہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لے جاسکتے تھے۔ اور عموماً سب نمازیں مسجد مبارک میں ہوا کرتی تھیں آپ کی عادت باہر سیر کے واسطے جانے کی نہ تھی۔ لیکن گاہے حضرت مسیح موعودؑ آپ کو اپنے ساتھ سیر کے واسطے باہر لے جایا کرتے تھے۔ جب قادیان میں کالج قائم ہوا تو آپ اس میں عربی پڑھاتے رہے۔ صدر انجمن احمدیہ کے آپ پریذیڈنٹ تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ السلام نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ "مولوی صاحب کی رائے انجمن میں سورائے کے برابر سمجھنی چاہئے۔" قادیان میں آپ کے گزارے کی صورت بظاہر طب کے سوائے اور کچھ نہ تھی مگر آپ کے خانگی اخراجات مہمان نوازی یتامی و مساکین کی پرورش۔ دینی چندوں میں سب سے بڑھ کر حصہ لینا۔ ان سب پر معقول رقم خرچ ہوتی تھی اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ رقوم کہاں سے آتی تھیں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے میری ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ اور مجھے رزق من حیث لا یحتسب عطا کرتا رہتا ہے۔ آپ کی کوئی ایسی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ جو پوری نہ ہو جائے اور غیب سے اس کے واسطے سامان بن نہ جائے"۔ [۵]

دوسروں کو ہجرت کی تحریک

ہجرت کے چندہ ماہ بعد آپ نے اپنے ایک مخلص دوست مخدوم محمد صدیق صاحب [۶] جو ان دنوں کوٹ احمد خاں (متصل میانی) میں رہتے تھے۔ ایک خط میں لکھا۔

"السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

میں بمقام قادیان بخدمت ملازمت حضرت مرزا صاحب خوش و خرم ہوں۔ دل چاہتا ہے آپ

بھی یہاں آجاویں - ولا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ
والسلام خاکسار نورالدین ۲۸/اگست ۱۸۹۳ء از قادیان"

عکس خط
حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّلؓ
بنام مخدوم محمد صدیق صاحبؓ

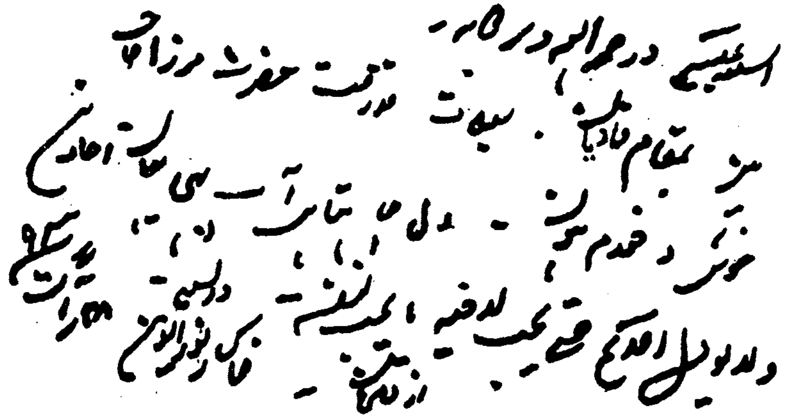
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بخدمت حضرت مرزا صاحب
بمقام قادیان۔
ولا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ والسلام خاکسار نورالدین ۲۸ اگست ۹۳ء از قادیان

سرسید احمد خاں سے خط و کتابت

سرسید احمد خاں مرحوم نے "الدعا والا ستجابه" ایک کتاب لکھی تھی جس کے جواب میں حضرت مولوی صاحب کی تحریک پر حضرت اقدس علیہ السلام کے قلم سے "برکات الدعا" کا رسالہ نکلا۔ برکات الدعا کی اشاعت کے بعد سرسید مرحوم نے پہلے سے زیادہ خط و کتاب کا سلسلہ شروع کر دیا اور وفات سے چند دن پیشتر آپ کی خدمت میں لکھا کہ بدوں نصرت الٰہیہ اور دعا کے کچھ نہیں ہو سکتا۔" ۷

مباحثہ "جنگ مقدس"

۲۲ / مئی ۱۸۹۳ء سے ۵ / جون ۱۸۹۳ء تک امرت سر میں مشہور مباحثہ جنگ مقدس ہوا۔ اس مباحثہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معاونین میں سید محمد احسن صاحب امروہوی اور شیخ اللہ دیا صاحب کے علاوہ حضرت مولوی نور الدین صاحب بھی تھے۔ اور عیسائی فریق کے مناظر ڈپٹی عبداللہ آتھم تھے۔ جن کے مددگار پادری جے۔ ایل ٹھاکر داس صاحب پادری عبداللہ صاحب اور پادری ٹامس ہاول صاحب قرار پائے۔ ۸

ایک دفعہ کسی عیسائی نے حضرت مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ پندرہ دن امرت سر میں عیسائیوں سے مباحثہ ہوا۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ آپ نے فرمایا۔ چار نتائج ہوئے۔ اول یہ کہ عیسائیوں جیسا کپتا (یعنی جھگڑالو۔ ناقل) دنیا میں کوئی نہیں۔ دوم مرزا صاحب بڑے حوصلے والے ہیں۔ سوم آپ (یعنی عیسائی) ایک منٹ کے لئے بھی کسی مذہب کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ چہارم یہ کہ ہم بادشاہ ہیں۔

یہ سب نتائج تو پہلے دن ہی میں نے نکال لئے باقی پندرہ دنوں میں تو بہت سے نتائج ظہور پذیر ہوئے۔

عیسائی نے پوچھا کہ ان نتائج کی وجوہ کیا ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ (۱) حضرت مرزا صاحب نے ایک عمدہ اصل قائم کیا تھا کہ عقلمند جو دعویٰ کرے اس کی دلیل دے اور جو اعتراض کرے۔ یا جواب دے تو اس کی دلیل اپنی مسلمہ کتاب الہامی میں سے دے۔ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے۔ پھر باوجود وعدہ کے آپ اس اصل کی طرف آئے ہی نہیں اس لئے کپتے ہو۔

(۲) مرزا صاحب وسیع حوصلہ اس لئے ہیں کہ باوجود اس کے بھی پندرہ روز تک تم سے مباحثہ کرتے رہے میرے جیسا ہوتا تو پہلے دن ہی ختم کر دیتا۔

(۳) آپ اپنے مذہب کی صداقت کی دلیل کسی مذہب کے سامنے نہیں دے سکتے اس لئے کسی مذہب کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

(۴) ہم اس لئے بادشاہ ہیں کہ ہمارے دعویٰ اور جواب کی دلیل ہماری کتاب میں موجود ہے۔ اب یہ ایک بیج بویا گیا ہے اور ایسا اصل ہے کہ سوائے قرآن دانوں کے کوئی مذہب والا نہیں چل سکتا نہ

آریہ' نہ برہمو' نہ یہود نہ عیسائی یہ ایسا حربہ ہے کہ اس کا مقابلہ کوئی قوم نہیں کر سکتی۔ [۹]

حضرت مسیح موعودؑ کی شان میں عربی مضمون اور عربی قصیدہ

اگست ۱۸۹۳ء میں حضرت مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں فصیح و بلیغ عربی میں ایک مضمون اور قصیدہ رقم فرمایا۔ ان دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب "کرامات الصادقین" لکھ رہے تھے آپ نے اس کے آخر میں ان کو بھی ساتھ ہی شائع فرمادیا۔

آپ کے مضمون کا خلاصہ یہ تھا کہ جب میں نے موجودہ زمانہ کے مفاسد دیکھے تو میں مجدد الزمان کی تلاش میں بیت اللہ شریف تک پہنچا۔ اس مقدس سرزمین میں کئی بزرگوں کو زہد و تقویٰ میں بہت بڑھا ہوا پایا۔ مگر ان میں سے کسی کو بھی مخالفین اسلام کے مقابلہ کی طرف توجہ نہ تھی حالانکہ میں خود ہندوستان میں دیکھ چکا تھا کہ لاکھوں طلبہ علوم دین چھوڑ کر اس کے مقابل انگریزی علوم کو ترجیح دے رہے ہیں۔ کروڑوں کتابیں دشمنان اسلام کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں شائع ہو چکی تھیں۔

میں کسی صادق کی آواز کا منتظر تھا کہ ناگاہ حضرت مؤلف براہین احمدیہ (مہدی الزمان و مسیح دوران) کی بشارت پہنچی پس میں حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی فراست سے معلوم کر لیا کہ آپ ہی موعود اور حکم عدل ہیں اور آپ ہی کو خدا نے تجدید امت کے مقام پر کھڑا کیا ہے اور اس پر میں نے خدا کی آواز پر لبیک کہی اور اس کے اس احسان عظیم پر سجدات شکر بجالایا اور آپ کے غلاموں میں شامل ہو گیا۔ [۱۰]

آپ کے لکھے ہوئے شعر کا عربی قصیدہ کا ابتدائی شعر یہ ہے۔

فواللہ مذ لاقیتہ زادنی الھدیٰ   و عرفت من تفھیم احفدا احمدا

خدا کی قسم جب سے میں نے آپ کی ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے میرا ایمان بڑھ گیا ہے اور احمد (ہندی) کی تفہیم سے میں نے احمد (عربی) ﷺ کی معرفت حاصل کر لی ہے۔ [۱۱]

اشتہار "التوائے جلسہ" میں ذکر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۸۹۳ء کے سالانہ جلسہ کے التوا کا اشتہار دیا جس میں حضور نے آپ کی تعریف میں یہ تحریر فرمایا

"ابھی تک میں جانتا ہوں کہ میں اکیلا ہوں بجز ایک مختصر گروہ رفیقوں کے جو دو سو سے کسی قدر زیادہ ہیں.... جن میں سے اول درجہ پر میرے خالص دوست اور محب مولوی حکیم نور الدین صاحب

اور چند اور دوست ہیں جن کو میں جانتا ہوں کہ وہ صرف خدا تعالیٰ کے لئے میرے ساتھ محبت رکھتے ہیں اور میری باتوں اور نصیحتوں کو تعظیم کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کی آخرت پر نظر ہے۔ سو وہ انشاء اللہ دونوں جہانوں میں میرے ساتھ ہیں اور میں ان کے ساتھ ہوں"۔ [۱۱۲]

سفر جموں

۱۸۹۵ء [۱۱۳] کے قریب (جب کہ مفتی محمد صادق صاحب جموں میں ہی ملازم تھے) حضرت مولوی نور الدین صاحب ریاست جموں کے بعض ارکان کی پرزور دعوت پر چند روز کے لئے جموں تشریف لے گئے وہاں مہاراجہ جموں نے اعتراف کیا کہ آپ پر بہت ظلم ہوا ہے اور معافی چاہی آپ نے فرمایا یہ تو خدا تعالیٰ کا گناہ ہے خدا تعالیٰ کا گناہ خدا تعالیٰ ہی معاف فرما سکتا ہے بندے کی کیا طاقت ہے۔ [۱۱۴] مہاراجہ نے آپ سے خواہش کی کہ ریاست میں پھر ملازمت کر لیں مگر چونکہ اس امر کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کوئی اجازت نہ تھی اس لئے آپ صاف انکار کر کے واپس چلے آئے۔ [۱۱۵]

حضرت مسیح ناصریؑ کی قبر کا انکشاف

خلیفہ نور الدین صاحب جمونی کا بیان ہے کہ "ایک دفعہ میں محلہ خانیار (سری نگر) سے گذر رہا تھا کہ ایک قبر پر میں نے ایک بوڑھے اور بڑھیا کو بیٹھے دیکھا میں نے ان سے پوچھا یہ کس کی قبر ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ "نبی صاحب" کی ہے۔ اور یہ قبر یوز آسف شہزادہ نبی اور پیغمبر صاحب کی قبر مشہور تھی۔ میں نے کہا یہاں نبی کہاں سے آگیا۔ تو انہوں نے کہا یہ نبی دور سے آیا تھا اور کئی سو سال قبل سے آیا تھا .... میں نے یہ تذکرہ حضرت مولوی صاحب سے کیا اس واقعہ کو ایک عرصہ گذر گیا۔ اور جب مولوی صاحب ملازمت چھوڑ کر قادیان تشریف لے گئے تو حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں جس میں حضرت مولوی صاحب بھی موجود تھے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ مجھے اوینا هما الی ربوة ذات قرار و معین سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی ایسے مقام کی طرف گئے جیسے کہ کشمیر۔ اس پر حضرت خلیفہ اولؓ نے خانیار کی قبر والے واقعہ کے متعلق میری روایت بیان کی۔ حضورؑ نے مجھے بلایا اور اس کے متعلق تحقیقات کرنے کا حکم دیا۔" [۱۱۶]

نئے ترجمہ قرآن کی ضرورت اور اس کے اصول

رائے بریلی کے ایک صاحب مولوی ریاض احمد صاحب نے پیسہ اخبار میں (وسط ۱۸۹۵ء کے قریب) ایک نئے ترجمہ قرآن کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اور ایک خط بھی حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں لکھا۔ حضرت مولوی صاحب نے ۱۳/ ستمبر ۱۸۹۵ء کو ضرورت ترجمہ کی تائید کرتے ہوئے ایک مفصل خط لکھا جس میں آپ نے بڑی تفصیل سے

مثالیں دے دے کر نو ایسے اہم امور کی نشان دہی فرمائی جو زمان حاضر میں ایک مترجم قرآن کے لئے نہایت درجہ ضروری ہیں۔ چنانچہ آپ نے بتایا کہ اول تراجم موجودہ نے قرآن مجید کے مقدس اور معصوم الفاظ کو شائستگی سے گرے ہوئے مکروہ محاورات میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ جس سے مترجم کو بچنا ضروری ہے۔ دوم قصص قرآنی کے نام پر مفسرین نے بہت سی بنی اسرائیلی روایات اور دوسری خرافات جمع کردی ہیں اور خصوصاً انبیاء کو تو بڑے بڑے اتہامات کا نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے مترجم کا فرض ہے کہ اس سے اجتناب کرے۔

سوم۔ متشابہ اور محکم آیات کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔

چہارم۔ مقطعات قرآنی کے معانی پر خاص طور پر غور کرنا چاہئے۔

پنجم۔ مسئلہ نسخ پر غور ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ہرگز کوئی آیت منسوخ نہیں ہے کیونکہ اگر آیات منسوخہ قرآن میں موجود ہوتیں تو کم از کم کچھ ایسا جناب باری سے یا جناب صادق مصدوق حبیبی و خلیلی سیدنا و مولانا رسولنا و نبینا اصفی الاصفیا ﷺ و ازواجہ و ذریاتہ و اہل بیتہ سے یا حضرات خلفائے راشدین سے یا ابوبکر و عمر سے جو راس رئیس علماء وقت ہیں اس سے کچھ ثابت ہوتا۔ یہ امر نسخ کا دعویٰ علماء نے اپنے خیال سے کیا ہے جب دو آیات میں تطبیق نہیں آئی تو دعویٰ کردیا کہ ایک آیت منسوخ ہے۔ اس انکشاف نے مجھے قرآن کریم کی شاہراہ پر چلنے کے لئے بڑی راہ کھول دی ہے۔

ششم۔ چھٹا امر جس پر مترجم کو غور ضروری ہے وہ مسئلہ ہے ترتیب آیات کا۔ میرے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن کریم الحمد شریف سے لے کر سورۃ ناس تک ایک ایسی ترتیب رکھتا ہے کہ اگر ایک آیت کہیں سے نکال ڈالیں تو قرآن قرآن نہیں رہتا۔

ہفتم۔ ساتواں امر جسے مترجم کو مد نظر رکھنا ضروری ہے حال کا فلسفہ ہے جس کی بناء گو اکثر مشاہدہ پر ہے۔ مگر ہمارے ہندوستانی طالب علم اس میں تھیوری' قیاس' قیاس اور خیال اور امر محقق شدہ میں تمیز نہیں کرسکتے۔ سید احمد خاں کی جماعت نے اس حقیقت کو نہ سمجھ کر یورپ کے فلسفہ اور سائنس سے دب کر صلح کرلی ہے۔ اور الہام و وحی و ملائکہ و آخرت و جنت و نار کے وجود سے گویا انکار کردیا ہے۔

ہشتم۔ آٹھواں امر جس پر مترجم کو غور ضروری ہے اصول ترجمہ کا قائم کرنا ہے گذشتہ مفسرین نے خواہ اہل روایت ہوں یا اہل درایت۔ صوفی ہوں یا علم اشتقاق سے تعلق رکھتے ہوں۔ اپنی تفاسیر کے لئے اصول ترجمہ قائم نہیں کئے جس سے سخت گڑبڑ واقع ہوئی ہے۔

نہم۔ مترجم کو ترجمہ کے وقت قولاً ہی نہیں عملاً بھی مفسرین کے طبقات کو مد نظر رکھنا چاہئے اول

درجہ تفسیر القرآن بالقرآن - دوم حضرت حق سبحانہ ' کے اس نائب ﷺ کا ہے جس کے حق میں فرمایا من یطع الله فقد اطاع الله- تیسرا مرتبہ خلفائے راشدین کا ہے - [18]

سفر بہاولپور اور حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف سے ملاقات

۱۸۹۶ء کے [19] نصف اول کا واقعہ ہے کہ حضرت مولوی صاحب حضرت اقدس علیہ السلام کی اجازت سے نواب صادق محمد صاحب رابع (متوفی ۱۸۹۹ء) نواب بہاولپور کے علاج [20] کے لئے بہاولپور تشریف لے گئے۔ نواب صاحب موصوف نے آپ کو بہاولپور میں رہنے اور ساٹھ ہزار ایکڑ زمین دینے کی پیش کش کی مگر آپ نے بالکل انکار کیا۔ اور فرمایا کہ اس قدر زمین سے کیا ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ آپ اس سے امیر کبیر ہو جائیں گے۔ آپ نے جواب دیا کہ اب تو آپ ہمارے پاس چل کر آتے ہیں کیا پھر بھی آئیں گے۔ انہوں نے کہا نہیں تب آپ نے ارشاد فرمایا۔ "پھر فائدہ ہی کیا ہے؟" [21]

جب دربار بہاولپور میں ابتداء حضرت مولوی صاحب کے بلوانے کی تجویز ہوئی تو حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف (۱۸۴۶ء - ۱۹۰۱ء) سے بھی استصواب کیا گیا تھا اس پر بعض لوگ جو ریاست میں اس وقت ممتاز عہدوں پر تھے اور اپنے آپ کو دیندار خیال کرتے تھے انہوں نے اعتراض کیا کہ حضرت صاحب (مراد خواجہ صاحب) بعض اوقات تو دین کا کچھ باقی نہیں رہنے دیتے اب "مرزائی" کے بلائے جانے کا مشورہ دے دیا ہے۔ جب یہ بات ایک ذریعہ سے خواجہ صاحب کے پاس پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ مرزا صاحب کا کلام شیخ اکبر کی طرح عمیق ہے یہ لوگ اس کو سمجھتے نہیں یونہی چلاتے جاتے ہیں۔ بہرحال نواب صاحب بہاولپور نے حضرت خواجہ صاحب کے مشورہ کے مطابق آپ کو بلوا بھیجا۔ نواب صاحب سے ملنے کے علاوہ آپ کی حضرت خواجہ صاحب سے بھی ملاقات ہوئی جس کا ذکر خود حضرت خواجہ صاحب کے ملفوظات سے ملتا ہے۔

سفر مالیر کوٹلہ

حجتہ اللہ حضرت نواب محمد علی خانصاحب رئیس مالیر کوٹلہ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں حضرت مولوی نور الدین صاحب سے قرآن مجید پڑھنا چاہتا ہوں چنانچہ حضرت اقدسؑ کے ارشاد پر حضرت مولوی صاحب مالیر کوٹلہ تشریف لے گئے اور غالباً اپریل سے اکتوبر ۱۸۹۶ء تک وہاں قیام پذیر رہے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے اہل بیت بھی تھے اور کئی ایک شاگرد بھی جمع ہو گئے تھے۔ مثلاً بھائی عبدالرحیم صاحب۔ بھائی عبدالرحمان صاحب۔ مفتی فضل الرحمان صاحب۔

اس پورے قافلہ کی مہمان نوازی حضرت نواب محمد علی خان صاحب فرماتے تھے اور ان کی چھوٹی

بڑی ضروریات کا خیال بھی بڑی فیاضی اور سیر چشمی سے رکھتے تھے۔

کچھ عرصہ آپ کا قیام شہر میں رہا بعد ازاں شیروانی کوٹ میں منتقل ہو گئے۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی تحریر فرماتی ہیں۔ کہ "حضرت خلیفہ اول شیروانی کوٹ کے اوپر کے چوبارہ پر رہے تھے جو زنانہ حصہ اور زنانہ پورچ کی جانب تھا۔ [۲۲] شیروانی کوٹ میں ہر طرح کا انتظام تھا گھوڑا گاڑی بھی آپ کی ضرورت کے لئے تیار رہتی تھی۔ اکتوبر یا نومبر میں آپ واپس قادیان تشریف لائے اور جلسہ مذاہب عالم میں شمولیت کے بعد دوبارہ جنوری ۱۸۹۷ء میں مالیر کوٹلہ پہنچ گئے۔ ابھی سال چھ ماہ اور حضور کی اجازت سے آپ کو ٹھہرانا تھا۔ کہ مارچ ۱۸۹۷ء میں حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی ولادت کے باعث حضرت ام المومنینؓ کی طبیعت علیل ہو گئی اور آپ کو بذریعہ تار واپس قادیان کو بلوا لیا گیا۔ [۲۳]

قیام مالیر کوٹلہ کے دوران جو واقعات پیش آئے ان میں سے بعض کا بالاختصار تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت مولوی صاحب سے حضرت نواب صاحب نے قریباً چھ ماہ میں قرآن شریف ختم کر لیا تھا۔ حضرت نواب صاحب شہر سے شیروانی کوٹ جاتے اور قرآن مجید پڑھتے اور دوپہر کا کھانا آپ کی معیت میں تناول کر کے واپس تشریف لے جاتے تھے۔

(۲) حضرت مولوی صاحب نے قادیان کی طرح یہاں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا اور آپ کے شاگردوں کے علاوہ دوسرے بہت سے لوگ اس سے استفادہ کرتے تھے اور اس طرح احمدیت کی بھاری تبلیغ ہوتی تھی۔ [۲۴]

(۳) حضرت نواب صاحب کا چونکہ شیعہ خاندان تھا اور ویسے بھی خوجہ شیعوں کا زور تھا۔ اس لئے مالیر کوٹلہ میں عام شیعہ اصحاب کے علاوہ ان کے بعض مجتہدین سے آپ کے بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ [۲۵]

(۴) میاں عبدالرحیم خاں صاحب خالد جو اکتوبر ۱۹۰۳ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا سے معجزانہ طور پر شفایاب ہونے کے باعث آیت اللہ میں سے ہیں۔ [۲۶] آپ کی موجودگی میں ۱۳۔ ۱۴/ جنوری ۱۸۹۷ء کو پیدا ہوئے تھے پیدائش کے بعد میاں صاحب سخت بیمار ہو گئے اور حضرت مولوی صاحب نے بہت توجہ سے ان کا علاج کیا۔ [۲۷،۲۸]

جلسہ اعظم مذاہب لاہور

دسمبر ۱۸۹۶ء کے آخر میں جلسہ اعظم مذاہب کا عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کا مضمون خدائی بشارت کے مطابق سب مضمونوں پر بالا رہا۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے بھی اس میں شمولیت

فرمائی تھی بلکہ حق یہ ہے آپ جلسہ کے ماڈریٹر حضرات میں سے تھے علاوہ ازیں ۲۷/ دسمبر ۱۸۹۶ء کا وہ یادگار اجلاس جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب اور بعض دوسرے نمائندوں کی تقریروں کے علاوہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی زبان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مضمون سنا گیا آپ ہی کی صدارت میں ہوا تھا۔

اس اجلاس کی کارروائی ٹھیک سوا دس بجے شروع ہوئی اور اس کا آغاز بھی حضرت مولوی صاحبؓ کی ایک مختصر مگر نہایت درجہ لطیف و پرمعنی تقریر سے ہوا۔ [۲۹] اور خاتمہ بھی آپ کی تقریر سے [۳۰]

انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ پر لیکچر

حسب معمول آپ نے ۱۸۹۷ء کے سالانہ جلسہ (انجمن حمایت اسلام لاہور) میں بھی شمولیت فرمائی اور معرکتہ الاراء لیکچر دیا۔ جس کا جلسہ کی روئیداد میں ذکر موجود ہے آپ کی تقریر کے وقت حاضرین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ لکھا کہ ۳۰/ جنوری ۱۸۹۷ء کے انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں بعد ادائے نماز ظہر مولوی حکیم نور الدین صاحب بھیروی کا لیکچر ہوا۔ اس دن مولوی صاحب کے لیکچر پر بہت بڑا مجمع تھا اس دفعہ مولوی صاحب نے بھی اپنی تقریر کو زیادہ تر انجمن کے حالات تک محدود رکھا اور بالکل مذہبی باتوں میں نہیں لگے رہے۔ مولوی صاحب تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تقریر کرتے رہے۔" [۳۱]

ڈگلس کی عدالت میں گواہی

پادری مارٹن کلارک نے حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف ڈگلس کی عدالت میں اقدام قتل کا جو مقدمہ دائر کیا تھا اس مقدمہ میں عبدالحمید نے گواہی دی تھی کہ مولوی نور الدین صاحب مجھے پڑھاتے تھے پادری مارٹن نے اپنے عدالتی بیان میں کہا کہ عبدالحمید نے ایک خط مولوی نور الدین صاحب کو بیاس سے بھیجا تھا تا عبدالحمید کی سکونت کا مولوی صاحب کو بھی پتہ لگے جس سے شبہ پڑتا ہے کہ سازش قتل میں حضرت مولوی صاحب بھی شامل ہیں۔ [۳۲] ۔ بنابریں حضرت مولوی صاحب عدالت میں بلائے گئے۔ چنانچہ آپ نے ۱۳/ اگست ۱۸۹۷ء کو بیان دیا [۳۳]۔

سفر ملتان

۱۸۹۷ء کے واقعات میں سے ایک سفر ملتان بھی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رفاقت میں آپ کو اکتوبر ۱۸۹۷ء میں پیش آیا۔ راستہ میں اسٹیشنوں پر بہت سے لوگ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے جن میں غیر احمدی بھی تھے اور ملتان میں تو استقبال کا بڑا عمدہ انتظام تھا۔ حضور کے مخلص فدائی مولوی بدر الدین ہیڈ ماسٹر ہائی سکول نے سکول کے طلبہ کو دو رویہ قطار میں مختلف قطعات دے کر کھڑا کر رکھا تھا۔ جب حضور گذرے تو طلبہ دعائیہ کلمات السلام علیکم اور نظمیں

پڑھتے تھے۔ مولوی بدرالدین صاحب ہی نے فرودگاہ کا انتظام کیا تھا۔ ملتان کے ہر طبقہ کے لوگ حضور کے پاس حاضر ہوتے۔ گردیزی خاندان کے رئیس بھی آئے اور شہر کے لوگ بھی آپ کا ذکر مودبانہ رنگ میں کرتے تھے حضرت مولوی نورالدین صاحب کے پاس آکر دوا پوچھنے والوں کا تو ایک جمگھٹا سا لگا رہتا تھا۔

ملتان میں حضور بزرگوں کے مزاروں پر بھی تشریف لے گئے تھے۔ [۳۴] اور مدرسہ اسلامیہ کے ہال میں تقریر بھی فرمائی۔

سالانہ جلسہ ۱۸۹۷ء پر ایمان افروز تقریر

آپ نے ۲۷ / دسمبر ۱۸۹۷ء کو سالانہ جلسہ قادیان میں ایک عظیم الشان تقریر فرمائی جو حسب معمول نکات و معارف سے پر تھی۔ اور نہایت درجہ وجد انگیز تھی۔ تقریر کے دوران میں آپ نے خدا کی قسم کھا کر فرمایا۔

میں خدا تعالیٰ کو گواہ رکھ کر اور اس واحد لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنی ان امراض کا جو مجھے لاحق ہیں۔ کوئی علاج نہیں پایا۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ کے خاص فضل سے میں نے امام کو شناخت نہیں کیا..... میں یہ صاف صاف کہتا ہوں کہ اگر میری جیسی مرض کا علاج نہ ملتا تو میں ہلاک ہو جاتا..... میں اپنے جیسی استعداد اور مرتبہ کے آدمیوں کو تو کھول کھول کر بتلا دیتا ہوں کہ میں نے اپنے مرض کا تو خطانہ کرنے والا علاج پا لیا ہے اور وہ بھی تریاق موجود ہے جو تم میں بیٹھا ہے اور جو اسی وعدہ الٰہی کے موافق آیا ہے جو اس نے وعد اللہ الذین امنوا میں فرمایا ہے کوئی معجزہ کوئی آیت کوئی دلیل میرے لئے ضروری نہیں کیونکہ میں نے اپنی مرض پر اس تریاق کا تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے.....

میں پھر اس مسجد میں جو خدا تعالیٰ کا گھر کہلاتا ہے اس کے سامنے یہ شہادت دیتا ہوں میرے جیسا بیمار خطرناک اور تندرستی میں بے نظیر عمر کا ایک بہت بڑا حصہ گزار چکا ہوں جس کا ایک ثلث بھی واپس نہیں آسکتا۔ یہاں اگر اپنے مرض کا علاج نہیں پاتا ہوں تو کیوں بیٹھا ہوں میرے جیسا پیشہ ور انسان آسائش کے سامان کہیں سے حاصل کر سکتا ہے۔ مگر بتلاؤ تو سہی کہ یہاں کس قدر سامان مل سکتے ہیں۔ ہمارے بھائی سوچ سکتے ہیں کہ ہم یہاں رہ کر کس قدر امداد اپنی کر سکتے ہیں پھر باایں ہمہ جو میں یہاں پڑا ہوں کیا پاگل اور مجنوں ہوں؟ اگر کوئی دق مجھے اندر ہی اندر نہ کھا رہی تھی تو میں خود مجنونوں کا علاج کرنے والا ایک مجنون کے پاس ہی وہ تریاق پاتا۔ سوچو!!! اور پھر سوچو!!! [۳۵]

ان درد بھرے الفاظ ہی سے جو آپ کی تقریر سے بطور نمونہ لکھے گئے ہیں اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پوری تقریر کس شان کی ہو گی؟ مکمل تقریر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب کی مرتبہ رپورٹ

۱۸۹۷ء میں چھپی ہوئی موجود ہے اور مطالعہ کے قابل ہے۔ [۲۶]

الحکم کا قادیان سے اجراء

۲۰ / فروری ۱۸۹۸ء سے قادیان سے اخبار الحکم نکلنا شروع ہوا۔ تو حضرت مولوی نور الدین صاحب اس اخبار کے خصوصی قلمی معاونین میں سے ایک تھے آپ کے درس۔ لیکچر۔ جلسے۔ فتاوی۔ مضامین۔ خطوط اور دوسرے ملفوظات اس میں بڑی کثرت سے شائع ہوتے اور دلچسپی' اضافہ معلومات اور ایمان کی ترقی کا موجب بنتے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلمات طیبات کے بعد اخبار کی جان اور روح رواں ہوتے تھے۔

انجمن ہمدردان اسلام میں لیکچر

قادیان میں چھوٹے بچوں کی ایک انجمن ہمدردان اسلام تھی جس کے سیکرٹری بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی تھے حضرت مولوی صاحب ہمیشہ بچوں سے مشفقانہ سلوک کرتے اور ان کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھتے تھے آپ گاہے گاہے اس مجلس میں بھی تشریف لاتے اور بچوں کو اپنی پیاری پیاری باتیں سنا کر ان میں خاص جلا پیدا کیا کرتے تھے۔ [۲۷، ۲۸]

مقدمہ حفظ امن کے لئے سفر گورداسپور

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر حفظ امن کا مقدمہ دائر کر رکھا تھا جس میں پہلی پیشی کے لئے حضور ۴ / جنوری ۱۸۹۹ء کو گورداسپور تشریف لے گئے۔ مقدمہ کی دوسری پیشی کے لئے حضورؑ کو بتاریخ ۲۸ / جنوری ۱۸۹۹ء دھاریوال کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ حسب دستور ان ہر دو سفروں میں حضور کے ہمرکاب تھے۔

گورداسپور سے واپسی پر آپ نے اسٹیشن پر بعض عمائد و حکام کے سامنے صداقت مسیح موعودؑ پر ایک مختصری تقریر بھی فرمائی اور اپنے بعض حیرت انگیز تجربات و مشاہدات بھی بیان کئے دھاریوال میں نہر کے کنارے نماز جمعہ آپ ہی نے پڑھائی اور خطبہ میں قرآن مجید کے معارف ایسے موثر انداز میں بیان فرمائے کہ لوگوں پر محویت طاری ہو گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے قلوب پر فرشتوں کا نزول ہو رہا ہے۔ نماز میں خلقت کا بڑا ہجوم تھا۔ [۲۹]

ولادت میاں عبدالحی صاحب

حضرت مولوی نور الدین صاحب کے ہاں ابھی تک کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ ایک بیٹا محمد احمد فوت ہوا تو ایک لدھیانوی معترض نے ہنسی اڑائی جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۱۸۹۴ء میں محمد احمد کا ایک نعم البدل بچہ عطا کئے جانے کی بشارت ملی اور خواب میں بتایا گیا کہ اس بچہ کے بدن پر پھنسیاں ہیں اور کوئی

کہتا ہے کہ اس کا علاج ہلدی اور ایک اور چیز ہے آپ نے یہ خبر قبل از وقت "انوار الاسلام" میں شائع فرمادی۔

"چنانچہ اس خبر کے عین مطابق ۱۵/ فروری ۱۸۹۹ء کو میاں عبدالحی صاحب پیدا ہوئے [۷۰]۔

حضرت مولوی نور الدین صاحب فرماتے ہیں: "میرا لڑکا عبدالحی آیت اللہ ہے محمد احمد مرگیا تھا۔ لدھیانہ کے ایک معترض نے اس پر اعتراض کیا.... میں نے اس لدھیانوی معترض کی تحریر کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا اور اس پر کوئی توجہ نہ کی مگر میرے آقا و امام نے اس پر توجہ کی تو اس کو وہ بشارت ملی جو انوار الاسلام کے صفحہ ۲۶ پر درج ہے اور پھر اس کے چند برس بعد یہ بچہ جس کا نام عبدالحی ہے۔ پیدا ہوا۔ کشف کے مطابق اس کے جسم پر بعض پھوڑے نکلے جس کے علاج میں میری طبابت گرد تھی عبدالحی کو ان پھوڑوں کے باعث سخت تکلیف تھی اور وہ ساری رات اور دن بھر تڑپتا اور بے چین رہتا۔ جس کے ساتھ ہم کو بھی کرب ہوتا۔ مگر ہم مجبور تھے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ ان پھوڑوں کے علاج کی طرف بھی اس کشف میں ایما تھا اور اس کی ایک جزو ہلدی تھی۔ اور اس کے ساتھ ایک اور دوا تھی جو یاد نہ رہی تھی ہم نے اس کے اضطراب اور کرب کو دیکھ کر چاہا کہ ہلدی لگائیں۔ آپ نے کہا کہ میں جرات نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کا دوسرا جزو یاد نہیں مگر ہم نے غلطی کھائی اور ہلدی لگادی۔ جس سے وہ بہت ہی تڑپا اور آخر ہم کو وہ دھونی پڑی۔ اس سے ہمارا ایمان تازہ ہو گیا کہ ہم کیسے ضعیف اور عاجز ہیں کہ اپنے قیاس اور فکر سے اتنی بات نہیں نکال سکے اور یہ مامور اور مرسلوں کی جماعت ایک مشین اور کل کی طرح ہے جس کے چلانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ بغیر اس کے بلائے یہ نہیں بولتے۔ غرض میرا ایمان ان نشانوں سے بھی پہلے کا ہے اور خدا کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو نشان کے بغیر نہ چھوڑا سینکڑوں نشان دکھادیئے۔ [۷۱]

مولوی کرم الدین آف بھیں کا خط

مولوی کرم دین الدین صاحب آف بھیں (ضلع جہلم) جو بعد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بدترین معاندوں کی صف اول میں آگئے ابتداء میں گو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کو تو صحیح نہیں سمجھتے تھے مگر ان کو آپ سے کوئی دشمنی بھی نہ تھی اور ان کا خیال تھا کہ "مرزا صاحب کا ادعا مہدویت ایسا ہی ہے جیسے سابق ان کے بہت سے لوگوں نے ادعا کئے ہیں چنانچہ بعض مدعی مہدویت ایسے بھی گذرے ہیں جو بڑے ولی اور جامع کمالات ہوئے ہیں اور ان سے ایسا ادعا غلبہ سکر عرفان الٰہی اور دورہ حالت عرفانیہ کے سرزد ہوا"۔ [۷۲]

یہ مولوی صاحب اپنے نظریہ پر قائم تھے کہ انہوں نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی

صدقت میں چند رؤیاء دیکھے جو حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں بغرض اشاعت ارسال کئے چنانچہ آپ نے ان کی خواہش کے مطابق الحکم میں چھپوا دیئے [63]۔

وفد نصیبین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام قبر مسیح کی تحقیق کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے نصیبین [64] کی طرف ایک وفد بھجوانا چاہتے تھے۔ اس وفد کے امیر مرزا خدا بخش صاحب کے اخراجات سفر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے اپنے ذمہ لے لئے۔ [65]

وفد کی روانگی کے سارے انتظامات مکمل ہو گئے اور ۱۲/ نومبر ۱۸۹۹ء کو مسجد اقصیٰ میں ان کے الوداع میں ایک جلسہ بھی ہوا۔ جس میں بیرونجات سے بہت سے احمدی احباب شریک ہوئے اور بزرگان سلسلہ میں سے حضرت مولوی نور الدین صاحب اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی تقریریں بھی ہوئیں مگر افسوس کہ حکومت افغانستان کی طرف سے بعض مشکلات پیش آجانے کے سبب وفد کو رک جانا پڑا۔ ایک کافی عرصہ بعد حضور کے بعض خدام مثلاً شیخ محمود احمد صاحب عرفانی اور سید امجد علی شاہ صاحب کو نصیبین جانے کا اتفاق ہوا۔ مگر انہیں قلت وقت اور محدود ذرائع کے باعث وہاں جاکر حضرت مسیحؑ کے سفر کا کھوج لگانے میں کوئی خاص کامیابی نہیں ہو سکی۔ [66، 67]

قومی ضرورتوں کی طرف توجہ

حضرت مولوی صاحب نے ۲۴/ مارچ ۱۹۰۰ء کو ایک اعلان فرمایا جس میں احباب جماعت کو بروقت بعض مرکزی اور قومی ضرورتوں کی طرف توجہ دلائی مثلاً نومسلموں کا انتظام۔ نوجوانوں کی تعلیم کا انتظام۔ غرباء اور مسافروں اور یتیموں کی مختلف ضروریات کا انتظام۔ ہجرت کی خواہش کرنے والوں کے لئے مکانات کا انتظام وغیرہ۔ اس اعلان میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جماعت میں واعظ بہت کم ہیں۔ اس لئے واعظوں کی ایک جماعت کا تیار کرنا بھی ضروری ہے جو متنازعہ مسائل پر بحث و تمحیص کر سکیں۔ اعلان کی اشاعت سے قبل آپ نے عیدالاضحیہ کے موقعہ پر دوستوں سے مشورہ بھی فرمایا۔ یہ تحریک وقت کے تقاضوں کے عین مطابق تھی اور بہت پسند کی گئی اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اجازت دیدی۔ چنانچہ اس غرض کے لئے باقاعدہ آمد و خرچ کے الگ رجسٹر کھول دیئے گئے۔ [68]

علامہ شبلی نعمانی مرحوم سے خط وکتابت

علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء - ۱۹۱۴ء) نے "دائرۃ التالیف" کے نام سے ایک اشتہار دیا تھا۔ جس میں اخوان الصفا کی طرز پر مضامین لکھنے اور شائع کرنے کا ارادہ ظاہر کر کے اسے وقت کی بہت بڑی ضرورت بتایا علامہ صاحب نے یہ اشتہار اور ایک مسودہ اپنے خط سے منسلک کر کے حضرت مولوی نورالدین صاحب کی خدمت میں بھجوایا اور ان کے متعلق آپ کی رائے دریافت کی۔

آپ نے ۲۹/ مارچ کو اس کے جواب میں ایک مفصل خط لکھا کہ ترقی و فلاح کی اصل راہ وہ نہیں جو اس وقت مسلمانوں کے خود ساختہ مصلح پیش کر رہے ہیں بلکہ وہ ہے جس پر ہمارے امام و مقتداء نے اللہ تعالیٰ کے الہام سے ہمیں چلایا ہے۔ سرسید والا الہام نہیں۔ مکالمہ الہیہ والا الہام۔ نیز توجہ دلائی کہ مسلمان اگر قرآن مجید کو صحیح معنوں میں اپنا دستور العمل بنا لیتے ہیں تو ان کو دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے مقابل آسمانی نشانات و آیات عطا ہوتیں۔ مگر موجودہ دنیا میں مسلمان کو غیر مذاہب پر کوئی امتیاز نہیں رہا۔ [۴۹]

۲۷/ دسمبر ۱۹۰۰ء کو ایک واعظانہ تقریر

۲۷/ دسمبر ۱۹۰۰ء کی صبح کو جب کہ احباب جلسہ کے لئے جمع تھے آپ نے مسجد اقصیٰ میں قرآنی حقائق و معارف سے لبریز تقریر فرمائی۔ جو الحکم کی کئی قسطوں میں شائع ہوئی۔ [۵۰]

اس وعظ کا ایک اقتباس بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے۔ فرمایا۔

"....یاد رکھو جب تک قرآن پر عمل نہ ہوگا۔ یہ ادبار اور تنزل جو مسلمانوں کے شامل حال ہے ہرگز دور نہ ہوگا۔ مگر قران پر عمل کرنے کے واسطے قرآن کا فہم ضروری ہے اور فہم بدون تقویٰ کے آ نہیں سکتا۔ اور تقویٰ ہو نہیں سکتا جب تک مجاہدہ نہ ہو۔ مجاہدہ ممکن نہیں جب تک اخلاق فاضلہ نہ ہوں۔ اور اخلاق فاضلہ کے حاصل کرنے کے واسطے امام کے حضور رہنا ضروری ہے۔ پس یہاں آؤ اور امام کے حضور رہ کر اس بات کے حاصل کرنے کی فکر کرو۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو مبعوث فرمایا ہے۔ [۵۱-۵۲]

ولادت سیدہ امتہ الحیٔ صاحبہ

یکم اگست ۱۹۰۱ء کو حضرت مولوی صاحب کے ہاں صاحبزادی امتہ الحی صاحبہ تولد ہوئیں جو ۱۹۱۴ء میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حرم میں شامل ہوئیں۔ حضرت مولوی صاحب نے اپنی یادداشت میں اپنے قلم سے ان کی تاریخ ولادت لکھی تھی جس کا عکس یہ ہے۔

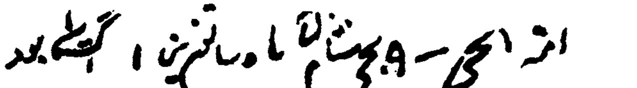

اردو ترجمہ قرآن مجید

حضرت مولانا نے ایک عظیم الشان کارنامہ ان ایام میں یہ سرانجام دیا کہ قرآنی مزاج اور روح کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ فرمایا۔ اور اسے چھپوانے کے لئے مجلس منتظمہ مدرسہ تعلیم الاسلام کے سپرد فرمایا۔ جس کے سیکرٹری اس وقت مولوی محمد علی صاحب تھے۔ مگر افسوس انجمن کی طرف سے اس کی اشاعت کی

نوبت نہ آسکی اور صرف ایک پارہ آپ کی زندگی میں شائع ہو سکا جیسا کہ آگے ذکر آرہا ہے۔

"الدار" میں قیام

ملک پر طاعون کا زوردار حملہ شروع تھا اور خدا نے "الدار" کی حفاظت کا خاص طور پر وعدہ کر رکھا تھا اس لئے حضرت مولوی صاحب بھی دوسرے مخلصین کے ساتھ "الدار" ہی میں قیام پذیر ہو گئے اور جب تک یہ وبا کم نہیں ہوئی یہیں رہے۔ [۵۳]

اخبار البدر کی قلمی معاونت

الحکم کے بعد سلسلہ کا دوسرا مرکزی اخبار ۳۱/ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو "البدر" کے نام سے نکلنا شروع ہوا۔ تو آپ نے الحکم کی طرح اس اخبار کی بھی زور شور سے قلمی اور مالی اعانت شروع کر دی جو آخر دم تک جاری رہی۔ البدر میں ابتداء آپ کے بعض قیمتی نسخوں کی بھی اشاعت ہوتی تھی۔ مگر اخبار البدر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے حضرت مسیح موعودؑ کے ملفوظات کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اولؓ کے کلمات طیبات کو بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ محفوظ کر دیا۔ [۵۴]

ایک الزام کا عارفانہ جواب

حق کے مخالفوں کی عجیب حالت ہوتی ہے جب کوئی قابل اعتراض بات نہیں ملتی تو جھوٹی اور بے اصل خبریں اڑانا شروع کر دیتے ہیں ایک مرتبہ معاندین سلسلہ نے یہ مشہور کر دیا کہ آپ نے معاذ اللہ سلسلہ سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ مولوی سید محمد سرور شاہ صاحبؓ نے اس خبر کی بابت حضرت مولوی صاحب سے استفسار کیا جس پر آپ نے چند لفظوں میں یہ جواب لکھا "ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا او کذب بایاتہ۔ نورالدین نے تو مرزا کی آیات دیکھ لئے کہ وہ منجاب اللہ ہے پس اگر وہ ان آیات کا مکذب ہے تو اس سے ظالم تر کون ہے۔ مگر وہ بحمد اللہ ظالم نہیں اور اسی پر اعتقاد ہے۔" [۵۵]

صاحبزادہ عبدالقیوم کی ولادت

۲۲/ ستمبر ۱۹۰۳ء کو حضرت مولوی صاحب کے مشکوئے معلی میں حضرت صغریٰ بیگم صاحبہؓ کے بطن سے دوسرا صاحبزادہ عبدالقیوم پیدا ہوا۔ [۵۶] صاحبزادہ صاحب ۱۲/ اگست ۱۹۰۵ء کو قبل دوپہر وفات پا گئے۔ نماز جنازہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی شامل ہوئے۔ مگر پیش امام آپ کو ہی بنایا۔

"دفن سے پہلے آپ نے اپنے بچے کا منہ کفن سے کھولا اور بوسہ دیا اور آپ کی آنکھیں پر آب تھیں اور فرمایا میں نے بچہ کا منہ اس واسطے نہیں کھولا تھا کہ مجھے کچھ گھبراہٹ تھی بلکہ اس واسطے کہ سنت پوری ہو۔ آنحضرتؐ کا بیٹا ابراہیم جب فوت ہوا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس کا منہ چوما تھا اور آپ کے آنسو بہہ نکلے اور آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور فرمایا کہ جدائی تو تھوڑی دیر کے لئے بھی پسند نہیں ہوتی پر ہم خدا کے فعلوں پر راضی ہیں۔ اسی سنت کو پورا کرنے کے واسطے میں نے بھی اس کا

منہ کھولا اور چوما۔ یہ خدا کا فضل ہے اور خوشی کا مقام ہے کہ کسی سنت کے پورا کرنے کا موقعہ عطا ہو۔ پھر فرمایا خدا نے ہم کو کیسا رسول عطا کیا کہ وہ ہر حالت میں ہمارا غمگسار ہے اور ہر حال میں ہم کو خوشی دینے والا ہے۔"

صاحبزادہ صاحب کی وفات کے بعد آپ کی خدمت میں کثرت سے تعزیت نامے موصول ہوئے تو آپ نے الحکم اور بدر میں احباب کے نام ایک کھلا خط لکھا کہ خطوط تعزیت نے مجھ پر خصوصیت سے محبت بڑھانے کا اثر کیا ہے مگر آپ لوگوں پر دینی اخراجات کا ایک بڑا بوجھ ہے جو روز افزوں ہے اس لئے "میری درخواست ہے کہ بجائے اس کے کہ مجھے ایسے خطوط لکھے جائیں آپ صاحبان ان خرچوں کو جمع کر کے دینی کاموں میں لگا دیں یہ میرا دلی جوش ہے اور مجھے ڈر ہے کہ ایسے اخراجات کہیں اسراف میں داخل نہ ہوں۔" [۵۷]

سفر کپورتھلہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک مخلص فدائی خانصاحب محمد خان صاحب احمدی افسر بگھی خانہ سرکار کپورتھلہ بیمار تھے۔ [۵۸] جن کے علاج کے لئے حضرت مولوی نور الدین صاحب حضور کے ارشاد پر ۴/ اکتوبر ۱۹۰۳ء کی صبح کو قادیان سے کپورتھلہ کے لئے روانہ ہوئے اور ۷/ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو واپس تشریف لائے۔ [۵۹]

کپورتھلہ میں آپ کی تشریف آوری پر ایک جلسہ بھی ہوا۔ جس میں مختلف مذاہب و مذاق کے سربر آوردہ لوگ شامل ہوئے۔

اس تقریر دلپذیر میں آپ نے ایک نئے اور اچھوتے انداز میں ہر قسم کے مکتب فکر کے لوگوں کو تبلیغ فرمائی اور اپنی زندگی کے دلچسپ واقعات اور مثالیں دے دے کر لوگوں کی روحانی تشنگی بجھائی۔ [۶۰]

میاں عبدالرحیم خاں کا علاج

اکتوبر ۱۹۰۳ء میں میاں عبدالرحیم خاں (خالد بار ایٹ لاء مالیر کوٹلہ) سخت بیمار ہو گئے اور حضرت مولوی نور الدین صاحب نے ان کا علاج کیا۔ [۶۱]

آخر جب زمینی علاج میں کامیابی نہ ہوئی اور زندگی کے آثار منقطع ہونے لگے تو آسمانی طب نے اپنا کام کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا و توجہ سے آپ کو اعجازی رنگ میں شفا ہو گئی۔

فونوگراف میں وعظ

حضرت نواب محمد علی خاں صاحب ایک فونوگراف قادیان لائے تھے۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب کا بھی اس میں ایک مختصر وعظ ریکارڈ کیا گیا۔ جس میں آپ نے سورۃ العصر کی لطیف تفسیر فرماتے ہوئے اس کے مطالب پر غور کرنے کی تلقین

فرمائی۔ [۶۲] یہ واقعہ ۲۴/ اکتوبر ۱۹۰۳ء سے قبل کا ہے۔

کتاب "نورالدین" کی تصنیف و اشاعت

ایک مرتد آریہ دھرم پال (سابق عبدالغفور) نے "ترک اسلام" نامی کتاب لکھی جس کے جواب میں آپ نے ایک مفصل کتاب "نور الدین" کے نام سے تصنیف فرمائی۔ کتاب کا مسودہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایک ایک باب کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں نماز مغرب کے بعد یا سیر کے دوران سنایا کرتے تھے۔ [۶۳] ایک مرتبہ مسودہ کا ایک حصہ پڑھا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس آگ میں ڈالا گیا۔ اس سے مخالفت اور لڑائی کی آگ مراد ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔

"اس تاویل کی کیا ضرورت ہے مجھے بھی خدا تعالیٰ نے ابراہیم کہا ہے اور الہام فرمایا ہے۔ کہ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔ اگر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کس طرح ٹھنڈی ہوئی تو وہ مجھے آگ میں ڈال کر دیکھ لیں کہ آیا میں اس آگ میں سے سلامتی کے ساتھ نکل آتا ہوں یا نہیں؟" [۶۴]

چنانچہ مولوی صاحب نے مضمون کا یہ حصہ کاٹ دیا اور جواب میں حضور ہی کا مسلک پیش فرمایا۔ جو چھپا ہوا موجود ہے۔ حضرت مولوی صاحب اس کتاب کی تالیف کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

"دھرم پال نے جب ترک اسلام کتاب لکھی تو اس سے بہت پہلے مجھے ایک خواب نظر آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے فرماتا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن شریف کی کوئی آیت تجھ سے پوچھے اور وہ تجھ کو نہ آتی ہو اور پوچھنے والا منکر قرآن ہو تو ہم خود تم کو اس آیت کے متعلق علم دیں گے۔" جب دھرم پال کی کتاب آئی اور خدا تعالیٰ نے مجھ کو اس کے جواب کی توفیق دی۔ حروف مقطعات کے متعلق اعتراض تک پہنچ کر ایک روز مغرب کی نماز میں دو سجدوں کے درمیان میں نے اتنا خیال کیا کہ مولانا! یہ منکر قرآن تو ہے گو میرے سامنے نہیں یہ مقطعات پر سوال کرتا ہے۔ اسی وقت یعنی دو سجدوں کے درمیان قلیل عرصہ میں مجھ کو مقطعات کا وسیع علم دیا گیا۔ جس کا ایک شمہ میں نے رسالہ نورالدین میں مقطعات کے جواب میں لکھا ہے اور اس کو لکھ کر میں خود بھی حیران ہو گیا۔ [۶۵]

اس کتاب کے سرورق پر آپ نے استغفر اللہ۔ استغفر اللہ۔ استغفر اللہ و لا حول و لا قوۃ الا باللہ کے الفاظ لکھے۔ ان الفاظ میں دراصل ایک روحانی نظارہ کی طرف اشارہ تھا۔ جو آپ کو انہی دنوں دکھایا گیا۔ آپ نے دیکھا کہ ہندوؤں کے گھر میں شادی کے بعد ایک مندر کی طرف لے جائے گئے ہیں جس میں دو بڑے بڑے بت ہیں آپ کی موحدانہ طبیعت میں جوش آیا تو آپ نے

استغفار پڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ ایک آپ گر گیا۔ پھر آپ دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور بہت استغفار پڑھا مگر بت جوں کا توں موجود تھا تب آپ کو تحریک ہوئی کہ یہاں لاحول کے تبر سے کام لینا چاہئے۔ چنانچہ آپ نے لا حول و لا قوۃ الا باللہ پڑھا۔ تو وہ بت پاش پاش ہو گیا۔ اس کی تفہیم یہ ہوئی کہ "نور الدین" کی اشاعت کے بعد دھرمپال کا فتنہ آپ کی زندگی میں مٹایا جائے گا۔ اور دوسرا کام خدا تعالیٰ اپنی قدرت سے کر دے گا۔ چنانچہ وہ دھرم پال جو اسلام کو دنیا کا نعوذ باللہ سب سے برا مذہب قرار دیتا تھا نئے سرے سے مسلمان ہو کر اسلام کی تعریف میں رطب اللسان ہو گیا۔ اور اسلام کے خلاف لکھی ہوئی کتابیں اپنے ہاتھ سے جلا دیں۔ [66]

حضرت مولوی صاحب کا ارادہ ستیارتھ پرکاش کا جواب لکھنے کا بھی تھا۔ مگر دوسرے دینی مشاغل نے فرصت نہ دی۔ [67-68]

سفر لاہور

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۲۰/ اگست ۱۹۰۴ء کو گورداسپور سے لاہور تشریف لے گئے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے حضرت مولوی نور الدین صاحب کو بھی آنے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ آپ اس فرمان پر قادیان سے مع اہل بیت لاہور حاضر ہو گئے۔ حضرت مولوی صاحب کو دیکھ کر غیر از جماعت لوگوں کی زبان پر یہ کلمات جاری ہو جاتے کہ "لو صاحب مرزے کا خلیفہ آگیا" آپ کی تشریف آوری سے قبل لوگ حضور کی زیارت کے لئے آتے تو تھے مگر اکثر ادھر ادھر گھومتے رہتے تھے۔ مگر اب وہ دلجمعی سے حضور کے گرد حلقہ باندھ کر بیٹھنے لگے۔ [69]

حضرت مولوی صاحب کی نشست میاں چراغ الدین صاحب کی مبارک منزل میں تھی۔ ہاں روحانی اور جسمانی بیماریوں کے مریض جوق در جوق آپ کے گرد بیٹھے رہتے اور صبح سے لیکر شام تک اسی طرح جمگھٹا رہتا۔ لوگ آپ کے عزم و استقلال پر عش عش کرتے۔ بعض آریوں سے مسئلہ تناسخ پر مباحثہ بھی ہوا۔ مولوی محمد عبداللہ چکڑالوی صاحب کے مرید میاں چٹو بھی کئی گھنٹوں آپ کی مجلس میں بیٹھتے تھے دوران قیام آپ نے ایک خطبہ میں سورہ کوثر کے نکات بھی بیان فرمائے۔ [70]

گورداسپور میں قیام

آخر اگست ۱۹۰۴ء سے شروع اکتوبر ۱۹۰۴ء تک آپ مقدمات کرم دین کے سلسلہ میں گورداسپور مقیم رہے۔ ہفتہ بعد آپ کا چھوٹا صاحبزادہ عبد القیوم سخت بیمار ہو گیا اس وجہ سے آپ نے اہل و عیال کو بھی بلوا لیا۔ [71] گورداسپور میں آپ کی مجلس علم و حکمت جاری رہی اور لوگ آپ سے استفادہ کرتے رہے۔ مگر درس قرآن کا باقاعدہ سلسلہ قادیان میں ہی آکر شروع ہوا۔

"ابطال الوہیت مسیح"

اسی سال آپ کا ایک رسالہ عیسائیت کے رد میں شائع ہوا جس کا نام تھا۔ "ابطال الوہیت مسیح"

سفر سیالکوٹ

آخر اکتوبر ۱۹۰۴ء میں آپ حضرت اقدس کی معیت میں سیالکوٹ تشریف لے گئے اور احباب کو اپنے وعظ سے نوازا۔ [۴۱] ۲/ نومبر کو حضور کا مشہور لیکچر مولوی عبدالکریم صاحب نے پڑھ کر سنایا۔ جلسہ گاہ میں شامیانوں کے نیچے لکڑی کا ایک سٹیج تھا جس میں حضور کے ساتھ ہی ایک کرسی پر آپ بیٹھے تھے اور آپ کی صدارت میں جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ صدارتی خطاب میں فرمایا۔

"دنیا میں بہت سے جلسے ہوا کرتے ہیں جنکے اغراض مختلف ہوتے ہیں بعض مصالح ملکی کے لئے ہوتے ہیں۔ اور بعض اصلاح قوم کے لئے اور بعض درستی اخلاق کے واسطے حسن اتفاق سے خوش قسمتی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ صاحبان کو یہ موقعہ دیا ہے کہ ایک لیکچر سنیں اور اس پر غور کریں.... میں امید کرتا ہوں اور خدا سے توفیق چاہتا ہوں کہ "شوق سے سنیں اور پھر عمل در آمد کی طرف بھی ان کو توجہ ہو۔" [۴۲]

اس کے بعد حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے حضرت اقدس کا رقم فرمودہ لیکچر پڑھ کر سنایا اور آخر میں آپ نے اٹھ کر تقریر فرمائی اور جلسہ برخاست ہوا۔ [۴۳]

زلزلہ کانگڑہ پر لطیف نوٹ

کانگڑہ میں ۴/ اپریل ۱۹۰۵ء کو حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی کے مطابق قیامت خیز زلزلہ آیا تھا ایک خط جو الا مکھی کی تباہی کے بارے میں پہنچا تو آپ نے شیخ یعقوب علی صاحب تراب سے فرمایا۔ میں دیر تک خدا کی حمد کرتا رہا اور سجدات شکر بجالایا۔ اور میرا دل عجیب جوش سے بھر گیا کہ یہ زلزلہ خدا تعالیٰ کی توحید کے قائم کرنے کے واسطے مبارک فال ہے۔ کانگڑہ میں بڑا بھاری شرک کا مندر تھا خدا تعالیٰ نے اسے تباہ کر دیا اس کے بعد آپ نے ایک شیخ صاحب کی درخواست پر ایک لطیف نوٹ بھی ان کو شائع کرنے کے لئے لکھ دیا جس میں تحریر فرمایا۔

"وہاں زلزلہ آیا اور اس اعجوبہ سے آیا اور کب آیا جب ایک مامور من اللہ نے انبیاء کے قدم بقدم تبلیغ کا کام ایک کمال تک پہنچا دیا۔ پھر اس پنجاب میں اتمام حجت کے لئے سینکڑوں تدبیروں سے کام لیا۔ مگر بے پروائی کی گئی۔ آخر راستبازی مصدق راستبازوں کا ہو سکتا تھا کیونکہ اسی کی شان ہے **مصدق لما معکم** اس راست باز نے **عفت الدیار محلھا و مقامھا** کی پاک وحی گیارہ مہینے پیشتر شائع کی ہے اور بتا دیا۔ کہ بیرونی عارضی طور پر ایک خاص دار کے رہنے والے اور وہاں کے اصلی

باشندے تباہ ہو جائیں گے آخر چار اپریل کو اس کا ظہور ہوا۔ اب دیکھیں جو دیکھنے کی آنکھیں رکھتے ہیں اور سنیں جو سننے کے کان رکھتے ہیں۔" [۷۵]

بیماری اور وصیت

باغ میں قیام کے دوران آپ ۱۵/ جون ۱۹۰۵ء کو بسبب اسہال سخت بیمار ہو گئے۔ سورۃ نور کی تفسیر کے بارے میں ایک لطیف مضمون آپ نے شروع کیا تھا کہ ضعف کا اس درجہ غلبہ ہو گیا کہ عربی میں وصیت بھی لکھ دی (جس میں بڑی تفصیل سے اپنے عقائد لکھے) مگر ساتھ ہی فرمایا۔ میں موت سے ہرگز نہیں گھبراتا۔ میرے دل کو اطمینان رہتا ہے کہ قرآن شریف میری غذا ہے۔ [۷۶] حضرت مسیح موعودؑ کو الہاماً آپ کی شفایابی کی بشارت ملی اور آپ صحت یاب ہو گئے۔ [۷۷]

میاں عبدالحی کا ختم قرآن

صاحبزادہ میاں عبدالحی صاحب (آپ کے فرزند) نے ۲۷/ جون ۱۹۰۵ء کو ختم قرآن کیا۔ اس تقریب سعید پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) نے ایک دعائیہ نظم بھی کہی اور اخبار الحکم کا ایک غیر معمولی پرچہ بھی شائع ہوا۔ [۷۸]

اس دن آپ غیر معمولی طور پر خوش تھے کیوں نہ ہوتے آپ کے چہیتے بیٹے نے آپ کی محبوب ترین کتاب پڑھ کر ختم کی تھی۔ جس کی تبلیغ و اشاعت کے لئے آپ کی زندگی کا ایک ایک سانس وقف چلا آرہا تھا۔ میاں عبدالحی صاحب قرآن شریف ختم کر کے حاضر ہوئے تو فرمایا۔ "بیٹا ہم تم سے دس باتیں چاہتے ہیں ان میں سے (۱۰/۱) آج تم نے کر لی ہیں۔ قرآن شریف پڑھو پھر اس کو یاد کرو پھر اس کا ترجمہ پڑھو پھر اس پر عمل کرو۔ پھر اسی عمل میں تمہیں موت آجائے۔ قرآن پڑھاؤ۔ پھر یاد کراؤ۔ پھر ترجمہ سناؤ۔ پھر عمل کراؤ۔ پھر اسی حالت میں تم کو موت آجائے۔"

یہ نصیحت سن کر میاں عبدالحی صاحب نے کہا۔ "اباجی! میں نے یہ قرآن شریف تو پڑھ لیا ہے پہلے یہ تو کسی مسکین کو دیدیں۔"

حضرت مولوی صاحب یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

یہ تقریب کس طرح منائی جائے اس پر کئی مشورے ہوئے کسی نے کہا۔ کہ یسرنا القرآن کی طرز پر قرآن مجید چھپوایا جائے۔ کسی نے کہا تفسیر لکھی جائے۔ لیکن حضرت مولوی صاحب نے فرمایا۔ جو حضرت امام علیہ الصلوۃ والسلام فرمائیں وہ مبارک ہو گا۔ حضرت امام نے فرمایا کہ مولوی صاحب کی طبیعت کمزور ہے۔ کوئی دماغی محنت کا کام مناسب نہیں۔ سردست مساکین کو کھانا کھلادیں اور احباب کی دعوت کردیں۔ چنانچہ اس کے مطابق ۲۸۔۲۹ جون ۱۹۰۵ء کو دعوت کا انتظام کیا گیا۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس موقعہ پر مدرسہ تعلیم الاسلام میں ایک حافظ قرآن مقرر کیا جائے جو قرآن مجید حفظ کرائے فرمایا میرا بھی دل چاہتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے گا کرے گا۔ ان دنوں تعلیم الاسلام کالج نیا نیا بند ہوا تھا جس کا آپ کو بہت صدمہ تھا۔ اس لئے حضرت عرفانی صاحب کی تحریک پر آپ نے کالج فنڈ میں ایک سو روپیہ بھی عطا فرمایا۔ ۷۹

حرم اول کی وفات

حضرت مولوی صاحب کی زوجہ کلاں جن کا نام فاطمہ تھا ۲۸/ جولائی ۱۹۰۵ء بروز جمعہ اس دار فانی سے رحلت کر گئیں ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ سچا اخلاص و ایمان تھا اور اکثر کہا کرتی تھیں کہ یہ مولوی صاحب کا احسان ہے کہ ہم نے خدا کے مسیح کو پہچان لیا۔ لیکن اب تو میرے دل میں خدا کے رسول کی اس قدر محبت ہے کہ خواہ کوئی پھر جائے میں تو آپ سے علیحدہ نہیں ہو سکتی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عصر کے بعد بہت دوستوں کے ساتھ ان کا باہر میدان میں جنازہ پڑھا اور قادیان کے شمال مشرقی جانب کے قبرستان میں سپرد خاک کی گئیں۔ اسی رات حضور نے دربار شام میں ان کا ذکر کیا اور فرمایا۔ وہ مجھے ہمیشہ کہا کرتی تھیں کہ میرا جنازہ آپ پڑھائیں اور میں نے دل میں پختہ وعدہ کیا ہوا تھا کہ کیسا ہی بارش یا آندھی وغیرہ کا وقت ہو میں ان کا جنازہ پڑھاؤں گا۔ آج اللہ تعالیٰ نے ایسا عمدہ موقعہ دیا۔ کہ طبیعت بھی درست تھی اور وقت بھی صاف میسر آیا اور میں نے خود جنازہ پڑھایا۔" ۸۰

میاں عبدالسلام صاحب کی ولادت

میاں عبدالقیوم صاحب کی وفات پر نادان مخالفوں نے بہت شور اٹھایا تھا سو اللہ تعالیٰ نے ان کی خوشیوں کو پامال کرنے کے لئے ۲۵/ دسمبر ۱۹۰۵ء کو ایک اور فرزند عطا فرمایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے کثیر خدام کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں نماز ظہر پڑھنے کے لئے بیٹھے تھے کہ آپ کو یہ خوش خبری ملی آپ نے اس مولود مسعود کے لئے دعا کی اور عبدالسلام نام رکھا۔ ۸۱، ۸۲

انجمن کارپرداز مصالح قبرستان

حضرت اقدسؑ نے اللہ تعالیٰ کی بشارت اور حکم کے تحت دسمبر ۱۹۰۵ء میں بہشتی مقبرہ کی بنیاد رکھی اور اس مقبرہ کے آمد و خرچ کے لئے ایک انجمن کارپرداز مصالح قبرستان بھی بنائی۔ اور حضرت مولوی صاحب کو اس کے چندوں کا امین مقرر فرمایا۔ چنانچہ "الوصیت" میں اس کا اعلان کرتے ہوئے لکھا کہ

ہر ایک شخص جو اس قبرستان میں مدفون ہونا چاہتا ہے وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے ان مصارف کے لئے چندہ داخل کرے......... بالفعل یہ چندہ اخویم مکرم مولوی نورالدین صاحب کے پاس آنا چاہئے۔ [۸۳، ۸۴]

صدر انجمن احمدیہ کے پریذیڈنٹ

اوائل فروری ۱۹۰۶ء میں انجمن کار پرداز مصالح قبرستان اور دوسرے شعبوں کو مدغم کر کے "صدر انجمن احمدیہ" واحد تنظیمی ادارہ معرض وجود میں آیا۔ تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت مولوی صاحب ہی کو اس کا پریذیڈنٹ مقرر فرمایا۔ [۸۵] اور ارشاد فرمایا کہ "مولوی صاحب کی ایک رائے انجمن میں سو رائے کے برابر سمجھنی چاہئے۔ [۸۶]

دینیات کا پہلا رسالہ

لڑکوں اور لڑکیوں کو مسائل نماز سے عام فہم الفاظ میں واقف کرنے کے لئے آپ نے جنوری ۱۹۰۶ء میں "دینیات کا پہلا رسالہ" شائع فرمایا جو بہت مقبول ہوا۔ اور اسی سال اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنا پڑا۔ [۸۷]

ڈاکٹر عبدالحکیم مرتد کے نام خط

ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی نے (جو اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے کہ نجات کا دارومدار صرف ایمان توحید و قیامت پر ہے۔ جماعت سے خارج کئے جا چکے تھے) آپ کی خدمت میں [۸۸] ایک خط لکھا۔ جس کے جواب میں آپ نے ایک مفصل مکتوب اس کے نام بھجوایا جس میں اس کے عقائد فاسدہ کی خوب قلعی کھولی اور لکھا۔

"آپ نے تیرہ کروڑ مسلمانوں پر رحم فرمایا۔ اور ذکر کیا ہے کہ تیرہ سو سال میں یہ تیرہ کروڑ مسلمان تیار ہوئے ہیں۔ سب کو نجات حاصل کرنا چاہئے.... دو ارب اللہ کے بندے اس وقت موجود ہیں۔ تیرہ کروڑ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کے باعث تیار ہوئے ہیں تو دو ارب اللہ کی مخلوق اور ڈارون کے طریق سے لاکھوں برس اور معلوم نہیں کہ کب سے وہ تیار ہوئے ہیں ان سب نے اگر نجات نہ پائی تو تیرہ کروڑ چیز ہی کیا ہے۔ اور ایک آیت **ما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون** قرآن میں موجود ہے.... تیرہ کروڑ مسلمانوں میں سے اس آیت کے بموجب اکثر مشرک ہوں گے اور مشرک نجات نہیں پا سکتا۔ پھر یہ تیرہ سو سال میں تیار ہوئے اور ان میں سے اکثر مشرک نکلے اور مشرک کو نجات نہیں۔ آخر میں اسے نصیحت کی کہ۔

اگر امام صاحب کے حضور شوخی کرنے سے پہلے مجھ سے براہ راست آپ خط و کتاب کرتے تو مجھے بہت پیارے الفاظ بولنے کا موقعہ ملتا۔ مگر محبوب پر سخت کلامی کو ایک محب فطرتاً پسند نہیں کر سکتا اور وہ معذور بھی ہے۔" [۸۹]

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کا خطبہ نکاح

۲۷ / اکتوبر ۱۹۰۶ء کو آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لخت جگر حضرت مرزا شریف احمد صاحب کا نکاح حضور کی موجودگی میں پڑھا۔ [۹۰] اور حقائق و معارف سے لبریز خطبہ دیا فرمایا۔ "ہماری خوش قسمتی ہے کہ خدا نے ہمارے امام کو بھی آدم کہا ہے۔ اور بث منھما رجالا کثیرا کی آیت ظاہر کرتی ہے کہ اس آدم کی اولاد بھی دنیا میں اسی طرح پھیلنے والی ہے۔ میرا ایمان ہے کہ بڑے خوش قسمت وہ لوگ ہیں جنکے تعلقات اس آدم کے ساتھ پیدا ہوں۔ کیونکہ اس کی اولاد (میں) اس قسم کے رجال اور نساء پیدا ہونے والے ہیں جو خدا تعالیٰ کے حضور میں خاص طور پر منتخب ہو کر اس کے مکالمات سے مشرف ہوں گے۔ [۹۱]

زبان پر تصرف الٰہی سے کلمات حدیث جاری ہونا

نومبر ۱۹۰۶ء کی بات ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر ہائیکورٹ نے عرض کیا کہ حضور! سعد اللہ لدھیانوی کے ابتر رہنے والے الہام کی اشاعت نہ کی جائے مگر حضور نے الہام الٰہی کے چھپانے سے صاف انکار فرمادیا اور زوردار لفظوں میں کہا کہ یہ پیش گوئی پوری ہو کے رہے گی اور فتح ہماری ہو گی۔ اس مجلس میں حضرت مولوی صاحب بھی تشریف فرما تھا کہ یکایک آپ کی زبان مبارک پر حدیث رب اشعث اغبر جاری ہو گئی۔ چنانچہ حضور خود فرماتے ہیں۔

فسمع کلامی بعض زبدة المخلصین ۔الفاضل الجلیل فی علم الدین اعنی محبنا المولوی الحکیم نور الدین ۔ فجری علی لسانہ حدیث رب اشعث اغبر اطمئن القلوب بقولی و قولہ۔" [۹۲]

ترجمہ۔ جونہی میری یہ بات میرے مخلص ترین دوست اور علوم دینیہ میں فاضل جلیل مولوی حکیم نور الدین صاحب نے سنی تو آپ کی زبان پر حدیث رب اشعث اغبر الخ جاری ہو گئی اس طرح میری اور ان کی بات سے سب کے دل مطمئن ہو گئے۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ یہی الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوئے چنانچہ اس الہام پر تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ ۴/ جنوری کی شب کو لدھیانہ سے تار آگیا کہ سعد اللہ ابتری کی حالت میں فوت ہو گیا ہے۔

مبادی الصرف کی تالیف و اشاعت

اسی سال آپ نے صرف کے ابتدائی قواعد "مبادی الصرف" کے نام سے شائع فرمائے۔ اگلے

سال ۱۹۰۷ء میں آپ نے اس میں نحوی قواعد کا اضافہ کر کے شائع فرمایا۔ اور اس کا نام مبادی الصرف والنحو رکھا گیا۔ [۹۳]

حضرت مسیح موعودؑ کی ہدایت

۱۹۰۷ء کے اوائل کی بات ہے کہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر اخبار بدر قارئین کے اشتیاق کے پیش نظر اپنے اخبار میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام، حضرت مولوی صاحب اور سلف صالحین کے فرمودات کی روشنی میں ایک سلسلہ تفسیر شروع کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں رکھا تو حضورؑ نے تحریر فرمایا۔

"السلام علیکم بہت بہتر ہے اس سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے مگر ضروری ہے کہ مولوی صاحب کو دکھلا لیا کریں تاکہ غلطی نہ ہو جاوے۔ والسلام　مرزا غلام احمد" [۹۴]

"جلسہ تشحیذ الاذہان" کی صدارت

قادیان میں احمدی نوجوانوں کی طرف سے ان دنوں جس قدر مجالس یا تنظیمیں قائم ہوئیں۔ انجمن ہمدرد اسلام، مجمع الاخوان، "تشحیذ الاذہان" وغیرہ ان سب میں آپ کی تقاریر ہوتی تھیں۔ خصوصاً آخر الذکر مجلس سے آپ کو بڑی دلچسپی تھی کیونکہ اس کے صدر آپ کے محبوب آقا کے جگر گوشہ... سیدنا محمود ایدہ اللہ الودود بنصرہ العزیز تھے۔ [۹۶،۹۵]

عبدالکریم صاحب حیدر آبادی کے لئے اجتماعی دعا

عبدالکریم صاحب حیدر آبادی میں (جن کو سگ دیوانہ نے کاٹ لیا تھا اور جو بعد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی معجزانہ دعا سے صحت یاب ہوئے اور عرصہ تک زندہ رہے) جب بیماری کے آثار ظاہر ہو گئے تو حضرت مسیح موعودؑ نے کسی طالب علم کے ہاتھ مولوی صاحب کو دوا بھیجی اور کہلا بھیجا کہ یہ اسے پلائی جائے۔ حضرت مولوی صاحب اس وقت مسجد اقصیٰ میں درس قرآن دے رہے تھے۔ دوران درس ہی آپ نے حاضرین سے فرمایا۔ کہ دیکھو خدا کے مامور میں کس قدر خلقت اللہ پر شفقت ہے۔ پھر فرمایا مجھے اس بچے کے لئے سخت اضطراب ہے ایسا درد ہے کہ میں تم کو سبق نہیں پڑھا سکتا۔ اس کے بعد آپؓ نے درد دل کے ساتھ اس طالب علم کے لئے اجتماعی دعا کرائی۔ [۹۷]

ترجمہ قرآن کے پہلے پارہ کی اشاعت اور حضرت مسیح موعودؑ کا مکتوب

حضرت مولوی صاحب کے قلم کا ترجمہ قرآن جس کی قوم کو مدت سے انتظار تھی۔ اس کا پہلا پارہ شیخ عبدالرشید صاحب مالک مطبع احمدی

صدر بازار میرٹھ نے اپریل ۱۹۰۷ء میں شائع کر دیا۔ [۹۸] اس پارہ کی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو خط لکھا۔

"السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ چونکہ عمر اور زندگی کا اعتبار نہیں اور در حقیقت یہ ضرورت ہے اگر آپ سے انجام پذیر ہو تو بہت ثواب کا کام ہے۔ بلکہ میرے نزدیک ایسی خدمت سے عمر بڑھتی ہے جب حدیث کے خادموں کی طول عمر کی نسبت بہت کچھ ثابت ہوتا ہے۔ تو پھر قرآن شریف کے خادم کے بارے میں قوی یقین ہے کہ خدا اس کی عمر میں برکت دیگا۔ [۹۹-۱۰۰]

شدید علالت

جون ۱۹۰۵ء کی طرح اگست ۱۹۰۷ء میں بھی آپ تشویشناک حد تک بیمار ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو نئی زندگی بخشی اور ۲۳ / اگست ۱۹۰۷ء کو غسل صحت کر کے جمعہ بھی پڑھایا اور فرمایا کہ

تم نے دیکھا ہو گا کہ میں سخت بیمار ہو گیا تھا۔ اور میں نے کئی دفعہ یقین کیا تھا کہ میں اب مر جاؤں گا۔ ایسی حالت میں بعض لوگوں نے میری بیمار پرسی کی۔ تمام رات جاگتے تھے ان میں سے خاص کر ڈاکٹر ستار شاہ صاحب ہیں۔ بعضوں نے ساری ساری رات دبایا اور یہ سب خدا تعالیٰ کی غفور رحیمیاں ہیں ستاریاں ہیں جو ان لوگوں نے بہت محبت اور اخلاص سے ہمدردی کی اور یاد رکھو کہ اگر میں مرجاتا تو اس ایمان پر مرتا۔ کہ اللہ واحد لا شریک ہے اپنی ذات و صفات میں اور حضرت محمد ﷺ اس کے سچے رسول اور خاتم الانبیاء اور فخر رسل ہیں اور یہ بھی میرا یقین ہے کہ حضرت مرزا صاحب مہدی ہیں مسیح ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کے سچے غلام ہیں بڑے راستباز اور سچے ہیں گو مجھ سے ایسی خدمت ادا نہیں ہوئی جیسی کہ چاہئے تھی اور ذرہ بھی ادا نہیں ہوئی۔ میں آج اپنی زندگی کا ایک نیا دن سمجھتا ہوں گو تم یہ بات نہیں سمجھ سکتے۔ مگر اب میں ایک نیا انسان ہوں اور ایک نئی مخلوق ہوں۔" [۱۰۱]

میاں مبارک احمد صاحب اور میاں عبدالحی صاحب کے خطبہ نکاح

۳۰ / اگست ۱۹۰۷ء کو آپ نے حضور کے صاحبزادہ حضرت میاں مبارک احمد صاحب اور اپنے فرزند میاں عبدالحی صاحب کا خطبہ نکاح پڑھا۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا نکاح حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحبؓ کی صاحبزادی مریم بیگم صاحبہ سے اور میاں عبدالحی صاحب کا نکاح حضرت پیر منظور محمد صاحب کی صاحبزادی حامدہ صاحبہ سے ہوا تھا۔ [۱۰۲]

جلسہ آریہ سماج لاہور میں شرکت

آریہ سماج وچھو والی لاہور نے دسمبر ۱۹۰۷ء کے پہلے ہفتہ میں مذاہب کانفرنس کے نام سے ایک جلسہ کیا

جس میں حضور بھی مدعو تھے۔ حضورؑ نے ایک مضمون لکھ کر حضرت مولوی صاحب کے سپرد فرمایا کہ وہ جلسہ میں سنا دیں نیز فرمایا کہ "اس وقت اگر مولوی عبدالکریم صاحب بھی زندہ ہوتے تو بھی میں مولوی صاحب ہی کو ترجیح دیتا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مولوی صاحب ہی کے شاگرد اور خوشہ چین تھے"۔

چنانچہ آپ نے پوری بلند آواز سے یہ لیکچر پڑھا۔ لیکچر کا ایک ایک لفظ دلوں پر اثر کرتا تھا اور جب آپ قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھتے تو مجلس میں وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی چنانچہ ایک معزز غیر احمدی دوست نے صاف کہا کہ مولوی صاحب کی تلاوت قرآن مجید تو سخت سے سخت دلوں کو بھی ہلا دینے والی ہے۔ [۱۰۲]

درود شریف کے فلسفہ پر لطیف روشنی

قیام لاہور کے دنوں میں کسی شخص نے سوال کیا کہ تکمیل دین کے بعد تم لوگ درود شریف میں کیا مانگتے ہو۔ اور جو مانگتے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کم درجہ پر کیوں مانگتے ہو۔ (**کما صلیت علی ابراھیم**) اس سوال کا آپ نے جو لطیف اور مسکت اور مدلل جواب دیا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ یاد رکھو ایک خدا کا فضل ہوتا ہے اور ایک تکمیل دین ہوتی ہے خدا کے فضل محدود نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود غیر محدود نہیں۔ درود شریف پڑھنے کے اور بھی کئی فوائد ہیں۔

۱۔ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا نقشہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا کہ وہ ایسی بلند شان والی قادر و توانا ہستی ہے کہ سب انبیاء و رسول ہر وقت اس کے محتاج ہیں۔

۲۔ خدا تعالیٰ کا غنا ظاہر ہو گا۔ کہ سارا جہان اس سے سوال کرتا ہے مگر اس کے خزانے ختم نہیں ہو سکتے۔

۳۔ اپنے نبی کریم ﷺ کی نسبت یہ اعتقاد ہو جائے گا کہ وہ بھی خدا کے ہر آن محتاج ہیں خدائی کے مرتبہ پر پہنچے اور نہ پہنچیں گے۔ بلکہ عبد کے عبد ہی رہیں گے۔ مگر خدا تعالیٰ کا فیضان ان پر ہمیشہ ہوتا رہتا ہے اور ہوتا رہے گا۔

۴۔ درود شریف پڑھنے والا اس ذریعہ سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس ترقی میں شریک رہے گا۔

سوال کے دوسرے حصہ کا جواب آپ نے مندرجہ ذیل وجد آفرین الفاظ میں دیا۔

"ہمارے نبی کریم ﷺ حضرت ابراہیمؑ کی آل میں بھی داخل ہیں اور صلوٰۃ بھیجنے والا چاہتا ہے کہ جس قدر برکات اور انعامات الٰہیہ حضرت ابراہیم اور اس کی اولاد پر ہوئے ہیں ان سب کا مجموعہ

ہمارے نبی کریم ﷺ کو عطا ہوا اس سے یہ تو ثابت نہیں ہو سکتا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ حضرت ابراہیم سے کمتر درجہ پر ہیں۔ بلکہ اس سے تو ان کے اعلیٰ مدارج کا پتہ لگتا ہے۔ چونکہ درود شریف پڑھنا ایک نیک کام ہے اور یہ ایک حکم ہے کہ جو کوئی نیکی سکھاتا ہے۔ تو اس کو بھی اس قدر ثواب پہنچتا ہے۔ جس قدر کہ سیکھ کر عمل کرنے والے کو اس لئے دنیا میں جس قدر لوگ نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور عبادتیں کرتے ہیں ان سب کا ثواب ہمارے نبی کریم ﷺ کو بھی پہنچتا ہے۔ اور ہر وقت پہنچتا ہے۔ کیونکہ زمین گول ہے اگر ایک جگہ فجر ہے تو دوسری جگہ عشاء ہے ایک جگہ عشاء ہے تو دوسری جگہ شام ہے ایسے ہی اگر ایک جگہ ظہر کا وقت ہے تو دوسری جگہ عصر کا ہو گا۔ غرض ہر گھڑی اور ہر وقت ہمارے نبی کریم ﷺ کو ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ دنیا میں کروڑ در کروڑ رکوع اور سجدہ کرتے اور درود پڑھتے اور دوسری دعائیں مانگتے ہیں اور پھر اس کے علاوہ دوسرے احکام پر چلتے روزے رکھتے زکوتیں ادا کرتے ہیں اس لئے ماننا پڑے گا کہ قرآن میں محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی ان عبادات کا ثواب پہنچتا رہتا ہے کیونکہ اسی نے تو یہ باتیں سکھائی ہیں۔ کہ تم لوگ نمازیں پڑھو۔ زکوتیں دو۔ اور مجھ پر درود بھیجو۔ اور پھر محمد رسول اللہ ﷺ کی اپنی روح جو دعائیں مانگتی ہو گی وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اب تم سوچ سکتے ہو کہ جب سے مسلمان شروع ہوئے اور جب تک رہیں گے ان سب کی عبادتیں ہمارے نبی کریم ﷺ کے نامہ اعمال میں بھی ہونی چاہئیں۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ وہ دنیا کی کل مخلوقات کا سردار ہے کیونکہ اس کے اعمال تمام دنیا سے بڑھے ہوئے ہیں کیونکہ جو کوئی مسلمان نیکی کرے گا۔۔ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے نامہ اعمال میں ضرور لکھی جائے گی۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام رسولوں نبیوں اور اولیاؤں کا بھی سردار ہے کیونکہ دنیا میں جس قدر رسول گذرے ہیں ان کی امتیں ان کے لئے دعائیں نہیں کرتیں۔ مگر ہمارے نبی کریم ﷺ کے لئے ان کی امت دن رات دعائیں مانگتی رہتی ہے۔ اور ہمارے نبی کریم ﷺ کا تمام نبیوں اور تمام مخلوق سے بڑھ کر ہونے کا یہ ایک ثبوت ہے۔" [۱۰۴، ۱۰۵]

ولادت میاں عبدالوہاب صاحب

۸/ فروری ۱۹۰۸ء کو حضرت مولوی صاحب کے ہاں ایک اور بچہ پیدا ہوا جس کا نام حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے عبدالوہاب رکھا اور فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص موہبت ہے۔

اخبار الحکم نے یہ خوشی کی خبر شائع کرتے ہوئے لکھا۔ "حضرت حکیم الامت وقف للّٰہی کے ایک خاص اور زندہ نمونہ ہیں۔ میرے کانوں میں وہ الفاظ اب تک گونجتے ہیں جو ایک اشتہاری طبیب کے اولاد نرینہ کے لئے علاج کرنے کی تحریک پر آپ نے فرمائے تھے۔

"مجھے دیندار اور سعادت مند اولاد کی ضرورت ہے۔ مجرد اولاد کی حاجت نہیں۔" [۱۰۶]

مجمع الاخوان کا قیام

مارچ ۱۹۰۸ء کے دوسرے ہفتہ میں آپ نے احباب جماعت کے سامنے ایک اہم دینی تحریک رکھی جس کا ماحصل یہ تھا کہ کوئی ایسا امتیازی نشان مقرر کیا جائے کہ

۱۔ سب تعاونوا علی البر کا مصداق بن کر خدائی فضلوں کے جذب و نزول کا موجب ہوں۔

۲۔ کوئی ایسی تدبیر نکل آوے کہ عربی زبان احمدیوں میں خصوصاً اور مسلمانوں میں عموماً رائج ہو جاوے کہ یہی ذریعہ مسلمانان عالم کے عالمگیر اتحاد کا ہے۔ اور اسی پر قرآن و حدیث کا فہم و ادراک منحصر ہے۔

۳۔ جہاں جہاں احباب میں باہمی رنجش و کدورت دیکھیں وہاں یہ اصحاب صلح کرا دیں۔

۴۔ ہر عسرو یسر میں باہمی مشوروں اور دعاؤں سے کام لیں۔

۵۔ تائید اسلام میں چھوٹے چھوٹے پمفلٹوں کا سلسلہ جاری کیا جائے۔ آپ نے اس سلسلہ میں اسکندریہ اور مصر تک خطوط لکھے کہ کس طرح عربی تعلیم اور تقریر و تحریر میں ترقی ہو سکتی ہے۔ یہ تحریک "مجمع الاخوان" کی شکل میں قائم ہو گئی۔ [۱۰۷]

خطبہ جمعہ میں آیت استخلاف کا ذکر

۱۳/ مارچ ۱۹۰۸ء کے خطبہ جمعہ کے دوران میں آپ نے آیت استخلاف کا ذکر کر کے فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کے دین کے سچے خادموں جو صحابہ' اولیاء' اصفیاء' اتقیاء اور ابدال کے رنگ میں آئے اور قیامت تک آتے رہیں گے بوجہ ان کے حسن خدمات کے جن کی وجہ سے انہوں نے بعد رسول اکرمؐ ہم پر بہت بڑے بھاری احسانات اور انعامات کئے ان کے واسطے بھی دعا کرے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کوئی اس گروہ پاک کی مخالفت کرے گا۔ اور اس کو نظر عزت سے نہ دیکھے گا اور ان کے احکام اور فیصلوں کی پروا نہ کرے گا تو وہ فاسق ہو گا بلکہ وہاں تک جہاں تک تعظیم الٰہی اور تعظیم کتاب اللہ اور تعظیم رسول اللہ اجازت دیتی ہو اس گروہ کا ادب و عزت اور اس خیل پاک کے حق میں دعائیں کرنے کا حکم قرآن شریف سے ثابت ہے"۔ [۱۰۸]

قرآن سیکھنے کی ایک مجرب راہ

الحکم (۳۰/ مارچ ۱۹۰۸ء) کے ذریعہ آپ نے قرآن مجید سیکھنے کا ایک ایسا لطیف طریق بتایا جو آپ کا پوری عمر کا تجربہ شدہ تھا اس طریق کا خلاصہ یہ تھا کہ قرآن مجید کے پانچ دور کئے جائیں۔

پہلے دور میں انسان ایک مترجم قرآن مجید کا تخلیہ میں مطالعہ کرے اس کے لفظوں پر غور کرے اور

سوچے کہ جن لوگوں کے حالات کا ذکر ہے میں ان میں شامل ہوں؟ مجھ میں نیکوں کے خصائل ہیں یا بدوں کے۔ عذاب کی آیات پر پناہ مانگے اور آیات رحمت پر خوش ہو ہر روز درود شریف دعا استغفار اور لاحول پڑھ کر شروع کرے اور ایک نوٹ بک میں مشکل مقامات نوٹ کرتا جائے

دوسرے دور میں بیوی کو سامنے بٹھا کر سنا دے اور یہ جانے کہ قرآن شریف ہم دونوں کے لئے نازل ہوا ہے۔ اس دور میں پہلی نوٹ بک کو بھی سامنے رکھے۔ مشکل مقامات حل ہو جائیں گے اور نئی مشکلات کے لئے الگ نوٹ بک بنائے۔

تیسرے دور میں گھر کے بچوں، عورتوں اور پڑوسیوں کو بھی شامل کرے مگر وہ ایسے لوگ ہوں جو کوئی اعتراض نہ کریں پہلی دو نوٹ بکیں پیش نظر رکھ کر جو قابل حل آیات سامنے آئیں ان کو تیسری نوٹ بک میں درج کرے۔

چوتھا دور مسلمانوں کے مجمع میں شروع کرے اگر کسی اعتراض کا جواب نہ دے سکے تو وہ اپنی نوٹ بک میں لکھ لے۔ اور ان کے حل کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور درد دل سے دعا میں مصروف ہو جائے۔

پانچویں دور میں وہ بلا امتیاز مذہب و ملت سب کے سامنے قرآن مجید سنائے اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور فیضان اس کے شامل حال ہو گا اور ایک بہت بڑا حصہ قرآن شریف کا اسے سکھا دیا جائے گا اور باریک در باریک حقائق و معارف اور اسرار کلام ربانی اس پر کھولے جائیں گے [۱۰۹]۔

قادیان میں عہد مسیح موعود کا آخری خطبہ جمعہ

۲۴/ اپریل ۱۹۰۸ء کو آپ نے خطبہ جمعہ میں سورۃ فلق کی تفسیر فرمائی یہ قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقدس زمانہ کا آخری جمعہ تھا۔ [۱۱۰، ۱۱۱]

احمدیہ بلڈنگس لاہور میں قیام

اب ہم سیدنا و مرشدنا و امامنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے آخری سفر لاہور تک آپہنچے ہیں جو بالآخر خدائی مشیت کے مطابق سفر آخرت بھی ثابت ہوا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان آخری ایام میں کس طرح دینی و تبلیغی جہاد کا سلسلہ جاری رکھا اس کی تفصیل تاریخ احمدیت جلد سوم میں گذر چکی ہے۔ ہم اس جگہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہ سمجھتے ہوئے یہ بتاتے ہیں کہ حضرت مولوی صاحب کے لئے بھی یہ دن بڑی مصروفیت کے دن تھے آپ حضور کی مجلس سے بھی فیضاب ہوتے اور آنے والے احباب کو بھی شرف ملاقات بخشتے۔ [۱۱۲] آپ کا کھلا دربار جس میں علم الادیان اور علم الابدان کے موتی بکھرتے تھے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ احمدیہ

بلڈ ُنگس کے میدان میں آپ نے سورۃ فاتحہ سے قرآن شریف کا درس شروع کر دیا تھا۔ [۱۱۳] جس میں بہت رونق ہوا کرتی تھی۔ پنج وقتہ نمازوں میں جو عزیز منزل میں ہوتی تھیں آپ ہی پیش امام ہوتے تھے۔

آپ نے طلبائے دینیات کو یہاں بلا لیا تھا اور ان کی تعلیم باقاعدگی سے جاری رکھتے تھے۔ چنانچہ مولوی محمد جی صاحب فاضل کا بیان ہے کہ "۱۹۰۸ء میں لاہور میں آپ کے ہمراہ قریباً گیارہ طلبہ تھے جناب خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کے مقام پر جماعت ہوا کرتی تھی ظہر کی نماز کے وقت میں اور عبدالرحمان کاغانی وہاں گئے فرمایا کیا کھانا کھالیا ہے۔ میں نے عرض کی کھالیا ہے۔ پوچھا کہاں سے میں نے کہا انار کلی کی ایک دکان سے۔ آپ نے حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ کو بلا کر نقدی دی اور فرمایا کہ کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا مجھ سے روپے لیتے رہنا کھانے کا انتظام کر دیں۔ محمد صادق نام ایک غیر احمدی طالب علم دیو بند سے آیا ہوا تھا۔ ایک دکاندار کے پاس اس کو لے گئے اور روٹی کا اچھا انتظام کرا دیا۔ لاہور میں ہندو و مسلمان اپنے اپنے مکانوں کو بابرکت بنانے کے لئے مولوی صاحب کو لے جایا کرتے تھے اور نقدی کی صورت میں نذریں پیش کرتے تھے۔ [۱۱۴]

حضرت مسیح موعودؑ کے آخری لمحات میں آپ کا صبر و استقلال

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مقدس اور خدا نما زندگی کے آخری لمحات آپ کے لئے حد درجہ صبر آزما تھے اور آئندہ آنے والے خطرت و مشکلات کے تصور سے آپ کا دل لرزاور روح کانپ رہی تھی۔ مرض الموت کے آغاز میں حضور نے آپ کو بلوانے کا ارشاد فرمایا۔ آپ دوسرے مخلص احباب کے ساتھ حاضر ہو گئے۔ حضور نے فرمایا [۱۱۵] کہ "مجھے سخت دورہ اسہال کا ہو گیا ہے آپ کوئی تجویز کریں پھر ساتھ ہی فرمایا کہ حقیقت میں تو دوا آسمان پر ہے۔ آپ دعا بھی کریں اور دوا بھی" چنانچہ آپ نے بعض دوسرے احمدی ڈاکٹروں سے مشورہ کر کے علاج شروع کیا۔ مگر خدائی تقدیر میں اب اسلام کے اس فتح نصیب جرنیل کی واپسی کا وقت آن پہنچا تھا۔ کوئی دوا کارگر نہ ہوئی اور چودھویں صدی کا یہ روحانی چاند اس دنیا سے غروب ہو کر اگلے جہان میں طلوع ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا بیان ہے کہ "جس وقت لاہور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہوئے اس وقت حضرت مولوی نور الدین صاحب اس کمرہ میں موجود نہیں تھے۔ جس میں آپ نے وفات پائی۔ جب حضرت مولوی صاحب کو اطلاع ہوئی تو آپ آئے اور حضرت صاحب کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر جلدی اس کمرے سے باہر تشریف لے گئے۔ جب حضرت مولوی صاحب کا

قدم دروازے سے باہر ہوا۔ اس وقت سید محمد احسن صاحب نے رقت بھری آواز میں حضرت مولوی صاحب سے کہا۔ انت صدیقی حضرت مولوی صاحب نے فرمایا۔ یہاں اس سوال کو رہنے دیں۔ قادیان جاکر فیصلہ ہوگا۔" [۱۱۶]

مولوی سید محمد احسن صاحب کو یہ جواب دے کر آپ تشریف لائے تو کچھ وقت بعد جماعت کے دوسرے زخم خوردہ خدام نے بیعت کی درخواست کی مگر آپ نے اپنے پیارے آقا کی مفارقت کا بے پناہ غم اپنے سینہ میں چھپائے ہوئے بڑے صبر و تحمل سے اپنا پہلا جواب دہرادیا۔ اور فرمایا اس کا فیصلہ یہاں نہیں قادیان جاکر ہوگا۔ چنانچہ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر کا بیان ہے کہ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے وقت لوگوں کے ہوش و حواس پر اثر تھا اور جماعت احمدیہ کو بے انتہا صدمہ تھا لیکن جو شخص اس وقت صبر و وقار سے کام لے کر جماعت کی تسکین کا باعث تھا۔ وہ حضرت مولانا حافظ نورالدین رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت مولوی محمد سعید صاحب حیدر آبادی ان دنوں لاہور میں موجود تھے انہوں نے نیز خاکسار اور مولوی حافظ غلام محمد صاحب نے حضرت موصوف کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور ہم سے بیعت لیں۔ مگر آپ نے فرمایا جاؤ اپنا کام بدستور کرو۔ اور بیعت کا فیصلہ قادیان جاکر ہوگا چنانچہ قادیان آکر بیعت ہوئی اور حضرت مولانا بالاتفاق کل جماعت معہ اہل بیت کے اجماع سے خلیفۃ المسیح اول منتخب ہوئے۔" [۱۱۷]

حواشی باب ۴

۱۔ الحکم ۱۰/ فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۳ کالم ۲۔
۲۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۹۱۔ ۹۲۔
۳۔ الحکم ۲۹/ اکتوبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۴ کالم ۱
۴۔ تفسیر کبیر جلد سوم صفحہ ۴ دیباچہ ترجمہ قرآن مجید آپ نے ۱۹۰۴ء۔ ۱۹۰۳ء میں چھ ماہ کے اندر ختم کیا اور ۱۹۱۱ء۔ ۱۹۰۹ء کے دوران بخاری شریف پڑھی پھر عربی کے کچھ رسائل پڑھے۔
۵۔ حیات نورالدین صفحہ ۱۵۴۔ ۱۵۶۔
۶۔ ۳۱۳۔ اصحاب میں ان کا نام ۱۸۹ نمبر پر درج ہے۔ جماعت میں جب امارت کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ بھیرہ کے سب سے پہلے امیر مقرر ہوئے آپ نے موضع کوٹ احمدی والا (نزد میانی) میں ۲۳/ فروری ۱۹۲۸ء کو بعد نماز فجر انتقال کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ان کا جنازہ غائب پڑھنے سے قبل فرمایا "مخدوم صاحب مرحوم حضرت خلیفہ اولؓ کے شاگردوں میں سے تھے نہایت خاموش طبیعت اور مخلص احمدی تھے اپنے علاقہ میں بہت ذی عزت اور صاحب وجاہت تھے بھیرہ اور اس کے علاقہ کی جماعت کے امیر تھے۔ انہوں نے گذشتہ چودہ پندرہ سالوں میں احمدیت میں اچھی ترقی کرلی تھی۔" مرحوم کے اکلوتے فرزند مخدوم محمد ایوب صاحب بی۔ اے (امیر جماعت احمدیہ میانی) صحیح معنوں میں آپ کے جانشین اور یادگار ہیں اور یہ خط بھی انہیں سے ملا ہے جزاہ اللہ (حالات کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۲۸/ جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۷۔ ۹)
۷۔ الحکم ۲۴/ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۵۔ کالم ۳۔
۸۔ حیات احمد چہارم صفحہ ۱۷ ۳
۹۔ کلام امیر صفحہ ۱۹۔ ۲۰۔
۱۰۔ کرامات الصادقین صفحہ الف۔ ح
۱۱۔ کرامات الصادقین صفحہ الف۔ ج۔
۱۲۔ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۶۸۔ ۷۰
۱۳۔ حیات نورالدین صفحہ ۱۵۶۔ ذکر حبیب از حضرت مفتی صاحب صفحہ ۲۲۔ ۲۳
۱۴۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔
۱۵۔ حیات نورالدین صفحہ ۱۵۶۔
۱۶۔ حیات احمد جلد چہارم صفحہ ۱۱۹۔ ۱۲۰ حاشیہ۔
۱۷۔ الحکم ۲/۷ مارچ ۱۸۹۸ء صفحہ ۸۔ ۱۱۔ (ملخص)
۱۸۔ ۱۸۹۵ء میں آپ نے ام الالسنہ کی تحقیق میں بھی گرانقدر حصہ لیا۔ (تاریخ احمدیت حصہ دوم طبع اول صفحہ ۳۵۵۔ طبع دوم ۳۳۸) اسی طرح ریواڑی کے رسالہ معلم الصحت (اپریل ۱۸۹۵ء صفحہ ۵۳) نے آپ کا ایک طبی مراسلہ شکریہ کے ساتھ شائع کیا۔ سفر ڈیرہ بابا نانک میں آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا (تاریخ احمدیت جلد دوم طبع اول صفحہ ۳۶۸ طبع دوم صفحہ ۳۵۲)
۱۹۔ یہ واقعہ یقیناً مارچ اپریل ۱۸۹۶ء کے بعد کا ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب نے آپ سے بوقت ملاقات امیر کابل کے نام جس مکتوب کا تذکرہ فرمایا ہے وہ مارچ اپریل ۱۸۹۶ء میں لکھا گیا ہے (مفصل ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت حصہ دوم صفحہ ۳۶۶) حضرت مفتی صاحب اس سفر کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں "ریاست بہاولپور کے نواب صاحب نے ایک دفعہ آپ کو اپنے علاج کے واسطے بلوایا اور حضرت مسیح موعودؑ سے اس غرض کے واسطے نواب صاحب کے آدمیوں نے اجازت حاصل کی کچھ

دن نواب صاحب کا علاج کر کے آپ واپس آگئے۔"(حیات نور الدین صفحہ ۱۵۶)
۲۰۔ الفضل ۱۷/ اگست ۱۹۲۲ء صفحہ ۶ کالم ۳۔
۲۱۔ بدر ۲۶/ ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳ کالم ۳۔
۲۲۔ (مکتوبات رقم فرمودہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بنام مولف ہذا ۲۴/ مارچ ۱۹۶۳ء)
۲۳۔ اصحاب احمد دوم صفحہ ۹۸۔ ۱۰۳ و حیات جاودانی۔
۲۴۔ الفضل ۲۲/ دسمبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۲۵۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۴۱۔ ۲۴۲
۲۶۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۳۵۷۔ ۳۵۸
۲۷۔ تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۳۵۷۔ ۳۵۸ ماخوذ از مکتوب حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ ۲۴/ مارچ ۱۹۶۳ء بنام مولف۔
۲۸۔ محمد عبد اللہ صاحب جلد ساز مالیر کوٹلوی کا بیان ہے کہ حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ نے مالیر کوٹلہ میں ایک "انجمن مصلح الاخوان" قائم کر رکھی تھی جس کی ایک رپورٹ میں حضرت مولوی نور الدین صاحب کا ذکر بھی آتا ہے۔ مگر افسوس کہ مئولف کو ربوہ اور قادیان کی لائبریریوں سے یہ روئداد مل نہیں سکی۔ مئولف اصحاب احمد جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے نے اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۱۴۸۔ ۱۴۹ پر اس انجمن کا ذکر کیا ہے کہ یہ ۱۸۹۶ء میں بنی تھی۔
۲۹۔ رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ ۵۶۔
۳۰۔ رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ ۲۵۷۔ ۲۵۸
۳۱۔ رپورٹ۔ انجمن حمایت اسلام ۱۸۹۷ء صفحہ ۲۔
۳۲۔ کتاب البریہ صفحہ ۱۳۲ و صفحہ ۱۵۴۔ صفحہ ۱۶۰۔
۳۳۔ دوسرا جنگ مقدس از شیخ یعقوب علی صاحب تراب کتاب البریہ میں سہواً ۳/ اگست چھپی ہے۔ یہ کتاب قادیان کی لائبریری میں موجود ہے۔
۳۴۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ۹ صفحہ ۱۷۹۔ ۱۸۰ و بدر ۱۱/ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۳ کالم ۱۔
۳۵۔ روئداد جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔
۳۶۔ ۱۸۹۷ء کے واقعات میں سے دو یہ ہیں (۱) پنڈت لیکھرام کے قتل پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علاوہ آپ کی خانہ تلاشی بھی ہوئی (تاریخ احمدیت جلد دوم طبع اول صفحہ ۳۱۳ و طبع دوم صفحہ ۴۲۹) (۲) "جلسہ احباب" کے موقعہ پر آپ نے تقریر بھی فرمائی (تاریخ احمدیت جلد دوم طبع اول صفحہ ۳۵۱۔ طبع دوم صفحہ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔
۳۷۔ الحکم ۶/ جولائی ۱۸۹۸ء صفحہ ۹۔ ۱۳ میں مفصل تقریر طبع شدہ موجود ہے۔
۳۸۔ ۱۸۹۸ء کے بعض دیگر واقعات (۱) تعلیم الاسلام ہائی سکول کے اجراء اور تکمیل میں شاندار جدوجہد کی (تاریخ احمدیت حصہ سوم صفحہ ۵۔ ۷ (۲) دواتریاق الٰہی کے دو ہزار روپیہ کے یاقوت رمانی دیئے۔ (تاریخ احمدیت صفحہ ۱۲) (۳) عورتوں میں ایک مفصل وعظ کیا۔ (الحکم ۶۔ ۱۳ ستمبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۸۔ ۱۰) (۴) سردار کرتار سنگھ مصاحب اعلیٰ ریاست پونچھ اپنے علاج کے لئے آپ کی خدمت میں قادیان آئے۔ (الحکم ۲۰۔ ۲۷/ اگست ۱۸۹۸ء صفحہ ۱۳ کالم ۳)
۳۹۔ حیات احمد جلد پنجم صفحہ ۷۸۔ ۷۹ و ۸۱ و ۸۲۔
۴۰۔ ضمیمہ الحکم ۱۷/ فروری ۱۸۹۹ء۔
۴۱۔ رسالہ تفسیر سورہ جمعہ ۴۸۔ ۴۹۔
۴۲۔ اخبار سراج الاخبار ۱۱/ جون ۱۸۹۴ء صفحہ ۷ کالم ۲۔ اصل اخبار خلافت لائبریری ربوہ میں موجود ہے ان صاحب کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ امام مہدی حکومت انگریزی ایسی عادل اور امن گستر حکومت میں نہیں آسکتا۔ (ایضاً)
۴۳۔ حیات احمد جلد پنجم صفحہ ۱۶۶۔ ۱۶۷
۴۴۔ نصیبین آجکل ترکی کی حدود میں واقع ہے۔ یہ شہر بڑا قدیمی شہر ہے سورہ جن میں جن لوگوں کی آنحضرت ﷺ سے خفیہ ملاقات

کا اشارہ پایا جاتا ہے۔ وہ نصیبین ہی کے یہودی باشندے تھے۔

۴۵۔ تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۷۲۔

۴۶۔ حیات احمد جلد پنجم صفحہ ۱۴۲۔ ۱۴۹ (الحکم اگست تا اکتوبر ۱۹۰۳ء میں حضرت مولوی نور الدین صاحب اور مولوی عبد الکریم صاحب کی جلسہ الوداع کی تقریریں درج ہیں)

۴۷۔ ۱۸۹۹ء کے دیگر واقعات (۱) وسط ۱۸۹۹ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ آپ کا سب سے پہلا فوٹو لیا گیا۔ (۲) اس سال تین ہزار کے لگ بھگ خطوط آپ کی خدمت میں پہنچے ان میں سے ایک کثیر تعداد سوالات پر مشتمل تھی جن کے جواب آپ نے بذریعہ الحکم یا بذریعہ خط دیئے (الحکم ۱۰/ جنوری ۱۹۰۰ء صفحہ ۶ کالم ۲۔

۴۸۔ الحکم ۲۴/ مارچ ۱۹۰۰ء صفحہ ۷۔

۴۹۔ الحکم ۳۱/ مارچ ۱۹۰۰ء صفحہ ۴ کالم ۲۔

۵۰۔ الحکم ۱۰/ جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴۔ ۱۷ جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۵۔ ۳۱/ جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۶۔

۵۱۔ الحکم ۳۱/ جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۶ کالم ۳۔

۵۲۔ ۱۹۰۰ء کے بعض دیگر واقعات (۱) خطبہ الہامیہ قلمبند فرمایا۔ (تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۹۲) (۲) پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی سے خط و کتابت ہوئی (تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۱۳۴۔ ۱۳۵)۔ (۳) منارۃ المسیح کی بنیاد کے لئے اپنے گھر کی پیشکش کی۔ تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۱۲۷) منارہ کے لئے آپ نے ایک سو روپیہ چندہ بھی دیا تھا۔ (تبلیغ رسالت جلد نہم صفحہ ۵۹) (۴) جمع الصلوۃ پر حضرت مسیح موعودؑ کی تقریر پر آپ نے جوش ایمان سے فرمایا **رضیت باللہ ربا و بک مسیحا و مهدیا** (تاریخ احمدیت حصہ سوم صفحہ ۱۷۹۔ ۱۸۰)

۵۳۔ ۱۹۰۱ء کے بعض دیگر واقعات۔ (۱) انجمن اشاعت اسلام کے پریذیڈنٹ مقرر ہوئے۔ اور اس کام میں سب سے بڑھ کر اعانت فرمائی (تاریخ احمدیت حصہ سوم صفحہ ۱۷۱۔ ۱۷۲) (۲) سفر گورداسپور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہمرکاب ہوئے (تاریخ احمدیت حصہ سوم صفحہ ۸۳)

۵۴۔ ۱۹۰۲ء میں آپ نے صاحبزادگان حضرت مسیح موعودؑ کے نکاح پڑھے اور برات میں شمولیت فرمائی (تاریخ احمدیت حصہ سوم صفحہ ۲۲۹۔ ۲۳۱)

۵۵۔ الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۵ کالم ۳۔ یہ واقعہ معلوم نہیں کس سن کا ہے مگر چونکہ اس کی اپریل ۱۹۰۳ء میں اشاعت ہوئی ہے۔ اس لئے یہ اسی سن کے واقعات میں شامل کر دیا گیا ہے۔

۵۶۔ الحکم ۳۰/ ستمبر ۱۹۰۳ء و بدر ۲/ اکتوبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۹۳ کالم ۱۔

۵۷۔ بدر ۱۰/ اگست ۱۹۰۵ء صفحہ ۷ کالم ۲۔ ۳ الحکم ۱۰/ اگست ۱۹۰۵ء صفحہ ۱ کالم ۳۔ ۴

۵۸۔ خان صاحب کی فدائیت کا یہ مقام تھا کہ بعض اوقات حضرت مولوی نور الدین صاحب بھی ان کے اخلاص پر رشک کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بشیر اول کی وفات پر جو شخص ہم سب سے آگے نکل گیا وہ محمد خاں تھا (ﷺ) (مکتوبات احمدیہؑ جلد پنجم نمبر پنجم صفحہ ۳۹)

۵۹۔ البدر ۹/ اکتوبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۰۲ کالم ۲۔

۶۰۔ مفصل تقریر کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۲۱/ دسمبر ۱۹۱۸ء

۶۱۔ البدر ۲۹/ اکتوبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۲۱۔

۶۲۔ الحکم ۲۴/ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۴ کالم ۲۔

۶۳۔ حیات نور الدین صفحہ ۱۵۵۔ ذکر حبیب صفحہ ۱۶۷ از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ الفضل ۱۰/ ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۶ کالم ۱ (مفتی صاحب کی روایت ہے کہ یہ مسودہ شام کی مجلس میں سنایا جاتا تھا مگر حضرت سیدنا محمود خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے بیان کے مطابق یہ سیر میں سنائی جاتی تھی۔)

۶۴۔ الفضل ۴/ فروری ۱۹۵۹ء صفحہ ۴ کالم ۲۔ ۳ الفضل ۱۰/ ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۶ کالم ۱۔

۶۵۔ مرقاۃ الیقین" صفحہ ۱۵۴۔
۶۶۔ الحکم ۱۴/ مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۲ کالم ا۔
۶۷۔ الحکم ۲۴/ فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۲ کالم ۴۔
۶۸۔ ۱۹۰۳ء میں تعلیم الاسلام کالج کی افتتاحی تقریب پر آپ نے لیکچر دیا اور پروفیسر دینیات کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ (تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۳۲۲۔ ۳۲۳)
۶۹۔ البدر ۱۶/ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۲ کالم ۳ و البدر ۲۴/ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ا کالم ا۔ ۳
۷۰۔ البدر یکم ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۲۔ ۴
۷۱۔ البدر یکم ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۴ کالم ۳۔
۷۲۔ الحکم ۲۴/ جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۹
۷۳۔ البدر ۸/ نومبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۰ کالم ۲ و صفحہ ۱۲ کالم ۲۔
۷۴۔ اسی سال (۱۹۰۴ء میں) آپ نے تصاویر کے بڑھتے ہوئے رجحان کی اصلاح کی طرف توجہ دی (البدر یکم و ۸ نومبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۹ کالم ۳)
۷۵۔ الحکم ۱۷/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم ۴
۷۶۔ بدر ۱۵/ جون ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم ۳ (مفصل وصیت کے لئے ملاحظہ ہو۔ الحکم ۲۴/ جولائی ۱۹۰۵ء صفحہ ۷۔ بدر دسمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴۔ کلام امیر ص ۱۵) مولانا محمد جی صاحب فاضل کے بیان کے مطابق آپ کی وصیت رسالہ "البیان" نے بھی شائع کی تھی اس کے ایڈیٹر سے حضرت مولوی صاحب کی خط و کتابت تھی اور وہ قادیان بھی آئے تھے۔ اور اچھا اثر لیکر گئے تھے۔
۷۷۔ بدر ۱۲/ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۷ کالم ۳۔
۷۸۔ الحکم ۳۰/ جون ۱۹۰۵ء صفحہ ۷۔ ۸۔ ۱۰۔
۷۹۔ ۳۰ جون ۱۹۰۵ء صفحہ ۸ کالم ۳۔ ۴۔
۸۰۔ اخبار بدر ۲۷/ جولائی ۱۹۰۵ء صفحہ ۷ کالم ۲۔
۸۱۔ بدر ۵/ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۸۲۔ صاحبزادہ عبدالسلام صاحب نے ۲۴۔ ۲۵ مارچ ۱۹۵۶ء کو انتقال کیا۔ اور مقبرہ بہشتی ربوہ میں دفن ہوئے۔
۸۳۔ رسالہ الوصیت صفحہ ۱۵ شائع کردہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔
۸۴۔ ۱۹۰۵ء کے بعض دیگر واقعات۔ (ا) مدرسہ تعلیم الاسلام کے قیام و بقا کی جدوجہد فرمائی (تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۴۲۷) (۲) اڑھائی ماہ تک حضور کے ساتھ باغ میں قیام پذیر رہے۔ تاریخ احمدیت حصہ سوم ۳۶۹۔ ۴۰۵۔ ۴۱۱) (۳) آپ کی دینیات کلاس جاری رہی آپ کے بعض طلباء کے نام کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت حصہ سوم صفحہ ۴۲۷ حاشیہ (۴) طبیب حاذق میں آپ کے مجربات کی اشاعت شروع ہوئی جن کو اصلاح و ترمیم کے بعد بیاض نور الدین کی شکل میں شائع کیا گیا۔ قرشی محمد حسن شفاء الملک کی بیاض خاص اس کے علاوہ ہے۔ (۵) حضرت اقدسؑ کے تار پر سفر دہلی اختیار فرمایا۔ (تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۴۳۷) یہاں اس غلطی کی تصحیح ضروری ہے۔ کہ حضورؑ نے اپنی نقرس کی تکلیف کے لئے نہیں بلکہ حضرت میر ناصر نواب صاحب کے علاج کے لئے بلوایا تھا (بدر ۳۱/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴ کالم ۳۔ بدر ۳/ نومبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۴ کالم ۲۔ ۳)
۸۵۔ بدر ۲۳/ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۸۔
۸۶۔ حیات نور الدین صفحہ ۱۵۵۔
۸۷۔ الحکم ۳۱/ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۳۔ ۶ دسمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۳۔
۸۸۔ یہ خط "الذکر الحکیم" میں شائع شدہ ہے۔
۸۹۔ الحکم ۳۱/ مئی ۱۹۰۶ء صفحہ ۹۔ ۱۰
۹۰۔ الحکم ۲۴ نومبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۷۔

۹۱۔ الحکم ۲۴/ دسمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۶۔۷
۹۲۔ حقیقۃ الوحی (ضمیمہ) الاستفتاء صفحہ ۳۶۔ الحکم ۱۰ جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۵ کالم ۲۔
۹۳۔ الحکم ۳۱/ اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۷۔
۹۴۔ بدر ۲/ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۵۔۶
۹۵۔ بدر ۲۷/ دسمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۶ کالم ۲۔۳۔ اس سلسلہ میں حضرت خلیفہ اولؓ کا رقم فرمودہ ایک کارڈ کا عکس الحکم ۷/ ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۴ پر ملاحظہ ہو۔
۹۶۔ ۱۹۰۶ء کے بعض دیگر واقعات۔ (۱) حضرت سید محمد اسحاق صاحب کا نکاح پڑھا (تاریخ احمدیت حصہ سوم صفحہ ۴۶۰) (۲) رسالہ "تعلیم السلام" میں آپ کا درس شائع ہونا شروع ہو گیا۔ تاریخ احمدیت جلد سوئم صفحہ ۴۸۱)
۹۷۔ الحکم ۱۰/ فروری ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱ کالم ۲۔
۹۸۔ بدر ۲۵/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۵ کالم ۲۔
۹۹۔ بدر ۱۹/ مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۱۔
۱۰۰۔ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے اس ارشاد کی تعمیل میں عربی کی دو تفاسیر لکھیں جن میں سے ایک مفصل تھی ایک مجمل۔ مجمل تفسیر مکمل رنگ میں اور مفصل کے ۸۰ صفحات میاں عبدالمنان صاحب عمر کے پاس موجود ہیں۔
۱۰۱۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۴۱۔ ۴۲۔
۱۰۲۔ بدر ۵/ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۴۔ اصحاب احمد جلد اول صفحہ ۱۹۔
۱۰۳۔ الحکم ۱۰/ دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۶ کالم ۱۔
۱۰۴۔ الحکم ۱۴/ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ کالم ۲۔۳۔
۱۰۵۔ ۱۹۰۷ء کے بعض دیگر واقعات (۱) نماز کسوف پڑھائی۔ (الحکم ۱۷/ جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ ۱ کالم ۲) (۲) حضرت صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کے علاج میں حصہ لیا۔ (تاریخ احمدیت حصہ سوم صفحہ ۵۰۲) (۳) قیام امن کے موضوع پر تقریر فرمائی (تاریخ احمدیت حصہ سوم صفحہ ۵۰۰) (۴) جلسہ ۱۹۰۷ء پر ایمان افروز تقریر فرمائی (ایضاً صفحہ ۵۱۸)
۱۰۶۔ الحکم ۱۰/ فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۱۰۷۔ الحکم ۱۰/ مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۷۔
۱۰۸۔ الحکم ۶/ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۴۔
۱۰۹۔ الحکم ۳۰/ مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۱ کالم ۲۔۳
۱۱۰۔ مفصل خطبہ کے لئے الحکم ۶/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۳۔۴۔
۱۱۱۔ جنوری تا اپریل ۱۹۰۸ء کے بعض دیگر واقعات۔ (۱) حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا نکاح پڑھا (تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۵۲۴۔ ۵۲۵) (۲) فنانشل کمشنر پنجاب کے استقبال میں شامل ہوئے (بدر ۲۶/ مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۲ کالم ۲) (۳) پیر عبداللہ شاہ صاحب خلیفہ مجاز پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کو تبلیغ حق کی (الحکم ۲/ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۳۔۴)
۱۱۲۔ "الظفر الرحمانی" کے مطابق ۱۵/ مئی ۱۹۰۸ء کو آپ سے مفتی غلام مرتضیٰ صاحب میانوی کا مباحثہ بھی ہوا حضرت مولانا راجیکی صاحب کا بیان ہے کہ یہ مباحثہ حیات و وفات مسیح پر ہوا۔ حضرت مولوی صاحب نے ان کو بتایا کہ یاعیسی انی متوفیک و رافعک الی میں واؤ ترتیب کے لئے ہے۔ اور یہ کہ آنحضرتؐ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات یافتہ نبیوں میں دیکھا ہے پس ان کی وفات ثابت ہے مفتی صاحب نے واؤ کو ترتیب کی بجائے واؤ جمع قرار دیا جس پر حضرت مولوی صاحب نے ان الصفا و المروۃ من شعائر اللہ کے نزول کے بعد کا یہ واقعہ بتایا کہ جب صحابہ نے حضورؐ سے پوچھا کہ کس ترتیب سے ان کا طواف ہو تو حضور نے فرمایا ابدو بما بدء اللہ کہ جسے ترتیب کے لحاظ سے خدا نے پہلے رکھا ہے۔ اسی سے ابتدا کرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ "واؤ" کا حرف جمع کے علاوہ ترتیب کا بھی فائدہ دیتا ہے۔ (حیات قدسی۔ رجسٹر نمبر ا صفحہ ۲۲۹)
۱۱۳۔ بدر ۲۶/ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۷ کالم ۲۔

۱۱۴۔ یہ روایت آپ نے دوسری روایات کے ساتھ اپنے قلم سے مؤلف کو لکھ کر بجوائی ہے۔

۱۱۵۔ تفصیل "تاریخ احمدیت" جلد سوم سابقہ ایڈیشن صفحہ ۵۵۲۔ ۵۵۳ میں مذکور ہے۔

۱۱۶۔ سیرت المہدی حصہ اول طبع اول صفحہ ۱۴۔

۱۱۷۔ الحکم ۲۸/ مئی و ۷/ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۴۔

حضرت حکیم مولانا نورالدین (گود میں آپ کے فرزند میاں عبدالحی صاحبؓ ہیں)

(فوٹو ۱۹۰۲ء)

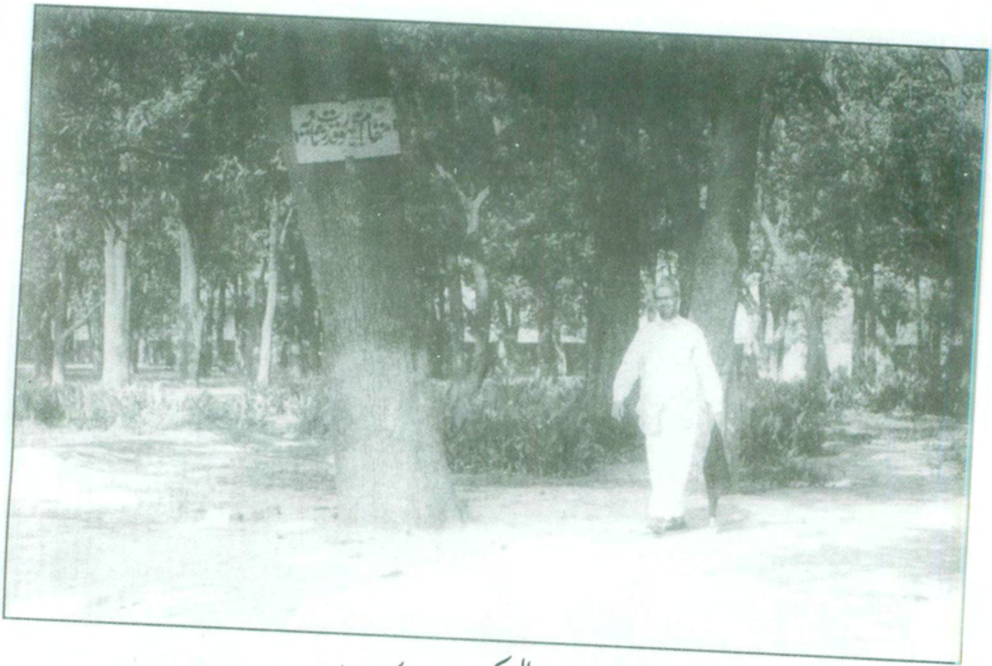

خلافت اولیٰ کی بیعت کا مقام

مقام ظہور قدرت ثانیہ

وہ گلی جہاں حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے گھوڑے سے گرنے کا واقعہ پیش آیا۔

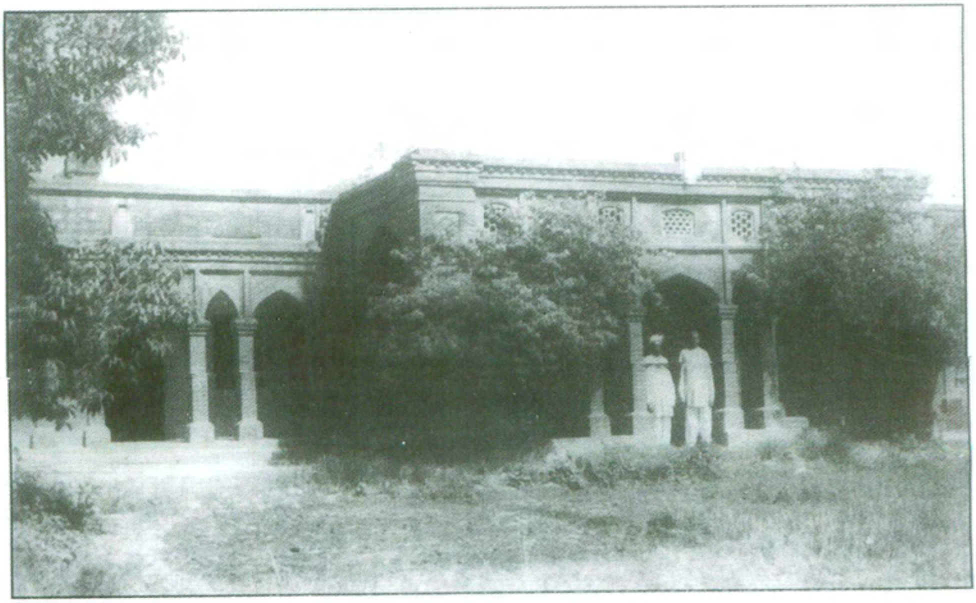

حضرت خلیفہ اولؓ کا مقام وصال کوٹھی حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خانؓ

مزار مبارک سیدنا حضرت مسیح موعودؑ و حضرت خلیفہ اولؓ

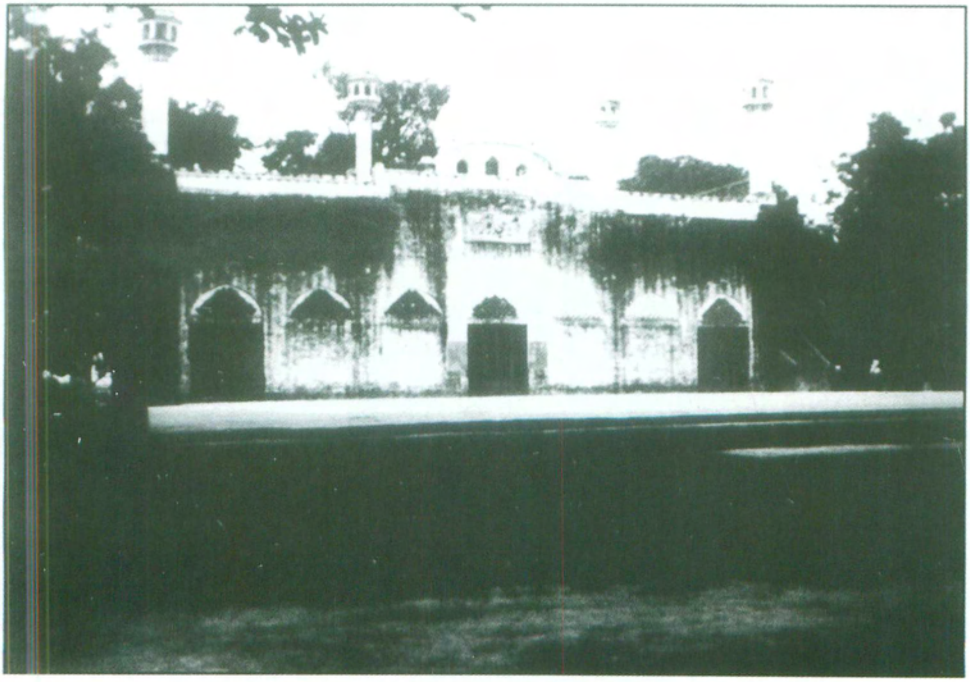

مسجد نور۔ قادیان

احمدیت میں
نظام خلافت کا آغاز

؎

امت کا امیں۔ حافظ قرآن خلیفہ نباض قلم۔ علم کی اک کان خلیفہ
مہدی کا علمدار کہوں تو بھی بجا ہے صدیق سا لاثانی و ذی شان خلیفہ
(ثاقب زیروی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حصہ دوم (پہلا باب)

حضرت حکیم نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اول کی خلافت پر قوم کا اجماع

(۲۷ مئی ۱۹۰۸ء تا ۳۱ دسمبر ۱۹۰۸ء بمطابق جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ سے ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ تک)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے معاًبعد جماعت کے سامنے سب سے پہلا اور اہم مسئلہ جو پیش آیا وہ آپ کے خلیفہ کا انتخاب تھا۔ پوری جماعت کی نگاہیں خدائی تصرف کے تحت ابتداء ہی سے حضرت مولوی نورالدین صاحب کی طرف اٹھ رہی تھیں مخالفین تک پہلے ہی سے آپ کو مرزا صاحب کا خلیفہ قرار دیتے تھے۔ مگر ظاہری اور مادی نقطہ نگاہ سے پوری قوم کو خلافت تلے جمع کرنے کی منظم اور جماعتی سطح پر تحریک اٹھانے کا سہرا خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر سیکرٹری انجمن احمدیہ کے سر ہے جنہوں نے ۲۷/ مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت اقدس کی نعش مبارک کے قادیان پہنچتے ہی باغ میں بیعت خلافت کے لئے مولوی محمد علی صاحب کو تحریک کی۔ اور ذکر کیا کہ یہ تجویز ہوئی ہے کہ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جانشین حضرت مولوی نورالدین صاحب ہوں"۔ مولوی محمد علی صاحب نے کہا۔ بالکل صحیح ہے اور حضرت مولوی صاحب ہی ہر طرح سے اس بات کے اہل ہیں خواجہ صاحب نے کہا۔ یہ بھی تجویز ہوئی ہے کہ سب احمدی ان کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ مولوی محمد علی صاحب نے کہا۔ "اس کی کیا ضرورت ہے جو لوگ نئے سلسلہ میں داخل ہوں گے انہیں بیعت کی ضرورت ہے اور یہی الوصیت کا منشاء ہے"۔ خواجہ صاحب نے جواب دیا کہ "چونکہ وقت بڑا نازک ہے ایسا نہ ہو کہ جماعت میں تفرقہ پیدا ہو جائے اور احمدیوں کے حضرت مولوی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لینے میں کوئی حرج بھی نہیں"۔ [1] اس پر مولوی صاحب بھی بیعت کے لئے رضامند ہو گئے۔

مولوی محمد علی صاحب کو قائل کرنے کے بعد خواجہ صاحب صدر انجمن احمدیہ کے دوسرے اکابر مثلاً شیخ رحمت اللہ صاحب۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کو لے کر نواب محمد علی خان صاحبؓ کے پرانے مکان پر پہنچے ۲ اور شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کے ذریعہ سے مولوی محمد احسن صاحب امروہی کو بھی بلوا بھیجا۔ اور پوچھا کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کی تکفین و تدفین سے قبل صحابہ نے حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔ اسی طرح ہم حضرت مولوی نور الدین صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ مولوی صاحب نے اس کی پوری پوری تائید کی۔ نیز مشورہ دیا کہ حضرت میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب سے مشورہ کرلینا ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ صاحب باغ سے بلوائے گئے ۳۔ آپ نے نہایت کشادہ پیشانی سے اتفاق رائے کرتے ہوئے کہا کہ "حضرت مولوی صاحب سے بڑھ کر کوئی نہیں اور خلیفہ ضرور ہونا چاہئے اور حضرت مولوی صاحب ہی خلیفہ ہونے چاہئیں ورنہ اختلاف کا اندیشہ ہے۔ اور حضرت اقدس کا الہام ہے کہ اس جماعت کے دو گروہ ہوں گے ایک کی طرف خدا ہو گا اور یہ پھوٹ کا ثمرہ (ہے)" ۴ اس کے بعد یہ حضرات باغ میں پہنچے۔ اور حضرت میر ناصر نواب صاحب سے دریافت کیا۔ انہوں نے حضرت مولوی نور الدین صاحب ہی کی خلافت کی تائید کی۔ ازاں بعد خواجہ کمال الدین صاحب جماعت کے نمائندہ کی حیثیت سے حضرت ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ حضرت مولوی صاحب موصوف سے بڑھ کر کون اس کے قابل ہو سکتا ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام کا جانشین ہو۔ ۵ چنانچہ اہل بیت سے مشورہ اور تسلی بخش جواب کے بعد خواجہ صاحب حضور کے دوسرے ساتھیوں کو لے کر حضرت مولوی نور الدین صاحب کی خدمت میں گول کمرہ میں حاضر ہوئے۔ اور مناسب رنگ میں بیعت خلافت کے لئے عرضداشت کی۔ آپ نے کچھ تامل کے بعد فرمایا۔ "میں دعا کے بعد جواب دوں گا۔" چنانچہ پانی منگوایا گیا۔ آپ نے وضو کیا اور غربی کوچہ کے متصل دالان میں (اور مفتی صاحب کی روایت کے مطابق) نواب صاحب کے مکان میں جہاں مولوی شیر علی صاحب کے دفتر کا کمرہ تھا۔ ۶ نماز نفل پڑھی اور سجدہ میں گر کر بہت روئے اس عرصہ میں یہ وفد باہر صحن میں انتظار کرتا رہا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا کہ چلو ہم وہیں چلیں جہاں ہمارے آقا کا جسد اطہر ہے۔ اور جہاں ہمارے بھائی انتظار میں ہیں۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحب تمام حاضرین سمیت باغ میں تشریف لے گئے۔ ۷ اس وقت حضور کی نعش مبارک باغ ہی میں رکھی تھی۔ اور سب لوگ اس کے اردگرد جمع تھے۔ یہاں حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے کھڑے ہو کر تمام جماعت کی طرف سے ایک تحریر پڑھی جس میں آپ کی خدمت میں بیعت کی درخواست تھی

اور اس پر جماعت کے سب ہی اکابر کے دستخط ثبت تھے۔ ۸

حضرت خلیفۃ المسیح اول کی پہلی تقریر

احباب جماعت کی درخواست سننے کے بعد حضرت مولوی صاحب نے کھڑے ہو کر کلمہ شہادت و استعاذہ کے بعد آیت ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر پڑھی اور فرمایا۔

"میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جو ابدی اور ازلی ہمارا خدا ہے۔ ہر ایک نبی جو دنیا میں آتا ہے اس کا ایک کام ہوتا ہے جو کرتا ہے۔ جب ہو چکتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کو بلا لیتا ہے۔ حضرت موسیٰ کی نسبت یہ بات مشہور ہے کہ وہ ابھی بلاد شام میں نہیں پہنچے تھے کہ رستہ ہی میں فوت ہو گئے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے قیصر و کسریٰ کی کنجیوں کا ذکر فرمایا کہ مجھے دی گئیں ہیں مگر آپ نے وہ کنجیاں (چابیاں) نہ دیکھیں کہ چل دیئے ایسی باتوں میں اللہ تعالیٰ کے مخفی اسرار ہوتے ہیں۔ یہاں بھی بہت سے لوگ تعجب کریں گے کئی پیشگوئیاں کی تھیں وہ ابھی پوری نہیں ہوئیں میرے خیال میں یہ اللہ کی سنت ہے کہ وہ بتدریج کام کرتا ہے۔ اور پھر جسے مخاطب کرتا ہے کبھی اس سے مراد اس کا مثیل بھی ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

اس کے بعد فرمایا:۔

"میری پچھلی زندگی میں غور کر لو۔ میں کبھی امام بننے کا خواہشمند نہیں ہوا۔ مولوی عبدالکریم مرحوم امام الصلوۃ بنے تو میں نے بھاری ذمہ داری سے اپنے تئیں سبکدوش خیال کیا تھا۔ میں اپنی حالت سے خوب واقف ہوں اور میرا رب مجھ سے بھی زیادہ واقف ہے میں دنیا میں ظاہرداری کا خواہشمند نہیں۔ میں ہرگز ایسی باتوں کا خواہشمند نہیں۔ اگر خواہش ہے تو یہ کہ میرا مولیٰ مجھ سے راضی ہو جائے۔ اس خواہش کے لئے میں دعائیں کرتا ہوں۔ قادیان بھی اس لئے رہا اور رہتا ہوں اور رہوں گا۔ میں نے اس فکر میں کئی دن گزارے کہ ہماری حالت حضرت صاحب کے بعد کیا ہو گی۔ اس لئے میں کوشش کرتا رہا کہ میاں محمود کی تعلیم اس درجہ تک پہنچ جائے۔ حضرت صاحب کے اقارب میں اس وقت تین آدمی موجود ہیں (یعنی صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب۔ میر ناصر نواب صاحب ؓ۔ نواب محمد علی خان صاحبؓ۔ ناقل)۔۔۔۔۔۔ اس وقت مردوں بچوں عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وحدت کے نیچے ہوں اور اس وحدت کے لئے ان بزرگوں میں سے کسی کی بیعت کر لو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں خود ضعیف ہوں بیمار رہتا ہوں پھر طبیعت مناسب نہیں۔ اتنا بڑا کام آسان نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ پس میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جن عمائید کا نام لیا ہے۔ ان میں سے کوئی منتخب کر لو۔ میں تمہارے ساتھ بیعت کرنے کو تیار ہوں۔ اگر تم میری بیعت ہی کرنا چاہتے ہو تو سن لو بیعت بک

جانے کا نام ہے۔ ایک دفعہ حضرت نے مجھے اشارۃ" فرمایا کہ وطن کا خیال بھی نہ کرنا سو اس کے بعد میری ساری عزت اور میرا سارا خیال ان ہی سے وابستہ ہو گیا۔ اور میں نے کبھی وطن کا خیال...... تک نہیں کیا۔ پس بیعت کرنا ایک مشکل امر ہے۔ ایک شخص دوسرے کے لئے اپنی تمام حریت اور بلند پروازیوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ اس لئے اللہ نے اپنے بندے کا نام عبد رکھا ہے۔ اس عبودیت کا بوجھ اپنی ذات کے لئے مشکل سے اٹھایا جاتا ہے۔ کوئی دوسرے کے لئے کیا اور کیونکر اٹھائے۔ طبائع کے اختلاف پر نظر کر کے یک رنگ ہونے کے لئے بڑی ہمت کی ضرورت ہے......

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جناب ابو بکرؓ کے زمانہ میں عرب میں ایسی بلا پھیلی تھی کہ سوا مکہ اور مدینہ اور جواثہ کے سخت شور و شر اٹھا۔ مکہ والے بھی فرنٹ ہونے لگے۔ مگر وہ بڑی پاک روح تھی۔ جس نے انہیں کہا۔ کہ اسلام لانے میں تم سب سے پیچھے ہو۔ مرتد ہونے میں کیوں پہلے بنتے ہو۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ میرے باپ کے اوپر جو پہاڑ گرا ہے وہ کسی اور پر گرتا تو چور ہو جاتا۔ پھر بیس ہزار کی جماعت مدینہ میں موجود تھی۔ اور چونکہ آنحضرت ﷺ حکم دے چکے تھے کہ ایک لشکر روانہ کرنا ہے بس اس کو بھیج دیا ادھر اپنی قوم کا یہ حال تھا مگر آخر خدا نے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھلایا۔ ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم کا زمانہ آگیا اس وقت بھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا ہے میں چاہتا ہوں کہ دفن ہونے سے پہلے تمہارا کلمہ ایک ہو جائے۔ نبی کریم ﷺ کے بعد ابو بکرؓ کے زمانے میں صحابہ کرام کو بہت سی مساعی جمیلہ کرنی پڑیں۔ سب سے پہلا اہم کام جو کیا وہ جمع قرآن ہے۔ اب موجودہ صورت میں جمع یہ ہے کہ اس پر عمل در آمد کرنے کی طرف خاص توجہ ہو۔

پھر حضرت ابو بکرؓ نے زکوۃ کا انتظام کیا۔ یہ بڑا عظیم الشان کام ہے۔ انتظام زکوۃ کے لئے اعلیٰ درجے کی فرمانبرداری کی ضرورت ہے پھر کنبہ کی پرورش ہے۔ غرض کئی ایسے کام ہیں۔

آخر میں آپ نے ارشاد فرمایا:۔

اب تمہاری طبیعتوں کے رخ خواہ کسی طرف ہوں تمہیں میرے احکام کی تعمیل کرنی ہوگی اگر یہ بات تمہیں منظور ہو تو میں طوعاً و کرہاً اس بوجھ کو اٹھاتا ہوں۔ وہ بیعت کے دس شرائط بدستور قائم ہیں۔ ان میں خصوصیت سے میں قرآن کو سیکھنے اور زکوۃ کا انتظام کرنے' واعظین کے بہم پہنچانے اور ان امور کو جو وقتاً فوقتاً اللہ میرے دل میں ڈالے شامل کرتا ہوں۔ پھر تعلیم دینیات۔ دینی مدرسہ کی تعلیم میری مرضی اور منشاء کے مطابق کرنا ہوگی۔ اور میں اس بوجھ کو صرف اللہ کے لئے اٹھاتا ہوں جس نے فرمایا۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر۔ یاد رکھو کہ ساری خوبیاں وحدت میں ہیں جس کا کوئی رئیس نہیں وہ مرچکی ہے۔ ۹

اس درد بھری تقریر پر سب نے بالاتفاق دردمند دل کے ساتھ عرض کیا۔ کہ ہم آپ کے سبھی احکام مانیں گے آپ ہمارے امیر بنیں اور ہمارے مسیحؑ کے جانشین ہوں۔ چنانچہ اسی جگہ بارہ سو کے قریب احمدیوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور یوں قدرت ثانیہ کا ظہور ہوا۔ مردوں کی بیعت کے بعد مستورات نے بھی بیعت خلافت کی اور سب سے اول بیعت کنندہ حضرت سیدۃ النساء ام المومنین رضی اللہ عنہا تھیں۔ ١١

ڈاکٹر عطردین صاحب درویش کا بیان ہے کہ میں تدفین کے بعد چودھری فتح محمد صاحب سیال اور شیخ محمد تیمور کے ہمراہ شہر کو واپس آرہا تھا کہ بڑے باغ کے کنویں کے پاس کسی نے پیچھے سے میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت خلیفہ اولؓ ہیں آپ نے فرمایا میاں عطردین! کیا محمد علی نے میری بیعت کی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ انہوں نے بیعت کی ہے چنانچہ میں نے اسی وقت اپنے ساتھیوں کو بتادیا کہ حضور نے مولوی محمد علی صاحب کے متعلق یہ دریافت فرمایا ہے۔ ١٢

صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے بیرونی جماعتوں کو اطلاع

غرض کہ پوری جماعت اس وقت حضرت خلیفہ اول کی خلافت پر بالاتفاق جمع ہو گئی اور خواجہ کمال الدین صاحب نے صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے اخبار "الحکم" اور "بدر" میں بیرونی جماعتوں کو اطلاع دی کہ

"آپ (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کے وصایا مندرجہ رسالہ الوصیت کے مطابق حسب مشورہ معتمدین صدر انجمن احمدیہ موجود قادیان و اقربا حضرت مسیح موعود باجازت حضرت ام المومنین کل قوم نے جو قادیان میں موجود تھی اور جس کی تعداد اس وقت بارہ سو تھی والا مناقب حضرت حاجی الحرمین شریفین جناب حکیم الامت نور الدین صاحب سلمہ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ معتمدین میں سے ذیل کے اصحاب موجود تھے۔ مولانا حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب۔ صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب جناب نواب محمد علی خان صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب و خلیفہ رشید الدین و خاکسار (خواجہ کمال الدین)......... یہ خط بطور اطلاع کل سلسلہ کے ممبران کو لکھا جاتا ہے کہ وہ اس خط کے پڑھنے کے بعد فی الفور حضرت حکیم الامت خلیفۃ المسیح و المہدی کی خدمت بابرکت میں بذات خود یا بذریعہ تحریر حاضر ہو کر بیعت کریں"۔ اس اعلان میں خواجہ صاحب نے بیعت کے الفاظ بھی درج کئے تھے۔ ١٣

خواجہ کمال الدین صاحب کا ایک حیرت انگیز بیان قیام خلافت اولیٰ کی نسبت

خواجہ کمال الدین صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح اول کی بیعت کے لئے اس درجہ سعی و جدوجہد سے کام لیا؟ یہ ایک نہایت ایمان افروز واقعہ ہے جس کی تفصیل خواجہ کمال الدین صاحب کے قلم سے لکھتا ہوں [۱۷]۔ فرماتے ہیں:۔

"احمدی جماعت میں بہت تھوڑوں کو اس بات کا علم ہے کہ میں نے ہی سب سے اول حضرت قبلہ کو اپنی طرف سے اور اپنے خاص احباب کی طرف سے خلافت کا بار گراں اٹھانے کے لئے عرض کیا۔ اس کی بناء کوئی مصلحت وقت نہ تھی بلکہ اشارہ ربی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ ۲۶/ مئی ۱۹۰۸ء کو اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ میں نے شب درمیان ۲۳۔ ۲۴/ مئی ۱۹۰۸ء ایک عجیب رویا دیکھا۔ میں ان واقعات کا ذکر بھی نہ کرتا لیکن چونکہ بعد کے واقعات اور موجودہ واقعات نے اس رویا کی صداقت پر مہر لگا دی ہے اس لئے میرے نزدیک ہر ایک سلیم الفطرت احمدی کے لئے یہ ایک قطعی شہادت ہے۔ میں نے دیکھا کہ میں اور میرے ہمراہ شاید اور نو یا دس یا گیارہ احباب ہیں جن میں سے ایک مولوی محمد علی صاحب ہیں ہم سب کسی شاہی خاندان میں سے ہیں لیکن جس خاندان کے ہم ممبر ہیں ان کا سرتاج تخت سے الگ ہو چکا ہے۔ اور نئی سلطنت قائم ہو گئی ہے' اور پہلا دور بدل گیا ہے۔ اور ہم یہ نو دس آدمی اسیران سلطانی ٹھہرائے گئے ہیں۔ ہم سخت تشویش میں ہیں کہ اتنے میں ہمیں اطلاع ہوئی کہ نئی سلطنت کا سرتاج ہم کو طلب کرتا ہے اور ہمیں ہماری قسمت کا فیصلہ سناتا ہے۔ کیا شان ایزدی ہے کہ ہم جو نو دس آدمی ہیں ان کی بھی دو جماعتیں بنائی گئی ہیں حکم ہوا کہ باری باری جماعت میں نئے حاکم کے سامنے ہم پیش ہوں۔ چنانچہ پہلی جماعت جو نئے سلطان کے سامنے پیش ہوئی وہ بسرکردگی مولوی محمد علی صاحب گئی ہم کمرہ سلطان سے باہر تھے لیکن مجھے یہ سمجھ آئی کہ نئے فرمانروا نے جو کچھ مولوی محمد علی صاحب اور ان کے ہمراہیوں کو کہا انہوں نے خاموشی سے سن کر سر تسلیم خم کیا اور خاموش ہی باہر آگئے اس کے بعد مجھے حکم ہوا۔ میرے ہمراہ بھی چار پانچ احباب باقی تھے۔ اور وہ میری سرکردگی میں پیش ہوئے جب میں کمرہ سلطان کے اندر داخل ہوا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ نیا حاکم خود مولوی نور الدین صاحب ہیں۔ آپ نے نہایت متانت اور تمکنت کے ساتھ مجھے اور میرے ہمراہیوں کو دیکھا اور پھر حسب ذیل گفتگو شروع ہوئی۔ میرا انداز جواب کسی قدر تیز تھا۔

مولوی نور الدین صاحب! تم جانتے ہو کہ تم کون ہو۔ اور تمہاری حیثیت اس وقت کیا ہے؟

میں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ جس خاندان شاہی کے ہم رکن تھے وہ دور بدل گیا ہے اور ہم اس وقت

اسیران سلطانی ہیں۔

مولوی نور الدین صاحب۔ کیا وجہ ہے کہ تمہارے ساتھ وہی سلوک نہ کیا جاوے جو اسیران سلطانی کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ تم کو ان وطنوں سے نکال کر دوسرے وطنوں میں آباد نہ کیا جاوے۔

میں۔ (بڑے جوش اور لاپرواہی کے ساتھ) آپ کی جو مرضی ہے کریں جب ہم اسیر سلطانی ہیں تو ہمارا چارہ ہی کیا ہے۔ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ ہمارا اب دور بدل گیا ہے اب ہم قیدی ہیں اگر ہم کچھ اور چاہیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں جو آپ کی خوشی ہو کرو۔

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میرے جسم پر سخت رعشہ اور سنسناہٹ تھی۔ اور ایک مدت تک میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا۔ یہ تہجد کا وقت تھا۔ میں اٹھا اور سب سے اول اسی واقعہ کو قلمبند کیا اور صبح تک استغفار میں مصروف رہا۔ بعد از صبح حضرت مرزا صاحب مغفور باہر آئے تو سب سے اول جو موقعہ مجھے تنہائی میں آپ سے ملا۔ میں نے وہ کاغذ پیش کیا۔ دو دن کے بعد یہ رویا بالکل بدیہی واقعہ ہو جانے والا تھا۔ لیکن مصلحت ربی نے آپ کی طبیعت کو اس طرف نہ آنے دیا۔ آپ نے صرف اس قدر فرمایا۔ کہ خواب میں اسیر سلطانی ہونا نہایت ہی مبارک ہے۔

حضرت صاحب کے بعد میں حضرت حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ کاغذ دکھایا۔ وہ حسرت آج تک میرے پیش نظر ہے۔ جو اس کاغذ کو دیکھ کر مولوی صاحب کے چہرے پر نمودار ہوئی۔ آپ نے کئی منٹوں تک گردن نیچی رکھی۔ اور پھر بعد میں اس کاغذ کو اپنی جیب میں ڈال کر فرمایا۔ کہ میں اس کی تعبیر بعد غور بتلاؤں گا۔ ۴۸ گھنٹہ اس واقعہ پر گزرے کہ بادشاہ وقت جہان سے رخصت ہو گیا اور نئے کار کے آثار شروع ہو گئے اس خواب سے اطلاع اسی دن مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب اور شیخ رحمت اللہ صاحب کو دی گئی تھی۔ اور وہ خدا واسطے اس امر کی شہادت دے سکتے ہیں۔ الغرض جب ہم اس اچانک موت کے ضروری انتظام سے فارغ ہو کر ریل میں بغرض قادیان بیٹھے۔ تو میں نے حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب سے جب کہ ہردو ڈاکٹر صاحب بھی ہمراہ تھے پوچھا۔ کہ بتلاؤ اب خلیفہ کون ہو گا۔ تو شیخ صاحب نے فی الفور بجواب کہا کہ وہی جس کی تمہیں دو دن پہلے اطلاع ہو چکی ہے۔ شیخ صاحب کا اس رویا کی طرف اشارہ تھا۔ جب ہم قادیان پہنچے۔ اور حضرت فاضل امروہی اور حضرت صاحبزادہ صاحب کی استرضا کے بعد گول کمرہ قادیان میں جمع ہوئے تو میں نے حضرت قبلہ کو وہاں آنے کی تکلیف دی۔ اس وقت بھی میں نے یہ نہیں کہا کہ اب آپ خلافت کو قبول کریں۔ بلکہ میں نے یہ عرض کیا کہ حضور کو جو کاغذ پرسوں لاہور میں میں نے دیا

تھا۔ اور جس میں میرا رؤیا تھا وہ کیا حضور کو یاد ہے۔

مولوی صاحب۔ ہاں میاں۔ وہ کاغذ اب بھی میری جیب میں ہے۔

میں۔ تو پھر اب وہ وقت آگیا۔

اس کے بعد حضرت نے دو نفل ادا کئے اور مجھے حکم دیا کہ حضرت مائی صاحبہ اور میر صاحب سے استرضا کروں۔

جو تقریر اول بطور خلیفۃ المسیحؑ آپ نے باغ میں فرمائی اس میں بھی آپ نے مجھے مخاطب کرکے ذیل کے الفاظ فرمائے۔

اب سستی اور غفلت کے وطنوں کو چھوڑ دو۔ اور چستی اور کارکردگی کے وطنوں میں آباد ہو جاؤ۔

یہ الفاظ بھی خواب کی طرف تلمیح کرتے تھے۔ لیکن نہ مجھے اور نہ خود حکیم صاحب قبلہ کو اس وقت علم تھا کہ یہ الفاظ اس طرح استعارہ نہیں بلکہ لفظی معنوں میں پورے ہونے والے ہیں آج میں ہوں اور یورپ کیا عجیب بات ہے کہ کل سے میری طبیعت یہاں بے چین ہے اور بار بار گھر جانے کو دل چاہتا ہے۔ گھر سے میری مراد لندن ہے سبحان اللہ سبحان اللہ ! کیوں تم کو ان وطنوں سے نکال کر دوسرے وطنوں میں آباد نہ کیا جائے۔ رویا کیا برحق ثابت ہوا۔ خان نواب محمد علی خاں صاحب بھی اس رویا سے واقف ہیں۔ ان واقعات کی شہادت خود حضرت قبلہ حکیم صاحب سے لی جاوے۔ آیا یہ سچے امور ہیں یا نہیں۔ ابھی دو ماہ ہوئے جب میں نے ان کو کہا کہ آپ کسی کو میری مدد کے لئے لندن بھیج دیں تو میں نے پھر اس خواب کی طرف اشارہ کرکے لکھا کہ خواب تو چاہتا ہے کہ میرے ہمراہ چار پانچ اور بھی وطنوں کو چھوڑ کر غریب الوطنی اختیار کریں اور آپ کے حکم سے۔ آپ کیوں حکم صادر نہیں فرماتے۔ میرے ساتھ تو چار پانچ اور بھی تھے جب آپ نے مجھے جلاوطن کیا۔ بہرحال ہمارے دو تین احباب جو قاضی یار محمد صاحب کے معاملہ میں کچھ متامل سے ہیں چونکہ وہ اس احمدی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے لئے خواب اور مکاشفات حجت ہوتے ہیں۔ وہ ان امور بالا پر غور کریں یہ رویا تو کچھ ایسا قادیان میں مشہور تھا کہ ۱۹۰۹ء میں بعض واقعات کے پیدا ہونے پر جیسے طنزاً اسیر سلطانی کہہ کر پکارا جاتا تھا اور ایک میرے قابل ادب دوست کے لئے تو یہ میرا اسیر سلطانی کا خطاب بہت سارے پریشان کن حالات کا موجب ہو جایا کرتا تھا۔"

خواجہ کمال الدین صاحب کی خودنوشت بیان کا چربہ

گزشتہ صفحات میں خواجہ صاحب کے جس بیان کا ذکر کیا گیا ہے اس کا چربہ درج ذیل ہے۔

احمدی جماعت میں سے بہت تھوڑوں کو اس بات کا علم ہے کہ میں نے ہی سب سے اول
حضرت قبلہ کو اپنی طرف سے اور اپنے خاص احباب کی طرف سے خلافت کی بار گراں
اٹھانے پر مجبور کیا اور اس کی بنا کوئی مصلحت وقت نہ تھی۔ بلکہ اشارہ ربی
جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حضرت مسیح موعود ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ مجھے شب درمیان
۲۳ و ۲۴ (مئی ۱۹۰۸ء) ایک عجیب رؤیا دکھایا گیا۔ میں ان واقعات کا ذکر بھی نہ کرتا لیکن چونکہ بعد کے واقعات
اور موجودہ واقعات نے اس رؤیا کی صداقت پر مہر لگا دی ہے اسلئے میرے
نزدیک ہر ایک سلیم الفطرت احمدی کے لئے یہ ایک قطعی شہادت ہے۔ مجھے دکھایا گیا
کہ میں اور میرے ہمراہ شائد اور نو یا دس یا گیارہ احباب ہیں جنمیں سے
ایک مولوی محمد علی صاحب ہیں۔ ہم سب کسی شاہی خاندان میں سے ہیں۔ لیکن
جس خاندان کے ہم ممبر ہیں ان کا سلسلہ تخت سے الگ ہو چکا ہے۔ اور نئی
سلطنت قائم ہو گئی ہے اور یہ پہلا دور بدل گیا ہے۔ اور ہم یہ نو دس آدمی
اسیران سلطانی ٹھہرائے گئے ہیں۔ ہم سخت تشویش میں ہیں کہ آئی

میں نے ہمیں الہام ہوا کہ اس نئی سلطنت کا سرتاج ہمکو طلب کرتا ہے
اور ہمیں ہماری قسمت کا فیصلہ سناتا ہے۔
تمام ریزرڈی ملے کہ ہم جو ذوکس آدمی ہیں انکی بڑی جماعتیں بنائی گئیں مجھے حکم ہوا
ہماری باری کی جماعتیں نئے حاکم کے سامنے پیش ہوں۔ چنانچہ پہلی جماعت
جو نئے سلطان کے سامنے پیش ہوئی وہ بسرکردگی مولوی محمد علی صاحب گئی
ہم کمرہ سلطانی سے باہر تھے۔ لیکن مجھے یہ سمجھ آئی کہ نئے فرمانروا نے
جو کچھ مولوی محمد علی صاحب اور انکے ہمراہیوں کو کہا انہوں نے خاموشی سے سنا
سر تسلیم خم کیا۔ اور خاموشی سے باہر آگئے۔ اسکے بعد مجھے حکم ہوا۔
میرے ہمراہ بھی چار پانچ احباب باقی کے تھے۔ اور وہ میری سرکردگی میں پیش
ہوئے۔ جب میں کمرہ سلطانی کے اندر داخل ہوا تو کیا دیکھتا
ہوں کہ نیا حاکم خود مولوی نورالدین صاحب ہیں۔ آپنے نہایت
متانت اور تمکنت کے ساتھ مجھے اور میرے ہمراہیوں کو دیکھا
پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی۔ میرا انداز جواب کسقدر تیز تھا۔
مولوی نورالدین صاحب۔ تم جانتے ہو کہ تم کون ہو اور تمہاری حیثیت اسوقت کیا ہے
میں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ جس خاندان کے ہم رکن تھے وہ
دور بدل گیا۔ اور ہم اسوقت انسان سلطان نہیں —

مولوی نورالدین صاحب۔ کیا وجہ ہے کہ تمہارے ساتھ وہی سلوک نہ کیا جاوے جو اسیر سیالکوٹی کے ساتھ ہم نے کیا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ تم کو ان وطنوں سے نکال کر دوسرے وطنوں میں آباد نہ کیا جاوے۔

میں۔ (بڑی جوش اور لاپرواہی کے ساتھ) آپ کی جو مرضی ہے کریں۔ جب ہم اسیر سیالکوٹی ہیں تو ہمارا چارہ ہی کیا تھا۔ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ ہمارا اب ٹھکانہ بدل گیا ہے اب ہم قیدی ہیں۔ اگر ہم کچھ اور چاہیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں جو آپ کی مرضی ہو کرو۔

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میری شرم پر ندامت رقت اور دوستی سب تھی اور ایک مدت تک میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا۔ تہجد کا وقت تھا۔ میں نے وضو کیا اور سب سے اول اس واقعہ کو قلمبند کیا اور صبح تک استغفار میں مصروف رہا۔ بعد از نماز صبح جب حضرت مرزا صاحب مغفور باہر آئے تو سب سے اول جو موقعہ تنہائی میں آپ سے ملا۔ یعنی وہ کاغذ پیش کیا۔ نورالدین نے بعد میں اردیا سے بالکل بدیہی ہونے واقعہ والا تھا۔ لیکن مصلحت ربی نے آپکی طبیعت کو اس طرف نہ آنے دیا۔ آپ نے صرف اسقدر مجھے فرمایا۔ کہ خواب میں اسیر سیالکوٹی ہونا نہایت ہی مبارک ہے

حضرت صاحب کے بعد میں حضرت حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور
وہ کاغذ دکھایا ~~بجنسہٖ~~ وہ حیرت آج تک ~~بعینہٖ~~ میرے پیش نظر ہے جو
کاغذ کو دیکھکر مولوی صاحب کے چہرہ پر نمودار ہوئی۔

اپنے گھٹنے مونڈھوں تک گردن نیچی رکھی اور پھر بعد میں اس کاغذ کو اپنے
میں ڈالکر فرمایا کہ میں پھر اسکی تعبیر بغور بتلاؤنگا۔ ۸ ہم گئے
اس واقعہ پر گذری کہ بادشاہ وقت جہان سے رخصت ہو گئے۔ اور
نئے دور کے آثار شروع ہو گئے۔
اس خواب کی اطلاع اور کیفیت مرزا یعقوب بیگ صاحب ڈاکٹر محمد حسین شاہ اور شیخ رحمت اللہ صاحب
کو دیدی گئی تھی۔ اور وہ خدا کے لئے اس امر کی شہادت دے سکتے ہیں۔ الخ

جب ہم اس اچانک موت کے ضروری انتظام سے فارغ ہو کر ریل میں بغرض قادیان بیٹھے
تو میں نے حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب سے جبکہ ہم ڈاکٹر صاحب بھی ہمراہ تھے پوچھا کہ تیلادو
اب خلیفہ کون ہوگا تو شیخ صاحب نے فی الفور بجواب کہا کہ وہی جیکی
تعبیر۔ کو دن پہلے اطلاع ہو چکی ہے شیخ صاحب کا اس رویا کی طرف اشارہ تھا
جب ہم قادیان پہنچے۔ اور حضرت فاضل امروہی صاحب اور حضرت صاحبزادہ صاحب
کی استرضاء کے بعد۔ گول کمرہ قادیان میں ہم جمع ہوئے۔ تو میں

نے حضرت قبلہ کو وہاں آنیکی تکلیف دی اور حضرت
بھی میں نے یہیں کہا کہ اب آپ خلافت کو قبول کریں
مگر میں نے یہ عرض کیا ۔

حضور کو جو کاغذ پہلے لاہور میں میں نے دیا تھا اور جس میں
میرا ایک رؤیا تھا۔ وہ کیا حضور کو یاد ہے۔
مولوی صاحب ۔ ہاں وہ کاغذ اب بھی میری جیب میں ہے۔
میں ۔ تو پھر اب وہ وقت آگیا ۔
اسکے بعد حضرت نے دو نفل ادا کئے اور مجھے بھی کہدیا کہ حضرت (?) صاحب اور میر صاحب سے
استخارہ کروائیں ۔
پھر اول بطور خلیفۃ المسیح آپنے باغ میں نماز پڑھائی اور اسمیں بھی آپنے
مندرجہ ذیل یہ الفاظ فرمائے ۔
اے سستی اور غفلت کے گھروں کو چھوڑدو اور چستی
اور کارگزاری کے گھروں میں آباد ہو جاؤ
یہ الفاظ بھی خواب کی طرف تلمیح کرتے تھے۔ لیکن نہ مجھے اور نہ خود حکیم صاحب کو
اسوقت علم تھا کہ یہ الفاظ اسطرح استعارۃً میرے ملکہ صفحہ

اس سے پیشتر ہو رہے واپس ہیں۔ آج میں لندن اور یورپ
کیا عجیب بات ہے کہ کل سے طبیعت بیتاب ہے اور بار بار گھر جانے کو دل
چاہتا ہے گھر سے میری مراد قادیان ہے۔ مکان تو ذات السعد ہے۔
کہ یہ تمام ان وطنوں سے نکال کر ... وطنوں میں آباد کیا جا
رہا ہے ... ثابت ہوا۔ ... بھی اس دنیا کے واقف ہیں۔

. . . .

والسلام

خادم
محمد ...

شرمنیس فورڈ ہوٹل
پیرس - ۶ نومبر

مولوی سید محمد احسن صاحب کا بیان خلافت اولیٰ کے قیام کے متعلق

ان حالات سے بالکل ظاہر ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کا انتخاب حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرح اجماع قوم سے خالص خدائی تصرف کے تحت ہوا اور آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی اور آیت استخلاف کے عین مطابق ہوا۔ چنانچہ مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی نے ان ہی دنوں فرمایا:۔ "یہ خلافت تامی نبوت ہے کیونکہ حدیث صحیح جو مشکوۃ شریف میں ہے روایت احمد و بیہقی موجود ہے۔ اس حدیث میں زمانہ آخری کی نبوت کے لئے ایک عظیم الشان پیشگوئی موجود ہے۔ اس حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں ثم تکون الخلافہ علی

منہاج النبوۃ......... شارحین۔ معتمدین مثل ملا علی قاری وغیرہ کے مرقاۃ وغیرہ میں اس کی شرح یوں تحریر فرماتے ہیں کہ **الظاہر ان المراد ان عیسٰیؑ ھو المھدی** اور یہ امر تو ظاہر ہے کہ تمام اراکین انجمن احمدیہ کے جو جانشین حضرت اقدسؑ کے ہیں۔ حضرت اقدس کو مسیح موعود اور مہدی معہود اعتقاد کرتے ہیں جن کی نبوت ماتحت نبوت حضرت خاتم النبین سید المرسلین ﷺ کے تھی......... اور ظاہر ہے کہ ان جملہ اراکین صدر انجمن نے حضرت خلیفۃ المسیح کے ہاتھ پر خود بھی بڑے جوش اور اخلاص کے ساتھ بیعت کی اور دوسرے تمام جماعت کے احمدیوں سے بھی بیعت کرائی۔ پس یہ خلافت بھی ویسی ہی ہوئی جیساکہ حضرت صدیق اکبر کی خلافت تامی نبوت اہل حل وعقد کے بیعت کر لینے سے واقع ہوئی تھی......... پس مولانا صاحب ممدوح صدر انجمن احمدیہ کے بھی مطاع اور مقتدا ہو گئے اور ان کا حکم ویسا ہی نافذ ہو گا۔ جیساکہ حضرت صدیق اکبر کا حکم جملہ اہل حل وعقد پر نافذ تھا۔ **وھو المدعی۔**

(دلیل دوم) جس طرح نبوت اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہوتا ہے۔ **کما قال اللہ تعالی واللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔** اسی طرح خلافت راشدہ تامی نبوت کا بھی انتخاب خدائی ہی ہوتا ہے آیت استخلاف اس مدعا کے لئے ایک بڑی دلیل قوی ہے کہ جملہ امور متعلقہ خلافت راشدہ مندرجہ آیت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہی طرف مسند فرمایا ہے۔

وعداللہ۔ لیمکنن۔ ولیبدلن۔ ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے کسی خاص شخص کی خلافت پر تعیین نہیں فرمائی کیونکہ یہ تو انتخاب خدائی پر موقوف تھی۔ اور اسی لئے حضرت اقدس نے بھی کسی خاص شخص کی خلافت پر تعیین نہیں کی اور یہی سر تھا اس امر میں کہ کل افراد انجمن نے خلیفہ المسیح کے ہاتھ پر بیعت کی اور دوسرے لوگوں کو بھی ترغیب بیعت دلائی۔ اگر یہ انتخاب خدائی نہیں تھا تو ایسا کچھ کیوں واقع ہوا۔ اور کونسا محرک موجود تھا۔ جو سب کے دلوں کو اس طرف ایک قوی جذبہ کے ساتھ کھینچ کر لے آیا۔" [۱۲۱۵]

حضرت اقدس کے وصال مبارک کا اثر

مسند خلافت پر متمکن ہونے کے وقت آپ کی عمر سڑسٹھ (۶۷) برس کے قریب ہو چکی تھی۔ بار بار بیماریوں کے حملوں نے پہلے ہی نڈھال کر رکھا تھا۔ اور تحریری اور تقریری مجاہدات کے باعث جسمانی قوت جواب دے رہی تھی۔ کہ اب آپ کے کمزور و نحیف کندھوں پر خلافت کا بار گراں بھی آن پڑا۔ چنانچہ اپنے انتہائی صبر و ضبط کے باوجود آپ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سے تنہائی میں فرماتے۔ میاں! جب سے حضرت صاحب فوت ہوئے ہیں مجھے اپنا جسم خالی

معلوم ہوتا ہے۔ اور دنیا خالی خالی نظر آتی ہے میں لوگوں میں چلتا پھرتا اور کام کرتا ہوں مگر پھر بھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ [۱۷] نیز اپنے دوسرے خدام سے اکثر فرماتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے کندھوں پر ایک بھاری بوجھ رکھ دیا گیا ہے جس سے میں دبا جاتا ہوں۔ [۱۸] ابتدائے خلافت میں آپ اکثر وقت اندر خلوت میں رہتے۔ دعاؤں میں بہت مصروف ہو گئے۔ بلکہ دعا کے واسطے ایک علیحدہ کمرہ بنوا دیا گیا تھا۔ اس وقت آپ کی دن کی نشست گاہ مسجد مبارک میں ہوتی تھی۔ مگر چونکہ بیمار بھی آپ کی توجہ کے محتاج ہوتے تھے اور بیماروں کا مسجد میں جمع ہونا مناسب نہ تھا۔ اس لئے کچھ وقت بعد اپنے مطب میں بیٹھنا شروع کر دیا۔ [۱۹]

حضرت میر محمد اسمٰعیل کا خط حضرت ام المومنین کے نام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کی وجہ سے جماعت احمدیہ اور خاندان مسیح موعود علیہ السلام ایک گہرے صدمہ سے دوچار تھے۔ لیکن خلافت کے قیام سے مطابق وعدہ ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا جماعت کی بہت ڈھارس بندھ گئی۔ حضرت مسیح موعودؑ کے افراد خاندان کس طرح حضور کے وصال کے حادثہ عظمیٰ کے باعث غم و اندوہ میں مبتلا تھے۔ اور پھر انہوں نے کس طرح صبر و تحمل کا نمونہ پیش کیا۔ اس کا اندازہ حضرت سید میر محمد اسمٰعیل صاحب کے ایک خط سے ہوتا ہے۔ جو انہوں نے روجھان ضلع ڈیرہ غازی خاں سے اپنی غم رسیدہ بہن حضرت سیدۃ النساء ام المومنین کے نام اپنے مخصوص عارفانہ انداز میں لکھا۔ آپ نے تحریر فرمایا:۔

"حضرت اقدس علیہ الصلوۃ والسلام کے وصال کی خبر وحشت اثر معلوم ہو کر جو صدمہ ہوا اس کے بیان کی ضرورت نہیں پر ساتھ ہی میرا تو یہ حال ہے کہ میں لکھتا جاتا ہوں اور اعتبار نہیں آتا کہ یہ واقعہ سچ ہے دل کو یقین ہی نہیں آتا یا یہ کہو دل یقین کرنا نہیں چاہتا۔ مگر جو امر ہونا مقدر تھا وہ ہوا۔ اس میں کسی انسان اور فرشتے کا دخل نہیں۔ آج تک نہ کوئی انسان موت سے بچا نہ بچے گا۔ تمام پیغمبر' انبیاء' بزرگ' پیر صاحب کرامات' خدا کے پیارے غرض بڑے بڑے رتبے والے حتیٰ کہ سب کے سردار محمد مصطفیٰ ﷺ تک نے چند روزہ زندگی بسر کر کے اس جہاں سے رحلت کی.........

انبیاء اور اولیاء کی موت ایسی نہیں ہوتی کہ مرتے وقت ان کو کوئی کاوش یا ہم و حزن ہو۔ بلکہ وہ ان کو دنیا سے بشارت اور دائمی برکت اور رحمت کے ساتھ لے جاتی ہے۔ اور وہ لوگ جس طرح ایک بھوکا بچہ دیر کے بعد اپنی ماں کی گود میں ہمک کر جاتا ہے۔ اسی طرح اپنے رب سے وصال پاتے ہیں اور پھر ہمیشہ کے لئے اس کے طرح طرح کے افضال اور الطاف کے مورد بنتے ہیں پس موت کا وارد ہونا اس

شخص کے لئے موجب فکر و تشویش ہو سکتا ہے جسے اگلے جہان میں اپنے اعمال کی فکر ہو۔ مگر وہ شخص معصوم خدا کی درگاہ میں واپس آجاتا ہے نہیں بلکہ اس کا عزیز مہمان اور پیارا دوست بن کر جاتا ہے۔ اس کے انتقال پر ہم کو رشک کرنا چاہئے۔.............. دوسری بات جو ہم کو اس واقعہ پر پیش آئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا صبر اور ہماری استقامت اس ابتلا کے موقعہ پر آزمانا چاہتا ہے۔ ایک ہمارا سب سے پیارا اس جہان سے رحلت فرما ہوا ہے اگر ایسی حالت اور ناگہانی صدمہ کے وقت انسان شدت غم میں خدا تعالیٰ کی حدود سے باہر نہ جاوے.........دل پر جو رنج گزرتا ہے وہ فطری ہے مگر کثرت ہموم کے وقت کسی ایسی بات کا ہو جانا ممکن ہے جو خدا کی نظر میں ناپسندیدہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۱۸ سال کی تھیں جب رسول خدا ﷺ نے وفات پائی انہوں نے اور آپ کی اور ازواج نے جو نمونہ آپ کی وفات کے وقت دکھلایا وہ قابل تقلید نمونہ ہے تم بھی اس فرقہ کی عورتوں کے لئے نمونہ ہو۔ احتیاط رکھنی چاہئے کہ ایسے موقعہ پر جب کہ مردوں کے چھکے چھوٹے ہوئے ہیں کوئی ایسی بات نہ ہو۔ جس کی تقلید کر کے آئندہ امت کی عورتیں کوئی بری رسم اختیار کریں۔ تمہارے افعال تمہارے اقوال تمہاری باتیں آئندہ کے لوگ سند پکڑیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ کی رضا میں تمہاری ہر بات ہو اور کوئی نمونہ ایسا نہ چھوڑ جاؤ جس پر قیامت تک کسی کی حرف گیری ہو سکے..........

جماعت احمدیہ کے لئے یہ ایک سخت ابتلا ہے پہلے وہ ایک بے فکر کی طرح تھے اور نام کے مددگار تھے۔ اب ان کو معلوم ہو گا کہ کتنا بڑا کام وہ شخص اکیلا کرتا رہا۔ میرا ایمان ہے کہ اگر یہ فرقہ سچ ہے اور یقیناً سچ پر ہے تو خدا تعالیٰ اس کو ہر طرح کی ہلاکت سے بچالے گا۔ اور ہر دشمن کی دشمنی سے محفوظ رکھے گا۔ اور اسے دنیا کے اطراف میں پھیلا دے گا۔ وہ شخص تو اپنا کام پورا کر گیا۔ بلکہ وصیت بھی ایک چھوڑ دو دفعہ چھپوا دی تھی اور لوگوں پر تبلیغ پوری ہو چکی تھی اور یہ ایک دن آنے والا باقی تھا۔ سو آگیا۔ مگر وہ دن بھی خدا کا نشان ہو کر آیا۔ اور دو پیشگوئیوں کو پورا کر گیا۔ یعنی ایک تو الہام انتقال کے متعلق الرحیل ثم الرحیل والا اور مباش ایمن از بازی روزگار اور دوسرے وہ پرانا اور بار بار ہونے والا الہام داغ ہجرت یعنی ہجرت اور وطن کی جدائی میں رحلت ہو گی۔ غرض خدا کے بندے مرتے مرتے بھی اپنا خدا کی طرف سے ہونے کا ثبوت دے جاتے ہیں۔ اور ان کی ذات تو ایسی تھی کہ ان کا مرنا جینا سب خدا کی مرضی اور اس کی فرمانبرداری میں تھا مگر ہم کو بھی جو پسماندگان رہ گئے ہیں ایسا ہی نمونہ دکھانا چاہئے۔ جس میں خدا تعالیٰ کی مرضی پر سر رکھ دینے اور رضا بقضا ہونے کی خود ہمارے دل گواہی دے دیں۔ آپ مجھ سے بڑی ہیں اور سب باتوں سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں اور مجھے ایسا

لکھنے کی ضرورت کچھ نہیں۔ مگر میں اندازہ کر سکتا ہوں کہ اس ناگہانی حادثہ کا آپ کے دل پر کیا صدمہ ہوا ہو گا۔" [20]

مخالفین احمدیت کی منظّم یورش اور اس کی روک تھام

حضرت اقدسؑ کے وصال پر احمدیت کی مخالف طاقتیں ایک بار پھر پوری قوت و طاقت سے ابھر آئیں اور وہ لوگ جنہیں اس شیر خدا کے سامنے ایک لمحہ ٹھہرنے کی جرات نہ تھی۔ وہ اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی اپنی فتح و نصرت کے شادیانے بجاتے ہوئے میدان مقابلہ میں آگئے اور احمدیت کے پودا کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے ناخنوں تک کا زور لگانے [21] اور خوف و ہراس پھیلانے لگے جس کا مختصر سا نقشہ ہم ذیل میں لکھتے ہیں:۔

قادیان سے اخراج کا پراپیگنڈا۔ اس سلسلہ میں مخالفین کی طرف سے انتہائی زہریلا پراپیگنڈا یہ کیا گیا۔ کہ معاذ اللہ حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب اپنے بھائیوں سے الجھ کر ان کو اور دوسرے احمدیوں کو قادیان سے نکال پھینکنے کو ہیں۔ حالانکہ یہ محض جھوٹ اور افترا تھا۔ جس کی پرزور تردید میں خود حضرت صاحبزادہ صاحب کو پیسہ اخبار میں ایک مفصل نوٹ شائع کرنا پڑا۔ جس میں آپ نے تحریر فرمایا۔ "قادیان کی جماعت خدا کے فضل و کرم سے بمقابلہ میرے ہزارہا درجہ نیک اور متقی عامل شریعت عاشق رسول عربی ہے۔ قرآن ان کے ہاتھوں میں ہے اور درود ان کی زبان پر۔ شب بیدار اور پرستار خدائے لایزال ہیں۔ اور میرے اعمال خود آپ جانتے ہیں۔ کیا ہیں؟ باوجود ان اعمال کے ایسی جماعت کی مخالفت کر سکتا ہوں لوگ انہیں کافر سمجھیں اور قابل دار لیکن وہ مجھ سے صد درجہ نیک اور قابل عزت ہیں اور میں ان کو مسلمان سمجھتا ہوں۔" [22]

احمدیوں کے ارتداد کی افواہیں:۔ احمدیوں کو مشوش کرنے کے لئے ایک حربہ استعمال کیا گیا کہ "کثرت سے مرزائی لوگ تائب ہو کر بیعت کر رہے ہیں۔" یہ پراپیگنڈا پیر سید جماعت علی شاہ صاحب کے مریدوں نے کیا۔ [23] اس سلسلہ میں ایک مہم یہ شروع کی گئی کہ بعض احمدیوں کے نام پر خطوط بھی شائع کرائے گئے جن سے لوگوں کو احمدیت کے خلاف غلط فہمیاں پھیلانا اور بدظن کرنا مقصود تھا۔ چنانچہ اخبار "وطن" اور اخبار "وکیل" میں کئی گندے اور شرافت سے دور خطوط شائع کئے گئے اور خواجہ غلام الثقلین بی۔ اے ایل ایل بی نے "عصر جدید" میں ایک احمدی کا فرضی مکالمہ شائع کیا۔ [24] اور لکھا کہ قادیانی تحریک ختم ہو گئی ہے۔

انجمن "حمایت اسلام" اور دوسری انجمنوں کے جلسے:۔ حضرت کی وفات پر ملک کے طول و عرض میں علماء نے احمدیت کے خلاف ہر جگہ زہر اگلنا شروع کر دیا تھا۔ خصوصاً لاہور میں جہاں

آپ کا وصال مبارک ہوا۔ نام نہاد "انجمن حامی اسلام" کے علماء نے جس کے کرتا دھرتا ملا محمد بخش صاحب (جعفر زٹلی) تھے۔ حضور کی لاہور میں آمد پر ہی آپکی قیام گاہ کے سامنے ایک اکھاڑہ قائم کر رکھا تھا۔ سب وشتم میں اس نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ رسالہ الجدولاہور (جون ۱۹۰۸ء) لکھتا ہے۔

"مرزا قادیانی کی فرودگاہ سے چند قدم کے فاصلہ پر اس کے عقائد باطلہ اور دعاوی کاذبہ کی تردید میں متواتر جلسے ہونے شروع ہو گئے۔ علمائے اسلام کی ایک جماعت تیار کی گئی (آگے اس زمانہ کے مشہور علماء کے نام درج ہیں)...... صوفی سید پیر جماعت علی صاحب مجددی نقشبندی محدث علی پوری ادام اللہ فیوضہم مدعو کئے گئے تھے اور یہ جتنی کوششیں تھیں صرف عالی جناب ملا محمد بخش صاحب سیکرٹری انجمن حامی اسلام لاہور کی ان تھک اور جان توڑ خدمات اسلام کا نتیجہ تھیں یہ شاندار جلسے روز افزوں ترقی کرتے گئے اور آخر وہ دن آپہنچا کہ انجمن حامی اسلام لاہور کی سچی اسلامی خدمات کا اسے ثمرہ ملتا یعنی وہ دن آپہنچا کہ مرزا قادیانی بمعہ اپنے دعاوی اور الہامات اور پیشگوئیوں کے تباہ اور ہلاک ہو جائے......... اسی شام کو مقام سابق پر ایک عظیم الشان جلسہ نہایت تزک و احتشام سے منعقد ہوا اور ہر ایک عالم نے کادیانی دعاوی کو بمعہ مرزا کے خاک میں ملا دیا اور خصوصاً حضرت شاہ صاحب قبلہ عالم علی پوری مد ظلہ تعالیٰ نے اپنی تقریر دلپذیر کے اخیر میں جناب ملا محمد بخش صاحب سیکرٹری انجمن حامی اسلام لاہور کی اسلامی خدمات کا نہایت عمدہ طور پر اعتراف کیا۔ اور بسلسلہ حسن خدمات یکصد روپیہ انعام بدست خاص بمعہ خلعت فاخرہ اور ایک تمغہ نقری عطا فرمایا۔ اور حضرات علماء کرام نے مل کر سیکرٹری صاحب موصوف کو "خادم الاسلام" کا خطاب مرحمت فرمایا اور جناب سیکرٹری صاحب موصوف کو کثرت کے ساتھ پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔ اور ان کو مرزا کادیانی کے مقابلہ میں فتح و نصرت کی مبارکبادیں دی گئیں [25] اور جلسہ برخاست ہوا۔ اس جلسہ اور مرزائے قادیانی کے مرنے کے بعد بھی اہل اسلام کے اعتقادات پختہ کرنے کے لئے کئی دن تک جلسے ہوتے رہے ان جلسوں میں حضرت شاہ موصوف نے ۱۵۔ ۲۰ کے قریب علمائے دین و دیگر حضرات کو صلہ حسن خدمات تمغہ جات نقرئی عطا فرمائے" [26,27]۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کی مخالفت۔ مولوی ثناء اللہ صاحب جو پہلے حضرت اقدس کے مقابلہ میں مباہلہ سے صاف انکار کر چکے تھے۔ اب پھر خم ٹھونک کر سامنے آگئے۔ اور یہ کہنا شروع کیا کہ مرزا صاحب کی موت میرے مقابل اشتہار آخری فیصلہ کے نتیجہ میں واقع ہوئی۔ "مرقع قادیانی" اور "اہلحدیث" وغیرہ میں اس پر بہت کچھ لکھا۔ علاوہ ازیں اخبار وکیل ۱۳/ جون ۱۹۰۸ء میں لکھا۔ "ہم سے کوئی پوچھے تو ہم خدا لگتی کہنے کو تیار ہیں کہ مسلمانوں سے ہو سکے تو مرزا کی کل کتابیں سمندر میں

نہیں کسی جلتے تنور میں جھونک دیں اسی پر بس نہیں بلکہ آئندہ کوئی مسلم یا غیر مسلم مورخ تاریخ ہند یا تاریخ اسلام میں ان کا نام تک نہ لے۔" [۲۸]

خواجہ حسن نظامی صاحب کا مشورہ۔ خواجہ صاحب جیسے مرنجان مرنج طبیعت رکھنے والے انسان نے احمدیوں کو مشورہ دیا کہ "وہ مرزا صاحب کے دعویٰ مسیحیت و مہدویت سے صاف انکار کر دیں ورنہ اندیشہ ہے کہ مرزا صاحب جیسے سمجھدار اور منتظم شخص کی عدم موجودگی کے سبب احمدی جماعت مخالفین کی شورش کو برداشت نہ کر سکے گی اور اس کا شیرازہ بکھر جائے گا۔" [۲۹]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا حملہ:۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو کچھ عرصہ قبل گوشہ تنہائی میں چلے گئے تھے دوبارہ "اشاعۃ السنہ" کے ذریعہ حملے کرنے لگے۔ [۳۰]

ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی کا فتنہ:۔ مخالفین سلسلہ میں جس شخص نے اس موقعہ پر سب سے زیادہ فتنہ اٹھایا۔ ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی تھا۔ اس شخص نے بڑے وسیع پیمانے پر بے بنیاد پراپیگنڈا کیا کہ مرزا صاحب کی ہلاکت اس کی پیشگوئی کے مطابق ہوئی ہے۔ اس لئے معرکہ حق و باطل میں وہ فاتح ہے۔ نیز حضور کی متعدد پیشگوئیوں پر اعتراض کیا۔ کہ وہ غلط نکلیں اور آپ چل بسے اسی سلسلہ میں اس نے "اعلان الحق" اور اس کا تکملہ وغیرہ شائع کئے۔

غرضکہ حضرتؑ کے انتقال پر جماعت احمدیہ پر سچ مچ ایک زلزلہ سا بپا ہو گیا اور وہ چاروں طرف سے نرغہ اعداء میں گھر گئی۔

مخالفین حق کے ان حملوں کی روک تھام کے لئے سب سے اہم ہتھیار اس وقت جماعت کے بزرگوں نے دعا کا اختیار کیا۔ اور دوسرے نمبر پر ان اعتراضات و شبہات کے ازالہ کے لئے رسائل و اخبارات (الحکم۔ بدر۔ تشحیذ الاذہان۔ ریویو آف ریلیجنز وغیرہ) میں اداریے اور مضامین لکھے اور بعض کتابیں اور رسالے بھی شائع کئے گئے۔ مثلاً حضرت خلیفۃ المسیح اول نے ایک پمفلٹ "وفات المسیح" کے عنوان سے اور مولوی محمد احسن صاحب نے ایک مضمون بعنوان حیات الانبیاء فی ممات الانبیاء" لکھا۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے ایک کتاب "آئینہ صداقت" تالیف کی۔ ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب سابق مہر سنگھ نے "خدا کا مسیح اور اس کا وصال" نامی رسالہ لکھا۔ مولوی محمد علی صاحب نے ریویو آف ریلیجنز میں اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب نے الحکم میں مقالے لکھے۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے بزرگوں مثلاً حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب وغیرہ نے اخبارات سلسلہ میں قیمتی مضامین لکھے۔ مگر اس مرکب حملہ میں سلسلہ کی طرف سے کامیاب ترین مدافعت کا فریضہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے سرانجام دیا۔ چنانچہ آپ اپنے اس

عہد کے مطابق جو آپ نے اپنے مقدس باپ کی نعش کے سامنے کیا تھا۔ سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف ہو کر میدان عمل میں آگئے۔ اور آپ نے "محمود اور محمدی مسیح کے دشمنوں کا مقابلہ" کے عنوان سے تشحیذ میں ایک مفصل و مبسوط مضمون شائع کیا۔ جس میں مشہور مخالفین احمدیت کے اعتراضات کی دھجیاں بکھیر دیں اور حضور علیہ السلام کے متعدد الہامات و کشوف سے صاف طور پر واضح کر دکھایا کہ حضور کا وصال بھی آپ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق اور آپ کی سچائی کا ثبوت ہے۔ یہ جواب ایسا مدلل اور مسکت اور موثر تھا کہ حضرت خلیفہ اول ؓ نے اس پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے مولوی محمد علی صاحب سے فرمایا۔ کہ "مولوی صاحب مسیح موعودؑ کی وفات پر مخالفین نے جو اعتراض کئے ہیں ان کے جواب میں تم نے بھی لکھا ہے اور میں نے بھی۔ مگر میاں ہم دونوں سے بڑھ گیا ہے" [۲۱]۔ الحکم میں لکھا ہے "کہ حضرت خلیفہ اول کے حکم [۲۲] ہی سے یہ بلند پایہ مضمون ۱۰/ جولائی ۱۹۰۸ء کو دیدہ زیب کتابت و طباعت سے ایک مستقل کتاب کی شکل میں بھی شائع ہوا جس کا نام حضرت خلیفہ اول نے الہام الٰہی سے [۲۳] "صادقوں کی روشنی کو کون دور کر سکتا ہے۔" رکھا۔ یہ کتاب جو سیدنا کی سب سے پہلی تصنیف ہے قریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل تھی۔ اور اس کے آخر میں رسالہ الوصیت بھی لگا دیا گیا تھا۔ حضرت خلیفہ اول نے یہ کتاب بذریعہ رجسٹری مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھیجی کیونکہ اس نے کہا تھا کہ مرزا صاحب کی اولاد اچھی نہیں۔ آپ نے کتاب بھجواتے ہوئے لکھوایا کہ "حضرت مرزا صاحب کی اولاد میں سے ایک نے تو یہ کتاب لکھی ہے۔ جو میں تمہاری طرف بھیجتا ہوں تمہاری اولاد میں سے کسی نے کوئی کتاب لکھی ہو۔ تو مجھے بھیج دو۔" [۲۴]

کتاب کی اشاعت نے جہاں اپنوں کے حوصلے بلند کر دئے۔ وہاں دشمنوں کی خوشیاں خاک میں مل گئیں اور انہیں احمدیت میں قدرت ثانیہ کی ایک نئی قوت ابھرتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔

خلافت اولیٰ کے عہد میں صدر انجمن احمدیہ کا سب سے پہلا اجلاس

صدر انجمن احمدیہ کا سب سے پہلا اجلاس قادیان میں ۳۰/ مئی ۱۹۰۸ء کو بوقت آٹھ بجے صبح حضرت سیدنا محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل اہم فیصلے ہوئے۔

۱۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب ہاسپٹل اسسٹنٹ دہلی کی خدمت میں لکھا جائے کہ "وہ بالفعل ایک سال کی رخصت لے کر قادیان آئیں۔ موجودہ حالات کے ماتحت سخت ضرورت ہے کہ بعض خدام حضرت مسیح موعود و مہدی معہود قادیان میں آکر یکجہتی سے کام کریں۔"

۲۔ درخواست مولوی محمد علی صاحب پیش ہوئی کہ کچھ مساکین کا کھانا حضرت اقدس نے لنگر خانہ سے بند کر کے ان میں سے بعض کے لئے لکھا ہے کہ مجلس انتظام کرے پیش ہو کر قرار پایا کہ اب حسب احکام حضرت خلیفتہ المسیح الموعود لنگر کی حالت دگرگوں ہو گئی ہے اس لئے اس کاغذ کو داخل دفتر کیا جاوے۔ [۲۵]

۳۔ شیخ غلام احمد صاحب سے متعلق درخواست (تقرر واعظ) حضرت خلیفتہ المسیح کی خدمت میں بھجوائی جائے۔ [۲۶]

بیت المال کا قیام

دور خلافت اولیٰ کے آغاز میں ہی حضرت خلیفتہ المسیح نے بیت المال کا ایک مستقل محکمہ قائم فرمایا۔ [۲۷] اور حکم دیا کہ آئندہ مد زکوۃ کو صیغہ صدقات سے الگ کر کے صیغہ بیت المال میں شامل کیا جاوے۔ یعنی زکوۃ کا روپیہ بھی بیت المال میں آیا کرے اور اس کے لئے مناسب قواعد تجویز کئے جائیں۔ [۲۸]

قادیان میں پہلی پبلک لائبریری کا قیام

حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے جواب کے بعد دوسرا اہم کارنامہ یہ سرانجام دیا کہ آپ نے حضرت خلیفتہ المسیح اول کے مشورہ سے انجمن "تشحیذ الاذہان" کے زیر انتظام وسط ۱۹۰۸ء میں ایک پبلک لائبریری قائم کی۔ لائبریری کے لئے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے کتابیں بھی دیں اور چندہ بھی دیا۔ [۲۹] حضرت ام المومنینؓ نے ایک وسیع مکان اس کے لئے بنوا کر دیا۔ خود حضرت صاحبزادہ صاحب نے ایک بڑی رقم اس مد میں عنایت فرمائی علاوہ ازیں حضرت نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب۔ حضرت میر محمد اسحق صاحب۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب نے بھی چندہ دیا۔ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔ مفتی محمد صادق صاحب اور سید عبدالحی عرب نے کتابیں دیں۔ شیخ صاحب نے تو کتابوں کے علاوہ الحکم کے فائل بھی دئے۔ صدر انجمن احمدیہ نے اپنے کتب خانہ کی قابل فروخت کتابوں کا ایک ایک نسخہ دے دیا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے احباب نے مدد دی۔ اس طرح قادیان میں پہلی پبلک لائبریری کا قیام عمل میں آیا۔ [۳۰]

اہل بیت کے اخراجات کا الہام الٰہی کے مطابق انتظام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کے اہل بیت اور خاندان کے لئے خدا تعالیٰ نے کیسے انتظام فرمایا اس کی تفصیل میں حضرت سیدنا محمود خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں۔ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات بھی ہوئی۔ مگر ہمارے لئے مشکل یہ تھی کہ ہم سمجھتے ہی نہ تھے کہ آپ وفات پا جائیں گے۔

.... آپ فوت ہو گئے بعض......... نے تحریک کی کہ آپ مطالبہ کریں کہ جو چندے آتے ہیں وہ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل ہی آتے ہیں اس لئے ان میں سے ہمارا حصہ مقرر ہونا چاہئے۔ میں اس وقت بچہ تھا مگر یہ مشورہ مجھے اتنا برا معلوم ہوا۔ کہ میں نے کمرہ کے باہر ٹہلنا شروع کر دیا کہ جونہی مجھے موقعہ ملے میں والدہ سے اس کے متعلق بات کروں اور جب موقعہ ملا۔ میں نے کہا کہ یہ چندے کیا ہماری جائیداد تھی۔ یہ تو خدا تعالیٰ کے دین کے لئے ہیں۔ ان میں سے حصہ لینے کا کسی کو کیا حق ہے؟ پھر بعض لوگ ایسے تھے کہ جو یہ مشورہ کر رہے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے لئے گزارہ مقرر کرنا چاہئے۔ چنانچہ ایک دوست نے مجھ سے آکر کہا کہ ہم نے یہ تجویز کی ہے کہ آپ کو گزارہ دیا جائے۔ میں نے کہا کہ ہم اس کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہم بندوں کے محتاج کیوں ہوں۔ اس وقت ہماری جائداد بھی پراگندہ حالت میں تھی۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی طرف توجہ نہ کی تھی۔ اور بظاہر گزارہ کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ مگر میرے نفس نے یہی کہا کہ جو خدا انتظام کرے گا اسی کو منظور کروں گا۔ بندوں کی طرف کبھی توجہ نہ کروں گا۔ میرا جواب سن کر اس دوست نے کہا کہ پھر آپ لوگوں کے گزارہ کی کیا صورت ہو گی۔ میں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا منشاء زندہ رکھنے کا ہو گا۔ تو وہ خود انتظام کر دے گا۔ اور اگر اس نے مارنا ہے تو وہ موت زیادہ اچھی ہے جو اس کے منشاء کے ماتحت ہو۔ گویا میں نے یہ دونوں صورتیں رد کر دیں۔ حصہ والی تجویز تو شرعاً ناجائز تھی۔ مگر میں نے دوسری صورت کو بھی منظور نہ کیا......... آخر حضرت خلیفۃ المسیح اول ؓ نے مجھے بلایا اور کہا ہم آپ لوگوں کو اپنے پاس سے کچھ پیش نہیں کرتے۔ بلکہ خود حضرت مسیح موعودؑ کا الہام ہے جس کے ماتحت میں نے گزارہ کی تجویز کی ہے۔ اور الہام میں رقم تک مقرر ہے۔ اب سوال انسانوں کا نہ رہا بلکہ خدا تعالیٰ کے دین کا آگیا اس لئے میں نے اس امر کو منظور کر لیا۔ جو گزارہ مقرر ہوا وہ ہمارے لئے تو خدا تعالیٰ کے فضل سے کافی تھا گو اس زمانہ میں ہمارے بچے بھی اس میں گزارہ نہیں کر سکتے۔ مجھے اس وقت ساٹھ روپے ملتے تھے۔ جن میں سے میں دس روپے ماہوار تو شحیذ پر خرچ کرتا تھا۔ دو بچے تھے بیوی تھی۔ اور گو کوئی خاص ضرورت تو نہ تھی مگر خاندانی طور طریق کے مطابق ایک کھانا پکانے والی اور ایک خادمہ بچوں کے رکھنے اور اوپر کے کام میں مدد دینے کے لئے میری بیوی نے رکھی ہوئی تھی۔ سفر اور بیماری وغیرہ کے اخراجات بھی اسی میں سے تھے۔ پھر مجھے کتابوں کا شوق بچپن سے ہے جس وقت میری کوئی آمد سوائے اس کے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کپڑوں کے لئے مجھے دیا کرتے تھے نہ تھی۔ تب بھی میں کتب خریدتا رہتا تھا۔ بلکہ اس سے پہلے جب کہ کاپیوں کاغذ قلم وغیرہ کے لئے مجھے تین روپے ماہوار ملا کرتے تھے۔ اس میں سے بھی بچا کر کتابیں خریدتا رہتا تھا اب تو میں نے دیکھا

ہے اچھی اچھی نوکریوں والے بھی نہیں خریدتے مگر مجھے اس وقت بھی یہ شوق تھا اس رقم سے جو بھی گزارہ کے لئے ملتی تھی۔ اپنی علمی ترقی کے لئے اور مطالعہ کے لئے کتابیں بھی خریدتا رہتا تھا اور کافی ذخیرہ میں نے جمع کرلیا تھا" [۱۲]۔

انجمن کے گزارہ کے بعد کس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے ایک دوسرے الہام کے مطابق خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے لئے خود ان کی ذاتی قابلیت اور جائداد کے ذریعہ تائید و نصرت کے دروازے کھول دیئے؟ اس کا ذکر بھی حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے قلم مبارک سے کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی وفات کے بعد والدہ مجھے بیت الدعا میں لے گئیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہاموں والی کاپی میرے سامنے رکھ دی اور کہا میں سمجھتی ہوں یہی تمہارا سب سے بڑا ورثہ ہے۔ میں نے ان الہامات کو دیکھا تو ان میں ایک الہام آپ کی اولاد کے متعلق یہ درج تھا۔ "حق اولاد در اولاد۔" اسی طرح ایک اور الہام درج تھا۔ جو منذر تھا۔ اور اس کے نیچے لکھا تھا کہ جب میں نے یہ الہام محمود کی والدہ کو سنایا تو وہ رونے لگ گئیں میں نے کہا کہ تم یہ الہام مولوی نور الدین صاحب کے پاس جاکر بیان کرو۔ انہوں نے محمود کی والدہ کو تسلی دی۔ اور کہا کہ یہ الہام منذر نہیں بلکہ مبشر ہے۔ حق اولاد در اولاد کے معنے در حقیقت یہی تھے کہ وہ حق جو باہر سے تعلق رکھتا ہے یعنی زمینوں اور جائیدادوں وغیرہ میں حصہ یہ کوئی زیادہ قیمتی نہیں۔ زیادہ قیمتی یہ چیز ہے کہ میں نے تمہاری اولاد کے دماغوں میں وہ قابلیت رکھ دی ہے کہ جب بھی یہ اس قابلیت سے کام لیں گے دنیا کے لیڈر ہی بنیں گے.............اور یہ وہ ورثہ ہے۔ جو ہم نے تمہاری اولاد کے دماغوں میں مستقل طور پر رکھ دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں بعد میں جو کچھ ملا۔ "حق اولاد در اولاد" کی وجہ سے ہی ملا۔ اور میں نے جتنے کام کئے اپنی دماغی اور ذہنی قابلیت کی وجہ سے ہی کئے..........مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک دن ہمارے نانا جان والدہ صاحبہ کے پاس آئے..........اور کہا کہ میں کب تک بڈھا ہو کر بھی تمہاری خدمت کرتا رہوں گا اب تمہاری اولاد جوان ہے اس سے کام لو۔ اور زمینوں کی نگرانی ان کے سپرد کرو والدہ نے مجھے بلایا اور رجسٹر مجھے دے دیئے......میں ان دنوں قرآن اور حدیث کے مطالعہ میں ایسا مشغول تھا کہ جب زمینوں کا کام کرنے کے لئے مجھے کہا گیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے مجھے قتل کر دیا ہے۔ مجھے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ جائداد ہے کیا بلا اور وہ کس سمت میں ہے۔ مغرب میں ہے یا مشرق میں۔ شمال میں ہے یا جنوب میں۔ میں نے زمینوں کی لسٹیں اپنے ہاتھ میں لے لیں اور افسردہ شکل بنائے گھر سے باہر نکلا مجھے اس وقت یہ

علم نہیں تھا کہ "حق اولاد در اولاد" کا الہام کیا کام کر رہا ہے۔ میں جونہی باہر نکلا ایک صاحب [62] مجھے ملے اور کہنے لگے میاں صاحب میں نے سنا ہے کہ آپ کی زمینوں کے لئے کسی نوکر کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا........ میں حیران ہوں کہ یہ کام کس طرح کروں۔ کہنے لگے میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں میں نے کہا آپ شوق سے یہ کام سنبھالیں۔ درحقیقت یہ آپ کا ہی حق ہے۔ مگر آپ لیں گے کیا؟ کہنے لگا آپ مجھے صرف دس روپے دے دیجئے۔ میں نے کہا دس روپے میرے پاس تو ایک پیسہ بھی نہیں۔ کہنے لگے آپ فکر نہ کریں۔ بڑی بھاری جائداد ہے اور میری تنخواہ اس میں بڑی آسانی کے ساتھ نکل آئے گی۔ میں نے اسی وقت بغیر پڑھے رجسٹران کے حوالے کر دیئے اور کہا کہ اگر دس روپے پیدا کر سکیں تو لے لیجئے۔ ورنہ میرے پاس تو ایک پیسہ بھی نہیں اس کے بعد انہوں نے خدا کے فضل سے اس سے بہت آمد پیدا کر کے دی" [63]۔

کتاب "پیغام صلح" کے خلاف محاذ

حضرت اقدس علیہ السلام کے قلم مبارک کا لکھا ہوا آخری رسالہ "پیغام صلح" تھا۔ جس میں حضور نے ملک میں امن و آشتی کی مستقل بنیاد قائم کرنے کے لئے بعض اہم تجاویز رکھی تھیں۔ خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر ہائیکوٹ نے ۲۱/ جون ۱۹۰۸ء کو پنجاب یونیورسٹی ہال میں رائے پرتول چند صاحب چیف جسٹس ہائیکورٹ کی صدارت میں جلسہ عام میں پڑھ کر سنایا۔ خواجہ صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح کا ایک خط بھی پڑھا۔ جس میں آپ نے بحیثیت امام و مقتدا خواجہ صاحب کو یہ مضمون پڑھنے کی اجازت دی تھی۔ یہ پیغام خدا کے فضل سے اندرون و بیرون ملک میں عام طور پر بڑی وقعت و عظمت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ [64] اور اس پر بڑے عمدہ ریویو لکھے گئے۔ مگر افسوس پنجاب کے متعصب اور تنگ دل طبقوں میں "پیغام صلح" کی مخالفت کی گئی۔ چنانچہ رسالہ الجدد نے جولائی ۱۹۰۸ء کے شمارہ میں اسے آپ کی کوئی گہری سازش اور چال قرار دیا۔ [65]

آریہ اخبار "پرکاش" [66] اور پادری اکبر مسیح نے رسالہ "تجلی" (لاہور) میں پیغام صلح کی نسبت سخت زہر افشانی کی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نعوذ باللہ فسادی قرار دے کر یسوع کی تعریف میں لکھا کہ وہ صلح کا شہزادہ تھا اور اس نے دشمنی کا لفظ ہی لغت سے کاٹ دیا ہے۔ [67]

اخبار "الجدد" کی مضحکہ خیز تنقید تو محض مخالفت برائے مخالفت تھی۔ باقی رہا آریہ اخبار کا مخالفت کرنا تو وہ اپنے بارودی مزاج اور فطرت ثانیہ کے اعتبار سے نیش زنی پر مجبور تھے۔ چنانچہ رسالہ "انوار الاسلام" سیالکوٹ نے لکھا۔ "جو مبارک پیغام ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو مٹانے کے لئے لکھا تھا وہ گو صلح جو اہل ہنود میں ایک عمدہ تحریک پیدا کر رہا ہے مگر آریہ سماج کے پلیٹ فارم سے

اسے بہت نکتہ چینی کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔ جس فرقہ کی گھٹی میں ہی نکتہ چینی اور دوسرے کے بزرگوں کو ہتک آمیز کلمات سے یاد کرنا پلایا گیا ہو ان سے صلح جوئی کی امید رکھنا محض عبث ہے" ۴۸۔

البتہ پادری اکبر مسیح نے دیگر مخالفین کی پیٹھ ٹھونکنے کے لئے جو مضمون لکھا چونکہ وہ کسی قدر توجہ کا ضرور مستحق تھا اس لئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے رسالہ "تشحیذ الاذہان" (دسمبر ۱۹۰۸ء) میں "یسوع کی بھیڑیں" کے عنوان سے اس کا بڑے زوردار پیرایہ میں رد کیا اور انجیل کی روشنی میں لکھا کہ عیسائیوں کا یسوع صلح کا دشمن تھا اور جنگ کا شیدا۔ چنانچہ اس کا قول تھا۔ کہ میں صلح کے لئے نہیں بلکہ تلوار چلانے کے لئے آیا ہوں پھر وہ اپنے حواریوں کو تلوار خریدنے کی اس قدر تاکید کرتا ہے۔ کہ اگر ان کے پاس روپیہ نہ ہو کپڑے بیچ کر خریدیں اور اس کے علاوہ انہیں بادشاہتوں کے وعدے بھی دے دیتا ہے۔ اور اخلاق اس کے یہ ہیں کہ ماں کی ہتک کرتا ہے۔ اور اس زمانہ کے علماء سے جب اس سے شرافت سے گفتگو کرتے ہیں تو وہ آگے سے گندہ دہانی سے جواب دیتا ہے اس کے برخلاف ہمارے امام حضرت مسیح موعودؑ کا خود دعویٰ آپ کی صلح پسندی کا گواہ ہے۔ ۴۹

قدرت ثانیہ کے لئے اجتماعی دعا

حضرت میر ناصر نواب صاحب نے حضرت خلیفہ اولؓ کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قدرت ثانیہ کے ظہور کے لئے ہر ملک میں اکٹھے ہو کر اجتماعی دعا کرنے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اولؓ نے مولوی محمد علی صاحب کو حکم دیا کہ وہ اخبارات میں اجتماعی دعا کی تحریک شائع کریں۔ چنانچہ انہوں نے اس کی تعمیل میں اعلان کر دیا۔ قادیان میں حضرت میر صاحب ایک عرصہ تک مسجد مبارک میں یہ اجتماعی دعا کراتے رہے۔ ۵۰ ایک دفعہ احمدیہ بلڈنگس کے چاروں ممبران صدر انجمن مسجد مبارک میں تھے کہ آپ حسب معمول دعا شروع کرانے لگے۔ تو یہ حضرات یہ کہہ کر چل دئے کہ حضرت میر صاحب قادیان والوں کو تو دعا کے لئے اللہ تعالیٰ نے موقعہ دے رکھا ہے۔ آپ دعا کیا کریں۔ ہمیں تو اور بھی کام ہیں ہم نے ان کو بھی سرانجام دینا ہے" ۵۱۔

مجلس ضعفاء کا قیام

حضرت میر ناصر نواب صاحب نے باہمی محبت و مواساۃ اور اسلامی اخوت پیدا کرنے کے لئے ایک مجلس ضعفاء کی بنیاد بھی رکھی جسے حضرت خلیفتہ المسیح نے بھی پسند فرمایا۔ اس مجلس میں سب کے سب غرباء شامل تھے۔ ہر آٹھویں روز مجلس کے ممبر اپنے اپنے گھروں سے کھانا لاتے اور ایک دستر خوان پر بیٹھ کر کھاتے تھے حضرت میر صاحب نہایت محبت و اخلاص کے ساتھ ان میں بیٹھتے اور اپنے غریب بھائیوں کی دلجوئی کرتے تھے۔ ۵۲

نانا جان حضرتؓ میر ناصر نواب صاحب کی ناقابل فراموش خدمات

مجلس ضعفاء کے قیام کے تسلسل میں مناسب ہو گا کہ حضرت میر ناصر نواب صاحب کی جماعتی خدمات کا کچھ ذکر کر دیا جائے۔

حضرت میر صاحبؓ وسط ۱۸۹۵ء میں مستقل طور پر قادیان ہجرت کر کے آگئے تھے اور الدار میں رہائش اختیار کر لی اور ۱۹/ ستمبر ۱۹۲۴ء کو انتقال فرمایا۔ اس انتیس سالہ دور میں مرکز احمدیت کی ترقی و بہبود اور رفاہ عامہ کے جو جو اہم تعمیری کام ہوئے وہ اکثر و بیشتر آپ کی اولوالعزمی اور سعی بلیغ کا نتیجہ تھے۔ اور یقیناً قادیان کی مقدس بستی کو صاف اور ستھرا شہر بنانے میں آپ نے ناقابل فراموش خدمات کی ہیں۔

حضرت میر صاحب قادیان آکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے جیسا کہ انہوں نے اپنی خود نوشت سوانح میں خود تحریر فرمایا۔ "گویا میں ان کا پرائیوٹ سیکرٹری تھا۔ خدمتگار تھا۔ انجینئر تھا۔ مالی تھا۔ زمین کا مختار تھا۔ معاملہ وصول کیا کرتا تھا" ۵۳۔ اس طرح وہ تمام کام جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دینی شغف کی وجہ سے یونہی پڑے تھے وہ آپ نے سنبھال لئے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے باغ میں ہزارہا گملوں میں لگے ہوئے پھولوں کے پودے پھولدار بیلیں۔ آم۔ لوکاٹ۔ شہتوت۔ امرود وغیرہ ہر قسم کے درخت بڑی محنت سے لگوائے۔ ایام زلزلہ ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعودؑ اپنے عشاق کے حلقے میں یہاں رونق افروز تھے۔ یہ باغ پورے جوبن پر تھا کھیتوں میں سبزی ترکاری کا سلسلہ بھی آپ نے شروع کیا اور باغ کے علاوہ جہاں جہاں زمین اس غرض کے لئے مل سکی۔ آپ نے کار آمد بنالی۔ مدرسہ احمدیہ کے متصل جہاں بعد میں قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل آف گولیکی کا مکان اور تشحیذ الاذہان کا دفتر تھا وہاں بھی مدتوں سبزی وغیرہ پیدا کی جاتی رہی۔ حضرت اقدس کے الدار میں کوئی تعمیر ہوتی تو حضرت میر صاحب قبلہ سارا سارا دن کھڑے تعمیر کا کام کراتے رہتے تھے۔ ۵۴ ۲۹/ جنوری ۱۹۰۶ء کو صدر انجمن احمدیہ کے انجینئر اور اسٹور کیپر مقرر ہوئے۔ ۵۵ ۲۱/ مارچ ۱۹۰۷ء کو آپ کو صیغہ تعمیر کے ایک حصہ کی ذمہ داری بھی سونپی گئی اور آپ کے سپرد مسجد اقصیٰ کی توسیع کا کام ہوا ۵۶۔ بعض کھڑکیوں کے متعلق جھگڑا ہوا۔ معاملہ حضور تک گیا۔ تو حضور نے فرمایا کہ میر صاحب نے جہاں کھڑکیاں دروازے رکھ دئے ہیں وہیں رہنے دئے جائیں۔ اسی سال اکتوبر ۱۹۰۷ء میں مسجد کی توسیع بھی آپ کی نگرانی میں ہوئی مدرسہ احمدیہ جس جگہ واقع ہے یہاں بہت بڑی ڈھاب تھی۔ حضرت میر صاحب نے سلسلہ کی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر اس ڈھاب میں بھرتی ڈلوائی اور ان زمینوں کو پانی سے نکال کر سلسلہ کے لئے ایک قیمتی جائداد بنا دیا۔ بھرتی پڑ رہی تھی کہ ایک دفعہ خواجہ کمال الدین صاحب اور ان کے بعض رفقاء نے کہنا شروع کر دیا کہ "میر صاحب سلسلہ

کا روپیہ غرق کر رہے ہیں۔" آپ نے جواب دیا۔ میں غرق کر رہا ہوں تم سے لے کر نہیں حضرت صاحب کا روپیہ ہے۔ تم کون ہو جو مجھ پر اعتراض کرتے ہو۔ جاؤ حضرت صاحب سے کہو" [۵۷]۔ بھرتیوں کے معاملہ میں بھی حضور نے یہی فرمایا کہ "میر صاحب کے کاموں میں داخل نہیں دینا چاہئے۔" [۵۸]

حضرت میر صاحب نے پرانی بنیادوں سے اینٹیں کھدوا کر ان سے گول کمرہ کے آگے ایک خوبصورت سا احاطہ بنا دیا۔ جو قابل رہائش صورت اختیار کر گیا۔ جب حضرت میر صاحب وہاں سے اینٹیں نکلوا رہے تھے اس وقت بھی بعض کوتاہ اندیشوں نے اعتراض کیا کہ یہ کیا لغو کام کر رہے ہیں؟ مگر آپ نے اس کی ذرہ بھر پروانہ کی اور برابر سلسلہ کے کام کرتے چلے گئے۔ غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں دراصل وہی تعمیرات سلسلہ کے ناظم تھے۔ اور اس کام کو انہوں نے نہایت درجہ اخلاص و محنت سے سرانجام دیا۔ [۵۹]

خلافت اولیٰ کے آغاز ہی سے آپ نے قادیان کے غرباء اور دوسرے مقامی باشندوں کی ضروریات کو پورا کرنے کی طرف خاص توجہ مبذول کرنی شروع کر دی تھی چنانچہ مجلس ضعفاء اس کی پہلی کڑی تھی۔

ناصر وارڈ۔ مجلس ضعفاء کے قیام کے بعد آپ نے قومی ضروریات کا وسیع جائزہ لیا۔ تو سب سے پہلے آپ کے سامنے یہ مسئلہ آیا۔ کہ صدر انجمن احمدیہ نے مختصر سی ڈسپنسری کھول رکھی تھی۔ مگر زیر علاج مریضوں کے لئے کوئی مخصوص مکان نہ تھا اور مریض عموماً حضرت خلیفہ اول کے مکانوں میں یا کرایہ کے مکانوں یا مہمانخانہ یا بورڈنگ ہاؤس میں قیام کرتے تھے۔ ان حالات کو دیکھ کر حضرت میر صاحب کے دل میں پر زور تحریک اٹھی کہ وہ ایک ایسا مکان تعمیر کرائیں جس میں ڈسپنسری کے ساتھ بیماروں کے لئے بھی وسیع ہال ہو [۶۰] چنانچہ ۱۹۰۹ء کے شروع سے آپ نے جماعت میں اس کے لئے چندوں کی تحریک کرنا شروع کر دی اور اس کا نام ایڈیٹر اخبار بدر نے ناصر وارڈ رکھا۔ [۶۱] ناصر وارڈ کے کام پر حضرت خلیفہ اول نے نہایت درجہ خوشنودی کا اظہار فرمایا اور اس کے لئے خود بھی چندہ دیا اور دوسروں کو بھی تحریک فرمائی۔ [۶۲] اس کے ابتدائی اخراجات کے لئے پہلی قسط آپ نے ۱۹۱۰ء میں مولوی محمد علی صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ کے پاس جمع کرا دی تھی۔ [۶۳] آخر ۱۹۱۸ء میں نور ہسپتال کی شکل میں مکمل ہو گیا جو ہندوستان کے مسلمان فرقوں میں خدمت خلق کا ایک مثالی ادارہ تھا۔ [۶۴]

مسجد نور۔ یہ نئے بورڈنگ اور ہائی سکول کے مابین واقع مشہور مسجد ہے۔ جو آپ کی کوشش اور محنت سے تیار ہوئی۔

دار الضعفاء۔ غرباء کے لئے رہائشی مکانات کا ملنا سخت مشکل ہو رہا تھا آپ نے بہشتی مقبرہ کے ساتھ دار الضعفاء کا ایک حصہ آباد کر دیا۔ اس محلہ کی بنیاد حضرت خلیفتہ المسیح اول نے ۱۹۱۱ء میں رکھی۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے ۲۲ مکانات کے لئے زمین عطا فرمائی۔ پہلا مکان حضرت خلیفہ اولؓ کے خرچ پر بنا۔ آج کل یہ محلہ ناصر آباد کے نام سے موسوم ہے ۱۹۱۳ء میں آپ نے ناصر آباد میں مسجد بھی تعمیر کرادی اور اس کے ساتھ ایک کنواں بھی بنوادیا۔ ۶۵

حضرت خلیفتہ المسیح اولؓ نے ان ہی خدمات کے باعث انہی دنوں اپنے قلم سے ایک خط لکھا کہ "مکرم معظم حضرت میر صاحب! السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ آپ کے کاموں اور خواہشوں کو دیکھ کر میری خواہش بھی ہوتی ہے اور دل میں بڑی تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ جس طرح آپ کے دل میں جوش ہے کہ شفاخانہ۔ زنانہ۔ مردانہ۔ مسجد اور دار الضعفاء کے لئے چندہ ہو۔ اور آپ ان میں سچے دل سے سعی و کوشش فرمارہے ہیں اور بحمد اللہ آپ کے اخلاص صدق و سچائی کا نتیجہ نیک ظاہر ہو رہا ہے اور ان کاموں میں آپ کے ساتھ والے قابل شکر گزاری سے پر جوش ہیں ہمارے اور کاموں میں سعی کرنے والے ایسے ہی پیدا ہوں۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔" ۶۶-۶۷

حضرت مسیح موعود کی یادگار میں دینی مدرسہ کے لئے تحریک

حضرت خلیفتہ المسیح اول کے دل میں خلافت کے ابتدائی ایام میں ہی یہ تحریک اٹھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یادگار میں اعلیٰ پیمانہ پر ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے جس میں واعظین اور مبلغین تیار کئے جائیں ۱۹۰۵ء میں ایک "شاخ دینیات" مدرسہ تعلیم الاسلام کے ساتھ قائم تھی۔ مگر غالباً فنڈ کی کمی کی وجہ سے اس کی حالت نہات درجہ ناقص تھی۔ لہٰذا حضرت خلیفہ اولؓ کے حکم سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب۔ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب نے یہ تحریک پوری جماعت کے سامنے رکھی اور بتایا کہ اعلیٰ پیمانہ پر مدرسہ چلانے کے لئے عمدہ مکان اور بہترین لائبریری کا ہونا ضروری ہے یہ مدرسہ دنیا میں اشاعت اسلام کا ایک بھاری ذریعہ ہو گا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظیم الشان یادگار بھی لہٰذا دوستوں کو اس کے لئے پوری پوری مالی قربانی کرنی چاہئے۔ نیز لکھا۔ اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ یہ بڑے بھاری اخراجات ہیں........اور قوم ان اخراجات کے بوجھ کو برداشت نہ کرسکے گی۔ تو یہ ایک کمزوری کا خیال ہو گا" ۶۸

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اس تحریک کی اشاعت پر "مرقع قادیانی" میں یہ تبصرہ کیا کہ "خلیفہ نور الدین نے حکم دیا ہے کہ مرزا کی یادگار میں دینی مدرسہ قائم کیا جائے ہم اس مدرسہ کی تائید

کرتے ہیں امید ہے کہ مرزا صاحب کے راسخ مرید جی کھول کر اس میں چندہ دیں گے کہ آخر کار یہ مدرسہ ہمارا ہو گا اور مرزائی خیال عنقریب نسیاً منسیا ہو کر اڑ جائے گا۔" [۶۹]

واعظین سلسلہ کا تقرر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں انجمن کی طرف سے باقاعدہ کوئی واعظ تبلیغ سلسلہ کے لئے مقرر نہ تھے مگر اب خلافت اولیٰ کے شروع میں ہی اس کی پوری شدت سے ضرورت محسوس ہوئی اور خود حضرت خلیفۃ المسیح کی طرف سے اس کی تحریک ہوئی۔ اس سلسلہ میں حضرت خلیفہ اولؓ کی اجازت سے انجمن نے سب سے پہلے شیخ غلام احمد صاحب نو مسلم کو [۷۰] اور بعد ازاں مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی۔ حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی [۷۱، ۷۲] اور حضرت مولوی غلام رسول صاحب [۷۳] راجیکی کو واعظ مقرر کیا ان کے بعد بعض اور واعظ مثلاً الہ دین صاحب فلاسفر بھی نامزد ہوئے۔

واعظ اول شیخ غلام احمد صاحب کے تقرر کا واقعہ ذرا تفصیل سے ذکر کرنا موجب دلچسپی ہو گا۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب نے صدر انجمن احمدیہ میں درخواست بھیجی کہ ان کو واعظ مقرر کیا جائے صدر انجمن نے اپنے اجلاس منعقدہ ۳۰/ مئی ۱۹۰۸ء میں فیصلہ کیا کہ چونکہ تقرر واعظین حضرت خلیفہ المسیح کے ہاتھ میں ہے اس لئے شیخ یعقوب علی صاحب کو لکھا جائے کہ وہ تحریری درخواست حضرت امام کی خدمت میں بھیج دیں [۷۴]۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے اس کی منظوری دیتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ بڑے شہروں کی نسبت زیادہ تر چھوٹے چھوٹے دیہات میں جانا چاہئے۔ اور تھوڑا تھوڑا دو دو تین تین میل کا سفر روز کریں اور اسباب اٹھوانے کے لئے ان کے پاس آدمی ہو۔ گاؤں کے لوگ مدد کر سکتے ہیں یا ٹٹو کر لیا کریں۔ مطلب یہ ہے کہ گاؤں کے لوگوں کو اللہ اکبر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی آواز پہنچ جائے اور موسم سرما کے ابتداء تک اس طرح آپ ایک ضلع کو ختم کر سکتے ہیں [۷۵]۔ بدر (۳۰/ جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب یکم اگست ۱۹۰۸ء سے تبلیغ کے لئے روانہ ہوئے تھے اور اس پہلے دورہ میں امرتسر سے حیدر آباد تک جانے کا پروگرام تھا ان کے گھر کے اخراجات حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے برداشت کئے اور سفر خرچ انجمن کی طرف سے ملا [۷۶]

شیخ صاحب کے بعد مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی کا تقرر عمل میں آیا۔ آپ پنجابی زبان کے مشہور شاعر بھی تھے۔ ان کو ابتداء جموں۔ پونچھ۔ وزیر آباد۔ گوجرانوالہ وغیرہ کے شہروں اور دیہات میں بھجوایا گیا ان ابتدائی واعظین کے فرائض میں چندہ کی فراہمی اور نئی انجمنوں کا قیام بھی ہوتا تھا۔ [۷۷] حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی بھی عہد خلافت کے اولین واعظوں میں سے تھے۔ آپ پنجابی زبان کے بڑے عمدہ واعظ تھے اور زبان میں بڑی تاثیر تھی۔ اس زمانہ میں حافظ صاحب نے بڑا کام کیا ہے۔

حضرت مولانا راجیکی صاحب کا تقرر خلیفہ اول کے حکم سے احمدیہ بلڈنگس لاہور میں ہوا۔ جہاں آپ نے سلسلہ کی دھاک بٹھادی۔ علاوہ ازیں خلافت اولیٰ کے عہد میں آپ نے ملک کے طول و عرض میں بے شمار تقریریں کیں۔ بڑے بڑے معرکتہ الاراء مباحثے کئے اور متعدد جماعتیں قائم کیں جن کا کسی قدر تذکرہ اپنے اپنے مقامات پر آئے گا۔

الہ دین صاحب فلاسفر کو دیہات کے لئے واعظ مقرر کرنے سے قبل حضرت خلیفہ اول کے ارشاد سے مفتی محمد صادق صاحب کی موجودگی میں لیکچر کرایا گیا۔ چنانچہ فلاسفر صاحب کافی عرصہ تک دیہات میں اپنے علم و فہم کے مطابق یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔ مگر افسوس ان کے وعظ و تبلیغ میں تمسخر اور استہزاء کی جھلک زیادہ نمایاں ہوتی تھی۔ جو عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی اور بالآخر انتہا تک پہنچ گئی۔

یہ تو فقط انجمن کے زیر انتظام چند واعظوں کے نام ہیں ورنہ جلسوں اور مباحثوں میں حصہ لینے والے کئی مقررین و واعظین خدا کے فضل سے آگے آئے جن کا ذکر مختلف مقامات پر آرہا ہے۔

بھیرہ کی جائداد کا سلسلہ احمدیہ کے لئے وقف کرنا

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے جولائی ۱۹۰۸ء میں اپنی بھیرہ کی قیمتی جائداد صدر انجمن احمدیہ کے نام ہبہ کر دی [۷۸]۔ جو دیوان گنپت رائے اور دولت رائے آف بھیرہ نے پانچ ہزار چھ سو ستاسی روپیہ بارہ آنے میں خریدی۔ جس میں سے دو سال کی زکوۃ کی رقم آپ نے مد زکوۃ میں منتقل کرنے کی ہدایت فرمائی [۷۹]۔

تشدد پسند پارٹیوں کی مذمت

تقسیم بنگال اور یونیورسٹیز ایکٹ کے بعد ۱۹۰۶ء میں کانگریس نے اپنے اجلاس کلکتہ میں لوکل سیلف گورنمنٹ دئے جانے کا مطالبہ کیا اور ملک میں جابجا دہشت انگیز اور انقلاب پسند خفیہ انجمنیں قائم ہو گئیں اور بم سازی اور یوروپین افسروں کے قتل کی سازشیں زور پکڑ گئیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے ان ملکی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "نیکی اور بھلائی اور رفاہ عام کے کام کبھی اس قابل نہیں ہو سکتے کہ ان کے لئے اخفا ضروری ہو اس لئے اگر کوئی خفیہ انجمن اپنے اغراض نوع انسان کی بھلائی کے متعلق ظاہر نہیں کرتی یا نہیں بتاتی وہ کبھی قابل تسلیم نہیں ہو سکتی کیونکہ ان انجمنوں میں شرارت اور شیطنت ہوتی ہے خفیہ انجمنوں کی تاریخ پر نظر کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ جہاں کہیں وہ ہیں انہوں نے امن عامہ میں خلل ڈالا ہے ہم ایسی انجمنوں سے سخت بیزار ہیں........ پس ان سے ہمیشہ پرہیز کرو۔" [۸۰]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طرز عمل کی روشنی میں آپ کا یہ مشورہ ایک نہایت مبارک اقدام تھا جس نے نہ صرف جماعت کو بلکہ مسلمانوں کو تباہی سے بچالیا۔ کیونکہ یہ واضح بات ہے کہ اگر اس زمانہ میں کانگریس کے منصوبے کامیاب ہو جاتے تو ملکی اقتدار کی پوری باگ ڈور مستقل طور پر ہندو اکثریت کے ہاتھوں میں چلی جاتی!! چنانچہ "نوائے وقت" میں لکھا ہے:۔ "مسلمان کی آزادی کے لئے محض انگریز کا اس برصغیر سے چلا جانا کافی نہیں تھا۔ انگریز کے بعد مسلمان ہندو اکثریت کے غلام بن جاتے کیونکہ یہ دونوں سے حکومت کا دور تھا۔ شاہ و شمشیر کا دور ختم ہو چکا تھا۔ اب مسلمان اقلیت تمام برصغیر پر قابض نہیں ہو سکتی تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں کی آزادی کا ضامن مسلم اکثریت کے علاقوں میں آزاد ملک پاکستان کا قیام تھا۔ اگر اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ۱۹۴۰ء سے پیشتر مسلم مجاہدین آزادی کی کامیابی (یعنی تقسیم کے بغیر برصغیر سے انگریزوں کا چلے جانا) بے وقت 'غیر موزوں اور مسلم قوم کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتی تھی" [۸۱]۔

مولوی عبداللہ العمادی کا ایک نوٹ اور حضرت خلیفہ اولؓ کا ان کے نام ایک خط

رسالہ البیان کے ایڈیٹر مولوی عبداللہ العمادی (۱۸۷۴ـ۱۹۴۷ء) نے ماہ جمادی الاولی ۱۳۲۶ھ (مطابق ۱۹۰۸ء) کے رسالہ میں "پیغمبروں کی موت" کی سرخی کے تحت ایک نوٹ لکھا کہ

"دوسرے پیغمبر میرزا غلام احمد صاحب قادیانی تھے جو ہندوستان کے مشہور صاحب مذہب تھے........ان پر وحی بھی آتی تھی۔ ان کی رائے میں خنزیر سے مراد موجودہ عیسائیت تھی اور دجال آج کل کے پادری تھے انہوں نے بڑے زور شور سے علمی جنگ کر کے دنیا کو ثابت کر دیا کہ میں صلح کل مہدی ہوں........ میرزا صاحب کے مرنے پر ان کے جانشین جناب مولوی نورالدین صاحب ہوئے ہیں۔ صاحب موصوف عربی کے مشہور پرجوش عالم علوم اسلام میں سربرآوردہ اور مذہبی لٹریچر میں وسیع الاطلاع ہیں....... اس کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ ہمارا یہ زمانہ نبوت کا زمانہ نہیں ہے۔" [۸۲]

حضرت خلیفتہ المسیح اولؓ نے البیان کا یہ شذرہ پڑھ کر مولوی عبداللہ العمادی کو ایک مفصل خط لکھا جس میں بڑی جامعیت کے ساتھ اپنے عقائد لکھنے کے بعد حضرت اقدسؑ کے جملہ دعاوی کو قرآن و حدیث سے ثابت فرمایا اور آخر میں لکھا:۔ "آپ نے ہزاروں پیشگوئیاں کیں جو صحیح ہوئیں۔ جو بظاہر کسی کو نظر آتا ہے کہ صحیح نہیں ان پر مرزا صاحب نے بہت کچھ لکھا ہے آپ نے بااینکہ محمد رسول اللہؐ کو خاتم النبینؐ مانا اور ان کے عشق و محبت میں ہزاروں صفحہ لکھا ہے بے ریب لکھا ہے کہ میں نبی بمعنی

پیشگوئی کرنے والا ہوں۔ مجھے احادیث اور کلام الٰہی میں نبی کہا گیا مگر نہ نبی تشریع اور یہی مذہب تمام صوفیائے کرام کا ہے فتوحات مکیہ............ پر آپ غور کریں۔

آپ کی سرخی اور آپ کا مضمون کم سے کم چار لاکھ مسلمان احمدیوں کو دکھ دینے والا ہے.........

مولوی صاحب آپ کا زمانہ نبوت کا زمانہ نہیں اس پر دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ کا اس بارے میں وحی نبوت ہوئی ہے کہ آپ کا زمانہ نبوت کا زمانہ نہیں یا آپ کی دہریت کا فتویٰ ہے۔" ۸۳

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک پیشگوئی کا ظہور

اس سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کا بھی ظہور اہوا کہ "زلزلہ در گور نظامی گفند" حضور کا اس کے بعد کا یہ الہام تھا کہ ہندوستان اور پنجاب میں وبائے تپ سخت پھیلے گی۔ چنانچہ اسی وباء سے ہزاروں لوگ لقمہ اجل ہوئے اور اس نے خصوصاً امرتسر میں بہت تباہی مچائی جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر لیکچر کے وقت پتھر پھینکے گئے تھے اور رمضان کے مہینہ میں سارا شہر قریباً بے روزہ رہا۔ اس قہری نشان کے علاوہ جیسا کہ پیشگوئی میں تھا مملکت نظام (حیدر آباد) ستمبر ۱۹۰۹ء میں ایک ہولناک سیلاب کی لپیٹ میں آگئی۔ جس سے ہزاروں جانیں تلف ہوئیں اور محلوں کے محلے نیست و نابود ہو گئے۔

قہری نشان کے عنوان سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ایک مضمون شائع کیا۔ جس کے آخر میں دردمند دل سے لکھا۔ "اے دوستو! خدا کے لئے غور کرو اور دیر نہ کرو کیونکہ خدا کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ آؤ توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ خدا تمہاری حالت پر رحم کرے اور تمہیں اپنے برگزیدہ کی شناخت عطا فرمائے" ۸۴۔

سیلاب اور جماعت کی خبر گیری کا انتظام

حیدر آباد سے زلزلہ کی اطلاع ملنے پر حضرت خلیفتہ المسیح اول نے وہاں کئی رجسٹری خطوط لکھے اور تار بھجوائے تا جماعت کی خیریت کا علم ہو۔ مگر جب کوئی خبر نہ ملی تو آپ نے حاجی ابو سعید صاحب عرب کو اپنے ذاتی مصارف سے مصیبت زدوں کی خبر گیری کے لئے روانہ فرمایا۔ اور یہ پیغام دیا کہ اگر کسی احمدی کے اہل و عیال اس ناگہانی طوفان سے لاوارث ہو گئے ہوں تو فوراً قادیان روانہ کر دیں ہم ہر طرح ان کے ذمہ دار اور کفیل ہوں گے۔ چنانچہ ابو سعید صاحب عرب دور دراز مسافت طے کر کے وہاں پہنچے اور جماعت کے دوستوں کو ہر طرح تسلی و تشفی دی۔ جماعت کو ان کی آمد پر بہت خوشی ہوئی۔ آپ نے دیکھا کہ خدا کے فضل سے سب احمدی ہر طرح محفوظ تھے۔ حالانکہ اکثر احمدیوں کے مکانات انہیں مقامات پر واقع تھے جو کامل تباہی کا منظر پیش کر رہے تھے۔ ۸۵

مسجد مبارک میں اعتکاف اور درس

۱۹۰۸ء کے رمضان میں حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے درس القرآن اور اعتکاف کے خاص مجاہدے کئے آپ کے ساتھ سیدنا محمود بھی معتکف ہوئے۔ چنانچہ اخبار بدر ۲۳/ اکتوبر ۱۹۰۸ء میں لکھا ہے۔

"حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین مولوی نور الدین ایدہ اللہ رب العالمین۔ بیسویں تاریخ ماہ رمضان سے مسجد مبارک میں اعتکاف بیٹھ گئے ہیں۔ آپ کے ساتھ کان رسالت کا چمکتا ہوا ہیرا سید محمود بھی معتکف ہے۔ مولانا کی فیض رساں طبیعت اس خلوت میں بھی جلوت کا رنگ دکھا رہی ہے قرآن مجید سنانا شروع کیا ہے صبح سے ظہر کی اذان تک اور پھر بعد از نماز ظہر عصر تک اور عصر سے شام اور پھر عشاء کی نماز کے بعد تک تین پارے ختم کرتے ہیں۔ مشکل مقامات کی تفسیر فرما دیتے ہیں۔ سوالوں کے جواب بھی دیتے جاتے ہیں۔ یہ نہ تھکنے والا دماغ خاص موہبت الٰہی ہے" [۸۶]۔

لنگر خانہ کا انتظام صدر انجمن کی نگرانی میں

لنگر خانہ کا انتظام حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں براہ راست حضور کے ہاتھ میں تھا مگر حضور کے وصال کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے منشاء کے مطابق لنگر خانہ کا انتظام صدر انجمن احمدیہ کی نگرانی میں دے دیا گیا اور اس کے لئے سالانہ بجٹ ۱۲۷۶۷ روپے منظور ہوا۔ [۸۷] خلافت اولیٰ میں جو بزرگ لنگر خانہ کے مہتمم رہے ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) حضرت حکیم فضل دین صاحب بھیروی [۸۸] حکیم محمد عمر صاحب [۸۹] حضرت قاضی خواجہ علی صاحب [۹۰]۔

۱۹۰۸ء میں سیدنا محمود کے بعض تبلیغی سفر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد سے ہی سیدنا محمود میں تبلیغ حق کا ایک خاص جوش پیدا ہو چکا تھا اور اپنی تعلیمی مصروفیات، انجمن تشحیذ الاذہان کی اہم ذمہ داریاں اور صدر انجمن کی ضروریات کے باوجود آپ کو جہاں کہیں جانے کا اتفاق ہوتا آپ لیکچر دیتے اور خدا کے دین کی منادی کرتے اس تعلق میں آپ کا سب سے پہلا سفر جو اس غرض کے لئے ہوا۔ بیگووال (ریاست کپورتھلہ) کی طرف تھا۔ آپ حضرت خلیفۃ المسیح کی اجازت سے کسی شادی کی تقریب پر تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے لیکچر دیا۔ [۹۱] یہ وہی گاؤں ہے جہاں آپ کے پڑدادا حضرت میرزا عطا محمد صاحب برسوں پناہ گزین رہے تھے۔

اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے حکم سے اور جماعت کاٹھ گڑھ (ضلع ہوشیارپور) کی درخواست پر ۱۶/ دسمبر ۱۹۰۸ء کی صبح کو حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کے ساتھ کاٹھ گڑھ تشریف لے گئے

اور غالباً ۲۱/ دسمبر کو وارد قادیان ہوئے۔ [۹۲] کاٹھ گڑھ میں آپ کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا اور وہ یہ کہ جب آپ وہاں پہنچے تو دوستوں نے مشورہ دیا کہ فلاں طرف رستہ میں ایک شدید دشمن رہتا ہے۔ اندیشہ ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کر دے لیکن آپ نے اس بات کی ذرا پرواہ نہ کی اور اسی رستہ پر چل پڑے۔ جب اس شخص کی نظر آپ پڑی تو وہ دوڑ کر آپ کی طرف آیا آپ کے ساتھیوں نے سمجھا کہ شاید آپ پر حملہ کرنے آرہا ہے اس لئے وہ لاٹھیاں لے کر اکٹھے ہو گئے لیکن وہ شخص انہیں دھکہ دیتے ہوئے آگے بڑھا اور کہنے لگا یہ صرف تمہارے ہی پیر نہیں بلکہ ہمارے بھی پیر ہیں کیا ہم ان کی زیارت بھی نہ کریں پھر اس نے ایک روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا یہ میری طرف سے نذرانہ ہے اسے قبول فرمائیں [۹۳]۔

عہد خلافت اولیٰ کے پہلے سالانہ جلسہ کے مختصر کوائف

اس سال احباب جماعت کو غیر معمولی رنگ میں کئی مرتبہ قادیان اور لاہور آنا پڑا۔ پھر قحط سالی اور بخار کی عالمگیر وبا ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ مگر عہد خلافت اولیٰ کا یہ پہلا جلسہ نہایت بارونق تھا۔ جس میں شامل ہونے والے اصحاب دو تین ہزار کے لگ بھگ تھے [۹۴]۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی تقریریں:۔ جلسہ پر حضرت خلیفہ اولؓ نے دو عظیم الشان تقریریں فرمائیں پہلی تقریر نماز ظہر و عصر کے بعد سے مغرب تک جاری رہی [۹۵]۔ اس پر معارف تقریر میں علاوہ دیگر امور کے آپ نے ضرورت خلافت اور اطاعت خلافت کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی [۹۶]۔ دوران تقریر میں آپ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ "کرزن گزٹ (دہلی) نے حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ اب مرزائیوں میں کیا رہ گیا ہے ان کا سر کٹ چکا ہے ایک شخص جو ان کا امام بنا ہے اس سے تو کچھ ہو گا نہیں ہاں یہ ہے کہ تمہیں کسی مسجد میں قرآن سنایا کرے۔ سو خدا کرے یہی ہو میں تمہیں قرآن ہی سنایا کروں۔ اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی بعض آیات پڑھ کر ان کی لطیف تفسیر فرمائی۔ اور آخر میں عربی زبان کی تعلیم کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی اور بتایا کہ لوگ کہتے ہیں عربی سے کیا ہوتا ہے میں کہتا ہوں عربی سے قرآن شریف آتا ہے۔ عربی سے محمد رسول اللہ کی باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ عربی سے ابوبکر و عمر و تبع تابعین کی قدر کو پہچانا جاتا ہے۔ اس تقریر کے اختتامی الفاظ یہ تھے۔ "تم نے خود میری بیعت نہیں کی۔ بلکہ میرے مولیٰ نے تمہارے دلوں کو میری طرف جھکا دیا۔ پس تمہیں میری فرمانبرداری ضروری ہے" [۹۷]۔

آپ کی دوسری تقریر ۲۸/ دسمبر کو بعد نماز ظہر و عصر "حب" کے موضوع پر تھی جس میں آپ

نے تصوف کے باریک در باریک اور لطیف در لطیف مسائل سادہ اور آسان پیرائے میں بیان فرمائے۔ [۹۸]

سیدنا محمود کی تقریر:۔ ۲۸/ دسمبر کے اجلاس میں سب سے پہلی تقریر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کی تھی۔ [۹۹] تقریر کا مضمون یہ تھا کہ "ہم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں۔" یہ تقریر مختصر ہونے کے باوجود اس درجہ موثر اور حقائق و معارف سے لبریز تھی کہ اخبار الحکم نے لکھا۔

"آج صبح کی کارروائی تشحیذ الاذہان کے جلسہ سے شروع ہوئی۔ حضرت صاحبزادہ بشیرالدین محمود احمد صاحب سلمہ اللہ الاحد کی نظم اور آپ کی تقریر نے مردہ دلوں کو جلا دیا۔ بلا مبالغہ صاحبزادہ صاحب کی تقریر میں قرآن مجید کے حقائق و معارف کا سادہ اور مسلسل الفاظ میں ایک خزانہ تھا۔ پلیٹ فارم سے اس لب و لہجہ سے بول رہے تھے جو حضرت امام علیہ السلام کا تھا اور الولد سر لابیہ کا پورا نمونہ تھا صاحبزادہ صاحب کی تقریر کے متعلق مجھے الفاظ نہیں ملتے کہ میں اس کا ذکر کر سکوں۔ صاحبزادہ صاحب نے تشنہ حقائق قوم کو باپ کی طرح سیراب کر دیا اور وہی زمانہ یاد دلا دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے بھی زیادہ حقائق و معارف کے موتیوں سے مالا مال کرے۔" [۱۰۰]

آپ کی تقریر کے وقت صدر جلسہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ تھے اور آپ نے اسے سراہا چنانچہ ڈاکٹر منظور احمد صاحب بھیروی کا بیان ہے۔ "حضرت خلیفہ اول نے حضور کی قرآن دانی کے متعلق چند تعریفی کلمات فرمائے تو میرے پاس ڈاکٹر بشارت احمد صاحب......... بیٹھے ہوئے جھوم جھوم کر آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے کہ سبحان اللہ سبحان اللہ آپ کے بعد یہی خلیفہ ہوں گے۔ میں ڈاکٹر صاحب سے اس وقت اس لئے واقف تھا کہ وہ اس وقت بھیرہ میں ہی تعینات تھے" [۱۰۱]۔

جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء پر آپ کی ایک نظم بھی پڑھی گئی جس کے چند شعر یہ تھے:۔

مدت سے پارہ ہائے جگر کھا رہا ہوں میں ۔۔۔ رنج و محن کے قبضہ میں آیا ہوا ہوں میں
میری کمر کو قوم کے غم نے دیا ہے توڑ ۔۔۔ کس ابتلاء میں ہائے ہوا مبتلا ہوں میں
پھر کیوں نہ مجھ کو مذہب اسلام کا ہو فکر ۔۔۔ جب جان و دل سے معتقد میرزا ہوں میں
شیطاں سے جنگ کرنے میں جاں تک لڑاؤں گا ۔۔۔ یہ عہد ذات باری سے اب کر چکا ہوں میں

دوسری تقاریر اور نظمیں:۔ ان کے علاوہ یہ تقریریں ہوئیں۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی۔ مولوی صدر الدین صاحب۔ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب۔ حضرت میر قاسم علی صاحب نے ایک پر درد مرثیہ پڑھا جس نے

دلوں کو تڑپا دیا اور آنکھوں سے مسیح موعود علیہ السلام کی یاد میں بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اس مرثیہ کے چند اشعار یہ تھے:۔

مسیحا سب ترے خادم ہیں حاضر　　مگر تجھ بن تڑپتے ہیں یہ مضطر
ہوئے ہیں ہجر میں مردوں سے بدتر　　جلا لو اب انہیں صورت دکھا کر
زمہجوری برآمد جان عالم　　ترحم یا نبی اللہ ترحم
بعزم سیر پھر تشریف لائیں　　تو سب خادم دو رویہ صف بنائیں
بشوق دید آنکھوں کو بچھائیں　　زبان حال سے یہ پڑھ سنائیں
جہانے دیدہ کردہ فرش راہند　　چو فرش اقبال پابوس تو خواہند
جلوس سیر ہے جب یاد آتا　　دل بے تاب ہے قابو سے جاتا
نہیں تجھ بن ہمیں جینا یہ بھاتا　　غم فرقت ہے یا حضرت ستاتا

بدہ دستے ز پا افتادگاں را
بکن دلداری دلدادگاں را [۱۰۷]

خلیفہ وقت سے انحراف کا پہلا پبلک مظاہرہ

سالانہ جلسہ ۱۹۰۸ء جہاں احمدیوں کے غیر معمولی اجتماع کے باعث خدائی تائید و نصرت کا نمونہ تھا۔ وہاں اس کے بعض نہایت تلخ اور تکلیف دہ نتائج بھی برآمد ہوئے جو آئندہ چل کر جماعت کے انشقاق و افتراق کی مستقل بنیاد ثابت ہوئے اور اس کی ذمہ داری انجمن کے چند جمہوریت پسند اور مغربیت کے دلدادہ ممبروں پر تھی۔

اس امر کا تفصیلی پس منظر تو اگلے سال کے واقعات میں آئے گا یہاں ہم اجمالاً یہ عرض کرتے ہیں کہ گو خدائی تصرف کے مطابق پوری جماعت خلافت کے جھنڈے تلے جمع ہو چکی تھی اور خود انجمن کے ممبروں نے بھی اس جماعتی رجحان کی تاب نہ لا کر ظاہراً بیعت بھی کر لی تھی۔ مگر دل سرے سے خلافت کے قائل ہی نہیں تھے۔ اور ان کے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اصل جانشینی کا حق انجمن کو حاصل تھا نہ کہ خلافت کو۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب نے اپنی کتاب "حقیقت اختلاف" میں اس کا واضح لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ "میرا جو کچھ مسلک تھا میں نے اسے ایک منٹ کے لئے بھی کسی سے نہیں چھپایا۔ نہ خود مولوی صاحب سے......... حضرت مسیح موعودؑ کی خلافت کا میں صرف جانشینی کے معنی میں قائل تھا اور آیت استخلاف میں نبی کریم ﷺ کی خلافت کا ذکر مانتا رہا ہوں یعنی جسمانی طور پر بادشاہ آپ کے خلیفے ہوں گے۔ اور روحانی طور پر مجددین۔ اس

آیت (یعنی آیت استخلاف ناقل) کو میں صرف نبی کریم کے متعلق مانتا ہوں" [103]۔

اسی طرح خواجہ کمال الدین صاحب لکھتے ہیں۔ "اگر خلیفہ اور جانشین ہم معنے اور مترادف ہیں تو پھر خود حضرت مسیح موعود نے اپنا خلیفہ کس کو بنایا۔ دیکھو تمہاری انجمن کو خود مسیح موعود نے کہا۔ کہ خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے اس لئے باقی جس قدر خلیفے ہیں ان کو تم خود انتخاب کرتے ہو۔ اور اسی طرح تمہارے انتخاب پر وہ خلیفۃ المسیح ہوتے ہیں۔ لیکن انجمن کا نام خود مسیح موعود نے خلیفۃ المسیح رکھا ہے" [104]۔

اس سلسلہ میں واضح ترین بیان ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کا ہے چنانچہ آپ تحریر کرتے ہیں۔ "ہم نے صاف کہہ دیا تھا کہ جناب مرزا صاحب نبی نہ تھے بلکہ آنحضرت ﷺ کے خلیفہ تھے اور خلافت نبوت کی ہوتی ہے۔ خلافت کی خلافت ایک بے معنی بات ہے۔" [105]

ان کے اس نقطہ نگاہ کے مطابق بیعت خلافت دراصل ایک اصولی غلطی تھی اور اس کا احساس انہیں ابتدا ہی سے پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ حضرت سیدنا محمود (خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود) ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا بیان ہے کہ "حضرت مسیح موعود کی وفات کو ابھی پندرہ دن بھی نہ گزرے تھے کہ خواجہ صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کی موجودگی میں مجھ سے سوال کیا کہ میاں صاحب! آپ کا خلیفہ کے اختیارات کے متعلق کیا خیال ہے میں نے کہا کہ اختیارات کے فیصلہ کا وہ وقت تھا جب کہ ابھی بیعت نہ ہوئی تھی۔ جب کہ حضرت خلیفہ اول نے صاف صاف کہہ دیا کہ بیعت کے بعد تم کو پوری پوری اطاعت کرنی ہوگی اور اس تقریر کو سن کر ہم نے بیعت کی تو اب آقا کے اختیار مقرر کرنے کا حق غلاموں کو کب حاصل ہے۔ میرے اس جواب کو سن کر خواجہ صاحب بات کا رخ بدل گئے" [106]۔ اور کہا بات تو ٹھیک ہے۔ میں نے یونہی علمی طور پر بات دریافت کی تھی اور ترکوں کی خلافت کا حوالہ دے کر کہا۔ کہ چونکہ آج کل لوگوں میں اس کے متعلق بحث شروع ہے۔ اس لئے میں نے بھی آپ سے اس کا ذکر کر دیا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ اور اس پر ہماری گفتگو ختم ہو گئی۔ لیکن اس سے بہر حال مجھ پر ان کا عندیہ ظاہر ہو گیا کہ ان لوگوں کے دلوں میں حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کا کوئی ادب و احترام نہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح خلافت کے اس طریق کو مٹا دیں۔ جو ہمارے سلسلہ میں جاری ہوا ہے" [107]۔

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انجمن کے ان نام نہاد اکابر عمائد کے اندرونی عزائم و خیالات خلافت کے ابتدائی ایام ہی سے کیا تھے اور خلافت کی بیعت ان کی نگاہ میں محض ایک اتفاقی غلطی تھی۔ جس کا ارتکاب وہ کر بیٹھے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب صاف لکھتے ہیں:۔ "وہ وقت بہت

نازک تھا حضرت مسیح موعودؑ کی اچانک وفات کی وجہ سے ڈاکٹر عبدالحکیم خان اور مولوی ثناء اللہ امرتسری نے بہت بڑا فتنہ اٹھایا ہوا تھا اور بڑا شور و شر کر رہے تھے اور جماعت احمدیہ کو اس وقت مرتد کر دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ اور جماعت کے کمزور لوگ بہت انتشار کی حالت میں تھے اور بے دل ہو رہے تھے۔ اس لئے خواجہ کمال الدین صاحب نے فرمایا کہ اس وقت چپ رہو۔ وقت ایسا نازک ہے کہ اس مسئلہ کو چھیڑنے سے ایک نیا اختلاف اور فتنہ پیدا ہو جانے کا احتمال ہے چلو مولوی نورالدین صاحب ایک بزرگ عالم ہیں اگر ان کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کر لی تو کیا مضائقہ ہے۔" لیکن حق یہ ہے کہ خواجہ صاحب کی یہ ایک اصولی غلطی تھی" [۱۰۸]۔

اس اصولی غلطی کے ازالہ کے لئے سب سے پہلا قدم ان حضرات نے یہ اٹھایا۔ کہ آہستہ آہستہ انجمن کی کارروائیوں میں خلیفہ وقت کے فیصلوں اور احکامات سے گریز اختیار کر کے اس کی شان خلافت کو محض ایک امیر انجمن کی حیثیت دینی شروع کر دی۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے خود صدر انجمن احمدیہ کا قدیم ریکارڈ پوری پوری رہنمائی کرتا ہے کہ انجمن کے اجارہ داروں نے کس طرح آہستہ آہستہ خلافت کے مقام و عظمت سے گریز اختیار کیا۔ پہلے "خلیفہ المسیح" لکھنا شروع کیا مگر چند ماہ بعد "حضرت خلیفہ صاحب" اور پھر "حضرت مولوی صاحب" کہہ کر آپ کے احترام کو بالکل پس پشت ڈال دیا۔ اس امر کے اثبات کے لئے ہم ابتدائے خلافت اولیٰ سے لے کر ۱۵/ نومبر ۱۹۰۸ء تک کے بعض اجلاسوں کے فیصلے اور کارروائی وغیرہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ (یاد رہے ۳۰/ مئی ۱۹۰۸ء کا اجلاس عہد خلافت اولیٰ کا سب سے پہلا اجلاس ہے)

۱۔ (۳۰/ مئی ۱۹۰۸ء) "بموجب اجازت خاص حضرت امام خلیفۃ المسیح و المہدی انعقاد مجلس معتمدین کا آج بتاریخ ۳۰/ مئی ۱۹۰۸ء قادیان میں بوقت آٹھ بجے صبح ہوا۔" [۱۰۹]

"قرار پایا کہ اب حسب احکام حضرت خلیفۃ المسیح الموعود لنگر خانہ کی حالت دگرگوں ہو گئی ہے۔ اس لئے اس کاغذ کو داخل دفتر کیا جاوے۔" [۱۱۰]

قرار پایا کہ تقرر واعظین حضرت خلیفۃ المسیح کے ہاتھ میں ہے۔ [۱۱۱]

۲۔ (۲۷/ جون ۱۹۰۸ء) رپورٹ مولوی محمد علی صاحب کہ حسب ارشاد جناب خلیفۃ المسیح حضرت اقدس کی یادگار میں ایک مدرسہ دینیہ اعلیٰ پیمانہ پر قائم کیا جائے جو مدرسہ انگریزی سے بالکل علیحدہ ہو اس کے اخراجات آمد و خرچ علیحدہ ہوں گے۔ لہٰذا اس کے متعلق ضروری قواعد مرتب کرنے کا جلد انتظام کیا جائے۔...... پیش ہو کر قرار پایا کہ سب کمیٹی جس میں مفصلہ ذیل اصحاب ہوں صاحبزادہ بشیرالدین محمود احمد صاحب۔ جناب نواب محمد علی خاں صاحب بالقابہ۔

سید سرور شاہ صاحب۔ جناب مولوی محمد علی صاحب قائم کی جاتی ہے۔ مولوی محمد علی صاحب اس کے سیکرٹری ہوں گے اس سب کمیٹی کا یہ کام ہو گا۔ کہ مدرسہ دینی کے لئے روپیہ فراہم کرے۔ [۱۱۲]

اسی تاریخ کا دوسرا فیصلہ:۔ "حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر بالفعل حسب ذیل قواعد لنگر خانہ کے متعلق تجویز کئے جاتے ہیں۔ جن کو حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح نے منظور فرمایا ہے۔" [۱۱۳]

اسی تاریخ کا تیسرا فیصلہ۔ "جن لوگوں کو لنگر خانہ سے کھانا ملتا ہے۔ ان کے متعلق حکم حضرت خلیفۃ المسیح کا قطعی ہو گا" [۱۱۴]۔

۳۔ (۲۶/جولائی ۱۹۰۸ء) "درخواست مولوی محمد علی صاحب کہ مدرسہ دینیہ کی رپورٹ سب کمیٹی مجوزہ سے ۱۵/اگست تک مانگی گئی ہے۔ لیکن اس میں سرمایہ کا سوال ضروری ہے۔......جس کے واسطے کافی وقت چاہئے۔ لہٰذا یکم اکتوبر تک معیاد زیادہ کی جائے پیش ہو کر قرار پایا کہ منظور ہے" [۱۱۵]۔

"حضرت خلیفہ صاحب تشریف لے گئے اور مجلس بصدارت جناب صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب جاری رہی" [۱۱۶]۔

۴۔ (۲۸/جولائی ۱۹۰۸ء) سیکرٹری صاحب کی درخواست پر حضرت خلیفہ صاحب.......کی جائداد کے ہبہ کرانے میں منظور کئے گئے" [۱۱۷]۔

۵۔ (۳۰/اگست ۱۹۰۸ء) "حضرت خلیفہ صاحب نے ارشاد فرمایا۔ اہل بیت کے خرچ کے واسطے........منظور کئے جاتے ہیں۔" [۱۱۸]

۶۔ (۱۵/نومبر ۱۹۰۸ء) "رپورٹ محاسب کہ ڈاکٹر محمد شریف صاحب.........ماہوار کا مستقل وظیفہ دیتے ہیں پھر وہ بمشورہ حضرت مولوی صاحب بالا بالا کسی طالب علم کو ملتا رہا ہے لیکن اب مناسب ہے کہ وہ باقاعدہ خزانہ صدر انجمن میں داخل ہو کر بلوں سے اسی طالب علم کو ملا کرے۔ جسے انجمن دینا منظور کرے........پیش ہو کر قرار پایا کہ تجویز محاسب صاحب منظور ہے" [۱۱۹]۔

یہ ۳۰/مئی سے ۱۵/نومبر ۱۹۰۸ء تک کے اجلاسوں کے چند فیصلہ جات ہیں خط کشیدہ عبارت سے یہ اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں ہے کہ ابتداء میں وہ انجمن جو اجلاس کے انعقاد کے لئے "خلیفۃ المسیح" کی اجازت خاص کو ضروری سمجھتی تھی اسی طرح "تقرر واعظین" اور لنگر خانہ سے متعلق آپ

کا حکم "قطعی" قرار دیتی تھی کس طرح یکایک حضرت خلیفۃ المسیحؑ کو اب حضرت مولوی صاحب کے نام سے یاد کرکے آپ کے خلاف فیصلہ دینے میں حرج نہیں سمجھتی۔

یہ حقیقت انجمن ہی کی دستاویزات سے واضح کرنے کے بعد اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ ۱۵/ نومبر ۱۹۰۸ء کو صدر انجمن احمدیہ کا ایک اجلاس (جس میں آپ کے مشورہ کی صریح خلاف ورزی میں فیصلہ دیا گیا) قادیان کی بجائے لاہور میں شیخ رحمت اللہ صاحب کے مکان پر ہوا۔ اور اس میں صرف مولوی محمد علی صاحب اور ان کے ہم خیال ممبر شامل ہوئے۔ اور اس اجلاس میں سالانہ جلسہ کا پروگرام مرتب کیا گیا۔ اور ایسے رنگ میں تقاریر کا پروگرام تیار کیا گیا کہ جماعت خلافت سے منحرف ہو کر انجمن کے قدموں میں آگرے۔ پروگرام میں زیادہ تر انجمن کے انہی ممبروں کے بولنے کے مواقع رکھے گئے جو متفق الخیال تھے۔ اور تجویز کی کہ مختلف پیرایوں میں بتایا جائے۔ کہ انجمن ہی حضرت مسیح موعود کی اصل جانشین ہے تا دماغ ان کے ذہنی انقلاب کے لئے تیار ہو جائیں۔

قبل ازیں انجمن ۲۷/ جون ۱۹۰۸ء کو حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد کے مطابق مدرسہ دینیہ کی یادگار قائم کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اور اس کے ضروری قواعد اور روپیہ کی فراہمی کے لئے سب کمیٹی بھی قائم ہو چکی تھی۔ جس کے سیکرٹری مولوی محمد علی صاحب تھے۔ مگر ۱۵/ نومبر ۱۹۰۸ء کے لاہور کے منعقدہ اجلاس میں ایک طے شدہ معاملہ کو دوبارہ جلسہ سالانہ کی کانفرنس انجمن ہائے احمدیہ میں پیش کرنے کا فیصلہ کر دیا گیا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہوئے انہوں نے اپنی رائے یہ لکھی۔ "مجلس کی رائے میں عربی مدرسہ کے لئے بغیر وظیفہ کے طالب علموں کا ملنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور اس طرح پر مقصد دینی مدرسہ کا حاصل نہیں ہو سکتا۔ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ احمدی طلبہ کو اعلیٰ درجہ کی مروجہ تعلیم وظائف دے کر دلائی جاوے یا ان کو خاص طور پر ڈاکٹری کے لئے تیار کیا جاوے۔ اور یہ لڑکے وہ ہونگے جو قادیان ہائی سکول سے انٹرنس پاس کرکے نکلیں اور دینی تعلیم خصوصیت اور قابلیت سے حاصل کی ہو۔ اور دینوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا خاص انتظام کیا جائے۔ اور جب لاہور میں آدیں ان کے لئے تعلیم دین کا خاص کچھ انتظام ہو جاوے اور جو گریجوایٹ عربی پڑھنے کے لئے مصر وغیرہ جاویں۔ ان کو وظیفہ دیا جاوے جب کالج اپنا کھل جاوے۔ تو وہاں عربی کا خاص انتظام ہو جاوے۔ اس وقت مدرسہ عربی میں کوئی نئی جماعت نہ بنائی جاوے بلکہ اس کے لئے فیصلہ کانفرنس کا انتظار کیا جاوے" [۱۲۰]۔

جلسہ سالانہ کے موقعہ پر اس سوچی سمجھی سکیم کو کس طرح عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی گئی؟ اس کا کیا رد عمل ہوا اور کیا نتائج بر آمد ہوئے اب ہم ان پہلوؤں کی طرف آتے ہیں۔

حضرت خلیفہ اول کی تقریر کے لئے وقت کی پابندی انجمن کے مطبوعہ پروگرام کے مطابق حضرت خلیفۃ المسیح کی پہلی تقریر کے لئے ایک گھنٹہ وقت مقرر کیا گیا۔ [۱۷۱] مگر عملاً ہوا یہ کہ آپ کی تقریر نماز ظہر و عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب سے دس پندرہ منٹ قبل تک جاری رہی۔ تقریر کے خاتمہ سے قبل آپ نے فرمایا۔

"چونکہ فلاں شخص نے مجھے کہا ہے کہ میں نے بھی چند منٹ کے لئے کچھ عرض کرنا ہے اس لئے یہ دس پندرہ منٹ میں ان کے لئے چھوڑتا ہوں اس پر مولوی سید محمد احسن صاحب کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ خلیفہ وقت کی ہتک ہے۔ کہ ان کا وقت مقرر کیا گیا اور عام لوگوں کی طرح ان کے لئے وقت کی تعیین کی گئی ہے۔ اس پر خواجہ صاحب نے ذرا کھسیانے ہو کر کہا حکیم الامت صاحب کے مشورہ سے پروگرام بنایا گیا تھا۔ مگر بات ظاہر ہو گئی اور لوگوں میں چرچا ہونے لگا۔ کہ یہ لوگ خلیفہ کی اس طرح اطاعت نہیں کرتے جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی کرتے تھے۔ [۱۷۲]

لیکچروں میں انجمن کی جانشینی کا وعظ:۔ پروگرام کے مطابق انجمن کے ان اکابر نے اپنی تقریروں میں انجمن کی جانشینی کا پوری قوت سے ذکر کیا۔ چنانچہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے کہا۔ "صدر انجمن احمدیہ خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔" [۱۷۳] ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے اپنا زور بیان اس پر صرف کیا کہ ہمیں بروز صحابہ بننے کے لئے صدر انجمن احمدیہ کی تجاویز پر عمل کرنا چاہئے۔ اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کا ذکر کرنے کے بعد مولوی محمد علی صاحب کی ذات کو نمایاں رنگ میں پیش کیا اور ان کی قربانی کو "لاثانی قربانی" قرار دیا۔ [۱۷۴] خود مولوی محمد علی صاحب نے اپنی رپورٹ کے ابتدا میں کہا۔ "اس مجلس کے سپرد حضرت اقدسؑ نے اس سلسلہ کے کل انتظامی کاروبار کو کیا اور اپنی زندگی میں ہی یہ کام اس مجلس میں کرایا۔ اور اس کے تمام فیصلوں کو قطعی قرار دیا۔" اور اس کے ثبوت میں ۲۷/ اکتوبر ۱۹۰۷ء کی حضرت اقدس کے قلم کی لکھی ہوئی یہ تحریر پڑھ کر سنائی کہ "میری رائے تو یہی ہے کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہئے اور کثرت رائے اس میں ہو جائے۔ تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہئے۔ اور وہی قطعی ہونا چاہئے۔ لیکن اس قدر میں زیادہ لکھنا پسند کرتا ہوں۔ کہ محض دینی امور میں جو ہمارے خاص اغراض سے تعلق رکھتے ہیں مجھ کو محض اطلاع دی جائے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ انجمن خلاف منشاء میرے ہرگز نہیں کرے گی۔ لیکن صرف احتیاطاً لکھا جاتا ہے کہ شاید وہ ایسا امر ہو کہ خدا تعالیٰ کا اس میں کوئی خاص ارادہ ہو اور یہ صورت میری زندگی تک اور بعد میں ہر ایک امر میں اس انجمن کا اجتہاد کافی ہو گا۔" والسلام مرزا غلام احمد ۲۷/

اکتوبر ۱۹۰۷ء۔ "اس تحریر کو پیش کرتے ہوئے ابتداء ہی میں ان کی زبان سے اس کی تشریح میں یہ کلمہ حق بھی نکل گیا۔ کہ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب اس انجمن کی بنیاد رکھی۔ تو ساتھ ہی اس سلسلہ کے کاروبار کے نظم و نسق کے لئے ایک مجلس بھی مقرر فرمائی جس کا نام مجلس معتمدین ہے۔ اس مجلس کے چودہ ممبر ہیں جن کو حضرت صاحب نے خود مقرر فرمایا۔ اور ان کے امیر یعنی میر مجلس اپنی پاک فراست سے اس عظیم الشان انسان کو قرار دیا جو علم الہٰی میں آپ کے بعد آپ کا خلیفہ ہونے والا تھا اور جو اس وقت ہم سب کے امیر اور مقتدا ہیں" ۱۲۵۔

جماعتوں کی کانفرنس میں مدرسہ دینیہ کے قیام کی شدید مخالفت

سب سے زیادہ کھل کر مخالفت کا مظاہرہ جماعتوں کی کانفرنس میں کیا گیا جو ۲۶/ دسمبر ۱۹۰۸ء کی رات ۸ بجے سے ۱۰ بجے تک مسجد مبارک میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس میں مدرسہ دینیہ کا مسئلہ پیش ہوا۔ تو خواجہ کمال الدین صاحب' ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب' سید محمد حسین شاہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب ۱۲۶ نے اپنے اجلاس (لاہور) کی رائے کی پرجوش رنگ میں حمایت کی اور تجویز کی کہ تعلیمی وظائف بڑھا دیئے جائیں تا احمدی نوجوان زیادہ سے زیادہ تعداد میں کالجوں میں جائیں اور پاس ہونے کے بعد ان میں سے جو دین کی خدمت کے لئے زندگی وقف کریں انہیں ایک آدھ سال میں قرآن پڑھا کر مبلغ بنا دیا جائے۔ ۱۲۷

مسجد مبارک میں یہ اجلاس ہو رہا تھا مگر انجمن کے ان ممبروں نے عمداً یا سہواً یہ تجویز حضرت صاجزادہ صاحب کی خدمت میں نہیں پہنچائی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ کانفرنس کے اختتام سے کچھ وقت قبل آپ کو علم ہوا کہ مسجد میں شوریٰ ہو رہی ہے اور مدرسہ دینیہ کا سوال زیر غور ہے۔ ۱۲۸ چنانچہ آپ اندر گئے تو خواجہ کمال الدین صاحب بڑے زور و شور سے تقریر کر رہے تھے کہ ہماری جماعت بڑی عقلمند ہے وہ کسی چیز کا ضائع ہونا گوارا نہیں کر سکتی ہمیں چونکہ انگریزی دان مبلغ چاہئیں اس لئے مدرسہ دینیہ پر اس قدر خرچ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ۱۲۹ مدرسہ کے ذریعہ جو مبلغ تیار ہوں گے دنیا ان کے متعلق یہی کہے گی کہ وہ روپیہ کی خاطر تبلیغ کر رہے ہیں۔ لیکن اگر ہم اپنے نوجوانوں کو کالجوں میں تعلیم دلائیں کوئی ڈاکٹر بن جائے کوئی وکیل بن جائے کوئی انجینئر بن جائے کوئی سائنس کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرے تو لوگوں پر اس کا بڑا اثر ہو گا۔ اور وہ کہیں گے کہ یہ کیسے اسلام کے جاں نثار خدام ہیں جو تنخواہ لئے بغیر تبلیغ اسلام کر رہے ہیں۔ پس مدرسہ دینیہ کو بند کر دیا جائے اور نوجوانوں کو کالجوں میں تعلیم دلوائی جائے۔ خواجہ صاحب کی اس تقریر پر ساری مجلس سبحان اللہ سبحان اللہ کہہ رہی تھی اور ان کی رائے سے پوری طرح متفق نظر آتی تھی۔ جب آپ نے حضرت مسیح موعود کی یادگار کے ساتھ یہ بے

حرمتی دیکھی تو آپ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ اور یوں معلوم ہوا جیسے یہ لوگ احمدیت کو دفن کر رہے ہیں۔ آپ کی طبیعت میں زبردست جوش پیدا ہوا اور آپ نے فرمایا میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جماعت گو ساری کی ساری اس وقت اس طرف مائل تھی کہ مدرسہ احمدیہ توڑ دینا چاہئے۔ لیکن ان سب نے الاماشاء اللہ بیک آواز کہا۔ ہاں ہاں بولئے۔ غالباً وہ سمجھتے تھے کہ آپ اس بات پر اور زور دیں گے کہ وظیفے دیئے جائیں۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے کہا آپ آگے آجائیں میں ذرا اپنی بات ختم کر لوں پھر کہا کہ آپ آگے آجائیں۔ مگر آپ نے وہیں کھڑے کھڑے دس بارہ منٹ ایک مختصر سی تقریر فرمائی [۱۲۰] جس میں کہا۔ کہ آپ نے جو کچھ فیصلہ کیا ہے یہ آپ کے خیال میں ٹھیک ہو گا مگر ایک چیز ہے جو میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ ہمارے کام آج ختم نہیں ہو جائیں گے۔ بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں سال تک ان کا اثر چلتا چلا جائے گا۔ اور دنیا کی نگاہیں ان پر ہوں گی۔ اور اگر ہم کسی کام کو چھپانا بھی چاہیں گے۔ تو وہ نہیں چھپے گا۔ بلکہ تاریخ کے صفحات پر ان واقعات کو نمایاں حروف میں لکھا جائے گا۔ اس نقطہ نگاہ کو مدنظر رکھتے ہوئے میں آپ کی توجہ اس امر کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں کہ رسول کریم ﷺ جب مرض الموت سے بیمار ہوئے تو آپ نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے ایک لشکر رومی حکومت کے مقابلہ کے لئے تیار کیا اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اس کا سردار مقرر فرمایا۔ ابھی یہ لشکر روانہ نہیں ہوا تھا کہ رسول کریم ﷺ کی وفات ہو گئی اور سوائے مکہ اور مدینہ اور طائف کے سارے عرب میں بغاوت رونما ہو گئی۔ اس وقت بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ نے مل کر مشورہ کیا کہ اس موقعہ پر اسامہ کا لشکر باہر بھیجنا درست نہیں۔ کیونکہ ادھر سارا عرب مخالف ہے۔ ادھر عیسائیوں کی زبردست حکومت سے لڑائی شروع کر دی گئی تو نتیجہ یہ ہو گا کہ اسلامی حکومت درہم برہم ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے ایک وفد حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں روانہ کیا۔ اور درخواست کی کہ یہ وقت سخت خطرناک ہے اگر اسامہؓ کا لشکر بھی عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے چلا گیا۔ تو مدینہ میں صرف بچے اور بوڑھے رہ جائیں گے اور مسلمان عورتوں کی حفاظت نہیں ہو سکے گی۔ اے ابوبکرؓ! ہم آپ سے التجا کرتے ہیں کہ آپ اس لشکر کو روک لیں۔ اور پہلے عرب کے باغیوں کا مقابلہ کریں۔ جب ہم انہیں دبالیں گے تو پھر اسامہ کے لشکر کو عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا جا سکتا ہے اور چونکہ اب مسلمان عورتوں کی عزت اور عصمت کا سوال بھی پیدا ہو گیا ہے اور خطرہ ہے کہ دشمن کہیں مدینہ میں گھس کر مسلمان عورتوں کی آبروریزی نہ کرے اس لئے آپ ہماری اس التجا کو قبول فرماتے ہوئے جیش اسامہؓ کو روک لیں اور اسے باہر نہ جانے دیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ جب وہ اپنی عاجزانہ حالت کا اظہار کرنا چاہتے تو اپنے آپ کو

اپنے باپ کی نسبت دے کر بات کیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے باپ غریب آدمی تھے اور چونکہ ان کے باپ کا نام ابو قحافہ تھا اس لئے اس موقعہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ کیا ابو قحافہ کا بیٹا خلافت کے مقام پر فائز ہونے کے بعد پہلا کام یہ کرے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے جو آخری مہم تیار کی تھی اسے روک دے؟ پھر آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم اگر کفار مدینہ کو فتح کرلیں اور مدینہ کی گلیوں میں مسلمان عورتوں کی لاشیں کتے گھسیٹتے پھریں تب بھی اس لشکر کو نہیں روکوں گا۔ جسے محمد رسول اللہ ﷺ نے روانہ کرنے کے لئے تیار کیا تھا۔ یہ لشکر جائے گا اور ضرور جائے گا۔

یہ مثال بیان کرنے کے بعد آپ نے دوستوں سے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ لوگوں کا بھی یہ پہلا اجتماع ہے آپ لوگ غور کریں اور سوچیں کہ آئندہ تاریخ آپ کو کیا کہے گی تاریخ یہ کہے گی کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایسے خطرہ کی حالت میں جبکہ تمام عرب باغی ہو چکا تھا اور جبکہ مدینہ کی عورتوں کی حفاظت کے لئے بھی کوئی مناسب سامان ان کے پاس نہ تھا اتنا بھی پسند نہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک تیار کئے ہوئے لشکر کو روک لیں۔ بلکہ آپ نے فرمایا کہ اگر مسلمان عورتوں کی لاشیں کتے گھسیٹتے پھیریں تب بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے حکم کو منسوخ نہیں کروں گا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی وفات سے اڑھائی سال پہلے دسمبر ۱۹۰۵ء کے جلسہ سالانہ پر تمام جماعت کے دوستوں سے مشورہ لینے کے بعد جس دینی مدرسہ کو قائم فرمایا تھا۔ اور جس کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ وہ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی اور مولوی برہان الدین صاحب جہلمی کی یادگار ہوگا۔ اور سلسلہ کی ضروریات کے لئے علماء تیار کرنے کا کام اس کے سپرد ہوگا۔ اسے مسیح موعودؑ کی جماعت نے آپ کے وفات پانے کے معاًبعد توڑ کر رکھ دیا۔ کیونکہ جس طرح جیش اسامہؓ کی تیاری کا کام خود رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا اس طرح مدرسہ دینیات کا اجراء خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی آخری عمر میں فرمایا تھا۔

پس دنیا کیا کہے گی کہ ایک مامور کی وفات کے بعد تو اس کے متبعین نے اپنی عزتوں کا برباد ہونا پسند کرلیا۔ مگر یہ برداشت نہ کیا کہ رسول کریم ﷺ کا حکم باطل ہو۔ مگر دوسرے مامور کے متبعین نے باوجود اس کے کہ ان کے سامنے کوئی حقیقی خطرہ نہ تھا۔ اس کے ایک جاری کردہ کام کو اس کی وفات کے معاًبعد بند کردیا۔

آپ کی اس مختصر تقریر نے خدا کے فضل سے تمام لوگوں کے قلوب کو آپ کی طرف پھیر دیا اور بعض کی تو رقت کی وجہ سے چیخیں نکل گئیں۔ اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم ہرگز یہ رائے نہیں دیتے کہ مدرسہ احمدیہ بند ہونا چاہئے۔ ہم اسے جاری رکھیں گے اور مرتے دم تک بند نہیں ہونے

دیں گے۔ تب خواجہ کمال الدین صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے طریق کے مطابق کہا کہ دوستوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہمارا مطلب بعینہٖ وہی تھا جو میاں صاحب نے بیان کیا ہے یہ خواجہ صاحب کا عام طریق تھا کہ جب وہ دیکھتے کہ ان کی کسی بات کو لوگوں نے پسند نہیں کیا تو کہتے کہ دوستوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔ چنانچہ پھر انہوں نے اس غلطی فہمی کو دور کرنے کے لئے ایک تقریر بھی کی۔ مگر آخر میں کہا کہ اس پر مزید غور کر لیا جائے ابھی ہم کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔ بعد میں ہم خط و کتابت کے ذریعہ مشورہ حاصل کر لیں گے۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید اسی طرح جماعت کی رائے ان کی تائید میں ہو جائے۔ چنانچہ کچھ وقفہ کے بعد انہوں نے پھر تمام جماعتوں سے رائے طلب کی۔ مگر جماعت نے یہی لکھا کہ وہی فیصلہ ٹھیک ہے جو ہم قادیان میں کر کے آئے تھے ۱۲۱۔

۱۹۰۸ء کے بعض متفرق واقعات

۱۹۰۸ء کے بعض متفرق واقعات یہ ہیں:-

۱۔ مزار مبارک حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کئی ماہ تک عبدالغفار خان و غلام رسول خاں صاحب پہرہ دیتے رہے۔ ۱۲۲

۲۔ حضرت خلیفہ اولؓ نے تحریک فرمائی کہ خوشنویس حضرات یہاں مرکز میں آکر رہیں تا سلسلہ کے کام بروقت ہو سکیں۔ ۱۲۳

۳۔ ایک اہم تحریک آپ نے یہ فرمائی کہ جماعت مبایعین کی ایک مکمل و مفصل فہرست تیار کی جائے۔ تا قادیان سے جو کچھ شائع ہو جلد سے جلد جماعت کے ہر فرد تک پہنچ جائے۔ ۱۲۴

۴۔ قادیان کو نوٹیفائڈ ایریا قرار دیا گیا۔ ۱۲۵ اور مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ لالہ شرمپت رائے اور مرزا نظام الدین اس کے ممبر قرار پائے اور اس کا پہلا اجلاس ۲۱/ جولائی ۱۹۰۸ء کو تحصیلدار بٹالہ کی صدارت میں قادیان میں ہوا۔

۵۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تالیفات مسیح ہندوستان میں۔ نجم الہدیٰ اور براہین احمدیہ حصہ پنجم جو ابھی تک غیر مطبوعہ تھیں شائع ہوئیں۔ ۱۲۶

۶۔ بعض مقامی ضروریات کی وجہ سے حضرت خلیفۃ المسیح نے صوبہ سرحد کے کمشنر کو ایک وفد بھجوایا۔ کمشنر نے وفد کی معروضات سن کر ان کا تسلی بخش جواب دیا۔ ۱۲۷

حواشی (حصہ دوم) باب ۱

۱۔ جناب مولوی محمد علی صاحب کی کتاب "حقیقت اختلاف" صفحہ ۲۹ (شائع کردہ انجمن اشاعت اسلام) سے ماخوذ "مجاہد کبیر" صفحہ ۹۱۔

۲۔ یعنی دیانت سوڈا واٹر فیکٹری والے احاطہ کا مکان جہاں بعد میں ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب بھی رہے ہیں کسی زمانہ میں یہاں لائبریری تھی اور حضرت مولوی شیر علی صاحب کا دفتر ہوا کرتا تھا۔

۳۔ الحکم ۲۸/ فروری ۱۹۰۹ء صفحہ ۶۔

۴۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۵۸۹۔ جناب مولوی محمد علی صاحب مرحوم نے اس واقعہ کو دوسرا رنگ دینے کی کوشش کی ہے فرماتے ہیں۔ "جہاں تک مجھے علم ہے اس وقت خواجہ صاحب کو یہ ضرورت پیش آئی تھی۔ کہ اہل بیت کے متعلق اطمینان کر لیں۔ کہ وہ حضرت مولوی صاحب مرحوم کی خلافت سے انکار نہ کردیں اور ادھر سے کچھ اشارہ بھی میاں صاحب کے متعلق ہوا تھا۔ مگر جماعت کے عام رجحان اور میاں صاحب کی کم عمری کی وجہ سے واقعی کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔" "حقیقت اختلاف" صفحہ ۳۰۔ یہ تو مولوی محمد علی صاحب کا لکھا ہوا واقعہ ہے اب مولوی صاحب کے سوانح نگاروں نے اسے بھی بدل کر کیا کچھ بنا دیا ہے۔ اس کے لئے "مجاہد کبیر" کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔ "پہلے خواجہ کمال الدین صاحب و دیگر اصحاب کو جو آپ کی خدمت میں درخواست لے کر گئے تھے۔ آپ نے ایک دو نام تجویز کردئے۔ پھر دوبارہ سب کے اصرار پر آپ نے فرمایا کہ میاں محمود احمد صاحب اور میر ناصر نواب صاحب کا اس پر اتفاق نہیں چنانچہ میاں محمود احمد صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا میں اپنی والدہ سے مشورہ کر کے بتاؤں گا اور بعد از مشورہ انہوں نے اور میر ناصر نواب صاحب نے جب مولانا نور الدین صاحب پر اتفاق ظاہر کیا تب آپ نے اس ذمہ داری کو سنبھالنے پر آمادگی ظاہر کی" (صفحہ ۲۷) خط کشیدہ عبارت تاریخی حقائق کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کو ہم نرم اور محتاط ترین الفاظ میں صرف ذہنی تخیل و اختراع ہی سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ یہ بات وضع کرنے والے اگر اس حقیقت کو یکسر فراموش کر گئے کہ خواجہ صاحب موصوف حضرت خلیفہ اول ؓ کی خدمت میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور حضرت میر ناصر نواب صاحب اور حضرت ام المومنین سے استصواب اور ان کی رضامندی کے اظہار کے بعد گئے تھے۔ پھر یہ بھی غلط ہے کہ خواجہ صاحب اور دوسرے وفد کے سامنے آپ نے کوئی اور نام خلافت کے لئے رکھے تھے۔ یہ بات تو آپ نے پہلی تقریر میں تمام احمدیوں کے سامنے کہی تھی۔ (بدر ۲/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۸ کالم ۱-۱) اسی طرح خلافت کی ذمہ داری آپ نے اس لئے نہیں سنبھالی کہ آپ کو اہل بیت کے اتفاق کا علم ہو چکا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ پوری جماعت نے آپ پر اعتماد کا اظہار کیا تھا (بدر ۲/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۶ کالم ۱) غرضکہ کہاں تک لکھا جائے۔ یہ خط کشیدہ عبارت محض مفروضہ ہے۔ اصلی واقعات وہی ہیں جو سلسلہ کے قدیم لٹریچر کے حوالہ کی روشنی میں درج کئے گئے ہیں۔

۵۔ اخبار بدر ۲/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۶ کالم ۱۔ اس کے آگے یہ الفاظ ہیں۔ "حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے بھی اسی پر اتفاق کیا۔"

۶۔ "حیات نور الدین" صفحہ ۱۵۷۔

۷۔ الفضل ۲۳/ فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲

۸۔ بدر ۲/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۶ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۵۵۹-۵۶۰)

۹۔ الحکم ۶/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۷-۸

۱۰۔ بدر ۲/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۶-۷

۱۱۔ ضمیمہ الحکم ۲۸/ مئی ۱۹۰۸ء کے مطابق بیعت کے الفاظ یہ تھے۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ تین بار۔ آج میں نور الدین کے ہاتھ پر تمام ان شرائط کے ساتھ بیعت کرتا ہوں جن شرائط سے

مسیح موعودؑ اور مہدی معہود بیعت لیا کرتے تھے۔ اور نیز اقرار کرتا ہوں کہ خصوصیت سے قرآن و سنت و احادیث صحیحہ کے پڑھنے سننے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا اور اشاعت اسلام میں جان و مال سے بقدر وسعت و طاقت کربستہ رہوں گا۔ اور انتظام زکوٰۃ بہت احتیاط سے کروں گا۔ اور باہمی اخوان میں رشتہ محبت کے قائم رکھنے اور قائم کرنے میں سعی کروں گا۔
استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ (تین بار) رب انی ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ (ترجمہ) اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور میں اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہوں۔ میرے گناہ بخش کہ تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں۔ آمین۔"

۱۲۔ اصحاب احمد جلد دہم صفحہ ۱۱۔
۱۳۔ ضمیمہ الحکم ۲۸/ مئی ۱۹۰۸ء و بدر ۲/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ا
۱۴۔ یہ خواجہ کمال الدین صاحب کے ایک غیر مطبوعہ مضمون کا اقتباس ہے جو آپ نے لندن سے ۶/ جولائی ۱۹۱۳ء کو ایک "خداداد شہادت" کے عنوان سے بدر میں شائع کرنے کے لئے لکھا تھا (اصل مضمون میاں عبد المنان صاحب عمر کے پاس محفوظ ہے)
۱۵۔ الحکم نمبر ۸ جلد ۱۳ صفحہ ۶'۷۔ ۲۸/ فروری ۱۹۰۹ء۔
۱۶۔ بیعت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جنازہ کی تدفین کا مفصل واقعہ تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۵۶۳۔ ۵۶۴ میں آچکا ہے
۱۷۔ الفضل ۲۷/ اپریل ۱۹۲۶ء صفحہ ۵ کالم ۱۔
۱۸۔ حیات نور الدین صفحہ ۱۵۸۔
۱۹۔ حیات نور الدین صفحہ ۱۵۸۔
۲۰۔ مکمل خط کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ خالد مئی ۱۹۶۱ء صفحہ ۲۔ ۴
۲۱۔ حضور کے وصال پر فرضی جنازہ بنانے کا واقعہ تاریخ احمدیت حصہ سوم میں آچکا ہے۔ اس اخلاق سوز واقعہ سے خدانا ترس علماء نے کس درجہ خوشی کا اظہار کیا۔ اس کا اندازہ رسالہ "الجدد" (لاہور) کی اس عبارت سے ہو سکتا ہے عبارت ملاحظہ ہو۔ لکھنے والے کذاب نے حضور کی ذات بابرکات کی شان اقدس میں جس درجہ دریدہ دہنی اور بے باکی اور گستاخی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس سے "علماء ھم شر من تحت ادیم السماء" کا عملی ثبوت ملتا ہے۔ اور اس عنصر کی گندی ذہنیت آشکار ہو جاتی ہے۔ لکھا ہے۔
"قدرت ایزدی نے طبقہ جہلاء کے ہاتھوں اس خدا اور رسول کے دشمن کی رسوائی اور بے عزتی کرائی کہ آج تک کسی مفتری ملعون اور کذاب کی نہیں ہوئی۔ یعنی طبقہ جہلا کا صف ماتم بنانا اور اس کے اندر ایک مثیل مرزا کی لاش کو لٹانا اور پھر سب کا ملکر ایسے مضحکہ خیز اور فحش و گندے الفاظ سے مرزا کادیانی کی نوحہ خوانی کرنا اور پھر ایک شخص کا دوسرے سے کہنا کہ اس (کاذب) نبی کا چہرہ تو دکھاؤ امید ہے کہ نبی کا چہرہ بہت نورانی ہو گا۔ لیکن جب اس کاذب نبی یعنی مثیل مرزا کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا جاتا تو اس کا منہ کالا نظر آتا اور پھر مرزا کے مرنے پر فوراً اس کی موت گاہ کے باہر پولیس کا پہرہ لگ جانا اور پھر اسے ملعون کا جوتیوں کے ساتھ جنازہ پڑھا جانا۔ اور اس کا جنازہ سٹیشن کی طرف لے جاتے ہوئے طبقہ جہلاء کا اس کے جنازے پر نجاست پھینکنا اور پھر اسی ریل پر کہ جس کو وہ خود خر دجال کہا کرتا اور طرفہ ترین یہ کہ واقعی گدھوں والی گاڑی میں مرزا یعنی دجال کی لاش ڈالی گئی۔ گویا مرزا دجال کو گدھے پر سوار کرایا گیا۔ ("الجدد" جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۰)
"علماء ھم" کے جوش غیظ و غضب کی انتہاء یہ ہے کہ بعض مخالفین نے "عبرت ناک موت" کے نام سے ایک کتابچہ میں ایک فرضی تصویر حضور کی وفات کے وقت کی بنائی ہے جسے کوئی ذرہ بھر شرافت و دیانت رکھنے والا انسان دیکھنا تک گوارا نہیں کر سکتا۔ تصویر میں طبقہ جہلا کا ہجوم بھی دکھایا ہے۔ خدا کی قدرت کہ وہ شخص جس کا مصنوعی جنازہ بنا کر لاہور کے گلی کوچہ میں پھرایا گیا اور جس کا نام تاج دین عرف بلا تھا بعد میں احمدی ہو گیا تھا۔ (بروایت کرنل بشیر حسین صاحب مرحوم)
۲۲۔ پیسہ اخبار بحوالہ الحکم ۱۰/ جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۶ کالم ۱۔ ۳۔
۲۳۔ الجدد (لاہور) جون ۱۹۰۸ء۔ پیر صاحب موصوف کے مریدوں نے تو بس حد ہی کر دی۔ کہ حضرت اقدس کی وفات کو اپنے پیر کی

کرامت مشہور کردی۔ اور آپ کی روحانی طاقت کا اسے کرشمہ قرار دیتے ہوئے پہلے کہا کہ پیر صاحب نے ۲۲/ مئی ۱۹۰۸ء بروز جمعہ شاہی مسجد میں کہا تھا کہ "مرزا بہت جلد ذلت اور عذاب کی موت سے مارا جائے گا۔" (المجدد جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۷) پھر اس کرامت کو زیادہ زوردار بنانے کے لئے یہ خبر پھیلائی کہ دراصل ۲۵/ مئی ۱۹۰۸ء کی شام کو پیر صاحب نے کہا تھا۔ کہ "آج میں مجبوراً کہتا ہوں کہ آپ سب دیکھ لیں گے کہ کل چوبیس گھنٹے میں کیا ہوتا ہے۔" (المجدد جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۵۰) بالآخر جب کئی برس اس بات پر اور گزر گئے تو یہ کہنا شروع کردیا۔ "حضرت صوفی پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری نے.......۲۲/ مئی ۱۹۰۸ء میرزا کو مقابلہ مناظرہ کے لئے للکارا اور اس کی ہلاکت کے لئے مجمع عام میں دعا کی اور فرمایا۔ کہ میرزا کو تین دن کی مہلت ہے پیر صاحب کی طرف سے روزانہ آدمی میرزا کے پاس آتے جاتے رہے۔ آخر بروز اتوار پیر صاحب نے کہلا بھیجا۔ کہ اب صرف ایک دن کی مہلت ہے توبہ کرلو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ میرزا کو مقابلہ میں آنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ سنا گیا ہے بروز دوشنبہ خربوزہ کھانے کے بعد ہیضہ ہو گیا۔ "برق آسمانی بر خرمن قادیانی" از ظہور احمد صاحب بگوی صفحہ ۶۱

۲۴۔ اخبار الحکم ۲۲/ جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۔ ۲۔

۲۵۔ از مولف:۔ اگر پیر صاحب کی کوئی روحانی کرامت اس موقعہ پر ظاہر ہوئی تھی تو اس کے برعکس یہ چاہئے تھا کہ علماء کی طرف سے "خادم الاسلام" کا خطاب بھی پیر صاحب کو ملتا۔ انہیں کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا جاتا۔ انہیں کو پھولوں کے ہار پہنائے جاتے اور "فتح و نصرت" کی مبارکباد پیش کی جاتی مگر ہوا یہ کہ خود پیر صاحب نے اس "فتح و نصرت" کو ملا محمد بخش صاحب کا کارنامہ قرار دیا۔ یا للعجب

۲۶۔ حسن خدمات میں غالباً مصنوعی جنازہ کی خدمت اولین نمبر پر تھی۔ مولف۔

۲۷۔ "المجدد" جون ۱۹۰۸ء سرورق

۲۸۔ بحوالہ الحکم ۱۸/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۸ کالم ۱

۲۹۔ پیسہ اخبار ۵/ جون ۱۹۰۸ء بحوالہ بدر ۱۸/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۳ کالم ۲۔ ۳۔

۳۰۔ ملاحظہ ہو اشاعۃ السنہ جلد ۲۲ نمبر ۳ صفحہ ۷۶

۳۱۔ "عرفان الٰہی" صفحہ ۹۱ از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

۳۲۔ الحکم ۱۴/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ کالم ۴ و صفحہ ۶ کالم ۳

۳۳۔ الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۷۶ کالم ۳

۳۴۔ عرفان الٰہی صفحہ ۹۔

۳۵۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۵۲۔ ۱۵۴۔ (ضروری نوٹ) یہ ریکارڈ جس کے حوالے اس کتاب میں آرہے ہیں مختلف رجسٹروں کی صورت میں دفتر صدر انجمن احمدیہ میں محفوظ ہے اور اس میں انجمن کے فیصلہ جات اور دوسری کارروائی کا اندراج ہے۔

۳۶۔ ریکارڈ صدر انجمن ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۵۵

۳۷۔ الحکم ۷/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

۳۸۔ فیصلہ ۲۷/ جون ۱۹۰۸ء (ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء ص ۱۳۹)

۳۹۔ تشحیذ الاذہان جلد ۷ ۱۹۰۸ء صفحہ ۲۷۔ ۲۸

۴۰۔ "تشحیذ الاذہان" مارچ ۱۹۰۹ء صفحہ ۷۵

۴۱۔ الفضل ۸/ نومبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۷۔ ۸

۴۲۔ یعنی حضرت شیخ نور احمد صاحب ؓ۔ حضرت شیخ صاحب ۱۸۵۷ء میں کھارا متصل قادیان میں پیدا ہوئے اور ۲۹/ جنوری ۱۹۳۶ء کو انتقال فرمایا۔ حضرت شیخ صاحب کے بزرگوں کے حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان سے قدیمی مخلصانہ تعلقات تھے اور سکھوں کا زور توڑنے اور اس خاندان کے اقتدار و عروج کے قائم رکھنے کے لئے انہوں نے بڑی بھاری خدمات کی تھیں یہی خوبی حضرت شیخ صاحب کو اپنے اب وجد کے ورثہ میں ملی تھی۔ حضرت شیخ صاحب نے ۱۸۸۹ء میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ

السلام کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اور آخر دم تک اس عہد کو نبھایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "آئینہ کمالات اسلام" (ص ۶۲۱۔ ۶۲۷) کے علاوہ اپنے بعض اشتہارات میں بھی ان کا تذکرہ فرمایا ہے وہ مدتوں خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے مختار عام رہے اس سلسلہ میں ان کو بیسیوں مقدمات میں کام کرنا پڑا۔ اور ہمیشہ اپنے ذاتی مفاد کے مقابل خاندان مقدس کے مفاد کو مقدم رکھا بلکہ بقول حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی "وہ اخلاص کے ایک بلند مقام پر کھڑے رہے اس سلسلہ میں ان کی بعض خدمات بہت شاندار ہیں اور بعض اوقات اس عہد وفا پر کھڑے ہونے کی وجہ سے دشمنوں سے ماریں بھی کھائیں۔" (الحکم ۷/ فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۷۔ ۸) حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی تقریروں اور خطبوں میں کئی مقام پر ان کا تعریفی کلمات سے ذکر فرمایا ہے اولاد نرینہ میں سے دو لڑکے شیخ فضل قادر صاحب اور شیخ فیض قادر صاحب ان کی یادگار ہیں۔ مکرم شیخ نور الحق صاحب سنڈیکیٹ ربوہ شیخ فضل قادر صاحب ہی کے فرزند ہیں۔

۴۳۔ الفضل ۲۲/ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ ۶۔ الفضل ۱۸/ فروری ۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔ الفضل ۲۰/ اکتوبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۵۔ الفضل ۲۴/ اپریل ۱۹۵۷ء

۴۴۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ الحکم ۱۰/ جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۔ ۳۔ تاریخ احمدیت حصہ سوم حاشیہ صفحہ ۵۲۲۔ خواجہ صاحب نے پیغام صلح کا پہلا ایڈیشن خود طبع کرا کے بڑی کثرت سے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں شائع کرا دیا تھا۔

۴۵۔ المجدد جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۵۷

۴۶۔ بحوالہ رسالہ "انوار الاسلام" سیالکوٹ جلد ۱۰ نمبر ۱۶۔ ۱۷

۴۷۔ بحوالہ تشحیذ الاذہان ۱۹۰۸ء صفحہ ۴۹۳

۴۸۔ رسالہ انوار الاسلام جلد ۱۰ نمبر ۱۶۔ ۱۷۔

۴۹۔ تشحیذ الاذہان جلد ۳' ۱۹۰۸ء صفحہ ۵۰۶

۵۰۔ بدر ۱۸/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ او ۲۵/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ او الحکم ۱۸/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۴ کالم ۲۔ ۳ و الحکم ۲۲/ اگست ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ کالم ۲

۵۱۔ حیات قدسی جلد پنجم صفحہ ۱۵۔

۵۲۔ حیات ناصر صفحہ ۲۶/ الحکم ۲۲/ اگست ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ کالم ۱۔ ۲

۵۳۔ سیرۃ ام المومنین حصہ اول صفحہ ۱۹۸

۵۴۔ سیرت ام المومنین صفحہ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔

۵۵۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۶ء صفحہ ۹۔ ۱۳۔

۵۶۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۷ء صفحہ ۴۳۔ ایضاً سیرت ام المومنین حصہ اول صفحہ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔

۵۷۔ حیات ناصر صفحہ ۲۹ و سیرت ام المومنین حصہ اول صفحہ ۲۰۷۔

۵۸۔ سیرت المومنین حصہ اول صفحہ ۲۱۱ نیز صفحہ ۲۰۷

۵۹۔ حیات ناصر صفحہ ۳۰۔

۶۰۔ الحکم ۱۴/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۴ کالم ۱

۶۱۔ الحکم ۱۴/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۴ کالم ۱

۶۲۔ الحکم جلد ۱۳ نمبر ۲ صفحہ ۴۔

۶۳۔ حیات ناصر صفحہ ۱۵۔

۶۴۔ چنانچہ اخبار تنظیم امرتسر نے لکھا۔ "اس وقت ہندوستان میں ہزاروں مشن ہسپتال موجود ہیں جہاں ہر سال لاکھوں ہندوؤں مسلمانوں کا مفت علاج کیا جاتا ہے......... ہم پوچھتے ہیں کہ مسلمانوں کی تبلیغی انجمنوں نے تبلیغ و اشاعت اسلام کے علاوہ ارتداد میں کوئی قابل ذکر ہسپتال قائم کیا جو ہر قسم کے جدید آلات و سامان سے آراستہ ہو جہاں دوستوں اور دشمنوں سے یکساں ہمدردی کی جاتی ہو؟ اس قسم کے ہسپتال کا نمونہ قادیان میں موجود ہے۔ (بحوالہ "جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات" صفحہ ۸۳۔ از چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے)

۶۵۔ حیات ناصر صفحہ ۲۵۔ سیرت ام المومنین حصہ اول ۲۱۴۔ ۲۱۵ قادیان گائیڈ صفحہ ۷۷۔ ۸۷۔ اصحاب احمد جلد دہم صفحہ ۱۷۔ الحکم ۲۱/۲۸ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۵ کالم ۳۔ ناصر آباد کے بعض ابتدائی مکینوں کے نام یہ ہیں۔ حافظ احمد اللہ خان صاحب سید فضل شاہ صاحب میاں نظام الدین صاحب میر خیر الدین صاحب عبدالستار صاحب نومسلم۔ حافظ محمد ابراہیم صاحب حافظ محمد امین صاحب مولوی نظام الدین صاحب مبلغ کشمیر۔ سید حسن شاہ صاحب" قادیان گائیڈ صفحہ ۸۸)

۶۶۔ الحکم ۷۔ ۱۴/ مئی ۱۹۰۹ء صفحہ ۲ کالم ۳

۶۷۔ یہ تو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی رائے ہے مگر ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اور ان کی ہمنوائی میں مولفان "مجاہد کبیر" کا خیال یہ ہے کہ میر صاحب کے ان سفروں اور کوششوں میں دار الضعفاء کے چندے تو محض بہانہ تھا در اصل ان کے ذریعہ سے مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کو بدنام کر کے میاں محمود احمد صاحب کی خلافت کے لئے راہ صاف کیا جا رہا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (ملاحظہ ہو پیغام صلح ۱۷/ دسمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۲۱۔ و "مجاہد کبیر" ص ۱۰۱

خواجہ صاحب وغیرہ کو بدنام کرنے کی بنیاد اس شعر پر رکھی جاتی ہے جو ان کے سفر نامہ میں ہے کہ

خواجہ صاحب کا تھا وہاں لیکچر پر نہ مسرور میں ہوا سنکر (سفر نامہ صفحہ ۳۱)

حالانکہ اگلے شعروں میں مسرور نہ ہونے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس لیکچر میں مجھے پہنچنے کا موقعہ نہیں ملا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

ہمری نہ مجھ کو کوئی ملا جو جوانوں میں مجھ کو لے جاتا
دیکھتا میں بھی محفل شبان بڈھا ہوتا جوانوں کا مہمان

پھر خواجہ صاحب کو میرا "مغرور" کہکر لکھتے ہیں:۔

لوگ کہتے تھے خوب لیکچر تھا خوب بولا مرا مغرور تھا
بھائیوں کو خوشی ہوئی سنکر خواجہ لائے تھے بات کو سن کر
خیر سے وعظ جب تمام ہوا خواجہ صاحب کا خوب نام ہوا

خواجہ صاحب کے وعظ کو سننے کی تلقین فرماتے ہیں:۔

سنیں تسکین سے اگر سب لوگ اور تعصب کا دور ہووے روگ
سارے فتنے فساد ہوویں دور احمدی بھائی ہوں بہت مسرور
کوئی سنتا نہیں ہماری بات کس قدر جور و ظلم ہے ہیہات (سفر نامہ صفحہ ۳۱)

۶۸۔ بدر ۱۸/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۴ کالم ۴

۶۹۔ مرقع قادیانی ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ کالم ۱۔ ۲۔

۷۰۔ الحکم ۲/ اگست ۱۹۰۸ء صفحہ ۳' ۲۶/ ۳۰ اگست ۱۹۰۸ء شیخ صاحب حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ہی اشاعت کے لئے عہد کر چکے تھے۔ (بدر ۳۰/ جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱)

۷۱۔ الحکم ۲۶/ اگست ۱۹۰۸ء صفحہ ۲ اور ریکارڈ صدر انجمن ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۲۱۔

۷۲۔ اکتوبر ۱۹۰۸ء کا ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۱۱۵۔

۷۳۔ حیات قدسی

۷۴۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۵۵۔

۷۵۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۵۵۔ حضرت خلیفہ اول نے ایک مرتبہ ان کی کسی درخواست سفر خرچ پر رقم فرمایا۔ "اصل بات یہ ہے کہ للہ فی اللہ و باللہ واعظوں کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ مخلصانہ وعظوں کو ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ مگر اس طرح روپیہ مقررہ دے کر وعظ کا مزہ مجھے تو آتا ہی نہیں۔" (ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۳۵۰)

۷۶۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۴۱۔
۷۷۔ الحکم ۲۶-۳۱ اگست ۱۹۰۸ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۷۸۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۷-۸ء صفحہ ۳۴
۷۹۔ رجسٹر ششم صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۱۸۳۔
۸۰۔ الحکم ۲۶/۳۰ اگست ۱۹۰۸ء صفحہ ۱ کالم ۱-۲۔
۸۱۔ ۲/دسمبر ۱۹۶۱ء
۸۲۔ "البیان" جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ صفحہ ۱۵-۱۶
۸۳۔ بدر ۱۷/ستمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۶ کالم ۱
۸۴۔ تشحیذ الاذہان ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۶
۸۵۔ اخبار بدر ۱۰/ستمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۶ کالم ۲۔
۸۶۔ بدر ۲۲/اکتوبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۸ کالم ۳۔
۸۷۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۵۳۔
۸۸۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۵۱۔
۸۹۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۵۱
۹۰۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۸۴-۱۸۵۔
۹۱۔ تشحیذ الاذہان ۱۹۰۹ء جلد ۴ صفحہ ۱۶۲۔
۹۲۔ الحکم ۱۸/دسمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۶ کالم ۲۔
۹۳۔ الفضل ۲۹/نومبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۶ کالم ۲۔
۹۴۔ الحکم ۷/جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۹ کالم ۲۔
۹۵۔ رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء از صدر انجمن احمدیہ صفحہ ب
۹۶۔ بدر ۷/جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۴۔
۹۷۔ بدر ۷/جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۹ کالم ۲۔
۹۸۔ بدر ۱۴/جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۳-۷
۹۹۔ مفصل تقریر کے لئے ملاحظہ ہو رپورٹ سالانہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۰۳-۱۰۹۔
۱۰۰۔ الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۶۷ کالم ۴۔
۱۰۱۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد پنجم صفحہ ۳۶
۱۰۲۔ رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۱۹-۱۲۲۔
۱۰۳۔ رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۳۱
۱۰۴۔ اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب صفحہ ۵۰۔
۱۰۵۔ مرآۃ الاختلاف
۱۰۶۔ اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات۔ صفحہ ۱۳۔
۱۰۷۔ خلافت احمدیہ کے مخالفین کی تحریک۔ صفحہ ۹۔
۱۰۸۔ اختلاف سلسلہ احمدیہ پر ایک نظر صفحہ ۸ (از ڈاکٹر بشارت احمد صاحب خود خواجہ لکھتے ہیں "حکیم صاحب کے معاملہ میں ہم نے وصیت کے خلاف نہیں کیا۔ اور اگر کیا تو ایک غلطی ہوئی لیکن یہ غلطی بھی نہ شرعاً نہ قانوناً دوسری غلطی کی جوازیت پر دال ہے۔" (اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب) صفحہ ۴۰۔
۱۰۹۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء رجسٹر نمبر ۱ صفحہ ۱۴۷

۱۱۰۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء رجسٹر نمبر ۱ صفحہ ۱۵۴۔
۱۱۱۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء رجسٹر نمبر ۱ صفحہ ۱۵۵۔
۱۱۲۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء رجسٹر نمبر ۱ صفحہ ۱۶۷۔
۱۱۳۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء رجسٹر نمبر ۱ صفحہ ۱۷۰۔
۱۱۴۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء رجسٹر نمبر ۱ صفحہ ۱۷۱۔
۱۱۵۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء رجسٹر نمبر ۲ صفحہ ۱۹۔
۱۱۶۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء رجسٹر نمبر ۲ صفحہ ۲۳
۱۱۷۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء رجسٹر نمبر ۲ صفحہ ۴۵
۱۱۸۔ ریکارڈ انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء رجسٹر نمبر ۲ صفحہ ۸۴۔
۱۱۹۔ ریکارڈ انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء رجسٹر نمبر ۲ صفحہ ۶۱
۱۲۰۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ رجسٹر نمبر ۲ صفحہ ۳۹ و بدر ۲۹/ نومبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ کالم ۱
۱۲۱۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ رجسٹر نمبر ۲ صفحہ ۳۹ و بدر ۲۹/ نومبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ کالم ۱
۱۲۲۔ حیات بقاپوری صفحہ ۸ حصہ چہارم (روایت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری)
۱۲۳۔ رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۹۲ (مرتبہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے) یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ یہ فقرہ کو الوصیت میں خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے۔ مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں نکل سکتا۔ کہ حضور نے انجمن کو اپنے بعد ان معنوں میں جانشین مقرر کیا جن معنوں میں آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ ہوئے۔ اور نہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضور کے بعد کوئی فرد واحد آپ کا خلیفہ نہ ہوگا۔ جو مطاع ہو اور انجمن ہی آپ کی حقیقی جانشین ہوگی کیونکہ۔

۱۔ انجمن کے ممبروں کے بارے میں حضور الوصیت میں فرماتے ہیں۔ کہ "تمام خدمات کو حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ بجا لائیں۔" ان الفاظ میں حضور نے صاف طور پر انجمن کو سلسلہ احمدیہ کے ماتحت حیثیت دی ہے پس انجمن کی جانشینی ایک مخصوص دائرے کے متعلق ہی قرار دی جا سکتی ہے۔

۲۔ اس انجمن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی زندگی میں ہی اس کے مفوضہ کاموں کے متعلق اختیارات دے دئے تھے۔ اور وہ آپ کی زندگی میں ہی خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین تھی۔ پس معلوم ہوا کہ انجمن کی جانشینی کا لفظ کسی آئندہ خلافت میں روک نہیں ہو سکتا تھا۔

۳۔ انجمن کا خلیفہ اور جانشین ہونا تاریخ ماموریں میں ایک نرالا واقعہ تھا۔ جسے آپ کو اپنی کتابوں میں واضح رنگ میں لکھنا چاہئے تھا۔ مگر عملاً آپ نے یہ کیا کہ ایسی اہم چیز اصل الوصیت کی بجائے تتمہ میں لکھی اور وہ بھی فروعی صورت میں اس میں بھی "جانشین ہوگی" کی بجائے "جانشین ہے" کے لفظ لکھے جو اس کا فیصلہ کن ثبوت ہے کہ کوئی نئی چیز آپ نے جاری نہیں فرمائی۔

۴۔ رسالہ الوصیت میں حضور نے صاف لفظوں میں حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کو قدرت ثانیہ قرار دیتے ہوئے اپنے متعلق پیشگوئی فرمائی "اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دے........ میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔" یہ عبارت مع اپنے سیاق و سباق کے اس امر پر نص قطعی ہے کہ حضرت اقدس کے بعد شخصی خلافت کا سلسلہ اسی طرح جاری ہوگا۔ جس طرح حضرت رسول پاک ﷺ کے بعد ہوا تھا۔

۱۲۴۔ رپورٹ جلسہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۰۰'۹۶

۱۲۵۔ رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۲۔ یہ تحریر خواجہ کمال الدین صاحب کی درخواست پر حضور نے رقم فرمائی تھی۔ خواجہ صاحب نے یہ تحریر کس غرض سے حاصل کی؟ اور "ہر معاملہ" سے مراد کیا ہے؟ اس بارے میں جناب خواجہ صاحب خود ہی لکھتے ہیں۔ "پھر حضرت میر صاحب کے اہتمام میں مسجد مبارک بنتی ہے اور بعض امور کے پیدا ہونے پر میں خود حضرت اعلیٰ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ اس امر کا بھی فیصلہ کریں کہ کہاں تک صدر انجمن احمدیہ کے احکام اور فیصلہ جات پر شخصی رائے کا اثر ہے۔

اور آیا معاملات سلسلہ میں جو انجمن کے ہاتھ میں (ہیں) وہ کسی کی شخصی رائے کے ماتحت ہیں یا انجمن کا اجتہاد ان کے لئے کافی ہے۔" (اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب صفحہ ۴۴۔۴۵) یہ "بعض امور" کیا تھے؟ ان کی تشریح میں آپ مزید لکھتے ہیں۔ "پھر اس تحریر کا بھی ذکر کرو جو حضرت میر ناصر نواب صاحب کی بے ضابطگیوں پر میری ہی تحریک سے حضرت اقدس نے لکھی۔" (اندرون اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب صفحہ ۴۲) ثابت ہوا کہ یہ تحریر صرف انہی معاملات کے متعلق تھی "جو انجمن کے ہاتھ میں ہیں۔" پس اس تحریر پر خلیفہ وقت کے مقابل انجمن کی بالادستی کی بنیاد قائم کرنا خوش فہمی ہی نہیں مغالطہ انگیزی بھی ہے۔

۱۲۶۔ الفضل ۲۱/ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ کالم ۲۔۳۔

۱۲۷۔ الفضل ۲۱/ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ کالم ۲۔۳۔

۱۲۸۔ الفضل ۱۱/ اپریل ۱۹۶۱ء صفحہ ۴ کالم ۲۔

۱۲۹۔ الفضل ۲۱/ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ کالم ۳

۱۳۰۔ الفضل ۱۱/ اپریل ۱۹۶۱ء صفحہ ۴ کالم ۳

۱۳۱۔ تقریر جلسہ سالانہ ۲۸/ دسمبر ۱۹۶۱ء

۱۳۲۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۰۸

۱۳۳۔ الحکم ۱۴/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۶ کالم ۳۔

۱۳۴۔ الحکم ۱۸/ جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۸ کالم ۳

۱۳۵۔ الحکم ۲۶/ جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۷ کالم ۲۔

۱۳۶۔ الحکم ۷/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲ کالم ۳

۱۳۷۔ الحکم ۷/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲ کاالم ۳

دوسرا باب (فصل اول)

فتنہ انکار خلافت کا تفصیلی پس منظر
حضرت خلیفہ اولؓ کا معرکتہ الآرا فیصلہ اور عفو عام

(جنوری ۱۹۰۹ء تا دسمبر ۱۹۰۹ء بمطابق ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ سے ۱۳۲۸ھ تک)

ممبران انجمن کی تقریروں کا ردعمل

سالانہ جلسہ ۱۹۰۸ء پر ممبران انجمن نے اس طرح ہوشیاری سے بار بار انجمن کی خلافت و حاکمیت کا تذکرہ کیا کہ ذہین دماغ بھانپ گئے کہ ان کا اصل مقصد حضرت خلیفہ اولؓ کی خلافت کا جواب دے کر انجمن کی (جس سے مراد خود ان کا وجود تھا) خلافت قائم کرنا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ قادیان اور باہر کی جماعتوں میں اس امر کے متعلق چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ اصل حاکم و مطاع کون ہے انجمن یا حضرت خلیفہ اول؟ [1]

یہ حالات حضرت خلیفہ اول کے سامنے کس رنگ میں آئے اور آپ نے کس طرح اپنی خداداد فراست سے اس غلط نظریہ کے قائلین کا قلع قمع کیا اس کی تفصیل عرض کرنے سے پہلے انکار خلافت کے فتنہ کا پس منظر اور اس فتنہ کے بارے میں حضرت مسیح موعود کے الہامات کا ذکر ضروری ہے۔ چنانچہ حضور اقدس کے چند الہامات و کشوف درج ذیل ہیں:۔

فتنہ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے رویا و الہامات

۱۔ (الہام) "خدا دو مسلمان فریق میں سے ایک کا ہو گا۔ پس یہ پھوٹ کا ثمرہ ہے"۔ [2]

۲۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بن گیا ہوں...... اور ایسی صورت واقعہ ہے کہ ایک گروہ خوارج کا میری خلافت کا مزاحم ہو رہا ہے یعنی وہ گروہ میری خلافت کے امر کو روکنا چاہتا ہے اور اس میں فتنہ وارتداد ہے"۔ [3]

۳۔ "میں نے دیکھا کہ اپنی جماعت کے چند آدمی کشتی کر رہے ہیں۔ میں نے کہا آؤ میں تم کو ایک

خواب سناؤں مگر وہ نہ آئے۔ میں نے کہا کیوں نہیں سنتے۔ جو شخص خدا کی باتیں نہیں سنتا وہ دوزخی ہوتا ہے"۔ ۴

۴۔ بعض بد قسمت ایسے ہیں کہ شریر لوگوں کی باتوں سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں اور بدگمانی کی طرف ایسے دوڑتے ہیں جیسے کتا مردار کی طرف......... مجھے وقتاً فوقتاً ایسے آدمیوں کا علم بھی دیا جاتا ہے۔ مگر اذن نہیں دیا جاتا کہ ان کو مطلع کروں کئی چھوٹے ہیں جو بڑے کئے جائیں گے۔ پس مقام خوف ہے"۔ ۵

۵۔ **ولا تکلمنی فی الذین ظلموا انهم مغرقون**........ یہ الہام خاص دوستوں کے لئے ہے"۔ ۶

۶۔ سلسلہ قبول الہامات میں سب سے کچا مولوی تھا"۔ ۷

۷۔ لاہور میں ایک بے شرم ہے ویل لک و لا فکک (تجھ پر اور تیرے جھوٹ پر ملامت اور افسوس)............ ایک امتحان ہے بعض اس میں پکڑے جائیں گے اور بعض چھوڑ دیے جائیں گے انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهرکم تطهیرا"۔ ۸

۸۔ "چند روز ہوئے میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ مرتدین میں داخل ہو گیا ہے میں اس کے پاس گیا وہ ایک سنجیدہ آدمی ہے میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا۔ اس نے کہا کہ مصلحت وقت ہے"۔ ۹

۹۔ قاضی خواجہ علی صاحب مرحوم کی روایت ہے کہ "میں نے حضرت اقدس کی زبان مبارک سے سنا کہ تم عبد الحکیم کو دیکھ کر کیا..... تعجب کرتے ہو ابھی میری نظر میں ۵۰۔ ۶۰ آدمی مرتد ہوں گے۔ خدا اس جماعت پر رحم فرمائے۔ رب ارحم رب ارحم رب ارحم"۔ ۱۰

اگر باریک نظر سے دیکھا جائے تو ان الہامات میں اس فتنہ کے متعلق مندرجہ ذیل حیرت انگیز تفصیلات کی اطلاع دی گئی ہے۔

اول۔ جماعت دو گروہوں میں بٹ جائے گی اور اس کا سبب پھوٹ ہو گا۔

دوم۔ ایک گروہ خوارج کی طرح حضرت مسیح موعودؑ کی خلافت کا منکر ہو جائے گا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جانشین اس فتنہ پر صبر کرے گا۔ اور ان فتنہ پردازوں کو جماعت سے خارج کرنے کی بجائے ان کو اپنے حال پر چھوڑ دے گا۔ ان لوگوں کا تمام تر شوروغوغا بدگمانیوں کے نتیجہ میں اٹھے گا اور یہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض "خاص دوستوں" میں سے ہوں گے۔

سوم۔ یہ فتنہ اٹھانے والا گروہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خوابوں اور الہاموں کو کچھ وقعت

نہیں دے گا۔ خصوصاً ایک شخص جو مولوی کہلا کر قبول الہامات کے بارے میں سب سے کچا ثابت ہو گا۔ ۱۱

چہارم۔ اس فتنہ میں لاہور کے کسی بے شرم کا بہت بڑا دخل ہو گا۔ جہاں سے جھوٹ اور فریب پھیلایا جائے گا۔ اس وقت جماعت کے سامنے امتحان کی طرح بعض سوالات رکھے جائیں گے جن میں بعض پکڑے جائیں گے اور بعض چھوڑ دیئے جائیں گے۔

پنجم۔ فتنہ پرداز لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اہل بیت کے خلاف ہوں گے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک حضور کے اہل بیت مطہر ہوں گے۔ یعنی انہی کا مسلک صحیح ہو گا۔ ۱۲

ششم ۔ فتنہ پرداز عنصر اپنے قول و فعل میں مصلحت وقت کو حقیقت و صداقت پر قربان کردے گا۔

ہفتم۔ اس عنصر کو عبدالحکیم مرتد پٹیالوی کے نظریات سے موافقت کی وجہ سے ابتلا آئے گا اور گم کردہ راہ ہو جائیں گے۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے جماعت میں اٹھنے والے اس فتنہ کی فقط تفصیلات ہی نہیں بتائی گئیں بلکہ اس کے علمبرداروں کی نشان دہی بھی کر دی گئی تھی چنانچہ حضرت مولوی سرور شاہ صاحب کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس زمانہ میں جب کہ "وطن" اور ریویو کا جھگڑا ہو رہا تھا۔ اور خواجہ صاحب ریویو کو "وطن" پر قربان کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ مولوی محمد علی صاحب کو...... چھوٹی مسجد (یعنی مسجد مبارک۔ ناقل) میں تشریف لا کر فرمایا کہ خواجہ صاحب کو خط لکھ دو کہ وہ بہت توجہ و استغفار کریں اور قربانی بھی دیں۔ مجھے ان کی نسبت سخت منذر رویا ہوئے ہیں جس سے ان کے ایمان کا بھی خطرہ ہے۔ اور پھر حضور علیہ السلام نے ایک رویا لکھوایا بھی جو یہ تھا کہ.... "میں نے دیکھا ہے کہ میں اور مولوی نور الدین صاحب اس مسجد میں ایک تخت پر بیٹھے ہیں اور خواجہ بدن سے ننگا پاگلانہ صورت میں ادھر آیا۔ اور آتے ہی ہم دونوں پر حملہ کرنے لگا۔ ہمارے پاس اس وقت حافظ حامد علی تھا...... میں نے اس کو کہا کہ اس کو نکال دو۔ وہ نکالنے لگا تو خواجہ خود ہی زینہ سے اتر کر نیچے چلا گیا۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی محمد علی صاحب سے لکھوا کر خط بھجوایا۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ مسجد سے مراد امام کی جماعت ہوتی ہے۔ پس مجھے اس کا بہت اندیشہ ہوا۔ اس کو بہت توبہ کرنی چاہئے۔ یہ خط مولوی محمد علی صاحب نے اپنے قلم سے حضور علیہ السلام کے حکم سے لکھ کر خواجہ صاحب کو پہنچایا"۔ ۱۳

خواجہ کمال الدین صاحب اور ان کے رفقاء کی سلسلہ میں شمولیت کا مقصد

ان الہامات و کشوف کو لکھنے کے بعد جن میں انکار خلافت کے فتنہ کا پورا پورا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا گیا ہے میں اس فتنہ کے پس منظر کی طرف آتا ہوں لیکن اس امر کو تفصیلاً لکھنے سے پہلے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ ہماری جماعت میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ ہیں جن کو دنیوی شان و شوکت کا خیال ہے کہ محکمے ہوں۔ دفاتر ہوں۔ بڑی بڑی عمارتیں ہوں وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے وہ ہیں جو کسی بڑے آدمی مثلاً حضرت مولوی نور الدین صاحب کے اثر کے نیچے آکر جماعت میں داخل ہو گئے ہیں اور انہی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن کو خاص میری ذات سے تعلق ہے اور وہ ہر بات میں میری رضا اور میری خوشی کو مقدم رکھتے ہیں۔ [۱۴]

مقدم الذکر لوگوں کے متعلق (جو انجمن وغیرہ کے دلدادہ تھے) فرمایا کہ ان کا خطرہ ہے۔ [۱۵]

خواجہ کمال الدین صاحب اور ان کے دوسرے رفقاء کا تعلق دراصل اسی پہلے گروہ سے تھا [۱۶] اور گو ان کا سلسلہ سے وابستہ ہونا اخلاص و محبت کے تحت تھا۔ اس لئے باوجود ان قومی خدمات کے جو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں سرانجام دیں ان کا ذاتی رجحان جمہوریت اور مغربیت سے متاثر ہونے کی وجہ سے زیادہ تر اس طرف تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اصل مقصد بعثت یہ ہے کہ ایک کمیٹی اشاعت اسلام کی غرض سے قائم ہو جائے اور لوگوں سے چندہ لے کر قرآن مجید کا ترجمہ اور دوسرا اسلامی لٹریچر شائع ہو یا سکول کالج وغیرہ کھول دئے جائیں۔ قرآن کا ترجمہ یا دوسرے اسلامی لٹریچر کی اشاعت یا سکولوں کا اجراء بلاشبہ بہت مبارک اور ضروری چیزیں تھیں مگر احمدیت کے قیام کا حقیقی مقصد جیسا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بذریعہ کشف بتایا دنیا کے قائم شدہ پورے نظام حیات کو یکسر بدل کر ایک نئی زمین نیا آسمان اور نیا نظام قائم کرنا تھا۔ [۱۷]

اور ظاہر ہے کہ یہ غیر معمولی کام انجمنیں سرانجام نہیں دے سکتیں بلکہ آسمانی سلسلہ ہی کے ذریعہ پورا ہو سکتا ہے چنانچہ حضور علیہ السلام دعوئ مسیحیت کی سب سے پہلی تصنیف میں لکھتے ہیں۔ "بعض کہتے ہیں کہ انجمنیں قائم کرنا اور مدارس کھولنا ہی تائید کے لئے کافی ہے مگر وہ نہیں سمجھتے کہ دین کس چیز کا نام ہے اور اس ہماری ہستی کی انتہائی اغراض کیا ہیں۔ اور کیونکر اور کن راہوں سے وہ اغراض حاصل ہو سکتے ہیں سو انہیں جاننا چاہئے کہ انتہائی غرض اس زندگی کی خدا تعالیٰ سے وہ سچا اور یقینی پیوند حاصل کرنا ہے۔ جو تعلقات نفسانیہ سے چھڑا کر نجات کے سرچشمہ تک پہنچاتا ہے سو اس یقین کامل کی راہیں انسانی بناوٹوں اور تدبیروں سے ہرگز کھل نہیں سکتیں اور انسانوں کا گھڑا ہوا فلسفہ اس جگہ فائدہ

نہیں پہنچاتا بلکہ یہ روشنی ہمیشہ خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے ذریعہ سے ظلمت کے وقت میں آسمان سے نازل کرتا ہے۔ اور جو آسمان سے اترا۔ وہی آسمان کی طرف لے جاتا ہے۔ سوائے وے لوگو! جو ظلمت کے گڑھے میں دبے ہوئے اور شکوک و شبہات کے پنجہ میں اسیر اور نفسانی جذبات کے غلام ہو صرف اسمی اور رسمی اسلام پر نازمت کرو۔ اور اپنی سچی رفاہیت اور اپنی حقیقی بہبودی اور اپنی آخری کامیابی انہی تدبیروں میں نہ سمجھو جو حال کی انجمنوں کے ذریعہ کی جاتی ہیں یہ اشغال بنیادی طور پر فائدہ بخش تو ہیں اور ترقیات کا پہلا زینہ متصور ہو سکتے ہیں۔ مگر اصل مدعا سے بہت دور ہیں۔ [۱۸]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کو پیش کرنے کی ضرورت

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے جہاں انجمنوں کے وجود کو محض ایک ابتدائی زینہ قرار دیا وہاں اسلام کی ترقی و سر بلندی کو اپنے وجود سے وابستہ یقین کرتے ہوئے بار بار اپنے دعویٰ اور دلائل کو پیش فرمایا۔ جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک دفعہ یہ اعتراض بھی ہوا کہ حضور جو کچھ لکھتے ہیں بس اپنے لئے اور اپنے دعویٰ کے لئے ہی لکھتے ہیں۔ اسلام کے لئے کچھ کام نہیں کرتے۔ حضرت اقدس نے اس کے جواب میں جو مفصل تقریر فرمائی اس کا ملخص مولوی محمد علی صاحب کے الفاظ میں یہ تھا۔ "یہ اعتراض تو صرف ہم پر نہیں آتا۔ ہمارے سلسلہ نبوت پر آتا ہے۔ ہر نبی جو آیا پہلے اپنے آپ کو ہی منواتا رہا۔ سب نے یہی کہا۔ کہ اطیعون۔ میری پیروی کرو۔ تو کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام نبی بھی اپنے لئے یہ سب مصیبتیں اٹھاتے تھے۔ بلکہ یہ کم فہمی ہے .... برہموؤں نے بھی یہ اعتراض کیا ہے کہ لا الہ الا اللہ تو ہوا مگر یہ ساتھ محمد رسول اللہ کیا لگا دیا ہے۔ فرمایا۔ ہم خود کیا ہیں۔ ہم زمین پر حجۃ اللہ ہیں۔ ہم خدا تعالیٰ کے مجسم نشان ہیں۔ مگر کس کام کے لئے صرف اسلام کے لئے۔ اور پیغمبر اسلام کی خدمت کے لئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سچے دین کی تائید کے لئے۔ ہماری سب کارروائیاں اسلام کی خاطر ہیں نہ اپنی ذات کے لئے۔ پھر فرمایا۔ کہ اس کے علاوہ ان لوگوں کو یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہم دن رات جو دوسرے ادیان کی بطلان کی فکر میں ہیں تو اس کا کیا مطلب ہے کیا ہم نصیبین یا کشمیر آدمی اس لئے بھیجتے ہیں کہ ہماری بڑائی ہو یا دین اسلام کی حقانیت روشن ہو"۔ [۱۹]

ایڈیٹر اخبار "وطن" سے گٹھ جوڑ

یہ اصحاب حضرت مسیح موعود کے اس وضاحتی بیان کو آہستہ آہستہ اپنی افتاد طبع کے باعث نظر انداز کرتے گئے حتیٰ کہ آخر ۱۹۰۵ء میں خواجہ کمال الدین صاحب اور ان کے زیر اثر مولوی محمد علی صاحب نے اخبار وطن سے از خود یہ معاہدہ کر لیا کہ وہ ریویو آف ریلیجنز سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

مخصوص علم کلام اور دعاوی کو الگ رکھیں گے اور خاص مضامین جو سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں علیحدہ ضمیمہ کی صورت میں شائع کریں گے۔ [۲۰] مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس پر سخت خفگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ مجھے چھوڑ کر کیا تم مردہ اسلام پیش کرو گے۔ جس پر ان کو مجبوراً اپنا ارادہ چھوڑ دینا پڑا۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب خود لکھتے ہیں۔ "اس تحریک میں میرا حصہ خواجہ صاحب سے کسی طرح کم نہ تھا......... فرض کرلو یہ ایک غلطی تھی۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے (؟) کہ پہلی تحریک بھی حضرت صاحب کے علم میں لا کر کی گئی تھی۔ لیکن چونکہ بعد میں اس کے بعض پہلوؤں کی وجہ سے حضرت صاحب نے اسے ناپسند کیا۔ اسے ترک کر دیا گیا"۔ [۲۱]

"فرض کرلو یہ ایک غلطی تھی" کا فقرہ صاف بتاتا ہے کہ مولوی محمد علی صاحب کے نزدیک دراصل یہ کوئی غلطی نہ تھی مگر چونکہ حضرت اقدسؑ نے اسے ناپسند کیا اسے ترک کر دیا گیا۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کے دلی خیالات

بعینہ یہی نظریہ ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب پٹیالوی کا تھا [۲۲] چنانچہ وہ "الذکر الحکیم" میں لکھتا ہے۔ "مولوی انشاء اللہ خاں صاحب ایڈیٹر الوطن کی تحریک پر مولوی محمد علی و خواجہ کمال الدین صاحبان وغیرہ نے یہ تجویز پاس کی اور شائع کی کہ "ریویو آف ریلیجنز" قادیان میں عام اسلامی مضامین شائع ہوا کریں اور خاص مرزا صاحب کے متعلق ابحاث علیحدہ ضمیمہ میں شائع ہوا کریں............ اس تجویز کی اشاعت سے میرا دل قدرے ٹھنڈا ہوا اور میں نے کہا کہ ہماری جماعت میں عالی خیال اور عالی ظرف لوگ بھی ہیں اور اب یہ کام قرآنی رنگ میں خدائی آئین پر چلے گا۔ اور ہمارا پیغام احسن اور بلیغ صورت میں تمام دنیا کو پہنچے گا۔ مگر وہ تمام خوشی خاک میں مل گئی جب پکے مرزائیوں یا مرزا کے شیدائیوں نے اس تجویز کے خلاف شور مچانا شروع کیا اور وہ تجویز خاک میں مل گئی۔ مولوی محمد علی صاحب کو مرزائیوں کا شور دبانے کی غرض سے اپنے اقرار اور عقائد شائع کرنے پڑے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ [۲۳]

پھر ڈاکٹر عبدالحکیم نے اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں خط لکھا جس میں تحریر کیا۔ میں چند امور کی طرف جو نہایت ضروری ہیں۔ آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

اول یہ کہ امت محمدیہ میں جو لوگ ہماری تکذیب کرتے اور ہمیں صریحاً کافر کہتے ہیں ان کے ساتھ تو بے شک نماز نہیں ہو سکتی۔ مگر جو لوگ ہمیں صریحاً کافر نہیں کہتے ان تمام کو کافر نہ سمجھا جائے بلکہ حسن ظنی سے کام لیا جائے اور ان کے ساتھ نمازیں پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ تاکہ ہماری تبلیغ آسان اور وسیع ہو سکے۔

دوم۔ یہ کہ جو تجویز انشراح صدر اور عالی ظرفی سے مولوی محمد علی اور خواجہ کمال الدین صاحب

نے شائع کی تھی۔ ۲۴ .... اس سے ہمارے مشن کی تبلیغ بہت جلدی اور عمدگی سے پھیل سکتی ہے.........

سوم۔ آپ کا وجود خادم اسلام ہے نہ کہ وجود اسلام۔ پس اپنے وجود کی خاطر اصل اشاعت اسلام کو روکنا حکمت و دانائی کے خلاف ہے.......... جب اصل پر لوگ قائم ہوں گے تو فروعات خود قائم ہو جائیں گے۔

چہارم۔ عام حکمت کا یہ قاعدہ ہے کہ پہلے بڑے امراض کا علاج کیا جاتا ہے ہلکی غذائیں دی جاتی اور قوی ثقیل غذاؤں سے پرہیز کرایا جاتا ہے رفتہ رفتہ (جب) بڑے امراض سے صحت ہو جاتی ہے۔ تب خفیف اور ضمنی امراض خود رفع ہو جاتے ہیں........ یعنی پہلے اسلام کو عام صورتوں میں پیش کرنا چاہئے۔ رفتہ رفتہ علیٰ قدر عقول الناس جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کا طریق رہا ہے اس کے اسرار اور معارف پیش کرنے چاہئیں۔

پنجم۔ محض ایک مسئلہ وفات مسیح اور آمد مسیح یا پیشگوئیوں پر تمام زور خرچ کرنا اور باقی اجزائے اسلام کو نظرانداز کر دینا یا غیر ضروری و حقیر سمجھنا سخت نادانی۔ پست خیالی۔ تنگ ظرفی اور ضد و تعصب میں داخل ہے.......

ششم۔ "اسلام کی طرف اصل رہبر فطرت اور سچی تعلیم ہے نہ کہ محض پیشگوئیاں چنانچہ قرآن مجید نے سچی تعلیم اور فطرت کو ہی اصل رہنما اور رہبر قرار دیا ہے نہ کہ پیشگوئیوں کو........ پس محض پیشگوئیوں کو ہی ذریعہ ہدایت سمجھنا سراسر خلاف قرآن ہے اور قرآنی تعلیمات کو مردہ اسلام قرار دینا انتہا درجہ کی بے باکی اور بدفہمی ہے۔ افسوس کہ خاص قرآن کو تو مردہ اسلام قرار دیا گیا........ اس سے بڑھ کر قرآن اور اسلام کی اور کوئی توہین نہیں ہو سکتی کہ اس کی حیات کا دارومدار ایک شخص کی ذات پر منحصر تھا جو آج تیرہ سو سال کے بعد پیدا ہوا۔ پس یہ نہایت ہی رذیل اور گستاخانہ کلمات تھے جو کلام الٰہی کی نسبت شائع ہوئے........ افسوس اس معاملہ میں احمدی جماعت نے ایسی تنگ خیالی اور ضد و تعصب کا نمونہ دکھایا کہ ساری قوموں سے سبقت لے گئے اور اپنے ہاتھ سے اس دیوار کو (جسے) پست خیال اور تنگ ظرف مولویوں نے احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان حائل کیا تھا اور اب وہ شکستہ ہو کر گرنے کے قریب ہو گئی تھی اس کو اپنے ہاتھوں سے پھر کھڑا کر دیا"۔ ۲۵

انجمن کے بارے میں منکرین خلافت کا غالیانہ عقیدہ

اس خط میں چونکہ اکثر مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب ۲۶ ہی کے اندرونی خیالات و معتقدات کی عکاسی تھی اس لئے آئندہ چل کر

ان حضرات نے پوری طرح کھل کر انہی لائنوں پر جماعت میں ایک جدید مکتبہ فکر کی بنیاد رکھی جو ظاہر ہے کہ احمدیت کی روح اور مزاج سے قطعاً کوئی تعلق نہ رکھتی تھی۔ خواجہ کمال الدین صاحب وغیرہ کی نگاہ سے خدائی سلسلہ کی مخصوص شان اور امتیازی خصوصیات کے اوجھل ہونے کا پہلا اثر تو یہ ہوا کہ عبدالحکیمی خیالات کو انہوں نے مستقل عقیدہ کی حیثیت سے اپنا لیا اور دوسرا اثر اس کے معابعد ہی صدر انجمن احمدیہ کے قیام پر ہوا جبکہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بلند شان اور عظیم مرتبہ کو یکسر فراموش کر کے جماعتی تنظیم و اتحاد کا واحد ذریعہ انجمن ہی کو سمجھ لیا۔ اور اسی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد جماعت پر حاکم قرار دینے لگے اور یہاں تک غلو سے کام لیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو انجمن کو محض ایک ابتدائی زینہ کہا تھا مگر یہ اصحاب انجمن کے قیام کو ہی حضرت اقدسؑ کا سب سے بڑا کارنامہ کہنے لگے۔ چنانچہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب لکھتے ہیں۔ "حضرت اقدس مسیح موعود مرزا غلام احمد علیہ الرحمتہ مجدد وقت کی جب وفات کا زمانہ نزدیک آیا۔ تو آپ نے ایک وصیت لکھی جس میں سب سے بڑا اور اہل دنیا کی نظروں میں حیرت انگیز کارنامہ یہ کیا کہ ایک انجمن بنا کر اسے اپنا جانشین قرار دیا اور کسی فرد واحد کو اپنا جانشین نہ بنایا"۔ [۲۷]

صدر انجمن احمدیہ کا قیام

اب میں اس طرف آتا ہوں کہ یہ صدر انجمن کا قیام کس طرح معرض ظہور میں آیا۔ سو جاننا چاہئے کہ سلسلہ کے انتظامی امور کو چلانے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اجازت سے مختلف اوقات میں مختلف انجمنیں جماعت میں قائم ہوئیں۔ مثلاً ۱۸۹۸ء میں مدرسہ کے انتظام کے لئے انجمن بنائی گئی۔ [۲۸] دسمبر ۱۹۰۱ء میں یہ انجمن توڑ دی گئی۔ اور مدرسہ کے لئے ایک نئی انتظامیہ انجمن قائم ہوئی۔ [۲۹] پھر ۱۹۰۱ء میں ہی خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ انگریزی خواں حضرات کی تحریک پر ایک انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد پڑی جس کا مقصد مغربی دنیا میں اسلامی لٹریچر کی اشاعت تھا۔ [۳۰] اس انجمن کے افتتاحی اجلاس میں حضور نے واضح فرمایا۔ کہ "سب صاحب اس بات کو سن لیں کہ چونکہ ہماری یہ سب کارروائی خدا ہی کے لئے ہے وہ اس غفلت کے زمانہ میں اپنی حجت پوری کرنا چاہتا ہے۔ جیسے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں ہوتا رہا ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے۔ کہ زمین پر تاریکی پھیل گئی ہے۔ تو وہ تقاضا کرتا ہے کہ لوگوں کو سمجھاوے اور قوانین کے موافق حجت پوری کرے اس لئے زمانہ میں جب حالات بدل جاتے ہیں اور خدا سے تعلق نہیں رہتا سمجھ کم ہو جاتی ہے اس وقت خدا تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو مامور کر دیتا ہے"۔

نیز فرمایا:۔

"خلاصہ یہ ہے کہ ایک پہلو تو میں کر رہا ہوں دوسرے پہلو کو ہمارے انگریزی خوان جماعت نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے انہوں نے یہ تجویز کی ہے کہ تجارت کے طریق پر یہ کام جاری ہو جائے دین کی اشاعت ہو جائے...... بہرحال یہ ان کا ارادہ ہے میرے نزدیک جہاں تک یہ امر مذہب سے تعلق رکھتا ہے میں اس کی حمایت کرتا ہوں اگر یہ تجویز عمل میں نہ بھی آوے تب بھی یہ کام ہو جائے گا بہرحال آپ غور کر لیں اللہ تعالیٰ کو بہتر معلوم ہے"۔ [۲۱]

یہ سب انجمنیں جماعت کے دوسرے دوستوں کی تحریک پر بنی تھیں مگر دسمبر ۱۹۰۵ء میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وحی کی بناء پر بہشتی مقبرہ کی اور نظام الوصیت کی بنیاد رکھی تو اس بہشتی مقبرہ کی آمد و خرچ کے انتظام کے لئے خود ایک انجمن بنائی۔ [۲۲] جس کا نام حضور نے انجمن کارپرداز مصالح قبرستان رکھا اور اس کا امین حضرت خلیفتہ المسیح اولؓ مولوی نورالدین صاحب کو مقرر فرمایا۔ [۲۳]

یہ تھی "انجمن کارپرداز مصالح قبرستان" جسے حضرت اقدس علیہ السلام نے خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کا جانشین قرار دیا۔ بعد ازاں اس میں سلسلہ کے دوسرے تمام اداروں کا انتظام شامل کر دیا گیا اور اس کا نام صدر انجمن رکھا گیا۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہیں۔ "یہی انجمن بالآخر صدر انجمن کے نام سے قائم کی گئی گو پہلا نام اس کا جیسا کہ ضمیمہ (الوصیت) سے ظاہر ہے انجمن کارپرداز مصالح قبرستان تھا"۔ [۲۴]

انجمن کارپرداز مصالح قبرستان کا صدر انجمن احمدیہ سے موسوم ہونا

انجمن کارپرداز مصالح قبرستان "صدر انجمن احمدیہ" کے نام سے کیسے موسوم ہوئی؟ یہ ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔ جس سے خواجہ کمال الدین صاحب کی ذہنیت کے علاوہ ان کے عزائم کا پتہ چلتا ہے جو در پردہ صدر انجمن کے قیام سے وہ وابستہ کئے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب کی چشم دید شہادت ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الوصیت لکھی اس وقت خواجہ صاحب جناب مولوی محمد علی صاحب کے پاس ان کے کمرہ میں بیٹھے ہوئے بار بار اپنی ران پر ہاتھ مارتے اور مولوی صاحب کو (جو کچھ لکھ رہے تھے) یہ کہتے کہ مولوی صاحب آپ کو مزا نہیں آیا۔ میرزا نے تو ایک قلم کے ساتھ آپ کی سلطنت بنا دی ہے۔ کیونکہ اگر ایک زمیندار کے دس بیٹے احمدی ہوں تو اتنے سال میں اس کی ساری زمین اور سب جائیداد آپ کی ملکیت اس ذریعہ سے ہو جائے گی۔ مگر سلطنت بھی ایسی کہ سب زمین کی مالک نہ کہ اوروں کی طرح غیر مالک۔ مگر یہ کام اب آپ کا ہے کہ اس کو ابھی سے شخصی ہونے سے بچا لو اور جمہوری بنا لو۔ اور بار ہا اس کے دہرانے کے بعد آپ نے جمہوریت کا یہ ڈھانچہ بیان کیا۔ کہ

آپ ایک تو صدر انجمن احمدیہ بنائیں۔ جس کا ہر ممبر ایک احمدی ہو۔ اور پھر ایک انجمن معتمدین بنائیں جو بمنزلہ سب احمدیوں یا بلفظ دیگر صدر انجمن کے قائم مقام اور نائب اور معتمد علیہا ہو۔ اور پھر کہا کہ یہ تو بنی بنائی ہی ہے۔ کیونکہ جو انجمن مقبرہ بہشتی کی حضرت صاحب نے بنائی ہے۔ اسی کا نام آپ معتمدین رکھ لیں۔ تو ساتھ ہی یہ فائدہ ہو جائے گا کہ لوگ ان معتمدین کو حضرت صاحب کی یقین کریں گے۔ اور پھر آپ کے احکام سے کوئی چون وچرا نہ کر سکے گا چنانچہ یہ تو اسی وقت ہو گیا اور اس حجرہ کے اندر رہو گیا۔ حالانکہ جمہوریت کی بناہی انتخاب پر ہے مگر ابھی دو خطرے باقی تھے۔ اول یہ کہ اس وقت تو ہم خود ہی اس معتمدین کے بلا انتخاب قوم ممبر بن گئے ہیں۔ مگر ہو سکتا ہے کہ کل قوم اپنے حق انتخاب کا دعویٰ کرے اور پھر ہماری جگہ اور ممبر انتخاب کر لے اور یہ سب کچھ ہاتھ سے نکل جاوے۔ تو اس خطرہ کے رفع کرنے کے لئے یہ کیا کہ موجودہ ممبر جو ہیں یہ لائف ممبر ہیں (گو جمہوریت میں کبھی ابتدا سے اب تک نہ ہوا ہو۔) اور دوسرا خطرہ یہ تھا کہ آئندہ اس انجمن ہی کو کوئی توڑ دے تو پھر لائف ممبری بھی کچھ کام نہیں دے گی۔ تو اس کے دفعیہ کے لئے بہت کچھ وقت اور دماغ صرف کیا گیا۔ مگر بجز اس کے اور کچھ ہاتھ نہ آیا کہ اس کو رجسٹرڈ کرایا جائے۔ ان ہی دنوں میں یہ بھی ہو گیا۔ [۲۵]

ممبران انجمن کے تقرر کا واقعہ

صدر انجمن احمدیہ کے قیام کے بعد تقرر ممبران وغیرہ کے سلسلہ میں بھی خواجہ صاحب اور ان کے رفقاء نے من مانی کی اور حضرت کے ارشاد کو پس پشت ڈال دیا۔ چنانچہ سیدنا محمود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "ایک دن حضرت صاحب اندر آئے تو والدہ صاحبہ سے کہا کہ انہیں (یعنی مجھے) انجمن کا ممبر بنا دیا ہے۔ نیز ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب کو اور مولوی صاحب کو تاکہ اور لوگ کوئی نقصان نہ پہنچاویں۔ پھر میاں بشیر احمد صاحب کا نام لیا گیا آپ نے فرمایا وہ مدرسہ میں پڑھتے ہیں افسران کے ماتحت ہوں گے اس لئے ان کو رہنے دو۔ پھر آپ آئے اور کہا یہ نام تجویز کئے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب کا نام یقینی یاد ہے۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب کا یقینی یاد نہیں کہ حضرت صاحب نے تجویز کیا یا نہیں۔ آپ کو کہا گیا ۱۴ نام لکھ لئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا اور چاہئیں باہر کے آدمی بھی ہوں۔ اور کے نام بھی بیان کئے جن میں سے ذوالفقار علی خان صاحب۔ چوہدری رستم علی خان صاحب۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب کے نام اس وقت مجھے یاد ہیں اس پر کہا گیا کہ زیادہ آدمیوں سے کورم نہیں پورا ہو گا۔ آپ نے فرمایا اچھا تھوڑے سہی۔ پھر کہا اچھا ایک اور تجویز کرتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ مولوی صاحب کی رائے چالیس آدمیوں کی رائے کے برابر ہو۔ (یہ امیر نہیں تو اور کیا ہیں ۱۴ ممبر ایک طرف ایک کی رائے چالیس کے برابر ہو۔)

اس وقت میرے سامنے ان لوگوں نے حضرت صاحب کو دھوکہ دیا کہ حضرت ہم نے مولوی صاحب کو پریذیڈنٹ بنایا ہے۔ اور پریذیڈنٹ کی رائیں پہلے ہی زیادہ ہوتی ہیں۔ حضرت صاحب نے کہا ہاں یہی میرا منشاء ہے کہ ان کی رائیں زیادہ ہوں۔ مجھے اس وقت انجمنوں کا علم نہ تھا کہ کیا ہوتی ہیں ورنہ بول پڑتا کہ پریذیڈنٹ کی ایک ہی زائد رائے ہوتی ہے۔ تو انہوں نے یہ دھوکا دیا۔ پھر تفصیلی قواعد مجھے ہی دئے گئے تھے اور میں ہی حضرت صاحب کے پاس لے کر گیا تھا۔ اس وقت آپ کوئی ضروری کتاب لکھ رہے تھے۔ آپ نے پوچھا کیا ہے۔ میں نے کہا انجمن کے قواعد ہیں۔ فرمایا۔ لے جاؤ۔ ابھی فرصت نہیں! گویا آپ نے ان کو کوئی وقعت نہ دی"۔ [۲۶]

ممبران انجمن کی حضرت خلیفہ اول اور خاندان مسیح موعود سے پرانی رقابت

مولوی محمد علی صاحب کا ابتدائی انجمنوں کے زمانہ سے حضرت مولوی نور الدین صاحب اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ خصوصاً حضرت میر ناصر نواب صاحب سے اختلاف چلا آتا تھا۔ چنانچہ حجتہ اللہ حضرت نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ اپنی خودنوشت ڈائری میں لکھتے ہیں:۔ ۱۷/ نومبر ۱۹۰۱ء.......... مولوی محمد علی صاحب سے تخلیہ میں مدرسہ کے متعلق گفتگو ہوئی انہوں نے اس جھگڑے کو مٹانے کے لئے اپنی علیحدگی کی پسندیدگی ظاہر کی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ مولوی نور الدین صاحب کا کمیٹی میں ہونا ان کو پسند نہیں"۔ [۲۷] اور یہ "ناپسندیدگی" اس درجہ بغض کی حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ آپ کئی دفعہ قادیان چھوڑنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ چنانچہ مولانا سرور شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ "آپ بہت زود رنج اور مغلوب الغضب تھے۔ آپ کئی بار معمولی معمولی باتوں پر اس قدر جوش میں آئے کہ قادیان اور اپنے دار ہجرت کے چھوڑنے پر اور حضرت مسیح موعود اور خلیفتہ المسیح کی بابرکت صحبت سے جدا ہونے پر تیار ہو گئے تھے اور اس کا یہ اثر تھا کہ حضرت خلیفتہ المسیح سے مدرسہ کی کمیٹی کے زمانہ میں رنج ہوا تو آخر تک اس رنج کو نہ چھوڑا۔ اسی طرح اہل بیت مسیح کا حال"۔ [۲۸]

ایک دفعہ مولوی محمد احسن صاحب امروہوی سے آپ الجھ پڑے تو قادیان چھوڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ [۲۹]

قادیان سے جانے کا تیسری مرتبہ فیصلہ مولوی صاحب نے اس وقت کیا جب کہ حضرت میر ناصر نواب صاحب سے مسجد مبارک کے معاملہ میں نزاع ہو گیا۔ [۳۰]

انجمن میں خواجہ صاحب کے حامیوں کی اکثریت

انجمن کے متعدد ممبر خواجہ صاحب کے گہرے دوستوں میں

سے اور بعض دوسرے ممبر مولوی محمد علی صاحب کی خدمات کے اثر سے ان کے ہمنوا تھے۔ ان وجوہ سے مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کو انجمن میں زبردست اکثریت حاصل ہو گئی تھی اور سارا اقتدار انہی کے ہاتھ میں چلا گیا تھا جس کا اقرار مولوی محمد علی صاحب نے بھی کیا ہے۔ [21،22]

لنگر خانہ پر قبضہ کرنے کی کوشش

خواجہ صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقا گو انجمن کے سب ہی حالات پر اقتدار جما چکے تھے۔ مگر "لنگر خانہ" کا انتظام ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ میں تھا۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ اس پر بھی قبضہ کر لیں چنانچہ اس کے لئے انہوں نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ بعض مہمانوں کے سامنے لنگر خانہ کی مفروضہ بد انتظامیوں کا رونا رونا شروع کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں خواجہ کمال الدین صاحب نے لدھیانہ کے احمدی بابو محمد صاحب کو باغ میں لے جا کر سنانا شروع کیا کہ میر ناصر نواب صاحب مالیوں کو یوں روٹیاں دیتے ہیں اور باغ کے کتوں کو یوں گوشت دیا جاتا ہے۔ میر صاحب کا نام خاص طور پر انہوں نے اس لئے لیا کہ ان سے پرانا رنج تھا بابو صاحب نے کہا کہ آپ لوگ اس کو روکتے کیوں نہیں؟ تو خواجہ صاحب نے ماتھا پیٹ کر کہا کہ اگر ہم کہیں تو پھر کچھ بھی کام نہیں کر سکتے۔ اور اگر کہہ سکتے تو بات ہی کیا تھی یہ تو آپ جیسے بزرگوں کا کام ہے اور اسی وجہ سے آپ کا ذکر کیا ہے تب بابو محمد صاحب نے وعدہ کیا کہ میں ضرور اس کا ذکر کروں گا۔ [23] چنانچہ اس پر انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں خط لکھا جس میں خواجہ صاحب کے عندیہ کے مطابق اسراف کا الزام لگایا اور تجویز رکھی کہ سبھی روپیہ انجمن کے سپرد ہونا چاہئے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اس خط کے جواب میں کھلا خط شائع کیا کہ "مجھے وہ لوگ چندہ دے سکتے ہیں جو اپنے سچے دل سے مجھے خلیفتہ اللہ سمجھتے ہیں اور میرے تمام کاروبار خواہ ان کو سمجھیں یا نہ سمجھیں ان پر ایمان لاتے اور ان پر اعتراض کرنا موجب سلب ایمان سمجھتے ہیں میں تاجر نہیں کہ کوئی حساب رکھوں۔ میں کسی کی کمیٹی کا خزانچی نہیں کہ کسی کو حساب دوں۔ میں بلند آواز سے کہتا ہوں کہ ہر ایک شخص جو ایک ذرہ بھی میری نسبت اور میرے مصارف کی نسبت اعتراض دل میں رکھتا ہے اس پر حرام ہے کہ ایک کوڑی بھی میری طرف بھیجے مجھے کسی کی پرواہ نہیں جبکہ خدا مجھے بکثرت کہتا ہے گویا ہر روز کہتا ہے کہ میں ہی بھیجتا ہوں جو آتا ہے اور کبھی میرے مصارف پر وہ اعتراض نہیں کرتا تو دوسرا کون ہے جو مجھ پر اعتراض کرے۔ ایسا اعتراض آنحضرت ﷺ پر بھی تقسیم اموال غنیمت کے وقت کیا گیا تھا۔ سو میں آپ کو دوبارہ لکھتا ہوں کہ آئندہ سب کو کہدیں کہ تم کو اس خدا کی قسم ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ اور ایسا ہی ہر ایک جو اس خیال میں ان کا شریک ہے کہ ایک حبہ بھی میری طرف کسی سلسلہ کے لئے کبھی اپنی عمر تک ارسال

نہ کریں۔ پھر دیکھیں کہ ہمارا کیا حرج ہوا؟ اب قسم کے بعد میرے پاس نہیں کہ اور لکھوں"۔ خاکسار مرزا غلام احمد [۶۴]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بے جا اسراف کے الزامات

خواجہ صاحب مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء اگر چاہتے تو مرسل ربانی کے اس انتباہ پر توبہ کرکے اپنی روش کو بدل لیتے مگر انہوں نے اور زیادہ بے باکی سے نہ صرف یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ لنگر خانہ کا انتظام ان کو دے دیا جائے بلکہ اپنی پرائیوٹ مجلسوں میں حضرت اقدس اور آپ کے اہل بیت کے خلاف بے جا اسراف اور فضول خرچی کا الزام بھی لگانا شروع کر دیا جس کے چشم دید واقعات حضرت مولوی سرور شاہ صاحب کی کتاب کشف الاختلاف میں موجود ہیں۔ [۶۵]

حضرت مسیح موعودؑ کا آخری سفر اور لنگر خانہ کا انتظام

حضرت مفتی محمد صادق صاحب لکھتے ہیں اپنے آخری سفر میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور تشریف لے گئے۔ تو لنگر خانہ کا انتظام مولوی محمد علی صاحب کے سپرد ہوا۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب کو اور عاجز راقم کو اور بعض دیگر اصحاب کو بھی حضرت صاحب نے لاہور بلا لیا لیکن مولوی محمد علی صاحب قادیان ہی میں مقیم رہے اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو اعتراضاً لکھا کہ لنگر خانہ کا خرچ تو بہت تھوڑا ہے معلوم نہیں کیوں ایسا کہا جاتا ہے کہ لنگر میں اس قدر خرچ ہوتا ہے اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام بہت ناراض ہوئے۔ اور فرمایا...... "اسے اتنا خیال نہیں آتا کہ ہمارے لاہور چلا آنے کے سبب مہمان تو سب لاہور آ رہے ہیں اب قادیان جاتا ہی کون ہے جو لنگر خانہ کا پہلے کی طرح خرچ ہو" اس کے بعد چند دنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا وصال ہو گیا اور مولوی محمد علی صاحب کو حضور کی زندگی میں ایسا موقعہ ہی نہیں ملا کہ وہ معذرت کرتے اور معافی مانگتے۔ [۶۶]

خلافت اولیٰ کا قیام اور اختیارات کو محدود کرنے کی سازش

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد جیسا کہ تفصیلی ذکر آچکا ہے اگرچہ انجمن کے تمام ممبروں اور پوری جماعت کا خلافت پر اجماع ہو گیا۔ مگر چند دنوں کے بعد ہی انہیں محسوس ہوا۔ کہ ہم نے خلافت تسلیم کرکے سخت غلطی کی ہے۔ اور ہم اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکیں گے چنانچہ اس خطرہ کے سدباب کے لئے انہوں نے خلیفہ وقت کے اختیارات کو محدود کرنے کی سازش شروع کر دی اس کے لئے ایک تو انجمن کی کارروائی میں

خلیفہ وقت کی عظمت کو گرانا چاہا دوسرے جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء پر انجمن کی خلافت و حاکمیت پر زور دے کر جماعت کی عقیدتوں کا رخ خلافت سے موڑ کر انجمن کی طرف پھیرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

حضرت میر محمد اسحق صاحب کی طرف سے وضاحت طلب سوال

فتنہ انکار خلافت کے پس منظر پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول کو اس کا علم کیسے ہوا۔ جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء پر انجمن کے ممبروں کی جو تقریریں ہوئیں۔ ان سے جماعت میں اندر ہی اندر چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور خلافت اور انجمن کے بارے میں جماعت دو کیمپوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک کیمپ خلیفہ کو حاکم سمجھتا تھا اور دوسرا انجمن کو مگر نہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کو نہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کو اس صورت حال کا کچھ علم تھا۔ یہ فتنہ اندر ہی اندر سلگ رہا تھا کہ حضرت میر محمد اسحاق صاحب نے اس کی ابھرتی ہوئی چنگاریوں کو محسوس کر کے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بعض سوالات بھیجے۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح اول نے مولوی محمد علی صاحب کی طرف بھجوا دیئے ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ "افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے اپنی سادگی سے ان سوالات کو آگے چلا دیا۔ یعنی انجمن کے ممبروں کے سامنے پیش کر دیا"۔ [74]

مولوی محمد علی صاحب کے خیالات کا بے نقاب ہونا

یہ سوالات کیا تھے؟ اور ان کے جوابات مولوی محمد علی صاحب نے کیا دیئے؟ ان کی تفصیل خود مولوی محمد علی صاحب نے اپنی کتاب "حقیقت اختلاف" میں درج کی ہے۔ ہم بطور نمونہ چند ضروری سوالات اور ان کے جوابات کا ذکر کرتے ہیں۔

- (سوال) صدر انجمن کے تعلقات اس زمانہ میں اور آئندہ زمانہ میں خلافت کے منصب پر بیٹھنے والے (یعنی خلیفہ) کے ساتھ کیسے ہیں اور کیسے ہوں گے۔ یعنی آپس میں کیا فرق ہے اور ہوگا؟

(جواب) اس وقت خلافت کے منصب پر بیٹھنے والا صدر انجمن احمدیہ کا صدر ہے یعنی جس شخص کو حضرت صاحب نے مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ کا میر مجلس منتخب فرمایا تھا اسی کو ساری قوم نے اتفاق کے ساتھ خلیفہ منتخب کیا ہے پس وہ اور صدر انجمن احمدیہ ایک ہی چیز ہیں۔ آئندہ جیسا خلیفہ ہوگا ویسے ہی اس کے ساتھ تعلقات ہوں گے۔ علم غیب کوئی نہیں جانتا لیکن حضرت صاحب کی وصیت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ خلیفہ کا کوئی فرد واحد ہونا ضروری ہے۔ گو خاص صورتوں میں ایسا ہو سکتا ہے جیسا کہ اب ہے بلکہ حضرت صاحب نے انجمن کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ خلیفہ ایک ہی

شخص ہو بلکہ ایک جماعت بھی ہو سکتی ہے۔ اور یہ اس واسطے بھی ہے کہ انجمن کے واسطے حضرت اقدس نے دعا کی ہے کہ ایسے امین ہمیشہ اس سلسلہ کو ہاتھ آتے رہیں جو خدا کے لئے کام کریں اور خاص طور پر اگر اس امانت کے قابل کسی ایک فرد واحد کو سمجھا ہے تو وہ حضرت مولوی نور الدین صاحب ہی ہیں۔

(سوال) خلیفہ......... بطور خود اشاعت اسلام وغیرہ جماعت احمدیہ کی مدات کا انتظام کر سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب) انجمن کو ایک مامور من اللہ نے الہام الٰہی کے مطابق قائم کیا ہے اگر کوئی خلیفہ مامور من اللہ ہو تو وہ پھر مطابق منشاء الٰہی اس میں جو چاہے گا تغیر کر سکے گا۔ دوسرے کے واسطے جائز نہیں۔

(سوال) خلیفہ کے حکم صدر انجمن مسترد کر سکتی ہے یا نہیں؟

(جواب)......... حضرت صاحب نے جائدادوں اور مالوں اور مکانوں کا صرف محافظ ہی نہیں بنایا بلکہ ان کا مالک بھی قرار دیا ہے ہاں صرف یہ روک ہے کہ اس انجمن کا کوئی ممبر کسی جائداد یا مال کو اپنے ذاتی اغراض میں خرچ نہیں کر سکتا اور نہ ہی خود انجمن سوائے اغراض سلسلہ کے کسی طرح پر خرچ کر سکتی ہے۔ [۷۸]

حضرت خلیفہ اول کی طرف سے جماعتی شوریٰ کا حکم

مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہیں۔ "اس جواب کے پہنچنے پر حضرت مولوی صاحب نے فرمایا۔ کہ ان سوالات کو جواب کے لئے چالیس آدمیوں کے پاس بھیجا جائے اور ان کی رائے سے انہیں اطلاع دی جائے اور ۳۱/ جنوری ۱۹۰۹ء کے دن وہ جمع ہوں"۔

[۷۹]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب پر فتنہ کا انکشاف اور آپ کا جواب

ابھی ان سوالات کی نقل حضرت صاحبزادہ صاحب کو نہیں پہنچی تھی۔ کہ آپ پر رؤیا میں اس فتنہ کا انکشاف ہوا۔ جس کا تفصیلی ذکر آئینہ صداقت میں موجود ہے اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے آپ کو بھی سوالات بھجوائے اور ان کا تحریری جواب دینے کے لئے ارشاد فرمایا۔ چونکہ یہ معاملہ نہایت نازک اور اہم تھا اس لئے اگرچہ آپ خلیفہ کو انجمن کا مطاع سمجھتے تھے۔ لیکن آپ نے دعا کے بغیر اپنی رائے دینا نہ چاہی اور دعا میں مصروف ہو گئے۔ لیکن آپ کو کچھ تفہیم نہ ہوئی آخر ۳۰/ جنوری ۱۹۰۹ء کو آپ میں سخت اضطراب پیدا ہوا اور آپ نے فیصلہ کر لیا کہ چونکہ مجھے خدا کی طرف سے کچھ نہیں بتایا گیا اس لئے میں

اس مجلس میں ہی نہیں جاؤں گا۔ اور کہیں باہر چلا جاؤں گا۔ آخر جب اضطراب اور بڑھا تو آپ کو الہام ہوا۔ قل ما یعبئو بکم ربی لو لا دعاء کم۔ اس الہام سے آپ کا شرح صدر ہو گیا اور آپ سمجھے کہ آپ کا خیال ہی درست ہے۔ اور جو اس کے خلاف خیال رکھتے ہیں ان کو کہہ دو کہ یورپ کی تقلید میں کامیابی اور فلاح نہیں دینی سلسلہ ہے اس لئے جس طرح خدا کے نبیوں کے خلیفے ہوتے رہے اسی طرح یہاں بھی خلافت ہی ہو گی۔ لیکن اگر وہ باز نہیں آئیں گے تو خدا کو ان کی کوئی پروا نہیں۔ کامیابی اسی میں ہے کہ وہ خدا کے حضور گر جائیں اور زاری کریں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو خدا کا عذاب موجود ہے اس طرح جب آپ پر خدا نے حقیقت واضح کر دی تب آپ نے اپنی رائے لکھ کر بھیج دی کہ خلیفہ انجمن پر حاکم ہے نہ کہ انجمن خلیفہ پر۔ ۵۰

دوسرے ممبران انجمن کا جواب

ڈاکٹر بشارت احمد صاحب لکھتے ہیں۔ "میاں صاحب کی پارٹی......... نے تو یہی کہنا تھا اور یہی کہا کہ حضور سرکار جو کچھ ہے خلیفہ ہی ہے انجمن کیا بلا ہوتی ہے۔ لیکن باقی تمام ممبروں نے جن میں مولوی محمد علی صاحب۔ خواجہ کمال الدین مرحوم۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ مرحوم۔ شیخ رحمت اللہ مرحوم۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ مرحوم......... وغیرہ تھے صاف لفظوں میں لکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وصیت کی رو سے ان کی جانشین انجمن ہے حضرت صاحب نے کسی فرد واحد کو اپنا جانشین نہیں بنایا۔ یہ اور بات ہے کہ اس انجمن نے بالاتفاق آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کو اپنا مطاع بنالیا۔ تو اس کا اپنا ذاتی فعل ہے وہ وصیت کے ماتحت ایسا کرنے پر مجبور نہ تھی۔ ۵۱

خواجہ صاحب کا لاہور میں جلسہ

خواجہ کمال الدین صاحب کا جوش اس موقعہ پر صرف یہ جواب دینے سے ہی فرو نہیں ہوا بلکہ وہ پوری طرح بغاوت کا علم بلند کئے ہوئے میدان عمل میں آگئے۔ اور انہوں نے اپنے مکان پر لاہور کے احمدیوں کا جلسہ کر کے لوگوں کو سمجھایا کہ سلسلہ کی تباہی کا خطرہ ہے اصل جانشین حضرت مسیح موعودؑ کی انجمن ہی ہے اور اگر یہ بات نہ رہی۔ تو جماعت خطرہ میں پڑ جائے گی اور سلسلہ تباہ ہو جائے گا۔ خواجہ صاحب کی اس تحکم آمیز تقریر سے متاثر ہو کر سب لوگوں نے دستخط کر دئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمان کے مطابق انجمن ہی آپ کی حقیقی جانشین ہے۔ صرف دو شخص یعنی حکیم محمد حسین صاحب قریشی سیکرٹری انجمن احمدیہ لاہور اور بابو غلام محمد صاحب فورمین ریلوے دفتر لاہور نے دستخط کرنے سے انکار کیا اور جواب دیا کہ ہم تو ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں وہ ہم سے زیادہ عالم اور زیادہ خشیتہ اللہ رکھتا ہے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کا ادب ہم سے زیادہ اس کے دل میں ہے جو کچھ وہ کہے گا ہم اس

کے مطابق عمل کریں گے۔ [۵۲]

مولوی محمد علی صاحب اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ان سوالات کے لاہور پہنچنے پر خواجہ صاحب سے بلاشبہ یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے بجائے علیحدہ علیحدہ جواب لکھنے کے جو مولوی صاحب کا منشاء تھا احباب لاہور کا جلسہ کرکے سب کی متفقہ رائے ان پر لے کر اسے لکھ بھیجا۔ دوسری طرف قادیان میں شیخ یعقوب علی صاحب نے اپنے مکان پر جلسہ کرکے وہاں جو کچھ چاہا۔ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فتنہ بڑھ گیا اور قادیان اور لاہور میں ہر جگہ یہی باتیں ہونے لگیں۔ [۵۳]

خواجہ صاحب کے زہریلے پراپیگنڈا کا اثر

خواجہ صاحب اپنے دوستوں کے کثیر مجمع کے ساتھ پورے جوش و خروش کے ساتھ قادیان میں وارد ہوئے اور لوگوں میں برابر اشتعال پھیلاتے رہے۔ کہ اگر اس وقت قدم پھسل گئے تو جماعت تباہ ہو جائے گی خواجہ صاحب اور ان کے رفقاء کی ایک میٹنگ مولوی محمد علی صاحب کے کمرہ میں بھی ہوئی جس میں اول شیخ یعقوب علی صاحب کے مکان والے جلسہ کی روئداد سنائی گئی [۵۴] جس میں یہ بتایا گیا کہ جلسہ اس اتفاق پر ختم ہوا کہ ہمیں خود کوئی فیصلہ نہ کرنا چاہئے۔ کل خلیفۃ المسیح اس بارے میں جو فیصلہ فرمائیں اس پر کاربند ہونا چاہئے۔ اس پر خواجہ صاحب کے بعض رفقاء نے کہا کہ ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ خدا نے ہمیں جمہوریت پسند خلیفہ دیا ہے جس کی نسبت ہمیں یقین ہے کہ وہ کبھی یہ فیصلہ نہیں کرے گا۔ خلیفہ حاکم اور انجمن اس کے ماتحت ہے مگر مولوی محمد علی صاحب نے کہا کہ اگر مولوی صاحب نے انجمن کے تابع و محکوم ہونے کا فیصلہ کیا۔ تو میں کام چھوڑ کر لاہور جاکر بیٹھ جاؤں گا۔ [۵۵]

شیخ رحمت اللہ صاحب کا جوش اس دن خاص طور پر بڑھا ہوا تھا جو شخص بھی ان کی رائے کے خلاف رکھنے والا ان کو ملا اس کو سخت سست کہتے رہے حضرت نانا جان میر ناصر نواب صاحب کو (جنکو قبلہ کہا جاتا تھا) تو انہوں نے گندی گالیاں دیں اور اگر وہ الدار میں تشریف نہ لے جاتے تو شاید زدوکوب تک نوبت جا پہنچتی۔ [۵۶]

خواجہ صاحب اور ان کے پراپیگنڈے کے نتیجہ میں قادیان میں بہت اشتعال پھیل گیا تھا اور انجمن کے حامیوں میں سے بعض لوگ صاف کہتے تھے کہ اگر مولوی صاحب (خلیفہ اول) نے خلاف فیصلہ کیا تو ان کو اسی وقت خلافت سے علیحدہ کر دیا جائے گا بعض خاموشی سے خدا تعالیٰ کے فیصلہ کے منتظر تھے۔ بعض بالمقابل خلافت کی تائید میں جوش دکھا رہے تھے اور خلافت کے قیام کے لئے ہر ایک قربانی پر آمادہ تھے۔ [۵۷] مولوی محمد علی صاحب نے اس جوش و خروش کے مظاہرہ کی بابت لکھا ہے کہ "قبل اس کے

کہ حضرت مولوی صاحب تقریر کریں ہم چند دوست جو ایک خیال کے تھے۔ یہ اتفاق کر چکے تھے کہ حضرت مولوی صاحب جو کچھ فیصلہ کریں ہم اس کو مان لیں گے سوائے اس کے کہ انجمن کو ہی توڑ دیا جائے یا حضرت صاحب کی اس کھلی اور واضح تحریر کو کہ جو کچھ فیصلہ انجمن کثرت رائے سے کرے وہی ماننا چاہئے رد کیا جائے۔ جس صورت میں ہم چند احباب علیحدہ ہو جائیں گے"۔ ۵۸

حضرت خلیفہ اول کے نام انجمن کے ایک دلدادہ کا خط

ممبران انجمن نے اپنے جلسہ کی تقریروں سے جماعت کے ذہنوں میں کس طرح خلافت کے خلاف بارود سا بھر دیا تھا اس کا اندازہ ایک خط سے ہوتا ہے جو اس دوران میں تحصیل چکوال ضلع جہلم کے ایک نام نہاد احمدی اور انجمن کے مرید۔۔۔ حکیم غلام محی الدین۔۔۔ کا حضرت خلیفہ اول کے نام آیا۔ اس شخص نے لکھا۔۔ "اس وقت جو حالات واقعات ممبران انجمن احمدیہ اور حضرت خلیفہ صاحب کے درمیان پیش آرہے ہیں ان کا مجرم کون ہے۔ کیا حضرت خلیفہ صاحب یا کہ بعض ممبران انجمن۔ دونوں میں سے جو ہو مسیح موعودؑ کے وصیت کے خلاف کر رہے ہیں بہتر ہے کہ تنازعات اور خواہشات نفسانی کو چھوڑ کر اس نزاع کو درمیان سے اٹھا دیا جائے۔۔۔۔۔۔۔۔ مسیح موعود نے اپنے تمام معاملات ایک انجمن شوریٰ کے ہاتھ میں دے دئے اس میں نہ ذات خلیفہ صاحب کو بہ حیثیت خلافت دخل ہے اور نہ ہی خاندان امامت کو۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے تو صرف انجمن شوریٰ کو۔ جب اس انجمن شوریٰ کی حالت میں پریذیڈنٹ حضرت خلیفہ صاحب ہی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ میں نے سنا ہے کہ اب دعاؤں پر بہت زور دیا جا رہا ہے مگر جو باتیں اور مشکلات قبولیت دعا سے پہلے حل ہو سکتی ہیں ان کی طرف توجہ فرمائی جاوے جب تک خود پسندی کارکنان انجمن شوریٰ میں ہے۔ تب تک مسیح موعود کے سلسلہ کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ حضرت آپ بہ حیثیت پریذیڈنٹ ان تمام واقعات کو انجمن شوریٰ میں پیش کرا کر فیصلہ فرما دیں اور جس کا قصور ہو یا یہ کہ جو مجرم قرار دیا جاوے کہ مسیح موعود کے کاموں سے علیحدہ کیا جاوے میں نے سیکرٹری صاحب صدر انجمن سے بھی خط و کتابت کی ہے اور آج جناب کو اس کی طرف متوجہ کیا ہے"۔ ۵۹

۳۱/ جنوری ۱۹۰۹ء کا یوم الفرقان

الغرض جماعت احمدیہ کے دو اڑھائی سو نمائندے جن کو حضرت خلیفۃ المسیح اول نے مشورہ کے لئے بلایا تھا ۳۰/ جنوری کی رات تک پہنچ گئے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی لکھتے ہیں۔ "یہ رات عجیب رات تھی کہ بہتوں نے قریباً جاگتے ہوئے یہ رات کاٹی اور قریباً سب کے سب تہجد کے وقت سے مسجد مبارک میں جمع ہو گئے تاکہ دعا کریں اور اللہ تعالیٰ سے مدد چاہیں اور اس دن

اس قدر دردمندانہ دعائیں کی گئیں کہ میں یقین کرتا ہوں کہ فرش عظیم ان سے ہل گیا ہوگا سوائے گریہ وبکا کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا......... اور خدا کے سوا کوئی ناخدا نظر نہ آتا تھا"۔ [۶۰]

آخر فجر کی اذان ہوئی لوگ سنتیں ادا کر کے حضرت خلیفہ اول کی انتظار میں بیٹھے تھے کہ خواجہ صاحب اور ان کے ساتھیوں نے لوگوں کو خلافت کے مقابل انجمن کی بالادستی اور حاکمیت کا سبق پڑھانا شروع کیا حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اس وقت بیت الفکر کے متصل دالان میں نماز کے انتظار میں ٹہل رہے تھے کہ آپ کو مسجد سے لوگوں کی اونچی اونچی آوازیں آنی شروع ہو گئیں۔ جیسے کسی بات پر وہ جھگڑ رہے ہوں۔ اسی دوران میں آپ کے کان میں شیخ رحمت اللہ صاحب کی یہ بلند آواز آئی کہ ہم کسی بچہ کی بیعت کس طرح کر لیں۔ ایک بچہ کے لئے جماعت میں فتنہ پیدا کیا جارہا ہے اور لوگ چاہتے ہیں کہ اسے خلیفہ بنا کر جماعت کو تباہ کر دیں۔ آپ یہ سن کر سخت حیران ہوئے کہ یہ بچے کا ذکر کیا شروع ہو گیا ہے۔ اور وہ کون سا بچہ ہے جسے لوگ خلیفہ بنانا چاہتے ہیں؟ اس کے متعلق بعد میں آپ کو حضرت خلیفہ اول ہی سے معلوم ہوا کہ بچہ سے ان کی کیا مراد ہے اور وہ اس طرح کہ اس روز صبح کی نماز کے بعد آپ بعض باتیں لکھ کر حضرت کے پاس گئے اور دوران گفتگو میں شیخ صاحب کا بھی ذکر کیا کہ وہ یہ کہہ رہے تھے نہ معلوم یہ بچہ کون ہے حضرت خلیفہ اول آپ کی بات سن کر مسکرائے اور فرمایا تمہیں معلوم نہیں وہ بچہ کون ہے وہ تمہی تو ہو۔ [۶۱]

المختصر کچھ دیر انتظار کے بعد حضرت خلیفہ اول نماز پڑھانے کے لئے مسجد مبارک میں تشریف لے آئے بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ صبح کی نماز سے قبل آپ کو الہاماً سورہ بروج کے پڑھنے کا حکم دیا گیا اور بتایا گیا کہ اس کے پڑھنے سے اکثر لوگوں کے دل نرم ہو جائیں گے۔ [۶۲] چنانچہ اس کے مطابق آپ نے اس سورۃ کی تلاوت فرمائی اور اگرچہ شروع سے لے کر آخر تک ساری ہی نماز سوز و گداز عجز و نیاز گریہ وبکا اور تضرع و خشوع خضوع کا دردناک نمونہ تھی [۶۳] مگر جب آپ اس آیت پر پہنچے کہ **ان الذین فتنوا المومنین و المومنت ثم لم یتوبوا فلھم عذاب جھنم ولھم عذاب الحریق۔** [۶۴] تو مسجد گویا ماتم کدہ میں بدل گئی۔ خود حضرت خلیفہ اول کی آواز بھی شدت گریہ سے رک گئی۔ اس کے بعد آپ نے دوبارہ جو یہ آیت دوہرائی تو تمام جماعت رقت سے نیم بسمل سی ہو گئی۔ اور چند سنگدل لوگوں کے سوا سب کے دل کثافتوں سے دھل گئے اور ان میں خشیت اور تقوی اللہ کا نور چھا گیا۔ یہ ایک آسمانی نشان تھا۔ جو خلافت کی تائید غیبی کے لئے ظاہر ہوا۔ [۶۵]

حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی کا بیان ہے کہ "جب آپ آیت قرآنی ان الذین فتنوا المومنین الخ پر پہنچے تو آپ کی آواز بھی نہ صرف یہ کہ درد و کرب سے بھرائی ہوئی نکلتی تھی بلکہ

چیخیں نکل جاتی تھیں۔ آپ نے اس آیت کو دو ہرایا۔ اور پھر تیسری بار پڑھا وہ سماں آج بھی یاد آکر دل پگھلا دیتا اور رنج گلو گیر بن جاتا ہے۔ مسجد آہ و نالہ اور فغاں سے گویا ماتم کدہ بن رہی تھی۔ لوگ بلبلا کر سسکیاں لیتے اور دعائیں کرتے تھے۔ سجدہ گاہیں آنکھ کے پانی سے تر اور روتے روتے لوگوں کی گھگھیاں بندھ گئی تھیں۔ یہ نماز اپنی کیفیت کے لحاظ سے خاص ہی نماز تھی جو کہ شاذ ہی کبھی اللہ کے فضل سے میسر آیا کرتی ہے۔ [۶۶]

نماز سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اب کسی دل میں خلافت کے خلاف کوئی منصوبہ باقی نہیں رہ سکتا مگر جونہی حضرت خلیفہ اول نماز کے بعد گھر تشریف لے گئے تو بعض عمائد انجمن نے یہ لیکچر شروع کر دیا کہ اب مولوی صاحب کوئی اور تقریر نہیں فرمائیں گے۔ جس کی نسبت آپ نے آج کا وعدہ اور اعلان فرمایا ہوا تھا۔ اسی تقریر کے قائم مقام یہی آیتیں ہیں جو آپ نے نماز میں پڑھی ہیں اور ان کو پڑھ کر آپ نے ہم کو یہ وعظ فرمایا ہے کہ مومنوں کا اس امر پر اتفاق تھا کہ انجمن حضرت مسیح موعود کی جانشین ہے اور سب جماعت اور خلیفہ پر حاکم ہے۔ مگر بعض شریروں نے اس کے خلاف بات چھیڑ کر مومنوں میں تفرقہ اور فتنہ ڈال دیا۔ پس مولوی صاحب نے جو وعظ کرنا تھا وہ کر دیا ہے اب اور کوئی تقریر نہ ہو گی۔ تم کو چاہئے کہ اسی بات پر جم جاؤ اور کسی شریر کے کہنے پر نہ جاؤ۔ [۶۷]

مگر نماز کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کو شرح صدر عطا ہو چکا تھا۔ اس لئے اکثر لوگوں نے اس پراپیگنڈا کو سخت نفرت و حیرت سے دیکھا اور ان پر ان کا جادو کچھ اثر نہ کر سکا۔ اسی دوران میں حضرت خلیفۃ المسیح اول کی طرف سے مسجد مبارک کی چھت پر جمع ہونے کا حکم ملا عین اس وقت ڈاکٹر مرزا یعقوب صاحب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) کے پاس آئے اور کہا آپ مولوی صاحب سے جا کر کہیں کہ اب فتنہ کا کوئی خطرہ نہیں رہا۔ کیونکہ سب لوگوں کو بتا دیا گیا ہے کہ انجمن ہی حضرت مسیح موعود کی جانشین ہے آپ تو یہ بات سن کر خاموش ہو گئے مگر وہ خود حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں پہنچ گئے اور جاتے ہی عرض کیا۔ مبارک ہو سب لوگوں کو سمجھا دیا گیا ہے کہ انجمن ہی جانشین ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کون سی انجمن؟ جس انجمن کو تم جانشین قرار دیتے ہو وہ تو خود بموجب قواعد کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ جواب سن کر خواجہ صاحب اور ان کے رفقاء کو پہلی دفعہ یہ احساس ہوا کہ معاملہ ویسا آسان نہیں جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں ورنہ قبل ازیں وہ عموماً یہی سمجھتے تھے کہ انہی کی رائے کے مطابق فیصلہ دیا جائے گا۔ چنانچہ ان میں سے بعض جو حضرت خلیفہ اول کی نیکی کے قائل تھے عام طور پر لکھتے تھے کہ خدا کا شکر ہے کہ ایسے بے نفس آدمی کے وقت میں یہ سوال پیدا ہوا ہے ورنہ اگر ان کے بعد ہوتا تو نہ معلوم کیا فساد کھڑا ہوتا۔ [۶۸]

الغرض حضرت خلیفتہ المسیح اول چھت پر تشریف لائے۔ آپ کے لئے مسجد کے وسط میں ایک جگہ تیار کی گئی تھی۔ مگر آپ نے وہاں کھڑے ہونے سے بالکل انکار کر دیا۔ اور شرقی جانب اس حصہ مسجد میں کھڑے ہو گئے جسے حضرت مسیح موعودؑ نے خود تعمیر کروایا تھا۔ [۶۹] اس موقعہ پر قریباً اڑھائی سو کا مجمع تھا۔ جس میں اکثریت احمدیہ جماعتوں کے نمائندوں کی تھی۔ [۷۰]

اس جلسہ کا نظارہ حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ بذریعہ رویا پہلے ہی دیکھ چکے تھے اور دراصل یہی رویا سنانے کے لئے آپ صبح کے وقت حضرت خلیفہ اول کے پاس گئے تھے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

"میں نے رویا میں دیکھا کہ مسجد میں جلسہ ہو رہا ہے اور حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ تقریر فرما رہے ہیں مگر آپ اس حصہ مسجد میں کھڑے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے بنوایا تھا۔ اس حصہ مسجد میں کھڑے نہیں ہوئے جو بعد میں جماعت کے چندہ سے بنوایا گیا تھا۔ آپ تقریر مسئلہ خلافت پر فرما رہے تھے اور میں آپ کے دائیں طرف بیٹھا ہوں۔ آپ کی تقریر کے دوران میں خواب میں ہی مجھے رقت آ گئی اور بعد میں کھڑے ہو کر میں نے بھی تقریر کی۔ جس کا خلاصہ قریباً اس رنگ کا تھا کہ آپ پر لوگوں نے اعتراض کر کے آپ کو سخت دکھ دیا ہے مگر آپ یقین رکھیں کہ ہم نے آپ کی سچے دل سے بیعت کی ہوئی ہے اور ہم آپ کے ہمیشہ وفادار رہیں گے پھر خواب میں ہی مجھے انصار کا واقعہ یاد آ گیا۔ جب ان میں سے ایک انصاری نے کھڑے ہو کر کہا تھا کہ یا رسول اللہ ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکے گا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ آوے اسی رنگ میں میں بھی کہتا ہوں کہ ہم آپ کے وفادار ہیں اور لوگ خواہ کتنی بھی مخالفت کریں ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے۔ اور دشمن آپ کے پاس اس وقت تک نہیں پہنچ سکے گا۔ جب تک وہ ہم پر حملہ کر کے پہلے ہمیں ہلاک نہ کر لے قریباً اسی قسم کا مضمون تھا جو رویا میں میں نے اپنی تقریر میں بیان کیا مگر عجیب بات یہ ہے کہ جب حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ تقریر کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو اس وقت میرے ذہن میں سے یہ رویا بالکل نکل گیا اور بجائے دائیں طرف بیٹھنے کے بائیں طرف بیٹھ گیا۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے جب مجھے اپنے بائیں طرف بیٹھے دیکھا تو فرمایا۔ میرے دائیں طرف آ بیٹھو۔ پھر خود ہی فرمانے لگے تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہیں دائیں طرف کیوں بٹھایا ہے۔ میں نے کہا مجھے تو معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں اپنی خواب یاد نہیں رہی۔ تم نے خود ہی خواب میں اپنے آپ کو میرے دائیں طرف دیکھا تھا"۔ [۷۱]

حضرت خلیفہ اول کی جلالی تقریر

بہرحال حضرت خلیفہ اول ؓ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا۔ "تم نے اپنے عمل سے مجھے اتنا دکھ دیا ہے کہ میں اس حصہ مسجد میں بھی کھڑا نہیں ہوا جو تم لوگوں کا بنایا ہوا ہے بلکہ میں اپنے میرزا کی مسجد میں کھڑا ہوا ہوں۔ نیز فرمایا۔ میرا فیصلہ ہے کہ قوم اور انجمن دونوں کا خلیفہ مطاع ہے اور یہ دونوں خادم ہیں انجمن مشیر ہے اس کا رکھنا خلیفہ کے لئے ضروری ہے"۔ اسی طرح فرمایا۔ جس نے یہ لکھا ہے کہ خلیفہ کا کام بیعت لینا ہے اصل حاکم انجمن ہے وہ توبہ کرے خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ اگر اس جماعت میں سے کوئی تجھے چھوڑ کر مرتد ہو جائے گا تو میں اس کے بدلے تجھے ایک جماعت دوں گا۔

لوگوں نے حضرت خلیفہ اول ؓ کے جب یہ خیالات معلوم کئے تو گو جماعت کے بہت سے لوگ ان کے ہم خیال بن کر آئے ہوئے تھے مگر ان پر اپنی غلطی واضح ہو گئی اور انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ چنانچہ جو لوگ اس جلسہ کے حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ مجلس اس وقت ایسی معلوم ہوتی تھی۔ جیسے شیعوں کے مرثیہ کی مجالس ہوتی ہیں اس وقت لوگ اتنے کرب اور اتنے درد سے رو رہے تھے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ مسجد ماتم کدہ بنی ہوئی ہے اور بعض تو زمین پر لیٹ کر تڑپنے لگ گئے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ کا کام صرف نماز پڑھانا یا جنازہ یا نکاح پڑھا دینا اور یا پھر بیعت لے لینا ہے۔ یہ کام تو ایک ملا بھی کر سکتا ہے۔ اس لئے کسی خلیفہ کی ضرورت نہیں۔ اور میں اس قسم کی بیعت پر تھوکتا بھی نہیں۔ بیعت وہی ہے جس میں کامل اطاعت کی جائے اور جس میں خلیفہ کے کسی ایک حکم سے بھی انحراف نہ کیا جائے۔ آپ کی اس تقریر کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کے دل صاف ہو گئے اور ان پر واضح ہو گیا کہ خلیفہ کی کیا اہمیت ہے۔

دوبارہ بیعت کا ارشاد

تقریر کے بعد آپ نے خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کو کہا کہ وہ دوبارہ بیعت کریں۔ اسی طرح آپ نے فرمایا۔ میں ان لوگوں کے طریق کو بھی پسند نہیں کرتا جنہوں نے خلافت کے قیام کی تائید میں جلسہ کیا ہے اور فرمایا جب ہم نے لوگوں کو جمع کیا تھا تو ان کا کوئی حق نہ تھا کہ وہ الگ جلسہ کرتے ہم نے ان کو اس کام پر مقرر نہیں کیا تھا۔ اور پھر جبکہ خدا تعالیٰ نے مجھے یہ طاقت دی ہے کہ میں اس فتنہ کو مٹا سکوں تو انہوں نے یہ کام خود بخود کیوں کیا۔ چنانچہ شیخ یعقوب علی صاحب تراب سے بھی جو اس جلسہ کے بانی تھے .... آپ نے فرمایا۔ کہ آپ دوبارہ بیعت کریں۔ چنانچہ خواجہ کمال الدین صاحب مولوی محمد علی صاحب اور شیخ یعقوب علی صاحب سے دوبارہ بیعت لی گئی۔ حضرت سیدنا محمود نے اس وقت یہ سمجھ کر کہ یہ عام بیعت ہے اپنا ہاتھ بھی بیعت کے لئے بڑھا دیا مگر حضرت خلیفہ اول ؓ نے آپ کے ہاتھ کو پرے کر دیا اور فرمایا یہ

بات تمہارے متعلق نہیں۔ ۷۲

خواجہ صاحب کا اقرار

خواجہ کمال الدین صاحب نے بیعت کے وقت (جسے بعد میں انہوں نے بیعت ارشاد سے موسوم کر لیا ۷۳) صاف لفظوں میں یہ اقرار کیا کہ "میں آپ کا حکم بھی مانوں گا اور آنے والے خلیفوں کا حکم بھی مانوں گا"۔ ۷۴

بیعت کے بعد مولوی محمد علی صاحب کا ایمان سوز مظاہرہ

خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب نے اس وقت بیعت اطاعت تو کر لی مگر یہ بیعت ہی بالخصوص مولوی محمد علی صاحب کے دل میں حضرت خلیفہ اولؓ کے خلاف بغض و عناد اور عداوت و دشمنی کے شراروں کو اور زیادہ بھڑکانے کا موجب بن گئی۔ ۷۵ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب اپنے اس اندرونی غیظ و غضب کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "حضرت مولوی صاحب نے ہمیں یہ کہا کہ تمہیں میری اطاعت کرنی ہو گی اور میری زندگی میں اس سوال کو نہ اٹھانا ہو گا۔ اگر چاہو تو اس کے متعلق مشورہ کر کے مجھے جواب دو تو ہم نے فوراً یہ کہا کہ کسی مشورہ کی ضرورت اس کے لئے نہیں۔ اور آپ بیعت کا حکم دیتے ہیں تو ہم بیعت بھی کرتے ہیں۔ بایں ہمہ مجھے رنج ضرور تھا۔ اس لئے کہ حضرت مولوی صاحب نے ہماری تحریروں پر اعتماد کیا اور جو کچھ ہمارے خلاف ان کے کان بھرے گئے اسے ایک حد تک درست سمجھ کر ہمیں ان لوگوں میں شامل کیا جو فتنہ کے اصل موجد تھے کیونکہ دوبارہ بیعت لینے سے یہ ضرور ظاہر ہوتا تھا کہ ہم چاروں نے گویا اس فتنہ کو اٹھایا ہے حالانکہ اس کو اٹھانے والے میر محمد اسحاق اور شیخ یعقوب علی اور دیگر اہل بیت تھے۔ اور اس طرح فتنہ پردازوں میں شامل کئے جانے کو اپنی ذلت بھی ضرور سمجھا۔ اور ایک بے گناہ کو لازماً رنج ہوتا ہے۔ جب اسے گناہ گاروں میں شامل کیا جائے اسی رنج کا اظہار میں نے اپنے خاص احباب سے بھی کیا"۔ ۷۶

اس کا اظہار کس رنگ میں کیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ مسجد کی چھت سے اترتے ہی انہوں نے خواجہ صاحب سے کہا کہ آج ہماری سخت ہتک کی گئی ہے۔ میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ہمیں مجلس میں جوتیاں ماری گئی ہیں۔ ۷۷ اور اپنے کمرہ میں آکر خواجہ کمال الدین صاحب کو بھی ملامت کی کہ تم نے ہی پہلے خلیفہ بنانے کی کوشش کی۔ پھر تم نے ہمیں ذلیل کرایا اور بیعت کرائی۔ خواجہ صاحب قریباً ایک ہفتہ تک مولوی محمد علی صاحب کے پاس رہے اور ان کے سمجھانے کی کوشش کرتے رہے مگر ان کا جوش بڑھتا ہی گیا۔ ۷۸

حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم اس وقت ان لوگوں سے خاص تعلق رکھتے تھے اور

مولوی محمد علی صاحب کو جماعت کا ایک بہت بڑا ستون سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے پاس اس قدر گھبرائے ہوئے آئے کہ گویا آسمان ٹوٹ پڑا ہے اور آتے ہی سخت گھبراہٹ کی حالت میں حضرت خلیفہ اولؓ سے کہا کہ بڑی خطرناک بات ہو گئی ہے آپ جلدی کوئی فکر کریں۔ حضرت خلیفہ اولؓ نے فرمایا۔ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا مولوی محمد علی صاحب کہہ رہے ہیں کہ میری یہاں سخت ہتک ہوئی ہے۔ میں اب قادیان میں نہیں رہ سکتا۔ آپ جلدی سے کسی طرح ان کو منوالیں ایسا نہ ہو کہ وہ قادیان سے چلے جائیں۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب میری طرف سے مولوی محمد علی صاحب کو جا کر کہہ دیں کہ اگر انہوں نے کل جانا ہے تو آج ہی قادیان سے تشریف لے جائیں۔ ڈاکٹر صاحب جو سمجھتے تھے کہ مولوی محمد علی صاحب کے جانے سے نہ معلوم کیا ہو جائے گا آسمان مل جائے گا یا زمین لرز جائے گی انہوں نے جب یہ جواب سنا تو ان کے ہوش اڑ گئے اور انہوں نے کہا۔ میرے نزدیک تو پھر بہت بڑا فتنہ ہو گا۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب! میں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا۔ اگر فتنہ ہو گا تو میرے لئے ہو گا۔ آپ کیوں گھبراتے ہیں۔ آپ انہیں کہہ دیں۔ کہ وہ قادیان سے جانا چاہتے ہیں تو کل کی بجائے آج ہی چلے جائیں۔ غرض اسی طرح یہ فتنہ بڑھتا چلا گیا۔ ۷۹

یہ فتنہ کس پاک شخصیت کے خلاف تھا

یہ تمام تر فتنہ اور ہنگامہ آرائی اس مقدس اور خدانما وجود کے خلاف تھی جس کے بارے میں مولوی محمد علی صاحب کو بظاہر یہ مسلم تھا۔ "خواہ ہم نے اس کی بیعت بھی نہ کی ہوتی مگر الٰہی منشاء نے سلسلہ کی مزید تقویت کے لئے سب دلوں میں حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر یہ ڈال دیا کہ اس پاک اور بے نفس وجود سے جو نور الدین کی شکل میں تم میں موجود ہے وہی روحانی تعلق پیدا کرو اس لئے اس کا انتخاب چالیس نے نہیں کیا بلکہ کل قوم کی گردنیں الٰہی ارادہ سے اس کے آگے جھک گئیں اور قریب ڈیڑھ ہزار کے آدمیوں نے ایک ہی وقت بیعت کی۔ اور ایک بھی متنفس باقی نہ رہا۔ کیا مرد اور کیا عورتیں۔ پس یہ تو میرے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ ہی گویا بڑھایا گیا ہے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح کی یہ تعریف میں نہیں کرتا۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کی ہے اور اس کو اس سلسلہ میں وہ امتیاز دیا ہے جو اور کسی کو حاصل نہ تھا۔ اور نہ ہے"۔ (آگے آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۸۴ سے وہ عبارت دی ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح اول کی تعریف میں ہے)...... میں نے صرف چند لفظ یہاں نقل کئے ہیں۔ ورنہ آٹھ صفحے حضرت خلیفۃ المسیح کی تعریف سے بھرے ہوئے ہیں جو تمام اسی مضمون کے ہیں کہ "وہ نبوت کے نور سے روشن ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے نور حاصل کرتا ہے وہ

تمام نیکیوں اور پاکوں کا فخر اور سب مومنوں کا فخر ہے۔ اپنے علم اور عمل اور نیکی اور صدقات میں زمانہ میں یگانہ ہے وہ دین کے خادموں کا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بقاء سے اسلام اور مسلمانوں کی تائید کرے گا (جس سے صاف خلافت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے) وہ ہر امر میں میری اسی طرح پیروی کرتا ہے جس طرح نبض کی حرکت تنفس کی حرکت کی پیروی کرتی ہے اور میری رضا میں وہ فانی ہے اور آخر پر لکھا ہے کہ یہ میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے ایما اور اس کے القاء سے لکھا ہے"۔ ۸۰

حضرت خلیفہ اول کے صریح حکم کی خلاف ورزی

حضرت خلیفہ اول نے اپنے فیصلہ کے بعد حکم دیا کہ جو میرے پاس انجمن و خلیفہ سے متعلق تحریرات پہنچی ہیں وہ میں نے سب کی سب جلا دی ہیں اگر تم میں سے کسی کے پاس کوئی تحریر اس کے متعلق ہو تو تم بھی تلف کر دو۔ مولوی محمد علی صاحب نے یہ حکم سنا مگر عمداً خلاف ورزی کی۔ ۸۱ اور نہ صرف یہ سوالات و جوابات اپنے پاس محفوظ رکھے بلکہ اپنی کتاب "حقیقت اختلاف" میں ان کو شائع بھی کر دیا۔

خلیفہ کی بجائے پریذیڈنٹ کے لفظ کا استعمال

مولوی محمد علی صاحب کے مقابل خواجہ کمال الدین صاحب موقعہ شناس آدمی تھے انہوں نے یہ رنگ اختیار کیا کہ خلافت کے متعلق عام مجالس میں تذکرہ ہی چھوڑ دیا اور چاہا کہ اب یہ معاملہ دبا ہی رہے تا جماعت کے افراد آئندہ ریشہ دوانیوں کا اثر قبول کرنے کے قابل رہیں مگر اس کے ساتھ ہی مجموعی طور پر یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ صدر انجمن کے معاملات میں جہاں حضرت خلیفتہ المسیح اول کے کسی حکم کی تعمیل کرنی پڑتی وہاں یہ لکھتے کہ میر مجلس (یعنی پریذیڈنٹ) صاحب نے اس معاملہ میں یوں سفارش کی ہے۔ جس سے یہ غرض تھی کہ صدر انجمن احمدیہ کے ریکارڈ سے یہ ثابت نہ ہو کہ خلیفہ کبھی انجمن کا حاکم رہا ہے۔ ۸۲ جس پر حضرت خلیفہ اولؓ نے ۲/ دسمبر ۱۹۱۰ء سے اپنی بجائے حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کو میر مجلس بنا دیا۔ ۸۳ چنانچہ اخبار الحکم نے لکھا۔ "حضرت خلیفتہ المسیح چونکہ صدر انجمن اور سلسلہ کے مطاع اور امام مفترض الطاعۃ تھے نہ کہ میر مجلس اس لئے آئندہ میر مجلس کے عہدہ پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب حضرت کے قائم مقام مقرر ہوئے۔ ۸۴

بھیرہ کی حویلی کا واقعہ اور منکرین خلافت کی شورش

یہ مخالفت اندر ہی اندر بڑھتی جا رہی تھی۔ کہ اگست ۱۹۰۹ء میں حکیم فضل الدین صاحب بھیروی کی انجمن کے نام ہبہ شدہ حویلی کی فروخت کا واقعہ پیش آگیا۔

جس کے نتیجہ میں مولوی محمد علی صاحب اور ان کے دوسرے رفقاء اپنی پوری قوت کے ساتھ دوبارہ خلیفہ وقت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور عزل خلافت کے منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک دفعہ پھر شورش برپا کر دی حتی کہ خود حضرت خلیفہ اول کو کہنا پڑا کہ میں تو سمجھا تھا کہ فتنہ مرچکا ہے مگر اس نے اب پھر سر اٹھالیا ہے لہٰذا دعا کرو کہ خدا تعالیٰ اس کا سر کچل دے۔ ۸۵

بات یہ ہوئی کہ حضرت حکیم فضل الدین صاحب بھیروی نے اپنی بھیرہ کی جائداد انجمن کے نام ہبہ کر دی تھی اس جائداد میں ایک حویلی بھی تھی۔ انجمن اس حویلی کو فروخت کرنا چاہتی تھی۔ بھیرہ کے ایک شیعہ سید زمان شاہ صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح اول کی خدمت میں درخواست دی کہ یہ حویلی حکیم صاحب کو ہم نے ہی اپنے بعض سخت مشکلات کی وجہ سے بہت سستے داموں فروخت کی تھی اس لئے یہ کسی قدر رعایت سے ساڑھے چار ہزار روپیہ میں ہم کو ہی دے دی جائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول نے سید زمان شاہ صاحب کی یہ درخواست منظور فرمالی اور انجمن کو سفارش فرمائی کہ یہ مکان اسی رعایتی قیمت سے اس کے پاس فروخت کر دیا جائے۔ مولوی محمد علی صاحب نے تین ماہ کی مہلت پر اس سے فیصلہ ٹھہرایا اور معاملہ کمیٹی میں پیش ہوا۔ حضرت خلیفہ اول کمیٹی میں موجود تھے۔ جب اس معاملہ پر بیرونی آراء دیکھی گئیں۔ تو ایک شخص کی رائے یہ تھی کہ یہ مکان بارہ ہزار کا ہے۔ قوم کا روپیہ اس طرح کیوں غارت کیا جاتا ہے۔ حضرت خلیفہ اول نے فرمایا اس شخص نے نہایت گستاخی سے کام لیا ہے میں نے سفارش کی ہے اور انہوں نے میری بیعت کی ہوئی ہے اگر مکان اس قیمت پر بکتا تھا تو اب تک کیوں نہ بیچ لیا۔ اس لئے میں اب اس معاملہ پر رائے نہیں دیتا اور یہ کہہ کر آپ اٹھ کر چلے گئے اور انجمن نے ۵/ اگست ۱۹۰۹ء کو یہ فیصلہ کیا کہ اگر سید زمان شاہ پندرہ یوم کے اندر اندر سارا روپیہ قیمت حویلی ادا کر کے بیع نامہ رجسٹری کرائے تو بیع کل مکان کی بعوض چار ہزار پانچ سو روپیہ منظور ہے ورنہ حویلی نیلام کی جائے گی اور جو سب سے بڑھ کر بولی ہو اس کے نام بشرط منظوری کمیٹی بیع کی جاوے۔ ۸۶

اس فیصلہ کے بعد سید زمان شاہ ساڑھے تین ہزار روپیہ اور پانچ سو روپیہ کی ایک ہنڈی لائے اور حضرت خلیفہ اولؓ سے عرض کی کہ یہ لے لیا جائے باقی روپیہ میں جلدی لاتا ہوں ابھی مقررہ تاریخ سے کچھ دن باقی تھے کہ حضرت خلیفہ اول نے فرمایا کہ ہنڈی تو شاید وہ لوگ نہ لیں۔ تم جا کر روپیہ ہی لے آؤ اگر کچھ دن زیادہ بھی ہو گئے تو کچھ حرج نہیں چنانچہ حضرت صاحبزادہ صاحب کی موجودگی میں حضرت خلیفہ اول نے مولوی محمد علی صاحب سے کہا۔ کہ میں نے سید زمان شاہ سے یہ بات کہی ہے جس پر مولوی محمد علی صاحب نے کہا کہ جب ساڑھے تین ہزار روپیہ وہ دے گیا ہے۔ تو پھر دس پندرہ دن کی مہلت بھی اس کو دے سکتے ہیں الحمختصر سید زمان اصل معیاد کے بعد آئے پانچ سو روپیہ اور دے کر کہا کہ

باقی پانچ سو بھی لاتا ہوں۔ نیز انجمن میں درخواست دی کہ یکصد روپیہ بیعانہ دیتے وقت جو میعاد قیمت حویلی کی ادائیگی کے لئے مقرر کی گئی تھی یعنی تین ماہ کی وہ بحال کی جاوے اور ریزولیوشن نمبر ۹۹۹ میں جو پندرہ روزہ معیاد مقرر کی گئی ہے۔ وہ منسوخ کی جاوے۔ ۸۷

اس درخواست کے بعد ۲۶/ ستمبر ۱۹۰۹ء کو انجمن کا اجلاس ہوا۔ چونکہ قبل ازیں انجمن کے بعض ممبر بار بار لکھ رہے تھے کہ قوم کا روپیہ تباہ کیا گیا ہے۔ اس لئے حضرت خلیفہ اول نے بھی ناراضگی میں ان کو لکھ دیا کہ اگر ایسا ہی ہے تو اب مدت گزر چکی ہے تم یہ فیصلہ موقوف کر دو۔ اتنے میں حکیم فضل الدین صاحب کا ایک عزیز آیا اور اس نے کہا کہ یہ دونوں چیزیں یعنی حویلی اور زمین ہمارے حوالہ کر دو۔ اور دونوں چیزوں کی قیمت گیارہ ہزار پڑی۔ اجلاس میں معاملہ پیش ہوا۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے کہا کہ ہم لوگ خدا کے حضور جوابدہ ہیں اور ٹرسٹی ہیں اور حضرت صاحبزادہ صاحب سے پوچھا ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ آپ نے فرمایا کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح اول فرماتے ہیں کہ اس شخص کو رعایت کریں تو ہمیں بھی اس کی رعایت کرنی چاہئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس پر کہا کہ حضرت نے تو اجازت دے دی ہے جب خط سنایا گیا تو آپ کو اس سے صاف ناراضگی کے آثار معلوم ہوئے اور آپ نے کہا کہ یہ خط تو ناراضگی پر دلالت کرتا ہے نہ کہ اجازت پر اس پر ڈاکٹر صاحب نے ایک لمبی تقریر کی جس میں خشیۃ اللہ اور تقوی اللہ کی آپ کو تاکید کرتے رہے آپ نے بار بار یہی جواب دیا کہ آپ جو چاہیں کریں میرے نزدیک تو یہی رائے درست ہے چونکہ باقی سارے ممبران کے ہم نوا تھے اس لئے کثرت رائے سے اپنی منشاء کے مطابق فیصلہ کیا جس کے مختصرا الفاظ یہ تھے کہ درخواست سید زمان شاہ برائے توسیع میعاد نامنظور ہے پندرہ یوم کی معیاد ان کو دی گئی تھی انہوں نے حسب منشاء فیصلہ انجمن روپیہ دے کر رجسٹری نہیں کرائی۔ سید زمان شاہ کا روپیہ واپس دیا جائے۔ ۸۸ ازاں بعد ممبران انجمن حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں پہنچے۔ اور بتایا کہ یہ فیصلہ سب کے مشورہ سے ہوا ہے۔ اور صاحبزادہ صاحب بھی اس میں موجود تھے۔ حضرت خلیفہ اول نے حضرت صاحبزادہ صاحب کو طلب فرمایا۔ آپ تشریف لے گئے۔ حضرت خلیفہ اول نے فرمایا۔ کیوں میاں! ہمارے حکموں کی اس طرح خلاف ورزی کی جاتی ہے؟ آپ نے عرض کیا کہ میں نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ اس امر میں حضرت خلیفۃ المسیح کی مرضی نہیں اس لئے اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔ اور آپ کی تحریر سے اجازت نہیں بلکہ ناراضگی ٹپکتی ہے یہ سن کر حضرت خلیفہ اول نے ممبران انجمن سے فرمایا۔ کہ دیکھو تم اس کو بچہ کہا کرتے ہو یہ بچہ میرے خط کو سمجھ گیا۔ اور تم لوگ اس کو نہ سمجھ سکے پھر بہت کچھ تنبیہہ بھی کی۔ اور فرمایا اطاعت میں ہی برکت ہے اپنا رویہ بدلو ورنہ خدا تعالیٰ کے فضلوں سے محروم ہو جاؤ گے۔ مگر

انہوں نے سنا تک نہیں اور خود ہی بولتے گئے اور آخر کچھ دیر بعد اٹھ کر چلے گئے۔ ۸۹

اس واقعہ کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے حکیم فضل الدین صاحب بھیروی کو صاف صاف کہہ دیا کہ ہم مولوی صاحب کے کہنے پر ایک پیسہ بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ دوسری طرف احمدیہ بلڈنگس میں جو ابتداء ہی سے خلافت کے خلاف ریشہ دوانیوں کا مرکز بنا ہوا تھا آپ کو معزول کر کے کسی اور کو خلیفہ مقرر کرنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ ۹۰ جب معاملہ اس درجہ نازک صورت اختیار کر گیا تو حضرت خلیفتہ المسیح اول نے نوٹس دیا۔ کہ یہ لوگ عید الفطر (۱۶/ اکتوبر ۱۹۰۹ء تک) اصلاح کر لیں۔ اس اعلان پر ان باغیوں نے حضرت خلیفہ اول کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا۔ اور اس سلسلہ میں کئی طویل طویل خط حضرت سید حامد علی شاہ صاحب کو بھی لکھے جن میں سے صرف دو خط نقل کئے جاتے ہیں۔ ۹۱

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کا خط

حضرت اخی المکرم۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ:۔......... قادیان کے مشکلات کا سخت فکر ہے خلیفہ صاحب کا تلون طبع بہت بڑھ گیا ہے اور عنقریب ایک نوٹس شائع کرنے والے ہیں جس سے اندیشہ بہت بڑے ابتلاء کا ہے .... اگر اس میں ذرہ بھی تخالف خلیفہ صاحب کی رائے سے ہو تو برافروختہ ہو جاتے ہیں .... سب حالات عرض کئے گئے مگر ان کا جوش فرو نہ ہوا۔ اور ایک اشتہار جاری رکھنے کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں .... آپ فرمادیں ہم اب کیا کر سکتے ہیں ان کا منشاء یہ ہے کہ انجمن کالعدم ہو جائے اور ان کی رائے سے ادنیٰ تخالف نہ ہو۔ مگر یہ وصیت کا منشاء نہیں اس میں یہی حکم ہے کہ تم سب میرے بعد مل جل کر کام کرو شیخ صاحب ۹۲ اور شاہ صاحب ۹۳ بعد سلام مسنون مضمون واحد ہے:۔ خاکسار مرزا یعقوب بیگ ۲۹/۹/۰۹

ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب کا خط

یکم / اکتوبر ۱۹۰۹ء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :۔ نحمدہ و نصلے علی رسولہ الکریم اخی المکرم

جناب شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ!

"السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ جناب کا نوازش نامہ پہنچا حال معلوم ہوا...... قادیان کی نسبت دل کو بٹھا دینے والے واقعات جناب کو شیخ صاحب نے لکھے ہوں گے وہ باغ جو حضرت اقدسؑ نے اپنے خون کا پانی دے دے کر کھڑا کیا تھا۔ ابھی سنبھلنے ہی نہ پایا تھا کہ باد خزاں اس کو گرایا چاہتی ہے۔ حضرت مولوی صاحب کی طبیعت میں ضد اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ دوسرے کی سن ہی نہیں سکتے۔ وصیت کو پس پشت ڈال کر خدا کے فرستادہ کے کلام کی بے پرواہی کرتے ہوئے شخصی وجاہت اور حکومت ہی پیش نظر ہے سلسلہ تباہ ہو تو ہو مگر اپنے منہ سے نکلی ہوئی بات نہ ٹلے پر نہ ٹلے۔ وہ سلسلہ جو کہ حضرت

اقدس کے ذریعہ بنایا تھا۔ اور جو کہ بڑھے گا وہ چند ایک اشخاص کی ذاتی رائے کی وجہ سے اب ایسا گرنے کو ہے کہ پھر ایک وقت کے بعد ہی سنبھلے تو سنبھلے۔ سب اہل الرائے اصحاب اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہیں۔ اور حضرت مرزا صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے مرتے ہی سب نے آپ کے احسانات کو بھلا آپ کے رتبہ کو بھلا آپ کی وصیت کو بھلا دیا اور پیر پرستی جس کی بنیاد کو اکھاڑنے کے لئے یہ سلسلہ اللہ نے مقرر کیا تھا قائم ہو رہی ہے اور عین یہ شعر مصداق اس کے حال کا ہے۔ ؎

ہر کسے در کار خود با دین احمد کار نیست　　بے کسے شد دین احمد ہیچ خویش و یار نیست

کوئی بھی نہیں پوچھتا کہ بھائی یہ وصیت بھی کوئی چیز ہے یا نہیں یہ تو اللہ کی وحی کے ماتحت لکھی گئی تھی۔ کیا یہ پھینک دینے کے لئے تھی۔ اگر پوچھا جاتا ہے تو ارتداد کی دھمکی ملتی ہے اللہ رحم کرے۔ دل سخت بیکلی کی حالت میں ہے۔ حالات آمدہ از قادیان سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب فرماتا ہے کہ بمب کا گولہ دس دن تک چھوٹنے کو ہے جو کہ سلسلہ کو تباہ و چکنا چور کر دے گا۔ اللہ رحم کرے۔ تکبر اور نخوت کی کوئی حد ہوتی ہے نیک ظنی نیک ظنی کی تعلیم دیتے دیتے بد ظنی کی کوئی انتہاء نظر نہیں آتی۔ ایک شیعہ کی وجہ سے سلسلہ کی تباہی۔ [۹۴] اللہ رحم کرے۔ یا الٰہی ہم گنہگار ہیں۔ تو اپنے فضل و کرم سے ہی ہمیں بچا سکتا ہے اپنی خاص رحمت میں لے لے۔ اور ہم کو ان ابتلاؤں سے بچا لے۔ آمین۔ اور کیا لکھوں۔ بس حد ہو رہی ہے وقت کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص تائید الٰہی ہو۔ تاکہ یہ اس کا سلسلہ اس صدمہ سے بچ جاوے۔ آمین۔ سب برادران کی خدمت میں السلام علیکم اور دعا کی درخواست۔ خاکسار سید محمد حسین"۔ [۹۵]

مولوی محمد علی صاحب کا تبصرہ خطوط پر

مولوی محمد علی صاحب نے ان خطوط پر "حقیقت اختلاف" میں یہ عجیب تبصرہ کیا ہے کہ "اس موقع پر حضرت مولوی صاحب کا رنج بھی واقعی انتہاء کو پہنچ گیا۔ اور آپ نے فرمایا۔ کہ میں عید کے دن ایک اعلان کروں گا....... چونکہ اعلان کا لفظ گول مول تھا۔ اس لئے ہمارے احباب کو یہی خیال تھا کہ حضرت مولوی صاحب شاید کوئی ایسا اعلان کریں جس کی رو سے انجمن کالعدم ہو جائے اور سلسلہ میں فساد پیدا ہو جائے اسی موقعہ کے وہ دو خط ہیں۔ جو ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے میر حامد شاہ صاحب مرحوم کو لکھے میں مانتا ہوں کہ ان خطوط میں الفاظ نامناسب حضرت مولوی صاحب کی شان میں استعمال ہوئے ہیں۔ [۹۶]

حضرت خلیفہ اول کا عفو عام اور وحدت کی تلقین

۱۶/ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو عید الفطر تھی اس روز حضرت خلیفہ اول ان

لوگوں کے جماعت سے اخراج کا فیصلہ کر چکے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آخری تعزیری کارروائی سے روک دیا دوسری طرف باغیان خلافت نے یہ دیکھ کر کہ لوگ ہماری بات سنتے ہی نہیں۔ اور ہماری کوششیں بے سود ہیں از خود دوبارہ معافی مانگ لی۔ اور بعض نے دوبارہ بیعت بھی کی۔

اس روز آپ نے ایک جلالی خطبہ پڑھا جس میں ان لوگوں کو خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کی اور حلفیہ اعلان کیا کہ مجھے خدا نے عبائے خلافت پہنائی ہے اب میں اسے ہرگز نہیں اتار سکتا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:۔

"خدا نے جس کام پر مجھے مقرر کیا ہے۔ میں بڑے زور سے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اب میں اس کرتے کو ہرگز نہیں اتار سکتا۔ اگر سارا جہان بھی اور تم بھی میرے مخالف ہو جاؤ۔ تو میں تمہاری بالکل پرواہ نہیں کرتا اور نہ کروں گا.......... تم معاہدہ کا حق پورا کرو۔ پھر دیکھو کس قدر ترقی کرتے ہو اور کیسے کامیاب ہوتے ہو.......... مجھے ضرورتاً کچھ کہنا پڑا ہے۔ اس کا میرے ساتھ وعدہ ہے کہ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ مجھے دوبارہ بیعت لینے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنے پہلے معاہدہ پر قائم رہو۔ ایسا نہ ہو کہ نفاق میں مبتلا ہو جاؤ۔ اگر تم مجھ میں کوئی اعوجاج دیکھو تو اس کی استقامت کی دعا سے کوشش کرو۔ مگر یہ گمان نہ کرو کہ تم مجھ بڈھے کو آیت یا حدیث یا مرزا صاحب کے کسی قول کے معنے سمجھالو گے اگر میں گندہ ہوں تو یوں دعا مانگو کہ خدا مجھے دنیا سے اٹھالے۔ پھر دیکھو کہ دعا کس پر الٹی پڑتی ہے۔

توبہ کرو اور دعا کرو اور پھر دعا کرو۔ میں فروری گویا نو ماہ سے اس دکھ میں مبتلا ہوں اب تم اس بڈھے کو تکلیف میں نہ ڈالو۔ اس پر رحم کرو۔ اگر میں نے کسی کا مال کھایا تو میں دس گناہ دینے کی طاقت رکھتا ہوں۔ اگر میں نے کسی سے طمع کیا ہے تو میں لعنت کر کے کہوں گا کہ ایسا آدمی ضرور بول اٹھے میں اپنے آپ کو لعنتی سمجھوں گا اگر میں نے تمہارے مالوں میں سے کچھ لینے کا خیال کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے خاندان سے پہلوں کو بھی امیر بنایا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی۔ شاہ ولی اللہ صاحب دھلوی۔ فرید الدین شکر گنج میرے خاندان کے لوگ ہیں اور اب پھر بھی اس نے وعدہ کیا ہے کہ میں تیری اولاد پر فضل کروں گا۔

ایک اور غلطی ہے وہ طاعت در معروف کے سمجھنے میں ہے۔ کہ جن کاموں کو ہم معروف نہیں سمجھتے اس میں اطاعت نہ کریں گے۔ یہ لفظ نبی کریم ﷺ کے لئے بھی آیا ہے۔ **ولا یعصینک فی معروف**۔ اب کیا ایسے لوگوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کے عیوب کی بھی کوئی فہرست بنالی ہے اسی طرح حضرت صاحبؑ نے بھی شرائط بیعت میں طاعت در معروف لکھا ہے۔ اس میں ایک سر ہے میں تم میں سے کسی پر ہرگز بدظن نہیں۔ میں نے اس لئے ان باتوں کو کھولا تا تم میں کسی کو اندر ہی اندر دھوکہ

نہ لگ جائے۔

پھر مجھے کہتے ہیں کہ لوگوں سے اختلاط کرتا ہے۔ اس کا جواب تمہارے لئے جو میرے مرید ہیں یہی کافی ہے کہ تم میرے آمر نہیں بلکہ مامور ہو........ میں تمہارے ابتلاء سے بہت ڈرتا ہوں اس لئے مجھے کمانے کا زیادہ فکر ہوتا ہے۔ بم کے گولے اور زلزلے سے بھی زیادہ خوفناک یہ بات ہے کہ تم میں وحدت نہ ہو۔

جلد بازی سے کوئی فقرہ منہ سے نکالنا بہت آسان ہے۔ مگر اس کا نکلنا بہت مشکل ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں ہم تمہاری نسبت نہیں بلکہ اگلے خلیفے کے اختیارات کی نسبت بحث کرتے ہیں مگر تمہیں کیا معلوم کہ وہ ابوبکرؓ اور مرزا صاحبؑ سے بھی بڑھ کر آئے۔ میں تم پر بڑا حسن ظن رکھتا ہوں میں نے لا اله الا الله محمد رسول الله۔ کبھی تمہارے محرروں سے بھی دریافت نہیں کیا کہ تم لوگ کس طرح کام کرتے ہو مجھے یقین ہے کہ تم تقویٰ سے کام کرتے ہو۔..... میں آج کے دن ایک اور کام کرنے والا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے مجھے روک دیا ہے اور میں اس کی مصلحتوں پر قربان ہوں...... میں ایسے لوگوں کو جماعت سے الگ نہیں کرتا کہ شاید وہ سمجھیں پھر سمجھ جائیں پھر سمجھ جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی ٹھوکر کا باعث بنوں۔ میں اخیر میں پھر کہتا ہوں کہ آپس میں تباغض و تحاسد کا رنگ چھوڑ دو۔ کوئی امر امن یا خوف کا پیش آجاوے۔ عوام کو نہ سناؤ۔ ہاں جب کوئی امر طے ہو جائے تو پھر بے شک اشاعت کرو۔

اب میں تمہیں کہتا ہوں کہ یہ باتیں تمہیں ماننی پڑیں گی۔ طوعاً و کرہاً۔ اور آخر کہنا پڑے گا۔ اتینا طائعین۔ جو کچھ میں کہتا ہوں تمہارے بھلے کی کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں راہ ہدایت پر قائم رکھے اور خاتمہ بالخیر کرے۔ آمین"۔ [۹۷]

معافی پانے والوں کا تجاہل عارفانہ

اس جگہ اس بات کا بیان کر دینا بھی خالی از فائدہ نہ ہو گا کہ جن ممبران انجمن کو حضرت خلیفتہ المسیح اولؓ جماعت سے خارج کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اور ان کی معافی مانگ لینے پر آپ نے اپنا ارادہ ملتوی فرما دیا تھا انہوں نے آپ کے اس اعلان معافی کے موقعہ پر اسی پرچہ اخبار بدر میں جس میں آپ کا مذکورہ بالا خطبہ چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اپنی طرف سے ایک اعلان شائع کیا۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ گویا یہ اعلان ان لوگوں کے متعلق نہیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کے متعلق ہونے والا تھا جن کا انہیں کچھ علم ہی نہیں تھا۔ کہ وہ کون ہیں اور یہ کہ جب وہ عید کے موقع پر قادیان یہاں آئے تو یہاں آکر انہیں معلوم ہوا کہ بعض نامعلوم لوگوں کے متعلق آپ کا ایسا ارادہ تھا۔ جسے آپ نے ملتوی کر دیا ہے۔

حواشی دوسرا باب (فصل اول)

۱۔ اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات (از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) صفحہ ۱۴۔ ۱۵ و حیات بقاپوری حصہ چہارم

۲۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۱۱۷۔

۳۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۲۱۱۔

۴۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۷۹ و البدر ۲۰/ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۶۵۔۶۶۔

۵۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۵۳۵

۶۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۶۰۷۔

۷۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۴۱۴۔

۸۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۷۰۰۔۷۰۱

۹۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۷۲۸۔

۱۰۔ الفارق صفحہ ۶۱۔ مولفہ حضرت مولوی سرور شاہ صاحبؓ

۱۱۔ جناب مولوی محمد علی صاحب اپنے رسالہ "شناخت ماموریں" صفحہ ۲۰ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے اپنا دلی عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں۔ "حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ میں اپنے الہامات کو کتاب اللہ اور حدیث پر عرض کرتا ہوں اور کسی الہام کو کتاب اللہ اور حدیث کے مخالف پاؤں تو اسے کھنگار کی طرح پھینک دیتا ہوں"۔ حالانکہ حضور نے معاذاللہ ایسا ہرگز ہرگز کہیں نہیں لکھا۔ جناب مولوی محمد علی صاحب کا مندرجہ بالا مسلک خود بخود بتا رہا ہے کہ "سلسلہ قبول الہامات میں سب سے کچا مولوی" کون ہے؟

۱۲۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک دوسرا الہام اخرج منہ الیزیدیون ہے (تذکرہ طبع دوم صفحہ ۱۸۱) چنانچہ ان اصحاب کا اہلبیت کے بارے میں یہ نظریہ رہا ہے کہ اہلبیت کا وجود جیسے کہ پہلی قوم کے لئے موجب ابتلاء اور تفرقہ اہل اسلام ہوا ایسا ہی اب بھی ہوا۔" (پیغام صلح ۹/ جون ۱۹۱۴ء صفحہ ۳ کالم ۳

۱۳۔ فاروق ۱۴/ اکتوبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۲ کالم ۳

۱۴۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۴ طبع دوم

۱۵۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۲ء صفحہ ۴۱

۱۶۔ ان رفقاء میں سرفہرست مولوی محمد علی صاحب ہیں چنانچہ مولوی محمد علی صاحب نے خواجہ صاحب سے اپنے دیرینہ تعلقات کا ذکر بایں الفاظ کیا ہے۔ "خواجہ صاحب مرحوم حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہو چکے تھے اور میں ابھی تک داخل نہ ہوا تھا لیکن خیالات میں اس قدر یگانگت تھی کہ ہمارے تعلقات بہت ترقی کر گئے (پیغام صلح ۲۶/ دسمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۱۴)

۱۷۔ چشمہ مسیحی حاشیہ صفحہ ۳۵

۱۸۔ فتح اسلام صفحہ ۷۰ طبع اول

۱۹۔ ذکر حبیب صفحہ ۷۵۔۷۶۔۷۷ اقتباس از خط مولوی محمد علی صاحب مولفہ مفتی محمد صادق صاحب

۲۰۔ حقیقت اختلاف صفحہ ۹

۲۱۔ حقیقت اختلاف صفحہ ۹

۲۲۔ ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی نے احمدیت کو اختیار کرنے کے بعد بعض ایسے عقائد کا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ جو صحیح اسلامی تعلیم کے خلاف اور حضرت اقدسؑ کے بیان کردہ عقائد کے خلاف تھے۔ اس لئے حضور نے ان کو جماعت سے خارج کر دیا تھا۔

۲۳۔ الذکر الحکیم نمبر ۴ صفحہ ۲۔۳

۲۴۔ یعنی یہ تجویز کہ ریویو آف ریلیجنز میں عام اسلامی مضامین شائع ہوا کریں اور خاص مضامین جو حضور کے متعلق ہوتے ہیں وہ علیحدہ شائع ہوں۔

۲۵۔ الذکر الحکیم صفحہ ۳۔۷

۲۶۔ عبدالحکیم مرتد نے حضرت مسیح موعود کی پیشگوئیوں کا پیش کرنا اسلام کی توہین کے مترادف قرار دیا تھا اور گو خواجہ صاحب موصوف نے یہ بات کھلم کھلا کہیں نہیں لکھی مگر عملاً وہ حضرت اقدس کی پیشگوئیوں کو کچھ زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ جس کے ثبوت میں بطور مثال دو واقعات پیش کئے جاتے ہیں:۔

ا۔ مولوی محمد علی صاحب مرحوم نے رسالہ "حقیقت اختلاف" صفحہ ۷ میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خواجہ صاحب کے متعلق فرمایا۔ "مہوتسو کے جلسہ اعظم مذاہب کے واسطے جب میں نے مضمون لکھا تو طبیعت بہت علیل تھی۔ اور وقت نہایت تنگ تھا اور ہم نے مضمون جلدی کے ساتھ اسی تکلیف کی حالت میں لیٹے ہوئے لکھایا۔ اس کو سن کر احباب میں سے ایک نے کچھ ناپسندیدگی کا منہ بنایا اور پسند نہ کیا کہ مذاہب کے اتنے بڑے عظیم الشان جلسہ میں وہ مضمون پڑھا جائے۔ اور جیسا کہ "آئینہ صداقت" سے پتہ چلتا ہے۔ خواجہ صاحب حضور کی اس پیشگوئی پر کہ مضمون بالا رہا۔ اس درجہ ناامید تھے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے ارشاد کے باوجود انہوں نے نہ خود اس کے لئے اشتہار دیا اور نہ لوگوں کو شائع کرنے دیا۔ آخر جب لوگوں نے حضور کو بتا کر خاص زور دیا تو رات کے وقت لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو کر چند اشتہار دیواروں پر اونچے کر کے لگا دئے تا لوگ ان کو نہ پڑھ سکیں اور حضور کو بھی کہا جا سکے کہ ان کے حکم کی تعمیل کر دی گئی ہے۔ (۲) سعد اللہ لدھیانوی کے ابتر ہونے کی پیشگوئی پر خواجہ صاحب نے جو مظاہرہ کیا اس کا مفصل ذکر حضرت مسیح موعودؑ کے الاستفتاء میں موجود ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ اس الہام کو شائع نہ کیا جائے۔ اس ضمن میں حضورؑ کے خط کا عکس آخر میں دیا جا رہا ہے۔

۲۷۔ پیغام صلح ۱۷/ دسمبر ۱۹۳۸ء جوبلی نمبر صفحہ ۲۱ کالم ۱۔

۲۸۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت حصہ سوم صفحہ ۵۔

۲۹۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۱۶۱۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۲ء صفحہ ۳۶۔۳۷ (تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

۳۰۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت حصہ سوم صفحہ ۱۷۰۔۱۷۱

۳۱۔ بحوالہ حیات احمد جلد پنجم ۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۲ء صفحہ ۳۲۔۳۶ یہ تقریر اس زمانہ میں ہی الحکم میں ہی چھپ گئی تھی۔

۳۲۔ چنانچہ حضور خود فرماتے ہیں "کوئی نادان اس قبرستان اور اس انتظام کو بدعت میں داخل نہ سمجھے کیونکہ یہ انتظام حسب وحی الٰہی ہے انسان کا اس میں دخل نہیں اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ صرف اس قبرستان میں داخل ہونے سے کوئی بہشتی کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ زمین کسی کو بہشتی کر دے گی بلکہ خدا تعالیٰ کے کلام کا یہ مطلب ہے کہ بہشتی ہی اس میں دفن کیا جائے گا (الوصیت صفحہ ۱۹ حاشیہ شائع کردہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)

۳۳۔ ضمیمہ الوصیت صفحہ ۲۳ شائع کردہ انجمن اشاعت اسلام۔

۳۴۔ حاشیہ الوصیت صفحہ ۷ اشائع کردہ انجمن اشاعت اسلام ۱۹۱۴ء

۳۵۔ کشف الاختلاف صفحہ ۴۸۔۴۹۔

۳۶۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۲ء صفحہ ۳۷۔۳۸

۳۷۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۵۳۔

۳۸۔ کشف اختلافات صفحہ ۱۲۔

۳۹۔ فاروق ۹/ مئی ۱۹۱۸ء صفحہ ۳۔۴۔

۴۰۔ اس کی تفصیل میں مولوی سید سرور شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "مجھے بخوبی یاد ہے کہ جب مسجد مبارک کی تعمیر کا بل مولوی محمد علی صاحب نے روک دیا اور حضرت میر ناصر نواب صاحب مرحوم کو اس سے تکلیف ہوئی تو آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کی خدمت میں یہ شکایت کی تو جب مولوی محمد علی صاحب کو اس شکایت کا علم ہوا تو وہ بہت طیش میں آگئے یہاں تک کہ انہوں نے قادیان سے جانے کا ارادہ کر لیا۔ اور تیاری شروع کر دی جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے بہت سمجھایا مگر مولوی صاحب روانگی پر زیادہ ہی مصر ہوتے چلے گئے۔ آخر اس کی اطلاع حضور کو پہنچی اور حضور مولوی محمد علی صاحب والی کوٹھی میں تشریف لائے بات چیت شروع ہوئی۔ تو مولوی محمد علی صاحب نے کہا کہ ہم اس لئے یہاں آئے ہیں کہ حضور سے دعالیں۔ اور جب ہماری شکایتیں حضور کے پاس جاتی ہیں تو آخر آپ بھی انسان ہیں کسی وقت ان سے متاثر بھی ہو سکتے ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ میری حالت یہ ہے کہ ایک ہی خیال ہے جو کہ ہر وقت مجھے اپنی طرف متوجہ رکھتا ہے اور دوسری طرف مجھے متوجہ ہونے ہی نہیں دیتا۔ میں باہر آپ لوگوں میں بیٹھتا ہوں آپ سمجھتے ہیں یہ ہم میں بیٹھا ہوا اور ہماری باتیں سنتا ہے مگر میرا ذہن اسی ایک خیال کی طرف لگا ہوا ہوتا ہے گھر میں جاتا ہوں تو گھر والے سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس ہیں مگر میرا دھیان اسی ایک بات کی طرف ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے دعویٰ کے دلائل بھی دیئے اور لوگوں کے اعتراضوں کے جواب بھی دئے اور خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے زبردست نشان بھی دکھائے مگر یہ کچھ بھی نہیں اگر اصل کامیابی نہ ہو اور وہ یہ ہے کہ ہم ایک عمدہ جماعت تیار کرلیں جو ہمارے بعد عمدگی کے ساتھ اس کام کی تکمیل کر سکے۔ کہ جس کو ہم نے شروع کیا ہے......... حضور نے اس وقت ایسے پردرد طریقہ سے اس کو بیان فرمایا کہ حضور پر بھی رقت طاری تھی اور جس قدر حضور کے خدام موجود تھے ان میں سے اکثر کی آنکھیں پرنم تھیں۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا کہ اس نے میری توجہ کو اس قدر کھینچا ہوا ہے کہ میر صاحب نے بے شک میرے پاس آکر کچھ کہا تھا میرے کان میں کچھ آواز پڑ رہی تھی۔ مگر میں اس کی طرف اس قدر بھی متوجہ نہیں ہو سکا کہ مجھے سمجھ آتا کہ انہوں نے کیا کہا ہے"۔ (خلافت حقہ صفحہ ۲۱-۲۲)

۴۱۔ حقیقت اختلاف صفحہ ۱۰-۱۱۔

۴۲۔ انجمن کے اجلاسوں میں جس درجہ دھاندلی مچائی جاتی تھی اس کا کسی قدر نمونہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے مندرجہ ذیل بیان سے ملتا ہے فرماتے ہیں:۔ "ان لوگوں کی عادت تھی کہ جب وہ دیکھتے کہ کوئی بات مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے پیش ہو رہی ہے۔ تو اس کے متعلق مولوی صاحب کی رائے معلوم کرنے کے لئے کہتے مولوی صاحب ہمیں تو اس کے متعلق کچھ علم نہیں آپ اس کی تفصیل اور تشریح کر دیں۔ اس پر مولوی صاحب بتا دیتے کہ اس بارے میں ان کا کیا خیال ہے اس کے بعد ان کے ساتھی وہی رائے دے دیتے۔ چونکہ کثرت ان کی ہوتی تھی ہمارے لئے بولنے کا موقعہ ہی نہ ہوتا۔ مولوی محمد علی صاحب کی رائے کی تائید میں رائے دینے والے۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب تھے۔ شیخ رحمت اللہ صاحب تھے۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب تھے۔ خواجہ صاحب تھے۔ شروع میں ایک لمبے عرصہ تک خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم بھی ان کے ساتھ اور ان کے بڑے جوشیلے ساتھی تھے۔ ادھر میں اکیلا یا ہم دو آدمی ہوتے تھے۔ ہماری رائے پر کوئی غور ہی نہ کرتا تھا۔ نواب صاحب نے مجلس میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ باہر ہوتے تھے۔ اس لئے مجلس میں جانے والا آخر میں ہی رہ گیا تھا۔ اس دن ان لوگوں نے سیٹھ صاحب پر زور دیا کہ آپ بھی رائے دیں۔ پہلے تو انہوں نے کہا کہ میں کیا رائے دے سکتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں۔ آپ کام کریں جب پھر زور دیا تو چونکہ بزنس مین کی سمجھ بڑی تیز ہوتی ہے انہوں نے دیکھا کہ یہ تو ان لوگوں نے مخول بنا رکھا ہے ایک ہی شخص سے پوچھتے ہیں کہ آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں اور جب وہ اپنی رائے ظاہر کر دیتے ہیں تو وہی رائے خود دے دیتے ہیں۔ دو تین بار........... یہی طریق دیکھ چکے تھے۔ جب انہیں پھر کسی نئے مسئلہ کے بارہ میں کہا گیا کہ سیٹھ صاحب آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں تو اسی کمرہ میں جو اس مسجد کے ساتھ چھوٹا سا ہے اسی طرز پر جس طرح وہ لوگ ہاتھ بڑھا کر کہا کرتے تھے میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگے۔ اس بارہ میں جو میاں صاحب فرماتے ہیں وہی میری رائے ہے۔ یہ پہلی دفعہ تھی جب انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اور پھر کھل گئے"۔ (الفضل مورخہ ۶/ اگست ۱۹۴۱ء صفحہ ۴ کالم ۴-۵)

۴۳۔ کشف الاختلاف صفحہ ۱۶

۴۴۔ الحکم جلد ۹ نمبر ۱۱ پرچہ ۳۱/ مارچ ۱۹۰۵ء صفحہ ۹۔ کالم ۱-۲

۴۵۔ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب مولوی محمد علی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی عینی شہادت بڑی تفصیل سے بیان کرتے

ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ "جس روز مسجد کے چندہ کے واسطے گوجرات یا کڑیانوالے کی طرف جارہے تھے اور جناب نواب خان صاحب تحصیلدار کے ٹانگہ پر ہم تینوں سوار کوچبان اور جناب خواجہ صاحب آگے تھے۔ میں اور جناب پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ تو جب ہم اس سڑک پر پہنچے جو کہ کڑیانوالہ کی طرف جاتی ہے تو خواجہ صاحب نے یہ فرمایا کہ کہ راستہ باتوں کے ساتھ طے ہوا کرتا ہے اور میرا ایک سوال ہے آپ اس کا جواب دیں۔ سوال شروع کیا......... صحیح اور یقینی مضمون اس کا یہ تھا کہ پہلے ہم اپنی عورتوں کو یہ کہہ کر انبیاء اور صحابہ والی زندگی اختیار کرنی چاہئے۔ کہ وہ کم اور خشک کھاتے خشن پہنتے تھے اور باقی بچاکر اللہ کی راہ میں دیا کرتے تھے۔ اسی طرح ہم کو بھی کرنا چاہئے۔ غرض ایسے وعظ کرکے کچھ روپیہ بچاتے تھے۔ اور پھر وہ قادیان بھیجتے تھے۔ لیکن جب ہماری بیبیاں خود قادیان گئیں وہاں پر رہ کر اچھی طرح وہاں کا حال معلوم کیا تو واپس آکر ہمارے سرچڑھ گئیں کہ تم بڑے جھوٹے ہو ہم نے تو قادیان میں جاکر خود انبیاء اور صحابہ کی زندگی کو دیکھ لیا ہے۔ جس قدر آرام کی زندگی اور تعیش وہاں پر عورتوں کو حاصل ہے اس کا تو عشر عشیر بھی باہر نہیں۔ حالانکہ ہمارا روپیہ اپنا کمایا ہوتا ہے اور ان کے پاس جو روپیہ جاتا ہے وہ قومی اغراض کے لئے قومی روپیہ ہوتا ہے۔ لہٰذا تم جھوٹے ہو جو جھوٹ بول کر اس عرصہ دراز تک ہم کو دھوکہ دیتے رہے ہو۔ اور آئندہ ہم ہرگز تمہارے دھوکہ میں نہ آویں گی۔ پس اب وہ ہم کو روپیہ نہیں دیتیں کہ ہم قادیان بھیجیں.......... جب میں نے جناب کو (مولوی محمد علی صاحب مراد ہیں ناقل) کہا تھا۔ کہ آج مجھے پختہ ذریعہ سے معلوم ہوا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گھر میں بہت اظہار رنج فرمایا ہے کہ "باوجود میرے بتانے کے کہ خدا کا منشاء یہی ہے کہ میرے وقت میں لنگر کا انتظام میرے ہی ہاتھ میں رہے اور اگر اس کے خلاف ہوا تو لنگر بند ہو جاوے گا۔ مگر یہ (خواجہ وغیرہ) ایسے ہیں کہ بار بار مجھے کہتے ہیں کہ لنگر کا انتظام ہمارے سپرد کردو اور مجھ پر بدظنی کرتے ہیں۔" اور یہ سنا کہ میں نے بوجہ محبت.......... یہ کہا تھا کہ آپ آئندہ کبھی اس معاملہ میں شریک نہ ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ حضرت اقدس کی زیادہ ناراضگی کا موجب ہو جاوے۔ اور آپ کو نقصان پہنچے۔ اس کے دو تین روز بعد خواجہ صاحب قادیان آئے تو نماز مغرب کے بعد آپ (یعنی مولوی محمد علی صاحب) نے مجھے بلایا۔ جب میں حاضر ہوا تو آپ (مولوی محمد علی صاحب۔ ناقل) اور خواجہ صاحب مجھے مسجد مبارک کی چھت پر لے گئے........ تو خواجہ صاحب نے مجھے فرمایا۔ کہ تم حضرت صاحب سے اچھی طرح سے بات چیت کرلیا کرتے ہو تم ضرور حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کرو کہ حضور وہ تو حضور کے غلام ہیں اور حضور کے ہاتھ پر بک چکے ہوئے ہیں۔ بھلا غلام کیا اور اس کا مال کیا اصل بات یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے خیال میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہم کو حضور کی خدمت میں اس واسطے لایا ہے کہ حضور پر جو کاروبار عظیم کا بوجھ ڈالا گیا ہے ہم ان کاموں میں حضور کا ہاتھ بٹائیں۔ اور لنگر کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں.......... حضور کے اوقات گرامی میں تشویش واقع ہوتی ہے......... حضور کی طبیعت چاہتی ہے کہ حضور کے مہمانوں کی اچھی طرح خاطرداری اور مہمان نوازی ہو۔ لیکن ملازم لنگر بوجہ نگران نہ ہونے کے اچھی طرح کام نہیں کرتے۔ تو اس سے بھی حضور کو تکلیف ہوتی ہے روپیہ بہت سرف ہوتا ہے اور غرض حاصل نہیں ہوتی۔ تو حضور کی تشویش کو دیکھ کر ہم کو یہ ندامت ہوتی ہے۔ کہ ہم کیوں اس تشویش کے رفع کرنے میں کوشش نہیں کرتے۔ پس محض اس خیال سے وہ چاہتے ہیں کہ لنگر کا انتظام ان کے سپرد ہو جائے۔ ورنہ حضور ان کی جانوں اور مالوں کے بھی مالک ہیں وہ کب یہ خیال دل میں لاسکتے ہیں کہ جناب بے جا صرف کرتے ہیں لہٰذا یہ انتظام ہم کو دیا جائے۔ اور خواجہ صاحب بار بار تاکید کرتے تھے۔ کہ ضرور کہنا اور یہ باتیں کررہے تھے کہ دفعتہ آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ مولوی صاحب! اب مجھے وہ طریق معلوم ہو گیا ہے۔ جس سے لنگر کا انتظام فوراً حضرت صاحب ہمارے سپرد کردیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ دیکھو کہ جونہی میں پیش کروں گا تو آپ ضرور ہی حوالہ کردیں گے۔ اس پر آپ (یعنی مولوی محمد علی صاحب) نے یہ کہا کہ خواجہ صاحب! میں تو اب ہرگز نہیں پیش کروں گا۔ تو خواجہ صاحب نے یہ سنتے ہی آنکھیں سرخ کرلیں۔ اور غصہ والی شکل اور غضب والے لہجہ سے کہنا شروع کردیا کہ قومی خدمات ادا کرنے میں بڑے مشکلات پیش آیا کرتے ہیں اور کبھی حوصلہ پست نہ کرنا چاہئے۔ اور یہ کیسی غضب کی بات ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ قوم کا روپیہ کیسی محنت سے جمع ہوتا ہے اور جن اغراض قومی کے لئے وہ اپنا پیٹ کاٹ کر روپیہ دیتے ہیں وہ روپیہ ان اغراض میں صرف نہیں ہوتا بلکہ بجائے اس کے شخصی خواہشات میں صرف ہوتا ہے اور پھر روپیہ بھی اس قدر کثیر ہے کہ اس وقت جس قدر قومی کام آپ نے شروع کئے ہوئے ہیں اور روپیہ کی کمی کی وجہ سے پورے نہیں ہو سکے اور ناقص حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر یہ لنگر کا روپیہ اچھی طرح سے سنبھالا جائے تو

اکیلے اسی سے وہ سارے کام پورے ہو سکتے ہیں آپ اچھے خادم قوم ہیں کہ یہ جانتے ہوئے پھر ایک ذرا سی بات سے کہتے ہیں کہ میں آئندہ ہرگز پیش نہیں کروں گا۔ میں تو کہتا ہوں کہ میں ضرور پیش کروں گا۔ اس پر آپ نے کہا کہ میں ساتھ چلا جاؤں گا مگر بات نہیں کروں گا تو خواجہ صاحب نے کہا کہ میں بھی ساتھ ہی جانے کے لئے کہتا ہوں بات تو میں نہیں کراتا بات تو میں خود کروں گا۔"

غرض کہ اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن سے اس بات کا صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ہی مالی اغراض کا ورس خواجہ صاحب نے شروع کر دیا تھا۔ (کشف الاختلاف صفحہ ۱۲ تا ۱۴)

۴۶۔ ذکر حبیب صفحہ ۱۶۴۔۱۶۵

۴۷۔ اختلافات سلسلہ پر ایک نظر صفحہ ۴۔۵

۴۸۔ حقیقت اختلاف حصہ اول صفحہ ۳۹۔۴۱۔

۴۹۔ حقیقت اختلاف صفحہ ۳۱ و مجاہد کبیر صفحہ ۹۲

۵۰۔ الفضل ۲۸/ ستمبر ۱۹۱۸ء صفحہ ۱۰ کالم ۱۔۳۔ و اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے سچے حالات ص

۵۱۔ اختلافات سلسلہ پر ایک نظر صفحہ ۵۔

۵۲۔ اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات۔ صفحہ ۱۹۔۲۰

۵۳۔ حقیقت اختلافات صفحہ ۴۱۔ و مجاہد کبیر صفحہ ۹۲۔

۵۴۔ خواجہ صاحب کے جلسہ لاہور میں کی اطلاع ملنے پر شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے اپنے مکان کے بالا خانہ پر جلسہ کیا تھا جس میں خلافت سے وابستگی اور مقام خلافت کی عظمت اور اس کے واجب الاطاعت ہونے کے متعلق تقاریر کر کے ریزولیوشن پاس کیا تھا۔ جس پر دو کے سوا سب نے اتفاق کیا۔ اس جلسہ میں بیالیس احباب شریک ہوئے (خلافت ثانیہ کا قیام صفحہ ۸ از حضرت بھائی عبد الرحمن صاحب قادیانی۔

۵۵۔ کشف الاختلافات صفحہ ۲۹۔

۵۶۔ کشف الاختلافات صفحہ ۳۰۔

۵۷۔ اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات صفحہ ۲۰۔

۵۸۔ حقیقت اختلاف صفحہ ۴۳۔

۵۹۔ اصل خط میاں عبد المنان صاحب عمر ایم۔ اے کے پاس محفوظ ہے۔

۶۰۔ اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات۔ صفحہ ۲۲۔

۶۱۔ خلافت احمدیہ کے مخالفین کی تحریک صفحہ ۱۴۔۱۵۔ از خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات صفحہ ۲۲۔۲۳۔ الموعود صفحہ ۱۰۰۔۱۰۱۔

۶۲۔ روایت سید محمود عالم صاحب الفضل ۲۲/ اگست ۱۹۴۰ء صفحہ ۴ کالم ۱)

۶۳۔ خلافت ثانیہ کا قیام۔ صفحہ ۸۔

۶۴۔ (ترجمہ) وہ لوگ جو مومن مرد اور مومن عورتوں میں فتنہ ڈالتے ہیں۔ اور پھر توبہ بھی نہیں کرتے ان کے لئے عذاب جہنم اور جلا دینے والا عذاب مقدر ہے۔

۶۵۔ اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات صفحہ ۲۴۔

۶۶۔ خلافت ثانیہ کا قیام صفحہ ۸۔۹۔

۶۷۔ کشف الاختلافات صفحہ ۳۰۔

۶۸۔ اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات صفحہ ۲۵۔ خلافت احمدیہ کے مخالفین کی تحریک صفحہ ۱۷۔

۶۹۔ اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات صفحہ ۲۷۔

۷۰۔ اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات صفحہ ۲۶۔ خلافت احمدیہ کے مخالفین کی تحریک صفحہ ۱۹۔

۷۱۔ خلافت احمدیہ کے مخالفین کی تحریک صفحہ ۱۵۔۱۷

۷۲۔ خلافت احمدیہ کے مخالفین کی تحریک صفحہ ۱۸۔۱۹۔ فاروق ۵/ جولائی ۱۹۱۷ء صفحہ ۳ کالم ۲۔ القول الفصل صفحہ ۴۸۔ الفضل ۱۱/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۱ کالم ۳۔

۷۳۔ اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب صفحہ ۵۹ مولفہ جناب خواجہ کمال الدین صاحب۔

۷۴۔ اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب صفحہ ۷۰۔

۷۵۔ جناب مولوی سید سرور شاہ صاحب کہتے ہیں کہ جلسہ برخاست ہونے پر ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اپنے جوش کے باعث چند منٹ بھی قادیان میں نہ ٹھہر سکے اور فوراً ہی لاہور روانہ ہو گئے۔

۷۶۔ حقیقت اختلاف صفحہ ۴۴۔

۷۷۔ اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات صفحہ ۲۹۔۳۰

۷۸۔ کشف الاختلاف صفحہ ۳۲

۷۹۔ خلافت احمدیہ کے مخالفین کی تحریک صفحہ ۲۱۔۲۲

۸۰۔ ایک نہایت ضروری اعلان صفحہ ۱۰۔۱۲ از مولوی محمد علی صاحب

۸۱۔ ضمیمہ رسالہ تبدیلی عقائد مولوی محمد علی صاحب صفحہ ۲۸۔ از مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ہلالپوری

۸۲۔ اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات صفحہ ۳۲۔۳۳۔ چنانچہ انجمن کے رجسٹر دوم صفحہ ۳۷۶ پر جو کارروائی لکھی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں حضرت مولوی نور الدین صاحب میر مجلس تشریف لائے۔

۸۳۔ انجمن کے رجسٹر چہارم صفحہ ۲۲۲ حضرت سیدنا محمود کے بارے میں لکھا ہے کہ "میر مجلس چند روز سے ڈلہوزی میں تشریف لے گئے"۔

۸۴۔ الحکم ۳/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۶ کالم ۳۔

۸۵۔ کشف اختلافات صفحہ ۳۳۔۳۴۔

۸۶۔ رجسٹر ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ نمبر ۳ صفحہ ۸۸

۸۷۔ چونکہ انجمن کے کارپرداز حضرت خلیفہ اول کے ادب و احترام کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سید زمان شاہ کو حویلی نہ دینے پر تلے ہوئے تھے۔ اس لئے حضرت خلیفہ اول نے بتاریخ ۲۶/ اگست ۱۹۰۹ء شیخ محمد نصیب صاحب کو (جو آپ کی امانتی رقوم رکھا کرتے تھے) ہدایت فرمائی۔ کہ "چونکہ سید زمان شاہ صاحب کو آمد و رفت میں اور اس تگ و دو میں میرے باعث بہت بڑا خرچ ہوا ہے۔ اس لئے ایک سو روپیہ بطور حرجانہ ان کو میری طرف سے دے دیں"۔ اصل خط میاں عبد المنان صاحب عمر کے پاس محفوظ ہے۔

۸۸۔ رجسٹر سوم صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۱۰۳۔۱۰۴۔

۸۹۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۳۲۵۔۳۲۹ و اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات صفحہ ۳۵۔۳۶۔

۹۰۔ اصحاب احمد حصہ دوم صفحہ ۳۲۹۔ اہل پیغام کے بعض خاص کارنامے صفحہ ۵۳

۹۱۔ جملہ خطوط جن میں حضرت خلیفہ اول کے خطوط بھی تھے حضرت میر صاحبؓ کے پاس عرصہ تک محفوظ رہے جس کا تفصیلی ذکر انہوں نے پہلی دفعہ الفضل یکم اگست ۱۹۱۵ء صفحہ ۴۔۵ میں شائع کرایا تھا۔

۹۲۔ مراد شیخ رحمت اللہ صاحب

۹۳۔ مراد سید محمد حسین شاہ صاحب (ناقل)

۹۴۔ مراد سید زمان شاہ بھیروی

۹۵۔ آئینہ صداقت صفحہ ۱۶۴۔۱۶۶۔

۹۶۔ حقیقت اختلاف صفحہ ۴۶۔

۹۷۔ اخبار بدر جلد ۸ نمبر ۵۲ پرچہ ۱۲ صفحہ ۸۔۱۹۰۹ء۔ الحکم ۲۸/ اکتوبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۳۔۱۴

فصل دوم

مدرسہ احمدیہ کے سنگ بنیاد سے تمکین خلافت کے نشان تک

مدرسہ احمدیہ کی بنیاد مستقل درسگاہ کی حیثیت سے جیسا کہ ۱۹۰۸ء کے واقعات میں ذکر آچکا ہے حضرت خلیفۃ المسیح اول کی قیام خلافت کے آغاز ہی سے یہ دلی خواہش تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یادگار میں ایک دینی مدرسہ قائم ہونا چاہئے چنانچہ صدر انجمن کے بعض سرکردہ لوگوں کی سرتوڑ مزاحمت و مخالفت کے باوجود آپ کی یہ قلبی تمنا اس سال (۱۹۰۹ء) کی پہلی سہ ماہی میں ہی پوری ہوگئی اور یکم مارچ ۱۹۰۹ء کو اس درسگاہ کی بنیاد رکھ دی گئی [۹۸] جس کا نام حضرت مولوی شیر علی صاحب کی رائے کے مطابق مدرسہ احمدیہ رکھا گیا۔ [۹۹] مدرسہ کے اولین ہیڈ ماسٹر حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب قرار پائے اور سپرنٹنڈنٹ مولوی صدر الدین صاحب بی اے۔ بی ٹی۔ [۱۰۰]

مدرسہ کے قیام سے قبل ۳۱/ جنوری ۱۹۰۹ء کو ایک سب کمیٹی مدرسہ کے نصاب اور انتظام کے سلسلہ میں بنائی گئی جس کے ممبران یہ تھے۔ (۱) حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ (۲) حضرت مولوی شیر علی صاحب (۳) حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب۔ (۴) حضرت قاضی امیر حسین صاحب (۵) حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب (۶) مولوی محمد علی صاحب (سیکرٹری مجلس معتمدین)۔ سب کمیٹی نے ۱۳/ فروری تا ۱۸/ فروری ۱۹۰۹ء مختلف وقتوں میں غور کیا اور ایک مکمل سکیم پیش کی جسے حضرت خلیفہ اول کے مشورہ سے معمولی تبدیلی کے ساتھ منظور کر لیا گیا۔ سکیم کی بعض اہم شقیں یہ تھیں۔

۱۔ اس مدرسہ میں گیارہ سال سے کم عمر لڑکا داخل نہ کیا جاوے گا۔

۲۔ معیار قابلیت مروجہ پرائمری کا امتحان ہوگا۔

۳۔ جن لڑکوں نے پرائمری کا امتحان پاس نہ کیا ہو انہیں اس مدرسہ میں داخل ہونے کے لئے ایک

داخلہ کا امتحان دینا ہوگا۔

۴۔ نصاب مدرسہ احمدیہ سات سال کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

۵۔ مجوزہ ہفت سالہ نصاب میں دو درجے ہونگے۔ درجہ ادنیٰ کا امتحان پانچویں سال کے بعد اور درجہ اعلیٰ کا امتحان ساتویں سال کے بعد ہوگا اور کوئی طالب علم درجہ ادنیٰ سے درجہ اعلیٰ میں ترقی نہ کر سکے گا جب تک وہ درجہ ادنیٰ کا امتحان پاس نہ کرے اور نہ کسی طالب علم کو تکمیل تعلیم کی سند دی جائے گی۔ جب تک وہ اعلیٰ درجہ کا امتحان پاس نہ کرے۔

۶۔ دو سال کی خاص تعلیم میں طرز تعلیم حسب ذیل طریق سے ہوگی۔

اول۔ مندرجہ ذیل چھ مضامین میں سے ہر ایک دن ایک خاص مضمون پر طلباء کو ایک گھنٹہ کے لئے لیکچر دیا جاوے گا۔ فضائل اسلام۔ مقابلہ مذاہب عالم۔ مخالفین اسلام کے اعتراضوں کا جواب۔ فلسفہ قدیم وجدید۔ استنباط مسائل جمیع مذاہب عالم۔ ادب و لغت۔

دوم۔ اس لیکچر کے علاوہ ایک گھنٹہ روزانہ پڑھائی کا ہوگا۔ جس میں حسب ذیل کتب عبور کرائی جاویں گی۔ الجواب الصحیح۔ ردشیعہ۔ منہاج ابن تیمیہ۔ اعلام الموقعین ابن قیم۔ ائمہ ثلاثہ کی تین کتابیں۔ فصوص الحکم۔ احیاء العلوم۔ زرقانی۔ اشباہ والنظائر۔

سوم۔ چھ مضامین مذکورہ ضمن اول میں سے ایک ایک مضمون پر ہر پندرہ روز میں طالب علم خود ایک مضمون لکھے گا۔ مضمون کا عنوان اس مضمون کا پروفیسر تجویز کرے گا۔ یہ مضامین محققانہ ہوں گے اور طالب علم بطور خود مطالعہ کتب کر کے ایسے مضامین تیار کرے گا۔

چہارم۔ ان کے علاوہ ہر ایک مضمون کے پروفیسر کا فرض ہوگا کہ اپنے اپنے مضامین کے متعلق ضروری کتابوں کے مطالعہ کی طلباء کو ہدایت کرے اور حسب ضرورت ان کے مطالعہ میں ان کو مدد دے۔

۷۔ جن طالب علموں کو مجلس درجہ خاص کی تعلیم کے قابل نہ سمجھے گی ان میں سے بعض کو بطور واعظ مقرر کر کے باہر بھیجا جائے گا۔ اور بعض کو مولوی فاضل کے امتحان کے لئے تیار کیا جائے گا۔

۸۔ جو طالب علم بطور واعظ باہر بھیجے جانے ہوں ان کے لئے ضروری ہوگا کہ کم از کم ایک سال شفا خانہ میں عملی طور پر طبابت اور جراحی کا کام سیکھیں۔ اور وہ شفا خانہ میں اس ڈاکٹر کی زیر نگرانی تعلیم اور تجربہ حاصل کریں گے جس کی نگرانی میں شفا خانہ ہو اور علاوہ ازیں ان سے وعظ بھی کرایا جاوے گا اور مضامین لکھوائے جائیں گے۔

۹۔ جن طلباء کو مولوی فاضل کے امتحان کے لئے تیار کیا جاوے گا۔ ان کو ایک سال میں مولوی فاضل کے امتحان کی ایسی کتابیں جو نصاب ہفت سالہ میں شامل نہیں ہیں عبور کرائی جاویں گی۔ [101]

عہد خلافت اولیٰ کے اساتذہ

۱۔ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب (ہیڈ ماسٹر و اول مدرس دینیات) (۲) حضرت قاضی امیر حسین صاحب (اول مدرس فقہ) (۳) مولوی محمد اسمٰعیل صاحب (مدرس علم ادب) (۴) حکیم فضل الدین صاحب بھیروی (دوم مدرس دینیات) (۵) میاں (پیر) منظور محمد صاحب مدرس متفرق مضامین [102] (۶) مولوی محمد جی صاحب [103] (۷) مولوی غلام نبی صاحب (مصری) [104] (۸) پیر مظہر قیوم صاحب [105] (۹) ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیر [106] (۱۰) شیخ عبدالرحمٰن صاحب (مصری) [107] (۱۱) حکیم محمد الدین صاحب [108] (۱۲) میاں عبدالحق صاحب [109] (۱۳) حضرت میر محمد اسحٰق صاحب [110] (۱۴) مرزا برکت علی صاحب [111] (۱۵) میاں دین محمد صاحب [112]

مدرسہ کے اولین طلبہ

ابتداء جب مدرسہ احمدیہ جاری ہوا تو اس میں شاخ دینیات کے طلباء اور بعض اور طلباء بھی داخل ہوئے۔ جن کی مجموعی تعداد ستائیس تھی [113] اولین طلبہ میں سے بعض کے نام یہ ہیں (مولوی) عبدالرحمٰن صاحب (جٹ)۔ محمد شریف صاحب۔ محمود عالم صاحب۔ عبدالغفور صاحب۔ غلام فرید صاحب۔ بشیر احمد صاحب۔ رحمت علی صاحب۔ عبیداللہ صاحب۔ خوشی محمد صاحب۔ رحمت اللہ صاحب۔ الہ دین صاحب۔ سید منظور عالم صاحب۔ عبدالقدوس صاحب [114]

شروع شروع میں چار جماعتیں کھولی گئیں مگر چوتھی جماعت متعدد وجوہات سے قائم نہ رہ سکی۔ [115] اگلے سال ۱۹۱۰ء میں چوتھی جماعت بھی کھل گئی اور طلباء کی تعداد انتالیس تک پہنچ گئی۔ [116] پھر ۱۹۱۱ء میں اڑسٹھ ہو گئی اور مدرسہ پانچویں جماعت تک بڑھا دیا گیا۔ [117] علاوہ ازیں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی تجویز پر یکم مارچ ۱۹۱۱ء سے ایک سپیشل کلاس کھولی گئی جس میں لڑکوں کو ایک سال تک تعلیم دے کر دوسری کلاسوں کے ساتھ شامل کیا جانے لگا۔ ۱۹۱۲ء میں مدرسہ کی چھٹی جماعت اور ۱۹۱۳ء میں ساتویں جماعت بھی کھل گئی۔ اس طرح مدرسہ کی کلاسیں مکمل ہو گئیں۔ [118] اور طلبہ فارغ التحصیل ہو کر سلسلہ کی خدمات پر فائز ہونے لگے۔ مدرسہ اپنے ابتدائی مراحل کے ایام میں کس درجہ کمزور حالت میں تھا اس کا کسی قدر نقشہ یہ ہے کہ مدرسہ کے اساتذہ و طلبا کی کتابوں کے لئے ابتداء ایک سو پچیس روپے منظور ہوئے۔ [119] جو بعد میں آہستہ آہستہ بڑھا دیئے گئے یہ رقم درسی نصاب کے لئے مخصوص تھی اور عام دینی مطالعہ کے لئے طلباء کو حضرت صاحبزادہ صاحب کی قائم

کردہ لائبریری یا حضرت خلیفہ اول کی لائبریری کی طرف جانا پڑتا تھا۔ ازاں بعد لائبریری کے لئے کتابیں منگوائی جانے لگیں جن کی تعداد ۱۹۱۲ء تک باسٹھ تھی۔ [۱۲۰] پھر مدرسہ کی اپنی عمارت کوئی نہ تھی۔ بلکہ وہ مدرسہ تعلیم الاسلام کے ساتھ ہی چلتا تھا۔ اور گو بعد میں حضرت خلیفہ اول کی گرانقدر اعانت سے اس کا مستقل بورڈنگ ہاؤس تعمیر ہو گیا۔ [۱۲۱] مگر مدرسہ کے طلباء ابتداء تعلیم الاسلام ہائی سکول کے بورڈنگ ہاؤس میں ہی رہتے تھے۔ [۱۲۲] ان حالات میں اساتذہ اور طلباء کو کماحقہ سکون میسر نہیں تھا اور سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مولوی صدرالدین صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام جن کو مدرسہ کا سپرنٹنڈنٹ مقرر کیا گیا تھا اور جن کی وساطت سے ہی جملہ معاملات انجمن تک پہنچ سکتے تھے۔ [۱۲۳] اپنی مصروفیت کی وجہ سے اس مدرسہ کی طرف پوری توجہ نہیں دیتے تھے یا نہیں دے سکتے تھے۔ اس لئے مدرسہ کے انتظام میں بہت کچھ خلل آگیا تھا۔

مدرسہ کا انتظام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کے ہاتھ میں

یہ صورت حال دیکھ کر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو بہت قلق ہوا۔ اور آپ نے ستمبر ۱۹۱۰ء میں انجمن کو توجہ دلائی کہ اس مدرسہ کا انتظام یا تو مدرسہ احمدیہ کے مدرس اول (ہیڈ ماسٹر) کی زیر نگرانی ہو یا کسی اور موزوں شخص کو اس کا ناظم مقرر کیا جائے۔ اس پر صدر انجمن نے مدرسہ کا پورا انتظام آپ ہی کے سپرد کر دیا اور فیصلہ کیا کہ مدرسین کو انتظامی معاملات میں کوئی دخل نہ ہو گا۔ [۱۲۴] باوجودیکہ آپ کی دوسری دینی مصروفیات بہت تھیں اور انتظامی امور میں کوئی خاص تجربہ بھی نہ تھا مگر آپ نے محض قومی خدمت کی خاطر اس بار گراں کو اٹھانا منظور کر کے مدرسہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ستمبر ۱۹۱۰ء سے مارچ ۱۹۱۴ء تک افسر مدرسہ احمدیہ رہے۔ آپ کا دورہ مدرسہ احمدیہ کی تاریخ میں ایک سنہری دور کہلانے کا مستحق ہے آپ سے قبل مدرسہ ناقص حالت میں تھا۔ مگر آپ کے آتے ہی اس کی قسمت جاگ اٹھی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی کایا پلٹ گئی۔

مدرسہ احمدیہ کی ترقی کے لئے زریں خدمات

چنانچہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مدرسہ احمدیہ کے اس سنہری دور کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ "مدرسہ ہائی کے ساتھ جب تک مدرسہ احمدیہ رہا اس کی حالت ایک لاوارث چیز کی سی تھی طالب علموں کے پاس پورے طور پر کمرے بھی نہ تھے۔ مدرسوں کے پاس اچھی کرسیاں تک نہ تھی۔ بعض کلاسیں زمین پر چٹائیاں بچھا کر گزارہ کرتی تھیں۔ ایک دفعہ ایسا بھی ہوا

کہ نہ امتحان ہوا اور نہ کلاس بندی ہوئی۔ بالکل لاوارثی کی سی حالت تھی اس بے کسی کے زمانہ میں حضرت محمود [۱۲۵]......... مدرسہ احمدیہ کے لئے فرشتہ بن کر ظاہر ہوئے مدرسہ احمدیہ کی نظامت آپ کے سپرد ہوئی وہ مدرسہ احمدیہ جس کی ڈوبتی کشتی ایک دفعہ آپ پہلے بچا چکے تھے۔ اب آپ نے اسے اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے لیا۔

آپ کا وجود مدرسہ احمدیہ کے لئے ایک مجسم رحمت تھا۔ آپ نے پست خیال طالب علموں کے اندر علو ہمتی پیدا کرنے کے لئے متعدد طریق اختیار فرمائے۔ آپ نے حکماً طالب علموں کو زمین پر بیٹھ کر پڑھنے سے منع فرمایا۔ کیونکہ اس سے پست خیالی پیدا ہوتی ہے۔ طالب علموں کو فن خطابت سکھانے کے لئے جلسوں اور لیکچروں کا انتظام فرمایا۔ ہر جمعرات کو نصف دن تعلیم ہوتی تھی اور باقی نصف وقت تعلیم خطابت ہوتی تھی۔

لڑکوں کے بورڈنگ ہاؤس کی صفائی کا خاص اہتمام ہونے لگا۔ ہر ماہ میں ایک دفعہ لازماً آپ بورڈنگ۔ واٹر ہوس۔ کچن اور بیت الخلا کی صفائی ملاحظہ فرماتے۔

عربی مدرسوں کے طالب علموں میں ایک قسم کی پستی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کو دور کرنے کے لئے آپ خود وقتاً فوقتاً تقریریں فرماتے اور ان کو ابھارتے۔ مدرسہ احمدیہ کے قابل طالب علموں کے لئے کھیلنے کے لئے کوئی الگ فیلڈ نہ تھی۔ آپ نے ان کے لئے فیلڈوں کا انتظام کیا۔ تاکہ آئندہ بننے والے علماء صرف ملاں ہی نہ ہوں۔ بلکہ ہر طرح چاق و چوبند ہوں۔

مدرسہ ہائی کے پاس تو ایک قیمتی لائبریری تھی۔ جس سے طالب علم فائدہ اٹھاتے تھے۔ مگر مدرسہ احمدیہ کے پاس کوئی لائبریری نہ تھی۔ آپ نے اس ضرورت کو سخت محسوس کیا اور اپنی لائبریری سے قیمتی کتابوں کا ایک بڑا مجموعہ جس میں الھلال مصر کے پرچے بھی تھے مرحمت فرمایا۔ اور مزید روپیہ بھی انجمن سے منظور کروایا۔ طالب علم عربی کتابوں کو پڑھتے تھے اور فائدہ اٹھاتے تھے۔

آپ نے مدرسہ احمدیہ کی چوتھی جماعت کو اپنے لئے مخصوص کر لیا اور روزانہ تین گھنٹہ اپنا وقت دیتے تھے۔ میں بھی اس کلاس کا طالب علم تھا اور اپنے بخت پر فخر کرتا ہوں کہ مجھے بھی آپ سے نسبت تلمذ حاصل ہے۔ آپ اپنی کلاس کے طالب علموں کی ہر طرح سے تربیت فرمایا کرتے تھے یہ مدرسہ احمدیہ کا موضوع بہت لمبا ہے۔ سردست اختصار سے اس قدر لکھتا ہوں کہ بعض طالب علم مدرسہ میں کرتہ پہن کر آجاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے ترجمہ میں ایک فقرہ دیا۔------ جو یہ تھا------ مدرسہ میں بغیر کوٹ پہنے نہیں آنا چاہئے۔ اس فقرہ سے سب لڑکے سمجھ گئے کہ آپ کیا چاہتے ہیں دوسرے دن لڑکے کوٹ پہن کر آگئے۔

تربیت کا یہ ایک عجیب پہلو تھا۔ ایک دن سکول میں آپ دیر سے تشریف لائے۔ لڑکے باہم ہنسی مذاق کرنے لگے۔ اسی حالت میں آپ تشریف لے آئے۔ آپ نے اس وقت تو کچھ نہ فرمایا۔ تیسرے دن اردو سے عربی کرنے کا جب کام دیا۔ تو حسب ذیل فقرات اس میں درج تھے:۔

۱۔ ہنسی مذاق بری چیز نہیں۔
۲۔ مگر کھیل کھیل کے وقت کھیلو۔
۳۔ مدرسہ میں جب آؤ۔ ایک دوسرے کا ادب کرو۔
۴۔ دھکم دھکا مت ہو۔
۵۔ کسی کے کندھے پر ہاتھ مت رکھو۔

لڑکوں نے عربی میں ترجمہ تو کیا مگر اس کے ساتھ ہی اپنی اصلاح کرلی۔ رات کو آپ لڑکوں کو سٹڈی کی حالت میں دیکھنے کے لئے تشریف لاتے۔ الغرض مدرسہ احمدیہ آپ کی پوری توجہ سے بڑھتا چلا گیا۔ اور سلسلہ میں جس قدر کام کرنے والے علماء آج نظر آتے ہیں وہ آپ کی توجہ اور محنت کا نتیجہ ہیں"۔ ۱۲۶

مدرسہ احمدیہ کے نظام تعلیم کو ٹھوس اور مستقل بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے آپ نے سب سے اہم قدم یہ اٹھایا کہ اوائل ۱۹۱۲ء میں اپنے خرچ پر ہندوستان کا ایک لمبا دورہ کیا۔ ۱۲۷ جس میں دیوبند۔ سہارنپور۔ ندوہ وغیرہ اسلامی مدارس کی تعلیم اور ان کے انتظام کو بغور مطالعہ کیا اور پھر اپنے تجربات کی روشنی میں مدرسہ میں اہم تبدیلیاں کر کے طلباء کے معیار تعلیم کو بلند سے بلند تر کر دیا۔ اس کے بعد آخر ۱۹۱۲ء میں عربی مدارس دیکھنے اور حج کرنے کے لئے آپ نے مصر و عرب کا سفر بھی اختیار فرمایا۔ ۱۲۸،۱۲۹

۱۹۱۳ء میں آپ کے مشورہ پر سید ولی اللہ شاہ صاحب اور شیخ عبدالرحمٰن صاحب مدرس مدرسہ احمدیہ کو مصر میں بغرض تعلیم بھجوایا گیا۔ تا وہ عربی تعلیم حاصل کر کے مدرسہ احمدیہ کے لئے مفید وجود بن سکیں۔ قبل ازیں مدرسہ احمدیہ کے طلباء کو نہ مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کی سہولت تھی نہ انٹرنس تک انگریزی پڑھنے کی آسانی۔ مگر آپ کی توجہ سے مدرسہ احمدیہ کے فارغ التحصیل طلباء کے لئے ہائی سکول میں انگریزی تعلیم کا انتظام ہوا۔ نیز طلباء مدرسین کی مدد سے مولوی فاضل کے امتحان میں شامل ہونے لگے۔ ۱۳۰ علاوہ ازیں مدرسہ کے نصاب کی تکمیل کے لئے ایک دو سالہ طبی کورس بھی رکھا گیا۔ آپ اپنے اوقات کا اکثر حصہ مدرسہ کی اصلاح میں خرچ کرتے اور اپنے قوم کے بچوں کے لئے تڑپ تڑپ کر دعائیں کرتے تھے۔ ۱۳۱ آپ نے بورڈنگ کا الگ انتظام کرایا۔ پرائمری سے

کم تعلیم رکھنے والے طلبہ کے لئے (یکم مارچ ۱۹۱۱ء سے) سپیشل کلاس کھلوائی۔ [۱۲۲] آپ طلبہ کی تعلیم میں اس حد تک ذاتی دلچسپی لیتے رہے کہ جب کوئی استاد رخصت پر جاتا تو بعض اوقات خود ہی اس کا مضمون پڑھاتے اور طلبہ میں عربی کا ذوق پیدا کرنے کے لئے عربی کلام فرماتے تھے۔ [۱۲۳]

مدرسہ احمدیہ کے لئے آپ کی خدمات کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ مختصراً یہ کہ آپ نے اس دینی درسگاہ کو بام عروج تک پہنچانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور مدرسہ نے آپ کے عہد میں حیرت انگیز ترقی کی۔

مدرسہ خلافت ثانیہ میں

مارچ ۱۹۱۴ء میں جب آپ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو مدرسہ کا انتظام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے خوش اسلوبی سے سنبھال لیا۔ [۱۲۴]

ازاں بعد شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۹ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے یہ محسوس کر کے کہ جماعت کی عالمگیر تبلیغی ضروریات کو صرف مدرسہ احمدیہ ہی پورا کر سکتا ہے۔ آپ نے پہلی جاری شدہ سکیم پر نظر ثانی کے لئے ایک کمیٹی نامزد فرمائی۔ جس کے ممبر یہ تھے:۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب۔ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے (جن کا نام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے بعد میں عبدالرحیم صاحب درد تجویز فرمایا) حضرت میر محمد اسحٰق صاحب۔ حضرت مولوی محمد دین صاحب۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب۔ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب۔ ماسٹر نواب دین صاحب۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری۔ چنانچہ حضور کی زیر نگرانی مدرسہ کے لئے ایک نئی انقلابی سکیم نافذ کی گئی۔ [۱۲۵] اس سکیم کے نتیجہ میں مدرسہ احمدیہ ترقی کرتے کرتے ۲۰/ مئی ۱۹۲۸ء کو عربی کالج کی شکل اختیار کر گیا۔ [۱۲۶] جس نے بڑے بڑے نامور علماء اور مبلغ پیدا کر کے تبلیغ اسلام کی جدوجہد میں شاندار حصہ لیا۔ جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی اصلاحات کا دور

وسط ۱۹۳۷ء میں مدرسہ احمدیہ کا ایک جدید دور شروع ہوا جب کہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے اخراج جماعت کے بعد حضرت میر محمد اسحٰق صاحب اس کے ہیڈ ماسٹر ہوئے۔ آپ نے مختصر عہد میں مدرسہ میں متعدد اصلاحات کیں۔ اس کی خستہ عمارت کو پختہ کرایا۔ یتیم اور بے سہارا طلبہ کی تعلیم کے لئے خصوصی انتظامات کئے۔ طلبہ میں علمی شعور پیدا کرنے کے لئے علمی مجالس قائم کیں آپ طلبہ میں تبلیغی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے اپنے شاگردوں کو قادیان سے

باہر جلسوں پر لے جاتے۔ خود بھی تقریر فرماتے اور ان سے بھی تقریریں کراتے۔ آپ نے اپنی خداداد علمی' روحانی اور انتظامی قابلیتوں سے مدرسہ احمدیہ کی عظمت کو چار چاند لگا دئے۔ مگر افسوس زندگی نے وفا نہ کی اور آپ ۱۹/ مارچ ۱۹۴۴ء کو انتقال فرما گئے اور آپ کی بجائے مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد جب قادیان فسادات کی لپیٹ میں آگیا تو مدرسہ احمدیہ کے چار اساتذہ ۱۲۷ جن میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل بھی تھے درویشوں میں شامل ہوئے اور بقیہ اساتذہ کا قافلہ جامعہ احمدیہ کے سٹاف کے ساتھ ۱۰/ نومبر ۱۹۴۷ء کو بذریعہ کنوائے قادیان سے لاہور پناہ گزین ہوا۔

مدرسہ احمدیہ کا احیاء پاکستان میں

نئے بدلے ہوئے حالات میں چونکہ دو مستقل اداروں کا علیحدہ علیحدہ شکل میں قائم رہنا مشکل تھا اس لئے ان کا الحاق کرکے ۱۳/ نومبر ۱۹۴۷ء کو لاہور میں ایک مخلوط ادارہ کا اجراء کیا گیا جس میں مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کے طلبہ جامعہ احمدیہ کے پرنسپل مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل کی زیر نگرانی تعلیم پاتے تھے جگہ کی تنگی نیز ہوسٹل کی سہولتوں کے میسر نہ آنے کی وجہ سے یہ ادارہ چند دن بعد پہلے چنیوٹ میں بعد ازاں دو ماہ بعد احمد نگر (متصل ربوہ) میں منتقل کر دیا گیا۔ ۱۲۸ شروع دسمبر ۱۹۴۹ء میں جامعۃ المبشرین یعنی مبشرین کالج کا اجراء ہوا۔ جس میں جامعہ احمدیہ کے فارغ التحصیل طلباء کو تبلیغ اسلام کی خصوصی ٹریننگ دی جانے لگی۔ آخر ۷/ جولائی ۱۹۵۷ء کو مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ اور جامعۃ المبشرین تینوں ادارے ایک ہی درسگاہ میں مدغم کر دئے گئے اور اس درسگاہ کے پرنسپل سید داؤد احمد صاحب (خلف الصدق حضرت میر محمد اسحٰق صاحب) مقرر ہوئے اب یہ درسگاہ جو -------- جامعہ احمدیہ -------- کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ آپ کی زیر نگرانی ترقی کر رہی ہے اسے نہایت عمدہ عمارت میسر آگئی ہے اور دارالاقامہ کی عمارت بھی نہایت عمدہ ہے۔ طلبہ کی تعلیم کے لئے بہترین لائبریری بھی موجود ہے۔ ۱۲۹

اعانت یتامی و مساکین کے لئے تحریک

جنوری ۱۹۰۹ء میں حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے یتامی اور مساکین فنڈ کی اعانت کے لئے تحریک فرمائی جس کے لئے سو روپیہ آپ نے خود بھی عطا فرمایا۔ ۱۳۰

حضرت مسیح موعودؑ کی دو عظیم پیشگوئیوں کا ظہور

اس سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دو عظیم الشان

پیشگوئیوں کا جو ایران اور ترکی سے متعلق تھیں' ایسا واضح ظہور ہوا کہ ایک عالم دنگ رہ گیا۔

۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا تھا۔ "تزلزل در ایوان کسریٰ افتاد" اس الٰہی خبر کے عین مطابق عوام نے ایرانی شاہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ اس پیشگوئی کے پورے ہونے پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب نے ایک اشتہار دیا جس میں اس کی تفصیلات کا ذکر کرنے کے بعد لوگوں کو یہ دعوت دے کر اتمام حجت کی کہ "آؤ اور خدا کے قائم کردہ سلسلہ میں داخل ہو۔ ورنہ ایسے نشان کی نظیر کسی جھوٹے نبی کے کارناموں میں دکھلاؤ۔ مگر جو کہتا ہے کہ ایسا ہوتا ہے وہ جھوٹا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین پس خدا کی لعنت سے بچنے کے لئے احمدیت کے جھنڈے کے نیچے پناہ لو"۔ [۱۴۱]

۲۔ حضرت مسیح موعودؑ نے صاف فرمایا تھا کہ سلطان (روم۔ ناقل) کی سلطنت کی اچھی حالت نہیں ہے اور میں کشفی طریق سے اس کے ارکان کی حالت اچھی نہیں دیکھتا۔ اور میرے نزدیک ان حالتوں کے ساتھ انجام اچھا نہیں۔ [۱۴۲] چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق ترکی میں ایک خونی انقلاب آیا۔ جس کے نتیجہ میں سلطان عبدالحمید خاں معزول کر دیئے گئے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس پیشگوئی کے ظہور پر "تازہ نشان" کے عنوان سے ایک زبردست مضمون شائع کیا۔ [۱۴۳]

حضرت خلیفہ اول کا مکتوب خواجہ حسن نظامی صاحب کے نام

خواجہ حسن نظامی صاحب (۱۸۷۸ء۔ ۱۹۵۷ء) نے حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء (۱۲۳۸۔ ۱۳۲۵) کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ سے کچھ لکھنے کی درخواست کی تھی اس کے جواب میں حضرت خلیفہ اولؓ نے حضرت نظام الدین صاحب کی شان و عظمت کے بارے میں ایک ایمان افروز مکتوب لکھا۔ چنانچہ آپ نے تحریر فرمایا:۔

"اب میں قرآن کریم کو پڑھتا ہوں تو اس میں ارشاد ہے۔ وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حقیقت ہر زمانہ کے اخیار میں طاری و ساری ہے۔ اور ہمیشہ اس کے مطابق ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور اس معیار پر میں نے حضرت نظام الحق والدین سلطان الدنیا والعقبیٰ کو دیکھا تو سات سو برس کے قریب قریب ہوتا ہے کہ ہزاروں ہزار اخیار آپ کی مدح میں رطب اللسان ہیں...... پس میرا دلی یقین ہے کہ وہ محبوب الٰہی..... واقعی محبوب الٰہی تھے۔" [۱۴۴]

نواب وقار الملک کے نام خط

نواب وقار الملک مشتاق حسین صاحب (۱۸۴۷۔ ۱۹۱۷) سرسید کے دست راست تھے۔ اور اسی لئے نواب محسن الملک مولوی مہدی علی خاں کی وفات پر اکتوبر ۱۹۰۷ء میں علی گڑھ کالج کے سیکرٹری ہوئے اور اپنی

وفات تک بڑی دلچسپی سے یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔ اپنے سیکرٹری شپ کے تیسرے سال انہوں نے حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اول کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ علی گڑھ کالج کے لئے دولاکھ روپیہ چندہ جمع کریں۔ اس کے جواب میں حضرت خلیفہ اولؓ نے ۲۲/ مارچ ۱۹۰۹ء کو ایک مفصل خط لکھا جس میں علی گڑھ کالج کے نظام تعلیم کے بارے میں ناقدانہ نگاہ سے لکھا"۔ "آپ کا محمڈن کالج۔ آکسفورڈ کیمرج کا مقابلہ نہ کر سکے گا.......... اسلام درگور ہے بلکہ ہندوستان سے اسلام کا مقابلہ محال ہے۔۔ جس قدر آپ ترقی کریں کرلیں یورپ و امریکہ کو چھوڑ ہندوؤں سے مقابلہ بھی خواب و خیال ہو گا۔ اسلام مال سے نہیں اخلاص سے ترقی کر چکا اور کرے گا۔ ایمان اعمال صالحہ سے وابستہ ہے"۔ نیز تحریر فرمایا۔ "گو سرسید دعا کا نتیجہ حصول مراد نہیں مانتے تھے۔ مگر میں بخلاف ان کے دعا کو سبب حصول مرادات مانتا ہوں ایک پیسہ جمع کرنا بھی ناپسند کرتا ہوں اور یہ واقع ہے کہ پھر بایں آپ کے سرسید بھی میری عزت کرتے تھے اور بہت کرتے تھے محسن الملک اور ان کے بازو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حضور کسی امام و مصنف کا نام اسلام میں بتا سکتے ہیں جس نے ان رویوں کے ذریعہ اسلام کو دنیا میں پھیلایا۔ لائبریری کا عالیجاہ؟ آپ کو شوق ہے مگر صرف ہندوستان میں صرف میری لائبریری ہے جس سے سرسید احمد خاں اور مولانا شبلی نے بحمد اللہ ضرور فائدہ اٹھایا ہو گا۔ یا ہے ایک تو دنیا سے چل بسے دوسرے موجود ہیں آپ ان سے دریافت فرما سکتے ہیں۔ [۱۲۵]

انجمن "الاخوان" کے سالانہ جلسہ پر تقریر

مارچ ۱۹۰۹ء کے آخری عشرہ میں لاہور کے احمدی طلباء نے اپنی انجمن الاخوان کا سالانہ جلسہ کیا۔ جس میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کو بھی مدعو کیا۔ آپ کو ان دنوں سخت چوٹ لگی ہوئی تھی اور اس حالت میں ڈاکٹروں نے آپ کو آرام کا مشورہ دیا تھا۔ مگر محض خدمت کے جذبہ کے باعث آپ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح اولؓ کی اجازت سے جلسہ میں شامل ہوئے جب پنڈال میں پہنچے آپ کو سخت درد ہو رہا تھا۔ لیکن خدا کے فضل سے جونہی آپ کھڑے ہوئے درد دور ہو گیا اور آپ نے اس کے بعد نہایت فاضلانہ لیکچر دیا جو بہت پسند کیا گیا۔ [۱۲۶]

دہلی سے قصور تک تبلیغی دورہ

حضرت صاحبزادہ صاحب مارچ ۱۹۰۹ء کے خاتمہ پر حضرت ام المومنینؓ اور دیگر صاحبزادگان اور حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کے ساتھ دہلی تشریف لے گئے رستہ میں آپ چند روز کپور تھلہ میں ٹھہرے۔ کپور تھلہ سے پھر لاہور کے جلسہ سیرت النبی ﷺ میں شمولیت فرمائی اور نہایت موثر اور روحانیت سے لبریز تقریر فرمائی۔ لاہور سے فراغت کے بعد پھر دہلی پہنچے اور وہاں ۹/ اپریل کو ایک کامیاب لیکچر دیا اس کے

معاً بعد ۱۱/ اپریل ۱۹۰۹ء کو قصور کے سالانہ جلسہ میں شریک ہوئے اور لیکچر دینے کے بعد دوبارہ دہلی میں حضرت ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے جہاں آپ کا ۱۶/ اپریل ۱۹۰۹ء کو دوسرا عام لیکچر ہوا اور ۱۸/ اپریل ۱۹۰۹ء کو حضرت ام المومنین کے ساتھ واپس قادیان تشریف لائے۔ [۱۴۷]

اردو کی تائید میں ریزولیوشن

ڈاکٹر پی۔ سی۔ چیٹر جی نے پنجاب یونیورسٹی کے جلسہ اسناد پر کہا تھا کہ اردو صوبہ پنجاب کی ورنیکلر زبان نہیں ہے اس لئے صوبائی تعلیم اردو کی بجائے پنجابی میں ہونی چاہئے۔

یہ خیال چونکہ مسلمانوں کے لئے نہایت درجہ مضر اور نقصان رساں تھا اس لئے مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ نے ۲۵/ مئی ۱۹۰۹ء کو حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح کی صدارت میں یہ ریزولیوشن پاس کیا کہ "اس انجمن کی رائے میں "اردو" صوبہ پنجاب میں تعلیمی اغراض کے لئے بالعموم اور ابتدائی تعلیم کے لئے بالخصوص مناسب اور موزوں زبان ہے اور بہ حیثیت درسی جو رتبہ اسے مدارس میں حاصل ہے اس کو قائم رکھنا ترقی تعلیم کے لئے نہایت ضروری ہے"۔ [۱۴۸]

جلسہ انجمن احمدیہ فیروز پور

۲۹۔ ۳۰/ مئی ۱۹۰۹ء کو انجمن احمدیہ فیروز پور نے جلسہ کیا جس کا پروگرام خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر چیف کورٹ نے تجویز کیا تھا اس جلسہ میں بھی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کا لیکچر ہوا۔ بعنوان "اسلام کیا ہے اور وہ ہمیں کیا بنانا چاہتا ہے" صدر جلسہ خواجہ کمال الدین صاحب نے اس لیکچر پر یہ ریمارکس کئے:۔ "صاحبزادہ صاحب نے جس قابلیت کے ساتھ اپنے لیکچر کو ختم کیا ہے اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا مگر جو حقانیت ان کے دل پر مرتسم ہے وہ بڑے بڑے آدمیوں میں نہیں۔ اگرچہ ہم نے کوئی گدی نہیں بنائی۔ مگر میں اتنا کہتا ہوں کہ آپ نے اور پیروں کے بچے بھی دیکھے ہیں میرے مرشد زادہ اور پیرزادہ کو بھی آپ نے دیکھا ہے کہ وہ قرآن کریم پر کیسا شیدا ہے اور اس کے حقائق و معارف بیان کرنے میں کیسا قابل ہے"۔

اس جلسہ میں آپ کے علاوہ جن مقررین نے تقریریں کیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔ حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی۔ خان صاحب منشی فرزند علی صاحب۔ خواجہ کمال الدین صاحب۔ شیخ محمد یوسف صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ یہ جلسہ بہت کامیاب رہا۔ [۱۴۹]

انگریزی ترجمہ قرآن مجید

اس وقت تک قرآن پاک کے جتنے تراجم یورپ کی مختلف زبانوں (مثلاً انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، یونانی، لاطینی، پولینڈ، اٹالین، پرتگالی، اسپینش، ہنگری، سروی، ہالینڈ، البانی، ڈنمارک، آسٹریا، بلغاری وغیرہ) [۱۵۰] میں ہوئے

تھے وہ کل عیسائیوں کے قلم سے نکلے تھے۔ ظاہر ہے یہ مسلمانوں کے نزدیک کسی اعتماد کے لائق نہ ہو سکتے تھے۔ انگریزی میں سب سے پہلا ترجمہ ۱۶۴۹ء میں الیگزنڈر راس نے (ALEXANDER ROSS) اور دوسرا ترجمہ جارج سیل نے (GEORGESALE) ۱۷۴۳ء میں کیا جو اس درجہ مقبول ہوا کہ اس کے چھتیس ایڈیشن شائع ہوئے۔ آخری ایڈیشن ۱۹۱۳ء میں چھپا اس کے بعد ۱۸۶۱ء میں راڈویل نے (REV. J.N. REDWELL. M.A) ۱۸۸۰ء میں ایڈورڈ ہنری پامر (EDWARD HENRY PALMER) نے اور ۱۹۰۵ء میں محمد عبد الحکیم خاں پٹیالوی نے ترجمہ شائع کیا۔ ان حالات میں عالم اسلام کو انگریزی میں ایک نئے ترجمہ قرآن کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ جو قرآن مجید کی صحیح روح اور مزاج کی ترجمانی کرنے والا ہو۔ تا نہ صرف مغربی دنیا کو اسلام کی حقیقی تعلیم کا پتہ چلے بلکہ نو تعلیم یافتہ مسلمان جو قرآن سمجھنے کے لئے مغربی تراجم کی طرف رجوع کر رہے تھے۔ صحیح ترجمہ قرآن سے واقف ہو سکیں۔

چنانچہ اس اہم ضرورت کی طرف بعض احمدی احباب نے صدر انجمن احمدیہ کو توجہ دلائی۔ ۱۵۱ جس پر صدر انجمن احمدیہ نے یہ کام یکم جون ۱۹۰۹ء کو مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز کے سپرد کیا اور مولوی صاحب کو ادارت کے کام سے فارغ کر کے ان کی بجائے حضرت مولوی شیر علی صاحب کو مقرر کر دیا گیا۔ چنانچہ خود مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہیں:۔ "مولوی صدر الدین صاحب بی اے۔ بی ٹی کے مدرسہ میں آنے پر مولوی شیر علی صاحب بی۔ اے میگزین میں آگئے۔ مولوی صاحب موصوف پہلے بھی ہیڈ ماسٹری کے زمانہ میں ریویو میں مضامین لکھ کر وقتاً فوقتاً امداد دیتے رہے تھے۔ اب جب ان کا سارا وقت اس کام کے لئے خالی ہو گیا تو ایڈیٹر کو اس سے فراغت مل گئی۔ چنانچہ یکم جون ۱۹۰۹ء سے ریویو کے لئے مضمون نویسی کا کل کام مولوی شیر علی صاحب کے سپرد ہو کر ایڈیٹر کے سپرد ترجمہ قرآن شریف کا کام کیا گیا۔ اور ٹریکٹوں کی طبع کا انتظام بھی ان ہی کے سپرد کیا گیا۔ اس طرح قرآن شریف کے انگریزی ترجمہ کا کام صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام میں شروع ہو چکا ہے"۔ ۱۵۲

مولوی محمد علی صاحب نے ترجمہ قرآن کے ضمن میں یہ درخواست پیش کی کہ پہلے تراجم اردو انگریزی اور لغات عربی و انگریزی کا مطالعہ کیا جائے گا۔ دو سال میں ترجمہ ہو گا۔ قریباً چھ ہزار روپیہ اسی کام پر علاوہ کاغذ وغیرہ کے خرچ اٹھے گا۔ ترجمہ کے لئے ایک مکان باہر ہوادار بنایا جائے اور ایک دفتر بھی۔ چنانچہ صدر انجمن نے ۶/ جون ۱۹۰۹ء کو ان کی اس درخواست کو منظور کر لیا ۱۵۳ اور ان کی ضروریات پوری کر دی گئیں اور پرانی آبادی کے باہر ایک کھلے میدان میں ایک مکان مع دفتر بنوا دیا۔ ۱۵۴ ستمبر ۱۹۱۰ء کو ایک ٹائپ رائٹر انجمن نے مہیا کیا۔ چنانچہ صدر انجمن احمدیہ کی رپورٹ میں لکھا ہے۔

"۵۹۴ روپے میں سے ۴۱۱ روپے پر تو ایک ٹائپ رائٹر ترجمۃ القرآن کے کام کے لئے خرید اگیا ہے اور باقی متفرق خرچ ہے"۔ [155] مئی ۱۹۱۳ء میں مولوی صاحب کو چھ ماہ کے لئے پہاڑ پر ایک چپڑاسی دے کر بھجوایا گیا تا وہ سکون کے ساتھ یہ کام جاری رکھ سکیں۔ ضروری کتابیں بھی ساتھ بھجوانے کا انتظام کیا گیا۔ [156] جنوری ۱۹۱۴ء میں مولوی محمد جی صاحب کو ان کی امداد کے لئے لگایا گیا۔ [157] غرضکہ مولوی صاحب موصوف کو صدر انجمن احمدیہ نے نہ صرف اس کام کے لئے فارغ کر کے معقول مشاہرہ دیا بلکہ اخراجات کی پروانہ کرتے ہوئے ہر ممکن سہولت ان کے لئے مہیا کی تب کہیں جا کر تین سال میں ترجمہ مکمل ہوا اور بعد ازاں اس پر نوٹ لکھنے کا کام شروع کیا۔ چنانچہ صدر انجمن احمدیہ کی رپورٹ (۱۳-۱۹۱۲ء) میں لکھا ہے۔ "بڑا خرچ اس مد (ترجمۃ القرآن۔ ناقل) کا ایڈیٹر صاحب ریویو کی تنخواہ ہے۔ جو سال زیر رپورٹ میں سارا وقت ترجمۃ القرآن کے کام کو ہی دیتے رہے ہیں۔ ترجمہ تو مکمل ہو گیا ہے اب نوٹ لکھے جا رہے ہیں۔ اور اس کے بعد دیباچہ لکھا جائے گا۔ جو امید ہے کہ آئندہ سال میں ختم ہو کر قرآن شریف کے ولایت چھپوانے کا انتظام انشاء اللہ ہو جائے گا"۔ [158]

آخر جب نوٹ وغیرہ لکھنے کا کام کسی حد تک مکمل ہو گیا۔ تو خواجہ کمال الدین صاحب نے از خود ہی اخبار "پیغام صلح" میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے چندہ دینے کی اپیل کی اور چندہ کی وصولی کے لئے اپنی طرف سے چار افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بھی تشکیل دے دی۔ جس کے ممبروں میں اپنے علاوہ مندرجہ ذیل لاہوری دوستوں کو نامزد کیا۔ شیخ رحمت اللہ صاحب مالک انگلش ویئر ہاؤس۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔ حالانکہ انہیں اس بات کا قطعاً کوئی حق نہیں تھا۔ انگریزی ترجمہ قرآن لکھنے والے انجمن کے ملازم تھے اور انجمن فراخ دلی سے ان کے اخراجات برداشت کرتی آرہی تھی اسی لئے اشاعت کی ذمہ دار بھی وہی تھی۔ [159]

اب ترجمہ کے نوٹ آخری مراحل پر تھے کہ حضرت خلیفہ اول کی وفات ہو گئی اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ منتخب ہوئے تو مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء نے آپ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ صدر انجمن احمدیہ کے ملازم کی حیثیت سے ان کا فرض تھا کہ وہ ترجمہ قرآن کا مسودہ صدر انجمن احمدیہ کو (جس کے ہزاروں روپے ترجمہ قرآن کے لئے ان پر خرچ ہوئے تھے) واپس کر دیتے یا اس کی زیر نگرانی اس کی تکمیل کرتے مگر مولوی محمد علی صاحب نے جو پہلے ہی ترجمہ انگریزی کو اپنی ملکیت قرار دینے اور اس کے ذریعہ اپنی شہرت و نمائش کرنے کا منصوبہ بنا چکے تھے۔ اس صالحانہ اور دیانتدارانہ طریق سے ہٹ کر ایک دوسری راہ اختیار کی یعنی وہ انجمن کو چھ ماہ کی رخصت کی درخواست دے کر قادیان سے لاہور چلے گئے اور ساتھ ہی جاتے

ہوئے مسودہ ترجمہ کے علاوہ دفتر کا ٹائپ رائٹر اور میگزین کی تمام ضروری کتب بھی ترجمہ کے بہانے ساتھ لے گئے۔ [۱۶۰] جس پر سیکرٹری صدر انجمن قادیان نے ۲۲/ جون ۱۹۱۴ء کو ریزولیوشن پاس کر کے ان کی خدمت میں لکھا کہ وہ ترجمہ انگریزی کے تمام مسودات اور نقول اور میگزین کی لائبریری کی کتب اور دیگر سامان مملوکہ انجمن جو ان کے پاس ہے پندرہ دن کے اندر اندر واپس کر دیں۔ [۱۶۱] اس مطالبہ پر مولوی محمد علی صاحب نے جو جواب دیا۔ وہ زمانہ حال کے مفسر قرآن کی دیانت و امانت و تقویٰ شعاری کا پردہ چاک کرنے کے لئے کافی تھا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا:۔

"جناب سیکرٹری صاحب۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا خط نمبر ۲۲۲ مورخہ ۲۲/ جون ۱۹۱۴ء مجھے ۲۵/ جون کو ملا۔ میرا جواب مختصراً حسب ذیل ہے:۔

۱۔ میں موجودہ انجمن کے نظام اور اس کی تمام کارروائی کو خلاف قانون سمجھتا ہوں اس لئے اس کا وہ ریزولیوشن جس کے حوالے سے آپ نے مجھے مخاطب فرمایا ہے میرے لئے واجب التعمیل نہیں ہے۔

۲۔ ریزولیوشن مذکورہ کی اس لئے میں تعمیل نہیں کر سکتا کہ انجمن کو ترجمہ کے کام میں رکاوٹ ڈالنے یا مخل ہونے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اس کام کو میں نے اپنے طریق پر اور اپنی اقتضاء و رائے کے مطابق تکمیل کرنا ہے اور جس طرح سے میں پسند کروں اسے ختم کرنا اور طبع کرانا ہے انجمن کو کسی موہوم نقصان و اندیشہ یا کسی دیگر وجہ سے کوئی استحقاق نہیں ہے۔ کہ مجھ سے نامکمل مسودہ جس کی تکمیل کے لئے تاحال خاصہ عرصہ چاہئے طلب کرے۔ نہ ہی انجمن مجھ کو اس بات سے روک سکتی ہے۔ کہ میں اپنا تصنیف کردہ مسودہ یا اس کی نقول کو اپنے پاس رکھوں یا جس طرح چاہوں ان سے کام لوں۔

۳۔ قطع نظر اس کے جہاں تک میں نے غور کیا ہے قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ جو میری تصنیف ہے میری ملکیت ہے۔

۴۔ چونکہ ترجمہ ہنوز نامکمل ہے اس لئے امید کی جاتی ہے کہ آپ واپسی کتب پر اصرار نہ فرمائیں گے۔ خاکسار محمد علی ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز" [۱۶۲]

اس کے بعد جیسا کہ مولوی محمد علی صاحب نے اپنی تحریر میں لکھ دیا تھا ترجمہ کو اپنے طریق اور اپنی اقتضاء و رائے کے مطابق تکمیل تک پہنچایا۔ یعنی اپنے نئے مسلک و عقیدہ کے مطابق اس پر نظر ثانی اور ترمیم و تصحیح کر کے جماعت کے مخصوص عقائد۔ نبوت مسیح موعود۔ ولادت مسیح وغیرہ کو خارج کر دیا۔ اور یہ رد و بدل اتنے وسیع پیمانہ پر کیا گیا کہ پہلے مسودہ کو دوبارہ ٹائپ کرانا پڑا۔ چنانچہ اخبار

"پیغام صلح" صاف لفظوں میں لکھتا ہے:۔ ۱۹۱۴ء میں حضرت مولانا نورالدین صاحب وفات پاگئے اور اختلاف سلسلہ کا حادثہ رونما ہوا۔ اس کے بعد حضرت امیر حالات کی مجبوری کی وجہ سے ترجمہ قرآن کے مسودات کو لے کر لاہور تشریف لے آئے اور یہی وہ ایک متاع تھی جو ہمارے بزرگ قادیان سے اپنے ساتھ لاہور لائے۔ ترجمہ اور حواشی کا باقی کام لاہور میں تکمیل کو پہنچا۔ اور اس کے بعد سارے مسودہ پر نظر ثانی کی گئی۔ مسودہ گو ایک دفعہ پہلے ٹائپ ہو چکا تھا لیکن نظر ثانی کے بعد پھر ٹائپ کرایا گیا اور ۱۹۱۶ء میں یہ طباعت کے لئے بالکل مکمل ہو گیا۔ [۱۶۳]

مولوی محمد علی صاحب نے ترجمہ کی تکمیل پر کتابیں تو واپس نہ کیں البتہ اس مرحلہ پر جب کہ مسودہ میں کافی ردوبدل کیا جا چکا تھا انہوں نے قادیان لکھا کہ میں نے ترجمہ مکمل کر لیا ہے اس کی طباعت کے نصف اخراجات اگر دے دیئے جائیں تو اس کی آدھی کاپیاں آپ کو دے دی جائیں گی۔ مگر جب مولوی محمد علی صاحب اس میں اپنی ذاتی رائے اور اقتضاء کے مطابق ترمیم و تنسیخ کر چکے تھے تو اس کو جماعتی سطح پر شائع کرنے کا مطالبہ ہی مضحکہ خیز تھا اس لئے اسے رد کر دیا گیا۔

قصہ کوتاہ یہ مسودہ طباعت کے لئے مولوی صدرالدین صاحب کے پاس ووکنگ (انگلستان) بھیج دیا گیا۔ متن کی کتابت لاہور میں ہوئی اور بلاک ولایت ہی میں بنے اور غالباً ۱۹۱۸ء کے ابتداء میں اس کا پہلا ایڈیشن یہاں پہنچا۔ [۱۶۴] اور ہاتھوں ہاتھ بکا۔ اور مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں بہت مقبول ہوا۔ اور یہی توقع تھی کیونکہ جس غیر احمدی پبلک سے اس کی اشاعت کے لئے چندہ وصول کیا گیا تھا اس کے ذوق و مزاج کے مطابق اس میں ردوبدل ہو چکا تھا اور ترجمہ کرنے والے مسلمانوں میں سے ایک عمدہ انگریزی دان تھے۔ اور دوسری طرف کسی مسلمان عالم کا انگریزی ترجمہ ان کے پاس سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔

۱۹۱۸ء میں یہ ترجمہ شائع ہوا اور مولوی محمد علی صاحب کو ۱۹۱۹ء سے انجمن اشاعت اسلام لاہور سے اس کا حق تصنیف وصول ہونا شروع ہو گیا۔ مئی ۱۹۲۵ء میں خواجہ صاحب کی تجویز پر ان کے حق تصنیف کی شرح دگنی کر دی گئی۔ [۱۶۵] اس پر خود ان کے ساتھیوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ ۱۹۳۷ء میں مولانا غلام حسن خان صاحب نے (جو اس وقت انجمن اشاعت اسلام کے سرگرم ممبر اور چوٹی کے لیڈر تھے) اعتراضات سے بھرا ہوا ایک لمبا خط لکھا کہ "مولوی صاحب کا انگریزی ترجمۃ القرآن جو انہوں نے بطور اجیر انجمن سے اجرت لے کر کیا ہے وہ چند آدمیوں نے باضابطہ مولوی صاحب کو تملیک کر دیا ہے۔ جو کسی طرح جائز نہ تھا.......... مولوی صاحب کا اس کو لے لینا تقویٰ کے خلاف تھا۔ [۱۶۶]

اس کے بعد اگرچہ مولانا غلام حسن خاں تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی بیعت کر کے مبایعین میں شامل ہو گئے۔ مگر بات معقول تھی۔ اس لئے ان کے ساتھی ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے چنانچہ مولفان "مجاہد کبیر" کا کہنا ہے۔ "افسوس........ اس سیدھے سادے معاملہ کو مولانا محمد علی صاحب کے خلاف باتیں بنانے کے لئے ایک آسان ذریعہ سمجھ لیا گیا۔ اور درپردہ پروپیگنڈا اور مسلسل چہ میگوئیاں کی گئیں اور اس بات کو ایک ایسا رنگ دیا جاتا رہا کہ خدا جانے مولانا محمد علی صاحب انجمن سے کیا کیا ناجائز طور پر لے کر کھا گئے"۔ [۱۶۷]

یہ مخالفت اندر ہی اندر چل رہی تھی کہ ۱۹۵۱ء میں مولوی صاحب نے انجمن کے جنرل سیکرٹری سے گٹھ جوڑ کر کے درپردہ ایک "ہولی قرآن ٹرسٹ" قائم کر لیا۔ جس میں اپنے تئیں "حنفی المذہب" قرار دیا۔ "بورڈ آف ٹرسٹیز" میں اپنے علاوہ اپنی اہلیہ (مہرالنساء بیگم صاحبہ) اپنے برادر نسبتی (مسٹر نصیر احمد فاروقی یکے از مولفان مجاہد کبیر) اپنے ایک فرزند (محمد احمد صاحب ایم۔ اے یکے از مولفان مجاہد کبیر) ایک بھتیجا (میاں رحیم بخش صاحب) اور ایک عزیز (فضل احمد صاحب پسر جناب میاں محمد صاحب پریمیر فلور مل لائل پور) کو شامل کیا۔ [۱۶۸]

ٹرسٹ کی رجسٹری کے بعد جب اصل کارروائی منظر عام پر آئی تو ان کے رفقاء میں سخت غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی چنانچہ ان کی بیگم صاحبہ کا بیان ہے۔ "مفسدوں نے مخالفت کا طوفان برپا کر دیا اور طرح طرح کے بیہودہ الزام لگائے یہاں تک بکواس کی کہ آپ نے احمدیت سے انکار کر دیا ہے اور انجمن [۱۶۹] کا مال غصب کر لیا ہے"۔ [۱۷۰، ۱۷۱]

خلاصہ یہ کہ جماعت احمدیہ کے مخصوص علم کلام اور نقطہ نگاہ سے قوم جس ترجمۃ القرآن کی مدت سے امیدیں لگائی بیٹھی تھی اور جس کے لئے اس کا ہزاروں روپیہ صرف ہوا وہ مولوی محمد علی صاحب شائع نہ کر سکے۔ اور خدا نے اس کی توفیق خلافت ثانیہ کے عہد میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ، خان بہادر ابو الہاشم خان صاحبؓ اور ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے کو دی۔ کہ ان کی مجموعی کوششوں سے ایک مکمل اور مستند ترجمہ قرآن مجید انگریزی شائع ہوا اور خلافت ثانیہ میں نہ صرف انگریزی ترجمہ ہی مکمل رنگ میں اشاعت پذیر ہوا۔ بلکہ سواحیلی، ڈچ اور جرمن وغیرہ زبانوں میں بھی شائع ہوئے علاوہ ازیں روسی، فرانسیسی، اطالوی، پرتگالی، اور ہسپانوی زبانوں میں تراجم کے مسودات بھی مکمل ہو چکے ہیں۔ [۱۷۲]

مباحثہ رامپور خان صاحب ذوالفقار علی خان صاحب نے (جو ریاست رام پور میں ایک معزز عہدہ پر ممتاز تھے) حضرت خلیفۃ المسیح اول ؓ کی خدمت میں خط لکھا کہ نواب صاحب رام پور احمدی اور غیر احمدی علماء کا مباحثہ کرا کے سلسلہ کی حقانیت معلوم کرنا چاہتے ہیں چونکہ مباحثہ کی خواہش ایک والی ریاست کی طرف سے تھی۔ اور یہ خیال تھا کہ عوام الناس کا اس میں کچھ دخل نہ ہو گا اور گفتگو متانت و شائستگی سے ہو گی۔ لہٰذا حضرت خلیفۃ المسیح نے اس کی اجازت دے دی۔ چنانچہ یہ مباحثہ ۱۵/ جون سے ۱۹/ جون ۱۹۰۹ء تک جاری رہا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب۔ حضرت مولوی سرور شاہ صاحب۔ مولوی مبارک علی صاحب۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب۔ خواجہ کمال الدین صاحب۔ حضرت میر قاسم علی صاحب اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی شامل ہوئے [۱۷۳] اہم شرائط مناظرہ یہ قرار پائیں۔ (۱) مباحثہ نواب صاحب کی موجودگی میں ہو گا۔ (۲) مباحثہ تحریری ہو گا۔ اور پرچے فریقین کے میر مجلسوں کے دستخطوں سے مصدق ہو کر فریقین کو دیئے جائیں گے۔ (۳) استدلال صرف قرآن کریم اور سنت صحیحہ مثبتہ سے علی منہاج النبوۃ ہو گا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب فریق مخالف کے نمائندہ تھے اور احمدیوں کی طرف سے میر قاسم علی صاحب اور حضرت سید محمد احسن صاحب بطور مناظر پیش ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مسیحؑ کی وفات کے دلائل دیئے نیز ثابت کیا کہ خاتم النبین کا لفظ محل مدح پر آیا ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ آپ کی بعثت کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو کوئی ایسا نیا حکم لائے جو کتاب اللہ اور سنت صحیحہ میں نہ ہو یا نعوذ باللہ کسی حکم منصوص کو منسوخ کر دے کیونکہ آنحضرت ﷺ کمالات نبوت کے انتہائی نقطہ پر ہیں جہاں تمام کمالات نبوت آپ پر ختم ہیں۔ اسی طرح انہوں نے اپنی بحث میں بتایا حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ برحق ہے۔ اور آپ کے الہامات منجانب اللہ ہیں یہ الگ بات ہے کہ ہر ملہم سے بعض اوقات اجتہادی غلطی واقع ہو سکتی ہے۔ اور آپ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ [۱۷۴]

افسوس نواب صاحب رام پور جو اس مباحثہ کے داعی و محرک تھے پہلے دن ہی غیر جانبدار نہ رہے اور دوسرے دن تو کھلم کھلا مولوی ثناء اللہ صاحب کی پشت پناہی کرنے لگے۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب نے ۲۰/ جون ۱۹۰۹ء کو حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں لکھا۔ "ہماری بحث کی طرف قطعاً توجہ نہیں کرتے اور نہ اسے سنتے ہیں پہلے دن بھی اور کل بھی جب ہماری تحریر ہوتی ہے تو لوگوں سے باتوں میں مشغول رہتے ہیں اور جب ہمیں یا ہمارے امام کو برا کہا جاتا ہے تو اس سے نواب صاحب کو رنج نہیں پہنچتا۔ بلکہ جس طرح فریق مخالف استہزاء کر کے خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح نواب صاحب بھی

خوش ہوتے ہیں۔ اور اپنی خوشی کا اظہار بھی فرماتے ہیں۔ پھر مولوی ثناء اللہ صاحب کی تقریر شروع ہوتی ہے تو بجلی کے پنکھے بھی بند کر دئے جاتے ہیں کیونکہ ان کے شور سے آواز اچھی طرح سنائی نہیں دیتی۔ اب گویا یہ حالت ہے کہ ہماری باتوں کو نواب صاحب سننے کی پروا نہیں کرتے۔ اور نہ اس کی طرف کچھ توجہ فرماتے ہیں اور ان کی ساری ہمدردی فریق مخالف کے ساتھ ہے۔ اور بالآخر جب وہ فریق مخالف کے وکیل ہو گئے تو ہمیں یہ مصیبت پیش آئی ہے کہ ہم اپنی باتوں کو کس طرح پیش کر سکیں اور امن کی حالت گویا خطرہ کی حالت میں بدل گئی ہے اور تحریر مصدقہ ہوتی نہیں جس سے پبلک کو بھی کچھ فائدہ ہو سکے"۔ ۱۷۵

جماعت کو ذمہ داریوں کے احساس کی طرف توجہ دلانا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے دل میں یہ خیال بہت دفعہ پیدا ہوا کہ حضور کے وجود باجود کے دنیا سے اٹھ جانے سے جہاں اور بہت سے تغیرات دنیا میں ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں وہاں ہر ایک احمدی کی کوششوں اور جدوجہد میں بھی ایک نمایاں تبدیلی ہونی چاہئے۔ چنانچہ جب یہ خیال بہت زور سے آپ کے دل میں اٹھا تو آپ نے تبلیغ اسلام کے عنوان سے ایک اہم مضمون لکھا جو تشحیذ الاذہان میں شائع ہوا۔ اس ولولہ انگیز مضمون کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔ "آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرت صاحب کی وفات سے ہم پر بعض نئی ذمہ داریاں پڑی ہیں اور وہ کام جس کو وہ خدا کا برگزیدہ نبی کرتا تھا اب ہمارے سپرد ہوا ہے جس سے اب یہ بات ضروری اور لازمی ہو گئی ہے کہ ہم بھی اپنے اندر ایک خاص تبدیلی پیدا کریں اور ایک خاص جوش ہمارے دلوں میں پیدا ہو اور ہماری ہر قسم کی سستی اور کاہلی کافور ہو جائے اور ہمارے دل محبت الٰہی کی بیخود کرنے والی شراب سے لبریز ہوں۔ غرضکہ ہم میں ایک ایسی تبدیلی پیدا ہو کہ اس برگزیدہ کی موت سے جو کمی ہم میں پیدا ہو گئی ہے۔ اسے خداوند تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے پورا کر دے"۔ ۱۷۶

صاحبزادگان کا سفر کشمیر

یکم جولائی ۱۹۰۹ء سے ۲۲/ اگست ۱۹۰۹ء تک حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کشمیر میں قیام پذیر رہے ۱۷۷ آپ کے ہمراہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحب۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کے علاوہ حضرت مولانا سرور شاہ صاحب بھی تھے۔ جو بطور اتالیق گئے تھے۔ ان دنوں وہاں موٹریں نہیں ہوتی تھیں۔ اور یہ سفر یکوں میں طے ہوا تھا۔ بعض جگہوں پر گھوڑے کی سواری کی گئی۔ ۱۷۸ کشمیر میں آپ نے تبلیغ کے ساتھ ساتھ روحانی مجاہدات کا خاص خیال رکھا۔ ۱۷۹

مسجد نور بھیرہ

حضرت خلیفہ اول کے بزرگوں کی خاندانی مسجد ایک ایسے محلہ میں واقع ہے جہاں احمدی اور غیر احمدی دونوں رہتے ہیں ابتداء بہت کوشش ہوئی کہ دونوں صلح سے رہیں مگر ایک تھانیدار کے اکسانے پر کشمکش شروع ہو گئی اور فریقین کے مچلکے ہو گئے اور گو فساد تک نوبت نہ پہنچی مگر حضرت خلیفہ اولؓ کو یقین ہو گیا کہ فساد رفع نہیں ہو گا جس پر آپ نے اپنا ایک سہ منزلہ مکان جو مسجد کے متصل تھا ہبہ کر کے مسجد بنوادی۔ جو اب مسجد نور کے نام سے موسوم ہے ۱۸۰ اس مسجد کا غربی کمرہ جو اب تک اپنی اصل صورت میں ہے آپ کا مقام ولادت ہے یہ مسجد دوسری منزل پر واقع ہے۔ اور نچلے حصہ کی کوٹھریاں بدستور موجود ہیں۔

حضرت خلیفہ اول کے اپنی حویلی کے ہبہ کر کے مسجد بنوانے پر ایک غیر احمدی مولوی نے بذریعہ تحریر اعتراض کیا جس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا:۔

"مسجد تو آپ لوگوں اور رفتوؤں نے ہم سے لے لی۔ اب ہم اپنا مکان مسجد بنادیں تو ہم شریر۔ آہ یہ اسلام ہے۔ مولوی صاحب! اتنا بڑا سہ منزلہ عظیم الشان باپ دادا کا مکان کوئی ضائع کرتا ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ ہماری جماعت متفرق ہو جاوے۔ گویا اس محلہ میں ہم لوگ اللہ کا نام بھی نہ لیں"۔ ۱۸۱

گرلز سکول (مدرسۃ البنات)

مدرسہ البنات کا قیام حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ہوا۔ مگر جماعت بندی ۱۹۰۹ء سے ہوئی ابتداء میں کئی سالوں تک اس کا انتظام محترمہ سکینۃ النساء صاحبہ کے ہاتھ میں زیر نگرانی ہیڈ ماسٹر صاحب تعلیم الاسلام ہائی سکول رہا۔ ۱۸۲ لیکن پھر حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب افسر مدرسہ احمدیہ ان کے نگران مقرر ہوئے۔ ابتداء میں حضرت خلیفہ اول کی وقف شدہ زمین سے پانچ سو روپیہ کی رقم سے اس درسگاہ کے لئے ایک مکان خرید اگیا۔ ۱۹۱۹ء میں گرلز سکول مبارک منزل متصل مدرسہ احمدیہ میں تھا اس کے بعد قادیان کی آبادی بڑھی تو محلہ دارالعلوم میں اس کے لئے ایک وسیع عمارت میسر آگئی اور گرلز سکول وہاں منتقل کر دیا گیا۔ ۱۸۳

دیانند مت کھنڈن سبھا دہلی

دہلی اور اس کے ماحول میں آریہ سماج نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زبردست فتنہ برپا کر رکھا تھا۔ جماعت احمدیہ دہلی کے نامور ممبر حضرت میر قاسم علی صاحب نے ملازمت چھوڑ کر ان دشمنان اسلام کے تحریری و تقریری دفاع کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی اور دہلی میں دیانند مت کھنڈن سبھا کے نام سے ایک انجمن قائم کی۔ حضرت خلیفہ اول نے اپنی جیب خاص سے اس انجمن کے لئے ایک سو روپیہ عطا فرمایا۔ اس انجمن نے آریوں کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں بڑا بھاری کام کیا اور مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ ۱۸۵

اخبار ''نور'' کا اجراء

شیخ محمد یوسف صاحب (سابق سورن سنگھ) نے اکتوبر ۱۹۰۹ء سے ایک نیا اخبار ''نور'' کے نام سے جاری کیا جس کا مشن سکھوں میں اسلام کی تبلیغ تھا یہ اخبار تقسیم ہند تک بخیرو خوبی جاری رہا۔ اس کے بعد شیخ صاحب نے پاکستان میں آکر گوجرانوالہ سے اسے دوبارہ نکالنا شروع کیا مگر افسوس چند پرچے ہی شائع ہوئے تھے کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ سکھوں میں تبلیغ اسلام کی کوئی تاریخ شیخ محمد یوسف صاحب کے جاری کردہ اخبار نور اور ان کے شائع کردہ لٹریچر کے بغیر مکمل نہیں قرار دی جاسکتی۔ ۱۸۵ اخبار نور پہلا نیا اخبار ہے جو خلافت اولیٰ کے عہد مبارک میں جاری ہوا۔

مباحثہ منصوری

اسی سال وسط نومبر میں دوسرا مشہور مباحثہ منصوری میں ہوا۔ حضرت خلیفتہ المسیح اول کے حکم سے قادیان سے جو وفد گیا اس میں مولوی محمد علی صاحب۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب۔ شیخ عبدالرحمن صاحب قادیانی اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب شامل تھے۔ دہلی سے حضرت میر قاسم علی صاحب اور لاہور سے مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کو پہنچنے کا ارشاد ملا۔ روانگی کے وقت حضرت خلیفتہ المسیح اول نے مولوی محمد علی صاحب کو امیر قافلہ مقرر فرمایا اور دوسروں کو ان کی اطاعت کی تاکید کی اور ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ پر توکل کرو۔ لوگوں کے ساتھ ان کی سمجھ کے مطابق بات کرو۔ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی نگہداشت کرو۔ واثبتوا واذکروا اللہ کثیرا پر عمل کرو یعنی ثابت قدمی اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو اور دعاؤں میں مصروف رہو اور تمہارے دل کے گوشہ میں سوائے عظمت الٰہی کے کچھ نہ ہو۔

اس مباحثہ کے لئے مولوی ثناء اللہ صاحب کو بلانے کے لئے تار پر تار دئے گئے بلکہ کرایہ کی رقم بھی بذریعہ تار بھجوائی گئی مگر وہ نہ آئے۔ اس لئے مولوی محمد یحیٰی صاحب بہاری مدرس مدرسہ مظاہر العلوم پیش ہوئے اور احمدیوں کی طرف سے حضرت میر قاسم علی صاحب نے مناظرہ کیا۔ اس مباحثہ کے دو موضوع تھے (۱) حیات و وفات مسیحؑ (۲) دعاوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ خدا کے فضل سے دونوں موضوع میں احمدی مناظر کو کامیابی نصیب ہوئی۔ ۱۸۶

انجمن ارشاد کا قیام

۱۹۰۹ء کے آخر میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب نے ''انجمن تشحیذ الاذہان'' کے بعد دوسری ''انجمن ارشاد'' بنائی جس کا مقصد دشمنان اسلام کے اعتراضوں کا ردو ابطال تھا۔ ۱۸۷

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب مدظلہ العالی کی ولادت

۱۵/ نومبر ۱۹۰۹ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دوسرے پوتے صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی ولادت باسعادت ہوئی [۱۸۸] اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کو آپ کی ولادت کی پہلے سے عظیم الشان بشارت مل چکی تھی چنانچہ آپ نے ۲۶/ ستمبر ۱۹۰۹ء کو ایک خط میں لکھا "مجھے بھی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ میں تجھے ایک ایسا لڑکا دوں گا۔ جو دین کا ناصر ہو گا اور اسلام کی خدمت پر کمربستہ ہو گا........"

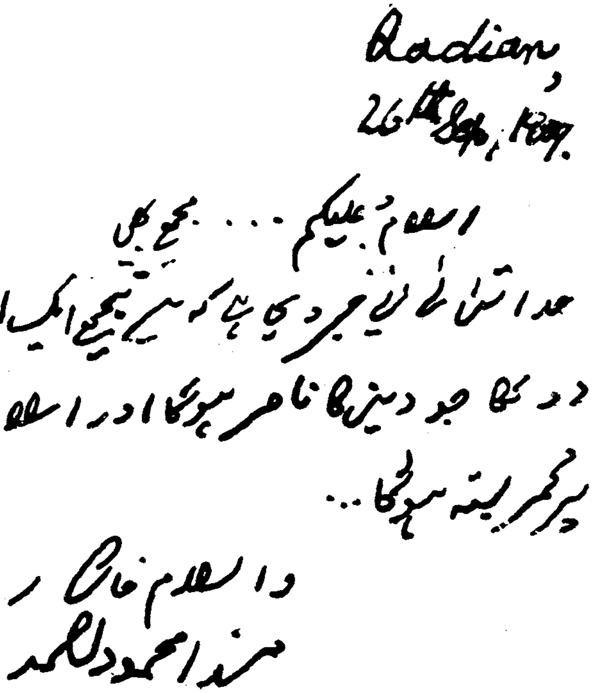
Qadian,
26th Sep., 1909.

السلام علیکم ... مجھے بھی
خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ میں تجھے ایک ایسا لڑکا
دونگا جو دین کا ناصر ہوگا اور اسلام کی خدمت
پر کمربستہ ہوگا..

والسلام خاکسار
مرزا محمود احمد

جلسہ سالانہ کا پروگرام

گزشتہ سال کے تلخ نتائج کی وجہ سے امسال جلسہ ۱۹۰۹ء کے پروگرام کا کام ایک سب کمیٹی کے سپرد کیا گیا جس کے سیکرٹری حضرت صاحبزادہ صاحب اور ممبر مولوی صدر الدین صاحب، حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب تھے اس کمیٹی کا تقرر ۲۱/ نومبر ۱۹۰۹ء کو ہوا۔ [۱۸۹]

نجات

ایک پادری میکملن نے مشن کالج لاہور کے احاطہ میں مسئلہ کفارہ کے موضوع پر ایک لیکچر دیا جس کے جواب میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب نے ایک مضمون

"نجات" کے عنوان سے لکھا جو پہلے رسالہ "تشحیذ الاذہان" میں [۱۹۰] اور پھر مستقل رسالہ کی شکل میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں آپ نے عیسائیوں کے سامنے چار فیصلہ کن سوال بھی رکھے۔ جس سے عیسائی دنیا کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔

۱۔ ثابت کیا جائے کہ خدا تین ہیں جب تک خدا تین ثابت نہ ہوں نہ کفارہ رہتا ہے نہ نجات تورات و خروج ب ۸ آیت ۱۸۔ تو صرف خدائے واحد لاشریک کا تصور پیش کرتی ہے؟

۲۔ اگر خدا تین ہیں تو یسوع ہی کیونکر تیسرا خدا ہے کیونکہ بیٹے کا لفظ بہتوں کے لئے بولا گیا؟

۳۔ متی ب ۲۶ آیت ۳۹ سے ثابت ہے کہ مسیح صلیب پر مرنا نہ چاہتا تھا۔ پس خدا ظالم ٹھہرتا ہے۔

۴۔ یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ مسیح نے واقعی صلیب پر جان دے دی تھی؟

مسیحی لیکچروں کے جواب میں اسلامی لیکچر

آخر ۱۹۰۹ء میں عیسائیوں نے فورمین کالج میں تقریروں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ جس کے آخر میں چند منٹ مسلمانوں کو بھی سوال کے لئے دیئے جاتے تھے۔ مسلمانان لاہور کا منشا یہ تھا کہ مسلمان اول تو ان لیکچروں کو نہ سنیں دوم اسی وقت ان کے مقابلہ میں لیکچر دیئے جائیں۔ حضرت خلیفتہ المسیح اول نے ۵/ نومبر ۱۹۰۹ء کو اعلان فرمایا کہ یہ دونوں طریق درست نہیں اس لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ پہلے عیسائی اپنے لیکچر مکمل کرلیں اس کے بعد لاہور میں اسلامی لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا جائے گا۔ [۱۹۱]

چنانچہ اس اعلان کے مطابق ۲۹/ دسمبر ۱۹۰۹ء تا یکم جنوری ۱۹۱۰ء چار روز احمدیہ بلڈنگس میں جوابی لیکچر ہوئے۔ دوسرے مقررین [۱۹۲] کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے بھی نجات کے موضوع پر مدلل تقریر فرمائی۔ [۱۹۳] اس موقع پر عیسائیوں نے حافظ احمد مسیح صاحب اور بریلی کے جوالا سنگھ صاحب کو بلوالیا اور دوبارہ لیکچروں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مگر اس میں ان کو پوری ناکامی ہوئی اور لیکچر بند کر دینے پڑے۔ [۱۹۴]

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری سے چپقلش اور تکفیر سے رجوع

۱۹۰۹ء کا سال اس اعتبار سے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں سلسلہ کے دو مشہور معاند مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی ثناء اللہ صاحب جو جماعت کو تباہ کرنے کا دعویٰ لے کر اٹھے تھے۔ آپس میں الجھ پڑے۔ اور ملک کے دوسرے مشہور علماء بھی رفتہ رفتہ اس جنگ میں کود پڑے اور فریقین نے ایک دوسرے کو کافر کہنے پر بس نہ کرکے مرصع گالیاں دیں۔ چنانچہ مولوی ثناء اللہ

صاحب نے اہلحدیث میں اپنے "روحانی باپ" مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے متعلق جھوٹا۔ بکواسی۔ بیہودہ گو تک کہہ ڈالا۔ نیز لکھا۔ بٹالوی کا رہبر شیطان لعین ہے۔ اس کے مقابل مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو "کاذب گیڈر" "مفتری وغیرہ خطاب سے نوازا۔ اور بڑے لمبے لمبے مضامین "اشاعۃ السنہ" میں ان کے خلاف لکھے غرضکہ ایک طوفان بے تمیزی تھا جو بلند ہوا۔ [۱۹۵] اور یہ سب کچھ اس شوخی اور بے باکی کی پاداش میں تھا۔ جو ان خدا نا ترس علماء نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بالمقابل دکھائی تھی۔ اس معرکہ آرائی کے دوران مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حق کی طرف بھی رجوع کر لیا جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ **ھذا الرجل یومن بایمانی قبل موتہ۔** [۱۹۶] یہ شخص اپنی موت سے قبل میرا مومن ہونا تسلیم کر لے گا۔

چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ۱۹۰۹ء میں اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ اٹھایا کہ یہ اعلان کیا کہ آنے والا مسیح موعود آسمانی نشانات و برکات سے اسلام کو غالب کرے گا۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے:-

"(امام مہدی) بھی حضرت مسیح موعود کی طرح اپنے مشن میں سیفی جنگ و تلوار و تفنگ سے کام نہ لیں گے بلکہ صرف آسمانی نشانات اور روحانی برکات سے دنیا میں دین اسلام کی اشاعت کریں گے"۔ [۱۹۷] اور یہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مشن اور آپ کا دعویٰ تھا۔

اس حیرت انگیز اعلان کے بعد دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ پہلے اپنے ایک لڑکے ابو اسحٰق [۱۹۸] کو پھر عبدالباسط کو قادیان کے مدرسہ تعلیم الاسلام میں داخل کرا دیا۔ جس پر اہلحدیث حلقے میں بہت شور اٹھا مگر مولوی صاحب نے جواب دیا کہ "میرے پانچ لڑکے یکے بعد دیگرے علم عربی دینی کے پڑھنے میں کوتاہی اور آخر صاف انکار اور مخالفت احکام شریعت پر اصرار کرنے کے سبب میری اطاعت سے خارج اور عاق ہو گئے........ ان میں سے بڑا ابو اسحٰق نامی اب تک آوارہ پھرتا ہے اور اس کا پتہ نہیں۔ دوسرا چھوٹا عبدالباسط قابو آیا۔ تو منشی یعقوب علی ایڈیٹر الحکم نے اس کا حال سن کر ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور اپنے سکول کے انتظام کی تعریف کر کے کہا کہ ان کو چند روز کے لئے ہمارے سپرد کر دیں۔ اس سکول کے انتظام و تعلیم کی تعریف میں نے خارجاً بھی سنی یعنی سرکاری ملازموں نے بھی کی۔ یہ سن کر چھوٹے لڑکے کو ان کے سپرد کر دیا........ میں نے ان سے یہ شرط کر لی ہے کہ احمدی عقائد کی ان کو تعلیم نہ دیں۔ جس کو انہوں نے قبول کر لیا۔ ساتویں جماعت کی تعلیم مذہبی میں بانی مذہب کا لیکچر مہوتسو اور حمامۃ البشریٰ داخل تھا۔ میرے کہنے سے انہوں نے اس لڑکے کی تعلیم سے اس کو بھی نکال دیا۔

ارکان سکول اور بورڈنگ کے حسن تدبیر و نگرانی و لطف سے لڑکے کا دل وہاں تعلیم پر اچھی طرح لگ گیا۔ اور اس کی آوارگی جاتی رہی"۔ ۱۹۹

اس کے بعد تیسرا قدم یہ اٹھایا کہ انہوں نے گوجرانوالہ میں لالہ دیو کی نندن کی عدالت میں (اپنے فتویٰ کفر سے رجوع کرتے ہوئے) بیان دیا۔ "ایک فرقہ احمدیہ بھی اب تھوڑے عرصہ سے پیدا ہوا ہے جب سے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے دعویٰ مسیحیت اور مہدویت کا کیا ہے۔ یہ فرقہ بھی قرآن و حدیث کو یکساں مانتا ہے......... کسی فرقہ کو جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ہمارا فرقہ مطلقاً کافر نہیں مانتا"۔

چنانچہ اس بیان پر منصف نے اپنے فیصلہ میں صاف لکھا۔ "مولوی محمد حسین صاحب گواہ مدعیہ اسلام کے حنفی ہیں اور احمدی فرقہ والوں کے نزدیک وہ کافر ہیں۔ جیسے کہ انہوں نے اپنے بیان میں خود تحریر کرایا ہے۔ اور ایسے ہی مولوی عبدالحکیم صاحب گواہ مدعیہ کے نزدیک احمدی فرقہ کے لوگ کافر ہیں جو مرزا غلام احمد صاحب کے پیرو ہیں۔ حالانکہ مولوی محمد حسین گواہ کے نزدیک وہ کافر نہیں۔ پس اس سے ظاہر ہوا کہ ایک فرقہ والا دوسرے فرقہ والے کو کافر کہتا چلا آیا ہے۔ دراصل کوئی کافر نہیں ہے جیسے کہ مولوی محمد حسین گواہ کا بیان ہے.......... اسلام کا اصل مقصود دنیا میں توحید پھیلانا ہے اور دنیا سے شرک کو مٹانا ہے پس جو شخص ایک خدا کو مانتا ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور ایک خدا کی عبادت کرتا ہے وہ قرآن مجید کی رو سے مسلمان ہے خدا اور رسول اسے مسلمان کہتے ہیں۔ اور ایسا شخص اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا"۔ ۲۰۰

ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کے سوالات کے جوابات حضرت خلیفہ اول کی طرف سے

مشہور مسلمان فلسفی شاعر اور قانون دان ڈاکٹر سر محمد اقبال (۱۸۷۷ء - ۱۹۳۸ء) نے ۱۹۰۹ء میں حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں مندرجہ ذیل سوالات بغرض جواب بھجوائے:۔

۱۔ کیا کوئی غیر مسلم فرمانروا اپنی مسلمان رعایا کے لئے وضع قانون کر سکتا ہے؟

۲۔ کیا کوئی غیر مسلم جج از روئے قانون اسلامی مسلمانوں کے مقدمات فیصل کر سکتا ہے؟ کیا تاریخ اسلام میں کسی ایسے غیر مسلم جج کی نظیر موجود ہے جو بحیثیت عہدہ مسلمانوں کے مقدمات فیصل کرتا ہو؟

۳۔ کیا مسلمان ہونے کے لئے شرع محمدی کی پابندی لازمی ہے۔ اگر ہے تو ان مسلمان قوموں کی نسبت کیا حکم ہے جن کے معاملات زیادہ تر رواج سے فیصل پاتے ہیں اور جو خود اپنے آپ کو رواج کا پابند ظاہر کرتی ہیں۔

۴۔ مسلمانوں کا ضابطہ تعزیری قریباً قریباً بالکل معطل ہے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ اسلامی ممالک میں بھی کیا اس ضابطہ کی پابندی ضروری ہے اگر ہے تو جو مسلمان اس کے پابند نہیں خواہ اس وجہ سے کہ وہ کسی غیر مسلم بادشاہ کے محکوم ہیں جو اس ضابطہ کا پابند نہیں ہے یا کسی اور وجہ سے ان کے اسلام کی نسبت کیا حکم ہے؟

یہ سوالات عصر حاضر کے نہایت اہم سوالات تھے جن کے مفصل جوابات پر حضرت خلیفہ اولؓ جیسی ماہر اسلامیات شخصیت ہی روشنی ڈال سکتی تھی۔ چنانچہ آپ نے ڈاکٹر صاحب کے سوالات کے اصولی جوابات قرآنی آیات پیش کر کے لکھ بھیجے جن کا ملخص یہ تھا۔

۱۔ قرآن مجید گو مکمل ضابطہ حیات ہے مگر وہ مذاہب مختلفہ کو باہمہ اختلافات تباہ نہیں کرنا چاہتا بلکہ قائم رکھنا چاہتا ہے۔ قانون اسلامی کے اصل الاصول قرآن مجید میں موجود ہیں۔ مگر ان کی تفصیل کو اطاعت اولی الامر کے نیچے رکھا ہے۔ اور اسی پر صحابہ سے لے کر آج تک اسلامیوں کا عمل ہے ہر مسلمان کے لئے اطاعت اللہ اطاعت الرسول اور اطاعت اولی الامر ضروری ہیں۔ اگر اولی الامر صریح مخالفت فرمان الٰہی اور فرمان نبوی کرے تو بقدر برداشت مسلمان اپنی شخصی و ذاتی معاملات میں اولی الامر کا حکم نہ مانے یا اس کا ملک چھوڑ دے اولی الامر میں حکام و سلطان اول ہیں اور علماء و حکام دوم درجہ پر ہیں۔ تعزیری احکام کے ہم ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ قرآن شریف میں حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال موجود ہے کہ آپ سلطنت فرعون کے ماتحت تھے۔ اور ملکی قانون کی خلاف ورزی نہ کر سکتے تھے۔

۲۔ غیر مسلم جج جب فرمانروا کی طرف سے ہے۔ تو حقیقتہ فرمانروا ہی جج ہے۔ اور اگر فرمانروا کی طرف سے نہیں بلکہ پنچائتی طور پر ہے تو بھی جائز ہے چنانچہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک موقعہ پر خود فرعون مصر کو اپنے معاملہ میں منصف مقرر فرمایا۔

۳۔ شرع محمدی نام ہے قرآن۔ احکام نبویؐ۔ خلفائے راشدین صحابہ ائمہ دین (امام ابو حنیفہؒ۔ ابو یوسفؒ۔ محمدؒ۔ زفرؒ۔ حسنؒ) کے فیصلہ پر عملدرآمد کا۔ فتاویٰ عالمگیری بلکہ ہدایہ کے مقدمات دیوانی و فوجداری اور قوانین میں قرآن مجید و حدیث کے ہزارویں حصہ کا ذکر بھی نہیں آتا۔ میونسپلٹی اور سیاست مدن کے قواعد کی چھان بین کی جائے تو غالباً سارے کا سارا عرف پر مبنی ہے اور فوجی قوانین کی کوئی خاص کتاب میرے زیر مطالعہ آج تک نہیں آئی۔ اور اگر کوئی کتاب ایسی ہو بھی تو اس میں قرآن و حدیث کا ذکر بطور تبرک ہی آتا ہے۔ اور ائمہ دین کا ذکر بھی شاید ہی اس میں ملتا ہے۔ اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ ان امور کی آزادی میں وقتی ضرورت عرف

سے کام لیا گیا ہے۔

۴۔ قرآنی نظریہ کے مطابق ایمان بتدریج ترقی کرتا رہتا ہے۔ پس جو لوگ صرف لا الہ الا اللہ کہتے ہیں اور دل سے مانتے ہیں وہ ایک حد تک مسلمان ہیں اور جو لوگ اس کے ساتھ پابند نماز بھی ہیں وہ پہلوں سے بڑھ کر مسلمان ہیں اور جو زکوۃ روزہ حج کو بھی ادا کرتے ہیں وہ اور زیادہ پختہ مسلمان ہیں۔ علیٰ ھذا القیاس۔ سب مساوی الایمان نہیں اور ہرگز نہیں۔ [۲۰۱]

تمکین خلافت کے نشان کا ظہور

ایڈیٹر الحکم شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے اس سال کے واقعات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا۔ "سال کے شروع میں خلافت حقہ کے اختیارات کے متعلق ایک بحث اٹھی جس میں صدر انجمن اور خلافت کے تعلقات اور اختیارات پر چند سوالات کئے گئے تھے۔ یہ خطرناک فتنہ اور ابتلا تھا۔ جماعت کی تمحیص کے لئے سلسلہ کے درد آشنا دل پہلو میں رکھنے والے اس ابتلاء کو ایک طرف دیکھتے تھے اور دشمنوں کی پیشگوئیاں اور تک بازیاں دوسری طرف۔ جو یہ کہتے تھے کہ ایک سال ہی کے اندر یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا اور خیال کیا جاتا تھا کہ اس ابتلا پر خاک بدہن دشمن سلسلہ کے دو فریق ہو جائیں گے مگر سلسلہ کی عظمت اور شوکت اور بھی بڑھ گئی جب اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے تمکین خلافت کی پیشگوئی کو پورا کر دیا۔ جیسا کہ آیت استخلاف میں درج ہے کہ خوف کو امن سے بدل دیں گے اس سلطنت پر امن میں سلسلہ حقہ کی خلافت پر کوئی ایسا زمانہ نہیں آسکتا تھا۔ جو خوف و خطر کا اس رنگ میں ہو جو صدیقی خلافت پر آیا۔ اس کے لئے یہی ایک خطرناک زمانہ تھا کہ خدانخواستہ شیرازہ قوم میں کوئی جنبش پیدا ہو۔ خوف آیا اور سخت آیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو امن سے بدل دیا جیسا کہ اس کا وعدہ تھا۔ چونکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک تیارہ شدہ قوم حضرت مسیح موعود و مغفور نے چھوڑی تھی اور اس کی سرپرستی اللہ تعالیٰ نے ایسے ہاتھ کے ذریعہ کی جو حضرت مغفور سے صدیقی تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے سب نے اس خطرناک موقعہ پر اپنی اطاعت اور وفاداری کا ثبوت دیا اور خلافت حقہ کو (جیسا کہ پہلے سے اپنے لئے مطاع اور امام یقین کرتے تھے) اپنا مطاع اور امام تسلیم کیا۔ اس ابتلا کے وقت کسی نے حضرت امام سے پوچھا کہ آپ اس کا نتیجہ کیا تنزل سمجھتے ہیں یا ترقی؟ فرمایا یہ ترقی کا موجب ہے چنانچہ جماعت کا ایمان بڑھا۔ جیسا کہ حق کے مقابلہ کے لئے باطل حد اندازی کرتا ہے۔ پھر بھی ایک دو مرتبہ اس باطل نے سر نکالنا چاہا۔ مگر بالآخر خدا تعالیٰ نے پوری شوکت اور قوت کے ساتھ تمکین خلافت کا نشان بھی ہم سب کو دکھا دیا۔ غرض صدیقی خلافت کا زبردست نشان بھی اسی سال میں پورا ہوا"۔ [۲۰۲]

۱۹۰۹ء کے متفرق واقعات

۱۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر نے ایک لمبا دورہ کیا۔ جس میں انہوں نے سلسلہ کی تبلیغ بھی کی۔ اور بہت جگہ نئی انجمنیں قائم کیں۔ اور ان کے مواعظ حسنہ سے متاثر ہو کر کئی لوگ احمدی ہوئے۔ ۲۰۳

۲۔ کلکتہ میں ایک مذہبی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں جناب مولوی محمد علی صاحب کا لکھا ہوا (انگریزی) مضمون خواجہ کمال الدین صاحب نے پڑھا جو بہت مقبول ہوا۔ ۲۰۴

۳۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے نظام حیدر آباد دکن تک سلسلہ کا پیغام پہنچانے کے لئے ایک کتاب "صحیحہ آصفیہ" شائع کی جس میں آیت ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا کے مطابق حضور نظام کو بڑے عمدہ پیرایہ میں متنبہ کیا کہ اگر کوئی خدا کا فرستادہ برپا نہیں ہوا تو حیدر آباد کا سیلاب اور دوسرے عذاب کیوں آ رہے ہیں؟ ۲۰۵

۴۔ مسٹر الیگزینڈر رسل ویب (امریکہ) کی تحریک پر پہلی مرتبہ امریکہ و یورپ میں کوئی مبلغ بھجوانے کا سوال صدر انجمن احمدیہ میں زیر غور آیا۔ ۲۰۶

۵۔ سکھوں اور ہندوؤں میں تبلیغ اسلام کی غرض سے قادیان میں "سادہ سنگت" کے نام سے ایک انجمن قائم ہوئی۔ جس نے گورمکھی میں ہزاروں کی تعداد میں پمفلٹ شائع کئے۔

۶۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے شملہ میں لیکچر دئے۔ جن کی لوگوں نے بہت تعریف کی۔ ۲۰۷
اس کے علاوہ متفرق مقامات پر آپ نے وید مقدس اور قرآن کریم پر لیکچر دئے۔

۷۔ دہلی سے میر قاسم علی صاحب کے قلم سے شدھی کی اشدھی اور چند اور رسائل آریوں کی تردید میں شائع ہوئے۔

۸۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے ۲۴ سے ۲۸ پارہ تک کا ترجمہ قرآن شائع کیا۔

حواشی دوسرا باب (فصل دوم)

۹۸۔ سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۸۔ ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۵۔ د ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ رجسٹر نمبر ۲ صفحہ ریویو آف ریلیجنز اردو مارچ ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۳۵۔
۹۹۔ بدر ۱۸/ مارچ ۱۹۰۹ء صفحہ ۳ کالم ۲۔
۱۰۰۔ رجسٹر نمبر ۲ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۴۱۔ ۳۳۸
۱۰۱۔ رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو مارچ ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۳۳۔ ۱۳۵۔ مدرسہ کے ابتدائی نصاب کے لئے ملاحظہ ہو تشحیذ الاذہان جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۔ ۴۔
۱۰۲۔ رجسٹر نمبر ۲ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۳۸
۱۰۳۔ صدر انجمن احمدیہ رجسٹر نمبر ۳ صفحہ ۳۵۔ حکیم فضل دین صاحب بیماری کی رخصت پر چلے گئے جس پر یکم جون ۱۹۰۹ء سے آپ مدرس مقرر ہوئے۔
۱۰۴۔ رجسٹر صدر انجمن احمدیہ نمبر ۳ صفحہ ۱۲۷۔ ۲۵/ جنوری ۱۹۱۰ء سے تقرر ہوا۔
۱۰۵، ۱۰۶۔ رجسٹر صدر انجمن احمدیہ نمبر ۳ صفحہ ۱۴۷۔ ۲۶/ مارچ ۱۹۱۰ء سے (طلبہ کو بھاشہ اور انگریزی سکھانے پر مقرر ہوئے)
۱۰۷۔ رجسٹر نمبر ۵ صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۹۱۔
۱۰۸۔ رجسٹر ۵ صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۹۱۔
۱۰۹۔ حکیم محمد الدین صاحب مستعفی ہو گئے تھے اس لئے ان کی بجائے آپ کا تقرر ہوا۔ رجسٹر صدر انجمن احمدیہ نمبر ۶ صفحہ ۳۶
۱۱۰۔ ۳/ مارچ ۱۹۱۲ء سے مدرس ہوئے رجسٹر صدر انجمن احمدیہ نمبر ۶ صفحہ ۱۹۴۔
۱۱۱۔ جنوری ۱۹۱۳ء سے سپیشل کلاس کے ٹیچر بنے۔ رجسٹر صدر انجمن احمدیہ نمبر ۶ صفحہ ۲۱۸۔
۱۱۲۔ شیخ عبد الرحمن صاحب مصری جب مصر میں بغرض تعلیم گئے۔ تو یہ ان کے قائم مقام مدرس تجویز ہوئے رجسٹر نمبر ۷ صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۱۱۸۔
۱۱۳۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ اکتوبر ۱۹۰۸ء تا ۳۰/ ستمبر ۱۹۰۹ء۔ صفحہ ۳۶۔
۱۱۴۔ رجسٹر نمبر ۳ صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۱۳۵۔
۱۱۵۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ۔ اکتوبر ۱۹۰۸ء لغایت ۳۰/ ستمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۶۔
۱۱۶۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ۔ اکتوبر ۱۹۰۹ء تا ستمبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۲۹۔
۱۱۷۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ۔ اکتوبر ۱۹۱۰ء تا ستمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۹۔ ۳۰۔
۱۱۸۔ رجسٹر نمبر ۴ صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۱۴۵۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۲۔ ۱۹۱۱ء صفحہ ۳۹۔ و رپورٹ ۱۳۔ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹
۱۱۹۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ رجسٹر نمبر ۲ صفحہ ۳۴۱۔ ۳۳۸۔
۱۲۰۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۲۔ ۱۹۱۱ء صفحہ ۳۹
۱۲۱۔ رجسٹر نمبر ۴ صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۱۰۸۔
۱۲۲۔ صدر انجمن احمدیہ کے رجسٹر نمبر ۳ صفحہ ۱۵۸ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت خلیفہ اول کی وقف شدہ زمین سے ۵۶۹۸/۳ کی رقم مدرسہ احمدیہ کے بورڈنگ ہاؤس پر لگائے جانے کا فیصلہ ہوا۔ (ملاحظہ ہو فیصلہ ۹/ جون ۱۹۱۰ء)
۱۲۳۔ صدر انجمن احمدیہ نے فیصلہ کیا تھا کہ مولوی صدر الدین صاحب کے توسط سے کاغذات پیش کئے جائیں ملاحظہ ہو رجسٹر نمبر ۲ صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۳۳۸۔
۱۲۴۔ رجسٹر نمبر ۴ صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۲۳۔

۱۲۵۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
۱۲۶۔ الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۷۱ کالم ۱۔ ۲۔
۱۲۷۔ اسی دوران میں آپ کی قائم مقامی میں افسر مدرسہ احمدیہ کے فرائض مولوی محمد الدین صاحب نے سرانجام دیئے۔ رجسٹر نمبر ۵ صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۳۳۵۔
۱۲۸۔ ان سفروں کی تفصیل آگے آرہی ہے۔
۱۲۹۔ سفر مصر کے دوران حضرت مولوی شیر علی صاحب افسر مدرسہ بنے اور مشیر تعلیمی حضرت مولانا سرور شاہ صاحب۔ رجسٹر نمبر ۶ صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۱۳۴
۱۳۰۔ رجسٹر نمبر ۶ صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۳۳۳۔
۱۳۱۔ تشحیذ الاذہان جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۴۔
۱۳۲۔ رجسٹر نمبر ۴ صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۱۴۵۔
۱۳۳۔ بدر ۲۲/ مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۲ کالم ۲
۱۳۴۔ الفضل ۸/ اپریل ۱۹۱۵ء صفحہ ۴ کالم ۲۔
۱۳۵۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۲۰۔ ۱۹۱۹ء صفحہ ۵۹۔
۱۳۶۔ رسالہ جامعہ احمدیہ اپریل ۱۹۳۰ء صفحہ ۳۔ عربی کالج (یعنی جامعہ احمدیہ) کے حالات خلافت ثانیہ کی تاریخ میں آئیں گے۔
۱۳۷۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی۔ مولوی شریف احمد صاحب امینی۔ مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری۔
۱۳۸۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۴۸۔ ۱۹۴۷ء صفحہ ۱۵۔
۱۳۹۔ ہجرت ۱۹۴۷ء کے بعد قادیان میں کس طرح مدرسہ احمدیہ کا دوبارہ اجراء ہوا اس کی تفصیلات اگلی جلدوں میں آئیں گی۔
۱۴۰۔ بدر ۲۱/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۔ ۲۔ الحکم ۷/ اپریل ۱۹۰۹ء صفحہ ۳ کالم ۱۔
۱۴۱۔ الحکم ۷/ فروری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۱۴۲۔ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۱۱۴۔
۱۴۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تشحیذ الاذہان مئی۔ جون ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۔ ۴۔
۱۴۴۔ الحکم ۲۸/ فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۳ کالم ۱۔
۱۴۵۔ بدر ۶/ مئی ۱۹۰۹ء صفحہ ۳ کالم ۲۔
۱۴۶۔ تشحیذ الاذہان اپریل و مئی ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۶۲۔ ۱۶۳
۱۴۷۔ تشحیذ الاذہان ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۶۳۔ الحکم ۷/ اپریل ۱۹۰۹ء ص ۶ و الحکم ۲۱/ اپریل ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۵ کالم ۲۔
۱۴۸۔ ریویو آف ریلیجنز اردو ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۔
۱۴۹۔ الحکم ۸/ جون ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۔ ۴۔
۱۵۰۔ ان کی مفصل فہرست کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ القرآن" صفحہ ۱۱۹۔ ۱۲۷ مولفہ قاضی عبد الصمد صاحب فاضل جامعہ ازہر پیام امین صفحہ ۳۵۔ ۳۶۔
۱۵۱۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۸۔ ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۷۔
۱۵۲۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۹۔ ۱۹۰۸ء صفحہ ۳۸۔
۱۵۳۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ رجسٹر نمبر ۳ صفحہ ۲۹۔
۱۵۴۔ بدر ۲۷/ اکتوبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۰۔ اس مکان اور دفتر پر خود مولوی محمد علی صاحب کی اپنی نوشتہ رپورٹ کے مطابق ۲۳۶۴/۱۱/۳ خرچ ہوئے۔ ملاحظہ ہو رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۰۔ ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۵)
۱۵۵۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۳۔ ۱۹۱۲ء صفحہ ۷۳۔
۱۵۶۔ رجسٹر صدر انجمن احمدیہ نمبر ۶ صفحہ ۳۱۳۔

۱۵۷۔ رجسٹر صدر انجمن احمدیہ نمبر ۷ صفحہ ۱۶۰۔
۱۵۸۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۳۔ ۱۹۱۲ء صفحہ ۷۳۔
۱۵۹۔ خواجہ صاحب کا مضمون یہ تھا۔ "گزشتہ تین سال سے ہمارے دوستوں نے حضرت قبلہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈیٹر رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیان پنجاب کی خدمت کو رسالہ مذکور کی ایڈیٹری سے سبکدوش کرکے قرآن شریف کے ترجمہ انگریزی کے لئے خاص کر دیا تھا۔ مولانا موصوف کی اس اہم کام کے لئے اہلیت ہندوستان میں ایک امر مسلم ہے ان کو عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں ید طولیٰ حاصل ہے ان کی قلم کا لوہا زمانہ مان چکا ہے ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۰ء تک وہ انگریزی زبان میں اسلامی لٹریچر اور قرآنی حقائق شائع فرماتے رہے تب انہوں نے ترجمہ شروع کیا جو اب بفضلہ مکمل ہو چکا ہے اب مولانا موصوف ترجمہ قرآن کا مقدمہ لکھ رہے ہیں جن میں ان تمام اوہام و اعتراضات کا ازالہ ہو گا جو سیل اور دیگر مترجمین نے اپنے ترجمہ میں کئے ہیں الغرض چند ماہ میں قرآن مجید بغرض طبع تیار ہو جائے گا۔ ہمارا ارادہ ہے کہ قرآن مع متن انگلستان میں چھپے ایسے نادر صحیفہ کو ہندوستان میں چھاپ کر اہل مغرب کے آگے پیش کرنا گویا اہل مغرب کو یہ کہنا ہے کہ یہ کتاب تمہارے پڑھنے کے قابل نہیں۔ ضروری ہے کہ مولانا موصوف خود یہاں آکر اپنی نگرانی میں ترجمہ چھپوائیں۔ ان کا یہاں آنا میرے سفر امریکہ میں بہت آسانیاں پیدا کر دے گا۔ ہماری جماعت کے اور بھی اہم اسلامی فرائض ہیں۔ جو اس قابل نہیں چھوڑتے کہ ہم ترجمہ قرآن مجید کے چھپوانے کا انتظام فی الفور کر سکیں۔ اس لئے میں کل برادران اسلام کی خدمت میں اپیل کرتا ہوں کہ مشکل حصہ کام کا ہم نے ختم کر لیا ہے۔ اب اس کو چھپنا اور اس کی اشاعت باقی ہے۔ وہ وہ کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ترجمہ قرآن مجید کی کئی ہزار کاپیاں مفت بطور تحفہ اور کہیں برائے نام قیمت پر مغربی دنیا میں تقسیم ہو جائیں۔ اور پھر اس امر کو خدا پر چھوڑ دیا جائے۔ میں نے اپنے دوستوں کو لاہور میں لکھا ہے کہ وہ انطباع ترجمہ قرآن کریم کی ایک باضابطہ کمیٹی بنا کر اعلان کریں۔ کل امدادی روپیہ کا حساب کتاب باضابطہ اخبار پیغام صلح لاہور میں شائع ہو گا۔ یہ روپیہ محض اور خالصتہ ترجمہ قرآن مجید پر خرچ ہو گا۔ اور اس امر کی کفیل ہم چار خادمان اسلام کی غیر منقولہ جائداد ہو گی۔ یعنی راقم الحروف و شیخ رحمت اللہ مالک انگلش ویر ہاؤس۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ پروفیسر میڈیکل کالج ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ اسسٹنٹ کیمیکل ایگزامینر گورنمنٹ پنجاب۔" (پیغام صلح ۲۳/ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۳ کالم ۳)
۱۶۰۔ چنانچہ صدر انجمن احمدیہ کے ریکارڈ میں لکھا ہے۔ اطلاع مولوی محمد علی صاحب افسر اشاعت کہ میں چھ ماہ کی رخصت پر جاتا ہوں میری غیر حاضری میں افسر اشاعت کا مناسب انتظام کیا جائے........ سردست مولوی شیر علی صاحب کو چارج دلایا جائے مولوی محمد علی صاحب ترجمۃ القرآن کے کام کے لئے بہ امید منظوری مجلس ضروری کتب دفتر میگزین لے گئے ہیں۔ (رجسٹر نمبر ۷ صفحہ ۲۲۶)
۱۶۱۔ رجسٹر صدر انجمن احمدیہ نمبر ۷ صفحہ ۲۸۹۔ ۲۹۰
۱۶۲۔ رجسٹر صدر انجمن احمدیہ نمبر ۷ صفحہ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔
۱۶۳۔ پیغام صلح ۱۷/ دسمبر ۱۹۳۸ء جوبلی نمبر صفحہ ۳۲ کالم ۲
۱۶۴۔ پیغام صلح ۱۷/ دسمبر ۱۹۳۸ء جوبلی نمبر صفحہ ۳۲ کالم ۲
۱۶۵۔ مجاہد کبیر صفحہ ۱۹۴۔ یہاں یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ خواجہ صاحب ہی نے ترجمہ انگریزی کی اشاعت سے قبل لکھا کہ ہم اس کو ذریعہ کمائی بنانا ایک لعنت سمجھتے ہیں۔ (ٹریکٹ احمدی جماعت میں مقدمات۔ صفحہ ۶)
۱۶۶۔ مجاہد کبیر صفحہ ۱۹۶۔
۱۶۷۔ مجاہد کبیر صفحہ ۱۹۸۔
۱۶۸۔ ٹرسٹ کے مکمل مسودہ کے لئے ملاحظہ ہو۔ الفضل ۲۹/ جنوری ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۔ ۵/ اکتوبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۴۔
۱۶۹۔ یہ وہی "انجمن" ہے جسے مولوی صاحب "خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کا جانشین" قرار دے کر پوری جماعت کا حاکم کہا کرتے تھے۔
۱۷۰۔ خط بیگم صاحبہ مولوی محمد علی صاحب صفحہ ۴ (بحوالہ رسالہ میاں محمد صاحب کی کھلی چٹھی کے جواب کا تتمہ از نظارت اصلاح و ارشاد)
۱۷۱۔ مجاہد کبیر میں (ص ۷۶ تا ۸۱) پیغام صلح کے بعض اقتباسات پیش کرکے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مولوی محمد علی

صاحب کے موجودہ ترجمہ قرآن کے باعث حضرت خلیفہ اول نے بہت خوشی کا اظہار کیا۔ اول۔ تو پیغام صلح کے اقتباسات جو ان کے اکابر کا ہمنوا اخبار تھا ہمارے لئے حجت نہیں۔ دوم۔ اس میں حقائق کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے مثلاً لکھا ہے کہ حضرت خلیفہ اول نے مولوی محمد علی صاحب کو فرمایا کہ "مجھ کو بڑا پیارا ہے۔" حالانکہ پیغام صلح ۳/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ا کالم ۲ سے ثابت ہے کہ آپ نے مولوی صاحب کو نہیں خدا تعالیٰ کو پیارا کہا تھا۔ مگر مولفان مجاہد کبیر نے مولوی محمد علی صاحب کی عقیدت میں غلو کر کے یہ کلمات جو خدا کے لئے کہے گئے تھے۔ مولوی محمد علی صاحب کی طرف منسوب کر دئے۔ اگر حضرت خلیفہ اول نے خوشنودی کا اظہار کیا تو یقیناً موجودہ ترجمہ القرآن پر نہیں کیا۔ کیونکہ خود پیغام صلح کی اپنی شہادت کے مطابق اس کے اصل مسودہ میں جو آپ کو سنایا جاتا تھا بعد میں ردوبدل کر دیا گیا ہے۔

اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک موقع پر جبکہ انگریزی ترجمہ ہو رہا تھا تو میر ناصر نواب صاحبؓ نے ایک اردو ترجمہ کی بنیاد ڈالنی چاہی اور اسی کے لئے کچھ چندہ بھی جمع کر لیا۔ مگر مولانا نور الدین صاحب نے ان کو روک دیا اور کہا کہ ہماری جماعت کی طرف سے اردو ترجمہ بھی وہی چھپے گا جو محمد علی انگریزی ترجمہ کے بعد کرے گا۔ (ص ۸۰) حالانکہ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت خلیفہ اول نے نہ صرف روکا نہیں بلکہ اپنے قلم سے میر صاحب کی تحریک ترجمہ پر لکھا۔ "یہ مبارک تحریک ہے اللہ تعالیٰ اس کو مثمر ثمرات بابرکات کرے آمین خاکسار انشاء اللہ بقدر طاقت امداد کو حاضر ہے مولوی محمد علی صاحب نے جو ترجمہ کیا اس کے دو پارے میں نے بغور دیکھے ہیں عمدہ ہیں اور پہلا پارہ مطبوع قدرے اصلاح طلب ہے والسلام نور الدین۔" (بدر ۱۸/ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴ کالم ۱)

پس حضرت خلیفہ اول نے قطعاً حضرت میر ناصر نواب صاحب کو اردو ترجمہ قرآن سے منع نہیں فرمایا البتہ بدر ۱۳-۶ نومبر ۱۹۱۳ء سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے۔ کہ جب خواجہ کمال الدین صاحب نے بدر میں حضرت میر صاحب کی تحریک اور اس پر حضرت خلیفہ اول کا اپنے قلم کا نوٹ پڑھا تو انہوں نے حضرت میر صاحب کی خدمت میں ایک درخواست کی اور لکھا کہ اردو ترجمہ قرآن کی واقعی ضرورت ہے مگر یہ ترجمہ انگریزی ترجمہ کے ساتھ ہو جائے گا۔ اور یہ دونوں کام یکساں مولانا محمد علی کر سکتے ہیں۔ یہ جماعت پر اور آپ پر روشن ہے کہ اس انگریزی ترجمہ کے لئے قوم کا بہت سا قیمتی وقت اور روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ یہ اب قریباً تکمیل کو پہنچ گیا ہے...... آپ انگریزی اور اردو دونوں تراجم کے لئے بغرض چندہ گھر سے نکلیں اور ایک ہی فنڈ قائم کریں تقسیم فنڈ کی ضرورت نہیں۔ ہم سب ایک ہی ہیں اور ہم سب کا کام اور غرض ایک ہی ہے۔"

اس مقام پر ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ مدت سے یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ ترجمہ مکمل ہو گیا اور حکیم نور الدین ؒ کو اس کی قبولیت کی اطلاع خدا تعالیٰ کے حضور سے بھی آگئی۔" (پیغام صلح امیر نمبر صفحہ ۳۸) مجاہد کبیر میں مزید بتایا گیا ہے کہ حضرت کو یہ "قبولیت کی اطلاع" الہام میں ہوئی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے ۴/ مارچ کو حضرت صاحب نے فرمایا ہمارا انگریزی ترجمہ اللہ کو مقبول ہو گیا ہے الہاماً بشارت آگئی ہے۔ (مجاہد کبیر صفحہ ۸۱) حق یہ ہے کہ حضرت خلیفہ اول کو ترجمہ قرآن کے بارے میں نہ الہام ہوا نہ بشارت ہوئی البتہ میر عابد علی صاحب سیالکوٹی نے اپنا الہام ضرور سنایا کہ "حضرت خلیفۃ المسیح کو ختم قرآن مبارک ہو" مگر حضرت خلیفہ اولؓ نے اس الہام کی تشریح یہ فرمائی کہ شاید مولوی محمد علی صاحب کا قرآن مراد ہو یا میاں عبد الحی کا ختم قرآن!! چنانچہ پیغام صلح میں ہی لکھا ہے۔

"کل ہی کا واقعہ ہے کہ حضرت سید عابد علی شاہ صاحب جو حضرت مسیح موعودؑ کے بہت ہی پرانے اور مخلص اصحاب احباب میں سے ہیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ الہام ہوا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح کو ختم قرآن مبارک آپ نے یہ سنتے ہی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے پھر فرمایا شاید مولوی محمد علی والا قرآن مراد ہو...... پھر فرمایا عبد الحی نے بھی دینی علوم کے کل مبادی علوم ختم کر لئے ہیں یہ بھی بڑی خوشخبری ہے۔" (پیغام صلح ضمیمہ ۵/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۴)

۲۷ا۔ تفصیل خلافت ثانیہ کے حالات میں آئے گی۔ شیخ محمد طفیل صاحب ایم۔ اے مبلغ انجمن اشاعت اسلام لاہور لکھتے ہیں "قادیانی جماعت کی طرف سے کوئی درجن بھر مبلغ انگلستان روانہ ہوئے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد یورپ کے مختلف ممالک میں پھیل گئے۔ اس وقت مغربی دنیا میں ان کے مبلغ جرمنی، سپین اور سوئٹزرلینڈ میں کام کر رہے ہیں سب ہی پڑھے لکھے مخلص نوجوان ہیں...... غیر قادیانی جماعت کے پاس کارکنوں کی تو پہلے ہی کمی نہیں تھی۔ لیکن ان کے پاس مغربی زبانوں میں کوئی خاص

لٹریچر نہیں تھا انگریزی زبان میں زیادہ تر ہمارے لٹریچر سے فائدہ اٹھاتے تھے لیکن اب وہ بات نہیں رہی ان کی گزشتہ دس سال کی سعی کا ثمر ظاہر ہو رہا ہے۔ ڈچ۔ جرمن اور انگریزی زبان میں ان کے پاس اچھا خاصا لٹریچر موجود ہے حال ہی میں ہیگ مشن کی طرف سے قرآن مجید کا ڈچ ترجمہ معہ متن شائع ہوا ہے لکھائی چھپائی نفیس اور دیدہ زیب ہے ہمیں بعض مسائل کی تشریح اور مطالب سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ ایک ٹھوس کام ہے اس کی اشاعت بڑے وسیع پیمانے پر کی جارہی ہے...... ہمارا ڈچ ترجمہ مدت ہوئی نایاب ہو چکا ہے۔ اس وقت مارکیٹ میں قادیانی جماعت کا ہی ترجمہ ہے جس سے ڈچ عوام قرآن سے روشناس ہو سکتے ہیں۔" (پیغام صلح ۲۱/ جولائی ۱۹۵۱ء صفحہ ۷ کالم ۲)

۱۷۳۔ حضرت شیخ صاحب روئداد مباحثہ نوٹ کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔

۱۷۴۔ بدر ضمیمہ ۲۴/ جون ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۔ ۴۔ مباحثہ رامپوری از مولانا محمد احسن صاحب امروہی

۱۷۵۔ اصل خط جو ۲۰/ جون ۱۹۰۹ء کا ہے۔ خاندان حضرت خلیفہ اول کے پاس محفوظ ہے۔

۱۷۶۔ تشحیذ الاذہان جولائی ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۱۸

۱۷۷۔ رجسٹر سوم ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۸۹

۱۷۸۔ تشحیذ الاذہان۔ اگست ۱۹۰۹ء سرورق صفحہ ۲۔ الفضل ۲/ نومبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۵ کالم ۱

۱۷۹۔ الحکم جوبلی نمبر (۱۹۳۹ء) صفحہ ۶۹

۱۸۰۔ بدر ۲۹/ جولائی ۱۹۰۹ء صفحہ ۳ کالم ۲۔

۱۸۱۔ بدر ۵/ اگست ۱۹۰۹ء صفحہ ۲ کالم ۴۔ ۳۔

۱۸۲۔ اہلیہ قاضی اکمل صاحب

۱۸۳۔ رجسٹر سوم صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۱۶۰۔ قادیان گائیڈ ص ۵۱۔ ۵۲۔

۱۸۴۔ الحکم ۲۸/ اکتوبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۵ کالم ۲۔ ۳۔

۱۸۵۔ الحکم ۲۸/ اکتوبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۵ کالم ۱

۱۸۶۔ اخبار بدر ۲۵/ نومبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۔ ۱۱۔ ریویو آف ریلیجنز اردو دسمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۴۸۳

۱۸۷۔ کتاب قادیان صفحہ ۲۷۲ از شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم

۱۸۸۔ بدر ۱۸/ نومبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۲ کالم ۲

۱۸۹۔ رجسٹر سوم صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۱۳۲۔

۱۹۰۔ تشحیذ الاذہان دسمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۴۶۹

۱۹۱۔ الحکم ۱۴/ دسمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۷ کالم ۱۔ ۲۔

۱۹۲۔ نام خواجہ کمال الدین صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب۔ مولوی صدر الدین صاحب۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔

۱۹۳۔ بدر ۶/ جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۔ ۲۔

۱۹۴۔ الحکم ۱۴/ جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۹۔

۱۹۵۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ اشاعۃ السنہ۔ جلد ۲۲ و جلد ۲۳۔ ۱۹۰۹ء' ۱۹۱۷ء۔

۱۹۶۔ اشتہار ۴/ مئی ۱۸۹۳ء

۱۹۷۔ اشاعۃ السنہ جلد ۲۲ نمبر ۴ صفحہ ۱۱۳۔

۱۹۸۔ یہ لڑکا چند دن رہ کر بھاگ گیا چنانچہ صدر انجمن احمدیہ کے رجسٹر نمبر ۴ صفحہ ۲۱۴ پر سپرنٹنڈنٹ صاحب مدرسہ احمدیہ کی یہ رپورٹ درج ہے کہ حسب ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح ابو اسحق پسر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو داخل بورڈنگ کیا گیا۔ مبلغ چار روپے سوا نو آنے کا بقایا چھوڑ کر چلا گیا لہذا یہ رقم مد زکوۃ متفرق سے منظور کی گئی۔

۱۹۹۔ اہلحدیث ۲۵/ فروری ۱۹۱۰ء بحوالہ الحق دہلی ۱۴/ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۶۔

۲۰۰۔ فیصلہ مقدمہ نمبر ۳۰۰ بحوالہ پیغام صلح ۱۵/ فروری ۱۹۱۳ء صفحہ ۳۔۴۔
۲۰۱۔ الحکم ۲۱/ دسمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۔۳ و الحکم ۲۸/ مارچ ۱۹۵۴ء (کراچی) صفحہ ۴۔۵۔
۲۰۲۔ الحکم ۱۴/ جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۶ کالم ۱۔۲۔
۲۰۳۔ سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۹۔۱۹۰۸ء صفحہ ۴۲
۲۰۴۔ الحکم ۲۱/ اپریل ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۵۔ سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۹۔۱۹۰۸ء صفحہ ۴۰۔ بدر ۲۲/ اپریل ۱۹۰۹ء صفحہ ۸۔۱۲۔
۲۰۵۔ بدر ۲۲/ جولائی ۱۹۰۹ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۲۰۶۔ الحکم ۷/ نومبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۔
۲۰۷۔ بدر ۲۳/ دسمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱

تیسرا باب

قادیان میں متعدد پبلک عمارتوں کی تعمیر

(جنوری ۱۹۱۰ء سے دسمبر ۱۹۱۰ء تک بمطابق ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ تا محرم ۱۳۲۸ھ)

محلہ دارالعلوم قادیان کی بڑھتی ہوئی آبادی اور مدرسہ تعلیم الاسلام جیسے اہم ادارے کی عمارتی مشکلات کی وجہ سے ضرورت تھی کہ قادیان کی پرانی آبادی سے باہر جدید محلہ آباد کر کے اس میں اس ادارہ کے شایان شان عمارت تعمیر کی جائے۔ چنانچہ قادیان کے شمالی جانب ایک نیا محلہ آباد کرنا شروع کیا گیا۔ اس محلہ کو ابتداء "بھٹہ یا چھاؤنی" کہا جاتا تھا۔ مگر بالآخر حضرت خلیفہ اولؓ نے اس کا نام دارالعلوم تجویز فرمایا۔ [1] جہاں خلافت اولیٰ کے زمانہ میں متعدد عالی شان عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ [2]

۱۔ مسجد نور دارالعلوم کی آبادی کا آغاز مسجد نور سے ہوا۔ جس کی بنیاد حضرت خلیفہ اولؓ نے ۵ / مارچ ۱۹۱۰ء کو بعد نماز فجر اپنے دست مبارک سے رکھی اس موقعہ پر احمدیوں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ حضرت خلیفہ اولؓ نے اکبر شاہ خان نجیب آبادی کے ہاتھ سے پہلی اینٹ لے کر اپنے ہاتھ سے گارا لگا کر متضرعانہ دعاؤں کے ساتھ رکھی اور اینٹوں کے ایک ڈھیر پر بیٹھ کر عمارتوں اور مسجدوں کے حقیقی فلسفہ پر ایک پر معارف تقریر فرمائی۔ [3]

۲۳ / اپریل ۱۹۱۰ء کو جبکہ مسجد کا ایک کمرہ تیار ہو چکا تھا آپ نے نماز عصر پڑھا کر اس کا افتتاح فرمایا۔ [4] اور اس کے بعد سورۂ انبیاء کے چھٹے رکوع کا درس قرآن بھی دیا۔ جس میں بتایا کہ آج اللہ تعالیٰ نے دعا کے لئے ایسے ایسے الفاظ اور طریق بتائے ہیں کہ میں حیران تھا اور ایسی دعائیں جو میرے وہم میں بھی نہ تھیں۔ نیز حلفاً فرمایا کہ میں نے اس مسجد کی بنیاد اللہ کی رضا کے لئے رکھی ہے اور تقویٰ پر رکھی ہے اور جس مسجد کی بنیاد اللہ کی رضا پر ہو وہ بڑی پکی مسجد ہوتی ہے۔ اسی دوران میں نہایت جلال سے یہ بھی فرمایا۔ "میں خدا کے فضل سے یقین رکھتا ہوں کہ میری چٹان سے جو سر مارے گا اس کا سر

ٹوٹ جائے گا" درس ختم کرنے کے بعد آپ نے بہت لمبی دعا فرمائی۔ [۵]

مسجد نور پر پانچ ہزار روپیہ کے قریب صرف ہوا جس میں سے اڑھائی ہزار روپیہ حضرت میر ناصر نواب صاحب نے جماعتوں میں گھوم کر بطور چندہ وصول کیا اور بقیہ اڑھائی ہزار ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی ہمشیرہ کی ایک وصیت سے آگیا۔ [۶]

مسجد کی تکمیل کے بعد فضل حق صاحب مختار خلیفہ صاحب ریاست پٹیالہ نے اگست ۱۹۱۰ء میں تین سو روپیہ اس کے فرش کے لئے اور پچاس روپے کی رقم نلکا لگوانے کے لئے بھجوائی۔ [۷] اور یکم نومبر ۱۹۱۰ء سے اس کے لئے ایک مستقل خادم مقرر ہوا۔ [۸] ۱۳-۱۹۱۲ء میں اس کا وسیع صحن تیار کرایا گیا۔ [۹] اور جلسہ سالانہ یہیں منعقد ہونے لگا۔

۲- بورڈنگ تعلیم الاسلام ہائی سکول

اسی سال بورڈنگ تعلیم الاسلام ہائی سکول کی عالی شان اور وسیع عمارت کی بنیاد رکھی گئی جس کے تین پہلو ستمبر ۱۹۱۰ء تک مکمل ہوئے اور باقی بعد میں چند ماہ تک مکمل ہو گئے۔ جس میں قریباً دو سو بورڈروں کی گنجائش تھی اس بورڈنگ ہاؤس میں رہائشی کمروں کے علاوہ کھانا کھانے اور پڑھائی کرنے کے لئے ایک وسیع ہال بھی تھا۔ بورڈنگ ہاؤس اور اس سے متعلقہ عمارات پر جو اخراجات ہوئے اس میں عام چندہ کے علاوہ ساڑھے چار ہزار روپیہ حکیم فضل الدین صاحب بھیروی کی موہوبہ حویلی اور زمین سے حاصل ہوئے جو حکیم سید زمان شاہ صاحب کو فروخت کی گئی۔ [۱۰] اور جس پر بہت کچھ ہنگامہ آرائی ہو چکی تھی۔

۳- تعلیم الاسلام ہائی سکول

اس عالی شان عمارت کی تجویز تو بورڈنگ ہاؤس کے ساتھ ہی ہو چکی تھی مگر اس کی بنیاد حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے بمعیت صاحبزادگان حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۲۵/ جولائی ۱۹۱۲ء کو رکھی آپ نے تین جگہ بنیادی اینٹیں رکھیں مشرقی کونے پر مغربی کونے پر اور درمیانی ہال کے مشرقی کونے پر حضرت خلیفۃ المسیح اول پہلے خود اینٹ پر دعا کر کے اسے بنیاد پر رکھتے پھر تین اینٹیں صاحبزادگان (حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب) سے رکھواتے۔ اول و آخر بہت دعا کی اس طرح چھ بار دعا کی گئی۔ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی اینٹیں حضرت کو پکڑاتے تھے۔ بنیاد رکھنے کے بعد آپ نے دعا فرمائی کہ اس مدرسہ سے متقی اور صالح بچے دنیا میں پھیلیں۔ دعا کے بعد آپ نے بورڈنگ ہاؤس کے چند کمرے دیکھے اور گاڑی پر واپس تشریف لے گئے۔ [۱۱]

مدرسہ تعلیم الاسلام کی عمارت بورڈنگ کی عمارت سے بھی زیادہ شاندار اور زیادہ جاذب نظر تیار ہوئی۔ جس میں عام کمروں کے علاوہ سائنس روم اور وسیع ہال بھی تھا۔ اور اس کی پیشانی پر برج بھی بنائے گئے اس عمارت پر ۳۰ ستمبر ۱۹۱۳ء تک قریباً پچاس ہزار روپیہ صرف ہوا۔ جس میں ۱۶ کمرے اردگرد برآمدوں سمیت تیار ہوئے اور تھوڑا سا ہال بھی۔ عمارت کی پہلی منزل کی تکمیل کے دوران میں روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن حضرت خلیفتہ المسیح نے پانچ ہزار روپیہ اپنی ذمہ داری پر بعض ذی استطاعت احباب سے لے کر عطا فرمایا۔ جس سے فوری ضروریات پوری ہو گئیں۔ چونکہ مدرسہ کی پرانی عمارت میں طلباء کی گنجائش نہ تھی۔ اس لئے مئی ۱۹۱۳ء میں ہی سکول کو ادھوری عمارت میں لانا پڑا۔ [۱۲] تعلیم الاسلام ہائی سکول کے لئے تیس ہزار روپیہ کے قریب گورنمنٹ سے گرانٹ ملی۔ [۱۳]

اخبار "الحق" کا اجراء

۱۹۰۹ء میں مکرم شیخ محمد یوسف صاحب نے اخبار "نور" جاری کیا۔ اس سال حضرت میر قاسم علی صاحب نے دہلی سے ۷/ جنوری ۱۹۱۰ء سے دوسرا اخبار نکالنا شروع کیا۔ جس کا نام حضرت خلیفہ اولؓ نے "الحق" تجویز فرمایا۔ [۱۴] اخبار "الحق" کے اہم اغراض و مقاصد یہ تھے (۱) مخالفین اسلام کے عموماً اور دیانندیوں کے خصوصاً اعتراضات کا جواب دینا اور اسلام کی خوبیوں کا اظہار کرنا اور دیانندی تعلیم کے طلسم کو توڑنا (۲) مسلمانوں میں باہمی اتحاد و اتفاق بڑھانا اور اختلافات باہمی سے اجتناب (۳) حکومت وقت و رعایا کے تعلقات کو خوشگوار بنانا۔

اخبار "الحق" نے آریوں اور دوسرے غیر مسلموں کے خلاف جہاد کی بدولت جلد ہی مسلمانان ہند میں شہرت حاصل کرلی۔ ۱۹۱۱ء میں حکومت نے پریس ایکٹ کے تحت ایک ہزار روپیہ کی نقد ضمانت طلب کی تو اسلامی پریس نے اس کے خلاف پرزور احتجاج کیا۔ چنانچہ اخبار البشیر' وکیل' الاسلام' ملت' وقت' مسلمان' زمیندار' افغان وغیرہ اخبارات نے اس فیصلہ پر سخت تنقید کی۔ [۱۵] مگر حکومت نے اپنا فیصلہ برقرار رکھا اور حضرت میر صاحب نے جو ایک دفعہ پہلے بھی پانچ سو روپیہ ضمانت جمع کر چکے تھے۔ تین دن کے اندر اندر ایک ہزار روپیہ کی ضمانت داخل کرا دی۔ اور "الحق" پھر سے جاری کر دیا۔ حالانکہ بڑے بڑے پرانے اخبار ضمانت طلب کئے جانے پر بند ہو گئے تھے۔ ۱۹۱۳ء کے آخر میں یہ اخبار خطرناک مالی بحران میں مبتلا ہو گیا۔ تو حضرت خلیفتہ المسیح اولؓ کی طرف سے بوساطت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ارشاد ملا کہ امیرالمومنین پسند نہیں فرماتے کہ الحق بند کر دیا جائے اور یہ بھی فرمایا کہ ہم کچھ امداد بھی کریں گے خود حضرت صاحبزادہ صاحب نے میر صاحب کو لکھا کہ الحق ہرگز بند نہ کیا

جائے اور مبلغ دس روپے بطور امداد بھجوائے۔ [۱۶]

اخبار "الحق" نے آریوں میں تبلیغ کے علاوہ احمدیت کے بعض مخصوص مسائل مسئلہ ختم نبوت وغیرہ کی وضاحت کرنے میں بھی نمایاں کام کیا ہے۔ ایک خاص چیز جو سلسلہ میں قیمتی اضافہ کا موجب بنی۔ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ کا سفرنامہ تھا جو اس میں بالاقساط چھپتا تھا۔ حضرت میر صاحب آخر ۱۹۱۵ء میں دہلی سے قادیان ہجرت کر کے آ گئے اور اخبار "الحق" فاروق کی شکل میں قادیان ہی سے شائع ہونے لگا۔ [۱۷، ۱۸]

سنگاپور اور سیلون میں تبلیغی وفد بھجوانے کی تجویز

جنوری ۱۹۱۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے ملک سے باہر پیغام احمدیت پہنچانے کی تجویز فرمائی اور اس ضمن میں سنگاپور اور سیلون وغیرہ میں ایک تبلیغی وفد بھجوانا چاہا مگر آپ کے زمانہ میں اس کی تکمیل نہ ہو سکی اور آپ کی مبارک آرزو خلافت ثانیہ میں پوری ہوئی۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کے درس قرآن کا آغاز

فروری ۱۹۱۰ء سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی نماز مغرب کے بعد قرآن مجید کا درس دینا شروع فرمایا [۱۹] درس کیا تھا حقائق و معارف کا صاف و شفاف چشمہ تھا۔ جو دل کی گہرائیوں سے پھوٹ کر نکلتا اور سامعین کی روحانی پیاس کو بجھاتا جاتا تھا وسط ۱۹۱۳ء سے آپ دو دفعہ درس دینے لگے (فجر اور ظہر کے بعد) [۲۰] حضرت خلیفہ اول کے درس قرآن کے بعد قادیان کے روحانی تحفوں میں یہ ایک نعمت غیر مترقبہ تھی جسے حاصل کرنے کے لئے احمدی بڑے اشتیاق سے حاضر ہوتے تھے۔

مسجد اقصیٰ کی توسیع

اس سال کی پہلی سہ ماہی میں مسجد اقصیٰ کی توسیع بھی عمل میں آئی۔ جس کے نتیجہ میں ایک بڑا کمرہ اور ایک لمبا برآمدہ تیار ہو گیا۔ [۲۱] مستورات کی نماز کے لئے زیر تعمیر "منارۃ المسیح" کے ساتھ ایک چبوترہ بھی بنا دیا گیا۔ [۲۲]

اس سال ۲۵ سے ۲۷/ مارچ ۱۹۱۰ء تک سالانہ جلسہ منعقد ہونے والا تھا اور مسجد کے نچلے کمرہ میں مٹی ڈلوانے کے لئے مزدور فراہم نہیں ہو رہے تھے۔ اور اندیشہ تھا کہ جلسہ تک یہ حصہ مکمل نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے حضرت خلیفہ اول نے ۱۱/ مارچ ۱۹۱۰ء کو نماز جمعہ کے بعد تحریک فرمائی کہ احباب اس کام میں مدد کریں۔ چنانچہ احباب جماعت اپنے مقدس امام کا ارشاد پاتے ہی مٹی کاٹنے اور ٹوکریاں اٹھانے میں مصروف ہو گئے خود حضرت خلیفہ اولؓ نے بھی نہایت سرگرمی سے مٹی اٹھانا شروع کر دی

یہ نظارہ نہایت ایمان افروز تھا کہ خدا کے مسیح کا مقدس خلیفہ مسجد اقصیٰ کی تعمیر نو کے لئے اپنے ہاتھ سے ٹوکریاں اٹھا رہا تھا اور احمدیت کے سپاہی اپنے بوڑھے مگر جواں ہمت آسمانی جرنیل کی قیادت میں پروانہ وار کام کر رہے تھے۔ [۲۳]

نماز جمعہ میں مستورات کی پہلی بار شمولیت

مسجد اقصیٰ چونکہ تنگ تھی اس لئے احمدی مستورات ابھی تک جمعہ میں حاضر ہو کر خطبہ نہیں سن سکتی تھیں۔ ہاں روزانہ نمازیں بیت الفکر میں جماعت کے ساتھ ادا کرتی تھیں۔ مگر اب جو مسجد اقصیٰ کی توسیع کا کام شروع ہوا تو احمدی خواتین کو جمعہ میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہونے لگی۔ [۲۴] چنانچہ ۲۱ جنوری ۱۹۱۰ء کے جمعہ میں احمدی مستورات نے جن میں حضرت ام المومنین بھی شامل تھیں۔ مسجد اقصیٰ میں سب سے پچھلی صف میں نماز پڑھی اور خطبہ سنا۔ اس طرح خلافت اولیٰ میں ایک سنت نبویؐ کا احیاء ہوا۔

حضرت خلیفہ اول کا ایک خط سیکرٹری مدرسہ الہیات کے نام

کان پور میں ایک نیا "مدرسہ الہیات" قائم ہوا جس کی غرض اشاعت و حفاظت اسلام تھی۔ حضرت خلیفہ اولؓ کو چونکہ ایسی انجمنوں سے شروع ہی سے گہری دلچسپی رہی تھی۔ اس لئے آپ نے مدرسہ کے سیکرٹری مولوی احمد اللہ صاحب کو نصاب کے بارے میں عمدہ مشورے دیئے اور ایک معقول رقم اشاعت اسلام کے لئے بھجوائی۔ اس ضمن میں آپ نے اوائل ۱۹۱۰ء میں ایک مفصل خط بھی لکھا جس میں عہد حاضر کے مشہور متکلمین اسلام اور ان کے پیدا کردہ لٹریچر کا تذکرہ فرمایا اور ان کو خط کے آخر میں نصیحت فرمائی۔ "جو لوگ دعاؤں کے قائل نہیں اور متقی نہیں اور اخلاص اور صواب ان کے مدنظر نہیں وہ کیا مفید ہو سکتے ہیں؟ ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا"۔ [۲۵]

"الانذار"

ان دنوں خدا کے قہری نشان پے در پے ظاہر ہو رہے تھے۔ ایران' یونان' وسط ایشیا' اٹلی' سسلی اور امریکہ کے پے در پے زلازل حیدر آباد اور پیرس کے تباہ کن سیلاب نے ہر طرف ایک قیامت بپا کر رکھی تھی۔ حضرت خلیفہ اولؓ نے اپنے مقتداء و پیشوا کی طرح "الانذار" ہی کے نام سے ایک اعلان شائع فرمایا۔ جس میں لوگوں کو نصیحت کی کہ وہ تکبر اور شوخی سے باز آئیں اور نیکی کی طرف قدم بڑھائیں۔ اور خدا کے مقدس بندوں کے خلاف بدزبانی چھوڑ دیں۔ [۲۶/۲۷]

خطبہ جمعہ ۲۵/ مارچ ۱۹۱۰ء کی خصوصیت

۲۵ / مارچ ۱۹۱۰ء کو جبکہ جلسہ سالانہ میں شرکت کے لئے بہت سے احباب جمع تھے حضرت خلیفہ اول ؓ نے ایک رقت آمیز خطبہ ارشاد فرمایا۔ حضرت کے چہرہ مبارک کی کچھ اور ہی کیفیت تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی فنافی اللہ انسان ایک ربودگی کے عالم میں کلام کر رہا ہے۔ اس خطبہ کی خصوصیت یہ تھی کہ کثرت مخلوق کی وجہ سے چونکہ آپ کی آواز دور تک نہیں پہنچ سکتی تھی اس لئے آپ نے حضرت میر ناصر نواب صاحب' حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب' مولوی مبارک علی صاحب اور مرزا یعقوب بیگ صاحب کو مقرر کر دیا کہ آپ جو کہیں دوسروں کو ساتھ ساتھ سناتے جائیں سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے جب ایسا انتظام کرنا پڑا۔ [۲۸]

دسمبر ۱۹۰۹ء کا جلسہ مارچ ۱۹۱۰ء میں

۱۹۰۹ء کا سالانہ جلسہ حضرت خلیفہ اول ؓ کے حکم سے ایسٹر کی تعطیلات پر ملتوی کیا گیا تھا۔ جو ۲۵ سے ۲۷/ مارچ ۱۹۱۰ء انعقاد پذیر ہوا۔ جلسہ میں شامل ہونے والے تین ہزار سے زائد تھے۔ اس جلسہ میں ۲۶/ مارچ کو حضرت خلیفہ اول نے اور ۲۷ مارچ کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ایمان افروز لیکچر دیئے۔ دوسرے مقررین کے نام یہ ہیں۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب' مولوی محمد علی صاحب (آپ نے صدر انجمن کی رپورٹ پیش کی) خواجہ کمال الدین صاحب نے قومی ضروریات کی اپیل کی۔ سید عابد علی شاہ صاحب نے اپنے چند کشوف والہامات سنائے۔ جلسہ کے دوران میں بورڈنگ ہاؤس کے ایک کمرہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی صدارت میں احمدیہ کانفرنس بھی منعقد ہوئی جس میں تعمیر فنڈ کے واسطے توجہ دلائی گئی۔ جلسہ پر بہت لوگوں نے حضرت خلیفہ اول کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت کا سلسلہ متفرق اوقات میں جاری رہا۔ مسجد اقصیٰ میں بیعت کرنے والوں کا یہ عالم تھا کہ حضرت نے منبر پر کھڑے ہو کر اپنا ہاتھ پھیلایا اور سب سے کہا کہ بیعت کرنے والے اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر ہاتھ پھیلالیں اور بیعت کے الفاظ دوہراتے رہے۔ [۲۹]

بیعت لیتے ہوئے آپ نے مندرجہ ذیل الفاظ کا اضافہ فرمایا۔ "میں شرک نہیں کروں گا۔ چوری نہیں کروں گا۔ بدکاریوں کے نزدیک نہیں جاؤں گا۔ کسی پر بہتان نہیں لگاؤں گا۔ چھوٹے بچوں کو ضائع نہیں کروں گا نماز کی پابندی کروں گا اور زکوۃ' روزہ' حج اپنی طاقتوں کے موافق ادا کرنے کو مستعد رہوں گا۔ بیعت کے بعد آپ نے ایک تقریر فرمائی۔ جس میں بتایا کہ "خوب یاد رکھو کہ بیعت کر کے تم نے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے کیونکہ یہی بیعت کی حقیقت ہے"۔ [۳۰]

جلسہ کے آخری اجلاس میں حافظ عبدالرحیم صاحب سیکرٹری انجمن تشحیذ نے اپنی سالانہ رپورٹ

سنائی اس کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب نے اختتامی دعا کرائی اور دعا کے بعد جلسہ بخیرو خوبی ختم ہوا۔ ۳۱

قادیان میں جلسہ سے قبل طاعون کی بعض واردات ہو چکی تھیں اور خیال تھا کہ جلسہ پھر ملتوی ہو جائے گا۔ مگر حضرت خلیفہ اول نے جلسہ کا التوا منظور نہ فرمایا۔ البتہ رعایت اسباب کے پہلو سے اتنا فرما دیا کہ شہر میں ہمارے مہمان فرش پر نہ سوئیں اور رات کو وہ باہر مدرسہ تعلیم الاسلام کے میدان میں رہیں اور اصل علاج یعنی دعا کا وعدہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سو خدا تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں کو سنا اور ہزاروں کے اجتماع کے دوران کوئی واردات نہیں ہوئی۔ جو محض خدا کے فضل اور آپ کی دعاؤں کا ثمرہ تھا۔ ۳۲

انجمن مسلمان راجپوتان ہند کا قیام

راجپوتوں میں تبلیغ کے لئے ۲۷ / مارچ ۱۹۱۰ء کو ایک انجمن کا قیام عمل میں آیا جس کا نام "انجمن راجپوتان ہند" رکھا گیا انجمن کے پریذیڈنٹ چودھری غلام احمد صاحب کاٹھ گڑھی اور سیکرٹری چودھری مولا بخش صاحب بھٹی سیالکوٹی تھے۔ ۳۳ اخبار بدر الحکم میں اس سلسلہ میں جو اعلان ہوا اس سے مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی کو یہ شبہ ہوا کہ اس انجمن کو دوسری بنیادی انجمنوں کے رنگ کی طرح باقاعدہ حضرت خلیفہ اولؓ کی سرپرستی کا فخر حاصل ہے۔ حضرت خلیفہ اول کو یہ بات پہنچی۔ تو آپ نے لکھا۔ "میری تو کوئی بھی خصوصیت سے کسی قوم کی سرپرستی نہیں۔ اور ہرگز نہیں میں تمام احمدیہ جماعت اور پھر تمام اہل اسلام پھر تمام مخلوق کی بہتری کا خواہش مند ہوں"۔ ۳۴

حضرت خلیفہ اول کی طرف سے ایک ضروری اعلان

اپریل ۱۹۱۰ء میں حضرت خلیفہ اول نے بذریعہ اخبار یہ اعلان فرمایا کہ بعض احمدی آپس میں دنیوی معاملات و معاہدات کر لیتے ہیں اور ہم سے مشورہ کرنا بلکہ اطلاع تک دینا پسند نہیں کرتے مگر جب مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں تو شکایتی خطوط آنے لگ جاتے ہیں۔ پس ہمارے دوستوں کو چاہئے کہ لین دین کے معاملات میں عاقبت اندیشی۔ شریعت اور قانون عدالت کے مطابق کام کریں صرف احمدی کہلانا کوئی خوش معاملگی کا سرٹیفکیٹ نہیں اور نہ اس سے احمدیت پر کوئی الزام ہے خدا کی مخلوق کثیر ہے امت محمدیہ میں مسلمان کہلانے والے جب بد معاملگی کرتے ہیں تو اس طرح آنحضرت ﷺ پر کوئی اعتراض نہیں مخلوق خدا میں سے کوئی بد معاملگی کرتا ہے تو اس سے خالق پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ۳۵

جلسہ پر آنے والوں کو ایک نصیحت دردمند دل کے ساتھ

حضرت خلیفہ اول نے ۱۸/ اپریل ۱۹۱۰ء کے خطبہ جمعہ میں نہایت درد انگیز الفاظ میں جلسہ پر آنے والوں کو نصیحت فرمائی۔...... تم لوگ بھی یہاں اکٹھے ہوئے تھے۔ گوروکل۔ انجمن حمایت اسلام علی گڑھ والے بھی اکٹھے ہوئے ہیں وہاں بھی رپورٹیں پڑھی گئی ہیں۔ یہاں بھی ہمارے رپورٹر نے بھی رپورٹ پڑھ دی کہ اتنا روپیہ آیا۔ اتنا خرچ ہوا۔ پر میں سوچتا ہوں کہ یہ لوگ یہاں کیوں آئے۔ یہ روپیہ تو بذریعہ منی آرڈر بھی بھیج سکتے تھے۔ اور رپورٹ چھپ کران کے پاس پہنچ سکتی تھی...... پھر جو لوگ عمائد تھے وہ اگر مجھ سے علیحدہ ملتے تو میں ان کے لئے دعائیں کرتا انہیں کچھ نصیحتیں دیتا۔ لیکن افسوس کہ اکثر لوگ اس وقت آئے کہ لو جی! السلام علیکم یکہ تیار ہے۔ تم یاد رکھو میں ایسے میلوں سے سخت متنفر ہوں میں ایسے مجمعوں کو جن میں روحانی تذکرہ نہ ہو۔ حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ یہ روپیہ تو وہ منی آرڈر کر کے بھیج سکتے بلکہ اس طرح بہت سا خرچ جو مہمانداری پر ہوا وہ بھی محفوظ رہتا۔ یہاں کے دکانداروں نے بھی افسوس دنیا کی طرف توجہ کی اور کہا کہ جلسہ باہر نہ ہو شہر میں ہو۔ ہماری چیزیں بک جاویں میں ایسے اجتماع اور ایسے روپے کو جو دنیا کے لئے ہو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ جو سن رہا ہے وہ یاد رکھے اور دوسروں تک یہ بات پہنچا دے میں اسی غم میں پگھل کر بیمار بھی ہو گیا۔ کیا اچھا ہوتا کہ تم میں سے جو تمہاری باہر کی جماعتوں کے سیکرٹری و عمائد آئے تھے وہ مجھ سے علیحدہ علیحدہ ملتے میں ان کو بڑی نیکیاں سکھاتا اور بڑی اچھی باتیں بتاتا۔ لیکن افسوس کہ ہماری صدر انجمن نے بھی ان کو یہ بات نہ بتائی اس لئے مجھ کو ان سے بھی رنج ہے۔ کیا آیا کتنے روپے جمع ہوئے ہم کو اس سے کچھ بھی غرض نہیں ہم کو تو صرف خدا چاہئے مجھ کو نہیں معلوم کہ کیا جمع ہوا۔ کیا آیا مجھ کو اس کی مطلق پرواہ نہیں۔ پھر میں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کو مقدم کرو۔ ہماری کوششیں اللہ کے لئے ہوں اگر یہ نہ ہو تو ہائی سکول کیا حقیقت رکھتا ہے۔ اور اس کی عمارتیں کیا حقیقت رکھتی ہیں۔ ہمیں تو ہمارا مولیٰ چاہئے۔ اپنے احباب کو خط لکھو اور ان کو تنبیہہ کرو۔ میں تو لاہور اور امرت سر کے لوگوں کا بھی منتظر رہا کہ وہ مجھ سے کیا سیکھتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بھی کوئی نہ آیا۔ میں چاہتا تھا کہ لوگ میری زندگی میں متقی اور پرہیزگار بھی بنیں اور دنیا اور اس کی رسموں کی طرف کم توجہ کریں"۔ [۲۶]

امتحان میں کامیابی

اپریل ۱۹۱۰ء میں انٹرنس کے امتحان کا نتیجہ نکلا۔ مدرسہ تعلیم الاسلام کے سولہ طالب علموں میں سے آٹھ طالب علم کامیاب ہوئے جن میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اول رہے نتیجہ نکلنے کے بعد آپ کالج میں داخلہ لینے کے لئے لاہور

تشریف لے گئے۔ [۲۷]

حضرت امیرالمومنین کو مبارکباد

۱۹ / اپریل ۱۹۱۰ء کی صبح کو حضرت خلیفہ اول کے ہاں چوتھے فرزند پیدا ہوئے۔ [۲۸] حضرت ام المومنین نے حضرت خلیفہ اول کو مبارک باد دی۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس خوشی میں میرا بھی کام ہے کہ میں اب یا تمہارے لئے بہت دعا کروں یا خیرات کروں۔ [۲۹]

جھوٹے مدعیوں کا خروج

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت کی طرح حضرت خلیفہ اول کے زمانہ میں بھی بعض لوگوں نے جھوٹے دعوے کئے چنانچہ بابو ظہیر الدین اروپی۔ عبداللہ تیماپوری ' مولوی یار محمد اور بعض دوسرے نام نہاد احمدی قدرت ثانی ' خلیفتہ المسیح ' مصلح موعود اور رسول ہونے کا دعویٰ لے کر اٹھے۔

مولوی یار محمد کو تو دماغی خلل تھا مگر مولوی عبداللہ تیماپوری نے ازراہ شرارت اپنے خلیفتہ المسیح ہونے کا ادعا کیا۔ اور اپنی بعض خوابوں پر اس کی بنیاد رکھی حضرت خلیفہ اول نے اسے اپنے خط میں لکھا کہ ایک وقت میں دو خلیفہ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اور ابوداؤد کی ایک حدیث کا حوالہ دے کر بتایا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو دوسرا شخص مدعی خلافت ہو وہ قتل کیا جانا چاہئے۔ [۳۰]

ظہیر الدین اروپی نے حضرت خلیفہ اول سے معافی مانگ کر اپنے دعویٰ سے توبہ کر لی اور حضرت خلیفہ اولؓ نے اسے معاف بھی فرما دیا مگر وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہا اور پھر یہ فتنہ اٹھا دیا۔ [۳۱]

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے ان جھوٹے مدعیان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک نوٹ میں لکھا...... "جیسے آنحضرت ﷺ کے مرفوع ہونے کے بعد کوئی شخص اگر خلافت راشدہ کا انکار کرے تو باوجود آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھنے کے متبع سبیل المومنین نہیں ہو سکتا اسی طرح پر کوئی احمدی جو حضرت خلیفتہ المسیح کی خلافت کو قدرت ثانیہ کے مظہر اول کی خلافت یقین کرنے میں مضائقہ کرتا ہے۔ اس کا اپنے آپ کو محض حضرت مسیح موعود پر ایمان لانے سے احمدی سمجھنا غلطی ہے"۔ [۳۲] یہ سب مدعی بڑے زور و شور سے اٹھے اور بالآخر ناکام و نامراد رہے۔ اور شمع خلافت پوری شان سے فروزاں رہی اور اس کے پروانے چاروں طرف سے دیوانہ وار جمع ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں۔

نوجوانوں کے لئے تربیتی کلاس

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو احمدی نوجوانوں کی تربیت و اصلاح کا خاص خیال رہتا تھا۔ چنانچہ آپ نے اس جذبہ کے تحت اس سال سکولوں اور کالجوں کی تعطیلات کے دوران قادیان آنے

والے طلبہ کے لئے ایک تربیتی کلاس کا اجراء فرمایا۔ کلاس کے نصاب میں قرآن و حدیث اور بعض قصائد شامل تھے۔ آپ نے ان کو بڑی محنت سے پڑھایا۔ اور عربی و دینی علوم سے متعارف کیا۔ [۴۳]

حضرت مسیح موعودؑ کے تیسرے پوتے کی ولادت

۹ / جون ۱۹۱۰ء کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے مشکوئے معلّٰی میں مرزا حمید احمد پیدا ہوئے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تیسرے پوتے ہیں۔ [۴۴]

مدرسہ تعلیم الاسلام کے لئے وظائف

مدرسہ تعلیم الاسلام کے یتامیٰ و مساکین کے وظائف کی مد میں چونکہ گنجائش کم تھی اس لئے اس سال حضرت خلیفہ اول نے اپنی جیب خاص سے سو روپے عطا فرمائے یہ جون ۱۹۱۰ء کی بات ہے۔

[۴۵]

حضرت سیدہ امتہ الحی صاحبہ کی آمین

اس ماہ کے آخر میں حضرت سیدہ امتہ الحی صاحبہ (صاحبزادی حضرت خلیفہ اولؓ) نے قرآن مجید ختم کیا۔ اس مبارک تقریب پر حضرت اماں جی نے مدرسہ کی استانیوں کو انعام و اکرام سے نوازا اور مدرستہ البنات کی بچیوں کو دعوت دی اور شیرینی تقسیم کی۔ [۴۶]

مباحثہ کھارا

قادیان کے نزدیک ایک گاؤں کھارا ہے جس میں وسط ۱۹۱۰ء میں ایک مباحثہ ہوا جس میں مرکز سے حضرت حافظ روشن علی صاحب (امیر) مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب اور سید عبد الحی صاحب عرب شامل ہوئے۔ احمدیوں کی طرف سے حضرت حافظ صاحب نے بحث کی اور مبحث حیات و وفات مسیح تھا۔ مولوی نواب دین صاحب حضرت حافظ صاحب کے دلائل کی تاب نہ لا کر جوابی تقریر سننے سے پہلے ہی روانہ ہو گئے۔ [۴۷]

سفر پشاور

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے وسط ۱۹۱۰ء میں پشاور کا سفر اختیار فرمایا۔ اس سفر کی یادگار آپ کی ایک تصویر ہے جس میں آپ کے ساتھ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب مرحوم امیر ہوتی مردان۔ حضرت مولانا غلام حسن خان صاحب کے صاحبزادگان (عبد الرحیم جان صاحب اور عبداللہ جان صاحب) اور گل محمد خان صاحب وکیل بھی موجود ہیں۔ [۴۸] (اس یادگاری فوٹو میں سے آپ کی تصویر سامنے ملاحظہ ہو)۔

۱۹۱۰ء کے بعد آپ دسمبر ۱۹۱۳ء میں بھی پشاور تشریف لے گئے۔ اور اپنے اہل بیت کو لے کر سالانہ جلسہ پر پہنچ گئے۔ [۴۹]

اپنے خرچ پر دو احمدیوں کو حج پر بھجوانے کی خواہش

حضرت امیر المومنین خلیفہ اول ؓ نے وسط جولائی ۱۹۱۰ء میں اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ "ہم دو احمدیوں کو اپنے خرچ پر حج کے لئے بھیجنا چاہتے ہیں۔ جو زادِ راہ سے معذور اور حج کی تڑپ رکھنے والے صالح الاعمال متقی ہوں ایک ان میں سے پہلے حج کر چکے ہوں۔" ۵۰

سفر ملتان

جولائی ۱۹۱۰ء کے آخری ہفتہ میں حضرت خلیفہ اول ؓ نے سفر ملتان اختیار فرمایا۔ جو خلیفہ بننے کے بعد آپ کا پہلا سفر تھا اس سفر کی وجہ یہ ہوئی کہ ملتان کا ایک سپاہی محمد تراب خاں نامی جس کے دماغ میں خلل تھا۔ چھ ماہ قبل قادیان آیا اور آپ کے زیر علاج رہا۔ یہ شخص قادیان سے ملتان گیا اور اقدام قتل کے الزام میں گرفتار ہو گیا۔ جس پر آپ کو ملتان شہادت کے لئے طلب کیا گیا۔ ۵۱

حضرت خلیفہ اول ؓ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو امیر مقامی مقرر کر کے ۲۴ / جولائی ۱۹۱۰ء کو ۴ بجے بذریعہ ٹانگہ قادیان سے بٹالہ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ مولوی محمد علی صاحب میاں عبد الحی صاحب۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ۵۲ حکیم محمد عمر صاحب اور بعض دوسرے خدام بھی تھے۔ نہر تک پہنچے تو حکیم محمد عمر صاحب نے عرض کی کہ ضرور ہم اتنی دیر میں بٹالہ پہنچ جائیں گے حضرت نے فرمایا کہ ایسا دعویٰ نہیں چاہئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضور اور باقی خدام تو بروقت بٹالہ اسٹیشن پر پہنچ کر ریل میں سوار ہو کر لاہور چلے گئے مگر جس ٹانگہ میں حکیم صاحب تھے وہ پیچھے رہ گیا اور ریل چلی گئی۔ اور آخر دوسرے دن ایک بجے کے قریب لاہور پہنچے معلوم ہوا حضرت خلیفہ اول شیخ رحمت اللہ صاحب انگلش ویئر ہاؤس کے ہاں کھانے کے لئے تشریف لے گئے ہیں چنانچہ سیدھے وہاں پہنچے۔ حضور نے حکیم صاحب سے فرمایا۔ دیکھو آپ نے دعویٰ کیا تھا۔ کہ ضرور پہنچ جائیں گے حکیم صاحب نے عرض کی پرانی عادتیں ہیں کوشش تو کر رہا ہوں کہ ایسے کلمات منہ سے نہ نکلیں۔ خدا کا شکر ہے کہ تنبیہہ بھی ہو جاتی ہے۔ کھانا کھانے کے بعد انہی کے مکان پر نماز ظہر پڑھی گئی۔ پھر حضرت خلیفہ اول شیخ صاحب کی درخواست پر ان کی دکان واقع انار کلی میں تشریف لے گئے اور سب کمروں میں اپنے قدم مبارک سے برکت بخشی۔ ۵۳

شیخ رحمت اللہ صاحب کی دکان سے ہو کر حضرت خلیفہ اول ؓ خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان (واقع کیلیانوالی سڑک) پر تشریف لے گئے اور نماز عصر ادا فرمائی یہاں بعض لوگوں نے بیعت کی۔ نو مبایعین کو آپ نے نصیحت فرمائی کہ غفلت کی صحبت سے بچتے رہو اور اگر کوئی مجبوری پیش آوے تو استغفار بہت کرو۔ ایک شخص نے عرض کی کہ میری اولاد کچھ پاگل اور کچھ نالائق ہے۔ فرمایا خیرات اور

دعا اور استغفار کرتے رہا کرو۔ خدا اپنے فضل سے سب کام ٹھیک کر دے گا۔ ہمت ہارنا اور مایوس ہونا کفر ہے مومن کبھی ناامید نہیں ہوتا۔

اسی دن ۲۵/ جولائی ۱۹۱۰ء کو آپ لاہور سے بذریعہ ریل ملتان روانہ ہوئے۔ لاہور کی جماعت کے بہت سے دوست مشایعت کے واسطے اسٹیشن پر حاضر تھے۔ شام کا کھانا حضرت میاں چراغ الدین صاحب کی طرف سے اسٹیشن پر پہنچایا گیا۔ لاہور سے آپ کے ساتھ حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ میاں معراج الدین صاحب عمر اور مرزا عبدالغنی صاحب بھی ہمرکاب ہوئے۔ ۲۶/ جولائی کو ۵ بجے صبح کے قریب گاڑی ملتان اسٹیشن پر پہنچی۔ اسٹیشن پر آپ کا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ اور آپ کے رفقاء محلہ شاہ یوسف گردیزی میں سید محمد شاہ صاحب گردیزی کے ایک مکان میں فروکش ہوئے۔ [۵۴]

کچھ وقت کے بعد آپ رائے کیشو داس صاحب مجسٹریٹ کی عدالت میں بیان کے لئے تشریف لے گئے۔ رائے صاحب نہایت درجہ اخلاق سے پیش آئے آپ کو کرسی پیش کی اور معذرت کی کہ آپ کو ملتان آنا پڑا اور قانونی مجبوری سے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔ آپ نے اپنی شہادت میں بتایا کہ چھ ماہ سے زائد عرصہ گذرا۔ ملزم میرے پاس بغرض علاج آیا تھا میری تشخیص کے مطابق اسے مانیا کا عارضہ تھا جسے انگریزی میں مینیا کہتے ہیں جو جنون کی ایک قسم ہے۔ میں حضرت مرزا صاحب کا خلیفہ اول ہوں۔ جماعت احمدیہ کا لیڈر ہوں قریباً ۴۵ سال سے حکمت کرتا ہوں۔ ریاست کشمیر میں شاہی طبیب تھا وہاں قریباً پندرہ سال رہا۔ میں نے نہیں سنا کہ اس شخص نے کسی پر حملہ کیا ہو۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس کو نسخہ لکھ دیا تھا۔ میرے ہاں بیماروں کے لئے کوئی رجسٹر اندراج نہیں میں بیمار کو پوری تحقیق سے دیکھتا ہوں سرسری طور پر کسی کو نہیں دیکھتا۔

شہادت کے بعد آپ مکان پر واپس تشریف لائے آپ کا ارادہ تو اسی روز واپسی کا تھا۔ مگر بعض معززین ملتان کے اصرار سے ایک روز اور ٹھہرنا منظور فرما لیا۔ کہتے ہیں قیام ملتان کے دوران آپ حکیم محمد اسماعیل صاحب کی بیٹھک (واقع منگل وہڑہ اندرون پاک دروازہ ملتان) میں بھی تشریف لے گئے۔ [۵۵] جب تک ملتان رہے بیماروں کا تانتا بندھا رہا۔ ۲۶/ جولائی کی شام کو خان بہادر مخدوم شیخ حسن بخش صاحب قریشی آنریری مجسٹریٹ آپ کی زیارت کے لئے آئے [۵۶] اور دوسرے دن صبح (۲۷/ جولائی) آپ کی اور جماعت احمدیہ ملتان کے جملہ احباب کی پرتکلف ضیافت کی۔ اسی دن ساڑھے پانچ بجے شام کو مدرسہ انجمن اسلامیہ کے ہال میں ایک شاندار جلسہ ہوا۔ [۵۷] جس میں عمائد ملتان کی درخواست پر حضرت خلیفہ اول ؓ نے ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب ایک نہایت درجہ اثر انگیز خطاب فرمایا۔ یہ تقریر ایسی زبردست تھی کہ لوگ دیوانہ وار آپ کے ساتھ لاہور تک کھچے آئے۔ تقریر کے بعد

آپ اسٹیشن پر تشریف لے گئے۔ جماعت احمدیہ کے سبھی افراد اپنے مقدس امام کو الوداع کہنے کے لئے ساتھ تھے آپ ریل پر سوار ہو کر ۲۸/ جولائی کی صبح کو بوقت چھ بجے لاہور وارد ہوئے۔ حسب معمول بہت سے دوست آپ کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ احباب لاہور نے واپسی پر بھی پہلے کی طرح خلوص و محبت کا اظہار کیا۔ مستری محمد موسیٰ صاحب نے آپ کی اور آپ کے خدام کی دعوت کی۔ چنانچہ آپ کھانا کھا کر انار کلی میں سے قیام گاہ کی طرف تشریف لائے رستہ میں آپ میاں چراغ دین صاحب کی درخواست پر ان کی دکان "عزیز ہاؤس" میں تشریف لے گئے۔ یہاں ان کے بھائی میاں عبدالعزیز صاحب مغل اور میاں محمد سعید صاحب سعدی کام کرتے تھے۔ اس موقعہ پر آپ نے فرمایا۔ دکان چلانے کے واسطے ہمت استقلال 'دیانت 'ہوشیاری 'عاقبت اندیشی اور امانت کی ضرورت ہے نیز فرمایا لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک ہزار حرفہ سکھایا تھا یورپ میں بہت ترقی ہے مگر ہنوز ہزار تک نوبت نہیں پہنچی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تجارت میں ۱۹ حصہ منافع ہے باقی ایک حصہ دیگر حرفوں میں ہے۔ حدیث میں یہ بھی لکھا ہے تجارت کے واسطے مغربی ممالک میں جاؤ۔

قیام لاہور کے دوران آپ نے جمعہ بھی پڑھایا اور ۳۱/ جولائی کی صبح کو احمدیہ بلڈنگس کے میدان میں ایک پبلک تقریر فرمائی۔ اس پر معارف تقریر کا مضمون تھا "اسلام اور دیگر مذاہب" بعد ازاں آپ مع خدام لاہور سے بذریعہ ریل بٹالہ روانہ ہوئے اور اسی دن ۳۱/ جولائی ۱۹۱۰ء کی شام کو بخیریت قادیان پہنچ گئے۔ اس سفر میں حکیم محمد عمر صاحب فیروز پوری نہ صرف حضور کی خدمت میں نہایت محبت و اخلاص سے حاضر خدمت رہے۔ بلکہ دیگر تمام رفیقان سفر کو ہر ممکن سہولت اور آرام پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ حکیم صاحب موصوف ان دنوں حضرت کے ان وفادار اور خدمت گذار دوستوں میں سے تھے۔ جن کی خدمت پر بڑے بڑے بزرگ رشک کرتے تھے۔ [۵۸]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا سب سے پہلا خطبہ جمعہ

حضرت خلیفتہ المسیح اول کے سفر ملتان کے دوران ۲۹/ جولائی ۱۹۱۰ء کو جمعہ آیا تھا جو لاہور میں حضرت خلیفہ اول نے اور قادیان میں آپ کی قائم مقامی میں امیر مقامی کی حیثیت سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے پڑھا۔ یہ حضرت صاحبزادہ صاحب کا سب سے پہلا خطبہ جمعہ تھا اس خطبہ میں آپ نے قرآنی آیت ان اللہ یامر بالعدل والاحسان و ایتای ذی القربی و ینھی عن الفحشاء و المنکر و البغی (نحل ع ۱۳) کی مختصر مگر لطیف تفسیر بیان فرمائی۔ [۵۹]

حضرت صاحبزادہ صاحب کی اقتداء میں نماز جمعہ

حضرت خلیفہ اول کو تھوک کے ساتھ خون آنے کی شکایت ہوگئی تھی اور آپ جمعہ نہیں پڑھا سکتے تھے۔ اس لئے آپ نے ۲۶ / اگست ۱۹۱۰ء کے جمعہ کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو امام و خطیب مقرر فرمایا اور ان کے مقتدی کی حیثیت سے نماز پڑھی۔ ابتدائی سنتیں کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تھے اس لئے بیٹھ گئے مگر نماز جمعہ کھڑے ہو کر ادا فرمائی۔ اس دن نماز مغرب کے بعد آپ نے اپنی نواسی کا نکاح بھی بیٹھ کر پڑھا۔ [۶۰]

جلسہ میرٹھ

۲۷-۲۸ / اگست ۱۹۱۰ء کو میرٹھ میں ایک اسلامی انجمن کا جلسہ ہوا۔ جس میں حضرت خلیفتہ المسیح کے حکم سے حضرت حافظ روشن علی صاحب، حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب، شیخ محمد یوسف صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے شرکت کی مگر تقریر وقت کی قلت کے باعث موخر الذکر دو اصحاب کی ہوئی۔ خصوصاً خواجہ کمال الدین صاحب کا لیکچر بہت کامیاب رہا۔ [۶۱]

"ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام تھا۔ "ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت" یہ الہام ستمبر ۱۹۱۰ء میں بعینہ پورا ہوا جبکہ کوریا کو جاپان نے ملا لیا [۶۲]

مکفرین کے ایک اشتہار کا جواب

کسی مدرسہ "اصلاح دارین" کے چند مہتممین کی طرف سے ایک فتویٰ شائع ہوا کہ جو شخص احمدیوں کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اور فتویٰ کے آخر میں چند باتیں لکھیں جو ان کے خیال میں احمدیوں کے کفر پر دلیل تھیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو یہ فتویٰ پہنچا تو آپ نے "مکفرین کے ایک اشتہار کا جواب" کے نام سے اس کا مدلل و مسکت جواب شائع فرمایا۔ [۶۳]

مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کا لاہور میں تقرر۔ اور منکرین خلافت کی حالت

حضرت خلیفہ اول نے مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کو قادیان بلوا لیا تھا اور آپ کو پہلے تو مدرسہ تعلیم الاسلام کی پانچویں سے دسویں جماعت کی عربی تعلیم پر مقرر فرمایا بعد ازاں آخر ۱۹۱۰ء میں جماعت لاہور کی اصلاح و تربیت اور سلسلہ کی تبلیغ کے لئے لاہور بھیج دیا۔ [۶۴]

لاہور کی جماعت کے مقامی امام حضرت مولوی غلام حسین صاحب چوٹی کے ممتاز علماء میں سے تھے مگر درویش سیرت اور مسکین طبع ہونے کی وجہ سے اپنی شہرت پسند نہ کرتے تھے۔ ہر وقت مطالعہ کتب

اور درس و تدریس میں مستغرق اور منہمک رہتے تھے۔ نہایت بڑھاپے کی عمر میں اپنی ایمانی قوت اور الہامی راہ نمائی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی اور آخر عمر تک اپنے عہد بیعت پر کمال خلوص و عقیدت سے قائم رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دفعہ فرمایا کہ "عام طور پر انبیاء کے ماننے والے ان سے کم عمر کے لوگ ہوتے ہیں بڑے بوڑھے بہت کم مانتے ہیں مگر مولوی غلام حسین خاں لاہوری اور بابا ہدایت اللہ صاحب شاعر لاہوری یہ دونوں ایسے ہیں جو بڑے اور بوڑھے ہو کر ایمان لائے ہیں۔ [۱۵]

مولوی صاحب یکم فروری ۱۹۰۸ء کو انتقال فرما گئے آپ کی نعش کو حضرت مسیح موعودؑ نے کندھا دیا اور آپ بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے آپ کی وفات کے بعد جماعت لاہور میں ایک بہت بڑا خلا واقع ہو گیا۔ اور خصوصاً احمدیہ بلڈنگس کے ممبران اور ان کے ماحول کی اصلاح و تربیت کے لئے ایک عالم دین کی ضرورت شدت سے محسوس ہونے لگی۔ جس پر خود جماعت لاہور کی درخواست پر حضرت خلیفہ اولؓ نے مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کو لاہور کا مبلغ مقرر فرمایا۔ لاہور کی گمٹی والی مسجد میں حضرت مولوی غلام حسین صاحب امامت کرایا کرتے تھے غیروں کے قبضہ میں چلی گئی تھی اس لئے احباب لاہور اب احمدیہ بلڈنگس میں نمازیں ادا کرنے لگے تھے مولوی صاحب نے احمدیہ بلڈنگس ہی کو اپنی اصلاحی و تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنا کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چنانچہ روزانہ صبح کو قرآن مجید کا درس دیتے اور شام کے بعد بخاری شریف کا۔ اور عہد خلافت اولیٰ کے آخر تک یہ فریضہ نہایت خوش اسلوبی سے نباہتے رہے۔

احمدیہ بلڈنگس میں صدر انجمن کے چاروں ممبر جو فتنہ انکار خلافت میں پیش پیش تھے آپ سے قرآن و حدیث اور بعض دوسری کتب پڑھتے تھے خصوصاً خواجہ کمال الدین صاحب نے قرآن کے علاوہ زاد المعاد اور علم نحو کی کتاب آپ سے پڑھی۔ لیکچروں کی تیاری میں قرآنی آیات کے حوالے اور ان کے ترجموں میں بھی ان کی خدمات سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

مولانا راجیکی صاحب نے اس زمانہ کے حالات اپنے قلم سے لکھے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ احمدیہ بلڈنگس کے چاروں ممبران انجمن ۱۹۰۹ء میں دو دفعہ معافی مانگنے کے بعد تمرد اور سرکشی میں اور بھی بڑھ گئے تھے۔ چنانچہ جب آپ شروع شروع میں وہاں گئے تو انہوں نے رسالہ "الوصیت" آپ کے سامنے رکھ کر نہایت درجہ مداہنت سے پوچھا کہ مولانا آپ جماعت کے بلند پایہ عالم ہیں اس عبارت کا مطلب ہمیں بتائیں کہ اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد انجمن ہی جانشین ثابت ہوتی ہے یا اس میں کسی شخصی خلافت کا بھی ذکر پایا جاتا ہے۔ بعض ممبروں نے یہ بھی کہا کہ کیا مولوی نور الدین

صاحب غلطیوں اور خطاؤں سے پاک اور معصوم ہیں۔ آپ ان کی اس گفتگو سے حیران رہ گئے کہ دوبارہ بیعت کرنے کے باوجود ان لوگوں کے دل کدورت سے صاف نہیں ہوئے اور وہی پراپیگنڈا برابر کئے جا رہے ہیں۔ آپ نے ان کو بدلائل سمجھایا کہ اصل جانشین انجمن نہیں بلکہ خلیفہ وقت حضرت مولوی نور الدین صاحب ہیں نیز نصیحت کی کہ دوبارہ بیعت کے بعد فیصلہ حقہ کے خلاف کوئی بات دل میں بٹھا رکھنا جائز نہیں اب تو ادب و احترام کو ملحوظ رکھ کر اپنے عہد اطاعت و بیعت کو وفاداری سے نبھانا چاہئے۔

آپ کے اس جواب سے وہ سب مایوس ہو گئے اور آپ کی مخالفت کے درپے ہو کر آپ کے لاہور سے نکلوانے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ دوسری طرف آپ نے بھی جماعت کے سامنے جمعہ کے خطبوں اور دوسری مجالس خطابت میں خلافت حقہ پر اور زیادہ زور دینا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ آپ خطبہ جمعہ میں خلافت کا ذکر کر رہے تھے کہ یہ حضرات بڑبڑانے لگے اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے کہا کہ مولوی صاحب خدا کے لئے غلو چھوڑ دیں۔ ایک خطبہ جمعہ سن کر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں شکایت بھی کی کہ مولوی صاحب کے خطبوں سے پیر پرستی اور شرک پیدا ہونے کا ڈر ہے مگر یہ محض مغالطہ انگیزی تھی۔ اس لئے حضرت خلیفہ اول نے ان کو یہ جواب دیا کہ جو درجہ حضرت صاحب کا مولوی راجیکی صاحب سمجھتے ہیں میں ان سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ علاوہ ازیں ۴/ ستمبر ۱۹۱۲ء کو اپنے قلم سے آپ کو ایک خط ارسال فرمایا جس میں لکھا:

"السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔ میں آپ سے بالکل خوش ہوں۔ نور الدین ۴/ ستمبر ۱۹۱۲ء"۔

ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کو خواجہ کمال الدین صاحب کے اثر کی وجہ سے یہ وسوسہ پیدا ہو گیا تھا کہ میاں محمود احمد صاحب نے جو ادھر ادھر جماعتوں میں جانا شروع کر دیا ہے تو وہ چاہتے ہیں کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد آپ کے گدی نشین بنیں یہ خیال بڑھتے بڑھتے ان کے دل پر یہاں تک چھا گیا کہ انہوں نے مفروضہ پیر پرستی اور گدی نشینی کی تردید میں ایک رسالہ "طریق فلاح" بھی لکھ مارا۔ جس میں انہوں نے خلافت حقہ کو گدی قرار دے کر اپنے باغیانہ خیالات و عقائد کا اظہار کیا تھا اس کے بعد ایک دفعہ انہیں اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کے لئے ریاست بہاولپور جانا پڑا واپس آکر انہوں نے مولانا راجیکی صاحب کو بتایا کہ سفر میں مجھے بہت ہی منذر خوابیں آئی ہیں اور بار بار سرزنش ہوئی ہے کہ میاں صاحب کی مخالفت نہ کروں۔ چنانچہ یہ خواب بھی سنایا کہ میں نے دیکھا کہ ایک گاڑی اپنی لائن پر نہایت سرعت اور عمدگی سے چلی جا رہی ہے مجھے بتایا گیا کہ اس کے ڈرائیور میاں محمود احمد

صاحب ہیں پھر مجھے سورۂ عصر الہام ہوئی۔ اور میں نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ جو لوگ میاں صاحب کی گاڑی پر سوار ہوں گے وہی ایمان و عمل صالح رکھنے والے ہوں گے یہ خواب اور الہام سنانے کے بعد انہوں نے عہد کیا کہ میں آئندہ میاں صاحب کی مخالفت نہیں کروں گا۔ ۶۶

یوپی میں مبلغین احمدیت کے کامیاب دورے

"مدرسہ الٰہیات" کانپور اور انجمن "ہدایت الاسلام" اٹاوہ کے سالانہ جلسے منعقد ہو رہے تھے جن میں احمدی علماء کی شرکت کے لئے حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں درخواست پہنچی بلکہ مدرسہ الہیات کی طرف سے خود آپ کو بھی تشریف لانے کی دعوت دی گئی آپ کا جانا تو مشکل تھا اس لئے اپنی طرف سے ۹/ اکتوبر ۱۹۱۰ء کو یو۔ پی میں ایک وفد بھجوا دیا۔ جو حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی صدر الدین صاحب پر مشتمل تھا وفد کانپور اور اٹاوہ کی کانفرنسوں میں کامیاب لیکچر دینے کے بعد لکھنؤ پہنچا جہاں دارالعلوم ندوہ کے بانی مولانا شبلی سے بھی ملاقات ہوئی۔ ۶۷ مولانا شبلی بڑے اخلاق سے پیش آئے اور دریافت کیا کہ کیا آپ لوگ مرزا صاحب مرحوم کو نبی مانتے ہیں؟ مفتی محمد صادق صاحب نے جواب دیا کہ "ہمارا عقیدہ اس معاملہ میں دیگر مسلمانوں کی طرح ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں نہ نیا اور نہ پرانا۔ ہاں مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ اور وہ بھی آنحضرت ﷺ کے طفیل آپ سے فیض حاصل کرکے اس امت میں ایسے آدمی ہوتے رہے ہیں جن کو الہام الٰہی سے مشرف کیا گیا اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ چونکہ حضرت مرزا صاحب بھی الہام الٰہی سے مشرف ہوتے رہے اور الہام کے سلسلہ میں آپ کو خدا تعالیٰ سے بہت سی آئندہ کی خبریں بھی بطور پیشگوئی کے بتلائی جاتی تھیں جو پوری ہوتی رہیں۔ اس واسطے مرزا صاحب ایک پیشگوئی کرنے والے تھے اور اس کو عربی لغت میں نبی کہتے ہیں۔ اور احادیث میں بھی آنے والے مسیح موعود کا نام نبی رکھا اس پر مولوی شبلی صاحب نے فرمایا کہ "بے شک لغوی معنوں کے لحاظ سے یہ ہو سکتا ہے اور عربی لغت میں اس لفظ کے یہی معنے ہیں لیکن عوام اس مفہوم کو نہ پانے کے سبب گھبراتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں...... اس کے بعد جناب شبلی صاحب نے فرمایا۔ "کہ میں مدت سے ایک نہایت مشکل اور اہم مسئلہ کی فکر میں ہوں اور بالخصوص گذشتہ چھ ماہ سے بہت ہی فکر میں ہوں۔ مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جاوے اگر ہم طلباء کو صرف عربی علوم پڑھاتے ہیں تو ان میں سے پرانی سستی اور کمزوری اور کم ہمتی نہیں جاتی جو آج کل کے مسلمانوں کے لاحق حال ہو رہی ہے۔ اور اگر انہیں انگریزی علوم کا صرف ایک چھینٹا بھی دے دیا جائے تو اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ دین کو بالکل

چھوڑ بیٹھتے ہیں ہم حیران ہیں کہ کیا کریں۔ ہاں آپ کی جماعت میں یہ خوبی دیکھی ہے کہ آپ کی جماعت کے ممبر انگریزی خوان بھی ہیں اور دین کے بھی پورے طور سے پابند ہیں۔ "میں مرزا صاحب کے دعویٰ کو تو نہیں مانتا مگر ان کی جماعت میں جو یہ خوبی ہے اس کا قائل ہوں"۔ [۶۸] اس کے بعد انہوں نے حضرت خلیفہ اول کے علم و فضل کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے ان کی ملاقات کا بہت اشتیاق ہے ایک دفعہ میں قادیان بھی جانے لگا تھا۔ مگر پھر کسی وجہ سے ایک اور طرف جانے کا اتفاق ہو گیا۔ جہاں مجھے ایک حادثہ پیش آیا جس کے سبب اب تو میں معذور بھی ہوں۔

المختصر لکھنؤ سے یہ وفد کامیاب و کامران ہو کر ۱۷/ اکتوبر ۱۹۱۰ء کی شام کو دارالامان میں داخل ہوا۔ [۶۹]

مرکزی علماء مونگھیر میں

انجمن احمدیہ مونگھیر کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لئے حضرت خلیفہ اولؓ نے ۸/ نومبر ۱۹۱۰ء کو حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو روانہ کیا۔ رستہ میں ان ہر دو بزرگوں نے شاہجہان پور میں لیکچر دیئے۔ جن سے متاثر ہو کر دو ہندو مرد اور ایک عورت مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جو حضرت حافظ سید علی میاں صاحب اور ان کے فرزند ارجمند حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب کے عرصہ سے زیر تبلیغ تھے اس جلسہ کی مفصل خبران دنوں جناب محمد علی عابد نے اخبار پیسہ میں بھی شائع کر دی تھی۔ رپورٹ میں حضرت مفتی صاحب کی تقریر کے بارے میں لکھا:

"آپ کا بیان علی العموم اور وہ حصہ بالخصوص بہت ہی دلپذیر تھا جس میں آپ نے عبرانی کی تورات سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق پیشگوئیاں پڑھ کر ان کا ترجمہ سنایا جس نے کہ آنحضرت ﷺ کا حلیہ شریف اور نام مبارک اصل زبان عبرانی کی تورات شریف میں لکھا دکھا دیا۔ اور فضیلت آنحضرت ﷺ کے ثبوت پیش کرتے ہوئے سورۂ کوثر کی بڑی عمدہ و لطیف تفسیر کی جو سامعین کو محو حیرت بنا گئی"۔

حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب کی تقریر پر یہ ریمارکس دیئے۔ "آپ کا انداز بیان نہایت عالمانہ اور محققانہ تھا...... آپ نے مشہور مذاہب کی تعلیمات کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا۔ اور پھر اسلام کی تعلیم پیش کر کے اسلام کا افضل و اکمل مذہب ہونا مثل آفتاب نصف النہار روشن کر دیا"۔

ان لیکچروں کی شہر میں دھوم مچ گئی اور مسلمان فرط مسرت و عقیدت میں ملاقات کے لئے دوسرے روز ان کی فرودگاہ پر آئے لیکن معلوم ہوا کہ وہ ساڑھے گیارہ بجے شب مونگھیر روانہ ہو گئے ہیں۔

مونگھیر کا جلسہ ۱۲/ نومبر سے ۱۴/ نومبر ۱۹۱۰ء تک تین روز جاری رہا۔ جس میں ان بزرگوں کے علاوہ حضرت میر قاسم علی صاحب نے بھی تقریر کی جو دہلی سے یہاں حضرت خلیفہ اولؓ کے حکم سے پہنچ گئے تھے جلسہ غیر معمولی طور پر کامیاب رہا اور کئی سعید روحیں سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئیں۔ ۴۰

حضرت خلیفہ اول کا گھوڑے سے گرنے کا حادثہ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو ۱۹۰۳ء میں بذریعہ خواب یہ نظارہ دکھایا گیا تھا کہ حضرت مولوی نور الدین صاحب گھوڑے پر سے گر پڑے ہیں یہ خواب بالکل مخالف حالات میں پوری ہوئی اور احمدیت کی صداقت کا ایک چمکتا ہوا نشان ظاہر ہوا۔ ۴۱

واقعہ یہ ہوا کہ حضرت نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ اپنے وطن سے چند مہینوں کے بعد واپس آئے تھے اور آپ ان کے گھر تشریف لے جانا چاہتے تھے یہ جمعہ کا دن اور ۱۸/ نومبر ۱۹۱۰ء کی تاریخ تھی۔ ابھی آپ جانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ خود حضرت نواب صاحب ملنے کے لئے آ گئے اس صورت میں بظاہر کوئی ضرورت نہ تھی کہ آپ ایک میل دوران کی کوٹھی پر تشریف لے جاتے۔ چنانچہ بعض دوستوں نے عرض بھی کیا مگر خدا تعالیٰ کے منشاء کو کون روک سکتا ہے۔ آپ سرخ رنگ کی ایک گھوڑی پر سوار ہو کر (جو میاں عبدالحی صاحب کو بطور تحفہ ملی تھی) نواب صاحب کی کوٹھی پر تشریف لے گئے واپسی پر بہت سے احباب ساتھ چلنا چاہتے تھے مگر آپ نے روک دیا کہ پیچھے آہستہ آہستہ چلے آؤ اور صرف دو آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ مگر گھوڑی کے بدک کر تیز ہو جانے کی وجہ سے وہ پیچھے رہ گئے۔ آپ کے مکان کی طرف دو راستے آتے تھے۔ ایک بازار سے دوسرا تنگ گلی سے ہو کر۔ اس خیال سے کہ بازار کا راستہ زیادہ صاف ہے اور لوگوں کی کثرت کی وجہ سے زیادہ محفوظ ہے۔ پہلے آپ اسی طرف چلے لیکن عین وہاں پہنچ کر دل میں تحریک پیدا ہوئی کہ یہاں عورتیں اور بچے ہوں گے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی کو تکلیف ہو۔ آپ وہاں سے لوٹ کر دوسرے راستہ کی طرف چل پڑے جو نسبتاً بہت زیادہ خطرناک تھا۔ گھوڑی تو آگے ہی تیز ہو رہی تھی اس راستہ میں اس طرح بدکی کہ ایک موڑ کے آگے ایک شخص مہرالدین آتشباز کے مکان کے قریب پہنچ کر آپ کا پاؤں رکاب ہی میں لٹک گیا اس وقت شیخ رحمت اللہ صاحب کوئلہ فروش اتفاق سے پہنچ گئے اور انہوں نے بھاگ کر لگام پکڑ لی۔ گھوڑی انہیں دھکیل کر آٹھ دس قدم تک لے گئی اسی اثناء میں آپ کا پاؤں رکاب سے نکل گیا۔ آپ ایک پتھر پر گر پڑے اور آپ کے ماتھے پر سخت چوٹ آئی۔ یہ بھی قدرت الٰہی ہے کہ آپ خاص اس جگہ پر گرے کہ جہاں پتھر تھے۔ حالانکہ اس حصہ میں پتھر صرف اسی جگہ پر تھے۔ اور اگر نصف گز بھی ادھر ادھر گرتے تو چوٹ ہرگز نہ آتی۔ ۴۲

اس حادثہ کے بعد شیخ رحمت اللہ صاحب نے اپنی اہلیہ کو آواز دی اور وہ چارپائی اور کپڑا لے آئیں اور آپ چارپائی پر لیٹ گئے۔ اس دوران میں قریب کے بعض احمدی دوست مثلاً میر حسین صاحب بریلوی' سید عبدالرحمٰن صاحب (خلف الرشید حضرت سید عزیز الرحمٰن صاحب) اور ان کی والدہ بھی پہنچ گئیں۔ حضور کے سر سے خون بہہ رہا تھا جو سر پر پانی ڈالنے کے باوجود بند نہ ہوا۔ شیخ صاحب نے اپنی پگڑی سے خون صاف کیا۔ [۷۳] تھوڑی دیر بعد ہوش آئی تو فرمایا۔ خدا کے مامور کی بات پوری ہو گئی۔ شیخ صاحب نے عرض کی کون سی بات فرمایا۔ کیا آپ نے اخبار میں نہیں پڑھا کہ حضور نے میرے گھوڑے سے گرنے کی بابت خواب دیکھی تھی۔ ازاں بعد آپ کے شاگرد حکیم غلام محمد صاحب امرتسری اور آپ کے بچوں کے خادم محی الدین صاحب آپ کی چارپائی اٹھا کر آپ کے مکان میں لے آئے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ نے "نشان آسمانی" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا۔ جس میں اس واقعہ کی تفصیلات پر روشنی ڈالنے کے بعد دنیا کو اس نشان سے فائدہ اٹھانے کی طرف توجہ دلائی اور لکھا:

"پیشگوئی کا ایسے وقت میں ہونا جب آپ کے پاس کیا قادیان کے احمدیوں میں سے کسی کے پاس بھی گھوڑا نہ تھا۔ پھر اس عرصہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا فوت بھی ہو جانا اور اس پیشگوئی کا بالکل ظہور نہ ہونا۔ پھر کسی شخص کا عزیزم عبدالحی سلمہ اللہ تعالیٰ کو گھوڑا ہدیتہً پیش کرنا اور خریدا ہوا نہ ہونا۔ نواب صاحب کے خود آکر ملنے کے باوجود حضرت مولوی صاحب کا وہاں تشریف لے جانا۔ رکابوں کا چھوٹا ہونا اور باوجود کہنے کے آپ کا بچوں کی تکلیف کے خیال سے ان کے لمبے کرنے سے منع کرنا۔ احباب کا ساتھ چلنے کی خواہش کرنا اور آپ کا روک دینا۔ گھوڑے کا بدک کر تیز ہو جانا اور دونوں ساتھیوں کا پیچھے رہ جانا اور پھر آپ کا خاص اس جگہ پر گرنا جہاں پتھر تھے۔ ایسے عجیب واقعات ہیں کہ سوائے اس کے کہ یقین کیا جائے کہ خدا تعالیٰ کے خاص ارادے کے ماتحت حضرت صاحب کی پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے ہوئے ہیں اور کوئی صورت نظر نہیں آتی"۔ [۷۴]

جماعت کی طرف سے اپنے امام سے بے پناہ خلوص و محبت کا اظہار

آپ کے گھوڑے سے گرنے کا واقعہ پوری جماعت کے لئے ایک دل ہلا دینے والا حادثہ تھا جس نے سب ہی کو تڑپا دیا اور جوں جوں دوستوں کو یہ خبر پہنچی وہ دیوانہ وار اپنے محبوب آقا کی عیادت کے لئے کھچے چلے آئے۔ بیمار پرسی کے لئے ہر طرف سے بکثرت خطوط پہنچنے لگے۔ اور جماعت کے چھوٹے بڑے سب دعاؤں میں

مصروف ہو گئے اور جماعتی رنگ میں بھی دعائے خاص کی مسلسل تحریکیں ہونے لگیں۔ [۷۵] کئی دوستوں نے اصرار کیا کہ مرکز سے روزانہ بذریعہ کارڈ ان کو اطلاع دی جائے چنانچہ اس کا اہتمام بھی کیا گیا۔ غرضکہ مخلصین جماعت نے خلیفہ وقت سے اس موقعہ پر جس فدائیت و شیدائیت کا مظاہرہ کیا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ حکیم محمد حسین صاحب قریشی نے ایک روز جناب باری میں عرض کی "کہ اے مولیٰ! حضرت نوحؑ کی زندگی کی ضرورتیں تو مختص المقام تھیں۔ اور اب تو ضرورتیں جو درپیش ہیں ان کو بس تو ہی جانتا ہے۔ ہماری دعا قبول کر اور ہمارے امام کو نوحؑ کی سی عمر عطا کر"۔

شیخ محمد حسین صاحب (لائل پور) نے دعا کی کہ حضرت صاحب کی بیماری مجھ کو آجائے اسی طرح سید ارادت حسین صاحب مونگھیری نے اپنی دعا میں جناب باری سے التجا کی میری عمر دو سال کم ہو کر حضرت صاحب کو مل جائے ان دعاؤں کے علاوہ دوستوں نے صدقہ و خیرات بھی کثرت سے کیا۔ [۷۶] حضرت خلیفہ اولؓ نے ایک دفعہ خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ "یہ خوشی کی بات ہے کہ بیماری کے ایام میں جماعت اللہ کی طرف متوجہ ہے"۔ [۷۷]

اس موقعہ پر احمدی ڈاکٹروں نے بھی علاج معالجہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جس پر حضرت نے خاص طور پر شکریہ ادا کیا۔ [۷۸، ۷۹]

حضرت خلیفہ اول کی بیماری اور اس کے کوائف

اس حادثہ میں جو ستر برس کی عمر میں آپ کو پیش آیا آپ کے سر کو سخت چوٹ لگی اور بہت خون بہہ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے تین برس تک یہ بیماری کسی نہ کسی شکل میں چلتی رہی اور قریباً سات ماہ تک آپ کو بستر علالت پر رہنا پڑا۔ حضرت خلیفہ اول ۱۶/ ستمبر ۱۹۱۳ء کو اپنے قلم سے اس بیماری کے کوائف اس طرح لکھتے ہیں:

"گھوڑے سے گرا سخت کھنگر تھے حواس باختہ ہو گیا دائیں طرف زخمی ہوئے اسہال کا مرض تو جاتا رہا۔ ہفتہ بھر کے بعد شقیقہ شروع ہوا۔ [۸۰] سمجھ میں نہ آئے درجن ڈاکٹر حیران آخر میر اسماعیل ڈاکٹر نے کہا۔ ابرو کے زخم سے دجنہ کو خون پہنچا ہے۔ [۸۱] اور وہ ریح بن گیا۔ آخر بخلاف رائے ڈاکٹران صدغ پر اپریشن ہوا۔ [۸۲] ریح نکلی درد کو آرام آگیا۔ ساتویں روز شدید ماشرا ہو گیا۔ زخم بالکل اصفر ہو گیا۔ ہرڈ مشہور پروفیسر کو بلایا اس نے رائے دی علاج ترک کر دو قدرت پر رکھو صرف الکحول گلیسرین [۸۳] سر اور منہ پر لگا دیں بارے ہفتہ کے بعد انحطاط شروع ہوا اور اپریشن کا زخم ناسور بن گیا۔ پیشاب کی کثرت ہو گئی شدت کا ہزال ہوا۔ ایک مخلص نے سونا اور فولاد دکھلایا۔ چالیس روز کھایا۔ منہ بند تھا سیال اشیاء گذر جاتیں۔ تین برس کے بعد ناسور اچھا ہوا۔ اور نظر بھی درست ہو گئی اب ذیابیطس اور عطش کی

کثرت ہے ۸۴ ۱۰۴ اوزنی اور شکر زیادہ تھی علاج کیا...... شکر خود بخود دور ہو گئی رات کو دو بار دن کو دو بار پیشاب آتا ہے عصر و مغرب کے درمیان پیاس ہوتی ہے........ اسپغول بہت کھایا اور مفید ہوا۔ اب پانچ روز سے درس دیتا ہوں۔ والحمد للہ رب العلمین "۔ ۸۵

حضرت خلیفہ اول نے اوپر ڈاکٹر میجر ہرڈ (Herd) کا ذکر فرمایا ہے یہ ڈاکٹر صاحب میڈیکل کالج لاہور کے مشہور پروفیسر تھے جو ۱۹/ جنوری ۱۹۱۱ء کو دوپہر کے وقت قادیان آئے انہوں نے حضرت خلیفہ اول کا طبی معائنہ کیا نبض دیکھی تو کہا یہ نبض تو جوانوں کی سی ہے جیسے تیس سالہ جوان ہوتا ہے بڑھاپے میں ایسی حالت کبھی میں نے نہیں دیکھی تھرما میٹر لگایا' پیشاب کا ٹیسٹ کیا اور دوبارہ اپنے ہاتھ سے مرہم پٹی کی اور تسلی دلائی کہ زخم کی حالت اچھی ہے تدریجاً بھر جائے گا۔ ۸۶ چنانچہ خدا کے فضل سے چند دن میں ہی ماشرہ کا دورہ ختم ہو گیا۔ بخار بھی اتر گیا اور آہستہ آہستہ جسم میں قوت و طاقت آنی شروع ہو گئی۔ اور گو دوسرے عوارض درمیان میں چلتے رہے۔ مگر صحت میں بہرحال ترقی ہوتی گئی حتیٰ کہ آپ اپریل کے تیسرے ہفتہ میں پہلی بار اپنے گھر سے چل کر اپنے مطب تک تشریف لائے۔ اور تھوڑی دیر تک بیٹھے رہے ۸۷ ۲۱/ اپریل کو آپ پالکی میں بیٹھ کر حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی کوٹھی میں تشریف لے گئے اور دن بھر وہاں رہے اب آپ درس حدیث دینے اور بیماروں کو بھی دیکھنے لگے۔ ۸۸ ۱۹/ مئی ۱۹۱۱ء کو آپ نے علالت کے بعد سب سے پہلا جمعہ پڑھایا جس میں دوستوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی۔ ۸۹ اس کے بعد وسط جون ۱۹۱۱ء میں آپ نقاہت و ضعف کے باوجود نماز صبح کا درس دینے لگے۔ درس کے بعد بیماروں کو دیکھتے پھر تفسیر جلالین پڑھاتے اور ادبیات کا درس دیتے۔ نیز اصول فقہ کی کتابیں پڑھاتے۔ ظہر کے بعد مسلم شریف اور دیگر کتب کا درس ہوتا۔ شام کے بعد طب پڑھاتے غرضیکہ قریباً سات ماہ بعد آپ کے علمی مشاغل بہت حد تک پھر معمول پر آگئے۔ البتہ درس قرآن جو آپ مسجد اقصیٰ میں دیا کرتے تھے۔ کئی ماہ کے بعد ۹/ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو شروع ہوا۔ ۹۰ اور جماعت جو کم و بیش ایک سال سے اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہو گئی تھی اسے پھر سے یہ نعمت میسر آگئی۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

حضرت خلیفہ اولؓ کے مقام عشق و فدائیت کے ایمان افروز واقعات

خدا کے مرسلین اور ان کے خلفاء اور دوسرے اہل اللہ کی بیماری دراصل ان کے مدارج کی بلندی کے لئے ایک زینہ کا کام دیتی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ان العبد اذا سبقت له من الله منزلة لم يبلغها بعمله ابتلاه في جسده او ماله او في ولده ثم صبر على ذالك حتى يبلغه المنزلة التي سبقت

له من الله [41] یعنی جب کوئی بندہ اس مقام پر جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو جسم' مال یا اولاد کے دکھ میں مبتلا کر دیتا ہے اور اسے صبر کی توفیق عطا کرتا ہے۔ اور اس طرح اسے اس مقام پر فائز کر دیتا ہے جو جناب الٰہی سے اسکے لئے پہلے سے مقدر ہو چکا ہے۔

اسی طرح سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی تحریر فرماتے ہیں:

"نبیوں اور راستبازوں پر جو بلائیں آتی ہیں ان کو ایک صبر جمیل دیا جاتا ہے جس سے وہ بلا اور مصیبت ان کے لئے مدرک الحلاوۃ ہو جاتی ہے وہ اس سے لذت اٹھاتے ہیں اور روحانی ترقیوں کے لئے ایک ذریعہ ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کے درجات کی ترقی کے لئے ایسی بلاؤں کا آنا ضروری ہے جو ترقیات کے لئے زینہ کا کام دیتی ہیں"۔

"الفاظ وفا نہیں کرتے جو اس لذت کو بیان کر سکیں۔ جو اخیار و ابرار کو ان بلاؤں کے ذریعہ آتی ہے......... یہ مصیبت کیا ہے ایک عظیم الشان دعوت ہے جس میں قسم قسم کے انعام و اکرام اور پھل اور میوے پیش کئے جاتے ہیں۔ خدا اس وقت قریب ہوتا ہے فرشتے اس سے مصافحہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے مکالمہ کا شرف عطا کیا جاتا ہے اور وحی اور الہام سے اس کو تسلی اور سکینت دی جاتی ہے لوگوں کی نظروں میں یہ بلاؤں اور مصیبتوں کا وقت ہے مگر دراصل اس وقت اللہ تعالیٰ کے فیضان اور فیوض کی بارش کا وقت ہوتا ہے...... غرض میں کہاں تک بیان کروں کہ ان بلاؤں میں کیا لذت اور مزا ہوتا ہے اور عاشق صادق کہاں تک ان سے محظوظ ہوتا ہے مختصر طور پر یاد رکھو کہ ان بلاؤں کا پھل اور نتیجہ جو ابرار اور اخیار پر آتی ہیں جنت اور ترقی درجات ہے"۔ [42]

یہ روحانی رنگ جس کا نقشہ حضور علیہ السلام نے کھینچا ہے حضرت خلیفہ اولؓ کی اس بیماری میں آنکھوں کے سامنے عملاً آگیا۔

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے اس حادثہ کے پیش آتے ہی آپ نے سب سے پہلا کلمہ یہ کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواب پوری ہوئی۔ ایک روز فرمایا کہ "میری اس علالت میں کوئی عظیم الشان منشاء سرکاری معلوم ہوتا ہے جو اتنے سال پہلے مرزا کو یہ واقعہ دکھایا...... اور پھر اس واقعہ کو اسی رنگ میں پورا کر کے دکھایا اور مجھے چارپائی پر ڈال دیا"۔ [43]

گھوڑے سے گرنے کے کچھ وقت بعد آپ نے فرمایا کہ کوئی حافظ ہے تو قرآن سنائے چنانچہ پہلے حافظ سید محمود اللہ شاہ صاحب نے پھر حافظ سید عزیز اللہ شاہ صاحب نے قرآن پڑھا۔ حضور نے فرمایا مجھے آپ کے والدین پر رشک آتا ہے کہ کیسی نیک اولاد اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے۔ [44] قرآن سے

عشق کا جو جذبہ ابتداء سے آپ میں موجزن تھا۔ وہ اس بیماری میں عروج تک پہنچ گیا۔ چنانچہ ان دنوں آپ کا سب سے محبوب مشغلہ قرآن مجید پر غور و تفکر تھا۔ آپ لیٹے لیٹے قرآن مجید کے مضامین پر غور فرماتے تھے۔ ایک دن نماز مغرب کی نیت باندھی اور ساتھ ہی قرآنی آیت پر غور شروع ہو گیا۔ قریباً دو گھنٹہ اسی حالت میں گذر گئے اور نماز پوری نہ ہو سکی تو فرمایا۔ کیا کروں نماز نہیں پڑھی گئی۔ [95] (مگر یہ عجیب کمال ہے کہ آپ نے اس دوران میں کوئی نماز قضا نہیں ہونے دی)۔ [96]

ایک دفعہ فرمایا ایک نکتہ معرفت میرے کان میں پہنچا۔ میری بیوی نے کہا۔ آپ جانتے ہیں؟ کہ آپ کو تکلیف کیوں پہنچی۔ میں نے کہا اللہ کے مخفی در مخفی راز ہیں۔ کہا ایک وجہ میرے خیال میں بھی آئی ہے کہو تو سناؤں۔ میں نے کہا ہاں۔ کہنے لگی تمہاری عادت تھی جمعہ کے بعد دعاؤں میں لگے رہتے۔ تم وہ دعا کا وقت چھوڑ کر ایک امیر کو ملنے چلے گئے۔ مجھے یہ نکتہ بہت پیارا لگا۔ [97] ابتداء میں جب بیماری کی تکلیف زیادہ تھی آپ حافظ محمد ابراہیم صاحب اور قاری محمد یاسین صاحب وغیرہ دوستوں سے قرآن مجید ذوق و شوق سے سنتے۔ [98] ایک روز آپ پر سخت رقت طاری ہوئی اور رو پڑے نیز فرمایا۔ کہ کیا قادیان میں کوئی حافظ نہیں ہے؟ کوئی مجھ سے قرآن نہیں سنتا اور نہ سناتا ہے۔ [99] یہ تو مرض کے ابتدائی ایام کی بات ہے۔ جب قدرے افاقہ ہوا تو آپ نے لیٹے لیٹے قرآن مجید سنانا اور درس دینا شروع کر دیا۔ ڈاکٹروں نے اس پر عرض کیا کہ اس سے بیماری پر اثر پڑے گا۔ تو آپ نے فرمایا۔ نور الدین کو درس قرآن سے مت روکو یہ نور الدین کی غذا ہے۔ چنانچہ آپ بیماری کی حالت میں شیخ محمد تیمور صاحب اور ایک غیر احمدی مولوی محمد شفیق کو قرآن شریف اور حدیث پڑھاتے رہے۔ [100] آپ کی بیماری سے جماعت کو جو نقصان پہنچا اس میں آپ کے درس قرآن کی محرومی سب سے بڑا نقصان تھا جس کا آپ کو خود بھی بہت احساس تھا چنانچہ آپ نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو حکم دیا کہ عصر کے بعد قرآن مجید کا درس دیا کریں اور اگر وہ ناسازی طبع کی وجہ سے نہ دے سکیں تو مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب درس دیں اگر وہ بھی نہ دے سکیں تو قاضی امیر حسین صاحب درس دیں چنانچہ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب نے ۱۳/ فروری ۱۹۱۱ء سے درس شروع کر دیا۔ [101]

حفاظ بلا کر قرآن مجید سننے کا مشغلہ بیماری کے دنوں میں صبح شام رہا۔ قرآن مجید کے علاوہ آپ بخاری شریف اور عمدۃ الاحکام بھی سنتے رہتے جس سے آپ کے عشق رسولؐ کے زبردست جذبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ [102]

اب میں آپ کی علالت کے دوران کے بعض واقعات لکھتا ہوں جن سے آپ کی غیر معمولی احتیاط بے مثال توکل۔ زبردست جرات' بے نظیر عشق مسیح موعود اور شاندار فیاضی وغیرہ اوصاف

حمیدہ پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ ایک دفعہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں اخبار میں اعلان کر دیں کہ اگر کسی شخص کا روپیہ میرے پاس امانت ہو یا قرض ہو یا کسی وجہ سے دیا ہو یا کسی مریض نے آپ کو کچھ معالجہ کے واسطے دیا ہو اور اس کے خیال میں اس کا حق اسے نہ ملا ہو تو مجھ سے مطالبہ کر کے وصول کر لے۔ [۱۰۳]

۲۔ ۱۳/ دسمبر ۱۹۱۰ء کو یوم النحر تھا۔ مولوی صدر الدین صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول اس روز ہائی سکول کے طلبہ کو باہر ٹورنامنٹ پر بھجوانا چاہتے تھے حضرت کو یہ بات سخت ناگوار گذری اور آپ نے مولوی صدر الدین صاحب سے فرمایا۔ میں تو ہرگز ہرگز پسند نہیں کرتا اور جائز نہیں سمجھتا کہ عید کے دن سفر کیا جاوے نیز فرمایا۔ اگر تمہیں کوئی خوف ہے تو لکھ دو کہ نور الدین نے اجازت نہیں دی۔ [۱۰۴]

۳۔ بیماری میں آپ ہمیشہ مصروف دعا رہتے تھے۔ خصوصاً یوم العرفہ کو آپ نے زوال سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقت دعاؤں کے لئے مخصوص فرمالیا۔ اس وقت آپ بالکل تخلیہ میں تھے اور کسی شخص کو بھی اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ [۱۰۵] اس وقت آپ نے نہایت درجہ سوزو گداز سے اور دعاؤں کے علاوہ یہ بھی دعا کی کہ اے میرے مولیٰ! میں ان لوگوں کے ساتھ مل کر دعا کرتا ہوں جو آج عرفات میں ہیں۔ [۱۰۶]

۴۔ خواجہ کمال الدین صاحب پہلی دفعہ عیادت کے لئے حاضر ہوئے اور ذکر کیا کہ علی گڑھ میں میرا لیکچر تھا۔ مگر آپ کی بیماری کی وجہ سے میں نے معذرت کر دی۔ حضرت نے فرمایا۔ نہیں میری علالت اس تبلیغ کے کام میں روک نہ ہو۔ وہاں ضرور جانا چاہئے میں اپنے وجود کو کسی طرح بھی اسلام کے کام میں روک بنانا نہیں چاہتا بلکہ میری تو آرزو یہی ہے کہ میں اسلام ہی کی خدمت میں زندگی پوری کروں۔ [۱۰۷]

۵۔ ایک روز حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب نے عرض کیا کہ موجودہ ہندو مسلم کشمکش کا اثر کیا ہو گا فرمایا۔ میں نے اس پر بہت غور کیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ مسلمانوں میں بھی قومیت کی روح پیدا ہو جائے گی......... میں اس کو مسلمانوں کے لئے مفید سمجھتا ہوں۔

۶۔ ایک خادم نے جو امرت سر سے عیادت کے لئے حاضر ہوا تھا۔ عرض کی کہ اشاعت اسلام کے نام سے دوسرے لوگ ہم سے چندہ مانگتے ہیں کیا کیا جاوے۔ حضرت نے فرمایا۔ اشاعت اسلام تو ایک مبارک اور مفید کام ہے اور اس کام کے لئے ہمیں بہت تڑپ ہے اور ہم بھی چاہتے ہیں کہ اسلام دنیا میں پھیلے۔ مگر جو لوگ ہمارے سلسلہ کے دشمن ہیں اور اشاعت اسلام کرنا چاہتے ہیں ان کے متعلق

قابل غور یہ امر ہے کہ کیا وہ موید من اللہ اور منصور ہیں یا نہیں اس کے بعد آپ نے واقعاتی شہادتیں دیں - اور بالوضاحت بتایا کہ یہ لوگ کامیاب نہیں ہو سکتے - اندریں صورت ہم اپنے اموال ان کے سپرد کیوں کریں؟ جناب الٰہی کا یہ منشاء نہیں کہ ان کی تائید کرے برخلاف اس کے اس سلسلہ (احمدیہ) کو اللہ تعالیٰ نے اشاعت اسلام کا ذریعہ بنایا ہے اور دشمنوں کی مخالفت کے باوجود ایک بڑی جماعت اس خدمت کے لئے تیار کردی ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے خدا تعالیٰ نے اسی سلسلہ کو پیدا کیا ہے اور اس کے ذریعہ یہ کام ہوگا - [108]

۷- آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ کے بھتیجے سائیں عبدالرحمٰن صاحب اپنی امانت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میری رسید گم ہو گئی ہے - حضرت نے فرمایا - ہماری امانتوں کا انتظام خدا کے فضل سے بہت محفوظ ہے اور ہر شخص اپنی امانت جس وقت چاہے لے سکتا ہے - ہم امانت کو اسی طرح رکھتے ہیں جس حالت میں کوئی دیتا ہے - ہمارے گھر والے بھی اسے خوب جانتے ہیں کسی امانت پر جو ہمارے پاس ہو ہماری زندگی یا موت سے کوئی اثر نہیں پڑتا - اور رسید کے بارے میں فرمایا کچھ پرواہ نہیں اس کی امانت کے ساتھ رسید ہوگی اسے دیکھو اور ابھی دے دو - چنانچہ جب اس کی امانت دیکھی گئی تو واقعی اسکے ساتھ حضرت کے ہاتھ کی لکھی ہوئی رسید موجود تھی اور اس کے ساتھ ہی امانت کا روپیہ تھا - جو اسی وقت ادا کر دیا گیا - [109]

۸- ایک روز مغرب کی نماز کے بعد جبکہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر الحکم اور بعض اور احباب آپ کی مجلس میں حاضر تھے آپ نے فرمایا - میری آمدنی کا ذریعہ بظاہر طب تھا اب اس رشتہ کو بھی اس بیماری نے کاٹ دیا ہے...... میری بیوی نے آج مجھے کہا کہ ضروریات کے لئے روپیہ نہیں - اور مجھے یہ بھی کہا کہ مولوی صاحب آپ نے کبھی بیماری کے وقت کا خیال نہیں کیا....... میں نے اسے کہا کہ "میرا خدا ایسا نہیں کرتا میں روپیہ تب رکھتا جو خدا تعالیٰ پر ایمان نہ رکھتا" - شیخ صاحب نے عرض کیا کہ ڈاکٹر اور دوسرے لوگ اس بیماری میں آپ کی خدمت اپنی سعادت سمجھتے ہیں فرمایا - مجھ پر تو خدا کا فضل ہے اور یہ بھی فضل ہے - آپ یہ بیان فرما ہی رہے تھے کہ شیخ محمد تیمور صاحب نے آپ کی خدمت میں شیخ محمد اسماعیل صاحب (ولد حاجی امیرالدین صاحب تاجر چرم) حیدر آباد (سندھ) کا خط سنایا جو تازہ ڈاک سے آیا تھا - وہ بیمار ہوئے انہوں نے ایک سو روپیہ حضور کی خدمت میں بطور نذر خاص بھیجا - اس پر وہ اچھے ہو گئے پھر دوسرے دن ایسا ہی اتفاق ہوا - تو انہوں نے پچیس اور بھیجے - علاوہ ازیں پنڈ دادنخاں سے بھی ایک خط ملا - کسی شخص نے لکھا تھا کہ جب آپ پنڈ دادنخاں میں مدرس تھے - اس وقت کی چار روپیہ کی چونیاں آپ کی میرے ذمہ ہیں - اب وہ بھیجنا چاہتا ہوں یہ دونوں خط حضرت

کو سنائے گئے تو آپ رقت سے بھر کے بے اختیار رو پڑے اور فرمایا۔ "اللہ میرا مولیٰ ایسا ہی قادر خدا ہے اس نے دکھادیا ہے کہ وہ طب کے تعلق کو توڑ کر بھی مجھے رزق دیتا ہے اور ایسے طور پر دیتا ہے کہ وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا"۔ [۱۱۰]

۹۔ شیخ تیمور صاحب کو ہدایت فرمائی کہ میری ادویہ وغیرہ پر جس قدر خرچ ہوا ہے اس کا میزان کرو اور میری بیوی سے کہو کہ جو روپیہ کپڑے میں باندھ کر دیا گیا ہے اس میں سے وہ کل حساب ادا کردو [۱۱۱] غرض آپ نے اپنی بیماری کے کل اخراجات خود برداشت کئے اور انجمن سے ایک پائی تک لینا گوارا نہ فرمایا۔

۱۰۔ ۱۷/ جنوری ۱۹۱۱ء کو اپریشن کی وجہ سے آپ کو سخت تکلیف اٹھانا پڑی۔ اپریشن میں جب آپ کا زخم صاف کیا گیا آپ کی زبان مبارک پر کثرت سے لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین اور سبحان اللہ سبحان اللہ کے کلمات جاری تھے۔ [۱۱۲]

۱۱۔ حضور کی خدمت میں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب حاضر ہوئے اور گفتگو کے دوران خواجہ کمال الدین صاحب کا بھی ذکر کیا۔ حضور نے فرمایا۔ خواجہ صاحب نے ایک مضمون لکھا ہے میں اس کے خلاف کچھ کہنا چاہتا ہوں افاقہ ہونے پر کسی کو لکھادوں گا یا سنادوں گا۔ [۱۱۳] چنانچہ دوسرے ہی دن اپنی بیاض منگوا کر فلسفہ گناہ پر ایک تقریر فرمائی۔ [۱۱۴]

۱۲۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے یہ عرض بھی کی کہ حضور کا دل کس چیز کو چاہتا ہے۔ حضور نے نہایت رقت بھرے الفاظ میں فرمایا۔ "میرا دل یہی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جاوے۔ پھر فرمایا کہ میرا اللہ راضی ہو پھر فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم فرمانبردار رہو اختلاف نہ کرلو۔ جھگڑا نہ کرنا۔ پھر فرمایا میں دنیا سے بہت سیر ہو چکا ہوں کوئی دنیا کی خواہش نہیں۔ مرجاؤں تو میرا خدا مجھ سے راضی ہو۔ فرمایا کہ سب کو سنادو۔ پھر فرمایا میں دنیا کی پروا نہیں کرتا میں نے بہت کمایا بہت کھایا بہت لیا بہت دیا کوئی خواہش باقی نہیں کبھی کبھی صحت اس لئے چاہتا ہوں کہ گھبراہٹ میں ایمان نہ جاتا رہے پھر بہت دفعہ دردانگیز لہجہ میں فرمایا کہ اللہ تو راضی ہو جا۔ پھر کئی بار فرمایا اللھم ارض عنی اللھم ارض عنی۔ اللھم ارض عنی پھر فرمایا مجھے شوق ہے کہ میری جماعت میں تفرقہ نہ ہو۔ دنیا کوئی چیز نہیں میں بہت راضی ہوں گا اگر تم میں اتفاق ہو۔ میں سجدہ نہیں کر سکتا۔ پھر بھی سجدہ میں تمہارے لئے دعا کرتا ہوں میں نے تمہاری بھلائی کے لئے بہت دعائیں کیں۔ مجھے طمع نہیں مجھے میرا مولیٰ بہت رازوں سے دیتا ہے اور ضرورت سے زیادہ دیتا ہے خبردار جھگڑا نہ کرنا۔ تفرقہ نہ کرنا اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے گا اس میں تمہاری عزت باقی رہے گی۔ نہیں تو کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ پھر فرمایا میں نے کبھی کسی کو حکم دیا

ہے تو اپنے دلی طمع سے حکم نہیں دیا۔ خدا کا حکم سمجھ کر دیا ہے نمازیں پڑھو۔ دعائیں مانگو۔ دعا بڑا ہتھیار ہے تقویٰ کرو بس۔ پھر فرمایا دعائیں مانگو۔ نمازیں پڑھو بہت مسئلوں میں جھگڑے نہ کرو۔ جھگڑوں میں بہت نقصان ہوتا ہے بہت جھگڑا ہو تو خاموشی اختیار کرو۔ اور اپنے لئے اپنے دشمنوں کے لئے دعا کرو۔ پھر فرمایا۔ **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** اکثر پڑھا کرو۔ قرآن کو مضبوط پکڑو۔ قرآن بہت پڑھو اور اس پر عمل کرو۔ پھر فرمایا۔ **رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد رسولا** ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے عرض کیا کہ کیا یہ لکھ دیا جاوے کہ یہی حضور کی وصیت ہے فرمایا ہاں۔ فرمایا جاؤ حوالہ بخدا۔ ۱۱۵

۱۳۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب نے عرض کیا۔ آپ کی بیماری سے دل کو از حد تکلیف ہوتی ہے مگر یہ امر بڑا ہی خوشکن ہے کہ ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہوا ہے فرمایا اگر یہ بڑا نشان نہ تھا تو حضرت صاحب کو اتنا عرصہ پہلے کیوں دکھایا گیا؟

۱۴۔ حضرت مسیح موعود کے مخلص خادم میاں جان محمد صاحب کا بیٹا میاں دین محمد عرف بگا آیا تو حضور نے حکم دیا کہ اسے ایک روپیہ دے دو نیز فرمایا اس کی والدہ اس کے رشتہ کی تلاش کرے ہم بھی مدد دیں گے۔ ۱۱۶

۱۵۔ ایک دفعہ فرمایا مجھے اپنی اولاد کا کچھ بھی فکر نہیں۔ اس وقت آپ کو ابھی تک ماشرہ کا ورم موجود تھا اور آپ کو تکلیف تھی۔ ۱۱۷

۱۶۔ مولوی عبد القادر صاحب لدھیانوی نے رویاء میں دیکھا کہ مولانا محمد قاسم صاحب حضرت خلیفۃ المسیح کی عیادت کو آئے ہیں اور ایک سو روپیہ صدقہ کرنے کے لئے فرمایا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے خواب سنتے ہی حکم دیا کہ ایک سو روپیہ نقد صدقہ کر دیا جائے۔ ۱۱۸

۱۷۔ ایک روز حضرت حافظ روشن علی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا مشہور عربی قصیدہ نونیہ آپ کو سنا رہے تھے کہ آپ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے قریب تھا کہ اس جوش محبت میں آپ کی جان چلی جاتی آپ نے سب کو اٹھا دیا۔ ۱۱۹

۱۸۔ مولوی محمد علی صاحب سے فرمایا۔ کہ نیا مہمان خانہ ہماری زندگی میں تعمیر کرا دو تا ہم بھی دیکھ لیں۔ ۱۲۰

۱۹۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (ناظم مدرسہ احمدیہ) کی یہ تجویز حضرت کے علم میں آئی کہ کوئی آدمی مصر میں تعلیم کے لئے بھیجا جائے جو تعلیم حاصل کر کے مدرسہ احمدیہ میں کام کرے۔ فرمایا دو تین آدمی بھیجنے چاہئیں نصف خرچ ہم دیں گے۔ ۱۲۱

۲۰۔ بیماری کے دوران میں آپ کی طبیعت اچار کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس خواہش کے اظہار پر کثرت سے مختلف قسم کے اچار آنے لگے اس پر آپ نے فرمایا۔ میرے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا بسط کیا ہے جس چیز کی خواہش میرے دل میں آتی ہے وہی کثرت سے مہیا ہو جاتی ہے۔ یہ اس کا رحم اور غریب نوازی ہے۔ [۱۲۲]

۲۱۔ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے یہ اطلاع دی کہ میاں عبدالحی صاحب نے آج تقویٰ پر لیکچر دیا اور بہت اچھا لیکچر دیا یہ سن کر فوراً بیٹھ گئے اور سجدہ شکر کیا۔ اور دیر تک دعائیں کرتے رہے۔ پھر خود ہی فرمایا مجھ کو اس قدر ضعف ہے کہ بیٹھ نہیں سکتا۔ لیکن اکبر شاہ خاں نے ایسی بات سنائی کہ میں خوشی کے سبب بیٹھ گیا۔ [۱۲۳]

۲۲۔ شیخ یعقوب علی صاحب نے سوال کیا کہ آپ کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے۔ فرمایا مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ قرآن مجید عملی طور پر کل دنیا کا دستور العمل ہو۔ [۱۲۴]

آئندہ خلیفہ کے لئے وصیت

حضرت خلیفہ اول نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے وقت اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا تھا کہ میں چاہتا تھا کہ حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد جانشین بنتا اور اسی واسطے میں ان کی تعلیم میں سعی کرتا رہا۔ [۱۲۵] لیکن جب خدا کی مشیت ازلی نے آپ ہی کو خلافت کی خلعت سے نوازا۔ تو آئندہ کے لئے حضرت کی نگاہ انتخاب آپ پر پڑنے لگی۔ باوجود خلیفہ ہونے کے آپ کے دل میں حضرت صاحبزادہ صاحب کا سب سے زیادہ احترام تھا۔ سفر ملتان میں تشریف لے گئے تو آپ ہی کو امیر مقامی بنایا۔ میر مجلس بنانے کا سوال اٹھا تو آپ ہی کو اس غرض کے لئے نامزد فرمایا اسی طرح اب جو آپ بیمار ہوئے تو آپ کی خدمت میں حضرت صاحبزادہ صاحب آئے تو حضرت نے ان کو ارشاد فرمایا کہ میرے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا کرتے رہو۔ چنانچہ آپ حضرت خلیفہ اول کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا کرتے رہے۔ [۱۲۶] اس بیماری میں آپ نے اپنی بجائے نمازوں میں امامت وغیرہ کے فرائض حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب ہی کے سپرد کر دیئے۔ [۱۲۷] اسی طرح زندگی کے آخری ایام میں بھی جبکہ آپ مرض الموت میں تھے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب ہی کو امام مقرر فرمایا۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض بھی کیا۔ مگر آپ نے اپنا فیصلہ قائم رکھا۔ چنانچہ مولوی ظہور حسین (سابق مبلغ بخارا) [۱۲۸] کی روایت ہے۔ کہ حضرت حافظ روشن علی صاحب نے ہمیں کلاس میں بتایا۔ کہ ان ایام میں جبکہ حضرت میاں صاحب امام الصلوۃ تھے۔ مولوی محمد علی صاحب مجھے ملے اور کہا کہ آپ حضرت خلیفۃ المسیح کے بلا تکلف دوست ہیں میرا نام لئے بغیر ان سے عرض کریں۔ کہ جماعت کے بڑے بڑے جید عالم موجود ہیں ان کی موجودگی میں میاں صاحب کو امام

مقرر کرنا مناسب نہیں۔ جس پر بعض دوست اعتراض کرتے ہیں۔ حضرت حافظ صاحب نے بتایا کہ میں نے مولوی صاحب کے منشاء کے مطابق یہ پیغام حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں پہنچا دیا۔ اور مولوی محمد علی صاحب کا نام نہیں لیا۔ اور جیسا کہ انہوں نے کہا تھا محض عمومی رنگ میں یہ بات کہہ دی حضرت خلیفہ اول نے فرمایا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم مجھے محمود جیسا ایک بھی متقی نظر نہیں آتا۔ پھر از خود فرمایا کہ کیا میں مولوی محمد علی صاحب سے کہوں کہ وہ نماز پڑھا دیا کریں؟

ایک دفعہ خطبہ جمعہ دیتے ہوئے صاف لفظوں میں فرمایا:

"ایک نکتہ قابل یاد سنائے دیتا ہوں کہ جس کے اظہار سے میں باوجود کوشش رک نہیں سکا۔ اور وہ یہ کہ میں نے حضرت خواجہ سلیمان رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا۔ [۱۲۹، ۱۳۰] ان کو قرآن شریف سے بڑا تعلق تھا ان کے ساتھ مجھے بہت محبت ہے ۷۸ برس تک انہوں نے خلافت کی ۲۲ برس کی عمر میں وہ خلیفہ ہوئے تھے یہ بات یاد رکھو کہ میں نے کسی خاص مصلحت اور خاص بھلائی کے لئے کہی ہے"۔ [۱۳۱، ۱۳۲]

یہ اور اسی نوعیت کے متعدد واقعات سے بالبداہت نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ بعض آسمانی بشارات کے مطابق یہ یقین رکھتے تھے کہ آپ کے بعد سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ ہی خلیفہ ہوں گے۔

اسی کامل یقین کے مطابق جب آپ نے گھوڑے سے گرنے کے بعد ۱۹/۲۰ کی درمیانی شب کے آخری حصہ میں ایک وصیت لکھی جس کی تفصیل اخبار بدر میں ان الفاظ میں شائع ہوئی۔ "درمیانی شب جمعرات و جمعہ حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ قلم دوات کاغذ لاؤ۔ میں کچھ لکھ دوں۔ پچھلی رات کا وقت تھا سوائے شیخ تیمور صاحب ایم۔ اے کے جو دیگر رات کو وہاں رہنے والے خدام موجود تھے [۱۳۳] ان کو بھی باہر جانے کا حکم دیا ایک کاغذ پر اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا اور اسے ایک لفافہ میں بند کرا کر اپنا انگوٹھا لگایا اور پھر ایک دوسرے کاغذ پر بھی کچھ لکھ کر وہ بھی ایک لفافہ میں بند کرا دیا۔ اس دوسرے کاغذ میں ایک سطر شیخ تیمور صاحب سے بھی لکھوائی اور نیچے اپنے دستخط کر دیئے۔ اور ان کی اشاعت سے منع کیا"۔ [۱۳۴]

یہ وصیت کیا تھی؟ مولوی محمد علی صاحب اپنی کتاب "حقیقت اختلاف" میں تحریر کرتے ہیں۔

"اپنی پہلی بیماری میں یعنی ۱۹۱۱ء میں جو وصیت آپ نے لکھوائی تھی اور جو بند کر کے ایک خاص معتبر کے سپرد کی تھی اس کے متعلق مجھے معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس میں آپ نے اپنے بعد خلیفہ ہونے کے لئے میاں صاحب کا نام لکھا تھا یہ وصیت بعد میں بند کی بند ضائع کر دی گئی"۔ [۱۳۵]

حضرت مفتی محمد صادق صاحب فرماتے ہیں:

"آپ نے رات کے وقت قلم دوات طلب کی اور ایک کاغذ پر صرف دو لفظ لکھے۔ خلیفہ۔ محمود۔

اور اپنے ایک شاگرد کو وہ کاغذ دیا کہ لفافہ میں بند کر کے اپنے پاس رکھو۔ یہ وصیت شائع نہ ہوئی گو کئی لوگوں کو اس شاگرد کے ذریعہ سے اس کے مضمون سے آگاہی حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد صحت ہو جانے پر آپ نے وہ لفافہ لے کر پھاڑ دیا۔ جس قلم اور دوات کے ساتھ یہ وصیت لکھی تھی وہ اب تک عاجز (یعنی حضرت مفتی صاحب۔ ناقل) کے پاس محفوظ ہے"۔ [۱۲۶]

ان لاہوری ممبروں کو جو نظام خلافت ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کے خواب دیکھ رہے تھے یہ وصیت سخت شاق گذری اور ان کو اس سے ازحد تشویش ہوئی۔ چنانچہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے جو حضور کے بعض کلمات سن کر از خود کہا کہ کیا یہ لکھ دیا جاوے کہ یہی حضور کی وصیت ہے"؟ اس میں اس تشویش و اضطراب کی جھلک نمایاں نظر آرہی تھی۔ ڈاکٹر صاحب "یہی وصیت ہے"۔ کے الفاظ سے پہلی وصیت کو کالعدم قرار دینا چاہتے تھے یہ ایسی کھلی بات تھی کہ جماعت میں اس کا چرچا شروع ہو گیا حتیٰ کہ خود حضرت خلیفۃ المسیح اول کو اصل حقیقت واضح کرنا پڑی کہ اس وصیت کی نوعیت اور ہے اور اس کی اور۔ چنانچہ اخبار الحکم میں "ایوان خلافت" کے عنوان سے یہ واقعہ اشارۃً موجود ہے لکھا ہے۔ "۲۲/ جنوری ۱۹۱۱ء ۹ بجے رات شیخ تیمور صاحب نے عرض کیا۔ کہ حضور نے جو چند کلمات ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب کو رخصت کرتے وقت فرمائے تھے ان کی نسبت کچھ شور ہوا ہے اور ڈاکٹر صاحب نے جو یہ کہا تھا کہ حضور کی یہی وصیت ہے اس کا بھی چرچا ہے فرمایا کہ لوگ تو بے سمجھ ہیں یہ تو چند ضروری باتیں تھیں جو ڈاکٹر صاحب کو میں نے کہی تھیں۔ مصیبت کے وقت انسان کے اندرونی حالات کا پتہ لگ جاتا ہے اور میں تو وہی کہتا ہوں۔ جو میرے دل میں ہوتا ہے۔ فرمایا۔ میری باتوں میں اختلاف نہیں ہوتا۔ یہ جو اس وقت کہی ہے یا جو کسی اور وقت کہی ہے کوئی باہم متخالف نہیں۔" [۱۲۷]

صحت یاب ہونے کے بعد گو آپ نے یہ وصیت چاک کر دی مگر اس کے بعد اپنی وفات تک برابر مختلف پیرایوں میں اس امر کا اظہار فرماتے رہے کہ آئندہ خلافت اس وصیت کے مطابق ہی قائم ہو گی مثلاً

۱۔ قاضی رحمت اللہ صاحب نے حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں ایک رویاء لکھا جس پر آپ نے تحریر فرمایا کہ میرے بعد میاں محمود احمد صاحب خلیفہ ہوں گے۔ [۱۲۸]

۲۔ آپ فرماتے تھے "محمود کی خواہ کوئی کتنی شکایتیں ہمارے پاس کرے ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہمیں تو اس میں وہ چیز نظر آتی ہے جو ان کو نظر نہیں آتی۔ یہ لڑکا بہت بڑا بنے گا۔ اور اس سے خدا تعالیٰ عظیم الشان کام لے گا۔ [۱۲۹]

۳۔ یکم دسمبر ۱۹۱۲ء کو آپ نے بعد نماز عصر سورۂ اعراف کی آیت و لقد اخذنا ال فرعون بالسنین کا درس دیتے ہوئے فرمایا۔ "تیس برس کے بعد انشاء اللہ مجھے امید ہے کہ مجدد یعنی موعود

(قدرت ثانیہ) ظاہر ہو گا۔ [160] (یعنی ۱۹۴۴ء میں مصلح موعود کا ظہور ہو گا)

۴۔ ایک دفعہ مسجد مبارک میں نماز کے بعد کسی شخص نے حضرت خلیفہ اول سے مصافحہ کیا تو حضور نے فرمایا میاں صاحب سے بھی مصافحہ کرلو۔ شاید ہمارے بعد ان کے ہاتھ پر تمہیں بیعت کرنی پڑے۔ [161]

۵۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب کو مصر میں لکھا کہ "تمہیں وہاں کسی شخص سے قرآن پڑھنے کی ضرورت نہیں جب تم واپس قادیان آؤ گے تو ہمارا علم قران پہلے سے بھی انشاء اللہ بڑھا ہوا ہو گا۔ اور اگر ہم نہ ہوئے تو میاں محمود سے قرآن پڑھ لینا"۔ [162]

۶۔ اسی طرح آپ نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو فرمایا۔ کہ اگر میری زندگی میں قرآن ختم نہ ہو تو بعد ازاں میاں صاحب سے پڑھ لینا۔ [163]

۷۔ ۸/ ستمبر ۱۹۱۳ء کو حضرت پیر منظور محمد صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ مجھے آج حضرت اقدس ؑ کے اشتہارات کو پڑھ کر پتہ چل گیا ہے کہ پسر موعود میاں صاحب ہیں۔ حضرت خلیفتہ المسیح نے فرمایا۔ کہ ہمیں تو پہلے ہی سے معلوم ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم میاں صاحب کے ساتھ کس خاص طرز سے ملا کرتے ہیں اور ان کا ادب کرتے ہیں۔ پیر صاحب نے یہ الفاظ قلمبند کرکے بغرض تصدیق آپ کی خدمت میں رکھے تو آپ نے اپنے قلم سے لکھا۔ [164]

"ہمیں تو پہلے ہی سے معلوم ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم میاں صاحب کے ساتھ کس خاص طرز سے ملا کرتے ہیں اور ان کا ادب کرتے ہیں"

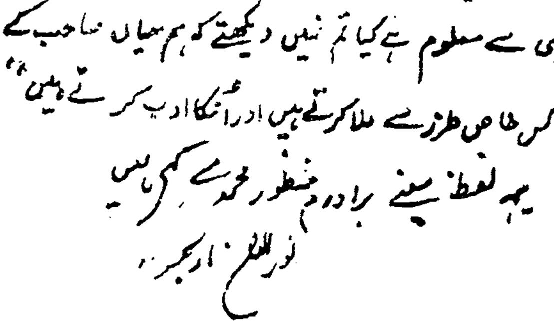
"ہمیں تو پہلے ہی سے معلوم ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم میاں صاحب کے ساتھ کس خاص طرز سے ملا کرتے ہیں اور انکا ادب کرتے ہیں"
یہ لفظ میرے برادرم منظور محمد کے ہیں
نور الدین ۸ ستمبر

۸۔ ۸/ جنوری ۱۹۱۴ء میں آپ نے ایک بھری مجلس میں فرمایا کہ مسند احمد حنبل کی تصحیح کا کام ہم سے تو نہ ہو سکا میاں صاحب کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ چاہے تو ہو سکے گا۔ [165]

حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کی شادی خانہ آبادی

نومبر ۱۹۱۰ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پوتے حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔ اے کا نکاح مرزا اسلم بیگ

صاحب کی صاحبزادی سے ہوا۔ دسمبر میں شادی ہوئی اور آپ لاہور سے ۲۹/ دسمبر کو اپنی دلہن کو لے کر قادیان آئے۔ دلہن نے حضرت خلیفۃ المسیح کے حضور میں حاضر ہو کر بیعت کی۔ قادیان میں ولیمہ کی تقریب منعقد ہوئی۔ خان بہادر حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب ریونیو ممبر بہاولپور نے بھی اس میں شرکت فرمائی۔ [۱۲۶]

خواجہ کمال الدین صاحب کے لیکچروں کا رد عمل اور حضرت خلیفہ اول کا واضح ارشاد

جیسا کہ ہم بالتفصیل بتا چکے ہیں خواجہ کمال الدین صاحب اخبار وطن سے معاہدہ کر کے دوسرے مسلمانوں میں اثر و نفوذ پیدا کرنا چاہتے تھے مگر ان کی یہ آرزو حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں تو پوری نہ ہو سکی لیکن ۱۹۰۹ء کے آغاز میں دوبارہ بیعت خلافت کے بعد آپ نے اس کی تکمیل کی طرف توجہ کی اور ملک بھر میں لیکچروں کا وسیع پیمانہ پر سلسلہ شروع کر دیا۔ خواجہ صاحب قادر الکلام مقرر تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں سے قلب و دماغ میں ایک نئی روشنی پیدا ہو چکی تھی۔ اس لئے جب آپ نے احمدیت کے مخصوص مسائل سے گریز کر کے مسلمانوں میں خطاب عام کرنا شروع کیا تو ان کی بے پناہ شہرت ہوئی اور خود غیر احمدی حضرات ان کو اپنی مجلسوں اور کانفرنسوں میں بلانے لگے۔ اس سے گو ایک جزوی اور ضمنی فائدہ یہ ضرور ہوا کہ عامتہ المسلمین میں ایک احمدی مقرر کی زبان سے اسلامی مسائل کی تشریح اور آنحضرت ﷺ کی تعریف و عقیدت سن کر یہ احساس اٹھنے لگا کہ احمدی بھی اسلام کو مانتے ہیں اور آنحضرت ﷺ سے ان کو محبت و الفت ہے مگر اس خوشگوار اثر کے ساتھ ہی ایک خطرناک رد عمل یہ ہوا۔ کہ عام طور پر یہ سمجھا جانے لگا کہ احمدی بھی عنقریب دوسرے مسلمانوں میں ہی جذب ہو جائیں گے جو جماعت کی زندگی کے اعتبار سے ایک مہلک ترین چیز تھی۔ اس امر کی تائید میں بطور مثال ایک غیر از جماعت اہل قلم مولوی محمد الدین صاحب فوق کا ایک اقتباس پیش کرنا کافی ہو گا مولوی صاحب نے خواجہ صاحب کی بڑھتی ہوئی شہرت دیکھ کر اپنے رسالہ "کشمیری میگزین" میں ان کے لیکچروں کی بہت تعریف کی اور آخر میں لکھا۔ "خواجہ صاحب کے عام اسلامی لیکچروں اور خود ان کے طرز عمل اور ان کی جماعت کے بعض افراد نے ایک حد تک اس رکاوٹ کے دور کرنے میں نمایاں کام کیا ہے جو فرقہ احمدیہ اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان تھی چنانچہ کئی مواقع پر مولوی ثناء اللہ صاحب امرت سری اور میر قاسم علی صاحب مشہور احمدی لیکچرار اور بعض جلسوں میں حضرت حافظ حاجی سید جماعت علی شاہ صاحب قبلہ علی پوری اور خواجہ صاحب کو ایک ہی مقصد کی سرانجام دہی کے لئے محو و منہمک پایا ہے اور انشاء اللہ وہ زمانہ آنے والا ہے کہ احمدی اور عام مسلمان ایک ہی جگہ اور ایک ہی امام کے پیچھے نماز

بھی پڑھیں گے"۔ ۱۴۷

ان تاثرات کو خواجہ صاحب کے اس طرز عمل نے اور بھی تقویت پہنچائی کہ انہوں نے پہلے تو لیکچروں میں سلسلہ کے بارے میں خاموشی سی اختیار کی پھر جب دوسرے حلقوں سے احمدیت کے بارے میں سوالات ہونے لگے تو انہوں نے بر سر مجلس حضرت مسیح موعودؑ کے حقیقی منصب کو گرا کر پیش کرنا شروع کر دیا۔ مثلاً انہوں نے ۱۹۱۱ء کے آغاز میں "شبان المسلمین" سیالکوٹ کے جلسہ میں صاف کہا کہ "المسیح الموعود" کوئی نبی نہیں ہو گا۔ بلکہ امتی ہو گا۔ ۱۴۸ اور پھر اخفائے حق کی یہاں تک نوبت آن پہنچی کہ انہوں نے برملا یہ کہنا شروع کر دیا کہ احمدیت کا ذکر "سم قاتل" ہے۔ ۱۴۹ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اس انتہا درجہ کی مداہنت کے باوجود خواجہ صاحب جہاں جاتے ایک طبقہ میں خاص طور پر یہ سوال اٹھتا کہ آپ دوسروں کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ اور اس کے نتیجہ میں کفر و اسلام کی بحث بھی چھڑ جاتی۔ چنانچہ اخبار بدر نے انہی دنوں صاف لکھا کہ "یہ سوال بہت دفعہ اٹھا ہے۔ حضرت مسیح موعود مرحوم و مغفور کی زندگی میں بھی اس کے متعلق بارہا سوال ہوا...... آپؑ کی وفات کے بعد جہاں کہیں جناب خواجہ صاحب نے اپنے پر اثر لیکچروں کے ذریعہ سے اسلامی حمایت کا بے نظیر نمونہ دکھلایا وہیں یہ سوال اٹھا"۔ ۱۵۰

اخبار "بدر" نے اس سوال کے متعدد بار اٹھنے کی وجہ سے متعدد قسطوں میں ایک مفصل مضمون شائع کیا ۱۵۱ جس کے شروع میں بتایا کہ اس کا جواب جماعت احمدیہ کی طرف سے ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اور وہی اب تک قائم ہے اور وہی قائم رہے گا۔ اس تمہید کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی متعدد تحریرات شائع کیں جن سے اس مسئلہ پر تیز روشنی پڑتی تھی۔ مثلاً حضور علیہ السلام کی یہ تحریر شائع کی گئی کہ:

"صبر کرو اور اپنی جماعت کے غیر کے پیچھے نماز مت پڑھو بہتری اور نیکی اسی میں ہے اور اس میں تمہاری نصرت اور فتح عظیم ہے اور یہی اس جماعت کی ترقی کا موجب ہے دیکھو دنیا دار روٹھے ہوئے اور ایک دوسرے سے ناراض ہونے والے بھی اپنے دشمن کو چار دن منہ نہیں لگاتے اور تمہاری ناراضگی اور روٹھنا تو خدا تعالیٰ کے لئے ہے تم اگر رلے ملے رہے تو خدا تعالیٰ جو خاص نظر تم پر رکھتا ہے وہ نہیں رکھے گا پاک جماعت الگ ہو تو پھر اس میں ترقی ہوتی ہے"۔

اس سلسلہ مضمون کے ساتھ حضرت خلیفہ اول کی اصلاح و نظر ثانی کے بعد (خان صاحب) منشی فرزند علی صاحب (فیروز پوری) کا مضمون چھپا جس میں اس مسلک کی تائید ہوتی تھی۔ ۱۵۲

چند ماہ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح اول کی خدمت میں یہ سوال پیش ہوا۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح اول نے ارشاد فرمایا۔ "ان کو کہہ دو کہ قد بدت البغضاء من افواھکم وما تخفی صدورکم اکبر جب تم ہمارے پیارے امام کو مفتری جانتے ہو اور مفتری ڈاکو' کنجر' دہریہ سے بدتر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ من اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا تو پھر ہم تمہارے پیچھے کس طرح نماز پڑھ سکتے ہیں؟"

پھر فرمایا۔ "کیا اتنی ترقی جو جماعت کو اب تک ہوئی ہے وہ منافقت کے میل ملاپ سے ہوئی ہے ہرگز نہیں ایسے میل ملاپ سے کوئی فائدہ نہیں جس میں منافقت پائی جاوے"۔ ۱۵۳ یہ دربار خلافت کا آخری فیصلہ تھا جس سے اصل مسئلہ کی نوعیت بالکل واضح ہو گئی۔

غیروں کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فیصلہ کن الہامی مسلک

حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کے ایک خط کا عکس

(یہ خط حضرت مولوی عبد الکریم صاحب نے ۳/ ستمبر ۱۹۰۳ء کو مخدوم محمد صدیق صاحب ساکن کوٹ احمد خان میانی شاہپور کے نام لکھا تھا)

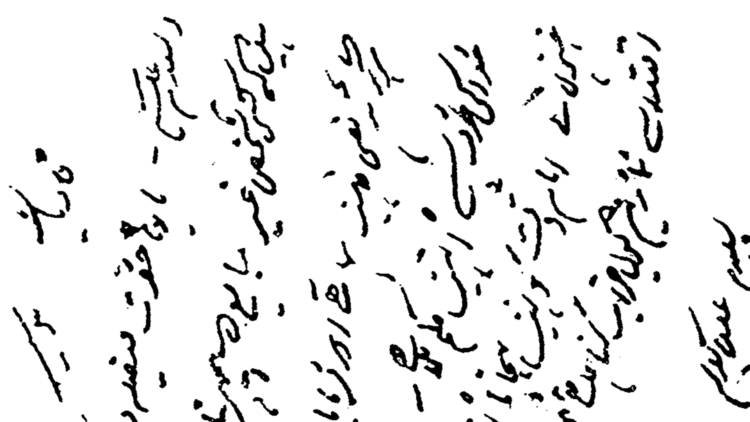

جلسہ سالانہ ۱۹۱۰ء

جماعت احمدیہ کا مرکزی جلسہ سالانہ ۲۵-۲۶-۲۷/ دسمبر ۱۹۱۰ء کو تین روز منعقد ہوا۔ کل حاضری اڑھائی ہزار کے قریب تھی اس جلسہ پر بھی بیعت کثرت سے ہوئی۔ بیعت کرنے والے اپنی پگڑیاں پھیلا دیتے تھے۔ جن کا ایک سرا حضرت خلیفہ اول کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور کوئی شخص بہ آواز بلند آپ کے ساتھ ساتھ بیعت کے الفاظ دہراتا جاتا تھا اور سب کہتے جاتے تھے۔ ۱۵۴ جلسہ کی اصل روح رواں حضرت خلیفہ اول کی تقریریں تھیں جو آپ نے علالت طبع کے باوجود فرمائیں آپ کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی کی تقریریں خاص طور پر قابل ذکر تھیں۔

حضرت خلیفہ اول کی تقریریں : آپ نے اس تقریب پر تین تقریریں فرمائیں۔ (۱) پہلی تقریر کلمہ طیبہ کے لطیف فلسفہ پر جلسہ کے پہلے دن بعد نماز ظہر فرمائی۔ ۱۵۵ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر "الحکم" یہ تقریر ساتھ ساتھ لکھتے گئے۔ اور بعد ازاں اسے مجمع کو سنا دیا۔ اس دوران میں احباب نہایت درجہ ذوق و شوق کے ساتھ آپ سے شرف مصافحہ کے لئے آتے رہے یہ بھی ایک قابل دید نظارہ تھا۔ جس سے خلافت حقہ کی قبولیت اور تاثیر قدسی کی جھلک نمایاں ہوتی تھی۔ ۱۵۶ (۲) حضرت کی دوسری تقریر ۲۷/ دسمبر کو بعد نماز ظہر و عصر ہوئی۔ اس تقریر میں آپ نے فرمایا۔ "میرے تم پر بہت حقوق ہیں۔ اول حق تو یہی ہے کہ تم نے میرے ہاتھ پر میری فرمانبرداری کا اقرار کیا ہے۔ جو اقرار کے خلاف کرتا ہے۔ وہ منافق ہو جاتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو میری نافرمانی سے کوئی منافق ہو جائے۔

دوسرا حق یہ ہے کہ میں تمہارے لئے تڑپ تڑپ کر دعائیں کرتا ہوں۔ تیسرا حق یہ ہے کہ میں آج کل نماز میں بھی بالکل سجدہ نہیں کر سکتا۔ مگر تمہاری بھلائی کے لئے نماز سے بڑھ کر سجدہ میں دعائیں کی ہیں پس میری حق شناسی کرو اور باہم تفرقہ چھوڑ دو۔ ۱۵۷

(۳) آپ کی تیسری تقریر ۲۷/ دسمبر کی شام کو بعد نماز مغرب تمام احمدیہ انجمنوں کے عہدیداروں کے سامنے ہوئی۔ جن کو آپ نے حاضر ہونے کا پہلے سے ارشاد فرمایا تھا اس تقریر میں پہلے تو آپ نے فرمایا کہ "سال گذشتہ میں میرے دل پر ایک رنجیدگی تھی کہ آپ لوگ مجھ سے نہیں ملے تھے۔ اس لئے میں نے چاہا تھا کہ اگر سال آئندہ زندہ رہوں۔ تو آپ کو ملامت کروں گا"۔ اس کے بعد آپ نے انہیں نہایت لطیف پیرائے میں چند اہم نصائح فرمائیں۔ مثلاً جھگڑے نہ کرو۔ صبر سے کام لو اپنی ذاتی آمد سے صدقہ و خیرات دو۔ اپنے چندہ کی نسبت بدگمانی نہ کرو وغیرہ وغیرہ۔ آخر میں فرمایا۔ "یہ معرفت کی باتیں ہیں۔ مجھے کہنے میں معذور سمجھو۔ میرے دل کی خواہش برس بھر سے تھی۔ بدگمانی یہی ہوئی کہ شاید پیسوں کے لئے بلاتا ہے۔ میں مالوں کا خواہش مند نہیں۔ میرا نام آسمان میں عبد الباسط ہے۔

باسط اسے کہتے ہیں جو فراخی سے دیتا ہے......... میرا مولیٰ وقت پر مجھے ہر چیز دیتا ہے۔ اس کے بڑے بڑے فضل مجھ پر ہیں میں ابھی گرا تھا۔ اگر گھوڑی آنکھ پر لات مار دیتی تو کیا حقیقت تھی یہ اسی کا فضل تھا سال گذشتہ میں کئی قسم کی غلطیاں ہوئیں مگر خدا کے فضل سے امید ہے کہ آئندہ نہ ہوں گی"۔ ۱۵۸

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی تقریر : ۲۶/ دسمبر ۱۹۱۰ء کو حضرت صاحبزادہ صاحب کی تقریر ہوئی۔ اس تقریر میں آپ نے جماعت کو اس خطرناک غلطی پر کھلے اور واضح لفظوں میں زبردست انتباہ کیا کہ بعض احمدی مقرر اپنے لیکچروں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذکر سے عمداً گریز کر رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری ترقی کی رفتار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی نسبت نہایت کمزور' دھیمی اور سست ہے۔ اس طرح آپ نے اس طلسم کو جس سے قوم مسحور ہو رہی تھی باطل کر دیا۔ چنانچہ آپ نے جماعت کے دوستوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"تم اپنے امتیازی نشان کو کیوں چھوڑتے ہو۔ تم ایک برگزیدہ نبی کو مانتے ہو اور تمہارے مخالف اس کا انکار کرتے ہیں۔ حضرت صاحب کے زمانے میں ایک تجویز ہوئی کہ احمدی غیر احمدی مل کر تبلیغ کریں۔ مگر حضرت صاحب نے فرمایا کہ تم کون سا اسلام پیش کرو گے جو خدا نے تمہیں نشان دیئے جو انعام خدا نے تم پر کیا۔ وہ چھپاؤ گے...... ایک نبی ہم میں...... خدا کی طرف سے آیا۔ اگر اس کی وہ اتباع کریں گے تو وہی پھل پائیں گے۔ جو صحابہ کرام کے لئے مقرر ہو چکے ہیں۔ اس وقت ایک دنیا کی نظریں ہماری طرف ہیں وہ سچی تعلیم جو خدا نے ہمیں دی ہے ہمیں چاہئے کہ بلا دھڑک' بلا چھپائے بلا کسی عذر کے تمام دنیا میں پہنچا دیں"۔ ۱۵۹

یہ تقریر گویا ایک صور اسرافیل تھی جس نے قوم کے مردہ دلوں میں پھر سے زندگی کا تازہ خون بھر دیا۔ چنانچہ اخبار "الحکم" نے اس پر لکھا:

یہ تقریر احمدی قوم میں نئی روح پیدا کرنے والی ہے۔ احمدی قوم کی ترقی میں ایک امر حارج ہو رہا تھا اور وہ یہ کہ ہم لوگ اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس امر کی طرف جا رہے تھے کہ سلسلہ کا ذکر درمیان میں نہ آئے۔ اور اسی کو اتحاد المسلمین سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ یہی راہ ہماری ترقی کا موجب ہوگی۔ مگر حضرت صاحبزادہ صاحب نے قوم کو جگا دیا۔ اور آگاہ کیا کہ "کیں راہ تو میروی بہ ترکستانست" اس تقریر نے حاضرین کے دل پر خاص اثر کیا۔ دراصل یہ حضرت صاحبزادہ صاحب ہی کا حق تھا کہ وہ اس غلطی سے جو غفلت سے قوم میں پیدا ہو چکی تھی آگاہ فرماتے۔ ۱۶۰

حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے دو خطوط کا عکس

(۱)

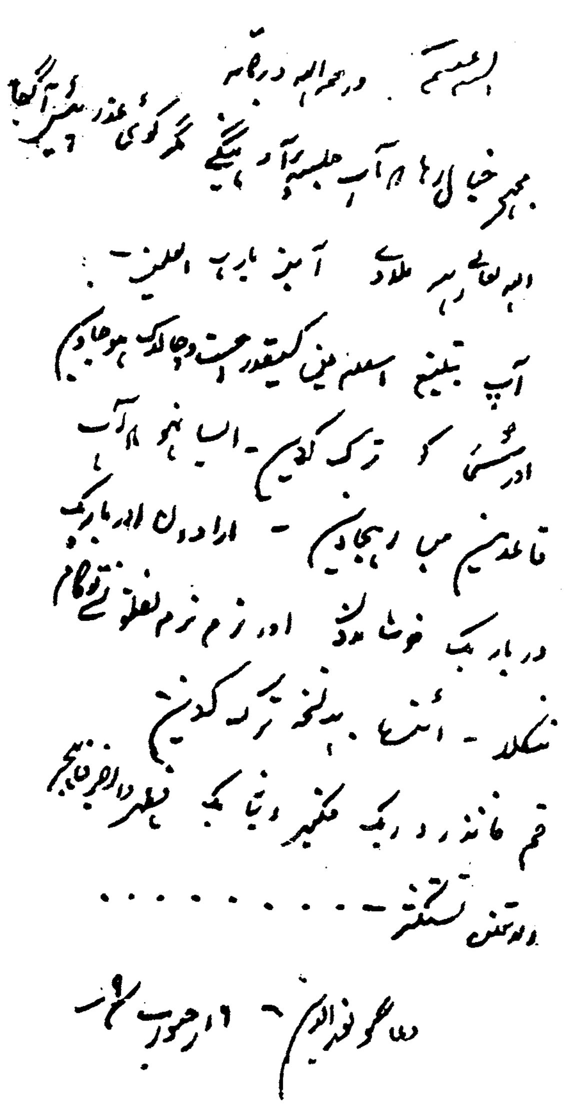
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مجھے خیال رہا کہ آپ جلسہ پر آ ویں گے مگر کوئی عذر پیش آگیا
اللہ تعالیٰ پھر ملادے آمین یا رب العالمین۔
آپ تبلیغ اسلام میں کسقدر چست و چالاک ہو جاویں
اور سستی کو ترک کر دیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ
قاعدین میں رہ جاویں۔ ارادوں اور باربار
دربار یک خوشامد اور نرم نرم لفظوں نے تو کام
نکلا۔ اٹھو۔ یہ نسخہ ترک کر دیں
قم فانذر و ربک فکبر و ثیابک فطہر والرجز فاہجر
دوستوں سے کہہ دو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
دعا گو نورالدین ۱۹ ...

(۲)

زہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزا بر مصطفیٰ۔

اولم یکفہم انا انزلنا علیک الکتاب یتلیٰ علیہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رات دن میں وظائف وہی بہتر۔ جن کو نور دین
روزکار ہے۔ کتاب عمل الیوم واللیلۃ ابن سنی خاص ہے
نزل الابرار بھی نواب کی۔ الحزب المقبول من محمد الابرار
اور الحزب الاعظم بھی علی القاری کی اور سفر السعادۃ بھی
فیروز آبادی کی بہتر رہنما ہے۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء
امام الزمان المسیح الموعود المہدی المعہود مجدد اور نبی ہے لاریب
استغفار۔ لاحول۔ درود۔ الحمد اور قرآن کریم
بہ وقت کافی ہے۔

[illegible]

مستعد رہیں ۔ یہ قادر ہوا الله تعالیٰ حضرت [illegible] غلط کاریوں [illegible]

ہمارا بچاؤ ہے ۔ ہمیں غلط کاریوں سے محفوظ رکھے اور

وحدت پیدا ہو ۔ غفلتوں سے بچنا اور نیکیوں پر قائم رہنا ہمارا فرض اور

اہم فرض ہے [illegible]

درود شریف پڑھیں ۔ نبی کریم کی حیات ہم کو [illegible]

آپ کے لئے ۔ دعا ۔ برکت ۔ آپکی ہر فتح جانیں

تعلیم ۔ آپکو مطلب نہیں [illegible] ۔ آپکی [illegible] ترقی

تمام جماعت کی خواہش رکھیں ۔ [illegible]

فاتحہ کتاب اور قرآن کریم کی تلاوت [illegible] آیت

پڑھ کر نہ ہوئی ۔

تعداد ۔ [illegible]

بڑی دلی توجہ پر موقوف ہے ۔ جب [illegible] رہیں ۔

کلام ہمیں راستوں کو چھوڑا ۔ عام طور پر پڑھنا جاری رہے

درود شریف متواتر پڑھو جو نماز میں پڑھا جاتا ہے
اور اللہ تعالیٰ سے پاک رسول کی بعثت ثانیہ کے لئے دعا کرو ـ
اللھم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک وسلم انک حمید مجید
مدد و مستغاث ہیں نیز یہ بھی خیال رہے کہ تمام کلمات ہیں مثلاً
المستغاث اسی نبی کریم کو کہا ہے کہ جو تعمیہ
زائد غیر اللہ علی العموم منع ہیں ـ ہاں جگہ اللہ جو سب
درود شریف میں اتحاد نے الشرع سے اتحاد نامہ ہے
سو اس میں اتباع کی لئے ـ دعا ـ استغفار ـ تدبر قرآن اور
کوشش اور اعمال نیک کی تلقین ہے
جو شخص مسیح الموعود کے دعاوی کی تصدیق نہیں کرتا
وہ تو مسیح کو کاذب ـ مفتری علی اللہ ـ یا مجنون سمجھتا ہے
ہر آنچہ زمانہ کا وہ بڑا ابتلا ہے کہتا ہے میرے لئے تعجب کا مقام ہے
مرزا امام الوقت مجدد ـ المہدی المسیح الموعود ہے

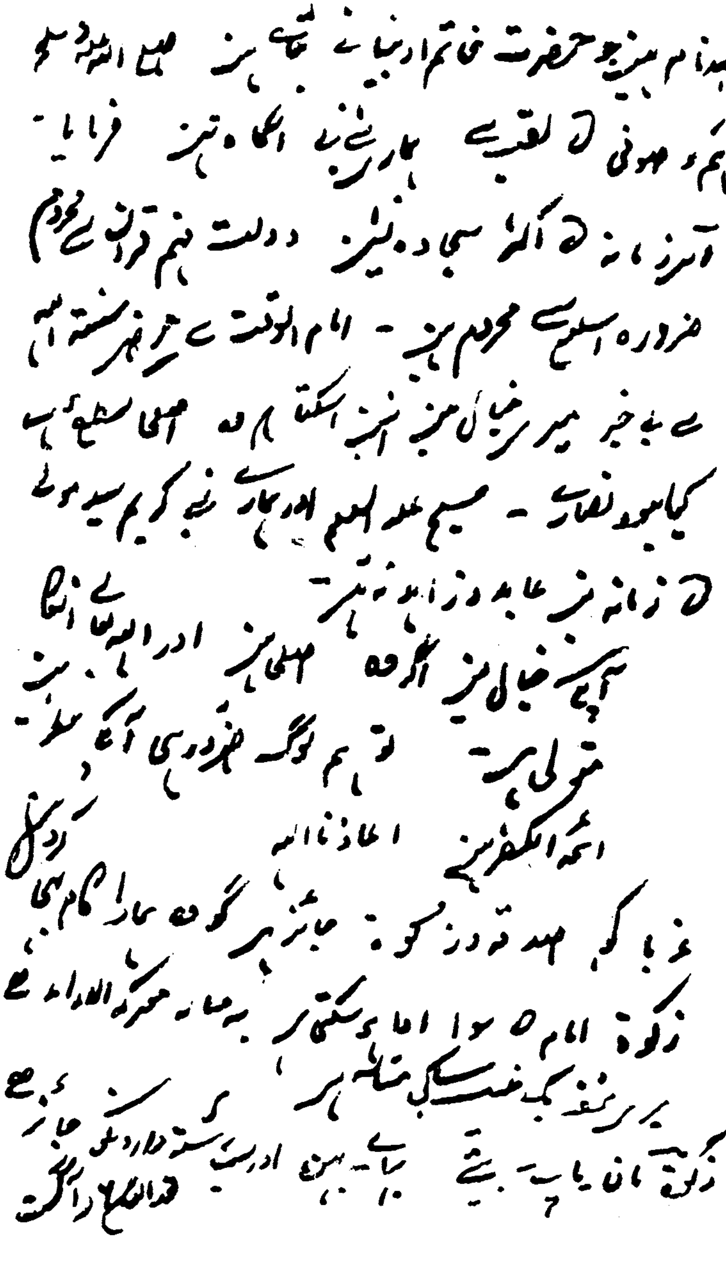

نوٹ: ان خطوط سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ تبلیغ میں مداہنت کو ہرگز پسند نہ کرتے تھے اس طرح آپ کی نگاہ میں مسئلہ کفر و اسلام کی حقیقت کیا تھی اس پر بھی روشنی پڑتی ہے یہ خط مخدوم محمد اعظم صاحب آف بھیرہ کے نام تھے۔

حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب کی تقریر : جلسہ کے آخری دن کے پہلے اجلاس میں حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب کی تقریر ہوئی۔ یہ تقریر جو مسجد اقصیٰ میں ہوئی بیش بہا معارف اور حقائق سے بھری ہوئی تھی۔ دوران تقریر آپ نے آیت خاتم النبین کی تفسیر میں فرمایا۔ "چونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کسی کے باپ نہیں تو اس سے ابتر ہونے کا شبہ پڑتا تھا...... اس لئے لکن حرف استدراک لایا گیا۔ اور جو وہم ماسبق سے پیدا ہوتا تھا اس نے دور کر کے فرمایا کہ آپ روحانی باپ ہیں اور تمام کمالات نبوت کے جامع ہیں۔ یعنی کامل و مکمل ہیں اس لئے آپ کی مہر سے ولد روحانی یعنی نبی پیدا ہوتے رہیں گے۔ جو امتی بھی ہوں اور نبوت جزوی بھی ان کو حاصل ہو"۔ [۱۸۱]

حضرت مولوی صاحب نے یہ بھی کہا کہ "حضرت صاحبزادہ صاحب نے کیسی ترقی کی ہے اور ظاہر کیا کہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ اس قسم کے خیالات دل میں نہ آنے دیں کہ یہ وہی بچہ ہے جو کل ہمارے ہاتھوں میں کھیلتا تھا۔ اس قسم کے خیالات فرعونی خیالات ہوتے ہیں"۔ [۱۸۲] نیز کہا۔ "ایک یہ بھی الہام تھا کہ انا نبشرک بغلام مظهر الحق و العلاء جو اس حدیث کی پیشگوئی کے مطابق تھا جو مسیح موعود کے بارے میں ہے۔ کہ یتزوج و یولد له یعنی اس کے ہاں ولد صالح عظیم الشان ہو گا۔ چنانچہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد موجود ہیں"۔ [۱۸۳]

۱۹۱۰ء کے متفرق واقعات

۱۔ نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب مرحوم نے "حضرت عیسیٰ اور صلیب" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا۔ جس میں انہوں نے حضرت مسیح موعود کے نظریہ صلیب مسیح کی تائید کی اور بدلائل ثابت کیا کہ حضرت مسیح نے صلیب سے زندہ اترنے کے بعد طبعی رنگ میں وفات پائی۔ یہ رسالہ وکیل ٹریڈنگ کمپنی امرت سر نے شائع کیا۔

۲۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے اس سال سیالکوٹ، بھیرہ، سرگودھا۔ کوہاٹ۔ اٹاوہ...... اور علی گڑھ میں کامیاب لیکچر دیئے۔ [۱۸۴]

۳۔ حضرت حکیم فضل الدین صاحب بھیروی جو حضرت خلیفہ اول کے بچپن کے دوست تھے اور سلسلہ کی بہت سی خدمات سرانجام دینے کے بعد بالاخر مہتمم لنگر خانہ ہوئے ۹/ اپریل ۱۹۱۰ء کو انتقال فرما گئے۔ [۱۸۵]

۴۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب نے اخبار الحکم کے صفحات میں حیات نور کے نام سے امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح اول کے حالات زندگی پر مضمون کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ اور اس کا نہایت دلچسپ مقدمہ لکھا۔ ان کا ارادہ "حیات نور" تین حصوں میں لکھنے کا تھا۔ (۱) آپ کی زندگی کے عام

حالات وواقعات (۲) مذہبی مشاغل (۳) عہد خلافت۔ مگر افسوس آپ صرف چند قسطیں شائع کر سکے اور یہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ گو الحکم کے صفحات میں جو حالات آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کر دیئے ان میں "حیات نور" کی تکمیل کے لئے ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ [۱۶۶]

۵۔ حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب اور سردار محمد یوسف صاحب قنوج کی اسلامی انجمن کے سالانہ جلسہ میں شامل ہوئے۔ اور اپنی تقریروں سے محظوظ کیا۔ یہاں کوئی بااثر احمدی نہیں تھا صرف اخبار "نور" کے پرچہ سے اسلامی انجمن کو احمدی مبلغ منگوانے کی تحریک ہوئی۔

۶۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب (مولف مجدد اعظم) کو جو ۱۹۱۰ء میں بھیرہ کے اسسٹنٹ سرجن تھے حکومت نے دفعہ ۱۹۳ کی آڑ لے کر ہتھکڑی لگادی اور نظر بند کر دیا۔ اس ظالمانہ کارروائی کے خلاف صوبہ بھر کے اخبارات نے بلا لحاظ فرقہ و مذہب آواز اٹھائی۔ [۱۶۷] آخر عدالتی کارروائی اور شہادتوں کے تکلیف دہ سلسلہ کے بعد آپ بری ہو گئے۔

حواشی باب سوم

۱۔ بدر ۲۷ / اکتوبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۰ کالم ۳۔ اس محلہ کے بعض ابتدائی مکین مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ایڈیٹر ریویو (جن کی کوٹھی انجمن نے اپنے خرچ پر تفسیر القرآن کے کام کے لئے بنوائی تھی) حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب نو مسلم۔ میرزا برکت علی صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب اوورسیر۔ عبداللہ صاحب مہاجر۔ خانصاحب نعمت اللہ خان صاحب نیز ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب حضرت مولوی شیر علی صاحب (قادیان گائیڈ صفحہ ۹۹-۱۰۰)

۲۔ خلافت ثانیہ میں تو اس کی آبادی میں بہت اضافہ ہوا۔

۳۔ بدر ۲۴-۱۷/ مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۲ کالم ۲

۴۔ بدر ۵ مئی ۱۹۱۰ء صفحہ ۲ کالم ۱ اس افتتاح کے محرک مولوی محمد علی صاحب تھے الحکم ۲۸-۱۴/ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۳ کالم ۲۔

۵۔ الحکم ۲۸/ ۱۴۔ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۵، ۱۶

۶۔ ریویو آف ریلیجنز اردو دسمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۴۸۴۔

۷۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ (رجسٹر نمبر ۳) صفحہ ۱۷۲۔

۸۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ (رجسٹر نمبر ۴) صفحہ ۷۰

۹۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۳-۱۹۱۲ء صفحہ ۴۸-۴۹

۱۰۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۱۰-۱۹۰۹ء صفحہ ۲۴، ۲۵ سالانہ رپورٹ ۱۲-۱۹۱۱ء صفحہ ۲۷ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ رجسٹر نمبر ۳ صفحہ ۱۱۶۔

۱۱۔ بدر یکم اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۲ کالم ۲-۳

۱۲۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۳-۱۹۱۲ء صفحہ ۴۸

۱۳۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۳-۱۹۱۲ء صفحہ ۴۶

۱۴۔ الحق ۷ جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۹ کالم ۲

۱۵۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الحق ۱۸/ اگست ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰-۱۳

۱۶۔ اخبار الحق ۱۴/ نومبر تا ۵ ادسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۳-۲۵

۱۷۔ ملاحظہ ہو فاروق جلد ا نمبر ا

۱۸۔ "الحق" کے ذکر کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "صحافت پاکستان ہند میں" (ڈاکٹر عبدالسلام خورشید) صفحہ ۳۹۹
A History of the press in India p 172

۱۹۔ الحکم ۲۱ فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۵ کالم ۳

۲۰۔ الفضل ۱۸/ جون ۱۹۱۳ء صفحہ ا کالم ۳

۲۱۔ اخبار بدر ۳/ فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۷ کالم ا

۲۲۔ الحکم ۷/ فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۰ کالم ۱، ۲

۲۳۔ بدر ۲۴-۱۷/ مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۲ کالم ۲، ۳

۲۴۔ الحکم ۲۸/ جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۹ کالم ا

۲۵۔ الحکم ۷/ فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۹ کالم ۳ و الحکم ۲۸/ مئی ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۰۔ الحق جلد ا نمبر ۴۳ صفحہ ۱۳ کالم ا

۲۶۔ الحکم ۷/ مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۴ کالم ا

۲۷۔ انہی دنوں طاعون نے پھر حملہ کر دیا تھا جس کے دفاع کے لئے آپ نے مندرجہ ذیل دعا پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔ بسم اللہ الذی لا

یضر مع اسمہ شئی فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق (ترجمہ) اس خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کے نام کے ساتھ زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی ضرر نہیں پہنچا سکتی اور وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا خدا ہے میں اس کی مخلوق کے شر سے اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ (الحکم ۷/ مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲

۲۸- الحکم ۲۸/ مارچ-۷/ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۲-۳

۲۹- بدر ۳۱/ مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۱-۲

۳۰- الحکم ۲۸/ مارچ و ۷/ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۶-۷

۳۱- بدر ۳۱/ مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۲

۳۲- الحکم ۲۸-۱۴/ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۱ کالم ۳ صفحہ ۱۳ کالم ۲، ۳

۳۳- الحکم ۲۸/ مئی ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۰ کالم ۳ و بدر ۲۳/ جون ۱۹۱۰ء صفحہ ۷-۸

۳۴- اصل خط خاندان حضرت خلیفہ اول کے پاس محفوظ ہے۔

۳۵- ۵/ مئی ۱۹۱۰ء صفحہ ۸ کالم ۱

۳۶- (بدر ۲۱-۱۴-۷/ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۲ کالم ۲)

۳۷- الحکم ۲۸-۱۴/ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۰ کالم ۳

۳۸- یعنی میاں عبدالمنان صاحب عمر

۳۹- الحکم ۲۸-۱۴/ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۱

۴۰- یہ بات عبداللہ تیماپوری کے ایک خط سے ثابت ہوتی ہے جو خاندان حضرت خلیفہ اول کے پاس محفوظ ہے۔

۴۱- ان لوگوں کے بعد بعض اور لوگ بھی مختلف دعاوی لے کر آئے۔ صدیق دیندار چن بسویشور۔ عبداللطیف گناچوری وغیرہ

۴۲- الحکم ۲۸-۱۷/ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۲۳

۴۳- بدر ۱۲/ مئی ۱۹۱۰ء صفحہ ۲ کالم ۱

۴۴- الحکم ۱۴-۷ جون ۱۹۱۰ء صفحہ ۲

۴۵- رجسٹر نمبر ۳ صدر انجمن احمدیہ صفحہ ۱۷۱۔

۴۶- بدر ۳۰/ جون ۱۹۱۰ء صفحہ ۲ کالم ۳

۴۷- اخبار بدر ۲۱-۲۸ جولائی ۱۹۱۰ء صفحہ ۲ کالم ۲-۳

۴۸- یہ تصویر حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ ہوتی مردان نے راقم الحروف کو بھجوائی تھی۔

۴۹- الفضل ۳۱/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱ کالم ۲

۵۰- بدر ۱۴/ جولائی ۱۹۱۰ء صفحہ ۱ کالم ۲

۵۱- الحکم ۲۸/ جولائی ۱۹۱۰ء صفحہ ۷ کالم ۳۔ ایضاً بدر ۱۱/ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۳ کالم ۱-۲

۵۲- یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے ۲۳/ جولائی ۱۹۱۰ء کی شام کو حضرت خلیفہ اولؓ کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ اجازت ہو تو عاجز بھی حضور کے ہمرکاب ملتان جائے۔ حضرت نے اس پر اپنے قلم سے رقم فرمایا۔ "شام کو عرض کروں گا"۔ نورالدین۔ اللہ اللہ خدا کا ذی شان خلیفہ کس انکسار و فروتنی سے اپنے خدام کو خطاب فرماتا ہے۔

۵۳- اس موقعہ پر آپ نے حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ کے سفر حج کا یہ عجیب واقعہ سنایا کہ جب آپ جہاز میں سوار تھے تو سمندر میں سخت خوفناک طوفان اٹھا۔ اس وقت حضرت سید صاحب کو اونگھ آئی اور آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ عرض کیا گیا۔ یہ کس بات پر آپ نے فرمایا۔ فرمانے لگے۔ کہ سمندر میرے سامنے آیا اور کہا کہ اگر آپ کوئی ارشاد فرمائیں تو میں اس کی تعمیل کروں۔ میں نے جواب دیا مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کی زبان پر الحمد شریف کے الفاظ جاری ہوئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ سمندر پھر حاضر ہوا۔ اور اس نے خبر دی کہ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ سید صاحب کے کسی رفیق کی قبر تجھ

میں نہیں ہے۔ چنانچہ اسی وقت طوفان تھمنا شروع ہو گیا۔ فلسفی کو منکر خانہ است ۔:۔ از حواس انبیاء بیگانہ است

۵۴۔ افسوس اب مرور زمانہ کی وجہ سے اس مکان اور اس کے ماحول کی ہیئت یکسر بدل گئی ہے۔ سید محمد شاہ صاحب گردیزی مشہور ولی حضرت ابو الفضل جمال الدین سید محمد یوسف شاہ کی اولاد میں سے تھے جو ۱۰۸۸ء میں گردیز متصل شہر غزنی سے ہجرت کر کے ملتان تشریف لائے اور اپنے زہد و تقویٰ اور کشف و کرامات کی وجہ سے بہت مشہور ہو گئے ۱۱۳۷ء میں وصال ہوا۔ (تذکرہ رؤسائے پنجاب جلد دوم صفحہ ۵۰۹)

۵۵۔ ولادت قریباً ۱۸۴۹ء وفات ۲۸/ فروری ۱۹۳۱ء آپ مہاراجہ فرید کوٹ کے شاہی طبیب بھی رہے ہیں یہ ۹۹-۱۸۹۷ء کی بات ہے اس زمانہ کی ان کے ہاتھ سے لکھی ہوئی بعض چٹھیاں راقم الحروف مولف کے پاس بھی موجود ہیں حکیم صاحب احمدی تھے اور بحیثیت حکیم بھی حضرت خلیفہ اول ؓ کے ان سے اچھے تعلقات تھے۔ وہ بیٹھک جہاں حضرت خلیفہ اول کچھ وقت کے لئے تشریف فرما ہے اب ان کے صاحبزادہ حکیم فیروز الدین صاحب اس میں مطب کرتے ہیں۔

۵۶۔ آپ حضرت شیخ بہاء الدین ملتانی قدس سرہ کی اولاد میں سے تھے اپنے بھائی مخدوم بہاول بخش صاحب کی وفات کے بعد ۱۸۹۶ء میں درگاہ کے سجادہ نشین ہوئے ۱۹۲۱ء میں آپ کا انتقال ہوا اور آپ کے صاحبزادہ خان بہادر شیخ مخدوم مرید حسین صاحب آپ کے جانشین ہوئے (مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو تذکرہ رؤسائے پنجاب جلد دوم صفحہ ۵۰۰) ایضاً یادگار دربار ۱۹۱۱ء حصہ دوم صفحہ ۸۵-۴۸۶ مرتبہ منشی محمد دین صاحب اڈیٹر میونسپل گزٹ لاہور۔

۵۷۔ یہ انجمن برصغیر پاک و ہند کی قدیم اسلامی انجمنوں میں سے ہے۔ جس کی بنیاد غالباً ۱۸۸۴ء میں رکھی گئی ابتداء" اس کے زیر انتظام ایک پرائمری سکول جاری ہوا جس کے ہیڈ ماسٹر مدت تک ایک مخلص احمدی ماسٹر بدر الدین صاحب رہے جن کے ایک صاحبزادہ حکیم محمد زاہد صاحب اب شورکوٹ میں ہیں۔ اس ابتدائی سکول کا ہال بھی ایک تاریخی ہال تھا جس میں دوسرے مسلم زعماء کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفہ اول ؓ نے بھی تقاریر فرمائیں افسوس یہ ہال سیلاب کی وجہ سے گر چکا ہے۔ اور اس کی جگہ اب موجودہ اسلامیہ ہائی سکول کے صحن نے لے لی ہے۔ انجمن اسلامیہ کا پہلا سالانہ جلسہ ۵/ مارچ ۱۸۹۰ء کو منعقد ہوا۔ جس کی مفصل روئداد اخبار "سرمور گزٹ" (ناہن) میں اپریل ۱۸۹۰ء کے متعدد نمبروں میں شائع ہوئی۔ (اس اخبار کا ایک متعلقہ فائل خلافت لائبریری ربوہ میں بھی موجود ہے)۔ "سرمور گزٹ" سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں انجمن کے صدر سردار محمد حیات خاں صاحب سی ایس آئی تھے۔ ایک عرصہ تک مخدوم زادہ سید محمد ولایت حسین صاحب جیلانی اس کے صدر اور سید محمد اولاد علی شاہ گیلانی مہجور ایم۔ اے سیکرٹری رہے اب سید فیض مصطفیٰ صاحب گیلانی سیکرٹری ہیں۔

۵۸۔ بدر ۲۸/ جولائی ۱۹۱۰ء صفحہ ۱ و ۴/ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۱ کالم ۲ و ۱۱/ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۳-۶ (ایضاً روایات حکیم محمد عمر صاحب) ۱۸/ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۴-۵۔ حکیم محمد عمر صاحب کے مختصر حالات یہ ہیں۔ قریباً ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے ۱۸۹۷ء میں پہلی دفعہ قادیان کی زیارت کی ۱۹۰۸ء میں حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے وقت مرشد آباد میں تھے وہاں سے مستقل ہجرت کر کے قادیان آگئے حضرت خان صاحب منشی فرزند علی صاحب کو تحریک بیعت کر کے پہلی دفعہ قادیان آپ ہی لائے تھے خان صاحب نے احمدیت سے قبل ایک سوالنامہ حضرت خلیفہ اول ؓ کی خدمت میں لکھا آپ نے قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کو جواب کے لئے ارشاد فرمایا۔ حکیم صاحب نے عرض کی حضور جواب دینا ہے تو آپ جواب دیں جس پر حضرت اسی وقت پگڑی باندھ کر بیٹھ گئے اور اپنے قلم سے جواب لکھا جس پر خان صاحب نے احمدیت قبول کر لی۔

۵۹۔ بدر ۲۸-۲۱/ جولائی ۱۹۱۰ء صفحہ ۱ کالم ۱-۲

۶۰۔ الحکم ۲۸/ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۳ کالم ۲-۳

۶۱۔ بدر ۸/ ستمبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۹-۱۱

۶۲۔ الحکم ۷/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۶ کالم ۲

۶۳۔ بدر ۱۰-۳/ نومبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۵-۶

۶۴۔ اس دوران میں آپ کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کی تعلیمی خدمت کا زریں موقعہ بھی میسر آیا۔ الدر المنثور فی لمعات النور غیر مطبوعہ از قلم حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی۔

۶۵۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ رجسٹر نمبر ۴ صفحہ ۴۲۔
۶۶۔ "حیات قدسی" حصہ چہارم صفحہ ۱۰۹۔۱۱۱ و صفحہ ۱۲۶۔ الدر المنثور فی لمعات النور (غیر مطبوعہ)
۶۷۔ خواجہ کمال الدین صاحب بوقت ملاقات موجود نہیں تھے۔
۶۸۔ خدا کے مامور اور دیگر ارضی علماء کی قوت قدسی اور تعلیم میں زمین و آسمان کا جو فرق ہوتا ہے۔ اس کی ایک دلچسپ مثال خود مولانا شبلی ہی کی زندگی سے پیش کرتا ہوں۔ مولانا کے سوانح نگار جناب سلیمان ندوی "حیات شبلی" (صفحہ ۵۸۴) میں پٹنہ کا یہ واقعہ لکھتے ہیں۔ "اسٹیشن پر ان کے استقبال کے لئے معتقدین کا نہایت کثرت سے مجمع تھا...... آدمی راہ کے بعد طلبہ کے اصرار سے گاڑی کے گھوڑے کھول دیئے گئے اور خود طلبہ ذوق و شوق کے عالم میں اس گاڑی کو اپنے ہاتھوں سے کھینچ کر فرودگاہ تک لائے۔ مولانا (شبلی ناقل) فرماتے ہیں یہ تو نہیں کہتا۔ رعونت پرست نفس کو پھریری نہیں ہوئی ہوگی لیکن واقعاً ہنسی آتی تھی۔ کہ عجب خوش اعتقاد' بلکہ ضعیف الاعتقاد ہیں اس کے مقابل تاریخ احمدیت جلد سوم (صفحہ ۵۴۰) پر یہ واقعہ گذر چکا ہے کہ جب حضرت مسیح موعود کے خدام نے یہ حرکت کرنا چاہی تو حضور نے ارشاد فرمایا۔ فوراً گھوڑے جوتو ہم انسان کو حیوان بنانے کے لئے دنیا میں نہیں آئے ہم تو حیوان کو انسان بنانے کے لئے آئے ہیں۔
۶۹۔ اخبار بدر ۲۷/ اکتوبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۲۔۱۳۔
۷۰۔ اخبار بدر ۲۲/ دسمبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۔۱۰
۷۱۔ البدر ۲۷/ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۷۵
۷۲۔ تشحیذ الاذہان ۱۹۱۰ء صفحہ ۳۹۹۔۴۰۳۔۴۰۴ و اصحاب احمد جلد دہم صفحہ ۱۸۳
۷۳۔ حضرت خلیفہ اول نے تیسرے روز حکیم غلام محمد صاحب کو بھجوایا کہ خون آلود پگڑی لے آؤ۔ شیخ صاحب خود ہی پگڑی لے گئے فرمایا وہ پگڑی ہمیں دے دو۔ ان کے توقف پر آپ شیخ صاحب کا مطلب سمجھ گئے۔ اور فرمایا اچھا اسے [illegible] اور استعمال کرلو۔ لیکن ٹکڑے کرکے تقسیم نہ کرنا اور ان کو ایک نئی پگڑی بھی عنایت فرمائی۔ (اصحاب احمد جلد دہم صفحہ ۱۸۳)
۷۴۔ تشحیذ الاذہان ۱۹۱۰ء نمبر ۱۱ جلد ۵ صفحہ ۴۰۳۔۴۰۴
۷۵۔ بدر ۲/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۳ کالم ۲
۷۶۔ بدر ۱۶/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۲ کالم ۱۔۲
۷۷۔ بدر ۲/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۲ کالم ۲
۷۸۔ الحکم ۷/ دسمبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۱
۷۹۔ ہر واقعہ میں بعض مستثنیات بھی ہوتی ہیں بعض خبیث الفطرت لوگ آپ کی بیماری میں بھی فتنہ اٹھاتے رہے۔ چنانچہ یہ مشہور کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک شخص گھوڑے سے گر پڑا۔ پھر حضور کو الہام ہوا۔ "استقامت میں فرق آگیا"۔ (تذکرہ طبع دوم صفحہ ۷۷۹) سو معاذ اللہ مولوی صاحب کی استقامت میں فرق آگیا ہے۔ بعض نے کہا کہ نعوذ باللہ آپ مرتد ہو گئے۔ (الفضل جلد ۴ نمبر ۵۲ صفحہ ۷ کالم ۱) مگر یہ سب دماغی بے راہ روی کا نتیجہ تھا۔ اور یہ الہام دراصل حضرت خلیفہ اول کی ذات بابرکات کے متعلق نہیں بلکہ انہی لوگوں کے متعلق تھا اور اس میں بتایا گیا تھا۔ کہ ایک شخص کے گھوڑے سے گرنے کے بعد بعض افراد استقامت و عزیمت کے مقام سے گر جائیں گے۔ سو ایسا ہی ظہور میں آیا۔ (الحکم ۱۴/ جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۳ کالم ۳) باقی اس دور ابتلاء میں حضرت خلیفہ اول کو کس درجہ قوت ایمان عطا ہوئی اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔
۸۰۔ نام درد
۸۱۔ رخسار
۸۲۔ کنپٹی
۸۳۔ ایک انگریزی دوا
۸۴۔ پیاس
۸۵۔ یہ ایک خط کا اقتباس ہے۔ جو آپ نے حکیم فیروز الدین صاحب (مولف رموز طلباء) لاہور کے نام ۱۶/ ستمبر ۱۹۱۳ء کو تحریر فرمایا۔

۸۶۔ بدر ۲۶/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ا کالم ۱-۲
۸۷۔ بدر ۲۰/ اپریل ۱۹۱۱ء صفحہ ا کالم ۱۔ ایضاً الحکم ۲۱/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۸ کالم ۱
۸۸۔ بدر ۲۷/ اپریل ۱۹۱۱ء صفحہ ا کالم ۱
۸۹۔ بدر ۲۵/ مئی ۱۹۱۱ء صفحہ ۲ کالم ۱-۳
۹۰۔ بدر ۱۲/ اکتوبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲ کالم ۲
۹۱۔ مشکوۃ المصابیح باب عیادۃ المریض وثواب المرض
۹۲۔ الحکم ۱۹۰۴ء نمبر ۱۳ صفحہ ۲ بحوالہ خزینۃ العرفان حصہ دوم صفحہ ۱۸۹-۱۹۰
۹۳۔ الحکم ۷/ دسمبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۳ کالم ۱
۹۴۔ روایت حکیم محمد عمر صاحب فیروز پوری
۹۵۔ الحکم ۷/ دسمبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۴ کالم ۳
۹۶۔ الحکم ۲۱/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۸ کالم ۲
۹۷۔ الحکم ۱۴/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۳ کالم ۲
۹۸۔ قرآن مجید سنانے والوں کو یا آپ کرسی پر بٹھاتے یا اپنے ساتھ چارپائی پر (الحکم ۱۴/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۴ کالم ۲)
۹۹۔ الحکم ۲۸/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۳ کالم ۳
۱۰۰۔ روایت حکیم محمد صدیق صاحب گھوگھیاٹ ایضاً الحکم ۱۴/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۳ کالم ۲-۳ ایضاً بدر ۶/ اپریل ۱۹۱۱ء صفحہ ا کالم ۱
۱۰۱۔ الحکم ۱۴/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۴ کالم ۱
۱۰۲۔ الحکم ۷/ دسمبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۵ کالم ۲
۱۰۳۔ بدر ۱۰-۳/ نومبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲
۱۰۴۔ الحکم ۷/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲
۱۰۵۔ الحکم ۷/ جنوری صفحہ ۴ کالم ۳
۱۰۶۔ الحکم ۷/ جنوری صفحہ ۵ کالم ۱
۱۰۷۔ الحکم ۷/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۵ کالم ۳
۱۰۸۔ الحکم ۷/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۸ کالم ۱ تا ۳
۱۰۹۔ الحکم ۷/ دسمبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲
۱۱۰۔ الحکم ۷/ دسمبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۵ کالم ۲-۳
۱۱۱۔ الحکم ۷/ دسمبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۶ کالم ۱
۱۱۲۔ الحکم ۲۱/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۷-۸
۱۱۳۔ الحکم ۲۱/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۸ کالم ۳
۱۱۴۔ الحکم ۲۸/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۴ کالم ۳
۱۱۵۔ الحکم ۲۱/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۸ کالم ۳
۱۱۶۔ الحکم ۲۱/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰ کالم ۳ و الحکم ۲۸/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۳ کالم ۲
۱۱۷۔ الحکم ۲۸/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۳ کالم ۱
۱۱۸۔ الحکم ۲۸/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۳ کالم ۲
۱۱۹۔ الحکم ۲۸/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۳ کالم ۳
۱۲۰۔ الحکم ۱۴/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۴ کالم ۲
۱۲۱۔ الحکم ۱۴/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۴ کالم ۲، ۳

۱۲۲۔ الحکم ۱۴/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۴ کالم ۲'۳
۱۲۳۔ الحکم ۱۴/ مئی ۱۹۱۱ء صفحہ ۹ کالم ۳
۱۲۴۔ الحکم ۱۴-۷/ جولائی ۱۹۱۱ء صفحہ ۲ کالم ۳
۱۲۵۔ بدر ۲/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۶ کالم ۳
۱۲۶۔ الفضل ۱۰/ نومبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۴ کالم ۴
۱۲۷۔ اخبار الحکم ۲۱/ مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۶ کالم ۲ پر لکھا ہے۔ "یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو امام مقرر کیا ہوا ہے۔ چنانچہ پانچوں نمازوں کی امامت آپ کرتے ہیں اور جمعہ کا خطبہ اور نماز بھی آپ پڑھاتے ہیں"۔
۱۲۸۔ الفضل ۱۹/ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۷-۸
۱۲۹۔ حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی صوفیاء کے مشہور چشتی سلسلہ کے اکابر اولیاء میں سے گذرے ہیں۔ آپ ۱۱۸۴ھ بمطابق ۷۱-۱۷۷۰ء میں پیدا ہوئے اور صفر ۱۲۶۷ھ مطابق دسمبر ۱۸۵۰ء واصل بحق ہوئے۔ (مشاہیر اسلام حصہ اول صفحہ ۸۵-۹۵)
۱۳۰۔ آپ نے اپنی ایک قلمی بیاض میں (جو آپ کے خاندان میں محفوظ ہے) اپنے دست مبارک سے حضرت خواجہ صاحب کی عالم رویاء میں ملاقات کی تفصیل لکھی ہے۔ "۱۶/ دسمبر ۱۹۰۸ء شب چہار شنبہ رویاء میں اول میں نے خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمتہ اللہ کو دیکھا پھر ایک مکان میں گیا جہاں تخت ہے اور اس پر غالباً قالین ہیں۔ اس پر حضرت خواجہ سلیمان رحمتہ اللہ تونسوی ہیں اور بڑا فرغل پہنا ہوا (ہے) اور ریش مبارک گھنی (ہے)؟ مگر حد سے متجاوز نہیں۔ سر پر ٹوپی ہے خواجہ اللہ بخش نیچے ہیں ان کی اولاد میں سے ایک مرد لڑکا تخت کے دوسری طرف تخت کے نیچے آپ کے سامنے ہے مجھے ارشاد فرمایا۔ اوپر آجاؤ میں دائیں طرف کے قریب حاضر ہوا خواجہ اللہ بخش رحمتہ اللہ نے کوئی بات دریافت فرمائی ہے...... اس وقت آپ کے تمام بدن سے ایک آواز جوش کی نکلی...... جیسے میں یقین رکھتا ہوں کہ مجھ پر توجہ ڈال رہے ہیں۔ والحمد للہ رب العلمین"
۱۳۱۔ بدر ۲۷/ جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۹ کالم ۳
۱۳۲۔ تاریخ مشائخ چشت مولفہ خلیق احمد نظامی ایم۔ اے استاد شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں لکھا ہے۔ "۱۵-۱۶ برس کی عمر میں خواجہ محمد سلیمان خواجہ مہاروی سے بیعت ہوئے تھے شیخ صاحب کی صحبت کا فیض کل ۶ سال تک اٹھایا خود ایک جگہ فرماتے ہیں۔ مارا صحبت ظاہری حضرت قبلہ عالم شش سال یا کم بود (نافع السالکین صفحہ ۱۴۰-۱۴۱) ہمیں حضرت قبلہ عالم کی ظاہری صحبت ۶ سال یا کچھ کم حاصل رہی ہے۔ ۲۱-۲۲ سال کی عمر میں پیرو مرشد نے خلافت عطا فرمائی" (صفحہ ۶۱۹)
۱۳۳۔ حضرت خلیفہ اول کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ باوجود حامل وصیت ہونے کے خلافت ثانیہ کے قیام پر ان کو ٹھوکر لگی اور دہریت کا شکار ہو گئے۔ سالہا سال تک علی گڑھ کالج میں پروفیسر پھر پشاور کالج کے پرنسپل رہے بعد ازاں یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہو کر ریٹائرڈ ہوئے اب سیالکوٹ (وڈ گرین سٹریٹ) میں رہائش پذیر ہیں اور فالج میں مبتلا ہیں۔
۱۳۴۔ بدر ۲۶/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱ کالم ۱
۱۳۵۔ "حقیقت اختلاف" صفحہ ۶۹
۱۳۶۔ "حیات نور الدین" صفحہ ۱۶۱
۱۳۷۔ الحکم ۲۱/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰ کالم ۲
۱۳۸۔ الفضل ۶-۴/ اپریل ۱۹۱۵ء صفحہ ۱ کالم ۳
۱۳۹۔ الفضل ۴/ اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۴ کالم ۴ (مضمون میاں عبد الوہاب صاحب عمر)
۱۴۰۔ فرقان (قادیان) مئی ۱۹۴۵ء صفحہ ۵'۶
۱۴۱۔ روایت قریشی امیر احمد صاحب بھیروی۔
۱۴۲۔ الفضل یکم اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۲۱ کالم ۱
۱۴۳۔ الفضل یکم اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۲۱ کالم ۱

۱۴۴۔ تشحیذ الاذہان مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۲۸
۱۴۵۔ القول الفصل طبع اول صفحہ ۵۶
۱۴۶۔ بدر ۱۰۔ ۳/ نومبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۳ کالم ۳ و بدر ۵/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ا کالم ۲
۱۴۷۔ کشمیری میگزین لاہور مارچ ۱۹۱۱ء صفحہ ۴۰
۱۴۸۔ اخبار بدر ۱۶/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۴ کالم ۲
۱۴۹۔ پیغام صلح یکم مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ا کالم ۲
۱۵۰۔ بدر ۲۱۔۲۸/ جولائی ۱۹۱۰ء صفحہ ۴ کالم ۱۔۲
۱۵۱۔ ملاحظہ ہو بدر ۲۱/ جولائی ۱۹۱۰ء تا ۲۵/ اگست ۱۹۱۰ء
۱۵۲۔ بدر ۱۰۔ ۳/ نومبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۲ کالم ۳ و صفحہ ۷۔۸
۱۵۳۔ بدر ۵/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۴ کالم ۳
۱۵۴۔ بدر ۵/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۱، ۱۲
۱۵۵۔ مفصل تقریر بدر ۵/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۳۔۱۵ پر چھپ گئی تھی۔
۱۵۶۔ الحکم ۷/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۹ کالم ۲
۱۵۷۔ الحکم ۷/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰ کالم ۲
۱۵۸۔ الحکم ۷/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰۔۱۲
۱۵۹۔ بدر ۱۹/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۷ کالم ۱۔۲
۱۶۰۔ الحکم ۷/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۹ کالم ۳
۱۶۱۔ بدر ۲۶/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۲ کالم ۲
۱۶۲۔ الحکم ۷/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰ کالم ۱
۱۶۳۔ ضمیمہ اخبار بدر ۲۶/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۲ کالم ۱
۱۶۴۔ بدر ۱۹/ مئی ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۵ کالم ۲ و ۹ جون ۱۹۱۰ء صفحہ ۳ و ۱۶/ جون ۱۹۱۰ء صفحہ ۴، ۷ و ۲۳/ جون ۱۹۱۰ء صفحہ ۶ کالم ۳ و بدر ۷/ ۲/ اکتوبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۴ کالم او بدر ۲۲/ دسمبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۱ کالم ۳۔ روئداد اجلاس ندوۃ العلماء دوازدہم صفحہ ۱۴۸۔
۱۶۵۔ بدر ۲۱۔۷/ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۵۔۱۶
۱۶۶۔ الحکم ۷/ مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۵
۱۶۷۔ الحکم ۲۱/ ستمبر تا ۷/ اکتوبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۷۔۱۹۔ اس ایشوع میں اخبار "وطن" کا ایک اداریہ نقل کیا گیا ہے۔

چوتھا باب

انجمن انصار اللہ کا قیام

(جنوری ۱۹۱۱ء تا دسمبر ۱۹۱۱ء بمطابق ذی الحج ۱۳۲۸ھ تا محرم ۱۳۳۰ھ)

رسالہ "احمدی" کا اجراء

مولوی ثناء اللہ صاحب امرت سری ایڈیٹر "اہلحدیث" اور مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے حضرت میر قاسم علی صاحب نے جنوری ۱۹۱۱ء سے "احمدی" کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔ [1] مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنی کتاب "تبر اسلام بجواب نخل اسلام" (صفحہ ۴) میں یہ اصول بتایا تھا کہ "جب کوئی شخص کسی قوم کے ہادی اور سب کے پیشوا کی نسبت برالفظ کہے یا بے ادبی کرے تو گویا یقینی اس نے تمام قوم کا دل دکھایا۔ پس اس کے جواب میں حق تو یہ ہے کہ تمام قوم ایک ایک کر کے اس بدگو کو اسی قدر ستالیں جتنا کہ اس نے سب کو ستایا تب کہیں جا کر عوض معاوضہ گلہ ندارد کا مصداق ہو"۔ [2] اس اصول کے مطابق میر صاحب نے اعلان کیا کہ انشاء اللہ "احمدی" حدود اللہ سے تجاوز نہ کرے گا۔ بلکہ واجب حق سے بھی جو کچھ اس کو پہنچتا ہے۔ بہت کچھ معاف کر دے گا۔ جہاں پر کہ امید اصلاح ہو"۔ [3]

ابھی رسالہ کے تین پرچے ہی نکلے تھے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں دہائی دینا شروع کر دی اور خطوط لکھے کہ میر صاحب کو بند کریں۔ ان کی سخت کلامی میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔ [4] اور لاجواب ہو کر لکھا کہ اس کے ایڈیٹر کا مقابلہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔ اور اس کا ہمیں خود اعتراف ہے۔ [5] اس پر حضرت میر صاحب نے مولوی ثناء اللہ صاحب کی "شیریں بیانی" کے بڑے بڑے نادر نمونے دیئے اور کہا یہ ہے اہلحدیث کے "اخلاق محمدی" کا کورس جس پر آپ کو ناز ہے!!

مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنے اخبار اہلحدیث میں لکھا تھا۔ "ہمارا اور مرزائیوں کا فرق عیسائیوں اور محمدیوں یا موسائیوں اور عیسائیوں کا ہے جس طرح ان دونوں میں یہ تمیز ہے کہ ایک

دوسرے سے ایک رسول زیادہ مانتا ہے۔ اسی طرح قادیانی امت ہم مسلمانوں سے زیادہ مرزا صاحب کو مانتے ہیں"۔ [6]

اس بیان نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے صحیح خدوخال بالکل نمایاں کر دیئے۔

رسالہ "احمدی" ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۳ء تک باقاعدہ جاری رہا اس کے بعد ۱۹۱۸ء میں اس کا احیاء ہوا۔ [7]

ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی کی پیشگوئی کا غلط ہونا

ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی نے ۱۱/ نومبر ۱۹۱۰ء سے پیشگوئی کر رکھی تھی کہ (حضرت) مولوی نورالدین صاحب ۱۱/ جنوری ۱۹۱۱ء تک فوت ہو جائیں گے۔

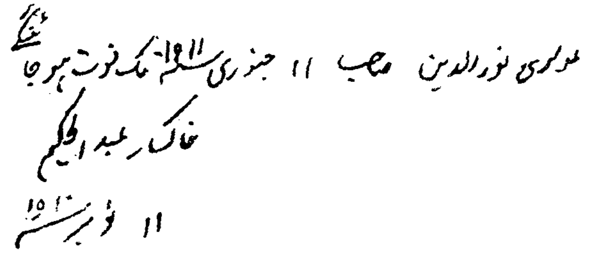
مولوی نورالدین صاحب ۱۱ جنوری ۱۹۱۱ء تک فوت ہو جائینگے
خاکسار عبدالحکیم
۱۱ نومبر ۱۹۱۰ء

ڈاکٹر صاحب کی یہ پیشگوئی بھی دوسری تمام پیشگوئیوں کی طرح جھوٹی نکلی۔ پٹیالہ کے ایک معزز غیر احمدی کیپٹن مرزا احمید بیگ صاحب نے جب ڈاکٹر صاحب پٹیالوی کو پیشگوئی کے غلط ہونے پر ملزم کیا تو اس نے نہایت دجل و فریب کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ "یہ اخبار بدر دیکھ لو میری خواب تو سچی نکلی چنانچہ اخبار بدر میں لکھا ہے۔ جنوری کو ڈاکٹر جمع کئے گئے اور مولوی صاحب کو طاعون کی گلٹی نکلی ہوئی ہے۔ اب وہ قریب المرگ ہیں۔ اور کیا پتہ ہے کہ مر گئے ہوں۔ اصل میں مرزائیوں نے اس بات کو چھپا لیا ہے۔"۔ [8] حضرت خلیفہ اول کے علم میں یہ بات لائی گئی تو آپ نے فرمایا۔ اس کو لکھنا چاہئے کہ اگر تمہاری پیشگوئی پوری ہو گئی اور تم سچے ہو تو خود ہی آ کر دیکھ جاؤ۔ پھر فرمایا اچھا ہے اگر اس کی پیشگوئی ۱۱/ جنوری کو پوری ہو چکی ہے تو یہی دیکھ جاوے کہ مرزائیوں نے ایک مردہ کو زندہ کر دیا اور وہ مسیح ہیں۔ اور فرمایا کہ اور نہیں تو ڈاکٹر ہرڈ صاحب جو یہاں سے ہو گئے ہیں لاہور میں آ کر انہیں سے دریافت کر لے۔ [9]

انجمن "انصار اللہ" کا قیام اور اس کے کارنامے

فروری ۱۹۱۱ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد

صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کو عالم رویاء میں دکھایا گیا کہ ایک بڑے محل کا ایک حصہ گرایا جارہا ہے۔ ساتھ ہی ایک میدان میں ہزاروں پتھیرے بڑی تیزی سے اینٹیں پاتھ رہے ہیں آپ نے پوچھا کہ یہ محل کیا ہے اور یہ کون لوگ ہیں تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ محل جماعت احمدیہ ہے پتھیرے فرشتے ہیں اور محل کا ایک حصہ اس لئے گرایا جارہا ہے تا بعض پرانی اینٹیں خارج کر کے بعض کچی اینٹیں پکی کی جائیں اور نئی اینٹوں سے محل کی توسیع کی جائے۔ نیز معلوم ہوا کہ جماعت کی ترقی کی فکر ہم کو بہت کم ہے اور فرشتے ہی اللہ تعالیٰ سے اذن پا کر یہ کام کر رہے ہیں۔ [۱۰]

اس خواب کی بناء پر حضرت صاحبزادہ صاحب نے ایک انجمن بنانے کا فیصلہ کیا تاکہ اس کے ذریعہ احمدیوں کے دلوں میں ایمان کو پختہ کیا جائے۔ اور فریضہ تبلیغ کو باحسن وجوہ ادا کیا جائے۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے نہ صرف خود ہی استخارہ کیا بلکہ کئی اور بزرگوں سے استخارہ کروایا۔ کئی ایک دوستوں کو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارات ہوئیں تب آپ نے حضرت خلیفتہ المسیح اولؓ کی اجازت سے ایک انجمن "انصار اللہ" کی بنیاد ڈالی اور اخبار بدر میں اس کا مفصل اعلان کر دیا۔ [۱۱] حضرت خلیفتہ المسیح اول نے بیماری کے باوجود یہ مضمون شروع سے لے کر آخر تک مطالعہ فرمایا اور حضرت صاحبزادہ سے فرمایا۔ "میں بھی آپ کے انصار اللہ میں شامل ہوں"۔ [۱۲]

اس انجمن کے قواعد و ضوابط آپ نے یہ تجویز فرمائے:

۱۔ ہر ممبر کا فرض ہوگا کہ حتی الوسع تبلیغ کے کام میں لگا رہے اور جب موقعہ ملے اس کام میں اپنا وقت صرف کریں۔

۲۔ ہر ممبر قرآن شریف اور حدیث شریف پڑھنے پڑھانے میں کوشاں رہے۔

۳۔ ہر ممبر سلسلہ کے افراد میں صلح و اتحاد کی کوشش میں مصروف رہے اور جھگڑے کی صورت میں یا خود فیصلہ کریں۔ ورنہ حضرت خلیفتہ المسیح سے راہ نمائی حاصل کریں۔

۴۔ ہر قسم کی بدظنیوں سے بچے جو اتحاد اور اتفاق کو کاٹتی ہیں۔

۵۔ ہر ماہ کے آخر میں اپنے کام کی رپورٹ دے۔

۶۔ اس انجمن کے ممبر رشتہ اتحاد و اخوت کو پختہ کرنے میں ہر ممکن ذرائع بروئے کار لائیں۔

۷۔ تسبیح و تحمید اور درود شریف بکثرت پڑھیں۔

۸۔ حضرت خلیفتہ المسیح کی فرمانبرداری کا خاص خیال رکھیں۔

۹۔ پنج وقتہ نمازوں میں پابندی کے علاوہ نوافل صدقہ اور روزہ کی طرف بھی توجہ رکھیں

آپ نے ممبر شپ کے لئے یہ شرط بھی عائد کی کہ جو شخص اس انجمن میں آنا چاہے وہ سات دفعہ

استخارہ کرے اگر اس کے بعد اس کا دل اللہ کے تصرف سے اس طرف مائل ہو تو پھر شوق سے داخل انجمن ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ [۱۳]

اس اعلان پر ابتداء میں مندرجہ ذیل اصحاب انجمن انصار اللہ کے ممبر بنے:

۱۔ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب (قادیان) ۲۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب قادیان ۳۔ منشی احمد دین صاحب اپیل نویس گوجرانوالہ ۴۔ (خان صاحب) منشی فرزند علی صاحب ہیڈ کلرک قلعہ میگزین فیروزپور ۵۔ شیخ عبد الرحمٰن صاحب لاہوری نو مسلم قادیان ۶۔ سید صادق حسین صاحب مختار عدالت اٹاوہ ۷۔ شیخ غلام احمد صاحب واعظ قادیان [۱۴]

ان کے بعد رفتہ رفتہ جماعت کے بہت سے سربر آوردہ اصحاب اس مبارک تحریک میں شامل ہو گئے۔ [۱۵]

۱۶/ اپریل ۱۹۱۱ء کو اس انجمن کا افتتاحی جلسہ قادیان میں منعقد ہوا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس جلسہ میں ممبروں کو متعدد ہدایات دیں مثلاً یہ کہ وہ تبلیغی لیکچر دینے کے لئے بہت مشق کریں اور چھٹیاں لے کر مرکز میں آئیں۔ ہر روز تبلیغ کریں۔ خواہ پانچ منٹ کے لئے ہی سہی' انصار کثرت سے باہم ملاقات کریں۔ کسی شہر میں جائیں تو وہاں کے انصار کو تلاش کر کے ملیں اگر ریل میں سفر کر رہے ہیں تو جو اسٹیشن رستے میں آتے ہوں وہاں کے انصار کو اطلاع دیں۔ انصار سفر میں حتی الوسع انصار ہی کے پاس ٹھہریں۔ ملیں تو صحابہ کی طرح دینی گفتگو کر کے ایمان تازہ کر لیں۔ انصار کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفہ اول اور علمائے سلسلہ کی بعض خاص کتابوں کا پڑھنا لازمی قرار دیا گیا۔ جو مختلف مذاہب کی تردید یا اسلام کی حمایت میں لکھی گئی تھیں۔ [۱۶]

حضرت خلیفۃ المسیح اول کی سرپرستی اور حضرت صاحبزادہ صاحب کی قیادت دونوں نے اس انجمن کے ممبروں میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑا دی اور اسلام و احمدیت کی تبلیغ کا کام جو بہت پیچھے جا رہا تھا پھر سے تیز رفتاری کے ساتھ شروع ہو گیا۔ چنانچہ جولائی ۱۹۱۳ء تک اس کے ممبروں کے ذریعہ دو تین سو آدمی سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ اور یہ سلسلہ اسی طرح بعد میں بھی جاری رہا۔ انجمن نے جماعت میں مبلغین اسلام کی ایک جمعیت تیار کر دی جس نے آئندہ چل کر جماعت احمدیہ کی ترقی و اشاعت میں بڑا بھاری حصہ لیا۔ انجمن نے اپنے خرچ پر ایک ممبر چوہدری فتح محمد صاحب سیال کو انگلستان میں خواجہ کمال الدین صاحب کی مدد کے لئے بھجوایا۔ [۱۷] علاوہ ازیں شیخ عبد الرحمٰن صاحب نو مسلم اور سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب انصار اللہ کی طرف سے تعلیم و تبلیغ کی خاطر مصر بھیجے گئے۔ [۱۸] مگر اس کے لئے کوئی عام چندہ نہیں کیا گیا۔ [۱۹] مولوی ابو الکلام صاحب آزاد نے بھی جو ان دنوں "الہلال" اخبار

کے ایڈیٹر تھے۔ اور اپنے فولادی قلم سے مسلمانان ہند کو سیاست کی ایک خاص لائن کی طرف چلانے کے لئے سرگرم عمل تھے۔ "انصار اللہ" ہی کے نام سے ایک تحریک کی بنیاد رکھی۔ ۲۰

یہ تو بیگانوں کا رد عمل تھا مگر اپنوں میں سے بعض نے جن کی ذہنیت منکرین خلافت کے اثر کے نیچے بگڑ چکی تھی۔ اس مبارک انجمن پر کئی اعتراضات اٹھانے شروع کر دیئے۔

مثلاً (۱) اس کا نام انصار اللہ کیوں رکھا گیا۔ کیا دوسرے احمدی انصار اللہ نہیں؟ (۲) یہ انجمن خواجہ کمال الدین صاحب کے بالمقابل کھڑی کی گئی ہے؟ (۳) جماعت کے اندر ایک الگ جماعت بنا دی گئی ہے اور جماعت میں تفرقہ ڈال دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت صاحبزادہ صاحب نے ایک مضمون کے ذریعہ سے ان تمام اعتراضات کا تسلی بخش جواب دیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

(۱) "انصار اللہ" کا نام تو محض تفاؤل کے طور پر رکھا گیا ہے جس طرح لوگ اپنے بیٹوں کا نام مختلف انبیاء کے نام پر محمد۔ احمد۔ موسیٰ۔ عیسیٰ۔ حسن۔ حسین رکھتے ہیں جب یہ نہیں سمجھا جاتا کہ وہ اپنے بیٹوں کے علاوہ دوسروں کو معاذ اللہ ابو جہل یا فرعون یا یزید کی اولاد قرار دے رہے ہیں اسی طرح انجمن کا نام انصار اللہ رکھنے سے یہ کیسے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ دوسرے ہماری نگاہ میں عدو اللہ ہیں۔

(۲) تبلیغ فرض عین ہے فرض کفایہ نہیں اس لئے خواجہ صاحب کی تبلیغ اسلام کے باوجود ہمارا فرض ہے کہ زیادہ سے زیادہ احمدی یہ کام کریں۔ تا قوم کی زندگی اور ایثار کا نشان ہو۔

(۳) حضرت خلیفتہ المسیح اول نے حضرت مسیح موعودؑ کی موجودگی میں ایک مجلس "مجمع احباب" کے نام سے بنائی تھی۔ بالکل یہی پوزیشن انجمن انصار اللہ کی ہے۔

ایک مضحکہ خیز اعتراض یہ کیا گیا کہ یہ ایک خفیہ سوسائٹی ہے آپ نے اس کے جواب میں مختصراً اتنا کہا کہ "کیا خفیہ سوسائٹیاں اپنی کارروائیاں مساجد میں کھلے بندوں کرتی ہیں اور اخباروں میں اس کو شائع کرتی ہیں۔ میرے دوستو ان اختلافات کو چھوڑو اور بجائے نیک کام پر اعتراض کرنے کے خود نیکی میں بڑھو"۔ ۲۱، ۲۲

صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کی ولادت

۱۳ / مارچ ۱۹۱۱ء کو صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب پیدا ہوئے۔ چنانچہ اخبار الحکم نے لکھا۔ "۱۳ / مارچ ۱۹۱۱ء کی صبح ساکنین الدار اور مہاجرین دارالامان کے لئے عموماً اور خاندان نبوت کے لئے خصوصاً ایک خاص فضل اور بشارت کو لے کر آئی کہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد سلمہ اللہ الاحد کے مشکوئے معلیٰ میں پہلا بیٹا پیدا ہوا۔ جو خاندان احمد میں دوسرا نافلہ (پوتا) اور چراغ

ہے"۔ [۲۳]

"خاتم النبیّن" پر نظام المشائخ میں مضمون

دہلی سے خواجہ حسن نظامی صاحب کی زیر ادارت ایک رسالہ "نظام المشائخ" چھپتا تھا اس رسالہ کا "رسول نمبر" مارچ ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا۔ ادارہ نے اس خاص اشاعت کے لئے دوسرے اہل قلم اور سربر آوردہ حضرات کے علاوہ حضرت صاحبزادہ صاحب سے بھی اپنا مضمون بھجوانے کی درخواست کی۔ جس پر آپ نے "خاتم النبین" کے عنوان سے ایک نہایت لطیف اور روح پرور مضمون لکھا جو مندرجہ ذیل ادارتی نوٹ کے ساتھ شائع ہوا:

"گذشتہ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ میں جب ہمیں پہلی دفعہ "رسول نمبر" نکالنے کا خیال پیدا ہوا تو ہم نے مختلف مذاہب و مشارب کے پیشواؤں کو لکھا تھا۔ کہ وہ براہ عنایت رسول اللہ ﷺ کی نسبت اپنے خیالات و آراء ظاہر فرمائیں۔ انہی میں صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلف جناب مرزا غلام احمد صاحب مرحوم دعویدار مسیحیت بھی تھے۔ لیکن افسوس کہ ان کا جواب موصول ہو کر ایسا گم ہوا کہ انتیس تو انتیس ۱۳۳۰ھ کے "رسول نمبر" میں بھی شائع نہ کیا جا سکا...... ہم صاحبزادہ صاحب سے معافی چاہتے ہیں اور دلی شکریہ کے ساتھ اسے ذیل میں درج کرتے ہیں"۔ [۲۴]

حضرت خلیفہ اول کی طرف سے اہم تصریح

مارچ ۱۹۱۱ء میں دربار خلافت سے ایک اہم تصریح ہوئی۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح اول کی خدمت میں ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب سول سرجن لاہور کا یہ سوال پیش ہوا۔ کہ "احمدیوں اور غیر احمدیوں میں کوئی فروعی اختلاف ہے"۔ فرمایا۔ یہ بات تو بالکل غلط ہے کہ ہمارے اور غیر احمدیوں کے درمیان کوئی فروعی اختلاف ہے۔ [۲۵] کیونکہ جس طرح پر وہ نماز پڑھتے ہیں ہم بھی پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ۔ حج اور روزوں کے متعلق ہمارے اور ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ میری سمجھ میں ہمارے اور ان کے درمیان اصولی فرق ہے۔ اور وہ یہ کہ ایمان کے لئے یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو اس کے ملائکہ پر کتب سماویہ پر اور رسل پر۔ خیر و شر کے اندازوں پر اور بعث بعد الموت پر۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ ہمارے مخالف بھی مانتے ہیں اور اس کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن یہاں سے ہی ہمارا اور ان کا اختلاف شروع ہو جاتا ہے۔ ایمان بالرسل اگر نہ ہو تو کوئی شخص مومن مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اور اس ایمان بالرسل میں کوئی تخصیص نہیں عام (ہے) خواہ وہ نبی پہلے آئے یا بعد میں آئے ہندوستان میں ہوں یا کسی اور ملک میں۔ کسی مامور من اللہ کا انکار کفر ہو جاتا ہے اب بتلاؤ کہ یہ اختلاف فروعی کیونکر ہوا۔ قرآن میں تو لکھا ہے لا نفرق بین احد من رسلہ لیکن حضرت مسیح موعود کے انکار

میں تو تفرقہ ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ آنحضرت ﷺ کو قرآن مجید میں خاتم النبین فرمایا۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہمارا یہ مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کو خاتم النبین یقین نہ کرے۔ تو بالاتفاق کافر ہے۔ یہ جدا امر ہے کہ ہم اس کے کیا معنے کرتے ہیں اور ہمارے مخالف کیا۔ اس خاتم النبین کی بحث کو لا نفرق بین احد من رسلہ سے کوئی تعلق نہیں وہ ایک الگ امر ہے۔ اس لئے میں تو اپنے اور غیر احمدیوں کے درمیان اصولی فرق سمجھتا ہوں"۔ [۲۶]

اسی طرح فرمایا:

"لا الہ الا اللہ ماننے کے نیچے خدا کے سارے ماموروں کے ماننے کا حکم آجاتا ہے اللہ کو ماننے کا یہی مطلب ہے کہ اس کے سارے حکموں کو مانا جاوے گا۔ اب سارے ماموروں کا ماننا لا الہ الا اللہ کے معنوں میں داخل ہے۔۔۔۔۔۔۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ ہم "مرزا صاحب کو نیک مانتے ہیں لیکن وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے تھے۔ یہ لوگ بڑے جھوٹے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ من اظلم ممن افتری علی اللہ الکذب او کذب بالحق لما جاءہ دنیا میں سب سے بڑھ کر ظالم دو ہی ہیں۔ ایک جو اللہ پر افترا کرے۔ دوم جو حق کی تکذیب کرے۔ پس یہ کہنا کہ مرزا نیک ہے اور دعاوی میں جھوٹا گویا نور و ظلمت کو جمع کرنا ہے جو ناممکن ہے"۔ [۲۷]

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے لئے چندہ

سید محمود نے ۱۸۷۳ء میں ایک ایسی اسلامی یونیورسٹی کا تخیل پیش کیا جو کیمبرج اور آکسفورڈ کی طرح حکومت وقت کے اختیارات سے آزاد ہو اس کے بعد نواب محسن الملک مرحوم نے سرسید کی وفات کے بعد اس خیال کو آگے بڑھایا اور سرسید کی یادگار ٹھہرا کر ایجوکیشنل کانفرنس کے مقصد میں اس کو داخل کرلیا۔ [۲۸] اور اس کی اعانت کے لئے ہندوستان بھر میں اسلامی اداروں' جماعتوں اور دوسرے مسلمان رؤسا اور عوام سے چندہ کی تحریکیں کی گئیں۔ خود حضرت خلیفۃ المسیح نے اعلان فرمایا۔ کہ "چونکہ اس وقت ایک عام تحریک اسلامی یونیورسٹی کے ہندوستان میں قائم کرنے کے لئے ہو رہی ہے اور بعض احباب نے دریافت کیا ہے کہ اس چندہ میں ہمیں بھی شامل ہونا چاہئے یا نہیں اس لئے ان سب احباب کی اطلاع کے لئے جو اس سلسلہ میں شامل ہیں۔ یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اگرچہ ہمارے اپنے سلسلہ کی ضروریات بہت ہیں اور ہماری قوم پر بہت بوجھ چندوں کا ہے تاہم چونکہ یونیورسٹی کی تحریک ایک مفید اور نیک تحریک ہے اس لئے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے احباب بھی اس میں شامل ہوں اور قلمے' قدمے' سخنے' درمے مدد دیں"۔ [۲۹]

اس اعلان کے ساتھ جماعت احمدیہ کی طرف سے ایک ہزار روپیہ کا عطیہ بھی بھجوایا۔ [۳۰]

نواب محسن الملک کی زندگی میں انگریزی حکومت کی بعض کڑی شرائط کے باعث یونیورسٹی کا معاملہ بھی برسوں تک کھٹائی میں پڑا رہا۔ مگر آخر جنوری ۱۹۲۱ء میں یہ عظیم الشان یونیورسٹی جو ایشیائی مسلمانوں کی بہت بڑی یونیورسٹی تھی۔ معرض وجود میں آگئی۔ [21]

مسلمان وہی ہے جو سب ماموروں کو مانے

حضرت خلیفہ اول کے اس اعلان پر کہ احمدی اور غیر احمدی اختلاف اصولی ہے۔ فروعی نہیں ہے۔ امرت سر کے اخبار وطن اور جھنگ کے اخبار "المنیر" نے آپ پر اعتراض کیا کہ آپ نے ایک ذرا سے فرق پر مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ اسی طرح پیسہ اخبار میں کسی شوخ مزاج نے ایک مضمون لکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح اس فیصلہ کو واپس لے کر حضرت مرزا صاحب کے الہامات کو باطل کر دیں گے۔ اور ان پر سے کفر کا فتویٰ واپس لے لیں گے۔ [22] خواجہ کمال الدین صاحب نے بھی ان ہر دو اخبارات میں ایک مضمون لکھا جس پر کفر و اسلام کے مسئلہ پر ایک عام بحث چھڑ گئی۔ [23]

اس نازک مرحلہ پر جبکہ خلیفہ وقت کے مسلک کے خلاف چیلنج کیا گیا تھا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے تشحیذ الاذہان (اپریل ۱۹۱۱ء میں ایک مفصل مضمون لکھا جس میں آپ نے جماعت کے سامنے حضرت خلیفہ اول کے مسلک کی تائید میں خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات پیش کیں اور اس موضوع پر ایک فیصلہ کن بحث کر کے ثابت کیا کہ "مسلمان وہی ہے جو سب ماموروں کو مانے" اور یہی عنوان اس مضمون کا رکھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے یہ مضمون سننے پر تحریر فرمایا کہ "مجھے اس مضمون سے مخالفت نہیں اور ہرگز مخالفت نہیں اور ارشاد فرمایا کہ اسے چھاپ دو"۔ سو آپ کی اجازت وہدایت سے یہ مضمون پہلے تشحیذ الاذہان میں اور پھر اخبار الحکم میں شائع ہوا۔ کسی شخص نے اسے الگ رسالہ کی شکل میں شائع کرنا چاہا تھا مگر چونکہ یہ مضمون خاص جماعت کے لئے تھا اور ایک رسالہ اور ایک اخبار میں شائع ہو کر اس کی جماعت میں کافی اشاعت ہو چکی تھی اس لئے حضرت خلیفہ اول نے اس کی اجازت نہ دی۔ [24]

انہی دنوں سید محمد حسین شاہ صاحب جنہوں نے فروعی اختلاف کی بابت سوال کیا تھا دوبارہ قادیان آئے تو حضرت خلیفہ اول نے مسلم یونیورسٹی کی اعانت کے سلسلہ میں فرمایا کہ اس بارے میں اشتراک کا تو ہم نے فیصلہ کیا ہے لیکن امتیاز قائم رکھنا ضروری ہے۔ جس کے پانچ وجوہ آپ نے بیان فرمائے۔

۱۔ امتیاز نہ رہے تو قوم گھل مل کر تباہ ہو جاتی ہے۔

۲۔ جب ہمارے مامور من اللہ کو یہ لوگ جھوٹا سمجھتے ہیں تو ہماری غیرت کس طرح برداشت کر سکتی ہے کہ ان کو اپنا امام صلوٰۃ بنا لیں۔

۳۔ جب تک تمیز نہ ہو نہ امر بالمعروف ہی رہتا ہے نہ نہی عن المنکر۔

۴۔ خود نام رکھنا ہی ترقی کا موجب ہوتا ہے۔

۵۔ جب کوئی قوم ممتاز ہوتی ہے تو قوم اس کی مخالفت کرتی ہے پھر جوں جوں مخالفت ہوتی ہے اس ممتاز بننے والے کو سعی اور دعا کا موقعہ ملتا ہے۔

آخر میں فرمایا "سعی کوشش جہاد دعا کے لئے ضرور ہیں صلح کل میں نہیں ہو سکتا"۔ [۳۵]

بہرحال حضرت خلیفہ اول کی واضح تصریحات اور حضرت صاحبزادہ صاحب کے مضمون نے احمدی و غیر احمدی سوال کے بارے میں قطعی فیصلہ کر دیا۔ چنانچہ اخبار الحکم نے لکھا۔ "میں نے لکھا تھا کہ حضرت صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ الاحد نے اس پر ایک مبسوط مضمون لکھا ہے خدا کا شکر ہے کہ وہ مضمون اب حضرت خلیفتہ المسیح مد ظلہ العالی کے ارشاد اور استصواب کے ماتحت پبلک ہوتا ہے......اس مضمون کے بعد انشاء اللہ اس بحث کا خاتمہ ہو جائے گا...... جبکہ ہم ایک نبی کے متبع ہیں۔ تو کیا ضرورت ہے کہ خواہ نخواہ لوگوں کی عام ہمدردی یا تعریف کو حاصل کرنے کے لئے اپنے ممتاز عقائد کو صفائی سے بیان نہ کریں"۔ [۳۶، ۳۷]

خواجہ کمال الدین صاحب کا طرز عمل

خواجہ کمال الدین صاحب جو آج تک اپنے زعم میں ایک "صلح کل پالیسی" اختیار کر کے ملک میں گھوم رہے تھے اور لیکچروں کے ذریعہ عوامی شہرت کے خوگر اور دلدادہ ہو رہے تھے حضرت خلیفہ اول کی تصریحات اور حضرت صاحبزادہ صاحب کے تائیدی مضمون سے سخت جز بز ہوئے۔ چنانچہ "پیسہ اخبار" (لاہور) نے لکھا کہ "وہ (یعنی خواجہ صاحب۔ ناقل) رسالہ تشحیذ الاذہان کے نوجوان اور ناتجربہ کار ایڈیٹر کے اس قول سے متفق نہیں کہ احمدی لوگ سب مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں جو مرزا غلام احمد صاحب کی نبوت یا مجددیت کے قائل نہیں"۔ نیز لکھا "امید ہے کہ خواجہ صاحب نے انجمن احمدیہ کی اتفاق رائے سے اس امر کا اعلان کیا ہو گا"۔ [۳۸]

اخبار الحکم نے حسن ظن سے کام لے کر لکھا کہ حضرت خلیفتہ المسیح جس کو اپنی علالت کے ایام میں اس کے تقویٰ و طہارت کو دیکھ کر امام مقرر فرمائیں۔ اگر اس پوزیشن کا انسان ناتجربہ کار کہلا سکتا ہے تو ایسے ناتجربہ کاروں پر ہمارا جان و مال نثار غرض ایک احمدی کبھی یقین نہیں کر سکتا کہ خواجہ صاحب اس قسم کے الفاظ بولیں۔ یہ محض خواجہ صاحب پر افترا ہے۔ اسی اثناء میں ایڈیٹر الحکم کی نظر سے خواجہ صاحب کا ایک اشتہار گذرا جو انہوں نے "غیر احمدی مسلمانوں کے متعلق میرا مذہب" کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ دراصل خواجہ صاحب نے بلا ضرورت اس سوال کو لاہور کے اسلامیہ سکول میں کسی لیکچر

کے اثناء میں چھیڑ دیا ۔ جس پر خود انہیں اپنی پوزیشن غیر احمدیوں کے سامنے صاف کرنا پڑی ۔ [۵۹]

خواجہ صاحب نے اپنے اس اشتہار میں لکھا تھا:

"میرے مرشد زادہ حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد نے اپنے رسالہ تشحیذ الاذہان میں منکران جناب مسیح موعود کو کافر لکھا ہے ۔ سو جہاں تک میں نے اس رسالہ کو پڑھا ہے میرے نزدیک اس پر اس قدر شور کرنے کی کوئی وجہ نہیں ۔ دراصل عربی زبان میں کفر کے معنے انکار کے ہیں ۔ اور کافر بمعنی منکر ہوتے ہیں ۔ کسی چیز کے ماننے والے کو عربی زبان میں اس چیز کا مومن اور اس کے نہ ماننے والے کو اس چیز کا کافر کہا جاتا ہے ہم نے اگر مرزا صاحب کو مانا تو ہم ان کے مومن اور اگر ہم ان کو نہیں مانتے تو ہم کافر مرزا ہیں ۔ حضرت مرزا صاحب ہمارے نزدیک مامور من اللہ ہیں تو ان کے مصدق مومن بالمامور کہلائیں گے اور ان کے منکر کافر بالمامور ۔ کیونکہ منکر مامور اور کافر مامور دونوں ہم معنی جملے ہیں ۔ میرے نزدیک حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنی تحریر میں لفظ کافر بمعنی منکر استعمال کیا ہے ۔ والا اگر کافر سے مراد خارج از اسلام لیا جائے جیسے ہندو یا عیسائی تو اس میں میری یا میاں صاحب کی رائے کیا جب خود حضرت اقدس مرحوم مغفور اپنے منکرین کو کافر بمعنی خارج از اسلام نہیں کہتے تو ہم ان کے خلاف کیوں کہیں" ۔ [۶۰]

اخبار الحکم نے اس مضمون پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشادات بالکل صاف تھے خواجہ صاحب خواہ مخواہ سوال کو زیادہ پیچ دار اور حل طلب بناتے جا رہے ہیں ۔ پھر لکھا:

"بہرحال اس اشتہار میں اگرچہ صاف نہیں مگر خواجہ صاحب نے اتنا بیان کر دیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب ہمارے نزدیک مامور من اللہ ہیں ۔ تو ان کے مصدق مومن بالمامور کہلائیں گے اور ان کے منکر کافر بالمامور ۔ اب لغوی حیثیت سے دیکھے جانے کے قابل کوئی لفظ نہیں بلکہ اس کو ہم نے شرعی اصطلاح مین دیکھنا ہے ۔ کہ شریعت اس کے کیا معنی کرتی ہے ۔ اور خواجہ صاحب کا بھی وہی مفہوم ہونا چاہئے نہ کچھ اور ۔ کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح نے جو اس کی اشاعت کی اجازت دی ہے تو اسی حیثیت اور مفہوم کے لحاظ سے جو آپ کی مندرجہ بالا تقریروں (اور حضرت کے ارشادات بھی درج کئے ہیں ۔ ناقل) میں درج ہے نہ کسی اور رنگ میں ۔ اب یہ مسئلہ بالکل صاف ہے اور مختصر الفاظ میں ہم اس کو یوں بیان کر سکتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب خدا تعالیٰ کے مامور و مرسل ہیں اور ان پر ایمان لانا ایمان بالرسل میں داخل ہے جب تک کوئی شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتا اس وقت تک وہ اس ایمان کا مومن نہیں کہلا سکتا ۔ جو لا نفرق بین احد من رسلہ میں سکھایا گیا ہے .... ہم کو اخلاقی جرات سے کام لینا چاہئے اور اپنے مذہب کو چھپانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے ۔ مصلحت

وقت کوئی چیز نہیں ہے۔ ہم پر افسوس ہو گا کہ دوسرے مسلمان تو ہمارے امام اور خدا کے برگزیدہ مامور و مرسل کو نعوذ باللہ کاذب کہیں اور ہم ان کو مومن حقیقی یقین کرلیں...... ہم تمام ان کاموں میں جو قومی حیثیت سے ہمارا اشتراک چاہتے ہیں شامل ہونا ضروری سمجھتے ہیں اور حضرت امام نے اپنے عمل سے بتادیا ہے لیکن جہاں مذہبی معتقدات کی بحث آتی ہے وہاں ہم ان سے الگ رہنا ضروری جانتے ہیں اور ہمارے مغفور امام علیہ السلام اور موجودہ امام مدظلہ العالی نے جو کچھ خدا تعالیٰ کے اشارہ اور ہدایت کے ماتحت اپنا مذہب ظاہر کردیا ہے۔ وہی ہمارے لئے سند اور حجت ہے"۔ [61]

خواجہ صاحب نے اپنے اشتہار میں زیادہ زور اس بات پر دیا تھا کہ "ہم انہی کو کافر کہتے ہیں۔ جو ہم کو کافر کہتے ہیں"۔ اس لئے اخبار "المنیر" (جھنگ) نے یکم جولائی ۱۹۱۱ء کے پرچہ میں لکھا:

"خواجہ کمال الدین صاحب وہی بات کہتے ہیں جو عبدالحکیم مرتد کہتا تھا۔ پس کیا وجہ ہے کہ ان کو مرزائی جماعت سے عبدالحکیم کی طرح مرتد کرکے خارج نہیں کیا جاتا۔ اور تعجب کی بات ہے کہ احمدی اہل قلم ان کو برابر خواجہ خواجگان ہی لکھتے چلے جاتے ہیں"۔ [62]

خواجہ صاحب نے تو یہ گول مول پالیسی عوامی ذہن کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے اختیار کی تھی مگر چونکہ انہی کے قلم سے اشتہار میں ان کے لئے "کافر بالمامور" کے لفظ بھی نکل گئے تھے۔ اس لئے غیر احمدی حلقے ان کی چالاکی کو بھانپ گئے اور خود لاہور میں ہی جہاں ان کے لیکچروں کی دھاک بیٹھی تھی۔ ان کو پبلک سٹیج پر آنے سے روک دیا گیا۔

دراصل خواجہ صاحب کے عام لیکچروں کی تردید میں علماء کے حلقوں نے پہلے ہی سے آواز اٹھانا شروع کردی تھی۔ حتیٰ کہ وہ اندر ہی اندر ان لیکچروں کی بھی مخالفت کر رہے تھے۔ جن میں انہوں نے محض عمومی رنگ میں اسلام کا تعارف کرایا تھا۔ اور اپنی مخصوص پالیسی کے مطابق جماعت احمدیہ کا اشارہ تک نہیں کیا تھا۔ مثلاً قادری پریس بنارس سے "مولانا حاجی الحرمین قاری محمد عیسیٰ صاحب نے تردید لیکچر خواجہ کمال الدین صاحب قادیانی" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا جس میں "قادیانیوں کے نمائشی ایمان کا جواب" کے عنوان سے ایک فارسی نظم لکھ کر نہایت بدزبانی اور دشنام طرازی سے کام لیا۔ [63] اس طرح وہ مصلحت آمیز لیکچر جو بظاہر احمدیت کی ترقی و اشاعت کے لئے دیئے گئے تھے۔ احمدیت کی مخالفت میں استعمال ہونے لگے۔

سنسکرت کی تعلیم کا انتظام

حضرت خلیفتہ المسیح اول نے شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم اور شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور کو سنسکرت پڑھانے کے لئے ایک پنڈت کا انتظام کیا...... اور اس کے اخراجات خود برداشت فرمائے۔ [64]

حضرت خلیفہ اول کا اعلان حق

حضرت خلیفہ اول کی مجلس میں یہ ذکر آیا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا ہے۔ کہ اگر احمدی مرزا صاحب کو نبی کہنا چھوڑ دیں تو ہم کفر کا فتویٰ واپس لے لیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ "ہمیں ان کے فتویٰ کی کیا پروا ہے اور وہ حقیقت ہی کیا رکھتے ہیں؟ جب سے مولوی محمد حسین نے فتویٰ دیا ہے۔ وہ دیکھے کہ اس کے بعد آج تک اس کی عزت کہاں تک پہنچ گئی ہے اور مرزا صاحب کی عزت نے کس قدر ترقی کی ہے۔ [۴۵]

جلسہ بنارس

اپریل ۱۹۱۱ء کے آخری ہفتہ میں جماعت احمدیہ بنارس کا جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم سے حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب حضرت حافظ روشن علی صاحب، حضرت مفتی محمد صادق صاحب حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی حضرت میر قاسم علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب نے تقریریں کیں۔ مفتی محمد صادق صاحب کی تقریر "تحفہ بنارس" کے نام سے بعد میں کتابی شکل میں بھی چھپ گئی۔ حضرت میر صاحب اور مولوی راجیکی صاحب نے مہاراجہ صاحب بنارس (ہزہائی نس سرپر بھو نارائن سنگھ بہادر جی۔ سی۔ آئی۔ ای) کی کوٹھی میں بھی لیکچر دیئے۔

جماعت مونگھیر نے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں تار دیا۔ کہ مبلغین کو مونگھیر کے جلسہ میں پہنچنے کی بھی اجازت دی جائے۔ حضور نے خواجہ صاحب کے سوا سب کو اجازت دے دی مگر بعض مجبوریوں کے باعث صرف حضرت مولوی سرور شاہ صاحب اور حضرت مفتی صاحب ہی وہاں جا کر لیکچر دے سکے۔ اس سفر میں کئی لوگوں نے بیعت کی۔ [۴۶]

مکفرین سے نیکی کی تلقین

ایک احمدی مولوی صاحب نے مکفر اور مکذب مولویوں کے ہاتھوں تنگ آکر حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں خط لکھا کہ یہ مکذبین بھی تو کافر ہیں کیوں نہ ایسا کیا جاوے کہ ہماری جماعت کے مولوی صاحبان ان کے حق میں ایک کفر کا فتویٰ ان پر مہریں تیار کر کے شائع کر دیں۔

حضرت نے فرمایا ان کو لکھ دو کہ آپ ان مخالفین کے ساتھ بھی نیک سلوک کرتے رہیں اور ان کے حق میں دعا کرتے رہیں اور ان کے ساتھ حتی الوسع نیکی کرتے رہیں وہ برا کہیں تو آپ خاموش رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح مند کرے گا۔ [۴۷]

نکتہ معرفت

ایک شخص کا خط حضرت خلیفۃ المسیح اول کی خدمت میں پیش ہوا کہ میں مقروض ہو گیا ہوں۔ آپ کے بڑے بڑے مرید ہیں مجھے بہت سا روپیہ ان سے دلا دیں۔ فرمایا

اس کو لکھ دو میرا بڑا پیر بھی اللہ ہے اور بڑا مرید بھی اللہ ہے۔ وہ پیر ہے کیونکہ وہ میرا ہادی ہے وہ مرید ہے کیونکہ جو وہ ارادہ کرتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ مرید خدا تعالیٰ کا ایک نام ہے۔ وہی میرے سب کام کرتا ہے میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی سے سوال نہیں کیا۔ نہ اپنے مریدوں سے کرتا ہوں آپ کو جس طرح کا اضطراب ہے اگر اس میں دعا کی توفیق مل جائے تو انشاء اللہ بیڑا پار ہو جائے گا۔ [۴۸]

ایک پرائیویٹ کلاس

اوائل ۱۹۱۱ء کی بات ہے کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کالج سے تشریف لائے تھے۔ آپ کی خاطر گھر میں حضرت سیدنا مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایک کلاس شروع فرمائی۔ جس میں حضرت میاں صاحب کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور سید ولی اللہ شاہ صاحب بھی شامل ہوتے تھے بعد میں شیخ محمود احمد صاحب عرفانی بھی شامل ہو گئے تھے۔ کلاس میں خطبہ الہامیہ، دروس النحویہ حصہ دوم قصیدہ بانت سعاد پڑھا جاتا تھا۔ طریق تعلیم یہ تھا کہ آپ ہر روز پچھلا درس سنا کرتے تھے۔ اور جب ایک سوال پوچھا جاتا اور نمبر ایک سے لے کر نمبر ۶ یا نمبر ۷ تک کوئی نہ بتاتا صرف آخری طالب علم بتلاتا تو اسے آخری نمبر سے اٹھا کر ایک پر لے جاتے اور باقی سب ایک ایک نمبر پیچھے کر دیئے جاتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ طالب علم اپنے اپنے نمبر کی حفاظت کے لئے خوب محنت کرتے۔ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی کا بیان ہے۔ کہ ان کو ایک سال تک اس کلاس میں پڑھنے کا موقع میسر آیا۔ [۴۹]

جلسہ تاجپوشی پر تقریر

۶/ مئی ۱۹۱۰ء کو شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم نے انتقال کیا اور ۲۲/ جون ۱۹۱۱ء کو شہزادہ ویلز جارج پنجم (۱۸۶۵ء - ۱۹۳۶ء) کی رسم تاجپوشی ہوئی۔ [۵۰]
اسی سال بشپ آف مدراس نے کہا۔ "ہمارے شہنشاہ کو خدا کی طرف سے سلطنت برطانیہ کا تاج عطا ہوا ہے........ دنیا کی سلطنت آخر کار خدا کی سلطنت اور اس کے مسیح کی بادشاہت ہو کے رہے گی۔ [۵۱]
مگر قادیان کے جلسہ تاجپوشی میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے یہ تقریر فرمائی کہ گورنمنٹ برطانیہ کی دی ہوئی مذہبی آزادی کا (جو سب سے بڑی نعمت اس حکومت کی ہے) شکریہ یہ ہے کہ ہم اپنے نفوس کا تزکیہ کریں۔ اور اپنی زندگی ایسی طرز میں گزاریں جو مخلوق الٰہی کی ہمدردی سے لبریز ہو نیز دعا کی کہ جیسے اس شہنشاہ کے سر پر آج دنیاوی تاج رکھا ہے وہ دن بھی آوے کہ اسلام کا تاج اس کے سر پر ہو۔ [۵۲]

جلسہ بٹالہ

۶-۷/ مئی ۱۹۱۱ء کو انجمن احمدیہ بٹالہ کا جلسہ تھا۔ پہلے روز حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب، شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم اور شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور نے لیکچر دیئے۔ دوسرے روز حضرت حافظ روشن علی صاحب۔ مولوی غلام رسول صاحب راجیکی۔ خواجہ کمال

الدین صاحب اور ایڈیٹر صاحب نور کے علاوہ حضرت صاحبزادہ صاحب کا دوبارہ لیکچر ہوا۔ ۵۳

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا پہلا سفر انگلستان

اسی سال کا واقعہ ہے کہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب بالقابہ بیرسٹری پاس کرنے کے لئے انگلستان تشریف لے گئے حضرت خلیفتہ المسیح اول کی خدمت میں اجازت سفر کے لئے آپ نے عریضہ لکھا تو حضور نے آپ کو اور آپ کے والد محترم (حضرت چوہدری نصر اللہ خان صاحبؓ) کو استخارہ کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ دونوں نے استخارہ کیا اور کوئی امر مانع نہ پاکر انگلستان کے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ ۵۴ آپ حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں آخری ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو حضور نے نصیحت فرمائی۔ کہ آپ لنڈن جا رہے ہیں۔ لندن شہر دنیا کی زیب و زینت اور جاذب نظر مناظر کے لحاظ سے مصر سے بھی بہت بڑھ کر سنا جاتا ہے۔ آپ ہر صبح سورۂ یوسف کی تلاوت کر لینا اس سے بہت فائدہ ہو گا۔ دوسرے کسی شہر میں سب کے سب شریر نہیں ہوتے۔ شرفاء بھی ہوتے ہیں اس لئے تعلقات اور نشست و برخاست کے لئے شرفاء کا انتخاب مفید رہے گا۔ ۵۵

اگرچہ وہ زمانہ آپ کے عنفوان شباب کا تھا اور مغربی ممالک خصوصاً انگلستان میں چاروں طرف الحاد۔ دہریت اور لادینیت کا ایک سیلاب امڈا ہوا تھا۔ مگر آپ نے خلیفہ وقت کی اس نصیحت پر اس سختی سے عمل کیا کہ خواجہ کمال الدین صاحب نے جو بعد میں ہندوستان سے انگلستان پہنچ گئے۔ اور ووکنگ میں مقیم تھے آپ کے زہد و تقویٰ' پاکیزہ اور اعلیٰ کیریکٹر اور دینی شغف سے بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے حضرت چوہدری نصر اللہ خان صاحب کو خط لکھا کہ لندن شہر کو اگر مصر سے تشبیہ دی جائے تو ظفر اللہ خاں یوسف ہیں۔ ۵۶

قیام انگلستان کے دوران آپ کو اپنے تعلیمی فرائض ادا کرنے کے علاوہ انگلستان اور دوسرے مغربی ممالک میں تبلیغ اسلام کے ذرائع و وسائل پر بھی کافی غور کرنے کا موقع ملا۔ نیز یورپ کے نئے مذہبی رجحانات اور اسلام کے خلاف مہم کا بھی آپ نے گہرا مطالعہ کیا۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکا۔ انگریزوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کی ازحد کوشش کی جس کی تفصیل ان رپورٹوں سے ملتی ہے جو ان دنوں اخبار بدر میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ ان تبلیغی سرگرمیوں کے پیش نظر جو آپ نے زمانہ طالب علمی میں وہاں کی ہیں آپ کو اسلام کا سب سے پہلا احمدی مبلغ کہنا مناسب ہو گا۔ یورپ کے لوگوں کو عیسائیت سے کھینچ کر اسلام کی طرف لانے کی آپ میں کس درجہ تڑپ تھی۔ اس کا اندازہ ذیل کے خط سے باسانی لگایا جا سکتا ہے جو آپ نے انہی دنوں لندن سے لکھا۔ "مجھے اکثر تعجب آتا ہے کہ یورپ میں

تثلیث کے ماننے والوں کی کیا تعداد ہے۔ میں نے سوائے ایک عورت کے کسی شخص کو انگلستان یا کسی اور ملک میں تثلیث کا قائل نہیں پایا۔ یہ لوگ گرجے جاتے ہیں مگر صاف مانتے ہیں کہ لباس دکھانے کی غرض سے نہ عبادت کی ضرورت سے۔ تثلیث کو بلاپس وپیش بیہودہ قرار دیتے ہیں تین ہی دن ہوئے کہ ایک عورت سے باتیں ہو رہی تھیں کہنے لگی کہ گرجے تو جاتی ہوں مگر سچ پوچھو تو تثلیث کو نہ مانتی ہوں نہ مان سکتی ہوں۔ ہم میں سے کوئی بھی نہیں مانتا اور ہمارے علماء اکثر دل میں اس سے منکر ہیں ایک ڈاکٹر سے میری گفتگو ہوئی اس نے کہا میں تو تثلیث کو نہیں مانتا لیکن فرض کیا کسی نے باپ اور بیٹے کو تو سمجھ لیا۔ مگر روح القدس کے حصے کا پتہ نہیں لگتا۔ میں نے ایک پادری سے سوال کیا تھا کہ مجھے سمجھاؤ تو اس نے جواب دیا کہ ڈاکٹر صاحب اگر اتنی عمر میں بھی آپ روح القدس کو نہیں سمجھ سکے۔ تو میں آپ کو نہیں سمجھا سکتا اس ڈاکٹر نے اسلام کی بہت تعریف کی اور مجھ سے کہا میرے بعض دوست دل سے بالکل مسلمان ہیں۔ فالحمد للہ کسر صلیب دور نہیں معلوم ہوتی"۔ [۵۷]

۱۹۱۳ء میں آپ چند روز کے لئے سوئٹزرلینڈ اور جرمنی تشریف لے گئے۔ اس سفر میں بھی آپ کو پیغام اسلام پہنچانے کا موقعہ ملا۔ [۵۸]

اس سفر کے بعد تعطیلات گرما میں آپ نے ایک دوست کے ہمراہ سویڈن، فن لینڈ اور روس کا سفر کیا۔ ان دنوں روس کا ملک کچھ زیادہ ترقی یافتہ نہیں تھا۔ تین دن سینٹ پیٹربرگ میں (جو ان دنوں روس کا دارالحکومت تھا) قیام کیا۔ ایک دن آپ کو معلوم ہوا کہ وہاں ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے۔ چنانچہ آپ شیخ صاحب کے ساتھ وہاں پہنچے۔ مسجد کے احاطے میں داخل ہوتے ہی ایک مزدور ملا۔ جو صرف روسی زبان بولتا تھا۔ آپ نے عمارت کی طرف اشارہ کرکے سوال کیا مسجد؟ اس نے جواب دیا مسجد پھر پوچھا۔ مسلمان اس نے کہا "مسلمان الحمد للہ" آپ نے بتایا کہ ہم بھی مسلمان ہیں جس پر اس نے پھر الحمد للہ کہا۔ اور تینوں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا۔ وہ آپ کو مسجد میں لے گیا۔ جہاں آپ نے الحمد شریف پڑھی۔ آپ غیر ملکی ہونے کی وجہ سے کوئی گفتگو تو نہ کر سکتے تھے۔ الحمد للہ وہ بھی سمجھتا تھا۔ آپ بھی یہی پیارا کلمہ مسجد کی طرف اشارہ کرکے دہراتے رہے جب وہ آپ کو مسجد دکھا چکا تو آپ نے اسے ایک روپیہ دیا۔ مسجد دیکھ کر آپ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ نیز یہ معلوم کرکے بھی مسرت ہوئی۔ کہ سینٹ پیٹرس برگ میں ایک لاکھ کے قریب مسلمان آباد ہیں۔ [۵۹]

آپ کا قانونی دماغ ان دنوں بھی کس طرح اسلام اور مسلمانوں کی ترقی و بہبودی میں کام کر رہا تھا۔ اس کا کسی قدر اندازہ آپ کے ایک خط سے ہو سکتا ہے جو آپ نے فروری ۱۹۱۳ء میں حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں لکھا۔ انگریزی حکومت میں رائج شدہ شرع محمدی (Mohammaden Law) سے

متعلق بعض باتیں بطور مثال پیش کر کے آپ نے تحریر کیا۔

"اگر یہ باتیں اسلام کے اصول کے خلاف ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہند کے مسلمان ان کو بدلوانے کی کوشش نہیں کرتے۔ ہمیں کم از کم یہ تو ظاہر کر دینا چاہئے کہ گورنمنٹ جو قانون چاہے عمل میں لائے مگر جس قانون کا نام شرع محمدی رکھا ہے وہ شرع محمدی نہیں اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جو اسلام کے خلاف ہیں۔ مگر محمدی قانون کے طور پر رائج ہیں۔ بہتر ہو اگر گورنمنٹ ہند کے شرع محمدی کی نظر ثانی کی جائے۔ اور کم سے کم جماعت احمدیہ کی توجہ تو اس طرف دلائی جاوے تاکہ وہ اسلام پر عمل کر کے ان غلط اصولوں کے خلاف فیصلہ کرا دیں۔ کیونکہ پنجاب میں اور اودھ میں یہ قانون ہے کہ مسلمانوں کے رواج کو شرع محمدی پر ترجیح دی جاوے اس لئے اگر کوئی بات سرکاری شرع محمدی میں ایسی ہو جو اسلام کے اصولوں کے خلاف ہو۔ اور جماعت احمدیہ تمام کی تمام اس بات کے خلاف اور اسلام کے مطابق عمل کرے۔ تو یہ ان کا رواج ہو جائے گا اور کچھ سالوں کے عرصے میں عدالت اسے تسلیم کر لے گی۔ امید ہے کہ حضور اس امر کی طرف کچھ توجہ مبذول فرمائیں گے"۔

پھر لکھا:

"ایک اور اصول جو شرع محمدی میں دیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان مرد یا عورت اسلام سے مرتد ہو جائے تو اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ اس اصول سے پادری لوگ مسلمانوں کو تنگ کرتے ہیں مثلاً اگر ایک مسلمان عورت عیسائی ہو جائے۔ تو اس کی طلاق ہو گی۔ اب بے شک اسے کوئی نکال کر لے جائے خاوند کچھ نہیں کر سکتا حضور کی اس امر کی بابت کیا رائے ہے"...... والسلام دعا گو و طالب دعا۔ حضور کا غلام ظفراللہ"۔ ۲۱۶۰

چوہدری صاحب کے بعد لندن میں پہلے خواجہ کمال الدین صاحب اور چوہدری فتح محمد صاحب سیال بھی تبلیغ اسلام کے لئے پہنچ گئے۔ اور آپ کے ساتھ اعلائے کلمہ اسلام کے فریضہ میں خاص دلچسپی لیتے رہے۔ خلافت ثانیہ کے قیام پر آپ نے اور چوہدری فتح محمد صاحب سیال نے تو بیعت کا خط لکھ دیا۔ مگر خواجہ صاحب نے جو مجبوراً خلیفہ اول کی دوبارہ بیعت کر چکے تھے آپ کی وفات کے بعد خلافت سے علی الاعلان منحرف ہو گئے۔

کہتے ہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں جب لندن سے چوہدری فتح محمد صاحب سیال اور چوہدری ظفراللہ خان صاحب کے بیعت نامے پہنچے تو آپ نے ایک مجلس میں فرمایا خدا کی قدرت فتح و ظفر خدا نے ہمیں عطا کر دیئے ہیں اور کمال (یعنی چالاکی) غیر مبایعین کے حصہ میں آیا ہے۔

چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب لندن میں تین سال قیام کے بعد شروع نومبر ۱۹۱۴ء میں واپس

اپنے وطن میں پہنچے۔ [62]

مباحثہ "مانگٹ اونچے" (ضلع گوجرانوالہ)

مئی ۱۹۱۱ء میں مولوی غلام رسول صاحب راجیکی نے مانگٹ اونچے میں مولوی میر ابراہیم صاحب سیالکوٹی سے "وفات مسیح"۔ "ختم نبوت" اور "صداقت مسیح موعود" کے موضوع پر کامیاب مناظرہ کیا۔ مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی کی شکست فاش کو دیکھ کر پچاس آدمی داخل احمدیت ہو گئے۔ [63] یہ مناظرہ ہزارہا کے مجمع میں دو دن جاری رہا تھا۔ حیات قدسی حصہ سوم (صفحہ ۸۶-۹۰) میں اس کی مفصل روئداد طبع شدہ ہے۔

مباحثہ مونگھیر

انہی دنوں مونگھیر میں بھی مباحثہ ہوا۔ مباحثہ میں مرکز کی طرف سے حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب، حضرت میر قاسم علی صاحب اور مولوی غلام رسول صاحب راجیکی تشریف لے گئے۔ یہ بڑا مشہور مناظرہ تھا جس میں ہندوستان کے اطراف و جوانب سے تقریباً ڈیڑھ سو غیر احمدی علماء جمع ہوئے اور سامعین کی تعداد ۱۵ ہزار سے بھی متجاوز تھی۔ مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی پہلے سے یہ پراپیگنڈا کر رہے تھے کہ احمدی مناظر عربی سے نابلد ہیں اور وہ عربی میں مناظرہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ ہماری فتح و کامیابی کا ڈنکا بجے گا۔ لیکن جب مولوی غلام رسول صاحب راجیکی نے مولوی عبدالوہاب پروفیسر عربی کلکتہ کالج کے مقابل پہلا پرچہ فصیح و بلیغ عربی زبان میں پڑھنا شروع کیا تو علماء حیران و ششدر رہ گئے اور اپنی صریح ناکامی دیکھ کر شور مچانا شروع کر دیا اس فتنہ انگیزی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوران مباحثہ میں ہی آٹھ تعلیم یافتہ نوجوانوں نے احمدیت قبول کر لی۔ [64]

سفر ڈلہوزی

حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس سال ڈلہوزی کا سفر اختیار فرمایا۔ [65] ڈلہوزی میں آپ کو ایک پادری سے گفتگو کرنے کا موقعہ ملا۔ آپ نے تثلیث اور کفارہ پر بحث کرتے ہوئے اس سے پوچھا کہ بتاؤ اگر میز پر رکھی ہوئی پنسل کو فقط اٹھانے کے لئے کوئی شخص دو آدمیوں کو آواز دے تو آپ کیا سمجھیں گے کہنے لگا بیوقوف سمجھوں گا۔ آپ نے فرمایا پھر خدا کے متعلق تمہارا کیا نظریہ ہے جس نے آپ کے عقیدہ کے مطابق کامل طور پر قادر مطلق ہوتے ہوئے بیٹے اور روح القدس کی ضرورت محسوس کی۔ پادری بہت شرمندہ ہوا اور زچ ہو کر کہنے لگا کہ سوال تو ہر بیوقوف کر سکتا ہے۔ مگر جواب دینے کے لئے عقلمند آدمی ہونا چاہئے۔ آپ نے جواب دیا میں تو آپ کو عقلمند ہی سمجھ کر آیا تھا۔ [66]

حضرت امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کی آمین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کے ختم قرآن پر ۳/ جولائی ۱۹۱۱ء کو آمین ہوئی جس پر حضرت ام المومنین ؓ نے احباب قادیان کی ایک شاندار دعوت کی اور حضرت میر ناصر نواب صاحب کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے بھی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک پرانی خواہش کے مطابق نظم کہی جس میں یہ مصرعہ بار بار آتا تھا

"فسبحان الذی اوفی الامانی"

اخبار بدر نے اس تقریب پر لکھا۔ "ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خاندان نبوت میں قرآن مجید سمجھنے والے اور پھر اس کے مبلغ پیدا کرتا رہے۔ اور وہ دنیا کے لئے ہادی و رہنما و پیشوا بنیں"۔ [۶۷]

نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے میموریل

شہنشاہ جارج پنجم کا دربار تاجپوشی عنقریب دہلی میں ہونے والا تھا اس اہم واقعہ پر حضرت خلیفہ اول کے دل میں تحریک ہوئی کہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے جس میموریل کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے توجہ دلائی تھی اور جو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی غفلت کی وجہ سے درمیان میں ہی رہ گیا تھا۔ اسے اس خوشی کی تقریب پر وائسرائے ہند کی خدمت میں بھیجا جائے تو کامیابی کی امید ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آپ نے سلسلہ احمدیہ کے امام کی حیثیت سے مسلمانان ہند کے نام ایک مفصل اعلان شائع کیا۔ تا مسلمان پبلک اور مسلمان اخبارات اور مسلمان انجمنیں بھی اپنی قرار دادوں کے ذریعہ اس کے حق میں آواز اٹھائیں۔ نیز لکھا کہ "یہ غرض نہیں کہ ضرور ہم ہی اس کو پیش کرنے والے ہوں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دل میں یہ تحریک ڈالی ہے اس لئے ہم نے اسے پیش کر دیا ہے اگر کوئی انجمن یا جماعت ایسی ہو جو صرف اس وجہ سے اس کے ساتھ اتفاق نہ کرے کہ یہ میموریل ہماری طرف سے کیوں پیش ہوتا ہے تو ہم بڑی خوشی سے اپنے میموریل کو گورنمنٹ کی خدمت میں نہیں بھیجیں گے بشرطیکہ اس کے بھیجنے کا کوئی مناسب انتظام کر لیا جائے"۔ [۶۸]

اس اعلان کا ہر مکتبہ فکر کے مسلمانوں نے پرجوش خیر مقدم کیا اور مسلمان مقدس اسلامی شعار کے تحفظ کے لئے پھر سے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ چنانچہ مسلم پریس نے اس کے حق میں پرزور آواز اٹھائی اور پرجوش الفاظ میں اداریے لکھے۔

اخبار ملت (لاہور) نے لکھا۔ "ملت مولانا مولوی نور الدین صاحب سے کلی اتفاق کر کے جملہ انجمن ہائے و شاخ ہائے مسلم لیگ و معزز اہل اسلام و اسلامی پبلک اور معاصرین کرام کی خدمت میں

نہایت زور مگر ادب کے ساتھ درخواست کرتا ہے کہ مولانا ممدوح کی خواہش کے مطابق اس میموریل کی پر زور تائید کریں...... امید ہے...... کوئی شخص ایسی مبارک اور نیک تجویز کی مخالفت کرنے کی جرات نہیں کرے گا"۔

اخبار زمیندار نے لکھا۔ "اس ضروری اور اہم تحریک کی سعادت مولانا نورالدین صاحب کے حصہ میں آئی ہے جنہوں نے قادیانی جماعت کے پیشوا کی حیثیت سے تمام مسلمانان ہند کی توجہ کو اس طرف مبذول کیا ہے..... اور ہمیں یقین ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہ ہو گا۔ جو ایسے میموریل کے گذرانے کو بہ نگاہ احسان نہ دیکھے"۔

اخبار الاسلام لاہور نے لکھا۔ "کیا کوئی ایسا شخص بھی ہے جس کے دل میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے پیارے دین اسلام کی سچی محبت ہو اور وہ اس میموریل کی مخالفت کرے یا اسے ناپسند کرے کیا کوئی مسلمان ایسا کر سکتا ہے ہرگز نہیں...... آل انڈیا مسلم لیگ کا فرض ہے کہ وہ اس معاملہ کو ہاتھ میں لے۔ اور ایک میموریل تیار کرے۔ تمام انجمنوں و ڈسٹرکٹ لیگوں کا فرض ہے کہ وہ اس میموریل کی تائید میں ریزولیوشن پاس کریں تمام رسالوں اور اخباروں کا فرض ہے کہ اس معاملہ کو اس وقت تک نہ چھوڑیں جب تک کہ اس میں کامیابی نہ ہو جائے"۔

اخبار اہلحدیث امرت سر نے لکھا۔ "حکیم صاحب نے ایک اشتہار سب مسلمانوں کی اتفاق رائے اور تائید کے لئے اس امر کے متعلق دیا ہے کہ دربار تاجپوشی دہلی کے موقعہ پر گورنمنٹ سے ایک میموریل کے ذریعہ جمعہ کی نماز کے لئے ۲ گھنٹہ کی تعطیل حاصل کی جائے۔ اور بذریعہ سرکاری سرکلر سرکاری دفاتر سکولوں اور کالجوں میں یہ تعطیل ہونی چاہئے...... حکیم صاحب کی رائے سے ہم متفق ہیں۔ تمام مسلمانوں کی معرفت بھیجنا چاہئے"۔

"افشان" نے لکھا۔ "اس میں شک نہیں کہ یہ تحریک نہایت مناسب اور ضروری ہے اور کسی مسلمان کو اس قسم کی ضرورت سے انکار نہیں ہو سکتا"۔ [۷۹]

مسلمان اخبارات اور دوسرے عام مسلمانوں نے عموماً اور علی گڑھ تحریک سے وابستہ لوگوں نے خصوصاً یہ رائے دی کہ یہ میموریل دربار تاجپوشی کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے پیش ہو۔ لہذا حضرت خلیفہ اول ؓ نے بھی اس سے اتفاق فرمایا اور احمدی جماعتوں کو اس سے مطلع کر دیا گیا کہ وہ اس معاملہ میں مسلم لیگ کی ہر طرح تائید و معاونت کریں۔ [۸۰]

مسلم لیگ کے ہاتھ میں لے لینے کے بعد سب سے زیادہ جس شخص نے اس کی تائید میں منظم کوشش کی وہ شمس العلماء مولانا شبلی تھے جنہوں نے اس غرض کے لئے چندہ جمع کیا۔ انگریزی میں

میموریل لکھوا کے مسلمانوں کے دستخط کروائے اور ندوۃ العلماء کے اجلاس منعقدہ ۶' ۷' ۸/ اپریل ۱۹۱۲ء میں ریزولیوشن پیش کر کے اس تحریک کی تائید میں ایک مختصر اور پر دلائل تقریر فرمائی۔ اس اجلاس میں حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب بھی موجود تھے۔ آپ نے بھی اس کی تائید کی اور یہ ریزولیوشن بالاتفاق پاس ہو گیا۔ چنانچہ اجلاس کی روئداد میں لکھا ہے۔

"جناب مرزا سمیع اللہ بیگ صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی نے اس کی نہایت پر جوش تائید کی اور جناب مرزا محمود احمد صاحب قادیانی کی تائید مزید کے بعد ووٹ لئے گئے اور تجویز مندرجہ بالا انہیں الفاظ کے ساتھ نہایت جوش کی حالت میں بالاتفاق پاس کی"۔ [۴۱]

سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب "حیات شبلی" کے صفحہ ۵۰۱ پر بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

آخر مارچ ۱۹۱۳ء میں مسٹر غزنوی (بنگال کے ممبر) نے بنگال کونسل میں اس کے متعلق گورنمنٹ سے سوال کیا۔ سرکاری ممبر نے اس کا جواب تسلی بخش دیا اور گورنمنٹ بنگال نے نماز جمعہ کے لئے دو گھنٹہ کی چھٹی منظور کر لی۔ مولانا شبلی نے اس پر ایک میموریل تیار کرایا جس میں بنگال گورنمنٹ کے فیاضانہ حکم کا حوالہ دے کر گورنمنٹ سے خواہش کی کہ جمعہ کو دو گھنٹہ کی تعطیل کی بجائے ایک بجے سے آدھے دن کی عام تعطیل دی جائے۔ یہ کارروائی ابھی جاری تھی کہ مولانا شبلی انتقال فرما گئے مگر اس میموریل کا یہ اثر ہوا کہ اکثر صوبوں میں ملازمین کو نماز جمعہ میں جانے کی اجازت مل گئی۔ [۴۲]

خلیفہ اور انجمن کے تعلقات پر بحث کرنے والوں کے خلاف اظہار نفرت

خلیفہ اور انجمن کی بحث حضرت کے فیصلہ پر ختم ہو جانی چاہئے تھی مگر بعض لوگ اندر ہی اندر اسے تفرقہ اندازی کا ذریعہ بنا کر چھیڑتے رہتے تھے جس سے آپ کو از حد تکلیف ہوئی چنانچہ ۵/ اگست ۱۹۱۱ء کا واقعہ ہے کہ آپ نے فرمایا۔ "تم میں اگر اس قسم کی بحثیں ہوں کہ خلیفہ اور فلاں کے کیا تعلقات ہیں اور پھر اس پر فیصلہ کرنے لگ جاؤ تو مجھے سخت رنج پہنچتا ہے تم مجھے خلیفۃ المسیح کہتے ہو۔ میں تو اس خطاب پر کبھی پھولا نہیں بلکہ اپنے قلم سے کبھی لکھا بھی نہیں میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان بیہودہ بحثیں کرنے والے لوگوں کو اپنی جماعت میں نہیں سمجھتا...... ان کو کیا حق ہے کہ تفرقہ اندازی کی باتیں کریں..... ایسے لوگ اگر میری مدد کے خیال سے ایسا کرتے ہیں تو سن رکھیں کہ میں ان کی مدد پر تھوکتا بھی نہیں۔ اگر مخالفت میں کرتے ہیں تو وہ خدا سے جا کر کہیں جس نے مجھے خلیفہ بنایا۔ سنو! میرا صدیق اکبر کی نسبت یہی عقیدہ ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ نے خلیفہ نہیں بنایا نہ اس وقت جب ممبر پر لوگوں نے بیعت کی۔ نہ اجماع نے ان کو خلیفہ بنایا۔ بلکہ خدا نے بنایا۔ خدا نے چار جگہ قرآن میں خلافت کا ذکر کیا ہے۔ اور چار بار اپنی

طرف اس کی نسبت کی ہے........پس میں بھی خلیفہ ہوا۔ تو مجھے خدا نے بنایا اور اللہ کے فضل ہی سے ہوا"۔ [۴۲]

خطبہ عید

۲۵/ ستمبر ۱۹۱۱ء کو عید الفطر تھی جو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے پڑھائی۔ اور ایک خطبہ دیا۔ جس میں یہ لطیف نکتہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتلاء سے بچنے کے لئے عید کے دن میں (جو خوشی کا دن ہے) چھٹی نماز کا اضافہ کر دیا ہے۔ اس میں اشارہ یہ ہے کہ جب مال و دولت اور آرام و راحت حاصل ہو تو عبادت زیادہ کرو۔ جب ان کی خواہشات بڑھیں تو ایک اور نماز بھی بڑھا دو۔ [۴۳]

احمدی علماء جنوبی ہند میں

ریاست میسور کے شہر بنگلور سے حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں درخواست پہنچی کہ ہمارے یہاں جماعت اسلامیہ کا جلسہ ہو رہا ہے جس میں بلاد ہند کے علماء شرکت کریں گے۔ آپ بھی اپنے علماء مرکز سے بھجوائیں۔ چنانچہ آپ نے مولوی غلام رسول صاحب راجیکی، خواجہ کمال الدین صاحب اور مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بھجوایا۔ بنگلور میں سید سلیمان صاحب ندوی (۱۸۸۴-۱۹۵۳) اور مولانا شوکت علی صاحب (۱۸۷۳-۱۹۳۸) کے علاوہ بعض عرب علماء بھی آئے ہوئے تھے۔ سید سلیمان صاحب ندوی نے خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کی تقریر کے بارے میں کہا کہ ان کی بیان کردہ تفسیر نے مجھے حیرت میں ڈال دیا ہے۔ میں نے آج تک سو کے قریب تفاسیر سورۂ کوثر کی پڑھی ہیں مگر ان کی تقریر میں بالکل نئے حقائق و معارف تھے اور جدید معلومات کا ایک ذخیرہ موجود تھا خواجہ صاحب نے ان کو بتایا کہ یہ میرے استاد ہیں۔

نواب سید رضوی صاحب کی طرف سے خواجہ صاحب کو دس ہزار روپے کی پیشکش

واپسی پر یہ وفد بمبئی میں پہنچا تو خواجہ صاحب کی ملاقات نواب سید رضوی صاحب سے ہوئی جن کو نظام حیدر آباد دکن کی پھوپھی زاد بہن سے شادی کرنے کی پاداش میں ریاست سے نکال دیا گیا تھا۔ سید رضوی صاحب نے جو ان دنوں بمبئی میں وکالت کرتے تھے خواجہ کمال الدین صاحب سے اپنے کیس کے بارے میں مشورہ کیا۔ طے پایا کہ پریوی کونسل میں مقدمہ دائر کر کے رضوی صاحب کی بیوی کو اس کی والدہ کی جائیداد اور ملکیت کا ورثہ دلایا جائے۔ نواب رضوی صاحب نے خواجہ صاحب کو سفر انگلستان کے لئے آٹھ ہزار روپیہ کی رقم اور اہل و عیال کے اخراجات کے لئے دو ہزار روپے پیش کئے۔ [۴۵]

ایک ضروری اعلان

۷/ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو حضرت خلیفۃ المسیح اول نے ایک ضروری اعلان لکھا جس کا ملخص یہ تھا کہ نکمی بحثوں اور لغو جھگڑوں سے اجتناب کرو اور اپنے ایمان کا دعویٰ سچا ثابت کرنے کے لئے اعمال صالحہ بھی بجالاؤ اور سلسلہ کی مالی ضروریات میں قربانی دکھاؤ دنیا کی حرص کو کم کرو اور روپیہ کے ہر ایک قسم کے ناجائز طریق حصول کو سخت آگ سمجھو"۔ [۷۶]

حضرت خلیفہ اول کا خط مولوی عبدالحق صاحب حقانی کے نام

مولوی عبدالحق صاحب نے حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں یہ درخواست بھیجی کہ علمائے ہند کا ایک وفد شہنشاہ جارج پنجم کو مبارک باد دینے کے لئے جانے والا ہے اور مقامی حکام نے اسے پسند کیا ہے اس غرض کے لئے مجھے انتخاب کیا گیا ہے اور میں آپ کو منتخب کرتا ہوں۔ علماء کے گروہ پر احسان ہوگا اگر اسے منظور فرمالیں گے۔

حضرت خلیفہ اول نے اس کے جواب میں لکھا۔ "مکرم معظم مولانا! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ خاکسار ایک ضعیف۔ ضعیف العراس پر علیل ہے۔ گھوڑے سے گرا تھا اب تک زخم باقی ہے پھر مولانا ہم لوگ نہ علماء ہیں نہ حکماء نہ اطباء ہیں پھر بادشاہوں کے حضور جانا روئے باید۔ بہرحال جناب خود ہر طرح منتخب اور ایسے امور کے لائق ہیں۔ دعا کو لوگ کچھ سمجھیں میں اس کا قائل ہوں دعا کروں گا۔ مولانا آپ بحمد للہ عالم ہیں۔ علماء اگر اپنی اصلاح فرمائیں تو کون سی عزت ان کو حاصل نہیں اور ان کو مل نہیں سکتی مگر موجودہ حالت میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم کی تصدیق ہے بادشاہ کیا کر سکے گا۔ یہ علماء حاصل شدہ عزت سے متمتع نہیں ہوتے۔ کیوں؟ اس میں کس کا قصور ہے؟ خاکسار ۱۸/ نومبر ۱۹۱۰ء سے علیل ہے اس لئے سفر کے قابل نہیں۔ والسلام نورالدین ۱۱/ نومبر ۱۹۱۱ء"۔ [۷۷]

تقسیم بنگال کی تنسیخ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بالکل مخالف حالات میں یہ خبر ملی تھی کہ "پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب اس کی دلجوئی ہوگی"۔ [۷۸] یہ آسمانی خبر ۱۲/ دسمبر ۱۹۱۱ء کو پوری ہوگئی۔ جبکہ جارج پنجم نے خود اپنی زبان سے دہلی کے دربار عام میں تقسیم بنگال کی منسوخی کا اعلان کیا۔ یہ اعلان خالصتہ" خدائی تصرف کا نتیجہ تھا کیونکہ دربار میں ایک مستقل اعلان شاہی ملک معظم کی طرف سے پہلے ہی پڑھ کر سنایا جا چکا تھا۔

چنانچہ منشی دین محمد ایڈیٹر "میونسپل گزٹ" لاہور اپنی کتاب "یادگار دربار تاجپوشی ہندوستان"

جلد اول (صفحہ ۴۴۳-۴۴۴) پر لکھتے ہیں۔ "جب ویر میجسٹیز مرکزی یونین سے تشریف لے جا کر شاہی تختوں پر رونق افروز ہو گئے تو سب حاضرین کا یہی خیال تھا کہ اب دربار ختم ہو گیا لیکن حاضرین دربار کے تعجب و حیرانی کی کوئی حد نہ رہی جبکہ انہوں نے دیکھا کہ ویر میجسٹیز اپنی جگہوں پر کھڑے ہو گئے اور حضور ملک معظم نے گورنر جنرل سے ایک کاغذ لے کر نہایت صاف الفاظ میں پڑھنا شروع فرمایا۔

"ہم خوشی کے ساتھ اپنی رعایا کو اعلان کرتے ہیں کہ .صلاح اپنے وزراء کے جو بعد گورنر جنرل باحساس کونسل سے مشورہ لینے کی کی گئی ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ گورنمنٹ ہند کا دارالسلطنت اب بجائے کلکتہ کے دہلی قرار دیا جائے جو زمانہ قدیم میں رہا ہے اور بباعث اس تبدیلی کے جس قدر جلد ممکن ہو صوبہ بنگال کے لئے ایک گورنری قائم کی جائے........ اعلان ختم ہونے پر ویر میجسٹیز اپنے تختوں پر متمکن ہو گئے۔ واقعی اس اعلان شاہی کو لوگوں نے نہایت حیرت سے سنا کیونکہ کسی کو اس کا سان و گمان بھی نہ تھا"۔

"ذکر اقبال" میں لکھا ہے۔ "اقبال نے بھی تقسیم بنگال کی تنسیخ پر تو دوسرے مسلمانوں ہی کی طرح صدمہ محسوس کیا لیکن انگریز کی طرف سے اس کی تلافی کا بھی کسی حد تک اعتراف کیا چنانچہ انہوں نے ایک خط میں لکھا کہ حکومت نے انتقال دارالسلطنت سے گویا بنگالیوں کی اہمیت گھٹا کر صفر کر دی ہے..........اس خط میں دو شعر بھی لکھے ۔

مندمل زخم دل بنگال آخر ہو گیا	وہ جو تھی پہلے تمیز کافر و مومن گئی
تاج شاہی آج کلکتہ سے دہلی آ گیا	مل گئی بابو کو جوتی اور پگڑی چھن گئی [79]

حضرت خلیفۃ المسیح اول کا خطاب جلسہ سالانہ ۱۹۱۱ء پر

حضرت خلیفۃ المسیح اول کا ارادہ جلسہ ۱۹۱۱ء پر کوئی خاص تقریر کرنے کا نہیں تھا اور آپ کا منشاء یہ تھا کہ میں ہر روز درس دیتا ہی ہوں ان ایام میں اس درس میں ہی کچھ وسعت کر لوں گا مگر ایک دوست کی تحریک پر آپ نے ۲۷/دسمبر ۱۹۱۱ء کو اڑھائی گھنٹہ تک تقریر فرمائی جس کے معرفت و حکمت کے نکتے اور درد دل کی نصائح سامعین کے دلوں کو پاک کرنے کا موجب ہوئے۔ [80، 81] اپنی تقریر میں بھی آپ نے جماعت کو خاص طور پر یہ تاکید فرمائی کہ وہ اتحاد و اتفاق سے رہیں اور تفرقہ اندازی سے بچیں۔ اور نکمی اور فضول بحثوں کو چھوڑ دیں چنانچہ فرمایا:

"میں خلیفۃ المسیح ہوں۔ اور خدا نے مجھے بنایا ہے [82] میری کوئی خواہش اور آرزو نہ تھی اور کبھی نہ تھی۔ اب جب خدا تعالیٰ نے مجھے یہ ردا پہنا دی ہے میں ان جھگڑوں کو ناپسند کرتا ہوں اور سخت ناپسند

کرتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم میں ایسی باتیں پیدا ہوں جو تنازعہ کا موجب ہوں............ تم کو کیا معلوم ہے کہ قوم میں تفرقہ کے خیال سے بھی میرے دل پر کیا گذرتی ہے؟ تم اس تکلیف کا احساس نہیں رکھتے۔ جو مجھے ہوتی ہے میں یہ چاہتا ہوں اور خدا ہی کے فضل سے یہ ہو گا۔ کہ میں تمہارے اندر کسی قسم کے تنازعہ اور تفرقہ کی بات نہ سنوں بلکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا عملی نمونہ ہو۔ **واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا**............ صحابہ کے آثار پڑھو کم از کم موطا امام محمد اور آثار امام محمد ہی کو پڑھ لو صحابہ ایسے مسائل جزویہ میں اپنے ذوق کے موافق ترجیح دیتے تھے۔ مگر یہ مسائل ان میں اختلاف کا باعث نہ ہوتے تھے۔ میں پھر تمہیں کہتا ہوں کہ جو سنتا ہے وہ سن لے اور دوسرے کو پہنچا دے کہ جھگڑا مت کرو ہم مر جائیں گے پھر تمہیں بہت سے موقعے جھگڑنے کے ہیں۔ تم سمجھتے ہو میں حضرت ابوبکرؓ کی طرح آسانی سے خلیفہ بن گیا ہوں۔ تم اس حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے۔ اور نہ اس دکھ کا اندازہ کر سکتے ہو اور نہ اس بوجھ کو سمجھ سکتے ہو جو مجھ پر رکھا گیا ہے یہ خدا کا فضل ہے کہ میں اس بوجھ کو برداشت کر سکا۔ تم میں سے کوئی بھی نہیں جو اس کو برداشت تو ایک طرف محسوس بھی کر سکے۔ کیا وہ شخص جس کے ساتھ لاکھوں انسانوں کا تعلق ہو آرام کی نیند سو سکتا ہے؟" [۸۳]

نیز فرمایا۔

"میں اس مسجد میں قرآن کریم ہاتھ میں لے کر خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے پیر بننے کی خواہش ہرگز نہیں اور نہ تھی اور قطعاً خواہش نہ تھی۔ خدا تعالیٰ کے منشاء کو کون جان سکتا ہے۔ اس نے جو چاہا کیا۔ تم سب کو پکڑ کر میرے ہاتھ پر جمع کر دیا اور اس نے آپ نہ تم میں سے کسی نے مجھے خلافت کا کرتا پہنا دیا۔ میں اس کی عزت اور ادب کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں باوجود اس کے میں تمہارے مال اور تمہاری کسی بات کا بھی روادار نہیں اور میرے دل میں اتنی بھی خواہش نہیں کہ کوئی مجھے سلام کرتا ہے یا نہیں تمہارا مال جو میرے پاس نذر کے رنگ میں آتا تھا۔ اس سے پہلے اپریل تک میں اسے مولوی محمد علی کو دے دیا کرتا تھا۔ مگر کسی کو غلطی میں ڈالا اور اس نے کہا کہ یہ ہمارا روپیہ ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں تب میں نے محض خدا کی رضا کے لئے اس روپیہ کو دینا بند کر دیا۔ کہ میں دیکھوں یہ کیا کر سکتے ہیں ایسا کہنے والے نے غلطی کی۔ نہیں بے ادبی کی اسے چاہئے کہ وہ توبہ کرے میں پھر کہتا ہوں کہ وہ توبہ کرے اب بھی توبہ کر لیں۔ ایسے لوگ اگر توبہ نہ کریں گے تو ان کے لئے اچھا نہ ہو گا........ تم خوب یاد رکھو کہ معزول کرنا اب تمہارے اختیار میں نہیں۔ تم مجھ میں عیب دیکھو آگاہ کر دو۔ مگر ادب کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ خلیفہ بنانا انسان کا کام نہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا اپنا کام ہے........ پس مجھے اگر خلیفہ بنایا ہے تو خدا نے بنایا ہے اور اپنے مصالح سے بنایا ہے۔ خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے خلیفہ کو کوئی طاقت معزول نہیں کر

سکتی اس لئے تم میں سے کوئی مجھے معزول کرنے کی قدرت اور طاقت نہیں رکھتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے معزول کرنا ہوگا۔ تو وہ مجھے موت دے دے گا۔ تم اس معاملہ کو خدا کے حوالہ کرو تم معزول کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ میں تم میں سے کسی کا بھی شکرگزار نہیں ہوں جھوٹا ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ ہم نے خلیفہ بنایا مجھے یہ لفظ ہی دکھ دیتا ہے جو کسی نے کہا کہ پارلیمنٹوں کا زمانہ ہے۔ دستوری حکومت ہے......... مجھے وہ لفظ خوب یاد ہیں کہ ایران میں پارلیمنٹ ہوگئی اور دستوری کا زمانہ ہے انہوں نے اس قسم کے الفاظ بول کر جھوٹ بولا بے ادبی کی.......... خوب یاد رکھو اور سن رکھو میری امانت و دیانت کی حفاظت تم سے نہیں ہو سکتی۔ اور کوئی بھی نہیں کر سکتا......... مجھے تم میں سے کسی کا خوف نہیں اور بالکل نہیں ہاں میں صرف خدا ہی کا خوف رکھتا ہوں پس تم ایسی بدگمانی نہ کرو اور توبہ کرو۔ اگر ہمارا گناہ ہے تو ہمارے ہی ذمہ رہنے دو۔ اگر میں غلطی کرتا ہوں۔ اس بڑھاپے اور اس عمر میں قرآن مجید نے نہیں سمجھایا تو پھر تم کیا سمجھاؤ گے؟ میری حالت یہ ہے کہ بیٹھتا ہوں تو پیر دکھی ہوتے ہیں کھڑا ہوتا ہوں تو محض اس نیت سے کہ آنحضرت ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے۔ میں نہیں جانتا میرا کتنا وقت ہے......... مجھے کیا معلوم ہے کہ پھر کہنے کا موقعہ ملے گا یا نہیں۔ موقعہ ہو تو توفیق ہو یا نہ ہو اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ تم کو حق پہنچا دوں۔ پس میری سنو اور خدا کے لئے سنو اس کی بات ہے جو میں سناتا ہوں میری نہیں کہ واعتصموا بحبل الله جميعا و لا تفرقوا "۔ ۸۴

مدارج تقویٰ

جلسہ سالانہ ۱۹۱۱ء پر حضرت صاحبزادہ صاحب نے مدارج تقویٰ کے موضوع پر حق و معرفت سے لبریز ایک نہایت لطیف تقریر فرمائی۔ ۸۵ بعد میں یہ تقریر رسالہ کی صورت میں بھی شائع کر دی گئی۔

۱۹۱۱ء کے متفرق واقعات

۱۔ الہ آباد میں مذاہب عالم کانفرنس ہوئی۔ جس میں مولوی محمد علی صاحب کا مضمون پڑھا گیا۔ اور خواجہ صاحب کا کامیاب لیکچر ہوا۔ ۸۶ علاوہ ازیں خواجہ صاحب نے آگرہ کپورتھلہ اور امرتسر میں بھی لیکچر کئے۔ زمیندار نے لکھا۔ "خواجہ صاحب کا لیکچر معلومات کا ایک گنجینہ ہوتا ہے اور چونکہ وہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی چاشنی سے اپنی فلسفیانہ تقریر کو مسلمانوں کے کام و زبان کے لئے مرغوب بنانے کا فن خوب جانتے ہیں اس لئے سننے والوں کو ان کی تقریروں میں ایک خاص لطف آتا ہے"۔ ۸۷

۲۵-۲۶-۲۷ / اگست ۱۹۱۱ء کو جماعت احمدیہ شملہ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ مولوی غلام رسول صاحب راجیکی' مولوی محمد علی صاحب' مولوی صدرالدین صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کی تقاریر ہوئیں۔ ۸۸

حواشی باب چہارم

۱- ضمیمہ الحق ۱۱/ نومبر ۱۹۱۰ء
۲- بحوالہ رسالہ احمدی جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۴
۳- بحوالہ رسالہ احمدی جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۴
۴- حیات قدسی صفحہ ۲۰۵ (رجسٹر چہارم)
۵- بحوالہ رسالہ احمدی اگست ۱۹۱۱ء صفحہ ۲، ۷ (اہلحدیث ۱۳ مارچ ۱۹۱۱ء)
۶- بحوالہ احمدی جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۵ (اہلحدیث ۲۸/ اپریل ۱۹۱۱ء صفحہ ۱ کالم ۲)
۷- فاروق ۲۵-۱۸/ اپریل ۱۹۱۸ء صفحہ ۱۴ کالم ۱
۸- الحکم ۲۱/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۹ کالم ۱
۹- الحکم ۲۱/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰ کالم ۲
۱۰- بدر ۲۳/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۲ کالم ۱
۱۱- بدر ۲۳/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۲
۱۲- بدر ۹/ مارچ ۱۹۱۱ء صفحہ ۸ کالم ۲-۳
۱۳- بدر ۲۳/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۲ کالم ۳
۱۴- بدر ۹/ مارچ ۱۹۱۱ء صفحہ ۸ کالم ۲
۱۵- مثلاً مولانا محمد اسماعیل صاحب فاضل ہلال پوری - حافظ غلام محمد صاحب بی - اے - مولانا غلام رسول صاحب راجیکی - مولوی غلام نبی صاحب - مرزا برکت علی صاحب - محبوب عالم صاحب لاہور - حضرت سید عبد الستار شاہ صاحب افغان - حضرت مولوی امام الدین صاحب گولیکی - مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری - حضرت قاضی محمد عبد اللہ صاحب - محمد مبارک اسماعیل صاحب - فقیر اللہ صاحب قادیان - عبد الرحمن صاحب قادیانی - چوہدری عبد اللہ خان صاحب داتہ زید کا - حکیم محمد الدین صاحب گھٹیالیاں - چوہدری عبد اللہ خان صاحب بہلولپور ضلع لائلپور - منشی برکت علی صاحب شملوی - (اظہار حقیقت صفحہ ۲۴)
۱۶- بدر ۹/ نومبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۱-۱۲
۱۷- الفضل ۲۳/ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۴ کالم ۱-۲
۱۸- الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۷۷ کالم ۳
۱۹- الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۷۷ کالم ۳
۲۰- اس تحریک کے داخلہ کے فارم کا نمونہ یہ تھا - نحن انصار اللہ - قل ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ و بذلک امرت و انا اول المسلمین (۱۶۳:۶) میری عبادت میری قربانی میرا جینا میرا مرنا غرضکہ میری ہر چیز صرف اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے اس قربانی کا مجھ کو حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں پہلا مسلم ہوں - نام......... پیشہ......... عمر......... پتہ......... (الھلال ۷/ مئی ۱۹۱۳ء)
۲۱- الفضل ۲۳ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۴-۱۵
۲۲- مولفان "مجاہد کبیر" نے مجلس انصار اللہ کو ایک فتنہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ایک سازش تھی - جو میاں صاحب کی خلافت کے لئے کی گئی - میں کہتا ہوں کہ اگر بفرض محال یہ واقعی کوئی سازش تھی تو حضرت خلیفہ اول جو پہلے روز سے اس کے حامی تھے اس "سازش" میں پوری طرح شریک تھے -
۲۳- الحکم ۱۴/ مارچ ۱۹۱۱ء صفحہ ۹ کالم ۲ - تاریخ احمدیت حصہ سوم صفحہ ۸۵ پر تاریخ ولادت ۱۷/ مارچ چھپ گئی ہے جو سہو ہے -

۲۴- رسالہ نظام المشائخ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ جلد ۶ نمبر ۴ صفحہ ۴ مکمل مضمون الحکم ۱۴ مارچ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰ پر بھی شائع ہو گیا تھا۔

۲۵- یاد رہے کہ الہ آباد کانفرنس میں خواجہ کمال الدین صاحب نے بھی کہا تھا "اس فرقہ اور دیگر فرقہ ہائے اسلام میں اصولاً کوئی اختلاف نہیں صرف ایک امر میں اختلاف ہے ہمارے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک پیشگوئی کی ہے کہ آخری زمانہ میں اسلام کی تجدید کے لئے ایک مسیح موعود آئے گا اور ہم احمدیوں نے اس پیشگوئی کا مصداق احمدیہ فرقہ کے مقدس بانی کے وجود مسعود کو قبول کیا ہے"۔ (بدر ۲/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۵ کالم ۱)

۲۶- بدر ۲/ مارچ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱ کالم ۲۔ ایضاً الحکم ۲۸-۲۱/ اگست ۱۹۱۱ء صفحہ ۸ کالم ۱

۲۷- بدر ۹/ مارچ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱ کالم ۲-۳ ایضاً الحکم ۲۸/ اپریل ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰ کالم ۳

۲۸- حیات شبلی صفحہ ۵۳۰-۴۴۳ از مولانا سید سلیمان ندوی

۲۹- الحکم ۱۴/ مارچ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۱ کالم ۱

۳۰- سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۲-۱۹۱۱ء صفحہ ۸۱

۳۱- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "موج کوثر" صفحہ ۱۴۸

۳۲- تشحیذ الاذہان اپریل ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۲۱-۱۲۲

۳۳- الحکم ۲۸-۲۱/ اگست ۱۹۱۱ء صفحہ ۷ کالم ۲ بعنوان "خواجہ صاحب اور غیر احمدی"

۳۴- یہاں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کے قلم سے اس مسئلہ کی وضاحت میں ایک اہم اقتباس درج کرنا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں "ہماری طرف سے تو شروع میں جب یہ سوال اٹھا خواجہ کمال الدین صاحب کے لیکچروں اور مضامین کی وجہ سے اٹھایا گیا' ورنہ ہمیں اس سوال کے اٹھانے کی کیا ضرورت تھی اب غیر مبایعین کو کبھی کبھی یہ سمجھ کر یہ سوال پیدا کر دینے سے انہیں کامیابی ہو گی اور لوگ ہم سے متنفر ہو جائیں گے گدگدی سی اٹھتی ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ جب ان امور پر بحث ہو گی تو لوگ ان سے ناراض ہو جائیں گے مگر پھر بھی بیعت کرنے کے لئے جب لوگ آتے ہیں ہمارے پاس ہی آتے ہیں...... لیکن میں پھر ایک دفعہ اعلان کر دیتا ہوں کہ ہم کفر کے وہ معنے نہیں سمجھتے جو وہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ ہم کافر جہنمی کسی کو نہیں کہتے اور نہ یہ کہتے ہیں۔ کہ ہر کافر دوزخ میں جائے گا۔ ہمارے نزدیک کفر کا اطلاق ایک خاص حد کے بعد ہوتا ہے جب کوئی شخص اسلام کو اپنا مذہب قرار دیتا اور قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کو اپنا دستور العمل سمجھتا ہے اس وقت مسلمان کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے اور حقیقی معنوں میں وہ مسلمان اس وقت ہوتا ہے جب کامل طور پر اسلام کی تعلیم پر عمل کرتا ہے لیکن اگر وہ اسلام کے اصول میں سے کسی اصل کا انکار کر دیتا ہے تو گو وہ مسلمان کہلاتا ہے مگر حقیقی معنوں میں وہ مسلم نہیں رہتا"۔ (الفضل یکم مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۸ کالم ۳')

اس تشریح سے صاف کھل گیا کہ احمدی علم کلام اور احمدی لٹریچر میں جہاں دوسروں کے لئے کافر کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ اسلامی ریاست کے آئین و دستوری اصطلاح کے طور پر نہیں حقیقت اسلام کی روشنی میں ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ آج تک بعض متشدد غیر از جماعت حلقے جماعت احمدیہ کو دستوری و آئینی اصطلاح کے مطابق بھی غیر مسلم قرار دینے پر اصرار کرتے ہیں مگر احمدی جماعت نے ان کے لئے بھی "غیر احمدی" کا لفظ ہی استعمال کیا ہے۔ "غیر مسلم" کبھی نہیں کہا۔ اگر آئینی و دستوری اعتبار سے "کافر" کہنے کے معنے اسلامی اسٹیٹ میں غیر مسلم قرار دیئے جانے کے ہوتے تو جماعت احمدیہ بھی تو ہندوؤں' سکھوں' یہودیوں وغیرہ کو "غیر احمدی" کے نام سے اور "غیر احمدیوں" کو "غیر مسلم" کے نام سے یاد کرلیتی۔ مگر جماعت کی مستند تاریخ میں اس کی کوئی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ پس یہ امتیاز بتاتا ہے۔ کہ کفر کا لفظ محض "حقیقی اسلام" کے مقابل پر ہے۔ اصطلاح ریاست کے لحاظ سے نہیں!!

۳۵- الحکم ۷/ مارچ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۲ کالم ۲-۳

۳۶- الحکم ۲۸/ اپریل ۱۹۱۱ء صفحہ ۵ کالم ۳

۳۷- کتاب مجاہد کبیر صفحہ ۱۰۲ پر لکھا ہے۔ کہ "مولانا نور الدین صاحب نے بستر علالت پر بہت سے لوگوں کے سامنے یہ اعلان فرمایا کہ مسئلہ کفر و اسلام کو میاں محمود احمد صاحب نے نہیں سمجھا"۔ مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب مولانا شیر علی صاحب اور نواب محمد علی

خان صاحب اور دوسرے حضرات کی صالح شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بات سراسر غلط ہے حضرت نے ان کے سامنے جو کچھ کہا وہ صرف یہ تھا کہ مجھ پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ کبھی میں غیر احمدیوں کو کافر کہتا ہوں اور کبھی مسلمان یہ دقیق مسئلہ ہے خدا نے اس میں مجھے وہ کچھ سمجھایا ہے جو کسی کو نہیں سمجھ آیا۔ حتیٰ کہ ہمارے میاں نے بھی نہیں سمجھا۔ (القول الفصل صفحہ ۴۵)

۳۸۔ بحوالہ الحکم ۲۸-۲۱/ اگست ۱۹۱۱ء صفحہ ۷ کالم ۲

۳۹۔ اخبار الحکم ۲۸-۲۱/ اگست ۱۹۱۱ء صفحہ ۸ کالم ۱

۴۰۔ پورا اشتہار اخبار عام ۸/ ستمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۷ پر چھپ گیا تھا (اصل پرچہ خلافت لائبریری ربوہ میں موجود ہے)۔

۴۱۔ الحکم ۲۸-۲۱/ اگست ۱۹۱۱ء

۴۲۔ المنیر بحوالہ تشحیذ الاذہان۔ جون ۱۹۱۱ء سرورق صفحہ ۲

۴۳۔ اصل کتاب خلافت لائبریری ربوہ میں موجود ہے۔

۴۴۔ الحکم ۲۸/ مارچ ۱۹۱۱ء صفحہ ۳ کالم ۱

۴۵۔ الحکم ۲۸/ اپریل ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۱ کالم ۱

۴۶۔ اخبار بدر "بنارس نمبر" (۸/ جون ۱۹۱۱ء)

۴۷۔ الحکم ۲۸/ اپریل ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰ کالم ۲

۴۸۔ الحکم ۲۸/ اپریل ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰ کالم ۲-۳

۴۹۔ الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۱۷ کالم ۲-۳

۵۰۔ رسالہ زمانہ (کانپور) جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۴۶

۵۱۔ یادگار دربار تاجپوشی ۱۹۱۱ء جلد اول صفحہ ۴۴۳-۴۴۴ مولفہ منشی دین محمد لاہور

۵۲۔ بدر ۲۹/ جون ۱۹۱۱ء صفحہ ۵ کالم ۱-۲۔ ضمناً یہ بات دلچسپی کا موجب ہوگی۔ کہ ایک زمانہ میں محمد احمد سنوسی (۱۸۴۸-۱۸۸۵) نے مسلمانان ہند کو یہ پیغام دیا تھا کہ "وہ امام آخر الزمان کے ظہور تک انگریزوں کے ایسے خیر خواہ اور وفادار بنیں اور اپنی اطاعت شعاری کو اس شان سے عمل میں لاکر دکھائیں کہ انگریزی قوم برکت اسلام کی خود بخود قائل ہو جائے رسالہ شیخ سنوسی اور ظہور حضرت امام مہدی آخر زمان"۔ مولفہ حسن نظامی صفحہ ۲۵

۵۳۔ بدر ۱۱ مئی ۱۹۱۱ء صفحہ ۱ کالم ۳

۵۴۔ کتاب میری والدہ صفحہ ۳۹۔ مولفہ جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب صدر جنرل اسمبلی

۵۵۔ اصحاب احمد جلد ۱۱ صفحہ ۵۹

۵۶۔ اصحاب احمد جلد ۱۲ صفحہ ۶۰ (مفہوم)

۵۷۔ بدر ۱۸/ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۶ کالم ۱-۲

۵۸۔ بدر ۱۲/ جون ۱۹۱۳ء صفحہ ۹ کالم ۱-۲

۵۹۔ بدر ۱۸/ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۶ کالم ۱۔ و بدر ۱۶/ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۳ کالم ۳

۶۰۔ یہ خط یونین سوسائٹی یونیورسٹی کالج لندن (Garor Street W.C) کے پتہ سے لکھا گیا تھا۔

۶۱۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنا اسیر سلطانی والا خواب آپ کو بھی لندن میں سنایا تھا تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اصحاب احمد جلد ۱۲ صفحہ ۶۱-۶۲

۶۲۔ کتاب میری والدہ صفحہ ۴۸

۶۳۔ اخبار بدر ۱۱/ مئی ۱۹۱۱ء صفحہ ۲ کالم ۳

۶۴۔ حیات قدسی جلد سوم صفحہ ۴۹-۵۰۔ ایضاً بدر ۲۲/ جون ۱۹۱۱ء صفحہ ۹

۶۵۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ رجسٹر نمبر ۴ صفحہ ۳۲۲

۶۶۔ روح پرور خطاب جلسہ ۱۹۶۶ء صفحہ ۲۷۔

۶۷۔ بدر ۶/ جولائی ۱۹۱۱ء صفحہ ۱ کالم ۳ و ۲۹/ جون ۱۹۱۰ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ الحکم ۱۴-۷/ جولائی ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۳ کالم ۲

۶۸۔ بدر ۲۰/ جولائی ۱۹۱۱ء صفحہ ۶-۷

۶۹۔ الحکم ۱۴-۷/ اگست ۱۹۱۱ء صفحہ ۵-۶

۷۰۔ اخبار بدر ۱۰-۳/ اگست ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۹ کالم ۳

۷۱۔ روئداد جلسہ ندوۃ العلماء ۱۹۱۲ء صفحہ ۵۱

۷۲۔ حیات شبلی صفحہ ۵۴۸-۵۵۰

۷۳۔ بدر ۲۴/ اگست ۱۹۱۱ء صفحہ ۲-۳

۷۴۔ اخبار الحکم ۲۸/ اکتوبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۷-۸

۷۵۔ حیات قدسی حصہ چہارم صفحہ ۴۶-۵۳۔ خواجہ صاحب اگلے سال لندن روانہ ہو گئے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۷۶۔ الحکم ۱۴/ نومبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲

۷۷۔ الحکم ۲۱/ جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۰ کالم ۲-۳

۷۸۔ تذکرہ صفحہ ۶۵۸ (طبع دوم)

۷۹۔ ذکر اقبال از سالک صفحہ ۱۰۰

۸۰۔ بدر ۱۸/ جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۷ کالم ۱

۸۱۔ بدر ۴/ جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۷ کالم ۲

۸۲۔ آپ نے اپنی ایک جیبی بیاض صفحہ ۹۲ میں (جو حضرت خلیفہ اول کے خاندان میں محفوظ ہے) آیت استخلاف کے بارے میں خدائی تفہیم اپنے قلم سے یہ لکھی ہے۔ "دو سلسلے ہیں ایک جسمانی ایک روحانی اگر اس میں بادشاہ پریذیڈنٹ صدر نہ ہو تو تباہی آجاتی ہے ایسے ہی روحانی بادشاہ نہ ہو تو تباہی پر تباہی لابد ہے"۔

۸۳۔ بدر ۲۵/ جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۷

۸۴۔ الحکم یکم فروری ۱۹۱۲ء صفحہ ۳-۴

۸۵۔ مفصل تقریر کے لئے ملاحظہ ہو اخبار بدر ۱۱/ جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۳-۷ و ۱۸/ جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۵-۶

۸۶۔ اخبار بدر ۲/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۴' ۵ ایضاً کشمیری میگزین لاہور مارچ ۱۹۱۱ء صفحہ ۳۸

۸۷۔ اخبار بدر ۲۲/ جون ۱۹۱۱ء صفحہ ۲ کالم ۱' ۲

۸۸۔ بدر ۲۶/ اکتوبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۸ کالم ۲

پانچواں باب

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) کے سفر ہند و عرب

(جنوری ۱۹۱۲ء سے دسمبر ۱۹۱۲ء بمطابق ۱۳۳۰ھ تا ۱۳۳۱ھ تک)

دعائے خاص کا ایک یادگاری واقعہ

۱۰ / مارچ ۱۹۱۲ء کو دعائے خاص کا ایک یادگاری واقعہ پیش آیا۔ جو مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی کے قلم سے درج کرتا ہوں۔ "مورخہ ۱۰ / مارچ ۱۹۱۲ء نماز مغرب کے بعد حسب معمول صاحبزادہ حضرت خلیفۃ المسیح میاں عبدالحی صاحب قرآن شریف کا سبق پڑھ رہے تھے اور ایک کثیر تعداد دیگر طالب علموں کی بھی موجود تھی۔ جو کہ روزانہ اس درس میں شریک ہوا کرتے تھے اثنائے درس میں میاں شریف احمد صاحب صاحبزادہ خورد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کسی ضرورت کے واسطے باہر جانے لگے۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا کہ جلدی واپس آنا۔ پھر فرمایا۔ کہ شاہ عبدالرحیم ایک بزرگ تھے۔ ان کو خدا تعالیٰ نے توجہ دلائی کہ گنو اس وقت کتنے آدمی موجود ہیں۔ انہوں نے گن لئے۔ پھر الہام ہوا کہ آج عصر کی نماز جس قدر لوگ تمہارے پیچھے پڑھیں گے سب جنتی ہوں گے ایک آدمی سے وہ خوش نہ تھے۔ جب انہوں نے نماز شروع کی۔ تو وہ آدمی موجود تھا۔ جب نماز ختم کی تو دیکھا کہ وہ آدمی پیچھے نہیں ہے۔ آدمی گنے تو پورے تھے۔ پوچھا کہ ان میں کوئی اجنبی آدمی آکر شامل ہوا ہے؟ آخر ایک اجنبی آدمی پایا گیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تم کس طرح شامل ہو گئے؟ اس نے کہا کہ میں جا رہا تھا اور میرا وضو تھا جماعت کھڑی دیکھی۔ میں نے کہا کہ میں بھی شامل ہو جاؤں۔ پھر وہ دوسرا آدمی آگیا۔ اس سے پوچھا کہ تم کہاں چلے گئے تھے؟ اس نے کہا کہ میرا وضو ٹوٹ گیا تھا اور میں وضو کرنے گیا تھا۔ مجھے وہاں دیر ہو گئی۔ اتنے میں نماز ختم ہو گئی۔ یہ معاملہ ہمارے درس سے بھی کبھی کبھی ہوتا ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے ہم نے آج ایک دعا کرنی ہے۔ وہ دعا بڑی لمبی ہے۔ مگر سب دعا اس وقت نہیں کریں گے۔ ہمارا دل چاہتا ہے کہ جس قدر لوگ اس وقت درس سن رہے ہیں اللہ تعالیٰ ایسا کرم کرے کہ اس دعا سے کوئی محروم

نہ رہے"۔ [۱] چنانچہ اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی اس دعا میں حضرت صاحبزادہ میرزا شریف احمد صاحب بھی شامل ہو گئے۔ [۲]

مدرسہ احمدیہ کی ترقی و بہبود کے لئے سفر ہند

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے مشہور اسلامی درسگاہوں کے طریقہ تعلیم و انتظام کا معائنہ کرنے کے خیال سے اپریل۔ مئی ۱۹۱۲ء میں اپنے خرچ پر ایک لمبا سفر کیا۔ [۳] آپ کے ساتھ بزرگان دین کی ایک جماعت تھی جن کے نام یہ ہیں۔ حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب' حضرت قاضی امیر حسین صاحب' حضرت حافظ روشن علی صاحب۔ سید عبدالحی صاحب عرب۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔

روانگی سے قبل یہ وفد حصول اجازت کے لئے حضرت خلیفتہ المسیح کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نے فرمایا۔ "میں میاں صاحب کو تم پر امیر مقرر کرتا ہوں........ میاں صاحب کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ آپ تقوی اللہ سے اور چشم پوشی سے عموماً کام لیں۔ بہت دعائیں کریں۔ جناب الٰہی میں گر جانے سے بڑے بڑے برکات اترتے ہیں اور آپ لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے امیر کی پوری اطاعت و فرمانبرداری کریں کوئی کام ان کی اجازت کے بدوں نہ کریں۔ علم کا گھمنڈ کوئی نہ کرے میں نے بھی علوم پڑھے ہیں بعض وقت کوئی لفظ بھول بھی جاتا ہوں۔ مگر خدا کے فضل سے خوب سمجھتا ہوں۔ بہت پڑھایا بھی ہے اور پڑھاتا بھی ہوں مگر میں نے دیکھا ہے کہ محض علوم کچھ چیز نہیں

ع "علم آں بود کہ نور فراست رفیق اوست"۔

تم بھی اس علم کو حاصل کرو یہی اپنا مقصد بناؤ باقی علوم کچھ بھی چیز نہیں ہوتے۔ ان کا گھمنڈ بھی نہ کرنا۔ دعاؤں سے بہت کام لینا۔ یہاں سے چلتے وقت راستہ میں کسی بستی کو دیکھو تو برابر مسنون دعائیں کرو........ میرا اپنا تجربہ ہے میں بڈھا ہو گیا۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر گر جاتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ اس کے دل کو کھول دیتا ہے اور آپ اس کی مشکل کا حل بتا دیتا ہے........ علماء سے ملو اگر کسی سے کوئی عمدہ بات ملے تو اسے فوراً لے لو۔ کیونکہ کلمة الحکمة ضالة المومن اخذھا حیث وجدھا یعنی حکمت کی بات مومن کی گم گشتہ متاع ہے جہاں سے ملے لے لو۔ [۴]

حضرت خلیفہ اول ؓ سے اجازت مل چکی تو یہ وفد ۳ / اپریل ۱۹۱۲ء کو روانہ ہو کر امرتسر سے ہردوار اور ہردوار سے ۵ / اپریل ۱۹۱۲ء کو لکھنؤ پہنچا۔ [۵] حضرت صاحبزادہ صاحب نے جمعہ امین آباد پارک میں قاضی محمد اکرم صاحب کے مکان پر پڑھایا اور آیت و لتکن منکم امة یدعون الی الخیر پر ایک مختصر خطبہ ارشاد فرمایا اور سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت کے لئے تحریک فرمائی۔ [۶] جمعہ سے

فراغت کے بعد آپ مولانا شبلی کے قائم کردہ دار العلوم ندوہ کی طرف تشریف لے گئے [۷] مولانا شبلی کو پتہ چلا تو انہوں نے اصرار کیا کہ ندوہ کے جلسہ میں (جو ۶-۷-۸/ اپریل ۱۹۱۲ء کو منعقد ہو رہا تھا اور جس میں شمولیت کے لئے سید رضا بھی مصر سے آچکے تھے) ضرور تشریف لائیں اور ہمارے ہاں ہی قیام فرمائیں آپ کی دعوت پر جلسہ میں چلے تو گئے اور اس میں ان کے تعطیل جمعہ سے متعلق ریزولیوشن کی تائید بھی کی اور وہ پاس بھی ہو گیا۔ [۸] مگر مصلحتاً ان کے ہاں نہیں ٹھہرے اس خیال سے کہ دوسرے علماء چڑ نہ جائیں اور کوئی بد مزگی بھی پیدا نہ ہو۔ لیکن مولانا شبلی مرنجان مرنج طبیعت رکھتے تھے ان کو معلوم ہوا کہ آپ کا قیام کسی اور جگہ ہے تو وہ اصرار کر کے آپ کو اپنے یہاں لے گئے۔ وہاں جا کر جیسا کہ خیال تھا کچھ بد مزگی بھی پیدا ہوئی۔ اور غیر احمدی حضرات نے گالیاں بھی دیں مگر وہ بہت ہمت والے آدمی تھے انہوں نے بالکل پروانہ کی۔ [۹]

دار العلوم ندوہ کے بعد آپ لکھنؤ کے مدرسہ فرنگی محل میں تشریف لے گئے جسے دیکھ کر آپ ازحد متاثر ہوئے۔ چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں۔ "جس وقت ہمارا وفد وہاں پہنچا تو مولوی عبد الباری صاحب نہایت تپاک سے ہمیں ملے اور اپنی کلاس کا معائنہ کرایا اور پھر مولوی صبغتہ اللہ صاحب کو ہمارے ساتھ کیا کہ باقی سکول دکھا دیں۔ ہم نے دیکھا کہ ہر طالب علم نہایت ادب اور متانت سے بات کرتا تھا۔ مولوی عبد الحی صاحب کے نواسے کو بھی انہوں نے پیش کیا کہ اس سے سوال کریں اس وقت اس کی عمر کوئی ۱۳ سال کے قریب تھی اس سے ہم نے جتنے سوال کئے اس نے نہایت سنجیدگی اور متانت سے اس کے جواب دیئے یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہم کسی طالب علم سے سوال نہیں پوچھ رہے بلکہ کسی مفتی سے فتویٰ دریافت کر رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا اس کو تین چار ہزار عربی شعر یاد ہیں غرض وہ لڑکا بڑا ہی ذہین تھا۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ احمدیت چاہے اس کو ملے یا نہ ملے لیکن بڑا ہو کر اپنے نانا کے طریق پر چلے گا۔ مگر افسوس تھوڑا عرصہ بعد ہی وہ فوت ہو گیا"۔ [۱۰] اس موقعہ پر جہاں آپ اچھے لائق اور عالم اساتذہ اور ذہین اور ہوشیار طلبہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے وہاں یہ تکلیف دہ نظارہ بھی آپ نے دیکھا کہ فرنگی محل کا ایک استاد ایک قبر کے سامنے سجدہ میں پڑا تھا۔ [۱۱]

۹/ اپریل ۱۹۱۲ء کو قیصر باغ کی بارہ دری واجد علی شاہ میں آپ کا خصوصیات سلسلہ پر ایک لیکچر بھی ہوا۔ لکھنؤ کے اسلامی مدارس دیکھ کر آپ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب اور سید عبد الحی صاحب عرب کو لے کر بنارس تشریف لے گئے۔ اور وہاں آپ نے چار لیکچر دیئے۔ [۱۲] وفد کے باقی ارکان نے لکھنؤ میں سید رشید رضا اور دوسرے علماء سے ملاقاتیں کیں۔ اور حقیقتہ الوحی کا ضمیمہ استفتاء وغیرہ تقسیم کئے۔ ۱۷/ اپریل کو حضرت صاحبزادہ صاحب بنارس سے کانپور پہنچے۔ جہاں وفد کے

دوسرے حضرات پہلے ہی پہنچ چکے تھے رستہ میں حضرت صاحبزادہ صاحب کو الہام ہوا۔ انک تھدی من احببت [۱۶۲] (یعنی جسے تو چاہے ہدایت دے سکتا ہے خطاب خدا تعالیٰ کو ہے) کانپور میں دو مدرسے قابل دید تھے مدرسہ جامع العلوم جس کے ناظم خان صاحب محمد سعید خان صاحب مالک مطبع نظامی تھے۔ دوسرا مدرسہ الٰہیات جس کے پرنسپل مولانا آزاد سبحانی تھے۔ چنانچہ آپ نے یہ مدارس بھی دیکھے۔ مدرسہ جامع العلوم میں آپ کو ایک پارٹی بھی دی گئی۔ [۱۶۳] جامع العلوم کے چند طلبہ نے کہا کہ ہم بعض احادیث کے متعلق پوچھنا چاہتے ہیں۔ جس پر جواب دیا گیا کہ ہم یہاں مباحثہ کے لئے نہیں آئے۔ ہاں اگر آپ ہمارے خیالات معلوم کرنا چاہیں تو بڑی خوشی سے آپ کو ان سے آگاہ کیا جائے گا۔ جس پر انہوں نے یقین دلایا کہ وہ محض استفادہ کے لئے آئے ہیں۔ مولانا آزاد سبحانی نے جو اس وقت موجود تھے یہی کہا کہ واقعی اگر آپ لوگ استفادہ کی غرض سے آئے ہیں تو دریافت کریں۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ یہ استفادہ بحث کا رنگ پکڑ لے۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے حافظ روشن علی صاحب کو جواب کے لئے حکم دیا۔ چنانچہ مدرسہ کے ایک مدرس حافظ مولوی محمد یوسف صاحب نے یہ حدیث پیش کی کہ اس کو مرزا صاحب پر منطبق کریں۔ فیتزوج و یولد له و یمکث خمسا و اربعین سنۃ و یدفن معی فی قبری فاقوم انا و عیسیٰ ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر و عمر۔ (مشکوۃ صفحہ ۴۸۰) (ترجمہ) مسیح موعود شادی کرے گا اور اس کی اولاد بھی ہوگی وہ پینتالیس برس رہے گا۔ اور میرے ساتھ میری قبر میں دفن ہوگا۔ اور میں اور عیسیٰ بن مریم ابوبکرؓ و عمرؓ کے درمیان ایک قبر میں سے اٹھیں گے۔

حافظ روشن علی صاحب: اس حدیث کو رسول اللہ تک ثابت کریں۔

حافظ محمد یوسف صاحب: مشکوۃ میں موجود ہے۔

حافظ روشن علی صاحب: یہ حدیث نہ متواتر ہے نہ احاد۔ اس کی سند تک موجود نہیں۔

حافظ محمد یوسف صاحب: ابن جوزی اس کے راوی ہیں مشکوۃ آپ کی جماعت میں مسلم ہے۔

حافظ روشن علی صاحب: ابن جوزی تو چوتھی پانچویں صدی کے آدمی ہیں اس صدی کا آدمی رسول اللہ تک حدیث کو کیونکر پہنچا سکتا ہے اس جواب پر گفتگو ختم ہوگئی مگر حافظ صاحب نے فرمایا گو یہ حدیث ثابت نہیں مگر میں آپ کی خاطر معنی کر دیتا ہوں ینزل آئے گا یتزوج نکاح کرے گا۔ یولد له اولاد بھی ہوگی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے نکاح کیا اور آپ کی اولاد بھی ہوئی۔

حافظ محمد یوسف صاحب: صاحب اولاد تو سب ہوتے ہیں اصل امتیازی نشان تو چوتھا ہے۔

حافظ روشن علی صاحب: اس نشان کے معنی یہ ہیں کہ چونکہ مسیح موعود رسول اللہ ﷺ کا

خادم ہے اور نہایت مقرب خادم ہے اس لئے اس کو اس جنت میں جگہ ملے گی جس میں رسول اللہ ﷺ ہیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے القبر روضۃ من ریاض الجنۃ۔

حافظ محمد یوسف صاحب: یہ حدیث بالکل غلط ہے اصل حدیث ہے ما بین قبری و منبری روضۃ من ریاض الجنہ۔ یہ کہہ کر بہت شور مچایا کہ یہ رسول اللہ پر افترا ہے ایسی کوئی حدیث موجود نہیں۔ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ یہ حدیث یقیناً موجود ہے اور ہم مسافر ہیں اور ہمارے پاس گو کتابیں نہیں مگر ہم آپ کو اس کا پورا پورا حوالہ لکھ دیں گے۔ [۱۵]

کانپور میں حضرت صاحبزادہ صاحب کا ایک پبلک لیکچر ۱۸/ اپریل کی شام کو طلاق محل کے میدان میں ہوا۔ جو آپ کی قیام گاہ کے نزدیک تھا۔ لیکچر کے وقت لوگوں کا ایک ہجوم امڈ آیا اور لیکچر گاہ بالکل بھر گئی اور بہت سے لوگوں کو کھڑا ہونا پڑا۔ کوئی اڑھائی ہزار کے قریب مجمع ہو گا۔ سب سے پہلے مولوی عبدالحی صاحب عرب نے تلاوت کی پھر حضرت حافظ روشن علی صاحب کی مختصری تقریر کے بعد آپ کھڑے ہوئے۔ اور گو بنارس میں کثرت سے بولنے کی وجہ سے طبیعت علیل تھی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایسی غیر معمولی تائید و نصرت فرمائی کہ آپ نے ایک جدید اور اچھوتے رنگ میں احمدیت کی تبلیغ کی جسے سن کر سب مسحور ہو گئے اور باوجودیکہ خواجہ کمال الدین صاحب کی روش کے خلاف آپ نے کھول کھول کر سلسلہ احمدیہ کے عقائد بیان فرمائے مگر سامعین نے اسے نہایت درجہ دلچسپی سے سنا۔ دو اڑھائی گھنٹہ تک آپ کی تقریر ہوئی۔ اور تقریر کے بعد جونہی آپ بیٹھے تو لوگ اپنی جگہ پر یہ سمجھ کر جمے رہے کہ شاید سانس لینے کے لئے بیٹھے ہیں۔ آخر اعلان کیا گیا کہ لیکچر ختم ہو چکا ہے۔ اس پر سامعین نے باواز بلند کہا کہ بہت سے لوگ مصافحہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ وہ لوگ جو دن کے وقت آپ کے منہ پر کافر کہہ کے گئے تھے۔ بڑھ بڑھ کر مصافحہ کرنے کے علاوہ آپ کے ہاتھ بھی چومنے لگے۔ کانپور کے شرفاء نے مزید قیام اور لیکچر کی درخواست کی۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہی ڈالا ہے کہ اب میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں۔ [۱۶]

دوسرے دن آپ شاہجہانپور پہنچے اور حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب کے مکان پر قیام فرمایا انہی کی تحریک پر آپ نے صبح کے وقت ایک دل ہلا دینے والی تقریر فرمائی جس سے مولوی سراج دین صاحب خانپوری اس درجہ متاثر ہوئے کہ انہوں نے اس کی اشاعت کے لئے کچھ رقم بھی پیش کر دی۔ ۲۰/ اپریل کو یہ وفد رام پور پہنچا جہاں خان صاحب ذوالفقار علی خان صاحب اور مولوی عبید اللہ صاحب بسمل آپ کی مہمانی کے لئے موجود تھے۔ رامپور میں آپ نے مدرسہ عالیہ دیکھا ۲۲/ اپریل ۱۹۱۲ء کو آپ وفد سمیت امروہہ پہنچے۔ اسٹیشن پر حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی اور

دوسرے احباب جماعت نے پرجوش استقبال کیا اور مہمان نوازی کا حق ادا کر دیا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے یہاں بھی ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ آخر مولوی صاحب نے بادیدہ گریاں رخصت کیا۔

۲۳ / اپریل ۱۹۱۲ء کو وفد دہلی پہنچا اور مدرسہ حسنین بخش' عبدالرب اخیہ اور فتح پوری کے مدارس دیکھے۔ ۲۵ / اپریل ۱۹۱۲ء کو دارالعلوم دیوبند دیکھنے کے لئے گئے۔ جمیعتہ الانصار کے سیکرٹری مولوی عبید اللہ صاحب سندھی کے ذریعہ سے دیوبند کے مہتمم مولوی محمود الحسن صاحب (۱۸۵۱-۱۹۲۰) مولوی بشیر احمد صاحب اور دوسرے بزرگ علماء سے ملاقات ہوئی [۱۷] اور مدرسہ کا معائنہ کرنے اور مدرسہ کے متعلق تمام ضروری معلومات حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ ناظم مدرسہ (مولوی محمد احمد صاحب خلف الرشید حضرت مولانا محمد قاسم صاحب) بے حد اخلاق و مروت سے پیش آئے اسی طرح مولوی بشیر احمد صاحب بھی!! مگر بعض حضرات نے اپنے جوش تعصب میں حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب کو قتل تک کی دھمکی دے ڈالی۔ [۱۸]

دیوبند میں ایک احمدی میاں فقیر محمد صاحب بھی ملے۔ دیوبند کی عظیم اسلامی درسگاہ دیکھنے کے بعد آپ اپنے ساتھیوں سمیت سہارنپور تشریف لے گئے اور مشہور مدرسہ مظہر العلوم کا معائنہ کیا۔ مولوی عنایت الٰہی صاحب مہتمم مدرسہ جو ایک خوش اخلاق بزرگ تھے۔ آخر تک ساتھ رہے اتفاق سے حافظ عبدالمجید صاحب منصوری آئے ہوئے تھے انہوں نے پورے وفد کو پر تکلف ٹی پارٹی دی۔

سہارنپور سے فارغ ہو کر وفد ۲۸ / اپریل ۱۹۱۲ء کی شام کو ہردوار پسنجر سے روانہ ہوا اور اگلے دن ظہر سے قبل قادیان پہنچ گیا۔ حضرت خلیفتہ المسیح اول نہایت خوشی اور مسرت سے ملے۔ رات کو پورے وفد کی ضیافت فرمائی اس خوشی کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت خلیفتہ المسیح کو وفد کی طرف سے روزانہ اطلاعات بھجوائی جاتی تھیں مگر اتفاق کی بات ہے کہ آپ کو کئی روز تک کوئی اطلاع نہ مل سکی۔ لہذا آپ کو از حد تشویش ہوئی۔ جس پر آپ نے پہلے تار دیا اور پھر چوہدری فتح محمد صاحب سیال کو دہلی بھجوایا۔ [۱۹]

"جواب اشتہار جناب غلام سرور صاحب کانپوری"

کانپور کے کسی صاحب غلام سرور صاحب نے اشتہار دیا کہ حافظ روشن علی صاحب مدرسہ جامع العلوم میں بحث کے دوران لاجواب ہو گئے اور حافظ مولوی محمد یوسف صاحب کے سوالوں کے جواب سے قاصر رہے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس اشتہار کے جواب میں ایک ٹریکٹ لکھا اور اس میں پورا واقعہ پبلک کے سامنے رکھا اور اس حدیث کا حوالہ بھی شائع کیا۔ جس کا وعدہ حضرت حافظ صاحب نے کیا تھا۔ اور جس پر بحث کا دارومدار تھا۔ آپ نے بتایا کہ یہ

حوالہ کتاب بشریٰ الکئیب بلقاء الحبیب" (امام سیوطیؒ) میں موجود ہے۔

اس ٹریکٹ میں آپ نے بڑے زوردار الفاظ میں تحریر فرمایا۔

"یہ تو ہم ثابت کر ہی چکے ہیں کہ یہ حدیث قطعاً رسول اللہ تک پہنچنی ثابت نہیں......... اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح حدیثوں کے خلاف ہے چنانچہ صحیح مسلم میں ہے "**قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا سيد ولد ادم يوم القيامة و اول من ينشق عنه القبر**"۔ (جلد دوم کتاب الفضائل)

اس حدیث سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ کو دیگر انبیاء و اولیاء پر جو فضیلتیں دی گئی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی قبر سب سے پہلے کھلے گی۔......... اگر اس فضیلت میں کسی کو آپ کے شامل کر دیا گیا تو جائز ہو تاکہ دوسری خصوصیات میں بھی دوسرے لوگ آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں......... اور وہ بنی آدم کے سردار کا لقب پائیں۔ افسوس کہ اب اسلام کی حقیقت یہ باقی رہ گئی ہے کہ ایسے بھی مسلمان ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی کوئی خصوصیت پسند نہیں کرتے آپ خاتم النبین تھے لیکن....... حضرت مسیح کو انیس سو برس کے بعد کھینچ بلایا۔ اب جو آخر میں آئے گا وہ خاتم النبین ہو گا...... اب ایک خصوصیت آپ کی قبر کی تھی وہ بھی یہ برداشت نہیں کر سکے۔ اور لا کر مسیح کو بھی آپ کی قبر میں داخل کر دیا تاکہ جب سب سے پہلے رسول کریم ﷺ کی قبر کھلے تو مسیحؑ بھی اس فضیلت میں شامل ہوں۔ کاش عام مسلمان ہی غور کرتے کہ ان کے علماء ان کو کس راہ پر چلا رہے ہیں۔

آخر میں آپ نے علامہ سیوطی کی کتاب "بشریٰ الکئیب بلقاء الحبیب" کے حوالہ اور قرآن شریف کی بعض آیات سے ثابت کیا کہ قبر سے مراد صرف مٹی ہی کی قبر نہیں بلکہ اس سے کوئی ایسا مقام مراد ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ خود اپنے خاص اذن سے داخل کرتا ہے پس خلاصہ یہ کہ مولوی حافظ محمد یوسف نے جو حدیث پیش کی وہ قطعاً علم حدیث کی رو سے ثابت نہیں اور بفرض محال اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی قرآنی آیات اور دیگر حدیثوں سے اس حدیث کے معنے بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔

۲۰

حضرت خلیفہ اول کا سفر لاہور

حضرت خلیفہ اول نے وسط ۱۹۱۲ء میں سفر لاہور اختیار فرمایا جو آپ کے دور خلافت کا آخری سفر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شیخ رحمت اللہ صاحب مالک انگلش ویئر ہاؤس سے وعدہ فرمایا تھا کہ ان کے مکان کا سنگ بنیاد ہم رکھیں گے۔ چنانچہ جب شیخ صاحب بنیاد رکھنے کی درخواست لے کر حاضر ہوئے تو آپ نے فوراً منظور فرما لیا۔ کیونکہ آپ کے نزدیک اپنے پیارے آقا کے منہ سے نکلی ہوئی بات ضرور پوری کرنی

چاہئے تھی۔ [۲۱]

حضرت خلیفہ اول ۱۵/ جون کو قادیان سے لاہور تشریف لائے آپ کے ہمراہ آپ کے اہل بیت اور صاحبزادگان کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحب' حضرت میاں شریف احمد صاحب' حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی' حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور بعض دوسرے خدام بھی تھے۔ [۲۲] لاہور اسٹیشن پر احباب جماعت نے پرجوش استقبال کیا۔ مہمان احمدیہ بلڈنگس میں ٹھہرے اور حضرت خلیفتہ المسیح اول کا قیام ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے مکان پر تھا۔

اسی دن شام کو شیخ رحمت اللہ صاحب کے مکان کے سنگ بنیاد کی تقریب عمل میں آئی۔ سب سے پہلے حضرت خلیفہ اول نے ایک پر معارف تقریر فرمائی۔ جس میں قرآنی آیت **افمن اسس بنیانہ علی التقوی** (سورۂ توبہ) کی لطیف تفسیر فرمائی اور بالاخر فرمایا کہ ہم اس وقت حضرت صاحب کے خاندان کے پانچ آدمی موجود ہیں۔ (یعنی خود حضرت خلیفتہ المسیح اولؓ' حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ) میں دعا کر کے ایک اینٹ رکھ دیتا ہوں۔ میرے بعد صاحبزادگان اور نواب صاحب ایک ایک اینٹ رکھ دیں۔ [۲۳]

آپ نے پہلے ہی سے صاحبزادگان کو بلا کر اپنے پاس کھڑا کر لیا تھا۔ اور حضرت نواب صاحب کو جو پیچھے کھڑے تھے آگے آنے کی ہدایت فرمائی۔ پھر چار کرسیاں لانے کا حکم دیا اور ان چاروں کو اپنے سامنے بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔ ان کو بیٹھنے میں بہت تردد تھا کہ حضرت خلیفتہ المسیح کھڑے ہیں مگر آپ نے فرمایا۔

"میں تو تمہاری خدمت کرتا ہوں اور تمہارا ہی کام کر رہا ہوں۔ تمہارے باپ کی جو میرا محسن اور آقا ہے میرے دل میں بڑی عظمت ہے آپ بیٹھ جائیں"۔ [۲۴]

چنانچہ یہ بزرگ بیٹھ گئے اس کے بعد آپ نے تقریر کر کے اپنے دست مبارک سے بنیادی اینٹ رکھی۔ [۲۵] اور آپ کے خصوصی حکم سے ان بزرگوں نے بھی ایک ایک اینٹ رکھی۔ ازاں بعد آپ نے حاضرین سمیت دعا فرمائی اور ایڈیٹر صاحب الحکم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ شیخ صاحب سے کہہ دیں۔ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے حضرت صاحب کے وعدہ کو پورا کر چکے۔ اب ہم آزاد ہیں خواہ صبح جائیں یا شام کو شیخ صاحب نزدیک ہی کھڑے تھے یہ سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور نہایت رقت بھرے لہجہ میں عرض کیا کہ جو غلام ہو اسے آقا کو آزاد کرنے کی کیا جرات؟ آپ نے فرمایا مجھے قادیان

سے باہر مزا نہیں آتا میں کیا کروں میری حالت ہی ایسی ہے۔ حضرت کا منشا تو دوسرے دن ہی واپس چلے جانے کا تھا مگر آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ کل حضور کے ایک لیکچر کا پروگرام ہے۔ چنانچہ آپ نے جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

لاہور میں تقریریں

دوسرے دن ۱۶/ جون کو حضرت خلیفہ اول کے حکم سے صبح ۹ بجے کے قریب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ایک تقریر فرمائی آپ کی تقریر کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح مسجد میں رونق افروز ہوئے [۲۸۱] اور انہی آیات پر تقریر فرمائی جن آیات پر حضرت صاحبزادہ صاحب نے بھی روشنی ڈالی تھی۔ یعنی و اعتصموا بحبل الله جمیعا الخ) گو رنگ بالکل جدا اور بالکل نرالا تھا۔ اخبار بدر نے لکھا "یہ توارد بھی کسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول نے اپنی تقریر میں جو نہایت درجہ پر جلال و پر شوکت تھی منکرین خلافت کے مرکز میں جا کر مسئلہ خلافت اور دوسرے اہم اختلافی امور کے بارے میں کھول کھول کر حق و صداقت کی تبلیغ کی اور ان پر اتمام حجت کر دی۔ چنانچہ آپ نے مسئلہ خلافت پر روشنی ڈالتے ہوئے پوری شان و تمکنت کے ساتھ اعلان فرمایا۔

"میں نے تمہیں بارہا کہا ہے اور قرآن مجید سے دکھایا ہے کہ خلیفہ بنانا انسان کا کام نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کا کام ہے آدم کو خلیفہ بنایا کس نے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "انی جاعل فی الارض خلیفة"۔ اس خلافت آدم پر فرشتوں نے اعتراض کیا کہ حضور وہ مفسد فی الارض اور منفسک الدم ہو گا مگر انہوں نے اعتراض کر کے کیا پھل پایا؟ تم قرآن مجید میں پڑھ لو کہ آخر انہیں آدم کے لئے سجدہ کرنا پڑا۔ پس اگر کوئی مجھ پر اعتراض کرے اور وہ اعتراض کرنے والا فرشتہ بھی ہو تو میں اسے کہہ دوں گا کہ آدمؑ کی خلافت کے سامنے مسجود ہو جاؤ تو بہتر ہے اور اگر وہ اباء اور استکبار کو اپنا شعار بنا کر ابلیس بنتا ہے تو پھر یاد رکھے کہ ابلیس کو آدم کی مخالفت نے کیا پھل دیا۔

میں پھر کہتا ہوں کہ اگر کوئی فرشتہ بن کر بھی میری خلافت پر اعتراض کرتا ہے تو سعادت مند فطرت اسے اسجدوا لادم کی طرف لے آئے گی ان کی (داؤدی۔ ناقل) مخالفت کرنے والوں نے تو یہاں تک ایجی ٹیشن کی کہ وہ انارکسٹ لوگ آپ کے قلعہ پر حملہ آور ہوئے اور کود پڑے مگر جس کو خدا نے خلیفہ بنایا تھا۔ کون تھا جو اس کی مخالفت کر کے نیک نتیجہ دیکھ سکے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو خلیفہ بنایا رافضی اب تک اس خلافت کا ماتم کر رہے ہیں۔ مگر کیا تم نہیں دیکھتے کروڑوں انسان ہیں جو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر درود پڑھتے ہیں۔

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے بھی خدا نے خلیفہ بنایا ہے...... اگر کوئی کہے کہ انجمن نے

خلیفہ بنایا ہے تو وہ جھوٹا ہے اس قسم کے خیالات ہلاکت کی حد تک پہنچاتے ہیں۔ تم ان سے بچو۔ پھر سن لو کہ مجھے نہ کسی انسان نے نہ کسی انجمن نے خلیفہ بنایا ہے اور نہ میں کسی انجمن کو اس قابل سمجھتا ہوں کہ وہ خلیفہ بنائے۔ پس مجھ کو نہ کسی انجمن نے بنایا اور نہ میں اس کے بنانے کی قدر کرتا ہوں اور اس کے چھوڑ دینے پر تھوکتا بھی نہیں۔ اور نہ اب کسی میں طاقت ہے کہ وہ اس خلافت کی ردا کو مجھ سے چھین لے۔

اب سوال ہوتا ہے کہ خلافت حق کس کا ہے؟ ایک میرا نہایت ہی پیارا محمود ہے جو میرے آقا اور محسن کا بیٹا ہے۔ پھر دامادی کے لحاظ سے نواب محمد علی کو کہہ دیں۔ پھر خسر کی حیثیت سے ناصر نواب صاحب کا حق ہے یا ام المومنین کا حق ہے جو حضرت صاحب کی بیوی ہیں یہی لوگ ہیں جو خلافت کے حقدار ہو سکتے ہیں مگر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جو لوگ خلافت کے متعلق بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا حق کسی اور نے لے لیا ہے وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہ سب میرے فرمانبردار اور وفادار ہیں۔ اور انہوں نے اپنا دعویٰ ان کے سامنے پیش نہیں کیا......... مرزا صاحب کی اولاد دل سے میری فدائی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جتنی فرمانبرداری میرا پیارا محمود۔ بشیر۔ شریف۔ نواب ناصر۔ نواب محمد علی خاں کرتا ہے تم میں سے ایک بھی نظر نہیں آتا۔

میں کسی لحاظ سے نہیں کہتا بلکہ امر واقعہ کا اعلان کرتا ہوں ان کو خدا کی رضا کے لئے محبت ہے بیوی صاحبہ کے منہ سے بیسیوں مرتبہ میں نے سنا ہے کہ میں تو آپ کی لونڈی ہوں......... میاں محمود بالغ ہے اس سے پوچھ لو کہ وہ سچا فرمانبردار ہے۔ ہاں ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ سچا فرمانبردار نہیں۔ مگر نہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ وہ میرا سچا فرمانبردار ہے اور ایسا فرمانبردار کہ تم (میں سے) ایک بھی نہیں۔ جس طرح علیؓ۔ فاطمہؓ عباسؓ نے ابوبکرؓ کی بیعت کی تھی اس سے بھی بڑھ کر مرزا صاحب کے خاندان نے میری فرمانبرداری کی ہے۔ اور ایک ایک ان میں سے مجھ پر فدا ہے کہ مجھے کبھی وہم بھی نہیں آسکتا کہ میرے متعلق انہیں کوئی وہم آتا ہو۔

سنو! میرے دل میں کبھی یہ غرض نہ تھی کہ میں خلیفہ بنتا۔ میں جب مرزا صاحب کا مرید نہ تھا تب بھی میرا یہی لباس تھا۔ میں امراء کے پاس گیا اور معزز حیثیت میں گیا مگر تب بھی یہی لباس تھا۔ مرید ہو کر بھی اسی حالت میں رہا۔ مرزا صاحب کی وفات کے بعد جو کچھ کیا خدا تعالیٰ نے کیا میرے وہم و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نے چاہا اور اپنے مصالح سے چاہا مجھے تمہارا امام اور خلیفہ بنا دیا اور جو تمہارے خیال میں حقدار تھے ان کو بھی میرے سامنے جھکا دیا۔ اب تم اعتراض کرنے والے کون ہو؟ اگر اعتراض ہے تو جاؤ خدا پر اعتراض کرو مگر اس گستاخی اور بے ادبی کے وبال سے بھی آگاہ

رہو...... میں کسی کا خوشامدی نہیں مجھے کسی کے سلام کی بھی ضرورت نہیں اور نہ تمہاری نذور اور پرورش کا محتاج ہوں۔ اور خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔ کہ ایسا وہم بھی میرے دل میں گذرے..........

جو سنتا ہے وہ سن لے اور خوب سن لے اور جو نہیں سنتا اس کو سننے والے پہنچادیں کہ یہ اعتراض کرنا کہ خلافت حقدار کو نہیں پہنچی رافضیوں کا عقیدہ ہے اس سے توبہ کرلو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے جس کو حقدار سمجھا خلیفہ بنا دیا۔ جو اس کی مخالفت کرتا ہے وہ جھوٹا اور فاسق ہے فرشتے بن کر اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرو۔ ابلیس نہ بنو!" [۲۷]

"جیسا میں نے ابھی کہا ہے یہ رفض کا شبہ ہے [۲۸] جو خلافت کی بحث تم چھیڑتے ہو یہ تو خدا سے شکوہ کرنا چاہئے کہ بھیرہ کا رہنے والا خلیفہ ہو گیا۔ کوئی کہتا ہے کہ خلیفہ کرتا ہی کیا ہے؟ لڑکوں کو پڑھاتا ہے......... کوئی کہتا ہے کہ کتابوں کا عشق ہے اسی میں مبتلا رہتا ہے۔ ہزار نالائقیاں مجھ پر تھوپو مجھ پر نہیں یہ خدا پر لگیں گی۔ جس نے مجھے خلیفہ بنایا۔ یہ لوگ ایسے ہی ہیں جیسے رافضی ہیں جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر اعتراض کرتے ہیں......... میں باوجود اس بیماری کے جو مجھے کھڑا ہونا تکلیف دیتا ہے اس رقعہ کو، بکہ کر سمجھاتا ہوں کہ خلافت کیسری کی دکان کا سوڈا واٹر نہیں تم اس بکھیڑے سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ نہ تم کو کسی نے خلیفہ بنانا ہے اور نہ میری زندگی میں کوئی اور بن سکتا ہے میں جب مرجاؤں گا تو پھر وہی کھڑا ہو گا جس کو خدا چاہے گا اور خدا اس کو آپ کھڑا کر دے گا۔

تم نے میرے ہاتھوں پر اقرار کئے ہیں۔ تم خلافت کا نام نہ لو۔ مجھے خدا نے خلیفہ بنا دیا ہے اور نہ اب تمہارے کہنے سے معزول ہو سکتا ہوں اور نہ کسی میں طاقت ہے کہ وہ معزول کرے اگر تم زیادہ زور دو گے۔ تو یاد رکھو کہ میرے پاس ایسے خالد بن ولید ہیں جو تمہیں مرتدوں کی طرح سزا دیں گے۔

دیکھو میری دعائیں عرش پر بھی سنی جاتی ہیں۔ میرا مولیٰ میرے کام میری دعا سے بھی پہلے کر دیتا ہے میرے ساتھ لڑائی کرنا خدا سے لڑائی کرنا ہے۔ تم ایسی باتوں کو چھوڑ دو توبہ کرلو....... تھوڑے دن صبر کرو پھر جو پیچھے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ جیسا چاہے گا وہ تم سے معاملہ کرے گا"۔ [۲۹]

مسئلہ خلافت کے علاوہ آپ نے دوسرے نزاعی مسائل (مسئلہ نبوت و کفر و اسلام) کے بارے میں بھی واضح لفظوں میں تصریحات فرمائیں چنانچہ آپ نے فرمایا:

"سنو تمہاری نزاعیں تین قسم کی ہیں۔ اول ان امور اور مسائل کے متعلق ہیں جن کا فیصلہ حضرت صاحب نے کر دیا ہے۔ جو حضرت صاحب کے فیصلہ کے خلاف کرتا ہے وہ احمدی نہیں۔ جن پر حضرت صاحب نے گفتگو نہیں کی ان پر بولنے کا تمہیں خود کوئی حق نہیں جب تک ہمارے دربار سے تم کو اجازت نہ ملے۔ پس جب تک خلیفہ نہیں بولتا یا خلیفہ کا خلیفہ دنیا میں نہیں بولتا۔ یا خلیفہ کا خلیفہ دنیا میں

نہیں آتا ان پر رائے زنی نہ کرو"۔

"ہر نبی کے زمانہ میں لوگوں کے کفر اور ایمان کے اصول کلام الٰہی میں موجود ہیں۔ جب کوئی نبی آیا اس کے ماننے اور نہ ماننے والوں کے متعلق کیا دقت رہ جاتی ہے۔ اچھا پیچھی کرنی اور بات ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے کفر۔ ایمان۔ شر کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ پہلے نبی آتے رہے ان کے وقت میں دو ہی قومیں تھیں ماننے والے اور نہ ماننے والے۔ کیا ان کے متعلق کوئی شبہ نہیں پیدا ہوا؟ اور کوئی سوال اٹھا کہ نہ ماننے والوں کو کیا کہیں جواب تم کہتے ہو کہ مرزا صاحب کے نہ ماننے والوں کو کیا کہیں........ غرض کفر و ایمان کے اصول تم کو بتا دیئے گئے ہیں۔ حضرت صاحب خدا کے مرسل ہیں اگر وہ نبی کا لفظ اپنی نسبت نہ بولتے تو بخاری کی حدیث کو نعوذ باللہ غلط قرار دیتے جس میں آنے والے کا نام نبی اللہ رکھا ہے۔ پس وہ نبی کا لفظ بولنے پر مجبور ہیں۔ اب ان کے ماننے اور انکار کا مسئلہ صاف ہے عربی بولی میں کفر انکار ہی کو کہتے ہیں ایک شخص اسلام کو مانتا ہے اس حصہ میں اس کو اپنا قریبی سمجھ لو جس طرح پر یہود کے مقابلہ میں عیسائیوں کو قریبی سمجھتے ہو۔ اسی طرح پر مرزا صاحب کا انکار کر کے ہمارے قریبی ہو سکتے ہیں اور پھر مرزا صاحب کے بعد میرا انکار ایسا ہی ہے جیسے رافضی صحابہ کا کرتے ہیں ایسا صاف مسئلہ ہے۔ مگر نکمے لوگ اس میں بھی جھگڑتے رہے ہیں اور کام نہیں ایسی باتوں میں لگے رہتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو قلعے فتح کرتے ہیں اور ایک یہ ہیں۔ [20، 21]

لاہور میں آپ کی ۱۶/ جون کی شام اور ۱۷/ جون کی صبح کو بھی تقریریں ہوئیں جن میں آپ نے دوسرے مذاہب کے مقابل اسلامی تعلیمات کی برتری نہایت وضاحت سے ثابت کر دکھائی۔ [22] قیام لاہور کے دوران مولوی ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر اخبار "زمیندار" آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ جناب مرزا صاحب کو آپ نبی نہ کہا کریں۔ تو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مصالحت آسان ہو جائے۔ حضرت خلیفہ اول نے فرمایا کہ اگر مرزا صاحب نبوت کا دعویٰ نہ کرتے تو رسول کریم ﷺ کی بات غلط ہو جاتی۔ کیونکہ حدیث میں آنے والے مسیح کو نبی کہا گیا ہے۔ [23]

حضرت ام المومنین کا ارادہ ابھی چند دن اور لاہور میں ٹھہرنے کا تھا۔ اس لئے آپ نے سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کو بھی ان کے ساتھ قیام کرنے کی ہدایت فرمائی۔ [24] اور خود ۱۷/ جون کو لاہور سے امرت سر تشریف لے گئے اور بابو صفدر جنگ صاحب پنشنر کے مکان پر چند گھنٹہ آرام فرمایا اور سورۃ والعصر کی تفسیر میں آپ نے ایک لطیف تقریر بھی فرمائی۔ [25] اور ۱۲ بجے شب بٹالہ پہنچے جہاں آپ نے ایک مفصل تقریر بھی فرمائی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ قرآن کریم پڑھو اور اس پر عمل کرو۔ [26] ۱۹/ جون کی صبح کو آپ واپس قادیان میں پہنچے اور سفر کی کوفت اور تقریروں کے باوجود اسی دن درس کا سلسلہ پھر

سے شروع کر دیا۔ ۲۷

"مرقاۃ الیقین" فی حیاۃ نور الدین

حضرت خلیفۃ المسیح اول کی سوانح عمری شائع کرنے کا سب سے پہلا خیال حکیم فیروز الدین صاحب لاہوری کے دل میں آیا۔ جبکہ وہ کتاب رموز الاطباء کی تالیف کے لئے مواد جمع کر رہے تھے۔ چنانچہ ان کی فرمائش پر حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنی طبی سوانح عمری لکھوائی جو حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ کے رسالہ حکیم حاذق (اگست ۱۹۰۷ء) اور اخبار الحکم ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی اور اس کا خلاصہ حکیم فیروز الدین صاحب نے "رموز الاطباء" کے آغاز میں آپ کی تصویر کے ساتھ شائع کیا۔

اس کے بعد شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم نے ۱۹۱۰ء میں "حیات النور" لکھنے کا ارادہ کیا اور اس سلسلہ میں چند قسطیں اپنے اخبار میں شائع بھی کیں۔ مگر جیسا کہ اوپر آچکا ہے یہ ارادہ ناتمام ہی رہ گیا۔ تب ایک جوان ہمت اور تاریخ کا ذوق رکھنے والے دوست اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی نے جو چھ سال سے حضرت کے درس قرآن کے نوٹ لکھ رہے تھے ۲۸ اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا اور اپنی نوٹ بکوں اور حضور کی مصنفہ کتابوں خطبوں اور لیکچروں سے آپ کی خاص تعلیمات، تجارب اور علمی نکات و لطائف کا ایک مجموعہ مرتب کر کے حضور کی خدمت میں اپنی سوانح عمری لکھوانے کے لئے درخواست کی جسے حضور نے فروری ۱۹۱۲ء سے شروع کر کے جون ۱۹۱۲ء میں آپ کو ہجرت قادیان تک کے مکمل حالات لکھوا دیئے اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی کا بیان ہے۔

"میں پنسل کاغذ لے کر حاضر ہوتا آپ کام کرتے کرتے مجھ کو منتظر بیٹھا ہوا دیکھ کر فرماتے۔ اچھا تم بھی کچھ لکھ لو۔ آپ فرماتے جاتے اور میں لکھتا جاتا۔ باوجود اس کے کہ میں محض خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اکثر لیکچراروں کے لیکچر بآسانی حرف بحرف لکھ سکتا ہوں۔ بڑی مستعدی اور پوری ہمت کو کام میں لاکر آپ کے تمام الفاظ قلمبند کر سکا ہوں اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ آپ کس روانی اور طلاقت کے ساتھ تقریر فرماتے ہوں گے۔ لیکن جب اپنی قیام گاہ پر آکر اس پنسل کے شکستہ لکھے ہوئے کو صاف کرتا تو مجھ کو یاد نہیں کہ عبارت کو چست اور درست بنانے کے لئے کہیں کسی فقرہ میں کوئی تغیر و تبدل کرنا پڑا ہو۔ بس آپ کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک حرف اپنی اصلی حالت میں لکھ دیا ہے اور یہ سب کچھ آپ نے ایسی حالت میں لکھوایا ہے کہ گردو پیش بہت سے مریض، مرید، مہمان، طالب علم اور مختلف ضرورتوں والے جمع ہوتے تھے۔ بیچ بیچ میں کئی دفعہ لوگوں کی طرف مخاطب ہونا، کسی کو نسخہ لکھنا، کسی کی عرضی پڑھنا وغیرہ یہ کام بھی ہو جاتے تھے"۔ ۲۹

اکبر شاہ خان صاحب نے حضرت کی لکھوائی سوانح نہایت درجہ عرق ریزی اور محنت سے قلمبند کی

اور اس سے قبل ایک مقدمہ اور آخر میں "عطر مجموعہ" کے نام سے آپ ہی کے بیان فرمودہ واقعات سلیقہ سے شامل کر دیئے ۱۹۱۲ء کے آخر میں اسے "مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نور الدین" کے نام سے شائع کر دیا گیا۔ [۲۲۰]

خان بہادر حضرت مرزا سلطان احمد صاحب نے اس کتاب پر ایک نہایت مفصل ریویو لکھا۔ جو اول سے آخر تک پڑھنے کے لائق ہے چنانچہ انہوں نے حضرت خلیفہ اول کی خود نوشت سوانح کی نسبت لکھا۔

"ان حالات یا ان کیفیات کے پڑھنے سے پڑھنے والے پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی اور عجیب نکات سے آشنا ہونے کا موقعہ ملتا ہے۔ پڑھنے کے بعد یہ کہنا ہی پڑے گا کہ یہ علامہ نور دین کی فطرت شروع ہی سے ایک انوکھا یا نرالا ڈھنگ یا سماں رکھتی تھی طالب علمی کے زمانہ ہی میں مولوی صاحب کی طبیعت میں غیرت دینی' محبت رسول اکرمؐ' عزم' راست گوئی صاف بیانی جرات کا پایا جانا زندہ دلیل اس امر کی ہے کہ قدرت نے ان کا وجود خاص اغراض اور خاص مقاصد کے تابع بنایا تھا"۔

"عطر مجموعہ" کے بارے میں ان تاثرات کا اظہار فرمایا:

"یہ مجموعہ یا یہ گلدستہ واقعی عطر بیز یا عطر فشاں ہے اور یہ مجموعہ نادرات انہی الفاظ میں قلمبند ہوا ہے جو خود مولوی صاحب کی اپنی زبان کے ہیں۔ اس مجموعہ میں ناظرین کو بیسیوں ایسی باتیں ملیں گی۔ جو بڑے بڑے حکیموں اور فلاسفروں کے حصہ میں بھی بہ مشکل آئی ہیں۔ یہ گراں بہا نکات یا قیمتی باتیں چند لفظوں میں بیان کر دی گئی ہیں ایسے روپ میں کہ غبی سے غبی طبیعت اور متعصب سے متعصب انسان بھی اثر لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ باتیں اور یہ نکات مشاہداتی ہی نہیں ہیں بلکہ تجربی بھی۔ فلسفی ہی نہیں ہیں بلکہ روحانی بھی۔ اختلافی ہی نہیں بلکہ تمدنی بھی۔ تمدنی ہی نہیں ہیں بلکہ سوشل اور سیاسی بھی۔ ان نکات سے کیا نکلتا ہے مولوی صاحب کی زود رسی' توکل' خدا پر اعلیٰ بھروسہ' تدین' ذہانت' حاضر جوابی' موقعہ شناسی' حسن جواب' حسن تبلیغ' کشادہ دلی' وسعت قلبی' یہ وہ باتیں اور یہ وہ نکات ہیں جو بعض ہی کا حصہ ہوتے ہیں ع ایں سعادت بزور بازو نیست۔

اس عطر مجموعہ سے ناظرین مندرجہ ذیل باتیں خصوصیت سے دیکھ سکتے ہیں کہ ان میں مولوی صاحب کی روش کیا رہی ہے۔ (الف) اہل خاندان کے ساتھ (ب) اہل و عیال کے ساتھ (ج) اپنے شباب کے ساتھ (د) احباب کے ساتھ (ہ) اہل وطن کے ساتھ۔ ان شعبوں میں آپ کو بہت سی اس مجموعہ سے ایسی باتیں ملیں گی۔ جو ملکی اور قومی حمیت غیرت اور دور اندیشی کے گر ہوں گے۔ ساتھ ہی اس کے آپ کو یہ بھی پتہ لگ جائے گا کہ مولوی صاحب کی پاک طبیعت بناوٹ' تصنع' فریب دہی'

خوشامد، معیوب وجاہت، جاہ طلبی خود غرضی خود پسندی سے کہاں تک نافر رہی ہے اور نافر ہے۔ اور خدا کا فضل و کرم یہ ہے کہ وہی روش اب تک بھی چلی جاتی ہے۔ علم دوستی، علم پروری میں گویا ان کی طبیعت اور ان کا مذاق اپنی آپ ہی نظیر ہے ہزاروں روپے کا کتب خانہ ان کی اپنی ہی خرید ہے۔ اور اب تک وہ سلسلہ جاری ہے اور دوسری طرف کھانے پینے اور لباس کا یہ حال ہے کہ دیکھنے سے کوئی اجنبی نہیں کہہ سکتا۔ کہ یہ وہی نور دین ہے جو زمانہ بھر میں شہرت رکھتا ہے ان کی بیرونی وجاہت اندرونی وجاہت اور اندرونی عظمت اور علو شان کا عکس ہے۔ کیونکہ بایں حالات رعب اور ہی شان لئے ہوئے ہے۔ ایک طرف احسان پروری کی کوئی حد نہیں اور دوسری جانب احسان فراموشی اور احسان خواہی سے طبیعت کوسوں بھاگتی ہے۔ یہ بات کسی نمائش کی غرض سے نہیں بلکہ طبیعت بھی مستغنی واقع ہوئی ہے۔ اور یہ کہ کوئی دوسرا کیوں تکلیف میں پڑے......... صوفیائے کرام اور حضرات اولیائے عظام کی خدمت میں جو کچھ عقیدت ہے اس کا ہر رنگ میں اعتراف ہے چار مشاہیر اسلام سے بیعت ہے اور چاروں سے اب تک وہی عقیدت ہے اور اسی ادب و عزت سے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو شروع میں تھا...... سوچنے والے سوچیں کہ مولوی صاحب کو بزرگان دین سے کہاں تک عقیدت اور محبت ہے اور مختلف انساب صوفیائے عظام سے انہیں کیسی اعلیٰ نسبت ہے اسی حسن عقیدت کا یہ اثر اور یہ نتیجہ ہے کہ خود مولوی صاحب بھی اسی سلسلہ عظام سے وابستہ ہو چکے ہیں ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء"۔ [۶۲]

رسالہ "احمدی خاتون" کا اجراء

احمدی مستورات کی تربیت کے لئے اس وقت تک کوئی رسالہ مرکز سے جاری نہیں تھا اس کمی کو "احمدی خاتون" نے پورا کر دیا جو حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کی ادارت میں ستمبر ۱۹۱۲ء سے نکلنا شروع ہوا۔ یہ رسالہ خلافت ثانیہ کے ابتدائی دور تک جاری رہا۔

خواجہ کمال الدین صاحب کا سفر انگلستان

خواجہ کمال الدین صاحب اپنے سفر بمبئی میں سید محمد رضوی صاحب وکیل سے ان کے مقدمہ کی پیروی کے سلسلہ میں جو معاہدہ کر چکے تھے [۶۳] اس کی تکمیل کے لئے انہی کے خرچ پر آپ نے اس سال سفر انگلستان اختیار کیا۔ آخر اگست میں آپ حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں الوداعی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے آپ نے نصیحت فرمائی کہ تم ولایت کو جاتے ہو کسی اپنی خوبی کا گھمنڈ مت کرنا۔ شراب، سئور، بری مجلس سے بچتے رہنا۔ میرے بھی تم پر بڑے بڑے حق ہیں۔ میری باتوں کا خیال رکھنا۔ اپنی طاقت کے مطابق دین کی خدمت وہاں ضرور کرنا۔ ہم کو ایک خط ضرور لکھا کریں۔ اگر نہ ہو

سکے تو کارڈ ہی سہی۔ دعا کے بعد آپ نے خواجہ صاحب کو رخصت فرمایا۔ ۱۷/ ستمبر ۱۹۱۲ء کو آپ بمبئی سے جہاز پر سوار ہوئے۔ [44] اور ۲۴/ ستمبر کی سہ پہر کو انگلستان میں قدم رکھا۔ [45] وہاں پہنچ کر حضرت خلیفہ اول نے ان کو تین باتوں کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی۔ اول یہ کہ دعا اور کوشش سے کام لیں۔ دوم۔ ساری دنیا کے لوگ لندن میں ہیں سب سے ملو اور وفات عیسیٰ منواؤ۔ [46] سوم۔ سنا ہے ووکنگ میں ایک مسجد بھی ہے جس کے لئے ڈاکٹر لائٹنر (Lietner) نے چندہ کیا تھا۔ خواجہ صاحب نے مسجد کی طرف توجہ کی تو معلوم ہوا واقعی لندن سے کوئی پچیس تیس میل کے فاصلہ پر ووکنگ شہر میں پروفیسر ڈاکٹر جی۔ ڈبلیو لائٹنر [47] نے ۸۷-۱۸۸۶ء میں بیگم صاحبہ بھوپال کے خرچ سے بنوائی تھی۔ مگر یہ جب سے بنی تھی۔ مقفل پڑی تھی۔ خواجہ صاحب نے ایک صاحب مرزا عباس علی بیگ صاحب سے مل کر ۱۳/ اگست ۱۹۱۳ء کو یہ مسجد کھلوائی۔ [48] اور ٹرسٹیان مسجد سے زبانی یا تحریری یہ وعدہ کر کے وہ اپنی تبلیغ میں احمدیت یا کسی قسم کے فرقہ وارانہ امور کا ذکر نہیں کریں گے۔ [49] نومبر ۱۹۱۳ء سے ووکنگ میں مشن قائم کر لیا۔ اور احمدیت کے تذکرہ کو "سم قاتل" قرار دے کر "تبلیغ اسلام" کرنا شروع کر دی۔ [50] چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں۔ "میں اول تو اپنی فطرت سے مجبور ہوں۔ غیر اسلامی لوگوں کے سامنے مجھے قرآن اور محمدؐ کو پیش کرنے کے سوا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ دوسرے فرقہ کی بحث یہاں کرنا میرے علم اور یقین میں اشاعت اسلام کے لئے "سم قاتل" ہے۔ [51] اتفاق یہ ہوا کہ ایک صاحب جن کا نام لارڈ ہیڈلے تھا۔ اور کافی عرصہ ہندوستان میں رہ چکے تھے۔ اور عرصہ سے دلی طور پر مسلمان تھے۔ اور اپنے تئیں عام طور پر مسلمان کی حیثیت سے ظاہر نہ کرتے تھے۔ آپ کو مل گئے۔ آپ نے کھلم کھلا اظہار اسلام پر ان کو آمادہ کیا۔ جس پر انہوں نے ۱۸/ نومبر کو اپنے قبول اسلام کا اعلان کر دیا۔ [52] اس اعلان کو خواجہ صاحب نے اپنی شہرت کا ایک زبردست ذریعہ بنا کر وسیع پیمانے پر پراپیگنڈہ کیا۔ جس میں انہیں خاصی کامیابی ہوئی۔ چنانچہ مولف "مجدد اعظم" لکھتے ہیں"۔ انہی ایام میں....... لارڈ ہیڈلے کی شہرت کا انسان اسلام میں داخل ہوا۔ جس سے مشن کی شہرت انگلستان اور ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ ساری دنیا میں پھیل گئی۔ [53] خواجہ صاحب نے لارڈ ہیڈلے کی بے حد تعریف و توصیف کی حتی کہ اسے آفتاب اسلام کے طلوع مغرب سے قبل "صبح کا ستارہ قرار دیا۔ [54] خواجہ صاحب کے اس پراپیگنڈا کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ یعنی مسلمانان ہند کے ہر طبقہ کے سامنے آپ نے مشن کی تقویت کے لئے چندہ کی مسلسل اپیلیں کیں اور ہر فرقہ کے مسلمان انگلستان میں فتوحات اسلام کی امیدیں باندھ کر ان کو فراخ دلی سے چندے دینے لگے۔ نظام حیدر آباد دکن نے خواجہ صاحب کے نام معقول وظیفہ جاری کر دیا۔ [55] انجمن خواتین اسلام حیدر آباد نے خواجہ صاحب کو چندہ بھجوایا۔ [56] لاہور آگرہ اور کلکتہ

میں بڑے بڑے جلسوں میں ان کی اعانت کی تحریکیں ہوئیں جن میں ڈاکٹر محمد اقبال اور مولانا آزاد نے خاص طور پر حصہ لیا۔ سرکار بھوپال نے بھاری مدد کی۔ ۵۷ علامہ شبلی نے خواجہ صاحب کے مشن کے لئے ایک سو روپیہ ماہانہ کی رقم ایک دربار سے مقرر کرادی۔ ۵۸ قبل ازیں خواجہ صاحب نے ان تمام مسلمانوں کے نام "من انصاری الی اللہ" کے عنوان سے ایک چٹھی بھی لکھی تھی۔ جس میں لکھا۔
"میں نے اپنے ایجنٹ منشی نور احمد صاحب کو مقرر کیا ہے کہ وہ مختلف شہروں میں آپ صاحبان کی خدمت میں آویں۔ میری طرف سے گدائی کریں"۔ ۵۹

حضرت خلیفہ اول نے یہ دیکھ کر کہ خواجہ صاحب ولایت میں بھی جا کر اسی پٹڑی پر چلے گئے ہیں جو اخبار وطن کے ایڈیٹر سے گٹھ جوڑ کر کے انہوں نے تیار کی تھی۔ اور جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سخت ناپسند فرمایا تھا۔ خواجہ صاحب کو خاص طور پر خط لکھا کہ:

"میں آپ کے لئے دو باتیں بے شک ناپسند کرتا ہوں۔ اول آپ کا جلد ہندوستان آنا۔ دوسرا عام لوگوں کے آگے چندے کے لئے سوال کرنا بھی مجھے آپ کے لئے بہت ناپسند ہے اس میں آپ دوسرے لوگوں کی طرف خیال نہ کریں۔ خواہ وہ کتنے بڑے لوگ کیوں نہ ہوں۔ جو ان کا اسلام ہے وہ ہمارا اسلام نہیں ہم تو اللہ کا ہی دیا ہوا روپیہ چاہتے ہیں۔ خواہ لندن میں ہو یا ہندوستان میں۔ خوشامدی بن کر جو روپیہ لیا جاوے وہ بابرکت نہیں ہوتا..........

اور یہ تو مجھے یقین ہے کہ جو آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوں گے وہ مسیح کی وفات کے بھی قائل ہوں گے۔ اور ایسا ہی وہ اس بات کے قائل ہوں گے۔ کہ طبعی مردے دنیا میں واپس نہیں آیا کرتے حضرت صاحب کا اصلی منشاء تو عملی حالت کو سنوارنا تھا۔ اس لئے احباب کو عملی حالت کے سنوارنے کی طرف نگاہ رکھیں۔ اس بات کی مطلق پرواہ نہ کریں کہ فلاں انجمن یا فلاں مجلس میں آپ کے لئے کیا ہوا یا کیا نہیں ہوا"۔ ۶۰

مگر خواجہ صاحب نے اس وقت آپ کی اس ہدایت سے قطعی گریز اختیار کیا۔ ایک عرصہ بعد پیسہ اخبار میں اس قسم کی خبریں شائع ہوئیں کہ خواجہ صاحب بعض پرانے نو مسلم انگریزوں کو اپنی ماہانہ رپورٹ میں اپنے نو مسلموں کی فہرست میں شامل کر رہے ہیں تو انہوں نے سخت طیش میں آکر اشاعت اسلام کے نام پر دیئے ہوئے لاکھوں روپیہ کے حساب کا مطالبہ شروع کر دیا۔ آخر بڑی دیر اور بار بار کے اصرار کے بعد خواجہ صاحب بولے اور انہوں نے بعض رقوم کو ذاتی بتا کر ان کا حساب دینے سے قطعاً انکار کر دیا۔ اور بعض کے متعلق کہا کہ ان کا حساب کتاب انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سپرد کیا گیا ہے اور وہی اس کی ذمہ دار ہے"۔ ۶۱

اس کے بعد ۱۹۲۹ء کے آخر میں آپ نے ووکنگ مشن کا تعلق انجمن اشاعت اسلام سے بھی منقطع کر لیا۔ ۶۲ اور انقطاع سے قبل صاف صاف اعلان کیا:

"مسلم مشن ووکنگ مشن اپنی بناء۔ اپنے وجود۔ اپنے قیام کے لئے میری ذات کے سوا کسی اور جماعت یا شخصیت یا کسی انجمن کا مرہون احسان نہیں ہے۔ میں نے اپنے ہی سرمایہ سے جو وکالت کے ذریعہ مجھے حاصل ہوا۔ اس مشن کو قائم کیا۔ اس کے متعلق نہ میں نے کسی سے مشورہ حاصل کیا نہ کسی نے مجھے مشورہ دیا۔ بلکہ جب میں گھر سے نکلا تھا تو میرے ارادہ سے کوئی واقف بھی نہ تھا۔ خود میرے اعزا اور میرے دوستوں کو میرے انگلستان جانے کا اس وقت علم ہوا جب میں نے جہاز کا ٹکٹ لے لیا۔ وہاں جا کر جو کچھ کیا۔ اپنی ذمہ داری پر اور اپنے اخراجات پر کیا۔ دو سال سے زیادہ مشن کی کشتی کو اپنے بازوؤں سے چلایا۔ "اسلامک ریویو" اپنے سرمایہ سے نکالا۔ ۱۵ء میں برادران اسلام میں سے بعض نے امداد دینی پسند کی۔ جسے شکریہ کے ساتھ قبول کیا گیا۔ اگرچہ یہ کل کاروبار ذاتی کاروبار ہیں اور جس نے امداد دی۔ اسے کہہ دیا گیا۔ اور اس کے متعلق مطبوعہ اعلان موجود ہے۔ کہ جو مجھ پر اعتبار نہ رکھتا ہو وہ ہرگز مدد نہ دے"۔ ۶۳-۶۴

"کلام امیر" کی اشاعت

۱۹ / ستمبر ۱۹۱۲ء سے اخبار بدر میں "کلام امیر" کے نام سے ایک مستقل ضمیمہ شائع ہونا شروع ہوا۔ جس میں حضرت کا درس قرآن، حضرت کی ڈائری، حضرت کے سوانح اور آپ کے فرمودہ مباحث و لطائف اور خطوط وغیرہ درج ہونے لگے۔ یہ ضمیمہ ایک سو چار صفحہ تک چھپ کر بند ہو گیا۔ یہ ضمیمہ حقائق و معارف کا ایک گنجینہ ہے جس سے آپ کی روحانی عظمت اور بلند اخلاق اور وسیع علم کا پتہ چلتا ہے۔

نقشہ عرب و مصر

حضرت صاحبزادہ صاحب کا سفر مصر و عرب

ہندوستان کے طویل سفر کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب نے اسی سال مصر و عرب کا بھی سفر کیا جو علوم عربیہ کی تحقیق، دنیائے عرب و مصر کے نظام تعلیم کے مشاہدہ، تبلیغ احمدیت اور دیار رسول ؐ کی زیارت اور حج کی غرض سے تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح اول اور حضرت ام المومنین ؓ کی اجازت لینے اور انصار اللہ کو ہدایات دینے کے بعد آپ ۲۶ / ستمبر کو قادیان سے روانہ ہوئے۔ [۶۵] روانگی سے قبل مدرسہ احمدیہ کے صحن میں آپ کو شاندار الوداعی پارٹی دی گئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے دعا کرائی طلباء کی طرف سے محمود احمد صاحب عرفانی نے اور اساتذہ کی طرف سے مولوی عبد الرحیم صاحب نیر نے ایڈریس پیش کیا۔ [۶۶] قادیان کے بہت سے احمدی دوست آپ کو رخصت کرنے کے لئے بٹالہ تک اور بعض لاہور تک ساتھ

گئے۔ [17] حضرت خلیفۃ المسیح اول نے عبدالحی صاحب عرب کو (جو عراق کے رہنے والے تھے اور شیعوں میں سے احمدی ہوئے تھے) آپ کے ہمراہ بھیجا۔ [18] اور حضرت شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی اور عبدالعزیز صاحب آپ کی مشایعت کے لئے بمبئی تک گئے۔ [19] جہاں حضرت نانا جان میر ناصر نواب صاحب بھی آپ کے ہمسفر ہونے کے لئے پہنچ گئے۔ [20] اور اس مقدس قافلہ کے تین رکن ہو گئے یعنی حضرت صاحبزادہ صاحب، حضرت میر ناصر نواب صاحب اور سید عبدالحی عرب صاحب۔ آپ کا ارادہ مصر سے واپسی پر حج کرنے کا تھا مگر حضرت نانا جان چونکہ براہ راست حج کو جا رہے تھے۔ اس لئے آپ نے ان کے ساتھ حج کرنے کا ارادہ کر لیا بمبئی کے دوران قیام میں حضرت صاحبزادہ صاحب نے زین الدین محمد ابراہیم صاحب کے مکان پر خطبہ جمعہ پڑھایا۔ جس میں یہ لطیف نکتہ بتایا کہ اگر عمل صالح کے بغیر حضرت نبی کریم ﷺ پر ایمان نجات نہیں دے سکتا تو آپ کے غلام کا خالی مان لینا کس کام آئے گا۔ [21] قیام بمبئی کے دوران آپ کو حضرت ام المومنین نے خط لکھا۔ "مولوی صاحب کا مشورہ ہے کہ پہلے حج کو چلے جاؤ اور میرا جواب یہ ہے کہ میں تو دین کی خدمت کے واسطے تم کو اللہ تعالیٰ کی خدمت میں دے چکی ہوں۔ اب میرا کوئی دعویٰ نہیں وہ جو کسی دینی خدمت کو نہیں گئے بلکہ سیر کو گئے ان کو خطرہ تھا اور تم کو کوئی خطرہ نہیں۔ خداوند کریم اپنے خدمت گاروں کی آپ حفاظت کرے گا۔ میں نے خدا کے سپرد کر دیا۔ تم کو خدا کے سپرد کر دیا اور سب یہاں خیریت ہے۔ والدہ محمود احمد"۔

بمبئی میں سیٹھ غلام غوث صاحب نے نہایت اخلاص سے اس قافلہ کی ضیافت و مہمان نوازی کے فرائض سرانجام دیئے۔ [22] ۱۶/ اکتوبر کو یہ قافلہ جہاز پر سوار ہوا۔ [23] عرشہ جہاز پر حضرت صاحبزادہ صاحب کے ساتھ بہت سے انگلستان جانے والے ہندو مسلمان طلبہ بھی تھے مسلمان بھی اور ہندو بھی سب کے سب دہریہ تھے ان کو آپ نے خوب تبلیغ کی۔ وہ آپ سے اتنے مانوس ہو گئے کہ جب اپنے کاموں سے فارغ ہوتے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دین کی باتیں شروع کر دیتے ان کے ساتھ تین وکیل بیرسٹری کرنے کے لئے جا رہے تھے۔ جو آپ سے مذہبی اور سیاسی گفتگو کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ مسلمانوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ کانگریس میں شامل ہو جائیں۔ ۲۱/ اکتوبر کو عدن پہنچ کر آپ نے ان کے ساتھ عدن کی سیر کی۔ [24] یہ بیرسٹر بھی طلباء کی طرح پکے دہریہ اور سخت بدزبان تھے۔ مگر آپ کی تبلیغ اور نمونہ سے بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح اول کے نام ایک مکتوب میں لکھا۔ "تین بیرسٹر...... سب سے زیادہ دریدہ دہن تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوشش رائیگاں نہیں گئی اور گو انہوں نے پورے طور سے اقرار نہ کیا۔ لیکن ایک نے یہ اقرار کیا کہ گو پہلے میں اس معاملہ میں بالکل نڈر تھا۔ لیکن اب خدا کے بارے میں ہنسی کرتے یا سنتے میرا دل کانپ جاتا ہے۔ اور

ایک خواہش پیدا ہو گئی ہے۔ کہ اس بات کی پوری طرح چھان بین کروں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگرچہ آپ کی باتوں کا جواب میں نہیں دے سکتا۔ لیکن چونکہ پرانا اعتقاد جما ہوا ہے۔ اس لئے پوری طرح تسلی نہیں ہوتی بس ایک امتحان بیرسٹری کا باقی ہے وہ دے کر جب چار پانچ ماہ کے بعد واپس ہند آؤں گا تو آپ سے ملوں گا۔ اور قادیان آؤں گا کہ اس مسئلہ کی تصدیق کروں۔ دوسرے ہندو نے کہا کہ وہ بھی بیرسٹری کے سب امتحان پاس کر چکا ہے صرف ٹرم باقی ہے کہا کہ آج تک میں نے اس رنگ میں کبھی مذہب پیش ہوتے نہیں دیکھا اور آج تک بغیر دلیل کے ہی ہمیں مذہب منوایا جاتا تھا۔ یہ نیا طریق دیکھا ہے کہ آپ دلائل دیتے ہیں مگر وہ ایسا گستاخ تھا۔ کہ بار بار یہ کہتا تھا۔ کہ اگر خدا تعالٰی میں کوئی طاقت ہے تو وہ اسے ہلاک کر دے نعوذ باللہ من ذالک۔ ایک اور طالب علم نے میرا پتہ لکھ لیا۔ کہ ولایت سے میں مذہب کے متعلق آپ سے خط و کتابت کروں گا۔ میں نے سب سے وعدہ لیا ہے کہ ولایت میں خواجہ صاحب سے ملاقات کریں۔ بعض نے بعض کتابیں بغرض مطالعہ بھی مانگی ہیں۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ اس فائدہ کے علاوہ مجھے سب سے عظیم الشان فائدہ یہ ہوا۔ کہ ان لوگون کی حالت دیکھ کر اسلام کی موجودہ حالت کا نقشہ کھنچ گیا۔ ایسا خطرناک دہریہ میں نے کبھی نہ دیکھا جیسا ان لوگوں کو دیکھا سخت دلیر اور منہ پھٹ۔ میں دیکھتا ہوں اسلام کی حالت کا جو پہلے درد تھا اس سے بہت زیادہ اب میں پاتا ہوں"۔ ۷۵

ان تبلیغی مشاغل کے علاوہ آپ نے اس سفر میں بہت کثرت سے دعائیں کیں۔ چنانچہ اس خط میں فرماتے ہیں۔ "اگرچہ میری جسمانی صحت اس سفر میں بہت کمزور ہے لیکن روحانی طور سے بہت کچھ فائدہ ہوا ہے اور اس قدر دعاؤں کا موقعہ ملا ہے۔ کہ پہلے کم اتفاق ہوا تھا اور مجھ سے جس قدر ہو سکا اپنے علاوہ حضور کے لئے۔ حضور کے خاندان کے لئے۔ اپنے سب خاندان کے لئے قادیان کے احباب کے لئے۔ پھر کل جماعت احمدیہ کے لئے اور اسلام کے لئے بہت دعائیں کیں۔ خصوصاً تئیس تاریخ شام کو جہاز پر کچھ ایسی حالت ہوئی۔ کہ مجھے یوں معلوم ہوا تھا کہ گویا تمام زمین و آسمان نور سے بھر گیا ہے۔ اور دل میں اس قدر دعا کا جوش تھا کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا اور پھر ساتھ دل میں یہ یقین ہوتا تھا اور اطمینان تھا کہ سب دعائیں قبول ہو رہی ہیں اور دعا سے طبیعت گھبراتی نہ تھی"۔ ۷۶

غرض خدا کا پیغام پہنچاتے اور صبح و شام دعاؤں کے ماحول میں رہتے ہوئے آپ ۲۶/ اکتوبر کو پورٹ سعید پہنچ گئے آپ نے اس شہر کی مذہبی اور تمدنی حالت کا مختصر اجائزہ لیا۔ ایک قہوہ خانہ میں وہاں کے شیخ الاسلام سے بھی ملنے کا موقعہ ملا۔ عبدالحی عرب صاحب نے ان سے وفات مسیح کے مسئلہ پر گفتگو کی بہت سے لوگ یہ سن کر خوش ہوئے کہ وفات مسیحؑ کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ ۷۷

حضرت صاحبزادہ صاحب کا خط
حضرت خلیفۃ المسیح اول کے نام

یہ اس خط کے ایک حصہ کا عکس ہے جو آپ نے پورٹ سعید سے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں لکھا اس خط پر حضرت نے اپنے قلم سے لکھا۔ "محمود احمد کا خط میرے انداز پر آیا مبارک مبارک۔ مبارکہ کو آپ پہنچادیں نور الدین"۔ ۱۰/ نومبر ۱۹۱۲ء۔ اصلی خط حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے پاس محفوظ ہے۔

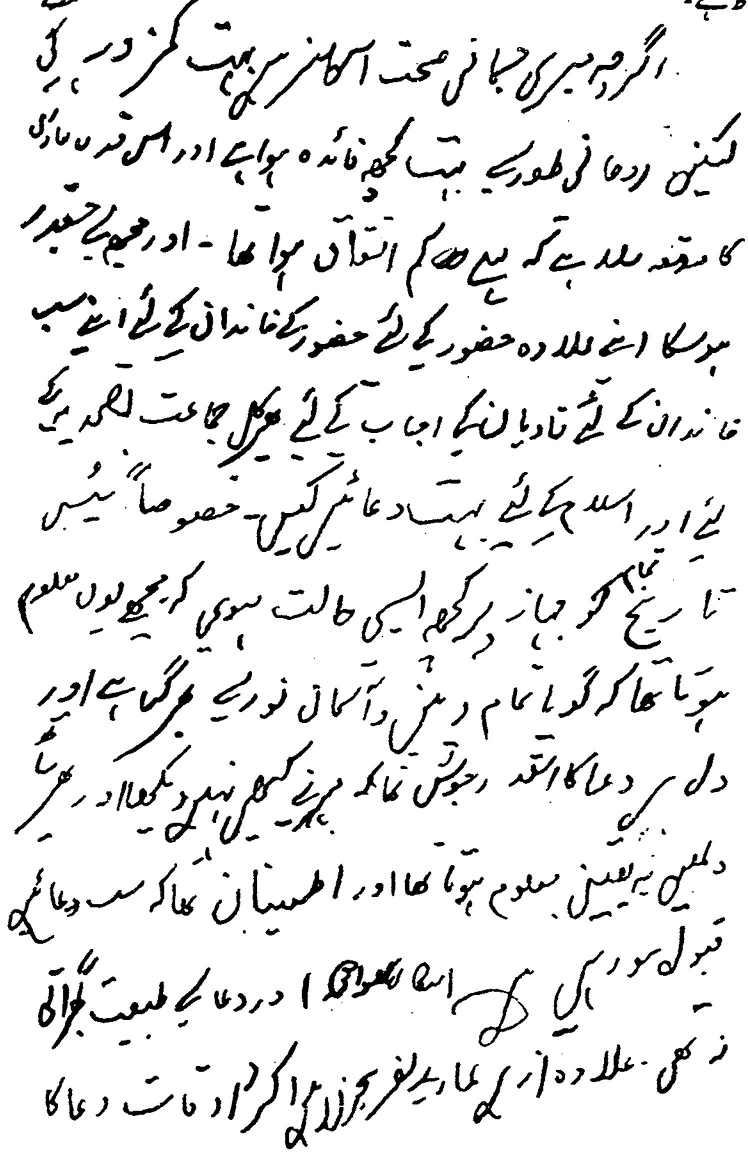
اگرچہ میری جسمانی صحت اس سفر میں بہت کمزور رہی
لیکن روحانی طور سے بہت کچھ فائدہ ہوا ہے اور اس قدر عاجزی
کا موقعہ ملا ہے کہ پہلے کم اتفاق ہوا تھا - اور جہاں تک مجھ سے مقدور
ہو سکا اپنے علاوہ حضور کے لئے حضور کے خاندان کے لئے اپنے سب
خاندان کے لئے قادیان کے احباب کے لئے کل جماعت احمدیہ کے
لئے اور اسلام کے لئے بہت دعائیں کیں۔ خصوصاً بیس
تاریخ کو جہاز پر کچھ ایسی حالت ہوئی کہ مجھے یوں معلوم
ہوتا تھا کہ گویا تمام زمین و آسمان نور سے بھر گیا ہے اور
دل پر دعا کا اس قدر جوش تھا کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا اور ہر ایک
دعا میں یہ یقین معلوم ہوتا تھا اور اطمینان تھا کہ سب دعائیں
قبول ہو رہی ہیں اسلئے بعض وقت اور دعا کے طبیعت آمادہ
نہ تھی۔ علاوہ ازیں ہمارے سفر حج کا ارادہ کر کے اکثر اوقات دعا کا

موقعہ ملتا تھا کہ میں بہت اچھا رہا۔ ایک دن تو وہ کچھ بیمار تھا
مگر مجھے تکلیف نہیں ہوئی۔ اس پر میرے ساتھ سب سے طلباء
انگلستان کو جا رہے تھے مسلمان بھی اور ہندو بھی انکو تبلیغ
کا بھی خوب موقعہ ملتا۔ سب کا شبہ دور ہو گیا اور اللہ
تعالیٰ کی ذات پر ہنسی اور ٹھٹھا کرتے تھے ہندو لڑکے
کسی قسم کا پرہیز نہیں کرتے تھے کیونکہ اب وہ مذہب سے بالکل
آزاد تھے۔ میں حتی الوسع سفر میں انکے پیچھے پڑا رہا اور وہ
بھی کچھ مانوس ہو گئے تھے جب اپنے کاموں سے فارغ
ہوتے تو میرے پاس بیٹھ کر دین کی باتیں شروع کر دیتے
تین بیرسٹر تھے۔ سب سے زیادہ دریدہ دہن تھے
مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوشش رائگاں نہیں گئی اور
گو ان کا انہوں نے پورے طور سے اقرار نہ کیا لیکن ایک نے
یہ اقرار کیا کہ گو پہلے میں اس معاملہ میں بالکل نڈر
تھا لیکن اب خدا کے بارہ میں ہنسی کرتے یا سنتے میرا دل

کو نسب جاتا ہے اور ایک خواہش پیدا ہو گئی ہے۔
کہ ایسا میں پوری طرح سے پہچان نہیں کر دوں اس لئے یہ بھی
کہا کہ اگر حج آپ کر یا تو ان کا جواب میں نہیں دیکھا لیکن چونکہ
میرا اعتقاد جا ہوا ہے اس لئے پوری طرح تسلی نہیں
ہوتی۔ پیر ایک امتحان بیرسٹری کا باقی ہے وہ دیکر
جب آپ کا پانچ یا چھ ماہ کے بعد جب واپس ہندوستان آؤنگا
تو آپ سے ملونگا اور قادیان آؤنگا کہ اس مسئلہ
کی تصدیق کر دوں۔ دوسرے ہندو نے کہ وہ بھی بیرسٹری کے
لئے سب امتحان پاس کر چکا ہے صرف [illegible] کا
کہا ایک رسم باقی ہے کہا کہ آج تک میں نے اس رنگ کا
کبھی تدبر و پیش ہوتے نہیں دیکھا اور آج تک ہم
دلیلوں کے بل ہم مذہب منوایا جاتا تھا یہ نیا طریق
دیکھا ہے کہ آپ دلائل دیتے ہیں مگر وہ ایسا گستاخ
تھا کہ بار بار یہ کہتا تھا کہ اگر خدا میں کوئی طاقت
ہے تو وہ مجھے ہلاک کر دے۔ نعوذ باللہ من ذالک

ایک اور طالب علم نے میرا پتہ لکھ لیا کہ ولایت سے بھی
مذہب کے متعلق آپ سے خط و کتابت کرونگا
بہت سے سب نے وعدہ لیا ہے کہ ولایت میں خواجہ صاحب
سے ملاقات کریں گے بعض نے بعض کتابیں غرض
مطالعہ بھی مانگی ہیں فالحمد للہ علیٰ ذالک اس
فائدہ کے علاوہ مجھے سب سے عظیم الشان فائدہ یہ ہوا کہ
ان لوگوں کی حالت دیکھ کر اسلام کی موجودہ حالت کا نقشہ
کھنچ گیا ایسا خطرناک دہریہ میں نے کبھی نہ دیکھا تھا جیسا ان لوگوں کو
دیکھا نہایت دلیر اور منہ پھٹ۔ میں دیکھتا ہوں اسلام کی حالت
کا جو پہلے درد تھا اس سے احساس بہت زیادہ اب ہو گیا
ہوا ہے۔ دعا کی بہت ضرورت ہے اور سخت
ہی محتاج ہوں اس وقت بھی سر درد کی وجہ سے اور جب
طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے تو دل گھبرا جاتا ہے

خاکسار

مرزا محمود احمد

از پورٹ سعید

پورٹ سعید سے آپ کا ارادہ قاہرہ میں جا کر مدارس اور لائبریریاں دیکھنے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملاقات کرنے کا تھا۔ مگر آپ کو خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا حضرت خلیفہ اول نے فرمایا۔ کہ حج کو چلے جاؤ ورنہ پھر جگہ نہ ملے گی۔ لہٰذا آپ نے مصر کی بجائے جہاز سے جدہ پہنچنے کا فیصلہ کر لیا۔ ۴۸

پورٹ سعید سے سویز آتے ہوئے سیکنڈ کلاس میں پانچ آدمی آپ کے ساتھ اور سوار تھے ایک یورپین چار مسلمان۔ جن میں سے دو بدوی رؤسا اور ایک محکمہ تار کا افسر اور ایک ریلوے انسپکٹر تھا۔ آپ نے ان مسلمانوں کے سامنے اسلام کی حالت زار کا نقشہ کھینچنے کے بعد حضرت مسیح کی وفات اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی پر روشنی ڈالی محکمہ تار کا افسر جو عربی کے علاوہ انگریزی' فرانسیسی اور اٹلی زبانیں جانتا تھا۔ آپ کی گفتگو سے بالخصوص بہت متاثر ہوا آپ کا پتہ اس نے نوٹ کر لیا۔ اور آئندہ خط و کتابت رکھنے کا وعدہ کیا اور آپ کو آرام پہنچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ ۴۹ جہاز پر سینکڑوں زبانوں کے بولنے والے لوگوں کو حج کے لئے جاتے ہوئے دیکھ کر آپ کے دل پر ایک عجیب رقت کی کیفیت طاری ہو گئی۔ چنانچہ اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔ "حج کی قدر اور عظمت حج کے بغیر نہیں معلوم ہو سکتی۔ واقعی جو دعا اور توجہ الی اللہ اس سفر میں دیکھی ہے وہ کبھی نہ دیکھی تھی۔ سینکڑوں زبانوں کے بولنے والے لوگوں کو جہاز پر اکٹھا دیکھ کر اور ان کے لبیک لبیک کی آواز سن کر ایسی رقت اور محبت پیدا ہوتی تھی کہ اندازہ سے بڑھ کر رسول کریم ﷺ کے کمالات پر تعجب آتا تھا کہ مکہ سے اٹھ کر اس نور نے دنیا کے کس کس گوشہ کو روشن کر دیا۔ آخر وہ کیا قوت قدسی تھی۔ جس نے کروڑوں نہیں اربوں کو ضلالت سے نکال کر ہدایت کا راستہ بتا دیا۔ رابغ پر بیٹھتے وقت جب لبیک کا نعرہ اٹھا اور میں نے ترکوں کو لبیچ لبیچ کہتے سنا تو میری آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ یہ لوگ لفظ تو درست بول نہیں سکتے۔ لیکن آنحضرتؐ کی دعاؤں اور آہ و زاریوں نے ان کو کھینچ کر راہ اسلام دکھا دی۔ رابغ کے قریب اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ کو دعاؤں کے لئے کھول دیا۔ اور بہت دعا کی توفیق ملی۔ قدرت الہیہ اور اس کے فضل کے قربان جاؤں کہ وہ ترک جو ترکی تو الگ عربی بھی نہیں جانتے تھے۔ ایک میرے دائیں اور ایک میرے بائیں کھڑے ہو گئے اور نہایت درد دل سے آمین آمین پکارنے لگے۔ فوراً میرے دل میں آیا کہ یہ قبولیت کا وقت ہے۔ کہ خدا نے یہ لوگ میرے لئے آمین آمین کہنے کے لئے بھیج دیئے ہیں۔ اور حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اس وقت میں نے اپنے لئے حضور کے لئے (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح کے لئے۔ ناقل) حضور کے خاندان کے لئے اپنی والدہ اور سارے خاندان کے علاوہ احباب قادیان احمدیوں اور پھر حالت اسلام کے لئے بہت دیر

تک دعا کی اور وہ دونوں ترک برابر آمین کہتے رہے۔ فالحمد لله علی ذالک۔ ۸۰

المختصر آپ یکم نومبر کو جدہ پہنچے ۸۱ اور سیٹھ ابو بکر صاحب کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ جدہ سے ایک خط میں لکھا۔ "خدا کے فضل سے مصر سے ہو کر احرام کی حالت میں جدہ پہنچ گئے ہیں اللہ اللہ کیا پاک ملک ہے ہر چیز کو دیکھ کر دعا کی توفیق ملتی ہے۔ خدا کی رحمتیں اس زمین پر بے شمار ہی معلوم ہوتی ہیں۔ احباب قادیان کے لئے۔ احمدی جماعت......... کے لئے اس قدر دعاؤں کی توفیق ملی ہے۔ کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ میں نے احمدی جماعت کے لئے اس سفر میں اس قدر دعائیں کی ہیں کہ اگر وہ اس کا اندازہ لگا سکیں۔ تو ان کے دل محبت سے پگھل جائیں۔ لیکن لا یعلم اسرار القلوب الا الله........... تبلیغ کے متعلق بھی بڑی کامیابی معلوم ہوئی ہے۔ لوگ بڑے شوق سے باتیں سنتے ہیں عام ضروریات اسلام اور سلسلہ کے متعلق میں لوگوں کو سناتا رہتا ہوں کئی لوگوں نے اقرار کیا ہے کہ وہ غور کریں گے اور مجھ سے خط و کتابت کریں گے۔ اگر کوئی ان بلاد میں آکر رہے تو انشاء اللہ بہت کامیابی ہوگی۔ کیونکہ تعصب اور حسد سے خالی ہیں فی الحال پوسٹ ماسٹر مدینہ کی معرفت مجھے خط مل سکے گا"۔ ۸۲

چھ دن جدہ میں قیام کے بعد آپ ۷ / نومبر کو حضرت نانا جان سمیت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ ۸۳ مکہ معظمہ جاتے ہوئے آپ نے ایک نظم بھی کہی جس کے چند اشعار یہ تھے :

دوڑے جاتے ہیں بامید تمنا سوئے باب — شاید آجائے نظر روئے دل آراء بے نقاب
یا الٰہی آپ ہی اب میری نصرت کیجئے! — کام لاکھوں ہیں مگر ہے زندگی مثل حباب
میری خواہش ہے کہ دیکھوں اس مقام پاک کو — جس جگہ نازل ہوئی مولیٰ تیری ام الکتاب
میرے والد کو بھی ابراہیم ہے تو نے کہا — جس کو جو چاہے بنائے تیری ہے عالی جناب
ابن ابراہیم بھی ہوں اور تشنہ لب بھی ہوں — اس لئے جاتا ہوں میں مکہ میں با امید آب

جونہی خانہ کعبہ پر نظر پڑی تو آپ کو حضرت خلیفہ اول کا واقعہ دعا یاد آگیا اور آپ نے بھی یہی دعا کی کہ یا اللہ اس خانہ کعبہ کو دیکھنے کا مجھے روز روز کہاں موقعہ ملے گا۔ آج عمر بھر میں قسمت سے موقع ملا ہے پس میری تو دعا یہی ہے کہ تیرا اپنے رسول ؐ سے وعدہ ہے کہ اس کو پہلی دفعہ حج کے موقعہ پر دیکھ کر جو شخص دعا کرے گا۔ وہ قبول ہوگی۔ میری دعا تجھ سے یہی ہے کہ ساری عمر میری دعائیں قبول ہوتی رہیں۔ ۸۴ آپ نے حضرت نانا جان کے ساتھ عمرہ کیا اور اس موقعہ پر اہل قادیان جماعت احمدیہ اور اسلام کی سربلندی کے لئے بہت دعائیں کیں اور جس قدر ہو سکا دوستوں کا نام لے لے کر دعائیں کیں۔ ۸۵

اگلے روز آپ نے مکہ سے حضرت خلیفتہ المسیح کی خدمت میں لکھا۔ "خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر

اور عنایت ہے کہ اس نے اپنے فضل سے اپنے پاک اور مقدس مقام کی زیارت کا موقعہ دیا۔ کل جب مکہ کی طرف اونٹ آرہے تھے دل کی عجیب کیفیت تھی کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ محبت کا ایک جوش دل میں پیدا ہو رہا تھا۔ اور جوں جوں قریب آتے تھے دل کا شوق بڑھتا جاتا تھا۔ میں حیران ہوں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنی حکومت اور ارادہ کے ماتحت کہاں سے کہاں کھینچ لایا۔ پہلے مصر کا خیال پیدا ہوا پھر یہ خیال آیا کہ راستہ میں مکہ ہے اس کی زیارت بھی کرلیں۔ پھر خیال ہوا۔ حج کے دن ہیں۔ ان سے بھی فائدہ اٹھایا جائے۔ غرضکہ ارادہ مصر سے مکہ اور حج کا ہوا اور آخر اللہ تعالیٰ نے وہاں پہنچا دیا۔ مجھے مدت سے حج کی خواہش تھی اور اس کے لئے دعائیں بھی کی تھیں لیکن بظاہر کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ کیونکہ وہاں کے راستہ کی مشکلات سے طبیعت گھبراتی اور یہ بھی خیال تھا کہ مخالفین کوئی شرارت نہ کریں لیکن مصر کے ارادہ سے یہ خیال ہوا کہ مصر جانا اور راستہ میں مکہ کو ترک کر دینا ایک بے حیائی ہے اس میں تو کچھ شک نہیں کہ جدہ سے مکہ تک کا سفر نہایت کٹھن ہے اور میر صاحب تو قریباً بیمار ہو گئے۔ اور مجھے بھی سخت تکلیف ہوئی۔ اور تمام بدن کے جوڑ جوڑ ہل گئے لیکن بڑی نعمتیں بڑی قربانیاں بھی چاہتی ہیں۔ اس بڑی نعمت کے لئے یہ تکلیف کیا چیز ہے۔ مدینہ کا راستہ اور بھی طویل اور کٹھن ہے لیکن چند دن کی تکلیف ان پاک مقامات کے دیکھنے کے لئے جہاں رسول کریمؐ فداہ ابی وامی نے اپنی بعثت نبوت کا ایک روشن زمانہ گذارا کیا چیز ہے۔ میرا دل تو اللہ تعالیٰ کے اس احسان پر قربان ہو رہا ہے کہ وہ کس حکمت کے ساتھ مجھے اس جگہ لے آیا۔ ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ اول تو اس جہاز سے جو مصر جاتا تھا رہ گئے لیکن بعد میں جب اصرار کر کے دوسرے جہاز میں سوار ہوئے تو مصر پہنچتے ہی خواب آیا کہ حضرت صاحب یا آپ (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح۔ ناقل) فرماتے ہیں۔ فوراً مکہ چلے جاؤ پھر شاید موقعہ ملے کہ نہ ملے چنانچہ دو جہاز چلے گئے اور ہم ان میں سوار نہ ہو سکے۔ جس سے خواب کی تصدیق ہو گئی اس طرح مصر کی سیر بھی نہ کر سکے۔ اور جب مکہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ اب مصر نہیں جا سکتے۔ کیونکہ گورنمنٹ مصر کا قاعدہ ہے کہ سوائے ان لوگوں کے جو مصر کے باشندہ ہوں حج کے بعد چار ماہ تک کوئی شخص حجاز و شام سے مصر نہیں جا سکتا......... اب اس صورت میں مصر میں واپس جانا فضول معلوم ہوتا ہے میں نے تو ان سب واقعات کو ملا کر یہی نتیجہ نکالا ہے کہ منشائے الٰہی مجھے حج کروانے کا تھا اور مصر کا خیال ایک تدبیر تھی۔ میں تو اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی پر قربان ہوں کہ میرے جیسے گنہگار انسان کی کیا حقیقت تھی کہ اس پر اس قدر لطف و عنایت کی نظر ہوتی اور اس طرح اسے ایسے پاک مقامات کی زیارت کروائی جاتی۔ مگر خدا تعالیٰ کا پیار بھی اپنے بندوں سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ وہ تو محسن ہے مگر ہماری طرف سے ناشکری ہوتی ہے کل

عمرہ ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے امید سے بڑھ کر دعاؤں کی توفیق دی۔ اور میں نے حتی المقدور حضور کے لئے حضور کے خاندان کے لئے کل احمدی جماعت اور اسلام و مسلمانوں کے لئے دعائیں کیں۔ زیارت بیت اللہ کے وقت بھی اور صفا و مروہ کی سعی کے وقت بھی خصوصاً جماعت کی ترقی اور آپس کے اتحاد و مودت کے لئے واللہ المجیب۔ ۸۶

مکہ میں آپ کو ایک رؤیا ہوا کہ "ایک جگہ ہوں اور میر صاحب اور والدہ ساتھ ہیں آسمان سے سخت گرج کی آواز آرہی ہے اور ایسا شور ہے جیسے توپوں کے متواتر چلنے سے پیدا ہوتا ہے اور سخت تاریکی چھائی ہوئی ہے ہاں کچھ کچھ دیر کے بعد آسمان پر روشنی پیدا ہوئی ہے اتنے میں اس دہشت ناک حالت کے بعد آسمان پر ایک روشنی پیدا ہوئی اور نہایت موٹے اور نورانی الفاظ میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا گیا ہے۔ میں نے میر صاحب کو پوچھا آپ نے یہ عبارت نہیں دیکھی انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ ابھی آسمان پر یہ عبارت لکھی گئی ہے اس کے بعد باآواز بلند کسی نے کچھ کہا جس کا مطلب یاد رہا کہ آسمان پر بڑے بڑے تغیرات ہو رہے ہیں جن کا نتیجہ تمہارے لئے اچھا ہوگا۔ اس کے بعد اس نظارہ اور تاریکی اور شور کی دہشت سے آنکھ کھل گئی"۔

یہ خواب اپنے خط میں حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں لکھتے ہوئے تحریر فرمایا "اس طرف کے لوگوں کی دین سے بے پرواہی اور خودی کو دیکھ کر دل پر ایک ایسا اثر ہوا ہے کہ کچھ بیان نہیں کر سکتا۔ حضور کے لئے' والدہ عبدالحی' عبدالحی' امتہ الحی' عبدالسلام' عبدالوہاب' عبدالمنان اور والدہ امتہ الرحمٰن کے لئے برابر ہر موقعہ پر دعا کرتا رہتا ہوں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے تو اس کی درگاہ بہت عالی ہے۔ میری طبیعت کی کمزوری کچھ نہ کچھ چلی ہی جاتی ہے۔ دعا کی درخواست ہے ایک متوحش نظارہ برابر دیکھ رہا ہوں جب دعا کرتا ہوں وہی بات اور رنگ میں دکھائی جاتی ہے۔ قریباً ۵-۷ دفعہ دیکھا ہے۔ کل اونٹ پر جاگتے ہوئے کشفی رنگ میں دیکھا"۔ ۸۷

مکہ میں آپ کی خبر آناً فاناً مشہور ہو چکی تھی اور ہر جگہ آپ کا چرچا ہونے لگا تھا۔ ۸۸ آپ جہاں سے گذرتے لوگ بعض دفعہ اشارہ کرکے ایک دوسرے کو بتاتے تھے کہ "ابن قادیانی" (قادیانی کا لڑکا) لوگوں میں علماء نے بہت غلط باتیں بتا رکھی تھیں۔ مثلاً حضرت اقدس نعوذ باللہ شرعی نبوت کے مدعی ہیں۔ نیز آپ نے جہاد کو قطعی حرام قرار دے دیا ہے۔ ۸۹ ایک شخص نے جو رشتہ میں آپ کے ماموں تھے اور بھوپال کے رہنے والے تھے بھوپال کے ایک رئیس (خالد نامی) کے ساتھ مل کر آپ کے خلاف سخت شورش بھی شروع کر دی اور لوگوں کو یہ کہہ کر بھڑکانے لگے کہ یہ قادیانی کفر پھیلاتے ہیں اور ساتھ ہی اہلحدیث مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کو (جو اس سال حج کو گئے تھے) مباحثہ کے لئے آمادہ

کرلیا۔ [۹۰] مقصد یہ تھا کہ مکہ میں باقاعدہ حکومت کوئی نہیں اگر مباحثہ ہوا تو لوگ جوش میں آکر انہیں قتل کر دیں گے۔ اس شخص نے یا اس کے ساتھیوں نے گورنمنٹ حجاز کو بھی توجہ دلائی کہ آپ کے خلاف فوری کارروائی کرے۔ اور اس "فتنہ" کو بڑھنے سے روکے عبدالحی عرب صاحب کے پاس جب مولوی ابراہیم صاحب کی دعوت مباحثہ پہنچی تو عرب صاحب نے پیغام لانے والے کو جواب دیا کہ ہم یہاں مباحثات کے لئے نہیں آئے حج کی غرض سے آئے ہیں۔ [۹۱] حضرت صاجزادہ صاحب کو اس اشتعال انگیزی کا ابھی تک کوئی علم نہ تھا۔ ایک دن آپ ایک عرب عالم مولانا عبدالستار کبتی کو جو شریف مکہ کے بچوں کے استاد تھے۔ تبلیغ کے لئے گئے وہ عقیدہ اہلحدیث تھے مگر چونکہ ان دنوں اہلحدیثوں کو سخت نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس لئے وہ اپنے تئیں حنبلی ظاہر کرتے تھے۔ آپ کافی دیر تک ان کو تبلیغ کرتے رہے۔ آخر وہ کہنے لگے آپ نے مجھے تو تبلیغ کرلی ہے اور آپ کی باتیں بھی معقول ہیں لیکن میرے سوا کسی اور کو تبلیغ نہ کریں ورنہ آپ کی جان کی خیر نہیں اور خطرہ ہے کہ کوئی شخص آپ پر حملہ نہ کر بیٹھے یا حکومت ہی آپ کو قید نہ کر دے پھر اس نے آپ کے غیر احمدی ماموں کا نام لیا کہ اس نے آپ کے خلاف اشتہار دیا یا دلوایا ہے اور لکھا کہ اگر انہیں اپنے دعاوی کی صداقت پر یقین ہے تو مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی سے مباحثہ کرلیں۔ مولانا عبدالستار صاحب فرمانے لگے۔ میں نے مولوی سیالکوٹی صاحب سے کہا ہے کہ کہیں جوش میں آکر مباحثہ نہ کر بیٹھنا کیونکہ یہاں احمدیوں سے زیادہ اہلحدیثوں کی مخالفت ہے احمدیوں کے خلاف کسی کو اشتعال آیا یا نہ آیا تمہارے خلاف ضرور لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ حضرت صاجزادہ صاحب نے ان سے پوچھا کہ آپ کس طرف سے زیادہ خطرہ محسوس کرتے ہیں انہوں نے ایک عالم کا نام لیا کہ اسے تو بالکل تبلیغ نہ کرنا۔ آپ نے ان کو بتایا کہ میں تو اسے ایک گھنٹہ تبلیغ کرکے آرہا ہوں۔ وہ حیران ہو کر بولے پھر کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ غصہ اور جوش کی حالت میں کہہ دیتے تھے۔ کہ نہ ہوئی تلوار ہمارے قبضہ میں ورنہ تمہارا سر قلم کر دیتا۔

غرض مکہ میں مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بشارتوں اور وعدوں کے مطابق آپ کے غلام کی آواز پوری قوت و شوکت سے آخر دم تک پہنچاتے رہے۔ [۹۲]

مکہ کی مقدس سرزمین نے آپ کی روحانیت پر جو گہرا اثر ڈالا۔ اس کا ذکر اپنے ایک خط میں جو مکہ سے حضرت خلیفۃ المسیح ہی کے نام لکھا یوں فرماتے ہیں :

"اگرچہ جسمانی طور سے تو اس سفر میں بہت تکلیف ہوئی ہے اور میری صحت بہت خراب ہو گئی ہے لیکن روحانی طور سے بہت اصلاح معلوم ہوتی ہے سرزمین مکہ کی ہر ایک اینٹ اور ہر ایک مکان اور ہر ایک آدمی اور ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک ثبوت ہے اس وادی غیر ذی زرع میں کیا کچھ سامان لاکر اکٹھا کر دیا ہے۔ کعبہ کو بھی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ہر وقت سینکڑوں آدمی گھوم رہے ہیں اور عملی طور پر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے احکام پر قربان کرنے کا اشارہ کر رہے ہیں پھر اس سرزمین سے کیسا پاک انسان خاتم الرسل ؐ پیدا ہوا۔ اس نے دین حق کے لئے کیا کیا کوششیں کیں کس طرح اپنے آپ کو راہ الٰہی میں قربان کر دیا۔ ہزاروں اثرات ہیں جو دل پر ہوتے ہیں اور نیکی اور تقویٰ کی تحریک کرتے اور ممد ہوتے ہیں دعاؤں کی تحریک بھی بہت ہوتی ہے.......... افسوس کہ مدینہ منورہ نہیں جا سکتا۔ لیکن شاید اللہ تعالیٰ پھر موقعہ دے دے"۔ [۹۲]

نیز لکھتے ہیں۔ "دعاؤں سے رغبت اور دعاؤں کا القا اور رحمت الٰہی کے آثار جو میں نے اس سفر میں خصوصاً مکہ مکرمہ اور ایام حج میں دیکھے ہیں وہ میرے لئے بالکل ایک نیا تجربہ ہے اور میرے دل میں ایک جوش پیدا ہوا ہے کہ اگر انسان کو توفیق ہو تو وہ بار بار حج کرے۔ کیونکہ بہت سی برکات کا موجب ہے"۔

حج کے روز آپ کی طبیعت جو مسلسل سفر اور کام کی وجہ سے نڈھال ہو گئی تھی خدا کے فضل سے صاف ہو گئی اور حج کا فریضہ نہایت عمدگی اور خیریت کے ساتھ ادا ہوا۔ میدان عرفات میں قریباً چار گھنٹہ سے زیادہ آپ کو دعا کا موقعہ ملا۔ اور رحمت الٰہی کے آثار ایسے نظر آتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا تمام دعائیں قبول ہو رہی ہیں۔ اور خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی دعائیں القا ہوتی تھیں جو کبھی وہم میں بھی نہ آئی تھیں۔ آپ نے ان مبارک لمحات میں قادیان کے دوستوں کے لئے ہر ایک کا نام لے لے کر دعائیں کیں۔ اور ہر ایک مقام پر کیں۔

مکہ میں آپ کو تبلیغ کے بہت سے نئے تجربات ہوئے۔ آپ شریف مکہ سے بھی ملے آپ کا ارادہ حج کے بعد کچھ عرصہ اور قیام کرنے کا تھا۔ مگر ایک تو آپ بیمار ہو گئے۔ [۹۳] دوسرے حج ختم ہوتے ہی مکہ میں ہیضہ پھوٹ پڑا۔ جو اتنا شدید تھا کہ لوگ گلیوں میں مردوں کو پھینک دیتے تھے اور دفن کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا تھا یہ دیکھ کر حضرت نانا جان گھبرا گئے اور انہوں نے کہا ہمیں جلدی واپس چلنا چاہئے۔ چنانچہ آپ نے واپسی کی تیاری شروع کر دی۔ آخری ملاقات کے لئے جب اس غیر احمدی ماموں کی طرف گئے تو معلوم ہوا کہ منیٰ سے واپسی پر وہ ہیضہ کے حملہ کی تاب نہ لاکر تھوڑی دیر میں ہی فوت ہو گئے ہیں۔

جب آپ جدہ پہنچے تو جدہ کے انگریزی قونصل خانہ میں بھی آپ کے ننھیال کے ایک رشتہ دار تھے۔ آپ ٹکٹ کے لئے ان کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آپ کو کمپنی کا ملازم سمجھ کر بڑی لجاجت سے کہا کہ ہمارا قافلہ تیس بتیس عورتوں اور مردوں پر مشتمل ہے اور اس وقت سخت مصیبت کا سامنا ہے مگر ہمیں سب سے زیادہ فکر عورتوں کا ہے ہیضہ کی وجہ سے عورتیں تو پاگل ہو رہی ہیں۔ اگر آپ دس بارہ ٹکٹ خرید دیں تو ہم عورتوں کو یہاں سے رخصت کر دیں۔ آپ نے فرمایا عورتیں اکیلی کس طرح جائیں گی؟ اس پر اس نے کہا کہ آپ دو چار اور ٹکٹ لے دیں۔ تو کچھ مرد بھی ان کے ساتھ جا سکیں گے اور ساتھ ہی روپوں کی ایک تھیلی آپ کو پکڑا دی چنانچہ آپ نے اپنے رشتہ دار سے کہا۔ کہ ان لوگوں کی حالت بہت قابل رحم ہے آپ ان کو بھی ٹکٹ لا دیں۔ وہ اس وقت کسی بات پر چڑے ہوئے تھے کہنے لگے کیا میں کوئی ایجنٹ ہوں کہ ٹکٹ لاتا پھروں؟ مگر آپ نے دوبارہ کہا یہ رحم کا معاملہ ہے آپ ضرور کوشش کریں اور اگر ان کے لئے نہیں تو کم از کم میری خاطر ہی ٹکٹ لا دیں وہ واپس گئے اور تھوڑی ہی دیر میں غالباً سترہ ٹکٹ لے کر واپس آئے۔ آپ نے وہ ٹکٹ اور باقی روپے کھڑکی میں سے اس شخص کو پکڑا دیئے شاید دوسرے ہی دن جب آپ اپنے نانا جان کے ساتھ (منصورہ نامی) جہاز پر سوار ہونے کے لئے گئے جہاز چلنے ہی والا تھا۔ وہ نوجوان جہاز کے دروازہ پر ہی آپ کو ملا۔ اور کہنے لگا۔ آپ نے اتنی دیر لگا دی۔ جہاز تو چلنے والا ہے۔ چنانچہ انہوں نے خود ہی مزدوروں پر زور دے کر جلد جلد آپ کا اسباب جہاز میں رکھوایا۔ اور پھر بڑی ممنونیت کا اظہار کیا کہ آپ نے بڑا احسان کیا جو ہمیں ٹکٹ لے کر دیئے ورنہ ہمارا اس جہاز پر سوار ہونا بالکل ناممکن تھا۔ آپ نے اس کا نام پوچھا تو معلوم ہوا یہ وہی خالد ہے جو مکہ میں بحث مباحثہ کرا کے آپ کو مار دینے کی سازش میں شریک تھا!! [۹۵]

یہ ۲۵/ دسمبر کا واقعہ ہے۔ [۹۶]

آپ نے جدہ سے روانہ ہوتے ہوئے قادیان تار دے دیا تھا کہ "میں جہاز پر جدہ سے سوار ہوتا ہوں مگر جلسہ پر نہیں پہنچ سکوں گا۔ ہاں یہ پیغام دیتا ہوں کہ کشتی ڈوبنے کے وقت جو حالت ہوتی ہے وہ اس وقت مسلمانوں کی ہے۔ سب دعاؤں میں لگ جائیں۔ میں نے تمام قادیان والوں اور افراد سلسلہ کے لئے بہت بہت دعائیں کی ہیں"۔ [۹۷]

۶/ جنوری ۱۹۱۳ء کو منصورہ جہاز جدہ سے بمبئی کے کنارے آلگا۔ یہاں حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی آپ کی پیشوائی کے لئے پہلے سے موجود تھے۔ [۹۸] ۱۰/ جنوری ۱۹۱۳ء کو بمبئی سے ریل پر سوار ہوئے اور ۱۲/ جنوری ۱۹۱۳ء کو لاہور پہنچے احباب لاہور نے آپ کا بڑے اخلاص سے استقبال کیا۔ کہتے ہیں چھ سو کے قریب پلیٹ فارم کے ٹکٹ

تقسیم ہوئے۔ لاہور میں اتفاق و اتحاد کے موضوع پر آپ کی تقریر بھی ہوئی احباب امرت سر کے اصرار پر آپ پونے نو بجے کی گاڑی سے امرت سر اترے وہاں بھی آپ نے تقریر فرمائی پھر دو بجے کے قریب بٹالہ پہنچے۔ حضرت ام المومنین اپنے پیارے لخت جگر کے استقبال کے لئے بہ نفس نفیس قادیان سے بٹالہ تشریف لے گئیں۔ [99] حضرت خلیفہ اول کو آپ کی مراجعت پر جو بے انتہا خوشی ہوئی وہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی تھی۔ آپ کے ارشاد سے دونوں سکولوں میں تعطیل کر دی گئی اور بہت سے دوست اور مدرسہ احمدیہ اور ہائی سکول کے طلبہ قادیان والی نہر تک استقبال کے لئے گئے حضرت خلیفۃ المسیح اول نے ظہر و عصر کی نمازیں جمع کیں اور باوجود ضعف و ناتوانی کے قادیان سے باہر دور تک آگے تشریف لے گئے۔ قادیان کے بقیہ لوگ جن میں حضرت نواب محمد علی خان صاحب بھی شامل تھے آپ کے ساتھ تھے چنانچہ حضرت صاحبزادہ صاحب قریباً پونے پانچ بجے شام تشریف لے آئے۔ اخبار "الحکم" میں لکھا ہے۔ "پونے پانچ بجے نبیوں کا چاند طالع ہوا۔ جو مسرت جو شادمانی اور جو ہجوم اور پروانہ وار جان نثاران ملت کا گرے پڑنا اس موقع پر دیکھا گیا وہ سرسری نظر سے دیکھنے کے قابل نہیں ان فی ذالک لایات للسائلین" [100]

آپ کے خیر مقدم پر شیخ محمود احمد صاحب عرفانی (ابن شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم) نے ایک اشتہار بھی شائع کیا جس میں آپ کی تشریف آوری پر مبارک باد دی اور لکھا تھا کہ آپ کے سفر حج سے مسیر العرب کا الہام پورا ہوا ہے اور آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ شعر لکھے

لخت جگر ہے میرا محمود بندہ تیرا ۔۔۔ دے اس کو عمر و دولت کر دور ہر اندھیرا
دن ہوں مرادوں والے پرنور ہو سویرا ۔۔۔ یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی [101]

۱۴/ جنوری ۱۹۱۳ء کو مدرسہ کے طلباء نے آپ کے اعزاز میں ایک پر تکلف پارٹی دی جس میں حضرت خلیفہ اول نے تقریر بھی فرمائی۔ [102] اس دن حضرت کی خدمت میں طلبائے ہائی سکول نے درخواست پیش کی کہ ہم حضرت میاں صاحب کی تشریف آوری پر خوشی کا اظہار کیسے کریں۔ آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔ "میاں صاحب کی زندگی بابرکت مفید خلائق اور خادم اسلام ہو مل کر یہ دعا کرو۔ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کے جناب الٰہی کی تعریف اور اپنے استغفار کے بعد۔ نور الدین ۱۴/ جنوری ۱۹۱۳ء"۔ [103]

حضرت خلیفہ اول کے ارشاد سے دوستوں نے مسجد نور میں صلوٰۃ الحاجہ پڑھی اور حضرت صاحبزادہ صاحب کے لئے دعائیں کی گئیں دعا کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب نے تقریر فرمائی جس میں اپنے سفر کے حالات پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ میں نے اس سفر کے لئے ایک ماہ قبل سے استخارہ شروع کیا۔

بعد ازاں سنت رسولؐ کے مطابق اسباب کی طرف توجہ کی۔ پھر بتایا اس سفر میں مختلف مذاہب کے لوگوں اور دہریوں کے ساتھ میرے بڑے بڑے مباحثات ہوئے اور میں نے ہمیشہ سلسلہ احمدیہ کو پیش کیا۔ اور خدا کے فضل سے مظفر و منصور ہوا۔ آخر میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے ان الفاظ پر اپنی تقریر ختم کی۔ "جیسا کہ پیشگوئیوں سے ظاہر ہے۔ اسلام کی فتوحات کا زمانہ قریب ہے۔ طوفان بے شک بہت بڑے جوش سے اٹھا ہے اور اس طوفان میں جہاز خطرے میں ہے اس لئے ضرورت ہے اس بات کی کہ سب لوگ اوپر آجاویں اور کام کریں......... یہ فارغ بیٹھنے کا وقت نہیں بلکہ کام کرنے کا وقت ہے۔ اٹھو اٹھو اور کام کرو۔ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہت مبارک ہے"۔ [۱۰۶]

بنگال میں احمدیت۔ حضرت مولوی سید عبدالواحد صاحب کی بیعت

یہ سال تبلیغی نقطہ نگاہ سے ایک بھاری خوشخبری لانے کا موجب ہوا۔ اور وہ اس طرح کہ برہمن بڑیہ بنگال کے ایک بہت بڑے عالم حضرت مولوی سید عبدالواحد صاحب (۱۸۵۳-۱۹۲۶) جو حضرت مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محل کے مشہور تلامذہ میں سے تھے احمدیت میں داخل ہوئے۔ اور ان کی تبلیغ سے ۱۹۲۱ء تک ڈیڑھ ہزار سے بھی زیادہ احمدی ہوئے۔

حضرت مولوی صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کا علم حکیم قریشی محمد حسین صاحب موجد مفرح عنبری سے ہوا۔ جنہوں نے حضور کے کچھ حالات بھی بھجوائے اور "ریویو آف ریلیجنز" کے چند پرچے بھی۔ ان پرچوں میں حضرت اقدسؑ کے ایک مضمون پر جو نظر پڑی تو اس میں ایک خاص شان و عظمت محسوس ہوئی۔ اور لفظ لفظ میں ایک روشنی سی دکھائی دی دل نے گواہی دی کہ یہ چیز اہل باطل میں نہیں ہو سکتی۔ اور اس ذوق و شوق میں حضرت اقدسؑ کی کئی کتابیں قادیان سے منگوائیں اور ان کا بالاستیاب مطالعہ کیا۔ پھر حضرت اقدسؑ مسیح موعود علیہ السلام سے خط و کتابت شروع کر دی اور نہایت ادب سے اپنے شبہات حضور کی خدمت میں لکھے جن کا جواب حضور نے اپنے قلم سے براہین احمدیہ حصہ پنجم میں شائع فرما دیا۔ اب صداقت منکشف ہو چکی تھی اس لئے آپ نے بعض خاص تلامذہ اور دوست وکیل دولت خاں صاحب کو حق کی تبلیغ شروع کر دی۔ لوگوں میں اس کا چرچا ہوا تو وہ مباحثہ کے لئے اپنے علماء لے آئے مگر وہ آپ کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ اس مناظرانہ جنگ و جدل کے بعد بھی آپ سلسلہ کی مزید تحقیق میں مصروف رہے۔ اسی دوران میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال ہو گیا۔ اگرچہ حق پوری طرح کھل چکا تھا اور شرح صدر بھی حاصل ہو گیا تھا مگر اس خیال سے کہ شاید ہندوستان کے علماء کے پاس احمدیت کے بطلان کی کوئی قطعی دلیل موجود ہو۔ آپ اکابر علماء

سے بالمشافہ ملاقات کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ آپ کا ارادہ اس سفر میں قادیان تک جانے کا بھی تھا تا حضرت مرزا صاحب کی صحبت میں رہنے والوں کی عملی و روحانی حالت بچشم خود ملاحظہ کر سکیں۔

چنانچہ آپ اکتوبر ۱۹۱۲ء میں مولوی امداد علی صاحب' قاری دلاور علی صاحب اور دھانو منشی کو ساتھ لے کر برہمن بڑیہ سے لکھنؤ پہنچے جہاں مولانا شبلی صاحب سے تخلیہ میں ملاقات کی اور پوچھا۔ قادیانی عقائد کے بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟ اس پر انہوں نے یہ کہہ کر سکوت اختیار کر لیا کہ میں نے تجربہ کیا ہے جب کسی باطل مذہب کی تردید کی جائے تو وہ اور بڑھتا ہے اور اگر خاموشی اختیار کی جائے تو بتدریج مٹ جاتا ہے۔ یہیں مولوی عبداللہ ٹونکی بھی آ گئے تھے مولوی عبدالواحد صاحب نے ان سے مسئلہ وفات مسیحؑ کی بابت سوال کیا۔ تو اس کا جواب دینے کی بجائے جھٹ بول اٹھے کہ اصل کلام تو میرزا صاحب کی نبوت میں ہے اس پر مولوی سید عبدالواحد صاحب نے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی امام عبدالوہاب شعرانی اور حضرت ملا علی قاری اور حضرت شیخ محمد طاہر کا مسلک پیش کر کے کہا کہ مرزا صاحب جس قسم کی نبوت (غیر تشریعی و ظلی) کے مدعی ہیں اس میں تو کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ انہوں نے آیت خاتم النبین پیش کر دی مولوی سید عبدالواحد صاحب نے کہا کہ خاتم کا لفظ ت کی زبر سے ہے اس لفظ کے معنی جو آخر الانبیاء کئے ہیں اس کی عرب کے کسی مستند کلام سے کوئی نظیر دکھا سکتے ہیں جھٹ جواب دیا لا نبی بعدی۔ آپ نے فرمایا کہ اس قسم کی ترکیبیں حدیث میں کثرت سے آئی ہیں چنانچہ لکھا ہے لا ایمان لمن لا امانۃ لہ و لا دین لمن لا عھد لہ۔ ان دونوں حدیثوں میں "لا" کا حرف نفی جنس کے لئے نہیں نفی کمال کے لئے مستعمل ہوا ہے یہی معنی لا نبی بعدی کے ہیں یعنی میرے بعد مجھ سی شان رکھنے والا کوئی نبی قیامت تک نہیں آ سکتا۔ الغرض مسئلہ نبوت پر مغرب کی نماز تک گفتگو جاری رہی۔

دوسرے دن آپ حضرت مولوی عبدالحی صاحب کے داماد مولوی عبدالباری صاحب سے ملاقی ہوئے مگر انہوں نے مسئلہ وفات مسیحؑ کی طرف توجہ دینے سے گریز کیا۔ اور محض مجادلانہ باتیں ہی کرتے رہے آخر آپ لکھنؤ سے شاہجہانپور آئے اور بریلوی فرقہ کے پیرو مرشد مولوی احمد رضا خان صاحب کے مکان پر پہنچے۔ اور ان سے اپنے آنے کی غرض بتائی۔ انہوں نے بات سنتے ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ جڑ دیا۔ مولوی سید عبدالواحد صاحب نے اس فتویٰ کے ثبوت میں کوئی دلیل طلب کی انہوں نے جواب دیا کہ امت محمدیہ کے نزدیک دعویٰ نبوت کفر ہے۔ آپ نے ان کے سامنے بھی وضاحت کی جیسا کہ مولوی عبداللہ ٹونکی کے سامنے کر چکے تھے اور پہلا مطالبہ ان سے بھی کیا۔ مگر وہ بد حواس سے ہو گئے۔ آپ نے ان سے پوچھا خاتم النبین کیا مقام مدح

میں آیا ہے؟ جواب دیا۔ ہاں۔ آپ نے پوچھا خاتم کے معنی کیا ہیں۔ کہنے لگے مہر۔ آپ نے کہا۔ اب "خاتم النبیین" کے معنی کیجئے۔ فرمانے لگے سب نبیوں کے بعد آخر نبی۔ عرض کیا کہ آخری کس لفظ کے معنی ہیں۔ مولوی احمد رضا خان صاحب نے جواب دیا۔ ہم فتویٰ لکھ کر آخر میں ہی مہر کرتے ہیں۔ آپ نے کہا میں تو ایسا نہیں کرتا۔ میں ہمیشہ دہنے طرف حاشیہ پر مہر کر دیتا ہوں یہی دستور سرکاری کاغذوں میں ہوتا ہے۔ اس پر وہ بالکل لاجواب ہو گئے۔ مولوی احمد رضا خان صاحب سے باتیں کرتے کرتے بارہ بج گئے۔ اثنائے گفتگو میں بعض اوقات ان کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا ان کی یہ کیفیت دیکھ کر آپ نے گفتگو بند کر دی۔ اور وہاں سے امروہہ میں مولوی محمد احسن صاحب سے ملنے کے بعد دہلی آکر مولوی عبد الحق صاحب (مولف تفسیر حقانی) کے پاس پہنچے اور سوال کیا کہ ظہور مہدی و نزول مسیح کے بارے میں آپ کی تحقیق کیا ہے کہنے لگے کسی مسیح و مہدی کے آنے کی کوئی ضرورت نہیں جن حدیثوں میں ان کی آمد کی خبر ہے وہ احاد کی قبیل سے اور محض ظنی ہیں۔ مولوی عبد الواحد صاحب نے کہا کہ حضرت ابھی آپ جو خواجہ قطب الدین صاحب بختیار کاکی کے مزار سے ہو کر آئے ہیں تو آپ کو وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی۔ مولوی عبد الحق صاحب نے اپنے خادم کو زور سے آواز دی کہ چائے لاؤ اور مولوی صاحب کو پلاؤ لیکن آپ نے عذر کر دیا۔ دوسرے دن پنجاب کی طرف روانہ ہو گئے۔ امرت سر پہنچ کر مولوی ثناء اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی ان دنوں میر قاسم علی صاحب نے اشتہار دے رکھا تھا کہ اگر میرے تجویز کردہ الفاظ میں مولوی ثناء اللہ صاحب حضرت مسیح موعودؑ کی تکذیب شائع کر دیں تو پچیس روپے انعام دوں گا۔ مگر مولوی صاحب اس طرف نہیں آتے تھے۔ اب جو مولوی ثناء اللہ صاحب سے ملے تو جونہی ان کی نظر آپ پر پڑی ان کا رنگ فق ہو گیا نہ معلوم اس کی کیا وجہ تھی؟ المختصر آپ امرت سر سے بٹالہ آئے اور دوسرے دن صبح مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے پاس پہنچے قبل ازیں مولوی محمد حسین صاحب نے خط لکھا تھا۔ کہ میرزا صاحب قادیانی کی تردید جس قدر میں نے کی ہے کسی نے نہیں کی۔ سات برس تک یہی کام کرتا رہا۔ چنانچہ "اشاعۃ السنہ" کی سات جلدیں میرے پاس موجود ہیں اور ہر ایک کی قیمت تین روپیہ ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ آپ صرف یہ بتائیں اس سات برس کے عرصہ میں آپ نے کتنے مسائل میں مرزا صاحب کو شکست دی ہے؟ مولوی محمد حسین صاحب نے بوقت ملاقات آپ کو قادیان جانے سے روکنے کے لئے بہت کچھ حیلہ انگیز باتیں کیں۔ مگر آپ نے جواب دیا۔ جب اتنی دور آگئے ہیں تو قادیان دیکھے بغیر نہ جائیں گے چنانچہ بڑی مشکل سے آپ مولوی محمد حسین سے رخصت ہو کر قادیان پہنچے۔ قادیان میں آپ پندرہ دن تک حضرت خلیفہ اول سے تبادلہ خیالات کرتے رہے اور جب اپنے تمام نوٹ کئے ہوئے شبہات کا تسلی بخش جواب پا کر ہر طرح اطمینان

کرلیا۔ اور قادیان کے باشندوں کے حالات کو بھی غور و تدبر کی نگاہ سے دیکھ کر انشراح صدر ہو گیا۔ تو مزید توقف نہ کرتے ہوئے حضرت خلیفہ اول کے دست مبارک پر بیعت کرلی۔ ۱۰۵

حضرت مولوی سید عبد الواحد صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں درخواست کی کہ بنگال میں علماء کا ایک تبلیغی وفد بھجوایا جائے۔ چنانچہ حضور نے مارچ ۱۹۱۳ء میں حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب، حضرت حافظ روشن علی صاحب، حضرت میر قاسم علی صاحب، حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی، مولوی مبارک علی صاحب اور مولوی ابو یوسف صاحب کو بنگال بھجوایا۔ اس وفد کے امیر حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب تھے۔ وفد نے سترہ دن تک بنگال کے مختلف مقامات کا دورہ کرکے تبلیغ حق کا فریضہ ادا کیا۔ یہ پہلا وفد تھا جو قادیان سے بنگال بھیجا گیا۔ ۱۰۶

جنگ بلقان

۱۹۰۸ء میں نوجوان ترکوں کی پارلیمنٹ نے سلطان کو معزول کرکے اس کی جگہ محمد خامس کو سلطان اور خلیفۃ المسلمین بنالیا تھا یورپ کی بڑی بڑی حکومتیں اس انقلاب سے بہت مشوش ہوئیں اور آخر ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے طرابلس پر چڑھائی کردی پھر بلقانی ریاستوں نے بھی دول عظمیٰ کی شہ پاکر ترکی کے ساتھ جنگ چھیڑ دی۔ ۱۰۷ اور ترکی نہایت تشویشناک صورت حال سے دوچار ہو گیا۔ اس سلسلہ میں متحدہ ہندوستان کے مسلمان زعماء اور مسلمان اخبارات نے یہ تحریک اٹھائی کہ عید الاضحیہ کی قربانی کا روپیہ ترکی مجروحین کی امداد میں بھیج دیا جائے۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنے اخبار "الہلال" میں تو یہاں تک لکھا۔ "آج نماز اور حج سے بڑھ کر ہمارا فرض ترکوں کی مدد ہے"۔ ۱۰۸ لیکن حضرت خلیفۃ المسیح اول سے جب فتویٰ طلب کیا گیا تو آپ نے فرمایا نہیں جن پر قربانی فرض ہے وہ قربانی کے علاوہ روپیہ بھیج سکتے ہیں مگر شرعاً قربانی کے بدلہ میں روپیہ نہیں دیا جاسکتا۔ ۱۰۹ نیز ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا۔

"حضرت نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں بڑی ضرورتیں تھیں۔ خلفاء کے زمانہ میں سخت سے سخت ضرورتیں تھیں۔ قربانی ترک نہیں کی گئی.......... افسوس قرآن نہ سمجھنے کا وبال ہے۔ کیا مسلمانوں کے پاس مال ہی نہ رہا کہ اب قربانی پر ہاتھ صاف کرنے لگے۔ اگر ایسے ہی مفلس ہیں تو نہ زکوۃ نہ قربانی اور نہ تعلیم پر روپیہ خرچ کریں چھٹی ہوئی اللہ اللہ ثم اللہ اللہ۔ مکہ میں قربانیاں بند کردیں.......... یونیورسٹی کا روپیہ دے دیں۔ ۴ کروڑ مسلمان ہیں ۴/ ہی دیں۔ مگر خود اسلام کے شعار کو ہاتھ سے نہ دیں۔ طرابلس کے غریب عرب جان دے رہے ہیں ترک میدان جنگ چند روز جاری رکھیں قد افلح المومنون وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا بالکل سچ ہے حرفے بس است"۔ ۱۱۰

بعض نام نہاد احمدیوں نے اس موقف پر اعتراض کیا تو آپ نے مفصل تقریر کی کہ میں ترکی کو چندے دینے کا ہرگز مخالف نہیں۔ مگر شرعی قربانی چھوڑنا ہرگز جائز نہیں۔ خود ترکی حکومت نے عید کی قربانیاں ترک نہیں کیں۔ مکہ معظمہ میں قربانیاں ہوئیں پس ایسی باتوں میں اختلاف نہ کرو۔ مجھے خدا تعالیٰ نے خلیفہ بنایا ہے۔ اور میں تم میں سے کسی کا بھی احسان مند نہیں جسے یقین نہ ہو وہ مقابلہ پر آکر دیکھ لے۔ ۱۱۱

ترکی کے لئے چندے کے بارے میں حضرت خلیفہ اول نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہ روپیہ جس مقصد کے لئے لیا جاتا ہے۔ اسی میں خرچ ہو اور صحیح مقام پر پہنچ جاوے۔ ایک خط کے جواب میں آپ نے یہاں تک لکھا۔ "میں ڈرتا ہوں کہ غریبوں کا روپیہ ضائع نہ ہو جاوے"۔ چنانچہ آپ کی یہ فراست حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ چنانچہ اسی چندہ کے پرجوش حامی الهلال کے ایڈیٹر۔ مولوی ابوالکلام صاحب آزاد نے ایک لمبے آرٹیکل میں یہ انکشاف کیا۔ کہ "جس شخص کا جی چاہتا ہے فرضی انجمنیں قائم کرلیتا ہے۔ چندوں کے لئے فہرست کھول دیتا ہے۔ نہ کوئی حساب و کتاب ہے اور نہ کوئی نگرانی و احتساب"۔ ۱۱۲

دو تحریکیں

دسمبر ۱۹۱۲ء کے آخر میں حضرت خلیفہ اول نے دو اہم تحریکیں فرمائیں۔

۱۔ علم الرویا کا علم اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کو عطا فرمایا۔ اور ان سے ورثہ میں علماء امت کو پہنچا۔ چنانچہ پہلے مسلمانوں نے اس فن پر کامل التعبیر اور تعطیر الانام وغیرہ عمدہ کتابیں لکھیں حضرت خلیفہ اول نے تحریک فرمائی کہ ہم سے پہلے بزرگوں نے تو اپنا فرض ادا کردیا۔ لیکن اب کئی نئی ایجادیں نکل آئی ہیں ہمیں نئی ضروریات کے لئے اس فن کی ضخیم کتاب تیار کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔

۲۔ دوسری تحریک آپ نے یہ فرمائی کہ مال غنیمت کی تقسیم کے لئے جو اللہ اور رسول کا حق ہے اس کا مصرف موجودہ زمانہ میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی' اس کی صفات' اس کے افعال اور اس کے کلام پاک کی اشاعت پر رسالے اور ٹریکٹ شائع کئے جائیں۔ اور رسول کریم ﷺ کے حصہ کی ادائیگی کے لئے حدیث شریف کی اشاعت اور حضور کی ذات اور حضور کے خلفاء پر اعتراضات کے جوابات پر روپیہ خرچ کیا جائے۔ ۱۱۳

قاضی محمد یوسف صاحب کے ایک رقعہ کا جواب

۲۸ / دسمبر ۱۹۱۲ء کا واقعہ ہے کہ قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری حضور کی خدمت میں دعا کا ایک رقعہ لے کر حاضر ہوئے۔ آپ چارپائی پر مطب میں تشریف فرما تھے۔

اور دونوں طرف اکبر شاہ خاں اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب بیٹھے تھے۔ حضرت خلیفہ اولؓ نے رقعہ کی پشت پر چند الفاظ لکھے جن سے یہ حقیقت کھلتی ہے کہ آپ کو خدا کی طرف سے آئندہ بعض اختلافات سلسلہ کے بارے میں انکشاف ہو چکا تھا۔ اور آپ کسی نہ کسی رنگ میں اس کا اظہار بھی فرما دیتے تھے۔ الفاظ یہ تھے۔

"انشاء اللہ بہت دعا کروں گا۔ آپ خود بھی دعا کریں۔ ایک رؤیا ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ایران برباد ہو گئی گو مجھے تبرا کرتے ہیں مگر اس کی پرواہ نہیں۔ اب فوجیں تیار کرتا ہوں اللہ کرے تم بھی افسر فوج ہو جاؤ"۔ ۱۱۴

"انجمن مبلغین" کا قیام

حضرت خلیفہ اول کی تحریک پر ۱۹۱۲ء کے ابتداء میں قادیان کے بعض نوجوانوں نے ایک "انجمن مبلغین" بنائی جس کا نام "یادگار احمد" بھی تھا۔ اس انجمن کی غرض اسلام کی تائید اور باقی مذاہب کے ابطال میں چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ شائع کرنا تھا۔ اس انجمن نے پہلا ٹریکٹ "کسر صلیب" کے نام سے شائع کیا۔ جو حضرت میر محمد اسحاق صاحب کے قلم سے نکلا۔ ۱۱۵ اس انجمن کی دیکھا دیکھی لاہور میں "احمدیہ ینگ مین ایسوسی ایشن" بھی قائم ہوئی جس نے کئی پمفلٹ چھاپے۔ ۱۱۶

"خطبات نور" کی اشاعت

بابو عبد الحمید صاحب آڈیٹر ۱۱۷ راجپورہ بٹھنڈا ریلوے لاہور نے حضرت خلیفہ اول کے خطبات کتابی شکل میں شائع کئے اور جس کا نام خود حضرت ہی نے خطبات نور رکھا۔ اور خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

"میرے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی ان کو جمع کرے گا۔ بڑی محنت کی ہے۔ جیسی آپ نے ان سے محبت کی ہے خدا آپ سے محبت کرے"۔

قبل ازیں یہ تحریر اپنے دست مبارک سے لکھ کر دی۔ "بابو عبد الحمید صاحب نے میری اجازت سے اور مجھے مسودات دکھانے کے بعد میرے خطبات کو کتاب کی صورت میں شائع کرنے کا انتظام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اخلاص کے واسطے انہیں جزائے خیر دے اور ان کے کام کو بابرکت کرے"۔ ۱۱۸

ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب سے خط و کتابت

ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے عربی ادب کی اعلیٰ ترین کتب کے بارے میں حضرت خلیفہ اول سے راہ نمائی چاہی تھی چنانچہ آپ نے ۲/ دسمبر ۱۹۱۲ء کو عربی کے ادبی لٹریچر کی ایک فہرست بھجوائی اور لکھا کہ علم ادب کی اعلیٰ سے اعلیٰ کتاب مخل بالطبع ہو کر عرض کرتا ہوں اور اس امر میں بڑے بڑے ادیب میرے ساتھ ہیں۔ حتیٰ کہ جرمنی کے عربی دان بھی کہتے ہیں کہ عربی کی بہترین کتاب قرآن

مجید ہے۔ [۱۱۹]

حضرت مسیح موعودؑ کی نبوت کا واضح اعلان

دسمبر ۱۹۱۲ء میں حضرت خلیفہ اول نے فرمایا۔ "میں حیران ہوں کہ لوگ اگلے مجددوں کو تو مانتے ہیں جن میں کسی نے کھل کر یہ دعویٰ نہیں کیا۔ کہ مجھ پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے اور محض اس لئے مان لیا۔ کہ ان میں سے کسی نے بہت سی کتابیں تصنیف کر دیں اور اس مجدد اعظم کا انکار کرتے ہیں جو حجج منیرہ کے ساتھ آیا۔ اور اس میں دوسرے مجددوں سے کئی باتیں بڑھ کر ہیں۔ مثلاً یہ کہ خدا کی وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے اور اسے بطور حجت بارہا اعلان کر کے شائع کیا۔ پھر آنحضرت ﷺ کے سال ہائے نبوت سے زیادہ مدت گذر گئی۔ دوم تمام مجددوں میں سے نبی اللہ صرف آپ ہی کے لئے احادیث میں آیا ہے دیکھو مسلم سوم آپ نے تمام مخالف اسلام مذاہب کی تردید قرآنی آیات سے کی اور اسلام کو تمام ادیان پر حسب پیشگوئی **لیظھرہ علی الدین کلہ** غالب کر دکھایا"۔ [۱۲۰]

ٹرکی کی شکست اور حضرت مسیح موعودؑ کی ایک پیشگوئی

جنگ بلقان میں ترکی کی شکست ہوئی جو پورے عالم اسلام کے لئے نہایت درجہ دردناک حادثہ تھا۔ مگر اس موقعہ پر چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک پیشگوئی پوری ہوئی۔ اس لئے خواجہ کمال الدین صاحب نے ولایت کے ایک انگریزی اخبار میں مضمون لکھا کہ "آج سے ۹ سال پہلے احمد نبی قادیان نے صاف اور صریح اور بلا مغشوش الفاظ میں پیشگوئی کی [۱۲۱] ..... **غلبت الروم فی ادنی الارض و ھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین** (ریویو آف ریلیجز اردو جنوری ۱۹۰۴ء) ترک اس زمین میں جو ان سے ملحق ہے مغلوب ہوں گے اور پھر چند سالوں میں اپنے دشمن پر غالب آویں گے اس پیشگوئی کا پہلا حصہ قریباً پورا ہو چکا ہے "اور عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جبکہ واقعات آئندہ اس کے بقیہ حصہ کو پورا کر دیں گے۔ عربی الہام میں الفاظ ادنی الارض بہت ہی معنے خیز ہیں ان سے مراد بہت ہی قریب کی زمین اور ملک جو ترکی کی سرزمین کے ملحق ہو جس سے صاف طور پر بلقان کی زمین مراد ہے۔ (ترجمہ) [۱۲۲]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں "بضع سنین" کا لفظ بتاتا تھا کہ یہ حادثہ تین سے نو سال تک کے عرصہ میں وقوع پذیر ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی عمل میں آیا اور جیسا کہ اس میں یہ خبر تھی کہ ترک پھر غالب آئیں گے۔ مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں ترک مسلمان شاہراہ ترقی پر گامزن ہو گئے اور عجیب بات ہے کہ مغلوبیت کے ٹھیک ۹ سال کے اندر اندر وہ اس قابل ہو گئے۔ کہ یونان کو پہلی

شکست دے سکیں۔ چنانچہ "تاریخ اقوام عالم" (مولفہ مرتضیٰ حسن خاں) میں لکھا ہے۔ "مصطفیٰ کمال پاشا نے انقرہ میں بیٹھ کر نئی فوج مرتب کی اور ۱۹۲۱ء میں انقرہ سے چند میل کے فاصلہ پر یونانیوں کو پہلی شکست دی"۔ [۱۲۳]

حضرت خلیفہ اول کی تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۱۲ء پر

حضرت خلیفہ اول نے ۲۵/ دسمبر ۱۹۱۲ء کو نماز ظہر کے بعد مسجد اقصیٰ میں ایک تقریر دلپذیر فرمائی جس میں جماعت کو وحدت و اتحاد کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔ "ملکوں پر ملک تمہارے قبضہ سے نکلتے چلے جاتے ہیں۔ سمرقند' بخارا' دہلی' لکھنؤ' مصر' مسقط' زنجبار' مراکش' تیونس' طرابلس' ایران وغیرہ بارہ سلطنتیں مسلمانوں کی میرے دیکھتے دیکھتے تباہ ہوئیں اور اب قسطنطنیہ پر بھی دانت ہے یہ کیوں ہوا؟ قرآن میں اس کا سبب لکھا ہے۔ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم باہم جھگڑے چھوڑ دو تم سست ہو جاؤ گے۔ تمہاری ہوا بگڑ جائے گی"۔

حضرت صاحبزادہ صاحب سفر حجاز میں تھے [۱۲۴] اس لئے ان کے خطوط جلسہ کے موقع پر سنا دیئے گئے۔ [۱۲۵]

حواشی باب پنجم

۱۔ بدر ۲/ مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳ کالم ۱
۲۔ آپ کے علاوہ دعائے خاص میں جن خوش قسمت دوستوں کو شرکت کی سعادت میسر آئی ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب۔ حضرت مولوی عبداللہ صاحب بوتالوی۔ حضرت سید سعید الدین احمد صاحب سونگڑوی۔ (بدر ۲ / مئی ۱۹۱۲ء الفضل ۲۶ / اگست ۱۹۴۸ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ الفضل ۲۹ / ستمبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۴ کالم ۳) ملک بشیر علی صاحب (منڈی بہاؤ الدین) کا بھی بیان ہے کہ وہ اس موقعہ پر شامل درس تھے۔
۳۔ رجسٹر نمبر ۵ صدر انجمن احمدیہ ۱۱-۱۹۱۲ء صفحہ ۳۰۴۔ الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۱۶ کالم ۱۔ یہاں مزید یہ بتانا ضروری ہے کہ آپ نے خلافت اولیٰ کے زمانہ میں جس قدر سفر کئے ہیں انجمن سے ایک پائی تک طلب نہیں کی (ہدایات زریں صفحہ ۸۴)
۴۔ الحکم ۱۴/ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۱ کالم ۱-۲
۵۔ الحکم ۲۸-۲۱/ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۱ کالم ۲۔ و الحکم ۱۴-۷ / مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۲
۶۔ مفصل خطبہ کے لئے ملاحظہ ہو بدر ۳۰/ مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۲ کالم ۲، ۳
۷۔ مفصل حالات کے لئے "حیات شبلی" پڑھئے
۸۔ روئیداد جلسہ ندوۃ العلماء ۱۹۱۲ء صفحہ ۵۱
۹۔ تفسیر کبیر الماعون صفحہ ۲۶۶ (مؤلفہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) مولانا شبلی نے حضرت صاحبزادہ صاحب کو مدعو کرنے کے علاوہ خواجہ کمال الدین صاحب کو بھی لیکچر کے لئے بلایا تھا۔ مولانا شبلی کی اس وسعت حوصلہ کے مقابل دوسرے علماء کی تنگ ظرفی ملاحظہ ہو کہ وہ اس بات پر معترض ہوئے کہ احمدیوں کو کیوں شامل جلسہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی "حیات شبلی" (صفحہ ۵۲۹) میں لکھتے ہیں۔ "مولانا یہ چاہتے تھے کہ اشاعت کا کام تمام فرقے مل کر کریں۔ اس لئے مرزا بشیر الدین محمود احمد جواب خلیفہ قادیان ہیں اور خواجہ کمال الدین صاحب تک کی شرکت سے انکار نہیں کیا گیا۔ اس پر اس جلسہ کے دوران میں مولانا پر یہ الزام رکھا گیا۔ کہ انہوں نے قادیانیوں کو جلسہ میں کیوں شریک کیا اور ان کو تقریر کی اجازت کیوں دی۔ مگر مولانا شروانی کی ثالثی سے یہ بلا ٹلی"۔
۱۰۔ الفضل ۲۵/ جون ۱۹۶۰ء صفحہ ۴ کالم ۲
۱۱۔ تفسیر کبیر البقرہ جزو دوم صفحہ ۵
۱۲۔ الحکم ۱۴-۷ / مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۸ کالم ۱۔ صدر انجمن احمدیہ کی سالانہ رپورٹ ۱۲-۱۹۱۱ء صفحہ ۱۱۲
۱۳۔ الحکم ۱۴-۷ / مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۸ کالم ۱-۲
۱۴۔ الحکم ۱۴-۷ / مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۸-۹
۱۵۔ ٹریکٹ جواب اشتہار جناب غلام سرور صاحب کانپوری از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ
۱۶۔ آئینہ صداقت صفحہ ۱۵۲/ ا، ۱۵۲/ ب الحکم ۱۸-۱۷/ مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۰
۱۷۔ یہ مجلس مولوی محمود الحسن صاحب نے ۱۹۰۹ء میں قائم کی تھی۔ جس کے سلسلہ میں علی گڑھ کالج سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ کالج کے وہ طلبہ جو تبلیغ کا شوق رکھیں دیوبند میں جا کر علوم اسلامیہ حاصل کریں اور جو دیوبند سے فارغ ہو کر انگریزی پڑھنا چاہیں۔ ان کے لئے علی گڑھ کالج میں خاص انتظام کیا جائے گا۔ (موج کوثر صفحہ ۲۲۴)
۱۸۔ الحکم ۱۴-۷ / مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۱-۱۲
۱۹۔ الحکم ۱۴-۷ / مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۲
۲۰۔ جواب اشتہار جناب غلام سرور صاحب کانپوری صفحہ ۲-۸ (یہ ٹریکٹ قادیان کی احمدیہ لائبریری میں محفوظ ہے)

۲۱۔ الحکم ۱۴/ جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۲ کالم ۲
۲۲۔ حضرت مولوی سید عبدالستار صاحب افغان حضرت مولوی ابوالحمید صاحب سب رجسٹرار حیدر آباد دکن' حضرت مولوی سعید احمد صاحب مدرس دینیات حیدر آباد دکن' مولوی صدر الدین صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول۔ میاں غلام حسین صاحب کلرک دفتر نظارت صدر انجمن (بدر ۲/ جون ۱۹۱۲ء صفحہ ا کالم ۱-۲)(بدر ۲۷/ جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۳ کالم ۲)
۲۳۔ بدر ۲۷/ جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۴-۵۔
۲۴۔ الحکم ۱۴/ جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳ کالم ۳
۲۵۔ اس بلڈنگ پر جو مال روڈ پر واقعہ ہے آج تک یہ کتبہ نصب ہے۔

ماشاءالله

لاقوة الاباالله

دارالرحمت

جس کا سنگ بنیاد حضرت خلیفۃ المسیح مولوی حکیم نور الدین صاحب

نے ۱۵/ جون ۱۹۱۲ء مطابق ۲۸/ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ

___ کو رکھا ___

۲۶۔ بدر ۲۷/ جون ۱۹۱۲ء
۲۷۔ بدر ۱۱/ جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۶-۷
۲۸۔ الحکم ۲۸-۲۱/ جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۰ پر شعبہ کا لفظ چھپا ہے
۲۹۔ بدر ۱۱/ جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۴-۵
۳۰۔ بدر ۱۱ جولائی ۱۹۱۱ء صفحہ ۳-۴
۳۱۔ اس تقریر میں آپ نے اس خیال کا بھی رد کیا کہ خلافت کے بارے میں لاہوری روک ہیں آپ نے فرمایا "جس طرح ابوبکر اور عمر خلیفہ ہوئے رضی اللہ عنہما اسی طرح پر خدا تعالیٰ نے مجھے مرزا صاحب کے بعد خلیفہ کیا۔ پس جب خلیفہ بنانا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ تو کسی اور کی کیا طاقت ہے کہ اس کے کام میں روک ڈالے؟" اس موقعہ پر کسی شریر نے جو بظاہر اہل بیت کا محب اور در پردہ منکرین خلافت کے ساتھیوں میں سے تھا محض فتنہ کھڑا کرنے کے لئے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ خلافت کا حق کسی کا تھا اور دی گئی کسی کو۔ حضرت خلیفہ اول نے اپنی تقریر میں اس شخص کو رافضی۔ جھوٹا اور فاسق قرار دیا۔ اور اس کے اصل مطلب کو کمال فراست سے بھانپ کر حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ اور خاندان مسیح موعودؑ کی اطاعت کی از حد تعریف فرمائی۔ اس تقریر کے دوران حضرت خلیفہ اول نے یہ بھی نصیحت فرمائی کہ لاہوریوں پر بدظنی نہ کرو۔ اس ذریعہ سے آپ نے اس توقع کا اظہار کیا کہ عین ممکن ہے کہ ان میں کبھی تبدیلی ہو جائے۔ اور ان لوگوں کو ایک اور موقعہ دیا کہ وہ سنبھل جائیں۔ مگر افسوس بعد میں خفیہ ٹریکٹوں نے ان کے سب باطنی عزائم و خیالات بے نقاب کر دیئے۔ اور ان کے متعلق حسن ظنی کا کوئی پہلو نہ رہا۔
۳۲۔ بدر ۱۸/ جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳-۷ میں یہ تقریر مفصل چھپی ہوئی ہے۔
۳۳۔ رسالہ فرقان (قادیان) جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۰
۳۴۔ تفسیر کبیر (النور) صفحہ ۴۰۷
۳۵۔ بدر ۲۷/ جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۵ کالم ۳۔ مفصل تقریر کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۲۱-۱۴/ اگست ۱۹۱۲ء
۳۶۔ بدر ۲۵/ جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۵ کالم ۱
۳۷۔ بدر ۲۷/ جون ۱۹۱۲ء صفحہ ۵ کالم ۳
۳۸۔ آپ برصغیر پاک و ہند کے مشہور مورخ۔ اردو کے بلند پایہ ادیب۔ بہت سی اعلیٰ درجہ کی تاریخی اور تحقیقی کتب کے مولف اور کئی

اخباروں اور رسالوں کے ایڈیٹر تھے۔ ۱۸۵۷ء میں بمقام نجیب آباد پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں پہلی مرتبہ قادیان میں آئے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہوئے دسمبر ۱۹۰۶ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں فارسی ٹیچر مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۷ء میں تبلیغ اسلام کے لئے زندگی وقف کی۔ ۱۹۱۲ء میں "مرقاۃ الیقین" شائع کی پھر مئی ۱۹۱۴ء میں رخصت بلا تنخواہ پر ہمیشہ کے لئے قادیان سے لاہور چلے گئے یہاں عرصہ تک اخبار "پیغام صلح" کی ایڈیٹری کرتے رہے۔ پھر "زمیندار" کے ایڈیٹر ہو گئے۔ دیال سنگھ کالج کے پروفیسر بھی ہوئے۔ پھر وطن چلے گئے۔ اور ایک رسالہ "عبرت" جاری کیا اور سلسلہ سے بے تعلقی کی حالت میں ۱۲/ مئی ۱۹۳۸ء کو نجیب آباد میں انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون (الحکم ۱۴/ نومبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۷-۸۔ رسالہ نقوش لاہور نمبر صفحہ ۹۲۲۔ رجسٹر نمبر ۷ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۴-۱۹۱۳ء صفحہ ۲۷۳

۳۹۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۴-۱۵ (مقدمہ)

۴۰۔ کتاب کا نام حضرت حافظ روشن علی صاحب نے تجویز فرمایا اور کتابت منشی کرم علی صاحب خوشنویس نے فرمائی۔ (مرقاۃ الیقین صفحہ ۱-۲) یہ حصہ اول تھا۔ اکبر شاہ خان نے دوسرے حصہ کے لئے بھی شبانہ روز کوشش سے بہت سا مواد فراہم کر لیا تھا اور ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے نے اس کے لئے ان کو مناسب ھدیہ کی پیشکش بھی کی مگر ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ اسی اثناء میں ان کی وفات ہو گئی۔ ملک صاحب نے ملک بشیر علی صاحب (حال منڈی بہاء الدین) کو مسودات کی تلاش میں نجیب آباد بھیجا۔ لیکن چنداں کامیابی نہ ہوئی۔

۴۱۔ "مرقاۃ الیقین" کے کئی ایڈیشن آج تک چھپ چکے ہیں پہلا ایڈیشن ۱۹۱۲ء میں چھپا اس کے بعد احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور اور الشرکتہ الاسلامیہ ربوہ نے شائع کیا۔ انجمن اشاعت اسلام نے اس کی اشاعت پر کچھ تصرف کر کے حضرت کے شجرہ نسب کے ابتدائی الفاظ جو بدر ۲۸/ مارچ ۱۹۱۲ء سے ماخوذ تھے حذف کر دیئے۔ کیونکہ ان میں لکھا تھا۔ "آج سے تیرہ صدیاں قبل حضرت عمر خلافت نبوی کے مالک ہوئے تھے آج ان کے ایک بیٹے کو خدا تعالیٰ نے ایک نبی کا خلیفہ اول بنا دیا ہے"۔ (مرقاۃ الیقین پہلا ایڈیشن صفحہ ۱۶) "مرقاۃ الیقین" کا وہ حصہ جو آپ کی رقم فرمودہ سوانح پر مشتمل ہے "حیات نور الدین" کے نام سے شائع شدہ ہے اس کے آخر میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے قلم سے آپ کی قادیان کی زندگی کے مختصر حالات بھی درج ہیں۔

۴۲۔ ریویو آف ریلیجنز اردو ۱۹۱۴ء صفحہ ۴۹-۶۲

۴۳۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مجدد اعظم حصہ سوم میں لکھتے ہیں۔ "ووکنگ مشن بھی کسی تیار کردہ اسکیم کا نتیجہ نہ تھا۔ خواجہ کمال الدین صاحب کو ایک مقدمہ میں وکالت کا کام سرانجام دینے کے لئے انگلستان جانا پڑا"۔ (صفحہ ۳۲۷)

۴۴۔ پیغام صلح جلد ا نمبر ا صفحہ ۳ کالم

۴۵۔ بدر ۲۰-۶/ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴ کالم ا

۴۶۔ الحکم ۱۴/ نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۶۔ الف

۴۷۔ بدر ۳۱/ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳ کالم ۳۔ ڈاکٹر لائٹر ۱۸۳۲ء میں ہنگری میں پیدا ہوئے آٹھ سال کی عمر میں قسطنطنیہ میں عربی اور ترکی سیکھنی شروع کی۔ نومبر ۱۸۶۴ء میں گورنمنٹ کالج کے پرنسپل بنے عرصہ دراز تک اسلامی ملکوں کی سیاحت کی اور اسی دوران میں اسلام قبول کیا اور اپنا نام عبد الرشید سیاح رکھا اور دو جلدوں میں تاریخ اسلام لکھی ۱۸۸۶ء میں وہ لاہور سے چلے گئے مسجد ووکنگ انہی کی یادگار ہے ۲۲/ اپریل ۱۸۹۹ء میں جرمنی میں فوت ہوئے۔ ("نقوش" لاہور نمبر صفحہ ۹۴۲)

۴۸۔ مجدد اعظم حصہ سوم صفحہ ۳۲۸۔ پیغام صلح ۷/ جون ۱۹۱۴ء صفحہ ا کالم ا۔ احمدی جنتری ۱۹۲۱ء صفحہ ۲۳ مرتبہ منظور الٰہی صاحب

۴۹۔ چودھری فتح محمد صاحب سیال مسلم مشنری انگلستان کا بیان الفضل یکم جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۶ کالم ۴

۵۰۔ مجدد اعظم جلد سوم صفحہ ۳۲۸

۵۱۔ پیغام صلح یکم مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ا کالم ۲

۵۲۔ لارڈ ہیڈلے کے اپنے بیان سے ظاہر ہے کہ ان کے قبول اسلام میں خواجہ صاحب کی تبلیغ کا کچھ اثر نہیں وہ مدتوں سے اسلامی عقیدہ پر قائم تھے چنانچہ لکھتے ہیں۔ "میرے موجودہ اعتقادات میری کئی سالوں کی تحقیقات اور تفتیش کا نتیجہ ہیں میرے دوست خواجہ کمال الدین صاحب نے ذرہ بھر کوشش مجھے اپنے زیر اثر لانے کی نہیں کی۔ (پیغام صلح ۱۶/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۳ کالم ۳ یہ وہی

لارڈ ہیڈلے ہیں جن پر واٹرلو اسٹیشن کے باہرے نوشی کا ارتکاب کرنے کے جرم میں مقدمہ چلایا گیا تھا۔ (الفضل ۲۰/ جنوری ۱۹۱۷ء صفحہ ۳-۴

۵۳- مجدد اعظم حصہ سوم صفحہ ۳۲۸
۵۴- پیغام صلح ۲۰/ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۳ کالم ۲-۳
۵۵- حیات عثمانی صفحہ ۲۴۰ مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر حیدر آباد دکن ۱۹۳۶ء
۵۶- رسالہ "شریف بی بی" اخبار ایڈیٹر محبوب عالم منشی) ۱۰/ اپریل ۱۹۱۴ء اخبار (پیغام صلح ۷/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۳
۵۷- پیغام صلح ۴/ جنوری ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۲ و ۲۵/ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۳- الہلال ۲۴/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۷-۴- پیغام صلح ۲۵/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱ کالم ۲
۵۸- پیغام صلح ۲۸/ دسمبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۸ کالم ۳- نیز ٹریکٹ "ووکنگ مشن کی اجمالی کیفیت"
۵۹- بدر ۶/ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۲ کالم ۲
۶۰- پیغام صلح ۱۸/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۳ کالم المکتوب ۱۳/ جنوری ۱۹۱۴ء
۶۱- قادیانی مذہب بار پنجم از پروفیسر الیاس برنی صفحہ ۸۳۲
۶۲- مجاہد کبیر صفحہ ۱۸۸
۶۳- اخبار مدینہ (بجنور) ۲۱/ جون ۱۹۲۸ء
۶۴- ووکنگ کے ایک سابق امام عبد المجید خان نے لکھا۔ "لوگوں میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے۔ کہ ووکنگ مشن جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتا ہے ووکنگ مسجد اور مشن بالکل آزاد ادارے ہیں اور کسی بھی فرقہ سے تعلق نہیں رکھتے.........ووکنگ مسجد اور مشن کا تعلق احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے صرف اور صرف اتنا ہے کہ انجمن مشن کے بجٹ کو پورا کر دیتی ہے (پاکستان ٹائمز عید سپلیمنٹ ۱۹/ جولائی ۱۹۵۶ء)

۶۶- بدر ۳/ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۲- الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۴۷ کالم ۱- آپ کی عدم موجودگی میں حضرت مولوی شیر علی صاحب افسر مدرسہ اور حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب ان کے تعلیمی مشیر قرار پائے (ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ رجسٹر نمبر ۵ صفحہ ۱۳۴)
۶۷- بدر ۳/ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۲ کالم ۱
۶۸- الفضل ۵/ ستمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۴ کالم ۲
۶۹- بدر ۳/ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۲ کالم ۱
۷۰- بدر ۱۷/ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۲ کالم ۱
۷۱- بدر ۱۷/ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۴ کالم ۲-۳- الفضل ۱۰/ مئی ۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۳-۴
۷۲- الفضل ۲/ مئی ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۲-۴- ایضاً خالد مئی ۱۹۶۱ء صفحہ ۵
۷۳- الحکم ۱۴-۷/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۱
۷۴- سیر روحانی جلد سوم صفحہ ۱۳-۱۴ خالد مئی ۱۹۶۱ء صفحہ ۵ و صفحہ ۱۲
۷۵- خالد مئی ۱۹۶۱ء
۷۶- خالد مئی ۱۹۶۱ء صفحہ ۱۱
۷۷- خالد مئی ۱۹۶۱ء صفحہ ۸
۷۸- الفضل ۱۰/ مئی ۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۳، ۴ و خالد مئی ۱۹۶۱ء صفحہ ۱۰-۱۱ و الحکم ۲۸-۲۱/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۲ کالم ۳
۷۹- اخبار بدر ۱۲/ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۱ کالم ۱-۲
۸۰- بدر ۱۲/ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۲ کالم ۲-۳
۸۱- بدر ۱۲/ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۱ کالم ۳

۸۲۔ بدر ۱۲/ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳ کالم ۱۔۲۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے اس دن فرمایا۔ "میاں صاحب نے اس سفر میں بہت تبلیغ کی ہے بڑا کام کیا ہے بہت بڑا کام کیا ہے (اخبار بدر ۱۲/ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳ کالم ۱)

۸۳۔ بدر ۱۲/ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳ کالم ۲

۸۴۔ تفسیر کبیر (سورۃ البقرہ جز دوم) صفحہ ۴۵۱

۸۵۔ بدر ۱۲/ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳ کالم ۲

۸۶۔ الحکم ۷/ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۵۔ اس جگہ اس واقعہ کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ مکہ میں آپ سے کہا گیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول کا حکم ہے کہ غیر احمدی امام کے پیچھے نماز پڑھ لینا۔ اور آپ نے بوجہ ادب سمعاً و طاعتہً دو ایک نماز پڑھ بھی لی مگر جب حقیقت کھل گئی کہ حکم کوئی نہیں تھا تو یہ نماز بھی دہرالی اور ہمیشہ الگ جماعت کرا کے مسجد حرام میں نماز پڑھتے رہے۔ قادیان آکر آپ نے جب اس بات کا تذکرہ حضرت خلیفہ اول کے سامنے کیا تو آپ بہت خوش ہوئے کیونکہ آپ نے مکہ میں غیروں کے پیچھے کبھی کسی کو نماز کی اجازت دی ہے تو جان کا خوف اور فتنہ سے بچانے کے لئے (الفضل ۲۰/ اگست ۱۹۱۴ء صفحہ ۴ کالم ۲ و الفضل ۷/ مارچ ۱۹۲۱ء صفحہ ۵ کالم ا و آئینہ صداقت صفحہ ۹۱۔۹۲)

۸۷۔ الحکم ۱۴۔۷/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۹ کالم ۲۔۳

۸۸۔ الحکم ۱۴۔۷/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۹ کالم ۱

۸۹۔ الحکم ۱۴۔۷/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۹ کالم ۲

۹۰۔ تفسیر کبیر (الغاشیہ) صفحہ ۴۵۲

۹۱۔ الحکم ۱۴۔۷/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۹ کالم ۱

۹۲۔ تفسیر کبیر الغاشیہ صفحہ ۴۵۲۔۴۵۳

۹۳۔ الحکم ۱۴۔۷/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۹ کالم ۱۔۲

۹۴۔ الحکم ۱۴۔۷/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۹ کالم ۱۔۲۔ آپ مکہ میں تبلیغ احمدیت کی مزید تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں۔ "وہاں میں نے تبلیغ شروع کی اور خدا نے اپنے خاص فضل سے میری حفاظت کی۔ اس وقت حکومت ترکی کا وہاں چنداں اثر نہ تھا اب تو شاہ حجاز کے گورنمنٹ انگریزی کے زیر اثر ہونے کے باعث ہندوستانیوں سے بدسلوکی نہیں ہو سکتی مگر اس وقت یہ حالت نہ تھی اس وقت تو وہاں جس کو چاہتے گرفتار کر سکتے تھے مگر میں نے تبلیغ کی اور کھلے طور پر کی لیکن جب ہم وہ مکان چھوڑ کر واپس ہوئے۔ تو دوسرے دن اس مکان پر چھاپہ مارا گیا اور مالک مکان کو پکڑ لیا گیا کہ اس قسم کا کوئی شخص یہاں تھا"۔ (الفضل ۷/ مارچ ۱۹۲۱ء)

۹۵۔ تفسیر کبیر (الغاشیہ) صفحہ ۴۵۲۔۴۵۳۔۴۵۴۔ الحکم ۱۴۔۷/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۱

۹۶۔ الحکم ۱۴۔۷/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۱

۹۷۔ الحکم ۱۴۔۷/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۴ کالم ۲

۹۸۔ الحکم ۱۴۔۷/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۱

۹۹۔ الحکم ۱۴۔۷/ جنوری ۱۹۱۳ء۔ یہاں یہ بتانا مناسب ہو گا کہ حضرت ام المومنین کے ارشاد پر مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری اس سفر کے دوران میں قادیان مقیم رہے اور حضرت میاں صاحب کی واپسی تک ہر نماز میں احباب کو دعا کی تحریک کرتے رہے۔ (واپسی پر ام المومنین نے ایک دو تہی اور جائے نماز عطا فرمائی)۔ (نصرت الحق صفحہ ۳۵)

۱۰۰۔ الحکم ۱۴۔۷/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۱۔۲

۱۰۱۔ الحکم ۲۸۔۲۱/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۔۲۔ یاد رہے یہی وہ اشتہار ہے جس کے متعلق مولفان "مجاہد کبیر" نے محمد اسلم غیر احمدی جرنلسٹ کے حوالہ سے یہ طنز کی ہے کہ اس سے پیر پرستی کی بو آتی ہے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حضرت مسیح موعودؑ کو "احمد نبی" اور آپ کے خاندان کو خاندان نبوت لکھا گیا تھا!!

۱۰۲۔ الحکم ۱۴۔۷/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۲

۱۰۳۔ اصل خط حضرت خلیفہ اول کے خاندان میں محفوظ ہے۔

۱۰۴- الحکم ۲۸-۲۱/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۲-۳

۱۰۵- ملخصاً از "جذبات الحق" تصنیف لطیف مولانا سید عبدالواحد صاحبؓ- الحکم ۷/ نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۸ کالم ۳

۱۰۶- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۵/ اپریل ۱۹۶۳ء صفحہ ۴ کالم ۲ (تقریر جناب مولوی محمد صاحب امیر جماعت ہائے احمدیہ مشرقی پاکستان) حیات قدسی حصہ چہارم صفحہ ۵۵-۵۹

۱۰۷- تاریخ اقوام عالم از مرتضیٰ حسن خاں صفحہ ۶۶۸-۶۶۹

۱۰۸- الحکم ۷/ نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۷- اخبار وکیل پیسہ اخبار- اہلحدیث- وطن اور الہلال کے تبصروں کے لئے ملاحظہ ہو تشحیذ الاذہان دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۵۲۹-۵۳۳

۱۰۹- الحکم ۱۴/ نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۶ کالم ۱

۱۱۰- الحکم ۱۴/ نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۷

۱۱۱- الحکم ۱۴/ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۷

۱۱۲- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۱۴-۷/ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۹-۱۰

۱۱۳- الحکم ۱۴/ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۶ کالم ۱

۱۱۴- یہ تفصیل جناب قاضی محمد یوسف صاحب مرحوم نے اپنی وفات سے چند دن قبل بذریعہ تحریر مولف ہذا کو بھجوا دی اور لکھا "تعبیر جو واقع ہوئی حضرت عمر سے مراد حضرت فضل عمر- ایران سے مراد غیر مبایعین کا گروہ تبرا فضل عمر پر کرتے ہیں جو منکرین خلافت کا فعل ہے تو جیس جماعت احمدیہ کے مجاہدین خاکسار یکم جنوری ۱۹۱۵ء سے ۲۱/ دسمبر ۱۹۶۲ء تک سلسلہ کے اہم عہدوں پر رہا- جو اس رؤیا ہی کا نتیجہ ہے"۔

۱۱۵- الحق ۲۸/ فروری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۲ کالم ۱، ۲

۱۱۶- الحق ۳۰/ مئی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۴ و ۷/ ۲ جون ۱۹۱۳ء صفحہ ۸۰

۱۱۷- ولادت ۱۸۸۴ء بیعت جون ۱۹۰۳ء- خلافت اولیٰ و ثانیہ میں بحیثیت آڈیٹران کو سلسلہ کی متعدد خدمات کا موقعہ ملا- چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے لاہور سے جانے کے بعد امیر جماعت لاہور مقرر ہوئے۔

۱۱۸- خطبات نور حصہ اول سرورق صفحہ ۲-۴ کتاب کے دو حصے شائع ہوئے پہلا جولائی ۱۹۱۲ء میں دوسرا نومبر ۱۹۱۲ء میں یہ حصے ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۰ء تک کے خطبات جمعہ و عیدین پر مشتمل تھے۔

۱۱۹- اصل خط کی نقل خاندان حضرت خلیفہ اول کے پاس محفوظ ہے۔

۱۲۰- الحکم ۱۴/ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۲ کالم ۲-۳

۱۲۱- یہ پہلا اور آخری موقعہ ہے کہ خواجہ صاحب نے لندن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بحیثیت نبی پیش کیا- ورنہ وہ احمدیت کا ذکر سم قاتل سمجھتے تھے- مگر دل نے آخر گواہی دی کہ یہ عظیم الشان خبر نبی ہی کی زبان سے ہو سکتی ہے۔

۱۲۲- بدر ۹/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۴

۱۲۳- بدر ۹/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱-۷

۱۲۴- بدر ۲۰/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۸ کالم ۲

۱۲۵- اخبار بدر ۹/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۶ کالم ۱

چھٹا باب

اخبار "الفضل" اور "پیغام صلح" کا اجراء۔ تحریک انصار اللہ کے ممبر مصر و انگلستان میں لاہور کے گمنام ٹریکٹوں کی شورش اور سالانہ جلسہ پر خلافت حقہ کی تائید کا روح پرور نظارہ

(جنوری ۱۹۱۳ء سے دسمبر ۱۹۱۳ء تک بمطابق ۱۳۳۱ھ تا ۱۳۳۲ھ)

عربی ممالک میں تبلیغ اس سال عربی ممالک تک احمدیت کا پیغام پہنچانے کے لئے مصالح العرب کے نام سے بدر کے ساتھ ایک ہفتہ وار عربی ضمیمہ شائع ہوا جو سید عبدالحی عرب صاحب کی ادارت میں نکلتا تھا۔

ہال کی تعمیر کی تحریک حضرت خلیفہ اول نے حضرت میر ناصر نواب صاحب کے سپرد یہ خدمت فرمائی کہ قرآن مجید کے درس کے لئے ایک خاص کمرہ تعمیر کیا جائے۔ حضرت ام المومنینؓ نے زمین کا ایک حصہ اس غرض کے لئے مرحمت فرمایا۔ [1]

کلمات قرآنی کی فہرست حضرت خلیفۃ المسیح اول نے بعض خدام کو یہ کام سپرد فرمایا کہ وہ قرآن مجید کے اسماء افعال اور حروف کی فہرستیں تیار کریں اس طریق سے خدام میں قرآن مجید کی خدمت اور اس پر غور و فکر کی عادت پیدا کرنا مقصود تھا۔ [2]

مولوی ارجمند خاں صاحب کا بیان ہے کہ اس تحریک کے سلسلہ میں میرے حصہ میں اٹھارھواں پارہ آیا جو میں نے پیش کر دیا مگر سہواً میں نے اس پر نہ پارے کا نام درج کیا نہ اپنا حضرت نے ان سے پوچھا کیا نام ہے۔ عرض کیا۔ "ارجمند خاں"۔ فرمایا نام تو بڑا پیارا ہے پھر خود اپنے قلم سے نام لکھ دیا۔

بخاری شریف کا ایک عام درس

حضرت خلیفہ اول قرآن مجید کا درس پانچ مرتبہ دے چکے تھے کہ آپ نے مارچ ۱۹۱۳ء سے قرآن کے درس سے پہلے بخاری کا بھی عام درس شروع فرمادیا۔ اور ایڈیٹر الحکم شیخ یعقوب علی صاحب تراب حضرت کے حکم سے اسے مرتب کرنے لگے۔ [۳] یہ درس کئی ماہ تک اخبار بدر میں بطور ضمیمہ چھپتا رہا۔

پادری غلام مسیح کے لیکچر کا رد

پادری غلام مسیح نے "عظمت مسیح ازروئے قرآن" کے عنوان سے فورمین کرسچن کالج میں ایک لیکچر دیا تھا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے "تشحیذ الاذہان" میں اس لیکچر کے رد میں ایک تحقیقی مضمون لکھا جس میں قرآنی نقطہ نگاہ سے حضرت مسیح علیہ السلام کا حقیقی منصب و مقام پیش کرکے ان کے اصلی خدوخال پیش فرمائے۔ [۴]

قادیان میں ایک غیر احمدی صحافی کی آمد

ایک غیر احمدی صحافی (اخبار نویس) محمد اسلم صاحب امرت سر سے قادیان آئے اور چند دن قیام کرکے واپس چلے گئے۔ انہوں نے حضرت خلیفہ اول اور جماعت کا نہایت قریب سے مطالعہ کرنے کے بعد اپنے تاثرات پر ایک تفصیلی بیان دیا۔ اس بیان سے (جس کے بعض ضروری اقتباسات ذیل میں درج کئے جارہے ہیں) حضرت خلیفہ اول اور آپ کے عہد خلافت کی قادیان پر بہت تیز روشنی پڑتی ہے۔ مسٹر محمد اسلم نے لکھا:۔

"عالم اسلام کی خطرناک تباہ انگیز مایوسیوں نے مجھے اس اصول پر قادیان جانے پر مجبور کیا کہ احمدی جماعت جو بہت عرصے سے یہ دعویٰ کررہی ہے کہ وہ دنیا کو تحریری و تقریری جنگ سے مغلوب کرکے اسلام کا حلقہ بگوش بنائے گی۔ آیا وہ ایسا کرنے کی اہلیت رکھتی ہے .... مولوی نورالدین صاحب جو بوجہ مرزا صاحب کے خلیفہ ہونے کے اس وقت احمدی جماعت کے مسلمہ پیشوا ہیں۔ جہاں تک میں نے دو دن ان کی مجالس وعظ و درس قرآن شریف میں رہ کر ان کے کام کے متعلق غور کیا۔ مجھے وہ نہایت پاکیزہ اور محض خالصتہ للہ کے اصول پر نظر آیا۔ کیونکہ مولوی صاحب کا طرز عمل قطعاً ریا و منافقت سے پاک ہے۔ اور ان کے آئینہ دل میں صداقت اسلام کا ایک ایسا زبردست جوش ہے جو معرفت توحید کے شفاف چشمے کی وضع میں قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر کے ذریعہ ہروقت ان کے بے ریا سینے سے ابل ابل کر تشنگان معرفت توحید کو فیض یاب کررہا ہے۔ اگر حقیقی اسلام قرآن مجید ہے تو قرآن مجید کی صادقانہ محبت جیسی کہ مولوی صاحب موصوف میں میں نے دیکھی ہے اور کسی شخص میں نہیں دیکھی یہ نہیں کہ وہ تقلیداً ایسا کرنے پر مجبور ہیں نہیں بلکہ وہ ایک زبردست فیلسوف انسان ہے

اور نہایت ہی زبردست فلسفیانہ تنقید کے ذریعہ قرآن مجید کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے...... مجھے زیادہ تر حیرت اس بات کی ہوئی کہ ایک اسی سالہ بوڑھا آدمی صبح سویرے سے لے کر شام تک جس طرح لگاتار سارا دن کام کرتا رہتا ہے وہ متحدہ طور پر آج کل کے تندرست و قوی ہیکل دو تین نوجوانوں سے بھی ہونا مشکل ہے...... مولوی صاحب کے تمام حرکات و سکنات میں صحابہ علیہم السلام کی سادگی اور بے تکلفی کی شان پائی جاتی ہے۔ اس نے نہ اپنے لئے کوئی تمیزی نشان مجلس میں قائم رکھا ہے نہ کسی امیر و غریب کے لئے۔ اور نہ تسلیم و کورنش اور قدم بوسی پیرپرستی کی لعنت کو وہاں جگہ دی گئی ہے۔

صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب سے بھی مل کر ہمیں از حد مسرت ہوئی صاحبزادہ صاحب نہایت ہی خلیق اور سادگی پسند انسان ہیں۔ علاوہ خوش خلقی کے کہیں بڑی حد تک معاملہ فہم و مدبر بھی ہیں علاوہ دیگر باتوں کے جو گفتگو صاحبزادہ صاحب موصوف اور میرے درمیان ہندوستان کے مستقبل پر ہوئی اس کے متعلق صاحبزادہ صاحب نے جو رائے اقوام عالم کے زمانہ ماضی کے واقعات کی بناء پر ظاہر فرمائی وہ نہایت ہی زبردست مدبرانہ پہلو لئے ہوئے تھی۔ صاحبزادہ صاحب نے مجھ سے از راہ نوازش بہت کچھ مخلصانہ پیرائے میں یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ میں کم از کم ایک ہفتہ قادیان میں رہوں اگرچہ بوجوہ چند در چند میں ان کے ارشاد کی تعمیل سے قاصر رہا۔ مگر صاحبزادہ صاحب کی اس بلند نظرانہ مہربانی و شفقت کا از حد مشکور ہوں۔ صاحبزادہ صاحب کا زہد و تقویٰ اور ان کی وسعت خیالانہ سادگی ہمیشہ یاد رہے گی۔

مولوی محمد علی صاحب ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز سے مجھے ملنے کی نہایت ہی تمنا تھی مگر افسوس بڑی مسجد میں باوجود ان سے مصافحہ کرنے کے انہوں نے یہ دریافت کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی کہ ایک مسافر مسلمان جو ان سے بڑھ کر نہایت گرمجوشی سے مصافحہ کر رہا ہے۔ وہ کون ہے؟......... علاوہ اس کے میں نے قادیان کی اس جدوجہد کو دو دن میں بکمال غور و خوض دیکھا جو وہ مدرسہ احمدیہ اور ہائی سکول کے قیام کے ذریعہ دنیا میں حقیقی اسلامی قوم پیدا کرنے کی مدعی بن کر کر رہی ہے........ احمدی جماعت قابل مبارکبادی ہے...... انگریزی اسلامی سکولوں و کالجوں پر قادیان کے ہائی سکول کو اسلامی پہلو سے وہ برتری حاصل ہے کہ جس کی گرد کو بھی باقی اسلامی انگریزی سکول و کالج نہیں پہنچ سکتے........ عام طور پر قادیان کی احمدی جماعت کے افراد کو دیکھا گیا۔ تو انفرادی طور پر ہر ایک کو توحید کے نشہ میں سرشار پایا گیا۔ اور قرآن مجید کے متعلق جس قدر صادقانہ محبت اس جماعت میں میں نے قادیان میں

دیکھی کہیں نہیں دیکھی۔ صبح کی نماز منہ اندھیرے چھوٹی مسجد میں پڑھنے کے بعد جو میں نے گشت کی تو تمام احمدیوں کو میں نے بلاتمیز بوڑھے و بچے اور نوجوان کے لیمپ کے آگے قرآن مجید پڑھتے دیکھا۔ دونوں احمدی مسجدوں میں دو بڑے گروہوں اور سکول کے بورڈنگ میں سینکڑوں لڑکوں کی قرآن خوانی کا موثر نظارہ مجھے عمر بھر یاد رہے گا۔ حتیٰ کہ احمدی جماعت کے تاجروں کا صبح سویرے اپنی اپنی دکانوں اور احمدی مسافر مقیم مسافر خانے کی قرآن خوانی بھی ایک نہایت پاکیزہ سین (منظر) پیدا کر رہی تھی۔ گویا صبح کو مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ قدسیوں کے گروہ در گروہ آسمان سے اتر کر قرآن مجید کی تلاوت کرکے بنی نوانسان پر قرآن مجید کی عظمت کا سکہ بٹھانے آئے ہیں۔ غرض احمدی قادیان میں مجھے قرآن ہی قرآن نظر آیا"۔

"پیرپرستی کا نرالا ڈھنگ جو ہندوستان میں مسلمانوں کی شامت اعمال سے ہندوستان کے بڑے بڑے اولیاؤں کے مزاروں کے ذریعے ان کے جانشینوں اور خلیفوں نے ڈال کر اپنے طرز عمل سے اسلامی توحید کی مٹی پلید کر رکھی ہے میں نے اپنے دو دن کے قیام میں اس کا کوئی شائبہ عملی صورت میں نہیں دیکھا۔ مرزا صاحب کی قبر کو بھی جا کر دیکھا جس پر کوئی عالی شان یا معمولی روضہ نہیں بنایا گیا۔ اپنے گردونواح کی قبروں سے اسے کسی قسم کی نمایاں خصوصیت نہیں تھی۔ اور نہ کسی مجاور یا جاروب کش کو وہاں پایا نہ کسی کو زیارت کرتے یا دعا مانگتے دیکھا۔ میں نے نہایت غور سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر قبر کے سرہانے کو دیکھا کہ کہیں پرستش کے مستحق قبروں کی طرح اس قبر پر بھی چراغ جلایا جاتا ہو۔ مگر میں نے اس کا کوئی نشان نہ پایا۔ علاوہ اس کے میرے روبرو تو نہ مولوی نورالدین صاحب سے کسی نے تعویذ لینے کی استدعا کی اور نہ خود بخود کسی سائل یا مریض کو انہوں نے لکھ دیا۔ اور نہ کسی پر جھاڑ پھونک کی۔ پس ہر ایک معاملے میں علاوہ بیماروں کو علاج بتانے کے خداوند تعالیٰ سے دعائیں مانگنے کا زور تھا۔ جس کے لئے مولوی نورالدین صاحب نے اپنے آپ کو مخصوص نہیں بنا رکھا...... جو کچھ میں نے احمدی قادیان میں جا کر دیکھا۔ وہ خالص اور بے ریا توحید پرستی تھی۔ اور جس طرف نظر اٹھتی تھی قرآن ہی قرآن نظر آتا تھا۔ غرض قادیان کی احمدی جماعت کو عملی صورت میں اپنے اس دعوئی میں میں نے بڑی حد تک سچا ہی سچا پایا۔ کہ وہ دنیا میں اسلام کو پرامن صلح کے طریقوں سے تبلیغ و اشاعت کے ذریعے ترقی دینے کے اہل ہیں اور وہ ایسی جماعت ہے۔ جو دنیا میں عملاً قرآن مجید کے خالصتہ للہ پیرو اور اسلام کی فدائی ہے اور اگر تمام دنیا اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمان یورپ میں اشاعت اسلام کے ان کے ارادوں کی عملاً مدد کریں تو یقیناً یورپ آفتاب اسلام کی نورانی شعاعوں سے منور ہو جائے گا...... آخر میں میں ناظرین کی خدمت میں یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے جو کچھ اس وقت رائے

ظاہر کی ہے۔ وہ مرزا صاحب کے مریدی کے حلقے سے باہر ہونے کی حیثیت میں کی ہے میں نے قادیان کو اس اصول پر نہیں دیکھا کہ مرزا صاحب کے دعویٰ مسیح موعود یا مہدی مسعود کے صحیح یا غلط ہونے کے متعلق قادیان کو دیکھ کر کوئی نتیجہ اپنے دل میں اخذ کروں میں صرف اپنے مذکورہ بالا خیال کی کشش کے باعث وہاں گیا اور احمدی جماعت کو اس کے اہل پایا اور اسے خالص اسلامی جماعت کے جلوے میں دیکھا۔ خواہ اس جماعت کا بانی اپنے ذاتی دعویٰ میں حق بجانب تھا یا نہیں مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ مگر عالمگیر اسلامی اصول کی بنا پر اس نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ اور اسلام کی خدمت کو عملی طور پر کرنے والے زبردست مشن کی بنیاد دنیا میں ڈال گیا ہے۔ اس اصول پر مرزا صاحب کی بہت بڑی بھاری عزت میرے دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ اور انہیں میں اسلام کا سچا خادم تسلیم کرتا ہوں۔ گو ان کے ذاتی دعویٰ مسیح و مہدی سے مجھے اتفاق نہیں جو یقیناً افترا پر مبنی نہیں تھا وہ اسلام کو ترقی دینے کی پالیسی یا کسی غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔ جو اسلام کے کمال ضعف کو دیکھ کر سخت جوش کی وجہ سے مجبوراً سرزد ہو گیا مگر جو کچھ ہوا نیک نیتی سے ہوا۔ کیونکہ ان کے کام کا نتیجہ یہی شہادت دیتا ہے"۔ [۵]

حضرت خلیفہ اول کا ایک مکتوب

حضرت خلیفہ اول نے ایک خط تحریر فرمایا۔ خط کے ایک حصہ میں آپ نے مسئلہ خلافت پر روشنی ڈالی کہ "خلیفہ بنانا میرے نزدیک صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے پھر ابوبکر کو مولانا کیا ضرورت پڑی کہ آیت استخلاف سے استدلال کرتا۔ [۶] ان ہی دنوں آپ نے اپنی ایک جیبی بیاض میں لکھا۔ الذین امنوا منکم و عملوا الصلحت کی تفہیم کہ دو سلسلہ ہیں ایک جسمانی 'ایک روحانی اگر اس میں بادشاہ' پریذیڈنٹ' صدر نہ ہو تو تباہی آجاتی ہے ایسے ہی روحانی بادشاہ نہ ہو تو تباہی ہی تباہی لابد ہے۔ [۷]

"کلام محمود" کی اشاعت

حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کا عارفانہ شعری کلام پہلی مرتبہ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل نے مئی ۱۹۱۳ء میں شائع کیا اور ابتداء میں اس کا دیباچہ بھی لکھا۔ [۸] حضرت صاحبزادہ صاحب کی اولین نظم ۱۹۰۳ء کی ہے جب کہ آپ شاد تخلص کرتے تھے۔ شعر و سخن کے باعث میں آپ کا مسلک کیا رہا ہے اس پر آپ خود ہی روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "میں کسی نظم کو شاعری کے شوق میں نہیں کہتا ہوں۔ بلکہ جب تک ایک خاص جوش پیدا نہ ہو۔ نظم کہنا مکروہ سمجھتا ہوں۔ اس لئے دردِ دل سے نکلا ہوا کلام سمجھنا چاہئے۔ بعض نظم نامکمل صورت میں پیش کرنے سے میرا مقصد یہ ہے تا کہ لوگ دیکھیں کہ شاعری کو بطور پیشہ نہیں اختیار کیا گیا بلکہ جب کبھی قلب پر کیفیت ظاہر ہوتی ہے تو اس کا اظہار کر دیا جاتا ہے۔ اور پھر یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس کو مکمل بھی کیا جاوے۔ (۳) چونکہ میں تکلف سے شعر نہیں کہتا۔ ٹوٹے ہوئے

دل کی صدا ہے پڑھو اور غور کرو۔ خدا کرے یہ درد بھرے کلمات کسی سعید روح کے لئے مفید و بابرکت ثابت ہوں"۔

خواجہ کمال الدین صاحب کے نام ایک اہم خط

۱۶/ مئی ۱۹۱۳ء کو حضرت خلیفہ اول نے خواجہ کمال الدین صاحب کے نام ایک خط لکھا جس کے ضروری حصے یہ ہیں

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ لنفسک علیک حق۔ ہمیشہ یاد رہے جان سے اتنا کام لو جس میں بیمار(ی) و ہلاکت سے بچو۔ حفظ دین۔ حفظ جان۔ حفظ عقل۔ حفظ عزت۔ حفظ مال۔ حفظ نسل اسلام کے ستہ ضروریہ ہیں"۔

"میں نے جہاں تک غور کیا ہے مسیحت کی بناء کسی کتاب پر نہیں۔ پولس (پال) نے توریت کو طعنہ کیا ہے۔ اور جس انجیل کا ذکر وہ خطوں میں کرتا ہے وہ کسی کے پاس نہیں صرف ایک بشارت پر جو اس نے کفارہ میں کی ہے"۔

"ایک میری پرانی یادداشت ہے اس کے صفحات کی نقل مرسل خدمت ہے۔ ایک مضمون ایک انجمن میں بصدارت نور الدین پیش ہوا۔ اس پر رائے زنی ہو۔ آہ۔ آہ۔ آہ۔ اس پر کیا لکھوں **لا حول و لا قوۃ الا باللہ**۔ اللہ ہی توفیق دے **و ما توفیقی الا باللہ**۔ آپ کو معلوم ہے ہمہ یاراں بہشت ایک مثل ہے مکرم میاں محمود احمد سے تو ان کو مناسبت نہیں ہمیشہ ان کی تحقیر ان کے مدنظر ہے۔ نواب صاحب میر ناصر نواب بھی میاں محمود سے زیادہ معیوب (اصل لفظ معتوب ہو گا۔ ناقل) ہیں۔ گویا انجمن نام ہے شیخ صاحب رحمت اللہ۔ عزیزان محمد حسین شاہ صاحب ڈاکٹر۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب ڈاکٹر۔ مکرم مولوی محمد علی صاحب۔ مولوی صدر الدین صاحب ہیڈ ماسٹر۔ یہ پانچ کورم پورا ہوا جو چاہیں کریں۔ پہلے محمود کو سخت سست کہا وہ رک گیا مگر مدت کے بعد اس کو سمجھایا کہ اب غالباً سرد ہو گئے ہوں گے آپ جایا کریں۔ وہ گئے کسی معاملہ پر ایک نے کہا۔ آپ صدر الدین کے معاملہ میں ہرگز نہ بولا کرو اس پر محمود نے بھی رنج آلود خط لکھا۔ جس پر میں نے ملامت اور نصیحت لکھ کر ڈاکٹروں کو دے دیا۔ پھر مولوی محمد علی صاحب کو تحریراً لکھا۔ مگر کچھ جواب نہ دیا۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون**۔ میرے مرنے پر ان کو ضرور دقت پیش آئے گی مگر اصلاح نہ ہوئی۔ افسوس!

مجھے محمد اقبال ڈاکٹر نے میرے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا ڈر پیپر مر گیا۔ اس کا فلسفہ بھی مر گیا۔ یورپ ہر روز نئے فلسفہ کا دلدادہ ہے میرے دل میں آیا۔ یہ کیا بات ہے ظہر کا وضو کرنے لگا القا ہوا۔

انسان ہر انسان فنا ہوتا ہے اور نیا بنتا ہے۔ کیا یہ انسان لغو ہے۔ ہرگز نہیں۔ پھر القا ہوا۔ سنستد رجھم من حیث لا یعلمون۔ یہ تبدیلی (نقل مطابق اصل۔ ناقل) ہمارا اپنا فعل ہے اور ایک حکمت پر مبنی ہے۔ حق کو آرہے ہیں"۔ [۱۰]

ایک ہفتہ بعد آپ نے خواجہ صاحب کو ایک طویل خط لکھا جس میں یہ عبارت بھی تھی:۔

"مجھے ابتداء آپ لوگوں نے دبایا مدت تک اس مصیبت میں رہا۔ جب کبھی نکلنا چاہا۔ رنگ برنگ مالی بدظنی ہوتی رہی۔ آخر بحمد اللہ نجات ملی۔ الحمد للہ رب العالمین پھر باہم تنازعے شروع ہو گئے (کہ) .... نواب میر ناصر، محمود نالائق بے وجہ جوشیلے ہیں۔ یہ بلا اب تک لگی ہے۔ یا اللہ نجات دے۔ [۱۱، ۱۲]

حضرت خلیفتہ المسیح کی دردانگیز دعا ایک اولوالعزم امام کے ظہور کے لئے

۵/ جون ۱۹۱۳ء کو حضرت خلیفہ اول کی طبیعت بہت علیل تھی آپ نے سمجھا کہ اب میں دنیا میں نہیں رہوں گا۔ سو آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور..... یہ دعا فرمائی۔ "الٰہی اسلام پر بڑا تبر چل رہا ہے۔ مسلمان اول تو سست ہیں۔ پھر دین سے بے خبر ہیں اسلام و قرآن اور نبی کریم ﷺ سے بے خبر ہیں۔ تو ان میں ایسا آدمی پیدا کر جس میں قوت جاذبہ ہو وہ کاہل و سست نہ ہو۔ ہمت بلند رکھتا ہو باوجود ان باتوں کے وہ کمال استقلال رکھتا ہو۔ دعاؤں کا مانگنے والا ہو۔ تیری تمام رضاؤں یا اکثر کو پورا کیا ہو۔ قرآن و حدیث سے باخبر ہو پھر اس کو ایک جماعت بخش اور وہ جماعت ایسی ہو جو نفاق سے پاک ہو۔ تباغض ان میں نہ ہو اس جماعت کے لوگوں میں بھی جذب ہمت اور استقلال ہو۔ قرآن و حدیث سے واقف ہوں۔ اور ان پر عامل ہوں اور دعاؤں کے مانگنے والے ہوں۔ ابتلا تو ضرور آویں گے۔ ابتلاؤں میں ان کو ثابت قدمی عنایت فرما اور ان کو ایسے ابتلاء نہ آویں۔ جو ان کی طاقت سے باہر ہوں۔ آمین"۔ [۱۳]

اخبار "الفضل" کا اجراء

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۸/ جون ۱۹۱۳ء سے اخبار "الفضل" جاری فرمایا۔ یہ نام خود حضرت خلیفہ اول نے تجویز فرمایا تھا۔ [۱۴]

الفضل کا اجراء جماعت کی جن اہم ترین ضروریات کی تکمیل کے لئے ہوا ان کی تفصیل حضرت صاحبزادہ صاحب نے اخبار کے پراسپکٹس میں (جو اخبار "فضل کا پراسپکٹس" کے نام سے وزیر ہند پریس امرت سر سے طبع ہوا) بایں الفاظ تحریر فرمائیں:۔

پہلی ضرورت:۔ "بڑھنے والی ضروریات میں سے ایک نئے اخبار کی ضرورت ہے بے شک ایک وہ زمانہ تھا جب کہ جماعت قلیل تھی۔ اور پھر اکثر لوگ زمینداروں کے طبقہ میں سے تھے۔ لیکن اب علاوہ اس مخلص جماعت کی ترقی کے ہزاروں مخلص تعلیم یافتہ پیدا ہو گئے۔ جن کے علوم کو وسعت دینے کے لئے اخبار کی اشد ضرورت ہے"۔

دوسری ضرورت:۔ "بعض احمدی ہیں کہ جو احمدی تو ہو گئے ہیں لیکن ان کو ابھی معلوم نہیں کہ احمدی ہو کر ہم پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور کس طرح ہمیں دوسروں کی نسبت رسومات و بدعات اور مقامات اسراف سے بچنا چاہئے؟"

تیسری ضرورت:۔ احمدی جماعت کو تاریخ اسلام سے واقفیت دلانا ضروری ہے۔ خصوصاً رسول کریمؐ (فداہ ابی وامی) اور صحابہؓ کی تاریخ سے۔

چوتھی ضرورت:۔ ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ دنیا کی اکثر قوموں میں اس وقت بے چینی پھیلی ہوئی ہے اور ایک دوسرے کے خلاف بغض و عناد کا دریا جوش مار رہا ہے..... اور اس سلسلہ میں ہندوستان میں بھی ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا [۱۵] ...... کہ عجیب عجیب رنگ سے بدظنیاں پھیلا رہا ہے .... اور چونکہ ہمارا کوئی ایسا اخبار نہیں کہ جو سیاست کے اہم مسائل پر اس نقطہ خیال سے روشنی ڈالے کہ جو حضرت صاحب نے قائم کی ہے۔ اس لئے خطرہ ہے۔ [۱۶] کہ ہم میں سے بعض احباب اس رو میں نہ بہہ جائیں اس لئے ضروری ہے کہ اس معاملہ میں بڑے زور سے حضرت صاحب کی تحریروں کی روشنی سے روشنی ڈالی جائے اور احمدیوں میں اس سیاست کو رائج کیا جائے جسے حضرت صاحب نے پیش کیا۔

پانچویں ضرورت:۔ احمدی جماعت میں تعلیم کا پھیلانا۔

چھٹی ضرورت:۔ آپس میں تعارف اور میل ملاپ کو ترقی دینا اور مصالحت۔

ساتویں ضرورت:۔ احمدی جماعت کو دنیا کی ترقی سے آگاہ کرنا۔

آٹھویں ضرورت:۔ تبلیغ کے لئے کوشش کرنا اور جن ممالک میں تبلیغ نہیں ہوئی۔ ان کی طرف توجہ کرنا اور دشمنان اسلام کی تبلیغی کوششوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔ الفضل کے اجراء سے قبل حضرت صاحبزادہ صاحب نے استخارہ کیا۔ [۱۷] اور حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں اجازت کے

لئے عرض کیا تو آپ نے لکھا۔ "جس قدر اخبار میں دلچسپی بڑھے گی خریدار خود بخود پیدا ہوں گے ہاں تائید الٰہی، حسن نیت، اخلاص اور ثواب کی ضرورت ہے۔ زمیندار۔ ہندوستان۔ پیسہ میں اور کیا اعجاز ہے وہاں تو صرف دلچسپی ہے اور یہاں دعا نصرت الٰہیہ کی امید بلکہ یقین تو کلاً علی اللہ کام شروع کر دیں"۔ [۱۸]

الفضل کا انتظام مکمل ہو چکا تھا تو احمدیہ بلڈنگس لاہور سے پیغام صلح سوسائٹی کا پراسپکٹس ملا جس میں "پیغام صلح" کے نام سے ایک اور اخبار جاری کرنے کا اعلان تھا۔ تب آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر مناسب ہو تو اخبار کو روک دیا جائے لیکن حضور نے اس پر ارشاد فرمایا۔
"مبارک کچھ پرواہ نہ کریں وہ اور رنگ ہے یہ اور رکیا لاہور میں اخبار بہت نہیں۔ [۱۹]
چنانچہ الفضل جاری کر دیا گیا۔ الفضل کے لئے ابتدائی سرمایہ جن مبارک ہستیوں نے مہیا کیا۔ وہ تین تھیں۔

۱۔ آپ کی حرم اول حضرت ام ناصر جنہوں نے اپنے دو زیور پیش کر دئے کہ ان کو فروخت کر دیا جائے آپ نے خود لاہور جا کر پونے پانچ سو روپیہ میں یہ زیور فروخت کئے۔ چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں "خدا تعالیٰ نے میری بیوی کے دل میں اس طرح تحریک کی جس طرح خدیجہؓ کے دل میں رسول کریم ﷺ کی مدد کی تحریک کی تھی........اس حسن سلوک نے نہ صرف مجھے ہاتھ دئے جن سے میں دین کی خدمت کرنے کے قابل ہوا۔ اور میرے لئے زندگی کا ایک نیا ورق الٹ دیا بلکہ ساری جماعت کی زندگی کے لئے بھی بہت بڑا سبب پیدا کر دیا۔ [۲۰]

۲۔ دوسرا مبارک وجود جس نے "الفضل" کے جسد میں روح پھونکی حضرت ام المومنین کا تھا آپ نے اپنی ایک زمین جو ایک ہزار میں بکی "الفضل" کے لئے عنایت فرمائی۔ [۲۱]

۳۔ تیسرا قابل صد احترام وجود حضرت نواب محمد علی خان صاحب کا ہے جنہوں نے اس غرض کے لئے نقد رقم کے علاوہ زمین بھی دے دی جو تیرہ سو روپیہ میں فروخت ہوئی۔ [۲۲]

الفضل کے اجراء میں آپ کے معاون خصوصی اور سٹاف کے سرگرم رکن جنہوں نے اس سلسلہ میں سب سے زیادہ ہاتھ بٹایا حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل تھے ان کے علاوہ ادارہ میں حضرت صوفی غلام محمد صاحب اور حضرت ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیر بھی تھے۔ [۲۳] الفضل کا ابتدائی دفتر نواب محمد علی خان صاحب کے مکان کی نچلی منزل میں قائم ہوا۔ [۲۴] اس کے اولین کاتب محمد

حسین صاحب تھے اور مینجر مرزا عبد الغفور بیگ صاحب۔ ۲۵ طابع و ناشر کے فرائض حضرت صاحبزادہ صاحب بنفس نفیس سرانجام دیتے تھے۔

الفضل کے پہلے پرچہ میں آپ نے جناب الٰہی میں نہایت دردمندانہ التجائیں اور دعائیں کیں کہ خدا کا نام اور اس کے فضلوں اور احسانوں پر بھروسہ رکھتے ہوئے اس سے نصرت و توفیق چاہتے ہوئے الفضل جاری کرتا ہوں...... میرے حقیقی مالک میرے متولی تجھے علم ہے کہ محض تیری رضا حاصل کرنے کے لئے اور تیرے دین کی خدمت کے ارادہ سے یہ کام میں نے شروع کیا ہے۔ تیرے پاک رسول کے نام کے بلند کرنے اور تیرے مامور کی سچائیوں کو دنیا پر ظاہر کرنے کے لئے یہ ہمت میں نے کی ہے......... اے میرے مولیٰ اس مشت خاک نے ایک کام شروع کیا ہے اس میں برکت دے اور اسے کامیاب کر میں اندھیروں میں ہوں تو آپ ہی راستہ دکھا۔ لوگوں کے دلوں میں الہام کر کہ وہ الفضل سے فائدہ اٹھائیں اور اس کے فیض لاکھوں نہیں کروڑوں پر وسیع کر اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی اسے مفید بنا"۔ ۲۶

حضرت خلیفہ اول نے جب پہلا نمبر پڑھا تو آپ نے فرمایا "پیغام صلح" بھی میں نے پڑھا ہے اور الفضل بھی مگر میاں شتان بینھما یعنی کجاوہ کجا یہ۔ یہ تو ایک مبصر کی رائے تھی۔ مگر ہر شخص مبصر نہیں ہوتا۔ اس لئے چاروں طرف سے اس کی مخالفت کی آوازیں اٹھنے لگیں۔ اور جماعت کے ایک مخصوص عنصر نے تو شروع ہی سے جو آپ کا مخالف تھا ڈٹ کر مقابلہ کرنا شروع کر دیا۔ ۲۷ خصوصاً ادارہ "پیغام صلح" نے تو حد ہی کر دی۔ مگر آپ نے اس کی چنداں پرواہ نہیں کی بلکہ اس مزاحمت کو نیک فال سمجھا اور خدائی بشارتوں کے ماتحت اپنا قدم اور آگے بڑھاتے چلے گئے۔ چنانچہ آپ نے ۱۹۱۳ء میں شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی کے نام خط لکھا کہ:

"الفضل چونکہ اصلاح کے لئے جاری ہوا ہے اور لوگوں کے ہاں میں ہاں ملانے کے لئے نہیں نکلا اس لئے اس کی اشاعت ابھی کم ہے احمدی تک مخالفت کرتے ہیں بعض جماعتوں نے بالکل نہیں خریدا۔ الحمد للہ ہر ایک نیک تحریک کی مخالفت ہوتی ہے۔ میں نے آج ہی خواب میں دیکھا کہ میں کسی شخص کو کہہ رہا ہوں۔ کہ سب انبیاء اور اولیاء کی مخالفت ہوتی آئی ہے پھر میری کیوں نہ ہو۔ پھر دیکھا کہ ایک ستارہ ٹوٹا ہے لیکن بجائے نیچے جانے کے اوپر کی طرف چلا گیا ہے"۔ ۲۸

حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کا مکتوب

(بنام شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی)

مکرمی

السلام علیکم۔ آپ کا خط ملا۔ میں آپکے لئے دعا کرتا ہوں۔ آپنے الفضل کی ترقی کے لئے جو کوشش کی ہیں انکا اجر تو خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ملیگا انشاءاللہ الفضل چونکہ اصلاح کیلئے جاری ہوا ہے اور لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانے کیلئے نہیں نکلا اس لئے اسکی اشاعت ابھی کم ہے احمدی تک مخالفت کرتے ہیں بعض جماعتوں نے بالکل نہیں خریدا۔ الحمد للہ ہر ایک نیک تحریک کی مخالفت ہوتی ہے۔ میں نے آج ہی کا خواب میں دیکھا کہ میں کسی شخص کو کہہ رہا ہوں کہ سب انبیاء اور اولیاء کی مخالفت ہوتی آئی ہے پھر میری کیوں نہ ہو پھر دیکھا کہ ایک ستارہ ٹوٹا ہے لیکن بجائے نیچے جانیکے اوپر کی طرف چلا گیا ہے۔

چنانچہ خدا کے فضل سے اس مخالفت کے باوجود جماعت کا رجحان "الفضل" کی طرف بڑھنا شروع ہوا اور اخبار پیغام صلح اور اس کے ہمنواؤں کی مخالفت کے باوجود الفضل کی خریداری بڑھنے لگی۔ [۲۹] اس ترقی میں خدا کے فضل کے ساتھ ساتھ اس کے بلند معیار اور عظیم افادیت کا بھاری دخل تھا۔ عہد خلافت اولیٰ میں اخبار الفضل نے تاریخی، ملکی، جماعتی، تبلیغی، سیاسی اور اخلاقی غرض کہ ہر قسم کے مضامین میں پوری جماعت کی راہ نمائی کی۔ اور میدان صحافت میں یہاں تک اپنا سکہ بٹھالیا کہ "الہلال" کے ایڈیٹر مولوی ابوالکلام صاحب آزاد انہی دنوں قید ہوئے تو ان کے سیکرٹری نے آپ کی خدمت میں چٹھی لکھی کہ مولانا آزاد کو گورنمنٹ نے نظربند کر دیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ ہم آپ کو ایک اخبار کی اجازت دیتے ہیں تو انہوں نے صرف الفضل کی اجازت مانگی۔ [۳۰]

خلافت ثانیہ کے قیام پر جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب خلافت پر فائز فرمادیا۔ قمرالانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اس کی ادارت سنبھالی اور پرنٹر و پبلشر حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی تجویز ہوئے ۲۷/ اگست ۱۹۱۴ء تک کے پرچے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی ادارت میں نکلتے رہے پھر عملی طور پر یہ ذمہ داری حضرت قاضی اکمل صاحب نے اٹھالی اب الفضل کا حلقہ عمل روز بروز وسیع ہوتا جارہا تھا۔ اور قاضی صاحب کے ذمہ الفضل کی مینجری کے علاوہ اور کام بھی تھے۔ اس لئے ایک مستقل ایڈیٹر کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جس پر ماسٹر احمد حسین صاحب فرید آبادی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ مگر ۱۱/ جنوری ۱۹۱۶ء سے حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل کے سپرد ادارت ہوگئی۔ چند دن کے بعد پھر حضرت قاضی اکمل صاحب ہی ایڈیٹر بنادئے گئے۔ ازاں بعد ۴/ جولائی ۱۹۱۶ء [۳۱] سے اس کے مستقل ایڈیٹر خواجہ غلام نبی صاحب بلانوی مقرر ہوئے۔ [۳۲] جنہوں نے ۳۰ برس تک یہ ذمہ داری نہایت کامیابی سے سنبھالی۔ ۱۸/ نومبر ۱۹۴۶ء سے ادارت کا کام شیخ روشن دین صاحب تنویر بی اے۔ ایل ایل بی کے سپرد کیا گیا جو آج تک یہ اہم خدمت خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے ہیں -------------------- الفضل ابتداء ہفتہ وار تھا۔ دسمبر ۱۹۱۳ء کے سالانہ جلسہ پر تین دن یعنی ۲۶ تا ۲۸/ دسمبر اس کا روزانہ لوکل ایڈیشن شائع ہوا۔ خلافت ثانیہ کے قیام سے لے کر ۷/ نومبر ۱۹۱۵ء تک ہفتہ میں تین بار چھپتا رہا۔ بعد ازاں دو بار کر دیا گیا۔ ۳۱/ جولائی ۱۹۲۴ء سے ۸/ دسمبر ۱۹۲۵ء تک اس کی اشاعت ہفتہ میں تین بار رہی۔ ۱۱/ دسمبر ۱۹۲۵ء سے ہفتہ میں پھر دو بار ہو گیا۔ ۲۲/ اپریل ۱۹۳۰ء سے اس کی ہفتہ میں چار بار اشاعت ہونے لگی۔ پھر ۳۰/ مئی سے تین بار اور ۷/ مارچ ۱۹۳۵ء تک سہ روزہ ہی رہا۔ مدوجزر کے اس وسیع سلسلہ کے بعد آخر ۸/ مارچ ۱۹۳۵ء سے الفضل مستقل طور پر روزانہ کر دیا گیا۔

الفضل کے ذریعہ خلافت اولیٰ میں احمدیہ پریس کو بے حد تقویت ہوئی اور خلافت ثانیہ کے دور میں تو نصف صدی سے وہ اسلام و احمدیت کی ایسی شاندار خدمات سرانجام دے رہا ہے کہ جن کے بیان کی ضرورت نہیں۔ وہ سلسلہ کا واحد ترجمان اور آرگن ہے اور سلسلہ کی پچاس سالہ تاریخ کا حامل۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کی عظمت و اہمیت بتاتے ہوئے ایک دفعہ فرمایا تھا۔ "آج لوگوں کے نزدیک الفضل کوئی قیمتی چیز نہیں۔ مگر وہ دن آ رہے ہیں اور وہ زمانہ آنے والا ہے۔ جب الفضل کی ایک جلد کی قیمت کئی ہزار روپیہ ہوگی۔ لیکن کوتہ بین نگاہوں سے یہ بات ابھی پوشیدہ ہے"۔ [۲۳]

صاحبزادہ عبدالحی صاحب کا نکاح

۲۱/ جون ۱۹۱۳ء کو صاحبزادہ عبدالحی صاحب کا نکاح حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب کی دختر نیک اختر فاطمہ سے دو ہزار روپیہ مہر پر ہوا۔ خطبہ خود حضرت خلیفۃ المسیح نے پڑھا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب نے اپنے اخبار الفضل میں اس تقریب پر مبارکباد شائع کی اور لکھا۔ "یہ شادی بھی اللہ تعالیٰ کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عزیزم عبدالحی کو بلوغ کی عمر تک پہنچایا"۔ [۲۴]

حضرت خلیفہ اول نے محض توکل پر عبدالحی کے مکان کی بنیاد رکھوائی۔ حضرت ہر روز معمار اور مزدوروں کو ان کی مزدوری ادا فرما دیا کرتے اینٹ وغیرہ کا خرچ بھی برابر ادا ہوتا رہتا تھا اور یہ کام محض غیبی نصرت و تائید ایزدی کی برکت سے ہوا۔ [۲۵]

بھیرہ کے ایک مستری فضل الٰہی صاحب (جو اب تک زندہ ہیں) نے مکان کی تعمیر کی۔ حضرت خلیفہ اول نے مستری صاحب کو ارشاد فرمایا کہ مکان قبلہ رخ بنایا جائے تا میری اولاد نماز پڑھتی رہے۔ [۲۶]
الغرض جب مکان بن چکا تو میاں عبدالحی صاحب کا ۲/ اگست ۱۹۱۳ء کو بیاہ ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنی بہو اور بیٹے کو اس موقعہ پر بطور تحفہ یہ چیزیں دیں۔ دو قرآن مجید۔ دو صحیح بخاری اور ان کے لئے رحل۔ حزب المقبول۔ فتوح الغیب براہین احمدیہ اور ان کے رکھنے کے لئے الماری۔ نیز تہجد کے لئے لالٹین اور لوٹا۔ [۲۷]

ایک عظیم الشان نشان کا ظہور

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب "نشان آسمانی" میں لکھا تھا کہ "حدیثوں کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدی کے ظہور کے وقت ترکی سلطنت کچھ ضعیف ہو جائے گی۔ اور عرب....... نئی سلطنت کے لئے کچھ تدبیریں کرتے ہوں گے اور ترکی سلطنت کے چھوڑنے کے لئے تیار ہوں گے۔ یہ نشان اس

سال پورا ہونا شروع ہوا جب کہ امیر نجد نے ترک حکومت کے خلاف بغاوت کر کے ترکی مقبوضات پر قبضہ کر لیا۔ [۳۸] اور آخر سلطان عبدالوحید کے زمانہ میں جنگ عظیم چھڑ گئی۔ جرمنی اور اس کے ساتھی ترکی کو شکست ہوئی اتحادیوں نے ترکی سلطنت کے حصے بخرے کر دیئے اور عرب پر ترکی اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

ایک غیر احمدی عالم کا اعتراف حق

۱۹۱۳ء میں مطبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن کے ایک رکن مولوی ابو الجمال احمد مکرم صاحب عباسی چڑیا کوٹی نے ایک کتاب "حکمت بالغہ" دو حصوں میں شائع کی جس میں پہلی دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس نظریہ کی بدلائل تصدیق کی کہ یاجوج و ماجوج سے مراد اہل روس و یورپ کی سیاسی حکومتیں ہیں اور دجال سے مراد عیسائی پادری ان کی مفصل تحقیق کا ایک حصہ درج ذیل کرتا ہوں۔ یاجوج و ماجوج کے بارے میں انہوں نے تحریر کیا کہ بعضهم یو مئذ یموج فی بعض یعنی یاجوج و ماجوج لہروں کی طرح ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو جائیں گے۔ اخبار تاریخ اور مشاہدہ تینوں اس پیشگوئی کے سچے شاہد اور ایسے بدیہی ثبوت ہیں جن کو ماننے کے سوا چارہ نہیں۔ اگرچہ اقوام یورپ سب ایک دوسرے میں گڈمڈ ہیں جیسا کہ ظاہر و شاہد ہے۔ مگر ان میں بھی روس یاجوج اور فرانس و انگلستان کا گڈمڈ ہونا خاص طور پر قابل تماشہ ہے...... کیا ممکن ہے کہ کوئی بشری طاقت ایسا معجزہ دکھلا سکے۔ ہرگز نہیں"۔ [۳۹]

دجال سے متعلق پیشگوئی کے بارے میں انہوں نے احادیث نبوی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ "ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ حدیثوں میں دجال سے کوئی خاص فرد مخصوص نہیں ہے..... بلکہ دجال سے دجال صفت لوگ مراد ہیں اور دجال کی جو صفت بیان کی گئی ہے وہ بالکل اہل یورپ اور پادریوں پر صادق آتی ہے اور یہ ایک زبردست پیشگوئی ہے جو نہ صرف وفات رسول ﷺ بلکہ کتب حدیث کی تدوین کے سینکڑوں برس کے بعد پوری ہوئی اور ہو رہی ہے"۔ [۴۰]

علاوہ ازیں یہ بھی لکھا۔ "حضرت عیسیٰ بن مریم (اگر زندہ ہیں) یا کوئی مثیل مسیح آ کر امت کی اصلاح کرے گا مگر اس وقت جبکہ دجال کا فتنہ و فساد بہت عام اور مضر ہو جائے گا"۔ [۴۱]

"شاید کہ حدیثوں میں مسیح و مہدی ایک ہی شخص کو کہا گیا ہو جو ایسے فتنہ کے وقت مسلمانوں کی دستگیری کرے گا۔ مگر یہ خیال جمہور کے عقیدہ کے خلاف ہے"۔ [۴۲]

اخبار پیغام صلح کا اجراء

لاہوری ممبران انجمن نے یہ محسوس کر کے کہ قادیان میں ان کی باغیانہ تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی لاہور میں "پیغام صلح سوسائٹی" کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ ترجمہ یادداشت شراکت مع دستور العمل پیغام صلح سوسائٹی لمیٹڈ لاہور میں اس انجمن کے بارے میں ہمیں یہ تفصیلات ملتی ہیں۔

۱۔ اس سوسائٹی کی رجسٹری بموجب ایکٹ ہائے ہند نمبر۶۔ ۱۸۸۶ء جولائی ۱۹۱۳ء میں ہوئی۔
۲۔ اس سوسائٹی کا دفتر لاہور احمدیہ بلڈنگس میں قائم ہوا۔
۳۔ اس سوسائٹی کے اغراض و مقاصد میں اشاعت اسلام' ملک میں قیام امن' ایک اخبار کا اجراء اور واعظین مقرر کرنا تھا۔ [۶۳] اس سوسائٹی کے بانی سید محمد حسین شاہ [۶۴] اور حصہ دار یہ تھے۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب۔ ملک غلام محمد صاحب۔ سید الطاف حسین صاحب۔ شیخ عبدالرزاق صاحب بیرسٹرایٹ لاء۔ فضل الٰہی صاحب۔ بابو عبدالحمید صاحب آڈیٹر۔ [۶۵]

سوسائٹی نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے ۱۰/ جولائی ۱۹۱۳ء سے ایک اخبار "پیغام صلح" جاری کیا۔ اس اخبار سے عملی تعلق رکھنے والے چار اصحاب تھے۔ (۱) ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب جو اخبار کے لئے مضمون بھی لکھتے اور اپنی گرہ سے اس کے لئے خرچ بھی کرتے تھے۔ (۲) بابو منظور الٰہی صاحب جو اخبار کے قلمی اور انتظامی معاون بھی تھے۔ (۳) مولوی عبدالحق صاحب جو دفتر میں کام کرتے تھے۔ (۴) خلیفہ رجب دین صاحب (پرنٹر و پبلشر) [۶۶]
جہاں "الفضل" کا نام خود حضرت خلیفہ اول نے تجویز فرمایا۔ وہاں "پیغام صلح" کا نام اخبار کی سوسائٹی نے رکھا۔ [۶۷] شروع میں یہ ہفتہ میں تین بار شائع ہوتا تھا۔ جس پر اخبار "الحق" نے تنقید کی کہ یہ قبل از وقت ہے۔ [۶۸]

"پیغام صلح" کے دو اہم ترین مقاصد تھے اول حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان اور خصوصاً حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کے خلاف مہم۔ دوم خواجہ کمال الدین صاحب کے مشن کا پراپیگنڈا کر کے غیروں میں مقبولیت حاصل کرنا پیغام صلح میں لکھا ہے۔ پیغام صلح کا اجراء جولائی ۱۹۱۳ء میں ایسے حالات میں عمل میں آیا۔ جب سلسلہ احمدیہ میں اندرونی طور پر بہت کچھ خلفشار پیدا ہو چکا تھا اور قادیان میں میاں محمود احمد صاحب اور ان کے خاندان کے دیگر اصحاب بالخصوص ان کے نانا میر ناصر نواب صاحب لاہور کے پاک ممبروں کے متعلق طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے پھرتے اور

انہیں بدنام کرنے کے درپے تھے اس وقت قادیان کے اخبارات الحکم اور بدر زیادہ تر میاں صاحب ہی کے زیر اثر تھے..... دوسری طرف حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم و مغفور کے ذریعہ..... بلاد غربیہ میں اسلام کا سورج طلوع ہونا شروع ہو گیا۔ رسالہ اسلامک ریویو مسلم انڈیا اینڈ اسلامک ریویو کے نام سے جاری ہو چکا تھا اور ضرورت اس بات کی داعی تھی کہ اس رسالہ کے چیدہ مضامین کا ترجمہ اور ووکنگ مشن کی ضروری خبریں ہندوستان کے اردو دان لوگوں تک پہنچائی جائیں ان حالات و ضروریات کو محسوس کرتے ہوئے حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے جن کا قدم سلسلہ کی ہر تحریک میں سب سے آگے رہا ہے۔ پیغام صلح سوسائٹی کے نام سے مشترک سرمایہ کی ایک کمپنی بنائی اور اس کے ماتحت پیغام صلح کے نام سے ایک اخبار جاری کیا"۔ [۴۹]

خواجہ کمال الدین صاحب چونکہ ایڈیٹر "الہلال" ابوالکلام آزاد صاحب سے سازباز کر چکے تھے۔ اس لئے "پیغام صلح" کی سیاسی پالیسی کا اخبار الہلال سے ہم آہنگ ہونا طبعی بات تھی۔ [۵۰] جس کا واضح اور کھلے رنگ میں اظہار کانپور کے مشہور حادثہ کے موقعہ پر صاف نظر آگیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ کانپور کے محلہ مچھلی بازار میں ایک مسجد بر سر راہ تھی وہاں سے شہر کی میونسپلٹی نے ایک نئی سڑک نکالی جس میں مسجد کا ایک حصہ جو غسل خانہ تھا شامل کر دیا گیا۔ [۵۱]

اس سلسلہ میں کانپور کی عید گاہ میں مسلمانوں کا ایک بہت بڑا اجتماع ہوا۔ جس میں بعض آتش بیان مقرروں کی تقاریر کے نتیجہ میں زبردست اشتعال پیدا ہو گیا اور جلسہ کے اختتام پر سینکڑوں آدمی سیدھے مسجد کی طرف چل پڑے اور جاتے ہی شور مچانا شروع کیا کہ مسجد کو دوبارہ تعمیر کر دو اور کچھ لوگوں نے اینٹیں بھی اکٹھی کرنی شروع کر دیں۔ ایک سب انسپکٹر پولیس نے ان کو سمجھایا۔ مگر انہوں نے اس پر پتھر برسائے بعد ازاں ایک انسپکٹر پولیس چند سپاہیوں کو لے کر پہنچا تو اس پر بھی پتھراؤ کیا گیا اور وہ چوکی میں پناہ لینے پر مجبور ہوا اور اس کا کچھ سامان بھی توڑ پھوڑ دیا۔ جب صورت حال اس درجہ پہنچ گئی تو ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس مسلح پولیس لے کر موقعہ پر آئے۔ ڈپٹی کمشنر نے پولیس کو پیچھے چھوڑ کر لوگوں کو سمجھانا شروع کیا۔ مگر اس پر بھی اینٹیں اور پتھر پھینکے گئے۔ کچھ دیر انتظار کے بعد ڈپٹی کمشنر نے پولیس کو خالی فائر کرنے کا حکم دیا۔ لیکن مجمع بدستور قابو سے باہر ہو رہا تھا۔ اس لئے گولی چلانی پڑی جس پر لوگ منتشر ہو گئے۔ تیرہ آدمی اسی وقت مردہ پائے گئے۔ تیس زخمی ہوئے جن میں سے چھ نے بعد میں دم توڑ دیا۔ دوسری طرف پولیس کا ایک آدمی خود پولیس کی گولی سے مر گیا۔ پچیس سپاہی زخمی ہوئے اور ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بھی ضربیں آئیں اس فساد میں قریباً ایک سو ستر

آدمی پکڑے گئے۔ ۵۲ جو مسلمان زخمی ہوئے انہوں نے برملا کہا مولویوں نے ہمیں بہکا کر خراب کیا تھا۔ ۵۳ مسلمانان کانپور نے بعد میں وائسرائے ہند کی خدمت میں ایک ایڈریس پیش کیا جس میں کہا کہ "ہم ان لوگوں کی کارروائی کو ملامت اور نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں جنہوں نے اینٹوں کے پھینکنے سے قانون کی خلاف ورزی کی یا کسی اور طریقہ سے خلاف قانون طرز عمل اختیار کیا۔ ہم حضور والا کو یقین دلاتے ہیں کہ مسلمانان کانپور ہز امپریل میجسٹی شہنشاہ معظم کی انتہا درجہ کی قانون پر چلنے والی اور وفادار رعایا ہیں"۔ ۵۴

یہ ہے سانحہ کانپور کی تفصیل جسے ابتدائی مرحلہ سے ہی بعض مسلمان اخباروں نے اچھالنا شروع کیا اور کانپور کے مسلمانوں کو اکسا اکسا کر ان کو آمادہ فساد کرتے رہے۔ ۵۵ اس آگ کو سب سے زیادہ ہوا دینے والے مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ ۵۶ جنہوں نے "الہلال" کے صفحے کے صفحے اس کے لئے وقف کر دئے اور متعدد تصاویر شائع کیں۔ اخبار "الفضل" نے حضرت خلیفۃ المسیح اول کی راہ نمائی اور مشورہ سے مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ "رسول کریمؐ کے زمانہ میں غسل خانہ، وضو خانہ اور پاخانہ مساجد میں نہ ہوتے تھے۔ پھر غسل خانہ کو مسجد کا حصہ کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور وضو خانہ اس کا حصہ کیونکر قرار پا سکتا ہے؟ ۵۷ یہ موقف چونکہ اخبار "الہلال" اور "پیغام صلح" کی طرف سے خلیفہ رجب الدین صاحب کو حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں بھیجا گیا تا آپ کی تحریری رائے حاصل کی جائے اس پر حضرت خلیفہ اول نے ۶/ اگست ۱۹۱۳ء کو ایک تحریر لکھی جو پیغام صلح (مورخہ ۱۰/ اگست صفحہ ۲ و ضمیمہ ۲۴/ اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۵) میں بایں الفاظ شائع ہوئی۔ ۵۸ "میرا مذہب یہ ہے کہ جس سلطنت کے ماتحت ہم رہیں اس کے خلاف نہ کریں۔ اس کے حضور آرام کی درخواستیں کرتے رہیں۔ اگر وہ مان لے تو سبحان اللہ۔ اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہے اگر نہ مانے تو اس کے ملک سے نکل جائیں۔ حضرت قرآن مجید نے ارشاد فرمایا ہے کہ نبی کریمؐ موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا۔ قوم کو صبر کا حکم دیا۔ واصبروا ان العاقبة للمتقین۔ آخر درخواست کی ہے۔ ارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبهم بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ کر دو اور ان کو آپ دکھ نہ دیں۔ حضرت نبی کریم خاتم النبین صلے اللہ علیہ و آلہ اجمعین نے تیرہ برس مکہ معظمہ میں تکالیف کو برداشت فرمایا۔ سمیہ کو سختی سے قتل کیا گیا۔ زنیرہ کو مار ڈالا۔ یاسر کو نہایت بے رحمی سے قتل کرایا۔ آخر آپ نے اپنے پہلے صحابہ کو ہجرت کا حکم دیا۔ پھر آخر آپ خود مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے اور مکہ سے ہجرت کر گئے۔ یہ ہے میرا مذہب۔ اس پر عمل درآمد ہے۔ رہا پیسہ اخبار یا اہل حدیث یا ان کے برادران خورد و بزرگ۔ سو یہ لوگ ابتداء سے اس وقت تک ہمارے دشمن رہے ہمارا کیا بگاڑا جو اب بگاڑیں گے بے ریب کانپور

کے حکام باختیار کی غلطی ہے کہ مندر کو بچایا اور مسجد کو گرایا اور آخر گولی چلانے کا حکم دیا۔ عمدہ تدابیر و عاقبت اندیشی سے کام نہ لیا۔ مگر ایسے حکام کے متعلق قرآن مجید کا حکم صاف ہے و کذالک نولی بعض الظالمین بعضا۔ مسلمان خود مسلمان ہوں تو ان پر ایسے حکام کیوں ہوں یہ ہے میرا ایمان غالباً آپ سمجھ گئے ہیں اس کے خلاف کرو گے تو ہم آپ سے بیزار ہیں"۔

اس فتویٰ کے علاوہ حضرت خلیفہ اول کی نظر ثانی سے الفضل ۱۳/ اگست ۱۹۱۳ء میں ایک مضمون بھی شائع ہوا۔ جس میں اس تمام تر ہنگامہ آرائی کی ذمہ داری شعلہ بیان لیکچراروں اور آتش مزاج ایڈیٹروں پہ ڈالی اور مسلمانوں کو تلقین کی گئی کہ اسلام بغاوت اور حکام کے مقابلہ کو منع کرتا ہے۔ مسلمانوں کا فرض تھا کہ حکام کی خلاف ورزی کی بجائے اطاعت کرتے۔ اگر حکام ظالم تھے تو یقین رکھتے کہ ایک حی و قیوم خدا ظالم کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے کافی ہے۔ حضرت خلیفہ اول نے اس مضمون پر یہ تحریر فرمایا۔ "جزاک اللہ احسن الجزاء خوب لکھا ہے کچھ زائد شائع کردو"۔

اب مسئلہ بالکل واضح تھا اور مسجد کانپور کے نام پر شورش اٹھانے والوں سے ہم نوائی کی کوئی وجہ جواز اس سے نہیں نکل سکتی تھی۔ مگر مولوی محمد علی صاحب نے پورے فتویٰ کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے صرف اس فقرہ کو لے کر کہ "بے ریب کانپور کے حکام باختیار کی غلطی ہے کہ مندر کو بچایا مسجد کو گرایا"۔ تین لمبے لمبے مضمون پیغام صلح میں شائع کئے۔ [۵۹] جس میں وضو خانہ کو مسجد ہی کا حصہ قرار دیا اور اس سے الہلال کی تحریک کو بے حد تقویت پہنچی۔ مولوی محمد علی صاحب کو احمدیوں نے توجہ دلائی کہ قادیان میں دو مسجدوں کے غسل خانے کسی اور مصرف میں لائے جا چکے ہیں۔ اس لئے آپ کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ جس پر مولوی صاحب نے پیغام صلح میں ایک مراسلہ لکھا جس میں عجیب و غریب تاویلات کیں اور لکھا کہ "میں نے ہرگز اس مضمون پر قلم اٹھانا پسند نہیں کیا۔ جب تک کہ حضرت خلیفتہ المسیح اول کے ہاتھ کا لکھا ہوا فتویٰ نہیں پڑھ لیا کہ حکام نے غلطی کی۔ الخ" نیز لکھا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک معمولی امر ہے کہ بعض واقعات سے ایک شخص ایک نتیجہ پر پہنچے دوسرا کسی اور نتیجہ پر۔ اس کو سلسلہ میں اختلاف کا نام دینا اس کے مرتکب احمدی ہوں یا غیر احمدی بڑی جلد بازی ہے"۔ [۶۰]

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے اخبار پیغام صلح کے پیش نظر اہم ترین مقاصد میں سے اولین مقصد خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی مخالفت تھی۔ حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ نے پیغام صلح کے اجراء پر اس اخبار کے لئے "اکسیر" کے عنوان سے ایک نہایت لطیف مضمون ارسال فرمایا۔ [۶۱] جس سے آپ کی

فراخ دلی اور وسعت قلبی کا پتہ چلتا ہے۔ مگر چونکہ ادارہ پیغام صلح کی پالیسی میں خاص طور پر آپ کی ذات پر تنقید شامل تھی۔ اس لئے اس نے چند ہفتوں کے بعد ہی الفضل سے کھلم کھلا نوک جھونک شروع کر دی اور لکھا۔ "ہم احمدی لوگ دوسروں کو تو الزام دیتے ہیں کہ وہ قرآن پر عمل نہیں کرتے۔ لیکن اگر اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں اور غور کریں تو پائیں گے کہ ہم خود جو حق قرآن پر چلنے کا ہے ادا نہیں کرتے۔ اور تنسون انفسکم کا رنگ ہماری تحریروں اور تقریروں میں پایا جاتا ہے۔

"ہمارے بعض اخبارات نے اس حکم کی تعمیل میں کوتاہی اختیار کی ہے۔ وہ دارالامان میں امن سے رہتے ہیں ان تک وہ گالیاں پہنچیں یا نہ پہنچیں لیکن بیرونجات کے لوگوں کو اس کی وجہ سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے بڑے ادب سے ہم اپنے احمدی بھائیوں کی خدمت میں التماس کرتے ہیں کہ اس حکم الٰہی کو مدنظر رکھتے ہوئے ان حرکات سے باز آجائیں"۔ [۶۲]

حضرت مفتی محمد صادق صاحب کا بیان ہے کہ اس مضمون پر حضرت خلیفہ اول سخت ناراض ہوئے اور فرمایا یہ "پیغام جنگ" ہے اور مجھے حکم دیا کہ اگرچہ ہم قیمت دے چکے ہیں۔ پھر بھی ہمارے نام اگر ڈاک میں آوے تو واپس کر دیں۔ [۶۳] اور ایک خط ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے نام لکھا کہ "آپ کا پیغام جنگ ملا۔ مولوی محمد علی اور خواجہ کمال الدین کی بیعت کر لو۔ ان للہ و انا الیہ راجعون"۔ [۶۴] یہ بات جماعت میں انہی دنوں پھیل گئی۔ اور پیغام صلح سے نفرت و حقارت کا اظہار ہونے لگا۔ چنانچہ اخبار "الحق" (دہلی) نے لکھا۔ "احقر ایڈیٹر الحق کو گو پیغام صلح کی روش ابتداء سے پسند نہ تھی۔ مگر تاوقتیکہ اپنے امام کا ارشاد اس کے متعلق معلوم نہ کر لیا۔ اس پر لکھنا مناسب نہ جانا۔ اب جبکہ وثوق کے ساتھ مجھے یہ علم ہو گیا کہ حضرت امامنا و مرشدنا امیرالمومنین خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ نے "پیغام صلح" سے اظہار ناراضگی فرمایا بلکہ اس کے کارکنان کو خط بھی لکھ دیا کہ آئندہ پیغام صلح ہمارے نام نہ بھیجیں ہم اس کو دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ اور حضور کے اس ارشاد کو سن کر دیگر مخلص احباب نے بھی "پیغام صلح" کا لینا بند کر دیا۔ اور پرچے واپس کر دئے نیز حضور پر نور نے اس کا نام بجائے "پیغام صلح" کے "پیام جنگ" رکھا"۔ [۶۵] حضرت خلیفہ اول نے ۷/۲۷ اگست ۱۹۱۳ء کو شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کے نام ایک خط لکھا کہ "یہاں خطرناک مخالفت کا جلوہ ہے۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر شیخ صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب نے تو میرے سامنے اور سید محمد حسین صاحب نے تحریراً اور مولوی محمد علی صاحب نے سنتا ہوں گو ابھی میرے پاس ثبوت کے لئے کوئی ذریعہ نہیں کی

ہے فانا للہ وانا الیہ راجعون اور کیا لکھوں۔ والسلام نور الدین ۲۳/ رمضان شریف ۲۵ھ"

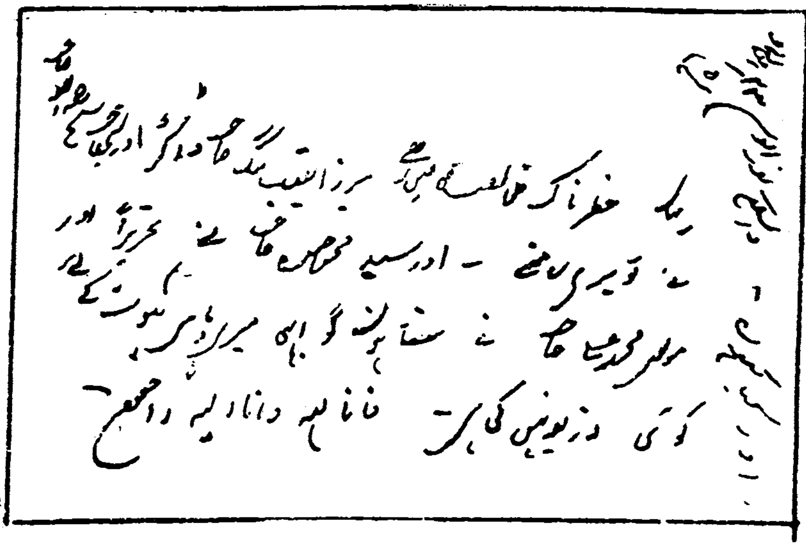

اس کے علاوہ آپ نے اپنے قلبی دکھ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ محمود مسیح موعود کا بیٹا ہے۔ اس پر جو زبان تیز کرے گا وہ یاد رکھے کہ محمد حسین نے ایسا کیا اور اس کی اولاد گندی ہو گئی"۔ [۶۶]

حضرت چوہدری فتح محمد صاحب کا سفر انگلستان اور یورپ میں سب سے پہلے احمدی مسلم مشن کا قیام

حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ۱۹۱۲ء میں عربی میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کر کے اپنے عہد وقف زندگی کے مطابق قادیان آچکے تھے کہ حضرت خلیفہ اول نے تحریک فرمائی کہ ہمیں لنڈن مشن کے لئے ایک مبلغ کی ضرورت ہے جس پر حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال اور حضرت مولوی محمد الدین صاحب نے اپنا نام پیش کیا۔ حضرت خلیفہ اول نے مولوی محمد علی صاحب سے کہا کہ آپ تو کہتے تھے کوئی نوجوان جانے کو تیار نہیں۔ میرے پاس تو ایک کی بجائے دو نوجوانوں کی درخواستیں آگئی ہیں۔ [۶۷] مولوی محمد علی صاحب چونکہ دوسرے نوجوانوں کو بھجوانے کی بجائے خواجہ کمال الدین صاحب کی خواہش کے مطابق خود ولایت جانا چاہتے تھے۔ [۶۸] اس لئے انہوں نے حضرت خلیفہ اول کو یہ اطلاع دی کہ یہ نوجوان دس دس ہزار روپیہ پیشگی کا مطالبہ کرتے ہیں چوہدری صاحب نے عرض کی یہ تجویز خود مولوی صاحب کی ہے ہمارا کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ چوہدری صاحب نے مولوی محمد الدین صاحب کو یہ بات پہنچائی تو انہوں نے کہا ان حالات میں میں تو نہیں جا سکتا لیکن چوہدری

صاحب نے کہا کہ اس کا صحیح جواب فقط یہی ہے کہ ہم کسی مدد کے بغیر لنڈن پہنچ جائیں۔ اس کے بعد چوہدری صاحب نے پورا واقعہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین صاحب سے بیان کیا۔ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا۔ کہ انصار اللہ کا چندہ جو ممالک غیر میں تبلیغ کے لئے جمع ہے۔ وہ میں تم کو دیتا ہوں لیکن میرا اس طرح خود دینا درست نہیں تبرک اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ میں رقم ابھی حضرت خلیفہ اول کو بھجوا دیتا ہوں۔ تم حضور کے مطب میں جا کے انتظار کرو۔ چنانچہ آپ مطب میں حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور روپیہ کا انتظار کئے بغیر عرض کیا کہ حضور میں لنڈن جا رہا ہوں۔ حضور نے فرمایا کرایہ کا کیا انتظام کیا ابھی آپ یہ عرض ہی کر رہے تھے کہ ایک خادم رومال میں تین سو روپیہ لے کر پہنچ گیا حضرت نے یہ رقم بڑی خوشی سے چوہدری صاحب کے حوالہ کر دی۔ وہاں حضرت میر ناصر نواب صاحب بھی تشریف فرما تھے انہوں نے بھی ایک سو پانچ روپے حضرت کی خدمت میں اس سلسلہ میں پیش کئے۔ [69] علاوہ ازیں بعض اور دوستوں نے بھی چندہ دیا لیکن پوری رقم سات سو سے کم ہی رہی۔ [70] اسی طرح ایک سو پانچ روپے حضرت خلیفہ اول کی فہمائش پر صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے دیا گیا۔ [71]

سنت صوفیا کے مطابق آپ نے یہ رقوم وصول کر لیں۔ ڈیڑھ سو روپیہ کی ضروری کتابیں مثلاً بخاری و مسلم وغیرہ خرید لیں اور کوئی نیا جوڑا نہیں بنایا [72] اور اسی حالت میں قادیان سے روانہ ہو کر ۲۵/ جولائی ۱۹۱۳ء کو لنڈن تشریف لے گئے اور ۱۱/ اگست ۱۹۱۳ء کو ووکنگ چلے گئے۔ اس وقت خواجہ صاحب وہاں موجود نہ تھے چار پانچ روز بعد واپس آئے۔ ہندوستان سے آئی ہوئی ڈاک پہنچی۔ تو ایک خط مولوی محمد علی صاحب کا بھی تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ چوہدری فتح محمد میاں محمود احمد کا خاص آدمی ہے جو آپ کی جاسوسی کے لئے بھیجا گیا ہے۔ [73] خواجہ صاحب نے خط پڑھ کر چوہدری صاحب سے پوچھا تو چوہدری صاحب نے اس الزام کی تردید کی اور بتایا کہ آپ بے فکر رہیں میں آپ کی مدد کے لئے اور تبلیغ کے لئے آیا ہوں۔ حضرت میاں صاحب نے انصار اللہ کی مد سے صرف اس لئے رقم دی کہ مولوی محمد علی صاحب نے متعدد دفعہ مدد کرنے سے صاف انکار کیا تھا۔ [74]

لیکن خواجہ صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کی بات اپنے دل میں بٹھالی اور پہلے تو حضرت خلیفہ اول کو خط لکھنے شروع کر دئے کہ خدا کرے اب وہ دن آئے کہ سید محمد حسین اور مولوی محمد علی یہاں ہوں۔ [75] پھر صاف لکھا کہ گو چودھری فتح محمد صاحب کی آنکھ کی تکلیف میں افاقہ ہے لیکن میرا ارادہ نہیں کہ وہ کام شروع کریں۔ [76] لیکن جب دربار خلافت میں کوئی شنوائی نہ ہوئی تو خواجہ صاحب نے

پیغام صلح میں برادران کے نام کھلا خط شائع کر دیا۔ جس میں لکھا "میری تجویز یہ ہے کہ جناب مولانا مولوی محمد علی صاحب کو بہت جلد یہاں بھیج دیا جاوے اور میں ان کے ہمراہ دو ڈیڑھ ماہ رہوں۔ جب ان کا یہاں کے احباب سے رابطہ ہو جائے تو میں ہندوستان آجاؤں۔ موجودہ صورت میں اگر میں چلا آؤں تو پھر چودھری فتح محمد صاحب اور شیخ نور احمد صاحب دونوں کے لئے اس اہم اور بھاری کام کا چلانا سخت دشوار ہو جائے گا۔ اس لئے جتنی جلدی ہو سکے جناب مولوی محمد علی صاحب کو یہاں بھیجنے کا انتظام کریں۔ [77] یہی پیغام جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ان کی طرف سے آیا۔ [78] یہ تو بیرونی رنگ میں ان کی چوہدری صاحب کے واپس بھجوانے کی جدوجہد تھی۔ جہاں تک تبلیغ اسلام کے کام کا تعلق تھا انہوں نے چوہدری صاحب کو سختی سے ہدایت دی کہ تبلیغ کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام ہرگز نہیں لینا۔ اس اختلاف کی بناء پر چوہدری صاحب ووکنگ چھوڑ کر فوکسٹن چلے آئے اور حضرت خلیفہ اول تک اصل واقعات بھجوادئے۔ حضور نے حکم بھیجا کہ فوراً ووکنگ واپس چلے جاؤ اور تبلیغ میں جب موقع ملے۔ حضور کا نام ضرور لیں۔ تبلیغ ہی کے لئے تو میں نے آپ کو بھیجا ہے۔ تبلیغ سے آپ کو کوئی روک نہیں سکتا اور نہ کسی کا حق ہے۔ باقی امور میں آپ خواجہ صاحب کی اطاعت کریں۔ کیونکہ وہ امیر ہیں اس پر آپ پھر ووکنگ آگئے اور حضرت خلیفہ اول کے منشاء کے مطابق تبلیغ کرتے رہے۔ آپ ہی نے مسجد ووکنگ کا افتتاح کیا اور سب سے پہلا پبلک لیکچر دیا۔ جس کا اعتراف خواجہ صاحب نے "اسلامک ریویو" میں بھی کیا۔ حضرت خلیفہ اول کی وفات پر چونکہ خواجہ صاحب خلافت سے ہمیشہ کے لئے کٹ گئے اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لنڈن آگئے اور وہاں سب سے پہلا احمدیہ مسلم مشن قائم کر دیا۔ جو اب کامیابی سے چل رہا ہے۔ خواجہ صاحب قبل ازیں چوہدری صاحب کو کہہ چکے تھے کہ تم ہندوستان چلے جاؤ۔ ہم مل کر کام نہیں کر سکتے۔ واپسی کا کرایہ میں ادا کر دیتا ہوں۔ تمہارے والد میرے دوست ہیں۔ میں ان سے رقم وصول کرلوں گا۔ [79]

چوہدری فتح محمد صاحب کا عریضہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام اور حضور کا جواب

"تحریک وقف زندگی" پر لبیک کہتے ہوئے چوہدری فتح محمد صاحب سیال نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو درخواست لکھی تھی۔ جس پر حضورؑ نے اپنے قلم سے اظہار خوشنودی فرمایا۔ اس درخواست اور حضورؑ کے جواب کا عکس درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء

ہادی و مولانا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

حضور بندہ کا مدت سے ارادہ تھا۔ کہ اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دوں۔ اس اسکا میں نے اپنے والد صاحب سے کئی دفعہ ذکر بھی کیا۔ اور انہوں نے ایسا کرنے کی بندہ کو اجازت دی ہوئی ہے۔ پہلے بھی اس قسم کی ایک عرضی میں نے حضور کی خدمت مبارک میں لکھی تھی۔ مگر اس وقت حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا تھا۔ کہ تمہارا ابھی وقت نہیں آیا۔ اسلئے بندہ نے توقف کیا۔ نہیں تو بندہ کی ہمیشہ

بھی خواہش دل میں ہے۔ اب بندہ حضور سے استدعا کرتا ہے کہ اس عرض کو قبول کیا جائے۔ اور دعا کی جائے۔ کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی اس قربانی کو قبول فرمائے۔ کیونکہ قرآن شریف میں لکھا ہے۔ کہ اللہ متقی کی قربانی قبول کرتا ہے اور دوسرے کی رد کرتا ہے۔ ان اللہ یتقبل من المتقین الایۃ

انما یتقبل اللہ من المتقین

حضور کا ادنیٰ خادم
فتح محمد
مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۸ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

مجھ کو اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ تم نے بھی اپنی زندگی اسلام کی راہ میں وقف کی
خدا تعالیٰ استقامت بخشے آمین۔ مناسب ہے کہ مفتی محمد صادق صاحب
اس کی بابت بات چیت کر لو والسلام نورالدین

سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کا سفر مصر و شام

مدرسہ احمدیہ کو عربی علوم کے چوٹی کے اساتذہ کی ضرورت تھی۔ ۸۰ یہ خلا پر کرنے کے لئے سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب (ایف۔اے) اور شیخ عبدالرحمن صاحب نو مسلم (مولوی فاضل) لاہوری کو مصر بھجوا گیا۔ دونوں ہم سفر انصار اللہ کے ممبر تھے اور انصار اللہ ہی نے ان کو سفر کے اخراجات دیئے۔ ۲۶/ جولائی ۱۹۱۳ء کو یہ اصحاب قادیان سے روانہ ہوئے۔ حضرت خلیفہ اول نے دعا کے ساتھ الوداع کیا اور حضرت صاحبزادہ صاحب انصار اللہ کے ممبروں اور دوسرے احباب کے ساتھ مشایعت کے لئے دور تک گئے۔ اور شہر سے باہر جاکر یکے پر بٹھایا۔ مصر میں پہنچ کر شاہ صاحب کا دل قاہرہ کے قدیم طریقہ تعلیم سے اچاٹ ہو گیا۔ اور وہ شیخ عبدالرحمن صاحب کو قاہرہ چھوڑ کر پہلے بیروت پھر حلب میں گئے اور چوٹی کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ اور بیت المقدس میں امتحان دے کر اعلیٰ نمبروں پر پاس ہوئے پھر صلاح الدین ایوبیہ کالج میں استاد مقرر ہوئے اور ساتھ ہی شام یونیورسٹی سے سند بھی حاصل کی۔ بعد ازاں سلطانیہ کالج کے وائس پرنسپل بنے۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء کے آخر میں سیاسی قیدی کی حیثیت میں اولاً قاہرہ اور ثانیاً مئی ۱۹۱۹ء میں لاہور لائے گئے۔ جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آزاد کروایا۔ ۸۱

خانہ کعبہ اور مدینہ میں اسلام اور احمدیت کے لئے دعائے خاص کی تحریک

۱۹۱۳ء میں خان صاحب فرزند علی صاحب حج کے لئے روانہ ہونے لگے۔ تو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اپنے قلم سے ان کو ایک مفصل مکتوب لکھا۔ جس میں تحریر فرمایا۔ "میرا ارادہ تھا کہ آپ کو ایک دعائیہ خط لکھ کر دوں جسے آپ میری طرف سے مدینہ منورہ اور مکہ میں پڑھ کر دعا مانگیں۔ لیکن اب میرے دل کی کیفیت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ آپ اسی بات کی دعا کریں کہ الٰہی جس کام کے لئے میں کھڑا ہوں اگر تیرے منشاء کے مطابق ہے تو میرے دل کو مضبوط کر اور طاقت دے کہ میں تیرے قائم کردہ سلسلہ کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کروں۔ اور اے خدا اگر جو کچھ میں کرتا ہوں تیرے منشاء کے خلاف ہے تو مجھے ہدایت دے اور اگر میرا وجود سلسلہ کے لئے باعث فتنہ ہے تو مجھے میرے حبیب و محسن کے ساتھ ملا دے کہ دل بے چین و بے قرار ہے۔

تازہ پیغام (اخبار پیغام صلح۔ ناقل) آپ نے پڑھا ہو گا۔ اب گویا صریح مقابلہ شروع ہو گیا ہے راستہ میں بہت دعا کریں اور بہت ہی دعا کریں۔ خدا تعالیٰ جماعت کا حامی ہو اسلام کا مددگار ہو ہمیں اسلام کا خادم بنائے اور اسلام پر ہمیں وفات دے کہ زمانہ تاریک ہو رہا ہے اور مصائب کے پہاڑ نظر آ رہے

ہیں مسیح موعودؑ کا قائم کردہ سلسلہ اپنی بیخ و بن سے ہلتا ہوا نظر آتا ہے۔ زندگی سے دل سرد ہے اور دماغ افکار و آلام سے پر اگر دل کو ڈھارس ہے تو یہ کہ خدا کے وعدے ہیں کہ وہ اس سلسلہ کو بڑھائے گا۔ ہاں خواہش ہے کہ ہمارے ہوتے ہو جائے تو ہماری آنکھیں بھی ٹھنڈی ہوں اگر تسلی ہے تو یہ کہ خدا کا وعدہ ہے اور حضرت صاحب فرماتے تھے مجھے روزانہ یہ الہام ہوتا ہے اور کوئی اور الہام اس کثرت سے نہیں ہوا جتنا کہ انی معک و مع اھلک۔ پس اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ لوگ ہماری مخالفت ضرور کریں گے۔ اور خدا ہمارے ساتھ ہو گا۔ ہاں ڈر ہے تو یہ کہ اپنی غفلتوں سے اپنے ساتھ محبت کرنے والوں کو بھی گمراہی کے گڑھوں میں نہ ڈال دیں۔ علم نہیں ہمت نہیں صحت کمزور ہے بوجھ بہت زیادہ ہے اور کام اہم ہے خدا ہی رحم کرے تو کام چلے اس لئے میرے سردار و آقا کے نماز پڑھنے کے مقام پر ان گلیوں میں جن میں وہ چلتا تھا۔ اس کے مکان کے اردگرد گھوم گھوم کر جو ابراہیمؑ نے بنایا تھا اس میدان میں جو آپ نے قبولیت دعا کے لئے پسند فرمایا۔ مزدلفہ میں مقام ابراہیم کے پاس میرے لئے دعا کریں۔ میری دعاؤں کو تو وہ یہیں سے سنتا ہے میری فریاد کو یہیں پہنچتا ہے۔ مگر ایک آرزو ہے ایک عشق ہے جو تمنا کرتا ہے کہ محبوب کے سواد اور اس کی جائے رہائش میں بھی کچھ عرض کروں"۔ ۸۲

حضرت خلیفہ اول کے پنجابی اشعار

۹/ ستمبر کی رات کو حضرت خلیفہ اول ذات الجنب کی بیماری میں مبتلا تھے۔ شدت تکلیف میں آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی اور آپ نے پنجابی میں چند دعائیہ اشعار لکھے۔ جن کا مفہوم یہ تھا کہ میں ڈوب رہا ہوں اے میرے خدا تو میرا ہاتھ پکڑ لے کہ تیرے سوا کوئی دستگیر نہیں ہے ہم بے آسروں کا تنہا تو ہی آسرا ہے اب میں کیا حال سناؤں کہ نوبت کہاں تک آپہنچی ہے اپنے بیگانے ہو گئے دنیا پر سخت تاریکی چھا گئی۔ فضا کہر آلود ہو گئی گرداب بلا انتہا کو پہنچ گئے اب تو ہی ہے کہ ہمیں اس طوفان سے پار نکال دے۔ دوست صرف سکھ میں ہی کام آتے ہیں دکھ درد میں بھلا کون کسی کا شریک ہوتا ہے۔ خدا کرے میں دین پر قائم رہوں اور نور دین ہی بن جاؤں تا اپنے محبوب کے دربار تک رسائی کی کوئی صورت نکل آئے۔

ان اشعار کے بارے میں بعد کو آپ نے خود ہی فرمایا۔ "ایک خاص وقت کا میرا ذوق ہے اس وقت میں شعر کہنے کے سوائے رہ ہی نہ سکتا تھا"۔ ۸۳

جماعت احمدیہ شملہ کا سالانہ جلسہ

حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کی طبیعت ناساز تھی اس لئے آپ مولوی سید سرور شاہ صاحب کے ساتھ تبدیلی آب و ہوا کے لئے ۸/ ستمبر ۱۹۱۳ء کو شملہ تشریف لے گئے۔ ۸۴

حضرت نواب محمد علی خان صاحب پہلے ہی یہاں مقیم تھے آپ کے بعد حضرت حافظ روشن علی صاحب بھی آگئے۔ ان بزرگوں کی آمد سے فائدہ اٹھانے کے لئے جماعت شملہ نے ۲۰۔۲۱/ ستمبر کو سینٹ ٹامس چرچ میں اپنا سالانہ جلسہ منعقد کیا اور نواب سید محمد رضوی صاحب نے اس کے اخراجات برداشت کئے۔ [۸۵] جماعت نے اشتہار شائع کرنے چاہے مگر چونکہ اس میں خاص طور پر ذکر تھا کہ جماعت احمدیہ کی خصوصیت پر لیکچر ہوں گے۔ [۸۶] اس لئے پریس والوں نے ان کو چھاپنے سے انکار کر دیا۔ اور جماعت والوں نے کہا کہ اب جلسہ نہ ہو سکے گا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے ان دنوں شملہ ہی سے انصار اللہ کے لئے ایک دستی پریس خریدا تھا آپ نے اس موقعہ پر فرمایا کہ لیکچر ضرور ہو گا۔ اور اس کا پہلا تجربہ اس پریس سے کریں گے۔ چنانچہ آپ نے اس وقت پنسل سٹینسل سے اشتہار لکھا اور آپ اور حافظ روشن علی صاحب دونوں نے راتوں رات بڑی کثرت سے اشتہار چھاپ دیئے۔ [۸۷] جو دوسرے دن شملہ میں چسپاں کر دیئے گئے۔ مخالفین نے تمام شہر میں اعلان کرا دیا کہ احمدیوں کے جلسہ میں کوئی نہ جاوے۔ مگر خدا کے فضل سے توقع سے کہیں بڑھ کر حاضری ہوئی۔

اس جلسہ میں حضرت صاحبزادہ صاحب کے دو لیکچر ہوئے جو بہت مقبول و کامیاب ہوئے۔ آپ نے دونوں لیکچروں میں سلسلہ احمدیہ کی کھلے الفاظ میں تبلیغ کی۔ اور ان تقاریر کی روئداد شائع کرتے ہوئے اخبار الحق (دہلی) نے لکھا۔ میاں صاحب ممدوح کے دو لیکچر اس جگہ ہوئے ۲۰/ ستمبر کو "مسلمان کیونکر ترقی کر سکتے ہیں"۔ کے عنوان سے لیکچر دیا اور ۲۱/ کو "الاسلام" کی سرخی سے دونوں لیکچروں کو سن کر سامعین جس قدر شگفتہ رو ہو کر گئے اور جس قدر خوش ہوئے وہ حد بیان سے باہر ہے محض قرآن مجید سے آپ کے تمام استدلال تھے۔ ہر ایک دعویٰ پر آیات قرآن پیش کرتے تھے۔ سامعین سے ہال بھرا ہوا تھا اور عموماً غیر احمدی لوگ و آریہ و سکھ شامل ہوئے [۸۸] آپ کے لیکچر کے بعد بابو محمد حسین صاحب نے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے کا اعلان کیا۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کے علاوہ حضرت حافظ روشن علی صاحب کے "ختم نبوت" کے موضوع پر اور حضرت میر قاسم علی صاحب کے "اسلام اور دیگر مذاہب" کے عنوان پر لیکچر ہوئے۔ صدارت کے فرائض پہلے دن حضرت نواب محمد علی خان صاحب اور دوسرے دن نواب سید محمد رضوی صاحب نے سرانجام دیئے۔ [۸۹]

خواجہ کمال الدین صاحب اور ان کے دوسرے رفقاء نے جن بڑے بڑے شہروں میں لیکچر دینے شروع کئے تھے ان میں شملہ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ منشی برکت علی خان صاحب شملوی کا (جو ان دنوں جماعت شملہ کے سیکرٹری تھے) بیان ہے کہ ان لیکچروں میں ایک تو یہ اصحاب احمدیت کے ذکر سے

قطعی اجتناب کرتے بلکہ خواجہ صاحب تو صاف کہتے تھے کہ احمدیت کے نام سے لوگ آتے نہیں۔ میں عام مضامین سن کر سفر مینا کا کام کرتا ہوں یعنی لوگوں کو احمدیت کے لئے تیار کرتا ہوں۔ دوسری خصوصیت ان عمائد کی یہ تھی کہ یہ باتوں باتوں میں حضرت صاحبزادہ صاحب کا ذکر چھیڑ دیتے تھے اور بظاہر تعریف کرکے یہ ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتے کہ وہ لیڈر بننے کے اہل نہیں ان کی کارروائیوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان کو یہ خوف تھا کہ حضرت خلیفہ اول کے بعد کہیں وہ خلیفہ نہ ہو جائیں اور گو ان کو پہلے ہی جماعت میں خاصا رسوخ حاصل تھا۔ پھر بھی انہوں نے دورہ کرکے تمام جماعت میں اپنے رسوخ کو اور بڑھانا چاہا اور ساتھ ہی یہ بھی کوشش کرتے رہے کہ لوگوں کے دلوں سے حضرت میاں صاحب کی محبت کم کرکے ان کی عزت گھٹادیں۔ مجھے چونکہ حضرت میاں صاحب کے حالات معلوم تھے اور مجھے ان سے محبت تھی میں ہمیشہ ان کی مخالفت کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے میرے سامنے ایسی باتیں ترک کردیں ان دنوں جب کہ حضرت میاں صاحب شملہ میں تھے میں نے آپ سے دریافت کیا کہ خواجہ کمال الدین صاحب اور ان کے رفقاء آپ سے کیوں ناراض ہیں؟ فرمایا۔ یہ ان کی غلطی ہے خدا جانے ان کو کیا غلط فہمی ہوئی ہے بلکہ وہ میرے ساتھ ایک حقارت کا سلوک رکھتے ہیں اور سلام کا جواب بے رغبتی سے دیتے ہیں۔ ایک سوال میں نے غالباً اس موقعہ پر یہ کیا کہ حضرت مولوی صاحب کے بعد آپ کے خیال میں کون خلافت کے لئے زیادہ موزون ہے۔ آپ نے فرمایا خلیفہ کی زندگی میں اس قسم کا سوال اٹھانا میں گناہ سمجھتا ہوں اور کوئی جواب نہ دیا۔ [۹۰] (ملخص بیان منشی برکت علی صاحب شملوی)

قیام شملہ ہی کا واقعہ ہے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے رویا دیکھا کہ "میں ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی پر جانا چاہتا ہوں۔ ایک فرشتہ آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ تمہیں پتہ ہے یہ رستہ بڑا خطرناک ہے۔ اس میں بڑے مصائب اور ڈراؤنے نظارے ہیں۔ ایسا نہ ہو تم ان سے متاثر ہو جاؤ اور منزل پر پہنچنے سے رہ جاؤ۔ اور پھر کہا کہ میں تمہیں ایسا طریق بتاؤں جس سے تم محفوظ رہو۔ میں نے کہا۔ ہاں بتاؤ۔ اس پر اس نے کہا۔ کہ بہت سے بھیانک نظارے ہوں گے مگر تم ادھر ادھر نہ دیکھنا اور نہ ان کی طرف متوجہ ہونا۔ "خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔ خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ" کہتے ہوئے سیدھے چلے جانا۔ ان کی غرض یہ ہوگی کہ تم ان کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اگر تم ان کی طرف متوجہ ہو گئے تو اپنے مقصد کے حصول میں ناکام رہ جاؤ گے۔ اس لئے اپنے کام میں لگ جاؤ۔ چنانچہ میں جب چلا تو میں نے دیکھا کہ نہایت اندھیرا اور گھنا جنگل تھا اور ڈر اور خوف کے بہت سے سامان جمع تھے اور جنگل بالکل سنسان تھا جب میں ایک خاص مقام پر پہنچا جو بہت ہی بھیانک تھا۔ تو بعض لوگ آئے

اور مجھے تنگ کرنا شروع کیا تب مجھے معاً خیال آیا کہ فرشتہ نے مجھے کہا تھا کہ "خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ" کہتے ہوئے چلے جانا۔ اس پر میں نے ذرا بلند آواز سے یہ فقرہ کہنا شروع کیا اور وہ لوگ چلے گئے۔ اس کے بعد پھر پہلے سے بھی زیادہ خطرناک راستہ آیا۔ اور پہلے سے بھی زیادہ بھیانک شکلیں نظر آنے لگیں۔ حتیٰ کہ بعض سر کٹے ہوئے جن کے ساتھ دھڑ نہ تھے۔ ہوا میں معلق میرے سامنے آتے اور طرح طرح کی شکلیں بناتے اور منہ چڑاتے اور چھیڑتے مجھے غصہ آتا لیکن معاً فرشتہ کی نصیحت یاد آجاتی اور میں پہلے سے بھی بلند آواز سے خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ کہنے لگتا۔ اور پھر وہ نظارہ بدل جاتا یہاں تک کہ سب بلائیں دور ہو گئیں اور میں منزل مقصود پر خیریت سے پہنچ گیا"۔ [۹۱] اس رویاء کے بعد آپ کا آج تک یہ التزام رہا ہے کہ جو مضمون بھی تحریر فرماتے ہیں اس کے اوپر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد "خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ" ضرور لکھتے ہیں۔ [۹۲]

حضرت خلیفہ اول نے حضرت صاحبزادہ صاحب کو لکھا کہ لمبا عرصہ آپ کا باہر رہنا میں پسند نہیں کرتا۔ اس لئے آپ جلد انبالہ سے ہوتے ہوئے واپس قادیان تشریف لے گئے۔ [۹۳] انبالہ میں آپ نے دو روز قیام فرمایا۔ ایک رات انبالہ صدر میں دوسری رات انبالہ شہر میں۔ شہر میں آپ نے لیکچر بھی دیا جو ایسا دلچسپ اور پر از معلومات تھا کہ سامعین کو لیکچر ختم ہونے کے باوجود اس کے جاری رکھنے کا بے پناہ اشتیاق تھا۔ لیکچر کا عنوان تھا کہ آیا احمدی عقائد سے اسلام کا زندہ مذہب ہونا اور خدائے اسلام کا جلال و جبروت و رحمت اور آنحضرت ﷺ کی شان ارفع و اعلیٰ ثابت ہوتی ہے یا غیر احمدی عقائد سے؟ [۹۴]

خان صاحب برکت علی صاحب شملوی کی روایت ہے کہ "۱۹۱۳ء کے اواخر میں جب حضرت میاں صاحب شملہ سے واپس گئے تو حضرت مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اول مراد ہیں۔ ناقل) نے اور باتوں کے علاوہ یہ بھی پوچھا۔ کہ شملہ کی جماعت کس طرف ہے۔ ہماری طرف یا خواجہ صاحب کی طرف۔ حضرت میاں صاحب نے جواب دیا کہ حضور وہ تو کچھ خواجہ صاحب کی طرف جھکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں"۔ اس کے بعد حضرت مولوی صاحب نے پوچھا کہ برکت علی کدھر ہے؟ حضرت میاں صاحب نے جواب دیا کہ وہ تو ہماری طرف ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ ہاں بے شک ہم جانتے تھے کہ وہ ہماری طرف ہو گا۔ کیونکہ وہ بڑا مخلص ہے...... اس سے مفصلہ ذیل نتائج بر آمد ہوتے ہیں۔ اول۔ حضرت مولوی صاحب کو اختلاف کا علم تھا۔ دوم۔ وہ حضرت میاں صاحب سے متفق تھے۔ سوم۔ خواجہ صاحب کے خیالات والوں کو اپنے مخالف جانتے تھے۔ چہارم۔ ان کو یہ یقین تھا کہ جو احمدی مخلص ہو گا وہ ضرور خواجہ صاحب کے خلاف اور حضرت میاں صاحب کے ساتھ ہو گا"۔ [۹۵]

اٹھوال کا گاؤں آغوش احمدیت میں

ضلع گورداسپور میں ایک گاؤں اٹھوال ہے جس کے غیر احمدی دوستوں نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو مباحثہ کے لئے مدعو کیا۔ مگر جب ان کو بتایا گیا کہ مباحثہ "مسئلہ حیات مسیح" پر ہو گا۔ تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ حضرت مسیحؑ کا جنازہ ہی پڑھ دو۔ جس پر سارا گاؤں آغوش احمدیت میں آگیا۔ یہ ستمبر ۱۹۱۳ء کا واقعہ ہے۔ ۹۶

ترجمہ قرآن مجید اور کتب احادیث کی اشاعت کی تحریک

جیسا کہ ترجمہ قرآن انگریزی کے حالات میں اجمالاً ذکر آچکا ہے۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب نے مسجد نور اور دورالضعفاء اور ہسپتال کے لئے چندہ کی فراہمی کے بعد جماعت کی طرف سے قرآن مجید کے مستند اردو ترجمہ اور بخاری اور دوسری اسلامی کتب کے تراجم شائع کرنے کی تحریک کی اور حضرت خلیفہ اول سے درخواست کی کہ "آپ مجھے ترجمہ اور نوٹ عنایت فرمادیں نیز....... کچھ روپیہ بھی بخشیں"۔ حضرت خلیفہ اول نے اس تحریک پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے دعا فرمائی۔ اور اعانت کا وعدہ فرمایا۔ ۹۷

حضرت صاحبزادہ صاحب کی ایک اہم تجویز

۱۹۱۳ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے صدر انجمن احمدیہ کے طریق کار کی بعض خامیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے یہ اہم تجویز رکھی کہ اس وقت مجلس معتمدین جس طرز پر ہوتی ہے۔ وہ بہت غلط ہے بہت سے ایسے معاملات ہوتے ہیں کہ جن کو بیرونی ممبر اچھی طرح سمجھ نہیں سکتے۔ ان کی رائے ان معاملات پر سوائے کام میں حرج پیدا کرنے کے اور کسی کام کی نہیں ہوتی۔ چنانچہ بعض دفعہ کثرت رائے زبردست ہوتی ہے۔ تو وہ ایسی تحریری رائے کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں۔ اگر مائنارٹی (Minority) زبردست ہو۔ تو وہ یہ عذر پیش کر دیتے ہیں کہ اب تو رائے آگئی ہے کیا ہو سکتا ہے۔ لہذا بعض معاملات کو جو مقامی ہوں قادیان کے ممبران ہی فیصلہ کر لیا کریں اور صرف ایسے امور جن پر بیرونی ممبران کی رائے کچھ وقعت رکھے اس میں بیرونی ممبروں کی رائے طلب کی جائے اس کے لئے قادیان کے موجودہ ممبروں کی ایک سب کمیٹی ہونی چاہئے اور اس کے اختیارات کے لئے ایک سب کمیٹی بنائی جائے جو یہ فیصلہ کرے کہ کونسے امور مقدم الذکر سب کمیٹی میں پیش ہوں اور کون سے مجلس معتمدین میں؟

لیکن افسوس مجلس معتمدین نے یہ تجویز غیر ضروری قرار دے دی۔ ۹۸

گوجرانوالہ میں جلسہ

۲۵۔۲۶/ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو گوجرانوالہ میں جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں حضرت حافظ روشن علی صاحب، حضرت مفتی محمد صادق صاحب، شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور، مولوی صدر الدین صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے علاوہ حضرت صاحبزادہ صاحب کا بھی لیکچر ہوا۔ [۹۹] اس لیکچر کا خلاصہ یہ تھا کہ اس امت کی اصلاح کے لئے پہلے کسی نبی کو لانے میں آنحضرت ﷺ بلکہ خدا تعالیٰ کی بھی ہتک ہے۔ کیا خدا قادر نہیں کہ ایک نیا نبی پیدا کرے؟ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ نبوت تشریعی اور غیر تشریعی دو رنگ کی ہوتی ہے۔ موجودہ وقت میں مسلمانوں کی حالت کھلے طور پر ایک مصلح کی آمد کا تقاضا کر رہی ہے۔ اب آنے والے کو دیکھو کہ اس کے آنے سے آنحضرت ﷺ کی عزت دوبارہ قائم ہوئی یا نہیں۔ آنحضرت ﷺ سے جو عشق و محبت حضرت مرزا صاحب کے دل میں تھی۔ اس کا نمونہ تاریخ اسلام میں نظر نہیں آتا۔ اگر آپ اسلام کے فدائی نہ تھے تو یہ عشق رسول آپ کے دل میں کہاں سے آگیا؟ [۱۰۰]

گوجرانولہ سے واپسی پر حضرت صاحبزادہ صاحب نے مستری موسیٰ صاحب کی دکان (واقعہ نیلہ گنبد) سنگ بنیاد رکھا اور لاہور سے قادیان تشریف لے آئے۔ [۱۰۱]

حضرت مولوی شیر علی صاحب کے مکان کی بنیاد

۳۰/ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو حضرت خلیفہ اول دار العلوم میں ٹانگہ پر تشریف لے گئے پہلے مولوی شیر علی صاحب کے مکان کی بنیاد رکھی۔ دو اینٹیں خود اپنے دست مبارک سے اور تیسری حضرت صاحبزادہ صاحب کے ہاتھ سے ازاں بعد آپ نے مدرسہ تعلیم الاسلام اور بورڈنگ کا معائنہ فرمایا۔ لڑکوں کے کھیل بھی دیکھے اور ارشاد فرمایا کہ کرکٹ کیوں نہیں کھیلتے۔ ہم اس میں روپیہ دیں گے۔ [۱۰۲]

جماعت احمدیہ لکھنؤ کا سالانہ جلسہ

۷۔۸۔۹/ نومبر ۱۹۱۳ء کو انجمن احمدیہ لکھنؤ کا سالانہ جلسہ ہوا۔ جس میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب، حضرت مولوی سرور شاہ صاحب اور حضرت میر قاسم علی صاحب نے لیکچر دیا۔ حضرت مفتی صاحب نے اہل لکھنؤ کے لئے "نو لکھا ہار" کے عنوان سے ایک دلچسپ مضمون سنایا۔ بعد ازاں آپ نے جب بائبل سے آنحضرتؐ کا نام محمد (ﷺ) دکھایا تو جلسہ میں احسنت و مرحبا کے نعرے بلند ہوئے۔ [۱۰۳]

حضرت خلیفہ اول کے پانچویں بچہ کی ولادت

۱۸/ نومبر ۱۹۱۳ء کو اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفہ اول کو اپنے فضل سے پانچواں فرزند عطا فرمایا۔ [۱۰۴] جس کا نام آپ نے عبد اللہ رکھا۔ یہ بیٹا ایک نشان تھا کیونکہ جن دنوں حضرت

خلیفہ اول گھوڑے سے گرنے کے باعث بیمار تھے۔ آپ کو خواب آئی کہ میری جیب میں کسی نے ایک روپیہ ڈال دیا ہے۔ اس کی تفہیم یہ ہوئی کہ ایک لڑکا ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۹/ جون ۱۹۱۴ء کو آپ کے اس سب سے چھوٹے صاحبزادہ کا انتقال ہوا۔ [۱۰۵]

اخبار "پیغام صلح" کی طرف سے نبوت مسیح موعود سے متعلق واضح اعلان

ادارہ اخبار پیغام صلح نے ۱۶/ اکتوبر ۱۹۱۳ء کے پرچہ میں یہ اعلان شائع کیا"۔ معلوم ہوا ہے کہ بعض احباب کو کسی نے غلط فہمی میں ڈال دیا ہے کہ اخبار ہذا کے ساتھ تعلق رکھنے والے یا ان میں سے کوئی ایک سیدنا و ہادینا حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوۃ والسلام کے مدارج عالیہ کو اصلیت سے کم یا استخفاف کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ہم تمام احمدی جن کا کسی نہ کسی صورت میں اخبار "پیغام صلح" کے ساتھ تعلق ہے خدا تعالیٰ کو جو دلوں کے بھید جاننے والا ہے حاضر و ناظر جان کر علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہماری نسبت اس قسم کی غلط فہمی پھیلانا محض بہتان ہے۔ ہم حضرت مسیح موعود و مہدی معہود کو اس زمانہ کا نبی۔ رسول اور نجات دہندہ مانتے ہیں اور جو درجہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنا بیان فرمایا ہے اس سے کم و بیش کرنا موجب سلب ایمان سمجھتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ دنیا کی نجات حضرت نبی کریم ﷺ اور آپ کے غلام حضرت مسیح موعود پر ایمان لائے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد ہم اس کے خلیفہ برحق سیدنا و مرشدنا و مولانا حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح کو بھی سچا پیشوا سمجھتے ہیں۔ اس اعلان کے بعد اگر کوئی ہماری نسبت بدظنی پھیلانے سے باز نہ آئے۔ تو ہم اپنا معاملہ خدا پر چھوڑتے ہیں۔ وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد اخبار میں اگر کسی قسم کی غلطی ہو جائے تو ہم ہر وقت اپنی غلطی ماننے پر تیار ہیں۔ ہم نے اخبار کو محض خدمت اسلام کے لئے جاری کیا ہے۔ یہ نام و نمود یا دنیاوی مفاد کے لئے ہم اپنے بھائیوں سے حسن ظنی چاہتے ہیں اور بس۔ ہمارے کام کا اجر تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ والسلام"۔ [۱۰۶]

پیغام صلح کے اس اعلان کو احمدی حلقوں میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ چنانچہ اخبار الحق نے لکھا "جو دل خوشکن نوٹ معزز "پیغام صلح" کی کارکن پارٹی نے شائع کیا ہے وہ نہایت ہی قابل قدر ہے اور بہت سی غلطیوں کا ازالہ کرنے والا ہے...... پیغام صلح سوسائٹی کو اس جرات پر مبارک باد دیتے ہیں"۔ [۱۰۷]

چند ماہ بعد "پیغام صلح" نے ختم نبوت کی تشریح میں ایک نظم بھی شائع کی جس کے چند شعر یہ تھے۔

کیا ختم رسالت نے کمال اپنا دکھایا ۔۔۔ امت میں ہے دریائے نبوت کو بہایا
اس فیض کے ملنے سے ہوئے خیر امم ہم ۔۔۔ کیا حرج ہے امت میں نبی بن کے گر آیا

مومن کے لئے کوئی بشارت ہے تو اس سے امت میں اگر کوئی کرامت ہے تو اس سے ۱۰۸

آخر مارچ ۱۹۱۴ء میں اخبار مذکور نے ایک مضمون میں جماعت کو اس طرف توجہ دلائی کہ "ہمارا سلسلہ کوئی گدی نشینی کا سلسلہ نہیں۔ ہم ایک نبی کے سلسلہ کے ممبر ہیں"۔ ۱۰۹

لاہور سے گمنام ٹریکٹوں کی اشاعت پیغام صلح کی تائید اور حضرت خلیفہ اول کی شدید ناراضگی

وسط نومبر ۱۹۱۳ء کا واقعہ ہے کہ لاہور سے اظہار الحق نمبر۱۔ اظہار الحق نمبر۲ سے دو خفیہ ٹریکٹ شائع ہوئے۔ پہلا ٹریکٹ چار صفحہ کا تھا اور دوسرا آٹھ صفحہ کا۔ دونوں کے آخر میں نام کی بجائے "داعی الی الوصیت" کے الفاظ لکھے تھے۔ پہلے ٹریکٹ کا خلاصہ یہ تھا کہ اس زمانہ میں جمہوریت کی اشاعت اس بات کی طرف اشارہ کرتی تھی کہ اس زمانہ کا مامور بھی جمہوریت کا حامی ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت مسیح موعودؑ سوائے ان امور کے جن میں وحی ہوتی احباب سے مشورہ کر لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمیں خدا تعالیٰ نے اس لئے مامور کیا ہے کہ انسانوں کی شانیں جو حد سے زیادہ بڑھا دی گئی ہیں ان کو دور کریں۔ اور جب آپ کو اپنی وفات کے قرب کی خبر خدا تعالیٰ نے دی۔ تو آپ نے اپنی وصیت لکھی اور اس میں اپنے بعد جانشین کا مسئلہ اس طرح حل کیا۔ کہ آپ کے بعد جمہوریت ہو گی۔ اور ایک انجمن کے سپرد کام ہو گا۔ مگر افسوس کہ آپ کی وفات پر جماعت نے آپؑ کے فرمودہ کو پس پشت ڈال کر پیر پرستی شروع کر دی اور جمہوریت کے رنگ کو نسیاً منسیا کر دیا۔ اس وقت جماعت میں بہت سے لوگ ایسے موجود ہیں۔ جنہوں نے بیعت مجبوری سے کی ہے ورنہ ان کے خیال میں اس بیعت لینے والے کی نسبت (حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ خلیفہ اول) بہتر لوگ جماعت میں موجود ہیں۔ اور اس امر کا اصل وبال کارکنان صدر انجمن احمدیہ پر ہے جنہوں نے بانی سلسلہ کی وفات پر جماعت کو پیر پرستی کے گڑھے میں دھکیل دیا۔ اب یہ حال ہے کہ حصول گدی کے لئے طرح طرح کے منصوبے کئے جاتے ہیں اور ایک خاص گروہ انصار اللہ اس لئے بنایا گیا ہے تا قوم کے جملہ بزرگواروں کو نیچا دکھایا جاوے۔ انصار اللہ کا کام ظاہر میں تو تبلیغ ہے لیکن اصل میں بزرگان دین کو منافق مشہور کرنا ہے۔ مولوی غلام حسن صاحب پشاوری۔ میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی۔ مولوی محمد علی صاحب۔ خواجہ کمال الدین صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب۔ ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ ان لوگوں کو قابل دار بتایا جاتا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے صاف طور پر انجمن کو اپنا جانشین قرار دیا ہے۔ نہ کسی واحد شخص کو۔ حضرت مسیح موعودؑ نے صاف لکھ دیا ہے کہ آپ کے بعد صدر انجمن احمدیہ کا فیصلہ ناطق ہو گا۔ اب جماعت کی حالت کو دیکھو کہ غیر مامور کی ہر ایک بات کو تسلیم

کیا جاتا ہے۔ پیغام صلح کو بند کر کے خلیفہ نے جماعت کو اس سے بد ظن کر دیا (پیغام صلح کی منافقانہ کارروائیوں سے تنگ آکر حضرت خلیفۃ المسیح نے اعلان فرمادیا تھا کہ اسے میرے نام نہ بھیجا کرو۔ اور پھر جب یہ لوگ بھیجتے رہے تو آپ نے ڈاک سے وصول کرنے سے انکار کر دیا) جب ایک معزز طبقہ کی بے عزتی بلا وجہ وہ شخص جو جماعت میں عالم قرآن سمجھا جاتا ہے۔ (یعنی خلیفہ اولؓ) محض خلافت کی رعونت میں کر دیتا ہے تو بے سمجھ نوجوان طبقہ سے بزرگان جماعت کیا امید رکھ سکتے ہیں؟ بزرگان قوم ان کارروائیوں کو کب تک دیکھیں گے اور خاموش رہیں گے؟ احمدیو! دوسرے پیرزادوں کو چھوڑو اور اپنے پیرزادوں کی حالت کو دیکھو۔

دوسرے ٹریکٹ کا خلاصہ یہ تھا کہ

جماعت احمدیہ میں کوئی عیار نہیں۔ غیر مامور کی شخصی غلامی (یعنی حضرت خلیفہ اولؓ کی بیعت) نے ہماری حالت خراب کر دی ہے۔ رسول کریم ﷺ اور حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں جماعت بہت آزادی سے گفتگو کر لیتی تھی۔ اب سخت تقیہ کیا جاتا ہے۔ اور خلیفہ کے کان بھر کر بھائیوں کو تکلیف دی جاتی ہے۔ اگر چند دن یہی حالت رہی تو احمدی پیر پرستوں اور غیر احمدی پیر پرستوں میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ حضرت مسیح موعودؑ کے ایک سو سال بعد ہی کوئی مصلح آسکتا ہے۔ اس سے پہلے نہیں۔ جن کا اس کے خلاف خیال ہے وہ اپنے ذاتی فوائد کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسا خیال پھیلاتے ہیں۔ جماعت کی بہتری اسی میں ہے کہ جمہوریت کے ماتحت کام کرے۔

اس کے بعد جماعت میں فتنہ کی تاریخ اس طرح لکھتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کی گھبراہٹ میں جب حضرت مسیح موعودؑ کے احکام کو پس پشت ڈال کر جماعت نے مولوی نور الدین صاحبؓ کو خلیفہ مان لیا۔ تو اس وقت سب لوگوں کی زبانوں پر یہ کلام جاری تھا۔ کہ مولوی محمد علی صاحب ہی آپ کے بعد خلیفہ ہوں گے۔ حاسدوں نے اس امر کو دیکھ کر بیوی صاحبہ (ام المومنینؓ) کی معرفت کارروائی شروع کی۔ اور ان کی معرفت خلیفہ کو کہلوایا کہ آپؓ کی بیعت تو ہم نے کر لی۔ ہم کسی ارائیں وغیرہ کی بیعت نہیں کریں گے۔ جس پر مولوی صاحب نے ان کی حسب مرضی جواب دے کر ٹال دیا۔ اس کے بعد انجمن کے معاملات میں دخل دینے اور مولوی محمد علی صاحب کو تنگ کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز کوشش شروع ہو گئی۔ پھر میر محمد اسحق صاحب کے ذریعہ ایک فساد کھڑا کر دیا گیا۔ (ان سوالات کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر میں پہلے تاریخ سلسلہ کے بیان میں کر چکا ہوں) اور کارکنان انجمن کے خلاف شور ڈال دیا گیا۔ اور مرزا محمود صاحب کو مدعی خلافت کے طور پر پیش کیا جانے لگا۔ اور مشہور کیا گیا کہ انجمن کے کارکن اہل بیت کے دشمن ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ اہل بیت قوم کا روپیہ کھا رہے ہیں۔ اور

انجمن اور اس کے اراکین پر ذاتی حملے کر رہے ہیں۔ مولوی محمد علی صاحب پر الزام لگائے جاتے ہیں۔ پیغام صلح کی اشاعت کا سوال پیدا ہوا۔ تو جھٹ "الفضل" کی اجازت خلیفہ سے مانگی گئی۔ جنہوں نے ڈر کر اجازت دے دی۔ ہمارے مضامین میں منتظمین پیغام کا کچھ دخل نہیں۔ نہ ان کو خبر ہے۔ کانپور کا واقعہ جب ہوا۔ تو منتظمان پیغام نے خلیفہ رجب الدین کو ٹریبون دے کر قادیان بھیجا۔ اور مولوی صاحب کا خط منگوایا۔ اگر اس کے چھاپنے میں کوئی خلاف بات کی گئی تھی تو مولوی صاحب کو چاہئے تھا اس کی تردید پیغام میں کرتے نہ کہ منتظمان پیغام پر ناراض ہوتے۔ مولوی صاحب نے اخبار پیغام صلح کو کانپور کے جھگڑے کے باعث نہیں بلکہ ایک معمولی بات پر ناراض ہو کر بند کر دیا تھا۔

بھائیو! تعجب ہے ایک عالم قرآن (حضرت خلیفہ اولؓ) اس طرح بلاوجہ ایڈیٹر پیغام اور دوسرے متعلقین کو زبانی اور بذریعہ الفضل ذلیل و خوار کرنا شروع کر دیتا ہے کیا یہی انصاف اسلام سکھاتا ہے؟

پیغام کے خلاف الحق دہلی نے جو زہر اگلا ہے۔ اس کا جواب چونکہ قادیان والوں نے نہیں دیا اس لئے وہی اس کے محرک ہیں۔

اس کے آگے ذاتی عیوب کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس کا سمجھنا بغیر تفصیل کے بیرونجات کے لوگوں کے لئے مشکل ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل بیت لوگوں کو ورغلا رہے ہیں۔ اور بزرگان سلسلہ کو بدنام کر رہے ہیں اور جماعت کو اکسایا ہے کہ احمدی جماعت کو اس مصیبت سے بچانے کی کوشش کریں اور راقم ٹریکٹ سے اس امر میں خط و کتابت کریں۔

اس ٹریکٹ کے لکھنے والے کون تھے؟ اس بارے میں کچھ زیادہ تحقیق و تفحص کی ضرورت نہیں کیونکہ ٹریکٹ کی اندرونی اور بیرونی شہادتیں لکھنے والوں کی خود بخود نشان دہی کر رہی تھیں۔

اندرونی شہادت ٹریکٹوں میں ان ہی خیالات کی اشاعت تھی جو مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء کے تھے۔ اور حضرت خلیفہ اولؓ کے خلاف لب و لہجہ بالکل ان خطوط کے مطابق تھا جو ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے اپنے خطوط میں اختیار کر رکھا تھا اور وہی پہلا سا الوصیت کے پس پشت ڈالنے اور شخصی وجاہت قائم کرنے کا اظہار ان ٹریکٹوں کی روح رواں ہے۔ ٹریکٹ میں صاف لفظوں میں مولوی محمد علی صاحب کے حقیقی جانشین ہونے نیز الفضل کے خلاف اور پیغام صلح کے حق میں دل کھول کر پراپیگنڈہ کیا گیا۔ بعض ٹریکٹ ایسے تھے۔ جن پر "معرفت اخبار" کے لفظ لکھے تھے۔

بیرونی شہادت یہ ٹریکٹ اکثر جگہ پیغام صلح کی مطبوعہ چٹوں میں بند کر کے بھیجا گیا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ٹریکٹ دفتر پیغام صلح سے بھیجے گئے۔ اور اس کے

متعلقین کا اس کی اشاعت میں بھاری دخل تھا۔ [۱۱۰] اور ٹریکٹ میں لکھے ہوئے نظریات و عقائد محض وقتی اور ہنگامی حیثیت نہیں رکھتے تھے بلکہ خلافت ثانیہ کے قیام پر یہی نظریات و عقائد مولوی محمد علی صاحب اور ان کے تمام رفقاء کے دین و عقیدہ کے جز بن گئے اور یہ ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

ان ٹریکٹوں کی اشاعت سے دبے ہوئے فتنہ کی چنگاریاں ایک شعلہ جوالہ بن کر نمودار ہو گئیں اور اس نے پوری جماعت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ فتنہ گزشتہ تمام باغیانہ فتنوں سے شدید تر اور وسیع تر تھا۔ جس سے حضرت خلیفہ اول کی خفگی انتہاء تک پہنچ گئی۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب خود اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "چند دنوں کے بعد لاہور سے دو گمنام ٹریکٹ نکلے جن میں کچھ نکتہ چینی حضرت مولوی صاحب کے طریق عمل پر کی تھی۔ کہ پیر پرستی کی بنیاد رکھی جا رہی ہے اور کچھ اعتراضات میاں صاحب پر تھے۔ ان ٹریکٹوں کی وجہ سے حضرت مولوی صاحب کی پیغام صلح پر ناراضگی بہت بڑھ گئی"۔ [۱۱۱]

گمنام ٹریکٹوں کے علاوہ اخبار پیغام صلح نے ان کی تائید میں "انصار اللہ کے نام کھلی چٹھی" کے عنوان سے یہ نوٹ لکھا۔ "جو ٹریکٹ ہم نے دیکھے ہیں ان میں ذرا بھی شک نہیں کہ اکثر باتیں ان کی سچی ہیں۔ جہاں تک کہ ان کے متعلق ہمارا علم ہے اور بعض باتیں ہمارے علم اور مشاہدہ سے بالاتر ہیں اس لئے ہم ان کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہمارے خیال میں یہی رائے تمام جماعت کی ہو گی۔ اب قابل غور امر یہ ہے کہ ہمیں ان باتوں کی اصلاح کرنی چاہئے یا خواہ مخواہ اپنے بے گناہ بھائیوں کو نشانہ طعن بنا کر ان کو ابتلاء میں ڈالنا چاہئے......... جب ہمارا حضرت مسیح موعود کی ہر بات کے ساتھ پورا پورا ایمان ہے تو دیگر فروعی باتوں کے اختلاف یا ٹریکٹ ہائے کے بیان کردہ باتوں کے ساتھ اتفاق رائے رکھنے کے جرم میں اگر ہماری نسبت غلط فہمی پھیلائی جانی لاہور انصار اللہ نے مناسب سمجھی ہے اور ہمارے خلاف کچھ لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ تو ہماری طرف سے اگر کچھ کمی بیشی کا کلمہ لکھا گیا تو اس کی ذمہ داری بھی ان پر ہو گی۔ راقم محمد منظور الٰہی احمدی۔ میں ہر حرف سے متفق ہوں۔ سید انعام اللہ"۔ [۱۱۲]

اس کھلی چٹھی نے ساری حقیقت طشت ازبام کر دی تھی۔ اس لئے حضرت خلیفہ اولؓ نے اپنے خطوں میں جماعت کے بعض دوستوں کو ان چھپے ہوئے دشمنوں کے متعلق آگاہ کرتے ہوئے صاف صاف لکھا۔ "آج کل ٹریکٹوں اور لاہور پیغام جنگ نے ایک طوفان برپا کر رکھا ہے اس لئے کسی آدمی کا روپیہ کے لئے بھیجنا اور وہ بھی نور الدین کی طرح سے پسندیدہ نہیں نیز نصر اللہ خاں سے پہلے حاکم علی صاحب خود آ گئے ہیں۔ مجھے خود فکر ہے نور الدین۔ ۲۱/ نومبر ۱۹۱۳ء

حضرت خلیفہ المسیح کی تحریر کا عکس

جس میں صاف لکھا ہے کہ
پیغام صلح (لاہور) پیغام جنگ ہے

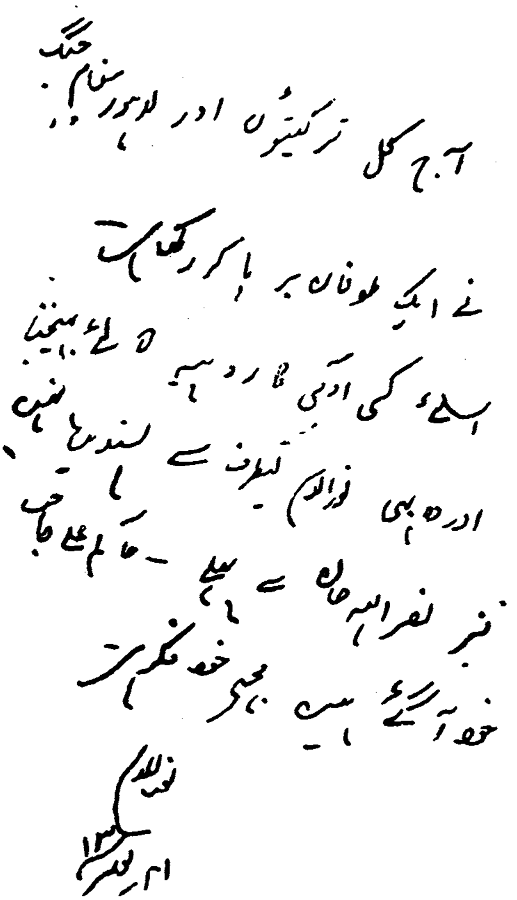
آج کل ترکیشوں اور لاہور پیغام جنگ
نے ایک طوفان برپا کر رکھا ہے
اس لئے کسی آدمی کا روپیہ بھیجنا
اور وہ بھی نورالدین کی طرف سے پسند نہیں
حاکم علی صاحب
نیز نصر اللہ خان سے پہلے
خود آ گئے ہیں مجھے خود فکر ہے
نورالدین
۱۲ اکتوبر ۱۳

حضرت خلیفہ اول کو یہ صدمہ آخر دم تک فراموش نہیں ہوا۔ بلکہ دراصل یہی غم واندوہ آپ کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔ چنانچہ آپ نے مرض الموت میں لاہور کے متعلق نہایت برہم ہو کر فرمایا۔ "میں تو لاہور کو جانتا نہیں وہ ایسا قصبہ ہے جہاں سے مجھ کو ایسے بڑھاپے میں اس قدر تکلیف پہنچی ہے"۔ ۱۱۳

"الحق" کا زبردست احتجاج

اخبار الحق نے اول یہ تجویز رکھی کہ جلسہ سالانہ پر جماعت کی طرف سے ٹریکٹوں کے خلاف ایک قرارداد مذمت پاس کی جائے۔ دوسرے پیغام صلح کے متعلق مندرجہ ذیل نوٹ لکھا کہ:

"میرا اور ہر سچے احمدی کا خیال غالب یہ تھا کہ چونکہ ٹریکٹ مذکور لاہور سے شائع ہوا ہے اور لاہور کے بعض بزرگان کی نسبت اکثر بدگمانیاں کسی نہ کسی وجوہات پر پھیلی ہوئی ہیں اس لئے امید قوی ہے کہ داعی کا ایسا نوٹ جو لاہور سے شائع ہوا ہے پڑھ کر ضرور ہی بزرگان لاہور اس کی تردید اور اپنی بریت میں پوری سعی کر کے اپنی بیزاری کا اعلان کریں گے مگر افسوس کہ ۔

مہرباں جن کو سمجھتے تھے ستم گر نکلے　　لعل کا جن پہ گماں کرتے تھے پتھر نکلے

خلاف امید بجائے بیزاری کے ایسا دل شکن اور دلخراش پیغام نکلا جس نے اکثر حصہ احباب کو حیرت اور تعجب میں ڈال دیا۔ جس پیغام صلح کی طرف سب کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں کہ وہ بشارت کا پیغام لے کر نکلے گا۔ اس نے ۱۶/ نومبر کے پرچہ میں سخت نامبارک پیغام پہنچایا۔ جو ایک ایسے شخص کی طرف سے دیا گیا ہے۔ جس پر میرا تو ایک سیکنڈ کے لئے بھی یہ وہم و گمان نہ تھا کہ وہ ایسے پر نجاست ٹریکٹ کو منظور کریں گے بلکہ انعام کا بھی اس پر اضافہ ہو گا۔ افسوس صد افسوس کہ پیغام صلح آخر کار پیغام جنگ ہی بن گیا۔

جو کھلی چٹھی محمد منظور الٰہی صاحب نے احمدی ہو کر انعام اللہ کی تصدیق سے بنام انصار اللہ شائع کی ہے وہ نہ صرف راقم و مصدق کے لئے ہی باعث شرم و غیرت تھی بلکہ پیغام صلح کے چہرہ پر بھی ایک بدنما سیاہ داغ ہے جو پیغام کے چہرہ کو شب دیجور بنا دیتا ہے۔ کیا مدعیان صلح جو اس بدشعار داعی کی بے نامی سے مستفید ہو رہے تھے۔ وہ ان نام آوروں کی دلیری سے بدنام نہیں ہو گئے۔ اور ان ہردو کارکنان پیغام صلح نے پردہ اٹھا کر سارا بھانڈا انہیں پھوڑ دیا۔

.... مجھے تو یہ خوشی ہوئی ہے کہ سیدنا و مرشدنا حضرت خلیفتہ المسیح والمہدی ایدہ اللہ بنصرہ کے فرمائے ہوئے پاک کلمات کہ پیغام صلح دوسروں کے لئے پیغام صلح ہے مگر ہمارے لئے پیغام جنگ بہت ہی جلد سچے ثابت ہو کر پورے ہو گئے"۔ ۱۱۴

حضرت خلیفہ اولؓ کے حکم سے گمنام ٹریکٹوں کا مسکت جواب

چونکہ ٹریکٹ لکھنے والوں نے ان ٹریکٹوں میں انجمن انصار اللہ کے خلاف خاص طور پر زہر اگلا تھا اور اخبار پیغام صلح نے بھی انہی کے نام کھلی چٹھی شائع کی تھی اس لئے حضرت خلیفہ اول نے بھی اس ٹریکٹ کا جواب انصار اللہ ہی کے سپرد فرمایا۔ جو آپ کے ارشاد کے ماتحت دو ٹریکٹوں کی صورت میں شائع کیا گیا۔

پہلا ٹریکٹ ۲۳/ نومبر ۱۹۱۳ء کو شائع ہوا جس کا نام حافظ روشن علی صاحب نے "خلافت احمدیہ" رکھا۔ [115] یہ ٹریکٹ خود حضرت خلیفہ اول نے ملاحظہ کیا اور اس کی اصلاح کی۔ اور یہ فقرہ اپنے قلم سے زائد فرمادیا۔ کہ "ہزار ملامت پیغام پر جس نے اپنی چٹھی کو شائع کر کے ہمیں پیغام جنگ دیا اور نفاق کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ [116] "خلافت احمدیہ" میں جو اظہار الحق نمبر ا کے جواب میں تھا نہ صرف حضرت خلیفہ اول کی خلافت حقہ کی نسبت متعدد آسمانی شہادتیں شائع کیں بلکہ مسئلہ خلافت پر قرآن و حدیث اور تحریرات مسیح موعودؑ سے فیصلہ کن روشنی ڈالی اور انجمن کے مطاع الکل ہونے کے بارے میں جس قدر شبہات و اعتراضات اٹھائے گئے تھے۔ ان کی خوب قلعی کھولی۔

اظہار الحق نمبر ۲ کے جواب میں انصار اللہ نے دوسرا ٹریکٹ "اظہار حقیقت" کے نام سے شائع کیا [117] جس میں ان تمام رکیک اور گندے الزامات کا جواب دیا گیا تھا۔ جو حضرت خلیفہ اول اور اہل بیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر لگائے گئے تھے۔

یہ ٹریکٹ بھی حضرت خلیفہ اول کی نظر ثانی کے بعد شائع ہوا۔ ان ٹریکٹوں کے مسودات جب آخری مرتبہ بغرض منظوری پیش ہوئے تو حضرت خلیفہ اول نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا۔ "اخلاص سے شائع کرو خاکسار بھی دعا کرے گا۔ اور خود بھی دعا کرتے رہو کہ شریر سمجھے یا کیفر کردار کو پہنچے۔ نور الدین"۔ [118]

حضرت صاحبزادہ صاحب کے نام ایک کھلا خط اور اس کا بصیرت افروز جواب

ٹریکٹ "اظہار الحق" کی اشاعت کے بعد اس کے ہمنواؤں میں سے ایک شخص نے حضرت صاحبزادہ صاحب کے نام ایک کھلا خط لکھا۔ اس خط میں معترض نے آپ کو "امیدوار خلافت" قرار دیا۔ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اس شخص کو لکھا "میں قریباً آٹھ سال سے یہاں مقیم ہوں اور یہاں کی بابرکت صحبتوں سے فیض حاصل کرنے کا بھی بہت شائق ہوں لیکن خدا تعالیٰ کے عظمت و جلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ کم سے کم میں تو ہرگز نہیں جانتا کہ ہمارے موجودہ خلیفہ المسیح کے بعد کون شخص خلیفہ ہو گا۔ ہاں یہ میرا اعتقاد ہے کہ خدا

تعالیٰ جس کو چاہے گا اس کے سامنے سب کی گردنیں جھکا دے گا۔ میرے نزدیک کسی احمدی کو امیدوار خلافت کہنا ایک گالی ہے کیونکہ اس کو ایک قابل شرم نادانی سے متہم کرنا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اپنے فقرہ مذکورہ بالا کی نقل پڑھ کر آپ کو خود بھی ندامت ہوئی ہو گی کیونکہ آپ کے پاس سوائے ظن کے اور دلیل اور کوئی علم اس بات کے کہنے کے لئے نہیں ہے۔

آپ نے امیدوار خلافت کا نہایت ذلیل ترین خطاب حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کو دیا۔ مہربانم اگر براہ راست جناب میاں صاحب سے آپ نے خلافت کی خواہش نہیں معلوم کی۔ یعنی ان کی کوئی تحریر ایسی نہیں دیکھی اور کوئی تقریر ایسی نہیں سنی کہ جس میں انہوں نے خلیفہ بننے کی خواہش ظاہر کی ہو۔ تو ذرا خدا کا خوف کر کے بتائیں کہ ایک مسلمان کے لئے یہ کہاں جائز ہے کہ وہ ان کو امیدوار خلافت کہے"۔ [۱۱۹]

یہ ایسے شخص کی شہادت ہے جو انصار اللہ کی تحریک میں شامل ہونے کے ساتھ ساتھ مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء سے بھی گہری ہمدردیاں رکھتا تھا۔ جیسا کہ پیش آنے والے واقعات نے ثابت کیا۔ مگر اصل خط چونکہ براہ راست حضرت صاحبزادہ صاحب کے نام تھے۔ اس لئے حضرت صاحبزادہ صاحب نے اصل خط اور اس کا مفصل جواب الفضل میں شائع فرمادیا۔ جو حسب ذیل ہے۔

کھلا خط بنام مرزا محمود احمد صاحب سکنہ قادیان ضلع گورداسپور

امیدوار خلافت

جناب من! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ:۔

میں عرصہ سے آپ کی تحریرات کو دیکھتا آیا ہوں۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ آپ کی تحریرات میں روز بروز دق عظیم ہوتا جاتا ہے۔ بعد وفات حضرت مسیح الثقلین علیہ الصلوۃ والسلام تمنائے خلافت آپ کو بہت بے چین کئے ہوئے ہے مگر جناب والا! معاف فرمایئے۔ آپ نے حصول خلافت کے لئے جو ذریعہ اختیار کیا ہے۔ وہ ہرگز اچھا نہیں کہا جاسکتا بلکہ اس ذریعہ کے عمل میں لانے سے آپ جماعت میں تفرقہ عظیم پھیلا رہے ہیں۔ مگر یہ نئی بات نہیں ہے بعد وفات حضرت رسول کریمؐ جناب علیؓ کو باوجود زہد و تقویٰ اکثر تمنائے خلافت پریشان رکھتی تھی۔ آپ نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ واقعی جناب مسیح موعودؑ بروز محمد علیہ الصلوۃ والسلام تھے۔

آپ کو خاندان رسالت میں ہونے کا دعویٰ ہے اور میں مانتا ہوں کہ بے شک آپ ہیں۔ مگر اس کا یہ نتیجہ نہیں ہونا چاہئے۔ کہ آپ تفرقہ ڈال کر اپنا کام نکالیں۔

چاہے آپ ناراض ہو ہی جائیں مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ خواجہ کمال الدین صاحب بازی لے گئے اور ممکن ہے کہ آپ جناب خلیفۃ المسیح کو دبا کر اب یہ کہلوالیں کہ انہوں نے ان کے لئے عمدہ الفاظ درس میں نہیں کہے مگر اب میں ضرور کہوں گا۔ چہ خوش بودے اگر ہر یک زامت کمال دیں بودے۔ اور آپ خدا کی اور فرشتوں کی زبان نہیں رد کر سکتے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ جس شخص کو خدا نے جانشینی احمد کے لئے چنا ہے اس کو دنیا والوں کی نگاہ سے گرادیں۔ یاد رکھئے۔ کہ آپ ہرگز ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔

چراغے را کہ ایزد برفروزد کسے کو تف زند ریشش بسوزد

آپ نے اور آپ کے لواحقین مثلاً اکمل' پھکڑ دہلوی وغیرہ وغیرہ نے خوب خوب یہ چاہا کہ اس مقدس وجود کے لئے دنیا میں اور جماعت میں غلط فہمیاں پھیلائیں۔ مگر کیا آپ نے اس کو بگاڑ لیا۔

آپ خاندان مسیح موعودؑ میں سے ہیں آپ کو چاہئے تھا کہ جو باغ آپ کے والد ماجد نے لگایا ہے اس کی پرداخت کرتے اور گلزار کرنے کی کوشش کرتے۔ مگر آپ نے افسوس ایسا نہیں کیا۔ اس سے جناب مسیح موعودؑ کا مثیل نوحؑ ہونا بھی یقین ہو گیا۔

میں اپنے خط کو طول دینا نہیں چاہتا میں صرف چند امور لکھ کر اسے تمام کرتا ہوں۔

اول۔ آپ جماعت احمدیہ میں تفرقہ نہ پھیلائیں اپنے چیلے چاپڑوں کو منع کریں کہ وہ بھی تفرقہ نہ پھیلائیں۔ (۲) خواجہ کمال الدین صاحب کامیاب ہو گیا۔ اور اب آپ کا حسد اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس کی مخالفت سے باز آؤ۔ اس کی مخالفت مسیح موعودؑ کی مخالفت ہے۔ اس کی مخالفت اسلام کی مخالفت ہے۔ (۳) تمنائے خلافت چھوڑ دیجئے۔ ابھی آپ طفل مکتب ہیں یہ بار عظیم ہے اس کے اٹھانے کے آپ ہرگز اہل نہیں ہیں۔ آپ سے ہزار درجہ افضل تو میں ہوں اگر آپ نے دعویٰ کیا ہے تو مجبوراً میں بھی ایسا کروں گا۔ (۴) آپ کو قسم ہے خدا پاک کی کہ آپ بذریعہ اخبارات اپنی پوزیشن صاف کریں اور جو الزامات میں نے لگائے ہیں ان کی تردید کریں۔ اگر آپ نے قسم شرعی کھائی تو میں اپنا دعویٰ اٹھالوں گا۔ اور آپ سے معافی کا خواستگار ہوں گا۔ اگر ایسا آپ نے نہ کیا۔ تو یاد رکھئے کہ آپ خدا کے یہاں جوابدہ ہوں گے"۔

حضرت اولوالعزم محمود فضل عمر کا جواب

"مجھے آپ کے خط کو پڑھ کر جو صدمہ ہوا۔ اسے تو خدا ہی جانتا ہے لیکن وہ صدمہ کوئی نیا نہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اس قسم کے الزامات لگائے جانے کا عادی ہوں۔ اور جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ غیروں کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ اپنے دوستوں ہی کے ہاتھوں سے وہ کچھ دیکھا اور ان کی

زبانوں سے وہ کچھ سنا کہ

دوستوں سے اس قدر صدمہ اٹھائے ہم نے دل سے دشمن کی عداوت کا گلا جاتا رہا

میں ایک گنہگار انسان ہوں اور مجھے پاک و مطہر ہونے کا دعویٰ نہیں۔ ہر روز مجھ سے غلطیاں ہوتی ہیں اور کون ہے جس سے غلطیاں سرزد نہ ہوتی ہوں لیکن باوجود اس کے جو گناہ سرزد نہ ہو۔ اس کی طرف منسوب ہونے پر دل گھبراتا ضرور ہے جو حملے آنمکرم نے کئے ہیں ان کا کوئی ثبوت بھی دیتے تو شاید ان کے جواب دینے کے قابل ہوتا۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ تم نے یوں کیا یوں کیا۔ اس کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ میں نے یوں نہیں کیا۔ اور آپ نے صرف بدظنی سے کام لیا ہے۔ اور اعتراض کرنے میں جلدی کی ہے۔

اگر یہ خط اکیلا آتا اور اس کے سوا اور میں کوئی آواز نہ سنتا۔ تو میں بالکل خاموش رہتا۔ لیکن آج پانچ سال کے قریب عرصہ ہونے کو آیا ہے کہ اس قسم کے اعتراضات میں سنتا آرہا ہوں لیکن پہلے تو افواہاً ان اعتراض کا علم ہوتا تھا اور اب کچھ مدت سے تحریراً بھی یہ الزامات مجھ پر قائم کئے جانے لگے ہیں۔ اور صرف مجھی تک بس نہیں بلکہ ٹریکٹوں کے ذریعہ یہ خیال تمام جماعت احمدیہ میں پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ جن دوستوں تک اظہار الحق نامی ٹریکٹ جو لاہور سے کسی گمنام صاحب کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ پہنچا ہے اور اکثر پہنچا ہوگا۔ کیونکہ وہ پنجاب و ہندوستان میں بکثرت شائع کیا گیا ہے ان کو علم ہو گیا ہوگا۔ کہ اب یہ معاملہ زبانوں سے گزر کر تحریر تک اور تحریر سے گزر کر اشاعت تک جا پہنچا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مجملاً اس کے متعلق کچھ لکھا جائے۔

میں حیران ہوں کہ اس معاملہ میں کچھ لکھوں تو کیا لکھوں۔ آخر وہ کون سے دلائل ہیں جن کو توڑوں جب سب معاملہ کی بناء ہی بدظنی پر ہے تو میں بدظنی میں دلائل کیا دوں۔ عقلی مسئلہ ہو تو اس کا جواب دلائل عقلیہ سے دیا جائے۔ لیکن جب یہ معاملہ ہی رویت و سماعت کا ہے۔ تو جب تک میری تحریر یا تقریر سے یہ الزامات مجھ پر ثابت نہ کئے جائیں اس وقت تک میں ان الزامات کا کیا جواب دے سکتا ہوں؟

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے میں جواب دینے سے مجبور ہوں اور موجودہ صورت میں اور کیا کہہ سکتا ہوں سوائے اس کے کہ یہ کہوں کہ خدا تعالیٰ شاہد ہے اور میں اس کو حاضر و ناظر جان کر اسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے کبھی اس امر کی کوشش نہیں کی کہ میں خلیفہ ہو جاؤں۔ نہ یہ کہ کوشش نہیں کی۔ بلکہ کوشش کرنے کا خیال بھی میرے دل میں نہیں آیا۔ اور نہ میں نے کبھی یہ امید ظاہر کی اور نہ میرے دل نے کبھی خواہش کی۔ اور جن لوگوں نے میری نسبت یہ خیال پھیلایا ہے انہوں نے میرا خون

کیا ہے۔ وہ میرے قاتل اور خدا کے حضور وہ ان الزامات کے جوابدہ ہوں گے۔

جب حضرت صاحب فوت ہوئے ہیں۔ اس وقت میری عمر انیس سال کی تھی اور ہندوستان میں انیس سال کی عمر میں ابھی کھیلنے کودنے کے ہی دن سمجھے جاتے ہیں۔ پس میری عمر بچپن کی حالت سے زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ جب میں نے یہ جھوٹ بولا جاتے ہوئے سنا۔ میرے اس دوست نے جس نے مجھے خط لکھا ہے آج یہ اعتراض کیا ہے۔ مگر یہ اعتراض بہت پرانا ہے۔ اور اس وقت سے میں اس کو سنتا آرہا ہوں جب کہ میں ابھی اس کی اہمیت کو بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ جس وقت خلافت کا جھگڑا ہوا ہے۔ اس وقت میرے کانوں میں یہ آوازیں پڑی تھیں کہ بعض نوجوان خلیفہ بننے کی خواہش میں یہ شورش برپا کر رہے ہیں۔ میرے کان اس بات کو سنتے تھے مگر میرا دماغ ان کے معنوں کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ کیونکہ میرا دل پاک تھا۔ اور بالکل بے لوث تھا۔ اور اس پر ہوا و ہوس کے غبار نے کوئی اثر نہ کیا تھا۔ میں نے معلوم کیا کہ ان انگلیوں کا اشارہ میری طرف ہے اور ان اقوال کا مخاطب میں ہوں میری اس وقت کیا عمر تھی اور ایسے وقت میں میرے دل پر کیا صدمات گزر سکتے تھے۔ اسے خدا ہی جانتا ہے۔ میرا کوئی دوست نہ تھا۔ جس سے میں اس دکھ کا اظہار کر سکوں۔ کیونکہ میری طبیعت بچپن سے ہی اپنے دکھ لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے رکتی ہے۔ میرے دل پر وہ اقوال خنجر اور تلوار کی ضرب سے بڑھ کر پڑتے تھے۔ اور میرے جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے تھے مگر خدا کے سوا کسی سے اپنے دکھ کا اظہار نہ کرتا تھا۔ اور اگر کرتا تو لوگ مجھے کیا فائدہ پہنچا سکتے تھے میں نے ان لوگوں کے بغض سے جنہوں نے یہ باتیں میرے حق میں کہیں۔ ہمیشہ اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ اور اپنے دل کو میلا نہ ہونے دیا۔ کیونکہ ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

میں سمجھتا ہوں کہ چند دن کا فتنہ ہے جو خود بخود دور ہو جائے گا۔ مگر اس فتنہ نے اپنی لمبائی میں شب ہجر کو بھی مات کر دیا۔ اور گھٹنے کی بجائے اور بڑھا۔ میں نے کبھی معلوم نہیں کیا کہ میرا کیا قصور تھا۔ سوائے اس کے کہ میں مسیح موعودؑ کا بیٹا تھا۔ کیونکہ اور بہت سے لوگ موجود ہیں جن پر یہ الزام نہیں لگائے گئے اور لاکھوں احمدیوں کے سر پر یہ بوجھ نہیں رکھا گیا۔ مگر یہ قصور میرا نہیں اس کی نسبت خدا سے سوال کرو۔ اگر یہ کوئی قصور تھا۔ تو اس کا فاعل خدا ہے۔ نہ میں۔ میں خود مسیح موعودؑ کے ہاں پیدا نہیں ہوا۔ مجھے میرے مولا نے جہاں بھیج دیا۔ میں آگیا۔ پس خدا کے لئے مجھے اس فعل پر دکھ نہ دو۔ اس واقعہ کی بناء پر مجھے مت ستاؤ۔ جو میرے اختیار سے باہر ہے جس میں میرا کوئی دخل نہیں۔

غرض ان مشکلات میں اپنے مولا کے سوا میں نے کسی پر توکل نہیں کیا۔ اور اپنے دل کے دکھوں پر اس کے سوا کسی کو آگاہ نہیں کیا۔ گو میرا دل ایک پھوڑے کی طرح بھرا ہوا تھا۔ مگر سوائے کبھی کبھی اپنی

نظموں میں بے اختیار ہو کر اشارۃً اپنے دکھ کے اظہار کے کبھی اپنے دکھ کا اظہار نہیں کیا۔

مجھے ہمیشہ تعجب آتا رہا ہے کہ لوگ اس قدر بدظنیوں سے کیوں کام لیتے ہیں۔ مجھ سے تو اس معاملہ پر اگر کسی دوست نے گفتگو کرنی چاہی تو ہمیشہ میں نے یہی کہکر ٹال دیا کہ کیا یہ لوگ جانتے ہیں کہ میں کب تک زندہ رہوں گا۔ مگر افسوس کہ ظلم میں کمی ہونے کی بجائے وہ اور ترقی کرتا گیا۔ حتیٰ کہ اب وہ اپنے کمال پر پہنچ گیا ہے۔ اور خدا چاہے تو شائد وقت آگیا ہے۔ کہ اب وہ پھر زوال کی طرف رخ کر لے اگر مجھے خیال نہ ہوتا۔ کہ شاید اس شور کا اثر ایک میرے پیارے کے دل پر نہ پڑے تو میں شاید اب بھی جواب کی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ قوم کو ہلاکت سے بچانے کے لئے کچھ کہنا ضروری ہے۔

میرے باپؑ پر جس قدر الزام لگائے گئے تھے۔ یہ الزام ان کے عشر عشیر بھی نہیں لیکن وہ خدا کے مامور تھے۔ اور ان سے جو خدا کے وعدہ تھے وہ مجھ سے نہیں۔ اس لئے میرا ان پر کڑھنا تعجب کی بات نہیں۔

افسوس میں نے اپنے دوستوں سے وہ سنا جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے نہ سنا تھا۔ میرا دل حسرت واندوہ کا مخزن ہے۔ اور میں حیران ہوں کہ میں کیوں اس قدر مورد عتاب ہوں۔ بے شک وہ بھی ہوتے ہیں جو غم و راحت میں اپنی عمر گزارتے ہیں مگر یہاں تو

جوش بہار تھا کہ ہم آئے اسیر ہو چھاتی قفس میں داغ سے اپنی ہے رشک باغ

اگر میں تبلیغ دین کے لئے کبھی باہر نکلتا ہوں تو کہا جاتا ہے کہ یہ لوگوں کو پھسلانے کے لئے اپنی شہرت کے لئے اپنا اثر و رسوخ پیدا کرنے کے لئے اپنی حمایتیں بنانے کے لئے نکلتا ہے اور اس کا باہر نکلنا اپنی نفسانی اغراض کے لئے ہے۔ اور اگر میں اس اعتراض کو دیکھ کر اپنے گھر بیٹھ جاتا ہوں تو یہ الزام دیا جاتا ہے کہ یہ دین کی خدمت میں کوتاہی کرتا ہے اور اپنے وقت کو ضائع کرتا ہے اور خالی بیٹھا دین کے کاموں میں رخنہ اندازی کرتا ہے اگر میں کوئی کام اپنے ذمہ لیتا ہوں تو مجھے سنایا جاتا ہے کہ میں حقوق کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہوں۔ اور قومی کاموں کو اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتا ہوں اور اگر میں دل شکستہ ہو کر جدائی اختیار کرتا ہوں اور علیحدگی میں اپنی سلامتی دیکھتا ہوں تو یہ تہمت لگائی جاتی ہے کہ یہ قومی درد سے بے خبر ہے اور جماعت کے کاموں میں حصہ لینے کی بجائے اپنے اوقات کو رائیگاں گنواتا ہے مگر مجھے جاننے والے جانتے ہیں کہ میں عام انسانوں سے زیادہ کام کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ اپنی صحت کا بھی خیال نہیں رکھتا۔ مگر اسے جانے دو۔ مجھے تو تم خود ہی بتاؤ کہ وہ کون سا تیسرا راستہ ہے جسے میں اختیار کروں۔ خدا کے لئے مجھے اس طریق سے آگاہی دو۔ جس پر ان دونوں راستوں کو چھوڑ کر میں قدم زن ہوں۔ للہ

مجھے وہ سبیل بتاؤ۔ جسے میں اختیار کروں۔ آخر میں انسان ہوں خدا کے پیدا کئے ہوئے دو راستوں کے علاوہ تیسرا راستہ میں کہاں سے لاؤں؟

صبح شام رات دن اٹھتے بیٹھتے یہ باتیں سن سن کر میں تھک گیا ہوں۔ زمین باوجود فراخی کے مجھ پر تنگ ہو گئی ہے اور آسمان باوجود رفعت کے میرے لئے قید خانہ کا کام دے رہا ہے اور میری وہی حالت ہے کہ **ضاقت علیهم الارض بما رحبت و ضاقت علیهم انفسهم و ظنوا ان لا ملجا من الله الا الیه**۔ افسوس کہ میرے بھائی مجھ پر تہمت لگاتے ہیں اور میرے بزرگ مجھ پر بدظنی کرتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں ڈیڑھ ارب آدمی بستا ہے مگر مجھے تو سوائے خدا کے اور کوئی نظر نہیں آتا۔ لوگ اس دنیا میں تنہا آتے اور یہاں سے تنہا جاتے ہیں مگر میں تو تنہا آیا اور تنہا رہا اور تنہا جاؤں گا۔ یہ زمین میرے لئے ویران جنگل ہے اور یہ بستیاں اور شہر میرے لئے قبرستان کی طرح خاموش ہیں۔ میرے دوست مجھے اس وقت معاف فرمائیں۔ میں ان کی محبت کا شکر گزار ہوں۔ لیکن میں کیا کروں کہ جہاں میں ہوں وہاں وہ نہیں ہیں۔ میں ان مہربانوں کے مقابلہ میں جو مجھے آئے دن ستاتے رہتے ہیں ان کی محبت کی قدر کرتا ہوں ان کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اپنے رب سے ان پر فضل کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔ لیکن باوجود اس کے میں تنہا ہوں۔ میری مثال ایک طوطے کی ہے جس کا آقا اس پر مہربان ہے۔ اور اس سے نہایت محبت کرتا ہے اور طوطا بھی اس کے پیار کے بدلہ میں اس سے انس رکھتا ہے اور اس کی جدائی کو ناپسند کرتا ہے مگر پھر بھی اس کا دل کہیں اور ہے اس کے خیال کہیں اور ہیں۔

میرے آقا کا دلبند میرا مطاع امام حسینؓ تو ایک دفعہ کربلا کی ابتلا میں مبتلا ہوا۔ لیکن میں تو اپنے والد کی طرح یہی کہتا ہوں کہ

کربلائیست سیر ہر آنم صد حسینؓ است در گریبانم

اے نادانو! کیا تم اتنا نہیں سمجھتے کہ اگر میرا خدا مجھے بڑا بنانا چاہے تو تم میں سے کون ہے جو اس کے فضل کو رد کر سکے۔ اور کون ہے جو میرے مولیٰ کا ہاتھ پکڑ سکے۔ **وان یردک بخیر فلا راد لفضله یصیب به من یشاء من عباده ط و هو الغفور الرحیم**۔ اور اگر وہ عزت دینا چاہے تو کون ہے جو مجھے ذلیل کر سکے۔ اور اگر وہ مجھے بڑھانا چاہے تو کون ہے جو مجھے گھٹا سکے اور اگر وہ مجھے اونچا کرنا چاہے تو کون ہے جو مجھے نیچا کر سکے۔ اور اگر وہ مجھے اپنا قرب عطا کرنا چاہے تو کون ہے جو مجھے اس سے بعید کر سکے۔ اور اگر وہ مجھے اپنے پاس بٹھائے تو کون ہے جو مجھے اس سے دور کر دے۔ پس اپنے آپ کو خدا مت قرار دو کہ عزت دینا اور ذلیل کرنا خدا کے اختیار میں ہے نہ کہ تمہارے۔ **من کان یرید**

العزۃ فللہ العزۃ جمیعا۔

کسی انسان کی زندگی کا بھی اعتبار نہیں ہوتا۔ مگر میں تو خصوصاً بیمار رہتا ہوں اور ہر چوتھے پانچویں دن مجھے حرارت ہو جاتی ہے اور سخت سردرد کا دورہ ہوتا ہے چنانچہ اس وقت بھی جب کہ میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں۔ میرے سر میں درد ہے اور بدن گرم ہے۔ اور صرف خدا ہی کا فضل ہے کہ میں یہ چند سطریں لکھنے کے قابل ہوا ہوں اور علاوہ ازیں مجھے اور بھی کئی بیماریاں ہیں۔ میرا سینہ کمزور ہے میرا جگر بیمار ہے۔ میرا معدہ اچھی طرح غذا ہضم نہیں کر سکتا۔ تمہیں کیا معلوم ہے۔ کہ میں کل تک زندہ رہوں گا یا نہیں۔ کیا جانتے ہو کہ نیا سال مجھ پر چڑھے گا یا نہیں۔ تم کیوں خواہ مخواہ یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح کہتے ہو۔ یخل لکم وجہ ابیکم میرے تو اپنے پیارے دوسری دنیا میں ہیں۔ میرے لئے تو یہ دنیا خالی ہے۔ میرا محمدؐ اس دنیا میں ہے میرا احمد اسی دنیا میں ہے کیا وہ لوگ زندہ رہے کہ میں رہوں گا۔ میرے پاس اعمال کا ذخیرہ نہیں اور میرا ہاتھ خالی ہے۔ لیکن خدا کے فضل سے امیدوار ہوں کہ وہ مجھے ان کے خدام میں جگہ دے کیونکہ ان کے قرب کے بغیر جنت بھی میرے لئے بھیانک ہے۔

میں تم سے گھبراتا نہیں۔ میں تمہارے حملوں سے ڈرتا نہیں۔ کیونکہ میرا خدا پر بھروسہ ہے لیکن مجھے اگر غم ہے تو اس بات کا کہ قوم میں فتنہ نہ ہو۔ اور یہی غم میرے دل کو کھائے جاتا ہے مگر مجھے امید ہے کہ خدا تعالیٰ اس جماعت کو بچائے گا اور اس کی مدد کرے گا۔ کیونکہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ ایک پودا اپنے ہاتھ سے لگا کر پھر اسے سوکھنے دے۔ ہاں ابتلاء کے ایام ہیں جو گزر جائیں گے۔

وا اسفا علی فراق قوم ہم المصابیح والحصون

ہائے افسوس اس قوم کی جدائی پر جو شمع کی طرح تھے اور قلعوں کی طرح تھے۔

والمدن و المزن و الرواسی والخیر والامن والسکون

اور شہر تھے اور بارش تھے اور پہاڑ تھے اور خیر تھے اور امن تھے اور سکون تھے۔

لم تتغیرلنا اللیالی حتی توفاہم المنون

ہمارے لئے زمانہ نہیں بدلا۔ مگر جب موتوں نے ان کو وفات دے دی۔

فکل جمرلنا قلوب وکل ماء لنا عیون

اب تو یہ حال ہے کہ دل انگارہ ہیں اور آنکھیں بہہ رہی ہیں۔

افوض امری الی اللہ۔ وہو ولی فی الدنیا والاخرۃ وانما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ۔ اللہم انی اعوذبک من جہد البلاء ودرک الشقاء وسوء القضاء وشماتۃ الاعدآء واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔ [120]

سفر ملتان

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب آخر نومبر ۱۹۱۳ء میں جلسہ میں شرکت کے لئے ملتان تشریف لے گئے آپ کے ہمراہ حضرت حافظ روشن علی صاحب اور حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھی تھے۔ ۲۷/ نومبر کی شام کو جب یہ قافلہ حضرت خلیفتہ المسیح کی خدمت میں اجازت کے لئے حاضر ہوا۔ تو آپ نے سب کو دعا کے ساتھ رخصت کیا اور فرمایا۔ "میں نے بہت دعا کی ہے ملتان میں شیعہ بہت ہیں پر تم چار یار وہاں جاتے ہوئے نرمی سے وعظ کرو سخت کلامی نہ کرو۔ دعاؤں سے بہت کام لو۔ امیر بنا بنایا تمہارے ساتھ ہے"۔

ملتان میں آپ نے ۳۰/ نومبر کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ مسیحیت و مہدویت پر معرکتہ آلارا تقریر فرمائی اور آپ کی تقریر کے بعد تیرہ اشخاص داخل احمدیت ہوئے اور شہر میں ہر طرف احمدیت کا چرچا ہونے لگا۔ ملتان کے رئیس اعظم خان بہادر مخدوم حسن بخش صاحب نے اپنی گزشتہ روایات کے عین مطابق حضرت صاحبزادہ صاحب اور آپ کے رفقاء کی دعوت کی۔ [۱۲۱]

اخبار "بدر" کی بندش

اخبار بدر جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا ایک بازو قرار دیا تھا۔ عیسائیت کے خلاف مضمون لکھنے کی پاداش میں بند ہو گیا۔ پریس ایکٹ کے ماتحت پبلشر کے نام تین ہزار کی ضمانت طلب کی گئی جو ادانہ کی جا سکی۔ [۱۲۲] بدر کا آخری پرچہ ۱۸/ دسمبر ۱۹۱۳ء کو شائع ہوا۔ اس کے بعد حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے (جو بدر کے ایڈیٹر تھے) فروری ۱۹۱۴ء میں صدائے صادق ٹریکٹ سیریز کا ایک سلسلہ جاری کیا جو چند نمبروں کے بعد ختم کر دیا گیا۔

خلافت اولیٰ کے عہد کا آخری سالانہ جلسہ

مجلس معتمدین نے ۱۹۱۳ء کے جلسہ سالانہ کے بارہ میں فیصلہ کیا کہ وہ صرف ۲ دن ہو مگر حضرت خلیفتہ المسیح اولؓ نے یہ فیصلہ منسوخ کر کے یہ حکم دیا کہ جلسہ ۲۶ سے ۲۸ دسمبر تک رہے گا۔ [۱۲۳] چنانچہ اسی کے مطابق تین دن پوری شان سے یہ جلسہ منعقد ہوا یہ خلافت اولیٰ کے عہد کا آخری سالانہ جلسہ تھا۔

حضرت خلیفہ اولؓ کی تقریریں:۔

حضرت خلیفہ اول کی دو ایمان افروز تقریریں ہوئیں۔ پہلی تقریر ۲۷/ دسمبر کو ہوئی جو وحدت کے موضوع پر تھی۔ دوسری تقریر سورہ مومنون کی ابتدائی آیات کی تفسیر پر۔ علاوہ ازیں آپ نے ۲۶/ دسمبر کو ایک لطیف خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرمایا۔ جس میں قرآن مجید کی طرف توجہ دینے کی تلقین فرمائی۔ مومنوں کو آپ نے اپنے ایوان میں شرف ملاقات بخشا اور اپنے کلمات طیبات سے نوازتے رہے۔ [۱۲۴]

حضرت صاحبزادہ صاحب کی مصروفیات:۔ اس جلسہ پر حضرت صاحبزادہ صاحب کو بہت مصروفیت تھی آپ دونوں وقت خود پاس کھڑے ہو کر دو ہزار کا کھانا تقسیم کراتے اور سب مہمانوں کے کھانا کھانے کے بعد گھر تشریف لے جاتے۔ دن میں کئی بار انتظامات جلسہ کا معائنہ کرتے اور مناسب ہدایات دیتے تھے مہمانوں تک تازہ خبریں پہنچانے کی غرض سے آپ نے جلسہ کے دنوں میں الفضل کے دو ورقہ کا انتظام فرمایا۔ جو روزانہ شائع ہوتا تھا۔ ان مصروفیات کے باوجود آپ نے تمام احباب سے ملاقاتیں بھی کیں۔ اور حصول تقویٰ کے ذرائع پر بھی موثر تقریر فرمائی۔ [۱۲۵] نیز انصار اللہ کے جلسہ عام کو بھی خطاب فرمایا۔ جس میں آپ نے انصار اللہ کے خلاف الزامات کی تردید کی۔ اور انصار کو ہدایت دی کہ وہ اپنے مال جان اور وقت کو تبلیغ احمدیت کے لئے وقف کر دیں۔ [۱۲۶]

تائید خلافت کا روح پرور نظارہ:۔ جلسہ ۱۹۱۳ء خدائی تائید و نصرت کا ایک نشان تھا۔ جو خلافت کی تائید میں ظاہر ہوا۔ گمنام ٹریکٹوں کی اشاعت نے جماعت کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی جو ناپاک اور مذموم سازش کی تھی وہ اس عظیم اجتماع کے ذریعہ ناکام و نامراد ہوئی۔ اور احمدی بڑی کثرت سے شمع خلافت کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہو گئے اور خلیفہ وقت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے انہوں نے قابل رشک مالی قربانیاں پیش کیں۔ حضرت خلیفہ اول نے خود "شکریہ" کے عنوان سے ایک مضمون جلسہ کے بعد شائع کرایا۔ [۱۲۷] جس میں فرمایا:۔ "پچھلے سال بعض نادانوں نے قوم میں فتنہ ڈلوانا چاہا اور اظہار حق نامی اشتہار عام طور پر تقسیم کیا گیا۔ جس میں مجھ پر بھی اعتراضات کئے گئے۔ مصنف ٹریکٹ کا تو یہ منشا تھا کہ اس سے جماعت میں تفرقہ ڈال دے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی بندہ نوازی سے مجھے اور جماعت کو اس فتنہ سے بچا لیا۔ اور ایسے رنگ میں مدد اور تائید کی کہ فتنہ ڈلوانے والوں کے سب منصوبے باطل اور تباہ ہو گئے........ جس کا نمونہ اس سال جلسہ سالانہ کے موقعہ پر نظر آ رہا تھا۔ یہ خدا تعالیٰ کی خاص تائید اور نصرت تھی کہ امسال باوجود بہت سے موانع کے اور باوجود "اظہار حق" جیسے بد ظنی پھیلانے والے ٹریکٹوں کی اشاعت کے جلسہ پر لوگ معمول سے زیادہ آئے۔ اور ان کے چہروں سے وہ محبت اور اخلاص ٹپک رہا تھا جو بزبان حال اس بات کی شہادت دے رہا تھا کہ جماعت احمدیہ ہر ایک بد اثر سے محفوظ اور مصئون ہے۔

علاوہ ازیں مختلف جماعتوں نے ایثار کا بھی اس دفعہ وہ نمونہ دکھایا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ثابت ہوتا تھا...... پچھلے تمام سالوں کی نسبت اب کی دفعہ تگنے روپے کے وعدہ یا وصولی ہوئی

.......اس جلسہ نے ان لوگوں کے خیالات کو بھی باطل کر دیا۔ جو کہتے تھے کہ نور الدین گھوڑے سے گر گیا ہے۔ جب ایک دفعہ خلافت کے خلاف شور ہوا تھا تو مجھے اللہ تعالیٰ نے رویا میں دکھایا تھا.......میں ....اس خواب سے سمجھا کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ خلافت کے گھوڑے سے گر جائے گا جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس پر قائم رکھے گا۔ بلکہ کامیابی عطا فرمائے گا۔ سو خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے میری اس خواب کو بھی پورا کیا۔ اور اس سال کے جلسہ نے اس کی صداقت بھی ظاہر کر دی کہ باوجود لوگوں کی کوششوں اور مخالفتوں کے اور باوجود گمنام ٹریکٹوں کی اشاعت کے اس نے میری تائید پر تائید کی۔ اور جماعت کے دلوں میں روز بروز اخلاص اور محبت کو بڑھایا اور ان کے دل کھینچ کر میری طرف متوجہ کر دئے۔ اور انہیں اطاعت کی توفیق دی اور فتنہ پردازوں کی حیلہ سازیوں کے اثر سے بچائے رکھا"۔ [۱۲۸]

حواشی باب ششم

۱۔ الحکم ۲۸/۲۱ فروری ۱۹۱۳ء صفحہ ۳ کالم ۳۔

۲۔ الحکم ۲۸-۲۱/ فروری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۳

۳۔ الحکم ۱۴-۷/ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۳۔

۴۔ یہ مضمون تشحیذ الاذہان اپریل ۱۹۱۳ء میں چھپا۔

۵۔ بحوالہ بدر ۱۳/ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۶ تا صفحہ ۹۔

۶۔ الحکم ۷-۲۸/ اپریل ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۱ کالم ۲۔

۷۔ جیبی بیاض صفحہ ۹۲) یہ بیاض حضرت خلیفہ اول کے خاندان میں محفوظ ہے۔

۸۔ راقم الحروف نے قادیان میں کلام محمود کے پہلے ایڈیشن کے پروف دیکھے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پروف ریڈنگ کی خدمت بھی قاضی صاحب ہی نے سرانجام دی تھی۔ اب تک کلام محمود کے ایک درجن سے زائد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔

۹۔ (سرورق نمبر ۲) کلام محمود۔

۱۰۔ الفضل ۱۹/ ستمبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۴ کالم ۲۔ ۳۔

۱۱۔ الفضل ۱۶/ ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۔

۱۲۔ یہ خط ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے جب پیغام صلح میں شائع کیا۔ تو مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری فاضل کی سرکردگی میں علمائے سلسلہ کا ایک وفد مسلم ٹاؤن میں ڈاکٹر بشارت احمد صاحب سے ملا اور کہا کہ حضرت خلیفہ اول کا خط نامکمل صورت میں شائع کیا گیا ہے خط کے انداز سے ظاہر ہے کہ درمیان میں ایک فقرہ دیدہ دانستہ چھوڑ دیا گیا ہے جس سے مضمون خبط ہو گیا ہے۔ براہ کرم اصل خط دکھائیے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا جاؤ الفضل میں جا کر شائع کرا دو کہ ڈاکٹر خط نہیں دکھاتا۔ لیکن جب اصرار ہوا تو بتایا کہ اصل خط شیخ مولا بخش صاحب لائلپوری کے پاس محفوظ ہے مگر شیخ صاحب نے وہ خط دکھانے سے صریحاً گریز کیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جب شیخ صاحب انتقال کر چکے تھے الفضل نے پیغام صلح سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اس چٹھی کو مکمل صورت میں شائع کرے مگر آج تک اسے اشاعت کی توفیق نہیں مل سکی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۶/ ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳) حضرت خلیفہ اول کی تحریروں کو بغور پڑھنے والے جانتے ہیں کہ آپ کے خطوط میں حد درجہ اختصار ہوا کرتا تھا۔ آپ فقرات میں سے بعض الفاظ عمداً چھوڑ دیا کرتے تھے مندرجہ بالا خط میں بھی آپ نے اختصار سے کام لیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تنازعے شروع ہو گئے کہ بعد "کہ" کا لفظ حذف فرما دیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ پہلے تو آپ لوگوں نے دبایا" آخر"" نجات ملی "مگر پھر باہم تنازعے شروع ہو گئے کہ نواب میر ناصر، محمود نالائق بلاوجہ جوشیلے ہیں۔ (مفصل ملاحظہ ہو الفضل ۲۹/ ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳)

۱۳۔ الحکم ۷/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

۱۴۔ الحق ۳۰/ مئی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۹ سے معلوم ہوتا ہے الفضل کا نام پہلے آپ نے "فضل" رکھا تھا۔

۱۵۔ اس گروہ کے قائد مولانا ابو الکلام آزاد ایڈیٹر "الہلال" تھے جو سید جمال الدین افغانی کو عہد آخر کے پیغمبرانہ اوصاف رکھنے والے مصلح یقین کرتے تھے۔ (الہلال ۱۲/ جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۵ کالم ۲) اور مسلمانان ہند کو بالآخر کانفرنس کی چوکھٹ پر جھکا دینے کی درپردہ کوشش میں مصروف مسلمانوں کا بیشتر حصہ ان کے عزائم سے ابتداء بے خبر تھا۔ مگر صاحبزادہ صاحب نے ان کی طرز تحریر سے ان کے مقاصد کو بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ وہی آزاد جنہوں نے پہلے عالم اسلام کے مسائل میں گہری دلچسپی لے کر مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کر لی تھیں۔ الہلال ۱۰/ دسمبر ۱۹۱۳ء میں کھل کر کہنے لگے۔ "وہ زمانہ گیا جب انڈین نیشنل کانگرس کی شرکت کے تصور سے مسلمان کانپ اٹھتے تھے..... کسی مسلمان کے لئے سب سے بڑی گالی یہ تھی کہ اسے کانگریسی کہہ دیا جائے اب تو وہ کلمہ حق جو حسین بن منصور کی زبان سے نکلا تھا خود علی گڑھ کی در و دیوار سے اثبات وجود کر رہا ہے....... اب مسلمان کانگرس میں

شریک ہوں یا نہ ہوں مگر ملک کی ایک ہی بچی اور صادق العمل جماعت نے اپنی استقامت اور راستبازی سے ان کی ضد اور ہٹ پر فتح تو ضرور پائی ہے"۔ قبل ازیں ۳/ دسمبر ۱۹۱۳ء کے ایشوع میں انہوں نے صفحہ اول پر گاندھی جی کی تصویر شائع کی اور نیچے لکھا۔"رئیس الاحرار مسٹر گاندھی۔"

۱۶۔ یہ خطرہ ایک حقیقی خطرہ تھا جس کی بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ خواجہ کمال الدین صاحب نے تبلیغ اسلام پر جہاں دوسرے مسلم زعماء سے سازباز کی وہاں مولانا آزاد اور ان کے الہلال سے بھی گہرے روابط پیدا کر لئے تھے چنانچہ انہوں نے الھلال میں متعدد مضامین لکھے (مثلاً ملاحظہ ہو الھلال ۱۲/ فروری ۱۹۱۳ء صفحہ ۹۱۔ ایضاً ۹/ اپریل ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۳۵) مولانا آزاد نے صرف کلکتہ میں خواجہ صاحب کے حق میں پر جوش تقریر کر کے ریزولیوشن پاس کرایا بلکہ "الھلال" میں ان کی زبردست تائید کی اور لکھا "خواجہ صاحب کی نسبت مجھے یقین ہے کہ وہ خلوص و ایثار کے ساتھ اس خدمت میں مصروف ہیں۔" (الہلال ۲۔ ۱۴/ جنوری ۱۹۱۴ء) الھلال کے کاموں میں مشہور سیاسی لیڈر مسٹر بشیر حسین قدوائی کا ایک خط چھپا جو انہوں نے لندن سے بھیجا تھا کہ "جب سے میں آیا ہوں ہر جمعہ کی نماز میں شریک ہوا ہوں اور خواجہ کمال الدین صاحب کے وعظوں کو دلچسپی اور غور سے سنا ہے کبھی کسی وعظ میں سہو سے بھی انہوں نے احمدی ہونے کا خیال نہیں کیا۔ ان سے گفتگو ہوئی۔ معلوم ہوا کہ گو وہ احمدی ضرور ہیں مگر اس کو محض ایک ذاتی معاملہ سمجھتے ہیں...... وہ خاص احمدیت کی تبلیغ ہرگز ہرگز نہیں کرتے۔ حاشا نہیں کرتے۔ وہ خالص اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اس اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں جو قرآن میں ہے۔" الہلال ۱۸/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۲۲۳ "ان حالات میں بالکل واضح بات ہے کہ سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کا یہ خدشہ ظاہر کرنا کہ احمدی "الھلال" کو خواجہ صاحب کا ہمنوا پا کر کہیں مولانا آزاد کی سیاسی تحریک میں بھی بہہ نہ جائیں ہرگز بے محل نہیں تھا۔

۱۷۔ الفضل ۱۵/ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۳۔

۱۸۔ حضرت خلیفہ اول نے اخبار کا نام ابتداء فضل رکھا تھا (الحق ۳۰/ مئی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۹) الفضل کے پراسپکٹس کا ایک نسخہ احمدیہ بلڈنگس کی احمدیہ لائبریری میں موجود ہے۔

۱۹۔ الحق ۳۰/ مئی ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۰ کالم ۱

۲۰۔ الفضل ۲۸/ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۷۷-۷۸

۲۱۔ الفضل ۲۸/ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۷۸

۲۲۔ الفضل ۲۸/ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۷۸

۲۳۔ الفضل ۴/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۵ کالم ۲۔ ۳ و الفضل ۹/ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱

۲۴۔ الفضل ۴/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۶ کالم ۱

۲۵۔ الفضل ۹/ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱

۲۶۔ الفضل ۱۸/ جون ۱۹۱۳ء صفحہ ۳۔

۲۷۔ الفضل ۴/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۵ کالم ۳۔

۲۸۔ رسالہ خالد دسمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۶۔

۲۹۔ الفضل ۴/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۵ کالم ۳۔

۳۰۔ الفضل ۱۲/ جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

۳۱۔ الفضل ۲۸/ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۳۸۔

۳۲۔ ولادت دسمبر ۱۸۹۴ء بمقام بانی ضلع گجرات وفات ۱۸/ اپریل ۱۹۵۶ء بمقام کھاریاں (ضلع گجرات) ورنیکر مڈل کا امتحان پاس کر کے ۱۱/ جون کو قادیان تشریف لائے۔ مضمون نویسی کا بچپن سے شوق تھا جہاں آکر حضرت خلیفہ اول حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت میر محمد اسحق صاحب۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب اور دوسرے بزرگوں کے فیض صحبت سے اور زیادہ بڑھ گیا اور آپ کے مضامین پہلے اخبار نور۔ پھر کشمیری میگزین (لاہور) افغان (پشاور) اور پیغام صلح میں چھپنے لگے۔ خلافت ثانیہ کے آغاز میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے درس قرآن لکھنے پر مامور ہوئے ازاں بعد حضور کے خطبات جمعہ

اور جلسہ سالانہ کی تقاریر قلمبند کرنے کی سعادت نصیب ہوئی جولائی ۱۹۱۶ء سے الفضل کی ادارت کا کام سپرد ہوا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ادارت کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل ہدایات اپنے قلم سے لکھ کر بھجوائیں۔(۱) کم از کم قرآن کریم کا ترجمہ آنا ضروری ہے اور صحاح ستہ پر عبور ہونا چاہئے۔(۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں پر عبور ہونا چاہئے۔(۳) غیر مذاہب کی کتابوں کی واقفیت ہونی چاہئے۔(۴) خلیفہ وقت کی اطاعت اور اس سے وابستگی لازمی چیز ہے۔(۵) حکومت وقت کی اطاعت ضروری ہے۔(۶) احمدیت کے لئے اخلاص اور ہر قسم کی قربانی کا جذبہ ہونا چاہئے۔(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۵/ مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۵)

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات پر فرمایا۔ "ان کی تعلیم زیادہ نہیں تھی صرف مڈل پاس تھے مگر بہت ذہن اور ہوشیار تھے میری جس قدر پہلی تقریریں ہیں وہ ساری کی ساری انہی کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ وہ بڑے اچھے زود نویس تھے۔ اور ان کے لکھے ہوئے بہت لیکچروں اور خطبات میں مجھے بہت کم اصلاح کرنی پڑتی تھی پھر وہ اخبار کے ایڈیٹر ہوئے اور ایسے زبردست ایڈیٹر ثابت ہوئے کہ در حقیقت پیغامیوں سے زیادہ تر ٹکر انہوں نے ہی لے لی۔ پیغام صلح کے وہ اکثر جوابات لکھا کرتے تھے اسی طرح وہ میرے ابتدائی خطبات وغیرہ بھی لکھتے رہے جو انہی کی وجہ سے محفوظ ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ ان کا جماعت پر یہ ایک بہت بڑا احسان ہے اور جماعت ان کے لئے جتنی بھی دعائیں کرے اس کے وہ مستحق ہیں۔" (الفضل ۱۵/ مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۴ کالم ۲)

۳۳۔ الفضل ۲۸/ مارچ ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ کالم ۳۔
۳۴۔ الفضل ۲۵/ جون ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۶۔
۳۵۔ روایت ڈاکٹر عبدالحمید صاحب چغتائی C-۶۸ ماڈل ٹاؤن لاہور۔
۳۶۔ روایت مستری فضل الٰہی صاحب۔ مستری فضل الٰہی صاحب اپنے والد کے ساتھ ان دنوں بیعت کے لئے گئے ہوئے تھے۔ مستری صاحب کو آشوب چشم کا عارضہ تھا جو آپ کی دوا سے جاتا رہا۔
۳۷۔ الفضل ۶/ اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۱ کالم ۱
۳۸۔ الفضل ۹/ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۶۔
۳۹۔ حکمت بالغہ جلد اول صفحہ ۵۹۸۔
۴۰۔ حکمت بالغہ جلد دوم صفحہ ۱۳۱۔ ۱۴۲۔
۴۱۔ حکمت بالغہ جلد دوم صفحہ ۱۴۴۔
۴۲۔ حکمت بالغہ جلد دوم صفحہ ۱۴۵۔
۴۳۔ ملاحظہ ہو صفحہ الف۔
۴۴۔ اخبار پیغام صلح جوبلی نمبر صفحہ ۵۱ (۱۹۳۸ء)
۴۵۔ ملاحظہ ہو ترجمہ یادداشت شراکت مع دستور العمل پیغام صلح سوسائٹی لمیٹڈ۔
۴۶۔ پیغام صلح جوبلی نمبر صفحہ ۵۱۔
۴۷۔ اخبار الحق ۳۰/ مئی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۹ کالم ۳
۴۸۔ اخبار الحق ۳۰/ مئی ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۰ کالم ۲۔
۴۹۔ الہلال ان دنوں ترکی حکومت کی مدح سرائی کر رہا تھا۔ پیغام صلح میں بھی ترکوں کے بادشاہ کو خلیفۃ المسلمین کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ چنانچہ پیغام صلح (۲۷/ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۸) میں مولوی ظفر علی خاں صاحب کا (جن کے پیچھے خواجہ صاحب لندن میں نماز بھی پڑھ چکے تھے) یہ قصیدہ شائع ہوا۔

اخوت برملا گوید کہ ماز آن سلطانیم   خلافت مدعا جوید کہ آواز آن ما باشد
کہ در دست امیرا لوائے مصطفیٰ باشد   حذر اے دشمنان ملت بیضا ازاں ساعت

۵۰۔ پیغام صلح جوبلی نمبر صفحہ ۵۱۔
۵۱۔ سید سلیمان ندوی نے جو ان دنوں الہلال کے ادارہ میں شامل تھے اسے "وضوخانہ" قرار دیا۔ (حیات شبلی صفحہ ۶۰۰)
۵۲۔ الفضل ۱۳/ اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۳۔
۵۳۔ الفضل ۱۳/ اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۳۔
۵۴۔ اخبار زمیندار جلد ۳ نمبر ۲۳۶ (اصل اخبار کا تراشہ خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہے)
۵۵۔ الفضل ۱۳/ اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۳۔
۵۶۔ حیات شبلی صفحہ ۶۰۱۔
۵۷۔ الفضل ۲۳/ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۶۔
۵۸۔ حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ نے آئینہ صداقت میں لکھا ہے کہ حضرت خلیفہ اول کی اصل تحریر کچھ تصرف کے ساتھ شائع کی گئی چنانچہ بعض الفاظ کی اندرونی شہادت اس کی تائید میں ہے۔
۵۹۔ ملاحظہ ہو پیغام صلح ۲۰/ اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۔ ۲ و پیغام صلح ۳۱/ اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۔ ۳۔ پیغام صلح ۷/ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۔ ۳۔
۶۰۔ پیغام صلح ۹/ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴ کالم ۱۔ ۲۔
۶۱۔ اخبار پیغام صلح نے ۲۲/ جولائی ۱۹۱۳ء کو یہ مضمون شائع کیا۔ اور ادارتی نوٹ میں لکھا:
"ذیل میں وہ مضمون ھدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ جو جناب صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب نے کمال مہربانی سے باوجود کم فرصتی کے پیغام صلح کے لئے قلم بند کر کے ارسال کیا تھا۔ افسوس کہ کثرت مضامین کی گڑبڑ میں ہم اسے جلدی میں شائع نہ کر سکے۔ مضمون کسی تعریف کا محتاج نہیں میاں صاحب ممدوح کا نام نامی اس کی خوبی اور اہمیت کی کافی ضمانت ہے۔ ایڈیٹر"
۶۲۔ پیغام صلح ۲۴/ اگست ۱۹۱۳ء۔
۶۳۔ اخبار الفضل ۹/ اگست ۱۹۱۴ء صفحہ ۷ کالم ۲۔ ۳۔
۶۴۔ الفضل ۳۰۔۲۶/ مارچ ۱۹۱۸ء صفحہ ۱ (شہادت بابو محمد عثمان صاحب قریشی)
۶۵۔ الحق ۲۶/ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۶ کالم ۱۔ ۲۔
۶۶۔ الفضل ۱۸/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۳ کالم ۳۔ اس زمانہ میں مولوی محمد علی صاحب کے رفقاء نے عجیب عجیب افواہیں اڑائیں۔ مثلاً یہ کہ میاں صاحب اور حضرت خلیفتہ المسیح میں باہمی مخالفت ہو گئی ہے۔ حضرت خلیفہ اول نے ایک خطبہ میں فرمایا۔ "میرے اور میاں صاحب کے درمیان کوئی نقار نہیں جو ایسا کہتا ہے وہ بھی منافق ہے وہ میرے بڑے فرمانبردار ہیں انہوں نے مجھ کو فرمانبرداری کا بہتر سے بہتر نمونہ دکھایا ہے وہ میرے سامنے اونچی آواز بھی نہیں نکال سکتے انہوں نے فرمانبرداری میں کمال کیا ہے۔" (الفضل ۲۳/ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵ کالم ۲)
۶۷۔ الفضل ۲۵/ دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ کالم ۱۔ ۲۔
۶۸۔ خواجہ صاحب کی خواہش کا علم ان کے دو خطوط سے ہوتا ہے۔ جو بدر ۱۱۔ ۴/ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۳ اور پیغام صلح ۱۸/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۳ میں شائع شدہ ہیں۔
۶۹۔ تاریخ مسجد فضل لنڈن صفحہ ۹۔
۷۰۔ الفضل ۲۵/ دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔
۷۱۔ تاریخ مسجد فضل لنڈن صفحہ ۹۔
۷۲۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۶ کالم ۱۔
۷۳۔ تاریخ مسجد فضل لنڈن صفحہ ۹۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۶ کالم ۱۔
۷۴۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۶ کالم ۱۔ ۲۔ چودھری صاحب نے حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں مولوی محمد علی صاحب کی اس کارروائی کی اطلاع دی تو آپ نے جواب دیا کہ مولوی محمد علی صاحب ایسے خط کی نسبت انکار کرتے ہیں چودھری صاحب نے یہ خط خواجہ صاحب کو دکھایا۔ حضرت خلیفہ اول نے ایک خطبہ جمعہ میں پوری جماعت کے سامنے یہ فرمایا۔ "تم میں سے بعض کہتے

ہیں فتح محمد کو کمال الدین کی جاسوسی کے لئے بھیجا ہے یہ لوگ بالکل جھوٹ بولتے ہیں حد سے مت بڑھو۔ حد سے بڑھ جاؤ گے تو ہماری آیتوں کے کافر بن جاؤ گے۔ (الفضل ۲۲/ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵ کالم ۲۔)

۷۵۔ ۱۱-۴/ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۳ کالم ۲۔

۷۶۔ ۱۳-۶/ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۶ کالم ۲۔

۷۷۔ پیغام صلح ۱۸/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۳ کالم ۳۔

۷۸۔ الحکم ۱۴-۷/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۵ کالم ۱۔

۷۹۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۶ کالم ۳۔ ۴۔ تعلیم الاسلام میگزین قادیان جلد نمبر ا صفحہ ۷۔ اس سے پہلے مشن کے تفصیلی حالات اگلی جلد میں آرہے ہیں۔

۸۰۔ ملاحظہ ہو ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۴۔ ۱۹۱۳ء رجسٹر چہارم صفحہ ۳۰۳۔

۸۱۔ الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۷۷ و الفضل ۳۰/ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ا کالم ۲۔ (غیر مطبوعہ) خود نوشت سوانح جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب (غیر مطبوعہ) یہ سوانح راقم الحروف کی درخواست پر آپ نے قلمبند فرمائی ہے۔

۸۲۔ اصل خط جناب شیخ خورشید احمد صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل کے پاس محفوظ ہے۔ اس کا چربہ انہوں نے الفضل ۲۲/ جنوری ۱۹۶۰ء (صفحہ ۵۔۶) میں بھی شائع کر دیا تھا۔

۸۳۔ یہ اشعار جو در اصل نہایت درجہ عارفانہ کلام پر مشتمل ہیں راقم الحروف (مولف تاریخ احمدیت) کو مل گئے ہیں مگر حضرت خلیفہ اول ؓ کے ایک ارشاد کے احترام میں جو کلام امیر صفحہ ۶۶ پر چھپا ہوا ہے۔ ان کو شامل اشاعت نہیں کیا گیا۔ "الدر المنشور فی لمعات النور" غیر مطبوعہ (مولفہ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی) سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں محکم دین (ساکن امرتسر) کے پاس حضرت خلیفہ اول کی ایک پنجابی سی حرفی تھی جو میاں محکم دین کی درخواست پر حضور نے ان کو بطور یادگار عطا فرمادی تھی۔ مگر افسوس اب کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کیا ہوئی؟

۸۴۔ الفضل ۱۰/ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۔

۸۵۔ الفضل ۱۰/ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۔

۸۶۔ الفضل ۱۰/ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۔

۸۷۔ الفضل ۲۴/ دسمبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔۵

۸۸۔ اخبار الحق ۲۶/ ستمبر و ۲/ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۸۔۹

۸۹۔ اخبار الحق ۲۶/ ستمبر صفحہ ۸۔۹ کالم ۲۔ بدر ۳/ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

۹۰۔ ملخصاً از اصحاب احمد جلد سوم صفحہ ۱۸۔۱۹۔

۹۱۔ الفضل ۱۷/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۵۔۶

۹۲۔ الفضل ۱۷/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۵۔۶

۹۳۔ اصحاب احمد جلد سوم صفحہ ۱۹۔۲۰

۹۴۔ الحق ۲۶/ ستمبر، ۳/ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۹ کالم ۱۔۲

۹۵۔ انتخاب خلافت صفحہ ۴۵۔۴۶۔ از منشی برکت علی صاحب شملوی

۹۶۔ الفضل ۱۷/ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴ کالم ۱

۹۷۔ بدر ۱۸/ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۱۔۱۲

۹۸۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ رجسٹر چہارم صفحہ ۲۳۸

۹۹۔ بدر ۳۰/ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۷ کالم ۱۔۲۔

۱۰۰۔ بدر ۱۳-۶/ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۷۔

۱۰۱۔ بدر ۳۰/ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ا کالم ۱۔۲

۱۰۲۔ الفضل ۵/ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ا کالم ا۔ ۲
۱۰۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الحق ۱۴/ نومبر تا ۵/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۳۔ ۹
۱۰۴۔ بدر ۲۰/ ۶ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۲ کالم ۳
۱۰۵۔ الحکم ۱۴/ جون ۱۹۱۴ء صفحہ ۷ کالم ۳
۱۰۶۔ اخبار پیغام صلح ۱۶/ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۲ کالم ۳
۱۰۷۔ اخبار الحق ۲۴۔۱۰/ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۹ کالم ۲۔ (اخبار پیغام صلح نے قبل از ۷/ ستمبر ۱۹۱۳ء میں بھی لکھا تھا کہ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت مسیح موعود مہدی موعود علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے سچے رسول تھے اور اس زمانہ کی ہدایت کے لئے دنیا میں نازل ہوئے آج آپ کی متابعت میں ہی دنیا کی نجات ہے صفحہ ۳ کالم ۲)
۱۰۸۔ پیغام صلح ۱۲/ فروری ۱۹۱۳ء صفحہ ۳ کالم ۲
۱۰۹۔ ایضاً ۲۲/ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ا کالم ۳
۱۱۰۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آئینہ صداقت صفحہ ۱۶۳
۱۱۱۔ حقیقت اختلاف صفحہ ۶۴
۱۱۲۔ پیغام صلح ۱۶/ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۳ کالم ۳
۱۱۳۔ الحکم ۲۸/ فروری ۱۹۱۴ء صفحہ ۷
۱۱۴۔ الحق ۱۹/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۷۔ ۲۔ ۲۸۔ اخبار پیغام صلح ۲۸/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۷ میں اشک شوئی کے لئے ایک لمبی نظم شائع ہوئی جس کے چند اشعار یہ تھے (اس نظم میں خطاب حضرت خلیفہ اول کو کیا گیا تھا)

غلط کاری بہت ہم سے ہوئی ہے — بہت ہی تو نے بخشی ہیں خطائیں
اٹھائے خادموں کے ناز کیا کیا — بیاں کیا کیا کریں تیری عطائیں
خدا کا ہم میں تو ہے برگزیدہ — بنایا حق نے خود ہم کیا بنائیں
ہم پر فرض ہے تیری اطاعت — کریں ہر دم تجھے سر پر اٹھائیں

۱۱۵۔ الدر المنثور فی لمعات النور از مولوی غلام رسول صاحب راجیکی (غیر مطبوعہ)
۱۱۶۔ آئینہ صداقت طبع صفحہ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔
۱۱۷۔ یہ نام مولوی غلام رسول صاحب راجیکی نے تجویز کیا تھا (الدر المنثور فی لمعات النور)
۱۱۸۔ آئینہ صداقت صفحہ ۱۶۹۔
۱۱۹۔ الحق ۲۰/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۶ کالم ۲۔
۱۲۰۔ الفضل ۱۹/ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۲۔ ۱۳۔ اس مضمون پر بہت سے احمدی دوستوں نے ہمدردی کے خطوط لکھے جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے لکھا کہ:۔ میں ان دوستوں کی ہمدردی کا یہی جواب دے سکتا ہوں کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ وہ ان کے دین کی حفاظت کرے اور انہیں تقویٰ اور طہارت میں ترقی عنایت فرمائے اور دین و دنیا میں ان کا نگران و موید ہو ..... بعض احباب نے اپنے مضامین میں نہایت لطیف باتیں بھی لکھی ہیں جن کے شائع نہ کرنے پر مجھے خود افسوس ہے۔ مگر مصلحت وقت یہی چاہتی ہے۔ کہ فی الحال اس معاملہ کو ختم کیا جائے آخر میں سب جماعت کو اس طرف متوجہ کرتا ہوں کہ یہ وقت بہت نازک ہے..... اس لئے بہت دعاؤں سے کام لینا چاہئے اللہ تعالیٰ ہم پر رحم کرے اور حقیقی اسلام پھیلانے کی ہمیں طاقت دے گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل"۔ (الفضل ۲۴/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۳ کالم ۳)
۱۲۱۔ بدر ۱۸/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۳۔ ۶
۱۲۲۔ پیغام صلح ۲۳/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۲ کالم ۲

۱۲۳۔ الحق ۱۹/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۹ کالم ۲۔ ۳

۱۲۴۔ الفضل ۳۱/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۔ ۲۔ مفصل تقریر کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۲۸-۲۱/ فروری ۱۹۱۵ء صفحہ ۲۔ ۴ اخبار پیغام صلح ۴۔ ۸/ جنوری ۱۹۱۴ء میں یہ تقاریر بہت بگاڑ کر شائع کی گئیں جن سے یہ تاثر پیدا کرنا مقصود تھا کہ گویا حضرت خلیفہ اول نے انصار اللہ کی طرف سے اظہار الحق کے جواب کو بھی ناپسند فرمایا ہے اور اس سے غرض یہ تھی کہ ان گمنام ٹریکٹوں کا اثر قائم ہو اور ان کے جوابات کا اثر زائل ہو جائے۔ حالانکہ یہ جوابی ٹریکٹ آپ ہی کے حکم بلکہ نظر ثانی کے بعد شائع ہوئے تھے۔ (آئینہ صداقت صفحہ ۱۶۹) اس سلسلہ میں پیغام صلح کے رپورٹر نے تقریر کو جس لب ولہجہ میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ وہ حضرت خلیفہ اول کا ہو ہی نہیں سکتا۔ مثلاً اس نے حضرت کی طرف یہ فقرہ منسوب کیا۔ "میاں صاحب اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے"۔ پیغام صلح ۶/ جنوری ۱۹۱۴ء صفحہ ۳ کالم ۱۔

۱۲۵۔ الفضل ۳۱/ دسمبر ۱۹۱۳ء ص ۱ کالم ۱۔ ۲

۱۲۶۔ الفضل ۳۱/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۷ کالم ۳

۱۲۷۔ یہ اعلان شکریہ سیدنا محمود نے آپ کے ارشاد سے آپ کی طرف سے لکھا تھا۔ (الحکم ۱۹۱۴ء نمبر ۱۳۔ ۱۴ صفحہ ۷)

۱۲۸۔ الفضل ۷/ جنوری ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۴۔

ساتواں باب

خلافت اولیٰ کے آخری ایام۔ حضرت خلیفہ اول کا وصال اور خلافت ثانیہ کا قیام

جلسہ لودی ننگل اور سفر فتح گڑھ چوڑیاں

اوائل ۱۹۱۴ء کا واقعہ ہے کہ مولوی نور احمد صاحب لودی ننگل نے اپنے گاؤں میں ایک جلسہ کرایا۔ مرکز سے سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی) حافظ روشن علی صاحب اور بعض طلبا شامل ہوئے۔ یہ بزرگ لودی ننگل سے ایک دن کے لئے فتح گڑھ چوڑیاں بھی تشریف لے گئے۔ جہاں بعض مخالف علماء نے کچھ نوجوان ان کی مخبری کے لئے پیچھے کر دئے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب اپنے رفقاء سمیت ایک باغ میں پہنچے اور عربی زبان میں تقریر شروع کر دی۔ اس پر مخبروں نے مولویوں کو بتایا کہ ان لوگوں نے ہمیں گالیاں دی ہیں۔ مولویوں نے جھٹ تھانہ میں رپورٹ درج کرادی۔ اس پر سب کو بلوایا گیا۔ حافظ روشن علی صاحب نے کہا کہ جن الفاظ میں گالیاں دی گئی ہیں وہ دہرا دئے جائیں مگر وہ کچھ بتا نہ سکے اور بات آئی گئی ہو گئی۔ [1]

یہاں ایک ایمان افروز واقعہ بھی پیش آیا اور وہ یہ کہ لودی ننگل کے ایک اہلحدیث امام میاں کرم الدین صاحب بھی فتح گڑھ چوڑیاں میں پہنچے اور انہوں نے فتح گڑھ کے علماء سے پوچھا۔ کہ مرزا کا لڑکا آج یہاں آرہا ہے۔ آپ کا کیا پروگرام ہے؟ اس پر ایک مولوی صاحب نے کہا۔ کہ فوراً بچے جمع کرو اور ان کی جھولیوں میں پتھر بھر دو۔ جب وہ قصبہ کے نزدیک آئے وہ پتھر برسائیں اور اسے قصبہ میں داخل نہ ہونے دیں۔ میاں کرم الدین صاحب نے یہ بات سنی تو جواب دیا کہ یہ کام تو طائف والوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔ جس پر مولوی صاحبان خاموش ہو گئے اور میاں کرم الدین صاحب مزید کچھ کہے بغیر واپس لودی ننگل چلے آئے اور دوسرے دن صبح کو نماز پڑھانے

کے بعد نمازیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ مجھ پر صداقت کھل گئی ہے اس لئے آج میں جمعہ کی نماز مسجد احمدیہ میں مولوی نور احمد صاحب کے پیچھے پڑھوں گا۔ جس نے میرے ساتھ جانا ہو چلے۔ چنانچہ آپ کے ساتھ بعض اور نمازی بھی چل دئے اور آپ نے نماز جمعہ مسجد احمدیہ میں ادا کی۔ اور شامل احمدیت ہو گئے اسی طرح ان کے والد میاں نظام الدین صاحب نے بھی بیعت کر لی۔ [۲]

تبلیغ احمدیت کے لئے ملک گیر سکیم

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ نے بہت دعاؤں اور التجاؤں کے بعد اور حضرت خلیفۃ المسیح کی اجازت سے جنوری ۱۹۱۴ء کے آغاز میں جماعت کے سامنے ہندوستان بھر میں تبلیغ کے لئے ایک سکیم پیش کی۔ جس کے اہم پہلو یہ تھے (ا) ہندوستان کے تمام شہروں اور قصبوں میں خاص طور پر جلسے کئے جائیں (ب) مختلف مقامات میں واعظ مقرر ہوں۔ (ج) ہر زبان میں ٹریکٹ شائع ہوں۔ (د) سکول کھولے جائیں۔ [۳] اس سکیم کی تکمیل کے لئے جن اصحاب نے خاص طور پر آپ کی آواز پر لبیک کہا ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت مولوی سرور شاہ صاحب۔ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی۔ حضرت میر قاسم علی صاحب۔ سید صادق حسین صاحب اٹاوہ۔ بابو عبد الحمید صاحب آڈیٹر۔ چوہدری عبد اللہ خان صاحب داتہ زید کا۔ [۴] ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب۔ میاں نور الدین صاحب تاجر قادیان۔ میاں محمد شریف صاحب پلیڈر چیف کورٹ۔ [۵]

حضرت صاحبزادہ صاحب نے سلسلہ کی تبلیغ کے لئے جماعت کو جھنجوڑتے ہوئے لکھا۔ "میں حیران ہوں کہ میں سوتوں کو جگانے اور جاگتوں کو ہوشیار کرنے کے لئے کون سی راہ اختیار کروں۔ میں ششدر رہوں۔ کہ تمہارے دلوں میں کس طرح وہ آگ لگا دوں جو میرے دل میں لگ رہی ہے لکڑیوں کو جلانے کے لئے دیا سلائیاں ہیں بڑے بڑے جنگل ایک دیا سلائی سے جل سکتے ہیں مگر دلوں کو گرم کرنے کے لئے دنیا نے کوئی سامان ایجاد نہیں کیا۔ جس سے کام لے کر میں تمہارے دلوں میں حرارت پیدا کر دوں دلوں کا پھیرنا خدا تعالیٰ کے ہی اختیار میں ہے اور اسی سے دعا کر کے میں نے پہلا مضمون لکھا تھا۔ اور اسی کے حضور میں اب گرتا ہوں کہ وہ میری آواز کو موثر بنائے اور پاک دلوں میں اس کے لئے قبولیت پیدا کرے"۔ [۶]

دعوۃ الی الخیر فنڈ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ملک بھر میں تبلیغی سکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک دعوت الی الخیر فنڈ بھی کھولا۔ [۷]

حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں مولوی محمد علی صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن کے نوٹ سنانا اور آپ کا انہیں نصیحت فرمانا

مولوی محمد علی صاحب جو صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے انگریزی ترجمہ قرآن کے کام پر لگے ہوئے تھے۔ ان ایام میں خصوصیت کے ساتھ حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں حاضر ہوتے اور انگریزی ترجمہ قرآن کے نوٹ سناتے تھے جن کو سن کر آپ قرآنی حقائق و معارف بیان فرماتے۔ اور ضمناً بعض دوسرے امور پر بھی روشنی ڈالتے۔ آپ کی دلی خواہش تھی کہ سلسلہ احمدیہ کی طرف سے انگریزی ترجمہ قرآن جلد شائع ہو۔ حضرت مولانا سرور شاہ صاحب کا بیان ہے کہ حضرت خلیفتہ المسیح روزانہ بار بار مولوی محمد علی صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا کرتے تھے کہ "یزید بہت ہی برا شخص ہوا ہے۔ خدا نے مجھے سالم سورۃ قرآن اس کے حق میں نازل فرمائی ہوئی بتائی ہے۔ اسی طرح بنی امیہ کے حق میں بھی ایک سالم سورۃ موجود ہے آپ ضرور اس کے متعلق نوٹوں میں زور زور سے لکھیں۔ یہ بہت ہی برا آدمی ہوا ہے۔ اس لئے کہ اس نے بڑے پاک خاندان کا مقابلہ کیا ہے" آپ بارہا یہ کہتے ہوئے رو پڑتے تھے۔ ایک دن ڈاکٹر محمد حسین وغیرہ بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت نواب محمد علی خان صاحب اور چند اور احباب بھی موجود تھے کہ آپ نے بڑے زور کے ساتھ یہی بات دہرائی اور پھر زار زار رو پڑے تو جب ہم چند آدمی اس کے بعد اٹھ کر باہر نکلے تو کسی نے سوال کیا۔ کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے کبھی حضرت مولانا صاحب اس طرح نہ فرماتے تھے اور اب بڑے زور کے ساتھ اور بار بار کہتے ہیں اور بالخصوص مولوی محمد علی صاحب ہی کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں۔ تو ہم میں سے ایک معزز شخص نے فرمایا تھا۔ کہ اس کی وجہ بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ اہل بیت کی مخالفت کرنے والے ہیں اور مولوی محمد علی صاحب ان کے رئیس ہیں۔ لہٰذا ان کے سمجھانے اور ان پر حجت پوری کرنے کے لئے سب کچھ فرما رہے ہیں"۔ [۸]

اخبار الحکم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات آپ نے سورہ محمد کی بعض آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں ۲/ مارچ کو بھی فرمائی چنانچہ اخبار الحکم میں لکھا ہے۔ "ان تفسدوا فی الارض الخ۔ (سورہ محمد ع ۳) پر فرمایا۔ میں تو جب اس کو پڑھتا ہوں۔ تو یزید کے متعلق پاتا ہوں۔ اس پلید نے قطع رحم کیا۔ بڑا ہی بدبخت تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت ہیں اس نے اتنی بڑی نسل کو بری طرح ضائع کیا ہے"۔ [۹]

حضرت مولوی شیر علی صاحب کا بیان ہے کہ "حضرت خلیفتہ المسیح اول کی وفات کے بعد مجھے کچھ

دن آپ کے صاحبزادے مولوی عبدالحی مرحوم کو انگریزی پڑھانے کا فخر حاصل ہوا۔ ان ایام میں انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ میں نے اباجان سے پوچھا کہ جب آپ مولوی محمد علی صاحب کو قرآن شریف پڑھاتے ہیں۔ تو اکثر دفعہ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں یزید کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن جب میں آپ سے قرآن شریف پڑھتا ہوں تو آپ نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ آپ نے جواب دیا میں ان لوگوں سے اس لئے محبت کرتا ہوں کہ میری بات ان پر اثر کرے میرے بعد جو خلیفہ ہو گا اگر ان لوگوں نے اس کی بیعت کرلی تو سمجھنا کہ یہ لوگ میری محبت کے مستحق تھے۔ لیکن اگر انہوں نے اس کی بیعت نہ کی۔ تو سمجھنا کہ ان جیسا کوئی..... نہیں (یہاں آپ نے ایک نہایت سخت لفظ استعمال کیا جو ایمانی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے"۔) [۱۰]

سفر چکوال

جلسہ چکوال میں شمولیت کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ ۲۴/ جنوری ۱۹۱۴ء کو مفتی فضل الرحمٰن صاحب کے ہمراہ قادیان سے روانہ ہوئے۔ [۱۱] لاہور پہنچ کر آپ نے ۲۵/ جنوری کی شام کو جماعت لاہور کی درخواست پر میاں چراغ دین صاحب کے مکان پر ایک پر معارف لیکچر دیا۔ جس میں آیت ادعونی استجب لکم کی تفسیر کرتے ہوئے آپ نے زمانہ حال کے مسلمانوں کا صحابہ کی قربانیوں سے مقابلہ کیا اور آخر میں جماعت کو تبلیغ حق کی ضرورت و اہمیت بتائی اور ان کے فرائض کی طرف توجہ دلائی۔ [۱۲] تقریر کے بعد آپ ۱۰ بجے شب لاہور سے روانہ ہو کر ۳ بجے جہلم پہنچے۔ ۲۶/ جنوری کو نماز ظہر کے بعد آپ نے ایک تقریر فرمائی جو سورہ فاتحہ پر تھی۔ نماز مغرب کے بعد حضرت حافظ روشن علی صاحب کا وعظ سورہ والعصر پر ہوا۔ ۲۷/ جنوری کو آپ ۶ بجے صبح جہلم سے بذریعہ ریل مینڈرا اسٹیشن پر اترے اور ۹ بجے ٹانگہ پر سوار ہو کر شام کو چھ بجے چکوال رونق افروز ہوئے۔ راستہ میں چک نورنگ کے احمدی علاقہ دار بابو غلام حیدر صاحب اور سید رکن شاہ علاقہ دار اور سید اللہ دتہ نمبردار چوہان استقبال کے لئے موجود تھے۔

چکوال میں ایک مختصر سے خطاب کے بعد ۲۹/ جنوری کو ٹانگے پر سوار ہو کر چک نورنگ تشریف لے گئے جہاں شام کو مردوں اور عورتوں میں الگ الگ وعظ کیا۔ چک نورنگ سے آپ گھوڑی پر سوار ہو کر ۳۰/ جنوری کو چوہان پہنچے اور جمعہ پڑھانے کے بعد ایک عام لیکچر دیا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کھول کھول کر بیان فرمائی یہ تقریر بڑی دلپذیر تھی اور لوگوں پر اس کا گہرا اثر ہوا۔ اگلے دن ۳۱/ جنوری آدھی رات کو آپ چوہان سے بذریعہ ریل جہلم پہنچے اور صبح جوبلی گھاٹ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر زبردست لیکچر دیا۔ لیکچر گاہ باوجود مخالفت کے پر تھی۔

مولوی امام الدین صاحب گولیکی نے حضرت صاحبزادہ صاحب سے گولیکی چلنے کی درخواست کی۔ مگر حضرت خلیفتہ المسیح کی اجازت کے بغیر آپ کے جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے آپ نے معذرت کر دی۔ شام کو آپ جہلم سے گوجرانوالہ پہنچے اور جماعت سے خطاب فرمایا۔ دوسرے دن (یکم فروری کو) صبح ۴ بجے ریل پر سوار ہوئے اور شام کو بٹالہ پہنچ کر بوقت عشاء قادیان وارد ہوئے۔ [۱۳]

مباحثہ مدرسہ چٹھہ

اکال گڑھ (ضلع گوجرانوالہ) کے نزدیک ایک گاؤں مدرسہ چٹھہ ہے یہاں شیعہ حضرات سے ایک مباحثہ قرار پایا۔ ۲۰/ فروری کی صبح کو مولانا سید سرور شاہ صاحب اور حافظ غلام رسول صاحب اجازت وہدایات کی غرض سے حضرت خلیفتہ المسیح کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا "دعائیں بہت کرو اللہ تعالیٰ کے حضور گر جاؤ تکبر نہ کرنا"۔ پھر فرمایا کہ شیعہ کے ساتھ مناظرہ کے متعلق ہمارا اصول کسی کو معلوم ہے؟ آپ کے اس سوال پر عرض کیا گیا کہ ہاں مگر آپ نے خود ہی اس کی تصریح کی اور فرمایا کہ ایک نشان ہے ھموا بما لم ینالوا اس اصل پر دیکھ لو کہ حضرت صدیق' فاروق اور عثمان اور علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کامیابیاں کس شان کی ہیں۔ پھر آیت استخلاف سے استدلال کا طریق بتایا پھر اس طریق پر استدلال کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پیش کیا۔ اور آپ کی کامیاب زندگی اور موت کو بطور اعجاز اور نشان پیش کر کے خلافت راشدہ کی تصدیق کی اور پھر آخر میں اپنے وجود کو ایک دلیل کے رنگ میں دکھایا اور بتایا کہ یسلب الملک من القریش کی حدیث پڑھاتے ہوئے مجھے خیال آتا تھا کہ قریش میں اب کوئی امیر المومنین نہیں ہو سکتا۔ اور مجھے اپنی ذات کے متعلق تو کبھی وہم وگمان بھی نہیں آتا تھا۔ مگر دیکھو خدا تعالیٰ نے مجھے کس طرح خلیفہ بنا دیا۔ غرض اس طریق استدلال میں آپ نے بتایا۔ کہ ہمارا طریق استدلال قرآن مجید پر مبنی ہو اور واقعات اس کی تائید کرتے ہوں اور پھر سلسلہ احمدیہ کی زندہ شہادت کو پیش کرنا چاہئے۔ اور فرمایا جاؤ بڑھو۔ ہمیں صحابہ بھی پیارے ہیں اور اہل بیت بھی۔ حضرت مولوی سرور شاہ صاحب کے ساتھ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب بھی تھے۔ جو بعد میں حاضر ہوئے آپ نے ان کو ضرورت وحدت کی طرف متوجہ فرمایا۔ اور نہایت لطیف پیرایہ میں بتایا کہ سعادت' فضیلت اور جوانی پر گھمنڈ نہ کرنا پہلا مناظرہ ہے خدا کے حضور جھکو اور دعائیں کرو۔ پھر بہت دعا کی اور یہ کہکر رخصت فرمایا۔ کہ میرا دل' جان' روح دعا کرتی ہے کہ تم فتح مند ہو۔ بہت دعا کی ہے۔ [۱۴]

مدرسہ چٹھہ میں حضرت مولانا سرور شاہ صاحب کا سید احمد شاہ صاحب آف راولپنڈی سے مباحثہ ہوا۔ وہاں میر ابراہیم صاحب سیالکوٹی بھی فساد کی نیت سے آپہنچے تھے۔ مگر احمدیوں نے کمال صبر و تحمل

سے کام لیا اور مباحثہ امن و امان سے اختتام پذیر ہوا۔ ۱۵

مسجد احمدیہ وزیر آباد کا افتتاح

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب' حافظ روشن علی صاحب اور مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب کی معیت میں ۲۶/ فروری ۱۹۱۴ء کو مسجد احمدیہ وزیر آباد کے افتتاح کے لئے تشریف لے گئے وزیر آباد میں آپ نے شیخ نیاز احمد صاحب کے ہاں قیام فرمایا۔ مسجد میں پہلے خطبہ پڑھا پھر نماز جمعہ کے بعد عصر تک حافظ روشن علی صاحب نے اور عصر سے مغرب تک خود حضرت صاحبزادہ صاحب نے سلسلہ احمدیہ کے متعلق لیکچر دیئے۔ مغرب سے عشاء تک دوبارہ حضرت حافظ صاحب کا وعظ ہوا۔ ۲۷/ فروری کو عازم قادیان ہوئے۔ آتے اور جاتے ہوئے خاندان حضرت میاں چراغ الدین صاحب کے افراد اور انصار اللہ کے ممبر آپ کے استقبال کے لئے لاہور اسٹیشن پر موجود تھے۔ ۱۶

الحکم کے احیاء کی کوشش

الحکم نہایت درجہ خطرناک مالی بحران سے دوچار ہو چکا تھا اور اندیشہ تھا کہ یہ اخبار بند نہ ہو جائے۔ لہذا حضرت خلیفہ اول نے نہ صرف جلسہ سالانہ ۱۹۱۳ء پر جماعت کے سامنے اس کے لئے اپیل کی بلکہ آئندہ کے لئے اس کے مالی انتظام کے لئے حضرت میاں صاحب کو ناظم مقرر فرمایا اور اس کے دوبارہ احیاء کے لئے اپنے پاس سے ایک ہزار روپیہ عطا کرنے کا ارشاد فرمایا۔ ۱۷

مولوی صدر الدین صاحب کے ولایت بھجوانے کی تجویز

خواجہ کمال الدین صاحب کی طرف سے درخواست آئی کہ میری امداد کے لئے مولوی صدر الدین صاحب کو ولایت بھجوایا جائے۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اول نے مولوی صدر الدین صاحب سے فرمایا کہ ہم آپ کی عمر کے چھ مہینے مانگتے ہیں۔ مولوی صاحب نے عرض کیا۔ حضور ساری عمر حاضر ہے اور جانے کی تیاری شروع کر دی۔ مولوی محمد علی صاحب کو چونکہ مولوی صدر الدین صاحب کا ولایت جانا پسند نہیں تھا۔ اس لئے انہوں نے حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی شیر علی صاحب تیار ہیں ان کو بھجوا دیا جائے۔ ازاں بعد خواجہ کمال الدین صاحب کا تار آیا۔ "REVIEW ENLARGED SEND SADDER DIN" اسلامک ریویو بڑھا دیا گیا ہے مولوی صدر الدین صاحب بھجوا دیئے جائیں۔ یہ تار مفتی محمد صادق صاحب لے کر حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے قریب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کھڑے تھے مفتی صاحب نے تار ڈاکٹر صاحب کو دے دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے عرض کیا۔ حضور خواجہ صاحب کا تار آیا ہے۔ وہ دعا کے لئے درخواست کرتے ہیں۔ اس پر مفتی صاحب نے کہا۔ اصل

تار بھی سنایئے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے کھسیانے ہو کر دوبارہ عرض کیا کہ حضرت خواجہ صاحب کا تار آیا ہے وہ لکھتے ہیں کوئی آدمی بھیج دیا جائے یہ کارروائی حاضرین کو بہت ناگوار گزری۔ اور سمجھے کہ وہ مولوی شیر علی صاحب کو نکالنا چاہتے ہیں اور مولوی صدرالدین صاحب کا جانا پسند نہیں کرتے۔ اس لئے وہ ڈرتے ہیں کہ اگر مولوی صدرالدین صاحب کا نام لیا جائے گا۔ تو شاید حضرت صاحب انہی کو بھیجنے کا ارشاد فرمادیں گے۔ [۱۸]

چنانچہ خود ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کا اپنا بیان ہے۔ "۱۷/ فروری کی رات کو یعنی اسی شب کو جب مولوی صدرالدین صاحب میرے ساتھ حسب معمول حضرت صاحب کو کھانا کھلانے کے لئے گئے۔ آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا۔ آپ سے صرف چھ ماہ کی زندگی مانگتا ہوں۔ فرمایا۔ شملہ بھی تو لوگ سیر کر آتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ مولوی صاحب خواجہ کمال الدین صاحب کی مدد کے لئے انگلستان جانے کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کریں۔ اس کے جواب میں مولوی صدرالدین صاحب نے عرض کیا۔ ساری زندگی حاضر ہے۔ اس پر حضرت صاحب بہت خوش ہوئے"۔

"خواجہ صاحب کا ولایت سے تار آیا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ مولوی صدرالدین صاحب کو فوراً بھیج دو۔ مفتی محمد صادق صاحب نے مجھے تار دیا۔ کہ حضرت صاحب کو سنادو....... میں نے اس خیال سے کہ حضرت صاحب کو خواجہ صاحب کے اس معاملہ میں عدم استقلال رائے کا افسوس ہو گا۔ صرف اتنا عرض کر دیا۔ کہ خواجہ صاحب کا مددگار کے متعلق تار آیا ہے"۔ [۱۹]

بہر حال اصل معاملہ تو مولوی صدرالدین صاحب کے متعلق تھا مگر چونکہ مولوی محمد علی صاحب نے حضرت خلیفہ اول کے سامنے حضرت مولوی شیر علی صاحب کا نام پیش کر دیا تھا اس لئے مولوی شیر علی صاحب نے چھ ماہ کے لئے رخصت کی درخواست دے دی۔ مگر جب یہ معاملہ پیش ہوا تو انجمن نے فیصلہ کیا کہ انجمن کا کوئی ریزولیشن نہیں ہے۔ کہ جس میں اس نے مولوی شیر علی صاحب کو ولایت جانے کا حکم دیا ہو۔ یہ ان کا پرائیوٹ معاملہ ہے۔ [۲۰] اس طرح یہ تجویز درمیان میں ہی رہ گئی۔

حضرت خلیفہ اول کی مرض الموت کا آغاز

زخم کی بیماری سے صحت یاب ہونے کے باوجود حضرت خلیفہ اول کی صحت بحال نہیں ہو سکی اور زیادہ کمزوری کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے۔ مگر آپ کے دینی مشاغل پورے زور شور سے جاری تھے۔ اس بے مثال دماغی محنت و کاوش کے ساتھ بڑھاپے کی اس عمر میں آپ کو گمنام ٹریکٹوں کے فتنے کا شدید صدمہ پہنچا جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔ آپ نے جلسہ سالانہ

(۱۹۱۳ء) پر ابھی ابتدائی کلمات ہی کہے تھے کہ آپ کی طبیعت خراب ہو گئی اور تقریر مکمل کئے بغیر واپس تشریف لانا پڑا۔ [۲۱] بایں ہمہ قرآن مجید اور بخاری شریف کا درس آپ اس حالت میں بھی برابر دیتے رہے۔ [۲۲] جو آپ کی روح کی غذا اور دل کی تسکین کا واحد ذریعہ تھا۔ وسط جنوری ۱۹۱۴ء میں آپ بہت رات گئے پیشاب کے لئے کھڑے ہوئے تو سینے کے بل دھڑام سے گر پڑے اور کچھ دیر کے بعد زمین سے اٹھنے کے قابل ہوئے بایں ہمہ اپنے پیارے خدا کے پیارے کلام کو سنانے میں ناغہ نہیں ہونے دیا۔ [۲۳] اور درس کے لئے تشریف لے آئے۔ دراصل یہ آپ کی مرض الموت کا آغاز تھا۔ قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ؓ "سلسلہ احمدیہ" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ابتداء میں صرف پسلی کے درد کی تکلیف اور گاہے گاہے ہلکی حرارت اور تے وغیرہ کی شکایت تھی۔ آہستہ آہستہ بیماری نے اس قدر زور پکڑ لیا کہ آپ بستر سے نہ اٹھ سکے"۔ [۲۴]

اب ہم مرض الموت کے واقعات کا بالتفصیل ذکر کرتے ہیں:۔

۱۷۔ ۱۸/ جنوری سے حضرت خلیفہ اول کی طبیعت زیادہ کمزور ہو گئی تو آپ نے شام کا درس گھر میں جاری کر دیا۔ لیکن اب بھی آپ کی دینی مصروفیات میں کوئی خاص کمی نہیں آئی۔ بلکہ فرمایا کہ اس کمزوری میں جب کہ بعض اوقات لیٹ کر کام کرنا پڑتا ہے۔ میری یہ خواہش ہے کہ اگر کوئی نئی کتاب مل جائے تو اسے ختم کئے بغیر نہ چھوڑوں۔ [۲۵]

دانت نکلوانے سے مسوڑے پر ورم ہو گیا اور چیرا دیا گیا۔ اور آپ دو روز ۱۵۔ ۱۶/ جنوری کو درس نہ دے سکے۔ ۱۷/ جنوری کو پیر منظور محمد صاحب کے صحن میں اور ۱۸/ جنوری کو پیر منظور محمد صاحب کے مکان میں درس قرآن و بخاری دیا۔ [۲۶] مگر اس کے بعد طبیعت پھر زیادہ ناساز ہو گئی۔ ضعف بھی بہت رہا۔ اور تین چار روز عصر کا درس بھی بند کر دینا پڑا۔ تاہم عورتوں میں درس قرآن و حدیث بدستور دیتے رہے۔ دوبارہ ۲۵/ جنوری کو آپ نے مردوں میں بھی درس دینا شروع کیا۔ [۲۷] آپ عصر کے بعد میاں عبدالحی صاحب کے مکان میں درس دیتے تھے۔ [۲۸] جنوری کے آخر اور فروری کے ابتداء میں آپ کی طبیعت اور زیادہ علیل ہو گئی۔ اور ضعف کے علاوہ حرارت بھی ہونے لگی۔ [۲۹] مگر باوجود سخت ضعف کے آپ کھڑے ہو کر اور باواز بلند درس دیتے رہے طبیبوں اور ڈاکٹروں کا مشورہ تھا کہ آپ کو آرام کرنا چاہئے۔ مگر آپ نے فرمایا۔ مجھے تو اس سے تقویت ہوتی ہے۔ [۳۰] خواجہ کمال الدین صاحب کا ایک خط پہنچا کہ کامیابی کے ساتھ کئی مشکلات اور ابتلاء بھی درپیش ہیں۔ آپ نے تحریر فرمایا۔ عادت سے زیادہ دعائیں کریں۔ عادت سے زیادہ خیرات کریں اور

عادت سے زیادہ نماز پڑھیں۔ [31] اب آپ کی طبیعت یہاں تک کمزور ہو گئی۔ کہ سہارے کے بغیر بیٹھنا محال ہو گیا۔ اور بولنے سے ضعف ہونے لگا۔ اب بھی اپنے گھر میں درس کا سلسلہ جاری رکھا۔ چنانچہ ۲/ فروری کو آپ نے ایسے درد انگیز لہجہ میں درس دیا کہ سب کے قلوب پر رقت طاری ہو گئی۔ اور بعض چیخیں مار کر رونے لگے۔ وہ کلمات گویا ایک وصیت کا رنگ لئے ہوئے تھے۔ [32] اسی روز آپ عصر و مغرب کے درمیان درس دینے کے لئے بعض لوگوں کے کندھوں پر سہارا رکھ کر پہنچے اور بیٹھے بیٹھے ہی درس دیا اور فرمایا۔ "میں جب مروں گا۔ تم میں سے بہت لوگ ہوں گے میری اس بات کو بطور وصیت یاد رکھنا کہ میری اولاد کے واسطے چندے ہرگز نہ کرنا۔ اور ان کو مساکین کی مد میں نہ رکھنا۔ یتامیٰ کی مد میں نہ رکھنا۔ میری اولاد کو بھی اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی قدرت سے دے گا جس طرح اس نے مجھے ہمیشہ دیا ہے..... میرے ذمہ کچھ قرض تھا۔ آج الحمد للہ اس کے دو حصے ادا ہو گئے ہیں۔ ایک حصہ باقی ہے۔ وہ انشاء اللہ کل ادا ہو جائے گا اور پھر میرے ذمہ کسی کا قرض نہیں"۔ [33]

دوران درس میں آپ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ میں درس کا یہ دور ختم کرلوں اور بڑی خواہش ہے کہ مولوی محمد علی صاحب نے ترجمہ انگریزی جو کیا ہے اس کے نوٹ سن لوں کچھ سن بھی چکا ہوں مگر میری دمبدم طاقت کم ہوتی جاتی ہے کہاں میں تم کو مسجد میں جا کر پھر مدرسہ میں جا کر قرآن سناتا تھا پھر میں اٹھ کر سناتا تھا۔ مگر اب یہ بھی طاقت نہیں اب بیٹھنے پر مجبور ہوں۔ [34]

۴/ فروری کو ایک احمدی کا خط آیا کہ لوگ مساجد سے نکالتے ہیں۔ فرمایا میدان میں نماز پڑھ لیا کریں۔ استغفار اور صبر سے کام لیں۔ ۵/ فروری کو طبیعت نسبتاً اچھی رہی۔ ۷/ فروری کو پیاس کی تکلیف رہی۔ [35] اس دن بہت سے احباب عیادت کے لئے حاضر ہوئے۔ [36] اس دن انگریزی ترجمہ کے بیس پارے کے نوٹ ختم ہو گئے۔ اس کے طباعت کے اخراجات کے لئے آپ نے خود تحریک کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ ۹/ فروری کو طبیعت زیادہ نڈھال ہو گئی۔ ۸/ فروری کو آپ نے بتایا کہ خدا تعالیٰ نے اس بیماری میں مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ پانچ لاکھ عیسائی افریقہ میں مسلمان ہوں گے۔ پھر فرمایا۔ مغربی افریقہ میں تعلیم یافتہ ہوں گے۔ [37]

اس دن آپؑ کا مرض کچھ رک گیا۔ مگر کمزوری بہت زیادہ ہو گئی۔ [38] مگر دوسرے دن افاقہ ہو گیا۔ پہلے پہر کچھ آرام ہوتا مگر پچھلے پہر خفیف سی حرارت ہو جاتی۔ ضعف کا یہ حال ہو گیا کہ سہارے کے بغیر بیٹھنا تو درکنار باوجود سہارے کے سر نہیں تھام سکتے تھے۔ تاہم آپ نے حضرت میاں صاحب کے ذریعہ اخبار میں اعلان کرایا کہ دوست بیمار پرسی کے لئے یہاں آنے کی بجائے اپنے اپنے مقام پر

دعائیں کریں یہی کافی ہے۔ ۶۹ اس عالم میں ۱۴/ فروری کو فرمایا۔ بول تو میں سکتا ہوں۔ خدا کے سامنے کیا جواب دوں گا۔ درس کا انتظام کرو کہ میں قرآن مجید سنا دوں۔ پھر اپنے گھر والوں کو تلقین فرمائی کہ دکھوں میں کبھی نہ گھبرائیو۔ لا الہ الا اللہ کا ورد رکھیو اپنے محسن نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتی رہیو۔ نیز فرمایا۔ جو لوگ مجھے مسلمان نہیں سمجھتے انہیں کیا معلوم کہ نور الدین کا آخری وقت میں بھی لا الہ الا اللہ پر ایمان تھا۔ فرمایا۔ میرا دل خوش ہے۔ میں مطمئن ہوں اللہ تعالیٰ میرا مولیٰ ہے اور محمد رسول اللہ جیسا عظیم الشان (خاتم کمالات رسالت) میرا ہادی۔ پھر فرمایا کہ شاعر اور مصور واقعات کی تصویر کھینچ دیتے ہیں مگر حضرت رب العزت نے مدینہ پر احزاب کی چڑھائی کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کا منظر ایک شاعر یا مصور کی کیا طاقت کہ دکھا سکے۔ یہ فرما کر آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ ۷۰

۱۵/ فروری کو بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی لاہور سے ایک یورپین ڈاکٹر ملول کو لے کر پہنچے انہوں نے معائنہ کیا اور بتایا کہ دل، پھیپھڑا ٹھیک ہے نبض بھی اچھی ہے البتہ معدہ میں کچھ قصور ہے۔ اور بڑھاپے کی وجہ سے اعصاب میں کمزوری ہے۔ اس کے بعد دوسرے ڈاکٹروں سے مشورہ کے بعد قریباً وہی نسخہ تجویز کیا جو پہلے سے زیر استعمال تھا۔ ۷۱ ڈاکٹر ملول نے آپ کا مزاج پوچھا۔ فرمایا میں تو اچھا ہوں ڈاکٹروں نے لٹا دیا ہے۔ پھر فرمایا مجھے موت کا کوئی غم اور خوف نہیں۔ ان الفاظ سے اتنی طمانیت اور جوش ٹپکتا تھا کہ ڈاکٹر بھی دنگ رہ گیا۔ ۷۲

۱۸/ فروری کو پسلی کے درد سے آپ کی طبیعت بہت زیادہ کمزور ہو گئی مگر اس کے بعد قدرے افاقہ رہا۔ ۱۹/ فروری کو حضرت ام المومنین اور دیگر مستورات حضرت اماں جی کے ساتھ آپ کی عیادت کو حاضر ہوئیں۔ حضرت ام المومنین کے سلام کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ علیکم اہل البیت و علی ابنائکم و بناتکم۔ آپ اس وقت کچھ چشم پر آب بھی ہو گئے۔ آپ کے گھر والوں نے عرض کیا کہ کیا آپ گھبرا گئے فرمایا میں بالکل نہیں گھبرایا۔ میں موت سے نہیں ڈرتا خدا سے ڈرتا ہوں۔ خدا راضی ہو جائے تو سب کچھ پا لیا۔ چپ اس لئے ہوں کہ بولنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ ۷۳

۲۱/ فروری کو آپ کی مجلس میں لاہور کا ذکر آیا۔ جس پر آپ کو گمنام ٹریکٹوں کا خیال آیا اور اس نے آپ کی طبیعت کو مکدر کر دیا۔ اور نہایت برہم ہو کر فرمایا۔ "میں تو لاہور کو جانتا نہیں وہ ایسا قصبہ ہے کہ جہاں سے مجھ کو ایسے بڑھاپے میں اس قدر تکلیف پہنچی"۔ اس ٹریکٹ کی یاد سے آپ کو بہت دکھ ہوا۔ اور ان سے آپ نے بے حد بیزاری کا اظہار فرمایا۔ آپ کی آنکھیں پر نم اور آواز میں غم و

غصہ کے جذبات تھے آپ نے فرمایا۔ "میرا دل بہت جلایا گیا۔ میں اس وقت بوڑھا ہوں کیا یہ مجھ کو دکھ دینے اور تکلیف دینے کا وقت تھا۔ یہ تو مجھ سے محبت کرنے کا وقت تھا۔ مجھے اس وقت راضی کرنا چاہئے تھا۔ فرمایا۔ میری دعاؤں کو اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور میں خوب جانتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ میری دعائیں وہ سنتا اور قبول کرتا ہے۔ میں اس وقت رویا ہوں اگر میری غضب کی آنکھ ہوتی تو کھا جاتی"۔ پھر اس سلسلہ میں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ آپ اس کو لائے آپ نے اس کی معافی کرائی لیکن آج تک اس کی تلافی نہیں ہوئی۔ قرآن مجید فرماتا ہے من تاب و اصلح فاجرہ علی اللہ مگر اس نے کوئی اصلاح نہیں کی۔ کوئی تلافی نہیں ہوئی نہ آپ نے اصلاح کرائی نہ تلافی کرائی"۔ [۶۴]

پھر فرمایا وہ جو کہتا ہے کہ فلاں شخص کو میں نے خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ غلط ہے مجھے کیا علم ہے کہ کون خلیفہ ہو گا اور کیا ہو گا۔ کون خلیفہ بنے گا یا مجھ سے بہتر خلیفہ ہو گا۔ میں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔ میں کسی کو خلیفہ نہیں بناتا میرا یہ کام نہیں۔ خلیفے اللہ ہی بناتا ہے میرے بعد بھی اللہ ہی بنائے گا۔ [۶۵]

حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی کوٹھی (دارالسلام) میں منتقل ہونا

آپ کو الہاماً بتایا گیا کہ پانی ہوا آگ اور پانی کے ملاپ میں علاج ہے۔ [۶۶] اس غرض کے لئے آپ نے شہر سے باہر کھلی فضا میں منتقل ہونے کا فیصلہ فرمایا۔ یہی مشورہ ڈاکٹروں کا تھا۔ [۶۷] اس پر ۲۷/ فروری بعد نماز جمعہ آپ ڈولی میں بیٹھ کر حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی کوٹھی دارالسلام میں تشریف لے گئے رستہ میں بورڈنگ ہاؤس کے پاس طلباء نے آپ کا استقبال کیا اور عرض کیا۔ السلام علیکم یا امیرالمومنین۔ اس پر آپ نے ڈولی کو ٹھہرایا اور بچوں کے لئے درد دل سے دعا مانگی۔ اور مولوی محمد علی صاحب کو بلوایا۔ وہ پاس نہ تھے۔ اطلاع ہونے پر مسجد نور کے قریب ملے۔ کوٹھی میں پہنچ کر ان کو ارشاد فرمایا۔ کہ مجھے تو وہ (اللہ تعالیٰ) بہت ہی پیارا ہے۔ دو کام بتائے ہیں۔ تواضع اور خاکساری اور اس کی بچوں کو فوری طور پر تاکید کرو۔ ہر لڑکا خیرات دے۔ ہر لڑکا استغفار کرے مجھے معلوم ہوا ہے کہ طاعون بھی آتی ہے۔ پھر فرمایا۔ یہ کام ابھی کرنا ہے چنانچہ مولوی محمد علی صاحب نے مغرب کی نماز کے بعد بچوں کو نصیحت پہنچائی۔ [۶۸]

دراصل مولوی صدرالدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب چاہتے تھے کہ حضرت خلیفہ اول کو ہائی سکول کے بورڈنگ کی اوپر کی جنوبی منزل میں لے جایا جائے۔ اور اس غرض کے لئے بعض تبدیلیاں بھی عمارت میں کروا دیں۔ سیڑھیاں گول تھیں اور حضرت خلیفہ اول بیٹھنے کے قابل بھی

نہیں تھے۔ چنانچہ انہوں نے ڈائننگ ہال کی میزوں کو اوپر نیچے رکھ کر ایک اڈہ سا بنایا۔ تاکہ چار چار آدمی آپ کی چارپائی لے جائیں اور اس تمام تر کوشش کا درپردہ منشاء یہ تھا کہ حضرت خلیفہ اول کو ایسی جگہ رکھا جائے جہاں پر عوام الناس نہ جا سکیں خاص پہرہ بھی ان کے لئے تجویز کیا گیا۔ اور طے پایا کہ یہ پہرہ دار صرف ان لوگوں کو اندر جانے کی اجازت دیں جن کو ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب یا ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب پسند کریں۔ اول تو حضرت خلیفہ اول کی چارپائی کو ان میزوں کے اوپر درجہ بدرجہ اٹھا کر لے جانے میں یہ خطرہ تھا کہ ایک آدمی کا ہاتھ پھسل جانے سے حضور یقینی طور پر زمین پر آگرتے۔ دوسرے وہ جگہ بھی مناسب نہ تھی تیسرے اس جگہ بھی کھانے کا تسلی بخش انتظام نہ تھا۔ غرضکہ اس خطرناک منصوبہ کی اطلاع کسی طرح حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کو مل گئی آپ مشوش ہوئے اور آپ نے حضرت نواب عبداللہ خان صاحب سے اس کا ذکر کیا۔ جس پر حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے حضور کی خدمت میں اپنی کوٹھی میں تشریف لے جانے کی درخواست کی۔ کھانا چند دن پہلے ہی آپ کے گھر میں جاتا تھا۔ اب حضور نے اس پیشکش کو بھی بڑی خوشی سے قبول فرمالیا اور آپ کی طبیعت میں خوشی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ چنانچہ جب آپ کو کوٹھی کی طرف لے جانے کا وقت آیا تو دوسرے دوستوں کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب بھی پہنچے گھر سے ڈولی اٹھانے کے بعد مولوی محمد علی صاحب کے رفقاء کا یہ پختہ ارادہ تھا کہ کسی ترکیب سے حضرت خلیفہ اول کو بورڈنگ میں رکھ لیا جائے۔ چنانچہ جب... ڈولی بورڈنگ تک پہنچی۔ تو چارپائی وہاں روک لی گئی۔ حضرت خلیفہ اول نے نظر اٹھا کر دیکھا تو حسرت سے فرمایا۔ کہ "ہیں یہ اس جگہ مجھے لا رہے ہیں"۔ حضرت مرزا شریف صاحب نے اونچی آواز سے کہا کہ حضور یہ صرف چلنے والوں کو آرام دینے کے لئے روکا ہے۔ ورنہ آپ نواب صاحب کی کوٹھی پر ہی جا رہے ہیں"۔ اس سے حضرت خلیفۃ المسیح کو تسلی ہوئی اور خفیہ منصوبہ رکھنے والے اس کی تردید کی جرات نہ کر سکے اور ان کو اپنے ناپاک ارادہ میں بری طرح ناکامی ہوئی۔ ۴۹

اس حقیقت کو چھپانے کے لئے اخبار پیغام صلح نے مندرجہ ذیل خبر شائع کی کہ "تیسرے پہر نواب محمد علی خان صاحب کی کوٹھی میں چند روز کے لئے تبدیلی آب و ہوا کے لئے تشریف لائے۔ پہلے جناب کا ارادہ بورڈنگ ہاؤس کے بالاخانہ پر تشریف رکھنے کا تھا مگر چونکہ وہاں چڑھنے میں دقت تھی۔ نواب صاحب کی درخواست پر نیز طبی رائے پر جناب نواب صاحب کے ہاں تشریف لے گئے"۔ ۵۰، ۵۱

حضرت خلیفہ اول کو کوٹھی کے باہر کے شمالی کمرہ میں رکھا گیا اور باقی سب بیرونی کمرے مہمانوں کے

لئے خالی کرا دئے گئے۔ کوٹھی چونکہ کافی وسیع تھی۔ حضرت خلیفہ اول اور آپ کے خاندان اور آنے والے مہمانوں کے لئے کوٹھی میں ہی کھانا تیار ہوتا تھا۔

حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ بھی شب و روز کوٹھی میں رہنے لگے اور آپ کا اکثر وقت حضور کی خدمت میں گزرتا تھا۔ ۵۲

کوٹھی میں آنے کے دوسرے دن بعد حضور نے حضرت نواب صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مکان بہت خوب ہے اس میں مجھے بہت آرام ہے۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اسی روز سے آپ نے بدستور قرآن مجید کے نوٹ سننے شروع کئے۔ مولوی محمد علی صاحب نے عرض کیا کہ حضور چھبیسواں پارہ ختم ہو گیا ہے۔ دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ تیرا فضل تیرا کرم۔ پھر فرمایا۔ مجھ پر تو خدا تعالیٰ کی رحمت کے عجیب عجیب بادل چڑھتے ہیں اور مجھ پر برستے ہیں۔ اس بہار کی پھوہار کو میں ہی سمجھتا ہوں۔ ۵۳ یکم مارچ کو آپ کی طبیعت نسبتاً اچھی رہی۔ ۵۴ ۲/ مارچ کو آپ نے سورہ محمد کی تفسیر کے دوران میں مولوی محمد علی صاحب کو اپنی تفسیر میں یزید کا ذکر کرنے کی نصیحت فرمائی۔ ۵۵ اس دن آپ کو ضعف کی سخت شکایت ہو گئی۔ جس کا سلسلہ اگلے دنوں میں اور زیادہ تشویشناک صورت اختیار کر گیا۔ ۵۶

حضرت خلیفہ اولؓ کی وصیت

۴/ مارچ کو نماز عصر کے بعد حضرت خلیفہ اول کو یکایک ضعف محسوس ہونے لگا۔ اسی وقت آپ نے حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب کو قلم دوات لانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ قلم دوات اور کاغذ لے آئے اور آپ نے لیٹے لیٹے کاغذ ہاتھ میں لیا اور مندرجہ ذیل وصیت لکھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم و آلہ مع التسلیم۔

خاکسار بقائمی حواس لکھتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ میرے بچے چھوٹے ہیں۔ ہمارے گھر مال نہیں۔ ان کا اللہ حافظ ہے ان کی پرورش...... یتامیٰ و مساکین سے نہ ہو۔ کچھ قرضہ حسنہ جمع کیا جاوے۔ لائق لڑکے ادا کریں یا کتب جائداد وقف علی الاولاد ہو۔ میرا جانشین متقی ہو ہردلعزیز۔ عالم باعمل ہو حضرت صاحب کے پرانے اور نئے احباب سے سلوک۔ چشم پوشی۔ درگزر کو کام میں لاوے۔ میں سب کا خیر خواہ تھا۔ وہ بھی خیر خواہ رہے۔ قرآن و حدیث کا درس جاری رہے۔ والسلام۔

۵۷

وصیت

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ

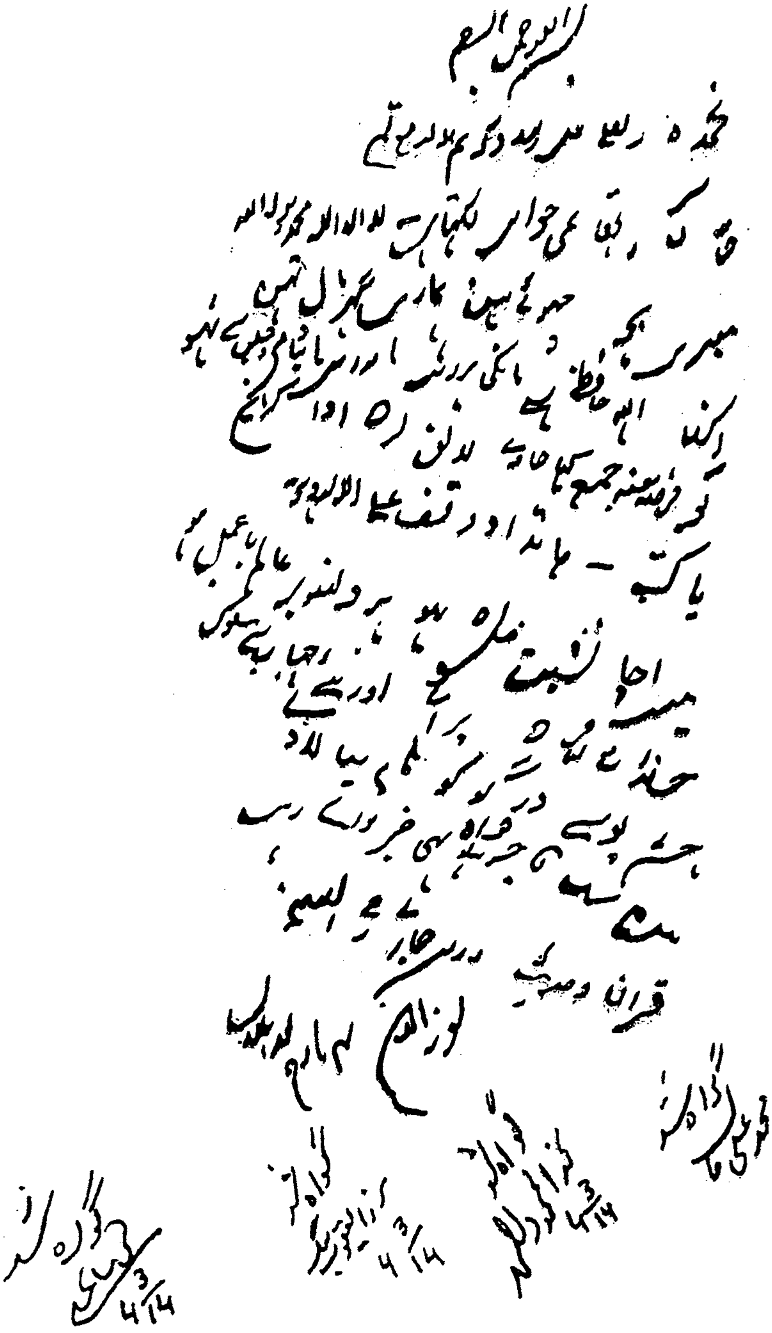
بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم مع التسلیم
خاکسار بقائمی حواس لکھتا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
میرے بچے چھوٹے ہیں ہمارے گھر مال نہیں
ان کا اللہ حافظ ہے ان کی پرورش یتامیٰ و مساکین سے نہ ہو
کچھ قرضہ حسنہ جمع کیا جاوے لائق لڑکے ادا کریں
یا کتب جائداد وقف علی الاولاد ہو
میرا جانشین متقی ہو ہر دلعزیز عالم باعمل ہو
حضرت صاحب کے پرانے اور نئے احباب سے سلوک چشم پوشی درگذر کو کام میں لاوے
میں سب کا خیر خواہ تھا وہ بھی خیر خواہ رہے
قرآن و حدیث کا درس جاری رہے
والسلام
نور الدین ۴ مارچ ۱۹۱۴ء

گواہ شد محمد علی
گواہ شد محمد علی خان ۴/۳/۱۴
گواہ شد مرزا محمود احمد ۴/۳/۱۴
گواہ شد ۴/۳/۱۴

وصیت لکھ کر حضرت خلیفہ اول نے مولوی محمد علی صاحب کو حکم دیا کہ وہ سنا دیں۔ چنانچہ انہوں نے باواز بلند پڑھ کر سنا دی۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ تین مرتبہ سنا دو۔ چنانچہ تین مرتبہ ہی انہوں نے اسے پڑھا۔ جب وصیت پڑھی جا رہی تھی۔ حاضرین پر رقت و اضطراب کا ایک دردناک سماں بندھا ہوا تھا۔ دل اور آنکھیں روتی تھیں۔ مولوی محمد علی صاحب تین مرتبہ وصیت سنا چکے تو آپ نے فرمایا کہ نواب صاحب کے سپرد کر دو وہ اسے محفوظ رکھیں گے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اصل کاغذ نواب صاحب کے سپرد کر دیا۔ حضرت نواب صاحب نے دستخط کے لئے یہ وصیت حضور کی خدمت میں پیش کی چنانچہ آپ نے اس پر دستخط کر دئے۔ وصیت پر مولوی محمد علی صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے علاوہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ اور حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے بھی بطور گواہ دستخط کئے اور وصیت حضرت نواب صاحب نے محفوظ کر لی۔ ۵۸

اگلے روز ہی اخبار پیغام صلح نے ایک ضمیمہ نکالا۔ جس میں اس پوری وصیت کو شائع کرتے ہوئے مولوی محمد علی صاحب کے وصیت سنانے کا واقعہ بایں الفاظ درج کیا:۔

"قریب ۴ بجے شام کے حضرت خلیفۃ المسیح نے مولوی محمد علی صاحب کو ان کے گھر سے بلوا بھیجا۔ میں (مراد ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ ناقل) قریب سوا پانچ بجے کے جب حاضر ہوا۔ تو حضرت صاحب اور شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم اور حکیم مرہم عیسیٰ صاحب اور شیخ تیمور صاحب ایم۔ اے اور اور کثرت سے اصحاب موجود تھے۔ حضرت صاحب نے ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر مولوی محمد علی صاحب کو دیا تاکہ وہ دیکھیں کہ پڑھا جاتا ہے کہ نہیں انہوں نے عرض کی کہ سوائے آخری سطر کے سب پڑھا جاتا ہے۔ قلم خراب تھی آپ نے اور قلم دوات منگائی اور اس سے نئے کاغذ پر وصیت لکھی۔ ہر چند سطور لکھنے کے بعد آپ کاغذ مولوی محمد علی صاحب کو دیتے تھے کہ دیکھیں پڑھا جاتا ہے کہ نہیں۔ وہ عرض کرتے تھے کہ اب ٹھیک پڑھا جاتا ہے۔ جب وصیت لکھا چکے تو آپ نے مولوی محمد علی صاحب کو فرمایا کہ سب کو سنا دیں۔ انہوں نے کھڑے ہو کر سب سامعین کو باواز بلند سنا دیا۔ پھر وہ بیٹھ گئے آپ نے فرمایا کہ تین دفعہ پڑھو۔ چنانچہ پھر مولوی صاحب نے اٹھ کر دو بار اور پڑھ کر حاضرین کو سنا دیا۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے فرمایا کہ کوئی اور ضروری امر اگر رہ گیا ہو تو بتا دیں۔ میں لکھ دوں۔ مولوی محمد علی صاحب و جملہ احباب نے عرض کی۔ کہ اور کوئی ایسا امر نہیں۔ اس کے بعد آپ نے وہ کاغذ نواب محمد علی خان صاحب کو دے دیا۔ فرمایا۔ محفوظ رکھیں (یعنی امانت کے طور پر) پھر فرمایا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں لکھ سکتا۔ اور نیچے "۴/ مارچ ۱۹۱۴ء بعد از اعلان" بھی لکھ دیا۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے فرمایا۔ "جیتے رہے تو پھر دیکھا جائے گا۔ پھر فرمایا۔ موت حیات کی کوئی خبر نہیں۔

اللہ پاک نے فرمادیا ہے۔ اور مجھے بھی علم نہیں فرمایا دل کی خواہش کا اظہار کیا ہے یہ بھی نہ سمجھو کہ مجھے کوئی مایوسی ہے"۔ ۵۹

اختلافی مسائل کا عام چرچا اور ذاتی حملے

یوں تو حضرت خلیفہ اول کی بیماری کی ابتداء سے مولوی محمد علی صاحب کے رفقاء نے اختلافی مسائل کو ہوا دینی شروع کر دی تھی مگر آخری وصیت کے بعد تو خاص طور پر اس کے چرچے ہونے لگے۔ حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس طویل بیماری کے ایام میں منکرین خلافت کا پراپیگنڈہ بہت زور پکڑ گیا اور اختلافی مسائل کی برملا اشاعت کے علاوہ مویدین خلافت اور خصوصاً حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے خلاف ذاتی حملوں نے زیادہ شدت اختیار کرلی۔ گویا ان ایام میں لاہوری پارٹی کے زعماء نے ایک آخری جدوجہد اس بات کی کرنی چاہی کہ حضرت خلیفہ اولؓ کی بیماری سے فائدہ اٹھا کر جماعت کے سواد اعظم کو اپنی طرف کھینچ لائیں۔ مگر ایک خدائی تحریک کو اس کے ابتدائی مراحل میں غلط رستہ پر ڈال دینا کسی انسانی طاقت کا کام نہیں اس لئے اس کوشش میں منکرین خلافت کو سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ان ایام میں احمدیت کی فضائیوں شرربار ہو رہی تھی کہ گویا ایک میدان جنگ میں چاروں طرف سے گولیاں برس رہی ہوں یہ خدا کا فضل تھا۔ کہ حضرت خلیفہ اول کی دوربین آنکھ نے اپنی بیماری کے ایام میں اپنے قدیم طریق کے مطابق اپنی جگہ نمازوں کی امامت اور جمعہ کے خطبات کے لئے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو مقرر کر رکھا تھا۔ ورنہ اگر پریس کے ایک حصہ کے ساتھ ساتھ جماعت کے خطبات کا منبر بھی ان لوگوں کے ہاتھ میں چلا جاتا۔ تو پھر بظاہر حالات بڑے فتنہ کا احتمال تھا"۔ ۶۰

قیام اتحاد و اتفاق کے لئے حضرت صاحبزادہ صاحب کی جدوجہد

اختلافی مسائل پر جب گفتگوئیں حد سے زیادہ بڑھ گئیں۔ تو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ایک اشتہار لکھا کہ اب جبکہ حضرت خلیفہ اول سخت بیمار ہیں مناسب نہیں کہ ہم اس طرح کی بحثیں کریں اس کا انجام فتنہ کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا اس لئے اس وقت تک کہ اللہ تعالیٰ حضور کو شفاعطا فرمائے اور آپ خود ان بحثوں کی نگرانی کر سکیں نہ کچھ لکھا جائے نہ زبانی گفتگو کی جائے۔ اشتہار کا مسودہ آپ نے مولوی محمد علی صاحب کو بھیجا کہ آپ بھی اس پر دستخط کر دیں تا ہر قسم کے خیالات کے لوگوں پر اس کا اثر ہو اور جماعت فتنہ سے محفوظ ہو جائے مولوی محمد علی صاحب نے اس پر دستخط سے صاف انکار کرتے ہوئے

کہا۔ کہ چونکہ جماعتی اختلاف سے عام طور پر لوگ واقف نہیں۔ ایسا اشتہار ٹھیک نہیں۔ اس سے دشمنوں کو واقفیت ہوگی اور ہنسی کا موقعہ ملے گا۔ بہتر ہے کہ قادیان کے لوگوں کو جمع کیا جائے اور اس میں آپ بھی اور میں بھی تقریریں کریں اور لوگوں کو سمجھائیں کہ اختلافی مسائل پر گفتگو ترک کر دیں۔ گو آپ حیران تھے کہ گمنام ٹریکٹوں کی اشاعت کے بعد لوگوں کا جماعت کے اختلاف سے ناواقف ہونا کیا معنے رکھتا ہے۔ [۶۱] مگر آپ نے اللہ ہی کی خاطر یہ اشتہار لکھا تھا اور محض اللہ کی خاطر ہی اس کا شائع کرنا ترک کر دیا۔ اور مولوی محمد علی صاحب کی رائے کو تسلیم کرتے ہوئے مسجد نور میں تقریر کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ جہاں پہلے آپ نے پھر مولوی محمد علی صاحب نے تقریریں کیں۔ مولوی محمد علی صاحب نے گو آخر میں اتفاق کی طرف توجہ دلائی مگر ابتداء میں نہایت تحکمانہ انداز میں پچھلے قصوں کو دہرانا شروع کیا۔ [۶۲] اور لوگوں کو ڈانٹنا شروع کیا کہ وہ خواجہ صاحب پر یا ان کے ہم خیالوں پر کیوں حملہ کرتے ہیں اور خوب ڈانٹ پلائی۔ عین ممکن تھا کہ لوگ مسجد میں ہی ان سے الجھ جاتے۔ مگر حضرت میاں صاحب کی شخصیت کا اثر تھا کہ ان کی اشتعال انگیز تقریر کے باوجود اس وقت فضا مکدر نہ ہوئی۔ المختصر آپ نے کھڑے ہو کر اپنے اشتہار کا مضمون دوسرے الفاظ میں لوگوں کو سنا دیا اور اتفاق پر زور دیا یہ ۱۲/ مارچ کا واقعہ ہے۔ [۶۳]

علاوہ ازیں آپ نے ان ایام میں اپنے حلقہ احباب میں اکابر علماء کو خاص طور پر یہ تلقین کرنا شروع کی کہ حضرت خلیفتہ المسیح کے انتقال کی صورت میں ہمیں جماعت کے اتحاد کو مقدم رکھتے ہوئے بہر کیف کسی کے ہاتھ پر ضرور بیعت کر لینی چاہئے۔ قطع نظر اس کے کہ خلیفہ کا تعلق جماعت کے کسی فریق سے ہو۔ [۶۴] مگر جہاں تک اپنی ذات کا تعلق ہے۔ آپ اس قسم کے شخصی و ذاتی سوال پر سوچنا بھی شرعاً حرام سمجھتے تھے۔ چنانچہ شیخ تیمور صاحب علی گڑھ سے حضرت خلیفہ اول کی بیماری کے دوران قادیان آئے تو آپ سے بھی ملے۔ اور کہا کہ میں آپ کی بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں مگر آپ نے جواب دیا۔ تم کیسی گناہ والی بات کر رہے ہو۔ ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے خلیفہ کے متعلق گفتگو کرنا شرعاً بالکل ناجائز اور حرام ہے۔ یہ وہ صاحب تھے۔ جو اس زمانہ میں آپ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں جمع کیا کرتے تھے اور ان کا دعویٰ تھا کہ یہ پیشگوئیاں اتنی زبردست ہیں کہ ان کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ [۶۵، ۶۶]

حضرت خلیفہ اول کی مقدس زندگی کے آخری لمحات

حضرت خلیفہ اول کی آخری وصیت گویا ایک بجلی تھی۔ جس نے ہر شخص کو ایک لمحہ میں احساس دلا دیا کہ ان کا پیارا آقا اور ان کا محبوب امام جس نے

اپنے نورانی وجود سے برسوں تک ایوان خلافت کو روشن رکھا ہے ہم سے عنقریب رخصت ہونے والا ہے۔ اور گو تاجدار خلافت نے اپنی واپسی کا اعلان کر دیا مگر ذہن اسے باور کرنے کو تیار نہ تھے۔ نبضیں چھٹ گئیں۔ دل آنے والے خطرات کا تصور کر کے لرز گئے اور جسموں پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اطباء نے علاج معالجہ کے لئے از سر نو مشورے کئے اور ہر جگہ پہلے سے زیادہ سوز و گداز اور تضرع اور عاجزی سے دعائیں ہونے لگیں۔ [۱۷]

لیکن اس برگزیدہ الٰہی نے اپنی آخری منزل قریب سے قریب تر آتے دیکھ کر اپنی بیماری کی شدت میں قرآن مجید کے عملی نکات کو تیزی سے بیان کرنے کے لئے اپنی جان کی بازی تک لگا دی [۱۸] چنانچہ ان ہی ایام میں آپ نے مسئلہ شق القمر پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔ کہ اب تو سائنس نے اس مسئلہ کو حل کر دیا ہے۔ سائنس دان کہتے ہیں۔ کہ چاند میں سے ٹکڑے گرتے رہتے ہیں اور بڑے بڑے عجائب گھروں میں رکھے بھی ہوئے ہیں۔ پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی رویا کا حوالہ دیا اور آخر میں بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس پر بہت بسط سے لکھا ہے اس وقت قرآن مجید آپ نے کھول کر سینہ پر رکھا ہوا تھا۔ [۱۹]

۱۳/ مارچ (بروز جمعہ) کی صبح طلوع ہوتے ہی آپ کی حالت نازک ترین صورت اختیار کر گئی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب جو نہایت بے جگری سے دن رات آپ کی خدمت کے لئے کھڑے رہے غیر معمولی تشویش کے ساتھ کوٹھی دارالسلام سے شہر آئے۔ اور حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کو فرمایا۔ کہ بھائی جی آپ لاہور جائیں حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ کو کل سے لاہور بھیجا ہوا ہے۔ وہ ابھی کستوری لے کر نہیں لوٹے۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت بے حد کمزور ہے کستوری کی ضرورت ہے۔ اگر حکیم صاحب کستوری لاتے ہوئے مل جائیں۔ تو لوٹ آئیں ورنہ جس قدر جلد ممکن ہو کستوری کے لئے لاہور روانہ ہو جائیں۔ بھائی جی نے عرض کیا کہ وقت اتنا تنگ ہے کہ کوئی یکہ گاڑی پر نہیں پہنچا سکے گا۔ اس پر آپ فوراً گھر تشریف لے گئے اور اپنا سائیکل لا کر ان کے حوالہ کر دیا۔ اور بھائی جی بٹالہ کی طرف چل پڑے۔ ادھر بھائی جی لاہور پہنچے ہوں گے کہ ادھر حضرت خلیفہ اول کی تکلیف میں بے حد اضافہ ہو گیا۔

حضرت خلیفہ اول کا وصال

آخر وہ المناک گھڑی آن پہنچی جس کا تصور کر کے بھی مومنوں کے دل کانپ رہے تھے اور آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں یعنی سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح اول مولوی نور الدین صاحب بعد دوپہر ۲ بجکر ۲۰ منٹ کے قریب عین حالت نماز میں اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ [۲۰] وفات سے

پہلے آپ نے میاں عبدالحی صاحب کو بلایا اور فرمایا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر میرا ایمان رہا اور اسی پر مرتا ہوں اور حضرت نبی کریم ﷺ کے سب اصحاب کو میں اچھا سمجھتا ہوں اس کے بعد میں حضرت امام بخاری کی کتاب کو خدا کی پسندیدہ سمجھتا ہوں۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود اور خدا کا برگزیدہ انسان سمجھتا ہوں مجھے ان سے اتنی محبت تھی کہ جتنی میں نے ان کی اولاد سے کی تم سے نہیں کی۔ قوم کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور مجھے پورا اطمینان ہے کہ وہ ضائع نہیں کرے گا۔ تم کو میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی کتاب کو پڑھنا' پڑھانا اور عمل کرنا۔ میں نے بہت کچھ دیکھا پر قرآن جیسی چیز نہ دیکھی۔ بے شک یہ خدا کی کتاب ہے باقی خدا کے سپرد [۴۱]

میاں عبدالحی صاحب کے علاوہ آپ نے صاحبزادی متہ الحی صاحبہ کو پیغام دیا کہ میرے مرنے کے بعد میاں صاحب سے کہہ دینا کہ وہ عورتوں میں (بھی) درس دیا کریں۔ [۴۲]

وفات کی خبر کیسے ملی؟ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو حضرت خلیفۃ المسیح اول کے انتقال کی خبر کیسے ملی اس کی تفصیل خود اپنے قلم سے یہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"جمعہ کی نماز پڑھانے کے لئے میں مسجد جامع گیا۔ نماز پڑھا کر تھوڑی دیر کے لئے میں گھر گیا اتنے میں ایک شخص خان محمد علی خان صاحب کا ملازم میرے پاس ان کا پیغام لے کر آیا کہ وہ میرے انتظار میں ہیں اور ان کی گاڑی کھڑی ہے۔ چنانچہ میں ان کے ہمراہ گاڑی میں سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی ہم راستہ میں تھے تو ایک نوکر دوڑتا ہوا آیا اور اس نے ہمیں اطلاع دی کہ حضرت خلیفۃ المسیح فوت ہو گئے ہیں اور اس طرح میری ایک پرانی رویا پوری ہوئی کہ میں گاڑی میں بیٹھا ہوا کہیں سے آرہا ہوں کہ راستہ میں مجھے حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کی خبر ملی ہے۔ یہ خبر اس وقت کے حالات کے ماتحت ایک نہایت ہی متوحش خبر تھی حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کا تو ہمیں صدمہ تھا ہی مگر اس سے بڑھ کر جماعت میں تفرقہ پڑ جانے کا خوف تھا"۔ [۴۳]

حضرت مرزا شریف احمد صاحب کا بیان ہے کہ "ہم لوگ جمعہ پڑھنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ میں جمعہ کے بعد جلدی جلدی چل پڑا کہ حضرت خلیفہ اول کی طبیعت معلوم کروں میں اس وقت اس گلی میں سے گزر رہا تھا۔ جو اخی المکرم مرزا بشیر احمد صاحب کے مکان سے اور بعد میں بنے ہوئے قصر خلافت کے ساتھ گزرتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی دائیں جانب ایک سکھوں کا مکان ہے جب میں یہاں سے گزر کر سکھوں کے مکان کے مقابل پہنچا ہوں تو ایک شخص [۴۴] دوڑتا ہوا آیا اور اس نے اطلاع دی کہ حضرت خلیفہ اول وفات پا گئے ہیں۔ میں نے اس وقت بغیر کچھ سوچنے کے تیزی کے ساتھ بھاگنا

شروع کیا لیکن میں نے دو قدم ہی اٹھائے تھے کہ مجھے خیال آیا کہ حضرت خلیفہ اول تو وفات پا چکے ہیں بھاگنے سے کیا فائدہ۔ جماعت کے حالات بہت منتشر حالت میں ہو گئے ہیں۔ میں تیسرے ہی قدم پر کھڑا ہو گیا۔ اور بڑے الحاح کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ "الٰہی خلیفہ اول تو فوت ہو گئے ہیں اب جماعت کو فتنوں سے محفوظ رکھنا۔ میں کافی عرصہ تک ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگتا رہا۔ اور پھر آہستہ آہستہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کی گلی میں سے ہو کر نواب صاحب کے مکان کی طرف چل پڑا"۔ [۷۵]

نواب عبدالرحیم خاں صاحب خالد کا بیان ہے کہ میں اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب جمعہ کی نماز پڑھ کر کوٹھی چلے آرہے تھے کہ ریتی چھلہ سے ذرا دور حضرت مولوی شیر علی صاحب کی کوٹھی کے قریب مقابل سے کسی آنے والے نے اطلاع دی کہ حضرت خلیفہ اولؓ کا انتقال ہو گیا ہے میاں بشیر احمد صاحبؓ اس وقت اس قدر پریشان ہوئے کہ انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ میں بھی ساتھ بھاگ چلا اسی پریشانی میں ہم کوٹھی پہنچے۔ پھر کیا تھا لوگ آنے شروع ہوئے اور ہماری کوٹھی کا ہر حصہ اور ہر میدان مردوں اور عورتوں سے بھر گیا۔ [۷۶]

یہ تو قادیان میں اطلاع پہنچنے کی صورت تھی۔ بیرونی جماعتوں کو اس حادثہ سے آگاہ کرنے کے لئے تار دیئے گئے اور جونہی یہ اطلاع جماعتوں تک پہنچی احمدی دیوانہ وار قادیان کی طرف چل پڑے۔

قادیان کا دردناک نظارہ

قادیان اور جماعت پر حضرت خلیفہ اول کی وفات پر کیا بیتی؟ خلافت کو مٹا دینے کے کیا منصوبے ہوئے اور پھر کس طرح قدرت ثانیہ کا قیام ہوا؟ اس کی تفصیل قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اپنے حقیقت افروز قلم سے یہ لکھتے ہیں۔ کہ "قادیان کی نئی آبادی کا کھلا میدان گویا میدان حشر بن گیا بے شک حضرت خلیفہ اول کی جدائی کا غم بھی ہر مومن کے دل پر بہت بھاری تھا۔ مگر اس دوسرے غم نے جو جماعت کے اندرونی اختلافات کی وجہ سے ہر مخلص احمدی کے دل کو کھائے جا رہا تھا۔ اس صدمہ کو سخت ہولناک بنا دیا تھا جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔ جمعہ کے دن سوا دو بجے کے قریب حضرت خلیفہ اولؓ کی وفات ہوئی اور دوسرے دن نماز عصر کے بعد حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ منتخب ہوئے گویا یہ قریباً چھبیس گھنٹے کا وقفہ تھا جو قادیان کی جماعت پر قیامت ں طرح گزرا۔

اس نظارے کو دیکھنے والے بہت سے لوگ گزر گئے اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس کے بعد پیدا ہوئے یا وہ اس وقت اس قدر کم عمر تھے کہ ان کے دماغوں میں ان واقعات کا نقشہ محفوظ نہیں۔ مگر جن لوگوں کے دلوں میں ان ایام کی یاد قائم ہے وہ اسے کبھی بھلا نہیں سکتے وہ دن جماعت کے لئے قیامت کا دن تھا۔ اور میرے اس بیان میں قطعاً مبالغہ نہیں۔ ایک نبی کی جماعت تازہ بنی ہوئی جماعت

بچپن کی اٹھتی ہوئی امنگوں میں مخمور اور صداقت کی برقی طاقت سے دنیا پر چھا جانے کے لئے بے قرار۔ جس کے لئے دین سب کچھ تھا اور دنیا کچھ نہیں تھی۔ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہی تھی کہ اگر ایک طرف اس کے پیارے امام کی نعش پڑی ہے تو دوسری طرف چند لوگ اس امام سے بھی زیادہ محبوب چیز یعنی خدا کے برگزیدہ مسیح کی لائی ہوئی صداقت اور اس صداقت کی حامل جماعت کو مٹانے کے لئے اس پر حملہ آور ہیں۔ یہ نظارہ نہایت درجہ صبر آزما تھا۔ اور میں نے تاریک گھڑیوں میں ایک دو کو نہیں۔ دس بیس کو نہیں بلکہ سینکڑوں کو بچوں کی طرح روتے اور بلکتے ہوئے دیکھا۔ اپنے جدا ہونے والے امام کے لئے نہیں۔ مجھے یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ اس وقت جماعت کے غم کے سامنے یہ غم بھولا ہوا تھا۔ بلکہ جماعت کے اتحاد اور اس کے مستقبل کی فکر میں۔ مگر اکثر لوگ تسلی کے اس فطری ذریعہ سے بھی محروم تھے وہ رونا چاہتے تھے مگر افکار کے ہجوم سے رونا نہیں آتا تھا۔ اور دیوانوں کی طرح ادھر ادھر نظر اٹھائے پھرتے تھے۔ تاکہ کسی کے منہ سے تسلی کا لفظ سن کر اپنے ڈوبتے ہوئے دل کو سہارا دیں۔ غم یہ نہیں تھا۔ کہ منکرین خلافت تعداد میں زیادہ ہیں یا یہ کہ انکے پاس حق ہے۔ کیونکہ نہ تو وہ تعداد میں زیادہ تھے اور نہ ان کے پاس حق تھا۔ بلکہ غم یہ تھا کہ باوجود تعداد میں نہایت قلیل ہونے کے اور باوجود حق سے دور ہونے کے ان کی سازشوں کا جال نہایت وسیع طور پر پھیلا ہوا تھا۔ اور قریباً تمام مرکزی دفاتر پر ان کا قبضہ تھا۔ اور پھر ان میں کئی لوگ رسوخ والے طاقت والے اور دولت والے تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ چونکہ ابھی تک اختلافات کی کشمکش مخفی تھی۔ اس لئے یہ بھی علم نہیں تھا کہ کون اپنا ہے اور کون بیگانہ۔ اور دوسری طرف جماعت کا یہ حال تھا کہ ایک بیوہ کی طرح بغیر کسی خبر گیر کے پڑی تھی۔ گویا ایک ریوڑ تھا۔ جس پر کوئی گلہ بان نہیں تھا اور چاروں طرف بھیڑئے تاک لگائے بیٹھے تھے"۔

حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کی تقریر

"اس قسم کے حالات نے دلوں میں عجیب ہیبت ناک کیفیت پیدا کر رکھی تھی۔ اور گو خدا کے وعدوں پر ایمان تھا۔ مگر ظاہری اسباب کے ماتحت دل بیٹھے جاتے تھے۔ جمعہ سے لے کر عصر تک کا وقت زیادہ نہیں ہوتا۔ مگر یہ گھڑیاں ختم ہونے میں نہیں آتی تھیں۔ آخر خدا خدا کر کے عصر کا وقت آیا اور خدا کے ذکر سے تسلی پانے کے لئے سب لوگ مسجد نور میں جمع ہو گئے۔ نماز کے بعد حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ایک مختصر مگر نہایت درد انگیز اور موثر تقریر فرمائی اور ہر قسم کے اختلافی مسائل کا ذکر کرنے کے بغیر جماعت کو نصیحت کی کہ یہ ایک نازک وقت ہے اور جماعت کے لئے ایک بھاری ابتلاء کی گھڑی در پیش ہے۔ پس سب لوگ گریہ و زاری کے ساتھ خدا کے حضور

دعائیں کریں۔ کہ وہ اس اندھیرے کے وقت میں جماعت کے لئے روشنی پیدا کردے اور ہمیں ہر رنگ کی ٹھوکر سے بچا کر اس رستہ پر ڈال دے۔ جو جماعت کے لئے بہتر اور مبارک ہے۔ اور اس موقعہ پر آپ نے یہ بھی تحریک فرمائی کہ جن لوگوں کو طاقت ہو وہ کل کے دن روزہ بھی رکھیں تاکہ آج رات کی نمازوں اور دعاؤں کے ساتھ کل کا دن بھی دعا اور ذکر الٰہی میں گزرے اس تقریر کے دوران میں لوگ بہت روئے۔ اور مسجد کے چاروں کونوں سے گریہ وبکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ مگر تقریر کے ساتھ ہی لوگوں کے دلوں میں ایک گونہ تسلی کی صورت بھی پیدا ہو گئی اور وہ آہستہ آہستہ منتشر ہو کر دعائیں کرتے ہوئے اپنی اپنی جگہوں کو چلے گئے"۔ ۴۷

مولوی محمد علی صاحب کی خطرناک سازش

رات کے دوران ۴۸ میں اس بات کا علم ہوا کہ منکرین خلافت کے لیڈر مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے حضرت خلیفہ اول کی وفات سے قبل ہی ایک رسالہ "ایک نہایت ضروری اعلان" کے نام سے چھپوا کر مخفی طور پر تیار کر رکھا تھا۔ اور ڈاک میں روانہ کرنے کے لئے اس کے پیکٹ وغیرہ بھی بنوا رکھے تھے اور اب یہ رسالہ بڑی کثرت کے ساتھ تقسیم کیا جارہا تھا۔ بلکہ یہ محسوس کرکے کہ حضرت خلیفہ اول کی وفات بالکل سر پر ہے آپ کی زندگی میں ہی اس رسالہ کو دور کے علاقوں میں بھجوا دیا گیا تھا۔ اس رسالہ کا مضمون یہ تھا کہ جماعت میں خلافت کے نظام کی ضرورت نہیں بلکہ انجمن کا انتظام ہی کافی ہے البتہ غیر احمدیوں سے بیعت لینے کی غرض سے اور حضرت خلیفہ اول کی وصیت کے احترام میں کسی شخص کو بطور امیر مقرر کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ شخص جماعت یا صدر انجمن کا مطاع نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کی امارت اور سرداری محدود اور مشروط ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

یہ اشتہار یا رسالہ بیس اکیس صفحے کا تھا۔ اور اس میں کافی مفصل بحث کی گئی تھی اور طرح طرح سے جماعت کو اس بات پر ابھارا گیا کہ وہ کسی واجب الاطاعت خلافت پر رضامند نہ ہوں۔ جب قادیان میں اس رسالہ کی اشاعت کا علم ہوا۔ اور یہ بھی پتہ لگا کہ قادیان سے باہر اس رسالہ کی اشاعت نہایت کثرت کے ساتھ کی گئی ہے۔ تو طبعاً اس پر بہت فکر پیدا ہوا۔ کہ مبادا یہ رسالہ ناواقف لوگوں کی ٹھوکر کا باعث بن جائے۔ اس کا فوری ازالہ وسیع پیمانے پر تو مشکل تھا۔ مگر قادیان کے حاضر الوقت احمدیوں کی ہدایت کے لئے ایک مختصر سا نوٹ تیار کیا گیا۔ جس میں یہ درج تھا کہ جماعت میں اسلام کی تعلیم اور حضرت مسیح موعودؑ کی وصیت کے مطابق خلافت کا نظام ضروری ہے۔ اور جس طرح حضرت خلیفہ اوّل جماعت کے مطاع تھے اسی طرح آئندہ خلیفہ بھی مطاع ہوگا۔ اور خلیفہ کے ساتھ کسی قسم کی شرائط وغیرہ طے کرنا کسی طرح درست نہیں اس نوٹ پر حاضر الوقت لوگوں سے دستخط کرائے گئے تاکہ یہ اس

بات کا ثبوت ہو کہ جماعت کی اکثرت نظام خلافت کے حق میں ہے۔ غرض یہ رات بہت سے لوگوں نے انتہائی کرب اور اضطراب سے گزاری۔

سمجھوتے کی آخری کوشش

دوسرے دن فریقین میں ایک آخری سمجھوتہ کی کوشش کے خیال سے نواب محمد علی خاں صاحب کی کوٹھی پر ہردو فریق کے چند زعماء کی میٹنگ ہوئی جس میں ایک طرف مولوی محمد علی صاحب اور ان کے چند رفقاء اور دوسری طرف حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب اور نواب محمد علی خان صاحب اور بعض دوسرے مویدین خلافت شامل ہوئے۔ اس میٹنگ میں منکرین خلافت کو ہر رنگ میں سمجھایا گیا کہ اس وقت سوال صرف اصول کا ہے پس کسی قسم کے ذاتی سوال کو درمیان میں نہ لائیں۔ اور جماعت کے شیرازہ کی قدر کریں۔ یہ بھی کہا گیا کہ اگر منکرین خلافت سرے سے خلافت ہی کے اڑانے کے درپے نہ ہوں۔ تو ہم خدا کو حاضر و ناظر جان کر عہد کرتے ہیں کہ مومنوں کی کثرت رائے سے جو بھی خلیفہ منتخب ہو گا۔ خواہ وہ کسی پارٹی کا ہو ہم سب دل و جان سے اس کی خلافت کو قبول کریں گے مگر منکرین خلافت نے اختلافی مسائل کو آڑ بنا کر خلافت کے متعلق ہر قسم کے اتحاد سے انکار کر دیا۔ بالآخر جب یہ لوگ کسی طرح بھی نظام خلافت کے قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے تو ان سے استدعا کی گئی۔ کہ اگر آپ لوگ خلافت کے منکر ہی رہنا چاہتے ہیں تو آپ کا خیال آپ کو مبارک ہو۔ لیکن جو لوگ خلافت کو ضروری خیال کرتے ہیں آپ خدارا ان کے رستے میں روک نہ بنیں اور انہیں اپنے میں سے کوئی خلیفہ منتخب کر کے ایک ہاتھ پر جمع ہو جانے دیں۔ مگر یہ اپیل بھی بہرے کانوں پر پڑی اور اتحاد کی آخری کوشش ناکام گئی۔ [۹]

مسجد نور میں اجتماع اور انتخاب خلافت

چنانچہ جب ۱۴/ مارچ ۱۹۱۴ء کو بروز ہفتہ عصر کی نماز کے بعد سب حاضر الوقت احمدی خلافت کے انتخاب کے لئے مسجد نور میں جمع ہوئے تو منکرین خلافت بھی اس مجمع میں روڑا اٹکانے کی غرض سے موجود تھے۔ اس دو ہزار کے مجمع میں سب سے پہلے نواب محمد علی خان صاحب نے خلیفہ اولؓ کی وصیت پڑھ کر سنائی۔ جس میں جماعت کو ایک ہاتھ پر جمع ہو جانے کی نصیحت تھی۔ اس پر ہر طرف سے "حضرت میاں صاحب" "حضرت میاں صاحب" کی آوازیں بلند ہوئیں اور اسی کی تائید میں مولانا سید محمد احسن صاحب امروہی نے جو جماعت کے پرانے بزرگوں میں سے تھے کھڑے ہو کر تقریر کی۔ اور خلافت کی ضرورت اور اہمیت بتا کر تجویز کی کہ حضرت خلیفہ اول کے بعد میری رائے میں ہم سب کو حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کے ہاتھ پر جمع ہو جانا چاہئے۔ کہ وہی ہر رنگ میں اس مقام کے

اہل اور قابل ہیں۔ اس پر سب طرف سے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے حق میں آوازیں اٹھنے لگیں۔ اور سارے مجمع نے بالاتفاق اور بالاصرار کہا کہ ہم انہی کی خلافت کو قبول کرتے ہیں۔ جیسا کہ بتایا جاچکا ہے۔ اس وقت مولوی محمد علی صاحب اور ان کے بعض رفقاء بھی موجود تھے۔ مولوی محمد علی صاحب نے مولوی محمد احسن صاحب کی تقریر کے دوران میں کچھ کہنا چاہا اور اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی۔

مولوی محمد علی صاحب اس وقت کیا کہنا چاہتے تھے؟ اس بارے میں انہوں نے حقیقت اختلاف میں لکھا ہے۔ "میں نے کھڑے ہو کر چاہا کہ ان باتوں کا ذکر کروں۔ جو مجھ میں اور میاں صاحب میں ہوئی تھیں"۔ [۸۰]

لیکن سوال یہ ہے کہ جب وہ اپنے خفیہ ٹریکٹ کے ذریعہ سے ہر احمدی تک اپنے خیالات بڑی تفصیل سے پہنچا چکے تھے۔ تو اب اس موقعہ پر کسی گزشتہ گفتگو کے ذکر کرنے کی ان کو ضرورت ہی کیا تھی؟ سوائے اس کے کہ وہ خلافت پر اجتماع میں نیا ہنگامہ برپا کرنا چاہتے ہوں۔ حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی کی روایت ہے کہ

"مولانا سید محمد احسن صاحب کی تقریر کے فوراً بعد ہی ایک طرف جناب مولوی محمد علی صاحب اور دوسری طرف سید میر حامد شاہ صاحب کھڑے ہو گئے۔ دونوں کچھ کہنا چاہتے تھے۔ مگر سید صاحب چاہتے تھے کہ وہ پہلے اپنا عندیہ بیان کریں۔ اور مولوی صاحب اپنے خیالات پہلے سنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ دونوں بزرگوں میں باہم ردوکد ہوتی رہی۔ سید صاحب مرحوم مولوی صاحب سے اور مولوی صاحب سید صاحب سے صبر اور انتظار کرنے کی درخواستیں کرتے رہے وہ کہتے مجھے پہلے کچھ کہہ لینے دیں اور وہ فرماتے مجھے پہلے عرض کر لینے دیں اس طرح ایک مجادلہ کی صورت بن گئی...... حضرت عرفانی کبیر نے جرات کی اور عرض کیا کہ ان جھگڑوں میں یہ قیمتی وقت ضائع نہیں ہونا چاہئے۔ ہمارے آقا حضور ہماری بیعت قبول فرمائیں لوگ...... بے اختیار لبیک لبیک کہتے ہوئے بڑھے" [۸۱]

لیکن لوگوں نے یہ کہکر انہیں روک دیا۔ کہ جب آپ خلافت کے ہی منکر ہیں تو اس موقعہ پر ہم آپ کی کوئی بات نہیں سن سکتے اور اس کے بعد مومنوں کی جماعت نے اس جوش اور ولولہ کے ساتھ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی طرف رخ کیا۔ کہ اس کا نظارہ کسی دیکھنے والے کو نہیں بھول سکتا۔ لوگ چاروں طرف سے بیعت کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے۔ اور یوں نظر آتا تھا کہ خدائی فرشتے لوگوں کے دلوں کو پکڑ پکڑ کر منظور ایزدی کی طرف کھینچے لا رہے ہیں اس وقت ایسی ریلا پیلی تھی اور جوش کا یہ عالم تھا۔ کہ لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے اور بچوں اور کمزور لوگوں کے پس جانے

کا ڈر تھا اور چاروں طرف سے یہ آواز اٹھ رہی تھی کہ ہماری بیعت قبول کریں۔ ہماری بیعت قبول کریں۔ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب نے چند لمحات کے تامل کے بعد جس میں ایک عجیب قسم کا پر کیف عالم تھا لوگوں کے اصرار پر اپنا ہاتھ بڑھایا اور بیعت لینی شروع کی۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔ "مجھے بیعت کے الفاظ یاد نہ تھے اور میں نے اس بات کو عذر بنانا چاہا...... اس پر مولوی سرور شاہ صاحب نے کہا میں الفاظ بیعت دہراتا جاؤں گا آپ بیعت لیں۔ تب میں نے سمجھا کہ خدا تعالیٰ کا یہی منشا ہے اور اس کے منشا کو قبول کیا اور لوگوں سے بیعت لی"۔ ۸۲

یکلخت مجلس پر ایک سناٹا چھا گیا۔ اور جو لوگ قریب نہیں پہنچ سکتے تھے۔ انہوں نے اپنی پگڑیاں پھیلا پھیلا کر اور ایک دوسرے کی پیٹھوں پر ہاتھ رکھ کر بیعت کے الفاظ دہرائے۔ بیعت شروع ہو جانے کے بعد مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء اس مجمع سے حسرت کے ساتھ رخصت ہو کر اپنی فرودگاہ کی طرف چلے گئے۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ مولوی محمد علی صاحب نے صبح کے وقت مسجد میں تقریر کی۔ کہ اگر میں نے بدنیتی سے ٹریکٹ لکھا تھا تو خدا مجھے پکڑے مجھے ہلاک کرے مجھے ذلیل کردے۔ عصر کے وقت وہ ایک ایسے مجمع میں کھڑے ہوتے ہیں جو اسی جماعت کا ہے جس میں پہلے کھڑے ہو کر انہوں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ہم جوتیوں سے چندہ وصول کریں گے پھر اسی جماعت میں جس میں آپ کے ماتحت ملازم شامل تھے اس جماعت کا تھا جس میں وہ طلبا موجود تھے۔ جو مولوی صدرالدین صاحب ہیڈ ماسٹر کے زیر تربیت رہتے تھے وہ اسی مجمع میں کھڑے ہوتے ہیں جس پر سیدنا محمود کا کوئی زور نہ تھا کوئی حکومت نہ تھی مگر دیرینہ سیکرٹری شپ کی وجہ سے لوگ ان کے معتقد تھے اور ان کو جماعت کے معززین میں خیال کرتے تھے۔ اور ان کے ترجمہ قرآن کی طرف لوگوں کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ لیکن خدا کی قدرت جو وہ کھڑے ہوتے ہیں تو ہزاروں کے مجمع میں ایک شور بلند ہوتا ہے کہ ہم آپ کی بات نہیں سنتے۔ صبح کی بددعا کے بعد ایسے مجمع میں اس واقعہ کا ہونا۔ اگر ایک الٰہی شہادت نہیں تو اور کیا ہے؟ ۸۳

قیام خلافت کے بعد ان خدا ناترس لوگوں نے یہ مشہور کرنا شروع کیا کہ میاں صاحب انصار اللہ کی سازش سے خلیفہ بنے ہیں لیکن یہ الزام کس درجہ پر افتراء ہے۔ اس بارے میں صرف یہ بتانا کافی ہے کہ انصار اللہ کے بعض ممبروں نے جو بعد میں مولوی محمد علی صاحب کے پر جوش اور سرگرم ساتھیوں میں شامل ہو گئے واضح شہادت دی کہ انصار اللہ کی مجلسوں میں کبھی حضرت میاں صاحب کی خلافت کا سوال زیر بحث ہی نہیں آیا۔ اور نہ اس پر کبھی گفتگو ہوئی۔ ۸۴ اس الزام کے جھوٹا ہونے کی ایک

ناقابل تردید آسمانی شہادت یہ ہے کہ جماعت کے بہت سے دوستوں کو قبل از وقت خوابوں میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بننے کی اطلاع دی گئی [۸۵] چنانچہ ماسٹر فقیر اللہ صاحب کا بیان ہے کہ حضرت خلیفہ اول کے آخری ایام میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بتلایا۔ کہ آپ (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) خلیفہ ہو گئے ہیں اور لوگ آپ کی بیعت کر رہے ہیں ماسٹر صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ نے پھر بیعت کیوں نہ کی۔ تو انہوں نے کہا کہ رویا میں مجھے تو نہیں کہا گیا تھا کہ میں بیعت کروں [۸۶] پس اگر یہ سازش تھی۔ تو خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس سازش میں برابر کے شریک تھے!!

سازش کے الزام کے ثبوت میں سب سے بڑی دلیل یہ دی گئی کہ انصار اللہ نے حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے قریب ایک کارڈ بھیجا تھا کہ "حالت نہایت نازک ہے ضعف بڑھتا جاتا ہے جس سے بجائے دنوں کے اب عمر کا اندازہ گھنٹوں میں کیا جاتا ہے"۔ حق یہ ہے کہ یہ کارڈ انصار اللہ نے تمام انجمن ہائے احمدیہ کے سیکرٹریوں کو لکھا تھا جس میں مولوی محمد علی صاحب کے ہم خیال لوگ بھی شامل تھے پس اس کارڈ سے فقط یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ انجمن انصار اللہ چاہتی تھی کہ اس موقعہ پر جماعت کے زیادہ سے زیادہ نمائندے مرکز میں موجود ہوں تا مشورہ ہو سکے۔ [۸۷]

انتخاب خلافت ثانیہ سے متعلق ایک عینی شہادت

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے رفیق خاص حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔
"خاکسار عرض کرتا ہے یہ کارڈ مجھے بھی موصول ہوا تھا کیونکہ میں ان دنوں جماعت پٹیالہ کا سیکرٹری تھا۔ یہ جمعہ کا دن تھا جب کارڈ موصول ہوا اور میں نے اس کو نماز جمعہ کے وقت احباب جماعت کے سامنے پیش کر دیا تھا اس کارڈ کے مضمون کے پیش نظر احباب نے مجھے قادیان جانے کے لئے منتخب کیا تھا اور میں اسی شام کی مناسب گاڑی سے روانہ ہو گیا۔ مرحوم مکرم محمد مصطفیٰ خان صاحب بی۔ اے ابن حضرت مولوی محمد عبداللہ خان صاحب سابق پریذیڈنٹ جماعت پٹیالہ بھی میرے ساتھ قادیان کے لئے چل پڑے۔ اس سے پہلے آنمحترم قادیان نہ گئے تھے حالانکہ وہ بہت پرانے عالم صحابی کے فرزند تھے یعنی ان کی پرورش احمدیت کے ماحول میں ہوئی تھی۔

ہم ہفتہ کے روز صبح ۷۔۸ بجے امرتسر پہنچے تو وہاں پر معلوم ہوا کہ حضرت خلیفہ اول کا کل وصال ہو چکا ہے اور تدفین آج شام کو عمل میں آئے گی اسی اسٹیشن پر لاہور کی جانب سے حضرت مولوی محمد احسن صاحب بھی فروکش ہوئے ان کو دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہوا اس وقت میری رائے یہ تھی کہ اب خلیفہ مولوی صاحب ہوں گے کہ وہ دو فرشتوں میں سے ایک فرشتہ شمار کئے جاتے تھے چنانچہ میں نے مولوی صاحب کی عزت اور توقیر خاص طور پر کرنا شروع کر دی۔ جب بٹالہ کی ٹرین میں سوار ہوئے

تو میں نے اپنی گرم چادر مولوی صاحب کی سیٹ پر بچھادی اور مولوی صاحب کے بیان کی طرف خاص طور پر کان لگائے حضرت مولوی صاحب نے بٹالہ پہنچنے تک خلافت کے قیام کی ضرورت اور اس کے دلائل لگاتار بیان کئے بٹالہ پہنچ کر ہم مولوی صاحب سے سواری کے لحاظ سے جدا ہو گئے ہم دونوں نے سالم یکہ کرایہ پر لیا۔ جب یکہ وڈالہ گرنتھیاں کے قریب پہنچا تو ہم نے مستری موسیٰؓ کو قادیان کی جانب سے بٹالہ کی طرف مع ایک دو ساتھی آتے دیکھا انہوں نے ہمارا یکہ رکوالیا اور ایک تحریر ہمارے پیش کی جسے پہلے مولوی محمد مصطفیٰ صاحب نے پڑھا اور اس پر اپنے دستخط کرکے کاغذ میرے حوالے کردیا میں نے کاغذ ہاتھ میں لے کر پڑھا اس پر یہ تحریر تھی۔

آپ خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جانتے ہوئے اپنی رائے ثبت کریں کہ آیا اب خلافت ہونی چاہئے یا نہیں ہونی چاہئے اگر ہونی چاہئے تو کیا ویسی ہی جیسی حضرت خلیفہ اول کی تھی یا کسی اور طرح کی میں نے اس عبارت کو پڑھ کر ہونی چاہئے اور ویسی ہی ہونی چاہئے جیسی حضرت خلیفہ اول کی تھی دستخط کر دئے۔

ہمارا یکہ چل پڑا میں نے مصطفیٰ صاحب سے پوچھا کہ آپ نے مجھ سے مشورہ لئے بغیر کیوں دستخط کردئے جب کہ امیر قافلہ میں تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک واضح بات تھی کہ اس میں مشورہ کی ضرورت میں نے نہ جانی اور خلافت ہونی چاہئے پر رائے ثبت کردی۔ اس کے بعد ہمارا تبادلہ خیالات ہوا کہ اب کون خلیفہ ہوں گے کون ہونے چاہئیں اور اثناء قیل و قال میں میں نے جب یہ کہا کہ مولوی محمد علی صاحب بھی ہو سکتے ہیں تو مولوی محمد مصطفیٰ صاحب بولے وہ نہیں ہو سکتے نہ معلوم کن وجوہ سے انہوں نے ایسا کہا مگر میرا یہ آیت پڑھنا یاد ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اس پر مصطفیٰ صاحب نے کہا رہنے دیں میں بھی اس کے معنے جانتا ہوں وہ کچھ عربی دان تھے۔ آخر یہ گفتگو بلا نتیجہ ختم ہوئی یعنی نہ مصطفیٰ کسی کا نام تجویز کرکے صاد کر سکے اور نہ میں کسی ایک کا نام حتمی طور پر پیش کر سکا یہاں تک قادیان پہنچ گئے مہمان خانہ میں کھانا کھانا تھا اور نماز کے لئے تیاری کرکے مسجد نور میں جلد از جلد پہنچنا تھا۔ اسی اثنا میں مولوی مصطفیٰ صاحب کو اعلان ضروری والا ٹریکٹ کسی کے ہاتھ سے مل گیا جبکہ میرا ہاتھ اس سے پاک رہا۔

مولوی صاحب نے بسرعت تمام ٹریکٹ پڑھ لیا اور اس کے پورے شکار ہو گئے اور مسجد نور میں بیعت کا شاندار نظارہ دیکھنے کے باوجود بیعت سے مجتنب رہے اور پٹیالہ میں واپس پہنچ کر بعض کو اپنے ساتھ لے ڈوبے جن میں کئی ایک بڑی محنت صرف ہونے پر مبائع بن گئے مگر مصطفیٰ صاحب اپنے والد صاحب اور چھوٹے بھائی محمد مرتضیٰ خان صاحب کو بحیثیت پیغامی پٹیالہ چھوڑ کر لاہور لے جانے میں

کامیاب ہو گئے۔

خان حشمت اللہ ۲۴/۱۱/۶۴ (مراسلہ بنام مورخ احمدیت۔ غیر مطبوعہ)

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی دعا اور تقریر

بیعت کے بعد لمبی دعا ہوئی جس میں سب لوگوں پر رقت طاری تھی۔ اور پھر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے اس مجمع میں کھڑے ہو کر ایک درد انگیز تقریر فرمائی جس میں جماعت کو اس کے نئے عہد کی ذمہ داریاں بتا کر آئندہ کام کی طرف توجہ دلائی اور اس دوران میں کہا میں ایک کمزور اور بہت ہی کمزور انسان ہوں مگر میں خدا سے امید رکھتا ہوں کہ جب اس نے مجھے اس خلعت سے نوازا ہے تو وہ مجھے اس بوجھ کے اٹھانے کی طاقت دے گا۔ اور میں تمہارے لئے دعا کروں گا اور تم میرے لئے دعا کرو۔ چنانچہ فرمایا:۔

"دوستو! میرا یقین اور کامل یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر میرا یقین ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں...... پھر میرا یقین ہے کہ قرآن مجید وہ پیاری کتاب ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی اور وہ خاتم الکتاب اور خاتم شریعت ہے۔ پھر میرا یقین ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام وہی نبی تھے جس کی خبر مسلم میں ہے اور وہی امام تھے جس کی خبر بخاری میں ہے مگر میں پھر کہتا ہوں کہ شریعت اسلامی کا کوئی حصہ اب منسوخ نہیں ہو سکتا .... خوب غور سے دیکھ لو اور تاریخ اسلام میں پڑھ لو کہ جو ترقی اسلام کے خلفاء راشدین کے زمانہ میں ہوئی وہ جب خلافت حکومت کے رنگ میں تبدیل ہو گئی تو گھٹتی گئی...... تیرہ سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے منہاج نبوت پر حضرت مسیح موعودؑ کو آنحضرت ﷺ کے وعدہ کے موافق بھیجا اور ان کی وفات کے بعد پھر وہی سلسلہ خلافت راشدہ کا چلا ہے...... حضرت خلیفتہ المسیح مولوی نور الدین صاحبؓ ان کا درجہ اعلیٰ علیین میں ہو اس سلسلہ کے پہلے خلیفہ تھے...... پس جب تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا اسلام مادی اور روحانی طور پر ترقی کرتا رہے گا......

میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ایک خوف ہے اور میں اپنے وجود کو بہت ہی کمزور پاتا ہوں...... میں جانتا ہوں کہ میں کمزور اور گنہگار ہوں میں کس طرح دعویٰ کر سکتا ہوں کہ میں دنیا کی ہدایت کر سکوں گا اور حق اور راستی کو پھیلا سکوں گا۔ ہم تھوڑے ہیں اور اسلام کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم اور غریب نوازی پر ہماری امیدیں بے انتہاء ہیں۔ تم نے یہ بوجھ مجھ پر رکھا ہے۔ تو سنو! اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے میری مدد کرو اور وہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے فضل اور توفیق چاہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور فرمانبرداری میں میری اطاعت کرو۔

میں انسان ہوں اور کمزور انسان۔ مجھ سے کمزوریاں ہوں گی تو تم چشم پوشی کرنا۔ تم سے غلطیاں ہوں گی۔ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر عہد کرتا ہوں کہ میں چشم پوشی اور درگزر کروں گا۔ میرا اور تمہارا متحدہ کام اس سلسلہ کی ترقی اور اس سلسلہ کی غرض و غایت کو عملی رنگ میں پیدا کرنا ہے ..... اگر اطاعت اور فرمانبرداری سے کام لو گے۔ اور اس عہد کو مضبوط کرو گے تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہماری دستگیری کرے گا"۔ [۸۸]

اس بیعت اور اس تقریر کے بعد لوگوں کی طبیعتوں میں کامل سکون تھا اور ان کے دل اس طرح تسلی پا کر ٹھنڈے ہو گئے تھے جس طرح کہ ایک گرمی کے موسم کی بارش جھلسی ہوئی زمین کو ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ روح القدس نے آسمان پر سے ان کے دلوں پر سکینت نازل کی اور خدا کے مسیح کی یہ بات ایک دفعہ پھر پوری ہوئی کہ:۔

"میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے"۔

حضرت خلیفہ اولؓ کی تدفین

دعا اور تقریر کے بعد حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے تعلیم الاسلام ہائی سکول کے شمالی میدان میں قریباً دو ہزار مردوں اور کئی سو عورتوں کے مجمع میں حضرت خلیفہ اولؓ کی نماز جنازہ پڑھائی اور پھر حضور کی معیت میں مخلصین کا یہ بھاری مجمع جس کے ہر متنفس کا دل اس وقت رنج و خوشی کے دہرے جذبات کا مرکز بنا ہوا تھا حضرت خلیفہ اول کی نعش مبارک کو لے کر بہشتی مقبرہ کی طرف روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر اس مبارک انسان کے مبارک وجود کو ہزاروں دعاؤں کے ساتھ اس کے آقاو محبوب کے پہلو میں سلا دیا۔ [۸۹]

اے جانیوالے! تجھے تیرا پاک عہد خلافت مبارک ہو کہ تو نے اپنے امام و مطاع مسیح کی امانت کو خوب نبھایا اور خلافت کی بنیادوں کو ایسی آہنی سلاخوں سے باندھ دیا کہ پھر کوئی طاقت اسے اپنی جگہ سے ہلا نہ سکی۔ جا۔ اور اپنے آقا کے ہاتھوں سے مبارکباد کا تحفہ لے کر اور رضوان یار کا ہار پہن کر جنت میں ابدی بسیرا کر۔ اور اے آنے والے! تجھے بھی مبارک ہو کہ تو نے سیاہ بادلوں کی دل ہلا دینے والی گرجوں میں مسند خلافت پر قدم رکھا اور قدم رکھتے ہی رحمت کی بارشیں برسا دیں۔ تو ہزاروں کانپتے ہوئے دلوں میں سے ہو کر تخت امامت کی طرف آیا۔ پھر صرف ایک ہاتھ کی جنبش سے ان تھراتے ہوئے سینوں کو سکینت بخش دی۔ آ۔ اور ایک شکور جماعت کی ہزاروں دعاؤں اور تمناؤں کے ساتھ ان کی سرداری کے تاج کو قبول کر۔ تو ہمارے پہلو سے اٹھا ہے مگر بہت دور سے آیا۔ آ۔ اور ایک قریب رہنے والے کی محبت اور دور سے آنے والے کے اکرام کا نظارہ دیکھ۔

اے فخر رسل قرب تو معلوم شد
دیر آمده زراه دور آمده" ۹۰

ملکی پریس کے تبصرے

حضرت خلیفہ اولؓ کے انتقال پر برصغیر پاک و ہند کے پریس نے بکثرت تبصرے لکھے ان میں سے بعض کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:۔

مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر زمیندار (لاہور) "مولوی حکیم نورالدین جو ایک زبردست عالم اور جید فاضل تھے ۱۳/ مارچ کو کئی ہفتہ کی مسلسل علالت کے بعد دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو رحلت کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون...... مولانا حکیم نورالدین صاحب کی شخصیت اور قابلیت ضرور اس قابل تھی جس کے فقدان پر تمام مسلمانوں کو رنج اور افسوس کرنا چاہئے کہا جاتا ہے کہ زمانہ سو برس تک گردش کرنے کے بعد ایک باکمال پیدا کرتا ہے۔ الحق اپنے تبحر علم و فضل کے لحاظ سے مولانا حکیم نورالدین بھی ایسے ہی باکمال تھے افسوس کہ آج ایک زبردست عالم ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا"۔ ۹۱

مولانا محمد علی صاحب جوہر اخبار ہمدرد (دہلی) "مرحوم فرقہ احمدیہ کے ممتاز ترین رکن تھے اور اعلیٰ درجہ کی مذہبی قابلیت کے رکھنے کے علاوہ ایک مشہور طبیب بھی تھے۔

منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار (لاہور) آپ نے متعدد کتابیں اسلام کی تائید میں لکھیں اور متانت کے ساتھ معترضوں کو دندان شکن جواب دیے۔ اور بعض تصانیف میں بڑی تحقیق و تدقیق کا ثبوت بہم پہنچایا۔ سب سے زیادہ شہرت و عزت اپنی جماعت میں آپ کو قرآن شریف کے (حقائق) و معارف کی تشریح کے باعث حاصل ہوئی۔ جس میں آپ علوم جدیدہ و تازہ تحقیقات فلسفیہ پر نظر رکھتے تھے اور اسلام کو فطرت کے مطابق ثابت کرتے تھے۔ ۹۲

مولانا حامد انصاری صاحب ایڈیٹر مدینہ (بجنور) آپ احمدی جماعت کے رکن رکین اور مرزا غلام احمد صاحب کے حقیقی جانشین تھے۔ آپ کی وفات احمدی جماعت کے لئے بہت زیادہ موجب افسوس ہے"۔ ۹۳

مولانا ابوالکلام صاحب آزاد ایڈیٹر "الھلال" (کلکتہ) حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب بھیروی ثم قادیانی وہ علامہ دہر تھے جن کی ساری عمر قرآن شریف کے پڑھنے اور پڑھانے میں گزری۔ ہر مذہب و ملت کے خلاف اسلام کا رد آپ نے آیات قرآنی سے کیا۔ آپ کے پاس علم تفسیر کا بہت بڑا ذخیرہ تھا"۔ ۹۴

اخبار طبیب (دہلی) افسوس کہ ہندوستان کے ایک مشہور و معروف طبیب مولوی حاجی حافظ

حکیم نور الدین صاحب جو علم دینیہ کے بھی متبحر عالم با عمل تھے اور جماعت احمدیہ کے محترم پیشوا کچھ عرصہ عوارض ضعف پیری میں مبتلا رہ کر آخر جمعہ گزشتہ کو قریباً اسی سال کی عمر میں رحلت فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ حکیم صاحب مغفور بلا امتیاز احمدی و غیر احمدی یا مسلم یا غیر مسلم سب کے ساتھ شفقت علیٰ خلق اللہ کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔ آپ کے طریق علاج میں یہ چند باتیں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

(ا) یار و اغیار۔ مومن و کافر سب کو ایک نظر دیکھنا۔
(ب) طب یونانی و ویدک کے علاوہ مناسب موقعہ ڈاکٹری مجربات سے بھی ابنائے ملک و ملت کو مستفید فرمانا۔
(ج) بعض خطرناک امراض کا علاج قرآن شریف سے استخراج کرنا۔
(د) دوا کے علاوہ دعا بھی کرنا۔
(ہ) علاج معالجہ کے معاملہ میں کسی کی دنیوی وجاہت سے مرعوب نہ ہونا۔
(و) مریضوں سے مطلق طمع نہ رکھنا اور آپ کا اعلیٰ درجہ توکل و استغفار۔
(ز) نادار مستحق مریضوں کا نہ صرف علاج مفت کرنا بلکہ اپنی گرہ سے بھی ان کی دستگیری و پرورش کرنا خصوصاً طلباء قرآن و حدیث و طب کی۔

اخبار انسٹیٹیوٹ گزٹ (علی گڑھ) (۱۸/ مارچ ۱۹۱۴ء) قطع نظر اپنے مختص الفرقہ بعض خاص معتقدات کے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ حکیم صاحب مرحوم ایک نہایت بلند پایہ عالم عامل اور علوم دینیہ کے بہت بڑے خادم تھے اس پیرانہ سالی اور ضعف و مرض کی حالت میں بھی آپ کا بیشتر وقت تعلیم و تعلم میں صرف ہوتا تھا۔ اور ایک طبیب حاذق ہونے کی حیثیت سے بھی آپ خلق اللہ کی بہت خدمت بجالاتے تھے۔ اس لحاظ سے مرحوم کا انتقال واقعی سخت رنج و ملال کے قابل ہے۔

منشی محمد الدین صاحب فوق کشمیری میگزین (لاہور) (۲۱/ مارچ ۱۹۱۴ء) نہایت رنج و افسوس سے لکھا جاتا ہے کہ حکیم حافظ حاجی مولوی نور الدین صاحب جو بلحاظ عقائد جماعت احمدیہ کے خلیفۃ المسیح بلحاظ علم و فضل مسلمانوں کے مایہ ناز اور بلحاظ ہمدردی عوام انسانیت کے لئے مایہ افتخار تھے۔ کچھ عرصہ کی علالت کے بعد ۱۳/ مارچ کو بعد دوپہر دو بجے قادیان میں انتقال فرما گئے۔ مولوی نور الدین صاحب کی وفات پر احمدی اخبارات کے علاوہ تمام اسلامی اخبارات نے باوجود ان کے مذہبی عقائد سے اختلاف رکھنے کے نہایت رنج و افسوس کا اظہار کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مولوی نور الدین جیسا

قابل فرزند ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک عرصہ کے بعد پیدا ہو سکے گا۔

آریہ سماجی اخبار مسافر آگرہ (۲۰/ مارچ ۱۹۱۴ء) "اصولاً ہمارے اور ان کے خیالات میں اتنا ہی فرق تھا جتنا قطب جنوبی و قطب شمالی کے درمیان ہے لیکن پھر بھی یہ نہ کہنا دیانت کا خون ہو گا کہ وہ راسخ الاعتقاد ایماندار و نیک آدمی تھے۔ علاوہ بریں ہم جانتے ہیں کہ ان کے دل میں اشاعت اسلام کا بڑا درد اور قرآن شریف کے پڑھنے پڑھانے سے خاص محبت تھی۔ اور وہ مرنے سے چند یوم پہلے تک برابر دونوں کام سرانجام دیتے رہے۔"

حکیم عبد الکریم برہم ایڈیٹر اخبار مشرق گورکھپور (۱۷/ مارچ ۱۹۱۴ء) احمدی سلسلہ میں یہ خلیفۃ المسیح اور عام طور پر مسلمانوں میں اپنے تبحر علمی اور زہد و اتقاء کی خوبیوں سے نہایت محترم اور اسلام کے محاسن اور اس کی اشاعت میں کوشاں تھے۔ ان کی زندگی میں ہزارہا ایسے موقعے آئے کہ ان کی آزمائش ہوئی جس میں انہوں نے صداقت کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا اللہ تعالیٰ نے جو جو فضل و کرم اور ثمرہ اعتماد و صبر انہیں بخشا تھا۔ اس کی تفصیل سوانح عمری میں پائی جاتی ہے۔ جس سے دل پر نقش ہوتا ہے کہ وہ ایک سچے خدا پرست اور پکے موحد تھے۔ اور ان کی زندگی اسلام کے پاک نمونہ پر بسر ہوئی۔ وہ صرف مذہبی پیشوا نہیں تھے بلکہ اعلیٰ درجہ کے طبیب بھی تھے۔ اور اعلیٰ درجہ کی کتابوں کے فراہم کرنے اور خلق اللہ کو فائدہ پہنچانے کا خاص ذوق تھا۔

اخبار بھارت (۲۰/ مارچ ۱۹۱۴ء) آپ درویش منش اور منکسرالمزاج خلیق اور ملنسار تھے۔ عالم باکمال اور طبیب بے مثال تھے۔ مذہب کا آپ کو اتنا خیال تھا کہ ایام علالت میں بھی قرآن شریف کے ترجمے میں گہری دلچسپی لیتے رہے۔

اخبار آفتاب (۱۹/ مارچ ۱۹۱۴ء) احمدی جماعت کے خلیفۃ المسیح مولوی حکیم نورالدین صاحب نے جو ایک متبحر عالم اور جید فاضل تھے۔ کئی مہینے کی مسلسل علالت کے بعد جمعۃ المبارک کے دن ٹھیک پونے دو بجے اس دار فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ہمیں اپنے احمدی دوستوں سے اس قومی و مذہبی صدمہ میں دلی ہمدردی ہے اور ہماری دعا ہے کہ خداوند کریم ان کو صبر عطا فرماوے۔

مولوی انشاء اللہ خان صاحب ایڈیٹر "وطن اخبار" (امرتسر) (۲۰/ مارچ ۱۹۱۴ء) مولوی صاحب مرحوم کیا بلحاظ طبابت و حذاقت اور کیا بلحاظ سیاحت علم و فضیلت و علمیت ایک

برگزیدہ بزرگوار تھے۔ علم سے ان کو عشق تھا اور فراہمی کتب کا خاص شوق تھا ان کا پیدائشی وطن بھیرہ ضلع شاہ پور ہے۔ مگر عمر کا بڑا حصہ باہر گزرا اور آخری حصہ قادیان میں۔

میونسپل گزٹ (لاہور) (۱۹/ مارچ ۱۹۱۴ء) نہایت رنج و افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ مولوی حکیم نور الدین صاحب خلیفہ مرزائی جماعت کا کئی ہفتہ کی مسلسل اور سخت حالت کے بعد آخر ۱۳/ مارچ کو بوقت ۲ بجے انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم جیسا کہ زمانہ واقف ہے ایک بے بدل عالم اور زہد اور اتقاء کے لحاظ سے مرزائی جماعت کے لئے تو واقعی پاکباز اور ستودہ صفات خلیفہ تھے۔ لیکن اگر ان کے مرزائیانہ مذہبی عقائد کو نظر انداز کر کے دیکھا جائے۔ تو بھی وہ ہندوستان کے مسلمانوں میں بے شک ایک عالم تبحر و جید فاضل تھے۔ کلام اللہ سے آپ کو جو عشق تھا وہ غالباً بہت کم عالموں کو ہو گا۔ اور جس طرح آپ نے عمر کا آخری حصہ احمدی جماعت پر صرف قرآن مجید کے حقائق و معارف آشکارا فرمانے میں گزارا۔ بہت کم عالم اپنے حلقہ میں ایسا عمل کرتے ہوئے پائے جائیں گے۔ حکمت میں آپ کو خاص دستگاہ تھی۔ اسلام کے متعلق آپ نے نہایت تحقیق و تدقیق سے کئی کتابیں لکھیں اور معترضین کو دنداں شکن جواب دئے۔ بہر حال آپ کی وفات مرزائی جماعت کے لئے ایک صدمہ عظیم اور عام طور پر اہل اسلام کے لئے بھی کچھ کم افسوسناک نہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

اخبار "وکیل" امرت سر (۱۸/ مارچ ۱۹۱۴ء) مرحوم فرقہ احمدیہ کے ممتاز ترین رکن اور مرزا غلام احمد قادیانی کے جانشین تھے۔ آپ کے علم و فضل کا ہر شخص معترف تھا اور ان کے علم اور بردباری کا عام شہرہ تھا ان کی روحانی عظمت و تقدس کے خود مرزا صاحب بھی قائل تھے۔

مرزا حیرت دہلوی ایڈیٹر کرزن گزٹ (دہلی) (۲۳/ مارچ ۱۹۱۴ء) حکیم صاحب سے ہمیں ذاتی تعارف حاصل تھا۔ ذاتی تعارف ہی نہیں بلکہ ایک عرصہ تک ہم اور حکیم صاحب جموں میں ایک ساتھ رہے یہاں تک تعلق بڑھا ہوا تھا کہ حکیم صاحب شام کو کھانا ہر روز آندھی آئے یا مینہ۔ ہمارے مکان پر آ کے کھایا کرتے تھے۔ مغرب کی اور عشاء کی نماز ہم ان کے ساتھ پڑھتے تھے۔ طبیعت میں مذاق بہت تھا۔ نیک دل اور مخیر تھے۔ صورت شکل وجیہہ تھی۔ رنگت گندمی تھی۔ قد لمبا تھا۔ داڑھی اس قدر گھنی تھی کہ آنکھوں کے حلقوں تک داڑھی کے بال پہنچے ہوئے تھے۔ جموں میں ان کے ماتحت مدرسے اور شفاخانے تھے۔ جن کا انتظام وہ نہایت عمدگی اور نیک نیتی سے کرتے تھے۔ اس وقت حکیم فدا محمد خان صاحب مرحوم مہاراجہ رنبیر سنگھ کے طبیب خاص تھے۔ بعد ازاں مستقل اعلیٰ

طبیب ہو گئے تھے اور آپ کو چھ سو سے سات سو تک اخیر دم تک تنخواہ ملتی رہی۔ اس عہدے میں گویا حکیم نور الدینؓ صاحب ان کی ماتحتی میں بھی کام کیا کرتے تھے حکیم صاحب موصوف کو دو سو یا اڑھائی سو روپے کی تنخواہ ملتی تھی۔ آپ تعجب سے سنیں گے کہ اس تنخواہ کا بڑا حصہ نہایت سیر چشمی اور فیاضی سے طلباء پر آپ خرچ کر دیا کرتے تھے۔ بہت سے طلباء آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ نہ صرف ان کی تعلیم کے آپ کفیل تھے بلکہ کھانا کپڑا بھی بڑی فراخی سے انہیں دیا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی عمر میں صدہا بے خانماں اور غریب طلباء کو پرورش بھی کیا اور پڑھا بھی دیا۔ شیخ عبداللہ صاحب پلیڈر علی گڑھ اور ایڈیٹر رسالہ خاتون آپ ہی کے پروردہ اور مسلمان کئے ہوئے ہیں۔ شیخ صاحب پہلے کشمیری پنڈت تھے۔ حکیم صاحب نے انہیں مسلمان بھی کیا اور پڑھایا لکھایا بھی۔ یہاں تک کہ علی گڑھ کی تعلیم کا خرچ بھی آپ برابر اٹھاتے رہے۔ غرض یہ کہ طبیعت میں ایثار کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا آپ کی زندگی کے دو ہی بڑے بڑے مذاق تھے۔ ایک طلباء کی پرورش اور تعلیم دوسرے نادر الوجود کتابوں کا جمع کرنا۔ بس اسی میں آپ کی تنخواہ صرف ہو جاتی تھی۔ آپ بہت ہی منکسر المزاج اور خلیق تھے۔ ساتھ ہی ہر ایک کام سچائی اور راستبازی سے کرتے تھے۔ آپ سے آپ کے عملہ کے آدمی بہت خوش تھے۔ کبھی کسی کو آپ سے وجہ شکایت نہیں پیدا ہوئی۔ آپ کی دینی علوم کی مہارت اور عربی قابلیت مسلم تھی۔ آپ اپنے عہد کے فرائض کی ادائیگی کے بعد طلبہ کو بخاری و مسلم کا سبق دیا کرتے تھے۔ آپ کی واقفیت مذہبی بہت بڑھی ہوئی تھی۔ ۹۵

حکیم محمد افضل صاحب جنرل سیکرٹری پنجاب طبی کانفرنس لاہور نے لکھا :

"پنجاب کے نہایت مشہور طبیب ہوئے ہیں۔ سن پیدائش ۱۸۴۱ء لاہور۔ لکھنؤ۔ بھوپال وغیرہ میں دینی اور طبی تعلیم حاصل کی۔ پھر ریاست جموں و کشمیر میں عرصہ تک ریاست کے طبیب رہے۔ مہاراجہ صاحب آپ سے بہت عزت سے پیش آتے تھے۔ قیام جموں کے زمانہ میں حکیم صاحب کو میرزا غلام احمد قادیانی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے عقیدت ہو گئی۔ چنانچہ مرزا صاحب کی کتاب "براہین احمدیہ" کی تائید میں "تائید براہین احمدیہ" تالیف کی۔ ریاست سے قطع تعلق ہونے کے بعد وطن مالوف بھیرہ تشریف لے گئے۔ پھر مکان بنانے کے بعد آپ قادیان چلے آئے اور میرزا صاحب کے ایماء سے قادیان میں ہی مقیم ہو گئے۔ اور اہل و عیال کو بھی وہیں منگالیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں حذاقت کا ڈنکہ بج گیا اور سل۔ دق۔ نامردی وغیرہ کے مریض بکثرت آنے لگے۔ کسی مریض کا علاج اگر یونانی طریقہ سے نہ ہو تا تھا تو آپ کو ویدک اور ڈاکٹری دوائیں اضافہ کرنے کے بعد عجیب و غریب کامیابی ہوتی تھی۔

میرزا صاحب کے زمانہ حیات میں اگر ایک طرف میرزا صاحب کے اردگرد معتقدین و مریدین کا ہجوم

ہوتا تھا۔ تو دوسری طرف حکیم صاحب کے مکان پر مرضاء اور طلباء کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ خود میرزا صاحب حکیم صاحب کی شان میں تعریفی کلمات کہنے میں دریغ نہیں کرتے تھے اور حکیم صاحب کے علم و فضل کی قدر شناسی کرتے تھے۔

میرزا صاحب کے بعد جماعت احمدیہ نے متفقہ طور پر آپ کو خلیفہ قرار دیا اور کئی سال اس منصب پر فائز رہنے کے بعد ۱۹۱۴ء میں بمقام قادیان ہی انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ علوم معقول و منقول میں زبردست مہارت رکھتے تھے طب میں آپ کو درجہ اجتہاد حاصل تھا"۔ [۹۱]

حواشی باب هفتم

۱۔ جمعدار فضل الدین صاحب اس مجلس میں موجود تھے اور انہوں نے ہی راقم الحروف کو یہ پوری روایت بتائی ہے۔
۲۔ میاں کرم الدین صاحب ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے اور ۶/ جنوری ۱۹۴۵ء کو وفات پائی۔ بہشتی مقبرہ میں دفن کئے گئے۔ جناب مولوی محمد صدیق صاحب فاضل گورداسپوری مجاہد افریقہ آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔ یہ مفصل روایت آپ نے ہی مولف ہذا کو ارسال کی ہے۔
۳۔ الفضل ۲۸/ جنوری ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۴۔ ۱۵۔ و ۷/ جنوری ۱۹۱۴ء ص ۳
۴۔ الفضل ۲۱/ جنوری ۱۹۱۴ء صفحہ ۳
۵۔ الفضل ۲۸/ جنوری ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۴
۶۔ الفضل ۲۱/ جنوری ۱۹۱۴ء صفحہ ۳ کالم ۲
۷۔ الحکم ۲۸/ فروری ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۰ کالم ۳
۸۔ الفاروق صفحہ ۳۱۔ حافظ عبدالسلام صاحب شملوی کا بیان ہے کہ میں حضرت خلیفۃ المسیح اول کی وفات سے ایک ہفتہ قبل حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اس وقت مولوی محمد علی صاحب قرآن شریف کا ترجمہ سنا رہے تھے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور سید محمد حسین شاہ صاحب بھی اس وقت موجود تھے حضرت خلیفہ اول قرآن مجید کا ترجمہ سنتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے بعض دوستوں سے کہا کہ اتنے بڑے آدمی ہو کر روتے ہیں اس سے جماعت کی سبکی ہوتی ہے بعد میں بعض دوستوں نے بتایا کہ حضرت خلیفہ اول نے اس وقت یہ فرمایا تھا کہ اپنی تفسیر میں یزید پلید کا ذکر ضرور کرنا اس نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا ہے جمعدار فضل دین صاحب (مرتب فضل عمر تقویم و مجمع البحرین) کی مزید شہادت ہے کہ حضرت خلیفہ اول نے یہ ارشاد نواب محمد علی خان صاحب کی کوٹھی میں فرمایا تھا۔ اور میں اس وقت موجود تھا۔
۹۔ الحکم ۷/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۶ کالم ۲
۱۰۔ الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۸ کالم ۲
۱۱۔ الفضل ۲۸/ جنوری ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ ۲
۱۲۔ پیغام صلح ۲۷/ جنوری ۱۹۱۴ء صفحہ ۴ کالم ۳
۱۳۔ الفضل ۱۱/ فروری ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۲۔ ۱۳
۱۴۔ الحکم ۲۸/ فروری ۱۹۱۴ء صفحہ ۶۔ ۷
۱۵۔ الفضل ۲۵/ فروری ۱۹۱۴ء صفحہ ۶ و الفضل ۱۴/ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۱ کالم ۳
۱۶۔ الحکم ۲۸/ فروری ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۱ کالم ۱ و الفضل ۱۴/ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۱ کالم ۲
۱۷۔ الحکم ۲۸/ فروری ۱۹۱۴ء صفحہ ۱
۱۸۔ الفضل ۱۵/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۳ کالم ۱
۱۹۔ پیغام صلح ۱۴/ اپریل ۱۹۱۴ء نمبر ۱۱۶
۲۰۔ رجسٹر فیصلہ جات صدر انجمن احمدیہ نمبر ۷ صفحہ ۲۲۲
۲۱۔ الفضل ۱۲/ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ کالم ۱۔ ۲۔ (یا الفضل ۱۹/ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۷)
۲۲۔ الفضل ۷/ جنوری ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۔ کالم ۱
۲۳۔ الفضل ۱۴/ جنوری ۱۹۱۴ء ص ۱ کالم ۱۔ ۲
۲۴۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۲۲

۲۵۔ پیغام صلح ۲۲/ جنوری ۱۹۱۴ء صفحہ ۴
۲۶۔ الفضل ۲۱/ جنوری ۱۹۱۴ء ص ا کالم ا
۲۷۔ پیغام صلح ۲۵/ جنوری ۱۹۱۴ء صفحہ ۴ کالم ۳
۲۸۔ الفضل ۲۸/ جنوری ۱۹۱۴ء ص ا کالم ا
۲۹۔ الفضل ۴/ فروری ۱۹۱۴ء ص ا کالم ا
۳۰۔ الفضل ۱۱/ فروری ۱۹۱۴ء
۳۱۔ پیغام صلح ۳/ فروری ۱۹۱۴ء ص ۴ کالم ۳
۳۲۔ پیغام صلح ۴/ فروری ۱۹۱۴ء ص ا کالم ۳
۳۳۔ پیغام صلح ۴/ فروری ۱۹۱۴ء صفحہ ۴ کالم ۲
۳۴۔ الفضل ۱۱/ فروری ۱۹۱۴ء ص ۱۳ کالم ۳
۳۵۔ پیغام صلح ۱۰/ فروری ۱۹۱۴ء ص ۴ کالم ۳
۳۶۔ الفضل ۱۱/ فروری ۱۹۱۴ء ص ا کالم ۳ پر آنے والے مہمانوں کا نام چھپا ہوا ہے۔
۳۷۔ پیغام صلح ۳/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۴ کالم ۲
۳۸۔ پیغام صلح ۱۰/ فروری ۱۹۱۴ء ص ۴ کالم ۳
۳۹۔ الفضل ۱۱/ فروری ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۶
۴۰۔ الفضل ۱۸/ فروری ۱۹۱۴ء ص ا کالم ۱۔۲
۴۱۔ الفضل ۱۸/ فروری ۱۹۱۴ء ص ا کالم ۲۔ یونانی اطباء کے نزدیک یہ تپ کا عارضہ تھا (الحکم ۲۸/ فروری ۱۹۱۴ء) ص ۶ کالم ا
۴۲۔ الحکم ۲۸/ فروری ۱۹۱۴ء ص ۶ کالم ۱۔۲۔ پیغام صلح ۳/ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۴ کالم ۳
۴۳۔ الحکم ۲۸/ فروری ۱۹۱۴ء ص ا کالم ۲۔ صفحہ ۱۱ کالم ۳
۴۴۔ الحکم ۲۸/ فروری ۱۹۱۴ء ص ۷ کالم ۱۔۲
۴۵۔ الحکم ۲۸/ فروری ۱۹۱۴ء ص ۷ کالم ۲ و پیغام صلح ۲۴/ فروری ۱۹۱۴ء ص ۴ کالم ۲
۴۶۔ الحکم ۲۸/ فروری ۱۹۱۴ء ص ۱۱ کالم ا
۴۷۔ آئینہ صداقت صفحہ ۱۷۶ آپ کے بعض معالجوں کے نام یہ ہیں۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب (الفضل ۳/ اگست ۱۹۵۶ء ص ۳ کالم ا)
۴۸۔ الحکم ۷/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۶ کالم ا۔ پیغام صلح ۳/ مارچ ۱۹۱۴ء ص ا کالم ۳
۴۹۔ الفضل ۳/ اگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ (مضمون حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ)
۵۰۔ پیغام صلح ۳/ مارچ ۱۹۱۴ء ص ا کالم ا
۵۱۔ یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہو گا کہ ان دنوں مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء (ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب وغیرہ) نے دل کھول کر اختلافی مسائل کے بارے میں ایسے رنگ میں ڈائریاں مرتب کر کے شائع کرائیں جو حضرت خلیفہ اول کے گزشتہ مسلک کے بالکل مخالف اور ان کے اندرونی نظریات کے بالکل مطابق تھیں۔ اور جن سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت خلیفہ اول کی نگاہ میں ان دنوں یہ لوگ نہایت درجہ محبوب تھے۔ بطور مثال پیغام صلح ۳/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۴ کالم ۲ پر یہ چھپا کہ حضرت خلیفہ اول نے ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ "میں تمہاری خدمات سے بہت خوش ہوں"۔ مولوی محمد علی صاحب ڈائری نویسی میں اس درجہ غیر محتاط تھے۔ کہ غیر اختلافی اور واضح واقعات کو بھی صحیح رنگ میں لکھنے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ اس کی فقط ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ حضرت خلیفہ اول نے حضرت مولوی محمد سرور شاہ صاحب۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب اور حضرت حافظ غلام رسول صاحب کو مدرسہ چٹھہ کے مباحثہ پر جاتے ہوئے چند ہدایات فرمائی تھیں (الحکم ۲۸/ فروری ۱۹۱۴ء صفحہ ۶۔۷) مولوی محمد علی صاحب نے ان ہدایات کو تو کسی قدر لکھ لیا۔ مگر ڈائری بناتے ہوئے وضاحت یہ کی کہ حضرت

صاحبزادہ صاحب کو چکوال جاتے ہوئے یہ فرمایا تھا۔(پیغام صلح ۱۹۱۴ء ص ۴ کالم ۳) قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

۵۲۔ الحکم ۷/ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۶ کالم ۱۔ ۲۔ الفضل ۱۱/ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۱ کالم ۲

۵۳۔ الحکم ۷/ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۶ کالم ۱۔ ۲

۵۴۔ الحکم ۷/ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۶ کالم ۱۔ ۲

۵۵۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

۵۶۔ الحکم ۷/ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۶ کالم ۲

۵۷۔ الحکم ۷/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۵ کالم ۲۔ الحکم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اولاً آپ نے مختصر سا حصہ وصیت کا لکھا لیکن چونکہ قلم درست نہ تھا دیسی قلم منگایا گیا۔ اس سے ایک مکمل وصیت آپ نے اپنے قلم سے تحریر کردی اصل وصیت میں "یا پرورش" کے الفاظ دوبارہ لکھے ہیں۔

۵۸۔ الحکم ۷/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۵

۵۹۔ ضمیمہ پیغام صلح ۵/ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۱ کالم ۱۔ اخبار نور ۱۰/ اپریل ۱۹۱۴ء سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے اہل بیت کو بھی الگ ایک کاغذ پر وصیت لکھ دی تھی اور فرمایا تھا کہ میری وفات کے بعد اسے کھولا جائے۔

۶۰۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۲۲

۶۱۔ آئینہ صداقت صفحہ ۱۷۷

۶۲۔ پیغام صلح میں مولوی محمد علی صاحب کے زمانہ قادیان کی تقریروں پر یوں تبصرہ کیا گیا ہے۔"جلسہ سالانہ آیا تو اس خاموش شخص (مراد مولوی محمد علی صاحب۔ ناقل) سے چندہ کی اپیل کرتے ہوئے سنا کس قدر قوت و شوکت اس کے الفاظ میں تھی اور کس تحکمانہ انداز میں اس نے لوگوں کو خطاب کیا الخ"۔(امیر نمبر صفحہ ۱۱ کالم ۲)

۶۳۔ آئینہ صداقت۔ صفحہ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ الحکم ۱۴/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۵ کالم ۳

۶۴۔ آئینہ صداقت صفحہ ۱۷۷۔ ۱۷۹

۶۵۔ خلافت راشدہ از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۲۵۹۔ ۲۶۰

۶۶۔ خلافت ثانیہ کے قیام پر شیخ تیمور صاحب نے یہ نازیبا حرکت کی۔ کہ حضرت خلیفۃ ثانی کو تار دیا کہ فوراً مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء سے صلح کرلیں۔ ورنہ انجام اچھا نہیں ہوگا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ تم خدا تعالیٰ کی حجت کے نیچے ہو تم نے بارہا حضرت خلیفہ اول کی زبان سے ایسا ذکر سنا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے بعد خدا تعالیٰ مجھے اس مقام پر کھڑا کرے گا۔ اب تم انکار کرکے دہریت کی زد سے نہیں بچ سکتے۔ چنانچہ اس خط پر ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ علی الاعلان خدا کی ہستی سے منکر ہوگئے۔(خلافت راشدہ صفحہ ۲۶۰)

۶۷۔ آخری دنوں میں آپ کو ضعف' بے چینی' قے' بخار اور پیاس کی تکالیف لاحق ہوگئی تھیں اور بڑھاپے کے عوارض مزید برآں تھے۔(ایضاً کالم ۲)

۶۸۔ الحکم ۷/ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۶ کالم ۳

۶۹۔ ۷۰ الحکم ۱۴/ مارچ ۱۹۱۴ء

۷۱۔ الفضل ۱۸/ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۱ کالم ۱

۷۲۔ الفضل ۲۰/ دسمبر ۱۹۱۴ء ص ۶ کالم ۲

۷۳۔ آئینہ صداقت صفحہ ۱۷۹۔ ۱۸۰

۷۴۔ مراد احمد دین صاحب درزی (بہنوئی میاں بگا صاحب مرحوم) بروایت سید عبدالرحمن صاحب خلف حضرت سید عزیز الرحمن صاحبؓ

۷۵۔ الفضل ۳/ اگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۳/۴

۷۶۔ نواب عبدالرحیم خان صاحب خالد کے ایک خط کا اقتباس جو آپ نے مولف کتاب ہذا کو لکھا اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ

نے اپنے قلم مبارک سے اس کی تصحیح فرمائی۔

۷۷۔ مفصل تقریر کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۱۴/ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۹

۷۸۔ یہ ٹریکٹ بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کو قادیان آتے ہوئے لاہور اسٹیشن پر ملا تھا۔ حضرت بھائی جی رات کو قادیان پہنچے کوٹھی دارالسلام میں اس وقت لوگ نوافل و تہجد میں معروف تھے کوئی کونہ میں پڑا مشغول گریہ و بکا تھا۔ اور کوئی سجدہ میں تھا یہ قریباً دو بجے کا وقت تھا۔ حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ تہجد کے لئے وضو کر رہے تھے۔ کہ حضرت بھائی جی حاضر ہوئے اور ٹریکٹ پیش کیا اور ساری کیفیت کہہ سنائی کہ کس طرح جماعت میں اسے بکثرت تقسیم کیا جارہا تھا۔ (قیام خلافت ثانیہ صفحہ ۲۵۔ ۲۷)

۷۹۔ منکرین خلافت اس نازک موقعہ پر اتحاد و اتفاق کو کیو نکر کر سکتے تھے وہ تو فتنہ و فساد کے منصوبے سوچ رہے تھے چنانچہ حضرت قاضی محمد حسین صاحب کا بیان ہے کہ مولوی صدر الدین صاحب نے پشاور تار دیا کہ مولوی صاحب فوت ہو گئے اور جس قدر افغان مل سکیں قادیان ساتھ لادیں یہ تار ۲ بجے پشاور میں ملی۔ مگر حضرت مولانا غلام حسن خان صاحب نے احباب کو مطلع کیا کہ "کوئی احمدی پشاور سے قادیان نہ جاوے وہاں بھی افغان ہیں اور یقیناً فساد ہو گا۔ (احمد موعود صفحہ ۱۰۲)

اس موقعہ پر خلافت کے انتخاب کو کالعدم کرنے کے لئے یہ سازش بھی کی گئی کہ سید عابد علی شاہ صاحب کی نسبت تجویز کی کہ ان کی خلافت کے لئے چالیس آدمی تیار کئے جائیں۔ چنانچہ یہی مولوی صدر الدین صاحب رات کے وقت ماسٹر عبدالحق صاحب اور بعض اور اصحاب کو لے کر گھومتے رہے مگر دو ہزار کے مجمع میں ان کو عبرتناک ناکامی ہوئی اور صرف تیرہ آدمی اس خیال کے حامی مل سکے۔ (آئینہ صداقت صفحہ ۱۹۶۔ والموعود صفحہ ۱۰۳) دوسری طرف بعض اصحاب نے یہ دیکھ کر کہ مولوی محمد علی صاحب نے نہ صرف ہم سے دھوکہ کیا ہے۔ بلکہ حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفہ اول کی مقدس وصیتوں کی بے حرمتی کر کے جماعت میں اختلاف ڈلوانا چاہا ہے آنے والے مہمانوں کا رجحان معلوم کرنے کے لئے ایک تحریر پر دستخط کرانے شروع کئے۔ چنانچہ ان دستخطوں سے معلوم ہوا کہ جماعت کا نوے فیصدی سے بھی زیادہ حصہ اس بات پر متفق ہے کہ خلیفہ ہونا چاہئے۔ اور اسی رنگ میں ہونا چاہئے۔ جس رنگ میں حضرت خلیفہ اول تھے۔ (آئینہ صداقت ۱۸۶۔ ۱۸۷)

۸۰۔ حقیقت اختلاف صفحہ ۷۱

۸۱۔ خلافت ثانیہ کا قیام صفحہ ۳۶۔ ۳۷

۸۲۔ آئینہ صداقت صفحہ ۱۹۰۔ ۱۹۱

۸۳۔ ملخص از القول الفصل صفحہ ۷۲۔ ۷۳

۸۴۔ حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ اور ماسٹر فقیر اللہ صاحب کی شہادتوں کے لئے ملاحظہ ہو۔ (آئینہ صداقت صفحہ ۱۹۳)

۸۵۔ ملاحظہ ہو بشارات رحمانیہ حصہ اول ' دوم و تابعین اصحاب احمد

۸۶۔ رسالہ فرقان اپریل ۱۹۴۲ء صفحہ ۳۲

۸۷۔ ملخص آئینہ صداقت صفحہ ۱۹۴

۸۸۔ الفضل مارچ ۱۹۱۴ء

۸۹۔ ۱۳/ مارچ کی شام کو مولوی شیر علی صاحب نے حضرت خلیفہ اول کو غسل دیا۔ مفتی فضل الرحمٰن صاحب' مولوی سرور شاہ صاحب' قاضی امیر حسین صاحب' میاں نجم الدین صاحب و مولوی غلام محمد صاحب اور حضور کے دوسرے شاگرد اس وقت موجود تھے پھر کفن پہنا کر جنازہ رکھ دیا گیا۔ دوسرے دن بیعت خلافت ثانیہ کے بعد پونے پانچ بجے جنازہ پڑھا گیا۔ کل ۱۱ صفیں تھیں اور ہر صف میں قریباً ایک سو ساٹھ آدمی تھے پیچھے عورتوں کی بھی تین صفیں تھیں قریباً تین سو مستورات نے جنازہ پڑھا۔ تدفین ساڑھے چھ بجے کے قریب ہوئی۔ (الفضل ۱۸/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۲۔ ۳)

۹۰۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۳۴۔ ۳۳۶

۹۱۔ ۱۹/ مارچ ۱۹۱۴ء (الفضل ۱۸/ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۲ کالم ۳)

۹۲۔ الفضل ۱۸/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

۹۳۔ پیغام صلح ۲۹/ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۱ کالم ۳۔

۹۴۔ ۱۸/ نومبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۳ ک ۳۔

۹۵۔ حکیم سید علی احمد نیر واسطی تحریر فرماتے ہیں "اطبائے پنجاب میں حکیم نور الدین بھیروی معالج ریاست کشمیر و جموں کا نام نامی نہایت بلند ہے جن کے گنگا جمنی طریق علاج نے نظام طب میں ایک عجیب تاثیر اور رنگینی پیدا کر دی ہے۔ (تشریحات بر کتاب "طب العرب" مرتبہ ایڈورڈ جی براؤن۔ مطبوعات ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور)

۹۶۔ "مجربات کانفرنس" نمبر ۳ صفحہ ۷ مرتبہ حکیم محمد افضل صاحب جنرل سیکرٹری پنجاب پراونشل طبی کانفرنس لاہور (بحوالہ الفضل قادیان ۱۳- اپریل ۱۹۴۵ء صفحہ ۵)

آٹھواں باب (فصل اول)

امیر المومنین سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی سیرت طیبہ

امیر المومنین سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ مسلمہ طور پر اپنے علم و عرفان اور تقویٰ کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد سب سے بلند اور سب سے ممتاز مقام رکھتے تھے۔ علم و معرفت کے بحر بیکراں اور ولایت و کرامت کی چلتی پھرتی تصویر' آپ کو دیکھ کر بزرگان سلف کے کارناموں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ وہ لوگ بھی جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ ماموریت تسلیم کرنے میں عمر بھر تامل رہا۔ آپ کو نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ کی بزرگی اور علمیت و قابلیت کے دل سے قائل تھے ایک مرتبہ ایک نے سرسید مرحوم سے خط و کتابت کے دوران پوچھا کہ جاہل علم پڑھ کر عالم بنتا ہے اور عالم ترقی کر کے حکیم ہو جاتا ہے حکیم ترقی کرتے کرتے صوفی بن جاتا ہے مگر جب صوفی ترقی کرتا ہے تو کیا بنتا ہے؟ سرسید مرحوم نے جواب دیا کہ جب صوفی ترقی کرتا ہے تو نور الدین بنتا ہے۔ [1]

مولانا عبید اللہ صاحب سندھی جو ولی اللہی فلسفہ کے داعی تھے محض حضرت خلیفہ اول سے ملاقات و استفادہ کے لئے قادیان تشریف لائے تھے۔ [2-3] اور حضور کے اسلوب تفسیر سے بہت متاثر ہوئے چنانچہ ان کی تفسیر میں اس کی گہری جھلک نظر آئی ہے اور احمدیت کے خیالات و افکار کا عکس بھی ان کی تفسیر سے دکھائی دیتا ہے۔ [4]

ڈاکٹر محمد اقبال صاحب سے قانون شریعت کے مختلف مسائل سے راہ نمائی کے سلسلہ میں خط و کتابت جاری رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ان کو اپنی ایک بیوی کے بارے میں شبہ ہوا کہ چونکہ وہ اسے طلاق دینے کا ارادہ کر چکے تھے۔ مبادا شرعاً طلاق ہو چکی ہو۔ جس پر انہوں نے مرزا جلال الدین صاحب کو حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں بھیجا کہ مسئلہ پوچھ آؤ۔ آپ نے فرمایا کہ شرعاً طلاق نہیں

ہوئی لیکن اگر آپ کے دل میں کوئی شبہ اور وسوسہ ہو تو دوبارہ نکاح کر لیجئے۔ چنانچہ ڈاکٹر اقبال نے اس فتویٰ کے مطابق دوبارہ اس خاتون سے نکاح پڑھوالیا۔ ۶۵

مولانا محمد علی جوہر۔ نواب وقار الملک۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولوی ظفر علی خان۔ علامہ شبلی نعمانی۔ نواب محسن الملک۔ مولوی عبدالحق صاحب حقانی مفسر دہلوی۔ خواجہ حسن نظامی اور دوسرے مسلمہ مسلمان لیڈر آپ کی عظمت شان اور جلالت مرتبت اور تبحر علمی کے دل سے قائل تھے اور اسلامی رسائل میں آپ کی دینی رائے کو بڑی وقعت دی جاتی تھی۔ ۷

ڈاکٹر عبدالحمید صاحب چغتائی لاہور کی چشم دید شہادت ہے کہ حضرت ایک مرتبہ چیف کورٹ پنجاب میں کسی گواہی کے سلسلہ میں تشریف لائے جب حضور کمرہ عدالت میں داخل ہوئے تو تین جج تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ۸

آپ کے علمی فیض کا حلقہ بہت وسیع تھا اور آپ کے شاگردوں کی تعداد جنہوں نے آپ سے علوم پڑھے بے شمار ہے۔ ۹

علوم دینیہ کے علاوہ آپ کا شمار چوٹی کے طبیبوں میں ہوتا تھا اور پورے ملک میں آپ کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ یہ بھی ایک روایت ہے کہ کوئی شخص انگلستان میں بغرض علاج گیا۔ تو ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ ہندوستان میں جاکر مولوی حکیم نورالدین صاحب سے علاج کرائیں۔ ۱۰

ڈاکٹر عبدالحمید صاحب چغتائی (لاہور) کی روایت ہے کہ "آپ کبھی لاہور تشریف لاتے تو آپ کے گرد ہندو مسلمان اور سکھ دور و نزدیک سے ہجوم کر کے آجاتے بازار میں چلتے تو لوگ حضرت کے پاؤں پکڑ لیتے۔ اور اپنے مریضوں کے لئے دوا طلب کرتے۔ حضرت حکیم صاحبؓ قبلہ نے ہزاروں روپیہ کی دوائیں اپنی جیب سے خرچ کر کے ضرورت مندوں میں مفت تقسیم کر دیں۔ حضرت کے دل میں خدمت خلق کا بے پناہ جذبہ تھا۔ ۱۱ نیز لکھتے ہیں۔ "حضرت حکیم صاحب ۱۹۱۳ء میں بیمار ہوئے تو جناب مسیح الملک حکیم حافظ اجمل خان صاحب دہلوی۔ حکیم عبدالعزیز خان صاحب لکھنوی۔ حکیم غلام حسین حسنین صاحب کنتوری خود عیادت کے لئے قادیان تشریف لائے۔ حکیم فقیر محمد صاحب چشتی۔ حکیم مولوی سلیم اللہ خان صاحب۔ حکیم سید عالم شاہ صاحب۔ حکیم مفتی محمد انور صاحب ہاشمی۔ حکیم فیروز الدین صاحب وغیرہ وغیرہ حضور کا نام بڑی عزت و احترام سے لیا کرتے تھے۔ اور حضرت کو حضرت استاذی المکرم کہا کرتے تھے۔ ۱۲ عبدالمجید صاحب سالک اپنی کتاب "مسلم ثقافت ہندوستان میں" کے صفحہ ۳۰۰۔۳۰۱ پر لکھتے ہیں۔ "آپ کی حذاقت کا شہرہ نزدیک و دور پھیل گیا۔ اور آپ ہندوستان کے چند منتخب اطباء میں شمار ہونے لگے۔ آپ بھیرہ چھوڑ کر قادیان چلے گئے اور بقیہ عمر

درس و تدریس علاج معالجہ اور پرورش غرباء میں بسر کر دی۔ آپ آل انڈیا ویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے اعزازی ممبر اور رکن خصوصی بھی تھے۔ [۱۳]

حضرت خلیفہ اولؓ کے طبی تلامذہ کی تعداد بہت ہے۔ [۱۴، ۱۵]

حضرت خلیفہ اول کے روحانی اور اخلاقی کمالات' تاثیرات قدسیہ اور احسانات و عنایات کی تفصیل کے لئے تو ایک دفتر درکار ہے مختصر طور پر اتنا بتانا ضروری ہے کہ آپ کے وجود میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کامل ظل کی حیثیت سے جملہ اخلاق حسنہ اور مردانہ صفات اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر تھے۔

آپ دراز قامت تھے خدوخال موٹے' ہونٹ اور ناک نہایت نمایاں' مہندی رنگی ہوئی ڈاڑھی سانولہ رنگ مگر صورت نہایت دلکش اور پر رعب تھی.........قد آدم عصا ہاتھ میں ہوتا تھا۔ [۱۶]

جسمانی قوت کا یہ حال تھا کہ زمانہ طالب علمی میں کئی کئی وقت تک کھانے کا ناغہ کرتے مگر کوئی ضعف و نقاہت قطعاً محسوس نہ کرتے تھے۔ [۱۷] اسی زمانہ میں بڑے بڑے لمبے سفر کئے۔ ایک دفعہ آگرہ سے چل کر بھوپال پہنچے اور معلوم بھی نہ ہوا۔ گو بڑھاپے میں آپ کے قویٰ مضمحل ہو گئے اور مسلسل بیماریوں نے نڈھال کر دیا تھا مگر پھر بھی اکثر پورا پورا دن بے تکان علمی کام کرتے جاتے تھے۔ آپ زبردست تیراک [۱۸] اور شہسوار [۱۹] تھے حضرت نے کبھی عینک نہیں لگائی۔ باوجود پیرانہ سالی کے سیدھے چلتے اور سیدھے کھڑے ہوتے تھے۔ [۲۰] آپ گھوڑے سے گرنے کے حادثہ سے پہلے کئی دفعہ چیلنج کیا کرتے تھے کہ کوئی میرا ہاتھ ٹیڑھا کر کے دکھادے۔ [۲۱] آپ کا جسم بھاری تھا آہستہ آہستہ چلتے تھے کوئی رستہ میں مل گیا تو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مسجد اقصیٰ کی طرف جاتے کوئی نہ ملتا تو از خود تشریف لے جاتے۔

آپ کے خلاف کشمیر اور بھیرہ میں بڑی بڑی سازشیں ہوئیں مگر آپ نے شجاعت اور بہادری کے بے نظیر نمونے دکھائے کئی لوگوں نے آپ سے ٹکرلی اور وہ پاش پاش ہو گئے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ قادیان میں آپ کے قتل کی سازش کی گئی مگر آپ پر ذرہ برابر بھی خوف و ملال کے آثار نہیں تھے اور برابر اپنے کام میں مصروف رہے۔ اردو' عربی' فارسی کے علاوہ ایک حد تک پشتو بھی جانتے تھے۔ [۲۲] آپ کی مادری زبان پنجابی تھی مگر زمانہ طالب علمی میں زیادہ تر ہندوستان میں رہنے کی وجہ سے پنجابی نہیں بول سکتے تھے۔ اور عام بول چال اردو میں فرماتے تھے۔ [۲۳]

مشکل سے مشکل گھڑیوں میں بھی آپ ایسے بشاش رہے جیسے عام معمولات میں اور ہمیشہ فرماتے مومن پر خوف و حزن نہیں آسکتا۔ ہمیشہ خوش رہتے بیماری کے ایام میں بھی چڑچڑاپن نہیں آتا تھا۔

۲۴ فروتنی انکسار اور عاجزی میں اپنی نظیر آپ تھے ایک مرتبہ کسی جگہ ڈیڑھ روپیہ ماہوار کی نوکری کر لی مگر جب بعد میں نوکر رکھنے والے شخص کو علم ہوا کہ آپ علامہ دہر اور محدث زماں ہیں تو وہ حیران رہ گیا اور معافی مانگنے لگا۔ ۲۵ حافظہ کی قوت اتنی زبردست تھی کہ بچپن کی باتیں آخر تک دماغ میں نقش تھیں۔ اور ان کو ایسے غیر مبہم اور واضح رنگ میں بیان فرماتے تھے کہ گویا ابھی کل کی بات ہے حق گوئی میں آپ شمشیر برہنہ تھے۔ جمہوری ملکوں میں تو صحافت کی حکومت ہوتی ہے اور بڑی بڑی حکومتوں کو پریس کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑتے ہیں۔ مگر آپ اخبار نویسوں کے غلط طرز عمل پر کھلی تنقید کر دیتے اور فرماتے کہ یہ دوسروں کی اصلاح پر تو تیار ہیں۔ مگر اپنی اصلاح کی طرف کوئی توجہ دلادے تو لڑنے کو تیار ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ جب تم کسی ناصح کی بات پر عمل نہیں کرتے تو تمہارا کیا حق ہے کہ اپنی بات منواؤ۔ ۲۶

دیوان لچھمن داس وزیراعظم کشمیر نے ابتداء میں بعض افغانوں کو دربان مقرر کر دیا تھا جو پشتو کے سوا کوئی زبان نہ جانتے تھے۔ حضرت کو علم ہوا تو آپ نے ان کو خط لکھا کہ یہاں کے لوگ ملاقاتوں کے عادی ہیں۔ میں نے سنا ہے آپ نے خطرہ کی وجہ سے پہرہ بٹھا دیا ہے مہربانی کر کے ایک وسیع کمرہ جس میں ایرانی قالین بچھا ہوا ہو ملاقات کے لئے مقرر فرمائیں۔ دیوان صاحب نے خط ملتے ہی آپ کو بلا بھیجا اور بتایا کہ آپ کا خط ملتے ہی میں نے پہرہ والوں کو موقوف کر دیا ہے۔ اور ایرانی قالین بچھا دیا ہے نیز کہا کہ ریاست میں صفائی سے بات کہنے والا انسان ضروری ہے۔ اب میں کسی کو ملاقات کے لئے نہ روکوں گا۔ اور آپ کے لئے تو کوئی وقت مقرر نہیں آپ جس وقت چاہیں بلا تکلف تشریف لائیں۔

۲۷

حضرت خلیفہ اول کا بے پناہ علمی ذوق بڑے بڑے علماء و مفکرین کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتا تھا۔ آپ کو مطالعہ کا بے حد شوق تھا اور اس شوق میں آپ نے بے شمار روپیہ خرچ کر کے اپنی ذاتی لائبریری بنائی تھی۔ جس میں تفسیر' حدیث' اسماء الرجال' فقہ' اصول فقہ' کلام' تاریخ' تصوف' سیاست' منطق' فلسفہ' صرف نحو' ادب' کیمیا' طب' علم جراحی' علم ہیئت اور دیگر مذاہب وغیرہ کی نادر کتابیں موجود تھیں۔ جن میں کئی قلمی نسخے بھی تھے۔ اور آپ کے شوق کا یہ عالم تھا کہ خود اپنے خرچ پر مولوی غلام نبی صاحب مصری کو مصر بھجوا کر وہاں کی بعض قلمی کتابوں کی نقول منگوائیں۔ اور حق یہ ہے کہ اب تک حضرت خلیفہ اولؓ کا یہ ذاتی کتب خانہ ہی زیادہ تر جماعتی ضرورتوں میں کام آ رہا ہے۔ کئی سیاح اور زائرین قادیان میں اس کتب خانہ کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوتے تھے کہ اس چھوٹے سے قصبہ میں علوم کا یہ نادر خزانہ کہاں سے آ گیا ہے؟ سر شاہ محمد سلیمان جو فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے

ایک نہایت بلند پایہ علم دوست جج تھے انہیں ایک دفعہ سپین کی ایک نادر کتاب کی ضرورت پیش آئی جو سارے ہندوستان میں تلاش کرنے کے باوجود کہیں نہیں ملی۔ آخر انہیں پتہ لگا کہ اس کا ایک قلمی نسخہ قادیان میں موجود ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی اجازت سے اس کا یہ نسخہ عاریتاً حاصل کیا اور پھر بحفاظت واپس بھجوا دیا۔ لاریب کئی لحاظ سے حضرت خلیفہ اولؓ کی یہ ذاتی لائبریری ہندوستان میں عدیم المثال تھی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنی بعض تحریروں میں آپ کے کتب خانہ کی بہت تعریف فرمائی ہے اور یہ سب کچھ ایک نہایت محدود ذرائع والے انسان کے ذاتی ذوق و شوق کا ثمرہ تھا اور پھر یہ کتابیں محض جمع کرنے کے جذبہ کے ماتحت نمائشی رنگ میں اکٹھی نہیں کی گئیں بلکہ اس وسیع کتب خانہ کی ہر کتاب حضرت خلیفہ اول کے ذاتی مطالعہ میں آتی تھی اور جا بجا کتابوں کے حاشیہ پر آپ کے قلمی نوٹ پائے جاتے ہیں۔ [۲۸]

زندگی اس درجہ پاکیزہ تھی کہ دوسروں کو فرماتے تھے کہ تمہارے لئے یہ دلیل حضرت کی سچائی پر کافی ہے کہ میرے جیسا انسان مرزا صاحب کے غلاموں میں شامل ہو گیا۔ [۲۹]

آپ کے چچازاد بھائی مولوی غلام قادر صاحب (جنہوں نے اسلام کی کتابوں کا ایک سلسلہ لکھا تھا) کہا کرتے تھے کہ آج اگر مولوی نور الدین صاحب میرے ساتھ ہوتے تو سارا ملک سنی ہو جاتا۔ [۳۰]

قوت فراست کا یہ عالم تھا کہ کسی مصنف کی نثر کا ایک ورق پڑھ کر بھانپ لیتے تھے کہ اس کا مذہب کیا ہے؟ اور بیوی بچوں اور دوستوں اور دشمنوں سے اس کے تعلقات کیسے ہیں؟ [۳۱]

استغناء اور قناعت میں آپ کا مقام نہایت بلند تھا۔ آپ نے بارہا فرمایا کہ میں کسی بات میں تمہارا محتاج نہیں نہ تم سے کوئی اجر مانگتا ہوں۔ حتی کہ تمہارے سلاموں کا بھی خواہشمند نہیں۔ جب میں رات کو سوتا ہوں تو الحمدللہ کسی کے ساتھ کوئی ناراضگی کوئی حرص میرے دل میں نہیں ہوتی اور سب سے فارغ البال ہو کر سوتا ہوں [۳۲] خلیفہ ہونے پر انجمن نے آپ کا وظیفہ مقرر کرنا چاہا۔ مگر آپ نے اسے وصول کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔ [۳۳] بیمار ہوئے تو اپنی بیماری کے اخراجات خود ادا کئے [۳۴] فرمایا کرتے تھے کہ صحابہ کی طرح میں نے کبھی حضرت صاحب سے دنیا سے متعلق کوئی درخواست نہیں کی۔ [۳۵]

باوجود اپنی شان اور وجاہت کے آپ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ کا ذاتی خرچ صرف چند روپے تھا۔ تکلف اور بناوٹ سے آپ کی طبیعت کوسوں دور تھی۔ اکثر پاجامہ اور کھلا کرتہ زیب تن کرتے اور سر پر عمامہ رکھتے جو لنگی وغیرہ کی طرز کا ہوتا۔ صدری کا استعمال بھی فرماتے تھے۔ شیخ مولا بخش صاحب سیالکوٹی خاص اہتمام سے آپ کے لئے گرگابی لاتے۔ مگر آپ اس کی ایڑھی بٹھا

لیتے۔ آپ کے پاس گھڑی کبھی نہیں دیکھی گئی۔ اکثر کلک اور دیسی سیاہی استعمال فرماتے کسی وقت نب والے قلم سے بھی لکھ لیتے مگر اس سے بالکل مانوس نہیں تھے۔ یا اس کو پسند ہی نہیں فرماتے تھے۔ آپ مطب کے مشرقی دروازہ کے شمالی حصہ کے قریب صف پر بیٹھتے تھے۔ صف پر ادنیٰ درجہ کی اون کا بچھونا ہوتا تھا ساتھ تکیہ رکھا ہوتا سامنے معمولی سی تپائی ہوتی تھی مگر یہ پابندی نہیں تھی کہ لازماً اس پر رکھ کر ہی لکھیں اکثر دوزانو بیٹھ کر لکھتے۔ [۲۶] خضاب کبھی استعمال نہ کیا ہمیشہ مہندی لگایا کرتے تھے۔ [۲۷] ماسٹر عبدالرؤف صاحب بھیروی کا بیان ہے کہ حضرت مولانا نورالدین صاحب کو میں نے دیکھا ہے کہ اگر کرتے پر بٹن ابتداء سے نہیں لگا تو آخر دم تک اس پر بٹن نہیں دیکھا گیا۔ آپ کی مرغوب غذا یہ تھی کہ شوربے میں روٹی بھگو لیتے تھے۔ [۲۸]

کبھی گرمیوں میں سرد کوٹ پہنے نہیں دیکھے گئے۔ سادہ پگڑی کے پیچوں میں سے مہندی رنگے سرخ بال کبھی باہر نکلے ہوئے نظر آتے تھے۔ ہاتھ میں لمبا عصا رکھتے تھے۔ [۲۹]

غرضکہ آپ کے لباس اور کھانے اور بود و باش میں سادگی کا رنگ غالب تھا۔ مگر سادگی اور بے تکلفی کے باوجود ایک خداداد رعب رکھتے تھے۔ صبح سے شام تک پبلک میں رہتے مگر آپ کی وجاہت اور رعب اور دبدبہ اور شوکت میں ذرہ برابر فرق نہ آتا تھا۔ [۳۰]

خودداری میں آپ یکتائے روزگار تھے۔ ایک دفعہ نواب خان زمان خاں نے اپنا مدار المہام قادیان بھیجا کہ میں بیمار ہوں۔ میرے علاج کے لئے تشریف لائیں۔ مہربانی ہو گی۔ میں چھوٹی سی ریاست کا حکمران ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے تو آنے کی فرصت نہیں اگر آپ آجائیں تو میں آپ کا علاج کروں گا اور آپ کا تمام خرچ میں برداشت کروں گا۔ [۳۱]

اپنے دوستوں سے خاص طور پر حسن سلوک کرنا اور ان کی خیر اور بھلائی کے لئے ہر ممکن جدوجہد کرنا آپ کا آخری دم تک شعار رہا۔ ان کے لئے ہمیشہ دعائیں کرتے ان کی ضروریات کا خیال رکھتے دوستوں سے ملاقات کر کے آپ کو بے حد خوشی ہوتی۔ [۳۲] ایک دفعہ میاں محمد لودھیانوی نے حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں آپ سے کہا کہ اگر روپیہ کی ضرورت ہو تو مجھ کو ارشاد فرمائیں۔ مگر آپ نے جواب دیا کہ تم ہمارے لئے دعا کرو کہ ہمیں آپ سے مانگنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ [۳۳] ۱۹۰۹ء میں قادیان میں طاعون پھیلنے لگا۔ آپ نے خدا کی جناب میں نہایت تضرع سے دعا کی کہ ابھی تیری چھوٹی سی جماعت ہے اور اس جماعت میں اس درجہ کا دعا کرنے والا بھی نہیں۔ پس تو اپنا فضل کر۔ اس دعا کا کرشمہ یہ ہوا کہ طاعون کا حملہ ختم ہو گیا۔ جو بیمار تھا وہ بھی اچھا ہو گیا۔ [۳۴] آپ سوتے وقت اپنے سرہانے دعا کرانے والوں کی لسٹ رکھ لیتے اور تہجد میں اٹھ کر دعا فرماتے۔ [۳۵] حضرت خلیفہ اول کی

صحبت میں بیٹھنے والوں میں سے ہر ایک شخص یہی سمجھتا تھا کہ حضور سب سے زیادہ اسی سے محبت کرتے ہیں۔ چوہدری غلام محمد صاحب آپ کی خدمت میں بی۔ اے میں کامیابی میں دعا کے لئے روزانہ درخواست بھجواتے تھے۔ چند ہفتہ بعد حضور نے فرمایا کہ اب مجھے دعائیہ درخواست بھیجنے کی ضرورت نہیں مجھے تم ہر دعا کے وقت یاد آجاتے ہو۔ چنانچہ حضور کی دعاؤں کی برکت سے وہ کامیاب ہو گئے۔ [46]

جن خدام سے گہرے تعلقات ہوتے انہیں خطوں میں بھی لکھ دیتے کہ ہمیں تم سے بہت محبت ہے [47] اور دل سے چاہتے ہیں کہ آپ سے ملتے رہیں ایک دفعہ بھیرہ کے ایک دوست کو لکھا۔ "آپ کو مجھ سے محبت۔ مگر ملنے کی فرصت نہیں"۔ اسی طرح لکھا۔ "مجھے آپ سے بدل محبت ہے بھلا ہو سکتا ہے کہ آپ کا محبت نامہ آئے اور میں خود نہ پڑھوں۔ (۵/ مارچ ۱۹۱۳ء)"۔ [48]

مخدوم محمد اعظم صاحب کے نام ایک خط لکھا۔ "مجھے ان کو ایک بھی نسخہ ایسا نہیں جس کو بتانے میں تامل ہو پھر آپ ایک تو میرے نہایت پیارے بھائی کے بھائی ہیں پھر حکیم و طبیب شریف خاندان کے۔" [49]

باوجود سب نشیب و فراز جاننے کے اپنے دوستوں سے مشورہ کر لیتے تھے۔ [50] مردان کی جماعت قادیان میں جلسہ پر آتی تو واپسی پر حضور سے اجتماعی ملاقات کر کے جاتی تھی۔ ایک دفعہ مردان کے حضرت میاں محمد یوسف صاحب پہلے ہی چلے گئے حضرت خلیفہ اول نے پوچھا کہ میاں محمد یوسف صاحب کہاں ہیں؟ پھر تعجب کا اظہار فرمایا کہ وہ تو ہمیشہ مل کر جایا کرتے تھے۔ میاں محمد یوسف صاحب سلسلہ کے بڑے فدائی اور مخلص بزرگ تھے جب ان کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ کچہری میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سنتے ہی کچہری میں اپنا بستر منگوایا اور سیدھے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے اور حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں قادیان پہنچے۔ حضرت سے معافی مانگی اور پھر واپس مردان آئے۔ [51]

آپ نہایت درجہ خلیق، ملنسار اور شگفتہ مزاج تھے اور آپ کی ملاقات سے دل کو ایک سرور حاصل ہوتا تھا۔ ہر شخص آپ سے مل کر بہت خوشی سرور اور فرحت محسوس کرتا تھا۔ عبدالمجید صاحب سالک لکھتے ہیں:۔ "کہ ۱۹۱۲ء کا ذکر ہے میں بعض لوگوں سے ملاقات کرنے کے لئے بٹالہ سے قادیان گیا اور ایک عزیزہ کے علاج کے سلسلے میں مولانا حکیم نور الدین مرحوم و مغفور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ صبح کا وقت تھا حکیم صاحب اپنے مکان کے صحن میں تشریف رکھتے تھے بہت سے عقیدت مند اور ضرورت مند لوگوں کا جمگھٹا تھا کوئی نبض دکھا رہا تھا۔ کوئی طب کی تعلیم حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ کوئی دینی مسائل کے متعلق استفتاء کی غرض سے آیا بیٹھا تھا۔ میں بھی انہی لوگوں میں بیٹھ گیا۔ جب میری

باری آئی تو میں نے اپنی عزیزہ کے لکھے ہوئے حالات پیش کئے۔ حکیم صاحب نے ان حالات کو غور سے پڑھتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔ کہاں سے آئے؟ میں نے عرض کیا بٹالہ سے۔ پوچھنے لگے کس محلہ میں رہتے ہو؟ جواب دیا۔ ہاتھی دروازہ میں۔ پوچھا ککے زئی ہو۔ عرض کیا جی ہاں۔ پوچھا کس خاندان سے ہو۔ میں نے بتایا کہ میاں میر محمد میرے دادا ہیں۔ چونک کر کہا وہی میاں میر محمد جو صبح سے شام تک لوگوں کو مفت پڑھاتے ہیں؟ میں نے مسکرا کر کہا جی ہاں۔ فرمایا وہ تو ہمارے دوست ہیں اور تم ہمارے بچے ہو۔ یہاں کس کے پاس ٹھہرے ہو؟ میں نے عرض کیا۔ قاضی اکمل صاحب کے پاس۔ مسکرا کر کہا۔ جی ہاں شاعر تو شاعر ہی کے پاس ٹھہرے گا"۔ [۵۲]

آپ کا دربار ہر وقت کھلا رہتا اور آنے والے بلا تکلف آپ سے ملاقات کر سکتے تھے۔ جمعدار فضل دین صاحب کا بیان ہے کہ بیعت کے چند دن بعد میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا۔ اب تو آپ بے تکلفی سے دیکھ رہے ہیں ایک وقت آئے گا جب لوگ خلیفہ وقت کے چہرے کے لئے ترسیں گے۔

مہمانوں کی خدمت میں آپ کو ایک روحانی فرحت محسوس ہوتی تھی۔ مردان کے میاں محمد یوسف صاحب کے بھائی میاں محمد احسن ابھی غیر احمدی تھے۔ کہ وہ علاج کے لئے قادیان گئے حضرت خلیفہ اولؓ نے فرمایا کہ کھانے کا انتظام ہم خود کریں گے انہوں نے کہا رقم موجود ہے۔ فرمایا مجھے دے دو۔ اس کے بعد علاج ہوتا رہا۔ اور گاہے گاہے آپ ان کو حضرت اقدس کی مجلس میں بھی لے جاتے رہے جس کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے میاں محمد یوسف صاحب کو (جو وہ بھی اس وقت غیر احمدی تھے) خط لکھا کہ میں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ میاں محمد یوسف صاحب نے کہا کہ میرا انتظار کریں۔ اُس وقت دیکھا جائے گا۔ چنانچہ چند دن بعد میاں محمد یوسف صاحب بھی بیوی بچوں سمیت قادیان پہنچ گئے ان کو یہی فکر تھا کہ کہیں بیعت ہی نہ کر لی ہو۔ حضرت خلیفہ اول نے ان کے کھانے کا بھی انتظام فرمایا چند دن کے بعد پورے خاندان نے بیعت کر لی۔ میاں محمد حسن مردان جانے لگے تو آپ نے ان کی رقم واپس کر دی۔ [۵۳]

آپ کے وطن سے غریب رشتہ دار آتے۔ ان پر کمال شفقت فرماتے۔ [۵۴]

بخاری کی حدیث میں جب ماں کے رشتہ داروں سے سلوک کر کے دنیاوی فائدہ کا ذکر آیا۔ تو فرمایا میری روزی کی وسعت کا ذریعہ حدیث نبوی پر عمل کرنا ہے۔ تم دیکھ رہے ہو میری والدہ کی قوم کے لوگ میرے پاس اپنی اپنی ضرورت کے لئے کیسے دوڑتے آتے ہیں۔ ایک دفعہ کالو نام کا لمبے قد کا جوان کئی ماہ آپ کے پاس رہا۔ غرض اپنی والدہ کے اقرباء سے حسن سلوک کو روزی کی وسعت کا ذریعہ قرار

دیتے تھے۔ [55]

مساکین و یتامی کی پرورش کا خیال رکھتے اور ہمیشہ آپ نے کسی یتیم لڑکے لڑکی کو اپنے گھر میں اپنی اولاد کے برابر عزیز رکھا۔ [56] آپ کی ہدایت تھی کہ نئی جوتی یا لحاف یا کوئی اور چیز خرید و تو پرانی جوتی یا لحاف وغیرہ غریب کو دے دو۔ [57]

ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے ایام میں آپ نے جماعت کے ڈاکٹروں اور حکیموں کو بلا کر نصیحت فرمائی کہ غریبوں کو ایسا نسخہ بتائیں جو چند پیسوں کا ہے۔ اور امیروں کو ایسا نسخہ بتائیں جو ان کی حیثیت کے مطابق ہو۔ ان سے جو دوا بچے وہ دوا غریبوں پر خرچ کریں اور غریبوں کی دعائیں لیں۔ یہاں جو غریب آتے ہیں۔ ان کو تیار شدہ دوا دے دیتا ہوں۔ جو نسخہ تیار نہیں ہوتا۔ وہ ایسا نسخہ ہوتا ہے جو چند ٹکوں کا ہوتا ہے۔ [58]

ایک غیر احمدی دوست نے جو حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں دو سال تک کشمیر میں رہ چکے تھے۔ بیان کیا کہ "کشمیر میں مہاراجہ امر سنگھ صاحب حکومت کرتے تھے۔ اور آپ (خلیفہ اولؓ) ان کے یہاں شاہی طبیب تھے۔ درباری مصروفیات کے علاوہ آپ کو جب بھی موقع ملتا غریب مریضوں کا اپنی خداداد حکمت و قابلیت سے علاج کرتے اور مفت کرتے۔ آپ کی غریب نوازی کا دائرہ یہاں تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ بیسیوں ایسے طریقے آپ نے اختیار کر رکھے تھے۔ جن سے محتاجوں کی حاجت روائی ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ ایسا ہوتا کہ کئی امیدوار اپنی عرضیاں سفارش کے لئے لاتے۔ آپ نہ صرف سفارش فرماتے بلکہ مہاراجہ صاحب سے منظور کرا دیتے۔

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ یکے بعد دیگرے آٹھ امیدوار اپنی عرائض سفارش کی غرض سے لائے آپ نے ان کی دل شکنی نہ کی۔ بلکہ ہر ایک سے یہی فرمایا۔ کہ میں تمہاری عرضی رکھ لیتا ہوں۔ صبح مہاراجہ صاحب کے پیش کر کے تمہیں اطلاع دوں گا۔ دوسرے روز حسب معمول آپ دربار میں گئے اور اچھا موقع پا کر ایک عرضی مہاراجہ صاحب کے پیش کر دی۔ مگر مہاراجہ صاحب نے عرضی نامنظور کر دی۔ آپ نے دوسری پیش کر دی۔ وہ بھی قبولیت کا درجہ حاصل نہ کر سکی حتی کہ آپ نے سات عرضیاں پیش کیں۔ اور ساتوں کا یہی حشر ہوا۔ لیکن آپ بالکل مایوس نہ ہوئے بالآخر آٹھویں بھی پیش کر دی مہاراجہ صاحب آپ کی مستقل مزاجی سے حیران رہ گئے اور آپ سے اس طرح مخاطب ہوئے:۔ مولوی صاحب! ایسا کوئی شخص میری نظر سے آج تک نہیں گزرا۔ جسے سات بار ناکامی ہو اور اس نے اپنا قدم ذرہ بھر بھی پیچھے نہ کیا ہو۔ مگر آپ نے اپنی تعریف کا سننا گوارا نہ کیا۔ اور مہاراجہ کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ چونکہ میں عرائض کنندگان سے وعدہ کر چکا تھا کہ تمہاری عرضیوں کو ضرور مہاراجہ

صاحب کے پیش کردوں گا۔ اس لئے اس فریضہ کو ادا کیا ہے مہاراجہ صاحب اس جواب سے اور زیادہ محظوظ ہوئے اور آٹھوں عرضیوں کو منظور کرلیا۔ ۵۹

پڑوسیوں اور عام مسلمانوں اور غیر مسلموں کے حقوق کا خاص خیال رکھتے اور اس کی طرف دوسروں کو توجہ دلاتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کے مصائب سے آپ کو از حد صدمہ ہوتا اور بعض اوقات ان کا تصور کرکے ساری رات اس غم میں جاگتے رہتے۔ کہ دجالی فتنہ شدت سے بڑھتا جارہا ہے۔ اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کی کئی حکومتیں تباہ ہوگئیں۔ ۶۰ اپنے صاحبزادہ عبدالحی کا مکان بنوا رہے تھے کہ ہمسایوں کی طرف سے دیوار پر کوئی اعتراض اٹھا۔ اس پر حضور کے حکم سے بنی بنائی دیوار گرا دی گئی۔ ۶۱ دشمنوں سے بھی حسن سلوک کرتے اور جماعت کو بھی ہدایت فرماتے کہ دشمنوں کے لئے دعا اور مخالفوں سے نیکی کرو۔ ۶۲-۶۳

آپ بے حد فیاض اور ہمدرد بنی نوع بشر تھے۔ شاگردوں سے بہت انس تھی۔ اپنے پاس سے طلباء کو کتابیں کپڑے اور کھانا دیتے تھے۔ نذرانہ آتا تو اکثر دوستوں اور شاگردوں اور خدام میں بانٹ دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے ایک شاگرد نے عرض کی۔ گرم کپڑا نہیں ہے حضرت نے اپنے اوپر ایک دھسہ لیا ہوا تھا۔ فوراً اتار کردے دیا اور خود اندر سے رضائی منگوا کر لپیٹ لی۔ ۶۴

آپ بہت سے طلباء ۶۵ کی فیس اور خرچ اپنے جیب سے ادا کیا کرتے تھے امرت سر کا ایک شخص میاں غلام رسول حجام احمدی ہوا۔ اس سے لوگوں نے کام لینا چھوڑ دیا۔ اور اس کو بہت تنگ کیا۔ حضرت اقدس سے اس کو بہت محبت تھی۔ حضور کے ناخنوں کے تراشے کپڑے میں باندھ کر رکھتا تھا۔ کہ جب میں مروں گا تو میری آنکھوں اور چہرہ پر ڈالے جائیں گے۔ میاں غلام رسول کے لڑکے کا خرچ بھی حضرت مولوی صاحب دیا کرتے تھے۔ بورڈنگ سے بقایا کی وجہ سے اسے نکال دیا گیا۔ آپ کو یہ بات ناگوار گزری آپ نے حضرت اقدس مسیح موعود کے خاندان۔ قاضی سید امیر حسین صاحب اور حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب کو مستثنیٰ کرکے حکیم غلام محمد صاحب امرت سری سے کہا کہ دروازہ پر اشتہار چسپاں کریں کہ جو علاج کے لئے گھر بلائے گا اس سے اتنی فیس وصول کی جائے گی مہینہ گزرنے پر جو لوگ علاج کے لئے گھر لے گئے تھے ان سے رقم کا مطالبہ ہوا۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے مطب کے مشرقی جانب کے کمرے رقم کے عوض دئے جو بیماروں کے کام آنے لگے۔ بعد ازاں آپ نے اشتہار اتروا دیا۔ ۶۶

ایک دفعہ اپنے بڑے لڑکے میاں عبدالحی مرحوم کو بورڈنگ میں داخل کرایا۔ اور چوہدری غلام محمد صاحب بی۔ اے سپرنٹنڈنٹ کو لکھ بھیجا کہ خرچ میں حتی الوسع کفایت کرنے کی کوشش کریں۔

حضور نے اپنے بچہ کے متعلق کفایت شعاری کی تاکید فرمائی ۔ حالانکہ اس وقت بورڈنگ میں پانچ یا چھ یتیم بچے آپ کے خرچ پر داخل تھے ۔ اور ان کے خرچ میں تخفیف کے لئے آپ نے کبھی کفایت کے لئے ہدایت نہیں فرمائی ۔ [67]

آپ کے درس میں غیر احمدی طلباء بھی شامل ہوتے تھے ۔ اور ان پر بھی حضرت کی نگاہ شفقت رہتی تھی ۔ ایک شخص سید محمد نصیب نامی نے کہا ۔ میری والدہ بوڑھی ہے اس کی خدمت نہیں کر سکتا ۔ اور اس وجہ سے تعلیم حاصل نہیں کر سکتا ۔ آپ نے فرمایا ۔ تمہاری والدہ کو میں خرچ دوں گا ۔ تم پڑھنا شروع کر دو ۔ چنانچہ اس نے متنبی وغیرہ پڑھنی شروع کر دی ۔ اور آپ اس کی والدہ کو ماہوار خرچ دیتے رہے یہ شخص منشی فاضل پاس کر کے گورداسپور میں ملازم ہو گیا ۔ [68]

آپ عیدین کے موقعہ پر قادیان کے مستحق امداد لوگوں کے نام لکھ کر بچوں اور بالغوں کے لئے کپڑوں کو ٹانک کر کچھ نقدی کے ہمراہ بھجوا دیا کرتے تھے ایک دن عید میں جب کپڑے تقسیم کئے گئے تو ایک شخص نے کہا کہ میرا پاجامہ اور جوتی نہیں ۔ آپ نے ایک طالب علم سے چادر لی اور پاجامہ اور جوتی نکال کر دے دی ۔ اور ننگے پاؤں گھر چلے گئے ۔ عید کے لئے بلانے والا بار بار آ رہا تھا ۔ اتنے میں سرخ کھال کی جوتی اور کپڑے لاہور سے آپ کو پہنچے تب آپ نماز کے لئے تشریف لے گئے ۔ [69]

ایک دفعہ حضرت خلیفہ اول نے شیخ محمد نصیب صاحب کو ایک چوزہ دیا ۔ ان کے پاس ان دنوں کئی مرغیاں تھیں جب یہ چوزہ بڑا ہو گیا تو انہوں نے عرض کی کہ اب یہ پل گیا ہے اگر اجازت دیں تو بھجوا دوں ۔ فرمایا ۔ نور الدین جب کوئی چیز دیتا ہے تو پھر لیتا نہیں ۔

سائل کے سوال کو آپ نے کبھی رد نہیں فرمایا ۔ [70] حاجی مفتی عبد الرؤف صاحب بھیروی کا بیان ہے ۔ [71] جو چیز آپ کے پاس آتی وہ تقسیم کر دیتے تھے ۔ ایک حاجتمند آیا کہ لڑکی کی شادی کرنی ہے ۔ مگر کوئی پیسہ میرے پاس نہیں ۔ آپ نے فرمایا کتنے پیسوں میں گزارا ہو جائے گا ۔ اس نے اڑھائی سو روپے بتائے فرمایا بیٹھ جائیں ۔ چنانچہ آپ مریضوں کے ہاتھ دیکھتے رہے ۔ ظہر کے وقت اٹھنے لگے اور کپڑا اٹھایا گنتی کی گئی ۔ پورے اڑھائی سو روپے نکلے جو اس غریب کو دے دئے گئے ۔

ایک شخص نے ایک مصلّٰی آپ کو تحفہ دیا ۔ آپ نے وہ رکھ لیا اور ایک خادمہ کو بلوایا اور فرمایا تم جائے نماز مانگتی تھی خدا نے بھیج دیا ہے یہ اٹھا لے جاؤ ۔ [72]

نواب عبد الرحیم خاں صاحب خالد کی روایت ہے کہ "دو اشخاص مرزا صفدر علی اور ایک احمد دین (ہمارے ملازم) دونوں آپ کے قصے سنایا کرتے تھے کہ لوگ مالی امداد کے لئے آپ کے پاس حاضر ہوتے آپ کبھی کسی کو انکار نہیں فرماتے تھے کہہ دیا کرتے تھے بیٹھ جاؤ ۔ جو تمہاری قسمت کا ہو گا وہ تم

کو مل جائے گا۔ آپ کے علاج سے جو مریض شفایاب ہوتے یا اعتقاد الوگ آپ کو حاضر ہو کر یا کسی کے ہاتھ بھیج کر یا بذریعہ منی آرڈر روپیہ دیا یا ارسال کرتے تو اگر دو یا تین حاجتمند منتظر بیٹھے ہوتے تو ان کو سلسلہ وار جس کی پہلی درخواست ہوتی اس کو پہلے پھر دوسرے پھر تیسرے کو جو آتا یہ کہہ کر دے دیا کرتے۔ لو بھئی یہ تمہاری قسمت کا ہے۔ اب اس پر اکتفا کرو"۔

آپ ہر مذہب و مشرب کے بیمار کا نہایت شفقت سے علاج فرمایا کرتے۔ ایک ہندو علاج کے لئے آیا جو دق کا مریض تھا۔ آپ نے اسے نسخہ لکھ دیا۔ اس نے عرض کی اس دوا کے خریدنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔ آپ نے بذریعہ ڈاک دوا منگوا دی۔ اور فرمایا ختم ہونے پر اطلاع دینا۔ اس کو دوا باقاعدہ منگوا کر دیتے رہے حتیٰ کی وہ تندرست ہو گیا۔ [۷۳]

حضرت خلیفہ اول جماعت کی بہبود کا خیال رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں ڈرتا ہوں کہ مرنے کے بعد جب میں حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ تو آپ یہ جواب طلبی نہ فرمائیں۔ تم نے میری جماعت کی ترقی و استحکام کے لئے کیا کیا ہے؟ [۷۴]

آپ ہر کار خیر میں جسؓ کا اعلان ہوتا ضروری چندہ میں حصہ لیتے اور اتنا دیتے کہ قریباً سب سے بڑھ جاتے۔ [۷۵]

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے آپ خاص طور پر زبردست حامی تھے اور ان پر شفقت و رحم کے برتاؤ کا اپنے وعظوں میں اکثر ذکر فرماتے۔ [۷۶] حسن معاشرت کی مثال اپنی آپ تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے آج تک کسی بیوی کا کوئی صندوق ایک مرتبہ بھی کھول کر نہیں دیکھا۔ آپ نصیحت فرماتے تھے کہ جب سفر سے آؤ۔ تو بیوی کے لئے کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور لے جاؤ [۷۷] بیوی کے انتخاب میں ہمیشہ دین کو اہمیت دیتے۔ حافظ احمد دین صاحب بھیروی کو ایک خط میں لکھا۔ "دولت ایک سایہ کا حکم رکھتی ہے۔ غرباء کو دولت مند اور امراء کو غریب ہوتے وقت کیا دیر لگتی ہے...... لیاقت حقیقی ایمان ہے حسن و صحت اگر عورت میں ضروری ہے تو مرد میں بھی ضروری ہے۔ والا حسین عورت کم رو آدمی کے پاس کیسے باعصمت رہ سکتی ہے"۔ [۷۸] آپ بیوی بچوں کو علیحدہ رکھنے کو بہت ناپسند فرماتے تھے۔ اور اسے آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اسوہ حسنہ کے خلاف قرار دیتے تھے۔ [۷۹]

ایک روایت ہے کہ آپ جب کشمیر کی ملازمت سے سبکدوش ہوئے تو کسی امیر نے آپ کو ایک تھیلی جس میں ہزار روپے تھے۔ بطور نذرانہ دی جو آپ کی اہلیہ نے ایک ٹرنک میں رکھ دی۔ بھیرہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ تھیلی والا ٹرنک ٹانگہ میں ہی رہ گیا ہے گھر والوں نے طبعاً بہت افسوس کا اظہار کیا۔ مگر

آپ نے زندگی بھر اس کی طرف اشارہ تک نہیں فرمایا۔ [۸۰]

بچوں کو ہمیشہ نصائح فرماتے اور ان کی تربیت کی طرف خاص توجہ رکھتے تھے۔ [۸۱] آپ کا معمول تھا کہ بچوں کو بعض نصیحت آموز فقرے یاد کرا دیا کرتے تھے کہ ہم یہ کریں گے یہ نہیں کریں گے۔ [۸۲]

مفتی عبدالرؤف صاحب بھیروی اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ناشتہ کے وقت انڈہ میں سے زردی خود کھاتے اور سفیدی مجھے دے دیتے تھے۔ [۸۳]

حضرت مفتی صاحب بچپن میں دوا لینے کے لئے آپ کے مطب میں گئے اور دوا کے لئے بایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔ مگر آپ نے فرمایا۔ دائیں ہاتھ سے لو۔ [۸۴]

ایک دفعہ آپ کے صاحبزادہ عبدالحی کو کسی چھابڑی والے نے اس کی چند چیزیں خراب کر دینے پر جھڑکا۔ حضرت خلیفہ اول نے اسے کئی گنا قیمت ادا فرمائی اور فرمایا کہ بچوں کو جھڑکنا نہیں چاہئے۔ اس سے ان کے ابھرنے والے جذبات دب جاتے ہیں۔ [۸۵]

آپ نے ہدایت دے رکھی تھی کہ بچوں کو سکول میں پیٹا نہ جائے۔ [۸۶]

ایک دفعہ میاں عبدالحی صاحب مرحوم نے آپ کا موتیوں کا سرمہ کھیلتے ہوئے گرا دیا۔ کسی نے کہا کتنا قیمتی سرمہ تھا۔ حضور نے فرمایا۔ "عبدالحی کی قیمت اس سے بھی زیادہ ہے"۔ [۸۷]

حضور کے بعض صاحبزادے درس سے پہلے مسجد میں آجاتے اور جب آپ تشریف لاتے۔ تو یہ پیچھے سے آکر کندھوں پر چڑھ کر پاؤں طرف آگے لٹکا لیتے۔ حضور ان کو خوش کرنے کے لئے ہاتھوں کے بل اور زیادہ جھک جاتے۔ [۸۸]

چودھری غلام محمد صاحب بی۔ اے نے رپورٹ دی کہ عزیز عبدالحی (ان دنوں بورڈنگ میں داخل تھے) باقاعدہ نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ اس پر آپ نے اپنی جیب سے ان کو ایک روپیہ عطا کر کے فرمایا۔ کہ رسول کریمؐ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص خوشخبری دے تو اسے کچھ دینا چاہئے۔ [۸۹]

شیخ عبدالکریم صاحب مغلپورہ کا بیان ہے کہ بٹالہ کے ایک مسلمان نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے دو بچوں کو پادری مرتد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں (مشن والے ان بچوں کا خرچ بھی دے رہے تھے) آپ دعا کریں۔ کہ یا تو یہ بچے مر جائیں یا اسلام میں رہیں۔ حضرت خلیفہ اول نے یہ بچے اپنی نگرانی میں لے لئے اور ان بچوں کے اخراجات دیتے رہے ان بچوں میں سے ایک کا نام شیخ عبدالرحیم ہے یہ واقعہ خلافت اولیٰ سے پہلے کا ہے۔

جانوروں سے حسن سلوک کا آپ کو ہمیشہ خیال رہتا تھا۔ آپ کے سامنے کوئی بھینس لے کر آیا۔ اس نے گوبر کر دی۔ لوگوں نے برا مانا اور تھوکنے لگے۔ حضرت خلیفہ اول نے فرمایا کہ تمہارے پاخانہ

سے تو زیادہ بدبودار نہیں۔ ۹۰

کسی ادنیٰ لغویت کو بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ ۹۱ فروع سے الجھنا آپ لغو سمجھتے تھے اور فضول اور نکمی بحثیں آپ کو سخت ناپسند تھیں۔ ۹۲

آپ کو بے فائدہ سوالات سے سخت نفرت تھی۔ کسی نے سوال کیا کہ کوئی خلیفہ ۴۰ سال کی عمر سے کم ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں خلیفوں کا مورخ .... نہیں۔ ومن حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ خاکسار کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ آدم اور داؤد علیہما السلام کی کیا عمر تھی نیز ثم جعلنکم خلئف فی الارض میں سب بالغ بلکہ غیر بالغ موجود ہیں"۔ ۹۳

آپ کو حقہ سے سخت نفرت تھی۔ ایک شخص حقہ پی کر آپ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہو گیا آپ کو متلی ہونے لگی۔ نماز کے بعد آپ نے اسے فرمایا۔ کہ مہربانی فرما کر آپ ایسی حالت میں گھر ہی نماز پڑھ لیا کریں۔ ۹۴

آپ کی پوری زندگی نہایت درجہ مصروفیت اور غیر معمولی محنت میں گزری۔ کسی نے کہا فرصت ہے۔ فرمایا ہم تو موت کے ساتھ فرصت چاہتے ہیں۔ ۹۵

سید امجد علی صاحب سیالکوٹی کا بیان ہے۔ کہ ایک دفعہ میں حضرت خلیفہ اول سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ صاحبزادہ عبدالحی صاحب نے بچپن کی سادگی میں مجھ سے پوچھا کہ کیا کرتے ہیں میں نے کہا کوئی کام نہیں۔ حضرت خلیفہ اول سے انہوں نے ذکر کیا کہ اباجان وہ کہتے ہیں۔ کہ میں کوئی کام نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا۔ مومن بیکار نہیں رہتا (یا نہیں ہوتا)

حضرت خلیفہ اول ؓ کے وعظ و تلقین کا رنگ نہایت درجہ دلربا۔ موثر اور دل نشین ہوتا۔ آپ کا ہمیشہ طریق یہ تھا کہ جس کا قصور ہوتا اسے ہرگز مخاطب نہ فرماتے۔ آپ کی ہر بات میں ایک درد اور جذب ہوتا تھا۔ آپ کی مجلس کا رنگ ایسا نرالا تھا کہ انسان کی روح تازہ ہو جاتی اور دنیا سے بے رغبتی کے ساتھ ساتھ سوز و گداز غم اور درد پیدا ہو جاتا۔ ۹۶ اور کثافتیں دھل جاتی تھیں۔ آپ کو افسوس تھا کہ واعظ صرف ہنسانے اور رلانے کا خیال تو سامنے رکھتے ہیں۔ مگر خشیت اللہ ان کے مد نظر نہیں ہوتی۔ ۹۷ آپ محض قوت متخیلہ کو بڑھانے کو بہت خطرناک چیز سمجھتے تھے۔ آپ کو زبردست قوت قدسی حاصل تھی آپ کے وعظ سے کئی لوگوں نے بیعت کی۔ ۹۸ آپ سلسلہ کے کارکنوں سے توقع رکھتے تھے کہ وہ صرف ڈیوٹی کے اوقات میں ہی کام میں مصروف نہ رہیں۔ بلکہ کچھ نہ کچھ وقت رضاکارانہ کام بھی ضرور کریں۔ ۹۹

آپ کے کلام میں ایک جدت ہوتی تھی۔ ایک جلسہ سالانہ پر حضرت خلیفہ اول نے ایک نکاح کا

اعلان فرمایا۔ اور فرمایا کہ چھوہارے تقسیم کرنے کے لئے کوئی باہمت نوجوان ہے۔ اس پر مولوی چراغ الدین صاحب (مربی سلسلہ احمدیہ پشاور) کے والد معین الدین صاحب آف مردان کھڑے ہوئے۔ حضور نے دیکھتے ہی فرمایا۔ "ہمت مرداں مدد خدا"۔ [۱۰۰]

آپ ایک مخصوص انداز تحریر کے بانی تھے۔ تالیف و تصنیف کی زبردست قوت رکھتے تھے۔ اور آپ نے کئی معرکتہ الاراء کتابیں تالیف کیں۔ جن میں سے بعض آپ کا عظیم شاہکار ہیں۔ تحریر میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ ساتھ سادگی اور وقار کا قدرتی رنگ بہت ٹپکتا تھا۔ آپ نے اسلام کے بدگو دشمنوں کے خلاف بھی قلم اٹھایا ہے۔ مگر متانت اور سنجیدگی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ آپ نے مخالف کا نام تک اپنی جوابی تحریروں میں نہیں لیا۔ اور جب تک بتایا نہ جائے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ کتاب کس معاند کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ بہرحال آپ بہت نرم مزاج تھے اور مخالفوں کے خلاف تحریروں میں آپ کبھی سخت کلمہ استعمال نہیں کرتے تھے۔ [۱۰۱]

حضرت خلیفہ اولؓ جن دنوں عبدالغفور مرتد کے رسالہ "ترک اسلام" کا جواب دے رہے تھے حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے عرض کیا کہ اس مرتد نے کتنی فحش کلامی کی ہے مگر آپ نے کوئی سخت لفظ اس کے جواب میں نہیں لکھا۔ فرمایا۔ جو شخص دور چلا جائے۔ اس کو اور زیادہ دور کرنا بہادری نہیں نزدیک لانا بہادری ہے۔ [۱۰۲]

کبھی مباحثات کی آپ نے خواہش نہیں کی اور نہ کسی مباحثہ کی خود طرح ڈالی ہے بایں ہمہ علم مناظرہ میں آپ ایک خاص طرز کے موجد تھے۔ اور فریق مخالف کو دو ایک باتوں میں ہی ساکت کر دینے کا خدا نے آپ کو غیر معمولی ملکہ عطا کر رکھا تھا۔ [۱۰۳]

پردہ پوشی اور اغماض آپ کی خاص عادات میں سے تھے۔ ایک دفعہ دس اشخاص بیعت کے لئے حاضر ہوئے آپ کو کشفاً بتایا گیا کہ ان میں سے ایک قتل نفس کے جرم کا ارتکاب کر چکا ہے۔ اس پر آپ نے سبھی سے بیعت توبہ لی اس طرح سب کی اجتماعی بیعت توبہ سے اس ایک شخص کی بھی پردہ پوشی ہو گئی۔ [۱۰۴]

حسن ظنی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ایک زمیندار نے چند گنے پیش کئے۔ دوسرے زمیندار نے کہا کہ یہ چوری کے ہیں۔ حضرت خلیفہ اول نے ارشاد فرمایا۔ میں نے چوری کرتے نہیں دیکھا نہ میں اسے چور سمجھتا ہوں۔ یہ بدظنی ہے اس کی قیمت اگر چاہو تو مجھ سے لے لو۔ [۱۰۵]

حضرت خلیفہ اول شعار اسلامی کی خود بھی سختی سے پابندی فرماتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔ اسلامی واعظین کے لئے آپ ہمیشہ داڑھی کا پرزور حکم دیتے تھے۔ [۱۰۶] قادیان کے (غیر

احمدی) ارائیوں کی مسجد کے حجرہ کی فروختگی کا آپ کو علم ہوا۔ تو آپ نے فرمایا یہ بے حرمتی ہے اگر مقدمہ کرنے کی ضرورت ہو تو مقدمہ کرو۔ [۱۰۷]

سلسلہ کے نظام کا آپ کو بے حد احترام تھا۔ زمانہ خلافت سے قبل جبکہ آپ صدر انجمن احمدیہ کے امین تھے۔ اور خزانہ کی الماری آپ کی اس کوٹھڑی میں رہتی تھی جو مطب کے ساتھ تھی۔ الماری سے سو روپیہ کم ہو گیا۔ انجمن نے فیصلہ کیا۔ کہ چونکہ انجمن کے فیصلہ کے مطابق روپیہ نکالنے یا رکھنے کے وقت خود نہیں جاتے رہے اس لئے نقصان کے ذمہ دار مولوی صاحب ہیں۔ چنانچہ آپ نے یہ سو روپیہ ادا فرمادیا۔ اور حرف شکایت تک زبان پر نہ لائے۔ [۱۰۸]

بزرگان دین سے آپ کو بے حد الفت تھی۔ مجددین اور اولیائے دین کا نام بڑے ادب سے لیتے تھے۔ خصوصاً حضرت امام ابو حنیفہؒ۔ [۱۰۹] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے تو آپ کو خاص تعلق تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ **غفرہ اللہ بفضلہ و منہ و کرمہ امین فانہ کان نعمہ لاھل الھند و انا احبہ للہ و فی اللہ و باللہ۔** [۱۱۰] آپ ہمیشہ اس خیال سے ذہنی تکلیف محسوس کرتے کہ حسین علیہ السلام کو شہید کرنے والا شخص عشرہ مبشرہ میں سے ایک صحابی کا لڑکا تھا۔ [۱۱۱]

زہد و تقویٰ کا یہ حال تھا کہ کوئی فعل کوئی قول کوئی حرکت کوئی سکون ایسا نہ تھا۔ جو نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ کے خلاف ہو۔ آنحضرت ﷺ کی محبت میں ایسے گداز تھے کہ حد بیان سے باہر ہے۔ [۱۱۲] ایک دفعہ فرمایا۔ "جب میں اپنے نبی پر نازل ہونے والے قرآن مجید میں عطاء غیر مجذوذ پڑھتا ہوں تو جی چاہتا ہے کہ اس پیارے نبی کے قدم چوم چوم کے اس کے قربان ہو جاؤں۔ جس نے میری فطرت کا تقاضا پورا کر دیا۔ [۱۱۳] منشی عبد الحق صاحب کاتب (مکرم ابو المنیر مولوی نور الحق صاحب فاضل پروفیسر جامعہ احمدیہ کے والد ماجد) نے بتایا کہ میں کچھ عرصہ کے لئے قادیان سے باہر کتابت کے کام کے سلسلہ میں فیروز پور چلا گیا۔ اور ایک عیسائی پادری کے اصرار پر اس کی بعض کتابیں بھی لکھیں۔ میں جب قادیان آیا تو حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے دریافت فرمایا کہ کہاں ہوتے ہو؟ میں نے سب حال عرض کیا۔ حضرت خلیفہ اول غیرت رسولؐ کے جذبہ سے موجزن ہو کر فرمانے لگے۔ کہ پھر تو رسول اللہ ﷺ کو خوب گالیاں دیتے ہوں گے۔ یہ بات سن کر منشی عبد الحق صاحب تڑپ گئے۔ اور پھر فیروز پور جانے کا نام تک نہ لیا۔

حدیثوں کا بہت سا حصہ یاد تھا۔ [۱۱۴] فرمایا کرتے تھے۔ "میں نے بہت روپیہ' محنت' وقت خرچ کر کے احادیث کو پڑھا ہے۔ اور اس قدر پڑھا ہے۔ کہ اگر بیان کروں تو تم کو حیرت ہو۔ ابھی میرے

سامنے کوئی کلمہ حدیث کا ایک قرآن کا اور ایک کسی اور شخص کا پیش کرو۔ میں بتادوں گا کہ یہ قرآن کا ہے یہ حدیث کا ہے اور یہ کسی معمولی انسان کا"۔ درود شریف کا خود بھی بڑی کثرت سے ورد کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت فرماتے۔ [۱۱۵] آنحضرت ﷺ کے لئے آپ کو بے حد غیرت تھی مولوی ریاض احمد بریلوی کے نام ایک خط میں لکھا۔ "حضرت شاہ ولی اللہ مجدد والا حکیم الامت نے بھی زینب کے قصہ میں لغزش کھائی ہے۔ اور حجۃ اللہ البالغہ میں ایک لفظ لکھ دیا ہے۔ جس سے ایک مومن رنج اٹھاتا ہے۔ [۱۱۶] ایک شخص نے "قاضی مبارک" پڑھنے کی درخواست کی۔ فرمایا۔ پہلے ایک صفحہ مشکوۃ شریف کا پڑھ لیا کرو۔ مگر وہ آمادہ نہ ہوا۔ اس لئے آپ نے بھی پڑھانے سے انکار کر دیا۔ [۱۱۷] ایک دفعہ آپ نے علی گڑھ کالج کے بعض طلبہ کو ایک خط میں لکھا۔ "کیمرج آکسفورڈ کی ہوا چل رہی ہے۔ ہم لوگ وادی غیر ذی زرع کی ہوا کے گرویدہ ہیں"۔ [۱۱۸] فرماتے تھے۔ حضرت محمد ﷺ لڑائیوں میں اپنی بیوی عائشہ صدیقہؓ اور اپنی بیٹی فاطمہ کو بھی لے جاتے تھے۔ کسی تاریخ میں نہیں لکھا کہ یہ دونوں پکڑی گئی ہوں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی شکست نہیں کھائی میں ایسی کہانیوں کو جھوٹ سمجھتا ہوں کہ نبی کریمؐ نے شکست بھی کھائی"۔ [۱۱۹]

ایک شخص نے آپ سے کہا۔ کہ تم نبی کریم ﷺ کی مدح کیوں کرتے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ زمین گول ہے نماز کا وقت زمین پر ہر جگہ ہوتا ہے۔ ہر وقت سینکڑوں ہزاروں لوگ نمازیں پڑھتے ہیں پھر ہر نماز میں درود پڑھی جاتی ہے اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ تم بتاؤ کوئی رسول بھی ایسا ہے جس کے لئے اس قدر دعائیں مانگی جاتی ہوں اور مانگی گئی ہوں۔ [۱۲۰] درود شریف کی تاثیرات و برکات کو آپ بڑے شرح و بسط سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ [۱۲۱]

ایک دفعہ فرمایا۔ "خدا تعالیٰ نے مجھے رسول اللہؐ سے ایسی محبت بخشی ہے۔ کہ میرے کسی گوشہ میں آپ کی تعلیم۔ آپ کی اولاد۔ آپ کی آل سے ذرا بغض نہیں رہا۔ میں نے اتنی تاریخیں پڑھی ہیں۔ خارجی۔ شیعہ۔ رافضی کی مگر پھر بھی کسی صحابی سے مجھے رنج نہیں۔ نہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی سے نہ کسی آل و اولاد سے رنج ہے۔ اور خدا کا فضل ہے"۔

خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کے لئے غیرت آپ کے دین و عقیدہ کا جزو اعظم تھی۔ جو آپ کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی تھی۔ آپ کوئی ایسی بات جس سے خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر حرف آئے یا اس کی شان کو داغدار کیا جائے۔ آپ کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتی تھی۔ طالب علمی کے زمانہ میں ایک دفعہ آپ کے ایک استاد کے یہاں پیران پیر کی "گیارھویں شریف" کی جلیبیاں آئیں۔ استاد نے کہا کہ ان کا کھا لینا جائز ہے۔ مگر آپ نے یہ کہتے ہوئے کھانے سے صاف انکار کر دیا کہ ما اھل

لغیر اللہ کا آپ کو خیال نہیں۔ [۱۲۲] فرماتے تھے۔ ڈاکٹروں اور حکیموں میں یہ مرض ہے کہ کہتے ہیں کہ ہم نے شفا دی اور اگر مریض اچھا نہ ہو۔ تو کہتے ہیں خدا کی مرضی۔ [۱۲۳] آپ شافی مطلق صرف خدا کو سمجھتے تھے اور اس حقیقت کی طرف بڑے لطیف رنگ میں آپ دوستوں کو توجہ دلاتے رہتے تھے۔

شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی کا بیان ہے کہ میری بیوی بیمار تھیں۔ میں نے حضرت خلیفہ اول سے دعا کی درخواست کی۔ فرمانے لگے۔ کہ بعض اوقات انسان کے پیٹ میں درد ہوتا ہے۔ وہ چھوٹے حکیم کے پاس جاتا ہے۔ مگر آرام نہیں آتا۔ پھر ضلع یا صوبہ کے حکیم کے پاس جاتا ہے۔ مگر پھر بھی آرام نہیں آتا۔ بعد ازاں وہ کسی باخدا کے پاس جاتا ہے مگر اس کی بیماری رفع نہیں ہوتی۔ پھر وہ آخر خدا کے پاس جاتا ہے۔ تو آرام آجاتا ہے۔

ایک دفعہ فرمایا۔ مرزا صاحب میں ایک محبوبیت تھی اس لئے ہم نے اپنے اپنے وطن چھوڑے لیکن جب وہ فوت ہوئے تو پھر ہمیں اسی لا الہ الا اللہ کی طرف متوجہ کیا۔ اور پھر اپنی محبت کا ایک گر بتایا کہ اگر تم اللہ کو محبوب بنانا چاہتے ہو تو محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو۔ یہ ایک مجرب نسخہ ہے بتلانے والا پہلے اپنے پر آزماتا ہے۔ اس نے ایک راہ پر قدم مارا اور اللہ کا حبیب بن گیا۔ پس اسی طرح جو اللہ کو محبوب بناتا ہے وہ اب اس راہ سے آئے۔ جس راہ سے محمد رسول اللہ آئے۔ [۱۲۴]

آپ مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کے مزار مبارک پر دعا کر رہے تھے کہ یکایک خیال آیا کہ اصل چیز توحید ہے اس لئے خانہ کعبہ جا کر دعا کرنی چاہئے۔ اور اپنی دعاؤں کے لئے آنحضرت ﷺ کے مزار کو واسطہ نہیں بنانا چاہئے۔ یہ خیال آنا تھا کہ آپ نے مکہ کی تیاری کر لی۔ [۱۲۵]

خدا کی طرف منسوب ہونے والے ہر الہامی کلام کی خاص عزت و عظمت آپ کے دل میں تھی۔ ایک مرتبہ شیخ محمد تیمور صاحب نے الماری پر رکھی ہوئی بائیبل پر کوئی اور کتاب رکھ دی۔ حضرت خلیفہ اول نے فرمایا۔ کہ بائیبل ہزار مبدل محرف سہی۔ پھر بھی یہ خدا کی کتاب ہے۔ [۱۲۶]

خدا تعالیٰ کے وعدوں پر آپ کو ایک زندہ یقین حاصل تھا۔ آپ نے ایک شخص کی تعلیم پر جو ہندوؤں سے مسلمان ہوا تھا۔ ہزاروں روپے خرچ کئے مگر جب وہ پڑھ چکا تو اس نے ایک خط لکھا میں اسلام کو چھوڑتا ہوں۔ اس پر آپ نے اس خط کے جواب میں ایک آیت لکھ دی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر ایک آدمی تمہارے دین سے مرتد ہو جاوے۔ تو خداوند کریم اپنے کرم سے قوم دیتا ہے۔ چنانچہ آپ کو خدا نے اپنے فضل سے ایک شخص کے بدلے لاکھوں کی ایک فعال جماعت عطا فرما دی۔ [۱۲۷]

آپ پر آزمائش اور ابتلاء کے کئی دور آئے۔ ملازمتیں گئیں۔ قتل کے منصوبے ہوئے تو بچوں کی

وفات کے پے در پے صدمے سہے کئی بار بیماریوں میں مبتلا ہوئے مگر سخت سے سخت کرب کی حالت میں بھی آپ خدا کی رضا پر راضی رہے۔ اور دکھ کی المناک گھڑیوں میں بھی زبان سے سبحان اللہ وبحمدہ کا ہی پیارا کلمہ نکلتا رہا۔ [۱۲۸] اپنے ایک بچہ کی وفات پر جنازہ پڑھتے وقت الحمد للہ کہنے میں ایک بار کچھ قبض ہوئی۔ آخر خدا نے سمجھایا۔ کہ اگر یہ بچہ زندہ رہتا تو معلوم نہیں کیا کچھ کرتا۔ اس پر آپ نے بشاشت قلبی سے الحمد للہ کہا۔ [۱۲۹]

آپ زندگی کے ہر مرحلہ پر دعا کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ اور دعا کی قوت و طاقت کو سب سے بڑی طاقت یقین کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ انسان کو چاہئے۔ کہ دعا کی عادت ڈالے۔ اس سے کامیابیوں کی تمام راہیں کھل جائیں گی۔ ہر مرض کی دوا ہر مشکل کی مشکل کشا یہی دعا ہے۔ امام کی معرفت سے جو لوگ محروم ہیں۔ وہ بھی دراصل دعاؤں سے بے خبر ہیں۔ میں کبھی کسی مسئلہ اختلاف سے نہیں گھبراتا۔ کہ میرے پاس دعا کا ہتھیار موجود ہے۔ یہ دعا کا ہتھیار تمہارے قبضہ میں ہے اس سے مسلح ہو جاؤ۔ دوسرے سب اس سے محروم ہیں۔ [۱۳۰]

کسی نے تین سو روپیہ قرض مانگا آپ نے اسے ایک دعا لکھ بھجوائی کہ ہمارے پاس تو یہ دولت ہے۔ [۱۳۱]

آپ فرماتے تھے کہ انسان اگر صبر و استقلال سے آستانہ الوہیت پر بیٹھا رہے تو جو چاہے لے سکتا ہے۔ [۱۳۲]

آپ کا مقولہ تھا کہ "خدا سے ڈر اور پھر کر"۔ [۱۳۳]

ایک گمنام خط حضور کی خدمت میں پہنچا۔ جس میں آپ کو لکھا تھا کہ فلاں دعا پڑھیں۔ حضور نے فرمایا کیا حرج ہے یہ قرآن کی دعائیں ہیں۔ ہم تو پڑھتے ہی رہتے ہیں۔ اخبار میں چھاپ دیں۔ [۱۳۴]

فرماتے تھے ہمیں دو زبانیں پسند ہیں۔ ایک اللہ کی۔ ایک بادشاہ کی۔ [۱۳۵]

بحیثیت طبیب آپ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ دوا کے ساتھ دعا بھی کرتے تھے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ "مولوی صاحب کا وجود از بس غنیمت ہے۔ آپ کی تشخیص بہت اعلیٰ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بیمار کے واسطے دعا بھی کرتے ہیں۔ ایسے طبیب ہر جگہ کہاں مل سکتے ہیں"۔

ایک دفعہ آپ کے پاس دق کا ایک لاعلاج بیمار آیا۔ فرمایا کل دکھانا۔ اور رات کو سحری کے وقت نماز تہجد میں مریض کے لئے بہت دعا کی جس پر اس کی صحت کی آپ کو الہاماً بشارت ملی۔ صبح آپ نے یہ خوشخبری سنائی۔ چنانچہ حضور کے تجویز کردہ نسخہ کے چند روزہ استعمال کے بعد وہ بالکل تندرست ہو گیا۔

امرت سر کی ایک عورت کو دبیلۃ الرحم سے درد شدید اور پیپ اور خون بہنے کی تکلیف تھی اور باوجود اطباء اور ڈاکٹروں کی کوشش کے اسے چنداں افاقہ نہیں ہوا۔ آپ حضور کی اجازت سے اس کے اقرباء کے ساتھ تانگہ پر سوار ہو کر قادیان سے امرت سر کی طرف روانہ ہوئے اور تانگہ میں ہی دعا شروع کر دی۔ کہ اے خدا بڑے بڑے طبیبوں سے یہ شفا نہیں پاسکی تو نورالدین تیرے فضل کے بغیر کیا کر سکتا ہے؟ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ اور خدا نے آپ کے نسخہ سے اسے شفایاب کر دیا۔ [١٣٦]

فرماتے ہیں کہ کوئی مریض آ کے کہتا ہے مجھے دوا سے فائدہ ہے۔ کوئی کہتا ہے کچھ فائدہ نہیں نہ میں پہلے کی بات پر خوش ہوں نہ دوسرے کے کہنے پر ناراض۔ اس لئے کہ میرا کام تو صرف نسخہ لکھ دینا ہے آگے شفا دینا نہ دینا یہ صرف خدا کا کام ہے۔ [١٣٧]

صحابی مسیح موعودؑ چوہدری حاکم دین صاحب مرحوم کی بیوی کو پہلے بچہ کی پیدائش کے وقت سخت تکلیف ہوئی۔ چوہدری صاحب رات کے گیارہ بجے حضرت خلیفہ اول کے گھر گئے چوکیدار نے اطلاع دینے سے انکار کر دیا۔ مگر حضور نے اندرون خانہ میں آواز سن لی۔ اور آپ نے ایک کھجور پر کچھ پڑھ کر ان کو دیا کہ بیوی کو کھلا دیں اور بچہ پیدا ہو جائے تو مجھے بھی اطلاع دیں۔ تھوڑی دیر بعد بچی پیدا ہوئی۔ مگر انہوں نے دوبارہ جا کر حضور کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ مگر صبح حاضر ہوئے۔ تو حضرت خلیفہ اول نے فرمایا۔ کہ بچی پیدا ہونے کے بعد تم میاں بیوی آرام سے سو رہے۔ اگر مجھے بھی اطلاع دے دیتے تو میں بھی آرام سے سو رہتا۔ میں تمام رات تمہاری بیوی کے لئے دعا کر تا رہا ہوں۔ [١٣٨]

آپ کو غلو سے سخت نفرت تھی۔ ایک دفعہ فرمایا۔ "لا تغلوا فی دینکم میں نے اپنے امام کی قبر کو اس لئے پُر شان نہیں بننے دیا"۔ [١٣٩] اور وہ تابوت جس میں حضور علیہ السلام کی نعش مبارک تھی۔ پھینکوا دیا۔ تا غلو و شرک نہ پیدا ہو جائے۔ [١٤٠]

حضرت خلیفہ اولؓ کے عہد خلافت کی بات ہے کہ آپ کا ایک فوٹو قادیان میں بک رہا تھا کسی شخص نے یہ فوٹو حضور تک بھی پہنچا دیا۔ فرمایا یہ تو جوانی کے زمانے کا ہے۔ پھر فرمایا یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہندوؤں کی طرح اس پر کوئی پھول چڑھانے شروع کر دے۔ [١٤١] کسی نے آپ کے حرم کے لئے ام المومنین کا لفظ استعمال کیا۔ جس پر آپ نے سخت کراہت اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ [١٤٢]

آپ کا مقصود صرف دین تھا اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنا تھا اور اس کے لئے آپ محاسبہ نفس بھی کرتے رہتے تھے ایک روز جمعہ کی نماز سے قبل نہا رہے تھے۔ کہ اپنے نفس کا محاسبہ شروع کر دیا۔ اگر بیوی یاد نہ دلاتی تو شاید وہیں شام ہو جاتی۔ [١٤٣]

آپ فرماتے تھے کہ مجھے دیندار اولاد چاہئے۔ جو دین کو دنیا پر مقدم نہیں رکھتا۔ میرے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ [۱۶۴]

اسی طرح ایک دفعہ فرمایا۔ کہ میں نے اپنی اولاد کے لئے کثرت دولت کی دعا نہیں کی۔ کیونکہ دولت مندی فسق و فجور کا سبب بن جاتی ہے۔ [۱۶۵]

ایک مرتبہ اپنی سب سے بڑی خواہش یہ ظاہر فرمائی کہ "میں تم میں ایسی جماعت دیکھوں جو اللہ تعالیٰ کی محب ہو۔ اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی متبع ہو۔ قرآن سمجھنے والی ہو...... میں اپنے مولیٰ پر بڑی بڑی امید رکھتا ہوں کہ وہ یہ آرزو بھی پوری کرے گا کہ تم میں سے اللہ تعالیٰ کی محبت کرنے والے محمد رسول اللہ ﷺ کے کلام سے محبت رکھنے والے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور اس کے خاتم النبین کے سچے متبع ہوں اور تم میں سے ایک جماعت ہو جو قرآن مجید اور سنت نبوی پر چلنے والی ہو اور میں دنیا سے رخصت ہوں تو میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور میرا دل ٹھنڈا ہو"۔ [۱۶۶]

آٹھواں باب (فصل دوم)

سیرت کے بعض نمایاں اور ممتاز پہلو

حضرت خلیفہ اولؓ کی سیرت طیبہ پر عمومی رنگ میں روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم آپ کی مقدس زندگی کے چار نمایاں اور ممتاز ترین پہلو بیان کرتے ہیں۔ [۱۴۷]

بے مثال توکل اور غیبی رزق کی آمد

آپ کی زندگی کا سب سے پہلا اور نمایاں پہلو آپ کا بے مثال توکل تھا۔ جو آپ کی زندگی کے ہر شعبہ میں پوری شان سے جلوہ گر نظر آتا تھا۔ ایک دفعہ آپ کی بیماری کے دنوں میں شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے عرض کیا۔ کہ اگر پسند کریں تو حاذق الملک کو دہلی سے بلوایا جائے۔ فرمایا "خدا پر توکل کرو۔ میرا بھروسہ نہ ڈاکٹروں پر ہے نہ حکیموں پر۔ میں تو اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی پر تم بھروسہ کرو"۔ [۱۴۸]

آپ کا خدا تعالیٰ سے ایسا ذاتی تعلق تھا کہ آپ کی ہر ضرورت کے پورے ہونے کا غیب سے سامان ہو جاتا تھا۔ اور اس بارے میں آپ کی زندگی میں اتنے واقعات پیش آئے جن کا شمار ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ میری آمدنی کا راز خدا نے کسی کو بتانے کی اجازت نہیں دی۔ [۱۴۹]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ "حضرت خلیفۃ المسیح (اول) کو دیکھ لو انہیں جو ضرورت ہو اس وقت پوری ہو جاتی ہے اور کوئی روک یا دیر نہیں ہوتی۔ ان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب تمہیں ضرورت ہو ہم دیں گے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے میرے سامنے ایک آدمی آیا اس نے دو سو روپیہ بطور امانت دو سال کے لئے دیا۔ اور کہا کہ میں دو سال کے بعد آکر آپ سے لے لوں گا ...... ایک شخص جس نے جناب سے ایک سو روپیہ قرض مانگا ہوا تھا۔ وہ بھی پاس ہی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے ایک سو اسے دے دیا۔ اور رسید لے کر اس تھیلی میں رکھ لی اور تھیلی روپوں کی گھر بھجوا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہی امانت رکھوانے والا پھر آیا اور کہا کہ میرا ارادہ بدل گیا ہے وہ روپے آپ مجھے

دے دیں۔ آپ نے فرمایا کب جاؤ گے اس نے کہا ایک گھنٹے کو۔ آپ نے فرمایا اچھا تم یکہ وغیرہ کرو اور ایک گھنٹہ کو آکر مجھ سے روپیہ لے لینا۔ میں اس وقت آپ کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ دیکھو انسان پر بھروسہ کرنا کیسی غلطی ہے۔ میں نے غلطی کی۔ خدا نے بتلا دیا کہ دیکھو تم نے غلطی کی۔ اب دیکھو میرا مولیٰ میری کیسے مدد کرتا ہے۔ وہ ایک سو روپیہ ایک گھنٹے کے اندر اندر آپ کو مل گیا۔ اور آپ نے اسے دے دیا"۔ ۱۵۰

کہتے ہیں ایک دفعہ حضرت نانا جانؓ دور الضعفاء یا نور ہسپتال کے چندے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ میرے پاس اس وقت کچھ نہیں مگر حضرت نانا جان نے کئی بار اصرار کیا۔ اس پر حضرت خلیفہ اول نے کپڑا اٹھایا اور وہاں سے ایک پونڈ اٹھا کر دے دیا اور فرمایا اس پر صرف نور الدین نے ہاتھ لگایا ہے۔ ۱۵۱

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ کو کوئی ضرورت پیش آئی تو آپ نے دعا مانگی۔ مصلیٰ اٹھایا تو ایک پونڈ پڑا ہوا تھا۔ ۱۵۲

قریشی امیر احمد صاحب بھیروی کی شہادت ہے کہ ہمارے سامنے حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں شیخ محمد چٹھی رسان کتابوں کا ایک وی۔ پی لایا جو سولہ روپے کا تھا۔ حضرت خلیفہ اول نے فرمایا۔ کہ یہ کتابیں مجھے بہت پیاری ہیں اور میں نے بڑے شوق سے منگوائی ہیں۔ لیکن اب ان کی قیمت میرے پاس نہیں ہے لیکن میرے مولیٰ کا میرے ساتھ ایسا معاملہ ہے کہ سولہ روپے آئیں گے اور ابھی آئیں گے۔ چنانچہ ہم بیٹھے ہی تھے کہ ایک ہندو اپنا ایک بیمار لڑکا لے کر آیا۔ حضرت نے نسخہ لکھ دیا۔ ہندو ایک اشرفی اور ایک روپیہ رکھ کر چل دیا۔ آپ نے اسی وقت سجدہ شکر کیا اور فرمایا کہ میں اپنے مولیٰ پر قربان جاؤں کہ اس نے تمہارے سامنے مجھے شرمندہ نہیں کیا۔ اگر یہ شخص مجھے کچھ بھی نہ دیتا تو میری عادت ہی مانگنے کی نہیں۔ پھر ہو سکتا تھا کہ وہ صرف ایک روپیہ دیتا یا اشرفی ہی دیتا۔ مگر میرے مولیٰ نے اسے مجبور کیا کہ میرے نور الدین کو سولہ روپے کی ضرورت ہے اس لئے اشرفی کے ساتھ روپیہ بھی ضرور رکھو۔

ایک کشمیری دوست نے آپ کو چار سو روپیہ بطور امانت دیا۔ چند دن بعد اس کا تار آگیا کہ مجھے روپیہ کی ضرورت ہے۔ حضرت خلیفہ اول اس وقت مطب میں بیٹھے تھے کہ کچھ وقت کے بعد شاہ پور کے دو ہندو رئیس حاضر ہوئے۔ ایک تھالی میں پھل اور چار سو روپیہ پیش کر دیا۔ ۱۵۳

ایک دن عبدالحی عرب نے کہا۔ میں نے چالیس روپے قرض دینے ہیں۔ آپ نے فرمایا آج سے پندرھویں دن لے لیں۔ جب وقت آیا اتوار کا دن تھا کوئی منی آرڈر نہ پہنچا نہ کہیں سے روپیہ آیا۔

شام کے قریب حضرت خلیفہ اول اپنے کوٹ اور واسکٹ لٹکا کر وضو کے لئے گئے۔ عبدالحی صاحب نے آپ کا کوٹ اور واسکٹ کی جیبیں دیکھیں۔ اور خالی پائیں مگر جب وضو کر کے واپس آئے تو کوٹ واسکٹ پہنا اور چالیس روپے عبدالحی کو نکال کر دئے۔ عبدالحی نے ہنسنا شروع کیا۔ مولوی محمد جی صاحب نے بتایا کہ عبدالحی صاحب نے کہا تھا کہ یونہی کہا کرتے ہیں کہ ہماری ضرورت پوری ہو جایا کرتی ہے۔ آج تو خالی ہی رہے۔ حضرت خلیفہ اول بھی مسکرائے اور فرمایا کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ کا خاص معاملہ ہے۔ جس سے کوئی واقف نہیں۔ ۱۵۴

آپ اپنے خدام کو بھی توجہ دلاتے تھے کہ وہ اپنی ضرورت کے وقت خدا ہی کے آستانہ کی طرف جھکیں اور اسی پر بھروسہ کریں۔

جناب ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے کا بیان ہے کہ حضرت خلیفہ اول ؓ نے اپنے آخری ایام مرض میں میاں عبدالحی صاحب مرحوم کو درس دیتے ہوئے فرمایا کہ اب ہم جا رہے ہیں جب کبھی مشکل پیش آئے خدا سے دعا کرنا کہ اے نورالدین کے خدا جس طرح تو نے نورالدین کی حاجت روائی کی ہے میری بھی مشکل دور کر۔ میں امید کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس طرح تمہاری ضرورت بھی پوری کر دے گا یہ فرماتے ہوئے آپ کی آواز نمایاں طور پر بھرا گئی۔

عشق قرآن

دوسرا نمایاں پہلو آپ کی سیرت کا عشق قرآن تھا۔ آپ کے جذبہ عشق قرآن کا تصور دلانا کسی انسانی قلم کی طاقت میں نہیں۔ فرمایا کرتے تھے۔

۱۔ "مجھے قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی چیز پیاری نہیں لگتی۔ ہزاروں کتابیں پڑھی ہیں ان سب میں مجھے خدا ہی کی کتاب پسند آئی"۔ ۱۵۵

۲۔ "میں نے دوسری کتابیں پڑھی ہیں اور بہت پڑھی ہیں مگر اس لئے نہیں کہ قرآن کریم کے مقابلہ میں وہ مجھے پیاری ہیں۔ بلکہ محض اسی نیت اور غرض سے کہ قرآن کریم کے فہم میں معاون ہوں"۔ ۱۵۶

۳۔ "قرآن شریف کے ساتھ مجھ کو اس قدر محبت ہے کہ بعض وقت تو حروف کے گول گول دوائر مجھے انف محبوب نظر آتے ہیں۔ اور میرے منہ سے قرآن کا ایک دریا رواں ہوتا ہے اور میرے سینہ میں قرآن کا ایک باغ لگا ہوا ہے۔ بعض وقت تو میں حیران ہو جاتا ہوں کہ کس طرح اس کے معارف بیان کروں"۔ ۱۵۷

۴۔ "قرآن میری غذا میری تسلی اور اطمینان کا سچا ذریعہ ہے اور میں جب تک اس کو کئی بار مختلف رنگ میں پڑھ نہیں لیتا مجھے آرام اور چین نہیں آتا۔ بچپن سے میری طبیعت خدا نے قرآن

شریف پر تدبر کرنے والی بنائی ہے۔ اور میں ہمیشہ دیر دیر تک قرآن شریف کے عجائبات اور بلند پروازیوں پر غور کیا کرتا ہوں"۔ [۱۵۸]

۵۔ "مجھے قرآن مجید سے محبت ہے اور بہت محبت ہے قرآن مجید میری غذا ہے۔ میں سخت کمزور ہوتا ہوں قرآن مجید پڑھتے پڑھتے مجھ میں طاقت آجاتی ہے"۔ [۱۵۹]

۶۔ "میں نے قرآن کریم بہت پڑھا ہے اور اب تو میری غذا ہے اگر آٹھ پہر میں خود نہ پڑھوں اور نہ پڑھاؤں اور میرا بیٹا میرے سامنے آکر نہ پڑھے تو میں اس کا وجود بھی نہیں سمجھتا۔ سونے سے پہلے وہ آدھ پارہ مجھے سنا دیتا ہے۔ غرض میں قرآن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ میری غذا ہے"۔ [۱۶۰]

۷۔ "میرا تو اعتقاد ہے۔ کہ اس کتاب کا ایک رکوع انسان کو بادشاہ سے بڑھ کر خوش قسمت بنا دیتا ہے۔ جس باغ میں میں رہتا ہوں۔ اگر لوگوں کو خبر ہو جاوے تو مجھے بعض دفعہ خیال گزرتا ہے۔ کہ میرے گھر سے قرآن نکال کر لے جاویں"۔ [۱۶۱]

۸۔ ایک دفعہ فرمایا کہ "خدا تعالیٰ مجھے بہشت اور حشر میں نعمتیں دے تو میں سب سے پہلے قرآن شریف مانگوں گا تاحشر کے میدان میں بھی اور بہشت میں بھی قرآن شریف پڑھوں پڑھاؤں اور سناؤں"۔ [۱۶۲]

۹۔ "بعض وقت میں نے قرآن کے تین تین لفظوں کو علیحدہ چھانٹ کر دیکھا ہے کہ انہیں تین الفاظ سے میں دنیا کے تمام مذاہب کا مقابلہ کر سکتا ہوں"۔ [۱۶۳]

آپ کے ان اقوال کی عملی تصدیق کے لئے سینکڑوں نہیں ہزاروں واقعات پیش کئے جاسکتے ہیں کہ آپ کس درجہ عاشق قرآن تھے مثلاً آپ ایک دفعہ درس قرآن کے لئے مسجد اقصیٰ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ کو غلام رسول صاحب پٹھان کی دکان پر پہنچ کر اطلاع ملی کہ صوفی غلام محمد صاحب بی۔اے نے قرآن مجید حفظ کر لیا ہے۔ آپ وہیں دکان کی چٹائی پر سجدہ شکر میں گر گئے۔ [۱۶۴]

خان ارجمند خاں صاحب (سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ) کا بیان ہے کہ حضرت خلیفہ اول ایک دفعہ غالباً مدرسہ احمدیہ کے صحن میں درس دے رہے تھے کہ آپ کے کسی بچہ نے قرآن شریف صف پر رکھ دیا آپ نے فوراً اٹھالیا۔ اور بہت خفگی کا اظہار فرمایا کہ قرآن مجید کی بے ادبی ہوئی ہے۔

ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح نے بارہ دوستوں کو ہدایت کی کہ اڑھائی اڑھائی پارے وہ یاد کر لیں۔ [۱۶۵]

ایک دفعہ فرمایا۔ قرآن کریم کیسی کتاب ہے ایک دفعہ میرا جی چاہا کہ حاشیہ پر اس کی منتخب

یادداشتیں لکھوں میرے دماغ کو شعر سے تو کچھ نسبت نہیں۔ ایک روز جمعہ کے دن بڑے زور مار کر تین شعر لکھے تھے حالانکہ اس وقت میرے اندر ایک کیفیت بھی موجود تھی۔ مگر جب قرآن کریم کے انتخاب کے لئے قلم اٹھایا تو مجھ کو یہ شعر یاد آگیا۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا است

میں نے قلم کو توڑ دیا۔ سیاہی کو الٹ دیا۔ اور کہا کہ اے قلم کہ تو بھی جھوٹا ہے اور اے دوات! تو بھی جھوٹی ہے کیا قرآن کریم کا انتخاب لکھنا چاہتے ہو۔ یہ خود سارے کا سارا انتخاب ہے۔ [۱۶۶]

ایک بار ختم قرآن کے موقعہ پر آپ درس دینے کے لئے مسجد میں کھڑے ہوئے سامنے ایک بڑی چادر میں بتاشے رکھ دیئے گئے۔ حضور نے درس دیتے ہوئے فرمایا۔ ان کو اٹھالو۔ تمہیں ختم قرآن کی خوشی ہے۔ اور نور الدین کو غم ہے کہ پھر زندگی میں قرآن مجید ختم کرنا نصیب ہوگا یا نہیں۔ [۱۶۷]

آپ تیز بخار میں بھی درس کا ناغہ نہ ہونے دیتے۔ [۱۶۸] ایک دفعہ مسجد اقصیٰ میں درس دیتے ہوئے اچانک آپ کو شدید ضعف ہو گیا بیٹھ گئے ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے۔ چلنے کی قوت نہ رہی چارپائی پر اٹھا کر لائے۔ مگر راستہ میں جب مسجد مبارک کے پاس پہنچے تو فرمایا کہ مجھے گھر نہ لے جاؤ مسجد میں لے جاؤ۔ بمشکل تمام مسجد کی چھت پر پہنچ کر نماز پڑھی اور باوجود تکلیف کے نماز مغرب کے بعد ایک رکوع کا درس دیا۔ پھر چارپائی اٹھا کر گھر تک لائے۔ [۱۶۹]

اللہ تعالیٰ نے آپ پر حضرت مسیح موعودؑ کی قوت قدسی سے قرآن مجید کے علوم اور حقائق و معارف کے دروازے اس کثرت سے کھول دیئے تھے کہ اس زمانہ میں دنیائے اسلام میں درس قرآن کا آپ سے بڑا ماہر خطہ زمین پر دیکھنے میں نہیں آتا۔ قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت خلیفہ اولؓ کے درس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:۔

"یہ درس مسجد اقصیٰ میں ہوا کرتا تھا اور اوائل زمانہ میں کبھی کبھی خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اس درس میں چلے جایا کرتے تھے حضرت خلیفہ اولؓ کے درس میں اعلیٰ درجہ کی علمی تفسیر کے علاوہ واعظانہ پہلو بھی نمایاں ہوتا تھا۔ کیونکہ آپ کا قاعدہ تھا کہ رحمت والے واقعات کی تشریح کر کے نیکی اور انابت الی اللہ کی رغبت دلاتے اور عذاب والے واقعات کے تعلق میں دلوں میں خشیت اور خوف پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ اور آپ کا درس بے حد دلچسپ اور ہر طبقہ کے لئے موجب جذب و کشش ہوا کرتا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جماعت احمدیہ کے علم التفسیر کا ایک کثیر حصہ بلاواسطہ یا بالواسطہ آپ ہی کی تشریحات اور انکشافات پر مبنی ہے۔ اور آپ کے درس میں یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ جیسے ایک وسیع سمندر ہے۔ جس کا ایک حصہ موجزن ہے۔ اور دوسرا ساکن اور

عمیق اور اس میں سے ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق پانی لے رہا ہے۔ درس کے دوران میں بعض دفعہ سوال بھی کیا کرتے تھے اور حضرت خلیفہ اول ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ ہر سوال کا جواب دیتے تھے اور مخاطب کے مذاق اور حالات کے پیش نظر کبھی کبھی کوئی نہ کوئی لطیفہ بھی بیان کر جاتے تھے۔ مگر بعض اوقات جب آپ کو سوال کرنے میں بلاوجہ سوال پوچھنے کا میلان محسوس ہوتا تھا یا آپ خیال کرتے تھے سوال ایسا ہے کہ وہ خود توجہ دے کر اس کا جواب سوچ سکتا ہے تو ایسے موقعہ پر یا تو خاموشی کے ساتھ گزر جاتے تھے اور یا کہہ دیتے تھے کہ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے خود سوچو افسوس ہے کہ اس وقت کے نوٹ لینے والوں نے آپ کے اس درس کے نوٹ قلمبند نہیں کئے اور آپ کی تفسیر کا معتدبہ حصہ ضبط تحریر میں نہیں آسکا۔ ہاں سننے والوں کے سینے اب تک اس بیش بہا خزانہ کے امین ہیں اور ہر احمدی تفسیر میں حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے علم کی روشنی نظر آتی ہے۔ خاکسار راقم الحروف (یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ ناقل) نے بھی جب کہ میں بی۔ اے میں پڑھتا تھا۔ تعلیم کا سلسلہ درمیان میں چھوڑ کر حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ سے قرآن شریف پڑھا۔ اور پورا قرآن شریف ختم کر کے پھر اپنی تعلیم کی طرف لوٹ آیا یہ بھی ایک پبلک درس تھا جس میں بہت سے دوسرے دوست بھی شریک ہوتے تھے۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے قرآن کے درس کا نمایاں رنگ یہ ہوتا تھا کہ گویا ایک عاشق صادق اپنے دلبر و معشوق کو سامنے رکھ کر اس کے دلربا حسن و جمال اور دلکش خدوخال کا نقشہ پیش کر رہا ہے اللہ اللہ کیا مجلس تھی اور اس مجلس کا کیا رنگ تھا"۔ ۱۷۰

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بے نظیر اطاعت اور فدائیت

حضرت خلیفہ اولؓ کی سیرت کا تیسرا خاص اور امتیازی پہلو یہ ہے کہ آپ حضرت مسیح موعودؑ کی محبت و فدائیت اور اطاعت میں فنائیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق اور آپ پر مسیح موعود علیہ السلام کی محبت اور اطاعت ختم ہے۔ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے صرف چند مثالیں کافی ہوں گی۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا چشم دید واقعہ ہے کہ:۔

"ایک دفعہ جب ہمارا چھوٹا بھائی مبارک احمد بیمار تھا...... اور اس کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو غالباً حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے میرے ہاتھ ہی حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اس وقت مبارک احمد کی چارپائی دار المسیح کے صحن میں بچھی ہوئی تھی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس چارپائی پر تشریف رکھتے تھے۔ حضرت خلیفہ اولؓ تشریف لائے۔ مبارک احمد کو دیکھا اور پھر حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ بات کرنے کے لئے ایک سیکنڈ کی جھجک اور تامل کے بغیر چارپائی کے ساتھ صحن میں ہی ننگی زمین یعنی فرش خاک پر بیٹھ گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شفقت سے فرمایا۔ مولوی صاحب چارپائی پر بیٹھیں۔ اس وقت بس یہی ایک چارپائی تھی جس پر مبارک مرحوم لیٹا ہوا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیٹھے تھے۔ حضرت خلیفہ اول ؓ سرک کر چارپائی کے قریب ہو گئے۔ اور ایک ہاتھ چارپائی کے ایک کنارے پر رکھ کر بدستور فرش پر بیٹھے بیٹھے عرض کیا۔ حضرت میں ٹھیک بیٹھا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پھر محبت کے ساتھ فرمایا اور اس دفعہ غالباً حضرت خلیفہ اول ؓ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا کر فرمایا۔ مولوی صاحب! یہاں میرے ساتھ چارپائی پر بیٹھیں۔ حضرت خلیفہ اول ؓ ناچار اٹھے اور چارپائی کے ایک کنارے پر اس طرح جھک کر بیٹھ گئے کہ بس شاید چارپائی کے ساتھ آپ کا جسم چھوتا ہی ہو گا۔ [141]

حکیم محمد صدیق صاحب آف گھوگھیاٹ کا بیان ہے کہ آپ اپنی بیٹھک میں تشریف فرما تھے کہ کسی نے پیغام دیا کہ حضور یاد فرماتے ہیں۔ یہ سنتے ہی فوراً اٹھ کر چل دیئے پگڑی گھسٹتی جاتی تھی اور آپ اسے لپیٹے جاتے تھے۔ [142]

قادیان سے ایک منٹ باہر جانا آپ موت سمجھتے تھے۔ [143]

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص ہزار روپیہ روزانہ بھی مجھے دے تو میں حضرت صاحب کی صحبت چھوڑ کر قادیان سے باہر جانے کے لئے تیار نہیں۔ [144] آپ احمدیوں کو بار بار مرکز میں آنے اور فیض اٹھانے کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ [145] ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ میں حضور کی صحبت اور قرب میں رہنے کو اس قدر عزیز سمجھتا ہوں کہ حضور کے حکم کے بغیر ایک منٹ بھی آپ سے علیحدگی گوارا نہیں۔ اور اگر کوئی شخص ایک لاکھ روپیہ بھی ایک دن کی اجرت دے اور حضرت صاحب کی اجازت اور حکم کے بغیر مجھے حضور سے جدا کرنا چاہے تو میں اس لاکھ روپیہ پر ہزار درجہ حضرت کے حضور ایک منٹ کی صحبت و قرب کو ترجیح دوں گا۔ [146]

ایک دفعہ بٹالہ کے ایک ہندو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اجازت سے آپ کو اپنی بیمار بیوی کو دکھانے کے لئے بٹالہ لائے۔ حضور نے آپ کو اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ امید ہے آپ آج ہی واپس آجائیں گے۔ یکہ پر قادیان سے شام تک بٹالہ پہنچے اور مریضہ کے لئے غذا اور دوا تجویز کر کے واپسی کے لئے بہت زور دے کر یکہ کا انتظام کرایا۔ کچھ راستہ آپ نے یکہ پر طے کیا مگر ان دنوں رستہ میں ہر طرف پانی اور کیچڑ تھا۔ گھوڑا رک رک جاتا آخر آپ پیدل ننگے پاؤں چل دیئے۔ رستہ میں آپ کے پاؤں کانٹوں سے زخمی ہو گئے مگر آپ اسی عالم میں برابر چلتے رہے اور آدھی رات کے قریب

قادیان پہنچ گئے۔ صبح کی نماز آپ ہی نے کرائی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے عرض کیا کہ میں رات کو بخیریت واپس پہنچ گیا۔ لیکن کسی قسم کی تکلیف کی طرف مطلق اشارہ نہ فرمایا۔ ۱۷۷

حضرت خلیفہ اول کے بھتیجے مولوی دوست محمد صاحب بیمار تھے۔ حضرت خلیفہ اول ایک دن کے لئے حضور کی اجازت لے کر میانی تشریف لے گئے اور صرف ایک دن رہ کر واپس قادیان چلے آئے۔ ۱۷۸ بعض لوگوں نے عرض بھی کیا کہ حضور ایک رات تو قیام فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہمیں اپنے مرشد کی طرف سے رات رہنے کی اجازت نہیں۔ ۱۷۹

حضرت خلیفہ اولؓ کو اسہال کا عارضہ تھا۔ حضرت کی طرف سے تقریر کا حکم ملا۔ چنانچہ اسی وقت باہر چلے آئے اور قریباً تین گھنٹہ تک تقریر کی۔ ۱۸۰

ایک دفعہ خطبہ کے دوران میں آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کا پیغام ملا۔ آپ نے خطبہ بند کر دیا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد واپس آئے اور بقیہ خطبہ مکمل کیا۔ ۱۸۱ اسی طرح ایک دفعہ آپ نماز توڑ کر حضور کی خدمت میں پہنچے۔ ۱۸۲

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "فصل الخطاب" اور "تصدیق براہین احمدیہ" کے مجاہدہ کے علاوہ ایک کوڑھی کے علاج کا بھی مجاہدہ بتایا۔ چنانچہ آپ نے اس کی پوری پوری تعمیل کی۔ کوڑھی نے کچھ لیت و لعل کی۔ مگر آپ نے فرمایا۔ میں مجبور ہوں کیونکہ امام کا حکم ہے۔ ۱۸۳

شیخ کرم الٰہی صاحب پٹیالوی سے حضرت خلیفہ اولؓ نے ایک دفعہ فرمایا۔ کہ آپ جب حضرت اقدس کی مجلس میں بیٹھا کریں تو کثرت سے درود پڑھتے رہا کریں۔ اس سے بہت بڑا روحانی فائدہ ہو گا۔ پھر فرمایا۔ میں نے آج کی مجلس میں قریباً پانچ سو بار درود شریف پڑھا ہے۔ ۱۸۴

ایک دفعہ حضرت ام المومنینؓ نے حضرت کو کہلا بھیجا کہ فوراً آکر میری فصد کر دیں۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ اس موسم اور اس مرض میں اطباء فصد منع کرتے ہیں۔ اس کے بعد خادمہ دوبارہ آئی اور پیغام دیا کہ حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ آپ فصد کر دیں۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح اول نے فی الفور اپنا نشتر اور سامان سنبھالا اور جا کر فصد کر دی۔ ۱۸۵

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے خادم میاں جان محمد صاحب مرحوم کا جنازہ بہت دیر تک پڑھایا حضرت خلیفہ اول نے کہا کہ میرے دل میں حسرت ہے کہ اے کاش! میرا جنازہ ہوتا۔ ۱۸۶

آپ ادب کے خیال سے حضرت صاحب کی مجلس میں پیچھے ہٹ کر بیٹھتے تھے۔ حالانکہ دوسرے لوگ شوق صحبت میں آگے بڑھ بڑھ کر اور حضرت صاحب کے قریب ہو کر بیٹھتے تھے۔ ولکل وجھۃ

ھو مولیھا۔ [۱۸۷]

ایک دفعہ فرمایا۔ عظیم الشان صحابہ میں میں دیکھتا ہوں کہ کسی نے آنحضرت ﷺ سے دنیا کی کسی چیز کے لئے دعا کی درخواست نہیں کی۔ خدا کا احسان ہے۔ کہ میں نے بھی حضرت صاحب سے کبھی کوئی ایسی درخواست نہیں کی۔ [۱۸۸]

ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب کو آپ نے ان کے خط کے جواب میں لکھا کہ اگر شوخی سے قبل حضرت امام کی خدمت میں خط لکھتے تو میں محبت بھرے الفاظ میں جواب دیتا۔ مگر اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ [۱۸۹]

نیز آپ نے عبدالحکیم صاحب کی تفسیر القرآن اور دوسری کتابیں انہیں واپس کر دیں۔ [۱۹۰] حالانکہ اس تفسیر میں انہوں نے بہت کچھ آپ سے استفادہ بھی کیا تھا۔ اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مخالفت کے باوجود آپ کی بزرگی 'تقدس اور خدا ترسی کے قائل تھے۔

ایک پٹھان نے حضرت مولوی نور الدینؓ صاحب کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ متواتر چھ ماہ میں نے آپ سے نقرس کا علاج کروایا ہے۔ مگر کچھ بھی آرام نہیں آیا۔ مگر آج یہ واقعہ ہوا کہ جب حضرت مسیح موعودؑ کھڑکی سے باہر نکلے۔ تو سب لوگ استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مگر میں کچھ دیر سے اٹھا۔ تو اتفاقاً حضور کا پاؤں میرے پاؤں پر پڑ گیا۔ اس وقت میں نے محسوس کیا۔ کہ میری نقرس کی بیماری جاتی رہی ہے۔ جب نماز کے بعد حضور اندر تشریف لے جانے لگے تو میں نے عرض کیا۔ کہ حضور ہے تو بے ادبی کی بات۔ مگر آپ میرے پاؤں پر پاؤں رکھ کر چلے جائیں۔ حضور نے میری درخواست پر ایسا کر دیا۔ اور اب مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بالکل صحت ہے۔ اس پر مولوی نور الدین صاحبؓ نے جواب میں فرمایا۔ کہ بھائی میں تو معمولی حکیم ہی ہوں۔ لیکن وہ تو خدا کے رسول ہیں۔ ان کے ساتھ میں کیسے مقابلہ کر سکتا ہوں؟ [۱۹۱]

ڈاکٹر ظفر حسن صاحب مرحوم نے ایک دفعہ مولوی برکات احمد صاحب راجیکی بی۔ اے مرحوم (ناظر امور عامہ قادیان) کو بتایا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے عہد سعادت میں ایک دفعہ بعض مخالفین نے اعتراض کیا کہ مرزا صاحب اسلام کی ترقی اور تبلیغی وسعت کے متعلق دعاوی تو بہت بلند بانگ کرتے ہیں لیکن آپ نے چند مسلمان اکٹھا کر کے اپنی جماعت کی شیرازہ بندی کر لی ہے۔ اگر غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کا کام کرتے تو آپ کی سچائی کے متعلق غور کیا جا سکتا تھا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے اس اعتراض کا جواب دینے کے لئے حضرت حکیم الامت مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا۔ کہ ایک فہرست ان غیر مسلموں کی بھی تیار کی جائے۔ جو ہمارے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں چنانچہ حسب ارشاد حضرت مولانا نور الدین صاحب نے ایک فہرست

تیار کی۔ اور سرفہرست اپنا نام درج فرمایا.... بعض احباب نے عرض کیا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے تو نومسلموں کی فہرست تیار کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔ اور آپ نے سرفہرست اپنا نام درج کر دیا ہے۔ حضرت مولوی صاحب نے بڑے جوش سے فرمایا کہ مجھے حقیقی اور اصل اسلام کا شرف تو حضرت اقدس علیہ السلام کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوا ہے۔ اس لئے میں نے اپنا نام بھی اسی فہرست میں درج کر دیا ہے۔ [۱۹۲]

ایک دفعہ فرمایا۔ "اگر میری لڑکی ہو اور مرزا صاحب اس کو سو برس کے بڈھے سے بیاہنا چاہیں تو ہرگز عذر نہ ہو"۔ [۱۹۳]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ؓ کا بیان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آخری ایام میں ہمیشہ امام کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز ادا فرمایا کرتے تھے اور آپ کے وصال کے بعد حضرت خلیفہ اول ہمیشہ مصلے پر آپ والی جگہ چھوڑ کر بائیں جانب کھڑے ہوا کرتے تھے اور کبھی ایک دفعہ بھی آپ مصلے کے وسط میں یا دائیں جانب کھڑے نہیں ہوئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا بھی یہی طریق رہا ہے اور ایسا غالباً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے احترام کے خیال سے کیا جاتا تھا۔ [۱۹۴]

سیٹھی غلام نبی صاحب ؓ کا بیان ہے کہ ایک دن بڑی مسجد میں بیٹھے تھے۔ مسجد کے ساتھ جو گھر ہندوؤں کے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ یہ جگہ اگر مسجد میں شامل ہو جائے۔ تو مسجد فراخ ہو جاوے۔ حضور کے چلے جانے کے بعد حضرت خلیفہ اولؓ نے فرمایا کہ آج مرزا نے یہ سارے مکان لے لئے۔ سو اب آکر حضور علیہ السلام کا وہ ارشاد پورا ہوا کہ یہ مکانات مسجد میں مل گئے۔ ہمارا تو اس وقت بھی ایمان تھا۔ کہ حضرت صاحب کی سرسری باتیں بھی پوری ہو کر رہیں گی۔ کیونکہ حضور بن بلائے بولتے نہ تھے۔ [۱۹۵]

ایک دفعہ کسی شخص نے مطالبہ کیا کہ آپ مرزا صاحب کی صداقت پر حلف اٹھائیں۔ آپ نے بلا تامل تحریر لکھ دی اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ۔ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کر کے یہ چند حروف لکھتا ہوں۔ کہ میرزا غلام احمد پسر مرزا غلام مرتضیٰ ساکن قادیان ضلع گورداسپور اپنے دعویٰ مسیح و مہدی و مجددیت میں میرے نزدیک سچا تھا اس کے دعاوی کی تکذیب میں کوئی آیت قرآنیہ اور کوئی صحیح حدیث کسی کتاب میں میں نہیں دیکھی۔ نور الدین۔ ۲۱/اپریل ۱۹۱۰ء" [۱۹۶]

آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں کوئی کتاب تصنیف نہیں کی اور اس کی صرف وجہ یہ تھی کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کی اشاعت پر اثر پڑے۔ [۱۹۷]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ؓ نے راقم الحروف کو بتایا کہ ایک دفعہ میں نے کالج کے زمانہ میں عینک لگائی۔ حضرت خلیفہ اول ؓ نے فرمایا۔ میاں تم نے عینک کیوں لگائی ہے؟ جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے برق طفلی بشیر۔ اس کے بعد آپ نے کوئی سرمہ وغیرہ دیا جس سے مجھے آرام آگیا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ؓ نے راقم الحروف کو بتایا کہ حضرت خلیفہ اول ؓ انگلش ویر ہاؤس کی بنیاد کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کی نچلی منزل پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ مولوی ظفر علی خان صاحب آف زمیندار ملنے کے لئے آئے۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب نے ان کی آمد کی اطلاع دی۔ فرمایا۔ "ہمارے آقا کو تو برا کہتا ہے"۔

ایک دفعہ نواب خاں صاحب مرحوم تحصیلدار نے آپ سے عرض کیا کہ حضرت مرزا صاحب کی بیعت سے کیا فائدہ ہوا؟ فرمایا "مجھے بہت فوائد حاصل ہوئے ہیں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ پہلے مجھے آنحضرت ﷺ کی زیارت خواب میں ہوتی تھی اب بیداری میں بھی ہوتی ہے"۔ [198] فرمایا میں نے آپ کی صحبت میں یہ فائدہ اٹھایا۔ کہ دنیا کی محبت مجھ پر بالکل سرد پڑ گئی...... یہ سب مرزا کی قوت قدسیہ اور فیض صحبت سے حاصل ہوا۔ [199]

ایک دفعہ کسی نے آپ سے عرض کیا کہ سنا ہے کہ آپ کو کیمیاگری آتی ہے۔ فرمایا ہاں آتی ہے۔ عرض کیا۔ کہ ہم غریب ہیں اور مقروض رہتے ہیں ہمیں بھی بتائیں۔ [200] چنانچہ حضور نے ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ "لوگ اکسیر اور سنگ پارس تلاش کرتے پھرتے تھے۔ میرے لئے تو حضرت مرزا صاحب پارس تھے۔ میں نے ان کو چھوا تو بادشاہ بن گیا"۔ [201]

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے قرآن مجید کے لئے لاکھوں روپے کی کتابیں خریدیں۔ مکہ مدینہ میں بھی کئی برس اسی ذوق سے رہا کہ یہ معلوم کروں کہ یہ آیت کہاں نازل ہوئی۔ مگر قرآن تو میں نے مرزا ہی سے سیکھا اور مرزا کا لفظ کہکر آپ بہت خوش ہوتے تھے۔ [202]

مولوی فضل الدین صاحب وکیل کا بیان ہے کہ حضرت خلیفہ اول کی مجلس میں منکرین خلافت کے اخراج کا سوال آیا تو حضرت خلیفہ اول نے فرمایا۔ کہ میں نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد حضرت مسیح موعود ؑ مجھے یہ فرمائیں کہ تم جماعت کے دو ٹکڑے کر کے آگئے ہو؟ دوسری طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ سے جس درجہ محبت و شفقت فرماتے تھے وہ بھی ایک مثالی چیز تھی۔ حضرت سید محمد اسحق صاحب ؓ نے ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے کو بتایا کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اور حضرت مولوی برہان الدین صاحب کی وفات کے بعد ایک دفعہ حضرت مولوی نور الدین صاحب ؓ بھی

سخت بیمار ہو گئے۔ دوسرے ڈاکٹروں کے علاوہ حضور خود ان کا علاج فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت اقدس دارالذکر میں تشریف لے گئے باری کھولی اور دو تین پوٹلیاں لے آئے اور دالان میں جہاں بیت الدعا ہے بیٹھ گئے۔ حضرت اماں جان بھی بیٹھ گئیں اور کہا اللہ رحم کرے۔ پہلے بڑے بڑے عالم فوت ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولوی صاحب پر رحم فرمائے۔ اس پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ "یہ شخص ہزار عبدالکریم کے برابر ہے"۔ ۲۰۳

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے گھر میں حضرت خلیفہ اول کا ذکر ہوا۔ تو آپ دیر تک آپ کا نام لیتے ہوئے الحمدللہ کہتے ہوئے فرماتے رہے کہ مولوی صاحب بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہیں۔ ۲۰۴

ایک دفعہ جبکہ آپ "الدار" میں مقیم تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاں شام کو آپ کی دعوت تھی۔ نماز مغرب کے بعد اپنے کمرہ میں ہی کھانے کی انتظار میں بیٹھے رہے مگر کھانا نہ آیا آخر نماز عشاء پڑھی اور پھر انتظار کرنے لگے۔ حضرت اماں جی نے عرض کیا کہ اب وقت نہیں رہا۔ گھر سے ہی کھانا کھالیں۔ فرمایا کہ خدا کے مسیح نے خود شام کا کھانا بھجوانے کا ارشاد فرمایا ہے میں ساری رات کھانا نہیں کھاؤں گا۔ ضرور حضور سے کھانا آئے گا۔ اسی اثناء میں باہر سے دستک ہوئی۔ پوچھا آواز آئی غلام احمد۔ آپ پر ایک لرزہ سا طاری ہو گیا۔ جلدی اٹھے دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ حضور خود کھانا لئے کھڑے ہیں۔ فرمایا۔ مولوی صاحب ناراض نہ ہوں۔ دیر بہت ہو گئی۔ خادم بھی چلے گئے۔ خود مجھے بھی یاد نہیں رہا۔ میں خود لے آیا ہوں۔ ۲۰۵

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں حضرت اقدس کے گھر میں مستورات کے درمیان اس امر پر گفتگو ہو رہی تھی۔ کہ حضور کو اپنے مریدوں میں سب سے پیارا کون ہے؟ حضرت ام المومنین نے فرمایا۔ کہ میرے خیال میں تو حضرت صاحب کو سب سے پیارے مولوی نورالدین ہیں۔ اور اس کا امتحان بھی تم سب عورتوں کو ابھی کرائے دیتی ہوں۔ چنانچہ یہ کہکر آپ حضرت اقدس کے کمرہ میں تشریف لے گئیں۔ اور حضور کو مخاطب کر کے فرمانے لگیں۔ کہ آپ کے جو سب سے پیارے مرید ہیں وہ "اتنا فقرہ کہکر حضرت ام المومنین چپ ہو گئیں۔ اس پر حضرت اقدس نے گھبرا کر پوچھا مولوی نورالدین صاحب کو کیا ہوا۔ جلدی بتاؤ"۔ اس پر حضرت ام المومنین نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ مولوی نورالدین صاحب اچھی طرح ہیں۔ میں تو آپ کے منہ سے یہ بات کہلوانا چاہتی تھی کہ آپ کے سب سے پیارے مرید کون سے ہیں۔ ۲۰۶

حافظ محمد ابراہیم صاحب کا بیان ہے ایک دفعہ ایک رئیس نے جو غالباً راولپنڈی کے ضلع کا تھا۔

حضرت مولوی صاحب کی نسبت حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اجازت طلب کی۔ کہ وہ میرے علاج کے لئے ساتھ چلیں اور یہ بھی عرض کی کہ میں سو روپیہ یومیہ کے حساب سے انہیں فیس دوں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ سنا تو فرمایا۔ اگر میں نور الدین کو حکم دوں کہ تو پانی میں چلا جا تو وہ جانے کے لئے تیار ہے۔ اگر میں اس کو کہوں کہ آگ میں داخل ہو جا تو وہ میرے حکم سے آگ میں بھی جانے کو تیار ہے۔ وہ کسی طرح بھی میرے حکم سے انکار نہیں کر سکتا۔ مگر اس کو اپنے سے علیحدہ کرنا نہیں چاہتا۔ [۲۰۷]

پیر سراج الحق صاحب نے ایک مرتبہ آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کی شکل مبارک میں دیکھا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے خواب کی تعبیر میں فرمایا۔ کہ مولوی صاحب واقعی عقیدت و ارادت میں یکتا ہیں۔ اور ہم میں فنا ہیں۔ [۲۰۸]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں فرمایا ہے کہ آپ فوت ہوئے اور سید النبیین و امام المعصومین ﷺ کی قبر کے ساتھ دفن کئے گئے۔ آپ نے خدا کے حبیب و رسولؐ کو نہ زندگی میں چھوڑا نہ ممات میں اسی طرح حضرت خلیفہ اولؓ کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ کہ آپ نے زندگی اور موت دونوں میں حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے پہلو میں جگہ پائی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دفعہ آپ کی نسبت حضرت نواب محمد علی خان صاحب کو لکھا۔ "مولوی صاحب کا اس صدق اور ثبات کا خط جس کو پڑھ کر رونا آتا تھا۔ ایسے آدمی ہیں جن کی نسبت میں یقین رکھتا ہوں کہ اس جہان میں بھی میرے ساتھ ہوں گے اور اس جہان میں بھی میرے ساتھ ہوں گے"۔ [۲۰۹]

خاندان حضرت مسیح موعودؑ کا ادب و احترام اور عقیدت

حضرت خلیفہ اولؓ کی سیرت طیبہ کے ممتاز ترین پہلوؤں میں سے چوتھا خاص پہلو یہ ہے کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے ہر فرد کا بے حد ادب و احترام کرتے تھے۔ اور حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) کی بابرکت ذات سے تو خاص الخاص انس تھا۔ جب آپ حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ کھڑے ہو جاتے اور فرماتے میاں تم مجھ کو بہت ہی پیارے ہو [۲۱۰] اپنی مسند پر بٹھاتے۔ [۲۱۱] اور آپ کو علوم کی چاٹ لگانے کے لئے اچھی اچھی کتابیں منگوا کر دیتے۔ [۲۱۲] بعض دفعہ یہ بھی فرماتے کہ "میاں جب قرآن کریم کا سبق پڑھتے ہیں تو بہت سی آیات مجھے حل ہو جاتی ہیں جن باریکیوں کو یہ پہنچ جاتے ہیں۔ میرا واہمہ بھی وہاں تک نہیں پہنچتا"۔ [۲۱۳]

جن دنوں حضرت خلیفہ اول گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے صاحب فراش تھے ان دنوں کا ایک چشم دید واقعہ نواب عبدالرحیم خان صاحب خالد یہ بیان فرماتے ہیں کہ "سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ..... نماز پڑھایا کرتے تھے اور آپ بیٹھ کر ان کے پیچھے نماز ادا کیا کرتے تھے...... ایک مرتبہ حضرت خلیفہ ثانی کو بھی وہاں چارپائی پر اسی جماعت میں نماز مغرب پڑھتے دیکھا..... اپنے ہم عمروں سے ہی معلوم ہوا کہ دورہ ضعف ہو گیا لوگ بعد نماز ان کو دبا رہے تھے لیکن حضرت در آنحالیکہ خود بیمار تھے بار بار دریافت کرتے تھے میاں صاحب اب کیسے ہیں؟"

مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری تحریر کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ آپ نے نماز پڑھانے سے پہلے صفوں کی درستی کے لئے پیچھے مڑ کر دیکھا میں آپ کے بالکل پیچھے کھڑا تھا اور بائیں طرف دوسرے یا تیسرے حضرت بشیر الدین محمود احمد صاحب تھے۔ حضرت خلیفہ اول نے ہاتھ بڑھا کر حضرت میاں صاحب کو مجھ سے دائیں طرف صف اول میں کھڑا فرما دیا اور فرمایا میاں آپ اس باپ کے بیٹے ہیں جو کبھی بائیں طرف نہیں کھڑا ہوا۔

مولوی ظہور حسین صاحب (سابق مبلغ بخارا) کا بیان ہے کہ حضور نے اپنی بیٹھک میں ایک خط حضرت میاں صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) کے نام لکھا اور مجھے فرمایا۔ کہ دے آؤ۔ میں نے رستہ میں کھولا تو ایسے ادب کے رنگ میں حضرت خلیفہ اولؓ نے آپ کو مخاطب فرمایا تھا کہ گویا میاں صاحب خلیفہ ہیں اور آپ خود خادم ہیں خط میں یہ لکھا تھا کہ بازار والوں میں جھگڑا رہتا ہے دعا کریں۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں۔ کہ "حضرت خلیفۃ المسیح اول مولوی حکیم نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ جس طرح کی محبت اس وجود کے ساتھ کرتے تھے۔ اور اس کے بچپن میں بھی جس قدر ادب اور احترام آپ کا کرتے تھے اس سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت مولوی صاحب کو اپنی فراست مومنانہ اور کشف ولیانہ سے محسوس و مشہود ہو رہا تھا کہ یہ بچہ منشائے الٰہی کے ماتحت کسی منصب عالی کے واسطے تیار کیا جا رہا ہے۔ ایک دفعہ..... ہم سب ہم سفر تھے۔ (حضرت مسیح موعودؑ ساتھ نہ تھے) ایک اسٹیشن پر ہم گاڑی کے اندر بیٹھے ہوئے کچھ کھا رہے تھے.... حضرت صاحبزادہ محمود احمد صاحب کہیں پلیٹ فارم پر پھر رہے تھے۔ جب آپ گاڑی کے اندر آئے تو...... حضرت مولانا فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر نیچے بیٹھ گئے اور حضرت صاحبزادہ صاحب کو اپنی جگہ پر بٹھایا۔ مولوی صاحب کو نیچے بیٹھا دیکھ کر ہم سب کھڑے ہو گئے اور جگہ نکال کر باصرار حضرت مولوی صاحب کو اوپر بٹھایا"۔ [۲۱۴]

خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی قدر و منزلت حضرت خلیفہ اول کی نگاہ میں کس درجہ تھی اس کی

تفصیل حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے نہایت دلکش الفاظ میں رقم فرمائی ہے تحریر فرماتی ہیں۔

"میرا بچپن ان کی گود میں کھیل کر گزرا اور بچپن سے ان سے پڑھنا شروع کیا روز کا آنا جانا تھا۔ گویا ایک ہی گھر تھا..... بلا مبالغہ قریباً روز ہی بڑے پیار سے فرماتے کہ یہ اولاد اور یہ عبدالحی جو میری بڑھاپے کی نرینہ اولاد ہے یہ بھی تم لوگوں سے زیادہ مجھے پیارے نہیں ہم سب کے لئے مجموعی طور پر بھی ایسے الفاظ استعمال فرماتے اور خصوصیت سے اور اکثر بہت زور دے کر فرماتے کہ "محمود سے زیادہ یہ اولاد مجھے پیاری نہیں ہے"۔ سالوں تک میں نے اس بات کو یہ تکرار سنا ہے۔ اب تک تو دل پر یہی اثر تھا کہ چونکہ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے انتہائی عشق تھا تو ان کی اولاد بھی پیاری تھی خصوصاً وہ جو ہر قابل جس کو ان کی نگاہ معرفت پرکھ چکی تھی۔ مگر اب میں سوچتی ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے خاص مقبول بندے تھے یہ ان کا بیوی بچوں کی گھریلو مجلس میں روزانہ محبت جتلانا بھی کسی خاص اشارہ کی وجہ سے نہ ہو۔

ضمناً ایک واقعہ بھی یاد آ گیا۔ آپ کے صاحبزادے میاں عبدالسلام مرحوم چھوٹے تھے۔ میں جب پڑھنے کو روز صبح جاتی تو ان کے لئے جیب میں بادام اخروٹ وغیرہ لے جاتی اور جیسا کہ بچوں کے کھیل ہوتے ہیں روز ہی ان سے پوچھتی کہ بتاؤ عبدالسلام تم کتنے اخروٹ کے نوکر ہو؟ وہ روز جواب دیتے دو اخروٹ کا نوکر ہوں۔ ایک دن میاں عبدالحی مرحوم نے غصہ سے کہا۔ کہ عبدالسلام نوکر کیوں کہتے ہو؟ تم کوئی نوکر ہو؟ کہہ دو میں نوکر نہیں ہوں۔" اندر کمرے میں حضرت خلیفہ اول سن رہے تھے نہایت جوش سے کڑک کر فرمایا۔ "عبدالحی یہ کیا کہا تم نے-----؟ یہ نوکر ہے"۔ اور فرمایا "عبدالسلام اندر آؤ"۔ ہم دونوں اندر گئے۔ فرمایا کہو میرے سامنے "میں نوکر ہوں"۔ بچہ نے دہرا دیا۔ اس جذبہ کا اندازہ وہی لگا سکتے ہیں جو حضرت خلیفہ اولؓ کی طبیعت سے واقف آپ کی صحبت میں رہ چکے یا آپ کی سیرت کا مطالعہ کر چکے ہوں۔ وہ کوہ وقار تھے۔ غیور تھے۔ خوددار تھے۔ ان کا سر کبھی کسی کے سامنے نہ جھکا تھا۔ جھکا تو اپنے محبوب آقا کے سامنے جھکا اور اس عشق کامل کا نتیجہ تھا کہ ان کی ایک کم عمر لڑکی جو ان کی شاگرد بھی تھی۔ اس کے لئے بھی اپنے پیارے بچے کو اتنا کہنا "کہو میں نوکر نہیں ہو"۔ سخت ناگوار گزرا۔ آپ کا چہرہ مجھے آج تک یاد ہے ایسا اثر تھا کہ صرف غصہ اور ناگواری ہی نہیں۔ بلکہ بہت صدمہ گزرا ہے۔ حالانکہ جیسا وہ والدین کی مانند بے انتہا لاڈ پیار مجھ سے کرتے تھے بے تکلف کرتے تھے۔ ان کا حق تھا وہ بہ آسانی مجھے بھی کہہ سکتے تھے سمجھا سکتے تھے کہ بچہ سے ایسے نہیں کہلواتے ذلیل ہو جاتا ہے۔ عزت نفس نہیں رہتی۔ تم اس کو جو چاہو ویسے ہی دے دیا کرو۔ اور مجھے بھی آپ کا روکنا ذرا

بھی برا نہ معلوم ہوتا۔ کیونکہ ان کی محبت کا پلڑا بہت بھاری تھا۔ مگر انہوں نے اپنے طبعی وقار کے خلاف صرف اپنے خاص جذبہ عشق و محبت کے تحت الٹا بچہ سے سامنے کہلوایا کہ "میں نوکر ہوں۔" [۲۱۵]

ایک دفعہ جبکہ آپ گھوڑے سے گر گئے تھے۔ سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ (خلیفۃ المسیح الثانی) آپ کے پاس بیٹھے دعا کر رہے تھے اور آپ تکلیف سے کراہ رہے تھے۔ کہ کئی بار پیغام آیا کہ میاں ناصر احمد صاحب تشویشناک طور پر بیمار ہیں حضرت سیدنا حضرت خلیفہ اول کی بیماری کے باعث یہ سن کر خاموش ہو گئے مگر حضرت خلیفہ اول اس وقت ہوش میں تھے آپ نے یہ بات سن لی آپ نے سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنا رخ مبارک کیا اور کسی قدر ناراضگی کے لہجہ میں فرمایا۔ "میاں تم گئے نہیں"۔ اور پھر کہا کہ تم جانتے ہو کس کی بیماری کی اطلاع آدمی دے کر گیا ہے۔ وہ تمہارا بیٹا ہی نہیں۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پوتا بھی ہے اس پر سیدنا کو بادل ناخواستہ اٹھنا پڑا۔ ڈاکٹر بلا کر میاں ناصر احمد صاحب کو دکھلایا۔ چند دنوں کے بعد خدا تعالیٰ نے ان کو شفا دے دی۔ [۲۱۶]

نواب عبدالرحیم خان صاحب خالد کا بیان ہے۔ "ہم بچوں کے ساتھ نہایت شفقت کا سلوک فرماتے تھے ...... مولوی عبدالحی مرحوم فرزند حضرت خلیفہ اولؓ کو شام کے وقت قرآن شریف کا درس دیا جاتا تھا۔ اس میں ہم عمر بچے میرے منجھلے بھائی عبداللہ خاں اور راقم دونوں نے جانا شروع کیا پہلے دن جب ہم گئے تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ الفاظ یہ تھے کہ میرا گھر نور سے بھر گیا۔ میاں! تم دونوں کے آنے سے مجھے بے حد خوشی ہوئی بتاشے تقسیم کئے"۔ [۲۱۷]

حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب نے بیان فرمایا کہ غالباً خلافت سے قبل کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ میری سوتیلی اور صاحبزادہ مرزا رشید احمد صاحب کی حقیقی والدہ بیمار تھیں بارہ ایک بجے شب کا وقت تھا کہ میں باہر صحن میں دیوان خانہ کے نزدیک سویا ہوا تھا۔ میری والدہ کی طبیعت خراب تھی جس پر حضرت خلیفہ اول تشریف لائے۔ آپ واپس جا رہے تھے کہ میرے والد (حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب رضی اللہ عنہ) نے آپ سے یہ عرض کیا کہ میں بہت شرمندہ ہوں کہ آپ کو بے وقت تکلیف دی اس پر حضرت خلیفہ اول نے میرے والد کی گردن میں بانہہ ڈال کر فرمایا۔ مجھے تکلیف کیسے ہو سکتی ہے میں تو مرزا کے غلاموں کے غلاموں کے غلاموں پتہ نہیں کہاں تک گننے کے بعد فرمایا۔ میں تو ان کا بھی غلام ہوں۔

آپ کی سیرت پر حضرت قمر الانبیاء کا جامع نوٹ

بالآخر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے ایک لطیف اور جامع نوٹ پر یہ باب ختم کیا جاتا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت خلیفہ اول کا پایہ حقیقتاً نہایت بلند تھا اور جماعت احمدیہ کی یہ خوش قسمتی تھی کہ اسے حضرت مسیح موعودؑ کے بعد جبکہ ابھی جماعت میں کوئی دوسرا شخص اس بوجھ کے اٹھانے کا اہل نظر نہیں آتا تھا ایسے قابل اور عالم اور خدا ترس شخص کی قیادت نصیب ہوئی۔ حضرت خلیفہ اول ؓ کو علمی کتب کے جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ زر کثیر خرچ کرکے ہزاروں کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا۔ اور ایک نہایت قیمتی لائبریری اپنے پیچھے چھوڑی مگر آپ کا سب سے نمایاں وصف قرآن شریف کی محبت تھی۔ جو حقیقتہ عشق کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ خاکسار نے بے شمار دفعہ دیکھا کہ قرآن شریف کی تفسیر بیان کرتے ہوئے آپ کے اندر ایک عاشقانہ ولولہ کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ آپ نے اوائل زمانہ سے ہی قرآن شریف کا درس دینا شروع کر دیا تھا جسے اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی جاری رکھا۔ اور آخر جب تک بیماری نے بالکل ہی نڈھال نہیں کر دیا۔ اسے نبھایا۔ طبیعت نہایت سادہ اور بے تکلف اور انداز بیان بہت دلکش تھا اور گو آپ کی تقریر میں فصیحانہ گرج نہیں تھی۔ مگر ہر لفظ اثر میں ڈوبا ہوا نکلتا تھا مناظرہ میں ایسا ملکہ تھا کہ مقابل پر خواہ کتنی ہی قابلیت کا انسان ہو وہ آپ کے برجستہ جواب سے بے دست و پا ہو کر سر دھنتا رہ جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ فرماتے تھے۔ کہ فلاں معاند اسلام سے میری گفتگو ہوئی اور اس نے اسلام کے خلاف یہ اعتراض کیا اور میں نے سامنے سے یہ جواب دیا اس پر تلملا کر کہنے لگا۔ میری تسلی نہ ہوئی۔ گو آپ نے میرا منہ بند کر دیا۔ فرمانے لگے۔ تسلی دینا خدا کا کام ہے میرا کام چپ کرا دینا ہے۔ تاکہ تمہیں بتا دوں کہ اسلام کے خلاف تمہارا کوئی اعتراض چل نہیں سکتا۔ یہ درست ہے کہ ان معاملات میں حضرت مسیح موعودؑ کا طریق اور تھا یعنی آپ مخالف کو چپ کرانے کی بجائے اس کی تسلی کرانے کی کوشش فرماتے تھے۔ اور گفتگو میں مخالف کو خوب ڈھیل دیتے تھے۔ مگر ہر ایک کے ساتھ خدا کا جدا گانہ سلوک ہوتا ہے اور یہ بھی ایک شان خداوندی ہے کہ خصم تسلی پائے یا نہ پائے۔ مگر ذلیل ہو کر خاموش ہو جائے اسی لئے کسی کہنے والے نے کہا ہے۔ ع

"ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"

حضرت خلیفہ اول کے دل میں حضرت مسیح موعودؑ کی اطاعت کا جذبہ اس قدر غالب تھا کہ ایک دفعہ جب ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعودؑ دہلی تشریف لے گئے۔ اور وہاں ہمارے نانا جان مرحوم یعنی حضرت میر ناصر نواب صاحب بیمار ہو گئے۔ تو ان کے علاج کے لئے حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت مولوی صاحب کو قادیان میں تار بھجوائی کہ بلا توقف دہلی چلے آئیں۔ جب یہ تار قادیان پہنچی تو حضرت مولوی صاحب اپنے مطب میں بیٹھے ہوئے درس و تدریس کا شغل کر رہے تھے اس تار کے پہنچتے ہی آپ بلا توقف وہیں سے اٹھ کر بغیر گھر گئے اور بغیر کوئی سامان یا زاد راہ لئے سیدھے بٹالہ کی طرف روانہ ہو گئے

جو ان دنوں قادیان کا ریلوے سٹیشن تھا۔ کسی نے عرض کیا۔ حضرت بلا توقف آنے کا یہ مطلب تو نہیں تھا۔ کہ آپ گھر جاکر سامان بھی نہ لیں۔ اور اتنے لمبے سفر پر یوں خالی ہاتھ روانہ ہو جائیں؟ فرمایا امام کا حکم ہے۔ کہ بلا توقف آؤ۔ اس لئے میں ایک منٹ کے توقف کو بھی گناہ خیال کرتا ہوں اور خدا خود میرا کفیل ہو گا۔ خدا نے بھی اس نکتہ کو ایسا نوازا کہ بٹالہ کے اسٹیشن پر ایک متمول مریض مل گیا۔ جس نے آپ کا بڑا اکرام کیا اور دہلی کا ٹکٹ خرید کر دینے کے علاوہ ایک معقول رقم بھی پیش کی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ مجھے ارشاد فرمائیں کہ اپنی لڑکی کسی چوہڑے کے ساتھ بیاہ دو تو خدا مجھے ایک سیکنڈ کے لئے بھی تامل نہ ہو۔

یقیناً ایسا پاک جوہر دنیا میں کم پیدا ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کو بھی حضرت مولوی صاحب کے ساتھ از حد محبت تھی اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

چہ خوش بودے اگر ہر یک زامت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پر از نور یقین بودے

یعنی کیا ہی اچھا ہو اگر قوم کا ہر فرد نور دین بن جائے۔ مگر یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ ہر دل یقین کے نور سے بھر جائے"۔ [۲۱۸]

حواشی باب ہشتم

۱۔ بدر ۶/ مئی ۱۹۰۹ء صفحہ ۳ کالم ۱۔
۲۔ اسلام اور ملکیت زمین۔ (از سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) صفحہ ۱۵۱۔
۳۔ انہوں نے حضرت خلیفہ اول کی خواہش پر "الخیر الکثیر" کا ایک نسخہ بھی فل سکیپ کاغذ پر دستخط لکھوا کر بھجوایا تھا (روایت مولوی محمد جی صاحب فاضل)
۴۔ اس امر کا ثبوت آپ کے درس قرآن کے وہ نوٹ ہیں جو "دار الاشاعت پیر جھنڈا" سے مولانا عبد اللطیف صاحب بہاولپوری فاضل نے خود نقل کئے اور اب تک ان کے پاس محفوظ ہیں بطور مثال اس سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:۔ "مرزا صاحب اصل میں عیسائیوں کے مقابلہ میں اٹھے تھے۔" (نقل درس صفحہ ۹۲)۔ "ہمارے ہاں قرآن میں نسخ بالکل نہیں..... شاہ صاحب فقط پانچ آیتیں منسوخ مانتے ہیں مگر ہم اس کو بھی نہیں مانتے کیونکہ اس کی تاویل ہو سکتی ہے۔" (نقل درس صفحہ ۱۸، ۳۱)۔ "بعض اوقات ریفارمر مصلح مجدد کوئی قوم میں پیدا ہوا اور وہ اصلاح میں ویسا ہی رہا جس طرح کہ نبی ہوتا ہے اور اگر وہ نبوت کا دعویٰ کرے تو جو معیار ہم نے مقرر کیا ہے اسی معیار پر اس کو نبی ماننا ہوگا"۔ (نقل درس صفحہ ۲۲۳) "ولکن شبہ لھم لیکن صلیب پر چڑھانے کے وقت بہت گڑبڑ ہو گئی اور اس وقت..... پھانسی دینے والے لوگ خود شک میں تھے کہ آیا حضرت عیسیٰ قتل ہوئے یا نہ۔" (ایضاً صفحہ ۹۵) "حاصل نزول عیسیٰ کا یہ ہے کہ ایک آدمی ایسا پیدا ہوگا جو کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کو ملادے گا۔" (نقل درس صفحہ ۱۵۱) تفسیر الیوم اکملت لکم۔ "اب گویا کہ سرکاری خزانے سے ہمیں ہر وقت چیز مل سکتی ہے۔ فقط ایک شرط ہم پوری کریں پھر جو چاہیں مانگیں ملے گا۔" (نقل درس صفحہ ۱۹۰) ہندوستان میں اگر رام اور کرشن کو مان لیا جاوے تو پھر ہندوؤں کے ساتھ بھی زیادہ جھگڑا نہیں رہتا۔" (ص ۲۸۲) "ایک فلاسفروں کے سکول میں تعلیم پاکر ہم توحید سیکھتے ہیں اور ایک یہ ہے کہ ہم نبی سے یہ توحید سیکھتے ہیں تو جس وقت ہم نبی سے لا الہ الا اللہ سنتے ہیں تو ہمارے تمام اخلاق میں تغیر آجاتا ہے تو نبی پر روحانی عالم سے فیضان ہوتا ہے۔" (نقل درس صفحہ ۲۷۹-۲۸۰)۔ "جو روحیں مجسم انسانوں کو فطرت کی طرف چلانے کی کوشش کریں وہ انبیاء کہلاتے ہیں..... اسی طرح جو شخص فطرت سے الٹی ترقی کرانا چاہے تو وہ دجال کہلاتا ہے۔" (نقل درس صفحہ ۱۴۳) مولینا عبد اللطیف صاحب بہاولپوری کا بیان ہے کہ جن دنوں میں نے یہ نوٹ نقل کئے ان دنوں میں غیر احمدی تھا اور مجھے احمدیت کا نام تک سننا گوارا نہیں تھا۔ نوٹوں میں کئی مقامات پر حضرت مرزا صاحب کی تعریف لکھی تھی اس لئے میں نے جوش مخالفت میں ایسے کئی صفحات اپنے رجسٹر سے پھاڑ دئے تھے۔ مولانا کا یہ بھی بیان ہے کہ مولوی نور الحق صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج کے پاس بھی یہ نوٹ موجود تھے۔ مولانا سندھی کے سیاسی مکتوبات۔ "جرنل آف پنجاب یونیورسٹی جنوری ۱۹۸۰ء صفحہ ۴۵ سے آپ کی حضرت خلیفہ اول سے غیر معمولی عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔
۵۔ ذکر اقبال از عبد المجید صاحب سالک
۶۔ عام علمی حلقوں میں آپ کی کیا قدر و منزلت تھی اس کے لئے فقط ایک مثال کافی ہوگی۔ بامبئی رہ کے ایک صاحب شیخ عبد العزیز خاں ناظم مدرستہ المسلمین نے ۱۸۹۴ء میں ٹامس کارلائل کی کتاب ہیروز اینڈ ہیرو زور شپ کے ایک لیکچر کا اردو ترجمہ "اسلام اور اس کا بانی" کے نام سے شائع کیا اسے آپ کے نام پر معنون کرتے ہوئے لکھا۔ "نذر بعالی خدمت فیض درجت عمدۃ المحققین قدوۃ المدققین حامی دین متین جناب حکیم مولوی نور الدین صاحب..... ان قومی خدمات جلیلہ تقریری و تحریری و مذہبی توجہات جمیلہ لسانی و مالی کے لحاظ سے جو جناب کی ذات بابرکات سے رفاہ عام کے بارہ میں علی العموم اور اشاعت اسلام کے پیرایہ میں علی الخصوص معرض ظہور میں آئی ہیں۔" اصل کتاب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔
۷۔ بطور مثال ملاحظہ ہو رسالہ "صوفی" منڈی بہاؤ الدین ستمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۷۔ اس رسالہ میں روزوں کی فلاسفی کے موضوع پر ایک مضمون شائع ہوا۔ جس میں آپ کی تفسیر کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

۸۔ رسالہ انیس صحت لاہور۔ اپریل ۱۹۵۷ء صفحہ ۲۵ کالم ۲
۹۔ (خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اکثر و بیشتر افراد کے علاوہ جنہوں نے آپ سے استفادہ کیا) آپ کے بعض ممتاز شاگرد یہ ہیں۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب ؓ۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب ؓ۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ؓ۔ جناب ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے۔ حضرت خان صاحب فرزند علی صاحب۔ حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب ؓ۔ حضرت محمد سعید صاحب حیدر آبادی۔ حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب۔ پروفیسر عبدالقادر صاحب۔ چوہدری غلام محمد صاحب بی۔ اے۔ ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب (مہر سنگھ)۔ مولوی محمد جی صاحب ہزاروی۔ ابو سعید عرب صاحب۔ حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری۔ سید عبدالحی عرب صاحب۔ عبدالرحمن صاحب داتوی۔ حضرت پیر سراج الحق صاحب ؓ۔ مولوی محمد علی صاحب مرحوم۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ شیخ محمد تیمور صاحب ایم۔ اے۔ مولوی محمد علی صاحب ایک دفعہ ناراضگی میں قرآن شریف پھینک کر چلے گئے اور آپ کے درس میں آنا بند کر دیا تھا مگر پھر کچھ عرصہ بعد باقاعدگی سے آنا شروع کر دیا۔ (الفضل ۱۲/ اگست ۱۹۲۴ء و ۱۳/ ستمبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۷۔)
۱۰۔ روایت مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر فاضل انچارج شعبہ زود نویسی ربوہ۔
۱۱۔ رسالہ انیس صحت لاہور اپریل ۱۹۵۷ء صفحہ ۲۵ کالم ۱۔ ۲
۱۲۔ رسالہ انیس صحت لاہور اپریل ۱۹۵۷ء صفحہ ۲۱۔ ۲۲
۱۳۔ رپورٹ کانفرنس ۱۹۱۰ء صفحہ ۷ ۱۴
۱۴۔ چند نام یہ ہیں:۔ مولوی غلام رسول صاحب راجیکی۔ مولوی حکیم غلام محمد صاحب امرتسری۔ حکیم مولوی قطب الدین صاحب بدوملہوی۔ مفتی فضل الرحمٰن صاحب۔ حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ۔ حکیم ڈاکٹر محمد طفیل صاحب بٹالوی۔ حکیم نور محمد.... صاحب مشتاق احسان پوری۔ شیخ فضل حق صاحب بٹالوی۔ ڈاکٹر محمد حیات صاحب راولپنڈی۔ حکیم مولوی عبداللطیف صاحب ہاتف۔ حکیم نظام جان صاحب و حکیم عبدالرحمن صاحب کاغانی۔ حکیم محمد ابراہیم صاحب کپور تھلوی۔ عطا محمد صاحب مرحوم (مالک دواخانہ رفیق حیات قادیان) حکیم محمد صدیق صاحب (سابق ملٹری ٹرانسپورٹ کلرک) متوطن گھوگھیاٹ ڈاک خانہ میانی حال ربوہ۔
۱۵۔ مراۃ الطبابت وغیرہ میں آپ کے مجربات شائع ہوتے تھے۔ اور حکماء اور دوسرے لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ آپ کی متعدد بیاضیں چھپ چکی ہیں جو آپ کے طبی کمالات کی عمدہ یادگار ہیں۔
۱۶۔ روایت جناب نواب عبدالرحیم خان صاحب خالد بار ایٹ لاء مالیر کوٹلہ۔ ضروری نوٹ:۔ جناب نواب عبدالرحیم خان صاحب خالد نے مولف ہذا کے نام ایک مفصل مکتوب میں حضرت خلیفہ اول کے چشم دید اور ایمان افروز حالات بھجوائے تھے جن پر حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا نے ازراہ شفقت نظر ثانی بھی فرمائی تھی۔ تاریخ احمدیت کے اس حصہ میں نواب عبدالرحیم خان صاحب کی طرف سے جس قدر روایات درج ہیں وہ اسی مکتوب سے ماخوذ ہیں۔
۱۷۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۸۵۔ ۱۸۶
۱۸۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۸۵۔ ۱۷۸۔ ۱۸۰
۱۹۔ اخبار نور جلد ۴ صفحہ ۱۳ کالم ۳
۲۰۔ روایت ڈاکٹر عبدالحمید صاحب چغتائی
۲۱۔ تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ دوم صفحہ ۲۹۷۔ (بیان مولوی فضل الدین صاحب وکیل)
۲۲۔ ظہور احمد موعود صفحہ ۱۰۳۔ بھیرہ کے بعض ہندوؤں نے ملک عبداللہ صاحب پٹواری بھیرہ کو بتایا کہ حضرت مولوی صاحب ہمیں فارسی میں خط لکھا کرتے تھے۔
۲۳۔ الحکم ۱۴۔ ۷/ دسمبر ۱۹۱۸ء صفحہ ۴ کالم ۲
۲۴۔ البدر جلد ۲ نمبر ۷ ۳ صفحہ ۹۳ ۳ کالم ۲۔ تشحیذ الاذہان جلد ۶۔ ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ بدر ۱۲/ مئی ۱۹۱۰ء صفحہ ۳ کالم ۳
۲۵۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۸۸

۲۶۔ بدر ۵/ مئی ۱۹۱۰ء صفحہ ۱ کالم ۲
۲۷۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۴۶۔۱۴۷
۲۸۔ (مضمون قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) الفضل ۶/ دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۳۔۴۔ نوٹ:۔ اس عظیم الشان لائبریری میں قریباً بیس تیس ہزار کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ موجود تھا (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۲) ہندوستان کے بہت سے لوگوں کے علاوہ سرسید اور علامہ شبلی وغیرہ نے بھی آپ کے کتب خانہ سے استفادہ کیا۔ (الحکم ۳۱/ مارچ ۱۹۰۰ء صفحہ ۴ کالم ۲۔ بدر ۶/ مئی ۱۹۰۹ء صفحہ ۳) ایک دفعہ استنبول کے ایک سیاح نے لائبریری دیکھی تو حیران رہ گیا (بدر ۷/ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۵ کالم ۱) آپ کے کتب خانہ میں جس کا ایک حصہ قادیان میں اور ایک حصہ ربوہ میں ہے متعدد قلمی کتابیں محفوظ ہیں فرمایا کرتے تھے کہ میں خدا کے فضل سے چھ سات سو صفحہ کی کتاب ایک رات میں پڑھ لیا کرتا ہوں۔ (تشحیذ الاذہان ۱۹۱۱ء ص ۲۶۳) مولانا ابو الکلام آزاد سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں:۔ "سید علی بلگرامی کا نسخہ (کتاب الرد علی المنطقین ابن تیمیہ۔ ناقل) مولانا شبلی مرحوم کے پاس تھا دوسرا نسخہ حکیم نور الدین صاحب قادیان کا تھا جو دیوبند آیا مولانا عبید اللہ کے پاس رہا پھر غائب ہو گیا۔" (تبرکات آزاد صفحہ ۱۴۷)
۲۹۔ البدر ۲۹/ اکتوبر و ۸/ نومبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۲۹ کالم ۲
۳۰۔ روایت پیر شمشیر علی صاحب آف بھیرہ
۳۱۔ بدر ۲۲/ جولائی ۱۹۰۹ء صفحہ ۳ کالم ۱
۳۲۔ تشحیذ الاذہان جولائی ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۶۲
۳۳۔ الحکم ۷/ دسمبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۶ کالم ۱۔۲
۳۴۔ الحکم ۷/ دسمبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۶ کالم ۱۔۲
۳۵۔ الحکم ۷/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۶ کالم ۳
۳۶۔ روایت مولوی فضل الدین صاحب وکیل
۳۷۔ کلام امیر صفحہ ۵۸
۳۸۔ روایت قریشی امیر احمد صاحب۔
۳۹۔ روایت حکیم محمد صدیق صاحب آف گھوگھیاٹ حال ربوہ
۴۰۔ تشحیذ الاذہان جلد ۶' ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۶۴
۴۱۔ روایت مولوی محمد جی صاحب فاضل
۴۲۔ الفضل ۱۵/ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵ کالم ۱
۴۳۔ الحکم ۱۴/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۶ کالم ۱
۴۴۔ بدر جلد ۸ نمبر ۴۴ درس صفحہ ۹۵ کالم ۲
۴۵۔ فاروق ۷/ اکتوبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۸ کالم ۱
۴۶۔ اصحاب احمد جلد ہشتم صفحہ ۷۰
۴۷۔ اصحاب احمد جلد دہم صفحہ ۱۲۷
۴۸۔ یہ خط مخدوم محمد صدیق صاحب کے نام تھے اصل خطوط مخدوم بشیر احمد صاحب بھیرہ کے پاس محفوظ ہیں۔
۴۹۔ اصل خط جو ۲۱/ دسمبر ۱۹۰۳ء کا ہے مخدوم بشیر احمد صاحب کے پاس محفوظ ہے مخدوم محمد اعظم صاحب حاجی مخدوم محمد عثمان صاحب کے فرزند اور حضرت خلیفہ اول کے بہت پیارے عزیزوں میں سے تھے چار سال تک مدرسہ طبیہ دہلی میں تعلیم پائی تھی اور حکیم عبد المجید خاں اور حکیم محمد اجمل خاں سے سند حاصل کر کے واپس اپنے وطن مخدوم آباد داخلی کوٹ احمد خاں میں آگئے اور مطب جاری کیا۔ کچھ عرصہ بعد راولپنڈی چلے گئے چند سال تک ریاست لسبیلہ ریاست بلوچستان میں والئے ریاست سرکار جام صاحب بہادر کے طبیب خاص اور افسر شفاخانہ جات رہے چند سال کے بعد آپ ملازمت سے استعفاء دے کر بھیرہ میں آگئے اور مطب کرنے لگے۔ رپورٹ آل انڈیا ویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس کے تیسرے اجلاس کی رپورٹ کے صفحہ ۵۱ پر ان کا

نام آتا ہے "طاعون اور اس کا استیصال" نامی ایک مبسوط رسالہ ان کی تالیف ہے۔(خزینۃ الاطباء صفحہ ۴۶۹) مخدوم صاحب کی اولاد (۱) مخدوم بشیر احمد صاحب۔ (۲) مخدوم نذیر احمد صاحب ایم۔ ایس۔ سی مرحوم (متوفی ۲۰/ ستمبر ۱۹۵۶ء) (۳) مخدوم محمد صدیق اکبر ایم۔ ایس۔ سی علی گڑھ۔ (۴) مخدوم محمد فاروق اعظم۔

۵۰۔ الحکم ۱۴/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۴ کالم ۳
۵۱۔ روایت جمعدار فضل دین صاحب (بیعت ۱۹۱۰ء)
۵۲۔ پیغام صلح ۲۶/ دسمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۶۵ کالم ۱
۵۳۔ روایت جمعدار فضل دین صاحب۔
۵۴۔ روایت حکیم محمد صدیق صاحب گھوگھیاٹ۔
۵۵۔ روایت مولوی محمد جی صاحب فاضل۔
۵۶۔ تشحیذ الاذہان جلد ۶ ' ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۶۳۔ ۲۶۴
۵۷۔ الحکم ۱۴/ جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۵ کالم ۳
۵۸۔ روایت جمعدار فضل دین صاحب۔
۵۹۔ الفضل ۳۰/ اکتوبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۹ کالم ۳
۶۰۔ الفضل ۶/ جون ۱۹۳۵ء صفحہ ۷ کالم ۲
۶۱۔ بیان مستری فضل الٰہی صاحب بھیرہ۔
۶۲۔ الحکم ۲۸/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۵ کالم ۳
۶۳۔ الحکم ۲۸/ اپریل ۱۹۱۱ء صفحہ ۱ کالم ۲
۶۴۔ روایت ڈاکٹر عبد الحمید صاحب چغتائی (ماڈل ٹاؤن لاہور)
۶۵۔ صدر انجمن احمدیہ کے قدیم ریکارڈ میں عزیز احمد۔ عبد اللہ۔ برکت علی۔ اجاگر سنگھ کی فیسیں اپنی جیب سے دینے کا ذکر ملتا ہے۔
۶۶۔ روایت مولوی محمد جی صاحب فاضل۔ صدر انجمن کے پرانے ریکارڈ سے ثابت ہے کہ آپ کے پاس آپ کے متعدد رشتہ دار عزیز قیام پذیر رہتے تھے۔ مثلاً چن پیر۔ محمود۔ زین پیر۔ شہسوار وغیرہ۔
۶۷۔ اصحاب احمد جلد ہشتم صفحہ ۷۲۔ ۷۳
۶۸۔ روایت مولوی محمد جی صاحب فاضل ہزاروی۔
۶۹۔ روایت مولوی محمد جی صاحب فاضل۔
۷۰۔ تشحیذ الاذہان جلد ۶۔ ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۶۴
۷۱۔ بھیرہ کے ایک غیر احمدی دوست جو حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے خاندان سے ہیں۔
۷۲۔ روایت ملک خدا بخش صاحب (احمدی محلہ) بھیرہ۔
۷۳۔ روایت مولوی محمد جی صاحب فاضل۔
۷۴۔ روایت مولوی محمد جی صاحب فاضل۔
۷۵۔ تشحیذ الاذہان جلد ۶ ' ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۶۴
۷۶۔ تشحیذ الاذہان جلد ۶ ' ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۶۴
۷۷۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۸۴ حیات جاودانی صفحہ ۱۷
۷۸۔ خط ۱۶/ جنوری ۱۹۰۹ء اصل مکتوب مولف ہذا کے پاس محفوظ ہے۔
۷۹۔ اصحاب احمد ہشتم صفحہ ۱۷
۸۰۔ روایت مکرم مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر فاضل۔
۸۱۔ بدر ۱۵/ اگست ۱۹۱۲ء صفحہ ۴۔ ۵

۸۲۔ الازہار لذوات الخمار صفحہ ۱۔ ۲
۸۳۔ مفتی صاحب ایک غیر احمدی دوست ہیں۔
۸۴۔ کلام امیر صفحہ ۵۱
۸۵۔ روایت جمعدار فضل دین صاحب۔
۸۶۔ بدر ۲۳/ مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳
۸۷۔ روایت رحمت اللہ صاحب ہزاروی حال ناظم آباد کراچی۔
۸۸۔ روایت حکیم محمد صدیق صاحب گھوگھیاٹ حال ربوہ۔
۸۹۔ اصحاب احمد جلد ہشتم صفحہ ۷۲۔ ۷۳
۹۰۔ روایت شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی۔
۹۱۔ کلام امیر صفحہ ۲
۹۲۔ الحکم ۲۱/ جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۴ کالم ۱
۹۳۔ اصل خط کی مصدقہ نقل خاندان حضرت خلیفہ اول کے پاس محفوظ ہے۔
۹۴۔ الفضل ۲۴/ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵ کالم ۲
۹۵۔ کلام امیر صفحہ ۹۲
۹۶۔ سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۴۷
۹۷۔ بدر ۳۰/ مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۴ کالم ۲۔ ۳
۹۸۔ روایت مولوی محمد جی صاحب فاضل
۹۹۔ الحکم ۲۰/ فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۳ کالم ۱
۱۰۰۔ روایت جمعدار فضل دین صاحب۔
۱۰۱۔ الحکم ۲۱/ جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۹ کالم ۲
۱۰۲۔ روایت مولوی محمد جی فاضل۔
۱۰۳۔ لاہور کی چینیاں والی مسجد میں ایک صاحب مولوی رحیم بخش ہوا کرتے تھے۔ جو کئی کتابوں کے مصنف تھے ایک دن وہ بڑے زور شور کے ساتھ آپ سے مباحثہ کے لئے آئے اور آتے ہی کہا کہ قرآن تو مجمل ہے آپ نے اس کے جواب میں قرآن کی یہ آیت پڑھی کتابا مفصلا۔ بس وہ اٹھ کر چل دئے اور کہا کہ ساری عمر آپ سے مباحثہ نہ کروں گا۔

سورہ المرسلات کے پڑھاتے ہوئے جب یہ آیت آئی فبای حدیث بعدہ یومنون تو ایک چکڑالوی نے آپ سے کہا کہ تمہاری ساری حدیثوں کا رد ہو گیا۔ آپ نے برجستہ جواب دیا۔ تیری اس بات کا بھی رد ہو گیا۔ (مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۴۳)

ایک پادری گارڈن آپ کے مکان پر آیا کرتا تھا۔ ایک دن انجیل کی تعلیم کی خوبیاں بیان کرنے لگا آپ نے کہا۔ تمہارا مذہب ایسا نہیں ہے کہ بلند میناروں پر چڑھ کر اللہ اکبر اللہ اکبر کہے جیسا کہ مسلمان کہتے ہیں۔ تمہارے ہاں تو صرف گھنٹہ بجتا ہے۔ کیا تم باواز بلند کہہ سکتے ہو۔ کہ خدا تین ہیں۔ اور تین ایک ہوتا ہے۔ اور خدا پھانسی پر لٹکایا گیا۔ (بدر ۱۵/ اکتوبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ کالم ۳)

ایک دفعہ ایک گریجوایٹ کو ایک پادری کے پاس بھجوایا کہ وہ تثلیث کی فلاسفی بیان کرے۔ پادری صاحب نے کہا کہ ایشیائی دماغ اس کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ آپ نے جواب بھجوایا کہ تمہارا خدا (مسیح) بھی ایشیائی تھا اور اس کے مرید پولوس اور پطرس بھی ایشیائی۔ آپ کے قاعدہ سے معلوم ہوا۔ کہ وہ تینوں اس مسئلہ کو نہیں سمجھے باایں صورت تمہاری سمجھ میں یہ کیسے آ گیا؟ (مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۴۹)

ایک مسیحی نے آپ سے کہا۔ بائبل کے معنے ہم ہی خوب کر سکتے ہیں آپ نہیں کر سکتے۔ آپ نے جواب دیا کہ توریت کے معنی پھر تو یہودی ہی خوب کر سکتے ہیں تم نہیں کر سکتے۔ (مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۴۷)

ایک پادری نے آپ پر اعتراض کیا کہ بہشت میں کھائیں گے تو پاخانہ کیوں نہ پھریں گے آپ نے فرمایا کہ تم نے نو مہینے تک ماں

کے پیٹ میں کھایا گیا وہاں پاخانہ بھی پھرا کرتا تھا اس پر وہ چپ ہو گیا۔(مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۸۸)
ایک شخص نے آپ سے کہا فضا میں عدم محض ہے آپ نے کہا تو پھر چاند سورج عدم محض میں چلے گئے کہنے لگا۔ دیکھو لفظوں کی غلطی نہ پکڑو۔ آپ نے فرمایا کہ آخر کلام تو لفظوں سے ہی ہوتا ہے۔(مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۵۵)
ایک شریر نے اعتراض کیا۔ اگر پوری کائنات پتھروں سے بھر دی جائے تو نعوذ باللہ خدا کہاں جائے گا؟ آپ نے پوچھا زمانہ ان سب پر حکومت کرتا ہے یا نہیں کہنے لگا ہاں زمانہ تو ان پتھروں سے نہیں کچلا جاتا آپ نے فرمایا زمانہ تو خدا تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ (مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۵۶) غرضیکہ آپ کے جدید مناظرانہ علم کلام کی صدہا مثالیں موجود ہیں۔

۱۰۴۔ الدر المنثور فی لمعات النور
۱۰۵۔ روایت جمعدار فضل الدین صاحب۔
۱۰۶۔ بدر ۱۱/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴ کالم ۲
۱۰۷۔ الحکم ۱۴/ فروری ۱۹۱۲ء صفحہ ۸ کالم ۳
۱۰۸۔ اصحاب احمد جلد دہم صفحہ ۲۶
۱۰۹۔ بدر ۲۲/ مئی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۳ کالم ۱
۱۱۰۔ خط بنام مولوی ریاض احمد بریلوی (الواح النور صفحہ ۵)
۱۱۱۔ الفضل ۲/ اگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ کالم ۳
۱۱۲۔ تشحیذ الاذہان جلد ۶' ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۶۴
۱۱۳۔ بدر ۷/ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۳ کالم ۳
۱۱۴۔ ضمیمہ درس بخاری صفحہ ۱۵' مشمولہ بدر۔ ۲۱/ اگست ۱۹۱۳ء
۱۱۵۔ الحکم ۲۱/ جون ۱۹۰۹ء صفحہ ۲ کالم ۱
۱۱۶۔ لمعات النور۔
۱۱۷۔ الفضل ۱۹/ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵ کالم ۱
۱۱۸۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۸۸۔ خط محررہ ۱۹/ جنوری ۱۹۱۰ء (خالد نومبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۰)
۱۱۹۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۰۷
۱۲۰۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۵۰
۱۲۱۔ ملاحظہ ہو رسالہ درود شریف صفحہ ۱۲۰۔ ۱۲۴ و محامد خاتم النبیین از حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل حلالپوری
۱۲۲۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۱۳
۱۲۳۔ اخبار نور ۳/ جولائی ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۱
۱۲۴۔ بدر ۱۴/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۶ کالم ۱
۱۲۵۔ یہ روایت حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب نے دہلی میں ۱۹۳۳ء کے قریب قریشی محمد نذیر صاحب فاضل کو سنائی تھی۔
۱۲۶۔ روایت شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی۔
۱۲۷۔ بدر ۳/ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳ کالم ۱
۱۲۸۔ تشحیذ الاذہان جلد ۶' ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۶۵
۱۲۹۔ الفضل ۳۱/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۷ کالم ۲۔ ۳
۱۳۰۔ بدر ۲۳/ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۰ کالم ۱۔ ۳
۱۳۱۔ بدر ۱۶/ مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳ کالم ۱
۱۳۲۔ الحکم ۱۰/ اپریل صفحہ ۳
۱۳۳۔ الحکم ۷/ اگست ۱۹۰۹ء صفحہ ۱

۱۳۴۔ ملفوظات نور صفحہ ۴۹
۱۳۵۔ ملفوظات نور صفحہ ۳۵
۱۳۶۔ الدر المنشور فی لمعات النور (غیر مطبوعہ)
۱۳۷۔ روایت رحمت اللہ صاحب ہزاروی (مقیم کراچی)
۱۳۸۔ اصحاب احمد جلد ہشتم صفحہ ۲۷
۱۳۹۔ بدر ۷/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۸ کالم ۱
۱۴۰۔ الفضل ۲۷/ مئی ۱۹۴۳ء صفحہ ۳ کالم ۴
۱۴۱۔ روایت جمعدار فضل الدین صاحب۔
۱۴۲۔ بدر ۲۳/ نومبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۵ کالم ۱
۱۴۳۔ الفضل ۲۵/ جون ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵
۱۴۴۔ الحکم ۱۰/ جنوری ۱۸۹۹ء صفحہ ۹ کالم ۲
۱۴۵۔ تفسیر احمدی صفحہ ۵۶ کالم ۲ از حضرت میر محمد سعید صاحب حیدر آبادی
۱۴۶۔ الحکم جلد ۱۴ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۴

حواشی فصل دوم

۱۴۷۔ راقم الحروف نے تاریخ احمدیت کی تدوین میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ؓ سے راہ نمائی حاصل کی ہے (اللھم اعطہ عنی اجرا جزیلا وارفع درجاتہ وادخلہ فی جنتک النعیم) خلافت اولیٰ کے دور کی تاریخ لکھنے سے پیشتر جب خاکسار ۲۳/ مئی ۱۹۶۳ء کو بوقت آٹھ بجے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے بعض قیمتی ہدایات دینے اور ایمان افروزا واقعات بتانے کے علاوہ حضرت خلیفہ اول ؓ کی زندگی کے چار اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ کرکے ارشاد فرمایا کہ ان کو نمایاں رنگ میں ذکر کیا جائے چنانچہ اس فصل میں انہی کا مفصل بیان ہے۔
۱۴۸۔ الحکم جلد ۱۴ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۸ کالم ۱
۱۴۹۔ الحکم ۲۸/ اکتوبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۹
۱۵۰۔ الفضل ۴/ فروری ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۶ کالم ۲
۱۵۱۔ بیان جمعدار فضل الدین صاحب۔
۱۵۲۔ نصائح المبلغین صفحہ ۸۔۹۔ از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ
۱۵۳۔ روایت ملک بشیر علی صاحب کنجاہی
۱۵۴۔ روایت مولوی محمد جی صاحب فاضل ہزاروی۔
۱۵۵۔ بدر ۱۸/ جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۷ کالم ۳
۱۵۶۔ بدر ۸/ جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۸ کالم ۱
۱۵۷۔ بدر ۱۹/ اکتوبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۳ کالم ۲
۱۵۸۔ ترجمۃ القرآن پارہ اٹھائیسواں صفحہ ۲۴۶ از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ؓ
۱۵۹۔ الحکم جلد ۱۵-۱۹۱۱ء نمبر ۲۷۔۲۸ صفحہ ۹ کالم ۱
۱۶۰۔ الحکم ۱۹/ ۱۹۱۵ء نمبر ۷۔۸ صفحہ ۲
۱۶۱۔ بدر ۷/ جولائی ۱۹۱۰ء صفحہ ۱ کالم ۲

۱۶۲۔ تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۴۶
۱۶۳۔ بدر ۶/ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۷ کالم نمبر ۲
۱۶۴۔ روایت خان ارجمند خان صاحب (سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ)
۱۶۵۔ تشحیذ الاذہان جلد ۷ صفحہ ۱۰۱
۱۶۶۔ کلام امیر صفحہ ۲۵
۱۶۷۔ روایت حکیم محمد صدیق صاحب گھوگھیاٹ حال ربوہ۔
۱۶۸۔ الفضل ۲/ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱ کالم ۱
۱۶۹۔ بدر ۱۰/ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۱
۱۷۰۔ الفضل ۶/ دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۳۔۴
۱۷۱۔ الفضل ۶/ دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۵ کالم ۱
۱۷۲۔ روایت حکیم محمد صدیق صاحب آف گھوگھیاٹ حال ربوہ۔
۱۷۳۔ الحکم ۱۰/ جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۵ کالم ۲
۱۷۴۔ روایت مولوی فضل الدین صاحب وکیل۔
۱۷۵۔ الحکم ۳۱/ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۸ کالم ۱۔۲
۱۷۶۔ الدر المنثور فی لمعات النور۔ روایت حضرت مولانا راجیکی صاحب۔
۱۷۷۔ الدر المنثور فی لمعات النور۔ روایت حضرت مولانا راجیکی صاحب۔
۱۷۸۔ روایت قریشی امیر احمد صاحب ولد قریشی حکیم سردار محمد صاحب (رجسٹر روایات صحابہ نمبر ۵ صفحہ ۱۲۹)
۱۷۹۔ روایت قریشی محمد نذیر صاحب فاضل۔
۱۸۰۔ روایت قریشی امیر احمد صاحب ولد قریشی حکیم سردار محمد صاحب (رجسٹر روایات صحابہ نمبر ۵ صفحہ ۱۲۹)
۱۸۱۔ الحکم ۱۷/ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱ کالم ۱۔۲
۱۸۲۔ تفسیر کبیر (النور) صفحہ ۴۰۹
۱۸۳۔ الحکم ۲۸/ اکتوبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۵ کالم ۳
۱۸۴۔ الدر المنثور فی لمعات النور۔ اصحاب احمد جلد دوم ص ۵۱۹
۱۸۵۔ روایت ڈاکٹر عبد الحمید صاحب چغتائی (ماڈل ٹاؤن لاہور)
۱۸۶۔ الحق (دہلی) ۲۸/ فروری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۳
۱۸۷۔ سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۵۶
۱۸۸۔ الحکم جلد ۱۵ ' ۱۹۱۱ء نمبر ۵ صفحہ ۶
۱۸۹۔ بدر ۳۱/ مئی ۱۹۰۶ء صفحہ ۹ کالم ۲
۱۹۰۔ الذکر الحکیم حصہ چہارم صفحہ ۴۳ از عبد الحکیم پٹیالوی
۱۹۱۔ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۴۶
۱۹۲۔ الفضل ۱۴/ جولائی ۱۹۶۳ء صفحہ ۵ کالم ۳۔۴
۱۹۳۔ الحکم ۱۷/ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۶ کالم ۱
۱۹۴۔ سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۰۰
۱۹۵۔ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۳۰۴
۱۹۶۔ بدر ۲۵/ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۳ کالم ۲
۱۹۷۔ الحکم جلد ۱۷۔ ۱۹۱۳ء

۱۹۸۔ الدر المنثور فی لمعات النور۔ روایت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی
۱۹۹۔ الحکم جلد ۱۷، ۱۹۱۳ء نمبر ۳۳ صفحہ ۳
۲۰۰۔ روایت جمعدار فضل الدین صاحب۔
۲۰۱۔ تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۵۶۶
۲۰۲۔ حکیم محمد عمر صاحب کی روایت۔
۲۰۳۔ روایت جناب ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے ٹمپل روڈ لاہور
۲۰۴۔ نجات صفحہ ۷۔۱۳ از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ طبع دوم۔
۲۰۵۔ روایت ملک خدا بخش صاحب احمدیہ محلہ بھیرہ۔
۲۰۶۔ لطائف صادق صفحہ ۱۲۔ ۱۳
۲۰۷۔ الحکم جلد ۳۸، ۱۹۳۵ء نمبر ۴ صفحہ ۶
۲۰۸۔ تذکرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۴۸
۲۰۹۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۸۳
۲۱۰۔ الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۸۰ کالم ۴
۲۱۱۔ الفضل ۱۲/ مارچ ۱۹۳۸ء صفحہ ۸ کالم ۳۔ ۴۔ ایضاً روایت قریشی امیر احمد صاحب بھیروی۔
۲۱۲۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۵
۲۱۳۔ الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۸۰ کالم ۴
۲۱۴۔ الفضل ۲۰/ جنوری ۱۹۲۸ء صفحہ ۷ کالم ۳
۲۱۵۔ الفضل ۲۶/ اکتوبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۳۔ ۴
۲۱۶۔ الفضل ۱۱/ ستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۷ کالم ۱۔ ۲
۲۱۷۔ مکتوب بنام مولف ھذا۔
۲۱۸۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۲۳۔ ۳۲۵

نواں باب (فصل اول)

خلافت اولیٰ کی نسبت آسمانی شہادتیں

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح اول مولوی نور الدین صاحب بھیروی رضی اللہ عنہ کی خلافت خدائے علیم و خبیر کی ازلی تقدیروں میں سے ایک خاص تقدیر تھی اور آپ ایک موعود شخصیت تھے چنانچہ اس سلسلہ میں چند آسمانی شہادتیں ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

پہلی شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف یہ خبر دی کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے ہاتھوں ہو گی۔ [1] دوسری طرف دعا فرمائی۔ "اللھم اذقت اول قریش نکالا فاذق اخرھم نوالا۔ [2] اے خدا جس طرح تو نے اول قریش کو بلا سے دوچار کیا اسی طرح انجام کار ان کو اپنی عطا سے بہرہ ور کرنا۔ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا حضرت خلیفۃ المسیح اول کی خلافت سے پوری ہوئی اس طرح خلافت کا اختتام بھی قریش سے ہوا اور اس کا احیاء و اجراء بھی قریش سے۔

دوسری شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ ایک مہدی تیری اولاد سے بھی ہو گا۔ جو ذوشجہ ہو گا یعنی جس کے منہ اور سر کے کسی حصہ میں ایسا زخم لگے جو ہڈی تک پہنچا ہو گا۔

حضرت خلیفۃ المسیح اول فاروقی النسل بھی تھے اور آخری عمر میں ذوشجہ والی پیشگوئی کے بھی مصداق ہوئے۔ [3]

تیسری شہادت حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۶۴-۱۲۴۰) نے پیش گوئی فرمائی کہ آنے والے موعود کا ایک خاص وزیر حافظ قرآن ہو گا۔ [4] چنانچہ لکھتے ہیں وھم من الاعاجم ما فیھم عربی و لکن لا یتکلمون الا بالعربیۃ لھم حافظ۔ لیس من جنسھم ما عصی اللہ قط ھو اخص الوزراء و افضل الامناء" [5] یعنی وزرائے مہدی سب عجمی ہوں گے ان میں سے کوئی عربی نہ ہو گا۔ لیکن وہ عربی میں کلام کرتے ہوں گے۔ ان میں سے ایک حافظ قرآن ہو گا۔

جو ان کی جنس میں سے نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس نے کبھی خدا کی نافرمانی نہیں کی ہو گی۔ وہی اس موعود کا وزیر خاص اور بہترین امین ہو گا۔

یہ پیشگوئی حضرت خلیفہ اول کی ذات میں جس کمال صفائی سے پوری ہوئی وہ محتاج بیان نہیں۔

چوتھی شہادت

بعض پیشگوئیوں سے پتہ چلتا ہے کہ مہدی کا ایک مددگار کشمیر میں سے آئے گا۔ [۶] چنانچہ آپ کو کشمیر میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعوت پہنچی اور کشمیر سے ہی آکر آپ بیعت اولیٰ کے موقعہ پر پہلی بیعت سے مشرف ہوئے۔

پانچویں شہادت

پانچویں صدی ہجری کے مسلمہ امام حضرت امام یحییٰ بن عقب امام مہدی کے بعد ایک عربی النسل انسان کے ظہور کی پیش گوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اذا ما جاء هم العربی حقا علی عمل سیملک لا محال
ویفتحونها من غیر شک وکم داع ینادی بابتهال

یعنی حضرت امام مہدی کے بعد [۷] ایک عظیم الشان عربی النسل آئے گا۔ جو خلیفہ برحق ہو گا۔ (یا یہ حق بات ہے کہ وہ عربی نسل ہو گا) اور نیک عمل و سیرت اور بلند مرتبت کے باعث وہ روحانی بادشاہت کا ضرور وارث ہو گا۔ اور اس کے زمانہ میں بلاشک ممالک فتح ہوں گے۔ بے شمار دعائیں کرنے والے اسلام کو فتح (یا قدرت ثانیہ کے ظہور کے لئے) دعائیں کریں گے۔

چھٹی شہادت

حضرت مسیح موعود [۸] علیہ السلام اور حضرت سیدہ نواب مبارکہ [۹] بیگم صاحبہ مدظلہا العالی کو آپ کی خلافت کے بارے میں قبل از وقت بذریعہ رؤیا بتا دیا گیا تھا۔ اسی طرح حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید رضی اللہ عنہ کو بھی آپ کی خلافت کی اطلاع دی گئی چنانچہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے قادیان میں عجب خاں صاحب تحصیلدار سے ارشاد فرمایا کہ واپسی کے وقت مولوی نور الدین صاحب سے جاکر ضرور اجازت لینا کیونکہ حضرت مسیح موعود کے بعد یہی پہلے خلیفہ ہوں گے۔ [۱۰] علاوہ ازیں میاں نجم الدین صاحب بھیروی کے خاندان کی ایک ملہمہ خاتون کو تیس سال پیشتر ہی جب کہ ان کو ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کا بھی علم نہیں تھا خواب میں دکھایا گیا۔ کہ حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح بن گئے ہیں۔ [۱۱]

ساتویں شہادت

آپ کی خلافت پر ساتویں عظیم الشان شہادت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال مبارک پر پوری قوم کی نگاہیں خلافت کے لئے جس مقدس وجود کی طرف اٹھیں وہ فقط آپ ہی کا وجود تھا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی وفات کے معاً بعد حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر عرض کی۔ انت صدیقی یعنی آپ میرے

صدیق ہیں۔ [۱۲] حضرت میر محمد سعید صاحب حیدر آبادی نے پہلے ہی اپنی نوٹ بک میں ایک یادداشت لکھ رکھی تھی جس میں آپ سے بیعت کی درخواست کی گئی تھی۔ [۱۳] اسی طرح جب بیرونی جماعت میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے انتقال کی خبر پہنچی تو کئی بزرگوں نے انتخاب خلافت سے پہلے ہی لکھ دیا کہ خلیفہ تو بہرحال حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ ہی ہوں گے۔ ہم ان کی بیعت کرتے ہیں۔ [۱۴] بلکہ حضرت حاجی غلام احمد صاحبؓ پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ کریام نے تو اپنے علاوہ جماعت کریام کی بیعت کا خط بھی روانہ کر دیا تھا۔ [۱۵]

کہتے ہیں کہ ایک اہلحدیث عالم نے حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کی خبر سن کر گجرات کے بعض احمدیوں سے کہا کہ اب تم لوگ قابو آ گئے ہو۔ کیونکہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر نبوت کے بعد خلافت ہے اور تم میں خلافت نہیں ہو سکتی۔ تم لوگ انگریزی دان ہو اس لئے خلافت کی طرف نہیں آؤ گے۔ دوسرے دن انتخاب خلافت کا تار ملا۔ تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ نور الدین پڑھا لکھا آدمی ہے اس نے جماعت میں خلافت قائم کر دی ہے آئندہ اگر خلافت رہی تو دیکھیں گے۔ [۱۶]

فصل دوم

حضرت مسیح موعودؑ کے رؤیاء الہامات میں حضرت خلیفہ اول کا ذکر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات و رویا میں کثرت سے نہایت تعریفی رنگ میں آپ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ بطور نمونہ چند الہامات و رؤیا درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہاماً بتایا گیا کہ آسمان پر آپ کا نام "عبدالباسط" رکھا گیا ہے۔ [۱۷]

۲۔ اپریل ۱۸۸۷ء میں حضور نے آپ کے بارے میں خواب دیکھا کہ "میں ایک نشیب گڑھے میں کھڑا ہوں اور اوپر چڑھنا چاہتا ہوں۔ مگر ہاتھ نہیں پہنچتا۔ اتنے میں ایک "بندہ خدا" آیا اس نے اوپر سے میری طرف ہاتھ لمبا کیا۔ اور میں اس کے ہاتھ کو پکڑ کر اوپر چڑھ گیا اور میں نے چڑھتے ہی کہا۔ کہ خدا تجھے اس خدمت کا بدلہ دیوے"۔ [۱۸]

۳۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو رؤیا ہوئی کہ "نور الدین کو دو گلاس دودھ کے پلائے ایک ہم نے خود دیا۔ اور دوسرا اس نے مانگ کر لیا اور کہا سرد ہے۔ پھر دودھ کی ندی بن گئی۔ اور ہم اس میں نبات کی ڈلی ہلاتے جاتے ہیں"۔ [۱۹]

۴۔ "کشف میں دیکھا تفسیر حسینی ۵۰ اور ۵۱ صفحہ پر..... فسرہ نور الدین بالمعارف الغریبہ"۔ (ترجمہ) نور الدین نے اس کی عجیب و غریب معارف کے ساتھ تفسیر کی۔ [۲۰]

۵۔ ۵/ اپریل ۱۸۹۳ء کو آپ کی روحانی عظمت اور بلند شان کے بارے میں حضور کو الہام ہوا۔ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ"۔ (ترجمہ) صفا و مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔ [۲۱]

۶۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ کی صحت کے لئے دعا کر رہے تھے کہ الہام ہوا۔ "ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بشفاء من مثلہ" [۲۲]

۷۔ الہام "ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ ان لا تخافوا و لا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نور الدین"۔ [۲۳] (ترجمہ) یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر مضبوطی سے قائم رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں۔ (یہ خوشخبری دیتے ہوئے) کہ خوف نہ کھاؤ اور نہ غمگین ہو اور اس جنت کی بشارت پاؤ جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔ نور الدین۔

فصل سوم

حضرت خلیفہ اول کا بلند مقام
تحریرات حضرت مسیح موعودؑ کی روشنی میں

چہ خوش بودے اگر ہر یک زامت نوردیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پراز نور یقیں بودے

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی تحریرات میں اپنے مخلص اور جاں نثار خدام میں سے سب سے بڑھ کر جس وجود کو تعریفی کلمات سے نوازا ہے وہ حضرت مولوی نور الدین خلیفتہ المسیح اول رضی اللہ عنہ ہیں جن کا ذکر آپ نے نہ صرف اپنی کتابوں میں فرمایا ہے بلکہ اپنے اشتہاروں، نجی خطوط اور...... تقاریر میں بھی آپ کے بلند مقام اور علو مرتبت کا بڑی کثرت سے تذکرہ فرمایا ہے اس ضمن میں حضور کے چند اقتباسات درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

تصانیف میں ذکر حضور فتح اسلام (۱۸۹۰) میں فرماتے ہیں۔

"سب سے پہلے میں اپنے ایک روحانی بھائی کے ذکر کرنے کے لئے دل میں جوش پاتا ہوں جن کا نام ان کے نور اخلاص کی طرح نور دین ہے۔ میں ان کی بعض دینی خدمتوں کو جو اپنے مال حلال کے خرچ سے اعلاء کلمہ اسلام کے لئے وہ کر رہے ہیں ہمیشہ حسرت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ کہ کاش وہ خدمتیں مجھ سے بھی ادا ہو سکتیں۔ ان کے دل میں جو تائید دین کے لئے جوش بھرا ہے اس کے تصور سے قدرت الٰہی کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے کہ وہ کیسے اپنے بندوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے"۔ ۲۲

۲۔ "آسمانی فیصلہ" (۱۸۹۱) میں تحریر فرماتے ہیں۔ "حضرت مولوی صاحب کے محبت نامہ موصوفہ کے چند فقرے لکھتا ہوں غور سے پڑھنا چاہئے۔ تا معلوم ہو کہ کہاں تک رحمانی فضل سے ان کو انشراح صدر و صدق قدم و یقین کامل عطا کیا گیا ہے اور وہ فقرات یہ ہیں۔" عالی جناب مرزا جی مجھے

اپنے قدموں میں جگہ دو اللہ کی رضامندی چاہتا ہوں اور جس طرح وہ راضی ہو سکے تیار ہوں اگر آپ کے مشن کو انسانی خون کی آبپاشی ضرور ہے۔ تو یہ نابکار (مگر محب انسان) چاہتا ہے کہ اسی کام میں کام آوے۔" تم کلامہ جزاہ اللہ" حضرت مولوی صاحب جو انکسار اور ادب اور ایثار مال و عزت اور جاں فشانی میں فانی ہیں وہ خود نہیں بولتے بلکہ ان کی روح بول رہی ہے"۔ ۲۵

۳۔ "نشان آسمانی" (۱۸۹۲ء) میں تحریر فرماتے ہیں۔ "مولوی حکیم نور دین صاحب اپنے اخلاص اور محبت اور صفت ایثار اور للہ شجاعت اور سخاوت اور ہمدردی اسلام میں عجیب شان رکھتے ہیں کثرت مال کے ساتھ کچھ قدر قلیل خدا تعالیٰ کی راہ میں دیتے ہوئے تو بہتوں کو دیکھا مگر خود بھوکے پیاسے رہ کر اپنا عزیز مال رضائے مولیٰ میں اٹھا دینا اور اپنے لئے دنیا میں کچھ نہ بنانا یہ صفت کامل طور پر مولوی صاحب موصوف میں ہی دیکھی۔ یا ان میں جن کے دلوں پر ان کی صحبت کا اثر ہے.... اور جس قدر ان کے مال سے مجھ کو مدد پہنچی ہے۔ اس کی نظیر اب تک میرے پاس نہیں... خدا تعالیٰ اس خصلت اور ہمت کے آدمی اس امت میں زیادہ سے زیادہ کرے آمین ثم آمین۔

چہ خوش بودے اگر ہریک زامت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پراز نور یقیں بودے۔ ۲۶

۴۔ "ازالہ اوہام" (۱۸۹۱ء) میں تحریر فرماتے ہیں۔ "ان کے مال سے جس قدر مجھے مدد پہنچی ہے میں اس کی کوئی ایسی نظیر نہیں دیکھتا جو اس کے مقابل پر بیان کر سکوں۔ میں نے ان کو طبعی طور پر اور نہایت انشراح صدر سے دینی خدمتوں میں جاں نثار پایا۔ اگرچہ ان کی روزمرہ زندگی اسی راہ میں وقف ہے۔ کہ وہ ہریک پہلو سے اسلام اور مسلمانوں کے سچے خادم ہیں مگر اس سلسلہ کے ناصرین میں سے وہ اول درجہ کے نکلے.... میں یقیناً دیکھتا ہوں کہ جب تک وہ نسبت پیدا نہ ہو۔ جو محب کو اپنے محبوب سے ہوتی ہے۔ تب تک ایسا انشراح صدر کسی میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ ان کو خدا تعالیٰ نے قوی ہاتھوں سے اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ اور طاقت بالائے خارق عادت اثر ان پر کیا ہے۔ انہوں نے ایسے وقت میں بلا تردد مجھے قبول کیا جب ہر طرف سے تکفیر کی صدائیں بلند ہونے کو تھیں اور بہتیروں نے باوجود بیعت کے عہد بیعت فسخ کر دیا تھا۔ اور بہتیرے ست اور متذبذب ہو گئے تھے۔ تب سب سے پہلے مولوی صاحب ممدوح کا ہی خط اس عاجز کے اس دعویٰ کی تصدیق میں کہ میں ہی مسیح موعود ہوں۔ قادیان میرے پاس پہنچا جس میں یہ فقرات درج تھے۔ امنا و صدقنا فاکتبنا مع الشاھدین... مولوی صاحب نے وہ صدق قدم دکھلایا جو مولوی صاحب کی عظمت ایمان پر ایک محکم دلیل ہے دل میں از بس آرزو ہے کہ اور لوگ بھی مولوی صاحب کے نمونہ پر چلیں مولوی صاحب پہلے راستبازوں کا ایک نمونہ ہیں۔ ۲۷

۵۔ "آئینہ کمالات اسلام" (۱۸۹۳ء) میں تحریر فرماتے ہیں (ترجمہ) "آپ مسلمانوں کا فخر ہیں۔ اور آپ کو قرآنی دقائق کے استخراج اور حقائق فرقان کے خزانوں کی اشاعت میں عجیب ملکہ حاصل ہے۔ بے شبہ آپ مشکوۃ نبوت کے انوار سے منور ہیں۔ اور اپنی شان اور پاک طینتی کے مطابق نبی کریم ﷺ کے نور سے نور لیتے ہیں۔ آپ ایک بے مثال وجود ہیں جس کے ایک ایک لمحہ سے انوار کی نہریں بہتی اور ایک ایک رشحہ سے فکروں کے مشرب پھوٹتے ہیں اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور وہ خیر الواہبین ہے۔ آپ نخبتہ المتکلمین۔ اور زبدۃ المولفین ہیں لوگ آپ کے آب زلال سے پیتے اور آپ کی گفتگو کی شیشیاں شراب طہور کی طرح خریدتے ہیں۔ آپ ابرار واخیار اور مومنوں کا فخر ہیں۔..... آپ نہایت ذکی الذہن ' حدید الفواد ' فصیح اللسان ' نخبتہ الابرار اور زبدۃ الاخیار ہیں آپ کو سخاوت اور مال عطا کیا گیا ہے۔ امیدیں آپ کے ساتھ وابستہ کی گئی ہیں پس آپ خدام دین کے سردار ہیں اور میں آپ پر رشک کرنے والوں میں سے ہوں... خدا تعالیٰ نے آپ پر قسم قسم کے انعام کئے ہیں اور آپ کی بقا کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی مدد کی ہے۔ آپ کو میرے دل سے عجیب تعلق ہے میری محبت میں قسم قسم کی ملامتیں اور بد زبانیاں اور وطن مالوف اور دوستوں کی مفارقت اختیار کرتے ہیں میرے کلام کے سننے کے لئے آپ پر وطن کی جدائی آسان ہے۔ اور میرے مقام کی محبت کے لئے آپ اپنے اصلی وطن کی یاد تک چھوڑ دیتے ہیں۔ اور میرے ہر ایک امر میں میری اس طرح پیروی کرتے ہیں جیسے نبض کی حرکت تنفس کی پیروی کرتی ہے اور میں آپ کو اپنی رضا میں فانیوں کی طرح دیکھتا ہوں۔ جب آپ سے سوال کیا جاتا ہے تو بلا توقف پورا کرتے ہیں۔ اور جب کسی کام کی طرف مدعو کیا جاتا ہے تو آپ سب سے پہلے لبیک کہنے والوں میں سے ہوتے ہیں۔ آپ کا دل سلیم خلق عظیم اور کرم ابر کثیر کی طرح ہے۔ آپ کی صحبت بد حالوں کے دلوں کو سنوارتی ہے اور آپ کا حملہ دین کے دشمنوں پر شیر ببر کے حملہ کی طرح ہوتا ہے۔ آپ نے آریوں کے مسائل کو کھودا اور نقب لگا کر ان بیوقوفوں کی زمین میں اترے اور ان کا تعاقب کیا اور ان کی زمین میں زلزلہ بپا کر دیا اور اپنی کتابوں کو مکذبین کے رسوا کرنے کے لئے نیزوں کی طرح سیدھا کیا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر ہندوؤں کو شرمندہ کیا.... اور وہ مردوں کی طرح ہو گئے۔ پھر انہوں نے دوبارہ حملہ کرنا چاہا۔ لیکن مردے موت کے بعد کس طرح زندہ ہو سکتے ہیں لرزے ہوئے واپس چلے گئے اگر ان کے لئے حیاء میں سے کچھ بھی حصہ ہوتا تو وہ دوبارہ حملہ نہ کرتے... فاضل نبیل موصوف میرے سب سے زیادہ محبت کرنے والے ان دوستوں میں سے ہیں جنہوں نے میری بیعت کی ہے۔ اور عقد نیت کو میرے ساتھ خالص کر دیا ہے اور جنہوں نے اس بات پر عہد بیعت باندھا کہ وہ خدا تعالیٰ پر کسی کو مقدم نہ کریں گے

میں نے آپ کو ان لوگوں میں سے پایا ہے جو اپنے عہدوں کی محافظت کرتے اور رب العالمین سے ڈرتے ہیں اور وہ اس پر شرر زمانہ میں اس ماء المعین کی طرح ہیں جو آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ جس طرح ان کے دل میں قرآن کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ایسی محبت میں اور کسی کے دل میں نہیں دیکھتا۔ آپ قرآن کے عاشق ہیں۔ اور آپ کے چہرہ پر آیات مبین کی محبت ٹپکتی ہے۔ آپ کے دل میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نور ڈالے جاتے ہیں پس آپ ان نوروں کے ساتھ قرآن شریف کے وہ دقائق دکھاتے ہیں۔ جو نہایت بعیدہ پوشیدہ ہوتے ہیں۔ آپ کی اکثر خوبیوں پر مجھے رشک آتا ہے۔ اور یہ خدا تعالیٰ کی عطا ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور وہ خیر الرازقین ہے۔ خدائے تعالیٰ نے آپ کو ان لوگوں میں سے بنایا ہے۔ جو قوت و بصارت والے ہیں اور آپ کے کلام میں وہ حلاوت و طلاقت ودیعت کی گئی ہے۔ جو دوسری کتابوں میں نہیں پائی جاتی اور آپ کی فطرت کے لئے خدا تعالیٰ کے کلام سے پوری پوری مناسبت ہے۔ خدا تعالیٰ کے کلام میں بے شمار خزانے ہیں۔ جو اس بزرگ جوان کے لئے ودیعت رکھے گئے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اس کے لئے کوئی اس کے رزقوں میں رد و قدح کرنے والا نہیں۔ کیونکہ اس کے بندوں میں سے بعض وہ مرد ہیں جن کو تھوڑی سی نمی دی گئی ہے۔ اور دوسرے کئی آدمی ہیں جن کو بہت سا پانی دیا گیا ہے۔ اور وہ اس کے ساتھ حجت بازی کرنے والے ہیں ... آپ بڑے بڑے میدانوں کے شہسوار ہیں ان کے لئے یہ قول صادق آتا ہے۔ **لکل علم رجال ولکل میدان ابطال** اور نیز یہ بھی صادق آتا ہے۔ **ان فی الزوایا خبایا و فی الرجال بقایا** خدا تعالیٰ آپ کو عافیت دے اور آپ کی عمر کو اپنی رضامندی اور اطاعت میں لمبا کرے۔ اور مقبولین میں سے بنائے۔ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے لبوں پر حکمت بہتی ہے۔ اور آسمان کے نور آپ کے پاس نازل ہوتے ہیں۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ مہمانوں کی طرح آپ پر نزول انوار متواتر ہو رہا ہے۔ جب کبھی آپ کتاب اللہ کی تاویل کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ تو اسرار کے قلعے کھول دیتے لطائف کے چشمے بہا دیتے عجیب و غریب پوشیدہ معارف ظاہر کرتے دقائق کے ذرات کی تدقیق کرتے اور حقائق کی انتہا تک پہنچ کر کھلا کھلا نور لاتے ہیں ... علماء علوم روحانیہ کی دولت اور اسرار رحمانیہ کے جواہرات سے بے گوشت ہڈی کی طرح خالی رہ گئے۔ پس یہ جوان کھڑا ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں پر اس طرح ٹوٹ پڑا جیسے شیاطین پر شہاب گرتے ہیں سو وہ علماء میں آنکھ کی پتلی کی طرح ہے۔ اور آسمان حکمت میں روشن آفتاب کی طرح ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ وہ ان سطحی راؤں سے خوش نہیں ہوتا جن کا منبت اونچی زمین ہے نہ نیچی زمین۔ بلکہ اس کا فہم ان دقیق المآخذ مخفی اسرار کی طرف پہنچتا ہے۔ جو گہری زمین میں ہوتے ہیں۔ **فللہ درہ و علی اللہ اجرہ** ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی

طرف کھوئی ہوئی دولت کو واپس کر دیا ہے۔ اور وہ ان لوگوں میں سے ہے جو توفیق دیئے جاتے ہیں اور سب حمد اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے مجھے یہ دوست ایسے وقت میں بخشا جب کہ اس کی سخت ضرورت تھی۔ سو میں اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ اس کی عمر و صحت و ثروت میں برکت دے۔ اور مجھے ایسے اوقات عطا کرے جن میں وہ دعائیں قبول ہوں جو اس کے اور اس کے خاندان کے لئے کروں اور میری فراست گواہی دیتی ہے کہ یہ استجابت ایک محقق امر ہے نہ ظنی اور میں ہر روز امیدواروں میں سے ہوں خدا کی قسم میں اس کے کلام میں ایک نئی شان دیکھتا ہوں۔ اور قرآن شریف کے اسرار کھولنے میں اور اس کے کلام اور مفہوم کے سمجھنے میں اس کو سابقین میں سے پاتا ہوں میں اس کے علم و حلم کو ان دو پہاڑوں کی طرح دیکھتا ہوں جو ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں مجھے علم نہیں کہ ان دونوں میں سے کونسا دوسرے پر فوقیت لے گیا ہے۔ وہ دین متین کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اے رب تو اس پر آسمان سے برکتیں نازل کر اور دشمنوں کے شر سے اس کو محفوظ رکھ اور جہاں کہیں وہ ہو تو بھی اس کے ساتھ ہو۔ اور دنیا و آخرت میں اس پر رحم فرما۔ اے ارحم الراحمین آمین ثم آمین۔ تمام تعریف اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے وہی دنیا و آخرت میں میرا والی ہے۔ اسی کے کلام نے مجھے بلوایا اور اسی کے ہاتھ نے مجھے ہلایا سو میں نے یہ مسودہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اشارے اور القاء سے لکھا ہے۔ و لا حول و لا قوة الا باللہ۔ [۲۸]

۶۔ "برکات الدعا" (۱۸۹۳) میں تحریر فرماتے ہیں۔ "پرجوش مردان دین سے مراد اس جگہ اخویم حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب بھیروی ہیں۔ جنہوں نے گویا اپنا تمام مال اسی راہ میں لٹا دیا ہے"۔ [۲۹]

۷۔ "سر الخلافہ" (۱۸۹۴) میں تحریر فرماتے ہیں (ترجمہ از عربی) میرے دوستوں میں ایک دوست سب سے محبوب اور میرے محبوں میں سب سے زیادہ مخلص، فاضل، علامہ، عالم رموز کتاب مبین، عارف علوم الحکم والدین ہیں جن کا نام اپنی صفات کی طرح مولوی حکیم نور الدین ہے"۔ [۳۰]

۸۔ "حمامتہ البشریٰ" (۱۸۹۴) میں تحریر فرماتے ہیں (ترجمہ از عربی) میرے سب دوست متقی ہیں لیکن ان سب سے قوی بصیرت اور کثیر العلم اور زیادہ تر نرم اور حلیم اور اکمل الایمان والاسلام اور سخت محبت اور معرفت اور خشیت اور یقین اور ثبات والا ایک مبارک شخص بزرگ۔ متقی۔ عالم صالح۔ فقیہ اور جلیل القدر محدث اور عظیم الشان حاذق حکیم۔ حاجی الحرمین۔ حافظ قرآن قوم کا قریشی نسب کا فاروقی ہے جس کا نام نامی مع لقب گرامی حکیم نور الدین بھیروی ہے اللہ تعالیٰ اس کو دین و دنیا میں بڑا اجر دے اور صدق و صفا اور اخلاص اور محبت اور وفاداری میں میرے سب مریدوں سے وہ

اول نمبر پر ہے اور غیر اللہ سے انقطاع میں اور ایثار اور خدمات دین میں وہ عجیب شخص ہے اس نے اعلائے کلمتہ اللہ کے لئے مختلف وجوہات سے بہت مال خرچ کیا ہے اور میں نے اس کو ان مخلصین سے پایا ہے جو ہر ایک رضا پر اور راولاد و ازواج پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھتے ہیں اور ہمیشہ اس کی رضا چاہتے ہیں اور اس کی رضا کے حاصل کرنے کے لئے مال اور جانیں صرف کرتے ہیں اور ہر حال میں شکر گذاری سے زندگی بسر کرتے ہیں اور وہ شخص رقیق القلب صاف طبع حلیم ۔ کریم اور جامع الخیرات ۔ بدن کے تعہد اور اس کی لذات سے بہت دور ہے ۔ بھلائی اور نیکی کا موقع اس کے ہاتھ سے کبھی ضائع نہیں ہوتا ۔ اور وہ چاہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دین کے اعلاء اور تائید میں پانی کی طرح اپنا خون بہادے اور اپنی جان کو بھی خاتم النبیینؐ کی راہ میں صرف کرے ۔ وہ ہر ایک بھلائی کے پیچھے چلتا ہے ۔ اور مفسدوں کی بیخ کنی کے واسطے ہر ایک سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے ۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں ۔ کہ اس نے مجھے ایسا اعلیٰ درجہ کا صدیق دیا جو راستباز اور جلیل القدر فاضل ہے اور باریک بین اور نکتہ رس ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے مجاہدہ کرنے والا اور کمال اخلاص سے اس کے لئے ایسی اعلیٰ درجہ کی محبت رکھنے والا ہے کہ کوئی محب اس سے سبقت نہیں لے گیا ۔ [۲۱]

۹۔ ضمیمہ انجام آتھم (۱۸۹۸) میں فرماتے ہیں ۔ "مولوی حکیم نور الدین صاحب... تمام دنیا کو پامال کر کے میرے پاس ان فقراء کے رنگ میں آبیٹھے ہیں جیسا کہ اخص صحابہ رضی اللہ عنہم نے طریق اختیار کر لیا تھا" ۔ [۲۲]

۱۰۔ "ضرورۃ الامام" (۱۸۹۸) میں تحریر فرماتے ہیں ۔ "ہماری جماعت میں اور میرے بیعت کردہ بندگان خدا میں ایک مرد ہیں جو جلیل الشان فاضل ہیں اور وہ مولوی حکیم حافظ حاجی حرمین نور الدین صاحب ہیں جو گویا تمام جہان کی تفسیریں اپنے پاس رکھتے ہیں اور ایسا ہی ان کے دل میں ہزارہا قرآنی معارف کا ذخیرہ ہے" ۔ [۲۳]

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رقم فرمودہ ایک تحریر

مفتی محمد صادق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں لکھا کہ میں نے سعد اللہ کے متعلق ایک مضمون لکھا ہے حضور ملاحظہ فرمادیں اور خواجہ کمال الدین صاحب کے پیشگوئی کی اشاعت کے منع کرنے کے بارے میں اگر مناسب ہو تو چند الفاظ تحریر فرمادیں ۔ جس پر حضور علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے مندرجہ ذیل تحریر رقم فرمائی (جو جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی کے پاس محفوظ ہے)

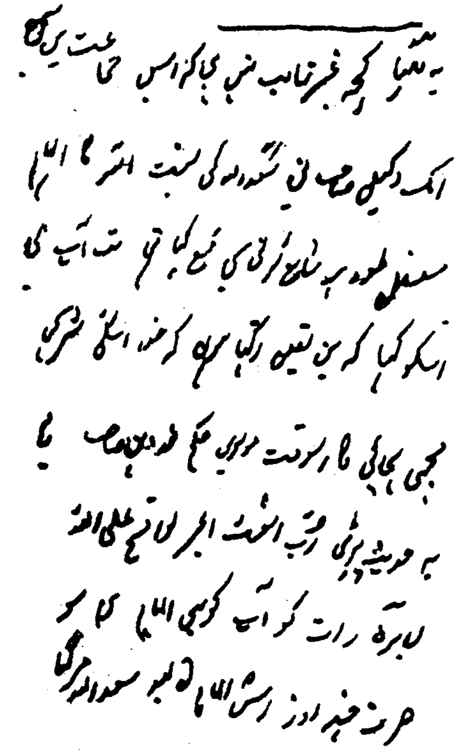

اشتہارات میں ذکر

حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنے اشتہارات میں آپ کی شان میں بہت کچھ لکھا ہے۔ مثلاً ۴ / اکتوبر ۱۸۹۹ء کے اشتہار میں لکھا۔ "میں اس بات کے لکھنے سے رہ نہیں سکتا کہ اس نصرت اور جانفشانی میں اول درجہ پر ہمارے خاص محب فی اللہ مولوی حکیم نورالدین صاحب ہیں جنہوں نے نہ صرف مالی امداد کی بلکہ دنیا کے تمام تعلقات سے دامن جھاڑ کر اور فقیروں کا جامہ پہن کر اور اپنے وطن سے ہجرت کر کے قادیان میں موت کے دن تک آبیٹھے۔ اور ہر وقت حاضر ہیں۔ اگر میں چاہوں تو مشرق میں بھیج دوں یا مغرب میں۔ میرے نزدیک یہ وہ لوگ ہیں جن کی نسبت براہین احمدیہ میں یہ الہام ہے۔ اصحاب الصفہ وما ادرک ما اصحاب الصفہ.... اور مولوی حکیم نورالدین صاحب تو ہمارے اس سلسلہ کے ایک شمع روشن ہیں"۔ ۲۴

خطوط میں ذکر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خطوط میں بھی آپ کی شاندار خدمات اور بلند منصب کا بار بار ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ حضور نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ "مجھ کو آنمخدوم کے ہر ایک خط کے پہنچنے سے خوشی پہنچتی ہے کیونکہ میں جانتا ہوں۔ خالص دوستوں کا وجود کبریت احمر سے عزیز تر ہے۔ اور آپ کے دین کے لئے جذبہ اور ولولہ اور عالی ہمتی ایک فضل الٰہی ہے۔ جس کو میں عظیم الشان فضل سمجھتا ہوں"۔ ۲۵

"سچ تو یہ ہے کہ میں نے اس زمانہ میں یہ خلوص و محبت و صدق قدم براہ دین کسی دوسرے میں نہیں پایا اور آپ کی عالی ہمتی کو دیکھ کر خداوند کریم جل شانہ کے آگے خود منفعل ہوں... جس قدر میری طبیعت آپ کی للّٰہی خدمات سے شکر گزار ہے مجھے کہاں طاقت ہے کہ میں اس کو بیان کر سکوں"۔ [۲۶]

بلاشبہ کلام الٰہی سے محبت رکھنا اور رسول اللہ ﷺ کے کلمات طیبات سے عشق ہونا اور اہل اللہ کے ساتھ جب صافی کا تعلق حاصل ہونا یہ ایک ایسی بزرگ نعمت ہے جو خدا تعالیٰ کے خاص اور مخلص بندوں کو ملتی ہے.... فالحمدللہ کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو یہ نعمت جو راس الخیرات ہے عطا فرمائی ہے ... جیسے آپ کے اخلاص نے بطور خارق عادت اس زمانہ کے ترقی کی ہے ویسا ہی جوش حب للہ کا آپ کے لئے اور آپ کے ساتھ بڑھتا گیا۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ نے چاہا۔ کہ اس درجہ اخلاص میں آپ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی شریک نہ ہو اس لئے اکثر لوگوں کے دلوں پر جو دعویٰ تعلق رکھتے ہیں خدا تعالیٰ نے قبض [۲۷] وارد کئے اور آپ کے دل کو کھول دیا"۔ [۲۸]

جو کچھ خدا تعالیٰ نے اس عاجز کی نصرت کے لئے محبت اور ہمدردی کا آپ کو جوش بخشا ہے وہ تو ایسا امر ہے جس کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ الحمد لله الذی اعطانی مخلصا کمثلکم محبا کمثلکم ناصرا فی سبیل الله کمثلکم و هذه کله فضل الله"۔ [۲۹]

فصل چہارم

حضرت خلیفہ اول کے بعض رویاء و کشوف اور الہامات

حضرت خلیفہ اول ان مقدس اور برگزیدہ انسانوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف عطا ہوتا ہے اور کشف و الہام کے دروازے کھلتے ہیں چنانچہ آپ کے چند رویاء و کشوف اور الہامات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

رؤیاء و کشوف

۱۔ فرمایا "ایک دفعہ میں نے حضرت علی مرتضیٰ کو خواب یا کشف میں دیکھا میں نے آپ سے سوال کیا کہ حضرت ابوبکر اور آپ کی فضیلت کا مسئلہ دنیا میں پیچ دار ہو رہا ہے اس کا اصل کیا ہے؟ فرمایا۔ انسان کی فضیلت موقوف ہے اس تعلق پر جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے ہے (اور) دلوں کے حالات کو علیم بذات الصدور کے سوا کون جانتا ہے؟ [٦٠]

۲۔ ایک دفعہ آپ کو رؤیاء میں لا الہ الا اللہ کے یہ معنے سمجھائے گئے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی حیثیت مستقل نہیں۔ [٦١]

۳۔ فرمایا۔ میں نے ایک بار ملک کو دیکھا ہے وہ انسان کی شکل میں متشکل تھا۔ قرآن مجید میں ہاروت ماروت کا نام بھی ہے۔ جس کو میں نے دیکھا ہے۔ اس کا نام محی الدین تھا۔ [٦٢]

۴۔ فرمایا "مجھے ایک دفعہ خواب آیا کہ آدھ پیالہ دودھ کا ہے اور میرے ایک دوست نے جو مجھ سے ناراض تھے۔ اسے پی لیا۔ میں بخاری شریف پڑھایا کرتا تھا۔ نصف باقی تھا کہ وہ ایک روز آئے بعض باتیں جو پسند آئیں تو بے اختیار کہہ اٹھے کہ اب میں بھی پڑھونگا۔ چنانچہ باقی نصف بخاری انہوں نے مجھ سے پڑھی"۔ [٦٣]

۵۔ فرمایا۔ "ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ مولوی عبدالقدوس صاحب کی گود میں پانچ خوبصورت لڑکے ہیں جو میں نے اچک لئے ہیں میں نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے تو وہ بولے کھیعص"۔ [٦٤]

٦۔ فرمایا۔ "میں نے مابعد الموت لوگوں سے ملاقات کی ہے اور ان سے جہنم و جنت کے حالات کی نسبت سوال کیا ہے"۔ [٦٥] پھر میں نے ایک اور نظارہ دیکھا۔ اک شخص بہشت میں ہے جو فی عرفات امنون ہے"۔ الخ [٦٦]

۷- ایک دفعہ فرمایا - ابھی میں نے دیکھا ہے کہ اسی مقام پر کسی پرند کا مزیدار شوربہ کھایا ہے اور اس کی باریک باریک ہڈیاں پھینک دی ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اسی وقت حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کچھ پرند شکار کر کے لائے جو حضور کی خدمت میں پیش کئے گئے - ۴۷

۸- فرمایا - جب روح جسم خاکی سے علیحدہ ہوتی ہے - تو وہ اپنے ساتھ ایک نیا جسم لے کر نکلتی ہے - جو ہر ہر عضو سے نکلتا ہے میں نے ایسے جسم خود دیکھے ہیں - ایک شخص جو اس وقت زندہ موجود ہے - اس کو میں نے دیکھا اس کا جسم خنزیر کا ہے ایک ہی وقت میں اس کا ظاہر جسم اور خنزیر والا جسم اپنے چار پیروں پر چلتا دیکھا ہے " - ۴۸

۹- فرمایا - " خدا تعالیٰ کا میرے ساتھ یہ وعدہ ہے کہ میں اگر کہیں جنگل بیابان میں بھی ہوں تب بھی خدا تعالیٰ مجھے رزق پہنچائے گا - اور میں کبھی بھوکا نہیں رہوں گا " - ۴۹

۱۰- فرمایا - " بعض اوقات لوگوں کے دل میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں کہ ان کے لئے دعا کر " - ۵۰

۱۱- خواب میں دیکھا کہ جلسہ میں لیکچر ہو رہے ہیں - حضرت مرزا صاحب مرحوم و مغفور فرماتے ہیں - آئندہ نوجوانوں کے لیکچر اچھے ہوں گے - ۵۱

۱۲- فرمایا - " صاحب نسبت جو لوگ ہوتے ہیں ان کی ملاقات ہو جاتی ہے میں نے کبھی توجہ نہیں کی باوجود اس کے میں نے بھی مردوں سے باتیں کی ہیں " - ۵۲

۱۳- فرمایا - " بڑائی - شیخی اور فخر کے لئے نہیں تحدیث نعمت کے لئے کہتا ہوں کہ میں نے خود ایسے فرشتوں کو دیکھا ہے اور انہوں نے ایسی مدد کی ہے کہ عقل - فکر وہم میں نہیں آسکتی - اور انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ دیکھو ہم کس طرح اس معاملہ میں تمہاری مدد کرتے ہیں " - ۵۳

۱۴- فرمایا - " مجھ کو خدا تعالیٰ نے عالم رویاء میں یہاں ایک شخص دکھایا کہ یہ فری میسنوں کی طرف سے خاص طور پر یہاں رہتا ہے " - ۵۴

۱۵- فرمایا " میں نے حضرت خواجہ شاہ سلیمان صاحب تونسوی اور حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ غلام علی صاحب اور صحابہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ایک عالم میں خود دیکھا ہے " - ۵۵

۱۶- فرمایا - " مجھ کو حضور نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ خواب میں فرمایا کہ ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ و قنا عذاب النار بہت پڑھا کرو - ۵۶

۱۷- فرمایا - " میں نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا - کہ مجھ کو کمر پر اس طرح

اٹھار کھا ہے۔ جس طرح بچوں کو مشک بناتے ہیں پھر میرے کان میں کہا کہ تو ہم کو محبوب ہے"۔ ۵۷

۱۸۔ فرمایا۔ "میں نے سلطان عبدالحمید کو دیکھا کہ ایک جھولدار چارپائی پر میلی توشک پڑی ہے اور وہ اس پر بیٹھا دکن کی طرف منہ کر کے رو رہا ہے۔ اور کپڑا چاروں طرف سے سمٹا جا رہا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک خالی گھڑا ہے میں نے چاہا کہ بھر دوں مگر بھرا نہیں گیا۔ تعبیر اس کی یہ سمجھائی گئی کہ سلطان عبدالحمید کی سلطنت کے عمائد اچھے نہیں اور اس کا ملک کم ہوتا جا رہا ہے۔ اور میں نے دعا کرنی چاہی مگر توفیق نہ دی گئی"۔ ۵۸

۱۹۔ فرمایا۔ "میں اپنی جان و دل سے شہادت دیتا ہوں کہ اپنی آنکھ سے فرشتوں کو دیکھا ہے.... ان کی محبت و احسان کو اپنی آنکھ سے دیکھا اور اپنے کانوں سے انہیں یہ کہتے سنا نحن اولیاء کم فی الحیوة الدنیا"۔ ۵۹

۲۰۔ فرمایا۔ "ایک ہمارا محسن...... تھا وہ مارا گیا.... مجھے اس جج سے ملنے کا موقع ملا۔ جس نے تحقیقات کی تھی اس نے بتایا.... کل اتنے آدمیوں کو پھانسی لگ جائے گی.... میں لیٹ گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ جن کے متعلق پھانسی کا حکم دیا گیا تھا وہ چارپائی پر بیٹھے ہیں اور کچھ سکھ مجھ کو دکھائے گئے جو زمین پر بیٹھے تھے۔ میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ یہ سب چھوٹ جائیں گے۔ اور اس کے قاتل وہ سکھ ہیں جو سزائیں پائیں گے... ٹھیک نو بجے جب کہ پھانسی کا مقررہ وقت تھا۔ سیالکوٹ سے تار آگیا کہ اصل مجرم پکڑے گئے ہیں... تحقیقات پر مقدمہ نئی طرز کا ہو گیا۔ اور وہ رہا ہو گئے۔ تب وہ جج کہنے لگا۔ بڑا الیش چرچ ہے۔ تب اس نے پوچھا کہ اب کون سزا پائے گا۔ میں نے کہا وہ سکھ جو ان مجرموں میں سرکاری وعدہ معافی پر بن لیا۔ وہ بچ گیا۔ اور باقی پھانسی پا گئے اس پر جج نے کہا کہ ایک تو بچ گیا۔ میں نے کہا مجھے تو یہ نہیں دکھایا گیا کہ یہ بچے۔ چنانچہ اس نے وہاں سے نکل کر خوشی میں شراب پی کر ایک لڑکی کو چھیڑا۔ اس کے رشتہ داروں نے وہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا"۔ ۶۰

۲۱۔ ۴/ فروری ۱۹۱۴ء کو فرمایا۔ "سورۃ (نجم) کا ابتداء بلکہ دور تک خود اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پڑھایا ہے"۔ ۶۱

۲۲۔ فرمایا۔ "مجھے تو خدا تعالیٰ نے آپ قرآن پڑھایا ہے۔ اور میں نے بعض آیتوں کو خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے پڑھا ہے۔ ۶۲ پڑھنے کا ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ اس سے نبی کریم ﷺ کی زیارت ہو جائے گی۔ چنانچہ آپ اسی رات زیارت آنحضرت ﷺ سے مشرف ہو گئے۔ ۶۳

۲۴۔ فرمایا۔ "شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ مجھے بھوک تھی میں سو گیا۔ خواب میں پلاؤ اور زردہ کھالیا جب جاگا تو دیکھا پیٹ بھرا ہوا تھا.... میں نے خود ان باتوں کا بڑا تجربہ کیا ہے"۔ ۶۴

۲۵- فرمایا۔ "میں نے خود نبی کریم ﷺ کو' موسیٰ علیہ السلام' علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ امام علیہ السلام عبدالکریم علیہ الرحمتہ۔۔۔ اور حکیم فضل الدین کو دیکھا اور اس جہان کا حال دریافت کیا"۔ [65]

۲۶- نصیرالدین صاحب حال مانسہرہ ضلع ہزارہ کا بیان ہے کہ ان کے والد عمردین صاحب کے ہاں بیس سال سے اولاد نہیں تھی۔ مولوی محمد یحییٰ صاحب دیپ گراں نے آپ کی خدمت میں دعا کی درخواست کی۔ آپ کو کشف میں ایک لڑکا نصیرالدین نامی دکھایا گیا چنانچہ سات ماہ بعد ان کی پیدائش ہوئی اور کشف کی بناء پر ان کا نام نصیرالدین رکھا گیا۔ [66]

الہامات [67]

۱- الہام "لها ما کسبت و علیها ما اکتسبت"۔ [68]

۲- الہام "کلا بل تحبون العاجلة و تذرون الاخرة"۔ [69]

۳- آپ کو راجہ رام موہن کی سوانح عمری کے بارے میں الہام ہوا کہ اس کی کتاب نہ پڑھو۔ یہ کتاب آپ کو جموں کے کسی آدمی نے دی تھی۔ [70]

۴- الہام "بطن الانبیاء صامت" [71]

۵- فرماتے تھے۔ خدا کی آواز میں نے سنی اس نے فرمایا کہ "قرآن کی آیت کا منکر کوئی ہو اور وہ مشکل سے مشکل آیت کے متعلق کوئی سوال کرے اور تجھے نہ آتا ہو تو معاً اس کا علم تجھے سکھا دیں گے۔ الخ [72]

۶- الہام "لا الہ الا اللہ"۔ [73]

۷- قل ما عند اللہ خیر من اللھو و من التجارۃ" [74]

۸- الہام "سنتیں پڑھنا چاہئے"۔ [75]

۹- فرمایا "کل ہی مجھے ایک کتاب ملی ہے اس کی نسبت مجھے الہام ہوا تھا کہ ہند میں نہیں۔۔۔ ایک سیاح اتفاقاً یہاں آگیا۔۔۔ اس سے ذکر کیا۔۔۔ اس نے کہا ہاں ہند میں تو نہیں مگر سندھ میں ہے میں تمہیں پہنچا دونگا کل وہ کتاب اللہ تعالیٰ کے فضل سے۔۔۔ پہنچ گئی"۔ [76]

۱۰- الہام اغننی بفضلک عمن سواک "۔ [77]

۱۱- الہام "من جمع القران فقد تصن و تصان"۔ [78]

۱۲- الہام تو مجھ سے کہہ اور دعا کر میں اسے قبول کروں گا"۔ [79]

القاء

۱۳- حضور کو القاء ہوا (الف) ان الذی فرض علیک القران لرادک الی معاد (ب) الحمی من نار جهنم فاطفوها بالماء (ج) اس طرح آپ کو بتایا گیا کہ اکثر

بیماریوں کا علاج ہوا پانی اور آگ سے اور دردوں کا آگ اور پانی سے [۸۰] (د) سنستدرجهم من حیث لا یعلمون"۔ [۸۱] ۱۴۔ کسی دوست نے پوچھا کہ الیاس سے یوحنا کی تشبیہ ظاہری الفاظ کے خلاف ہے۔ پس یہود مسیح علیہ السلام کے ماننے میں معذور ہو سکتے ہیں۔ آپ کو القاء ہوا۔ "کسی کے ماننے میں جو ذرائع جناب الٰہی نے بتائے ہیں دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اول محکمات دوسرے متشابہات۔ محکمات کو اصل قرار دیا جائے نہ متشابہات ہم اپنے باپ کی اولاد ہیں ہماری ماں یقیناً عفیفہ ہے اور اس کے لئے محکمات ہمارے لئے بس ہیں اور ہم اسکی جائداد پر قابض ہونے کے مدعی ہیں۔ ایسے امور میں متشابہات کی کیا ضرورت ہے اللہ تعالیٰ کے ماننے رسولوں انبیاء اور اولیاء کے ماننے میں ایسی ہی راہ سلامتی کی ہے"۔ [۸۲]

حواشی باب نہم

۱۔ بخاری کتاب الفتن صفحہ ۱۰۵۰
۲۔ ترمذی جلد دوم باب فضل الانصار و قریش صفحہ ۶/۵۔
۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو خلافت احمدیہ صفحہ ۲۹ (شائع کردہ انصار اللہ)
۴۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو خلافت احمدیہ صفحہ ۲۹ (شائع کردہ انصار اللہ)
۵۔ فتوحات مکیہ جلد ۳ صفحہ ۳۶۵
۶۔ تفصیل کے لئے دیکھیں "امام مہدی کا ظہور" از محمد اسد اللہ صاحب قریشی فاضل صفحہ ۳۰۸-۳۰۹
۷۔ شمس المعارف الکبری از امام شیخ احمد بن علی مصری صفحہ ۳۳۹-۳۴۰۔ یہ کتاب جو علم نجوم و جفر سے تعلق رکھتی ہے ۱۰۳۰ء کے دوران ہندوستان میں پہنچی اور خاندان حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے ایک فرد یاسین علی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا اور لاہور میں تین جلدوں میں طبع ہوئی۔
۸۔ الحکم جلد ۱۳ نمبر ا
۹۔ سیرت المہدی حصہ سوم ۳۷
۱۰۔ شہید مرحوم کے چشم دید واقعات حصہ اول صفحہ ۸۔
۱۱۔ الفضل ۲۲/ اگست ۱۹۴۰ء صفحہ ۴ کالم ۴۔
۱۲۔ تاریخ احمدیت حصہ سوم۔
۱۳۔ بدر ۲/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ کالم ۳۔
۱۴۔ آئینہ صداقت از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ ۸۱۔
۱۵۔ اصحاب احمد جلد دہم صفحہ ۹۴۔
۱۶۔ الفضل ۱۷/ اپریل ۱۹۴۶ء صفحہ ۵ کالم ۴۔
۱۷۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۱۵۲۔ مکتوبات جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۲۔
۱۸۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۱۵۲-۱۵۳۔
۱۹۔ جیبی بیاض حضرت خلیفہ اولؓ (بحوالہ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۳۶۴)
۲۰۔ جیبی بیاض (بحوالہ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۷۶۵)
۲۱۔ یہ الہام غیر مطبوعہ ہے اور تذکرہ میں بھی نہیں ہے۔ مگر بیاض جیبی جس کا قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں موجود ہے۔ غالباً اسی الہام کی بناء پر حضرت خلیفہ اول نے اپنے تئیں شعائر اللہ میں شامل کرتے ہوئے ایک دفعہ آیت لا تحلوا شعائر اللہ کی تشریح میں فرمایا میں نے بھی تمہیں پہچان کی راہ بتائی ہے میری بھی حرمت کرو"۔ درس القرآن کلاں صفحہ ۸۲ کالم ۲۔
۲۲۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۵۲۳۔
۲۳۔ الحکم ۲۸/ مارچ ۱۹۲۰ء صفحہ ا کالم ۲۔
۲۴۔ فتح اسلام صفحہ ۲۹ طبع اول۔
۲۵۔ آسمانی فیصلہ صفحہ ۳۳ حاشیہ۔
۲۶۔ نشان آسمانی طبع اول صفحہ ۴۶۔
۲۷۔ ازالہ اوہام صفحہ ۷۷ تا ۸۱ ۷ طبع اول
۲۸۔ ترجمہ و تلخیص از عربی حصہ آئینہ کمالات اسلام از صفحہ ۵۸۴ تا صفحہ ۵۸۹۔

۲۹۔ برکات الدعا صفحہ ۲۶ حاشیہ۔
۳۰۔ سر الخلافہ صفحہ ۵۳۔
۳۱۔ حمامۃ البشریٰ ترجمہ و تلخیص از صفحہ ۱۵ تا ۱۶۔
۳۲۔ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۳۱۔
۳۳۔ ضرورۃ الامام صفحہ ۲۶۔
۳۴۔ سبحان اللہ!! خدا کے مسیح کے قلم سے نکلی ہوئی یہ عظیم الشان پیشگوئی جو حضور نے ۱۸۹۹ء میں فرمائی تھی ہو بہو پوری ہوئی اور حضرت خلیفۃ المسیح اول سچ مچ قادیان میں موت کے دن تک آ بیٹھے۔
۳۵۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۲۶۔
۳۶۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۴۵۔
۳۷۔ قبض کی بجائے سہواً فیض چھپ گیا ہے)
۳۸۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۷۲۔
۳۹۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۱۲۷۔
۴۰۔ الفضل ۱۲/ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵۔
۴۱۔ الفضل ۱۱/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵۔
۴۲۔ بدر ۳۱۔۲۴/ دسمبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔
۴۳۔ بدر ۱۴/ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۴۔ یہ دوست نور الدین تاجر کتب جموں تھے۔
۴۴۔ بدر ۲۷/ جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۳۔ مولوی عبد القدوس ایک کشمیری بزرگ تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس خواب کی تعبیر میں فرمایا کہ اس کا علم آپ کو دیا جائے گا اور وہ لڑکے فرشتے تھے مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۵۴۔
۴۵۔ بدر ۲/ مارچ ۱۹۱۱ء صفحہ ۷۔
۴۶۔ بدر ۷/ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۳ و صفحہ ۴۔
۴۷۔ الحکم ۷/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۳
۴۸۔ بدر ۲۳ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۔
۴۹۔ بدر ۳۔۱۰/ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ٦
۵۰۔ بدر ۱۷/ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۴۔
۵۱۔ بدر ۲۱/ دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۱
۵۲۔ بدر ۱۴/ نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۔
۵۳۔ بدر ۳۰/ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۔
۵۴۔ قرآن رمضان صفحہ ۳۳ درس دوم صفحہ ۲۲۔
۵۵۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۸۷
۵۶۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۱۸۸۔
۵۷۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۶۲۔
۵۸۔ الحکم ۱۴/ نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۔
۵۹۔ الحکم ۲۱۔۲۸/ جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۔
۶۰۔ الحکم ۷۔۱۴/ فروری ۱۹۱۵ء صفحہ ٦۔
۶۱۔ الفضل ۱۱/ فروری ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۴۔
۶۲۔ الحکم ۷/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ٦۔

۶۳۔ سراج منیر
۶۴۔ کلام امیر صفحہ ۵۰۔ قریشی محمد نذیر صاحب فاضل ملتانی کی روایت ہے کہ حضرت حافظ روشن علی صاحب نے فرمایا کہ میں حضرت خلیفۃ المسیح اول ؓ سے پڑھا کرتا تھا بعض اوقات کھانے کے وقت میں تعلیم جاری رہتی ایک دفعہ اتفاق سے مجھے فاقہ آگیا اور کھانے کا وقت بوجہ تعلیمی مصروفیت کے نہ مل سکا۔ عین دوپہر کا وقت تھا۔ حضرت خلیفہ اول کی مجلس میں سبق پڑھتے رہے مجھے خوب بھوک لگی ہوئی تھی۔ اس عالم میں ربودگی سی طاری ہوئی اور میرے سامنے بھنا ہوا گوشت روٹی اور دودھ پیش کیا گیا۔ میں نے خوب کھایا دودھ پیا۔ جب یہ کیفیت دور ہوئی تو میں سیر ہو چکا تھا۔ اور قطعاً بھوک نہ تھی بلکہ کھانے کے بعد جو لطف آتا ہے اس سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اچانک حضرت مولانا نور الدین صاحب ؓ نے فرمایا "روشن علی فارغ ہو گئے"۔ میں حیران تھا کہ آپ کو میرے کھانے کا علم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی میری خواب کا نظارہ دکھلا دیا۔ الفرقان (حضرت حافظ روشن علی نمبر) صفحہ ۶۱ کالم ۲۔
۶۵۔ حبیبی بیاض (مملوکہ خاندان حضرت خلیفہ اول ؓ)
۶۶۔ بروایت محمد اسد اللہ صاحب قریشی الکاشمیری مربی سلسلہ احمدیہ تحریر ۶۳-۱۰-۳۱
۶۷۔ الہامات کی کیفیت کے بارے میں آپ کے ذاتی مشاہدات و تجربات بدر ۱۱/ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۳ پر طبع شدہ ہیں۔
۶۸۔ اخبار نور ۱۰/ فروری ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۰۔
۶۹۔ اخبار نور ۱۰/ فروری ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۰۔
۷۰۔ الفضل ۸/ اکتوبر ۱۹۱۸ء صفحہ ۶ (حبیبی بیاض اصل بیاض آپ کے خاندان میں محفوظ ہے)
۷۱۔ مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۶۲ ترجمہ انبیاء کا پیٹ خاموش ہوتا ہے ایک روز آپ نے دودھ اور جلیبیاں خوب کھالیں اس کی وجہ سے ریاح کی تکلیف ہو گئی۔ اس پر یہ الہام ہوا۔
۷۲۔ بدر ۱۳/ اکتوبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۰ و صفحہ ۱۱۔
۷۳۔ بدر ۱۵/ دسمبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۵۔
۷۴۔ بدر ۱۶/ نومبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۴۔
۷۵۔ ترمذی مصری جلد اول صفحہ ۸۴ کے حاشیہ پر آپ کے قلم سے یہ الہام لکھا ہوا ہے یہ کتاب خلافت لائبریری ربوہ میں موجود ہے۔
۷۶۔ بدر ۱۸/ جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۸۔
۷۷۔ بدر ۱۶ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۲۔
۷۸۔ ترجمہ جس نے قرآن جمع کیا۔ اس نے اپنے آپ کو بچا لیا۔ اور وہ بچایا گیا۔ (الحکم ۱۷/ مارچ ۱۹۰۰ء)
۷۹۔ الحکم ۱۴ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۷۔
۸۰۔ الفضل ۴/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۔
۸۱۔ الفضل ۱۹/ ستمبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۴۔
۸۲۔ حبیبی بیاض سے ماخوذ (مملوکہ خاندان حضرت خلیفۃ المسیح اول ؓ)

دسواں باب

امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے عہد خلافت پر ایک طائرانہ نظر

قادیان حضرت خلیفہ اولؓ کے زمانہ میں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں قادیان سے بٹالہ تک یکے چلتے تھے حضرت خلیفہ اول کے زمانہ میں قادیان آنے والوں میں خاصہ اضافہ ہوا اور آمدورفت کے لئے ٹمٹموں کا رواج ہونے لگا۔ [1] اس زمانہ میں قادیان دینی و دنیاوی علوم کا گہوارہ اور طب کا ایک اہم مرکز تھا۔ مگر سب سے بڑی خصوصیت جو اس پاک بستی کو حاصل تھی وہ اس کا خالص اسلامی ماحول تھا۔ جو دنیا بھر میں صرف اسی کی فضا کو میسر تھا۔ یہ ایک جنت تھی جو اس خطہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قوت قدسی اور حضرت خلیفہ اول کے دست تربیت سے ابھر آئی تھی اور جس سے کوئی بیرونی شخص بھی خواہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ حضرت خلیفہ اولؓ کا زمانہ صحابہ کرام کے زمانہ کی یاد دلاتا تھا۔ قرآن کریم ' حدیث شریف اور دوسرے دینی علوم کے پڑھنے پڑھانے کا جماعت میں ایک زبردست ولولہ تھا۔ جو بے نظیر عشق دین حضرت خلیفہ اول کے دل میں موجزن تھا اس نے اہل قادیان کے دلوں میں ایک چنگاری روشن کر رکھی تھی۔ اور اس کا ایک زبردست اثر بیرونجات کی جماعتوں پر بھی تھا۔ قادیان اور قادیان سے باہر کے لوگ برابر دین کا علم سیکھنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور یہ بات بالخصوص قادیان کی رونق اور نیک شہرت کا باعث تھی اور اس بات نے افراد جماعت میں دینداری ' دیانتداری اور پرہیزگاری پیدا کر دی تھی۔ حضرت خلیفہ اولؓ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ دین کا اثر ہمارے تمام معاملات میں نظر آنا چاہئے۔ چنانچہ قادیان کے لوگوں میں خصوصاً اور باہر کی جماعتوں میں عموماً احکام دین کی پابندی کا بہت شوق تھا۔ اور دوسری بات جس پر آپ بڑا زور دیا کرتے تھے وہ یہ تھی کہ ایک مسلمان ہر معاملہ کے متعلق جناب الٰہی میں گرے اور دعا کرتا رہے اور اس بات پر آپ زور دیتے کبھی تھکتے ہی نہ تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ بڑے تو ایک طرف رہے

چھوٹے بچے بھی رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔ اور جماعت میں عام طور پر یہ یقین تھا۔ کہ مومنوں کی دعائیں خدا تعالیٰ سنتا ہے اور اس ذریعہ سے ہر تکلیف دور ہو سکتی ہے۔ [۲]

ان دنوں مدرسہ احمدیہ اور تعلیم الاسلام ہائی سکول کی درسگاہیں بچوں میں دینی اور مذہبی روح پھونکنے کا مؤثر ذریعہ تھیں اور مخالفین احمدیت تک اپنی اولادوں کو قادیان میں تعلیم کے لئے بھجوایا کرتے تھے۔ طلبہ نہ صرف پنج وقتہ نمازیں باجماعت ادا کرتے بلکہ سہ پہر کو بلاناغہ حضرت خلیفہ اولؓ کا اور کچھ عرصہ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب کا درس قرآن سننے کے لئے دارالعلوم سے مسجد اقصیٰ میں آتے تھے یہ قادیان کا سب سے بڑا روحانی مکتب تھا جس سے چھوٹوں سے لیکر بڑوں تک یکساں فائدہ اٹھاتے اور اپنے علم و عرفان میں اضافہ کرتے تھے۔

رمضان شریف میں قادیان کا روحانی نظارہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا یوں محسوس ہوتا کہ دلوں پر قرآنی علوم کی بارش ہو رہی ہے اور فرشتے انوار و برکات تقسیم کر رہے ہیں۔ اس بے مثال کیفیت کا کسی قدر تصور دلانے کے لئے حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے ستمبر ۱۹۱۲ء میں "قرآن رمضان" کے عنوان سے ایک نوٹ لکھا جس میں بتایا کہ "گیارہ مہینے کیسی ہی غفلت میں گذرے ہوں۔ رمضان کے روزے ضرور اہتمام سے رکھے جاتے ہیں اور اس ماہ میں نمازوں کی پابندی بھی کی جاتی ہے۔ اور صدقہ خیرات کا دروازہ بھی حسب مقدور کھولا جاتا ہے۔ یہ تو عام اسلامی دنیا کا رنگ ہے ہی لیکن قادیان کا رمضان قرآن شریف پڑھنے اور سننے کے لحاظ سے ایک خصوصیت رکھتا ہے۔ تہجد کے وقت مسجد مبارک کی چھت پر اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوتا ہے۔ صوفی تصور حسین صاحب خوش الحانی سے قرآن شریف تراویح میں سناتے ہیں حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب بھی قرآن شریف سننے کے لئے اسی جماعت میں شامل ہوتے ہیں۔ تراویح ختم ہوئیں تو تھوڑی دیر میں الصلوۃ خیر من النوم کی آواز بلند ہوتی ہے۔ زاہد و عابد تو تہجد کی نماز کے بعد اذان فجر کی انتظار میں جاگ ہی رہے ہوتے ہیں دوسرے بھی بیدار ہو کر حضرت صاحبزادہ صاحب کے لحن میں کسی محبوب کی آواز کی خوشبو سے اپنے دماغوں کو معطر کرتے ہوئے فریضہ صلوٰۃ فجر کو ادا کرتے ہیں۔ جس کے بعد مسجد کی چھت قرآن الفجر کے محبین سے گونجنے لگتی ہے۔ مگر چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح جلد اپنے مکان کے صحن میں درس دینے والے ہوتے ہیں اس واسطے ہر طرف سے متعلمان درس بڑے اور چھوٹے بچے اور بوڑھے پیارا قرآن بغلوں میں دبائے حضرت کے مکان کی طرف دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں صحن مکان بھر جاتا ہے۔ حضرت کے انتظار میں کوئی اپنی روزانہ منزل پڑھ رہا ہے۔ کوئی کل کے پڑھے ہوئے کو دہرا رہا ہے۔ کیا مبارک فجر ہے مومنوں کی۔ تھوڑی دیر میں حضرت کی آمد اور قرآن خوانی سے ساری مجلس

بقعہ نور نظر آنے لگتی ہے۔ نصف پارہ کے قریب پڑھا جاتا ہے۔ اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ تفسیر کی جاتی ہے سائیلین کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ تقویٰ و عمل کی تاکید بار بار کی جاتی ہے۔ لطیف مثالوں سے مطالب کو عام فہم اور آسان کر دیا ہے اس کے بعد اندرون مکان میں عورتوں کو درس قرآن دیا جاتا ہے۔ پھر ظہر کے بعد سب لوگ مسجد اقصیٰ میں جمع ہوتے ہیں وہاں حضرت خلیفۃ المسیح بھی تشریف لے جاتے ہیں اور صبح کی طرح وہاں پھر درس ہوتا ہے۔ بعد عشاء مسجد اقصیٰ میں حافظ جمال الدین صاحب تراویح میں قرآن شریف سناتے ہیں اور حضرت کے مکان پر حافظ ابو اللیث محمد اسمٰعیل صاحب سناتے ہیں۔ غرض اس طرح قرآن شریف کے پڑھنے پڑھانے اور سننے کا ایسا شغل ان ایام میں دن رات رہتا ہے کہ گویا اس مہینہ میں قرآن شریف کا ایک خاص نزول ہوتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اپنے دردمند دل کی دعاؤں کے ساتھ قرآن شریف سناتے ہیں۔ درس کے بعد سامعین کے واسطے دعائیں کرتے ہیں''۔ [۲]

اولیات

(۱) لنگر خانے کا انتظام صدر انجمن احمدیہ کے سپرد ہوا۔ (۲) اندرون ملک میں باقاعدہ واعظ مقرر ہوئے۔ (۳) اندرون ملک کی جماعتوں نے سالانہ جلسے منعقد کرنے شروع کئے۔ (۴) احمدی خواتین بھی مسجد اقصیٰ کے خطبات جمعہ میں شریک ہونے لگیں۔ (۵) احمدی نوجوانوں کو بغرض تعلیم مصر بھجوایا گیا۔ (۶) ''مصالح العرب'' کے نام سے ایک عربی اخبار ضمیمہ بدر کی صورت میں جاری ہوا۔ (۷) شیعہ اصحاب سے پہلی دفعہ مباحثہ ہوا۔ (۸) انگلستان کو سب سے پہلا احمدی مبلغ روانہ ہوا۔

مسائل متنازعہ فیہ کا فیصلہ دربار خلافت سے

حضرت خلیفۃ المسیحؓ کا یہ عظیم الشان کارنامہ ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا کہ آپ نے جملہ مسائل متنازعہ مثلاً ''مسئلہ نبوت مسیح موعودؑ'' مسئلہ خلافت۔ مسئلہ کفر و اسلام۔ پیشگوئی اسمہ احمد کا مصداق۔ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنا اور ان کا جنازہ وغیرہ کے سلسلہ میں ناطق فیصلے کئے۔ [۲] اور جماعت ہمیشہ کے لئے مستحکم عقائد پر قائم ہو گئی۔

حضرت مسیح موعود کی چند عظیم الشان پیشگوئیوں کا ظہور خلافت اولیٰ میں

خلافت اولیٰ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی متعدد پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔ مثلاً زلزلہ در گور نظامی افگند - تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد۔ منکرین خلافت کے فتنہ کی پیشگوئی مولوی محمد حسین کے رجوع کی پیشگوئی۔ تقسیم بنگالہ کی تنسیخ کی پیشگوئی۔ ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت۔ حضرت خلیفہ اولؓ کے گھوڑے سے گرنے کی

پیشگوئی-غلبہ روم کی پیشگوئی- مسیر العرب-

خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں ترقی

عہد خلافت اولیٰ میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں بھی ترقی ہوئی- چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب- صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب- نواب محمد احمد خاں صاحب- صاحبزادی منصورہ بیگم صاحبہ- نواب مسعود احمد خان صاحب- صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب- صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب کی ولادت اسی دور میں ہوئی-

سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت خلافت اور خدمات جلیلہ خلافت اولیٰ سے قبل

حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ سے بے تکلف تھے اور گھنٹوں گفتگو کرتے رہتے تھے- مگر قیام خلافت کے بعد آپ نہایت ادب سے حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں بیٹھتے اور ہمیشہ نیچی نگاہ رکھتے اور آہستہ آواز سے کلام کرتے تھے- [5] اور آپ کے ہر حکم کی اطاعت کرنا اپنا فرض اولین سمجھتے تھے- بلکہ کوئی اہم قدم آپ کی اجازت کے بغیر اٹھانا جائز نہیں سمجھتے تھے- اور جماعتی حالات سے آپ کو ہمیشہ باخبر رکھتے تھے-

حضرت مولوی شیر علی صاحب کا بیان ہے- کہ "خلافت اولیٰ کے زمانہ میں میں نے دیکھا کہ جو ادب اور احترام اور جو اطاعت اور فرمانبرداری آپ حضرت خلیفۃ المسیح اول کی کرتے تھے اس کا نمونہ کسی اور شخص میں نہیں پایا جاتا تھا- آپ کے ادب کا یہ حال تھا- کہ جب آپ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی خدمت میں جاتے تو آپ دو زانو ہو کر بیٹھ جاتے اور جتنا وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتے اسی طرح دو زانو ہی بیٹھے رہتے- میں نے یہ بات کسی اور صاحب میں نہیں دیکھی- اسی طرح آپ ہر امر میں حضرت خلیفۃ المسیح اول کی پوری پوری فرمانبرداری کرتے- کسی امر کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح اول کا ارشاد ہوتا تو آپ اس کی پوری پوری تعمیل کرتے- حضرت خلیفۃ المسیح اول نے اپنی تقریر میں جو آپ نے ۱۹۱۲ء میں احمدیہ بلڈنگس لاہور میں فرمائی- فرمایا- "میاں محمود بالغ ہے .... وہ میرا سچا فرمانبردار ہے- اور ایسا فرمانبردار کہ تم میں سے ایک بھی نہیں"- [6]

خلافت اولیٰ میں سیدنا محمود کی دینی خدمات کا سلسلہ نہایت وسیع ہے اور جیسا کہ قارئین بالتفصیل مطالعہ کر چکے ہیں- آپ خرابی صحت کے باوجود اس دور میں پیکر جہاد و عمل نظر آتے ہیں یہاں بطور مثال چند خدمات کا تذکرہ کرنا مناسب ہو گا- ادارت تشحیذ الاذہان - ملک بھر کی احمدیہ کانفرنسوں میں تقاریر- ممبر و صدر مجلس صدر انجمن احمدیہ کی حیثیت سے فرائض کی سرانجام دہی- مدرسہ احمدیہ کی

نظامت۔ درس قرآن۔ امیر قادیان کی حیثیت سے فرائض۔ انصار اللہ کی بنیاد۔ سفر مدارس ہند۔ سفر حج۔ ادارت الفضل فتنہ منکرین خلافت کی سرکوبی وغیرہ۔

خلافت اولیٰ میں انتقال کرنے والے بزرگ

خلافت اولیٰ میں انتقال کرنے والے بعض بزرگوں کے نام یہ ہیں۔ حضرت چوہدری رستم علی صاحب مدار ضلع جالندھر (وفات جنوری ۱۹۰۹ء)۔ قدرت اللہ خان صاحبؓ شاہجہان پوری (وفات اپریل ۱۹۰۹ء)۔ حضرت حکیم فضل دین صاحب بھیروی (وفات اپریل ۱۹۱۰ء)۔ صاحبزادہ حمید احمد صاحبؓ پسر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب (وفات اگست ۱۹۰۹ء)۔ مولوی عبداللہ صاحبؓ ضلع ہزارہ (وفات جنوری ۱۹۱۱)۔ حضرت قاضی خواجہ علی صاحب لدھیانویؓ (وفات اگست ۱۹۱۲ء)۔ اسی دور میں سلسلہ کی جن خواتین نے وفات پائی ان میں سے بعض یہ ہیں۔ محمدی بیگم صاحبہ زوجہ پیر منظور محمد صاحب لدھیانویؓ (وفات اکتوبر ۱۹۰۸ء)۔ فاطمہ بیگم صاحبہ زوجہ مولوی محمد علی صاحب (وفات نومبر ۱۹۰۸ء)۔ بخت روشن صاحبہ والدہ حافظ روشن علی صاحبؓ (وفات اپریل ۱۹۱۱ء)۔ حیات النور صاحبہ زوجہ حافظ روشن علی صاحبہ (وفات نومبر ۱۹۱۱ء)۔ سکینہ بی بی صاحبہ زوجہ قاضی امیر حسین صاحبؓ (وفات اگست ۱۹۱۳ء) [۷]

عہد خلافت اولیٰ میں پیدا ہونے والے بعض اور نامور فرزند

خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے علاوہ جماعت میں کئی ایسے ہونہار فرزند پیدا ہوئے جنہوں نے آگے چل کر سلسلہ کی بھاری خدمات سرانجام دیں مثلاً ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتیؓ (۱۹۱۰-۱۹۵۷ء)

حضرت خلیفہ اول کی ڈاک

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں حضرت خلیفہ اول کا عام دستور تھا۔ کہ جہاں تک ممکن ہوتا اپنے قلم سے خطوں کا جواب دیتے تھے مگر زمانہ خلافت میں یہ اہتمام ناممکن تھا۔ اس لئے عموماً پیر افتخار احمد صاحبؓ اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب آپ کی طرف سے خطوط کے جواب پر مقرر تھے۔

ان بزرگوں کے علاوہ گاہے گاہے حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل اور مفتی فضل الرحمٰن صاحب بھی یہ خدمت سرانجام دیتے تھے۔ حضرت کی خدمت میں آنے والی ڈاک براہ راست خادم ڈاک وصول کرتا تھا۔ جو تین حصوں میں تقسیم کرتا۔ (۱) طبی خطوط (۲) دعا کی درخواست پر مشتمل خطوط (۳) دوسرے امور سے متعلق خطوط۔ طبی خطوط حضور کے خاص طبی شاگرد کے سپرد کی جاتی جو مناسب موقعہ پر حضرت کی خدمت میں پیش کر کے جواب لکھ دیتے۔ دعائیہ

خطوط کے پیش کرنے کی بجائے ان کی روزانہ فہرست معہ نام و مقام اور مطلب کے خلاصہ کے آپ کے سامنے پیش کر دی جاتی اور حضور اس فہرست کو آگے رکھ کر ایک ایک کے لئے دعا کر دیتے۔ البتہ وہ خطوط جو دوسرے امور سے متعلق ہوتے۔ خادم ڈاک کی طرف سے روزانہ پیش ہوتے۔ بعض سنا دیئے جاتے بعض کو حضور خود ملاحظہ فرماتے۔ گاہے خود اپنے قلم سے جواب تحریر فرماتے۔ مگر عموماً ہر خط کے بارے میں ہدایت فرما دیتے کہ یہ جواب لکھا جاوے۔ [۸] بعض ضروری جوابات ساتھ ساتھ بدر یا الحکم میں بھی شائع کر دیئے جاتے تھے۔ خاص اس غرض کے لئے "کلام امیر" کے نام سے بعد میں ایک الگ ضمیمہ شائع ہونے لگا جو بڑا ایمان افروز ہوتا تھا۔

خلافت اولیٰ کے آخری سال میں صدر انجمن احمدیہ کے عہدیدار

۱۹۱۴ء میں صدر انجمن احمدیہ کے مندرجہ ذیل عہدیدار تھے۔

(۱) میر مجلس و افسر مدرسہ احمدیہ و افسر بیت المال حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ۔

(۲) سیکرٹری و افسر اشاعت اسلام۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ (۳) محاسب و افسر شفاخانہ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب (۴) ناظر منشی مرزا محمد اشرف صاحب (۵) امین ماسٹر فقیر اللہ صاحب (۶) آڈیٹر بابو عبد الحمید صاحب لاہور۔ (۷) مشیر قانونی چوہدری نصر اللہ خان صاحب (۸) اسسٹنٹ سیکرٹری و افسر تعلیم مولوی صدر الدین صاحب بی اے۔ بی ٹی۔ (۹) افسر بہشتی مقبرہ۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب۔ (۱۰) سب کمیٹی تعمیر۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب (اور آپ کی عدم موجودگی میں ماسٹر محمد الدین صاحب) [۹]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب حضرت خلیفہ اولؓ کی ہدایت کے مطابق مجلس معتمدین کے ممبر تجویز ہوئے اور نہ صرف آپ بحیثیت ممبر قومی فرائض سرانجام دیتے تھے بلکہ حضرت خلیفہ اول کی مرض الموت کے ایام میں منعقد ہونے والے انجمن کے دو اجلاس کی صدارت آپ نے فرمائی۔ [۱۰]

خلافت اولیٰ کے بعض مصنّفین

اس دور کے ممتاز مصنّف یہ ہیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) حضرت میر محمد اسحٰق صاحب۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ حضرت میر قاسم علی صاحب۔ خواجہ کمال الدین صاحب۔ مولانا عبد الماجد صاحب بھاگلپوری۔ حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری۔ مولانا سید محمد احسن صاحب امروہوی۔ حضرت قاضی محمد ظہور الدین

صاحب اکمل۔ مولانا غلام رسول صاحب راجیکی۔ ماسٹر احمد حسین صاحب فرید آبادی۔ مولوی عمردین صاحب شملوی۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ شیخ محمد یوسف صاحب نو مسلم۔ سردار مہر سنگھ صاحب نو مسلم۔ عبدالحی صاحب عرب۔ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ۔ سید صادق حسین صاحبؓ اٹاوی۔ شیخ رحیم بخش صاحبؓ نو مسلم۔ مرزا انذر علی صاحب پشاوری۔ میاں معراج الدین صاحب عمرؓ۔ منشی خادم حسین صاحب بھیروی۔ منشی برکت علی صاحب شملوی۔ خانصاحب فرزند علی صاحبؓ۔ مولوی غلام نبی صاحبؓ مصری۔ قاضی محمد یوسف صاحبؓ پشاوری۔ قاضی صاحب واحد شخص تھے جنہوں نے پشتو اور فارسی میں کتابیں اور رسائل شائع کئے۔

لٹریچر کی اشاعت

خلافت اولیٰ کے عہد میں سلسلہ احمدیہ اور اسلام کی تائید میں اردو۔ انگریزی ہندی اور گورمکھی اور پشتو اور فارسی زبان میں بکثرت لٹریچر شائع ہوا۔ جس کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ اس دور کی چند مشہور تصانیف و تالیفات یہ ہیں۔ صادقوں کی روشنی۔ دلائل ہستی باری تعالیٰ۔ نجات۔ کسر صلیب نمبرا۔ اسلام اور بدھ مذہب۔ ترجمۃ القرآن۔ خلافت احمدیہ۔ اظہار حقیقت۔ اشاعت اسلام۔ البشریٰ جلد اول و دوم۔ صحیفہ آصفیہ۔ اسوہ حسنہ۔ النبوۃ فی خیر الامت۔ ویدک توحید کا نمونہ۔ مباحثہ مونگھیر۔ واقعات مونگھیر۔ کشف الحقائق۔ تحفہ بنارس۔ اصول اسلام۔ آئینہ صداقت۔ احمدیہ پاکٹ بک۔ شری نہہ کلنک درشن۔ آئینہ حق نما۔ دین الحق۔ عیسائی مذہب کا فوٹو۔ واقعہ صلیب کی چشم دید شہادت۔ سفرنامہ ناصر۔ اوامر و نواہی قرآن۔ پیدائش عالم۔ باوا نانکؒ کی سوانح عمری۔ آریہ دھرم کا فوٹو۔ ہدایت المہتدی الیٰ حقیقۃ المہدی"۔ معیار صداقت۔ کرامات المہدی۔ ضرورت نبی۔ کشف الحقائق۔ القاء ربانی۔

خلافت اولیٰ کے مقررین

عہد خلافت اولیٰ کے بعض مشہور مقررین یہ ہیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب۔ مولوی محمد احسن صاحب امروہوی۔ خواجہ کمال الدین صاحب۔ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی۔ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب۔ حضرت میر قاسم علی صاحبؓ۔ شیخ محمد یوسف صاحب نو مسلم۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ۔ مولوی سید عبدالواحد صاحبؓ بنگالی۔ شیخ غلام احمد صاحبؓ واعظ۔ صوفی غلام محمد صاحب۔ مولوی عبدالحی صاحبؓ عرب۔ حافظ غلام رسول صاحبؓ وزیر آبادی۔ مولوی عبداللہ صاحبؓ بھینی۔

برصغیر ہندوپاک کی بعض مشہور جماعتیں

خلافت اولیٰ کے عہد میں برصغیر پاک و ہند کی بعض مشہور جماعتیں یہ تھیں۔ (۱) قادیان۔

مسجد اقصیٰ جس کی توسیع خلافت اولیٰ میں ہوئی

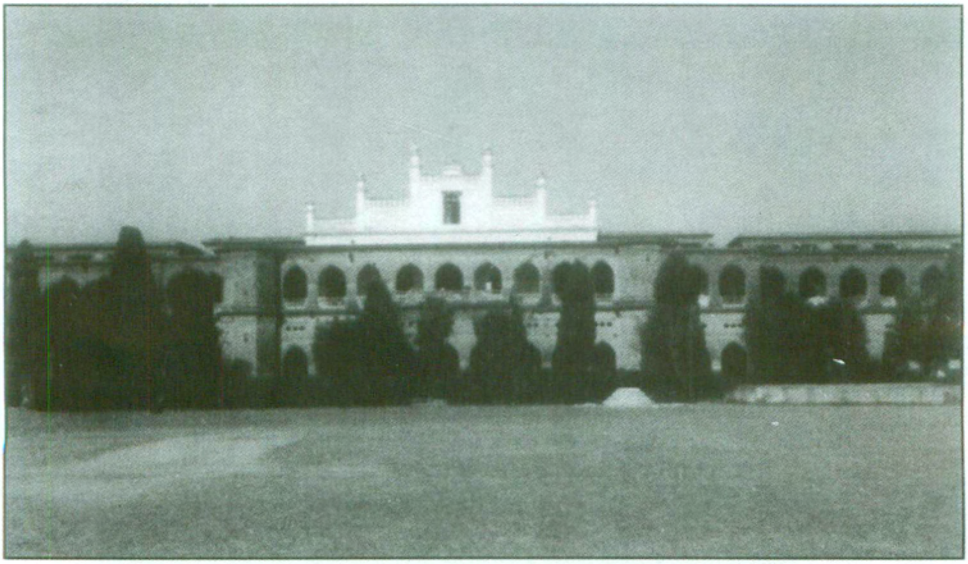

تعلیم الاسلام ہائی سکول ۔ قادیان

(جو ۱۹۴۴ء میں تعلیم الاسلام کالج بنا)

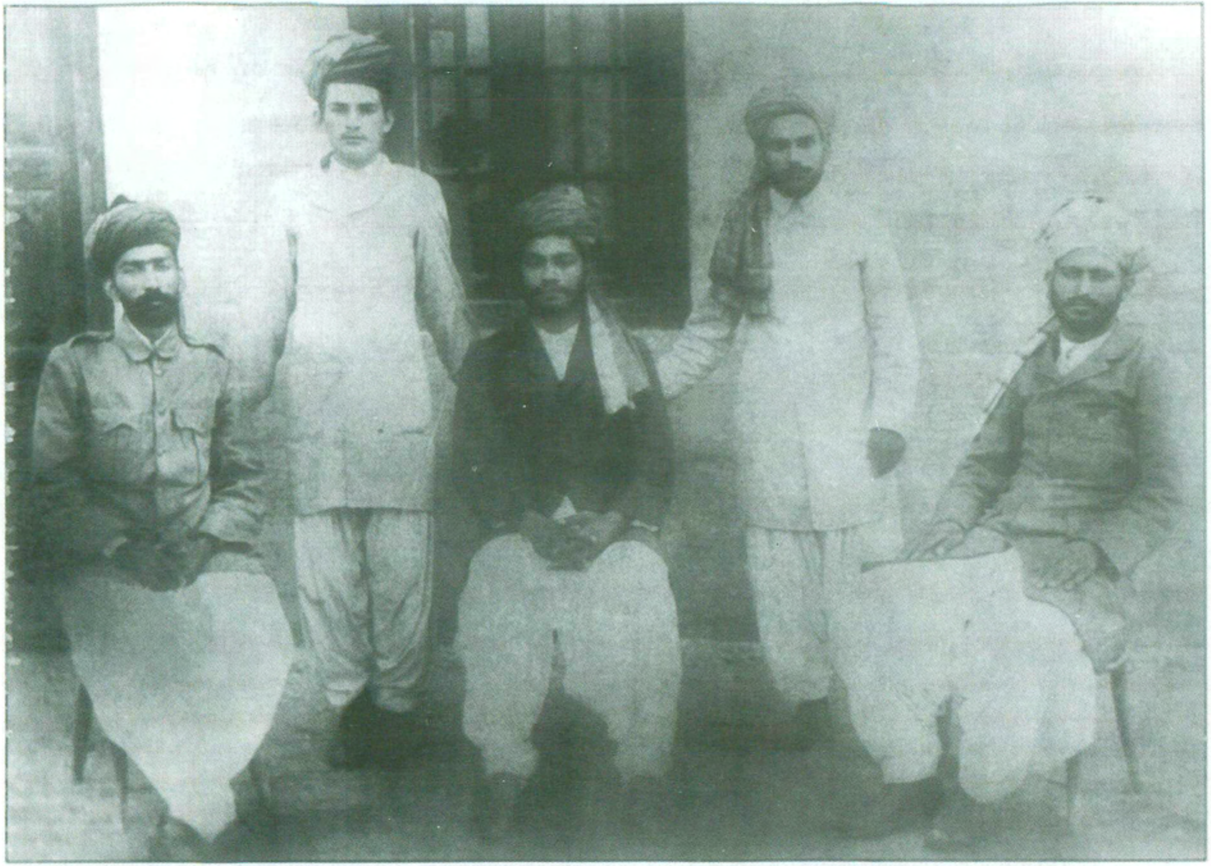

قمرالانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب (فوٹو جولائی ۱۹۱۰ء بمقام پشاور)

سیدنا محمود نے ہندوستان کے دینی مدارس کا دورہ کیا

یہ تصویر اپریل ۱۹۱۲ میں لکھنو میں اتاری گئی

(کرسیوں پر دائیں سے بائیں)

(۱) حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب (۲) حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

(۳) حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب

عرفانی صاحب کے ساتھ کھڑے ہوئے۔

(۱) حضرت حافظ روشن علی صاحب (۲) حضرت قاضی سید امیر حسین صاحب

عقب میں دوسرے نمبر پر کھڑے۔

سید عبدالحی عرب صاحب (اور باقی لکھنو کی جماعت کے مخلص افراد)

سیدنا محمود ایدہ اللہ الودود شملہ میں ۱۹۱۳ء (ناموں کی تفصیل ضمیمہ میں درج ہے۔)

بٹالہ۔ سیالکوٹ۔ لاہور۔ شملہ۔ لائل پور۔ مردان۔ گجرات۔ وزیر آباد۔ گوجرانوالہ۔ پشاور۔ ڈیرہ غازی خاں۔ بھیرہ۔ جموں۔ فیروز پور۔ کراچی۔ کپور تھلہ۔ کریام۔ راولپنڈی۔ امرت سر۔ جہلم۔ ملتان۔ پٹیالہ۔ کرنال۔ لالہ موسیٰ۔ حیدر آباد دکن۔ اٹاوہ۔ کانپور۔ راہوں۔ الہ آباد۔ شاہجہان پور۔ مونگھیر۔ سڑوعہ۔ میرٹھ۔ پٹیالہ۔ کلکتہ۔ لدھیانہ۔ ادرحمہ ضلع شاہپور۔ کاٹھ گڑھ۔ چندوسی۔ ضلع مراد آباد۔ بنگہ۔ سامانہ۔ کریم پور۔ یاڑی پورہ۔ کشمیر۔ چنیوٹ۔ قصور۔ لکھنؤ۔ بنارس۔ داتہ ضلع ہزارہ۔ سامانہ۔ قتال پور ضلع ملتان۔ بستی وریام کملانہ کو سمبی ضلع کٹک۔ سنور۔ نابھہ۔ دھرم کوٹ ضلع گورداسپور۔ لودھراں ضلع ملتان۔ ہمیال ضلع ہوشیارپور۔ میرٹھ۔ گولیکی ضلع گجرات۔ کرالی ضلع گجرات۔ بھینی ضلع لاہور۔ پاکپٹن۔ اوجلہ ضلع گورداسپور۔ بٹھنڈہ۔ صریح ضلع جالندھر۔ برہمن بڑیہ۔ اڑیسہ۔ کھاریاں ضلع گجرات۔ تہال ضلع گجرات۔ آگرہ۔ ہوشیارپور۔ ڈیرہ اسماعیل خاں۔ حصار۔ رہتک۔ چکوال۔

نئی مساجد کی تعمیر

حضرت خلیفہ اولؓ کے زمانہ مبارک میں مندرجہ ذیل مقامات پر نئی مساجد تعمیر ہوئیں۔ قادیان۔ لاہور۔ وزیر آباد۔ ڈیرہ غازی خاں۔ جموں۔ بنوڑ (ریاست پٹیالہ) [۱۱۲]

مشہور مباحثے

منصوری۔ مونگھیر۔ رام پور۔ لاہور۔ مانگٹ اونچے اور مدرسہ چٹھہ میں مباحثے ہوئے۔

احمدیہ پریس میں نمایاں اضافہ

خلافت اولیٰ میں جماعت کے پریس میں بھی نمایاں اضافہ ہوا اخبار نور۔ اخبار الحق۔ اخبار الفضل اور اخبار پیغام صلح اسی دور میں جاری ہوئے۔ اور چونکہ آخر میں اخبار بدر بند ہو گیا تھا اس لئے ان جدید اخباروں کے اجراء سے جماعت کے اخباروں کی تعداد پانچ تک پہنچ گئی۔ جو جماعت کی تعداد اور وسعت کے لحاظ سے یقیناً ایک بڑی تعداد تھی۔ اخبارات کے علاوہ بعض رسائل کا بھی اجراء ہوا۔ مثلاً احمدی خاتون۔

خلافت اولیٰ کے عہد میں جماعت کی مالی ترقی

خلافت اولیٰ کے عہد میں سلسلہ کے آمد و خرچ کے بجٹ میں بھی خاصا اضافہ ہوا۔ چنانچہ ۸-۱۹۰۷ء میں صدر انجمن احمدیہ کو کل آمد ۴۰۹۳۸ (چالیس ہزار نو سو اڑتیس) کے قریب ہوئی۔ [۱۱۳] مگر ۱۴-۱۹۱۳ء میں آمد کا بجٹ (ایک لاکھ ننانوے ہزار سات سو پچاس ۱,۹۹,۷۵۰) اپنایا گیا۔ [۱۱۴]

قادیان میں پبلک عمارتوں کی تعمیر

حضرت خلیفہ اولؓ کے زمانہ میں قادیان میں متعدد پبلک عمارتوں کا اضافہ ہوا۔ مثلاً تعلیم الاسلام ہائی سکول اور اس کا بورڈنگ۔ مسجد نور۔ اسی عہد میں محلہ ناصر آباد کی بنیاد رکھی گئی۔ نیز مسجد اقصیٰ کی توسیع

ہوئی۔

تبلیغی جلسے

اس دور کی یہ بھاری خصوصیت ہے کہ اس میں برصغیر ہند و پاک کے طول و عرض میں بڑی کثرت سے جلسے ہوئے اور احمدیت کا پیغام ہر طبقہ تک پہنچا۔ بعض مشہور مقامات جہاں جلسے ہوئے یہ ہیں۔ قادیان۔ میرٹھ۔ کانپور۔ اٹاوہ۔ مونگھیر۔ الہ آباد۔ امرت سر۔ بٹالہ۔ شملہ۔ حیدر آباد دکن۔ پٹیالہ۔ بنگہ۔ کلکتہ۔ سامانہ۔ پٹیالہ۔ ہوشیار پور۔ سڑوعہ ضلع ہوشیار پور۔ کاٹھ گڑھ ضلع ہوشیار پور۔ لاہور۔ سیالکوٹ۔ مردان۔ ڈیرہ غازی خان۔ گوجرہ۔ لائل پور۔ برہمن بڑیہ۔ شاہجہانپور۔

خلافت اولیٰ کے بعض مبایعین

خلافت اولیٰ میں ہزاروں سعید روحیں حلقہ بگوش احمدیت ہوئیں اور ہر طبقہ کے لوگوں نے حق قبول کیا۔ خصوصاً سابق صوبہ سرحد۔ شمال مغربی کشمیر اور ضلع ہزارہ میں احمدیت کا بڑا چرچا ہوا۔ نواب خانی زمان خاں صاحب کے کئی کارکن احمدیت میں شامل ہوئے۔ [۱۵] اس طرح اٹھوال کا گاؤں احمدی ہو گیا۔ بنگال میں احمدیت کو بہت قبولیت حاصل ہوئی اور سینکڑوں نے احمدیت اختیار کی۔ حیدر آباد دکن میں احمدیت نے بہت اثر و نفوذ پیدا کیا اور ایک بڑی جماعت قائم ہو گئی۔ [۱۶] الحکم کی ایک خبر کے مطابق "راس التین" میں بیک وقت ڈیڑھ سو نفوس داخل احمدیت ہوئے [۱۷]۔ مالا بار اور ماریشس میں بھی کئی لوگ احمدی ہوئے۔ [۱۸] اسی طرح غیر ممالک میں بھی کئی لوگ سلسلہ میں شامل ہوئے۔ غرضکہ حضرت خلیفہ اول کے عہد میں جماعت کی تعداد میں نمایاں ترقی ہوئی۔ اس عہد کے چند ممتاز مبایعین کے نام یہ ہیں۔

(۱) خان صاحب منشی فرزند علی صاحب فیروز پور (۱۸۷۶-۱۹۵۹) (۲) مولوی سید عبدالواحد صاحب بنگالی (وفات ۲۰ مارچ ۱۹۲۶) (۳) مرزا ناصر علی صاحب وکیل فیروز پور (برادر اصغر مرزا ظفر علی صاحب۔ (۴) شیخ عبدالرب صاحب لائلپور سابق شورام داس خسر مولانا شیخ عبدالقادر صاحب فاضل نو مسلم۔ (۵) پیر اکبر علی صاحب ایڈووکیٹ فیروز پور (وفات ۲۶ / مئی ۱۹۴۸)۔ (۶) مولوی عبدالمغنی خان صاحب ناظر بیت المال و دعوۃ تبلیغ (وفات ۴ / ستمبر ۱۹۵۵)۔ (۷) شیخ محمد یعقوب صاحب والد ماجد شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی (وفات ۱۹۴۱)۔ (۸) خان بہادر دلاور خان صاحب مرحوم (ولادت ۱۰ / مارچ ۱۸۹۹ء) (۹) سید محمد طفیل شاہ صاحب گوگھووال (وفات ۲۵ / مارچ ۱۹۵۳ء) (۱۰) میاں محمد مراد صاحب پنڈی بھٹیاں۔ (۱۱) ملک صاحب خان صاحب نون۔ (۱۲) سیٹھ خیر الدین صاحب لکھنؤ (وفات ۲۲ / دسمبر ۱۹۶۰ء) (۱۳) مولوی ارجمند خان صاحب سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ (ولادت ۱۸۹۴ء) (۱۴) دوست محمد خان صاحب حجانہ ڈیرہ غازی خان۔ (۱۵) صوفی عطا محمد صاحب والد صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے۔ (۱۶) سیٹھ محمد غوث صاحب

حیدر آباد دکن (وفات اپریل ۱۹۴۷ء) (۱۷) حافظ عبدالسلام صاحب شملوی (وکیل المال ربوہ) (۱۸) مولوی محمد یعقوب خانصاحب بی۔اے۔بی ٹی ساکن پیرپائی ضلع پشاور (ایڈیٹر اخبار لائٹ و سابق ایڈیٹر سول اینڈ ملٹری گزٹ)۔ (۱۹) مرزا غلام حیدر صاحب نوشہروی (ولادت مارچ ۱۸۹۶ء) (۲۰) سیٹھ محمد حسین صاحب چنتہ کنتہ (وفات ۲۴/ جون ۱۹۵۳ء) (۲۱) سیٹھ محمد اسماعیل صاحب چرچرالہ ضلع محبوب نگر (وفات ۸/ مئی ۱۹۵۸ء) (۲۲) خان بہادر سعد اللہ خاں صاحب رئیس اعظم موضع امیر د تھانہ نظام پور ضلع پشاور (۱۸۶۴ء۔۱۹۵۴ء) (۲۳) صاحبزادہ سیف الرحمٰن صاحب بازید خیل۔ (۲۴) صاحبزادہ ہاشم جان صاحب مجددی ساکن شیر شاہی افغانستان مقیم تیراہی ضلع پشاور۔ (۲۵) قاضی محمد شفیق صاحب ایم۔اے ایل۔ ایل۔بی ایڈووکیٹ مردان۔ (۲۶) کرنل صاحبزادہ احمد خان صاحب ساکن مٹھا ضلع مردان۔ (۲۷) مولوی مبارک علی صاحب بوگرا مشرقی بنگال۔ (۲۸) سید عبدالخالق صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ موضع شاہ پور تحصیل سالار ضلع مرشد آباد۔ (۲۹) حافظ سید عبدالمجید صاحب منصوری۔ (۳۰) حافظ سید عبدالحمید صاحب منصوری۔ (۳۱) نواب اکبر یار جنگ صاحب حیدر آباد دکن (وفات ۱۶/ جون ۱۹۵۷ء)۔ (۳۲) نور محمد صاحب نوریا۔ ایڈیٹر "اسلام ازم" ماریشس۔ (۳۳) ماسٹر محمد عظیم صاحب ماریشس۔ (۳۴) ماسٹر نذیر احمد صاحب رحمانی (ولادت ۱۸۹۸ء وفات ۸/ نومبر ۱۹۵۹ء) (۳۵) مولوی شہزادہ خان صاحب (ولادت ۱۸۸۹ء وفات ۱۱/ اگست ۱۹۶۳ء) (۳۶) مولوی برکت علی صاحب لائق لدھیانوی۔ (۳۷) خواجہ غلام نبی صاحب بلانوی۔ [۱۸]

بیرونی ممالک کی بعض احمدی جماعتیں

حضرت خلیفہ اولؓ کے دور خلافت میں بیرونی ممالک کے مندرجہ ذیل مقامات پر مختصر سی احمدی جماعتیں موجود تھیں۔ نیروبی۔ کسیموؔ۔ ممباسہ۔ (افریقہ) گوئی بنموک۔ رنگون (برما) لندن علاوہ ازیں آسٹریلیا۔ چین۔ ہانگ کانگ۔ سنگاپور۔ ترکی۔ راس التین۔ طرابلس۔ طائف۔ بغداد۔ جدہ۔ مصر اور ماریشس میں بھی احمدی پائے جاتے تھے۔ [۱۹] حضرت خلیفہ اول نے ایک دفعہ فرمایا "ہماری جماعت چار لاکھ سے زیادہ ہے اور بلاد افریقہ۔ یورپ و امریکہ و چین و آسٹریلیا میں ابھی پہنچے ہیں انشاء اللہ برس کے بعد آپ دیکھیں گے کس قدر کامیاب ہوئے۔ [۲۰]

رونما ہونے والے فتنے اور ان کا عبرتناک انجام

حضرت خلیفہ اولؓ کے عہد میں اندرونی اور بیرونی لحاظ سے متعدد فتنے اٹھے۔ مخالفین احمدیت کا فتنہ۔ انکار خلافت کا فتنہ۔ جھوٹے مدعیوں کا فتنہ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے

ان طوفانوں میں جماعت احمدیہ آپ کی قیادت میں روز بروز بڑھتی چلی گئی اور یہ فتنے نظام خلافت کو اپنی آہنی زنجیروں سے متزلزل کرنے میں یکسر ناکام رہے۔

غرضکہ حضرت خلیفۃ المسیح اول کا چھ سالہ زمانہ خلافت اپنوں اور بیگانوں کی مزاحمتوں اور مخالفتوں اور سازشوں کے باوجود ایسی شاندار فتوحات اور عظیم الشان کارناموں سے بھرا ہوا ہے کہ سچ مچ خلافت صدیقی کا روح پرور نظارہ چودہ سو سال بعد پھر سے آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ حتیٰ کہ آپ کی خلافت کو دل سے تسلیم نہ کرنے والے بھی پکار اٹھے کہ ہم نے ابو بکر صدیقؓ کو نور الدین کی شکل میں دیکھ لیا ہے۔ [۲۲]

ہمیں ہے فخر نور الدین اور محمود احمد پر
دوبارہ کر دیئے حق نے ابوبکر و عمر پیدا

اللھم صل علی محمد و علی ال محمد و علی خلفاء محمد و بارک وسلم انک حمید مجید و اخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

سیدنا محمود کا گروپ فوٹو بمقام ہارس ہیتھ جاکھو۔ شملہ (متعلقہ صفحہ ۶۰۹)

کرسیوں پر (بائیں سے دائیں) ۱-۲-۳ میاں محمد عبد الرحمان خاں مرحوم و میاں محمد عبد اللہ خاں مع اپنے والد نواب محمد علی خانؓ (تینوں صحابی) (۴) حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی) (۵) نواب سید محمد رضوی حیدر آبادی مرحوم (صحابی) (۶) مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب (مدفون بہشتی مقبرہ صحابی) (۷) بابو محمد یوسف صدر جماعت احمدیہ شملہ (مدفون بہشتی مقبرہ) (۸) خان صاحب منشی برکت علی مرحوم سیکرٹری جماعت شملہ (صحابی) (۹) میاں محمد عبد الرحیم خاں خالد (صحابی) ابن حضرت نواب محمد علی خان مرحوم۔

نیچے بیٹھے ہوئے (پہلی قطار) (۱) .... (۲) منشی محمد افضل مرحوم (۳) بابو عبد الرحمان صاحب۔ (۴) حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ (صحابی۔ مدفون بہشتی مقبرہ) (۵) ماسٹر نور محمد صاحب خسر جناب حافظ عبد السلام صاحب سابق وکیل اعلیٰ تحریک جدید (۶) خواجہ حفیظ اللہ مرحوم (۷) شیخ اللہ دین صاحب۔ ماسٹر نور محمد صاحب کے سامنے حضرت مرزا عبد الحق صاحب بیٹھے ہیں۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اصحاب احمد جلد سوم)

حضرت خلیفتہ المسیح اولؓ کے بعض مکتوبات کا عکس

حضرت خلیفہ اولؓ نے مندرجہ ذیل خط شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی کو اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا جب کہ وہ بعض مالی مشکلات میں مبتلا تھے۔ ان نصائح پر عمل کے بعد خدا کے فضل سے ان کی تکالیف دور ہو گئیں۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تب استغفار جس کے معنے ہیں اللہ میری غفلت کی

اس کے بد نتائج سے مجھے محفوظ رکھ اور غفلت سے

بچا۔ استغفر اللہ

اور لاحول جس کے معنے ہیں اللہ میرے تیرے فضل کے

مجھ سے بن سکتا تو بدی سے بچا اور نیکی

لاحول ولا قوۃ الا باللہ

اور الحمد شریف جس کے معنے اور درود بابرکت

اللہم صل علی محمد رسول اللہ نے صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے

بڑے دکھ درد اٹھائے اور بڑی حکمت سے

ہم تک تیرا دین پہونچایا۔ الہی اس کے بدلہ ہماری طرف سے

حضرت خلیفۃ المسیح اول نے لدھیانہ کے ایک غیر احمدی دوست کے نام بتاریخ (۳/ جولائی ۱۹۰۹ء) لکھا تھا۔ جو اشاعت اسلام کے کام میں دلچسپی لیتے تھے۔ (یہ خط حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ کے فرزند محمد الیاس صاحب سے مؤلف ہذا کو ملا ہے)

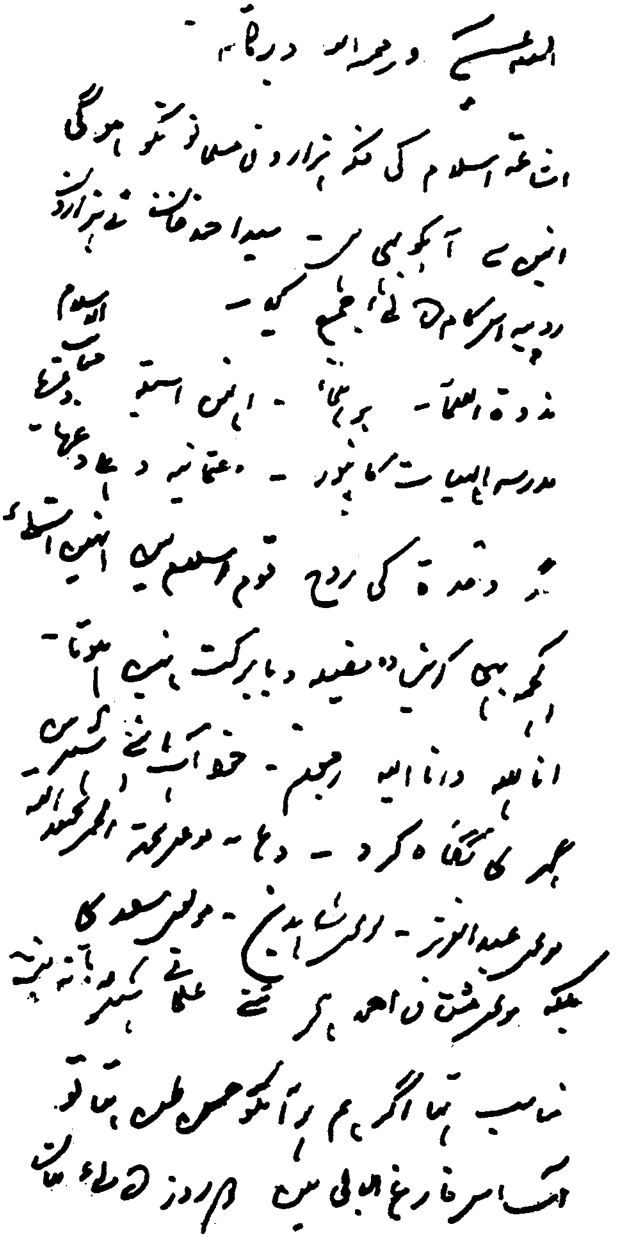

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

اشاعت اسلام کی فکر ہزاروں مسلمانوں کو ہوگی

انہیں سے آپکو بھی ہے۔ سید احمد خان نے ہزاروں

روپیہ اس کام کے لئے جمع کیا۔ [illegible]

ندوۃ العلماء۔ بریلی۔ انجمن [illegible] [illegible]

مدرسہ الٰہیات کانپور۔ عثمانیہ [illegible]

مگر وحدۃ کی روح قوم اسلامیہ میں نہیں اسلئے

کچھ بھی کرنا مفید و بابرکت نہیں ہوتا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔ [illegible]

[illegible] ۔ [illegible]

مولوی عبدالعزیز۔ [illegible] ۔ مولوی سعد کا

بلکہ مولوی [illegible] [illegible]

مناسب تھا اگر ہم پر آپکو حسن ظن ہوتا تو

آپ اس فارغ البالی میں [illegible]

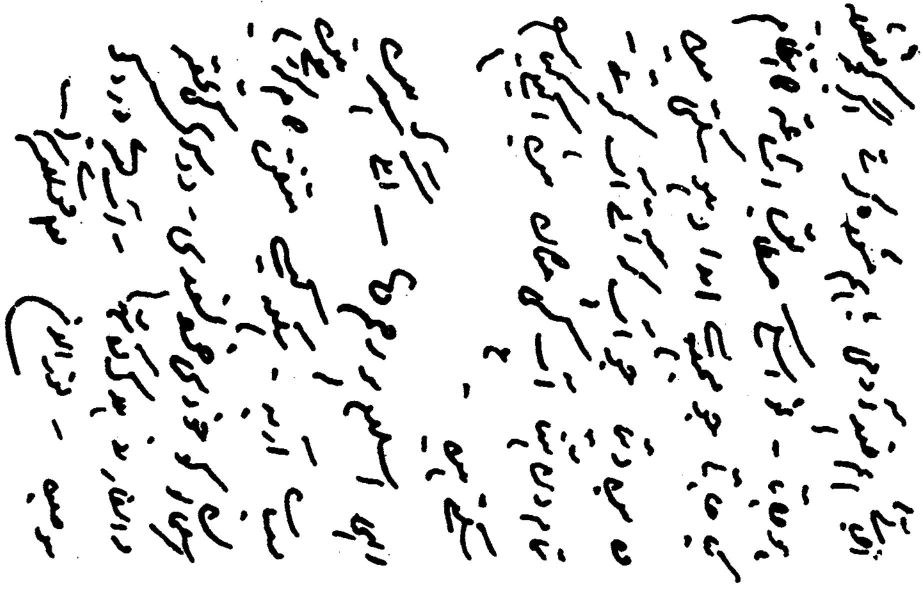

ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب پٹیالوی کی درخواست پر حضرت خلیفہ اول نے ان کے عریضہ کی پشت پر مندرجہ نصائح رقم فرمائیں۔

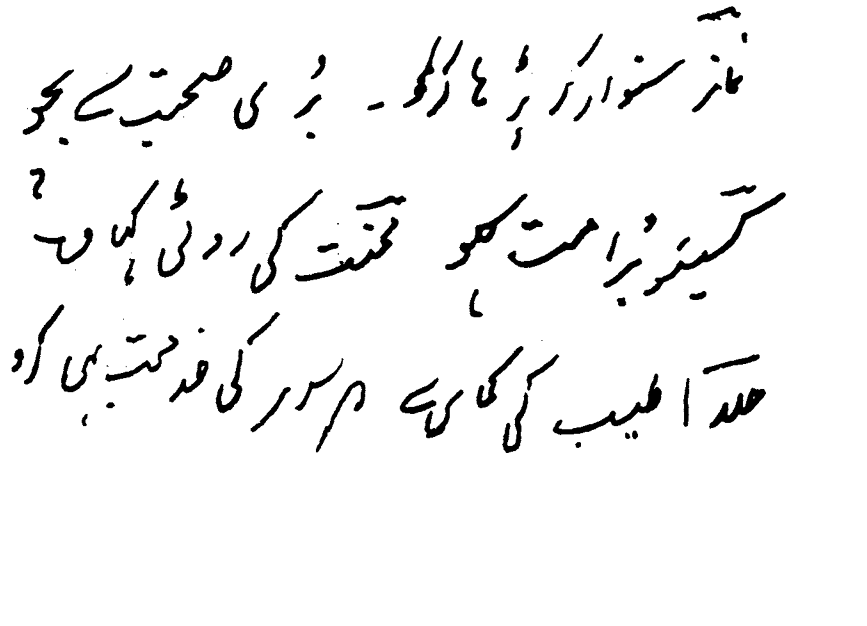
نماز سنوار کر پڑھا کرو۔ بُری صحبت سے بچو
کسی کو برا مت کہو محنت کی روٹی کھاؤ
حلال طیب کی کمائی سے ہر ایک کی خدمت ہی کرو

مکتوب مبارک حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح اول بطرف بابو عبدالحمید صاحب آڈیٹر۔ لاہور

قادیان برادر [illegible] سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ بہت استغفار کریں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کریں [illegible]
[illegible] نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی [illegible]
کہ جب انسان کسی دروازہ پر بہت آ کر بیٹھتا ہے تو
اللہ تعالیٰ اس دروازہ کو بند کر دیتا ہے [illegible]
میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے [illegible] تاجر دکاندار [illegible]
[illegible] تجارت پر گھمنڈ کرتے [illegible] ہو جاتا ہے
زمیندار [illegible] ۔ اسی طرح ایک حال سے [illegible]
حال پر بدل جاتا ہے [illegible]

[illegible]

نور الدین

ایوان خلافت کی ڈاک کا ایک نمونہ

ایوان خلافت کی ڈاک کے ایک مطبوعہ کارڈ کا نمونہ۔ یہ کارڈ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے حضرت خلیفۃ اولؓ کی طرف سے ۲۲/ مارچ ۱۹۱۲ء کو مخدوم محمد اعظم صاحب کے نام لکھا تھا۔

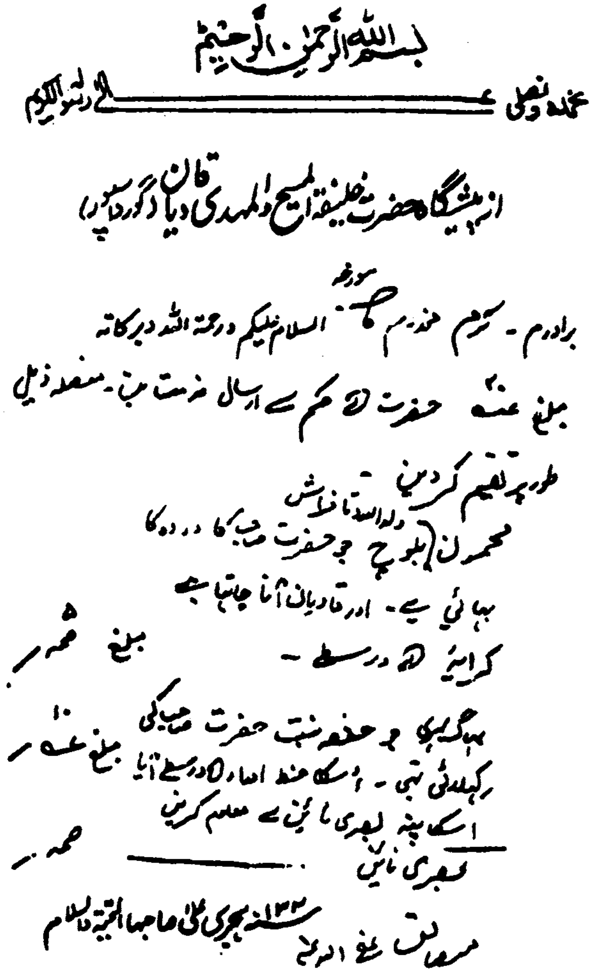
بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
از پیشگاہ حضرت خلیفۃ المسیح والمہدی دیار قادیان (گورداسپور)
برادرم۔ مکرم مخدوم محمد اعظم صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مبلغ ۔ حضرت کے حکم سے ارسال خدمت ہیں۔ مفصلہ ذیل
طور پر تقسیم کر دیں۔
محمد ان (بلوچ) جو حضرت صاحب کا دودھ
بھائی ہے۔ اور قادیان آنا چاہتا ہے
کرایہ کے واسطے۔ مبلغ ۵ روپے
بھاگ بھری جو حضرت صاحب کی
کھلائی تھی۔ اسکا خط اخبار کے واسطے آیا مبلغ ۱۰ روپے
اسکا پتہ لبھری نائن سے معلوم کریں
مرسلہ ... سنہ ۱۳۳۰ ہجری علی صاحبہا التحیۃ والسلام

حواشی باب دهم

۱۔ ذکر حبیب صفحہ ۱۹۸ حاشیہ از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ۔
۲۔ بیان جناب مولوی صدر الدین صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی (پیغام صلح ۱۷/ دسمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۲۰ ملخصاً)
۳۔ کلام امیر صفحہ ۷-۸۔بدر حصہ دوم مورخہ ۱۹/ ستمبر ۱۹۱۲ء۔
۴۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔درس القرآن حضرت خلیفہ اولؓ صفحہ ۹۲-۵۸۵-۶۶۵-۵۲۲-۵۳۵-۵۶۶-۵۹۰-۴۶۳-۵۷۲-۶۵۰-صفحہ ۱-۲۸-۲۔ایضاً الحکم ۲۱-۲۸/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۴ کالم ۲۔الحکم ۱۴/ ستمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰ کالم ۲۔بدر ۱۱/ جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳-۴۔ایضاً تشحیذ الاذہان جلد ۹ نمبر ۱۱ صفحہ ۱۱-۳۰
۵۔ منصب خلافت صفحہ ۳۵ طبع اول
۶۔ الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۸ کالم ۱۔ایضاً الحق دہلی ۲۰/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
۷۔ ملاحظہ ہو "قادیان گائیڈ" صفحہ ۵۸ تا ۶۰، ۶۵-۶۶۔
۸۔ کلام امیر صفحہ ۱۰ کالم ۱-۲۔
۹۔ رجسٹر صدر انجمن احمدیہ۔نمبر ۶ صفحہ ۲۱۸ور جسٹر نمبر ۷ صفحہ ۱۴۴۔
۱۰۔ یہ اجلاس ۲۶/ جنوری ۱۹۱۴ء اور ۱۵/ فروری ۱۹۱۴ء کے تھے۔(ملاحظہ ہو رجسٹر صدر انجمن احمدیہ نمبر ۷ صفحہ ۱۸۰ و صفحہ ۱۸۶)
۱۱۔ یہ نام صدر انجمن احمدیہ قادیان کی سالانہ رپورٹوں سے ماخوذ ہیں اور ان میں کوئی خاص ترتیب مد نظر نہیں رکھی گئی اور نہ اس کا مطلب ہے کہ مشہور جماعتیں صرف یہی ہیں۔یہ نام فقط بطور مثال درج کئے گئے ہیں۔
۱۲۔ ملاحظہ ہو رپورٹ ہائے سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان۔
۱۳۔ رپورٹ جلسہ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۰۸ء صفحہ ۸۔
۱۴۔ رجسٹر صدر انجمن احمدیہ نمبر ۷۔
۱۵۔ روایت مولوی محمد جی صاحب ہزاروی۔
۱۶۔ بدر ۳۰/ مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۴ کالم ۳۔
۱۷۔ الحکم ۱۷/ اکتوبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۶ کالم ۳۔راس التین کونسا علاقہ ہے؟ اس کے بارے میں کافی تحقیق کے باوجود کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ شمالی افریقہ میں ایک مقام "Fig Cape" ہے۔جس کا عربی ترجمہ راس التین ہی ہوتا ہے۔اسی طرح لتھونیا کے قریب بحیرہ بالٹک کے کنارے ۵۲ء۲۰ طول بلد پر راس التین (ROSSITTEN) کے نام سے ایک شہر بھی آباد ہے۔علاوہ ازیں بعض محققین کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ جگہ موجودہ ترکی میں ہے اور پہلی عالمگیر جنگ (۱۴-۱۹۱۸ء) میں یہاں اتحادیوں اور ترکیوں کے درمیان بعض جھڑپیں بھی ہوئی تھیں۔اور ترکی حکومت کی طرف سے وہاں ۷/۲ فروری ۱۹۱۶ء کو اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا کو بھجوایا گیا تھا۔ بہر کیف حتماً کچھ نہیں کہا جا سکتا۔کہ وہ "راس التین" جہاں سے بیعت کے خطوط پہنچے تھے کونسا شہر ہے؟ بدر ۱۳/ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۲ کالم ۱ میں خبر ہے کہ برہم بڑیہ میں دو سو کے قریب احمدی ہو چکے ہیں۔
۱۸۔ تاریخ مالابار از محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم صفحہ ۱۹۔
۱۹۔ تفصیل کے لئے صدر انجمن احمدیہ کی سالانہ رپورٹیں ملاحظہ ہوں۔والفضل ۱۶/ اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۵۔
۲۰۔ بدر جلد ۱۴ نمبر ۱۰ صفحہ ۲ کالم ۲۔
۲۱۔ سابق ایڈیٹر "الفضل" قادیان آپ کی خود نوشت سوانح "چھتیس سال قادیان میں" چھپ چکی ہے۔ناشر کیپٹن خادم حسین صاحب ربوہ سال اشاعت ۱۹۷۳ء۔
۲۲۔ بیان خواجہ کمال الدین صاحب (بدر ۷/ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۸ کالم ۲) خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت خلیفۃ المسیح

اول کے درمیان مشابہتوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اخبار بدر ۱۶/ فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۳ پیش لفظ طبع ثانی مرقاۃ الیقین صفحہ ب تا صفحہ ھ۔ (مرتبہ مولانا جلال الدین صاحب شمس ناظر اصلاح وارشاد) ایک حیرت انگیز مشابہت یہ ہے کہ جہاں حضرت ابوبکرؓ نے رسول خدا ﷺ کی ۶۳ سالہ عمر کے مطابق زندگی گزاری حضرت خلیفہ اول حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرح ٹھیک ۷۳ سال تک زندہ رہے۔

تبصرے

تاریخ احمدیت سے متعلق حضرت مصلح موعود کا خصوصی پیغام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم
وعلی عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھوالناصر

جیسا کہ احباب کو علم ہے مولوی دوست محمد صاحب شاہد میری ہدایت کے ماتحت تاریخ احمدیت لکھ رہے ہیں۔ الحمدللہ کہ خدا کے فضل سے انہوں نے اس کا چوتھا حصہ بھی مکمل کر لیا ہے۔ استاذی المکرم حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے بلند مقام اور آپ کے عظیم الشان احسانات کا کم از کم تقاضا یہ ہے کہ جماعت کا ہر فرد آپ کے زمانہ کی تاریخ کی اشاعت میں پورے جوش و خروش سے حصہ لے اسے خود بھی پڑھے اور دوسروں کو بھی پڑھائے بلکہ میں تو یہ بھی تحریک کروں گا کہ جماعت کے وہ مخیر اور مخلص دوست جو سلسلہ کے کاموں میں ہمیشہ ہی نمایاں حصہ لیتے ہیں تاریخ احمدیت کے مکمل سیٹ اپنی طرف سے پاکستان اور ہندوستان کی تمام مشہور لائبریریوں میں رکھوا دیں تا اس صدقہ جاریہ کا ثواب انہیں قیامت تک ملتا رہے اور وہ اور ان کی نسلیں اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی وارث ہوتی رہیں۔ آمین۔

والسلام
مرزا محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی ۶۳/۱۲/۴
(مطبوعہ الفضل ۱۰ دسمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۱)

حضرت ملک غلام فرید صاحب ایم اے ایڈیٹر تفسیر القرآن انگریزی کا مکتوب گرامی

اللہ بھلا کرے دار المصنفین کے کارکنوں کا کہ ان کی زیر نگرانی مولوی دوست محمد صاحب نے "تاریخ احمدیت حصہ چہارم" کی تالیف فرما کر احمدیہ لٹریچر میں ایک بہت مفید۔ اہم اور قیمتی تاریخی تصنیف کا اضافہ کیا ہے۔ مولوی صاحب موصوف نے اس سے قبل تاریخ احمدیت کے تین حصے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات زندگی قبل از دعویٰ مسیحیت اور بعد از دعویٰ پر مشتمل تھے تالیف فرما کر سلسلہ احمدیہ کی تاریخ کے ہر باب کو مکمل کر دیا تھا۔ وہ کام بھی اپنی ذات میں بہت اہم اور مشکل تھا۔ مگر چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات پر کافی مواد مختلف تصنیفات کی شکل میں پہلے سے موجود تھا اس لئے مولوی صاحب موصوف کو حضور کے حالات زندگی کو منضبط کرنے میں غالباً اتنی کاوش نہ اٹھانی پڑی۔ جتنی کہ تاریخ احمدیت کے حصہ چہارم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے متعلق حالات جمع کرنے میں اٹھانی پڑی۔ کیونکہ سوائے ایک آدھ چھوٹی سی کتاب کے کوئی قابل ذکر تصنیف موجود نہ تھی۔ جو آپ کی بھرپور زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتی۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی زندگی کے حالات کو جمع کرنا اس لئے بھی نسبتاً زیادہ مشکل تھا۔ کہ آپ ایک جہاں گرد و جہاں دیدہ انسان تھے۔ آپ بہت جگہ پھرے تھے اور زندگی کے نرم و گرم حالات سے گزرے تھے۔ مولوی دوست محمد صاحب نے بلا مبالغہ ہزاروں ہی صفحات کتب اور اخبارات مثلاً بدر۔ الحکم۔ الفضل۔ پیغام صلح وغیرہ کے پڑھے۔ اور بیسیوں احباب سے مل کر حالات دریافت کئے۔ تاریخ احمدیت کے تین حصوں کی تالیف سے مولوی صاحب موصوف اپنے میں یہ قابلیت اور استعداد پیدا کر چکے تھے۔ کہ کس طرح کسی شخص کے حالات زندگی کو سبق آموز اور دل کش پیرائے میں تصنیف کرنا چاہئے۔ پھر مسیح پاک کے صدیق کی تو ساری زندگی ہی سراپا نور تھی۔ وہ کیوں سبق آموز اور دل کش نہ ہوتی۔ حق یہ ہے کہ مولوی دوست محمد صاحب کی قوت تحریر نے اس کی دل کشی کو کم نہیں ہونے دیا۔ یہ تو کتاب کے مطالعہ سے ہی پتہ لگ سکتا ہے۔ کہ سیدنا نور الدینؓ کس روحانی عظمت اور بلند کریکٹر کے انسان تھے۔ مگر جو بات اس ضخیم کتاب کے صفحہ صفحہ سے مترشح ہوتی ہے وہ حضرت سیدنا کا اپنے خدا پر پہاڑوں جیسا اٹل توکل۔ اس کی توحید کے لئے

بے نظیر غیرت۔ اس کے قرآن کے ساتھ والہانہ عشق اور اپنے آقا مسیح موعود علیہ السلام کی کمل اطاعت تھی اپنے آقا علیہ السلام کے ساتھ صدق و وفا کا جو نمونہ آپ نے دکھلایا وہ اپنی نظیر آپ تھا اور جب تک آپ میں بولنے کی طاقت رہی آپ قرآن کریم سنتے اور سناتے رہے۔ اور توحید الٰہی کے لئے آپ کی غیرت اس ایک ہی واقعہ سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ کہ آپ مدینۃ النبیؐ میں آنحضرت ﷺ کے روضہ مبارک پر دعا کر رہے تھے۔ کہ آپ کو معاً خیال آیا کہ نور الدین خدا کا گھر تو مکہ میں ہے اور تو اس کے رسول ﷺ کے دوارے کھڑا اس کو پکار رہا ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ آپؓ نے رخت سفر باندھا۔ اور اسی وقت مکہ کو روانہ ہو گئے۔

مولوی دوست محمد صاحب مبارک باد کے قابل ہیں۔ کہ انہوں نے ایک بہت بڑے روحانی انسان کے حالات کو جہاں ایک طرف نہایت دل آویز اور دل کش پیرائے میں جمع کر دیا ہے وہاں انہوں نے مورخانہ تنقید کے پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ کتاب کا پہلا حصہ جس میں حضرت سیدنا کی زندگی کے ابتدائی حالات درج ہیں مولوی صاحب موصوف کی مورخانہ قابلیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کا آخری حصہ جس میں آپ کے کریکٹر کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور جو اصل میں کتاب کی جان ہے اس محبت اور عقیدت کو ظاہر کرتا ہے جو مولوی دوست محمد صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ سے ہے۔

مولوی صاحب نے یہ کتاب تالیف فرما کر جماعت احمدیہ اور خصوصاً اسے نوجوان طبقہ پر جنہوں نے حضورؓ کے عہد مبارک کو نہیں پایا بہت بڑا احسان کیا ہے۔ میں نے کتاب کو بالاستیعاب پڑھا ہے۔ اور جب میں اس کو ختم کر چکا۔ تو میری یہ حسرت رہی کہ کاش مولوی صاحب کچھ اور بھی لکھتے۔ کتاب کے مطالعہ سے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے متعلق علم میں بہت بڑا اضافہ تو ہوتا ہے ہی لیکن اس سے بڑھ کر انسان کے ایمان میں ترقی ہوتی ہے کہ کتنا عظیم الشان خدا کا وہ مامور و مرسل تھا جس کو نور الدین جیسا خادم ملا۔

غلام فرید ملک۔ ۸ ٹمپل روڈ۔ لاہور۔
۲۳/۱۲/۶۳ (غیر مطبوعہ)

تاریخ احمدیت جلد چہارم کے متعلق
مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب سابق مبلغ بلاد عربیہ
واڈیٹر الفرقان کے تاثرات
میرا دل اس کتاب کے مطالعہ سے باغ باغ ہو گیا

تاریخ احمدیت میں سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح اول مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کو جو ممتاز اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس کا تقاضا یہی تھی کہ آپ کی زندگی کے جملہ واقعات مستند طور پر اور پوری تفصیل کے ساتھ موجودہ نسل اور آئندہ نسلوں کے سامنے رہیں۔ تا سب احمدی آپؓ کے اسوہ کی پیروی کریں۔ آپ کے ایثار' آپ کی فدائیت اور آپ کی اطاعت امام کے عاشقانہ جذبہ سے سرشاری کو نمونہ بنائیں۔

ادارۃ المصنفین ربوہ نے نہایت برمحل اور برموقعہ کتاب تاریخ احمدیت کی جلد چہارم شائع کی ہے۔ یہ جلد سیدنا حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کی زندگی کی بہترین تاریخ ہے۔ کتاب کی جامعیت بالکل عیاں ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مصنف عزیزم محترم مولوی دوست محمدؐ صاحب شاہد نے نہایت عرق ریزی اور پوری کاوش سے کونہ کونہ چھان مارا ہے اور حضرت مولوی صاحبؓ کے زندگی کے ہر پہلو کو نہایت کامل صورت میں ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔

یہ کتاب پڑھنے سے جہاں حضرت مولوی صاحب موصوفؓ کے کمالات زیادہ روشن طور پر سامنے آجاتے ہیں اور ہر مرحلہ پر آپ کی بلندی درجات کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے وہاں پر اس جامع کتاب کے پڑھنے سے غیر مبائعین کا بھی پوری طرح قلع قمع ہو جاتا ہے۔ تاریخی شواہد اور ناقابل تردید حقائق کی روشنی میں بلکہ اکابر غیر مبائعین کے خود مسلمہ بیانات کے مطابق ان کا باطل پر ہونا ثابت کر دیا گیا ہے۔ جناب خواجہ کمال الدین صاحب کا دستخطی غیر مطبوعہ مضمون اس سلسلہ میں ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے کہ جس کے بعد اکابر غیر مبائعین کے لئے قطعاً گنجائش نہیں رہتی کہ وہ حضرت خلیفہ اولؓ سے اپنی محبت کے دعاوی میں سچے قرار پا سکیں۔ نیز ان کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ سلسلہ احمدیہ میں خلافت کے وجود کا انکار کر سکیں۔

میں ابھی کتاب کو بالاستیعاب پڑھنے والا ہوں۔ مگر میرا دل اس کے سرسری مطالعہ سے ہی باغ باغ ہو گیا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضل مصنف اور ناشر ادارہ کو جزائے خیر بخشے۔ آمین۔

احباب کا فرض ہے کہ اس کتاب کو خود بھی مطالعہ فرمائیں اور غیر مبائعین کو بھی پڑھائیں تاکہ ان میں سے بھی خدا ترس انسان حق کو شناخت کر لیں۔ اللھم آمین۔

خاکسار

ابو العطاء جالندھری

۸/۱۲/۶۳

(مطبوعہ الفضل ۱۳ دسمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۷)

تاریخ احمدیت حصہ چہارم کے متعلق
مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس
سابق مجاہد انگلستان و بلاد عربیہ کی رائے

تاریخ احمدیت حصہ چہارم جو ادارۃ المصنفین کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔ اسے میں نے دیکھا ہے تاریخ احمدیت کی تدوین کا اہم کام ادارۃ المصنفین کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔ اور یہ خوشی کی بات ہے کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ کے بعد اب حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے سوانح حیات اور آپ کے عہد خلافت کے واقعات بھی محفوظ ہو گئے ہیں۔ کتاب نہایت جامع ہے اور آپ کے سوانح حیات کے علاوہ بہت سی تاریخی نایاب باتوں پر مشتمل ہے۔ جو ابھی منصہ شہود پر نہیں آئی تھیں۔ مصنف نے اس کی تیاری میں بہت محنت شاقہ کی ہے اور جماعت کے لئے ایک نہایت قیمتی ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ علاوہ قیمتی مواد کے متعدد نایاب تصاویر بھی لگائی گئی ہیں۔ طباعت اور کتابت عمدہ ہے اور باوجود ضخیم ہونے کے قیمت اصل لاگت ہی مقرر کی گئی ہے۔ میں جماعت کے ہر فرد سے اپیل کروں گا کہ وہ اسے فوراً خریدیں کیونکہ اس جلد میں جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ احمدیت کی نئی پود کے لئے ان کا جاننا نہایت ضروری ہے۔

جلال الدین شمس

(مطبوعہ الفضل ۲۰ دسمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۷)

"تاریخ احمدیت" حصہ چہارم
مولانا شیخ مبارک احمد صاحب
سابق رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ کی نظر میں

کتاب "تاریخ احمدیت" کی جلد چہارم کل مغرب کے وقت مجھے مل گئی تھی۔ اس کتاب کے دیکھنے اور پڑھنے کا شدید اشتیاق تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا اور راتوں رات اس کا اکثر حصہ پڑھ لیا۔

حضرت حکیم الامت حاجی الحرمین سیدنا مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح اول ؓ کی زندگی کے حالات۔ آپ کی سیرت اور سوانح جس محنت اور عرق ریزی اور تحقیق و تفتیش کے بعد دل آویز انداز کے ساتھ شستہ اور سلیس زبان میں ہونہار فاضل مولف مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد نے ترتیب دیئے اور قلمبند کئے ہیں اس کے لئے وہ بے حد شکریہ کے مستحق ہیں جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

حضرت خلیفۃ المسیح اول ؓ کے بابرکت عہد خلافت کی جامع اور مستند تاریخ کے علاوہ آپ کے ان کارہائے نمایاں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے جو آپ نے نظام خلافت کے استحکام کے سلسلہ میں بلاخوف لومتہ لائم انجام دیئے۔ اس سلسلہ میں نہایت قیمتی اور غیر مطبوعہ دستاویزات اور شہادتیں اس کتاب میں جمع کر دی گئیں ہیں۔ کتاب کا ہر حصہ ہر ایک باب اور ہر ایک فصل دلچسپ انداز میں تحریر کی گئی ہے۔ اور تحریر کے اس دلچسپ انداز کو بتوفیقہ تعالیٰ آخر تک قائم رکھا گیا ہے۔

کتاب کے پڑھنے سے جہاں حضرت خلیفہ المسیح اول ؓ کے خلوص۔ اطاعت۔ اپنے مرشد و مطاع کے لئے فدائیت۔ توکل علی اللہ۔ سادگی۔ انکساری۔ سخاوت۔ خدمت خلق۔ خدمت علم۔ عشق الٰہی۔ عشق قرآن اور بے لوث خدمت دین کی صفات کا پتہ چلتا ہے وہاں پر اس کتاب میں روحانیت سے لبریز ان صفات و بیان کے پڑھنے والے کا بھی تزکیہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی صفات کے پیش نظر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں شدید خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ "دل میں ازبس آرزو ہے کہ اور لوگ بھی مولوی صاحب کے طور پر چلیں۔ مولوی صاحب پہلے راستبازوں کا نمونہ ہیں۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء" کتاب تاریخ احمدیت جلد چہارم پڑھ کر صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے طور۔ آپ کے اخلاق آپ کی صفات اور آپ کی پاکیزہ سیرت فی الواقعہ ایسی تھی کہ گویا پہلے

راستبازوں کا نمونہ سامنے آگیا ہے اور اس وجہ سے خدا کے مامور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے سب معتقدین اور ماننے والوں سے یہ چاہا کہ وہ حضرت سیدنا مولوی نور الدین رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلیں۔ تاریخ احمدیت کی اس جلد نے تمام احمدیوں کے لئے یہ آسانی پیدا کردی ہے کہ وہ خدا کے مسیح کی آرزو مند خواہش کو اس کتاب کے مطالعہ کے بعد پورا کریں۔

"اس کتاب کا محترم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے دیباچہ تحریر فرما کر اور اپنی ذاتی شہادت کی بناء ایمان افزا تاریخی کوائف و حالات اور بعض واقعاتی شہادتوں کو پیش کر کے بلاشک وشبہ اس قیمتی تصنیف کی افادیت میں قیمتی اضافہ کیا ہے۔ جماعت مبائعین سے اختلافات رکھنے والے دوستوں کے لئے تو اس کتاب کا مطالعہ اکسیر ہوگا۔

والسلام

خاکسار

شیخ مبارک احمد ربوہ ۹/۱۲/۶۳

(ایک حصہ الفضل ۲۴ دسمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۸ پر شائع شدہ)

مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری
مجاہد سنگاپور کا مکتوب
بنام مؤلف کتاب

مورخہ ۵/ مئی ۱۹۶۵ء

مکرم محترم جناب مولانا دوست محمد صاحب شاہد سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ بفضلہ تعالیٰ خیریت سے ہوں گے۔ فروری ۶۴ء میں مکرم محترم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب چند دنوں کے لئے کولالمپور تشریف لائے تو وہ وہاں پر تقریباً سارا سارا دن "تاریخ احمدیت" پڑھتے رہے ختم کر کے کتاب کی بہت تعریف فرمائی۔ اور بعض امور کی طرف میری توجہ خاص طور پر مبذول کرائی۔ اور مجھے یہ کتاب اول سے آخر تک ضرور پڑھنے کی نصیحت فرمائی اور ساتھ ہی اپنی کتاب یعنی "تاریخ احمدیت" بھی مجھے تحفتہ پیش فرمادی کیونکہ یہاں پر ابھی نہیں پہنچی تھی۔ میں نے اسے پڑھا ہے کئی بار پڑھا ہے۔ الحمد للہ نہایت ہی جامع طور پر لکھی گئی ہے اور آپ بہت بہت مبارکباد کے مستحق ہیں اور دعاؤں کے بھی جو کہ یہ عاجز حسب توفیق آپ کے لئے کرتا رہتا ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

اب تو آپ اگلی جلد تیار کرنے میں مصروف ہوں گے۔ مکرم محترم سید داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ کی تحریک پر میں نے اپنی زندگی کے چند واقعات لکھ کر انہیں ارسال کئے ہیں یعنی جن میں سیدی حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ مجھ سے خاص شفقت اور حسن و احسان سے پیش آئے اور محسنانہ سلوک فرمایا۔ ان واقعات میں تاریخ کا بھی کچھ حصہ ہے اسی لئے آپ کی خدمت میں اس کی نقل ارسال کرتا ہوں آپ پڑھ لیں۔ قبولیت دعا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے بھی اس میں ایک دو نشانات ہیں شائد کوئی واقعہ تاریخی طور پر آپ کو پسند آئے یا ضروری سمجھیں اس لئے نقل ارسال ہے۔ دعاؤں میں یاد رکھیں یہ عاجز آپ کے لئے ہمیشہ دعاگو رہا ہے۔

والسلام

خاکسار

محمد صدیق امرتسری مبلغ سنگاپور (غیر مطبوعہ)

اشاریہ جلد۳

(مرتبہ:۔ ریاض محمود باجوہ شاہد۔ محمد اشرف اسحاق شاہد)

اسماء .... صفحہ ۱ تا ۲۵

مقامات .... صفحہ ۲۶ تا ۳۷

کتابیات .... صفحہ ۳۸ تا

اسماء

آ۔ا

آتھم، عبداللہ ۱۵۰
حضرت آدم علیہ السلام ۵۴۷
آزاد سبحانی، مولانا ۳۹۴
حضرت ابراہیم علیہ السلام ۱۶۴، ۱۷۳، ۴۶۳
ابراہیم ابن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۱۶۲
ابراہیم ادھم، سلطان ۱۷
ابراہیم لکھنوی، حکیم ۴۴۰
ابو احمد مجددی، پیر ۴۸
ابو اسحاق ابن مولوی محمد حسین بٹالوی ۲۸۲، ۳۰۶
ابو الجمال احمد مکرم عباسی ۴۵۱
ابو الحمید، مولوی۔ حیدر آباد دکن ۴۳۳
ابو الخیر دہلوی، مولوی ۶۳
ابو العطاء جالندھری، مولانا ۲۹۱، ۴۸۷، ۶۲۳، ۶۲۴
ابو القاسم، سید ۲۲
ابو الکلام آزاد ۳۶۵، ۴۰۷، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۴۹، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۸۷، ۴۸۸، ۵۲۳، ۵۳۵، ۵۷۵
ابو المنیر نور الحق ۱۳
ابو الہاشم خان، خان بہادر ۲۹۹
ابو بکر، سیٹھ۔ جدہ ۳۱۷
ابو بکر صدیق ۶۷، ۱۸۸، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۹، ۳۰۹، ۳۹۹، ۴۴۲
ابو حنیفہ، امام ۶۲، ۶۶، ۵۴۹
ابو رحمت حسن، مولوی ۱۲۴
ابو سعید عرب ۲۱۹، ۵۷۴
ابو مسلم اصفہانی ۷۱
ابو یوسف، مولوی ۴۲۷
اجاگر سنگھ ۵۷۶
اجمل خان دہلوی، حکیم ۵۳۵
احمد، شیخ ۲۸
احمد الدین بگوی، مولوی ۲۲، ۳۴
احمد الدین پراچہ، حافظ ۵۲
احمد الدین، حکیم ۵۵
احمد اللہ امرتسری، مولوی ۹۷، ۳۱۵

احمد اللہ خان، حافظ ۲۳۷
احمد اللہ، مولوی ۴۲
احمد جان، چوہدری۔ راولپنڈی ۵۵
احمد جان، صوفی۔ لدھیانہ ۱۲۱
احمد حسین فرید آبادی ۶۰۸
احمد خان، کرنل ۶۱۱
احمد دین ۵۴۴
احمد دین بھیروی، حافظ ۹۹، ۱۰۸، ۱۰۹، ۵۴۵
احمد دین درزی ۵۳۱
احمد دین، منشی ۳۶۵
احمد رضا خاں بریلوی ۴۲۵، ۴۲۶
احمد شاہ (بادشاہ) ۱۲
احمد شاہ، سید۔ راولپنڈی ۴۹۸
احمد شاہ لاہوری، حکیم سید ۱۳۱
احمد شہید، خواجہ ۱۸
احمد علی سہارنپوری، حافظ ۴۴
احمد فرخ شاہ کابلی ۱۸
احمد مسیح، پادری ۳۰۵
ادھم، خواجہ ۱۷
ارادت حسین مونگھیری، سید ۳۳۱
ارجمند خان، خان مولوی ۴۳۸، ۵۵۸، ۵۸۰، ۶۱۰
ارشاد حسین مجددی، مولوی ۳۳، ۳۶
اسامہ بن زید ۲۳۰تا۲۳۲
اسحاق، شاہ ۶۸
اسلام احمد، میاں ۵۴
اسلم بیگ، مرزا ۳۴۳
اسماعیل۔ دہلی ۷۱
اسماعیل۔ رامپور ۳۶
افتخار احمد، پیر ۶۰۶
اکبر خان سنوری ۶۵
اکبر شاہ خان نجیب آبادی ۳۱۱، ۳۳۹، ۴۰۳، ۴۲۹
۴۳۴، ۴۷۶
اکبر علی ایڈووکیٹ، پیر ۶۱۰
اکبر مسیح، پادری ۲۱۴
اکبر یار جنگ، نواب ۶۱۱
الطاف حسین، سید ۴۵۲
الطاف حسین حالی ۱۱۸
اللہ بخش، خان بہادر ۱۱۳
اللہ دتہ، سید ۴۹۷
اللہ دتہ کھنیک، چوہدری ۸۸

اللہ دیا، شیخ ۱۵۰
اللہ دین لاہوری، حکیم ۲۸، ۲۹، ۳۹، ۵۴
الہ دین ۲۸۶
الیگزینڈر، پادری ۳۱
الیگزینڈر راس ۲۹۵
الیگزینڈر رسل وب ۳۱۰
امام الدین، بابو ۵۴
امام الدین گولیکی، مولوی ۳۸۷، ۴۹۸
امام بی ۲۲
امام ویردی، مرزا ۲۸
امان اللہ، مرزا ۱۴۲
امۃ الحفیظ بیگم، نواب ۳۷۹
امۃ الحی، سیدہ ۱۶۱، ۱۶۷، ۴۱۹، ۵۱۲
امجد علی شاہ، سید ۱۶۰، ۵۴۷،
امداد علی، قاری ۴۲۵
امر سنگھ، مہاراجہ ۹۲، ۱۲۴، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۴۰
۱۴۳، ۱۴۴، ۵۴۵
امرناتھ، دیوان ۹۲، ۱۳۲، ۱۴۰
امریک رائے، لالہ ۸۸
ام ناصر (محمودہ بیگم) ۴۴۶

امیر احمد بھیروی ۵۵۶، ۵۷۵، ۵۸۰، ۵۸۱
امیر الدین، منشی۔ لاہور ۱۳۶
امیر حسین، قاضی سید۔ بھیرہ ۲۶، ۲۸۴، ۲۸۶
۳۳۳، ۳۹۲، ۵۴۲، ۵۴۳
امیر شاہ عالم ۴۳، ۵۸
امیر عالم، مولوی۔ جموں ۸۸
امیر مینائی، منشی ۵۶
امین الدین شاری۔ بھیرہ ۵۴
اندر نرائن، ماسٹر ۱۳۰
اندر علی پشاوری، مرزا ۶۰۸
انشاء اللہ خاں، مولوی ۲۳۶، ۵۲۵
انعام اللہ، سید ۴۷۳، ۴۷۵
اننت رام، دیوان ۹۳، ۱۰۰، ۱۱۲، ۱۱۳
ایڈورڈ گبن ۹۲
ایڈورڈ ہنری پامر ۲۹۵

ب

باگ رام، لالہ ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳
بخت روشن (والدہ حافظ روشن علی) ۶۰۶
بخشی جوالہ سنگھ ۸۶
بخشی رامداس ۸۷، ۸۸

بدر الدین، مولوی۔ ملتان　۱۵۶، ۱۵۷، ۳۵۷

بڈھے شاہ اوان　۲۴، ۲۵

برکات احمد راجیکی　۵۶۳

برکت علی　۵۷۶

برکت علی، مرزا　۲۸۶، ۳۵۵، ۳۸۷

برکت علی ضملوی، منشی　۳۸۷، ۳۶۴ تا ۳۶۶، ۶۰۸، ۶۱۵

برکت علی لائق لدھیانوی　۶۱۱

برہان الدین جہلمی، مولوی　۷۲، ۸۰، ۲۳۲، ۵۶۵

بشارت احمد، ڈاکٹر　۲۲۲، ۲۲۴، ۲۳۷، ۲۴۸
۲۵۴، ۳۵۴، ۴۳۴، ۴۸۷،

بشیر احمد　۲۸۶

بشیر احمد، مخدوم۔ بھیرہ　۵۷۵، ۵۷۶

بشیر احمد، مولوی۔ دہلی　۳۹۶

بشیر احمد ایم۔اے، مرزا　۷، ۱۷۷، ۲۰۸، ۲۵۰
۲۹۰، ۳۰۱، ۳۱۲، ۳۱۸، ۳۲۰، ۳۴۲، ۳۵۸، ۳۹۸، ۵۰۱
۵۰۹، ۵۱۳، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۷۱، ۵۷۹،

بشیر الدین محمود احمد، مرزا۔ المصلح الموعود　۱۰
۱۰۹، ۱۴۷، ۱۶۷، ۱۸۹، ۱۹۱، ۲۰۱، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۵
۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۳۳، ۲۳۷، ۲۵۰، ۲۵۲
۲۵۵، ۲۵۸، ۲۶۱، ۲۶۵، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۹۲ تا ۲۹۴
۲۹۶، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۳ تا ۳۰۵، ۳۱۲، ۳۱۶، ۳۱۹، ۳۲۱
۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۶، ۳۳۰، ۳۳۴، ۳۳۸ تا ۳۴۲، ۳۴۶
۳۴۷، ۳۵۳، ۳۶۰، ۳۶۳، ۳۶۷، ۳۶۹ تا ۳۷۱، ۳۷۴
۳۷۹، ۳۸۱، ۳۸۸، ۳۹۱ تا ۴۳۷، ۴۴۰، ۴۴۲ تا ۴۴۴
۴۴۸، ۴۵۰، ۴۵۵، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۷
۴۷۱، ۴۷۶ تا ۴۷۸، ۴۸۴، ۴۸۸، ۴۹۰، ۴۹۴، ۴۹۵
۴۹۷ تا ۴۹۹، ۵۰۶، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۱ تا ۵۱۸، ۵۲۲
۵۶۸ تا ۵۷۰، ۶۰۳، ۶۰۵، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۱۲، ۶۲۰

بشیر حسین قدوائی　۴۸۸

بشیر علی، ملک۔ منڈی بہاؤالدین　۴۳۲، ۴۳۴، ۵۷۹

بوہلر، ڈاکٹر　۱۱۱

بہادر شاہ ظفر　۱۶

پ

پربھو نارائن سنگھ، سر　۳۷۳

پرتاب سنگھ، مہاراجہ　۸۷، ۱۱۱، ۱۳۰ تا ۱۳۲
۱۴۰، ۱۴۳، ۱۴۴

پرتول چندر، رائے　۲۱۱

پطرس　۵۷۷

پورس، راجہ　۱۵

پولوس　۵۷۷

پیربادشاہ ۷۷

ت۔ٹ۔ث

تاراچند، پادری ۱۰۸
تصور حسین، صوفی ۶۰۳
تھامس ہاول، پادری ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۳۹، ۱۵۰
تیمور، امیر ۱۵
تیمور ایم۔اے، شیخ ۵ تا ۷، ۳۳۴، ۳۳۶، ۳۳۷
۳۴۰، ۵۰۸، ۵۱۰، ۵۳۱، ۵۵۱، ۵۷۴
ٹامس کارلائل ۵۷۳
ٹکہ بلدیو سنگھ ۸۹، ۱۳۹، ۱۴۰
ثناءاللہ امرتسری، مولوی ۲۰۵، ۲۲۵، ۳۰۰، ۳۰۳
۳۰۵، ۳۰۶، ۳۴۳، ۳۶۲، ۳۶۳، ۴۲۶، ۴۶۷

ج۔چ

جارج سیل ۲۹۵
جان محمد، میاں ۵۶۲
جگن ناتھ، ڈاکٹر ۱۲۶، ۱۲۷
جلال الدین شمس ۶۲۵
جلال الدین، مرزا ۵۳۴
جلال بخاری، مولوی ۵۶
جماعت علی شاہ، پیر ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۳۵، ۳۴۳
جمال الدین، منشی ۳۵، ۳۶، ۸۱، ۸۲
جمال الدین افغانی، سید ۴۸۷
جماں، میاں ۸
جوالا سنگھ۔ بریلی ۳۰۵
جے۔ ایل ٹھاکر داس، پادری ۱۵۰
چٹر جی، ڈاکٹر ۲۹۴
چٹو، میاں ۱۶۵
چراغ الدین، مولوی ۵۴۸
چراغ دین، حکیم۔ لاہور ۵۵
چراغ دین، میاں۔ لاہور ۳۲۲، ۳۲۳، ۴۹۷، ۴۹۹
چراغ علی، نواب اعظم یار جنگ ۳۵۳
چمن بسویشور ۳۵۶
چمن پیر ۵۷۶

ح۔خ

حاکم دین، چوہدری ۵۵۳
حاکم علی، چوہدری ۴۷۳
حامد انصاری، مولانا ۵۲۳
حامد علی، حافظ ۱۲۰، ۲۴۳
حامد علی شاہ، میر ۲۶۸، ۲۶۹، ۴۷۰، ۵۱۷
حامدہ صاحبہ بنت پیر منظور محمد ۱۷۲

حسن، امام — ۵۰، ۴۸۲، ۵۴۹
حسن بخش قریشی، مخدوم شیخ — ۳۲۲
حسن شاہ، سید۔ رامپور — ۳۳، ۲۳۷
حسن علی مونگھیروی، مولوی — ۱۳۷
حسن نظامی، خواجہ — ۲۰۶، ۲۹۲، ۵۳۵
حسین، سید۔ شیخ الحدیث مکہ — ۶۰، ۶۱
حسین بریلوی، میر — ۳۳۰
حشمت اللہ خاں، ڈاکٹر — ۲۴۳، ۴۹۵، ۵۱۹، ۵۲۱، ۶۱۵
حفیظ اللہ، خواجہ — ۶۱۲
حمید احمد، مرزا — ۳۲۰، ۶۰۶
حمید الدین، خلیفہ — ۹۷
حمید بیگ، کیپٹن مرزا — ۳۶۳
حیات النور زوجہ حافظ روشن علی — ۶۰۶
حیدر شاہ، پیر — ۷۳، ۱۰۸، ۱۲۰
حیرت دہلوی، مرزا — ۵۲۶
حیف کیفوی — ۱۱۰
خادم حسین بھیروی، منشی — ۶۰۸
خالد، رئیس بھوپال — ۴۱۹، ۴۲۲
خدا بخش، شیخ۔ جج — ۱۳۲
خدا بخش، ملک۔ بھیرہ — ۵۸۱
خضر حیات خاں، ملک — ۱۱۰
خلیل احمد مونگھیروی، حکیم — ۶۰۷
خورشید احمد، شیخ — ۴۹۱
خوشی محمد — ۲۸۶
خیر الدین، سیٹھ — ۶۱۰
خیر الدین، میاں — ۲۳۷

د۔ ڈ۔ ذ

حضرت داؤد علیہ السلام — ۵۴۷
داؤد احمد، سید میر — ۶۲۸
دلاور خان، خان — ۶۱۰
دلاور علی، قاری — ۴۲۵
دوست محمد، مولوی۔ میانی — ۲۲، ۵۶۴
دوست محمد شاہد — ۱۲، ۱۳، ۶۲۰ تا ۶۲۳، ۶۲۶
دولت رائے، بھیرہ — ۲۱۷
دھرم پال — ۱۶۴
دھانو، منشی — ۴۲۵
دیانند سرسوتی، سوامی — ۹۶، ۹۷، ۱۰۸
دین محمد، منشی۔ لاہور — ۳۸۳
دین محمد، میاں — ۲۸۶
دین محمد بگا — ۳۳۸

دیوکی نندن، لالہ ۳۰۷
ذوالفقار علی خان، خان ۲۵۰، ۳۰۰، ۳۹۵
ڈگلس، کرنل ۱۵۶

ر ۔ ز

رادھا کشن، پنڈت ۹۲
راڈویل ۲۹۵
رامچندر جی ۹۲
رامداس، تحصیلدار ۷۴، ۷۵
رام سنگھ ۱۳۱ تا ۱۳۳، ۱۴۳، ۱۴۴
رام موہن، راجہ ۵۹۷
رجب الدین، خلیفہ ۹۷، ۴۵۲، ۴۷۴
رحمت اللہ، شیخ ۱۹۱، ۱۹۳، ۲۲۷، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۷۴، ۲۷۷، ۲۸۰، ۲۹۶، ۳۲۱، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۵۵، ۳۹۷، ۳۹۸، ۴۴۳، ۴۵۲، ۴۷۰
رحمت اللہ، قاضی ۳۴۱
رحمت اللہ کیرانوی ۶۱، ۶۲
رحمت اللہ ہزاروی ۵۷۷، ۵۷۹
رحمت علی ۲۸۶
رحیم بخش، شیخ ۶۰۸
رحیم بخش، مولوی۔ لاہور ۱۲۹، ۵۷۷
رحیم بخش، میاں ۲۹۹
رستم علی خاں، چوہدری ۲۵۰، ۶۰۶
رشید احمد، مرزا ۵۷۰
رشید الدین، خلیفہ ۱۹۱، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۵، ۲۲۲، ۲۶۳، ۲۷۴، ۲۸۴، ۳۹۸، ۵۳۰، ۶۰۷
رضوی، نواب سید ۳۸۲
رکن الدین، شیخ۔ گورداسپور ۱۰۰
رکن شاہ، سید ۴۹۷
رنجیت سنگھ، مہاراجہ ۵۵
رنبیر سنگھ، مہاراجہ ۸۷، ۱۱۰ تا ۱۱۲، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۹، ۱۴۳، ۵۲۶
روشن علی، حافظ ۶۸، ۳۰۰، ۳۲۰، ۳۲۴، ۳۳۹، ۳۶۵، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۸، ۳۹۲، ۳۹۴ تا ۳۹۶، ۴۲۷، ۴۳۴، ۴۶۴، ۴۶۸، ۴۷۶، ۴۸۴، ۴۸۹، ۴۹۴، ۴۹۷، ۴۹۹، ۵۷۴، ۶۰۱، ۶۰۸، ۶۱۲
ریاض احمد، مولوی ۱۵۲، ۵۵۰، ۵۷۸
زمان خاں، نواب خان ۵۳۹، ۶۱۰
زمان شاہ، سید ۳۱۲، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۷۷
زین الدین محمد ابراہیم ۴۱۰
زین العابدین ولی اللہ شاہ، سید ۲۸۹

۲۹۰، ۳۶۵، ۳۷۴، ۴۶۲، ۵۷۴

زینب ۵۵۰

زین پیر ۵۷۶

س

سبحان شاہ رامپوری، میاں ۳۵، ۳۶

سراج الحق نعمانی، پیر ۵۶۷، ۵۷۴

سراج دین خانپوری، مولوی ۳۹۵

سردار محمد، مولوی ۲۲

سعد اللہ خان، خان بہادر ۶۱۱

سعد اللہ رڑیال ۳۴

سعد اللہ لدھیانوی ۱۷۰، ۲۷۳، ۵۹۱

سعید احمد حیدر آبادی، مولوی ۴۳۳

سعید الدین سونگھڑوی، سید ۴۳۲

سکندر اعظم ۱۵

سکینۃ النساء ۳۰۲

سکینہ بی بی ۲۰۶

سلطان احمد، مولوی ۲۱، ۲۲، ۲۸

۲۹، ۳۳، ۸۰، ۸۱

سلطان محمود غزنوی ۱۵، ۱۹

سلیم اللہ خاں، حکیم ۵۳۵

سلیمان تونسوی، خواجہ شاہ ۳۴۰، ۵۹۵

سلیمان ندوی، سید ۳۸۱، ۳۸۲، ۴۳۲، ۴۹۰، ۵۷۵

سمیع اللہ بیگ، مرزا ۳۸۱

سورج کول، راجہ ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۴۳

سید احمد بریلوی ۴۴، ۳۵۶

سید احمد خان، سر ۷۱، ۹۵، ۹۸

۱۱۷، ۱۱۸، ۱۳۱، ۱۵۰، ۱۵۳، ۱۶۱، ۲۹۲، ۳۶۸، ۵۳۴

سیف الرحمٰن، صاحبزادہ ۶۱۱

ش

شاہ سلیمان، قاری ۱۱۳

شبلی نعمانی، علامہ ۱۱۳، ۱۱۸، ۱۶۰، ۲۹۲

۳۲۷، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۹۳، ۴۰۷، ۴۲۵، ۴۳۲، ۵۳۵، ۵۷۵

شرف الدین، حاجی ۲۷، ۲۸

شرمپت رائے، لالہ ۲۳۲

شریف احمد، صاحبزادہ مرزا ۱۷۰، ۳۰۱، ۳۱۲، ۳۵۸

۳۶۶، ۳۷۴، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۸، ۴۲۲، ۵۰۵، ۵۱۲، ۵۹۵

حضرت شعیب علیہ السلام ۱۹

شعیب، شہزادہ قاضی ۱۸

شمشیر علی، پیر۔بھیرہ ۱۰۸، ۵۷۵

شمس الدین، حکیم۔لاہور ۵۵

شوکانی، امام ۷۱

شوکت علی، مولانا ۳۸۲

شہزادہ خاں، مولوی ۶۱۱

شہسوار ۵۷۶

شیر سنگھ، راجہ ۱۲

شیر شاہ سوری ۱۶، ۷۴

شیر علی، مولانا ۲۳۳، ۲۸۰، ۲۸۴، ۲۹۵، ۲۹۹، ۳۵۵
۳۸۸، ۴۳۵، ۴۶۸، ۴۹۶، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۳۲، ۶۰۵، ۶۰۸

شیروانی، مولانا ۴۳۲

ص

صاحب خان، نون ۸۴، ۶۱۰

صادق حسین، سید ۳۶۵، ۴۸۵، ۶۰۸

صادق محمد، نواب ۱۵۴

صبغۃ اللہ فرنگی محل، مولوی ۳۹۳

صدر الدین، مولوی ۱۱۳، ۲۲۲، ۲۷۸، ۲۸۲
۲۸۴، ۲۹۵، ۲۹۹، ۳۰۴، ۳۲۷، ۳۳۵، ۳۸۶، ۴۳۳
۴۴۳، ۴۶۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۴، ۵۱۸، ۵۳۲، ۶۰۷

صدیق حسن خان، نواب ۱۰۷

صدیق دیندار ۳۵۶

صغریٰ بیگم ۱۳۱

صفدر علی، مرزا ۵۴۴

صفیہ ۵۱۱

ظ

ظفر احمد، مرزا ۶۰۵

ظفر حسن، ڈاکٹر ۵۶۳

ظفر علی خان، مولوی ۴۰۲، ۵۲۳، ۵۳۵، ۵۶۵

ظہور احمد بگوی۔ بھیرہ ۷۲

ظہور حسین، مولوی۔ مجاہد بخارا ۳۳۹، ۳۶۸

ظہیر الدین اروپی، بابو ۳۱۹

ظہیر الدین بابر ۱۲

ع

عابد علی سیالکوٹی، سید میر ۲۸۱، ۳۱۶، ۵۳۲

عالم شاہ، حکیم سید ۵۳۵

عالم علی پوری، شاہ ۲۰۵

عائشہ صدیقہ ۵۵۰

عباس علی بیگ، مرزا ۴۰۶

عبد الباری فرنگی محل، مولوی ۳۹۳، ۴۲۵

عبد الباسط ۳۰۶

عبد الحق، ماسٹر ۲۸۶، ۵۳۲

عبد الحق، منشی ۱۴۲

عبدالحق، مولوی ۴۵۲
عبدالحق حقانی، مولوی ۳۸۳، ۴۲۶، ۵۳۵
عبدالحق کاتب، منشی ۵۴۹
عبدالحق ودیارتھی ۱۱۳
عبدالحکیم پٹیالوی، ڈاکٹر ۱۶۹، ۲۰۶، ۲۲۵، ۲۴۳
۲۴۶، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۶۳، ۳۷۲، ۵۶۳
عبدالحمید، بابو۔ آڈیٹر ۴۲۹، ۴۵۲، ۴۹۵، ۶۰۷، ۶۱۶
عبدالحمید جہلمی ۱۵۶
عبدالحمید چغتائی، ڈاکٹر ۴۸۹، ۵۳۵، ۵۷۴، ۵۸۰
عبدالحمید خان، سلطان ۲۹۲، ۵۹۰
عبدالحمید منصوری، سید ۶۱۱
عبدالحی، میاں ۱۱، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۷۲، ۲۸۱، ۳۲۰
۳۲۱، ۳۳۹، ۳۹۱، ۴۱۹، ۴۵۰، ۴۹۷، ۵۰۱، ۵۱۲
۵۳۳، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۵۷، ۵۶۹، ۵۷۰
عبدالحی لکھنوی، مولوی ۹۷، ۱۰۰، ۱۰۶، ۴۲۴
عبدالخالق، سید ۶۱۱
عبدالرب، شیخ ۶۱۰
عبدالرحمٰن، بابو ۶۱۲
عبدالرحمٰن، پریس مین ۱۲
عبدالرحمٰن، سائیں ۳۳۶
عبدالرحمٰن، سید ۳۳۰
عبدالرحمٰن، ماسٹر۔ سابق مہر سنگھ ۲۰۶، ۵۷۴، ۶۰۸
عبدالرحمٰن جٹ، مولوی ۲۸۶، ۲۹۱
عبدالرحمٰن خادم، ملک ۶۰۶
عبدالرحمٰن خان، کانپور ۳۷
عبدالرحمٰن خاکی، مولوی ۵۵
عبدالرحمٰن داتوی ۵۷۴
عبدالرحمٰن شاطر، قاضی ۱۹
عبدالرحمٰن قادیانی، بھائی ۱۵۴، ۱۵۸، ۲۵۹
۲۷۶، ۳۰۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۸۷، ۴۱۰، ۴۲۲، ۵۰۳، ۵۱۱
۵۱۷، ۵۳۲، ۵۷۴
عبدالرحمٰن کاغانی، حکیم ۵۷۴
عبدالرحمٰن لکھوکے، مولوی ۱۲۶، ۱۴۲
عبدالرحمٰن مصری، شیخ ۲۷۸، ۲۸۶
۲۸۹، ۲۹۰، ۳۴۲، ۴۶۲
عبدالرحمٰن ولد عزیز الرحمٰن، سید ۵۳۱
عبدالرحیم، شاہ ۳۹۱
عبدالرحیم، شیخ۔ بٹالہ ۵۴۶
عبدالرحیم جان ۳۲۰
عبدالرحیم خاں خالد، نواب میاں ۱۵۵، ۱۶۳، ۵۱۳

۵۳۱، ۵۴۴، ۵۶۸، ۵۷۰، ۵۷۴، ۶۱۲

عبد الرحیم درد، مولانا ۲۹۰، ۳۱۶

عبد الرحیم نیر، مولوی ۱۷۸، ۲۸۶، ۴۰۹، ۴۴۶

عبد الرزاق، شاہ۔ رامپور ۳۵

عبد الرزاق، شیخ ۴۵۲

عبد الرشید، شیخ ۱۷۱

عبد الرشید، ملک۔ بھیرہ ۵۴

عبد الرشید بنارسی ۳۶

عبد الرشید سیاح ۴۳۴

عبد الرؤف بھیروی، ماسٹر ۵۳۹، ۵۴۴، ۵۴۶

عبد الستار، نو مسلم ۲۳۷

عبد الستار شاہ، سید۔ افغان ۳۸۷، ۴۳۳

عبد الستار کبتی، مولانا ۴۲۰

عبد السلام، میاں ۱۶۸، ۴۱۹، ۵۶۹

عبد السلام ہملوی، حافظ ۵۲۹، ۶۱۱

عبد العزیز ۴۱۰

عبد العزیز بگوی، مولوی ۷۲

عبد العزیز خاں، منشی ۵۷۳

عبد العزیز دہلوی، شاہ ۶۸، ۱۱۴

عبد العزیز مغل، میاں ۳۲۳

عبد العلی، مولوی۔ رامپور ۳۴

عبد العلی بھیروی ۹۹

عبد العلی خان، مولوی ۵۶

عبد الغفار خاں ۲۳۲

عبد الغفور ۲۸۶

عبد الغفور بیگ، مرزا ۴۴۷

عبد الغفور مرتد ۵۴۸

عبد الغنی، شاہ۔ مدینہ ۶۳ تا ۶۸، ۷۲، ۷۷، ۱۰۰، ۱۰۷، ۱۰۸

عبد الغنی، مرزا ۳۲۲

عبد القادر، پروفیسر ۵۷۴

عبد القادر خان، رامپور ۳۶

عبد القادر لدھیانوی ۳۳۸

عبد القدوس ۲۸۶

عبد القدوس کشمیری، مولوی ۶۰۰

عبد القیوم، مولوی ۳۶، ۴۸، ۷۲، ۱۰۰

عبد القیوم، میاں ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۶۸

عبد الکریم، شیخ ۵۴۶

عبد الکریم برہم، حکیم ۵۲۵

عبد الکریم حیدر آبادی ۱۷۱

عبد الکریم سیالکوٹی، مولوی ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۳۰، ۱۵۶، ۱۶۰

۱۶۶، ۱۷۳، ۱۸۱، ۱۸۹، ۲۳۲، ۳۴۵، ۵۴۸، ۵۶۵، ۵۷۴
عبداللطیف بہاولپوری ۵۷۳
عبداللطیف شہید، صاحبزادہ سید ۵۸۳
عبداللطیف ہاتف، حکیم مولوی ۵۷۴
عبداللہ ۵۷۶
عبداللہ، مولوی۔ شیعہ عالم ۹۳
عبداللہ بن عمر ۱۷
عبداللہ بوتالوی، مولوی ۴۳۲
عبداللہ بھینی، مولوی ۶۰۸
عبداللہ پٹواری، ملک۔ بھیرہ ۵۷۴
عبداللہ جما پوری ۳۱۹، ۳۵۶
عبداللہ ٹونکی، مولوی ۴۲۵
عبداللہ جان ۳۲۰
عبداللہ حلوانی ۶۱
عبداللہ خان، چوہدری۔ بہلولپور ۳۸۷
عبداللہ خان، چوہدری۔ راجہ زید کا ۳۸۷، ۴۹۵
عبداللہ شاہ، پیر ۱۸۳
عبداللہ العمادی، مولوی ۲۱۸
عبداللہ غزنوی، مولوی ۱۰۸
عبداللہ گناچوری ۳۵۶
عبداللہ مہاجر ۳۵۵
عبداللہ ہزاروی، مولوی ۶۰۶
عبدالماجد بھاگلپوری ۶۰۷
عبدالمجید اول، سلطان ۱۶
عبدالمجید خان ۴۳۵
عبدالمجید خاں، حکیم۔ دہلی ۵۷۵
عبدالمجید سالک، مولانا ۵۳۵، ۵۴۰
عبدالمجید منصوری، مولوی ۳۹۶، ۶۱۱
عبدالمحی عرب، سید ۲۰۸، ۳۲۰، ۳۹۲، ۳۹۳، ۴۱۰
۴۲۰، ۴۳۸، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۷۴، ۶۰۵
عبدالمغنی خان، مولوی ۶۱۰
عبدالمغنی مہدی، شاہ ۵۶
عبدالمنان عمر ایم۔ اے، میاں ۵۶، ۲۳۴
۲۷۶، ۲۷۷، ۳۵۶، ۴۱۹
عبدالمنان وزیرآبادی، حافظ ۷۲
عبدالواحد بنگالی، مولوی سید ۴۲۴، ۴۲۷، ۴۳۷، ۶۰۸، ۶۱۰
عبدالوحید، سلطان ۴۵۱
عبدالوہاب، مولوی۔ کلکتہ ۳۷۸
عبدالوہاب، میاں ۱۷۴، ۴۱۹
عبدالوہاب شعرانی، امام ۴۲۵

عبیداللہ ۲۸۶
عبیداللہ بسمل، مولانا ۳۹۵
عبیداللہ سندھی، مولوی ۳۹۶، ۵۳۴، ۵۷۵
عبیداللہ ناصر ۱۷
عثمان غنی ۶۷
عجب خان، تحصیلدار ۵۸۳
عزیز احمد ۵۷۶
عزیز احمد، مرزا ۳۴۲، ۵۷۰
عزیز اللہ افغان، مولوی۔ رامپور ۳۴
عزیز اللہ شاہ، حافظ، سید ۳۳۳
عزیز مستری، میاں ۷۳
عصمت اللہ، مولوی ۱۱۳
عطا محمد، حکیم ۵۷۴
عطا محمد، صوفی ۶۱۰
عطا محمد، مرزا ۲۲۰
عطاء اللہ، مولوی ۱۲۵
عطردین، ڈاکٹر ۱۹۱
علاؤالدین، مولوی ۳۴
علی احمد نیرواسطی، حکیم سید ۵۳۴
علی بخش ۳۹، ۴۰
علی بخش خاں ۳۸
علی حسین لکھنوی، حکیم ۳۷، ۴۰، ۴۱، ۷۰
علی قاری، ملا ۲۰۱، ۴۲۵
علی، قاضی خواجہ ۲۲۰
علی کرم اللہ وجہہ ۱۷، ۵۰، ۶۷، ۵۹۵، ۵۹۷
علی لدھیانوی، خواجہ ۶۰۶
علی محمد خان، نواب سید ۵۷
علی میاں، حافظ سید ۳۲۸
عمر ابن الخطاب ۱۶، ۱۷
۱۹، ۶۷، ۹۲، ۹۳، ۱۰۴، ۳۹۹، ۴۲۹، ۴۳۴، ۵۸۲
عمرالدین، حکیم مولوی ۸۸
عمر حیات خان، ملک ۸۵
عمردین شملوی، مولوی ۲۰۸
عنایت الٰہی، مولوی۔ بمبئی ۵۹
عنایت رسول، مولوی ۹۵
حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۱۵۲، ۳۹۷، ۵۷۷

غ

غلام احمد، حکیم ۲۲، ۵۴
غلام احمد، قاضی ۱۰۷
حضرت غلام احمد قادیانی، مرزا۔ مسیح موعود ۱۰۰

۱۰۲تا۱۰۴، ۱۱۵، ۱۱۹تا۱۲۴، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۵۱، ۱۷۲
۲۱۸، ۲۲۸، ۲۴۸، ۲۵۲تا۲۵۶، ۳۰۷، ۳۶۹، ۳۷۰، ۵۱۱، ۵۲۶
۵۶۰، ۵۶۴، ۵۶۶، ۵۸۶تا۵۹۴، ۶۰۴

غلام احمد کریام، حاجی ۵۸۴

غلام احمد واعظ، شیخ ۲۰۸، ۲۱۶، ۴۶۵، ۶۰۸

غلام الثقلین، خواجہ ۲۰۴

غلام بی ۲۲

غلام حسن خان پشاوری، مولانا ۲۹۹، ۳۲۰، ۴۷۰، ۵۳۲

غلام حسین، مولوی۔ لاہور ۳۲۴، ۳۲۵

غلام حسین، میاں ۴۳۳

غلام حسین حسنین کنتوری، حکیم ۵۳۵

غلام حیدر، بابو ۴۹۷

غلام حیدر، میاں ۲۶

غلام حیدر نوشہروی، مرزا ۶۱۱

غلام دستگیر، حکیم۔ لاہور ۲۸، ۵۵

غلام رسول، حافظ۔ والد حضرت خلیفۃ المسیح الاول
۱۶، ۱۹، ۲۲، ۲۳

غلام رسول چودی، مولوی ۷۲

غلام رسول حجام، میاں ۵۴۳

غلام رسول خان ۲۳۲

غلام رسول راجیکی، مولانا ۵۵، ۱۸۳، ۲۱۶، ۲۱۷، ۳۰۳
۳۲۴تا۳۲۶، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۸، ۳۸۲، ۳۸۶، ۳۸۷
۴۲۷، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۵، ۵۷۴، ۶۰۸

غلام رسول وزیر آبادی، حافظ ۲۱۶، ۲۹۴
۴۹۸، ۵۳۰، ۶۰۸

غلام سرور کانپوری ۳۹۶، ۴۳۲

غلام علی، شاہ ۵۹۵

غلام فرید ۲۸۶

غلام فرید، خواجہ ۱۵۴

غلام فرید ایم۔ اے، ملک ۲۹۹، ۵۵۷، ۵۶۵، ۵۷۴
۵۸۱، ۶۲۱، ۶۲۲

غلام قادر، مرزا ۱۱۹

غلام قادر، مولوی ۷۳، ۵۳۸

غلام مرتضیٰ، مرزا ۱۱۹

غلام مرتضیٰ، مفتی ۱۸۳

غلام مرتضیٰ بریلوی، مولوی ۷۲

غلام محمد، بابو۔ فورمین ۲۵۶

غلام محمد، چوہدری ۵۴۰، ۵۴۳، ۵۴۶، ۵۷۴

غلام محمد، ملک ۲۵۲

غلام محمد، منشی ۱۴۴

غلام محمد امرتسری، حکیم ۳۳۰، ۳۵۸، ۵۳۲، ۵۴۳، ۵۴۷
غلام محمد بی۔اے، حافظ صوفی ۱۷۸، ۳۸۷، ۴۴۶، ۵۵۸، ۶۰۸
غلام محمد حائک ۷۳
غلام محی الدین ۲۲، ۲۶
غلام محی الدین، حکیم ۲۵۸
غلام محی الدین، خان بہادر ۱۳۱
غلام مسیح، پادری ۴۳۹
غلام نبی سیٹھی ۵۶۴
غلام نبی، شیخ۔ میانی ۳۰
غلام نبی، مولوی ۲۲
غلام نبی، مولوی۔ رامپور ۳۴
غلام نبی بلانوی، خواجہ ۴۴۹، ۶۱۱
غلام نبی ملقوی، مولوی ۷۲
غلام نبی مصری، مولوی ۶، ۲۸۶، ۳۸۷، ۵۷۴، ۶۰۸

ف

فاطمہ ۵۵۰
فاطمہ بی بی ۷۶، ۱۶۸
فاطمہ بیگم ۲۰۶
فاہیان، چینی سیاح ۱۵
فتح محمد، شیخ۔ رئیس جموں ۸۷، ۸۸
فتح محمد سیال، چوہدری ۷، ۱۹۱، ۳۶۵، ۳۷۷، ۳۹۶، ۴۳۴، ۴۵۷تا۴۵۹، ۴۹۱
فتح محمد کھٹیک، چوہدری ۸۸
فدا محمد خان، حکیم ۵۲۶
فدا محمد دہلوی، حکیم ۱۳۱
فردوسی ۹۱
فرزند علی خان، منشی ۲۶، ۲۹۴، ۳۴۴، ۳۵۷، ۳۶۵، ۴۶۲، ۵۷۴، ۶۰۸، ۶۱۰
فرید شکر گنج ۱۹، ۲۷۰
فضل احمد، منشی ۸۸
فضل احمد ابن میاں محمد ۲۹۹
فضل احمد بٹالوی، شیخ ۷، ۴۴، ۴۴۸، ۵۵۱، ۵۷۷، ۵۷۸، ۶۱۳
فضل الٰہی ۴۵۲
فضل الٰہی، مستری ۴۸۹، ۵۷۶
فضل الدین، جمعدار ۵۲۹، ۵۳۱، ۵۷۶تا۵۷۹، ۵۸۱
فضل الدین بھیروی، حکیم ۲۸، ۹۷، ۱۲۰، ۱۲۹، ۱۳۶، ۲۲۰، ۲۶۶، ۲۷۸، ۲۸۶، ۳۱۲، ۳۵۳، ۵۹۷، ۵۸۱
فضل الدین گجراتی، مولوی ۹۳
فضل الدین وکیل، مولوی ۵۶۵، ۵۷۴، ۵۷۵

فضل الرحمٰن، مفتی ۱۵۴، ۴۹۷، ۵۳۲، ۵۷۴، ۶۰۶

فضل اللہ فرنگی محل، مولوی ۳۹

فضل حق بٹالوی، شیخ ۵۷۴، ۵۸۰، ۶۱۳

فضل حق رامپوری، مولوی ۵۶

فضل شاہ، سید ۲۳۷

فضل قادر، شیخ ۲۳۶

فقیر الدین، سید۔ کمشنر لاہور ۱۴۲

فقیر اللہ، قادیان ۳۸۷

فقیر اللہ، ماسٹر ۵۱۹، ۵۳۲، ۶۰۷

فقیر محمد، میاں۔ دیوبند ۳۹۶

فقیر محمد چشتی، حکیم ۵۳۵

ق

قاسم علی، میر ۲۲۲، ۳۰۰، ۳۰۴، ۳۱۰، ۳۱۳، ۳۲۹، ۳۴۳، ۳۶۲، ۳۷۴، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۶۴، ۴۶۸، ۴۹۵، ۶۰۷، ۶۰۸

قدرت اللہ خان، شاہجہانپور ۶۰۶

قدرت اللہ سنوری، مولوی ۴۳۶، ۵۶۸

قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ ۴۲۶

قطب الدین بدوملہی، حکیم ۵۷۴

ک

کرپارام، دیوان ۱۱۰

کرتار سنگھ، سردار ۱۸۰

کرم الٰہی، ڈاکٹر ۵۳۰

کرم الٰہی پٹیالوی، شیخ ۵۶۴

کرم الدین، میاں ۴۹۴، ۵۲۹

کرم دین، مولوی۔ ساکن بھیں ۱۵۹

کرم علی، حکیم۔ پنڈدادنخان ۸۴

کرم علی کاتب، منشی ۴۳۴

کریم بخش، حاجی ۷۲

کلب علی خان، نواب ۳۹، ۴۰

کلن خان، رامپور ۳۶

کمال الدین، خواجہ ۹، ۱۱۳، ۱۷۰، ۱۷۷، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۱، ۱۹۲، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۷، ۲۴۴ تا ۲۵۲، ۲۵۶، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۷۲ تا ۲۷۴، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۹۴، ۲۹۶، ۳۰۰، ۳۰۴، ۳۱۰، ۳۱۶، ۳۲۱، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۳۵، ۳۳۷، ۳۴۳، ۳۵۴، ۳۵۹، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۹ تا ۳۷۷، ۳۸۲، ۳۸۶، ۳۸۹، ۴۰۵ تا ۴۰۷، ۴۳۰، ۴۳۲، ۴۳۴، ۴۴۳، ۴۵۲، ۴۵۴، ۴۵۶، ۴۵۸، ۴۶۴ تا ۴۶۶، ۴۷۰، ۴۸۸، ۴۹۱، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۹۱، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۱۸

کنہیالال ۲۲

کیشوداس، رائے ۳۲۲

گ

گاندھی، مسٹر ۴۸۸

گلاب سنگھ، مہاراجہ ۵۵، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۳

گل محمد خان وکیل ۳۲۰

گوبند سہائے، دیوان ۱۰۰، ۱۱۴

گوپال چندر، ڈاکٹر ۱۳۱

گولک ناتھ، پادری ۸۲

گنپت رائے، دیوان ۲۱۷

گنیش شاستری، پنڈت ۱۱۲

ل

لانٹنر، ڈاکٹر جی ڈبلیو ۴۰۶، ۴۴۴

لٹن، لارڈ ۸۱

لچھمن داس، دیوان ۹۸، ۱۳۱، ۵۳۷

لعل دین میاں۔ جموں ۸۸

لیکھرام ۹۲

م

مارٹن کلارک، پادری ۱۵۶

مبارک احمد، شیخ ۶۲۶، ۶۲۷

مبارک احمد، صاحبزادہ مرزا ۱۷۲، ۵۶۰، ۵۶۱

مبارک اسماعیل ۷

مبارک علی بوگرا، مولوی ۶۱۱

مبارک علی سیالکوٹی، مولوی ۳۰۰، ۳۱۶، ۳۱۷، ۴۲۷

مبارکہ بیگم، سیدہ نواب ۱۵۵، ۱۸۳

۴۱۲، ۵۳۱، ۵۶۹، ۵۷۴، ۵۸۳

متھراداس، لالہ ۸۶، ۸۷

مجدد الف ثانی (شیخ احمد سرہندی) ۲۷۰

محبوب عالم، لاہور ۳۸۷، ۵۲۴

محرم علی چشتی ۱۱۰

محکم دین، میاں ۴۹۱

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۶۲، ۸۴

۸۶، ۹۶، ۱۰۴، ۱۱۳، ۱۷۲تا۱۷۵، ۲۰۲، ۲۱۶، ۲۱۸

۲۳۱، ۲۷۰، ۳۲۸، ۳۸۰، ۳۸۶، ۳۹۷، ۴۰۶، ۴۱۶، ۴۵۴

۴۶۸، ۵۰۴، ۵۵۱، ۵۵۴، ۵۶۷، ۵۸۲، ۵۹۵، ۵۹۷

محمد، بابو۔ لدھیانہ ۲۵۲

محمد، مولوی حافظ ۲۲

محمد ابراہیم، حافظ ۲۳۷، ۳۴۴، ۵۲۶

محمد ابراہیم بقاپوری، مولوی ۳۸۷

محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولوی، میر ۷۲، ۳۶۲، ۳۷۸

۴۱۹، ۴۲۰، ۴۹۸
محمد ابراہیم کپور تھلوی، حکیم ۵۷۴
محمد اجمل، حکیم۔ دہلی ۵۷۵
محمد احسن امروہی، سید ۱۲۹، ۱۵۰
۱۷۸، ۱۸۸، ۱۹۱، ۲۰۰، ۲۰۶، ۲۲۲، ۲۲۸، ۲۵۱، ۳۰۰
۳۴۶، ۳۵۳، ۳۹۵، ۴۲۶، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۸۳، ۶۰۷، ۶۰۸
محمد احمد ابن حضرت خلیفۃ المسیح الاول ۱۵۸، ۱۵۹
محمد احمد، مولوی ۳۹۶
محمد احمد ایم۔ اے ۲۹۹
محمد احمد خان، نواب ۶۰۵
محمد اسد اللہ کشمیری، قریشی ۶۰۱
محمد اسحاق، سید، میر ۶۸، ۱۰۷، ۱۸۳، ۲۰۸، ۲۲۰، ۲۵۳
۲۶۳، ۲۹۰، ۲۹۱، ۳۰۱، ۴۲۹، ۴۷۱، ۴۹۸، ۵۳۰، ۵۶۵، ۶۰۷
محمد اسحاق نگینوی، مولوی ۴۲
محمد اسلم، جرنلسٹ ۴۳۶، ۴۳۹
محمد اسماعیل، حکیم ۳۲۲
محمد اسماعیل، سیٹھ ۶۱۱
محمد اسماعیل، شیخ ۳۳۶
محمد اسماعیل، مولوی۔ حلالپوری ۲۸۶، ۳۸۷
محمد اسماعیل میر، سید ۲۰۲، ۲۰۷، ۲۵۰، ۳۳۱، ۳۵۵، ۵۷۸
محمد اسماعیل پانی پتی، شیخ ۵۹۱
محمد اسماعیل شہید دہلوی، مولوی ۳۴، ۳۶
محمد اشرف، مرزا ۶۰۷
محمد اعظم، مخدوم ۳۵۲، ۵۴۰، ۵۷۵
محمد افضل، حکیم ۵۴۷
محمد افضل، منشی ۶۱۲
محمد اقبال، ڈاکٹر، سر ۳۰۷، ۴۰۷، ۴۲۹، ۵۴۴، ۵۳۵
محمد اکرم خان، جموں ۸۷، ۱۱۱
محمد الدین، حکیم مولوی ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۶
محمد الدین، حکیم۔ گھنیالیاں ۳۸۷
محمد الدین، مولوی ۲۹۰، ۴۵۷، ۶۰۷
محمد الدین فوق ۴۴۳، ۵۴۴
محمد الیاس ابن حکیم محمد حسین مرہم عیسیٰ ۶۱۴
محمد امین، چوہدری ۱
محمد امین، حافظ ۲۳۷
محمد انور، حکیم مفتی ۵۳۵
محمد اولاد علی شاہ گیلانی ۳۵۷
محمد ایوب بی۔ اے، مخدوم ۱۷۹
محمد باقر، سید۔ کاتب ۱۲
محمد بخش، حکیم۔ لاہور ۳۴، ۳۹

محمد بخش ملا (جعفر زٹلی) ۲۰۵، ۲۳۵
محمد بخش، مولوی ۲۲
محمد بن ناصر حضرمی ۴۸
محمد تراب خاں، ملتان ۳۲۱
محمد جی ہزاروی، مولوی ۱۷۷
۱۸۲، ۲۸۶، ۵۵۷، ۵۷۳تا۵۷۷، ۵۷۹
محمد حسن، میاں ۵۴۱
محمد حسین، بابو۔ شملہ ۴۶۴
محمد حسین، حکیم۔ مرہم عیسیٰ ۱۲۴، ۱۷۷
۳۲۲، ۴۰۳، ۵۰۸، ۵۱۱، ۵۳۲، ۵۷۴
محمد حسین، سیٹھ۔ چندہ کنندہ ۶۱۱
محمد حسین، شیخ۔ لائل پور ۳۳۱
محمد حسین، قاضی ۵۳۲
محمد حسین بٹالوی ۷۲، ۸۵، ۹۷، ۹۸، ۱۲۵
۱۲۷، ۱۵۸، ۲۰۶، ۲۰۷، ۳۰۵تا۳۰۷، ۳۷۳، ۳۷۹، ۴۲۶
محمد حسین سندھی ۶۰
محمد حسین شاہ، ڈاکٹر سید ۱۸۸، ۱۹۱، ۱۹۳، ۲۲۲، ۲۵۰
۲۵۶، ۲۶۷تا۲۶۹، ۲۷۴، ۲۷۷، ۲۸۰، ۲۹۶، ۳۱۲، ۳۲۶
۳۶۷، ۳۶۹، ۴۴۳، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۶تا۴۵۸، ۴۷۰
۴۷۲، ۵۲۹، ۵۳۰

محمد حسین قریشی، حکیم ۵۲، ۸۸، ۲۵۶، ۳۳۱، ۴۲۴
محمد حسین کاتب ۴۴۷
محمد حیات، ڈاکٹر۔ راولپنڈی ۵۷۴
محمد حیات خان، سردار ۳۵۷
محمد خامس، سلطان ۴۲۷
محمد خاں کپورتھلوی، خان ۱۶۳، ۱۸۱
محمد خزرجی، شیخ ۶۰، ۶۱
محمد رضوی، نواب سید ۴۰۵، ۴۶۴، ۶۱۲
محمد زاہد، حکیم ۳۵۷
محمد سرور شاہ، سید ۱۶۲، ۲۲۶، ۲۴۳، ۲۵۱، ۲۵۳
۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۷، ۲۸۲، ۲۸۴، ۲۹۰، ۳۰۰تا۳۰۲، ۳۲۰
۳۲۴، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۳۴، ۳۶۵، ۳۷۳، ۳۷۸، ۳۸۸
۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۶، ۴۲۷، ۴۳۵، ۴۵۰، ۴۶۳، ۴۶۸
۴۸۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۱۸، ۵۳۰، ۵۳۲
۵۴۳، ۶۰۳، ۶۰۸، ۶۱۲
محمد سعید خان، خان۔ کانپور ۳۹۴
محمد سعید سعدی، میاں ۳۲۳
محمد سلیمان، سرشاہ ۵۳۷
محمد شاہ، سید ۸۸
محمد شاہ گردیزی، سید ۳۲۲، ۳۵۷

محمد شریف ۲۸۶
محمد شریف، ڈاکٹر ۲۲۶
محمد شریف وکیل، میاں ۴۹۵
محمد شفیق، قاضی۔ مردان ۶۱۱
محمد شفیق، مولوی ۳۳۴
محمد صادق، مفتی ۸۸، ۱۲۱، ۱۴۲، ۱۵۲، ۱۷۱، ۱۸۹
۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۷، ۲۲۲، ۲۸۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۱۰، ۳۲۱
۳۲۷، ۳۲۸، ۳۳۵، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۵۶، ۳۷۳، ۳۹۸
۴۲۹، ۴۳۳، ۴۵۶، ۴۶۸، ۴۸۴، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۶۸
۵۷۴، ۵۷۶، ۵۹۱، ۶۰۳، ۶۰۶تا۶۰۸، ۶۱۷
محمد صدیق، حکیم۔ میانی ۵۴، ۳۵۹
۵۷۱، ۵۷۴تا۵۷۷، ۵۸۰
محمد صدیق اکبر، مخدوم۔ میانی ۱۰۹، ۱۴۸، ۳۳۵، ۵۷۶
محمد صدیق امرتسری ۶۲۸
محمد صدیق گورداسپوری ۵۲۹
محمد طاہر، شیخ ۴۲۵
محمد طفیل، شیخ ۲۸۱
محمد طفیل بٹالوی، حکیم ڈاکٹر ۵۷۴
محمد طفیل شاہ، سید۔ گوکھووال ۶۱۰
محمد ظفراللہ خان، سرچوہدری ۱، ۲، ۱۱، ۳۷۵
۳۷۷، ۴۳۷، ۶۲۷، ۶۲۸
محمد ظہور الدین اکمل، قاضی ۲۱۳، ۳۵۷
۴۴۲، ۴۴۶، ۵۴۱
محمد عبدالرحمن خان، نواب ۶۱۲
محمد عبداللہ، مولوی پروفیسر ۱۴۲
محمد عبداللہ، شیخ (سابق ٹھاکرداس) ۱۱۸، ۱۴۲، ۱۴۰
محمد عبداللہ، قاضی ۳۸۷
محمد عبداللہ بوتالوی ۳۹۱
محمد عبداللہ جلد ساز ۱۸۰
محمد عبداللہ چکڑالوی ۱۶۵
محمد عبداللہ خان، نواب ۴۳۲، ۵۰۵، ۵۷۰، ۶۱۲
محمد عثمان، مخدوم ۵۷۵
محمد عثمان قریشی، بابو ۴۹۰
محمد عظیم، ماسٹر۔ ماریشس ۶۱۱
محمد علی ایم۔ اے، مولوی ۱۰، ۱۱۳، ۱۸۷، ۱۸۸
۱۹۱، ۱۹۲، ۲۰۶تا۲۰۸، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۲۳تا۲۲۶
۲۴۳، ۲۴۵تا۲۵۷، ۲۶۲تا۲۶۶، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۲تا۲۷۵
۲۷۹تا۲۸۲، ۲۸۴، ۲۹۵تا۳۰۰، ۳۰۴، ۳۱۰، ۳۱۶، ۳۲۱

۳۳۸تا۳۴۰، ۳۵۵، ۳۸۶، ۴۴۰، ۴۴۳، ۴۵۵تا۴۵۹
۴۷۰تا۴۷۴، ۴۹۰، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۲
۵۰۴، ۵۱۰تا۵۱۵، ۵۱۸تا۵۲۹، ۵۳۲، ۵۷۴، ۶۰۷، ۶۰۸
محمد علی جوہر ۵۲۳، ۵۳۵
محمد علی خان، نواب ۱۰، ۱۵۴، ۱۶۴، ۱۸۲، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۱
۱۹۴، ۲۰۸، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۲۵، ۲۵۱، ۳۲۹، ۳۳۲، ۳۸۸
۳۹۸، ۴۲۳، ۴۳۶، ۴۶۴، ۴۹۶، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۸، ۵۱۲
۵۱۶، ۵۲۹، ۵۴۳، ۵۶۷، ۶۱۲
محمد علی سیالکوٹی، مولوی ۲۱۶
محمد علی عابد ۳۲۸
محمد علی کانپوری، سید مولوی ۱۱۶
محمد عمر، حکیم ۱۴۴، ۲۲۰، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۵۷، ۵۸۱
محمد عمر۔ نواسہ منشی جمال الدین ۸۲، ۸۳
محمد عیسیٰ، قاری ۳۷۲
محمد غوث، سیٹھ۔ حیدر آباد ۶۱۱
محمد غوث، سید ۱۱۵
محمد فاروق اعظم، مخدوم ۵۷۶
محمد فضل چشتی، مولوی ۳۱
محمد قاسم کشمیری، منشی ۲۸، ۳۸
محمد قاسم نانوتوی ۷۰، ۹۶
محمد، حافظ۔ لکھوکے ۹۷
محمد، میاں۔ لدھیانہ ۵۳۹
محمد مبارک اسماعیل ۳۸۷
محمد مراد، میاں۔ پنڈی بھٹیاں ۶۱۰
محمد مرتضیٰ خان۔ پٹیالہ ۵۲۰
محمد مصطفیٰ، مولوی ۳۳
محمد مصطفیٰ خان، مولوی۔ پٹیالہ ۵۱۹، ۵۲۰
محمد موسیٰ، مستری ۴۲۳، ۴۶۸، ۵۲۰
محمد نبی، حکیم ۵۶
محمد نذیر، قریشی ۵۷۸، ۵۸۰، ۶۰۱
محمد نصیب، سید ۵۴۴
محمد نیاز سہارنپوری ۱۰۸
محمد وزیر، خواجہ ۴۴
محمد ولایت حسین جیلانی، سید ۳۵۷
محمد یاسین، قاری ۳۳۴
محمد یحییٰ بہاری، مولوی ۳۰۳
محمد یحییٰ دہمگوانی، مولوی ۵۹۷
محمد یعقوب، منشی ۱۳۲
محمد یعقوب خان بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ۶۱۱
محمد یعقوب پانی پتی، شیخ ۶۱۰

محمد یعقوب طاہر، مولوی ۱۴۳، ۵۷۴، ۵۷۶
محمد یوسف، بابو۔ شملہ ۶۱۲
محمد یوسف، حافظ مولوی ۱۴۲، ۳۹۴ تا ۳۹۶
محمد یوسف، شیخ ۱۱۳، ۲۹۴، ۳۰۳، ۳۱۳، ۳۲۴، ۳۷۲، ۳۷۴، ۴۶۸، ۶۰۸
محمد یوسف، قاضی۔ مردان ۳۲۰، ۴۲۸، ۶۰۸
محمد یوسف، میاں۔ مردان ۵۴۰
محمد یوسف قنوج، سردار ۳۵۴
محمدی بیگم اہلیہ پیر منظور محمد لدھیانوی ۶۰۶
محمود ۵۷۶
محمود احمد عرفانی، شیخ ۱۶۰، ۲۸۷، ۳۷۴، ۴۰۹، ۴۲۳
محمود الحسن، مولوی ۳۹۶، ۴۳۲
محمود اللہ شاہ، حافظ سید ۴۳۳، ۵۶۸
محمود خان افغان ۴۴، ۴۵
محمود عالم، سید ۲۷۶، ۲۸۶، ۳۶۸
محمود نشیمان شاہ، خواجہ سلطان ۱۸
محی الدین ۳۳۰
محی الدین ابن عربی ۴۲۵، ۵۸۲
مختار احمد، حافظ سید ۳۲۸، ۳۹۵
مدن چند ۲۱
مراد بخش اعوان ۲۵
مریم بیگم بنت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ ۱۷۲
مسعود احمد خان، نواب ۶۰۵
مشتاق حسین، نواب وقار الملک ۲۹۲
مصطفیٰ کمال پاشا ۴۳۰، ۴۳۱
مظفر احمد، مرزا ۶۰۵
مظہر قیوم، پیر ۲۸۶
معراج الدین عمر، میاں ۳۲۲، ۶۰۸
مکرم قریشی، مفتی شیخ ۷۶
مکند لال، ماسٹر ۱۴۰
ملول، ڈاکٹر ۵۰۳
ممتاز نبی، ڈاکٹر ۵۵
مملوک علی، مولوی ۱۰۸
منصور احمد، صاحبزادہ مرزا ۳۶۶، ۶۰۵
منصورہ بیگم، صاحبزادی ۶۰۵
منظور احمد بھیروی، ڈاکٹر ۳۲۲
منظور الٰہی، بابو ۴۵۲، ۴۷۳، ۴۷۵
منظور عالم، سید ۲۸۶
منظور محمد، پیر ۲۸۶، ۳۴۲، ۵۰۱
مولا بخش بھٹی، چوہدری ۳۱۷

مولا بخش سیالکوٹی‘ شیخ ۵۳۸

حضرت موسیٰ علیہ السلام ۵۹۷

مہدی علی خان‘ نواب محسن الملک ۱۱۸‘۲۹۲‘۳۶۸‘۳۶۹‘۵۳۵

مہر النساء بیگم اہلیہ مولوی محمد علی صاحب ۲۹۹

مہر علی شاہ گولڑوی ۱۸۱

میر محمد‘ میاں ۵۴۱

میکملن‘ پادری ۳۰۴

ن

ناصر احمد‘ صاحبزادہ مرزا ۳۰۴‘۵۷۰‘۶۰۵

ناصر علی وکیل‘ مرزا ۶۱۰

ناصر نواب‘ سید میر ۱۰‘۱۱۳‘۱۸۹‘۲۱۲تا۲۱۵‘۲۳۳‘۲۵۱‘۲۵۲‘۲۵۷‘۲۷۳‘۲۸۱‘۳۱۲‘۳۱۶‘۴۱۰‘۴۳۸‘۴۴۳‘۴۴۴‘۴۵۲‘۴۵۸‘۴۶۷‘۵۵۶‘۵۷۲‘۶۰۷

بی بخش‘ مولوی۔ مدینہ ۶۳تا۶۶

نجم الدین‘ حکیم ۳۸

نجم الدین کبریٰ ۶۴

نجم الدین‘ میاں ۵۳۲

نذیر احمد‘ مخدوم ۵۷۶

نذیر احمد رحمانی‘ ماسٹر ۶۱۱

نذیر حسین دہلوی‘ مولوی ۴۴‘۸۵‘۹۷

نصر اللہ خان‘ چوہدری ۳۷۵‘۴۷۳‘۶۰۷

نصرت جہاں بیگم‘ سیدہ ۱۹۱‘۲۰۲‘۲۰۸‘۲۳۳‘۳۷۹‘۴۱۰‘۴۲۳‘۴۴۶‘۵۰۳‘۵۶۲‘۵۶۶

نصیر احمد فاروقی ۲۹۹

نصیر الدین‘ سلطان ۱۸

نصیر الدین ولد عمر دین ۵۹۷

نظام الدین‘ مرزا ۲۳۲

نظام الدین‘ مولوی۔ مبلغ کشمیر ۲۳۷

نظام الدین‘ میاں ۲۳۷

نظام الدین‘ میاں۔ لودی ننگل ۴۹۵

نظام الدین‘ میاں۔ وزیر اعظم پونچھ ۱۴۰

نظام الدین اولیاء ۲۹۲

نظام جان‘ حکیم ۵۷۴

نعمت اللہ خان‘ خان ۳۵۵

نندلال‘ پنڈت ۱۴۰

نواب خاں تحصیلدار ۵۶۵

نواب دین‘ ماسٹر ۲۹۰

نواب دین‘ مولوی ۳۲۰

نور احمد، شیخ۔ منشی خواجہ کمال الدین ۱۰، ۲۳۵، ۴۰۷، ۴۵۹
نور احمد لودی ننگل، مولوی ۴۹۴، ۴۹۵
نور احمد، مولوی۔ جلالپور جٹاں ۱۹
نور الحسن، مولوی ۳۴
نور الحق، پروفیسر مولوی ۵۷۳
نور الحق، شیخ ۲۳۶
نور الدین۔ احمد شاہ کا جرنیل ۱۲
نور الدین، الحاج حکیم مولانا۔ خلیفہ المسیح الاول صفحہ ۱ تا آخر
نور الدین، تاجر کتب جموں ۶۰۰
نور الدین، ملک ۵۴
نور الدین، میاں۔ قادیان ۴۹۵
نور الدین جمونی، خلیفہ ۸۱، ۸۷، ۸۸، ۱۰۰، ۱۲۰، ۱۵۲
نور بخت ۱۶، ۲۵، ۲۶
نور کریم، حکیم مولوی ۳۸
نور محمد، ماسٹر ۶۱۴
نور محمد مشتاق، حکیم ۵۷۴
نور محمد نوریا، ماریشس ۶۱۱
نہال احمد نانوتوی، شیخ ۱۰۸
نہال چند، منشی۔ شاہ پور ۳۱
نیاز احمد، شیخ ۴۹۹
نیلامبر، بابو ۱۱۴

و ۔ ہ

واجد علی شاہ، لکھنؤ ۳۹۳
وجیہ الدین، شاہ ۴۵
وزیر الدولہ، نواب ۵۶
وزیر خان، ڈاکٹر حاجی ۱۰۶
ولی احمد، لاہور ۱۳۹
ولی اللہ، خواجہ ۱۸
ولی اللہ شاہ، محدث دہلوی ۳۴، ۴۵، ۵۹، ۶۷، ۶۸، ۲۷۰، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۹۵
ولی داد خاں سنوری ۶۵، ۱۰۷
ولی شاہ لاہوری، حکیم ۱۳۱
ویردی، امام ۵۵
ویلز جارج پنجم، شہزادہ ۳۷۴، ۳۷۹، ۳۸۳
ہاشم جان مجددی، صاحبزادہ ۶۱۱
ہدایت اللہ لاہوری، بابا ۳۲۵
ہرڈ، میجر ڈاکٹر ۳۳۲، ۳۶۳
ہرسکھ رائے ۳۲
ہری سنگھ، مہاراجہ ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۴

ہیڈلے، لارڈ ۴۰۶، ۴۳۵

ہیون سانگ، چینی سیاح ۱۵

ی

یار محمد، قاضی ۱۹۴

یار محمد، مولوی ۳۱۹

یار محمد خان، کرنل سردار ۸۸

یاسین علی ۵۹۹

یحمیٰ بن عقب، امام ۵۸۲

یزید ۴۹۶، ۵۲۹

یعقوب بیگ، ڈاکٹر مرزا ۱۰، ۱۹۱، ۱۹۳، ۳۲۲

۲۲۸، ۲۵۰، ۲۵۶، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۴، ۲۸۰، ۲۹۳، ۲۹۶

۳۲۴، ۳۲۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۴۱، ۳۸۲، ۳۹۸، ۴۴۳

۴۵۲، ۴۵۶، ۴۶۸، ۴۷۰، ۴۷۲، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۴

۵۰۵، ۵۰۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۶۵، ۵۷۴

یعقوب علی عرفانی، شیخ ۱۵۷، ۱۶۸، ۱۸۸، ۲۰۶

۲۰۸، ۲۱۶، ۲۳۶، ۲۵۷، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۷۶، ۲۸۲، ۳۰۰

۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۶، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۶، ۳۵۱

۳۷۲، ۳۷۴، ۳۹۲، ۳۹۸، ۴۰۳، ۴۰۵، ۴۳۹، ۴۵۶

۵۰۸، ۵۱۳، ۵۵۵، ۵۷۴، ۶۰۷

حضرت یوسف علیہ السلام ۳۰۸

مقامات

آ۔ا

آسٹریلیا ۶۱۱
آکسفورڈ ۲۹۳، ۳۶۸، ۵۵۰
آگرہ ۱۲، ۶۳، ۱۰۶، ۳۹۲، ۴۰۲، ۵۲۵، ۵۳۶، ۶۰۹
اٹاوہ ۳۲۷، ۳۵۳، ۳۶۵، ۵۹۵، ۶۰۹، ۶۱۰
اٹلی ۳۱۵، ۴۲۷
اٹھوال ۴۶۷، ۶۱۰
احمد نگر ۲۹۱
اردھمہ ۶۰۹
اڑیسہ ۶۰۹
اسکندریہ ۱۷۵
افریقہ ۵۰۲، ۵۲۹، ۶۱۱
افغانستان ۱۶۰
اکال گڑھ ۴۹۸
الہ آباد ۳۸۶، ۳۸۸، ۶۰۹، ۶۱۰
امرت سر ۳، ۱۱۶، ۱۳۹، ۱۴۶، ۱۵۰، ۲۱۶، ۲۱۹، ۲۳۶
۳۱۸، ۳۳۵، ۳۵۳، ۳۶۹، ۳۸۰، ۳۸۶، ۳۹۲، ۴۰۲
۴۲۳، ۴۲۶، ۴۳۹، ۴۴۴، ۴۹۱، ۵۱۹، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۴۳
۵۵۳، ۶۰۹، ۶۱۰
امروہہ ۳۹۵، ۴۲۶
[illegible] ۲، ۱۰۰، ۲۸۰، ۲۹۳، ۳۱۰، ۳۱۵، ۶۱۱
انبالہ ۴۳۶
انڈیا ۵۳۶، ۵۳۷
انقرہ ۴۳۱
انگلستان ۵، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۹۸، ۳۶۵
۳۷۵، ۳۷۶، ۳۸۲، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۸، ۴۱۰، ۴۳۳
۴۳۸، ۴۵۱، ۴۵۷، ۵۰۰، ۵۳۵، ۶۰۳، ۶۲۵
اوجلہ ۶۰۹
اودھ ۳۷۷
ایران ۱۶، ۹۱، ۲۹۲، ۳۱۵، ۳۸۶، ۴۲۹، ۴۳۱، ۴۳۷
ایشیا ۱۰۰
ایمن آباد ۱۱۰

ب

بالاکوٹ ۵۶
بانہال ۸۶
بٹالہ ۳، ۹۳، ۲۲۲، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۷۴، ۴۰۲، ۴۰۹

۴۲۳، ۴۲۶، ۴۹۸، ۵۱۱، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۳۰، ۵۳۱
۵۳۶، ۵۶۱، ۵۷۱، ۵۷۲، ۶۰۲، ۶۰۹، ۶۱۰
بٹھنڈا ۴۲۹، ۶۰۹
بجنور ۵۲۳
بخارا ۱۰۰، ۳۳۹، ۴۳۱، ۵۶۸
بخراب ۱۸
برصغیر پاک و ہند ۲۱۸، ۳۵۷، ۴۳۴، ۵۲۳، ۶۰۸، ۶۱۰
برطانیہ ۳۷۴
برہان پور ۵۹
برہمن بڑیہ ۴۲۴، ۴۲۵، ۶۰۹، ۶۱۰
بریلی ۱۶، ۳۰۵
بستی دریام کملانہ کو بھی ۶۰۹
بغداد ۱۸، ۵۱، ۶۱۱
بکہ (ضلع جہلم) ۵۲
بلاسپور ۵۷
بلانی ۴۸۸
بلخ ۱۷، ۱۸
بلقانہ (کیرانہ) ۱۰۶
بلقانی ریاستیں ۵۵، ۴۲۷، ۴۳۰

بلوچستان ۵۷۵
بمبئی ۱۶، ۲۹، ۵۹، ۶۶، ۷۰، ۳۸۲، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۱۰، ۴۲۲
بنارس ۱۶، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۹۳، ۳۹۵، ۶۰۹
بنت ۸۳
بنگال ۲۱۷، ۳۸۱، ۳۸۳، ۳۸۴، ۴۲۴، ۴۲۷، ۶۰۴، ۶۱۰
بنگلور ۹۴، ۱۱۹، ۳۸۲
بنگہ ۶۰۹، ۶۱۰
بنوڑ ۶۰۹
بہاولپور ۱۹، ۱۵۴، ۱۷۹، ۳۲۶، ۳۴۳
بہلولپور ۳۸۷
بھارت ۱۴۴
بھان تی ۱۱۸
بھوپال ۱۵، ۴۴، ۴۵، ۴۸، ۵۷، ۵۹، ۷۲، ۸۱، ۸۲، ۸۳
۱۰۰، ۱۱۰، ۱۲۹، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۱۹، ۵۲۷، ۵۳۶
بھیرہ ۱۲، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۹، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۶، ۲۸، ۲۹
۳۰، ۳۳، ۵۰، ۵۲، ۵۴، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۵، ۷۶
۷۷، ۷۸، ۸۰، ۸۱، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۹۴، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۲۱
۱۳۰، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۷۹، ۲۱۷، ۲۲۲، ۲۶۵، ۲۶۶، ۳۰۲
۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۴۰۱، ۴۵۰، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۳۵

۵۳۶، ۵۴۰، ۵۴۵، ۵۷۳، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۸۱، ۶۰۹

بھین ۱۵۹

بھینی (ضلع لاہور) ۶۰۹

بیاس ۱۵۶

بیت المقدس ۴۶۳

بیروت ۴۶۲

بیگووال ۲۲۰

پ

پاکپٹن ۱۸

پاکستان ۱۵، ۱۱۷، ۱۳۹، ۱۴۴، ۲۱۸، ۲۹۱، ۳۰۳، ۴۳۵

پٹنہ ۳۵۷

پٹیالہ ۱۲۸، ۲۱۳، ۳۶۳، ۶۰۹، ۶۱۰

پشاور ۱۸، ۱۹، ۳۲۰، ۳۶۰، ۴۸۸، ۵۳۲، ۵۴۸، ۶۰۹

پنڈدادنخان ۲۵، ۳۱، ۳۲، ۵۲

۵۵، ۸۴، ۸۶، ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۳۹، ۳۳۶

پنجاب ۱۶، ۳۷، ۷۲، ۹۷، ۹۸، ۱۱۰

۱۲۷، ۱۳۰، ۱۳۷، ۱۶۶، ۱۸۳، ۲۱۱، ۲۱۹، ۲۸۰، ۲۹۴

۳۷۷، ۴۲۶، ۴۷۹، ۵۲۷، ۵۳۳، ۵۳۵

پورٹ سعید ۴۱۲، ۴۱۶

پونچھ ۸۹، ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۳۲، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۸۰، ۲۱۶

پیرس ۳۱۵

پیرہ (بھیرہ) ۱۵

پھمباں ضلع ہوشیار پور ۶۰۹

ت ۔ ٹ

تبت ۱۱۰

ترکی / ترکستان ۱۶، ۱۷، ۳۰، ۵۵، ۱۰۸، ۱۸۰، ۲۹۲، ۳۴۷

۴۲۷، ۴۲۸، ۴۳۰، ۴۳۶، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۸۹، ۶۱۱

تنعیم ۶۹

تہال (ضلع گجرات) ۶۰۹

تیونس ۴۳۱

ٹونک ۵۶

ج

جاپان ۳۲۴

جالندھر ۶۰۶

جدہ ۶۰، ۷۰، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۲۲، ۶۱۱

جرمنی ۲۸۱، ۳۷۶، ۴۲۹، ۴۵۱

جلال پور جٹاں ۱۹

جموں ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۵۲،
۲۱۶، ۵۲۶، ۵۳۳، ۵۹۷، ۶۰۰، ۶۰۹

جواشہ ۱۹۰

جہلم ۷۲، ۸۱، ۲۵۸، ۴۹۷، ۴۹۸، ۶۰۹

جھنگ ۳۶۹، ۳۷۲

چ

چاچڑاں شریف ۱۵۴

چادہ ۵۴

چترال ۱۴۴

چریاکوٹ ۹۵

چشتی جام پور ۶۴

چکرم داس ۱۰۹

چک نورنگ ۴۹۷

چکوال ۲۵۸، ۴۹۷، ۵۳۱، ۶۰۹

چندوسی ۶۰۹

چنیوٹ ۲۹۱، ۶۰۹

چوہان ۴۹۷

چین ۶۱۱

چینی ترکستان ۱۱۱

ح

حجاز ۲۱، ۱۰۷، ۴۱۸، ۴۲۰، ۴۳۱، ۴۳۶

حدیدہ ۶۰

حرمین۔ حرم مقدس ۴۸، ۵۶، ۵۷، ۵۹، ۷۰، ۷۲، ۸۵

حصار ۶۰۹

صب ۴۶۲

حیدر آباد دکن ۳۱۵، ۴۵۱، ۶۰۹، ۶۱۰

حیدر آباد سندھ ۳۳۶

خ

خوشاب ۱۰۹

د

داتہ زید کا ۳۸۷، ۴۹۵

داتہ (ضلع ہزارہ) ۶۰۹

درہ نارنجی بونیر ۹

دہلی ۱۵، ۱۶، ۳۳، ۴۳، ۴۴، ۵۲، ۵۸، ۷۰، ۷۱، ۸۱،
۸۲، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۸، ۱۸۲، ۲۰۷، ۲۹۳، ۲۹۴،
۳۰۲، ۳۰۳، ۳۱۰، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۲۹، ۳۶۷، ۳۷۹، ۳۸۰

۳۸۳، ۳۸۴، ۳۹۶، ۴۲۶، ۴۳۱، ۵۲۳، ۵۲۶، ۵۵۵
۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۵، ۵۷۸، ۵۸۰، ۶۱۸
دھاریوال ۹۳، ۱۵۸
دھرم کوٹ ۶۰۹
دیپ گراں ۵۹۷
دیوبند ۱۷۷، ۲۸۹، ۳۹۶، ۴۳۲، ۵۷۵
ڈلہوزی ۲۷۷، ۳۷۸
ڈیرہ اسماعیل خان ۶۰۹
ڈیرہ بابا نانک ۱۷۹
ڈیرہ غازیخان ۶۰۹، ۶۱۰
ذیطوئی ۶۹

ر ـ ز

راجپوتانہ ۱۱۱
راجپورہ ۴۲۹
راس التین ۶۱۰، ۶۱۱
رامپور ۱۵، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۹، ۴۰، ۴۳، ۵۶
۵۷، ۶۳، ۱۰۰، ۱۴۰، ۳۰۰، ۳۹۵، ۶۰۹
راولپنڈی ۲۸، ۳۰، ۳۱، ۵۵، ۷۹
۸۱، ۱۳۳، ۱۴۳، ۱۴۴، ۴۹۸، ۵۶۶، ۵۷۴، ۵۷۵، ۶۰۹
راہوں ۶۰۹
رائے بریلی ۱۵۲
ربوہ ۱۱۲، ۱۸۰، ۱۸۲، ۲۹۱، ۳۵۷ ۳۸۹
۴۳۴، ۴۹۰، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۸۰، ۶۰۱، ۶۱۸، ۶۲۳
رنگون (برما) ۶۱۱
روجہان (ڈیرہ غازیخان) ۲۰۲
روس ۳۰، ۵۵، ۱۰۸، ۳۷۶، ۴۵۱
روم ۲۹۲، ۶۰۴
روہیل کھنڈ ۵۷
رہتک ۶۰۹
ریاست ۱۱۶، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵
۱۴۲، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۵۴، ۵۳۷
ریاستہائے مفتوحہ مہاراجہ گلاب سنگھ بہادر ۱۱۱
ریواڑی ۱۷۹
زنجبار ۴۳۱

س

سامانہ ۶۰۹، ۶۱۰
سبحان پور ۲۲
سپین ۲۸۱، ۵۳۸

سرحد ۲۳۲، ۶۱۰
سرگودھا ۳۵۳
سری نگر ۱۳۰، ۱۵۲
سڑوعہ ۶۰۹، ۶۱۰
سسلی ۳۱۵
سکیسر ۱۰۹
سمالی لینڈ ۱۱۰
سمرقند ۴۳۱
سندھ ۵۹۷
سنگاپور ۳۱۴، ۶۲۸، ۶۱۱
سنور ۶۰۹
سوئٹزرلینڈ ۲۸۱، ۳۷۶
سویڈن ۳۷۶
سویز ۴۱۶
سہارنپور ۲۸۹، ۳۹۶
سیالکوٹ ۱، ۲، ۸، ۱۱، ۴۸، ۷۲، ۸۷، ۹۳، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۶۶،
۲۱۱، ۲۳۶، ۳۴۴، ۳۵۳، ۳۶۲، ۵۹۶، ۶۰۹، ۶۱۰
سید مٹھہ ۲۸
سیلون ۳۱۴
سینٹ پیٹربرگ ۳۷۶

ش

شام ۱۸، ۱۴۴، ۱۸۹، ۴۱۸، ۴۶۲
شاہ پور ۱۹، ۳۱، ۱۰۹، ۳۴۵، ۵۲۶، ۵۵۶
شاہ جہانپور ۹۶، ۱۰۸، ۳۲۸، ۳۹۵، ۴۲۵، ۶۰۹، ۶۱۰
شمس آباد (میانی کا قدیم نام) ۵۲
شملہ ۳۱۰، ۳۸۶، ۴۶۳،
۴۶۵، ۴۶۶، ۵۰۰، ۶۰۹، ۶۱۲
شورکوٹ ۳۵۷

ص ۔ ط

صریح (ضلع جالندھر) ۶۰۹
طائف ۲۳۰، ۴۹۴، ۶۱۱
طرابلس ۴۲۷، ۴۳۱، ۶۱۱

ع ۔ غ

عدن ۴۱۰
عراق ۴۱۰
عرب ۱۷، ۱۴۴، ۲۸۹، ۳۹۱، ۴۰۹، ۴۵۱
عرفات ۴۳۵، ۶۲۱
علی گڑھ ۹۵، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۴۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۳۱۸، ۴۳۵،

۳۵۳، ۳۶۰، ۳۶۸، ۳۸۰، ۴۲۲، ۴۸۷، ۵۱۰، ۵۲۴
۵۲۷، ۵۵۰، ۵۷۶

غازی پور ۹۵

غزنوی ۱۷، ۱۸، ۳۵۷

ف۔ق۔ک

فتح گڑھ چوڑیاں ۴۹۴

فرانس ۶۳، ۴۵۱

فریدکوٹ ۳۵۷

فن لینڈ ۳۷۶

فیروز پور ۲۶، ۲۹۴، ۳۶۵، ۵۴۹، ۶۰۹

قادیان ۲تا۵، ۸تا۱۳، ۲۲، ۲۳، ۵۲، ۵۴، ۱۰۰تا۱۰۴
۱۱۰تا۱۱۴، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۴، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۲، ۱۳۵تا۱۳۷
۱۴۱تا۱۴۳، ۱۴۵تا۱۴۸، ۱۵۲، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۳، ۱۶۵
۱۶۸، ۱۷۱، ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۸۰، ۱۸۲، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۳، ۱۹۴
۲۰۴، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۱۲تا۲۱۴، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۳۲
۲۳۵تا۲۳۷، ۲۴۱، ۲۴۶، ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۵۷، ۲۶۴، ۲۶۸
۲۶۹، ۲۷۱، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۹۰، ۲۹۱
۲۹۴، ۲۹۶تا۲۹۸، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۱۱
۳۱۴، ۳۱۷، ۳۱۹تا۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۴، ۳۲۸، ۳۳۰، ۳۳۲
۳۳۴، ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۵۷، ۳۶۵، ۳۶۹، ۳۸۰، ۳۸۲
۳۸۷، ۳۸۹، ۳۹۶، ۳۹۸، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۹، ۴۱۱، ۴۱۶
۴۱۷، ۴۲۱تا۴۲۷، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۲تا۴۳۴، ۴۳۶
۴۳۹تا۴۴۲، ۴۵۲، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۶۲
۴۶۶تا۴۶۸، ۴۷۲، ۴۷۷، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۹۱، ۴۹۷تا۴۹۹
۵۱۰، ۵۱۳، ۵۱۵، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۴، ۵۲۶تا۵۲۸، ۵۳۱تا۵۴۱
۵۴۴، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۴، ۵۶۱تا۵۶۴، ۵۷۰، ۵۷۲، ۵۷۴
۵۷۵، ۵۸۴، ۵۸۷، ۵۹۲، ۶۰۰، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۶
۶۰۸تا۶۱۰، ۶۱۸

قاہرہ ۴۱۶، ۴۶۲

قتال پور (ضلع ملتان) ۶۰۹

قسطنطنیہ ۱۰۶، ۴۳۱، ۴۳۴

قصور ۱۸، ۱۹، ۲۹۳، ۲۹۴، ۶۰۹

قلعہ معلی ۱۰۷

قنوج ۳۵۴

قیصرباغ ۳۹۳

کابل ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۱۷۹

کانٹھ گڑھ ۲۲۰، ۲۲۱، ۶۰۹، ۶۱۰

کاندلہ ۳۳

کانگڑہ ۱۶۶
کانپور ۳۷، ۱۰۶، ۱۳۹، ۳۲۷، ۳۹۳تا۳۹۶
۳۵۳تا۳۵۵، ۴۷۲، ۶۰۹، ۶۱۰
کتھے وال یاکھوتووال ۱۸، ۱۹
کپور تھلہ ۱۶۳، ۲۲۰، ۲۹۳، ۳۸۶، ۶۰۹
کداء ۶۹
کراچی ۱۰۷، ۵۷۹، ۶۰۹
کربلا ۵۰، ۵۳
کرنال ۶۰۹
کریام ۵۸۴، ۶۰۹
کریم پور ۶۰۹
کڑیانوالہ ۲۷۵
کشمیر ۲۰، ۸۴تا۸۶، ۸۸، ۸۹، ۹۱، ۹۳، ۹۴، ۱۰۰، ۱۰۳
۱۱۰تا۱۱۲، ۱۱۷، ۱۳۰تا۱۳۴، ۱۳۹، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۲، ۲۳۷
۲۴۵، ۳۲۲، ۵۲۷، ۵۳۳، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۴۲، ۵۴۵
۵۸۴، ۶۰۹، ۶۱۰
کگرالی ۶۰۹
کلکتہ ۲۹، ۴۴، ۹۵، ۱۲۴، ۱۳۱، ۲۱۷، ۳۱۰، ۳۷۸، ۳۸۴
۴۰۶، ۴۸۸، ۵۲۳، ۶۰۹، ۶۱۰
کوٹ احمد خان ۱۴۸، ۳۴۵
کوٹ احمد والا ۱۷۹
کوریا ۳۲۴، ۶۰۴
کوہاٹ ۳۵۳
کہانہ ضلع جہلم ۲۵
کھارا ۲۳۵
کھاریاں ۴۸۸، ۶۰۹
کیسوموں ۶۱۱
کیمبرج ۳۶۸

گ

گجرات ۸۰، ۲۷۵، ۴۸۸، ۶۰۹
گردیز ۳۵۷
گلگت ۱۴۴
گنج شہیداں ۴۵
گوالیار ۴۴
گوجرانوالہ ۲۱۶، ۳۰۳، ۳۰۷
۳۶۵، ۳۷۸، ۴۶۸، ۴۹۸، ۶۰۹
گوجرہ ۶۱۰
گورداسپور ۹۳، ۱۰۰، ۱۵۸، ۱۶۵، ۱۸۱، ۴۶۷، ۵۴۴، ۵۶۴

گورکھپور ۵۲۵
گولیکی ۲۱۳، ۴۹۸، ۶۰۹
گونہ چھاؤنی ۴۴، ۴۵
گھٹیالیاں ۳۸۷
گھوگھیات ۳۵۹، ۵۷۱، ۵۷۴تا۵۷۷، ۵۸۰

ل

لالہ موسیٰ ۶۰۹
لاہور ۳، ۷، ۱۰، ۱۲، ۱۸تا۲۲، ۲۸، ۲۹، ۳۳، ۵۲، ۵۵
۷۰، ۷۴، ۷۵، ۸۱، ۸۲، ۹۳، ۹۷تا۹۹، ۱۱۲، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۲۹
۱۳۱، ۱۳۷، ۱۳۹تا۱۴۲، ۱۴۶، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۶۵، ۱۷۲، ۱۷۳
۱۷۶تا۱۷۸، ۱۸۲، ۱۹۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۱۱، ۲۱۷، ۲۴۲، ۲۴۳
۲۵۳، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۹۱، ۲۹۳
۲۹۶، ۲۹۸، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۱۸، ۳۲۱تا۳۲۶، ۳۳۲
۳۵۳، ۳۵۸، ۳۶۳، ۳۶۷، ۳۷۰، ۳۷۲، ۳۷۹، ۳۸۰
۳۸۳، ۳۸۷، ۳۸۹، ۳۹۷تا۳۹۹، ۴۰۲، ۴۰۶، ۴۳۸
۴۴۶، ۴۵۲، ۴۶۲، ۴۶۸، ۴۷۰، ۴۷۳تا۴۷۵، ۴۷۹
۴۸۸، ۴۹۷، ۴۹۹، ۵۰۳، ۵۱۱، ۵۱۶، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۳
۵۲۴، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۵، ۵۴۴، ۵۷۳
۵۷۴، ۵۷۷، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۹۹، ۶۰۵، ۶۰۷، ۶۰۹، ۶۲۲، ۶۱۰
لائل پور (فیصل آباد) ۲۹۹، ۳۳۱، ۳۸۷، ۶۰۹، ۶۱۰
لدھیانہ ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۳۱، ۱۵۹
۱۷۰، ۲۵۲، ۶۱۴، ۶۰۹
لسبیلہ ۵۷۵
لکھنؤ ۱۵، ۲۳، ۲۷، ۲۸، ۳۰، ۳۱، ۵۷، ۵۸، ۶۳، ۱۰۰، ۱۱۰
۲۲۷، ۲۲۸، ۲۹۲، ۲۹۳، ۳۲۵، ۳۳۱، ۳۶۸، ۵۲۷، ۶۰۹
للہ اسٹیشن ۲۵
لندن ۹، ۱۹۴، ۲۴۴، ۳۷۵، ۳۷۷، ۳۸۹
۳۹۰، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۳۷، ۴۵۷تا۴۵۹، ۴۸۸تا۴۹۰، ۶۱۱
لودھراں ۶۰۹
لودی ننگل ۴۹۴
لیہ ۲۲

م

ماریشس ۶۱۰
مالابار ۶۱۰
مالیرکوٹلہ ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۶۳، ۱۸۰، ۲۰۸، ۲۵۱، ۳۲۹، ۵۷۴
مانسہرہ ۵۹۷
مانگٹ اونچے ۳۷۸، ۶۰۹
مخدوم آباد (کوٹ احمد خان) ۵۷۵

مدراس ۱۲، ۷۵، ۳۷۴

مدرسہ چھٹہ ۴۹۸، ۵۳۰، ۶۰۹

مدینہ منورہ ۱۷، ۴۷، ۵۰، ۶۲تا۶۸، ۱۰۰، ۱۰۷، ۱۹۰، ۲۳۰، ۲۳۱، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۲۱، ۴۶۲، ۵۰۳، ۵۵۱، ۵۶۵، ۶۲۲

مراد آباد ۳۶، ۵۶، ۶۰۹

مراعہ ۶۰

مراکش ۴۳۱

مردان ۳۲۰، ۳۵۷، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۸، ۶۰۹، ۶۱۰

مرشد آباد ۳۵۷

مزدلفہ ۴۶۳

مسقط ۴۳۱

مسلم ٹاؤن لاہور ۴۸۷

مشرقی افریقہ ۶۲۶

مشرقی پاکستان ۴۳۷

مصر ۱۴۴، ۱۷۵، ۲۲۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۸، ۲۸۹، ۳۰۸، ۳۳۸، ۳۶۵، ۳۹۳، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۶تا۴۱۸، ۴۳۱، ۴۳۸، ۴۶۲، ۵۳۷، ۶۰۴، ۶۱۱

مظفر نگر ۱۰۶

مغربی افریقہ ۵۰۲

مکہ معظمہ ۱۷، ۵۹، ۶۰، ۶۲، ۶۳، ۶۸تا۷۰، ۸۰، ۸۵، ۱۰۰، ۱۰۶تا۱۰۸، ۱۹۰، ۲۳۰، ۴۱۶تا۴۲۰، ۴۲۲، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۳۶، ۴۵۴، ۴۶۲، ۵۵۱، ۵۶۵، ۶۲۲

مگوئی بنموک ۶۱۱

ملتان ۱۲، ۱۷، ۱۸، ۱۵۶، ۱۵۷، ۳۲۱تا۳۲۳، ۳۳۹، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۸۴، ۶۰۹

ممباسہ ۶۱۱

منڈی بہاؤالدین ۴۳۲، ۴۳۴، ۵۷۳

منصوری ۳۰۳، ۶۰۹

منیٰ ۴۲۱

مونگھیر ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۷۳، ۳۷۸، ۶۰۹، ۶۱۰

میانی ۲۲، ۳۰، ۵۲، ۵۴، ۵۵، ۱۰۹، ۱۴۸، ۱۷۹، ۳۴۵، ۵۶۲، ۵۷۴

میرٹھ ۱۵، ۱۶، ۴۳، ۴۴، ۱۴۲، ۱۷۲، ۳۲۴، ۶۰۹، ۶۱۰

میسور ۳۸۲

میندرا ۲۹۷

ن

نابھہ ۶۰۹

ناظم آباد کراچی ۵۷۷

نانوتہ ۱۰۸
نجد ۴۵۱
نجیب آباد ۴۳۴
ندوہ ۲۸۹،۳۲۷،۳۹۳،۴۳۲
نصیبین ۱۸۰،۱۸۱،۱۶۰،۲۴۵
نظام۔حیدر آباد دکن ۵۷،۲۱۶،۲۱۹
۳۱۰،۳۸۲،۴۰۶،۴۳۳،۴۳۵
نیرونی ۶۱۱
نیشا پور ۱۷
نیلہ گنبد ۴۶۸

و

واٹرلو ۴۳۵
وڈالہ گرنتھیاں ۵۲۰
وزیر آباد ۷۲،۸۷،۱۲۰،۲۱۶،۴۹۹،۶۰۹
وسط ایشیا ۳۱۵
ولایت ۴۹۹،۵۰۰
ووکنگ ۱۰،۲۹۸،۳۷۵،۴۰۶
۴۰۸،۴۳۴،۴۳۵،۴۵۴،۴۵۸،۴۵۹،
ویلز ۳۷۴

ہ

ہانگ کانگ ۶۱۱
ہردوار ۳۹۲
ہزارہ ۵۹۷،۶۰۶،۶۱۰
ہندوستان ۱۵،۱۶،۳۰،۳۳،۳۵،۵۱،۷۱،۸۱،۹۷،۹۹
۱۰۶،۱۰۷،۱۱۷،۱۱۸،۱۲۵،۱۳۱،۱۳۷،۱۳۹،۱۴۴،۱۵۱
۲۰۶،۲۱۴،۲۱۸،۲۱۹،۲۳۶،۲۸۰،۲۸۹،۲۹۳،۲۹۶
۳۰۳،۳۰۸،۳۱۳،۳۱۷،۳۶۶تا۳۶۸،۳۷۵
۳۷۷تا۳۸۰،۳۸۲تا۳۸۴،۳۸۹،۳۹۱،۳۹۲،۴۰۶
۴۰۷،۴۰۹،۴۱۱،۴۲۳،۴۲۷،۴۴۰،۴۴۱،۴۴۵
۴۵۲تا۴۵۴،۴۵۸،۴۵۹،۴۷۹،۴۸۰،۴۸۷،۴۹۵
۵۲۳،۵۲۵،۵۲۶،۵۳۵،۵۳۶،۵۳۸،۵۷۲،۵۷۵
۵۹۷،۵۹۹،۶۰۶،۶۲۰
ہنگری ۴۳۴
ہوتی ۳۲۰،۳۵۶
ہوشیار پور ۲۲۰،۶۰۹،۶۱۰
ہیگ ۲۸۱

ی

یارقند	۱۱۱
یاری پورہ	۲۰۹
یاغستان	۱۹،۵۴
یمن	۶۰،۱۰۰
یو۔پی	۳۲۷
یورپ	۱۰۰،۱۰۲،۱۲۴،۱۵۳،۲۵۲،۲۸۱،۲۹۳،۲۹۴
	۳۱۰،۳۲۳،۳۷۵،۳۲۷،[illegible]،۴۵۷،۶۱۱
یونان	۳۱۵،۴۳۰

کتابیات

جلد۳

تفسیر

تفسیر اتقان

تفسیر احمدی ۵۷۹

تفسیر حسینی ۵۸۵

تفسیر کبیر ۵۳‘۱۷۹‘۴۳۶‘۵۷۴

حدیث

ابوداؤد ۶۱‘۳۱۹

اربعین ۶۷

بخاری ۶۵‘۱۷۹‘۴۳۹‘۵۹۹

بیہقی ۱۰۷

ترمذی ۵۹۹‘۶۰۱

صحیح مسلم شریف ۳۹۸

مسند احمد بن حنبل ۳۴۲

مشکوٰۃ ۳۳‘۳۵‘۲۰۰‘۳۵۹‘۳۹۴

کتب حضرت مسیح موعود

آسمانی فیصلہ ۱۴۲‘۵۸۶‘۵۹۹

آئینہ کمالات اسلام ۱۱۴‘۱۴۲‘۲۳۶‘۵۸۸‘۵۹۹

الوصیت ۱۶۸‘۱۸۲‘۱۹۱‘۲۳۹‘۲۷۳

انوار الاسلام ۱۵۹

براہین احمدیہ ۱۰۰‘۱۱۷

برکات الدعاء ۵۹۰‘۶۰۰

پیغام صلح ۴۱۱

تبلیغ رسالت ۱۴۲‘۱۷۹‘۱۸۱‘۲۷۹

تذکرہ ۱۴۵‘۲۷۲‘۵۹۹

چشمہ مسیحی ۲۷۲

حقیقۃ الوحی ۱۸۳

حمامۃ البشریٰ ۵۹۰‘۶۰۰

سراج منیر ۱۱۷‘۶۰۱

سرالخلافہ ۵۹۰‘۶۰۰

سرمہ چشم آریہ ۱۱۷

ضرورۃ الامام ۵۹۱‘۶۰۰

ضمیمہ انجام آتھم ۵۹۱‘۶۰۰

فتح اسلام ۹۹‘۱۳۹‘۱۴۲‘۲۷۲‘۵۸۶‘۵۹۹

کتاب البریہ ۱۰۵‘۱۹۰

کرامات الصادقین ۱۷۹

محامد خاتم النبیین ۵۷۸

مکتوبات احمدیہ ۱۱۴، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۴، ۱۸۱، ۵۹۹، ۶۰۰

نشان آسمانی ۵۸۷

کتب خلفاء سلسلہ احمدیہ

آئینہ صداقت ۲۷۷، ۴۳۲، ۴۳۶، ۴۹۲، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۹۹

ابطال الوہیت مسیح ۱۶۶

اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات ۲۳۸
۲۷۲، ۲۷۶، ۲۷۷

اسلام اور ملکیت زمین ۵۷۳

الازہار لذوات الخمار ۵۷۷

القول الفصل ۲۷۷، ۳۶۱

الموعود ۲۷۶

الواح النور ۵۷۸

ایک عیسائی کے تین سوالوں کے جواب ۹۳، ۱۱۲

تصدیق براہین احمدیہ ۱۰۴، ۱۱۲، ۱۲۴، ۵۲۷، ۵۶۲

خطبات نور ۴۲۹، ۴۳۷

خطوط جواب شیعہ و (رد) نسخ ۹۳

خلافت احمدیہ کے مخالفین کی تحریک ۲۷۶، ۲۷۷

خلافت راشدہ ۵۳۱

عرفان الٰہی ۲۳۵

فصل الخطاب ۹۳، ۱۰۴، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۸، ۵۶۲

کلام امیر ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۳
۱۴۱، ۱۷۹، ۱۸۲، ۴۰۸، ۵۷۷، ۵۸۰، ۶۰۷، ۶۱۸

کلام محمود ۴۴۲

مرقاۃ الیقین ۵۰، ۵۲تا۵۸، ۷۵، ۱۰۶تا۱۱۲، ۱۳۹
۱۴۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۷۹، ۱۸۱تا۱۸۳، ۲۳۳، ۳۶۰، ۴۰۳
۴۰۴، ۴۴۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۷، ۵۷۸، ۶۰۰، ۶۱۹

ملفوظات نور ۵۷۹

منصب خلافت ۶۱۸

نجات ۵۸۱

نصائح المبلغین ۵۷۹

کتب مصنفین سلسلہ

اصحاب احمد ۵۳، ۱۰۷
۱۳۹، ۱۴۴، ۱۷۹، ۱۸۰، ۲۳۳، ۲۳۴
۲۷۳، ۲۷۷، ۳۵۸، ۵۷۵تا۵۷۷، ۵۷۹، ۵۸۱، ۵۹۹

اظہار حقیقت ۳۸۷

الدر المنثور فی لمعات النور ۳۵۷
۴۹۱، ۴۹۲، ۵۷۸تا۵۸۱

الفارق ۲۷۲
امام مہدی کا ظہور ۵۹۹
انتخاب خلافت ۴۹۱
بشارات رحمانیہ ۵۳۲
تابعین اصحاب احمد ۵۳۲
تاریخ احمدیت ۱۵، ۹۳، ۱۱۳، ۱۴۱، ۱۷۹ تا ۱۸۴، ۲۳۶، ۲۷۳، ۳۸۷، ۵۹۹، ۶۲۰ تا ۶۲۹
تاریخ احمدیہ ۵۱
تاریخ مالابار ۶۱۸
تاریخ بیت فضل لندن ۴۹۰
تائید حق ۱۴۵
تحفہ بنارس ۳۷۳
تذکرۃ المہدی ۵۸۰، ۵۸۱
تہذیب المکذبین ۱۲۴
جذبات الحق ۴۳۷
جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات ۲۳۶
چھتیس سال قادیان میں ۶۱۸
حضرت عیسیٰ اور صلیب ۳۵۴
حیات احمد ۵۴، ۱۰۹ تا ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۷۹ تا ۱۸۱، ۲۷۳
حیات بقاپوری ۲۳۹
حیات قدسی ۱۸۳، ۲۳۶، ۲۳۷، ۳۵۸، ۳۸۷، ۳۹۰، ۴۳۷
حیات ناصر ۲۳۶، ۲۳۷
خدا کا مسیح اور اس کا وصال ۲۰۶
خلافت احمدیہ ۵۹۹
خلافت ثانیہ کا قیام ۲۷۶، ۵۳۲
درود شریف ۵۷۸
ذکر حبیب ۱۴۲، ۱۷۹، ۱۸۱، ۲۷۲، ۲۷۶، ۶۱۸
رموز الاطباء ۴۰۳
روایات صحابہ ۱۸۰، ۲۳۸، ۳۵۸
روئداد جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء ۱۸۰
سلسلہ احمدیہ ۵۰۱، ۵۲۹، ۵۳۲، ۵۸۱
سیرت المہدی ۱۳۹، ۱۸۴، ۲۷۲، ۵۸۰، ۵۹۹
سیرت ام المومنین ۲۳۶
شہید مرحوم کے چشم دید واقعات ۵۹۹
ضمیمہ رسالہ تبدیلی عقائد مولوی محمد علی صاحب ۲۷۷
ظہور احمد موعود ۵۱، ۵۳۲، ۵۷۴
عسل مصفیٰ ۵۲
قادیان ۲۸۲

قادیان گائیڈ ۲۳۷، ۶۱۸

کشف الاختلاف ۲۵۳، ۲۷۶، ۲۷۷

میاں محمد صاحب کی کھلی چٹھی کے جواب کا تتمہ ۲۸۰

لطائف صادق ۵۸۱

نصرت الحق ۴۳۶

اسلامیات

ازالہ الخفاء ۳۴

الحاج الحاجہ ۱۰۷

الفوز الکبیر ۵۹، ۶۶

انتصار الحق ۵۶

بشریٰ الکئیب بلقاء الحبیب ۳۹۷

پیغام محمدی ۱۳۹

تذکرۃ الاولیاء ۵۱

تعطیر الانام ۴۲۸

تقویۃ الایمان ۲۹

حجۃ اللہ البالغہ ۳۴، ۵۵۰

حقیقت حج ۱۰۶

حکمت بالغہ ۳۵۱، ۴۸۹

خزینۃ الاصفیاء ۵۱

خیر جلیس فی الزمان کتاب ۱۳۹

خیر کثیر ۳۴

دار الشفا ۱۰۸

در مختار ۶۳

دعوت دعائے سیفی ۵۸

رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب ۱۸۰

رسالہ کشفیہ ۵۸

زینۃ الاسلام ۱۰۸

سفینۃ الاولیاء ۵۱

شمس المعارف الکبریٰ ۵۹۹

فتوحات مکیہ ۵۰۹

کامل التعبیر ۴۲۸

کتاب الرد علی المنطقین ابن تیمیہ ۵۷۵

مثنوی مولانا روم ۶۵،۲

مراۃ الانساب ۵۱

مشارق الانوار ۲۹

نافع السالکین ۳۶۰

سیرت و تاریخ

آب کوثر ۵۱

احوال علماء فرنگی محل ۵۷
اختر شہنشاہی ۲۱، ۵۲
بہادر شاہ ظفر اور ان کا دور ۵۰
پیام امین ۲۷۹
تاریخ ابن خلدون ۸۵
تاریخ اقوام پونچھ ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۳
تاریخ اقوام عالم ۴۳۷
تاریخ القرآن ۲۷۹
تاریخ بشارت السند و پاکستان ۱۳۹
تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ ہند ۱۰۹
تاریخ گورو خالصہ ۵۰
تاریخ لاہور ۵۲، ۵۴، ۵۵
تاریخ مشائخ چشت ۳۶۰
تاریخ مکہ حلقو ۱۰۶
تذکرہ رؤسائے پنجاب ۱۱۰، ۱۱۳، ۳۵۶
تذکرہ شعرائے اردو ۵۸
تذکرہ علماء ہند ۵۱
تذکرہ کاملان رامپور ۵۶تا۵۸
تعارف ۵۰
تواریخ کشمیر ۱۱۱، ۱۱۳
جیون چرتر ۱۱۳
چراغ دہلی ۱۰۹
حیات جاوید ۱۱۳
حیات شبلی ۳۸۰، ۳۹۰، ۴۳۲، ۴۹۰
حیات عثمانی ۴۳۵
ذکر اقبال ۳۸۴، ۳۹۰، ۵۷۴
روئداد جلسہ ندوۃ العلماء ۳۹۰، ۴۳۲
روئداد گولڈن جوبلی انجمن حمایت اسلام ۱۱۳
رود کوثر ۱۱۴
رہنمائے کشمیر ۱۱۰
رئیس قادیان ۱۱۰، ۱۴۱، ۱۴۳
سوانح قاسمی ۱۰۸
شیخ سنوسی اور ظہور حضرت امام مہدی آخر الزمان ۳۸۹
قدیم جغرافیہ ہند ۱۵
کشمیر میں اردو ۱۱۱
مجدد اعظم ۴۳۴، ۴۳۵
مختصر تاریخ جموں و ریاست ہائے مفتوحہ
مہاراجہ گلاب سنگھ بہادر ۱۱۰، ۱۱۱

مسلم ثقافت ہندوستان میں ۵۳۵
موج کوثر ۱۰۸،۱۳۹،۴۳۲
یادگار دربار تاجپوشی ۱۱۰،۳۸۳،۳۸۹

کتب مخالفین سلسلہ

اعلان الحق ۲۰۶
الذکر الحکیم ۲۴۶،۲۷۳،۵۸۰
برق آسمانی بر خرمن قادیانی ۱۰۸،۲۳۵
تیر اسلام بجواب قحل اسلام ۳۶۲
تردید لیکچر خواجہ کمال الدین صاحب قادیانی ۳۷۲
تکذیب براہین احمدیہ ۱۲۴
شحنہ حق اور مرزا غلام احمد صاحب کے الہام ۱۱۹
قادیانی مذہب ۴۳۵
مرقع قادیانی ۲۰۵،۲۱۵،۲۳۷

کتب غیر مبایعین

اختلاف سلسلہ احمدیہ پر ایک نظر ۲۳۸،۲۷۸
اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب ۲۳۸،۲۴۰،۲۷۷
ایک نہایت ضروری اعلان ۲۷۷،۵۱۵
حقیقت اختلاف ۲۲۳،۲۳۳،۲۵۴
۲۷۲،۲۷۳،۲۷۶،۲۷۷،۳۴۰،۳۶۰،۴۹۲،۵۳۲
شناخت ماموریں ۲۷۳
صحیفہ آصفیہ ۳۱۰
مجاہد کبیر ۲۳۷،۲۸۰،۲۹۹،۳۸۸،۴۳۵،۴۳۶
مجدد اعظم ۴۳۴،۴۳۵

کتب اہل کتاب

بائیبل ۵۵۱
ترک اسلام ۱۶۴،۵۴۸
تورات ۹۵
طریق الحیاۃ ۳۱
میزان الحق ۳۱

متفرق

ابجد العلوم ۵۶،۱۰۷
ارشاد الصرف ۵۶
اصول شاشی ۳۳
المنجد ۳۱
انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا ۵۰،۵۵،۱۲۲

تشریحات بر کتاب طب العرب ۵۴۳

خزینۃ الاطباء ۵۷۶

دیوان متنبی ۴۳‘۴۴

شرح عقائد نسفی ۳۱

شرح ملا جامی ۳۳

شرح وقایہ ۳۳

صدری ۳۳

صحیفہ زریں ۱۱۰‘۱۱۱‘۱۴۳

قاموس المشاہیر ۵۱‘۵۶‘۵۷‘۱۰۸

مراۃ الطبابت ۹۳‘۵۷۴

ملا حسن ۳۴

موجز ۲۹

میبذی ۳۳‘۳۴

اخبارات و رسائل

اخبار آفتاب۔ لاہور ۵۲۵

رسالہ احمدی۔ قادیان ۳۶۲‘۳۶۳‘۳۸۷

رسالہ احمدی خاتون۔ قادیان ۴۰۵‘۶۰۹

رسالہ اسلامک ریویو۔ لندن ۴۰۸‘۴۵۳‘۴۵۹

رسالہ اشاعۃ السنہ۔ لاہور ۹۸‘۱۲۶

۱۳۲‘۲۰۶‘۲۳۵‘۲۸۲‘۳۰۶‘۴۲۶

اخبار انشاں ۳۸۰

اخبار افغان ۳۱۳

اخبار الاسلام۔ لاہور ۳۱۳‘۳۸۰

اخبار البدر۔ بدر قادیان ۵۱تا۵۶‘۵۸‘۱۰۶‘۱۰۷‘۱۰۹‘
۱۱۲تا۱۱۴‘۱۳۹‘۱۶۲‘۱۶۳‘۱۸۰تا۱۸۲‘۲۳۷تا۲۳۹‘۲۷۱‘
۲۷۷تا۲۸۳‘۳۱۷‘۳۴۰‘۳۴۴‘۳۵۵تا۳۶۴‘۳۷۹‘
۳۸۷تا۳۹۰‘۳۹۹‘۴۳۲‘۴۳۳‘۴۳۵تا۴۳۷‘۴۳۹‘
۴۸۴‘۴۸۷‘۴۹۱‘۴۹۲‘۵۷۳‘۵۸۰‘۵۹۹‘۶۰۰‘۶۰۱‘
۶۱۸

اخبار البشیر۔ اٹاوہ ۳۱۳

رسالہ البیان ۱۸۲‘۲۱۸‘۲۳۸

اخبار الحق۔ دہلی ۲۸۲‘۳۱۳‘۳۱۴‘۳۵۵‘۳۸۷‘
۴۳۷‘۴۵۲‘۴۵۶‘۴۶۴‘۴۷۲‘۴۷۵‘۴۸۷تا۴۹۳‘
۵۸۰‘۶۰۹

اخبار الحکم۔ قادیان ۵۱تا۵۵‘۵۸‘۱۱۲‘۱۱۴‘
۱۳۹‘۱۴۱‘۱۴۲‘۱۴۴‘۱۵۸‘۱۶۰تا۱۶۳‘۱۶۷‘۱۷۴‘۱۷۹‘
۲۳۷‘۲۳۸‘۲۴۰‘۲۶۵‘۲۷۴‘۲۷۷‘۲۷۹‘
۲۸۳‘۳۱۷‘۳۴۱‘۳۵۳‘۳۵۵‘۳۵۶‘۳۵۸

۳۶۱، ۳۶۶، ۳۶۹تا۳۷۱، ۳۸۷تا۳۹۰
۴۰۳، ۴۲۳، ۴۲۲، ۴۳۳، ۴۳۵تا۴۳۷، ۴۵۳، ۴۸۷
۴۹۱، ۴۹۳، ۴۹۶، ۴۹۹، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۷۴تا۵۸۱
۵۹۹، ۶۰۰، ۶۱۸
رسالہ الفاروق ۵۲۹
اخبار الفضل۔ قادیان و ربوہ ۵۳، ۵۴، ۱۰۷، ۱۲۱
۱۴۳، ۱۸۰، ۱۸۲، ۲۳۳تا۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۷۷، ۲۷۹
۳۶۰، ۳۸۷، ۴۳۲، ۴۳۴تا۴۳۶، ۴۳۸، ۴۴۴تا۴۴۷
۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۲، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۷۲، ۴۷۷، ۴۸۵
۴۸۷تا۴۹۳، ۵۲۹تا۵۳۳، ۵۷۴تا۵۷۷، ۵۷۹تا۵۸۱
۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۹
اخبار المجدد۔ لاہور ۲۰۵، ۲۱۱، ۲۳۴تا۲۳۶
اخبار المنیر۔ جھنگ ۳۷۲، ۳۸۹
اخبار الہلال ۳۶۵، ۴۲۷
۴۳۷، ۴۵۴، ۴۸۸تا۴۹۰، ۵۲۳
رسالہ انتخاب الحکمت۔ دھاریوال ۹۳
اخبار انجمن پنجاب۔ لاہور ۹۷
رسالہ انجمن حمایت اسلام۔ لاہور ۱۲۷، ۱۳۹، ۱۸۰
اخبار انسٹیٹیوٹ گزٹ۔ علی گڑھ ۵۲۴

رسالہ انوار الاسلام۔ سیالکوٹ ۲۱۱، ۲۳۶
رسالہ انیس صحت۔ لاہور ۵۷۴
اخبار اودھ۔ لکھنؤ ۵۵
اخبار اہل حدیث۔ امرتسر ۲۰۵، ۲۸۲
۳۰۶، ۳۶۲، ۳۸۰، ۴۳۷، ۴۵۴
اخبار بھارت ۵۲۵
اخبار پرکاش ۲۱۱
اخبار پنجاب گزٹ۔ سیالکوٹ ۱۲۷، ۱۳۲
اخبار پنجابی اخبار۔ لاہور ۹۷
اخبار پیسہ۔ لاہور ۱۳۰، ۱۵۲، ۲۰۴، ۲۳۵
۳۲۸، ۳۷۰، ۴۳۷، ۴۵۴، ۵۲۳
اخبار پیغام صلح۔ لاہور ۲۳۷، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۸۰تا۲۸۳
۳۶۱، ۴۲۴، ۴۳۵، ۴۳۸، ۴۴۹، ۴۵۲، ۴۵۶، ۴۶۲
۴۶۹تا۴۷۲، ۴۷۶، ۴۸۹تا۴۹۳، ۵۰۸، ۵۲۹تا۵۳۱
۵۳۳، ۵۷۶، ۶۰۹، ۶۱۸
رسالہ تجلی۔ لاہور ۲۱۱
رسالہ تشحیذ الاذہان ۱۲۱، ۱۷۱، ۲۰۶، ۲۰۷
۲۱۲، ۲۳۵، ۲۳۸، ۲۷۸، ۲۸۲، ۳۰۱، ۳۰۵، ۳۵۸، ۳۶۱
۳۶۹تا۳۷۱، ۳۸۸، ۴۳۹، ۴۷۲، ۵۰۰-۵۰۲، ۵۷۸، ۵۸۰

۳۶۹تا۳۷۱‘۳۸۸‘۴۳۹‘۵۷۴تا۵۷۶‘۵۷۸‘۵۸۰
۵۸۱‘۶۱۸
رسالہ تعلیم الاسلام۔ قادیان ۱۸۳
اخبار تنظیم۔ امرتسر ۲۳۶
رسالہ جامعہ احمدیہ۔ قادیان ۲۷۹
اخبار جریدہ روزگار۔ مدراس ۹۷
اخبار چودھویں صدی۔ راولپنڈی ۱۳۳‘۱۴۳‘۱۴۴
رسالہ حکیم حاذق ۱۲۴‘۲۰۳‘۱۱۰‘۱۴۳
رسالہ خالد۔ ربوہ ۴۳۵‘۴۸۸
رسالہ رفیق الاطباء والحکیم ۵۵
اخبار رفیق ہند۔ لاہور ۱۱۰
رسالہ ریویو آف ریلیجنز ۲۰۶‘۲۲۳‘۲۲۵‘۲۲۶
۲۷۸‘۲۷۹‘۳۵۵‘۴۲۴‘۴۳۴
اخبار زمانہ۔ کانپور ۳۸۹
اخبار زمیندار۔ لاہور ۱۴۵‘۳۱۳‘۳۸۰‘۴۹۰‘۵۲۳
اخبار سراج الاخبار۔ جہلم ۱۶‘۵۰‘۱۸۰
اخبار سرمور گزٹ ۱۳۰
رسالہ شریف بی بی ۴۳۵
رسالہ صوفی۔ منڈی بہاؤالدین ۵۷۳

اخبار طبیب۔ دہلی ۵۲۳
رسالہ طبیب حاذق ۹۳
اخبار عام۔ لاہور ۱۲۷
رسالہ عبرت ۴۳۴
رسالہ فاروق۔ قادیان ۲۷۳‘۲۷۷‘۳۱۴‘۳۵۵‘۵۷۵
رسالہ فرقان۔ ربوہ ۳۶۰‘۴۳۳‘۵۳۲‘۶۰۱
اخبار کرزن گزٹ۔ دہلی ۵۲۶
رسالہ کشمیری میگزین۔ لاہور ۳۹۰‘۵۲۴
اخبار کوہ نور ۵۲
اخبار لاہور گزٹ ۲۲
اخبار مدینہ۔ بجنور ۴۳۵‘۵۲۳
اخبار مسافر۔ آگرہ ۵۲۵
اخبار مسلمان ۳۱۳
اخبار مشرق۔ گورکھپور ۵۲۵
اخبار مصالح العرب۔ قادیان ۶۰۴
اخبار مصنف۔ علی گڑھ ۹۵
رسالہ معلم الصحت۔ ریواڑی ۷۹
اخبار ملت۔ لاہور ۳۱۳‘۳۷۹
اخبار منشور محمدی۔ بنگلور ۹۷‘۱۰۰‘۱۱۲‘۱۱۸‘۱۱۹‘۱۳۹‘۱۴۱

اخبار میونسپل گزٹ۔لاہور ۵۲۶

اخبار ناظم الہند۔لاہور ۱۲۷

رسالہ نظام المشائخ ۳۸۸

رسالہ نقوش۔لاہور ۵۵، ۱۰۸، ۴۴۴

اخبار نوائے وقت۔لاہور ۲۱۸

اخبار نور۔ قادیان ۳۰۳، ۳۱۳، ۶۰۱، ۶۰۹

اخبار نور افشاں۔لدھیانہ ۱۱۸، ۱۲۷

اخبار وطن۔لاہور ۲۰۴، ۲۴۳
۲۴۵، ۳۴۳، ۳۶۱، ۴۳۷، ۵۲۵

اخبار وقت ۳۱۳

اخبار وکیل۔امرتسر ۲۰۴، ۲۰۵، ۳۱۳، ۴۳۷، ۵۲۶

اخبار ہمدرد۔دہلی ۵۲۳

تاریخِ احمدیت

جلد چہارم

سیدنا حضرت خلیفة المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ کے
سوانح حیات قبل از خلافت
اور خلافت ثانیہ کے عظیم الشان تبلیغی، تربیتی اور علمی کارہائے نمایاں
اور زریں اسلامی خدمات

۱۹۱۴ء تا ۱۹۲۷ء

مؤلفہ

دوست محمد شاہد

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد چہارم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-111-9

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-4 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt.Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-111-9

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

از قلم حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی

برادرم مکرم دوست محمد صاحب شاہد نے تاریخ احمدیت جلد چہارم نیا ایڈیشن جو خلافت ثانیہ کے حالات پر مشتمل ہے اس سال لکھ کر ایک اور کار عظیم و مبارک ثواب حاصل کیا ہے۔ خدا تعالیٰ اجر نیک بخشے اور اس کتاب کو بہت مقبول و موثر بنائے اور ان کے قلم میں برکت بخشے۔ اور خاص نصرت فرمائے آمین۔

۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء کا دن ایک خاص دن تھا۔ دل دھڑک رہے تھے۔ لبوں پر دعائیں تھیں کہ خدا تعالیٰ جماعت کو فتنہ سے بچالے اور خلافت کا قیام ہو جائے۔ وہ خلافت جو مبارک ہو اور کوئی بیج ایسا شامل نہ ہو کہ بنیادی عقائد احمدیت کو کمزور کرنیوالا ہو۔ گو اول دعا قیام خلافت کی تھی اور کسی بھی خاص فرد کا خیال ہمارے دلوں میں نہ تھا مگر یہ ضرور تھا کہ پچھلے چھ سالہ حالات سے جو بعض عناصر کے متعلق علم ہوا تھا۔ اس سے بہت خوف تھا کیونکہ حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الثانی کی تو یہی تڑپ ظاہر تھی کہ خلافت قائم رہ جائے۔ یہ لوگ جس کو بھی منظور کریں ہم بیعت کریں گے مگر اس وقت جماعت اس خطرناک اقدام سے بچ جائے۔ شام ہو چکی تھی۔ باہر سے کوئی خبر نہ آسکتی تھی۔ حضرت اماں جان اور میں کوٹھی دارالسلام کے برآمدے میں خاموش منتظر بیٹھے تھے کہ باہر سے آواز آئی۔ مبارک ہو خلیفہ کا انتخاب ہو گیا۔ حضرت میاں صاحب کی بیعت ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار شکر کیا۔ وہ وقت مسرت اور خوشی کا بھی تھا مگر ساتھ غم بھی تھا۔ ایک تو وہ جو پہلے ہی تھا یعنی حضرت خلیفہ اولؓ کی جدائی کا۔ دوسرا غم چند پرانے لوگوں کے محض تعصب اور ضد اور بغض و کینہ کی وجہ سے سلسلہ سے الگ ہو جانے کا تھا۔ (ان میں سے دو چار تو اصل جڑ تھے فتنہ کی اور کچھ محض دوستی کی وجہ سے گھسٹتے چلے گئے تھے) کہ آخر یہ ان کو ہو کیا گیا؟ آنکھوں والے جان بوجھ کر اندھے کیوں بن گئے۔ مگر خدا تعالیٰ کا منشاء اسی صورت میں پورا ہونا تھا اور ''محمود'' کی خلافت مقدر تھی۔ ایسی پٹی بندھی ایسی

زبان اڑ گئی اپنی ایک اسی بات پر کہ خلافت کی جانب نہ آنا تھا نہ آئے اور جماعت نے گوہر درخشاں چن لیا۔ الحمدللہ۔

خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو ان لوگوں کے جانے کا رنج بہت تھا۔ ان کی گمراہی کا صدمہ تھا۔ اور جو واپس آیا اس کی بیحد خوشی آپ کو ہوئی۔ میر حامد شاہ مرحوم جو دور بیٹھے غلط فہمی میں پہلے پہل مبتلا کر دیئے گئے تھے جس دن ان کا خط بیعت خلافت کے لئے آیا۔ آپ نے سیدھے باہر سے آن کر پہلے حضرت اماں جان کو مبارکباد دے کر یہ بشارت سنائی اور خود فوراً بیت الدعا میں جا کر سجدہ شکر ادا کیا اور نفل بھی پڑھے۔ میں خود وہاں موجود تھی دیر تک نماز و دعا کے بعد آپ باہر نکلے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو کبھی بھی خلافت کی آرزو نہ تھی۔ یہ خلعت محض نصرت الٰہی سے اور اس کی رضاء سے ان کو پہنایا گیا۔ میں نے حضرت خلیفہ اولؓ کے زمانہ سے ہی جب فتنوں کے دھوئیں اٹھنے شروع ہو گئے تھے آپ کی باتیں سنیں۔ آپ کی تڑپ دیکھی تو یہی کہ جماعت فتنہ سے اور عقائد تزلزل سے بچ جائیں۔ وہ سال خصوصاً حضرت خلیفہ اولؓ کی علالت کا بہت سخت تھا۔ آپ بے حد متفکر رہتے اور دعاؤں میں مصروف رہتے اور گفتگو کا موضوع اکثر یہی ہوتا۔ ہر وقت ایک کرب کی حالت رہتی تھی۔ میرے میاں مرحوم کے ساتھ میں نے متواتر گھنٹوں آپ کو بڑے درد کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا ہے اور اسی طرح گھر میں بھی اکثر۔ یہ سخت ظالمانہ الزام تھا کہ یہ اپنی خلافت چاہتے ہیں۔ میرا تو دل کانپ جاتا ہے آپ کے اندرونی خیالات جانتے ہوئے ایسے سخت افتراء سن کر۔ خواہ مخواہ کی عداوت ہو گئی تھی ایک بے گناہ سے۔ اگر خدا تعالیٰ نے ان کو علم بخشا تھا، فراست عطا فرمائی تھی، خدمت دین کی سچی تڑپ دل میں بھر دی تھی تو یہ اس مولا کریم کا احسان اور اس کا فعل تھا دیکھنے والے دیکھ رہے تھے کہ

بالائے سرش ز ہوش مندی ☆ می تافت ستارہ بلندی

صاف قلوب والے محبان صادق خوش ہوتے تھے مگر حاسد ناحق جل کر الزام تراشیوں اور سازشوں پر اتر آئے تھے۔

آپ خلیفہ ہوئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو بشارت پسر موعود کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملی تھی اس کا لفظ بلفظ پورا ہوتے ایک عالم نے دیکھ لیا۔ آپ کے ہاتھوں سے عظیم الشان کام

سرانجام پائے۔ جو عہد آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جسد مبارک کے سامنے کیا تھا وہ ایسا نبھایا کہ جیسا نبھانے کا حق ہے۔ قدم قدم پر نصرت الٰہی اپنی پوری شان سے شامل حال ہو کر جلوہ گر نظر آئی۔ آپ کی تفسیریں۔ درس قرآن، تحریریں اور تقریریں، آپ کے خطبات ایک بیش بہا اور بہت بڑا ذخیرہ ہیں۔ اس پر آپ کی قوت عمل، قوت فیصلہ، عزم راسخ، جماعت کی ہر موقع پر رہنمائی، دنیا کے ہر گوشہ میں احمدیت کے اسلامی مشن کے قیام، غرض ہر بات کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وجود میں خدا تعالیٰ نے ایک خاص روح پھونک دی تھی۔ اور اس کا خاص فضل اور رحم آپ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا ہے۔ آپ کے کارناموں سے دشمن بھی منکر نہیں ہو سکتا۔ ایک کمزور صحت کا ''لڑکا'' جس کو خدائے قادر و مقتدر نے میدان میں اتارا بڑے بڑوں سے بازی لے گیا۔ جو کام عالم اسلام علم، دولت اور زبانی دعویٰ کے باوجود مل کر نہ کر سکا تھا وہ اس نے کر دکھایا۔ حاسد اور معاند بھی محض لغو باتیں بنانے کے سوا اور کچھ نہ کر سکے اور ہر قوم کے افراد، کم سمجھ نادان بھی اور عقل و شعور رکھتے ہوئے بھی، ایمان نہ لانے والے تک بھی ایک بار انگشت بدنداں ضرور رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ اپنی مزید رحمت کا سایہ بنا کر تا دیر ہمارے سروں پر سلامت رکھے اور آپ کو اپنی قدرت سے شفا بخش دے۔ آمین

مبارکہ

احباب جماعت کا فرض

رقم فرمودہ جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب
جج عالمی عدالت انصاف ہیگ ہالینڈ

''تاریخ احمدیت'' کی چوتھی جلد نیا ایڈیشن سے خلافت ثانیہ کی تاریخ کی ابتداء ہوتی ہے۔ یعنی اس دور کی جس کی خبر پہلے سے وحی الہٰی میں ان پر شوکت الفاظ میں دی گئی ہے:۔

مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ

خلافت ثانیہ کی تاریخ ایک لحاظ سے سبز اشتہار کی پیشگوئی کے ظہور کی تفصیل ہوگی لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایسی عظیم الشان پیشگوئی کا ظہور صرف ایک بار نہیں بلکہ بار بار ہوتا ہے اور صرف ایک دور تک محدود نہیں رہتا بلکہ لمبے عرصہ تک چلتا ہے۔ جو نشان اس کے ظہور کی تائید میں ظاہر ہوتے ہیں وہ صرف ایک ملک یا ایک نسل کی ہدایت کا موجب اور ذریعہ نہیں بنتے ان کا حلقہ اثر بہت وسیع اور ممتد ہوتا ہے۔ خود پیشگوئی کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس پیشگوئی کا موعود دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا اور بہتوں کی ہدایت کا موجب ہوگا۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ سلسلہ کی تاریخ کی حفاظت کے علاوہ پیشگوئی کی تائید میں ظاہر ہونے والے نشانوں کی تاریخ اور تفصیل کو نہایت احتیاط سے محفوظ کر لیا جائے۔ یہ ذمہ داری اگر موجودہ نسل کے ہاتھوں سے پوری طرح سرانجام نہ دی گئی تو آنیوالی نسلوں کو شکوے کا حق بجا طور پر ہوگا کہ ہم نے غفلت سے کام لیا اسی طرح ہم اللہ تعالیٰ کے حضور بھی جواب دہ ہوں گے

اس ذمہ داری کے پیش نظر حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز متعنا اللہ بطول حیاتہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ سلسلہ کی تاریخ کو محفوظ کرنے کا انتظام ہونا چاہئے۔ ادارۃ المصنفین کی طرف سے اس ارشاد کی تعمیل میں تین جلدیں نیا ایڈیشن تاریخ احمدیت کی شائع ہو چکی ہیں اور اب پنجم جلد شائع ہو رہی ہے۔ سلسلہ احمدیہ کی تاریخ اپنی مدت کے لحاظ سے تین چوتھائی صدی سے تجاوز کر رہی ہے۔ موجودہ وقت میں خال خال وہ بزرگ اور مقدس ہستیاں اب نظر آتی ہیں جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دست مبارک پر بیعت کی سعادت نصیب ہوئی۔ جن کی آنکھوں نے اس نور کا جلوہ اپنی آنکھوں سے

دیکھا۔ جن کے خوش نصیب ہاتھوں نے ان مبارک ہاتھوں کو چھوا بلکہ وہ بزرگ بھی اب تھوڑے رہ گئے ہیں جنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا زمانہ پایا۔ آپ کی مجلس میں بیٹھنے کی سعادت حاصل کی اور قرآن کریم کے معارف اور نکات آپ سے سیکھے یا آپ کی زبان معجز بیان سے سنے۔ موجودہ نسل اور آئندہ نسلوں کے لئے سلسلہ کی ابتدائی تاریخ سے واقفیت حاصل کرنے اور اس ذریعہ سے ایمان کو تازہ اور محکم کرنے کا ایک بڑا ذریعہ تاریخ احمدیت میں مہیا کیا جارہا ہے۔ تاریخ احمدیت کی چوتھی جلد نیا ایڈیشن میں خلافت ثانیہ کے دور اول یعنی ابتدائی چودہ سال کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے یا یوں اندازہ کر لیجئے کہ یہ جلد ان واقعات پر مشتمل ہے جو موجودہ نسل کے چالیس سالہ اصحاب کی پیدائش سے پہلے یا ان کی طفولیت کے زمانہ میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔ ان کے لئے یہ جلد زمانے کے لحاظ سے بھی تاریخ کی حیثیت رکھتی ہے اور ہم سب کے لئے ہدایت کا چشمہ اور روح اور دل کی غذا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحم سے ان تمام بزرگوں کی سعی کو مشکور فرمائے جنہوں نے اس کی تالیف اور اشاعت میں مخلصانہ محنت کی ہے اور انہیں وافر اجر سے نوازے۔ اور ان کی محنت کے اس شیریں ثمر کو قبولیت سے نوازے اور ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس نعمت کی پوری قدر کریں اور اس سے پورا فائدہ اٹھائیں۔ تا ہم لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ کے انعام کے مستحق ٹھہریں۔ آمین

محمد ظفر اللہ خان

لنڈن۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۶۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وعلی عبدہ المسیح الموعود

اظہار تشکر

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے مبارک زمانہ کی تاریخ اور عہد خلافت اولیٰ کے عظیم الشان اور زندہ جاوید کارناموں کو پیش کرنے کے بعد اب ہم سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کی چالیس سالہ مقدس زندگی اور آپ کے شاندار عہد خلافت کی ابتدائی چودہ سالہ دینی، تنظیمی اور علمی خدمات پر مشتمل پہلی جلد پیش کر رہے ہیں۔ یہ جلد ۱۹۲۷ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں تاریخ احمدیت جیسی اہم جماعتی ضرورت کو بہت حد تک پورا کرنے کی توفیق دی ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ ۱۹۶۴ء تک کی تاریخ کو مکمل کرنے کے لئے مزید دو جلدیں شائع کرنی پڑیں گی۔ مولف ''تاریخ احمدیت'' مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد اور ادارۃ المصنفین کے کام کرنے والوں کے لئے خاص طور پر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ گذشتہ کام کو نوازے اور آئندہ ہونے والے کام کے لئے فرشتوں سے ہماری مدد فرمائے تا ہم جلد اس اہم کام سے عہدہ برآ ہو سکیں جس کی ذمہ داری سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۹۵۷ء میں ہم پر ڈالی تھی۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا زمانہ درحقیقت برکات کے لحاظ سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا ہی زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ وعدے جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے غلبہ اسلام کے متعلق کئے تھے ان کو پورا کرنے کے لئے نہایت تفصیل کے ساتھ آپ کو یہ خبر دی تھی کہ آپ ہی کی ذریت اور آپ کی ہی نسل کا ایک عظیم الشان انسان اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ آپ کے مبارک زمانہ کے متعلق نہ صرف سیدنا حضرت مسیح

موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو بشارات دی گئیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ اور اولیائے اُمت محمدیہ کو بھی خبر دی گئی۔ چنانچہ مختلف رنگوں میں یہ خبریں ہمارے زمانہ تک پہنچیں اور ہم نے ان سب کو سیدنا حضرت مصلح موعود کے عہد مبارک میں پورا ہوتے دیکھ لیا۔ **فالحمد للہ علیٰ ذٰلک حمداً کثیراً لایعد ولا یحصیٰ۔**

مکرم مولوی دوست محمد صاحب فاضل نے مسودہ کی تیاری کے لئے قادیان اور دیگر مقامات کا سفر کیا اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں دن رات ایک کر کے ساڑھے چھ صد صفحات پر مشتمل کتاب کے مسودے کو مرتب کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے اور بہترین رنگ میں جزائے خیر دے۔

حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری۔ چوہدری محمد شریف صاحب فاضل مبلغ بلاد عربیہ، مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس اور مکرم مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم قابل شکریہ ہیں کہ انہوں نے کتاب کے مسودہ پر نظر ڈال کر بیش قیمت مشورے دیئے۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزاء**

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے خاکسار کو بھی توفیق بخشی کہ اول سے آخر تک کتاب کے مسودے پر ایک نظر ڈال سکا۔ اور اس بات کو مدنظر رکھا کہ کتاب میں کسی بات کی کمی باقی نہ رہ جائے۔

کتاب کی تیاری میں جن احباب کی طرف سے تعاون حاصل رہا۔ ان سب کا ادارہ شکریہ ادا کرتا ہے۔ مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے ازراہ شفقت بیرونی مراکز تبلیغ کو معلومات بھجوانے کے لئے سرکلر بھجوایا اور اس طرح بہت سی معلومات حاصل ہو گئیں۔ مراکز تبلیغ کے حالات پر نظر ثانی کے لئے مکرم حسن محمد خان صاحب عارف۔ مکرم نورالدین صاحب منیر ایم۔اے، مکرم محمد شفیق صاحب قیصر نے بھی اپنے قیمتی اوقات کو وقف کیا۔ مکرم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے قادیان میں مضمون کے لئے مواد کی فراہمی اور مقامات مقدسہ کی تصاویر کے لئے بہت کوشش فرمائی **فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔**

مکرم ڈاکٹر شاہنواز صاحب، مکرم ڈاکٹر احسان علی صاحب اور جناب قائد صاحب مجلس خدام الاحمدیہ کراچی بھی قابل شکریہ ہیں کہ انہوں نے مختلف اہم تصاویر اور بلاکس ادارہ کو مہیا کئے۔ مکرم شیخ محمد الدین صاحب ریٹائرڈ مختار عام، مکرم بابو عبدالحمید صاحب آڈیٹر۔ جناب ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم۔ مکرم

بابو فضل احمد صاحب بٹالوی نے بھی مسودے کے لئے مواد مہیا کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ مکرم سید محمدؐ باقر صاحب خوشنویس بھی قابل شکریہ ہیں کہ انہوں نے نہایت محنت اور ہمت سے کتابت کی۔ اسی طرح مکرم مولوی نور احمد صاحب نے پروف ریڈنگ میں بہت محنت سے کام کیا۔ مکرم عبدالرحمٰن صاحب مشین مین بھی قابل شکریہ ہیں کہ انہوں نے باوجود تنگی وقت کے اس جلد کی طباعت کو جلد از جلد مکمل کرنے کی توجہ فرمائی۔

فجزا هم الله احسن الجزاء۔

بالآخر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی فرمائے اور محض اپنے فضل سے ہماری کوششوں کو قبول فرمائے۔ اور آئندہ جدوجہد کے لئے قوت عطا فرمائے۔ **ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم۔**

والسلام

ابوالمنیر نورالحق

مینجنگ ڈائریکٹر۔ ادارۃ المصنفین۔ ربوہ

5/12/64 بروز جمعۃ المبارک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جا بجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرّخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نور الحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۵ کو جلد نمبر ۴ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد چہارم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر و اشاعت قادیان)

فہرست مضامین تاریخ احمدیت جلد۴

عنوان	صفحہ
پیش لفظ از حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ	
''تاریخ احمدیت اور جماعت احمدیہ کا فرض''	
از حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب	
پہلا باب (فصل اول)	
(۱۸۸۹ء تا۱۸۹۴ء)	
(۱۳۰۶ھ تا۱۳۱۲ھ)	
حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کے سوانح قبل از خلافت	
آسمانی نوشتوں کے مطابق ولادت	6
اشتہار ''تکمیل تبلیغ'' میں اطلاع	7
عقیقہ	8
بچپن کے بعض سفر اور انکے دلچسپ واقعات	9
بچپن میں سلسلہ احمدیہ کے ابتدائی حالات کا مشاہدہ	10
حضرت مسیح موعودؑ کی غیر معمولی شفقت	12
حضرت مسیح موعود اور حضرت اماں جان کی آغوش میں خاص تربیت	15
حضرت اماں جان کی تربیت کے سنہری اصول	16
پاکیزہ بچپن پر ایک عمومی نوٹ	17
حضرت مسیح موعودؑ کی بعض ابتدائی کتابوں میں آپ کا ذکر مبارک	26

عنوان	صفحہ
فصل دوم	
(۱۸۹۵ء تا ۱۹۰۴ء)	
(۱۳۱۲ھ تا ۱۳۲۲ھ)	
تعلیم قرآن	28
انجام آتھم میں ذکر	״
سراج منیر میں ذکر	״
محمود کی آمین	29
مقدمہ مارٹن کلارک سے بریت کی بشارت	30
سفر ملتان	31
تعلیم الاسلام سکول میں داخلہ	32
ہم مکتب	//
اساتذہ کرام	//
دور تعلیم سے متعلق حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کے تاثرات	33
حضرت مولانا شیر علی صاحب کے تاثرات	״
صحت کی خرابی کا اثر زمانہ تعلیم پر	36
مدرسہ کے امتحانات میں ناکامی اور اس کی حکمت	38
انجمن ہمدردان اسلام	39
حضرت مسیح موعودؑ کے دست مبارک پر بیعت	40
حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ پہلا فوٹو	41

عنوان	صفحہ
تریاق القلوب میں ذکر	41
احکام اسلامی کی طرف تحریک کا یادگار رسال	42
انجمن تشحیذ الاذہان	43
خطبہ الہامیہ میں شرکت	//
بیماری اور دعا سے شفایابی	//
مقدمہ دیوار کے فیصلہ کی قبل از وقت خبر	44
سیدنا کے بارے میں بشارت	//
بارہ تیرہ برس کی عمر میں پہلا روزہ	//
مڈل کا امتحان اور خدائی الہام	45
تحفہ گولڑویہ میں ذکر	//
نزول المسیح میں ذکر	//
پہلی شادی	//
حضرت مسیح موعودؑ کا مکتوب مبارک (بنام حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحبؓ)	46
''مواہب الرحمٰن'' میں ذکر	47
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مکتوب مبارک (بنام حضرت سیٹھ اسماعیل آدم صاحبؓ)	48
شعر و سخن کا آغاز	49
مولانا الطاف حسین حالی کو خط اور ان کا جواب	//
جناب جلال لکھنوی سے اصلاح سخن	50
گورداسپور میں قیام	50
سفر لاہور و سیالکوٹ	50
ایک غیر مطبوعہ قلمی نوٹ	51
فصل سوم	
(جنوری ۱۹۰۵ء تا مئی ۱۹۰۸ء)	
(شوال ۱۳۲۲ھ تا ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ)	
میٹرک کے امتحان کے لئے سفر امرتسر	53
حضرت خلیفہ اول کی شاگردی	54
ایک بشارت	55
پہلا الہام	//
باغ میں قیام اور الہام	56
حضرت مسیح موعودؑ کے الہام کی خبر رویا میں	//
حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات اور آپ کی زندگی میں تغیر عظیم	57
سفر دہلی۔لدھیانہ۔امرتسر	58
الوصیت میں آپ کی نسبت اہم پیشگوئی	//
مدرسہ تعلیم الاسلام کے بقاء کی کامیاب کوشش	59
مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ کے ارکان میں شمولیت	59
خلافت سیدنا محمود کی نسبت حضرت مسیح موعود پر انکشاف	//
مجلس تشحیذ الاذہان کا احیاء	60
حضرت سید میر محمد اسحاق صاحب کی شادی پر دعائیہ نظم	61
رسالہ تشحیذ الاذہان کا اجراء	,,
پہلے فرزند کی ولادت	63

عنوان	صفحہ
سالانہ جلسہ ۱۹۰۶ء پر پہلی پبلک تقریر	63
حضرت مسیح موعودؑ کا اپنے قلم سے آپ کی بعض رویا اور الہام لکھنا	64
تشحیذ الاذہان میں مضامین	//
حقیقۃ الوحی میں ذکر	65
جلسہ "قیام امن" کی صدارت	//
سفر شملہ	66
حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی کا آخری سالانہ جلسہ	//
فرشتہ کا سورہ فاتحہ کی تفسیر سکھانا	//
تعلیم الاسلام ہائی سکول کا امرتسر میں میچ اور آپ کی تقریر	67
پادری برخٹ صاحب کے لیکچر کا جواب	68
سفر گورو ہر سہائے	68
اپریل ۱۹۰۸ء کا سفر لاہور	69
آنے والے حادثہ کی قبل از وقت اطلاع	//
حضرت مسیح موعود کا وصال اور نعش مبارک کے سامنے اولوالعزم کا عہد	70
فصل چہارم (مئی ۱۹۰۸ء تا مارچ ۱۹۱۴ء) (۱۳۲۶ھ تا ۱۳۳۲ھ)	
حضرت خلیفہ اولؓ کی بیعت	72
پہلی تصنیف "صادقوں کی روشنی کو کون دور کر سکتا ہے"	72
سفر بیگوال	73
سفر کاٹھ گڑھ	//
جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء پر تقریر	74
مدرسہ احمدیہ کی بقا کے لئے فیصلہ کن جدوجہد	75
۱۹۰۸ء کی دوسری خدمات	//
تشحیذ الاذہان میں بلند پایہ مضامین	76
آپ کے خلاف منصوبے	//
آپ کی نگرانی	77
خلافت سے غیر متزلزل وابستگی	78
ہندوستان کے پایہ تخت دہلی میں پیغام حق پہنچانا	//
سفر کشمیر	79
انگریزی مضامین لکھنے کی مشق	80
ڈپٹی فقیر اللہ صاحب کے نام خط	80
مشنری کالج کے پرنسپل سے گفتگو	81
ایک سندھی مولوی صاحب کی ملاقات	82
تشحیذ الاذہان میں بلند پایہ مضامین	//
۱۹۰۹ء کی دوسری خدمات	82
خلافت سے متعلق ایک نزاع اور آپ کی اولوالعزمی	83
درس قرآن	//

عنوان	صفحہ
سالانہ جلسہ منعقدہ مارچ ۱۹۱۰ء میں تقریر	83
احمدیہ کانفرنس میں صدارت	//
نوجوانوں کی تربیتی کلاس	//
امیر مقامی قادیان کی حیثیت میں	84
سب سے پہلا خطبہ جمعہ	//
حضرت خلیفہ اول کی آپ کی اقتداء میں نماز جمعہ	84
مدرسہ احمدیہ کے منتظم کی حیثیت میں فتویٰ کفر کا جواب	//
خلافت کی پیشکش اور آپ کا مومنانہ جواب	//
تشحیذ الاذہان میں بلند پایہ مضامین	85
حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب کی شہادت	85
حضرت خلیفہ اول کی طرف سے آپ کی خلافت کی وصیت	86
مجلس انصار اللہ کا قیام	//
خاتم النبیین پر لطیف مضمون	87
ایک پرائیویٹ کلاس	//
لیکچر بٹالہ	//
پادری ینگسن سے مذہبی گفتگو	//
جلسہ تاجپوشی پر تقریر	88
صاحبزادی سیدہ امۃ الحفیظ کی آمین	//
خطبہ عید الفطر	88
تشحیذ الاذہان میں بلند پایہ مضامین	89

عنوان	صفحہ
مدارج تقویٰ	89
تقسیم اسناد کے جلسہ میں تقریر	//
سفر مدارس اور سفر مصر و عرب	//
۱۹۱۲ء کی دوسری خدمات	90
ایک غیر احمدی صحافی کی ملاقات	//
اخبار ''الفضل'' کی ادارت	90
حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کے نام خط	92
۱۹۱۳ء کی دوسری جلیل القدر خدمات	//
اوائل ۱۹۱۴ء میں آپ کی مساعی جمیلہ	93
حضرت خلیفہ اولؓ کا وصال، دعا اور روزہ کی تحریک اور مفاہمت کی آخری کوشش	94
حضرت خلیفہ ثانی کا انتخاب	96
حواشی	98
خلافت ثانیہ کا عہد مبارک	111
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا پرشوکت اعلان	112
دوسرا باب (فصل اول)	
خلافت ثانیہ کا پہلا سال	
(۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء تا ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء)	
(جمادی الاولی ۱۳۳۲ھ تا صفر ۱۳۳۳ھ)	
بیعت کے بعد پہلا خطاب	113
حضرت خلیفہ اول کا جنازہ و تدفین	115

عنوان	صفحہ
بیعت لینے کے بعد نازک ذمہ داری کا شدید احساس	115
خلافت ثانیہ کی تائید میں رویا و الہامات کا وسیع سلسلہ	116
بیرونی جماعتوں کی بیعت کے بعض خاص واقعات	117
ابتدائی کشمکش اور جماعت کی اکثریت کا خلافت کے جھنڈے تلے اجتماع	122
تحریک انکارِ خلافت کا انجام	125
خودساختہ خلافتوں کا خاتمہ	126
جناب مولوی محمد علی صاحب کے خلاف بغاوت	//
نظام ''الوصیت'' سے قطع تعلق	127
لامرکزیت کا شکار	128
کثرت کا قلت میں بدلنا	//
عقائد و نظریات میں حیرت انگیز تبدیلی	129
بنیادی نظریہ میں شکست	131
غیروں میں رشتہ ناطہ کے نتائج	132
لاہوری تحریک دوسروں کی نظر میں	//
تاریک مستقبل	133
اختلافات سلسلہ پر ملکی پریس کا تبصرہ	//
درس القرآن کا آغاز	134
حضور کی مصروفیات	135
بیماری میں خدمت دین کی دیوانہ وار جدوجہد	136
حضرت خلیفۃ المسیح کی ملاقات اور ڈاک کا انتظام	136
ایمان افروز خطبات جمعہ	138
اوائل خلافت ثانیہ کے تین ممتاز مجاہد	//
''کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے''	139
مظفر و منصور ہونے کی الہامی بشارت	140
ایک ضروری اعلان	//
خلافت ثانیہ کے عہد میں صدر انجمن احمدیہ کا پہلا اجلاس	141
عہدِ خلافت ثانیہ کی پہلی شوریٰ	//
''انجمن ترقی اسلام'' کی بنیاد	143
تبلیغ اسلام کے لئے عالمگیر نظام قائم کرنے کا اعلان	//
مولوی محمد علی صاحب کو قادیان چھوڑنے سے باز رکھنے کی کوشش	145
ایک فاضل مسیحی سے گفتگو اور اس کا قبول اسلام	//
جماعتی انتظام چلانے کے لئے نئے کارکنوں کا تقرر	146
ایک پرشوکت مکتوب	//
احمدیہ دارالتبلیغ لنڈن	147
بلاد اسلامیہ کے لئے عربی ٹریکٹ	153
شکریہ اور اعلان ضروری	154
تبلیغی کلاسوں کا اجراء	//

عنوان	صفحہ
تحفۃ الملوک	155
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا دوسرا نکاح	//
بنگالی ٹریکٹ	156
پہلی عالمگیر جنگ سے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی خبر	//
پہلی عالمگیر جنگ ۔مسلمانان ہند اور جماعت احمدیہ	157
والیہ بھوپال کے نام تبلیغی خط	161
خلیفۃ المسلمین ترکی کو انتباہ	//
منارۃ المسیح کی تکمیل	//
خواجہ کمال الدین صاحب کی واپسی	162
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی فہم و فراست کا عجیب واقعہ	163
برکات خلافت پر تقریر	164
۱۹۱۴ء کے دیگر اہم واقعات	165
فصل دوم	
خلافت ثانیہ کا دوسرا سال	
۱۹۱۵ء	
(۱۳۳۳ھ تا ۱۳۳۴ھ)	
مبلغین کی اعلیٰ کلاس کے لئے لیکچروں کا سلسلہ	167
ایک خبر کی تردید	//
رسالہ ''القول الفصل'' کی تصنیف	168
احمدیہ دار التبلیغ ماریشس	169

عنوان	صفحہ
حضرت میر سید محمد اسحاق صاحب کا درس بخاری شریف	172
''حقیقۃ النبوۃ'' کی تالیف	173
چند غلط فہمیوں کا ازالہ	174
ایک صاحب کے پانچ سوالوں کا جواب	//
ایک فرمانروائے ریاست کو تبلیغ	174
حضرت صاحبزادی سیدہ امۃ الحفیظ صاحبہ کا نکاح	175
سفر لاہور	174
آسٹریلیا سے بیعت خلافت کا خط	176
ایک والئے ریاست کو جواب	//
کنانور (مالا بار) کے قریب احمدیوں پر راجہ صاحب کے مظالم	176
حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب مبلغ انگلستان کو حضور کی نصائح	177
سندھی ٹریکٹ	//
فاروق کا اجراء	178
مولوی عبدالحی صاحب کی خدمت میں لاہوری وفد	//
جماعت احمدیہ کی طرف سے اہم میموریل	179
مولوی عبدالحی صاحب کی وفات	//
احمدیہ ہوسٹل لاہور کا قیام	180
پہلے پارہ کی نادر تفسیر (اردو اور انگریزی میں)	184

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
185	محلہ دارالفضل	192	''پیغام صلح'' کے چند الزامات کا جواب
//	سرزمین سندھ سے متعلق ایک اہم خبر	//	عملی تعزیت نامہ
//	''انوارِ خلافت''	//	حضرت مرزا شریف احمد صاحب کا تقرر
186	۱۹۱۵ء کے دیگر اہم واقعات	193	مغربی افریقہ میں احمدیت کا پیغام
	فصل سوم	//	''سیرت مسیح موعودؑ''
	خلافت ثانیہ کا تیسرا سال	//	آنریری مبلغین کے لئے تحریک
	۱۹۱۶ء	//	بہار ہائیکورٹ کا فیصلہ
	(۱۳۳۴ھ تا ۱۳۳۵ھ تک)	194	پروفیسر مارگولیتھ حضرت حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں
188	مسٹر والٹر قادیان میں	//	''صادق لائبریری'' کا قیام
189	دارالبیعت کا افتتاح	195	خواتین کے لئے تبلیغی فنڈ کی پہلی تحریک
//	تائی صاحبہ کی بیعت	//	''ذکرِ الٰہی''
190	دارالسلطنت دہلی میں عظیم الشان جلسہ	//	۱۹۱۶ء کے دیگر اہم واقعات
//	مبلغین کو نصائح		**فصل چہارم**
//	نجات کی حقیقت		**خلافت ثانیہ کا چوتھا سال**
191	حضرت خلیفۃ المسیح کا ایک پرحکمت جواب		۱۹۱۷ء
//	حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی کامیابی اور شکریہ		(۱۳۳۵ھ تا ۱۳۳۶ھ)
191	اخبار ''صادق'' کا اجراء	197	زار روس سے متعلق پیشگوئی کے ظہور پر اتمام حجت
191	قبولیت دعا کے طریق	//	" الحجة البالغه "
192	حضرت خلیفۃ المسیح کا فرمان	197	نور ہسپتال کی بنیاد
//	سنگ بنیاد	198	بمبئی میں مبلغین کا وفد
192	حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے لئے درس مسلم شریف		

عنوان	صفحہ
امرتسر اور شادیوال کے مقدمات کا فیصلہ	198
سفر شملہ	//
خواجہ حسن نظامی صاحب کی عجیب وغریب دعوت مباہلہ اور اس کا جواب	199
مسٹر مانٹیگو کا اعلان اور مسلم اقلیت کے تحفظ کے لئے نئی جدوجہد کا آغاز	201
لائیبیریا (مغربی افریقہ) میں احمدیت	204
''تصدیق المسیح والمہدی''	//
تحریک وقف زندگی	//
''حقیقۃ الرویا''	205
۱۹۱۷ء کے دیگر اہم واقعات	//

فصل پنجم

خلافت ثانیہ کا پانچواں سال

۱۹۱۸ء

(۱۳۳۶ھ تا ۱۳۳۷ھ)

عنوان	صفحہ
احمدیان کٹک پر مظالم	207
سفر بمبئی	207
سفر ڈلہوزی	208
''اظہار حق اور حقیقت الامر''	208
انفلوئنزا کی عالمگیر وبا میں جماعت کی بے لوث خدمت	208
حضرت خلیفہ ثانی کی تشویشناک علالت اور وصیت	209
فتح کا جشن، مسلمانان ہند اور جماعت احمدیہ	211
مسلمان بچوں کے لئے پانچ ہزار روپیہ	212
۱۹۱۸ء کے دیگر اہم واقعات	//

فصل ششم

خلافت ثانیہ کا چھٹا سال

۱۹۱۹ء

(۱۳۳۷ھ تا ۱۳۳۸ھ)

عنوان	صفحہ
جماعت کے مرکزی نظم ونسق میں اصلاح اور نظارتوں کا قیام	215
''اسلام اور تعلقات بین الاقوام''	217
''اسلام میں اختلافات کا آغاز''	//
شرائط مناظرہ سے متعلق اہم اعلان	218
''عرفان الٰہی''	219
نیا قبرستان	219
(متحدہ) ہندوستان میں زبردست سیاسی ہیجان اور جماعت احمدیہ	219
علماء دیوبند کا مباہلہ سے گریز	221
تحریک خلافت کا آغاز اور حضرت خلیفہ ثانی کی بروقت رہنمائی	222
گورنر پنجاب کی خدمت میں ایڈریس	//

عنوان	صفحہ
''تقدیر الٰہی''	223
۱۹۱۹ء کے دیگر اہم واقعات	〃
حواشی	225
تیسرا باب (فصل اول)	
خلافت ثانیہ کا ساتواں سال	
۱۹۲۰ء	
(۱۳۳۸ھ تا ۱۳۳۹ھ)	
دارالتبلیغ امریکہ کی بنیاد	249
مسجد لنڈن کے لئے چندہ کی تحریک	253
لاہور اور امرتسر میں عظیم الشان لیکچر	〃
سیالکوٹ اور امرتسر میں لیکچر	255
مبلغین کلاس کا اجراء	256
معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ	257
حضرت خلیفۃ المسیح کا پیغام احمدی قوم کے نام	258
مسجد لندن کے لئے زمین کی خرید پر خوشی کی تقریب	〃
''الواح الہدیٰ'' نونہالانِ احمدیت کو دردانگیز خطاب	259
''سیرت خاتم النبیین'' کی اشاعت	260
ترک موالات و احکام اسلام	261
" ملائکۃ اللہ "	264
۱۹۲۰ء کے دیگر اہم واقعات	264

عنوان	صفحہ
فصل دوم	
۱۹۲۱ء	
خلافت ثانیہ کا آٹھواں سال	
(۱۳۳۹ھ تا ۱۳۴۰ھ)	
ہندو مسلم اتحاد کے لئے ایک اہم تجویز	266
ہدایات زریں برائے احمدی مبلغین	〃
دارالتبلیغ گولڈ کوسٹ (غانا) اور نائیجیریا کا قیام	266
دارالتبلیغ نائیجیریا	270
لٹریچر	272
نائیجیریا مشن غیروں کی نظر میں	〃
دارالتبلیغ غانا کی خدمات غیروں کی نظر میں	275
حضرت خلیفۃ المسیح کا تیسرا نکاح	277
سکھوں کے ایک گوروصاحب قادیان میں	〃
سفر لاہور و مالیر کوٹلہ	〃
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ایک پرجلال و پرشوکت تقریر	278
ترکی اور حجاز کے حقوق کی حفاظت	283
سفر کشمیر	284
''آئینہ صداقت''	284
''ہستی باری تعالیٰ''	〃
۱۹۲۱ء کے دیگر اہم واقعات	〃

فصل سوم

خلافت ثانیہ کا نواں سال

۱۹۲۲ء

(۱۳۴۰ھ تا ۱۳۴۱ھ)

عنوان	صفحہ
دار التبلیغ مصر کا قیام	286
احمدیہ ٹیریٹوریل کمپنی	292
مبلغ گولڈ کوسٹ (غانا) کو ہدایات زریں	//
"تحفہ شہزادہ ویلز"	//
سفر لاہور	295
ناظر اعلیٰ کا تقرر	//
علماء کو تبلیغ اسلام میں مقابلہ کی دعوت	//
مجلس شوریٰ کا قیام	296
اچھوت اقوام میں تبلیغ	299
حفظ قرآن کریم کی تحریک	300
درس القرآن	//
مدراس ہائیکورٹ کا فیصلہ	302
غیر از جماعت مسلمانوں سے تعلقات کی تلقین	//
"تبلیغ ہدایت"	303
لجنہ اماء اللہ کی بنیاد اور اس کے شاندار نتائج	//
"نجات"	310
۱۹۲۲ء کے دیگر اہم واقعات	311
حواشی	313

چوتھا باب (فصل اول)

خلافت ثانیہ کا دسواں سال

۱۹۲۳ء

(۱۳۴۱ھ تا ۱۳۴۲ھ)

عنوان	صفحہ
شدھی تحریک کا پس منظر	324
مسلمان علماء کا افسوس ناک طریق عمل	326
شردھانند کی طرف سے ہندوؤں کو میدان عمل میں آنے کی کھلم کھلا دعوت	328
مہاراجہ کشمیر کی پشت پناہی	329
مسلمانان ہند کے لئے نازک ترین دور	//
شدھی کے پیچھے ہندو راج کے منصوبے	//
مسلمان پریس کا شور وفغاں	330
حضرت خلیفہ ثانی کی طرف سے شدھی کے خلاف جہاد کا اعلان	//
مسلمانان ہند کو متحد ہو کر کام کرنے کی دعوت	332
احمدیہ جماعت کی طرف سے والہانہ رنگ میں لبیک	333
قواعد انتظام انسداد فتنہ ارتداد	334
ہدایات برائے مبلغین اسلام	340
مجاہدین احمدیت شدھی کے علاقہ میں	351
آریوں کی طرف سے شدھی کے مختلف ذرائع	352
مجاہدین احمدیت کی ابتدائی سرگرمیاں	354
میدان ارتداد میں تبلیغی جنگ کا ابتدائی نقشہ	356

عنوان	صفحہ

حضرت مولوی محمد حسین صاحب کے نہایت ایمان افروز چشم دید اور خودنوشت حالات 358
ایک اہم سرکلر 373
سند اظہار خوشنودی 374
مسلمان اور ہندو اخبارات کی طرف سے خراج تحسین 375
تحریک شدھی اور تحریک خلافت کے لیڈر 378
شدھی اور شیعہ اصحاب //
شدھی اور دوسرے مسلمان علماء 378
جمعیۃ العلماء دہلی کی طرف سے احمدیوں کو دھمکی 381
''انجمن نمائندگان تبلیغ'' کی مزاحمت اور حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال کی غیرت دینی 382
مجاہدین احمدیت پر ظلم وتشدد 385
مجاہدین احمدیت کا بے مثال استقلال 386
کامیاب مدافعت اور شاندار پیش قدمی 387
شردھانند کی طرف سے تحریک شدھی سے دست برداری کا اعلان 388
دہلی کی اتحاد کانفرنس 390
اتحاد کمیٹی میں نمائندگان جماعت کی شمولیت 391
علاقہ ارتداد میں مستقل مبلغین کا تقرر 393
آریوں کی طرف سے احمدیت کی زبردست طاقت کا اقرار 394
جماعت احمدیہ کی عظیم الشان تبلیغی خصوصیت کا عام چرچا 396

فصل دوم

مبلغ امریکہ کو زرّیں ہدایات 398
احمدی خواتین کا اخلاص //
ہندو مسلم امور میں جماعت احمدیہ کا سیاسی موقف 400
بالشویک علاقہ میں احمدیت کی تبلیغ //
قادیان میں احمدیہ ٹورنامنٹ کا اجراء 405
ملک بھر کو پیغام صلح اور ہندو مسلم مشکلات کا صحیح حل //
احمدی مصنفوں اور لیکچراروں کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی اہم ہدایت 409
''سیرت المہدی'' کی تالیف 410
جماعت احمدیہ کا پہلا شہید مبلغ //
دارالتبلیغ جرمنی کا قیام 411
۱۹۲۳ء کے دیگر اہم واقعات 412
حواشی 414

پانچواں باب (فصل اوّل)

خلافت ثانیہ کا گیارھواں سال

۱۹۲۴ء

(۱۳۴۲ھ تا ۱۳۴۳ھ)

ویمبلے کانفرنس کے لئے تحریک 422

عنوان	صفحہ
سفر یورپ کے لئے مشورہ	423
کانفرنس کے لئے کتاب ''احمدیت یعنی حقیقی اسلام'' کی تصنیف	429
جماعت احمدیہ کے لئے نیابتی انتظام	430
سفر یورپ کے لئے تیاری	431
۱۱ جولائی ۱۹۲۴ء کا مصروف ترین دن	//
روانگی سے قبل مزار مسیح موعودؑ پر آخری دعا	432
قادیان سے روانگی کا نظارہ	433
بٹالہ سے دہلی تک	434
دہلی سے بمبئی تک	//
بمبئی سے بذریعہ جہاز روانگی اور عدن میں ورود	435
عدن سے پورٹ سعید تک	438
پورٹ سعید سے قاہرہ	440
قاہرہ سے بیت المقدس تک	441
بیت المقدس سے دمشق تک	442
دمشق سے پورٹ سعید تک	444
پورٹ سعید سے برنڈزی تک	444
برنڈزی سے لنڈن	445
برطانوی پریس میں چرچا	446
قیام لنڈن کا پہلا ہفتہ ۲۲ تا ۲۸ راگست ۱۹۲۴ء	//
قیام لنڈن کا دوسرا ہفتہ	449
قیام لنڈن کا تیسرا ہفتہ	450
قیام لنڈن کا چوتھا ہفتہ	451
قیام لنڈن کا پانچواں ہفتہ	451
کانفرنس میں حضور کے مضمون کی شاندار کامیابی	//
قیام لنڈن کا چھٹا ہفتہ	454
قیام لنڈن کا ساتواں ہفتہ	455
قیام لنڈن کا آٹھواں ہفتہ	//
قیام لنڈن کا آخری ہفتہ ۱۷ تا ۲۴ راکتوبر	//
''مسجد فضل'' کے سنگ بنیاد کا یادگار دن	456
(۱۹ اکتوبر ۱۹۲۴ء)	//
لنڈن سے روانگی اور بمبئی میں ورود	461
بمبئی سے بٹالہ تک	426
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا آگرہ میں ورود	//
قادیان میں ورود مسعود اور آپ کا نہایت شاندار، پُر جوش اور پُر اخلاص استقبال	463
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے اپنے رفقاء سفر اور جناب عبدالرحیم صاحب نیر کا شکریہ اور تحریک دعاء	466
فصل دوم	
حادثہ بھیرہ	470
دارالتبلیغ ایران	471
مبلغ احمدیت مولوی ظہور حسین صاحب پر روسی حکومت کے دردناک مظالم	473

عنوان	صفحہ
مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی دردناک شہادت	478
انصاف پسند دنیا کا زبردست احتجاج	480
جمعیۃ العلماء ہند کی طرف سے امیر امان اللہ خان کو مبارکباد	485
جماعت احمدیہ کے نام حضرت خلیفۃ المسیح کا پیغام	//
فصل سوم	
دو بزرگ ہستیوں کا انتقال	489
لاہور میں مسلم لیگ کا اجلاس اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی سیاسی راہنمائی	490
''دعوۃ الامیر'' کی اشاعت	492
''دعوۃ الامیر'' کا اثر	493
احمدیہ مسجد لاہور کی تعمیر	494
سالانہ جلسہ پر تقریریں	495
۱۹۲۴ء کے دیگر اہم واقعات	495
حواشی	498
چھٹا باب	
خلافت ثانیہ کا بارھواں سال	
۱۹۲۵ء	
(۱۳۴۳ھ تا ۱۳۴۴ھ)	
مولوی عبدالحلیم صاحب اور قاری نور علی صاحب کی شہادت	508

عنوان	صفحہ
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے مظالم پر صبر و سکون کی تلقین	509
مسئلہ قتل مرتد اور ہندو اصحاب	510
مسئلہ قتل مرتد ۔ جماعت احمدیہ اور دوسرے روشن خیال علماء	511
''قتل مرتد اور اسلام'' پر سلسلہ مضامین	514
تحریک چندہ خاص	515
اشاعت احمدیت کے لئے خاص تحریک	516
فرقہ وارانہ نیابت کے سوال کا حل	517
مدرسہ خواتین کا اجراء اور آپ کی مصروفیات میں اضافہ	518
حضرت مسیح موعود کی تحریرات سے متعلق اہم اعلان	519
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا چوتھا نکاح	//
سرزمین حجاز کی خانہ جنگی اور جماعت احمدیہ	//
فصل دوم	
دارالتبلیغ شام و فلسطین	522
معارف قرآنیہ میں مقابلہ کا چیلنج	534
آل پارٹیز کانفرنس پر ایک نظر	535
فصل سوم	
دارالتبلیغ سماٹرا و جاوا کا قیام	537
مقامات مقدسہ کی بے حرمتی پر احتجاج	545

عنوان	صفحہ
معاملات حجاز میں جماعت احمدیہ کا موقف	546
شام کی تحریک آزادی اور جماعت احمدیہ	548
"منہاج الطالبین"	549
۱۹۲۵ء کے دیگر اہم واقعات	550

فصل چہارم

خلافت ثانیہ کا تیرھواں سال

۱۹۲۶ء

(۱۳۴۴ھ تا ۱۳۴۵ھ)

عنوان	صفحہ
دنیا کی چوبیس زبانوں میں تقریریں	553
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا پانچواں نکاح	554
حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب کے خاندان کی کابل سے ہجرت	//
دارالشیوخ کا قیام	555
قصر خلافت کی بنیاد	557
احمدیہ گزٹ کا اجراء	557
احمدیانِ بنگال کے نام حضرت امام جماعت کا پیغام	//
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا سفر ڈلہوزی	558
حضرت خلیفہ ثانی اور مولوی محمد علی صاحب کے مشترکہ اعلانات	560
مسجد فضل لنڈن کا افتتاح	562
انجمن انصاراللہ کا قیام	565
انگریزی اخبار "سن رائز" کا اجراء	566
رسالہ "مصباح" کا اجراء	//
سوامی شردھانند صاحب کا قتل اور حضرت مسیح موعودؑ کی ایک پیشگوئی کا ظہور	567
سوامی شردھانند کے قتل پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا تبصرہ	568
"حق الیقین" کی تصنیف واشاعت	//
ہندو مسلم اتحاد سے متعلق وائسرائے ہند کے نام مکتوب	569
ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم میدان مناظرہ میں	//
دو بزرگ ہستیوں کا انتقال	570
۱۹۲۶ء کے دیگر اہم واقعات	571

فصل پنجم

خلافت ثانیہ کا چودھواں سال

۱۹۲۷ء

(۱۳۴۵ھ تا ۱۳۴۶ھ)

عنوان	صفحہ
جماعت احمدیہ کو تبلیغی جنگ کے لئے تیار ہونے کا ارشاد	573
مسلمانوں کو اشتراکِ عمل کی دعوت	574
جداگانہ نیابت کی تائید	575
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا سفر لاہور	575

عنوان	صفحہ
''ہندو مسلم فسادات، ان کا علاج اور مسلمانوں کا آئندہ طریق عمل''	576
''مذہب اور سائنس'' پر لیکچر	577
تبلیغ اسلام سے متعلق جماعت احمدیہ سے عہد کی تجدید	578
فسادات لاہور اور جماعت احمدیہ کی طرف سے مظلوم مسلمانوں کی امداد	578

فصل ششم

عنوان	صفحہ
مسلمانان ہند کی ترقی و بہبود کے لئے وسیع پیمانہ پر جدوجہد کا آغاز	580
حواشی	584

ساتواں باب (فصل اول)

عنوان	صفحہ
آنحضرت ﷺ پر آریہ مصنفوں کے حملے	596
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ولولہ انگیز بیان اور اس کا زبردست رد عمل	596
کتاب ''رنگیلا رسول'' سے متعلق عدالت پنجاب کا فیصلہ	599
اخبار مسلم آؤٹ لک (Muslim Outlook) لاہور کا عدالتی فیصلہ کے خلاف احتجاج	//
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے سید دلاور شاہ بخاری کو مشورہ	//
مقدمہ کی سماعت اور سید دلاور شاہ کا بیان	600
حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی فاضلانہ بحث	600
عدالت کی طرف سے سزا کا فیصلہ	602
''تحفظ ناموس رسول'' کیلئے مسلمانان ہند کی راہنمائی اور ملک گیر تحریک کا آغاز	603
۲۲ جولائی ۱۹۲۷ء کے دن جلسوں کی تجویز	//
محضر نامہ کی تجویز	//
مقررہ تاریخ کو جلسے اور قومی و ملی اتحاد کا شاندار منظر	604
لنڈن میں مسلم پولیٹیکل لیگ کا قیام	//
ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش	605
مقدمہ ورتمان کا فیصلہ	606
مقدمہ ورتمان کے فیصلہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے جذبات	//
حضرت امام جماعت احمدیہ کی مساعی پر مسلم اخبارات کا اظہار تشکر	607
تحفظ ناموس پیشوایان مذاہب کیلئے مکمل قانون کا مطالبہ	609

فصل دوم

عنوان	صفحہ
سفر شملہ	612
ناموس پیشوایان مذاہب کے تحفظ کے لئے نیا قانون	612

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
ہندو مسلم اتحاد کانفرنس میں شرکت	613	سائمن کمیشن کی آمد سے پہلے مسلمانوں کی بروقت راہنمائی	629
اتحاد کانفرنس کا پہلا مشترکہ اجلاس	614	حضرت خلیفہ ثانی کی سالانہ جلسہ پر تقریریں	
اتحاد کانفرنس کا دوسرا اجلاس اور ہندو مسلم اتحاد سے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تجاویز	//	حضرت خلیفہ ثانی پر حملہ کی سازش اور سالانہ جلسہ ۱۹۲۷ء پر پہرے کا خاص انتظام	631
اتحاد کانفرنس کا تیسرا اجلاس	617	۱۹۲۷ء کے بعض دیگر اہم واقعات	632
گورنر صاحب پنجاب سے ملاقات	//	حواشی	634
لیکچر شملہ	619		
جداگانہ انتخاب کے مسئلہ پر (قائداعظم) محمد علی جناح سے تبادلہ خیالات	//		
سفر شملہ کے تاثرات	620		
مسلمانوں کے روشن خیال طبقہ کی طرف سے جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات کا اعتراف	621		
جماعت احمدیہ کی مساعی کا آریوں پر اثر	623		
فصل سوم			
لاوارث عورتوں اور بچوں کی خبر گیری کیلئے تحریک	624		
مسلم پارٹیز کانفرنس کیلئے تجاویز	//		
علاقہ تیراہ کا سنی شیعہ فساد اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی دردمندانہ اپیل	625		
مصیبت زدگان گجرات کی امداد	626		
الور کے اسلامی مدارس کی بقاء کے لئے جدوجہد	627		
مخالفین احمدیت کی سازش اور اس کا انجام	//		

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی
المصلح الموعود کے
سوانح قبل از خلافت

پہلا باب (فصل اول)

آسمانی نوشتوں کے مطابق ولادت' پاکیزہ بچپن' حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رفاقت میں ابتدائی سفر اور بعض دوسرے دلچسپ واقعات

(۱۳۰۶ھ - ۱۳۱۲ھ)

(جنوری ۱۸۸۹ء سے دسمبر ۱۸۹۴ء تک)

سیدنا وامامنا ومرشدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود (ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز واطال اللہ بقاءہ) کا دور خلافت سلسلہ خلفاء کی تاریخ میں ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس رنگ میں اس خلافت کو نوازا ہے اور اس کے ہر پہلو کو اپنی برکت کے ہاتھ سے ممسوح کیا ہے اور اس کے ساتھ غیر معمولی برکتوں اور حیرت انگیز ترقیوں اور مافوق العادت کامیابیوں کو وابستہ فرمایا ہے۔ وہ اپنی نظیر آپ ہیں!!!

جہاں تک خلافت ثانیہ کے روحانی و مذہبی اثر و نفوذ کی وسعت کا تعلق ہے اسے ایک عالمگیر حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ حضور خود ہی فرماتے ہیں۔

"میں خلیفہ ہوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اور اس لئے خلیفہ ہوں افغانستان کے لوگوں کے لئے عرب' ایران' چین' جاپان' یورپ' امریکہ' افریقہ' سماٹرا' جاوا' اور خود انگلستان کے لئے غرضکہ کل جہان کے لوگوں کے لئے میں خلیفہ ہوں۔ اس بارے میں اہل انگلستان بھی میرے تابع ہیں۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جس پر میری مذہبی حکومت نہیں سب کے لئے یہی حکم ہے کہ میری بیعت کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں داخل ہوں" [1]۔

اس "عالمگیر خلافت" اور "مذہبی حکومت" کے ساتھ ہی حال و مستقبل میں اسلام کی ترقی اور سربلندی وابستہ ہے جیسا کہ حضور نے لکھا ہے کہ :۔

"اس وقت اسلام کی ترقی خدا تعالیٰ نے میرے ساتھ وابستہ کر دی ہے جیسا کہ ہمیشہ وہ اپنے دین کی ترقی خلفاء کے ساتھ وابستہ کیا کرتا ہے۔ پس جو میری سنے گا وہ جیتے گا۔ اور جو میری نہیں سنے گا وہ ہارے گا جو میرے پیچھے چلے گا خدا تعالیٰ کی رحمت کے دروازے اس پر مکمل کھولے جائیں گے۔ اور جو میرے راستہ سے الگ ہو جائے گا۔ خدا تعالیٰ کی رحمت کے دروازے اس پر بند کر دئے جائیں گے"[۲]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے خلفاء میں ایک بھاری فرق ہے۔ یہ فرق حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے الفاظ میں یہ ہے کہ :-

"جہاں تک خلافت کا تعلق میرے ساتھ ہے اور جہاں تک اس خلافت کا ان خلفاء کے ساتھ تعلق ہے جو فوت ہو چکے ہیں۔ ان دونوں میں ایک امتیاز اور فرق ہے۔ ان کے ساتھ تو خلافت کی بحث کا علمی تعلق ہے اور میرے ساتھ نشانات خلافت کا معجزاتی تعلق ہے پس میرے لئے خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ نشانات اور اس کے زندہ معجزات اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ مجھے خدا نے خلیفہ بنایا ہے"[۳]۔

ان آسمانی نشانات و معجزات میں خدائی تائید و نصرت کا نشان ایسا کھلا اور واضح نشان ہے جو آج تک حضور کی زندگی کے ہر گوشہ میں ہمیشہ جلوہ فرما نظر آتا ہے۔ خلافت ثانیہ کی تاریخ ابتداء ہی سے مخالفتوں کے ہجوم میں گھری ہوئی ہے مگر اس مقدس سالار کی قیادت میں احمدیت کا قافلہ فتح و ظفر کا پرچم لہراتا ہوا اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے اور آئندہ سے متعلق بھی خدائی فیصلہ یہی ہے کہ حضور کی سرکردگی میں جماعت احمدیہ کا قدم آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ چنانچہ حضور نے ایک عرصہ ہوا یہ ارشاد فرمایا تھا۔

"میرے آخری سانس تک خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت کے لئے غلبہ اور ترقی اور کامیابی ہی مقدر ہے اور کوئی اس الٰہی تقدیر کو بدلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس بات پر خواہ کوئی ناراض ہو۔ شور مچائے۔ گالیاں دے یا برا بھلا کہے اس سے خدائی فیصلہ میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ یہ تقدیر مبرم ہے جس کا خدا آسمان پر فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ میری زندگی کے آخری لمحات اور میرے جسم کے آخری سانس تک جماعت کا قدم ترقی کی طرف بڑھاتا چلا جائے گا۔ جس طرح خدا کی بادشاہت کو کوئی شخص بدل نہیں سکتا اسی طرح خدا تعالیٰ کے کلام اور اس کے وعدہ کو بھی کوئی شخص بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ یہ زمین و آسمان کے خدا کا وعدہ ہے کہ بہرحال میری زندگی میں جماعت کا قدم آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ میں نہیں جانتا کہ میرے بعد کیا ہو گا۔ مگر بہرحال یہ خدائی فیصلہ ہے میری زندگی میں کوئی انسانی طاقت اس سلسلہ کی ترقی کو روک نہیں سکتی"[۴]۔

خلافت ثانیہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ خلافت موعودہ ہے۔ جس کے قیام کی بشارتیں

اور پیشگوئیاں صدیوں اور قرنوں سے ہوتی چلی آرہی تھیں چنانچہ (یہود کی قدیم روایات کی کتاب) طالمود (جوزف بارکلے) میں لکھا ہے۔

"It is also said that he (The Massiah) shall die and his kinkdom descend to his son and grandson."

(طالمود بائی جوزف بارکلے باب پنجم صفحہ ۳۷ مطبوعہ لنڈن ۱۸۷۸ء)

ترجمہ:۔ یہ بھی روایت ہے کہ مسیح (موعود) وفات پا جائیں گے اور ان کی بادشاہت ان کے بیٹے اور پوتے کو ملے گی۔

ازاں بعد جہاں خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ خبر دی کہ آخری زمانہ میں ایک عظیم الشان روحانی مصلح مسیح موعود کے نام سے مبعوث ہو گا وہاں آپ ہی کے ذریعہ سے اس بات کا بھی اعلان کیا گیا کہ یتزوج و یولد لہ ■۔ یعنی (جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تشریح فرمائی) آنے والا مصلح اکیلا اور تنہا نہیں آئے گا۔ بلکہ خدائی منشاء کے مطابق اس کی ایک خاص شادی ہو گی۔ اور اس شادی سے خدا اسے اولاد عطا کرے گا۔ جن میں سے ایک بیٹا ایک خاص شان کا نکلے گا۔ اس کے کام کو بہت ترقی حاصل ہو گی۔ اس طرح گویا خدا نے مسیح موعود کی بعثت کے ساتھ ہی آپ کے ایک موعود فرزند کی روحانی خلافت کی بھی داغ بیل ڈال دی۔

آنحضرت ﷺ کے بعد امت محمدیہ کے بعض اولیاء و صلحاء مثلاً حضرت نعمت اللہ ولی اور حضرت امام یحییٰ بن عقب رحمتہ اللہ علیہما پر بھی یہ انکشاف ہوا کہ مسیح موعود کے بعد اس کا ایک صاحب عظمت و شوکت فرزند تخت خلافت پر متمکن ہو گا۔

ان اولیاء کے بعد جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ آیا اور اس موعود فرزند کے ظہور کا وقت بھی قریب آپہنچا تو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ پر اس پیشگوئی کی مزید تفصیلات ظاہر فرمائیں چنانچہ دعویٰ ماموریت کے چوتھے سال ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء کو پیدائش مصلح موعود کی بڑی صراحت سے بشارت دی گئی اور پسر موعود کی پوری زندگی اور اس کے عہد خلافت کی تاریخ کا نہایت جامع و مانع نقشہ کھینچ دیا گیا۔ یہ بشارت ان لفظوں میں تھی۔

"تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہو گا خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے اس کا نام عمنوائیل اور بشیر بھی ہے اس کو مقدس روح دی گئی ہے۔ اور وہ رجس سے پاک ہے۔ وہ نور اللہ ہے مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔

اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت

ہو گا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا وہ کلمتہ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت وغیوری نے اسے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہو گا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا۔ (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاول والآخر مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہو گا نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے۔ اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہو گا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہو گا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا وکان امرا مقضیا"[۶]۔

اس پیشگوئی کے بارے میں جناب الٰہی کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر دو مزید انکشافات ہوئے۔

اول۔ یہ کہ ایسا موعود فرزند نو برس کے اندر اندر ضرور پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ حضور نے اشتہار ۲۲/ مارچ ۱۸۸۶ء میں تحریر فرمایا۔

"اس عاجز کے اشتہار مورخہ ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء........ میں ایک پیشگوئی دربارہ تولد ایک فرزند صالح ہے جو بصفات مندرجہ اشتہار پیدا ہو گا........ ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی نو برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہو گا۔ خواہ جلد ہو خواہ دیر سے بہرحال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائے گا"[۷]۔

دوم۔ حضرت اقدس نے "سبز اشتہار" میں تحریر فرمایا کہ۔

"اور خدا تعالٰی نے مجھ پر یہ بھی ظاہر کیا کہ ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی حقیقت میں دو سعید لڑکوں کے پیدا ہونے پر مشتمل تھی۔ اور اس عبارت تک کہ "مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے" پہلے بشیر کی نسبت پیشگوئی ہے کہ جو روحانی طور پر نزول رحمت کا موجب ہوا اور اس کے بعد کی عبارت دوسرے بشیر کی نسبت ہے"[۸]۔

نیز فرمایا۔

"بذریعہ الہام صاف طور پر کھل گیا ہے کہ یہ سب عبارتیں پسر متوفیٰ (بشیر اول۔ ناقل) کے حق میں ہیں۔ اور مصلح موعود کے حق میں جو پیشگوئی ہے وہ اس عبارت سے شروع ہوتی ہے کہ "اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔" پس مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا اور نیز دوسرا نام اس کا محمود اور تیسرا نام اس کا بشیر ثانی بھی ہے۔ اور ایک الہام میں اس کا نام

فضل عمر ظاہر کیا گیا ہے''[۹]

ان تصریحات کے ساتھ ساتھ حضرت اقدس علیہ السلام نے ''سبز اشتہار'' ہی میں یہ پُرشوکت اعلان فرمایا:۔

''الہام نے پیش از وقوع دو لڑکوں کا پیدا ہونا ظاہر کیا اور بیان کیا کہ بعض لڑکے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے۔ دیکھو اشتہار ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء و اشتہار ۱۰/ جولائی ۱۸۸۸ء۔ سو مطابق پہلی پیشگوئی کے ایک لڑکا پیدا ہو گیا۔ اور فوت بھی ہو گیا۔ اور دوسرا لڑکا جس کی نسبت الہام نے بیان کیا کہ دوسرا بشیر دیا جائے گا۔ جس کا دوسرا نام محمود ہے۔ وہ اگرچہ اب تک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہو گا۔ زمین آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔ نادان اس کے الہامات پر ہنستا ہے اور احمق اس کی پاک بشارتوں پر ٹھٹھا کرتا ہے۔ کیونکہ آخری دن اس کی نظر سے پوشیدہ ہے اور انجام کار اس کی آنکھوں سے چھپا ہوا ہے'' [۱۰]۔

ولادت

آنحضرت ﷺ صلحائے امت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان پاک بشارتوں کے مطابق حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) حضرت ام المومنین نصرت جہاں بیگم کے بطن مبارک سے ۱۲/ جنوری ۱۸۸۹ء (مطابق ۹/ جمادی الاول ۱۳۰۶ھ) کو بروز ہفتہ بوقت دس گیارہ بجے شب پیدا ہوئے [۱۱]۔ الدار میں آپ کی ولادت کا کمرہ الدار کے کنوئیں کے جنوبی جانب زیر سقف کمرہ بیت الفکر نمبر۱ کے ساتھ واقع ہے اور اس کوچہ سے متصل ہے جس پر مسجد مبارک تعمیر شدہ ہے [۱۲]۔ اس کمرہ کے حدود نقشہ ذیل سے واضح ہو سکتے ہیں۔

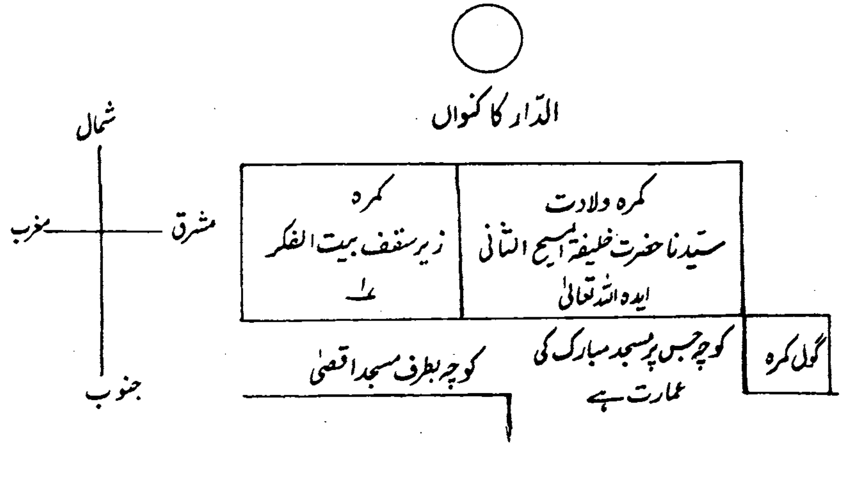

گو پیشگوئی مصلح موعود کی آخری میعاد نو سال مقرر تھی مگر سیدنا حضرت محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی) ایدہ اللہ تعالیٰ بشیر اول (متوفی ۴/ نومبر ۱۸۸۸ء) کی وفات کے بعد بہت جلد پیدا ہو گئے۔ جو حضرت ام المومنینؓ کے صبر و رضا کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک بار فرمایا۔

"ہمارے گھر میں اس قدر التزام نماز کا ہے کہ جب پہلا بشیر پیدا ہوا تھا اس کی شکل مبارک سے بہت ملتی تھی۔ وہ بیمار ہوا۔ اور شدت سے اس کو بخار چڑھا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی حالت نازک ہو گئی۔ اس وقت نماز کا وقت ہو گیا۔ تو انہوں نے کہا میں نماز پڑھ لوں۔ ابھی نماز ہی پڑھتے تھے کہ بچہ فوت ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا کہ کیا حال ہے میں نے کہا اس کا تو انتقال ہو گیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ انہوں نے بڑی شرح صدر کے ساتھ کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی وقت میرے دل میں ڈالا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو نہیں اٹھائے گا جب تک اس بچہ کا بدلہ نہ دے لے۔ چنانچہ اس کے فوت ہونے کے قریباً چالیس دن بعد محمود پیدا ہوا" [۱۲]۔

اشتہار "تکمیل تبلیغ" میں اطلاع

سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کی ولادت پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک تو اپنے بعض مخلص احباب مثلاً چوہدری رستم علی صاحب مدار ضلع جالندھر اور مولوی عبداللہ صاحب سنوری کو اپنے قلم مبارک سے بطور اطلاع خطوط لکھے [۱۳]۔ دوسرے "تکمیل تبلیغ" کا اشتہار شائع فرمایا جس میں بیعت کی دس شرائط تحریر کر کے پہلی مرتبہ بیعت کی دعوت عام دی۔ اس طرح سیدنا حضرت محمود المصلح الموعود کی ولادت باسعادت کے ساتھ ہی جماعت احمدیہ کا قیام عمل میں آیا۔ اسی اشتہار میں حضور نے نو مولود کی بشارت بھی دی اور تحریر فرمایا۔

"خدائے عزوجل نے جیسا کہ اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء و اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء میں مندرج ہے اپنے لطف و کرم سے وعدہ دیا تھا کہ بشیر اول کی وفات کے بعد ایک دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا نام محمود بھی ہو گا۔ اور اس عاجز کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ وہ اولوالعزم ہو گا اور حسن و احسان میں تیرا نظیر ہو گا۔ وہ قادر ہے جس طور سے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ سو آج ۱۲/ جنوری ۱۸۸۹ء میں مطابق ۹/ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۶ھ روز شنبہ میں اس عاجز کے گھر میں بفضلہ تعالیٰ ایک لڑکا پیدا ہو گیا ہے۔ جس کا نام بالفعل محض تفاؤل کے طور پر بشیر اور محمود بھی رکھا گیا ہے اور کامل انکشاف کے بعد پھر اطلاع دی جائے گی مگر ابھی تک مجھ پر یہ نہیں کھلا کہ یہی لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے یا وہ کوئی اور ہے لیکن میں جانتا ہوں اور محکم یقین سے جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق مجھ سے معاملہ کرے گا اور اگر ابھی اس موعود لڑکے کے پیدا ہونے کا وقت نہیں آیا تو دوسرے وقت میں وہ ظہور پذیر ہو گا اور اگر

مدت مقررہ سے ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو خدائے عزوجل اس دن کو ختم نہیں کرے گا جب تک وہ اپنے وعدہ کو پورا نہ کرلے۔ مجھے ایک خواب میں اس مصلح موعود کی نسبت زبان پر یہ شعر جاری ہوا تھا۔

اے فخر رسل [۱۵] قرب تو معلوم شد دیر آمدہ ز راہِ دور آمدہ

پس اگر حضرت باری جل شانہ کے ارادہ میں دیر سے مراد اسی قدر دیر ہے جو اس پسر کے پیدا ہونے میں جس کا نام بطور تفاول بشیر الدین محمود رکھا گیا ہے ظہور میں آئی تو تعجب نہیں کہ یہی لڑکا موعود لڑکا ہو۔ ورنہ وہ بفضلہ تعالیٰ دوسرے وقت پر آئے گا" [۱۶، ۱۷]۔

عقیقہ

سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ الودود کا عقیقہ ۱۸/ جنوری ۱۸۸۹ء بروز جمعہ ہوا۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام کے ایک خط سے پتہ چلتا ہے [۱۸]۔ عقیقہ کے سلسلہ میں جو حجام بلایا گیا اس کا نام دینا تھا [۱۹]۔ اس تقریب پر لاہور سے بعض دوست بھی شریک ہوئے جن میں حضرت میاں چراغ دین صاحب رئیس لاہور بھی شامل تھے [۲۰]۔

خادمہ کا تقرر اور آپ کی صحت کا بگڑنا

قدیم خاندانوں کے دستور کے مطابق ابتداہی سے ایک کھلائی مقرر ہوئی۔ یہ کھلائی دراصل بیمار تھی۔ اس کی بیماری کے اثرات کس طرح سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کے جسم میں ظاہر ہوئے۔ اس کا تذکرہ خود حضور کے قلم سے لکھتا ہوں آپ اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"۱۸۸۹ء میں پیشگوئی کے مطابق آپ (یعنی مسیح موعودؑ۔ ناقل) کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا نام آپ نے تفاول کے طور پر (کیونکہ آپ نے لکھا کہ ابھی مجھ پر یہ نہیں کھلا کہ یہی لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے یا کوئی اور ہے) محمود رکھا۔ کیونکہ اس بیٹے کا ایک نام اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمود بتایا گیا تھا اور چونکہ الہام میں اس کا ایک نام بشیر ثانی بھی رکھا گیا تھا۔ اس لئے اس کا پورا نام بشیر الدین محمود احمد رکھا گیا۔ خدا کی قدرت ہے۔ اتفاقاً اس لڑکے کی جو کھلائی مقرر کی گئی وہ شدید امراض میں مبتلا تھی۔ ایسے شدید امراض میں کہ اس کے سات آٹھ بلکہ نو بچے کچھ بچپن میں اور کچھ بڑے ہو کر سل اور دق سے مر گئے تھے۔ اس عورت نے بغیر اس کے کہ لڑکے کے والدین سے اجازت حاصل کرتی اس کو دودھ پلا دیا ......اور اس طرح دق اور سل اور خنازیر کے جراثیم اس بچے کے اندر چلے گئے چنانچہ جب وہ دو سال کا ہوا تو پہلے اسے کھانسی ہوئی اور پھر وہ شدید خنازیر میں مبتلا ہو گیا اور کئی سال تک مدقوق و مسلول رہا۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ ایک بہت بڑا نشان ظاہر کرنا تھا اس لئے خدا نے اس کو بچالیا۔

لیکن خنازیر کا مرض برابر اسے رہا بلکہ بعض دفعہ خنازیر کی گلٹیاں پھول کر گیند کے برابر برابر ہو جاتیں اور مسلسل بارہ تیرہ سال تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ ڈاکٹر اور طبیب مختلف ادویہ کی اسے مالش کراتے اور کھانے کے لئے بھی کئی قسم کی دوائیں دیتے۔ جب وہ لڑکا جوان ہوا تو اس بیماری نے دوسری شکل اختیار کرلی اور اسے سات آٹھ مہینے متواتر بخار آتا رہا۔ اطباء کہتے تھے کہ اس کا بچنا مخدوش ہے اور اب شاید ہی یہ جانبر ہو سکے" [21]۔

بچپن کے بعض سفر اور ان کے دلچسپ واقعات

زندگی کے چھ ابتدائی سالوں میں سیدنا محمود کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ کئی سفروں میں رفاقت میسر آئی۔ مثلاً۔

۱۔ ۱۸۸۹ء کی پہلی سہ ماہی کا سفر لدھیانہ جس میں بیعت اولیٰ ہوئی [22]۔

۲۔ آخر اکتوبر ۱۸۸۹ء کا سفر لدھیانہ جو حضور نے حضرت میر ناصر نواب صاحب کے اہل خانہ کی عیادت کے سلسلہ میں اختیار فرمایا [23]۔

۳۔ دعویٰ مسیحیت کے بعد پہلا سفر لدھیانہ (۳/مارچ ۱۸۹۱ء تا اگست ۱۸۹۱ء) [24][25]

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے "سیرت مسیح موعود" میں اس سفر کا ایک نہایت دلچسپ واقعہ لکھا ہے جو آپ کا چشم دید ہے۔ لکھتے ہیں :۔

"محمود کوئی تین برس کا ہو گا۔ آپ لدھیانہ میں تھے۔ میں بھی وہیں تھا۔ گرمی کا موسم تھا مردانہ اور زنانہ میں ایک دیوار حائل تھی۔ آدھی رات کا وقت ہو گا جو میں جاگا اور مجھے محمود کے رونے اور حضرت کے ادھر ادھر کی باتوں میں بہلانے کی آواز آئی۔ حضرت اسے گود میں لئے پھرتے تھے اور وہ کسی طرح چپ نہیں ہوتا تھا۔ آخر آپ نے کہا۔ دیکھو محمود وہ کیسا تارا ہے۔ بچہ نے نئے مشغلہ کی طرف دیکھا اور ذرا چپ ہوا۔ پھر وہی رونا اور چلانا اور یہ کہنا شروع کر دیا "ابا تارے جانا" کیا مجھے مزہ آیا اور پیارا معلوم ہوا۔ آپ کا اپنے ساتھ یوں گفتگو کرنا۔ "یہ اچھا ہوا ہم نے تو ایک راہ نکالی تھی اس نے اس میں بھی اپنی ضد کی راہ نکالی۔" آخر بچہ روتا روتا خود ہی جب تھک گیا چپ ہو گیا۔ مگر اس سارے عرصہ میں ایک لفظ بھی سختی کا یا شکایت کا آپ کی زبان سے نہ نکلا" [26]

۴۔ سفر دہلی (ستمبر ۱۸۹۱ء) دہلی میں نواب لوہارو کی دو منزلہ کوٹھی واقع محلہ بلیماران میں قیام ہوا [27]

۵۔ ۱۸۹۲ء کے ابتداء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے پہلے لاہور پھر سیالکوٹ کا سفر اختیار فرمایا جس میں حضرت ام المومنین اور سیدنا محمود بھی ہمراہ سفر تھے [28]۔

۶۔ وسط ۱۸۹۳ء جنگ مقدس (امرتسر) کے سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

بھی اپنے مقدس والدین کے ہمراہ سفر تھے۔ [۲۹]

۷۔ سفر فیروز پور (نومبر دسمبر ۱۸۹۳ء) [۳۰]

بچپن میں سلسلہ احمدیہ کے ابتدائی حالات کا مشاہدہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سلسلہ احمدیہ کے ابتدائی چشم دید حالات کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں۔

(۱) "جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے دعویٰ کیا اس وقت میں بچہ تھا۔ دو پونے دو سال کی عمر ہوگی پس اس وقت کے حالات تو میں بتا نہیں سکتا۔ مگر....... مجھے وہ زمانہ خوب یاد ہے جب ہمیں اپنے گھروں سے نکلنے نہیں دیا جاتا تھا کیونکہ خطرہ تھا کہ دشمن کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں۔ اس زمانہ میں ہمیں گھروں میں یوں بند رکھا جاتا جیسے کہتے ہیں پرانے زمانوں میں مغضوں کو بھورے میں سالہا سال تک رکھا جاتا تھا۔ ہمیں نہایت سختی سے کہا جاتا کہ کہیں سے کھانے پینے کی کوئی چیز نہ لینا مبادا اس میں کسی دشمن کی شرارت ہو" [۳۱]۔

(۲) "حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے اپنے رشتہ داروں نے اعلان کر دیا۔ بلکہ بعض اخبارات میں یہ اعلان چھپوا بھی دیا۔ کہ اس شخص نے دوکانداری چلائی ہے اس کی طرف کسی کو توجہ نہیں کرنی چاہئے۔ اور اسی طرح ساری دنیا کو انہوں نے بدگمان کرنے کی کوشش کی۔ پھر یہ میرے ہوش کی بات ہے کہ بہت سے کام کرنے والے لوگوں نے جو زمیندارہ انتظام میں کمیں کہلاتے ہیں آپ کے گھر کے کاموں سے انکار کر دیا اس کے محرک دراصل ہمارے رشتہ دار ہی تھے" [۳۲]۔

(۳) "میری عمر تو چھوٹی تھی لیکن وہ نظارہ اب بھی یاد ہے۔ جہاں اب مدرسہ (احمدیہ) ہے وہاں ڈھاب ہوتی تھی۔ ورلا حصہ جہاں اب بازار پڑا ہے وہاں..... میلے کے ڈھیر لگے ہوتے تھے اور مدرسہ کی جگہ لوگ دن کو نہیں جایا کرتے تھے کہ اس جگہ آسیب ہو جاتا ہے۔ قادیان کے لوگ سمجھتے تھے کہ یہ آسیب زدہ جگہ ہے اول تو وہاں کوئی جاتا نہیں تھا اور جو جاتا بھی تو اکیلا کوئی نہ جاتا۔ بلکہ دو تین مل کر جاتے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہاں جانے سے جن چڑھ جاتا ہے۔ جن چڑھتا تھا یا نہیں بہرحال یہ جگہ ویران تھی...... مجھے وہ دن بھی یاد ہیں کہ میں چھوٹا سا تھا حضرت صاحب سیر کو جایا کرتے تھے میں بھی کبھی کبھی اصرار کرتا تو حضرت صاحب مجھے ساتھ لے جاتے۔ مجھے یاد ہے برسات کا موسم تھا ایک چھوٹے سے گڑھے میں پانی کھڑا تھا۔ میں اسے پھلانگ نہ سکا۔ تو مجھے خود اٹھا کے آگے کیا گیا پھر کبھی شیخ حامد علی صاحب ؓ اور کبھی حضرت صاحب خود مجھے اٹھا لیتے۔ اس وقت نہ کوئی مہمان تھا اور نہ یہ مکان تھا۔ کوئی ترقی نہ تھی مگر ایک رنگ میں یہ بھی ترقی کا زمانہ تھا۔ کیونکہ اس وقت حافظ حامد علی صاحب آچکے

تھے [۲۳]۔

(۴) "مسجد مبارک میں ایک ستون مغرب سے مشرق کی طرف کھڑا ہے اس کے شمال میں جو حصہ مسجد کا ہے یہ اس زمانہ کی مسجد تھی اور اس میں نماز کے وقت کبھی ایک اور کبھی دو سطریں ہوتی تھیں اس ٹکڑہ میں تین دیواریں ہوتی تھیں۔ ایک تو دو کھڑکیوں والی جگہ میں جہاں آج کل پہرہ دار کھڑا ہوتا ہے اس حصہ میں امام کھڑا ہوا کرتا تھا۔ پھر جہاں اب ستون ہے وہاں ایک اور دیوار تھی اور ایک دروازہ تھا۔ اس حصہ میں صرف دو قطاریں نمازیوں کی کھڑی ہو سکتی تھیں۔ اور فی قطار غالباً پانچ سات آدمی کھڑے ہو سکتے تھے اس حصہ میں اس وقت کبھی ایک قطار نمازیوں کی ہوتی اور کبھی دو ہوتی تھیں۔ مجھے یاد ہے جب اس حصہ مسجد میں نمازی بڑھے اور آخری یعنی تیسرے حصہ میں نمازی کھڑے ہوئے تو ہماری حیرت کی کوئی حد نہ رہی تھی۔ گویا جب پندرھواں یا سولھواں نمازی آیا تو ہم حیران ہو کر کہنے لگے کہ اب تو بہت لوگ نماز میں آتے ہیں۔....."

(۵) "....... مجھے یاد ہے۔ ہمارا ایک کچا کوٹھا ہوتا تھا۔ اور بچپن میں کبھی کھیلنے کے لئے ہم اس پر چڑھ جایا کرتے تھے۔ اس پر چڑھنے کے لئے جن سیڑھیوں پر ہمیں چڑھنا پڑتا تھا۔ وہ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کے مکان کے پاس سے چڑھتی تھیں اس وقت ہماری تائی صاحبہ جو بعد میں آکر احمدی بھی ہو گئیں مجھے دیکھ کر کہا کرتی تھیں کہ "جیہو جیہا کاں او ہو جیہی کوکو" میں بوجہ اس کے کہ میری والدہ ہندوستانی ہیں۔ اور اس وجہ سے بھی کہ بچپن میں زیادہ علم نہیں ہوتا۔ اس پنجابی فقرہ کے معنی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ میں نے اپنی والدہ صاحبہ سے اس کے متعلق پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جیسے کوا ہوتا ہے ویسے ہی اس کے بچے ہوتے ہیں۔ کوے سے مراد (نعوذ باللہ) تمہارے ابا ہیں اور کوکو سے مراد تم ہو۔ مگر پھر میں نے وہ زمانہ بھی دیکھا ہے کہ وہی تائی صاحبہ اگر میں کبھی ان کے ہاں جاتا تو بہت عزت سے پیش آتیں میرے لئے گدا بچھاتیں اور احترام سے بٹھاتیں۔ اور ادب سے متوجہ ہوتیں۔ اور اگر میں کہتا کہ آپ کمزور اور ضعیف ہیں ہلیں نہیں۔ کوئی تکلیف نہ کریں تو وہ کہتیں کہ آپ تو میرے پیر ہیں گویا وہ زمانہ بھی دیکھا جب میں "کوکو" تھا اور وہ بھی جب میں پیر بنا" [۲۴]۔

(۶) "اس جگہ پر جہاں اب مدرسہ احمدیہ کے لڑکے پڑھتے ہیں۔ ایک ٹوٹی ہوئی فصیل ہوا کرتی تھی۔ ہمارے آباؤ اجداد کے زمانے میں قادیان کی حفاظت کے لئے وہ کچی فصیل بنی ہوئی تھی جو خاصی چوڑی تھی۔ اور ایک گڈا اس پر چل سکتا تھا۔ پھر انگریزی حکومت نے جب اسے تڑوا کر نیلام کر دیا۔ تو اس کا کچھ ٹکڑا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے مہمان خانہ کی نیت سے لے لیا تھا۔ وہ ایک

زمین لمبی سی چلی جاتی تھی میں نہیں کہہ سکتا اس وقت ۱۸۹۳ء تھا یا ۱۸۹۴ء یا ۱۸۹۵ء قریباً قریباً اسی قسم کا زمانہ تھا۔ یہی دن تھے۔ یہی موسم تھا۔ یہی مہینہ (یعنی دسمبر۔ ناقل) تھا...... میں اس وقت اس اجتماع کی اہمیت کو نہیں سمجھتا تھا۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ میں وہاں جمع ہونے والے لوگوں کے اردگرد دوڑتا اور کھیلتا پھرتا تھا۔ میرے لئے اس زمانہ کے لحاظ سے یہ اچنبھے کی بات تھی کہ کچھ لوگ جمع ہیں اس فصیل پر ایک دری بچھی ہوئی تھی۔ جس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھے ہوئے تھے اور اردگرد وہ دوست تھے جو جلسہ سالانہ کے اجتماع کے نام سے جمع تھے۔ ممکن ہے میرا حافظہ غلطی کرتا ہو اور دری ایک نہ ہو دو ہوں لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ ایک ہی دری تھی۔ اس ایک ہی دری پر کچھ لوگ بیٹھے تھے ڈیڑھ سو ہوں گے یا دو سو اور بچے ملا کر ان کی فہرست اڑھائی سو کی تعداد میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شائع بھی کی تھی۔ وہ لوگ جمع ہوئے تھے اس نیت اور اس ارادہ سے کہ اسلام دنیا میں نہایت ہی کمزور حالت میں کر دیا گیا ہے اور وہ ایک ہی نور جس کے بغیر دنیا میں روشنی نہیں ہو سکتی اسے بجھانے کے لئے لوگ اپنا پورا زور لگا رہے ہیں اور ظلمت اور تاریکی کے فرزند اسے مٹا دینا چاہتے ہیں اس ایک ارب اور ۲۵-۳۰ کروڑ آدمیوں کی دنیا میں دو اڑھائی سو بالغ آدمی جن میں سے اکثر کے لباس غریبانہ تھے۔ جن میں بہت ہی کم لوگ تھے جو ہندوستان کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی متوسط درجہ کے کہلا سکیں جمع ہوئے تھے۔ اس ارادہ اور اس نیت سے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا جسے دشمن سرنگوں کرنے کی کوشش کر رہا ہے وہ اس جھنڈے کو سرنگوں نہیں ہونے دیں گے۔ بلکہ اسے پکڑ کر سیدھا رکھیں گے۔ اور اپنے آپ کو فنا کر دیں گے مگر اسے نیچا نہ ہونے دیں گے" [۲۵]۔

حضرت مسیح موعودؑ کی غیر معمولی نظر شفقت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابتدا ہی سے بے مثال شفقت و محبت تھی اور حضور آپ کی دلداری اور دلجوئی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ فرماتے تھے اور آپ کا یہ غیر معمولی پیار دیکھ کر آپ کے خدام بھی حیران رہ جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کی دو اہم چشم دید روایات اس پر کافی روشنی ڈالتی ہیں۔ حضرت منشی صاحب کا بیان ہے کہ۔

(۱) "حضرت صاحب اپنے بیٹھنے کی جگہ کھلے کواڑ کبھی نہ بیٹھتے بلکہ کنڈا لگا کر بیٹھتے تھے۔ حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب تھوڑی دیر بعد آکر کہتے۔ ابا کنڈا کھول اور حضور اٹھ کر کھول دیتے۔"

(۲) "ایک دفعہ حضور لیٹے تھے اور سید فضل شاہ صاحب مرحوم حضور کے پیر داب رہے تھے۔ حضرت صاحب کسی قدر سو گئے۔ شاہ صاحب نے اشارہ کر کے مجھے کہا کہ یہاں پر جیب میں کچھ سخت چیز پڑی ہے۔ میں نے ہاتھ ڈال کر نکال لی۔ تو حضور کی آنکھ کھل گئی۔ آدھی ٹوٹے ہوئے گھڑے کی ایک چپنی تھی۔ اور دو ایک ٹھیکرے۔ میں پھینکنے لگا تو حضور نے فرمایا۔ یہ میاں محمود نے کھیلتے کھیلتے میری جیب میں ڈال دیئے آپ پھینکیں نہیں میری جیب میں ہی ڈال دیں کیونکہ انہوں نے ہمیں امین سمجھ کر اپنے کھیلنے کی چیز رکھی ہے۔ وہ مانگیں گے تو ہم کہاں سے دیں گے۔ پھر وہ جیب میں ہی ڈال لئے۔ یہ واقعہ اگرچہ مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کے سوانح میں لکھا ہے مگر میرے سامنے کا یہ واقعہ ہے" [۲۶]۔

اس ضمن میں ایک تیسری روایت بھی ہے۔ یہ روایت حضرت مولوی عبد الکریم صاحبؓ نے اپنے قلم سے لکھی ہے جو نہایت درجہ عجیب ہے آپ لکھتے ہیں کہ۔

"محمود چار ایک برس کا تھا۔ حضرت معمولاً اندر بیٹھے لکھ رہے تھے میاں محمود دیا سلائی لے کر وہاں تشریف لائے اور آپ کے ساتھ بچوں کا ایک غول بھی تھا۔ پہلے کچھ دیر تک آپس میں کھیلتے جھگڑتے رہے پھر جو کچھ دل میں آئی۔ ان مسودات کو آگ لگا دی۔ اور آپ لگے خوش ہونے اور تالیاں بجانے۔ اور حضرت لکھنے میں مصروف ہیں سر اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے اتنے میں آگ بجھ گئی اور قیمتی مسودے راکھ کا ڈھیر ہو گئے۔ اور بچوں کو کسی اور مشغلہ نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ حضرت کو سیاق عبارت ملانے کے لئے کسی گزشتہ کاغذ کے دیکھنے کی ضرورت ہوئی۔ اس سے پوچھتے ہیں خاموش۔ اس سے پوچھتے ہیں دبکا جاتا ہے۔ آخر ایک بچہ بول اٹھا کہ میاں صاحب نے کاغذ جلا دیئے۔ عورتیں بچے اور گھر کے سب لوگ حیران اور انگشت بدنداں کہ اب کیا ہو گا اور در حقیقت عادتاً ان سب کو علیٰ قدر مراتب بری حالت اور مکروہ نظارہ کے پیش آنے کا گمان اور انتظار تھا اور ہونا بھی چاہئے تھا۔ مگر حضرت مسکرا کر فرماتے ہیں۔ خوب ہوا اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی بڑی مصلحت ہو گی۔ اور اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔ کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے" [۲۷]۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا معمول تھا کہ آپ کے لئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی کھانے کی چیز صندوق وغیرہ میں ضرور رکھتے تھے۔ حضرت اقدسؑ تصنیف کے کام میں مصروف ہوتے اور آپ کھانے کی کوئی چیز طلب فرماتے تو حضور اسی وقت یہ مطالبہ پورا فرما دیتے [۲۸]۔

اسی طرح حضور گول کمرہ میں اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے [۲۹]۔ آپ کا دل بہلانے کے لئے کہانیاں سناتے چنانچہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ فرماتے ہیں۔

"حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو کہانیاں سننے کا بہت شوق ہوتا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام

بھی ان کی دلداری نہیں بلکہ تربیت کے خیال سے کہانیاں سننے کی اور دوسروں کو سنانے کی اجازت ہی نہ دیتے تھے بلکہ خود بھی بعض اوقات سنادیا کرتے تھے"[۶۰]۔

ابھی آپ گود میں کھیلتے تھے آپ کو حضورؑ نے سیر کے لئے اپنے ساتھ لے جانا شروع کیا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ سیر میں ایک دفعہ حضرت میاں صاحب (حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی) بھی ساتھ گئے نانا جان نے اٹھایا ہوا تھا رستہ میں حضور نے فرط محبت و شفقت سے آپ کو چوما۔[۶۱] سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبات میں بچپن کی ایک ابتدائی سیر کا یوں ذکر فرمایا ہے۔

"میری پیدائش اور بیعت قریباً ایک ہی وقت چلتی ہے اور جب میں نے کچھ ہوش سنبھالا اس وقت کئی سال تبلیغ پر گزر چکے تھے۔ لیکن مجھے اپنے ہوش کے زمانہ میں یہ بات یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سیر کے لئے نکلتے تو صرف حافظ حامد علی صاحب ساتھ ہوتے۔ ایک دفعہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس طرف سیر کے لئے آنا یاد ہے۔ میں اس وقت چونکہ چھوٹا بچہ تھا۔ اس لئے میں نے اصرار کیا۔ کہ میں بھی سیر کے لئے چلوں گا۔ اس زمانے میں یہاں جھاؤ کے پودے ہوا کرتے تھے۔ اور یہ تمام علاقہ جہاں اب تعلیم الاسلام ہائی سکول بورڈنگ اور مسجد وغیرہ ہے ایک جنگل تھا اور اس میں جھاؤ کے سوا اور کوئی چیز نہ ہوا کرتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی طرف سیر کو تشریف لائے اور میرے اصرار پر مجھے بھی ساتھ لے لیا۔ مگر تھوڑی دیر چلنے کے بعد میں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ میں تھک گیا ہوں اس پر کبھی مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھاتے اور کبھی حافظ حامد علی صاحب۔ اور یہ نظارہ مجھے آج تک یاد ہے"[۶۲]۔

حضرت سید فضل شاہ صاحب کہتے ہیں کہ جب کبھی حضرت میاں محمود احمد صاحب سامنے آتے اور اس وقت جب آپ بالکل بچے تھے...... میں نے حضرت صاحب کا یہ دستور دیکھا کہ جب ان کو کوئی لاتا یا خود آتے حضرت صاحب ان کو السلام علیکم فرمایا کرتے[۶۳]۔

یہ تو بچپن کی بات ہے جوں جوں سیدنا حضرت محمود کی عمر زیادہ ہوتی گئی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے اعزاز و اکرام میں نمایاں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ آخر عمر میں تو حضور کو حضرت میاں بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کی صحت اور آرام کا خاص طور پر فکر رہتا تھا۔ ماں کی مامتا اور محبت تو مشہور ہے مگر حضرت ام المومنین جیسی ماں مہربان نے سیدنا محمود کو جس ناز و نعمت سے پالا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ حضرت ام المومنین کو گو سب صاحبزادوں سے پیار تھا مگر سیدنا حضرت محمود پر تو آپ ہزار جان سے فدا تھیں۔

حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت ام المومنینؓ کی آغوش میں خاص تربیت

سیدنا حضرت محمود سلمہ الودود اپنے مقدس والدین کے جتنے لاڈلے بچے تھے اتنا ہی زیادہ آپ کی تربیت کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں سب سے موثر ذریعہ تو خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت ام المومنینؓ کی پاک اور مطہر اور خدانما زندگی تھی جس کے آئینہ میں دنیا کے مربی اعظم رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی تصویر پوری طرح نمایاں اور ہویدا تھی۔ اور آفتاب نبوت کی تیز شعاعیں اس سے منعکس ہو کر کاشانہ مسیحیت و مہدویت کو منور کرتی رہتی تھیں۔

اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت ام المومنین دونوں شروع ہی سے خاص اہتمام فرماتے تھے کہ ان کے پیارے محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کی تربیت خالص اسلامی و روحانی ماحول میں ہو اور خدائی وعدوں کے مطابق آپ کا وجود عصر حاضر کے لئے ایک مثالی وجود ثابت ہو۔ آپ کے لئے درد و سوز سے دعاؤں کا سلسلہ تو آخر دم تک جاری رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت اقدس کوشش فرماتے رہے کہ آپ کے اخلاق و عادات پر ہمیشہ نیکی، تقویٰ اور پرہیزگاری کا رنگ ہی غالب رہے اور چونکہ آپ کی ولادت خدائی بشارتوں کے ماتحت ہوئی تھی۔ اور آپ کا وجود مشیت خداوندی سے انوار سماوی کا حامل ہونے والا تھا۔ اس لئے اگر آپ کے عہد طفولیت میں کوئی ایسی بات ہوتی جو اگرچہ صغر سنی کے اعتبار سے تو قابل التفات نہیں ہو سکتی تھی لیکن حضور اسے آپ کی عالی و بلند شان کے منافی سمجھتے۔ تو آپ کو بلا تامل توجہ دلا دیتے۔ چنانچہ آپ نے اس امر کی ایک لطیف مثال خود بیان فرمائی ہے۔

"مجھے بچپن ہی میں یہ سبق سکھایا گیا تھا۔ میں بچپن میں ایک دفعہ ایک طوطا شکار کر کے لایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اسے دیکھ کر کہا۔ محمود! اس کا گوشت حرام تو نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کھانے کے لئے ہی پیدا نہیں کیا۔ بعض خوبصورت جانور دیکھنے کے لئے ہیں کہ انہیں دیکھ کر آنکھیں راحت پائیں۔ بعض جانوروں کو عمدہ آواز دی ہے کہ ان کی آواز سن کر کان لذت حاصل کریں" [۲۲]۔

اس ضمن میں حضور کے زمانہ طالب علمی کا ایک واقعہ "البدر" میں یہ لکھا ہے کہ۔

"مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کے مجمع تشحیذ الاذہان میں ایک دفعہ یہ...... مضمون طلباء کو دیا گیا کہ "علم اور دولت کا مقابلہ کرو۔" صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اس پر بہت غور و فکر کی اور بعض ہم مکتب اور ہم جماعتوں سے بھی بحث کی۔ مگر جب آپ کے قلب مطہر نے علم اور دولت میں سے کسی کو کافی اور یقینی طور پر بہتر ہونے کا فتویٰ نہ دیا تو آپ اپنے ابا جان امام الوقت کے ساتھ کھانا کھاتے

ہوئے میاں بشیر احمد صاحبؓ سے یوں مخاطب ہوئے۔

محمود احمد۔ بشیرا تم بتلا سکتے ہو کہ علم اچھا ہے یا دولت؟

میاں بشیر احمد صاحب نے تو کیا جواب دینا تھا۔ امام الوقت سن کر فرمانے لگے...... بیٹا محمود! توبہ کرو توبہ کرو نہ علم اچھا ہے نہ دولت خدا کا فضل اچھا ہے"۔ [۲۵]

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے لکھا ہے کہ "ایک دفعہ میاں (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) دالان کے دروازے بند کر کے چڑیاں پکڑ رہے تھے کہ حضرت صاحب نے جمعہ کی نماز کے لئے باہر جاتے ہوئے ان کو دیکھ لیا اور فرمایا۔

"میاں گھر کی چڑیاں نہیں پکڑا کرتے۔ جس میں رحم نہیں اس میں ایمان نہیں" [۲۶]۔

مرزا محمد اسمٰعیل بیگ صاحب مرحوم کی روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام مع اصحاب .... سیر کو تشریف لے گئے۔ راستہ کے ایک طرف کیکر کا ایک درخت گرا پڑا تھا۔ بعض دوستوں نے اس کی شاخوں سے مسواکیں بنالیں۔ حضور کے ساتھ غالباً حضرت خلیفہ ثانی بھی تھے۔ چھوٹی عمر تھی ایک مسواک کسی نے آپ کو بھی دے دی اور انہوں نے بے تکلفی سے بچپن کی وجہ سے ایک دو دفعہ یہ بھی کہہ دیا کہ ابا مسواک لے لیں مگر حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ پہلے ہمیں یہ بتلاؤ کہ کس کی اجازت سے یہ مسواکیں حاصل کی گئی ہیں۔ یہ بات سنتے ہی سب نے مسواکیں زمین پر پھینک دیں" [۲۷]۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو سنت نبوی کے مطابق خاص طور پر ہدایت کر رکھی تھی کہ گھر سے باہر نکلنے کے وقت ہاتھ میں چھڑی رکھا کریں [۲۸]۔

اسی طرح مغرب کے بعد آپ کو گھر کی چار دیواری سے باہر قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ جس کی ایک وجہ سیدنا حضرت محمود خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمائی ہے۔

"اپنے بچوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام مغرب کے بعد کبھی باہر نہیں نکلنے دیتے تھے کیونکہ آپ سمجھتے تھے لوگ دشمن ہیں ممکن ہے وہ بچوں پر حملہ کر دیں اور انہیں نقصان پہنچائیں مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھے کبھی بھی مغرب کے بعد گھر سے نکلنے نہیں دیا اور اس کے بعد بھی آپ کی وفات تک میں اجازت لے کر مغرب کے بعد گھر سے جاتا" [۲۹]۔

حضرت ام المومنینؓ کی تربیت کے سنہری اصول

اب رہا حضرت ام المومنینؓ کے تربیت کرنے کا معاملہ سو آپ کے زریں اور قیمتی اصول اخلاق و تربیت پر حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی کا مندرجہ

ذیل اہم بیان کافی روشنی ڈالتا ہے۔ حضرت سیدہ موصوفہ تحریر فرماتی ہیں۔ "اصولی تربیت میں میں نے اس عمر تک بہت مطالعہ عام و خاص لوگوں کا کر کے بھی حضرت والدہ صاحبہ (ام المومنین رضی اللہ عنہا۔ ناقل) سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔ آپ نے دنیوی تعلیم نہیں پائی (بجز معمولی اردو خواندگی کے) مگر جو آپ کے اصول اخلاق و تربیت ہیں ان کو دیکھ کر میں نے یہی سمجھا ہے کہ خاص خدا کا فضل اور خدا کے مسیح کی تربیت کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ یہ سب کہاں سے سیکھا؟

۱۔ بچے پر ہمیشہ اعتبار اور بہت پختہ اعتبار ظاہر کر کے اس کو والدین کے اعتبار کی شرم اور لاج ڈال دینا یہ آپ کا بڑا اصول تربیت ہے۔

۲۔ جھوٹ سے نفرت اور غیرت و غنا آپ کا اول سبق ہوتا تھا۔ ہم لوگوں سے بھی آپ ہمیشہ یہی فرماتی رہیں کہ بچہ میں یہ عادت ڈالو کہ وہ کہنا مان لے۔ پھر بے شک بچپن کی شرارت بھی آئے تو کوئی ڈر نہیں۔ جس وقت بھی روکا جائے گا باز آجائے گا۔ اور اصلاح ہو جائے گی۔ فرماتیں کہ اگر ایک بار تم نے کہنا ماننے کی پختہ عادت ڈال دی۔ تو پھر ہمیشہ اصلاح کی امید ہے یہی آپ نے ہم لوگوں کو سکھا رکھا تھا۔ اور کبھی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ کہ ہم والدین کی عدم موجودگی کی حالت میں بھی ان کے منشاء کے خلاف کر سکتے ہیں۔

حضرت ام المومنینؓ ہمیشہ فرماتی تھیں کہ "میرے بچے جھوٹ نہیں بولتے۔" اور یہی اعتبار تھا جو ہم کو جھوٹ سے بچاتا بلکہ زیادہ متنفر کرتا تھا۔ مجھے آپ کا سختی کرنا کبھی یاد نہیں۔ پھر بھی آپ کا ایک خاص رعب تھا اور ہم بہ نسبت آپ کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دنیا کے عام قاعدہ کے خلاف بہت زیادہ بے تکلف تھے۔ اور مجھے یاد ہے کہ حضور اقدسؑ سے حضرت والدہ صاحبہ کی بے حد محبت و قدر کی وجہ سے آپ کی قدر میرے دل میں اور بھی بڑھا کرتی تھی۔

بچوں کی تربیت کے متعلق ایک اصول آپ یہ بھی بیان فرمایا کرتی تھیں کہ "پہلے بچے کی تربیت پر اپنا پورا زور لگاؤ۔ دوسرے ان کا نمونہ دیکھ کر خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے" [۵۰]۔

پاکیزہ بچپن پر ایک عمومی نوٹ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے حسن تربیت ہی کا فیض تھا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ جو فطرتاً آسمانی نوروں سے حصہ وافر لے کر آئے تھے ابتدا ہی سے نہایت درجہ پاک و مطہر تھے اور آپ کا بچپن اپنے ہم عمر تمام بچوں سے بالکل نرالا رنگ رکھتا تھا۔

ایک شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے آپ میں شروع ہی سے اولوالعزمی اور جلال کا رنگ بہت نمایاں تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک نہایت قدیمی اور مخلص صحابی حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہان پوری اپنا ایک چشم دید واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"اپریل یا مئی ۱۸۹۳ء کا ذکر ہے کہ میں ایک روز نماز عصر کے لئے مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ جب اس جگہ پہنچا جہاں حضرت سید احمد نور کابلی رضی اللہ عنہ کی دکان تھی۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ اس سے شمال کی طرف چند قدم کے فاصلہ پر حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جو اس زمانہ میں میاں صاحب یا میاں محمود کہلاتے تھے چند بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ میں آپ کو دیکھ ہی رہا تھا کہ سیدنا و مولانا حضرت مولوی نور الدین ؓ بھی تشریف لے آئے اگرچہ آنجناب زمین پر اکڑو بیٹھنے کو پسند نہیں فرماتے تھے تاہم میاں صاحب کے قریب پہنچ کر اکڑو زمین پر بیٹھ گئے۔ اور آپ کو اپنے ہاتھوں کے حلقہ میں لے لیا۔ اور بڑی محبت کی نظروں سے آپ کو دیکھتے ہوئے پیار کے لہجہ میں فرمایا۔ "میاں آپ کھیل رہے ہیں۔" میاں نے معصومانہ نظروں سے حضرت مولوی صاحب کی طرف دیکھا اور جس لہجہ میں آپ سے سوال کیا گیا تھا بالکل اسی لہجہ میں بڑی تیزی سے جواب دیا کہ "بڑے ہوں گے تو ہم بھی کام کریں گے۔" سیدنا حضرت مولوی صاحب ؓ نے یہ جواب سن کر فرمایا کہ "خیال تو تمہارے پیو کا بھی یہی ہے۔ اور نور الدین کا بھی واللہ اعلم بالصواب۔" مجھے "پیو" کے معنے معلوم نہیں تھے اس لئے میں یہ سمجھ نہیں سکا کہ سیدنا حضرت مولوی صاحب کس امر میں کس سے متحد الخیال ہیں۔ جب سیدنا حضرت مولوی صاحب مسجد کی طرف روانہ ہوئے تو ہمراہیوں میں سے کسی سے پوچھا کہ پیو کسے کہتے ہیں تو معلوم ہوا کہ باپ کو مگر یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی متحد الخیال ہونے والی بات میں اس وقت نہیں سمجھا تھا وہ سیدنا حضرت مولانا نور الدین ؓ کے زمانہ خلافت میں مجھے معلوم ہوئی۔ فالحمد للہ

جس زمانے کی یہ بات ہے اس زمانے میں حضرت امیرالمومنین کی عمر چار سال یا اس سے کچھ تھوڑی ہی زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ مجھے آج بھی جب اس واقعہ کا خیال آتا ہے تو میں حیران ہو جاتا ہوں کہ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے اتنی چھوٹی عمر میں حضرت مولوی صاحب کا سوال کیسے سمجھا اور اس کا اتنا چیدہ و سنجیدہ اور پسندیدہ و برجستہ جواب کس طرح دیا تھا" [۵۱]۔

ہمارے ملک کے بچوں میں ایک دلچسپ کھیل رائج ہے۔ کہ ایک لڑکا بیٹھ جاتا ہے اور باقی سب لڑکے اس کے سر پر اوپر نیچے مٹھیاں بند کر کے رکھتے چلے جاتے ہیں آپ بھی بچپن میں یہ کھیل کھیلا کرتے تھے [۵۲]۔ مگر یہ بالکل ابتدائی عمر کی بات ہے ورنہ تعلیمی دور اور اس کے بعد آپ کی پسندیدہ کھیل بیڈ مشن [۵۳] اور فٹ بال تھی۔ جو اپنے زمانہ خلافت سے قبل آپ ایک عرصہ تک کھیلتے رہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے آخری دنوں میں تو آپ نے موگریاں بھی رکھی ہوئیں تھیں [۵۴]۔

ان ورزشی کھیلوں کے علاوہ شکار سے بھی آپ کو رغبت تھی جس کی وجہ خود اپنے قلم سے لکھتے ہیں کہ "میں ابتدائی ایام سے بندوق چلانے کا شائق رہا ہوں۔ بچپن میں ہی مجھے شکار کھیلنے کا شوق تھا۔ میں شکار خود نہیں کھاتا تھا۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لا کر دے دیتا تھا۔ آپ چونکہ دماغی کام کرتے تھے اس لئے شکار کا گوشت آپ کے لئے مفید ہوتا۔ اور آپ اسے پسند بھی فرماتے تھے۔ اس وقت مجھے اتنی مشق تھی کہ میں پانچ چھ چھرے لے جاتا اور ہوائی بندوق سے چار پانچ پرندے مار لاتا تھا۔ حالانکہ وہ بندوق بھی معمولی قسم کی ہوائی بندوق ہوتی تھی" [۵۵]۔

آپ کشتی رانی اور تیراکی بھی کرتے تھے۔ چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک چھوٹی کشتی بھی جہلم سے منگوا کر دی تھی اور آپ کو تیرنا سکھانے کے لئے ابو سعید عرب مقرر ہوئے تھے۔ اس زمانہ میں ڈھاب بڑی وسیع تھی مگر بعد میں ڈھاب پُر کر کے اکثر جگہ مکانات بن گئے [۵۶]۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب جو پہلی مرتبہ ۱۹۰۵ء میں قادیان آئے تو انہوں نے اپنی آنکھوں سے حضور کو ڈھاب میں کشتی چلاتے دیکھا ہے [۵۷]۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی حیات طیبہ کے آخری زمانہ میں غالباً ۱۹۰۶ء کے قریب آپ کی سواری کے لئے ایک گھوڑی بھی خریدی جو نہایت عمدہ نسل اور عمدہ قد کی جوان بچھیری تھی۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خان عبدالمجید خاں صاحب ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کپورتھلہ (فرزند اکبر حضرت منشی محمد خان صاحبؓ) کو خط لکھا کہ یہ چالاک گھوڑی ہے اس کی بجائے کوئی اور گھوڑی بھجوائی جائے یا اس کو بیچ کر کوئی اور عمدہ گھوڑی بھجوا دیں۔ حضرت شیخ عرفانی الکبیرؓ نے مکتوبات احمدیہ حصہ پنجم میں حضور کا پورا خط نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ "اس مکتوب سے ظاہر ہے..... کہ حضور نے بچپن ہی سے صاجزادوں کی تربیت ایک ایسے رنگ میں فرمائی جو ان کی آئندہ زندگی کے ساتھ ایک خاص تعلق رکھتا ہے۔ خصوصیت سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ کی تربیت میں آپ کو خاص شغف تھا یہ گھوڑی حضرت امیرالمومنین ہی کی سواری کے لئے لی گئی تھی۔ اور حضرت امیرالمومنین ایک عمدہ شاہسوار ہیں" [۵۸]۔

سیدنا حضرت محمود بچپن میں ٹوپی پہنا کرتے تھے لیکن ایک دفعہ عید کے روز آپ نے ٹوپی پہن رکھی تھی کہ حضور نے آپ کو دیکھ کر فرمایا۔ میاں تم نے عید کے دن بھی ٹوپی پہنی ہے آپ نے اسی وقت ٹوپی اتار دی اور پگڑی باندھ لی اور کچھ عرصہ بعد ٹوپی کا استعمال ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا [۵۹]۔

آپ کا لباس ابتداء ہی سے نہایت سادہ رہا ہے۔ شروع شروع میں آپ پرانے دستور کے مطابق پاجامہ پہنا کرتے تھے۔ جو شلوار کے رواج سے پہلے عام طور پر سکولوں میں رائج تھا۔ اور شرعی پاجامہ کہلاتا تھا۔ لیکن طالب علمی کی زندگی میں آپ نے شلوار کا استعمال شروع کر دیا۔ اس تبدیلی کی بھی ایک بڑی پُر لطف سرگزشت ہے جس کی تفصیل خود آپ ہی کے الفاظ میں درج کرنا زیادہ مناسب ہو گا۔ فرماتے ہیں۔

"بعض لڑکوں نے مجھے کہا میں شلوار پہنا کروں۔ چنانچہ میں نے شلوار بنائی۔ مجھے خوب یاد ہے جب پہن کر میں گھر سے باہر آیا۔ تو میں نہیں سمجھتا کوئی چور یا ڈاکو بھی کوئی واردات کر کے اتنی ندامت اور شرمساری محسوس کرتا ہو گا جتنی کہ مجھے اس وقت شلوار پہننے سے محسوس ہوئی۔ میں آنکھیں نیچی کئے ہوئے بمشکل اس مکان تک جو پہلے شفا خانہ تھا اور جس میں اس وقت ڈاکٹر عبداللہ صاحب بیٹھا کرتے تھے آیا۔ بھائی عبدالرحیم صاحب اور بعض دوسرے استادوں نے اس بات کی تائید بھی کی کہ شلوار اچھی لگتی ہے۔ مگر مجھے اتنی شرم آئی کہ واپس جا کر میں نے اسے اتار دیا" [۲۰]۔

ایک خاص اور نمایاں وصف جو ابتدائے عمر سے آپ میں پوری شان کے ساتھ نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زبردست محبت و عقیدت تھی کہ حد بیان سے باہر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک دفعہ رات کے وقت صحن میں سو رہے تھے کہ بادل زور شور سے گھر آئے اور بجلی نہایت زور سے کڑکی۔ وہ کڑک اس قدر شدید تھی کہ ہر شخص نے یہی سمجھا کہ گویا بالکل اس کے پاس گری ہے..... حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو صحن میں سو رہے تھے چارپائی سے اٹھ کر کمرہ کی طرف جانے لگے دروازہ کے قریب پہنچے کہ بجلی زور سے کڑکی۔ میں اس وقت آپ کے پیچھے تھا۔ میں نے اسی وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر آپ کے سر پر رکھ دئے اس خیال سے کہ اگر بجلی گرے تو مجھ پر گرے آپ پر نہ گرے۔ اب یہ ایک جہالت کی بات تھی بجلیاں جس خدا کے ہاتھ میں ہیں اس کا تعلق میری نسبت آپ سے زیادہ تھا۔ بلکہ آپ کے طفیل میں بھی بجلی سے بچ سکتا تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہاتھوں سے بجلی کو نہیں روکا جا سکتا۔ مگر عشق کی وجہ سے مجھے ان باتوں میں سے کوئی بات بھی یاد نہ رہی۔ محبت کے وفور کی وجہ سے یہ سب باتیں میری نظر سے اوجھل ہو گئیں اور میں نے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کر دیا" [۲۱]۔

آپ کا جذبہ عقیدت و فدائیت اور ادب و اطاعت محض اس لئے نہیں تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ کے والد ماجد تھے۔ بلکہ اس لئے کہ حضور اللہ تعالیٰ کے مامور ہیں اور اس نے اپنے حکم

سیدنا محمود بچپن میں

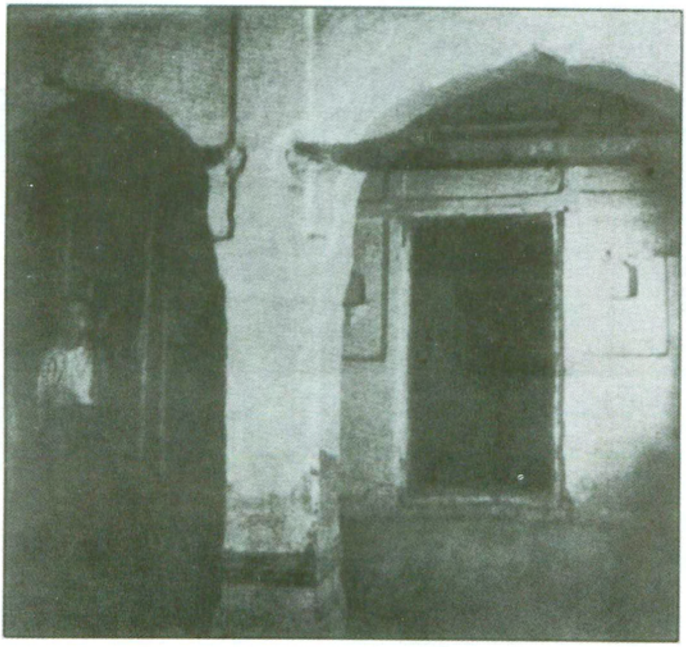

کمرہ ولادت سیدنا محمود

دائیں سے بائیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد المصلح الموعود ۲۔حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ۳۔حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب

۴۔صاحبزادی حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ ۵۔صاحبزادی حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ

سیدنا محمود المصلح الموعود

یہ تصویر **1904**ء کے وسط آخر کی ہے جبکہ سیدنا مسیح موعود علیہ السلام گورداسپور میں مولوی کرم دین کے مقدمہ کے دوران مقیم تھے۔ سیدنا محمودؓ اس وقت مدرسہ تعلیم الاسلام کی دسویں جماعت میں پڑھتے تھے۔

سیدنا المصلح الموعود کی نوجوانی کی ایک تصویر

شبیہ مبارک سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (قریباً 1915ء)

قیام لنڈن کے دوران میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا ایک یادگاری فوٹو

عکس مکتوب مبارک سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام بنام حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحبؓ

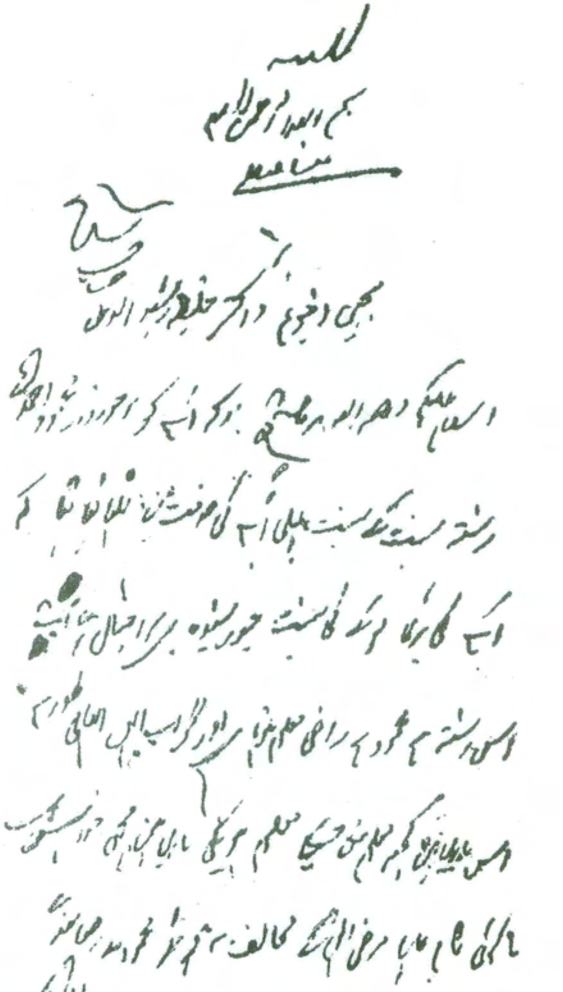

رضیہ بانو کی موفقیت ارشاد اللہ تعالیٰ ہم حضور آپ کو اطلاع

دیتا ہوں کہ اگر حضور تعالیٰ نے بیرونی ہیں اور رسمی لکن

مخالفت نہ ہوگا جیسا کہ مقابل کے سبب ان کی کاموں میں ہمیں

ضرورت ہے صورت میں اور رشتہ آپ کی طبیعت یا دیگر مستعد ہیں

کہ جب آپ کو ہر حسین علوم سے نکاح نہ کرنے کی اطلاع دی جائے

قرار ہے کہ اگر الحسین کوئی بات اور باخبر ہیں حضور آپ حضور اور بیوی کے لیے

سبب سفر میں استخارہ کریں گے کر لیں تا حضور کے استخارہ اور حضور آپ کی

سالگرہ پر کیا ہوا ماں وہ بیگم مبارک ہو تم آپ کو دوسرا مبارک ہو

اور اسلام پر

ز [illegible] اسباب طریقہ کریں شہنشاہ اور ہمدرد تجارت اور تحویل

رسمی مبارک ہو تم کو بیگم سے سہولت سے عطا ہوا خوشحال کہ

تا کہ ہم سید زادہ نکاح ہو گا تا وقت بڑا شکریہ

تا قیامت [illegible] ایسا آپ [illegible]

[illegible] 12 [illegible]

[illegible]

10/12

سے آپ کو بھیجا ہے چنانچہ سیدنا حضرت امیر المومنین نے بچپن کا ایک واقعہ اس طرح بیان فرمایا ہے۔

"میری عمر جب ۹ یا دس برس کی تھی میں اور ایک اور طالب علم ہمارے گھر میں کھیل رہے تھے وہیں ایک الماری میں ایک کتاب پڑی تھی جس پر نیلا جزدان تھا۔ وہ ہمارے دادا صاحب کے وقت کی تھی نئے نئے ہم پڑھنے لگے تھے اس کتاب کو جو کھولا تو اس میں لکھا تھا کہ اب جبرئیل نازل نہیں ہوتا۔ میں نے کہا یہ غلط ہے میرے ابا پر تو نازل ہوتا ہے مگر اس لڑکے نے کہا کہ جبرئیل نہیں آتا کیونکہ اس کتاب میں لکھا ہے ہم میں بحث ہو گئی۔ آخر ہم دونوں حضرت صاحب کے پاس گئے اور دونوں نے اپنا اپنا بیان پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کتاب میں غلط لکھا ہے جبرائیل اب بھی آتا ہے۔" [۶۲]

آپ کا ایک اور واقعہ بھی اس حقیقت کو واضح کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"ایک دفعہ حضرت صاحب کچھ بیمار تھے۔ اس لئے جمعہ کے لئے مسجد میں نہ جا سکے۔ میں اس وقت بالغ نہیں تھا۔ کہ بلوغت والے احکام مجھ پر جاری ہوں۔ تاہم میں جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد کو آ رہا تھا۔ کہ ایک شخص مجھے ملا۔ اس وقت کی عمر کے لحاظ سے تو شکل اس وقت تک یاد نہیں رہ سکتی۔ مگر اس واقعہ کا اثر مجھ پر ایسا ہوا کہ اب تک مجھے اس شخص کی صورت یاد ہے۔ محمد بخش ان کا نام ہے...... میں نے ان سے پوچھا آپ واپس آ رہے ہیں کیا نماز ہو گئی ہے؟ انہوں نے کہا آدمی بہت ہیں مسجد میں جگہ نہیں تھی۔ میں واپس آگیا۔ میں یہ جواب سن کر واپس آگیا اور گھر میں آکر نماز پڑھ لی۔ حضرت صاحب نے یہ دیکھ کر مجھ سے پوچھا۔ مسجد میں نماز پڑھنے کیوں نہیں گئے۔ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ میں بچپن سے ہی حضرت صاحب کا ادب ان کے نبی ہونے کی حیثیت سے کرتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے پوچھنے میں ایک سختی تھی اور آپ کے چہرہ سے غصہ ظاہر ہوتا تھا۔ آپ کے اس رنگ میں پوچھنے کا مجھ پر بہت ہی اثر ہوا۔ جواب میں میں نے کہا کہ میں گیا تو تھا لیکن جگہ نہ ہونے کی وجہ سے واپس آگیا آپ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ لیکن اب جس وقت جمعہ پڑھ کر مولوی عبد الکریم صاحب آپ کی طبیعت کا حال پوچھنے کے لئے آئے تو سب سے پہلی بات جو حضرت مسیح موعودؑ نے آپ سے دریافت کی وہ یہ تھی۔ کہ آج لوگ مسجد میں زیادہ تھے؟ اس وقت میرے دل میں سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ کیونکہ میں خود تو مسجد میں گیا نہیں تھا۔ معلوم نہیں بتانے والے کو غلطی لگی یا مجھے اس کی بات سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں ان کی بات سے یہ سمجھا تھا کہ مسجد میں جگہ نہیں۔ مجھے فکر یہ ہوئی کہ اگر مجھے غلط فہمی ہوئی ہے یا بتانے والے کو ہوئی ہے دونوں صورتوں میں الزام مجھ پر آئے گا۔ کہ میں نے جھوٹ بولا۔ مولوی عبد الکریم صاحب نے جواب دیا۔ ہاں حضور آج واقعہ میں بہت لوگ تھے۔ میں اب بھی نہیں جانتا کہ اصلیت کیا تھی خدا نے میری بریت کے لئے یہ سامان کر دیا کہ مولوی صاحب کی زبان سے بھی اس کی تصدیق کرا

دی یا فی الواقعہ اس دن غیر معمولی طور پر زیادہ لوگ آئے تھے - بہر حال یہ ایک واقعہ ہے جس کا آج تک میرے قلب پر ایک گہرا اثر ہے" [٦٣]-

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آپ کے دل میں جس قدر ادب و احترام تھا اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی ذاتی ضرورت کے لئے حضور سے کبھی کوئی مطالبہ اپنی زبان سے نہیں کیا- چنانچہ فرماتے ہیں - کہ -

ذاتی ضرورت کے لئے میں نے کبھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی کچھ نہیں مانگا مجھے جب کوئی ضرورت پیش آتی میں خاموش پاس کھڑا ہو جایا کرتا - حضرت مسیح موعود علیہ السلام سمجھ جاتے کہ اسے کوئی ضرورت ہے چنانچہ آپ ہماری والدہ صاحبہ سے کہتے کہ اسے کوئی ضرورت معلوم ہوتی ہے - پتہ لو یہ کیا چاہتا ہے [٦٤]-

اسی ضمن میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں -

"میری عمر بہت چھوٹی تھی مگر یہ خدا کا فضل تھا کہ باجودیکہ لکھنے پڑھنے کی طرف توجہ نہ تھی جب سے ہوش سنبھالا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کامل یقین اور ایمان تھا اگر اس وقت والدہ صاحبہ کوئی ایسی بات کرتیں جو میرے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی شان کے شایاں نہ ہوتی تو میں یہ نہ دیکھتا کہ ان کا میاں بیوی کا تعلق ہے اور میرا ان کا ماں بچہ کا تعلق ہے...... حالانکہ میں کبھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کچھ نہ مانگتا تھا - والدہ صاحبہ ہی میری تمام ضروریات کا خیال رکھتی تھیں - باوجود اس کے والدہ صاحبہ کی طرف سے اگر کوئی بات ہوتی تو مجھے گراں گزرتی - مثلاً خدا کے کسی فضل کا ذکر ہوتا تو والدہ صاحبہ کہتیں میرے آنے پر ہی خدا کی یہ برکت نازل ہوئی ہے اس قسم کا فقرہ میں نے والدہ صاحبہ کے منہ سے کم از کم سات آٹھ دفعہ سنا اور جب بھی سنتا گراں گزرتا - میں اسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی بے ادبی سمجھتا تھا - لیکن اب درست معلوم ہوتا ہے - اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام بھی اس فقرہ سے لذت پاتے تھے - کیونکہ وہ برکت اس الہام کے ماتحت ہوئی کہ یاآدم اسکن انت و زوجک " [٦٥]-

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہر حکم کی کامل اطاعت اور فرمانبرداری کیا کرتے تھے اور آپ کے اشاروں کو بھی ابتداہی سے خوب سمجھتے - چنانچہ حضرت سید فضل شاہ صاحب کا واقعہ ہے کہ -

ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ چوبارے کے صحن میں بیٹھے تھے اور بادام آگے رکھے تھے...... میں بادام توڑ رہا تھا کہ اتنے میں حضرت میاں بشیر الدین جن کی عمر اس وقت چار یا پانچ سال کی ہو گی -

تشریف لائے اور سب بادام اٹھا کر جھولی میں ڈال لئے۔ حضرت اقدس نے یہ دیکھ کر فرمایا یہ میاں بہت اچھا ہے یہ زیادہ نہیں لے گا۔ صرف ایک یا دو لے گا۔ باقی سب ڈال دے گا جب حضرت صاحب نے یہ فرمایا۔ میاں نے جھٹ بادام میرے آگے رکھ دیئے اور صرف ایک یا دو بادام لے کر چلے گئے [۶۶]۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر زندہ ایمان ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ حضور کی ہربات صدق دل سے تسلیم کرتے تھے۔ اور اسی کی تلقین دوسروں کو بھی فرماتے۔ چنانچہ بطور مثال آپ کے قلم سے لکھا ہوا ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ فرمایا۔ کہ بعض دفعہ ہم تسبیح کہتے ہیں تو ایک ہی دفعہ کی تسبیح پر ہمیں خدا تعالیٰ کا اس قدر قرب حاصل ہو جاتا ہے کہ دوسرا انسان ہزاروں ہزار ویسی تسبیح کر کے بھی اس سے اتنا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ میں اس مجلس میں نہیں تھا کسی ہمارے ہم عمر نے یہ بات سن لی۔ وہ مجھے ملے تو انہوں نے تعجب سے کہا۔ پتہ نہیں اس میں کیا راز ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معلوم نہیں کس تسبیح کا ذکر کیا۔ اس نے مجھ سے ذکر کیا تو یہ بات فوراً میرے ذہن میں آ گئی کہ ایک تسبیح دل سے نکلتی ہے اور ایک تسبیح زبان سے نکلتی ہے۔ جب تسبیح دل سے نکلتی ہے تو یکدم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہے اور جو تسبیح زبان سے نکلتی ہے وہ خواہ کوئی انسان ہزاروں دفعہ دہرائے وہ وہیں کا وہیں بیٹھا رہتا ہے میں نے اسے کہا میں سمجھ گیا ہوں جو تسبیح دل سے نکلتی ہے اس کا اثر فوراً ظاہر ہو جاتا ہے اور جو صرف زبان سے نکلتی ہے اس کا کوئی اثر پیدا نہیں ہوتا"

[۶۷]۔

وہ بزرگ جنہوں نے آپ کو انتہائی بچپن کے زمانہ سے دیکھا ہے بالاتفاق یہ گواہی دیتے ہیں کہ چھوٹی عمر سے ہی آپ کو دینی باتوں سے خاص شغف اور دلچسپی رہی ہے اور اگرچہ آپ ابتداء سے بہت کمزور اور دبلے پتلے ہوتے تھے اور اکثر صحت خراب رہتی تھی مگر اس زمانہ میں بھی مذہبی باتوں میں آپ ہمیشہ بڑے ذوق و شوق سے حصہ لیتے تھے۔ اگرچہ وہ باتیں شروع شروع میں آپ کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں اور نہ آسکتی تھیں تاہم آپ کو ان سے طبعاً ایک دلی لگاؤ اور گہرا تعلق تھا اسی تعلق کے باعث آپ نے بالکل چھوٹی عمر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں جانا شروع کر دیا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی آپ کو نہایت محبت کے ساتھ اپنے شہ نشین پر دائیں طرف بٹھاتے تھے [۶۸]۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

"صداقت ہمارے پاس ہے اور ہمارے کانوں میں ابھی تک وہ آوازیں گونج رہی ہیں جو ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے براہ راست سنیں میں چھوٹا تھا مگر میرا مشغلہ یہی تھا کہ میں حضرت مسیح

موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بیٹھا رہتا اور آپ کی باتیں سنتا..... ہم نے اس قدر مسائل سنے ہوئے ہیں کہ جب آپ کی کتابوں کو پڑھا جاتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام باتیں ہم نے پہلے سنی ہوئی ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عادت تھی کہ آپ دن کو جو کچھ لکھتے دن اور شام کی مجلس میں آکر بیان کردیتے اس لئے آپ کی تمام کتابیں ہم کو حفظ ہیں اور ہم ان مطالب کو خوب سمجھتے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی منشا اور آپ کی تعلیم کے مطابق ہوں" [۶۹]۔

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیلؓ سے مروی ہے کہ "حضرت صاحب ایک دفعہ سالانہ جلسہ پر تقریر کرکے واپس گھر تشریف لائے تو حضرت میاں صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) سے جن کی عمر اس وقت ۱۰۔۱۲ سال کی ہوگی پوچھا کہ میاں یاد بھی ہے کہ آج میں نے کیا تقریر کی تھی۔ میاں صاحب نے اس تقریر کو اپنی سمجھ اور حافظہ کے موافق دہرایا۔ تو حضرت صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے خوب یاد رکھا ہے" [۷۰]۔

آپ کے عہد طفولیت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ آپ کو چھوٹی عمر سے ہی نماز پڑھنے اور لمبی لمبی دعائیں کرنے کا بے حد شوق تھا۔ دراصل آپ روزانہ اپنی آنکھوں سے قبولیت دعا کے تازہ بتازہ نشانات اور معجزات مشاہدہ کرتے تھے جنہوں نے آپ کو رفتہ رفتہ معرفت' بصیرت' اور یقین و ایمان کی مستحکم چٹان پر کھڑا کردیا تھا۔ خود فرماتے ہیں۔

"ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کی قبولیت کے ایسے نشان دیکھے ہیں کہ ان کے دیکھنے کے بعد خدا تعالیٰ کے وجود میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ پھر خود اپنی ذات میں بھی اس نشان کا مشاہدہ کیا ہے اور بارہا حیرت انگیز ذرائع سے دعاؤں کو قبول ہوتے دیکھا ہے" [۷۱]۔

اس سلسلہ میں بطور نمونہ بچپن کے تین واقعات ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت مفتی محمد صادقؓ کی چشم دید شہادت ہے کہ۔

"چونکہ عاجز نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت ۱۸۹۰ء کے اخیر میں کرلی تھی۔ اور اس وقت سے ہمیشہ آمدورفت کا سلسلہ متواتر جاری رہا۔ میں حضرت اولوالعزم مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کو ان کے بچپن سے دیکھ رہا ہوں کہ کس طرح ہمیشہ ان کی عادت حیا اور شرافت اور صداقت اور دین کی طرف متوجہ ہونے کی تھی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دینی کاموں میں بچپن سے ہی ان کو شوق تھا نمازوں میں اکثر حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ جامع مسجد میں جاتے اور خطبہ سنتے۔ ایک دفعہ مجھے یاد ہے جب آپ کی عمر دس سال کے قریب ہوگی آپ مسجد اقصیٰ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

ساتھ نماز میں کھڑے تھے اور پھر سجدہ میں بہت رو رہے تھے بچپن سے ہی آپ کو فطرتاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ خاص تعلق محبت تھا" [۴۲]۔

۲۔ اسی نوعیت کا ایک ایمان افروز واقعہ حضرت شیخ غلام احمد واعظ بھی بیان فرمایا کرتے تھے کہ۔

"ایک دفعہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ آج کی رات مسجد مبارک میں گزاروں گا۔ اور تنہائی میں اپنے مولیٰ سے جو چاہوں گا مانگوں گا۔ مگر جب میں مسجد میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص سجدے میں پڑا ہوا ہے اور الحاح سے دعا کر رہا ہے۔ اس کے اس الحاح کی وجہ سے میں نماز بھی نہ پڑھ سکا۔ اور اس شخص کی دعا کا اثر مجھ پر بھی طاری ہو گیا۔ اور میں بھی دعا میں محو ہو گیا اور میں نے یہ دعا کی کہ یا الٰہی یہ شخص جو تیرے حضور سے جو کچھ مانگ رہا ہے وہ اس کو دے دے اور میں کھڑا کھڑا تھک گیا۔ کہ یہ شخص سر اٹھائے تو معلوم کروں کہ کون ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھ سے پہلے وہ کتنی دیر سے آئے ہوئے تھے۔ مگر جب آپ نے سر اٹھایا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میاں محمود احمد صاحب ہیں۔ میں نے السلام علیکم کی اور مصافحہ کیا۔ اور پوچھا میاں آج اللہ تعالیٰ سے کیا کچھ لے لیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تو یہی مانگا ہے کہ الٰہی مجھے میری آنکھوں سے اسلام کو زندہ کر کے دکھا۔ اور یہ کہہ کر آپ اندر تشریف لے گئے" [۴۳]۔

۳۔ حضرت شیخ محمد اسمٰعیل سرساویؓ [۴۴] کا بیان ہے کہ۔

ہم نے اپنی آنکھوں سے آپ کے بچپن کو دیکھا اور پھر اسی بچپن میں آپ کے ایثار اور آپ کی نیکی اور تقویٰ کو خوب دیکھا۔ ہم نے دیکھا کہ آپ کے قلب میں دین کا ایک جوش موجزن تھا۔ اور بچپن ہی سے آپ دعاؤں میں اس قدر محو اور غرق ہوتے تھے کہ ہم تعجب سے دیکھا کرتے تھے کہ یہ جوش ہم میں کیوں نہیں۔ آپ بعض وقت دعا میں ایسے محو ہوتے تھے کہ ہم ہاتھ اٹھائے اٹھائے تھک جاتے تھے لیکن آپ کو اپنی محویت میں اس قدر بھی معلوم نہ رہتا کہ کس قدر وقت گزر گیا ہے چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سورج گرہن کی نماز پڑھنے کے لئے ہم مسجد اقصیٰ میں جمع ہوئے نماز مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے پڑھائی اور نماز کے بعد مولوی صاحب نے حضرت صاحبزادہ صاحب سے عرض کی کہ "میاں آپ دعا شروع کریں۔" آپ نے دعا شروع فرمائی۔ مگر آپ اس دعا میں ایسے محو ہوئے کہ آپ کو یہ خبر ہی نہ رہی کہ میرے ساتھ اور لوگ بھی دعا میں شریک ہیں دعا میں جس قدر لوگ شامل تھے ان کے ہاتھ اٹھے اٹھے اس قدر تھک گئے کہ وہ شل ہونے کے قریب ہو گئے۔ اور کئی کمزور صحت [۴۵] کے لوگ تو پریشان ہو گئے۔ تب مولوی محمد احسن صاحب نے جو خود بھی تھک چکے تھے دعا کے خاتمہ کے الفاظ بلند

آوازیں کہنے شروع کئے جسے سن کر آپ نے دعا ختم فرمائی [۴۶]۔

حضرت شیخ محمد اسمٰعیلؓ نے اپنے اس بیان میں مزید یہ لکھا ہے کہ۔

"ہم نے بارہا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے سنا ہے۔ ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار سنا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ وہ لڑکا جس کا پیشگوئی میں ذکر ہے وہ میاں محمود ہی ہیں اور ہم نے آپ سے یہ بھی سنا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "میاں محمود میں اس قدر دینی جوش پایا جاتا ہے کہ میں بعض اوقات ان کے لئے خاص طور پر دعا کرتا ہوں" [۴۷]۔

حضرت مسیح موعودؑ کی بعض ابتدائی کتابوں میں آپ کا ذکر مبارک

سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کی عمر بمشکل دو سال کی ہوگی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۸۹۱ء کے آغاز میں دعویٰ مسیحیت کا اعلان فرمایا۔ حضور نے اسی سال سے جہاں اپنے دعاوی کے ثبوت میں دوسرے زبردست نشانات پبلک کے سامنے رکھنے شروع کئے وہاں آپ نے التزام کے ساتھ پیشگوئی متعلقہ پسر موعود کی بھی بار بار منادی کرنا شروع کر دی۔ اور اپنی کتابوں میں بڑے زور شور سے تمام لوگوں کو توجہ دلانے لگے کہ پسر موعود سے متعلق آسمانی نشان کو بھی یاد رکھیں کہ یہ آپ کی سچائی اسلام کی سچائی اور محمد رسول اللہؐ کی سچائی پر ایک عظیم الشان برہان ہے۔ چنانچہ ۱۸۹۱ء سے ۱۸۹۴ء تک کے زمانے میں آپ نے جو کتابیں تصنیف فرمائیں ان میں سے "ازالہ اوہام"۔ "نشان آسمانی"۔ "آئینہ کمالات اسلام" اور "سر الخلافہ" [۴۸] میں پسر موعود کا ذکر بھی بڑی وضاحت سے موجود ہے۔

چنانچہ "ازالہ اوہام" میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

"خدا تعالیٰ نے ایک قطعی اور یقینی پیشگوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ہی ذریت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی۔ وہ آسمان سے اترے گا۔ اور زمین والوں کی راہ سیدھی کر دے گا۔ وہ اسیروں کو رستگاری بخشے گا۔ اور ان کو جو شبہات کے زنجیروں میں مقید ہیں رہائی دے گا۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الحق و العلاء کان اللہ نزل من السماء لیکن یہ عاجز ایک خاص پیشگوئی کے مطابق جو خدا تعالیٰ کی مقدس کتابوں میں پائی جاتی ہے مسیح موعود کے نام پر آیا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم" [۴۹]۔

"نشان آسمانی" میں حضرت نعمت اللہ ولیؒ کے قصیدہ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا۔

دور او چوں شود تمام بکام پسرش یادگار مے بینم

یعنی جب اس کا زمانہ کامیابی کے ساتھ گزر جائے گا تو اس کے نمونہ پر اس کا لڑکا یادگار رہ جائے گا

یعنی مقدر یوں ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو ایک لڑکا پارسا دے گا جو اس کے نمونہ پر ہو گا اور اسی کے رنگ سے رنگین ہو جائے گا۔ اور وہ اس کے بعد اس کا یادگار ہو گا۔ یہ درحقیقت اس عاجز کی اس پیشگوئی کے مطابق ہے جو ایک لڑکے کے بارے میں کی گئی ہے"[۸۰]۔

"آئینہ کمالات اسلام" (تصنیف ۱۸۹۲ء) میں حضور نے نہ صرف ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء کا مکمل اشتہار شامل کر دیا بلکہ پیشگوئی متعلقہ مصلح موعود کا عربی ترجمہ بھی شائع فرمایا تا دنیائے عرب تک بھی اصل پیشگوئی کے الفاظ پہنچ جائیں۔ اور اتمام حجت ہو۔ چنانچہ حضور نے اس کتاب میں عربی میں پیشگوئی کے الفاظ لکھنے کے بعد تحریر فرمایا۔

"قد اخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم ان المسيح الموعود يتزوج ويولد له ففى هذا اشارة الى ان الله يعطيه ولدا صالحا يشابه اباه ولا يا باه و يكون من عباد الله المكرمين والسر فى ذٰلك ان الله لا يبشر الانبياء والاولياء بذرية الا اذا قدر توليد الصالحين وهذه هى البشارة التى قد بشرت بها من سنين ومن قبل هذه الدعوٰى ليعر فنى الله بهذا العلم فى اعين الذين يستشرفون و كانوا للمسيح كالمجلوذين۔"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ مسیح موعود شادی کرے گا اور اس کے ہاں اولاد ہو گی اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نیک لڑکا عطا کرے گا جو اپنے باپ کے مشابہ ہو گا۔ اور (کسی بات میں) اس کی نافرمانی نہیں کرے گا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے معزز بندوں میں سے ہو گا۔ اور اس میں بھید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو بشارت نہیں دیتا مگر جبکہ اس نے نیکوں کو پیدا کرنا مقدر کیا ہو۔ اور یہ وہ بشارت ہے جو مجھے اس دعویٰ سے کئی سال پہلے دی گئی تا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس علم کے ساتھ ان لوگوں کے سامنے (جو انتظار کرتے تھے اور مسیح کے جلدی ظہور کے لئے چشم براہ تھے) متعارف کرا دے[۸۱]۔

پہلا باب (فصل دوم)

تعلیم قرآن اور آمین "مدرسہ تعلیم الاسلام" میں ظاہری تعلیم، پہلی شادی "انجمن ہمدردان اسلام" "تشحیذ الاذہان" اور شعر و سخن کا آغاز

(۱۳۱۲ھ-۱۳۲۲ھ)

(۱۸۹۵ء سے ۱۹۰۴ء تک)

تعلیم قرآن ۱۸۹۵ء

سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی تعلیم قرآن کی ابتدا ۱۸۹۵ء میں ہوئی [۸۲]۔ حافظ احمد اللہ صاحب ناگپوری کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔ کہ انہوں نے آپ کو (سادہ) قرآن شریف پڑھایا [۸۳]۔

"انجام آتھم" میں ذکر

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۸۹۷ء میں "انجام آتھم" بھی شائع فرمائی تو اس کے ضمیمہ میں امیرالمومنین حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کی پیدائش کو سبز اشتہار کی پیشگوئی کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے نشان قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا۔

"محمود جو بڑا لڑکا ہے اس کی پیدائش کی نسبت اس سبز اشتہار میں صریح پیشگوئی معہ محمود کے نام کے موجود ہے جو پہلے کی وفات کے بارے میں شائع کیا گیا تھا جو رسالہ کی طرح کئی ورق کا اشتہار سبز رنگ کے ورقوں پر ہے" [۸۴]۔

"سراج منیر" میں ذکر

اسی سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "سراج منیر" میں بھی سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کو سبز اشتہار کا موعود قرار دیا۔ اور علماء و خواص مسلم و غیر مسلم دنیا کو توجہ دلائی۔

"پانچویں پیشگوئی میں نے اپنے لڑکے محمود کی پیدائش کی نسبت کی تھی کہ وہ اب پیدا ہو گا۔ اور اس کا نام محمود رکھا جائے گا اور اس پیشگوئی کی اشاعت کے لئے سبز ورق کے اشتہار شائع کئے گئے تھے جو اب تک موجود ہیں اور ہزاروں آدمیوں میں تقسیم ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ لڑکا پیشگوئی کی میعاد میں پیدا ہوا۔ اور اب نویں سال میں ہے" [۸۵]۔

اور حاشیہ میں تحریر فرمایا۔

"ہاں سبز اشتہار میں صریح لفظوں میں بلا توقف لڑکا پیدا ہونے کا وعدہ تھا سو محمود پیدا ہو گیا۔ کس قدر یہ پیشگوئی عظیم الشان ہے۔ اگر خدا کا خوف ہے تو پاک دل کے ساتھ سوچو۔" [۸۶]

"محمود کی آمین"

۷/ جون ۱۸۹۷ء کا دن نہ صرف سیدنا محمود کی زندگی میں بلکہ جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایک یادگار دن ہے کیونکہ اس دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کے ختم قرآن مجید کی فرحت خیز و مسرت انگیز تقریب بڑے وقار اور دعاؤں کے ماحول میں منائی اس اجتماع میں جماعت کے بہت سے دوستوں نے شرکت کی چنانچہ رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء میں اس کا ذکر یوں کیا گیا ہے۔ "دوسرا جلسہ حضور کے لخت جگر جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد سلمہ اللہ کے ختم قرآن کی تقریب پر ہوا۔ اس جلسہ پر بھی بہت سے احباب تشریف لائے" [۸۷]۔

حضرت حافظ احمد اللہ خان صاحب ناگپوری فرماتے تھے کہ ختم قرآن کی تقریب پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے ڈیڑھ سو روپیہ عنایت فرمایا تھا [۸۸]۔

اس موقعہ کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک منظوم "آمین" لکھی جس میں اپنی تمام مبشر اولاد کے لئے عموماً اور حضرت محمود (ایدہ اللہ تعالیٰ) کے لئے خصوصاً نہایت دردو سوز اور الحاح و زاری سے دعائیں کیں اور اس فضل ربانی پر جو ختم قرآن کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اپنے آسمانی آقا کا تہ دل سے شکر ادا کیا اور اس کی حمد و ثنا کے خوب گیت گائے۔ جیسا کہ محمود کی آمین کے مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے۔

کیونکر ہو شکر تیرا تیرا ہے جو ہے میرا
تو نے ہر اک کرم سے گھر بھر دیا ہے میرا
جب تیرا نور آیا جاتا رہا اندھیرا
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
تو نے یہ دن دکھایا محمود پڑھ کے آیا
دل دیکھ کر یہ احساں تیری ثنائیں گایا
صد شکر ہے خدایا صد شکر ہے خدایا
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
ہو شکر تیرا کیونکر اے میرے بندہ پرور
تو نے مجھے دیئے ہیں یہ تین تیرے چاکر

تیرا ہوں میں سراسر تو میرا رب اکبر
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی [۸۹]
سن میرے پیارے باری میری دعائیں ساری
رحمت سے ان کو رکھنا میں تیرے منہ کے واری
اپنی پنہ میں رکھیو سن کر یہ میری زاری
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
اے واحد و یگانہ اے خالق زمانہ
میری دعائیں سن لے اور عرض چاکرانہ
تیرے سپرد تینوں دیں کے قمر بنانا
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
فکروں میں دل حزیں ہے جاں درد سے قریں ہے
جو صبر کی تھی طاقت اب مجھ میں وہ نہیں ہے
ہر غم سے دور رکھنا تو رب عالمیں ہے
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی [۹۰]
یہ تینوں تیرے بندے رکھیو نہ ان کو گندے
کر ان سے دور یا رب دنیا کے سارے پھندے
چنگے رہیں ہمیشہ کریو نہ ان کو مندے
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
اے میرے دل کے پیارے اے مہرباں ہمارے
کر ان کے نام روشن جیسے کہ ہیں ستارے
یہ فضل کر کہ ہوویں نیکو گہر یہ سارے
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
اے میری جاں کے جانی اے شاہ دو جہانی
کر ایسی مہربانی ان کا نہ ہووے ثانی
دے بخت جاودانی اور فیض آسمانی
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
میری دعائیں ساری کریو قبول باری
میں جاؤں تیرے واری کر تو مدد ہماری
ہم تیرے در پہ آئے لے کر امید بھاری
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
لخت جگر ہے میرا محمود بندہ تیرا
دے اس کو عمر و دولت کر دور ہر اندھیرا
دن ہوں مرادوں والے پُر نور ہو سویرا
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی [۹۱]

مقدمہ مارٹن کلارک سے بریت کی بشارت

سیدنا حضرت محمود فرماتے ہیں۔ "جن دنوں کلارک کا مقدمہ تھا..... حضرت مسیح موعودؑ نے جب اوروں کے لئے کہا تو مجھے بھی کہا کہ دعا اور استخارہ کرو۔ میں نے اس وقت رؤیا میں دیکھا کہ ہمارے گھر کے اردگرد پہرے لگے ہوئے ہیں۔ میں اندر گیا جہاں سیڑھیاں ہیں وہاں ایک تہہ خانہ ہوتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت صاحب کو وہاں کھڑا کر کے آگے اپلے چن دیئے گئے ہیں اور ان پر مٹی کا تیل ڈال کر کوشش کی جارہی ہے کہ آگ لگا دیں۔ مگر جب دیا سلائی سے آگ لگاتے ہیں تو آگ نہیں لگتی۔ وہ بار بار آگ لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر کامیاب نہیں ہوتے۔ میں اس سے بہت گھبرایا۔ لیکن جب میں نے اس دروازہ کی چوکھٹ کی طرف دیکھا تو وہاں لکھا تھا کہ "جو خدا کے بندے ہوتے ہیں ان کو کوئی آگ نہیں جلا سکتی" [۹۲]۔

چنانچہ اس خواب کے عین مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام صاف بری کر دئے گئے [۹۳]۔

سفر ملتان

آخر ۱۸۹۷ء میں سیدنا حضرت محمود سلمہ الودود نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ملتان کا سفر فرمایا۔ اس سفر کے صرف دو واقعات آپ کو یاد ہیں جن کی تفصیل خود آپ ہی کے الفاظ میں یہ ہے۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ واپسی پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لاہور میں ٹھہرے۔ وہاں ان دنوں موی تصویریں دکھائی جا رہی تھیں۔ جن سے مختلف بادشاہوں اور ان کے درباروں کے حالات بتائے جاتے تھے۔ شیخ رحمت اللہ صاحب مالک انگلش ویرہاؤس...... نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے عرض کیا کہ یہ ایک علمی چیز ہے آپ اسے دیکھنے کے لئے تشریف لے چلیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھ پر زور دینا شروع کر دیا۔ کہ میں چل کر وہ موی مجسمے دیکھوں۔ میں چونکہ بچہ تھا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے پڑ گیا۔ کہ مجھے یہ مجسمے دکھائے جائیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے اصرار پر مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ مختلف بادشاہوں کے حالات تصویروں کے ذریعہ دکھائے گئے تھے...... اور دوسرا واقعہ جو مجھے یاد ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاہور کے اندر کسی نے دعوت کی اور آپ اس میں شامل ہونے کے لئے تشریف لے گئے۔ کچھ اثر میرے دل پر یہ بھی ہے کہ دعوت نہیں تھی۔ بلکہ مفتی محمد صادق یا ان کا کوئی بچہ بیمار تھا۔ اور آپ انہیں دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے تھے [۹۴]۔ بہرحال شہر کے اندر سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام واپس آ رہے تھے کہ سنہری مسجد کی سیڑھیوں کے پاس میں نے ایک بہت بڑا ہجوم دیکھا جو گالیاں دے رہا تھا ایک شخص ان کے درمیان کھڑا تھا...... جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گاڑی پاس سے گزری۔ تو ہجوم کو دیکھ کر میں نے سمجھا کہ یہ بھی کوئی میلہ ہے چنانچہ میں نے نظارہ دیکھنے کے لئے گاڑی سے اپنا سر باہر نکالا۔ اس وقت کا یہ واقعہ مجھے آج تک نہیں بھولا۔ کہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص جس کا ہاتھ کٹا ہوا تھا اور جس پر ہلدی کی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ بڑے جوش سے اپنے ٹنڈے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مار مار کر کہتا جا رہا تھا۔ "مرزا دوڑ گیا۔ مرزا دوڑ گیا۔" اب دیکھو ایک شخص زخمی ہے اس کے ہاتھ پر پٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔ مگر وہ مخالفت کے جوش میں یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے ٹنڈے ہاتھ سے ہی نعوذ باللہ احمدیت کو دفن کر آؤں گا" [۹۵]۔

تعلیم الاسلام سکول میں داخلہ

۱۸۹۸ء میں مدرسہ تعلیم الاسلام کا افتتاح ہوا۔ اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ ایڈیٹر الحکم اس کے پہلے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ آپ بھی اس مدرسہ میں داخل ہو گئے۔ اس سے پہلے آپ کچھ عرصہ تک ڈسٹرکٹ بورڈ کے لوئر پرائمری سکول میں بھی پڑھتے رہے تھے [۹۶]۔ یہ سکول غالباً ۱۹۴۰-۴۱ء تک قائم رہا پھر توڑ دیا گیا۔ مگر اس کی شکستہ عمارت جس کی چار دیواری گر چکی ہے ابھی تک ریتی چھلہ کے قریب موجود ہے۔ اس سکول میں ابتداء حضرت پیر افتخار احمد صاحب لدھیانوی بھی مدرس رہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد تھا کہ "میاں کو بھی سکول لے جایا کرو"۔ اور حضرت پیر صاحب اس ارشاد کی تعمیل میں آپ کو اسکول لے جایا کرتے تھے [۹۷]۔

تعلیم الاسلام سکول کا افتتاح کس رنگ سے ہوا۔ اور اس کی ابتدائی حالت کیا تھی اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"مجھے یاد ہے ہمارا وہ ہائی سکول جس کی اب ایسی عظیم الشان عمارت کھڑی ہے کہ معائنہ کرنے والے انسپکٹر کہتے ہیں پنجاب بلکہ ہندوستان میں کسی سکول کی ایسی عمارت نہیں اس کا جب پہلے دن افتتاح ہوا۔ تو مرزا نظام الدین صاحب کے کوئیں کے پاس ٹاٹ بچھا کر لڑکے بٹھائے گئے۔ پھر کچھ دنوں تک لڑکے مہمان خانہ میں بٹھائے گئے۔ پھر ایک کچا مکان بنایا گیا تھا" [۹۸]۔

ہم مکتب

سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کے بعض ہم مکتب یہ ہیں۔

حافظ عبد الرحیم صاحب مالیر کوٹلہؓ۔ قاضی نور محمد صاحبؓ۔ محمد علی صاحب اشرفؓ (حکیم)۔ دین محمد صاحب پنشنر اکاؤنٹنٹ [۹۹]۔ شیخ محمد حسین صاحب چنیوٹی۔ (وفات ۷ جون ۱۹۷۶ء)

اساتذہ کرام

"مدرسہ تعلیم الاسلام" کے زمانہ تعلیم میں آپ نے جن اساتذہ سے پڑھا۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانیؓ [۱۰۰]۔ (۲) حضرت قاضی سید امیر حسینؓ [۱۰۱]۔ (۳) حضرت مولانا سید محمد سرور شاہؓ [۱۰۲]۔ (۴) حضرت مولانا شیر علیؓ [۱۰۳]۔ (۵) حضرت ماسٹر عبد الرحمٰن نو مسلمؓ [۱۰۴]۔ (۶) مفتی محمد صادقؓ [۱۰۵]۔ (۷) ماسٹر فقیر اللہ صاحب [۱۰۶]۔ (۸) قاضی یار محمد صاحب پلیڈر۔

دور تعلیم سے متعلق حضرت مولانا سید محمد سرور شاہؓ صاحب کے تاثرات

آپ کا دور تعلیم کیسا پاکیزہ اور اخلاق و روحانیت سے کتنا معمور تھا؟ یہ معلوم کرنے کے لئے آپ کے بعض اساتذہ کے تاثرات معلوم ہونا ضروری امر ہے۔

حضرت مولانا سید محمد سرور شاہؓ صاحب کا بیان ہے کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ مجھ سے پڑھا کرتے تھے۔ تو ایک دن میں نے کہا کہ میاں! آپ کے والد صاحب کو تو کثرت سے الہام ہوتے ہیں کیا آپ کو بھی الہام ہوتا اور خوابیں وغیرہ آتی ہیں؟ تو میاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی صاحب! خوابیں تو بہت آتی ہیں۔ اور میں ایک خواب تو تقریباً روز ہی دیکھتا ہوں اور جونہی میں تکیہ پر سر رکھتا ہوں اس وقت سے لے کر صبح کو اٹھنے تک یہ نظارہ دیکھتا ہوں کہ ایک فوج ہے جس کی میں کمان کر رہا ہوں اور بعض اوقات ایسا دیکھتا ہوں کہ سمندروں سے گزر کر آگے جا کر حریف کا مقابلہ کر رہا ہوں اور کئی بار ایسا ہوا ہے کہ اگر میں نے پار گزرنے کے لئے اور کوئی چیز نہیں پائی۔ تو سرکنڈے وغیرہ سے کشتی بنا کر اور اس کے ذریعہ پار ہو کر حملہ آور ہو گیا ہوں میں نے جس وقت یہ خواب آپ سے سنا اسی وقت سے میرے دل میں یہ بات گڑی ہوئی ہے کہ یہ شخص کسی وقت یقیناً جماعت کی قیادت کرے گا۔ اور میں نے اسی وجہ سے کلاس میں کرسی پر بیٹھ کر آپ کو پڑھانا چھوڑ دیا۔ آپ کو اپنی کرسی پر بٹھاتا اور خود آپ کی جگہ بیٹھ کر آپ کو پڑھاتا اور میں نے خواب سن کر آپ سے یہ بھی عرض کر دیا تھا کہ "میاں آپ بڑے ہو کر مجھے بھلا نہ دیں۔ اور مجھ پر بھی نظر شفقت رکھیں"۔ [۱۰۷] (بروایت حضرت حافظ مختار احمد صاحب)

حضرت مولانا شیر علیؓ کے تاثرات

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مولوی شیر علی رضی اللہ عنہ کے تاثرات جو آپ نے ایک مفصل مضمون کی شکل میں شائع فرمائے تھے خاص اہمیت رکھتے ہیں اور ان سے سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کی سیرت و شمائل اور اخلاق و عادات پر گہری روشنی پڑتی ہے یہ تاثرات ایسے مقدس بزرگ و حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جلیل القدر صحابی کے ہیں جنہیں سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کے بچپن اور جوانی کے اکثر حالات اپنی آنکھوں سے مشاہدہ و ملاحظہ کرنے اور بہت قریب سے آپ کی عظیم شخصیت کے مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ حضرت مولوی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"مئی ۱۸۹۹ء میں مدرسہ تعلیم الاسلام کا چارج لینے کے بعد جلدی ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے ماتحت حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت جبکہ آپ کی عمر ۱۰

سال کی تھی بندہ کے پاس انگریزی پڑھنی شروع کی پہلے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک مکان میں جو دار المسیح الموعود کے متصل اس جگہ واقع تھا جہاں آج کل نواب صاحب کا مکان ہے رہتا تھا جب تک میں اس مکان میں رہا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ اس مکان میں پڑھنے کے لئے تشریف لاتے رہے اس کے بعد میں خود حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور یہ خدمت بندہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے آخری دس سال میں برابر ادا کرتا رہا- اور حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے شش سالہ دور خلافت میں بھی جاری رہا.......
گویا حضور کا سارا بڑھنا اور پھولنا اور بابرگ و بار ہونا میری آنکھوں کے سامنے ہوا- آپ ایک نازک پتیوں والے چھوٹے پودے کی طرح تھے جبکہ میں نے پہلی دفعہ حضور کو دیکھا اور یہ پودا میرے دیکھتے دیکھتے جلد جلد بڑھا اور پھول پھل لایا- اور وہ حیرت انگیز ترقی کی جس کو دیکھ کر آنکھیں چندھیا جاتی اور انسان کی عقل دنگ ہو جاتی ہے اگر کوئی قابل انشاء پرداز ہوتا تو وہ شاید اس حیرت انگیز ترقی کا نقشہ کھینچنے کی کچھ کوشش کرتا- لیکن میں تو اس سے زیادہ نہیں کر سکتا- کہ اس بات کی شہادت دوں کہ جو کچھ خدا تعالیٰ کے پاک کلام میں آپ کی نسبت پہلے سے خبر دی گئی تھی- اس کو میں نے اپنی آنکھوں سے لفظ بلفظ پورا ہوتا دیکھ لیا مجھے اپنی زبان کی کمزوری اور قلم کی ناتوانی پر افسوس آتا ہے جو صحیح نقشہ ناظرین کے سامنے پیش کرنے سے عاجز ہوں لیکن میں اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کچھ بیان کرنے کی کوشش کروں گا- **وھو الموفق**-

"میں نے بچپن سے ہی حضور میں سوائے اوصاف حمیدہ اور خصائل محمودہ کے کچھ نہیں دیکھا- ابتداء میں ہی آپ میں نیکی کے انوار اور تقویٰ کے آثار پائے جاتے تھے- جو آپ کی عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اور زیادہ نمایاں ہوتے گئے- ممکن ہے کہ کوئی شخص میرے اس بیان کو خوش اعتقادی پر محمول کرے اس لئے میں آپ کے بچپن کی ایک بات کا ذکر کرتا ہوں جس سے ناظرین خود حقیقت کا کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں- آپ کو بچپن میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ ہدایت فرمائی تھی کہ کسی کے ہاتھ سے کوئی کھانے پینے کی چیز نہ لینا- یہ ایک ہدایت تھی جو حضرت اقدس علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے بچہ کو دی- اب دیکھئے کہ وہ خورد سال بچہ حضرت اقدس کی اس ہدایت کی کس طرح تعمیل کرتا ہے- میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ابتداء میں حضور بندہ کے مکان پر پڑھنے کے لئے تشریف لاتے تھے اور وہ مکان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا ہی مکان تھا جو حضور کے رہائشی مکان کے بالکل متصل بلکہ حضور کے گھر کے ساتھ ملحق تھا- ہم غالباً ۳ سال اس مکان میں رہے اور اس تمام عرصہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بندہ کے پاس پڑھنے کے لئے تشریف لاتے اور جب کبھی آپ کو پیاس لگتی- تو آپ اٹھ

کر اپنے گھر تشریف لے جاتے اور اپنے گھر سے پانی پی کر پھر واپس تشریف لاتے۔ خواہ کیسا ہی مصفا پانی کیسے ہی صاف ستھرے برتن میں بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا آپ اسے نہ پیتے۔ صرف اس لئے کہ حضرت اقدس علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف سے آپ کو ہدایت تھی کہ کسی کے ہاتھ سے کوئی کھانے پینے کی چیز نہ لینا اب بظاہر تو یہ ایک چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ایک چھوٹا سا آئینہ ہے جس میں ہمیں حضور کی اس وقت کی شکل صحیح رنگ میں نظر آسکتی ہے۔ اول دیکھئے کہ حضور اس بچپن کے زمانے میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی کیسی کامل اطاعت کرتے اور کبھی بھی اس کی خلاف ورزی نہ کرتے۔ دوسرے دیکھئے کہ وہ اس اطاعت میں کس درجہ کی احتیاط سے کام لیتے۔ بظاہر حضرت اقدسؑ نے جب فرمایا کہ کسی کے ہاتھ سے کھانے پینے کی چیز نہ لینا۔ تو حضرت اقدسؑ کی مراد ایسی چیزوں سے تھی جو لوگ بچوں کو اپنی محبت اور پیار کے اظہار کے لئے دیتے ہیں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ کسی کے برتن سے پانی بھی نہ پینا۔ مگر آپ کی احتیاط اس درجہ کی تھی کہ آپ اپنے گھر کے سوا قادیان میں کسی اور گھر سے کسی گھڑے یا صراحی سے پانی لے کر پینا بھی حضرت اقدس علیہ السلام کے حکم کی خلاف ورزی ہی سمجھتے تھے۔ یہی حد درجہ کی احتیاط ہے۔ جسے دوسرے لفظوں میں تقویٰ کہتے ہیں۔ پس آپ کے اسی عمل سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ بچپن میں ہی اطاعت اور تقویٰ کی باریک راہوں پر گامزن تھے۔ اور یہی بیج تھا جو آپ کی عمر کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا گیا اور زیادہ واضح اور زیادہ نمایاں شکل میں کمال کے آخری مرتبہ تک پہنچ گیا۔ یہ پانی کا واقعہ ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ ہوا۔ اور حضور ہمیشہ اطاعت کے اصول پر مضبوطی سے قائم رہے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ خیال کرے کہ شاید حجاب کی وجہ سے آپ ہمارے گھر سے پانی پینے سے اجتناب فرماتے مگر ایسا نہیں تھا۔ آپ بے تکلفی سے ہمارے گھر میں رہتے اور حضور کی خوش خلقی اور خوش طبعی کی باتیں اس وقت تک بندہ کے گھر سے نہایت محبت کے ساتھ یاد کرتی ہیں۔ اور جب حضور کے منصب خلافت پر سرفراز ہونے کے بعد بندہ کے گھر سے بیعت کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے اس وقت کے بچپن کے واقعات ان کو یاد دلائے۔ کیونکہ حضور کا حافظہ بہت مضبوط ہے" [۱۰۸]۔

"حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی طالب علمی کا ایک اور واقعہ لکھتا ہوں اس سے بھی آپ کی قلبی کیفیت پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک دن کچھ بارش ہو رہی تھی۔ مگر زیادہ نہ تھی۔ بندہ وقت مقررہ پر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سیڑھیوں کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضور نے دروازہ کھولا بندہ اندر آکر برآمدہ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ آپ کمرہ میں تشریف لے گئے میں نے

سمجھا کہ کتاب لے کر باہر برآمدہ میں تشریف لائیں گے۔ مگر جب آپ کے باہر تشریف لانے میں کچھ دیر ہو گئی۔ تو میں نے اندر کی طرف دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ آپ فرش پر سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں میں نے خیال کیا کہ آج بارش کی وجہ سے شاید آپ سمجھتے تھے کہ میں حاضر نہیں ہوں گا اور جب میں آگیا ہوں تو آپ کے دل میں خاکسار کے لئے دعا کی تحریک ہوئی ہے اور آپ بندہ کے لئے دعا فرما رہے ہیں۔ آپ بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے اور دعا فرماتے رہے "[۱۰۹]۔

صحت کی خرابی کا اثر زمانہ تعلیم پر

اس اہتمام کے باوجود جو آپ کی ابتدائی دنیوی تعلیم کے لئے کیا گیا چونکہ آپ کی صحت شروع ہی سے بہت کمزور تھی اور آپ بچپن ہی سے بیمار چلے آرہے تھے۔ اس لئے آپ اپنے اساتذہ کی توجہ اور شفقت کے باوجود کوئی خاص فائدہ نہ اٹھا سکے۔ چنانچہ حضور خود ہی فرماتے ہیں۔

"میری تعلیم جس رنگ میں ہوئی ہے وہ اپنی ذات میں ظاہر کرتی ہے کہ انسانی ہاتھ میری تعلیم میں نہیں تھا.......... بچپن میں میری آنکھ میں سخت ککرے پڑ گئے تھے اور متواتر تین چار سال تک میری آنکھیں دکھتی رہیں۔ اور ایسی شدید تکلیف ککروں کی وجہ سے پیدا ہو گئی کہ ڈاکٹروں نے کہا اس کی بینائی ضائع ہو جائے گی۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے میری صحت کے متعلق خاص طور پر دعائیں کرنی شروع کر دیں۔ اور ساتھ ہی آپ نے روزے رکھنے بھی شروع کر دیئے۔ مجھے اس وقت یاد نہیں کہ آپ نے کتنے روزے رکھے بہرحال تین یا سات روزے آپ نے رکھے۔ جب آخری روزے کی آپ افطاری کرنے لگے۔ اور روزہ کھولنے کے لئے مونہہ میں کوئی چیز ڈالی تو یکدم میں نے آنکھیں کھول دیں اور میں نے آواز دی۔ کہ مجھے نظر آنے لگ گیا ہے۔ لیکن اس بیماری کی شدت اور اس کے متواتر حملوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری ایک آنکھ کی بینائی ماری گئی۔ چنانچہ میری بائیں آنکھ میں بینائی نہیں ہے میں رستہ تو دیکھ سکتا ہوں مگر کتاب نہیں پڑھ سکتا۔ دو چار فٹ پر اگر کوئی ایسا آدمی بیٹھا ہو جو میرا پہچانا ہوا ہو تو میں اس کو دیکھ کر پہچان سکتا ہوں لیکن اگر کوئی بے پہچانا بیٹھا ہو تو مجھے اس کی شکل نظر نہیں آسکتی۔ صرف دائیں آنکھ کام کرتی ہے۔ مگر اس میں بھی ککرے پڑ گئے۔ اور وہ ایسے شدید ہو گئے کہ کئی کئی راتیں میں جاگ کر کاٹا کرتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے میرے استادوں سے کہہ دیا تھا کہ اس کی پڑھائی اس کی مرضی پر ہو گی۔ یہ جتنا پڑھنا چاہے پڑھے اور اگر نہ پڑھے تو اس پر زور نہ دیا جائے۔ کیونکہ اس کی صحت اس قابل نہیں کہ یہ پڑھائی کا بوجھ برداشت کر سکے حضرت مسیح موعود علیہ السلوۃ والسلام بارہا مجھے صرف یہی فرماتے کہ تم قرآن کا ترجمہ اور بخاری حضرت مولوی صاحب سے پڑھ لیا کرو۔ اس کے علاوہ آپ نے مجھے کچھ اور پڑھنے کے لئے کبھی کچھ

نہیں کہا۔ ہاں آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ کچھ طب بھی پڑھ لو۔ کیونکہ یہ ہمارا خاندانی فن ہے۔ ماسٹر فقیر اللہ صاحب جن کو خدا تعالیٰ نے اسی سال ہمارے ساتھ ملنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ وہ ہمارے حساب کے استاد تھے۔ اور لڑکوں کو سمجھانے کے لئے بورڈ پر سوالات حل کیا کرتے تھے۔ لیکن مجھے اپنی نظر کی کمزوری کی وجہ سے وہ دکھائی نہیں دیتے تھے۔ کیونکہ جتنی دور بورڈ تھا اتنی دور تک میری بینائی کام نہیں دے سکتی تھی۔ اور پھر زیادہ دیر تک میں بورڈ کی طرف یوں بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کیونکہ نظر تھک جاتی۔ اس وجہ سے میں کلاس میں بیٹھنا فضول سمجھا کرتا تھا۔ کبھی جی چاہتا۔ تو چلا جاتا اور کبھی نہ جاتا۔ ماسٹر فقیر اللہ صاحب نے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس میرے متعلق شکایت کی کہ حضور یہ کچھ پڑھتا نہیں۔ کبھی مدرسہ میں آجاتا ہے اور کبھی نہیں آتا۔ مجھے یاد ہے جب ماسٹر صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس یہ شکایت کی تو میں ڈر کے مارے چھپ گیا کہ معلوم نہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کس قدر ناراض ہوں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب یہ بات سنی تو آپ نے فرمایا۔ آپ کی بڑی مہربانی ہے جو آپ بچے کا خیال رکھتے ہیں اور مجھے آپ کی یہ بات سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ یہ کبھی کبھی مدرسے چلا جاتا ہے۔ ورنہ میرے نزدیک تو اس کی صحت اس قابل نہیں کہ پڑھائی کر سکے۔ پھر ہنس کر فرمانے لگے کہ اس سے ہم نے آٹے دال کی دوکان تھوڑی کھلوانی ہے کہ اسے حساب سکھایا جائے۔ حساب اسے آئے یا نہ آئے کوئی بات نہیں۔ آخر رسول کریم ﷺ یا آپ کے صحابہ نے کون سا حساب سیکھا تھا۔ اگر یہ مدرسہ میں چلا جائے تو اچھی بات ہے ورنہ اسے مجبور نہیں کرنا چاہئے۔ یہ سن کر ماسٹر صاحب واپس آگئے۔ میں نے اس نرمی سے اور بھی فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ اور پھر مدرسہ میں جانا ہی چھوڑ دیا۔ کبھی مہینہ میں ایک آدھ دفعہ چلا جاتا تو اور بات تھی۔ غرض اس رنگ میں میری تعلیم ہوئی۔ اور میں درحقیقت مجبور بھی تھا۔ کیونکہ بچپن میں علاوہ آنکھوں کی تکلیف کے مجھے جگر کی خرابی کا بھی مرض تھا۔ چھ چھ مہینے مونگ کی دال کا پانی یا ساگ کا پانی مجھے دیا جاتا رہا۔ پھر اس کے ساتھ تلی بھی بڑھ گئی۔ ریڈ آئیوڈائڈ آف مرکری کی تلی کے مقام پر مالش کی جاتی تھی۔ اسی طرح گلے پر بھی اس کی مالش کی جاتی۔ کیونکہ مجھے خنازیر کی بھی شکایت تھی۔ غرض آنکھوں میں ککرے۔ جگر کی خرابی۔ عظم طحال ۱۱۰ کی شکایت اور پھر اس کے ساتھ بخار کا شروع ہو جانا جو چھ چھ مہینے تک نہ اترتا اور میری پڑھائی کے متعلق بزرگوں کا یہ فیصلہ کر دینا کہ یہ جتنا چاہے پڑھ لے اس پر زیادہ زور نہ دیا جائے۔ ان حالات سے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ میری تعلیمی قابلیت کا کیا حال ہو گا۔ ایک دفعہ ہمارے نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ نے میرا اردو کا امتحان لیا۔ میں اب بھی بہت بدخط ہوں۔ مگر اس زمانہ میں تو میرا اتنا بدخط تھا۔ کہ پڑھا ہی نہیں جاتا تھا کہ میں نے کیا لکھا ہے۔

انہوں نے بڑی کوشش کی کہ پتہ لگائیں کہ میں نے کیا لکھا ہے مگر انہیں کچھ پتہ نہ چلا۔ میرے بچوں میں سے اکثر کے خط مجھ سے اچھے ہیں۔..... ان (حضرت میر ناصر نواب صاحب) کی طبیعت بڑی تیز تھی۔ غصہ میں فوراً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس پہنچے۔ میں بھی اتفاقاً اس وقت گھر میں ہی تھا۔ ہم تو پہلے ہی ان کی طبیعت سے ڈرا کرتے تھے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس شکایت لے کر پہنچے تو اور بھی ڈر پیدا ہوا کہ اب نہ معلوم کیا ہو۔ خیر میر صاحب گئے اور حضرت صاحب سے کہنے لگے کہ محمود کی تعلیم کی طرف آپ کو ذرا بھی توجہ نہیں۔ میں نے اس کا اردو کا امتحان لیا تھا۔ آپ ذرا پرچہ تو دیکھیں اس کا اتنا برا خط ہے کہ کوئی بھی یہ خط نہیں پڑھ سکتا۔ پھر اسی جوش کی حالت میں وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہنے لگے آپ بالکل پروا نہیں کرتے اور لڑکے کی عمر برباد ہو رہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب میر صاحب کو اس طرح جوش کی حالت میں دیکھا تو فرمایا۔ بلاؤ حضرت مولوی صاحب کو۔ جب آپ کو کوئی مشکل پیش آتی تو ہمیشہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو بلا لیا کرتے تھے۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو مجھ سے بڑی محبت تھی۔ آپ تشریف لائے اور حسب معمول سر نیچے ڈال کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ مولوی صاحب میں نے آپ کو اس غرض کے لئے بلایا ہے کہ میر صاحب میرے پاس آئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ محمود کا لکھا ہوا بالکل پڑھا نہیں جاتا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اس کا امتحان لیا جائے۔ یہ کہتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قلم اٹھائی اور دو تین سطر میں ایک عبارت لکھ کر مجھے دی اور فرمایا اس کو نقل کرو۔ بس یہ امتحان تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے لیا۔ میں نے بڑی احتیاط سے اور سوچ سمجھ کر اس کو نقل کر دیا۔ اول تو وہ عبارت کوئی زیادہ لمبی نہیں تھی دوسرے میں نے صرف نقل کرنا تھا اور نقل کرنے میں تو اور بھی آسانی ہوتی ہے کیونکہ اصل چیز سامنے ہوتی ہے۔ اور پھر میں نے آہستہ آہستہ نقل کیا۔ الف اور با وغیرہ احتیاط سے ڈالے جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کو دیکھا تو فرمانے لگے۔ مجھے تو میر صاحب کی بات سے بڑا فکر پیدا ہو گیا تھا۔ مگر اس کا خط تو میرے خط کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ حضرت خلیفہ اولؓ پہلے ہی میری تائید میں ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے۔ حضور میر صاحب کو تو یونہی جوش آ گیا۔ ورنہ اس کا خط تو بڑا اچھا ہے" [111]۔

مدرسہ کے امتحانات میں ناکامی اور اس کی حکمت

یہ وہ حالات تھے جن میں آپ کو زمانہ تعلیم میں گزرنا پڑا۔ صرف اس وجہ سے آپ اگلی جماعت میں بٹھا دئے جاتے تھے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے فرزند ارجمند تھے۔ [112] مگر چونکہ سرکاری امتحانوں میں یہ عقیدت مندی قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ اس لئے آپ مڈل اور

انٹرنس دونوں امتحانوں میں فیل ہو گئے تا دنیا پر یہ کھل جائے کہ آپ کا معلم حقیقی تو عرش کا خدا ہے۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں۔

"دنیوی لحاظ سے میں پرائمری فیل ہوں مگر چونکہ گھر کا مدرسہ تھا اس لئے اوپر کی کلاسوں میں مجھے ترقی دے دی جاتی تھی۔ پھر مڈل میں فیل ہوا۔ مگر گھر کا مدرسہ ہونے کی وجہ سے پھر مجھے ترقی دے دی گئی۔ آخر میٹرک کے امتحان کا وقت آیا تو میری ساری پڑھائی کی حقیقت کھل گئی اور میں صرف عربی اور اردو میں پاس ہوا۔ اور اس کے بعد پڑھائی چھوڑ دی۔ گویا میری تعلیم کچھ بھی نہیں۔ مگر آج تک ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوا۔ کہ کسی نے میرے سامنے قرآن کریم کے خلاف کوئی اعتراض کیا ہو۔ اور پھر اُسے شرمندگی نہ ہوئی ہو۔ بلکہ اسے ضرور شرمندہ ہونا پڑا ہے اور اب بھی میرا دعویٰ ہے کہ خواہ کوئی کتنا بڑا عالم ہو وہ اگر قرآن کریم کے خلاف میرے سامنے کوئی اعتراض کرے گا تو اسے ضرور شکست کھانی پڑے گی اور وہ شرمندہ اور لاجواب ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گا" [۱۱۳]۔

پھر فرماتے ہیں۔ "اگر کچھ پاس کر لیتا تو ممکن ہے مجھے خیال ہو تا کہ میں یہ ہوں۔ وہ ہوں۔ لیکن اب تو اس حقیقت کا انکار نہیں ہو سکتا کہ جو مجھے آتا ہے یہ اللہ کا ہی فضل ہے میری اس میں کوئی خوبی نہیں۔ کچھ عرصہ ہوا لاہور میں دو مولوی صاحبان مجھ سے ملنے آئے اور بطور تمسخر ایک نے پوچھا کہ آپ کی تعلیم کہاں تک ہے میں سمجھ گیا کہ ان کا مقصد کیا ہے میں نے کہا کچھ بھی نہیں۔ کہنے لگے آخر کچھ تو ہو گی۔" میں نے کہا صرف قرآن جانتا ہوں۔ کہنے لگے بس قرآن مجھے ان پر تعجب کہ ان کے نزدیک قرآن جاننا کوئی چیز ہی نہیں اور انہیں اس پر خوشی کہ ان کی تعلیم کچھ نہیں" [۱۱۴]۔

انجمن ہمدردان اسلام

۱۸۹۷ء میں جبکہ آپ کی عمر آٹھ نو سال کی تھی۔ قادیان کے احمدی نوجوانوں کی انجمن قائم ہوئی جس کے سرپرست (حضرت خلیفۃ المسیح اول) مولانا مولوی نور الدینؓ تھے اول اول اس کے اجلاس پرانے اور قدیم مہمان خانے میں ہوا کرتے تھے۔ اور اس وقت زیادہ سے زیادہ چھ سات ممبر تھے جن میں ایک سرگرم ممبر آپ بھی تھے۔ حضرت بھائی عبد الرحمٰنؓ قادیانی تحریر فرماتے ہیں۔

"تشحیذ الاذہان کا پہلا اور ابتدائی نام انجمن ہمدردان اسلام تھا۔ جو بالکل ابتدائی ایام اور پرانے زمانہ کی یادگار ہے۔ جبکہ سیدنا محمود بمشکل آٹھ نو برس کے تھے آپ کے دینی شغف اور روحانی ارتقاء کی یہ پہلی سیڑھی تھی۔ جو حقیقتاً آپ ہی کی تحریک خواہش اور آرزو پر قائم ہوئی تھی۔ کھیل کود اور بچپنے کے دوسرے اشغال میں انہماک کے باوجود آپ کے دل میں خدمت اسلام کا ایسا جوش اور جذبہ نظر

آیا کرتا تھا۔ جس کی نظیر بڑے بوڑھوں میں بھی شاذ ہی ہوتی آپ کی ہر ادا میں اس کا جلوہ اور ہر حرکت میں اس کا رنگ غالب و نمایاں ہے جسے آپ کی کھیلوں کے دیکھنے اور مشاغل کو جانچنے کا اکثر موقعہ ملتا تھا۔ گھنٹوں آپ مطب میں تشریف لا کر ہم میں بیٹھا کرتے کبھی ٹیمیں بنا کرتیں اور کھیلوں کے مقابلوں کی تجاویز ہوا کرتیں کبھی فوجیں بنا کر مصنوعی جنگوں کا انتظام ہوتا۔ کبھی ڈاکو اور چوروں کا تعاقب ہوتا ان کی گرفتاری کے سامان ہوتے اور مقدمات سن کر فیصلے کئے جاتے سزائیں دی جاتیں اور کارہائے نمایاں کرنے والوں کو انعام و اکرام ملتے تو کبھی بحث مباحثات اور علمی مقابلوں کا رنگ جما کرتا۔ گرما گرم بحث ہوتی۔ جج مقرر ہوتے اور فاتح و مفتوح کا فیصلہ ہوتا۔ الغرض ایسے ہی مشاغل اور مصروفیتوں کے نتائج میں سے ایک انجمن ہمدردان اسلام کا قیام بھی ہے جو آپ کی خواہش، مرضی اور منشاء کے ماتحت قائم کی گئی"۔

"حضرت مولانا نور الدینؓ .... سیدنا فضل عمرؓ کی ذات والا صفات کی وجہ سے ہماری طرف خاص توجہ فرماتے۔ ہماری انجمن کے اکثر اجلاسوں میں شریک ہو کر ہدایات دیتے۔ ...... اسی ہماری انجمن میں ایک مرتبہ سیدنا حضرت نور الدین ﷺ شریک تھے۔ ہمارے آقائے نامدار سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے نور نظر لخت جگر نے .... تقریر فرمائی۔ تقریر کیا تھی علم و معرفت کا دریا اور روحانیت کا ایک سمندر تھا۔ تقریر کے خاتمہ پر حضرت مولانا نور الدینؓ کھڑے ہوئے۔ اور آپ نے ..... آپ کی تقریر کی بے حد تعریف کی۔ قوت بیان اور روانی کی داد دی نکات قرآنی اور لطیف استدلال پر بڑے تپاک اور محبت سے مرحبا جزاک اللہ کہتے ہوئے دعائیں دیتے نہایت اکرام کے ساتھ گھر تک آپ کے ساتھ آکر رخصت فرمایا" [۱۱۵]۔

اس انجمن کے پہلے صدر بھی مدرسہ کے ایک استاد تھے اور سیکرٹری بھی استاد (یعنی منشی خادم حسین صاحب بھیروی) لیکن جب دوبارہ انتخاب ہوا تو صدر مجلس حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب قرار پائے [۱۱۶]۔ آپ کی صدارت میں انجمن کا پہلا اجلاس ۳/ مارچ ۱۸۹۹ء کو ہوا۔ [۱۱۷]

حضرت مسیح موعودؑ کے دست مبارک پر بیعت

۱۸۹۸ء کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ آپ نے اس سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"۱۸۹۸ء میں میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی گو بوجہ احمدیت کی

پیدائش کے میں پیدائش سے ہی احمدی تھا مگر یہ بیعت گویا میرے احساس قلبی کے دریا کے اندر حرکت پیدا کرنے کی علامت تھی"۔ ۱۱۸۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ پہلا فوٹو

وسط ۱۸۹۹ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جو پہلا گروپ فوٹو لیا گیا اس میں آپ بھی صحابہ حضرت مسیح موعودؑ اور اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ موجود تھے۔ اس پہلے فوٹو کے بعد اگلے سال خطبہ الہامیہ کی تقریب پر ۱۱/ اپریل ۱۹۰۰ء میں عصر کے وقت دوسرا گروپ فوٹو لیا گیا تھا جس میں آپ بھی شامل تھے۔ ان کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ حیات ہی میں آپ کا ایک اور فوٹو لیا گیا۔ جس میں آپ کے ساتھ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد۔ حضرت مرزا شریف احمد، حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا اور حضرت مرزا مبارک احمد بھی شامل ہیں اور آپ کی ایک اور تصویر بھی ملتی ہے جو ۱۹۰۴ء میں بمقام گورداسپور لی گئی تھی جس میں آپ ترکی ٹوپی پہنے اور چھڑی ہاتھ میں لئے ہوئے نظر آتے ہیں" ۱۱۹۔

"تریاق القلوب" میں ذکر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "تریاق القلوب" میں تحریر فرمایا۔ "الہام یہ بتلاتا تھا کہ چار لڑکے پیدا ہوں گے اور ایک کو ان میں سے ایک مرد خدا مسیح صفت الہام نے بیان کیا ہے سو خدا تعالیٰ کے فضل سے چار لڑکے پیدا ہو گئے" ۱۲۰۔

"میں نے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر...... خبر دی کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ انّا نبشّرک بغلام حسین یعنی ہم تجھے ایک حسین لڑکے کے عطا کرنے کی خوشخبری دیتے ہیں...... دہلی میں میری شادی ہوئی۔ اور خدا نے وہ لڑکا بھی دیا اور تین اور عطا کئے" ۱۲۱۔

"میرا پہلا لڑکا جو زندہ موجود ہے جس کا نام محمود ہے ابھی وہ پیدا نہیں ہوا تھا جو مجھے کشفی طور پر اس کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی۔ اور میں نے مسجد کی دیوار پر اس کا نام لکھا ہوا یہ پایا کہ محمود۔ تب میں نے اس پیشگوئی کے شائع کرنے کے لئے سبز رنگ کے ورقوں پر ایک اشتہار چھاپا" ۱۲۲

حضورؑ نے یہ پیشگوئی دوبارہ پیش کرتے ہوئے "تریاق القلوب" ہی میں لکھا۔

"محمود جو میرا بیٹا ہے اس کے پیدا ہونے کے بارے میں اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء میں اور نیز اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء میں جو سبز رنگ کے کاغذ پر چھاپا گیا تھا۔ پیشگوئی کی گئی اور سبز رنگ کے

اشتہار میں یہ بھی لکھا گیا کہ اس پیدا ہونے والے لڑکے کا نام محمود رکھا جائے گا...... پھر جب کہ اس پیشگوئی کی شہرت بذریعہ اشتہارات کامل درجہ پر پہنچ چکی اور مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں میں سے کوئی بھی فرقہ باقی نہ رہا جو اس سے بے خبر ہو۔ تب خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے ......محمود پیدا ہوا۔ اور اس کے پیدا ہونے کی میں نے اس اشتہار میں خبر دی ہے جس کے عنوان پر تکمیل تبلیغ موٹی قلم سے لکھا ہوا ہے۔ جس میں بیعت کی دس شرائط مندرج ہیں اور اس کے صفحہ ۴ میں یہ الہام پسر موعود کی نسبت ہے۔

اے فخر رسل قرب تو معلومم شد دیر آمدہ ز راہ دور آمدہ ۱۲۲

۱۹۰۰ء کا یادگار رسال تحریک احکام اسلامی کی طرف

بیسوی صدی کا آغاز آپ کی زندگی میں ایک نئے روحانی انقلاب کے آغاز پر ہوا۔ اس نہایت اہم اجمال کی تفصیل آپ ہی کے الفاظ میں یہ ہے۔

"۱۹۰۰ء میرے قلب کو اسلامی احکام کی طرف توجہ دلانے کا موجب ہوا ہے اس وقت میں گیارہ سال کا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے کوئی شخص چھینٹ کی قسم کے کپڑے کا ایک جبہ لایا تھا ۱۲۳۔ میں نے آپ سے وہ جبہ لے لیا تھا کسی اور خیال سے نہیں بلکہ اس لئے کہ اس کا رنگ اور اس کے نقش مجھے پسند تھے۔ میں اسے پہن نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے دامن میرے پاؤں سے نیچے لٹکتے رہتے تھے۔ جب میں گیارہ سال کا ہوا اور ۱۹۰۰ء نے دنیا میں قدم رکھا۔ تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں خدا تعالیٰ پر کیوں ایمان لاتا ہوں۔ اس کے وجود کا کیا ثبوت ہے۔ میں دیر تک رات کے وقت اس مسئلہ پر سوچتا رہا۔ آخر دس گیارہ بجے میرے دل نے فیصلہ کیا کہ ہاں ایک خدا ہے وہ گھڑی میرے لئے کیسی خوشی کی گھڑی تھی۔ جس طرح ایک بچہ کو اس کی ماں مل جائے۔ تو اسے خوشی ہوتی ہے اسی طرح مجھے خوشی تھی کہ میرا پیدا کرنے والا مجھے مل گیا۔ سماعی ایمان علمی ایمان سے تبدیل ہو گیا میں اپنے جامہ میں پھولا نہیں سماتا تھا۔ میں نے اس وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور ایک عرصہ تک کرتا رہا کہ خدایا مجھے تیری ذات کے متعلق کبھی شک پیدا نہ ہو اس وقت میں گیارہ سال کا تھا...... مگر آج بھی اس دعا کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ میں آج بھی یہی کہتا ہوں خدایا تیری ذات کے متعلق مجھے کبھی شک پیدا نہ ہو۔ ہاں اس وقت میں بچہ تھا اب مجھے زائد تجربہ ہے اب میں اس قدر زیادتی کرتا ہوں کہ خدایا مجھے تیری ذات کے متعلق حق الیقین پیدا ہو۔

جب میرے دل میں خیالات کی وہ موجیں پیدا ہونی شروع ہوئیں۔ جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے

تو ایک دن ضحیٰ کے وقت یا اشراق کے وقت میں نے وضو کیا۔ اور وہ جبہ اس وجہ سے نہیں کہ خوبصورت ہے بلکہ اس وجہ سے کہ حضرت مسیح موعود کا ہے اور متبرک ہے۔ یہ پہلا احساس میرے دل میں خدا تعالیٰ کے فرستادہ کے مقدس ہونے کا تھا پہن لیا۔

تب میں نے اس کوٹھڑی کا جس میں میں رہتا تھا۔ دروازہ بند کر لیا اور ایک کپڑا بچھا کر نماز پڑھنی شروع کی اور میں اس میں خوب رویا۔ خوب رویا۔ خوب رویا اور اقرار کیا کہ اب نماز کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اس گیارہ سال کی عمر میں مجھ میں کیسا عزم تھا۔ اس اقرار کے بعد میں نے کبھی نماز نہیں چھوڑی۔ گو اس نماز کے بعد کئی سال بچپن کے زمانہ کے ابھی باقی تھے۔ میرا وہ عزم میرے آج کے ارادوں کو شرماتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم میں کیوں رویا۔ فلسفی کہے گا اعصابی کمزوری کا نتیجہ ہے مذہبی کہے گا تقویٰ کا جذبہ تھا۔ مگر میں جس سے یہ واقعہ گزرا کہتا ہوں مجھے معلوم نہیں۔ میں کیوں رویا؟ ہاں یہ یاد ہے کہ اس وقت میں اس امر کا اقرار کرتا تھا کہ پھر کبھی نماز نہیں چھوڑوں گا اور وہ رونا کیسا بابرکت ہوا۔ وہ افسردگی کیسی راحت بن گئی جب اس کا خیال کرتا ہوں۔ تو سمجھتا ہوں کہ وہ آنسو ہسٹریا کے دورہ کا نتیجہ نہ تھے پھر وہ کیا تھے؟ میرا خیال ہے وہ شمس روحانی کی گرم کر دینے والی کرنوں کا گرایا ہوا پسینہ تھے۔ وہ مسیح موعود کے کسی فقرہ یا کسی نظر کا نتیجہ تھے۔ گر یہ نہیں تو میں نہیں کہہ سکتا کہ پھر وہ کیا تھے"

۱۲۵۔

انجمن تشحیذ الاذہان

۱۹۰۰ء میں آپ نے ایک نئی انجمن کی بنیاد رکھی جس کا نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "تشحیذ الاذہان" رکھا۔ اس مجلس کی غرض و غایت یہ تھی کہ نوجوانان احمدیت کو تبلیغ اسلام کے لئے تیار کرے ۱۲۶۔

خطبہ الہامیہ میں شرکت

۱۱/ اپریل ۱۹۰۰ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عید الاضحیہ کے بعد عربی میں خطبہ الہامیہ پڑھا تھا۔ حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد ایدہ اللہ کو بھی اس میں شرکت کا فخر حاصل ہوا۔ چنانچہ آپ کا بیان ہے کہ۔

"مجھے خوب یاد ہے گو میں چھوٹی عمر میں ہونے کی وجہ سے عربی نہ سمجھ سکتا تھا۔ مگر آپ کی ایسی خوبصورتی اور نورانی حالت بنی ہوئی تھی۔ کہ میں اول سے آخر تک برابر تقریر سنتا رہا۔ حالانکہ ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکتا تھا" ۱۲۷

"مجھے یاد ہے۔ ہمیں اس تقریر کے کئی فقرے یاد ہو گئے تھے۔" ۱۲۸

بیماری اور دعا سے شفایابی

نومبر ۱۹۰۰ء میں آپ کو سخت بخار ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کی شفایابی کی الہامی بشارت ملی ۱۲۹۔ چنانچہ بخار اتر

گیا۔

مقدمہ دیوار کے فیصلہ کی قبل از وقت خبر

تاریخ احمدیت جلد سوم [۱۲۰] میں مقدمہ دیوار کا واقعہ بڑی تفصیل سے گزر چکا ہے کہ کس طرح آپ کے چچازاد بھائیوں نے آپ کو تکلیف دینے کی خاطر ایک دیوار کھینچ دی تھی۔ حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ الودود کو اس بارے میں بذریعہ خواب دیوار کے گرائے جانے کا نظارہ دکھایا گیا۔ حضور فرماتے ہیں۔

"میں نے خواب میں دیکھا کہ دیوار گرائی جارہی ہے اور لوگ ایک ایک اینٹ کو اٹھا کر پھینک رہے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کچھ بارش ہو چکی ہے اس حالت میں میں نے دیکھا کہ مسجد کی طرف حضرت خلیفۃ اول رضی اللہ عنہ تشریف لارہے ہیں۔ جب مقدمہ کا فیصلہ ہوا اور دیوار گرائی گئی تو بعینہٖ ایسا ہی ہوا۔ اس روز کچھ بارش بھی ہوئی اور درس کے بعد حضرت خلیفہ اولؓ جب واپس آئے تو آگے دیوار توڑی جارہی تھی میں بھی کھڑا تھا چونکہ اس خواب کا میں آپ سے پہلے ذکر کر چکا تھا اس لئے مجھے دیکھتے ہی آپ نے فرمایا۔ میاں دیکھو۔ آج تمہارا خواب پورا ہو گیا" [۱۲۱]۔

سیدنا کے بارے میں بشارت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۳۰/ نومبر ۱۹۰۱ء میں "بشیر احمد۔ شریف احمد اور مبارکہ بیگم کی آمین" لکھی تو نہ صرف اپنے سب بچوں کے لئے بارگاہ الٰہی میں نہایت خشوع خضوع سے دعائیں ہی کیں بلکہ اپنی کل اولاد خصوصاً اپنے لخت جگر سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کی بابت دنیا کو ان دعاؤں کے شرف قبولیت پانے کی بشارت بھی سنادی۔ جیسا کہ حضورؑ فرماتے ہیں۔

خدایا تیرے فضلوں کو کروں یاد ــــ بشارت تو نے دی اور پھر یہ اولاد
کہا ہرگز نہیں ہوں گے یہ برباد ــــ بڑھیں گے جیسے باغوں میں ہو شمشاد
خبر تو نے یہ مجھ کو بارہا دی ــــ فسبحان الذی اخزی الاعادی
بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا ــــ جو ہوگا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دور اس مہ سے اندھیرا ــــ دکھاؤں گا کہ اک عالم کو پھیرا
بشارت کیا ہے اک دل کی غذا دی ــــ فسبحان الذی اخزی الاعادی (درثمین)

بارہ تیرہ برس کی عمر میں پہلا روزہ

آپ نے پہلا روزہ بارہ تیرہ برس کی عمر میں رکھا چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں۔ "مجھے جہاں تک یاد ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے پہلا روزہ رکھنے کی اجازت بارہ یا تیرہ سال کی عمر میں دی تھی...... مجھے

پہلے سال صرف ایک روزہ رکھنے کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اجازت دی تھی" ۱۳۲۔

مڈل کاامتحان اور خدائی الہام

جنوری ۱۹۰۲ء میں آپ مڈل کے امتحان کے لئے بٹالہ کو جانے والے تھے تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا۔ "لیحملہ رجل" یعنی یہ کمزور ہے اس کے سہارے کے لئے کوئی آدمی ساتھ جانا چاہئے ۱۳۳۔ چنانچہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب آپ کے ساتھ کئے گئے۔ ۱۳۴

"تحفہ گولڑویہ" میں ذکر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ستمبر ۱۹۰۲ء میں "تحفہ گولڑویہ" شائع فرمائی تو اس میں دنیا کو پسر موعود سے متعلق نشان کی طرف توجہ دلاتے ہوئے تحریر فرمایا۔

"خدا نے مجھے وعدہ دیا ہے کہ تیری برکات کا دوبارہ نور ظاہر کرنے کے لئے تجھ سے ہی اور تیری ہی نسل میں سے ایک شخص کھڑا کیا جائے گا۔ جس میں میں روح القدس کی برکات پھونکوں گا وہ پاک باطن اور خدا سے نہایت پاک تعلق رکھنے والا ہو گا۔ اور مظہر الحق والعلاء ہو گا گویا خدا آسمان سے نازل ہوا۔" ۱۳۵

"نزول المسیح" میں ذکر

حضرت اقدس علیہ السلام نے اسی سال "نزول المسیح" تالیف فرمائی اور اس میں بھی سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمایا کہ۔

"مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دی۔ چنانچہ قبل ولادت بذریعہ اشتہار کے وہ پیشگوئی شائع ہوئی پھر بعد اس کے وہ لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بھی رؤیا کے مطابق محمود احمد رکھا گیا اور یہ پہلا لڑکا ہے جو سب سے بڑا ہے" ۱۳۶۔

پہلی شادی

اکتوبر ۱۹۰۲ء میں آپ کا نکاح حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین ؓ کی دختر نیک اختر (حضرت) سیدہ محمودہ بیگم صاحبہ سے رڑکی میں ہوا اور وسط اکتوبر ۱۹۰۳ء میں شادی ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت ڈاکٹر صاحب کو قبل ازیں رشتہ کی تحریک فرمائی تو لکھا کہ۔

"اس رشتہ پر محمود بھی راضی معلوم ہوتا ہے اور گو ابھی الہامی طور پر اس بارے میں کچھ معلوم نہیں .... مگر محمود کی رضامندی ایک دلیل اس بات پر ہے کہ یہ امر غالباً واللہ اعلم جناب الٰہی کی رضامندی کے موافق انشاء اللہ ہو گا" ۱۳۷۔

عکس مکتوب مبارک سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(بنام حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحبؓ)

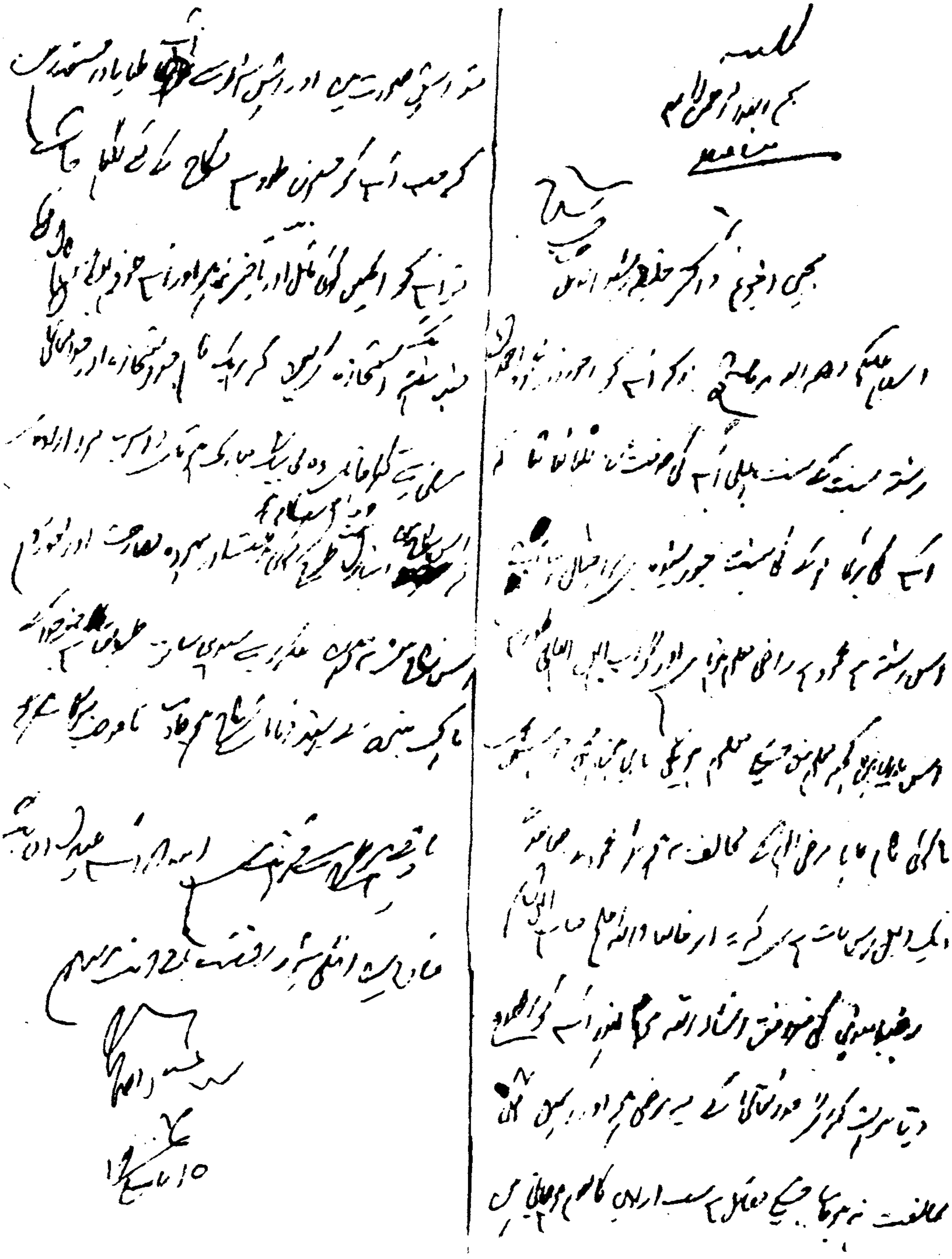
بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی
مجبی اخویم ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحبؓ نے حضور کی شادی پر بمبئی سے ایک ٹوپی اور اوڑھنی کا تحفہ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ ٹوپی پر مصلح موعود سے متعلق یہ الہام درج تھا۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظهر الاول و الآخر مظهر الحق و العلاء کأنّ الله نزل من السمآء اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سیٹھ صاحبؓ دوسرے اکابر صحابہ کی طرح اس وقت بھی حضرت خلیفہ ثانی کے مصلح موعود ہونے کا یقین رکھتے تھے ۱۲۸۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس تحفہ کے شکریہ میں ۳۰/ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو اپنے قلم مبارک سے مندرجہ ذیل خط تحریر فرمایا۔

۲۰/ اکتوبر ۱۹۵۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم -:- نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مجی عزیزی اخویم سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب!

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ آپ کا محبت اور اخلاص کا تحفہ جو آپ نے برخوردار محمود اور بشیر کی شادی کی تقریب پر بھیجا ہے یعنی ایک ٹوپی اور ایک اوڑھنی پہنچ گیا ہے۔ میں آپ کے اس محبانہ تحفہ کا شکر کرتا ہوں اور آپ کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دین اور دنیا میں اس کا اجر بخشے آمین باقی خیریت ہے۔ والسلام خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ

"مواہب الرحمٰن" میں ذکر

"مواہب الرحمٰن" میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا۔ "الحمد لله الذی وهب لی علی الکبر اربعة من البنین و انجز وعده من الاحسان" ۱۲۹ یعنی اللہ تعالیٰ ہی سب تعریفوں کا مستحق ہے جس نے بڑھاپے کے باوجود چار فرزند عطا کئے اور بطور احسان اپنا وعدہ پورا فرمادیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مکتوب مبارک

(بنام حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحبؓ)

۲۰ / اکتوبر ۱۹۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی

محبی عزیزی اخویم سیٹھ اسمٰعیل آدم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا محبت اور اخلاص سے
تحفہ جو آپ نے برخوردار محمود اور بشیر کی شادی کی
تقریب پر بھیجا ہے یعنی ایک ٹوپی اور ایک اوڑھنی
پہنچ گیا ہے۔ آپ کے اس محبانہ تحفہ کا شکریہ ادا کرتا
ہوں اور آپ کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو
دین اور دنیا میں اس کا اجر بخشے۔ باقی ابتک بدستور والسلام

خاکسار
مرزا غلام احمد عفی اللہ عنہ

شعر و سخن کا آغاز

۱۹۰۳ء میں آپ نے شعر و سخن کی دنیا میں قدم رکھا تو ابتداءً آپ شاد تخلص فرماتے تھے آپ کی پہلی (مطبوعہ) [illegible] نظم کے چند اشعار یہ ہیں۔

بیمار عشق ہوں ترا دے تو شفا مجھے | اپنے کرم سے بخش دے میرے خدا مجھے
اسلام پر ہی آئے جب آئے قضا مجھے | جب تک کہ دم میں دم ہے اسی دین پر رہوں
گر یہ ملے تو جانوں کہ سب کچھ ملا مجھے | تیری رضا کا ہوں میں طلبگار ہر گھڑی

سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کی تمام منظومات "کلام محمود" میں تاریخی ترتیب کے ساتھ طبع شدہ ہیں اور آپ کی سیرت کا صاف و شفاف آئینہ ہیں۔ جس میں عشق الٰہی۔ عشق رسولؐ اور عشق اسلام کی شان اپنی پوری آن بان سے درخشاں و تاباں ہے۔ آپ نے اپنے کلام کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے کہ

"میرے نزدیک شعر اس لئے کہنا کہ لوگ پسند کریں اور داد دیں درست نہیں۔ میں بھی شعر کہتا ہوں۔ لیکن جب میں شعر کہتا ہوں تو نہیں معلوم ہوتا کہ کیا لکھ رہا ہوں۔ جب قلم ایک جگہ جاکر رک جاتا ہے" تو پھر خواہ کتنا ہی زور لگاؤں آگے شعر نہیں کہا جا سکتا......وہ شعر جس کو انسان تلاش کر کے لاتا ہے وہ ناپسند ہے مگر جب طبیعت میں جوش اور بغیر خوض اور غور کے مضامین جاری ہوں تو وہ ایک قسم کا القاء اور الہام ہوتے ہیں" [illegible]

نیز فرماتے ہیں۔

"درحقیقت اگر دیکھا جائے تو میرے اشعار میں سے ایک کافی حصہ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ایک چوتھائی یا ایک ثلث حصہ ایسا نکلے گا جو درحقیقت قرآن شریف کی آیتوں کی تفسیر ہے یا حدیثوں کی تفسیر ہے لیکن ان میں بھی لفظ پھر مختصر ہی استعمال ہوئے ہیں ورنہ شعر نہیں بنتا۔ شعر کے چند لفظوں میں ایک بڑے مضمون کو بیان کرنا آسان نہیں ہوتا یا اسی طرح کئی تصوف کی باتیں ہیں جن کو ایک چھوٹے سے نکتہ میں حل کیا گیا ہے" [illegible]

مولانا الطاف حسین صاحب حالی کو خط اور ان کا جواب

حضرت سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ نے جب شعر کہنے شروع کئے تو آپ نے مولانا الطاف حسین صاحب حالی کو خط لکھا کہ میں شاعری میں آپ کا شاگرد بننا چاہتا ہوں اگر آپ منظور فرمائیں تو آپ کو اپنا کلام اصلاح کے لئے بھیج دیا کروں۔ کچھ دنوں کے بعد مولوی صاحب کا جواب آیا۔ کہ "میاں صاحبزادے! اپنی قیمتی عمر کو اس فضول مشغلے میں ضائع نہ کرو یہ عمر تحصیل علم کی ہے۔ پس دل لگا کر علم حاصل کرو۔ جب بڑے ہو گے اور تحصیل علم کر چکو گے اور

فراغت بھی میسر ہوگی اس وقت شاعری بھی کرلینا" [۱۶۳، ۱۶۴]

جناب جلال لکھنوی سے اصلاح سخن

مولانا حالی سے مندرجہ بالا جواب ملنے کے بعد آپ نے کسی اور استاد کی طرف رجوع کرنا چاہا۔ اس دور کے بکثرت اساتذہ میں سے تین حضرات بہت بلند پایہ اور عالمگیر شہرت رکھنے والے تھے۔ منشی مفتی امیر احمد صاحب امیرمینائی لکھنوی۔ فصیح الملک نواب مرزا خان صاحب داغ دہلوی اور جناب سید ضامن علی صاحب جلال لکھنوی [۱۶۵]۔ مگر اول الذکر حضرات تو اس وقت وفات پاچکے تھے آخر الذکر ہی باقی تھے آپ نے اصلاح سخن کے لئے انہی کی طرف توجہ فرمائی۔ [۱۶۶]

کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ مشق سخن کا یہ سلسلہ جو خط و کتابت ہی کے ذریعہ سے سرانجام پاتا تھا۔ جناب جلال لکھنوی کی وفات تک جاری رہایا ۱۹۰۹ء سے پیشتر ہی کسی وقت ختم ہوگیا۔ جو ان کے انتقال کا سنہ ہے۔

گورداسپور میں قیام

وسط اگست ۱۹۰۴ء سے اکتوبر ۱۹۰۴ء تک آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ مقدمہ کرم دین کے سلسلہ میں گورداسپور میں رہے۔ [۱۶۷]

سفر لاہور و سیالکوٹ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اگست ۱۹۰۴ء میں لاہور [۱۶۸] پھر اکتوبر ۱۹۰۴ء میں سیالکوٹ تشریف لے گئے ان دونوں سفروں میں بھی آپ کو حضرت اقدس کی معیت حاصل ہوئی سفر سیالکوٹ کے بارے میں حضور کا ایک بیان خاص اہمیت رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام...... سیالکوٹ تشریف لے گئے تو غیراحمدیوں میں سے بعض نے شورش کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا منشاء تھا۔ کہ وہاں حضور کو کوئی تکلیف نہ ہو اس لئے اس نے یہ انتظام کردیا کہ شہر کے ایک رئیس آغا باقر جو قادیان برائے علاج آچکے تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عقیدت رکھتے تھے۔ ڈپٹی کمشنر نے انتظام کے لئے ان سے مشورہ کیا انہوں نے اپنی خدمات انتظام کے لئے پیش کردیں اور اپنے ساتھ مسٹر بیٹی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو لگائے جانے کی خواہش کی اور ڈپٹی کمشنر نے اسے منظور کرلیا۔ چنانچہ ان دونوں نے مل کر ایسا عمدہ انتظام کیا کہ کسی قسم کی شورش نہ ہوئی لوگ پتھروں کو لے کر مکانوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ مگر ان دونوں نے کہہ دیا کہ اگر کسی نے شرارت کی تو ہم اس قدر سزا دیں گے کہ وہ یاد رکھے گا یہ سن کر سب دشمن ڈر گئے۔

مجھے یاد ہے جب بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام باہر نکلتے وہ ساتھ رہتے۔ اس سفر میں ایک لیکچر

بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیا اور کچھ لوگوں نے اس میں شورش کرنی چاہی اور بعض آنے والوں پر پتھر پھینکے مسٹر بٹی نے ان لوگوں کو ڈانٹ کر ہٹا دیا۔ اور جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لیکچر ہو چکا تو باآواز بلند کہا کہ مجھے ان مسلمانوں پر افسوس آتا ہے کہ غصہ تو ہم کو آنا چاہئے تھا کہ انہوں نے اپنے لیکچر میں ہمارے خدا کو مردہ ثابت کیا اور ہمارے خلاف اور بہت سی باتیں کہی ہیں لیکن مسلمانوں کے نبی کی بہت تعریف کی ہے اور وہ پھر بھی فساد کرتے ہیں غرض اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیالکوٹ میں ہر شر سے محفوظ رکھا اور اس سے دشمن اور بھی زیادہ غصہ میں بھر گئے۔ چنانچہ انہوں نے آخر تجویز کی کہ آپ کی واپسی پر ٹرین پر پتھر برسائے جائیں اور جو لوگ چھوڑنے جائیں واپسی کے وقت ان کو دکھ دیا جائے چنانچہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام واپس ہوئے تو آپ کی گاڑی پر پتھر برسائے گئے اور جو لوگ وداع کے لئے گئے تھے واپسی پر ان پر حملہ کیا گیا ان لوگوں میں مولوی برہان الدین صاحب (جہلمی) مرحوم بھی شامل تھے لوگ بری طرح ان کے پیچھے پڑ گئے۔ ستر یا بہتر سال ان کی عمر تھی اور نہایت کمزور تھے مگر خندہ پیشانی سے مار کھائی حتی کہ ایک شخص نے گوبر اٹھایا اور ان کے منہ میں ڈال دیا۔ بعض دوستوں نے سنایا کہ مولوی صاحب اس وقت بالکل غمگین نہ تھے بلکہ بہت خوش تھے اور بار بار کہتے تھے۔ "ایہہ نعمتاں کتھوں ایہہ نعمتاں کتھوں"۔ یعنی "یہ نعمتیں ہم کو پھر کب میسر آسکتی ہیں"۔ [۱۴۹]

ایک غیر مطبوعہ قلمی نوٹ

حضرت خلیفۃ المسیح اول مولانا نور الدین ؓ کی معرکۃ الآراء کتاب "نور الدین" کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۰۴ء میں طبع ہوا۔ کتاب کے اس دوسرے ایڈیشن کے شروع میں سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ نے یہ قلمی نوٹ لکھا ہے۔ [۱۵۰]

اس تمام عالم میں ہمکو ایک نظام نظر آتا ہے ہر ایک چیز جسکو کسی چیز کی اسکی بقا کیلئے ضرورت ہے وہ مہیا ہے۔ مثلاً انسان کیلئے پھیپھڑا۔ جگر گردہ دل دماغ وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر زندگی کے قیام کے لیئے ہوا۔ پانی۔ آگ وغیرہ وغیرہ۔ آدمی کے لیئے رزق مقرر رکھا تو اسکے پاؤں دئے اور درخت کے لیئے زمین میں رزق تھا اسے جڑ دی۔ درندوں پرندوں اور چرندوں

کو دانت تو دیئے مگر چونکہ انہیں خلق کا مادہ نہ دکھا تھا اس لئے انکو غذائیں بھی غیر طبعی
مقرر فرمائیں۔ پس اگر خدا تمہارے خالق اشیاء نہ تھا تو ہر ایک خاصہ پیدا کس طرح ہو گیا تھا
چاہئے تھا کہ سوا انکے ہوتے اور انسان کا پیٹ ایسا نہیں رہ جاتا سیارہ بہت سی مثالیں ہیں فرماتا
فرماتا ہے ما تری فی خلق الرحمن من تفاوت

روح تو مادہ ہے اور معرفت کی تغیر نہیں پھر یہ ناپاک مادہ کس طرح بنتی ہے آریہ جواب
دیں ۔

پھر انسان انسانات میں تو شریک نہیں مرگ لوگ ہم صرف روح جاتی ہے پھر دنیا
کے عذابوں میں یہ بھی شریک ہے۔ معلوم ہوا کہ روح مادہ کی ازلی ماتحت کا ذکر
انتظام عالم کے درست رکھنے کیلئے بنایا ہے ورنہ غیر ذوی العقول آپ ہوا تو کس طرح ہوئے
اگر تناسخ صحیح ہے تو پھر چاہئے تھا کہ جو شخص جس رنگ میں پیدا ہوا اسکے ہی میں رہتا کیونکہ
[illegible] ہو رہا اسکا مستحق تھا غریب کیلئے اسے پیدا ہوا تو پھر غریب ہی رہتا مگر
مشاہدہ کچھ اور ہی کہتا ہے۔ اس لئے تناسخ غلط ثابت ہوا

پہلا باب (فصل سوم)

درسی تعلیم کا اختتام' حضرت مولانا حافظ نور الدین (خلیفۃ المسیح اول رض) کی شاگردی' تشحیذ الاذہان کا اجراء۔ فرشتہ کی سورۃ فاتحہ سکھانا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نعش مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر آپ کا عزم صمیم

[(شوال ۱۳۲۲ھ تا ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ)
(جنوری ۱۹۰۵ء سے مئی ۱۹۰۸ء تک)]

میٹرک کے امتحان کے لئے سفر امرتسر

۱۸/ جنوری ۱۹۰۵ء کو آپ کا نام میٹرک کے داخلہ کے لئے بھجوایا گیا۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے جو ان دنوں ہیڈ ماسٹر تھے۔ فارم پُر کرنے سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لکھا کہ "اس میں ایک خانہ ہے اس لڑکے کا باپ کیا کام کرتا ہے میں نے لفظ نبوت لکھا ہے"۔ حضور نے جواب دیا۔ "نبوت کوئی کام نہیں۔ یہ لکھ دیں کہ فرقہ احمدیہ جو تین لاکھ کے قریب ہے اس کے پیشوا اور امام ہیں اصلاح قوم کام ہے" [illegible]۔

حضرت صاحبزادہ صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ مارچ ۱۹۰۵ء کے تیسرے ہفتہ میں بغرض امتحان امرتسر تشریف لے گئے۔ [illegible] (حکیم دین محمد صاحب پنشنر اکونٹنٹ کی شہادت کے مطابق) امتحان کا سنٹر گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر تھا جو ہال بازار کے آخر میں واقع تھا۔ اور قادیان سے جانے والے سب طلباء حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے سمیت مسجد خیر الدین سے متصل ایک سرائے میں ٹھہرے تھے ایک استاد

غالباً ماسٹر عبد الحق صاحب بھی ہمراہ تھے اور ایک باورچی بھی!! [۱۵۳]

حضرت میاں صاحب امتحان دے کر قادیان پہنچے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی مجلس میں کسی نے کہا میاں صاحب بہت دبلے ہو گئے ہیں ایک اور صاحب نے یہ رائے دی کہ ان کو اپنی کمزوری کے خیال سے سخت فکر لاحق ہے۔ کہ ایسا نہ ہو فیل ہو جائیں اس پر کسی بزرگ نے حضرت میاں صاحب سے ہی کہا کہ آپ دعا کریں۔ یہ سن کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ "ہمیں تو ایسی باتوں کی طرف توجہ کرنے سے کراہت پیدا ہوتی ہے۔ ہم ایسی باتوں کے لئے دعا نہیں کرتے۔ ہم کو نہ تو نوکریوں کی ضرورت ہے اور نہ ہمارا یہ منشا ہے کہ امتحان اس غرض سے پاس کئے جائیں ہاں اتنی بات ہے کہ یہ علوم متعارفہ میں کسی قدر دستگاہ پیدا کر لیں جو خدمت دین میں کام آئے۔ پاس فیل سے تعلق نہیں اور نہ کوئی غرض" [۱۵۴]۔

علاوہ ازیں ایک مشہور روایت یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اگر تم وہی محمود ہو جس کی خدا نے مجھے خبر دی ہے تو تمہیں اللہ تعالیٰ خود سکھائے گا۔

بہرکیف جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔ آپ مڈل کی طرح میٹرک میں بھی کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس لئے پیسہ اخبار کے ایڈیٹر منشی محبوب عالم صاحب نے ایک بار طنزاً لکھا۔

"بڑا لڑکا باوجودیکہ صاحب اولاد ہے مگر معلوم ہوا ہے کہ مڈل میں فیل ہو چکا ہے اگر مرزا جی کے بعد یہی لڑکے ان کی گدی کے وارث بنے تو خوب مذہب چلائیں گے" [۱۵۵]۔

حضرت خلیفہ اول ؓ کی شاگردی

درسی تعلیم کے بعد حضرت خلیفہ اول ؓ نے آپ کو اپنی خاص تربیت میں لے لیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"میری تعلیم کے سلسلہ میں....... سب سے زیادہ احسان حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کا ہے آپ چونکہ طبیب بھی تھے اور اس بات کو جانتے تھے کہ میری صحت اس قابل نہیں کہ میں کتاب کی طرف زیادہ دیر تک دیکھ سکوں اس لئے آپ کا طریق یہ تھا کہ آپ مجھے اپنے پاس بٹھا لیتے اور فرماتے میاں میں پڑھتا جاتا ہوں تم سنتے جاؤ....... چنانچہ انہوں نے زور دے دے کر پہلے قرآن پڑھایا اور پھر بخاری پڑھا دی۔ یہ نہیں کہ آپ نے آہستہ آہستہ مجھے قرآن پڑھایا ہو بلکہ آپ کا طریق یہ تھا کہ آپ قرآن پڑھتے جاتے اور ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ کرتے جاتے کوئی بات ضروری سمجھتے تو بتا دیتے ورنہ جلدی جلدی پڑھاتے چلے جاتے آپ نے تین مہینہ میں مجھے سارا قرآن پڑھا دیا تھا اس کے بعد پھر کچھ ناغے ہونے لگے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی وفات کے بعد آپ نے پھر مجھے کہا کہ میاں

مجھ سے بخاری تو پوری پڑھ لو۔ دراصل میں نے ان کو بتادیا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مجھے فرمایا کرتے تھے کہ مولوی صاحب سے قرآن اور بخاری پڑھ لو چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی میں نے آپ سے قرآن اور بخاری پڑھنی شروع کر دی تھی۔ گو ناغے ہوتے رہے اسی طرح طب بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایت کے ماتحت میں نے آپ سے شروع کر دی تھی۔ طب کا سبق میں نے اور میر محمد اسحٰق صاحب نے ایک ہی دن شروع کیا تھا......... غرض میں نے آپ سے طب بھی پڑھی اور قرآن کریم کی تفسیر بھی......... بخاری آپ نے دو تین مہینہ میں مجھے ختم کرادی ایک دفعہ رمضان کے مہینہ میں آپ نے سارے قرآن کا درس دیا تو اس میں بھی شریک ہو گیا۔ چند عربی کے رسالے بھی مجھے آپ سے پڑھنے کا اتفاق ہوا" [۱۵۶]۔

"استاذی المکرم حضرت مولوی نور الدین صاحب (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔ قرآن انہوں نے ہی مجھے پڑھایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اب مجھے بہت علم بخشا ہے بلکہ وہ خود فرماتے تھے کہ میں نے تم سے ایسے ایسے معارف قرآن کے سنے ہیں جو نہ مجھے معلوم تھے اور نہ پہلی کتب میں درج ہیں لیکن اس کتاب کی چاٹ انہوں نے ہی مجھے لگائی اور اس کی تفسیر کے متعلق صحیح راستہ پر ڈالا اور وہ بنیاد ڈالی جس پر عمارت تعمیر کر سکا۔ اس لئے دل ہمیشہ ان کے لئے دعاگو رہتا ہے") [۱۵۷]۔

ایک بشارت سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یکم فروری ۱۹۰۵ء کو الہاماً بشارت ملی۔ "انی لاجد ریح یوسف لو لا ان تفندون" [۱۵۸]۔ یعنی اگر ایسا نہ ہو کہ تم مجھے جھٹلانے لگو تو میں ضرور کہوں گا کہ مجھے یقیناً یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ یہ بشارت مصلح موعود کی آمد سے متعلق اس الہامی شعر کی تشریح سے معلوم ہوتی ہے کہ۔ ؎

اے فخر رسل قرب تو معلومم شد دیر آمدہ ز راہ دور آمدہ

پہلا الہام پندرہ سولہ سال کی عمر میں حضرت سیدنا محمود احمد صاحب پر الہام ہوا۔ "ان الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیٰمۃ"۔ یعنی وہ لوگ جو تیرے متبع ہیں وہ تیرے نہ ماننے والوں پر قیامت تک غالب رہیں گے [۱۵۹]۔ آپ اس الہام کی نسبت فرماتے ہیں کہ۔

"میں نے جاکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتادیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو اپنے الہامات کی کاپی میں لکھ لیا...... پہلے میں اسے صرف خلافت کے متعلق سمجھتا تھا لیکن اب میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا ہے کہ اس الہام میں میرے اس منصب کی طرف اشارہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے ملنے والا تھا" [۱۶۰]۔ (یعنی مصلح موعود کا منصب)

باغ میں قیام اور الہام

زلزلہ کانگڑہ کے بعد آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی معیت میں (۴/اپریل ۱۹۰۵ء سے ۲/جولائی ۱۹۰۵ء تک) باغ میں قیام کرنا پڑا [illegible]۔ باغ میں آکر آپ اور حضرت میر محمد اسحق صاحب بیمار ہو گئے الہام ہوا۔ "سلامٌ قولاً من رب رحیم" [illegible] اس پر دونوں کو شفا ہو گئی۔

حضرت مسیح موعود کے الہام کی خبر رؤیا میں

۲۸/اپریل ۱۹۰۵ء کا ذکر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو الہام ہوا [illegible]۔ انی مع الافواج اٰتیک بغتۃ۔ عجیب بات ہے کہ ادھر حضرت مسیح موعودؑ کو الہام ہوا ادھر حضور کے فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الحق والعلاء کو خواب میں یہ بتایا گیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کو یہ الہام ہوا ہے۔

آپ کے قلم سے اس اہم واقعہ کی پوری تفصیل یہ ہے کہ:۔

"ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو الہام ہوا کہ انی مع الافواج اٰتیک بغتۃ" میں اپنی افواج کے ساتھ اچانک تیری مدد کے لئے آؤں گا۔ جس رات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ الہام ہوا اسی رات ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو آج یہ الہام ہوا ہے کہ انی مع الافواج اٰتیک بغتۃ جب صبح ہوئی تو مفتی محمد صادق صاحب نے مجھے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام پر جو تازہ الہامات ہوئے ہوں وہ اندر سے لکھوا لاؤ۔ مفتی صاحب نے اس ڈیوٹی پر مجھے مقرر کیا ہوا تھا۔ اور میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے تازہ الہامات آپ سے لکھوا کر مفتی صاحب کو لا کر دے دیا کرتا تھا تاکہ وہ انہیں اخبار میں شائع کر دیں اس روز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے جب الہامات لکھ کر دئے تو جلدی میں آپ یہ الہام لکھنا بھول گئے کہ انی مع الافواج اٰتیک بغتۃ میں نے جب ان الہامات کو پڑھا تو میں شرم کی وجہ سے یہ جرأت بھی نہ کرسکتا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے اس بارے میں کچھ عرض کروں۔ اور یہ بھی جی نہ مانتا تھا کہ جو کچھ مجھے بتایا گیا تھا۔ اسے غلط سمجھ لوں۔ اسی حالت میں کئی دفعہ میں آپ سے عرض کرنے کے لئے دروازہ کے پاس جاتا مگر پھر لوٹ آتا پھر جاتا اور پھر لوٹ آتا۔ آخر میں نے جرأت سے کام لے کر کہہ ہی دیا کہ رات مجھے ایک فرشتہ نے بتایا تھا کہ آپ کو الہام ہوا ہے۔ انی مع الافواج اٰتیک بغتۃ مگر ان الہامات میں اس کا ذکر نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔ یہ الہام ہوا تھا مگر لکھتے ہوئے میں بھول گیا چنانچہ کاپی کھولی تو اس میں وہ الہام درج تھا" [illegible]۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات اور آپ کی زندگی میں تغیر عظیم

سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ الودود تحریر فرماتے ہیں۔ "مولوی عبدالکریم صاحب بیمار ہوئے ....ایک دفعہ یخنی لے کر میں مولوی صاحب کے لئے گیا تھا اس کے سوا یاد نہیں کہ کبھی گیا ہوں۔ اس زمانہ کے خیالات کے مطابق یقین کرتا تھا کہ مولوی صاحب فوت نہیں ہو سکتے...... مولوی عبدالکریم صاحب کی طبیعت تیز تھی ایک دو سبق ان کے پاس الف لیلہ کے پڑھے پھر چھوڑ دیئے۔ اس سے زائد ان سے تعلق نہ تھا۔ ہاں ان دنوں میں یہ بحثیں خوب ہوا کرتی تھیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دایاں فرشتہ کونسا ہے اور بایاں کونسا؟ بعض کہتے مولوی عبدالکریم صاحب دائیں ہیں بعض حضرت استاذی المکرم خلیفہ اولؓ کی نسبت کہتے کہ وہ دائیں فرشتے ہیں علموں اور کاموں کا موازنہ کرنے کی اس وقت طاقت نہ تھی اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اسی محبت کی وجہ سے جو حضرت خلیفہ اولؓ مجھ سے کیا کرتے تھے میں نور الدینوں میں سے تھا۔ ہم نے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی دریافت کیا اور آپ نے ہمارے خیال کی تصدیق کی۔ غرض مولوی عبدالکریم صاحب سے کوئی زیادہ تعلق مجھے نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ میں ان کے پُرزور خطبوں کا مداح تھا۔ اور ان کی محبت اور ان کی حب مسیح موعودؑ کا معتقد تھا مگر جونہی آپ کی وفات کی خبر میں نے سنی میری حالت میں ایک تغیر پیدا ہو گیا۔ وہ آواز ایک بجلی تھی جو میرے جسم کے اندر سے گزر گئی جس وقت میں نے آپ کی وفات کی خبر سنی مجھ میں برداشت کی طاقت نہ رہی۔ دوڑ کر اپنے کمرہ میں گھس گیا اور دروازہ بند کر لیا۔ پھر ایک بے جان لاش کی طرح چارپائی پر گر گیا۔ اور میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے وہ آنسو نہ تھے ایک دریا تھا۔ دنیا کی بے ثباتی' مولوی صاحب کی محبت مسیح اور خدمت مسیح کے نظارے آنکھوں کے سامنے پھرتے تھے دل میں بار بار خیال آتا تھا کہ حضرت مسیح موعود کے کاموں میں یہ بہت سا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اب آپ کو بہت تکلیف ہو گی اور پھر خیالات پر ایک پردہ پڑ جاتا تھا اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہنے لگتا تھا۔ اس دن نہ میں کھانا کھا سکا نہ میرے آنسو تھمے حتی کہ میری لاابالی طبیعت کو دیکھتے ہوئے میری اس حالت پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی تعجب ہوا۔ اور آپ نے حیرت سے فرمایا کہ

"محمود کو کیا ہو گیا ہے اس کو تو مولوی صاحب سے کوئی ایسا تعلق نہ تھا یہ تو بیمار ہو جائے گا"۔ خیر مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات نے میری زندگی کے ایک نئے دور کو شروع کیا۔ اسی دن سے میری طبیعت میں دین کے کاموں اور سلسلہ کی ضروریات میں دلچسپی پیدا ہونی شروع ہوئی اور وہ بیج بڑھتا ہی چلا گیا۔ سچ یہی ہے کہ کوئی دنیاوی سبب حضرت استاذی المکرم مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ کی

زندگی اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات سے زیادہ میری زندگی میں تغیر پیدا کرنے کا موجب نہیں ہوا۔ مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات پر مجھے یوں معلوم ہوا گویا ان کی روح مجھ پر آپڑی" ۱۶۵۔

سفر دہلی ولدھیانہ وامرتسر

اکتوبر ۱۹۰۵ء کا واقعہ ہے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب (اپنے نانا جان) حضرت میر ناصر نواب صاحب اور ڈاکٹر محمد اسمٰعیلؓ کے ہمراہ دہلی ۱۶۶ تشریف لے گئے واپسی پر جب امرتسر پہنچے تو علم ہوا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دہلی کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ اس پر وہیں سے واپس ہو کر رات کو دہلی پہنچ گئے اور الف خاں صاحب روشنائی والے کے مکان پر جاکر جو چتلی قبر مسجد رفاعی سے قریب واقع ہے حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ قیام دہلی کے دوران میں جب حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مزار مبارک حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ پر فاتحہ کے لئے تشریف لے گئے تو اور اصحاب کے علاوہ صاحبزادہ حضرت محمود ایدہ اللہ الودود بھی حضور کے ہمراہ تھے۔ جیسا کہ خواجہ نظامی صاحب نے اپنے رسالہ "منادی" میں لکھا ہے کہ "جب پہلے ملاقات ہوئی تھی تو ان کی داڑھی نہیں نکلی تھی۔ اور یہ اپنے والد کے ساتھ درگاہ میں آئے تھے" ۱۶۷۔

۴/ نومبر ۱۹۰۵ء کو آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ واپس عازم قادیان ہوئے راستہ میں پہلے لدھیانہ میں حضور علیہ السلام کا لیکچر ہوا۔ پھر امرتسر میں۔ امرتسر کے جلسہ میں بڑا ہنگامہ ہوا اور لیکچر کے بعد آپ حضور علیہ السلام کے ساتھ گاڑی میں بیٹھے تو چاروں طرف سے پتھروں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ گاڑی کی کھڑکیاں بند تھیں ان پر پتھر گرتے تھے تو وہ کھل جاتی تھیں آپ انہیں پکڑ کر سنبھالتے تھے لیکن پتھروں کی بوچھاڑ سے چھوٹ چھوٹ کر وہ گر جاتی تھیں ۱۶۸۔

"الوصیت" میں آپ کی نسبت اہم پیشگوئی

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آخر ۱۹۰۵ء میں رسالہ "الوصیت" تحریر فرمایا۔ جس میں آپ کی نسبت ایک اہم پیشگوئی فرمائی جو اپنے وقت پر کھلی۔ فرمایا۔

"خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ میں تیری جماعت کے لئے تیری ہی ذریت سے ایک شخص کو قائم کروں گا اور اس کو اپنے قرب اور وحی سے مخصوص کروں گا۔ اور اس کے ذریعہ سے حق ترقی کرے گا۔ اور بہت سے لوگ سچائی کو قبول کریں گے۔ سو ان دنوں کے منتظر رہو۔ اور تمہیں یاد رہے کہ ہر ایک کی شناخت اس کے وقت میں ہوتی ہے۔ اور قبل از وقت ممکن ہے کہ وہ معمولی انسان دکھائی دے یا بعض دھوکہ دینے والے خیالات کی وجہ سے قابل اعتراض ٹھہرے جیسا کہ قبل از وقت ایک کامل

انسان بننے والا ابھی پیٹ میں صرف ایک نطفہ یا علقہ ہوتا ہے"[۱۶۹]۔

یہ پیشگوئی خلافت ثانیہ کے قیام پر پوری شان سے پوری ہوئی جیساکہ آئندہ صفحات سے معلوم ہو گا۔

مدرسہ تعلیم الاسلام کے بقاء کی کامیاب کوشش

۱۹۰۵ء میں جب آپ کی عمر ۱۶ سال کی تھی اور شباب کا ابھی آغاز ہی تھا کہ ایک نہایت ضروری مسئلہ پیش آگیا۔ اور وہ مدرسہ تعلیم الاسلام کو قائم رکھنے کا مسئلہ تھا حضرت مسیح موعود چاہتے تھے۔ کہ مدرسہ تعلیم الاسلام سے ایسے لوگ تیار ہو کر نکلیں جو دین کو دنیا پر مقدم کر کے اشاعت اسلام کا کام کرنے والے ہوں۔ مگر مدرسہ تعلیم الاسلام کی مجلس منتظمہ کے تمام ممبر یہ چاہتے تھے کہ مدرسہ بند کر دیا جائے۔ اور ان کی اس رائے سے گویا کل تعلیم یافتہ جوانوں اور اہل الرائے حضرات کا اتفاق تھا صرف دو وجود باجود اس رائے سے متفق نہیں تھے۔ سیدنا حضرت مولوی حاجی نور الدین صاحب اور سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور بفضلہ تعالیٰ یہی حضرات کامیاب ہوئے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے مدرسہ کو قائم رکھنے اور اس میں دینیات کی ایک شاخ کھولنے کا فیصلہ صادر فرمادیا یہ دسمبر ۱۹۰۵ء کا واقعہ ہے[۱۷۰]۔

مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ کے ارکان میں شمولیت

جنوری ۱۹۰۶ء میں جب نظام الوصیت کے نظم ونسق چلانے کے لئے صدر انجمن احمدیہ کا قیام عمل میں آیا۔ تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے مجلس معتمدین کے ارکان میں سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ الودود کو بھی بطور ممبر نامزد فرمایا۔[۱۷۱]

خلافت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کی نسبت حضرت مسیح موعود پر انکشاف

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدّ اللہ ظلہا تحریر فرماتی ہیں۔

"جب انجمن کا قیام ہو رہا تھا۔ ان دنوں کا ذکر ہے کہ باہر کوئی میٹنگ انجمن کے ارکان کے انتخاب کی یا مقرر شدہ لوگوں کی قوانین وغیرہ کے متعلق ہو رہی تھی۔ (کیونکہ انجمن بن رہی تھی یا بن چکی تھی یہ مجھے علم نہیں نہ ٹھیک یاد ہے) حضرت سیدنا بڑے بھائی صاحب باہر سے آکر آپ کو رپورٹ کرتے اور باتیں بتا کر جاتے تھے۔ آپ حضرت اماں جانؓ والے صحن میں ٹہل رہے تھے۔ جب حضرت سیدنا بھائی صاحب آخری بار کچھ باتیں کر کے چلے گئے تو آپ دار البرکات کے صحن کی جانب آئے اور وہاں

سے حجرہ میں جانے کے لئے دروازہ کی جانب اترنے والی سیڑھی کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ حضرت اماں جانؓ پہلے سے وہاں کھڑی تھیں۔ میں حضرت مسیح موعودؑ کے پیچھے ساتھ ساتھ چلی آئی تھی اور پیچھے کھڑی ہو گئی آپ کی پیٹھ کی جانب بالکل قریب۔ اس وقت آپ نے جیسے سیدھے کھڑے تھے اسی طرح بغیر گردن موڑے کلام کیا۔ مگر بظاہر حضرت اماں جانؓ سے ہی مخاطب معلوم ہوتے تھے۔ فرمایا۔

"کبھی تو ہمارا دل چاہتا ہے کہ محمود کی خلافت کی بابت ان لوگوں کو بتا دیں پھر میں سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء اپنے وقت میں خود ہی ظاہر ہو جائے گا"۔ اسی ترتیب سے پہلے فقرہ میں "ہمارا" کہا دوسرے میں "میں" فرمایا اور غیر محسوس وقفہ سے یہ دوسرا فقرہ ادا فرمایا۔ مجھے قسم ہے اپنے مالک و خالق ازلی و ابدی خدا کی جس کے حضور میں نے بھی اور سب نے حاضر ہونا ہے اور وہی میرا شاہد ہے۔ میرا حاضر و ناظر خدا جس کے پاس اب میرے جانے کا وقت قریب ہے کہ یہ سچ اور بالکل حق ہے کہ ان الفاظ میں ذرا بھی فرق نہیں۔ مجھے ایک ایک لفظ ٹھیک یاد رہا۔ اور ایسا کچھ خدا تعالیٰ کے تصرف سے میرے دماغ پر نقش ہوا اور دل پر رکھا گیا کہ میں بھول نہیں سکی۔ اس وقت بھی وہاں آپ کا کھڑا ہونا پیش نظر ہے۔ آپ کی آواز اسی طرح میرے کانوں میں آرہی ہے۔ اسی طرح گویا میری چشم تصور آپ کو دیکھ رہی ہے۔ جیسے آج کی بلکہ ابھی کی بات ہو۔

پہلے یہ بھی مجھے خیال رہتا تھا کہ میں آپ کے ساتھ پیچھے پیچھے جو چلی آئی تو شاید آپ کو علم نہ ہو کہ میں سن رہی ہوں مگر ممکن ہے اور بہت ممکن ہے کہ آپ نے میری آہٹ پالی ہو۔ میری چاپ پہچان لی ہو۔ کیونکہ اکثر آپ کے ساتھ ساتھ چل پڑا کرتی تھی۔ اور یوں بھی میں قریباً آپ کی پشت مبارک کے ساتھ ہی تو لگی کھڑی تھی۔ آپ کی آواز یہ الفاظ۔ یہ دونوں مندرجہ بالا فقرے بولتے ہوئے سرسری سی نہ تھے بلکہ بڑے ٹھہراؤ سے بڑے وقار و سنجیدگی سے آپ نے یہ بات کی۔ اور خصوصاً دوسرا فقرہ جب آپ نے بولا تو معلوم ہوتا تھا بہت دور کہیں دیکھ کر ایک عجیب سے رنگ میں یہ الفاظ آپ کے منہ سے نکل رہے ہیں۔ اس طرح آپ نے یہ فقرے ادا کئے جیسے اپنے آپ سے کوئی بات کر رہا ہو۔ مگر ویسے میں یہی سمجھ رہی تھی کہ حضرت اماں جانؓ سے آپ مخاطب ہیں۔

اس بات کی بناء پر مجھے ہمیشہ سے یقین رہا اور ہے کہ خلافت محمود کے متعلق آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے علم ہو چکا تھا"

مجلس "تشحیذ الاذہان" کا احیاء

مجلس "تشحیذ الاذہان" کی سرگرمیاں ایک عرصہ تک تیزی سے جاری رہنے کے بعد رفتہ رفتہ کم ہوتی گئیں یہاں تک کہ انجمن قریباً معطل ہو کر رہ گئی تھی۔ کہ دسمبر ۱۹۰۵ء میں بفضلہ تعالیٰ حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد

صاحب کے ذریعہ سے اس میں دوبارہ جان پڑ گئی۔ باقاعدہ قواعد بنے اور ۷/ ستمبر ۱۹۰۶ء کو مدرسہ کے احاطہ میں اس کے دور ثانی کا پہلا جلسہ بڑی آب و تاب سے منعقد ہوا۔ جس میں پہلی تقریر حضرت مولانا مولوی حکیم نور الدین (خلیفۃ المسیح اول) نے فرمائی اور دوسری سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ الودود نے کی [۱۷۴]۔ اور آپ نے انجمن "تشحیذ الاذہان" کے فرائض کو خوش اسلوبی سے چلانے کے لئے ایک مجلس ارشاد بھی قائم فرمائی۔ جس کے اجلاس اردو اور انگریزی دو حصوں میں منقسم تھے۔ انگریزی مجلس ارشاد کی صدارت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے کی اور (حضرت مولوی شیر علیؓ کی یادداشت کے مطابق) مولوی صدر الدین صاحب کا بھی لیکچر ہوا تھا [۱۷۵]۔

حضرت سید محمد اسحٰق صاحب کی شادی پر دعائیہ نظم

۷/ فروری ۱۹۰۶ء کو آپ نے اپنے ماموں حضرت سید محمد اسحٰق صاحبؓ کی شادی پر ایک فی البدیہہ دعائیہ نظم کہی۔ مولوی محمد علی صاحب نے اسی نظم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"میں نے دیکھا ہے کہ ہر موقع پر یہ دلی جوش ان کا ظاہر ہو جاتا ہے چنانچہ ابھی میر محمد اسحٰقؓ کے نکاح کی تقریب پر چند اشعار انہوں نے لکھے تو ان میں یہی دعا ہے کہ اے خدا تو ان دونوں اور ان کی اولاد کو خادم دین بنا۔ برخوردار عبدالحی کی آمین کی تقریب پر اشعار لکھے تو ان میں یہی دعا بار بار کی ہے کہ اسے قرآن کا سچا خادم بنا۔ ایک اٹھارہ برس کے نوجوان کے دل میں اس جوش اور ان امنگوں کا بھر جانا معمولی امر نہیں۔ کیونکہ یہ زمانہ سب سے بڑھ کر کھیل کود کا زمانہ ہے۔ اب وہ سیاہ دل لوگ جو حضرت مرزا صاحب کو مفتری کہتے ہیں اس بات کا جواب دیں کہ اگر یہ افترا ہے تو یہ سچا جوش اس بچہ کے دل میں کہاں سے آیا" [۱۷۶]۔

رسالہ "تشحیذ الاذہان" کا اجراء

مارچ ۱۹۰۶ء سے آپ کی ادارت میں رسالہ "تشحیذ الاذہان" نکلنا شروع ہوا۔ جس نے صحافت احمدیہ میں ایک جدید طرز کی بنیاد رکھی۔ اور اسلام کا درد رکھنے والے نوجوانوں میں خدمت اسلام اور اشاعت اسلام کی ایک نئی روح پھونک دی۔ آپ نے اس رسالہ میں ابتداء ہی سے بعض مستقل عنوان قائم کر دیئے۔ جس سے اس کی افادیت اور بھی بڑھ گئی مثلاً ڈائری حضرت امام الزمان۔ مسائل شرعیہ۔ عربی سیکھنے کے لئے آسان طریقہ۔ حضرت اقدسؑ کے رؤیا و الہامات۔ رسالہ میں حضرت اقدس علیہ السلام کا غیر مطبوعہ کلام اور ملفوظات بھی چھپتے تھے۔ اور مکتوبات امام بھی بلکہ کتابی شکل میں ان مکتوبات کو شائع کرنے کا خیال بھی پہلی بار آپ ہی کے دل میں آیا۔ آپ نے اس کا اظہار بھی انہیں دنوں میں کر دیا تھا۔

یہ رسالہ دراصل انجمن تشحیذ الاذہان کا آرگن تھا۔ اور یہ نام خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے رکھا تھا۔ تشحیذ کے پہلے شمارہ میں آپ نے ۱۴ صفحات کا ایک شاندار انٹروڈکشن لکھا جسے پڑھ کر (حضرت خلیفہ اول) مولانا حافظ نور الدینؓ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور مبارک باد دی۔ نیز خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کو خصوصیت سے اس کے پڑھنے کی ہدایت کی ۱۷۷۔ مولوی محمد علی صاحب نے ریویو آف ریلیجنز اردو میں اس پر ریویو کیا اور مضمون کا آخری حصہ درج کر کے لکھا کہ۔ ۱۷۸

"اس وقت صاحبزادہ کی عمر اٹھارہ انیس سال کی ہے اور تمام دنیا جانتی ہے کہ اس عمر میں بچوں کا شوق اور امنگیں کیا ہوتی ہیں زیادہ سے زیادہ اگر وہ کالجوں میں پڑھتے ہیں تو اعلیٰ تعلیم کا شوق اور آزادی خیال ان کے دلوں میں ہو گا۔ مگر دین کی یہ ہمدردی اور اسلام کی حمایت کا یہ جوش جو اوپر کے بے تکلف الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے ایک خارق عادت بات ہے........ جھوٹ تو ایک گند ہے پس اس کا اثر تو یہ چاہئے تھا کہ گندہ ہوتا نہ یہ کہ ایسا پاک اور نورانی جس کی کوئی نظیر ہی نہیں ملتی...... غور کرو کہ جس کی تعلیم اور تربیت کا یہ پھل ہے وہ کاذب ہو سکتا ہے؟ اگر وہ کاذب ہے تو پھر دنیا میں صادق کا کیا نشان ہے ۱۷۹؟

حضرت صاحبزادہ میرزا محمود احمد صاحب کے اسی مضمون پر بس نہیں جس پر جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز نے مندرجہ بالا تبصرہ کیا۔ اور جسے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی صداقت کا ثبوت اور نشان قرار دے کر تمام عالم کے سامنے پیش کیا ہے بلکہ تشحیذ الاذہان کے زمانہ ادارت میں بڑے بڑے معرکتہ الآراء مضامین آپ کے قلم حقیقت رقم سے نکلے ہیں۔ ان دنوں آپ کے دل میں خدمت دین کا اتنا زبردست جوش موجزن تھا کہ اپنی نوعمری کی حالت میں تربیتی اصلاحی مضامین لکھنے کے علاوہ مخالفین اسلام کے ساتھ گویا چومکھی جنگ جاری کر رکھی تھی۔ رسالہ "تشحیذ الاذہان" ابھی بالکل ابتدائی حالت میں تھا کہ ایک مسلمان گریجوایٹ کے ارتداد پر آمادہ ہونے کی خبر شائع ہوئی۔ آپ نے اسے خط لکھا جواباً اس نے کچھ سوالات کئے اسی اثناء میں آپ کو آنکھوں کے اپریشن کے لئے لاہور جانا پڑا اور آپ وہ خط جواب دینے کے لئے حضرت مولانا مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب ایڈیٹر "تعلیم الاسلام" قادیان کو دے گئے اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت مولانا صاحب کی آنکھیں بھی دکھنے آگئیں۔ اور وہ جواب نہ دے سکے۔ اس لئے آپ نے اپریشن سے پہلے خود ہی ان سوالات کے مفصل جوابات تحریر فرما دئے ۱۸۰۔

پہلے فرزند کی ولادت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی الہامی بشارت کے مطابق ۲۶/ مئی ۱۹۰۶ء کو صاجزادہ مرزا نصیر احمد صاحب کی پیدائش ہوئی۔ ۱۸۱

صاجزادہ مرزا نصیر احمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پہلے پوتے تھے۔ افسوس ان کی زندگی نے وفا نہ کی۔ اور جلد ہی وفات پا گئے۔ اور لاہور میں سپرد خاک کئے گئے۔ چنانچہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مد ظلہا تحریر فرماتی ہیں۔ "بڑی بھابھی جان (سیدہ ام ناصر مرحومہ) کے بطن سے جو پہلا لڑکا نصیر احمد تولد ہوا تھا۔ وہ لاہور ہی میں دفن ہے" ۱۸۲۔

سالانہ جلسہ ۱۹۰۶ء پر پہلی پبلک تقریر

سالانہ جلسہ ۱۹۰۶ء پر آپ نے پہلی مرتبہ تقریر فرمائی ۱۸۳ - یہ پُر معارف تقریر جو آپ نے صرف سترہ برس کی عمر میں فرمائی تھی ردّ شرک میں تھی۔ پہلے الحکم میں چھپی پھر "چشمہ توحید" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئی۔ تقریر کیا ہے نکات و حقائق قرآنی کا ایک خزینہ ہے۔ تقریر کے پہلے حصہ میں آپ نے عیسائیت کے زوال اور اسلام کی ترقی کی خبر دیتے ہوئے فرمایا۔

"اب وہ وقت ہے کہ عیسائیت کا بلند اور مضبوط منار گرا دیا جائے۔ یہ مذہب عیسوی کا قلعہ جس کی دیواریں لوہے کی تھیں اب گرنے کو ہے کیونکہ اس کو زنگ لگ گیا ہے...... اب یہ عیسائی سلطنتیں خود بخود اسلام کی طرف رجوع کریں گی۔ اور وہ یورپ جو عیسائیت کا گھر ہے اسلام کا مرکز ہو گا...... یہ احمدی جماعت...... ایک دن آنے والا ہے کہ تمام دنیا میں پھیل جائے گی۔ خدا ہمارے امام سے فرماتا ہے اور وعدہ دیتا ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے" ۱۸۴۔

تقریر کے دوسرے حصہ میں آپ نے سورہ لقمان کے رکوع ثانی کی نہایت لطیف تفسیر بیان فرمائی۔ اس پہلی تقریر کے وقت آپ کی کیا کیفیت تھی؟ آپ نے اس کی تفصیل ایک بار یوں بیان فرمائی کہ۔

"سب سے پہلی تقریر جو میں نے عام مجلس میں کی اس رکوع کو پڑھ کر اسی مسجد (اقصیٰ) میں کی تھی۔ اب مسجد وسیع ہو گئی ہے اور اس کی پہلی شکل نہیں رہی لیکن اس وقت میں جہاں کھڑا ہوں عین اس کے سامنے کے دروازہ میں کھڑے ہو کر میں نے تقریر کی تھی۔ اگرچہ اب علم میں بہت ترقی ہو گئی ہے حالات اور افکار میں بہت تغیر ہو گیا ہے لیکن اب بھی میں اس تقریر کو پڑھ کر حیران ہو جاتا ہوں کہ وہ باتیں کس طرح میرے منہ سے نکلیں اور اگر اب بھی وہ باتیں بیان کروں گا تو یہی سمجھوں گا۔ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل...... سے سمجھائی ہیں اس وقت مجھ پر ایسی حالت تھی کہ چھوٹی عمر...... اور مجمع عام میں پہلی دفعہ بولنے کی وجہ سے میرے اعصاب پر ایسا اثر پڑا ہوا تھا کہ مجھے لوگوں کے چہرے نظر

نہ آتے تھے۔ اندھیرا سا معلوم ہوتا تھا اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ بعد میں اخبار میں میں نے تقریر پڑھی تو معلوم ہوا کہ میں نے کیا کہا تھا۔ یہ رکوع میرے لئے تبلیغ اسلام کرنے میں بیج کا کام دے گیا۔ اور میں نے اس سے بڑا فائدہ اٹھایا" [۱۸۶]۔

حضرت مسیح موعودؑ کا اپنے قلم سے آپ کے بعض رویا و الہام لکھنا

۸/ مارچ ۱۹۰۷ء کی بات ہے کہ آپ کو رؤیا میں الہاموں کی ایک کاپی دکھائی گئی جس کی نسبت کسی نے کہا کہ یہ حضرت صاحب کے الہاموں کی کاپی ہے اور اس میں جلی حروف میں لکھا ہے عسیٰ ان تکرھوا شیئاً و ھو خیر لکم یعنی بہت بعید نہیں کہ تم ایک بات کو ناپسند کرو۔ لیکن وہ تمہارے لئے خیر کا موجب ہو۔ اس کے بعد نظارہ بدل گیا اور دیکھا کہ ایک مسجد ہے اس کے متولی کے برخلاف لوگوں نے ہنگامہ کیا ہے اور آپ نے ہنگامہ کرنے والوں میں سے ایک شخص سے فرمایا۔ کہ اگر میں تمہارے ساتھ ملوں گا تو مجھ سے شہزادہ خفا ہو جائے گا۔ جب صبح ہوئی۔ آپ نے یہ خواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سنایا تو حضور بہت متفکر ہوئے اور فرمایا مسجد سے مراد تو جماعت ہوتی ہے۔ شاید میری جماعت کے کچھ لوگ میری مخالفت کریں۔ یہ رؤیا مجھے لکھوا دو۔

چنانچہ حضور اقدس نے اپنے الہاموں کی کاپی میں نوٹ فرمالیا [۱۸۷]۔

تشحیذ الاذہان میں مضامین

(۱) سراج الاخبار جہلم میں کسی "سرحدی مولوی صاحب" نے آپ کے ایک مضمون پر انتقاد کیا۔ جس کا مفصل جواب آپ نے "تشحیذ الاذہان" میں "احمدیوں کے قتل کا فتویٰ" کے عنوان سے شائع فرمایا [۱۸۸]۔

(۲) آپ نے انہیں دنوں "محبت الٰہی" کے عنوان پر ایک لطیف اور مبسوط مضمون شائع کیا جو بعد کو کتابی شکل میں بھی چھپ گیا۔ اس اہم مضمون کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوا۔

"محبت الٰہی کے لفظ پر جس قدر سوچتا ہوں اسی قدر ایک خاص لذت اور وجد دل میں پیدا ہوتا ہے کہ کیا پیارا ہے مذہب اسلام جس نے ہم کو ایسی نعمت کی طرف ہدایت کی ہے جس سے ہمارے دل روشن اور ہمارے دماغ منور ہوتے ہیں"۔ [۱۸۹]

(۳) اگلے ماہ آپ کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں آپ نے شہدائے کابل کی فدائیت اور جاں نثاری کے واقعات بیان کئے ہیں۔ [۱۹۰]

(۴) ۷-۱۹۰۶ء کے سال میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی صداقت کے ثبوت میں پے در پے قہری نشانوں کا ظہور ہوا۔ مثلاً چراغ دین جمونی کے مباہلہ کا نشان [۱۹۱]۔ اخبار شبھ چنتک کے عملہ کی تباہی کا نشان [۱۹۲] - ڈوئی کی ہلاکت کا نشان [۱۹۳] - حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب نے تشحیذ

الاذہان میں بڑی صراحت سے ان کا ذکر فرمایا۔

"حقیقتہ الوحی" میں ذکر

"حقیقتہ الوحی" حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آخری زمانہ کی سب سے مبسوط اور مفصل کتاب ہے حضور علیہ السلام نے اس کتاب میں خدائی نشانوں کا خصوصیت سے تذکرہ فرماتے ہوئے آپ کی پیدائش کے نشان کا ذکر دو مقام پر فرمایا۔

(۱) "چونتیسواں نشان یہ ہے کہ میرا ایک لڑکا فوت ہو گیا تھا اور مخالفوں نے جیسا کہ ان کی عادت ہے اس لڑکے کے مرنے پر بڑی خوشی ظاہر کی تھی۔ تب خدا نے مجھے بشارت دے کر فرمایا کہ اس کے عوض میں جلد ایک اور لڑکا پیدا ہو گا جس کا نام محمود ہو گا۔ اور اس کا نام ایک دیوار پر لکھا ہوا مجھے دکھایا گیا۔ تب میں نے ایک سبز رنگ اشتہار میں ہزار ہا موافقوں اور مخالفوں میں یہ پیشگوئی شائع کی۔ اور ابھی ستر دن پہلے لڑکے کی موت پر نہیں گزرے تھے کہ یہ لڑکا پیدا ہو گیا اور اس کا نام محمود احمد رکھا گیا" [۱۹۴]

(۲) "جب میرا پہلا لڑکا فوت ہو گیا تو نادان مولویوں اور ان کے دوستوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں نے اس کے مرنے پر بہت خوشی ظاہر کی۔ اور بار بار ان کو کہا گیا کہ ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء میں یہ بھی ایک پیشگوئی ہے کہ بعض لڑکے فوت بھی ہوں گے۔ پس ضرور تھا کہ کوئی لڑکا خوردسالی میں فوت ہو جاتا تب بھی وہ لوگ اعتراض سے باز نہ آئے تب خدا تعالیٰ نے ایک دوسرے لڑکے کی مجھے بشارت دی۔ چنانچہ میرے سبز اشتہار کے ساتویں صفحہ میں اس دوسرے لڑکے کے پیدا ہونے کے بارے میں یہ بشارت ہے۔ دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا دوسرا نام محمود ہے وہ اگرچہ اب تک جو یکم ستمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنی معیاد کے اندر ضرور پیدا ہو گا۔ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں۔ پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں یہ ہے عبارت اشتہار سبز کے صفحہ سات کی جس کے مطابق جنوری ۱۸۸۹ء میں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمود رکھا گیا اور اب تک بفضلہ تعالیٰ زندہ موجود ہے اور سترہویں سال میں ہے" [۱۹۵]۔

جلسہ "قیام امن" کی صدارت

۱۲/ مئی ۱۹۰۷ء کو ۵ بجے شام قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد سے صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے قیام امن کے لئے ایک اہم جلسہ منعقد ہوا۔ جس کی صدارت آپ نے فرمائی [۱۹۶] اس تعلق میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایت کے مطابق آپ نے بدر کے لئے ایک مفصل مضمون بھی لکھا [۱۹۷]۔

سفر شملہ وسط ۱۹۰۷ء میں آپ تبدیل آب و ہوا کی غرض سے شملہ تشریف لے گئے [۱۹۸]۔

حضرت مسیح موعود کی زندگی کا آخری سالانہ جلسہ

حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد فرماتے ہیں۔ "مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا آخری جلسہ یاد ہے۔ میں سیر میں ساتھ تو نہیں تھا مگر جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سیر سے واپس گھر آئے تو فرمایا۔ اب تو جلسہ پر اتنے آدمی آتے ہیں کہ آئندہ جلسہ پر سیر کے لئے جانا بالکل مشکل ہو جائے گا۔ آج ہم تھوڑی دور گئے مگر اس قدر گرد و غبار اٹھا کہ آگے جانا مشکل ہو گیا......... اس مسجد کے صحن میں جو قبر ہے اس سے ورے مسجد کے فرش کی منڈیر تھی اس وقت مسجد کا صحن موجودہ صحن سے بہت چھوٹا تھا.......... مسجد کے درمیانے در میں کرسی پر بیٹھ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تقریر فرمائی تھی۔ ہم....... منڈیر پر بیٹھے تھے اور اس وقت کی مسجد بالکل پُر تھی اور تمام احباب اس ذوق شوق سے لبریز تھے کہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں کے ماتحت جماعت اب بہت پھیل گئی ہے" [۱۹۹، ۲۰۰]

فرشتہ کا سورۃ فاتحہ سکھانا آپ کی عمر سترہ اٹھارہ سال [۲۰۱] کی تھی اور حضرت خلیفہ اول مولانا حاجی نور الدین صاحبؓ کے زیر تعلیم تھے کہ خواب میں آپ پر ایک فرشتہ ظاہر ہوا۔ جس نے آپ کو سورۃ فاتحہ کی تفسیر سکھائی اس طرح آپ پر علوم قرآنی کے انکشافات کا دروازہ کھولا گیا۔ اس لطیف خواب کی تفصیلات خود حضور کے قلم سے یہ ہیں۔

"میں ابھی چھوٹا سا تھا کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ جیسے کوئی کٹورہ بجتا ہے....... اس میں سے ٹن کی آواز آئی پھر وہ آواز پھیلنی شروع ہوئی پھر مجسم ہوئی پھر وہ ایک فریم بن گئی۔ پھر اس میں ایک تصویر بنی۔ پھر وہ تصویر متحرک ہو گئی اور اس میں سے ایک وجود نکل کر میرے سامنے آیا اور اس نے کہا۔ میں خدا تعالیٰ کا فرشتہ ہوں اور میں آپ کو سورۃ فاتحہ کی تفسیر سکھانے کے لئے آیا ہوں۔ میں نے کہا سکھاؤ۔ اس نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر مجھے سکھانی شروع کی۔ جب وہ ایاک نعبد و ایاک نستعین پر پہنچا تو کہنے لگا آج تک جتنی تفسیریں لکھی ہیں وہ اس آیت سے آگے نہیں بڑھیں کیا میں آپ کو آگے بھی سکھاؤں میں نے کہا ہاں۔ چنانچہ اس نے مجھے اگلی آیات کی بھی تفسیر سکھا دی [۲۰۲]۔

"جب میری آنکھ کھلی تو اس وقت فرشتہ کی سکھائی ہوئی باتوں میں سے کچھ باتیں مجھے یاد تھیں مگر میں نے ان کو نوٹ نہ کیا۔ دوسرے دن حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ سے میں نے اس رؤیا کا ذکر کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ مجھے کچھ باتیں یاد تھیں مگر میں نے ان کو نوٹ نہ کیا اور اب وہ میرے ذہن سے اتر گئی ہیں۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ پیار سے فرمانے لگے کہ آپ ہی تمام علم لے لیا کچھ یاد رکھتے تو ہمیں بھی

سناتے۔ یہ رؤیا اصل میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بیج کے طور پر میرے دل اور دماغ میں قرآنی علوم کا ایک خزانہ رکھ دیا ہے چنانچہ وہ دن گیا اور آج کا دن آیا کبھی کسی ایک موقعہ پر بھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے سورہ فاتحہ پر غور کیا ہو یا اس کے متعلق کوئی مضمون بیان کیا ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئے سے نئے معارف اور نئے سے نئے علوم مجھے عطا نہ فرمائے گئے ہوں" [۲۰۳]۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول کا امرتسر میں میچ اور آپ کی تقریر

۱۴/ مارچ ۱۹۰۸ء کو تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کا امرتسر خالصہ کالج سے فٹ بال کا فائنل میچ مقرر تھا۔ آپ میچ دیکھنے امرتسر تشریف لے گئے چنانچہ "الحکم" کا نامہ نگار میچ کے ابتدائی حالات بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے۔ "حضرت صاحبزادہ بشیرالدین محمود احمد صاحب جو اس وقت میچ میں شریک تھے سجدہ شکر کے بعد اٹھے اور فرمایا ہم نے تو صرف یہ دعا کی ہے کہ غیر المغضوب علیھم ان کا یہ فرمانا تھا کہ بجلی کی طرح میرے دل میں وہ سارا سماں بندھ گیا۔ اور ساری حقیقت اس دعا کی میرے دل میں بھر گئی۔ اور میں حضرت صاحبزادہ صاحب کی نکتہ رس طبیعت اور انتقال ذہن پر عش عش کر گیا۔ اور پھر میں نے بھی اسی رنگ میں دعا کرنی شروع کر دی۔ واقعی یہی دعا اس وقت کے مناسب حال تھی۔ کیونکہ ابھی دس پندرہ منٹ باقی رہتے ہیں مقابل کے لوگ بہت تیز۔ چالاک۔ تجربہ کار اور خوب آراستہ تھے اور ان کا گول کر لینا ایک دو نہیں بلکہ اپنی طاقت کی طرف دیکھنے سے تو کئی گول کر لینا ممکن تھا....... غرض مناسب حال یہی ایک دعا تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل کیا اور انجام بخیر ہوا۔ اور مقابل کے لوگ کوئی گول نہ کر سکے اور اس طرح سے خدا نے محض اپنے فضل سے تعلیم الاسلام ہائی سکول کو فتح عطا کی جو کہ لڑکوں کے لئے خصوصاً موجب ازدیاد ایمان ہوئی اور قبولیت دعا کا ایک تازہ نمونہ ان کو خدا نے ان کے اپنے وجود میں عطا کر دیا اس طرح سے مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول ۱۹۰۸ء کا امرتسر کے سرکل میں فٹ بال چیمپئن سکول تسلیم کر لیا گیا ......ساڑھے پانچ بجے فارغ ہو کر کل لڑکے بلند آواز سے تکبیریں کہتے ہوئے واپس اپنے مکان پہنچے۔ اس وقت چونکہ بہت سے غیر احمدی احباب بھی ہمدردی اور محبت کے تقاضا سے ساتھ ساتھ مکان تک تشریف لائے تھے لہذا مناسب سمجھا گیا کہ ایک مختصر سی دعوت ان کو دی جائے۔ چنانچہ بعض احمدی احباب امرتسر نے ہی....... کچھ شیرینی ان کے واسطے منگائی اور دعوت روحانی کے واسطے اول سیکرٹری صاحب انجمن تشحیذ الاذہان ماسٹر عبدالرحیم صاحب اور پھر پریذیڈنٹ حضرت صاحبزادہ میاں بشیرالدین محمود احمد صاحب نے مختصر اور لطیف تقریریں کیں اور جلسہ برخاست ہوا" [۲۰۴]۔

اس موقعہ پر آپ نے کیا تقریر فرمائی؟ اس کی تفصیل خود آپ ہی کے قلم سے درج ذیل ہے۔

"پارٹی کے بعد انہوں نے مجھے کہا کہ آپ کوئی تقریر کریں۔ میں نے اس سے پہلے عام مجلس میں کبھی تقریر نہیں کی تھی۔ مدرسہ میں تقریریں کی تھیں مگر وہاں بڑے بڑے لوگ بیٹھے تھے اور شہر کے رؤساء موجود تھے اس لئے میں نے عذر کیا اور کہا کہ اس وقت میں تیار نہیں۔ انہوں نے کہا کچھ بھی ہو آپ کسی موضوع پر تقریر کر دیں۔

میں نے دعا کی کہ خدایا تو نے اپنے فرشتہ کے ذریعہ مجھے سورہ فاتحہ کی تفسیر سکھائی ہے...... اب امتحان کا وقت ہے تو مجھے اپنے فضل سے کوئی ایسا مضمون سمجھا جو اس سے پہلے کسی کے ذہن میں نہ آیا ہو اس دعا کے بعد میں نے تقریر شروع کی اور یکدم خدا تعالیٰ نے میرے دماغ میں ایک ایسا مضمون ڈالا جو آج تک کسی تفسیر میں بیان نہیں ہوا۔ میں نے کہا خدا تعالیٰ ہمیں سورہ فاتحہ میں ایک دعا سکھاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اے خدا نہ ہم مغضوب بنیں اور نہ ضال بنیں احادیث سے ثابت ہے کہ مغضوب علیھم سے مراد یہودی اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں...... دوسری طرف اس بات پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اب یہ ایک عجیب بات ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تھی اس وقت نہ یہودی آپ کے مخالف تھے نہ عیسائی۔ آپ کے مخالف صرف مکہ کے مشرکین تھے...... اس میں کیا راز اور کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا تو ذکر نہ کیا جن کی مخالفت کا مکہ میں شدید زور تھا اور یہود و نصاریٰ کا ذکر کر دیا۔ جو وہاں آٹے میں نمک کے برابر تھے۔ اس میں یہ راز ہے کہ قرآن کریم کا نازل کرنے والا عالم الغیب خدا جانتا تھا کہ اس کی تقدیر کے ماتحت مکہ کا مذہب ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیا جانے والا تھا اس سے بچنے کی دعا سکھانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جو مذہب ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیا جانے والا تھا اور آئندہ...... اس کا نام و نشان تک نہ ملنا تھا پس جو مذہب ہی مٹ جانے والا تھا اس سے بچنے کی دعا سکھانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جو مذاہب بچے رہنے تھے اور جن سے روحانی یا مادی رنگ میں اسلام کا ٹکراؤ ہونا تھا ان کے بارہ میں دعا سکھا دی گئی" [۲۰۵]۔

پادری بریخٹ صاحب کے لیکچر کا جواب

ایک پادری ڈاکٹر ایچ وائٹ بریخٹ نے اسلام کے خلاف قاہرہ (مصر) کی ایک مشنری کانفرنس میں لیکچر دیا۔ صاحبزادہ صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں ایک پر زور مضمون لکھا۔ [۲۰۶]

سفر گورو ہر سہائے

اپریل ۱۹۰۸ء میں حضرت بابا نانک صاحب کے تبرکات دیکھنے کے لئے ایک وفد گورو ہر سہائے بھجوایا گیا تھا جس کے سات ممبروں میں ایک صاحبزادہ حضرت میرزا محمود احمد صاحب بھی تھے [۲۰۷]۔

اپریل ۱۹۰۸ء کا سفر لاہور

۲۷/ اپریل ۱۹۰۸ء کو آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ قادیان سے لاہور تشریف لائے اور حضور کے ہمراہ احمدیہ بلڈنگس میں مقیم ہوئے۔ یہی وہ سفر ہے جس میں حضور علیہ السلام کا ۲۶/ مئی ۱۹۰۸ء کو وصال ہو گیا۔

مفتی فضل الرحمٰن صاحب کا بیان ہے کہ "جب حضور لاہور تشریف لے گئے تو میں حضور کے کام امرتسر گیا ہوا تھا مجھے آپ نہر کے پل پر ملے تو فرمایا کہ ہمارا ارادہ لاہور جانے کا ہو گیا ہے یہ پھل اور سبزی جو تم لائے ہو اپنے بچوں کو دے دو اور خود محمود کی گھوڑی لے کر آجاؤ۔ ہم کل کا دن بٹالہ ٹھہریں گے اور گھوڑی آپ نے لاہور لے جانی ہے۔ خیر میں گھوڑی لے کر بٹالہ پہنچا۔ رات کو فرمایا کہ ہم صبح سوار ہو جائیں گے آپ گھوڑی لے آنا میں بھی علی الصبح سوار ہو کر ۱۲ بجے گاڑی کے لاہور پہنچنے تک اسٹیشن لاہور پہنچ گیا" [۲۰۸]۔

ان دنوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کے بہت مواقع حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو میسر آئے۔ آپ کا زیادہ تر وقت حضور ہی کی خدمت میں گزرتا تھا اور جب حضور سیر کو تشریف لے جاتے تو آپ بھی گھوڑی پر سوار ہو کر ساتھ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"ملک مبارک علی صاحب تاجر لاہور روز شام کو اس مکان پر آجاتے جس میں حضرت صاحب ٹھہرے ہوئے تھے۔ اور جب حضرت صاحب باہر سیر کو جاتے تو وہ اپنی بگھی میں بیٹھ کر ساتھ ہو جاتے تھے مجھے حضرت صاحب نے سیر کے لئے ایک گھوڑی منگوادی ہوئی تھی میں بھی اس پر سوار ہو کر جایا کرتا تھا اور سواری کی سڑک پر (حضور کی) گاڑی کے ساتھ ساتھ گھوڑی دوڑاتا چلا جاتا تھا اور باتیں بھی کرتا جاتا تھا" [۲۰۹]۔

انہی دنوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ دونوں کی طبیعت مضمحل ہو گئی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب سے جو (کسی ہندو پنشنر سیشن جج کی آمد کی خبر دینے کو آئے تھے) ارشاد فرمایا کہ "میں بیمار ہوں مگر محمود بھی بیمار ہے۔ مجھے اس کی بیماری کا زیادہ فکر ہے آپ اس کا توجہ سے علاج کریں" [۲۱۰]۔

آنے والے حادثہ کی قبل از وقت اطلاع

۲۵/ مئی ۱۹۰۸ء کو جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حسب معمول سیر کو تشریف لے گئے تو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ پر خدائی تصرف کے تحت غم

واندوہ کی زبردست کیفیت طاری ہوگئی اور آپ کی زبان پر یہ مصرعہ جاری ہوا۔ ع

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہو

جو دراصل حضرت مسیح موعودؑ کے پیش آنے والے حادثہ وفات کی آسمانی اطلاع تھی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"جس رات کو حضرت صاحب کی بیماری میں ترقی ہو کر دوسرے دن آپ نے فوت ہونا تھا میری طبیعت پر کچھ بوجھ سا محسوس ہوتا تھا۔ اس لئے میں گھوڑی پر سوار نہ ہوا۔ ملک صاحب (ملک مبارک علی صاحب تاجر لاہور) نے کہا میری گاڑی میں ہی آجائیں۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ لیکن بیٹھتے ہی میرا دل افسردگی کی ایک گہرے گڑھے میں گر گیا۔ اور یہ مصرع میری زبان پر جاری ہو گیا کہ

ع راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہو

ملک صاحب مجھے اپنی باتیں سنائیں۔ میں کسی ایک آدھ بات کا جواب دے دیتا۔ تو پھر اسی خیال میں مشغول ہو جاتا۔ رات کو ہی حضرت صاحب کی بیماری یکدم ترقی کر گئی اور صبح آپ فوت ہو گئے۔ یہ بھی ایک تقدیر خاص تھی جس نے مجھے وقت سے پہلے اس ناقابل برداشت صدمہ کے برداشت کرنے کے لئے تیار کر دیا" [۲۱۱]۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال اور نعش مبارک کے سامنے اولوالعزم کا عہد

آپ فرماتے ہیں۔ "۱۹۰۸ء کا ذکر میرے لئے تکلیف دہ ہے وہ میری کیا سب احمدیوں کی زندگی میں ایک نئے دور کے شروع کرنے کا موجب ہوا۔ اس سال وہ ہستی جو ہمارے بے جان جسموں کے لئے بمنزلہ روح تھی اور ہماری بے نور آنکھوں کے لئے بمنزلہ روشنی کے تھی ہم سے جدا ہو گئی یہ جدائی نہ تھی ایک قیامت تھی۔ پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور آسمان اپنی جگہ سے ہل گیا" [۲۱۲]

"دنیا میں ہر ایک شخص کے ماں باپ فوت ہوتے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات بھی ہوئی مگر ہمارے لئے مشکل یہ تھی کہ ہم سمجھتے ہی نہ تھے کہ آپ وفات پا جائیں گے [۲۱۳]۔ لوگوں کو اس کا احساس ہوتا ہے اس لئے کوئی روپیہ جمع کرتا ہے کوئی بیمہ کراتا ہے اور کوئی اور انتظام کرتا ہے مگر ہم تو سمجھتے ہی نہیں تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہو جائیں گے ہم میں سے ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ میں پہلے فوت ہوں گا اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کا جنازہ پڑھائیں۔ نوجوان احباب یہ درخواستیں کرتے تھے کہ حضور دعا کریں کہ ہم آپ کے ہاتھوں میں فوت ہوں اور آپ جنازہ پڑھائیں آپ پر اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور انعامات کو دیکھ کر ہر شخص یہی

خیال کرتا تھا کہ آپ کو زندہ رہنا چاہئے اور قلوب کی اس کیفیت کی وجہ سے نہ ہمیں اس کا خیال تھا اور نہ اس کے لئے کوئی تیاری تھی کہ آپ فوت ہو گئے" [۲۱۴]۔

نیز فرماتے ہیں۔

"جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہوئے تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اب لوگ آپ پر طرح طرح کے اعتراض کریں گے اور بڑے زور کی مخالفت شروع ہو جائے گی۔ اس وقت میں نے سب سے پہلا کام جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سرہانے کھڑے ہو کر کیا وہ یہ عہد تھا کہ اگر سارے لوگ بھی آپ کو چھوڑ دیں گے اور میں اکیلا رہ جاؤں گا تو میں اکیلا ہی ساری دنیا کا مقابلہ کروں گا اور کسی مخالفت اور دشمنی کی پرواہ نہیں کروں گا" [۲۱۵]۔

اس عظیم الشان عہد پر آج چھپن سال کا طویل عرصہ بیت رہا ہے۔ سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مخالفتوں، شورشوں اور فتنوں کے باوجود اپنے عہد کو آج تک جس حسن و خوبی سے نباہا ہے تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ نظریات و معتقدات سے اختلاف دوسرا امر ہے مگر کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ نے اپنے عہد کو نباہنے کا حق جیسا کہ چاہئے تھا فی الحقیقت ادا کر دیا ہے۔ یہ مقدس عہد گویا ایک روحانی بیج تھا جو خدائے قدوس و مقتدر نے آپ کے دل میں بویا۔ خلافت اولیٰ کے زمانہ میں یہ بیج بڑھا پھولا اور پھلا اور بالآخر خلافت ثانیہ میں دیکھتے ہی دیکھتے ایک تناور درخت بن گیا۔

پہلا باب (فصل چہارم)

خلافت اولیٰ میں آپ کی دینی و علمی سرگرمیوں پر ایک نظر [۲۱]

(۱۳۲۶ھ تا ۱۳۳۲ھ)
(مئی ۱۹۰۸ء سے مارچ ۱۹۱۴ء تک)

حضرت خلیفہ اولؓ کی بیعت بیعت خلافت اولیٰ کے وقت آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے دست مبارک پر سب سے [۲۲] پہلے بیعت کی اور خلوص دل سے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا عہد باندھا اور آخر دم تک اس پر قائم رہے۔

پہلی تصنیف "صادقوں کی روشنی کو کون دور کر سکتا ہے" حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر مخالفین سلسلہ نے بہت زہر اگلا اور طرح طرح کے اعتراضات کئے۔ آپ نے ان کے مدلل مفصل اور دندان شکن جوابات اپنی تصنیف "صادقوں کی روشنی کو کون دور کر سکتا ہے" میں شائع فرمائے جو آپ کی سب سے پہلی تصنیف ہے اور ۱۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے تمہیدی الفاظ دیکھتے ہی بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کس شان کی کتاب ہو گی۔ فرماتے ہیں۔

"خدا تعالیٰ کے پاک کلام کل من علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام کے مطابق جو کوئی پیدا ہوا وہ فوت ہوا۔ اور جو آئندہ پیدا ہو گا وہ بھی فوت ہو گا سوائے خدا کی ذات واحد کے اور کوئی نہیں جو ہمیشہ ہو اور ہمیشہ رہے۔ آج سے تیرہ سو سال پہلے خدا تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو وفات دے کر اس بات کو اس طرح سے ثابت کر دیا کہ کوئی شک و شبہ کی گنجائش بھی نہیں رہی اور آج تیرہ سو سال آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت مسیح موعود کی وفات نے خدا تعالیٰ کے کلام کی سچائی کو دنیا پر ظاہر کیا اور ثابت کر دیا کہ کوئی شخص خواہ خدا تعالیٰ کا کیسا ہی پیارا ہو اور کتنی ہی بڑی شان

کا ہو۔ آخر بشر ہے اور مخلوق ہے اور ایک دن اس کے لئے مرنا ضروری ہے مگر مبارک وہ جوان باتوں سے نصیحت پکڑے اور اپنے نفس کو شرک کی ملونی سے پاک رکھے" [۲۱۸]۔

سفر بیگووال

حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ نے تبلیغ و اشاعت حق کا جہاد قلمی و لسانی دونوں صورتوں میں شروع کر دیا اور بیرونی مقامات میں جاکر تبلیغی لیکچر بھی دینے لگے چنانچہ اس سلسلہ میں آپ کا سب سے پہلا سفر جو بیگووال (ریاست کپورتھلہ) کی طرف کیا تھا۔ جہاں آپ حضرت خلیفہ اولؓ کی اجازت سے ایک شادی کے موقعہ پر گئے اور لیکچر دیا [۲۱۹]۔

سفر کاٹھ گڑھ

وسط دسمبر ۱۹۰۸ء میں آپ نے حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کے ساتھ کاٹھ گڑھ کا سفر اختیار فرمایا جو آپ کا دوسرا تبلیغی سفر تھا۔

آپ بٹالہ سے پھگواڑہ تک ریل میں گئے پھگواڑہ اسٹیشن پر حضرت حاجی حبیب الرحمٰن صاحبؓ حاجی پورہ استقبال کے لئے موجود تھے آپ حاجی صاحب کی درخواست پر حاجی پورہ تشریف لے گئے اور مختصر سے قیام کے بعد وہاں سے میاں چانن صاحب احمدی برادر خورد میاں شیر محمد صاحب یکہ بان کے ٹانگہ [۲۲۰] پر بنگہ پہنچے اور میاں رحمت اللہ صاحب باغانوالہ کے مکان میں جو کوتوالی سے متصل تھا مقیم ہوئے۔ شہر میں آپ کی آمد کا عام چرچا ہو گیا تھا لوگ جوق در جوق آپ کی زیارت کے لئے آنے لگے۔ زائرین میں غیر مسلم بھی شامل تھے۔ حضور کا بنگہ میں ایک دن دو رات قیام رہا [۲۲۱]۔ پھر آپ ٹانگے میں نواں شہر اور وہاں سے گھوڑی پر کاٹھ گڑھ پہنچ گئے۔ بنگہ سے نواں شہر تک کے سفر میں جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے (مولف اصحاب احمد) کے والد بزرگوار جناب ملک نیاز محمد صاحب (چک ۷۔ ڈی۔ آر/ ۱۱۹ ضلع منٹگمری) کو بھی ہمرکاب ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ملک نیاز محمد صاحب کا بیان ہے کہ "راہوں ضلع جالندھر میں ہمیں اطلاع ملی کہ حضرت صاحبزادہ صاحب بنگہ میں بھی قیام فرمائیں گے میں بنگہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کاٹھ گڑھ جانے کے لئے بالکل تیار ہیں۔ چنانچہ احباب جماعت بنگہ کی معیت میں آپ اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب یکوں کے اڈہ پر تشریف لے گئے۔ یہ میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ وہاں حضرت بابا شیر محمد صاحب مرحومؓ (یکہ بان) ایک نیا یکہ لے کر کھڑے تھے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب اور میر صاحب جب دوستوں سے مصافحہ کر کے ٹانگہ پر سوار ہونے لگے۔ تو باباجی نے عرض کی کہ میرا ایک خواب ہے حضور اسے پورا فرمائیں اور وہ یہ ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ تشریف لائے ہیں اور میں نے حضور کو اپنے ٹانگہ میں سوار ہونے کے لئے عرض کی لیکن اس یکہ کا پائیدان نہیں تھا۔ میں نے عرض کی کہ حضور میری پیٹھ پر پاؤں

رکھ کر سوار ہو جائیں چنانچہ حضور نے میری عرض قبول فرمائی اور اسی طریق سے یکہ پر سوار ہو گئے۔ اس خواب کے ماتحت میں نے یہ ٹانگہ بنوایا ہے اور دانستہ اس میں پائیدان نہیں لگوایا اب میں جھکتا ہوں اور حضور میری پیٹھ پر پاؤں رکھ کر سوار ہو جائیں تاکہ میرا خواب پورا ہو جائے۔ محض بابا شیر محمد صاحب کی اس رویا کی بناء پر آپ نے ان کی پشت پر قدم رکھا اور سوار ہو گئے۔ اور میں بھی شریک سفر ہو گیا۔ باقی سب دوست واپس ہو گئے۔ اس یکہ میں ہم تین سواریاں اور چوتھے بابا شیر محمد صاحبؓ یکہ چلانے والے تھے۔ بنگہ سے نواں شہر تک سفر میں دونوں بزرگوں کا یہ شغل رہا کہ پہلے حضرت صاحبزادہ صاحب سورہ ق تلاوت کر کے حضرت میر صاحب کو سناتے پھر حضرت میر صاحب یہی سورۃ حضرت صاحبزادہ صاحب کو سناتے۔ اسی طرح سارے سفر میں ایک دوسرے کو سناتے رہے۔ یہاں تک کہ نواں شہر پہنچ گئے وہاں کاٹھ گڑھ کی جماعت کے دوست گھوڑیاں لے کر آئے ہوئے تھے۔ وہاں ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے یہ دونوں بزرگ کاٹھ گڑھ کے لئے روانہ ہو گئے اور میں واپس راہوں چلا گیا" [۲۲۲]

حضرت صاحبزادہ سیدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کاٹھ گڑھ میں چند روز ٹھہرنے کے بعد واپسی پر کریام۔ لنگڑوعہ اور راہوں میں دوستوں کے اصرار پر تھوڑا تھوڑا وقت ٹھہرتے ہوئے دوبارہ بنگہ میں وارد ہوئے [۲۲۳]۔ بنگہ میں مختصر قیام فرمایا پھر قادیان کے لئے روانہ ہو گئے۔

سالانہ جلسہ ۱۹۰۸ء پر تقریر

خلافت اولیٰ کے پہلے سالانہ جلسہ (منعقدہ دسمبر ۱۹۰۸ء) پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ایک پُر معارف تقریر فرمائی جس کا عنوان تھا "ہم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں" [۲۲۴]۔ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ اپنے ایک مضمون میں اس تقریر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ جلسہ مدرسہ احمدیہ کے صحن میں منعقد ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ حضور کے دائیں جانب اسٹیج پر رونق افروز تھے اسٹیج کا رخ شمال کی جانب تھا۔ اس تقریر سے متعلق دو باتیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اول عجیب بات یہ تھی کہ اس وقت آپ کی آواز اور آپ کی ادا اور آپ کا لہجہ اور طرز تقریر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آواز اور طرز تقریر سے ایسے شدید طور پر مشابہ تھے کہ اس وقت سننے والوں کے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی جو ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا ہم سے جدا ہوئے تھے یاد تازہ ہو گئی۔ اور سامعین میں بہت ایسے تھے جن کی آنکھوں سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی اس آواز کی وجہ سے جو ان کے پسر موعود کے ہونٹوں سے اس وقت اس طرح پہنچ رہی تھی جس طرح گراموفون سے ایک نظروں سے غائب انسان کی پہنچتی ہے آنسو جاری ہو گئے اور آنسو بہانے والوں میں ایک خاکسار بھی تھا۔ اگر یہ کہنا درست ہے کہ انسان کی

"روح دوسرے پر اترتی ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی روح آپ پر اُتر رہی تھی اور اس بات کا اعلان کر رہی تھی کہ یہ ہے میرا پیارا بیٹا جو مجھے بطور رحمت کے نشان کے دیا گیا تھا اور جس کی نسبت یہ کہا گیا تھا کہ وہ حسن اور احسان میں تیرا نظیر ہو گا۔ دوسری بات جو اس تقریر کے متعلق قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ جب تقریر ختم ہو چکی تو حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے جن کی ساری عمر قرآن شریف پر تدبر کرنے میں صرف ہوئی تھی اور قرآن کریم جن کی روح کی غذا تھی فرمایا کہ میاں نے بہت سی آیات کی ایسی تفسیر کی ہے جو میرے لئے بھی نئی تھی۔ یہ آپ کی پہلی پبلک تقریر تھی۔ جو آپ نے جماعت کے سامنے کی اور اس پہلی تقریر میں قرآن شریف کے وہ معارف بیان فرمائے ہیں جن کی نسبت حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ جیسے عالم قرآن نے یہ اقرار فرمایا ہے کہ یہ ان کے لئے بھی جدید معارف ہیں۔ پس یہ معارف اس نوجوان کو کس نے سکھائے یہ حکمت اور یہ علم آپ کو زمانہ نوجوانی میں کس نے دیا اسی نے جو قرآن شریف میں حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت فرماتا ہے۔ **فلما بلغ اشده اتینه حکما و علما و کذلک نجزی المحسنین**۔ آپ نے صرف عام طور پر دانائی اور حکمت کی باتیں بیان نہ فرمائیں بلکہ قرآن شریف کے اچھوتے معارف بیان فرمائے اور اللہ تعالیٰ قرآن شریف کے متعلق فرماتا ہے۔ **لا یمسه الا المطهرون**۔ پس لڑکپن کی خلوت سے نکلتے ہی آپ کا لوگوں کے سامنے قرآن شریف کے جدید اور لطیف معارف بیان فرمانا اس بات کی ایک بین شہادت ہے کہ آپ نے اپنا لڑکپن اللہ تعالیٰ کی خاص تربیت میں گزارا اور آپ بچپن میں ہی مطہرین کی جماعت میں داخل تھے" [۲۲۵]۔

مدرسہ احمدیہ کی بقاء کے لئے فیصلہ کن جدوجہد

۱۹۰۸ء کے جلسہ پر ایک کانفرنس بھی ہوئی جس میں انجمن کے بعض ارباب حل و عقد نے مدرسہ احمدیہ کو ختم کر دینے کا فیصلہ کیا۔ مگر آپ نے ایسی زبردست تقریر فرمائی کہ ان کا سحر پاش پاش ہو گیا۔ اگر آپ اس مقابلے میں سینہ سپر نہ ہوتے تو سلسلہ احمدیہ کی آئندہ تاریخ بالکل مختلف ہوتی۔

۱۹۰۸ء کی دوسری خدمات

(۱) آپ کی کوشش سے قادیان میں پہلی پبلک لائبریری قائم ہوئی۔ جس کا ۲۵/ دسمبر ۱۹۰۸ء کو افتتاح ہوا [۲۲۶]۔

(۲) حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی وفات پر اخبارات کی آراء آپ نے "تشحیذ الاذہان" میں محفوظ کر دیں۔ (۳) حضور کی وفات کے بعد لنگر خانہ کا انتظام آپ کے سپرد ہوا [۲۲۷]۔

تشحیذ الاذہان میں بلند پایہ مضمون

(۱) خواجہ غلام الثقلین صاحب نے "عصر جدید" کے ایک مضمون میں سلسلہ پر حملہ کیا جس کا آپ نے پُرزور دفاع کیا [۲۲۸] - (۲) ایک مسلمان نے اخبار "پایونیر" میں جواز سود پر مضمون لکھا جس کا جواب آپ نے تشحیذ الاذہان میں شائع فرمایا [۲۲۹] - (۳) پادری اکبر مسیح نے رسالہ "پیغام صلح" پر اعتراضات کئے جس کا جواب بھی آپ کے قلم سے نکلا [۲۳۰] -

آپ کے خلاف منصوبے

جیسا کہ گزشتہ جلد میں بالتفصیل [۲۳۱] بتایا جاچکا ہے انجمن کے حامی سلسلہ احمدیہ میں چونکہ نظام خلافت کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے اس لئے ان کی مخالفت کا اول نشانہ حضرت مولانا حافظ نورالدین خلیفۃ المسیح اولؓ - ثانیاً حضرت میاں بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز تھے - حضرت خلیفہ اولؓ کے خلاف محاذ کی وجہ ظاہر تھی کہ اس وقت آپ ہی مسند خلافت پر متمکن تھے اور حضرت میاں صاحب سے عداوت و دشمنی کا باعث یہ تھا کہ قیام خلافت کے آغاز ہی سے آپ حضرت خلیفہ اولؓ کے دست و بازو اور زبردست موید تھے اور آئندہ خلافت کے لئے جماعت کی نظریں ان پر پڑتی تھیں - بلکہ خود حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ پوری جماعت میں باوجود نو عمری کے آپ کا سب سے زیادہ احترام فرماتے تھے - حضرت خلیفہ اولؓ کی طرف سے جوں جوں یہ اعزاز و اکرام بڑھتا گیا - منکرین خلافت زیادہ سے زیادہ مشتعل ہوتے چلے گئے اور آپ کا وجود خار کی طرح کھٹکنے لگا اور آپ کی ہر ممکن صورت سے تحقیر کی جاتی -

چنانچہ صاحبزادہ حضرت مرزا محمود احمد صاحب فرماتے ہیں - "حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب وفات پاگئے تو صدر انجمن احمدیہ نے میرے سپرد لنگر خانہ کا کام کردیا - خواجہ کمال الدین صاحب عام طور پر میرے کاموں کو پسند نہیں کیا کرتے تھے - لیکن اگر میں کام نہ کرتا - تو حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ سے یہ شکایت کردیتے کہ میاں ہماری مدد نہیں کرتے - بہرحال جب یہ کام میرے سپرد ہوا - تو خواجہ صاحب نے حقارت کے طور پر میرے متعلق لانگری کا لفظ استعمال کرنا شروع کردیا - چنانچہ جب بھی میں ان سے ملتا - کہتے آگئے لانگری صاحب وہ سمجھتے کہ اس طرح میری خوب ہتک ہوتی ہے - مگر میں پروا بھی نہ کرتا - آخر چند دن کے بعد وہ خود ہی تھک گئے اور انہوں نے اس لفظ کا استعمال ترک کردیا" [۲۳۲]

یہی نہیں ایک بار مدرسہ احمدیہ کی ایک میٹنگ میں خواجہ کمال الدین صاحب نے برملا کہہ دیا کہ آپ کو میاں میاں کہہ کر سر پر چڑھا لیا ہے - ہم آپ کو میاں کہہ کر پکارنا چھوڑ دیں گے پھر دیکھیں گے کون آپ کی عزت کرتا ہے - ان حضرات کی عادت تھی کہ اگر حضرت میاں صاحب سلسلہ کا کوئی کام

کرتے تو پراپیگنڈا کرتے کہ اختیارات اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے اور اگر علیحدگی اختیار کرتے تو فرماتے کہ انہیں تو سلسلہ کا کوئی درد ہی نہیں ہے [۲۲۳]۔

ایک بہت بڑا خطرہ انہیں اس وقت محسوس ہوا جب بعض بیرونی جماعتوں کی درخواستوں پر سیدنا حضرت خلیفہ اولؓ نے آپ کو باہر بھیجنا شروع فرمایا۔ یہ حضرات سخت پریشان ہوئے اور انہوں نے اس کا اثر زائل کرنے کے لئے ایک طرف تو یہ مشہور کرنا شروع کیا کہ یہ سب کچھ اپنی خلافت کی راہ ہموار کرنے کے لئے کیا جارہا ہے۔ دوسری طرف حضرت خلیفہ اولؓ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ حضور کو معلوم ہے کہ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ جب کبھی باہر تشریف لے جاتے تو کس قدر مخلوق آپ کی خدمت میں ہوتی اور ایک شان نظر آتی تھی۔ اور اب ان کے صاحبزادے ہیں اور ہم ان کو بھی اس نظر سے دیکھتے ہیں اور حضور معمولی لوگوں کی درخواست پر بھی اکیلا باہر بھیج دیتے ہیں۔ جو بالکل ان کے خلاف شان ہوتا ہے۔ اور اس سے طبیعت پر بہت صدمہ ہوتا ہے اور اس پر بس نہ کرتے ہوئے حضرت ام المومنین تک یہ بات پہنچائی گئی۔ کہ ہم کچھ کہہ نہیں سکتے۔ مولوی صاحب بے پرواہیں۔ ساری دنیا دشمنوں سے بھری پڑی ہے جو بُرے سے بُرے ارادے رکھتے ہیں اور مولوی صاحب میاں صاحب کو اکیلا باہر بھیج دیتے ہیں جب تک واپس نہ آجائیں ہمیں آرام نہیں آتا۔ مگر جب اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی تو آپ کے مقابلہ کے لئے خود لیکچروں کے دورے شروع کئے اور ہر جگہ حضرت میاں صاحب کی نسبت طرح طرح کے خیالات پھیلانے لگے [۲۲۴]۔

جب اس پر بھی کام نہ چلا تو خواجہ کمال الدین صاحب نے شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ صلح کرلی جائے۔ آپ نے انہیں جواب دیا کہ صلح بہت اچھی چیز ہے اور اگر جھگڑا مٹ جائے تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ اگر کسی دنیوی امر کے بارہ میں ہے تو خواجہ صاحب جو کچھ بھی لکھ دیں گے میں اس پر دستخط کردوں گا اور مان لوں گا۔ مگر اختلاف مذہبی عقائد کا ہے تو چاہے زمین و آسمان ٹل جائیں۔ میں جب تک ایک عقیدہ کو درست سمجھتا ہوں اسے ہرگز چھوڑنے کو تیار نہ ہوں گا [۲۲۵]۔

آپ کی نگرانی انجمن کے عمائد حضرت میاں صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی پرائیوٹ مجالس پر کڑی نگرانی رکھتے اور مختلف ذرائع سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے کہ وہاں کیا کچھ کیا اور کہا جاتا ہے چنانچہ میر شفیع احمد صاحب دہلوی کا بیان ہے کہ "حضرت میاں محمود احمد صاحب مغرب کے بعد اکمل صاحب کی کوٹھڑی میں آکر بیٹھا کرتے تھے........ شعرو شاعری اور مختلف باتیں ہوتی تھیں۔ مگر میں نے کبھی کوئی ایسی ویسی بات نہ دیکھی بلکہ ان کی ہر بات حیرت انگیز اخلاق والی ہوتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد جب پیغام پارٹی خصوصاً شیخ رحمت اللہ

صاحب نے مجھے کہا کہ میر صاحب! آپ میاں صاحب (یعنی میرزا محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ) اور اکمل کی پارٹی میں بہت بیٹھا کرتے ہیں۔ ذرا پتہ لگائیں کہ یہ بدر میں آج کل کوئل بلبل اور فاختہ کیسی اڑتی ہیں اس زمانے میں قاضی اکمل صاحب کی اس قسم کی اکثر نظمیں شائع ہوتی تھیں۔ چنانچہ میں رات دن اس امر کی تلاش میں رہتا کہ مجھے کوئی بات مل جائے۔ تو میں پیغام پارٹی کو اطلاع دوں۔ مگر میں جس قدر حضرت میاں صاحب کی صحبت میں رہا۔ کونوا مع الصادقین کا کرشمہ مجھ پر اثر کرتا چلا گیا۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ میاں محمود احمد صاحب' میاں محمد اسحق صاحب اور قاضی اکمل مل کر کوئی خاص ایجی ٹیشن پھیلا رہے ہیں۔ کیونکہ ان دنوں میں میاں محمد اسحق صاحب نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ آیا خلیفہ انجمن کے ماتحت ہے یا انجمن خلیفہ کے ماتحت ہے گو میاں محمد اسحق صاحب کم عمر تھے مگر ان کا دماغ اور ذہن بڑے غضب کا تھا۔ غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مصاحب اور رشتہ دار اور اولاد ہر ایک اس قدر گہرے طور پر حضرت صاحب کے رنگ میں رنگین ہو گئے تھے کہ بے انتہاء جستجو کے بعد بھی کوئی آدمی ان میں کوئی عیب نہ نکال سکتا تھا" ۲۳۶۔

خلافت سے غیر متزلزل وابستگی

آپ کا سب سے بڑا جرم صرف ایک تھا اور وہ یہ کہ خلافت سے آپ کی وابستگی غیر متزلزل تھی اور نہ صرف تنہا ہونے کے باوجود آپ انجمن کے ممبروں کے سامنے کلمہ حق کہنے سے باز نہ رہتے تھے بلکہ اگر خلیفہ وقت کے خلاف کوئی خاص بات آپ کے علم میں آتی تو آپ حضرت خلیفہ اول ؓ کو اس سے ضرور باخبر کر دیتے تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے چھ سالہ عہد خلافت میں مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب انجمن پر قابض تھے یہ بسا اوقات حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے خلاف باتیں کرتے اور جب وہ آپ کے لئے اور سلسلہ کے لئے نقصان دہ ہوتیں تو میں آپ کو بتا دیتا۔ اس پر چہ میگوئیاں بھی ہوتیں میرے خلاف منصوبے بھی ہوتے پھر میں اکیلا تھا اور ان کا ایک جتھہ تھا۔ مگر اس چھ سال کے عرصہ میں کبھی ایک منٹ کے لئے بھی مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ میں ان باتوں کو چھپاؤں پھر میں اگر وہ باتیں بتاتا تھا۔ تو اس لئے نہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ پر احسان جتاؤں بلکہ اس لئے کہ میں اخلاق اور روحانیت کے قیام کے لئے ان باتوں کے انسداد کی ضرورت سمجھتا تھا"

۲۳۷۔

ہندوستان کے پائے تخت دہلی میں پیغام حق پہنچانا

اپریل ۱۹۰۹ء میں آپ حضرت ام المومنین اور اپنے دو سرے

بھائی بہنوں سمیت دہلی تشریف لے گئے اور دریا گنج میں مقیم ہوئے [۲۲۸]۔

آپ نے اپنے اس تبلیغی سفر کے حالات انہی دنوں الحکم (۱۴/ ۷ مئی ۱۹۰۹ء) میں شائع کر دیئے تھے جو نہایت دلچسپ، معلومات افزا اور قابل دید ہیں۔

اسی سفر میں (۹/ اپریل کو) آپ کا "اسلام اور آریہ مذہب" پر پہلا لیکچر بھی ہوا۔ چھ سات سو آدمی لیکچر سننے آئے جن میں دہلی کے رؤسا بھی تھے [۲۲۹]۔ دہلی میں آپ نے دوسرا لیکچر "اسلام اور عیسائیت" پر دیا۔ یہ لیکچر ۱۶/ اپریل کو ہوا۔ (چوہدری غلام قادر صاحب نمبردار او کاڑہ کی روایت کے مطابق) ایک جلسہ کی صدارت دلی کے مشہور صوفی و ادیب جناب خواجہ حسن نظامی نے کی تھی [۲۳۰]۔

اس سفر میں آپ نے اپنے ننھیال کو بھی احمدیت سے متعارف کرایا [۲۳۱]۔ آپ نے دہلی سے روانگی کے وقت ان الفاظ میں دعا کی کہ

"خدا وہ دن لائے کہ اس شہر کو بھی خدا ہدایت دے اور اس مٹی سے پھر کسی دن اس قسم کے برگزیدہ لوگ پیدا ہوں جن کے مزار بکثرت وہاں پائے جاتے ہیں" [۲۳۲]۔

سفر دہلی کے دوران میں آپ کپور تھلہ، لاہور، قصور اور فیروز پور بھی تشریف لے گئے اور کامیاب لیکچر دیئے [۲۳۳]۔

سفر کشمیر

آپ نے کشمیر کی طرف پہلا سفر جولائی ۱۹۰۹ء میں فرمایا [۲۳۴]۔ اس سفر میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے آپ کے دل میں اہل کشمیر کی دردناک اور قابل رحم حالت کا نقش ایسا گہرا جما دیا جسے آپ آج تک فراموش نہیں کر سکے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"۱۹۰۹ء میں میں کشمیر گیا۔ تو ایک مقام سے چلتے وقت میں نے تحصیلدار سے کہا کہ ہمارے لئے کسی مزدور کا انتظام کر دیا جائے اس نے رستہ میں سے ایک شخص کو پکڑ کر ہمارے پاس بھیج دیا کہ اس کے سر پر اسباب رکھوا دیں۔ ہم نے اسے سامان دے دیا مگر ہم نے دیکھا کہ وہ راستہ میں بار بار ہائے ہائے کرتا ہے۔ آخر ایک جگہ پہنچ کر اس نے تھک کر ٹرنک نیچے رکھ دیا میں نے اس کی یہ حالت دیکھی تو مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں نے اس سے کہا کہ کشمیری تو بہت بوجھ اٹھانے والے ہوتے ہیں تم سے یہ معمولی ٹرنک بھی نہیں اٹھایا جاتا وہ کہنے لگا میں مزدور نہیں ہوں میں تو زمیندار ہوں۔ اپنے گاؤں کا معزز شخص ہوں اور دولہا ہوں جو برات میں جا رہا تھا کہ مجھے راستہ میں تحصیلدار نے پکڑ لیا اور اسباب اٹھانے کے لئے آپ کے پاس بھیج دیا۔ میں نے اسی وقت اسے چھوڑ دیا کہ تم جاؤ ہم کوئی اور انتظام کر لیں گے ...... میں نے خود کشمیر میں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سو دو سو کے قریب مسلمان جمع ہیں اور ایک ہندو انہیں ڈانٹ رہا ہے اور وہ بھی کوئی افسر نہیں تھا۔ بلکہ معمولی تاجر تھا اور وہ سارے کے سارے مسلمان

اس کے خوف سے کانپ رہے تھے [۲۲۵]

انگریزی مضامین لکھنے کی مشق

نومبر ۱۹۰۹ء میں آپ نے محض دینی خدمت کی غرض سے انگریزی میں مضامین لکھنے کی مشق شروع کی۔ ان مضامین پر نظر ثانی حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ فرمایا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ لمبے لمبے وقفوں کے ساتھ قریباً اگست ۱۹۱۱ء تک جاری رہا یہ مضامین آپ کی کاپی میں اب تک محفوظ ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک خاص قابل ذکر بات یہ ہے کہ آپ نے کاپی کے پہلے صفحہ پر مضامین لکھنے سے قبل مندرجہ ذیل عربی لکھی جو آپ کے جوش دینی و مذہبی کی آئینہ دار ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
اللھم ایدنی فی تحصیل ھذا اللسان و بارک فی کل لفظۃ اتعلم من الاستاذ۔
وارحم علی و علی استاذی و انصرنا فی تکسیر الصلیب و قتل الخنازیر۔
لان الانسان لیس بقادر علی شیء بغیر نصرتک۔

ترجمہ: اے خدا اس زبان کے سیکھنے میں میری تائید فرما اور ہر اس لفظ میں جو میں اپنے استاد سے سیکھوں برکت ڈال اور مجھ پر اور میرے استاد پر رحم فرما اور کسر صلیب اور قتل خنزیر کرنے میں ہماری نصرت کر کیونکہ تیری مدد کے بغیر کوئی انسان کچھ بھی قدرت نہیں رکھتا۔

ڈپٹی فقیر اللہ صاحب کے نام خط

اسی ماہ (نومبر ۱۹۰۹ء میں) آپ نے ڈپٹی فقیر اللہ صاحب کے نام جبکہ وہ علی گڑھ کالج میں پڑھتے تھے۔ مندرجہ ذیل خط لکھا جس سے آپ کی مصروفیات کا کسی قدر پتہ چلتا ہے۔

Qadian, بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
6th Mar 1909.

برادرم مکرم

السلام علیکم - آپکے تین خط دو تو براہ راست اور ایک بشراکت حضرت خلیفۃ المسیح ملے - الحمد للہ کہ آپ بخیریت ہیں - انشاء اللہ آپکے لئے دعا کرونگا - آپکے خط کا جواب لکھنے میں اس لئے دیر ہوئی کہ آجکل ایک لمبا چوڑا مضمون لکھ رہا ہوں دن اور رات اُسمیں منہمک رہا کرتا ہے - مضمون وہ ہے جس کیلئے اس دنیا سے ایک حد تک انقطاع لازم - وہاں کے دوستوں کی خدمت میں السلام علیکم عرض کر دیں

والسلام خاکسار مرزا محمود احمد

مشنری کالج کے پرنسپل سے گفتگو

آپ فرماتے ہیں۔ "میری عمر کوئی بیس سال کی تھی اور میں ان دنوں لاہور میں تھا کہ میاں محمد شریف صاحب ای۔اے۔سی جن سے میرے دوستانہ تعلقات تھے مجھے ایک پادری مسٹر وڈ کے پاس لے گئے جو مشنری کالج کا پرنسپل تھا۔.....میں نے اس سے یہ سوال کیا.....ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کی نجات کس طرح ہوئی ہے جس ذریعہ سے ان کی نجات ہو گئی ہے اس ذریعہ سے اب بھی لوگوں کی نجات ہو سکتی ہے اس نے کہا

ابراہیمؑ اور موسیٰؑ حضرت مسیحؑ پر ایمان لا چکے تھے۔ میں نے کہا وہ ایمان کس طرح لا چکے تھے وہ تو حضرت مسیحؑ سے پہلے ہوئے ہیں...... اگر حضرت مسیح پر ان کے ایمان لانے کا آپ کے پاس کوئی ثبوت ہو تو اسے پیش کریں۔ اس نے کہا داؤد نے پیشگوئی کی تھی کہ اس کی اولاد سے ایک ایسا شخص ہو گا جو خدا کا بیٹا ہو گا۔ میں نے کہا حضرت مسیحؑ تو داؤد کی اولاد میں سے تھے ہی نہیں۔ الخ [۲۴۶]

ایک سندھی مولوی صاحب کی ملاقات

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ ایک سندھی مولوی صاحب کی ملاقات کا واقعہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

"ایک سندھ کے مولوی صاحب غالباً مولانا عبید اللہ صاحب سندھی جو اکثر قادیان آتے رہتے تھے استاذی المکرم حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کو ملنے کے لئے آئے اور انہوں نے...... آیت (لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا الخ سورہ انبیاء) آپ کے سامنے رکھی کہ آپ اس کو حل کر دیں...... استاذی المکرم حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے ان کو کئی جواب دیئے مگر ان کی تسلی نہ ہوئی...... جب بحث لمبی ہو گئی...... تو استاذی المکرم حضرت نور الدین صاحبؓ نے بڑے جوش سے کہا کہ آپ مجھے کہتے ہیں کہ میں جواب نہیں دے سکتا۔ ذرا اس بچہ سے جو میرا شاگرد ہے بحث کر کے دیکھ لیں۔ مولوی عبید اللہ صاحب کو معلوم تھا کہ میں بانی سلسلہ احمدیہ کا بیٹا ہوں...... استاذی المکرم کی بات سن کر کہنے لگے ان سے میں بحث نہیں کروں گا" [۲۴۷]۔

تشحیذ الاذہان میں بلند پایہ مضامین

۱۹۰۹ء میں آپ کے قلم سے تشحیذ الاذہان میں مندرجہ ذیل مضامین شائع ہوئے۔ "قہری نشان" (زلزلہ در گور نظامی گنبد کا ظہور) "تازہ نشان" (سلطان روم کی سلطنت کے متعلق) "ایک عجیب واقعہ"۔ "مسیحی تنبیہ"۔ "عورتوں سے پردہ"۔ "تبلیغ اسلام"۔ "ماہ رمضان"۔ "جزاء الاحسان"۔ "دین حق"۔ "نجات" (بجواب لیکچر پادری میکملن) [۲۴۸]

۱۹۰۹ء کی دوسری خدمات

۱۔ لاہور کی احمدیہ انجمن "مجمع الاخوان" کے سالانہ جلسہ پر لیکچر دیا [۲۴۹]۔

۲۔ پادری جوالا سنگھ کے اعتراضات کے جواب میں آپ کا لاہور میں لیکچر ہوا [۲۵۰]۔

۳۔ "ہم اور ہمارے فرائض" کے عنوان پر آپ نے یکم اکتوبر ۱۹۰۹ء کو "تشحیذ الاذہان" کے سہ ماہی اجلاس میں ایک پر جوش تقریر فرمائی [۲۵۱]۔

خلافت سے متعلق ایک نزاع اور آپ کی اولوالعزمی

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانیؓ فرماتے ہیں۔ "۱۹۱۰ء کے اوائل میں خلیفہ اور انجمن کے تعلقات پر ایک بحث جماعت میں پیدا ہو گئی اس موقعہ پر صدر انجمن کے بعض عہدیدار اور ان کے اتباع سے دوسرے لوگ خلیفۃ المسیح کی پوزیشن ایک میر مجلس سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔ اور ایک جماعت خلیفۃ المسیح کو خلافت راشدہ کا مظہر اور قدرت ثانی کا مظہر اول یقین کرتی تھی یہ خصوصیت سے صاحبزادہ صاحب کے امتحان کا وقت تھا۔ مگر صاحبزادہ صاحب نے نہایت اخلاص اور وفاداری کے ساتھ اپنے مقام کو نہ چھوڑا اور اپنے طرز عمل سے دکھا دیا کہ قوم کے شیرازہ کا دھاگا صرف خلیفہ ہی ہے اور یہی ایک پاک وجود ہے جو ہمیشہ اسلام کی شیرازہ بندی کا موجب رہا ہے" [۲۵۲]۔

درس قرآن

فروری ۱۹۱۰ء سے آپ نے قادیان میں نماز مغرب کے بعد قرآن مجید کا درس دینا شروع فرمایا [۲۵۳]۔ مخدوم محمد ایوب صاحب کا بیان ہے۔ "مجھے اس درس میں صرف چند روز ہی شامل ہونے کا موقعہ ملا۔ حضور نے قرآن کریم کے نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے معارف و حقائق بیان فرما کر ایک طرف تو لا یمسہ الا المطھرون کے مطابق نوجوانی میں اپنی پاکیزہ زندگی کا ثبوت دیا۔ اور دوسری طرف کسی مشکل مقام قرآن مجید کے معنے معلوم کرنے کے لئے کوشش کرنے اور پھر سمجھنے کے لئے دعائیں کرنے اور پھر اس کا حل پانے کا ذکر فرما کر اپنے عشق قرآن شریف اور تعلق باللہ کا ثبوت دیا۔ الغرض اس قلیل عرصہ میں مجھ پر حضور کے عشق و فہم قرآن کریم، طہارت و تقویٰ، تعلق باللہ، اجابت دعا اور مطہر زندگی کا گہرا اثر ہوا...... اور یہی اثر تھا جو کہ بفضلہ تعالیٰ حضور کو خلیفہ برحق ماننے میں کام آیا" [۲۵۴]۔

سالانہ جلسہ منعقدہ مارچ ۱۹۱۰ء میں تقریر

۱۹۰۹ء کا سالانہ جلسہ مارچ ۱۹۱۰ء کو منعقد ہوا۔ جس میں آپ کا بھی لیکچر ہوا [۲۵۵، ۲۵۶]۔

احمدیہ کانفرنس کی صدارت

جلسہ کے دوران میں بورڈنگ ہاؤس کے ایک کمرہ میں احمدیہ کانفرنس ہوئی جس کی صدارت کے فرائض آپ نے انجام دیئے [۲۵۷]۔

نوجوانوں کے لئے تربیتی کلاس

احمدی طلباء کی تربیت و اصلاح کے لئے آپ نے وسط ۱۹۱۰ء میں ایک تربیتی کلاس جاری فرمائی [۲۵۸]۔

امیر مقامی قادیان کی حیثیت میں

۲۴/ جولائی ۱۹۱۰ء میں حضرت خلیفتہ المسیح اول ؓ ملتان تشریف لے گئے تو صاحبزادہ حضرت مرزا محمود احمد صاحب کو جماعت احمدیہ قادیان کا امیر مقرر فرمایا [۲۵۹]-

سب سے پہلا خطبہ جمعہ

۲۹/ جولائی ۱۹۱۰ء کو آپ نے پہلی مرتبہ خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا [۲۶۰]-

حضرت خلیفۂ اول ؓ کی نماز جمعہ آپ کی اقتداء میں

۲۶/ اگست ۱۹۱۰ء کو حضرت خلیفہ اول ؓ نے آپ کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا فرمائی [۲۶۱]-

مدرسہ احمدیہ کے منتظم کی حیثیت میں

ستمبر ۱۹۱۰ء سے مارچ ۱۹۱۴ء تک مدرسہ احمدیہ کے منتظم رہے اور اس قومی درسگاہ کی ترقی و بہبود کے لئے ہر ممکن جدوجہد فرمائی [۲۶۲]-

فتویٰ کفر کا جواب

احمدیوں کے خلاف ایک فتویٰ کفر شائع ہوا جس پر آپ نے اخبار میں ایک مضمون شائع فرمایا جس کا عنوان تھا۔ "مکفرین کے اشتہار کا جواب" [۲۶۳]-

خلافت کی پیشکش اور آپ کا مومنانہ جواب

۱۸/ نومبر ۱۹۱۰ء میں حضرت خلیفہ اول ؓ گھوڑے سے گر پڑے تو آپ نے حضرت صاحبزادہ صاحب کو امام الصلوٰۃ مقرر فرمادیا۔ حضرت خلیفہ اول ؓ کی بیماری نازک صورت پکڑ گئی تو انجمن والوں نے آپ کو خلافت کی پیش کش کی۔ مگر آپ نے انتہائی جرأت اور ایمانی غیرت کا ثبوت دیتے ہوئے اسے فوراً رد کردیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"۱۹۱۰ء کے آخری مہینوں میں حضرت خلیفتہ المسیح گھوڑے سے گر گئے اور کچھ دن آپ کی حالت بہت نازک رہی۔ حتّٰی کہ آپ نے (ڈاکٹر) مرزا یعقوب بیگ صاحب سے جو اس وقت آپ کے معالج تھے دریافت کیا کہ میں موت سے نہیں گھبراتا آپ بے دھڑک طبی طور پر بتادیں کہ اگر میری حالت نازک ہے تو میں کچھ ہدایات وغیرہ لکھوادوں مگر چونکہ یہ لوگ حضرت مولوی صاحب کا ہدایات لکھوانا اپنے لئے مضر سمجھتے تھے آپ کو کہا گیا کہ حالت خراب نہیں ہے اور اگر ایسا وقت ہوا تو وہ خود بتادیں گے مگر وہاں سے نکلتے ہی ایک مشورہ کیا گیا اور دوپہر کے وقت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ میرے پاس آئے۔ کہ ایک مشورہ کرنا ہے آپ ذرا مولوی محمد علی صاحب کے مکان پر تشریف لے چلیں۔ میرے نانا جناب میر ناصر نواب صاحب کو بھی وہاں بلوایا گیا تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو مولوی محمد علی صاحب۔ خواجہ صاحب، مولوی صدر الدین صاحب اور ایک یا دو آدمی وہاں پہلے سے موجود تھے خواجہ صاحب نے

ذکر شروع کیا کہ آپ کو اس لئے بلوایا ہے کہ حضرت مولوی صاحب کی طبیعت بہت بیمار اور کمزور ہے ہم لوگ یہاں ٹھہر تو سکتے نہیں لاہور واپس جانا ہمارے لئے ضروری ہے پس اس وقت دوپہر کو جو آپ کو تکلیف دی ہے تو اس سے ہماری غرض یہ ہے کہ کوئی ایسی بات طے ہو جائے کہ فتنہ نہ ہو اور ہم لوگ آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کو خلافت کی خواہش نہیں ہے کم سے کم میں اپنی ذات کی نسبت تو کہہ سکتا ہوں کہ مجھے خلافت کی خواہش نہیں ہے اور مولوی محمد علی صاحب بھی آپ کو یہی یقین دلاتے ہیں۔ اس پر مولوی محمد علی صاحب بولے کہ مجھے بھی ہرگز خواہش نہیں۔ اس کے بعد خواجہ صاحب نے کہا کہ ہم بھی آپ کے سوا خلافت کے قابل کسی کو نہیں دیکھتے۔ اور ہم نے اس امر کا فیصلہ کر لیا ہے لیکن آپ ایک بات کریں کہ خلافت کا فیصلہ اس وقت تک نہ ہونے دیں جب تک ہم لاہور سے نہ آجاویں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص جلد بازی کرے اور پیچھے فساد ہو۔ ہمارا انتظار ضرور کر لیا جاوے میر صاحب نے تو ان کو یہ جواب دیا کہ ہاں جماعت میں فساد مٹانے کے لئے کوئی تجویز ضرور کرنی چاہئے مگر میں نے اس وقت کی ذمہ داری کو محسوس کر لیا۔ اور صحابہ کا طریق میرے سامنے آگیا۔ کہ ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے کے متعلق تجویز خواہ وہ اس کی وفات کے بعد کے لئے ہی کیوں نہ ہو ناجائز ہے پس میں نے ان کو یہ جواب دیا کہ ایک خلیفہ کی زندگی میں اس کے جانشین کے متعلق تعین کر دینی اور فیصلہ کر دینا کہ اس کے بعد فلاں شخص خلیفہ ہو گناہ ہے۔ میں تو اس امر میں کلام کرنے کو ہی گناہ سمجھتا ہوں" [۲۶۴]

"تشحیذ الاذہان" میں بلند پایہ مضمون

۱۹۱۰ء میں آپ کے قلم سے "تشحیذ الاذہان" میں مندرجہ ذیل مضامین نکلے۔ "انبیاء اور منجمین میں فرق" [۲۶۵]۔ "نجات کا فلسفہ"۔ (کئی قسطوں میں) "نشان آسمانی" (حضرت خلیفہ اولؓ کے گھوڑے سے گرنے سے متعلق) "دین کو دنیا پر مقدم کرو"۔

حضرت مولوی سید محمد احسنؓ کی شہادت

۶/ جنوری ۱۹۱۱ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی نے مسجد اقصیٰ میں خطبہ جمعہ کے دوران آپ کا ذکر کر کے بڑے زور دار الفاظ اور پُرجوش لہجہ میں فرمایا کہ۔

"حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم سے ہماری جماعت کے وہ امام ہیں اور انہوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں ایسی غیر معمولی ترقی کی ہے جیسے کہ الہام میں تھی۔ اور میں نے تو ارہاص کے طور پر یہ سب آثار مشاہدہ کئے ہیں اس لئے میں مان چکا ہوں کہ یہی وہ فرزند ارجمند ہیں جن کا نام محمود احمد سبز اشتہار میں موجود ہے" [۲۶۶]۔

حضرت خلیفہ اول ؓ کی طرف سے آپ کی خلافت کی وصیت

۲۰/ ۱۹ جنوری ۱۹۱۱ء کو حضرت خلیفہ اول ؓ نے آپ کو اپنے بعد خلیفہ نامزد فرمایا۔ یہ نامزدگی ایک مخفی وصیت کی صورت میں تھی جو ایک بند لفافہ میں آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھی جو بعد کو آپ نے خود چاک کر دی تھی۔ جناب مولوی محمد علی صاحب نے اپنی مولفہ کتاب "حقیقت اختلاف" میں بھی اس اہم وصیت کا ذکر کیا ہے [۲۱۷]۔

"مجلس انصار اللہ" کا قیام

۱۹۱۱ء کے اوائل میں آپ نے حضرت خلیفہ اول ؓ کی اجازت سے تبلیغ و تربیت اور باہمی رابطۂ اتحاد و محبت کی غرض سے ایک انجمن انصار اللہ قائم فرمائی جس کے ممبروں کا یہ فرض قرار دیا کہ وہ خدمت دین کے لئے اپنے وقت کا کچھ حصہ لازماً دیں اور لوگوں کے لئے پاک نمونہ بنیں۔ چنانچہ جماعت کے بہت سے احباب نے اس انجمن کی ممبری قبول کی اور ان کے ذریعہ سے تبلیغ و تربیت کے کام میں ایک خاص ولولہ پیدا ہو گیا۔ انصار اللہ میں شمولیت کے لئے آپ نے سات مرتبہ استخارہ کی شرط لازمی قرار دی [۲۱۸]۔ بعض احمدیوں کو تو استخارہ کرنے سے پہلے ہی اس میں شمولیت کی الہاماً تحریک ہوئی۔ چنانچہ خان محمد عجب خاں (ہری پور ضلع ہزارہ) نے حضرت صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں لکھا۔ "درباره انجمن انصار اللہ عرض ہے کہ میں نے وحی اللہ سے اس انجمن کی برکات معلوم کر لی ہیں استخارہ کی حاجت نہیں اور خصوصاً جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح نے بھی اس کو منظور اور پسند فرمایا ہے پھر تو نورٌ علیٰ نور ہے۔

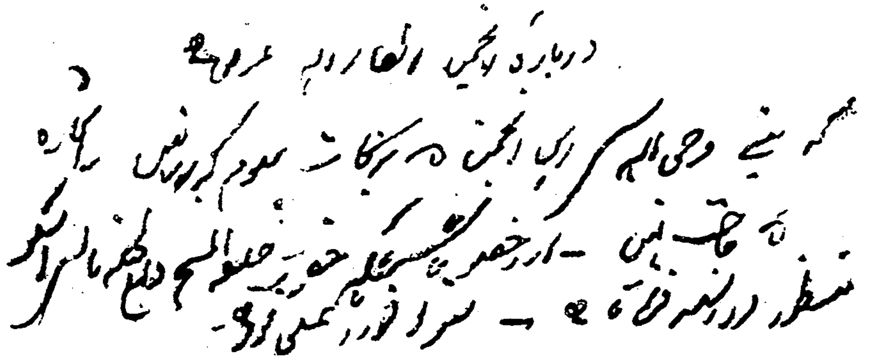

اور اس کی ہر وقت اور بڑی ضرورت ہے بلکہ میں تو خود اس میں یہاں کوشاں رہا اور میری رائے میں احمدی جماعت کی علت غائی یہی ہے...... اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر و اجر عظیم عطا فرماوے کہ ہمارے ارادوں کی تکمیل کے اسباب آپ نے بہم پہنچائے۔ کیونکہ یہ احمدی جماعت کے اغراض کی

تکمیل و تشہیر میں سستی تباہی کی علامت ہے" [۲۶۹]۔

"خاتم النبیّن" پر لطیف مضمون

دہلی کے رسالہ "نظام المشائخ" (مارچ ۱۹۱۱ء) میں آپ کا ایک لطیف مضمون شائع ہوا۔ جس میں آپ نے نہایت جامعیت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے مقام ختم نبوت پر اچھوتے انداز میں روشنی ڈالی [۲۷۰]۔

ایک پرائیویٹ کلاس

اوائل ۱۹۱۱ء میں حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کالج سے آئے تو آپ نے ان کی تعلیم کے لئے ایک پرائیوٹ کلاس جاری فرمائی جس میں آپ نے خطبہ الہامیہ، دروس النحویہ حصہ دوم وغیرہ پڑھایا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب بھی شامل ہوتے تھے [۲۷۱]۔

لیکچر بٹالہ

۶۔ ۷/ مئی ۱۹۱۱ء کو احمدیہ انجمن بٹالہ کا پہلا سالانہ جلسہ تھا جس میں آپ کے دو لیکچر ہوئے (۱) "حقیقی مذہب کونسا ہے؟" (۲) "ضرورت امام" یہ مضمون آپ نے ایسے موثر اور پر جوش طریق سے بیان فرمایا کہ بعض آنکھیں بے اختیار پُر نم ہو گئیں [۲۷۲]۔

پادری ینگسن سے مذہبی گفتگو

حضرت خلیفہ اول کے ارشاد اور مشورہ کے ماتحت آپ جون ۱۹۱۱ء میں ڈلہوزی تشریف لے گئے [۲۷۳] جہاں آپ کی ایک پادری ینگسن نامی [۲۷۴] سے ملاقات ہوئی آپ نے دو گھنٹہ تک مسئلہ تثلیث پر گفتگو فرمائی۔ پادری صاحب آپ کے سوالات و استدلال کے سامنے دم بخود رہ گئے۔ اس گفتگو کی تفصیل آپ نے ڈلہوزی سے واپس آکر "پہاڑی وعظ" کے نام سے شائع کرا دی تھی [۲۷۵]۔ بطور نمونہ اس گفتگو کا آخری حصہ ذیل میں لکھا جاتا ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب۔ انجیل کو انسان تب مانے جب اصول مسیحیت ثابت ہو جائیں ان مسائل کے حل ہونے سے پہلے انسان انجیل کو کب مان سکتا ہے۔

پادری صاحب۔ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے انجیل کے ماننے سے پہلے ان مسائل کا سمجھنا مشکل ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب۔ بہت اچھا آپ اس مسئلہ کو تو عقلی طور پر حل نہیں کر سکتے۔ یہی فرمایئے موجودہ زمانے میں اس تمام دنیا کا نظام کس کے سپرد ہے خدا باپ کے یا خدا بیٹے کے؟

پادری صاحب۔ انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوقات کا انتظام مسیح یعنی بیٹے کے سپرد ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب۔ تو کیا خدا باپ دنیا کو کلمہ کی معرفت پیدا کرنے کے بعد خالی بیٹھا ہے۔

پادری صاحب۔ نہیں صفات الٰہیہ کا تعطل تو جائز نہیں تمام جہان کا انتظام وہی کرتا ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب۔ پادری صاحب! ابھی تو آپ نے فرمایا کہ بیٹا انتظام کرتا ہے۔ اب اس بات کے تین پہلو ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ ایک معطل ہے اور ایک کام میں لگا ہوا ہے۔ اس صورت میں ایک خدا کی صفات پر تعطل لازم آئے گا۔ جو جائز نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں بانٹ کر کام کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ ایک خدا سارا کام نہیں کر سکتا۔ بلکہ دونوں خدا اپنے اپنے حصہ کا کام نپٹاتے ہیں۔ اس صورت میں خدا تعالیٰ پر نعوذ باللہ محدودیت کا الزام ثابت آتا ہے۔ اور اگر یہ نہ مانا جائے کہ دونوں ملے جلے سارا کام کر رہے ہیں تو اس صورت میں بھی یہ الزام آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ بیہودہ کام میں لگا ہوا ہے۔

پادری صاحب۔ میں آپ کو ابھی بتا چکا ہوں کہ یہ مسائل عقل میں نہیں آسکتے۔ بلکہ خدا کے کلام انجیل پر ایمان لانے کے بعد سمجھ میں آسکتے ہیں [۲۷۶]۔

جلسہ تاجپوشی پر تقریر

جون ۱۹۱۱ء میں جارج پنجم کی تاجپوشی پر قادیان میں جو جلسہ ہوا اس میں آپ نے بھی تقریر فرمائی اور دعا کی کہ جیسے اس شہنشاہ کے سر پر آج دنیاوی تاج رکھا ہے وہ دن بھی آوے کہ اسلام کا تاج اس کے سر پر ہو [۲۷۷]۔

"امتہ الحفیظ کی آمین"

جولائی ۱۹۱۱ء میں حضرت سیدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ نے قرآن مجید ختم کیا جس پر آپ نے آمین لکھی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء کے مطابق "فسبحان الذی اوفی الامانی" کو مصرعہ آمین رکھا [۲۷۸]۔ قرآن مجید کی شان اور فضیلت کا تذکرہ کرنے کے بعد آپ نے آمین میں لکھا۔

حفیظہ جو مری چھوٹی بہن ہے	نہ اب تک وہ ہوئی تھی اس میں رنگیں
ہوئی جب ہفت سالہ تو خدا نے	پہنایا اس کو بھی یہ تاج زریں
کلام اللہ سب اس کو پڑھایا	بنایا گلشن قرآں کا گل چیں
زباں نے اس کو پڑھ کر پائی برکت	ہوئیں آنکھیں بھی اس سے نور آگیں
ہوئے چھوٹے بڑے ہیں آج شاداں	نظر آتا نہیں کوئی بھی غمگیں
خدا نے ہم کو دی ہے کامرانی	فسبحان الذی اوفی الامانی

خطبہ عید الفطر

۲۵/ ستمبر ۱۹۱۱ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے نہایت جوش اور جلال کے ساتھ تقریر فرمائی اور آغاز تقریر میں فرمایا۔

"میاں صاحب نے جمعہ کے دن لطیف سے لطیف خطبہ سنایا۔ وہ اور بھی الطف ہو گا اگر تم اس پر

غور کرو گے۔ میں اس خطبہ کی بہت ہی قدر کرتا ہوں۔ اور میں یقیناً کہتا ہوں کہ وہ خطبہ جمعہ کا عجیب سے عجیب نکات معرفت اپنے اندر رکھتا ہے۔ بہت سے شریف الطبع لوگوں کو اس سے بہت فائدے ہوں گے مگر بعض پلید الطبع گندے اور شریر ہوتے ہیں جو ایسی پاک باتوں سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ تم نے سنا ہے کہ میں نے کیسے سخت لفظ بولے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ابھی میاں صاحب کے خطبہ جمعہ کی خوشی سے فرصت نہیں پا چکا کہ ایک شخص نے ایک لمبا رقعہ دوسرے کی شکایت کا پیش کیا جس کو پڑھ کر میں نے کہا ہے کہ خبیث الطبع لوگ ہیں جو ایسے پاک کلام کی قدر نہیں کرتے ہیں۔ کیا ایسے گندے اور بدبخت لوگ خدا کے کلام کی خوبیوں پر بھی غور نہیں کر سکتے۔ وہ بدبخت گندے بیمار کی طرح ہیں جن کو عمدہ اور لطیف غذا بھی گندی نظر آتی ہے" [۲۷۹]۔

"تشحیذ الاذہان" میں بلند پایہ مضامین

۱۹۱۱ء میں آپ کے قلم سے تشحیذ الاذہان میں مندرجہ ذیل عنوانات پر مضامین شائع ہوئے۔

"فرعون موسیٰؑ"۔ "مسلمان وہی ہے جو خدا کے سب ماموروں کو مانے"۔ "گوشت خوری"۔ "ستیارتھ پرکاش پر ایک مختصر ریویو"۔ "ایفاء عہد"۔ "ہم مرزا صاحب کو کیا سمجھتے ہیں"۔ "بڑے دن یا کرسمس ڈیز" [۲۸۰]۔

"مدارج تقویٰ"

سالانہ جلسہ ۱۹۱۱ء پر آپ نے "مدارج تقویٰ" پر لیکچر دیا [۲۸۱] جسے حقائق و معارف کا ایک خزینہ کہنا چاہئے۔

تقسیم اسناد کے جلسہ میں تقریر

یکم اپریل ۱۹۱۲ء کو آپ نے مدرسہ احمدیہ کی تقسیم اسناد کے موقعہ پر ایک ایمان افروز تقریر فرمائی [۲۸۲]۔

سفر مدارس اور سفر مصر و عرب

۱۹۱۲ء میں آپ نے دو نہایت مبارک اور طویل سفر کئے۔ پہلا سفر (۳/ اپریل تا ۲۹/ اپریل) مدرسہ احمدیہ کی ترقی و بہبود کے لئے ہندوستان کی مشہور اسلامی درسگاہوں کے نظام تعلیم کے قریبی مطالعہ کی غرض سے فرمایا اور آپ کے یہ تجربات آگے چل کر مدرسہ احمدیہ میں ایک نئے دور کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔

دوسرے مبارک سفر میں آپ پہلے مصر پھر عرب میں تشریف لے گئے اور حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے۔ آپ نے شریف مکہ سے بھی ملاقات فرمائی۔ اور انہیں ارض حرم میں صفائی کے انتظام کی طرف توجہ دلائی [۲۸۳]۔

ان سفروں کی مفصل روداد پچھلی جلد میں درج ہو چکی ہے اور قارئین اسے پڑھ چکے ہوں گے اس لئے اس موقعہ پر اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی [۲۸۴]۔

۱۹۱۲ء کی دوسری خدمات

ان سفروں کے علاوہ آپ اسی سال حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے ساتھ لاہور بھی گئے جہاں شیخ رحمت اللہ صاحب مالک انگلش ویر ہاؤس کا سنگ بنیاد رکھنے کے علاوہ احمدیہ بلڈنگس میں لیکچر بھی دیا [۲۸۵]۔ نوجوانوں میں عربی زبان کا شوق پھیلانے کی طرف بھی توجہ فرمائی [۲۸۶]۔ نیز ایک ٹریکٹ "جواب اشتہار جناب غلام سرور صاحب کانپوری" کے نام سے شائع فرمایا۔

اس سال کی ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ مولوی محمد الدین صاحب فوق مؤرخ کشمیر نے "اخبار نویسوں کے حالات" پر ایک کتاب شائع کی۔ جس میں اور مشہور اخبار نویسوں کے علاوہ آپ کے حالات بھی درج کئے۔

ایک غیر احمدی صحافی کی ملاقات

امرتسر کے ایک غیر احمدی صحافی جناب محمد اسلم صاحب قادیان آئے اور آپ سے بھی ملاقات کی۔ اور اپنے تاثرات ان الفاظ میں لکھے۔ "صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب سے بھی مل کر ہمیں از حد مسرت ہوئی۔ صاحبزادہ صاحب نہایت ہی خلیق اور سادگی پسند انسان ہیں علاوہ خوش خلقی کے کہیں بڑی حد تک معاملہ فہم و مدبر بھی ہیں۔ علاوہ دیگر باتوں کے جو گفتگو صاحبزادہ صاحب موصوف کے اور میرے درمیان ہندوستان کے مستقبل پر ہوئی اس کے متعلق صاحبزادہ صاحب نے جو رائے اقوام عالم کے زمانہ ماضی کے واقعات کی بناء پر ظاہر فرمائی وہ نہایت ہی زبردست مدبرانہ پہلو لئے ہوئے تھی۔ صاحبزادہ صاحب نے مجھ سے از راہ نوازش بہت کچھ ہی مخلصانہ پیرائے میں یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ میں کم از کم ایک ہفتہ قادیان میں رہوں اگرچہ بوجوہ چند در چند میں ان کے ارشاد کی تعمیل سے قاصر رہا۔ مگر صاحبزادہ صاحب کی اس بلند نظرانہ مہربانی و شفقت کا از حد مشکور ہوں صاحبزادہ صاحب کا زہد و تقویٰ اور ان کی وسعت الخیالانہ سادگی ہمیشہ یاد رہے گی" [۲۸۷]۔

اخبار "الفضل" کی ادارت

آپ نے سلسلہ کی ضروریات کے پیش نظر وسط جون ۱۹۱۳ء میں قادیان سے ایک نیا اخبار الفضل جاری فرمایا۔ جس کے پہلے نمبر کے لئے حضرت خلیفہ اول نے بھی "اسلامی اخبارات کے لئے دستور العمل" کے عنوان سے ایک خاص مضمون لکھا۔ الفضل میں حضرت خلیفہ اولؓ کے خطبات و تحریرات اور سلسلہ احمدیہ کی خبروں کے علاوہ "سیرت النبیؐ"۔ "الاسلام"۔ "تصدیق المسیح"۔ "امر بالمعروف"۔ "مذاکرات"۔ "عالم اسلامی"۔ "ممالک غیر میں تبلیغ اسلام"۔ "الاخبار و الآراء"۔ اور تادیب النساء کے مستقل عنوان کے تحت علمی تاریخی تبلیغی اور تربیتی مضامین شائع ہوتے تھے۔ "سیرت النبیؐ" کے موضوع پر

آپ نے نئے اور اچھوتے انداز سے قلم اٹھایا تھا۔ یہ مضمون بعد کو کتابی شکل میں بھی شائع کر دیا گیا ہے۔

تازہ ملکی حالات پر شذرات لکھنا بھی الفضل کی مستقل پالیسی میں شامل تھا۔ اسی طرح آپ کے زمانہ ادارت میں جو اہم تحریکات اٹھیں یا قومی و ملی مسائل پیدا ہوئے ان سب میں آپ نے کمال فراست اور بالغ نظری سے مسلمانان ہند کی رہنمائی فرمائی۔ اس تعلق میں آپ کے بعض قیمتی اداریے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ "گورنمنٹ اور حجاج"۔ (اپنے مشاہدات کی بناء پر حجاج کی مشکلات پر تبصرہ اور اس کا حل)

۲۔ "السنہ شرقیہ کی بے قدری"۔ (علمائے السنہ شرقیہ کے گریڈ میں اضافہ کی اپیل)

۳۔ "مسجد کانپور"۔ (حضرت خلیفہ اولؓ نے اس مضمون کی نسبت فرمایا۔ "جزاک اللہ احسن الجزاء۔ خوب لکھا ہے کچھ زائد شائع کر دو")

۴۔ "اصطلاحات شرعیہ کی ہتک"۔ (مجاہد، غازی، مہدی، ولی و عالم اور شہید کی شرعی اصطلاحات کے غلط استعمال پر نقد و تبصرہ)

۵۔ "بین الاقوامی طبی کانفرنس"۔ (لندن کی ایک طبی کانفرنس کی خدمت خلق سرگرمیوں پر اظہار مسرت اور مسلمان ممبر کی عدم موجودگی پر اظہار تاسف)

۶۔ "مسلمانوں کی سیاست"۔ (قرون اولیٰ کے مسلمان سیاست دانوں کا بیسویں صدی کے شورش پسندوں سے مقابلہ)

۷۔ "دہلی میں امن کانفرنس"۔ (مسلم زعماء کی قیام امن کانفرنس کے مقاصد کی پُر زور تائید اور راہ اعتدال اختیار کرنے کی تحریک)

۸۔ "یونیورسٹی احتیاط کرے"۔ (بی۔اے کے کورس میں مسلم آزار فقرات کے خلاف احتجاج)

۹۔ "گائے کی قربانی"۔ (آنحضرت ﷺ کی طرف گائے کے گوشت کو مضر ثابت کرنے کے لئے ایک جعلی حدیث منسوب کرنے کی مخالفت)

۱۰۔ "انتہا پسند اور اعتدال پسند گروہ"۔ (ہندوستانی مسلمانوں کی سیاست پر بے لاگ تبصرہ)

۱۱۔ "میڈیکل کالج کے طلباء کی سٹرائیک"۔ (احمدی طلبہ کو سٹرائیک سے الگ رہنے کا مشورہ اور پرنسپل کے ناروا رویہ پر حکومت کو دخل دینے کی اپیل)

ان مضامین کے علاوہ "خلافت اولیٰ" کے عہد میں آپ کے قلم سے الفضل میں اور بھی بہت سے مضامین شائع ہوئے یہ سب مضامین بھی نہایت قیمتی اور نئے تقاضوں کے مطابق بڑے ہی ضروری اور شہرت دوام کے حامل ہیں۔ مگر ہم طوالت کے خوف سے صرف چند عنوانات ہی درج کرنے پر اکتفا

کرتے ہیں۔

"میرا محمدؐ"۔ ایک اور عظیم الشان نشان۔ (ترکی سے یمن و نجد کی علیحدگی) "کانپور کی مسجد کے معاملہ میں احمدی جماعت کی پوزیشن"۔ "ایڈیٹر زمیندار کی کارروائی"۔ "ترقی کا وہمی بت سرنگوں ہو گیا"۔ "طریق تبلیغ"۔ "اے احمدی جماعت تجھے مبارک ہو"۔ "قابل توجہ حکام صوبہ سرحدی"۔ "جلسہ سالانہ"۔ "لارڈ ہیڈلے"۔ "من انصاری الی اللہ"۔ "دعوت الی الخیر فنڈ"۔ "زمیندار پریس"۔ "کشش قلم پریس ایکٹ"۔ "الفضل کا خطاب اپنے ناظرین سے"۔ "مولوی محمد حسین بٹالوی کا رجوع"۔ "پیغام حق پہنچانے کے لئے ایک عظیم الشان جدوجہد کی ضرورت ہے"۔ "زمانہ نازک ہے"۔ "ہم میں سے کس کا حق ہے کہ سست ہو"۔ "جماعت کو ایک نصیحت"۔ "چھ مارچ"۔ "وطن نے رجوع کر لیا"۔ "ایسی باتوں سے کیا فائدہ؟" [۲۸۸]

حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی کے نام خط

آپ نے (ستمبر ۱۹۱۳ء میں) مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کو ایک خط تحریر فرمایا جس سے اس زمانہ کے حالات پر تیز روشنی پڑتی ہے۔ آپ نے لکھا کہ "لاہوری فتنہ بیدار ہو رہا ہے اور آگے سے بہت زیادہ سختی سے گویا کوشش کی جاتی ہے کہ اس کام کو ملیا میٹ کر دیا جائے جو حضرت صاحبؑ نے شروع کیا تھا۔ آہ۔ آہ۔ آہ۔ اللہ تعالیٰ ہی رحم کرے اور فضل کرے اب کے جماعت کا کثیر حصہ ان کے ساتھ ہے۔ میری نسبت طرح طرح کی افواہیں مشہور کی جاتی ہیں کہتے ہیں سلسلہ کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ کم سے کم **انی معک و مع اھلک** کا الہام ہی یاد رکھتے "پیغام صلح" نے الفضل پر اعتراض بھی شروع کر دیئے ہیں خلیفۃ المسیح کے حکم سے ان سے جواب بھی مانگا ہے مداہنت اور ملمع سازی کو کام میں لایا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ رحم کرے۔ میں ایک کمزور انسان ہوں اس قدر فساد کا روکنا میرے اختیار سے باہر ہے خدا کا ہی فضل ہو تو فتنہ دور ہو یہ وقت ہے کہ جماعت کے مخلص دعاؤں سے کام لیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے طالب ہوں" [۲۸۹]

۱۹۱۳ء کی دوسری جلیل القدر خدمات

۱۔ رسالہ "تشحیذ الاذہان" میں "دلائل ہستی باری تعالیٰ" اور "عظمت مسیح [۲۹۰] از روئے قرآن"۔ کے عنوان سے آپ کے مضامین شائع ہوئے۔ مقدم الذکر مضمون کتابی شکل میں شائع ہوا۔ مؤخر الذکر مضمون پادری غلام مسیح کے ایک لیکچر کے جواب میں تھا۔

۲۔ انصار اللہ کے ایک جلسہ (منعقدہ ۱۸/ جولائی ۱۹۱۳ء) سے خطاب فرمایا اور تبلیغ احمدیت کے سلسلہ میں نوجوانوں کے سامنے متعدد اہم تجاویز رکھیں [۲۹۱]۔

۳۔ شملہ۔ گوجرانوالہ اور ملتان میں لیکچر دیئے اور پیغام حق پہنچایا [۲۹۲]۔

۴۔ ۱۷/ دسمبر ۱۹۱۳ء سے مکرم عبدالرحمٰن خاں (ابن حضرت مولوی غلام حسن خاںؓ) کو بوقت صبح درس دینا شروع کیا۔

۵۔ سالانہ جلسہ پر آنے والے مہمانوں کی خدمت میں منہمک رہے اور "حصول تقویٰ کے ذرائع" کے موضوع پر ایک پُراز معارف و حقائق تقریر بھی فرمائی [۲۹۳]۔

اوائل ۱۹۱۴ء میں آپ کی مساعی جمیلہ

اب ہم آپ کے سوانح بیان کرتے ہوئے حضرت خلیفہ اولؓ کی خلافت حقہ کے آخری حصہ میں پہنچ گئے ہیں۔ اگرچہ وہ زمانہ دلوں کو غم و فکر سے مضطرب اور دماغوں کو پریشان کر دینے والا زمانہ تھا۔ لیکن آپ نے ایسے خطرات کے دنوں میں ایسی اولوالعزمی اور مضبوط قوت ارادی و قوت روحانی کا ثبوت دیا۔ کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ الفضل کی ادارت۔ نمازوں کی امامت۔ جمعوں کے خطبات کا سلسلہ تو پہلے سے جاری تھا ہی اسی زمانہ میں آپ نے بہت سی دعاؤں اور خلیفہ وقت کی اجازت سے سارے ملک میں تبلیغ احمدیت کا سلسلہ پھیلا دینے کے لئے ایک سکیم بھی بنائی۔ اور اس کی تکمیل کے لئے دعوۃ الی الخیر کے نام سے ایک فنڈ کھولا [۲۹۴]۔ اور لودی ننگل۔ چکوال اور وزیر آباد کے سفر بھی کئے۔ مؤخر الذکر سفر میں مسجد احمدیہ وزیر آباد کا افتتاح بھی فرمایا [۲۹۵]۔ اور آپ اپنے وقت کا ایک ایک لمحہ خدمت سلسلہ میں گزارتے رہے۔

جب حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی بیماری لمبی ہو گئی اور حضور کی طبیعت خطرے کی طرف بڑھتی ہوئی معلوم ہونے لگی تو آپ نے ان تمام خدمات سلسلہ پر جو آپ انجام دے رہے تھے حضور کی خدمت کو مقدم گردانا اور اسی میں زیادہ وقت حاضر رہنے لگے۔ اور جب حضرت خلیفہ اولؓ حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کی درخواست پر ان کی کوٹھی دارالسلام میں تشریف لے گئے تو آپ نے اپنے محترم و شفیق استاد اور خلیفہ وقت کے قریب رہنے کی غرض سے وہیں رہنا اختیار فرمالیا۔ اور پوری توجہ سے حضور کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ ۴/ مارچ ۱۹۱۴ء کو حضرت خلیفہ اولؓ نے اپنے جانشین کے لئے آخری وصیت لکھی تو آپ نے بھی اس پر دستخط کئے۔

انکار خلافت کا وہ فتنہ جو حضرت خلیفہ اولؓ کی عظیم شخصیت کی وجہ سے اپنے پھیلنے کا موقع نہ پاکر وقتی طور پر دب گیا تھا حضور کی اس نازک حالت کو دیکھ کر پھر ابھرنا شروع ہو گیا۔ مرکز سے باہر بھی افتراق و انتشار پیدا کر دینے کی سرگرم کوششیں ہونے لگیں۔ اور ایسا رنگ ہو گیا کہ گویا جماعت دو کیمپوں میں تقسیم ہو گئی اور انجمن والوں کی تمام تر قوت اس جدوجہد میں صرف ہونے لگی کہ حضرت

خلیفہ اولؓ کے بعد کوئی خلیفہ نہ ہو۔ تا سارے اختیارات مطلق العنانی کے ساتھ اُنہیں کے قبضہ میں رہیں۔ تاہم آپ اصلاح احوال میں مصروف رہے۔ اور آپ نے ایک طرف یہ کوشش فرمائی کہ مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء اگر انکار خلافت سے باز آجائیں تو انہی میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ اور دوسری طرف اپنے رفقاء کو نصیحتیں کیں کہ خلافت کا پرچم قائم اور جماعتی اتحاد برقرار رکھنے کے لئے کسی ایک ہاتھ پر جمع ہونے کا فیصلہ کرلیں۔ خواہ وہ کسی فریق سے تعلق رکھتا ہو اور اپنے خطبات میں سب کو دعاؤں میں برابر مصروف رہنے کی تلقین و تاکید فرمائی۔

چنانچہ ۱۳/ مارچ ۱۹۱۴ء کو آپ نے اپنے خطبہ جمعہ میں جو زمانہ خلافت اولیٰ میں آپ کا آخری خطبہ ثابت ہوا۔ آخری نصیحت یہ فرمائی۔

"خدائی تعالیٰ عجیب عجیب نازک وقتوں میں انسان کی دستگیری کرتا اور مدد دیتا ہے اگر مشکلات کے وقت مدد دینے والی اور مصائب سے بچانے والی کوئی ہستی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے وہ بڑی بڑی مشکلات کو حل کرسکتا ہے تم اگر اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف جاؤ گے تو تم یاد رکھو کہ تم مشرک ہو پس تم اس کی طرف جھک جاؤ اور اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ تاکہ وہ اس مشکل میں تمہاری مدد کرے۔ دعا کرنے کی توفیق بھی اس کی طرف سے ملتی ہے۔ وہ ہمیں قبول ہونے والی دعا کرنے کی توفیق عنایت فرماوے اور وہ ہمیں رشد وہدایت کا راستہ دکھلاوے [۲۹۶]۔

حضرت خلیفہ اولؓ کا وصال دعا اور روزہ کی تحریک اور مفاہمت کی آخری کوشش

۱۳/ مارچ ۱۹۱۴ء کو نماز جمعہ پڑھانے کے بعد آپ مسجد اقصیٰ سے تھوڑی دیر کے لئے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت خان محمد علی خاںؓ رئیس مالیر کوٹلہ کا ایک ملازم آپ کو لے جانے کے لئے گاڑی لایا۔ اور آپ فوراً روانہ ہو گئے مگر ابھی راستہ میں ہی تھے کہ حضرت خلیفہ اولؓ کے فوت ہو جانے کی اطلاع ملی [۲۹۷]۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

یہ خبر اس وقت کی سرگرمیوں کے لحاظ سے ایک نہایت ہی متوحش خبر تھی۔ ایک تو آپ کو اپنے استاد معظم حضرت خلیفہ اول کی وفات پا جانے کا صدمہ عظیم اور دوسرے انکار خلافت کرنے والوں کی وجہ سے جماعت میں تفرقہ پیدا ہو جانے کا خوف! آپ غم سے نڈھال ہو کر حضرت خلیفہ اولؓ کی نعش مبارک تک پہنچے اور کچھ وقت بعد نماز عصر کے لئے مسجد نور میں آگئے اور ایک دردانگیز تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ "حضرت خلیفہ اولؓ کی وفات کے ساتھ ہم پر ایک ذمہ داری رکھی گئی ہے۔ جس کے پورا کرنے کے لئے سب جماعت کو تیار ہو جانا چاہئے اور آج سے ہر ایک شخص نمازوں میں اور

نمازوں سے باہر دعا میں لگ جاوے اور رات کو اٹھ کر بھی دعا کرے۔ اور جن کو طاقت ہو روزہ رکھیں اس تقریر کے بعد سب لوگوں کے ساتھ مل کر آپ نے دعا کی"۔

تقریر کے بعد آپ کو رستہ میں مولوی محمد علی صاحب مل گئے انہوں نے کہا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے بعد جلدی سے کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اختلاف ہے اس لئے چار پانچ ماہ تک جماعت غور کرے مبادلہ خیالات کے بعد جو فیصلہ ہو اس پر عمل کیا جائے مگر آپ نے فرمایا۔ اس قدر عرصہ میں بغیر کسی رہنما کے جماعت میں فساد پڑا تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے موقع پر بھی اسی طرح ہوا تھا کہ جو لوگ جمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے مشورہ کر لیا تھا اور یہی طریق پہلے زمانے میں بھی تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر جماعت اس بات کا فیصلہ کر چکی ہے کہ اس میں سلسلہ خلفاء چلے گا۔ اس پر دوبارہ مشورہ کی ضرورت نہیں۔ پس مشورہ صرف اس امر کے متعلق ہونا چاہئے کہ خلیفہ کون ہو؟ مولوی محمد علی صاحب خود لکھتے ہیں کہ "میاں صاحب نے میری باتوں کا جواب یہ دیا کہ ایک خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ جس کے ہاتھ پر دونوں فریق بیعت کر لیں۔ اور جو وہ کہے وہ مانیں اس صورت میں اتحاد رہ سکتا ہے" [۲۴۸]۔ اس فیصلہ کن اور اصولی بات کا جو جواب مولوی محمد علی صاحب نے دیا وہ انہی کے الفاظ میں یہ تھا کہ "دونوں فریق ایک آدمی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ میں کم از کم ایسے شخص کو اپنا مرشد نہیں مان سکتا۔ جو اہل اسلام کی تکفیر کا فتویٰ دیتا ہو" [۲۴۹]۔

مگر حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب نے جواب دیا کہ "اول تو ان امور اختلافیہ میں کوئی ایسی بات نہیں جس کا اختلاف ہمیں ایک دوسرے کی بیعت سے روکے۔ لیکن ہم اس امر کے لئے تیار ہیں کہ آپ میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیں"۔ اس کے بعد مولوی صاحب کا لکھا ہوا خفیہ ٹریکٹ بھی رات کے وقت قادیان میں پہنچ گیا۔ جسے دیکھ کر آپ نے اور بھی درد دل سے رات کو بہت دعائیں کیں۔ اور صبح روزہ بھی رکھا۔ مولوی محمد علی صاحب اور ان کے ساتھیوں سے گفت و شنید کا اب سرے سے کوئی فائدہ نہیں تھا مگر آپ نے سمجھوتہ کے لئے اپنی کوششیں برابر جاری رکھیں اور دوسرے دن ظہر کے بعد خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے جملہ افراد کو جمع کیا اور کافی اصرار کے بعد اس فیصلہ پر متفق کر لیا کہ اگر دوسرا فریق خلافت کو اصولاً تسلیم کر لے تو رائے عامہ سے خلیفہ کا انتخاب کر لیا جائے۔ اگر وہ یہ بھی قبول نہ کریں تو ان لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے۔ مولوی محمد علی صاحب نے مصالحت کا یہ سب سے آسان طریق ماننے سے بھی انکار کر دیا اور کہا آپ جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی کیا رائے ہے؟ یعنی وہ آپ ہی کو خلیفہ مقرر کریں گے۔ اس طرح جب مصالحت کے

تمام راستے خود مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء نے بند کر دیئے۔ تو آپ نے مولوی صاحب سے کہا کہ چونکہ ہمارے نزدیک خلیفہ ہونا ضروری ہے اور آپ کے نزدیک خلیفہ کی سرے سے ضرورت ہی نہیں اور یہ ایک مذہبی معاملہ ہے اس لئے آپ کی جو مرضی ہو کریں۔ ہم لوگ جو خلافت کے قائل ہیں اپنے طور پر اکٹھے ہو کر مشورہ کر کے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں [۲۰۰]

خلیفہ ثانی کا انتخاب

جیسا کہ تاریخ احمدیت جلد دوم نیا ایڈیشن میں بالتفصیل لکھا جا چکا ہے کہ تمام احمدی مسجد نور میں جمع ہوئے اور نماز عصر کے بعد حضرت نواب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ نے حضرت خلیفہ اول کے وصی ہونے کی حیثیت سے حضور کی وصیت پڑھ کر سنائی اور لوگوں سے درخواست کی کہ وہ آپ کی وصیت کے مطابق کسی شخص کو جانشین تجویز کریں۔ اس پر حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کا نام پیش کیا۔ مگر آپ نے تامل فرمایا اور لوگوں کے اصرار کے باوجود انکار کرتے رہے۔ احمدیوں کے جوش کا یہ عالم تھا۔ کہ وہ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ بعض لوگوں نے تو آپ کا ہاتھ پکڑ لیا کہ بیعت لیں لیکن آپ نے اس نازک ترین ذمہ داری اور بوجھ کا احساس کر کے پھر بھی پس و پیش کیا تو قریب بیٹھنے والے لوگوں نے شدید اصرار کیا کہ جماعت کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے آپ ضرور بیعت لیں۔ آپ نے دیکھا کہ لوگ بیعت کے جوش سے اس قدر بھرے ہوئے ہیں اور آگے کی طرف بڑھ رہے ہیں کہ آپ مجمع میں بالکل چھپ گئے آپ کو بیعت کے الفاظ یاد نہ تھے اور آپ نے اسے بھی عذر بنانا چاہا۔ مگر حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے عرض کیا کہ میں الفاظ بیعت دہراتا جاؤں گا آپ بیعت لیں۔ تب آپ نے یہ سمجھ کر کہ مشیت ایزدی یہی ہے بیعت لے لی۔ اور جو ازل سے مقدر تھا باوجود آپ کی پہلو تہی کرنے کے ظہور میں آیا [۲۰۱]۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ "دوسرا طریق انزال رحمت کا ارسال مرسلین و نبیین و ائمہ و اولیاء و خلفاء ہے تا ان کی اقتدا و ہدایت سے لوگ راہ راست پر آجائیں......سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس عاجز کی اولاد کے ذریعہ یہ دونوں شق ظہور میں آجاویں.........دوسری قسم رحمت کی جو ابھی ہم نے بیان کی ہے اس کی تکمیل کے لئے خدا تعالیٰ دوسرا بشیر بھیجے گا........اور خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر ظاہر کیا ہے کہ ایک دوسرا بشیر تمہیں دیا جائے گا جس کا نام محمود بھی ہے وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم ہو گا" [۲۰۲]۔

دو ڈھائی ہزار کے مجمع میں سے صرف پچاس کے قریب آدمی بیعت میں شامل نہ ہوئے باقی سب نے بیعت کر لی جو خدائی تصرف اور خدائی قدرت کا زبردست ثبوت ہے چنانچہ ایڈیٹر صاحب اخبار "نور" (قادیان) نے لکھا۔ "پیسہ اخبار کا یہ لکھنا ٹھیک نہیں ہے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کے ہاتھ پر

کم لوگوں نے بیعت کی۔ اگر پیسہ اخبار کا ایڈیٹر بیعت کے وقت قادیان میں ہوتا تو وہ قدرت الٰہی کا نمونہ دیکھتا کہ بیعت کے لئے لوگ کس طرح اُمڈے چلے جاتے تھے۔ بیعت کے لئے اس وقت لوگوں کی عقیدت اور جوش کی روانی اس قدر تیزی پر تھی کہ شاید دریا کی موجوں اور سمندروں کی ٹھاٹھوں میں بھی وہ زور نہ ہوگا۔ نصرت الٰہی اور تائید ربی کا اس وقت عجیب نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا تھا اور بیساختہ منہ سے یہ نکل جاتا تھا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ آخر جماعت کے ایک کثیر حصہ نے حضرت صاحبزادہ صاحب کے دست مبارک پر بیعت کرلی"[۲۰۳]

حواشی

۱۔ الفضل یکم نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۴ کالم ۳۔۴۔ اس وقت جبکہ حضور لمبے عرصہ سے بیمار ہیں یہ دعویٰ ایک حقیقت کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ چنانچہ طویل بیماری کے باوجود دنیا بھر میں آپ کے لئے دعاؤں اور صدقات کا ایک وسیع سلسلہ جاری ہے جو ایک فقید المثال چیز ہے اور اس کا کوئی نمونہ موجودہ دنیا کی بڑی سے بڑی حکومتوں کے سربراہوں اور وزیروں یا دوسرے سیاسی و مذہبی لیڈروں کی زندگی میں نہیں پایا جاتا۔

۲۔ الفضل ۲۵/ جون ۱۹۳۶ء صفحہ ۴ کالم ۲۔

۳۔ خلافت راشدہ صفحہ ۲۶۶ تقریر جلسہ سالانہ ۲۸، ۲۹/ دسمبر ۱۹۳۹ء (از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) طبع اول شائع کردہ الشرکۃ الاسلامیہ لیمٹڈ۔ ربوہ۔

۴۔ تقریر فرمودہ ۲۸/ دسمبر ۱۹۴۵ء مطبوعہ الفضل ۲۲/ جنوری ۱۹۶۰ء صفحہ ۱۰ کالم ۴۔

۵۔ مشکوٰۃ (کتاب الفتن باب نزول عیسیٰ علیہ السلام الفصل الثالث)

۶۔ اشتہار ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء مشمولہ آئینہ کمالات اسلام در آخر کتاب۔

۷۔ اشتہار ۲۲/ مارچ ۱۸۸۶ء بحوالہ تذکرہ صفحہ ۱۴۸ طبع دوم۔

۸۔ سبز اشتہار صفحہ ۱۷ حاشیہ (مورخہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء)

۹۔ سبز اشتہار صفحہ ۲۱ حاشیہ (مورخہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء)

۱۰۔ سبز اشتہار صفحہ ۷ حاشیہ (مورخہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء)

۱۱۔ سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۵۰

۱۲۔ ملاحظہ ہو ضمیمہ اصحاب احمد جلد اول صفحہ ۴۔۵ (از جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے)

۱۳۔ ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد چہارم صفحہ ۵۱۔ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ مطبوعہ جولائی ۱۹۶۲ء۔

۱۴۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۳ صفحہ ۹۲۔۹۳ و مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر پنجم صفحہ ۱۶۳ (مرتبہ حضرت عرفانی کبیرؓ ایڈیٹر و مؤسس الحکم)

۱۵۔ بعض ناواقف اعتراض کیا کرتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے "فخر رسل" کا لفظ استعمال کرنا جائز نہیں۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے چنانچہ حضرت مولانا رومؒ حضرت علیؓ کی شان میں فرماتے ہیں ۔

اوخیو انداخت بر روئے علی ٭ افتخار ہر نبی و ہر ولی (مثنوی دفتر اول)

خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت ابوبکرؓ کو "فخر الاسلام والمرسلین" کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو سر الخلافہ صفحہ ۳۱۔ مطبوعہ محرم ۱۳۱۲ء طبع اول ریاض ہند پریس۔ امرتسر

۱۶۔ اشتہار تکمیل تبلیغ مشمولہ تبلیغ رسالت حصہ اول صفحہ ۱۴۷ تا ۱۴۹ حاشیہ۔

۱۷۔ مئی ۱۸۸۹ء میں جبکہ سیدنا محمود عالم وجود میں آچکے تھے۔ حضرت منشی ظفر احمد صاحب کو خواب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی۔ جس کی ایک تعبیر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کے نزدیک یہ تھی کہ "اس میں حضرت منشی صاحب کو قبل از وقت بشارت دی گئی تھی کہ وہ اس عصر سعادت کے فاروق فضل عمر کو دیکھ لیں گے"۔ (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۵ صفحہ ۶۲۔ ۶۳) حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوریؓ کو تو پیشگوئی ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء سے بھی قبل خوشخبری مل چکی تھی چنانچہ مولوی صاحب خود فرماتے ہیں کہ "میں نے خواب میں دیکھا کہ دو آفتاب جن کے درمیان کچھ تھوڑا سا فاصلہ تھا۔ مغرب کی طرف سے چڑھے اور نصف النہار تک پہنچے ہیں۔ سو جب حضور نے اس خواب کی تعبیر کی تو اس میں "اکابر دین جن سے فائدہ دین کو پہنچے"

کے الفاظ سے میں اسی وقت یہ بات سمجھا کہ ایک آفتاب تو خود حضور ہیں اور دوسرے آفتاب کے لئے منتظر تھا جب حضور نے ہوشیار پور سے پسر موعود کا اشتہار دیا تو اس وقت مجھ کو بہت خوشی ہوئی اور مجھے یقین ہو گیا کہ دوسرا آفتاب یہی ہے اور اس کو میں بخوبی دیکھوں گا۔ سو الحمدللہ کہ میں نے یہ دوسرا آفتاب بھی دیکھ لیا جو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ ثانی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام ہیں"۔ (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر پنجم صفحہ ۱۵۰ حاشیہ)

۱۸۔ مکتوبات احمدیہ جلد ۵ صفحہ ۱۶۳۔

۱۹۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ رجسٹر نمبر ۸ صفحہ ۲۰۴۔

۲۰۔ الفضل ۶/ اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۳ کالم ۱۔

۲۱۔ الفضل ۱۹/ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۷ کالم ۱-۲۔

۲۲۔ سیرت المہدی حصہ اول طبع ثانی صفحہ ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے اہل بیت بھی ساتھ تھے پس لامحالہ سیدنا محمود کا بھی ہونا ضروری ہے۔

۲۳۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر سوم صفحہ ۹۹۔

۲۴۔ تذکرۃ المہدی حصہ اول (مؤلفہ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی) صفحہ ۱۹۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ان دنوں مع اہل و عیال مقیم تھے۔

۲۵۔ حضور اس سفر کے بارے میں جو صرف دو اڑھائی برس کی عمر میں تھا اپنی یادداشت کے مطابق لکھتے ہیں۔ "مجھے یاد ہے بچپن میں کچھ عرصہ میں بھی یہاں (لدھیانہ میں۔ ناقل) رہا ہوں۔ میں اس وقت اتنا چھوٹا تھا کہ مجھے کوئی خاص باتیں تو اس زمانہ کی یاد نہیں ہیں کیونکہ اس وقت میری عمر دو اڑھائی سال کی تھی۔ صرف ایک واقعہ یاد ہے اور وہ یہ کہ ہم جس مکان میں رہتے تھے وہ سڑک کے سر پر تھا اور سیدھی سڑک تھی میں اپنے مکان سے باہر آیا۔ تو ایک چھوٹا سا لڑکا دوسری طرف سے آرہا تھا۔ اس نے میرے پاس آکر ایک مری ہوئی چھپکلی مجھ پر پھینکی۔ میں اس قدر دہشت زدہ ہوا۔ کہ روتا ہوا گھر کی طرف بھاگا"۔ (الفضل ۱۸/ فروری ۱۹۵۹ء صفحہ ۴-۵) یاد رہے حضرت اقدس ان دنوں شہزادہ حیدر کے مکان واقعہ اقبال گنج لدھیانہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

۲۶۔ سیرت مسیح موعود صفحہ ۳۵-۳۶ (از حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی مصنفہ ۱۹۰۰ء)

۲۷۔ تاریخ احمدیت جلد دوم طبع دوم صفحہ ۲۳۲۔

۲۸۔ سیرت ام المومنین حصہ اول صفحہ ۴۱۵ (از شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم)

۲۹۔ "نور احمد"۔ صفحہ ۲۹۔

۳۰۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب کی روایت ہے کہ۔

"۱۸۹۳ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام چند روز کے لئے ہمارے ہاں بمعہ اہل و عیال فیروز پور چھاؤنی تشریف لائے ایک دن وہاں ایک شیخ صاحب کی کوٹھی پر گئے جو انگریزی اشیاء کے تاجر تھے۔ شیخ محمد جان صاحب وزیر آبادی حضور کو یہ دکان دکھانے لے گئے۔ وہاں مالک دکان نے ایک کھلونا دکھایا۔ جس میں ایک بلی ایک چوہا تھا......... اسے دیکھ کر کچھ دیر تو مسیح ناصری کے پرندوں کا ذکر ہوتا رہا۔ پھر آپ چلے آئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بھی جن کی عمر اس وقت چار سال کے قریب تھی ہمراہ تھے اور کسی دوست یا ملازم کی گود میں تھے۔ جب کچھ راستہ چلے آئے۔ تو میاں صاحب نے رونا شروع کر دیا۔ بہت پوچھا مگر کچھ نہ بتایا آخر......... میاں صاحب روتے روتے چیخ کر کہنے لگے۔ کہ میں نے بلی چوہا لینا ہے۔ اس پر حضرت صاحب......... سب جماعت کے ہمراہ واپس آئے......... شیخ محمد جان اندر جاکر وہ کھلونا لے آئے۔ حضرت صاحب نے کہا اس کی قیمت کیا ہے......... مگر شیخ محمد جان صاحب نے کہا کہ اس کوٹھی کے مالک ہمارے دوست اور ملنے والے ہیں اور یہ ایک حقیر چیز ہے وہ حضور سے ہرگز قیمت نہیں لیں گے۔ اس پر آپ نے وہ کھلونا میاں صاحب کو دے دیا اور سب لوگ گھر واپس آئے"۔

"ملخص از سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۲۷۸ طبع اول اپریل ۱۹۳۹ء (از قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ﷺ)

۳۱۔ الفضل ۱۲/ جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۶ کالم ۲۔

۳۲۔ الفضل ۱۳/ نومبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۳ کالم ۱۔

۳۳۔ الفضل ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۶ کالم ۳۔
۳۴۔ الفضل ۱۳/ اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۹ کالم ۱‘ ۲‘ ۳۔
۳۵۔ الفضل ۲۹/ دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۳ کالم ۱ تا ۴۔
۳۶۔ اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ ۱۱۰ طبع اول۔
۳۷۔ سیرت مسیح موعود صفحہ ۲۰-۲۱۔
۳۸۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ رجسٹر نمبر ۴ صفحہ ۵۷ (یہی دستور حضور کا اپنے دوسرے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کے لئے تھا۔)
۳۹۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ رجسٹر نمبر ۱۳ صفحہ ۴۵۵۔
۴۰۔ سیرت مسیح موعود (از حضرت عرفانی) صفحہ ۳۵۶-۳۵۷ مطبوعہ مئی ۱۹۲۴ء و الفضل جلد ۲۷ نمبر ۱۷ صفحہ ۳ کالم ۴ و الفضل جلد ۲۷ نمبر ۹۸ صفحہ ۴ کالم ۲۔
۴۱۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ رجسٹر نمبر ۱۲ صفحہ ۲۰۔
۴۲۔ بحوالہ الحکم ۲۸/۲۱ مئی ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۱ کالم ۲۔
۴۳۔ سیرت احمد از مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری صفحہ ۱۷۶۔
۴۴۔ تفسیر کبیر حصہ سوم صفحہ ۷۵۹ کالم ۲ مطبوعہ ۱۹۴۰ء۔
۴۵۔ البدر ۳۱/ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱ کالم ۲۔
۴۶۔ سیرت مسیح موعود صفحہ ۳۴۲ مطبوعہ مئی ۱۹۲۴ء۔
۴۷۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ رجسٹر نمبر ۳ صفحہ ۴۴۵۔
۴۸۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۲۹۔
۴۹۔ الفضل ۵/ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ کالم ۳۔
۵۰۔ سیرت ام المومنین حصہ اول صفحہ ۳۹۳ تا ۳۹۵۔
۵۱۔ یہ واقعہ حضرت حافظ صاحب مدظلہ العالی نے مؤلف کتاب کو اپنے قلم سے لکھ کر مرحمت فرمایا ہے۔ وجزاہ اللہ تعالیٰ۔
۵۲۔ تفسیر کبیر (الانشراح) صفحہ ۱۴۹-۱۵۰ مطبوعہ ۱۹۴۶ء۔
۵۳۔ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۲۳۷-۲۳۸۔
۵۴۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۵۹۔ جناب مولوی صدر الدین صاحب مجاہد ایران کا کہنا ہے کہ ابتدائے زمانہ خلافت میں حضرت اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادر آباد میں ٹینس کے لئے فیلڈ بھی بنوائی تھی۔ جس میں حضور اور حضرت میاں بشیر احمد صاحب اور حضرت میاں شریف احمد صاحب‘ حضرت مولوی عبد المغنی خان صاحب اور حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد‘ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب‘ نیک محمد خان صاحب اور چوہدری علی محمد صاحب وغیرہ بیڈ مشن کھیلا کرتے تھے۔
۵۵۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۲ء صفحہ ۸۰۔
۵۶۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ رجسٹر نمبر ۱۳ صفحہ ۱۶۳۔
۵۷۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ۸ صفحہ ۱۹۰۔
۵۸۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر پنجم صفحہ ۶۶-۶۷۔
۵۹۔ برکات خلافت صفحہ ۶۹ طبع اول اپریل ۱۹۱۴ء۔
۶۰۔ الفضل ۲۱/ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۵ کالم ۱‘ ۲۔
۶۱۔ الفضل ۲۱/ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۹ کالم ۲-۳۔
۶۲۔ الفضل ۱۰/ اپریل ۱۹۲۲ء صفحہ ۶ کالم ۳۔
۶۳۔ الفضل ۱۸/ جون ۱۹۲۵ء صفحہ ۷ کالم ۲-۳۔
۶۴۔ الفضل ۱۲/ مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۵ کالم ۱۔

۶۵- الفضل ۷/ مارچ ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۰ کالم ۳-
۶۶- سیرت احمد صفحہ ۴۳/ ۷ طبع اول دسمبر ۱۹۶۲ء (مرتبہ حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری)
۶۷- الفضل ۱۰/ جولائی ۱۹۵۱ء صفحہ ۳ کالم ۴-
۶۸- الفضل ۱۹/ جولائی ۱۹۶۴ء صفحہ ۳ کالم ۴-
۶۹- الفضل ۳/ ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۶ کالم ۳-۴-
۷۰- سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۱۱-۱۱۲ مطبوعہ اپریل ۱۹۳۹ء-
۷۱- ہستی باری تعالیٰ صفحہ ۶۳-۶۴ طبع اول (دسمبر ۱۹۲۵ء)
۷۲- الفضل ۲۰/ جنوری ۱۹۲۸ء صفحہ ۷ کالم ۳-
۷۳- الحکم جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۸۰ کالم ۲-
۷۴- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے صحابہ میں سے تھے۔ مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول میں لمبے عرصہ تک تعلیمی خدمات بجا لاتے رہے ۲۵/ جون ۱۹۴۴ء کو انتقال فرمایا اور بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔
۷۵- الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۸۰ کالم ۱-۲-
۷۶- خود حضرت کی صحت شروع سے نہایت کمزور رہی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے مگر یہ کمزوری دعاؤں کے شغف میں مزاحم نہیں ہو سکی۔
۷۷- الحکم جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۸۰ کالم ۳-
۷۸- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت حصہ دوم صفحہ ۷۰ طبع دوم اکتوبر ۱۹۶۰ء-
۷۹- ازالہ اوہام حصہ اول صفحہ ۱۵۵، ۱۵۶ مطبوعہ ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ مطبع ریاض ہند امرتسر-
۸۰- نشان آسمانی طبع دوم جنوری ۱۸۹۶ء صفحہ ۱۲ مطبع ضیاء الاسلام قادیان-
۸۱- آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۷۸، ۵۷۹ مطبوعہ فروری ۱۸۹۳ء مطبع ریاض ہند۔ امرتسر-
۸۲- مرکز احمدیت قادیان (از محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم) صفحہ ۳۶۷-
۸۳- تاریخ احمدیت جلد دوم-
۸۴- ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۱۵ مطبوعہ ۱۸۹۷ء-
۸۵، ۸۶- سراج منیر صفحہ ۳۴ و حاشیہ مطبوعہ ۱۸۹۷ء
۸۷- رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۳۱ (مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ) طبع اول جنوری ۱۸۹۹ء-
۸۸- الفضل ۲۶/ اکتوبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۶ کالم ۳-
۸۹- محمود کی آمین مطبوعہ ۱۳۱۹ھ صفحہ ۴ مطبع بشیر ہند ہال بازار۔ امرتسر (بار ثانی)
۹۰، ۹۱- محمود کی آمین مطبوعہ ۱۳۱۹ھ صفحہ ۵، ۶-
۹۲- الفضل ۱۵/ جولائی ۱۹۱۹ء صفحہ ۸ کالم ۳-
۹۳- تفصیلی حالات تاریخ احمدیت جلد دوم میں گزر چکے ہیں۔
۹۴- حضرت مفتی محمد صادق صاحب محلہ ستھاں لاہور میں رہتے تھے اور خود ہی بیمار تھے حضور علیہ السلام آپ کی عیادت ہی کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ الحکم ۲۸/ ۲۱ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۷ حاشیہ۔
۹۵- الفضل ۲۴/ جنوری ۱۹۴۳ء صفحہ ۳ کالم ۳، ۴-
۹۶- الفضل ۳/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ کالم ۲- یہ عمارت موجودہ مسجد دار الفتوح کے بالکل قریب واقع ہے۔
۹۷- روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ۷ صفحہ ۵-
۹۸- الازہار لذوات الخمار صفحہ ۷۶ (مرتبہ حضرت مریم صدیقہ صاحبہ) مطبوعہ ۱۹۴۶ء بار اول-
۹۹- الفضل ۱۷/ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۰ کالم ۲ و روایات صحابہ (غیر مطبوعہ) رجسٹر نمبر ۸ صفحہ ۷۷ و دیوان اشرف صفحہ ۴ مطبوعہ ۱۹۵۲ء۔ چوہدری ضیاء الدین صاحب جگراؤں۔ سید محمد اسمٰعیل صاحب برادر خورد ڈاکٹر غلام غوث صاحب۔ صوفی عبد الرحمٰن صاحب

مالیر کوٹلہ۔ محمد علی صاحب ضرب دیال۔ صوفی فضل الٰہی صاحب اور شاہ چراغ (غیر احمدی) بھی کلاس فیلو تھے۔ (بروایت حکیم دین محمد صاحب)

۱۰۰۔ سیرت مسیح موعود (از حضرت شیخ یعقوب علی عرفانیؓ) صفحہ ۳۵۷۔
۱۰۱۔ اصحاب احمد جلد پنجم حصہ دوم صفحہ ۲۰۴۔۲۰۵۔
۱۰۲۔ اصحاب احمد جلد پنجم حصہ دوم صفحہ ۲۰۴۔۲۰۵ و صفحہ ۱۵۰۔۱۵۱۔
۱۰۳۔ الفضل ۵ / نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۳ کالم ۲۔
۱۰۴۔ اصحاب احمد جلد ہفتم صفحہ ۱۵۴۔
۱۰۵۔ الفضل ۲ / اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۱۰۶۔ الموعود صفحہ ۷۸۔
۱۰۷۔ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ میں نے آپ کی موجودگی میں کبھی بیٹھ کر نہ پڑھایا بلکہ ہمیشہ کھڑے ہو کر ہی پڑھاتا رہا ہوں۔ (سیرت سروری غیر مطبوعہ از مولوی صدر الدین صاحب سابق مبلغ ایران)
۱۰۸۔ الفضل ۵ / نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۳، ۴۔
۱۰۹۔ الفضل ۵ / نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۶ کالم ۱۔
۱۱۰۔ یعنی تلی کا بڑھ جانا۔
۱۱۱۔ منقول از الموعود تقریر جلسہ سالانہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ ۲۸ / دسمبر ۱۹۴۴ء بمقام قادیان صفحہ ۷۷ تا ۸۲۔
۱۱۲۔ حضرت مفتی محمد صادقؓ کا بیان ہے۔ "آپ (حضرت میاں محمود احمد صاحب) اسکول میں پڑھتے تھے مگر ہر جماعت میں فیل ہوتے تھے لیکن ہم پھر بھی اگلی جماعت میں چڑھا دیتے تھے اس لئے کہ آپ حضرت مسیح موعودؑ کے فرزند ہیں"۔ (الفضل ۲ / اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۱)
۱۱۳۔ تفسیر کبیر (سورۃ الکوثر) صفحہ ۵۷۴ کالم ۲۔
۱۱۴۔ تبلیغ حق صفحہ ۴۸، ۴۹۔ (تقریر لائلپور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز مورخہ ۸ / اپریل ۱۹۳۴ء)
۱۱۵۔ الحکم ۷۔۱۴ / اکتوبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۴ کالم ۲، ۳، ۴۔
۱۱۶۔ الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۶۳ کالم ۴۔
۱۱۷۔ الحکم جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۶۴ کالم ۱۔
۱۱۸۔ الحکم جوبلی نمبر (۱۹۳۹ء) صفحہ ۹ کالم ۱۔
۱۱۹۔ گروپ فوٹو اور آپ کی تنہا تصویر تاریخ احمدیت حصہ دوم و سوم میں چھپ چکی ہے۔
۱۲۰۔ تریاق القلوب مطبوعہ ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۴۔
۱۲۱۔ تریاق القلوب مطبوعہ ۱۹۰۲ء صفحہ ۳۴۔
۱۲۲۔ تریاق القلوب مطبوعہ ۱۹۰۲ء صفحہ ۴۰۔
۱۲۳۔ تریاق القلوب صفحہ ۴۲۔
۱۲۴۔ حضرت عرفانیؓ لکھتے ہیں یہ جبہ زرد رنگ کا تھا۔
۱۲۵۔ الحکم جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۹۔
۱۲۶۔ تاریخ احمدیت حصہ سوم صفحہ ۱۶۶۔۱۶۷۔ مطبوعہ دسمبر ۱۹۶۲ء۔
۱۲۷۔ حقیقۃ الرؤیا۔ طبع ثانی صفحہ ۶۳ جون ۱۹۵۶ء تقریر جلسہ سالانہ ۲۸ / دسمبر ۱۹۱۷ء۔
۱۲۸۔ الفضل ۲۰ / ستمبر ۱۹۱۹ء صفحہ ۴۔
۱۲۹۔ تذکرہ صفحہ ۷۷ طبع ثانی اکتوبر ۱۹۵۶ء۔

۱۳۰۔ تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۷۷ تا ۹۰۔
۱۳۱۔ الفضل ۵/اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۷ کالم ۳۔
۱۳۲۔ تفسیر کبیر (سیؔقول) صفحہ ۳۸۵ کالم ۱، ۲۔ شائع کردہ الشرکتہ الاسلامیہ۔
۱۳۳۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۷۸۰۔
۱۳۴۔ الفضل ۲/اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۱۳۵۔ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۵۶ مطبوعہ ۱۹۰۲ء۔
۱۳۶۔ نزول المسیح صفحہ ۱۹۲ مطبوعہ اگست ۱۹۰۹ء طبع اول۔
۱۳۷۔ شادی کے تفصیلی حالات تاریخ احمدیت حصہ سوم صفحہ ۲۳۱ تا ۲۳۳ میں گزر چکے ہیں۔
۱۳۸۔ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر پنجم صفحہ ۳۱۸ مطبوعہ ۱۹۴۴ء۔
۱۳۹۔ مواہب الرحمٰن صفحہ ۱۳۹ مطبوعہ جنوری ۱۹۰۳ء۔
۱۴۰۔ حکیم دین محمد صاحب پنشنر اکوشٹ فرماتے ہیں کہ حضور نے اس سے پہلے ایک غزل بھی کہی تھی جس کا ایک مصرعہ یہ تھا۔ ع "ورد ہم سے کبھی جدا نہ ہوا"۔ حضور نے حدائق البلاغہ کی کتاب حضرت مولوی عبیداللہ صاحب بسمل سے پڑھی اور ان سے علم عروض سیکھا۔
۱۴۱۔ الفضل ۱۰/اپریل ۱۹۲۲ء صفحہ ۶ کالم ۱۔
۱۴۲۔ الفضل ۲۵/اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲۔
۱۴۳۔ تذکرہ حالی جلد اول صفحہ ۱۸۹-۱۹۰ (مؤلفہ جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی شائع کردہ حالی بکڈپو پانی پت اکتوبر ۱۹۳۵ء بار اول)
۱۴۴۔ اس ضمن میں ایک مفصل واقعہ کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ جس کے چشم دید گواہ برصغیر پاک وہند کے مشہور ادیب جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی ہیں آپ اپنی ایک تحریر میں فرماتے ہیں۔ ۱۹۲۸ء کی بات ہے۔ جبکہ استاذی المحترم حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب ﷺ کی دعوت پر شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی پانی پتی کے فرزند اصغر جناب خواجہ سجاد حسین صاحب ریٹائرڈ انسپکٹر تعلیمات صوبہ پنجاب ہمارے سالانہ جلسہ میں شمولیت کے لئے تشریف لائے۔ جناب خواجہ صاحب کے ساتھ میں بھی پانی پت سے آیا تھا۔ جب سالانہ جلسہ کے افسر حضرت مولانا میر محمد اسحٰق ﷺ کو پتہ لگا۔ تو انہوں نے فوراً ہم دونوں کے قیام و طعام کا نہایت عمدہ انتظام بطور خاص کر دیا...... قادیان پہنچنے کے تیسرے دن خواجہ سجاد حسین صاحب وقت مقرر شدہ پر حضرت صاحب سے ملاقات کے لئے قصر خلافت تشریف لے چلے تو میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ حضرت صاحب نے دروازے تک تشریف لا کر حضرت خواجہ صاحب کا خیر مقدم کیا اور نہایت عزت و احترام سے لا کر اپنے پاس ایک نرم گدیلے پر بٹھا لیا اور فرمانے لگے........ کہ آپ نے بڑی تکلیف کی جو اس ضعیفی میں سفر کی تکلیف اٹھا کر یہاں تشریف لائے یہاں آرام سے تو ہیں اور کہاں ٹھہرے؟ خواجہ صاحب نے فرمایا۔ الحمد للہ میں بہت آرام سے ہوں کسی قسم کی تکلیف نہیں۔ اور یہاں مجھے گھر کا سا آرام مل رہا ہے۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب نے اس مرتبہ بہت اصرار سے مجھے لکھا کہ جلسہ سالانہ میں ضرور آئیں اس لئے آگیا ہوں۔ اور الحمد للہ جلسہ میں شامل ہو کر مجھے خوشی ہوئی اور یہاں کا ماحول میں نے بہت دین دارانہ پایا۔

گفتگو کے دوران میں حضرت صاحب نے فرمایا۔ "خواجہ صاحب! میں آپ کے والد مولوی الطاف حسین حالی کا نہایت ممنون ہوں انہوں نے مجھے ایک نصیحت میرے بچپن میں کی تھی جو مجھے آج تک یاد ہے۔

خواجہ سجاد حسین صاحب نے نہایت تعجب کے ساتھ پوچھا کہ والد مرحوم کے ساتھ آپ کا کیا واقعہ ہوا تھا؟ اور وہ کب اور کہاں آپ سے ملے تھے؟

حضرت صاحب نے فرمایا کہ واقعہ یہ ہوا تھا کہ بچپن میں مجھے شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ جس پر میں سوچنے لگا کہ شاعری میں استاد کسے بناؤں؟ سوچتے سوچتے خیال آیا کہ مولوی الطاف حسین حالی کو استاد بنانا چاہئے وہ بڑے اچھے قومی شاعر ہیں یہ خیال آتے ہی میں نے انہیں پانی پت ایک خط لکھا کہ "میں اگرچہ ابھی چھوٹا بچہ ہوں مگر مجھے شعر کہنے کا بڑا شوق ہے اگر میں آپ کو یہاں سے اپنے اشعار اور نظمیں لکھ کر بھیج دیا کروں اور آپ ان کی اصلاح کر کے انہیں واپس بھیج دیا کریں تو اس عنایت پر میں آپ کا نہایت

شکر گزار ہوں گا"۔

مولوی حالی صاحب نے میرے خط کا فوراً جواب دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ صاحبزادے! تمہارا خط پہنچا۔ شاعری بیکاری کا دھندا ہے۔ میری نصیحت تم کو یہ ہے کہ اس فضول جھنجھٹ میں نہ پڑو یہ وقت اور یہ عمر شاعری کی نہیں تحصیل علم کی ہے۔ پس جہاں تک ممکن ہو دل لگا کر علم حاصل کرو۔ اور جو محنت شاعری جیسے بیکار شغل میں اٹھاتے ہو وہ تحصیل علم میں اٹھاؤ اور کسی اور طرف دھیان نہ دو۔ جب لکھ پڑھ کر بڑے ہو جاؤ گے اور فکر معاش سے بھی فراغت ہو گی اس وقت شاعری بھی کر لینا۔ کونسی بھاگی جارہی ہے۔

یہ واقعہ بیان کر کے حضرت صاحب فرمانے لگے۔ "خواجہ صاحب! جب میں نے یہ خط آپ کے والد صاحب کو لکھا تھا اس وقت میں بچہ تھا اور اب میری عمر بڑھاپے کے قریب پہنچ گئی ہے مگر آج بھی جب کبھی مجھے آپ کے والد کی قابل قدر نصیحت یاد آتی ہے تو میں محسوس کرتا ہوں کہ مولانا حالی نے مجھے بہت ہی عمدہ اور نہایت ہی نیک مشورہ دیا تھا۔ اور مجھے ہمیشہ اس نصیحت میں مولوی صاحب کا خلوص چھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور بے اختیار ان کی نیکی اور شرافت کی تعریف کرنے کو دل چاہتا ہے"۔ یہ واقعہ سن کر خواجہ سجاد حسین صاحب نے حضرت صاحب سے کہا کہ آپ نے ٹھیک فرمایا۔ والد صاحب مرحوم کا قاعدہ تھا کہ وہ لوگوں کو شاعری سے روکتے اور اپنا شاگرد بننے سے منع کیا کرتے تھے کیونکہ لوگوں نے شاعری کو عام طور پر ایک تفریح کا ذریعہ اور فضول شغل بنالیا ہے اور اس سے وہ کام نہیں لیتے جو لینا چاہئے۔ اس کے بعد کچھ متفرق باتیں ہوتی رہیں اور قریباً آدھ گھنٹے کی دلچسپ ملاقات کے بعد خواجہ صاحب حضرت صاحب سے رخصت ہو کر واپس آگئے"۔ منہ

۱۴۵۔ ولادت ۱۸۳۴ء وفات ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۹ء۔

۱۴۶۔ مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر فاضل انچارج شعبہ زود نویسی ربوہ کا بیان ہے کہ "حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ۱۹۴۸ء میں جب موسم گرما بسر کرنے کے لئے کوئٹہ تشریف لے گئے اور وہاں درس القرآن بھی حضور نے جاری فرمادیا تو ان دنوں حضور عصر کی نماز کے بعد خصوصیت کے ساتھ اس شامیانہ کے نیچے ہی تشریف رکھتے تھے جہاں نمازیں ادا کی جاتی تھیں اور جماعت احمدیہ کوئٹہ کے دوست حضور کے کلمات طیبات سے مستفیض ہوتے تھے۔ ان دنوں حضور نے ایک مجلس میں ذکر فرمایا کہ بچپن میں جب میں نے شعر کہنے شروع کئے تو مجھے کسی نامور استاد کی تلاش ہوئی جس سے میں اصلاح لے سکوں۔ چنانچہ اس غرض کے لئے میں نے جلال لکھنوی کا انتخاب کیا اور خط و کتابت کے ذریعہ ہی ان سے اصلاح لیتا رہا۔ حضور نے جلال لکھنوی کی بہت تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ وہ داغ سے بھی اچھے شعر کہتے ہیں"۔

۱۴۷۔ روایات سروری (غیر مطبوعہ) مرتبہ مولانا صدر الدین صاحب فاضل سابق مبلغ ایران سے معلوم ہوتا ہے کہ گورداسپور میں قیام کے دوران حضرت خلیفہ اولؓ نے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں مسئلہ قصر دریافت کرنے کے لئے بھی بھجوایا تھا حضورؑ نے جو ارشاد فرمایا اس کا ملخص یہ تھا کہ پندرہ دن ٹھہرنا ہو تو نماز پوری پڑھنی چاہئے۔

۱۴۸۔ حکیم دین محمد صاحب پنشنر اکونٹنٹ کا بیان ہے کہ میں بھی اس سفر میں گیا تھا۔ اس موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اجازت سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مقبرہ جہانگیر دیکھنے کے لئے بھی تشریف لے گئے تھے۔

۱۴۹۔ الفضل ۹/ اگست ۱۹۳۶ء صفحہ ۶ کالم ۲، ۳، ۴۔

۱۵۰۔ یہ نوٹ ۱۹۰۴ء میں ہی لکھا گیا یا بعد میں اس کی بابت قطعی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ اس مقام پر یہ واقعہ صرف طبع دوم کے سنہ کی مناسبت سے درج کیا گیا ہے۔

۱۵۱۔ ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ صفحہ ۲۴۴-۲۴۵ (اس کتاب میں سہو امیٹرک کی بجائے مڈل لکھا گیا ہے۔)

۱۵۲۔ الحکم ۲۴/ مارچ ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

۱۵۳۔ حکیم صاحب نے یہ روایت براہ راست مؤلف کتاب ہذا کو سنائی ہے۔

۱۵۴۔ سیرت مسیح موعود صفحہ ۳۵۴ (از حضرت عرفانیؓ)

۱۵۵۔ پیسہ اخبار ۱۶/ جولائی ۱۹۰۶ء صفحہ ۷ کالم ۲ بحوالہ الحکم ۱۷/ جولائی ۱۹۰۶ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

۱۵۶۔ الموعود صفحہ ۷۷ تا ۸۴۔

۱۵۷۔ تفسیر کبیر سوم صفحہ ۸۳۴۔
۱۵۸۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۵۲۴۔
۱۵۹۔ روح پرور خطاب صفحہ ۱۷۔ از سیدنا حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی (جلسہ سالانہ ۲۸/ دسمبر ۱۹۶۱ء) شائع کردہ مہتمم نشرو اشاعت نظارت اصلاح وارشاد۔ صدر انجمن احمدیہ ربوہ۔
۱۶۰۔ الفضل ۷/ مارچ ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۱۔۲۔
۱۶۱۔ تفصیل کے لئے تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۳۹۶۔
۱۶۲۔ بدر ۱۱/ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۱ کالم ۲۔
۱۶۳۔ الحکم ۳۰/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۱ کالم ۳ و بدر ۲۷/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۱۶۴۔ تفسیر کبیر (سورہ زلزال) صفحہ ۴۴۷ کالم ۲ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع دینے میں غالباً ایک بھاری حکمت یہ بھی تھی۔ کہ اس الہام کا آپ کے زمانہ خلافت میں ایک خاص ظہور مقدر تھا جیسا کہ مارچ ۱۹۵۳ء میں ہوا۔
۱۶۵۔ الحکم جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۰۔۱۱۔
۱۶۶۔ حضرت ملک غلام حسن رہتاسی کی ایک روایت کے مطابق حضرت صاحبزادہ صاحب ایک اور سفر میں دہلی بلکہ سکندر راؤ ضلع علی گڑھ تک گئے تھے۔ حضرت ام المومنینؓ کے رشتہ داروں میں جو سکندر راؤ میں رہتے تھے شادی کی تقریب تھی حضرت ام المومنینؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت نانا جان میر ناصر نواب صاحب، حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ وہاں تشریف لے گئے تھے اور صاحبزادگان کی حفاظت کے لئے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حکم سے ملک غلام حسن رہتاسی ساتھ گئے تھے یہ بزرگ پہلے تو دہلی گئے پھر سکندر راؤ وہاں سے برات آگرہ گئی تھی۔ (ملخص از روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۲)
۱۶۷۔ اخبار منادی سالنامہ ۱۹۳۶ء صفحہ ۳۲۷ (یہ پرچہ قادیان دار الامان کی لائبریری میں موجود ہے)
۱۶۸۔ سیرت مسیح موعود از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۵۸ (طبع چہارم)
۱۶۹۔ الوصیت صفحہ ۶ حاشیہ مطبوعہ دسمبر ۱۹۰۵ء۔
۱۷۰۔ تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۴۲۶۔۴۲۷۔ مطبوعہ دسمبر ۱۹۶۲ء۔
۱۷۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۴۵۴۔
۱۷۲۔ الفضل ۱۹/ مارچ ۱۹۶۴ء صفحہ ۳۔
۱۷۳۔ اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ جو غالباً اسی زمانہ سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی ایک گونہ تائید کرتا ہے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا بھی بیان فرمایا کرتی تھیں۔ سیرت المہدی حصہ اول (طبع دوم) صفحہ ۱۳۔۱۴ پر طبع شدہ ہے۔
۱۷۴۔ رسالہ تعلیم الاسلام جلد اول نمبر ۳ صفحہ ۱۲۸۔
۱۷۵۔ الفضل ۲۲/ جولائی ۱۹۶۴ء صفحہ ۳ کالم ۲۔۳۔
۱۷۶۔ ریویو اردو مارچ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۱۸۔
۱۷۷۔ الحکم جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۰ کالم ۳۔
۱۷۸۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۴۶۷ تا ۴۶۹۔
۱۷۹۔ ریویو آف ریلیجنز اردو مارچ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۱۸۔۱۱۹۔
۱۸۰۔ تشحیذ الاذہان ۱۹۰۶ء صفحہ ۹۳۔
۱۸۱۔ ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۴۷۹۔ صاحبزادہ مرزا نصیر احمد مرحوم نے ولادت کے بعد دو تین دن تک دودھ نہیں پیا تھا مگر جب حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب کی اہلیہ محترمہ نے دودھ پلانا شروع کیا تو پی لیا۔ روایات سروری غیر مطبوعہ صفحہ ۱۲۱۔ از مولوی صدر الدین صاحب فاضل)
۱۸۲۔ اقتباس از مکتوب حضرت سیدہ مد ظلہا بنام مؤلف تاریخ احمدیت (مورخہ ۳۱/ جولائی ۱۹۶۴ء از لاہور)

۱۸۳۔ اس تقریر سے ایک روز قبل آپ نے ۲۶/ دسمبر ۱۹۰۶ء کو تشحیذ الاذہان کے جلسہ سے ہمارے اغراض اور وہ کس طرح پورے ہونے چاہئیں کے موضوع پر خطاب فرمایا۔(بدر ۲۷/ دسمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۶ کالم ۲)

۱۸۴۔ چشمہ توحید صفحہ ۲۰-۲۱۔

۱۸۵۔ الحکم جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۰ کالم ۱-۲۔

۱۸۶۔ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل نے اس پر مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنے تاثرات شائع کئے۔

"میں ان کی تقریر ایک خاص توجہ سے سنتا رہا۔ کیا بتاؤں فصاحت کا ایک سیلاب تھا جو اپنے پورے زور سے بہہ رہا تھا...... میرے خیال میں یہ بھی حضور علیہ السلام کی صداقت کا ایک نشان ہے اور اس سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ مسیحیت مآب کی تربیت کا جو ہر کس درجہ کمال پر پہنچا ہوا ہے...... آپ نے روحانی کمالات پر عجیب طرز سے بحث کی"۔(الحکم ۱۰/ جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ ۶ کالم ۲)

۱۸۷۔ برکات خلافت صفحہ ۳۴ تا ۳۷۔

۱۸۸۔ تشحیذ الاذہان جلد ۲ نمبر ۲-۳ صفحہ ۱۰۵-۱۰۶۔

۱۸۹۔ تشحیذ الاذہان جلد ۲ نمبر ۲-۳ صفحہ ۱۰۴۔

۱۹۰۔ تشحیذ الاذہان جلد ۲ نمبر ۴-۱۰/ اپریل ۱۹۰۷۔

۱۹۱۔ تشحیذ الاذہان جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۷۷۔

۱۹۲۔ تشحیذ الاذہان جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۱۳۸۔

۱۹۳۔ تشحیذ الاذہان جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۱۳۹ تا ۱۶۴۔

۱۹۴۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۷ طبع اول اپریل ۱۹۰۷ء۔

۱۹۵۔ حقیقۃ الوحی طبع اول صفحہ ۳۶۰۔ کتاب کے تتمہ صفحہ ۵۷ پر ایک نشان کے گواہوں میں آپ کا نام شامل ہے۔

۱۹۶۔ بدر ۲۳/ مئی ۱۹۰۷ء صفحہ ۵ تا ۸۔

۱۹۷۔ بدر ۱۶/ مئی ۱۹۰۷ء صفحہ ۷، ۸۔

۱۹۸۔ تشحیذ الاذہان جلد ۲ نمبر ۶ سرورق صفحہ د۔

۱۹۹۔ الفضل ۴/ دسمبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۵۔ اس جلسہ کے موقعہ پر آپ نے انجمن تشحیذ الاذہان کے ممبروں کو بھی خطاب فرمایا۔(بدر ۹/ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲ کالم ۲)

۲۰۰۔ ۱۹۰۷ء میں آپ نے جلسہ وچھووالی میں بھی شرکت فرمائی (تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۵۰۷)

۲۰۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تقریر ملائکۃ اللہ میں اسے سترہ اٹھارہ سال کا واقعہ لکھا ہے اور اسی کو ہم نے اختیار کیا ہے کیونکہ یہ اصل واقعہ سے قریبی زمانہ کی تقریر ہے باقی بعد کے اندازے ہیں۔

۲۰۲۔ تفسیر کبیر (سورہ الکوثر) صفحہ ۴۷۶۔

۲۰۳۔ الموعود صفحہ ۸۵۔

۲۰۴۔ الحکم ۲۲/ مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۵۔

۲۰۵۔ تفسیر کبیر (سورۃ الکوثر) جلد ششم جزو چہارم حصہ سوم صفحہ ۴۷۶-۴۷۷۔

۲۰۶۔ تشحیذ الاذہان اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۲۵ تا ۱۴۴۔

۲۰۷۔ چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۸ مطبوعہ ۱۵/ مئی ۱۹۰۸ء۔

۲۰۸۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ رجسٹر نمبر ۷ صفحہ ۴۵۸۔

۲۰۹۔ تقدیر الٰہی صفحہ ۱۸۹ طبع اول۔

۲۱۰۔ ملائکۃ اللہ صفحہ ۶۶ (تقریر سالانہ جلسہ ۱۹۲۰ء)

۲۱۱۔ تقدیر الٰہی صفحہ ۱۸۹-۱۹۰۔ حضرت مسیح موعودؑ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر صرف انیس سال کی تھی اس چھوٹی سی عمر میں آپ نے صبر اور رضا بالقضا کا جو نمونہ دکھایا وہ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اسسٹنٹ سرجن لاہور کے الفاظ میں یہ ہے۔"صاحبزادہ

مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اپنا پورا صبر اور استقلال کا نمونہ دکھایا اور ہر طرف سے سوائے حی وقیوم کے الفاظ کے اور کوئی آواز نہ آتی تھی یہ سارا نقشہ حضرت اقدس کی قوت قدسی کا اندازہ کرنے کے لئے ایک انصاف پسند آدمی کے لئے کافی ہے اس سے میرے اور دیگر حاضرین کے ایمان کو از حد تقویت پہنچی"۔(بدر ۲/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۴ کالم ۲-۳)

۲۱۲- الحکم جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۱ کالم ۱-

۲۱۳- حضرت صاحبزادہ صاحب کے دل میں حضور کی محبت و فدائیت کا جو بے پناہ جذبہ موجود تھا وہ حضور علیہ السلام کے نزع کے وقت اور زیادہ ابھر آیا اور آپ نے اس وقت یہ دعائیں کرنا شروع کر دی تھیں کہ اے خدا ہماری عمریں بھی آپ کو دیدے آپ نے اس وقت یہ الفاظ بار بار فرمائے۔(روایات صحابہ رجسٹر نمبر ۴ صفحہ ۹۰) مگر آہ مرسل یزدانی و مامور ربانی کی واپسی کا اٹل فیصلہ ہو چکا تھا۔

۲۱۴- الفضل ۸/ نومبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۷ کالم ۲-

۲۱۵- الحکم جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۱ کالم ۲-

۲۱۶- تفصیل تاریخ احمدیت جلد چہارم میں گزر چکی ہے اس فصل میں صرف بعض اہم خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان میں بھی زیادہ تر نئی معلومات کا بیان ہے تا بے وجہ تکرار نہ ہو۔

۲۱۷- روایات صحابہ غیر مطبوعہ رجسٹر نمبر ۳ صفحہ ۲۳۹-

۲۱۸- صادقوں کی روشنی کو کون دور کر سکتا ہے۔صفحہ ۳-۴-

۲۱۹- تشحیذ الاذہان جلد ۴ نمبر ۴ صفحہ ۱۶۲-

۲۲۰- ان دنوں بنگہ تک ریل نہیں آئی تھی-

۲۲۱- ملخصاً از روایت میاں رحمت اللہ صاحبؓ باغانوالہ۔روایات صحابہ غیر مطبوعہ رجسٹر نمبر ۲ صفحہ ۵۶ تا ۵۹-

۲۲۲- بروایت جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے(مورخہ ۶/ جون ۱۹۶۴ء)

۲۲۳- بروایت میاں رحمت اللہ صاحبؓ باغانوالہ (روایات صحابہ غیر مطبوعہ رجسٹر نمبر ۲ صفحہ ۵۸)

۲۲۴- تشحیذ الاذہان جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۱-

۲۲۵- الفضل ۲۲/ جولائی ۱۹۶۴ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲-

۲۲۶- تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۲۲۰ و تشحیذ الاذہان جلد ۳ نمبر ۱۲ صفحہ ب-

۲۲۷- رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۳ء صفحہ ۳۶-

۲۲۸- تشحیذ الاذہان جلد ۳ نمبر ۸ صفحہ ۳۳۵-۳۴۸ و نمبر ۹ صفحہ ۳۰۷-۳۷۹-

۲۲۹- تشحیذ الاذہان جلد ۳ نمبر ۱۳ صفحہ ۴۸۷-۴۹۰-

۲۳۰- تشحیذ الاذہان جلد ۳ نمبر ۱۳ صفحہ ۴۹۰-۵۱۶-

۲۳۱- جنوری ۱۹۰۹ء میں حضرت خلیفہ اولؓ کے خلاف ارباب انجمن کی شورش کے مفصل واقعات ذکر ہو چکے ہیں۔

۲۳۲- رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۳ء صفحہ ۳۶-

۲۳۳- اصحاب احمد جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۱۳۵-۱۳۶-

۲۳۴- کشف الاختلاف (از حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحبؓ) صفحہ ۳۴-۳۵-

۲۳۵- خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲/ جنوری ۱۹۴۵ء (مطبوعہ الفضل جنوری ۱۹۴۵ء) صفحہ ۵ کالم ۲-۳-

۲۳۶- سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۲۳۸ طبع اول-

۲۳۷- الفضل ۲/ جولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۹ کالم ۱-

۲۳۸- سیرت ام المومنین صفحہ ۳۹۶ (از محمود احمد عرفانی مرحوم) تاریخ اشاعت یکم دسمبر ۱۹۴۳ء طبع اول-

۲۳۹- الحکم ۷-۱۴/ مئی ۱۹۰۹ء-

۲۴۰- تشحیذ الاذہان جلد ۴ نمبر ۴ صفحہ ۱۶۳- سیرت ام المومنین حصہ اول صفحہ ۳۹۶ (مرتبہ شیخ محمود احمد عرفانی مرحوم) طبع اول-

۲۴۱۔ تفسیر کبیر جلد ۵ حصہ دوم صفحہ ۴۷۴۔
۲۴۲۔ الحکم ۷۔۱۴/ مئی ۱۹۰۹ء صفحہ ۹۔
۲۴۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۳۰۵۔
۲۴۴۔ تفصیل کے لئے تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۳۱۷ دیکھیں۔
۲۴۵۔ [illegible] صفحہ ۱۵۷، ۱۵۸۔
۲۴۶۔ مفصل گفتگو کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر کبیر (سورۃ انفطار) صفحہ ۲۶۴-۲۶۵۔
۲۴۷۔ تفسیر کبیر (الانبیاء) صفحہ ۵۰۲-۵۰۳
۲۴۸۔ ملاحظہ ہو تشحیذ الاذہان ۱۹۰۹ء۔
۲۴۹۔ تشحیذ الاذہان جلد ۴ نمبر ۴ صفحہ ۱۶۲-۱۶۳۔
۲۵۰۔ اصحاب احمد جلد ہشتم صفحہ ۱۰۹-۱۱۰۔
۲۵۱۔ تشحیذ الاذہان جلد ۴ نمبر ۱۱۔
۲۵۲۔ الحکم جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۵ کالم ۳۔
۲۵۳۔ تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۳۳۳۔
۲۵۴۔ الفضل ۳/ دسمبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۴ کالم ۱، ۲۔
۲۵۵۔ تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۳۳۵۔
۲۵۶۔ اس جلسہ پر مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی نے (جو بعد میں غیر مبایعین کی رو میں بہہ گئے) آپ کی شان میں ایک قصیدہ بھی پڑھا (الحکم ۱۴/ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۹) جس کے دو شعر یہ تھے۔

اے آنکہ از عنایت حق برگزیدہ از بہر استقامت و صبر آفریدہ
فرزند ارجمند مسیحائے ما توئی تو یادگار حضرت احمد رسیدہ

یعنی اے عنایت حق سے برگزیدہ کئے ہوئے وجود تو صبر و استقامت کے لئے پیدا ہوا ہے تو ہی ہمارے مسیح کا فرزند ارجمند ہے اور احمد کا یادگار بن کر آیا ہے۔

۲۵۷۔ تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۳۳۵۔
۲۵۸۔ تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۳۳۹۔
۲۵۹۔ تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۳۴۱۔
۲۶۰۔ تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۳۴۵۔
۲۶۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۳۴۵۔
۲۶۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۲۹۷۔
۲۶۳۔ بدر ۳۔۱۰/ نومبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۳-۴۔
۲۶۴۔ آئینہ صداقت (از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) صفحہ ۱۳۶-۱۴۷ مطبوعہ دسمبر ۱۹۲۱ء۔
۲۶۵۔ تشحیذ الاذہان ۱۹۱۰ء۔
۲۶۶۔ الحکم ۱۴/ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۸ کالم ۲۔
۲۶۷۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۳۶۷۔
۲۶۸۔ تفصیل تاریخ احمدیت جلد چہارم میں گزر چکی ہے۔
۲۶۹۔ الفضل ۱۷/ جون ۱۹۱۵ء صفحہ ۴-۵۔ افسوس یہ صاحب بعد کو غیر مبایعین میں چلے گئے اور انصار اللہ کو محض ایک سازشی

تحریک قرار دینے لگے۔

۲۷۰۔ الحکم ۱۴/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۰ پر چھپ چکا ہے۔

۲۷۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۳۹۸-۳۹۹۔

۲۷۲۔ الحکم ۱۴/ مئی ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰ کالم ۲، ۳۔

۲۷۳۔ الحکم ۷۔ ۱۴/ جون ۱۹۱۱ء صفحہ ۷ اکالم ۳۔

۲۷۴۔ تفسیر کبیر (سورہ انبیاء) صفحہ ۵۰۳ کالم ۱۔

۲۷۵۔ ملاحظہ ہو تشحیذ الاذہان جلد ۶ صفحہ ۲۸۸۔۲۹۸۔

۲۷۶۔ تشحیذ الاذہان جلد ۶ نمبر ۸ صفحہ ۲۹۷۔

۲۷۷۔ مفصل تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۳۹۹ میں۔

۲۷۸۔ مکمل آمین کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۷۔ ۱۴/ جولائی ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۴ کالم ۱۔

۲۷۹۔ ضمیمہ الحکم مشمولہ الحکم ۲۱/ ۱۴ ستمبر ۱۹۱۱ء۔

۲۸۰۔ تشحیذ الاذہان ۱۹۱۱ء۔

۲۸۱۔ تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۴۱۴۔

۲۸۲۔ الحکم ۷/ اگست ۱۹۱۴ء صفحہ ۷-۹۔

۲۸۳۔ الفضل ۹/ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۔

۲۸۴۔ دیکھو تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۴۱۶-۴۲۲، ۴۴۱-۴۵۸۔ شیخ عبد القیوم صاحب چنیوٹی مقیم لائلپور کا بیان ہے کہ میری والدہ صاحبہ بتاتی تھیں کہ جس سال حضور حج کے لئے تشریف لے گئے تھے ایک غیر احمدی عورت نے ہمیں بتایا کہ تمہارے مرزا صاحب کے بیٹے کو ہم نے حج میں دیکھا ہے ان کے چہرہ پر نور برستا تھا۔

۲۸۵۔ بدر یکم اگست ۱۹۱۲ء۔

۲۸۶۔ یہ مفصل حالات الحکم جوبلی نمبر ۹ ۱۹۳ء صفحہ ۱۵-۱۶ میں چھپ چکے ہیں۔

۲۸۷۔ بدر ۱۳/ مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۸ کالم ۱۔

۲۸۸۔ ملاحظہ ہو الفضل ۱۴۔ ۱۹۱۳ء۔

۲۸۹۔ حیات قدسی (از حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ) حصہ چہارم صفحہ ۴۸/ ۴۷ طبع اول مطبوعہ راما آرٹ پریس امرتسر۔

۲۹۰۔ تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۳۔۵۔

۲۹۱۔ الفضل ۳۰/ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۳۔

۲۹۲۔ اسکی تفصیل تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۴۹۹-۵۰۴-۵۲۲۔

۲۹۳۔ الفضل ۱۷/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ا کالم ۱-۳۱/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۱۔ (یہ تقریر پیغام صلح ۱۱/ جنوری ۱۹۱۴ء صفحہ ۴ میں شائع ہو گئی)

۲۹۴۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۵۲۷-۵۲۸۔

۲۹۵۔ تاریخ احمد جلد چہارم صفحہ ۵۳۲۔

۲۹۶۔ الفضل ۱۸/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۵ کالم ۳۔

۲۹۷۔ آئینہ صداقت صفحہ ۱۷۹-۱۸۰ (آپ کی ایک پرانی رویا بھی تھی کہ میں ایک گاڑی میں بیٹھا باہر جا رہا ہوں کہ راستہ میں مجھے حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات پانے کی اطلاع ملی ہے)

۲۹۸۔ حقیقت اختلاف صفحہ ۷۰ از مولوی محمد علی مرحوم امیر انجمن اشاعت اسلام لاہور مطبوعہ دین محمد سٹیم پریس لاہور۔

۲۹۹۔ حقیقت اختلاف صفحہ ۷۰۔

۳۰۰۔ آئینہ صداقت صفحہ ۱۸۰-۱۹۰۔ (اس فقرہ سے یہ حقیقت کھل گئی کہ جناب مولوی محمد علی صاحب کو مسئلہ خلافت سے انکار صرف اور صرف اس لئے تھا کہ ان کے خیال میں جماعت کے لوگ کسی اور کو خلیفہ بنانے پر آمادہ تھے۔)

۳۰۱۔ آئینہ صداقت صفحہ ۱۹۰۔۱۹۱۔

۳۰۲۔ سبز اشتہار صفحہ ۱۷۔ حاشیہ۔

۳۰۳۔ اخبار نور ۲۴/ ۱۷مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۶ کالم ۳۔ یہ رائے ایک ایسے انسان کی ہے۔ جس کے دل میں مولوی محمد علی صاحب کی بھی غایت درجہ عقیدت تھی اور اس کا واضح ثبوت اس بیان سے ملتا ہے۔ جن کا حوالہ مصنفان مجاہد کبیر نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۸ پر دیا ہے۔

خلافت ثانیہ کا عہد مبارک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا پُرشوکت اعلان

"اگر کوئی شخص واقعہ میں یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اسلام کے غلبہ اور اس کی اشاعت کے لئے جس قدر کام کئے ہیں وہ نعوذ باللہ لغو ہیں اور اسلام کو ان کی بجائے کسی اور رنگ میں کام کرنے سے زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے تو میں اسے کہتا ہوں کہ تم میدان میں آؤ۔ اور کام کر کے دکھاؤ اگر تمہارا کام اچھا ہوا تو دنیا خود بخود تمہارے پیچھے چلنے لگ جائے گی......... لیکن اگر ایک جماعت ایسی ہو جو صرف اعتراض کرنا ہی جانتی ہو تو اسے یاد رکھنا چاہئے کہ یہ دنیا لاوارث نہیں ہے۔ اس دنیا کا ایک زندہ اور طاقتور خدا ہے وہ مجھ پر اعتراض کر سکتے ہیں۔ وہ میرے خلاف ہر قسم کے منصوبے کر سکتے ہیں۔ وہ مجھے لوگوں کی نگاہ سے گرانے اور ذلیل کرنے کے لئے جھوٹے الزام لگا سکتے ہیں۔ مگر وہ ان حملوں کے نتیجہ میں میرے خدا کے زبردست ہاتھ سے نہیں بچ سکتے۔ لیکن میں اسی خدا کے فضلوں پر بھروسہ رکھتے ہوئے کہتا ہوں کہ میرا نام دنیا میں ہمیشہ قائم رہے گا۔ اور گو میں مر جاؤں گا (اللھم متعنا بطول حیاتہ) مگر میرا نام کبھی نہیں مٹے گا۔ یہ خدا کا فیصلہ ہے جو آسمان پر ہو چکا کہ وہ میرے نام اور میرے کام کو دنیا میں قائم رکھے گا اور ہر شخص جو میرے مقابلہ میں کھڑا ہو گا۔ وہ خدا کے فضل سے ناکام رہے گا......... خدا نے مجھے اس مقام پر کھڑا کیا ہے کہ خواہ مخالف مجھے کتنی بھی گالیاں دیں مجھے کتنا بھی برا سمجھیں بہرحال دنیا کی کسی بڑی سے بڑی طاقت کے بھی اختیار میں نہیں کہ وہ میرا نام اسلام کی تاریخ کے صفحات سے مٹا سکے آج نہیں آج سے چالیس پچاس بلکہ سو سال کے بعد تاریخ اس بات کا فیصلہ کرے گی کہ میں نے جو کچھ کہا وہ صحیح کہا تھا یا غلط میں بے شک اس وقت موجود نہیں ہوں گا۔ مگر جب اسلام اور احمدیت کی اشاعت کی تاریخ لکھی جائے گی تو مسلمان مورخ اس بات پر مجبور ہو گا کہ وہ اس تاریخ میں میرا ذکر بھی کرے۔ اگر وہ میرے نام کو اس تاریخ میں سے کاٹ ڈالے گا تو احمدیت کی تاریخ کا ایک بڑا حصہ کٹ جائے گا ایک بہت بڑا خلاء واقع ہو جائے گا۔ جس کو پُر کرنے والا اسے کوئی نہیں ملے گا"۔

(از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

(تقریر فرمودہ سالانہ جلسہ ۲۸/ دسمبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۱۳ تا ۱۶)

شائع کردہ نظارت اصلاح و ارشاد صدر انجمن احمدیہ۔ ربوہ

دوسرا باب (فصل اول)

آغاز خلافت سے لے کر نظارتوں کے قیام تک

خلافت ثانیہ کا پہلا سال

[(جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ تا صفر ۱۳۳۳ھ)
(۱۴/ مارچ ۱۹۱۴ء سے ۳۱/ دسمبر ۱۹۱۴ء تک)]

بیعت کے بعد پہلا خطاب عام حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مسند خلافت پر رونق افروز ہوتے ہی جو ایمان افروز تقریر فرمائی اس نے مبایعین کے قلوب سکینت سے بھر دیئے۔ آپ نے تقریر کی ابتداء ان الفاظ میں فرمائی۔

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد انّ محمدا عبدہ و رسولہ۔ سنو! دوستو! میرا یقین اور کامل یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ میرے پیارو پھر میرا یقین ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ میرا یقین ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی شخص نہیں آسکتا جو آپؐ کی دی ہوئی شریعت میں سے ایک شوشہ بھی منسوخ کر سکے میرے پیارو! میرا وہ محبوب آقا سید الانبیاء ایسی عظیم الشان شان رکھتا ہے کہ ایک شخص اس کی غلامی میں داخل ہو کر کامل اتباع اور وفاداری کے بعد نبیوں کا رتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ آنحضرت ﷺ ہی کی ایسی شان اور عزت ہے کہ آپ کی سچی غلامی میں نبی پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ میرا ایمان ہے اور پورے یقین سے کہتا ہوں پھر میرا یقین ہے کہ قرآن مجید وہ پیاری کتاب ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی ہے اور وہ خاتم الکتب اور خاتم شریعت ہے۔ پھر میرا یقین کامل ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام وہی نبی تھے جس کی خبر مسلم میں ہے اور وہی امام تھے جس کی خبر بخاری میں ہے میں پھر کہتا ہوں کہ شریعت اسلامی میں کوئی حصہ اب منسوخ نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اعمال کی اقتدا کرو وہ نبی کریم ﷺ کی دعاؤں اور کامل تربیت کا نمونہ تھے۔ آنحضرت

ﷺ کے بعد دوسرا جو اجماع ہوا وہ وہی خلافت حقہ راشدہ کا سلسلہ ہے خوب غور سے دیکھ لو اور تاریخ اسلام میں پڑھ لو کہ جو ترقی اسلام کی خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہوئی جب وہ خلافت محض حکومت کے رنگ میں تبدیل ہو گئی تو گھٹتی گئی۔ یہاں تک کہ اب جو اسلام اور اہل اسلام کی حالت ہے تم دیکھتے ہو تیرہ سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسی منہاج نبوت پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت ﷺ کے وعدوں کے موافق بھیجا اور ان کی وفات کے بعد پھر وہی سلسلہ خلافت راشدہ کا چلا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح مولانا مولوی نورالدین صاحب (ان کا درجہ اعلیٰ علیین میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کروڑوں کروڑ رحمتیں اور برکتیں ان پر نازل کرے جس طرح پر آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت ان کے دل میں بھری ہوئی اور ان کے رگ وریشہ میں جاری تھی جنت میں بھی اللہ تعالیٰ انہیں پاک وجودوں اور پیاروں کے قرب میں آپ کو اکٹھا کرے) اس سلسلہ کے پہلے خلیفہ تھے اور ہم سب نے اسی عقیدہ کے ساتھ ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ پس جب تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا اسلام مادی اور روحانی طور پر ترقی کرتا رہے گا.......

میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ایک خوف ہے اور اپنے وجود کو بہت ہی کمزور پاتا ہوں۔ حدیث میں آیا ہے کہ تم اپنے غلام کو وہ کام مت بتاؤ جو وہ کر نہیں سکتا تم نے مجھے اس وقت غلام بنانا چاہا ہے۔ تو وہ کام مجھے نہ بتانا جو میں نہ کر سکوں۔ میں جانتا ہوں کہ میں کمزور اور گنہگار ہوں میں کس طرح دعویٰ کر سکتا ہوں کہ دنیا کی ہدایت کر سکوں گا اور حق اور راستی کو پھیلا سکوں گا۔ ہم تھوڑے ہیں اور اسلام کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور غریب نوازی پر ہماری امیدیں بے انتہاء ہیں تم نے یہ بوجھ مجھ پر رکھا ہے تو سنو اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے میری مدد کرو اور وہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے فضل اور توفیق چاہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور فرمانبرداری میں میری اطاعت کرو میں انسان ہوں اور کمزور انسان۔ مجھ سے کمزوریاں ہوں گی تو تم چشم پوشی کرنا تم سے غلطیاں ہوں گی تو میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھ کر عہد کرتا ہوں کہ میں چشم پوشی اور درگزر کروں گا اور میرا اور تمہارا متحد کام اس سلسلہ کی ترقی اور اس سلسلہ کی غرض و غایت کو عملی رنگ میں پیدا کرنا ہے پس اب جو تم نے میرے ساتھ ایک تعلق پیدا کیا ہے اس کو وفاداری سے پورا کرو تم مجھ سے اور میں تم سے چشم پوشی خدا کے فضل سے کرتا رہوں گا۔ تمہیں امر بالمعروف میں میری اطاعت اور فرمانبرداری کرنی ہو گی........ ہاں میں پھر کہتا ہوں۔ اور پھر کہتا ہوں کہ امر معروف میں میری خلاف ورزی نہ کرنا اگر اطاعت اور فرمانبرداری سے کام لو گے اور اس عہد کو مضبوط کرو گے تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا فضل ہماری دستگیری کرے گا اور ہماری متحد دعائیں کامیاب ہوں گی........ جس کام کو مسیح

موعودؑ نے جاری کیا تھا اپنے موقع پر وہ امانت میرے سپرد ہوئی ہے پس دعائیں کرو اور تعلقات بڑھاؤ اور قادیان آنے کی کوشش کرو اور بار بار آؤ۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سنا اور بار بار سنا ہے کہ جو یہاں بار بار نہیں آتا اندیشہ ہے کہ اس کے ایمان میں نقص ہو۔ اسلام کا پھیلانا ہمارا پہلا کام ہے۔ مل کر کوشش کرو تاکہ اللہ تعالیٰ کے احسانوں اور فضلوں کی بارش ہو۔ میں پھر تمہیں کہتا ہوں پھر کہتا ہوں اور پھر کہتا ہوں اب جو تم نے بیعت کی ہے اور میرے ساتھ ایک تعلق حضرت مسیح موعودؑ کے بعد قائم کیا ہے اس تعلق میں وفاداری کا نمونہ دکھاؤ اور مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھو میں ضرور تمہیں یاد رکھوں گا۔ ہاں یاد رکھتا بھی رہا ہوں۔ کوئی دعا میں نے آج تک ایسی نہیں کی جس میں میں نے سلسلہ کے افراد کے لئے دعا نہ کی ہو۔ مگر اب آگے سے بھی زیادہ یاد رکھوں گا مجھے کبھی پہلے بھی دعا کے لئے کوئی ایسا جوش نہیں آیا جس میں احمدی قوم کے لئے دعا نہ کی ہو۔ پھر سنو کہ کوئی کام ایسا نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے عہد شکن کیا کرتے ہیں۔ ہماری دعائیں یہی ہوں کہ ہم مسلمان جئیں اور مسلمان مریں۔ آمین"۔[۱]

حضرت خلیفہ اولؓ کا جنازہ و تدفین

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تقریر اور لمبی دعا اور سلسلہ مصافحہ سے فارغ ہو کر پونے پانچ بجے کے قریب دو ہزار مردوں اور کئی سو عورتوں کے مجمع میں ہائی سکول کے شمالی میدان میں حضرت خلیفہ اول ﷺ کی نماز جنازہ پڑھائی اور پھر حضور جنازہ کے ساتھ مقبرہ بہشتی کی طرف روانہ ہوئے۔ الحکم میں لکھا ہے۔ کہ "یہ کہنا بالکل درست ہے کہ نواب صاحب کی کوٹھی سے لے کر شہر تک برابر دورویہ آدمیوں کی ایک دیوار تھی۔ ایک میل تک آدمی ہی آدمی معلوم ہوتے تھے"۔ اور بالآخر ساڑھے چھ بجے کے قریب حضرت خلیفہ اولؓ کا جسد اطہر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پہلو میں دائیں جانب دفن کر دیا گیا[۲]۔ اللھم نور مرقدھما۔

بیعت لینے کے بعد نازک ذمہ داری کا شدید احساس

حضور فرماتے ہیں۔ "جس وقت بیعت ہو چکی تو........ میں نے اپنے اوپر ایک بہت بڑا بوجھ محسوس کیا اس وقت مجھے خیال آیا کہ آیا اب کوئی ایسا طریق بھی ہے کہ میں اس بات سے لوٹ سکوں میں نے بہت غور کی...... اس کے بعد بھی کئی دن میں اسی فکر میں رہا۔ تو خدا تعالیٰ نے مجھے رؤیا میں بتایا کہ میں ایک پہاڑی پر چل رہا ہوں دشوار گزار راستہ دیکھ کر میں گھبرا گیا اور واپس لوٹنے کا ارادہ کیا۔ جب میں نے لوٹنے کے لئے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پچھلی طرف میں نے دیکھا کہ پہاڑ ایک دیوار کی طرح کھڑا ہے اور لوٹنے کی کوئی صورت نہیں اس سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ

اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ اب تم آگے ہی آگے چل سکتے ہو پیچھے نہیں ہٹ سکتے" [۳]۔

خلافت ثانیہ کی تائید میں رؤیا والہامات کا وسیع سلسلہ

اللہ تعالیٰ کی آسمانی بادشاہت میں یہ دستور نظر آتا ہے کہ جب انبیاء و خلفاء کی وفات قریب ہوتی ہے تو فرشتوں کی آسمانی فوجیں دلوں پر نازل ہونی شروع ہو جاتی ہیں اور لوگوں کو نئے ہادی و راہبر کی بشارتیں دیتی اور اس سے تعلق پیدا کرنے کی تحریک کرتی ہیں اور ایسا ہی خلافت سیدنا محمود ایدہ اللہ الودود کے وقت بھی ہوا کہ جماعت کے ہر طبقہ میں رؤیا والہامات کا سلسلہ جاری ہو گیا اور وسط اپریل ۱۹۱۴ء تک تین سو کے قریب خوابیں اور کشوف جمع ہو گئے تھے۔ خلافت ثانیہ کی تائید میں اکثر آسمانی شہادتیں انہی دنوں الفضل میں شائع کر دی گئی تھیں جو کئی سعید روحوں کی ہدایت کا موجب بنیں۔ احمدیوں کے علاوہ غیر احمدیوں بلکہ بعض غیر مذاہب والوں نے بھی خواب میں حضور کا خلیفہ ہو جانا دیکھا تھا [۴]

جن احمدیوں پر یہ انکشاف ہوا ان میں سے بعض یہ ہیں۔ حضرت مولوی عبدالستار صاحب (عرف بزرگ صاحب) ساکن خوست (شاگرد خاص حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحب شہیدؓ جو اپنے زہد و ورع کی وجہ سے مشہور و معروف تھے اور جن کو حضرت مسیح موعودؑ بھی مہمات امور میں دعا کے لئے تحریر فرمایا کرتے تھے [۵]) سید عبدالحی عرب [۶]۔ حضرت مولانا قاضی امیر حسین صاحب [۷]۔ حضرت میاں محمد شریف صاحب پلیڈر پنجاب لاہور [۸]۔ حضرت حافظ نور محمد صاحب فیض اللہ چک [۹]۔ حضرت قاضی حبیب اللہ صاحب لاہور [۱۰]۔ حضرت سید ناصر شاہ صاحب سب ڈویژنل آفیسر محکمہ پبلک ورکس جموں [۱۱]۔ محمد حسین صاحب طبیب بھیرہ (حضرت خلیفہ اول کے رشتہ داروں میں سے ایک بزرگ تھے) [۱۲]۔ پروفیسر عطاء الرحمٰن صاحب ایم۔ اے راجشاہی کالج بنگال [۱۳]۔ حافظ محمد حسین صاحب قریشی [۱۴]۔ مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری [۱۵]۔ حضرت میاں چراغ دین صاحبؓ رئیس لاہور [۱۶] (والد حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ) فضل الرحمٰن صاحب قادیان [۱۷]۔ شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور قادیان [۱۸]۔ حضرت شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساویؓ قادیان [۱۹]۔ میاں محمد مراد صاحب پنڈی بھٹیاں [۲۰]۔ منشی عبدالحی صاحبؓ سنوری [۲۱]۔

ملک کے باہر بھی بعض اصحاب کو خلافت ثانیہ کی بابت خبر دی گئی۔ مثلاً حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال کو انگلستان میں [۲۲]۔ جناب قاری غلام مجتبیٰ صاحب کو ہانگ کانگ (چین میں) [۲۳]۔

بعض حضرات خوابیں دیکھنے کے باوجود ٹھوکر کھا گئے۔ مثلاً ڈاکٹر بشارت احمد صاحب۔ منشی عمرالدین صاحب شملوی [۲۴]۔ اور اسد اللہ شاہ صاحب [۲۵]۔ مؤخر الذکر بزرگ کو تو صاف لفظوں میں بتایا گیا کہ

دوسرے خلیفہ "بشیرالدین محمود" ہوں گے۔

بالآخر یہ بتانا ضروری ہے کہ اس کے بالمقابل کسی شخص کو خواب میں یا بذریعہ الہام ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی کہ اصل جانشین اور خلیفہ انجمن ہے!!

بیرونی جماعتوں کی بیعت کے بعض خاص واقعات

بیرونی جماعتوں میں سب سے پہلے شاہ جہانپور کی جماعت نے بیعت کی اور اس وقت کی جبکہ ابھی حضرت خلیفہ اول کی وفات کی کوئی اطلاع وہاں نہیں پہنچی تھی۔ یہ امر خالصتہً الٰہی تصرف کے تحت ہوا جس کی تفصیل حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہ جہانپوری مدظلہ کے الفاظ میں یہ ہے۔

"سیدنا و استاذنا حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اولؓ کی طبیعت ناساز تو پہلے سے چلی آتی تھی مگر آخر فروری ۱۹۱۴ء میں جو ناسازی بڑھی تو بڑھتی ہی چلی گئی۔ اور حضور کی حالت سے متعلق قادیان سے آنے والی ہر خبر پہلے سے آئی ہوئی خبر سے زیادہ حسرت خیز و درد انگیز آنے لگی۔ چونکہ حضور کی طرف سے بذریعہ اعلان یہ خبر شاہ جہان پور پہنچ گئی تھی کہ عیادت کی غرض سے قادیان آنے کا ارادہ رکھنے والے اپنے اپنے مقام پر ہی دعائیں کرتے رہیں تو زیادہ مناسب ہوگا اس لئے جس طرح اپنے مقام پر دعا جاری تھی۔ اسی طرح جاری رکھی گئی۔ فرداً فرداً بھی۔ اور اوقات نماز کے بعد مجموعی طور پر بھی۔

جب نظر واللہ غالب علیٰ امرہ کی طرف جاتی تو امید میں بڑی وسعت پیدا ہو جاتی اور جب قادیان سے آئی ہوئی خبروں کی طرف آتی تو بڑی کوفت اٹھاتی۔ اسی کشاکش خیالات اور کشمکش امید و بیم کی حالت میں وقت گزرتا گیا۔ حتیٰ کہ مارچ کی بارہ تاریخ اور جمعرات کا دن آگیا۔ یہ دن میری پریشانی کو بہت بڑھا دینے والا تھا کیونکہ قادیان کے جو خطوط دوپہر سے پہلے پہنچے تھے وہ بھی تشویش انگیز تھے اور جو دوپہر کے بعد پہنچے وہ بھی۔ اب میری گھبراہٹ اور بے چینی اتنی بڑھ گئی کہ ایک گھنٹہ بھی کسی جگہ گزارنا مشکل ہوگیا۔ کبھی پائیں باغ میں چلا جاتا۔ کبھی مسجد میں اور کبھی پھر مکان میں آجاتا۔ رات بھی مکان اور مسجد میں جاتے آتے گزری دعا ہر جگہ جاری رہی لیکن تسکین کہیں بھی حاصل نہ ہو سکی۔ نماز فجر میں اور اس کے بعد بھی دعاء صحت کی گئی۔ یہ جمعہ کا دن تھا جب احباب رخصت ہو گئے تو میں نے مکان میں آکر ڈاک خانہ سے خطوط منگوائے۔ آج کے خطوط میں بھی کوئی بات تسلی بخش نہ تھی بلکہ کل کے خطوط سے زیادہ دل شکن مگر نہ ایسی جس سے یہ ظاہر ہو سکے کہ حضرت خلیفہ اول کی وفات میں اب چند ہی گھنٹے باقی رہ گئے ہیں۔ خطوط میں تو دو روز پہلے کا حال تھا اور حالت دم بدم نازک ہوتی جارہی تھی۔ میں

چاہتا تھا کہ نماز جمعہ یا تو حضرت والد ماجد پڑھادیں یا عزیزی حافظ سخاوت علی۔ مگر مجھی کو پڑھانی پڑی اور اس نماز میں مجھ پر ایک ایسی حالت وارد ہوئی جو پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ میں اب تک نمازوں میں حضور کی صحت کے لئے جو دعائیں کرتا رہا تھا ان میں دل میری زبان کا ساتھ دیتا تھا۔ فجر کی نماز میں بھی یہی ہوا تھا۔ مگر نماز جمعہ کی دعا میں دل نے میری زبان کا ساتھ نہ دیا۔ اس نامانوس حالت نے جو غالباً اسی وجہ سے مجھ پر وارد کی گئی تھی مجھے یقین دلا دیا کہ مرشدی و مولائی مطاعی وملاذی حضرت خلیفہ اول اس دنیا میں موجود نہیں۔ اعلیٰ علیین کی طرف رحلت فرما ہو چکے ہیں۔ نماز ختم کرتے ہی یہ اعلان کر دیا کہ سنت و نفل پڑھنے کے بعد کوئی صاحب تشریف نہ لے جائیں۔ سب مسجد میں ہی موجود رہیں۔ میں نے باقی نماز پڑھنے کے بعد مکان سے قلم و دوات اور کاغذ منگوا کر اور کف دست کے برابر بہت سے ٹکڑے کر کے سامنے رکھ لئے۔ میں اس وقت مسجد کے جنوبی دیوار سے ملا ہوا شمال کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھا تھا۔ اسی جگہ کھڑے ہو کر میں نے احباب کو خطاب شروع کر دیا۔ ابھی چند ہی لفظ زبان سے نکلے ہوں گے کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے خلیفہ کا انتخاب درست نہیں۔ میں بیٹھ گیا۔ اور میں نے عرض کیا کہ میں اس وقت کسی کے انتخاب یا کسی کی بیعت کے لئے احباب سے کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ بلکہ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب کبھی ان کی رائے کی ضرورت پیش آئے تو اس وقت ان کی رائے کیا ہوگی؟ میں چاہتا ہوں کہ احباب میں سے کسی ایک دوست کی رائے بھی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور کے خلیفہ برحق مولوی نور الدین صاحب کے مسلک سے خلاف نہ ہو اور میں اس وقت اس کارروائی پر خود بخود آمادہ نہیں ہوا بلکہ اس حالت نے جو نماز جمعہ میں حضرت خلیفۃ المسیح کے لئے دعائے صحت کرتے ہوئے مجھ پر وارد ہوئی اور جسے اس وقت ظاہر کرنا مناسب نہیں۔ مجھے آمادہ کیا تھا۔ میری اس گزارش پر حضرت والد صاحب نے یہ فرمایا کہ یہ بات ہے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ مجھے بولنے کی اجازت دے دی اور میں نے احباب کو خطاب کیا کہ اس وقت نہ تو کسی کا نام پیش کرنا چاہتا ہوں اور نہ اس وقت کے لئے آپ سے کوئی رائے چاہتا ہوں میرا مقصود یہ ہے کہ آپ کی آراء اس وقت کے لئے محفوظ ہو جائیں۔ جس وقت کہ ان کی ضرورت پیش آئے۔ اور اس کے لئے میری تجویز یہ ہے کہ آپ جس کے لئے رائے دینا چاہتے ہوں کاغذ کے پرچوں کی گڈی میں سے جو سامنے رکھی ہے۔ ایک پرچہ پر اس کا نام لکھ دیں۔ اس احتیاط سے کہ دوسرا آپ کے لکھے ہوئے نام سے واقف نہ ہو سکے۔ پھر آپ اس پرچہ کو الٹا کر کے میرے سامنے رکھے ہوئے کاغذ کے بڑے اوراق پر رکھتے جائیں اور نام اس شخص کا لکھیں جس کو آپ کا دل بہرلحاظ اس منصب عالی کا اہل اور مستحق قرار دیتا ہو۔ ہر شخص کی رائے ذاتی ہو اور کسی دوسرے کے زیر اثر ہونے

کی وجہ سے نہ ہو اور نام لکھتے وقت اعوذ اور بسم اللہ ضرور پڑھ لی جائے۔ یہ امور اچھی طرح واضح کر دینے کے بعد میں نے کاغذ کے پرچوں کی گڈی سب سے پہلے اپنے والد ماجد صاحب کی خدمت میں پیش کی اور آپ نے پرچہ میں نام لکھ کر الٹ کر رکھ دیا۔ پھر اسی طرح ہوتا رہا یہاں تک کہ سب پرچوں پر نام لکھے جا چکے تو میں نے گڈی اٹھا کر الٹی اور حضرت والد ماجد کا پرچہ سامنے آیا۔ اس پر آپ نے لکھا تھا۔ صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب۔ اس کے بعد میں ہر پرچہ کو دیکھتا ہوا آخر پرچہ تک پہنچ گیا۔ نام کے لکھنے میں الفاظ کا فرق تو تھا۔ کسی نے حضرت میاں محمود احمد صاحب لکھا تھا۔ کسی نے حضرت میاں صاحب اور کسی نے حضرت صاحبزادہ صاحب مگر تمام لکھنے والوں میں سے ایسا ایک بھی نہ تھا۔ جس نے حضرت خلیفہ ثانی کے سوا کسی اور کا نام لکھا ہو۔ میں نے اس وقت یہ تو ظاہر نہ کیا کہ دوستوں نے کس کا نام لکھا ہے۔ صرف اتنا کہہ دیا کہ سب دوستوں نے ایک ہی نام لکھا ہے۔ میں نے اس موقع پر کھلے الفاظ میں تو یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ میرے خیال میں حضرت خلیفہ اولؓ وفات پا چکے ہیں۔ لیکن جیسا کہ اس تحریر میں ظاہر کر چکا ہوں مجھے یہی یقین تھا اور نام لکھوانے کی کارروائی اسی یقین کی وجہ سے کی تھی اور حضرت والد ماجد بھی میری ان مصروفیات سے جس پر آپ نے دوبارہ مجھے بولنے کی اجازت دی تھی۔ یہ سمجھ گئے تھے کہ اس کے خیال میں حضرت خلیفہ اول زندہ نہیں ہیں۔ اسی بنا پر میں نے نام لکھوانے کی کوشش کی اور اسی بناء پر مجھے یہ ضرورت معلوم ہوئی کہ نام لکھے ہوئے کاغذ کے پرچے آج ہی قادیان بھیج بھی دیئے جائیں۔ اس کام کے لئے میں نے بابو محمد علی خان صاحب شاہجہانپوری کو تجویز کیا۔ اگرچہ انہوں نے بھی کاغذ کے پرچے پر تو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا نام مبارک ہی لکھا تھا۔ تاہم چونکہ جناب خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب سے ان کے تعلقات بہت گہرے تھے اس لئے مجھے انہیں کا بھیجنا زیادہ ضروری معلوم ہوا اور میں نے ان سے کہا کہ آپ قادیان جانے کے لئے تیار ہو کر آئیں۔ اور اسٹیشن کو اسی سڑک سے جائیں۔ میں مسجد ہی میں آپ کا منتظر رہوں گا۔ وہ مغرب سے ایک گھنٹہ پہلے یکے میں پہنچے میں انہیں دیکھتے ہی مسجد سے ان کے پاس پہنچا۔ اور ان سے کہا کہ میں مریض ہونے کی وجہ سے سفر کے لائق نہیں ورنہ میں بھی آپ کے ساتھ ہی روانہ ہو جاتا اور یہ نام لکھے ہوئے پرچے اپنے ساتھ لے جائیں اور ضرورت پیش آنے پر ان سے کام لیں۔ آپ کو سہارنپور کے اسٹیشن پر پہنچ کر یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں نے کس غرض سے آپ کو قادیان بھیجا ہے یہ کہہ کر نام لکھے ہوئے پرچوں کا لفافہ میں نے ان کے حوالے کر دیا۔ وہ ہفتہ کے روز دوپہر سے پہلے قادیان پہنچ گئے۔ اس وقت سے لے کر بیعت (خلافت ثانیہ) تک ساری کارروائیاں ان کے سامنے ہوئیں انہیں یہ علم تو تھا کہ خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب حضرت صاحبزادہ صاحب سے

اختلاف رکھتے ہیں مگر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جناب مولوی صاحب تو سرے سے مسئلہ خلافت ہی سے روگردان ہو چکے ہیں ان سے ان کو بڑی کوفت ہوئی اور وہ اکثر اس کا ذکر کیا کرتے تھے"۔

شاہ جہانپور کے بعد دہلی کی جماعت جس نے حضرت خلیفہ اول کی وفات کا تار ملتے ہی علم و فضل اور تقویٰ و روحانیت کے اس مقام کی وجہ سے جو حضرت صاحبزادہ صاحب کو جماعت میں حاصل تھا۔ اپنی بیعت کی درخواستیں آپ کی خدمت میں بھیج دیں [۲۶]۔

علیحدہ علیحدہ یا مجموعی طور پر کہا گیا ہے اور بار بار کہا گیا ہے کہ انصار اللہ کی سازش کے نتیجہ میں بیعت خلافت ہوئی ہے۔ ان دونوں جماعتوں کا اور جماعتوں سے پہلے بیعت کر لینا قدرتی جواب ہے الزام مذکورہ بالا کا۔ کیونکہ ان دونوں شہروں میں "انصار اللہ" کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا۔

ڈیرہ غازی خاں شہر میں مولوی محمد علی صاحب کے بڑے بھائی مولوی عزیز بخش رہتے تھے اور وہی امام الصلوٰۃ تھے۔ حضرت خلیفہ اولؓ کے وصال کی اطلاع پر وہ قادیان چلے گئے دوسرے تیسرے دن ڈیرہ غازی خاں میں مرکز سے خبر پہنچی کہ حضرت میاں بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح منتخب ہو گئے ہیں۔ یہ مغرب کے قریب کا وقت تھا اور دوست مسجد میں بیٹھے انتخاب خلافت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ مولوی عزیز بخش صاحب کے لڑکے میاں اللہ بخش صاحب و رحیم بخش صاحب اس کھڑکی سے جو مسجد کی شمالی جانب مغرب کو ان کے گھر میں کھلتی تھی مسجد میں آئے اور آتے ہی پوچھنے لگے کہ کیا چچا (مولوی محمد علی صاحب) خلیفہ ہو گئے ہیں۔ جواب نفی میں پا کر ان پر اداسی چھا گئی اور وہ مبہوت سے ہو گئے۔ چند روز بعد مولوی عزیز بخش صاحب بھی قادیان سے لوٹ آئے اور انہوں نے جماعت کو خلافت سے برگشتہ کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر اخوند محمد اکبر خاں صاحب نے جو سلسلہ کے لٹریچر سے خوب واقف تھے۔ مولوی صاحب کو دنداں شکن جواب دیئے۔ کشیدگی میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ اور بالآخر ایک مسجد میں دو جماعتیں ہونے لگیں [۲۷]۔ اسی اثناء میں ایک دن مولوی صاحب جماعتی لائبریری سے اپنی کتابیں بھی اٹھا کر لے گئے کہ یہ میرا حق ہے پھر دونوں فریق الگ الگ جگہ نماز پڑھنے لگے۔ رفتہ رفتہ ڈیرہ غازی خاں کے ماحول کی جماعتیں بھی خلیفہ وقت کی بیعت میں داخل ہو گئیں اور گنتی کے چند افراد کے سوا اس فتنے کا کسی پر کوئی اثر باقی نہ رہا [۲۸]۔

انگلستان میں ان دنوں جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب' جناب خواجہ کمال الدین صاحب' شیخ نور احمد صاحب' جناب چوہدری فتح محمد صاحب سیالؓ' مسٹر محمد عبد اللہ ھیچ (نو مسلم انگریز) میاں عبدالعزیز۔ سید عبدالحی عرب اور جناب ملک عبدالرحمٰن صاحب مقیم تھے [۲۹]۔ جب خلافت ثانیہ کا قیام ہوا تو خواجہ کمال الدین صاحب اور ان کے ایجنٹ شیخ نور احمد صاحب کے سوا باقی سب نے بیعت کر لی۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ایسٹر کی تعطیلات کے سلسلہ میں انگلستان سے باہر گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر ہندوستان کی ڈاک اور الفضل کے پرچوں سے قیام خلافت کا علم ہوا تو آپ نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں فوراً بیعت کا خط لکھا کہ "خلیفہ بنانا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا اور چونکہ حضور کو اللہ تعالیٰ نے اس منصب کے لئے چن لیا ہے اس لئے ہمارا فرض امنا و صدقنا ہے حضور غلام کی بیعت قبول فرماویں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں۔ کہ غلام اس عہد پر اخلاص کے ساتھ قائم رہے اور اسے پورا کرنے کی توفیق دے" [۲۰]۔

قدرت خداوندی ملاحظہ ہو کہ خواجہ کمال الدین صاحب آپ کو ہم خیال بنانے کے لئے اکثر متنازعہ مسائل پر گفتگو کرتے رہتے تھے مگر یہی گفتگو چوہدری صاحب کو دامن خلافت سے وابستہ کرنے کا موجب بن گئی۔ چنانچہ چوہدری صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"میرے انگلستان جانے کے ایک سال بعد خواجہ کمال الدین صاحب بھی انگلستان تشریف لے گئے اور مجھے متواتر خواجہ صاحب کی صحبت میسر آتی رہی۔ ۱۳-۱۹۱۲ء کی سردیوں کا کچھ عرصہ تو خواجہ صاحب اسی مکان میں مقیم رہے جس میں میری رہائش تھی۔ اس دوران میں خواجہ صاحب بعض دفعہ خلافت کا تذکرہ بھی چھیڑ دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ خواجہ صاحب نے فرمایا ...... خلافت کا بھی (حضرت) مولوی (صاحب) کے بعد تنازعہ ہی ہو گا۔ آخر اس منصب کے اہل ہیں کون؟ محمود ہے لیکن وہ بچہ ہے۔ محمد علی ہے وہ بہت حساس ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر رو پڑتا ہے۔ اور میں ہوں لیکن مجھ میں یہ نقص ہے کہ میں سچی بات منہ پر کہہ دیتا ہوں جس سے لوگ مجھ سے خفا ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا۔ ایک خلیفہ موجود ہے اس کے بعد جسے خدا چاہے گا۔ کھڑا کر دے گا۔ آپ اس فکر میں کیوں پڑتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے لاہور والی تقریر میں وضاحت فرما دی کہ اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ......اختلاف کا علم ہونے پر میں نے خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ اگر خلیفہ کی ضرورت نہیں تو آپ نے حضرت خلیفہ اول کی بیعت کیوں کی تھی؟ انہوں نے کہا غلطی ہو گئی تھی۔ میں نے کہا پہلی بار کی غلطی کے بعد پھر آپ نے دوبارہ غلطی کیوں کی؟ خواجہ صاحب نے کچھ جھنجلا کر کہا جھک ماری تھی۔ بعد انہوں نے غلطی کو "بیعت توبہ" اور "جھک" کو بیعت ارشاد سے تعبیر کیا۔ خواجہ صاحب کے ساتھ ...... جو گفتگو ان مسائل کے متعلق ہوتی رہی وہ حضرت خلیفہ اول ؓ کی وفات پر میرے لئے جماعت کے اختلاف کے معاملہ میں بہت راہنمائی کا موجب ہوئی اور اختلاف کی تفصیل کا علم ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی بیعت کی توفیق مل گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک" [۲۱]۔

ابتدائی کشمکش اور جماعت کی اکثریت کا خلافت کے جھنڈے تلے اجتماع

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ۱۴/ مارچ ۱۹۱۴ء کو بروز ہفتہ بعد نماز عصر مسند خلافت پر متمکن ہوئے تھے اس وقت قادیان میں قریباً دو ہزار مردوں [22] نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اس تعداد میں ایک حصہ ان لوگوں کا بھی شامل تھا۔ جو حضرت خلیفہ اولؓ کی بیماری کے آخری ایام میں آپ کی وفات کی خبر سن کر باہر سے آئے ہوئے تھے۔ مگر دوسری طرف اس وقت قادیان میں ہی ایک حصہ ایسا بھی موجود تھا جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بیعت سے منحرف رہا۔ اس حصہ میں زعماء منکرین خلافت اور ان کے رفقاء ہر دو شامل تھے۔ ہر چند کہ ان لوگوں کی تعداد [23] بہت قلیل تھی۔ یعنی اس وقت قادیان میں ان کی مجموعی تعداد دو تین فی صدی سے زیادہ نہیں تھی مگر چونکہ ان میں بعض ذی اثر اصحاب شامل تھے مثلاً مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے [24] جو صدر انجمن احمدیہ کے مستقل سیکرٹری اور ریویو آف ریلیجنز کے ایڈیٹر تھے۔ اور جماعت میں اچھا اثر رکھتے تھے اور مولوی صدر الدین صاحب بی۔ اے جو تعلیم الاسلام ہائی سکول کے مستقل ہیڈ ماسٹر اور صدر انجمن احمدیہ کے قائم مقام سیکرٹری تھے اور اسی طرح بعض اور لوگ جو صدر انجمن احمدیہ کے مختلف صیغہ جات میں کام کرتے تھے اس گروہ میں شریک تھے اس لئے باوجود تعداد کی کمی کے ان لوگوں کے اثر کا دائرہ کافی وسیع تھا۔ مگر سب سے زیادہ فکر جماعت کے اس سواد اعظم کے متعلق تھی جو قادیان سے باہر پنجاب و ہندوستان کے مختلف حصوں میں بالکل تاریکی کی حالت میں پڑا تھا۔ پس خلافت کے انتخاب کے بعد پہلا کام یہ تھا کہ جماعت کے ان منتشر دھاگوں کو سمیٹ کر پھر ایک رسی کی صورت میں جمع کر لیا جاوے۔ چنانچہ اس کی طرف فوری توجہ دی گئی اور اخباروں اور رسالوں اور اشتہاروں کی غیر معمولی اشاعت [25] کے علاوہ جماعت کے اہل علم لوگوں کو ملک کے چاروں اطراف میں پھیلا دیا گیا [26]۔ تاکہ وہ بیرونی جماعتوں کو حالات سمجھا کر اور اختلافی امور کی تشریح کر کے اور حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم بتا کر خلافت کے ہاتھ پر جمع کرنے کی کوشش کریں۔ اور گو خدا کے فضل اور رحم سے جماعت کی کثرت نے ایک غیر معمولی سنبھالا لیکر مرکز کی اپیل پر مخلصانہ لبیک کہا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بیعت فوراً قبول کر لی۔ مگر چونکہ منکرین خلافت کی طرف سے بھی پُر زور پراپیگنڈا جاری تھا اس لئے جماعت کا ایک معتدبہ حصہ ایسا بھی تھا جسے سخت کوشش اور انتہائی جدوجہد کے ساتھ راہ راست پر لانا پڑا۔ یہ ایک ہولناک نظارہ تھا اور گویا ایک قسم کی طولانی رسہ کشی تھی۔ جس میں کئی موقعے خطرے کے پیدا ہوتے رہے مگر بالآخر چپہ چپہ اور بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ خدائی فوج دشمن کے کیمپ میں دھنستی چلی گئی اور چند ماہ کی شب و روز کی جنگ کے بعد خدا نے اپنے روحانی خلیفہ

کو فتح عطا کی اور جماعت کا زائد از پچانوے فیصدی [۲۷] حصہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گیا۔ یہ دن بڑے عجیب و غریب تھے جن کی یاد دیکھنے والوں کو کبھی بھول نہیں سکتی۔ ہر مخلص احمدی جوش سے بھرا ہوا تھا اور ہر فرد اپنے علم اور اپنی استعداد کے مطابق تبلیغ کے کام میں دن رات مصروف تھا اور صحیح معنوں میں ایک پوری پوری جنگی کیفیت نظر آتی تھی [۲۸]۔ اس عرصہ میں منکرین خلافت نے بھی اپنی جدوجہد کو انتہا تک پہنچا دیا اور اصول کی بحث کے علاوہ ذاتیات [۲۹] کے میدان میں بھی قدم رکھ کر ایسا نازیبا پراپیگنڈا کیا کہ جس نے جماعت کی اخلاقی فضا کو وقتی طور پر مکدر کر دیا۔ مگر فرشتوں کی مخفی فوج کے سامنے سب کوششیں بیکار تھیں اور آہستہ آہستہ حریف کا ہر مورچہ مغلوب ہو کر ہتھیار ڈالتا گیا اور سوائے ایک نہایت قلیل حصہ کے ساری جماعت دامن خلافت کے ساتھ وابستہ ہو گئی۔

دوسری طرف منکرین خلافت کا جو حصہ قادیان میں تھا اور جس کے ہاتھ میں صدر انجمن احمدیہ کے بعض محکمہ جات کی باگ ڈور تھی اس پر اللہ تعالیٰ نے ایسا رعب طاری کیا۔ کہ وہ قادیان کو چھوڑ کر خود بخود [۳۰] لاہور چلا گیا اور اللہ تعالیٰ نے مرکز سلسلہ کو فتنے کے شراروں سے بہت جلد پاک کر دیا۔ ان لوگوں کا قادیان کو چھوڑنا گو جماعت کے لئے ایک بڑی رحمت ثابت ہوا۔ مگر خود ان کے مفاد کے لحاظ سے ایک خطرناک غلطی تھی۔ جسے [۳۱] انہوں نے خود بھی بعد میں محسوس کیا۔ کیونکہ اول تو اس کے بعد ان کے لئے مرکز میں اڈا جمانے کا موقعہ نہ رہا۔ دوسرے چونکہ دنیا کی نظروں میں قادیان ہی سلسلہ احمدیہ کا مرکز تھا اس لئے اپنوں اور بیگانوں کی نظر قادیان ہی کی طرف لگی رہی۔ اور ان لوگوں کے متعلق ہر سمجھنے والے نے یہی سمجھا کہ وہ جماعت کو چھوڑ کر الگ ہو گئے ہیں۔ مگر بہرحال ان کا قادیان سے خود بخود نکل جانا ایک خدائی تصرف تھا جس نے جماعت کے حق میں ایک بھاری ہتھیار کا کام دیا۔

اس اختلاف کے دوران میں صدر انجمن احمدیہ کا یہ حال تھا کہ گو اس کے ممبروں میں سے ایک معتدبہ حصہ خلافت کا منکر ہو چکا تھا مگر اب تک بھی ممبروں کی اکثریت خلافت کے حق میں تھی [۳۲] جیسا کہ نقشہ ذیل سے ظاہر ہو گا۔

۱۔	حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب	خلافت کے حق میں	
۲۔	حضرت نواب محمد علی خاں صاحب	خلافت کے حق میں	
۳۔	حضرت مولانا مولوی سید محمد احسن صاحبؓ امروہی	خلافت کے حق میں	یہ بزرگ شروع میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بیعت میں داخل ہوئے مگر بعد میں منکرین خلافت کے اثر سے بعض امور میں

			خلاف ہو گئے مگر وفات کے قریب پھر مائل ہو گئے تھے۔
۴۔	حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ	خلافت کے حق میں	
۵۔	حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحبؓ	خلافت کے حق میں	
۶۔	حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحبؓ مدراسی۔	خلافت کے حق میں	
۷۔	حضرت مولانا مولوی شیر علی صاحبؓ	خلافت کے حق میں	
۸۔	قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ	خلافت کے حق میں	
۹۔	مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے مرحوم	خلافت کے خلاف	
۱۰۔	خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم	خلافت کے خلاف	خواجہ صاحب کی قائم مقامی میں حضرت خلیفہ اولؓ کی وفات کے وقت مولوی صدر الدین صاحب عارضی طور پر ممبر تھے اور وہ بھی خلافت کے خلاف تھے۔
۱۱۔	ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم	خلافت کے خلاف	
۱۲۔	ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم	خلافت کے خلاف	
۱۳۔	شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم	خلافت کے خلاف	
۱۴۔	حضرت مولوی غلام حسن صاحبؓ پشاوری	خلافت کے خلاف	یہ بزرگ خدا کے فضل سے ۲۲ جنوری ۱۹۴۰ء میں مبایعین میں شامل ہو گئے اور پھر بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے کی سعادت پائی۔
۱۵۔	حضرت میر حامد شاہ صاحبؓ	خلافت کے خلاف	یہ بزرگ شروع میں کچھ وقت تک مصلح منکرین کے ساتھ رہے مگر بعد میں جلد ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بیعت سے مشرف ہو گئے۔ ۶۳

مندرجہ بالا نقشے میں جن ممبران صدر انجمن احمدیہ کا ذکر ہے یہ سب حضرت مسیح موعودؑ کے مقرر کردہ تھے سوائے اس کے مولانا مولوی شیر علی صاحب اور حضرت مرزا بشیر احمدؓ کو حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے مقرر فرمایا تھا اور مولوی صدرالدین صاحب کو صدر انجمن احمدیہ نے خود بخود خواجہ کمال الدین صاحب

کے سفر ولایت کے ایام میں عارضی ممبر مقرر کر لیا تھا۔ بہرحال اس نقشہ سے ظاہر ہے کہ حضرت خلیفہ اولؓ کی وفات کے وقت بھی صدر انجمن احمدیہ کی اکثریت خلافت کی مؤید تھی۔ یہی وجہ ہے کہ منکرین خلافت اس بات پر مجبور ہوئے کہ صدر انجمن احمدیہ سے ------ہاں وہی صدر انجمن احمدیہ جو ان کی اس قدر منظور نظر تھی----- [۶۴] قطع تعلق کر کے اس کی جگہ لاہور میں ایک علیحدہ انجمن قائم کرلی۔ گویا حضرت خلیفہ اولؓ کی وفات کے بعد ان اصحاب کا صرف خلافت سے ہی قطع تعلق نہیں ہوا۔ بلکہ صدر انجمن احمدیہ سے بھی قطع تعلق ہو گیا اور وہ مرکز [۶۵] سلسلہ کو چھوڑ کر لاہور چلے گئے۔ اور وہاں اپنی ایک جداگانہ انجمن بنالی جس کا نام انجمن احمدیہ اشاعت اسلام ہے [۶۶]۔

جس وقت یہ اصحاب قادیان کو چھوڑ کر جا رہے تھے اس وقت ان کے تعمیراتی پروگرام نے صدر انجمن احمدیہ کے خزانے کو بالکل خالی کر رکھا تھا اور صرف چند آنوں کے پیسے [۶۷] باقی تھے اور دوسری طرف یہ لوگ اس قدر خود بینی میں مبتلا تھے کہ سمجھتے تھے کہ ہمارے چلے جانے سے یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اور ہمارے بعد کوئی شخص اس نظام کو چلا نہیں سکے گا۔ چنانچہ ان کے ایک معزز رکن نے قادیان سے جاتے ہوئے سلسلہ کی عمارات کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ کہ اب یہاں الو بولیں گے۔ یہ کلمہ اس انتہائی نخوت کا ایک گندہ ابال تھا جو ان لوگوں کے دماغوں میں غلبہ پائے ہوئے تھی۔ اور اس سے اس بے حمیتی پر بھی روشنی پڑتی تھی جس کا یہ لوگ شکار ہو رہے تھے۔ کیونکہ خواہ وہ قادیان سے جا رہے تھے مگر بہرحال قادیان ان کے روحانی پیشوا اور سلسلہ احمدیہ کے بانی حضرت مسیح موعود کا مولد و مسکن و مدفن تھا۔ اور سلسلہ کی تمام روایات قادیان سے وابستہ تھیں۔ پس اگر ان لوگوں کے دل میں مرکز سلسلہ کی ذرا بھی محبت ہوتی تو ان کے منہ سے قادیان کے متعلق اس قسم کے الفاظ ہرگز نہ نکلتے۔ کہتے ہیں کہ محبوب کی گلی کا کتا بھی پیارا ہوتا ہے مگر ان لوگوں نے اپنے محبوب کے مکانوں اور ہزاروں خدائی نشانوں کی جلوہ گاہ عمارتوں اور بیسیوں شعائر اللہ کو محبوب کی گلی کے کتے کے برابر بھی حیثیت نہیں دی۔ مگر اس کا کیا پھل پایا؟ آہ یہ ایک نہایت تلخ خیال ہے جس کے تصور سے بھی دل میں درد اٹھتا ہے [۶۸]۔

تحریک انکار خلافت کا انجام

آخری الفاظ میں نہایت درد دل سے جس تلخ اور المناک حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ہم غیر معمولی اختصار کے ساتھ اس پر اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہم اس سنہری دور میں سے گزر رہے ہیں جس کا ہر آنے والا دن نئی سے نئی برکات و فتوحات کو لے کر طلوع کر رہا ہے۔

تحریک انکار خلافت کی پوری تاریخ عبرتوں کا مرقع ہے بطور نمونہ چند ضروری حقائق و شواہد کا

تذکرہ کیا جاتا ہے۔

خود ساختہ خلافتوں کا خاتمہ غیر مبایعین نے حضرت خلیفہ اول کی وفات پر سلسلہ خلافت کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے پورا زور لگایا۔ اور اس امر کے لئے کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا کہ حضرت خلیفہ اول نے مطابق الوصیت سلسلہ خلافت کو قائم رکھنے کے لئے اپنی بار بار کی تشریحات پر بس نہ کرکے اپنے ایک جانشین ۴۹ کی جو وصیت فرمائی ہے اس کی تکمیل نہ ہو سکے مگر جب تقدیر الٰہی کے سامنے ان کی کچھ نہ چلی اور بفضلہ تعالیٰ خلافت قائم ہو کر رہی تو اپنے اس پروپیگنڈا کو حضرت مولوی صاحب (خلیفہ اولؓ) کے بعد کوئی خلیفہ نہیں ہونا چاہئے بالائے طاق رکھ کر اپنی طرف سے تین خلفاء مقرر کر دیئے۔ (۱) مولوی غلام حسن خان صاحب پشاوری (۲) سید حامد شاہ صاحب سیالکوٹی (۳) خواجہ کمال الدین صاحب ۵۰۔ مقدم الذکر بزرگ بعد میں خلافت ثانیہ کی بیعت میں آگئے۔ اور خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنا مشن احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے منقطع کر لیا ۵۱۔ خواجہ صاحب مرحوم کو آخری عمر میں ایک خواب دکھایا گیا۔ کہ تخت کے سامنے ملزموں کے کھڑا کرنے کی جگہ تھی......... میرے ہمراہ حضرت مولوی (محمد علی) صاحب تھے...... ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم پر کوئی مقدمہ ہے اور اس عدالت عالیہ میں ہم بحیثیت ملزم کھڑے ہیں....... میں نے سمجھا کہ صاحب عرش نے کوئی حکم دے دیا ہے جس کے سنانے کے لئے حضرت مرزا صاحب اٹھے۔ وہ گو خود خوف کی حالت میں تھے۔ مگر انہوں نے نہایت غضب ناک آواز میں حکم سنایا ۵۲۔ خواجہ صاحب نے اپنی کتاب "مجدد کامل" میں یہ خواب شائع کی۔ اور انجمن اشاعت اسلام کے تبلیغی طریق کار پر اعتراضات کئے۔ جس کے جواب میں مولوی محمد علی صاحب کو ایک لمبا چوڑا مضمون لکھنا پڑا ۵۳۔

جناب مولوی محمد علی صاحب کے خلاف بغاوت مولوی محمد علی صاحب کا (جن کے لئے "مجدد الدین" کا الہام ۵۴ اختراع کیا گیا) کہنا ہے کہ "جس وقت ہم علیحدہ ہوئے ہیں مجھے بھی الہام ہوا تھا وللاخرۃ خیر لک من الاولیٰ" ۵۵۔ یعنی آئندہ زندگی پہلے سے بہتر ہوگی۔ لیکن اس کے برخلاف ہوا یہ کہ ان کی آخری زندگی نہایت پریشانیوں تلخیوں اور مصیبتوں میں گزری۔ جس کی تفصیل انہوں نے "میری زندگی کا ایک دردناک ورق" میں بیان فرمائی ۵۶۔ اور پھر اپنی ایک چٹھی (مطبوعہ ۲۵/ جولائی ۱۹۵۱ء) میں یہ لکھا کہ "جب سے میں گزشتہ بیماری کے حملہ سے اٹھا ہوں اس وقت سے یہ دونوں بزرگ (ڈاکٹر غلام محمد صاحب اور مولوی صدر الدین صاحب۔ ناقل) اور شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری میرے خلاف پراپیگنڈا میں اپنی پوری قوت خرچ کر رہے ہیں اور ہر ایک تنکے کو پہاڑ بنا کر جماعت میں ایک فتنہ پیدا

کرنا شروع کیا ہوا ہے...... یہ نوٹس جاری کر کے جماعت کے بنیادی نظام پر کلہاڑی چلائی گئی اور امیر جماعت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا گیا ہے" ۵۷۔ اسی طرح ان کی بیگم صاحبہ نے بھی ایک خط میں لکھا کہ "مفسدوں نے مخالفت کا طوفان برپا کر دیا اور طرح طرح کے بیہودہ الزام لگائے۔ یہاں تک بکواس کی کہ آپ نے احمدیت سے انکار کر دیا ہے اور انجمن کا مال غصب کر لیا ہے"۔ "ان تفکرات نے آپ کی جان لے لی۔ سب ڈاکٹر یہی کہتے تھے کہ اس غم کی وجہ سے حضرت مولوی صاحب کی جان گئی"۔ "ایک وصیت لکھ کر شیخ میاں محمد صاحب کو بھیج دی کہ یہ سات آدمی جو اس فتنہ کے بانی ہیں......اور جن کا سرغنہ مولوی صدر الدین ہے میرے جنازہ کو ہاتھ نہ لگائیں اور نہ ہی نماز جنازہ پڑھائیں چنانچہ اس پر عمل ہوا" ۵۸۔

مگر اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب کی وصیت پس پشت ڈال کر مولوی صدر الدین صاحب ہی "امیر قوم" منتخب کر لئے گئے۔ بحالیکہ انجمن اشاعت اسلام کے بعض چیدہ ممبران کھلے طور پر یہ رائے ظاہر کر چکے تھے۔ کہ مولوی صدر الدین صاحب کو "حکومت کا شوق ہے سوائے اس کے کسی بات پر رضامند نہیں ہو سکتے کہ تمام اختیارات ان کو دے دیئے جائیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ وہ زندگی بھر ہر ایک سے برسرپیکار رہے...... وہ اقتدار کے بھوکے ہیں۔ جب تک وہ اسے حاصل نہ کر لیں گے جماعت میں فتنہ و فساد ختم نہیں ہو سکتا۔ مگر جس روز جماعت نے یہ قدم اٹھایا تو وہ دن جماعت اور تحریک احمدیت (یعنی لاہوری تحریک۔ ناقل) کے خاتمہ کا دن ہو گا" ۵۹۔

نظام "الوصیت" سے قطع تعلق

غیر مبائع اصحاب نے قادیان سے نکل جانے کے بعد نظام "الوصیت" سے جو خدائی بشارتوں کے مطابق سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے قائم فرمایا تھا ہمیشہ کے لئے علیحدگی اختیار کر لی۔ پہلے تو انہوں نے اپنی وصیتیں ۶۰ منسوخ کر دیں۔ پھر بہشتی مقبرہ کے ساتھ ایک علیحدہ ۶۱ قبرستان بنانے کی تجویز کر کے یہ اعلان کیا کہ "صاحبزادے صاحب نے ہمارے خلاف بہت سخت فتاویٰ شائع کئے ہیں اور زندگی میں موجودہ حالات میں ہمارا قادیان میں رہنا ناممکن ہے اور وفات کے بعد بھی مقبرہ بہشتی میں جگہ ملنے کی ان کی طرف سے امید منقطع ہے...... حضرت مسیح موعود (علیہ الصلوۃ والسلام) نے الوصیت میں مقبرہ کی زمین کی توسیع کی ہدایت فرمائی ہے اور خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب کے ...... خاص طور پر مشکور ہیں کہ انہوں نے ہم کو اپنے حصہ میں سے مقبرہ بہشتی کے متصل زمین اس غرض کے لئے عنایت کر دی ہے کہ ہم مرنے کے بعد تو قادیان میں جگہ پا سکیں ۶۲۔ غیر مبائع اصحاب نے اسے محض "خاندانی قبرستان" ۶۳ قرار دینا شروع کر دیا اور یہ مسلک اختیار کیا کہ اصل مقصود تو

محض "اشاعت اسلام" کے لئے فنڈ کا جمع کرنا ہے۔ جو نئی وصایا کی شکل میں اکٹھا کیا جائے گا۔ مگر یہ تحریک بھی زیادہ دیر تک نہ چل سکی۔

چنانچہ جناب مولوی محمد علی صاحب نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "جماعت (غیر مبایعین) نے الوصیت کے عملی حصہ کو اختیار کرنے میں کمزوری دکھلائی اور اس کی وجہ سے خود کمزور ہو گئی اس بارے میں سب سے زیادہ قصوروار وہ شخص ہے جو اس وقت تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ گناہ کے اس احساس کے ساتھ جو کہ ایک بدترین گناہگار کو ہو سکتا ہے۔ میں اس قصور اور کوتاہی کا اقرار کرتا ہوں کہ سب سے زیادہ کمزوری میں نے دکھلائی ہے [٦٤]۔

لامرکزیت کا شکار

منکرین خلافت کے ایک سابق صدر نے کہا۔ "لاہور میں کام شروع کئے ہوئے ہمیں ۳۷ سال گزر چکے ہیں اور ہم اس چار دیواری سے باہر نہیں نکلے .... بحثیں ہوتی ہیں کہ ہماری ترقی میں کیا روک ہے بعض کہتے ہیں جماعت قادیان نے دعویٰ نبوت کو حضرت امام زمان کی طرف منسوب کر کے اور دوسرے تمام مسلمانوں کو کافر کہکر ایک بہت بڑی روک پیدا کر دی ہے۔ لیکن ان اعتقادات کے باوجود ان کی اپنی ترقی تو بدستور ہو رہی ہے .... میرے خیال میں ہماری ترقی کے رکنے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا مرکز دلکش نہیں .... بہت سے نوجوان ہمارے سامنے ہیں جن کے باپ دادا سلسلہ پر عاشق تھے لیکن ان نوجوانوں میں وہ روح آج مفقود ہے" [٦٥]۔

کثرت کا قلت میں بدلنا

اوائل میں غیر مبایعین پراپیگنڈا کیا کرتے تھے کہ "ابھی بمشکل قوم کے بیسویں حصہ نے خلیفہ تسلیم کیا ہے" [٦٦]۔ بلکہ وہ یہاں تک کہا کرتے تھے کہ "افسوس مؤیدین خلافت کی تعداد کہنے کو دو ہزار بتائی جاتی ہے لیکن دراصل ایسے مؤیدین کی تعداد جو موجودہ خلافت کے مضرات سے باخبر ہوں اس قدر کم ہے کہ جن کی تعداد چالیس مومن تو ایک طرف رہے دس کے ہندسہ تک بھی نہیں پہنچ سکتی۔ اور وہ بھی اپنے ہی گھر کے آدمی بجز .... دو چار اصحاب کے"۔ الخ [٦٧]

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ ۱۹۱۴ء کے شروع میں غیر مبائع اصحاب مبایعین کو اس لئے حق پر نہیں سمجھتے تھے کہ ان کی تعداد بہت کم ہے لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ان کی توقعات کے سراسر خلاف ان کی کثرت اقلیت میں بدل گئی۔ چنانچہ "عصر جدید" نے لکھا۔ "وہ گروہ جو خواجہ کمال الدین صاحب کے ہم خیال ہو کر دوسرے مسلمانوں سے بظاہر مل کر کام کرنا چاہتا ہے اور جس میں بہت سے تعلیم یافتہ احمدی لاہور وغیرہ کے شامل ہیں۔ ان کو صاحبزادہ بشیر محمود کے فریق نے تقریباً ہر جگہ شکست

فاش دے دی ہے" ۶۸ - اس انقلاب کے بعد جمہوریت کے دعویداروں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ "کثرت کوئی چیز نہیں" ۶۹ - بحالیکہ حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی موجود ہے۔ کہ "میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا...... اور ان میں کثرت بخشوں گا" ۷۰۔

عقائد و نظریات میں حیرت انگیز تبدیلی

خلافت سے انحراف کا سب سے خطرناک نتیجہ یہ رونما ہوا کہ غیر مبایعین کے عقائد و نظریات میں ایک طوفان اٹھا جو جماعت کے اجماعی مسلک کو (جس کا اقرار وہ خود بھی وقتاً فوقتاً کرتے آرہے تھے) بہالے جانے کا باعث ہوا۔ مثلاً

۱۔ اختلاف کے نمودار ہونے تک انہیں مسلم تھا کہ "ہم ایک نبی کے سلسلہ کے ممبر ہیں" ۷۱۔ بلکہ اختلاف کے بعد بھی وہ یہ نظریہ رکھتے تھے۔ کہ "میرزا صاحب کی اولاد میں سے ایک نبی ہو گا" ۷۲۔ مگر بعد میں خود حضرت مسیح موعودؑ کی نبوت سے یکسر انکار کر دیا۔ بلکہ جہاں اپنے لیڈروں کو "اولیاء اللہ" ۷۳ اور "مجدد" ۷۴ قرار دیا۔ وہاں حضرت مسیح موعود کا مقام یہ تجویز کیا۔ کہ "حضرت صاحب از روئے الہام حدیث کے مخصوص علماء کی صف میں کھڑے ہیں" ۷۵۔

۲۔ حضرت مسیح موعودؑ کے اہل بیت کے بارے میں شروع میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ "اس میں کس ایماندار کو کلام ہے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب خدا کے مامور اور برگزیدہ کے فرزند صاحب علم صاحب عفت، صالح اور نہایت نیک اطوار اور ائمۃ الہدیٰ ہونے کے ہر طرح قابل ہیں اور یہ سب فرزند بلاشبہ روحانی اور جسمانی دونوں معنوں کی رو سے حضرت مسیح موعودؑ کی آل ہیں۔ اور ان اللہ معک و مع اھلک کے الہام کے پورے مصداق ہیں" ۷۶۔ لیکن بعد کو پورے خاندان مسیح موعودؑ کو گمراہ قرار دینے لگے۔

۳۔ شروع شروع میں خصوصاً حضرت سیدنا محمود کی بزرگی اور پاکیزگی روح پر غیر مبایعین متفقہ شہادت دیتے تھے۔ "پیارے ناظرین! ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم حضرت صاحبزادہ صاحب کو اپنا ایک بزرگ اور امیر اور ملجا و ماویٰ سمجھتے ہیں۔ اور ان کی پاکیزگی روح اور بلندی فطرت اور علو استعداد اور روشن جوہری اور سعادت جبلی کو مانتے ہیں اور دل سے ان سے محبت کرتے ہیں........ صرف اعتقاد میں فرق ہونے کی وجہ سے ہم ان سے بیعت نہیں کر سکتے" ۷۷۔

خود مولوی محمد علی صاحب شروع میں لکھتے ہیں کہ "میں بار بار کہتا ہوں کہ میں صاحبزادہ صاحب کی عزت کرتا ہوں وہ میرے آقا کے صاحبزادے ہیں اگر میں ان کی عزت و احترام کو ملحوظ نہ رکھوں تو نمک

حرامی ہو گی" [۷۸]۔ مگر جلد ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات پر اس بے باکی سے حملے کئے گئے کہ انکار خلافت کی پوری تحریک آپ کی مخالفت کے لئے وقف ہو گئی۔ "پیغام صلح" کے مضامین پڑھیے ان میں حضرت خلیفہ ثانی کو نعوذ باللہ "یزید"۔ "حسن بن صباح" اور "ڈوئی" تک سے تشبیہ دی گئی ہے۔ آہ! ابتداء کیا تھی اور انتہاء کیا ہے فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

۴۔ پہلے تسلیم کیا جاتا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی موجودہ اولاد [۷۹] میں سے ہی ایک فرزند مصلح موعود ہو گا مگر پھر یہ عقیدہ بنا لیا گیا کہ وہ تیسری چوتھی صدی میں آئے گا [۸۰]۔ اور اس خیال کی بنیاد اپنے اجتہاد پر رکھی بحالیکہ "حجت صرف الہام ہو سکتا ہے"۔ [۸۱]۔ قیاس و خیال نہیں۔

۵۔ امیر غیر مبایعین جناب مولوی محمد علی صاحب کا پہلا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت "مسیح کی پیدائش ایک ایسے اعجازی رنگ میں ظاہر ہوئی کہ جس میں باپ کا دخل نہ ہوا" [۸۲]۔ اب جو اختلاف ہوا تو خود مولوی صاحب موصوف نے اپنی انگریزی و اردو تفسیر میں مسیح کی بن باپ ولادت سے انکار کر دیا۔

۶۔ قادیان کو چھوڑنے کے بعد ایک عرصہ تک یہ یقین دلاتے رہے کہ "ہمارا تعلق نہ تو سلسلہ سے منقطع ہو سکتا ہے اور نہ قادیان سے اور نہ ہی اس مقدس انسان کے خاندان سے جس کے ہم خادم ہیں" [۸۳]۔ لیکن جلد ہی یہ صورت بھی بدل گئی اور قادیان کی عظمت کی بجائے احمدیہ بلڈنگس "کے تقدس نے جگہ لے لی"۔ اور کہا جانے لگا۔ "جب قادیان میں حضرت مولانا نور الدین صاحب کی وفات کا حادثہ پیش آیا جس کے ساتھ ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا علم و حکمت کے تمام سوتے وہاں خشک ہو کے رہ گئے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تمام خزانوں کو سمیٹ کر لاہور تشریف لے آئے اور احمدیہ بلڈنگس کی سرزمین کو آبسایا" [۸۴]۔ یہ کھلا مذاق حضرت مسیح موعودؑ کے اس کلام سے تھا کہ۔ ے

زمین قادیاں اب محترم ہے ہجوم خلق سے ارض حرم ہے

ہاں یہ وہی قادیان تھا جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک بابرکت مقام قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ "خدا کے رسول کا تخت گاہ ہے" [۸۵]۔

۷۔ جناب مولوی محمد علی صاحب قادیان میں کئی آیتوں کے جو معنے کیا کرتے تھے لاہور میں آکر اس کے خلاف کرنے لگے۔ مثلاً قادیانی زندگی میں وہ آیت اھدنا الصراط المستقیم کی یہ تفسیر فرماتے تھے کہ ..... "مخالف خواہ کوئی ہی معنے کرے مگر ہم تو اسی پر قائم ہیں کہ خدا نبی پیدا کر سکتا ہے........ مگر چاہئے مانگنے والا" [۸۶]۔

مگر لاہوری زندگی میں یہ نظریہ قائم کیا کہ "اگر (اھدنا الصراط المستقیم) کو حصول نبوت کی دعا مانا جائے تو ماننا پڑے گا کہ تیرہ سو سال میں کسی مسلمان کی دعا قبول نہ ہوئی"۔ پھر یہ لکھا۔ "مقام نبوت

کے لئے دعا کرنا ایک بے معنی فقرہ ہے اور اسی شخص کے منہ سے نکل سکتا ہے جو اصول دین سے ناواقف ہے"۔ [۸۷، ۸۸]

بنیادی نظریہ میں شکست

کفرو اسلام کا مسئلہ تو محض غیروں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے اٹھایا گیا تھا۔ ورنہ اصل بنیادی اختلاف تو ان حضرات کا یہ تھا کہ یہ انجمن پر کسی خلیفہ مطاع کی بالادستی کے قائل نہ تھے اور اسی کا نام ان کے نزدیک جمہوریت تھا [۸۹] لیکن ایک لمبے تجربہ کے بعد خود مولوی محمد علی صاحب کو محسوس ہو گیا کہ جمہوریت کے علمبرداروں میں "آزادی حد سے گزری ہوئی" ہے [۹۰]۔ جب قدم قدم پر اس نام نہاد جمہوریت کے تلخ نتائج سامنے آنے لگے۔ تو صاف صاف کہنا پڑا۔ "نظام کی بنیاد ایک ہی بات پر ہے کہ **اسمعو و اطیعوا** سنو اور اطاعت کرو جب تک یہ روح نہ پیدا ہو جائے۔ جب تک تمام افراد جماعت ایک آواز پر حرکت میں نہ آجائیں جب تک تمام اطاعت کی ایک سطح پر نہ آجائیں ترقی محال ہے" [۹۱]۔ اسی طرح "پیغام صلح" نے لکھا۔ "یہ (ترقی) تبھی ممکن ہے۔ جب ایک واجب الاطاعت امیر کے ہاتھ میں جماعت کی باگ ڈور ہو۔ تمام افراد اس کے اشارے پر حرکت کریں۔ سب کی نگاہیں اس کے ہونٹوں کی جنبش پر ہوں اور جونہی اس کی زبان فیض ترجمان سے کوئی حکم مترشح ہو سب بلا حیل و حجت اس پر عمل پیرا ہوں" [۹۲]۔ اور لکھا۔ "ضروری ہے کہ ایک مرکزی شخصیت موجود ہو جس کا ہر حکم اس قانون "یعنی قانون شریعت" کے ماتحت واجب التعمیل ہو اور کوئی فرد جماعت اس کی بجا آوری میں چون و چرا نہ کرے۔ اس امارت کی بہترین مثال زمانہ امارت ابو بکرؓ و عمرؓ ہے وہ قرآن کے تابع تھے۔ لیکن کیا مجال کہ کوئی ان کے احکام سے سرمو انحراف کر سکے" [۹۳]۔

مولوی محمد علی صاحب نے خلافت احمدیہ کا انکار صرف اس بناء پر کیا تھا کہ وہ انجمن کے مقابل خلافت کو ذرہ برابر بھی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ دوسری طرف حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا عقیدہ و مسلک یہ تھا کہ خلافت بنیادی و مرکزی چیز ہے۔ باقی سب امور ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس واقعہ پر ابھی آٹھ دس سال بھی نہیں گزرے تھے کہ وہ مولوی محمد علی صاحب جو مسیح موعود کی خلافت سے انکار کر چکے تھے خلیفۃ المسلمین ترکی کی خلافت کے پُرجوش علمبرداروں میں شامل ہو گئے اور اس کی تائید میں "خلافت اسلامیہ" کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا اور اس میں اقرار کیا کہ "خلافت ایک مذہبی معاملہ ہے اور وہ بھی اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ اس کے سامنے فرقہ بندیوں کے جملہ اختلافات مٹ گئے........ اسلامی خلافت معمولی بات نہیں بلکہ قرآن کریم کے صریح الفاظ کے ماتحت قائم ہے .... خلافت کا زوال خود قلب اسلامی پر صدمہ ہے۔" [۹۴]

غیروں میں رشتہ ناطہ کے نتائج

غیر احمدی حلقوں میں ہر دلعزیزی اور مقبولیت حاصل کرنے کے لئے ان کو رشتے دینے کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ جس کے اتنے ہولناک اثرات سامنے آئے کہ "پیغام صلح" میں لکھنا پڑا کہ "عہد کر لو کہ احمدی کا رشتہ احمدی گھرانے میں ہو گا۔ احمدی بچیوں کی شادیوں میں ایک احمدی مزدور کو غیر احمدی نواب سے زیادہ اچھا نہ سمجھیں تو اس کا نام قومیت نہیں۔ اور اسے تنظیم کہنا گناہ ہے۔ اسی طرح اگر ہم لڑکوں کی شادی کے وقت ایک غریب اور بے کس احمدی لڑکی کو ایک کروڑ پتی غیر احمدی کی لڑکی پر ترجیح نہ دیں تو ہمارا دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا دعویٰ فضول اور بے معنی ہے [۹۵-۹۶]۔

لاہوری تحریک دوسروں کی نظر میں

انجمن اشاعت اسلام لاہور کے بانیوں نے محض عامتہ المسلمین میں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے جماعت احمدیہ کے اصول و نظریات تک کو قربان کرنا گوارا کر لیا۔ لیکن اتنی بڑی قربانی کے باوجود غیر احمدی حلقوں میں ہر دلعزیزی کا ذکر تو رہا ایک طرف وہ از حد مشکوک سمجھے جاتے ہیں۔ اس امر کے ثبوت میں صرف چند اقتباسات کافی ہوں گے۔

۱۔ پروفیسر الیاس برنی نے لکھا۔ "رہی دوسری جماعت لاہور ...... اس نے قادیانی تعلیم میں مصلحت آمیز ترمیم کر کے مسلمانوں کو ملتفت کرنے کی راہ نکالی۔ اور اس میں کچھ کامیابی بھی ہوئی لیکن اصل حالات منکشف ہونے پر مسلمان چونک پڑے" [۹۷]

۲۔ مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر اخبار زمیندار نے اپنی رائے یہ دی کہ "قادیانی جس عقیدے کی تشہیر کر رہے ہیں۔ لاہوری اس پر خفیہ طور پر عمل پیرا ہیں اصولی طور پر دونوں کا عقیدہ ایک ہی ہے۔ دو کانیں مختلف ہیں لیکن جنس ایک ہے" [۹۸]۔

۳۔ مولانا عبد الماجد نے "صدق" لکھنؤ میں تحریر کیا۔ قادیانی امت کے بعض افراد نے اس مضر عمل کا احساس کیا اور انہوں نے تاویل در تاویل اور بعض صورتوں میں انکار تک کر کے امت کے قریب آنے کی سعی کی۔ اور لاہوری قادیانی کے نام سے مشہور ہو گئے لیکن یہ ایک واقعہ ہے کہ امت کے حصار سے جس شخص کے اثر کے ماتحت وہ نکلے تھے جب تک اس کے اثر کا قالبتہً وہ انکار نہ کریں۔ امت کے وسیع دائرہ میں آنے کا ان کے لئے امکان نہیں" [۹۹]۔

یہ تو پاک و ہند کے بعض مسلمان لیڈروں کے خیالات ہیں۔ اب یورپ کے مشہور مستشرق ایچ اے آر گب (پروفیسر آکسفورڈ یونیورسٹی) کی رائے ملاحظہ ہو۔ جماعت احمدیہ اور مسلمانوں کے سواد اعظم سے کٹ جانے کا کیا عبرتناک نقشہ پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"۱۹۱۴ء میں پہلے خلیفہ کی وفات کے بعد جماعت احمدیہ دو حصوں میں بٹ گئی جماعت کا اصل حصہ یعنی قادیانی شاخ تو بانی سلسلہ کے دعویٰ نبوت اور ان کے بعد اجرائے خلافت پر قائم رہی لیکن الگ ہونے والے لاہوری فریق نے ان دونوں کا انکار کر دیا اور ایک نئے امیر کی قیادت میں "انجمن اشاعت اسلام" کی بنیاد ڈالی۔ لاہوری فریق نے بعد میں اہلسنت و الجماعت کے ساتھ مل جانے کی کوشش کی۔ لیکن علماء اب بھی ان کو شبہ کی نگاہ سے ہی دیکھتے ہیں"۔ (ترجمہ) [۱۰۰]

تاریک مستقبل

منکرین خلافت کی تحریک کے ماضی و حال کے خدوخال تو نمایاں ہو چکے اب مستقبل کی بابت بھی سنیئے کہ غیر مبایعین کا ایک حصہ کس درجہ مایوسی اور قنوطیت میں ڈوبا ہوا ہے۔ "پیغام صلح" لکھتا ہے۔

" بعض کوتاہ فہم یہ خیال بھی دل میں لئے ہوئے ہیں جس کا اظہار وہ وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں۔ کہ چونکہ یہ صدی اب ختم ہونے والی ہے اس لئے اس صدی کے مجدد کی تحریک بھی اب زندگی کے آخری مرحلوں میں ہے اور اب نیا مجدد ہی آکر اس کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ اس میں زندگی کی روح پیدا کرنا ہمارا کام نہیں" [۱۰۱]۔

ملکی پریس کا اختلافات سلسلہ پر تبصرہ

غیر مبائع اصحاب کا کہنا ہے کہ "جماعت کو دو حصوں میں تقسیم کر دینا ایک ایسا قدم تھا جس پر ان بزرگان (یعنی جناب محمد علی صاحب اور ان کے ہم خیال ممبروں) نے بعد میں بہت سوچ سمجھ کر اور جبراً قدم اٹھایا [۱۰۲]۔ یہ خدا کے مسیح کی جماعت میں تفرقہ ڈالنے کا یہ عذر کہاں تک درست ہے؟ اس پر کچھ کہنے کی تو چنداں ضرورت نہیں ہے مگر یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ اس "جبری قدم" پر غیروں نے خوشی کے شادیانے بجائے اور یقین کرنے لگے کہ اب سلسلہ احمدیہ کی تباہی قطعی و یقینی ہے۔

اس موقع پر ملکی پریس نے اختلافات سلسلہ کی خبریں بڑے اہتمام سے شائع کیں اور ان پر تبصرہ بھی کیا مسلمان اخبارات کا ردعمل ملے جلے خیالات پر مبنی تھا بعض اخبارات کھلے طور پر غیر مبایعین کی تائید کرتے تھے اور بعض خلافت کے اصول پر جماعت قادیان کے نظریہ کو معقول قرار دیتے تھے چنانچہ محض "مسئلہ کفر و اسلام" کی بناء پر (جو غیر مبایعین کے پراپیگنڈا کا اہم ترین حربہ تھا) اخبار "الهلال" نے مولوی محمد علی صاحب کے رویہ کو بہت سراہا اور لکھا۔ "مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے اس بارے میں جو تحریر شائع کی ہے۔ اور جس عجیب و غریب دلاوری کے ساتھ قادیان میں رہ کر اظہار رائے کیا ہے۔ وہ فی الحقیقت ایک ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ اس سال کا ایک یادگار واقعہ سمجھا جائے گا" [۱۰۳]۔ اخبار "وکیل" [۱۰۴] (امرتسر) اور اخبار مدینہ "بجنور" بھی اس کی تائید میں تھے [۱۰۵]۔

ان کے مقابل اخبار "کرزن گزٹ" (دہلی) "اہلحدیث" امرتسر۔ اخبار "ملت" لاہور اور اخبار "سرمۂ روزگار" (آگرہ) [106] نے مبایعین سے اتفاق رائے کا اظہار کیا۔ "کرزن گزٹ" نے یہ لکھا کہ "محمود احمد بجائے خود جوان صالح، واعظ۔ پڑھے لکھے اور وجیہہ شخص ہیں ان کی قابلیت کا ان کے مخالف بھی اعتراف کرتے ہیں اگر کوئی اعتراض ان پر ہے تو یہ ہے کہ سوائے مرزا غلام احمد صاحب کے مریدوں کے یہ صاحبزادے دوسرے مسلمانوں کو کافر جانتے ہیں وہ جانا کریں۔ اس خیال سے ان کی جانشینی کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حکیم نور الدین صاحب نے اپنی وصیت میں کوئی شرط ایسی لکھ دی ہے کہ وہ شخص مرزا صاحب کا جانشین ہو سکتا ہے جو اور مسلمانوں کو کافر تو نہ سمجھے بلکہ گمراہ خیال کرے۔ مرحوم نے تو صرف یہ بڑی شرط لگائی ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب کے دوستوں سے اخلاق اور رواداری کا برتاؤ کرے مرد صالح ہو اور لکھا پڑھا ہو" [107]۔

اخبار "اہلحدیث" نے لکھا۔ (۱) "ابھی کل کا واقعہ ہے کہ قادیانی اخبار لکھا کرتے تھے کہ ہم ہی اہلسنت والجماعت ہیں۔ کیونکہ ہماری جماعت ایک امام کے ماتحت ہے سچ تو یہ ہے کہ ہم بھی ان کے اس دعوے کی قدر بلکہ غبط کرتے تھے۔ (۲) ہماری رائے مسئلہ خلافت کے متعلق یہ ہے کہ قوم کا امیر ہونا ضروری ہے جس قدر قانون اجازت دے اسی قدر میں امیر انتظام کا مجاز ہو۔ اس کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ امیر اہم معاملات میں مقطع بحث ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب کے انتقال کے بعد باوجود صدر انجمن احمدیہ کے مولوی نور الدین صاحب کا انتخاب اسی اصول سے ہوا تھا۔ رہا مسئلہ تکفیر مسلمانان۔ سو یہ بھی کوئی معقول وجہ نہیں۔ مولوی نور الدین صاحب کا فتویٰ ۲۸/ فروری ۱۹۱۴ء کے الحکم میں چھپا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ مرزا صاحب کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سابقہ نبی کا انکار کرنا۔ اس دعویٰ پر آیت قرآنی لا نفرق بین احد من رسلہ لکھی تھی۔ اس وقت کسی نے بھی اس فتوے کا مقابلہ نہ کیا نہ اس کو غلط کہا۔ ...... رہا مسئلہ کا اختلاف سو یہ بھی کوئی معقول بات نہیں۔ خلیفہ اور ماتحتوں کا اختلاف خلافت راشدہ میں بھی ہوتا تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے کہ باوجود زکوٰۃ دینے کے مال جمع کرنے والوں کو کافر کہتے تھے۔ حالانکہ تمام صحابہ خصوصاً خلفاء ان کے خلاف تھے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے سامنے ان کی سخت لڑائی ہوئی آخر کار خلیفہ نے ان کو شہر سے باہر چلے جانے کا حکم دیا۔ تو وہ باہر دیہات میں جا رہے مگر اپنا مذہب نہیں چھوڑا۔ اس قسم کی صدہا مثالیں ملتی ہیں" [108]۔

درس القرآن کا آغاز

اب ہم اختلافات کی ابتدائی تاریخ سے فارغ ہو کر اس زمانے کے دوسرے اہم واقعات کی طرف آتے ہیں جہاں سے ہماری تاریخ ایک مستقل راستہ پر گامزن ہوتی ہے۔

۱۷/ مارچ ۱۹۱۴ء کا دن اس لحاظ سے نہایت مبارک ہے کہ اس روز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے درس القرآن کا آغاز فرمایا [١٠٩]۔ یہ درس جو مسجد اقصیٰ میں ہوتا تھا۔ سورہ مجادلہ سے شروع ہوا اور ۸/ اپریل ۱۹۱۴ء میں الفضل میں بالاقساط چھپنے لگا۔ اور پھر "حقائق القرآن" کے نام سے کتابی صورت میں بھی شائع ہو گیا اس درس کے بعد حضور نے سورہ فاتحہ سے درس دینا شروع کیا۔ جس کا ایک مکمل دور جون ۱۹۳۰ء میں ختم ہوا۔ اس کے علاوہ حضور نے بیرونی احباب کے لئے بعض خاص درس بھی ارشاد فرمائے۔ مثلاً (۱) جون ۱۹۱۷ء میں قرآن کریم کے ابتدائی دس پاروں کا درس دیا۔ یہ درس ظہر سے عصر تک ہوتا تھا۔ ۲۲/ جون کو شروع ہوا اور ایک ماہ تک جاری رہا۔ (۲) یکم اگست ۱۹۲۲ء کو دوبارہ ابتدائی دس پاروں کا درس شروع فرمایا جو مہینہ بھر جاری رہا یہ درس بھی ظہر سے مغرب تک ہوتا تھا درس میں شامل ہونے والوں کے نام رجسٹر میں باقاعدہ درج ہوتے تھے۔ اور روزانہ ان کی حاضری ہوتی تھی درس قلمبند کرنے والے مجلین کہلاتے تھے۔ (۳) ۱۹۲۸ء میں حضور نے سورہ یونس سے سورہ کہف تک کا درس دیا۔ اس کا آغاز ۸/ اگست کو ہوا اور اختتام ۸/ ستمبر کو۔ یہ درس بھی ظہر سے مغرب تک چار گھنٹہ روزانہ ہوا کرتا تھا۔ اس کے لئے بھی مجلین کی جماعت موجود رہتی۔ جسے درس کے وقت حضور کے قریب جگہ دی جاتی اور روزانہ ان کا امتحان بھی لیا جاتا تھا [١١٠]۔ (۴) ۱۹۳۸ء میں سورہ مریم سے سبا تک کا درس پہلے عورتوں میں پھر مردوں میں جاری ہوا۔ (۵) جولائی ۱۹۴۴ء میں حضور نے تیسویں پارے کا آغاز فرمایا اور پہلے ڈلہوزی میں سورہ النبا سے سورہ طارق تک پھر جنوری ۱۹۴۵ء میں قادیان میں سورہ اعلیٰ سے سورہ قدر تک اس کے بعد اگست ۱۹۴۵ء بمقام ڈلہوزی سورۃ البیّنہ سے سورہ الھمزہ تک اور ۱۹۴۸ء میں بمقام کوئٹہ سورہ الفیل سے سورہ کوثر تک کا درس دیا۔

(۶) ۱۹۴۹ء میں حضور نے کوئٹہ میں سورہ مریم کے ابتداء سے درس دینا شروع کیا اور اس کی تکمیل مسجد مبارک ربوہ میں فروری۔ مارچ ۱۹۵۳ء میں فرمائی۔

حضور کی مصروفیات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی معمور الاوقات زندگی میں خلیفہ بننے کے بعد مصروفیات کا زبردست اضافہ ہو گیا تھا۔ آپ اول وقت نماز صبح پڑھاتے۔ پھر درس دیتے پھر بارہ بجے تک ڈاک دیکھتے۔ اور جوابات وغیرہ کے لئے ہدایات دیتے اور دیگر مہمات خلافت انجام دیتے عصر کے بعد مسجد اقصیٰ میں حقائق و معارف سے لبریز درس عام ہوتا [١١١] شام کے وقت مجلس عرفان ہوتی۔ جس میں عجیب عجیب نکات معرفت بیان فرماتے [١١٢]۔ حضور نے اپنی ایک ابتدائی مجلس میں یہ نکتہ بیان فرمایا کہ غیر مبائع بار بار "شاورھم فی الامر" کی طرف توجہ دلاتے ہیں .... میں مشورہ تو کرتا ہوں۔ مگر اس مشورہ کا لازمی طور سے پابند ہونا تو کہیں نہیں لکھا۔ بلکہ اس

آیت کے ساتھ فاذا عزمت فتوکل علی اللہ لکھا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ مشورہ لو پھر جو مناسب ہو اس پر کاربند ہونے کا عزم کرلو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو- اس پر غور کرنے سے نماز میں مجھے توجہ دلائی گئی کہ میرا نام خدا نے اولوالعزم رکھا ہے اور معترضین کو پہلے ہی جواب دے دیا ہے [۱۱۳]-

حضور عشاء کے بعد بھی دیر تک دینی کاموں میں مصروف رہتے- پھر آرام فرماتے اور تہجد کے وقت اٹھ کر اپنے مولیٰ کے حضور اسلام اور جماعت کے لئے رو رو کر دعائیں کرتے چنانچہ فرماتے ہیں-

"تمہارے لئے ایک شخص تمہارا درد رکھنے والا' تمہاری محبت رکھنے والا' تمہارے دکھ کو اپنا دکھ سمجھنے والا' تمہاری تکلیف کو اپنی تکلیف جاننے والا' تمہارے لئے خدا کے حضور دعائیں کرنے والا ہے- مگر ان (غیر مبایعین - ناقل) کے لئے نہیں ہے" [۱۱۴]-

بیماری میں خدمت دین کی دیوانہ وار جدوجہد

اگرچہ حضور خلیفہ بننے سے پہلے بھی اکثر بیمار رہتے تھے لیکن اس بلند منصب پر فائز ہونے کے بعد تو صحت پر بہت زیادہ اثر پڑا- ان دنوں آپ اتنے دبلے پتلے [۱۱۵] تھے کہ غیر مبایعین کا ایک اعتراض یہ بھی ہوا کرتا تھا کہ خلیفہ تو کوئی موٹا فربہ شخص ہونا چاہئے [۱۱۶]- لیکن چونکہ آپ کے لئے اولوالعزمی سے آگے ہی آگے بڑھنا مقدر ہو چکا تھا اس لئے اس وقت بیماریاں آپ کی تیز روی میں روک نہیں ہو سکیں- آپ "منصب خلافت" میں فرماتے ہیں-

"جب کل میں نے درس میں ان دوستوں کو دیکھا تو میرا دل خدا تعالیٰ کی حمد اور شکر سے بھر گیا کہ یہ لوگ ایسے شخص کے لئے آئے ہیں جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ چالباز ہے اور پھر میرے دل میں اور بھی جوش پیدا ہوا- جب میں نے دیکھا کہ وہ میرے دوستوں کے بلانے ہی پر جمع ہو گئے ہیں- اس لئے آج رات کو میں نے بہت دعائیں کیں اور اپنے رب سے یہ عرض کیا کہ الٰہی میں تو غریب ہوں میں ان لوگوں کو کیا دے سکتا ہوں- حضور آپ ہی اپنے خزانوں کو کھول دیجئے"- الخ (صفحہ ۲-۳)

حضرت امیر المومنین کی ملاقات اور ڈاک کا انتظام

حضور کے زمانہ خلافت کی ابتداء میں ملاقات کی غرض سے آنے والوں کے لئے کوئی مخصوص مستقل عمارت نہیں تھی نمازوں اور درس کے مواقع پر ہی شرف ملاقات حاصل کیا جاتا تھا اور اس بالا خانے پر بھی جو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی موجودہ بیٹھک کے اوپر تھا جہاں لکڑی کی سیڑھیاں رکھی ہوتی تھیں اس کے علاوہ گول کمرہ میں جہاں کئی سال تک آپ کا دفتر بھی رہا اور ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں [۱۱۷]- ۲۷-۱۹۲۶ء کے قریب آپ کے مکان سے متصل قصر خلافت تعمیر کیا گیا [۱۱۸]- جس میں آنے والوں سے ملاقاتیں بھی ہونے لگیں اور آپ کا دفتر بھی

اس میں منتقل کر دیا گیا جو ۱۹۴۷ء کی ہجرت تک برابر قائم رہا۔

اسی طرح شروع میں دفتر پرائیوٹ سیکرٹری کے نام سے کوئی الگ شعبہ بھی موجود نہیں تھا تاہم حضور کی ڈاک اور ملاقات کے انتظام کے لئے حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب حلال پوری "افسر ڈاک" مقرر ہوئے آپ کی اعانت حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب بھی فرماتے تھے۔ حضرت پیر افتخار احمد صاحب بطور محرر کام کرتے تھے۔ حضرت پیر صاحب امیرالمومنین کی ڈاک کی خدمت جولائی ۱۹۲۶ء تک انجام دیتے رہے اور ساٹھ سال کی عمر میں اسی سے ریٹائر ہوئے [۱۱۹]۔ دفتر ڈاک میں خط و کتابت پر جو اخراجات ہوتے وہ میزان کے بعد صیغہ بیت المال سے ادا کئے جاتے [۱۲۰]۔ بالفاظ دیگر دفتر ڈاک بیت المال کی ایک مد میں شامل تھا۔ لیکن جب کام بڑھ گیا تو یکم مارچ ۱۹۱۸ء سے دفتر ڈاک کا مستقل صیغہ قائم کیا گیا۔ اس نئے انتظام میں حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیرّ افسر ڈاک مقرر ہوئے اور حضرت پیر صاحب کے ساتھ امیر احمد صاحب قریشی بطور دفتری لگائے گئے [۱۲۱]۔ حضرت ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیرّ [۱۲۲] کی بیماری کے باعث ۱۲/ اکتوبر ۱۹۱۸ء میں ماسٹر علی محمد صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی افسر ڈاک مقرر ہوئے [۱۲۳]۔ فروری ۱۹۲۰ء [۱۲۴] میں مولوی عبدالرحیم صاحب درد کو (جو اس وقت مولوی رحیم بخش صاحب کے نام سے یاد کئے جاتے تھے) یہ ذمہ داری سپرد ہوئی اور انہی کے زمانہ سے افسر ڈاک کو پرائیوٹ سیکرٹری کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔ مولانا عبدالرحیم صاحب درد ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۴ء تک اس عہدہ پر ممتاز رہے ان کے بعد جن اصحاب نے یہ خدمت انجام دی ان کے نام یہ ہیں۔

صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔ اے (۱۹۲۵ء تا ۱۹۲۶ء)

شیخ یوسف علی صاحب بی۔ اے (۱۹۲۷ء تا ۱۹۳۴ء)

حضرت مفتی محمد صادق صاحب [۱۲۵] (۱۹۳۵ء تا ۱۹۳۶ء)

شیخ یوسف علی صاحب بی۔ اے (۱۹۳۷ء تا ۱۹۳۸ء)

ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے (فروری ۱۹۳۸ء تا ۱۵/ اپریل ۱۹۴۰ء)

مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے (اپریل ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۳ء) چوہدری مظفرالدین صاحب بی۔ اے (۱۹۴۴ء تا ۱۹۴۶ء)

خان صاحب میاں محمد یوسف صاحب۔ لاہور (از مارچ ۱۹۴۷ء تا ۱۸/ جولائی ۱۹۵۱ء)

مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور (۱۸/ جولائی ۱۹۵۱ء تا ۲/ فروری ۱۹۵۷ء)

کیپٹن ملک خادم حسین صاحب (۲/ فروری ۱۹۵۷ء تا ۱۵/ جنوری ۱۹۵۸ء)

شیخ مبارک احمد صاحب (۱۶/ جنوری ۱۹۵۸ء تا ۲۳/ ستمبر ۱۹۵۸ء)

میاں محمد شریف صاحب اشرف (۲۴/ستمبر ۱۹۵۸ء تا ۸/جنوری ۱۹۶۲ء)

۸/جنوری ۱۹۶۲ء سے اس وقت تک جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور پرائیوٹ سیکرٹری کے منصب پر فائز ہیں۔

حضرت خلیفہ ثانی کے ایمان افروز خطبات جمعہ

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانہ خلافت میں پہلا خطبہ ۲۰/مارچ [126] ۱۹۱۴ء کو ارشاد فرمایا۔ اس مبارک دن سے لے کر ۱۴/اپریل ۱۹۵۹ء [127] تک (جو موجودہ بیماری کے پر ابتلاء دور کا آخری خطبہ جمعہ ہے) حضور کے خطبات کا عظیم الشان سلسلہ جاری رہا ہے۔ (ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا) یہ خطبات جو اپنے مضامین کی وسعت اور ہمہ گیری کے اعتبار سے زندگی کے ہر اہم شعبہ پر حاوی ہیں۔ زبردست روحانی اور تربیتی درسگاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان خطبات نے قدم قدم پر جماعت کی رہنمائی کی ہے اور جماعت کی موجودہ علمی و عملی ترقی میں اس کا بھاری عمل دخل ہے اور ہم بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ آج سلسلہ کی کوئی قابل ذکر تحریک ایسی نہیں جس کے لئے حضور کے خطبات میں معین، مفصل اور واضح ہدایات موجود نہ ہوں۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے وہ خطبات جو حضور نے قادیان [128] یا ربوہ میں دیئے۔ ان کا معتدبہ حصہ ضبط تحریر میں آچکا ہے اور قریباً چھپ بھی چکا ہے۔ اس قیمتی خزانے کے محفوظ کرنے میں جناب خواجہ غلام نبی صاحب بلانوی (سابق ایڈیٹر الفضل) اور مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر مولوی فاضل (انچارج شعبہ زود نویسی) کی خدمات جلیلہ کبھی فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ ابتداء زمانہ خلافت کے اکثر و بیشتر خطبات (بلکہ تقاریر بھی) جناب خواجہ غلام نبی صاحبؓ کے مرتب کئے ہوئے ہیں۔ ان کے بعد مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر [129] مولوی فاضل نے ۱۹۳۱ء سے خطبے اور تقاریر لکھنا شروع کیں اور اپنے فن میں ترقی کرتے کرتے اتنا کمال پیدا کیا کہ خود حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "عملی طور پر صرف مولوی محمد یعقوب صاحب ہی اس وقت سب کام کر رہے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے قدرتی طور پر زود نویسی کا ملکہ عطا کیا ہوا ہے اور جو اکثر خطبات اور ڈائریاں وغیرہ صحیح لکھتے ہیں...... ان کے لکھے ہوئے مضمون کے متعلق میرا ذہن یہ تو تسلیم کر سکتا تھا کہ کسی بات کے بیان کرنے میں مجھ سے غلطی ہو گئی ہے مگر میرا ذہن یہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا کہ انہوں نے کسی بات کو غلط طور پر تحریر کیا ہے" [130، 131]۔

اوائل خلافت ثانیہ کے تین ممتاز مجاہد

خلافت ثانیہ کے اوائل میں تقریر و تحریر کے ذریعہ سے احمدیت کی حقیقی شکل ظاہر کرنے

کے لئے جن بزرگوں نے تبلیغی جہاد کیا ان میں حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ، حضرت میر محمد اسحٰق صاحب اور حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل سرفہرست ہیں۔ چنانچہ سیدنا حضرت امام ہمام ایدہ اللہ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

"حافظ روشن علی صاحب مرحومؓ۔ میر محمد اسحٰق صاحبؓ اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحومؓ .... ان میں سے ایک (یعنی حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ) کتابوں کے حوالے یاد رکھنے کی وجہ سے اور باقی دو اپنے مباحثوں کی وجہ سے جماعت میں اتنے مقبول ہوئے کہ مجھے یاد ہے اس وقت ہمیشہ جماعتیں یہ لکھا کرتی تھیں کہ اگر حافظ روشن علی صاحب اور میر محمد اسحٰق صاحب نہ آئے تو ہمارا کام نہیں چلے گا۔ حالانکہ چند مہینے پہلے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی زندگی میں انہیں کوئی خاص عزت حاصل نہیں تھی۔ میر محمد اسحٰق صاحب کو تو کوئی جانتا بھی نہیں تھا اور حافظ روشن علی صاحب گو جماعتوں کے جلسوں پر آنے جانے لگ گئے تھے۔ مگر لوگ زیادہ تر یہی سمجھتے تھے کہ ایک نوجوان ہے جسے دین کا شوق ہے اور وہ تقریروں میں مشق پیدا کرنے کے لئے آجاتا ہے۔ مگر حضرت خلیفہ اولؓ کی وفات کے بعد چند دنوں میں ہی انہیں خدا تعالیٰ نے وہ عزت اور رعب بخشا کہ جماعت نے یہ سمجھا کہ ان کے بغیر اب کوئی جلسہ کامیاب ہی نہیں ہو سکتا" ۱۲۲۔

"کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے"

۲۱/ مارچ ۱۹۱۴ء جبکہ قیام خلافت پر صرف ایک ہی ہفتہ گزرا تھا۔ آپ نے روح القدس کی تائید سے ایک زبردست ۱۲۳ اشتہار جس کا عنوان تھا۔ "کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے"۔ شائع فرمایا۔ یہ بارہ صفحوں کا اشتہار کیا تھا گویا صور اسرافیل تھا جس کی آواز نے مردہ دلوں میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی۔ جماعتوں کی طرف سے بیعت کے تاروں اور خطوط کا تانتا لگ گیا۔ اس اشتہار میں منکرین خلافت کے اہم اعتراضوں اور وسوسوں کی حقیقت اچھی طرح کھول دی گئی تھی۔ سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جارہا تھا کہ آپ نے ایک بہت بڑی سازش کے ذریعہ خلافت حاصل کی ہے۔ حضور نے اس کے جواب میں حلفاً لکھا۔ "میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے کبھی انسان سے خلافت کی تمنا نہیں کی اور یہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے بھی کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ وہ مجھے خلیفہ بنادے یہ اس کا اپنا فضل ہے یہ میری درخواست نہ تھی۔ میری درخواست کے بغیر یہ کام میرے سپرد کیا گیا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اکثروں کی گردنیں میرے سامنے جھکا دیں .... میں حیران ہوں کہ میرے جیسا نالائق انسان اسے کیونکر پسند آگیا۔ لیکن جو کچھ بھی ہو اس نے مجھے پسند کر لیا۔ اور اب کوئی انسان اس کرتہ کو مجھ سے نہیں اتار سکتا۔ جو اس نے مجھے پہنایا ہے" ۱۲۴۔

مظفر و منصور ہونے کی الہامی بشارت

اس کے علاوہ مذکورہ بالا اشتہار میں حضور نے اللہ تعالیٰ سے الہاماً خبر پا کر مخالفوں کے مقابلہ میں اپنے کامیاب و کامران ہونے کا اعلان بھی فرمایا۔ جیسا کہ فرماتے ہیں۔

"فتنے ہیں اور ضرور ہیں مگر تم جو اپنے آپ کو اتحاد کی رسی میں جکڑ چکے ہو خوش ہو جاؤ کہ انجام تمہارے لئے بہتر ہو گا۔ تم خدا کی ایک برگزیدہ قوم ہو گے اور اس کے فضل کی بارشیں انشاء اللہ تعالیٰ تم پر اس زور سے برسیں گی کہ تم حیران ہو جاؤ گے۔ میں جب اس فتنہ سے گھبرایا اور اپنے رب کے حضور میں گرا تو اس نے میرے قلب پر یہ مصرعہ نازل فرمایا۔ ع "شکر للہ مل گیا ہم کو وہ لعل بے بدل" اتنے میں مجھے ایک شخص نے جگا دیا اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ مگر پھر مجھے غنودگی آئی اور میں اس غنودگی میں اپنے آپ کو کہتا ہوں کہ اس کا دوسرا مصرعہ ہے۔ "کیا ہوا گر قوم کا دل سنگ خارا ہو گیا" ۱۲۵ مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ دوسرا مصرعہ الہامی تھا یا بطور تفہیم تھا۔ پھر کل بھی میں نے اپنے رب کے حضور میں نہایت گھبرا کر شکایت کی کہ مولیٰ! میں ان غلط بیانیوں کا کیا جواب دوں۔ جو میرے برخلاف کی جاتی ہیں اور عرض کی کہ ہر ایک بات حضور ہی کے اختیار میں ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اس فتنہ کو دور کر سکتے ہیں تو مجھے ایک جماعت کی نسبت بتایا گیا کہ یمزقنهم ۱۲۶ یعنی اللہ تعالیٰ ضرور ضرور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتلا ہیں لیکن انجام بخیر ہو گا۔ مگر یہ شرط ہے کہ تم اپنی دعاؤں میں کوتاہی نہ کرو۔ حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ بعض "بڑے چھوٹے کئے جائیں گے اور چھوٹے بڑے کئے جائیں گے"۔ پس خدا کے حضور میں گر جاؤ تا کہ تم ان چھوٹوں میں داخل کئے جاؤ جنہوں نے بڑا ہونا ہے"۔ ۱۲۷

ایک ضروری اعلان

بہت سے احباب خطوط کے ذریعے پوچھتے تھے کہ انجمن کو چندہ بھیجیں یا نہیں؟ حضور نے ان کی اطلاع کے لئے اپریل ۱۹۱۴ء کے پہلے ہفتہ میں اعلان فرمایا کہ "چندے برابر صدر انجمن میں آنے چاہئیں۔ ہاں چونکہ ابھی تک مجھے اطمینان نہیں کہ انجمن اس موجودہ فتنہ میں کیا حصہ لے گی۔ اس لئے مناسب خیال کرتا ہوں کہ انجمن کے سب چندے میری معرفت ارسال ہوں میں انہیں خزانہ انجمن داخل کر کے انجمن کی رسید بھجوا دوں گا"۔ دوسری بات آپ نے یہ لکھی کہ "آئندہ انجمن کے چندوں کے علاوہ کوئی چندہ آپ اس وقت تک نہ دیں جب تک کہ میری طرف سے اجازت شائع نہ ہو" ۱۲۸۔

یہ تجویز ایک رؤیا کی بناء پر تھی جو آپ نے ۸/ مارچ ۱۹۰۷ء کو دیکھی تھی۔ اور جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دست مبارک سے لکھ لی تھی ۱۲۹۔ چند ماہ بعد جب جماعت کا اکثر

حصہ ایک مسلک میں منسلک ہو گیا۔ تو آپ نے ایک دوسرے اعلان کے ذریعہ سے احباب کو اطلاع دی کہ وہ اپنے چندے حسب دستور براہ راست صدر انجمن احمدیہ کو بھیج سکتے ہیں [140]۔

خلافت ثانیہ کے عہد میں صدر انجمن احمدیہ کا پہلا اجلاس

۱۰/ اپریل ۱۹۱۴ء کو عہد خلافت ثانیہ میں صدر انجمن احمدیہ کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ صدارت کے فرائض حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے انجام دیئے۔ دوسرے شامل ہونے والے ممبروں کے نام یہ ہیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت نواب محمد علی خان صاحب، حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب امروہوی، حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب، حضرت مولوی شیر علی صاحب، حضرت خلیفہ رشید الدین صاحب، جناب شیخ رحمت اللہ صاحب، جناب مولوی صدر الدین صاحب۔ (سیکرٹری مجلس)

اس اجلاس میں مختلف نوعیت کے بتیس معاملات پیش ہوئے جن میں سے بعض اہم امور کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (۱) جناب مولوی محمد علی صاحب افسر اشاعت اسلام کی رپورٹ پر ترجمۃ القرآن کے ٹائپ کئے ہوئے مسودہ کو اصل سے مقابلہ کرنے کے لئے اسسٹنٹ مینیجر اشاعت اسلام کو دفتر میگزین سے فارغ کیا گیا اور اس کی جگہ ایک نئے محرر کی منظوری دی گئی [141] (۲) ایک انگریز نومسلم (شیخ عبدالرحمٰن) کے لئے جو ان دنوں قادیان میں تھا، وظیفہ مقرر کیا گیا۔ (۳) نئے وصایا کے سرٹیفکیٹ جاری کرنے کی منظوری دی گئی۔ (۴) حضرت مولوی شیر علی صاحب نے از خود ولایت جانے کے لئے چھٹی کی درخواست دے رکھی تھی جو منظور ہو چکی تھی مگر مرکزی ضرورت کے پیش نظر کثرت رائے سے ان کی رخصت منسوخ کر دی گئی [142] اور فیصلہ ہوا کہ انجمن کا کوئی ریزولیوشن نہیں ہے جس میں اس نے مولوی شیر علی صاحب کو ولایت جانے کے لئے حکم دیا ہو۔ یہ ان کا پرائیویٹ معاملہ ہے" اسی اجلاس میں حضرت خلیفۃ المسیح اول مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کی بیماری کے اخراجات کی بھی منظوری ہوئی اور آپ کے اہل بیت [143] اور دوسرے عزیزوں اور رشتہ داروں کے لئے وظائف مقرر ہوئے۔ [144،145]

عہد خلافت ثانیہ کی پہلی شوریٰ

۱۲/ اپریل ۱۹۱۴ء کو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر تبلیغ و اشاعت اسلام کے معاملہ پر غور کرنے کے لئے مسجد مبارک میں ملک بھر کے احمدی نمائندوں کی مجلس شوریٰ ہوئی۔ باہر سے شامل ہوتے والے نمائندوں کی تعداد ڈیڑھ سو سے زائد تھی [146]۔ منتظم خلیفہ رشید الدین صاحب تھے۔ سات بجے صبح شوریٰ کا پہلا اجلاس شروع ہوا پہلے میر قاسم علی صاحب نے پیر منظور محمد صاحب کا ایک مضمون (جو تشحیذ الاذہان مئی ۱۹۱۴ء میں بھی شائع ہو گیا ہے) سنایا جس میں ثابت کیا گیا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح

الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ہی مصلح موعود ہیں اس کے بعد حضرت امیر المومنین بیت الدعاء [147] میں دعا کرنے کے بعد تشریف لائے اور پونے نو بجے سے سوا گیارہ بجے تک ایک پُر معارف خطاب فرمایا۔ (اس کا مفصل ذکر آگے آرہا ہے)

نماز ظہر کے بعد حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی کی صدارت میں دوسرا اجلاس ہوا جس میں مندرجہ ذیل قرار دادیں پاس ہوئیں۔

(۱) ہندوستان کے تمام شہروں اور قصبوں میں سلسلہ احمدیہ کی تبلیغ کے لئے واعظ بھجوائے جائیں۔ اور ان کے اخراجات صدر انجمن کی مد اشاعت اسلام سے دیئے جائیں۔

(۲) صدر انجمن احمدیہ کا قاعدہ نمبر ۱۸ یہ تھا کہ "ہر معاملہ میں مجلس معتمدین اور اس کے ماتحت مجلس یا مجالس اگر کوئی ہوں اور صدر انجمن احمدیہ اور اس کی کل شاخہائے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حکم قطعی اور ناطق ہوگا" [148]۔

دوسری قرار داد میں پاس ہوا کہ اس میں ترمیم کرکے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بجائے حضرت خلیفۃ المسیح مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ ثانی کے الفاظ درج کئے جائیں۔

نیز قرار پایا کہ یہ ریزولیوشن حضرت نواب محمد علی خان صاحب، حضرت سید محمد احسن صاحب، حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اور حضرت مولوی شیر علی صاحب کے ذریعہ سے پیش ہو۔

بعد میں بیرونی جماعتوں کے قریباً چوتھائی اصحاب نے بھی اس کی پُرزور تائید کی اور اپنے دستخطوں سے درخواستیں بھجوائیں کہ انجمن بھی اسے منظور کرے۔ چنانچہ صدر انجمن احمدیہ نے ۲/ اپریل ۱۹۱۴ء کے اجلاس میں کثرت رائے سے اس ترمیم کی منظوری دے دی [149-150]۔

(۳) ہر ضلع میں سے چند طلباء مدرسہ احمدیہ میں تعلیم پانے کے لئے بھیجے جائیں۔

(۴) واعظین کا خرچ براہ راست انجمن معتمدین کے ذریعہ سے دیا جائے نہ کہ بیرونی جماعتوں کے ہاتھ سے۔

(۵) زکوٰۃ کی وصولی کے لئے جماعت کے سیکرٹری اصحاب نصاب کی فہرست مرتب کریں اور وصولی کی فکر کریں۔ اس مد کا روپیہ نیز اشاعت اسلام کا روپیہ حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں براہ راست آنا چاہئے۔

(۶) تعلیم عامہ کی اشاعت کے لئے جہاں جہاں ممکن ہو مدارس اور احمدیہ ہوسٹل کھولے جائیں اس سلسلہ میں حتی الوسع سرکاری امداد قبول نہ کی جائے۔

(۷) دارالامان میں کالج کے قیام کی تجویز ایک بورڈ کے سپرد کی جائے جس کے ممبر زیادہ تر تعلیم الاسلام ہائی سکول کے قدیم طلباء اور ماہر تعلیم اصحاب ہوں [۱۵۱]۔

اس اجلاس کے وقت حضرت اقدس کے حکم سے حضرت نواب محمد علی خان صاحب سیکرٹری تھے۔

یہ اجلاس نماز عصر تک جاری رہا۔ اور اس پر شوریٰ کی کارروائی ختم ہوئی [۱۵۲]۔

انجمن ترقی اسلام کی بنیاد

۱۲/ اپریل کی شوریٰ میں زیر غور آنے والی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حضور نے ایک انجمن کی بنیاد رکھی جس کا نام اپنے ایک رؤیا کی بناء پر "انجمن ترقی اسلام" رکھا اور اس کے لئے یہ ممبر نامزد فرمائے۔ قمرالانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحبؓ۔ حجتہ اللہ حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ۔ حضرت سید حامد شاہ صاحبؓ۔ حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب اسسٹنٹ سرجن۔ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحبؓ۔ حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسیؓ [۱۵۳]۔

اس انجمن کے سیکرٹری حضرت مولوی شیر علی صاحب تھے [۱۵۴]۔ دعوت الی الخیر فنڈ کا روپیہ بھی اس انجمن کے نام منتقل کر دیا گیا۔

یہ انجمن اپنے نام کی طرح خدا کے فضل سے اسلام کی ترقی اشاعت کا نہایت موثر ذریعہ ثابت ہوئی برصغیر پاک و ہند کی اسلامی تاریخ میں اس انجمن کا نام ہمیشہ قائم رہے گا۔ یہی وہ بابرکت ادارہ تھا۔ جس نے ایک عرصہ تک دنیا میں تبلیغ اسلام کی ذمہ داری نہایت خوش اسلوبی سے سنبھالے رکھی۔ یہاں تک کہ پہلے صدر انجمن احمدیہ اور پھر ۱۹۴۵ء میں تحریک جدید نے بین الاقوامی سطح پر تبلیغ کا یہ کام اپنے ہاتھ میں لے لیا [۱۵۵]۔

تبلیغ اسلام کے لئے عالمگیر نظام قائم کرنے کا اعلان

حضرت فضل عمر خلیفہ ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے شوریٰ کے سامنے "منصب خلافت" کے موضوع پر معرکتہ الآراء تقریر فرمائی۔ اور ابراہیمی دعا وابعث فیھم رسولا الخ کی روشنی میں نہایت لطیف پیرائے میں مقام خلافت، فرائض خلافت اور تزکیہ نفوس کے طریق پر روشنی ڈالی۔ اور خلافت اور انجمن سے متعلق مسائل پر سیر حاصل بحث کی اور فرمایا۔

"پہلا فرض خلیفہ کا تبلیغ ہے جہاں تک میں نے غور کیا ہے میں نہیں جانتا کیوں بچپن ہی سے میری طبیعت میں تبلیغ کا شوق رہا ہے۔ اور تبلیغ سے ایسا انس رہا ہے کہ میں سمجھ ہی نہیں سکتا۔ میں چھوٹی سی عمر میں بھی ایسی دعائیں کرتا تھا اور مجھے ایسی حرص تھی کہ اسلام کا جو کام بھی ہو میرے ہی ہاتھ سے ہو۔ میں

اپنی اس خواہش کے زمانہ سے واقف نہیں کہ کب سے ہے میں جب دیکھتا تھا اپنے اندر اسی جوش کو پاتا تھا اور دعائیں کرتا تھا کہ اسلام کا جو کام ہو میرے ہی ہاتھ سے ہو پھر اتنا ہو اتنا ہو کہ قیامت تک کوئی زمانہ ایسا نہ ہو جس میں اسلام کی خدمت کرنے والے میرے شاگرد نہ ہوں۔ میں نہیں سمجھتا تھا اور نہیں سمجھتا ہوں کہ یہ جوش انس اسلام کی خدمت کا میری فطرت میں کیوں ڈالا گیا۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ یہ جوش بہت پرانا رہا ہے۔ غرض اسی جوش اور خواہش کی بناء پر میں نے خدا تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ میرے ہاتھ سے تبلیغ اسلام کا کام ہو اور میں خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے میری ان دعاؤں کے جواب میں بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں...... آپ وہ قوم ہیں جس کو خدا نے چن لیا اور یہ میری دعاؤں کا ایک ثمرہ ہے جو اس نے مجھے دکھایا۔ اس کو دیکھ کر میں یقین رکھتا ہوں کہ باقی ضروری سامان بھی وہ آپ ہی کرے گا اور ان بشارتوں کو عملی رنگ میں دکھادے گا اور اب میں یقین رکھتا ہوں کہ دنیا کو ہدایت میرے ہی ذریعہ ہو گی اور قیامت تک کوئی زمانہ ایسا نہ ہو گزرے گا جس میں میرے شاگرد نہ ہوں گے۔ کیونکہ آپ لوگ جو کام کریں گے۔ وہ میرا ہی کام ہو گا"۔

پھر اپنی تبلیغی سکیم کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں چاہتا ہوں کہ ہم میں ایسے لوگ ہوں جو ہر ایک زبان کے سیکھنے والے اور پھر جاننے والے ہوں۔ تاکہ ہم ہر ایک زبان میں آسانی کے ساتھ تبلیغ کر سکیں اور اس کے متعلق میرے بڑے بڑے ارادے اور تجاویز ہیں اور میں اللہ تعالیٰ کے فضل پر یقین رکھتا ہوں کہ خدا نے زندگی دی اور توفیق دی اور پھر اپنے فضل سے اسباب عطا کئے اور ان اسباب سے کام لینے کی توفیق ملی تو اپنے وقت پر ظاہر ہو جاویں گے۔ غرض میں تمام زبانوں اور تمام قوموں میں تبلیغ کا ارادہ رکھتا ہوں اس لئے کہ یہ میرا کام ہے کہ تبلیغ کروں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ بڑا ارادہ ہے اور بہت کچھ چاہتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا ہی کے حضور سے سب کچھ آوے گا...... پس میرے دوستو! روپیہ کے معاملے میں گھبرانے اور فکر کرنے کی کوئی بات نہیں وہ آپ سامان کرے گا۔ آپ ان سعادت مند روحوں کو میرے پاس لائے گا۔ جو ان کاموں میں میری مددگار ہوں گی۔ میں خیالی طور پر نہیں کامل یقین اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ ان کاموں کی تکمیل و اجراء کے لئے کسی محاسب کی تحریکیں کام نہیں دیں گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسیح موعودؑ سے خود وعدہ کیا ہے کہ ینصرک رجال نوحی الیھم۔ تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کو ہم وحی کریں گے...... پس خدا آپ ہی ہمارا محاسب اور محصل ہو گا اس کے پاس ہمارے سب خزانے ہیں...... پھر ہمیں کیا فکر ہے ہاں ثواب کا ایک موقعہ ہے مبارک وہ جو اس سے فائدہ اٹھاتا ہے" ۱۵۶، ۱۵۷

مولوی محمد علی صاحب کو قادیان چھوڑنے سے باز رکھنے کی کوشش

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں۔ "قادیان کی جماعت میں سے سب کے سب سوائے چار پانچ آدمیوں کے میری بیعت میں شامل تھے اور اب قادیان میں کسی کامیابی کی امید یہ لوگ دل سے نکال بیٹھے تھے .... مولوی محمد علی صاحب کے قادیان سے جانے کے لئے عذر تلاش کئے جانے لگے اور آخر ایک دن مجھے اطلاع دی گئی کہ مولوی صاحب جمعہ کی نماز پڑھ کر باہر نکل رہے تھے کہ تین چار بچوں نے (جو پانچ سات سال کی عمر کے تھے) ان پر کنکر پھینکنے کے ارادہ کا اظہار کیا۔ میں نے اس پر درس کے وقت سب جماعت کو سمجھایا۔ کہ گو بچوں نے ایسا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ مگر پھر ایسی بات سنی گئی۔ تو میں ان کے والدین کو ذمہ دار قرار دوں گا اور سختی سے سزا دوں گا۔ بعد میں میں نے سنا کہ مولوی محمد علی صاحب کو یہاں خوف ہے اس لئے وہ قادیان سے جانا چاہتے ہیں۔ میں نے ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کو ایک خط لکھ کر دیا کہ آپ مولوی محمد علی صاحب کے پاس جاویں اور ان کو تسلی دیں کہ آپ کسی قسم کا فکر نہ کریں۔ میں آپ کی حفاظت کا ذمہ دار ہوں اور آپ قادیان نہ چھوڑیں۔ خط میں بھی اسی قسم کا مضمون تھا۔ خط کا جواب مولوی محمد علی صاحب نے یہ دیا کہ یہ کب ہو سکتا ہے کہ میں قادیان چھوڑ دوں۔ میں تو صرف گرمی کے سبب پہاڑ پر ترجمہ قرآن کا کام کرنے کے لئے جاتا ہوں۔ اور اس کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی زندگی ہی میں میں نے انجمن سے رخصت [158] لے رکھی تھی۔ اور میرا شکریہ بھی ادا کیا کہ میں نے ان کی ہمدردی کی میں نے صرف اس قدر کافی نہ سمجھا۔ بلکہ اس کے بعد ان سے اس مضمون کے متعلق زبانی گفتگو کرنے کے لئے خود ان کے گھر پر گیا۔ میرے ہمراہ خان محمد علی خاں صاحب اور ڈاکٹر رشید الدین صاحب تھے جب ہم وہاں پہنچے تو ابتداءً کچھ ذکر ترجمہ قرآن کے متعلق ہوا۔ اس کے بعد میں نے اس امر کے متعلق کلام کا رخ پھیرا جس کے لئے میں آیا تھا۔ کہ فوراً مولوی محمد علی صاحب نے ایک شخص ..... میاں بگا کو ...... آواز دی کہ ادھر آؤ اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔ جب میں نے دیکھا کہ مولوی محمد علی صاحب میاں بگا سے کلام ختم نہیں کرتے تو ناچار اٹھ کر چلا آیا۔ اس کے بعد مولوی صاحب قادیان سے چلے گئے اور قریباً تین ہزار روپیہ کا سامان کتب و ٹائپ رائٹر وغیرہ کی صورت میں ترجمہ قرآن کے نام سے اپنے ساتھ لے گئے" [159]۔ الخ (یہ ۲۰/ اپریل ۱۹۱۴ء کا واقعہ ہے)

ایک فاضل مسیحی سے گفتگو اور اس کا قبول اسلام

۱۳/ اپریل ۱۹۱۴ء کو پشاور مشن کے ایک فاضل مسیحی (جنہیں

بائبل پر حیرت انگیز دستگاہ تھی اور لاطینی اور عبرانی کے بھی خوب واقف تھے) قادیان آئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کئی روز تک ان سے تبادلہ خیالات فرماتے رہے۔ حضور نے ان کے سوالوں کے ایسے تسلی بخش جوابات دیئے کہ بالآخر انہوں نے آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کر لیا [۱۶۰]۔ یہ صاحب شیخ عبدالخالق صاحب تھے جنہوں نے بعد کو تقریری اور تحریری طور پر عیسائیت کے ردّ اور اسلام کی تائید میں خوب کام کیا۔ آخری عمر میں سالہا سال تک دارالواقفین اور جامعۃ المبشرین کے طلباء کو پڑھاتے بھی رہے۔ عیسائی ہونے کے ایام میں ان کی زندگی نہایت آرام میں گزرتی تھی۔ کیونکہ ان کو اچھی تنخواہ ملتی تھی۔ لیکن اسلام قبول کر لینے کے بعد باوجود اس کے کہ عیسائیوں کی طرف سے ان کو بہت کچھ لالچ دیا گیا وہ واپس نہیں گئے اور قادیان میں دھونی رما کر بیٹھ گئے اور استقامت کا ایک بے نظیر نمونہ دکھایا [۱۶۱]۔

جماعتی انتظام چلانے کے لئے نئے کارکنوں کا تقرر

انجمن کے کچھ ممبروں کی خلافت سے علیحدگی اور بعض دوسرے وجوہ کی بناء پر جماعتی نظم و نسق چلانے کے لئے بھاری تبدیلی کرنی پڑی۔ چنانچہ صدر انجمن احمدیہ کے سیکرٹری اور افسر اشاعت اسلام مولوی شیر علی صاحبؓ مقرر ہوئے۔ حضرت مولوی محمد الدین صاحب ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر بنا لئے گئے۔ "بیت المال" اور لنگر خانہ کا انتظام حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کے سپرد ہوا۔ مدرسہ احمدیہ کی نظامت اور اخبار "الفضل" کی ادارت قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو سونپی گئی۔ آپ ہائی سکول کے سٹاف میں بھی شامل کئے گئے اور پھر جلد ہی ریویو آف ریلیجنز کی ادارت کے فرائض بھی انجام دینے لگے۔ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب (بحیثیت علماء سلسلہ) اور چوہدری نصر اللہ خان صاحب (مشیر قانونی کی حیثیت سے) مجلس معتمدین کے ممبر نامزد ہوئے اور حضرت میر ناصر نواب صاحب سب کمیٹی تعمیر کے سیکرٹری!! [۱۶۲]

ایک پُر شوکت مکتوب

انہی دنوں حضور نے اپنے قلم سے بابو عبدالحمید صاحب ریلوے آڈیٹر کے نام سیالکوٹ کے پتہ پر ایک پُر شوکت مکتوب تحریر فرمایا جس میں آپ نے اس وقت کے پیش آمدہ حالات کو نہایت درد انگیز الفاظ میں لکھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ جماعت پر رحم فرمائے یہ لوگ کس طرف جا رہے ہیں۔ خدا کے کام کو کوئی نہیں روک سکتا۔ اور کوئی نہیں روک سکتا۔ اگر میرا قیام خدا تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت ہے۔ اور مجھے اس کے فضل سے یقین ہے کہ ایسا ہی ہے تو یہ لوگ خواہ کس قدر ہی مخالفت کریں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ناکام و نامراد

رہیں گے۔

خدا کے کام

کوئی نہیں روک سکتا اور کوئی نہیں روک سکتا۔ اگر یہ کام
خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا جاتا ہے اور یہ اسکے فضل سے یقینی
ہے کہ ایسا ہی ہے تو یہ لوگ خواہ کسقدر بھی مخالفت کریں
اللہ تعالیٰ کے فضل سے ناکام و نامراد رہیں گے۔

افسوس کہ وہ تلوار جو غیروں پر چلنی تھی اپنوں پر چلانی پڑی۔ اور وہ زور جو غیروں کے مقابلہ پر خرچ کرنا تھا اپنوں پر خرچ کرنا پڑا۔ بہتر ہوتا اگر یہ نہ ہوتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے نشانات کیونکر ظاہر ہوتے۔ کس طرح ہو سکتا تھا کہ سوئی ہوئی جماعت پھر جاگتی۔ اگر اس طرح شور نہ پڑتا......... سب احباب کو تاکید کریں کہ دعاؤں سے کام لیں اور نفسانیت کو ترک کردیں ایسا نہ ہو کہ ہماری غلطیوں سے خدا کے فضل کے دروازے بند ہو جائیں جس قدر جانیں ہو سکیں بچانے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو۔

خاکسار مرزا محمود احمد"

احمدیہ دارالتبلیغ لنڈن

حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیالؓ اس پہلے بیرونی مشن کی بنیاد گو جولائی ۱۹۱۳ء میں رکھ چکے تھے ۱۲۳ لیکن اس کا مستقل اور ممتاز صورت میں قیام دراصل اپریل ۱۹۱۴ء میں ہوا ۱۲۴۔ جب کہ آپ ووکنگ چھوڑ کر لندن تشریف لے آئے۔ اور یہاں کرائے کے ایک مکان کو مرکز بنا کر تبلیغ اسلام کا کام شروع کردیا۔ پہلا شخص جو آپ کے ہاتھ پر اسلام میں داخل ہوا ایک صحافی کوریو (MR. CORIO) نامی تھا۔ چودھری صاحب کی واپسی تک

(جو مارچ ۱۹۱۶ء میں ہوئی) قریباً ایک درجن انگریز مسلمان ہو چکے تھے۔ مشن کے اس ابتدائی دور میں آپ کی تبلیغ زیادہ تر لیکچروں کے ذریعہ ہوئی۔ جو انہوں نے مختلف کلبوں اور سوسائٹیوں میں دیئے۔

۶/ ستمبر ۱۹۱۵ء کو حضرت قاضی محمد عبد اللہ صاحب بی۔ اے بی ٹی انگلستان تشریف لے گئے حضرت قاضی صاحب پورے چار سال تک وہاں اعلائے کلمتہ اللہ میں مصروف رہے۔ پہلی جنگ عظیم کی وجہ سے آپ کو کئی پریشانیوں اور تکالیف کا سامان بھی کرنا پڑا۔ مگر آپ نے لٹریچر اور خطوط کے ذریعہ سے اپنی کوششیں برابر جاری رکھیں۔ آپ ابھی انگلستان ہی میں تھے کہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے ۱۰/ مارچ ۱۹۱۷ء کو روانہ ہو کر اپریل ۱۹۱۷ء میں ساحل انگلستان پر قدم رکھا۔ حضرت مفتی صاحب یہاں کچھ عرصہ قیام فرمانے اور حضرت قاضی صاحب کا ہاتھ بٹانے کے بعد ۱۹۲۰ء کے شروع میں امریکہ تشریف لے گئے اور حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چودھری فتح محمد صاحب سیال حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب نیر کے ساتھ دوبارہ ۱۵/ جولائی ۱۹۱۹ء کو عازم انگلستان ہوئے اور ۶/ اگست ۱۹۱۹ء کو لندن پہنچے۔

چودھری صاحب نے گزشتہ تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تبلیغ کے کام میں اور زیادہ وسعت دی اور مسجد کے لئے بڑی جدوجہد کے بعد لندن کے محلہ پٹنی ساؤتھ فیلڈ میں ایک یہودی سے زمین کا ایک قطعہ مع مکان بائیس سو تئیس پونڈ میں خرید لیا۔ یہ اگست ۱۹۲۰ء کا واقعہ ہے اسی ماہ مولوی مبارک علی صاحب بی۔ اے بنگالی قادیان سے انگلستان کے لئے روانہ ہوئے۔ اور ۱۸/ ستمبر ۱۹۲۰ء کو لندن پہنچے۔ چند ماہ بعد حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب نیر فروری ۱۹۲۱ء میں نائجیریا روانہ ہو گئے اور چوہدری صاحب مولوی مبارک علی صاحب کو چارج دے کر ستمبر ۱۹۲۱ء میں قادیان واپس آگئے۔

اس کے جلد بعد ہی مولوی مبارک علی صاحب برلن چلے گئے۔ آپ کے بعد سردار مصباح الدین صاحب (حضرت مولانا نیر صاحب کی واپسی انگلستان تک) مشن کے انچارج رہے اور قریباً سوا دو سال کے بعد ۲۴/ نومبر ۱۹۲۴ء کو حضرت مصلح موعود کے مقدس قافلہ کے ساتھ قادیان آئے آپ قادیان سے اگست ۱۹۲۲ء میں ولایت گئے تھے۔ حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب نیر نے سیرالیون " گولڈ کوسٹ (غانا) اور نائجیریا مشن قائم کرنے کے بعد واپس آکر لندن مشن کا چارج لے لیا۔ ۱۱/ مئی ۱۹۲۴ء کو جناب ملک غلام فرید صاحب ایم اے (جو دسمبر ۱۹۲۳ء میں برلن روانہ کئے گئے تھے) لندن آگئے اور حضرت نیر صاحب کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔

حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب نیرؓ کے دور میں حضرت امیر المومنین خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنفس نفیس ویمبلے کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک سے ۱۹/

اکتوبر ۱۹۲۴ء کو مسجد فضل لندن کا سنگ بنیاد رکھا۔ حضرت اقدس کے وجود باجود سے لندن مشن کو عالمگیر شہرت حاصل ہو گئی اور لندن کی مذہبی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ حضرت اقدس نومبر ۱۹۲۴ء کو اپنے قافلہ کے خدام نیز حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر کو ساتھ لے کر واپس تشریف لے آئے اور مشن کے انچارج حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب (سابق رحیم بخش صاحب) درد اور ان کے نائب ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے مقرر ہوئے۔

حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد کے تقرر کے ساتھ ہی رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" قادیان کی بجائے لندن سے نکلنے لگا اور تبلیغ کے ساتھ آپ کی ادارتی ذمہ داریوں کا بھی اضافہ ہو گیا [۱۷۵] مسجد کا سنگ بنیاد رکھا جا چکا تھا۔ مولانا درد صاحب نے اس کی تکمیل کی طرف توجہ دی۔ چنانچہ آپ نے ۱۹۲۵ء میں چند دوستوں کے ساتھ دعائیں کیں اور مسجد کی بنیادیں کھودی گئیں اور اس کی تعمیر ایک انجینئرنگ کمپنی کو سپرد کر دی گئی۔ مسجد کی تکمیل ۱۹۲۶ء میں ہوئی اور اس کا افتتاح ۳/ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو خان بہادر شیخ عبدالقادر صاحب بی۔اے بیرسٹرایٹ لاء کے ہاتھوں ہوا۔ اس موقعہ پر پہلی اذان مسجد کے مینار کے پاس مکرم ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے نے دی اور مسجد کے پہلے برطانوی موذن ہونے کا شرف ایک نومسلم بلال دانیال ہاوکر نٹل (Mr. Billal Danial Hawker Nuttal) کو حاصل ہوا [۱۷۶]۔ جو حضرت مولانا درد کے زمانہ میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ مسجد کے افتتاح پر دنیا کے اخباروں نے عموماً اور لندن پریس نے خصوصاً بڑے بڑے آرٹیکل لکھے اور چار دانگ عالم میں اسلام اور سلسلہ احمدیہ کی تبلیغی مساعی کی بہت شہرت ہوئی [۱۷۷]۔

۲۲/ اپریل ۱۹۲۸ء کو خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب انگلستان کے لئے روانہ ہوئے اور ملک غلام فرید صاحب جولائی ۱۹۲۸ء میں واپس آ گئے۔ اور ۳/ اگست ۱۹۲۸ء کو ان کی بجائے صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔اے بھجوائے گئے دو ماہ بعد حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد حضرت خان صاحب فرزند علی صاحب کو چارج دے کر ۲۲/ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو قادیان آ گئے۔ ۲۵/ جولائی ۱۹۳۱ء کو مولوی محمد یار صاحب عارف لندن روانہ ہوئے [۱۷۸] اور صوفی عبدالقدیر صاحب ۱۶/ اگست ۱۹۳۱ء کو واپس آئے۔ ان کے بعد حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد ۲/ فروری ۱۹۳۳ء کو دوبارہ ولایت بھیجے گئے۔ اور حضرت مولوی فرزند علی خان صاحب آپ کو چارج دے کر ۱۰/ اپریل ۱۹۳۴ء کو قادیان تشریف لے آئے۔

حضرت خان صاحب فرزند علی صاحب اور مولانا درد صاحب کے دوران قیام کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ ان کے زمانہ میں نہ صرف تبلیغی دائرہ میں وسعت ہوئی [۱۷۹]۔ بلکہ مشن نے مسلمانان عالم کی

عموماً اور ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی خصوصاً موثر نمائندگی کا حق ادا کر دیا اور تحریک آزادی کشمیر کے حق میں برطانوی عوام اور برطانوی پارلیمنٹ میں آواز بلند کی۔ اس زمانہ میں مسجد فضل لنڈن برصغیر پاک و ہند کے مسلمان زعماء کا ایک خصوصی مرکز بن گئی تھی اور مسلمان لیڈر اپنے موقف کو کامیاب بنانے کے لئے مشن سے رابطہ پیدا کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال، قائداعظم محمد علی جناح اور دوسرے لیڈر مسجد فضل لنڈن میں جاتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح جو گول میز کانفرنس کے بعد ہندو لیڈروں کی روش سے مایوس ہو کر لندن ہی میں بود و باش رکھنے کا فیصلہ کر چکے تھے [170]۔ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خواہش اور مولانا عبدالرحیم صاحب درد کی کوشش سے احمدیہ مسجد پٹنی میں آئے۔ "ہندوستان کا مستقبل" (Future of India) کے مضمون پر لیکچر دیا اور ہندوستان جا کر پھر سے مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے پر آمادہ ہو گئے [171]۔

حضرت مولانا درد صاحب کے زمانہ ہی میں خاندان مسیح موعودؑ کے صاحبزادگان یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا سعید احمد صاحب مرحوم وہاں تعلیم حاصل کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اسی زمانے میں (صاحبزادگان خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام) "الاسلام" کے نام سے ایک رسالہ نکالتے رہے۔ اس رسالہ کی ادارت کے فرائض حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ہی انجام دیتے رہے۔

یکم فروری ۱۹۳۶ء کو مولانا جلال الدین صاحب شمس اور ۲۶/ فروری ۱۹۳۶ء کو حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ بھی ترجمۃ القرآن کے سلسلہ میں لنڈن روانہ ہوئے۔ ان بزرگوں کی بدولت مشن میں نئی زندگی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ ۹/ نومبر ۱۹۳۸ء کو حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد۔ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ اور تمام صاحبزادگان قادیان آگئے اور مولانا جلال الدین صاحب شمس انچارج مشن کے فرائض انجام دینے لگے۔

مولانا شمس صاحب کے زمانہ میں دوسری جنگ عظیم چھڑ گئی۔ اور انگلستان پر بمباری ہونے لگی جس کی وجہ سے لاکھوں بچے اور عورتیں لنڈن چھوڑ کر دوسرے دیہات میں چلے گئے اور بمباری وغیرہ کی وجہ سے کئی دفعہ لیکچروں کا سلسلہ بند کرنا پڑا۔ مگر ان نامساعد حالات میں بھی آپ نے اپنا کام جاری رکھا۔ دارالتبلیغ میں مذہبی مسائل پر لیکچر دیئے۔ ملک کی مشہور سوسائٹیوں میں شمولیت کی۔ بیرونی ممالک سے آنے والی اہم شخصیتوں سے ملاقاتیں کیں اور پیغام حق پہنچایا [172]۔ "ہندوستان میں قبر مسیح" کے نام سے ایک اشتہار لاکھوں کی تعداد میں شائع کیا۔ ایک اہم کتاب "WHERE DID JESUS DIE ?" (حضرت مسیح کہاں فوت ہوئے؟) تصنیف کی جسے عیسائی

حلقوں نے عیسائیت پر زبردست حملہ قرار دیا۔ بشپ آف گلاسٹر کو دعوت مقابلہ دی۔ جارج ششم، کنگ پیٹر یوگوسلاویہ وغیرہ کو تبلیغ کی۔ مسٹر گرین سے ایک سال تک ہائیڈ پارک میں مناظرے کئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کی نگرانی میں قرآن مجید کے ڈچ، روسی، اٹالین، فرانسیسی، پولش، جرمن اور سپینش تراجم ہوئے جن میں سے جرمن اور ڈچ تراجم چھپ بھی چکے ہیں [۱۷۳]۔

مولانا جلال الدین صاحب شمس ۱۵/ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو قادیان تشریف لے آئے اور آپ کی جگہ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ امام مسجد لندن بنے [۱۷۴]۔ آپ کے عہد میں بھی لندن سے کافی لٹریچر شائع ہوا۔ دسمبر ۱۹۴۵ء میں حضرت اقدس نے چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ کو لنڈن بھجوایا جو نائب امام کی حیثیت میں کام کرنے کے بعد ۱۴/ اپریل ۱۹۴۹ء کو وارد پاکستان ہوئے اگلے سال ۳۰/ جون ۱۹۵۰ء کو آپ دوبارہ لندن روانہ ہوئے اور چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ آپ کو مشن کا چارج دے کر ۱۴/ اگست ۱۹۵۰ء میں واپس آگئے۔ اس زمانہ میں قریشی مقبول احمد صاحب (۲۴/ جنوری ۱۹۴۸ء تا ۹/ دسمبر ۱۹۵۱ء) مشن کے سیکرٹری کی خدمت بجالاتے رہے۔ مکرم سید محمود احمد صاحب ناصر (۱۱/ نومبر ۱۹۵۴ء تا ۴/ جولائی ۱۹۵۷ء) مشن کے سیکرٹری اور نائب امام کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس کے علاوہ ۱۶/ جولائی ۱۹۵۱ء کو چوہدری عبدالرحمٰن صاحب لنڈن مشن کے مالی مشیر کی حیثیت سے روانہ ہوئے۔

چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ ۱۴/ اپریل ۱۹۵۵ء کو واپس آگئے۔ باجوہ صاحب کے دوران قیام میں مولود احمد خاں دہلوی ۱۱/ ستمبر ۱۹۵۳ء کو لنڈن بھجوائے گئے۔ جنہوں نے باجوہ صاحب کی واپسی کے بعد آٹھ سال تک کام کیا۔ اپریل ۱۹۵۵ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ دوسری بار بغرض علاج یورپ تشریف لے گئے۔ تو حضور کی صدارت میں ۲۲ تا ۲۴/ جولائی ۱۹۵۵ء کو بیرونی ممالک کے مبلغین کی ایک اہم کانفرنس ہوئی جس میں تبلیغی نظام کو زیادہ عمدگی سے چلانے کے لئے کئی تجاویز زیر غور آئیں اور اہم فیصلے ہوئے [۱۷۵]۔

۱۸/ جنوری ۱۹۵۹ء کو خان بشیر احمد خان صاحب رفیق انگلستان روانہ ہوئے۔ اور اس وقت آپ ہی مشن میں بطور مبلغ کام کر رہے ہیں [۱۷۶]۔ ۱۹۶۰ء سے آپ کی ادارت میں ایک رسالہ (The Muslim Herald) شائع ہوتا ہے۔ اسی طرح مکرم چوہدری رحمت خاں صاحب بھی (اکتوبر ۱۹۶۰ء سے مارچ ۱۹۶۴ء تک) امام مسجد لنڈن کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ان مستقل مبلغین کے علاوہ لنڈن میں باہر سے آکر آباد ہونے والے بعض احمدیوں مثلاً میر عبدالسلام صاحب سیالکوٹی مرحوم [illegible] حضرت بابو عبدالعزیز صاحب مرحوم [illegible] اور قریشی صلاح الدین صاحب مرحوم نے بھی ایک عرصہ

تک مشن کی آنریری خدمات انجام دی ہیں۔ مشن کے نومسلم احمدی جن میں سے مسٹر ناصر احمد، مسز علیمہ بلال اور مسٹر بلال نٹل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسلامی تبلیغ و اشاعت میں ہمیشہ سرگرم رہتے ہیں اور اب خدا کے فضل سے نصف صدی کے اندر اندر انگلستان میں لندن، برائٹن، بریڈفورڈ، بلیک برن، لیڈز، گلاسگو، پرسٹن، ہڈرزفیلڈ، آکسفورڈ، برمنگھم، شیفیلڈ، ساؤتھ آل، مانچسٹر وغیرہ[۷۹] مقامات پر جماعتیں قائم ہو چکی ہیں۔

لنڈن مشن نے انگریز نومسلموں میں کتنا عظیم انقلاب برپا کیا ہے؟ اس کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ ایک انگریز نومسلم نے بتایا کہ "مجھے اسلام سے اتنی عداوت تھی کہ میں جب رات کو سوتا تھا۔ تو محمد رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دے کر سوتا تھا مگر اب کسی رات مجھے نیند نہیں آتی۔ جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیج دوں" [۸۰]

یہ تو اسلام لانے والے انگریزوں کے قلبی تغیر اور تبدیلی کا ایک نمونہ ہے جہاں تک برطانوی مدبروں اور مفکروں کی رائے اور تاثر کا تعلق ہے وہ احمدی مبلغین کی کوششوں کے نتیجہ میں اسلام کا مستقبل مغربی ممالک میں نہایت درجہ روشن اور تابندہ قرار دے رہے ہیں چنانچہ مشہور برطانوی مدبر جارج برنارڈ شاہ (۱۸۵۶ء-۱۹۵۰ء) نے لکھا ہے۔

"The medieval ecclesiastics, either through ignorance or bigotry painted Muhammadanism in the darkest colours. They were, in fact, trained to hate both the man Mohammad and his religion. To them Muhammad was anti-Christ. I have studied him, the wonderful man, and in my opinion, far from being an anti-Christ, he must be called the saviour of humanity. I believe if a man like him wer to assume dictatorship of the modem worlk, he would succeed in solving its problems in a way that would bring in the much meeded peace and happiness. Europe is beginning th be enamoured of the creedf Muhammad. In the next centry it may go still further in recognising the Utility of that creed in solving its problems and it is in this sense that you must understand my prediction. Already, even athe present time, many of my oun people and of Europe as well have come over to the faith of Muhammad . And the Islamisation of Europe may be said th have begun.[۸۱]

" قرون وسطیٰ کے پادریوں نے یا تو جہالت کی وجہ سے یا تعصب کی بناء پر محمدؐ کے دین کی نہایت تاریک تصویر کھینچی تھی۔ فی الحقیقت انہیں محمد (ﷺ) اور اس کے مذہب سے نفرت کرنے کی ٹریننگ دی گئی تھی ان کے نزدیک محمدؐ یسوعؑ کے دشمن تھے۔ لیکن میں نے اس عظیم الشان شخصیت کا مطالعہ کیا

ہے میری رائے میں وہ نہ صرف یہ کہ دشمن مسیح نہ تھے بلکہ انسانیت کے نجات دہندہ تھے میرا ایمان ہے کہ اگر موجودہ زمانہ میں محمدؐ جیسا انسان دنیا کا آمر بن جائے تو وہ ہمارے زمانہ کی مشکلات کا ایسا حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ جس کے نتیجہ میں حقیقی مسرت اور امن حاصل ہو جائے اب یورپ محمدؐ کے مذہب کے اصولوں کو سمجھنے لگا ہے اور آئندہ صدی میں یورپ اس بات کو اور زیادہ تسلیم کرے گا کہ اسلام کے اصول اس کی الجھنوں کا حل کر سکتے ہیں۔ میری پیشگوئی کو ان حقائق کے ماتحت سمجھنا چاہئے موجودہ وقت میں بھی میری قوم اور یورپ کے کئی لوگ اسلام اختیار کر چکے ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ یورپ کے اسلامی بننے کا آغاز ہو چکا ہے۔"

اسی طرح مشہور مورخ پروفیسر ٹائن بی (Professor Toynbee) لکھتا ہے۔ (ترجمہ) مغرب سے ٹکراؤ کے نتیجہ میں اب اسلام میں پھر جوش پیدا ہو رہا ہے اور اس میں ایسی روحانی تحریکات جنم لے رہی ہیں۔ جو ممکن ہے آئندہ جا کر عالمگیر مذہب اور تہذیب کی بنیاد بن جائیں مثلاً احمدیہ تحریک ہے [۱۸۲] ۔ (ملخص)

یاد رہے یہ انگلستان کے دانشمندوں کا بیان ہے جہاں آج سے قریباً ستر برس پہلے میڈیکل مشن فنڈ کرسچین مشنری سوسائٹی لندن کے ڈاکٹر ہربرٹ (Dr. Herbert) نے عیسائی پادریوں کی ایک کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔ "فرض کرو لنڈن کے کسی علاقے میں کوئی مسلمان آوارہ ہو جو اجنبی کپڑوں میں ملبوس ہو۔ ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولتا ہو۔ اور وہ ہمیں یہ بتانے کی کوشش کرے کہ محمدؐ خدا کا سچا رسول ہے اور یہ کہ اب ہم یسوع مسیح کی بجائے اس پر ایمان لائیں۔ ذرا سوچو تو سہی اس مسلمان کا کیا حشر ہو گا۔ یہی کہ چھوٹے چھوٹے بچے اس پر کیچڑ اچھالتے پھریں گے" [۱۸۳]۔

بلاد اسلامیہ کے لئے عربی ٹریکٹ

حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو ایک عربی الہام میں خبر دی گئی تھی کہ رومی سلطنت کسی وقت بیرونی دشمنوں سے مغلوب ہو جائے گی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے پھر غلبہ پائے گی [۱۸۴]۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بلاد اسلامیہ میں اس کی اشاعت کرنے کے لئے "الدین الحی" (زندہ مذہب) کے نام سے عربی زبان میں ایک ٹریکٹ لکھا۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس پیشگوئی کے ظہور پر روشنی ڈالی اور تمام عالم اسلام کو حضور علیہ السلام کے دعوے پر ایمان لانے کی پر زور دعوت دی اور اعلان فرمایا کہ جو اصحاب مامور وقت کی صداقت سے متعلق تحقیق کرنا چاہیں۔ وہ خط و کتابت کے ذریعہ سے بھی کر سکتے ہیں۔

"شکریہ اور اعلان ضروری"

حضور نے اپریل ۱۹۱۴ء کے آخری ہفتہ میں "شکریہ اور اعلان ضروری" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا۔ جس میں کثیر حصہ جماعت کے ایک مرکز پر جمع ہو جانے کا شکریہ ادا کیا۔ اور "انجمن ترقی اسلام" کے مقاصد پورے کرنے کے لئے الٰہی تحریک سے جماعت سے بارہ ہزار روپیہ کی اپیل فرمائی اور جماعت کو زور دار و دل نشین الفاظ میں یقین دلایا۔ کہ "اس وقت دشمن کہہ رہا ہے کہ اب احمدیت گئی لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آگے سے بھی زیادہ اسے ترقی دے اور اسلام کے شیدا خوش ہو جائیں کہ اب خزاں کے بعد بہار آنے والی ہے اور مسیح موعود کے وعدوں کے پورے ہونے کے دن آگئے ہیں" [۱۸۵]۔

حضور نے یہ "اعلان شکریہ" کاتب کو دینے سے پہلے جب درس قرآن کے وقت سنایا تو اللہ تعالیٰ نے جماعت قادیان کے دلوں میں ایسا جوش پیدا کر دیا کہ اس نے دوسرے ہی دن عام جلسہ کر کے تین ہزار کے قریب وعدے لکھوائے اور اعلان کی اشاعت سے پہلے ہی پانچ سو روپے سے زائد وصول بھی ہو گئے۔ بعض مخلصین نے اپنی ساری زمین تبلیغ اسلام کے لئے وقف کر دی۔ بعض نے اپنا کل اندوختہ نذر کر دیا [۱۸۶]۔ کئی دوستوں نے اپنی ایک ایک ماہ کی تنخواہ پیش کر دی۔ عورتوں نے بھی اس مالی قربانی کی پہلی تحریک میں مردوں کی طرح حصہ لیا۔ حضرت ام المومنینؓ نے ایک سو روپیہ دیا [۱۸۷]۔ بعض مستورات نے اپنے زیور تک پیش کر دیئے۔ [۱۸۸]

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کو اہل قادیان کی اس شاندار قربانی سے پہلے ہی دکھا دیا گیا تھا کہ "ایک شخص عبد الصمد کھڑا ہے اور کہتا ہے مبارک ہو قادیان کی غریب جماعت تم پر خلافت کی رحمتیں یا برکتیں نازل ہوتی ہیں" [۱۸۹]۔

تبلیغی کلاسوں کا اجراء

ایک طرف تو مدرسہ احمدیہ میں تعلیم پائے ہوئے مبلغین کے میدان عمل میں آنے کے لئے ابھی کچھ وقت درکار تھا۔ کیونکہ اس سال صرف مولوی عبد الرحمن صاحب فاضل (حال امیر جماعت احمدیہ قادیان) اور مولوی احمد بخش صاحب ہی عالم ہو کر نکلے تھے۔ دوسری طرف جماعتی حالات کا تقاضا تھا کہ ملک میں تبلیغ کا کام جلد سے جلد تیز سے تیز تر کر دیا جائے۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے تبلیغی کلاسیں جاری کئے جانے کی ہدایت فرمائی جس کا کورس ترجمہ قرآن شریف، مشکوٰۃ اور قدوری تھا۔ یہ کلاسیں مسجد مبارک اور مسجد اقصیٰ میں دو وقت کھلتی تھیں۔ اور حضرت قاضی امیر حسین صاحب۔ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب۔ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ۔ حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصریؓ اور حضرت صوفی غلام محمد صاحب پڑھاتے تھے [۱۹۰]۔

"تحفۃ الملوک"

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو ایک خواب میں تحریک ہوئی کہ شاہ دکن کو تبلیغ فرمائیں۔ اس پر آپ نے جون ۱۹۱۴ء میں کتاب "تحفۃ الملوک" تصنیف فرمائی اور نہایت خوبصورت و دلکش [۱۹۱] رنگ میں چھپوا کر شاہ دکن کو ارسال فرمائی اور بعض اراکین سلطنت کو بھی بھیجی گئی اور اس کی سینکڑوں کاپیاں وہاں کے مختلف طبقوں میں بھی تقسیم کی گئیں اس کام کے لئے پہلے تو حضرت حکیم محمد حسین صاحبؓ قریشی موجد مفرح عنبری اور بعد کو حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ اور حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ حیدر آباد بھیجے گئے جو تین ماہ تک وہاں تبلیغ کرتے رہے۔ اس کے بعد حضور نے حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اور حضرت مولانا حافظ روشن علی صاحبؓ کو روانہ فرمایا۔ "تحفۃ الملوک" کی روحانی تاثیرات و برکات ہی کا نتیجہ تھا کہ سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کو ۹/ اپریل ۱۹۱۵ء کو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے کی توفیق ملی۔ حضرت سیٹھ صاحب اپنی صورت و سیرت اور اوصاف گوناگوں کے لحاظ سے نہایت دلکش بزرگ تھے۔ آپ نے مختلف زبانوں میں سلسلہ احمدیہ کا لٹریچر بہت کثرت سے شائع فرمایا جس سے انگریزی دان طبقہ میں خوب تبلیغ ہوئی۔ آپ کے قبول حق سے پہلے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو ایک رؤیا میں دکھایا گیا۔ کہ آپ ایک تخت پر بیٹھے ہیں اور آسمان سے ایک نور ان کے دل پر گر رہا ہے اور وہ ذکر الٰہی میں مصروف ہیں [۱۹۲]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا دوسرا نکاح

۳۱/ مئی ۱۹۱۴ء کا دن نہایت مبارک دن تھا۔ کیونکہ اس روز حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کا نکاح حضرت خلیفہ اولؓ کی دختر نیک اختر امتہ الحی صاحبہ سے ہوا۔ خطبہ نکاح حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب نے پڑھا۔ مہر ایک ہزار روپیہ قرار پایا۔ میاں عبدالحی صاحب صاحبزادی صاحبہ کے ولی تھے جب آپ سے نکاح کی منظوری کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپ نے مختصر الفاظ میں تقریر فرمائی جسے سن کر بعض اصحاب کے آنسو نکل آئے۔ آپ نے کہا۔ "میں آپ صاحبان سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول وہ انسان تھے جنہوں نے اپنی عمر' اپنا مال' اپنی جان آپ لوگوں کے لئے قربان کر دی۔ ان کی چیزیں تمہاری چیزیں ان کا مال تمہارا مال ان کی جائداد تمہاری جائداد ہے اس لئے پہلے اس کے کہ ان کی ایک امانت کو کسی کے سپرد کروں آپ سے یہ (پوچھنا) چاہتا ہوں کہ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اس امانت کو سپرد کروں یہ بات کہنے پر چاروں طرف سے آوازیں آئیں کہ بے شک آپ کو اجازت ہے۔ بہت بابرکت بات ہے اس پر میاں عبدالحی صاحب نے کہا کہ جب آپ سے مجھے اجازت ہے تو میں کمال خوشی سے یہ بات قبول کر کے ہاں کہتا ہوں" [۱۹۳]۔

حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نکاح ثانی کی نسبت تحریر فرمایا کہ ''میں نے آپ (حضرت خلیفہ اولؓ۔ ناقل) کے ابتدائی زمانہ خلافت میں دوسری شادی کی اجازت طلب کی تھی۔ لیکن ان دنوں میری صحت ایسی خراب تھی کہ آپ نے فرمایا میں ابھی پسند نہیں کرتا۔ اس کے بعد وفات سے چند ماہ پہلے آپ نے ایک شخص کی درخواست مجھ کو بھیجی کہ وہ اپنی لڑکی (کی) شادی مجھ سے کرنا چاہتا ہے اور اس کے متعلق مجھ سے دریافت کیا...... چونکہ وہ جگہ مجھے پسند نہ تھی اس لئے اس موقعہ پر میں نے چاہا کہ امتہ الحی آپ کی لڑکی کے لئے درخواست نکاح کروں۔ لیکن یہ وہ دن تھے جب ایک شخص نے چند گمنام ٹریکٹ میرے خلاف شائع کئے تھے کہ مجھے خلافت کی تمنا ہے۔ ان ٹریکٹوں کے بعد مجھ کو یہ امر پیش کرنے کی جرأت نہ ہوئی...... آپ کی بیماری کے دنوں میں مجھے رؤیا میں بتایا گیا کہ یہاں میرا رشتہ ہوگا۔ اس پر میں نے چاہا کہ خواہ کچھ بھی ہو۔ آپ کے سامنے یہ معاملہ پیش کردوں لیکن وہی جماعت کے ابتلاء کا خوف مجھ پر غالب رہا اور تیسرے دن آپ فوت ہو گئے۔ میں نے اپنی رویاء کی بھی تعبیر کرلی۔ لیکن بعد میں چند اور لوگوں کو اسی قسم کی رویاء آنے پر میں سمجھا کہ یہ منشاء الٰہی ہے اور اس امر کو لڑکی کے جائز ولیوں کے سامنے پیش کردیا۔ مگر میرا ارادہ تھا کہ دیر سے یہ رشتہ ہو تاکہ لوگوں کو کوئی ابتلاء نہ آئے۔ مگر پھر مجھے اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوا کہ (دوسروں کا۔ ناقل) خوف بھی ایک شرک ہے اور میں نے اپنے نفس کی مخالفت کے لئے جلد یہ رشتہ کرلیا'' [۱۹۴]۔

بنگالی ٹریکٹ

حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے اہل بنگال کے لئے ایک رسالہ تحریر فرمایا جو بنگالی زبان میں ترجمہ ہو کر جولائی ۱۹۱۴ء میں کلکتہ سے شائع کیا گیا۔ اس ٹریکٹ سے انگریزی خوان طبقہ میں بھی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے حالات معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوگیا اور دوسرے طبقہ میں بھی [۱۹۵]۔

حضرت مسیح موعودؑ کی خبر پہلی عالمگیر جنگ سے متعلق

۲۸/ جون ۱۹۱۴ء کو آسٹریا کا ولی عہد پستول سے قتل کردیا گیا۔ آسٹروی پولیس نے انکشاف کیا کہ شہزادے کے قتل کی سازش میں سرویا کے بعض افسر بھی شامل ہیں اس پر آسٹریا نے الٹی میٹم کے بعد ۲۸/ جولائی ۱۹۱۴ء کو سرویا پر چڑھائی کردی۔ یکم اگست ۱۹۱۴ء کو روس نے آسٹریا کے خلاف اور جرمنی نے روس کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ کردیا۔ ۴/ اگست ۱۹۱۴ء کو برطانیہ جرمنی کے خلاف میدان جنگ میں کود پڑا اور ۲۹/ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو ترکی [۱۹۶] نے جرمنی کے حلیف بن کر روس' برطانیہ اور فرانس کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا [۱۹۷]۔ ۱۹۱۸ء میں امریکن بھی جرمنوں سے نبرد آزما ہو گئے۔ ۴/ نومبر ۱۹۱۸ء کو جرمنی میں حکومتی انقلاب برپا ہو گیا۔ اور قیصرولیم

بھاگ کر ہالینڈ چلا گیا۔ جرمنی کی نئی حکومت نے ہتھیار ڈال دیئے اور جرمنی کے نمائندوں نے ۱۱/ نومبر ۱۹۱۸ء کو دن کے گیارہ بجے مارشل فاش کی ریل گاڑی کے ڈبہ میں عارضی صلح کی شرطوں پر دستخط کر دیئے اس طرح چار سال کی خونریز اور تباہ کن جنگ بند ہو گئی۔ جس کے نتیجہ میں ایک کروڑ کے قریب آدمی ہلاک اور اتنے ہی مجروح ہو چکے تھے اور دنیا نے امن کا سانس لیا ۱۹۸۔ اور جیسا کہ ہم تاریخ احمدیت کی دوسری جلد نیا ایڈیشن میں ذکر کر چکے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی وہ پیشگوئی پوری شان کے ساتھ پوری ہو گئی جو حضور نے اس عالمگیر زلزلہ اور تباہ کن جنگ سے برسوں پہلے ۱۹۰۵ء میں شائع فرمائی تھی ۱۹۹۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو اس عالمگیر جنگ کی جو دنیا میں زلزلہ پیدا کرنے والی تھی صرف خبر ہی دینے پر بس نہیں فرمایا بلکہ اس محیر العقول بات کا علم بھی دے دیا تھا کہ وہ جنگ میرے موعود فرزند کے زمانہ میں ہو گی۔ چنانچہ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ "خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ ہمارے سلسلہ میں بھی سخت تفرقہ پڑے گا۔ اور فتنہ انداز اور ہوا و ہوس کے بندے جدا ہو جائیں گے۔ پھر خدا تعالیٰ اس تفرقہ کو مٹا دے گا۔ باقی جو کٹنے کے لائق اور راستی سے تعلق نہیں رکھتے اور فتنہ پرداز ہیں وہ کٹ جائیں گے۔ اور دنیا میں ایک حشر برپا ہو گا وہ اول الحشر ہو گا اور تمام بادشاہ آپس میں ایک دوسرے پر چڑھائی کریں گے اور ایسا کشت و خون ہو گا کہ زمین خون سے بھر جائے گی اور ہر ایک بادشاہ کی رعایا بھی آپس میں خوفناک لڑائی کرے گی ایک عالمگیر تباہی آوے گی اور تمام واقعات کا مرکز ملک شام ہو گا۔ صاحبزادہ صاحب (خاکسار راقم کو فرمایا) اس وقت میرا لڑکا موعود ہو گا۔ خدا نے اس کے ساتھ ان حالات کو مقدر کر رکھا ہے۔ ان واقعات کے بعد سلسلہ کو ترقی ہو گی اور سلاطین ہمارے سلسلہ میں داخل ہوں گے تم اس موعود کو پہچان لینا یہ ایک بہت بڑا نشان پسر موعود کی شناخت کا ہے" ۲۰۰۔

پہلی عالمگیر جنگ مسلمانان ہند اور جماعت احمدیہ

انگریزی مملکت کی رعایا ہونے کی وجہ سے مسلمانان ہند نے اتحادیوں کا ساتھ دیا۔ اور ہزاروں مسلمانوں نے فوج میں شامل ہو کر شجاعت اور بہادری ۲۰۱ کے جوہر دکھائے۔ خصوصاً ہندوستان کی سب سے بڑی اسلامی ریاست حیدر آباد نے انگریزوں کی امداد و اعانت میں اپنی پوری قوت صرف کر دی چنانچہ مولوی سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی نے اپنی کتاب "دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ" میں لکھا ہے کہ "اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں بہادر مسند آرائے سلطنت ہوئے آپ کے زمام امور ہاتھ میں لینے کے تین ہی سال بعد وہ جنگ عظیم برپا ہوئی کہ جس میں انگریزی

حکومت کے لئے زندگی و موت کا سوال درپیش تھا۔ اس نازک وقت میں مسلمانوں کے لئے سلطنت برطانیہ کا وفادار رہنا سب سے زیادہ مشکل تھا۔ کیونکہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت جس کے بادشاہ کو تمام مسلمان اپنا امام (یعنی خلیفۃ المسلمین۔ ناقل) سمجھتے تھے۔ برطانیہ کے خلاف برسرپیکار تھی اور وہ ممالک اعمال جنگ کی زد میں تھے۔ جن کی تعظیم و تکریم ہر مسلمان کا جزو ایمان تھی۔ لیکن اس موقع پر اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خان بہادر نے سلطنت برطانیہ کے ساتھ وہ وفاداری برتی جو اس سلطنت کے تمام دوستوں کی وفاداری سے زیادہ قیمتی اور خود اعلیٰ حضرت کے پیشروؤں کی وفاداریوں پر بھی فائق تھی۔ ایک طرح حضور ممدوح نے اپنے اس اخلاقی و روحانی اثر کو استعمال کیا جو انہیں ہندوستان کے مسلمانوں پر حاصل تھا اور مسلمانوں کو پورے زور کے ساتھ تلقین کی کہ وہ سلطنت برطانیہ کے مواعید پر بھروسہ کر کے اس کی وفاداری پر ثابت قدم رہیں۔ یہ اخلاقی امداد اس قدر موثر ہوئی کہ خود انگریزی سلطنت کے ارباب حل و عقد کو اعتراف ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے جن اثرات کے ماتحت جنگ میں سلطنت کی امداد کی ان میں سب سے زیادہ حصہ اعلیٰ حضرت نظام دکن کا تھا دوسری طرف اعلیٰ حضرت نے اپنی سلطنت کے تمام ذرائع دولت برطانیہ کے لئے وقف کر دیئے اس سلسلہ میں جو انہوں نے خالص مالی امداد دی۔ اس کی کیفیت ذیل کے اعداد سے ہوتی ہے (اس کے آگے تفصیلی اعداد و شمار دے کر جن کی مالیت کروڑوں روپے تک جا پہنچتی ہے لکھا ہے) کہ دوران جنگ میں سرکار عالی کے تمام کارخانے سامان حرب کی تیاری کے لئے وقف رہے اور چار سال کی مدت میں انہوں نے ۹ لاکھ روپیہ کا سامان سلطنت برطانیہ کے لئے مہیا کیا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی عزیز رعایا کو ہزاروں کی تعداد میں بھرتی کر کے میدان جنگ میں جانیں قربان کرنے کے لئے بھیجا۔ آغاز جنگ سے اختتام تک دولت آصفیہ کی باضابطہ فوج جنگ کی عملی خدمات سرانجام دیتی رہیں۔ اور اس کا خرچ سرکار نظام نے اپنے خزانہ سے دیا۔ حکومت ہند کی شدید مشکلات کے زمانے میں ۵۰ لاکھ روپے کی چاندی کی اینٹیں مستعار دے کر اس کی مالی ساکھ کو بحال کیا۔ اور اسی طرح کی بیش قیمت اور مخلصانہ امانتوں کی بدولت یہ سخت وقت سلطنت برطانیہ سے ٹل گیا۔ جس میں اس کا برباد ہو جانا کوئی مشتبہ نہ تھا" [۲۰۲]۔

ریاست حیدر آباد کے علاوہ بھوپال' لوہارو' بلوچستان کے نوابوں نے بھی کافی امداد کی [۲۰۳]۔ شیعان ہند کے بعض زعماء نے اعلان کیا۔ کہ " آج کل جو جنگ یورپ میں ہو رہی ہے۔ اس میں ہماری گورنمنٹ انگریزی کے مقابلہ میں سلطان ٹرکی نے بھی خواہ مخواہ جرمنی کی حمایت کی ہے۔ حضور ملک معظم کی گورنمنٹ نے ہرچند کوشش کی کہ سلطان ٹرکی اس جنگ میں شریک نہ ہوں۔ مگر تمام کوششیں

بے سود ثابت ہوئیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ گورنمنٹ برطانیہ اور سلطان ٹرکی کے درمیان اعلان جنگ ہو گیا۔ جہاں تک مجھے علم ہے ہندوستان کے مسلمانوں نے عام طور پر ٹرکی کے شرکت جنگ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا تمام شیعوں کو اس موقع پر پیش نظر رکھنا چاہئے۔ کہ یہ کوئی مذہبی لڑائی نہیں ہے اور نہ ہمارے مذہب میں آج کل جہاد جائز ہے اور نہ شیعہ سلطان کو امیر المومنین مانتے ہیں اور نہ وہ ہمارے دینی بادشاہ ہیں اور نہ ان کا کوئی فعل ہمارے لئے قابل تقلید ہے۔ گورنمنٹ انگریزی کی سلطنت تمام مذاہب خصوصاً شیعوں کے لئے سایۂ رحمت ہے اور جو آزادی اس فرقہ کو اس سلطنت میں ہے وہ دنیا کی کسی سلطنت میں میسر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ سلطنت ایران میں (بھی) جو شیعہ سلطنت ہے۔ ہم کو وہ حقوق حاصل نہیں جو آج ہندوستان میں بمقابلہ دیگر مذاہب کے حاصل ہیں۔ لہٰذا اس نازک موقع پر تمام مسلمانوں خصوصاً شیعوں کو گورنمنٹ انگریزی کی وفاداری اور خیر خواہی پر اسی طرح ثابت قدم رہنا چاہئے۔ جس طرح کہ اب تک وہ قائم ہیں" ۲۰۴۔

اسی طرح ڈاکٹر سر محمد اقبال نے دہلی کی جنگی کانفرنس کے لئے ایک مسدس لکھی جس کے نو بند تھے۔ بطور نمونہ تین بند ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ یہ نظم یونیورسٹی ہال لاہور میں پڑھی گئی۔

اے تاجدار خطہ جنت نشان ہند روشن تجلیوں سے تری خاوران ہند
محکم ترے قلم سے نظام جہان ہند تیغ جگر شگاف تری پاسبان ہند
ہنگامۂ وغا میں مرا سر قبول ہو
اہل وفا کی نذر محقر قبول ہو

اخلاص بے غرض ہے صداقت بھی بے غرض خدمت بھی بے غرض ہے اطاعت بھی بے غرض
عہد وفا و مہر و محبت بھی بے غرض تخت شہنشہی سے عقیدت بھی بے غرض
لیکن خیال فطرت انسان ضرور ہے
ہندوستاں پہ لطف نمایاں ضرور ہے

جب تک چمن کی جلوہ گل پر اساس ہے جب تک فروغ لالہ احمر لباس ہے
جب تک نسیم صبح عنادل کو راس ہے جب تک کلی کو قطرہ شبنم کی پیاس ہے
قائم رہے حکومت آئیں اسی طرح
دبتا رہے چکور سے شاہیں اسی طرح ۲۰۵

اگرچہ جماعت احمدیہ اپنے محدود ذرائع اور قلت تعداد کے لحاظ سے دوسرے مسلمانوں کے مقابل میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی تھی تاہم اس نے بھی اپنی بساط کے مطابق اپنا فرض ادا کرنے میں

کوئی کمی نہیں کی اپنے مقدس بانی کی تعلیم کے ماتحت ایک وفادار شہری کا پورا پورا حق ادا کیا اور حکومت وقت کو اپنی طاقت سے بڑھ کر جان و مال سے مدد پہنچائی اور سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی "انڈین امپیریل ریلیف فنڈ" کے لئے مفصل اپیل فرمائی جس پر قادیان سے بارہ سو روپیہ کے قریب چندہ ہوا [۲۰۶] یہ سب امداد ایک اصول کے ماتحت تھی اور اگر انگریزوں کے سوا کسی اور کی حکومت ہوتی تو اس کے ساتھ بھی یہی وفاداری کا سلوک کیا جاتا۔ کیونکہ اسلام کی یہ تعلیم ہے جسے احمدیت نے بڑے زور کے ساتھ پیش کیا ہے کہ حکومت وقت کے ساتھ اور خصوصاً ایسی حکومت کے ساتھ جس کے ذریعہ ملک میں امن قائم ہو تعاون اور وفاداری کا سلوک ہونا چاہئے ۔ جماعت احمدیہ کے لئے تو سب سے زیادہ قیمتی چیز ہی مذہب اور اشاعت مذہب اور تبدیلی مذہب کی آزادی ہے۔ پس جو حکومت جماعت احمدیہ کو یہ چیز دیتی ہے وہ خواہ کوئی ہو اور کسی ملک میں ہو وہ جماعت احمدیہ کو ہمیشہ مخلص اور وفادار پائے گی۔

یہاں ہم اس حقیقت کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ انگریزی عہد حکومت میں فوج میں احمدی سپاہیوں کا ایک حصہ اپنی قلت تعداد کی وجہ سے دوسرے سپاہیوں کے ظلم و ستم کا بری طرح نشانہ بنتا رہا ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ایک بار ۱۹۱۷ء کا یہ واقعہ بیان فرمایا کہ "میں نے شملہ یا دہلی میں چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو ایڈ جوٹینٹ جنرل یا ایسے ہی کسی اور بڑے [۲۰۷] افسر کے پاس ایک کیس کے سلسلہ میں بھیجا۔ کیس یہ تھا کہ ایک احمدی پر فوج میں سختی کی گئی اور پھر باوجود یہ تسلیم کر لینے کے کہ قصور اس کا نہیں اسے فوج سے بلاوجہ نکال دیا گیا تھا......... فوجی افسر ساری بات سننے کے بعد کہنے لگا۔ کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ آپ کی جماعت ملک کی خدمت کی خاطر فوج میں کام کرتی ہے...... لیکن ایک بات آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپ اس کا جواب دیں۔ کہ ہندوستان کی حفاظت کے لئے اس وقت اڑھائی تین لاکھ فوج کی ضرورت ہے اگر ہم آپ کے ایک آدمی کی خاطر اور اس کے حق بجانب ہونے کی بنا پر دوسروں کو خفا کر لیں اور وہ ناراض ہو کر کہہ دیں کہ ہم فوج میں کام نہیں کرتے ہمیں فارغ کر دیں۔ تو کیا آپ کی جماعت اڑھائی تین لاکھ فوج ملک کی حفاظت کے لئے مہیا کر کے دے سکتی ہے۔ اگر یہ ممکن ہے تو پھر آپ کی بات پر غور کیا جا سکتا ہے اور اگر یہ بات آپ کے نزدیک بھی ممکن نہیں تو بتایئے ہم آپ کی جماعت کی دلداری کی خاطر سارے ہندوستان کی حفاظت کو کس طرح نظر انداز کر سکتے ہیں......" [۲۰۸]

اسی نوعیت کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک احمدی دوست فوج میں ملازم تھے باوجودیکہ اس کے خلاف ایک بھی ریمارک نہ تھا اور دوسری طرف ایک سکھ کے خلاف چار ریمارکس تھے لیکن اس سکھ

کو اوپر کر دیا گیا۔ جب وہ احمدی انگریز کمانڈر کے پاس پہنچا۔ تو انگریز کمانڈر نے کہا۔ واقعی تمہارے ساتھ ظلم ہوا ہے تم درخواست لکھ کر لاؤ۔ لیکن جب وہ احمدی درخواست لے کر افسر کے پاس گیا تو اس نے درخواست اپنے پاس رکھ لی اور اسے اوپر نہ بھجوایا کئی دن کے بعد دفتر والوں نے بتایا کہ شملہ سے آرڈر آگیا ہے کہ کوئی اپیل اس کے خلاف اوپر نہ بھجوائی جائے [۲۰۹]۔

والیۂ بھوپال کے نام تبلیغی خط

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۶/ ستمبر ۱۹۱۴ء کو نواب سلطان جہاں بیگم والیۂ بھوپال کے نام ایک تبلیغی خط لکھ کر حضرت میاں معراج دین صاحب عمر کے ہاتھ بھیجا اور اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس نشان کا خاص طور پر تذکرہ کیا جو بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں کی ذات سے پورا ہوا اور یہ پیشکش کی کہ اگر وہ چاہیں تو علماء سلسلہ کو چند روز کے لئے بھوپال بھجوا دیا جائے تا وہ سلسلہ کے مفصل حالات سامنے رکھ سکیں [۲۱۰، ۲۱۱]۔

خلیفتہ المسلمین ترکی کو انتباہ

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے ۹/ نومبر ۱۹۱۴ء کو ایک مضمون میں ترکی کے شامل جنگ ہونے کو "بے سبب" اور "بے وجہ" قرار دیتے ہوئے خلیفتہ المسلمین ترکی کی نام نہاد خلافت کے خاتمہ سے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کا پر زور اعلان فرمایا [۲۱۲، ۲۱۳]

منارۃ المسیح کی تکمیل

منارۃ المسیح کی تعمیر اخراجات کی وجہ سے اب تک رکی ہوئی تھی حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۲۷/ نومبر ۱۹۱۴ء کے خطبہ میں مخلصین کو تحریک فرمائی کہ وہ منار کی تکمیل میں حصہ لیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس کی تکمیل سے بہت سی برکات کے نزول کی پیشگوئی فرمائی ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسی کی بدولت ہمارے موجودہ ابتلاؤں کو دور کر دے [۲۱۴] خطبہ جمعہ کے بعد حضور نے منار کی اس عمارت پر اپنے دست مبارک سے اینٹ رکھی جو ناتمام تھی [۲۱۵]۔ بظاہر حالات بہت مخدوش تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی توجہ اور مخلصین کی قربانیوں سے دسمبر ۱۹۱۵ء میں منار قریباً مکمل ہو گیا [۲۱۶]۔ اور حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی اجازت خاص سے حضرت چوہدری مولا بخش صاحبؓ (والد بزرگوار ڈاکٹر شاہ نواز خان صاحب) کی طرف سے یادگاری پتھر نصب کیا گیا۔ فروری ۱۹۲۳ء میں اس پر گیس کے ہنڈے نصب ہوئے [۲۱۷]۔

۱۹۲۹ء میں منارۃ المسیح پر گھڑیاں لگانے کے لئے ویسٹ اینڈ واچ کمپنی سے خط و کتابت کی گئی [۲۱۸]۔ ۱۹۳۰ء میں منار پر لیمپ لگائے گئے اور ۱۹۳۱ء میں ٹاور کلاک آیا [۲۱۹]۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء میں منارۃ المسیح پر بجلی کے لئے وائرنگ کی منظوری دی گئی [۲۲۰]

"منارة المسیح" کی تکمیل سے وہ تمام اغراض و مقاصد پورے ہوئے جو اس کی بنیاد کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیش نظر تھے اور جیسا کہ حضور نے خبر دی تھی، اس کی تعمیر کے بعد اسلام کی روشنی دنیا کے کناروں تک پہنچ گئی اور تبلیغ اسلام کے ایک جدید اور انقلابی دور کا آغاز ہوا (جیسا کہ آئندہ صفحات سے معلوم ہوگا)

حضرت مسیح موعودؑ نے فیصلہ فرمایا تھا کہ منارة المسیح کے لئے کم از کم سو روپیہ دینے والوں کے نام منار پر بطور یادگار کندہ کرائے جائیں گے چنانچہ منار کی تکمیل کے بعد اس پر قریباً ۱۹۲۹ء میں دو سو گیارہ مخلصین کے نام لکھوا دیئے گئے [۲۲۲]

خواجہ کمال الدین صاحب کی واپسی

خواجہ کمال الدین صاحب حضرت خلیفہ اول کی وفات کے وقت لندن میں تھے۔ آپ نومبر ۱۹۱۴ء میں حج بیت اللہ کرکے بمبئی پہنچے واپسی پر خان بہادر حضرت مرزا سلطان احمد صاحبؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ (ہوتی مردان) (جو ابھی تک مبایعین میں شامل نہیں ہوئے تھے) خواجہ صاحب کے استقبال کے لئے بمبئی گئے۔ یہ تینوں حضرات شاہ جہان ہوٹل میں قیام کرکے بمبئی سے لاہور روانہ ہوئے۔ راستہ میں خواجہ صاحب نے فرمایا۔ کہ مولوی محمد علی صاحب سے دو بڑی غلطیاں ہوئی ہیں پہلی غلطی یہ کہ خود حضرت مسیح موعود کی وفات پر حضرت نور الدینؓ کو خلیفہ منتخب کیا اور ان کے ہاتھ پر سب نے بیعت کی اور چھ سال تک خلیفۃ المسیح اور مطاع کہتے رہے اب یہ سوال پیدا کرنا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے بعد نہ کوئی خلافت ہے اور نہ کوئی خلیفہ ہو سکتا ہے یہ دنیا کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل اور شرمندہ کرنا ہے۔ دوسری غلطی یہ کی کہ اگر وہ حضرت میاں صاحب کی بیعت کر لیتے تو ہم قادیان کے ساتھ ہی وابستہ رہتے اور سلسلہ کا سیاہ و سپید ہمارے ہاتھ میں ہوتا۔ مگر مولوی محمد علی صاحب خود بھی قادیان سے آگئے اور ہمیں بھی چھڑوا دیا اور ہم قادیان سے ہمیشہ کے لئے کٹ گئے۔

گاڑی جب آگرہ کے قریب پہنچی تو خواجہ صاحب نے حضرت مرزا سلطان احمد صاحبؓ سے عرض کیا۔ کہ درحقیقت حضرت مسیح موعود کی جانشینی اور خلافت کے حقدار تو آپ ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ لاہور چلیں اور خلافت کا اعلان فرمائیں اور ہم سب آپ کی بیعت کریں گے۔ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب نے ہنس کر جواب دیا کہ میں تو ابھی احمدی بھی نہیں۔ میرا خلافت کا کیا حق ہے؟

آگرہ پہنچے تھے کہ مرزا یعقوب بیگ صاحب کا تار آیا کہ خواجہ صاحب سیدھے لاہور تشریف لائیں۔ اسٹیشن پر بہت سے لوگ ان کے استقبال کے لئے موجود ہوں گے۔ اس وقت خواجہ کمال الدین صاحب کا اپنا ارادہ یہ تھا کہ میں تو قادیان سے ہی لندن گیا تھا اور قادیان جاکر ہی پھر لاہور جاؤں گا۔ مگر تار

نے ان کا ارادہ بدل دیا اور وہ ۲۸/ نومبر کو [۲۲۲] سیدھے لاہور آگئے [۲۲۳]۔

لاہور پہنچے تو خواجہ صاحب قاضی محمد یوسف صاحبؓ کو ساتھ لے کر حضرت میاں چراغ دین صاحب کے مکان پر گئے وہاں حضرت مولانا غلام رسول راجیکی درس دے رہے تھے اور احمدی احباب کثرت سے جمع تھے خواجہ صاحب سب سے ملے اور ان سے درخواست کی کہ میں جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان پر لیکچر دوں گا آپ ضرور شریک ہوں چنانچہ خواجہ صاحب کا لیکچر ہوا جس کا خلاصہ وہی تھا۔ جو وہ رستہ میں کہہ چکے تھے خواجہ صاحب کی تقریر پر جیسا کہ بعد کو خواجہ صاحب کی زبانی پتہ چلا مولوی محمد علی صاحب سخت رنج اور غصہ سے بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ آپ ہی نے تو مجھے قادیان کے خلاف کھڑا کیا۔ اور اب خود ہی ملامت کرنے لگے کہ خلافت کا کیوں انکار کیا۔ اگر آپ میرے اس فعل سے ایسے ہی بیزار ہیں تو میں احمدیہ بلڈنگس چھوڑ کر جہاں مناسب سمجھوں گا چلا جاؤں گا۔ اس پر خواجہ صاحب نے ان کی دلجوئی کی اور نتیجہ اس کا خواجہ صاحب کا وہ لیکچر تھا۔ جو "اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب" کی شکل میں لاہور کے پہلے سالانہ جلسہ پر سنایا گیا [۲۲۴]۔ قاضی صاحب موصوف لاہور کے اس پہلے سالانہ جلسہ پر موجود تھے اور وہ خواجہ صاحب کے لیکچر سے بہت حیران ہوئے اور وہاں سے دل برداشتہ ہو کر سیدھے قادیان پہنچے اور ۳۰/ دسمبر ۱۹۱۴ء کو حضرت خلیفہ ثانی کے دست مبارک پر تجدید بیعت کر لی [۲۲۵]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی فہم و فراست کا عجیب واقعہ

جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی کا بیان ہے کہ "مولوی عمر الدین شملوی سے اخراج از جماعت سے قبل میرے نہایت گہرے تعلقات تھے۔ ان میں...... تبلیغ کا جذبہ بے انتہا اور مباحثہ کا شوق بے حد تھا۔ انہوں نے ایک دفعہ مجھے ایک واقعہ سنایا کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہونے کے چند ماہ بعد امریکہ کا ایک بڑا پادری قادیان آیا جو بڑا عالم فاضل بھی تھا اور اپنے علم و فضل پر نازاں بھی۔ قادیان پہنچ کر اس نے ہم لوگوں کے سامنے چند مذہبی سوالات پیش کئے جو نہایت وقیع اور بڑے اہم تھے۔ اور ساتھ ہی کہا کہ میں امریکہ سے چل کر یہاں تک آیا ہوں۔ اور میں نے مسلمانوں کی ہر مجلس میں بیٹھ کر ان سوالات کو دہرایا ہے۔ مگر آج تک مجھے مسلمانوں کا بڑے سے بڑا عالم اور فاضل ان سوالوں کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکا۔ میں یہاں ان سوالوں کو آپ کے خلیفہ صاحب کے سامنے پیش کرنے کے لئے خاص طور پر آیا ہوں۔ دیکھئے خلیفہ صاحب ان سوالوں کا کیا جواب دیتے ہیں؟

سوالات اتنے پیچیدہ اور عجیب قسم کے تھے کہ انہیں سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت صاحب ابھی

بالکل نوجوان ہیں۔ اور الٰہیات کی کوئی باقاعدہ تعلیم بھی انہوں نے نہیں پائی۔ عمر بھی چھوٹی ہے اور واقفیت بھی بہت تھوڑی ہے۔ وہ ان سوالوں کا جواب ہرگز نہیں دے سکیں گے اور اس طرح سلسلہ احمدیہ کی بڑی بدنامی اور سبکی ساری دنیا میں ہوگی۔ کیونکہ جب حضرت صاحب اس کے سوالوں کے جواب نہ دے سکے تو یہ امریکن پادری واپس جاکر ساری دنیا میں اس امر کا پراپیگنڈا کرے گا کہ احمدیوں کا خلیفہ کچھ بھی نہیں جانتا اور عیسائیت کے مقابلہ میں ہرگز نہیں ٹھہر سکتا۔ وہ صرف نام کا خلیفہ ہے ورنہ علمیت خاک بھی نہیں رکھتا۔

اس صورت حال سے میں کافی پریشان ہوا۔ اور میں نے اس بات کی کوشش کی کہ وہ امریکن پادری حضرت صاحب سے نہ ملے۔ اور ویسے ہی واپس چلا جائے۔ مگر مجھے اس کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ امریکن اس بات پر مصر رہا کہ میں ضرور خلیفہ صاحب سے مل کر جاؤں گا ناچار میں گیا اور میں نے حضرت صاحب سے کہا کہ ایک امریکن پادری آیا ہے اور آپ سے کچھ سوالات پوچھنا چاہتا ہے۔ اب کیا کریں؟ اس پر حضرت صاحب نے بغیر توقف کے اور بلا تامل فرمایا۔ کہ "بلالو"۔ ناچار میں اسے لے کر حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دونوں کے درمیان ترجمان میں ہی تھا۔

امریکن پادری نے کچھ رسمی گفتگو کے بعد اپنے سوالات حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کئے۔ جن کا ترجمہ میں نے آپ کو سنا دیا۔ حضرت صاحب نے نہایت سکون کے ساتھ ان سب سوالوں کو سنا اور پھر فوراً ان کے ایسے تسلی بخش جوابات دیئے کہ میں سن کر حیران ہو گیا۔ مجھے ہرگز بھی یقین نہ تھا کہ ان سوالوں کے حضرت صاحب ایسے پُر معارف اور بے نظیر جواب دے سکیں گے۔ جب میں نے یہ جوابات انگریزی میں امریکن پادری کو سنائے تو وہ بھی حیران رہ گیا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے آج تک ایسی معقول گفتگو اور ایسی مدلل تقریر کسی مسلمان کے منہ سے نہیں سنی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا خلیفہ بہت بڑا سکالر ہے اور مذاہب عالم پر اس کی نظر بڑی گہری ہے۔ یہ کہہ کر اس نے بڑے ادب سے حضرت صاحب کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور واپس چلا آیا۔

اس دن کی گفتگو سے مجھے یقین ہو گیا۔ کہ حضرت صاحب کو آسمان سے علوم ملتے ہیں اور روح القدس سے ان کی تائید ہوتی ہے۔"

"برکات خلافت" پر تقریر

خلافت ثانیہ کا پہلا سالانہ جلسہ جو مسجد نور میں ہوا چار دن (۲۶ تا ۲۹/ دسمبر ۱۹۱۴ء) جاری رہا۔ اسی جلسہ میں حضور کی چار تقریریں ہوئیں۔ پہلی تقریر میں حضور نے مسئلہ خلافت سے متعلق بعض اہم آسمانی شہادتیں بیان فرمائیں۔ دوسری تقریر میں بعض اہم نصیحتیں فرمائیں۔ مثلاً سیاست سے کنارہ کشی۔ رشتہ ناطہ میں کفو کی

تلاش۔ نماز باجماعت۔ ادائیگی زکوٰۃ، حفاظت سوانح حضرت مسیح موعودؑ، باترجمہ تلاوت قرآن وغیرہ۔ تیسری تقریر میں حضور نے آیت الکرسی کی لطیف تفسیر فرمائی یہ تینوں تقریریں "برکات خلافت" کے نام سے چھپ چکی ہیں (کل صفحات ۱۳۸) چوتھی تقریر ۲۹/ دسمبر ۱۹۱۴ء کو خواتین کے جلسہ میں ہوئی [226]۔

۱۹۱۴ء کے متفرق مگر اہم واقعات

۱۔ خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں ترقی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے مشکوئے معلّٰی میں صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے ہاں صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب پیدا ہوئے [227]۔

۲۔ الحکم کا انتظام ایک بورڈ کے سپرد کیا گیا جو حضرت نواب محمد علی خان صاحب، حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اور ایڈیٹر الحکم پر مشتمل تھا [228]۔

۳۔ جماعت کی علمی ترقی و بہبود کے لئے ایک تعلیمی سب کمیٹی قائم ہوئی جس کے ممبروں میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب بھی شامل تھے۔ چنانچہ اس سال کے وسط میں ضلع گورداسپور کے مختلف دیہات میں اسکول جاری ہونے کے علاوہ مانگٹ اونچے اور بنگہ میں بھی احمدیہ پرائمری سکول جاری ہو گئے [229]۔

۴۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی صدارت میں نو مسلموں کے انتظام کی غرض سے ایک دوسری کمیٹی کی تشکیل ہوئی۔ کمیٹی کے ممبران یہ تھے۔ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب۔ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب [230]

۵۔ جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ولایت سے بیرسٹری پاس کر کے نومبر ۱۹۱۴ء میں سیدھے قادیان تشریف لائے [231] اور حضرت اقدس کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ نے پہلے دو سال سیالکوٹ میں قیام رکھا۔ پھر آخر اگست ۱۹۱۶ء میں لاہور منتقل ہو گئے [232]

۶۔ اس سال کے مشہور مباحثے۔ مباحثہ پشاور (حضرت حافظ روشن علی صاحب اور قاضی محمد یوسف صاحب کے مابین) مباحثہ مونگھیر (مکرم حکیم خلیل احمد صاحب نے آریہ سماج سے دوبار کیا) [233]

۷۔ علمائے سلسلہ کی نئی مطبوعات۔ "نشان رحمت" (از حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب) "نشان فضل"۔ "پسر موعود"۔ "قدرت ثانیہ" (از حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ) "خلافت

محمود" (از حضرت میر قاسم علی صاحب) "ظہور المہدی" (از حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل) ترجمۃ القرآن پارہ سترھواں (از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ) "انگریزی نماز" (از انجمن ترقی اسلام قادیان) [۲۲۴]

۸۔ ممتاز نومبایعین۔ اس سال مالابار اور بنگال میں خصوصاً اور پنجاب میں عموماً کثرت سے بیعتیں ہوئیں [۲۲۵]۔ نومبایعین میں چوہدری ابو الہاشم خان صاحب بنگالی انسپکٹر مدارس [۲۲۶]۔ شیخ عبدالخالق صاحب نو مسلم کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

دوسرا باب (فصل دوم)

خلافت ثانیہ کا دوسرا سال

(۱۳۳۳ھ تا ۱۳۳۴ھ)
(جنوری ۱۹۱۵ء سے دسمبر ۱۹۱۵ء تک)

مبلغین کی اعلیٰ کلاس کے لئے لیکچروں کا سلسلہ

مبلغین کی اعلیٰ کلاس کیلئے جو قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی زیر تربیت ترقی کر رہی تھی دو انتظامات کئے گئے۔ اول ان کے لئے الگ بورڈنگ اور الگ سپرنٹنڈنٹ تجویز کیا گیا [227]۔ دوم مفید لیکچروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور ابتدا میں مندرجہ ذیل حضرات نے طلبہ سے خطاب فرمایا۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب (مضمون "ہستی باری تعالیٰ"۔ ثبوت ملائکہ" [228]) حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ("مضمون کفر و اسلام" [229]) حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی (مسئلہ دعا و تقدیر [230]) شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور۔ (مضمون قدامت وید و سکھ ازم [231]) چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب (مضمون عورتوں کے حقوق [232])۔ حضرت قمر الانبیاء کا محققانہ مضمون "کلمۃ الفصل" کے نام سے انہی دنوں چھپ گیا تھا۔ ۱۹۴۱ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن "مسئلہ کفر و اسلام کی حقیقت" کے نام سے شائع ہوا۔ تو آپ نے اس میں صراحتاً تحریر فرمایا۔ "یقیناً دوسرے منکرین کی نسبت غیر احمدی ہمارے بہت زیادہ قریب ہیں اور ہمارا کلمہ اور ہمارا شارع رسول (ﷺ) ایک ہے......پس اگر غیر احمدیوں سے دوسرے منکرین کی نسبت بعض امور میں امتیازی سلوک روا رکھا جائے تو یہ بالکل جائز اور معقول ہو گا" [233]۔

ایک خبر کی تردید

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے متعلق غیر مبایعین اصحاب نے یہ خبر مشہور کر رکھی تھی کہ آپ نے اپنے خلیفۃ المسلمین تسلیم کئے جانے کے لئے حکومت انگریزی سے درخواست کی ہے۔ حضور نے اس غلط بیانی کے جواب میں ایک رسالہ شائع فرمایا جس کا عنوان تھا۔ "اللہ تعالیٰ کی مدد صرف صادقوں کے ساتھ ہے" [234]۔

اس رسالہ میں ان لوگوں کی شہادتیں درج فرمائیں جن کی طرف یہ بے بنیاد خبر منسوب کی گئی تھی۔

رسالہ "القول الفصل" کی تصنیف

پہلے سال کے واقعات میں بتایا جاچکا ہے کہ خواجہ کمال الدین صاحب نے "اندرونی اختلافات سلسلہ کے اسباب" پر...... لیکچر دیا تھا جو اسی نام سے شائع ہوا۔ اس کے جواب میں حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۲۱؍جنوری ۱۹۱۵ء کو "القول الفصل" تصنیف فرمائی۔ یہ رسالہ جو ۷۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ صرف ایک دن میں لکھا گیا تھا[۲۲۵]۔ حضور نے انہی دنوں قاضی محمد یوسف صاحب مردان کے نام ایک خط میں اس لاجواب رسالہ کی نسبت تحریر فرمایا کہ۔

"خواجہ صاحب کے رسالہ کا جواب آخر میں نے خود ہی لکھنا پسند کیا۔ پہلے مفتی محمد صادق صاحب کے سپرد کیا تھا انہوں نے بھی لکھا ہے لیکن اکیس جنوری کو میں نے جب (خواجہ صاحب کا) وہ رسالہ پڑھا تو حیران ہو گیا۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ خلافت کے عقیدہ (میں) مولوی صاحب (یعنی حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اولؓ۔ ناقل) بھی ان کے ساتھ تھے۔ اور شخصی حکومت (خلافت کا نام رکھا ہے) کے قائل نہ تھے جس شخص نے مولوی صاحب کی زندگی میں ان کی چھ سالہ تقریریں۔ خطبے۔ درس وغیرہ سنے ہوں اسے تو اس بات کو معلوم کر کے حیرت ہی ہوتی ہے میں تو حیران ہوں اس جرأت کو کیا کہوں بھول چوک اس کا نام نہیں رکھا جاسکتا۔ غلطی اسے نہیں کہہ سکتے گھنٹوں اس بارہ میں مجھ سے حضرت (خلیفہ اولؓ) نے گفتگو فرمائی ہے۔ ہر درس میں جہاں کوئی بھی خلافت (کا) ذکر آجاتا تو خلافت کے منکرین پر لے دے کرتے۔ مگر آج وہ کہا جاتا ہے۔ جو کہا جاتا ہے...... خواجہ صاحب کے رسالہ کے جواب میں جو مضمون میں نے لکھا ہے اس میں ظلی نبوت پر کافی بحث ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ کہتے تو ہماری طرح ہی ظلی نبی ہیں لیکن اس کے معنی ایسے کر دیتے ہیں کہ اس سے نبی صرف نام رہ جاتا ہے، کام نہیں رہتا۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ آپ نبی تھے لیکن امتی نبی، ظلی نبی، بروزی نبی۔ نبی سے مراد یہ ہے کہ آپ کو وہ درجہ ملا جو نبیوں کو ملا۔ وہ کام ملا جو نبیوں کے سپرد ہوا۔ امتی کے معنی ہیں کہ آپ پر شریعت اسلام کی اتباع فرض تھی اور آپ ساری عمر قرآن کریم کے پابند رہے۔ ظلی بروزی سے یہ مطلب ہے کہ آپ کو جو کچھ ملا وہ آنحضرت ﷺ کے طفیل اور آپ کی اتباع سے ملا۔ آپ کی نبوت بلاواسطہ نہیں تھی۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کی غلامی کا نتیجہ تھی۔ اور آپ آنحضرت ﷺ کے بروز تھے کیونکہ قرآن کریم میں وآخرین منھم کی آیت میں ہمارے آنحضرت ﷺ کے دو بعث لکھے ہیں اور حضرت صاحب لکھ گئے ہیں کہ ہر ایک مسلمان پر جس طرح اور ایمانیات کا ماننا فرض ہے

ان دو بعثتوں کا ماننا بھی فرض ہے۔ لیکن باوجود اس کے ہم کہتے ہیں کہ ظل اپنے اصل سے جدا نہیں ہوتا اور اس میں جو کچھ ہے اصل کا ہی ہے لیکن ہم ایسے الفاظ کبھی استعمال نہیں کر سکتے۔ جن سے حضرت مسیح (موعود) کی ہتک ہو جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ظل کیا شے ہے ظل کو تو نعوذ باللہ جوتیاں مارنی جائز ہیں عزت تو اصل انسان کی ہوتی ہے نہ اس کے سائے کی۔ ان لوگوں نے ظل کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔ جو شخص تصویر کا نقص نکالتا ہے۔ وہ دراصل اس انسان کا نقص نکالتا ہے جس کی وہ تصویر ہے میں نے اس پر اس مضمون پر بحث کی ہے"۔

احمدیہ دارالتبلیغ ماریشس

خلافت ثانیہ کے دوسرے سال جماعت احمدیہ کا دوسرا بیرونی مشن ماریشس میں قائم کیا گیا۔ اور اس کی تحریک خود ماریشس سے ہوئی اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ (روز ہل) ماریشس میں ایک سکول کے ہیڈ ماسٹر نور محمد نوردیا صاحب فرانسیسی زبان میں ایک اخبار "دی اسلامزم" شائع کرتے تھے اور لورپول میں ایک معزز انگریز مسٹر عبداللہ کوئلم کی ادارت میں ایک اسلامی اخبار "دی کریسنٹ" نکلتا تھا یہ دونوں اخبارات تبادلہ میں ایک دوسرے کو پہنچتے تھے۔ "دی کریسنٹ" کے پرچوں میں "اسلامزم" کا ذکر پڑھ کر ایڈیٹر "رسالہ ریویو آف ریلیجنز" نے نور محمد صاحب کو اپنے رسالہ کے چند پرچے بھیجے اس طرح ۱۹۰۵ء میں احمدیت کا باقاعدہ پیغام اس جزیرہ تک پہنچا (جو دنیا کا کنارہ کہلاتا ہے) نور محمد صاحب نے بڑی تحقیقات کے بعد ۱۹۱۲ء میں احمدیت قبول کرلی اور کھلے طور پر احمدیت کا پیغام پہنچانے لگے۔ ان کے ذریعہ سے ماسٹر حاجی عظیم سلطان غوث صاحب آف فونکس بھی سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے اور آخر دم تک جماعتی خدمات انجام دینے میں پیش پیش رہے۔ ۱۹۱۳ء میں قصبہ فونکس (Phonencs) کے مسجد کے امام جناب سبحان محمد صاحب نے بھی احمدی ہونے کا اعلان کردیا جس پر مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی اور ان کو قتل کرنے کے منصوبے ہونے لگے مگر سبحان محمد صاحب بہت زور سے تبلیغ میں مصروف رہے۔ ۱۹۱۴ء میں ہندوستان کی ایک فوجی پلٹن ماریشس پہنچی۔ جس میں چار احمدی بھی تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ ڈاکٹر لعل محمد صاحب [226]۔ اسمٰعیل صاحب' عبدالمجید صاحب۔ منظور علی صاحب۔ جناب سبحان محمد صاحب اکثر ان احمدیوں سے ملاقات کے لئے چھاؤنی کو جایا کرتے تھے اور وہ بھی گاہے بگاہے ان کے ہاں آجاتے اسی دوران میں کئی لوگ احمدیت کی طرف مائل ہونے لگے۔ اس مرحلہ پر ان لوگوں کی طرف سے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی خدمت میں ایک انگریزی دان مبلغ بھیجے جانے کی درخواست آئی [227]۔ اس درخواست پر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالٰی کی نظر انتخاب حضرت صوفی حافظ غلام محمد صاحب [228] بی۔ اے پر پڑی۔ حضرت صوفی صاحب ۲۰/ فروری ۱۹۱۵ء کو [229] قادیان سے

روانہ ہو کر حیدر آباد، مدراس ہوتے ہوئے ۱۴/ مارچ ۱۹۱۵ء کو کولمبو پہنچے۔ یہاں آپ نے تین ماہ قیام فرمایا۔ اور شبانہ روز تبلیغی کوششوں کے نتیجہ میں معمر اور تعلیم یافتہ اشخاص پر مشتمل جماعت قائم کر لی۔ اور کولمبو اس کا مرکز بنا اور آپ اس کے پہلے آنریری پریذیڈنٹ مقرر ہوئے [۲۵۰، ۲۵۱]۔

حضرت صوفی صاحب ۱۵/ جون ۱۹۱۵ء کو ماریشس کی بندرگاہ پورٹ لوئیس پہنچے ابھی آپ جہاز ہی میں تھے کہ ماریشس کے ایک اخبار (LE PETIT JOURNAL) نے حکومت سے آپ کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ مگر یہ کوشش ناکام ہوئی۔ مکرم ماسٹر نور محمد صاحب نے جہاز پر آپ کا استقبال کیا اور اپنے مکان پر لے آئے۔ چند ماہ تک اسی مکان میں جمعہ اور اجتماعات ہوتے رہے اور یہیں سے حضرت صوفی صاحب کی تبلیغ سے احمدیت کی شعائیں تمام جزیرہ میں پھیلنی شروع ہو گئیں۔ ماسٹر نور محمد صاحب کے مکان سے متصل غیر احمدیوں کی ایک بڑی مسجد تھی جہاں حضرت صوفی صاحب اور ماسٹر صاحب صبح کی نماز پڑھا کرتے تھے ۴/ فروری ۱۹۱۶ء کو آپ قریباً دس بارہ احمدیوں کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے اس مسجد میں گئے۔ پہلے غیر احمدیوں نے نماز پڑھی پھر آپ نے نماز پڑھائی۔ نماز مغرب سے فارغ ہو کر آپ نے عشاء کی نماز تک تقریر فرمائی جو سامعین کو بہت پسند آئی۔ تقریر سننے والوں میں مسجد کے پریذیڈنٹ جناب احمد حاجی سلیمان اچھا صاحب بھی تھے جو اس درجہ متاثر ہوئے کہ عشاء کی نماز انہوں نے حضرت صوفی صاحب کی اقتداء میں ادا کی۔ اس کے بعد حضرت صوفی صاحب اور دوسرے احمدی احباب پانچوں وقت کی نمازیں اور نماز جمعہ بھی اسی مسجد میں ادا کرنے لگے۔ غیر احمدی اصحاب نماز جمعہ پہلے پڑھ لیتے تھے۔ پھر حضرت صوفی صاحب خطبہ دیتے اور نماز جمعہ پڑھاتے تھے چار پانچ ہفتے کے بعد اس مسجد کے امام جناب میاں جی احمد صاحب نے یہ دیکھ کر کہ حضرت صوفی صاحب کی تقریریں اسلامی تعلیم کے بالکل مطابق ہوتی ہیں خود بھی حضرت صوفی صاحب کی اقتداء میں نمازیں پڑھنی شروع کر دیں۔ قریباً تین ماہ گزرنے کے بعد غیر احمدیوں نے یکایک مسجد میں آنا ترک کر دیا۔ اور دوسری جگہ نمازیں پڑھنے لگے۔ اور نو ماہ بعد (۶/ ستمبر ۱۹۱۸ء کو) عدالت عالیہ میں یہ دعویٰ دائر کر دیا کہ احمدی مشرک ہیں ان کو اسلامی تعلیم کی رو سے مسجد میں داخلہ کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ یہ مقدمہ قریباً دو سال تک چلتا رہا اور اس کی ستر کے قریب نشستوں میں متنازعہ فیہ مسائل پر پوری اور سیر حاصل بحث ہوئی اور احمدیت کا خوب چرچا ہوا۔ آخر نومبر ۱۹۲۰ء کو عدالت عالیہ نے یہ فیصلہ دیا کہ احمدی مسلمان ہیں۔ لیکن چونکہ غیر احمدی بھی اسی مسجد میں نماز پڑھنا چاہتے ہیں اور اکثریت بھی انہیں کی ہے اس لئے احمدیوں کو اس مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ کہ اس میں فساد کا اندیشہ ہے [۲۵۲]۔

اگرچہ اس فیصلہ میں نماز باجماعت ادا کرنے کی اجازت تو احمدیوں کو نہیں دی گئی۔ لیکن چونکہ اجازت کا نہ دیا جانا اس وجہ سے نہیں تھا کہ احمدی مسلمان نہیں ہیں بلکہ احمدیوں کو مسلمان تسلیم کرکے فساد ہو جانے کے خدشے کی وجہ سے تھا اس لئے احمدیوں کی بات کو اس فیصلہ سے ذرا نقصان نہیں ہوا بلکہ ان کی ہمت زیادہ اور حوصلہ بہت بلند ہو گیا۔ اور باوجودیکہ وہ اس موقعہ پر قریباً پندرہ ہزار کی رقم کثیر خرچ کر چکے تھے جس میں نمایاں حصہ محمد صدر علی صاحب، مازور صاحب اور بھنوں برادرز نے لیا تھا انہوں نے ۱۹۲۳ء میں نئی مسجد بنالی۔ ۶۲-۱۹۶۱ء میں خود احمدیوں نے اپنے ہاتھوں اس کی دوبارہ تعمیر کی اور اب یہ ماریشس کی دو منزلہ خوبصورت ترین مسجد شمار کی جاتی ہے۔

حالات مقدمہ بیان کرنے کے بعد اب ہم دوبارہ ماریشس مشن کے ابتدائی واقعات کی طرف آتے ہیں۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ حضرت صوفی صاحب نے ماسٹر نور محمد صاحب کے مکان میں احمدیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ روز ہل سے پانچ میل کے فاصلہ پر سینٹ پیئر (St. Pierre) ہے جہاں معزز اور متمول بھنو خاندان آباد تھا۔ حضرت صوفی صاحب اس خاندان کی دعوت پر دوبارہ سینٹ پیئر تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے قرآن مجید اور دوسرے اسلامی لٹریچر سے ایسی مدلل گفتگو فرمائی کہ ایک دن میں اس خاندان کے سب افراد بیعت میں داخل ہو گئے اس واقعہ سے جزیرہ بھر میں ایک شور عظیم برپا ہو گیا۔ اور روز ہل کے کئی مسلمانوں نے بھی بیعت کر لی۔

بھنو خاندان نے خواہش ظاہر کی کہ قادیان سے ایک عالم خاص ان کے خاندان کی ضروریات کے لئے انہی کے اخراجات پر بلایا جائے۔ چنانچہ مرکز سے حضرت مولوی حافظ عبید اللہ صاحب ۱۴/ اکتوبر ۱۹۱۷ء [۲۵۳] کو روانہ ہوئے۔ اور مع اہل بیت کے ماریشس تشریف لے گئے اور بہت اخلاص اور جانفشانی سے نوجوانوں کو پڑھانے لگے۔ روزانہ رات کو درس دیتے۔ ہفت روزہ اجلاس کرکے ان کو تقریر کی مشق کراتے اس کے علاوہ عام تبلیغی کاموں میں حضرت صوفی صاحب کا ہاتھ بٹاتے۔ افسوس دسمبر ۱۹۲۳ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کو ماریشس ہی میں پائی کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب عہد خلافت ثانیہ کے پہلے شہید ہیں جنہوں نے اعلائے کلمۃ اللہ کرتے ہوئے اپنے وطن سے ہزاروں میل دور جام شہادت نوش فرمایا۔

مئی ۱۹۱۷ء میں حضرت صوفی صاحب نے چار نوجوانوں کو تحصیل علم کے لئے قادیان بھجوایا جن میں سے دو (پیر محمد صاحب اور الیاس اکبر علی صاحب) قادیان میں رحلت کرکے بہشتی مقبرہ میں دفن کئے گئے [۲۵۴]۔

۲۸/ اپریل ۱۹۱۸ء کو آپ کا پورٹ لوئیس کے امام جامع کے ساتھ ایک کامیاب مناظرہ ہوا [۲۵۵]

۱۹۲۶ء میں آپ دو ہفتہ کے لئے مڈغاسکر تشریف لے گئے اور وہاں پیغام حق پہنچایا ۲۵۶۔ حضرت صوفی صاحب قریباً تیرہ سال تک ماریشس میں رہے۔ اس عرصہ میں آپ نے جزیرہ میں احمدیت کا سکہ بٹھادیا۔ آپ کو تبلیغ کا جنون تھا اور دشمن تک آپ کی قابلیت کے معترف تھے۔ آخر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حکم سے ۴/۳ مارچ ۱۹۲۷ء کو آپ احمد حسن صاحب ۲۵۷ سوکیہ کے ہمراہ ماریشس سے چل کر ۱۶/ مارچ ۱۹۲۷ء میں وارد قادیان ہوئے۔

آپ کی واپسی کے بعد حضرت اقدس نے حافظ جمال احمد صاحب ۲۵۸ کو بھجوایا۔ جو ۲۷/ جولائی ۱۹۲۸ء کو ماریشس پہنچے۔ اور اکیس (۲۱) برس تک نہایت درجہ اخلاص و فدائیت سے تبلیغ کا کام کرتے ہوئے ماریشس ہی میں ۲۷/ دسمبر ۱۹۴۹ء کو انتقال فرماگئے۔ "سینٹ پیئر" میں آپ کا مزار مبارک ہے۔

حافظ جمال احمد صاحب کے سانحہ شہادت کے بعد حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے بالترتیب مندرجہ ذیل مبلغین کو ماریشس روانہ فرمایا۔

۱۔ حافظ بشیرالدین صاحب (ابن مولوی عبیداللہ صاحبؓ) آپ ۳/ جولائی ۱۹۵۱ء کو ماریشس پہنچے۔ اور ۱۳/ اپریل ۱۹۵۵ء کو واپس تشریف لائے۔ (۲) مولوی فضل الٰہی صاحب بشیر۔ آپ نے پہلی بار ۲/ فروری ۱۹۵۵ء کو ماریشس میں قدم رکھا۔ (اور کچھ عرصہ کے وقفہ سے) اب تک فریضہ تبلیغ بجالارہے ہیں۔

(۳) مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر ۸/ دسمبر ۱۹۶۰ء ماریشس پہنچے اور تبلیغی فرائض انجام دینے کے بعد ۸/ ستمبر ۱۹۶۲ء کو مرکز میں آئے۔

ماریشس مشن نے فرانسیسی زبان میں اسلام و احمدیت کے لٹریچر کی بکثرت اشاعت کی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بعض تصانیف کا فرانسیسی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ قرآن کریم کا فرنچ ترجمہ بھی اس مشن کے زیر انتظام چھپ رہا ہے۔ روزہل میں ۱۶/ جنوری ۱۹۶۲ء کو فضل عمر کالج کا اجراء ہوا۔ مئی ۱۹۶۲ء میں Le Massage نامی اخبار کا اجراء ہوا۔ اور جزیرہ کے چھ مقامات روزہل فونکس۔ سینٹ پیئر۔ موتین بلانش۔ تریولے اور پائی میں احمدی مساجد موجود ہیں۔ جماعت احمدیہ ماریشس کے بعض ممتاز احمدیوں کے نام یہ ہیں۔ احمدیہ اللہ بھنو۔ عبدالستار سوکیہ۔ مسٹر حنیف جواہر۔ عباس کالو ۲۵۹۔

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کا درس بخاری شریف

اسی سال حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے درس بخاری

شریف دینا شروع کیا [۲۸۰] - یہ درس ایک خاص رنگ اور امتیازی شان رکھتا تھا۔ ارشادات نبوی کی حکمتیں اور باریک در باریک معارف و نکات ایسے پاکیزہ و پسندیدہ و دل نشین و روح افزا انداز میں بیان فرماتے کہ سننے والوں کے دل آنحضرت ﷺ کی عظمت و محبت سے معمور ہو جاتے اور ہر شخص یہی چاہتا کہ آپ بولتے رہیں اور میں سنتا رہوں درس کے دوران ربودگی اور وجد کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ آپ کا ایک ایک لفظ محبت رسول میں ڈوبا ہوا ہوتا اور ایک ایک بات سے درد و سوز ٹپکتا تھا۔ خصوصاً آنحضرت ﷺ کا نام مبارک زبان پر آتے ہی آپ پر رقت طاری ہو جاتی اور آواز بھرا جاتی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے۔ آپ درس حدیث کے دوران میں آنحضرت ﷺ کو حضور کے مختلف ناموں اور مختلف لقبوں سے یاد فرمایا کرتے تھے اور حضور کا جو نام یا لقب آپ کی زبان سے نکلتا تھا وہ اس جوش اخلاص و محبت میں نکلتا تھا کہ سننے والوں کے دل متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے خاص کر رسول مقبولؐ کے الفاظ تو اس رنگ میں آپ کی زبان سے نکلتے کہ گویا دلوں پر نقش ہو جاتے اور پھر حضرت رسول مقبول ﷺ (فداہ ابی وامی وروحی وجنانی) کا ذکر مبارک اس جذبہ سے فرماتے کہ ہر سننے والا محسوس کرتا کہ گویا میں آنحضرت ﷺ کی پاک مجلس میں بیٹھا ہوا اپنے کانوں سے احادیث رسول سن رہا ہوں۔ قمرالانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ایک دفعہ تحریر فرمایا۔ "درس تدریس کا بھی حضرت میر صاحب کو بے حد شوق بلکہ عشق تھا ان کا حدیث کا درس اب تک سننے والوں کے کانوں میں گونج پیدا کر کے ان کے دلوں کو گرما رہا ہے۔ اور ان کی نگاہیں اس ذوق و شوق اور محبت سے درس دینے والے کو بے تابی سے ڈھونڈتی ہیں مگر نہیں پاتیں" [۲۸۱]۔

دراصل حدیث شریف حضرت میر صاحب کی غذائے روح اور راحت جان تھی۔ جس کے بغیر آپ کو تسکین ہی نہ ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بے شمار علمی و عملی مصروفیات کے باوجود آپ نے اپنی وفات تک (جو ۱۷/ مارچ ۱۹۴۴ء کو ہوئی) باقاعدہ درس جاری رکھا اور حتی الوسع کبھی ناغہ نہیں ہونے دیا [۲۸۲]۔

"حقیقۃ النبوۃ" کی تالیف

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی تالیف منیف مولوی محمد علی صاحب کے رسالہ کا جواب ہے جس کا نام انہوں نے "القول الفصل کی ایک غلطی کا اظہار" رکھا تھا۔ حضور نے یہ معرکۃ الآراء کتاب جو تقریباً تین سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے بیس روز کے اندر اندر تالیف فرما کر مارچ ۱۹۱۵ء میں شائع فرما دی جس میں مسئلہ نبوت حضرت مسیح موعودؑ کے تمام پہلوؤں پر نہایت جامعیت سے بڑی سیر کن اور تسلی بخش بحث کی گئی ہے۔ اس موضوع پر اسے حرف آخر کا رتبہ حاصل ہے۔ اس کا فقرہ فقرہ بلکہ لفظ لفظ لائق

مطالعہ ہے ہم اس کا صرف ایک اقتباس بطور نمونہ درج کرتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں۔

"نادان انسان ہم پر الزام لگاتا ہے کہ مسیح موعود کو نبی مان کر گویا ہم آنحضرت ﷺ کی ہتک کرتے ہیں۔ اسے کسی کے دل کا حال کیا معلوم اسے اس محبت اور پیار اور عشق کا علم کس طرح ہو جو میرے دل کے ہر گوشہ میں محمد ﷺ کے لئے ہے وہ کیا جانے کہ محمد ﷺ کی محبت میرے اندر کس طرح سرایت کر گئی ہے۔ وہ میری جان ہے میرا دل ہے۔ میری مراد ہے۔ میرا مطلوب ہے اس کی غلامی میرے لئے عزت کا باعث ہے اور اس کی کفش برداری مجھے تخت شاہی سے بڑھ کر معلوم دیتی ہے اس کے گھر کی جاروب کشی کے مقابلہ میں بادشاہت ہفت اقلیم ہیچ ہے وہ خدا تعالیٰ کا پیارا ہے پھر میں کیوں اس سے پیار نہ کروں۔ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے پھر میں اس سے کیوں محبت نہ کروں وہ خدا تعالیٰ کا مقرب ہے پھر میں کیوں اس کا قرب نہ تلاش کروں۔ میرا حال مسیح موعود کے اس شعر کے مطابق ہے کہ ؎

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم — گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

اور یہی محبت تو ہے جو مجھے اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ باب نبوت کے بکلی بند ہونے کے عقیدے کو جہاں تک ہو سکے باطل کروں اس میں آنحضرت ﷺ کی ہتک ہے" [۲۱۳، ۲۱۴]

اس کتاب کے مطالعہ سے بہتوں پر حقیقت نبوت منکشف ہو گئی اور کئی اصحاب کو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے یا بیعت خلافت کی سعادت حاصل ہوئی [۲۱۵]۔

"چند غلط فہمیوں کا ازالہ"

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے "حقیقۃ النبوۃ" کی اشاعت کے بعد ہی ۱۱/ مارچ ۱۹۱۵ء کو مسئلہ نبوت ہی سے متعلق سولہ صفحات کا ایک پمفلٹ بھی شائع فرمایا۔ جس میں مولوی محمد علی صاحب کی چند غلط فہمیوں کا ازالہ فرمایا گیا ہے۔

"ایک صاحب کے پانچ سوالوں کا جواب"

ایک غیر احمدی دوست نے اپنے ایک خط میں پانچ سوالات پیش کئے اور درخواست کی کہ خود آپ کی طرف سے ان کا جواب دیا جائے۔ چنانچہ "ایک صاحب کے پانچ سوالوں کا جواب" کے عنوان سے حضور نے ایک مفصل مضمون لکھا جو پمفلٹ کی شکل میں بھی شائع کر دیا گیا [۲۱۶]۔

ایک فرمانروائے ریاست کو تبلیغ

حضور نے ایک فرمانروائے ریاست کو تبلیغی خط لکھا تھا۔ جس پر اس نے دریافت کیا کہ حضرت مرزا صاحب کا مقام کیا تھا؟ اس اہم سوال کے جواب میں حضور نے مفصل خط لکھنے کے علاوہ "تحفۃ الملوک" اور

"حقیقۃ النبوۃ" بھی بھجوائیں۔ حضور کا یہ خط "ریویو آف ریلیجنز" اردو مئی ۱۹۱۵ء (صفحہ ۱۹۹ تا ۲۰۶) میں چھپا ہوا ہے۔

حضرت صاحبزادی سیدہ امۃ الحفیظ صاحبہ کا نکاح

۷/ جون ۱۹۱۵ء کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی دختر نیک اختر صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کا نکاح حضرت حجۃ اللہ محمد علی خاں صاحب کے فرزند ارجمند حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب سے ہوا [۲۶۷]۔ خطبہ نکاح حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی نے پندرہ ہزار روپیہ مہر پر سوا سات بجے شام مسجد اقصیٰ میں پڑھا۔ آپ اس تقریب سعید پر لاہور سے بلوائے گئے تھے [۲۶۸]۔ حضرت ام المومنین نے حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں اس رشتہ کی بابت خواب دیکھا تھا [۲۶۹]۔ ۲/ فروری ۱۹۱۷ء کو نہایت سادگی کے ماحول میں رخصتانہ عمل میں آیا [۲۷۰]۔ چنانچہ حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحبؓ کا بیان ہے کہ "میری شادی کے روز شام کو حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بلا بھیجا۔ چونکہ حضرت والد صاحب ابھی برات کے طریق کو اپنی تحقیقات میں اسلامی طریق نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے شہر پنچاہی تھا کہ آپ نے واپس بلا بھیجا۔ اور میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے واپس چلا گیا۔ اور بعد میں سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور ہمشیرہ بو زینب بیگم صاحبہ دلہن کو دارالمسیح سے دارالسلام لے گئیں" [۲۷۱]۔ ۲۳-۲۴/ فروری کو حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ نے دعوت ولیمہ دی۔

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے بطن مبارک سے یہ اولاد ہوئی۔ طیبہ آمنہ بیگم صاحبہ (ولادت ۱۸/ مارچ ۱۹۱۹ء) نواب میاں عباس احمد خان صاحب (ولادت ۲/ جون ۱۹۲۰ء) طاہرہ بیگم صاحبہ (ولادت ۳/ جون ۱۹۲۱ء) زکیہ بیگم صاحبہ (ولادت ۲۳/ نومبر ۱۹۲۳ء) قدسیہ بیگم صاحبہ [۲۷۲] (ولادت ۲۰/ جون ۱۹۲۷ء) شاہدہ بیگم صاحبہ (ولادت ۳۱/ اکتوبر ۱۹۳۴ء) میاں شاہد احمد خان صاحب (ولادت ۱۰/ اکتوبر ۱۹۳۵ء) فوزیہ بیگم صاحبہ (ولادت ۲۲/ نومبر ۱۹۴۱ء) میاں مصطفیٰ احمد خان صاحب (ولادت ۱۰/ جولائی ۱۹۴۳ء) [۲۷۳]

سفر لاہور

حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ مع اہل بیت ۷/ جولائی ۱۹۱۵ء کو لاہور تشریف لے گئے [۲۷۴] اور ۱۲/ جولائی ۱۹۱۵ء کو رونق افروز قادیان ہوئے [۲۷۵]۔ ۱۱/ جولائی ۱۹۱۵ء کو بعد نماز مغرب میاں معراج الدین صاحب کے احاطہ میں حضور کا معرکۃ الآراء لیکچر ہوا [۲۷۶]۔ یہ لیکچر جو بعد کو (۲۶ صفحات میں) "پیغام مسیح" کے نام سے چھپ بھی گیا۔ یہ ایک نہایت ہی عمدہ و پسندیدہ لیکچر تھا جس کی عمدگی کا لاہور کے غیر مسلموں نے بھی اقرار کیا [۲۷۷]۔

آسٹریلیا سے بیعت خلافت کا خط

آسٹریلیا [۲۷۸] میں سالہا سال سے ایک بزرگ صوفی حسن موسیٰ خان صاحب رہتے تھے۔ جو صحابی تھے اور حضرت خلیفہ اول کے زمانہ میں قادیان بھی آچکے تھے خلافت ثانیہ کے قیام پر بعض وجوہ سے آپ متامل رہے۔ مگر بالآخر ۱۱/ جولائی ۱۹۱۵ء کو بذریعہ خط بیعت کرلی [۲۷۹]۔ اور آخر دم تک اس براعظم میں آنریری طور پر اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہے۔ آپ بڑے مخلص و پُرجوش بزرگ تھے۔ ضعیف العمری کے باوجود بڑی محنت و جانفشانی سے کام کرتے۔ زبانی بھی تبلیغ کرتے اور تبلیغی خطوط بھی بکثرت لکھتے آپ ہی کی کوشش سے وہاں "بیرن بین" اور "آڈمیئر" میں جماعتیں قائم ہوئیں اور جزیرہ فجی میں احمدیہ لٹریچر پہنچا۔ ۱۸/ اگست ۱۹۴۵ء کو آپ کی وفات ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو مدارج عالیہ عطا فرمائے۔ آپ کے بعد تبلیغ کا کام پرتھ کے ایک مخلص احمدی جناب شیر محمد صاحب نے سنبھال لیا [۲۸۰]۔

ایک والئے ریاست کو جواب

حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ پر ایک والی ریاست نے اپنے معتمد کے ذریعہ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ حضور ہمارے یہاں تشریف لائیں ہم سلسلہ احمدیہ کے متعلق کچھ سننا چاہتے ہیں حضور نے جواب دیا کہ پیاسا کنوئیں کے پاس آتا ہے۔ کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا۔ ہاں اگر آپ کو واقعی حق کی تلاش ہے۔ تو علمائے سلسلہ بھیجے جاسکتے ہیں بشرطیکہ ان کی حفاظت کے آپ ذمہ دار ہوں [۲۸۱]۔

کنانور (مالابار) کے قریب احمدیوں پر راجہ صاحب کے مظالم

۱۹۱۵ء کے وسط آخر میں مالا باری احمدیوں پر بہت ظلم و ستم ڈھائے گئے ایک احمدی کو مسجد میں نماز پڑھنے کی وجہ سے زدوکوب کرکے نیم جان کردیا۔ جس پر مقدمہ چلا۔ غیر احمدیوں نے مقدمہ کے لئے ایک فنڈ کھول دیا۔ چند روز کے بعد ایک احمدی کے۔ایس۔ حسن صاحب کا چھوٹا بچہ فوت ہوگیا۔ راجہ صاحب نے حکم دے دیا کہ احمدی کافر ہیں کسی مقبرے میں ان کا مردہ دفن نہیں کیا جاسکتا۔ آخر دوسرے دن بڑی کوشش کے بعد کنانور سے دو میل دور ایک قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت ملی۔ چار پانچ ہزار لوگ شرارت کے لئے جمع ہوگئے۔ احمدی صرف نو تھے آخر مسلح پولیس کی حفاظت میں نعش لے جائی گئی۔ اور شام کے قریب بچہ دفن کرنے کی نوبت آسکی۔ اس واقعہ کے کچھ دن بعد راجہ صاحب نے حکم دے دیا کہ کوئی دکاندار کسی احمدی کے ہاتھ کوئی چیز فروخت نہ کرے۔ ورنہ وہ بھی قادیانی قرار دے کر مساجد سے روک دیا جائے گا۔ اس سے پہلے کئی احمدیوں کی بیویاں بھی چھینی جاچکی تھیں۔ اب اس حکم سے لوگوں کو اور شہ مل گئی۔

حتیٰ کہ زبانوں سے گزر کر ان حالات کا ذکر اخباروں میں بھی آنا شروع ہو گیا۔ اور ان کے مظالم کی رفتار بہت تیز ہو گئی۔ چنانچہ ایک اخبار "کیرلا پتر کا" نے لکھا۔ "احمدیوں پر تکالیف کی بوچھاڑ پہلے کی نسبت بہت زیادہ پڑنے لگی ہے۔ بیچارے اپنے گھر کے صحن سے بھی باہر نہیں نکلتے جن کے پاس کچھ مال تھا وہ اندر بیٹھے کھا رہے ہیں اور جو غریب ہیں وہ فاقے کاٹ رہے ہیں۔ جب یہ حالات منظر عام پر آگئے تو لیفٹیننٹ گورنر پنجاب نے گورنر مدراس کو توجہ دلائی اور تحقیقات کے بعد احمدیوں کو اپنی مسجد اور اپنا قبرستان بنانے کے لئے الگ زمین دے دی گئی۔ مگر چند ہی روز کے بعد کنانور کے قاضی صاحب کی رپورٹ پر راجہ صاحب نے احمدیوں کے نام نوٹس جاری کر دیا کہ کیوں نہ تمہیں کافر قرار دیا جائے اس حکمنامہ نے اور آگ بھڑکا دی۔ لیکن بالآخر مظلوم احمدیوں کی فریاد سنی گئی۔ اور ۱۷/ نومبر ۱۹۱۵ء کو راجہ صاحب انگریزی حکومت کے زیر عتاب آگئے اور احمدیوں کو ان کے مظالم سے نجات ملی [۲۸۲]

حضور کے نصائح حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب مبلغ انگلستان کو حسب الارشاد

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ۶/ ستمبر ۱۹۱۳ء کو بغرض تبلیغ انگلستان روانہ ہوئے [۲۸۳] حضور نے ان کو جو تفصیلی ہدایات و نصائح اپنے دست مبارک سے تحریر فرما کر دیں۔ ان کا ملخص یہ ہے۔ اس بات کو خوب یاد رکھیں کہ یورپ کو فتح کرنے جاتے ہیں نہ کہ مفتوح ہونے۔ یورپ کی ہوا کے آگے نہ گریں۔ بلکہ اہل یورپ کو اسلامی تہذیب کی طرف لانے کی کوشش کریں۔ خدا کی بادشاہت کے دروازوں کو تنگ نہ کریں لیکن عقائد صحیحہ کے اظہار سے کبھی نہ جھجکیں۔ کھانے پینے پہننے میں اسراف اور تکلف سے کام نہ لیں۔ اخلاص سے سمجھائیں اور محبت سے کلام کریں۔ ہر ہفتہ مفصل خط لکھتے رہیں۔ اگر کوئی تکلیف ہو تو خدا تعالیٰ سے دعا کریں۔ اگر کسی فوری جواب کی ضرورت ہو۔ خط لکھ کر ڈال دیں۔ اور خاص طور پر دعا کریں تعجب نہ کریں اگر خط کے پہنچتے ہی یا پہنچنے سے پہلے ہی جواب مل جائے خدا کی قدرتیں وسیع اور اس کی طاقت بے انتہا ہے۔ اپنے اندر تصوف کا رنگ پیدا کریں کم خوردن، کم گفتن، کم خفتن عمدہ نسخہ ہے۔ اور تہجد ایک بڑا ہتھیار [۲۸۴، ۲۸۵]

سندھی ٹریکٹ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے سندھ کو پیغام احمدیت پہنچانے کے لئے ۱۹۱۵ء کے آخر میں ٹریکٹ لکھا جو سندھی زبان میں بعنوان "ایک عظیم الشان بشارت" شائع کیا گیا [۲۸۶]

"فاروق" کا اجراء

خلافت ثانیہ کے عہد میں مرکز سے پہلا اخبار "فاروق" حضرت میر قاسم علی صاحب کی ادارت میں ۷/ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو جاری ہوا۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پہلے پرچہ میں بعنوان "فاروق کے فرائض" ایک نہایت قیمتی مضمون لکھا [۲۸۷] - حضرت میر قاسم علی صاحب فاروق کی ابتدا کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔ "خاکسار ایڈیٹر فاروق ۱۹۱۵ء میں دہلی سے ہجرت کر کے دارالامان میں آگیا....... بعض ذمہ دار احباب نے مجھے انجمن کی طرف سے ہیڈ مبلغ بننے کی صلاح دی۔ جس کے لئے میں نے اپنے آپ کو ناقابل سمجھا۔ اور اس تجویز کو منظور نہ کیا۔ میرے پیارے مقتدا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے میری حالت کا اندازہ فرما کر مجھے یہی حکم دیا کہ میں جس طرح دہلی سے "الحق" اخبار نکالتا تھا اسی طرح دارالامان سے اخبار جاری کروں اور اس کا نام خلافت ثانیہ کے لحاظ سے فاروق تجویز ہوا" [۲۸۸] - "فاروق" مخالفین اسلام و احمدیت کے لئے شمشیر برہنہ تھا جن کے دلائل سے ان کے اعتراضات پارہ پارہ ہو جاتے تھے۔ افسوس اپریل ۱۹۴۲ء میں حضرت میر قاسم علی صاحب کی وفات کے بعد یہ بند ہو گیا۔

مولوی عبدالحی صاحب کی خدمت میں لاہوری وفد

حضرت صغریٰ بیگم صاحبہ (حرم حضرت خلیفہ اولؓ) اور مولوی عبدالحی صاحبؓ نے ابتدا ہی میں بیعت خلافت ثانیہ کرلی تھی۔ مگر غیر مبایعین برابر اس کوشش میں لگے رہے کہ حضرت خلیفہ اولؓ کے خاندان کی ہمدردیاں حاصل کر کے انہیں اپنے اندر جذب کرلیں [۲۸۹] - چنانچہ جناب میاں عبدالوہاب صاحب عمر کا بیان ہے کہ "مولوی عبدالباقی صاحب بہاری ایم۔ اے نے بتایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلافت ثانیہ کے زمانے میں خلافت کے چند دشمن حضرت مولوی عبدالحی صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ اگر آپ خلیفہ بن جاتے تو ہم آپ کی اطاعت کرتے۔ مولوی عبدالحی صاحب نے باوجود بچپن کے ان کو جو جواب دیا وہ اس قابل ہے کہ سلسلہ کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے انہوں نے فرمایا۔ "یا تو آپ کو آپ کے نفس دھوکہ دے رہے ہیں یا آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر میں خلیفہ بنتا تب بھی آپ میری اطاعت نہ کرتے۔ اطاعت کرنا آسان کام نہیں۔ میں اب بھی تمہیں حکم دوں تو تم ہرگز نہ مانو"۔ اس پر ان میں سے ایک نے کہا کہ آپ ہمیں حکم دیں۔ پھر دیکھیں کہ ہم آپ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یا نہیں۔ مولوی عبدالحی صاحب نے کہا اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جاؤ حضرت خلیفۃ المسیح کی بیعت کرلو۔ یہ بات سن کر وہ لوگ......... کہنے لگے کہ یہ تو نہیں ہو سکتا" [۲۹۰]۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے اہم میموریل

ابتداء میں جب انگریزی حکومت نے مسلمانوں سے دریافت کیا۔ کہ تمہارے مقدمات وراثت کا فیصلہ رواج پر ہو یا شریعت پر۔ تو بعض نے رواج لکھوایا اور بعض نے شریعت۔ ہر قوم کے رواج الگ الگ تھے۔ اس لئے مقدمات بہت طول کھینچنے لگے۔ کیونکہ ہر شخص اپنے آپ کو کسی ذاتی فائدے کے لئے ایک خاص رواج کا پابند قرار دیتا جس پر بالآخر حکومت نے تجویز کی کہ تمام قوموں کے رواج کی ایک کتاب لکھی جائے.........اور جو رواج اس میں درج ہوں وہی قانون قرار دیئے جائیں۔ اور ان کے سوا کچھ مسلم نہ ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اکتوبر ۱۹۱۵ء میں جماعت احمدیہ کو ارشاد فرمایا کہ انہیں حکومت کو میموریل بھیجنے چاہئیں۔ کہ ہم خواہ کسی قسم یا ذات یا خاندان سے ہوں ہم احمدی ہیں اور شریعت کے تابع ہیں اور ہمارا عمل در آمد شریعت اسلامیہ ہے پس ہمارے مقدمات شرع کے مطابق فیصل ہوا کریں۔ جو مسئلہ اسلامی فرقوں میں متنازعہ فیہ ہو اس میں احمدی علماء کی رائے معتبر مانی جائے [۲۹۱]۔

چنانچہ جماعت نے اس کی پوری پوری تعمیل کی اور گو جماعت احمدیہ کا اکثر و بیشتر حصہ پہلے ہی رواج پنجاب کی بندھنوں سے آزاد اور احکام اسلامی کا پابند تھا مگر میموریل کے ذریعہ سے انگریزی حکومت پر بھی واضح ہو گیا کہ یہ جماعت رواج کی بجائے اسلامی شریعت کو اپنا آئین سمجھتی ہے لیکن اس کے مقابل (ایک قلیل طبقہ کے سوا) مسلمانوں کے سواد اعظم نے شریعت پر رواج کو ترجیح دی۔

سر ڈبلیو ایچ ریٹگین نے رواج عام پنجاب کی مشہور اور مستند ترین کتاب "The digest of Customary law" میں لکھا ہے کہ

"The family of the Mughal Barlas of Qadian Tehsil Batala is governed by Muhammdan Law" [۲۹۲].

یعنی قادیان کا مغل برلاس خاندان رواج زمیندارہ کا نہیں بلکہ قانون شریعت کا پابند ہے۔

مولوی عبدالحی صاحب کی وفات

۱۱/ نومبر ۱۹۱۵ء [۲۹۳] کو مولوی عبدالحی صاحب (ابن حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ) کا انتقال ہوا۔ آپ کی وفات پر کثیر التعداد تعزیت ناموں کے علاوہ کئی احباب بیرون سے تعزیت کے لئے آئے [۲۹۴]۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے چودھری فتح محمد صاحب سیال مبلغ انگلستان کو مولوی صاحب کی وفات کی نسبت اطلاع دیتے ہوئے لکھا۔ "عزیز میاں عبدالحی کو دو ہفتہ بخار رہا۔ اور گو سخت تھا لیکن حالت مایوسی کی نہ تھی۔ مگر پچھلی جمعرات کو یک لخت حالت بگڑ گئی۔ اور ایک رات اور کچھ حصہ دن کا بیہوش رہ کر عصر کے قریب اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون........ قریباً اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ

چکے تھے اور اب کے ففتھ ہائی کا امتحان دینا تھا۔ سال ڈیڑھ سال سے شبانہ روز جسم و علم میں ترقی تھی۔ اور اب خاصہ جوان آدمی معلوم ہوتے تھے۔ ذہن نہایت تیز اور رسا تھا مگر منشاء الٰہی کے مقابلہ میں انسان کا کچھ بس نہیں چل سکتا۔ اور اس کے ہر فعل میں حکمت ہوتی ہے اور جیسا کہ مجھے ان کی وفات کے بعد معلوم ہوا۔ یہ واقعہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی حکمتوں کے ماتحت تھا۔ ورنہ کئی فتنوں کا اندیشہ تھا۔ مرحوم بوجہ کمسن ہونے کے بہت سے فتنہ پردازوں کے دھوکے میں آجاتا تھا۔ میں آخری دنوں میں اپنے گھر میں ہی ان کو لے آیا تھا۔ (ان کی بہن امتہ الحی کی خواہش سے) اور حیران تھا کہ وہ ہروقت والدہ صاحبہ اور میرے پاس بیٹھے رہنے پر مصر سا تھا...... اور بار بار کہتا تھا کہ آپ میرے پاس بیٹھے رہیں مجھے اس سے تسلی ہوتی ہے...... معلوم ہوتا ہے وفات سے پہلے اس کے دل کے دروازے اللہ تعالیٰ نے کھول دیئے تھے اور ایک پاک دل کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ سے جاملا۔ مجھے اس سے ایسی محبت تھی جیسے ایک سگے بھائی سے ہونی چاہئے۔ اور اس کا باعث نہ صرف حضرت مولوی صاحب ؓ کا اس سے محبت رکھنا تھا۔ بلکہ یہ بھی وجہ تھی کہ اسے خود بھی مجھ سے محبت تھی [۲۹۵، ۲۹۶]

احمدیہ ہوسٹل لاہور کا قیام

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی نگاہ دوربین تبلیغ کی راہوں اور طریقوں سے گزر کر نونہالان جماعت کی ابتدائی تعلیمی و تربیتی ضرورتوں تک بھی جا پہنچی۔ قادیان میں ان دنوں کوئی کالج نہیں تھا۔ اس وجہ سے یونیورسٹی کی تعلیم کے لئے جماعت کے نوجوانوں کو لاہور یا دوسرے شہروں کے کالجوں میں داخل ہونا پڑتا تھا۔ یہ صورت حال تربیتی نقطہ نگاہ سے بڑی خطرناک تھی۔ کیونکہ جماعتی ماحول سے نکل کر دنیا کے زہر آلود مادی ماحول میں داخل ہو جانا خام طبیعتوں پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ حضور نے جماعت کی نئی پود کو اس خطرہ سے محفوظ کر دینے کے لئے تجویز فرمائی کہ لاہور میں احمدی نوجوانوں کے لئے ایک ہوسٹل قائم کیا جائے۔ جہاں جماعت کے نوجوان طلبہ جماعت کے تربیتی نظام کے ماتحت رہیں۔ یہ ہوسٹل ۱۹۱۵ء کے آخر میں جاری ہوا [۲۹۷]۔ اور اس کے پہلے سپرنٹنڈنٹ مکرم بابو عبدالحمید صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ لاہور مقرر کئے گئے [۲۹۸]۔ اور درس و تدریس کا فرض حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی ادا فرمانے لگے [۲۹۹] حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کا شروع شروع میں یہ دستور تھا کہ حضور جب کبھی لاہور تشریف لے جاتے تو احمدیہ ہوسٹل میں ہی قیام فرماتے۔ کہ طلباء میں دینی روح پیدا ہو۔ اور وہ احمدیت سے اخلاص میں ترقی کریں۔ اور یہ حضور کی اس خاص توجہ کا نتیجہ تھا کہ احمدیہ ہوسٹل کے طلباء نہایت اخلاص و جوش رکھنے اور خدمات سلسلہ میں پورا حصہ لینے والے تھے۔ چنانچہ مسجد لندن کی تحریک پر صرف احمدیہ ہوسٹل کا چندہ دو ہزار کے قریب تھا۔ امتحان کے دنوں میں بھی طلباء

احمدیت کی تبلیغ کے جوش میں سائیکلوں پر سوار تمام شہروں میں اشتہار بانٹتے پھرتے۔ ایک دفعہ حضور امتحان کے دنوں میں لاہور تشریف فرما ہوئے۔ تو لڑکوں نے امتحان کا کام چھوڑ دیا۔ مگر خدا کے فضل سے پھر بھی ان کے نتائج بہت عمدہ رہے۔ اسی طرح جب ۱۹۱۷ء میں غیر احمدیوں نے قادیان میں پہلا جلسہ منعقد کیا تو احمدیہ ہوسٹل کے طلباء بھی قادیان پہنچ گئے۔ وہ بھی امتحان کے دن تھے لیکن بفضلہ تعالیٰ سب کے سب پاس ہو گئے تھے [300]۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اپریل ۱۹۲۷ء میں جب کہ آپ ناظر تعلیم و تربیت تھے۔ احمدیہ ہوسٹل کے مفصل قواعد و ضوابط مرتب فرمائے۔ کل چالیس قواعد تھے جن میں سے چند یہ تھے۔ (۱) کسی بورڈر کے پاس رات کو کوئی مہمان نہیں ٹھہر سکے گا۔ (۲) ہر بورڈر اسلامی تعلیمات کا پابند ہو گا۔ اور سپرنٹنڈنٹ کے احکام کی اطاعت کرے گا۔ (۳) پانچوں نمازیں ادا کرنی ہوں گی۔ اور رمضان کے روزے رکھنے ہوں گے۔ (۴) سگریٹ نوشی ممنوع ہو گی۔ (۵) ہوسٹل کے ملازمین سے طلباء قرضہ نہیں لے سکیں گے وغیرہ وغیرہ [301]۔

احمدیہ ہوسٹل کو لاہور میں ایک عرصہ تک نوجوانان احمدیت کے دینی و علمی مرکز کی حیثیت حاصل رہی۔ یہ گویا اسلامی ماحول میں پرورش پانے والا ایک شجر تھا جس نے حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحبؓ۔ ملک غلام فرید صاحب۔ ملک عبدالرحمٰن صاحبؓ خادم۔ ڈاکٹر بدرالدین صاحبؓ۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحبؓ درد ایم۔ اے۔ شیخ یوسف علی صاحبؓ بی۔ اے۔ سید عزیز اللہ شاہ صاحبؓ۔ سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ۔ جناب شیخ بشیر احمد صاحب۔ جناب مرزا عبدالحق صاحب۔ جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر۔ جناب میاں عطاء اللہ صاحب۔ صوفی محمد ابراہیم صاحب۔ اخوند عبدالقادر صاحب مرحوم اور چوہدری علی اکبر صاحب جیسے اثمار شیریں پیدا کئے۔

رپورٹ مجلس مشاورت 1928ء (صفحہ 244 تا 246) میں احمدیہ ہوسٹل کے قدیم طلبہ کی حسب ذیل فہرست شائع شدہ ہے۔

1915 - 1916ء

(۱) میاں عبداللہ خان صاحب
(۲) ملک غلام فرید صاحب
(۳) ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحب
(۴) صوفی محمد ابراہیم صاحب
(۵) چودہری محمد لطیف صاحب
(۶) ڈاکٹر غلام قادر صاحب
(۷) شیخ احمد الدین صاحب
(۸) ڈاکٹر غلام علی صاحب
(۹) ڈاکٹر غلام محمد صاحب
(۱۰) ڈاکٹر لال الدین صاحب
(۱۱) میاں عبدالرحیم خان صاحب خالد
(۱۲) چودہری غلام حسین صاحب
(۱۳) چودہری ظفر اللہ خان صاحب نائب تحصیلدار

1917ء

(۱) شیخ یوسف علی صاحب
(۲) سید محمود اللہ شاہ صاحب
(۳) خلیفہ تقی الدین صاحب
(۴) چودہری علی اکبر صاحب
(۵) ڈاکٹر محمد رمضان صاحب
(۶) سید عزیز اللہ شاہ صاحب
(۷) میاں عطاء اللہ صاحب
(۸) حشمت علیخان صاحب

1918ء

(۱) چودہری عصمت اللہ صاحب وکیل
(۲) محمد حسن صاحب
(۳) غلام محمدؐ

1919ء

(۱) عطاء اللہ صاحب میڈیکل سٹوڈنٹ
(۲) سید عنایت اللہ شاہ صاحب میڈیکل سٹوڈنٹ
(۳) ہارون رشید
(۴) غلام حسین
(۵) سید فضل الرحمان
(۶) سید عبدالحی

1920ء

(۱) صوفی عبدالقدیر صاحب
(۲) شیخ فضل کریم صاحب
(۳) عبدالغفار مرحوم
(۴) محمد انور پسر قاضی عبدالحق مرحوم

1921ء

(۱) عبدالقدیر کاٹھ گڑہی
(۲) عبدالجلیل صاحب کاٹھ گڑہی
(۳) سید عبدالرزاق
(۴) چودہری ولی محمد
(۵) عبدالرحمان رانجھ

1923-22ء

(۱) رشید احمدؒ
(۲) عبید السلام
(۳) حمید اللہ
(۴) محمد اسمٰعیل
(۵) عبد المنان
(۶) نذیر احمدؒ
(۷) نذیر احمدؒ
(۸) صلاح الدین

1924ء

(۱) کرامت اللہ
(۲) حبیب اللہ
(۳) برکت اللہ
(۴) محمدؐ صادق
(۵) عبد الرحیم مالاباری

1925ء

(۱) مرزا محمدؐ یعقوب
(۲) شیخ محمدؐ یعقوب
(۳) محمدؐ شریف
(۴) میر عنایت اللہ
(۵) اسد اللہ خان
(۶) عبد الغفور

1926ء

(۱) مشتاق احمد
(۲) ناصر الدین
(۳) احمدؐ الدین
(۴) محمدؐ یوسف
(۵) محمد داؤد
(۶) شریف احمدؒ
(۷) غیور احمد
(۸) غلام احمدؒ
(۹) فیض قادر
(۱۰) مولوی عبد السلام
(۱۱) محمد اسمٰعیل رام پوری
(۱۲) اختر احمدؒ
(۱۳) محمدؐ زاہد

1927ء

(۱) عبد الرحمٰن جنید
(۲) افتخار الحق
(۳) ضیاء اللہ
(۴) عبد الحمید خان

فہرست طلباء بیرون از قادیان (1915ء تا 1921ء)

(۱) چودہری محمد حسین صاحب ہیڈ کلرک ۔ جھنگ
(۲) میاں محمد احمدؐ صاحب وکیل کپورتھلہ
(۳) مرزا عبد الحق صاحب وکیل گورداسپور
(۴) شیخ سردار علی صاحب سٹوڈنٹ ایم ۔ بی ۔ ایس
(۵) شیخ بشیر احمد صاحب وکیل گوجرانوالہ
(۶) اخوند غلام حسن صاحب پروفیسر بہاول پور کالج
(۷) چودہری فضل احمدؐ صاحب اے ۔ ڈی ۔ آئی ۔ گوجرات
(۸) میاں ناصر علی صاحب تمیم
(۹) چودہری غلام احمد صاحب
(۱۰) ملک غلام نبی
(۱۱) چودہری غلام احمد
(۱۲) مرزا غلام حیدر وکیل
(۱۳) میر عطاء اللہ خان

[۲۰۲]

احمدیہ ہوسٹل میں مدت تک "احمدیہ فیلوشپ آف یوتھ" کے نام سے ایک مجلس قائم رہی ۔ جس کے روح رواں جناب ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم تھے اس مجلس نے یوم التبلیغ اور دوسرے موقعوں پر کئی پمفلٹ شائع کئے ایک پمفلٹ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی تحریر فرما کر اسی انجمن کو چھاپنے کے لئے عنایت فرمایا [۲۰۳-۲۰۴]

پہلے پارہ کی نادر تفسیر (اردو اور انگریزی میں)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور نگرانی کے ماتحت دسمبر ۱۹۱۵ء کے آخر میں قرآن شریف کے پہلے پارہ کی تفسیر اردو اور انگریزی ہر دو زبانوں میں شائع ہوئی ۔ یہ تفسیر خود حضور کی لکھی ہوئی تھی مگر آپ کے نام سے شائع نہیں ہوئی ۔ کیونکہ آپ نے جماعت کے ذمہ دار اصحاب سے فرما دیا تھا کہ میں صرف ایک نمونہ تیار کرتا ہوں ۔ اور آگے اسے مکمل کرنا آپ لوگوں کا کام ہوگا ۔ اس تفسیر کے لئے حضور نے علماء کی ایک کمیٹی بھی تجویز فرمائی جس کے ممبر حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاب ، حضرت حافظ روشن علی صاحب حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل تھے ۔ اس تفسیر کا انگریزی ترجمہ احمدی علماء کے ایک بورڈ نے کیا تھا [۲۰۵] ۔ جس میں قاضی عبد الحق صاحب مرحوم پیش پیش تھے ۔ اور اس کی اشاعت خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خرچ پر ہوئی ۔ جو جائداد کا ایک حصہ فروخت کر کے مہیا کیا گیا تھا [۲۰۶] ۔

اس نادر تفسیر نے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ یورپ کے حلقوں میں بھی بڑی ہلچل پیدا کر دی تھی حتیٰ کہ امریکہ کے مسیحی اخبار "مسلم ورلڈ" نے لکھا۔ احمدیت کے لٹریچر کا مطالعہ ہی اس بات کا اندازہ کرنے میں مدد دے سکتا ہے کہ مذاہب کی موجودہ جنگ میں اسلام اور مسیحیت میں سے کون غالب آنے والا ہے [۲۰۷]۔ "ایسٹ اینڈ ویسٹ" (لندن) نے لکھا۔ یہ قرآن مجید کا بے نظیر ترجمہ ہے۔ جس سے مطالب قرآن پر خوب روشنی پڑتی ہے [۲۰۸]۔ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور نے یہ رائے دی کہ اس ترجمہ سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ قرآن سراسر مربوط کلام ہے۔ جس کی ہر آیت اپنی جگہ ٹھیک ٹکے ہوئے موتی کی طرح ہے [۲۰۹]۔ ہندوستان کے مشہور فاضل ڈاکٹر عبداللہ المامون السہروردی ایم۔ اے نے یہ تبصرہ کیا کہ یہ ترجمہ کتاب مجید کا ایک شاندار ایڈیشن ہے تشریحی نوٹ سبق آموز اور روشنی پیدا کرنے والے ہیں یہ نئی علمی کوشش اس امر کی مستحق ہے کہ مذاہب عالم کا غیر جانبداری سے مطالعہ کرنے والے تمام لوگ اس کی اعانت و تائید کریں [۲۱۰]

محلہ دارالفضل

قادیان کے شمال مشرق میں احمد آباد اور کھارا کے درمیان آخر ۱۹۱۵ء میں ایک نیا محلہ آباد ہونا شروع ہوا۔ جس کا نام "دارالفضل" رکھا گیا [۲۱۱] یہ محلہ اسی سرزمین پر آباد ہوا جو انگریزی پارہ کے اخراجات مہیا کرنے کے لئے فروخت کی گئی تھی [۲۱۲]۔ اس محلہ میں ابتداء حضرت مولوی عبید اللہ صاحب بسمل۔ حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب (مہر سنگھ) حضرت میر قاسم علی صاحب اور حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری وغیرہ بزرگوں نے مکانات بنائے تھے۔

سرزمین سندھ سے متعلق ایک اہم خبر

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹۱۵ء میں خواب میں دیکھا کہ آپ نہر میں بہہ رہے ہیں اور دعا کر رہے ہیں کہ یا اللہ سندھ میں تو پیر لگ جائیں [۲۱۳]۔ یہ خواب ایک عرصہ کے بعد غیر معمولی نشان بن کر پوری ہوئی۔ اور اب اس علاقہ میں حضور اور حضور کے خاندان اور سلسلہ کی ہزاروں ایکڑ کی جائداد موجود ہے۔ اور محمد آباد۔ احمد آباد۔ محمود آباد۔ ناصر آباد اسٹیٹس قائم ہیں [۲۱۴]۔

"انوار خلافت"

حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عہد کے دوسرے سالانہ جلسہ دسمبر ۱۹۱۵ء کی مختلف تاریخوں میں نہایت حقیقت نما اور معلومات افزا چار تقریریں فرمائیں۔ حضور نے ان تقریروں میں "مسئلہ اسمہ احمد" "مسئلہ نبوت" وغیرہ پر بڑی شرح و بسط سے کلام فرمایا ہے اور کتب معتبرہ کی رو سے عبداللہ بن سبا کے فتنہ کی پوری تاریخ بیان فرما دینے کے بعد جماعت کے دوستوں کو یہ دل ہلا دینے والی وصیت فرمائی کہ۔

"آپ لوگ ان باتوں کو سمجھ کر ہوشیار ہو جائیں۔ اور تیار رہیں فتنے ہوں گے اور بڑے سخت

ہوں گے ان کو دور کرنا تمہارا کام ہے خدا تعالیٰ تمہاری مدد کرے اور تمہارے ساتھ ہو اور میری بھی مدد کرے اور مجھ سے بعد آنے والے خلیفوں کی بھی کرے اور خاص طور پر کرے۔ کیونکہ ان کے مشکلات مجھ سے بہت بڑھ کر اور بہت زیادہ ہوں گے۔ دوست کم ہوں گے اور دشمن زیادہ۔ اس وقت حضرت مسیح موعودؑ کے صحابہ بہت کم ہوں گے [۲۱۵]۔

متفرق مگر اہم واقعات

۱۔ خاندان مسیح موعودؑ میں ترقی۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے فرزند ارجمند مرزا حمید احمد صاحب کی ولادت ہوئی [۲۱۶]۔

۲۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب نے لاہور اور مالیر کوٹلہ کا سفر کیا [۲۱۷]

۳۔ حضرت ام المومنینؓ دہلی تشریف لے گئیں [۲۱۸]۔

۴۔ مولوی عبدالحی صاحب کی وفات پر ۴/ نومبر ۱۹۱۵ء کو مولوی محمد علی صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب مرزا خدا بخش صاحب وغیرہ حضرات قادیان آئے اور خاندان حضرت خلیفہ اول سے تعزیت کرنے کے بعد مزار حضرت مسیح موعودؑ پر فاتحہ پڑھنے چلے گئے۔ حضرت امیر المومنین کی طرف سے انہیں چائے کی دعوت بھی دی گئی تھی مگر وہ مقبرہ بہشتی ہی سے لاہور واپس ہو گئے [۲۱۹]۔

۵۔ حضرت سید میر محمد اسحٰق صاحب کے فرزند میر محمد ناصر صاحب۔ میاں نجم الدین صاحب اور حافظ عبدالرحیم صاحب مالیر کوٹلہ کا انتقال ہوا۔

۶۔ غیر مبایعین حضرات نے اپنے سالانہ جلسہ میں کچھ وقت سوال و جواب کے لئے رکھا تھا۔ حضرت امیر المومنین کے حکم سے حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ اور حضرت میر قاسم علی صاحب سوال و جواب میں شریک ہونے کے لئے لاہور تشریف لے گئے [۲۲۰]۔

۷۔ حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ ماموریت سے پہلے کا فارسی کلام "درِ مکنون" کے نام سے شائع ہوا۔

۸۔ حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب (سابق مہر سنگھ) گورنمنٹ ہائی سکول پورٹ بلیر (انڈیمان) میں ہیڈ ماسٹر بن کر گئے۔ اور جلد ہی اپنے فرائض کے ساتھ ساتھ دیوانہ وار تبلیغ کر کے جماعت قائم کر دی اور کولمبو، کانڈی وغیرہ شہروں میں لیکچر دیئے۔ اور لارڈ بشپ اور بدھ لیڈروں کو مقابلہ پر بلایا۔ جس کا مقامی پریس میں خوب چرچا ہوا [۲۲۱]۔

۹۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس سال چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب، پیر اکبر علی

صاحب فیروزپور ۔ خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب اور قاضی عبدالحق صاحب (قادیان) کے خطبات نکاح پڑھے ۔

۱۰۔ مشہور مباحثے ۔ مباحثہ ڈیرہ غازی خان [۲۲۲] ۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب اور مولوی عزیز بخش صاحب برادر مولوی محمد علی صاحب کے درمیان) مباحثہ گوجرانوالہ [۲۲۳] ۔ (احمدی مناظرین حضرت میر محمد اسحٰق صاحب ۔ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب ۔ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی) مباحثہ شملہ [۲۲۴] (جو مولوی عمردین صاحب شملوی نے منشی عبدالحق صاحب اور حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ سے نبوت مسیح موعودؑ کے موضوع پر کیا) مباحثہ موضع کھیڑ ضلع گجرات [۲۲۵] ۔ (احمدی مناظر حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی) مباحثہ چٹاگانگ [۲۲۶] ۔ مباحثہ سڑوعہ ۔ (شیخ محمد یوسف صاحب نے ایک سکھ سے مناظرہ کیا [۲۲۷])

۱۱۔ علمائے سلسلہ کی نئی مطبوعات ۔ "حیات النبی" جلد اول (از شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ) تذکرۃ المہدی حصہ اول [۲۲۸] (از حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی) "صداقت مریمیہ" (از حضرت میاں معراج دین صاحبؓ عمر) "بابا نانک کی سوانح عمری" از شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور) "تذکرۃ الذاکرین" (حضرت منشی خادم حسین صاحبؓ بھیروی)

۱۲۔ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب (حیدر آباد (دکن) مہاشہ فضل حسین صاحب (لاہور) اور پروفیسر ریگ کلیمنٹ [۲۲۹] (انگلستان) احمدیت میں داخل ہوئے ۔

دوسراباب (فصل سوم)

خلافت ثانیہ کا تیسرا سال

(جنوری ۱۹۱۶ء تا دسمبر ۱۹۱۶ء بمطابق ۱۳۳۴ھ تا ۱۳۳۵ھ تک)

مسٹر والٹر قادیان میں

جنوری ۱۹۱۶ء کے پہلے ہفتہ میں مسٹر والٹر (سیکرٹری کرسچن ینگ مین ایسوسی ایشن لاہور) سلسلہ احمدیہ کی تحقیق کے لئے قادیان آئے۔ مسٹر ہیوم (ایجوکیشنل سیکرٹری) اور مسٹر لیوکس (وائس پرنسپل فورمین کرسچن کالج لاہور) بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ان سب صاحبوں نے دوبارہ حضور سے ملاقات کرکے بعض مذہبی امور دریافت کئے اور حضور نے بڑی تفصیل سے ان کے جواب دیئے [۲۲۰]۔ اس پر انہوں نے بہت خوشی کا اظہار کیا۔ گفتگو میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور قاضی عبدالحق صاحب ترجمان تھے۔

اسی دوران میں مسٹر والٹر حضرت منشی اروڑے خاں صاحبؓ تحصیلدار کپور تھلہ سے بھی ملے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے قدیم صحابی اور معمر بزرگ تھے۔ انہوں نے حضرت منشی صاحب سے چند رسمی باتوں کے بعد دریافت کیا۔ کہ آپ پر مرزا صاحب کی صداقت میں سب سے زیادہ کس دلیل نے اثر کیا۔ حضرت منشی صاحب نے جواب میں فرمایا کہ میں زیادہ پڑھا لکھا آدمی نہیں اور زیادہ علمی دلیلیں نہیں جانتا۔ مگر مجھ پر جس بات نے زیادہ اثر کیا وہ حضرت صاحب کی ذات تھی جس سے زیادہ سچا اور زیادہ دیانتدار اور خدا پر زیادہ ایمان رکھنے والا شخص میں نے نہیں دیکھا۔ انہیں دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔ باقی میں تو ان کے منہ کا بھوکا ہوں مجھے زیادہ دلیلوں کا علم نہیں یہ فرماکر آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی یاد میں اس قدر بے چین ہو گئے کہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اور روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی۔ اس وقت مسٹر والٹر کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ اور ان کے چہرہ کا رنگ ایک دھلے ہوئے کپڑے کی طرح سفید ہو گیا [۲۲۱]

مسٹر والٹر نے بعد کو "احمدیہ موومنٹ" کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں اپنے تاثرات ان الفاظ میں لکھے کہ "میں نے بعض پرانے احمدیوں سے ان کے احمدی ہونے کی وجہ دریافت کی تو اکثر نے

سب سے بڑی وجہ مرزا صاحب کے ذاتی اثر اور جذب اور مقناطیسی شخصیت کو پیش کیا۔ میں نے ۱۹۱۶ء میں قادیان جاکر (حالانکہ اس وقت مرزا صاحب کو فوت ہوئے آٹھ سال گزر چکے تھے) ایک ایسی جماعت دیکھی جس میں مذہب کے لئے وہ سچا اور زبردست جوش موجزن تھا۔ جو ہندوستان کے عام مسلمانوں میں آج کل مفقود ہے۔ قادیان میں جاکر انسان سمجھ سکتا ہے کہ ایک مسلمان کو محبت اور ایمان کی وہ روح جسے وہ عام مسلمانوں میں بے سود تلاش کرتا ہے احمد کی جماعت میں بافراط ملے گی" [۲۲۲]۔

اسی طرح مسٹر لیوکس نے سیلون میں جاکر تقریر کی تو کہا کہ "عیسائیت اور اسلام کے درمیان جو جنگ جاری ہے اس کا فیصلہ کسی بڑے شہر میں نہیں ہو گا۔ بلکہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہو گا جس کا نام قادیان ہے" [۲۲۳]۔

دار البیعت کا افتتاح

لدھیانہ کا دار البیعت جہاں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے پہلی بیعت لی تھی اب تک ایک مکان کی شکل میں تھا۔ انجمن احمدیہ لدھیانہ نے ۱۹۱۶ء میں اس کی مرمت کرائی اور اس کی بیرونی صورت میں تبدیلی کر کے جانب شمال ایک لمبا اور ہوادار پختہ کمرہ تعمیر کرا دیا۔ اس کی شمالی دیوار کے بیرونی رخ پر دار البیعت کا نام اور تاریخ بیعت ۲۳/ مارچ ۱۸۸۹ء کا کتبہ ثبت کرا دیا۔ اور صحن میں پختہ اینٹوں کا بالشت بھر اونچا ایک چبوترہ اور ایک محراب بنوا کر نماز کے لئے مخصوص کر لیا [۲۲۴]۔

اس ترمیم شدہ عمارت کا افتتاح کرنے کے لئے مرکز سے حافظ روشن علی صاحب تشریف لے گئے اور آپ نے دو دن تک وہاں لیکچر دیئے [۲۲۵]

۱۹۳۹ء کے قریب دار البیعت یادگار کے طور پر پختہ بنا دیا گیا جس کی نگرانی میں حافظ سید عبد الوحید صاحب آف کمرشل ہاؤس کوہ منصوری اور مولوی برکت علی صاحب لائق لدھیانوی نے نمایاں حصہ لیا۔

تائی صاحبہ کی بیعت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو ۱۹۰۰ء میں الہام ہوا تھا۔ "تائی آئی" [۲۲۶] اس الہام میں تین زبردست پیشگوئیاں تھیں۔ (۱) حضرت مسیح موعودؑ کی اولاد میں سے خلیفہ ہو گا۔ (۲) اس وقت اس کی تائی صاحبہ جماعت احمدیہ میں آجائیں گی۔ (۳) بیعت کرنے تک آپ بہرحال زندہ رہیں گی [۲۲۷]۔ اور ایسا ہی ہوا کہ تائی صاحبہ کا نام حرمت بی بی تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کی بیوہ تھیں۔ اور جنہوں نے نہ حضرت مسیح موعود کی بیعت کی تھی اور نہ حضرت خلیفہ اولؓ کی اور سخت مخالف رہی

تھیں۔ مارچ ۱۹۱۶ء میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کرلی [228]۔ ایک احمدی شاعر جناب حسن رہتاسی نے اس پر یہ قطعہ کہا۔

تیرے وعدے کے مطابق ترے مامور کے پاس چل کے دنیا کے کناروں سے خدائی آئی
جس کے آنے کی خبر عہد نبوت میں ملی تائی والے کی خلافت میں وہ تائی آئی [229]

دارالسلطنت دہلی میں عظیم الشان جلسہ

مارچ ۱۹۱۶ء میں دارالسلطنت دہلی میں جماعت احمدیہ کا عظیم الشان جلسہ منعقدہ ہوا۔ جو ۳/ مارچ ۱۹۱۶ء سے شروع ہو کر ۶/ مارچ ۱۹۱۶ء تک چار دن برابر منعقد ہوتا رہا تھا۔ اپنی نوعیت کا پہلا اور عظیم الشان تبلیغی جلسہ تھا [230] جلسہ کے آغاز میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا پیغام اہل دہلی کے نام جناب شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے پڑھ کر سنایا۔ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب، چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب، حضرت میر قاسم علی صاحب، چوہدری ابوالہاشم صاحب، مولوی محمد الدین صاحب اور شیخ عبدالخالق صاحب ماہر بائیبل کے لیکچر ہوئے [231]۔ لیکن اس جلسہ کی جان حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا وہ معرکتہ الآراء مضمون تھا جو حضور نے "اسلام اور دیگر مذاہب" کے عنوان سے قلم برداشتہ رقم فرما کر بھجوایا تھا [232]۔

حضور کا یہ نہایت اہم مضمون جس نے اہل دہلی پر باحسن طریق اتمام حجت کر دیا بعد کو کتابی صورت میں اردو کے علاوہ عربی اور انگریزی میں بھی شائع کیا گیا تھا۔

"نصائح مبلغین"

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۲/ مارچ ۱۹۱۶ء کو نماز ظہر کے بعد مبلغین کے لئے ایک اہم لیکچر دیا۔ جس میں بہت قیمتی نصیحتیں فرمائیں۔ مثلاً تبلیغ میں تزکیہ نفس سے غافل نہ رہیں۔ کتابیں اپنی خریدیں۔ سوال اور خوشامد سے بچیں۔ اللہ پر توکل کریں دعاؤں میں مصروف رہیں۔ بدی کے ردّ میں پوری جرأت سے لیکچر دیں۔ اپنے کام کا محاسبہ کرتے رہیں۔ استقلال سے کام لیں۔ مسائل پر غور کرنے کی عادت ڈالیں۔ اور لوگوں کو مرکز میں بار بار آنے کی تاکید کرتے رہیں [233] یہ لیکچر "نصائح مبلغین" کے نام سے چھپ چکا ہے۔

"نجات کی حقیقت"

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۲۵/ مارچ ۱۹۱۶ء کو ایک عیسائی کی درخواست پر مسئلہ نجات سے متعلق فلسفہ عیسائیت اور فلسفہ اسلام کا مقابلہ کر کے اسلام کی برتری ثابت فرمائی ہے [234]۔

حضرت خلیفۃ المسیح کا ایک پُر حکمت جواب

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں ایک غیر مبائع صاحب کا خط پہنچا۔ کہ اختلاف عقائد کے باوجود حضور کی مستجاب دعاؤں سے استفادہ کے لئے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت اقدس نے جواب لکھوایا۔

"اگر آپ صرف دعا سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو میں دعائیں تو ہر مذہب اور ملت کے آدمیوں کے لئے کرتا ہوں اس کے لئے احمدی ہونا اور احمدیوں میں مبائع ہونا شرط نہیں۔ ہندو اور عیسائی بھی مجھے دعا کے لئے کہتے ہیں اور میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں۔ پس اگر یہی غرض آپ کی بیعت کرنے کی ہے۔ تو یہ غرض مبارک ہے آپ اپنی اصلی حالت میں رہیں اور مجھے کبھی کبھی علم کے لئے یاد دلاتے رہیں۔ اور اگر بیعت کی غرض اتحاد جماعت کا قائم رکھنا ہے تو پھر اس شرط پر میں آپ کی بیعت منظور کر سکتا ہوں کہ انتظام جماعت کے متعلق آپ کو میرے تمام احکام ماننے پڑیں گے۔ مسائل اختلافیہ میں نہ میں آپ کے عقائد کا ذمہ دار اور نہ آپ میرے عقائد کے ذمہ دار۔ نہ آج تک کوئی خلیفہ عقائد میں جماعت کا ذمہ دار ہوا ہے لیکن عقائد کے متعلق اتنی احتیاط ضروری ہوگی۔ کہ جب میں کسی مسئلہ پر بحث کو جماعت کے اختلاف کا باعث قرار دوں تو اس پر بحث کرنے سے کنارہ کشی کرنی ہوگی اگر ان شرائط پر آپ بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کی بیعت منظور ہے" [۲۲۵]۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی کامیابی اور شکریہ

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اس سال ایم۔ اے کا امتحان دیا تھا۔ جس میں آپ کامیاب ہو گئے۔ احباب نے کثرت سے مبارکباد کے خطوط بھیجے جس پر آپ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔ "میری یہ کامیابی اللہ تعالیٰ کے خاص فضلوں میں سے ایک فضل ہے۔ کیونکہ ظاہر سامان بالکل مایوس کن تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دفعہ مجھے ایم۔ اے تک پڑھانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا۔ سو میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے اس قول کو پورا کرنے کے لئے ہی اللہ تعالیٰ باوجود میری کمزوریوں کے تمام یونیورسٹی کے امتحانوں میں مجھے کامیاب فرماتا رہا [۲۲۶]۔

اخبار "صادق" کا اجراء

حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے جون ۱۹۱۶ء میں رد عیسائیت کے لئے اخبار "صادق" جاری کیا۔ جو چند اشاعتوں کے بعد بند ہو گیا۔

"قبولیت دعا کے طریق"

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کو دعاؤں کی طرف توجہ دلانے کے لئے ۲۱/ جولائی اور ۲۸ جولائی ۱۹۱۶ء کو "قبولیت دعا کے طریق" پر نہایت پُر معارف خطبات ارشاد فرمائے [۲۲۷]۔ جو کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکے

ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح کا فرمان بعض لوگ کتابیں یا اشتہارات شائع کر کے احباب جماعت کے نام بغیران کی تحریری اجازت یا زبانی درخواست کے وی۔پی کر دیتے تھے۔ جس سے انجمن کے عام چندوں پر اثر پڑتا تھا۔ اس لئے حضور نے ایک فرمان کے ذریعہ اس کی سختی سے ممانعت کر دی۔ اور حکم دے دیا کہ اگر کسی صاحب کے نام کوئی ایسا وی۔پی آجائے تو وہ اسے واپس کر کے مجھے اطلاع دیں [۲۴۸]۔

سنگ بنیاد حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے شروع اگست ۱۹۱۶ء میں مسجد اقصیٰ کے قریب جانب غرب و جنوب جناب شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور کے مکان کا سنگ بنیاد رکھا [۲۴۹]۔

حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے لئے درس مسلم شریف حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے اسی ماہ درس قرآن مجید کے علاوہ حضرت میرزا شریف احمد صاحب کے لئے صحیح مسلم شریف کا ایک درس عام بھی جاری فرمایا [۲۵۰]۔

"پیغام صلح" کے چند الزامات کے جواب حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے خلاف "پیغام صلح" کے ایک مضمون میں نہایت ناروا اور بے جا الزامات لگائے گئے جن کے ردّ میں آپ کے قلم حقیقت رقم سے الفضل ۱۶/ ستمبر ۱۹۱۶ء کو ایک مفصل مضمون شائع ہوا۔

عملی تعزیت نامہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور کی پہلی بی بی کی ایک بچی چھوڑ کر ۲۲/ ستمبر ۱۹۱۶ء کو فوت ہو جانے پر اپنے دست مبارک سے ایک خط لکھا کہ "آج آپ کا خط ملا تھا اس وقت سے عورت تلاش کرائی گئی لیکن بوجہ بیماریوں کے کوئی نہ مل سکی.......چھوٹی بچی کا فکر ہے............میرا خیال ہے کہ جب تک آپ کا گھر خدا تعالیٰ پھر آباد کرے بچی کو ہمارے گھر میں بھیج دیں.........اس غرض کے لئے ایک عورت کو بھیجتا ہوں" [۲۵۱]۔

حضرت میرزا شریف احمد صاحب کا تقرر حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب کئی ماہ سے آنریری طور پر افسر مدرسہ احمدیہ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مگر اس سال آپ نے ہائی سکول کی پانچویں جماعت کو جغرافیہ پڑھانا بھی

شروع کر دیا۔ اور مدرسہ احمدیہ کی نگرانی کے لئے حضرت میاں شریف احمد صاحب کا تقرر بطور اسسٹنٹ عمل میں آیا [۲۵۲]۔

مغربی افریقہ میں احمدیت کا پیغام

حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر نے بیرونی ممالک سے تبلیغی خط و کتابت کا ایک سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ جس کے نتیجہ میں ۱۹۱۶ء میں نائیجیریا اور سیرالیون میں کئی لوگ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے [۲۵۳]۔

"سیرت مسیح موعودؑ"

حضرت خلیفتہ المسیح نے یہ اندازہ فرما کر کہ جماعت احمدیہ کی روز افزوں ترقی اور اطراف عالم میں پھیلنے والی لہر کو دیکھ کر بہت سے لوگوں کو صاحبِ سلسلہ احمدیہ کے حالات سے آگاہی کا خیال پیدا ہو رہا ہے اور ابتدائی حالت میں مفصل و مبسوط کتب کا مطالعہ ان کے لئے مشکل ہو گا۔ نومبر ۱۹۱۶ء میں "سیرت مسیح موعود" کے نام سے ایک مختصر رسالہ تصنیف فرمایا جس میں بہت اختصار سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت' دعویٰ دلائل' مشکلات اور حضور کی چند پیشگوئیوں کا ذکر فرمایا۔ یہ رسالہ چھپ چکا ہے اور جاوی و انگریزی زبان میں اس کے تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں۔

آنریری مبلغین کے لئے تحریک

حضرت خلیفتہ المسیح کے حکم سے تبلیغ کے کام کو ملک کے طول و عرض میں زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کے لئے نومبر ۱۹۱۶ء میں آنریری مبلغین کے تقرر کی تحریک ہوئی [۲۵۴]۔ جس پر کئی احمدیوں نے لبیک کہا [۲۵۵]۔

بہار ہائیکورٹ کا فیصلہ

مونگیر کے احمدیوں نے سب جج مونگیر کی عدالت میں غیر احمدیوں کے نام یہ درخواست دی تھی کہ وہ احمدیوں کے مساجد میں آکر نماز پڑھنے میں مزاحم نہ ہوں۔ غیر احمدیوں کی طرف سے کہا گیا کہ احمدی کافر ہیں اس لئے انہیں مسجدوں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ سب جج اور ڈسٹرکٹ جج نے دعویٰ خارج کر دیا اور قرار دیا کہ احمدی فرقہ کے لوگ مسلمان تو ہیں البتہ ان کی بعض رسوم و عقائد دوسرے مسلمانوں سے مختلف ہیں اس لئے وہ اس رعایت کے مستحق نہیں۔ اس فیصلہ کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی گئی۔ جس کی سماعت ۱۲/ دسمبر ۱۹۱۶ء کو شروع ہوئی جماعت احمدیہ کی طرف سے چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب بیرسٹرایٹ لاء پیش ہوئے۔ آپ نے کہا کہ عدالت ماتحت نے قانون محمدی کے تحت میرے موکلوں کو مسلمان قرار دیا ہے اس لئے احمدی اس رعایت کے مستحق ہیں۔ مدعا علیہم کی طرف سے مسٹر مظہر حق پیش ہوئے۔ اپیل کی سماعت ختم ہوئی تو خاتمہ پر چیف جج نے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی بہت تعریف کی اور کہا کہ ہائیکورٹ کے جج ان کے بہت شکر گزار ہیں [۲۵۶]۔ مگر ہائیکورٹ نے عدالت ماتحت

کے فیصلہ کو بحال رکھا۔ اور اپیل نامنظور کردی۔ فریق ثانی کی طرف سے بھی اپیل کی گئی وہ بھی خارج ہو گئی [۲۵۷]۔

پروفیسر مارگولیتھ حضرت امیرالمومنین کی خدمت میں

حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے ملاقات کے لئے ۱۶/ دسمبر ۱۹۱۶ء کو مشہور مستشرق اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر قادیان آئے حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ملاقات کے وقت ترجمان تھے حضور نے ایک مختصر مگر نہایت مفید گفتگو فرمائی اس علمی مذاکرہ میں معجزہ شق القمر بھی زیر بحث آیا۔ حضور نے ان کو الوداع کہتے ہوئے مغربی حلقوں میں پہنچا دینے کے لئے ایک پیغام بھی دیا جو یہ تھا کہ اگر یورپین لوگ محبت سے اسلامی مسائل کے متعلق تحقیقات کریں تو اس سے انہیں فائدہ بھی ہوگا اور آپس میں محبت بھی بڑھے گی اور حضور نے ان کو بطور تحفہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چند عربی مطبوعات دیں اور پروفیسر صاحب عازم لاہور ہو گئے [۲۵۸]۔

"صادق لائبریری" کا قیام

دسمبر ۱۹۱۶ء میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے اپنی تمام بیش بہا کتابوں کا ذخیرہ صدر انجمن احمدیہ کے نام وقف کر دیا [۲۵۹]۔ اور صدر انجمن احمدیہ نے حضرت خلیفہ اول "کا کتب خانہ اور تشحیذ اور ریویو کی لائبریری میں اسے مدغم کر کے ایک مستقل مرکزی لائبریری "صادق لائبریری" کے نام پر قائم کر دی۔ جس کے ناظم، افسر مدرسہ احمدیہ تھے [۲۶۰]۔ اور ۲۴/ جولائی ۱۹۱۷ء سے حضرت شاہزادہ عبدالمجید صاحب لدھیانوی اس کے لائبریرین مقرر ہوئے [۲۶۱]۔ ۱۹۲۴ء میں یہ لائبریری نظارت تالیف و تصنیف کے زیر انتظام کر دی گئی اور حضرت امیرالمومنین کی خاص ہدایت پر مخالفین اسلام و احمدیت کی کتب خصوصیت سے جمع کی جانے لگی۔ ۱۴/ جنوری ۱۹۲۹ء کو حکیم غلام حسین صاحب نے اس کا چارج لیا۔ اور اپنی وفات تک جو ۱۳/ جون ۱۹۵۰ء کو ہوئی یہ خدمت نہایت محنت سے بجالاتے رہے [۲۶۲]۔ نومبر ۱۹۲۹ء میں لائبریری کے قواعد و ضوابط تجویز ہوئے [۲۶۳]۔ جولائی ۱۹۳۲ء میں حضرت مرزا سلطان احمد صاحب نے اپنی لائبریری بھی اس میں شامل کر دی [۲۶۴]۔ ۱۹۴۷ء میں اس کا بیشتر حصہ قادیان میں رہ گیا۔ تاہم جو کتابیں بھی لائی جا سکیں وہ از سرنو مرتب کی گئیں۔ اور دوبارہ ربوہ میں اس کا قیام عمل میں آیا۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر مئی ۱۹۵۲ء کو یہ مرکزی لائبریری اور حضور کی ذاتی لائبریری دونوں ملا کر ایک کر دی گئیں۔ اور اس مجموعہ کا نام خلافت لائبریری رکھا گیا۔ اور جون ۱۹۵۲ء میں اس کے پہلے انچارج جناب مولوی محمد صدیق صاحب فاضل شاہد ڈی۔ ایل۔ ایس واقف زندگی مقرر ہوئے

[۲۶۵]-

خواتین کے لئے تبلیغی فنڈ کی پہلی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آخر ۱۹۱۶ء میں احمدی عورتوں کو تحریک فرمائی کہ وہ ولایت میں تبلیغ اسلام کے لئے ایک تبلیغی فنڈ قائم کریں۔ اور اس کی صورت حضور نے یہ تجویز فرمائی کہ مستورات آٹے کی ایک مٹھی ایک خاص برتن میں ڈال دیا کریں اور آٹا ہر ہفتہ فروخت کرکے اس کی قیمت قادیان میں بھجوادی جائے۔ ابتداءً یہ تحریک قادیان میں شروع ہوئی۔ سب سے پہلے چوہدری فتح محمد صاحب سیال کی اہلیہ نے (جو حضرت خلیفہ اولؓ کی نواسی تھیں) اس میں حصہ لیا [۲۶۶]-

"ذکر الٰہی"

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حسب سابق ۱۹۱۶ء کے سالانہ جلسہ پر بھی تین تقریریں فرمائیں۔ پہلی تقریر میں وقتی حالات کے مطابق متفرق امور پر روشنی ڈالی [۲۶۷]۔ دوسری تقریر میں جماعت کے فرائض اور ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ تیسری روحانیت سے لبریز تقریر جسے تصوف اسلام کا بہترین خلاصہ اور عطر کہنا چاہئے۔ "ذکر الٰہی" کے عنوان پر فرمائی جس میں ذکر کی اہمیت' اس کی اقسام اس کے آداب و اوقات بتانے کے علاوہ تہجد کے لئے اٹھنے اور نماز میں توجہ قائم رکھنے کے ایسے ایسے عملی طریق بتائے کہ سننے والے وجد میں آگئے۔ دوران تقریر میں ایک غیر احمدی صوفی صاحب نے رقعہ بھیجا کہ آپ کیا غضب کر رہے ہیں اس قسم کا ایک نکتہ صوفیاء کرام دس دس سال خدمت لے کر بتایا کرتے تھے۔ آپ ایک ہی مجلس میں سب رازوں سے پردہ اٹھا رہے ہیں [۲۶۸]۔ یہ تینوں تقریریں "ذکر الٰہی" کے نام سے چھپ چکی ہیں اور ۱۴۶ صفحات پر مشتمل ہیں۔

۱۹۱۶ء کے متفرق مگر اہم واقعات

۱۔ حضرت میرزا بشیر احمد صاحب کے ہاں امتہ الحمید بیگم صاحبہ پیدا ہوئیں [۲۶۹]-

۲۔ حضرت قمر جان صاحبہ اہلیہ حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ لدھیانوی' ماسٹر عبد الحق صاحبؓ اور حضرت پیر افتخار احمد صاحب کی زوجہ (ملکہ جان صاحبہؓ) اور ہمشیرہ (مختار بیگم صاحبہ) کی وفات ہوئی۔

۳۔ حضرت ام المومنینؓ دہلی۔ پانی پت' مالیر کوٹلہ اور پٹیالہ تشریف لے گئیں [۲۷۰]

۴۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحب سالانہ جلسہ کی انتظامیہ کمیٹی کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ اور آپ نے بڑی توجہ اور جانفشانی سے اپنے فرائض انجام دیئے [۲۷۱]-

۵۔ مسجد اقصیٰ کی توسیع ہوئی اور منارۃ المسیح کی سفیدی کا کام ختم ہوا [۲۷۲]-

۶۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے مولوی حکیم غلام محمد صاحب امرتسری (شاگرد خاص حضرت خلیفہ اولؓ) کا نکاح پڑھا[۲۷۳]۔

۷۔ مشہور مباحثات: مباحثہ امرتسر (مابین حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی و مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری[۲۷۴]) مباحثہ سرگودھا (حضرت مولانا میر محمد اسحٰق صاحب اور مولوی ثناء اللہ صاحب کے درمیان[۲۷۵]) مباحثہ شنگر (مابین حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب اور مولوی عصمت اللہ صاحب مبلغ انجمن حمایت اسلام لاہور[۲۷۶]) مباحثہ کولو تارڑ۔ (احمدی مناظر حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی[۲۷۷]) مباحثہ اجنالہ[۲۷۸]۔ (احمدی مناظر حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری و شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری) مباحثہ نواں کوٹ[۲۷۹]۔ (احمدی مناظر شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور) مباحثہ بنگہ (احمدی مناظر شیخ محمد یوسف صاحب[۲۸۰]) مباحثہ لکھنؤ (سیٹھ خیرالدین صاحب لکھنؤ نے غیر مبایعین سے مناظرہ کیا[۲۸۱])

۸۔ علمائے سلسلہ کی نئی مطبوعات: "الفارق"۔ "القول المحمود فی شان مصلح الموعود" (از حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ)

۹۔ ممتاز نو مبایعین: ڈاکٹر یوسف سلیمان صاحب (کیپ ٹاؤن[۲۸۲]) نواب اکبر یار جنگ صاحب[۲۸۳] سابق ہوم سیکرٹری نظام حیدر آباد۔ حافظ سید عبدالوحید صاحب آف کمرشل ہاؤس منصوری[۲۸۴]۔ مولوی عبداللطیف صاحب (پروفیسر چاٹگام کالج[۲۸۵])

دوسرا باب (فصل چہارم)

خلافت ثانیہ کا چوتھا سال

(ربیع الاول ۱۳۳۵ھ تا ربیع الاول ۱۳۳۶ھ)
(جنوری ۱۹۱۷ء سے دسمبر ۱۹۱۷ء تک)

زار روس سے متعلق پیشگوئی کے ظہور پر اتمام حجت

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ ع "زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار" اس کے مطابق ۱۲/ مارچ ۱۹۱۷ء [۲۸۶] کو بالشویک انقلاب نے زار کی مطلق العنان اور آمرانہ حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ اور پھر اسے اور اس کے بیوی اور بچوں کو محبوس کر کے طرح طرح کی سختیوں عقوبتوں اور شرمناک مظالم کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا گیا [۲۸۷]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظیم الشان پیشگوئی کے پورا ہونے پر ۴/ اپریل ۱۹۱۷ء کو "زندہ خدا کے زبردست نشان" نامی ٹریکٹ لکھا اور دنیا پر اتمام حجت کر دیا اس ٹریکٹ پر بعض اشتہارات میں زار والی پیشگوئی پر کچھ اعتراض کئے گئے [۲۸۸]۔ جن کا جواب حضور نے "خدا کے قہری نشان" کے نام سے شائع فرمایا۔

"الحجۃ البالغہ"

قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے جون ۱۹۱۷ء میں مسئلہ وفات مسیح علیہ السلام پر ایک معرکۃ الآراء کتاب تصنیف فرمائی جو "الحجۃ البالغہ" کے نام سے شائع ہوئی [۲۸۹]۔

"نور ہسپتال" کی بنیاد

مخدوم و معظم حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کی کوششوں سے یکم رمضان ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۱/ جون ۱۹۱۷ء کو "نور ہسپتال" کی بنیاد رکھی گئی [۲۹۰]۔ اور ستمبر ۱۹۱۷ء میں اس کی تکمیل ہوئی۔ ابتداء ہسپتال میں کوئی سند یافتہ ڈاکٹر نہیں تھا اس لئے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی اشارہ پر محترم حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان

صاحب ریاست پٹیالہ سے بلوائے گئے اور ۲/ فروری ۱۹۱۹ء کو ان کا تقرر عمل میں آیا [۲۹۱]۔ پہلے حضرت میر محمد اسحٰق صاحب افسر نور ہسپتال تھے مگر اب حضرت ڈاکٹر صاحب میڈیکل ایڈوائزر مقرر ہوئے [۲۹۲]۔ آپ کے زمانہ میں ہسپتال نے خوب کام کیا زنانہ وارڈ قائم ہوا۔ اپریشن روم میں ترقی ہوئی [۲۹۳]۔ ۱۹۳۰ء میں اسے سیکنڈ گریڈ ہسپتال کی حیثیت حاصل ہوئی اسی سال اس کے لئے مستقل قواعد و ضوابط تجویز کئے گئے [۲۹۴]۔

نور ہسپتال متحدہ ہندوستان کا واحد ادارہ تھا۔ جس نے ایک مذہبی جماعت کی نگرانی میں ربع صدی سے زائد عرصہ تک بلاتمیز تمام مذہب و ملت خدمت کی۔

مبلغین کا وفد بمبئی میں

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس سال بمبئی میں تبلیغ شروع کرنے گویا ہندوستان کے دروازہ کا تبلیغی محاصرہ کرنے کے لئے ۳/ اگست ۱۹۱۷ء کو مبلغین کا ایک وفد بھجوایا جس کے ممبر قمرالانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مولانا میر محمد اسحٰق صاحب، حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اور حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل ہلال پوری تھے۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے لکھی ہوئی اکتیس ہدایتیں بھی انکو دیں اور بارش کی حالت میں قادیان سے باہر تک انہیں الوداع کہنے کے لئے بھی تشریف لے گئے [۲۹۵]۔

وفد نے قریباً دوڈھائی ماہ قیام کر کے مسلمانوں کے مختلف فرقوں (خوجے، بوہرے، میمن، اسمٰعیلی وغیرہ) میں اشتہاروں، لیکچروں اور درس وغیرہ سے تبلیغ کی اور مخالفتوں کے باوجود خدا کے فضل سے عموماً اچھا اثر رہا [۲۹۶]۔ حضرت میرزا بشیر احمد صاحب نے بمبئی میں دو ٹریکٹ لکھے [۲۹۷]۔ عمومی تبلیغ زیادہ تر حضرت مولوی میر محمد اسحٰق صاحب کی مساعی کا نتیجہ تھی۔

امرتسر اور شادیوال کے مقدمات کا فیصلہ

اس سال احمدیوں کے خلاف امرتسر [۲۹۸] اور شادیوال [۲۹۹] میں دو اہم مقدمات کا فیصلہ ہوا۔ دونوں مقدمات میں وکالت کے فرائض چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے ادا کئے۔ اور دونوں کا فیصلہ احمدیوں کے حق میں ہوا۔

سفر شملہ

حضرت خلیفتہ المسیح ثانی ایدہ اللہ علیل ہو جانے کی وجہ سے طبی مشورہ پر ۳۰/ اگست ۱۹۱۷ء کو شملہ تشریف لے گئے اور ۱۰/ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو رونق افروز قادیان ہوئے [۳۰۰]۔

اس سفر میں جو محض تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے کیا گیا تھا۔ حضور کی دینی مصروفیت بہت زیادہ ہو گئی پورا سفر شروع سے آخر تک نہایت درجہ مشغولیت میں گزرا۔ حضور نے شملہ میں اپنے وعظ و تلقین کا

سلسلہ جاری رکھا۔ ترقی اسلام میں حصہ لینے سے متعلق جماعت احمدیہ کے نام چھ صفحات کا پیغام بھیجا [۲۰۱] ۳۰/ دسمبر ۱۹۱۷ء کو حضور کا جماعت شملہ کے سالانہ جلسہ پر "زندہ مذہب" کے عنوان سے زبردست اور پُر عظمت لیکچر ہوا۔ جس میں حضور نے قبولیت دعا کے معاملہ میں مذاہب عالم کے لیڈروں کو فیصلہ کن چیلنج دیا [۲۰۲]۔ شملہ سے واپسی پر حضور راجپورہ اسٹیشن پر پہنچے اور پھر حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر فاتحہ کے لئے تشریف لے گئے پھر راجپورہ واپس آکر پہلے سنور [۲۰۳] پھر پٹیالہ پہنچے اور صداقت اسلام کے موضوع پر ڈیڑھ گھنٹہ تک نہایت زوردار الفاظ میں دلوں کو ہلا دینے والا لیکچر دیا [۲۰۴]۔

خواجہ حسن نظامی صاحب کی عجیب و غریب دعوت مباہلہ اور اس کا جواب

درگاہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے سجادہ نشین خواجہ حسن نظامی دہلوی نہایت شریف مگر ہوشیار صوفیوں اور صاحب طرز ادیبوں اور انشاء پردازوں میں سے تھے۔ خواجہ صاحب کے مراسم [۲۰۵] جماعت احمدیہ کے ساتھ ایک عرصہ سے قائم تھے مگر یکایک خدا جانے کیا خیال آیا کہ انہوں نے (رسالہ نظام المشائخ میں) سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو مباہلہ کا یہ عجیب و غریب چیلنج دے دیا کہ وہ اجمیر شریف میں آئیں میں بھی وہاں حاضر ہو جاؤں گا۔ آستانہ خواجہ غریب نواز کی مسجد میں میرزا صاحب میرے ساتھ کھڑے ہوں اور اپنی باطنی قوت کے تمام حربے مجھ پر آزمائیں۔ اور جب وہ اپنی ساری کرامت آزما چکیں تو مجھ کو اجازت دی جائے کہ میں صرف یہ کہوں۔ اے خدا بطفیل اس صاحب مزار کی حقانیت کے اپنی صداقت کو ظاہر کر اور ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو اس کو اسی وقت اور اسی لحہ میں ہلاک کر دے اور اس کے بعد میرزا محمود احمد کو اجازت دی جائے۔ کہ وہ اپنے الفاظ میں جو جی چاہیں کریں۔ میعاد صرف ایک گھنٹہ مقرر کی جائے۔ یعنی دونوں آدمیوں میں سے ایک پر ایک گھنٹہ کے اندر اس دعا کا اثر ہونا چاہئے............ [۲۰۶]

"اگر تم کو یہ مباہلہ منظور ہو تو ربیع الاول ۱۳۳۶ھ کی چھٹی تاریخ کو اپنے حواریوں کو لے کر اجمیر شریف آجاؤ......... جب تم اس ارادہ سے اجمیر شریف آؤ تو اپنی والدہ صاحبہ سے دودھ بخشوا کر آنا اور ریلوے کمپنی سے ایک گاڑی کا بندوبست کرالینا جس میں تمہاری لاش قادیان روانہ ہو سکے۔ اور نیز اپنی اہلیہ صاحبہ سے مہر بھی معاف کرالینا اور قادیان کو والد ماجد کی قبر سمیت ذرا غور سے دیکھ کر آنا کہ پھر تم کو زندگی میں وہ در و دیوار دیکھنے نصیب نہ ہوں گے اور جانشینی کے مسئلہ کو بھی طے کر کے آنا"۔

سیدنا حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو جب خواجہ صاحب کے اس چیلنج کا علم ہوا تو حضور نے مفصل اعلان فرمایا کہ مباہلہ کے مسنون طریق کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ کی سچائی کے

بارے میں مباہلہ کے لئے بالکل تیار ہوں۔ آیت مباہلہ سے ثابت ہے کہ دلائل کے اظہار کے بعد مباہلہ ہوتا ہے اس لئے ضروری ہو گا کہ مباہلہ سے پہلے دونوں اپنے اپنے عقائد پر تقریر کرلیں۔ مباہلہ میں شرط ہوگی کہ عذاب انسانی دخل سے پاک ہو گا۔ اس مباہلہ کا ظاہر ہونا یوم مباہلہ سے ایک سال کے عرصہ میں ضروری ہو گا ہاں خواجہ صاحب کو اجازت ہوگی کہ آپ ایک گھنٹہ یا آدھ گھنٹہ کا وقت مقرر کرلیں۔ آیت قرآنی کے ظاہری معنوں کے لحاظ سے اور سنت رسولؐ کے مطابق ضروری ہو گا کہ کم سے کم سرگروہ اپنے بیوی اور بچوں کو مباہلہ میں شامل کریں۔ ان بنیادی شرائط کے علاوہ آپ نے مباہلہ کا اثر وسیع کرنے اور فریقین کے لئے منحرف ہونے کی راہ مسدود کرنے کے لئے ایک شرط یہ رکھی کہ دونوں طرف سے ایک ایک ہزار آدمی شامل مباہلہ ہوں۔ دوسرے پانچ پانچ ہزار روپیہ بطور ضمانت کسی ثالث کے پاس رکھ دیا جائے [۲۰۲]۔

حضرت خلیفہ ثانی نے خواجہ صاحب کو ان کے طریق مباہلہ کی طرف توجہ دلائی کہ "یہ طریق فیصلہ کہاں سے ایجاد کیا گیا ہے۔ اس قسم کا مقابلہ کسی ولی کسی بزرگ کسی نبی کے طریق عمل سے ثابت نہیں خواجہ صاحب فیصلہ کا طریق مخفی طاقتوں اور غیبی تصرفوں کا استعمال اور باطنی قوت کے حربوں کے وار بتاتے ہیں لیکن ہم قرآن کریم میں بار بار یہی لکھا پاتے ہیں کہ عذاب کا لانا کسی انسان کے اختیار میں نہیں پس جب کسی انسان کے اختیار میں یہ بات ہی نہیں تو اپنی طرف سے اس کے قواعد بنانے اور غیبی تصرفات کا دعویٰ کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے"۔

خواجہ صاحب کا چیلنج اور حضرت اقدس کا جواب پبلک کے سامنے آیا تو مولوی ظفر علی خاں نے "بچوں کا کھیل" اور "اسلام سے تمسخر" کے دہرے عنوان سے لکھا۔ "جناب طریقت ماب تقدس انتساب خواجہ حسن نظامی قدس سرہ کو اگر جد امجد کا.......... طریق کار بھی پسند نہ تھا۔ تو قرآن کریم کی وہ عام ہدایت کیا ان کے لئے بہترین معیار عمل نہ تھی۔ کہ اذا تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ و الرسول جب کسی چیز میں تشکل منازعت نکل آئے اور تم میں نزاع ہو جائے تو اس معاملہ کو اللہ و رسول (ﷺ) کی جانب لوٹاؤ۔ یعنی قرآن کریم اور سنت حسنہ نبویہ پر اس کو پیش کرو کہ تم مسلمان ہو تو کتاب و سنت سے اچھا جج تمہیں کون سا ملے گا۔ مگر ہمارا ہندوستان کا باوا آدم ہی نرالا ہے.......... یہاں ایک گروہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے ایک دوسرے گروہ کو کہ اسے بھی قائل اسلام ہونے کا ادعا ہے۔ مباہلہ کی لعنت آفرین دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ آؤ فلاں پیر کی چار دیواری میں بیٹھ کر ہم تم ایک دوسرے کو بد دعائیں دیں اور ایک گھنٹہ کے اندر اندر ملاء اعلیٰ سے عزرائیل کو بلا کر اپنی حبل الورید اس کے نشتر کے حوالہ کر دیں...... خلیفہ قادیان جناب میرزا بشیر الدین محمود سلمہ کے عقائد سے

کامل اختلاف رکھتے ہوئے بھی اس قدر کہنے پر صداقت ہم کو مجبور کرتی ہے کہ انہوں نے خواجہ صاحب کے مباہلہ کا جواب نہایت معقولیت سے دیا ہے" [۲۰۸]۔

اب خواجہ صاحب کی سنئے۔ حضرت کے جواب پر انہوں نے گو ابتداء میں مسنون مباہلہ کی اکثر و بیشتر شرائط پر بظاہر آمادگی ظاہر کی۔ مگر بالآخر یہ کہہ کر پیچھا چھڑالیا کہ "چند ماہ کا ذکر ہے میری اہل قادیان سے کچھ مخاطبت ہوئی تھی......... میں لگاتار تضیع اوقات نہیں کر سکتا تھا قادیان کی علانیہ گریز دیکھ لی اور سمجھ لی تو اس گفتگو کو ختم کر دیا۔ اب وہ مذکورہ مباہلہ کی نسبت کچھ ہی لکھتے رہیں مطلق جواب نہ دیا جائے گا [۲۰۹]۔ حالانکہ انہوں نے شروع میں چیلنج دیتے ہوئے کہا تھا کہ "اہل قادیان سے میری خانہ جنگی نہیں بلکہ جہانہ جنگی ہے سارے جہان کو جس قوت مربیبہ و فنائیہ کا خوف لگا ہوا ہے میں اس کو ختم کرنا چاہتا ہوں پروشیا کے قوائے حربیہ کا خاتمہ ہو جائے گا تو دنیا کو امن نہیں ملے گا جتنا کہ قادیان کی طاقت زیروزبر ہونے سے مل سکتا ہے"۔ (دلیش ۲۴/ جنوری ۱۹۱۸ء [۲۱۰])

مسٹر مانٹیگو کا اعلان اور مسلم اقلیت کے تحفظ کے لئے نئی جدوجہد کا آغاز

مسٹر مانٹیگو وزیر ہند نے ۲۰/ اگست ۱۹۱۷ء کو اعلان کیا کہ حکومت کا منشاء ہندوستانیوں کو صرف انتظام حکومت میں شریک کرنا ہی نہیں بلکہ منتہائے مقصود یہ ہے کہ وہ حکومت خود اختیاری کے قابل ہو جائیں اور رفتہ رفتہ ملک کا پورا انتظام بالآخر ہندوستانیوں کو سونپ دیا جائے گا [۲۱۱]

اس اہم اعلان سے ملکی سیاست میں ایک نیا انقلابی دور شروع ہوا۔ جس کے بعد کانگرس کی تحریک جہاں اور زور پکڑ گئی وہاں مسلمان اقلیت کو اپنے مستقبل سے متعلق ایک مہیب خطرہ پیدا ہو گیا کہ اس کے تحفظ حقوق کے بغیر آزادی ان کی مستقل قومی ہستی کو ختم کر دے گی اور انگریز کے بعد ملک کی بھاری ہندو اکثریت کے ابدی غلام بن جائیں گے گیارہ سال قبل کا واقعہ ہے کہ نواب محسن الملک کی کوشش سے مسلمانوں کا ایک وفد یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو شملہ میں لارڈ منٹو وائسرائے و گورنر جنرل کی خدمت باریاب ہوا اور اس نے ایک مفصل عرضداشت پیش کی اور کہا۔ "جو طریقہ نیابت و قائم مقامی کا یورپ میں رائج ہے وہ اہل ہند کے لئے بالکل نیا ہے۔ ہماری قوم کے بعض دور اندیش افراد کا خیال ہے کہ اس طریقہ کو ہندوستان کی موجودہ سیاسی اور تمدنی حالت پر کامیابی کے ساتھ منطبق کرنے کے لئے نہایت حزم احتیاط و مآل اندیشی سے کام لینا پڑے گا......... (ورنہ) منجملہ اور خرابیوں کے ایک بہت بڑی خرابی یہ پیش آئے گی کہ ہمارے قومی اغراض کا سیاہ و سفید ایک ایسی جماعت کے حوالہ ہو جائے گا جسے ہمارے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے نیز کہا۔ "قومی حیثیت سے ہم مسلمانوں کی ایک

جداگانہ جماعت ہے جو ہندوؤں سے بالکل الگ ہے" [212]۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ابتدائے خلافت ہی سے جماعت کو سیاست سے الگ رہنے کی پرزور تلقین فرماتے اور بتاتے آرہے تھے کہ ہم مذہبی جماعت ہیں ہمیں سیاست کے دھندوں سے کنارہ کش ہو کر تبلیغ اسلام و احمدیت میں مصروف رہنا چاہئے [213]۔ لیکن اب جو برطانوی حکومت کی طرف سے نئی پالسی کا اعلان ہوا اور مسلم اقلیت کے حقوق خطرے میں پڑنے لگے۔ تو حضور محض اسلامی ہمدردی کی بناء پر مسلمانوں کی ترجمانی اور ان کے مفاد کے تحفظ کے لئے میدان عمل میں آگئے۔ اور آپ نے مصمم فیصلہ کر لیا کہ ملکی امن کو برقرار رکھنے کے لئے حکومت سے تعاون بھی جاری رکھیں گے اور مسلم حقوق کو بھی پامال نہیں ہونے دیں گے۔ اور تمام ممکن اخلاقی اور آئینی ذرائع سے مسلم اقلیت کے جداگانہ وجود کو قائم و برقرار رکھنے کی کوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے اور جیسا کہ آنے والے واقعات سے پتہ چلے گا حضور نے ہر اہم قدم پر مسلمانوں کی صحیح ترجمانی اور نمائندگی کا حق ادا کر دیا۔ اس سلسلہ میں حضور نے پہلا قدم مسٹر مانٹیگو وزیر ہند کے ہندوستان آنے پر اٹھایا جب کہ انہوں نے ہندوستان کی مختلف جماعتوں کو دہلی میں آکر ریفارم سکیم گورنمنٹ کے سلسلہ میں ایڈریس پیش کرنے کا موقعہ دیا تھا تا آزادی سے متعلق برطانوی سکیم کو بروئے کار لایا جاسکے۔

حضور اس موقعہ پر بنفس نفیس ۱۳/ نومبر ۱۹۱۷ء کو دہلی تشریف لے گئے [214] اور جماعت احمدیہ کے بعض سربرآوردہ ممبر بھی دہلی میں بلوا لئے۔ حضور کی ہدایت کے مطابق ۱۵/ نومبر ۱۹۱۷ء کو ایک احمدیہ وفد [215] نے مسٹر مانٹیگو سے ملاقات کی۔ اور چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے وفد کی طرف سے ایڈریس پیش کیا۔ جس میں ملکی شورش کے مختلف اسباب و وجوہ پر روشنی ڈالنے کے بعد اور آئندہ "سیلف گورنمنٹ" کے طریق انتقال سے متعلق مشورہ دیا کہ "انتخاب کا کوئی ایسا طریق نہ رکھا جائے کہ جس میں قلیل التعداد جماعتیں نقصان میں رہیں ایسے تمام صوبوں میں جہاں کوئی قلیل التعداد جماعت خاص اہمیت رکھتی ہو اور اس کی تعداد اس قدر کم ہو کہ اس کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس جماعت کو اس تعداد سے زیادہ ممبروں کے انتخاب کا حق دیا جائے جس قدر کہ بلحاظ تعداد کے اس کے حصوں میں آتے ہیں۔ جیسا کہ پنجاب و بنگال کے سوا باقی صوبوں میں مسلمان اور پنجاب میں سکھ اور بمبئی میں پارسی اور مدراس میں عیسائی ہیں اور سرحدی صوبہ میں اگر کبھی اس کو آئینی حکومت ملی تو ہندو ہیں مگر یہ حق ایسی قلیل التعداد جماعتوں کو جو زیادہ قلیل نہیں ہیں ہرگز نہیں ملنا چاہئے۔ کیونکہ اس حق سے ان جماعتوں کو جو قلیل کثرت رکھتی ہیں سخت نقصان پہنچائے گا مثلاً اگر بڑی تعداد والی قلیل التعداد جماعتوں کو بھی یہ حق دیا جاوے۔ تو ہندوؤں کو تو جن کی میجارٹی جہاں ہے بہت زیادہ کوئی نقصان

نہ ہو گا۔ مگر مسلمانوں کو جن کی میجارٹی (کثرت) صرف بنگال اور پنجاب دو صوبوں میں ہے اور بہت ہی کم ہے سخت نقصان پہنچے گا اور ان کی میجارٹی (کثرت) کہیں بھی نہ رہے گی۔ نیز بتایا ہم بلحاظ سیاست انہی فرقوں کے ساتھ شامل ہیں جو ہماری طرح دعوئ اسلام رکھتے ہیں اس لئے ہمارا حق ہے کہ ہم اس حیثیت سے بھی اپنی رائے دیں" [216]۔ اخبار پائنیر (الہ آباد) نے اس کی خبر دیتے ہوئے لکھا کہ "احمدیہ وفد عصر کے وقت پیش ہوا۔ سیکرٹری وفد نے اصلاحات کی ضرورتوں کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یوروپین اور ہندوستانی میں جو تفریق کی جاتی ہے یہ موجودہ باعث بے اطمینانی کا ہے ایسی کوئی اصلاحات نافذ نہ ہوں جو چھوٹی جماعتوں کے حقوق کے لئے ضرر رساں ہوں آخر میں بیان کیا ہندوستان کے واسطے دو قسم کی اصلاحیں ضروری ہیں۔ اول وہ اصلاحیں جو سارے ملک کی مجموعی حالت کا خیال کر کے پیش کی جاتی ہیں۔ دوئم وہ اصلاحیں جو تعلیم یافتہ اصحاب کی اکثریت چاہتی ہے دونوں قسم کی اصلاحیں بہت ضروری ہیں اور انصاف کا تقاضا ہے کہ ان اصلاحوں کو جاری کیا جائے لیکن آخری فیصلہ کرتے وقت مفصلہ ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے......... کوئی ایسی اصلاح نہ ہو جس سے قلیل التعداد اقوام کے حقوق کو نقصان پہنچے......... جو اصلاحیں اس ملک کی مختلف اقوام کی بہبودی کے لئے ضروری نظر آرہی ہیں۔ اور ان سے جائز حقوق پورے ہوتے ہیں ان کو مسترد نہیں کرنا چاہئے [217]۔

احمدیہ وفد کے موقف کی مزید وضاحت کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح بھی اسی دن ۶ بجے شام مسٹر مانٹیگو سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے اور ۳۵ منٹ تک گفتگو فرمائی۔ ترجمان کے فرائض چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے انجام دیئے [218]۔ اور حضور ۲۶/ نومبر ۱۹۱۷ء کو دہلی سے قادیان واپس تشریف لائے۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ حضور کے اس نئے اقدام پر بعض حلقوں کا تاثر کیا تھا؟ حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔ "جب میں نے بعض سیاسی معاملات میں دخل دینا شروع کیا تو اس لئے نہیں کہ وہ سیاسی تھے۔ بلکہ اس لئے کہ میں انہیں دین کا جزو سمجھتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ جب میں نے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کیا۔ تو جماعت کے کئی دوست بھی اس پر معترض ہوئے اور بعض دوسرے لوگ خیال کرتے تھے کہ مجھے سیاسیات سے واقفیت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ مجھے یاد ہے۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے ایک دوست کے متعلق (وہ اب تو احمدی ہو چکے ہیں۔ لیکن اس وقت غیر احمدی تھے) بیان کیا کہ انہوں نے جب دیکھا کہ میں نے بھی سیاسیات میں حصہ لینا شروع کر دیا ہے تو کہنے لگے میں نہیں سمجھ سکتا کہ ریل سے بارہ میل فاصلہ پر رہنے والا ایک شخص سیاسیات سے واقف ہی کس طرح ہو سکتا ہے (اس وقت قادیان میں ریل نہ تھی) لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے آہستہ آہستہ اب وہ وقت

آگیا ہے کہ اپنے تو علیحدہ رہے غیر بھی اس امر کو محسوس کر رہے ہیں کہ میں سیاست سمجھتا ہوں اور یہ اس لئے کہ میں سیاست کو دینی نقطہ نگاہ سے دیکھتا ہوں چونکہ اسلام کے اصول نہایت پکے ہیں۔ اس لئے جب میں اسلام کے اصول کے ماتحت کسی علم کو دیکھتا ہوں تو اس کا سمجھنا میرے لئے نہایت آسان ہو جاتا ہے کوئی علم ہو خواہ وہ فلسفہ ہو یا علم النفس ہو۔ یا سیاسیات ہوں میں اس پر جب بھی غور کروں گا ہمیشہ صحیح نقطہ پر پہنچوں گا......... اور چونکہ قرآن مجید کے ماتحت ان علوم کو دیکھتا ہوں۔ اس لئے ہمیشہ صحیح نتیجہ پر پہنچتا ہوں اور کبھی ایک دفعہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے اپنی رائے کو تبدیل کرنا نہیں پڑا" [۲۱۹]۔

ریاست لائبیریا (مغربی افریقہ) میں احمدیت

اسی سال مغربی افریقہ کی ریاست لائبیریا کے ایک پروفیسر نے احمدیت کا لٹریچر منگوایا اس طرح پہلی بار لائبیریا میں احمدیت کا پیغام پہنچا [۲۲۰]۔

"تصدیق المسیح والمہدی"

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو زمانہ قیام بمبئی میں تحریک ہوئی کہ حضرت مسیح موعودؑ کے مناقب پر ایک مختصر سا رسالہ لکھنا چاہئے۔ چنانچہ آپ نے بمبئی سے واپس آکر دسمبر ۱۹۱۷ء میں "تصدیق المسیح والمہدی" تصنیف فرمائی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی کو آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ سے ثابت فرمایا۔

تحریک وقف زندگی

سلسلہ کی تبلیغی سرگرمیاں روز بروز وسعت پکڑ رہی تھیں اس لئے حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اشاعت اسلام کے لئے ۷/ دسمبر ۱۹۱۷ء کو زندگی وقف کرنے کی تحریک فرمائی [۲۲۱]۔ اس تحریک پر لبیک کہتے ہوئے ۶۳ نوجوانوں نے اپنے نام پیش کئے جن میں مولوی عبدالرحیم صاحب ایم۔ اے۔ شیخ یوسف علی صاحب بی۔ اے۔ صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔ اے۔ صوفی محمد ابراہیم صاحب بی ایس سی۔ مولوی جلال الدین صاحب شمس۔ مولوی ظہور حسین صاحب۔ مولوی غلام احمد صاحب۔ مولوی ابوبکر صاحب سماٹری۔ مولوی ظل الرحمان صاحب بنگالی۔ خان بہادر مولوی ابوالہاشم خان صاحب ایم۔ اے اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس بنگال۔ مولوی مبارک علی صاحب بنگالی۔ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی اور مولوی رحمت علی صاحب مولوی فاضل بھی تھے [۲۲۲]۔

ان واقفین کو تین گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ (۱) رابطین جو واقفین کے استاد تھے۔ (۲) مجاہدین جو عملاً تبلیغی جہاد میں مصروف عمل تھے۔ (۳) منتظرین جو مدرسہ احمدیہ یا ہائی سکول میں تعلیم پا رہے تھے

[۲۲۳]۔

"حقیقتہ الرؤیا" حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے ۲۷'۲۸/ دسمبر ۱۹۱۷ء کو سالانہ جلسہ کے موقع پر تین تقاریر فرمائیں جو "حقیقتہ الرویاء" کے نام سے شائع ہوئیں۔ ان تقریروں میں حضور نے علم دین کے طریق بتائے۔ الہام 'کشف 'رویاء اور خواب کے فلسفہ پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالی اور الہام خصوصاً ماموروں کے الہام کی علامات بیان فرمائیں۔

۱۹۱۷ء کے متفرق مگر اہم واقعات

۱۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کے ختم قرآن پر ۲۴/ فروری ۱۹۱۷ء کو آمین ہوئی۔

۲۔ حضرت ام المومنینؓ 'حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب جناب منشی قدرت اللہ صاحب سنوری کی ہمشیرہ کے رخصتانہ کی تقریب پر سنور (ریاست پٹیالہ) تشریف لے گئے [۲۲۴]۔

۳۔ حضرت خلیفتہ المسیح الاولؓ کی بڑی دختر حفصہ بیگم (اہلیہ مفتی فضل الرحمٰن صاحب) اور مرزا غلام اللہ صاحب کا انتقال ہوا۔

۴۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی اجازت اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی نگرانی میں ایک "انجمن ارشاد" قائم ہوئی جس کا مقصد جوانوں کو تبلیغی ٹریننگ دینا تھا [۲۲۵]۔ اس کے علاوہ حضور کی تحریک تبلیغ ولایت کو کامیاب بنانے کے لئے مدرسہ احمدیہ کے طلباء نے بھی انجمن شبان الاسلام کی بنیاد رکھی [۲۲۶]۔

۵۔ حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب ہجرت کر کے قادیان تشریف لے آئے [۲۲۷]۔

۶۔ حضرت خلیفہ ثانی نے حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کا نکاح ثانی جناب مرزا محمد شفیع صاحب کی دختر نیک اختر سے پڑھا [۲۲۸]۔

۷۔ ۷-۸-۹/ اپریل ۱۹۱۷ء کو قادیان میں "احمدیہ کانفرنس" ہوئی۔ کانفرنس کا پہلا اجلاس تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہال میں۔ دوسرا مسجد اقصیٰ میں اور تیسرا مسجد مبارک میں ہوا۔ وسطی اجلاس کی صدارت قمرالانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے کی [۲۲۹]۔

۸۔ حضرت خلیفتہ المسیح اولؓ کی یادگار میں شفاخانہ نور کا اجراء ہوا۔ اور اس کے پہلے انچارج مفتی فضل الرحمٰن صاحب بنے۔ شفاخانہ حضرت خلیفتہ اولؓ کے مطب والے مکان میں ہی کھولا گیا [۲۳۰]۔

۹۔ حضرت خلیفتہ المسیح ثانی کے حکم سے حکیم خلیل احمد صاحب مونگیری پنجاب کی انجمنوں کی تنظیم

کے لئے بھیجے گئے آپ کے ہمراہ محمد سعید صاحب سعدی اور مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری بھی تھے [۲۲۱]- یہ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۱۷ء کا واقعہ ہے۔

۱۰- قادیان میں ایک نیا محلّہ "دارالرحمت" کے نام سے آباد ہونا شروع ہوا جس کے ابتدائی مکینوں میں بابو عبدالرحیم صاحب پوسٹماسٹر اور ملک غلام حسین صاحب رہتاسی بھی تھے [۲۲۲]-

۱۱- مشہور مباحثات: مباحثہ کاٹھ گڑھ (آریوں سے- احمدی مناظر حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ [۲۲۳]) مباحثہ نواں شہر [۲۲۴]- (آریوں سے) مباحثہ بھمبلہ ضلع گجرات (احمدی مناظر حضرت حافظ روشن علی صاحب [۲۲۵]) مباحثہ بمبئی (حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ سے بھی اور پادری جوالا سنگھ کے ساتھ مباحثے کئے) مباحثہ ظفروال (حضرت میر قاسم علی صاحب کا آریوں سے [۲۲۶]- مباحثہ کلاسوالہ- (شیخ محمد یوسف صاحب کا مباحثہ چرنجی لعل پریم کے ساتھ [۲۲۷]) مباحثہ سیکھواں (شیخ محمد یوسف صاحب کا سکھوں سے [۲۲۸]) ان کے علاوہ مولانا جلال الدین صاحب شمس نے (جو ان دنوں مدرسہ احمدیہ کی ساتویں جماعت کے طالب علم تھے) موضع پکیواں (ضلع گورداسپور) میں ایک آریہ پنڈت اور مولوی ابو تراب عبدالحق صاحب سے مباحثہ کیا [۲۲۹]-

۱۲- مرزا گل محمد صاحب (ابن مرزا نظام الدین صاحب) داخل احمدیت ہوئے [۲۳۰]-

دوسرا باب (فصل پنجم)

خلافت ثانیہ کا پانچواں سال

[(ربیع الاول ۱۳۳۶ھ تا ربیع الاول ۱۳۳۷ھ)
(جنوری ۱۹۱۸ء سے دسمبر ۱۹۱۸ء تک)]

احمدیان کٹک پر مظالم

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالٰی کی خلافت کے پانچویں سال (۱۹۱۸ء) کے شروع میں کٹک (صوبہ بہار) کے احمدیوں پر ایسے ایسے ظلم و ستم توڑے گئے جن کے تصور سے بھی دل لرز جاتا ہے۔ چنانچہ اخبار "اہلحدیث" امرت سر جیسا معاند احمدیت اخبار بھی ان مظالم کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتا ہے۔ "قادیانیوں کا قافیہ ایسا تنگ کر دیا ہے کہ بیچارے مکان سے باہر تک نہیں نکل سکتے"۔ مرزائیوں کی میت کا پوچھئے مت۔ شہر میں اگر کسی میت کی خبر پہنچ جاتی ہے تو تمام قبرستان میں پہرہ بیٹھ جاتا ہے۔ کسی کے ہاتھوں میں ڈنڈا ہے کسی کے ہاتھ میں چھڑی ہے۔ میت کی مٹی پلید ہو رہی ہے...... تابوت نہیں ملتی۔ بیلداروں کی طلب ہوتی ہے تو وہ ٹکا سا جواب دے دیتے ہیں۔ بانس اور لکڑی کی بالکل عنقائیت ہو جاتی ہے...... ہر صورت سے ناامید ہو کر جب یہ ٹھان بیٹھتے ہیں کہ چلو چپکے سے مکان کے اندر قبر کھود کر گاڑ دیں۔ تو ہاتف غیبی افسران میونسپلٹی کو آگاہ کر دیتے ہیں وہ...... آکر خرمن امید پر کڑکتی بجلی گرا دیتے ہیں" [۴۴۱]۔

سفر بمبئی

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالٰی کی طبیعت ۱۹۱۸ء میں زیادہ مضمحل ہو گئی اور ڈاکٹروں نے بمبئی جانے کا مشورہ دیا۔ حضور ۳/ مئی ۱۹۱۸ء کو قادیان سے روانہ ہوئے [۴۴۲]۔ اور لاہور میں ناک و حلق کا بجلی کے ذریعہ علاج کئے جانے کے بعد بمبئی تشریف لے گئے [۴۴۳]۔ اور خدا کے فضل سے بمبئی میں مرض سے افاقہ ہو گیا اور حضور ۱۵/ جون ۱۹۱۸ء کو قادیان پہنچ گئے [۴۴۴]۔ اس سفر میں حضور کی ایک بچی امتہ العزیز صاحبہ نے (جو حضرت ام ناصر کے بطن سے تھیں) ڈیڑھ سال کی عمر میں وفات پائی اور بمبئی میں دفن ہوئیں [۴۴۵]۔

سفر ڈلہوزی

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ ڈلہوزی تشریف لے گئے اور ۲۲/ جون ۱۹۱۸ء سے ۱۷/ اگست ۱۹۱۸ء تک قیام فرمایا [۲۲۶]۔ اور ایک آزاد خیال عیسائی کی خواہش پر اس سے گفتگو فرمائی اس دن حضور کی طبیعت ناساز تھی مگر جب دوران گفتگو میں اس نے سیدنا نبی کریم ﷺ کی نیت پر حملہ کیا تو حضور نے جلالی رنگ میں ایسا مسکت جواب دیا کہ اسے بہت ہی ندامت سے خاموش ہو جانا پڑا [۲۲۷]۔

"اظہار حق اور حقیقت الامر"

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے مولوی محمد علی صاحب کے بعض وساوس و اوہام کے ازالہ میں "اظہار حقیقت" اور "حقیقت الامر" کے نام سے بالترتیب جولائی ۱۹۱۸ء اور ستمبر ۱۹۱۸ء میں دو اہم رسائل شائع ہوئے۔

انفلوئنزا کی عالمگیر وبا میں جماعت کی بے لوث خدمت

۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم کا ایک نتیجہ انفلوئنزا کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس وبا نے گویا ساری دنیا میں اس تباہی سے زیادہ تباہی پھیلادی۔ جو میدان جنگ میں پھیلائی تھی۔ ہندوستان پر بھی اس مرض کا سخت حملہ ہوا۔ اگرچہ شروع میں اموات کی شرح کم تھی۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں میں بہت بڑھ گئی اور ہر طرف ایک تہلکہ عظیم برپا ہو گیا۔ ان ایام میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ہدایت کے ماتحت جماعت احمدیہ نے شاندار خدمات انجام دیں۔ اور مذہب و ملت کی تمیز کے بغیر ہر قوم اور ہر طبقہ کے لوگوں کی تیمارداری اور علاج معالجہ میں نمایاں حصہ لیا۔ احمدی ڈاکٹروں اور احمدی طبیبوں نے اپنی آنریری خدمات پیش کرکے نہ صرف قادیان میں مخلوق خدا کی خدمت کا حق ادا کیا بلکہ شہر بہ شہر اور گاؤں بہ گاؤں پھر کر طبی امداد بہم پہنچائی۔ اور عام رضاکاروں نے نرسنگ وغیرہ کی خدمت انجام دی اور غرباء کی امداد کے لئے جماعت کی طرف سے روپیہ اور خورد و نوش کا سامان بھی تقسیم کیا گیا.......... ان ایام میں احمدی والنٹیر (جن میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب بھی شامل تھے) صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت کرکے دن رات مریضوں کی خدمت میں مصروف تھے اور بعض صورتوں میں جب کام کرنے والے خود بھی بیمار ہو گئے اور نئے کام کرنے والے میسر نہیں آئے بیمار رضاکار ہی دوسرے بیماروں کی خدمت انجام دیتے رہے اور جب تک یہ رضاکار بالکل نڈھال ہو کر صاحب فراش نہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے آرام اور اپنے علاج پر دوسروں کے آرام اور دوسروں کے علاج کو مقدم کیا۔ یہ ایسا کام تھا کہ دوست دشمن سب نے جماعت احمدیہ کی بے لوث خدمت کا اقرار کیا۔ اور تقریر و تحریر دونوں میں تسلیم کیا کہ اس موقع پر جماعت احمدیہ نے بڑی

تندہی و جانفشانی سے کام کرکے بہت اچھا نمونہ قائم کر دیا ہے[۶۴۸]۔

حضرت خلیفہ ثانی کی تشویشناک علالت اور وصیت

حضرت امیرالمومنین پر آخر ۱۹۱۸ء میں انفلوانزا کا اتنا شدید [۶۴۹] حملہ ہوا کہ حضور نے ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو وصیت بھی لکھ دی جس میں اپنے بعد انتخاب خلیفہ کے لئے گیارہ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی نامزد فرمادی۔ اس اہم وصیت کا متن درج ذیل کیا جاتا ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

"میں مرزا محمود احمد ولد حضرت مسیح موعودؑ خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر ایسی حالت میں کہ دنیا اپنی سب خوبصورتیوں سمیت میرے سامنے سے ہٹ گئی ہے بقائمی ہوش و حواس روبروان پانچ گواہوں کے جن کے نام اس تحریر کے آخر میں ہیں اور جن میں سے ایک خود اس تحریر کا کاتب ہے [۶۵۰]۔ جماعت احمدیہ کی بہتری اور اس کی بہبودی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ وصیت کرتا ہوں کہ اگر میں اس کاغذ کی تحریر کو اپنی حین حیات میں منسوخ نہ کروں۔ تو میری وفات کی صورت میں وہ لوگ جن کے نام میں اس جگہ تحریر کرتا ہوں ایک جگہ پر جمع ہوں جن کے صدر اس وقت نواب محمد علی خاں صاحب ہوں گے اور اگر کسی وجہ سے وہ شامل نہ ہو سکیں (گو اگر حد امکان میں ہو تو میرا حکم ہے کہ وہ اس میں شامل ہوں) تو پھر یہ جمع ہونے والے لوگ آپس کے مشورے سے کسی شخص کو صدر مقرر کریں پہلے صدر جلسہ سب کے روبرو باآواز بلند کلمہ شہادت پڑھ کر خدا کی قسم کھا کر اس بات کا اقرار کرے کہ وہ نیک نیتی کے ساتھ اس معاملہ میں رائے دے گا۔ اور کسی قسم کی نفسانیت کو اس میں دخل نہ دے گا۔ پھر وہ ہر ایک نامزد شدہ سے اس قسم کی قسم لے اور سب لوگ صدر جلسہ سمیت اس بات پر حلف اٹھائیں کہ وہ اس معاملہ کو کسی پر ظاہر نہ کریں گے۔ حتیٰ کہ وہ شرائط پوری ہو جائیں جو میں نے اس تحریر میں لکھی ہیں اس قسم کے بعد یہ سب لوگ فرداً فرداً اس بات کا مشورہ دیں کہ جماعت میں سے کس شخص کے ہاتھ پر بیعت کی جاوے۔ تاکہ وہ جماعت کے لئے خلیفہ اور امیرالمومنین ہو صدر جلسہ اس بات کی کوشش کرے کہ سب ممبروں کی رائے ایک ہو۔ اگر یہ صورت نہ ہو سکے تو سب لوگ جن کے نام اس کاغذ پر لکھے جاویں گے رات کو نہایت عاجزی کے ساتھ دعا کریں کہ خدایا تو ہم پر حق کھول دے۔ دوسرے دن پھر جمع ہوں اور پھر حلف اٹھائیں اور پھر اسی طرح رائے دیں۔ اگر آج کے دن بھی وہ لوگ اتفاق نہ کر سکیں تو ۵/۳ رائیں جس شخص کے حق میں متفق ہوں۔ اس کی خلافت کا اعلان کیا

جاوے لیکن اعلان سے پہلے یہ ضروری ہو گا کہ حاضر الوقت احباب سے نواب صاحب یا ان کی جگہ جو صدر ہو اس مضمون کی بیعت لیں۔ کہ وہ سب کے سب ان لوگوں کے فیصلہ کو بصدق دل منظور کریں گے اور اس بیعت میں وہ لوگ بھی شامل ہوں جن کے نام اس کاغذ پر لکھے جائیں گے اس کے بعد اس شخص کی خلافت کا صدر اعلان کرے جس پر ان ممبروں کا حسب قواعد مذکورہ بالا اتفاق ہو۔ بشرطیکہ وہ شخص ان ممبروں میں سے جو صدر جلسہ ہو اس کے ہاتھ پر اس امر کی بیعت کرے۔ (جو بیعت کہ میری ہی سمجھی جائے گی اور اس شخص کا ہاتھ میرا ہاتھ ہو گا) کہ میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ حضرت صاحب کی بتائی ہوئی تعلیم اسلام پر میں یقین رکھوں گا اور عمل کروں گا اور دانستہ اس سے ذرا بھی ادھر ادھر نہ ہوں گا۔ بلکہ پوری کوشش اس کے قیام کی کروں گا روحانی امور سب سے زیادہ میرے مد نظر رہیں گے اور میں خود بھی اپنی ساری توجہ اسی طرف پھیروں گا اور باقی سب کی توجہ بھی اسی طرف پھیرا کروں گا۔ اور سلسلہ کے متعلق تمام کاموں میں نفسانیت کا دخل نہیں ہونے دوں گا اور جماعت کے متعلق جو پہلے دو خلفاء کی سنت ہے اس کو ہمیشہ مد نظر رکھوں گا اس کے بعد وہ سب لوگوں سے بیعت لے اور میں ساتھ ہی اس شخص کو وصیت کرتا ہوں۔ کہ حضرت صاحب کے پرانے دوستوں سے نیک سلوک کرے۔ نبیوں سے شفقت کرے امہات المومنین خدا کے حضور میں خاص رتبہ رکھتی ہیں۔ پس حضرت ام المومنین کے احساسات کا اگر اس کے فرائض کے رستہ میں روک نہ ہوں احترام کرے۔ میری اپنی بیبیوں اور بچوں کے متعلق اس شخص کو یہ وصیت ہے کہ وہ قرضہ حسنہ کے طور پر ان کے خرچ کا انتظام کرے جو میری نرینہ اولاد انشاء اللہ تعالیٰ ادا کرے گی۔ بصورت عدم ادائیگی میری جائیداد اس کی کفیل ہو ان کو خرچ مناسب دیا جائے عورتوں کو اس وقت تک خرچ دیا جائے جب تک وہ اپنی شادی کرلیں بچوں کو اس وقت تک جبکہ وہ اپنے کام کے قابل ہو جائیں۔ اور بچوں کو دینوی اور دنیادی تعلیم ایسے رنگ میں دلائی جاوے کہ وہ آزاد پیشہ ہو کر خدمت دین کر سکیں۔ جہاں تک ہو سکے لڑکوں کو حفظ قرآن کرایا جاوے۔ باقی حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی وصیتیں میں پھر اس شخص کو اور جماعت کو یاد دلاتا ہوں۔ جو کام حضرت مسیح موعودؑ نے جاری کئے ہیں کسی صورت میں ان کو بند نہ کیا جاوے ہاں ان کی صورتوں میں کچھ تغیر ہو تو ضرورتوں کے مطابق خلیفہ کو اختیار ہے اس قسم کا انتظام آئندہ انتخاب خلفاء کے لئے بھی وہ شخص کر دے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کا حافظ حامی اور ناصر ہو اس شخص کو چاہئے کہ اگر وہ دین کی ظاہری تعلیم سے واقف نہیں تو اس کو حاصل کرے دعاؤں پر بہت زور دے ہر بات کرتے وقت پہلے سوچ لے کہ آخر انجام کیا ہو گا؟ کسی کا غصہ دل میں نہ رکھے خواہ کسی سے کس قدر ہی اس کو ناراضگی ہو۔ اس کی خدمات کو کبھی نہ بھلائے۔ ان

لوگوں کے اسماء جن کو میں خلیفہ کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے مقرر کرتا ہوں۔ یہ ہیں۔

(۱) نواب محمد علی خان صاحب (۲) ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب (۳) مولوی شیر علی صاحب (۴) مولوی سید سرور شاہ صاحب (۵) قاضی سید امیر حسین صاحب (۶) چوہدری فتح محمد صاحب سیال (۷) حافظ روشن علی صاحب (۸) سید حامد شاہ صاحب (۹) میاں چراغ دین صاحب (۱۰) ذوالفقار علی خان صاحب۔

اگر بیرونی لوگ شامل نہ ہو سکیں تو پھر یہیں کے لوگ فیصلہ کریں۔ خلیفہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو قادیان میں رہے جو خود نمازیں پڑھائے۔ یہ ضروری ہدایت یاد رکھی جائے کہ یہ لوگ اس بات کا اختیار رکھیں گے کہ اپنے میں سے کسی شخص کو انتخاب کریں یا کسی ایسے شخص کو جس کا نام اس فہرست میں شامل نہیں ایک نام اس میں اور زیادہ کر دیا جاوے۔ میاں بشیر احمد صاحب بھی اس میں شامل ہیں۔ والسلام۔

اگر صدر جلسہ خود خلیفہ تجویز ہو تو جو الفاظ خلیفہ کی بیعت کے لئے رکھے گئے ہیں ان کا وہ خود حلفیہ طور پر مجلس میں اقرار کرے۔ خدا کے فضلوں کا انکار کوئی نہیں کر سکتا۔ خلیفہ خدا بناتا ہے۔ پس اس شخص کو جس کے لئے لوگ متفق ہوں خلافت سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں مشورہ دینے والوں کو بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ایسے شخص کو منتخب کریں کہ وہ قادیان کا ہی ہو کر رہ سکے۔ اور جماعت کرا سکتا ہو۔ والسلام و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین (دستخط) خاکسار مرزا محمود احمد دستخط خاکسار شیر علی عفی عنہ بقلم خود کاتب تحریر ہذا۔ ۱۹/ اکتوبر ۱۹۱۸ء۔ دستخط فتح محمد سیال بقلم خود۔ دستخط خاکسار مرزا بشیر احمد بقلم خود ۱۰/۱۸/ ۱۹۔ دستخط محمد سرور شاہ بقلم خود ۱۹/ اکتوبر ۱۹۱۸ء۔ دستخط خلیفہ رشید الدین ایل۔ ایم۔ ایس بقلم خود ۱۹/ اکتوبر ۱۹۱۸ء۔ (نوٹ) یہ کاغذ مولوی شیر علی صاحب کی تحویل میں رکھا جاوے اور اس کی نقل فوراً شائع کر دی جاوے۔ (دستخط) مرزا محمود احمد"۔

حضور کے ارشاد کی تعمیل میں دوسرے ہی روز یہ وصیت دفتر ترقی اسلام کے میگزین پریس قادیان سے شائع کر دی گئی [۲۵۱]

فتح کا جشن، مسلمانان ہند اور جماعت احمدیہ

جرمنی نے ۱۱/ نومبر ۱۹۱۸ء کو معاہدہ صلح پر دستخط کئے اور دنیا نے جنگ کی تباہ کاریوں سے نجات پانے پر اطمینان کا سانس لیا ۱۲/ نومبر ۱۹۱۸ء کو ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوشی منائی گئی۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر صاحب بی۔ اے (ایڈیٹر "مخزن") نے لکھا۔ "ماہ نومبر کی بارھویں تاریخ جو خوشیاں سارے ملک میں منائی گئی ہیں وہ مدتوں تک یاد رہیں گی۔ اور ایک دن کی

خوشی نے لڑائی کے زمانے کی بہت سی کلفتوں کو دھو ڈالا...... خدا نے برطانیہ اور اس کے حلیف دول کو بڑی شاندار کامیابی دی ہے...... ظلم پر عدل کی فتح ہے خود مختاری پر جمہوریت کی فتح ہے......... دنیا کی تاریخ ایک نیا ورق الٹتی ہے۔ خدا کرے کہ امن و آزادی کا ایک دور جدید دنیا بھر میں اس فتح سے شروع ہو [۲۵۲]۔ ۲۷/ نومبر ۱۹۱۸ء کو ملک بھر میں جشن فتح منایا گیا۔ اس تقریب پر مسلمان شعراء نے دل کھول کر نظمیں کہیں مثلاً میر غلام بھیک بی۔ اے نیرنگ (صدر انجمن دعوت و تبلیغ اسلام انبالہ) نے لکھا۔ ؎

دکھایا اوج طالع نے نگاہوں کو عجب منظر
جسے دیکھو خوشی کے جوش میں آپے سے ہے باہر
مبارکباد کا اک شور ہے مشرق سے مغرب تک
ترانوں سے طرب کے گونجتا ہے گنبد اخضر
ملی برطانیہ کو فتح کامل ایسے دشمن پر
تصور میں نہیں آتا ہے دشمن جس سے قاتل تر
شہنشہ جارج کو آخر خدا نے فتح کامل دی
کہ خود فتح و ظفر کو ناز ہے اس شہ کی نسبت پر

[۲۵۳]

ایک اور مسلمان شاعر خان احمد حسین خاں (مدیر "شباب اردو") نے لکھا۔ ؎

یہ فتح شاندار مبارک ہو شہریار
تم کو نصیب خضر کی ہو عمر تاجدار
یہ تیرا راج راحت اہل قلوب ہو
اور اس پہ آفتاب نہ ہر گز غروب ہو [۲۵۴]

دوسرے مسلمانوں کی طرح جماعت احمدیہ نے بھی اس جشن میں حصہ لیا۔ کھیلوں کے مقابلے ہوئے غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا گیا۔ چراغاں کیا گیا [۲۵۵]۔ اور اس تمام تر خوشی کی وجہ یہ بتائی گئی کہ "مغرور اور متکبر سلطنت جرمنی جو آج سے چند سال پیشتر تمام دنیا کو اپنی ظلم و استبداد کی حکومت کے ماتحت لانے کے خواب دیکھ رہی تھی اس پر برطانیہ اور اس کی اتحادی طاقتوں نے کامل غلبہ اور فتح اور اقتدار حاصل کر لیا [۲۵۶]۔

مسلمان بچوں کے لئے پانچ ہزار روپیہ

حضور نے پانچ ہزار روپیہ جنگ عظیم میں کام آنے والے مسلمانوں کے بچوں کی تعلیم کے فنڈ میں عطا فرمایا [۲۵۷]۔

متفرق مگر اہم واقعات

۱۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ہاں (حضرت ام ناصر کے بطن سے) صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب اور (حضرت سیدہ امتہ الحی کے بطن سے) صاحبزادی امتہ الرشید صاحبہ کی ولادت ہوئی اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے ہاں صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب پیدا ہوئے۔

۲۔ صدر انجمن احمدیہ نے اپنے کارکنوں کے لئے پراویڈنٹ فنڈ کا سسٹم جاری کیا [258]

۳۔ ۱۹۱۸ء کا سالانہ جلسہ ملتوی کر دیا گیا۔

۴۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے ۱۹۱۴ء میں ولایت سے واپسی کے بعد سیالکوٹ میں وکالت شروع کی تھی مگر اپریل ۱۹۱۸ء کے قریب آپ لاہور میں قیام پذیر ہو گئے۔ اور امارت لاہور کی نازک ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کر دی گئی۔ فرائض امارت کے علاوہ آپ صدر انجمن احمدیہ کے مشیر قانونی بھی تھے [259]۔ اور جماعتی مقدمات میں بھی اکثر جایا کرتے تھے۔

۵۔ اس سال (۱۹۱۸ء میں) حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی [260] نے اور حضرت سید محمد علی شاہ صاحب نے انتقال فرمایا [261]۔

۶۔ ۱۹۱۸ء میں غیر احمدیوں کے دائر کردہ دو اہم مقدمات خارج ہوئے۔ (۱) ایک مقدمہ مولوی قاضی فضل احمد لدھیانوی نے شیخ محمد شفیع صاحب سیکرٹری انجمن لدھیانہ کے خلاف ایک اشتہار کی بناء پر دائر کر رکھا تھا جو خارج ہو گیا [262]۔ (۲) کٹک کے احمدیوں پر مسجد سے ممانعت کے تعلق میں ایک فوجداری مقدمہ تھا جو عدالت نے خارج کر دیا [263]۔

۷۔ عہد خلافت ثانیہ کی پہلی سالانہ رپورٹ (صدر انجمن احمدیہ) پانچ سو کی تعداد میں شائع ہوئی [264]۔

۸۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہارات کا مجموعہ "تبلیغ رسالت" کے نام سے حضرت میر قاسم علی صاحب نے شائع کرنا شروع کیا۔

۹۔ اس سال کے مشہور مباحثات: مباحثہ ہوشیار پور [265] (مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری اور مولوی ثناء اللہ کے درمیان) مباحثہ فتح گڑھ چوڑیاں [266]۔ (شیخ محمد یوسف صاحب کا آریوں سے) مباحثہ گوجرانوالہ [267] (مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کا عیسائیوں سے) مباحثہ شملہ [268] (مولوی عمر دین صاحب شملوی اور مولوی عبد الحق صاحب غیر مبائع) مباحثہ گجرات [269]۔ (حضرت حافظ روشن علی صاحب کا آریہ پنڈت پورنند سے) مباحثہ ماچھیواڑہ ضلع لدھیانہ [270] (حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کا دہلوی علماء سے) مباحثہ کپور تھلہ [271]۔ (شیخ عبد الخالق صاحب نومسلم اور پادری عبد الحق صاحب کے درمیان)

۱۰۔ علمائے سلسلہ کی نئی مطبوعات "میرا عقیدہ دربارہ نبوت مسیح موعودؑ" (مولفہ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل حلال پوری)، "حق الیقین" (حضرت مولوی حکیم عبید اللہ صاحب بسمل)

۱۱۔ اس سال سیٹھ محمد صدیق صاحب بانی [272] (کلکتہ) احمدیت میں داخل ہوئے جنہوں نے آگے

چل کر حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کی طرح سلسلہ کی ہر اہم تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور قربانیوں میں ایک شاندار مثال قائم کی۔ خصوصاً تقسیم ملک کے بعد قادیان۔ درویشان قادیان اور احمدیت کے لئے ان کی مالی خدمات کا سلسلہ بہت وسیع اور قابل رشک ہے۔

دوسرا باب (فصل ششم)

خلافت ثانیہ کا چھٹا سال

[(ربیع الاول ۱۳۳۷ھ تا ربیع الاول ۱۳۳۸ھ)
(جنوری ۱۹۱۹ء سے دسمبر ۱۹۱۹ء تک)]

جماعت کے مرکزی نظم و نسق میں اصلاح اور نظارتوں کا قیام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹۱۹ء میں اس وقت کے نظام سلسلہ احمدیہ کی مناسب اصلاح و ترمیم فرما کر اسے نہایت مفید بنا دیا سلسلہ احمدیہ کا پہلا مرکزی نظام (خلافت کی نگرانی میں) صدر انجمن احمدیہ پر مشتمل تھا۔ جو اپنی تفصیل کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تجویز فرمودہ نظام نہیں بلکہ خود انجمن کا قائم کردہ نظام تھا۔ اس نظام میں مختلف صیغے ایک ہی سیکرٹری کے ماتحت اس طرح جمع تھے کہ ان صیغوں کے افسروں کو کوئی ذمہ دارانہ پوزیشن حاصل نہیں ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ صدر انجمن احمدیہ کے مشوروں میں بھی ان افسروں کی آواز کا دخل نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ صدر انجمن احمدیہ کے جملہ انتظامی فیصلہ جات خالصتہً ایسے ممبروں کی رائے سے تصفیہ پاتے تھے۔ جن کے ہاتھوں میں کسی انتظامی صیغہ کی باگ ڈور نہیں تھی۔ پھر مجلس کے قواعد کی بنیاد ایسی طرز پر رکھی گئی تھی کہ جماعت کی نمائندگی کو اس میں کوئی دخل نہ تھا بحالیکہ حکومت کی سب سے خطرناک صورت یہی سمجھی گئی ہے کہ اول تو چند آدمی تمام لوگوں کے نمائندے قرار دے دیئے جائیں مگر دراصل وہ نمائندے نہ ہوں۔ دوسرے انہیں یہ اختیار دے دیا جائے کہ خود ہی اپنے قائم مقام تجویز کر دیا کریں [۲۷۳]۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی نظر اس امر تک پہنچ تو شروع میں ہی گئی تھی۔ مگر اس خیال سے کہ کسی اور قسم کے نقصانات پیدا نہ ہو جائیں قائم شدہ نظام کو یک دفعہ بدل دینا پسند نہیں فرمایا۔ بلکہ حضور نے کافی غور و فکر اور مقامی و بیرونی اہل الرائے احباب کے مشورہ کے بعد یکم جنوری ۱۹۱۹ء کو ایک متوازی نظام جاری فرمایا۔ جس میں ہر شخص خلیفہ وقت کی براہ راست نگرانی و ہدایات کے تحت ایک مستقل صیغہ کا انچارج اور ذمہ دار تھا اور پھر یہ سب انچارج

باہم مل کر ایک انتظامی انجمن بناتے تھے۔ ان افسروں کا نام حضور نے ناظر تجویز فرمایا۔ اور ان کی انجمن کا نام محکمہ نظارت رکھا[۴۷۴]۔ اور مختلف ناظروں کے اوپر ایک صدر ناظر مقرر فرمایا جس کا نام ناظر اعلیٰ رکھا گیا۔ چنانچہ حضور نے ایک فرمان مبارک کے ذریعہ سے اعلان فرمایا کہ۔

"تمام احباب جماعت احمدیہ کی اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے کہ ضروریات سلسلہ کے پورا کرنے کے لئے قادیان اور بیرونجات کے احباب سے مشورہ کرنے کے بعد میں نے یہ انتظام کیا ہے کہ سلسلہ کے مختلف کاموں کے سرانجام دینے کے لئے چند ایسے افسران مقرر کئے جائیں جن کا فرض ہو کہ وہ حسب موقع اپنے متعلقہ کاموں کو پورا کرتے رہیں۔ اور جماعت کی تمام ضروریات کے پورا کرنے میں کوشاں رہیں۔ فی الحال میں نے اس غرض کے لئے ایک ناظر اعلیٰ ایک ناظر تالیف و اشاعت ایک ناظر تعلیم و تربیت ایک ناظر امور عامہ اور ایک ناظر بیت المال مقرر کیا اور ان عہدوں پر سردست ان احباب کو مقرر کیا جاتا ہے 'ناظر اعلیٰ مکرمی مولوی شیر علی صاحب۔ ناظر تالیف و اشاعت مکرمی مولوی شیر علی صاحب، ناظر تعلیم و تربیت مکرمی مولوی سید سرور شاہ صاحب، ناظر امور عامہ عزیزم مرزا بشیر احمد صاحب۔ ناظر بیت المال مکرمی ماسٹر عبدالمغنی صاحب۔ ان کے علاوہ جماعت کی ضروریات افتاء اور قضاء کو مدنظر رکھ کر افتاء کے لئے مولوی سید سرور شاہ صاحب مکرمی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اور مکرمی حافظ روشن علی صاحب اور قضا کے لئے مکرمی قاضی امیر حسین صاحب مکرمی مولوی فضل دین صاحب اور مکرمی میر محمد اسحاق صاحب کو مقرر کیا ہے۔ آئندہ جو تغیرات ہوں گے ان سے......... احباب کو اطلاع دی جاتی رہے گی میں امید کرتا ہوں کہ احباب ان لوگوں کے کام میں پوری اعانت کریں گے اور سلسلہ کی کسی خدمت سے دریغ نہ کریں گے........ اور ان کی تحریرات کو میری ہی تحریرات سمجھیں گے" [۴۷۵]۔

اس جداگانہ نظام نے کئی سال تک علیحدہ صورت میں کام کیا اور بالآخر اکتوبر ۱۹۲۵ء میں صدر انجمن احمدیہ اور اس کے جدید نظام کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیا[۴۷۶] جس میں صدر انجمن احمدیہ کا نظام اور اس کی اصولی صورت تو بدستور قائم رہی مگر صیغوں کی تقسیم اور ناظروں کی ذمہ دارانہ پوزیشن بھی جدید نظام عمل کے مطابق قائم ہو گئی اور جماعت کو صحیح معنوں میں موثر نمائندگی بھی میسر آگئی۔ اور قواعد اس رنگ میں ڈھال دیئے گئے کہ مجلس معتمدین کا براہ راست خلیفہ وقت سے تعلق و رابطہ ہو گیا۔ اور اسے خلیفہ وقت کو اطلاع اور مجلس شوریٰ کے غور کے بغیر کوئی بجٹ پاس یا تبدیل کرنے کا اختیار نہ رہا[۴۷۷]۔

حضرت خلیفہ ثانی نے اس جدید نظام عمل کے مطابق مندرجہ ذیل نظارتیں قائم فرمائیں۔ (۱)

نظارت علیا - (حضرت چوہدری نصر اللہ خان صاحبؓ) (۲) دعوت و تبلیغ [۲۷۸] (حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال) (۳) تعلیم و تربیت [۲۷۹] (حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ) (۴) بیت المال (حضرت مولوی عبدالمغنی خان صاحبؓ) (۵) امور عامہ (حضرت خان صاحب ذوالفقار علی خان صاحبؓ) (۶) امور خارجہ (حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ) (۷) ضیافت (حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ) (۸) بہشتی مقبرہ (حضرت چوہدری نصر اللہ خان صاحبؓ)

حضور نے ان ناظروں کے علاوہ حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ اور حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحبؓ کو مجلس معتمدین کا ممبر نامزد فرمایا [۲۸۰] - اور گو ناظروں اور مجلس معتمدین کے ممبروں کی تبدیلی حسب ضرورت ہمیشہ ہوتی رہی ہے - مگر اب تک یہی مخلوط نظام سلسلہ میں رائج ہے اور بفضلہ تعالیٰ روز افزوں ترقی پر ہے -

"اسلام اور تعلقات بین الاقوام"

حضرت خلیفہ ثانی ۱۲/ فروری ۱۹۱۹ء کو لاہور تشریف لے گئے [۲۸۱] - اور ۲۷/ فروری ۱۹۱۹ء کو دارالامان رونق افروز ہوئے [۲۸۲] - یہ سفر بغرض علاج کیا گیا تھا - مگر حضور نے اس کے دوران میں دو معرکتہ الآراء تقریریں بھی فرمائیں - پہلی تقریر ۲۳/ فروری کو بریڈلا ہال میں "اسلام اور تعلقات بین الاقوام" کے موضوع پر [۲۸۳] - اس جلسہ کے صدر جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب تھے ملک کے مختلف اخبارات "روزانہ قومی رپورٹ" (مدراس) "روزانہ اخوت" (لکھنؤ) روزانہ "ہمدم" (لکھنؤ) "وکیل" (امرتسر) نے مختصر اور "سول اینڈ ملٹری گزٹ" (لاہور) نے اس کی مفصل خبر شائع کی [۲۸۴] -

"اسلام میں اختلافات کا آغاز"

حضور نے دوسری تقریر مارٹن ہسٹاریکل سوسائٹی اسلامیہ کالج لاہور کے زیر اہتمام ۲۶/ فروری ۱۹۱۹ء کو حبیبیہ ہال میں فرمائی - اس تقریر کا عنوان تھا "اسلام میں اختلافات کا آغاز" - اس جلسہ کے صدر مورخ اسلام جناب سید عبدالقادر صاحب ایم - اے تھے - سید صاحب نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا - "آج کے لیکچرار اس عزت اس شہرت اور اس پائے کے انسان ہیں کہ شاید ہی کوئی صاحب ناواقف ہوں - آپ اس عظیم الشان اور برگزیدہ انسان کے خلف ہیں جنہوں نے تمام مذہبی دنیا اور بالخصوص عیسائی عالم میں تہلکہ مچا دیا تھا [۲۸۵] -

افتتاحی تقریر کے بعد حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوران خلافت میں عبداللہ ابن سبا اور اس کے باغی اور مفسد ساتھیوں کی سازشوں اور فتنہ

انگیزیوں پر اتنی تفصیلی روشنی ڈالی اور تاریخ اسلام کی گمشدہ........ کڑیوں کو اس طرح منکشف و مربوط فرما کر سامنے رکھ دیا کہ بڑے بڑے صاحبان علم و فہم بھی حیران رہ گئے۔ خاتمہ تقریر پر صدر مجلس جناب سید عبدالقادر صاحب ایم۔ اے نے فرمایا۔ "حضرات! میں نے بھی کچھ تاریخی اوراق کی ورق گردانی کی ہے اور آج شام کو جب میں اس ہال میں آیا تو مجھے خیال تھا کہ اسلامی تاریخ کا بہت سا حصہ مجھے بھی معلوم ہے۔ اور اس پر میں اچھی طرح رائے زنی کر سکتا ہوں لیکن اب جناب مرزا صاحب کی تقریر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ میں ابھی طفل مکتب ہوں۔ اور میری علمیت کی روشنی اور جناب مرزا صاحب کی علمیت کی روشنی میں وہی نسبت ہے جو اس (میز پر رکھے ہوئے لیمپ کی طرف اشارہ کر کے) کی روشنی کو اس بجلی کے لیمپ (جو اوپر آویزاں تھا کی طرف انگلی اٹھا کر) کی روشنی سے ہے حضرات جس فصاحت اور علمیت سے جناب مرزا صاحب نے اسلامی تاریخ کے ایک نہایت مشکل باب پر روشنی ڈالی ہے وہ انہیں کا حصہ ہے" [۲۸۶]۔

یہ اہم تقریر اگلے سال شائع ہوئی تو اس کے ابتداء میں سید عبدالقادر صاحب نے تمہید الکھا۔

"فاضل باپ کے فاضل بیٹے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کا نام نامی اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ یہ تقریر نہایت عالمانہ ہے مجھے بھی اسلامی تاریخ سے کچھ شُدبُد ہے اور میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ کیا مسلمان اور کیا غیر مسلمان بہت تھوڑے مورخ ہیں جو حضرت عثمان کے عہد کے اختلافات کی تہہ تک پہنچ سکے ہیں اور اس مہلک اور پہلی خانہ جنگی کی اصلی وجوہات کو سمجھنے میں کامیاب ہوئے ہیں حضرت مرزا صاحب کو نہ صرف خانہ جنگی کے اسباب سمجھنے میں کامیابی ہوئی ہے بلکہ انہوں نے نہایت واضح اور مسلسل پیرائے میں ان واقعات کو بیان فرمایا ہے جن کی وجہ سے ایوان خلافت مدت تک تزلزل میں رہا۔ میرا خیال ہے ایسا مدلل مضمون اسلامی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے احباب کی نظر سے پہلے کبھی نہیں گزرا ہو گا" [۲۸۷]۔

شرائط مناظرہ سے متعلق اہم اعلان

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایک احمدی کے شرائط مباحثہ میں بعض خلاف شریعت شرائط بھی منظور کر لینے پر تحریر فرمایا کہ "قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فیصلہ خدا کا منظور ہو سکتا ہے نہ کسی اور کا۔ فروعات میں تو غیر شخص بھی فیصلہ کر سکتا ہے لیکن ایمانی اور اصولی معاملات میں کسی شخص کا فیصلہ ہرگز مانا نہیں جا سکتا۔ نہ میں ایک منٹ کے لئے کسی ایسے مباحثہ کا خیال اپنے دل میں آنے دے سکتا ہوں........ اگر سب کی سب جماعت احمدیہ دنیا کے ہر ایک گوشہ کی ایسے امر پر مرتد ہونے کے لئے تیار ہو (خدانخواستہ) تو میں اس کے ارتداد کو نہایت فراخدلی اور خوشی سے قبول کروں گا۔ مگر مسیح موعودؑ

کی صداقت یا اسلام کی حقانیت کے متعلق زید اور بکر کی رائے کو حکم بنانے کے لئے تیار نہیں ہوں گا۔ اور ہرگز نہیں ہوں گا آپ لوگوں نے گناہ کیا ہے اور سخت گناہ کیا ہے۔ بلکہ اپنے ایمانوں پر اپنے ہاتھوں سے تبر چلایا ہے" [۲۸۸]۔

"عرفان الٰہی" حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کا پہلے سالوں میں یہ معمول رہا تھا کہ جلسہ کے موقع پر اپنی پہلی تقریر میں تو عام نصائح فرماتے اور دوسری تقریر علمی مسئلہ پر ہوا کرتی تھی مگر دسمبر ۱۹۱۸ء کا جلسہ جو مارچ ۱۹۱۹ء میں منعقد ہوا تھا۔ اس میں پہلے دن تو حضور نے "عرفان الٰہی" جیسے دقیق مضمون کو بڑی شرح و بسط سے بیان فرمایا۔ اور عرفان الٰہی اور تزکیہ نفوس کے ذرائع بتاتے ہوئے نکات و معارف کا دریا بہا دیا۔ اور دوسرے دن کی تقریر میں متفرق امور پر روشنی ڈالی پہلے دن کی تقریر "عرفان الٰہی" کے نام سے چھپ چکی ہے۔

نیا قبرستان احمدی بچوں اور غیر موصی احمدیوں کی تدفین کے لئے کوئی الگ قبرستان موجود نہیں تھا حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ نے جو ہمیشہ رفاہی کاموں میں دلچسپی رکھنے والے بزرگ تھے۔ اس طرف توجہ فرمائی اور اس کے لئے دور الضعفاء (ناصر آباد) سے متصل ایک قطعہ زمین کا انتظام کر دیا [۲۸۹]۔

(متحدہ) ہندوستان میں زبردست سیاسی ہیجان اور جماعت احمدیہ کا رویہ

(متحدہ) ہندوستان کی تاریخ میں ۱۹۱۹ء کا سال اس لحاظ سے یادگار رہے گا کہ اس میں ایسے طویل و عریض ہیجان کا آغاز ہوا جس کی نظیر اس سے پہلے گزرے ہوئے کسی سال میں نظر نہیں آتی۔ جنگ کے اختتام نے دنیا میں ایک عام بیداری پیدا کر دی تھی۔ اور چونکہ اس قسم کی بیداری کے ابتدائی مراحل میں بعض جوشیلی طبیعتیں حد اعتدال سے آگے نکل جاتی ہیں اس لئے اس کے انسداد کی غرض سے حکومت نے بعض احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہیں اور ۱۹۱۹ء کی ابتداء میں ایک "رولٹ بل" بھی پاس کرنے کی تجویز کی۔ جس کے ذریعہ سے پریس پر خاص پابندیاں عائد کی گئی تھیں۔ حکومت کے اس اقدام پر ملک کے بیدار شدہ حصہ میں سخت ہیجان پیدا ہوا۔ امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں جن دنوں یہ بل پیش تھا ملکی اخباروں اور سیاسی جماعتوں نے اس کے خلاف زبردست احتجاج کیا اور کونسل کے تمام ہندوستانی ممبروں نے اس کے خلاف ووٹ دیئے لیکن حکومت نے سرکاری اور نامزد عناصر کی مدد سے یہ بل پاس کر کے "رولٹ ایکٹ" بنا دیا۔ تمام ملک میں شدید ناراضگی کی لہر دوڑ گئی۔ مسٹر گاندھی کی تحریک پر (جسے ستیہ گرہ کا نام دیا گیا) دو دن (۳۰/ مارچ اور ۶/ اپریل ۱۹۱۹ء) ملک کے گوشے گوشے میں

ہڑتال منائی گئی۔ نام کو تو یہ "سول نافرمانی کی پرامن تحریک" تھی مگر اس کے نتیجہ میں دہلی۔ احمد آباد اور دوسرے مقامات پر فسادات رونما ہو گئے پنجاب میں سب سے زیادہ شورش برپا ہوئی چند مقامی لیڈروں کی گرفتاری پر امرتسر میں کوئی آٹھ نو افسر قتل کر دیئے گئے۔ بنک لوٹے گئے سرکاری عمارتیں جلا دی گئیں۔ گوجرانوالہ کا ریلوے اسٹیشن نذر آتش کر دیا گیا۔ اور کئی جگہ ریل کی پٹڑی اکھاڑ دی گئی۔ اور تار کاٹ دیئے گئے اس پر اپریل ۱۹۱۹ء میں لاہور۔ امرتسر۔ گجرات۔ گوجرانوالہ اور لائل پور کے اضلاع میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ یعنی صوبہ کا انتظام فوجی افسروں کو سونپ دیا گیا۔ اور فوجی عدالتیں قائم کر دی گئیں۔

مارشل لاء کے تحت ہر قسم کے جلسے اور جلوس بند کر دیئے گئے تھے۔ لیکن اہل امرتسر نے یہ قانون ٹھکرا دیا اور ۱۳/ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیانوالہ باغ میں ایک پبلک جلسہ کیا جس میں ہزاروں آدمیوں نے شرکت کی۔ امرتسر کے فوجی افسر جنرل ڈائر نے لوگوں کو منتشر ہونے کی کافی مہلت دیئے بغیر گولی چلا دی جس سے سینکڑوں آدمی قتل اور زخمی ہو گئے۔ اس انتہائی غیر دانشمندانہ کارروائی کے خلاف پورا ملک کوہ آتش فشاں بن گیا۔ حکومت نے ایک کمیٹی جلیانوالہ باغ کی خونی داستان سے متعلق تحقیق کے لئے مقرر کر دی جس کے نتیجہ میں حکومت کو تسلیم کرنا پڑا کہ جنرل ڈائر نے گولی چلانے میں اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ہے حکومت نے پنجاب کے گورنر سر مائیکل اوڈوائر کو واپس انگلستان بلا لیا۔ اور جنرل ڈائر کو ملازمت سے برطرف کر دیا [290]

چونکہ جماعت احمدیہ کا سیاسی مسلک ابتداء سے یہی رہا ہے کہ کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہئے جو ملکی امن کو برباد کرنے والی ہو اس لئے حضرت خلیفہ ثانی نے اس زمانے میں اپنی جماعت کو پے در پے نصیحت فرمائی کہ وہ ہر قسم کی امن شکن تحریک اور قانون شکنی کے طریق سے کلی طور پر مجتنب رہے [291]۔ چنانچہ جماعت احمدیہ نے ان خطرناک ایام میں قیام امن کے لئے ہر ممکن جدوجہد سے کام لیا۔ حتیٰ کہ حکومت کے ایک پریس کمیونک میں کھلے طور پر تسلیم کیا گیا کہ جماعت احمدیہ نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر اپنے امام کی ہدایات پر عمل کیا ہے [292]۔

جہاں تک فوجی حکومت کی تشدد آمیز پالیسی کا تعلق ہے حضرت خلیفہ ثانی نے اسے وحشیانہ اور ظالمانہ قرار دیتے ہوئے فرمایا۔ "اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ رینگ کر چلنے کا حکم ایسا وحشیانہ اور ظالمانہ ہے کہ کوئی شخص بھی اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ اور اس کے خلاف اگر ہندوستان کو غصہ پیدا ہو تو یہ کوئی تعجب کا مقام نہیں۔ اسی طرح جلیانوالہ باغ کے واقعہ میں بھی جس سختی سے کام لیا گیا ہے۔ وہ نہایت ہی قابل افسوس ہے اور جنرل ڈائر کا یہ قول کہ وہ اس لئے گولیاں چلاتے گئے تا ملک کے

دوسرے حصہ پر اثر ہو اور بغاوت فرو ہو جائے۔ ان کے مجرم ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اور کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں۔ یہ بیان کہ جنرل ڈائر کا فعل اجتہادی غلطی ہے درست نہیں کیونکہ اجتہادی غلطی وہ ہوتی ہے کہ جس کا وقوع ایسے حالات میں ہو کہ اس کام کے کرنے یا نہ کرنے دونوں کے دلائل موجود ہوں لیکن اس جماعت پر گولیاں چلانا جو ہتھیار ڈال چکی ہو اور اپنے عمل سے اپنی غلطی کا اقرار کر رہی ہو خود میدان جنگ میں بھی جائز نہیں" [۲۹۳]۔

حضور نے اس کے ساتھ ہی ہندوستانیوں کو بھی نصیحت فرمائی کہ اگر قانون شکنی کی روح کو اس طرح پیدا کیا گیا تو اس کا کیا نتیجہ نکلے گا اور کیا آئندہ جب ہندوستان کو حکومت خود اختیاری ملے گی تو ہم میں سے بعض کا یہ فعل اس حکومت کے انتظام میں خلل ڈالنے والا نہ ہو گا اور آئندہ نسلیں یہ نہیں سمجھیں گی کہ حکومت کے قوانین کو توڑنے میں کوئی حرج نہیں؟ یاد رکھیں وہی ملک ترقی کر سکتا ہے جس میں قانون کے احترام کا مادہ ہو [۲۹۴]۔

مگر افسوس مسٹر گاندھی اور ان کے ساتھیوں نے جو اس تحریک کے علمبردار تھے اس وقت اس اہم نصیحت کو لائق التفات خیال نہیں کیا۔ لیکن ملکی آزادی کے بعد وہی ہوا جو حضور نے فرمایا تھا اور برصغیر پاک و ہند کو جس رنگ میں مسلسل اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا اور پڑ رہا ہے اور آئے دن ایک ہی ملک کے باشندے اپنے ہم وطنوں اور اپنی ملکی حکومتوں کے خلاف قانون شکنی کے مظاہرے کرتے آ رہے ہیں وہ تاریخ کا ایک کھلا ورق ہے۔ یہ واقعات جو یکے بعد دیگرے آتے چلے جا رہے ہیں۔ اتفاقی حادثات نہیں بلکہ قانون شکنی کی اس باقاعدہ ٹریننگ کے ہولناک نتائج ہیں۔ جو یہ اصحاب غیر ملکی حکومت کے زمانے میں برابر دیتے آ رہے تھے۔

علماء دیوبند کا مباہلہ سے گریز

حضرت خلیفتہ المسیح ثانی نے خواجہ حسن نظامی صاحب کو دعوت مباہلہ کے موقعہ پر یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ "اگر علمائے دیوبند یا علمائے فرنگی محل مباہلہ کے لئے تیار ہوں تو میں........ صرف ان کی تحریر پر ان سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں" [۲۹۵]۔ اس کے بعد قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل اور خواجہ غلام نبی صاحب بلانوی نے علماء کو توجہ دلائی کہ حضرت خلیفتہ المسیح کی دعوت کیوں قبول نہیں کرتے اور ساتھ ہی حضور کی طرف سے شرائط مباہلہ کا بھی اعلان کر دیا [۲۹۶]۔ اور انتہائی کوشش کی کہ وہ اس آخری فیصلہ کی طرف رجوع کریں [۲۹۷]۔ علمائے دیوبند نے پوچھا کہ مباہلہ کا نتیجہ کس رنگ میں ظاہر ہو گا۔ اس طرف سے لکھا گیا کہ "ہمارے نزدیک مباہلہ کے نتیجہ میں سنت رسول کریم ﷺ .... سے کسی خاص قسم کے عذاب کی تعیین نہیں ہوتی۔ ہاں وہ عذاب ایسا ہو گا جس میں فریق مخالف کے کسی منصوبہ کا دخل نہ ہو گا

......اب علمائے دیوبند کا فرض ہے کہ جو کچھ آثار مباہلہ سمجھتے ہیں ان کی تعیین کر دیں"[۴۹۸]۔ اس جواب پر دیوبندی علماء کے لبوں پر مہر سکوت لگ گئی۔

تحریک خلافت کا آغاز اور حضرت خلیفہ ثانی کی بروقت رہنمائی

پہلی جنگ عظیم میں اتحادیوں نے ترکی کی شان و شوکت خاک میں ملادی تھی۔ گو ابھی صلح کے شرائط طے نہیں ہوئے تھے مگر اس کا مستقبل صاف صاف مخدوش نظر آرہا تھا۔ جس سے مسلمانان ہند کو از حد تشویش تھی۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ۳۱/ ستمبر ۱۹۱۹ء کو لکھنؤ میں ایک آل انڈیا مسلم کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ جس میں حکومت کے خلاف منظم طریقہ سے صدائے احتجاج بلند کرنے کی تجویز زیر غور آئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو بھی اس کانفرنس میں خاص طور پر دعوت دی گئی۔ گو حضور اپنی ناسازی طبیعت اور بعض دوسری وجوہ کی بناء پر تشریف نہ لے جاسکے۔ مگر آپ نے اپنے قلم سے مسئلہ ترکی کے بارے میں ایک مفصل مضمون کانفرنس میں بھجوایا جو "ترکی کے مستقبل اور مسلمانوں کا فرض" کے نام سے کتابی صورت میں چھپ گیا[۴۹۹]

اس مضمون میں حضور نے اس موقعہ کو نازک قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اسلام کی ظاہری شان و شوکت سخت خطرے میں ہے اور پورا یقین دلایا کہ "جماعت احمدیہ ترکوں کی سلطنت سے ہر طرح ہمدردی رکھتی ہے کیونکہ باوجود اختلاف عقیدہ رکھنے کے ان کی ترقی سے اسلام کے نام کی عظمت ہے" اور پھر اسی پر اکتفانہ کرکے ترکی کے مستقبل کو آئندہ خطرات سے محفوظ کرنے کے لئے نہایت مدبرانہ رنگ میں ایک متوازاقابل عمل اور ٹھوس اور مؤثر سکیم تجویز فرمائی۔ اس سکیم میں خاص طور پر آپ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ ترکوں کے مستقبل کے بارے میں جن طاقتوں کو فیصلہ کرنا ہے ان میں صرف برطانیہ ہی ایک ایسی طاقت ہے جو اگرچہ مسلمان نہیں کہ وہ مذہباً ترکوں کی ہمدرد ہو لیکن وہ اپنی مسلمان رعایا کے جذبات و احساسات کی وجہ سے کسی حد تک مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتی ہے جیسا کہ حکومت حجاز کا نیم سرکاری اخبار "قبلہ" کئی دفعہ اقرار کر چکا ہے۔ پس ہمیں برطانیہ پر اور زیادہ زور دینا چاہئے کہ ترکی کو دوسری حکومتوں کے سپرد نہ کیا جائے[۵۰۰]

گورنر پنجاب کی خدمت میں ایڈریس

سر ایڈورڈ میکلیگن گورنر پنجاب کی خدمت میں ان کی لاہور میں آمد پر مختلف مسلمان فرقوں کی طرف سے ۳ دسمبر ۱۹۱۹ء کو خوش آمدید کے ایڈریس پیش کئے گئے۔ حضرت خلیفہ ثانی کی زیر ہدایت اسی دن صوبہ پنجاب کے احمدیوں کی طرف سے اکاون سربر آوردہ اصحاب پر مشتمل ایک وفد

گورنر پنجاب کی خدمت میں پہنچا اور ان کی طرف سے چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب نے خیر مقدم کا ایڈریس پیش کیا جس میں علاوہ اور امور کے یہ بھی کہا کہ "جناب عالی! ہم سے پہلے مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کا ایڈریس بھی جناب کی خدمت میں پڑھا گیا ہے اور ان میں دو امور کی طرف جناب کو توجہ دلائی گئی ہے۔ ایک مسئلہ مستقبل ٹرکی اور ایک مسلمانوں کی تعلیم کا سوال ہم اس موقع پر ان دونوں سوالات کے متعلق کہنا چاہتے ہیں ہم آخر الذکر مسئلہ کے متعلق تو ان کے خیالات سے بکلی متفق ہیں لیکن اول الذکر مسئلہ کے متعلق ہمارے اور ان کے نقطہ خیال میں کچھ فرق ہے......... ہم اپنے مذہبی نقطہ خیال سے اس امر کے پابند ہیں کہ اس شخص کو اپنا مذہبی پیشوا سمجھیں جو حضرت مسیح موعود کا جانشین ہو اور دنیاوی لحاظ سے اسی کو اپنا سلطان و بادشاہ یقین کریں جس کی حکومت کے نیچے ہم رہتے ہوں......... ترکی حکومت سے ہماری ہمدردی اس بناء پر ہے کہ وہ اسلام کے نام میں ہمارے شریک ہیں۔ اور ان کی حکومت کا زوال اسلام کی ظاہری شان و شوکت کے لئے ایک صدمہ ہے" ۵۰۱

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں بعض جوانوں کو خاص خاص مذاہب کی ریسرچ کے لئے ارشاد فرمایا۔ مثلاً ہندو مذہب کے لئے (مہاشہ) ملک فضل حسین صاحب۔ چوہدری عبدالسلام صاحب کاٹھ گڑھی کو سکھ مذہب کے لئے۔ مولوی رحمت علی صاحب (مبلغ انڈونیشیا) شیخ محمود احمد صاحب عرفانی اور عیسائی مذہب کی تحقیق کے لئے شیخ (حکیم) فضل الرحمٰن صاحب مقرر ہوئے ۵۰۲۔ ان حضرات میں سے مولوی رحمت علی صاحب اور شیخ فضل الرحمٰن صاحب اور شیخ محمود احمد صاحب عرفانی نے آگے چل کر بالترتیب انڈونیشیا۔ افریقہ اور مصر میں سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت کے لئے بڑی قابل قدر خدمات سرانجام دیں اور ملک فضل حسین صاحب نے اندرون ملک میں ہندو مذہب کے ردّ اور اسلام کی تائید میں شاندار لٹریچر پیدا کیا۔ چوہدری عبدالسلام صاحب کاٹھ گڑھی نے تحریک شدھی ملکانہ میں ہندو دھرم کے رد میں سرگرم حصہ لیا۔

"تقدیر الٰہی"

حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹۱۹ء کے سالانہ جلسہ میں تین تقریریں فرمائیں جن میں ایک تقریر "تقدیر الٰہی" کے اہم اور نازک موضوع پر تھی۔ "مسئلہ تقدیر" پر ایمان کی ضرورت و حقیقت۔ تقدیر و تدبر۔ تقدیر عام اور تقدیر خاص کے پہلوؤں پر سیر حاصل روشنی ڈالی۔ اور تقدیر سے متعلق شبہات کا پوری طرح ازالہ فرمایا۔ یہ علم و معرفت سے لبریز تقریر بعد کو "تقدیر الٰہی" ہی کے نام سے شائع ہوگئی ۵۰۳۔

۱۹۱۹ء کے متفرق مگر اہم واقعات

۱۔ حضرت خان عبداللہ خان صاحب کے مشکوئے معلیٰ میں طیبہ آمنہ بیگم صاحبہ تولد ہوئیں ۵۰۴۔

۲- بزرگوں کی وفات: مندرجہ ذیل بزرگ صحابہ داغ مفارقت دے گئے۔ حافظ معین الدین صاحبؓ۔ حضرت شیخ حامد علی صاحبؓ۔ حضرت منشی محمد اروڑے خان صاحبؓ کپورتھلوی۔ حضرت مولوی عظیم اللہ صاحبؓ نابھہ۔

۳- اس سال قادیان سے دو نئے رسائل جاری ہوئے۔ (۱) "اتالیق" [۵۰۵] (بچوں کا رسالہ ایڈیٹر ماسٹر احمد حسین صاحب مرحوم فرید آبادی) (۲) "رفیق حیات" [۵۰۶] (طبی رسالہ۔ ایڈیٹر حکیم عطا محمد صاحبؓ مرحوم)

۴- حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد پر قادیان میں احمدی یتیم بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے لئے وسط ۱۹۱۹ء میں احمدیہ یتیم خانہ قائم کیا گیا اور اس کے افسر حضرت میر قاسم علی صاحب مقرر ہوئے [۵۰۷]۔

۵- مشہور مباحثہ: مباحثہ بمبئی [۵۰۸] (مولوی حکیم خلیل احمد صاحب مونگیری اور مہاشہ رام چندر کے درمیان) مباحثہ قادیان (حضرت حافظ روشن علی صاحب و حضرت میر محمد اسحٰق صاحب اور غیر مبائع میر محمد مدثر شاہ صاحب کے مابین [۵۰۹]) مباحثہ شموگہ میسور (مولوی حکیم خلیل احمد صاحب مونگیری اور مولوی سید عبدالکریم صاحب کے مابین [۵۱۰]) مباحثہ ڈریانوالہ ضلع سیالکوٹ [۵۱۱] (حضرت حافظ روشن علی صاحب اور پیر جماعت علی شاہ صاحب کے خلیفہ مولوی غلام احمد صاحب اخگر کے مابین)

۶- علمائے سلسلہ کی نئی مطبوعات: ''براہین العقائد'' (مضامین حضرت میر محمد اسحٰق صاحب۔ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ۔ حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل) "تنویر الابصار" (از حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل) "بابا نانک کا مذہب" (از شیخ محمد یوسف صاحب) "نعم الوکیل" "جماعت مبایعین کے عقائد صحیحہ" (از مولوی فضل الدین صاحب وکیل۔)

حواشی

۱۔ الفضل ۲۱/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۲۔۳ بعنوان کلمات طیبات۔
۲۔ الحکم ۲۱/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۳ کالم ۳۔ الفضل ۱۸/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۳۔
۳۔ برکات خلافت طبع اول صفحہ ۶۔
۴۔ الفضل ۱۱/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۶۔ حقیقۃ الرویاء صفحہ ۹۶۔۹۷ (از حضرت خلیفہ ثانی)
۵۔ الفضل ۲۵/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۵۔
۶۔ الفضل ۲۵/ مارچ ۱۹۱۴ء کالم ۲۔
۷۔ الفضل ۲۵/ مارچ ۱۹۱۴ء کالم ۳ و صفحہ ۶ کالم ۱۔ حضرت قاضی صاحب کو تو حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں حضرت خلیفہ ثانی کی خلافت کا علم دیا گیا۔
۸۔ الفضل ۳۰/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۱ کالم ۲۔۳۔
۹۔ الفضل ۳۰/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۱ کالم ۲۔۳۔
۱۰۔ الفضل ۳۰/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۲۔
۱۱۔ الفضل ۳۰/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۲۔
۱۲۔ انہیں تو جنگ مقدس کے دوران میں حضرت خلیفہ اول اور حضرت خلیفہ ثانی کے خلیفہ ہونے کے بارے میں خواب آیا تھا۔ (الفضل ۸/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۴ کالم ۱۔۲۔)
۱۳۔ الفضل ۱۵/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۶۔
۱۴۔ بشارات رحمانیہ حصہ اول صفحہ ۲۵۵۔
۱۵۔ آپ کے لطیف کشف کے لئے ملاحظہ ہو فاروق یکم فروری ۱۹۱۷ء صفحہ ۷۔
۱۶۔ رسالہ فرقان قادیان مئی و جون ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۹، ۲۰۔ حکیم مرہم عیسیٰ صاحبؓ کا بیان ہے کہ "حضرت مسیح موعودؑ کی قبر شق ہو کر حضرت امام آخر الزمانؑ اس میں سے باہر سینے تک کھڑے ہو گئے ہیں مگر شکل حضور مسیح موعودؑ کی اس وقت بالکل حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی تھی۔ یہ خواب والدم بزرگوار نے حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے سامنے قادیان میں ایک مجلس میں سنائی تھی اور اس کی تعبیر بھی پوچھی تھی تو حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے یہی جواب دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ علوم ظاہری و باطنی کی جامعیت حضرت فضل عمر بشیر الدین محمود احمد صاحب کو ہی عطا فرمائے گا"۔
۱۷۔ الفضل ۲۳ مئی ۱۹۱۳ء صفحہ ۷۔۸۔ آپ کی خواب کی تعبیر میں حضرت خلیفہ اولؓ نے تحریر فرمایا "خواب بہت عمدہ ہے اور تعبیر بھی صحیح ہے اور انشاء اللہ اسی طرح پوری ہوگی"۔
۱۸۔ اخبار نور ۲۴/ ۱۷ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۶ کالم ۳۔
۱۹۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ۶ صفحہ ۷۵ و مرکز احمدیت قادیان صفحہ ۳۳۱ (از محمود احمد عرفانی مرحوم)
۲۰۔ تابعین اصحاب احمد حصہ اول صفحہ ۱۹۔ آپ کو خلافت محمود کی آٹھ روز پہلے ہی کشفاً اطلاع مل گئی تھی۔
۲۱۔ منشی صاحب مرحوم کی بیٹی صادقہ بیگم صاحبہ (اہلیہ برکت علی صاحب پریذیڈنٹ راجن پور ضلع ڈیرہ غازی خاں) کا بیان ہے کہ ہم نے اپنے ابا جان سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ پیغامی عمائدین سے آپ کے گہرے تعلقات تھے پھر آپ نے خلافت ثانیہ کی بیعت کیسے کر لی؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے خلیفہ اولؓ کے اوائل زمانہ خلافت میں یہ رؤیا ہوئی کہ "حضرت مسیح موعودؑ مسجد اقصیٰ میں تشریف فرما ہیں حضور کے اور بھی خدام کافی تعداد میں موجود ہیں حضورؑ نے فرمایا کہ بیعت کر لو۔ میں نے دوسرے دوستوں کے ساتھ بیعت کرنے کے بعد عرض کیا کہ حضور یہ تو ایک بچے کا ہاتھ ہے حضور نے فرمایا کہ یہ محمود ہے" ابا جان فرمایا کرتے تھے کہ

میں نے حضور کے فرمان پر اس وقت سے بیعت کرلی تھی۔ جب محمود بچہ تھے پھر جب خدا نے ان کو خلیفہ بنادیا تو میں کیسے پیغامی دوستوں کے ساتھ رہ سکتا تھا۔ (ملخص از مکتوب چوہدری برکت علی صاحب بنام مولف کتاب مورخہ ۶۴/۴/۱۱)

۲۲۔ روئداد جلسہ جوبلی صفحہ ۹۔

۲۳۔ الفضل ۱۶/ مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۸ کالم ۱۔۲۔

۲۴۔ الفضل یکم اگست ۱۹۱۵ء صفحہ ۷ کالم ۳۔ الفضل ۲۸/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۸ میں ان کی خواب درج ہے افسوس اپنی عمر کے آخر میں یہ غیر مبایعین میں شامل ہوگئے۔

۲۵۔ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے آرگن روح اسلام جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۵ پر لکھا ہے کہ ۲۷/ مئی ۱۹۰۸ء کی شب کو تہجد میں دعا کر رہے تھے تو خیال آیا کہ حضرت مولوی نور الدین صاحب کے بعد کون خلیفہ ہوگا اور آواز آئی بشیر الدین محمود۔ اس خواب سے تین باتیں بالکل واضح ہیں۔ اول حضرت مسیح موعودؑ کے صحابہ کا یہی عقیدہ تھا کہ خلافت کا سلسلہ جاری رہے گا ورنہ اگر انجمن ہی اصل جانشین ہے تو اس دعا کی انہیں ضرورت ہی کیا تھی۔ دوم خدا تعالیٰ کی نگاہ میں شخصی خلافت کا سلسلہ انجمن کے باوجود جاری رہنا مقدر ہے۔ سوم دوسرے خلیفہ بشیر الدین محمود ہوں گے۔ افسوس ان واضح حقائق کے منکشف ہونے پر بھی شاہ صاحب نے انجمن والوں سے وابستگی اختیار کرلی اور وجہ یہ بتائی کہ اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ مگروہ آتے ہی مرتدع ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں یہ فقرہ خود حضرت خلیفہ ثانی کی تائید میں ہے۔ کیونکہ لغت میں مرتدع کے معنے ممسوح ہونے اور نشانہ ٹھیک نہ لگنے کے ہیں۔ پہلے معنے کی رو سے بتایا گیا تھا۔ کہ حضور رضائے الٰہی کے عطر سے آتے ہی ممسوح ہوں گے۔ یعنی مصلح موعود کی صفات کے حامل ہوں گے۔ دوسرے معنی کے اعتبار سے اس میں یہ خبر دی گئی تھی کہ باوجودیکہ آپ رات کے تیروں (یعنی دعاؤں) سے جماعت کو متحد رکھنے کی کوشش کریں گے۔ مگر آپ کو اس میں کامیابی نہ ہوگی۔ اس کے مقابل پر شاہ صاحب نے یہ توجیہہ کی کہ عقائد میں فتور آجائے گا۔ حالانکہ آتے ہی کا لفظ بتاتا ہے۔ کہ مرتدع ہونے کی صورت قیام خلافت کے بعد ہوگی۔ مگر مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء کا تو کہنا یہ ہے کہ حضرت میاں صاحب کے عقائد خلیفہ بننے سے پہلے ہی بگڑ چکے تھے۔ اس لئے بیعت سے کنارہ کش ہوگئے۔ پھر یہ بات عقلاً بھی قابل تسلیم نہیں کہ کوئی خلیفہ آتے ہی گمراہ ہو جائے۔

۲۶۔ الفضل ۱۸/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۳۔ ایضاً الحق دہلی ۱۹۱۴ء۔

۲۷۔ پیغام صلح ۱۰/ جون ۱۹۱۵ء صفحہ ۴۔

۲۸۔ بیان مولوی محمد عثمان صاحب امیر جماعت احمدیہ ڈیرہ غازی خاں و الفضل یکم اپریل ۱۹۱۵ء صفحہ ۱۔

۲۹۔ الفضل ۶/ مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

۳۰۔ مسٹر محمد عبد اللہ کا حضرت خلیفہ اول کے نام مکتوب بدر ۲۳/ اکتوبر ۱۹۱۳ء میں شائع شدہ ہے۔ الفضل ۱۳/ مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۲۳ کالم ۳

۳۱۔ فرقان سالانہ نمبر نومبر۔ دسمبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۴۴۔۴۵۔

۳۲۔ بیعت کے علاوہ بھی ہر نماز کے بعد اور دوسرے وقتوں میں بھی کئی دن تک بیعتیں ہوتی رہیں۔ پہلے روز ۳۶۰ عورتوں کی بیعت ہوئی جن میں حضرت ام المومنینؓ اور حضرت اماں جی بھی شامل تھیں۔ (الفضل ۱۸/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۳)

۳۳۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے اندازہ کی رو سے صرف پچاس کے قریب آدمی ہوں گے جو بیعت سے باز رہے (آئینہ صداقت صفحہ ۱۹۱) جناب مولوی محمد علی صاحب نے انحراف خلافت کی یہ عجیب توجیہہ فرمائی کہ "حضرت مولوی صاحب مرحوم (مراد خلیفہ اول۔ ناقل)...... وصیت کی رو سے نہیں بلکہ قوم کے اتفاق سے خلیفۃ المسیح کہلائے...... اب جب قوم کا اتفاق نہیں رہا تو خلافت کا خاتمہ ہوگیا"۔ (الوصیت شائع کردہ مولوی محمد علی صاحب اگست ۱۹۱۴ء صفحہ ج) علاوہ ازیں پیغام صلح میں شائع ہوا۔ اب آئندہ کے واسطے اس سلسلہ خلافت کا رواج دینا ہی ایک بہت خطرناک ہے۔ (پیغام صلح ۲۹/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۴)

۳۴۔ انہی کی نسبت جناب مرزا محمد یعقوب بیگ صاحب نے ابتداء میں ہی لکھا تھا۔ فی الحقیقت حضرت مولوی محمد علی صاحب سے بڑھ کر منصب صدارت و خلافت کے لئے اور کوئی موزوں نام نہ تھا۔ (سالانہ رپورٹ انجمن اشاعت اسلام لاہور حصہ اول۔ دوم صفحہ ۴) اور دعویٰ کیا کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی آواز گویا کہ خدا کی آواز ہے اور اس کے رسول کی آواز ہے اور اس کے

خلیفہ برحق حضرت مسیح موعودؑ کی آواز ہے۔ یہ ضرور کامیاب ہو کر رہے گا اور جماعت احمدیہ کا بہترین حصہ جو اپنے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل اور دل میں تقویٰ اللہ اور خشیت اللہ رکھتا ہے ضرور اس مرد میدان کے ساتھ ہو جاوے گا اور آخر کار یہ شخص کامیاب ہو کر رہے گا"۔ (ایضاً صفحہ ۱۲)

۳۵۔ ابتدائے خلافت میں فتنہ کو فرد کرنے کے لئے قلمی خدمات سرانجام دینے والے ممتاز بزرگ۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ۔ حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ۔ حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ۔ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ حلالپوری۔ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحبؓ۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ۔ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحبؓ۔ حضرت میر قاسم علی صاحبؓ۔ حضرت میاں محمد سعید سعدیؓ۔ حضرت محمد حسن صاحبؓ آسان دہلوی رضی اللہ عنہم اور حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل۔

۳۶۔ اس سلسلہ میں حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ۔ حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحبؓ۔ حضرت بھائی عبدالرحیم صاحبؓ کو پشاور۔ لدھیانہ۔ سیالکوٹ اور شملہ وغیرہ مقامات کی طرف بھجوایا گیا۔ ان حضرات کے علاوہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب ؓ۔ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ حضرت شیخ غلام احمد صاحب واعظ۔ حضرت ماسٹر محمد دین صاحب۔ مسٹر مبارک اسمٰعیل صاحب نے بھی وعظ و تلقین کے لئے سفر کئے مؤخر الذکر دو حضرات سیالکوٹ گئے تھے۔ (الفضل ۲۱/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۷ کالم ۳ و الفضل کیم اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۲۔ و الفضل ۸/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱) لاہور میں جو اس فتنے کا اصل مرکز تھا حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی بھجوائے گئے۔ (الفضل ۶/ مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۳) ۔ انہوں نے مبارک منزل احاطہ چراغ دین میں اپنا مرکز قائم کر لیا۔ (یاد رہے کہ خلافت ثانیہ کے شروع سے ہی غیر مبائع زعماء نے ملک میں طوفانی دورے کرنے شروع کر دیئے تھے۔ (مجاہد کبیر صفحہ ۱۲۵) (ایضاً الفضل کیم اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱)

۳۷۔ چنانچہ ان حضرات کو سرتوڑ کوشش کے بعد بالآخر اقرار کرنا پڑا "سوائے معدودے چند اشخاص کے میاں صاحب کے ساتھ ساری جماعت تھی"۔ (پیغام صلح ۲۳/ مارچ ۱۹۳۷ء صفحہ ۶ کالم ۳) اپنی ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ بھی لکھا کہ میاں صاحب اگر حضرت مسیح موعودؑ کے بیٹے نہ ہوتے اور قادیان مرکز نہ ہوتا اور کوئی مبہم پیشگوئی ...... اور انصار اللہ پارٹی ان کی پشت پر نہ ہوتی تو پھر ہم دیکھ لیتے کہ میاں صاحب اپنے عقائد باطلہ کے ساتھ کس طرح کامیاب ہو جاتے" (ایضاً) بنا بنایا کام بنی بنائی جماعت بنی بنائی قومی جائیدادیں اسکول بورڈنگ روپیہ خزانہ سبھی کچھ بنا بنایا مل گیا۔ قادیان کا مرکز اور مسیح موعود کا بیٹا ہونا کام بنا گیا قادیان کی گدی نہ ہوتی مسیح موعود کا بیٹا نہ ہوتے اور کہیں باہر جا کر میاں محمود احمد صاحب اپنے عقیدہ ...... کو پھیلا کر دکھاتے اور پھر نئے سرے سے جماعت بنتی۔ اور ترقی کرتی تو کچھ بات تھی۔ (پیغام صلح ۱۵/ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۹ کالم ۳) خدا کی شان ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد حضرت امیر المومنین نے ربوہ میں عظیم الشان شہر بسا کر بتا دیا کہ خلافت ثانیہ کا قیام محض خدا تعالیٰ کی ازلی مشیت کے تحت عمل میں آیا تھا نہ کہ کسی سازش یا قادیان کے بنے بنائے انتظام کے بل بوتے پر!!

۳۸۔ مثلاً پٹیالہ میں ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب۔ دوالمیال میں مولوی کرم داد صاحب لکھنؤ میں مرزا کبیر الدین صاحب اور سرگودھا و لائلپور کے علاقہ میں مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری نے فتنہ کے اثرات زائل کرنے میں خوب کام کیا۔

۳۹۔ اس حقیقت کے ثبوت میں صرف چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ "ایک غیر معصوم انسان کو جو ابھی رشد کی عمر کو بھی نہیں پہنچا اپنا پیر اور رہبر بنا لیا"۔ (المہدی نمبر ۲ صفحہ ۳۵) "اب وہ پچیس سال کے نوعمر جوان کے غلام ہیں۔ کیونکہ وہ موجودہ خلیفہ صاحبزادہ صاحب کے ساتھ کامل اطاعت کی بیعت کر چکے ہیں پس وہ ایک گونہ ایک بچے کے دائمی غلام بن گئے"۔ (پیغام صلح ۱۶/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۲ کالم ۲) "یہ ہے وہ ہٹ کا پکا اولوالہٹ جس کو غلطی سے اولوالعزم پکارا جاتا ہے"۔ (رسالہ انکشاف حقیقت صفحہ ۴۹) "ہم بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت صاحب کے خاندان اور ان کے بعض متعلقاروں کا گزارہ اسی قسم کا ہے کہ ان کی جائداد کی آمدنی اس کے واسطے کافی نہیں ہے اور نوکری وغیرہ تو انہوں نے نہیں کی ہے کہ باہر سے کوئی اور سبیل گزارہ کا نکال دیوے پس لاچاراً اسی آمدنی سے گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ جو سلسلہ کی طرف سے جاری ہے ...... اور یہ ساری ضروریات اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتیں تاوقتیکہ حضرت صاحب کے مریدان کو نذرانہ مقررہ طور پر نہ دیویں۔ پس اگر صاحبزادہ صاحب ان کفر و فسق کے فتووں سے باز آجاویں ...... تو ہم ...... ان کے گزارے کے واسطے ایک مستقل صورت قائم کرنے کے واسطے تیار ہیں"۔ (ٹریکٹ احمدی

قوم کی خدمت میں اپیل صفحہ ۶-۷-از عجب خان صاحب پاڑاچنار)
اس ضمن میں پیغام صلح ۱۶/ مئی ۱۹۱۵ء صفحہ ۴ کالم ا کی یہ عبارت بھی ملاحظہ ہو۔ صاحبزادہ صاحب کے مریدین کو حضرت مولوی محمد علی صاحب کو خلیفتہ المسیح ماننے میں کیا عذر ہے......... جہاں تک ہم خیال کر سکتے ہیں صاحبزادہ صاحب کو فقط یہی فوقیت ہے کہ وہ جسمانی طور پر ولد مسیح موعود ہیں ورنہ حضرت مولوی صاحب ممدوح حضرت مسیح موعودؑ کے سلسلہ مبارکہ کی خدمت اس وقت سے کر رہے ہیں جب کہ صاحبزادہ صاحب کے دودھ کے دانت بھی ابھی نہ نکلے تھے"۔

۴۰۔ چنانچہ جناب مولوی صدر الدین صاحب ۱۶/ اپریل ۱۹۱۴ء کو اور جناب مولوی محمد علی صاحب ۲۰/ اپریل ۱۹۱۴ء کو قادیان چھوڑ کر چلے آئے۔ (پیغام صلح ۲۱/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ او مجاہد کبیر صفحہ ۱۲۴) الفضل میں ان کے جانے پر یہ خبر شائع ہوئی۔ "صدر انجمن کے اجلاس میں مولوی محمد علی صاحب کو ۱/۲ ۴ ماہ کی رخصت با تنخواہ بحساب دو سو سولہ روپے ماہوار ملی ماسٹر صدر الدین صاحب کو ایک ماہ کی رخصت ملی با تنخواہ حساب ایک سو پچھتر روپیہ ماہوار اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جب آپ پھر آنے کا ارادہ نہیں رکھتے تو رخصت با تنخواہ لینے کے کیا معنے"۔ (الفضل ۲۹/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ا کالم ۱-۲)

۴۱۔ لکھا ہے "ہمارے دوستوں نے ملزم کیا کہ تم نے یہ بھاری غلطی کی جو قادیان کو چھوڑ کر آئے ہم نے اس کی ہمیشہ یہی وجہ پیش کی کہ فساد سے بچنے کے لئے ہم نے قادیان کو چھوڑ دیا"۔ (پیغام صلح یکم نومبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۲)

۴۲۔ جناب مولوی محمد علی صاحب نے انہی دنوں اقرار کیا تھا۔ سیکرٹری ان کا مرید محاسب ان کا مرید ناظران کا مرید خود وہ اس کے میر مجلس پندرہ ممبروں میں سے نو ان کے مرید وہ جس طرح چاہتے اس انجمن سے کام لے سکتے تھے۔ (پیغام صلح ۵/ مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ا کالم ۳۔)

۴۳۔ آپ نے بیعت خلافت پر ایک مفصل مکتوب حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بھی لکھا تھا۔ جو الفضل ۸/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۲۴ پر طبع شدہ ہے۔

۴۴۔ اس تعلق میں پیغام صلح (۲۱/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ا کالم ۳) کا یہ اعلان ملاحظہ ہو۔ انجمن برائے نام ایک چیز رہ گئی ہے جو پیر کے ہر ایک حکم کی تعمیل کرنے والی ہوگی ہمارے نزدیک یہ تمام کارروائیاں سلسلہ کے انتظام کو بیخ و بن سے اکھاڑنے والی ہیں اور تھوڑے دنوں میں یہ مردہ انجمن جو اب پیر کے ہاتھ میں کام کرانے کا ایک آلہ ہو گا خود بخود مر جائے گی للذا ہم اپنے احباب کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ کسی قسم کا روپیہ قادیان نہ بھیجیں۔

۴۵۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف طور پر الوصیت میں تحریر فرمایا تھا کہ یہ ضروری ہو گا کہ مقام اس انجمن کا ہمیشہ قادیان رہے کیونکہ خدا نے اس مقام کو برکت دی ہے۔ مگر ان لوگوں نے اس بابرکت مقام سے ابدی انقطاع کر لیا۔ اور لاہور کو مدینۃ المسیح لکھنا شروع کر دیا۔ (پیغام صلح ۲۸/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۲) پیسہ اخبار لاہور نے لکھا۔ میں کسی کا طرفدار نہیں........ لاہور کی جماعت نے جواب اختلاف خلافت کے بعد لاہور کو کھینچ تان کر مدینۃ المسیح بنایا ہے۔ اگر ان کا لاہور کے مدینۃ المسیح ہونے کی نسبت پہلے سے اعتقاد تھا تو پیغام صلح بھی اب بہت عرصہ سے نکلتا ہے اس میں اس سے پہلے اس امر کو کیوں ظاہر نہ کیا گیا۔ (پیسہ اخبار بحوالہ الفضل ۲۳/ مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۲ کالم ۲-۳۔)

۴۶۔ جناب مولوی محمد علی صاحب ابھی قادیان میں ہی تھے کہ انہوں نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کے ملازم ہونے کے باوجود اس نئی انجمن کی تشکیل میں سب سے نمایاں حصہ لیا۔ اور پیغام صلح ۲/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۸ پر اس کا اعلان بھی کر دیا۔

۴۷۔ صدر انجمن احمدیہ کے ریکارڈ سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہوتی ہے کہ فروری ۱۹۱۴ء کے گوشوارہ کے مطابق انجمن کے تمام ضروری شعبے مثلاً مدرسہ، مقبرہ بہشتی، تعمیر اور بیت المال وغیرہ سب مقروض ہو چکے تھے۔ سید محمد حسین شاہ صاحب نے پیغام صلح (۱۶/ جون ۱۹۱۴ء صفحہ ۳ کالم ۳) پر خزانہ کے خالی ہونے کا بایں الفاظ اقرار کیا۔ میاں صاحب نے چندوں کی تحریک اپنے متعلق کر کے انجمن کو ان مشکلات میں ڈالا ہوا ہے کہ اس کا خزانہ خالی ہے۔ الخ۔

۴۸۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۴۲-۳۴۷ سے معمولی تصرف کے ساتھ ماخوذ (مؤلفہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ)

۴۹۔ پیغام صلح ۱۶/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ الف کالم ا۔

۵۰۔ پیغام صلح ۲۴/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ج کالم ا۔
۵۱۔ پیغام صلح ۲۷/ جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۶ کالم ۲۔
۵۲۔ مجدد کامل (از خواجہ کمال الدین صاحب) مطبوعہ دسمبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۲۵۔
۵۳۔ پیغام صلح ۲۷/ جنوری ۱۹۳۱ء مولوی محمد علی صاحب کے مضمون کے چند فقرات یہ تھے۔ "جو چند دوستوں میں تبلیغ کے طریق کار کے متعلق اختلاف تھا۔ اسے کتاب میں لانا اور پھر بعض جگہ نامناسب الفاظ میں انجمن اور اس کے کاموں کی طرف اشارہ کرنا بہت احباب کے لئے رنج کا موجب ہوا ہے۔ (صفحہ ۶ کالم ا)
۵۴۔ پیغام صلح ۱۲/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۳ کالم ا، مجاہد کبیر صفحہ ۴۱۔
۵۵۔ مجاہد کبیر صفحہ ۱۳۳ (بحوالہ رسالہ میاں محمد صاحب کی کھلی چٹھی کے جواب کا تتمہ از ناظر اصلاح وارشاد ربوہ)
۵۶۔ بحوالہ میاں محمد صاحب کی کھلی چٹھی کے جواب کا تتمہ۔ صفحہ ۱۵-۱۷۔
۵۷۔ بحوالہ میاں محمد صاحب کی کھلی چٹھی کے جواب کا تتمہ صفحہ ۱۶-۱۷۔
۵۸۔ ایضاً صفحہ ۲۶-۲۸ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو مجاہد کبیر صفحہ ۳۴۶-۳۴۸۔
۵۹۔ یہ الفاظ ڈاکٹر غلام محمد (احمدیہ بلڈنگس لاہور) کے ایک سرکلر سے لئے گئے ہیں جو انہوں نے اپنے دستخط سے ۲۵/ مارچ ۱۹۵۹ء کو ارسال کیا اور جس کی ایک کاپی مؤلف کتاب کے پاس موجود ہے۔
۶۰۔ ان حضرات میں دوسرے اکابر غیر مبایعین کے علاوہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب بھی تھے۔ جنہوں نے اپنی وصیت میں لکھا تھا کہ "اگر میرے مرنے کے بعد میری اولاد ذکور واناث نابالغ رہ جائیں تو ان کی تعلیم و تربیت و تزویج وغیرہ کا انتظام بطور گارڈین کے خلیفہ وقت سلسلہ عالیہ احمدیہ کی سرپرستی میں کیا جائے"۔ المرقوم ۲۹/ جنوری ۱۹۰۹ء (بحوالہ فرقان نومبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۲)
۶۱۔ انہی دنوں کسی نے مولوی صدر الدین صاحب سے پوچھا "کہ یہ کیوں بنایا گیا ہے جواب دیا۔ الوؤں کی تسلی بھی تو چاہیئے"۔ (الحق مئی ۱۹۱۴ء)
۶۲۔ پیغام صلح ۵/ مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۴ کالم ۲۔
۶۳۔ مجدد اعظم حصہ دوم صفحہ ۱۰۷۹۔ پھر نوبت یہاں تک آپہنچی کہ یہ لوگ بہشتی مقبرہ کے لفظوں پر خفا ہونے لگے۔ (ملاحظہ ہو پیغام صلح ۸/ مئی ۱۹۲۹ء صفحہ ۵)
۶۴۔ پیغام صلح ۴/ جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۸ کالم ۳۔
۶۵۔ تقریر الحاج شیخ میاں محمد صاحب مطبوعہ پیغام صلح ۶/ فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۷ کالم ا۔
۶۶۔ پیغام صلح ۵/ مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ا کالم ۳۔
۶۷۔ پیغام صلح ۱۹/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۳ کالم ۲۔
۶۸۔ بحوالہ الحق دہلی ۲۲/ مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۲ کالم ا۔
۶۹۔ پیغام صلح ۲۴/ جنوری ۱۹۴۵ء صفحہ ا کالم ۳۔
۷۰۔ اشتہار ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء۔
۷۱۔ پیغام صلح ۲۲/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ا کالم ۳۔
۷۲۔ کلید کلام الامام صفحہ ۷۳ شائع کردہ دار الکتب اسلامیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور۔
۷۳۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب...... اولیاء اللہ میں سے تھے۔ (پیغام صلح ۲۸// اپریل ۱۹۴۳ء صفحہ ۳ کالم ۲)
۷۴۔ مولوی محمد علی صاحب احمدیت کے پہلے مجدد تھے۔ (پیغام صلح ۲۶/ دسمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۹۔ از میاں محمد صاحب) حیرت یہ ہے کہ خود مولوی محمد علی صاحب نے ۱۹۱۴ء میں مصلح موعود کے جلد آنے سے صرف اس بناء پر انکار فرمایا تھا کہ "اب تو سو سال کے بعد ہی کوئی مجدد آئے گا"۔ (ایک نہایت ضروری اعلان صفحہ ۱۳)
۷۵۔ پیغام صلح ۱۲/ مئی ۱۹۴۰ء صفحہ ۸ کالم ا۔
۷۶۔ پیغام صلح ۲۹/ مارچ ۱۹۱۴ء کالم ۳۔

۷۷۔ پیغام صلح ۲۹/ مارچ ۱۹۱۴ء کالم ۳۔
۷۸۔ پیغام صلح ۲۴/ مارچ ۱۹۱۴ء۔
۷۹۔ چنانچہ مرزا خدا بخش صاحب نے ۱۹۰۱ء میں اپنی کتاب (عسل مصفی بار دوم) میں لکھا۔ "اس وقت تک چار ہی لڑکے موجود ہیں جن میں سے ایک وہ موعود بھی ہے جو اپنے وقت پر اپنے کمالات ظاہر کرے گا اور جو حضرت اقدس کا جانشین ہو گا"۔ (صفحہ ۷۹۹۔۸۰۰ طبع اول)
۸۰۔ مجدد اعظم حصہ اول صفحہ ۱۵۹ (از ڈاکٹر بشارت احمد صاحب) اپنے اس نئے نظریہ کے باوجود کہ مصلح موعود کا زمانہ تیسری چوتھی صدی ہے ان دنوں پیغام صلح والوں نے حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کی نسبت ایک خواب کی بناء پر یہ امید وابستہ کر دی۔ خداوند تعالیٰ کے دربار میں ممکن ہے کہ تین کو چار کرنے والا آخر مرزا سلطان احمد خان صاحب ہی ہوں۔ (پیغام صلح ۳/ فروری ۱۹۱۶ء صفحہ ۸ کالم ۳) خدا کی قدرت حضرت صاحبزادہ صاحب نے خلافت ثانیہ کی بیعت کرلی اور یہ خواب حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی سچائی کا ثبوت بن گیا۔
۸۱۔ الوصیت صفحہ ۶ ب۔ شائع کردہ اشاعت اسلام۔ بار چہارم اگست ۱۹۱۴ء۔
۸۲۔ ریویو جلد ۷ نمبر ا صفحہ ۱۴۔
۸۳۔ پیغام صلح ۱۶/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ا کالم ۲۔
۸۴۔ پیغام صلح ۱۷/ دسمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۲۸ کالم ۲۔
۸۵۔ دافع البلاء (طبع اول) صفحہ ۱۰۔
۸۶۔ الحکم ۱۸/ جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۶ کالم ۲۔
۸۷۔ بیان القرآن اردو صفحہ ۱۰۔
۸۸۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ تبدیلی عقائد مولوی محمد علی صاحب (از حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل حلالپوریؓ) و مولوی محمد علی اور اس کی تفسیر بیان القرآن (نوشتہ جناب قاضی محمد یوسف صاحبؓ مردان)
۸۹۔ یہی وجہ ہے کہ ۲۲/ مارچ ۱۹۱۴ء کی شوریٰ میں اہل پیغام نے یہ فیصلہ کیا کہ "اگر میاں محمود احمد صاحب انجمن کے فیصلوں کو قطعی قرار دیں اور پرانے احمدیوں سے دوبارہ بیعت لینا لازم تصور نہ کریں تو ان کو صدر انجمن احمدیہ کا پریذیڈنٹ اور کل جماعت کا امیر تسلیم کیا جائے۔ (مجاہد کبیر صفحہ ۱۱۶) اس ضمن میں ان حضرات کا دلی عقیدہ معلوم کرنے کے لئے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔ خاتم النبیینؐ کے بعد نبی لانے کے مجرم جیسے کہ ہمارے قادیانی بھائی ہیں ویسے ہی غیر احمدی علماء .... ہم دونوں کو غلطی پر سمجھتے ہیں .... کسی نئے یا پرانے نبی کے اس امت میں آنے کے عقیدہ کو مستلزم کفر سمجھتے ہیں (پیغام صلح ۲۲/ فروری ۱۹۱۶ء صفحہ ۸ کالم ۱، ۲) دوسری طرف انہوں نے صاف لفظوں میں اپنا یہ فتویٰ شائع کیا۔ بے شک ختم نبوت کے منکر کو میں بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ (پیغام صلح ۲/ جنوری ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۱) اس فتویٰ میں جناب مولوی محمد علی صاحب نے اپنی پارٹی کے سوا باقی سب کلمہ گوؤں کو بے دین کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا ہے۔
۹۰۔ مجاہد کبیر صفحہ ۱۶۴۔
۹۱۔ پیغام صلح ۲/ فروری ۱۹۳۷ء صفحہ ۶ کالم ۳۔
۹۲۔ پیغام صلح ۷/ فروری ۱۹۳۷ء صفحہ ۳ کالم ۱۔
۹۳۔ پیغام صلح ۷/ فروری ۱۹۳۷ء صفحہ ۳ کالم ۳۔
۹۴۔ رسالہ خلافت اسلامیہ بروئے قرآن و حدیث صفحہ ۵، ۱۸۔
۹۵۔ پیغام صلح ۳/ جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۶ کالم ۲۔
۹۶۔ مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے مولوی دوست محمد صاحب (غیر مبائع) کا ایک خط (محررہ ۶/ فروری ۱۹۲۷ء) حضرت خلیفہ ثانی کی خدمت میں پہنچا جس میں لکھا تھا کہ آپ نے ڈسٹرکٹ بورڈ کے الیکشن میں ایک احمدی کے مقابل غیر احمدی کو ووٹ دینے کا فیصلہ کیا ہے یہ حکم منسوخ کیا جائے یہ خط جو دفتر پرائیوٹ سیکرٹری میں محفوظ ہے اس حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے کہ غیر مبائع

حضرات کے نزدیک صرف رشتہ ناطہ ہی نہیں دوٹوں کے سلسلہ میں بھی احمدیت ہی کو مقدم رکھنا چاہیئے۔

۹۷۔ قادیانی مذہب بار پنجم صفحہ ۵۹ (مؤلفہ صلاح الدین محمد الیاس برنی)

۹۸۔ زمیندار ۱۷/ ستمبر ۱۹۴۴ء بحوالہ فرقان ستمبر و اکتوبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۲۰۔

۹۹۔ بحوالہ فرقان (قادیان) فروری ۱۹۴۶ء صفحہ ۶۔

۱۰۰۔ Mohammadanizm طبع دوم مطبوعہ ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۸۷ (از ایچ۔اے۔ آر۔ گب)
اسی خیال کا اظہار انہوں نے اپنی دوسری کتاب (MODERN TRENDS IN ISLAM) کے صفحہ ۶۱۔ ۶۲ پر بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ بیرونی ممالک میں تبلیغی سرگرمیوں کے باوجود وہ مشکوک ہی رہے ہیں۔

۱۰۱۔ پیغام صلح ۱۵/ جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۳ کالم ۱۔

۱۰۲۔ مجاہد کبیر صفحہ ۱۱۸ (مؤلفہ ممتاز احمد صاحب فاروقی بی۔ایس۔سی۔ای۔ای و محمد احمد ایم۔اے خلف مولانا محمد علی مرحوم) مطبوعہ دسمبر ۱۹۶۲ء۔

۱۰۳۔ مجاہد کبیر صفحہ ۱۱۱۔

۱۰۴۔ بحوالہ پیغام صلح ۲۲/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۴ کالم ۲۔

۱۰۵۔ بحوالہ پیغام صلح ۲۹/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۳۔

۱۰۶۔ بحوالہ الفضل ۱۵/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۰ کالم ۳۔

۱۰۷۔ بحوالہ الفضل یکم اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۲۴ کالم ۳۔

۱۰۸۔ بحوالہ الفضل ۱۵/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۰ کالم ۲۔۳۔

۱۰۹۔ الفضل ۲۱/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۷ کالم ۳۔ اس درس کے بعد حضور نے حضرت خلیفہ اول ؓ کی وصیت کے مطابق مستورات میں بھی درس شروع فرمادیا۔ حضرت خلیفہ اول ؓ سورہ نساء تک درس دے چکے تھے اس لئے حضور نے سورہ مائدہ سے درس کی ابتداء فرمائی درس قرآن کے علاوہ حضور نے ۲۷/ اپریل ۱۹۱۴ء سے بخاری شریف کا درس بھی جاری کردیا۔ (الفضل ۲۹/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۳۔)

۱۱۰۔ ۸/ ستمبر ۱۹۲۸ء کو حضور نے درس کے سب امتحانات میں اعلیٰ نمبر حاصل کرنے والوں کو اپنے دست مبارک سے انعامات عطا فرمائے۔ انعام حاصل کرنے والے۔ حافظ عبدالسلام صاحب شملوی۔ صوفی صالح محمد صاحب قصوری۔ نذیر احمد صاحب سٹوڈنٹ بی۔ایس۔سی۔ چوہدری فقیر محمد صاحب کورٹ انسپکٹر اور شیخ عبدالقادر صاحب (سابق سوداگر مل) حال مربی سلسلہ احمدیہ لاہور۔

۱۱۱۔ الفضل یکم اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

۱۱۲۔ ابتدائی مجالس کے نوٹوں کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو الحکم ۲۱/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۳۔۴ و ۲۸/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۴'۷/ مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۵۔

۱۱۳۔ الفضل ۸/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔۲۔

۱۱۴۔ برکات خلافت طبع اول صفحہ ۵۔

۱۱۵۔ برکات خلافت طبع اول صفحہ ۷۔

۱۱۶۔ الحق ۲۹/ مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۱۔

۱۱۷۔ سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۲۷۔

۱۱۸۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۲۷ء صفحہ ۳۲۶۔

۱۱۹۔ الفضل یکم اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۔

۱۲۰۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۳۶ء۔

۱۲۱۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۸۔۱۹۱۷ء۔

۱۲۲۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۱۸ء ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیر ڈاک کے فرائض سرانجام دینے کے علاوہ مدرسہ احمدیہ میں بھی

پڑھاتے تھے۔

۱۲۳۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۱۸ء۔

۱۲۴۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۲۰ء۔

۱۲۵۔ حضرت مفتی صاحب فرماتے تھے۔ "جب میں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے دفتر میں آپ کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا تو میں اس امر کو مشاہدہ کرتا رہا کہ مختلف علوم و فنون کے ماہر جو باہر سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سے گفتگو کرتے تو ہر ایک علم کا ماہر آپ کی ملاقات کے بعد اس امر کا اقرار کرتا کہ اگرچہ ہم اپنے علم کے ماہر و ایکسپرٹ ہیں مگر حضرت صاحب سے گفتگو کے بعد ہم پر یہ اثر ہوا ہے کہ اس علم میں وہ ہم سے بھی زیادہ واقف ہیں"۔ (الفضل ۲۵/ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۲ کالم ۱)

۱۲۶۔ مطبوعہ الفضل ۲۵/ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۵-۱۶۔

۱۲۷۔ مطبوعہ الفضل ۱۰/ مئی ۱۹۵۹ء صفحہ ۲۔ یاد رہے کہ یہ خطبہ بیماری کے دوران میں دیا گیا ورنہ زمانہ صحت میں آپ کا آخری خطبہ ۲۰/ فروری ۱۹۵۹ء کا ہے۔ (مطبوعہ الفضل ۳۰/ مئی ۱۹۵۹ء صفحہ ۲ تا ۴) ان دونوں خطبوں کے بعد حضور نے ۲۹/ مارچ ۱۹۶۰ء کو خطبہ عیدالفطر ارشاد فرمایا۔ جو حضور نے پہلے سے املا کروالیا تھا۔ اس کے بعد آج تک حضور مجلس میں رونق افروز نہیں ہوئے (خطبہ عیدالفطر کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۵/ اپریل ۱۹۶۰ء صفحہ ۳، ۴)

۱۲۸۔ ۱۹۴۴ء تک حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے سفروں کے خطبوں کو قلمبند کرنے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا حضور کے ہمسفر خدام میں سے جن کو خیال آتا اپنے لفظوں میں خطبات کا ملخص الفضل کو بھجوادیتے تھے۔ لیکن فروری ۱۹۴۵ء میں جب شعبہ زودنویسی کا قیام عمل میں آیا تو مستقل طور پر سفر و حضر میں حضور کے ملفوظات لکھنے کا خاص اہتمام کیا گیا۔

۱۲۹۔ ولادت ۲۷/ جنوری ۱۹۰۸ء مولوی فاضل کا امتحان جولائی ۱۹۲۹ء میں پاس کیا مئی ۱۹۳۰ء میں ادارہ الفضل میں شامل ہوئے اور ۱۹۴۵ء میں شعبہ زودنویسی کے انچارج مقرر ہوئے۔

۱۳۰۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۵ء صفحہ ۸۷۔

۱۳۱۔ خطبات لکھنے والے دوسرے اصحاب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر۔ چوہدری عبدالمجید صاحب۔ بی۔ اے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دیال گڑھی۔ مولوی سید احمد علی صاحب۔ مولوی عبدالعزیز صاحب چک سکندر۔ چوہدری فیض احمد صاحب گجراتی۔ مولوی سلطان احمد صاحب پیرکوٹی۔ عبدالکریم صاحب۔

۱۳۲۔ الفضل ۱۹/ نومبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۴ کالم ۴۔

۱۳۳۔ روح پرور خطاب صفحہ ۴۔ اس پہلے اشتہار کے شائع کرنے کے لئے آپ کے پاس روپے نہیں تھے نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کو علم ہوا تو انہوں نے پانچ سو روپیہ کی ایک تھیلی پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ تعمیر مساجد کی رقم ہے جو میں سمجھتا ہوں کہ اسے اس مصرف میں لانا جائز ہے اس لئے یہ رقم خرچ کرلی جائے۔ چنانچہ اس رقم سے خلافت ثانیہ کا یہ پہلا اشتہار بھی شائع ہوا۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۳،۷) اور بیرونی جماعتوں میں واعظ بھی بھجوائے گئے۔ (سیرت سروری صفحہ ۳۸ غیر مطبوعہ از مولوی صدر الدین صاحب فاضل)

۱۳۴۔ اشتہار کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے۔ صفحہ ۶-۷ (مشمولہ الفضل ۲۵/ مارچ ۱۹۱۴ء)

۱۳۵۔ یہ پورا شعر حضرت مسیح موعود کا ہے جو درثمین میں طبع شدہ موجود ہے۔ مولوی محمد علی صاحب اس شعر کا مصداق اپنے آپ کو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "اس شعر کو اپنے لئے ہی سمجھتا ہوں...... ہاں وہ لعل بے بدل صداقت ہے" (ضمیمہ پیغام صلح ۲/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ الف کالم ۱-۲)

۱۳۶۔ حضرت مسیح موعودؑ کی اصطلاح میں تمزق اعداء کے ایک معنے ان پر اتمام حجت کا ہونا بھی ہے (انوار الاسلام صفحہ ۱۵)

۱۳۷۔ اشتہار کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے صفحہ ۱۲ (مشمولہ الفضل ۲۵/ مارچ ۱۹۱۴ء نوشتہ ۲۱/ مارچ ۱۹۱۴ء)

۱۳۸۔ الفضل ۶/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۶۔

۱۳۹۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو منصب خلافت طبع اول صفحہ ۵۱۔

۱۴۰۔ الفضل ۲/ جولائی ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۰۔

۱۴۱۔ ریزولیوشن نمبر ۱۶۰۔

۱۴۲۔ ریزولیوشن نمبر ۱۶۶ اس ریزولیوشن کی بحث کے دوران مولوی محمد علی صاحب اور ان کے تینوں رفقاء (مولوی صدر الدین صاحب کے علاوہ) اجلاس سے تشریف لے گئے جس کی وجہ مجاہد کبیر میں لکھی ہے کہ "انہوں نے دیکھا کہ وہ امور جو ایجنڈا پر بھی نہ تھے اس مجلس میں تحکمانہ طور پر پاس ہونے لگے" (صفحہ ۱۱۹) مگر صدر انجمن احمدیہ کا ریکارڈ اس ادعاء کی تغلیط کے لئے کافی ہے۔ پھر لکھا ہے کہ مولوی نور الدین صاحب کے وقت میں پکا فیصلہ ہو چکا تھا کہ حضرت مولوی شیر علی صاحب کو ولایت بھجوایا جائے۔ (مجاہد کبیر صفحہ ۱۲۰) ہمارا دعویٰ ہے کہ صدر انجمن احمدیہ نے ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا اگر انجمن نے کوئی ایسا پکا فیصلہ کیا ہوتا تو اسے ایجنڈا میں ضرور ہونا چاہئے تھا۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔

۱۴۳۔ ریزولیوشن نمبر ۱۷۱۔

۱۴۴۔ ریزولیوشن نمبر ۱۷۳۔

۱۴۵۔ اس اجلاس کی کارروائی پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور مولوی صدر الدین صاحب (سیکرٹری) کے دستخط ہیں۔

۱۴۶۔ الحکم ۱۴/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۹ کالم ۳۔ نمائندگان کی فہرست کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۲۱/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۷، ۸ و الفضل ۲۰/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۵-۱۶۔

۱۴۷۔ منصب خلافت صفحہ ۳۱۔

۱۴۸۔ منصب خلافت سرورق صفحہ ۲ (طبع اول)

۱۴۹۔ منصب خلافت سرورق صفحہ ۲ و صفحہ ۵۵-۵۶۔

۱۵۰۔ یہ ترمیم عملی اعتبار سے ہرگز کوئی نئی چیز نہیں تھی بلکہ یہ اسی اعلان کی دستوری و آئینی تعبیر تھی جو صدر انجمن احمدیہ نے حضرت خلیفہ اول کی بیعت خلافت پر ان الفاظ میں کیا تھا کہ "حضرت مولوی صاحب موصوف کا فرمان ہمارے واسطے آئندہ ایسا ہی ہو جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا"۔ (بدر ۲/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۶ کالم ۲) اور انجمن کا ریکارڈ شاہد ہے کہ انجمن کی نگاہ میں حضرت خلیفہ اول کا فرمان قطعی اور ناطق رہا چنانچہ انجمن کو حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم کی تعمیل میں اپنے فیصلوں کی ترمیم ہی نہیں تنسیخ بھی کرنا پڑی۔ (ملاحظہ ہو ریزولیوشن نمبر ۱۲۳ مورخہ ۲۶/ مارچ ۱۹۱۰ء) مولوی محمد علی صاحب اور دوسرے اکابر نے ۱۹۱۳ء میں ایک اور اعلان کیا کہ "ساری قوم کے آپ مطاع ہیں اور سب ممبران مجلس معتمدین آپ کی بیعت میں داخل اور آپ کے فرمانبردار ہیں"۔ (پیغام صلح ۴/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۳ کالم ۱) پس یہ امر روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ اس ترمیم سے عملاً کوئی فرق نہیں پڑا ہاں اس سے ان لوگوں کی ضرور قلعی کھل گئی جنہوں نے انجمن کے اجتہاد کو حجت قرار دینے کے باوجود اس کثرت رائے سے کیا ہوا فیصلہ قبول کرنے سے بالکل انکار کر دیا حالانکہ حضرت مسیح موعودؑ سلسلہ کے ان معاملات کے بارے میں جو انجمن کے ہاتھ میں ہیں یہ تحریر فرما چکے ہیں۔ "میری رائے تو یہی ہے کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہئے اور کثرت رائے اس میں ہو جائے تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہئے اور وہی قطعی ہونا چاہئے"۔ اس پر بس نہیں حضور نے ساتھ ہی وضاحت فرمائی کہ "میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ انجمن خلاف منشاء میرے ہرگز نہیں کرے گی"۔ غیر مبایعین کی رائے میں یہ سب کارروائی حضرت مسیح موعودؑ کے منشاء کے خلاف تھی۔ اور انجمن کا ترمیم سے متعلق فیصلہ قابل تسلیم نہیں تھا اور اس لئے اس پر انہوں نے بہت شور بھی اٹھایا کیونکہ ان کے نزدیک صرف ان کے ہم خیال ممبروں ہی کا دوسرا نام انجمن تھا۔ وہ اسی انجمن کی مجموعی رائے کو ناطق و قطعی سمجھتے تھے۔

۱۵۱۔ منصب خلافت طبع اول صفحہ ۵۵-۵۶۔

۱۵۲۔ جن مقامات کی جماعتوں کے نمائندے اس اجلاس میں موجود تھے ان کے نام یہ ہیں۔ لاہور۔ پاکپٹن۔ کریام ضلع جالندھر۔ راہوں۔ کلکتہ۔ امرتسر۔ بھنگالہ ضلع ہوشیارپور۔ مردان ضلع پشاور۔ صوابی۔ سہارنپور۔ جموں۔ سیالکوٹ۔ گوجرانوالہ۔ ملتان۔ علی پور۔ لائل پور۔ بٹالہ۔ سارچور۔ بھڈیار۔ گوکھووال۔ تلونڈی راہ والی۔ جالندھر چھاؤنی۔ گوجرہ۔ مالیر پور۔ کوٹ رادھاکشن۔ کراچی۔ بھریا۔ سرگودھا۔ دوالمیال۔ کپورتھلہ۔ لودھراں۔ جوڑہ۔ سیکھواں۔ محلانوالہ۔ اہرانہ۔ صریح۔ مانگٹ اونچے۔ گوجرانوالہ۔ ڈیرہ غازی

خاں۔ دوجووال (اجنالہ) گجرات۔ شاہ جہان پور۔ دہلی۔ (الحکم ۱۴/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۰)
۱۵۳۔ منصب خلافت سرورق صفحہ ۲۔
۱۵۴۔ شکریہ اور اعلان ضروری۔ مشمولہ ضمیمہ الفضل ۲/ مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۸۔
۱۵۵۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۵ء صفحہ ۳۳۔
۱۵۶۔ منصب خلافت صفحہ ۱۶ تا ۱۹ (طبع اول)
۱۵۷۔ اس لیکچر میں حضور نے غیر مبایعین کے اعتراضوں کی حقیقت کھول کھول کر بتائی کہا جاتا تھا کہ عمر چھوٹی ہے۔ حضور نے اس کے جواب میں حضرت ابن ابی لیلیٰ کا واقعہ بیان فرمایا جنہیں حضرت عمرؓ نے انیس سال کی عمر میں کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ کوفہ والوں نے از راہ مذاق ان سے عمر پوچھی تو انہوں نے جواب دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اسامہؓ کو جس عمر میں کبار صحابہ کا افسر بنا کر محاذ شام پر بھیجا تھا میں اس سے دو سال بڑا ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ "میں بھی اس رنگ میں جواب دیتا ہوں کہ میری عمر تو ابن ابی لیلیٰ سے بھی سات برس زیادہ ہے"۔ (منصب خلافت صفحہ ۴۴۔۴۵)
۱۵۸۔ صدر انجمن احمدیہ کے ریکارڈ میں مولوی محمد علی صاحب کی اس اطلاع کا ذکر ہمیں ملتا ہے کہ میں چھ ماہ کی رخصت پر جاتا ہوں میری غیر حاضری میں افسر اشاعت اسلام کا مناسب انتظام کیا جائے۔ (روئداد اجلاس ۲۶/ اپریل ۱۹۱۴ء)
۱۵۹۔ آئینہ صداقت صفحہ ۱۹۸، ۱۹۹ (طبع اول) اخبار نور (۱۷/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۹ کالم ۳) نے مولوی صاحب کی خبر شائع کرتے ہوئے لکھا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کی سلامت روی اور صلح جوئی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ آپ عین اس جھگڑے اور اس شدید جنگ میں بنفس نفیس جناب مولوی محمد علی صاحب کے ہاں تشریف لے گئے۔
۱۶۰۔ الفضل ۱۸/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ا کالم ا، ۶/ جون ۱۹۱۴ء صفحہ ا کالم ا پر ان کا ذکر ہے۔
۱۶۱۔ وفات ۲/ جنوری ۱۹۶۱ء۔
۱۶۲۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۱۴ء سے ماخوذ۔
۱۶۳۔ تفصیل تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۴۹۱۔۴۹۴ پر گزر چکی ہے۔
۱۶۴۔ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ ا (از چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے) طبع اول دسمبر ۱۹۲۷ء۔
۱۶۵۔ لندن سے مکرم درد صاحب کی ادارت میں ایک ہفتہ وار اخبار مسلم ٹائمز کے نام سے بھی شائع ہوتا رہا۔ (الفضل ۲۸/ دسمبر ۱۹۳۹ء)
۱۶۶۔ الفضل ۲۸/ اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۴۔ اب ان کی عمر ۷۵ برس کی ہوگی۔ جب ان کے سامنے حضور کا ذکر آتا ہے۔ تو چشم پر آب ہو جاتے ہیں۔
۱۶۷۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ مسجد فضل لندن (از حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ) مطبوعہ دسمبر ۱۹۲۷ء قادیان۔
۱۶۸۔ آپ کی واپسی ۱۳/ ستمبر ۱۹۳۵ء کو ہوئی۔
۱۶۹۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احمدیہ مشن لنڈن کی ایک سالانہ رپورٹ (مطبوعہ الفضل ۷/ ۲۴ مئی ۱۹۳۴ء)
۱۷۰۔ رسالہ نقوش آپ بیتی نمبر صفحہ ۴۔۵ میں خود قائداعظم کے الفاظ میں اس فیصلہ کا تذکرہ موجود ہے۔
۱۷۱۔ حضرت مولانا درد صاحب کی زبان سے اس اہم واقعہ کی تفصیل سنئے فرماتے ہیں۔ "یہ بھی حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ قائداعظم نے انگلستان سے ہندوستان واپس آکر مسلمانوں کی سیاسی قیادت سنبھالی اور اس طرح بالآخر ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا........ جب میں ۱۹۳۳ء میں امام مسجد لندن کے طور پر انگلستان پہنچا تو اس وقت قائداعظم انگلستان میں ہی سکونت رکھتے تھے۔ وہاں میں نے ان سے تفصیلی ملاقات کی اور انہیں ہندوستان واپس آکر سیاسی لحاظ سے مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے پر آمادہ کیا۔ مسٹر جناح سے میری یہ ملاقات تین چار گھنٹے تک جاری رہی۔ میں نے انہیں آمادہ کر لیا کہ اگر اس آڑے وقت میں جبکہ مسلمانوں کی راہنمائی کرنے والا اور کوئی نہیں ہے انہوں نے ان کی پھنسی ہوئی کشتی کو پار لگانے کی کوشش نہ کی تو اس قسم کی علیحدگی قوم کے ساتھ بے وفائی کے مترادف ہوگی چنانچہ اس تفصیلی گفتگو کے بعد آپ مسجد احمدیہ لندن میں تشریف لائے اور وہاں باقاعدہ ایک تقریر کی جس میں ہندوستان کے مستقبل کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد قائداعظم

انگلستان کو خیرباد کہ کر ہندوستان واپس آئے۔ مسلم لیگ کو منظم کیا اور اس طرح چند سال کی جدوجہد کے بعد پاکستان معرض وجود میں آیا"۔(الفضل یکم جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۸) قائداعظم کی یہ تقریر ۶/ اپریل ۱۹۳۳ء کو عیدالاضحیہ کی تقریب پر ہوئی تھی اور جلسہ کے صدر سر سٹیوارٹ سنڈیمن (Sir Stewart Sandaman) تھے۔ قائداعظم نے تقریر کا آغاز ان الفاظ سے کیا۔ "The eloquent persuation of the Imam left me no escape"(ترجمہ) امام صاحب کی فصیح و بلیغ ترغیب نے میرے لئے کوئی راہ بچنے کی نہیں چھوڑی۔(انقلاب عظیم کے متعلق انذار و بشارات نمبر ۲ صفحہ ۱۹ از حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب) مسجد فضل پٹنی میں ایک سیاسی نوعیت کی تقریر پر مختلف حلقوں میں بڑے تعجب کا اظہار کیا گیا۔ اور پریس نے اس کی اشاعت میں سرگرم حصہ لیا۔ چنانچہ "دی ایوننگ سٹینڈرڈ" (لندن) "ہندو" (کلکتہ) "دی سٹیٹسمین" (کلکتہ) "مدراس میل"۔ "ویسٹ افریقہ" (افریقہ) "ایجپشن گزٹ" (اسکندریہ) "پایونیئر" (الہ آباد) وغیرہ اخبارات میں اس کی خبریں شائع ہوگئی تھیں جن کے تراشے مولانا درد صاحب کی ایک فائل میں محفوظ ہیں۔

۱۷۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۴۱-۱۹۴۰ء صفحہ ۱۶ و ۴۲-۱۹۴۱ء صفحہ ۱۳-۱۷۔ ایضاً رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۴۵-۱۹۴۴ء صفحہ ۸۴-۸۵۔

۱۷۳۔ مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری ۱۹۳۸ء کے آخر سے مارچ ۱۹۴۰ء تک لندن کے احمدیہ مسلم مشن میں کام کرتے رہے۔

۱۷۴۔ آپ ۲۹/ ستمبر ۱۹۴۵ء کو تشریف لے گئے۔

۱۷۵۔ الفضل ۲/۷ ۲۴ جولائی ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

۱۷۶۔ پہلی بار روانگی کے بعد آپ ۷/ مارچ ۱۹۶۰ء کو ایک ماہ کے لئے واپس آئے اور ۲/ اپریل ۱۹۶۰ء کو پھر لندن چلے گئے تھے اس کے بعد آپ کا قیام لندن مشن میں ہی ہے۔

۱۷۷۔ آپ صحابی تھے اور انگلستان آنے سے قبل سیالکوٹ کے امیر تھے کرکٹ ٹیم کے ساتھ ۱۹۳۸ء کے قریب انگلستان گئے اور وہیں انتقال کیا۔

۱۷۸۔ آپ بھی صحابی تھے جو اس صدی کے شروع میں انگلستان گئے۔ آپ باقاعدگی سے ہائیڈ پارک میں تقاریر فرماتے تھے۔ ان کے ایک فرزند جن کا نام عزیز دین ہے اب بھی لندن میں مقیم ہیں اور تبلیغ کا بہت شوق رکھتے ہیں۔

۱۷۹۔ مبلغ انگلستان بشیر احمد صاحب رفیق کی ایک رپورٹ (مورخہ ۲۴/ ۲/ ۶۴) سے ماخوذ۔

۱۸۰۔ خطبہ جمعہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مطبوعہ الفضل ۱۷/ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۴ کالم ۴۔

۱۸۱۔ THE GENUINE ISLAM VOL I, NO 8 بحوالہ انصار اللہ ربوہ جولائی ۱۹۶۲ء صفحہ ۳۳

۱۸۲۔ Civilization on trail

۱۸۳۔ ترجمہ رپورٹ آف دی مشنری کانفرنس ۱۸۹۴ء منعقدہ لندن صفحہ ۴۱۹۔ بحوالہ انصار اللہ دسمبر ۱۹۶۱ء۔

۱۸۴۔ تذکرہ (طبع دوم) صفحہ ۵۰۹۔

۱۸۵۔ ضمیمہ الفضل ۲/ مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۸ و الفضل ۲۵/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۔

۱۸۶۔ ضمیمہ الفضل ۲/ مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۱۔

۱۸۷۔ الفضل ۲/۷ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

۱۸۸۔ الفضل ۲۹/ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

۱۸۹۔ منصب خلافت صفحہ ۳۳ طبع اول ۱۹۱۴ء۔

۱۹۰۔ الفضل ۲/۷ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۔ الفضل ۹/ مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۸۔ الحکم ۱۴/ مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۹ کالم ۱۔

۱۹۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی خواہش کے مطابق حضرت منشی عبدالحق صاحب کاتب نے اس کتاب کی نہایت عمدہ اور نفیس کتابت کی۔

۱۹۲۔ بشارات رحمانیہ جلد اول صفحہ ۱۷۴-۱۷۶ (از مولوی عبدالرحمن صاحب مبشر فاضل) الفضل ۱۱/ دسمبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۷۔

۱۹۳۔ الفضل ۳/ جون ۱۹۱۴ء صفحہ ۲۲-۲۳۔

۱۹۴۔ پیغام صلح ۶/ اگست ۱۹۱۴ء صفحہ ب-ج۔
۱۹۵۔ الفضل ۳/ نومبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۸ کالم ۳۔ الفضل ۴/ اکتوبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم او الفضل ۱۰/ نومبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۸ کالم ۲-۳۔
۱۹۶۔ یادرہے اس سے قبل ترکی کے سلطنت برطانیہ سے نہایت گہرے تعلقات تھے۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر صاحب بی۔اے بیرسٹرایٹ لاء سیکرٹری خلافت کمیٹی سیالکوٹ لکھتے ہیں۔ "حضور سلطان المعظم خلیفتہ المسلمین نے سلطان ٹیپو کے نام ایک مراسلہ ارسال کیا اور اس دین کے پکے مسلمان نے خلیفتہ المسلمین کے حکم کو سرآنکھوں پر رکھا اور جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان میں غدر مچا اس غدر کو فرو کرنے کے لئے انگریزوں کی افواج کو مصر سے گزر کر ہندوستان پہنچنے کی اجازت حضور خلیفتہ المسلمین سلطان المعظم نے دی تھی جنوبی افریقہ میں جنگ بوئر ہوئی .... ترکی نے انگلستان کا ساتھ دیا۔ ہزارہا ترکوں نے انگریزی جھنڈے کے نیچے لڑنے مرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ مساجد میں انگریزوں کی فتح و نصرت کے لئے دعائیں مانگی گئیں"۔ (ترکی کے ارمینوں پر فرضی مظالم صفحہ ۲۳۔ شائع کردہ مجلس خلافت پنجاب) مطبوعہ ۱۹۲۰ء۔
۱۹۷۔ تاریخ اقوام عالم صفحہ ۶۷۴-۶۷۶ (از مرتضیٰ احمد خاں میکش) شائع کردہ مجلس ترقی اردو کلب روڈ لاہور۔
۱۹۸۔ تاریخ اقوام عالم صفحہ ۶۸۵-۶۸۶۔
۱۹۹۔ ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۳۹۹-۴۰۵۔
۲۰۰۔ تذکرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۳ (از حضرت صاحبزادہ پیر سراج الحق نعمانیؓ) طبع اول ۲۵/ دسمبر ۱۹۲۱ء و تذکرہ طبع دوم صفحہ ۷۵۔
۲۰۱۔ اس سلسلہ میں مولانا سید میاں محمد صاحب ناظم جمعیتہ العلماء ہند نے اپنی کتاب "علماء حق کے کارنامے" میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ " ہندوستان کے یہی غیور مسلمان جو علماء ملت پر ہندو پرستی کا الزام لگاتے ہیں گزشتہ جنگ جرمنی کے زمانہ میں انہوں نے عراق' شام' ایران وغیرہ وغیرہ اسلامی ممالک کو انگریزوں کے لئے کیوں تباہ کیا۔ خاص قبلہ ایمان اور کعبہ اسلام پر کیوں گولیاں برسائیں اس کا سبب بھوک اور فاقہ بے روزگاری اور تہیدستی تھی؟ یا ان کے دلوں میں اسلام اور ایمان سے مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ سے عربوں اور ترکوں سے کوئی بغض بھرا ہوا تھا"۔ (صفحہ ۲۸۴)
۲۰۲۔ دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ صفحہ ۱۶۱-۱۶۳۔ (از سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی) طبع اول
۲۰۳۔ الفضل ۱۵/ ستمبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۵-۶۔
۲۰۴۔ اخبار سرمہ روزگار آگرہ یکم دسمبر ۱۹۱۸ء صفحہ ۷۔
۲۰۵۔ پوری مسدس اخبار وکیل (امرتسر) مورخہ ۱۱/ مئی ۱۹۱۸ء و ستارہ صبح مورخہ ۱۱/ مئی ۱۹۱۸ء اور کتاب یادگار جنگ (پنجاب پبلسٹی کمیٹی لاہور) صفحہ ۱۷-۱۸۔ پر موجود ہے۔ ایضاً ذکر اقبال (از عبدالمجید سالک) صفحہ ۸۷۔
۲۰۶۔ الفضل ۶/ ستمبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۹۔
۲۰۷۔ حضرت اقدس کی ایک تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسٹر مانٹیگو وزیر ہند تھے۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۷-۳۸)
۲۰۸۔ الفضل ۵/ اکتوبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۳۔
۲۰۹۔ الفضل ۲۱/ مئی ۱۹۴۷ء صفحہ ۴۔
۲۱۰۔ مکمل خط ملک فضل حسین صاحب مہاجر نے ریویو آف ریلیجنز اردو مئی ۱۹۴۱ء صفحہ ۷-۱۲ پر چھپوا دیا تھا۔
۲۱۱۔ اس تبلیغی مہم کی تفصیلات خود حضرت حکیم مولوی عبید اللہ صاحب بسمل نے مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر کو لکھوا دی تھی۔ مگر افسوس وہ شائع ہونے سے پہلے ہی ایک خادمہ کے ہاتھوں ضائع ہو گئے۔
۲۱۲۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جلد ۱۳ صفحہ ۴۲۱-۴۲۷۔
۲۱۳۔ انہی دنوں ترکی کے شامل جنگ ہونے پر دوسرے مسلمانان ہند نے بھی انتباہ کیا تھا چنانچہ قاضی سراج الدین احمد صاحب بیرسٹرایٹ لاء راولپنڈی نے "حقیقت خلافت اور مسلمانوں کا فرض" میں لکھا یورپ میں اس لڑائی کے شروع ہونے کے بعد مسلمانان ہندوستان نے ترکوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اس لڑائی میں غیر جانبداری کی وضع اختیار کریں۔ لیکن آخر کار ترکوں نے اس مشورہ کو نہایت حقارت کے ساتھ رد کر دیا اور جرمنی کی جانبداری اختیار کرنے سے انگلستان فرانس اور روس کی رعایا کو ایک غیر مطبوع اور تشویشناک حالت میں ڈال دیا۔ درحقیقت ترکوں نے اس موقع پر مسلمانان عالم کے ساتھ اس سے بھی بڑھ کر برائی کی

ہے۔ جرمنی نے ترکوں کو اپنے دام تزویر میں صرف اس غرض سے نہیں پھنسایا تھا کہ ان سے براہ راست امداد حاصل کرے بلکہ اس غرض سے بھی کہ سلطان ٹرکی کا جو اقتدار اسلامی دنیا میں مانا جاتا ہے اس کو استعمال کر کے قریب قریب تمام دنیا کے مسلمانوں سے ان سلطنتوں کے خلاف جن سے وہ وابستہ ہیں غدر اور فساد برپا کرادیا جائے یہ ایسی کوشش تھی کہ اگر اس میں کامیابی ہو جاتی۔ تو صرف ایک ہی نتیجہ ہو سکتا تھا کہ دنیا بھر کے مسلمان خدا کے نزدیک اور اپنی اپنی سلطنتوں کی نگاہ میں مردود ہو جاتے اور دین و دنیا میں ان کا کہیں ٹھکانہ باقی نہ رہتا۔ خداوند کریم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جرمنی اور ترکوں کی یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی اور خدا نے مسلمانان عالم کی عزت و آبرو رکھ لی۔ اس میں شک نہیں کہ ایک وجہ ایسی موجود تھی جس سے تمام اسلامی دنیا کو ترکی سلطنت کا احترام واجب تھا اور یہ اسی احساس کا معاوضہ تھا جو ترکی حکومت کے حرمین الشریفین کی حفاظت کو اپنے ذمہ لینے سے پیدا ہوتا تھا۔ لیکن ترکوں نے اپنے اس حق کو بھی اپنے ہاتھوں سے تلف کر دیا ہے۔ اگر ترکوں کو ارض مقدس اور حرمین الشریفین کی حفاظت کی کچھ بھی پرواہ ہوتی تو وہ دنیا کی سب سے بڑی بحری طاقت یعنی انگلستان کے برخلاف کبھی جنگ کا نام نہ لیتے بلکہ صرف اپنے اس فرض کی ادائیگی کی خاطر اس زبردست سلطنت کے ساتھ ہمیشہ مستحکم دوستی رکھتے"۔(صفحہ ۸۶-۸۹)

۲۱۴۔ الفضل ۳/دسمبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۷ کالم ۱۔
۲۱۵۔ الفضل ۲۹/نومبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۲۱۶۔ الفضل ۲۸/دسمبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۱۔
۲۱۷۔ الفضل ۲۲/فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۲۱۸۔ ریکارڈ روئداد اجلاس صدر انجمن احمدیہ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۳۸۰۔
۲۱۹۔ ریکارڈ ۳۱-۱۹۳۰ء۔
۲۲۰۔ ایضاً ریکارڈ روئداد اجلاس صدر انجمن احمدیہ ۱۹۳۵ء۔
۲۲۱۔ مکمل فہرست کے لئے ملاحظہ ہو احمدی جنتری ۱۹۳۷ء صفحہ ۳۸-۳۹۔
۲۲۲۔ پیغام صلح یکم دسمبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۔
۲۲۳۔ خواجہ صاحب نے "اندرونی اختلافات سلسلہ کے اسباب" میں خود لکھا ہے "میرا ارادہ تھا کہ میں فوراً ہی قادیان جاؤں" (صفحہ ۱۸) مگر فوراً نہ جا سکنے کی وجہ الفضل کا ایک مضمون بتایا ہے جو ان کے لاہور پہنچنے کے چھ دن بعد شائع ہوا۔
۲۲۴۔ یہ مفصل واقعہ قاضی محمد یوسف صاحب کی روایت الفضل ۱۵/مئی ۱۹۴۶ء صفحہ ۵ پر چھپ چکا ہے۔
۲۲۵۔ الفضل ۳۱/دسمبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۲۲۶۔ الفضل ۳۱/دسمبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۲۲۷۔ الحکم ۲۱/مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۶ کالم ۳ و الفضل ۱۸/اگست ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۔
۲۲۸۔ الحکم ۲۸/مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۳ کالم ۲۔
۲۲۹۔ الفضل ۴/مئی ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۶' ۱۰/جون ۱۹۱۴ء صفحہ ۱-۲۔
۲۳۰۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۱۴ء صفحہ ۲۷۸۔
۲۳۱۔ الفضل ۳/نومبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۲۳۲۔ الفرقان۔ قمر الانبیاء نمبر۔ اپریل مئی ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۱۔
۲۳۳۔ الفضل ۲۳/جولائی ۱۹۱۴ء' ۲۵/اکتوبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۵-۶' ۵/نومبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۸۔
۲۳۴۔ یہ نماز ہزاروں کی تعداد میں یورپ' امریکہ اور آسٹریلیا میں بھیجی گئی۔ (الفضل ۱۲/نومبر ۱۹۱۴ء) صفحہ ۱۰ کالم ۱-۲ (نوٹ) اس عنوان کے تحت مصنفین سلسلہ کی صرف خاص خاص کتابوں کا تذکرہ ہو گا۔
۲۳۵۔ الفضل ۲۳/جولائی ۱۹۱۴ء صفحہ ۱-۲۹/نومبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۷ کالم ۱۔
۲۳۶۔ آپ کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۲۸ (حاشیہ)

حواشی

۲۳۷۔الفضل ۲۴/ جنوری ۱۹۱۵ء صفحہ ا۔
۲۳۸۔الفضل ۲۶/ جنوری ۱۹۱۵ء صفحہ ا' ۲۸/ جنوری ۱۹۱۵ء۔
۲۳۹۔ الفضل ۹/ فروری ۱۹۱۵ء صفحہ ا کالم ا۔یہ مضمون بعد میں کتابی صورت میں بھی شائع ہو گیا۔
۲۴۰۔ الفضل ۱۶/ فروری ۱۹۱۵ء صفحہ او الفضل ۲۵/ مارچ ۱۹۱۵ء۔
۲۴۱۔ الفضل ۲۵/ مارچ ۱۹۱۵ء صفحہ ا' ۱۱/ مارچ ۱۹۱۵ء صفحہ ا۔
۲۴۲۔ الفضل ۲۵/ مارچ ۱۹۱۵ء صفحہ ا' ۱۱/ مارچ ۱۹۱۵ء صفحہ ا۔
۲۴۳۔مسئلہ کفرو اسلام کی حقیقت۔ مطبوعہ ۱۹۴۱ء صفحہ ۱۱۸۔
۲۴۴۔ ضمیمہ الفضل ۲۸/ جنوری ۱۹۱۵ء صفحہ ۱-۴۔
۲۴۵۔ القول الفصل سرورق (مطبوعہ ۳۰/ جنوری ۱۹۱۵ء)
۲۴۶۔ عزیز الواعظین حضرت مولانا غلام امام صاحب شاہجہانپوری ثم اسامی کی تبلیغ سے داخل احمدیت ہوئے سلسلہ کے نہایت فدائی اور بذلہ سنج بزرگ تھے۔ ۱۹۶۴ء میں آپ کا انتقال ہوا اور آپ کے لائق فرزند جناب محمود الحسن صاحب (ریونیو ممبر حکومت مشرقی پاکستان) ڈھاکہ سے آپ کی نعش ربوہ لے آئے اور آپ مقبرہ بہشتی میں دفن ہوئے۔
۲۴۷۔ریویو آف ریلیجنز اردو اکتوبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۴-۲۶۔
۲۴۸۔ جیسا کہ تاریخ احمدیت جلد سوم (طبع اول) میں بالتفصیل ذکر آچکا ہے۔ حضرت صوفی صاحب نے ۱۹۰۷ء میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے تحریک فرمانے پر اپنی زندگی وقف کی تھی ۱۹۱۲ء میں آپ بی۔اے کا امتحان پاس کر کے حضرت خلیفہ اولؓ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت نے قرآن مجید حفظ کرنے کا ارشاد فرمایا۔ آپ نے بفضلہ تعالیٰ چھ ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ ان دنوں دربار خلافت میں نیروبی سے ایک مبلغ بھیجے جانے کی درخواست آئی ہوئی تھی۔ حضرت خلیفہ اول نے آپ کو کینیا کالونی کا پاسپورٹ لینے کا حکم دیا۔ مگر افریقہ کا پاسپورٹ نہ مل سکا اور حضرت خلیفہ اولؓ کا وصال ہو گیا۔ پھر حضرت خلیفہ ثانی کی ہدایت پر آپ نے ماریشس کے لئے پاسپورٹ کی درخواست دی۔ دسمبر ۱۹۱۴ء میں آپ کو پاسپورٹ مل گیا۔ (یہ حالات خود حضرت صوفی صاحب کے قلم سے روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ۷ صفحہ ۲۸۵ پر موجود ہیں)
۲۴۹۔ الفضل ۲۲/ مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۳۔
۲۵۰۔ روایات صحابہ جلد ۷ صفحہ ۲۸۵۔ ایضاً الفضل ۱۵/ اپریل ۱۹۱۵ء صفحہ ۷ و الفضل ۲۲/ مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۳۔
۲۵۱۔ سیلون میں باقاعدہ مشن اگست ۱۹۵۱ء کو قائم ہوا۔ جس کا ذکر اپنے موقعہ پر آئے گا۔
۲۵۲۔ اس مقدمہ کی پوری عدالتی کارروائی ۳۷۲ صفحات میں طبع شدہ ہے۔
۲۵۳۔الفضل ۱۶/ اکتوبر ۱۹۱۷ء۔
۲۵۴۔ ریویو آف ریلیجنز اردو۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۷۲ و الفضل ۱۹/ ۱۵ مئی ۱۹۱۷ء صفحہ ا کالم ا۔
۲۵۵۔ روئداد مباحثہ دربارہ حیات و وفات عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے نام سے یہ مناظرہ چھپ گیا تھا۔
۲۵۶۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ۷ صفحہ ۲۸۵-۲۸۶۔ ایضاً الفضل ۲۲/ مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۳۔
۲۵۷۔ آپ قریباً دو سال تک قادیان میں علم دین حاصل کرنے کے بعد واپس تشریف لے گئے اور اب تک جماعت کے لٹریچر کی فرانسیسی زبان میں منتقل کرنے میں اہم خدمات بجا لا رہے ہیں۔
۲۵۸۔ حضرت حافظ صاحب صحابی تھے مئی ۱۹۰۸ء میں آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کے آخری سفر لاہور کے دوران زیارت کی جس کے قریباً دو ہفتہ کے بعد حضور علیہ السلام وصال فرما گئے۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ۷ صفحہ ۲۴۸۔ ۱۹۱۶ء میں آپ نے مبلغین کلاس

پاس کی۔(الفضل ۷/ مارچ ۱۹۱۶ء صفحہ ۱)
۲۵۹- وکالت تبشیر کے ریکارڈ اور جناب صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر کی تقاریر سے ماخوذ!! جماعت احمدیہ ماریشس کی مطبوعات "Le Massage" (پہلا سالنامہ مئی ۱۹۶۳ء) اور "Victory for Khilaafat" سے بھی مدد لی گئی۔
۲۶۰- الفضل ۲۸/ فروری ۱۹۱۵ء صفحہ ا کالم ا۔
۲۶۱- الفرقان ستمبر اکتوبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۷۔
۲۶۲- الفرقان ستمبر اکتوبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۵۳ (مضمون جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر امیر جماعت احمدیہ لائلپور)
۲۶۳- حقیقتہ النبوۃ صفحہ ۱۸۵-۱۸۶۔
۲۶۴- ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے "حقیقتہ النبوۃ" کی نسبت ۱۳/ نومبر ۱۹۱۵ء کو ایڈیٹر پیغام صلح کے نام خط لکھا کہ میں نے کتاب حقیقتہ النبوۃ کی تعریف کی تھی۔ مگر اس کے دلائل پر رائے دینے کا حق مجھے حاصل نہیں۔ کیونکہ اختلاف سلسلہ احمدیہ کے متعلق وہی شخص رائے دے سکتا ہے جو مرزا صاحب مرحوم کی تصانیف سے پوری آگاہی رکھتا ہو اور یہ آگاہی مجھے حاصل نہیں"۔ پیغام صلح ۲۵/ نومبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۸۔
۲۶۵- الفضل ۲۲/ فروری ۱۹۱۶ء صفحہ ۲ کالم ا۔ خالد۔ اپریل ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۶۔ الفضل ۲۵/ مارچ ۱۹۱۵ء صفحہ ۸۔
۲۶۶- الفضل ۱۳/ اپریل ۱۹۱۵ء صفحہ ۲ تا ۸۔
۲۶۷، ۲۶۸- الفضل ۱۰/ جون ۱۹۱۵ء صفحہ ۱،۲ (حضرت مولانا کا خطبہ نکاح الفضل ۱۷/ جون ۱۹۱۵ء میں شائع شدہ ہے)
۲۶۹- اصحاب احمد حصہ دوم صفحہ ۲۷۸۔
۲۷۰- الفضل ۲۴/ فروری ۱۹۱۷ء صفحہ ا۔
۲۷۱- اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۲۹۸۔
۲۷۲- حضرت ام المومنینؓ کے وصال کے بعد ان کا نام ایک رویاء کی بناء پر نصرت جہاں بیگم رکھ دیا گیا۔
۲۷۳- اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۳۰۳۔
۲۷۴- الفضل ۸/ جولائی ۱۹۱۵ء صفحہ ا کالم ا۔
۲۷۵- الفضل ۱۵/ جولائی ۱۹۱۵ء صفحہ ا کالم ا۔
۲۷۶- الفضل ۱۵/ جولائی ۱۹۱۵ء صفحہ ۳۔
۲۷۷- الفضل ۲۶/ ستمبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۵۔
۲۷۸- ماؤنٹ گراوٹ متصل شہر برزبن ضلع کوئینز لینڈ (آسٹریلیا)
۲۷۹- الفضل ۲/ ستمبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۵۔
۲۸۰- الفضل ۲۸/ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۸۵۔
۲۸۱- الفضل ۲۰/ جولائی ۱۹۱۵ء صفحہ ا کالم ۲۔
۲۸۲- تاریخ مالابار (از شیخ محمود احمد صاحب عرفانی) میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔
۲۸۳- الفضل ۹/ ستمبر ۱۹۱۵ء۔
۲۸۴- مفصل نصائح الفضل ۱۴/ ستمبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۴-۵ میں طبع شدہ ہے۔
۲۸۵- حضرت قاضی صاحب ۲۸/ نومبر ۱۹۱۹ء کو قادیان میں واپس پہنچے۔(الفضل یکم دسمبر ۱۹۱۹ء صفحہ ۱)
۲۸۶- پیغام صلح ۱۹/ ستمبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۷-۸ و ۲۱/ ستمبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۸۔
۲۸۷- ملاحظہ ہو فاروق ۷/ اکتوبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۳-۴۔
۲۸۸- فاروق ۶/ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۷۔
۲۸۹- اس کی تفصیل حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے لیکچر "نظام آسمانی کا پس منظر" میں موجود ہے۔(اس واقعہ کی تعیین نہیں ہو سکی اندازاً اس سال کے واقعات میں اسے درج کیا جارہا ہے)

۲۹۰۔ الفضل ۴/ اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۴۔
۲۹۱۔ الفضل ۱۵/ اکتوبر ۱۹۱۵ء و ۱۴/ نومبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۲۔
۲۹۲۔ گیارھواں ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۸ (بحوالہ احمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۲۴۱ بار ششم
۲۹۳۔ الفضل ۱۴/ نومبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۱۔
۲۹۴۔ الفضل ۲۱/ نومبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۱۔
۲۹۵۔ "نظام آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر" صفحہ ۳۸۔۴۰ (از سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)
۲۹۶۔ مرحوم کی بیماری وغیرہ کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ (الفضل ۱۴/ نومبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۱۱۔ ۱۲ و ۲۱/ دسمبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۳۔ ۷ و اخبار فاروق ۱۸/ نومبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۱۱۔ ۱۲ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے تعزیت نامہ کے لئے ملاحظہ فرمائیں فاروق ۲۵/ نومبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۱۰۔
۲۹۷۔ ابتداء اس کے لئے اسلامیہ کالج کے پاس ایک مکان کرایہ پر لیا گیا۔ پھر اسے گوالمنڈی میں منتقل کیا گیا (الفضل ۱۱/ دسمبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۸) کچھ عرصہ لارنس روڈ اینگلو بنگلو پر رہا۔ (الفضل مئی ۱۹۱۶ء) اور پھر شاہ ابو العالی روڈ دیال سنگھ کالج لاہور کے پاس بھی رہا۔ (الفضل ۲۰/ ۱۰ ستمبر ۱۹۲۰ء) اسی طرح ایمپرس روڈ کوٹھی نمبر ۴ میں بھی۔
۲۹۸، ۲۹۹۔ الفضل ۱۱/ دسمبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۸ (بابو صاحب کے بعد متعدد سپرنٹنڈنٹ بنے جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ چوہدری محمد حسین صاحب سابق امیر ضلع ملتان و سیکرٹری تعلیم و تربیت لندن۔ سید دلاور شاہ صاحب بخاری۔ شیخ فضل کریم صاحب پراچہ۔ ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ۔ ماسٹر نذیر خان صاحب۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب۔ چوہدری غلام احمد صاحب ایم۔ اے۔
۳۰۰۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۳۲۔ ۱۳۴
۳۰۱۔ انگریزی قواعد و ضوابط کی ایک کاپی صدر انجمن احمدیہ کے ریکارڈ ۱۹۲۷ء میں محفوظ ہے۔
۳۰۲۔ رپورٹ مجلس مشاورت۔
۳۰۳۔ الفرقان جنوری ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۸ و الفرقان دسمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۳۸ و الفرقان اپریل ۱۹۶۱ء صفحہ ۳۳۔
۳۰۴۔ ایک یوم التبلیغ پر دو ہزار انگریزی ٹریکٹ شائع کرنے کا ذکر سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۳۷۔۱۹۳۶ء صفحہ ۲۰۰ پر ہے یہ ہوسٹل ۱۹۴۷ء کے فسادات میں بند ہو گیا تھا اب ستمبر ۱۹۶۴ء سے دوبارہ جاری ہوا۔
۳۰۵۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۵۴۔۳۵۵ (از حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ)
۳۰۶۔ الفضل ۲۲/ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶ کالم ۱۔۲۔ انگریزی پارہ کا عربی متن حضرت پیر منظور محمد صاحب لدھیانوی نے لکھا (الفضل ۱۶/ ستمبر ۱۹۱۵ء صفحہ ا کالم ۱) حضرت مفتی محمد صادق صاحب اس کی چھپوائی کے لئے اور حضرت مولوی شیر علی صاحب اس کی پروف ریڈنگ کے لئے مدراس تشریف لے گئے (الفضل ۱۵/ جولائی ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۱ کالم ۲) اردو تفسیر اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں اور انگریزی تفسیر ایڈیسن پریس مدراس میں طبع ہوئی۔
۳۰۷۔ مسلم ورلڈ بابت اپریل ۱۹۱۶ء (بحوالہ ریویو آف ریلیجنز اردو اگست ۱۹۱۶ء صفحہ ۳۰۵۔
۳۰۸۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۱۷ء صفحہ ۳۲۔
۳۰۹۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۱۷ء صفحہ ۳۲۔
۳۱۰۔ الفضل ۲۴/ اکتوبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۴ کالم ۳۔
۳۱۱، ۳۱۲۔ قادیان گائیڈ صفحہ ۱۰۰ (از محمد یامین صاحب تاجر کتب قادیان) صفحہ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔
۳۱۳۔ الفضل ۷/ اپریل ۱۹۴۴ء صفحہ ۷۔
۳۱۴۔ تفصیل کے لئے دیکھیں المصلح ۲۳/ ستمبر ۱۹۵۳ء۔
۳۱۵۔ انوار خلافت صفحہ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔
۳۱۶۔ الفضل ۵/ جنوری ۱۹۱۵ء۔
۳۱۷۔ الفضل ۳۔۵/ اکتوبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۱۔

۳۱۸۔ الفضل ۱۹/ اکتوبر ۱۹۱۵ء صفحہ ا۔
۳۱۹۔ الفضل ۱۷/ نومبر ۱۹۱۵ء صفحہ ا کالم ا۔ جہاد کبیر صفحہ ۴۵۔
۳۲۰۔ الفضل ۲۸/ دسمبر ۱۹۱۵ء صفحہ ا۔
۳۲۱۔ اصحاب احمد جلد ہفتم صفحہ ۹۶-۱۰۲۔
۳۲۲۔ الفضل ۱۴/ مارچ ۱۹۱۵ء صفحہ ا کالم ۳۔
۳۲۳۔ الفضل ۲۷/ اپریل ۱۹۱۵ء صفحہ ۱-۲۔
۳۲۴۔ الفضل ۱۶/ جون ۱۹۱۵ء صفحہ ا کالم ۲۔ اس مباحثہ کا فیصلہ جو شیخ محمد عمر صاحب بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی وکیل چیف کورٹ (ثالث فریقین) نے کیا "قول فیصل" کے نام سے طبع شدہ ہے۔
۳۲۵۔ الفضل ۲۰/ جولائی ۱۹۱۵ء صفحہ ۵-۷۔
۳۲۶۔ الفضل ۱۰/ دسمبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۵۔
۳۲۷۔ اخبار نور ۱۷/ اکتوبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۲۔
۳۲۸۔ دوسرا حصہ ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا۔
۳۲۹۔ حضرت مسیح موعودؑ سے پروفیسر صاحب کی ملاقات کا تفصیلی ذکر تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۵۳۵-۵۳۶ پر گزر چکا ہے۔
۳۳۰۔ الفضل ۴/ جنوری ۱۹۱۶ء صفحہ ا۔ مفصل گفتگو الفضل ۱۵/ جنوری ۱۹۱۶ء صفحہ ۳-۶ اور فاروق ۱۴/ جنوری ۱۹۱۶ء صفحہ ۲ میں چھپ گئی تھی۔ ان مہمانوں کے قیام اور ملاقات کا انتظام حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کے سپرد تھا۔ (اصحاب احمد جلد نہم حاشیہ صفحہ ۱۱۲)
۳۳۱۔ اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ ۶۴-۶۵۔
۳۳۲۔ احمدیہ موومنٹ۔
۳۳۳۔ تفسیر کبیر (سورۃ الکوثر صفحہ ۴۷۶) (از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی)
۳۳۴۔ ریویو آف ریلیجنز جون۔ جولائی ۱۹۴۳ء صفحہ ۳۶۰۔
۳۳۵۔ الفضل ۱۵/ فروری ۱۹۱۶ء صفحہ ا۔
۳۳۶۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۷۷۸۔
۳۳۷۔ الفضل ۹/ دسمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۸۔
۳۳۸۔ الفضل ۴/ مارچ ۱۹۱۶ء صفحہ ا۔
۳۳۹۔ کلام حسن صفحہ ۶۷۔
۳۴۰۔ یہ جلسہ راما تھیٹر ہال میں ہوا تھا۔
۳۴۱۔ حضرت مولانا میر محمد اسحٰق صاحب نے عربی میں لیکچر دیا تھا۔ اور چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ مولوی محمد الدین صاحب اور چوہدری ابوالہاشم خان صاحب نے انگریزی میں حضرت میر صاحب نے ایک لیکچر اردو میں بھی دیا تھا۔
۳۴۲۔ الفضل ۱۸/ مارچ ۱۹۱۶ء صفحہ ۲-۱۳۔ حضور نے جس مصروفیت اور جوش کے عالم میں اس مضمون کی تکمیل فرمائی۔ اس کی نسبت الفضل ۷/ مارچ ۱۹۱۶ء صفحہ ا پر لکھا ہے کہ آپ نے ایک حصہ تو ظہر تک لکھ کر امیر قافلہ مولوی محمد الدین صاحب بی۔ اے کے سپرد کیا۔ دوسرا حصہ ۲ بجے رات کے منشی فخرالدین کے ہاتھ بھجوایا پھر جمعہ کی نماز کے بعد شیخ عبدالخالق صاحب دہلی جارہے تھے چند اوراق انہیں دیئے اور ایک حصہ دو گھنٹے کے بعد ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے سائیکل سے جاکر اسٹیشن بٹالہ پر شیخ عبدالخالق صاحب کو پہنچایا اور باقی مضمون تین بجے رات کو حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی لے کر دہلی کو روانہ ہوئے۔
۳۴۳۔ الفضل ۲۲/ اپریل ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۲۔
۳۴۴۔ الفضل ۲۷/ مئی ۱۹۱۶ء صفحہ ۳۔
۳۴۵۔ الفضل ۲۹/ اپریل ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۲۔

۳۴۶۔ الفضل ۱۸/ جون ۱۹۱۶ء صفحہ ۴۔
۳۴۷۔ الفضل ۲۹/ جولائی ۱۹۱۶ء صفحہ ۷۔ و الفضل ۸/ اگست ۱۹۱۶ء صفحہ ۶۔ ۱۲۔
۳۴۸۔ الفضل ۸/ جولائی ۱۹۱۶ء صفحہ ۲۔
۳۴۹۔ الفضل ۸/ اگست ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۔
۳۵۰۔ الفضل ۲۹/ اگست ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۔
۳۵۱۔ اخبار نور ۳/ نومبر ۱۹۱۶ء ضمیمہ (ب)
۳۵۲۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۹۵۔ ۲۸۵۔ جغرافیہ پڑھانے کے دوران کا ایک واقعہ الفضل سالانہ جلسہ نمبر ۱۹۴۳ء صفحہ ۳۳ پر ملاحظہ ہو۔
۳۵۳۔ اخبار نور ۳/ نومبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۳۔ الفضل ۲۵/ نومبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۸/ ۷
۳۵۴۔ الفضل ۲۵/ نومبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۸۔
۳۵۵۔ الفضل ۱۳/ جنوری ۱۹۱۷ء صفحہ ۲۔
۳۵۶۔ الفضل ۲۲/ ۱۹ دسمبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۔ ۲۔
۳۵۷۔ الفضل ۲/ جنوری ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۔ ۲۔
۳۵۸۔ الفضل ۱۶/ ۱۲ دسمبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۔ و الفضل ۲۲/ ۱۹ دسمبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۸۔ ۲۰۔
۳۵۹، ۳۶۰۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۱۶ء صفحہ ۳۴ و قادیان گائیڈ صفحہ ۲۷۔ حضرت خلیفہ اولؓ کا کتب خانہ اس وقت تک آپ کے گھر میں رکھا تھا۔
۳۶۱۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۱۷ء صفحہ ۳۶۶۔ ایضاً سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۳۳۔ ۱۹۳۲ء صفحہ ۷۔ ۱۳۔
۳۶۲۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۲۹ء صفحہ ۶۲۔
۳۶۳۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۲۹ء صفحہ ۳۵۷۔ ۳۵۹۔
۳۶۴۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۸۴۔
۳۶۵۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۵۳۔ ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۲۔
۳۶۶۔ ضمیمہ الفضل ۱۶/ دسمبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۶/ ۵ اس ضمیمہ میں حضور نے "اسلام" کے عنوان سے مستوارت کے لئے ایک مضمون بھی شائع کیا۔
۳۶۷۔ اس سال مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی بیچارے اپنی پیرانہ سالی اور بیماری کے باعث غیر مبایعین سے متاثر ہو گئے تھے اور انہوں نے اعلان کیا تھا کہ میں میاں محمود احمد صاحب کو خلافت سے معزول کرتا ہوں حضرت اقدس نے پہلی تقریر میں اس امر کا بھی ذکر فرما کر پورے جلال کے ساتھ اعلان فرمایا۔ "خلیفہ اگر خدا بناتا ہے اور واقعہ میں خدا ہی بناتا ہے تو مولوی محمد احسن کیا دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو اسے معزول کر سکتے ہوں۔ ہاں......... اعلان کرتا ہوں کہ جس کسی نے ان کی دی ہوئی خلافت سمجھ کر میری بیعت کی تھی وہ اپنی بیعت فسخ کرنے میں آزاد ہے"۔ (ذکر الٰہی طبع اول صفحہ ۱۳۔ ۱۴) حضرت مولوی محمد احسن صاحب بعد کو حضور کی خدمت میں قادیان تشریف لائے اور صاف اقرار کیا کہ حق قادیان میں ہے لیکن ساتھ ہی آبدیدہ ہو کر کہنے لگے کہ میں بڑھاپے میں اپنی بیوی کا محتاج ہوں مگر بیوی کو لاہوریوں نے لالچ دیا ہوا ہے اس لئے میں بھی ان کے ساتھ جانے پر مجبور ہوں۔ (الفضل ۲۳/ ستمبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۳)
۳۶۸۔ تفسیر کبیر (سورۃ التطفیف) صفحہ ۳۱۵ (از حضرت خلیفہ ثانی)
۳۶۹۔ الفضل ۲/ ستمبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۔
۳۷۰۔ الفضل ۴۔ ۸۔ ۱۸/ اپریل، ۲۴/ اکتوبر ۱۹۱۶ء۔
۳۷۱۔ الفضل ۵/ ۲ دسمبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۔
۳۷۲۔ الفضل ۳۰/ ستمبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۔

۳۷۳۔ الفضل ۱۶/ مئی ۱۹۱۶ء صفحہ ا۔
۳۷۴۔ "مباحثہ احمدیاں و غیر احمدیاں" کے نام سے کتابی صورت میں طبع شدہ ہے۔
۳۷۵۔ یہ مباحثہ بھی "مباحثہ سرگودھا" کے نام سے شائع ہو گیا تھا۔
۳۷۶۔ الفضل ۴/ جولائی ۱۹۱۶ء صفحہ ۲۔
۳۷۷۔ الفضل ۱۵/ جولائی ۱۹۱۶ء صفحہ ۲۔
۳۷۸۔ الفضل ۲۲/ اگست ۱۹۱۶ء صفحہ ا۔
۳۷۹۔ فتح مبین کے نام سے چھپا ہوا ہے۔
۳۸۰۔ اخبار نور ۱۷/ اپریل ۱۹۱۶ء صفحہ ۳۔
۳۸۱۔ الفضل ۵/ ۲ دسمبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۲۔
۳۸۲۔ الفضل ۱۳/ مارچ ۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔
۳۸۳۔ الفضل ۲۸/ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۳۔
۳۸۴۔ الفضل ۷/ مارچ ۱۹۶۴ء صفحہ ۵۔
۳۸۵۔ الفضل ۴-۸/ اپریل ۱۹۱۶ء صفحہ ۲۰۔
۳۸۶۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا زیر لفظ "RUSSIA"۔
۳۸۷۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں تاریخ احمدیت جلد سوم (طبع اول) صفحہ ۴۰۳، ۴۰۵۔ ایضاً ڈاکٹر محمد شاہ نواز صاحب کے مضامین مطبوعہ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری فروری ۱۹۳۵ء۔
۳۸۸۔ جناب مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر زمیندار نے "خدائے قادیان اور زار روس" کے عنوان سے ایک نظم بھی کہی جس کے چند شعر یہ تھے۔

زار کی لفظی رعایت نے یہ سمجھایا تھا قول
زار بھی ہو گا تو ہو گا اس گھڑی با حال زار

بعد مردن اتفاقاً چھڑ گئی جنگ فرنگ
رنگ لائی مدتوں میں گردش لیل و نہار

زار سے چھنوا دیا قسمت نے اس کا تخت و تاج
کیونکہ قسمت کا نہیں دنیا میں کچھ بھی اعتبار

حال اسی کو غیب کے اسرار کا معلوم ہے
بادشاہی اور گدائی پر ہے جس کا اختیار

(ارمغان قادیان صفحہ ۱۹۔۲۰)

۳۸۹۔ ریویو آف ریلیجنز اردو ۱۵/ جولائی ۱۹۱۷ء صفحہ ۲۹۶۔
۳۹۰۔ الفضل ۱۴/ جولائی ۱۹۱۷ء صفحہ ۸۔
۳۹۱۔ حضرت ڈاکٹر صاحب ان دنوں ریاست پٹیالہ میں ملازم تھے اور ریاست سے فارغ ہونا مشکل تھا اور شروع میں حضرت ڈاکٹر صاحب بلا تنخواہ رخصت پر قادیان آئے تھے (ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۱۹ء)
۳۹۲۔ ایضاً ریکارڈ ۱۹۲۱ء۔
۳۹۳۔ اصحاب احمد جلد ہشتم صفحہ ۱۲۳۔
۳۹۴۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۳۰ء (نور ہسپتال کا ایک کمرہ ملک صاحب خان صاحب نون کے خرچ پر تعمیر ہوا) ریکارڈ ۱۹۲۸ء۔
۳۹۵۔ الفضل ۴/ اگست ۱۹۱۷ء صفحہ او الحکم ۲۸/ نومبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۳-۴۔
۳۹۶۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۵۸۔
۳۹۷۔ الفضل ۲۲/ ستمبر ۱۹۱۷ء صفحہ ا۔
۳۹۸۔ الفضل ۱۹/ ۱۵ مئی ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۰-۱۱۔

۳۹۹۔ الفضل ۸/ ستمبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۷۔
۴۰۰۔ الفضل یکم ستمبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۱ و ۱۳/ اکتوبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۔
۴۰۱۔ ملاحظہ ہو ضمیمہ الفضل ۲۲/ ستمبر ۱۹۱۷ء۔
۴۰۲۔ زندہ مذہب صفحہ ۲۹۔ (از حضرت خلیفہ ثانی)
۴۰۳۔ سنور میں حضور حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری، منشی محمد تقی صاحب اور مولوی قدرت اللہ صاحب کے گھر بھی تشریف لے گئے تھے۔
۴۰۴۔ الفضل ۱۶/ اکتوبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۴ (لیکچر کے لئے ملاحظہ فرمائیں ۱۵/ دسمبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۳-۱۵)۔
۴۰۵۔ اس ضمن میں حضرت مسیح موعودؑ کی ۱۹۰۵ء میں درگاہ میں ملاقات اور حضور کی خط و کتابت کا ذکر تاریخ احمدیت جلد سوم (طبع سوم) صفحہ ۳۴۷ پر گزر چکا ہے ہم یہاں یہ مزید بتانا چاہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحبؓ کی وفات پر حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں یکم اکتوبر ۱۹۰۷ء کو ریاست مانگرول (کاٹھیاواڑ) سے مندرجہ ذیل تعزیت نامہ لکھا۔ "قدسی صفات۔ سراپا نوازش و الطاف مرزا صاحب السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ.... الحکم آیا اور عزیز مبارک احمد کی وفات معلوم ہوئی۔ جس کے پڑھنے سے اس قدر غم واندوہ ہوا ہے کہ ظاہر نہیں کر سکتا۔ زمانہ قیام دہلی میں عزیز مرحوم کو دیکھا تھا کیا پیارا بچہ تھا۔ اگرچہ آپ کو صبر و رضا کی تلقین لقمان کو حکمت سکھانا ہے تاہم رسمی طور پر اس نیت سے یہ نامہ ارسال ہے کہ آپ کو اور آپ کی جماعت کو اس ابتلا میں قلبی اطمینان میسر ہو گیا ہو گا مگر افسوس کہ میں بسبب اس محبت کے جو مجھ کو آپ اور آپ کی جماعت سے ہے عزیز مرحوم کی ناگہانی وفات کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اور سخت قلق میں ہوں۔ خواجہ حسن نظامی خواہرزادہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی دہلی۔"
۴۰۶۔ رسالہ نظام المشائخ دہلی محرم ۱۳۳۶ھ صفحہ ۵۲-۵۳۔ بعنوان "اجمیر شریف میں بلاوا۔"
۴۰۷۔ الفضل ۱۸/ دسمبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۸-۹۔
۴۰۸۔ ستارہ صبح ۳۱/ دسمبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۲ جلد ۱ نمبر ۱۰۰۔
۴۰۹۔ رسالہ مرشد نمبر ۱ بحوالہ الفضل ۱۴ مئی ۱۹۱۸ء صفحہ ۵۔
۴۱۰۔ بحوالہ الفضل ۱۸/ ۱۵ مارچ ۱۹۱۹ء صفحہ ۱۴۔
۴۱۱۔ "تاریخ ہندوپاک" صفحہ ۲۳۸ مطبوعہ حجازی پریس لاہور۔
۴۱۲۔ "حیات محمد علی جناح" صفحہ ۱۱ (از سید رئیس احمد جعفری) طبع دوم۔
۴۱۳۔ برکات خلافت صفحہ ۵۳-۶۴۔ (تقریر سیدنا حضرت خلیفہ ثانی بر سالانہ جلسہ ۱۹۱۴ء)
۴۱۴۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۱۸-۱۹۱۷ء صفحہ ۵ و الفضل ۱۷/ ۱ نومبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۔
۴۱۵۔ ممبر حضرت نواب محمد علی خان صاحب مالیر کوٹلہ۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب۔ خان بہادر راجہ پائندہ خاں جنجوعہ جہلم۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ عبداللہ بھائی الہ دین صاحب سکندر آباد دکن۔ مولوی غلام اکبر خان صاحب وکیل ہائیکورٹ حیدر آباد دکن۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب۔ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال۔
۴۱۶۔ ریویو آف ریلیجنز اردو دسمبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۴۵۳-۴۵۷-۴۵۸۔
۴۱۷۔ بحوالہ الفضل ۲۰/ نومبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۱۔
۴۱۸۔ الفضل ۲۰/ نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۱-۲۔
۴۱۹۔ الفضل ۷/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ۸-۹۔
۴۲۰۔ الفضل ۲۴/ نومبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۲۔
۴۲۱۔ الفضل ۲۲/ دسمبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۵۔
۴۲۲۔ رپورٹ محکمہ نظارت جماعت احمدیہ صفحہ ۱۰۔
۴۲۳۔ الحکم ۷/ مئی ۱۹۲۱ء صفحہ ۵۔ الفضل ۱۷/ جولائی ۱۹۴۳ء صفحہ ۵۔

۴۲۴۔ الفضل ۲/۷ فروری ۱۹۱۷ء صفحہ ۱، ۱۴/۱۰ اپریل ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۔
۴۲۵۔ الفضل ۲/۷ جنوری ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۔
۴۲۶۔ فاروق ۶/ ستمبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۳۔
۴۲۷۔ الفضل ۳۰/ ستمبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۴۔
۴۲۸۔ فاروق ۱۲/ اپریل ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۔
۴۲۹۔ الفضل ۱۳/۱۰ اپریل ۱۹۱۷ء صفحہ ۳، ۱۰/ اپریل ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۰۔
۴۳۰۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۱۷ء۔
۴۳۱۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۱۷ء۔
۴۳۲۔ قادیان گائیڈ صفحہ ۱۰۲۔
۴۳۳۔ اخبار نور ۱/۷ ۳ مئی ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۔
۴۳۴۔ الفضل ۳/ مارچ ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۔
۴۳۵۔ الفضل ۱/۷ مارچ ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۲۔
۴۳۶۔ الفضل ۱۸/ اگست ۱۹۱۷ء صفحہ او سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۵۸۔
۴۳۷۔ الفضل ۷/ مارچ ۱۹۱۷ء صفحہ ۹۔
۴۳۸۔ اخبار نور ۱/۷ اگست ۱۹۱۷ء صفحہ ۸۔
۴۳۹۔ فاروق ۶/ ستمبر صفحہ ۳۔ ۴و ۲/۷ ستمبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۳۔۸۔
۴۴۰۔ الفضل ۲۸/ جولائی ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۔
۴۴۱۔ بحوالہ الفضل ۹/ فروری ۱۹۱۸ء صفحہ ۳۔
۴۴۲۔ الفضل ۴/ مئی ۱۹۱۸ء صفحہ ۱۔
۴۴۳۔ الفضل ۱۱/ مئی ۱۹۱۸ء صفحہ ۱۔
۴۴۴۔ الفضل ۱۸/ جون ۱۹۱۸ء صفحہ ۱۔
۴۴۵۔ مکتوب حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بنام مولف کتاب محررہ ۳۱/ جولائی ۱۹۶۴ء۔
۴۴۶۔ الفضل ۲۰/ اگست ۱۹۱۸ء صفحہ ۱۔
۴۴۷۔ الحکم ۷/ جولائی ۱۹۱۸ء صفحہ ۴۔
۴۴۸۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۵۸۔۳۵۹۔ (از حضرت میرزا بشیر احمد صاحبؓ)
۴۴۹۔ حضرت امیر المومنین کو انفلوئنزا کی وجہ سے ہر وقت حرارت رہتی تھی۔ اور ضعف قلب کا عارضہ بھی لاحق ہو گیا تھا حضور کی بیماری پر حضرت ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب اور حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب تار دے کر بلوائے گئے۔ حضرت میر صاحب تو قادیان پہنچنے کے دوسرے تیسرے روز خود انفلوئنزا میں مبتلا ہو گئے۔ مگر حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کو قریباً سوا تین ماہ حضور کی خدمت میں رہ کر تیمارداری اور علاج کا موقعہ ملا۔ رات کو حضور کے پاس صرف حضرت ڈاکٹر صاحب ہی ہوتے۔ اکثر کھانا بھی حضور کے ساتھ کھاتے تھے۔ حضور نے انہیں پہلا حکم یہ دیا کہ میری اجازت کے بغیر کمرہ سے باہر نہ جائیں۔ ڈاکٹر صاحب نے حضور کا بول و براز ٹسٹ کرانے کے لئے لاہور کے پتھالوجیکل ڈیپارٹمنٹ میں بھجوایا جہاں ڈاکٹر عبد الغنی صاحب کڑک کام کرتے تھے۔ تشخیص کا نتیجہ سامنے آنے پر حضرت ڈاکٹر صاحب نے ایک نئی ایجاد شدہ دوا کے چھ ٹیکے منگوائے اب سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ نئی قسم کا ٹیکہ حضور کے لگایا بھی جائے یا نہیں۔ اس بارے میں بعض احباب متامل تھے کہ مبادا کوئی بری علامت پیدا ہو جائے مگر حضرت ڈاکٹر صاحب کو یقین تھا کہ یہ علاج انشاء اللہ ضرور کارگر ہو گا۔ اس لئے آپ نے پسند کیا کہ بطور تجربہ ایک ٹیکہ آپ کے لگا کر نتیجہ دیکھ لیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ چوبیس گھنٹے گزرنے کے بعد جب کوئی بری علامت ظاہر نہ ہوئی۔ پھر تو حضور کے بھی ٹیکہ لگایا گیا۔ دوسرے ٹیکہ کے بعد حضور کی بیماری ختم ہو گئی اور تیسرے ٹیکہ کی ضرورت نہ رہی۔ (نیز ملاحظہ ہو اصحاب احمد جلد ہشتم

صفحہ ۱۱۶-۱۱۷)

۴۵۰۔ یعنی حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ۔ناقل۔

۴۵۱۔ حضرت مولانا شیر علی صاحب کے قلم سے لکھی ہوئی اصل وصیت خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہے۔

۴۵۲۔ اخبار حق لاہور ۲۳/ نومبر ۱۹۱۸ء صفحہ ۳-۴۔

۴۵۳۔ یادگار جنگ صفحہ ۳۷-۳۸ (شائع کردہ پنجاب پبلسٹی کمیٹی لاہور)

۴۵۴۔ اخبار حق لاہور ۲۳/ نومبر ۱۹۱۸ء صفحہ ۱۔

۴۵۵۔ الفضل ۳/ دسمبر ۱۹۱۸ء صفحہ ۲۔

۴۵۶۔ الفضل ۷/ دسمبر ۱۹۱۸ء صفحہ ۱۱۔

۴۵۷۔ الفضل ۲۶/ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۳۔

۴۵۸۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ اکتوبر ۱۹۱۸ء۔

۴۵۹۔ الفضل ۲۹/ مارچ ۱۹۱۹ء صفحہ ۴۔

۴۶۰۔ الفضل ۲۳/ نومبر ۱۹۱۸ء صفحہ ۱-۲۔

۴۶۱۔ الحکم ۱۴/۷ دسمبر ۱۹۱۸ء صفحہ ۸۔

۴۶۲۔ الفضل ۲۶/ جنوری ۱۹۱۸ء صفحہ ۲۔

۴۶۳۔ الفضل ۲۲/ جون ۱۹۱۸ء صفحہ ۲۔

۴۶۴۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۱۸ء۔

۴۶۵۔ الفضل ۱۲/ فروری ۱۹۱۸ء صفحہ ۱۰-۱۱۔

۴۶۶۔ اخبار نور ۳/ فروری ۱۹۱۸ء صفحہ ۷-۱۵۔

۴۶۷۔ الفضل ۱۲/ مارچ ۱۹۱۸ء صفحہ ۲۔

۴۶۸۔ "فیصلہ حکم" کے نام سے چھپ گیا تھا۔

۴۶۹۔ الفضل یکم جون ۱۹۱۸ء صفحہ ۹۔

۴۷۰۔ الفضل ۲۸/ مئی ۱۹۱۸ء صفحہ ۲۔

۴۷۱۔ تشحیذ الاذہان دسمبر ۱۹۱۸ء صفحہ ۹-۲۶۔

۴۷۲۔ سیٹھ صاحب کا وطن مالوف چنیوٹ ضلع جھنگ ہے آپ کے والد ماجد میاں حاجی سلطان محمود صاحب نے چنیوٹ میں اسلامیہ ہائی سکول جاری کیا۔ جس کی وجہ سے اپنی برادری میں بانی خطاب پایا حاجی تاج محمود صاحب مرحوم جن کا انتقال جولائی ۱۹۶۴ء میں ہوا آپ کے سگے چچا تھے۔ (الفضل ۱۸/ ستمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۴)

۴۷۳۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۶۲-۳۶۳ و الفضل ۳/ نومبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۳ (تقریر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی)

۴۷۴۔ رپورٹ محکمہ نظارت (از یکم جنوری ۱۹۱۹ء تا مارچ ۱۹۱۹ء صفحہ ۲ (شائع کردہ حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ ناظر اعلیٰ) و الفضل یکم اپریل ۱۹۱۹ء صفحہ ۷-۸۔

۴۷۵۔ الفضل ۴/ جنوری ۱۹۱۹ء صفحہ ۱-۲۔ نظارتوں کی پہلی سہ ماہی کی رپورٹ طبع شدہ ہے۔

۴۷۶۔ الفضل ۳۱/ اکتوبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۳، ۳/ نومبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۳۔

۴۷۷۔ الفضل ۳/ نومبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۳۔

۴۷۸، ۴۷۹۔ ۲۹/ نومبر ۱۹۵۵ء کو نظارت دعوۃ و تبلیغ ختم کر دی گئی اور فیصلہ ہوا کہ جماعت بہت بڑھ چکی ہے اور جماعتی تربیت کی طرف بہت ضرورت ہے اس لئے نظارت تعلیم و تربیت دو نظارتوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ اول نظارت تعلیم دوم نظارت رشد و اصلاح۔ نظارت رشد و اصلاح کے کارکن اپنے گریڈ کے لحاظ سے علی الترتیب (۱) مربی (۲) معلم کے نام سے موسوم ہوں گے۔ اس فیصلہ کے مطابق نظارت تعلیم و تربیت کا تربیتی حصہ عملہ و بجٹ سمیت نظارت رشد و اصلاح کی طرف منتقل کر دیا گیا۔

۴۸۰۔ الفضل ۲۱/ نومبر ۱۹۲۵ء صفحہ ا (یکم مئی ۱۹۲۶ء کو حضور نے نظارت تجارت کا اضافہ کیا اور اس کے پہلے (آنریری) ناظر حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو مقرر فرما کر ارشاد فرمایا کہ شاہ صاحب ہر تجارتی معاملہ مرزا شریف احمد صاحب کے مشورہ سے کریں گے (ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۲۶ء) تقسیم ملک کے بعد نظامت خدمت درویشاں نظامت دیوان اور نظامت زراعت کا بھی قیام عمل میں آیا۔

۴۸۱۔ الفضل ۱۵/ فروری ۱۹۱۹ء صفحہ ا۔

۴۸۲۔ الفضل ۴/ مارچ ۱۹۱۹ء صفحہ ا۔ ۲۔

۴۸۳۔ اس تقریر کا ملخص ریویو آف ریلیجنز اردو ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا۔

۴۸۴۔ الفضل ۸/ مارچ ۱۹۱۹ء صفحہ ا۔

۴۸۵۔ الفضل ۸/ مارچ ۱۹۱۹ء صفحہ ۳۔

۴۸۶۔ الفضل ۸/ مارچ ۱۹۱۹ء صفحہ ۵۔ غیر مبائع اخبار پیغام صلح نے ۲/ مارچ ۱۹۱۹ء کی اشاعت میں "میاں صاحب کا ایک قابل قدر لیکچر" کے عنوان سے لکھا۔ علانیہ اس بات کا اظہار کرتے ہوئے کہ ۲۶/ فروری ۱۹۱۹ء کو حبیبیہ ہال لاہور میں "خلافت اسلامیہ کے اندرونی اختلافات" پر جو لیکچر انہوں نے دیا وہ نہایت ہی قابل قدر اور لائق تحسین تھا جس محنت اور جس قابلیت کے ساتھ میاں صاحب نے تاریخ کی ورق گردانی کر کے ان اسباب کو معلوم کیا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات اور آپس کی نزاعات اور جنگوں کا باعث تھے اور جس خوبی کے ساتھ اس الزام کو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم دراصل ان فتنوں کے موجب تھے ان خیر القرون کے بزرگوں سے اتارنے کی کوشش کی ہے۔ وہ داد دینے کے قابل ہے۔

۴۸۷۔ "اسلام میں اختلافات کا آغاز" بار دوم سرورق صفحہ ۲۔

۴۸۸۔ الفضل ۲۹/ مارچ ۱۹۱۹ء صفحہ ا۔ ۲۔

۴۸۹۔ قادیان گائیڈ صفحہ ۸۶۔ اس نئے قبرستان میں سب سے پہلے امتہ الرشید بنت محمد یامین صاحب تاجر کتب آف قادیان حال (ربوہ) دفن ہوئی۔

۴۹۰۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۵۹۔ ۳۶۰ (از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب) سرگزشت صفحہ ۶۰۔ ۶۳ (از عبد المجید سالک) تاریخ ہند حصہ دوم صفحہ ۲۴۴۔ ۲۴۵ (مطبوعہ حجازی پریس لاہور)

۴۹۱۔ ملاحظہ ہو الفضل ۱۰/ مئی ۱۹۱۹ء۔

۴۹۲۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ ۲/ مئی ۱۹۱۹ء (بحوالہ الفضل ۱۰/ مئی ۱۹۱۹ء صفحہ ۳)

۴۹۳۔ ترک موالات اور احکام اسلام صفحہ ۲۔ ۳ (از حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)

۴۹۴۔ ترک موالات اور احکام اسلام۔ صفحہ ۴۔ ۵ (ملخصاً)

۴۹۵۔ الفضل ۲۲/ فروری ۱۹۱۹ء صفحہ ۳۔

۴۹۶۔ الفضل ۲۲/ فروری ۱۹۱۹ء صفحہ ۳۔

۴۹۷۔ الفضل ۲۱/ اکتوبر ۱۹۱۹ء۔

۴۹۸۔ الفضل ۲/ فروری ۱۹۲۰ء صفحہ ۵۔

۴۹۹۔ اس کا انگریزی ایڈیشن "The Future of Turkey" کے نام سے شائع شدہ ہے۔

۵۰۰۔ الفضل ۷/ ۲/ ستمبر ۱۹۱۹ء۔

۵۰۱۔ الفضل ۲۲/ دسمبر ۱۹۱۹ء صفحہ ۱۳۔

۵۰۲۔ رپورٹ محکمہ نظارت جماعت احمدیہ صفحہ ۱۰۔

۵۰۳۔ جمعدار فضل دین صاحب کا تحریری بیان ہے کہ اس تقریر کے دوران میرے پاس ایک بزرگ عبد اللہ نامی بیٹھے تھے انہوں نے حضور کی خدمت میں اپنا نام لکھے بغیر یہ سوال لکھ بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے علم کی وجہ سے انسان تقدیر کے مطابق کام کرنے پر مجبور ہے۔ عجیب بات ہے کہ ابھی سوال کا کاغذ حضور تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ حضور نے از خود عبد اللہ کا نام بطور مثال لے کر اس

اعتراض کا جواب دینا شروع کر دیا۔ جو تقدیر الٰہی طبع اول (صفحہ ۱۰۹۔۱۱۰) پر موجود ہے۔

۵۰۴۔ اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۳۰۳۔

۵۰۵۔ الفضل ۱۷/ مئی ۱۹۱۹ء صفحہ ۵۔

۵۰۶۔ الفضل ۱۶/ ستمبر ۱۹۱۹ء صفحہ ۸۔

۵۰۷۔ الفضل ۲۱/ جون ۱۹۱۹ء صفحہ ۴ کالم ۳۔

۵۰۸۔ الفضل ۲۸/ جنوری ۱۹۱۹ء صفحہ ۹۔۱۰۔

۵۰۹۔ الفضل ۲۹/ مارچ ۱۹۱۹ء صفحہ ۹۔

۵۱۰۔ الفضل ۲۶/ جولائی ۱۹۱۹ء صفحہ ۸۔

۵۱۱۔ الفضل ۳۰/ ستمبر ۱۹۱۹ء صفحہ ۱۔

تیسرا باب (فصل اول)

دار التبلیغ امریکہ کی بنیاد سے لے کر "لجنہ اماء اللہ" کے قیام تک

خلافت ثانیہ کا ساتواں سال

(جنوری ۱۹۲۰ء تا دسمبر ۱۹۲۰ء بمطابق ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ تا ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ)

دار التبلیغ امریکہ کی بنیاد

۱۹۲۰ء کے سال کو ایک نمایاں خصوصیت یہ حاصل ہے کہ اس میں سلسلہ احمدیہ کی باقاعدہ تبلیغی مہم پرانی دنیا کی حدود سے نکل کر نئی دنیا میں جا پہنچی اور امریکہ میں مستقل مرکز کی بنیاد پڑی۔ یہ وہی امریکہ ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی پیشگوئی کے مطابق ڈاکٹر الیگزنڈر ڈوئی فالج زدہ ہو کر کچھ دنوں کے بعد ۹ مارچ ۱۹۰۷ء کو بڑی حسرت واندوہ کی حالت میں ختم ہو گیا۔ ڈوئی اس عداوت و دشمنی کا بدترین نمونہ تھا۔ جو امریکن پادریوں کو اسلام اور بانی اسلام حضرت رسول خدا محمد مصطفیٰ ﷺ سے رہی ہے۔

دراصل امریکہ کے پادری گذشتہ صدی سے تمام عالم اسلام حتی کہ مرکز اسلام مکہ معظمہ پر بھی صلیب کے جھنڈے لہرانے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ مسٹر جان ہنری بیروز (John Henry Berose) نے گزشتہ صدی کے نصف آخر میں کہا تھا کہ صلیب کی چمکار آج ایک طرف لبنان پر ضوافگن ہے تو دوسری طرف فارس کے پہاڑوں کی چوٹیاں اور باسفورس کا پانی اس کی چمک سے جگمگا رہا ہے یہ صورت حال پیش خیمہ ہے اس آنے والے انقلاب کا جب قاہرہ دمشق اور تہران کے شہر خداوند یسوع کے خدام سے آباد نظر آئیں گے۔ حتی کہ صلیب کی چمکار صحرائے عرب کے سکوت کو چیرتی ہوئی وہاں بھی پہنچے گی۔ اس وقت خداوند یسوع اپنے شاگردوں کے ذریعہ مکہ کے شہر اور خاص کعبہ کے حرم میں داخل ہو گا۔

یہ حالات تھے جن میں حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالٰی نے حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو جو اس وقت انگلستان میں تھے امریکہ چلے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ آپ ۲۶ جنوری ۱۹۲۰ء کو انگلستان کی بندرگاہ لورپول سے روانہ ہوئے [۲] اور ۱۵ فروری ۱۹۲۰ کو امریکہ کی بندرگاہ فلاڈلفیا پر اترے لیکن شہر کے اندر داخل نہ ہو سکے کیونکہ راہداری کے انسپکٹر نے کئی گھنٹے کی پوچھ گچھ کے بعد صرف اس وجہ سے کہ آپ ایک ایسے مذہب کے داعی و مبلغ تھے جو تعدد ازدواج کی اجازت دیتا ہے آپ کو ملک میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ اور فیصلہ کیا کہ آپ جس جہاز میں آئے ہیں اسی میں واپس چلے جائیں۔

حضرت مفتی صاحب نے اس فیصلہ کے خلاف محکمہ آبادکاری (واشنگٹن) میں اپیل کی۔ اپیل کے فیصلہ تک آپ کو سمندر کے کنارے ایک مکان میں بند کر دیا گیا۔ جس سے باہر نکلنے کی ممانعت تھی مگر چھت پر ٹہل سکتے تھے۔ اس کا دروازہ دن میں صرف دو مرتبہ کھلتا تھا جبکہ کھانا کھلایا جاتا تھا۔

اس مکان میں کچھ یورپین بھی نظر بند تھے جو عموماً نوجوان تھے اور پاسپورٹ نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت تک کے لئے یہاں نظر بند کر دیئے گئے تھے جب تک حکام کی طرف سے ان کے متعلق کوئی فیصلہ ہو۔ یہ لوگ حضرت مفتی صاحب کا بڑا ادب کرتے تھے۔ اور ان کی ضرویات کا خیال رکھتے تھے۔ ان کے لئے نماز پڑھنے کی جگہ بھی انہوں نے بنا دی تھی۔ اور برابر خدمت کرتے رہتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر ان نوجوانوں ہی کو تبلیغ کرنا شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو ماہ کے اندر پندرہ آدمی اسی مکان میں مسلمان ہوئے۔

ادھر یہ صورت ہوئی ادھر آپ کی شہرت کا غیبی سامان یہ ہوا۔ کہ امریکن پریس نے آپ کی آمد اور ملک میں داخلے کی ممانعت کا بہت چرچا کیا۔ اور بعض مشہور ملکی اخبارات مثلاً "فلاڈلفیا ریکارڈ"۔ پبلک ریکارڈ"۔ نارتھ امریکن بلیٹین"۔ ایوننگ بلیٹین"۔ پبلک لیجر"۔ دی پریس"۔ نے نہ صرف آپ کی آمد کے بارے میں خبر دی۔ بلکہ جماعت احمدیہ کے حالات بھی شائع کئے۔ [۳]

سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالٰی نے امریکی حکومت کے اس رویہ پر سخت افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

"امریکہ جسے طاقتور ہونے کا دعویٰ ہے اس وقت تک اس نے مادی سلطنتوں کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست دی ہوگی۔ روحانی سلطنت سے اس نے مقابلہ کر کے نہیں دیکھا۔ اب اگر اس نے ہم سے مقابلہ کیا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ہمیں وہ ہرگز شکست نہیں دے سکتا کیونکہ خدا ہمارے ساتھ ہے ہم امریکہ کے اردگرد علاقوں میں تبلیغ کریں گے اور وہاں کے لوگوں کو مسلمان بنا کر امریکہ بھیجیں گے اور ان کو امریکہ نہیں روک سکے گا اور ہم امید رکھتے ہیں کہ امریکہ میں ایک دن لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کی صدا گونجے گی اور ضرور گونجے گی'' ۵

آخر شروع مئی ۱۹۲۰ء میں امریکی حکومت کی طرف سے حضرت مفتی صاحب سے پابندی اٹھالی گئی۔ جس کی فوری وجہ یہ ہوئی۔ کہ حضرت مفتی صاحب کی تبلیغ سے کئی انگریزوں کے مسلمان ہونے کی خبر جب متعلقہ محکمہ کے افسر کو پہنچی تو وہ بہت گھبرایا اور سوچنے لگا کہ اس طرح تو یہ آہستہ آہستہ سارے نظر بند نوجوانوں کو مسلمان کرلیں گے۔ اور جب شہر کے پادری صاحبان کو اس کا علم ہو گا تو وہ سخت ناراض ہوں گے۔ اور شہر کی پبلک میرے خلاف ہو جائے گی اس پر اس نے اعلیٰ افسروں کو تار دیئے کہ جس قدر جلد سے جلد ممکن ہو ہندوستانی مشنری کو اندرونِ ملک میں داخلے کی اجازت دے دی جائے۔ چنانچہ حکام نے بھی آپ کو امریکہ داخل ہونے کا فیصلہ کر دیا۔ اور حضرت مفتی صاحبؓ نے نیویارک میں داخل ہوکر ایک مکان کا حصہ لیکچروں اور دفتر کیلئے کرایہ پر لیکر تبلیغ اسلام کا کام شروع کردیا ۶ اور سعید روحیں حلقہ بگوش اسلام ہونے لگیں۔

اس کے بعد آپ نے ڈیٹرائٹ میں چند ماہ قیام فرمایا اور عرب آبادی میں خاص طور پر پیغام حق پہنچایا پھر ۱۹۲۱ء میں آپ شکاگو منتقل ہو گئے وہاں آپ نے ایک عمارت خرید کر امریکہ مشن کا مرکز قائم کیا۔ ۸ اور ''دی مسلم سن رائز'' کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ بھی جاری کیا۔ حضرت مفتی صاحب (جو امریکہ میں آج تک ڈاکٹر صادق کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں) ۴ دسمبر ۱۹۲۳ء کو قادیان واپس آ گئے ۹ اور امریکہ کا چارج حضرت مولوی محمد الدین صاحب نے لیا۔

حضرت مولوی محمد الدین صاحب نے اپنے عہد میں امریکہ کے طول و عرض میں تبلیغی حدود کو اور زیادہ وسعت دی اور کئی امریکنوں کو مسلمان کیا۔ آپ جنوری ۱۹۲۳ء میں قادیان سے تشریف لے گئے اور ۳۰ جون ۱۹۲۵ء کو واپس تشریف لے آئے۔

۲۰ مئی ۱۹۲۸ء کو مکرم صوفی مطیع الرحمان صاحب بنگالی مشن کے باقاعدہ انچارج بنا کر بھیجے گئے جو ۱۸ اگست ۱۹۲۸ء کو شکاگو پہنچے۔ ۱۰ ملک میں ان دنوں گورے اور کالے کا سوال بہت شدت سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور شکاگو مشن کالے باشندوں کی آبادی میں ہونے کی وجہ سے سفید فام لوگوں کی آمد و رفت بہت کم تھی۔ اس لئے صوفی صاحب نے ۱۹۲۹ء میں شہر کے مرکز میں ایک اور مکان کرایہ پر لے لیا۔ جو شہر کے وسط میں واقع ہونے کی وجہ سے ہر قسم کے لوگوں کے لئے باآسانی تبلیغی سنٹر بن گیا۔

۱۱

مکرم صوفی صاحب ۱۳ دسمبر ۱۹۳۵ء کو واپس قادیان آئے اور دوبارہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو امریکہ بھیجے گئے۔ جہاں آپ بارہ سال تک تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دینے کے بعد ۱۹۴۸ء میں واپس آئے۔

آپ نے اپنے زمانہ قیام میں رسالہ "مسلم سن رائز" کی اشاعت کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی سیرت اور قبر مسیح پر شاندار تصانیف شائع کیں۔ علاوہ ازیں آپ نے متعدد پمفلٹ اور ٹریکٹ صداقت اسلام پر شائع کئے۔ آپ کے ذریعہ امریکہ میں متعدد نئی جماعتیں قائم ہوئیں۔

صوفی مطیع الرحمان صاحب بنگالی مرحوم کے بعد مندرجہ ذیل مبلغین نے امریکہ میں تبلیغ کا فریضہ ادا کیا۔ چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر ایم۔اے (شکاگو۔ واشنگٹن) چوہدری غلام یٰسین صاحب بی۔اے (نیویارک واشنگٹن) مرزا منور احمد صاحب مولوی فاضل مرحوم (جو پٹس برگ میں ہی شہید ہوئے) چوہدری شکرالٰہی صاحب (سینٹ لوئیس) عبدالقادر صاحب ضیغم مولوی فاضل (پٹس برگ) مولوی نورالحق صاحب انور مولوی فاضل (نیویارک) سید جواد علی صاحب بی۔اے (ڈیٹرائٹ) امین اللہ خان سالک شاہد بی۔اے (شکاگو) صوفی عبدالغفور صاحب بی۔اے (واشنگٹن نیویارک) عبدالرحمان خان صاحب بنگالی بی۔اے (واشنگٹن پٹس برگ) راجہ عبدالحمید صاحب (ڈیٹن)

۱۹۵۰ سے امریکہ کا مرکزی دارالتبلیغ شکاگو کی بجائے واشنگٹن مقرر کیا گیا ہے اور اس کے حلقہ میں شکاگو، واشنگٹن، بوسٹن، فلاڈلفی، نیویارک، بالٹی مور، پٹس برگ، ینگس ٹاؤن، کلیولینڈ، ڈیٹن، انڈیاناپولس، ملواکی، سینٹ لوئیس اور کینس سٹی، ولیاسٹک اور ڈیٹرائٹ میں مشہور جماعتیں قائم ہیں۔

امریکہ کے بعض نہایت مخلص اور ایثار پیشہ احمدیوں کے نام یہ ہیں:۔ ولی کریم۔ لطیفہ کریم۔ امتہ اللطیف۔ مرسل شفیق (ڈیٹن) احمد شہید۔ علیہ شہید۔ ابو صالح ابوالکلام۔ رشیدہ کلام۔ (پٹس برگ) علیہ علی (انڈیاناپولس) نورالاسلام۔ محمد بشیر (شکاگو) زینب عثمان۔ عبداللہ علی (سینٹ لوئیس) عبدالحکیم، امتہ الحفیظ (کلیولینڈ) کریما کریم عبدالرحمان (بالٹیمور) رشیدہ طٰہٰ (واشنگٹن) بشیر افضل مصطفےٰ دلیل (نیویارک) خلیل محمود ایم۔اے (باسٹن)

امریکہ مشن کی طرف سے اس وقت تک تیس سے زائد کتب و رسائل شائع ہو چکے ہیں مثلاً اسلامی اصول کی فلاسفی اور احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے انگریزی تراجم۔ اسلام اینڈ ڈیماکریسی (از حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) حیات احمد (Life of Ahmad) قبر مسیح (The Tomb of Jesus) (مؤلفہ جناب صوفی مطیع الرحمان صاحب بنگالی مرحوم) اسلام کا تعارف (An Intepretation of Islam) (اطالوی پروفیسر واگ لیری) موخرالذکر کتاب کا دیباچہ جناب چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب (سابق جج عالمی اسمبلی حال جج عالمی عدالت ہیگ) کا لکھا ہوا ہے۔ مشن کی طرف سے اس وقت تبلیغ اسلام کے لئے "دی مسلم سن رائز" اور تربیتی اغراض کے لئے "احمدیہ گزٹ" کے نام سے دو رسالے بھی جاری ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر بشارت احمد صاحب منیر نے

جماعت کو فضل عمر پریس بطور عطیہ دیا۔ [۱۲]

امریکہ میں جماعت احمدیہ کو تبلیغ اسلام کے کام میں جو بھاری کامیابی حاصل ہوئی ہے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے پاکستان میں امریکی سفارتخانہ کا ترجمان "پنوراما" لکھتا ہے کہ "1,000 American converts to Islam by Ahmadiyya" [۱۳] یعنی امریکہ میں ایک ہزار نو مسلم جماعت احمدیہ کی مساعی کے نتیجہ میں داخل اسلام ہوئے ہیں۔

دوسری طرف ایک امریکن پادری نارمن ونسنٹ پیل (Norman vincent peal) خود امریکہ میں عیسائیت کی ناکامی کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ گزشتہ سال موسم بہار میں عوامی رجحانات کا جائزہ لینے کا ایک خاص اہتمام کیا گیا تھا اس کے نتیجے میں پتہ چلا کہ گرجوں میں حاضری روز بروز گر رہی ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب (عیسائیت) کا اثر روز بروز کم ہوتا جارہا ہے ان کی تعداد پہلے کی نسبت دوگنی سے بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ ایک اور جدید رجحان یہ ہے کہ بائبل کو خدا کا مستند الہامی کلام تسلیم کرنے میں پس و پیش سے کام لیا جارہا ہے۔ یہ اب محض ایک دینی کتاب کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ اور اس منہ بولتی تصدیق کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ کہ خداوند کا فرمان یہ ہے "یقیناً خداوند کا فرمان اور انجیل وہ بنیادیں ہیں جن پر پروٹسٹنٹ ازم قائم ہے جب یہ بنیاد ہی کمزور ہو جائے۔ تو پھر پوری عمارت کا متزلزل ہونا لازمی ہے"۔ [۱۴]

مسجد لنڈن کے لئے چندہ کی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۷ جنوری ۱۹۲۰ء کو مسجد لنڈن کے لئے چندہ کی تحریک فرمائی۔ جس پر جماعت نے ایسے رنگ میں لبیک کہا کہ ایک دنیا ورطۂ حیرت میں آگئی۔ چنانچہ عبدالمجید قرشی ایڈیٹر اخبار "تنظیم" امرتسر نے لکھا "تعمیر مسجد کی تحریک ۶ جنوری ۱۹۲۰ء میں امیر جماعت احمدیہ نے کی اس سے زیادہ مستعدی اس سے زیادہ ایثار اور اس سے زیادہ سمع و اطاعت کا اسوہ حسنہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ۱۰ جون تک ساڑھے اٹھتر ہزار روپیہ نقد اس کار خیر کے لئے جمع ہو گیا تھا کیا یہ واقعہ نظم و ضبط امت اور ایثار و فدائیت کی حیرت انگیز مثال نہیں"۔ [۱۵]

لاہور اور امرتسر میں عظیم الشان لیکچر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ۱۳ فروری ۱۹۲۰ء [۱۶] سے ۲۳ فروری ۱۹۲۰ء [۱۷] تک لاہور اور امرتسر کے سفر میں رہے حضور نے اس سفر میں چھ عظیم الشان لیکچر دیئے۔

۱۔ پہلا لیکچر ۱۵ فروری کو بصدارت خان ذوالفقار علی خان صاحب بریڈلا ہال لاہور میں ہوا جس میں

حضور نے مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان کے اس اعلان کی عقلی و نقلی دلائل سے دھجیاں اڑا دیں۔ کہ آئندہ دنیا کا امن عیسائیت سے وابستہ ہے حضور نے روز روشن کی طرح ثابت فرمادیا کہ مستقبل میں امن و امان کا قیام صرف اسلام ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ [8]

۲۔ حضور کا دوسرا اہم لیکچر "واقعات خلافت علوی" کے موضوع پر لاہور کی مارٹن ہسٹاریکل سوسائٹی کے زیر انتظام کالج کے حبیبیہ ہال میں ہوا۔ اور حضور کے مشہور و مقبول لیکچر "اسلام میں اختلافات کا آغاز" کی طرح یہ تاریخی تقریر بھی نہایت مقبول ہوئی اور صاحب صدر جناب خان بہادر شیخ عبدالقادر صاحب بی۔ اے نے اختتامی تقریر میں فرمایا۔ "حضرات امیں آپ سب صاحبان کی طرف سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اس پُر زور اور پُر از معلومات تقریر کے لئے جو آپ نے اس وقت ہمارے سامنے کی ہے میں نے دیکھا ہے کہ حضرت نے قریباً تین گھنٹے تقریر کی ہے اور آپ صاحبان نے ہمہ تن گوش ہو کر سنی ہے اس تقریر سے جو وسیع معلومات اسلامی تاریخ کے متعلق معلوم ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض بالکل غیر معمولی ہیں۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے ان کی تلاش اور تجسس کے لئے کسی وقت بہت سی کتب کا مطالعہ کیا ہوگا۔ مگر میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ یہ باتیں محض مطالعہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں بلکہ

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ اس روانی سے کسی نے تاریخی معلومات کو مسلسل بیان کیا ہو اور پھر کسی تاریخی مضمون میں ایسا لطف آیا ہو جو کسی داستان گو کی داستان میں بھی نہ آسکے۔ اس کے لئے میں پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ [9]

۳۔ حضور کا تیسرا لیکچر "مذہب اور اس کی ضرورت" پر ۱۸ فروری ۱۹۲۰ء کو احمدیہ ہوسٹل لاہور میں ہوا جس میں حضور نے انگریزی خوانوں کے اعتراضات اور موجودہ علمی تحقیقات کو مدنظر رکھ کر اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت ایسی خوبی و خوش اسلوبی سے پیش کیا کہ دل وجد کرنے لگے۔ یہ لیکچر اپنی شان اور اپنے رنگ میں بالکل اچھوتا تھا۔ نہایت مشکل و ادق مسائل بڑی صفائی و برجستگی سے بیان فرمائے گئے تھے۔ [10]

۴۔ حضور نے ۱۹ فروری ۱۹۲۰ء کو بیرون دہلی دروازہ ایک نہایت عمدہ تبلیغی لیکچر دیا یہ لیکچر ڈھائی گھنٹے تک جاری رہا۔ اکثر احباب چشم پُر آب تھے۔ اور غیر از جماعت دوست بھی بہت متاثر ہوئے۔ [11]

۵۔ اس کے بعد حضور لاہور سے امرت سر تشریف لے گئے اور ۲۲ فروری ۱۹۲۰ء کو بندے ماترم

ہال میں (جہاں ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لیکچر دیا تھا اور حضور علیہ السلام پر پتھر برسائے گئے تھے) ''صداقت اسلام و ذرائع ترقی اسلام'' پر لیکچر دیا اور باوجود مولویوں کی اشتعال انگیزی کے یہ لیکچر بخیر و خوبی ختم ہوا اور حضور رات کی گاڑی میں لاہور واپس ہو گئے۔

۶۔ حضور نے ۲۴ فروری ۱۹۲۰ء کو جماعت لاہور سے ایک اہم خطاب فرمایا گو بظاہر تو احباب لاہور ہی اس کے مخاطب تھے لیکن فی الحقیقت یہ خطاب تمام جماعت ہائے احمدیہ کے لئے تھا۔ [22]

سیالکوٹ اور امرتسر میں لیکچر

حضور ۷ اپریل ۱۹۲۰ء [23] کو قادیان سے سیالکوٹ تشریف لے گئے اور ۱۵ اپریل ۱۹۲۰ء [24] کو قادیان واپس آئے۔ سفر لاہور کی طرح اس سفر میں بھی حضور نے کئی تقریریں فرمائیں چنانچہ ۱۰ اپریل ۱۹۲۰ء [25] کو احمدیہ ہال کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے حاضرین سے خطاب فرمایا۔ دوسرے روز ۱۱ اپریل ۱۹۲۰ء کو اس عنوان پر کہ ''دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہو گا''۔ لیکچر دیا۔ اس لیکچر کے وقت آپ کو ایسا محسوس ہوا کہ آسمان سے یکایک ایک نور اترا ہے اور میرے اندر داخل ہو گیا ہے اور میرے جسم سے ایسی شعاعیں نکلنے لگی ہیں۔ کہ میں نے حاضرین کو اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا ہے۔ اور وہ جکڑے ہوئے میری طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ اور بفضلہ تعالیٰ یہ تقریر بہت کامیاب ہوئی تیسرے روز ۱۲ اپریل ۱۹۲۰ء کو حضور نے پنجابی زبان میں ایک گھنٹہ تک عورتوں کو لیکچر دیا۔ [26] جو فرائض مستورات کے نام سے چھپ چکا ہے حضور سیالکوٹ سے واپسی پر ۱۳ اپریل کو لاہور رونق افروز ہوئے۔ اور ۱۴ اپریل کو امرتسر پہنچے اور اس موضوع پر کہ ''کیا دنیا کے امن و امان کی بنیاد عیسائیت پر رکھی جا سکتی ہے'' بندے ماترم ہال میں لیکچر دیا۔ اور مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم کے اعلان کے مقابل اسلام کو ذریعہ امن ثابت فرمایا۔ اس لیکچر کے دوران میں جب حضور نے اس حدیث کا ذکر فرمایا جس میں خدا تعالیٰ کا ماں سے بھی زیادہ شفیق ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی صفحہ ۲۰۷) یہ سنتے ہی امرتسر کی مسجد خیر الدین کے امام جناب مولوی سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت جوش و خروش سے حوالہ صفحہ، سطر، مطبع، سنہ کا مطالبہ کرنے لگے۔ حضور نے جواباً فرمایا۔ اس وقت آپ تقریر سنیں اگر حوالہ کی ضرورت ہو تو مکان پر تشریف لے آئیں۔ جناب بخاری صاحب خوب جانتے تھے کہ یہ میدان مناظرہ نہیں ہے کہ کتابیں ساتھ لائی گئی ہوں اور نہ یہ لیکچر کسی اسلامی فرقہ کے خلاف ہو رہا تھا کہ کسی غیر احمدی کو اعتراض ہو سکتا مگر چونکہ ان کی نیت اور تھی۔ اس لئے انہوں نے معقول جواب کی طرف کچھ توجہ نہ کی۔ اور جو شور و غل شروع کر چکے تھے اس میں ترقی کرتے گئے اسی دوران میں بعض دوست یہ اندازہ کر کے کہ غوغائی لوگ خشت باری کا ارادہ کر رہے ہیں۔ حضور کے آگے کھڑے ہو گئے تا حضور کو تکلیف نہ پہنچے مگر حضور نے ان کو حکماً بٹھا دیا۔ بعض نے خطرہ بڑھتا ہوا دیکھ کر یہ بھی

عرض کیا کہ لیکچر بند کر دیا جائے۔ مگر حضور نے بڑے جلال کے رنگ میں فرمایا۔ کہ کیا تم مجھے بزدل بناتے ہو۔ [۲۷] اور لیکچر بند نہیں فرمایا۔ آخر پولیس نے یہ دیکھ کر کہ حالت خراب سے خراب تر ہوا چاہتی ہے۔ مداخلت کی اور مولوی سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری سے جلسہ کا ہال چھوڑ دینے کے لئے کہا اس پر وہ اپنے ساتھیوں سمیت شور و غل مچاتے جلسہ کی جگہ سے نکل کر باہر دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ ادھر ہال میں تو حضور کا لیکچر ہو رہا تھا۔ اور ادھر ہال کے باہر مولوی بخاری صاحب احمدیت اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے خلاف ایسے الفاظ استعمال کر رہے تھے کہ شرافت سے ذرا سا بھی تعلق رکھنے والا انسان انہیں زبان پر لانے کا خیال بھی نہیں کر سکتا۔ انہوں نے غیظ و غضب کے عالم میں یہاں تک کہہ ڈالا آج میں مصروف جہاد ہوں اور مرنے مارنے پر تیار ہوں نماز نہیں پڑھوں گا بلکہ اس کو جو خلیفہ بنا ہوا ہے زندہ نہیں نکلنے دوں گا۔ آخر کچھ وقت کے بعد حضور لیکچر ختم کر کے اسی مشتعل ہجوم میں سے ہوتے ہوئے خدا کے فضل سے بخیریت اپنی قیام گاہ پر تشریف لے آئے۔ [۲۸] اور قادیان واپس تشریف لانے پر جناب بخاری صاحب کی مطلوبہ حدیث کا مکمل متن مع حوالہ شائع کر دیا۔ [۲۹]

مبلغین کلاس کا اجراء۔

حضرت امیر المومنین کی ہدایت پر ۲۱ جون ۱۹۲۰ء کو پہلی یادگار مبلغین کلاس جاری ہوئی اور اس کے استاد علامہ زمان حضرت حافظ روشن علی صاحب جیسے مثالی عالم ربانی مقرر ہوئے۔ [۳۰] مولانا جلال الدین صاحب شمس، مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی، مولانا ظہور حسین صاحب اور مولانا شہزادہ خانصاحب مرحوم جیسے نامور علماء و فضلاء اس پہلی کلاس کے ابتدائی طلبہ ہیں اس کلاس میں بعد کو حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب بھی شامل ہو گئے۔ [۳۱] تین سال بعد ۱۹۲۴ء میں کریہہ ضلع جالندھر کے ایک نہایت ذہین و طبّاع طالب علم کو بھی خوش قسمتی سے اس کلاس میں داخل ہو کر حضرت علامہ حافظ روشن علی صاحب سے شرف تلمذ حاصل ہوا یہ طالب علم اب علمی دنیا میں مولانا ابو العطاء [۳۲] کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ سلسلہ کے مبلغین میں سے ابو البشارت مولانا عبد الغفور صاحب۔ مولوی قمر الدین صاحب سیکھوانی جناب قریشی محمد نذیر صاحب اور دوسرے متعدد طلباء تھے جنہیں آپ سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت حافظ صاحب اپنے فرائض تعلیم و تربیت اور جہاد تبلیغ میں اپنی زندگی کے آخری سانس تک مصروف رہے آپ نے اپنی وفات سے قبل یہ وصیت فرمائی کہ میرے شاگرد ہمیشہ تبلیغ کرتے رہیں۔ [۳۳] اور حق یہ ہے کہ آپ کے تمام شاگردوں نے آپ کی وصیت پر عمل کرنے کا اپنی اپنی حالت کے مطابق پورا پورا خیال رکھا ہے اور رکھتے ہیں لیکن آپ کے فیض یافتہ تلامذہ میں سے جنہوں نے آپ کے سامنے بھی بہت تبلیغ کی تھی اور آپ کے بعد تو پوری قوت سے تبلیغ کے

لئے کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہیں ان کے متعلق خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پیش کر دینا زیادہ انسب و اولیٰ ہے حضور نے فرمایا "حافظ روشن علی صاحب وفات پا گئے تو.... اس وقت اللہ تعالیٰ نے فوراً مولوی ابو العطاء صاحب اور مولوی جلال الدین صاحب شمس کو کھڑا کر دیا اور جماعت نے محسوس کیا کہ یہ پہلوں کے علمی لحاظ سے قائم مقام ہیں"۔ [۲۴] پھر ۱۹۵۶ء میں فرمایا۔ "یہ نہ سمجھو کہ اب وہ خالد نہیں ہیں اب ہماری جماعت میں اس سے زیادہ خالد موجود ہیں چنانچہ (مولوی جلال الدین صاحب ناقل) شمس صاحب ہیں۔ مولوی ابو العطاء صاحب ہیں۔ عبد الرحمان صاحب خادم ہیں"۔ [۲۵]

"معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ"

فاتح اتحادی ملکوں نے ترکی سے جو شرائط صلح طے کیں وہ انتہا درجہ کی ذلت آمیز تھیں۔ ترکی سلطنت کے حصے بخرے کر دیئے گئے فلسطین، عراق، عرب اور شام کو آزاد و خود مختار سلطنتیں قرار دے کر ان پر برطانیہ کی عملداری قائم کر دی گئی اور حجاز پر شریف حسین مکہ کی بادشاہت تسلیم کر لی گئی اور مصر ترکی کے حقوق و اختیارات سے آزاد کر دیا گیا۔ شرائط نامہ میں ترکی کی بحری اور بری اور ہوائی افواج بھی نہایت درجہ محدود کر دی گئیں۔ [۲۶] اس کے علاوہ اور بھی سخت شرائط اور پابندیاں لگا دی گئیں۔

اس معاہدہ کے سلسلہ میں آئندہ طریق عمل سوچنے کے لئے یکم و ۲ جون ۱۹۲۰ء کو الہ آباد میں خلافت کمیٹی کے تحت [۲۷] کانفرنس منعقد کی گئی۔ جمعیۃ العلماء ہند [۲۸] کے مشہور لیڈر جناب مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محل کی دعوت پر حضور نے ایک مضمون معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ کے عنوان سے ایک دن میں رقم فرمایا۔ اور اسے راتوں رات چھپوا کر حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب اور حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب کے ذریعہ بھجوا دیا۔ [۲۹] ان کے ساتھ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب بھی تشریف لے گئے۔

اس مضمون میں حضور نے اپنا نقطہ نگاہ بدلائل واضح فرمایا۔ کہ "میرے نزدیک اس معاہدہ کی کئی شرائط میں حقوق کا اتلاف ہوا ہے" اس کے بعد لکھا کہ مسلمانوں کے سامنے کئی آراء پیش کی جا رہی ہیں۔ بعض نے ہجرت کی تجویز پیش کی ہے بعض نے جہاد عام کو پسند کیا ہے بعض نے قطع تعلقی عدم موالات کی پالیسی کو سراہا ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ سب تجاویز نادرست اور ناقابل عمل ہیں چنانچہ حضور نے تینوں تجاویز کا مفصل جائزہ لیا۔

۱۔ ہجرت کے بارے میں بتایا کہ شرعاً ہجرت کا یہ کوئی موقعہ نہیں ہے اور ہندوستان کے سات کروڑ

مسلمان ہندوستان کو چھوڑ کر کہیں جا سکتے ہیں؟

۲۔ جہاد کی نسبت وضاحت فرمائی کہ ایک حکومت کو باقاعدہ تسلیم کر کے اس میں رہنے کے بعد اس کے خلاف علم جہاد بلند نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ تحریک عدم موالات کے نتائج پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے صاف اور واضح لفظوں میں انتباہ فرمایا کہ "سوائے اس کے کہ اس فیصلہ سے لاکھوں مسلمان اپنی روزی سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور تعلیم سے محروم ہو جائیں اور اپنے حقوق کو جو بوجہ مسلمانوں کے سرکاری ملازمتوں میں کم ہونے کے پہلے ہی تلف ہو رہے ہیں۔ اور زیادہ خطرہ میں ڈال دیں اور کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا"۔

مضمون کے دوسرے حصہ میں حضور نے مسلمانوں کو مستقبل کے لئے ایک عملی پروگرام بنانے کی طرف توجہ دلائی اور تجویز پیش کی کہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی و بہبود کے لئے بلا تاخیر ایک عالمگیر لجنہ اسلامیہ (یعنی موتمر [illegible] لامی) قائم ہو جانی چاہئے۔ آخر میں مسلمانوں کو اسلام کے درخشندہ اور روشن مستقبل کی خبر دیتے ہوئے تحریر فرمایا یہ آخری صدمہ واقعہ میں آخری صدمہ ہے اب اسلام کے بڑھنے کے دن شروع ہوتے ہیں اور اب ہم دیکھیں گے کہ مسیحی کیونکر اس کی بڑھتی ہوئی رو کو روکتے ہیں خدا کی غیرت اس کے مامور کے ذریعہ ظاہر ہو چکی ہے۔ اور اب سب دنیا دیکھ لے گی۔ کہ آئندہ اسلام مسیحیت کو کھانا شروع کر دے گا۔ اور دنیا کا آئندہ مذہب وہی مذہب ہو گا جو اس وقت سب سے کمزور مذہب سمجھا جاتا ہے۔ [۶۰]

حضرت خلیفۃ المسیح کا پیغام احمدی قوم کے نام

جولائی ۱۹۲۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جماعت احمدیہ کو اپنے پیغام میں مدرسہ احمدیہ کی ترقی و بہبود کے لئے اپنے بچے بھجوانے اور مالی اعانت کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ مدرسہ احمدیہ تمہاری عملی جدوجہد کا نقطہ مرکزی ہے اور اسی کی کامیابی پر اس امر کا فیصلہ ٹھہرا ہے کہ آئندہ سلسلہ کی تبلیغ جاری رکھی جا سکے گی یا نہیں۔ [۶۱] اس پیغام پر کئی مخلصین جماعت نے اپنے نونہال اس اہم درسگاہ میں داخل کرا دیئے اور مدرسہ کے طلبہ میں نمایاں اضافہ ہو گیا۔

مسجد لندن کے لئے زمین کی خرید پر خوشی کی تقریب

حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ ۳۱ جولائی ۱۹۲۰ء کو دھرم سالہ تشریف لے گئے اور ۲۷ ستمبر ۱۹۲۰ء کو واپس قادیان آئے [۶۲] اس سفر کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ مسجد احمدیہ لنڈن کے لئے قطعہ زمین کی اطلاع ملنے پر ۹ ستمبر کو ایک پُر مسرت تقریب منعقد ہوئی جس میں حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم سے قریباً تمام رفقاء سفر (مثلاً صاحبزادہ مرزا بشیر احمد

صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب، حضرت میر محمد اسماعیل صاحب، حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب) نے باری باری مسجد لنڈن کے بارے میں اشعار پڑھے اور سب کے بعد خود حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے یہ قطعہ سنایا۔

مرکز شرک سے آوازۂ توحید اٹھا   دیکھنا دیکھنا مغرب سے ہے خورشید اٹھا
نور کے سامنے ظلمت بھلا کیا ٹھہرے گی   جان لو جلد ہی اب ظلم منا دید اٹھا [۴۳]

اس قطعہ کے علاوہ حضور کی ایک نظم بھی مولوی عبدالرحیم صاحب درد نے پڑھ کر سنائی۔ نظموں کا پروگرام ختم ہونے پر دعا ہوئی اور نماز عصر پڑھنے کے بعد دستر خوان دعوت بچھایا گیا جس میں آقا و خدام سب خوشی خوشی شامل ہوئے۔ [۴۴]

"الواح الہدیٰ" نونہالان احمدیت کو دردانگیز خطاب

اسی سال جبکہ حضور دھرم سالہ میں مقیم تھے نوجوانان احمدیت کو نہایت قیمتی نصائح کے ساتھ خطاب کرتے ہوئے ایک دردانگیز نظم کہی جس کا پہلا شعر یہ تھا۔

نونہالان جماعت مجھے کچھ کہنا ہے   پر ہے یہ شرط کہ ضائع میرا پیغام نہ ہو

اس نظم کی یہ خصوصیت تھی کہ حضور نے نہ صرف قریباً ہر شعر کی وضاحت نثر میں بھی حاشیہ کے ذریعہ سے فرمائی۔ بلکہ نظم لکھنے سے قبل اس کا پس منظر بھی اپنے قلم سے تحریر فرمایا جس میں لکھا۔ "اے نوجوانان جماعت احمدیہ! ہر قوم کی زندگی اس کے نوجوانوں سے وابستہ ہے کس قدر ہی محنت سے کوئی کام چلایا جائے اگر آگے اس کے جاری رکھنے والے لوگ نہ ہوں تو سب محنت غارت جاتی ہے اور اس کام کا انجام ناکامی ہوتا ہے۔ گو ہمارا سلسلہ روحانی ہے مگر چونکہ مذکورہ بالا قانون بھی الٰہی ہے اس لئے وہ بھی اس کی زد سے بچ نہیں سکتا۔ پس... آپ پر فرض ہے کہ آپ گوش ہوش سے ہماری باتوں کو سنیں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ تا خدا تعالیٰ کی طرف سے جو امانت ہم لوگوں کے سپرد ہوئی ہے اس کے کماحقہ ادا کرنے کی توفیق ہمیں بھی اور آپ لوگوں کو بھی ملے۔ اس غرض کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے مندرجہ ذیل نظم لکھی ہے جس میں حتی الوسع وہ تمام نصیحتیں جمع کر دی ہیں جس پر عمل کرنا سلسلہ کی ترقی کے لئے ضروری ہے.... خوب یاد رکھو کہ بعض باتیں چھوٹی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر ان کے اثر بڑے ہوتے ہیں پس اس میں لکھی ہوئی کوئی بات چھوٹی نہ سمجھو اور ہر ایک بات پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔ تھوڑے ہی دنوں میں اپنے اندر تبدیلی محسوس کرو گے اور کچھ ہی عرصہ کے بعد اپنے آپ میں اس کام کی اہلیت پیدا ہوتی دیکھو گے۔ جو ایک دن تمہارے سپرد ہونے والا ہے یہ بھی یاد رکھو کہ تمہارا اہی فرض نہیں کہ اپنی اصلاح کرو بلکہ یہ بھی فرض ہے کہ اپنے بعد آنے والی نسلوں کی بھی

اصلاح کی فکر رکھو۔ اور ان کو نصیحت کرو کہ وہ اگلوں کی فکر رکھیں۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ ادائے امانت کا ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف منتقل ہوتا چلا جاوے تاکہ یہ دریائے فیض جو خدا تعالیٰ کی طرف سے جاری ہوا ہے ہمیشہ جاری رہے اور ہم اس کام کے پورا کرنے والے ہوں۔ جس کے لئے آدم اور اس کی اولاد پیدا کی گئی ہے۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ اللھم آمین۔ [۶۵]

"سیرت خاتم النبیینؐ" کی اشاعت

اس سال کے آخر میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی معرکتہ الآراء کتاب "سیرت خاتم النبیینؐ" کی پہلی جلد جو آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی کے بصیرت افروز حالات پر مشتمل ہے۔ شائع ہوئی۔ ابتداءً یہ کتاب ۱۹۱۹ء کے ریویو میں ماہوار چھپتی رہی تھی پھر نظر ثانی کے بعد کتابی شکل میں شائع ہوئی اس محققانہ تالیف نے جو آپ ہی اپنی نظیر ہے سیرت النبی ﷺ کے چودہ سو سال کے اسلامی لٹریچر میں ایک شاندار اضافہ کیا ہے اور ہم بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح آنحضرت رسول مقبول ﷺ کی شان تمام نبیوں میں ارفع و اعلیٰ ہے اسی طرح سیرت خاتم النبیینؐ سیرت کی دوسری تمام کتابوں سے اعلیٰ و افضل ہے۔ چنانچہ اس کے پہلے ایڈیشن پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ سر محمد شفیع صاحب بیرسٹرایٹ لاء لاہور' مولوی الف دین صاحب وکیل ہائیکورٹ پنجاب اور "آگرہ اخبار" (آگرہ) "میونسپل گزٹ" لاہور نے بہت عمدہ تبصرے کئے ہیں۔ [۶۶]

"سیرت خاتم النبیینؐ" کا دوسرا حصہ اگست ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا جو ابتدائے ہجرت سے ۵ ہجری کے آخر تک کے واقعات پر مشتمل تھا اور اپنی ظاہری و باطنی خوبیوں کے لحاظ سے ایک زبردست علمی کارنامہ تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے فرمایا "میں سمجھتا ہوں رسول کریم ﷺ کی جتنی سیرتیں شائع ہو چکی ہیں ان میں سے یہ بہترین کتاب ہے اس تصنیف میں ان علوم کا بھی پرتو ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ حاصل ہوئے ہیں اس کے ذریعہ انشاء اللہ اسلام کی تبلیغ میں بہت آسانی پیدا ہوگی"۔

اس حصہ پر نواب سر سکندر حیات خان' سیٹھ عبداللہ ہارون ایم۔ ایل۔ اے کراچی' ڈاکٹر سر محمد اقبال۔ مولوی الف دین ایڈووکیٹ ضلع سیالکوٹ' نواب اکبر یار جنگ جج ہائیکورٹ حیدر آباد دکن' مولانا سید سلیمان ندوی' رسالہ معارف (اعظم گڑھ) اور اخبار "سچ" لکھنؤ نے بھی بے حد خراج تحسین ادا کیا۔ [۶۷]

سیرت کا تیسرا حصہ جس میں غزوہ بنو قریظہ کے بعد سے لے کر آنحضرت ﷺ کے تبلیغی خطوط تک کے واقعات درج تھے۔ اپریل ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا۔

ترک موالات و احکام اسلام

حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے رسالہ "معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ" میں مسلمانوں کو تحریک عدم موالات اور ہجرت کے نقصانات سے بروقت انتباہ فرمادیا تھا۔ مگر مسلمان لیڈروں نے مسٹر گاندھی کی قیادت میں یکم اگست ۱۹۲۰ء [۷۸] سے عدم تعاون کا منظم پروگرام شروع کرکے ملک میں ایسی آگ لگادی کہ کوئی صوبہ اور کوئی ضلع محفوظ نہ رہا۔ بلکہ قصبوں اور دیہات تک اس کی لپیٹ میں آگئے ہر طرف سیاسی جلسوں اور جوشیلی تقریروں کا بازار گرم اور مسلمانوں کی ہجرت کا تانتا لگا ہوا تھا۔ لوگ اپنا گھربار اور وطن عزیز چھوڑ اعزا و اقرباء سے منہ موڑ کر افغانستان کی طرف چلے جارہے تھے۔ اس لئے حضور نے اپنے مذکورہ بالا مضمون میں مختصراً جن خیالات کا اظہار فرمایا تھا ان کو ایک اپنی کتاب ترک موالات و احکام اسلام (مطبوعہ دسمبر ۱۹۲۰ء) میں از روئے آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ بڑی شرح و بسط سے ثابت فرمادیا۔ اس لاجواب تصنیف نے جو ۹۲ صفحات پر مشتمل ہے جہاں حامیان "عدم موالات" و "ہجرت" کے خیالات و دلائل کی بے بنیادی ظاہر کردی۔ وہاں سنجیدگی سے غور کرنے والوں کے لئے کامیابی کا ایک نیا رستہ کھول دیا۔ انہیں دعوت دی کہ یہ وقت اس مجرب نسخہ موالات کو استعمال کرنے کا ہے جس نے بغداد کی اسلامی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجادینے والے ہلاکو خاں کے پوتے کو اسلام کی غلامی میں داخل کردیا تھا۔ اور جو خدائے واحد لاشریک کے عبادت گزاروں میں شامل ہو کر ایک نئی اسلامی حکومت کا بانی ہوا تھا۔

اس کتاب لاجواب میں حضور نے نہایت غیرت دلانے والے لفظوں میں لکھا کہ "اگر یہ درست ہے کہ ترک موالات سے ایک دو سال میں تم اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاؤ گے تو اسلام کی دوبارہ زندگی یقیناً مسٹر گاندھی کے ہاتھوں ہوگی اور نعوذ باللہ من ذالک، ابدالآباد تک محمد رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک بار احسان سے ان کے سامنے جھکا رہے گا...... حضرت مسیح تو خیر ایک نبی تھے۔ اب جس شخص کو تم نے اپنا مذہبی راہ نما بنایا ہے وہ تو ایک مومن بھی نہیں پس محمد رسول اللہ ﷺ کی اس ہتک کا نتیجہ پہلے سے بھی زیادہ سخت دیکھو گے اور اگر باز نہ آئے تو اس جرم میں مسٹر گاندھی کی قوم کی غلامی اس سے زیادہ تم کو کرنی پڑے گی جتنی کہ حضرت مسیح کی امت کی غلامی تم کہتے ہو کہ ہمیں کرنی پڑی ہے"۔ [۷۹]

افسوس کہ حضور کی یہ آواز بہرے کانوں سے سنی گئی۔ عوام تو رہے ایک طرف مسلمانوں کے قومی لیڈروں نے اس امید خام کی وجہ سے کہ اتحادیوں کے ہاتھوں ترکی حکومت کو جو مشکل پیش آگئی ہے وہ حل ہو جائے گی۔ اور ہم انگریز کی غلامی سے بھی آزاد ہو جائیں گے مسٹر گاندھی اور کانگریس کے

آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔ اور بعض ممتاز لیڈروں نے تو ان کے لئے وہ کچھ کہا کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح کہا گیا۔ چنانچہ ظفرالملک صاحب علوی نے کہا کہ اگر آنحضرت ﷺ خاتم النبیین نہ ہوتے تو میں ضرور کہتا کہ اس زمانے کے نبی مہاتما گاندھی ہیں۔ جناب ڈاکٹر آصف علی نے اپنی تقریر میں کہا کہ "میں صدق دل سے یقین کرتا ہوں کہ اس صدی کے مجدد مہاتما گاندھی ہیں۔ مولانا شوکت علی نے کہا۔ میں کہتا ہوں امام مہدی گاندھی جی ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر کا مرید نے جیل سے پیغام بھیجا کہ میں آنحضرت ﷺ کے بعد بے سوچ سمجھے مہاتما گاندھی کی پیروی کرتا ہوں۔ (امیر شریعت احرار) جناب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے مسجد خیرالدین امرت سر میں کہا۔ کہ میں مسٹر گاندھی کو نبی بالقوة مانتا ہوں"۔ ۵۰

جناب ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر زمیندار نے راولپنڈی میں ایک ہنگامہ خیز تقریر کے دوران میں کہا۔ کہ میں وہی کچھ کہہ رہا ہوں جو تلک اور گاندھی بتا رہے ہیں یہ اخلاقی قوت ان بزرگوں کی ہی کام کر رہی ہے۔ یہ آسمانی قوت ہے۔ ہندوؤں نے اور مہاتما گاندھی نے مسلمانوں پر جو احسان کئے ہیں ان کا عوض ہم نہیں دے سکتے۔ ہمارے پاس زر نہیں ہے جب جان چاہیں ہم حاضر ہیں۔ ۵۱

راولپنڈی کے بعد انہوں نے کلکتہ میں کہا۔ انڈین نیشنل کانگریس نے کلکتہ کی تاریخی سرزمین پر ایک اجلاس خاص منعقد کیا اور اس مشترک پلیٹ فارم پر سے جس کی تعمیر خود خدائے قادر و قیوم کے مقدس ہاتھوں کی رہین منت ہے۔ اس آواز کی ایک قرنا پھونکی گئی ہے اس وقت برطانیہ اقتدار کے حواس درست کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ "عدم تعاون" ہے۔ ۵۲

لیکن آہ! جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے قبل از وقت انتباہ فرما دیا تھا۔ اس تحریک نے مسلمانوں کا رہا سہا وقار خاک میں ملا دیا۔ اور انہیں تباہی کے کنارے تک پہنچا دیا۔ اور مسلمانان ہند کی ملی و سیاسی زندگی کا یہ خونچکاں حادثہ آج بھی ایک غیور۔ دردمند مسلمان کو تڑپا دینے کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ سید رئیس احمد صاحب جعفری لکھتے ہیں:۔

"اٹھارہ ہزار مسلمان اپنا گھربار جائداد اسباب غیر منقولہ اونے پونے بیچ کر خریدنے والے زیادہ تر ہندو تھے۔ افغانستان ہجرت کر گئے وہاں جگہ نہ ملی واپس کئے گئے کچھ مر کھپ گئے جو واپس آئے تباہ حال، خستہ درماندہ مفلس، قلاش، تہی دست، بے نوائے یار و مددگار۔ اگر اسے ہلاکت نہیں کہتے تو کیا کہتے ہیں"۔ ۵۳

میاں محمد مرزا صاحب دہلوی لکھتے ہیں۔ "کچھ دنوں بعد جب مورخ کا بے رحم قلم اس ایجی ٹیشن کے جذبی اثر سے آزاد ہو کر اس کا جائزہ لے گا۔ اور خالص سیاسی نقطہ نظر سے اسے جانچے گا۔ تو

ایجی ٹیشن کا یہ سارا دور اپنی ہنگامہ خیزیوں کے باوجود اسے ایک ایسا بے نتیجہ سیاسی بحران نظر آئیگا جس نے مسلمانوں کی قومی خودداری کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔ (یہ) ہندوؤں کا پروگرام تھا ہندو ہی اس کے رہنما تھے۔ مسلمانوں کی حیثیت اس ایجی ٹیشن میں ان کے آلہ کار سے زیادہ نہیں تھی۔ اس وقت تک ان سے کام لیا جب تک انہیں ضرورت رہی اور اس وقت ایجی ٹیشن بند کر دیا جب ان کی ضرورت ختم ہو گئی"۔ ۵۴

جناب عبدالمجید صاحب سالک لکھتے ہیں "یہ مخلص اور جوشیلے مسلمان کس جوش و خروش سے ایک دینی حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنے وطن کو ترک کر رہے تھے۔ اور پھر چند ماہ بعد جب امیر امان اللہ خان کی حکومت نے اس لشکر جرار کی آباد کاری سے عاجز آکر اس کو جواب دے دیا تو ان مہاجرین کی عظیم اکثریت بادل بریاں و بادیدہ گریاں واپس آگئی۔ اور اس تحریک کا جو محض ہنگامی جذبات پر مبنی تھی نہایت شرمناک انجام ہوا"۔ ۵۵

لیکن یہ شرمناک انجام دراصل تحریک خلافت کے ہولناک اثرات کا ابھی آغاز تھا کیونکہ چند سال بعد ۱۹۲۴ء میں خود ترکی کی قومی اسمبلی نے ترکی خلیفۃ المسلمین کو معزول اور ان کے عثمانی شاہی خاندان کو جلاوطن کر کے ترکی خلافت کا خاتمہ کر دیا اور محمد مصطفےٰ کمال پاشا کی صدارت میں ترکی میں جمہوری حکومت قائم ہو گئی۔

اس واقعہ کی خبر ہندوستان میں پہنچی تو عامۃ المسلمین اور ان کے خلافتی لیڈروں پر کیا بیتی۔ اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے خود مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں۔ "ادھر فیصلہ خلافت کی پہلی خبر رپورٹر ایجنسی نے بھیجی اور اتنی بات کان میں پڑ گئی کہ خلیفہ معزول اور خلافت موقوف! ادھر دماغی ردفعل (ری ایکشن) کی ایک طوفانی لہر سب کے دماغوں میں دوڑ گئی۔ افسوس یہ ہیچمدان بھی اپنی دماغی حالت عوام سے بلند تر ثابت نہ کر سکے۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ عوام کی بدحواسی وخیرہ دماغی کی رہنمائی انہی نے کی۔ جس طرح اب سے پہلے دنیا کی ہر خوبی انگورہ والوں میں تھی اس طرح ایک لمحہ کے اندر دنیا جہان کی برائیاں ان میں سمٹ آئیں۔ شاید ہی کوئی بے محل اور بدحواسانہ بات ایسی ہو گی جو نہ کہی گئی ہو۔ بس ایک جوش تھا جو مصطفےٰ کمال پاشا کے خلاف امڈ رہا تھا۔ کافر' بے دین' دشمن خلافت۔ چنگیزی بدتر از ہلاکو۔ ہم مسلمانان ہند نے پانچ سال سے قومی زندگی کی نئی کروٹ لی تھی اور یہ پہلا واقعہ تھا کہ ہماری دماغی قوت اور قومی نظام کے لئے ایک آزمائش پیش آئی۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم آزمائش میں فیل ہو گئے۔ گذشتہ دو ماہ نے ثابت کر دیا کہ ہم میں اب تک کوئی نظام و جمعیت نہیں ہے اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہم میں نازک وقتوں کے لئے حالات پر قابو پانیوالے دماغ مفقود ہیں"۔ ۵۶

مولوی سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی جنہوں نے تحریک خلافت کے دوران سیرت گاندھی [۵۷] تصنیف کی تھی۔ تحریک کے انجام پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں۔ "مسلمانوں میں ایسا انتشار پیدا ہو گیا تھا کہ ان کا کوئی حقیقی رہنما یا لیڈر ایسانہ تھا جس پر وہ پوری طرح اعتماد کر سکیں۔ دوسری طرف ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوؤں کے عزائم بھی کھل کر سامنے آ گئے تھے۔ ان کے مفادات کی نمائندگی گاندھی جی کر رہے تھے۔ مسلمان ان پر اعتماد رکھتے تھے حالانکہ وہ ان کے بالکل کام کے نہ تھے اور فائدہ کی بجائے نقصان ہی پہنچا سکتے تھے۔ اور پہنچایا۔ [۵۸]

تحریک خلافت کے علمبردار حضرات خلیفہ کی معزولی پر پہلے تو مصطفیٰ کمال پاشا کو گالیاں دیتے تھے۔ مگر جب کچھ وقت گذر گیا۔ تو معزول شدہ خلیفہ کو سخت ست کہنے لگے چنانچہ خود مولانا آزاد صاحب نے بھی جو مسلمانوں میں خلافت ترکی کے سب سے زیادہ سرگرم مبلغ تھے۔ خلیفتہ المسلمین کے خلاف یہاں تک لکھا کہ خلیفہ قطعاً بے کار تھا۔ وہ قسطنطنیہ کے ایک قصر میں رہتا تھا۔ دس ہزار پونڈ اس کا وظیفہ تھا۔ اور اگر کوئی مشغولیت تھی تو صرف یہ کہ جمعہ کے دن جلوس سلاملق کے ساتھ ادائے نماز کے لئے مسجد چلا جائے گویا یہ خلافت محض نام اور تنخواہ کی خلافت تھی جس کو دس ہزار پاؤنڈ ملیں اور جمعہ کے دن سلاملق کے ساتھ نکلے وہی خلیفہ ہے۔ [۵۹]

ملائکۃ اللہ

حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹۲۰ء کے سالانہ جلسہ میں جو ایمان افروز تقریریں فرمائیں۔ وہ ملائکۃ اللہ کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ ان تقریروں میں جماعت کو نہایت قیمتی اور اہم ہدایات دینے کے علاوہ ملائکۃ اللہ کے دقیق و لطیف مضمون پر ایسی صاف و شفاف اور ایسی بصیرت افروز و تسکین بخش روشنی ڈالی کہ دل عش عش اور روح وجد کرنے لگی ملائکہ کی حقیقت و ضرورت۔ ان کے فرائض و خدمات بیان فرمائے ان کے وجود پر ہو سکنے والے شبہات و اعتراضات کے کافی و شافی جوابات دیئے۔ اور آخر میں ان سے تعلق پیدا کرنے کے متعدد ذرائع بتائے۔

۱۹۲۰ء کے متفرق مگر اہم واقعات

(۱) حضرت خلیفتہ المسیح ثانی کے حرم اول میں صاحبزادی امتہ العزیز بیگم صاحبہ اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے ہاں چوتھے فرزند مرزا مبشر احمد (اول) پیدا ہوئے۔ [۶۰]

۲۔ خان محمد عبد الرحیم خان صاحب (ابن حضرت نواب محمد علی خانصاحب) بیرسٹری کے لئے انگلستان روانہ ہوئے۔ [۶۱]

۳۔ الفضل نے حضرت مسیح موعود کے پرانے خدام کے سوانح اور حالات زندگی محفوظ کرنے کی پہلی تحریک کی۔ [۶۲]

۴۔ سیلون، ماریشس اور نائیجیریا کے طلبہ کے لئے باقاعدہ غیر ملکی کلاس کھولی گئی جس میں حضرت مولانا شیر علی صاحب بھی کچھ وقت دیتے رہے۔ [۶۳]

۵۔ حضرت مسیح موعود نے ۱۹۰۱ء میں مدرسہ تعلیم الاسلام میں لیکچروں کا ایک سلسلہ جاری فرمایا تھا یہ سلسلہ ایک سال جاری رہنے کے بعد بند ہو گیا۔ اور اس سال ۲۲ جنوری ۱۹۲۰ء کو پھر جاری ہوا۔ جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ضرورت مذہب کے عنوان پر پہلا لیکچر دیا۔ [۶۴]

۶۔ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے سید زین العابدین ولی اللہ صاحب کا نکاح پڑھا اور خطبہ ارشاد فرمایا۔

۷۔ حضرت میاں چراغ دین صاحب رئیس لاہور۔ حضرت مولوی فتح دین صاحب دھرم کوٹ بگہ، حضرت مولوی عبدالغفار صاحب افغان، حضرت مولوی محمد عبداللہ صاحب بھینی شرقپور، حضرت منشی گلاب دین صاحب رہتاسی۔ حضرت میرزا امیر احمد خان صاحب عرائض نویس (مردان) اور حضرت مولوی عبدالقادر صاحب لدھیانوی جیسے اکابر صحابہ کا وصال ہوا۔

۸۔ مشہور مباحثے۔ مباحثہ فیروز پور [۶۵] (حضرت منشی فرزند علی خان صاحب اور سید مدثر شاہ صاحب غیر مبائع کے درمیان) مباحثہ قادیان۔ [۶۶] (شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور مرحوم اور سردار گنگا سنگھ کے درمیان) مباحثہ جہلم [۶۷] (حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی اور مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کے درمیان) مباحثہ ڈوگری [۶۸] ضلع سیالکوٹ (احمدی مناظر حافظ جمال احمد صاحب مرحوم) مباحثہ عالم پور کوٹلہ [۶۹] ۔ (مولوی جلال الدین صاحب شمس اور مولوی محمد امین صاحب اہلحدیث کے مابین) مباحثہ چنیوٹ [۷۰] (حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی اور مولوی میر محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی) مباحثہ سارچور (مولوی جلال الدین صاحب شمس اور مولوی عبداللہ صاحب کے درمیان)۔ [۷۱]

۹۔ خان اوصاف علی خاں صاحب سی۔ آئی۔ ای کمانڈر نابھہ جماعت احمدیہ میں داخل ہوئے۔

(الفضل ۱۲ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ ۱۰ ''فہرست نومبائعین'' نمبر ۵۵۶)

فصل دوم

خلافت ثانیہ کا آٹھواں سال

(جنوری ۱۹۲۱ء تا دسمبر ۱۹۲۱ء بمطابق ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ تا جمادی الاول ۱۳۴۰ھ)

ہندو مسلم اتحاد کے لئے ایک اہم تجویز

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے ۲۳ جنوری ۱۹۲۱ء کو ہندو مسلم اتحاد کے سلسلہ میں پہلی بار یہ تجویز فرمائی کہ آریہ صاحبان اپنے بیس (۲۰) طلبہ یا کم و بیش جتنے مناسب سمجھیں ہمارے پاس بھیج دیں ان کا خرچ ہم برداشت کریں گے اور ان کو قرآن شریف پڑھائیں گے اس کے مقابلہ میں آریہ صاحبان ہمارے صرف دو آدمیوں کو سنسکرت پڑھادیں۔ اور ویدوں کا ماہر بنادیں اور ان کا خرچ بھی ہمارے ذمہ ہوگا۔[۴۶] مگرافسوس آریہ صاحبان سے آجتک اس طرف توجہ نہیں ہو سکی۔

حضور نے اگلے سال ۱۹۲۲ء میں گورو کل کانگڑی کے بعض ہندو طلباء کے سامنے یہ تجویز بیان فرمائی تو ایک ہندو طالب علم (جوگندر پال) اس کی معقولیت سے متاثر ہو کر خود بخود قادیان آگئے اور بالآخر مشرف باسلام ہوئے جن کا اسلامی نام محمد عمر رکھا گیا۔[۴۷]

"ہدایات زریں برائے احمدی مبلغین"

۲۶ جنوری ۱۹۲۱ء کو حضور نے بورڈنگ مدرسہ احمدیہ میں جماعت کے مبلغین اور مدرسہ احمدیہ کے طلباء کے سامنے تقریر فرمائی جس میں مبلغین کو نہایت قیمتی ہدایات دیں پوری تقریر حضرت میر قاسم علی صاحب نے "ہدایات زریں" کے نام سے شائع کردی تھی۔ حضور کی ان ہدایات کا خلاصہ یہ تھا کہ مبلغ کو بے غرض دلیر' ہمدرد خلائق' وسیع المعلومات' نظافت پسند۔ بااخلاق۔ تہجد گذار۔ دعاگو' بے نفس' غیر جانبدار' منظم' سوشل تعلقات میں ماہر اور ایثار و قناعت کا مجسمہ ہونا چاہئے۔[۴۸]

دارالتبلیغ گولڈ کوسٹ (غانا) اور نائیجیریا کا قیام

اس سال افریقہ میں پہلے مستقل دارالتبلیغ کا قیام عمل میں آیا۔ اور یہ

تاریک براعظم اسلام و احمدیت کے نیّرِ اعظم کی ضیاپاشیوں سے منور ہونے لگا۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالے کو افریقہ میں تبلیغ کی تحریک کیسے ہوئی؟ یہ ایک نہایت ایمان افروز بات ہے جس کی تفصیل خود حضرت اقدس کے قلم سے درج کرتا ہوں فرماتے ہیں۔ "مجھے افریقہ میں تبلیغ اسلام کی ابتدائی تحریک درحقیقت اس وجہ سے ہوئی کہ میں نے ایک دفعہ حدیث میں پڑھا کہ حبشہ سے ایک شخص اٹھے گا جو عرب پر حملہ کرے گا۔ اور مکہ مکرمہ کو تباہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ [۷۵] جب میں نے یہ حدیث پڑھی اسی وقت میرے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ اس علاقہ کو مسلمان بنانے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ یہ انذاری خبر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ٹل جائے اور مکہ مکرمہ پر حملہ کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہمیں بعض دفعہ منذر رویاء آتا ہے تو ہم فوراً صدقہ کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی کی موت کی خبر ہمیں ہوتی ہے تو وہ صدقہ کے ذریعہ ٹل جاتی ہے۔ اور صدقہ کے ذریعہ موت کی خبریں ٹل سکتی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اگر افریقہ کے لوگوں کو مسلمان بنالیا جائے تو وہ خطرہ جس کا احادیث میں ذکر آتا ہے۔ نہ ٹل سکے۔ چنانچہ میرے دل میں بڑے زور سے تحریک پیدا ہوئی کہ افریقہ کے لوگوں کو مسلمان بنانا چاہئے۔ اسی بناپر افریقہ میں احمدیہ مشن قائم کئے گئے ہیں بے شک خدا تعالے نے بعد میں اور بھی سامان ایسے پیدا کر دئے جن سے افریقہ میں تبلیغ اسلام کا کام زیادہ سے زیادہ مستحکم ہوتا چلا گیا مگر اصل بنیاد افریقہ کی تبلیغ کی یہی حدیث تھی کہ افریقہ سے ایک شخص اٹھے گا جو عرب پر حملہ کرے گا اور خانہ کعبہ کو گرانے کی کوشش کرے گا۔ (نعوذباللہ) میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس کے فضلوں کی امید میں چاہا کہ پیشتر اس کے کہ وہ شخص پیدا ہو جس کا احادیث میں ذکر آتا ہے ہم افریقہ کو مسلمان بنالیں اور بجائے اس کے کہ افریقہ کا کوئی شخص مکہ مکرمہ کو گرانے کا موجب بنے وہ لوگ اس کی عظمت کو قائم کرنے اور اس کی شہرت کو بڑھانے کا موجب بن جائیں۔" [۷۶]

حضرت خلیفۃ المسیح نے افریقہ میں پہلا مشن قائم کرنے کے لئے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر کا انتخاب فرمایا۔ جو ان دنوں لنڈن میں فریضہ تبلیغ ادا کر رہے تھے۔ چنانچہ مولانا نیر صاحب [۷۷] ۹/فروری ۱۹۲۱ء کو لنڈن سے روانہ ہوئے اور ۱۹/فروری ۱۹۲۱ء [۷۸] کو سیرالیون پہنچے۔ تختہ جہاز پر مسٹر خیرالدین افسر تعلیم سیرالیون نے آپ کا استقبال کیا۔ ۲۰ فروری ۱۹۲۱ء کو مسلمانوں کے مقامی مدارس اور مسجد میں آپ نے چار لیکچر دیئے۔ آخری تقریر کے بعد جو عیسائیوں کے لئے مخصوص تھی سوال و جواب بھی ہوئے ۲۱ فروری ۱۹۲۱ء کی صبح کو آپ نے سرکاری حکام سے ملاقات کرکے مسلمانوں کی تعلیمی حالت کی طرف توجہ دلائی [۷۹] اور اسی روز تیسرے پہر جہاز پر سوار ہو کر ۲۸ فروری ۱۹۲۱ء کو ساڑھے

چار بجے شام گولڈ کوسٹ (غانا) کی بندرگاہ سالٹ پانڈ پر اترے اور مسٹر عبدالرحمان پیڈرو کے مکان پر قیام پذیر ہوئے۔

گولڈ کوسٹ عملاً عیسائیت کا مرکز تھا۔ جہاں شمالی اور جنوبی نائیجیریا اور وسط افریقہ کے کچھ لوگ آباد ہو گئے تھے۔ اور اصل باشندوں میں صرف فینٹی قوم مسلمان تھی جس کے چیف (امیر) کا نام مہدی تھا۔ [۸۰] جس رات حضرت نیر صاحب سالٹ پانڈ پہنچے اسی رات مہدی نے خواب میں دیکھا کہ میرے کمرے میں رسول خدا ﷺ تشریف لائے ہیں۔ [۸۱] چیف مہدی ۴۵ برس سے مسلمان تھے۔ اور اس وقت سے برابر تبلیغ اسلام میں مصروف تھے انہیں یہ از حد غم تھا کہ میری آنکھیں بند ہوتے ہی کہیں اس علاقہ کے مسلمان سفید عیسائی مشنریوں کے رعب میں آکر اسلام کو خیرباد نہ کہہ دیں۔ چیف مہدی نے جو نہایت خدا پرست بزرگ تھے کیپ کوسٹ کے ایک شامی مسلمان سے حضرت مفتی محمد صادق صاحب کا پتہ معلوم کیا۔ اور کچھ روپیہ جمع کر کے ان کو لنڈن بھجوایا تا مسلمانوں کا کوئی سفید فام مبلغ گولڈ کوسٹ آئے اور تبلیغ کا کام شروع کرے مگر دو سال تک کوئی مبلغ افریقہ کی طرف نہ بھجوایا جا سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عوام میں یہاں تک سخت بدگمانی پیدا ہو گئی حتیٰ کہ وہ کہنے لگے کہ سفید آدمی مسلمان ہی نہیں ہوتے۔ [۸۲] حضرت نیر صاحب نے سیرالیون اور سکنڈی سے اپنی آمد کے تار دیئے تو اسی وجہ سے ان پر بھی چنداں اعتبار نہ کیا گیا۔ البتہ آپ کے سالٹ پانڈ پہنچنے پر پہلے بعض آدمی مختلف دیہات سے خبر کی تصدیق کے لئے پہنچے۔ پھر چیف مہدی صاحب کا نقیب آپ سے آکر ملا اور ۱۱ مارچ ۱۹۲۱ء کو آکرافول [۸۳] میں فینٹی مسلمانوں کا جلسہ مقرر ہوا۔

مولانا نیر صاحب ترجمان کے ساتھ بذریعہ موٹر وہاں پہنچے چیف مہدی کے مکان کے سامنے پانچصد افراد کا مجمع تھا۔ چیف مہدی اپنے قومی لباس پہنے حلقہ امراء میں بیٹھے تھے۔ مولانا نیر صاحب کے لئے دوسری طرف میز لگایا گیا۔ آپ کا ترجمان اور ائمہ مساجد آپ کے اردگرد تھے۔ نقیب نے عصائے منصب ہاتھ میں لے کر چیف اور اس کے ممبروں کی طرف سے خوش آمدید کہا۔ پھر خود چیف مہدی نے تقریر کی۔ کہ ۴۵ برس ہوئے میں مسلمان ہوا۔ مجھے صرف اللہ اکبر آتا تھا۔ اور یہی میرے ساتھ کے دوسرے مسلمان جانتے تھے۔ ہوسا قوم [۸۴] اور لیگوس کے لوگ بعد میں آئے اور ہمیں اسلام سکھایا۔ ہم جاہل ہیں۔ [۸۵] اسلام کا پورا علم نہیں۔ سفید آدمی مسیحیت سکھانے آتے ہیں۔ میں بوڑھا ہوں مجھے فکر تھی کہ میرے بعد یہ مسلمان مسلمان رہیں میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میری زندگی میں آپ آگئے۔ اور اب یہ مسلمان آپ کے سپرد ہیں ان کو انگریزی و عربی پڑھائی جائے اور دین سکھایا جائے۔

اس کے بعد مولانا نیر صاحب نے اپنی تقریر میں کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری دستگیری کی اور اس

جماعت کی طرف سے مبلغ آیا جو زندہ اسلام پیش کرتی ہے۔ میری آنکھوں نے مسیح موعود کو دیکھا۔ میرے کانوں نے اس کے مقدس منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سنے۔ میرے ہاتھوں نے اس برگزیدہ پہلوان اسلام کے پاؤں کو چھوا۔ پس تم کو مبارک ہو کہ خدا نے تمہاری مدد کی۔ اب انشاء اللہ فینٹی مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا کام احمدی جماعت کرے گی۔

۱۸ مارچ ۱۹۲۱ء کو اکرافول میں دوسرا جلسہ منعقد ہوا جس میں آپ نے دو گھنٹہ تقریر فرمائی۔ اور فینٹی قوم اور ان کے چیف کو جماعت احمدیہ میں شامل ہونے اور گذشتہ رسوم و رواج کو ترک کر کے سچے اور مخلص مسلمان بننے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ دوسرے ہی دن ان کی مجلس اکابر نے فیصلہ کیا کہ ہم سب لوگ اپنی جماعتوں سمیت احمدیت میں داخل ہوتے ہیں۔ اس طرح ایک ہی دن میں ہزاروں لوگ سلسلہ احمدیہ میں شامل ہو گئے اور یدخلون فی دین اللہ افواجا کا نظارہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ [۸۶] [۸۷]

فینٹی قوم کے احمدی ہونے کے بعد حضرت مولانا نیر صاحب نے نائیجیریا کی طرف توجہ مبذول فرمائی چنانچہ پہلی بار آپ بذریعہ جہاز ۸ اپریل ۱۹۲۱ء کو نائیجیریا کے صدر مقام لیگوس میں پہنچے۔ [۸۸]

لیگوس میں ان دنوں ۳۵ ہزار کے قریب مسلمان تھے۔ اور ۲۰ ہزار کے قریب عیسائی مگر علم' دولت تجارت اور سرکاری عہدے سب عیسائیوں کے ہاتھ میں تھے۔ اور جہاں عیسائیوں کے چالیس مدارس تھے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک (محمڈن اسکول) تھا۔ ان حالات میں حضرت مولانا نیر نے لیگوس میں قدم رکھا اور پہنچتے ہی مختلف مساجد میں لیکچر دیئے۔ پھر پبلک لیکچروں کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع کر دیا جس سے سعید روحیں احمدیت کی طرف کشاں کشاں آنے لگیں۔ [۸۹] ماحول کے اثر سے لیگوس کے مسلمانوں میں یہ رسم قائم ہو چکی تھی۔ کہ وہ دوسرے کا ادب و احترام کرنے کی خاطر فوراً گھٹنوں کے بل ہو جاتے تھے حضرت مولانا نیر صاحب نے اس کے خلاف زبردست وعظ کی جس پر بہت سے مسلمانوں نے یہ رسم چھوڑ دی۔ لیگوس میں ایک فرقہ اہل قرآن بھی تھا۔ [۹۰] اس کے بارہ اکابر نے حضرت مولانا نیر صاحب سے ملاقات کی اور بتایا کہ بارہ برس ہوئے ہمارے سابق امام جماعت نے مرنے سے پہلے یہ خوشخبری دی تھی کہ ایک سفید رنگ کا آدمی (White man) آئے گا جو مسیح موعود کی خبر لائے گا۔ اور اہل قرآن کی تصدیق کرے گا یہ پیشگوئی آپ کے وجود سے پوری ہوئی ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ [۹۱] چنانچہ ان اکابر میں سے جنہوں نے مولانا نیر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ [۹۲] الفا عبد القادر بھی ایک بزرگ تھے افسوس چند ماہ بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ [۹۳] مولانا نیر نے پرنس الیکو سلطان لیگوس کو ان کے محل میں جا کر تبلیغ کی۔ [۹۴]

آپ چار ماہ لیگوس میں ٹھہرے اور دن رات دیوانہ وار تبلیغ کرتے رہے اور بالآخر ۸ اگست ۱۹۲۱ء کو واپس سالٹ پانڈ پہنچے [95] سالٹ پانڈ میں آکر شہر کے عین وسط میں کمرشل روڈ پر ایک دو منزلہ مکان کرایہ پر لے کر مشن ہاؤس قائم کیا۔ اور اندرون ملک ایک لمبا دورہ کیا۔ [96] اور ایک مبلغین کلاس جاری کی جس میں عربی میں قرآن و حدیث' فقہ اور عقائد احمدیہ کی تعلیم دینے لگے۔ [97] اسی طرح گولڈ کوسٹ (غانا) جماعت کو چار حصوں میں تقسیم کرکے ان میں عہدیدار مقرر کئے۔ انتظامی تقسیم کے مکمل ہونے کے بعد آپ دوبارہ ۱۵ دسمبر ۱۹۲۱ء کو نائیجیریا کے دارالخلافہ لیگوس میں تشریف لے گئے۔ اور تبلیغ شروع کردی۔ اسی دوران میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے ۲۳ جنوری ۱۹۲۲ء [98] کو گولڈ کوسٹ مشن سنبھالنے کے لئے مولوی حکیم فضل الرحمان صاحب کو روانہ فرمایا۔ [99] جو ۱۱ مارچ کو لنڈن اور ۷ اپریل کو لیگوس پہنچے اور حضرت نیر کے ذریعہ حالات کا جائزہ لینے کے بعد ۱۳ مئی ۱۹۲۲ء کو سالٹ پانڈ پہنچ گئے۔ اس طرح نائیجیریا اور غانا مشن جو ایک ہی مبلغ کے مشن کے تحت تھے دو مستقل مشنوں کی صورت اختیار کر گئے گولڈ کوسٹ کے انچارج حکیم فضل الرحمان صاحب اور نائیجیریا مشن کے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر۔

دارالتبلیغ نائیجیریا

واقعات کے تسلسل کے لحاظ سے سب سے پہلے نائیجیریا مشن کے بقیہ حالات لکھے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا نیر صاحب نے جو نائیجیریا مشن کے مستقل انچارج کی حیثیت سے لیگوس کے باہر بھی تبلیغ کو وسعت دینی شروع کی اور پہلے شمالی نائیجیریا کے ایک اہم شہر زاریہ کے امیر [100] اور امیر کانو تک پیغام حق پہنچایا۔ پھر واپس لیگوس آکر ۱۱ ستمبر ۱۹۲۲ء کو مدرسہ تعلیم الاسلام جاری کیا جو صحیح معنوں میں لیگوس میں پہلا اسلامی مدرسہ تھا۔ [101] نیز ارد گرد کے علاقوں میں مقامی احمدیوں کے وفود بھجوائے [102] حضرت مولانا نیر صاحب کو مغربی افریقہ میں بڑی جدوجہد کرنا پڑی اور آپ شمالی نائیجیریا کے دورہ سے واپس آکر کم و بیش ۴ ماہ تک بیمار رہے۔ اور گورنمنٹ ہسپتال میں داخل کئے گئے۔ پھر آپ ڈاکٹری ہدایت کے تحت تبدیل آب و ہوا کے لئے بتاریخ ۲۱ جنوری ۱۹۲۳ء لنڈن بھجوا دیئے گئے۔ [103]

حضرت مولانا نیر کے بعد مالی مشکلات [104] کی وجہ سے سالہا سال تک کوئی مرکزی مبلغ نہیں بھجوایا جاسکا۔ آخر حضرت خلیفہ ثانی کے ارشاد سے الحاج حکیم فضل الرحمان صاحب نے ستمبر ۱۹۲۹ء کے قریب گولڈ کوسٹ (غانا) سے واپسی سے پہلے نائیجیریا کا دورہ کیا۔ [105] پھر وہ مرکز میں تشریف لے آئے حکیم صاحب فروری ۱۹۳۳ء کو قادیان سے روانہ ہو کر لنڈن' سیرالیون اور گولڈ کوسٹ میں قیام کرتے ہوئے جولائی ۱۹۳۴ء میں نائیجیریا پہنچے [106] آپ وہاں پہنچتے ہی ایک خطرناک اندرونی کشمکش سے

دوچار ہوگئے۔ جو بعض لوگوں نے ایک خود ساختہ قانون کی بناء پر پیدا کردی تھی۔ [107] معاملہ آخر عدالت تک پہنچا۔ ۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء کو اس کا فیصلہ ہوا۔ [108] لیکن فیصلہ ہونے کے باوجود ۱۹۳۹ء تک حالات مخدوش رہے ۱۹۴۰ء میں حضرت خلیفہ ثانی کے ارشاد پر جماعت کی دوبارہ تشکیل کی گئی۔ جس کے بعد مکرم حکیم صاحب نے جماعت نائیجیریا کی ترقی و استحکام کی طرف پوری توجہ دینی شروع کردی۔ اور اپنی مسلسل جدوجہد اور قابل رشک اخلاص سے مشن کو مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر کھڑا کردیا چنانچہ انہوں نے جماعت نائیجیریا کی تربیت و اصلاح کے لئے متعدد اقدامات کئے تعلیم الاسلام سکول کے لئے سرکاری گرانٹ منظور کرائی [109] نئی جماعتیں قائم کیں۔ لیگوس میں ایک نہایت خوبصورت مسجد [110] اور مشن ہاؤس تعمیر کیا۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ "دی لائف آف محمدؐ" کے نام سے تصنیف کی۔ جو آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شائع ہوئی اور آج تک مغربی افریقہ کے تمام سکولوں کے نصاب میں شامل ہے جنوری ۱۹۴۵ء میں جناب مولوی نور محمد صاحب نسیم سیفی نائیجیریا بھجوائے گئے جنہوں نے حکیم صاحب کی واپسی کے بعد جو ۱۹۴۷ء میں ہوئی مشن کا چارج لیا۔ اور (چند ماہ کے وقفہ کے ساتھ) قریباً انیس سال تک اہم تبلیغی خدمات بجالاتے رہے۔ آپ ہی نے دی ٹرتھ (The Truth) کے نام سے نائیجریا مشن کا پہلا ہفت روزہ اخبار جاری کیا جو نائیجیریا میں مسلمانوں کا واحد اخبار ہے۔ اور عیسائیت کے حملوں کے سامنے ایک آہنی دیوار کا کام دے رہا ہے۔ اور تبلیغ اسلام و احمدیت کا نہایت کامیاب اور مؤثر ذریعہ ہے محترم سیفی صاحب نے پروفیسر الیاس برنی کی کتاب (Qadiani Movement) (قادیانی مذہب) کا جواب "Our Movement" (ہماری تحریک) کے نام سے لکھا جو ہالینڈ سے شائع ہوا۔ ۶۰-۱۹۵۹ء میں مشہور ہوسا قبیلہ کے لوگ سینکڑوں کی تعداد میں داخل احمدیت ہوئے۔ [111] آپ جولائی ۱۹۶۴ء میں واپس ربوہ تشریف لائے اور اب مولوی شیخ نصیر الدین احمد صاحب دار التبلیغ نائیجیریا کے انچارج مبلغ ہیں۔

جناب نسیم سیفی صاحب کے زمانہ سے لے کر اب تک جن مبلغین کو نائیجیریا کی سرزمین میں اعلائے کلمہ اسلام کی توفیق ملی یا جو سرگرم عمل ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ قریشی محمد افضل صاحب۔ سید احمد شاہ صاحب، مولوی مبارک احمد صاحب ساقی۔ شیخ نصیر الدین احمد صاحب، مولوی بشارت احمد صاحب بشیر، مولوی محمد بشیر صاحب شاد۔ مولوی محمد اسحاق صاحب خلیل۔ عبد المجید صاحب بھٹی۔ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب، قریشی مقبول احمد صاحب۔ چوہدری رشید الدین صاحب۔ کرنل محمد یوسف شاہ صاحب۔ حاجی فیض الحق صاحب، قریشی فیروز محی الدین صاحب۔ بشیر احمد صاحب شمس۔

لٹریچر دار التبلیغ نائیجیریا کی طرف سے بڑی کثرت سے لٹریچر چھپ چکا ہے جس میں یوربازبان میں ترجمہ قرآن (پارہ اول) An outline of Islam (اسلام کا اجمالی خاکہ) Muhammad and Christ (حضرت محمدؐ اور یسوعؑ) Our Movement (ہماری تحریک) Ahmad of Qadian (احمد قادیانی) Islam and Christianity (اسلام اور عیسائیت) وغیرہ (جو جناب نسیم سیفی صاحب کی تالیفات ہیں) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ نائیجیریا کے وزیر اعظم الحاج ابوبکر[۱۱۲] نے اپنی تقریر کے دوران میں کہا کہ "مجھے جب بھی عیسائیوں سے بحث کے دوران کوئی بات پیش کرنی ہوتی ہے تو ہمیشہ احمدیہ لٹریچر میری رہنمائی کرتا ہے میں اس کے علاوہ کسی اور مذہبی لٹریچر پر اعتماد نہیں کرتا جتنا احمدیہ جماعت کے لٹریچر پر کرتا ہوں"۔

نائیجیریا میں اس وقت مرکزی مبلغوں کے علاوہ متعدد مقامی مبلغ بھی کام کر رہے ہیں ۳۵ جماعتیں قائم ہیں اور مشن اس حد تک ترقی کر چکا ہے کہ وہ خود کفیل ہے اور اس کے ماتحت دس سکول اور دو ہسپتال کھولے جا چکے اور انیس مساجد تعمیر کی جا چکی ہیں۔ اور احمدیہ مشن کی طرف سے ہر ماہ تقریباً آٹھ دفعہ ریڈیو پر تقاریر اور ایک مرتبہ خطبہ جمعہ نشر کیا جاتا ہے۔

نائیجیریا مشن غیروں کی نظر میں اخبار مسلم ورلڈ نے لکھا (۱) "سنوسیہ اور اس جیسے مسلمانوں کے قدیم فرقے جو یورپین طاقت سے کھلے کھلے جنگ کے حامی تھے۔ ایک ایک کر کے میدان سے ہٹ گئے ہیں۔ اور ان کی جگہ فرقہ احمدیہ لے رہا ہے جس نے لیگوس کے مرکز سے پھیل کر تمام فرانسیسی مغربی افریقہ پر اثر جمالیا ہے"۔

(۲) اسی طرح دی نائیجیریا سپیکٹیٹر لیگوس نے لکھا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ احمدیوں کے لئے مقدر ہو چکا ہے کہ وہ نائیجیریا کے مسلمانوں کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیں چند ہی سال گذرے ہیں جبکہ انہوں نے یہاں کام شروع کیا اور اب یہ سلسلہ نہ صرف لیگوس میں بلکہ تمام نائیجیریا کے مسلمان نوجوانوں کی زندگی میں ایک بھاری تبدیلی پیدا کر رہا ہے"۔[۱۱۳]

۳۔ "تمام نائیجیریا اور خصوصاً اس کے مرکز لیگوس میں زیادہ افراد حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں۔ یہی حال ابادان کا ہے جو ملک کا تعلیمی مرکز ہے" (نائیجیریا کے لاٹ پادری بشپ ہاولز کی رپورٹ)[۱۱۴]

۴۔ "آج اسلام کو مغربی نائیجیریا میں بہت زیادہ غلبہ حاصل ہو رہا ہے جس کا اندازہ اس امر سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ عیسائیت قبول کرنے والے ایک کے مقابل پر اسلام میں بیس داخل ہونے والے ہوتے ہیں"۔ (دی لائٹ یکم نومبر ۱۹۵۳ء از اینگلیکن مشنری)

۵۔ ہم چرچ کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو سنبھالے اگر ہماری اس تنبیہ کی طرف توجہ نہ

کی گئی تو عین ممکن ہے کہ اسلام فاتحانہ انداز میں جنوبی نائیجیریا کے آخری سرے تک پہنچ جائے۔ [115]
(ویسٹ افریقن پائلاٹ نائیجیریا ۲ مئی ۱۹۵۷ء)

۶۔ ”میتھوڈسٹ کے چرچ نے اپنی سالانہ کانفرنس کی ایک رپورٹ میں کہا ہے کہ اسلام مغربی افریقہ اور خود برطانیہ میں ایک زبردست تبلیغی مہم سر کر رہا ہے“۔ [116] (ڈیلی سروس (نائیجیریا) ۱۲ جون ۱۹۵۷ء)

۷۔ اباداں (نائیجیریا) کے انچارج بشپ اے، بی، آکیس بیلے نے کہا۔ ”اسلام اس امر کا بڑے زور سے تقاضا کر رہا ہے کہ اسے مغربی افریقہ کا مسلمہ مذہب قرار دیا جائے اور اس نے ایک سے زیادہ صوبائی پادریوں سے یہ سنا ہے کہ اسلام بہت زیادہ ترقی کی طرف گامزن ہے۔

۸۔ (افریقہ میں) لاکھوں لاکھ افریقن جن کی تعداد وہاں کی اصل آبادی کے پانچویں حصے کے برابر ہوگی۔ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ بعض علاقوں میں جہاں آجکل عیسائی مشنری اور مسلمان مبلغ ایک دوسرے کے بالمقابل اپنے اپنے مذہب کی اشاعت میں مصروف ہیں حالت یہ ہے کہ عیسائیت قبول کرنیوالے ایک شخص کے مقابلے میں دس افریقن اسلام قبول کرتے ہیں۔ یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مغربی افریقہ میں اب اسلام کو واضح طور پر افریقنوں کا مذہب قرار دیا جاتا ہے۔ جبکہ عیسائیت وہاں صرف اور صرف سفید لوگوں (یورپین) کا مذہب بن کر رہ گیا ہے۔ [117]

۹۔ ”آج سے تیس سال قبل وہ (یعنی مسلمان) سب سے زیادہ پسماندہ قوم تھے لیکن جب سے احمدیہ جماعت نے اپنے ترقیاتی پروگرام کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا ہے مسلمانوں میں حیرت انگیز تبدیلی واقع ہو گئی ہے“۔ (کیتھولک ہیرلڈ ۱۹ اگست ۱۹۵۵ء)

۱۰۔ اباداں کے بشپ نے غانا میں تقریر کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ جہاں عیسائیت کو سخت ناکامی ہوئی ہے وہاں مسلمانوں نے میدان جیت لیا ہے“۔ (نائیجیرین ٹریبیون ۲۴ فروری ۱۹۵۵ء)

۱۱۔ نائیجیریا کے بشپ ایس۔ او۔ روڈوٹون نے کل افریقہ چرچ کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہا عیسائی چرچ نائیجیریا میں اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے بہت تشویش میں ہے (ڈیلی ٹائمز۔ ۱۴ جنوری ۱۹۵۸ء)

۱۲۔ مسٹر ریمزے نے افریقہ کے تیرہ ممالک کا دورہ کرنے کے بعد اس خیال کا اظہار کیا کہ عیسائیت افریقہ میں اسلام سے شکست کھا رہی ہے۔ (ویسٹ افریقن پائلاٹ ۲۱ مارچ ۱۹۶۰ء)

۱۳۔ جیوفرے ہیرلڈ (ایک مشہور عیسائی مصنف) نے ویسٹ افریقن ریویو (لنڈن) کی دسمبر ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں لکھا ہے احمدیہ جماعت اگرچہ قلیل التعداد ہے لیکن یہ بہت زیادہ کام کرنے والے

لوگ ہیں۔ اور اپنی آواز کو خوب دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ مغربی افریقہ میں ان کے متعدد مدارس ہیں جو مغربی خطوط پر چلائے جاتے ہیں۔ ان کے اخبارات بھی ہیں۔

گولڈ کوسٹ (غانا) مشن [۱۱۸] اوپر بتایا جاچکا ہے کہ الحاج حکیم فضل الرحمان صاحب ۱۳ مئی ۱۹۲۲ء کو انچارج مشن کی حیثیت میں یہاں پہنچے آپ آخر ستمبر ۱۹۲۹ء [۱۱۹] تک گولڈ کوسٹ میں تبلیغ اسلام و احمدیت میں مصروف عمل رہے۔ محترم حکیم صاحب کے عہد میں مشن کو بہت فروغ ہوا۔ سالٹ پانڈ میں تعلیم الاسلام ہائی سکول جاری کیا۔ اور جماعت کے امراء سے چندہ خاص کر کے سکول کی عمارت تعمیر کی [۱۲۰] اپریل ۱۹۲۸ء میں شہر کماسی میں آپ کا غیر احمدیوں سے مناظرہ ہوا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے احمدیت کو نمایاں فتح بخشی۔ اس مناظرہ میں حکومت کے اعلیٰ افسروں کے علاوہ پراونشل کمشنر بھی موجود تھے۔ [۱۲۱] حکیم صاحب ابھی گولڈ کوسٹ ہی میں تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حکم پر مولوی نذیر احمد (علی) صاحب (ابن حضرت بابو فقیر علی صاحب اسٹیشن ماسٹر) ۲۲ فروری ۱۹۲۸ء کو قادیان سے گولڈ کوسٹ روانہ ہوئے۔ [۱۲۲] اور وہاں کچھ عرصہ حکیم صاحب کا ہاتھ بٹانے کے بعد یکم اکتوبر ۱۹۲۹ء سے مشن کے انچارج مقرر کئے گئے۔ [۱۲۳] اور کامیاب جرنیل ثابت ہوئے۔

مولوی نذیر احمد علی صاحب کے زمانہ میں گولڈ کوسٹ (حال غانا) کی جماعت نے خوب ترقی کی کوامنیاٹا۔ اسیام۔ کیپ مقامات میں نئے سکول کھلے اور متعدد نئی جماعتیں قائم ہوئیں۔ مئی ۱۹۳۳ء میں آپ واپس تشریف لے آئے۔ اور مشن کا کام الحاج حکیم فضل الرحمان صاحب نے انجام دینا شروع کر دیا۔ [۱۲۴]

آپ کے دور میں یہاں مشن ہاؤس بھی تعمیر ہوگیا۔ [۱۲۵] ۲ فروری ۱۹۳۶ء کو مولوی نذیر احمد علی صاحب اور مولوی نذیر احمد صاحب مبشر سیالکوٹی مولوی فاضل گولڈ کوسٹ روانہ ہوئے۔ اور ۲۳ اپریل ۱۹۳۶ء کو گولڈ کوسٹ پہنچے۔ اور یکم مئی ۱۹۳۶ء کو اس مشن کا چارج لیا۔ [۱۲۶] اور کماسی میں جو اشانٹی کا مرکز ہے احمدیہ پرائمری سکول کی بنیاد رکھی۔ [۱۲۷] اکتوبر ۱۹۳۷ء [۱۲۸] میں مولوی نذیر احمد علی صاحب حضرت خلیفہ ثانی کے ارشاد کے تحت سیرالیون میں نیا دارالتبلیغ کھولنے کے لئے تشریف لے گئے اور گولڈ کوسٹ مشن مولوی نذیر احمد صاحب مبشر کی امارت میں جلد جلد ترقیات کی منزلیں طے کرنے لگا اور خدا کے فضل سے یہ آپ ہی کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج غانا کی جماعت ممالک بیرون پاکستان کی عظیم ترین جماعتوں میں شمار ہوتی ہے جس میں اڑھائی سو سے زیادہ جماعتیں ہیں۔ پونے آٹھ لاکھ روپیہ کا بجٹ ہے ایک سو باسٹھ کے قریب مساجد اور سولہ کے قریب سکول قائم ہیں۔ اور بیس کے لگ بھگ (مرکزی مبلغین کے علاوہ) مقامی مبلغ کام کر رہے ہیں جن کے لئے الگ الگ

مشن ہاؤس موجود ہیں۔ حضرت خلیفہ ثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ نے مولوی صاحب کی نسبت فرمایا تھا۔ افریقی اقوام میں بیداری کے جو سامان پیدا ہوئے ہیں ان میں مولوی نذیر احمد صاحب کو اس عمارت کی ایک بنیادی اینٹ بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ [۱۷۹] حضرت اقدس کے حکم سے مولوی نذیر احمد صاحب مبشر تین بار اس ملک میں بھجوائے گئے اور آپ کو یہاں (آمدورفت کے عرصہ کو مستثنیٰ کرکے) ۱۹۳۶ء سے لیکر ۱۹۶۱ء تک تبلیغی جہاد کرنے کا موقعہ ملا۔ اس عرصہ میں تعداد۔ تعلیم اور جائیداد غرضکہ ہر جہت سے مشن نے حیرت انگیز ترقی کی چنانچہ مسٹر جان ہمفری فشر (Mr. John Humphrey Fisher) نے جو جماعت کی تبلیغی مسائی پر تحقیقات کے لئے خود مغربی افریقہ گئے تھے۔ اپنی کتاب "Ahmdiyya" میں آپ کی خدمات کو سراہا ہے۔ [۱۸۰] مولوی نذیر احمد صاحب مبشر کے بعد اب مولوی عطاء اللہ صاحب کلیم انچارج مشن کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اور سالٹ پانڈ سے ایک ماہوار اخبار "دی گائیڈنس" (The Guidance) بھی آپ کی ادارت میں ۱۹۶۲ء سے شائع ہوتا ہے۔

اب ذیل میں ان مجاہدین کے نام لکھے جاتے ہیں جنہوں نے مندرجہ بالا مبلغین کے علاوہ اس مشن میں کام کیا ہے۔ یا ابھی تک مصروف جہاد ہیں ملک احسان اللہ صاحب۔ مولوی عبدالخالق صاحب۔ مولوی بشارت احمد صاحب نسیم امروہوی۔ مولوی صالح محمد صاحب۔ مولوی عبدالحق صاحب انور۔ چوہدری عطاء اللہ صاحب۔ مولوی بشارت احمد صاحب بشیر۔ صوفی محمد اسحاق صاحب۔ مولوی عبداللطیف صاحب شاہد۔ مولوی عبدالقدیر صاحب شاہد۔ مولوی محمد افضل صاحب قریشی۔ ملک خلیل احمد صاحب اختر۔ مولوی فضل الٰہی صاحب انوری۔ مولوی عبدالرشید صاحب رازی۔ مسعود احمد صاحب دہلوی۔ سید سفیرالدین احمد صاحب۔ قریشی فیروز محی الدین صاحب۔ مرزا لطف الرحمان صاحب۔ جناب مولوی عبدالمالک خان صاحب۔ صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب۔ سید داؤد احمد صاحب انور۔ مولوی عبدالحمید صاحب۔ منیر احمد صاحب رشید۔ پروفیسر محمد لطیف صاحب۔ سید محمد ہاشم صاحب بخاری، نذیر احمد صاحب ایم ایس سی۔ ان مرکزی مبلغین کے علاوہ دو درجن کے قریب مقامی مبلغین بھی کام کر رہے ہیں جن میں سے مسٹر عبدالوہاب بن آدم اور مسٹر ابراہیم مانو ربوہ میں تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔

لٹریچر۔ اس مشن کی طرف سے فینٹی 'اشانٹی اور انگریزی زبان میں اسلامی لٹریچر چھپ چکا ہے۔

غاناداراتبلیغ کی خدمات غیروں کی نظر میں

بالآخر غاناداراتبلیغ سے متعلق غیروں کے چند تاثرات درج کئے جاتے ہیں جن سے اس مشن کی فتوحات کا کسی قدر اندازہ ہوگا۔

۱۔ غانا یونیورسٹی کالج کے مشہور پروفیسر مسٹر ایس۔ جی ولیم سن لکھتے ہیں ”غانا کے شمالی حصہ میں رومن کیتھولک کے سوا عیسائیت کے تمام اہم فرقوں نے محمد کے پیروؤں کے لئے میدان خالی کر دیا ہے اشانٹی اور گولڈ کوسٹ کے جنوبی حصوں میں آج کل عیسائیت ترقی کر رہی ہے لیکن جنوب کے بعض حصوں میں خصوصیت سے ساحل کے ساتھ ساتھ جماعت احمدیہ کو عظیم فتوحات حاصل ہو رہی ہیں۔ یہ خوشکن توقع کہ گولڈ کوسٹ جلد ہی عیسائی بن جائے گا اب معرض خطر میں ہے اور یہ خطرہ ہمارے خیال کی وسعتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک خاصی تعداد احمدیت کی طرف کھچی چلی جا رہی ہے۔ اور یہ یقیناً صورت حال عیسائیت کے لئے کھلا چیلنج ہے تاہم یہ فیصلہ ابھی باقی ہے۔ کہ آئندہ افریقہ میں ہلال کا غلبہ ہو گا یا صلیب کا۔“ ۱۳۱ (ترجمہ)

۲۔ ورلڈ کرسچن ڈائجسٹ (جون ۱۹۶۱ء صفحہ ۳۹-۴۰) میں لکھا ہے ”کیا اسلام کی روز افزوں ترقی اور اس سارے علاقہ کو بہت جلد اپنی لپیٹ میں لے لینے کے اسلامی چیلنج کا ہمارے پاس کوئی مؤثر و موزوں جواب ہے۔ غانا میں بھی جماعت احمدیہ سرگرم عمل ہے۔ غانا کے شمالی علاقہ کے لوگ مذہبی ہیں۔ اس لئے وہاں تھوڑی سی کوشش بھی اسلام کو وسیع پیمانہ پر پھیلانے کا موجب ہو سکتی ہے“۔

۳۔ ماہنامہ ”مجلۃ الازہر“ (بابت جولائی ۱۹۵۸ء) نے ”الاسلام فی غانا“ کے عنوان سے جماعت احمدیہ کی خدمات کا ان الفاظ میں ذکر کیا۔ ”ولهم نشاط بارز فی کافۃ النواحی ومدارسهم ناجحۃ بالرغم ان تلامیذها لا یدینون بمذهبهم جمیعا“۔ یعنی فرزندان احمدیت کی سرگرمیاں تمام امور میں انتہائی طور پر کامیاب ہیں اور ان کے مدارس بھی کامیابی سے چل رہے ہیں۔ بحالیکہ ان مدارس کے سبھی طلبہ ان کی جماعت سے وابستہ نہیں ہیں۔

۴۔ غانا کے ڈپٹی سپیکر الحاج یعقوب طالع نے بیان دیا کہ ”یہ امر ہمارے مشاہدہ میں آیا ہے کہ اگر احمدیہ جماعت اسلام کے احیاء اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کی جدوجہد نہ کرتی تو اسلام مادیات کے تھپیڑوں میں کبھی کا دب چکا ہوتا۔ میں چشم دید گواہ ہوں کہ سلسلہ احمدیہ کی مساعی کے نتیجہ میں اسلام دنیا کے مختلف ممالک میں سربلندی حاصل کر رہا ہے۔ اور یہ کہنے میں مبالغہ نہ ہو گا۔ کہ اس دور کی انسانی تاریخ کا سب سے اہم واقعہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہے۔“ ۱۳۲

۵۔ غانا یونیورسٹی کے ایک لیکچرار J.A. Price نے مانچسٹر گارڈین کی ایک اشاعت میں لکھا ”مالکیوں کے علاوہ مسلمانوں کا ایک اور فرقہ جماعت احمدیہ بھی ہے جو اپنی تبلیغی مساعی کے لحاظ سے مشہور ہے اس کا مرکز پاکستان میں ہے ...... یہ جماعت تیزی کے ساتھ ترقی کے راستہ پر گامزن ہے عیسائی اور مشرکین دونوں میں سے لوگ جوق در جوق اس میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس جماعت کی ترقی

کی رفتار کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے۔ کہ ۱۹۳۱ء میں اس کے ممبروں کی تعداد تین ہزار ایک سو دس تھی جبکہ ۱۹۴۸ء میں یہ تعداد بائیس ہزار پانچ سو بہتر تک پہنچ چکی ہے احمدیہ مشن کی نمایاں کامیابی میں اس کی تعلیمی سرگرمیوں کا بھی دخل ہے۔ جس میں ثانوی تعلیم بھی شامل ہے ان کی مساعی کو مغربی افریقہ کے تمام علاقوں میں محسوس کیا جا رہا ہے۔" [۱۲۳]

حضرت خلیفۃ المسیح کا تیسرا نکاح

۷ فروری ۱۹۲۱ کو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے حضرت مسیح موعود کے مخلص اور قدیم صحابی ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب کی دختر نیک اختر حضرت سیدہ مریم بیگم صاحبہ کو اپنی زوجیت کا فخر بخشا۔ خطبہ نکاح حضرت سید سرور شاہ صاحب نے پڑھا مہر ایک ہزار روپیہ مقرر ہوا۔ [۱۲۴] ۲۱ فروری ۱۹۲۱ء کو تقریب رخصتانہ عمل میں آئی ۲۳ فروری ۱۹۲۱ء کو بوقت صبح دعوت ولیمہ ہوئی۔ [۱۲۵] حضور کو اس نکاح کی تحریک اس لئے ہوئی کہ سیدہ مریم بیگم صاحبہ کا نکاح حضرت مسیح موعود کے فرزند مرزا مبارک احمد سے ہوا تھا۔ مگر جب صاحبزادہ صاحب وفات پا گئے تو حضور نے گھر میں اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ یہ رشتہ ہمارے ہی گھر میں ہو تو اچھا ہے۔ [۱۲۶]

سکھوں کے ایک گورو صاحب قادیان میں

کرتار پور ضلع جالندھر میں سکھوں کی مشہور گدی ہے۔ ۲۵ فروری ۱۹۲۱ء کو وہاں کے گورو ضلع گورداسپور کا دورہ کرتے ہوئے قادیان آئے۔ حضرت اقدس نے ان کی پیشوائی کے لئے حضرت مولوی شیر علی صاحب ناظر اعلیٰ اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب کو شہر سے باہر بھجوایا۔ گورو صاحب گھوڑے پر اور انکے مصاحب رتھ اور گاڑیوں میں سوار تھے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے مکان کے صحن میں اتارا گیا۔ حضرت خلیفہ ثانی نے مزاج پرسی کے بعد ان سے مسلمانوں اور سکھوں کے ان باہمی خوشگوار تعلقات کا تذکرہ فرمایا۔ جو شاہان مغلیہ کے زمانہ میں تھے۔ کوئی پون گھنٹہ کی ملاقات کے بعد گورو صاحب نے رخصت کی اجازت چاہی۔ حضرت اقدس نے اپنے گھر سے میووں کی ایک سینی لگوا کر حضرت میر قاسم علی صاحب کے ہاتھ بھجوائی جسے انہوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ [۱۲۷]

سفر لاہور و مالیر کوٹلہ

۴ مارچ ۱۹۲۱ء کو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایک مقدمہ میں شہادت کی غرض سے لاہور تشریف لے گئے لاہور میں حضور کی دو تقریریں ہوئیں جن کے عنوان یہ تھے "مذہب کی ضرورت" اور "حقیقی مقصد اور اس کے حصول کے طریق"۔ ۷ مارچ ۱۹۲۱ء کو حضور مالیر کوٹلہ روانہ ہوئے۔ مالیر کوٹلہ کے اسٹیشن پر حضرت نواب محمد علی خان صاحب' حضرت

نواب محمد عبد اللہ خانصاحب وغیرہ اصحاب استقبال کے لئے موجود تھے۔ حضور بذریعہ موٹر شیروانی کوٹ تشریف لے گئے۔ ۹ مارچ ۱۹۲۱ء کو حضور نے حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے شہر والے مکان میں "صداقت اسلام" کے موضوع پر لیکچر دیا۔ ۱۰ مارچ کو حضرت ماسٹر قادر بخش صاحب (والد ماجد حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد) کی درخواست پر لدھیانہ میں قیام فرمایا۔ حضرت ماسٹر صاحب نے حضور کے اعزاز میں ایک بڑی دعوت کا انتظام کیا۔ حضور لدھیانہ سے ۱۱ مارچ ۱۹۲۱ء کو قادیان واپس تشریف لائے۔ [۱۲۸]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ایک پُر جلال و شوکت تقریر

۱۹ تا ۲۱ مارچ ۱۹۲۱ء میں قادیان کے غیر احمدیوں کا بڑی دھوم دھام سے جلسہ ہوا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ایڈیٹر اہلحدیث مولوی محمد علی صاحب روپڑی۔ مولوی میر محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی۔ مولوی انور شاہ صاحب کاشمیری مدرس اعلیٰ دیوبند اور مرتضیٰ حسن صاحب در بھنگوی وغیرہ نے دل آزار اور اشتعال انگیز تقریریں کیں۔ [۱۲۹] جن کے جواب میں ۲۱-۲۲ مارچ کی درمیانی شب کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایک پُر جلال و شوکت تقریر فرمائی۔

چونکہ علماء صاحبان کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار کی بے حرمتی کرنے اور کھودنے کی افواہیں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں جن کی تصدیق خود اس جلسہ کی تقاریر سے بھی ہو گئی تھی۔ اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حکم سے پہلی بار قادیان کی آبادی اور احمدی مساجد اور بہشتی مقبرہ کی حفاظت کے اقدامات کرنے پڑے۔ [۱۳۰] [۱۳۱]

جمعدار فضل الدین صاحب کمبوہ کا تحریری بیان ہے کہ:-

"جس سال احراریوں نے اپنے بد ارادے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار کے متعلق اور بہشتی مقبرہ کے متعلق ظاہر کئے تھے اور قادیان میں ایک بہت بڑے جلسہ کے انعقاد کا اعلان کر دیا تھا۔ میں ان دنوں مہینہ کی رخصت پر اپنے گاؤں ہمزہ آیا ہوا تھا۔ مجھے جب احراریوں کے جلسہ قادیان کی اطلاع ملی تو میں (نے) اپنے والد صاحب سے اجازت لی اور قادیان کی طرف روانہ ہو گیا۔ چونکہ ان دنوں قادیان کی طرف ریل نہیں جاتی تھی میں بٹالہ سے ٹانگہ پر سوار ہو کر قادیان پہنچا اور بہشتی مقبرہ کے قریب ٹانگہ سے اتر کر دعا کے لئے بہشتی مقبرہ گیا۔ (مزار) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گرد چہار دیوار ڈال کر چھت ڈالی ہوئی تھی۔ دعا کے بعد میں مسجد مبارک قادیان میں گیا۔ سب سے پہلے میں وہاں قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سے ملا اور رات مہمان خانہ میں گزاری۔ دوسرے دن صبح کے وقت میں ابھی

بیت مبارک میں ہی تھا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے مجھ سے علیحدگی میں فرمایا کہ عبدالکریم لوہار جوان دنوں سیویوں کی مشین بنایا کرتے تھے ان کو بلا لائیں۔ وہ اپنے ساتھ ایسا سامان لے آئیں جس سے بیت مبارک کچھلی طرف کی کھڑکیوں کی سیخیں کاٹی جاسکیں تاکہ اگر مخالفین دار مسیح پر کسی قسم کا حملہ کریں تو ان کھڑکیوں کے ذریعہ مرزا گل محمد صاحب کی حویلی میں بچوں اور عورتوں کو حفاظت کے لئے بھیجا جاسکے۔ آپ کے حکم پر میں مذکورہ لوہار کی دکان پر پہنچا تو اس نے میرے ساتھ آنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے بہت کام ہے۔ میں وہاں نہیں جاسکتا۔ جب میں نے اس سے اوزار مانگے کہ میں خود ہی سیخیں کاٹ کر اوزار واپس کر دوں گا تو اس نے اوزار دینے سے بھی انکار کر دیا اس پر میں مایوس ہو کر واپس آیا تو بیت مبارک میں مجھے کوئی شخص نہ ملا۔ اسی روز احرار گاڑی میں متواتر پہنچ رہے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ تمام ہندوستان کے احرار آ رہے ہیں۔ [۱۶۲]
بٹالہ سے ان کے قافلے پیدل اور تانگوں پر قادیان روانہ ہوئے۔ مولوی ثناء اللہ وغیرہ بھی ان میں تھے۔ تھوڑی دیر بعد ان کے بد ارادوں کی خبریں جو وہ اپنی باتوں میں بیان کرتے تھے قادیان پہنچتی رہیں ہمارے نوجوانوں نے ایسی سکیم تیار کر لی تھی جس کے تحت وہ بٹالہ میں بہت جمع ہو چکے تھے وہ ہر قافلہ میں دو دو تین تین شامل ہو جاتے اور چونکہ گرمی کے دن تھے وہ ہاتھوں میں پنکھے لے کر آگے بڑھ جاتے اور ہر قافلہ میں جو مولوی ہوتے ان کو پنکھا کرتے اور ان کی باتیں سن لیتے اور پھر پنکھا اپنے دوسرے ساتھی کے حوالے کر کے واپس قادیان جا کر بیان کرتے۔ اس طرح ان کی تمام باتیں قادیان میں قبل از وقت پہنچتی رہیں۔ اس دن انہوں نے پہنچ کر ہندوؤں کے ایک مکان میں تقریریں کیں۔ وہاں بھی ہمارے خاص خاص نوجوانوں کو ہی جانے کا حکم تھا جو وہاں سے رپورٹیں لے کر آتے تھے۔
دوسرے دن ان کا اس قدر ہجوم تھا کہ حضرت صاحب کے حکم سے ایک فوٹوگرافر کو منارۃ المسیح کے اوپر جا کر کیمرہ سے فوٹو لینے کو کہا گیا۔ کیونکہ وہ دن اور دھوپ کا وقت تھا اور احراریوں کی نظریں منارۃ المسیح پر بدنیتی سے پڑ رہی تھیں جب فوٹوگرافر نے وہاں جا کر کیمرہ نصب کیا تو ان لوگوں نے دیکھا اور بعض نے تو ان میں سے یہ کہنا شروع کیا کہ دیکھو وہ منارۃ المسیح پر مشین گن لگ گئی۔ اسی دن حضرت میر محمد اسماعیل (صاحب) سول سرجن نے مجھے جب مسجد مبارک میں دیکھا تو فرمایا کہ آپ چونکہ ملٹری کے آدمی ہیں آپ سے کچھ سوالات کرتا ہوں۔ آپ اس کا جواب دے دیں۔ اس کے بعد میں کوئی کام آپ کے حوالے کر دوں گا۔ جو آپ کو کرنا ہو گا۔ میں نے لبیک کہا تو آپ نے سب سے پہلے مجھ سے یہ سوال کیا کہ آپ نے فرسٹ ایڈ کی تعلیم حاصل کی ہے۔ میں نے جواب اثبات میں دیا۔ پھر آپ نے سوال کیا کہ آپ فیلڈ ایمبولنس کی ٹریننگ بھی رکھتے ہیں جس میں زخمیوں کو اٹھا کر ہسپتال پہنچانے کی ٹریننگ ہوتی ہے۔

میں نے کہا جی ہاں۔ پھر آپ نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ نے آگ بجھانے کی فائر بریگیڈ کی ٹریننگ بھی حاصل کی ہے میں نے جواباً کہا ہاں صاحب۔ پھر میں نے کہا کہ حضور کچھ اور بھی پوچھنا چاہتے ہیں تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ اب میں آپ کا امتحان لینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ اگر آپ کو بیس آدمی فائر بریگیڈ کے لئے دے دیئے جائیں تو ان کے لئے آپ کو کس سامان کی ضرورت ہوگی۔ میں نے جواباً عرض کیا کہ تیس چالیس خالی ٹینوں کی ضرورت ہوگی۔ بیس کے سر کٹے ہوئے ہوں جن میں ہم مٹی یا ریت ڈالیں گے اور بیس کے آدھے سر کٹے ہوئے ہوں جس میں پانی ڈالا جائے تاکہ ضرورت کے وقت کام آسکے۔ اس کے علاوہ بیس آدمیوں کے پاس بیس لاٹھیاں ہوں تاکہ اس سے ضرورت کے وقت کام لیا جاسکے۔ اور گینتیاں اور بیلچے دس دس ہوں آپ نے کہا کہ آپ اس میں پاس ہو گئے۔ پھر آپ نے فرمایا فیلڈ ایمبولینس میں اگر زخمیوں کو اٹھانے کا کام دیا جائے تو آپ کو کس سامان کی ضرورت ہے میں نے ابھی سٹریچر کا نام ہی لیا تھا تو آپ نے کہا یہ تو فیلڈ ہے یہاں سٹریچر کہاں سے آئیں گے اس پر میں نے کہا کہ حضور بیس آدمیوں کے لئے بیس بانس کی لاٹھیاں چاہئیں اور بیس خالی بوریاں چاہئیں تاکہ چاقوؤں سے بوریوں میں سوراخ کر کے ان میں بانس دے کر سٹریچر کا کام لیا جاسکے۔ اس پر آپ نے کہا کہ چاقو کہاں سے آئے گا تو میں نے اپنی جیب سے چاقو نکال کر دکھلا دیا کہ یہ تو میں ہمیشہ اپنے پاس رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ بیت مبارک کے سامنے الفضل کا دفتر ہے اس پر آپ چالیس آدمی لے کر شام مغرب کی نماز کے بعد صبح تک اپنے انتظام کو مکمل رکھیں گے اور دیکھنا کہ جو آدمی آپ کو دیئے جاتے ہیں یہ پنجابی زمیندار ہیں انہیں حقہ پینے کی عادت ہے کہیں یہ آپ کو وقت پر جواب نہ دے دیں حضرت صاحب کی طرف سے قادیان کے گرد اگرد دس دس میل تک کے لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ ایک ایک آدمی ہر گھر سے قادیان آجائے اس طرح کافی احمدی جمع ہو چکے تھے مغرب کی نماز کے بعد میں اپنے چالیس منتخب آدمیوں کو لے کر حضرت نواب محمد علی خان کے مکان کی چھت پر جو مسجد مبارک سے متصل ہے چلا گیا وہ چالیس آدمی کچھ اس چھت پر کچھ دوسری چھت پر بھیج دیئے گئے اور ٹینوں میں پانی اور مٹی ڈال کر مسجد مبارک کے سامنے والے مکانوں کی چھتوں پر اردگرد کے مکانوں کی چھتوں پر رکھوا دیئے گئے اور میں ان دوستوں کو آہستہ آہستہ ان کے فرائض بتانے لگا کہ کس چیز کو کس طرح استعمال کرنا ہے۔

حضرت میر محمد اسماعیل صاحب نے فرسٹ ایڈ کے لئے پٹیاں بھی پہنچا دی تھیں۔ عشاء کی نماز ہم نے چھتوں پر ہی ادا کی تو زمیندار دوست حقے کی خواہش پر مجھ سے اجازت لینے آئے کہ ہمیں اجازت دیں کہ ہم حقہ پی آئیں۔ میں نے انہیں کہا کہ دیکھو اب آپ نے میرے ساتھ کام کرنا ہے اور میرا کہا ماننا ہے ورنہ ہم اپنے مقصد میں ناکام ہو کر بجائے حضور سے دعا لینے کے ان کی ناراضگی کا باعث بن جائیں

گے اس لئے صرف ایک شخص سیڑھی سے اترے اور جا کر حقہ پی آئے اور اس کے آنے کے بعد دوسرا جائے۔ اس طرح سے میں نے خیال کیا کہ ایک ہی آدمی ایک وقت میں غیر حاضر رہ سکتا ہے اور اپنا بستر سیڑھی کے پاس لگا لیا۔ حضور کی طرف سے ان دنوں جو ہدایات جماعت کو دی جاتی تھیں تعمیل کے لئے پھیلا دی جاتی تھیں۔ عشاء کے بعد ابھی دو گھنٹے گذرے تھے کہ حضرت میر محمد اسماعیل صاحب دو تین دوستوں کے ہمراہ مکان کے اوپر تشریف لائے اور مجھے اوپر بلایا اور فرمایا کہ دیکھو آج رات قادیان میں ہر طرح کا خطرہ ہے اس لئے اپنے آدمیوں کو چوکس رکھنا۔ میں نے اپنے تمام آدمیوں کو چوکس رہنے کے لئے ہدایت کر دی۔ اور کہا کہ ایک آواز آنے کے بعد دوسری کا انتظار نہ کریں اور فوراً اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے آ جائیں یہ ایک عجب رات تھی مگر خدائی وعدوں پر ایمان تھا۔ رات کے دو بجے کے قریب جب احرار اپنے خیالات کو دماغوں میں لے کر محو خواب تھے اور ہر اک احمدی اللہ تعالیٰ کے آگے دعا میں مصروف تھا منارۃ المسیح سے بگل کی آواز ایسے رنگ میں سنائی دی کہ گویا وہ صور اسرافیل تھی اور قیامت کا دن تھا۔ ہر احمدی اپنی آرام گاہ سے فوراً کھڑا ہو گیا اور بعض گھروں میں اس آواز سے بچوں کی چیخیں سنائی دیں۔ میں نے اپنے آدمیوں کو کہا کہ کہیں کچھ احمدی زخمی ہو گئے ہیں اور کہیں آگ لگ گئی ہے فوراً چوک میں اپنے سامان کو لے کر کھڑے ہوں میں آگے آگے تھا میرے ہاتھ میں ایک بیلچہ تھا اور ایک خالی ٹین اور میں نے اپنے آدمیوں کو وہاں کھڑا کر دیا دیکھتے ہی دیکھتے احمدیہ اسکول کالج کے لڑکے چند منٹ کے اندر' باہر کے محلوں کے احمدی دوست رات کے وقت مسجد مبارک کی طرف بھاگے اور جہاں جہاں جگہ ملی گلی کوچوں میں کھڑے ہو گئے اور ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ حضرت میر محمد اسماعیل صاحب میرے پاس تشریف لائے اور پوچھا آپ نے اس بگل سے کیا سمجھا میں نے عرض کیا کہ دشمن نے ہمارے آدمیوں کو زخمی کر دیا ہے اور ہمارے گھروں کو آگ لگا دی ہے یہی خیال لئے میں یہاں آیا ہوں کہ پتہ چلے تو اپنے فرض کو ادا کروں۔ میر صاحب نے کہا کہ بس آپ لوگ جا کر آرام کریں کوئی بات نہیں۔ ادھر تو یہ حالت تھی اور ادھر لشکر احرار کی یہ حالت تھی کہ وہ بگل کی آواز سن کر انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم پر آسمانی فوجوں نے حملہ کر دیا ہے اور ہم ہر طرح سے بے دست و پا ہیں۔ ان میں سے کئی ایک کی چیخیں بھی نکل گئیں۔ جو کہ ہمارے رپورٹروں نے بتایا اور ہم نے احراریوں کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکلتی دیکھی۔ صبح کو ایک دوست نے مسجد مبارک کے چوک میں تقریر کی جس میں انہوں نے گورو گوبند سنگھ کے اس واقعہ کا ذکر کیا کہ سکھوں میں جو پانچ پیارے ہیں ان کا کس طرح امتحان لیا گیا اور وہ اس طرح کہ گوبند سنگھ کے لنگر میں بے شمار سکھ حلوہ پوری کھانے والے موجود ہیں۔ اس نے یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کچھ کام بھی کر سکتے ہیں تو اس نے رات کے وقت

ایک میدان میں ایک تنبو لگا کر اس میں بکرے باندھ دیئے آپ سکھوں کا امتحان کرنا چاہتے تھے صبح کو کڑاہ پرشاد کھانے والے سکھوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج ہمیں چند سکھوں کے سر درکار ہیں آؤ کون ہمیں اپنا سر دیتا ہے۔ ان میں سے ایک شخص اٹھ کر آگے بڑھا اور تنبو سے باہر گورو صاحب تلوار لے کر کھڑے ہو گئے وہ آگے بڑھا تو وہ تنبو میں لے گئے اور اسے ایک طرف بٹھا کر تلوار سے ایک بکرے کو مار دیا۔ جب تلوار کی آواز باہر سکھوں نے سنی تو ان میں ہلچل مچ گئی پھر گوبند سنگھ صاحب خون آلود تلوار لے کر باہر آئے اور کہا کہ مجھے ایک اور سر کی ضرورت ہے۔ پھر ایک دوسرا سکھ آپ کے ساتھ اندر گیا تو آپ نے اس کو پہلے سکھ کے ساتھ بٹھا دیا اور پھر تلوار ایک بکرے کی گردن پر ماری۔ اب تو خون بھی تنبو سے باہر دکھائی دینے لگا۔ سکھ آہستہ آہستہ کھسکنے لگے اسی طرح آپ تیسری چوتھی اور پانچویں مرتبہ آئے اور صرف پانچ آدمی آپ کے ساتھ تنبو میں داخل ہوئے باقی سب بھاگ گئے ان پانچ سکھوں کو جنہوں نے اپنی جان قربان کرنے کا وعدہ کیا تھا پانچ پیارے کہتے ہیں اور سکھوں کی ہر بات پانچ باتوں پر ہی مقرر ہے۔ پانچ پیارے ہیں پانچ ککے ہیں اس احمدی مقرر نے کہا کہ لو ادھر تو صرف پانچ پیارے تھے آج تمہارا بھی امتحان ہو گیا کہ تم نے اپنے آپ کو قربانی کیلئے پیش کر دیا۔ وہ تو پانچ پیارے تھے۔ احمدی جماعت کا ہر فرد پیارا ہے۔ یہ تو صرف میرے دیکھے ہوئے حالات ہیں باقی انتظامات کے متعلق میں نہیں کہہ سکتا۔ اسی روز شام کے وقت اعلان کیا گیا کہ مرزا گل محمد صاحب کی حویلی میں عشاء کے بعد جلسہ منعقد ہو گا اور اس میں حضور بھی تشریف لائیں گے اور اس میں غیر احمدیوں کے لئے داخلہ کے ٹکٹ دیئے جائیں گے اور احمدیوں کی شناخت پر اندر آسکیں گے۔

عشاء کے بعد جلسہ کا انتظام شروع ہوا۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحب نے پولیس کے افسروں اور مجسٹریٹ وغیرہ کو جو احراریوں کے جلسہ میں آئے ہوئے تھے جلسہ میں شمولیت کے لئے دعوت دی جب یہ افسران جلسہ گاہ میں تشریف لا کر اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے تو حضرت میر صاحب نے ان کو کچھ مٹھائی اور چائے پیش کی۔ انہوں نے ابھی چائے پینی شروع کی ہی تھی کہ حضور تشریف لے آئے تمام حاضرین نے کھڑے ہو کر حضور کا استقبال کیا۔ حضور السلام علیکم کہہ کر اپنی کرسی پر تشریف لے گئے۔ بیٹھنے کے بعد حضور فوراً کھڑے ہو گئے اور تقریر شروع کر دی۔ تقریر اس موضوع پر تھی کہ گورنمنٹ نے پولیس اور باقی محکمے مظلوموں کی مدد اور ان کی دادرسی کے لئے بنائے ہیں مگر افسوس ہے کہ محکمے اپنے فرائض منصبی ادا نہیں کرتے بلکہ برعکس اس کے ظالموں کی مدد کرتے ہیں حضور کی آواز اس قدر بلند تھی کہ حاضرین پر ایک سکتے کا عالم تھا۔ اور ان کے سامنے پڑی ہوئی چائے اور مٹھائی انہیں ایسا زہر دکھائی دے رہا تھا کہ حلق سے نیچے نہیں اترتا تھا۔ چائے اور مٹھائی کی طرح پڑی رہ گئی حضور مختصر سی تقریر کے بعد

تشریف لے گئے اور افسر بھی اٹھ کر جلسہ گاہ سے چلے گئے مگر احمدی اور غیر احمدی پبلک جم کر بیٹھی رہی حضور کے بعد میر محمد اسحٰق صاحب نے ان اعتراضات کے جواب دینے شروع کئے جو احراریوں نے اپنے اسٹیج پر کئے تھے۔ آپ قرآن اور احادیث سے ان کے جوابات دیتے تو غیر احمدی پبلک سے حوالہ حوالہ کے آوازے اٹھتے ادھر جو احمدی احباب حوالے تلاش کرنے کے لئے بیٹھے ہوئے تھے وہ فوراً کتاب میر صاحب کے آگے رکھ دیتے اور حضرت میر صاحب حوالہ پیش کر دیتے۔ کئی غیر احمدیوں کی طرف سے یہ سنا گیا کہ آج تک ہم نے ایسے عالم نہیں دیکھے تھے کہ جو حوصلہ مندی سے اس طرح حوالے پیش کرتے ہوں اور مخالفین کی باتیں توجہ اور حوصلہ سے سنتے ہوں"۔ (غیر مطبوعہ)

ترکی اور حجاز کے حقوق کی حفاظت

۲۳ جون ۱۹۲۱ء کو جماعت احمدیہ کے ایک وفد نے جس میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے، حضرت مرزا شریف احمد صاحب، حضرت نواب محمد علی خان صاحب۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب اور بعض دوسرے سربر آوردہ حضرات شامل تھے۔ شملہ میں وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ سے ملاقات کی۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے جماعت احمدیہ کی طرف سے ان کا خیر مقدم کیا۔ اور سلسلہ احمدیہ کے حالات بیان کرنے کے بعد وائسرائے ہند کی توجہ خاص طور پر تین باتوں کی طرف مبذول کرائی۔

اول حکام میں یہ روح پیدا کی جائے کہ ان کا سلوک ہندوستانیوں سے برادرانہ ہو اور اقوام کے ساتھ مساویانہ سلوک ہو۔

دوم ترکی حکومت کے ساتھ ہمیں ہمدردی ہے اگر پچاس سال کے بعد برطانوی حکومت کی مدد سے السس، لورین فرانس کو واپس مل سکتے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ سمرنا اور تھریس ترکوں کو واپس نہ دلائے جائیں۔

سوم ترکوں سے علیحدگی کے بعد حجاز کی آزادی میں کوئی خلل نہیں آنا چاہئے۔ مسٹر چرچل وزیر نو آبادیات نے ایک سکیم میں ذکر کیا ہے کہ اگر حکومت حجاز اپنے بیرونی تعلقات برطانوی حکومت کی نگرانی میں دیدے اور اندرونی امن کی ذمہ داری اٹھالے تو انگریزی حکومت اسے سالانہ مالی امداد دے گی۔ یہ سکیم آزادی حجاز کے سراسر منافی ہے اگر حکومت حجاز واقعہ میں ملکی حفاظت نہیں کر سکتی تو حجاز ترکوں کو انہی شرائط پر واپس کر دینا چاہئے جن شرائط پر مسٹر چرچل اسے انگریزی حکومت کے ماتحت رکھنا چاہتے ہیں۔ [۱۶۳]

سفر کشمیر

اس سال حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے طبی مشورہ کے مطابق کشمیر کا سفر فرمایا۔ آپ ۲۵ جون ۱۹۲۱ء کو روانہ ہوئے [164] اور تین ماہ بعد ۲۹ ستمبر ۱۹۲۱ء کو واپس تشریف لائے۔ [165] حضور دوران سفر اسلام آباد۔ گاندھربل۔ چشمہ اچھابل۔ چشمہ ویری ناگ اور آسنور۔یاڑی پورہ وغیرہ کی طرف بھی تشریف لے گئے مگر قیام اکثر و بیشتر سری نگر میں رہا۔ ماحول کی کشمیری جماعتوں نے حضور کی آمد سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اور نوے کے قریب بیعتیں ہوئیں۔ ۲۲ اگست ۱۹۲۱ء کو حضور تمام اہل بیت کے ساتھ محلہ خان یار میں تشریف لے گئے۔ اور حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے مزار مبارک پر بہت دیر تک دعا کی۔ اور روضہ کے محافظ کو اس کی مرمت کے لئے کچھ رقم بھی دی۔ اس کے بعد حضور جامع مسجد دیکھنے گئے۔ [166] ۲۶۔ ۲۷ اگست کو حضرت اقدس کے ارشاد پر آسنور میں احمدیان کشمیر کا جلسہ ہوا۔ جس میں حضور نے تربیتی امور پر لیکچر دیئے۔ آسنور کے احمدیوں نے اس موقع پر جلسہ کے انتظام اور مہمانوں کی خدمت کا حق ادا کر دیا۔ [167]

آئینہ صداقت

دسمبر ۱۹۲۱ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے ایک معرکۃ الآراء کتاب "آئینہ صداقت" شائع ہوئی۔ جس میں حضور نے مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے کی انگریزی کتاب "دی سپلٹ" (The Split) سے پیدا ہو سکنے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کے علاوہ اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اس عظیم الشان تصنیف کا (جو ۲۰۳ صفحات پر مشتمل ہے) اختتام ان الفاظ پر ہوا کہ احمدیت۔ خدا کا قائم کیا ہوا پودہ ہے اس کو کوئی اکھاڑ نہیں سکتا۔

خلافت اس کا لگایا ہوا درخت ہے اس کو کوئی نہیں کاٹ سکتا۔ اس عاجز اور ناتوان وجود کو اسی نے اپنے فضل اور احسان سے اس مقام پر کھڑا کیا ہے اس کے کام میں کوئی روک نہیں ہو سکتا۔ [168]

اس زبردست تصنیف کا انگریزی ترجمہ "The Truth about the split" کے نام سے کلکتہ میں چھپ کر ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔

ہستی باری تعالیٰ

سالانہ جلسہ ۱۹۲۱ء میں حضرت اقدس نے ہستی باری تعالیٰ کے موضوع پر تقریر دلپذیر فرمائی جو اسی نام سے شائع ہوئی اس معرکۃ الآراء تقریر میں حضور نے ہستی باری تعالیٰ کے دلائل اس کی صفات شرک اور اس کی باریک در باریک اقسام رویت الٰہی اور اس کے مدارج اور اس کے طریق حصول پر ایسی زبردست روشنی ڈالی ہے کہ گویا دن ہی چڑھا دیا ہے۔

۱۹۲۱ء کے متفرق مگر اہم واقعات

۱۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب نے مسجد مبارک (قادیان) سے مہمان خانہ تک احمدیہ بازار میں فرش

لگوایا۔ [۱۴۹]

۲۔ قادیان میں شرقی جانب واقع ڈھاب کے پُر کرنے کا کام حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی نگرانی میں ہوا۔

۳۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے جنرل خان اوصاف علی خان صاحب سی۔ آئی۔ ای کمانڈر انچیف [۱۵۰] افواج نابھہ اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے نکاح پڑھے۔ [۱۵۱]

۴۔ حضرت مسیح موعود کے جلیل القدر صحابی حضرت ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب گوڑیانی نے وفات پائی۔

۵۔ جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے اور ان کے چند رفقاء حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی کو لاہور لے جانے کے لئے قادیان آئے جماعت کی طرف سے خانصاحب ذوالفقار علی خان نے ناشتہ کرنے کے لئے کہا۔ مگر انہوں نے معذرت کردی۔ واپسی پر ٹمٹم میں کھانا رکھوادیا گیا لیکن مولوی محمد علی صاحب نے کھانا اتروادیا۔ [۱۵۲]

۶۔ مشہور مباحثے۔ مباحثہ قادیان [۱۵۳] (حضرت میر قاسم علی صاحب اور پنڈت پورنانند صاحب کے درمیان) مباحثہ مالیر کوٹلہ [۱۵۴] شیخ عبدالرحمان صاحب مصری حضرت میر قاسم علی صاحب اور مولوی ثناء اللہ صاحب کے درمیان) مباحثہ قادیان [۱۵۵] (حضرت حافظ روشن علی صاحب اور مہاشہ دھرم بھکشو صاحب کے درمیان) مباحثہ لاہور [۱۵۶] (حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی اور منشی پیر بخش صاحب ایڈیٹر رسالہ "تائید الاسلام" لاہور کے درمیان)۔

۷۔ علماء سلسلہ کی نئی مطبوعات۔ التشریح الصحیح لالہامات المہدی والمسیح (از مولوی فضل دین صاحب وکیل) تذکرۃ المہدی حصہ دوم (از پیر سراج الحق صاحب نعمانی) شہید مرحوم کے چشم دید واقعات (از سید احمد نور صاحب کابلی) تاریخ مالابار (از شیخ محمود احمد صاحب عرفانی)۔

فصل سوم

خلافت ثانیہ کا نواں سال

(جنوری ۱۹۲۲ء تا دسمبر ۱۹۲۲ء بمطابق جماد الاول ۱۳۴۰ھ تا جماد الآخر ۱۳۴۱ھ)

دار التبلیغ مصر کا قیام

۱۹۲۲ء کے آغاز میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شیخ محمود احمد صاحب عرفانی کو مصر جانے کا حکم ہوا [۱۵۷] حضور نے آپ کو روانہ کرتے ہوئے اپنے قلم سے مندرجہ ذیل ہدایات لکھ کر دیں۔

"آپ مصر جاتے ہیں ہمیشہ یاد رکھیں کہ یہ سرزمین دنیا کی تباہی اور ترقی کے ساتھ ایک خاص تعلق رکھتی ہے۔ اس سرزمین سے اسلام کو بہت سا نقصان بھی پہنچا ہے اور فائدہ بھی اور آئندہ اور بھی حوادث ہیں جو اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ انجام کار وہ اسلام کے لئے مفید ہونگے۔ پس اس سرزمین میں بہت ہی ڈرتے ڈرتے قدم رکھیں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں کہ وہ آپ کا قدم ادھر ادھر پڑنے سے آپ کو محفوظ رکھے۔ آپ کا اول کام عربی زبان کا سیکھنا ہے اس لئے ہندوستانیوں سے رابطہ پیدا نہ کریں کیونکہ انسان غیر ملک میں اپنے اہل ملک سے جب ملتا ہے ان کی طرف بہت کھنچ جاتا ہے۔ پس جہاں تک ہو سکے عربوں سے ہی میل ملاقات رکھیں تاکہ زبان صاف ہونے کا موقع ملے۔ اور یہ بھی احتیاط رہے کہ تعلیم یافتہ لوگوں سے تعلق ہو۔ کیونکہ جہال کی زبان بہت خراب ہوتی ہے سیاسیات میں نہ پڑیں۔ اور نہ سیاسی لوگوں سے تعلق رکھیں۔ کیونکہ سیاسی لوگوں میں اگر تبلیغ ہوئی بھی تو ان کو اپنے راستہ سے ہٹا کر دین کی طرف لانا دگنی محنت چاہتا ہے۔ اور اس قدر کام آپ موجودہ اغراض کو پورا کرتے ہوئے نہیں کر سکتے۔

اپنے اخلاق کا نمونہ دکھانے کی کوشش کریں کیونکہ غیر جگہ انسان جاتا ہے تو لوگ اس کی حرکات سکنات کیطرف زیادہ توجہ کرتے ہیں۔ ہر ایک بات پر اپنی رائے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

جب کوئی ایسی بات پیش کرے جس پر رائے کا اظہار نامناسب ہے یا ایسی بحثوں کی طرف لے جائے جو سفر کے مقصد کے خلاف ہے تو بہتر ہے کہ کہدیں کہ مجھے اس امر سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے نہ میں نے اس پر کافی غور کیا ہے۔ اور نہ اس پر میں اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہوں ہر قوم میں کچھ عیوب ہوتے ہیں کچھ خوبیاں۔ پس مصریوں کی خوبیاں سیکھنے کی کوشش کریں مگران کے عیوب سیکھنے کی کوشش نہ کریں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب انسان اپنے گردو پیش ایک قسم کے حالات دیکھتا ہے تو بری باتیں بھی اسے اچھی نظر آنے لگ جاتی ہیں اور وہ اسے بطور فیشن اختیار کر لیتا ہے۔ مومن کو اس سے ہوشیار رہنا چاہئے۔"[۵۸]

شیخ محمود احمد صاحب عرفانی ۱۸ فروری ۱۹۲۲ء کو قادیان سے روانہ ہوئے[۵۹] اور سکندر آباد سے ہوتے ہوئے بمبئی پہنچے جہاں سے بذریعہ جہاز قاہرہ (مصر) میں وارد ہوئے آپ نے حضور کی ہدایات کی روشنی میں وہاں اس رنگ سے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا کہ خدا کے فضل سے پہلے سال ہی ایک جماعت پیدا کر لی چنانچہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے سالانہ جلسہ ۱۹۲۲ء پر فرمایا۔ اس سال بیرونی ممالک میں تبلیغ کے سلسلہ میں ایک نیا مشن مصر میں جاری کیا گیا ہے جہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک طالب علم کے ذریعہ جماعت پیدا کر دی ہے۔[۶۰] دسمبر ۱۹۲۳ء سے آپ کی ادارت میں "قصر النیل" کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار جاری ہوا۔[۶۱]

عرفانی صاحب نے ۱۹۲۶ء تک مصر میں کام کیا۔[۶۲] اور اعلیٰ طبقہ کے سرکاری ملازمین آپ کے ذریعہ داخل جماعت ہوئے۔ جن میں سے الاستاذ احمد حلمی آفندی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[۶۳] آپ کے زمانہ میں تبلیغ اسلام و احمدیت کا کام تمام تر انفرادی ملاقات یا لٹریچر کے ذریعہ سے ہوا۔ مگر آپ کے بعد مولانا جلال الدین صاحب شمس اور مولانا ابو العطاء صاحب کے مصر کے علماء اور مسیحی پادریوں سے مناظرے ہوئے۔ چنانچہ مولانا جلال الدین صاحب شمس کا ازہر کے تعلیم یافتہ ایک مرتد پادری کامل منصور سے "حدیقتہ الازبکیہ" کے گرجا میں اناجیل کی حقیقت کے بارے میں ایک معرکتہ الآراء مباحثہ ہوا۔ جو بعد کو "تحقیق الادیان" کے نام سے رمضان ۱۳۴۸ھ بمطابق فروری ۱۹۳۰ء میں شائع کیا گیا۔ اس مباحثہ سے عیسائیت کا نمائندہ لاجواب ہو گیا۔ مباحثہ کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ بہت سے مصری نوجوان جو عیسائیت کے اوہام کا شکار ہو رہے تھے۔ پھر سے اسلام پر پختہ ہو گئے۔ انہی نوجوانوں میں عبد الحمید خورشید آفندی بھی تھے جو اس مباحثہ میں آپ کے دلائل و براہین سے اتنے متاثر ہوئے کہ احمدی ہو کر عیسائیوں کا مقابلہ کرنے لگے مولانا شمس صاحب نے قاہرہ میں قیام کے دوران میں ایک بہائی محی الدین الکردی سے بھی پرائیویٹ مناظرے کئے اور بار بار تحدی کی کہ بہائی شریعت سے کوئی

ایک ہی ایسا مسئلہ دکھایا جائے جو اسلامی شریعت میں موجود نہیں۔ اور ضروری ہو۔ مگر وہ کوئی ایسا مسئلہ پیش نہ کر سکے۔

۱۹۳۳ء میں مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل نے مشہور عیسائی پادری ڈاکٹر فلپس (Philips) سے عیسائیت کے بنیادی عقائد پر مناظرہ کیا جس میں اسلام کو نمایاں فتح اور عیسائیت کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ مولانا ابوالعطاء صاحب نے مباحثہ کی پوری روداد فلسطین کے عربی رسالہ البشارة الاسلامیۃ الاحمدیہ میں شائع کرتے ہوئے بلاد عربیہ کے تمام پادریوں کو چیلنج دیا کہ اگر ان میں طاقت ہے۔ تو اس کا جواب دیں۔ بعد ازاں اردو میں بھی "مباحثہ مصر" اسی چیلنج کے ساتھ شائع کیا گیا مگر آج تک نہ بلاد عربیہ میں نہ برصغیر پاک و ہند میں۔ کسی پادری کو اس کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت نہیں ہو سکی۔ ۱۱۴ ۱۱۵

مولانا ابوالعطاء صاحب کے بعد مولوی محمد سلیم صاحب فاضل نے جولائی ۱۹۳۷ء سے دسمبر ۱۹۳۷ء تک مصر میں قیام کیا۔ آپ مصر سے حج پر روانہ ہو کر ۱۰ مارچ ۱۹۳۸ کو قادیان میں واپس آئے۔ اسی زمانہ میں ایک مشہور عیسائی عالم انستاس ماری کرملی نے **نشوء اللغة العربية ونموها واكتنائها** کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں حضرت مسیح موعود کے اس نظریہ کی تائید کی کہ عربی زبان ام الالسنہ ہے۔ ۱۱۶

۱۹۴۰ء کے قریب مولوی محمد دین صاحب مرحوم فاضل مجاہد تحریک جدید البانیہ سے مصر تشریف لائے اور دار التبلیغ کی سرگرمیاں باقاعدہ صورت میں ہونے لگیں۔ ابھی آپ مصر ہی میں مقیم تھے کہ چوہدری محمد شریف صاحب فاضل فلسطین سے مصر تشریف لے گئے اور جماعت کی از سر نو تنظیم کی۔ اور کئی اصحاب کو سلسلہ میں شامل کیا۔ اور وقتاً فوقتاً آپ اپنے زمانہ اقامت بلاد عربیہ میں مصر جاتے رہے۔

اسی زمانہ میں البانیہ کے دو طالب علم ۱۱۷ جامع ازہر میں بغرض حصول تعلیم داخل ہوئے جن کے متعلق ازہر کے حلقوں میں یہ شور اٹھا کہ یہ احمدی ہیں اس لئے ان کو اس اسلامی درسگاہ سے نکال دیا جائے علامہ مصطفیٰ المراغی شیخ الجامع الازہر نے ازہر کے نامور علماء کی ایک کمیٹی بنائی تا وہ پوری تحقیقات کر کے رپورٹ کرے کہ کیا جماعت احمدیہ مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے یا نہیں؟ اور اگر اختلاف ہے تو کس قدر؟ اس کمیٹی کی تشکیل پر چوہدری محمد شریف صاحب انچارج مبلغ بلاد عربیہ نے عربی رسالہ (البشریٰ) اور مصری اخبارات کے ذریعہ اس کا خیر مقدم کیا اور شیخ الجامع الازہر (علامہ مصطفےٰ المراغی) کی معرفت کمیٹی کو سلسلہ احمدیہ کا ضروری لٹریچر بھیجا۔ اور لکھا کہ میں خود بھی حاضر ہو کر جماعت احمدیہ سے

متعلق مستند معلومات بہم پہنچا سکتا ہوں۔

اسی دوران ۱۹۴۲ء میں بابو عبدالکریم صاحب یوسف زئی پوسٹ ماسٹر (آف پونچھ) مرحوم نے لیبیا میں اقامت کے وقت ازہر (مصر) سے یہ دریافت کیا حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں؟ اور جو شخص وفات مسیح کا قائل ہے اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے تو شیخ الازہر نے یہ استفسار علماء ازہر اپنی کمیٹی (کبار علماء الازہر) یعنی ازہر کے بڑے بڑے علماء کے ایک نامور ممبر الاستاذ محمود شلتوت کو جواب لکھنے کے لئے دیا۔ الشیخ محمود شلتوت نے پوری تحقیق کے بعد حضرت مسیح کی وفات کا فتویٰ دیا حسب دستور علماء ازہر کی کمیٹی میں پیش ہوا۔ سب علماء ازہر نے اس جواب پر اتفاق کیا اور یہ فتویٰ مصر کے ایک کثیر الاشاعت ہفتہ وار اخبار "الرسالہ والروایہ" میں "رفع عیسیٰ" کے عنوان سے شائع کر دیا گیا۔ [۱۶۸]

اس کے کچھ عرصہ بعد خود الاستاذ محمود شلتوت شیخ الازہر (RECTOR) کے ازہر یونیورسٹی کی طرف سے آپ کے تمام اہم فتاویٰ دسمبر ۱۹۵۹ء میں "الفتاویٰ" [۱۶۹] کے نام سے شائع کر دیئے گئے "الفتاویٰ" میں "وفات مسیح" سے متعلق ان کا سابقہ فتویٰ بھی شامل کیا گیا جس کا خلاصہ خود الاستاذ شلتوت کے الفاظ میں یہ ہے۔

"(۱) انہ لیس فی القران الکریم ولا فی السنۃ المطہرۃ مستند یصلح لتکوین عقیدۃ یطمئن الیھا القلب بان عیسیٰ رفع بجسمہ الی السماء وانہ حی الی الآن فیھا و انہ ینزل منھا اخر الزمان الی الارض۔

(۲) ان کل ماتفیدہ الایات الواردۃ فی ھذہ الشان ھو وعد اللہ عیسیٰ بانہ متوفیہ اجلہ ورافعہ الیہ وعاصمہ من الذین کفروا وان ھذا الوعد قد تحقق فلم یقتلہ اعداءہ ولم یصلبوہ ولکن وفاہ اللہ اجلہ ورفعہ الیہ۔" [۱۷۰] ترجمہ (۱) قرآن کریم اور سنت مطہرہ سے ہرگز کوئی ایسی سند نہیں ملتی جس کی بناء پر اس عقیدہ پر دلی اطمینان ہو سکے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے مادی جسم سمیت آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور یہ کہ وہ اب تک آسمان پر زندہ ہیں اور وہ آخری زمانہ میں زمین پر اتریں گے۔

(۲) قرآنی آیات یہ بتا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ انہیں وفات دے گا۔ ان کا رفع فرمائے گا۔ اور کافروں کے شر سے بچائے گا۔ یہ وعدہ یقیناً پورا ہو چکا ہے۔ حضرت عیسیٰ کے دشمن نہ انہیں قتل کر سکے اور نہ صلیب پر مار سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی کے دن پورے کر کے انہیں وفات دے دی اور ان کا اپنی طرف رفع فرمایا۔

عالم اسلامی کی سب سے قدیم اور سب سے بڑی درسگاہ (یونیورسٹی) کے اس فتویٰ نے ممالک اسلامیہ میں زبردست ہلچل پیدا کردی۔ اور اس پر سب قدامت پسند علماء نے سخت نکتہ چینی کی اور آجتک کر رہے ہیں۔ مصر کے ایک عالم الشیخ عبداللہ محمد صدیق الغماری نے اپنی کتاب "اقامة البرهان علی نزول عیسٰی فی اٰخر الزمان" میں اس کے خلاف زبردست احتجاج اور اسے مصیبت عظمٰی اور اہم واقعہ قرار دے کر علامہ شلتوت کو اپنے ہندی بھائیوں کی دلداری اور حمایت کی خاطر یہ اپنا فتویٰ واپس لے لینے کا مشورہ دیا۔ مگر علامہ الشیخ شلتوت برابر آخردم تک اپنے موقف پر قائم رہے۔ اور صاف صاف کہا۔ "انا ابدیت رائی ولا یضرنی ان اوافق القادیانیة او غیرهم" [۱۴۱] یعنی میں نے اپنی رائے ظاہر کردی ہے اور مجھے قادیانی جماعت یا کسی اور کی تائید و موافقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

الاستاذ شلتوت نے ۲ نومبر ۱۹۶۰ء کو شیخ نور احمد صاحب منیر مبلغ بلاد عربیہ سے ملاقات کی [۱۴۲] اور دوران ملاقات مسئلہ اجرائے نبوت کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ "ظاہری طور پر لفظ نبوت طبائع میں ہیجان پیدا کردیتا ہے۔ اس لئے عوام اس اصطلاح سے مشتعل ہو جاتے ہیں۔ مگر جو تاویل اور توضیح جماعت احمدیہ کرتی ہے اس قسم کی نبوت غیر تشریعی کی یقیناً گنجائش موجود ہے اور دوسری طرف بانی احمدیت کا لٹریچر اور اسلامی خدمات اس تاویل اور گنجائش کو قبول کرنے میں ممد ہیں"۔ افسوس تین سال بعد علامہ الاستاذ محمود شلتوت دسمبر ۱۹۶۳ء میں انتقال فرما گئے اور دنیائے اسلام ایک عالم متبحر سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئی۔

الشیخ الاکبر علامہ محمود شلتوت کے علاوہ اور بھی کئی مقتدر علماء مسیح کی وفات کا فتویٰ دے چکے ہیں مثلاً الاستاذ مصطفیٰ المراغی (ازہر یونیورسٹی) علامہ عبدالکریم شریف۔ ڈاکٹر احمد زکی ابو شادی۔ الاستاذ عباس محمود العقاد۔ [۱۴۳]

مصری علماء مسئلہ ام الالسنہ اور مسئلہ وفات مسیح وغیرہ میں احمدیت کے علم کلام کی تصدیق کرنے کے بعد اب مسئلہ نسخ فی القرآن کے بارے میں بھی جماعت احمدیہ کا مسلک اختیار کر رہے ہیں چنانچہ الاستاذ عبدالمتعال محمد الجبری نے ۱۹۶۱ء میں النسخ فی الشریعة الاسلامیة کما افهمه [۱۴۴] شائع کی ہے جس میں قرآنی نسخ کے عقیدہ کا ابطال کیا گیا ہے۔

مصری پریس پر جماعت احمدیہ کی تبلیغی سرگرمیوں نے کہاں تک اثر ڈالا ہے؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے مصر کے بااثر اور مشہور رسالہ الفتح کے دو اقتباس کافی ہوں گے۔ اخبار الفتح نے لکھا۔

"نظرت فاذا حركتهم امر مدهش فانهم رفعوا اصواتهم واجروا اقلامهم باللغات

المختلفه وايدوا دعوتهم ببذل المال فى المشرقين والمغربين فى مختلف الاقطار و الشعوب ونظموا جمعياتهم و صدقوا الحمله حتى استفحل امرهم وصارت لهم مراكز دعايته فى اسياء واوربا وامريكا وافريقيه تساوى علما وعملا جمعيات النصارى واما فى التاثير والنجاح فلا مناسبته بينهم و بين النصارى فلقاديانيون اعظم نجاحا لما معهم من حقائق الاسلام و حكمه"۔ ۱۷۵

یعنی میں نے جماعت احمدیہ کا بغور مطالعہ کیا ہے اس جماعت کے کام حیرت انگیز ہیں احمدیوں نے اپنا قلم اور آواز مختلف زبانوں میں احیائے اسلام کے لئے استعمال کی ہے۔ اور مشرق و مغرب میں اپنے اموال خرچ کر کے اپنے عقائد پھیلائے ہیں۔ چنانچہ یہ جماعت بہت اہمیت حاصل کر چکی ہے ایشیا یورپ' امریکہ اور افریقہ میں ان کے تبلیغی مراکز قائم ہو چکے ہیں۔ یہ مراکز علمی و عملی رنگ میں تو عیسائیوں کے مراکز کے ہم پلہ ہیں لیکن اپنے اثرات اور کامیابی کے لحاظ سے عیسائیوں کو ان سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ یہ جماعت سب سے زیادہ کامیاب ہے کیونکہ اس کے پاس اسلام کے حقائق و معارف ہیں۔ جو شخص ان کے حیرت انگیز کارناموں کو بغور دیکھتا ہے اور سب باتوں کا موازنہ کرتا ہے وہ اس بات پر حیرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس چھوٹی سے جماعت نے تبلیغ و اشاعت اسلام کے لئے جو عظیم الشان کام کیا ہے وہ دوسرے کروڑوں مسلمانوں سے نہیں ہو سکا۔

(۲) اسلام کی طرف منسوب ہونے والے تمام فرقوں میں سے صرف قادیانی فرقہ ہی زندہ اور بیدار فرقہ ہے۔ اس کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ نہیں لیکن اس کے یورپ اور مشرق میں پھیلے ہوئے تبلیغی مشن، مساجد اور مدارس دیکھنے سے آپ کو یقین ہو جائے گا کہ سچا اور مخلص مومن کون ہے۔ ۱۷۶

جماعت احمدیہ مصر کی طرف سے اب تک مندرجہ ذیل لٹریچر شائع ہو چکا ہے حمامتہ البشریٰ (حصہ اول تالیف سیدنا حضرت مسیح موعود) (۲) التبلیغ۔ تالیف سیدنا حضرت مسیح موعود۔ (۳) الخطاب الجلیل (اسلامی اصول کی فلاسفی کا عربی ترجمہ از السید زین العابدین ولی اللہ صاحب) از تالیفات سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ (۴) الصلوۃ فی الاسلام ترجمہ نماز از عبد المجید الرحالۃ (۵) تنویر الالباب لابطال دعوۃ البہاء والباب۔ (۶) النور المبین (۷) کشف اللثام اور (۸) جواہر الکلام (از مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس) "بشائر التوراۃ والانجیل فی حق سلیل سیدنا ابراہیم الخلیل" (از مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری)

بالآخر یہ بتانا بھی مناسب ہو گا کہ مصر کے مندرجہ ذیل مخلص احمدی احباب حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی زیارت اور مرکز سے استفادہ کے لئے آچکے ہیں۔ (۱) عبد الحمید خورشید آفندی

(۲) الاستاذ احمد حلمی آفندی (۳) الشیخ عبدالحمید ابراہیم آفندی (۴) ابراہیم عباس فضل اللہ از خرطوم۔ سوڈان مصر (۵) رضوان عبداللہ۔ (آپ ربوہ میں حصول تعلیم کے لئے آئے اور ۲۶ اگست ۱۹۵۳ء کو ربوہ میں وفات پائی اور یہیں دفن کئے گئے۔ ۱۷۷

احمدیہ ٹیریٹوریل کمپنی

۱۹۲۲ء کے آغاز میں دوسری ملکی جماعتوں اور قوموں کی طرح ٹیریٹوریل فورس میں جماعت احمدیہ کی بھی ایک کمپنی جالندھر میں قائم کی گئی۔ ۱۷۸ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب ۱۹۳۹ء تک اس کمپنی کی کمان کرتے رہے۔ ۱۷۹ کمپنی کے جوانوں کے لئے آپ کی برگزیدہ شخصیت تنظیم و اخلاق اور فوجی روح کے اعتبار سے ایک مثالی شان رکھتی تھی۔ جن دنوں آپ ٹیریٹوریل فورس میں لیفٹیننٹ کے عہدہ پر فائز تھے، قادیان کے "تعلیم الاسلام میگزین" نے آپ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا۔ "آپ کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے اختراع کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہے چنانچہ آپ نے بندوق کی ایسی گولی ایجاد کی ہے جو بڑے بڑے جانور کے پار نکل جاتی ہے۔ اور اس کی ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے...... آپ کے اخلاق فاضلہ کا بڑے بڑے افسروں کو بھی اقرار ہے۔ فوجی کام میں خاص دلچسپی لیتے ہیں آپ کا نشانہ نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے نشانہ بازی میں بھی ایک ایسا آلہ ایجاد کر رہے ہیں جس کے ذریعہ سے دور فاصلے کی چیز بہت قریب نظر آنے لگے گی۔ اور نشانہ کبھی خطا نہ جائے گا"۔ ۱۸۰

مبلغ گولڈ کوسٹ (غانا) کو ہدایات زریں

۲۳ / جنوری ۱۹۲۲ء کی صبح کو حکیم فضل الرحمن صاحب مغربی افریقہ روانہ ہونے والے تھے۔ حضور نے ان کو تحریری اور زبانی ہر دو طرح ہدایات دیں جن کا ملخص یہ تھا: (۱) وہاں کی زبان سیکھیں (۲) نہایت محبت اور حکمت سے کام لیں (۳) وہ قومیں اپنے سرداروں کا بہت ادب کرتی ہیں اس لئے ان سے معاملہ کرتے وقت کوئی ایسی بات نہ ہو جو ان کو بُری لگے۔ جب ان کو نصیحت کریں۔ تو علیحدگی میں کریں (۴) ان کی دماغی قابلیت کے لحاظ سے تدریجاً علم دین سکھائیں۔ (۵) ہمیشہ چست رہیں (۶) اپنا کام کرتے وقت دوسروں پر نگاہ مت رکھیں۔ (۷) اخلاق کا خاص خیال رکھیں اور حکام سے معاملہ کرتے وقت مناسب ادب سے پیش آئیں۔ (۸) افریقنوں کا تاثر ہے کہ دنیا ہم سے نفرت کرتی ہے مگر آپ ان سے محبت کا معاملہ کریں۔ (۹) عادات' لباس اور کھانے پینے میں ہمیشہ کفایت مد نظر رہے۔ ۱۸۱

"تحفہ شہزادہ ویلز"

شہزادہ ویلز (جو بعد کو ایڈورڈ ہشتم بنے اور ۱۹۳۶ء میں انگلینڈ چرچ سے اختلاف کر کے تخت سے دستبردار ہو گئے اور ڈیوک آف ونڈسر کہلائے)

دسمبر ۱۹۲۱ء میں ہندوستان کے دورہ پر آئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے برطانیہ کے ولی عہد کو اسلام کا بے نظیر تحفہ پیش کیا۔ یعنی "تحفہ شہزادہ ویلز" کے نام سے ایک عظیم الشان کتاب تصنیف فرمائی۔ [182] جسے آپ کی تجویز کے مطابق [183] جماعت احمدیہ کے بتیس ہزار سے زائد افراد نے ایک ایک آنہ فی کس جمع کر کے شائع کیا اور ۲۷/ فروری ۱۹۲۲ء کو لاہور میں احمدیہ وفد کے ذریعہ ایک مرصع روپہلی کشتی میں شہزادہ معظم کے سامنے پیش کیا۔ [184]

حضور نے اس کتاب میں ولی عہد برطانیہ کو دعوت اسلام دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

"ہم یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کی برکات ہمیشہ کے لئے جاری ہیں اور ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر اب بھی مسیحی دنیا اسلام اور مسیحیت کا اثر دیکھنے کے لئے تیار ہو تو اللہ تعالیٰ اچھے درخت میں اچھے پھل لگا کر دکھا دے گا...... آپ اپنے رسوخ سے کام لے کر پادریوں کو تیار کریں۔ جو اپنے مذہب کی سچائی کے اظہار کے لئے بعض مشکل امور کے لئے دعا مانگیں اور بعض ویسے ہی مشکل امور کے لئے جماعت احمدیہ بھی اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کرے۔ مثلاً سخت مریضوں کی شفا کے لئے جن کو بذریعہ قرعہ اندازی کے آپس میں تقسیم کر لیا جائے پھر آپ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کس کی سنتا ہے اور کس کے منہ پر دروازہ بند کر دیتا ہے۔ اور اگر وہ ایسا نہ کر سکیں اور ہرگز نہ کریں گے کیونکہ ان کے دل محسوس کرتے ہیں کہ خدا کی برکتیں ان سے چھین لی گئی ہیں۔ تو پھر اے شہزادہ آپ سمجھ لیں کہ خدا نے مسیحیت کو چھوڑ دیا ہے اور اسلام کے ساتھ اپنی برکتیں وابستہ کر دی ہیں"۔ [185]

شہزادہ ویلز نے اس لاثانی تحفہ کو نہایت قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھا اور نہ صرف اپنے چیف سیکرٹری کے توسط سے اس کا شکریہ ادا کیا۔ [186] بلکہ یکم مارچ ۱۹۲۲ء کو لاہور سے جموں تک کے سفر میں اسے مکمل طور پر مطالعہ کیا اور بہت خوش ہوئے اور جیسا کہ بعد کی اطلاعات سے معلوم ہوا کہ کتاب پڑھتے پڑھتے بعض مقامات پر ان کا چہرہ گلاب کی طرح شگفتہ ہو جاتا تھا۔ [187] اسی طرح ان کے اے ڈی کانگ نے یہ بھی بتایا کہ وہ کتاب پڑھتے پڑھتے یکدم کھڑے ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اس کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے صراحتاً عیسائیت سے بیزاری کا اظہار کیا۔ [188]

اخبار "ذوالفقار" (۲۴/ اپریل ۱۹۲۲ء) نے اس کتاب پر یہ ریویو کیا کہ "ہم خلیفہ ثانی کی سلسلہ احمدیہ کی اشاعت اسلام میں ہمت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے...... تحفہ ویلز کا بہت سا حصہ ایسا ہے جو تبلیغ اسلام سے لبریز ہے اور ایک عظیم الشان کارنامہ ہے کہ جس کو دیکھتے ہوئے غیر احمدی ضرور رشک کریں گے یہ ضروری ہے کہ ہم اخبار نویسی کے میز پر تعصب کی مالا گلے سے اتار کر رکھ دیتے ہیں۔ اس واسطے اس تحفہ کو دیکھ کر ہم عش عش کر اٹھے۔ اس تحفہ میں فاضل مصنف نے سنت رسولؐ پر پورا پورا

عمل کیا ہے۔ دعوت اسلام کو بڑی آزادی اور دلیری کے ساتھ برطانیہ کے تخت و تاج کے وارث تک پہنچا دیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اسلام کے کسی فرقہ کا کوئی فرد یا موجودہ زمانے کا کوئی شورش پسند اخبار حسد اور بغض کی راہ سے اس تحفہ پر کوئی حملہ کرے......... ہمیں اس تحفہ میں کوئی ایسا مقام دکھائی نہیں دیا کہ جس میں خوشامد سے کام لیا گیا ہو۔ ہاں بعض مقامات ایسے ہیں جس میں مرزا غلام احمد صاحب آنجہانی کے ابتداء سے آخر تک مختصر سے حالات لکھے ہیں لیکن وہ واقعات امن پسندی اور حکومت کی وفاداری کا اظہار ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ بدامن اور شورش پسند فرقہ کو کبھی خدا دوست نہیں رکھتا اور تباہ اور برباد کر دیتا ہے"۔ ۱۸۹

اسی طرح پنجاب کے نیم سرکاری اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے ۱۸/ اپریل ۱۹۲۲ء کی اشاعت میں اس کی نسبت یہ رائے ظاہر کی کہ "یہ تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے کہ نہایت قابلیت اور علمیت کے ساتھ اپنے دلائل کو احسن رنگ میں پیش کیا گیا ہے...... قطع نظر اس کے کہ اس کی وسیع غرض ایک تبلیغی کوشش ہے۔ خواہ پرنس آف ویلز احمدی ہوں یا نہ ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ اس کتاب کی قدر و قیمت میں اور ان لوگوں کے لطف میں کمی نہیں ہو سکتی۔ جو مذہب میں اور خاصکر ہندوستان اور برطانیہ کے بے شمار مذاہب میں دلچسپی رکھتے ہیں"۔ ۱۹۰

بیرونی دنیا پر بھی اس کتاب نے گہرا اثر ڈالا۔ اور مغربی ممالک میں تو اس نے تبلیغ اسلام کا ایک نیا راستہ کھول دیا۔ چنانچہ وی آنا (دارالخلافہ آسٹریا) کے ایک پروفیسر نے جو تین زبانوں کا ماہر تھا اسے پڑھ کر بے حد خوشی کا اظہار کیا۔ اور افسوس کیا کہ وہ بوڑھا ہو گیا ہے ورنہ دنیا بھر میں اس کی اشاعت کرتا۔ ۱۹۱ حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے امریکہ سے لکھا کہ اس کتاب نے امریکہ کو بہت متاثر کیا ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا امریکہ کے علمی تقاضوں کے مطابق یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ ۱۹۲

مغربی ممالک کے علاوہ افریقہ میں بھی اس کا اثر ہوا۔ چنانچہ نیروبی کے اخبار "لیڈر" (۲۳ نومبر ۱۹۲۲ء) نے کہا۔ "گو میں عیسائی نہیں مگر عیسائیوں کے گھر پیدا ہوا ہوں اور ان کے لٹریچر کو خوب سمجھتا ہوں لیکن جو کچھ مجھے اس کتاب سے حاصل ہوا ہے اور جو میں نے حظ اٹھایا ہے اسے بیان نہیں کر سکتا۔ اس کتاب کا لکھنے والا گو مسلمان ہے لیکن شبہ غالب ہے کہ وہ عیسائیوں میں سالہا سال تک رہا ہے اور ان کے لٹریچر کو اس نے غور سے پڑھا ہے ورنہ یہ بہت مشکل ہے کہ وہ عیسائیوں کو ایسی پتہ کی باتیں اس دھڑلے سے سنائے آجتک کوئی ایسی کتاب میری نظر سے نہیں گذری جو مذہبی بنیاد پر لکھی گئی ہو اور تعصب سے مبرا رہی ہو اس شان کی یہ پہلی کتاب ہے۔ ۱۹۳

سفر لاہور

۲۳ فروری ۱۹۲۲ء [194] کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ لاہور تشریف لے گئے اور ۲ مارچ ۱۹۲۲ء کو واپس قادیان آئے یہ سفر بظاہر شہزادہ ویلز کے استقبال کی غرض سے تھا۔ جو ارشاد نبوی ﷺ اذا جاء کریم قوم فاکرموہ کی تعمیل میں تھا۔ لیکن اس کے پیچھے اور بھی اہم دینی مقاصد کار فرما تھے۔ جن کی تفصیل اخبار الفضل کے الفاظ میں یہ ہے کہ حضور خلیفۃ المسیح نے لاہور کے قیام کا ایک ہفتہ وعظ و نصیحت اور ارشاد و ہدایت میں صرف کیا۔ کہیں جماعت کے نونہال طلباء کو وعظ کرتے تھے کہیں عام لوگوں کو سمجھاتے تھے کہیں ایک جلسہ کی صورت میں تعلیم یافتہ لوگوں کو مذہبی اور روحانی لذت کا شوق دلاتے تھے کہیں دہریت اور مادیت کی رگ پر نشتر رکھتے تھے کہیں عیسویت کا سحر باطل کرتے تھے کہیں منکرین الہام و نبوت کو قائل کرتے تھے...... غرض ایک کیفیت تھی ایک حال تھا ایک ولولہ تھا جو چلتا پھرتا اور کام کرتا اور لوگوں کو کام کرنے پر آمادہ کرتا نظر آتا تھا۔ اس سفر میں بہت سے لوگوں کے شکوک مذہب کے متعلق دور ہوئے بہت سے اوہام باطل ہوئے اور قریباً بیس پچیس شخصوں نے بیعت بھی کی۔ [195]

اس سفر کے دوران حضور ۲۶ فروری ۱۹۲۲ء کو گنج مغلپورہ کی احمدیہ مسجد دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں دو نفل نماز پڑھائی۔ یہ مسجد مستری محمد موسیٰ صاحب (نیلہ گنبد لاہور) نے تعمیر کرائی تھی۔ [196] ۲۷ فروری کو احمدیہ انٹر کالجیئٹ کے اجلاس میں روح کی نشاۃ ثانیہ کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ ۲۸ فروری کو دیال سنگھ کالج لاہور کے پرنسپل آپ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ [197]

ناظر اول کا تقرر

مارچ ۱۹۲۲ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے نظارت کے صیغوں کی مزید نگرانی خصوصاً محکمہ تجارت کی نگرانی کے لئے ناظر اعلیٰ کے علاوہ ایک نیا عہدہ ناظر اول کا تجویز فرمایا۔ اور اس کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نامزد کئے گئے۔ [198]

علماء کو تبلیغ اسلام میں مقابلہ کی دعوت

قادیان کے غیر احمدی مسلمانوں نے گذشتہ سال کی طرح مارچ ۱۹۲۲ء میں بھی اپنا سالانہ جلسہ کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جلسہ پر تشریف لانے والے غیر احمدی علماء کو تحقیق حق کے لئے تبادلہ خیالات اور بالآخر مباہلہ کی بار بار دعوت دی۔ [199] جس پر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اپنی ایک تقریر میں یہ جواب دیا کہ میں بڑی حیثیت کا مالک ہوں اور آپ سے مخاطب ہونا بھی اپنی ہتک سمجھتا ہوں اور اس کے ثبوت میں کہا کہ کلکتہ تک آپ میرے ساتھ چلیں تو اس سے معلوم ہو جائے گا کہ پھول کس پر نچھاور ہوتے ہیں اور پتھروں کی بارش کس پر ہوتی ہے؟

حضرت خلیفہ ثانی نے اس کے جواب میں اشتہار دیا کہ اگر مولوی صاحب نے اپنی حیثیت کا پتہ لگانا

ہے تو اس کا یہ ذریعہ ہے کہ مولوی صاحب بھی اعلان کریں اور میں بھی اعلان کرتا ہوں کہ ایک سو آدمی جو کم سے کم پچاس روپیہ ماہوار کے ملازم ہوں یا علم دین کے واقف ہوں تبلیغ اسلام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں۔ اور اشاعت اسلام کے لئے چین یا جاپان یا امریکہ کی طرف نکل جائیں پھر دیکھیں کہ مولوی صاحب کی تحریک پر کس قدر آدمی اپنی نوکریں یا اپنے رشتہ داروں کو چھوڑ کر اسلام کی تبلیغ کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور میری تحریک پر کس قدر۔ ابھی اسی جگہ مولوی صاحب بھی اعلان کردیں اور میں بھی ابھی اعلان کرتا ہوں ابھی اس کا امتحان کرلیا جائے۔ کہ اس وقت جو ان کے ہزاروں ہم خیال جمع ہیں ان میں سے کس قدر ان کی بات مانتے ہیں اور میرے چند سو مبائع جو اس وقت موجود ہیں ان میں سے کس قدر میری بات کو مانتے ہیں۔

پتھر کھانے سے گویا ثابت ہو جائے گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا سچا قائم مقام کون ہے مگر اسلام کو کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ مگر اس تجویز سے جو میں پیش کرتا ہوں اسلام کو بھی فائدہ ہوگا۔ [۲۰۰]

شیر اسلام کی یہ للکار سن کر شیر پنجاب کہلانے والے مولوی ثناء اللہ صاحب نے خاموشی مناسب سمجھی۔

مجلس شوریٰ کا قیام

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے جہاں صدر انجمن احمدیہ کے انتظام میں اصلاح کی ضرورت کو محسوس کیا۔ وہاں آپ کو اس ضرورت کا بھی احساس پیدا ہوا کہ اہم ملی امور میں جماعت سے مشورہ لینے کے لئے کوئی زیادہ مناسب اور زیادہ منظم صورت ہونی چاہئے۔ چنانچہ حضور نے وسط اپریل ۱۹۲۲ء میں مستقل طور پر مجلس شوریٰ کی بنیاد رکھی۔

مجلس شوریٰ کے قیام سے گویا جماعتی نظام کا ابتدائی ڈھانچہ مکمل ہوگیا یعنی سب سے اوپر خلیفہ وقت ہے جو گویا پورے نظام کا مرکزی نقطہ ہے۔ اس سے نیچے ایک طرف مجلس شوریٰ ہے اور اہم اور ضروری امور میں خلیفہ وقت کے حضور اپنا مشورہ پیش کرتی ہے اور دوسری طرف اس کے متوازی صدر انجمن احمدیہ ہے جسے نظارتوں کے انتظامی صیغہ جات چلانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

جماعت احمدیہ کی پہلی مجلس شوریٰ ۱۵-۱۶ اپریل ۱۹۲۲ء کو تعلیم الاسلام ہائی سکول (قادیان) [۲۰۱] کے ہال میں منعقد ہوئی اور اس میں ۵۲ بیرونی اور ۳۰ مرکزی نمائندوں نے شرکت کی۔ ہال کی شمالی جانب حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی میز اور کرسی تھی اور سامنے نصف دائرہ کی شکل میں نمائندے کرسیوں پر بیٹھے تھے ساڑھے نو بجے صبح کے قریب حضور نے افتتاحی تقریر فرمائی جو بارہ بجے تک جاری رہی یہ چونکہ اپنی نوعیت کی پہلی مجلس شوریٰ تھی۔ اس لئے حضور نے تفصیل کے ساتھ اس کی ضرورت واہمیت اور اس کے طریق کار پر روشنی ڈالی اور نمائندگان کو متعدد اہم ہدایات دیں جو ہمیشہ

کے لئے مشعل راہ ہیں ان ہدایات کا خلاصہ یہ تھا۔

۱۔ ہر شخص دعا کرے کہ الٰہی میں تیرے لئے آیا ہوں تو میری راہ نمائی کر کسی معاملہ میں میری نظر ذاتیات کی طرف نہ پڑے۔ میری نیت درست اور رائے درست اور تیری منشاء کے ماتحت ہو۔

۲۔ رائے دیتے وقت صرف یہ امر مد نظر رہے کہ جو سوال در پیش ہے اس کے لئے کونسی بات مفید ہے۔

۳۔ جذبات کی بجائے ہمیشہ واقعات کو مد نظر رکھنا چاہئے۔

۴۔ یہ بات مد نظر رکھنی چاہئے کہ ہماری تجاویز نہ صرف غلط نہ ہوں بلکہ غیروں کے مقابلہ میں بہت زیادہ موثر ہوں۔

۵۔ کوئی شخص پہلی بات کے محض دہرانے کے لئے کھڑا نہ ہونا چاہئے۔ ہر شخص اپنا وقت بھی بچائے اور دوسروں کا وقت بھی ضائع نہ کرے۔ [۲۰۲]

ان قیمتی ہدایات کے بعد حضور نے مشورہ طلب امور کی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''میری طبیعت خدا نے ایسی بنائی ہے کہ میں بھی سوچتا رہتا ہوں کہ کونسا کام کریں جس سے دنیا میں ہدایت پھیلے اور بعض دفعہ کوئی تجویز ایسی خوبصورت معلوم ہوتی ہے کہ اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہوں اور وہ دن یا وہ سال جس میں جماعت کا قدم آگے نہ ہو میرے لئے دیکھنا مشکل ہوتا ہے۔ میں یہی چاہتا ہوں کہ کوئی نہ کوئی کام نیا جاری ہو...... میری نظر اس بات پر پڑ رہی ہے کہ ہماری جماعت نے آج ہی کام نہیں کرنا بلکہ ہمیشہ کرنا ہے۔ دنیا کی انجمنیں ہوتی ہیں جو یہ کہتی ہیں آج کام کر کے دکھا دو اور لوگوں کے سامنے رپورٹ پیش کر دو۔ مگر میں نے رپورٹ خدا کے سامنے پیش کرنی ہے اور خدا کی نظر اگلے زمانوں پر بھی ہے اس لئے مجھے یہ فکر ہوتی ہے کہ آج جو کام کر رہے ہیں یہ آئندہ زمانہ کے لئے بنیاد ہو .... پس مجھے آئندہ کی فکر ہے اور میری نظر آئندہ پر ہے کہ ہم آئندہ کے لئے بنیادیں رکھیں جس کی نظر وسیع نہیں اسے تکلیف نظر آ رہی ہے مگر اس کی آئندہ نسل ان لوگوں پر جو بنیادیں رکھیں گے درود پڑھیں گی........ وہ زمانہ آئے گا جب خدا ثابت کر دے گا کہ اس جماعت کے لئے یہ کام بنیادی پتھر ہے۔ [۲۰۳]

اس تقریر کے بعد حضور نے سلسلہ کے ہر ایک صیغہ کے معاملات پر غور کرنے اور تجاویز مرتب کرنے کے لئے سات سب کمیٹیاں مقرر فرمائیں اور پہلے دن کا اجلاس ختم ہوا۔

دوسرے دن مشاورت کی کارروائی (نمازوں اور کھانے کے وقفہ کے علاوہ) صبح سات بجے سے لے کر سوا دو بجے شب تک جاری رہی جس میں منتخب کمیٹیوں کی تجاویز اور احباب کی آراء پیش

ہوئیں۔ اور حضور نے متعدد اہم فیصلے فرمائے۔ مثلاً۔

۱۔ غیر ممالک میں نئے مشن قائم کئے جائیں لیکن پہلے اسلامی بلاد اور جاوا اور فلپائن وغیرہ کی طرف توجہ کی جائے اور ایسے لوگ وہاں بھیجے جائیں جو اپنا گذارہ بھی کریں اور ساتھ ہی تبلیغ بھی۔ ۲۰۴

۲۔ ہر جماعت میں امور عامہ کے لئے علیحدہ سیکرٹری مقرر ہو اور رشتہ ناطہ کے لئے ایک باقاعدہ رجسٹر رکھا جاوے۔

۳۔ چندہ کی وصولی کے نظام کو باقاعدہ کرنے اور نگرانی کرنے کے لئے انسپکٹر مقرر کئے جائیں۔ ۲۰۵

۴۔ جس طرح مبلغین تبلیغ کے لئے جاتے ہیں اسی طرح واعظین بھی جائیں اور جماعت کو اخلاقی اصلاح کی طرف توجہ دلانے کے علاوہ عام دینی مسائل سے بھی آگاہ کریں۔

۵۔ جماعت میں حفظ قرآن کی تحریک ہو۔ ۲۰۶

۶۔ مرکز سے ایک انگریزی اخبار جاری کیا جائے۔ ۲۰۷

۷۔ جو شخص کوئی نماز مسجد میں آکر باجماعت ادا نہ کرسکے اور کسی مجبوری کی وجہ سے رہ جائے وہ مسجد میں ہی آکر نماز پڑھے تاکہ آئندہ کے لئے اس کی سستی دور ہو۔

۸۔ والدین اپنے بچوں کو نماز باجماعت ادا کرانے میں ذمہ دار ہوں اسی طرح مستورات کو پابندی نماز کی عادت ڈالی جائے۔ ۲۰۸

۹۔ دو دو یا اس سے زائد افراد کی جماعتیں بنادی جائیں جو باہمی رشتہ اخوت و محبت استوار کرکے ایک دوسرے کی اصلاح میں ممد ہوں۔

۱۰۔ مرکز سے مستورات کے لئے ایک رسالہ جاری کیا جائے۔ ۲۰۹

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ۱۹۲۲ء سے ۱۹۶۰ء ۲۱۰ تک مجلس شوریٰ میں بنفس نفیس شریک ہوتے رہے ہیں اور اس عرصہ میں حضور نے جس طرح قدم قدم پر ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں جماعت کی رہنمائی فرمائی ہے اور بے نظیر فراست و ذہانت' حیرت انگیز قوت فیصلہ اور زبردست مدبرانہ قابلیت کا ثبوت دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور مجلس شوریٰ کی شائع شدہ رپورٹیں جو سلسلہ احمدیہ کی تاریخ کے ایک اہم حصہ کی حامل ہیں اس امر پر شاہد ہیں اور جیسا کہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۹۲۲ء کی شوریٰ میں بتایا تھا شوریٰ کے فیصلے اور تمام تر کارروائی مستقبل میں قائم ہونے والی عالمگیر اسلامی نظام کے لئے سنگ بنیاد بننے والی ہے۔ جس پر دنیا کا آئندہ نظام استوار ہونے والا ہے۔

اسی لئے حضور نے ۱۹۲۸ء میں نمائندگان شوریٰ کے سامنے ارشاد فرمایا:۔

"....... آج بے شک ہماری مجلس شوریٰ دنیا میں کوئی عزت نہیں رکھتی مگر وقت آئے گا اور ضرور آئے گا جب دنیا کی بڑی سے بڑی پارلیمنٹوں کے ممبروں کو وہ درجہ حاصل نہ ہو گا جو اس کی ممبری کی وجہ سے حاصل ہو گا۔ کیونکہ اس کے ماتحت ساری دنیا کی پارلیمنٹیں آئیں گی۔ پس اس مجلس کی ممبری بہت بڑی عزت ہے اور اتنی بڑی عزت ہے کہ اگر بڑے سے بڑے بادشاہ کو ملتی تو وہ بھی اس پر فخر کرتا اور وہ وقت آئے گا جب بادشاہ اس پر فخر کریں گے۔" [۲۱۱]

یہ عظیم الشان پیشگوئی کب اور کس رنگ میں پوری ہونے والی ہے اس پر تو مستقبل کا مورخ ہی لکھ سکے گا۔ مگر ہم یہاں ایک نشان کا تذکرہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور وہ یہ کہ حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایت پر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب مدتوں تک مجلس مشاورت میں حضور کے ساتھ بیٹھتے اور اس کی کارروائی چلانے میں مدد کرتے رہے۔ خدا کی شان دیکھو وہ فرزند احمدیت جو مجلس مشاورت میں امیرالمومنین کے پہلو میں خادمانہ حیثیت سے سلسلہ کی خدمات بجالاتا رہا۔ خدا نے اسے عالمی اسمبلی کا ۱۹۶۲ء میں صدر بنا دیا۔ [۲۱۲]

اچھوت اقوام میں تبلیغ

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کو ایک عرصہ سے یہ خیال تھا کہ ہندوستان کی اچھوت اقوام میں تبلیغ کی جاوے۔ تبلیغ کے عام فریضہ کے علاوہ آپ نے یہ بھی سوچا کہ ہندوستان میں ان قوموں کی تعداد کئی کروڑ ہے اور ہندو لوگ انہیں مفت میں اپنا بنائے بیٹھے ہیں۔ پس اگر ان قوموں میں اسلام اور احمدیت کی تبلیغ ہو اور وہ مسلمان ہو جائیں تو ان کی اپنی نجات کے علاوہ اس سے اسلام کو بھی بھاری فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپریل ۱۹۲۲ء کے آغاز میں [۲۱۳] ایک سکیم کے مطابق پنجاب کی اچھوت قوموں میں تبلیغ شروع فرما دی اور ان کے لئے ایک خاص عملہ علیحدہ مقرر کر دیا۔ آپ کی اس کوشش کو خدا نے جلد ہی بار آور کیا۔ اور تھوڑے عرصہ میں ہی کافی لوگ حق کی طرف کھنچ آئے اور بہت سے مذہبی سکھ بالیکی اور دوسرے اچھوت اسلام اور احمدیت میں داخل ہوئے اس رو کا سب سے بڑا زور ۲۴۔ ۱۹۲۳ء میں تھا۔ جبکہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ قومیں ایک انقلابی رنگ میں پلٹا کھائیں گی۔ مگر اس وقت بعض خطرات محسوس کر کے یہ سلسلہ دانستہ مدہم کر دیا گیا اور انفرادی تبلیغ پر زور دیا جانے لگا۔ اور خدا کے فضل سے اس کے اچھے نتائج پیدا ہوئے۔ [۲۱۴]

ابتداء میں یہ کام شیخ عبدالخالق صاحب نو مسلم [۲۱۵] کے ذریعہ سے مختصر پیمانہ پر قادیان سے شروع کیا گیا۔ دو ڈھائی سال میں جو اچھوت حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان کے ذریعہ سے اردگرد کے دیہات میں تبلیغی جدوجہد جاری کی گئی اور پھر پورے ملک میں ان سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ ۱۹۲۸ء سے مکرم جناب

گیانی واحد حسین صاحب [216] (سابق شیر سنگھ حال مربی سلسلہ احمدیہ) اچھوت اقوام کے طلباء کی تعلیم و تدریس کے لئے مقرر ہوئے ان کے بعد مہاشہ فضل حسین صاحب نے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی خاص ہدایات کے ماتحت عظیم الشان لٹریچر پیدا کیا جس سے اچھوتوں کو بیدار کرنے اور انہیں اسلام کے قریب لانے میں بھاری مدد ملی اس سلسلہ میں "اچھوتوں کی درد بھری کہانیاں" "اچھوتوں کی حالت زار"۔ وید شاستر اور اچھوت ادھار "اچھوت ادھار کی حقیقت یا ہندو اقتدار کے منصوبے" (حصہ اول) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آخری کتاب مشہور اچھوت لیڈر ڈاکٹر امبید کار کی فرمائش پر لکھی گئی تھی اور اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کر دیا گیا۔ ڈاکٹر امبید کار اس لٹریچر سے بہت متاثر تھے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ سے لندن میں ایک ملاقات کے دوران میں کہا کہ اگر میں کبھی مسلمان ہوا تو احمدی جماعت میں ہی داخل ہوں گا۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے ہندوستان میں صوبہ پنجاب [217] کے بعد بنگال کی طرف بھی توجہ فرمائی اور صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی اے کو ابتدائی سروے کے لئے بھجوایا۔ جنہوں نے بڑی حکمت عملی سے کام لے کر ایک مفصل سکیم پیش کی۔ [218] جس پر وہاں بھی یہ کام ہونے لگا۔

حفظ قرآن کریم کی تحریک

اپریل۔ مئی ۱۹۲۲ء میں حضرت خلیفہ ثانی نے جماعت میں حفظ قرآن کی تحریک فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ کم از کم تیس آدمی قرآن کریم کا ایک ایک پارہ حفظ کریں جس پر کئی اصحاب نے لبیک کہا۔ [219]

درس القرآن

سیدنا حضرت مصلح موعود نے ماہ اگست ۱۹۲۲ء میں درس القرآن دیا تھا اس تاریخی درس میں جن خوش نصیب اصحاب کو شرکت کی سعادت نصیب ہوئی ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں یہ فہرست الفضل ۱۰ اگست ۱۹۲۲ء صفحہ ۱، ۲ سے منقول ہے۔

احباب قادیان

۱۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب
۲۔ چوہدری فضل احمد صاحب
۳۔ مولوی حافظ ابو عبید اللہ غلام رسول صاحب وزیر آبادی
۴۔ مولوی عبد الصمد صاحب پٹیالوی
۵۔ مولوی غلام نبی صاحب مولوی فاضل مصری
۶۔ شیخ عبد الرحمان صاحب مولوی فاضل مصری
۷۔ ایوب خان صاحب طالب علم ہائی سکول قادیان
۸۔ چوہدری فتح محمد صاحب ایم۔ اے
۹۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب مولوی فاضل و منشی فاضل
۱۰۔ مولوی عبد المغنی صاحب ناظر بیت المال
۱۱۔ مولوی ارجمند خان صاحب مولوی فاضل
۱۲۔ ... دتا صاحب طالب علم مدرسہ احمدیہ قادیان

۱۳۔ ناصر الدین صاحب طالب علم مدرسہ احمدیہ قادیان
۱۴۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب
۱۵۔ محمد اسماعیل صاحب سٹوڈنٹ میڈیکل سکول
۱۶۔ سید عنایت اللہ شاہ صاحب سٹوڈنٹ میڈیکل کالج
۱۷۔ چوہدری بدالدین صاحب قادیان
۱۸۔ ماسٹر مولیٰ بخش صاحب قادیان
۱۹۔ میاں عبدالغفار صاحب ابن ماسٹر مولیٰ بخش صاحب قادیان
۲۰۔ صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب
۲۱۔ مولوی جلال الدین صاحب مولوی فاضل
۲۲۔ مولوی غلام احمد صاحب مولوی فاضل
۲۳۔ مولوی ظہور حسین صاحب مولوی فاضل
۲۴۔ مولوی زین العابدین صاحب ماریشسی
۲۵۔ مولوی ظل الرحمان صاحب بنگالی
۲۶۔ مولوی مبارک احمد صاحب مولوی فاضل
۲۷۔ مولوی محمد شہزادہ صاحب مولوی فاضل
۲۸۔ مسٹر محمد ابراہیم صاحب بی۔ ایس۔ سی
۲۹۔ مسٹر غلام محمد صاحب
۳۰۔ مسٹر عبدالقدیر صاحب
۳۱۔ مسٹر مطیع الرحمان صاحب سٹوڈنٹ بی۔ اے کلاس
۳۲۔ مولوی شیر علی صاحب بی۔ اے
۳۳۔ میر محمد اسحاق صاحب مولوی فاضل
۳۴۔ محمد یامین صاحب تاجر کتب قادیان
۳۵۔ ممتاز علی خان صاحب
۳۶۔ مولوی قمردین صاحب مولوی فاضل
۳۷۔ رسائیدار خداداد خان صاحب
۳۸۔ ماسٹر عبدالرحمان صاحب بی۔ اے
۳۹۔ مولوی رحمت علی صاحب مولوی فاضل
۴۰۔ حکیم مولوی غلام محمد صاحب
۴۱۔ قاضی عبداللہ صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی
۴۲۔ ماسٹر محمد دین صاحب بی۔ اے
۴۳۔ مولوی فضل الٰہی صاحب بھیروی
۴۴۔ ڈاکٹر عطردین صاحب
۴۵۔ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے

بیرونی احباب

۱۔ حاجی غلام احمد صاحب کریام
۲۔ مبارک اسماعیل صاحب بی۔ اے ڈیرہ غازیخان
۳۔ میاں سعد الدین صاحب کھاریاں
۴۔ میاں قدرت اللہ صاحب سنور
۵۔ سید عبدالسلام صاحب بی۔ اے۔ سیالکوٹ
۶۔ منشی محمد عبداللہ صاحب ریڈر سیالکوٹ
۷۔ مسٹر عطاء اللہ صاحب امرتسر
۸۔ مستری غلام نبی صاحب سیالکوٹ
۹۔ محمد حسن خاں صاحب لدھیانہ
۱۰۔ ملک حسن محمد صاحب سمبڑیال
۱۱۔ میاں غلام مصطفٰے صاحب کھاریاں
۱۲۔ مولوی محمد اعظم صاحب تمہ غلام نبی
۱۳۔ میاں محمد امیر صاحب فیروزپور
۱۴۔ میاں بدر دین صاحب میڈیکل کالج
۱۵۔ مولوی محمد علی صاحب شیخوپورہ
۱۶۔ مسٹر عبدالواحد صاحب امرتسر
۱۷۔ مسٹر عبدالمغنی صاحب جہلمی
۱۸۔ شیخ محمد حسین صاحب انسپکٹر ڈاکخانہ جات امرتسر
۱۹۔ ظہور الحسن صاحب مردان
۲۰۔ میاں غلام محمد صاحب طالب پور
۲۱۔ عالمگیر خان صاحب مردان
۲۲۔ مولوی معین الدین صاحب مردان
۲۳۔ میاں عبداللہ صاحب گولیکی

۲۴۔ مولوی فضل دین صاحب مانگٹ اونچے
۲۵۔ نیاز احمد صاحب گولیکی
۲۶۔ محمد دین صاحب میڈیکل سکول امرتسر
۲۷۔ حافظ راج علی کھاریاں
۲۸۔ نعمت اللہ صاحب گوہر لائلپور
۲۹۔ احمد یار صاحب بنگہ
۳۰۔ مہدی شاہ صاحب بیگم پورہ
۳۱۔ میاں خدا بخش صاحب میانوالی
۳۲۔ عبد الرحمان صاحب کھیرانوالی
۳۳۔ مسٹر فضل کریم صاحب
۳۴۔ مخدوم محمد صدیق صاحب شاہ پور
۳۵۔ مسٹر حبیب اللہ صاحب سٹوڈنٹ لاہور
۳۶۔ شیخ بشیر احمد صاحب بی۔اے۔ پٹیالہ
۳۷۔ مولوی غلام مرتضیٰ صاحب ضلع گورداسپور
۳۸۔ ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب غازی آباد
۳۹۔ عبد الرشید صاحب
۴۰۔ ملک مولیٰ بخش صاحب گورداسپور
۴۱۔ پروفیسر مولوی عبد اللطیف صاحب چٹاگانگ
۴۲۔ ابو احمد خان صاحب بی۔اے کلکتہ
۴۳۔ عبد السلام صاحب شملہ
۴۴۔ تقی الدین صاحب طالبعلم لاہور
۴۵۔ سید محمود اللہ شاہ صاحب طالب علم
۴۶۔ منشی برکت علی صاحب لائق لدھیانہ
۴۷۔ مولوی عبد الخالق صاحب مظفر نگر
۴۸۔ مسٹر لعل دین صاحب طالبعلم لاہور
۴۹۔ بابو روشن دین صاحب سیالکوٹ
۵۰۔ دوست محمد صاحب لاہور
۵۱۔ غلام فرید صاحب لاہور
۵۲۔ احمد دین صاحب طالب علم امرتسر
۵۳۔ چوہدری عصمت اللہ صاحب طالبعلم لاہور
۵۴۔ سید سردار شاہ صاحب
۵۵۔ چوہدری کرم الٰہی صاحب، کرم پورہ ضلع شیخوپورہ

(الفضل ۱۰ اگست ۱۹۲۲ء۔ صفحہ ۱۔۲)

مدراس ہائیکورٹ کا فیصلہ

مالا بار میں غیر احمدی مسلمانوں نے ایک احمدی کی بیوی کا نکاح دوسری جگہ پڑھا دیا تھا۔ مقدمہ دائر کیا گیا تو ماتحت عدالت نے انہیں بری کر دیا اس پر ہائیکورٹ میں نظرثانی کی درخواست کی گئی اور چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب لاہور سے مقدمہ کی پیروی کے لئے مدراس تشریف لے گئے اور اپنی بحث میں ثابت کیا کہ (۱) برطانوی عدالتوں کے مسلمہ اصول کے مطابق احمدی مسلمان ہیں (۲) کوئی بھی تعریف اسلام کی مستند کتب سے پیش کی جائے اس کے مطابق احمدی مسلمان ہیں (۳) احمدیوں کے تمام عقائد قرآن کریم کے عین مطابق ہیں (۴) احمدیوں کے متعلق یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ انہوں نے کوئی عقیدہ ایسا ترک کیا ہے جو مسلمہ طور پر جزو اسلام ہے ہائیکورٹ نے فیصلہ دیا کہ احمدیہ جماعت اسلام ہی کا ایک اصلاح شدہ فرقہ ہے جو قرآن کریم کو اپنی الہامی کتاب مانتا ہے۔ [۱۲۵]

غیر از جماعت مسلمانوں سے تعلقات کی تلقین

حضرت خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۳ نومبر ۱۹۲۲ء کو جماعت

احمدیہ کو یہ تلقین فرمائی کہ وہ غیر احمدی مسلمانوں سے میل جول رکھیں اور ان سے ہمدردی اور عمدہ برتاؤ کریں۔ اور ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوں۔ ان تعلقات کی وجہ سے دین میں خلل نہ آنے دیں۔ اور نہ اپنے مذہبی عقائد ان کی خاطر قربان کریں۔ [۲۲۱]

تبلیغ ہدایت

[۲۲۲] حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے تبلیغ ہدایت کے نام سے دسمبر ۱۹۲۲ء میں ایک اہم کتاب شائع فرمائی جس میں آپ نے مخصوص اور دلکش اور زوردار انداز میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ ماموریت کو دلائل نقلیہ سے ثابت فرمایا۔ اگرچہ اس کتاب میں انہی مسائل پر آپ نے قلم اٹھایا جن پر احمدیہ لٹریچر میں بہت کچھ لکھا جا چکا تھا۔ لیکن آپ نے ہر بات اور مسئلہ میں خاص رنگ پیدا کیا۔ اور ترتیب اور طرز بیان دونوں بالکل نئے اور اچھوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تبلیغ ہدایت کو اپنے فضل سے بہت مقبولیت عطا فرمائی کئی لوگوں نے اس کے ذریعہ ہدایت پائی اور عموماً اپنوں اور بیگانوں دونوں میں اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا اور آپ کی زندگی میں ہی اس کے آٹھ ایڈیشن شائع ہوئے۔ [۲۲۳] سندھی زبان والا ایڈیشن اس کے علاوہ تھا۔

لجنہ اماء اللہ کی بنیاد اور اس کے شاندار نتائج

سیدنا حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفہ اول کے زمانہ مبارک میں جو مجالس قائم ہوئیں وہ سب مردوں کی تھیں۔ مثلاً "اشاعت اسلام۔ صدر انجمن احمدیہ۔ تشحیذ الاذہان۔ مجلس احباب۔ مجمع الاخوان۔ مجلس ارشاد" وغیرہ لیکن مستورات کی کوئی علمی دینی اور تمدنی انجمن اس وقت تک موجود نہ تھی۔ لہذا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے (اپنے حرم دوم امۃ الحی صاحبہؓ کی [۲۲۴] تحریک پر ۲۵ دسمبر ۱۹۲۲ء کو لجنہ اماء اللہ کی بنیاد رکھی۔ [۲۲۵] جس کی پہلی سیکرٹری حضرت امۃ الحی صاحبہ تھیں۔

حضرت امۃ الحی صاحبہ کے بعد یہ اہم خدمت آپ کے حرم حضرت سارہ بیگم صاحبہ اور پھر حضرت سیدہ ام طاہر رضی اللہ عنہما کے سپرد ہوئی۔ جب اس تنظیم کا قیام عمل میں آیا تو لجنہ کی ممبرات نے حضرت ام المومنینؓ کی خدمت میں درخواست کی کہ اس کی صدارت قبول فرمائیں اور غالباً پہلا اجلاس آپ ہی کی صدارت میں ہوا تھا۔ لیکن آپ نے پہلے اجلاس ہی میں حضرت ام ناصرؓ کو اپنی جگہ بٹھا کر صدارت کے لئے نامزد فرما دیا۔ چنانچہ حضرت ام ناصر اپنی وفات تک جو ۳۱ جولائی ۱۹۵۸ء کو ہوئی یہ فرض نہایت خوش اسلوبی سے نبھاتی رہیں۔ اگست ۱۹۵۸ء سے حضرت ام متین صاحبہ کی صدارت میں یہ مجلس کام کر رہی ہے۔

لجنہ اماء اللہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۵ دسمبر ۱۹۲۲ء

کو اپنے قلم سے قادیان کی مستورات کے نام مندرجہ ذیل مضمون تحریر فرمایا۔

"اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ ہماری پیدائش کی جو غرض وغایت ہے اس کو پورا کرنے کے لئے عورتوں کی کوششوں کی بھی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح مردوں کی ہے جہاں تک میرا خیال ہے عورتوں میں اب تک اس کا احساس پیدا نہیں ہوا کہ اسلام ہم سے کیا چاہتا ہے؟ ہماری زندگی کس طرح صرف ہونی چاہئے۔ جس سے ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کر کے مرنے کے بعد بلکہ اسی دنیا میں اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہو سکیں۔

اگر غور کیا جائے تو اکثر عورتیں اس امر کو محسوس نہیں کریں گی کہ روزمرہ کے کاموں کے سوا کوئی اور بھی کام کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔

دشمنان اسلام میں عورتوں کی کوششوں سے جو روح بچوں میں پیدا کی جاتی ہے اور جو بدگمانی اسلام کی نسبت پھیلائی جاتی ہے اس کا اگر کوئی توڑ ہو سکتا ہے تو وہ عورتوں ہی کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے اور بچوں میں اگر قربانی کا مادہ پیدا کیا جا سکتا ہے تو وہ بھی ماں ہی کے ذریعہ سے کیا جا سکتا ہے۔ پس علاوہ اپنی روحانی وعلمی ترقی کے آئندہ جماعت کی ترقی کا انحصار بھی زیادہ تر عورتوں ہی کی کوشش پر ہے۔ چونکہ بڑے ہو کر جو اثر بچے قبول کر سکتے ہیں وہ ایسا گہرا نہیں ہوتا جو بچپن میں قبول کرتے ہیں۔ اسی طرح عورتوں کی اصلاح بھی عورتوں کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔

ان امور کو مدنظر رکھ کر ایسی بہنوں کو جو اس خیال کی مؤید ہوں اور مندرجہ ذیل باتوں کی ضرورت کو تسلیم کرتی ہوں دعوت دیتا ہوں کہ ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے مل کر کام شروع کریں۔ اگر آپ بھی مندرجہ ذیل باتوں سے متفق ہوں تو مہربانی کر کے مجھے اطلاع دیں تاکہ اس کام کو جلد شروع کر دیا جائے۔

۱۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ عورتیں باہم مل کر اپنے علم کو بڑھانے اور دوسروں تک اپنے حاصل کردہ علم کو پہنچانے کی کوشش کریں۔

۲۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کے لئے ایک انجمن قائم کی جائے تاکہ اس کام کو باقاعدگی سے جاری رکھا جا سکے۔

۳۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ اس انجمن کو چلانے کے لئے کچھ قواعد ہوں جن کی پابندی ہر رکن پر واجب ہو۔

۴۔ اس امر کی ضروت ہے کہ قواعد وضوابط سلسلہ احمدیہ کے پیش کردہ اسلام کے مطابق ہوں اور اس کی ترقی اور اس کے استحکام میں ممد ہوں۔

۵- اس امر کی ضرورت ہے کہ جلسوں میں اسلام کے مختلف مسائل خصوصاً ان پر جو اس وقت کے حالات کے متعلق ہوں مضامین پڑھے جائیں اور وہ خود اراکین انجمن کے لکھے ہوں تاکہ اس طرح علم کے استعمال کرنے کا ملکہ پیدا ہو۔

۶- اس امر کی ضرورت ہے کہ علم بڑھانے کے لئے ایسے مضامین پر جنہیں انجمن ضروری سمجھے اسلام کے واقف لوگوں سے لیکچر کروائے جائیں۔

۷- اس امر کی ضرورت ہے کہ جماعت میں وحدت کی روح قائم رکھنے کے لئے جو بھی خلیفہ وقت ہو اس کی تیار کردہ اسکیم کے مطابق اور اس کی ترقی کو مد نظر رکھ کر تمام کارروائیاں ہوں۔

۸- اس امر کی ضرورت ہے کہ تم اتحاد جماعت کو بڑھانے کے لئے ایسی ہی کوشاں رہو جیسے کہ ہر مسلمان کا فرض قرآن کریم، آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقرر فرمایا ہے۔ اور اس کے لئے ہر ایک قربانی کو تیار رہو۔

۹- اس امر کی ضرورت ہے کہ اپنے اخلاق اور روحانیت کی اصلاح کی طرف ہمیشہ متوجہ رہو اور صرف کھانے پینے پہننے تک اپنی توجہ کو محدود نہ رکھو۔ اس کے لئے ایک دوسری کی پوری مدد کرنی چاہئے۔ اور ایسے ذرائع پر غور اور عمل کرنا چاہئے۔

۱۰- اس بات کی ضرورت ہے کہ بچوں کی تربیت میں اپنی ذمہ داری کو خاص طور پر سمجھو اور ان کو دین سے غافل اور بد دل اور سست بنانے کی بجائے چست۔ ہوشیار۔ تکلیف برداشت کرنے والے بناؤ۔ اور دین کے مسائل جس قدر معلوم ہوں ان سے ان کو واقف کرو اور خدا۔ رسولؐ۔ مسیح موعودؑ۔ اور خلفاء کی محبت۔ اطاعت کا مادہ ان کے اندر پیدا کرو۔ اسلام کی خاطر اور اس کے منشاء کے مطابق اپنی زندگیاں خرچ کرنے کا جوش ان میں پیدا کرو۔ اس لئے اس کام کو بجالانے کے لئے تجاویز سوچو اور ان پر عمل درآمد کرو۔

۱۱- اس امر کی ضرورت ہے کہ جب مل کر کام کیا جائے تو ایک دوسرے کی غلطیوں سے چشم پوشی کی جائے اور صبر اور ہمت سے اصلاح کی کوشش کی جائے۔ نہ کہ ناراضگی اور خفگی سے تفرقہ بڑھایا جائے۔

۱۲- چونکہ ہر ایک کام جب شروع کیا جائے تو لوگ اس پر ہنستے ہیں اور ٹھٹھا کرتے ہیں اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ لوگوں کی ہنسی اور ٹھٹھے کی پرواہ نہ کی جائے اور بہنوں کو الگ الگ مننوں یا طعنوں یا مجالس کے ٹھٹھوں کو بہادری و ہمت سے برداشت کا سبق اور اس کی طاقت کا مادہ پیدا کرنے کا مادہ پہلے ہی سے حاصل کیا جائے تاکہ اس نمونہ کو دیکھ کر دوسری

بہنوں کو بھی اس کام کی طرف توجہ پیدا ہو۔

۱۳۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ اس خیال کو مضبوط کرنے کے لئے اور ہمیشہ کے جاری رکھنے کے لئے اپنی ہم خیال بنائی جائیں۔ اور یہ کام اس صورت میں چل سکتا ہے کہ ہر ایک بہن جو اس مجلس میں شامل ہو اپنا فرض سمجھے کہ دوسری بہنوں کو بھی اپنا ہم خیال بنائے گی۔

۱۴۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ اس کام کو تباہ ہونے سے بچانے کے لئے صرف وہی بہنیں انجمن کی کارکن بنائی جائیں جو ان خیالات سے پوری متفق ہوں اور کسی وقت خدانخواستہ کوئی متفق نہ رہے تو وہ بطیب خاطر انجمن سے علیحدہ ہو جائے یا بصورت دیگر علیحدہ کی جائے۔

۱۵۔ چونکہ جماعت کسی خاص گروہ کا نام نہیں۔ چھوٹے بڑے۔ غریب امیر سب کا نام جماعت ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس انجمن میں غریب امیر کی کوئی تفریق نہ ہو۔ بلکہ غریب اور امیر دونوں میں محبت اور مساوات پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور ایک دوسرے کی حقارت اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کا مادہ دلوں سے دور کیا جائے کہ باوجود مدارج کے فرق کے اصل میں سب مرد بھائی بھائی اور سب عورتیں بہنیں بہنیں ہیں۔

۱۶۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ عملی طور پر خدمت اسلام کے لئے اور اپنی غریب بہنوں اور بھائیوں کی مدد کے لئے بعض طریق تجویز کئے جائیں اور ان کے مطابق عمل کیا جائے۔

۱۷۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ چونکہ سب مدد اور سب برکت اور سب کامیابیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں۔ اس لئے دعا کی جائے اور کروائی جائے۔

ہمیں وہ مقاصد الہام ہوں

جو ہماری پیدائش میں اس نے مدنظر رکھے ہیں اور ان مقاصد کے پورا کرنے کے لئے بہتر سے بہتر ذرائع پر اطلاع اور پھر ان ذرائع کے احسن طور پر پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا خاتمہ بخیر کرے۔ آئندہ آنے والی نسلوں کی بھی اپنے فضل سے راہنمائی کرے اور اس کام کو اپنی مرضی کے مطابق ہمیشہ کے لئے جاری رکھے۔ یہاں تک کہ اس دنیا کی عمر تمام ہو جائے۔

اگر آپ ان خیالات سے متفق ہیں اور ان کے مطابق اور موافق قواعد پر جو بعد میں انجمن میں پیش کر کے پاس کئے جا رہے ہیں اور کئے جائیں گے عمل کرنے کے لئے تیار ہوں تو مہربانی کر کے اس کاغذ پر دستخط کر دیں۔ بعد میں ان قواعد پر ہر ایک بہن سے علیحدہ علیحدہ دستخط لے کر اقرار و معاہدے لئے جائیں گے"۔ ۲۲۶

اس ابتدائی تحریک پر (جو محض رضاکارانہ رنگ کی تھی) قادیان کی تیرہ خواتین نے دستخط کئے۔

حضور کے فرمان پر ۲۵ دسمبر ۱۹۲۲ء کو یہ دستخط کرنے والی خواتین حضرت ام المومنین کے گھر میں جمع ہوئیں حضور نے نماز ظہر کے بعد ایک مختصر تقریر فرمائی۔ اور لجنہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس تقریر میں حضور نے لجنات کے سپرد جلسہ مستورات کا انتظام کر کے کئی مشورے دیئے۔ اور نصائح فرمائیں۔ [۲۲۷]

اس اجلاس اول کے بعد لجنہ اماء اللہ کے مفصل قواعد رسالہ تادیب النساء میں (جو قادیان سے حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کی ادارت میں شائع ہوتا تھا) شائع کر دیئے گئے۔ اور اس طرح باقاعدہ سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ [۲۲۸]

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے لجنہ کے اغراض و مقاصد جلد سے جلد پورا کرنے کے لئے اور احمدی مستورات کی اصلاح و تنظیم کرنے کے لئے سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ لجنات کے ہفتہ وار اجلاس جاری کئے اور فروری اور مارچ ۱۹۲۳ء کے تین اجلاسوں میں نہایت جامعیت کے ساتھ دینی اور دنیاوی علوم کی تفصیلات بیان فرمائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حضور نے خدمت دین کا عملی جوش پیدا کرنے کے لئے تعمیر مسجد برلن کی ذمہ داری بھی احمدی مستورات پر ڈالی۔ اور اس کے لئے چندہ کی فراہمی کا کام "لجنہ اماء اللہ کے سپرد فرمایا"۔ [۲۲۹] (لجنہ اماء اللہ نے اس عظیم الشان تحریک کے کامیاب بنانے میں جس جذبہ ایثار و فدائیت کا ثبوت دیا اس کی تفصیل ایک مستقل عنوان کے تحت اگلے صفحات میں آرہی ہے)۔

دو سال بعد حضرت اقدس خلیفتہ المسیح الثانی نے خواتین میں دینی تعلیم عام کرنے کے لئے ۱۷ مارچ ۱۹۲۵ء کو مدرستہ الخواتین جاری فرمایا۔ جس میں حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب حضرت صوفی غلام محمد صاحبؓ سابق مبلغ ماریشس اور دوسرے اصحاب کے علاوہ خود حضور تعلیم دیتے تھے۔ [۲۳۰] حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ اس مدرسہ کے نگران تھے۔ اس مدرسہ نے خواتین کے علمی و تنظیمی خلاء کو پر کرنے میں بڑا کام کیا۔ اور خواتین کے مرکزی اداروں اور درسگاہوں کے لئے معلمات اور کارکنات پیدا ہو گئیں۔

۱۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو لجنہ اماء اللہ کی نگرانی میں ماہوار رسالہ "مصباح" جاری ہوا جس سے احمدی خواتین کی تربیت و تنظیم کو بہت تقویت پہنچی۔ ابتداء میں رسالہ کا انتظام مرد کرتے تھے مگر مئی ۱۹۴۷ء [۲۳۱] میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے ارشاد پر اس کا پورا اہتمام مرکزی "لجنہ اماء اللہ" کو سونپ دیا گیا جس سے رسالہ کے علمی و دینی معیار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اور اب یہ جماعت کی مستورات کے واحد ترجمان کی حیثیت سے سلسلہ کی خدمت بجالا رہا ہے۔

۱۶ ستمبر ۱۹۲۷ء کو حضرت امتہ الحی صاحبہ کی یاد میں "امتہ الحی لائبریری" کا افتتاح ہوا اور اس کی نگرانی حضرت سیدہ ام طاہر احمد صاحبہ کو تفویض ہوئی۔ جنہوں نے اپنی پوری زندگی لجنہ کے کام کے لئے وقف رکھی۔ افتتاح پر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ حضرت ام المومنینؓ اور خاندان حضرت مسیح موعود کے دوسرے افراد نے کتابیں عنایت فرمائیں۔ یہ لائبریری حضرت خلیفہ ثانی کی اجازت خاص سے گول کمرہ میں قائم ہوئی۔ [۲۲۲] ۱۹۴۷ء کے بعد اس لائبریری کا احیاء جنوری ۱۹۶۰ء کو ربوہ میں ہوا۔ [۲۲۳]

جولائی ۱۹۲۸ء میں صاحبزادی امتہ الحمید صاحبہ (بنت حضرت مرزا بشیر احمد صاحب) کی کوشش سے چھوٹی بچیوں کی لجنہ قائم ہوئی [۲۲۴] اور کچھ عرصہ بعد صاحبزادی امتہ الرشید صاحبہ کی تحریک پر ناصرات الاحمدیہ کی بنیاد پڑی۔ اسی سال احمدی مستورات نے "سیرت النبیؐ" کی تحریک کو بھی کامیاب بنانے میں حصہ لینا شروع کیا۔ چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر سابق انچارج احمدیہ مشن امریکہ کا بیان ہے کہ "میری شادی سے قبل جو ۱۹۳۹ء میں ہوئی میری اہلیہ امتہ الحفیظ صاحبہ اور ان کی چھوٹی بہن امتہ الحی صاحبہ کئی مہینے تک حضرت سیدہ ام طاہر (خدا تعالیٰ ان سے راضی ہو) کے ہاں مقیم رہیں۔ صاحبزادی امتہ القیوم صاحبہ اور صاحبزادی امتہ الرشید صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ نے اپنی حقیقی والدہ کی وفات کے بعد اسی گھر میں پرورش پائی۔ میری اہلیہ صاحبہ اور امتہ الحی صاحبہ کے علی الترتیب دونوں صاحبزادیوں کے ساتھ بہنوں کی طرح کے تعلقات تھے جس کا ذکر حضرت امام جماعت نے میرے نکاح میں بھی فرمایا ان کے ہاں میرا آنا جانا پردہ کے اسلامی احکام کی پوری پابندی کے ساتھ اکثر ہوتا رہتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ان دنوں میں صاحبزادی سیدہ امتہ الرشید صاحبہ نے مجھ سے ایک سے زائد مرتبہ ذکر فرمایا کہ خدام الاحمدیہ کی بنیادوں پر احمدی لڑکیوں کی تنظیم قائم ہونی چاہئے۔ چنانچہ باہم مشورہ کے بعد طے پایا کہ ایسی تنظیم کا اعلان فرمانے کے لئے صاحبزادی موصوفہ ایک خط کے ذریعہ سے حضور کی خدمت میں درخواست کریں اور یہ بھی گذارش کریں کہ اس تنظیم کا نام بھی حضور خود تجویز فرمائیں۔ اس خط کا مسودہ تیار کرنے میں خاکسار کو خدمت کا موقعہ ملا۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ صاحبزادی امتہ الرشید صاحبہ اور خاکسار نے کچھ قیاس آرائی بھی کی کہ حضور اس تنظیم کا کیا نام تجویز فرمائیں گے۔ حسن اتفاق سے ایک نام "ناصرات الاحمدیہ" بھی ذہن میں آیا بہرکیف صاحبزادی موصوفہ کے حضور کی خدمت میں درخواست کے جلد بعد ہی حضور نے احمدی لڑکیوں کی تنظیم کے قیام کا اعلان فرمایا اور ایک کاغذ پر اپنے دست مبارک سے اسکا نام "ناصرات الاحمدیہ" تحریر فرمایا اور اس طرح اس تنظیم کی ابتداء ہوئی۔

صاحبزادی سیدہ امتہ الرشید صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ مستحق صد مبارک ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کے

دل میں یہ مبارک تحریک ڈالی اور ان کی کوششیں مثمر ہوئیں فالحمد للہ علی ذالک۔

۱۹۳۰ء میں لجنہ کو مجلس شوریٰ میں نمائندگی کا حق ملا جولائی ۱۹۳۱ء میں تحریک آزادی کشمیر کا آغاز ہوا تو لجنہ نے اسے کامیاب بنانے کے لئے چندہ دیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے یکم اپریل ۱۹۳۸ء کو حکم دیا کہ جہاں جہاں لجنہ ابھی قائم نہیں ہوئی وہاں کی عورتیں اپنے ہاں لجنہ اماء اللہ قائم کریں اور وہ بھی اپنے آپ کو تحریک جدید کی والنٹیرز سمجھیں۔ [۲۲۵]

ماہ اپریل ۱۹۴۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو الہام ہوا۔ اگر تم پچاس فیصدی عورتوں کی اصلاح کرلو تو اسلام کو ترقی حاصل ہو جائے گی۔ [۲۲۶] اس خدائی تحریک پر حضور لجنہ اماء اللہ کی تربیت و تنظیم کی طرف اور زیادہ گہری توجہ فرمانے لگے۔

۱۹۴۶ء میں پنجاب اسمبلی کے انتخاب کے سلسلہ میں قادیان کی احمدی خواتین نے اعلیٰ نمونہ پیش کیا جس پر حضور نے فرمایا کہ عورتوں نے الیکشن میں قربانی کر کے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس بات کی مستحق ہیں کہ ان کے اس ذکر کو ہمیشہ تازہ رکھا جائے۔ اور بار بار جماعت کے سامنے لایا جائے انہوں نے بے نظیر قربانی اور نہایت اعلیٰ درجہ کی جاں نثاری کا ثبوت دے کر ثابت کر دیا ہے کہ وہ مردوں سے قومی کاموں میں آگے نکل آئی ہیں۔ [۲۲۷]

۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہو گیا اور ہر طرف فسادات کی آگ بھڑک اٹھی جس کی وجہ سے لجنہ اماء اللہ کی تنظیم معطل سی رہی۔ مگر جونہی حالات کچھ سدھرنے لگے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ہاتھوں جماعت کا نیا مرکز ربوہ تعمیر ہونا شروع ہوا تو لجنہ کی دینی سرگرمیاں پھر شروع ہو گئیں۔ چنانچہ ۱۹۵۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تحریک وقف زندگی پر مستورات نے لبیک کہا۔ ۱۹۵۱ء میں لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کا دفتر بنا۔ ۱۹۵۵ء میں ان کے چندوں سے ہالینڈ کی مسجد تعمیر ہوئی۔ ۹ دسمبر ۱۹۵۷ء کو فضل عمر جونیئر ماڈل سکول کا اجراء ہوا جو حضرت سیدہ امۃ المتین کی ذاتی نگرانی اور دلچسپی کے باعث آٹھویں جماعت تک ترقی کر گیا ہے۔ اس سکول کے علاوہ گھٹیالیاں، ہلال پور اور چک منگلا میں بھی سکول جاری ہو چکے ہیں۔

یہ اجمالی خاکہ ہے ان خدمات کا جو لجنہ اماء اللہ نے انجام دی ہیں۔ لجنہ کی تحریک اب عالمگیر تنظیم بن چکی ہے۔ جس کی شاخیں نہ صرف برصغیر پاک و ہند میں ہیں بلکہ کینیا' یوگنڈا' ٹانگانیکا۔ غانا۔ نائیجیریا۔ ماریشس۔ ساؤتھ افریقہ۔ امریکہ۔ لنڈن اور انڈونیشیا تک بھی پھیلی ہوئی ہیں۔ [۲۲۸] اور اس کے کام کی وسعت روز بروز بڑھتی جارہی ہے لجنہ اماء اللہ نے غیروں پر بھی اپنی غیر معمولی عظمت و اہمیت کا سکہ بٹھا

دیا ہے اس سلسلہ میں ہم دو اقتباسات تحریر کر کے آگے چلیں گے۔

ا۔ مولوی عبدالمجید صاحب قریشی ایڈیٹر اخبار تنظیم امرت سر نے لکھا "لجنہ اماء اللہ قادیان احمدیہ خواتین کی انجمن کا نام ہے اس انجمن کے ماتحت ہر جگہ عورتوں کی اصلاحی مجالس قائم کی گئی ہیں اور اس طرح پر وہ تحریک جو مردوں کی طرف سے اٹھتی ہے خواتین کی تائید سے کامیاب بنائی جاتی ہے اس انجمن نے تمام احمدیہ خواتین کو سلسلہ کے مقاصد کے ساتھ عملی طور پر وابستہ کر دیا ہے عورتوں کا ایمان مردوں کی نسبت زیادہ مخلص اور مربوط ہوتا ہے عورتیں مذہبی جوش کو مردوں کی نسبت زیادہ محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ لجنہ اماء اللہ کی جس قدر کارگزاریاں اخبارات میں چھپ رہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ احمدیوں کی آئندہ نسلیں موجودہ کی نسبت زیادہ مضبوط اور پُرجوش ہونگی اور احمدیہ عورتیں اس چمن کو تازہ دم رکھیں گی جس کا مرور زمانہ کے باعث اپنی قدرتی شادابی اور سرسبزی سے محروم ہونا لازمی تھا۔" [۲۲۹]

ایک کٹر آریہ سماجی اخبار "تیج" (۲۵ جولائی ۱۹۲۷ء) نے رسالہ مصباح پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا "میرے خیال میں یہ اخبار اس قابل ہے کہ ہر ایک آریہ سماجی اس کو دیکھے اس کے مطالعہ سے انہیں احمدی عورتوں کے متعلق جو یہ غلط فہمی ہے کہ وہ پردہ کے اندر بند رہتی ہیں اس لئے کچھ کام نہیں کرتیں فی الفور دور ہو جائے گی اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ عورتیں باوجود اسلام کے ظالمانہ حکم کے طفیل پردہ کی قید میں رہنے کے کس قدر کام کر رہی ہیں اور ان میں مذہبی احساس اور تبلیغی جوش کس قدر ہے ہم استری سماج قائم کر کے مطمئن ہو چکے ہیں لیکن ہم کو معلوم ہونا چاہئے کہ احمدی عورتوں کی ہر جگہ باقاعدہ انجمنیں ہیں اور جو وہ کام کر رہی ہیں اس کے آگے ہماری استری سماجوں کا کام بالکل بے حقیقت ہے۔ مصباح کو دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ احمدی عورتیں ہندوستان' افریقہ' عرب' مصر' یورپ اور امریکہ میں کس طرح اور کس قدر کام کر رہی ہیں۔ ان کا مذہبی احساس اس قدر قابل تعریف ہے کہ ہم کو شرم آنی چاہئے چند سال ہوئے ان کے امیر نے ایک مسجد کے لئے پچاس ہزار روپے کی اپیل کی اور یہ قید لگادی کہ یہ رقم صرف عورتوں کے چندے سے ہی پوری کی جائے چنانچہ پندرہ روز کی قلیل مدت میں ان عورتوں نے پچاس ہزار کی بجائے پچپن ہزار روپیہ جمع کر دیا۔" [۲۳۰]

نجات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے سالانہ جلسہ ۱۹۲۲ء کی تقاریر میں جماعت احمدیہ کو اس کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلانے کے بعد مسئلہ نجات پر روشنی ڈالی اور اس کے مختلف اہم پہلوؤں کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا اگلے سال ۱۹۲۳ء کے سالانہ جلسہ پر بھی حضور نے اسی مضمون کا دوسرا حصہ بیان فرمایا جس میں مسئلہ کفارہ کے دلائل اور تفصیلات غیر معمولی وسعت اور

انتہائی باریک نظری سے پیش فرمائے ان کا تجزیہ کرکے اس مسئلہ کا بے بنیاد ہونا ثابت کیا۔ [۲۲۱] پہلا حصہ "نجات" ہی کے نام سے چھپ چکا ہے مگر دوسرا ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

۱۹۲۲ء کے متفرق مگر اہم واقعات

۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے ہاں مرزا مبشر احمد صاحب پیدا ہوئے۔ [۲۲۲]

۲۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے حفظ قرآن کی تکمیل کرلی۔ آپ کے حفظ قرآن کی تاریخ "حافظ قرآن" نکلی۔ [۲۲۳]

۳۔ مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس، مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی، مولوی ظہور حسین صاحب، مولوی محمد شہزادہ خان صاحب اور مولوی ظل الرحمان صاحب بنگالی نے مبلغین کلاس کا امتحان (فزیالوجی۔ "ہدایات زریں") پاس کیا۔ [۲۲۴]

۴۔ حضرت میاں جمال الدین صاحب سیکھوانی اور حضرت ماسٹر احمد حسین صاحب فرید آبادی کا انتقال ہوا۔

۵۔ پشاور کے علاقہ جہانگیر پورہ محلہ گل بادشاہ میں احمدیہ مسجد تعمیر ہوئی۔ [۲۲۵] جس میں حضرت قاضی محمد یوسف صاحب (مردان) کی کوششوں کا بہت دخل تھا۔

۶۔ قادیان سے ایک انگریزی اخبار "البشریٰ" کے نام سے ۲۰ مئی ۱۹۲۲ء کو جاری ہوا۔ [۲۲۶] جس کے ایڈیٹر اور مینجر چودھری غلام محمد صاحب بی۔اے سیالکوٹی مدرس تعلیم الاسلام ہائی سکول تھے۔ البشریٰ جو دستی پریس پر چھپتا تھا کچھ مدت چل کر بند ہو گیا۔

۷۔ وسط ۱۹۲۲ء میں ذوالفقار علی خان صاحب (ایڈیشنل سیکرٹری حضرت خلیفتہ المسیح الثانی) نے وائسرائے ہند کی خدمت میں لکھا کہ رمضان میں مسلمان قیدیوں کو مشقت سے مستثنیٰ کیا جائے یا برائے نام مشقت لی جائے اور نماز تراویح کے لئے قرآن مہیا کئے جائیں۔ [۲۲۷] اس درخواست پر سب سے پہلے جس صوبہ نے مسلمان قیدیوں کے لئے اس نوع کی سہولت مہیا کرنے کا اعلان کیا وہ صوبہ بہار تھا۔ [۲۲۸]

۸۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے میاں عبدالسلام صاحب عمر کا نکاح چودھری ابو الہاشم خاں صاحب ایم۔اے کی دختر محمودہ صاحبہ کے ہمراہ پڑھا۔ [۲۲۹]

۹۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے ارشاد پر قادیان میں تقاریر کی مشق کے لئے ایک انجمن قائم ہوئی جس کے صدر حضرت مولوی شیر علی صاحب اور سیکرٹری سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب مقرر ہوئے۔ [۲۵۰]

۱۰۔ مدرسہ احمدیہ میں حافظ کلاس کھولی گئی۔ [۲۵۱]

۱۱۔ مشہور مباحثے۔ مباحثہ نوشہرہ [۲۵۲] (مولانا جلال الدین صاحب شمس اور مہاشہ گیان بھکشو کے درمیان) ہوا۔ مباحثہ دہلی [۲۵۳] (حکیم احمد حسین صاحب لائلپوری [۲۵۴] اور پادری احمد مسیح کے درمیان) مباحثہ لاہور [۲۵۵] (بابو عبید اللہ صاحب احمدی اور پادری چنن خاں کے درمیان) مباحثہ امرت سر [۲۵۶] (آریوں سے ہوا۔ احمدی مناظر حضرت حافظ روشن علی صاحب اور مولانا جلال الدین شمس تھے)

حواشی

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد سوم (طبع سوم) صفحہ ۲۴۷-۲۵۰
۲۔ بیروز لیکچرز صفحہ ۴۲
۳۔ الفضل ۹ مارچ ۱۹۲۰ء صفحہ ۲
۴۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی آپ بیتی صفحہ ۵۰ (مرتبہ جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی) مطبوعہ ۱۹۴۶ء طبع اول و الفضل ۳۔ مئی ۱۹۲۰ء صفحہ ۲ و ۲۸۔ جون ۱۹۲۰ء صفحہ ۱-۲۔
۵۔ الفضل ۱۵ اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۱۲
۶۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی آپ بیتی۔ صفحہ ۵۱
۷۔ الفضل ۱۴ جون ۱۹۲۰ء صفحہ ۴
۸۔ اس عمارت کو بعد میں مسجد کی شکل دے دی گئی اور اب یہ مسجد شکاگو کے نام سے مشہور ہے۔
۹۔ الفضل ۷ / ۴ دسمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱
۱۰۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۷۴
۱۱۔ رپورٹ سالانہ ۳۵-۱۹۳۴ء صفحہ ۴۴-۴۵۔
۱۲۔ الفضل ۲۹ جنوری ۱۹۶۶ء صفحہ ۴
۱۳۔ پنور اما ۳ جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۸
۱۴۔ ریڈرز ڈائجسٹ (امریکن ایڈیشن) ستمبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۵۲-۵۳ بحوالہ انصار اللہ دسمبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۴۲-۴۳
۱۵۔ تنظیم ۲۸ دسمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۵-۶ بحوالہ تاثراتِ قادیان
۱۶۔ الفضل ۱۶ فروری ۱۹۲۰ء صفحہ ۱
۱۷۔ الفضل یکم مارچ ۱۹۲۰ء صفحہ ۱
۱۸۔ الفضل ۲۶ فروری ۱۹۲۰ء صفحہ ۳-۴
۱۹۔ الفضل یکم مارچ ۱۹۲۰ء صفحہ ۵-۶
۲۰۔ الفضل یکم مارچ ۱۹۲۰ء صفحہ ۷
۲۱۔ الفضل یکم مارچ ۱۹۲۰ء صفحہ ۸
۲۲۔ الفضل ۱۵ مارچ ۱۹۲۰ء صفحہ ۳۔ قیام لاہور کے دوران میں حضور نے کئی لوگوں مثلاً مسٹر ج ڈ پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور کو ملاقات کا موقع دیا اور دینی مسائل پر ان سے گفتگو فرمائی (الفضل ۲۳ فروری ۱۹۲۰ء صفحہ ۲)
۲۳۔ الفضل ۸ اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۱
۲۴۔ الفضل ۱۹ اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۱
۲۵۔ الفضل ۱۵ اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۲
۲۶۔ الفضل ۱۹ اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۸-۱۱
۲۷۔ الفضل ۱۴ / ۱۱ اپریل ۱۹۲۱ء صفحہ ۲۔ ان میں سے ایک حضرت مولوی عبد المغنی صاحب اور دوسرے بابو عبدالحمید صاحب آڈیٹر ریلوے۔
۲۸۔ الفضل ۱۹ اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۱۱-۱۲
۲۹۔ الفضل ۱۹ اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۱۲

۳۰۔ الفضل ۲۴ جون ۱۹۲۰ء صفحہ ۱

۳۱۔ الفرقان ربوہ دسمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۶

۳۲۔ حضرت حاجی غلام احمد صاحب آف کریام آپ کو مدرسہ احمدیہ میں داخل کرانے کے لئے خود قادیان تشریف لے گئے اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ﷺ (جو اس وقت مدرسہ احمدیہ کے افسر تھے) کی خدمت میں آپ کو لیکر حاضر ہوئے چنانچہ آپ نے ان کو مدرسہ احمدیہ کی پہلی جماعت میں داخل کر دیا۔

۳۳۔ الفرقان دسمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ج

۳۴۔ الفضل ۱۹ نومبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۴

۳۵۔ الفضل ۱۵ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۴

۳۶۔ مفصل معاہدہ کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۰ مئی ۱۹۲۰ء صفحہ ۸-۹

۳۷۔ الفضل ۳ جون ۱۹۲۰ء صفحہ ۱

۳۸۔ یہ دونوں جماعتیں ۱۹۱۹ء میں معرض وجود میں آئی تھیں ان کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب مرزا محمد دہلوی اپنی کتاب "مسلمانان ہند کی حیات سیاسی" میں مفصل لکھتے ہیں۔ ہندوؤں کو نئی حکومت کے زیر سایہ اپنی مضبوط قومی تعمیر کے لئے ملک پر زیادہ سے زیادہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی خواہش تھی اور اسی کے لئے انہوں نے جدوجہد شروع کر دی مسلمانوں کا پُرجوش طبقہ جو پہلے ہی جذبات سے مغلوب ہو رہا تھا۔ یہ سمجھا کہ یہ آزادی کی جنگ ہے بلا کسی شرط کے اس جدوجہد میں ہندوؤں کے ساتھ ہو گیا۔ ہندوؤں نے اس نئی طاقت کا خیر مقدم کیا اور بڑے سلیقہ سے اپنے مقصد کے آلہ کار بنا لیا...... خلافت کمیٹی کانگریس کا ایک جزو بن گئی تھی اور جمعیتہ العلماء کی حیثیت ان دونوں جماعتوں کے مذہبی نقیب کی سی تھی کانگریس کوئی نئی تحریک وضع کرتی خلافت کمیٹی اس پر عمل کرنے کو میدان میں اتر آتی اور جمعیتہ العلماء اس تحریک کو قرآن و احادیث کے مطابق ثابت کر کے تابع کیا کرتی (صفحہ ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۱۴)

اس حقیقت کی روشنی میں یہ سمجھنا ذرا بھی مشکل نہیں کہ تحریک خلافت کے اصل خدوخال کیا تھے؟ جناب ابوالکلام آزاد جو خلافتی لیڈروں کے سرخیل تھے۔ خود ہی انکشاف فرماتے ہیں کہ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اگلا قدم کیا ہو۔ ایک میٹنگ ہوئی جس میں مسٹر شوکت علی۔ حکیم اجمل خاں اور مولوی عبدالباری فرنگی محل بھی شریک تھے گاندھی جی نے اپنا پروگرام ترک موالات سے متعلق پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ اب وفود اور عرضداشتوں کے دن ختم ہو گئے۔ ہم کو حکومت کے ساتھ نصرت و اعانت کے تمام تعلقات منقطع کر دینے چاہئیں۔ گاندھی جی نے میری طرف دیکھا میں نے ایک لمحے کی جھجک کے بغیر کہا کہ مجھے یہ پروگرام منظور ہے اگر لوگ واقعی ترکی کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو گاندھی جی کے پروگرام کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے کچھ ہفتوں کے بعد خلافت کانفرنس میرٹھ میں منعقد ہوئی اس کانفرنس میں پہلی مرتبہ باضابطہ طور سے گاندھی جی نے اعلانیہ پبلک پلیٹ فارم سے ترک موالات کا پروگرام پیش کیا ان کی تقریر کے بعد میں نے ان کی مکمل تائید کی (انڈیا ونس فریڈم۔ صفحہ ۹-۱۰ بحوالہ تقسیم ہند از عبدالوحید خاں۔ صفحہ ۵۰-۵۲) نیز لکھتے ہیں جہاں تک اس تحریک کا تعلق ایک ملکی مسئلہ سے وہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ اس مسئلے کے محرک چند رفقاء تھے۔ میں نام لوں گا مہاتما گاندھی کا۔ وہ تحریک کے اولین اور سب سے بڑے بزرگ تھے جنہوں نے اس تحریک کا ساتھ دیا تھا۔ ایضاً صفحہ ۵۵۔

۳۹۔ الفضل ۳ جون ۱۹۲۰ء صفحہ ۱

۴۰۔ الفضل ۷ جون ۱۹۲۰ء صفحہ ۳-۸ اس مضمون کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کر دیا گیا تھا۔

۴۱۔ الفضل ۱۲ جولائی ۱۹۲۰ء صفحہ ۸

۴۲۔ الفضل ۲ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۱، ۷ ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۱

۴۳۔ الفضل ۱۶ ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۲

۴۴۔ الحکم ۲۱ ستمبر ۱۹۲۰ء (اس نمبر میں سب حضرات کی نظمیں چھپ گئی تھیں)۔

۴۵۔ الواح الہدیٰ (شائع کردہ مولوی محمد عنایت اللہ صاحب تاجر کتب قادیان)

۴۶۔ ملاحظہ ہو سرورق ۴۔ سیرت خاتم النبیین حصہ دوم طبع اول۔
۴۷۔ سیرت خاتم النبیین حصہ اول طبع دوم (سرورق)
۴۸۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا عبدالمجید صاحب سالک کی کتاب سرگزشت صفحہ ۱۱۶-۱۱۷
۴۹۔ ترک موالات اور احکام اسلام طبع اول صفحہ ۸۵-۸۶
۵۰۔ اخبار اتفاق و ذوالفقار بحوالہ رہنمائے تبلیغ صفحہ ۱۳۹-۱۴۰ (از سید طفیل محمد شاہ صاحب) بخاری صاحب اور دوسرے خلافتی لیڈروں نے جیل میں کیا کیا کارنامے انجام دیئے ان کی تفصیل سرگزشت صفحہ ۱۶۰-۱۶۷ (از مولانا سالک) سوانح سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری۔ (از شورش) صفحہ ۶۵-۷۳ نقوش آپ بیتی نمبر صفحہ ۱۔ میں ملاحظہ ہو بخاری صاحب نے بیرونی سنسرشپ سے بچنے کے لئے اپنا نام پنڈت کرپارام برہمچاری لکھنا شروع کر دیا تھا (سوانح سید عطاء اللہ شاہ بخاری از شورش) صفحہ ۷۳ مولوی سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نظر بند تو نہیں ہوئے البتہ انہوں نے سیرت گاندھی پر ایک کتاب لکھی جو ضبط کر لی گئی۔ (نقوش آپ بیتی نمبر صفحہ ۱۲۸۹)
۵۱۔ تقاریر مولانا ظفر علی خاں۔ صفحہ ۵۹-۶۱
۵۲۔ تقاریر مولانا ظفر علی خاں صفحہ ۶۴
۵۳۔ حیات محمد علی جناح صفحہ ۱۰۸ دوسرا ایڈیشن صفحہ ۱۰۸
۵۴۔ مسلمانان ہند کی حیات سیاسی صفحہ ۱۰۹
۵۵۔ سرگزشت صفحہ ۱۱۶۔ عامتہ المسلمین نے تو یوں اپنے ہاتھوں اپنا گھربار تباہ و برباد کیا۔ مگر خلافتی لیڈروں نے یہ قربانی کی کہ وہ لاکھوں روپے جو مسلمانوں نے خلافت کی بحالی کے لئے چندہ میں دیئے تھے ہضم کر گئے چنانچہ جب مولانا محمد علی صاحب جیل سے رہا ہوئے تو خلافت کا خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ (سیرت محمد علی صفحہ ۴۷۸-۴۷۹۔ از سید رئیس احمد صاحب جعفری) طبع دوم ۱۹۵۰ء
۵۶۔ تبرکات آزاد صفحہ ۲۲۶-۲۲۷۔ (مولانا آزاد کے مکاتیب و مقالات کا مجموعہ مرتبہ جناب غلام رسول صاحب مہر)
۵۷۔ خودنوشت سوانح عمری مشمولہ "مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں" صفحہ ۴۳۔
۵۸۔ بحوالہ تحریک اسلامی صفحہ ۸۶۔ مرتبہ خورشید احمد شائع کردہ ادارہ چراغ راہ کراچی۔
۵۹۔ ایضاً صفحہ ۴۷۔
۶۰۔ الفضل ۵-۱۹ اگست ۱۹۲۰ء صفحہ ۱ الفضل ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۱
۶۱۔ الفضل ۹/۸ فروری ۱۹۲۰ء صفحہ ۱
۶۲۔ الفضل ۳ جون ۱۹۲۰ء صفحہ ۱
۶۳۔ ریویو آف ریلیجنز اردو۔ مارچ ۱۹۲۰ء صفحہ ۱۱۳
۶۴۔ الحکم ۲۸ جنوری ۱۹۲۰ء صفحہ ۳
۶۵۔ الفضل ۲۹ مارچ ۱۹۲۰ء صفحہ ۸
۶۶۔ الفضل ۲۹ مارچ ۱۹۲۰ء صفحہ ۱۱
۶۷۔ الفضل ۸ اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۸
۶۸۔ الفضل ۱۶ ستمبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۷
۶۹۔ الحکم ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۲-۳۔
۷۰۔ الحکم ۲۸ نومبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۳
۷۱۔ مطبوعہ ہے۔
۷۲۔ الفضل ۱۳ جون ۱۹۲۱ء صفحہ ۶
۷۳۔ حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے مشاورت ۱۹۴۲ء میں اپنی جماعت کے ہندومت اور سکھ مذہب کے فاضلوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مہاشہ محمد عمر صاحب کے قادیان آنے کا واقعہ ان الفاظ میں بیان فرمایا "ہندو علوم اور لٹریچر کے کئی لوگ ہمارے پاس موجود

ہیں.... مولوی عبداللہ ناصر الدین صاحب ہیں جو وید بھی پڑھے ہوئے اور اعلیٰ ڈگری حاصل کر چکے ہیں.... سکھوں کے متعلق واقفیت رکھنے والے کئی لوگ ہیں گیانی عباداللہ صاحب اور گیانی واحد حسین صاحب اور ان کے علاوہ سردار محمد یوسف صاحب جو سکھوں کی کتب اور لٹریچر کے پرانے ماہر ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے دیر سے بہت مفید کام کر رہے ہیں غالباً ۱۹۲۲ء کی بات ہے کہ مہاشہ محمد عمر صاحب ہندو طالبعلموں کی ایک پارٹی کے ساتھ مجھے ملنے کے لئے آئے تھے گوروکل کانگڑی کے ایک پروفیسر صاحب یہاں ایک جلسہ پر آئے تھے اور اپنی بہادری دکھانے کے لئے آئے کہ دیکھو میں کیسی اچھی تقریر کرتا ہوں طالب علموں کی ایک پارٹی کو بھی ساتھ لے آئے۔ انہوں نے طلبہ کو مجھ سے ملنے کو بھی بھیجا۔ اس وقت مہاشہ محمد عمر بھی ان کے ساتھ تھے میں نے طالب علموں سے کہا پروفیسر صاحب سے کہو کہ آپ اپنے چند طالب علم یہاں بھیج دیں میں خود ان کو قرآن پڑھاؤں گا اسی طرح میں چند طالبعلم بھیجتا ہوں جن کو وہ وید پڑھائیں۔ خرچ اپنے طالب علموں کا بھی اور ان کے بھیجے ہوئے طالب علموں کا بھی میں ہی دونگا۔ اگر قرآن کریم میں تاثیر ہوگی تو ان کے بھیجے ہوئے طالب علموں کو میں مسلمان کرلوں گا اور اگر ویدوں میں تاثیر ہوگی تو ہمارے طالب علموں کو وہ ہندو کر سکیں گے۔ اور یہ ہم دونوں کا انعام ہوگا۔ مگر انہوں نے اس تجویز کو نہ مانا۔ مہاشہ محمد عمر صاحب بھی اس پارٹی میں تھے ان کے دل پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ چند دنوں کے بعد بھاگ کر یہاں آگئے انہوں نے گو جوانی یہاں گزاری ہے مگر بچپن میں وہ ہندوؤں میں رہے ہیں اور وہیں پڑھتے رہے ہیں اس لئے ان کا لب و لہجہ ہندوانہ ہے ان کے علاوہ مہاشہ فضل حسین صاحب ہیں وہ شاید سنسکرت تو نہیں جانتے مگر ہندو لٹریچر سے اچھے واقف ہیں"۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۲ء صفحہ ۲۹-۳۰)

۷۴- تفصیل کے لئے دیکھیں "ہدایات زریں"

۷۵- حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرب الکعبۃ ذو السویقتین من الحبشہ" (صحیح مسلم جلد دوم مصری صفحہ ۳۱۹)

۷۶- الفضل ۲۵ مارچ ۱۹۲۰ء صفحہ ۴-۵

۷۷- الفضل ۷ مارچ ۱۹۲۱ء صفحہ ۹

۷۸- الفضل ۱۸ اپریل ۱۹۲۱ء صفحہ ۶

۷۹- الفضل ۱۸ اپریل ۱۹۲۱ء صفحہ ۶-۷۔ مسٹر خیر الدین صاحب عرصہ سے سلسلہ کا لٹریچر مطالعہ کر رہے تھے اب حضرت نیر صاحب کی آمد پر انہوں نے بیعت کرلی اس طرح سیرالیون میں احمدیت کا بیج بویا گیا۔ سیرالیون کا سولہ سال بعد مستقل دارالتبلیغ ۱۹۳۷ء میں قائم ہوا جس کے تفصیلی حالات اگلی جلد میں آرہے ہیں۔

۸۰- الفضل ۵ مئی ۱۹۲۱ء صفحہ ۱-۲

۸۱- الفضل ۱۹ مئی ۱۹۲۱ء

۸۲- ابتداء میں جب مغربی افریقہ کے بعض مسلمانوں نے حضرت نیر صاحب سے ملاقات کی تو کہا کہ آج تک لوگ ہم پر ہنستے تھے کہ سفید آدمی مسلمان نہیں ہوتے الحمد للہ کہ اب سفید آدمی مبلغ اسلام ہو کر یہاں آگیا ہے (الفضل ۵ مئی ۱۹۲۱ء صفحہ ۲

۸۳- چیف مہدی کی جائے رہائش کا مقام

۸۴- نائیجیریا کی دو قومیں اولاً اسلام میں داخل ہوئیں ہوسا جو عرب مخلوط نسل سے ہیں۔ یوربا جو حبشی النسل ہیں ہوسا قدامت پسند مسلمان ہیں اور یوربا مہذب اور تجارت سے شغل رکھتے ہیں۔

۸۵- اس زمانہ میں سیرالیون گولڈ کوسٹ اور نائیجیریا میں ایک بھی مسلمانوں کا ایسا مدرسہ نہیں تھا جس میں جدید طرز کی تعلیم دی جاتی ہو۔ مسلمانوں کے جو بچے ذرا انگریزی پڑھ لیتے وہ عیسائی ہو جاتے تھے۔

۸۶- الفضل ۱۹ مئی ۱۹۲۱ء صفحہ ۳-۶

۸۷- افریقہ میں جماعت احمدیہ کو عیسائیت کے مقابل شاندار فتوحات کی خبر پڑھ کر خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے حضرت خلیفہ ثانی کی خدمت میں خط لکھا کہ بے اختیار زبان سے الحمد للہ نکلا۔ افریقہ میں عیسائیت کے مقابلہ میں مرزائیت کی فتح یقیناً ہر مسلمان کو اچھی معلوم ہوگی بشرطیکہ وہ حاصل مقصد کو سمجھتا ہو میں آپ کے عقیدہ کا اب تک دل سے مخالف ہوں مگر امریکہ یورپ

اور افریقہ میں آپ کے آدمیوں کے ذریعہ جو کچھ کام ہو رہا ہے اس کا اعتراف کرنا اور اس کے نتائج سے مسرور ہونا لازمی سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے دین کا اس سے زیادہ بول بالا کرے۔ (الفضل ۲۱ اپریل ۱۹۲۱ء صفحہ ۹)

۸۸۔ الفضل ۹/ ۱۲ جون ۱۹۲۱ء صفحہ ۵۔

۸۹۔ الفضل ۸ اگست ۱۹۲۱ء صفحہ ۳۔

۹۰۔ یہ لوگ پنجاب کے چکڑالوی نہیں ان کا دوسرے مقامی مسلمانوں سے اختلاف صرف یہ تھا کہ تفسیر جلالین قرآن پر مقدم نہیں ہے۔

۹۱۔ الفضل ۲۳ جون ۱۹۲۱ء صفحہ ۷

۹۲۔ حضرت خلیفہ ثانی نے نیر صاحب کو افریقہ میں بیعت لینے کی اجازت دی تھی (الفضل ۲۳ جون ۱۹۲۱ء صفحہ ۷)

۹۳۔ الفضل ۳ اکتوبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۲۔

۹۴۔ الفضل ۲۵ اگست ۱۹۲۱ء صفحہ ۴

۹۵۔ الفضل ۳ اکتوبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۲

۹۶۔ الفضل ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۲

۹۷۔ الفضل ۸ دسمبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۲

۹۸۔ الفضل ۲۰ مارچ ۱۹۲۲ء صفحہ ۲، ۷

۹۹۔ الفضل ۱۴ ستمبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۱-۲

۱۰۰۔ الفضل ۱۶ نومبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۲

۱۰۱۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۹-۱۲ اس مدرسہ کی مستقل عمارت کا افتتاح ۱۹۲۸ء میں ہوا۔ اس تقریب پر مسٹر ہنری کار (MR HENRY CARR) پہلے نائیجیرین ریذیڈنٹ نے نائیجیریا میں مسلمانوں کی تعلیم کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کہا نائیجیریا کے مسلمانوں نے ڈاکٹر ای۔ ڈبلیو بلائڈن کے مشورہ پر ۱۸۹۶ء میں لیگوس محمڈن سکول جاری کیا جسے نائیجیرین مسلمان حکومت کی امداد اور سرپرستی کے باوجود زیادہ لمبے عرصہ تک قائم نہ رکھ سکے۔ اور بالآخر حکومت کو کلی طور پر اپنی تحویل میں لینا پڑا تحویل میں لینے سے قبل حکومت نے مسلمانوں کو بار بار توجہ دلائی کہ وہ اسلامی سکول کھولنے کی کوشش کریں لیکن کسی نے اس بات کی طرف توجہ نہ دی حتیٰ کہ ۱۹۲۲ء میں مسلمانوں کے احمدیہ فرقہ نے مولوی عبدالرحیم صاحب نیر کی تحریک پر تعلیم الاسلام سکول قائم کیا اس طرح صحیح معنوں میں یہاں سب سے پہلا مسلم سکول کھولنے کا فخر جماعت احمدیہ کو حاصل ہوا (ترجمہ) (ریویو آف ریلیجنز انگریزی ۱۹۲۸ء صفحہ ۲۱-۲۵)

۱۰۲۔ (الفضل ۲۲ جنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-۲

۱۰۳۔ الفضل ۵ مارچ ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-۲

۱۰۴۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۲-۱۹۳۳ء صفحہ ۱۵۷

۱۰۵۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۵۲-۱۵۳

۱۰۶۔ رپورٹ سالانہ ۳۳-۱۹۳۲ء صفحہ ۱۵۶۔

۱۰۷۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۹-۱۹۳۸ء صفحہ ۷۸

۱۰۸۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رپورٹ سالانہ ۳۷-۱۹۳۶ء صفحہ ۳۴-۳۶۔ رپورٹ سالانہ ۳۹-۱۹۳۸ء صفحہ ۷۸-۸۶۔

۱۰۹۔ رپورٹ سالانہ ۳۸-۱۹۳۷ء صفحہ ۳۳

۱۱۰۔ اس کی بنیاد حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے رکھی تھی۔

۱۱۱۔ یہ لوگ جناب محمد بشیر صاحب شاد کے ذریعہ سلسلہ میں داخل ہوئے تھے۔

۱۱۲۔ یہ تقریر آپ نے لیگوس کی احمدیہ مسجد میں کی تھی؟ جبکہ شمالی علاقہ کے لوکل چیف پہلی دفعہ نائیجیرین پارلیمنٹ کے اجلاس میں شمولیت کے لئے لیگوس تشریف لائے تھے اور جماعت احمدیہ نے ان کے اعزاز میں استقبالیہ اجلاس منعقد کیا تھا۔

۱۱۳۔ بحوالہ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۶۷(از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب)۔
۱۱۴۔ بحوالہ اسلام کا غلبہ(از مولانا جلال الدین صاحب شمس)صفحہ ۵۲-۵۳
۱۱۵۔ ایضاً
۱۱۶۔ بحوالہ اشاعت اسلام اور ہماری ذمہ داریاں صفحہ ۱۲(از جناب صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر ربوہ) روزنامہ ڈیلی ٹائمز ۲۳فروری ۱۹۵۵ء(ترجمہ)
۱۱۷۔ رسالہ لائف امریکہ ۸اگست ۱۹۵۵ء(ترجمہ)
۱۱۸۔ اہل گولڈ کوسٹ نے ۱۹۶۰ء میں انگریزوں سے آزادی حاصل کر لینے کے بعد اپنے ملک کا نام(غانا) رکھ لیا۔
۱۱۹۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۵۱۔
۱۲۰۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۳۷۔
۱۲۱۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۸۲-۱۸۳
۱۲۲۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۸۲-۱۸۳
۱۲۳۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۵۱
۱۲۴۔ رپورٹ سالانہ ۳۲-۱۹۳۳ء صفحہ ۱۵۵-۱۵۷۔
۱۲۵۔ رپورٹ سالانہ ۳۵-۱۹۳۶ء صفحہ ۳۵
۱۲۶۔ رپورٹ سالانہ ۳۶-۱۹۳۷ء صفحہ ۴۱۔ ۴۳ اسکی تکمیل مولوی نذیر احمد صاحب مبشر کے زمانہ میں ہوئی اور افتتاح ۲۷جنوری ۱۹۴۱ء کو عمل میں آیا۔
۱۲۷۔ ایضاً
۱۲۸۔ رپورٹ سالانہ ۳۸-۱۹۳۷ء صفحہ ۳۴
۱۲۹۔ الفضل ۱۵رجنوری ۱۹۴۷ء صفحہ ۱
۱۳۰۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲۱-۱۷۷
۱۳۱۔ کرائسٹ آر محمد(مؤلفہ ایس۔جی ولیم سن پروفیسر یونیورسٹی کالج غانا)مطبوعہ غانا بحوالہ اشاعت اسلام اور ہماری ذمہ داریاں۔ صفحہ ۷
۱۳۲۔ افتتاحی ایڈریس تبلیغی نمائش بر موقع سالانہ کانفرنس غانا ۱۹۶۲ء
۱۳۳۔ بحوالہ اشاعت اسلام اور ہماری ذمہ داریاں صفحہ ۲۲(از جناب صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر تحریک جدید ربوہ)
۱۳۴۔ الفضل ۱۰فروری ۱۹۲۱ء صفحہ ۱۔ خطبہ نکاح کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۴فروری ۱۹۲۱ء۔
۱۳۵۔ الفضل ۲۴فروری ۱۹۲۱ء صفحہ ۱
۱۳۶۔ الفضل ۱۴فروری ۱۹۲۱ء صفحہ ۴-۵۔ زیادہ تفصیل کے لئے دیکھیں تابعین اصحاب احمد جلد سوم مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم ۔اے۔ قادیان۔
۱۳۷۔ الفضل ۳مارچ ۱۹۲۱ء صفحہ ۲
۱۳۸۔ الفضل ۷-۱۴مارچ ۱۹۲۱ء(والد صاحب(صفحہ ۵۳-۵۴)از مولانا عبد الرحیم صاحب درد)
۱۳۹۔ الفضل ۲۴مارچ ۱۹۲۱ء صفحہ ۱۔ ۴اپریل ۱۹۲۱ء صفحہ ۳
۱۴۰۔ مفصل تقریر کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۴-۱۱اپریل ۱۹۲۱ء صفحہ ۲
۱۴۱،۱۴۲۔ مولویوں نے اپنے جلسہ میں یہ اعتراض اٹھایا کہ اگر مرزا صاحب سچے ہیں تو ان کی قبر کھود کر دکھائی جائے اگر وہ نبی ہیں تو ان کی لاش محفوظ ہوگی۔ حضور نے جواب دیا کہ قرآن و حدیث سے نبوت کے اس معیار کی تائید میں کوئی دلیل پیش کریں پھر ہزارہا نبیوں کی قبریں دکھا کر اس کا عملی ثبوت بہم پہنچادیں اس کے بعد ہم ان کا مطالبہ پورا کرکے حضور کی سچائی ثابت کر دکھائیں گے۔
۱۴۳۔ الفضل ۴جولائی ۱۹۲۱ء صفحہ ۶
۱۴۴۔ الفضل ۲۷جون ۱۹۲۱ء صفحہ ۱

۱۴۵۔ الفضل ۳ا کتوبر ۱۹۲۱ء صفحہ ا
۱۴۶۔ الفضل ۲۲ اگست ۱۹۲۱ء صفحہ ا
۱۴۷۔ الفضل ۵ ستمبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۱۔۲
۱۴۸۔ آئینہ صداقت صفحہ ۲۰۳
۱۴۹۔ الفضل ۱۰ مارچ ۱۹۲۱ء صفحہ ا
۱۵۰۔ الحکم ۱۴ فروری ۱۹۲۱ء صفحہ ۱۔۲
۱۵۱۔ الفضل ۷ جنوری ۱۹۲۱ء
۱۵۲۔ الفضل ۲۸ نومبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۲
۱۵۳۔ الفضل ۳ فروری ۱۹۲۱ء صفحہ ا
۱۵۴۔ الفضل ۲۸ اپریل ۱۹۲۱ء صفحہ ا
۱۵۵۔ الفضل ۷ اکتوبر ۱۹۲۱ء صفحہ ا
۱۵۶۔ مطبوعہ ہے (الفضل ۲۶ دسمبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۱۳
۱۵۷۔ آپ واقف زندگی تھے اور عہد یہ تھا کہ کوئی خرچ سلسلہ سے نہیں لیں گے اسلئے آپ کے والد حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے ایک ہزار روپیہ نظارت دعوت و تبلیغ کو بھجوادیا۔ (قادیان صفحہ ۲۸۴ از شیخ محمود احمد عرفانی)
۱۵۸۔ الحکم ۷ دسمبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۶
۱۵۹۔ ایضاً۔
۱۶۰۔ نجات صفحہ ۶ (لیکچر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سالانہ جلسہ) ۱۹۲۲ء
۱۶۱۔ اس اخبار کا پہلا پرچہ خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہے۔
۱۶۲۔ قادیان صفحہ ۲۸۴ (از محمود احمد صاحب عرفانی) آپ دوبارہ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۴ء تک مصر میں مقیم رہے اور "العالم الاسلامی" کے نام سے اخبار شائع کرتے رہے۔
۱۶۳۔ آپ نے ۱۹۶۳ء میں وفات پائی۔
۱۶۴۔ قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اس مباحثہ پر ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا تھا مناظرہ تو خیر کاسر صلیب کے شاگرد ہونے کی وجہ سے کامیاب ہونا ہی تھا مگر مجھے اس مناظرہ کی روداد پڑھنے سے حیرت ہوئی کہ مولوی صاحب نے اس مختصر سے مناظرہ میں کتنا مواد بھر دیا ہے یہ مناظرہ یقیناً ان احمدی مبلغوں کے بہت کام آسکتا ہے جن کا مسیحی مشنریوں کے ساتھ سابقہ پڑتا ہے۔ (الفرقان دسمبر ۱۹۶۱ء)
۱۶۵۔ (مکرم مولانا ابو العطاء صاحب کی روانگی از قادیان ۱۳ اگست واپسی قادیان ۲۴ فروری ۱۹۳۶ء)
۱۶۶۔ یہ کتاب دراصل ان مضامین کا مجموعہ ہے جو الاستاذ کرملی نے ۱۹۳۵ء میں مقتطف، الہلال اور لغت العرب وغیرہ مصری اخبارات میں تحریر کیئے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۸ جنوری ۱۹۶۲ء صفحہ ۳۔
۱۶۷۔ طلبہ کے نام ایوب فضلی قرانیا اور خلیل ابیشطی تھا۔ ملاحظہ ہو رسالہ الاحمدیۃ کما عرفناھا
۱۶۸۔ ہفتہ وار رسالہ (الرسالۃ والروایۃ) نمبر ۴۶۲ بابت ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ جلد ۱۰ نمبر ۴۶۲ (یہ رسالہ مصر کے مسلمہ ادیب الاستاذ احمد حسن الزیات کی ادارت میں نکلتا تھا۔
۱۶۹۔ الفتاویٰ کی اشاعت کے بعد علامہ شلتوت نے جامعہ ازہر کے علمی ترجمان "مجلۃ الازہر" فروری ۱۹۶۰ء کے انگریزی حصہ میں دوبارہ عقیدہ وفات مسیح کا اعلان کیا۔
۱۷۰۔ الفتاویٰ صفحہ ۵۸ (شائع کردہ الادارۃ العامۃ للثقافۃ الاسلامیہ بالازہر مطبوعہ جمادی الآخر ۱۳۷۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۹ء (نشر و اشاعت نظارت اصلاح و ارشاد نے اس صفحہ کا عکس پمفلٹ کی صورت میں الگ بھی شائع کر دیا ہے۔
۱۷۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقدمۃ الہدیٰ والتبصرۃ لمن یریٰ صفحہ ۲۲ تا ۲۷۔ مطبوعہ فلسطین شائع کردہ چوہدری محمد شریف صاحب

سابق مبلغ بلاد عربیہ ایضاً "رسالہ "کیا مسیح علیہ السلام زندہ ہیں"۔ صفحہ ۱۳۔۱۴ (مرتبہ شیخ نور احمد صاحب منیر سابق مبلغ بلاد عربیہ)

۱۷۲۔ الفضل ۳ مارچ ۱۹۶۱ء صفحہ ۳۔۴ (اس موقعہ پر علامہ شلتوت نے شیخ نور احمد صاحب منیر کو اپنی تین اہم تصانیف بطور ہدیہ دیں جن کے نام یہ ہیں۔ توجیہات الاسلام۔ عقیدۃ و شریعۃ۔ الفتاویٰ۔ شیخ الجامعہ نے ان میں سے ہر کتاب پر اپنے دستخط سے عبارت لکھی

هدية دينية علمية الى اخى فى الله السيد نور احمد منير من علماء باكستان مع خالص التحيات۔

۱۷۳۔ علماء مصر و عرب کے فتاویٰ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ کیا مسیح علیہ السلام زندہ ہیں مرتبہ شیخ نور احمد صاحب منیر مبلغ بلاد عربیہ

۱۷۴۔ طبع اول ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء مطبوعہ مطبع دار الجہاد ۱۴ شارع الجمہوریہ ناشر مکتبہ دار العروبہ شارع الجمہوریہ القاہرہ۔

۱۷۵۔ الفتح قاہرہ (مصر) صفحہ ۳۱۵۔۲۰ جمادی الآخرہ ۱۳۵۱ھ (بحوالہ الفرقان فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۴

۱۷۶۔ اخبار الفتح ۱۷ جمادی الآخرہ ۱۳۵۸ھ مطابق اگست ۱۹۳۹ء بحوالہ (البشریٰ) فلسطین جلد ۵

۱۷۷۔ مقدم الذکر دو اصحاب قادیان میں حضور کی زیارت کے لئے آئے تھے اور باقی ربوہ میں۔

۱۷۸۔ الفضل ۱۶ مارچ ۱۹۲۲ء صفحہ ۷۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کے علاوہ سردار نذر حسین صاحب، مرزا گل محمد صاحب اور چوہدری فضل احمد صاحب بھی افسر تھے جن کا درجہ سیکنڈ لفٹنٹ کا تھا مرزا گل محمد صاحب اسسٹنٹ ایجوٹنٹ بٹالین بھی تھے (الفضل ۸ مارچ ۱۹۲۳ء صفحہ ۲

۱۷۹۔ رپورٹ سالانہ ۳۹-۱۹۳۸ء صفحہ ۳۴۸

۱۸۰۔ تعلیم الاسلام میگزین جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۱۰۔ (سالنامہ ۱۹۳۱ء) صوبیدار عبد المنان صاحب (حال افسر حفاظت خاص ربوہ) کا بیان ہے کہ ۱۹۲۵ء کے قریب اس کمپنی کا الحاق انبالہ چھاؤنی کی ۱۵ پنجاب رجمنٹ سے ہو گیا اور ۱۱۔۱۵ پنجاب رجمنٹ کا نمبر دیا گیا حضرت میاں صاحب جوانوں کی اعلیٰ ٹریننگ اور نشانہ بازی کے مقابلوں میں شرکت کے لئے میرٹھ چھاؤنی تشریف لے جاتے اور ہمیشہ اول آیا کرتے تھے اس طرح آپ کی حسن تربیت کا یہ نتیجہ تھا کہ احمدیہ ٹیریٹوریل کمپنی نے بٹالین اور بریگیڈ کی سالانہ کھیلوں کے مقابلہ میں کثرت سے انعام جیت کر انبالہ چھاؤنی میں ایک ریکارڈ قائم کر دیا تھا۔

۱۸۱۔ الفضل ۲۰ مارچ ۱۹۲۲ء صفحہ ۷

۱۸۲۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے فرمایا اور حضرت مولانا شیر علی صاحب اسے چھپوانے کے لئے خود بمبئی تشریف لے گئے (الفضل ۲۷ فروری ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۔۲) چوہدری محمد شریف صاحب مبلغ بلاد عربیہ نے ۱۹۴۳ء میں اس کا عربی ترجمہ بھی کبابیر (فلسطین) سے شائع کیا۔

۱۸۳۔ الفضل ۹ جنوری ۱۹۲۲ء صفحہ ۹

۱۸۴۔ ملاحظہ ہو تحفہ شہزادہ ویلز۔

۱۸۵۔ تحفہ شہزادہ ویلز۔ اردو صفحہ ۱۴۲۔ ۱۴۳ (طبع اول)

۱۸۶۔ ملاحظہ ہو تحفہ شہزادہ ویلز اردو انگریزی طبع دوم

۱۸۷۔ "ذوالفقار" ۲۴ اپریل ۱۹۲۲ء (بحوالہ الفضل ۸ مئی ۱۹۲۲ء صفحہ ۷)۔

۱۸۸۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۲۷

۱۸۹۔ بحوالہ الفضل ۸ مئی ۱۹۲۲ء صفحہ ۷۔۸

۱۹۰۔ بحوالہ رہنمائے تبلیغ صفحہ ۲۸۲ (از سید طفیل محمد شاہ صاحب مرحوم)

۱۹۱۔ الفضل ۸ جنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۵

۱۹۲۔ نجات صفحہ ۵ (لیکچر حضرت خلیفہ ثانی ۱۹۲۲ء)

۱۹۳۔ الفضل ۲۵ جنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۸

۱۹۴۔ الفضل ۲۷ فروری ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۔

۱۹۵۔ الفضل ۹ مارچ ۱۹۲۲ء صفحہ ۳۔ اس سفر میں حضور کا قیام چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب امیر جماعت لاہور کی کوٹھی پر تھا (الفضل

۲۷ فروری ۱۹۲۲ء صفحہ ۱) اور چوہدری صاحب ہی نے حضور اور حضور کے خدام کی مہمان نوازی کا انتظام کیا (الفضل ۶ مارچ ۱۹۲۲ء صفحہ ۲)

۱۹۶۔ الفضل ۲۷ فروری ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۵

۱۹۷۔ الفضل ۶ مارچ ۱۹۲۲ء صفحہ ۲

۱۹۸۔ الفضل ۱۶ مارچ ۱۹۲۲ء صفحہ ۱

۱۹۹۔ الفضل ۳۰ مارچ ۱۹۲۲ء و الفضل ۱۳ اپریل ۱۹۲۲ء صفحہ ۳

۲۰۰۔ الفضل ۱۳ اپریل ۱۹۲۲ء صفحہ ۵

۲۰۱۔ ۱۹۴۷ء تک مجلس مشاورت کا انعقاد اسی ہال میں ہوتا رہا۔ اس کے بعد ۱۹۴۸ء کی مجلس شوریٰ رتن باغ لاہور میں ہوئی ۱۹۴۹ء میں اس کا اجراء ربوہ میں ہوا۔ ربوہ کی یہ پہلی شوریٰ چند گھنٹوں کے لئے منعقد ہوئی اور اس میں صرف بجٹ پیش ہوا۔ ۵۱-۱۹۵۰ء کی شوریٰ جامعۃ المبشرین کی خام عمارت کے احاطہ میں ہوئی ۱۹۵۲ء سے اس کے اجلاس دفتر لجنہ اماء اللہ کے ہال میں ہونے لگے۔

۲۰۲۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۲ء صفحہ ۸-۱۳۔ ان بنیادی ہدایات کے علاوہ حضور نے نمائندوں کی راہنمائی کے لئے بکثرت اور ارشادات فرمائے جو مشاورت کی رپورٹوں میں محفوظ ہیں۔

۲۰۳۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۲ء صفحہ ۲۰۔

۲۰۴۔ ایضاً صفحہ ۴۷-۴۸

۲۰۵۔ ایضاً صفحہ ۵۳-۵۴

۲۰۶۔ ایضاً صفحہ ۵۹۔

۲۰۷۔ رپورٹ مشاورت ۱۹۲۲ء صفحہ ۶۰

۲۰۸۔ ایضاً صفحہ ۶۰

۲۰۹۔ ایضاً صفحہ ۶۲

۲۱۰۔ یاد رہے کہ ۱۹۵۴ء اور ۱۹۵۵ء میں حضور نے اپنی بیماری کے باعث مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ (امیر صوبائی) کو صدارت کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔ ۱۹۶۰ء کے وسطی اجلاس کی صدارت حضور کی ہدایت پر شیخ بشیر احمد صاحب (سابق جج ہائیکورٹ لاہور) نے کی۔ اسی طرح ۱۹۶۱ء ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۳ء میں حضور نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو مجلس شوریٰ کے لئے صدر نامزد فرمایا۔ اور ۱۹۶۴ء میں حضور کے حکم سے شیخ محمد احمد صاحب مظہر امیر جماعت احمدیہ لائلپور کی صدارت میں شوریٰ کا انعقاد ہوا۔ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۹ء تک کی رپورٹیں غیر مطبوعہ ہیں چھپی ہوئی رپورٹوں کے ضبط تحریر میں لانے کا کام جن اصحاب نے کیا ہے ان میں خواجہ غلام نبی صاحب بلانوی ایڈیٹر الفضل اور مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر فاضل انچارج شعبہ زود نویسی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۲۱۱۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۵۔

۲۱۲۔ یہاں شوریٰ کے متفرق کوائف درج کرنا ضروری ہے۔ (۱) ۱۹۲۶ء کی شوریٰ کے ساتھ ایک تبلیغی نمائش بھی منعقد ہوئی۔ (۲) ابتداء میں صدر انجمن کی نظارتوں کی رپورٹیں بھی مشاورت میں سنائی جاتی تھیں۔ مگر کارروائی کے لمبا ہو جانے کی وجہ سے ۱۹۳۰ء میں یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔ (۳) ۱۹۳۰ء میں عورتوں کی نمائندگی کے لئے حضور نے یہ فیصلہ فرمایا کہ لجنات اپنی آراء پرائیویٹ سیکرٹری کو بھجوا دیا کریں میں ان امور کا فیصلہ دیتے ہوئے ان کو بھی مد نظر رکھ لوں گا۔ (۴) ۱۹۴۱ء میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ شوریٰ میں لجنہ اماء اللہ کی طرف سے ایک نمائندہ شامل ہوا کرے چنانچہ آج تک اس پر عمل ہوتا ہے لجنہ کے سب سے پہلے نمائندے جو ۱۹۴۲ء میں مقرر ہوئے بابو عبدالحمید صاحب آڈیٹر تھے جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ہدایت پر ۱۹۴۷ء تک یہ خدمت بجالاتے رہے انکے بعد میاں غلام محمد صاحب اختر۔ مولوی غلام باری صاحب سیف اور مولوی محمد احمد صاحب جلیل کو بھی شوریٰ میں نمائندگی کا موقعہ ملا۔

۲۱۳۔ ملاحظہ ہو رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۲ء صفحہ ۴۵۔

۲۱۴۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۷۳-۳۷۴ (از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے)
۲۱۵۔ الفضل ۱۱ جنوری ۱۹۲۴ء صفحہ ۹
۲۱۶۔ گیانی صاحب موصوف جو ۱۹۲۸ء سے اس وقت تک سلسلہ کی تقریری و تحریری خدمات میں مصروف ہیں۔ ۱۹۲۶ء میں داخل احمدیت ہوئے تھے۔
۲۱۷۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء صفحہ ۲۰۱-۲۰۴۔
۲۱۸۔ "جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات" صفحہ ۵۲ (از حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ؓ)
۲۱۹۔ الفضل ۴ مئی ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۔
۲۲۰۔ الفضل ۴ ستمبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۲، ۲۸/ ۲۵ ستمبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۵۔
۲۲۱۔ الفضل ۱۶ نومبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۶-۸۔
۲۲۲۔ وکالت تبشیر تحریک جدید کی طرف سے تبلیغ ہدایت کا فرانسیسی زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے اور مناسب وقت میں شائع کر دیا جائے گا۔
۲۲۳۔ بعد کے ایڈیشنوں میں کئی مقامات پر آپ کے قلم سے اضافہ و ترمیم ہوئی۔
۲۲۴۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۷۔
۲۲۵۔ الفضل ۱۱ جنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۹۔ لجنہ کا نام حضور ہی کا تجویز فرمودہ ہے (الفضل ۸ فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۶)
۲۲۶۔ "الازہار لذوات الخمار" صفحہ ۶۸-۷۲ (مرتبہ حضرت سیدہ ام متین صاحبہ) سن اشاعت اپریل ۱۹۴۶ء۔
۲۲۷۔ الفضل ۱۱ جنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۹۔
۲۲۸۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۸۔
۲۲۹۔ الفضل ۸ فروری ۱۹۶۳ء صفحہ ۶۔
۲۳۰۔ الحکم ۲۱ مارچ ۱۹۶۵ء صفحہ ۳۔ ایضاً مصباح یکم جون ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۔ اس مدرسہ میں مولوی ارجمند خاں صاحب کو منطق پڑھانے اور ماسٹر محمد طفیل خان صاحب کو تاریخ و جغرافیہ پڑھانے اور ڈاکٹر شاہ نواز خان صاحب کو حفظان صحت پر لیکچر دینے کا موقعہ ملا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا بیان ہے کہ پردہ کے پیچھے کھڑے ہو کر ہم لیکچر دیا کرتے تھے مکان غالباً حضرت سارہ بیگم صاحبہؓ والا چوبارہ تھا۔ جو مسجد مبارک کی گلی کے اوپر چھت پر ہے۔ اس مدرسہ میں حضور کی بیگمات بھی طالبات کی حیثیت سے شامل ہوتی تھیں۔
۲۳۱۔ الفضل ۲۷ مئی ۱۹۴۷ء صفحہ ۶۔ مصباح ابتداءً حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کی ادارت میں نکلتا تھا۔ ان کے بعد مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر ایک عرصہ تک ایڈیٹر رہے۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۱ء تک امتہ اللہ خورشید صاحبہ (بنت مولانا ابو العطاء صاحب سابق مبلغ بلاد عربیہ) کی زیر ادارت نکلتا رہا۔ اور اب ان کی وفات کے بعد امتہ الرشید شوکت صاحبہ (اہلیہ جناب ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ) اس کی مدیرہ ہیں۔
۲۳۲۔ لائبریری کی تجویز ۱۹۲۴ء میں حضرت امتہ الحی صاحبہؓ کی وفات کے بعد ہوئی۔ ۱۹۲۵ء میں لجنہ اماء اللہ کی پُرجوش کارکن حضرت ام داؤد صاحبہؓ کی تحریک پر لائبریری کی مہتمم حضرت سیدہ ام طاہر صاحبہؓ تجویز ہوئیں۔ اور حضرت ام المومنینؓ نے کتابیں رکھنے کے لئے ایک الماری مستعار عنایت فرمائی۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو مرکزی لجنہ نے فیصلہ کیا کہ لائبریری کے جمع شدہ فنڈ سے کتابیں خریدی جائیں۔ ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد اس کی افتتاحی تقریب منعقد کی گئی۔ (ملاحظہ ہو حضرت ام طاہر صاحبہؓ کا مضمون مطبوعہ "مصباح" ۱۵ فروری ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۶-۱۷)
۲۳۳۔ رپورٹ کارگزاری لجنہ اماء اللہ مرکزیہ از یکم اکتوبر ۱۹۶۰ء تا ستمبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۱۱۔
۲۳۴۔ مصباح یکم اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ۲۔
۲۳۵۔ مصباح ۱۵۔ اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۳۔
۲۳۶۔ الفضل ۲۹۔ اپریل ۱۹۴۴ء صفحہ ۳۔
۲۳۷۔ مصباح مارچ ۱۹۴۶ء صفحہ ۱۷۔

۲۳۸۔ رپورٹ کارگزاری لجنات اماء اللہ یکم اکتوبر ۱۹۶۲ء تا ۳۰ ستمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۲-۲۵۔
۲۳۹۔ اخبار "تنظیم" امرتسر ۲۸۔دسمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۵-۶ بحوالہ "تاثرات قادیان" صفحہ ۲۷۳ (از ملک فضل حسین صاحب طبع اول)
۲۴۰۔ بحوالہ تاثرات قادیان صفحہ ۲۳۰-۲۳۱۔
۲۴۱۔ الفضل ۱۱۔جنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۷۔
۲۴۲۔ الفضل ۲۴۔اگست ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۔
۲۴۳۔ الفضل ۱۷، ۲۰ اپریل ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۔
۲۴۴۔ الفضل ۹ فروری ۱۹۲۲ء صفحہ ۲۔
۲۴۵۔ الفضل ۲۴۔اپریل ۱۹۲۲ء صفحہ ۸۔
۲۴۶۔ الفضل ۲۲۔مئی ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۔
۲۴۷۔ الفضل ۱۲۔جون ۱۹۲۲ء صفحہ ۴۔
۲۴۸۔ پیسہ اخبار بحوالہ الفضل ۱۰۔اگست ۱۹۲۲ء صفحہ ۴۔
۲۴۹۔ الفضل ۲۔نومبر ۱۹۲۲ء میاں صاحب کی برات (جس میں حضرت مولوی شیر علی صاحب، حضرت حافظ روشن علی صاحب وغیرہ اکابر سلسلہ بھی شامل تھے) ۲۰ نومبر ۱۹۲۲ء کلکتہ گئی تھی (الفضل ۲۰۔نومبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۱)
۲۵۰۔ الفضل ۱۲جون ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۔
۲۵۱۔ الفضل ۲۴ اپریل ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۔
۲۵۲۔ الفضل ۸ مئی ۱۹۲۲ء صفحہ ۲۔
۲۵۳۔ الفضل ۱۴ اگست ۱۹۲۲ء صفحہ ۲۔
۲۵۴۔ اسی سال ماسٹر محمد حسن صاحب آسان دہلوی کا دہلی میں ایک اہم مباحثہ مولوی عبدالحق صاحب ودیارتھی (مبلغ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام) سے ہوا۔ (الفضل ۲۔اکتوبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۸)
۲۵۵۔ الفضل ۲۵/۲۸ ستمبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۲ (یہ مباحثہ چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی کوٹھی میں ہوا) ایضاً الفضل ۹ اکتوبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۴۔
۲۵۶۔ الفضل ۳۰۔نومبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۰۔ ۴ دسمبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۷-۸۔

چوتھا باب (فصل اول)

تحریک شدھی کے خلاف محاذ جنگ ۔ مجاہدین احمدیت کے کارہائے نمایاں اور اسلام کی شاندار فتوحات

خلافت ثانیہ کا دسواں سال

(جنوری ۱۹۲۳ء تا دسمبر ۱۹۲۳ء بمطابق جمادی الاول ۱۳۴۱ء تا جمادی الآخر ۱۳۴۲ء)

شدھی تحریک کا پس منظر

ہندوستان[۱] میں اسلامی حکومت کی بنیاد تو فاتح سندھ محمد بن قاسم کے ہاتھوں ۷۱۲ء میں رکھی گئی۔ مگر اسلام کا پیغام اس برصغیر میں عرب تاجر اور سیاح برسوں پہلے پہنچا چکے تھے اور اس کی وسیع تبلیغ و اشاعت اکابر اولیاء و صوفیاء و صلحائے امت نے کی۔ ان بزرگوں کی اخلاقی قوت' ان کے خوارق و کرامات اور ان کے زبردست روحانی اثرات کی وجہ سے ہندوستان کی کئی بت پرست قومیں راجپوت' جاٹ' میواتی وغیرہ اس کثرت سے اسلام میں داخل ہوئیں کہ ہر طرف مسلمان ہی مسلمان نظر آنے لگے۔

مگر جیسا عظیم الشان یہ داخلہ تھا ویسے وسیع پیمانے پر اس کی نگہداشت اور تعلیم و تربیت کا انتظام نہ ہو سکا۔ اور بعض ہندو قومیں اسلامی تعلیم و تربیت سے بالکل ہی محروم رہیں۔ چونکہ وہ اسلام کو سچا سمجھ کر مسلمان ہوئی تھیں اس لئے اپنے آپ کو سمجھتی اور کہتی تو مسلمان ہی رہیں اور ہندو بھی انہیں مسلمان ہی خیال کرتے رہے لیکن اپنے آپ کو مسلمان سمجھنے اور مسلمان کہلانے کے سوا ان کا رہنا سہنا' کھانا پینا' بول چال' پہناوا' برتاؤ اور رسم و رواج سب ہندوانہ تھے۔

یہاں تک کہ نام بھی ہندوانہ کام بھی ہندوانہ اور ماحول بھی ہندوانہ۔ ان کے ہاں شادی کے موقعہ پر قاضی جی بھی بلائے جاتے تھے اور پنڈت جی بھی یہی حالت غمی کے موقع پر تھی۔ ان قوموں کے مردے دفن بھی کئے جاتے تھے اور جلائے بھی جاتے تھے۔

ان کے کئی دور اسی حالت میں گزر چکے تھے۔ وہ تو ناواقفی کی وجہ سے اپنی اس غیر اسلامی حالت کو اسلامی حالت سمجھ کر مطمئن تھیں۔ اور مسلمان اپنی غفلت و بے پروائی کے باعث۔ اور ان قوموں کا

مدتہائے مدید سے اس حالت پر قائم و برقرار رہنا بھی صرف اس لئے ہو سکا کہ یہ جہاں کہیں بھی تھیں سناتنی ہندوؤں میں گھری ہوئی تھیں۔ اور سناتنی ہندو کسی غیر مذہب کو اپنے مذہب میں داخل و شامل کرنا خود مذہبی احکام کی رو سے جائز نہیں سمجھتے۔ اور اس کے سخت مخالف تھے۔ اس لئے انہوں نے سودی کاروبار کے ذریعہ سے ان قوموں کا خون تو جہاں تک چوس ملا خوب چوسا۔ لیکن مذہبی لحاظ سے ان کے معاملات میں نہ کوئی مداخلت کر سکتے تھے اور نہ انہوں نے کوئی مداخلت کی۔ ہاں جب انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں پنڈت دیانند سرسوتی کی کوشش سے سناتنی ہندوؤں کے خلاف ایک نیا فرقہ آریہ ظہور میں آیا تو وہ غیر مذاہب والوں کو اپنے مذہب میں شامل کر لینے کا قائل اور اس کے لئے بڑا جوش و خروش رکھنے والا تھا۔ چنانچہ اس نے قوت پاتے ہی شدھی یعنی غیر مذاہب کے لوگوں کو اپنے مذہب میں شامل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

ایسے نئے، تازہ دم اور جوشیلے فرقہ کی متجسس نظروں سے صدیوں پرانی ملکانہ راجپوت کہلانے والی قومیں کہاں مخفی رہ سکتی تھیں۔ جو یو۔ پی کے متعدد شہروں اور ان کے نواحی علاقوں میں کثرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ اس فرقہ نے کام تو ملکانے راجپوتوں میں بھی شروع کر دیا تھا۔ مگر بہت احتیاط بڑی ہوشیاری اور نہایت آہستہ روی سے وہ ان قوموں کو قابو میں لانے کے لئے سالہا سال تک دو حربے ان پر چلاتا رہا۔ پہلا یہ کہ مسلمان بادشاہوں نے اب سے صدیوں پہلے تمہارے دادوں پر دادوں کو زبردستی ہندو دھرم سے الگ کر کے مسلمان بنالیا تھا۔ لیکن اب تو کوئی زبردستی کرنے والا نہیں ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ لوگ جن کے بزرگوں سے جبراً ان کا دھرم چھڑوایا گیا تھا وہ اپنے بزرگوں کے دھرم میں نہ آجائیں؟ دوسرا حربہ مذہب اسلام کو بری سے بری اور بھیانک شکل میں دکھانا اور اس پر زیادہ سے زیادہ نفرت دلانے والے گھناؤنے الزام لگانا تھا۔

یہ خطرناک حربے جن قوموں پر چلائے جا رہے تھے اسلامی تعلیم و تربیت تو ان کے ان بزرگوں کو بھی حاصل نہیں ہو سکی تھی۔ جو اب سے پہلے کسی زمانے میں مسلمان ہوئے تھے۔ انہیں صرف اسلام قبول کرنے اپنے آپ کو مسلمان سمجھنے اور مسلمان سمجھے جانے کا احساس تھا اور یہ ان کا سچا اور گہرا احساس ہی تھا جس نے باوجود اسلامی تعلیم حاصل نہ ہو سکنے کے انہیں بھی آخر دم تک اپنے حال پر قائم رکھا اور اسی کے اثر سے ان کی کئی نسلیں بھی اپنے حال پر قائم و برقرار رہتی ہوئی گزر گئیں۔ لیکن مرور زمانہ کے ساتھ یہ احساس بھی کم ہوتے ہوتے بہت کم رہ گیا اور انیسویں صدی کے آخر میں جب بالکل مٹ گیا یا مٹنے کے قریب ہو گیا۔ تو اب کون سی چیز ملکانہ راجپوتوں کو ان کے گزرے ہوئے بزرگوں کی طرح اپنے حال پر قائم رکھ سکتی تھی؟

مسلمانوں نے نہ تو کبھی پہلے ان کی طرف توجہ کی تھی۔ اور نہ وہ اب اس کی ضرورت سمجھتے تھے آریوں نے میدان بالکل خالی پایا۔ اور اسلام کے خلاف برسوں زہریلا اثر ان میں پھیلایا۔ اور جب تمام علاقوں کی اچھی طرح دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کر کے اطمینان کر لیا۔ کہ ان کے دونوں حربے کارگر ثابت ہوئے ہیں اور تمام مختلف علاقوں کے چھوٹے بڑے سارے میدان ہموار و صاف ہو چکے ہیں تو انہوں نے اپنے کام کو اعلیٰ سے اعلیٰ پیمانے پر پہنچانے کا پورا پورا عزم کر لیا اور صوبہ یو۔ پی کے اضلاع ہردوئی۔ شاہ جہان پور' فرخ آباد' بدایوں' متھرا' ایٹہ' اٹاوہ' آگرہ' مین پوری' علی گڑھ اور ریاست ہائے جیسور اور بھرت پور اور ترواد غیرہ سب ان کے عزم بالجزم کی زد میں آگئے۔ اور شدھی کا سلسلہ بڑے جوش و خروش اور دھوم دھام سے جاری ہو گیا۔

مسلمان علماء کا افسوسناک طریق عمل

ان اضلاع اور ان کے ماحول میں بسنے والے علماء اور مسلمانوں کے مشہور ادارہ ندوۃ العلماء نے شدھی کی اس تحریک شدید کے مقابلہ و تدارک اور انسداد کی کوشش سے متعلق جس مجرمانہ غفلت اور بے حسی کا مظاہرہ کیا۔ اس کی تفصیل علامہ شبلی کے شاگرد رشید و سیرت نگار مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے مندرجہ ذیل بیان سے بخوبی معلوم ہو سکتی ہے۔ آپ اپنی کتاب "حیات شبلی" میں رقم طراز ہیں۔

"۱۹۰۸ء میں یک بہ یک یہ راز طشت از بام ہوا......... ندوۃ العلماء نے اگرچہ ابتداء ہی سے اشاعت اسلام کو اپنے مقاصد میں داخل کیا تھا...... تاہم اب تک اس نے عملی طور پر اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی تھی۔ لیکن اب وہ حالت پیش آگئی کہ خاموش رہنا مشکل تھا....... ندوہ کی مجلس اشاعت اسلام کے معتمد جناب مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی تھے۔ اور مولانا (شبلی) کے خیال میں وہ کام نہیں کر رہے تھے۔ اس لئے مولانا دو برس تک عجیب کشمکش و پیچ میں رہے........ اس زمانے میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا۔ جس سے......... وہ ساری مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر اس آگ میں کود پڑے۔ انہیں اطلاع ملی کہ شاہ جہانپور کے قریب ایک مسلمان زمیندار راجپوت مرتد ہوا چاہتا ہے یہ سنتا تھا کہ وہ بے قرار ہو گئے مولانا (شبلی) نے اس واقعہ کا ذکر........ خود کیا ہے....... فرماتے ہیں دو سال ہوئے کہ شاہ جہانپور سے ایک خط میرے نام سفید خاں سوداگر کا آیا کہ شاہ جہانپور سے آٹھ کوس پر ایک گاؤں جمال پور ہے وہاں کے رئیس راجپوت جو مسلمان ہیں وہ ہندو ہونا چاہتے ہیں آریہ وہاں پہنچ گئے ہیں۔ ان کو ہندو کرنا چاہتے ہیں آپ جلد آئیے اور مدد کیجئے۔ انہوں نے اس کے ساتھ ہی دہلی کی انجمن ہدایت الاسلام کے مولانا عبدالحق حقانی کو لکھا وہ وہاں سے تشریف لائے تھے اور میں ندوہ سے گیا۔ جس

وقت میں یہاں سے چلا ہوں میری جو حالت تھی یہ طلبہ ندوہ کے جو یہاں بیٹھے ہیں وہ اس کے شاہد ہوں گے کہ میں نے اس وقت کوئی گالی نہیں اٹھا رکھی تھی جو میں نے ان ندوہ والوں کو نہ سنائی ہو گی کہ اے بے حیاؤ! اور اے کم بختو! ڈوب مرو یہ واقعات پیش آئے ہیں۔ ندوہ کو آگ لگا دو اور علی گڑھ کو بھی پھونک دو یہی الفاظ میں نے اس وقت کہے تھے اور آج بھی کہتا ہوں۔ اس وقت نہایت افسوس میں میں یہاں سے گیا تھا۔ وہاں جا کر میں نے پوچھا کہ کیا واقعہ ہے لوگوں نے یہ بیان کیا کہ آریہ اس گاؤں میں آئے ہوئے ہیں اور وہ گاؤں کے نو مسلم راجپوتوں کو ہندو بنانا چاہتے ہیں۔ مسلمان علماء کو بلوایا گیا ہے .... ایک کوس پر خیمہ کھڑا کیا گیا ہے تین سو روپے کھانے میں صرف ہوئے ہیں۔ چندہ وغیرہ کیا گیا ہے۔ وہ نو مسلم بیچارے یہ کہتے تھے کہ مناظرہ جانتے نہیں۔ پڑھے لکھے نہیں۔ آپ ہمارے اس گاؤں میں آئیے اور یہاں آکر ہم کو سمجھائیے جو باتیں ہمارے دل میں ہوں گی ہم آپ سے کہیں گے۔ آپ ان کا جواب دیجئے .... اس پر ایک شخص بھی راضی نہ ہوا کہ گاؤں میں جائے۔ اس بات کا کوئی ڈر نہیں تھا کہ وہ لوگ خدانخواستہ فوجداری کریں گے یا ماریں گے کیونکہ پولیس اور تحصیلدار وہاں موجود تھے کہ امن و امان قائم رہے۔ میں نے بالآخر یہ کہا کہ بھائیو! مجھے تو پالکی میں ڈال کر وہاں لے چلو میں چلتا ہوں لیکن کوئی شخص نہیں لے گیا۔ غرض تین دن تک میں وہاں پڑا رہا۔ بالآخر ان لوگوں نے یہ اعلان کر دیا کہ ہم ہندو ہیں [۲]۔

اس افسوس ناک واقعہ کے دو سال بعد علامہ شبلی نے "شدھی کے مقابلہ" اور اشاعت اسلام کی تجویز کے لئے ۶۔۷۔۸ / اپریل ۱۹۱۲ء کا اجلاس لکھنؤ میں منعقد کیا۔ اس اجلاس میں علامہ شبلی کی دعوت پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود ایدہ اللہ تعالیٰ اور خواجہ کمال الدین صاحب نے بھی شرکت فرمائی۔ مگر علمائے کرام نے انسداد شدھی کے بارے میں کوئی عملی کارروائی کرنے اور تدابیر سوچنے کی بجائے اپنا سارا زور اس مخالفت میں لگا دیا کہ قادیانی کیوں بلوائے گئے ہیں [۲]؟ چنانچہ جناب سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔ "مولانا یہ چاہتے تھے کہ اشاعت کے کام تمام فرقے مل کر کریں۔ اس لئے مرزا بشیر الدین محمود احمد (صاحب) جو اب خلیفہ قادیان ہیں اور خواجہ کمال الدین صاحب تک کی شرکت سے انکار نہیں کیا گیا اس پر اسی جلسہ کے دوران میں مولانا پر یہ الزام رکھا گیا کہ انہوں نے قادیانیوں کو جلسہ میں کیوں شریک کیا؟ اور ان کو تقریر کی اجازت کیوں دی۔ مگر مولانا شروانی کی ثالثی سے یہ بلا ٹل گئی" [۲]۔

جناب سید سلیمان صاحب ندوی کی تحریر کے مطابق علامہ شبلی کے مدنظر "اشاعت و حفاظت اسلام" کی ایک اہم تجویز تھی۔ جس پر وہ اجلاس لکھنؤ کے بعد کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن عملاً اگر کچھ ہوا تو صرف یہی کہ چند ماہ بعد وہ ندوہ سے مستعفی ہو گئے۔ چنانچہ سید سلیمان صاحب خود لکھتے

ہیں کہ اس تجویز پر عمل کا وقت آیا ہی تھا کہ مولانا بیمار اور پراگندہ خاطر ہو کر مولوی عبدالسلام صاحب اور سیرت کو لے کر بمبئی روانہ ہو گئے اور دو چار ماہ کے غور و فکر کے بعد جولائی ۱۹۱۲ء کو ندوہ سے مستعفی ہو کر سبکدوش ہو گئے اور کام کی ساری تجویزیں درہم برہم ہو کر رہ گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون"[۵]۔

مختصر یہ کہ علامہ شبلی اور ان کے ساتھی برسوں سے ارتداد کے مقابلہ کی جو تجویز کر رہے تھے وہ محض خواب و خیال بن چکی تھی اور ان کے علاوہ دوسرے علماء کو اپنے فرضی مشاغل سے فرصت نہ تھی نتیجہ یہ ہوا کہ شدھی کی آگ ۱۹۲۳ء کے آغاز میں پوری شدت سے بھڑک اٹھی اور علی گڑھ سے آگرہ تک اور فرخ آباد سے ریاست الور تک کے علاقے اس کی زد میں آ گئے۔

چوہدری افضل حق صاحب (مفکر احرار) نے علماء کی غفلت و بے حسی پر اظہار تاسف کرتے ہوئے لکھا۔

"آج سے پہلے اسلام کو تبلیغی جماعت سمجھا جاتا تھا۔ مسلمان علماء اپنی خدمات کو جابجا ہر جگہ بیان کرتے تھے حالانکہ ان کی تمام کوششیں مسلمانوں کو کافر بنانے میں صرف ہوتی رہیں......... جہاں اسلام کے سب سے بڑے دعویدار موجود تھے۔ ان ہی کے دروازوں پر مسلمان مرتد ہو رہے ہیں اور ان کے بنائے کچھ نہیں بنتی۔ جن کے ہندوستان بھر میں کفر کے فتوے کام کرتے تھے ان کا اپنا عمل قریب کے مسلمانوں پر کچھ اثر نہ ڈال سکا تین چار سو برس سے ایک قوم اسلام کے دروازے کے اندر داخل ہوئی مسلمانوں کو متوجہ نہ پا کر آج پھر واپس چلی گئی ایک مسخرہ نے سچ کہا کہ "علماء کا کام ہی مسلمانوں کو کافر بنانا ہے"۔ سو انہوں نے ملکانہ راجپوتوں میں اپنی کامیاب تبلیغ کر دی ہے حضرات فرنگی محل' حضرات دیوبند' حضرات دہلوی کی صد سالہ اسلامی تبلیغ کا نتیجہ دیکھو کہ ان ہی اضلاع کے گرد و نواح میں ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں۔ ہمارے علماء کے لئے اس میں عبرت ہے ان کے لئے ندامت سے گردن جھکا لینے کا وقت ہے اس فتنہ و ارتداد کی تاریخ اغیار کے لئے دلچسپ اور مسلمانوں کے لئے باعث شرم ہے۔"[۶]

شردھانند کی طرف سے ہندوؤں کو میدان عمل میں آنے کی کھلم کھلا دعوت

مسلمانان ہند خدا جانے کب تک خواب غفلت میں پڑے رہتے کہ وسط مارچ ۱۹۲۳ء میں مشہور آریہ سماجی لیڈر شردھانند نے جو اس تحریک کے پُرجوش علمبردار تھے اور سب سے بڑے لیڈر تھے (اور جنہیں اس سے پہلے مسلمان علماء نے "ہندو مسلم اتحاد" کے خیال سے نہ صرف "خلافت کانفرنس" کے نائب صدر ہونے کا موقعہ دیا تھا[۷] بلکہ

جامع مسجد دہلی کے منبر پر بٹھا کر تقریر کرائی تھی [۸]) ہندوؤں سے چندہ کی اپیل کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ نواح آگرہ میں راجپوتوں کو تیز رفتاری سے شدھ کیا جا رہا ہے اور اب تک قریباً چار ہزار تین سو راجپوت ملکانے گوجر اور جاٹ ہندو ہو چکے ہیں۔ نیز کہا "ایسے لوگ ہندوستان کے ہر حصے میں ملتے ہیں۔ یہ پچاس ساٹھ لاکھ سے کم نہیں اور اگر ہندو سماج ان کو اپنے اندر جذب کرنے کا کام جاری رکھے تو مجھے تعجب نہ ہو گا کہ ان کی تعداد ایک کروڑ تک ثابت ہو جائے" [۹]۔

مہاراجہ کشمیر کی پشت پناہی

شردھانند کے اس اعلان کے ساتھ آریہ اخبار کیسری (۱۲/ مارچ ۱۹۲۳ء) میں یہ خبر چھپی کہ مہاراجہ جموں و کشمیر نے ساڑھے چار لاکھ ملکانہ راجپوتوں کو دوبارہ ہندو بنانے کے مسئلہ پر کامل غور و خوض کے بعد پنجاب کے سناتن دھرمی پنڈتوں کو دعوت دی ہے کہ وہ اس مسئلہ پر کشمیری پنڈتوں سے گفت و شنید کریں" [۱۰]۔

مسلمانان ہند کے لئے نازک ترین دور

ان خبروں کا منظر عام پر آنا ہی تھا کہ ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک مسلمانوں میں غم و افسوس کی لہر دوڑ گئی اور ان کے دل پاش پاش ہو گئے اور حواس پراگندہ اور انہیں یقین ہو گیا۔ کہ ہندو قوم شدھی کے بل بوتے پر ان کا نام مٹا دینے پر تلی ہوئی ہے۔ اور ہندوستان میں ان کی قومی زندگی اور قومی ہستی یقینی طور پر خطرہ میں ہے۔

شدھی کے پیچھے ہندو راج کے منصوبے

اس خطرناک حملہ کی شدت کا اندازہ لگانے کے لئے آریہ کے وہ بیانات بھی کافی رہنمائی کرتے ہیں۔ جو بعد کو ان کی زبانوں سے خود بخود جاری ہو گئے اور جن میں انہوں نے کھلا اعتراف کیا کہ شدھی کی تحریک صرف ملکانہ کے مسلم راجپوتوں کو اپنے اندر جذب کرنے کے لئے نہیں بلکہ ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو ہندو دھرم کی چوکھٹ پر لا ڈالنے کے لئے اٹھائی گئی ہے۔ چنانچہ ایک آریہ سماجی راجکمار اینتھی نے دہلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا "بلا شدھی ہندو مسلم ایکتا (اتحاد) نہیں ہو سکتی۔ جس وقت سب مسلمان شدھ ہو کر ہندو ہو جائیں گے تو سب ہندو ہی ہندو نظر آئیں گے پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو آزادی سے نہیں روک سکتی" [۱۱]

سوامی دچارانند نے گوروکل کانگڑی کی سلور جوبلی کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔ "سب دھرموں سے ہمارا دھرم پرانا ہے تو ہمارے دھرم کے سامنے کسی کو ادھیکار (حق) نہیں کہ وہ شدھ کرے۔ سوراج کے لئے ہندو مسلم ایکتا (اتحاد) ضروری ہے لیکن ہم سچی ایکتا شدھی میں مانتے ہیں .... جب تک بھارت ورش کے مسلمان اور عیسائی شدھ نہیں ہو جائیں گے اس وقت تک تم کو

سوراج نہیں مل سکتا" ۱۲۔ اسی موقعہ پر پنڈت لوک ناتھ جی نے کہا......... "اگر اس چھری کو جو گئو کی گردن پر چل رہی ہے۔ بند کرنا چاہتے ہو تو اس کا علاج شدھی ہے......... نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اگر آپ ہمیشہ کے لئے کانٹے دار درخت کو مٹانا چاہتے ہیں تو اس کی جڑ نکال دو" ۱۳۔

اسی طرح ایک ہندو شاعر نے اپنے قومی نصب العین کو ان لفظوں میں دہرایا ؎

کام شدھی کا کبھی بند نہ ہونے پائے بھاگ سے وقت یہ قوموں کو ملا کرتے ہیں
ہندوؤ! تم میں ہے گر جذبہ ایماں باقی رہ نہ جائے کوئی دنیا میں مسلماں باقی ۱۴

مسلمان پریس کا شور و فغاں

الختصر شدھی کی خوفناک تحریک نے مسلمانان ہند کو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا کر دیا۔ اور اسی لئے مسلمان پریس کو سوامی شردھانند اور ان کے ساتھیوں کے عزائم کو دیکھ کر بالاتفاق لکھنا پڑا کہ ملک کے تمام مسلمان فرقے اگر اس نازک موقعہ پر متحد ہو کر اس کے انسداد کی فوری جدوجہد نہ کریں گے تو ان کا تباہ ہونا قطعی اور یقینی ہے ۱۵۔ خصوصاً اخبار "وکیل" امرتسر کے ایڈیٹر مولوی عبداللہ منہاس صاحب نے ۸/ مارچ ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں "علمائے اسلام کہاں ہیں؟" کے عنوان سے ایک پُرزور مضمون لکھا۔ جس میں حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ وہ اس نازک موقعہ پر کیوں خاموش ہیں ۱۶۔

حضرت خلیفہ ثانی کی طرف سے شدھی کے خلاف جہاد کا اعلان

مسلم پریس نے شدھی کے خلاف آواز تو مارچ ۱۹۲۳ء میں بلند کی مگر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۹۲۳ء کے آغاز میں ہی اس فتنہ کی طرف توجہ فرمائی اور یہ معلوم ہوتے ہی کہ ایک قوم کی قوم ارتداد کے لئے تیار ہے۔ فوراً دفتر کو ہدایت فرمائی کہ پوری تحقیق کریں۔ چنانچہ آپ کی ہدایت کے مطابق پہلے مختلف ذرائع سے اس خبر کی تصدیق کی گئی۔ ضروری حالات معلوم کرنے کے بعد دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ فروری ۱۹۲۳ء میں صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔ اے اور ایک اور احمدی کو علاقہ ملکانہ میں ابتدائی سروے اور فراہمی معلومات کے لئے بھجوا دیا۔ صوفی عبدالقدیر صاحب نے واپس آکر مفصل بتایا کہ حالت بہت مخدوش ہے اور فوری تدارک کی ضرورت ہے ۱۷۔

اس رپورٹ پر حضور نے شدھی کا وسیع پیمانہ پر مقابلہ کرنے کے لئے ایک زبردست سکیم تیار کی اور جیسا کہ شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ کا بیان ہے اس اولوالعزم امام نے یہاں تک تہیہ کر لیا کہ میری کل جماعت کی جائداد تخمیناً دو کروڑ روپیہ کی ہوگی اگر ضرورت پڑی تو یہ سب املاک و اموال

خدا کی راہ میں وقف کرنے سے میں اور میری جماعت دریغ نہ کریں گے [۱۸]۔

چنانچہ حضور نے ۷/ مارچ ۱۹۲۳ء کو اعلان فرمایا کہ جماعت احمدیہ فتنہ ارتداد کے خلاف جہاد کا علم بلند کرنے کی غرض سے ہر قربانی کے لئے تیار ہو جائے [۱۹]۔ اس کے بعد ۹/ مارچ ۱۹۲۳ء کو خطبہ جمعہ میں تحریک فرمائی کہ فتنہ ارتداد کے مٹانے کے لئے فی الحال ڈیڑھ سو احمدی سرفروشوں کی ضرورت ہے۔ جو اپنے اور اپنے لواحقین کی معاش کا فکر کر کے میدان عمل میں آجائیں چنانچہ آپ نے فتنہ ارتداد کی وسعت بیان کرتے اور جماعت کو اپنی سکیم کے ایک حصہ سے آگاہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"ہمیں اس وقت ڈیڑھ سو آدمیوں کی ضرورت ہے جو اس علاقہ میں کام کریں اور کام کرنے کا یہ طریق ہو کہ اس ڈیڑھ سو کو تیس تیس کی جماعتوں پر تقسیم کر دیا جائے اور اس کے چار حصہ بیس بیس کے بنائے جائیں۔ اور تیس آدمیوں کو ریزرو رکھا جائے۔ کہ ممکن ہے کوئی حادثہ ہو......... اس ڈیڑھ سو میں سے ہر ایک کو......... فی الحال تین مہینہ کے لئے زندگی وقف کرنی ہوگی....... ہم ان کو ایک پیسہ بھی خرچ کے لئے نہ دیں گے۔ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا خرچ انہیں خود برداشت کرنا ہوگا..... سوائے ان لوگوں کے جن کو ہم خود انتظام کرنے کے لئے بھیجیں گے۔ ان کو بھی جو ہم کرایہ دیں گے وہ تیسرے درجہ کا ہوگا۔ چاہے وہ کسی درجہ اور کسی حالت کے ہوں اور اخراجات بہت کم دیں گے۔ ان لوگوں کے علاوہ زندگی وقف کرنے والے خود اپنا خرچ آپ کریں گے۔ اپنے اہل و عیال کا خرچ خود برداشت کریں گے۔ البتہ ڈاک کا خرچ یا وہاں تبلیغ کا خرچ اگر کوئی ہو گا۔ تو ہم دیں گے.......... اس کے لئے جماعت کو پچاس ہزار روپیہ دینا ہو گا۔ ایسے کاموں کے لئے جو تبلیغ وغیرہ کے ہوں گے۔ باقی مبلغین اسی رنگ میں جائیں گے وہاں اپنے اخراجات خود اٹھائیں گے......... جو لوگ ملازمتوں پر ہیں وہ اپنی رخصتوں کا خود انتظام کریں اور جو ملازم نہیں اپنے کاروبار کرتے ہیں....... وہاں سے فراغت حاصل کریں اور ہمیں درخواست میں بتائیں کہ وہ چار سہ ماہیوں میں سے کس سہ ماہی میں کام کرنے کے لئے تیار ہیں....... اسی انتظام کے ماتحت ہم سخت انتظام کریں گے اور جو ہیڈ بنائے جائیں گے ان کی پوری اطاعت کرنی ہوگی۔ ممکن ہے کہ بعض اوقات افسر سختی بھی کر بیٹھیں اور مار بھی بیٹھیں لیکن جو ماتحت ہو کے جائیں گے ان کا فرض ہو گا کہ وہ اپنے تمام ارادوں کو چھوڑ کر جائیں۔ اور تمام سختیوں کے مقابلے میں کام کریں اور افسر نے اگر ناواجب تکلیف دی ہوگی تو کام کے ختم ہونے کے بعد رپورٹ کر سکتے ہیں مگر اس وقت کام کرنا ہو گا۔ ماتحتوں کو بہر حال افسروں کی اطاعت کرنی اور ان کا حکم ماننا ہو گا۔ اگر وہ زیادتی کریں گے تو خدا تعالیٰ ان کو سزا دے گا صبر کا اجر ملے گا اور بعد میں رپورٹ کر سکتے ہیں.......... اس سکیم کے ماتحت کام کرنے والوں کو ہر ایک اپنا کام آپ کرنا ہو گا۔ اگر کھانا آپ

پکانا پڑے گا تو پکائیں گے اگر جنگل میں سونا پڑے گا تو سوئیں گے جو اس محنت اور مشقت کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں وہ آئیں۔ ان کو اپنی عزت اپنے خیالات قربان کرنے پڑیں گے ایسے لوگوں کی محنت باطل نہیں جائے گی۔ ننگے پیروں چلیں گے۔ جنگلوں میں سوئیں گے۔ خدا ان کی اس محنت کو جو اخلاص سے کی جائے گی ضائع نہیں کرے گا۔ اس طرح جنگلوں میں ننگے پیروں پھرنے سے ان کے پاؤں میں جو سختی پیدا ہو جائے گی وہ حشر کے دن جب پل صراط سے گزرنا ہو گا ان کے کام آئے گی مرنے کے بعد ان کو جو مقام ملے گا وہ راحت و آرام کا مقام ہو گا۔ اور یہ وہ مقام ہو گا جہاں رہنے والے نہ بھوکے رہیں گے نہ پیاسے یہ چند دن کی بھوک اور چند دن کی پیاس اس انعام کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے" [۲۰]۔

مسلمانان ہند کو متحدہ کام کرنے کی دعوت

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے ایک طرف جماعت کو میدان جہاد میں آنے کی ہدایت دی تو دوسری طرف مسلمانان ہند کو متحدہ کام کرنے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا۔

"جب تک ایک لمبی اور باقاعدہ جنگ نہ کی جائے گی (سعی اور تبلیغ کی نہ تلوار کی) اس وقت تک ان علاقوں میں کامیابی کی امید رکھنا فضول ہے۔ اس کام پر روپیہ بھی کثرت سے خرچ ہو گا......... ہندو اپنی پرانی کوششوں کے باوجود دس لاکھ روپیہ کا مطالبہ کر رہے ہیں مسلمانوں کو نیا کام کرنا ہے ان کے لئے بیس لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے اس اعلان کے ساتھ ہی حضور نے اپنی طرف سے پیشکش فرمائی کہ اگر دوسرے لوگ بقیہ رقم مہیا کر لیں تو ہم پچاس ہزار روپیہ یعنی کل رقم کا چالیسواں حصہ اس کام کے لئے جمع کریں گے .... علاوہ ازیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق کے ماتحت ہماری جماعت تیس آدمی تبلیغ کا کام کرنے کے لئے دے گی۔ جن کے اخراجات وہ موعودہ رقم میں سے خود برداشت کرے گی۔ اور اگر اس سے زیادہ خرچ ہو گا تو بھی وہ خود اپنے مبلغوں کا کل خرچ ادا کرے گی اور میں یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ اگر زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہوئی۔ تو ہماری جماعت انشاء اللہ سینکڑوں تک ایسے آدمی مہیا کر دے گی۔ جو تبلیغ کا عمر بھر کا تجربہ رکھتے ہوں گے"۔

حضور نے یہ دعوت دیتے ہوئے دوسری مسلمان کہلانے والی تمام جماعتوں (اہلحدیث۔ حنفی۔ شیعہ وغیرہ) کے سربر آوردہ اصحاب کو توجہ دلائی کہ وہ اس موقعہ کی نزاکت کو سمجھیں اور اسی نسبت سے اپنے لوگوں کی طرف سے مطلوبہ رقم کا فوراً اعلان کر کے ایک مقام پر جمع ہوں تا کام کی تفصیل اور انتظام پر غور کر لیا جائے اب چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنا وقت ضائع کرنے کا وقت نہیں کام کا وقت ہے۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی اس دعوت اور فراخ دلانہ پیشکش پر اخبار "ہمدم" نے لکھا۔

"جماعت احمدیہ کے جوش و ایثار کو دیکھتے ہوئے ان کی طرف سے پچاس ہزار بلکہ اس سے زیادہ روپیہ اس غرض یعنی انسداد ارتداد کے لئے فراہم ہو سکنے کا قریب قریب یقین و اعتماد ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ دیگر مسلمانوں سے ساڑھے انیس لاکھ تو کجا ایک لاکھ روپیہ بھی حالات موجودہ میں چند ہفتہ کے اندر جمع ہو جانے کی قوی تو کیا معمولی امید بھی ان طریقوں سے نہیں باندھ سکتے"۔ ("ہمدم" ۱۸/ مارچ ۱۹۲۳ء بحوالہ "جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات" صفحہ ۴۳)

اسی طرح اخبار "مشرق" نے لکھا۔

"جماعت احمدیہ نے خصوصیت کے ساتھ آریہ خیالات پر بہت بڑی ضرب لگائی ہے اور جماعت احمدیہ جس ایثار اور درد سے تبلیغ و اشاعت اسلام کی کوشش کرتی ہے وہ اس زمانہ میں دوسری جماعتوں میں نظر نہیں آتی"۔ ("مشرق" ۱۵/ مارچ ۱۹۲۳ء بحوالہ "جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات" صفحہ ۴۳)

احمدیہ جماعت کی طرف سے والہانہ رنگ میں لبیک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۷ اور ۹/ مارچ ۱۹۲۳ء کو جماعت سے جس عظیم الشان جانی و مالی قربانی کا مطالبہ فرمایا اس پر جماعت نے انتہائی والہانہ رنگ میں لبیک کہا اور ڈیڑھ ہزار احمدیوں نے اپنی آنریری خدمات حضور کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اس قربانی کے لئے آگے آنے والے ملازم' رؤسا' وکلاء' تاجر' زمیندار' صناع' پیشہ ور' مزدور' استاد' طالبعلم' انگریزی خواں' عربی داں' بوڑھے اور جوان غرض کہ ہر طبقہ کے لوگ تھے۔ حتیٰ کہ مستورات اور بچوں تک نے اس جہاد کے لئے اپنا نام پیش کیا۔

چنانچہ لجنہ اماء اللہ نے حضور کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ ہمیں راہ نمائی فرمائی جائے کہ ہم اس تبلیغی جہاد میں کیا خدمت سرانجام دے سکتی ہیں؟ خواتین نے ملکانہ عورتوں میں تبلیغ کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ اس موقعہ پر احمدی بچوں میں بھی اشاعت اسلام کا جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ مرزا منور احمد صاحب جو اس وقت ۵ سال کے تھے ملکانہ علاقوں میں جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے فرزند محمد احمد صاحب نے جن کی عمر اس وقت بارہ سال ہو گی اپنی والدہ ماجدہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کو لکھا کہ تبلیغ اسلام کرنا بڑوں کا ہی نہیں ہمارا بھی فرض ہے۔ اس لئے جب آپ تبلیغ کے لئے جائیں تو مجھے بھی لے چلیں۔ اور اگر آپ نہ جائیں تو مجھے ضرور بھیج دیں۔ [۲۱]

جہاں تک انسداد ارتداد کے لئے پچاس ہزار روپیہ چندہ کا تعلق تھا یہ بہت جلد جمع ہو گیا۔ اور

جماعت کے مخیر بزرگوں نے بالخصوص اس میں اپنی بساط سے بڑھ کر حصہ لیا۔ جن میں سرفہرست حضرت نواب محمد علی خان صاحب تھے جنہوں نے ایک ہزار روپیہ اور جن کی حرم حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے دو سو روپیہ چندہ دیا۔ حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب' جنرل اوصاف علی خاں صاحب نابھہ' میر مرید احمد صاحب خیرپور سندھ' شیخ محمد حسین صاحب کلکتہ اور حضرت سیٹھ عبداللہ بھائی نے پانچ پانچ سو کی رقمیں پیش کیں۔ ڈاکٹر فضل کریم صاحب کابل۔ حضرت چوہدری نصراللہ خان صاحب اور چوہدری ظفراللہ خان صاحب نے بالترتیب چار سو تیرہ روپیہ۔ تین سو اور ڈھائی سو روپیہ چندہ دیا۔ ان کے علاوہ بابو فضل احمد صاحب راولپنڈی، خان صاحب مولوی فرزند علی خان صاحب، چوہدری عبداللہ صاحب، چوہدری نذیر احمد صاحب طالب پوری، شیخ مشتاق حسین صاحب گوجرانوالہ اور منشی محمد دین صاحب کھاریاں نے بقدر طاقت ڈیڑھ سو سے سوا دو سو روپیہ چندہ پیش کیا۔ سو سو روپیہ دینے والے تو متعدد اصحاب تھے۔ [۲۲]

چندہ میں شرکت کے لئے ابتداء یہ شرط تھی۔ کہ کم از کم ایک سو روپیہ چندہ دینے والے لوگ آگے آئیں۔ لیکن بعد کو غریب احمدیوں کی درخواست پر حضور نے یہ شرط اڑا دی اور غریبوں کو بھی اس ثواب میں حصہ لینے کا موقعہ میسر آگیا۔

چندے کے علاوہ احمدی احباب نے مجاہدین کے لئے سائیکل دیئے خصوصاً لاہور کی جماعت نے ڈاکٹر محمد منیر صاحب آف امرتسر نے دھوپ سے بچانے والے پروٹیکٹر دیئے۔ بعض نے ستو کی بوریاں بھیج دیں عیدالاضحیہ کا موقعہ آیا تو ہزاروں روپے میدان ارتداد میں ملکانہ قوم کے لئے جانور ذبح کرنے کے لئے بھجوا دیئے [۲۳]۔ بعض غریبوں نے جن کے پاس کچھ نقد اثاثہ نہ تھا۔ اپنا مکان یا زمین یا جانور بیچ کر اس میں حصہ لیا۔ کہتے ہیں کہ مشہور پنجابی شاعر ڈاکٹر منظور احمد صاحب بھیروی نے اپنی بھینس بیچ ڈالی اور میدان ارتداد میں جا پہنچے۔ بھینس اگرچہ خسارے پر بکی۔ مگر ڈاکٹر نے اس گھاٹے کے سودے پر بھی خوشی منائی۔

مردوں کے علاوہ احمدی عورتوں نے بھی ایثار و قربانی کا ثبوت دیا۔ چنانچہ لجنہ اماءاللہ نے بیس بڑے دوپٹے ان ملکانہ عورتوں کے لئے بھیجے۔ جو ارتداد کے وقت اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ حضرت اقدس کی صاجزادی امتہ القیوم نے جن کی عمر اس وقت چھ سال کی ہوگی۔ اپنا ایک چھوٹا دوپٹہ دیا اور کہا کہ یہ کسی چھوٹی ملکانی کو دیا جائے [۲۴]۔

قواعد انتظام انسداد فتنہ ارتداد

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے اس مرحلہ پر اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل بیس قواعد مقرر

فرمائے۔

۱۔ اس انتظام کو باقاعدہ چلانے کے لئے ایک افسر ہو گا جو سب کام کی نگرانی کرے گا۔

۲۔ یہ افسر اپنے کام کی بہتری کے لئے اپنے کام کے کئی حلقے تجویز کرے گا۔ جن میں سے ہر ایک حلقہ کا ایک نگران ہو گا۔

۳۔ ہر ایک حلقہ میں جس قدر لوگ کام کر رہے ہوں گے وہ حلقہ افسر کے ماتحت ہوں گے اور افسر کو چاہئے کہ ایک وقت مقررہ پر ان سے رپورٹ طلب کرے یعنی ان کو مقررہ عرصہ کے بعد اپنے کام کی رپورٹ کرنے کی ہدایت کرے اور اگر کسی کی رپورٹ نہ پہنچے تو اس کی رپورٹ طلب کرے۔ کارکنان کو چاہئے کہ علاوہ مقررہ رپورٹ کے ہر اہم بات کی اس کو رپورٹ کریں۔

۴۔ حلقہ کے افسر کا فرض ہو گا کہ ایک وقت مقررہ پر جس کی تعیین افسر اعلیٰ کرے گا افسر اعلیٰ کو اپنے کام کی رپورٹ دیتا رہے۔ اور درمیان میں بھی جب کوئی اہم امر ہو اس کی رپورٹ کرتا رہے۔

۵۔ افسر اعلیٰ کا فرض ہو گا کہ وہ ہر روز اپنے تمام صیغہ کی رپورٹ جس میں اہم امور کو خاص طور پر پیش کیا جائے میرے پاس بھیجتا رہے۔

۶۔ افسر اعلیٰ کا فرض ہو گا کہ وہ وقتاً فوقتاً خود دورہ کر کے تمام حلقہ کے افسروں اور کارکنوں کے کام کو دیکھتا رہے اور جب وہ دورہ پر جائے تو اسے چاہئے کہ اپنے ایک ہوشیار نائب کو اپنا قائم مقام مرکز میں بھی بنا جائے۔

۷۔ افسر اعلیٰ کو چاہئے کہ وہ اس امر کا کوئی مناسب انتظام کرے کہ صدر اور حلقوں کے مرکزوں میں ان لوگوں کے کھانے کے متعلق مناسب انتظام رہے جو بطور مہمان کے آویں یا جن کو کام کی مدد کے لئے بلوایا جائے۔ لیکن نہایت درجہ کی کفایت شعاری کو مدنظر رکھا جائے کیونکہ تھوڑی تھوڑی بے احتیاطی سے بڑے بڑے نقصانات پہنچ جاتے ہیں۔

۸۔ حلقہ کے افسروں کو بھی چاہئے کہ دورہ کر کے اپنے ماتحتوں کے کام کو دیکھتے رہیں اور ان کو مناسب ہدایتیں دیتے رہیں۔

۹۔ صدر مقام میں ایک مکمل ذخیرہ ان کتب اور اخبارات و رسائل کا رہنا چاہئے جو آریوں کے خلاف کام کرنے کے لئے ضروری ہے۔

۱۰۔ صدر مقام میں ایک واقف آریہ مذہب اور ہندی کا رہنا چاہئے جو نو آمدوں کو ہندی کے الفاظ سکھائے اور حوالہ نکال نکال کر ان کو دے اور ایسی باتیں آریہ لٹریچر سے نکالتا رہے جس سے دوسری اقوام کو وہ اپنی اصل شکل میں نظر آسکیں۔

۱۱۔ جو لوگ کام پر لگائے جاویں ان کو ایک کاپی مطبوعہ ہدایات کی رجسٹری رسید لے کر دی جائے اور اس پر ایک نمبر لکھ دیا جائے جب وہ شخص واپس جائے تو اس سے وہ کاپی لے کر دوسرے کو دے دی جائے نمبر وہی رہنے دیا جائے مگر دستخط دوسرے آدمی کے جسے دوبارہ دی گئی ہے کے لے لئے جاویں اس سے کاپیاں محفوظ رکھنے کا خیال لوگوں کے دل میں رہے گا۔

۱۲۔ چاہئے کہ سب کارکنوں کو آریہ مذہب کے خلاف مسائل مختصراً عمدگی سے سمجھا دیئے جاویں اور ان کے موٹے موٹے اعتراضات کے جواب بھی تاکہ اگر کوئی ان کا مبلغ مل جائے اور اس سے مجبوراً بات کرنی پڑے تو سبکی اور شرمندگی......

۱۳۔ افسروں کو خاص توجہ رکھنی چاہئے کہ جن کے جو کام سپرد کیا گیا ہے وہی کام کرتے رہے ہیں ایسا تو نہیں کہ جسے مثلاً خفیہ خبر رسانی پر لگایا گیا تھا وہ بحث میں لگ گیا ہے اور بحث والا خفیہ خبر رسانی پر۔ بے شک زائد وقت میں اگر ان کو اجازت مل جاوے تو دوسرا کام بھی کر سکتے ہیں لیکن یہ نہیں ہونا چاہئے کہ میلان طبیعت کے ماتحت وہ اصل کام کو چھوڑ کر دوسرے کاموں میں لگ جاویں۔

۱۴۔ افسروں کو چاہئے کہ خاص طور پر طبائع کے میلان کا خیال رکھیں میلان طبع کا خیال نہ رکھنے سے بہت دفعہ کام خراب ہو جاتا ہے۔ جو شخص جس کام کے اہل ہو اسے وہی کام سپرد کیا جائے دوسرا کام سپرد نہ کیا جائے۔ اور اگر بعد کے تجربہ سے پہلا خیال غلط معلوم ہو تو پھر مناسب تبدیلی کر دی جائے۔

۱۵۔ چاہئے کہ حلقوں کے افسر وہ ایسے لوگوں کو مقرر کرے کہ جنہوں نے مستقل طور پر کام کرنا ہے۔ دوسرے لوگ خواہ درجہ میں بڑے ہوں علم میں زیادہ ہوں ان کو مستقل کام کرنے والوں کے ماتحت رکھنا چاہئے ورنہ کام خراب ہو جائے گا۔

۱۶۔ کام کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کر دینا چاہئے۔

۱۔ افسر اعلیٰ

۲۔ افسران حلقہ

۳۔ ایسے لوگ مقرر ہوں جو ہندی اور آریہ مذہب کا علم رکھتے ہوں اگر نہ ہوں تو صرف مرکز میں رکھے جاویں ورنہ ہو سکے تو فی حلقہ ایک آدمی مقرر کر دیا جائے یا ضروری حلقوں میں ایک آدمی رکھا جائے۔ یہ لوگ آریوں کے خلاف سامان بہم پہنچاویں۔ ۲۔ آریوں' سناتنیوں' جینیوں اور سکھوں میں جو اختلاف عقیدہ اور عمل میں ہے اس کو جمع کر کے مبلغوں کو سکھاویں۔ ۳۔ تاریخی طور پر برہمنوں نے راجپوتوں پر جو ظلم کئے ہیں ان کو جمع کریں خواہ عملاً ظلم کیا ہو خواہ ایسے

عقائد کی تعلیم دے کر جن میں ان کا درجہ گھٹایا ہو۔ ۴۔ تاریخی طور پر ایسی مثالیں جمع کی جائیں جن سے معلوم ہو کہ مسلم راجپوتوں نے ہندو راجپوتوں کو شکست دی ہے اور پھر اس قوم کے لوگوں کے سامنے یہ بات پیش کی جائے کہ یہ لوگ جو فاتح ہیں ایسے بزدل تھے کہ ڈر کر مسلمان ہو گئے اور ہندو راجپوت جو ان سے ماریں کھاتے تھے ایسے بہادر تھے کہ یہ اپنے دھرم پر قائم رہے۔ ۵۔ بھرت پور۔ الور۔ بیکانیر اور دوسری راجپوتانہ کی ریاستوں کی تاریخوں سے یہ امر معلوم کیا جائے کہ وہ کب سے قائم ہیں اور اگر معلوم ہو کہ یہ قدیم سے چلی آتی ہیں مسلمان کی بنائی ہوئی نہیں ہیں یا یہ کہ ان کے علاقے کبھی مسلمانوں کے براہ راست انتظام کے نیچے نہیں آئے تو پھر ان قوموں کے سرکردوں سے دریافت کی جائے کہ ان کی قومی روایتوں کے رو سے وہ ان علاقوں میں کب سے بس رہی ہیں جب ان کی روایتوں سے ثابت ہو جائے کہ وہ باہر سے آکر نہیں بسیں بلکہ اسی علاقہ کی رہنے والی ہیں تو پھر یہ بات ان کے سامنے پیش کی جائے اور آریوں سے بحث میں بھی یہ حربہ استعمال کیا جائے کہ جب ان علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ کبھی ہوا نہیں اور جب یہ قومیں باہر سے نہیں آئیں تو پھر ان ریاستوں میں جاکر مسلمانوں نے ان لوگوں کو جبراً مسلمان کیوں کر بنالیا۔ اور اگر ان ریاستوں میں یہ لوگ بلا جبر کے مسلمان ہو گئے تو باہر کے اسی قسم کے لوگوں کی نسبت کیوں نہ یقین کیا جائے کہ وہ بھی اسی طرح مسلمان ہو گئے تھے۔

۶۔ ان لوگوں کے مسلمان ہونے کی تاریخ دریافت کی جائے پھر ہندو مصنفین کی کتب سے معلوم کیا جائے کہ وہ کس کس زمانہ میں مسلمانوں کے جبر کے متعلق مضامین لکھ چکے ہیں کن زمانوں کو ایسی کوششوں سے پاک بتاتے ہیں اور کن بادشاہوں کو غیر متعصب قرار دیتے ہیں پھر دونوں کا مقابلہ کر کے دیکھا جائے کہ جس وقت یہ لوگ مسلمان ہوئے تھے۔ اس وقت کون سی حکومت اور کون بادشاہ تھا اگر یہ ثابت ہو جائے اور یہی بات اندازاً معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت اسلامی حکومت کمزور تھی اور ہندو راجاؤں کا زور تھا یا یہ کہ وہ اکبر اور جہانگیر کا زمانہ تھا تو پھر بتایا جائے کہ اس زمانہ میں اگر اس قدر کثرت سے لوگ جبراً مسلمان بنائے جاتے تو اس کا تاریخ میں ثبوت ہونا چاہئے تھا برخلاف اس کے اس وقت یا تو مسلمانوں کا زور تھا ہی نہیں بلکہ وہ کمزور تھے یا یہ کہ اس وقت کے بادشاہوں کو بھی جابر نہیں کہتے پھر کس طرح ممکن ہے کہ اتنی بڑی تعداد ان کے زمانہ میں جبراً مسلمان بنائی گئی جو دوسرے بقول تمہارے جابر بادشاہوں کے زمانہ میں بھی نہیں بنائی گئی۔

۷۔ باوا نانک صاحب کے مسلمان ہونے کے متعلق اور سکھ گروؤں میں ہندوؤں کے ظلم اور مسلمانوں کا ان سے نیک سلوک اور اس مضمون پر سکھ اخباروں کی آراء جمع کی جاویں اور ان کو مبلغین کو یاد کرایا جائے کیونکہ ان علاقوں میں سکھ پولیس میں زیادہ ملیں گے بعض تعلقہ دار بھی ہیں ان پر اس ذریعہ سے اثر ڈالنا چاہئے۔ عام طور پر ان لوگوں کو آریہ دھوکہ دے کر یہ بتاتے ہیں کہ ہم تمہارے خیر خواہ اور مسلمان تمہارے دشمن ہیں حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہے۔

۸۔ آریوں کی کتاب ...... مصنفہ ...... سے جس میں راجپوتوں کو ترکوں کی اولاد قرار دیا گیا ہے اور جس پر راجپوت انجمنوں نے سخت شورش برپا کیا تھا خوب فائدہ اٹھایا جائے اور اس کے مفید حوالے اور ان کے استعمال کا موقع اور طریق مبلغوں کو سکھایا جائے۔

۹۔ کچھ لوگ جو بحث کا ملکہ اور شوق رکھتے ہوں مقرر کئے جاویں جن کا کام آریوں کو بحثوں میں الجھانا ہو تاکہ لوگوں پر ان کی کمزوری اور شکست ظاہر ہو۔

۱۰۔ کچھ لوگ جو مضمون نگاری کا ملکہ اور شوق رکھتے ہوں مقرر کئے جاویں جن کا کام یہی ہو کہ مطلوبہ وفد کی کوششوں اور کامیابیوں کو پبلک کے سامنے لاتا رہے تاکہ لوگوں کو سلسلہ کے کام سے دلچسپی پیدا ہو اور جماعت میں جوش پیدا ہو اور دوسرے لوگوں میں زندگی اور ہمدردی پیدا ہو۔ ان کو مختلف اخبارات سلسلہ اور دوسرے انگریزی اور اردو اخبارات میں برابر اور متواتر مضمون لکھتے رہنا چاہئے لیکن یاد رہے کہ (۱) مضمون نہایت مختصر ہوں ایک یا ڈیڑھ کالم سے زیادہ نہ ہوں۔ (۲) دلچسپ پیرایہ میں بیان ہوں یوں نہ معلوم ہو کہ کوئی شخص اپنی مدح کر رہا ہے۔ (۳) جوش دلانے والے ہوں۔ (۴) خاص دلچسپ واقعات مثلاً کسی مبلغ کی خاص قربانی (خواہ احمدی ہو خواہ غیر احمدی) کو بیان کیا جائے۔ آریوں کی خفیہ تدابیر کو طشت ازبام کیا جائے۔ ان لوگوں کی حالت کا صحیح نقشہ کھینچا جائے۔ ان کی روایات اور رسوم کو بیان کیا جائے۔ خاص کامیابیوں کو بیان کیا جائے۔ اپنے مبلغوں کے ایثار پر روشنی ڈالی جائے۔ ہر دفعہ نئے واقعات ہوں نئے پیرایہ میں ہوں۔ (۵) چونکہ اخبارات بہت سے ہیں اور ایک ہی مضمون کو بہت سے لوگ پسند نہیں کرتے اس لئے خاص مضامین کو چھوڑ کر باقی مضامین اس طرح لکھے جاویں کہ گو سب واقعات سب اخباروں کو جائیں لیکن ایک اخبار میں باقی واقعات مختصر ہوں اور ایک واقعہ کو خاص طور پر نمایاں کیا جائے۔ دوسرے میں اس کو مختصر اور ایک دوسرے امر کو نمایاں کر کے بیان کیا جائے اس طرح سب واقعات بصورت اجمال سب اخباروں میں شائع ہو جائیں گے اور تفصیل

سب میں مجموعی طور پر مل جاوے گی اس تفصیل کی خاطر اجمال کو شوق سے لوگ اخبار سے لیں گے۔ (۶) جو مضمون چھپے اس میں لکھنے والے کا نام اس طرح آوے کہ احمدیہ وفد قادیان کا علم لوگوں کو ہوتا رہے۔

۷۔ مختلف ایسے لوگوں کے نام پر یہ مضمون چھپیں جو ڈگری یافتہ ہوں خواہ ایم اے بی اے خواہ مولوی فاضل منشی فاضل ڈاکٹر پلیڈر بیرسٹر وغیرہ۔ (۸) سب ایسے مضامین جو چھپیں وہ صدر دفتر سے جاویں تا یہ دیکھ لیا جائے کہ سب مضامین کی روح ایک ہی ہے اور کہیں اس میں تضاد تو نہیں ہو گیا بلا دفتر کے معائنہ کسی شخص کو اجازت نہ ہو کہ اپنے طور پر مضمون لکھ کر شائع کرے۔ (۹) اگر کوئی کارکن دوسری جماعت کا سچے اخلاص سے کام کر رہا ہے یا یہ کہ ہمارے کام میں مدد دے رہا ہے تو اس کا ذکر بھی کیا جائے مگر ایسی طرز پر کہ دوسرے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے مقابلہ میں اس کو اچھا قرار دیا گیا ہے۔ رقابت پیدا نہ ہونے دی جائے۔ (۱۰) خواہ کسی افسر کا کسی کارکن سے کوئی اختلاف ہو اس کے اچھے کام کو ظاہر کرنے میں ہرگز کمی نہ کریں۔

۱۱۔ ایک شخص ایسا مرکز میں رہے جو دستی پریس (چھوٹا نقلوں کا پریس) کا کام اچھی طرح کر سکے تاکہ جہاں نقلیں بھیجنے کی ضرورت پیش آوے وہاں نقلیں فوراً بھیجی جا سکیں۔

۱۲۔ کچھ ایسے لوگ ہوں جو حکام کو ملنے ملانے کا کام اچھی طرح کر سکیں اور اس بات کی نگہداشت رکھیں کہ ہندو لوگ غلط شکایتوں کے ذریعہ حکام کو بدظن کر کے کام میں روک تو نہیں ڈالنی چاہتے۔

۱۳۔ ایک آدمی کم سے کم زیادہ ہوں تو اچھے ہیں فوٹو کا کام اچھی طرح کر سکنے کی قابلیت رکھنے والا وفد میں ہو اگر کوئی موجودہ وفد میں سے اس کام کو نہیں جانتا تو کسی ہوشیار آدمی کو یہ کام سکھا لیا جائے مگر چست رہنے والا ہو آہستہ فوٹو لینے کا یہ موقع نہیں ہو گا۔

۱۴۔ ہر حلقہ کے مرکز میں افسر کے ساتھ ایک مددگار بھی رکھا جائے جو چلنے پھرنے میں ہوشیار ہو تا ادھر سے ادھر خبر پہنچا سکے۔

۱۵۔ وفد کے ساتھ دین اسلام سے واقف ایک عالم کی ضرورت ہے جو علماء کی مجالس میں اپنے علم سے اثر ڈال سکے یا مباحثات میں اسلامی نقطہ خیال کی خوبی کی وضاحت کر سکے۔

۱۶۔ کچھ ایسے لوگ ہوں جو شعر اچھی طرح پڑھ سکیں۔

۱۷۔ کوئی آدمی متحرک تصاویر یا بائسکوپ دکھانے کی قابلیت رکھنے والا بھی ہونا چاہئے تا اگر ضرورت پڑے تو آریوں کی لٹھ بند جماعتوں کی تصویریں ان کو دکھاتا پھرے اور اس طرح ہو سکے تو پرانے

براہمن بادشاہوں کے مظالم کا نقشہ۔

۱۸۔ جہاں تک ہو سکے ایک قانون دان آدمی بھی ساتھ ہونا چاہئے تاکہ اگر کوئی بیچ ڈال کر رو کیں ڈالی جاویں تو فوری اور معتبر مشورہ ہو سکے۔

۱۹۔ کچھ آدمی دفتری کام کرنے کی قابلیت رکھنے والے بھی چاہئیں تا اس کام کو اچھی طرح سنبھال سکیں۔

۲۰۔ کچھ آدمی آریوں کے ارادوں کا پتہ لگانے کے لئے مقرر ہونے چاہئیں۔

۲۱۔ کام کرنے والوں کو چاہئے کہ مناسب مقامات کو دیکھ کر اسے حلقہ تجویز کریں جہاں سے آسانی سے ایک حلقہ کی نگرانی ہو سکے۔ یہ مقام ان تمام جہات سے جو ہدایات نمبر اول میں درج ہیں مناسب ہو۔

۲۲۔ چاہئے کہ کام کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ایک حصہ جماعت کا ان لوگوں میں کام کرے جن میں آریہ اپنا جال پھیلا چکے ہیں دوسرا حصہ ان لوگوں میں کام کرے جن میں ابھی تک انہوں نے قطعاً جال نہیں پھیلایا یا پھیلایا ہے تو اس میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوئے۔

۲۳۔ روپیہ چاہئے کہ بنک میں جمع رہے۔ مگر سو دو سو روپیہ ہر حلقہ کے افسر کے نام سے اس جگہ کے سیونگ بنک میں جمع کر دیا جائے جس سے بوقت اشد ضرورت اسے روپیہ نکالنے کی اجازت ہو۔

۲۴۔ روپیہ کے خرچ میں کفایت کو مد نظر رکھنا چاہئے اگر کسی افسر سے بے احتیاطی ہوئی تو اس کا اسے ذمہ دار قرار دیا جائے گا مگر یاد رہے کہ ذمہ داری سے ڈر کر کام میں سستی نہیں کرنی چاہئے ذمہ داری اٹھائے بغیر انسان تعریف اور ثواب کا مستحق نہیں بنتا۔

ھدایات برائے مبلغین اسلام

(سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی رقم فرمودہ اہم ہدایات جو انسداد ارتداد کے جہاد میں شامل ہونے والے ہر مجاہد کو مطبوعہ ٹریکٹ کی صورت میں دی جاتی تھیں)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم،

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

ہدایات برائے مبلغین اسلام

مکرمی ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ چونکہ آپ نے اپنی زندگی کا ایک حصہ انسداد فتنہ ارتداد کے لئے وقف کیا ہے ۔ میں چند ہدایات اس کام کے متعلق آپ کو دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ اپنے افسروں کے احکام کے ماتحت پوری طرح ان ہدایات پر عمل کریں گے ۔ وہ ہدایات یہ ہیں ۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کرتے ہوئے نیک نیت اور محض ابتغاء لوجہ اللہ اس کام کا ارادہ کریں ۔

۲۔ گھر سے نکلیں تو دعا کرتے ہوئے اور رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق و اجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا کہتے ہوئے نکلیں ۔ اور بہت استغفار کرتے جائیں ۔ کہ خدا تعالیٰ کمزوریوں پر پردہ ڈال کر خدمت دین کا کوئی حقیقی کام لے لے ۔

۳۔ سورہ فاتحہ اور درود کا بہت ورد رکھیں ۔ نمازوں کے بعد تسبیح ۔ تحمید اور تکبیر ضرور کریں ۔ اور کچھ دیر خاموش بیٹھ کر ذکر الٰہی کریں کہ ایسے اوقات میں یہ نسخہ نور قلب پیدا کرنے میں بہت مفید ہوتا ہے ۔

۴۔ ا ۔ بھاشا کے الفاظ سیکھنے اور ان کے استعمال کرنے کی طرف خاص توجہ کریں کہ تبلیغ کا آلہ زبان ہے ۔ زبان نہ آتی ہو تو تبلیغ بے اثر ہو جاتی ہے ۔ پس بھاشا جو ان لوگوں کی زبان ہے ۔ اس کے سیکھنے کی طرف پوری توجہ کرنی چاہئے ۔ اس میں جس قدر کوشش کریں گے ۔ اسی قدر تبلیغ زیادہ مؤثر ہوگی ۔ اور جس قدر تبلیغ زیادہ مؤثر ہوگی اسی قدر ثواب کا زیادہ موقع ملے گا ۔

(ب) اسی طرح جس قوم سے مقابلہ ہو ۔ اس کے مذہب اور طریق سے پوری واقفیت نہ ہو تو مقابلہ مشکل ہوتا ہے ۔ پس اگر آریوں کے متعلق پوری واقفیت نہ ہو تو مرکز سے ان کے متعلق ضروری معلومات اور حوالوں کو اپنی پاکٹ بک میں نوٹ کر لیں ۔ اور اسلام پر ان کے اعتراضوں کے جواب بھی ۔ اور ان کو بار بار پڑھ کر یاد کرتے رہا کریں ۔

۵۔ راستہ میں لوگوں سے ہرگز فخریہ طور پر باتیں نہ کرتے جاویں ۔ فخر انسان کو نیکی سے محروم کر دیتا ہے اور سیاستاً بھی اس کا نقصان پہنچتا ہے ۔ دشمن کی توجہ اس طرف پھر جاتی ہے اور وہ ہوشیار ہو جاتا ہے ۔

۶۔ اگر پہلے سے آپ کی جگہ مقرر ہے ۔ تو جو جگہ مقرر ہے ۔ اس جگہ جا کر مبلغ سے چارج باقاعدہ لے لیں ۔ اور اس سے سب علوم ضروریہ حاصل کر لیں ۔ اور اگر جگہ مقرر نہیں تو پھر مرکز میں جا کر افسر اعلیٰ سے ہدایات حاصل کریں ۔

۷۔ جس قصبہ میں داخل ہوں۔ جس وقت وہ نظر آوے۔ مندرجہ بالا مسنون دعا کم سے کم تین دفعہ خشوع اور خضوع سے پڑھیں۔ نہایت مجرب اور مفید ہے۔ **اللھم رب السموٰت السبع و ما اظللن و رب الارضین السبع و ما اقللن و رب الشیاطین و ما اظللن و رب الریاح و ما ذرین فانا نسالک خیر ھذہ القریۃ و خیر اھلھا و خیر ما فیھا و نعوذ بک من شر ھذہ القریۃ و شر اھلھا و شر ما فیھا۔ اللھم بارک لنا فیھا و ارزقنا جناھا و حببنا الی اھلھا و حبب صالحی اھلھا الینا۔ آمین۔** کم سے کم تین دفعہ سمجھ کر یہ دعا مانگو رسول کریم ﷺ سے یہ مروی ہے اور میرا اس کے متعلق وسیع تجربہ ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔ اے اللہ جو سات آسمانوں کا رب ہے۔ اور ان کا بھی جن پر یہ سایہ کئے ہوئے ہیں۔ اور جو ساتوں زمینوں کا رب ہے اور ان کا بھی جن کو یہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور شیطانوں کا بھی اور ان کا بھی جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں۔ اور ہواؤں کا بھی۔ اور ان چیزوں کا بھی جن کو وہ اڑاتی ہیں۔ ہم تجھ سے اس بستی کی بھلائی طلب کرتے ہیں اور اس کے باشندوں کی بھلائی بھی طلب کرتے ہیں اور ہر اس چیز کی بھلائی بھی جو اس میں پائی جاتی ہے۔ اور ہم اس بستی کی ہر ایک برائی سے پناہ مانگتے ہیں۔ اور اس بستی میں رہنے والوں کی برائی سے بھی پناہ مانگتے ہیں۔ اور اس بستی کی ہر ایک بری شے سے پناہ مانگتے ہیں۔ اے خدا اس بستی میں ہمارے قیام کو بابرکت کر۔ اور اس کی نعمتوں اور بارشوں سے ہمیں متمتع کر۔ اور ہماری محبت اس جگہ کے لوگوں کے دلوں میں ڈال اور ہمارے دل میں اس جگہ کے نیک لوگوں کی محبت پیدا کر۔

۸۔ سفر سے نکلتے ہی اپنے پاس ایک پاکٹ بک رکھیں۔ جس میں سب ضروری امور لکھتے چلے جاویں۔ کم سے کم دو کارڈ اور ایک لفافہ اور پنسل و چاقو بھی ہر وقت ساتھ رہیں۔

۹۔ جس حلقہ میں کام کرنا ہے۔ وہاں پہنچتے ہی ان امور کو دریافت کریں

(۱) وہ کس ضلع میں ہے۔ (۲) کس تحصیل میں ہے۔ (۳) وہ کس تھانہ میں ہے۔ (۴) اس کا ڈاکخانہ کہاں ہے۔ (۵) اس میں کوئی مدرسہ بھی ہے یا نہیں۔ (۶) اس میں کوئی شفاخانہ بھی ہے یا نہیں۔ (۷) اس ضلع کے ڈپٹی کمشنر کون ہیں اور اس کے اخلاق اور معاملہ کیسا ہے؟ (۸) اس تحصیل کے تحصیلدار اور نائب تحصیلدار کون ہیں اور ان کے اخلاق اور معاملات کیسے ہیں؟ (۹) اس تھانہ میں تھانیدار اور اس کے اوپر انسپکٹر کون ہے اور ان کے اخلاق اور معاملات کیسے ہیں۔ (۱۰) اس گاؤں میں اگر پولیس مین مقرر ہے تو وہ کون ہے اور اس کے اخلاق اور اس کا معاملہ کیسا ہے۔ (۱۱) اس کے پوسٹ آفس کا انچارج کون ہے اور چٹھی رساں کون ہے اور ان کا طریق

اس تحریک شدھی میں کیسا ہے۔ (۱۲) ڈاک وہاں کتنی دفعہ دن یا ہفتہ میں آتی ہے۔ (۱۳) مدرس کون لوگ ہیں اور وہ اس تحریک میں کیسا حصہ لیتے ہیں۔ (۱۴) ڈاکٹر کون ہے اور اس تحریک میں کیا حصہ لیتا ہے۔ (۱۵) اس میں کوئی مسجد ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو امام ہے یا نہیں اگر ہے تو اس سے کوئی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

۱۰۔ حلقہ کا افسر ڈپٹی کمشنر سے۔ تحصیل کا انچارج تحصیلدار سے۔ تھانہ کا انچارج تھانہ دار سے ملنے کی کوشش کرے اور بغیر اپنے کام کی تفصیل بتائے اس کی دوستی اور ہمدردی کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

مذکورہ بالا دوسرے لوگوں سے بھی اپنے تعلقات اچھے بنانے کی کوشش کرے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ جس قدر نقصان یا فائدہ چھوٹے لوگوں سے جیسے پولیس مین چٹھی رسان وغیرہ سے پہنچ سکتا ہے اس قدر بڑے لوگوں سے نہیں پہنچ سکتا۔

۱۱۔ جس گاؤں میں جائے اس کے مالک اور نمبردار اور پٹواری کا پتہ لے۔ اگر وہ مسلمان ہوں تو ان کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اور ان سے مدد کی درخواست کرے مگر یہ بات صاف صاف کہہ دے کہ مدد سے مراد میری چندہ نہیں بلکہ اخلاقی اور مشورہ کی مدد ہے تاکہ وہ پہلے ہی ڈر نہ جائے۔ اگر کوئی شخص مالی مدد دینا بھی چاہے تو شروع میں مدد لینے سے یہ کہہ کر انکار کردیں کہ ابھی آپ مجھ سے اور ہمارے کام سے واقف نہیں۔ جب واقف ہو کر اسے مفید سمجھیں گے اور ہم لوگوں کو دیانتدار پاویں گے تب جو مدد اس کام کے لئے آپ دیں گے اسے ہم خوشی سے قبول کریں گے۔ اگر وہ غیر مسلم ہوں تب بھی ان سے تعلقات دنیاوی پیدا کرنے کی کوشش کرے کہ میل ملاقات کا بھی ایک لحاظ ہوتا ہے۔

۱۲۔ کوئی مالی مدد دے تو اسے اپنی ذات پر نہ خرچ کرے بلکہ اس کی رسید باقاعدہ دے اور پھر اصل رسید مرکزی حلقہ سے لا کر دے تا لوگوں پر انتظام کی خوبی اور کارکنوں کی دیانتداری کا اثر ہو۔

۱۳۔ سادہ زندگی بسر کرے اور اگر کوئی دعوت کرے تو شرم اور حیا سے کھانا کھاوے۔ کوئی چیز خود نہ مانگے اور جہاں تک ہو سکے دعوت کرنے والے کو تکلف سے منع کرے اور سمجھاوے کہ میری اصل دعوت تو میرے کام میں مدد کرنا ہے مگر مستقل طور پر کسی کے ہاں بلاقیمت ادا کرنے کے نہ کھاوے۔

۱۴۔ دورہ کرتے وقت جو جو لوگ اسے شریف نظر آویں اور جن سے اس کے کام میں کوئی مدد مل سکتی ہے ان کا نام اور پتہ احتیاط سے اپنی نوٹ بک میں نوٹ کرے۔ تابعد میں آنے والے

مبلغوں کے لئے آسانی پیدا ہو۔

۱۵۔ جن لوگوں سے اسے واسطہ پڑتا ہے۔ خصوصاً افسروں۔ بڑے زمینداروں یا اور دلچسپی لینے والوں کے متعلق غور کرے کہ ان سے کام لینے کا کیا ڈھب ہے اور خصوصیت سے اس امر کو اپنی پاکٹ بک میں نوٹ کرے کہ کس کس میں کون کون سے جذبات زیادہ پائے جاتے ہیں جن کے ابھارنے سے وہ کام کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

۱۶۔ جن لوگوں سے کام لینا ہے ان میں سے دو ایسے شخصوں کو کبھی جمع نہ ہونے دو۔ جن میں آپس میں نقار ہو۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ وہاں کے لوگوں سے ہوشیاری سے دریافت کر لو کہ ان معززین کی آپس میں مخالفت تو نہیں۔ اگر ہے تو کس کس سے ہے جن دو آدمیوں میں مقابلہ اور نقار ہو ان کو اپنے کام کے لئے کبھی جمع نہ کرو بلکہ ان سے الگ الگ کام لو اور کبھی ان کو محسوس نہ ہونے دو کہ تم ایک سے دوسرے کی نسبت زیادہ تعلق رکھتے ہو۔ تمہاری نظر میں وہ سب برابر ہونے چاہئیں اور کوشش کرو کہ جس طرح ہو سکے انکا نقار دور کر کے ان کو کلمہ واحد پر اسلام کی خدمت کے لئے جمع کر دو۔

۱۷۔ جس جگہ جاؤ وہاں کے لوگوں کی قوم ان کی قومی تاریخ اور ان کی قومی خصوصیات' ان کی تعلیمی حالت' ان کی مالی حالت اور ان کی رسومات کا خوب اچھی طرح پتہ لو اور پاکٹ بک میں لکھ لو اور جہاں تک ہو سکے ان سے معاملہ کرتے ہوئے اس امر کا خیال رکھو کہ جن باتوں کو وہ ناپسند کرتے ہیں وہ ان کی آنکھوں کے سامنے نہ آویں۔

۱۸۔ جس قوم میں تبلیغ کے لئے جاؤ اس کے متعلق دریافت کر لو کہ اس میں سب سے زیادہ مناسب آدمی کونسا ہے جو جلد حق کو قبول کر لے گا۔ اس سے پہلے ملو پھر اس سے رئیس کا پتہ لو جس کا لوگوں پر سب سے زیادہ اثر ہے پھر اس سے ملو اور اسی کی معرفت پہلے قوم کو درست کرنے کی کوشش کرو۔

۱۹۔ جب کسی قوم میں جاؤ تو پہلے یہ دیکھو کہ اس قوم کو ہندو مذہب سے کون کونسی مشارکت ہے اور اسلام سے کون کونسی مشارکت ہے اور ان کو اپنی کاپی میں نوٹ کر لو۔ پھر ان باتوں سے فائدہ اٹھا کر جو ان میں اسلام کی ہیں۔ ان میں اسلام کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کرو اور ان اسلامی مسائل کی خوبی پر خاص طور پر زور دو جن پر وہ پہلے سے کاربند ہیں اور جن کے وہ عادی ہو چکے ہیں۔

۲۰۔ جب ایسی جگہ پر جاؤ جہاں کے لوگ اسلام سے بہت دور ہو چکے ہیں اور جو اسلام کی کھلی تبلیغ کو

بھی سننا پسند نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو جاتے ہی کھلے طور پر تبلیغ نہ کرنے لگو بلکہ مناسب ہو تو اپنا مقصد پہلے ان پر ظاہر ہی نہ کرو۔ اگر کوئی پوچھے تو بے شک بتادو۔ مگر خود اپنی طرف سے کوئی چرچا نہ کرو کیونکہ اس طرح ایسے لوگوں میں ضد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

۲۱۔ اردگرد کے مسلمانوں کو یہ باتیں سمجھانے کی کوشش کرو کہ مسلمانوں کی عدم ہمدردی اور سختی سے یہ لوگ تنگ آکر اسلام کو چھوڑ رہے ہیں۔ اسلام کی خاطر آپ اب ان سے اچھی طرح معاملہ کریں اور خوش اخلاقی اور احسان سے پیش آویں اور سمجھاویں کہ ان کا ہندو ہونا نہ صرف ہمارے دین کے لئے مضر ہوگا بلکہ اس کا یہ نتیجہ بھی ہوگا کہ ہندو آگے سے زیادہ طاقتور ہو جائیں گے اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچائیں گے۔

(ب) یہ بھی سمجھائیں کہ اس فتنہ کو سختی سے نہیں روکا جاسکتا اور سختی سے روکنے کا فائدہ بھی کچھ نہیں۔ پس چاہئے کہ محبت کی دھار سے ان کی نفرت کی کھال کو چیرا جائے اور پیار کی رسی سے ان کو اپنی طرف کھینچا جائے۔

۲۲۔ وہ لوگ جو غیر تعلیم یافتہ ہیں۔ کبھی ان سے علمی بحثیں نہ کرو۔ بالکل موٹی موٹی باتیں ان سے کرو۔ موٹی موٹی باتیں یہ ہیں۔

آریہ مذہب کے بانی نے کرشن جی کی (جن کی وہ اپنے آپ کو اولاد کہتے ہیں اور ان سے شدید تعلق رکھتے ہیں) جو بڑے بزرگ تھے۔ ہتک کی ہے۔

نیوگ کا مسئلہ خوب یاد رکھو اور ان کو سمجھاؤ کہ تم راجپوت ہو کر ایسی تعلیم کے پیچھے جاسکتے ہو۔ مرکز میں ستیارتھ پرکاش رہے گی اگر حوالہ مانگیں تو دکھاسکتے ہو۔

ان کو بتایا گیا ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد کو زبردستی مسلمان کرلیا گیا تھا۔ ان سے کہو کہ راجپوت تو کسی سے ڈرتا نہیں۔ یہ بالکل جھوٹ ہے اس بات کو ماننے کے تو یہ معنے ہوں گے کہ تمہارے باپ دادا راجپوت ہی نہ تھے۔ کیا اس قدر قوم راجپوتوں کی اس طرح دھرم کو خوف یا لالچ سے چھوڑ سکتی تھی۔

کہو کہ یہ بات برہمنوں نے راجپوتوں کو ذلیل کرنے کے لئے بنائی ہے۔ پہلے ان لوگوں نے تمہاری زمینوں کو سود سے تباہ کیا اب یہ لوگ تمہاری قومی خصوصیت کو بھی مٹانا چاہتے ہیں۔ یہ بنئے تو اپنے ایمان پر قائم رہے اور تم راجپوت بہادر ہو کر بادشاہوں سے ڈر گئے۔ یہ جھوٹ ہے تمہارے باپ دادوں نے اسلام کو سچا سمجھ کر قبول کیا تھا۔

ان کو کہا جاتا ہے کہ تم اپنی قوم سے آملو۔ ان کو سمجھاؤ کہ لاکھوں راجپوت مسلمان ہو چکے ہیں۔

پس اگر ملنا ہے تو یہ ہندو مسلمان ہو کر تم سے مل جاویں اور یہ ملاپ کیسا ہوا کہ قریبی رشتہ داروں کو چھوڑ کر دور کے تعلق والوں سے جا ملو۔

ان کو بتاؤ کہ کرشن جی کی ہم مسلمان تو مہما کرتے ہیں اور ان کو اوتار مانتے ہیں لیکن آریہ ان کی ہتک کرتے ہیں اور ان کو گالیاں دیتے ہیں۔ تمہارے سامنے کچھ اور کہتے ہیں اور الگ کچھ اور کہتے ہیں۔

ان کو بتاؤ کہ ہندو تو تم کو ہندو کر کے بھی چھوت چھات کرتے ہیں اور کریں گے۔ چند لوگ لالچ دلانے کو تمہارے ساتھ کھا پی لیتے ہیں ورنہ باقی قوم تم سے برتاؤ نہیں کرے گی چاہو تو چل کر اس کا تجربہ کر لو لیکن مسلمان تم کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔

ان کو بتاؤ کہ آریہ جو آج تم کو چھوت چھات کی تعلیم دیتے ہیں دوسری جگہوں میں جا کر نیچ قوموں میں شدھی کرتے اور چماروں کو ساتھ ملاتے ہیں۔ اس کے حوالے یاد رکھو۔ (جیسے جموں میں شدھی ہو رہی ہے) لیکن ایسی طرز پر بات نہ کرو کہ گویا تم چھوت چھات کے قائل ہو بلکہ اس بات کا اظہار کرو کہ وہ جھوٹ اور فریب سے کام لے رہے ہیں۔

ان کو بتاؤ کہ یہ لوگ تمہارے خیر خواہ نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ اس کا امتحان اس طرح ہو سکتا ہے کہ مسلمان عرصہ سے کوشش کر رہے ہیں کہ سود کی شرح محدود کر دی جائے اور قانون انتقال اراضی پاس کیا جائے مگر ہندو اس کی سخت مخالفت کرتے ہیں (ان دونوں قانونوں کو اچھی طرح سمجھ لو) ان باتوں کا ان کو فائدہ سمجھاؤ اور کہو کہ ان کا امتحان اس طرح ہو سکتا ہے کہ جو آریہ یا ہندو آئے اسے کہو کہ اگر تم سچ مچ ہمارے خیر خواہ ہو تو یہ دونوں قانون پاس کراؤ۔ پھر ہم سمجھیں گے کہ تم ہمارے خیر خواہ ہو۔

۲۳۔ اپنے دل کو پاک کر کے اور ہر ایک تکبر سے خالی کر کے بیماروں اور مسکینوں کے لئے دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری ضرور سنے گا انشاء اللہ۔ میں بھی انشاء اللہ تمہارے لئے دعا کروں گا تا خدا تعالیٰ تمہاری دعاؤں میں برکت دے۔

۲۴۔ اپنی زبان کو اس بات کا عادی بناؤ کہ ان بزرگوں کو جن کو فی الواقع ہم بھی بزرگ ہی سمجھتے ہیں ایسے طریق پر یاد کرو جو ادب اور اخلاص کا ہو۔

۲۵۔ کھانے پینے پہننے میں ایسی باتوں سے پرہیز کرو جن سے ان لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ الگ جو چاہو کرو لیکن ان کے سامنے ان کے دل کو تکلیف دینے والی بات نہ کرو کہ علاوہ تمہارے کام کو نقصان پہنچانے کے یہ بد اخلاقی بھی ہے۔

۲۶۔ ہر ایک کام تدریجی طور پر ہوتا ہے یہ مت خیال کرو کہ وہ ایک دن میں پکے مسلمان ہو جائیں گے جو لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ وہ آہستہ آہستہ پختہ ہوں گے پس یک دم ان پر بوجھ ڈالنے کی کوشش نہ کریں۔ تین چار ماہ میں خود ہی درست ہو جائیں گے۔ پہلے تو صرف اسلام سے محبت پیدا کرو اور نام کے مسلمان بناؤ۔ مگر یہ بھی نہ کرو کہ اسلام کی کوئی تعلیم ان سے چھپاؤ کیونکہ اس سے بعد میں ان کو ابتلاء آوے گا۔ اور یا وہ ایک نیا ہی دین بنالیں گے۔

۲۷۔ لباس وغیرہ ان کے جیسے ہیں ویسے ہی رہنے دو اور ابھی چوٹیاں منڈوانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ باتیں ادنیٰ درجہ کی ہیں۔ جب وہ پکے مسلمان ہو جائیں گے خود بخود ان سب باتوں پر عمل کرنے لگیں گے۔

۲۸۔ جس جگہ پر جاؤ۔ وہاں خوش خلقی سے پیش آؤ اور بے کسوں کی مدد کرو اور دکھیاروں کی ہمدردی کرو کہ اچھے اخلاق سو وعظ سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔

۲۹۔ جس جگہ کی نسبت معلوم ہو کہ وہاں کسی شخص کو مناسب مدد دے کر باقی قوم کو سنبھالا جا سکتا ہے۔ تو اس کی اطلاع افسر حلقہ کو کرو۔ مگر یاد رکھو کہ اس طرف نہایت مجبوری میں توجہ کرنی چاہئے۔ جب کوئی چارہ ہو ہی نہیں۔ اسی صورت میں یہ طریق درست ہو سکتا ہے۔ مگر خود کوئی وعدہ نہ کرو نہ کوئی امید دلاؤ امداد کس رنگ میں دی جاسکے گی۔ یہ افسروں کی ہدایت میں درج ہو گا۔ اس معاملہ کو افسر حلقہ کے سپرد رہنے دو۔

۳۰۔ کھانے پینے پہننے میں بالکل سادہ رہیں اور جس جگہ افسر حلقہ مناسب سمجھے وہاں کا مقامی لباس پہن لیں اور جس جگہ وہ مناسب سمجھے ایک چادر ہی پہن لو اگر ضرورت ہو تو گیرا رنگ دلوالو۔ یاد رکھو کہ لباس کا تغیر اصل نہیں۔ لباس کا تغیر اسی وقت برا ہوتا ہے جب انسان ریا کے لئے یا کسی قوم سے مشابہت کی غرض سے پہنتا ہے۔ تمہارا تغیر لباس تو عارضی ہو گا اور جنگ کی حکمتوں میں سے ایک حکمت ہو گا۔ پس تمہارا طریق قابل اعتراض نہیں ہو گا کیونکہ تم سادھو یا فقیر یا صوفی کہلانے کے لئے ایسا طریق اختیار نہیں کرو گے اور چند دن کے بعد پھر اپنا لباس اختیار کرلو گے۔ اس لباس کی غرض تو صرف دشمن اسلام کے حملہ کا جواب دینا ہو گی۔

۳۱۔ کبھی اپنے کام کی رپورٹ لکھنے اور پھر اس کو دفتر حلقہ میں بھیجنے میں سستی نہ کرو۔ یاد رکھو کہ یہ کام تبلیغ کے کام سے کم نہیں ہے۔ جب تک کام لینے والوں کو پورے حالات معلوم نہ ہوں وہ ہرگز کام کو اچھی طرح نہیں چلا سکتے۔ پس جو شخص اس کام میں سستی کرتا ہے وہ کام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچاتا ہے۔

۳۲- دشمن تمہارے کام کو یہ نقصان پہنچانے کے لئے ہر طرح کی تدابیر کو اختیار کرے گا۔ تمہاری ذرا سی بے احتیاطی کام کو صدمہ پہنچا سکتی ہے۔ پس فتنہ کے مقام سے دور رہو اور ایسی مجلس میں نہ جاؤ جس میں کوئی تہمت لگا سکے۔ کسی شخص کے گھر میں نہ جاؤ۔ جب تک تجربہ کے بعد ثابت نہ ہو جائے کہ وہ دشمن نہیں دوست ہے۔ کھلے میدان میں لوگوں سے باتیں کرو۔

۳۳- غصہ کی عادت ہمیشہ ہی بُری ہے مگر کم سے کم اس سفر میں اس کو بالکل بھول جاؤ کسی وقت غصہ میں آکر اگر ایک لفظ بھی سخت تمہارے منہ سے نکل گیا یا تم کسی کو دھمکی دے بیٹھے یا کسی کو مار بیٹھے تو اس کا فائدہ تو کچھ بھی نہیں ہو گا۔ مگر آریہ لوگ اس کو اس قدر شہرت دیں گے کہ ہمارے مبلغوں کو ان کے حملوں کے جواب دینے سے فرصت نہ ملے گی اور سلسلہ کی سخت بدنامی ہو گی۔ پس گالیاں سن کر دعا دو اور عملاً دو۔ اور جوش دلانے والی بات کو سن کر سنجیدگی سے کہہ دو کہ اسلام اور احمدیت کی تعلیم تمہیں اس کا جواب دینے سے مانع ہے۔ تم پھر بھی اس کے خیر خواہ ہی رہو۔ اپنے مخالف سے بھی کہو کہ تم اس کے دشمن نہیں ہو بلکہ تم باوجود اس کی عداوت کے اس کے خیر خواہ ہو کیونکہ تم کو خدا تعالیٰ نے دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے مقرر کیا ہے۔ اگر کوئی مار بھی بیٹھے تو اس کی پرواہ نہ کرو۔ یاد رکھو کہ لوگ بزدل کو حقیر جانتے ہیں اور وہ فی الواقعہ حقیر ہے لیکن تکلیف اٹھا کر صبر کرنے والا اور اپنے کام سے ایک بال کے برابر نہ ہٹنے والا بزدل نہیں وہ بہادر ہے۔ بزدل وہ ہے جو میدان سے بھاگ جاتا ہے یا اپنی کوششوں کو سست کر دیتا ہے جو مار کھاتا ہے اور صبر کرتا اور اپنے کام کو جاری رکھتا ہے۔ وہی در حقیقت بہادر ہے کیونکہ بہادری کا پتہ تو اسی وقت لگتا ہے جب اپنے سے طاقتور کا مقابلہ ہو اور پھر بھی انسان نہ گھبرائے۔

۳۴- میں نے بار بار آہستگی کی تعلیم دی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مہینوں اور برسوں میں کام کرو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قدم بقدم چلو۔ جب قدم مضبوط جم جائے تو پھر دوسرے قدم کے اٹھانے میں دیر کرنا اپنے وقت کا خون کرنا اور اپنے کام کو نقصان پہنچانا ہے۔ اگر گھنٹوں میں کام ہوتا ہے تو گھنٹوں میں کرو۔ اگر منٹوں میں کام ہوتا ہے تو منٹوں میں کرو۔ صرف یہ خیال کر لو کہ اس کی رفتار ایسی تیز نہ ہو کہ خود کام ہی خراب ہو جائے یا آئندہ کام پر اس کا بد اثر پڑے۔

۳۵- ایسے علاقوں میں رات نہ گزارو جہاں فتنہ کا ڈر ہو۔ اگر وہاں رات بسر کرنی ضروری ہے تو شہر میں نہ رہو۔ شہر سے باہر کسی پرانے مکان یا کسی جھونپڑے میں یا پاس کے کسی گاؤں میں رہو صبح پھر وہیں آجاؤ۔ یہ بزدلی نہیں حکمت عملی ہے۔

۳۶- اس عرصہ میں اگر پرانے ہندوؤں کو تبلیغ کر سکو تو اس موقع کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دو۔ مگر سوائے

ان لوگوں کے جن کا کام بحث کرنا مقرر کیا گیا ہے۔ دوسرے لوگ بحث کے کام میں حصہ نہ لیں۔ بلکہ فرداً فرداً اور الگ الگ تبلیغ کریں۔

۳۷۔ اردگرد کے ہندوؤں کے خیال معلوم کر کے جو شدھی کے برخلاف ہوں ان میں بھی غیر معلوم طور پر اس تحریک کے خلاف جوش پیدا کرنے کی کوشش کرو۔

۳۸۔ یہ کوشش کرو کہ شدھی ہونے والے راجپوتوں پر ثابت ہو جائے کہ ہندو قوم بحیثیت قوم ان کے ساتھ اپنے لوگوں والا برتاؤ کرنے کے لئے تیار نہیں اور کسی تدبیر سے ایسے لوگوں کو جو اس بات کو دیکھ کر شدھی کی بے ہودگی کو سمجھ سکیں ان لوگوں سے ملاؤ۔ جو شدھی شدہ لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے تیار نہیں۔

۳۹۔ ان ظلموں اور شرارتوں کی یا جبر کی خوب خبر رکھو جو آریہ لوگ شدھی کے لئے کرتے ہیں اور جہاں جہاں ایسی مثالیں معلوم ہوں ان کا پورا حال معلوم کر کے گواہوں اور مخبروں کے نام سمیت اپنے حلقہ کے دفتر میں ضرور اطلاع دو۔ اس سے اس کام میں بہت مدد مل سکتی ہے اگر کسی جگہ کے متعلق معلوم ہو جائے کہ وہاں آریوں نے بندوقیں اور تلواریں لے کر جمع ہونا ہے اور طاقت کا مظاہرہ کرنا ہے تو اس کی اطلاع ضرور قبل از وقت دفتر کو دو۔ تاکہ اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

۴۰۔ راجپوت یا دیگر اقوام جن میں شدھی ہو رہی ہے ان میں سے اسلام کا درد رکھنے والے لوگوں کے ساتھ خاص تعلق پیدا کرو اور ہمیشہ ان سے دوستی اور تعلق بڑھانے کی کوشش کرتے رہو۔

۴۱۔ محنت سے کام کرو اور وقت کو ضائع نہ ہونے دو۔ دن میں کئی کئی گاؤں کی خبر لینی چاہئے۔ چلنے پھرنے کی عادت ڈالو اور کم ہمتی کو پاس نہ آنے دو۔

۴۲۔ ہدایت ذریں میرا لیکچر تبلیغ کے طریق پر ہے۔ وہ حلقوں میں اور صدر میں رکھا ہوا ہو گا اس کو خوب اچھی طرح پڑھ لو۔ کیونکہ اس میں تبلیغ کے متعلق بعض عمدہ گر جو اس جگہ درج نہیں ہیں ملیں گے۔

۴۳۔ بعض شعر جن میں آریہ مذہب کی حقیقت پر روشنی ڈالی جائے گی اور بعض نظمیں مسائل کے متعلق اپنے پاس رکھو اور گاؤں کے چند نوجوان لوگوں کو یاد کرا دو پھر بار بار ان سے بلند آواز سے پڑھوا کر وہ سنو۔ اس سے ان میں جوش پیدا ہو گا۔

۴۴۔ اصل چیز جو ارتداد سے روک سکتی ہے وہ روحانیت ہے۔ پس سنجیدگی اور قناعت کا مادہ پیدا کرنے کی کوشش کرو کہ اس کے بغیر سب کوششیں رائیگاں ہیں۔

۴۵۔ جہاں تک ہو سکے ان کو زائد وقت میں تعلیم دینے کی کوشش کرو۔ لفظ لفظ پڑھ کر بھی انسان کچھ عرصہ میں پڑھ جاتا ہے۔ وہ اردو جاننے لگیں تو اس سے بھی اس فتنہ کا بہت حد تک ازالہ ہو جائے گا۔

۴۶۔ ایسے تمام علاج جو مقامی واقفیت سے ذہن میں آویں ان سے اپنے حلقہ کے افسر کو اطلاع دو تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔

۴۷۔ ایسے نوجوان جو ذہین ہوں اور تعلیم کا شوق رکھتے ہوں اور تعلیم کی خاطر چند دنوں کے لئے اپنے گھروں کو چھوڑ سکتے ہوں ان کی تلاش رکھو اور پتہ لگنے پر انکے نام اور پتہ اور جملہ حالات سے افسر حلقہ کو اطلاع دو۔

۴۸۔ جس بات کو مخفی رکھنے کے لئے کہا جائے۔ اس کو پوری طرح مخفی رکھو۔ حتیٰ کہ بلا اجازت اپنے آدمیوں پر بھی ظاہر نہ کرو کہ ایسا کرنا بددیانتی اور سلسلہ کی خیانت ہے۔

۴۹۔ آریوں کے طریق عمل اور ان کے مبلغوں کی نقل و حرکت اور ان کے انتظام کا نہایت ہوشیاری اور غور سے مطالعہ کرو اور جب کوئی بات اس کے متعلق معلوم ہو تو فوراً اس کے متعلق افسر حلقہ کو اطلاع دو۔ اس امر میں سستی تبلیغ کے لئے مضر اور اس میں کوشش تبلیغ کے لئے بہت مفید ہو گی۔

۵۰۔ مجھے خط براہ راست آپ لکھ سکتے ہیں۔ مگر یہ خط رپورٹ نہیں سمجھا جائے گا۔ رپورٹ وہی سمجھی جائے گی جو افسروں کے توسط سے مجھ تک آئے گی۔

۵۱۔ اس عہد کو ہمیشہ سامنے رکھیں جو آپ نے میرے ہاتھ پر بیعت کے وقت کیا تھا یا اب اس تحریک کے وقت کیا ہے اور ان ہدایات کو بار بار پڑھتے رہیں اور پوری طرح بلا سرمو کے فرق کے ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ اس میں آپ کا مددگار ہو۔

۵۲۔ جب دوسرے بھائی کو چارج دیں تو ان تمام لوگوں سے اس کو ملا دیں جو واقف ہو چکے ہیں اور جن سے کام میں مدد ملنے کی امید ہے اور ان لوگوں سے آگاہ کر دیں۔ جن سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اور سارے علاقہ کی پوری خبر اس کو دیں اور اپنی نوٹ بک سے وہ سب باتیں جو میں پہلے بتا چکا ہوں۔ اس کو نقل کروا دیں تاکہ وہ بغیر محنت کے کام کو آگے چلا سکے اور ایک دفعہ ساتھ مل کر اس کو دورہ کرا دیں۔ پھر دعاؤں پر زور دیتے ہوئے اور خدا تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے کہ اس نے خدمت کا موقع دیا۔ واپس آجاویں اور آنے سے پہلے اپنے حلقہ کے مرکز میں آکر رپورٹ کریں کہ میں فلاں شخص کو چارج دے چکا ہوں اور جو معلومات وہ چاہیں ان کو بہم پہنچا

کرا ور ان کی اجازت سے مع الخیر واپس ہوں۔ خدا آپ کے ساتھ ہو۔ والسلام۔
خاکسار: میرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی قادیان دار الامان۔ ضلع گورداسپور

۲۱/ اپریل ۱۹۲۳ء

مجاہدین احمدیت شدھی کے علاقہ میں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ شدھی کے خلاف اپنی سکیم یکم اپریل ۱۹۲۳ء سے جاری کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مگر حالات کی نزاکت کے پیش نظر حضور نے وسط مارچ ۱۹۲۳ء ہی سے اس کا آغاز فرمادیا۔

چنانچہ آپ کی ہدایت پر صیغہ "انسداد ارتداد ملکانہ" کے نام سے ایک نیا دفتر کھولا گیا اور اس کے افسر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور نائب حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت نواب عبداللہ خاں صاحب تجویز ہوئے۔ اس مرکزی ادارہ کے قیام کے ساتھ آپ نے حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال کو امیر المجاہدین مقرر فرمایا [۲۵]۔ اور ان کی سرکردگی میں ۱۲/ مارچ ۱۹۲۳ء کو مجاہدین کا پہلا وفد روانہ فرمایا۔

اس پہلے وفد کے مجاہدین مندرجہ ذیل تھے۔ (۱) حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے (امیر المجاہدین) (۲) حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ (۳) شیخ یوسف علی صاحب بی۔ اے (۴) صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔ اے (۵) صوفی محمد ابراہیم صاحب بی۔ ایس۔ سی۔ (۶) ڈاکٹر نور احمد صاحب سب اسسٹنٹ سرجن (۷) حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب (نومسلم، قادیانی) (۸) مہاشہ محمد عمر صاحب نومسلم (۹) ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم (۱۰) چوہدری بدرالدین صاحب (۱۱) مولوی ظفر اسلام صاحب (۱۲) میاں عبدالسمیع صاحب (۱۳) محمد ابراہیم صاحب نائک (۱۴) فتح محمد صاحب ملتانی سپاہی (۱۵) عزیز احمد صاحب (۱۶) عبداللطیف صاحب گجراتی (۱۷) میاں خدا بخش صاحب (مومن پٹیالوی) (۱۸) حبیب الرحمٰن صاحب افغان (۱۹) سید صادق حسین صاحب اٹاوہ (جن کو اٹاوہ سے شامل وفد ہونے کی ہدایت دی گئی [۲۶]۔ اس وفد کی روانگی کے چند دن بعد مولانا جلال الدین صاحب شمس بھی آگرہ اور اس کے ماحول میں مناظرات اور تقاریر کے لئے بھجوائے گئے۔

چوہدری فتح محمد صاحب سیال کی قیادت میں دستہ ۱۲/ مارچ ۱۹۲۳ء کو روانہ ہو کر ۱۴/ مارچ ۱۹۲۳ء کو بمقام اچھنیرہ ضلع آگرہ میں پہنچا [۲۷]۔

یہاں چوہدری نذیر احمد خاں صاحب وکیل ریاست جے پور اور نیاز محمد خان صاحب جے پور اور محبوب خاں صاحب جو اپنے علاقہ کے سرکردہ غیر احمدی راجپوتوں میں سے تھے اور اسلام کے لئے

درد مند دل رکھتے تھے چوہدری صاحب کی ملاقات کے لئے آئے اور جماعت کا قافلہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم تو آپ ہی لوگوں کے منتظر تھے۔ یہ کام بہت نازک ہے اور آپ ہی کی کوشش اور تندہی سے خاطر خواہ طور پر انجام پا سکے گا۔

اچھنیرہ میں مجلس "نمائندگان تبلیغ" کے نمائندوں میں شدید اختلاف رونما ہو چکے تھے اور ان کے دور ہونے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ تاہم حضرت چوہدری صاحب نے ان تینوں اصحاب کی معرفت کہلا بھیجا کہ ہم اس انجمن سے ہر طرح ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر باہمی چپقلش کے انتہا تک پہنچنے کی وجہ سے ان نمائندوں میں اتفاق نہ ہو سکا۔ لہذا انجمن کی طرف سے چوہدری صاحب کو اطلاع آئی کہ آپ لوگ اپنا کام الگ شروع کر دیں اور ساتھ ہی احمدیوں کے لئے آگرہ کے ماحول کا ایک ایسا علاقہ مقرر کر دیا گیا۔ جہاں ارتداد پورے زوروں پر تھا یعنی اس علاقہ کا ایک حصہ تو مرتد ہو چکا تھا اور باقی علاقہ ارتداد سے خطرناک طور پر متاثر تھا۔ اس علاقہ کے راجپوتوں اور مولوی صاحبان نے متفق ہو کر کہا کہ اس علاقہ میں خطرہ بہت سخت ہے اس لئے ہم یہ کام آپ ہی کے سپرد کرتے ہیں [۲۸]۔

آریوں کی طرف سے شدھی کے مختلف ذرائع

وہ علاقہ جو جماعت احمدیہ کے لئے مقرر کیا گیا بلاشبہ سب سے اہم میدان جنگ تھا اور جیسا کہ احمدی مجاہدین کو یہاں پہنچ کر معلوم ہوا۔ یہاں آریہ چپہ چپہ پر شدھی میں مصروف تھے اور اس غرض کے لئے اس پراپیگنڈہ کے علاوہ جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ ہر قسم کے ناروا طریقے استعمال میں لا رہے تھے۔ کہیں روپے کا لالچ دے رہے تھے اور کہیں ظلم و تشدد کر کے انہیں اپنی زمین اور مکان سے بے دخل کر رہے تھے [۲۹]۔ اور یہ سب ہندو راجوں اور ہندو افسروں کی پشت پناہی میں ہو رہا تھا۔ مثلاً ضلع فرخ آباد کی ایک چھوٹی سی ریاست تروا نامی تھی۔ جس کا راجہ شدھی کا بڑا زبردست حامی تھا۔ وہ خود دیہات میں جاتا۔ سائبان لگ جاتے حلوہ پوری پکنی شروع ہو جاتی۔ راجہ غریب ملکانوں سے ہنس ہنس کر باتیں کرتا۔ ان کے قرضے اتارتا۔ اس طرح بھولے بھالے ملکانے شدھ ہونے کے لئے تیار ہو جاتے۔ ایک اور طریق یہ دیکھنے میں آیا کہ گاؤں کے چند شوریدہ سر آوارہ طبع لوگوں کو چن لیتے اور ان پر اپنا اثر جما کر باقی لوگوں کو بھی شدھ کر لیتے۔ جس گاؤں کو شدھ کرنا ہوتا تھا وہاں کی ملکانہ آبادی سے کئی گنا آدمی لے کر موٹروں، گاڑیوں، اونٹوں، رتھوں، بندوقوں اور تلواروں کے ساتھ پہنچتے اور اس نمائش سے مرعوب کر کے مسلمانوں کو شدھ کر لیتے۔ ضلع آگرہ کے ایک گاؤں (فتح پور) میں جب آریہ گئے تو بعض مسلمان عورتوں نے جو شدھی کے خلاف تھیں تنگ آ کر کنویں میں

ڈوب مرنے کی کوشش کی جنہیں بڑی مشکل سے بچایا گیا [۲۰]۔ جہاں جہاں آریوں کا زور بڑھتا جاتا تھا شدھ سے انکار کرنے والوں کا قافیہ حیات تنگ کیا جا رہا تھا تا وہ بھی ارتداد اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں [۲۱]۔

اس سلسلہ میں ایک اہم واقعہ جو ترتیب کے لحاظ سے آگے آنا چاہئے۔ مگر آریوں کی تشدد آمیز کارروائیوں کا نمونہ بتانے کے لئے ضروری ہے۔ یہیں درج کئے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ فرخ آباد کے گاؤں بھڑا میں ایک نوجوان شہزادہ نامی نے اپنی بہادر مسلمان بیوی "بسم اللہ" کو شدھ ہونے کے لئے کہا مگر اس نے صاف انکار کر دیا جس پر شہزادہ نے اسے لاٹھی سے مار مار کر نیم جان کر دیا وہ بےچاری آخر دم تک مرغ بسمل کی طرح تڑپتی رہی اور یہ کہتے ہی دم توڑ دیا کہ میں مر جاؤں گی مگر شدھ نہیں ہوں گی اس حادثہ کے بعد آریوں نے اس مظلومہ کی لاش دفن کر دی اور مشہور کر دیا کہ وفات ہیضہ سے ہوئی ہے بسم اللہ کا باپ نور خاں ایک غریب اور بےکس آدمی تھا۔ بھاگا بھاگا اپنے مولویوں کے پاس گیا مگر کسی نے پروانہ کی۔ آخر وہ فرخ آباد میں ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم کے پاس گیا۔ انہوں نے آگرہ کے مرکز میں اطلاع دی اور شیخ محمد احمد صاحب ایڈووکیٹ جو آگرہ میں مصروف جہاد تھے۔ فرخ آباد آئے اور نور خاں کی طرف سے عدالت میں درخواست دلوائی اور خاص توجہ سے مقدمہ کی پیروی کی۔ قصہ کوتاہ لاش نکلوائی گئی۔ اور ڈاکٹری معائنہ بھی ہوا۔ مگر اوپر سے نیچے تک تمام کارروائی ہندوؤں کے ہاتھوں میں ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مجرم صاف بری ہو گیا [۲۲]۔

یہ تمام ترحربے اتنے ناروا اور خلاف اخلاق تھے کہ مشہور ہندو لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو کو بھی کھلا اعتراف کرنا پڑا کہ۔

"جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں تحریک شدھی کی بنیاد مختلف اسباب پر ہے اور ناپسندیدہ طریق پر اسے چلایا جا رہا ہے۔ بجائے امن و یکجہتی کے اس کی وجہ سے نفرت و حقارت' بے اعتمادی اور تلخی کے جذبات پیدا ہو گئے ہیں۔ رواداری کا قطعی فقدان ہو گیا ہے۔ اور ہم میں سے اچھے اچھے اشخاص بھی قابل شرم شکوک و شبہات سے بری نہیں ہیں" [۲۳]۔

پھر ان ہی دنوں مسٹر گاندھی نے شدھی کے علمبردار سوامی شردھانند اور آریوں کی نسبت اپنی یہ واضح رائے دی کہ۔

"آپ جہاں کہیں بھی آریہ سماجیوں کو پائیں گے وہاں ہی زندگی اور سرگرمی موجود ہو گی تنگ نظری اور لڑائی کی عادت کی وجہ سے وہ ...... دیگر مذاہب کے لوگوں سے لڑتے رہتے ہیں ...... شردھانند جی...... کو بھی اس سپرٹ کا حصہ وافر ملا ہے...... آریہ سماجی اپدیشک (مبلغ) کو اتنی خوشی

کبھی نہیں ہوئی جتنی کہ دیگر مذاہب کی بدگوئی کرنے کے وقت ہوتی ہے" [۲۴]۔

مجاہدین احمدیت کی ابتدائی سرگرمیاں

یہ وہ حالات تھے جن میں حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال نے علاقہ ارتداد میں قدم رکھا۔

حضرت چوہدری صاحب نے اپنا مرکز شہر آگرہ میں قائم کر کے مجاہدین کو مین پوری' ایٹہ' فرخ آباد' علی گڑھ' کرنال اور مظفر نگر کے اضلاع سے صحیح صحیح حالات کی رپورٹ کے لئے بھیجا اور دس دن میں لوٹنے کی تاکید کر دی [۲۵]۔ جن علاقوں میں شدھی ہو چکی تھی۔ یا ہونے کی افواہ تھی وہاں بھی مبلغ بھجوا دیئے۔ خصوصاً ریاست بھرت پور کے اِکرن نامی مشہور گاؤں میں جہاں جمیا نامی ایک بہادر راجپوت بڑھیا پورے گاؤں کے شدھ ہونے کے باوجود اسلام پر قائم تھی [۲۶]۔ جمیا کے بیٹوں نے آریوں کے دھمکانے پر اس سے بار بار کہا کہ شدھ ہو جاؤ تمام آریہ اور ریاست کے حاکم کہہ رہے ہیں مگر یہ نیک بخت عورت نہ مانی۔ اسے بہت دکھ دیئے گئے اور اس کا بائیکاٹ کر دیا گیا لیکن وہ یہی کہتی رہی کہ "بیٹا میں اسلام کو ناہیں چھوڑ سکت چاہے گردن کٹ جائے" [۲۷]۔ اسی طرح ملکانہ کے مشہور قصبہ نوگاؤں میں حضرت شیخ غلام احمد صاحب واعظ مقرر ہوئے [۲۸]۔

جو اصحاب علاقہ کا ابتدائی دورہ کرنے کے لئے بھجوائے گئے تھے وہ جلد ہی پورے محاذ کا دورہ کر کے نہایت اہم معلومات لے کر واپس آئے۔ اس سلسلہ میں انہیں سخت مجاہدہ کرنا پڑا۔ چنانچہ بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی' صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔ اے۔ ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم۔ شیخ یوسف علی صاحب بی۔ اے اور دوسرے مجاہدین نے تیز اور چلچلاتی دھوپ میں کئی کئی میل روزانہ پیدل سفر کیا۔ بعض اوقات کھانا تو الگ رہا ان کو پانی بھی نہ مل سکا۔ کھانے کے وقت یا تو اپنا بچا کھچا باسی کھانا کھاتے یا بھونے ہوئے دانے کھا کر پانی پی لیتے اور اگر سامان میسر آسکتا تو آٹے میں نمک ڈال کر اپنے ہاتھوں روٹی پکا کر کھا لیتے۔ رات کو جہاں جگہ ملتی سو جاتے۔ ملکانوں نے ان کی خاطر تواضع دودھ سے کرنا چاہی۔ مگر انہوں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے واپس کر دیا۔ بعض رؤسا نے مبلغین کے بستر اور سامان کے لئے مزدور دینا چاہے مگر یہ جانباز سپاہی اپنا سامان اٹھائے پیدل سفر کرتے رہے اور ایک گاؤں میں کام ختم ہونے پر اس بات کی پرواکئے بغیر کہ کیا وقت ہے یا دوسرا گاؤں کتنے فاصلے پر ہے فوراً آگے روانہ ہو جاتے انہوں نے بعض اوقات اندھیری راتوں میں ایسے تنگ اور پُرخطر راستوں سے سفر کیا۔ جہاں جنگلی سؤر اور بھیڑیئے بکثرت پائے جاتے تھے۔ یہ مجاہد ملکانوں پر پانی تک کا بھی بوجھ نہ ڈالتے۔ اور یہ کہتے کہ آپ لوگوں کو دین سکھانے کے لئے ہمارے آدمی آئیں گے۔ جو آپ سے کچھ نہ لیں گے بلکہ اپنا خرچ بھی آپ برداشت کریں گے۔ یہ لوگ چونکہ اپنے مولوی صاحبان کی شکم پروریوں کی وجہ سے

بد ظن ہو چکے تھے [۳۹]۔ اس لئے ان کے نزدیک یہ بات بڑی حیرت انگیز تھی کہ ایسے خادم دین بھی موجود ہیں جو رضاکارانہ طور پر اسلام کی تبلیغ کا فریضہ ادا کرنے کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں۔

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے نہ صرف تین دن کے اندر اندر ضلع ایٹہ کے اکثر دیہات کا دورہ مکمل کر لیا اور ہر گاؤں سے متعلق ایسے تفصیلی کوائف مہیا کئے گویا مدت سے ان دیہات میں ان کی آمد و رفت تھی۔

ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم [۴۰] اور خدا بخش صاحب "مومن جی" پٹیالوی نے ضلع فرخ آباد کا وسیع دورہ کیا۔ جناب ماسٹر صاحب نے جوگیوں کے لباس میں بھگوے کپڑے پہنے ' ننگے سر اور ننگے پاؤں دورہ کرتے رہے جس کا مسلمانوں پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے ایسے مولوی نہیں دیکھے جو اس طرح رات دن تبلیغ میں بھاگے پھریں اور کسی پر کھانے پینے کا بوجھ نہ ڈالیں۔

جناب شیخ یوسف علی صاحب بی۔ اے ریاست بھرت پور اور علاقہ تسی میں گئے اور بہت سے گاؤں میں پہنچ کر معزز لوگوں کو پیش آمدہ خطرہ سے آگاہ کیا۔ اسی دوران میں شیخ صاحب ریاست بھرت پور کے گاؤں اکرن کی جواں ہمت ستر سالہ بڑھیا جمیا سے بھی ملے جو آریوں کے ڈرانے دھمکانے کے باوجود مذہب اسلام پر قائم تھی۔ مائی جمیا نے بتایا کہ مرتد مسلمانوں نے تعصب اور ضد کی وجہ سے اس کی فصل کاٹنے سے بالکل انکار کر دیا ہے۔ یہ خبر آگرہ کے دارالتبلیغ میں پہنچی تو حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال امیر وفد المجاہدین نے اسی وقت جناب قاضی محمد عبداللہ صاحب بی۔ اے بی۔ ٹی کو (جو اس علاقہ کے انچارج تھے) حکم دیا کہ سب کام چھوڑ کر فوراً اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر فصل کاٹنا شروع کر دیں۔ اور اس مائی کی حفاظت کا پورا پورا سامان کریں۔ چنانچہ حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی اور دوسرے مجاہدین نے ہاتھوں میں درانتیاں پکڑ کر بڑھیا کی ساری فصل کاٹ دی" [۴۱]۔

صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔ اے نے ضلع مین پوری اور متھرا کا دورہ کر کے قریباً چالیس دیہات میں چکر لگایا۔ اور سولہ میل روزانہ کی اوسط سے پیدل سفر کرتے رہے۔ ایک بار کھانے کا کوئی انتظام نہ ہو سکا اور متواتر انیس گھنٹہ تک بھوکے رہے اور اسی حالت میں سفر جاری رکھا [۴۲]۔

غرض کہ اس پہلے ہراول دستہ کے مجاہدین دس دن تک آگرہ ' متھرا ' بھرت پور ' ایٹہ ' اٹاوہ ' مین پوری ' فرخ آباد کے اضلاع میں طوفانی دورہ کر کے نہ صرف آئندہ کی مورچہ بندی کے لئے مکمل رپورٹ اور سکیم ساتھ لائے بلکہ شدھی سے متاثر مقامات کے مسلمان ملکانوں کے حوصلے بلند کر دیئے اور ان کو آریوں کے عزائم سے چوکس اور ہوشیار کر دیا۔

حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال نے ۲۴/ مارچ کو تار دیا کہ بیس مبلغین کی فوری ضرورت ہے

چنانچہ ادھر یہ مجاہدین حالات کا جائزہ لے کر آگرہ میں پہنچے ادھر ۲۶/اپریل ۱۹۲۳ء کو قادیان سے بیس کی بجائے بائیس مجاہدین کا دوسرا وفد آگیا۔ اس وفد کے بعض افراد کے نام یہ ہیں۔ حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب قادیانی۔ چوہدری عبدالسلام صاحب کاٹھ گڑھی۔ جناب خواجہ غلام نبی صاحب ایڈیٹر الفضل، جناب مولوی ظل الرحمٰن صاحب بنگالی، منشی عبدالخالق صاحب کپورتھلوی۔ منشی محمد الدین صاحب ملتانی (والد ماجد جناب شیخ مبارک احمد صاحب سابق رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ) ہادی علی خان صاحب۔ (برادر زادہ مولانا محمد علی و شوکت علی) شیخ محمد ابراہیم علی صاحب (پسر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی) اور حضرت سید عزیز الرحمٰن صاحب بریلوی ۶۳۔

حضرت چوہدری صاحب رات کے ایک بجے تک اس وفد کو صورت حال سے آگاہ کرتے اور ہدایات دیتے رہے اور دوسرے ہی دن ۲۷/مارچ ۱۹۲۳ء کو مختلف انسپکٹروں کی سرکردگی میں نئے مجاہدین کو مختلف اضلاع میں روانہ کرکے ہر طرف پھیلا دیا ۶۴۔ چنانچہ مولوی ظل الرحمٰن صاحب بنگالی بھوپت پور (ضلع ایٹہ) میں چوہدری عبدالسلام صاحب کاٹھ گڑھی متھرا کے گاؤں بھائی میں۔ حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب متھرا کے دوسرے گاؤں آنور میں اور سید عزیز الرحمٰن صاحب ضلع فرخ آباد میں بھجوائے گئے ۶۵۔

میدان ارتداد میں تبلیغی جنگ کا ابتدائی نقشہ

اس دوسرے وفد کے پہنچنے پر میدان ارتداد میں مدافعت کا ابتدائی نقشہ یہ ہو گیا امیر المجاہدین کے ساتھ صوفی محمد ابراہیم صاحب بی۔ ایس سی اور خواجہ غلام نبی صاحب ایڈیٹر الفضل نے آگرہ میں کام شروع کیا۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس آگرہ اور دوسرے علاقوں میں مباحثوں اور تقریروں کے لئے مقرر ہوئے۔

ضلع آگرہ کے موضع کھنڈوائی میں مولوی ظفر اسلام صاحب موضع سکرار میں منشی محمد دین صاحب اور ان کی نگرانی اور نئے حالات سے تبلیغی مرکز میں اطلاع دینے کی خدمت حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ قادیانی کے سپرد ہوئی۔ ضلع متھرا میں (جو اس وقت آریوں کا بھاری مرکز تھا) حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب، حضرت شیخ غلام احمد صاحب واعظ، میاں خدا بخش صاحب مومن، چوہدری بدر الدین صاحب، چوہدری عبدالسلام صاحب کاٹھ گڑھی، صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز، حضرت قاضی محمد عبداللہ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی اور شیخ یوسف علی صاحب بی۔ اے پہلے ہی نوگاؤں، پرکھم، موضع بھائی، موضع باٹھی، موضع تیرہ اور موضع بیری وغیرہ میں کام کر رہے تھے۔

ضلع فرخ آباد میں ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم تھے اور ان کے تحت حضرت سید عزیز الرحمٰن صاحب

اور دوسرے متعدد مجاہدین قائم گنج' علی گڑھ و قنوج' برون' چھٹر مئو' محمد آباد اور منگھوالی میں مصروف جہاد تھے۔ ضلع ایٹہ کے قصبات و مواضع (دھومڑی' بھوپت پور اور کاس گنج) میں مولوی عبدالخالق صاحب اور مولوی ظل الرحمٰن صاحب بنگالی فاضل وغیرہ نے مورچے سنبھالے۔ ریاست بھرت پور' ضلع علی گڑھ' ضلع مظفر گڑھ اور ضلع اٹاوہ میں بالترتیب مولوی عبدالصمد صاحب پٹیالوی۔ شیخ ابراہیم علی صاحب۔ منشی عبدالسمیع صاحب کپورتھلوی اور ہادی علی خان صاحب اور ان کے ساتھ دوسرے مجاہدین کا تقرر ہوا[46]۔

۴/اپریل ۱۹۲۳ء کو قادیان سے مجاہدین کا تیسرا وفد بھی[47] جو بائیس افراد پر مشتمل تھا راتوں رات ہدایات لے کر ۷/اپریل کو میدان عمل میں پہنچ گیا۔ اس وفد میں دوسرے احباب کے علاوہ حضرت مولوی محمد حسین صاحب' حضرت چوہدری برکت علی صاحب گڑھ شنکر' حضرت مولوی حکیم غلام محمد صاحب امرتسری' قریشی محمد حنیف صاحب میرپوری اور عبداللہ خانصاحب (خلف حضرت خان صاحب ذوالفقار علی صاحب بھی شامل تھے۔ اس وفد کی آمد پر زور شور سے تبلیغی جنگ لڑی جانے لگی۔

اسی دوران میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے افسر صیغہ انسداد ارتداد ملکانہ حجتہ اللہ حضرت نواب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کے ساتھ آگرہ تشریف لے گئے[48-49] اور بچشم خود اصل حالات کا مشاہدہ کر کے اور مبلغین کو ضروری اور مناسب ہدایات دے کر ۲۳/اپریل ۱۹۲۳ء کو واپس تشریف لائے۔ آپ کے تاثرات یہ تھے کہ "یہ ایک عظیم الشان جنگ تھی۔ جس کا محاذ قریباً ایک سو میل کی وسعت پر پھیلا ہوا تھا اور اس وسیع محاذ پر اسلام اور کفر کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل پر تخت یا تختہ کے عزم کے ساتھ ڈیرہ جمائے پڑی تھیں"[50]۔

آگرہ' متھرا کے اضلاع اور ریاست بھرت پور میں شدھی کا حملہ بہت سخت تھا۔ مگر امیر وفد المجاہدین نے دور اندیشی کی کہ جن علاقوں میں آریہ ابھی پہنچے نہیں تھے یا ان کا زور کم تھا وہاں مجاہدین کو پیش قدمی کا حکم دے کر قبضہ کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے گاؤں ارتداد سے بچ گئے[51]۔

۱۶/اپریل ۱۹۲۳ء کو قادیان سے انیس مجاہدین کا چوتھا وفد جو حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کی امارت میں روانہ ہوا جو حضرت شیخ صاحب موصوف' حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب بھٹی' مرزا مہتاب بیگ صاحب مولوی محمد اسماعیل صاحب (برادر اکبر حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری) اور حضرت منشی قاسم علی خاں صاحب رامپوری وغیرہ اصحاب پر مشتمل تھا[52]۔ ۱۸/اپریل ۱۹۲۳ء کو آگرہ پہنچا۔ اس وفد کے پہنچنے پر میدان جہاد میں کام کرنے والوں کی مجموعی تعداد سو کے قریب ہو گئی۔ اس کے بعد ایسا انتظام کیا گیا کہ بیک وقت ایک ایک سو آنریری مبلغ اس علاقہ میں کام کرتے تھے ایک

دستہ فارغ ہوتا تھا تو اس کی جگہ دوسرا وفد پہنچ جاتا تھا [۵۳]۔

اگلے وفدوں میں آنے والے بعض اصحاب کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ چوہدری غلام احمد صاحب کریام۔ شیخ فضل احمد صاحب ہیڈ کلرک راولپنڈی (حال ربوہ) محترم جناب شیخ بشیر احمد صاحب (سابق جج ہائی کورٹ مغربی پاکستان)، جناب میاں عطاء اللہ صاحب (بی اے ایل ایل بی لاہور سابق امیر جماعت راولپنڈی مقیم کینیڈا، چوہدری احمد دین صاحب (وکیل گجرات)، میاں فضل کریم صاحب بی۔ اے' (مرزا) عبدالحق صاحب لاہور (حال امیر صوبائی و صدر نگران بورڈ)' شیخ محمد احمد صاحب پلیڈر کپور تھلہ' بابو غلام رسول صاحب ریڈر سیشن کورٹ پشاور' سید فضل الرحمٰن صاحب فیضی کمرشل ہاؤس منصوری' حضرت میر مہدی حسین صاحب' حضرت مولوی حکیم قطب الدین صاحب قادیان' حافظ ملک محمد صاحب پٹیالوی' حضرت منشی فرزند علی خان صاحب' ملک عزیز محمد صاحب پلیڈر ڈیرہ غازی خان' حضرت مولوی محمد عبداللہ صاحب سنوریؓ۔

حضرت مولوی محمد حسین صاحب کے نہایت ایمان افروز چشم دید اور خودنوشت حالات

حضرت مولوی محمد حسین صاحب وہ خوش نصیب بزرگ ہیں جنہیں پہلی بار ۴- اپریل ۱۹۲۳ء کو مجاہدین کے تیسرے وفد میں جانے کی سعادت نصیب ہوئی بلکہ بعد ازاں کچھ عرصہ مربی ملکانہ کی حیثیت سے شاندار خدمات کی توفیق ملی آپ اپنی کتاب "میری یادیں" میں تحریر فرماتے ہیں:-

"شردھانند آریہ نے آگرہ سے غالباً یہ اشتہار دیا کہ اگر آریہ سماج چار لاکھ روپیہ اکٹھا کر کے مجھے بھیج دیں تو میں ساڑھے چار لاکھ ملکانہ مرد و زن بچوں کو آریہ بنا سکتا ہوں۔ جب یہ اشتہار حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں پہنچا تو حضور کو سخت قلق ہوا اور آپ نے وہ اشتہار خطبہ جمعہ میں پڑھ کر سنایا اور اعلان کیا کہ ہماری جماعت اب میدان میں نکلے اور تین ماہ خدا تعالیٰ کی خاطر وقف کرے اور اپنے ہی کرایہ اور کھانے کے بندوبست پر یوپی کے علاقہ جہاں بھی اس کا تعین کیا جائے رہ کر ان لوگوں کو دین

حق سے اچھی طرح وابستہ کرے۔ چنانچہ جو لوگ اس کام کے لئے تیار ہوں وہ بہت جلد اپنی درخواستیں بھیج کر جانے کے لئے تیار رہیں۔ حضور کا یہ اعلان سنتے ہی سینکڑوں مخلصین نے درخواستیں دیں۔ میں نے بھی والد صاحب سے اجازت لے کر درخواست دے دی۔ میری اس درخواست کا سن کر والدہ صاحبہ بہت گھبرائیں کیونکہ کسی عورت نے بتا دیا تھا کہ جہاں یہ لوگ جائیں گے وہاں ہندوؤں سے جھگڑے ہوں گے اور وہاں ہندو کثرت سے ہیں۔ نامعلوم یہ کہاں مارے جائیں۔ عورتوں کے دل کمزور ہوتے ہیں۔ اسی لئے آپ بھی گھبرا گئیں۔ میں نے آپ کو بڑی محبت سے سمجھایا کہ خدا نے اس جگہ سے ہمیں بچائے رکھا جہاں ہم گورنمنٹ کی نوکری میں صرف جنگ کرنے کے لئے ہی گئے تھے اور یہ تو خدا تعالیٰ کا کام ہے وہ خود ہی ہماری حفاظت کرے گا۔ آپ بالکل فکر نہ کریں اور ہر نماز میں دوسری دعاؤں کے ساتھ دین حق کی فتح کی دعا بھی کرنا شروع کر دیں۔ قادیان سے ۱۲ مارچ ۱۹۲۳ء کو پہلا وفد برائے سروے حضور نے روانہ فرمایا۔ حضور اور دیگر احباب کثرت سے ڈلہ کے موڑ تک وفد کو روانہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں ایک کنویں کے نزدیک تمام احباب اکٹھے ہو گئے۔ حضور نے مختلف نصیحتیں کرنے کے بعد ایک لمبی دعا کروا کر وفد کو روانہ کیا اور اس وقت تک وہیں کھڑے رہے جب تک وفد کے احباب جاتے ہوئے دکھائی دیتے رہے۔ جب یہ وفد آنکھوں سے اوجھل ہوا تو حضور نے واپسی کا سفر شروع کیا۔ ہم بھی آپ کے ہمراہ واپس آ گئے۔ اس وقت میرے دل میں بہت جوش اٹھا کہ کاش میں بھی اس جانے والے وفد کے ہمراہ ہوتا۔ واپس قادیان آکر غمگین دل کے ساتھ دوبارہ کام شروع کر دیا۔ بالآخر ۲۴ مارچ ۱۹۲۳ء کو دوسرا وفد جانے کی افواہ سنی۔ بڑی خوشی ہوئی کہ اب میرا نام بھی اس وفد میں ضرور آجائے گا۔ میں نے فہرست میں اپنے نام کی تسلی کرنے کے لئے کوشش کی تو جواب ملا کہ آپ تسلی سے اپنا کام جاری رکھیں۔ جب آپ کا نام آئے گا تو روانگی سے ایک دن قبل آپ کو اطلاع کر دی جائے گی۔ ۲۳ مارچ کا دن بھی آگیا مگر شام تک مجھے کوئی اطلاع نہ ملی اور اگلے دن صبح یہ اعلان ہو گیا کہ آج بعد دوپہر دوسرا وفد روانہ ہو گا۔ چنانچہ پہلے وفد کی روانگی کی طرح اب بھی ہم حضور کے ہمراہ اسی جگہ تک گئے اور نصائح کے بعد دعا کے ساتھ وفد کو روانہ کیا۔ میرا نام وفد میں نہ آنے کی وجہ سے سخت اضطراب کی حالت میں رہا اور پھر تنگ آکر میں نے حضور کی خدمت میں ایک درخواست لکھی کہ اگر حضور نے مجھے تیسرے وفد میں بھی نہ بھیجا تو میں بیمار ہو جاؤں گا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے میری التجا سن لی اور مجھے اطلاع ملی کہ کل مورخہ ۴ اپریل ۱۹۲۳ء کو تیسرے وفد کے ہمراہ جانے کے لئے تیار رہیں اور کل دس بجے اپنا مختصر سامان' کھانا اور کپڑے وغیرہ ہمراہ لیکر دفتر تشریف لے آئیں۔ یہ سن کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اگلے دن مع سامان اور ساٹھ روپے نقد لے کر

دفتر پہنچ گیا۔ وہاں سے سرٹیفکیٹ ملا کہ ''حامل سرٹیفکیٹ جماعت احمدیہ قادیان ضلع گورداسپور پنجاب کا بونافائڈ مشنری ہے۔ اسے ہر جگہ جانا پڑے گا اور ضرورت کے مطابق لباس بھی تبدیل کرنا پڑے گا۔ اس لئے گورنمنٹ اسے مشتبہ نظر سے نہ دیکھے وغیرہ وغیرہ۔

مورخہ ۴۔ اپریل ۱۹۲۳ء کو دفتر سے فارغ ہونے کے بعد وفد کے سب اصحاب جو تعداد میں پچیس کے قریب تھے اکٹھے ہوئے اور ہمیں حضور اور دیگر افراد جماعت کثرت سے ڈلہ کے موڑ تک الوادع کرنے گئے۔ حضور نے حسب معمول نصائح فرمائیں اور اعلان کیا کہ جس کو نئی بستی میں داخل ہونے کی دعا یاد ہے وہ گاڑی میں ہی سب احباب کو حفظ کرا دے مجھے اور عبدالرحیم صاحب کو یہ دعا یاد تھی چنانچہ ہم نے سب کو یاد کروانے کا اقرار کیا۔ حضور نے بعد دعا و معانقہ ہمیں رخصت کیا۔ ہم پیدل ہی جا رہے تھے اور بار بار مڑ کر پیچھے دیکھ لیتے تھے۔ حضور بھی اس وقت تک کھڑے ہمیں دیکھتے رہے جب تک ہم انہیں دکھائی دیتے رہے۔ ہم تیزی کے ساتھ چلتے رہے۔ عصر کی نماز قصر کر کے ہم نے نہر کے کنارہ پر نماز باجماعت ادا کی اور مغرب کے بعد بٹالہ پہنچے۔ رات کو بٹالہ سے بذریعہ گاڑی روانہ ہوئے اور اگلے دن بعد دوپہر آگرہ پہنچے۔ وہاں چوہدری فتح محمد صاحب سیال امیر تھے۔ انہوں نے ہمارے لئے حلقوں کا انتخاب کیا۔ جو لوگ مجھ سے واقف تھے وہ مجھے اپنے ساتھ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ آخر بابو جمال الدین صاحب جو ایڈیٹر ''نور'' محمد یوسف صاحب کے سُسر تھے انہوں نے چوہدری صاحب سے کہا کہ میں عمر رسیدہ ہوں اس لئے آپ مولوی محمد حسین کو میرے ہمراہ کر دیں۔ چوہدری صاحب نے منظور کر لیا۔ ہمیں ضلع ایٹہ ملا اور عبدالرحمان صاحب قادیانی ہمیں ہمارے حلقہ میں پہنچانے کے لئے ہمراہ چل دیئے۔ کاس گنج پہنچنے کے بعد بذریعہ لاری ایٹہ پہنچے۔

چونکہ ہم رات کے وقت ایٹہ پہنچے تھے اس لئے رہائش کے لئے سرائے تلاش کرنے لگے۔ ایک آدمی سے سرائے کے متعلق پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ آپ آباد سرائے میں جائیں گے یا غیر آباد میں؟ ہم نے کہا آباد سرائے میں تو وہ بیچارہ ہمیں راستہ بتا کر کہنے لگا کہ وہاں روشنی ہو رہی ہوگی اور آپ آسانی سے وہاں پہنچ جائیں گے۔ جب ہم چند قدم ہی آگے بڑھے تو مجھے خیال آیا کہ اس آباد اور غیر آباد سرائے کے بارے میں معلوم کرنا چاہئے۔ چنانچہ واپس آکر دریافت کی تو معلوم ہوا کہ آباد سرائے میں ہر قسم کی بازاری عورت مل جائے گی اور غیر آباد میں نہیں ملے گی۔ میں نے لاحول پڑھا اور ہنستے ہنستے عبدالرحمان صاحب کو آواز دی کہ ذرا ٹھہر جائیں اور انہیں سارا حال سنایا۔ وہ بھی لاحول پڑھ کر ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ شکر ہے کہ آپ کو یہ بات بروقت سوجھ گئی ورنہ صبح کو ہماری بڑی بدنامی ہوتی۔ غرضیکہ ہم غیر آباد سرائے میں چلے گئے۔ صبح اٹھ کر نماز وغیرہ پڑھی اور بعد دعا بذریعہ یکہ ڈھمری روانہ

ہو گئے۔ ظہر کے وقت علی گنج کی تحصیل میں ایک گاؤں "گڑھی" تھا جو پختہ سڑک کے کنارہ پر تھا وہاں پہنچے۔ بھائی عبدالرحمان صاحب نے ہمیں سڑک پر ہی اتار دیا کہ آپ اس گاؤں میں جہاں چاہیں ڈیرہ لگا لیں میں اب واپس جاتا ہوں۔ خدا حافظ کہہ کر اسی یکہ پر واپس روانہ ہو گئے۔ ہم اپنا سامان اٹھا کر اسی گاؤں کی ایک چھوٹی سی پختہ بیت میں پہنچے۔ چھوٹے چھوٹے بچے جن کی زبان سے ہم واقف نہ تھے ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے۔ "ارے یہ کوہ ہے؟" یعنی یہ کون ہے؟ تھوڑی دیر کے بعد ایک معمر آدمی جس کا نام ممتاز علی خان تھا آیا۔ اس نے بڑی عمدہ سلیس اردو میں ہمارے ساتھ مہذبانہ طریق سے بات کی۔ ہمیں اس سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ وہ تعلیم یافتہ آدمی تھا۔ ہم نے اسے اس ملک میں آنے کی غرض بتائی۔ وہ سن کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ میں پہلے آپ کے کھانے کا انتظام کر آؤں پھر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ بابو صاحب کہنے لگے کہ مولوی صاحب میں تو اب یہیں رہوں گا آپ کوئی اور گاؤں قریب ہی تلاش کر لیں۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں بھی کوئی گاؤں تلاش کر لوں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔ رات کو کافی دوست اکٹھے ہو گئے۔ میں نے ان سے اردگرد کے دیہات کا پتہ لیا۔ ان سے قسم قسم کی باتیں کر کے ان سے تعلقات پیدا کئے۔ وہ لوگ مجھ سے زیادہ مانوس ہو گئے کیونکہ بابو صاحب کم گو تھے اور مجھے باتیں کرنے کا شوق پرانا تھا۔ رات کے بارہ بجے مجلس برخواست ہوئی۔ میں نے کچھ طالب علم بھی بابو صاحب کو مہیا کر دیئے۔ صبح کے وقت میں نے نماز پڑھائی جس میں دو تین مقامی لوگوں نے بھی شرکت کی۔ دن کے دس بجے میں اپنا بستر اور دیگر سامان اٹھا کر وہاں سے روانہ ہوا۔ ابھی دو میل کے قریب ہی سفر کیا تھا ایک گاؤں میں بیت نما بوسیدہ سا مکان دیکھا۔ میں نے ایک مقامی دوست سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ ملکانہ مسلمانوں کا گاؤں ہے۔ اور اس کا نام نگلہ گھنو ہے۔ میں اس بوسیدہ سے مکان میں پہنچا۔ اس میں محراب بھی بنا ہوا تھا اور فرش پر گھاس اگا ہوا تھا۔ وہیں میں نے اپنا ڈیرہ جما لیا۔ وہاں پانی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ میں اکیلا ہی بیٹھا رہا۔ کسی قسم کی کوئی گھبراہٹ نہ تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک معمر سی عورت آئی۔ میں نے السلام علیکم کہا۔ اس نے کہا بیٹے جیتے رہو۔ تم کہاں سے آئے ہو اور کیا کام ہے۔ میں نے اپنی آمد کی غرض بتائی کہ آریوں سے اس قوم کو بچانے کے لئے ہمارے پیارے امام نے ہمیں قادیان سے بھجوایا ہے۔ تفصیل سے باتیں بتائیں تو وہ بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی کہ یہاں کے لوگ بہت جاہل ہیں ان سے گھبرا نہ جانا۔ میں نے کہا اماں جی اگر یہ لوگ ' ہمارے بھائی ' جاہل نہ ہوتے تو آریہ ان پر حملہ کیوں کرتے۔ وہ یہ کہتے ہوئے چلنے لگی کہ میں آپ کے لئے "ستوا" یعنی ستو لاتی ہوں۔ میں نے کہا اماں جی آپ کا شکریہ۔ میرے پاس ستو بھی ہے اور بھنے ہوئے چنے اور جو موجود ہیں آپ کوئی تکلیف نہ کریں۔ ہمیں حضرت صاحب کا حکم ہے کہ اپنا ہی کھانا ہے کسی کو اس کی تکلیف

نہیں پہنچانا۔ وہ بڑے اصرار کے بعد لے ہی آئی اور کہنے لگی بیٹا تین دن تک تو مہمان رہ کر حق رکھتے ہیں پھر چوتھے دن خود انتظام کر لینا۔ اس معمر خاتون کا نام ممتاز بیگم تھا اور یہی اس گاؤں میں نماز و روزہ سے واقف تھی۔ باقی سب اسلام کی تعلیم سے ناواقف تھے۔ اس کی زرعی زمین کافی تھی لیکن بوجہ بیوہ ہونے کے مزارعان بددیانتی کر لیا کرتے تھے۔ اس کی دو شادی شدہ بیٹیاں تھیں اور ایک لڑکا نصیرالدین خان تھا جو مڈل پاس تھا۔ میرا پہلے دن ہی ان سے تعارف ہو گیا تھا۔ میں نے ظہر کی اذان کہی۔ بعض لوگ اذان سن کر آئے اور مجھے مل کر چلے گئے۔ رات کے وقت مائی جی ہی کھانا لے آئی اور میں نے اپنا سامان ان ہی کے گھر رکھ دیا۔ خود میں چوپال یعنی ایک مشترکہ مکان ہوتا ہے جس میں ہر گھر کی ایک چارپائی موجود رہتی ہے اور سب گھروں کے مہمان کھانا وغیرہ کھا کر رات وہیں آ کر بسر کرتے ہیں۔ اگر کوئی مسافر ہو تو اس کا کھانا بھی چوپال میں ہی آ جاتا ہے۔ رات کو یہ سب لوگ میرے اردگرد جمع ہو گئے۔ نمبردار بھجو خان اور وہاں کا رئیس مظفر خان اس کا والد جان محمد خان' دلاور خان' خیراتی خاں' میاں خاں' منشی خاں' عثمان خاں' نتھو خاں' نور محمد خاں اور افضل خاں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ میں نے ان سے تعلقات پیدا کرنے کے لئے ایک دلچسپ کہانی سنائی کیونکہ وہ لوگ کہانیوں کے بہت شوقین تھے۔ صبح کے وقت گاؤں میں چرچا ہو گیا کہ "ارے پنجابی مولبی صاحب تو غجب کی کہانی کاہت ہیں" یعنی پنجابی مولوی صاحب تو غضب کی کہانی کہتے ہیں۔ میں بھی دن بھر اس قسم کی کہانیاں گھڑتا رہتا تھا جس سے دین حق کے ساتھ محبت بھی پیدا ہو اور دلچسپ بھی ہو۔ غرضیکہ تین چار دنوں میں وہ لوگ میرے ساتھ مانوس ہو گئے۔ میں نے آہستہ آہستہ اردگرد کے دیہات کا دورہ کرنا شروع کر دیا اور آریوں کے تعلقات اور آمد و رفت کا پتہ رکھا۔

مجھے نگلہ گھنو میں رہتے ہوئے پانچواں ہی دن تھا کہ ٹھاکر گر دند رسنگھ آریہ اپدیشک وہاں آ گیا۔ اس گاؤں میں ہندو ٹھاکروں کے دو ہی گھر تھے اور ایک گھر بنئے کا تھا مگر یہ سب لوگ میرے واقف ہو چکے تھے۔ اس آریہ ٹھاکر نے آ کر ان لوگوں کو آریہ بن جانے کی پرزور تحریک کی اور ان کے جذبات کو بہت بھڑکایا اور ان میں ایک خون' ایک تمدن اور ایک لباس اور ایک ہی قسم کی زبان ہونے اور اعتقاد میں ذرا سا اختلاف ہونے پر انہیں متحد ہونے کی ہدایت کی۔ میں خاموشی سے ان کی ساری باتیں سنتا رہا۔ جب وہ اپنی بات ختم کر چکا تو میں نے کہا ٹھاکر صاحب آپ نے متحد ہونے کی تحریک کی ہے میں نے اس سے بہت اچھا اثر لیا ہے اور ہم سب لوگ بھی یہی چاہتے ہیں کہ دنیا کے تمام لوگوں کا ایک ہی خون ہے۔ ایک ہی خوراک ہے ایک ہی آنے کا راستہ ہے اور ایک ہی جانے کا راستہ ہے لباس بھی سب پہنتے ہیں اور غذا بھی سب کھاتے ہیں۔ زمین بھی سب کی ایک ہے اور آسمان بھی سب کا ایک ہی لیکن جس طرح

ہم سب کی شکلیں جداگانہ 'عقلیں جداگانہ 'علم جداگانہ اور اعتقاد بھی جداگانہ ہیں لیکن بعض باتوں میں ہم سب ایک جیسے ہیں اور بعض میں مختلف ہیں اسی طرح نباتات' جمادات اور حیوانات کا حال ہے۔ درخت کالفظ تو سب کے لئے بولا جاتا ہے مگر کوئی کیکر ہے تو کوئی ڈھاک ہے 'کوئی شہتوت یا آم ہے تو کوئی نیم ہے غرضیکہ نام کااشتراک ہے مگر تاثیرات اور فوائد سب ایک نہیں مگر ہم سب کے اعتقادات جو الگ الگ قائم ہو چکے ہیں اگر ہم کوشش کریں تو یہ ایک ہو سکتے ہیں اور یہ کوشش اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آپ اپنے آریہ عقائد بیان کریں ہم سن کر ان پر غور کرتے ہیں۔ اگر وہ ہمارے دین حق سے اچھے ہوئے تو ہم ان کو قبول کرلیں گے۔ پھر میں اپنے ناقص علم کے ساتھ اسلامی عقائد و اخلاق بیان کروں گا۔ پھر آپ ان پر غور کریں پھران دونوں میں جو اچھے ہوں گے ان پر ہم دونوں اکٹھے ہو جائیں گے۔ سارے مجمع نے اس بات کو بہت پسند کیا مگر ٹھاکر صاحب نے کہا کہ آپ سے ہماری کوئی بات نہیں ہے۔ آپ پنجابی ہیں۔ میں تو اپنی برادری کو اپنے ساتھ ملا کر جاؤں گا۔ میں نے کہا ہم سب مہادیو یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اس وجہ سے آدمی کہلاتے ہیں۔ اس لئے سب برادری ہیں۔ جب خدا کا بنایا ہوا سورج ساری دنیا کے کام آتا ہے 'اس کی ہوا 'پانی' آگ 'چاند' ستارے آسمان اور زمین غرضیکہ اس کی بنائی ہوئی ہر چیز دنیا کے کام آتی ہے تو خدا کا دین بھی ایک ہونا چاہئے اور اس وقت ضرورت بھی ساری دنیا میں ایک ہی دین کی ہے تاکہ جس طرح سب کے جسم ایک جیسے ہیں 'اعتقاد بھی ایک جیسا ہو اور آپس میں مستقل اتحاد پیدا ہو جائے۔ اگر ہر برادری کا مذہب علیحدہ علیحدہ ہو تو پھر دن رات جھگڑے ہی ہوتے رہیں گے۔ ٹھاکر صاحب بولے کہ دنیا میں جس طرح پہلے دن سے ایک ہی سورج چلا آرہا ہے اسی طرح دنیا میں ابتدائی کتاب وید مقدس چلی آرہی ہے اگر اس پر تمام دنیا ایمان لے آئے تو سب جھگڑے آج ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ میں نے ٹھاکر کا شکریہ ادا کیا کہ آخر آپ نے بھی محسوس کر ہی لیا کہ میرا بیان کرنا صحیح تھا مگر ٹھاکر صاحب آپ نے میرے پہلے بیان پر غور نہیں کیا کہ بعض باتیں تو سب کی مشترک ہیں لیکن بعض میں تبدیلی ضروری ہے۔ مثلاً بارش بھی ابتدائے زمانہ سے چلی آرہی ہے۔ مگر ہمیں اس کی ہر وقت ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر ہمیں کسی وقت اس کی ضرورت ہے تو کسی وقت دھوپ کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ پہلی جماعت کا قاعدہ صرف پہلی جماعت کے لئے ہی ہوتا ہے۔ لیکن اس کے حروف ساری کتابوں میں استعمال ہوتے ہیں اور طالب علم کی استعداد کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کی کتابیں بھی بدلتی جاتی ہیں۔ اسی طرح بچپن میں بھی ہمیں لباس ہی پہنایا جاتا تھا مگر اب جوانی میں ہم وہ لباس نہیں پہن سکتے کیونکہ ہم بڑے ہو چکے ہیں۔ اسی طرح اگر ابتداء میں وید تھا تو وہ ابتدائی قاعدہ کی طرح تھا۔ اب جب کہ دنیا کی استعداد بڑھ چکی ہے تو

انہیں اب مکمل کتاب کی ضرورت تھی اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ کتاب قرآن کریم ہے۔ جیسے جوان آدمی کے ناپ کے کپڑے بڑھاپے تک کام میں آتے ہیں اسی طرح قرآن کریم اب قیامت تک کام دینے کا دعویدار ہے مگر وید میں ایسا کوئی دعویٰ نہیں ہے کہ میں ساری دنیا کے لئے کامل کتاب ہوں۔ جب وید دعویدار ہی نہیں تو مدعی ست گواہ چست والا معاملہ آپ نہ کریں۔ ٹھاکر صاحب بولے آپ ہماری باتوں میں دخل نہ دیں۔ یہ پنجاب نہیں کہ دھنیا' جولاھا' لوہار' ترکھان سب ایک ہی ہوں۔ ہم راجپوت ہیں اور مسلمان بادشاہوں نے ان ہمارے بھائیوں کے بزرگوں کو پتاشے کھلا کر مسلمان کر لیا تھا اور ہم لوگوں نے بھی سستی کی کہ انہیں منہ نہ لگایا۔ اب ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ ہم انہیں اپنے ساتھ ملا کر رہیں گے خواہ ان کے پاؤں پکڑنا پڑیں یا ان کے آگے ہاتھ جوڑنا پڑیں۔ میں نے کہا ٹھاکر صاحب میں بھی آپ کا خونی رشتہ دار ہوں اور پنجابی ہونا کوئی جرم نہیں ہے۔ پنجاب میں گاؤں کے گاؤں راجپوتوں کے آباد ہیں اور میں خود بھی راجپوت کھوکھر ہوں۔ کوئی بھٹی ہیں کوئی چوہان راٹھور ہیں۔ رہا دھنیا' جولاہا' تیلی و موچی وغیرہ تو یہ سب ہندوؤں سے ہی ہمارے ہاں مسلمان ہوئے ہیں اور ادھر بھی موجود ہیں۔ مسلمان بھی ہیں اور ہندو بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ آپ ان ہندوؤں کو جو چمار' بھنگی' تیلی و لوہار ہیں کمی (کمین) جان کر نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں مگر ہم لوگ ان کے مسلمان ہو جانے پر اور صاف رہنے کی وجہ سے ان سے نفرت نہیں کرتے کیونکہ یہ سب پیشوں کے نام ہیں اور پیشوں کے بغیر دنیا کا کام چل ہی نہیں سکتا۔ اس لئے وہ لوگ ہمارے مددگار ہیں۔ کسی بات میں ہم ان کے اور کسی بات میں وہ ہمارے محتاج ہیں۔ اناج حاصل کرنے کے لئے اگر وہ ہمارے محتاج ہیں تو جوتا' تیل اور صفائی رضائی کے لئے ہم ان کے محتاج ہیں۔ اس لئے میں نے بتایا تھا کہ وید ابتدائی قاعدہ ہے۔ یہ ساری دنیا میں محبت و اتحاد نہیں پیدا کر سکتا اور اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو اس کی شرن میں آ جائے اس کو بھائی بھائی بنا دیتا ہے۔ ٹھاکر صاحب بولے ہماری مقدس گائے کھانے والے لوگوں سے ہمارا اتحاد نہیں ہو سکتا اور یہ کہ ہم گائے کھانے والوں کو چیر کر رکھ دیں گے۔ ہمارا راجپوتی خون اب جوش میں ہے۔ جو ہمیں ماں کی طرح میٹھا میٹھا دودھ پلاتی ہے یہ ڈشٹ مسلمان اس کو ذبح کر دیتے ہیں اور اس کا سر تن سے جدا کر دیتے ہیں۔ چونکہ وہ راجپوت مسلمان بھی گائے کا گوشت نہیں کھاتے تھے اس لئے ٹھاکر صاحب نے ان کے جذبات بھڑکانے کی کوشش کی۔ جب وہ ذرا خاموش ہوا تو میں نے کہا ٹھاکر صاحب آپ تو غصہ میں آ گئے۔ حالانکہ اپدیشک کا یہ فرض ہے کہ اپنے علم سے محبت کے ساتھ برے فعل کی برائی اور بھلے کام کی بھلائی بیان کرے پبلک کو سوچ بچار کا موقع دے۔ اس جگہ کس نے گائے کو تکلیف دی ہے کہ آپ خواہ مخواہ اپنے اور دیگر دوستوں کے جذبات بھڑکانے کی کوشش میں لگ گئے

ہیں۔ آپ کے اس رویے سے مجھ پر کوئی اچھا اثر نہیں ہوا بلکہ یہی معلوم ہوا کہ آپ اپنے مذہب کی کوئی خوبی بیان نہیں کر سکتے بلکہ ایک ایسی طرح ڈالنا چاہتے ہیں جس سے آپ کی کمزوری پر پردہ پڑا رہے۔ میں بھی جذبات کو بھڑکا کر لڑائی کرا سکتا ہوں مگر ہمارا دین حق سلامتی کا مذہب ہے۔ یہ جنگ کو روکنا اور صلح کو قائم کرنا چاہتا ہے۔ ٹھاکر صاحب بولے کہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ اسلام تو پھیلا ہی جنگ سے ہے۔ مسلمان چور اور ڈاکو بن کر لوگوں کو لوٹتے رہے ہیں میں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہوا ہے اور ہمارے پاس ساری کتابیں موجود ہیں آپ کی کیا طاقت ہے کہ میری باتوں کا جواب دے سکو اور اگر کھجلی ہو رہی ہو تو میں ابھی اتارنے کے لئے تیار ہوں۔ بتاؤ کیا مرضی ہے۔ اس کی یہ باتیں سن کر تین چار آدمیوں نے ارادہ کیا کہ اس ٹھاکر کو دو چار رسید کر کے مزا چکھایا جائے اور بعض ٹھاکر صاحب سے لڑنے بھی لگے۔ میں نے بڑی محبت سے انہیں روکا اور کہا کہ جس طرح میں آپ کا مہمان ہوں بھائیو اسی طرح ٹھاکر صاحب ہمارے مہمان ہیں۔ ہمارا دین حق ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر کوئی تمہارا مہمان بھی غلطی کرے تو تمہارا یہ فرض ہے کہ تم اسے معاف کر دو اور اکرام ضیف کو ملحوظ رکھو۔ میری یہ بات سن کر ٹھاکر صاحب بھی شرمندہ ہوئے اور انہوں نے محسوس کیا کہ اس پنجابی کی ان لوگوں میں مجھ سے زیادہ عزت ہے۔ خیر اب وہ صحیح راستے پر آگیا تھا۔ میں نے کہا ٹھاکر صاحب نے یہ دو الگ الگ سوال کئے ہیں۔ پہلا گائے کے متعلق ہے کہ مسلمانوں نے گائے پر ظلم کیا ہوا ہے اور دوسرا یہ کہ دین حق تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ میں ان دونوں سوالات کے جوابات علیحدہ علیحدہ دیتا ہوں۔ (۱) ہم سب مسلمان دودھ دینے والے سب جانوروں کی خدمت کرتے ہیں۔ چاہے گائے ہو یا بکری' بھینس ہو یا اونٹنی ہم سب کو چارہ بھی ڈالتے ہیں اور راتب بھی کھلاتے ہیں۔ اس کی بچپن ہی سے نگہداشت کرتے ہیں مگر ہم ان تمام جانوروں کو اپنا خادم سمجھتے ہیں نہ کہ بزرگ۔ ان میں سے جو دودھ نہ دے یا بانجھ ہو جائے تو اسے ہندو اور مسلمان دونوں قصابوں کے پاس فروخت کر آتے ہیں تو یہ کوئی اعجوبہ نہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ میٹھا دودھ دینے کی وجہ سے وہ ماں ہے تو پھر ٹھاکر صاحب آپ یہ بتائیں کہ کیا بھینس' اونٹنی اور بکری وغیرہ کا دودھ کڑوا ہوتا ہے؟ جب ان کا دودھ بھی میٹھا ہے تو گائے اگر ماں ہے تو بھینس نانی ہوئی اور بکری بہن ہوئی تو پھر ان کی عزت ہندوؤں کے دلوں میں کیوں نہیں ہے؟ اس کی وجہ اب ٹھاکر صاحب ہی بتائیں گے کہ ایسا کیوں نہیں ہے؟ (۲) ہر مذہب میں ماں باپ کی ایک جیسی عزت کرنے کا حکم ہے تو پھر ہمارے یہ ہندو بھائی کیا ظلم کرتے ہیں کہ گائے ماں کو مقدس جان کر اتنی زیادہ عزت کرتے ہیں کہ ایسی عزت نہ کرنے والوں کو چیر کر رکھ دینے کو تیار ہیں مگر اپنے باپ بیل کو ہل میں جوتنا یا ان کی مدد سے کنواں چلانا' گاڑی کھینچنا' کولہو چلانا' اس پر بوجھ لادنا اور ذرا سی کوتاہی پر مار مار کر فنا

کر دینا اور ہر وقت اس پر مصیبت کھڑی رکھنا اور ذرا بھی عزت نہ کرنا حالانکہ اس باپ کی کوشش سے ہی گائے دودھ دینے کے قابل اور ماں بنی تھی۔ (۳) اگر گائے ماں کا ہی مقام رکھتی ہے جو انہیں بچپن میں دودھ پلاتی ہے تو پھر اس کے مرنے پر وہ کیوں چماروں کے حوالے کر کے اس کی کھال اترواتے ہیں اور اس کے گوبر اوپلے اور پیشاب سے چنامتر بناتے ہیں اور اس کی کھال کے جوتے پہنتے ہیں۔ یہ سب تقدیس کے دعوے ان کی ان حرکات سے باطل ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے صرف ہندوؤں کو مسلمانوں سے دور رکھنے کے لئے یہ ایک جذباتی طریق اختیار کیا ہوا ہے۔ (۴) اگر ناکارہ بھینس' بکری' اونٹنی بھیڑ وغیرہ ذبح کئے جائیں اور ان کے مرنے پر ہی چمڑہ میسر آتا ہو تو پھر پانچ صد روپے کا بھی جوتا نہیں مل سکتا اور لوگ دھوپ اور سردی میں ننگے پاؤں ہی چلیں اور ہر وقت کانٹے ہی نکالتے رہیں۔

(٦) دوسرا سوال کہ دین حق تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ ٹھاکر صاحب نے کر کے راجپوتوں کی سخت توہین کی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی تلوار سے ڈر کر اپنا آبائی مذہب جھٹ تبدیل کر لیا مگر چمار' بھنگی' تیلی وغیرہ تلوار سے نہ ڈرے اور انہوں نے اپنا مذہب تبدیل نہ کیا۔ کیا آپ راجپوتوں کی یہی بہادری ظاہر کرتے پھر رہے ہیں کہ راجپوت اتنے ڈرپوک اور بھوکے تھے کہ جب انہیں تلوار اور بتاشے دکھائے گئے تو جھٹ ڈر کر اور میٹھی چیز دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ ٹھاکر صاحب آپ نے تو تاریخ دان ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اب آپ بتائیں کہ جب حضرت معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اس ہندوستان میں درویشی کی حالت میں آئے تھے تو ان کے ہاتھ میں کون سی تلوار تھی اور ان کے ہمراہ کون سی فوج تھی؟ ہاں بزرگی' نیکی' تقویٰ' طہارت' خوش اخلاقی' دلائل' عبادت' ریاضت' شرافت اور تبلیغ کی تلوار تھی جس نے راجہ اور پرجا کو ان کے سامنے جھکا دیا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے ورنہ جب مسلمان بادشاہ اکبر تخت نشین ہوئے تو ان کی بیوی جودھ بائی تھی اور وہ تمام عمر بت پرستی کرتی رہی اور ہندو ہی رہی۔ اور اسے جبراً مسلمان نہ کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ دین حق میں جبر نہیں ہے۔ بلکہ "لا اکراہ فی الدین" کا سبق دیا جاتا ہے۔ دین حق ہمیشہ اپنی صداقت اور خوبیوں سے پھیلا ہے۔ آپ آج بھی قادیان جا کر دیکھ سکتے ہیں کہ کتنے ہندو اور سکھ مسلمان ہو چکے ہیں۔ اب تو مسلمانوں کے ہاتھ میں دین حق پھیلانے کے لئے تلوار نہیں ہے اور نہ اس سے قبل ہی دین حق تلوار سے پھیلا۔ البتہ اتنا ضروری ہے کہ جس نے تلوار سے دین حق کو مٹانے کی کوشش کی اسے تلوار ہی سے روکا گیا۔ اب آپ دلائل سے بات کریں انشاء اللہ دلائل سے ہی جواب دیئے جائیں گے۔ اس وقت کافی رات گزر چکی تھی مگر مرد بدستور چوپال میں اور عورتیں مکانوں کی چھتوں پر بیٹھی تھیں اور

سب میرے جواب کے منتظر رہتے تھے۔ ٹھاکر صاحب بولے کہ آپ کے عرب والے نبی نے نو (۹) عورتوں کے ساتھ شادی کیوں کی؟ جب کہ امت کے لئے چار ہی جائز قرار دیں۔ اس کی کیا حکمت ہے؟ میں نے اسے بتایا کہ عرب کے لوگ بھی ہندوؤں کی طرح بت پرست تھے اس وقت نہ تو کوئی اصول اور نہ کوئی شریعت تھی۔ جس طرح آج پٹیالہ کے ہندو راجہ نے دو سو سے زیادہ بیویاں رکھی ہوئی ہیں اسی طرح عرب کے لوگ اس وقت سو سو بیویاں رکھ لیتے تھے۔ جب حضرت نبی کریم ﷺ نے نویں شادی کی تو خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ اور شادی نہیں کرنا اور نہ ان میں سے ہی کسی کو چھوڑنا ہے۔ چونکہ نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہوتی ہیں اس لئے ان میں سے کسی کو بھی علیحدہ نہیں کرنا اور ساتھ ہی مومنوں کے لئے حکم دے دیا کہ تم چار تک اپنے خیالات کے مطابق شادیاں کر سکتے ہو اور اگر تمہیں لڑائی جھگڑے کا خوف ہو تو ایک ہی شادی رہنے دو۔ اگر رسول پاک ﷺ کسی بیوی کو چھوڑ دیتے تو وہ ماں کی صورت میں کہاں جاتی جب کہ منوشاستری میں بھی یہی لکھا ہے کہ گرو کی بیوی ماں ہوتی ہے۔ ٹھاکر صاحب کہنے لگے کہ میں اب سمجھ گیا ہوں۔ میں نے کہا کہ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارے آقا نے تو نو شادیاں کر کے اپنے حسن واخلاق اور سلوک کا یہ نمونہ دکھایا کہ کسی ایک بیوی کو بھی کسی جگہ ناانصاف کہنے کا موقع نہیں ملا۔ حضور کے نیک سلوک کا ان کے دلوں پر اتنا اثر تھا کہ ایک دفعہ حضور ﷺ کے پاس مال غنیمت بکثرت پہنچا۔ یہ دیکھ کر بعض بیویوں کے دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ اب موقع ہے کہ ہم آپ سے اچھے لباس اور زیورات کا مطالبہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے سامنے اپنی دلی کیفیت کا اظہار کیا۔ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جواب میں بتایا کہ اے نبی اپنی ان بیویوں سے کہہ دو کہ میں تمہیں تمہاری خواہش کے مطابق زیورات اور لباس بنوا دیتا ہوں مگر پھر تم میرے پاس نہیں رہ سکتیں یعنی علیحدہ ہونا پڑے گا۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کو اور مجھے پسند کرتی ہو تو پھر تم اس خواہش کو ترک کر دو۔ یہ سن کر سب نے یہ جواب دیا کہ ہم اپنی اس خواہش کو قربان کرتی ہیں ہمیں صرف آپ ﷺ کی اور اللہ تعالیٰ کی ضرورت ہے۔ بظاہر یہ الفاظ معمولی نظر آتے ہیں مگر جب مستورات کی حالت اور خواہشات کو سامنے رکھ کر غور کیا جاتا ہے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی بیویوں کے ایسا کہنے سے آپ کے اعلیٰ اخلاق کا ان کے قلوب پر کتنا گہرا اثر تھا حالانکہ ان کا مطالبہ بھی جائز تھا لیکن انہوں نے کسی قسم کی بحث نہیں کی اور اپنے مطالبہ کے مقابل پر اپنے خدا اور اس کے رسول کا ساتھ نہ چھوڑا۔ مگر یہ اعتراض کرنے والے ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر تو دیکھیں۔ کہ ان کی ایک بیوی بھی جسے اولاد نہ ہو گیارہ مردوں سے نیوگ کر سکتی ہے۔ کتنی شرم کی بات ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عرب کا ایک آدمی نو یا گیارہ بیویاں سنبھال سکتا تھا مگر ان آریوں کی ایک بیوی گیارہ مردوں کو

سنبھال سکتی ہے۔ اگر یہ لوگ اس قسم کے اعتراض نہ کریں تو اور کیا کریں کیونکہ یہ کام ان کی طاقت سے باہر ہے۔ ٹھاکر صاحب یہ الفاظ سن کر چیخ اٹھے کہ یہ ہندو دھرم کی توہین کی ہے۔ میرے پاس حوالہ موجود تھا میں نے فوراً "ستیارتھ پرکاش" نکال کر اسے دکھادی۔ وہ بہت شرمندہ ہوا۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ مباحثہ ٹھاکر صاحب کے ان الفاظ پر ختم ہوا کہ صبح دس بجے اب میں اعتراض کروں گا یہ کہہ کر ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم کچھ یوں تھا کہ قادیانی تلوار سے ہی قابو آئیں گے یہ علم سے قابو میں نہیں آسکتے۔ میں نے کہا اس شعر کا جواب آپ کو انشاء اللہ کل ہی دیا جائے گا۔ غرضیکہ سب مرد و زن اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ میں اکیلا ہی دیا جلا کر بیٹھ گیا اور خیال کیا کہ اس کے بے تکے شعروں کا جواب بھی اگر بے تکے اشعار میں ہی دیا جائے تو اثر اچھا رہے گا اور خدا کا نام لے کر لکھنے بیٹھ گیا۔ فجر کی نماز تک میں نے اپنے ناقص علم کے مطابق ستر (۷۰) اشعار بنائے۔ جو شعر مجھے اس وقت یاد ہیں تحریر کردوں گا باقی سب ریکارڈ قادیان میں رہ گیا تھا۔ خیر فجر کی نماز کے لئے بیت پہنچا۔ وہاں ایک فقیر طبع آدمی جسے ہم میاں صاحب کہا کرتے تھے اسد علی نامی تھا۔ وہ میرا بہت گرویدہ ہو چکا تھا۔ وہ بھی رات کو گفتگو کے اختتام پر ہی سویا تھا۔ اسے بیدار کیا اور اذان کہلوائی۔ بعدہ دونوں نے نماز باجماعت ادا کی۔ باقی لوگوں نے ہم سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ ہم جمعہ سے نمازیں پڑھنا شروع کردیں گے۔ نماز کے بعد دعا اور قرآن کریم پڑھ کر سو گیا۔ جب حضور ہمیں الوداع کہنے کے لئے ڈلہ موڑ تک تشریف لائے تھے تو اس وقت یہی نصیحت کی تھی کہ "کثرت سے دعائیں کرنا' نماز کے بعد تسبیح و تحمید کرنا اور خدا کو ہی قادر مطلق جاننا اور صرف اور صرف اس کی ذات پر بھروسہ کرنا۔ کیسی بھی مخالفت ہو گھبرانا نہیں بلکہ میدان میں شیر بننا۔ مخالف چاہے کتنا بڑا عالم ہو اسے معمولی سمجھنا اور نڈر ہو کر اسے جواب دینا۔ اپنے علم اور عقل پر بھروسہ نہ کرنا۔ ہر وقت خدا تعالیٰ کا خوف دل میں رکھنا۔ تلاوت قرآن پاک باقاعدہ کرنا۔ ہر ایک کو دوست بنانے کی کوشش کرنا۔ خوش اخلاقی کو اپنا شعار بنانا تہجد پڑھنے کی کوشش کرنا۔ مخالف کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا۔ ملکانوں کی اچھی طرح سے تربیت کرنا اور دین حق کا پابند کرنے کی کوشش کرنا۔ دین حق کی انہیں خوبیاں بتاتے رہنا اور خود بھی کتب کا مطالعہ کرتے رہنا۔ سب سے خندہ پیشانی سے پیش آنا اور دل و جان سے سب کا ہمدرد بننا۔ جاؤ خدا تعالیٰ حافظ و ناصر ہو۔ آمین ثم آمین" میں بیدار ہو کر دوبارہ بیت پہنچا۔ لوگ بھی بصد شوق آئے ہوئے تھے اور مختلف قسم کی باتوں میں مصروف تھے کوئی کہتا کہ "مولبی کا بہت مجہ آیو۔ ٹھاکر سسر کو بھی کوئی آیسو مولبی نہ ملو تھو' کوئی کہتا کہ 'ہم جو جانت رہے کہ جو مولبی سیدھو سادھو معلوم ہوت ہے پر رات کو تو غجب کر دیو تھو' غرضیکہ قسم قسم کی باتیں ہو رہی تھیں۔ رات والی بڑھیا پہنچ گئی اور کہنے لگی کہ مولوی بیٹا اللہ آپ کو بہت عمر دے یہ ٹھاکر بڑا آریہ تھا۔ اس کی خوب رات کو خبر لی ہے۔

گاؤں کے سب مرد اور عورتیں کہہ رہے ہیں کہ اس ملک میں اتنا بڑا اور کوئی مولوی نہیں ہے۔ ہم تو اب اپنے بچوں کو اس سے پڑھوائیں گے۔ میں نے اپنے پیارے خدا کا شکر ادا کیا۔ ادھر ملکانہ لڑکے مقامی ہندو ٹھاکروں کو بتا رہے تھے کہ کیوں بھئی رات کو آریہ کا تماشا دیکھا کہ "ایک جورو اور گیارہ مرد" وہ ٹھاکر یہ سن کر کہتے کہ یہ آریہ بہت گندے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹھاکر گردندر سنگھ اور بہت سا لوگوں کا ہجوم پہنچ گیا۔ سارا میدان شائقین سے بھر گیا۔ میں نے سب بھائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ رات کو ٹھاکر صاحب نے کسی گمنام آریہ کے دو شعر سنائے تھے کہ ان قادیانیوں کو قتل کر دو۔ باتوں میں کامیابی مشکل ہے۔ میں نے ان کے شعروں کا جواب اشعار میں ہی دینے کا وعدہ کیا تھا۔ کیا وہ پہلے سنا لوں یا پہلے دوسری باتیں ہونی چاہئیں۔ ان میں مسئلہ نیوگ، جونیں بدلنا وغیرہ سب کچھ بیان کر دیا۔ اس کے ابتدائی شعر یہاں سے شروع ہوتے تھے۔ ؎

کیا ڈراتے ہو ہمیں کہ مار دیں گے جان سے
کیا ڈرا کرتے ہیں وہ جو عبد ہیں رحمان کے
ہم تو مر اس دن گئے تھے جب ہی گھر سے چل پڑے
اے سفیہ کیا ہے تو واقف احمدی ایمان سے
مرنا بہتر ہے ہمارا زندہ رہنا اور بھی
گرچہ تم نے دیکھنا ہو مار دو تم جان سے
پر عورتوں میں بیٹھ کر للکارنا اچھا نہیں
سامنے مردوں کے آ اور جیت لے میدان سے
نیوگ کا مسئلہ لئے پھرتے ہو تم در بدر
آفریں اس وید پر اور اس کی اعلیٰ شان کے
کتے کتیا کھیلتے تھے ایک دن مندر کے پاس
آریہ ان کو بلاتے تھے بڑوں کے نام سے
ہیں بزرگ یہ سب ہمارے آج قسمت سے ملے
ہم کھلائیں گے انہیں بھوجن بڑے آرام سے

یہ صرف چودہ مصرعے ہیں کل ستر مصرعے تھے جن میں پورا مضمون تناسخ، جون بدلنا اور پھر کسی بھی عبادت یا عمل سے بخشش نہ ہونا درج تھا۔ میں کوئی شاعر نہیں، نہ قابلیت ہی ہے مگر ملکانوں نے خوب مزے لے لے کر بار بار انہیں سنا تھا۔ ٹھاکر صاحب نے یہ اشعار سن کر جھٹ کہہ دیا کہ میں اس قسم کا آریہ نہیں ہوں۔ میں نے کہا کہ پھر آریوں کی قسمیں ہوئیں۔ کوئی پنڈت دیانند کو سچا جاننے والا جبکہ

آپ اسے جھوٹا بتا رہے ہیں کیونکہ پنڈت صاحب نے تاکید کی ہوئی ہے کہ جس طرح شادی بیاہ ہے اسی طرح نیوگ ہے مگر جو بیاہ سے پیدا ہوں ان کا اظہار تو بڑی خوشی سے کیا جاتا ہے مگر جو نیوگ سے پیدا ہوتے ہیں آپ ان کی کوئی فہرست نہیں دکھا سکتے تو معلوم ہوا کہ یہ معیوب چیز ہی ہے۔ ٹھاکر صاحب کہنے لگے کہ مسلمانوں میں بھی عیب ہیں۔ ان کے ہاں بھی بہت بازاری عورتیں موجود ہیں۔ میں نے کہا ٹھاکر صاحب یہ کوئی قومی یا مذہبی اعتراض نہیں ہے۔ ہم نے تو مذہبی گفتگو کرنا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ دین حق ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اس کی یہ تعلیم نہیں ہے کہ ایسا فعل کیا جائے بلکہ ایسا فعل کرنے والے کی دین حق نے بہت سخت سزا رکھی ہوئی ہے۔ یعنی سو ۱۰۰ کوڑوں کی سزا۔ کسی شخص کا یہ فعل کرنا شخصی جرم ہے مذہبی نہیں۔ دوسرا ایسی بدکار عورتوں کا ہندوؤں کے بازار میں بیٹھنا بھی یہی ثابت کرتا ہے کہ مسلمان ایسی بدکار عورتوں کو اپنے محلے میں رہنا بھی پسند نہیں کرتے۔ بلکہ ایسی عورتیں ہندوؤں کے بازار میں آ جاتی ہیں کیونکہ ان کے گھروں میں بھی نیوگ کی تعلیم ہے اس لئے یہ بازار میں بھی برا نہیں منائیں گے۔ میں نے سوال کیا کہ ٹھاکر صاحب کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ پچھلے جنم میں آپ کیا تھے اور پھر کیا آپ اچھے کام کر کے اپدیشک آدمی بنے ہیں۔ ٹھاکر صاحب نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ میں کسی بڑے پنڈت کو لیکر کسی وقت اسی جگہ آؤں گا اور پھر آپ کی تسلی ہو جائے گی۔ میں نے کہا کہ آپ نے اپنے ذمہ بہت سا قرض چڑھا لیا ہے۔ کیا آپ پنڈت کو لے کر آنے کی کوئی تاریخ بتا سکتے ہیں تا کہ میں بھی اس دن اسی گاؤں میں موجود رہوں۔ ٹھاکر صاحب بولے میں آپ کو بذریعہ چٹھی (خط) اطلاع دے دوں گا۔ میں نے کہا آپ کا شکریہ۔ ٹھاکر صاحب جان چھڑا کر ایسے رفو چکر ہوئے کہ بعد میں نہ تو کوئی خط ہی ملا اور نہ خود ہی کبھی دکھائی دیئے۔ مجھے یہ فائدہ پہنچا کہ ہمارے ملکانے بھائیوں کو کئی باتوں کا علم ہو گیا اور ان کو مجھ سے اور زیادہ محبت پیدا ہو گئی۔ بعدہٗ وہاں کے نوجوانوں نے مجھ سے پڑھنے کا اصرار کیا۔ میں نے ہاتھ سے ادب لکھ کر پڑھانا شروع کر دیا۔ پھر قادیان چٹھی لکھی کہ دو درجن قاعدے یسرنا القرآن بھجوا دیں۔ چنانچہ بیس شاگردوں کو قاعدہ پڑھانا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ چھوٹی بچیوں نے بھی آنا شروع کیا اور میں نے ان کو بھی قرآن پڑھایا۔

نگلہ گھنو میں جے پور کے رہنے والے ایک غیر احمدی دوست چوہدری نذیر احمد صاحب ایڈووکیٹ میرے کام کا معائنہ کرنے کے لئے آئے تھے۔ جو اکثر احمدیوں کا کام دیکھ کر یہی کہا کرتے تھے کہ دین حق تو صرف احمدیوں ہی کے پاس ہے اور یہی آریوں کا مقابلہ بھی کرتے ہیں ان کے برعکس دیوبندی وغیرہ سب "کلی توڑ" ہیں یعنی کوئی کام نہیں کر سکتے۔ ایک دن بعد نماز فجر یہی وکیل صاحب اچانک بذریعہ یکہ چوپال پہنچ گئے۔ میں اس وقت بچوں کو قرآن کریم پڑھا رہا تھا اور سب بچے بڑے زور شور سے پڑھ

رہے تھے۔ میں نے ان سے ملاقات کی۔ وہ جان محمد خان صاحب رئیس اور بجو خان صاحب نمبردار کو لیکر علیحدہ چلے گئے اور ان سے کچھ باتیں دریافت کیں اور پھر واپس آکر میرے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ کہنے لگے مجھے ازحد خوشی ہوئی ہے۔ میں آپ کے کام اور اخلاق کے بارے میں آپ کی عدم موجودگی میں بھی اچھی تحقیق کر چکا ہوں اور آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اور پوچھنے لگے کہ آپ کے پاس کیا کوئی کاپی ہے؟ میں نے انہیں کاپی دی۔ انہوں نے اس پر لکھ دیا کہ میں فلاں تاریخ کو نگلہ گھنو میں اچانک پہنچا اور مکرم مولوی محمد حسین صاحب کا کام دیکھ کر اور اہل دیہہ سے حالات دریافت کر کے مجھے اتنی خوشی ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔ اس علاقہ کے لئے مولوی صاحب نہایت موزوں ہیں اگر کچھ عرصہ یہ ان لوگوں میں مزید رہیں تو یہاں کے رہنے والوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوں گے۔ اہل دیہہ ان سے بہت خوش ہیں۔ میں مولوی صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مبارکباد دیتا ہوں۔ اگر اسی طرح مستعدی سے کام ہوتا رہا تو بچے تعلیم حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے"۔ والسلام نذیر احمد وکیل جے پور ۲۳ / ۵ / ۲۱ حال نگلہ گھنو۔ میں نے اس سرٹیفکیٹ کی ایک نقل آگرہ روانہ کر دی۔ بعدہٗ ارد گرد کے دیہات لوہاری گومیٹہ، میکہ، بھوڑا، مجھولہ، نگلہ امرسنگھ، گڑھی، دھروی، علی گنج، رانی کا رامپور، بوپارہ وغیرہ کا دورہ کرنا شروع کر دیا۔

لوہاری گاؤں میں ہمارے ایک مبلغ مولوی عبد الخالق صاحب بڑی محنت سے کام کر رہے تھے۔ وہ ان دنوں احمد نگر ضلع جھنگ کے صدر ہیں۔ انہوں نے مجھ سے مشورہ کئے بغیر دیوبندیوں سے مناظرہ مقرر کر لیا۔ مقررہ تاریخ پر کافی مولوی صاحبان لوہاری پہنچ گئے اور ہماری طرف سے مولوی جلال الدین صاحب شمس، مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی، سیٹھ خیر الدین صاحب آف لکھنؤ، قاضی عبد الرحیم صاحب اور اسلم صاحب آف فرخ آباد۔ غرضیکہ کافی احباب پہنچ گئے۔ مجھے مناظرہ کی شرائط طے کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ میری واپسی پر مناظرہ کا آغاز ہوا۔ حیات و ممات مسیح پر دیوبندیوں نے شور مچانا شروع کر دیا اور کہنے لگے کہ ان قادیانیوں کا علاج صرف ڈنڈا ہے اور کسی طریق سے ان کا علاج نہیں ہو سکتا۔ میرے گاؤں کے لوگ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر علم کی بحث کرنا ہے تو مولویوں سے کرو اور اگر کسی سسرے نے ڈنڈا چلانا ہے تو ہم پر چلائے۔ غرضیکہ مناظرہ اسی شور میں بخیرو خوبی ختم ہو گیا۔ فریقین اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ جب اس بات کی اطلاع حضور کو قادیان پہنچی کہ دیوبندیوں نے ہمیں ڈنڈے سے ڈرایا ہے اور مولوی محمد حسین صاحب کے گاؤں والوں نے انہیں ایسا جواب دیا ہے تو حضور بہت خوش ہوئے کہ یہ ہمارے مبلغ کے تعلقات کا نتیجہ ہے اور مبلغین کو ہر جگہ ایسا ہی نمونہ اختیار کرنا چاہئے۔ غرضیکہ حضور نے یہ خوشنودی کا اظہار فرمایا میرے وہاں دورے کا تین ماہ کا عرصہ

پورا ہو چکا تھا اور منشی عبدالخالق صاحب رخصت پر قادیان جا رہے تھے تو بھائی عبدالرحمان صاحب قادیانی مجھ سے کہنے لگے کہ آپ خدا کے لئے دس دن اور وقف کر دیں ورنہ یہ حلقہ خالی رہ جائے گا اور دشمن اپنا پروپیگنڈا کر کے لوگوں کو ہمارے خلاف کر دے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان مراکز سے ہمیں جواب مل جائے۔ میں نے ان کے کہنے پر دس دن اور وقف کر دیئے اور مزید دس دن وہاں گزارے۔ اسی اثناء میں منشی عبدالخالق صاحب قادیان سے میرے پاس نگلہ پہنچے اور کہا آپ واپس جانے کے لئے تیار نہ ہوں۔ حضور کی طرف سے آپ کو کوئی خاص حکم آئے گا۔ کیونکہ آپ کے کام کے متعلق خفیہ خفیہ کچھ درخواستیں حضور کی خدمت میں پہنچی ہوئی ہیں کہ ان کا کام اور اثر بہت اچھا ہے لہذا انہیں ابھی واپس نہ بلایا جائے۔ مجھے آگرہ سنٹر سے بھی چٹھی موصول ہوئی کہ آپ بہت جلد آگرہ پہنچ جائیں تا آپ کو قادیان واپس بھجوایا جا سکے۔ ایک طرف مجھے قادیان جانے کی بہت خوشی تھی اور دوسری طرف ان لوگوں کی محبت کی وجہ سے ان لوگوں سے علیحدہ ہونے کا غم۔ گاؤں کے سب مرد اور عورتیں مع میرے شاگردوں کے مجھے رخصت کرنے کے لئے جمع تھے اور رو رہے تھے کہ معلوم نہیں کہ کب ملاقات ہو........" ("میری یادیں" صفحہ ۴۵ تا ۱۶ اشاعت ۱۹۹۴ء)

ایک اہم سرکلر (حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب نائب ناظر انسداد راجپوتانہ قادیان کے ایک سرکلر کی نقل جو آپ نے ۴/ جون ۱۹۲۳ء کو جاری فرمایا۔ اس سرکلر سے مجاہدین احمدیت کی مشکلات پر روشنی پڑتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکرمی۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ دارالامان سے روانہ ہونے والے آخری وفد کو بالخصوص دارالامان سے روانہ ہونے والے خطوط میں متعدد بار حضرت خلیفتہ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی گاؤں میں ہمارے مبلغ وارد ہوتے ہیں تو ملکانوں میں سب سے پہلے جو لوگ ان کا استقبال کرتے ہیں اور آریوں سے اپنی بیزاری کا تذکرہ کرتے ہیں وہی آریوں کے ایجنٹ ہوتے ہیں (الا ماشاء اللہ) ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ آنے والے مبلغ کو اپنی باتوں میں الجھائے رکھیں اور اس کو یقین دلاتے رہیں کہ تم بے فکر رہو یہاں کوئی شدھی نہیں ہو گا اور کیا مجال ہے جو آریہ یہاں آسکیں۔ ان کی اس قسم کی باتوں کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ مبلغ اپنے علاقہ کو ارتداد کے فتنہ سے محفوظ خیال کر لیتا ہے۔ جس سے اس کی عملی طاقتیں ست ہو جاتی ہیں اور وہ گاؤں کے سب لوگوں سے ملنے کی کوشش نہیں کرتا اور وہ لوگ جو اس فتنہ سے متاثر ہوتے ہیں احمدی مبلغ سے دور رہتے ہیں۔ اس لئے آریوں کا زہر ان پر سے نہیں اتر سکتا۔ اور آریوں کا ایجنٹ مبلغ کو اپنے ساتھ الجھائے رکھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب اشدھی کا وقت آتا ہے تو اشدھ ہونے کے لئے سب سے آگے وہی اشخاص ہوتے ہیں جو کہ ہمارے مبلغ سے زیادہ ملنے والے اور ظاہرا اسلام کے حامی نظر آتے ہیں۔

اس فتنہ کے متعلق حضور نے بار بار اب تک لکھوایا ہے۔ مگر اب تک بہتوں نے آریوں کی اس چالاکی کو نہیں سمجھا اور وہ اب تک آریوں کے ایجنٹ کے فریب سے آگاہ نہیں ہوئے۔ تازہ واقعہ یہ ہے کہ علادل پور کا ایک شخص جس کے باپ کا نام ملتان خان ہے اور اس کا نام ملائم خان آریوں کا ایجنٹ ہے۔ جس کو وہ ۱۵ روپے ماہوار دیتے ہیں۔ اپنے گاؤں کے احمدی مبلغ سے اس کے اچھے تعلقات ہیں۔ پہلے آنے والی رپورٹیں بتاتی رہی ہیں کہ اس شخص کو اسلام سے محبت ہے مگر آج ذہلیہ سے اطلاع ملتی ہے کہ یہی ملائم خان ساکن علادل پور ذہلیہ میں گیا اور اپنا نام ملائم سنگھ بتایا اور ہمارے اس جگہ کے مبلغ کی سخت مخالفت کرنے لگا۔ اسنے وہاں کے لوگوں کو سخت جوش دلایا اور آریہ ہو جانے کے لئے بڑا زور لگایا اور ان لوگوں پر زور ڈالا کہ ہمارے مبلغ کو اپنے گاؤں سے نکال دیں۔

دوسری مثال یہ ہے کہ چارلی گنج جو بحمد اللہ احمدی مبلغوں کے ذریعہ سارے کا سارا ارتداد سے واپس داخل اسلام ہوا ہے۔ جب یہ گاؤں مرتد ہوا تھا۔ تو اس وقت چار گھر ظاہرا مسلمان ہی رہے تھے۔

لیکن اب جب چارلی گنج والے دوبارہ داخل اسلام ہوئے تو یہی چاروں گھر جو شدھی سے بچے ہوئے بتائے جاتے تھے اپنے گاؤں کو دوبارہ مسلمان ہونے سے روکنے کے لئے لاٹھیاں لے کر باہر نکل آئے۔ یہ واقعہ صاف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آریہ لوگوں نے بہت سے ملکان کو اپنا ایجنٹ بنایا ہوا ہے۔ جو بظاہر مسلمان ہی رہتے ہیں اور راشدہ نہیں ہوتے۔ مگر اندر ہی اندر لوگوں کو ارتداد کے لئے تیار کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

پس ہمارے مبلغین کا فرض ہے کہ اپنے اپنے گاؤں میں جو لوگ ملکانہ ان کو اپنے گاؤں کی حالت سے مطمئن کرانا چاہتے ہوں۔ ان کی باتوں سے خوش ہو کر مطمئن نہ ہو بیٹھیں۔ یہ گاؤں کے ہر ایک فرد تک پہنچیں اور اس کا عندیہ معلوم کریں۔ اس کو اسلام پاک سے آگاہ کریں۔ اور محبت اسلام ان کے دلوں میں ڈالیں۔ جب تک ہر ایک فرد سے آپ ذاتی طور پر واقفیت حاصل نہیں کریں گے برخلاف اس کے ایک ہی شخص کو جو آپ سے ملتا ہے اپنے گاؤں کی زبان سمجھتے رہیں گے۔ آپ خطرہ سے خالی نہیں۔ ایسے لوگ جو چاہیں آپ کو اطمینان دلائیں۔ مگر آپ لوگ ایک دم کے لئے بھی ان سے غافل نہ ہوں۔ اور کام میں سرگرمی جاری رکھیں۔

اللہ تعالیٰ دشمن کی چالوں کو سمجھنے اور ان کا تدارک کرنے کی آپ کو توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

والسلام

خاکسار: مرزا شریف احمد

نائب ناظر انسداد ارتداد راجپوتانہ۔ قادیان

۴/جون ۱۹۲۳ء

(نوشتہ سید عبدالرحیم لدھیانوی)

سند خوشنودی ("سند اظہار خوشنودی" کا متن جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے تحریک شدھی کے خلاف جہاد میں حصہ لینے والے مبلغین کو واپسی پر عطا کی جاتی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

سند اظہار خوشنودی

مکرمی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم کے ساتھ اپنا وقف کردہ وقت پورا کر کے آپ واپس آرہے ہیں۔ یہ موقعہ جو خدمت کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے۔ اس پر آپ جس

قدر خوش ہوں کم ہے اور جس قدر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کریں تھوڑا ہے۔ ایسی سخت قوم اور ایسے نامناسب حالات میں تبلیغ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اور ان حالات میں جو کچھ آپ نے کیا ہے وہ اپنے نتائج کے لحاظ سے بہت بڑا ہے۔ آپ لوگوں کے کام کی دشمن بھی تعریف کر رہا ہے اور یہ جماعت کی ایک عظیم الشان فتح ہے۔ اور میری خوشی اور مسرت کا موجب۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس کام کو قبول فرمائے۔ میں آپ لوگوں کے لئے دعا کرتا رہا ہوں۔ اور انشاء اللہ دعا کرتا رہوں گا۔

امید ہے آپ لوگ اس کام کو بھی یاد رکھیں گے۔ جو واپسی پر آپ کے ذمہ ہے۔ اور جو ملکانہ کی تبلیغ سے کم نہیں۔ یعنی اپنے ملنے والوں اور دوستوں میں اس کام کے لئے جوش پیدا کرتے رہنا کیونکہ اس سے بڑی مصیبت اور کوئی نہیں کہ ایک شخص کی محنت آبیاری۔ کسی کمی کے سبب سے برباد ہو جائے۔ مومن کا انجام بخیر ہوتا ہے اور اسے اس کے لئے خود بھی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ آمین۔ والسلام۔

خاکسار

(حضرت) مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح ثانی)

از قادیان۔ دارالامان۔ پنجاب

(نوشتہ سید عبدالرحیم لدھیانوی)

مسلمان اور ہندو اخبارات کی طرف سے خراج تحسین

اگرچہ مورچہ بندی کا ابھی یہ ابتدائی دور تھا مگر اس میں بھی مجاہدین احمدیت نے سرفروشی، جاں بازی اور فداکاری کا وہ شاندار نمونہ دکھایا کہ مسلمان ہی نہیں۔ ہندو بھی عش عش کر اٹھے۔

۱۔ چنانچہ اخبار "زمیندار" لاہور (۸/ اپریل ۱۹۲۲ء) نے لکھا۔ "احمدی بھائیوں نے جس خلوص، جس ایثار، جس جوش اور جس ہمدردی سے اس کام میں حصہ لیا ہے وہ اس قابل ہے کہ ہر مسلمان اس پر فخر کرے"۔

۲۔ اخبار "ہمدم" لکھنو (۶/ اپریل ۱۹۲۳ء[۵۵]) نے لکھا۔

"قادیانی جماعت کی مساعی حسنہ اس معاملہ میں بے حد قابل تحسین ہیں اور دوسری اسلامی جماعتوں کو بھی انہی کے نقش قدم پر چلنا چاہئے"۔

۳۔ اخبار "مشرق" گورکھپور نے لکھا۔ "جماعت احمدیہ کے امام و پیشوا کی لگاتار تقریروں اور تحریروں کا اثر ان کے تابعین پر بہت گہرا پڑتا ہے اور اس جہاد میں اس وقت سب کے آگے یہی

فرقہ نظر آتا ہے اور باوجود اس بات کے احمدی فرقہ کے نزدیک اس گروہ نو مسلم کی تائید کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس فرقہ سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا مگر اسلام کا نام لگا ہوا تھا۔ اس لئے اس کی شرم سے امام جماعت احمدیہ کو جوش پیدا ہو گیا ہے اور آپ کی بعض تقریریں دیکھ کر دل پر بہت ہیبت طاری ہوتی ہے کہ ابھی خدا کے نام پر جان دینے والے موجود ہیں۔ اور اگر ہمارے علماء کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ احمدیہ جماعت اپنے عقائد کی تعلیم دے گی۔ تو وہ اپنی متفقہ جماعت میں .... ایسا خلوص پیدا کر کے آگے بڑھیں کہ ستو کھائیں اور چنے چبائیں اور اسلام کو بچائیں۔ جماعت احمدیہ کے ارکان میں ہم یہ خلوص بیشتر دیکھتے ہیں۔ دیانت' ایفاء عہد۔ اپنے امام کی اطاعت۔ پس یہ جماعت فرد ہے۔ جناب مرزا صاحب اور ان کی جماعت کی عالی حوصلگی اور ایثار کی تعریف کے ساتھ مسلمانوں کو ایسے ایثار کی غیرت دلاتے ہیں۔ دیانت اور امانت جو مسلمانوں کی امتیازی صفتیں تھیں آج وہ ان میں نمایاں ہیں۔ جماعت احمدیہ کی فیاضی اور ایثار کے ساتھ ان کی دیانت اور آمد و خرچ کے ابواب کی درستگی اور باقاعدگی سب سے زیادہ قابل ستائش ہے اور یہی وجہ ہے کہ باوجود آمدن کی کمی کے یہ لوگ بڑے بڑے کام کر رہے ہیں [۵۵]۔

۴۔ "مسلمانوں کی مذہبی حمیت اور جوش مذہبی کا اندازہ یہ ہے کہ صرف قادیانی جماعت کے ڈیڑھ سو مبلغین تین ماہ تک بغیر کسی معاوضہ کے اور اپنے ذاتی خرچہ پر کام کر رہے ہیں اور دو سو مبلغ آمادہ کار ہیں۔ ان مجاہدین میں زمیندار۔ علماء۔ گریجوایٹ۔ اخبار نویس اور جج شامل ہیں" [۵۶]

۵۔ نذیر احمد خان صاحب وکیل جے پور نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"قادیان کی احمدیہ جماعت کے ۲۷' مبلغین کام کر رہے ہیں۔ چوہدری فتح محمد صاحب ایم۔ اے امیر وفد ایک نہایت ہی زیرک' فہیم' بردبار' مدبر اور تبلیغ میں سالہا سال کا تجربہ رکھنے والے انسان ہیں۔ ان کا انتظام اور نظام ایسے اعلیٰ پیمانہ اور طریق پر ہے کہ تمام مبلغین بھیجنے والوں کو انکا اتباع کرنا چاہئے اور حق یہ ہے کہ جب تک اس جماعت کے قواعد و ضوابط اور ہدایات پر جو ان کو مرکز سلسلہ سے ملتی رہتی ہیں سب مبلغین کاربند نہ ہوں گے کامیابی محال ہے ان احمدی مبلغین کو ہدایت ہے کہ وہ اپنے افسر کی اطاعت ایسی کریں کہ اگر جان جانے کا خطرہ بھی ہو تو بھی حکم بجالائیں........ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس جماعت کے سوا اور کسی فرد کی ایسی اعلیٰ تربیت نہیں۔ نہ سنیوں میں نہ شیعوں میں نہ کسی اور جماعت میں۔ پس میں سچے دل سے مشورہ دیتا ہوں کہ اس اعلیٰ نمونہ کی تقلید سب بھائی کریں اور فائدہ اٹھاویں کہ بغیر اس کے کامیابی

محال ہے" [۵۷]

۶۔ اخبار "وکیل" (امرتسر) ۳/ مئی ۱۹۲۳ء نے اپنے اداریہ میں لکھا۔

"احمدی جماعت کا طرز عمل اس بات میں نہایت قابل تعریف ہے جو باوجود چھیڑ چھاڑ کے محض اس خیال سے کہ اسلام چشم زخم سے محفوظ رکھا جائے۔ ان خانہ جنگیوں کے انسداد کی طرف خود مسلمانوں کے لیڈروں کو توجہ دلاتے ہیں اور ہر طرح کام کرنے کو تیار ہیں......... ہم علیٰ وجہ البصیرت اعلان کرتے ہیں کہ قادیان کی احمدی جماعت بہترین کام کر رہی ہے" [۵۸]

۷۔ اخبار "نور" علی گڑھ (۳/ مئی ۱۹۲۳ء) نے لکھا۔

"اب تک جتنی انجمنوں نے اس کار خیر میں قدم رکھا ہے ان میں سے اعلیٰ کام قادیانی جماعت کا ہے" [۵۹]۔

اب ہندو اخبارات کی رائے پڑھئے۔

۱۔ "آریہ پترکا" (بریلی) نے یکم اپریل ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں لکھا۔ "اس وقت ملکانے راجپوتوں کو .... اپنی پرانی راجپوتوں کی برادری میں جانے سے باز رکھنے کے لئے (یعنی مرتد ہونے سے بچانے کے لئے۔ ناقل) جتنی اسلامی انجمنیں اور جماعتیں کام کر رہی ہیں ان میں سے احمدیہ جماعت قادیان کی سرگرمی اور کوشش فی الواقع قابل داد ہے [۶۰]۔

۲۔ دیو سماجی اخبار "جیون تت" (لاہور) نے لکھا۔

"ملکانہ راجپوتوں کی شدھی کی تحریک کو روکنے اور ملکانوں میں اسلامی مت کا پرچار کرنے کے لئے احمدی صاحبان خاص جوش کا اظہار کر رہے ہیں۔ چند ہفتے ہوئے قادیانی فرقہ کے لیڈر مرزا محمود احمد صاحب نے ڈیڑھ سو ایسے کام کرنے والوں کے لئے اپیل کی تھی جو تین ماہ کے لئے ملکانوں میں جا کر مفت کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔ جو اپنا اور اپنے اہل و عیال کا وہاں کے کرایہ وغیرہ کا کل خرچہ خود برداشت کر سکیں۔ اور انتظام میں جس لیڈر کے ماتحت جس کام پر انہیں لگایا جاوے اسے وہ خوشی خوشی کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس اپیل پر چند ہفتوں کے اندر چار سو سے زیادہ درخواستیں ان شرائط پر کام کرنے کے لئے موصول ہو چکی ہیں اور تین پارٹیوں میں ۹۰ احمدی صاحبان آگرہ کے علاقہ میں پہنچ چکے ہیں اور بہت سرگرمی سے ملکانوں میں اپنا پرچار کر رہے ہیں۔ اس نئے علاقہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے ان میں سے بعض نے جن میں گریجویٹ نوجوان بھی شامل تھے۔ اپنے بسترے کندھوں پر رکھ کر اور تیز دھوپ میں پیدل سفر کر کے سارے علاقہ کا دورہ کیا ہے۔ اپنے مت کے پرچار کرنے کے لئے ان کا جوش اور ایثار تعریف کے قابل ہے" [۶۱]۔

تحریک شدھی اور تحریک خلافت کے لیڈر

جماعت احمدیہ کے تبلیغی جہاد کی ان مہمات کے مقابل تحریک خلافت کے لیڈروں کی بے حسی انتہا تک پہنچی ہوئی تھی اور انہوں نے اس اہم ترین مسئلہ کی طرف سنجیدگی سے توجہ کرنے کی تکلیف ہی گوارا نہیں فرمائی۔ چنانچہ اخبار "روزگار" آگرہ (یکم مئی ۱۹۲۳ء) نے لکھا۔

"اس میں شک نہیں کہ جتنے وفد اور جس قدر واعظ اور ہمدردان اسلام کوشاں ہیں ان میں سب سے بڑھا ہوا نمبر جماعت قادیان کا ہے۔ جس کے واعظ ہر قسم کے مصائب اور مصارف برداشت کر کے مصروف کار ہیں بے حد قابل شکر گزاری کے ہیں۔ لیکن افسوس یہ کیسا برتاؤ ہے کہ فرضی یا اصلی خلافت کے حامیان کی جماعت جو ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں کی گہری پسینے کی کمائی سے باون لاکھ وصول کر کے ٹھکانے لگا چکی ہے وہ واقعات فتنہ ارتداد دیکھتے ہیں اور خاموش ہیں" [۹۲]۔

شدھی اور شیعہ اصحاب

شیعہ اصحاب فتنہ ارتداد کا مقابلہ کرنے کو کہاں تک اہمیت دیتے تھے اس کا اندازہ شیعہ اخبار "در نجف" (یکم جولائی ۱۹۲۳ء) کے مندرجہ ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔

"ملکانہ راجپوت کے فتنہ ارتداد کو روکنا عبث اور بے فائدہ کوشش ہے۔ ہزاروں روپے کا مفت برباد کرنا ہے"۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ "فرض کرو اگر وہ مسلمان بھی ہو گئے تو کون مسلمان ہوں گے سنی مسلمان، پیر پرست، گور پرست، اوہام پرست، تقلید پرست یا غلام احمدی کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اللہ جری اللہ مانیں گے یا اہلحدیث جو خدا تعالیٰ کو مجسم قرار دے کر عرش پر بٹھائیں گے اور پنڈلی کا سجدہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ (کے) قدم دوزخ میں ڈالیں گے۔ نیز اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ گفتگو کر کے اس سے مصافحہ و معانقہ وغیرہ کریں گے۔ ملکانہ راجپوت سے زیادہ خطرناک وہ مسلمان ہیں جو دائرہ اسلام میں رہ کر صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہیں" [۹۳]۔

شدھی اور دوسرے مسلمان علماء

خلافتی لیڈر وغیرہ تو خیر خاموش رہے مگر دوسرے مسلمان علماء نے کس طرح اپنی مخالفانہ سرگرمیوں سے نقصان پہنچانے کی کوشش کی اس کی تفصیل چوہدری نذیر احمد خاں وکیل جے پوری نے ۳/ اپریل ۱۹۲۳ء کو دہلی کی جامع مسجد میں بیان فرمائی اور کھلے لفظوں میں مسلمانوں کو بتایا کہ۔

"حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے آریوں کے بطلان میں وہ مصالحہ جمع کر دیا ہے اگر اس کو اب استعمال کیا جائے تو یہ لوگ بیخ و بن سے اکھڑ سکتے ہیں۔ لیکن تعجب اور افسوسناک امر تو یہ ہے کہ ہمارے مسلمان علماء ان کی اور ان کی جماعت کی خواہ مخواہ مخالفت کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ "دشمنان

اسلام" کے مقابلہ پر ہمیشہ کمربستہ رہتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو اس میدان میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ میں نہ تو خود احمدی ہوں اور نہ میرا کوئی رشتہ دار احمدی ہے نہ اس ملک کا رہنے والا ہوں جہاں احمدیوں کی آبادی ہے لیکن ان کے کام کے طریق 'ان کی سرگرمی 'ان کے اخلاص 'ان کی تندہی اور جفاکشی سے کام کرنے کی حالت کا اندازہ کر کے مجبور ہوں کہ تمام اہل اسلام سے کہہ دوں کہ وہ ان حضرات کی مخالفت کو چھوڑ دیں۔ ان ہی لوگوں کے اخلاق ایسے ہیں جو جاہل اور اکھڑ ملکانوں کو آریہ ہونے سے باز رکھ سکتے ہیں اس کے برخلاف ہماری انجمنوں کے مبلغین ۵۵ کی تعداد میں وہاں گئے تھے جن میں سے اکثر شب برات کے حلوے کھانے اور عرس کرنے کے لئے واپس آچکے ہیں اور باقی جو ہیں وہ رمضان میں واپس گھر پہنچنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں آپ لوگ خیال کریں ان لوگوں سے کیا امید ہو سکتی ہے؟ اس لئے جو جماعت کام کرتی ہے اس کے رستے سے تمام رکاوٹیں دور کی جائیں"

[۹۲]۔

رمضان گزرنے کے بعد علمائے کرام پھر میدان ارتداد میں آموجود ہوئے اور آریہ کی بجائے ایک دوسرے سے پھر الجھنے لگے اور خصوصاً احمدیوں کے خلاف تو محاذ قائم کر لیا۔ جس پر اخبار "زمیندار" (۱۷/ مئی ۱۹۲۳ء) نے "مجلس نمائندگان تبلیغ" اور دوسری جماعتوں کو شرم دلائی کہ۔

"اگرچہ سوامی شردھانند آریہ سماجی ہیں لیکن آریہ سماج کی جماعتوں کے علاوہ سناتن دھرم اور جینی وغیرہ بھی ان کے شریک کار ہیں اور آج تک ان لوگوں میں اختلاف کی ایک آواز بھی بلند نہیں ہوئی۔ سناتن دھرم والوں نے کبھی شکایت نہیں کی کہ سوامی شردھانند ملکانوں کو آریہ بنا رہے ہیں۔ پرتاپ' کیسری اور تیج کے فائل اٹھا کر دیکھئے۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ آپ کو ایک تحریر ایک خبر ایک اطلاع ایک مراسلہ بھی ایسا نہ ملے گا جس سے ہندو مبلغین کا ذرہ برابر باہمی اختلاف ظاہر ہو لیکن "زمیندار"۔ "سیاست"۔ "وکیل" اور دوسرے اسلامی اخبارات کی جلدیں پڑھئے تو آپ پر بار بار اس افسوسناک حقیقت کا انکشاف ہو گا کہ ایک انجمن دوسری انجمن کو حلقہ ارتداد میں کام کرتے دیکھنا گوارا نہیں کرتی۔ خدا کا کام ہے لیکن بندوں نے اسے ذاتی اختلاف اور ذاتی شہرت پسندی کی جولانگاہ بنا رکھا ہے۔ کیا یہ سر پیٹنے کا مقام نہیں؟ ہم "مجلس نمائندگان تبلیغ" اور دوسری تمام تبلیغی انجمنوں کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر احمدی مبلغین ملکانوں کو احمدی بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو آپ کو بگڑنے کا کوئی حق نہیں۔ جس طرح آپ ان کو حنفی و اہلحدیث بنانے کا حق رکھتے ہیں احمدی مبلغین ان لوگوں پر اپنا کیش و مذہب پیش کرنے میں آزاد ہیں اور ہندو ہو جانے سے ہزار درجے بہتر ہے کہ ایک مسلمان احمدی ہو جائے........ سیاسی نقطہ نگاہ سے بھی دیکھ لیجئے۔ اگر چھ لاکھ ملکانے مسلمانوں

کی کسی جماعت میں شامل ہو جائیں تو مسلمان شمار کئے جائیں گے۔ لیکن اگر ہندو ہو گئے تو فریق ثانی کی طاقت میں اضافہ کا باعث ہوں گے۔ مسلمانوں کے مقاصد سیاسی کی حفاظت کے دعویدار بتائیں کہ صواب کی راہ کون سی ہے" [۱۵]؟

اس بروقت انتباہ کے باوجود ان حضرات کے طرز عمل میں ذرہ بھر فرق نہیں آیا۔ بلکہ احمدیوں کی کامیابی پر اور بھی زیادہ سیخ پا ہوئے۔ دراصل یہ بھی آریہ اخبارات کی ایک چال تھی کہ انہوں نے غیر احمدی علماء کو اکسایا کہ قادیانی تو ملکانوں کو احمدی بنالیں گے۔ دوسرے علماء سے احمدی جماعت کے خلاف فتویٰ کفر طلب کر کے شائع کئے گئے اور ملکانوں سے کہا گیا کہ احمدی تو خود بھی مسلمان نہیں تمہیں کیا اسلام سکھائیں گے؟

اس وقت احمدیوں کے علاوہ "جمعیتہ العلماء"۔ "رضائے مصطفیٰ"۔ "خدام الصوفیہ" وغیرہ تبلیغ کے لئے پہنچی ہوئی تھیں۔ آریوں کا جادو چل گیا۔ اور یہ سب جماعتیں الا ماشاء اللہ اپنی طاقت و قوت احمدیوں کے خلاف استعمال کرنے لگیں۔ اگر کوئی احمدی مجاہدین کی کوششوں کے نتیجہ میں شدھی سے تائب ہو کر واپس اسلام میں داخل ہوتا تو یہ اصحاب وہاں جاکر ملکان سے کہتے کہ قادیانی تو آریوں سے بھی بدتر ہیں [۱۶]۔ ان کے ذریعہ تم کیوں مسلمان ہوئے؟

پھر یہ اصحاب اس قدر بے بنیاد الزام لگاتے کہ خدا کی پناہ۔ یہ کہا گیا کہ قادیان میں ایک جھنڈا ہے اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ مرزا صاحب نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے وہ اپنے تئیں (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ سے افضل سمجھتے ہیں۔ قادیانی پانچ نمازیں نہیں پڑھتے ان کا حج قادیان میں ہوتا ہے۔ یہ گورنمنٹ کے ایجنٹ ہیں اور اس سے روپیہ لیتے ہیں ان کے پاس روپیہ بنانے کی مشین ہے۔ یہ ملکانوں کو روپیہ دے کر اپنے مذہب میں داخل کرتے ہیں۔ یہ لڑکوں کو بھگا لے جائیں گے۔ اب تو بچوں کو پڑھاتے ہیں پھر ان کے اخراجات کا دعویٰ دائر کر دیں گے۔ غرض کہ اس قسم کے مغالطے ملکانوں کو دیئے کہ بس حد ہو گئی۔ اب احمدی مجاہدین کو بیک وقت دو زبردست طاقتوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ آگے آریہ صاحبان اور پیچھے علماء کرام!! [۱۷]۔

یہ افسوسناک صورت حال معلوم کر کے مولوی ممتاز علی صاحب ایڈیٹر اخبار "تہذیب نسواں" (لاہور) نے لکھا۔

"میں نے سنا ہے کہ میدان ارتداد میں ہر فرقہ اسلام نے تبلیغ کے لئے اپنے اپنے نمائندے بھیجے ہیں۔ مناسب جانا کہ میں جس گروہ کے مبلغین کو سب سے زیادہ کامیاب دیکھوں ان میں سے ایک اپنے لئے منتخب کرلوں۔ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ تبلیغ کے کام میں سب سے زیادہ کامیابی احمدی مبلغوں

کو ہوئی ہے اس لئے میں نے سوچا کہ اگر تمذہبی بہنوں کو اعتراض نہ ہو تو وہ ان میں سے کسی ایک مبلغ کا خرچ اپنے ذمہ لے لیں۔ مگر اسی اثناء میں ہمارے علماء نے اعلان شائع کیا کہ احمدی فرقہ کے لوگ سب کافر ہیں اور ان کا کفر ملکانہ راجپوتوں کے کفر سے بھی زیادہ شدید ہے۔ اس زمانہ میں علماء کا یہ کام مسلمان بنانا نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کو کافر بنانا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ دنیا میں ایک بھی ایسا مسلمان نہ ہو گا۔ جس کے متعلق سب علماء دین بالاتفاق یہ کہہ سکیں کہ واقعی یہ ٹھیک مسلمان ہیں۔ ہمارے علماء سے جسے چاہو کافر بنوالو۔ وہابی کافر' بدعتی کافر' رافضی کافر' خارجی کافر۔ لیکن اگر ان سے چاہو کہ چند کافروں کو مسلمان بنادو۔ تو یہ کام ان سے نہیں ہو سکتا" [۱۸]۔

اسی کی تائید میں جناب عبدالمجید صاحب سالک اپنی کتاب "سرگزشت" میں لکھتے ہیں کہ۔

"ملکانہ راجپوتوں میں انسداد ارتداد اور تبلیغ اسلام کا کام شروع ہوا۔ بریلوی' دیوبندی' شیعہ' احمدی' لاہوری احمدی۔ میرنیرنگ کی جمعیتہ تبلیغ الاسلام کے مبلغ غرض ہر فرقے اور ہر جماعت کے کارکن آگرہ اور نواحی علاقوں میں پھیل گئے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ مل جل کر اسلام کی خدمت کرتے لیکن ان جماعتوں نے وہاں آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔ صرف احمدی مبلغین تو کچھ کام کرتے تھے اور باقی تمام فرقوں کے لوگ یا آپس میں مصروف پیکار تھے یا احمدیوں کے خلاف کفر کے فتوے شائع کرتے تھے" [۱۹]۔

جمعیتہ العلماء دہلی کی طرف سے احمدیوں کو دھمکی

اسی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے "جمعیتہ العلماء" دہلی نے احمدیوں کو تباہ کرنے کی بھی دھمکی دے دی۔ چنانچہ شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی کا چشم دید بیان ہے کہ "جب میں ملکانہ میں کام کرتا تھا تو چوہدری فتح محمد صاحب سیال نے مجھے حکم دیا کہ دہلی جائیں اور مولوی کفایت اللہ صاحب اور مولوی احمد سعید صاحب وغیرہ جمعیتہ العلماء کے علماء سے ملیں۔ اور اطلاع دیں کہ آپ کے فلاں مبلغ ملکانوں کو تبلیغ اسلام کرنے کی بجائے ان کو ہمارے خلاف بھکا رہا ہے۔ میں ان کی خدمت میں پہنچا تو غالباً مولوی احمد سعید صاحب نے میری عرض داشت پر جو کہا اس کا مفہوم یہ تھا کہ میں مدد کرتا ہوں۔ مگر میں ایک بات سنائے دیتا ہوں کہ جب یہ ملکانہ کا قضیہ ختم ہو جائے گا تو پھر ہم آپ کی جماعت کا مقابلہ کریں گے اور پیس کر رکھ دیں گے۔ یہ کہہ کر ساتھ ایک آدمی کر دیا کہ فلاں مولوی صاحب کے پاس لے جائیں یہ مولوی صاحب جو نوجوان تھے اور مولوی کفایت اللہ صاحب اور مولوی احمد سعید صاحب کے ماتحت کام کرتے تھے۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگ کیسے کام کر رہے ہیں۔ ہم اپنے آدمیوں کو تنخواہیں ہی نہیں سفر خرچ بھی دیتے ہیں اور

بھی ان کی خاطرمدارت کرتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ بھاگ آتے ہیں۔ مگر آپ نے کیا روح پھونک دی ہے کہ ڈٹ کر دشمنوں کا مقابلہ کر رہے ہیں"

"انجمن نمائندگان تبلیغ" کی مزاحمت اور حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال کی غیرت دینی

جیسا کہ اوپر جمعیتہ العلماء کا بطور مثال ذکر کیا گیا ہے بعض مستثنیات کے سوا علماء کے سب طبقے اجتماعی صورت میں احمدیوں کی مخالفت کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ "انجمن نمائندگان تبلیغ" بھی جسے بالکل غیر جانبداری سے کام کرنا چاہئے تھا وہ بھی مزاحمت کرنے لگی چنانچہ جناب شیخ محمد احمد صاحب (ایڈووکیٹ لائلپور) اس صورت حال کا تذکرہ کرتے اور حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال کی غیرت دینی کا ایک اہم واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"تمام علاقے میں ہنگامے برپا تھے۔ ہر طرف روا روی اور ہماہمی تھی۔ اگر آج چوہدری صاحب موضع پرکھم میں ایک مسجد کی بنیاد رکھ رہے ہیں تو کل موضع اسپار میں مرتد ملکانوں کی اسلام میں واپسی کی تقریب پر شاداں و فرحاں احباب سمیت جارہے ہیں۔ اور اس طرح شب و روز فرائض منصبی میں بشاشت سے منہمک ہیں اور اس مشکل ترین فرائض کا ایک پہاڑ سر پر اٹھایا ہوا ہے اور امام کے اشارات و ہدایات کے مطابق چلے جارہے ہیں اور الامام جنۃ یقاتل من ورانہ کا منظر ہے۔ بعض اور انجمنیں بھی علاقہ ارتداد میں کام کر رہی تھیں یا کام بگاڑ رہی تھیں اور کبھی کبھی بلاوجہ محض حسد کی راہ سے ہمارے کام میں روک بن جاتی تھیں۔

اسی قسم کا ایک واقعہ خاکسار کے روبرو پیش آیا۔ "انجمن نمائندگان تبلیغ" نے بذریعہ ایک کارکن ہمارے کام میں دراندازی کی۔ چوہدری صاحب مرحوم کو علم ہوا تو بپھرے ہوئے شیر کی مانند اس انجمن کے دفتر میں آئے۔ خاکسار ہمراہ تھا پھر وہاں جو واقعہ پیش آیا سننے اور سمجھنے کے قابل ہے اور میرے روزنامچے میں بہ الفاظ ذیل درج ہے۔

"۲۳/ اگست ۱۹۲۳ء۔ امیر صاحب کی معیت میں نمائندگان تبلیغ کے دفتر میں گئے قریب سوا آٹھ بجے (شب) ان کے دفتر میں پہنچے۔

نذیر احمد خاں وکیل جے پوری جو فتنہ ارتداد کے دوران میں معروف ہو چکے ہیں۔ وہاں موجود تھے اور آج ہی مہاسبھا بنارس سے واپس آئے تھے۔ اس کے متعلق اپنے دفتر کے کلرک کو کچھ مضمون وہاں کی کارروائی کے متعلق لکھوا رہے تھے۔ بدیں پیرایہ کہ والیان ریاست کی طرف سے ایک ہزار نمائندے شریک تھے۔ پنڈت مالویہ نے پُرزور تحریک شدھی کے حق میں کی کہ خواہ کھان پان نہ ہو۔

لیکن بھنگیوں چماروں تک کو کنوؤں سے پانی بھرنے، مندروں میں درشن وغیرہ کی اجازت ضرور دی جائے پنڈت لوگوں نے مخالفت بھی کی لیکن مالویہ کے آگے ان کی پیش نہ گئی اور بالآخر یہ پاس ہو گیا۔ مارواڑی کروڑپتی اور دور دراز کے نمائندے شریک تھے راجہ بھرت پور کی حسن کارکردگی کا خصوصاً اعتراف کیا گیا۔

اس کے بعد وکیل صاحب موصوف نے نوٹ لکھوایا کہ میرا یہ خیال ہے کہ اگر ہندوستان کی کل جماعتیں ایک شخص کے ماتحت ہو کر کام نہ کریں گی تو ۱۹۲۳ء میں دو کروڑ نفوس مرتد ہو جائیں گے اور ہمیں مخاطب کر کے کہا کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو اجمل خاں، محمد علی، شوکت، کچلو وغیرہ تمام مسلمان لیڈروں کو کہتا کہ لیڈری کو چھوڑ دو۔ شکاری شکار کھیلتا ہے اور تم لوگ اس کی بندوق و تیر اٹھائے پھرتے ہو۔ وغیرہ۔

اتنا عرصہ ہم خاموش بیٹھے رہے اور مضمون کے ختم ہونے پر امیر صاحب نے حرف مطلب یوں شروع کیا۔

ہمیں نمائندگان تبلیغ سے سخت شکایت ہے ہم چھ ماہ سے یہاں پڑے ہیں۔ ہماری جماعت کے بہترین آدمی بر سر کار ہیں۔ ہم دو ماہ میں شدھی وغیرہ سب کو پورے طور پر رفع دفع کر گئے ہوتے لیکن یہ مولوی لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے۔ ہم جان توڑ کر مسلسل کوشش سے ایک دیہہ کو فتح کرنے والے ہوتے ہیں کہ آپ کا آدمی پہنچتا ہے اور کام خراب کر دیتا ہے۔ ہمیں کافر ٹھہرا کر ملکانوں کو بہلا پھسلا کر۔

کنور عبدالوہاب صاحب وغیرہ یہاں نہیں رہتے۔ ہم شکایت ان سے کیسے کریں۔ دین میں اعزازی عہدے نہیں ہوا کرتے کام کرنا ہوتا ہے۔ ہم اب یہ برداشت نہیں کر سکتے یا تو مولوی کو....... دو دن کے اندر نکال دیا جائے۔ ورنہ ہم اس انجمن کے خلاف جو چاہیں گے کریں گے۔ آریہ مسلمانوں سے بڑی قوم ہے۔ انگریز اتنی بڑی قوم ہے ہم نے ان سے مقابلہ ٹھانا ہوا ہے تو پھر یہ مولوی وغیرہ کیا چیز ہیں یہ میں نہیں کہہ رہا بلکہ تمام جماعت احمدیہ کہہ رہی ہے۔

نذیر احمد خاں: آپ پندرہ دن اور ٹھہر جائیں۔ یہ مولوی ملانے بوریا بستر باندھ کر خود چل دیں گے۔

امیر صاحب: ہم نے چھ مہینے انتظار کیا ہے لیکن کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔ کنور عبدالوہاب صاحب کے سامنے ملکانوں نے ذکر کیا کہ آپ کے ایک مولوی نے احمدیوں کو ان کے گاؤں میں نہ رہنے دیا ورنہ وہ لوگ ان کے زیر اثر پنجوقتہ نماز پڑھنے لگ گئے تھے حتیٰ کہ بعض تہجد بھی پڑھتے تھے نمائندگان کا آدمی

گیا انہیں ورغلایا اور احمدیوں کو کافر قرار دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ احمدی وہاں سے لوٹ آئے اور وہ مولوی ایک دن بھی نہ ٹھہرا۔ سب نے نماز چھوڑ دی اور ویسے کے ویسے رہ گئے۔

امیر صاحب نے فرمایا کہ ان لوگوں کی تحریر میرے پاس موجود ہے اور انہوں نے کہا ہم قادیان بیعت کرتے ہیں۔ لیکن ہم خاموش رہے۔ اب بتاؤ ہم نے انہیں کہا تھا کہ بیعت کرو۔ اسی طرح آئے دن واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ مولوی چاہتے ہیں کہ کام نہ خود کریں نہ کرنے دیں۔

آنور ایک بڑا گاؤں ہے چھ سو ملکانے وہاں آباد ہیں۔ اگر وہ واپس ہو تو بھرت پور پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ دیگر دیہات متھرا پر بھی اس کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ وہاں ہمارے تین آدمی مقرر ہیں۔ شیخ فضل صاحب جو بٹالہ کے رئیس ہیں اور دو اور تعلیم یافتہ آدمی اب چوتھا آدمی نمائندگان کا وہاں کیوں جائے۔ لیکن نواب خاں وہاں گیا کہ عبدالحی صاحب نے اسے حکم دیا کہ تم نوکر ہو وہاں ضرور جانا ہوگا۔ اس نے جا کر انہیں بگاڑا۔ ورنہ وہ واپسی کے لئے آمادہ تھے۔ اس شرط پر کہ آریوں سے جو دو سو روپیہ مرمت چاہ کے لئے وہ لے چکے ہیں انہیں واپس دے کر رسید ہم لے لیں اور اگر وہ کوئی مقدمہ کریں تو ہم ان کی امداد کریں۔ ہم تیار تھے کہ یہ آدمی پہنچا۔ ملکانے ایک ہوشیار قوم ہے انہوں نے جب دیکھا کہ دو خریدار ہیں۔ تو اب کہتے ہیں کہ ۸۰۰ دلاؤ۔ ہمارا چندہ صرف ہندوستان پر ہی نہیں بلکہ دیگر تمام ممالک یورپ امریکہ' افریقہ پر بھی صرف ہوتا ہے۔ میں بجٹ سے ایک پیسہ زیادہ نہیں کر سکتا۔ اگر ہمارا مقابلہ ہی کرنا ہے تو جاؤ پنجاب میں' بنگال میں' تمام ہندوستان میں ہمارا مقابلہ کرو۔ یہ علاقہ اسلام پر ایک مصیبت ہے یہاں ہی ہمارے ساتھ دشمنی کرنی ہے۔ اگر اتحاد نہیں ہو سکتا تو دشمنی تو نہ ہو اگر ہم آپ کے خیال میں مسلمان نہیں تو ہم ہر دو کم از کم تعلیم یافتہ تو ہیں ملکانے ہم دونوں کو پریشان کر رہے ہیں۔ اس کا تو خیال ہو۔ اگر آپ کہیں تو ہم آپ کے حسب مرضی جو جو گاؤں آپ چاہیں چھوڑ دیں لیکن باقیوں پر ہمارا کامل تسلط ہوگا اور آپ کی طرف سے کوئی دراندازی نہ ہوگی اگر یہ بھی نہ ہو تو ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں لیکن ایک سو چالیس گاؤں ہیں ان میں کم از کم دو سو اسی آدمی مبلغ درکار ہوں گے آپ کو ان کا انتظام کرنا ہوگا غرض کوئی معاہدہ بھی ہو لیکن استوار ہو۔

خدا جانتا ہے کہ ہمیں یہاں آنے سے کوئی خاص غرض نہیں اور یہ شکایت محض جانبین کی بہتری کے لئے ہے انتہٰی کلامہ۔

یہ تمام گفتگو نذیر احمد خاں صاحب اور عبدالحی صاحب نائب ناظم مجلس نمائندگان کے روبرو ہوئی۔ آخر نذیر احمد خاں صاحب عبدالحی صاحب کو اٹھا کر ایک طرف لے گئے اور واپس آ کر عبدالحی صاحب نے کہا کہ آپ اپنے دیہات کی ایک فہرست ہمارے پاس بھیج دیں۔ اس کے بعد ہم ان نامزدہ دیہات

میں کوئی مداخلت نہ کریں گے ۔ کہا گیا کہ چھ ماہ ہوتے ہیں آپ کو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم کہاں کہاں ہیں ۔ بہرحال فہرست مطلوبہ ارسال کردی جائے گی ۔

یہ تقریر میں نے واپسی پر رات کو ہی قلمبند کرلی تھی" [۷۱] ۔

مجاہدین احمدیت پر ظلم و تشدد

میدان ارتداد میں احمدی مجاہدین کو آریوں اور علماء کی طرف سے ظلم و تشدد کا تختہ مشق بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا ۔ چنانچہ فرخ آباد میں آریوں نے ایک بار ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم کے مکان کا مسلح محاصرہ کرلیا ۔ مگر اس دوران میں اچانک پولیس کا ایک مسلمان سپاہی آگیا اور ان کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اسی طرح ایک مولوی آل نبی صاحب نے کئی سو آدمی لے کر ان کے ہیڈ کوارٹر پر دھاوا بول دیا اور ماسٹر صاحب اور ان کی اہلیہ اور بوڑھی والدہ اور ننھے بچے یونس احمد کو (جو اب قادیان میں درویشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں) جبراً مکان سے نکال دیا اور ساتھ ہی دفتر بھی خالی کروالیا [۷۲] ۔ ان ہی مولوی صاحب کے رفقاء نے ایک دوسرے احمدی مبلغ عبدالرشید صاحب کو فحش گالیاں دیں اور قتل کی دھمکیاں دینے سے بھی قطعاً دریغ نہ کیا [۷۳] ۔

موضع اسہار میں آریوں اور مرتد ملکانوں نے مرزا غلام رسول صاحب (ریڈر سیشن جج پشاور) پر لاٹھیوں سے مسلح حملہ کرکے ان کی جھونپڑی نیچے گرادی اور وہ نیچے دب گئے ۔ بازوؤں سے کھینچ کر باہر نکالا گیا ۔ ظالم و سفاک انہیں گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے اور دھکے دے کر گاؤں سے نکال دیا [۷۴] ۔ جس پر جماعت احمدیہ کی طرف سے مقدمہ دائر کیا گیا اور شیخ محمد احمد صاحب وکیل کپورتھلہ نے اس کی پیروی کی ۔

اِکرن میں ہندو تھانیدار نے احمدی مبلغین کو علاقہ سے باہر نکل جانے پر مجبور کیا [۷۵] ۔ پھر مہاراجہ بھرت پور نے پوری ریاست میں یہ ظالمانہ حکم دے دیا کہ کوئی غیر ریاستی پرچارک (مبلغ) ریاست کی حدود میں چوبیس گھنٹے سے زیادہ نہ رہے ۔ تب مجاہدین نے حدود ریاست سے باہر کیمپ لگالیا ۔ ایک مجاہد ریاست میں جاتا اور موضع اِکرن میں ۲۴ گھنٹے ٹھہر کر واپس آجاتا ۔ اس کے بعد دوسرا مجاہد پہنچ جاتا اور اس طرح باری باری اکرن میں شدھی کے خلاف مورچہ کی نگرانی ہوتی رہی ۔ ریاستی حکام نے جب یہ صورت دیکھی تو بڑے سٹ پٹائے ۔ آخر مہاراجہ بھرت پور نے احمدی مبلغین کے داخلہ ریاست پر قطعی پابندی عائد کردی ۔

ریاست کی اس مذہبی دست درازی پر مسلم پریس مثلاً "پیسہ اخبار" ۔ "سیاست" اور "وکیل" نے پُرزور احتجاج کیا [۷۶] ۔ جماعت احمدیہ کے ایک وفد نے (جو حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ؔ

حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحب اور مولوی فضل الدین صاحب وکیل پر مشتمل تھا) ناظم ریاست سے ملاقات کی اور یہ ظالمانہ حکم واپس لینے کی اپیل کی۔ مگر ریاستی حکام ٹس سے مس نہ ہوئے اور مجاہدین کو ریاست سے باہر ملحقہ دیہات میں قیام پذیر ہو کر ریاست کے مرتد مسلمانوں سے رابطہ قائم کرنے کے مختلف ذرائع اختیار کرنے پڑے [۷۷]۔

مجاہدین احمدیت کا بے مثال استقلال

احمدیت کے رستہ میں قدم قدم پر مشکلات و مصائب کے پہاڑ کھڑے کئے گئے مگر اسلام کے جانباز سپاہی بڑے وسیع حوصلہ اور استقلال اور مضبوط ارادے کے ساتھ شدھی کا قلعہ توڑنے میں دیوانہ وار مصروف ہو گئے۔ اسلام کی تائید میں لٹریچر پھیلایا [۷۸]۔ ملکانہ بچوں کے لئے ساندھن، پرکھم، صالح نگر، کھڑوائی وغیرہ متعدد مقامات پر مدارس قائم کئے۔ ہسپتال کھولے، پرانی مسجدیں مرمت کر کے آباد کیں اور نئی مسجدیں تعمیر کیں [۷۹-۸۰] مجالس اور پبلک جلسوں کے ذریعہ اسلام کی منادی کی اور جب اور جہاں بھی آریوں نے مناظرے کی طرح ڈالی چیلنج دیئے احمدی اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالتے ہوئے میدان مناظرہ میں کود پڑے اور آریوں کے پیش کردہ دلائل کی دھجیاں بکھیر ڈالیں۔ چنانچہ مولانا جلال الدین صاحب شمس نے بھونگاؤں، بھوری، متھرا، آگرہ، ساندھن، مین پوری اور دہلی میں کامیاب مناظرے کر کے کئی اہم مہمیں سر کیں۔

یہ مجاہدانہ سرگرمیاں دیکھ کر مشہور مسلم اخبار "زمیندار" جو پہلے ہی جماعت کے تبلیغی کارناموں کو دیکھ کر رطب اللسان تھا اور زیادہ تعریف کرنے لگا۔ چنانچہ اخبار "زمیندار" نے لکھا۔

۱- "جو حالات فتنہ ارتداد کے متعلق بذریعہ اخبارات علم میں آچکے ہیں ان سے صاف واضح ہے کہ مسلمانان جماعت احمدیہ اسلام کی انمول خدمت کر رہے ہیں۔ جو ایثار اور کمر بستگی، نیک نیتی اور توکل علی اللہ ان کی جانب سے ظہور میں آیا ہے وہ اگر ہندوستان کے موجودہ زمانہ میں بے مثال نہیں تو بے اندازہ عزت اور قدر دانی کے قابل ضرور ہے۔ جہاں ہمارے مشہور پیر اور سجادہ نشین حضرات بے حس و حرکت پڑے ہیں۔ اس اولوالعزم جماعت نے عظیم الشان خدمت کر کے دکھادی ہے" [۸۱]۔

۲- "قادیانی احمدی اعلیٰ ایثار کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان کا قریباً ایک سو مبلغ امیر وفد کی سرکردگی میں مختلف دیہات میں مورچہ زن ہے۔ ان لوگوں نے نمایاں کام کیا ہے۔ جملہ مبلغین بغیر تنخواہ یا سفر خرچ کے کام کر رہے ہیں۔ ہم گو احمدی نہیں لیکن احمدیوں کے اعلیٰ کام کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جس اعلیٰ ایثار کا ثبوت جماعت احمدیہ نے دیا ہے۔ اس کا نمونہ سوائے متقدمین کے

مشکل سے ملتا ہے۔ ان کا ہر ایک مبلغ غریب ہو یا امیر بغیر مصارف سفر و طعام حاصل کئے میدان عمل میں گامزن ہے۔ شدت کی گرمی اور لوؤں میں وہ اپنے امیر کی اطاعت میں کام کر رہے ہیں" ۸۲۔

۳۔ "احمدی مبلغ جس جوش اور ولولہ سے فتنہ ارتداد کے انسداد میں مصروف ہیں ان کی تعریف و توصیف کرنے سے ہم باز نہیں رہ سکتے" ۸۳۔

کامیاب مدافعت اور شاندار پیش قدمی

الحمد للہ کہ احمدی مبلغوں کی کوششیں بار آور ہوئیں اور اللہ کے فضل و کرم سے شدھی کی رو میں زبردست کمی آگئی اور شدھ کئے ہوئے خاندان بڑی کثرت سے دوبارہ اسلام میں آنے لگے۔ شورش انگیز اور تشدد آمیز کارروائیوں اور چیرہ دستیوں اور مخالف طاقتوں کی زبردست شورش کے باوجود ہر طرف اسلام کی فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ ریاست بھرت پور کے کئی گاؤں شدھی سے تائب ہو کر پھر سے اسلامی لشکر میں آشامل ہوئے ۸۴۔ آنور کا قصبہ جس کے قریب سری کرشن جی کی پیدائش ہوئی اکثر و بیشتر مسلمان ہو گیا۔ اسپار کے ایک بڑے حصہ نے اسلام قبول کر لیا ۸۵۔

چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے تحریر فرماتے ہیں۔

"دوران جنگ میں احمدیت کے جنگجو دستہ کے لئے بعض خطرے کے موقعے بھی پیش آئے جن میں بعض اوقات غنیم نے نازک حالات پیدا کر دیئے۔ اور ایسا تو کئی دفعہ ہوا کہ احمدی والنٹیر اپنی کوشش سے ایک شدھ شدہ گاؤں کو اسلام میں واپس لائے مگر ہندو دستہ نے پھر یورش کر کے اسے پھسلا دیا۔ مگر احمدیوں نے دوبارہ حملہ کر کے پھر دوسری دفعہ قلعہ سر کر لیا۔ بعض دیہات نے کئی کئی دفعہ پہلو بدلا کیونکہ اس کشمکش کے دوران میں بعض ملکانہ دیہات میں کچھ لالچ بھی پیدا ہو گیا۔ مگر بالآخر ایک ایک کر کے ہر ہندو مورچہ فتح کر لیا گیا اور خدا کے فضل سے شدھی کے مواج دریا نے پلٹا کھا کر اپنا راستہ بدل لیا۔ بلکہ اس جدوجہد میں ایک حد تک ملکانہ راجپوتوں کی دینی تربیت بھی ہو گئی اور ان میں سے کم از کم ایک حصہ خدا کے فضل سے صرف نام کا مسلمان نہیں رہا۔ بلکہ اسلام کی حقیقت کو سمجھنے والا اور اسلام کے احکام پر چلنے والا بن گیا" ۸۶۔

مجاہدین احمدیت کے ہاتھوں شدھی تحریک کو جس عبرتناک ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اس کا اقرار ہندوؤں اور سکھوں دونوں کی طرف سے برملا کیا گیا۔ چنانچہ لالہ سنت رام بی۔اے سیکرٹری جات پات توڑک منڈل لاہور نے بیان دیا۔ "الفاظ بہت کڑے ہیں اور سخت مایوسی سے بھرے ہوئے ہیں مگر یہ سچائی ہے چاہے کڑوی ہو۔ بہت سے بھائی پوچھیں گے ہم اخباروں میں روز شدھی اور اچھوت ادھار

کی خبریں پڑھتے ہیں .... پھر تم کیسے کہتے ہو کہ شدھی اور اچھوت ادھار کی تحریک کامیاب نہیں ہوئی۔ اس کے جواب میں میری عرض یہ ہے کہ کسی کو جھوٹا کہنے کی ضرورت نہیں۔ پرمیشور نے آپ کو آنکھیں دی ہیں کہ اس وقت ہندو سماج میں دوسرے دھرموں سے کتنے لوگ شدھ ہو کر آئے ہیں جن کی شدھی کی خبریں اخباروں میں جلی الفاظ میں چھپتی ہیں ان کی تعداد کم سے کم پانچ سو تو ہو گی مگر ان میں سے مجھے بیس کے نام تو گن دیجئے۔ جو آج بھی ہندو ہوں...... ملکانوں کی شدھی پر بڑا فخر کیا جاتا ہے۔ تھی بھی وہ بڑی فخر کی بات مگر جو لوگ سچائی کو جانتے ہیں وہ بڑے متفکر ہیں۔ ملکانوں کی شدھی کی جو رپورٹ وقتاً فوقتاً اخبارات میں چھپتی رہی ہے اس کے بموجب شدھ ہونے والوں کی گنتی ڈھائی لاکھ سے کم نہیں پہنچی مگر...... ان لوگوں میں بہت سے تو اپنی پہلی حالت میں واپس چلے گئے اور باقی بیچ میں لٹکے ہوئے کسی ٹھوکر کی راہ دیکھ رہے ہیں" [۸۷]۔

پروفیسر پریتم سنگھ ایم۔ اے اپنی کتاب "ہندو دھرم اور اصلاحی تحریکیں" میں لکھتے ہیں۔

"آریہ سماج نے شدھی یعنی ناپاک کو پاک کرنے کا طریقہ جاری کیا۔ ایسا کرنے سے آریہ سماج کا مسلمانوں کے ایک تبلیغی گروہ یعنی قادیانی فرقہ سے تصادم ہو گیا۔ آریہ سماج کہتی تھی کہ وید الہامی ہیں اور سب سے پہلا آسمانی صحیفہ ہیں۔ اور مکمل گیان ہیں قادیانی کہتے تھے کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے اور حضرت محمد خاتم النبیّن ہیں۔ اس کدو کاوش کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی عیسائی یا مسلمان اب مذہب کی خاطر آریہ سماج میں شامل نہیں ہوتا مذہب کی تبدیلی بے معنی سی ہو گئی ہے آریہ سماج کا تعلیمی کام اب تک جاری ہے...... مگر سماج کا تبلیغی کام تقریباً بند ہے........ آریہ سماج کی تحریک خاطرخواہ ترقی نہ کر سکی۔ پرانے ہندو جو بت پرست اور مقلد تھے وہ ویسے کے ویسے ہی رہے اور کچھ انگریزی پڑھے لکھے لوگ جو سماج میں داخل ہوئے وہ مادیات میں پھنس کر دہریہ ہو گئے۔ ان کی تو وہی حالت ہے۔

ع نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم" [۸۸]۔

شردھانند کی طرف سے تحریک شدھی سے دست برداری کا اعلان

جب آریوں کو کئی مقامات پر پسپا ہونا پڑا تو شدھی کے بانی شردھانند نے ۱۹/ اگست ۱۹۲۳ء کو تمام مسلمانوں کو مباحثہ کا چیلنج دیا۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمان عملی میدان سے ہٹ کر براہ راست ان کی طرف متوجہ ہوں اور جہاں ہندو ان کی شخصیت و عظمت کے قائل ہوں وہاں بھولی بھالی ملکانہ قوم پر رعب طاری ہو۔ اس چیلنج میں انہوں نے گو احمدیہ جماعت کا نام نہیں لیا تھا مگر چونکہ اس دعوت میں سب مسلمانوں ہی کو خطاب تھا اس لئے جماعت احمدیہ کی طرف سے ناظر تالیف و اشاعت نے فوراً مناظرہ کی

منظوری بذریعہ تار بھیج دی اور ساتھ ہی مسلمان اور ہندو اخبارات کو بھی اس کی اطلاع کر دی [۸۹]۔

انصاف و اخلاق کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے فریق مخالف کی اطلاع کا جواب دیتے مگر شردھانند صاحب نے اس تار کا تو کوئی جواب نہ دیا البتہ "ہندوستان کے سب مسلمانوں کو کھلا چیلنج" کے نام سے ایک نیا اعلان دے دیا۔ جس میں پبلک پر یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ گویا خود مسلمانوں نے مجھے دعوت مباحثہ دی ہے۔ تحریر کیا کہ :-

"کچھ عرصہ سے مسلمان اصحاب نے میری معرفت مباحثہ کرنا زیادہ تر مناسب سمجھا ہے اس لئے ان کی خواہش کو پورا کرنے کی غرض سے سب کا فرداً فرداً جواب نہ دیتے ہوئے ہندوستان کے جملہ مسلمان بھائیوں کو اطلاع دیتا ہوں کہ آریہ سماج ہر وقت مباحثہ کے لئے تیار ہے۔ ۹/ ستمبر ۱۹۲۳ء تک اسلام کے ہر فرقہ کی طرف سے (جو مباحثہ کرنا چاہیں) میرے پاس درخواست آجانی چاہئے" [۹۰]۔

اس اعلان میں انہوں نے ایک تو مسلمانوں کی "درخواست" کے لئے ایسی قلیل مدت مقرر کی جو کسی لحاظ سے معقول نہیں تھی کیونکہ اس دوران میں ہر جگہ سے جواب کا بروقت پہنچنا بالکل ناممکن تھا۔ دوسرے ایسی بعض شرائط بھی لگا دیں جو دوسرا فریق منظور ہی نہ کر سکے۔ مثلاً مناظرہ کے وقت پریذیڈنٹ آریہ سماج کی طرف سے ہو گا۔ تیسرے اس تحکمانہ لہجہ میں اعلان لکھا کہ گویا آپ مہاراجہ ہیں اور اپنی رعایا کے نام احکام جاری فرما رہے ہیں لیکن اس کے باوجود احمدی جماعت نے جواب دیا کہ ہمیں ہر شرط منظور ہے۔ میدان میں نکلیں۔

چنانچہ ناظر صاحب تالیف و اشاعت قادیان نے شردھانند جی کو للکارتے اور پبلک پر ان کی شکست خوردہ ذہنیت کو آشکار کرتے ہوئے لکھا :-

"ہم سب شرائط منظور کرتے ہیں جو آپ نے تجویز کی لیکن ہم تمام پبلک خصوصاً انصاف پسندوں کے سامنے اعلان کرتے ہیں کہ یہ ایک نہایت ہی غیر منصفانہ طریق ہے کہ ایک فریق اپنے ہی قبضہ میں سب اختیارات رکھتا ہے۔ اگر آریہ سماج اس طرح مجبور کر کے اپنی پیش کردہ شرائط کو منظور کرانا چاہتی ہے تو یہ اس کا رویہ خود اقرار شکست ہے بحث ایک جنگ ہے اور جب کہ شکست خوردہ دشمن کا بھی یہ حق تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے خیالات کو فاتح کی پیش کردہ شرائط کے مقابلہ میں پیش کرے۔ تو یہ بات نہایت خلاف عقل ہے کہ ایک فریق بحث سے بھی پہلے اپنی طرف سے سب پیش کردہ شرائط کو بلاچون و چرا ماننے پر زور دے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آریہ سماج کی طرف سے جلد سے جلد مجھے اس امر کی اطلاع دی جائے گی کہ ان کو ہمارے ساتھ مباحثہ کرنا منظور ہے یا نہیں" [۹۱]۔

اب شردھانند صاحب کے لئے گریز کی کوئی راہ باقی نہ تھی۔ شرائط اگرچہ یکطرفہ تھیں اور وقت

نہایت تنگ مگر جماعت احمدیہ نے اتمام حجت کے لئے مباحثہ منظور کر لیا۔ جماعت بڑی بے تابی سے اس وقت کے انتظار میں تھی کہ کب "سوامی جی" میدان مباحثہ قبول کرتے ہیں اور ہندو دھرم کے مقابل اسلام اور ویدوں کے مقابل قرآن مجید کی فتح کے نقارے بجتے ہیں۔ لیکن شردھانند تو اس مناظرے سے اپنا پیچھا چھڑانے کی فکر میں تھے اور کسی بہانہ کی تلاش میں تھے۔

دہلی کی اتحاد کانفرنس

حسن اتفاق سے ان ہی دنوں دہلی میں آل انڈیا نیشنل کانگرس نے ایک خاص اجلاس شدھی اور سنگھٹن کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے بلا رکھا تھا اس اجلاس میں جناب ابو الکلام صاحب آزاد صدر کانگریس نے اپنے خطبہ صدارت میں کہا کہ موجودہ ملکی حالت یہ ہے کہ سوراج اور خلافت کی جگہ شدھی سنگھٹن کی تحریک اور اس کی مدافعت نے لے لی ہے ہمیں متحدہ قومیت کی ضرورت ہے میں تمام ہندو مسلمانوں سے وطن کے نام سے اپیل کرتا ہوں کہ آئندہ کے لئے ان تمام سرگرمیوں کو بند کر دیں جو شدھی تحریک اور اس کی مدافعت وغیرہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

خطبہ صدارت کے بعد ہندو مسلم لیڈروں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی اور جناب آزاد کی تجویز پر ایک اتحاد کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ جس کی غرض کانگریس کے سامنے اپنی سفارشات پیش کرنا تھا یہ اتحاد کمیٹی حسب ذیل ممبروں پر مشتمل تھی۔ پنڈت شردھانند' پنڈت مالویہ جی' جناب ابو الکلام صاحب آزاد' ڈاکٹر انصاری' ڈاکٹر کچلو' حکیم اجمل خاں' مولوی شبیر حسین' مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی' پنڈت موتی لال نہرو' سی۔ آر داس' مسٹر کینڈا' مسز سروجنی نائیڈو اور ڈاکٹر ستیہ پال [۴۲]۔

اتحاد کمیٹی کے ممبر ہونے کی وجہ سے شردھانند جی کو مباحثہ سے انکار کرنے کا ایک موقعہ ہاتھ آ گیا۔ اور اگرچہ کمیٹی کی تجاویز میں مباحثہ کے اعلان کی واپسی کا چنداں ذکر نہیں تھا۔ مگر انہوں نے فوراً اعلان شائع کر دیا کہ۔

"کمیٹی صلح کے بن جانے سے ہر دو مذاہب کے درمیان پھر سے اتحاد کی بنیاد قائم ہو گئی۔ اب میں اس بنی ہوئی فضا کے راستے کو مکدر کرنا نہیں چاہتا اس لئے مباحثہ کو اپنی طرف سے بند کرتا ہوں" [۴۳]۔

اس اعلان پر دنیا نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ آریوں کے مشہور لیڈر اور شدھی کے بانی نے احمدیوں کے سامنے ہتھیار ڈال کر اپنی شکست پر اپنے ہاتھوں دستخط کر دیئے ہیں [۴۴]۔ یہ بات اتنی واضح اور کھلی تھی کہ ہندو اخبار "پرتاپ" لاہور نے لکھا۔

"ممکن ہے فساد بھی ہو جاتا لیکن جو بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی وہ یہ ہے کہ یہ حالات تو پہلے بھی موجود تھے جبکہ سوامی جی نے مناظرہ کا اعلان کیا تھا۔ اس کے بعد تو کوئی اور فساد بھی نہیں ہوا۔ اس کے

بعد کونسی ایسی بات ہوئی ہے جس نے سوامی جی کو مناظرہ کے بند کرنے پر مائل کیا ہے......انہوں نے خود ہی مناظرہ کا اعلان کیا۔ خود ہی اسے منسوخ کر دیا" [۹۵]۔

مناظرہ کی منسوخی سے آریہ سماج کو ایسی ضرب کاری لگی کہ چند دن بعد شردھانند تحریک شدھی سے ہی دستبردار ہو گئے اور اپنی علیحدگی کی وجہ یہ بیان کی کہ "میری صحت اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ شدھی جیسے اہم اور ضروری کام کو اسی شوق سے کئے جاؤں میرا دل ہمیشہ کارکنوں کے ساتھ رہے گا" [۹۶]۔

اتحاد کمیٹی میں نمائندگان جماعت کی شمولیت

اب اتحاد کمیٹی کی طرف آیئے۔ جس کی بناء پر شردھانند جی نے پہلے میدان مناظرہ سے گریز اختیار کیا اور پھر شدھی سے دستکش ہو گئے۔

ہم اوپر یہ ذکر کر آئے ہیں کہ جناب ابوالکلام صاحب آزاد صدر آل انڈیا نیشنل کانگرس نے ہندو مسلمان لیڈروں کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ شدھی کی تحریک بھی اور اس کی مدافعت کا کام بھی بالکل بند کر دیا جائے۔ چنانچہ اتحاد کمیٹی کے ارکان سوامی شردھانند سے یہ سمجھوتہ کرنے پر آمادہ ہو گئے کہ بیرونی آریہ اپدیشک بھی تحریک شدھی سے الگ ہو جائیں اور دوسری جگہ سے آنے والے مسلمان بھی میدان ارتداد سے ہٹ جائیں اور خود ملکان کو موقعہ دیا جائے کہ وہ آپس میں کوئی فیصلہ کر لیں۔

یہ اطلاع قادیان میں پہنچی تو حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم سے ناظر صیغہ انسداد ارتداد (حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے) نے حکیم اجمل خاں صاحب۔ ڈاکٹر انصاری صاحب اور ڈاکٹر کچلو کے نام (جو اتحاد کمیٹی کے ممبر تھے) اس سمجھوتہ کے خلاف زبردست احتجاج کرتے ہوئے مفصل تار دیا۔ کہ

"ہمارے نزدیک یہ سمجھوتہ سخت خلاف دانش اور خلاف مصالح اسلامیہ ہے۔ آریہ لوگ ایک عرصہ سے وہاں کام کر رہے ہیں اور کئی ہزار آدمی کو آریہ بنا چکے ہیں۔ اب پیچھے ہٹ جانے کے یہ معنی ہیں کہ ان لوگوں کو آریہ رہنے دیا جاوے۔ جو قوم پہلے قبضہ کر چکی ہے اس کے لئے آئندہ جنگ بند کر دینا کوئی حرج نہیں ہے۔ نقصان اس کا ہے جس نے اپنے اہل مذہب کو واپس لانا ہے......... پس ہم بڑے زور سے اس سمجھوتہ کے خلاف پروٹسٹ کرتے ہیں اس وقت تک کہ اس علاقہ کے لوگ واپس اسلام میں آجائیں ہم صبر نہیں کریں گے اور اسلام کی عزت کے مقابلے میں کسی سمجھوتہ کی پروا نہیں کریں گے۔ ہماری جماعت امید رکھتی ہے کہ آپ اس وقت اسلام کی طرف سے جو ذمہ داری آپ پر عائد ہے۔ اس کو محسوس کرتے ہوئے کوئی ایسا سمجھوتہ نہیں ہونے دیں گے جو اسلام کی تبلیغی روح

کے خلاف ہو" [۹۷]۔

تار پہنچنے تک اتحاد کمیٹی کے ہندو اور مسلمان لیڈروں میں قطعی فیصلہ ہو چکا تھا کہ دونوں قومیں اپنے اپنے آدمی علاقہ ارتداد سے واپس بلالیں۔ اور صرف یہ سوال باقی رہ گیا کہ آریہ پہلے علاقہ خالی کریں یا مسلمان' مسلمان لیڈروں نے مان لیا کہ ہمارے آدمی پہلے واپس آجائیں گے لیکن اب یہ اہم سوال اٹھ کھڑا ہوا کہ احمدیوں کا کیا ہو گا۔ اس پر شردھانند جی نے مسلمان لیڈروں سے کہا۔ جناب! آپ لوگ کس خیال میں ہیں یہ تو سارا کھیل ہی احمدیوں کا ہے پس آپ انہیں الگ رکھ کر کس حیثیت میں سمجھوتہ کریں گے اور کیا سمجھوتہ کریں گے؟

بعض مسلمان لیڈر اس سے پہلے نخوت کے رنگ میں احمدیوں کو دانستہ اس کمیٹی سے الگ کرکے اپنے طور پر سمجھوتہ کرنا چاہتے تھے۔ مگر اس مرحلہ پر ان کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں مجبوراً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی خدمت میں درخواست کرنا پڑی کہ وہ اپنے نمائندے بھجوائیں [۹۸] چنانچہ سمجھوتہ کے خلاف احتجاجی تار ڈاک خانہ میں دینے کے معاً بعد حکیم اجمل خان صاحب' جناب محمد علی صاحب (جوہر) اور ڈاکٹر انصاری صاحب کی طرف سے تار پہنچا کہ۔

"حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب قادیان' بٹالہ۔ ہماری پرزور درخواست ہے کہ آپ اپنے ذمہ دار قائم مقام کو جو آپ کے خیالات سے واقف ہو بھیجیں تاکہ شدھی اور راشدھی کی تحریکات کی وجہ سے جو فسادات پیدا ہو رہے ہیں ان کو روکنے کے لئے مشورہ کیا جائے" [۹۹]۔

چنانچہ حضور کے حکم پر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم۔ چودھری فتح محمد صاحب سیال امیر وفد المجاہدین اور حضرت خان صاحب ذوالفقار علی صاحب (علی برادران کے بڑے بھائی) ۱۹/ ستمبر ۱۹۲۳ء کو دہلی پہنچے [۱۰۰]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مسلم لیڈروں کے نام اپنے نمائندوں کے ہاتھ ایک خط بھی بھجوایا جس میں تحریر فرمایا۔

"جہاں تک میں آپ کے تار سے مطلب سمجھ سکا ہوں ہدایات دے دی ہیں اگر کوئی ایسا سوال پیدا ہوا۔ جس کے متعلق ان کو میری رائے معلوم نہ ہوئی تو مجھ سے دریافت کرکے آپ کو اطلاع دیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہندو مسلم اتحاد ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے اتحاد کے لئے ہماری جماعت بے چین ہے اور ہمارے عظیم مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دنیا میں سے تفرقہ اور اشقاق مٹ جائے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس بات کو مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے کہ موجب اختلاف کو معلوم کرکے ایسے اسباب مہیا کئے جائیں جن سے دائمی صلح اور آشتی پیدا ہو کر تمام اقوام عالم میں امن قائم

ہو سکے۔ نہ یہ کہ ایسی صلح کی جائے جو دیرپا نہ ہو یا جس کے نتیجہ میں کسی اور جنگ کے سامان پیدا ہونے شروع ہو جائیں" [۱۰۱]۔

ان نمائندوں کے دہلی پہنچنے پر حکیم اجمل خاں صاحب نے دوبارہ تار دیا کہ۔

"حضرت مرزا محمود احمد صاحب قادیان' بٹالہ۔ خط اور فوری توجہ کا تہ دل سے شکریہ۔ آپ کا مشورہ ہمارے لئے بڑی مدد کا موجب ہو گا۔ اجمل خاں" [۱۰۲]۔

احمدی نمائندوں نے کمیٹی کے سامنے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کا یہ موقف پوری وضاحت سے پیش کیا کہ جب تک شدہ شدہ مسلمانوں میں سے ایک فرد واحد بھی باقی ہے ہم یہ مہم ہرگز نہیں چھوڑیں گے نتیجہ یہ ہوا کہ سمجھوتہ نہ ہو سکا اور شردھانند اور دوسرے کانگریسی ہندوؤں کی یہ سیاسی تدبیر جو انہوں نے کانگریس کے پلیٹ فارم پر کی تھی۔ کامیاب نہ ہو سکی۔

علاقہ ارتداد میں مستقل مبلغین کا تقرر

گو ہندو مسلم لیڈروں کا کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ مگر غیر احمدی علماء اور آریہ پرچارک تھک ہار کر تیزی کے ساتھ واپس آنے لگے۔ اس کے مقابل جیسا کہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا تھا۔ احمدی مجاہدین آخر دم تک میدان عمل میں مصروف جہاد رہے چنانچہ تبلیغی نقطہ نگاہ سے یہ علاقہ آگرہ' فرخ آباد اور مین پوری تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا جن کے الگ الگ امیر تبلیغ مقرر کئے گئے [۱۰۳]۔ اور چھ چھ سات سات مبلغ ان کے ماتحت لگا دیئے گئے۔ اس سلسلہ میں ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم۔ مولوی محمد حسین صاحب۔ قریشی افضال احمد صاحب [۱۰۴]۔ مولوی عبدالحی صاحب بھاگلپوری۔ مولوی جلال الدین صاحب [۱۰۵] وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے اس علاقہ میں لمبا عرصہ تک اسلام کا جھنڈا بلند رکھا اور خدا کے فضل سے اب بھی وہاں احمدیہ جماعت اور اس کی مساجد موجود ہیں اور ان گری ہوئی قوموں کو اٹھانے اور پختہ مسلمان بنانے کا کام جاری ہے۔

تحریک شدھی کے ہنگامی دور کے بعد جماعت احمدیہ کا مستقل مزاجی سے ان علاقوں میں تبلیغی جدوجہد جاری رکھنے پر بھی مسلم پریس نے جماعت کی بہت تعریف کی۔ چنانچہ اخبار اہلسنت (امرتسر) نے لکھا۔

"جب فتنہ ارتداد کی ابتداء تھی تو بہت سی انجمنیں وہاں کام کرنے کے لئے پہنچ گئی تھیں۔ مگر تھوڑے ہی دنوں میں وہ انجمنیں چلتی پھرتی نظر آنے لگیں۔ باوجودیکہ ان کے مقابل میں قادیانی بڑی سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔ سورج پور میں قادیانیوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ محمد اسمٰعیل کا آگرہ سے خط آیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ شدھی کا زور بہت کم ہے۔ لیکن قادیانیوں کا زور زیادہ ہے تمام انجمنیں کنارہ کشی کر

گئیں۔ کوئی مدرسہ مسلمانوں کا نہیں رہا۔ تمام گاؤں پر قادیانی قبضہ کر رہے ہیں۔ صالح نگر اور ساندھن میں بھی قادیانی ہیں" [106]۔

آریوں کی طرف سے احمدیت کی زبردست طاقت کا اقرار

اس معرکہ حق و باطل نے آریوں کو جماعت احمدیہ کی زبردست اور بے پناہ تبلیغی و تنظیمی طاقت و قوت کا پورا پورا احساس کرا دیا چنانچہ اخبار "پرتاپ" لاہور نے لکھا۔

"مشکل یہ ہے کہ ہندوؤں کو اپنے ہی ہم وطنوں کی ایک جماعت کی طرف سے خطرہ ہے اور وہ خطرہ اتنا عظیم ہے کہ اس کے نتیجہ کے طور پر آریہ جاتی صفحہ ہستی سے مٹ سکتی ہے وہ خطرہ ہے تنظیم و تبلیغ کا۔ مسلمانوں کی طرف سے یہ کام اس تیزی سے ہو رہا ہے کہ ہندوؤں کے پاؤں اکھڑ رہے ہیں ان کی تعداد سال بہ سال کم ہو رہی ہے اگر اسے کسی طرح روکا نہ گیا تو ایک وقت ایسا آسکتا ہے جبکہ آریہ دھرم کا کوئی بھی نام لیوا نہ رہے" [107]۔

اس سے بڑھ کر ایک متعصب آریہ سماجی نے لکھا:۔

"میں نے اسلام کے اندر رہ کر اور اسلام کے ترک کرنے کے بعد مسلمانوں کے تبلیغی نظام کا خوب اچھی طرح مطالعہ کیا۔ میرے خیال میں تمام دنیا کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ ٹھوس مؤثر اور مسلسل تبلیغی کام کرنے والی طاقت احمدیہ جماعت ہے اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم سب سے زیادہ اس کی طرف سے غافل ہیں اور آج تک ہم نے اس خوفناک جماعت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اگر کی ہے تو فی الحال ہم اسے سمجھ نہیں سکے اگر ہم نے اس کی طرف کبھی دیکھا بھی تو ہماری نگاہیں اس کے بیرونی خط و خال کو دیکھ کر پلٹ آئیں اور اس کے اندرونی حالات ابھی تک ہمارے لئے ایک بھید اور سر مخفی ہیں۔ بلا مبالغہ احمدیہ تحریک ایک خوفناک آتش فشاں پہاڑ ہے جو بظاہر اتنا خوفناک معلوم نہیں ہوتا لیکن اس کے اندر ایک تباہ کن اور سیال آگ کھول رہی ہے جس سے بچنے کی کوشش نہ کی گئی تو کسی وقت موقعہ پا کر ہمیں بالکل جھلس دے گی۔

آریہ سماج اور تحریک احمدیت کے جو تعلقات رہے ان کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی طرف سے بالکل غافل نہ ہوتے۔ خاص کر پنڈت لیکھرام جی کی شہادت تو ایک ایسا سبق تھا جس کو ہمیں بالکل نہ بھولنا چاہئے تھا۔ مگر افسوس ہم نے ہمیشہ غفلت برتی اور آج تک غافل ہیں۔ بظاہر خواہ معلوم نہ ہو لیکن درحقیقت ہندوستان اور دوسرے ممالک میں شدھی کی تحریک کے لئے سب سے بڑی روک احمدیہ جماعت ہے اور اس روک کو دور کئے بغیر ہمارے لئے پوری پوری کامیابی حاصل کرنا

بالکل محال ہے۔ آج شائد میری اس بات کو تسلیم کرنے میں کسی کو تامل ہو گا۔ لیکن زمانہ خود بتادے گا کہ میرا کہنا کس قدر صداقت پر مبنی ہے۔

آج سے تیس چالیس سال پیچھے ہٹ جایئے جبکہ یہ جماعت اپنی ابتدائی حالت میں تھی۔ اور دیکھئے اس زمانہ میں ہندو اور مسلمان دونوں اس جماعت کو کس قدر حقیر اور بے حقیقت سمجھتے تھے۔ ہندو تو ایک طرف رہے خود مسلمانوں نے ہمیشہ اس کا مذاق اڑایا اور اس پر لعنت و ملامت کے تیر برسائے اس جماعت نے اپنی ابتدائی حالت میں جن جن کاموں کے کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ آج ان میں سے اکثر انجام کو پہنچ چکے ہیں۔ اس زمانہ میں جب احمدیوں نے ان کاموں کی ابتدا کی تھی ان کو پاگل سمجھا جاتا تھا اور ان کی حماقت پر ہنسی اڑائی جاتی تھی۔ مگر واقعات یہ کہہ رہے ہیں کہ ان پر ہنسی اڑانے والے خود بے عقل اور احمق تھے۔ اس بارے میں عیسائی مشنریوں نے نہایت عقلمندی سے کام لیا۔ انہوں نے اس وقت سے جب احمدیہ جماعت نے جنم ہی لیا تھا کہ اس کی طرف صرف توجہ ہی نہ کی بلکہ ہمیشہ نہایت گہری نظر سے اس کا مطالعہ کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں بسنے والے مسلمان اور ہندوؤں سے زیادہ امریکہ اور یورپ کے پادری احمدیہ تحریک سے زیادہ واقف ہیں ان کے پاس اس جماعت کے متعلق درجنوں کتابیں موجود ہیں۔ ان کی ہوشیاری اور باخبری کا یہ عالم ہے کہ احمدیوں نے ابھی یورپ و امریکہ میں قدم رکھا ہی تھا کہ تمام پادری ان کے مقابلے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ دوسری طرف ہم ہیں کہ نصف صدی سے یہ جماعت اپنا خوفناک کام ہمارے مقدس ملک میں کر رہی ہے۔ مگر ہمارا متوجہ ہونا اور انسدادی تدابیر اختیار کرنا تو ایک طرف رہا ہم اس سے اچھی طرح واقف بھی نہیں ہیں" ۱۰۸۔

نیز لکھا۔ "احمدی جماعت کا اثر ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی ہے۔ یورپ' امریکہ' افریقہ' آسٹریلیا' عرب' ایشیا کے تمام حصے غرضیکہ دنیا کا کوئی قابل ذکر ملک نہیں ہے جہاں احمدیہ جماعت کی شاخ یا کم از کم کوئی احمدی کام نہ کر رہا ہو۔ یورپ کے تمام ممالک انگلستان' فرانس' جرمنی وغیرہ میں ان کے باقاعدہ مشن موجود ہیں امریکہ میں بھی تبلیغ ہو رہی ہے۔ افریقہ اور عرب کے تپتے ہوئے صحراؤں' مصر' ایران کے زرخیز متمدن ممالک ترکستان' شام' افغانستان کی خوشنما وادیوں میں غرضیکہ ہر جگہ ان کی کوششیں جاری ہیں اور دن بدن ترقی کر رہی ہیں۔ اگر آج ہم نے ہندوستان میں احمدیوں کا مقابلہ نہ کیا اور ان کی طرف سے غافل رہے تو کل کو ہمارے لئے ممالک اسلامیہ' یورپ اور امریکہ میں شدھی کا کام کرنا ناممکن ہو جائے گا...... ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے میں پھر ایک بار کہتا ہوں کہ ہمیں ذرا عقل مندی سے کام لے کر اپنے طریق کار کو بدلنا چاہئے۔ ہماری قیمتی طاقتیں بالکل

رائیگاں جارہی ہیں ہم ایسے حریفوں سے ابھی بالکل ناواقف ہیں۔ اب آئندہ کے لئے ہمیں اس تاریکی میں نہ رہنا چاہئے اور جلد سے جلد احمدیہ جماعت کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اگر ہم چند سال اور اس خوفناک جماعت کی طرف سے غافل رہے تو اس کے نتائج نہایت افسوسناک اور نقصان دہ ہوں گے۔ آج تک احمدی جو کچھ کرتے رہے ہیں وہ ان کی ذاتی کوششیں ہی تھیں۔ دوسرے مسلمانوں نے کبھی بھی ان کی کوئی مدد نہیں کی بلکہ ہمیشہ ان کی مخالفت کی...... لیکن اب یہ حالت نہیں ہے آج کل سوائے پرانے خیال کے مولویوں کے باقی تمام مسلمان ان کے مددگار اور ان کے کام کے مداح ہیں یہ تبدیلی ایسی ہے جس میں ہمارے لئے بہت سے خطرے پوشیدہ ہیں جن سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا بندوبست نہ کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا"۔

جماعت احمدیہ کی عظیم الشان تبلیغی خصوصیت کا عام چرچا

میدان ارتداد میں جماعت احمدیہ کے مجاہدانہ کارناموں نے جہاں آریوں کو لرزہ براندام کردیا۔ وہاں مسلمانوں پر بھی ظاہر ہوگیا کہ اس زمانہ میں اگر دنیا کے پردہ پر اسلام کا سچا درد رکھنے والی اور اسلام کی حقیقی خدمت کرنے والی کوئی جماعت ہے تو وہ صرف احمدیہ جماعت ہے چنانچہ چوہدری افضل حق صاحب نے (جو بعد کو مفکر احرار کے نام سے یاد کئے گئے) تحریک شدھی کے دوران میں لکھا تھا۔

"مسلمان پبلک کو چاہئے کہ فتویٰ بازوں سے مطالبہ کریں کہ وہ غیراقوام میں تبلیغ کر کے غیروں کو اپنا سچا ہم خیال مسلمان بنائیں تاکہ ان پر یہ راز کھل جائے کہ مسلمانوں کو کافر بنانا کتنا آسان اور کافر کو مسلمان بنانا کس قدر دشوار ہے۔ مگر مسلمان فتویٰ باز کسی کے روکے نہیں رکتے تو انہیں اجازت دی جائے کہ جہاں وہ مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں وہاں کبھی کبھی غیر قوموں میں تبلیغ بھی کریں تاکہ ان کا مزاج اعتدال پر آجائے۔ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں دینی مکاتب ہندوستان میں جاری ہیں مگر سوائے احمدی مدارس و مکاتب کے کسی اسلامی مدرسہ میں غیراقوام میں تبلیغ و اشاعت کا جذبہ طلباء میں پیدا نہیں کیا جاتا کس قدر حیرت ہے کہ سارے پنجاب میں سوائے احمدی جماعت کے اور کسی ایک فرقے کا بھی تبلیغی نظام موجود نہیں...... آریہ سماج کے معرض وجود میں آنے سے پیشتر اسلام جسد بے جان تھا جس میں تبلیغی حس مفقود ہو چکی تھی۔ سوامی دیانند کی مذہب اسلام کے متعلق بدظنی نے مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لئے چوکنا کر دیا۔ مگر حسب معمول جلدی خواب گراں طاری ہوگیا۔ مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لئے پیدا نہ ہو سکی۔ ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اٹھا ایک مختصری جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشرو اشاعت کے لئے بڑھا۔ اگرچہ

مرزا غلام احمد صاحب کا دامن فرقہ بندی کے داغ سے پاک نہ ہوا تاہم اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے قابل تقلید ہے بلکہ دنیا کی تمام اشاعتی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے" [۱۱۰]۔

(فصل دوم)

مبلغ امریکہ کو زریں ہدایات

تحریک شدھی کے واقعات پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم ۱۹۲۳ء کے دوسرے حالات کی طرف آتے ہیں ۱۹۲۳ء کے آغاز میں ۷/ جنوری ۱۹۲۳ء کو حضرت مولوی محمد دین صاحب امریکہ میں تبلیغ اسلام کے لئے روانہ ہوئے۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے آپ کو مفصل ہدایات و نصائح لکھ کر دیں۔ جن کا خلاصہ یہ تھا کہ نو مسلموں کو اسلامی اخلاق کا پابند بنائیں۔ ان کا مرکز اور خلیفہ وقت سے عاشقانہ تعلق اور قربانی کی روح پیدا کرنے کی کوشش کریں دعا پر زور دیں۔ سیاہ اور سفید نسل والوں کو ایک ہی نظر سے دیکھیں۔ سیاست سے الگ رہیں قرآن مجید پر تدبر کریں۔ ایسی تمام مجالس سے بچیں جو لغو کاموں پر مشتمل ہوں۔ اپنی زندگی سادہ اور بے تکلف بنائیں۔ پہلے مبلغین کی خدمات کا دل زبان اور قلم سے اعتراف کریں۔ یہ امر خوب یاد رکھیں کہ ہم آدمیوں کے پرستار نہیں بلکہ خدا کے بندے ہیں۔

اسی سلسلہ میں حضور نے ایک اہم نصیحت یہ فرمائی کہ خلیفہ وقت کی فرمانبرداری اپنا شعار بنائیں اور یہی روح اپنے زیر اثر لوگوں میں پیدا کریں [111]۔

احمدی خواتین کا اخلاص

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایک عرصہ سے جرمنی میں تعمیر مسجد کے لئے جدوجہد فرما رہے تھے۔ آخر ستمبر ۱۹۲۲ء میں مولوی مبارک علی صاحب لنڈن سے برلن بھیجے گئے۔ انہوں نے حضور کی ہدایت پر وہاں زمین کا انتظام کر لیا۔ جس پر حضور نے ۲/ فروری ۱۹۲۳ء کو یہ تحریک فرمائی کہ مسجد برلن کی تعمیر خواتین کے چندہ سے ہو [112]۔ اس تحریک نے احمدی خواتین کا مطمح نظر بلند کر کے ان میں اخلاص و قربانی اور فدائیت و للّٰہیت کا ایسا زبردست ولولہ پیدا کر دیا کہ (متحدہ) ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی اور اگر ملتی ہے تو صرف اور صرف قرون اولیٰ کی صحابیات میں!!

چنانچہ حضرت ام المومنین کو ایک جائیداد میں سے پانچ سو روپے کا حصہ ملا تھا جو آپ نے سب کا سب چندہ میں دے دیا۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے ایک ہزار روپیہ دیا۔ حضرت نواب امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ۔ بیگم صاحبہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب۔ حضرت ام داؤد (اہلیہ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ) اور بیگم صاحبہ خان بہادر حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب نے مقدور بھر حصہ لیا۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے اہل بیت بھی خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دوسری

مبارک خواتین سے اپنی قربانی میں پیچھے نہیں رہے۔ حضرت ام ناصر کو حضور کی طرف سے ایک رقم ملی تھی جس کا نصف آپ نے وصیت میں اور باقی اس تحریک میں دے دیا۔ حضرت امتہ الحی صاحبہ نے ایک سو روپیہ پیش کیا۔ حضرت ام طاہر نے اپنا ایک گلوبند بھی دیا اور کچھ نقدی بھی۔

قادیان کی دوسری احمدی خواتین میں سے حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ۔ حضرت قاضی امیر حسین صاحب کے گھر والوں اور حامدہ بیگم صاحبہ (دختر حضرت پیر منظور محمد صاحب) نے نمایاں حصہ لیا۔ ایک نہایت غریب و ضعیف بیوہ جو پٹھان اور مہاجر تھی اور سونٹی لے کر بمشکل چل سکتی تھی خود چل کر آئی اور حضور کی خدمت میں دو روپے پیش کر دیئے۔ یہ عورت بہت غریب تھی اس نے دو چار مرغیاں رکھی ہوئی تھیں جن کے انڈے فروخت کر کے اپنی کچھ ضروریات پوری کیا کرتی تھی۔ باقی دفتر کی امداد پر اس کا گزارہ چلتا تھا۔ ایک پنجابی بیوہ عورت نے جس کے پاس زیور کے سوا کچھ نہ تھا اپنا ایک زیور مسجد کے لئے دے دیا۔ ایک اور بیوہ عورت جو کئی یتیم بچوں کو پال رہی تھی اور زیور اور مال میں سے کچھ بھی پیش کرنے کے لئے موجود نہ تھے اپنے استعمال کے برتن ہی چندہ میں دے دیئے۔ ایک خاتون نے اپنا زیور چندہ میں دے دیا تھا دوبارہ گھر گئی کہ بعض برتن بھی لا کر حاضر کر دوں۔ اس کے خاوند نے کہا کہ تو زیور دے چکی ہے اس نے جواب دیا کہ میرے دل میں اس قدر جوش پیدا ہو رہا ہے کہ اگر خدا اس کے دین اور اس کے رسول کے لئے ضرورت پیش آئے (اور ایسا ممکن اور جائز ہو) تو میں تجھے بھی فروخت کر کے چندہ میں دے دوں یہ الفاظ گو ہرگز قابل تعریف نہ تھے نہ شرعاً نہ اخلاقاً مگر ان سے اس جوش کا ضرور اندازہ ہو سکتا ہے۔ جس نے ایک غیر تعلیم یافتہ عورت کا جذبہ فدائیت ان الفاظ میں ظاہر کر دیا [113]۔ ایک بھاگلپوری دوست کی بیوی دو بکریاں لئے الدار میں پہنچی اور کہا کہ ہمارے گھر میں ان کے سوا کوئی چیز نہیں۔ یہی دو بکریاں ہیں جو قبول کی جائیں [114]۔

قادیان کے باہر کی مستورات نے بھی قربانی کے قابل رشک اور قابل فخر نمونے دکھائے چنانچہ اہلیہ صاحبہ کپتان عبدالکریم صاحب (سابق کمانڈر انچیف ریاست خیرپور) نے اپنا کل زیور اور اعلیٰ کپڑا چندے میں دے دیا۔ اس قسم کے اخلاص کا نمونہ چوہدری محمد حسین صاحب صدر قانونگو سیالکوٹ۔ سیٹھ ابراہیم صاحب۔ خان بہادر محمد علی خاں صاحب اسسٹنٹ پولٹیکل افسر چکدرہ (بنوں) حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری' ڈاکٹر اعظم علی صاحب جالندھری' خان بہادر صاحب خان نون اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر' حضرت ڈاکٹر قاضی کرم الٰہی صاحب امیر جماعت امرتسر (والد ماجد قاضی محمد اسلم صاحب) میاں محمد دین صاحب واصل باقی نویس کے خاندان کی مستورات نے بھی دکھایا [115،116]

افسوس جرمنی کی غیر مستقل سیاسی صورت حال اور بعض دوسری ناگزیر مشکلات کی وجہ سے

جرمنی میں تعمیر مسجد کا کام بند کر دینا پڑا۔ مگر احمدی خواتین کی قربانیاں رائیگاں نہیں گئیں۔ بلکہ ان کے چندہ سے لندن میں مسجد تعمیر ہوئی۔ جو یورپ میں جماعت احمدیہ کی سب سے پہلی مسجد ہے۔

ہندو مسلم امور میں جماعت احمدیہ کا سیاسی موقف

کونسلوں میں انتخابات ہونے والے تھے اس مرحلہ پر صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے ۷/ اگست ۱۹۲۳ء کو ایک مفصل اعلان میں بتایا گیا کہ کونسلوں میں جماعت احمدیہ کا کون نمائندہ ہو سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں بعض بنیادی شرائط کا ذکر کرتے ہوئے خاص طور پر جماعت احمدیہ کی سیاسی پالیسی واضح کی گئی کہ ہم یہ امر ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ ہندو مسلم اتحاد کے یہ معنے ہیں کہ مسلمان اپنی جداگانہ ہستی مٹا کر ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے ہر ایک حق اپنا چھوڑ دیں۔ ہمارے نزدیک مسلمانوں کی قومی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ مسلمانوں کے کھوئے ہوئے حقوق واپس لئے جائیں اور مسلمانوں کو کونسلوں اور محکمہ جات میں ان کے تناسب آبادی کے مطابق حصہ ملے۔ مثلاً پنجاب میں مسلمان زیادہ ہیں تو ان کو کونسلوں اور محکموں میں زیادہ آسامیاں ملنی چاہئیں یہ حق اس وقت تک غصب کیا گیا ہے اور ہمارے نزدیک ایک ایک منٹ جو اس نقص کی اصلاح کے بغیر گزر رہا ہے اس سے مسلمانوں کی قومی موت قریب سے قریب تر آرہی ہے"[۱۱۰]۔

بالشویک علاقہ میں احمدیت کی تبلیغ

سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی المصلح الموعود کے قلم مبارک سے اخبار الفضل ۱۹/ اگست ۱۹۲۳ء کو حسب ذیل مضمون سپرد اشاعت ہوا۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

بولشویک علاقہ میں احمدیت کی تبلیغ

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست آخر آمد ز پس پردہ تقدیر پدید

۱۹۱۹ء کا واقعہ ہے جسے میں پہلے بھی بعض مجالس میں بیان کر چکا ہوں کہ ایک احمدی دوست اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے جو انگریزی فوج میں ملازم تھے اپنی فوج کے ساتھ ایران میں گئے۔ وہاں سے

بولشویکی فتنہ کی روک تھام کے لئے حکام بالا کے حکم سے انکی فوج روس کے علاقہ میں گھس گئی اور کچھ عرصہ تک وہیں رہی۔ یہ واقعات عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں ہیں۔ کیونکہ اس وقت کے مصالح یہی چاہتے تھے کہ روسی علاقہ میں انگریزی فوجوں کی پیش دستی کو مخفی رکھا جائے۔ ان دوست کا نام فتح محمد تھا اور یہ فوج میں نائک تھے۔ ان کی تبلیغ سے ایک اور شخص فوج میں احمدی ہو گیا اور اس کو ایک موقع پر روسی فوجوں کی نقل و حرکت کے معلوم کرنے لئے چند سپاہیوں سمیت ایک ایسی جگہ کی طرف بھیجا گیا جو کمپ سے کچھ دور آگے کی طرف تھی۔ وہاں سے اس شخص نے فتح محمد صاحب کے پاس آکر بیان کیا کہ ہم لوگ پھرتے پھراتے ایک جگہ پر گئے جہاں کچھ لوگ شہر سے باہر ایک گنبد کی شکل کی عمارت میں رہتے تھے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ اس عمارت کے اندر ایسے آثار ہیں جیسے مساجد میں ہوتے ہیں لیکن کرسیاں بچھی ہوئی ہیں جو لوگ وہاں رہتے تھے ان سے میں نے پوچھا کہ یہ جگہ تو مسجد معلوم ہوتی ہے پھر اس میں کرسیاں کیوں بچھی ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ مبلغ ہیں اور چونکہ روسی اور یہودی لوگ ہمارے پاس زیادہ آتے ہیں۔ وہ زمین پر بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔ اس لئے کرسیاں بچھائی ہوئی ہیں۔ نماز کے وقت اٹھا دیتے ہیں۔ ان سے پوچھا کہ آپ لوگ کون ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم مسلمان ہیں۔ اس پر اس دوست کا بیان ہے کہ مجھے خیال ہوا کہ چونکہ یہ مذہبی آدمی ہیں میں ان کو تبلیغ کروں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو کہا کہ آپ لوگوں کا کیا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا فوت ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ جس طرح اور انبیاء فوت ہو گئے ہیں اسی طرح وہ فوت ہو گئے ہیں۔ اس پر میں نے پوچھا کہ ان کی نسبت تو خبر ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں اس امت میں سے ایک شخص آجائے گا۔ اس پر میں نے کہا کہ یہ عقیدہ تو ہندوستان میں ایک جماعت جو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مانتی ہے۔ اس کا ہے۔ اس پر ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ بھی انہی کے ماننے والے ہیں۔ فتح محمد صاحب نے جب یہ باتیں اس نو احمدی سے سنیں تو دل میں شوق ہوا کہ وہ اس امر کی تحقیق کریں۔ اتفاقاً کچھ دنوں بعد ان کو بھی آگے جانے کا حکم ہوا اور وہ روسی عشق آباد میں گئے۔ وہاں انہوں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا یہاں کوئی احمدی لوگ ہیں۔ لوگوں نے صاف انکار کیا کہ یہاں اس مذہب کے آدمی نہیں ہیں۔ جب انہوں نے یہ پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو وفات یافتہ ماننے والے لوگ ہیں تو انہوں نے کہا کہ اچھا تم صابیوں کا پوچھتے ہو وہ تو یہاں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک شخص کا پتہ بتایا کہ وہ درزی کا کام کرتا ہے اور پاس ہی اس کی دوکان ہے یہ اس کے پاس گئے اور اس سے حالات دریافت کئے۔ اس نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ یہ لوگ تعصب سے ہمیں صابی کہتے ہیں۔ جس طرح رسول کریم ﷺ کے دشمن ان کے ماننے والوں کو صابی

کہتے تھے۔ انہوں نے وجہ مخالفت پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ اس امر پر ایمان رکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور ان کی مماثلت پر ایک شخص اسی امت کا مسیح موعود قرار دیا گیا ہے اور وہ ہندوستان میں پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ لوگ ہمیں اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ شروع میں ہمیں سخت تکالیف دی گئیں روسی حکومت کو ہمارے خلاف رپورٹیں دی گئیں کہ یہ باغی ہیں اور ہمارے بہت سے آدمی قید کئے گئے لیکن تحقیق پر روسی گورنمنٹ کو معلوم ہوا کہ ہم باغی نہیں ہیں بلکہ حکومت کے وفادار ہیں۔ تو ہمیں چھوڑ دیا گیا۔ اب ہم تبلیغ کرتے ہیں اور کثرت سے مسیحیوں اور یہودیوں میں سے ہمارے ذریعہ سے اسلام لائے ہیں لیکن مسلمانوں میں سے کم نے مانا ہے۔ زیادہ مخالفت کرتے ہیں۔ جب اس شخص کو معلوم ہوا کہ فتح محمد صاحب بھی اسی جماعت میں سے ہیں تو بہت خوش ہوا۔ سلسلہ کی ابتداء کا ذکر اس نے اس طرح سنایا کہ کوئی ایرانی ہندوستان گیا تھا۔ وہاں اسے حضرت مسیح موعود کی کتب ملیں وہ ان کو پڑھ کر ایمان لے آیا اور واپس آکر یزد کے علاقہ میں جو اس کا وطن تھا۔ اس نے تبلیغ کی کئی لوگ جو تاجروں میں سے تھے ایمان لائے وہ تجارت کے لئے اس علاقہ میں آئے اور ان کے ذریعہ سے ہم لوگوں کو حال معلوم ہوا اور ہم ایمان لائے اور اس طرح جماعت بڑھنے لگی۔

یہ حالات فتح محمد صاحب مرحوم نے لکھ کر مجھے بھیجے۔ چونکہ عرصہ زیادہ ہو گیا ہے اب اچھی طرح یاد نہیں رہا کہ واقعات اسی ترتیب سے ہیں یا نہیں لیکن خلاصہ ان واقعات کا یہی ہے گو ممکن ہے کہ بوجہ مدت گزر جانے کے واقعات آگے پیچھے بیان ہو گئے ہوں۔ جس وقت یہ خط مجھے ملا۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی اور میں نے سمجھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کہ بخارا کے امیر کی کمان آپ کے ہاتھ میں آگئی ہے۔ اسی رنگ میں پوری ہو رہی ہے اور میں نے چاہا کہ اس جماعت کی مزید تحقیق کے لئے فتح محمد صاحب کو لکھا جائے کہ اتنے میں ان کے رشتہ داروں کی طرف سے مجھے اطلاع ملی کہ سرکاری تار کے ذریعہ ان کو اطلاع ملی ہے کہ فتح محمد صاحب میدان جنگ میں گولی لگنے سے فوت ہو گئے ہیں۔ اس خبر نے تمام امید پر پانی پھیر دیا اور سردست اس ارادہ کو ملتوی کر دینا پڑا۔ مگر یہ خواہش میرے دل میں بڑے زور سے پیدا ہوتی رہی اور آخر ۲۱ء میں میں نے ارادہ کر لیا کہ جس طرح بھی ہو اس علاقہ کی خبر لینی چاہئے۔

چونکہ انگریزی اور روسی حکومتوں میں اس وقت صلح نہیں تھی اور ایک دوسرے پر سخت بدگمانی تھی اور پاسپورٹ کا طریق ایشیائی علاقہ کے لئے تو غالباً بند ہی تھا۔ یہ دقت درمیان میں سخت تھی اور اس کا کوئی علاج نظر نہ آتا تھا مگر میں نے فیصلہ کیا کہ جس طرح بھی ہو اس کام کو کرنا چاہئے اور ان احباب

میں سے جو زندگی وقف کر چکے ہیں ایک دوست میاں محمد امین صاحب افغان کو میں نے اس کام کے لئے چنا اور ان کو بلا کر سب مشکلات بتا دیں اور کہہ دیا کہ آپ نے زندگی وقف کی ہے۔ اگر آپ اس عہد پر قائم ہیں تو اس کام کے لئے تیار ہو جائیں۔ جان اور آرام ہر وقت خطرہ میں ہوں گے اور ہم کسی قسم کا کوئی خرچ آپ کو نہیں دیں گے آپ کو اپنا قوت خود کمانا ہو گا۔ اس دوست نے بڑی خوشی سے ان باتوں کو قبول کیا۔ اور اس ملک کے حالات دریافت کرنے کے لئے اور سلسلہ کی تبلیغ کے لئے بلا زاد راہ فوراً نکل کھڑے ہوئے۔ کوئٹہ تک تو ریل میں سفر کیا سردی کے دن تھے اور برفانی علاقوں میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ مگر سب تکالیف برداشت کر کے بلا کافی سامان کے دو ماہ میں ایران پہنچے اور وہاں سے روس میں داخل ہونے کے لئے چل پڑے۔ آخری خط ان کا مارچ ۱۹۲۲ء کا لکھا ہوا پہنچا تھا اس کے بعد نہ وہ خط لکھ سکتے تھے نہ پہنچ سکتا تھا۔ مگر الحمد للہ کہ آج ۹/ اگست کو ان کا اٹھارہ جولائی کا لکھا ہوا خط ملا ہے۔ جس سے یہ خوشخبری معلوم ہوئی ہے کہ آخر اس ملک میں بھی احمدی جماعت تیار ہو گئی ہے اور باقاعدہ انجمن بن گئی ہے۔

اس دوست کو روسی علاقہ میں داخل ہو کر جو سنسنی خیز حالات پیش آئے وہ نہایت اختصار سے انہوں نے لکھے ہیں لیکن اس اختصار میں بھی ایک صاحب بصیرت کے لئے کافی تفصیل موجود ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ ان کے تجربات سے دوسرے بھائی فائدہ اٹھا کر اپنے اخلاص میں ترقی کریں گے۔ اور اسلام کے لئے ہر ایک قسم کی قربانی کے لئے تیار ہو جائیں گے کہ حقیقی کامیابی خدا کی راہ میں فنا ہونے میں ہی ہے۔

چونکہ برادرم محمد امین خان صاحب کے پاس پاسپورٹ نہ تھا۔ اس لئے وہ روسی علاقہ میں داخل ہوتے ہی روس کے پہلے ریلوے سٹیشن قمنہ پر انگریزی جاسوس قرار دیئے جا کر گرفتار کئے گئے۔ کپڑے اور کتابیں اور جو کچھ پاس تھا۔ وہ ضبط کر لیا گیا اور ایک مہینہ تک آپ کو وہاں قید رکھا گیا اس کے بعد آپ کو عشق آباد کے قید خانہ میں تبدیل کیا گیا۔ وہاں سے مسلم روسی پولیس کی حراست میں آپ کو براستہ سمرقند تاشقند بھیجا گیا اور وہاں دو ماہ تک قید خانہ میں تبدیل کیا گیا۔ اور بار بار آپ سے بیانات لئے گئے تا یہ ثابت ہو جائے کہ آپ انگریزی حکومت کے جاسوس ہیں اور جب بیانات سے کام نہ چلا تو قسم قسم کی لالچوں اور دھمکیوں سے کام لیا گیا اور فوٹو لئے گئے تا عکس محفوظ رہے اور آئندہ گرفتاری میں آسانی ہو اور اس کے بعد گوشکی سرحد افغانستان لے جایا گیا اور وہاں سے ہرات افغانستان کی طرف اخراج کا حکم دیا گیا مگر چونکہ یہ مجاہد گھر سے اس امر کا عزم کر کے نکلا تھا کہ میں نے اس علاقہ میں حق کی تبلیغ کرنی ہے۔ اس نے واپس آنے کو اپنے لئے موت سمجھا اور روسی پولیس کی حراست سے بھاگ نکلا

اور بھاگ کر بخارا جا پہنچا۔

دو ماہ تک آپ وہاں آزاد رہے لیکن دو ماہ کے بعد پھر انگریزی جاسوس کے شبہ میں گرفتار کئے گئے اور تین ماہ تک نہایت سخت اور دل کو ہلا دینے والے مظالم آپ پر کئے گئے اور قید میں رکھا گیا اور بخارا سے مسلم روسی پولیس کی حراست میں سرحد ایران کی طرف واپس بھیجا گیا۔

اللہ تعالیٰ اس مجاہد کی ہمت میں اور اخلاص اور تقویٰ میں برکت دے۔ چونکہ ابھی اس کی پیاس نہ بجھی تھی اس لئے پھر کاکان کے ریلوے سٹیشن سے روسی مسلم پولیس کی حراست سے بھاگ نکلا۔ اور پیادہ بخارا پہنچا۔ بخارا میں ایک ہفتہ کے بعد پھر انکو گرفتار کیا گیا اور بدستور سابق پھر کاکان کی طرف لایا گیا اور وہاں سے سمرقند پہنچایا گیا۔ وہاں سے آپ پھر چھوٹ کر بھاگے اور بخارا پہنچے اور ۱۳/ مارچ ۲۳ء کو پہلی دفعہ بخارا میں اس جماعت کے مخلصین کو جو پہلے الگ الگ تھے اور حسب میری ہدایات کے ان کو پہلے آپس میں نہیں ملایا گیا تھا ایک جگہ اکٹھا کر کے آپس میں ملایا گیا اور ایک احمدیہ انجمن بنائی گئی اور باجماعت نماز ادا کی گئی اور چندوں کا افتتاح کیا گیا۔

وہاں کی جماعت کے دو مخلص بھائی ہمارے عزیز بھائی کے ساتھ آنے کے لئے تیار تھے۔ لیکن پاسپورٹ نہ مل سکنے کے سبب سے سردست رہ گئے۔

اس وقت محمد امین خان صاحب واپس ہندوستان کو آرہے ہیں اور ایران سے ان کا خط پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت سے واپس لائے اور آئندہ سلسلہ کی بیش از پیش خدمات کرنے کا موقع دے۔

میں ان واقعات کو پیش کر کے اپنی جماعت کے مخلصوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ یہ تکالیف جن کو ہمارے اس بھائی نے برداشت کیا ہے۔ ان کے مقابلہ میں وہ تکالیف کیا ہیں جو ملکانہ میں پیش آرہی ہیں۔ پھر کتنے ہیں جنہوں نے ان ادنیٰ تکالیف کے برداشت کرنے کی جرأت کی ہے۔

اے بھائیو! یہ وقت قربانی کا ہے۔ کوئی قوم بغیر قربانی کے ترقی نہیں کر سکتی۔ آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ ہم اپنی نئی برادری کو جو بخارا میں قائم ہوئی ہے۔ یونہی نہیں چھوڑ سکتے۔ پس آپ میں سے کوئی رشید روح ہے جو اس ریوڑ سے دو ذ بھیڑوں کی حفاظت کے لئے اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو۔ اور اس وقت تک ان کی چوپانی کرے کہ اس ملک میں ان کے لئے آزادی کا راستہ اللہ تعالیٰ کھول دے۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین ○

خاکسار

میرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی) ۹/ اگست ۱۹۲۳ء

قادیان میں احمدیہ ٹورنامنٹ کا اجراء

جماعت میں جسمانی ورزش کا ذوق و شوق پیدا کرنے کے لئے نومبر ۱۹۲۳ء سے قادیان میں احمدیہ ٹورنامنٹ کا اجراء ہوا۔ اور ہر سال قادیان میں کھیل کے باقاعدہ مقابلے ہونے لگے۔ ٹورنامنٹ کی انتظامیہ کمیٹی کے صدر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے اور سیکرٹری مولوی عبدالرحیم صاحب درد مقرر ہوئے۔ یہ ٹورنامنٹ سالہا سال تک کامیابی سے جاری رہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اس ٹورنامنٹ میں ہمیشہ بے حد دلچسپی لیتے تھے اور اپنے دست مبارک سے اول آنے والوں کو انعامات عطا فرمایا کرتے تھے [۱۱۸]۔ حضور نے پہلے ٹورنامنٹ کے تقسیم انعامات کی تقریب پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔ ترقی کرنے والی قوم کے لئے ورزش ضروری ہے نیز فرمایا۔

"جب میری خلافت کا زمانہ آیا تو میں نے ابتداءً کام کے باعث ورزش کرنا چھوڑ دیا۔ جس سے میری جسمانی حالت پر بہت برا اثر پڑا۔ اس وقت میں نے ایک خواب دیکھی جس میں میں ایک شخص کو ورزش کی ضرورت سمجھا رہا ہوں اس کو میں نے کہا بعض کھیل بعض لوگوں کے لئے جائز ہوتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جن کے ذمہ بڑے بڑے ذمہ داری کے کام ہوتے ہیں اگر وہ ورزشوں میں حصہ نہ لیں اور صحت جسمانی کا خیال نہ رکھیں تو ان پر گناہ ہوتا ہے اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور میں نے...... سمجھا یہ مجھے ہی سمجھایا گیا ہے اس کے بعد میں نے ورزشوں میں حصہ لینا شروع کیا جس سے میری جسمانی صحت اچھی ہو گئی اور میں پہلے سے زیادہ کام کرنے کے قابل ہو گیا" [۱۱۹، ۱۲۰]۔

ملک بھر کو پیغام صلح اور ہندو مسلم مشکلات کا صحیح حل

شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں نے ملک کا امن برباد کر دیا تھا۔ اس سے پہلے مسلمانوں اور ہندوؤں میں محبت کی بظاہر ایک زبردست لہر پھیلی ہوئی تھی اور وہ ایک دوسرے کو بھائی بھائی کہتے تھے مگر اب یہ بھائی بھائی آپس میں لڑنے لگے تھے اور جن کو ایک دوسرے سے مل کر ملک و قوم کی ترقی و بہبود کے لئے کوشش کرنا چاہئے تھی۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے معلوم ہونے لگے۔ ہندو مسلم فسادات روزانہ کے معمولی واقعات تھے۔ بھلا جہاں جلوس نکالنے 'اذان دینے' گاؤ کشی کرنے اور مسجد کے سامنے باجہ بجانے پر جنگ و جدل کا بازار گرم ہو جائے وہاں اتفاق کا امکان ہی کہاں باقی رہ سکتا ہے؟

اس نازک ترین مرحلہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اپنے وطن کی صورت حال سے مضطرب ہو کر میدان عمل میں آئے اور آپ نے ۱۴/ نومبر ۱۹۲۳ء کو ملک بھر کی قوموں کے نام صلح کا پیغام دیتے ہوئے قومی اور ملکی مشکلات کا صحیح حل اہل وطن کے سامنے رکھا۔ یہ حل آپ نے ۱۴/ نومبر

۱۹۲۳ء کو بریڈلا ہال (لاہور) کے ایک پبلک لیکچر [۱۷۱] میں جہاں تعلیم یافتہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ بڑی وضاحت و صراحت سے پیش فرمایا۔

چنانچہ حضور نے ہندو مسلم اتحاد قائم نہ رہنے کی وجوہ بتائیں کہ کس طرح ہندوؤں نے مسلمانوں کو ہندوستان سے مٹا دینے کی کوشش کی ہے۔ یہ حقیقت واضح کرنے کے بعد حضور نے مسلمانوں کو خود حفاظتی اقدامات کی طرف توجہ دلائی کیونکہ جیسا کہ سید رئیس احمد جعفری نے اپنی کتاب "حیات محمد علی جناح" میں لکھا ہے۔ "شدھی اور سنگھٹن کے طوفان نے مسلمانوں کے دلوں میں ہندوؤں کے خلاف ایک تلخی اور بدمزگی پیدا کر دی تھی۔ لیکن وہ جوابی طور پر آمادہ عمل نہ ہوئے اس کے پیش نظر صرف یہ تھا کہ پہلے انگریزوں سے آزادی حاصل کر لی جائے پھر یہ باہمی اور خانگی تنازعات طے کر لئے جائیں گے وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے اور ہندو اپنا کام کئے جا رہے تھے" [۱۷۲]۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مسلمانوں کو صرف خود حفاظتی کی طرف محض توجہ ہی نہیں دلائی بلکہ ان کو اسلامی نقطہ نگاہ سے اس کی عملی اور موثر تجاویز بھی بتائیں جن کا لب لباب یہ تھا۔

پہلی تجویز: مسلمان اپنے تئیں مضبوط کریں۔ جس کے لئے مسلم لیگ جیسی تنظیموں کا زندہ و قائم رکھنا ضروری ہے۔ تا مسلمانوں کے قومی حقوق کا تحفظ ہو۔

دوسری تجویز: مسلمانوں نے اپنی قومی زندگی کے سارے ذرائع دوسروں کو سپرد کر دیئے ہیں۔ اگر وہ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہئے اور تمدنی طور پر آپ کو آزاد کر لینا چاہئے۔ چھوت چھات کی وجہ سے ہندوؤں نے بالخصوص ملکانوں کے علاقہ میں مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ مجھے بائیکاٹ ناپسند ہے مگر جب ہندو چھوت چھات کے باوجود یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہندو مسلمانوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے تو مسلمانوں کو بھی چھوت چھات کرنے میں نہ صرف کوئی حرج نہیں بلکہ موجودہ حالات میں ضروری ہے۔

چھوت چھات کے علاوہ مسلمانوں کو صنعت و حرفت۔ ڈاکٹری اور وکالت کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ ہندوستان کی داخلی اور خارجی تجارت کلی طور پر ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے اس طرف بھی مسلمان متوجہ ہوں۔

تیسری تجویز: مسلمانان ہند سیاسی اور مذہبی اختلافات نظر انداز کر کے آپس میں اتحاد و اتفاق پیدا کریں اور مذہبی اختلاف کی وجہ سے کسی فرقہ کو جدا نہ کریں۔ اسی طرح سیاسی اختلاف کی وجہ سے بھی علیحدہ ہونے کی پالیسی چھوڑ دیں۔ مثلاً الیکشن کا معاملہ ہے اس میں ایسا موقع بھی آیا ہے کہ ہماری جماعت کا ایک آدمی ایک حلقہ سے کھڑا ہوا مگر دوسرا شخص اس سے زیادہ لائق اور موزوں کھڑا ہوا تو

ہم نے اپنا آدمی بٹھا دیا اور دوسرے مسلمان کو ووٹ دیئے۔ اگر ایسی ہی رواداری سب مسلمانوں میں پائی جائے تو بہت سے فوائد کا موجب ہو سکتی ہے۔

چوتھی تجویز: مسلمان مذہب سے بہت دور جا رہے ہیں۔ چاہئے کہ مسلمان خود بھی مذہبی جذبات پیدا کریں اور اپنے بچوں میں بھی مذہبی روح پیدا کریں۔

پانچویں تجویز: مسلمان اگر ترقی کرنا چاہتے ہیں تو تبلیغ کریں اور دوسرے لوگوں کو اسلام میں داخل کریں۔ قرآن کریم نے تبلیغ دین ہر ایک مسلمان کا فرض قرار دیا ہے۔

چھٹی تجویز: مسلمان امراء .... ایسی انجمنیں اور سوسائٹیاں قائم کریں جو غرباء کو کام سکھائیں اور ان کے لئے روزگار کا سامان کریں۔

ساتویں تجویز: مسلمان اپنی قوم کے اپاہج، لولے اور لنگڑے لوگوں کا خاص انتظام کریں اور یتیم بچوں کی تربیت اور پڑھائی کی طرف خاص توجہ دیں۔

حضور نے مسلمانوں کو خود حفاظتی اقدامات کی یہ اہم تجاویز بتانے کے بعد ہندو مسلم صلح کے مندرجہ ذیل سنہری اصول بیان فرمائے۔

پہلا اصول: اگر حقیقت میں صلح کی خواہش ہے تو سب فرقوں بلکہ گورنمنٹ سے بھی صلح ہونی چاہئے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو یہ کہتے ہیں کہ گورنمنٹ جو کچھ کرتی ہے سب ٹھیک کرتی ہے میرے نزدیک بعض اوقات گورنمنٹ سخت غلطیاں کرتی ہے اور ایسے موقع پر خود میں نے ایسے ایسے سخت الفاظ میں گورنمنٹ کو توجہ دلائی ہے کہ جو ضروری تھے اور میں نے دیکھا ہے کہ حکومت نے بالعموم ان باتوں کو منظور کر لیا۔ پس میں خوشامدیوں میں سے نہیں ہوں اور نہ یہ پسند کرتا ہوں کہ لوگ گورنمنٹ کی خوشامد کریں کیونکہ میرے نزدیک خوشامدی انسان ہی نہیں ہوتا۔ حیوان ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی گرا ہوا ہے۔ اور میں یہ بھی نہیں سمجھتا کہ گورنمنٹ غلطیوں سے پاک ہوتی ہے۔ ہاں چونکہ وہ ہمارے ملک کا حصہ ہے اس لئے ایسے رنگ میں حقوق قائم کرنے چاہئیں کہ اسے علیحدہ نہ کریں ورنہ وہ اتحاد ختم کرنے کی کوشش کرے گی۔

دوسرا اصول: مستقل صلح کے لئے ضروری ہے کہ مذہبی رنگ میں صلح ہو۔ مگر مذہبی صلح سے یہ مراد نہیں کہ سب ایک مذہب میں شامل ہو جائیں بلکہ فقط یہ ہے کہ سب مذاہب والے ایک دوسرے کے مذہبی بزرگوں اور پیشواؤں کا احترام کریں۔ بلاشبہ ہندوستان ہمیں جمع کر سکتا ہے مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں محمد ﷺ کی ذات والا صفات سے بڑھ کر ہمارے نزدیک ہندوستان کی ہرگز پوزیشن نہیں۔ رسول کریم ﷺ سے ہمیں جو تعلق ہے وہ ہندوستان سے بہت بڑھ کر ہے اگر آپ کا ادب

اور احترام قائم نہ رکھا جائے تو مسلمانوں کو کوئی چیز جمع نہیں کر سکتی۔

ہندوستانی اگر دوسرے بزرگوں کا احترام کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے پر ہی اکتفا کرنے کا فیصلہ کرلیں تو یہ بھی اتحاد کے لئے کافی ہے۔ جیسا کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے بہت پہلے فرمایا تھا۔ مگر افسوس ملک نے توجہ نہ کی نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک اتحاد نہیں ہو سکا۔

تیسرا اصول: اگر کوئی شخص کہے کہ ایسا ممکن نہیں تب بھی ہم اتفاق و اتحاد کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ یہ اقرار کیا جائے کہ ہمارے بزرگوں کو گالیاں نہ دی جائیں اور خدا اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف بدزبانی کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔ اس صورت میں ضروری ہو گا کہ صرف مسلمہ اصولوں کی بناء پر اعتراض کیا جائے۔

چوتھا اصول: مذہبی لوگوں سے ان کا کوئی مسلمہ مذہبی اصل ترک کرنے کا مطالبہ نہ کیا جائے مثلاً ہندو مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ گائے کا گوشت کھانا چھوڑ دو مگر سوال یہ ہے کہ گائے اگر متبرک ہے تو ہندوؤں کے نزدیک ہے مسلمان اس کا گوشت کھانا کیوں چھوڑ دیں جب کہ ان کا مذہب اس کی اجازت دیتا ہے۔

پانچواں اصول: ہر قوم دوسری قوم کے حقوق تسلیم کرے۔ عجیب بات ہے کہ ہندو یہ تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو سوراج لے کر دیں گے مگر مسلمانوں کو ان کے چھوٹے چھوٹے حقوق نہیں دینا چاہتے۔ میرے نزدیک مسلم لیگ اور کانگریس نے ہندو مسلم حقوق کے متعلق جو سمجھوتہ کیا تھا [۱۲۳] وہ بھی ٹھیک نہ تھا جہاں مسلمانوں کی آبادی کم ہے وہاں تو ان کو کم حقوق دیئے ہی گئے ہیں لیکن جہاں ان کی آبادی نسبتاً زیادہ ہے وہاں بھی آبادی کے تناسب سے پورے حقوق نہیں دیئے گئے۔ اس لئے سب سے ضروری چیز حقوق کا صحیح تعین ہے۔

چھٹا اصول: صلح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سب مجرموں کو بلا تمیز مذہب و ملت سزا دی جائے اور جو فریق بھی قصوروار ہو اسے پکڑا جائے۔

ساتواں اصول: آل انڈیا نیشنل کانگریس تب ہی سارے ملک کی نمائندہ بن سکتی ہے جبکہ خیالات کے اختلاف سے بے نیاز ہو کر ہر نقطہ نظر کے لوگوں کو اپنے اپنے خیالات پیش کرنے کا موقعہ دیا جائے ورنہ جب تک یہ کانگریس موجودہ شکل میں ہے اور اختلاف والوں کو نکالنے کی پالیسی پر عمل کیا جاتا ہے اس وقت تک یہ پورے ملک کی کانگریس ہرگز نہیں کہلا سکتی [۱۲۴]۔

لیکچر کے اختتام پر صدر جلسہ خان بہادر عبدالقادر صاحب نے کہا۔ "میں جناب مرزا صاحب کا

شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ایسی جامع اور پُر مغز تقریر فرمائی ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ میں اپنا سارا وقت دینیات کے مطالعہ میں صرف کرتا ہوں مگر اس وقت آپ نے سیاسیات پر ایسی وسعت سے روشنی ڈالی ہے کہ زبان اور دل سے تحسین نکلتی ہے........ جناب مرزا صاحب نے اتفاق و اتحاد کے ہر پہلو پر نگاہ ڈالی ہے۔ جس کی سیاسی لیڈروں سے توقع نہیں ہو سکتی نہ وہ اس طرح نگاہ ڈال سکتے ہیں کیونکہ وہ کسی (سیاسی) پارٹی سے تعلق نہیں رکھتے اس لئے آپ نے نہایت آزادی اور وسعت سے ہر پہلو کو بیان فرمایا ہے" ۱۲۵۔

افسوس حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ان اہم اور بروقت ہدایات پر اہل وطن نے کوئی توجہ نہ دی بلکہ "پیسہ اخبار" (لاہور) کے سوا ملک کے مسلمان پریس نے اس کا ذکر تک کرنا گوارا نہ کیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی اہم ہدایت احمدی مصنفوں اور لیکچراروں کے لئے

ملکی شورش کی وجہ سے انگریزی حکومت قابل اعتراض تقریروں یا تحریروں پر نوٹس لے رہی تھی اور ہر جگہ مقدمات چلائے جا رہے تھے اور ایک عنصر مقدمہ میں گرفتار ہو کر جھٹ معافی مانگنا شروع کر دیتا تھا۔ یہ حالات دیکھ کر حضور نے اپنی جماعت کے تمام مصنفوں اور لیکچراروں کے نام ایک خاص ہدایت جاری فرمائی۔ کہ

"اول تو وہ اپنی تحریروں یا تقریروں میں ایسا رنگ ہی اختیار نہ کریں جس سے ملک میں فساد ہو یا شورش پیدا ہو لیکن اگر باوجود ان کی احتیاط کے گورنمنٹ ان میں سے کسی پر کسی مصلحت سے کوئی مقدمہ چلائے تو میں ان سے امید کرتا ہوں کہ وہ مومنانہ غیرت کو کام میں لائیں گے اور بزدلی سے اجتناب کریں گے۔ ہم گورنمنٹ کے لئے ہر ایک جائز بات کو اختیار کر سکتے ہیں لیکن بداخلاقی کو نہیں اور بزدلی اور جھوٹ دو زبردست بداخلاقیاں ہیں پس جو شخص مقدمہ سے ڈر کر معافی مانگتا ہے جب کہ اس کا نفس یہ کہتا ہے کہ اس نے غلطی نہیں کی اور اپنے اس فعل سے اسلام کی ہتک کرتا ہے وہ دو گناہ کرتا ہے۔ وہ بزدلی کا اظہار بھی کرتا ہے اور جھوٹ بھی بولتا ہے پھر لوگوں کے لئے ٹھوکر کا موجب بنتا ہے۔.......... جو شخص دیانتداری سے سمجھتا ہے کہ اس نے جو کچھ کہا یا لکھا ہے اس میں ہرگز کوئی بات خلاف واقعہ یا خلاف تہذیب یا خلاف قانون یا بدنیتی سے نہیں کہی تو اسے گورنمنٹ کے غضب سے بچنے کے لئے خدا کے غضب کو اپنے اوپر نہیں بھڑکانا چاہئے"۔

اس کے ساتھ ہی حضور نے یقین دلایا کہ۔

"اگر کوئی شخص خدانخواستہ کسی ایسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے جس میں اس کا کوئی قصور نہیں اور وہ بہادری سے اپنے ایمان اور اپنی ضمیر کی پیروی کرے تو میں اور میرے ساتھ اخلاص رکھنے والی تمام

جماعت اس کی ہر ممکن اور جائز مدد کرے گی اور قانونی طور پر جس قدر بھی اس کی تائید کر سکے گی اس کی تائید کرے گی۔ اس شخص کا غم ہمارا غم ہوگا اور اس کی مصیبت ہماری مصیبت۔ لیکن جو شخص بزدلی سے کام لے گا اور اپنی ضمیر کے خلاف جھوٹ سے اپنی مصیبت کو ٹلانا چاہے گا وہ ہم میں جگہ نہیں پائے گا اور خدا کی پاک جماعت اسے اپنی آغوش میں نہیں لے گی" [۱۲۶]۔

(متحدہ) ہندوستان کی تاریخ میں صرف یہی ایک مثال ملتی ہے کہ کسی جماعت کے لیڈر نے اس طرح کھلے الفاظ میں اپنے پیروؤں کو محتاط اور پُرامن اور حق و صداقت کی خاطر مومنانہ غیرت و شجاعت کا نمونہ دکھانے کی پرزور تلقین کی ہو۔ جماعت احمدیہ کے مصنفوں اور لیکچراروں نے اس ہدایت کے ایک ایک لفظ کی پابندی کرکے دکھادی اور کسی قسم کی آزمائش ان کے ثبات و استقلال میں تزلزل پیدا نہ کر سکی۔

"سیرت المہدی" کی تالیف

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے وصال مبارک پر کئی سال گزر چکے تھے اور حضور کے قدیم صحابہ کی تعداد روز بروز کم ہو رہی تھی۔ اس لئے وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے متعلق جتنی بھی روایات جمع ہو سکیں ان کو جلد از جلد محفوظ کرلیا جائے اور ترتیب استنباط و استدلال اور علم روایت و درایت کے نقطہ نگاہ سے واقعات کی تحقیق و تفتیش کا کام مستقبل پر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے نے اس اہم ترین ضرورت کے پیش نظر "سیرت المہدی" کے نام سے روایات کا ایک ایمان افروز مجموعہ مرتب کرنا شروع فرمایا اور خاص طور پر یہ اہتمام فرمایا کہ ایسے صحابہ سے روایات جمع کرلی جائیں جنہوں نے ابتدائی زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت اٹھائی اور سلسلہ بیعت سے پہلے تعلق رکھنے والے تھے۔

"سیرت المہدی" کا پہلا حصہ جس میں دوسرے اکابر صحابہ کے علاوہ خاص طور پر حضرت ام المومنین ؓ اور حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری کی روایات خاص طور پر درج کی گئی تھیں۔ اسی سال دسمبر ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا [۱۲۷]۔ دوسرا اور تیسرا حصہ بالترتیب ۱۹۲۷ء اور اپریل ۱۹۳۹ء میں چھپ گیا۔ چوتھے حصے کا مواد آپ نے قادیان ہی میں جمع کرلیا تھا جس میں بعض قدیم صحابہ (خصوصاً حضرت منشی ظفر احمد صاحب ؓ کپورتھلوی) کی نہایت ایمان پرور روایات شامل تھیں مگر اس کی اشاعت اب تک نہیں ہو سکی [۱۲۸]۔

جماعت احمدیہ کا پہلا شہید مبلغ

جماعت احمدیہ کے لئے دسمبر ۱۹۲۳ء کا پہلا ہفتہ خوشی اور غم کے مخلوط جذبات پیدا کرنے کا موجب تھا خوشی اس لئے

کہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب مبلغ انگلستان و امریکہ ۴ / دسمبر ۱۹۲۳ء کو کامیاب و کامران ہو کر وارد قادیان ہوئے اور غم اس لئے کہ ۷ / دسمبر ۱۹۲۳ء کو حضرت مولوی حافظ عبید اللہ صاحب مبلغ ماریشس کے انتقال کی المناک اطلاع ملی۔ سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوصاف اور مقام کا ذکر کرتے ہوئے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا۔

"ہماری ہندوستان کی جماعت میں تاحال اس قسم کے نمونے بہت کم ہیں جو صحابہ میں پائے جاتے ہیں اور پھر ایسے بہت کم ہیں۔ جو خدمات دین کے اقرار کو نباہنا جانتے ہوں .... مگر مولوی عبید اللہ ہمارے ملک میں سے تھا جس نے عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ دین کے لئے زندگی وقف کرنا اور پھر اس عہد کو نباہنا دونوں باتوں کو جانتا تھا۔ ہماری جماعت میں پہلے شہید حضرت سید عبد اللطیف تھے یا دوسرے کہ ان سے پہلے ان کے ایک شاگرد شہید ہوئے تھے مگر وہ ہندوستان کے نہ تھے بلکہ ہندوستان کے باہر کے تھے۔ ہندوستان میں شہادت کا پہلا موقع عبید اللہ کو ملا" [۱۲۸]۔

دار التبلیغ جرمنی کا قیام

اس سال کے آخر میں مولوی مبارک علی صاحب بی۔ اے بنگالی اور ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے کی کوشش سے یورپ میں دوسرا اسلامی مشن جرمنی میں قائم ہوا۔ مولوی مبارک علی صاحب جو ۱۹۲۰ء سے لنڈن میں تبلیغ اسلام کر رہے تھے۔ لنڈن سے سیدھے برلن بھجوائے گئے اور ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے کو حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے قادیان سے بتاریخ ۲۶ / نومبر ۱۹۲۳ء کو روانہ فرمایا [۱۳۰]۔ جو ۱۸ / دسمبر ۱۹۲۳ء کو صبح دس بجے برلن پہنچے [۱۳۱]۔

جرمنی میں سب سے پہلے پروفیسر فرنیزی [۱۳۲] ایل ایل۔ ڈی اور ڈاکٹر اوسکا [۱۳۳] جیسے قابل مصنفوں کو احمدیت کی طرف توجہ ہوئی اور ان کے دیکھا دیکھی برلن کے کالجوں کے پروفیسر اور طلباء میں بھی تحقیق سلسلہ کی جستجو پیدا ہو گئی۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کا ارادہ یہاں شاندار اسلامی مرکز قائم کرنے کا تھا اور اسی لئے مسجد برلن کی تحریک بھی آپ نے فرمائی مگر جرمنی کے حالات یکا یک بدل گئے۔ کاغذی روپیہ عملی طور پر منسوخ کر دیا گیا اور سونے کا سکہ جاری کیا گیا۔ جس کی وجہ سے قیمتوں میں دو تین سو گنا اضافہ ہو گیا۔ ایک طرف مبلغ کا خرچ ۶ پونڈ کی بجائے کم از کم ۲۵ پونڈ تک جا پہنچا۔ دوسری طرف مسجد برلن کی تعمیر کے لئے جس کا پہلے تیس ہزار روپیہ کا اندازہ کیا گیا تھا پندرہ لاکھ روپے کے اخراجات بتائے جانے لگے۔

ان حالات کی بناء پر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے تعمیر مسجد کا کام ملتوی کرا دیا اور فیصلہ فرمایا کہ یورپ میں دو مرکز رکھ کر طاقت تقسیم کرنے کی بجائے دار التبلیغ لنڈن ہی مضبوط کیا جائے اور اسی سے

وسط یورپ میں تبلیغ اسلام ہو۔ یہ فیصلہ مارچ ۱۹۲۴ء میں ہوا [۱۲۴]۔ اور مئی ۱۹۲۴ء میں یہ دارالتبلیغ بند کر دیا گیا اور جرمنی کے مبلغ ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے انگلستان چلے گئے مگر بالآخر ربع صدی کے بعد ۱۹۴۹ء میں چوہدری عبداللطیف صاحب بی۔ اے کے ذریعہ اس کا احیاء ہوا جس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

۱۹۲۳ء کے متفرق مگر اہم واقعات

۱۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حرم ثالث میں مرزا طاہر احمد صاحب (اول) کی ولادت ہوئی اور حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کے ہاں صاحبزادی زکیہ بیگم صاحبہ پیدا ہوئیں [۱۲۵]۔

۲۔ حضرت ماسٹر قادر بخش صاحب (والد ماجد حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد [۱۲۶]) اور اہلیہ صاحبہ حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار صاحبؓ نے وفات پائی۔

۳۔ حضرت ام المومنین نے یکم اگست ۱۹۲۳ء کو نور ہسپتال قادیان کے زنانہ وارڈ کا سنگ بنیاد رکھا [۱۲۷]۔

۴۔ قادیان میں پہلی بار سماٹرا کے طلباء تحصیل علم کے لئے آئے [۱۲۸]۔

۵۔ میر شفیع احمد صاحب محقق دہلوی کی ادارت میں دہلی سے "دعوت الاسلام" کے نام سے ایک روزنامہ جاری ہوا [۱۲۹]۔

۶۔ ایک اردو افریقی اخبار ملک احمد حسین صاحب بیرسٹر (ابن ملک غلام حسین صاحب رہتاسی) کی زیر ادارت نیروبی سے نکلنا شروع ہوا [۱۳۰]۔

۷۔ ادارہ "پیغام صلح" پر ایک مضمون بعنوان "وید کا بھید" کی بناء پر مقدمہ دائر تھا جس کی پیروی چودھری محمد ظفراللہ خان صاحب نے رضاکارانہ طور پر کی۔ اخبار "الفضل" نے حکومت کے اس اقدام کے خلاف احتجاج کیا [۱۳۱]۔

۸۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب نے سالانہ جلسہ پر "کوئی قوم قربانی کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی" کے موضوع پر تقریر کی۔ آپ کی سالانہ جلسہ کے موقعہ پر یہ سب سے پہلی تقریر تھی جسے آپ نے نہایت روانی اور تسلسل کے ساتھ نباہا۔ اجلاس کے صدر حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے اس تقریر کے بعد فرمایا کہ "صاحبزادہ صاحب نے اسی لحن میں قرآن کریم پڑھا ہے کہ بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے ہیں کیونکہ میں نے اس لحن میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی آواز سنی ہے" [۱۳۲]

۹۔ مشہور مباحثے: مباحثہ جلال پور جٹاں [۱۳۳] (حضرت حافظ روشن علی صاحب اور شیعہ مناظر

سیف علی صاحب کے درمیان) مباحثہ فیروزپور [144] (حضرت میر قاسم علی صاحب اور پنڈت رام چندر دہلوی اور پنڈت دھرم بھکشو کے درمیان) مباحثہ لائلپور [145] (حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی اور پادری عبدالحق کے درمیان) مباحثہ بھونگاؤں ضلع مین پوری [146] (مولانا جلال الدین صاحب شمس اور مہاشہ رام چندر دہلوی کے درمیان) مباحثہ اودھم پور [147] (مولوی ظہور حسین صاحب اور پنڈت دھرم بھکشو کے درمیان) مباحثہ اسمٰعیلہ گجرات [148] (حضرت حافظ روشن علی صاحب اور ایک غیر احمدی مولوی محمد حسین صاحب کے درمیان) مباحثہ لاہور [149] (حضرت حافظ روشن علی صاحب کا پنڈت دھرم بھکشو اور پنڈت رام چندر دہلوی سے) مباحثہ سیالکوٹ (حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب اور حضرت حافظ روشن علی صاحب نے بالترتیب پادری عبدالحق صاحب اور پادری احمد مسیح سے مباحثہ کیا [150]) مباحثہ دھاریوال [151] (شیخ عبدالخالق صاحب نومسلم اور پادری عبدالحق صاحب کے درمیان)

۱۰۔ علمائے سلسلہ کی نئی مطبوعات: "فقہ احمدیہ" حصہ اول (مؤلفہ حضرت علامہ حافظ روشن علی صاحب) "آریہ پنتھ کا فوٹو"۔ (جناب قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری) "محقق" (سید ابوالبرکات صاحب محقق دہلوی)

۱۱۔ نواب اکبر یار جنگؒ صاحب ہوم سیکرٹری حیدر آباد دکن کے بڑے بھائی عبدالغفار صاحب (جنہوں نے تحریک شدھی میں احمدی مجاہدین سے ہر طرح تعاون کیا تھا) داخل احمدیت ہوئے۔ [152] میر محمد بخش صاحب (بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ آف گوجرانوالہ) نے اس سال قبول احمدیت کا شرف حاصل کیا۔ [153]

حواشی

۱۔ متحدہ ہندوستان مراد ہے۔
۲۔ "حیات شبلی" صفحہ ۵۵۳ تا ۵۵۸۔
۳۔ لکھنؤ میں تو علمائے ندوہ نے مولانا شبلی کو اس وجہ سے کہ آپ نے احمدیوں کو جلسہ میں شرکت کی دعوت اور تقریر کرنے کا موقعہ دیا تھا جس طرح چاہا ہدف اعتراضات والزامات بنایا۔ لیکن اس کے برخلاف مولانا مسیح الزمان خان صاحب رئیس اعظم شاہجہانپور استاد نظام دکن نے احمدیوں کی شمولیت سے کام کئے جانے میں ذرا بھی تامل نہ فرمایا۔ چنانچہ جب حاجی محمد سعید خاں صاحب سوداگر رئیس شاہ جہانپور کے پاس (جن کو حیات شبلی میں غلطی سے سفید خاں لکھ دیا ہے) یہ اطلاع پہنچی کی قصبہ جلال آباد سے چند کوس کے فاصلہ پر موضع موہن پور میں چھ سات سربر آوردہ ملکانے راجپوت اپنے گھرانوں سمیت آریہ ہونے والے ہیں ان کو آریہ بنانے کے لئے بھرت پور وغیرہ راجواڑوں کی طرف سے بڑے اعلیٰ پیمانے پر تیاریاں ہو رہی ہیں اس تقریب پر بہت بڑا ازدحام ہوگا بڑے بڑے مقرر تقریریں کریں گے اگر آپ اس کی روک تھام کے لئے کچھ کرسکتے ہیں تو کریں۔ اس اطلاع پر حاجی صاحب موصوف الصدر نے ایک مجلس مشاورت منعقد فرمائی۔ جس کی صدارت کے فرائض مولانا مسیح الزمان خان صاحب استاد نظام دکن نے انجام دیئے اور باتفاق رائے یہ قرار پایا کہ دیوبندی عالم تو موجود ہیں دلی سے احمدی مناظر مولوی میر قاسم علی صاحب بلوالئے جائیں اور پھر موہن پور میں جلسہ کیا جائے۔ میر قاسم علی صاحب کو بلوانے کی تجویز بھی ایک دیوبندی مولوی صاحب کی طرف سے تھی اور جو صاحب دلی جاکر انہیں ساتھ لائے وہ بھی دیوبندی کتب خیال سے تعلق رکھنے والے مولانا سید نور احمد میاں صاحب فائز شاہ جہانپوری تھے۔ کچھ لوگ تو پہلے ہی سے موہن پور پہنچ گئے تھے شیر اسلام میر قاسم علی صاحب کے تشریف لے آنے پر باقی جانے والے بھی موہن پور پہنچ گئے کئی روز وہاں دن رات جلسے کئے علماء نے تقریریں کیں اور وہاں کے لوگوں سے ان کے مکان پر جاکر بھی باتیں کی گئیں اور انہیں اپنے پاس بلاکر بھی نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک ملکانہ راجپوت ٹھاکر موہن سنگھ تو آریہ ہو گئے باقی سب بفضلہ تعالیٰ محفوظ رہے یہ سب کارروائی حاجی محمد سعید خاں سوداگر شاہجہانپور اور مولانا مسیح الزمان خان صاحب استاد نظام دکن کی منشاء کے مطابق سیکرٹری انجمن احمدیہ شاہجہانپور (حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب) کے ذریعہ سے انجام تک پہنچی۔
۴۔ حیات شبلی۔ صفحہ ۵۶۹۔
۵۔ حیات شبلی۔ صفحہ ۵۷۲۔۵۷۳۔
۶۔ فتنہ ارتداد اور پولٹیکل قلابازیاں مشمولہ رفتار زمانہ لاہور ۷/ جون ۱۹۵۰ء صفحہ ۵۔۷۔
۷۔ نقوش آپ بیتی نمبر صفحہ ۳۶۹۔
۸۔ سیرت محمد علی صفحہ ۳۹۵ (از رئیس احمد جعفری)
۹۔ اخبار پرتاپ لاہور ۱۶/ مارچ ۱۹۲۳ء صفحہ ۴۔
۱۰۔ بحوالہ اخبار زمیندار ۱۶/ مارچ ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۔
۱۱۔ تیج دہلی ۲۰/ مارچ ۱۹۲۶ء صفحہ ۶ بحوالہ ہندو راج کے منصوبے (از ملک فضل حسین صاحب) بار ششم ستمبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۳۸۔
۱۲، ۱۳ پیغام صلح بحوالہ ہندو راج کے منصوبے صفحہ ۱۳۸۔۱۳۹۔
۱۴۔ اخبار تیج دہلی ۱۳/ جنوری ۱۹۲۵ء بحوالہ ہندو راج کے منصوبے صفحہ ۱۴۴۔
۱۵۔ ملاحظہ ہو پیسہ اخبار ۱۶/ مارچ ۱۹۲۳ء و زمیندار ۱۶/ مارچ ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۔
۱۶۔ بحوالہ الفضل ۱۳/ مارچ ۱۹۲۳ء صفحہ ۷۔
۱۷۔ الفضل ۱۳/ مارچ ۱۹۲۳ء صفحہ ۷۔

۱۸۔ خالد۔ اگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۷۔
۱۹۔ الفضل ۱۲/ مارچ ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۳۔
۲۰۔ الفضل ۱۵/ مارچ ۱۹۲۳ء صفحہ ۵-۶۔
۲۱۔ الفضل ۱۵/ مارچ ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۱-۱۲۔
۲۲۔ ملاحظہ ہو رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۳ء صفحہ ۵۵۔
۲۳۔ فہرست کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۱/ اگست ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-۲۔
۲۴۔ "کارزار شدھی" صفحہ ۴۳-۴۵ (از ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم)
۲۵۔ حضور نے جلسہ سالانہ ۱۹۲۳ء پر حضرت چوہدری صاحب موصوف کو کمانڈر انچیف کے خطاب سے بھی یاد فرمایا تھا۔ (الفضل ۱۱/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۷)
۲۶۔ الفضل ۱۵/ مارچ ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-۲۔ جناب ملک فضل حسین صاحب کا نام بھی اس وفد میں شامل تھا مگر جب آپ وفد کے ساتھ قادیان سے روانہ ہونے لگے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کی تجویز پر انہیں قادیان میں رہ کر میدان ارتداد کے لئے یعنی علمی اسلحہ تیار کر کے بھجوانے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ آپ نے آریہ دھرم کے خلاف ان ہی دنوں دس ٹریکٹ چالیس ہزار کی تعداد میں شائع کر دیئے۔
۲۷۔ کارزار شدھی صفحہ ۳۹۔
۲۸۔ الفضل ۵/ اپریل ۱۹۲۳ء۔
۲۹۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جون ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۵-۱۶۔ ایضاً الفضل ۹/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۹۔ ایک سناتنی اخبار جاگرت نے ۱۳/ اپریل ۱۹۲۷ء کی اشاعت میں لکھا۔ دولت کا جھوٹا لالچ دے کر اپرے غیرے کسی کو مونڈھ لینا شدھی نہیں۔ (بحوالہ وکیل امرتسر ۱۱/ مئی ۱۹۲۷ء)
۳۰۔ الفضل ۵/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۶-۸۔
۳۱۔ الفضل ۱۷/ مئی ۱۹۲۳ء صفحہ ۵۔ ایضاً تبرکات آزاد (مرتبہ غلام رسول مہر)
۳۲۔ الفضل ۱۸/ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-۲۔ میری کہانی (از ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم) غیر مطبوعہ و الفضل ۱۹/ اکتوبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۔
۳۳۔ ہمدم مورخہ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۲۳ء بحوالہ الفضل ۲۳/ اکتوبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۵۔
۳۴۔ پرتاپ (لاہور) ۴/ جون ۱۹۲۴ء صفحہ ۹ بحوالہ محاکمہ مابین آریہ سماج اور گاندھی۔ صفحہ ۵۔ (مؤلفہ مہاشہ فضل حسین صاحب احمدی مہاجر) طبع اول ۱۹۲۴ء۔
۳۵۔ کارزار شدھی صفحہ ۴۲۔ الفضل ۹/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۴۔
۳۶۔ الفضل ۵/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۵۔
۳۷۔ بھیا کو احمدی مجاہدین سے بہت محبت تھی اپنے بچوں سے زیادہ الفت کرتی تھی اور بہت ہمدرد تھی۔ اس کے بیٹوں نے چونکہ اسے باہر جانے سے روک رکھا تھا اس لئے اکثر رات کو چھپ کر احمدی مبلغین کے پاس آتی اور اپنا دکھ درد سناتی تھی۔ (کارزار شدھی صفحہ ۷۷)
۳۸۔ الفضل ۵/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۷۔
۳۹۔ چوہدری افضل حق صاحب اپنی کتاب فتنہ ارتداد اور پولٹیکل قلابازیاں میں لکھتے ہیں۔ "انجمن ہدایت الاسلام کی زیر نگرانی روک تھام شروع ہوئی ایک جگہ سے یک صد روپیہ کی گرانقدر رقم بھی ماہانہ امداد کے طور پر ملی تنخواہ دار مبلغ رکھے گئے لیکن نہ اوپر سے نگرانی ہوئی نہ دل میں سچی تبلیغ کا جذبہ تھا۔ مولوی صاحبان جس گاؤں میں جاتے وہاں وعظ فرماتے اور وعظ کے بعد باوجود تنخواہ دار ہونے کے اپنے ذاتی مصارف کے لئے بھیک مانگتے۔ علاوہ ازیں سنا گیا ہے کہ بعض بداخلاقی کی حرکتیں بھی کر بیٹھتے جس سے ان لوگوں کے دل میں اسلام کے متعلق نہایت ذلیل خیال بیٹھ گیا۔"
۴۰۔ جناب ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم کا بیان ہے کہ میں نے محسوس کیا کہ اس علاقے میں سادھوؤں کی بے حد تعظیم اور مولویوں سے

ازحد نفرت کی جاتی ہے اس لئے میں نے حضرت صاحب کی خدمت میں اجازت طلب کی کہ مجھے سادھو بن کر تبلیغ کا کام کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضور نے مجھے اجازت تو دے دی مگر ساتھ ہی ارشاد فرمایا عارضی اجازت ہے مستقل نہیں۔ بہرحال میں نے اپنا لباس تبدیل کر لیا۔ جوگیانہ دھوتی پہن لی۔ چمٹا گُدڑی اور جھولا وغیرہ سادھو کے لوازمات مہیا کئے اور اپنا کام شروع کر دیا۔ اس لباس میں جو بھجن میں نے وقتاً فوقتاً کہے اور گائے ان سے تبلیغ اسلام کے کام میں بڑی مدد ملی۔ اور ملکانہ قوم اور ہندوؤں میں میرا بڑا احترام ہو گیا۔ وہ مجھ پر بھروسہ کرتے۔ میری باتوں کو سنتے۔ مجھے دور سے نمسکار (سلام) کرتے۔ کرشن جی' رامچندر جی کی باتیں مجھ سے سنتے اور واہ واہ کرتے جس گاؤں میں کوئی مولوی صاحب نہ جائے میں چلا جاتا۔ میں نے علاقے کی پوربی زبان بہت جلد سیکھ لی ہندی اور سنسکرت کے بعض الفاظ اور اصطلاحات بھی یاد کر لیں۔ اور ہندو رشیوں اور مہا پرشوں کے قول اور نصیحتیں بھی ازبر کیں۔ میں نے اس قوم کی زبان میں جو بھجن کہے وہ ملکانہ من لگن بھجن کے نام سے ۱۹۲۴ء کے سالانہ جلسہ پر شائع ہوئے اور خدا کے فضل سے بہت مقبول ہوئے۔ اس جلسہ پر میں نے شدھی کے خلاف جماعت احمدیہ کی خدمات پر بھی تقریر کی (میری کہانی غیر مطبوعہ صفحہ ۲۰۶-۲۱۰)

۴۱۔ کارزار شدھی صفحہ ۷۷-۷۸۔
۴۲۔ الفضل ۹/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۴-۶۔
۴۳۔ الفضل ۲۹/ مارچ ۱۹۲۳ء صفحہ ۲-۱۱۔
۴۴۔ الفضل ۵/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۷۔
۴۵۔ الفضل ۱۲/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۸-۹۔
۴۶۔ الفضل ۱۲/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۰۔
۴۷۔ الفضل ۹/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-۲۔
۴۸۔ الفضل ۱۲/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ او ۱۹/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۷۔
۴۹۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کا بیان ہے کہ حضرت نواب صاحب' حضرت شیخ محمد حسین صاحب ریٹائرڈ سب جج علی گڑھ اور خاکسار عرفانی کو ایک خاص مقصد کے لئے بھیجا گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ ہم یو۔ پی کے ان اضلاع کے حکام سے ملیں اور غلط فہمیاں پیدا نہ ہونے دیں اور بنجارہ قوم کے جرائم پیشہ سے نکلوانے کی کوشش کریں۔ ہم تینوں سفر کرتے تھے اور اخراجات خورد نوش و قیام و سفر نواب صاحب ہی اپنی جیب سے کرتے تھے۔ الخ۔ (اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۴۲۹) حضرت نواب صاحب اور حضرت عرفانی صاحب مسلسل کئی روز گرمی میں دورہ کرنے اور پیدل چلنے کے بعد مئی ۱۹۲۳ء کے وسط میں واپس آئے۔ (الفضل ۱۷/ مئی ۱۹۲۳ء)
۵۰۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۷۱۔
۵۱۔ الفضل ۱۲/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۰ و کارزار شدھی صفحہ ۴۲۔ (مؤلفہ جناب ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم)
۵۲۔ الفضل ۱۹/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-۲۔
۵۳۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۷۰۔
۵۴۔ بحوالہ الفضل ۱۲/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۲۔
۵۵۔ مشرق ۲۹/ مارچ ۱۹۲۳ء بحوالہ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ ۴۳-۴۴ (ایڈیٹر حکیم برہم)
۵۶۔ اخبار نجات (بجنور) ۲۷/ اپریل ۱۹۲۳ء بحوالہ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ ۴۷ حاشیہ۔
۵۷۔ بحوالہ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ ۴۵ حاشیہ۔
۵۸۔ بحوالہ کارزار شدھی (مؤلفہ ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم) صفحہ ۱۱۹۔
۵۹۔ ایضاً صفحہ ۱۱۹۔
۶۰۔ الفضل ۱۲/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۲۔
۶۱۔ اخبار جیون تت۔ ۲۴/ اپریل ۱۹۲۳ء بحوالہ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ ۴۴ حاشیہ۔

۶۲۔ بحوالہ کارزار شدھی صفحہ ۱۱۹۔۱۲۰۔ اس حقیقت کا اندازہ لگانے کے لئے یہ واقعہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ ۶۔۷/ اپریل ۱۹۲۳ء کو آگرہ میں خلافت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں دو تین مسلمان لیڈر شامل ہوئے جنہوں نے فتنہ ارتداد کا ذکر نہایت معمولی واقعہ کی طرح کیا۔ مولوی آزاد سبحانی صاحب نے کہا کہ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا ہمارا اصل مقصد سوراج حاصل کرنا ہے جب سوراج حاصل ہو جائے گا تو پھر ہم فیصلہ کرلیں گے کہ ہمیں اسلام پر قائم رہنا چاہئے یا ہندو ہو جانا چاہئے۔ اس لئے سوامی شردھانند سے عرض کروں گا اور مسلمان دوسرے ہندوؤں سے عاجزی کے ساتھ درخواست کریں کہ وہ چند دن کے لئے شدھی کی تحریک روک دیں۔ (الفضل ۱۶/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۹) مولوی ابو الکلام صاحب آزاد نے ۱۵/ اپریل ۱۹۲۳ء کے زمیندار میں ایک بیان دینے پر اکتفا کی جس میں کہا۔

"میں پورے وثوق کے ساتھ رائے رکھتا ہوں کہ جن لوگوں نے موجودہ وقت میں یہ تحریک شروع کی انہوں نے ملک کا عام مفاد نظر انداز کر دیا۔" "مسلمانوں کو نہ چاہئے کہ شکوہ و شکایت کریں یا اپنے لئے کوئی ایسا پوزیشن (رویہ) اختیار کریں جس سے توقع اور خواہش نکلتی ہو۔ یہ کام شروع نہ کیا جاتا تو بہتر تھا لیکن جب شروع کر دیا گیا ہے تو مسلمانوں کے لئے صرف ایک ہی چارہ کار رہ گیا ہے یعنی وہ بھی اپنا فرض سکون اور خاموشی کے ساتھ انجام دیں دوسروں کے لئے یہ نیا قدم ہے لیکن ان کے لئے ان کا اصلی اور دائمی فرض ہے اگر انہوں نے اپنا فرض ادا کیا ہوتا تو آج یہ نتائج پیش نہ آتے" (تبرکات آزاد صفحہ ۲۰۹۔۲۱۰۔ مرتبہ غلام رسول صاحب مہر شائع کردہ "کتاب منزل" لاہور طبع اول جولائی ۱۹۵۹ء)

علی برادران نے اس زمانہ میں عجیب عجیب تقریریں کیں۔ مثلاً مولوی محمد علی نے کہا۔ مسلمان شدھی کی وجہ سے ہندوؤں سے کیوں لڑتے ہیں جب کہ خود عرب میں مسلمانوں کو دوسرے مذہب والے اپنے اندر داخل کرنے کو کوشاں ہیں۔ (وکیل ۹/ نومبر ۱۹۲۳ء بحوالہ الفضل ۲۰/ نومبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۳) مولوی شوکت علی خادم کعبہ نے کہا۔ مسلمانوں کو ہندوؤں کا احسان ماننا چاہئے کہ تم ذرا سی باجہ بجانے کی بات پر ہی ان سے لڑ پڑتے ہو۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر ہندو بھائی تمہاری کسی مسجد کو بھی گرا دیں تو بھی تمہیں برداشت کرنا چاہئے۔ (اخبار کیسری ۱۱/ نومبر ۱۹۲۳ء) نیز کہا۔ میں اور بھائی محمد علی نے اور محترمہ بی اماں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ خواہ کوئی ہندو ہماری ماں، بہن، بہو بیٹی کی بے عزتی ہی کیوں نہ کرے ہم کبھی کسی ہندو کے برخلاف کچھ نہیں کہیں گے۔ امید ہے اس طرح آپس میں محبت اور ہمدردی پیدا ہو جائے گی۔ (وکیل ۹/ نومبر ۱۹۲۳ء بحوالہ الفضل ۲۰/ نومبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۳)

۶۳۔ بحوالہ الفضل ۱۷/ جولائی ۱۹۲۳ء صفحہ ۴۔

۶۴۔ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ ۴۵۔

۶۵۔ زمیندار بحوالہ الفضل ۲۸/ مئی ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۲۔

۶۶۔ الفضل ۳/ مئی ۱۹۲۳ء صفحہ ۸۔

۶۷۔ کارزار شدھی صفحہ ۱۱۲۔۱۱۵۔

۶۸۔ اخبار تہذیب نسواں (لاہور) ۲/ مئی ۱۹۲۵ء بحوالہ رہنمائے تبلیغ صفحہ ۱۶۵۔۱۶۶۔ (مؤلفہ سید طفیل محمد صاحب گوکھووال)

۶۹۔ سرگزشت صفحہ ۲۲۰ طبع اول جنوری ۱۹۵۵ء از جناب عبد المجید صاحب سالک۔

۷۰۔ یہ صاحب ناظم عمومی شعبہ تبلیغ جمعیتہ علمائے ہند تھے۔ سیاست لاہور (۱۳/ اگست ۱۹۲۵ء) نے جمعیتہ علماء ہند کی نسبت لکھا۔ جمعیتہ کے شعبہ تبلیغ نے فتنہ ارتداد کے سلسلہ میں روپیہ جمع کرنے کے لئے اپیلیں کرنے کے علاوہ کوئی عملی خدمت انجام نہیں دی ہے۔ (بحوالہ رہنمائے تبلیغ صفحہ ۱۶۵)

۷۱۔ خالد اگست ۱۹۶۰ء صفحہ ۷ تا ۹۔

۷۲۔ میری کہانی (غیر مطبوعہ از جناب ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم) ملخصاً۔

۷۳۔ الفضل ۸/ جنوری ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۔

۷۴۔ الفضل ۳/ اگست ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۔

۷۵۔ الفضل ۴/ جون ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۔

۷۶۔ الفضل ۳۱/ اگست ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۔

۷۷۔ الفضل ۱۴/ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-۲۔

۷۸۔ اس بارے میں جماعت کے جن اہل قلم اصحاب نے خدمات سرانجام دیں ان میں حضرت میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر فاروق' جناب شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار نور' مولانا قاضی محمد نذیر فاضل اور ملک فضل حسین صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (کارزار شدھی صفحہ ۴۴)

۷۹۔ الفضل ۲۸/ اگست ۱۹۲۳ء صفحہ ۷-۸۔ قریشی محمد حنیف صاحب میرپوری نے موضع بیری میں ایک پرانی مسجد کی مرمت کی اور اپنے شاگردوں سے مل کر کنواں کھودا۔ یہ گاؤں شدھ ہو چکا تھا۔

۸۰۔ مساجد کی تعمیر میں مجاہدین کو خود مسلمان ملکانوں کی طرف سے بھی بہت مشکلات پیش آئیں۔ چنانچہ ایک غیر احمدی دوست ڈاکٹر محمد اشرف صاحب (مراد آبادی) نے یہ چشم دید واقعہ لکھا ہے کہ دوسرے مہینے میں اپنی ننھیال میں گیا یہ تحصیل ہاتھرس کا ایک گاؤں ہے یہاں میں نے دیکھا کہ میرے نانا کی چوپال پر قادیانی مولویوں نے مدرسہ کھول رکھا ہے اور بچے قرآن پڑھ رہے ہیں۔ مولوی صاحب مجھ سے بڑے تپاک سے ملے اور جب انہیں اندازہ ہو گیا کہ مجھے قادیانیوں سے کوئی تعصب نہیں ہے تو علیحدہ جا کر فرمانے لگے کہ اب تم اپنے نانا سے سفارش کر دو کہ اس چوپال پر جہاں مدرسہ ہے اور روزانہ باجماعت نماز ہوتی ہے مسجد بنانے کی اجازت دے دیں۔ بالآخر میں نے نانا صاحب سے مولوی صاحب کی خواہش بیان کر دی اور اپنی طرف سے حمایت کے الفاظ بھی کہہ دیئے۔ شام کو میں اور قادیانی مولوی آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ میرے نانا آگئے اور خالص برج بھاشا میں فرمانے لگے کہ مولوی اب تک تو میں خاموش تھا مگر آج آپ نے مسجد کی بات شروع کی ہے تو میں بھی کہہ ڈالوں۔ دیکھئے جس ہفتہ آپ نے نماز پڑھنا شروع کی۔ میری گائے مر گئی۔ پھر دوسرے مہینے جب آپ نے باجماعت نماز پڑھنا شروع کر دیا تو میری بڑی لڑکی بیمار ہو گئی اور وہ اب تک بیمار چلی جاتی ہے اب آپ ہی سوچئے کہ جب خدا ہم سے ذرا دور ہے تو یہ مصیبتیں نازل ہوتی ہیں اور اگر اس کا گھر ہی یہاں بن گیا (یعنی مسجد) تو پھر وہ سب کو مار ڈالے گا۔ ایک بھی ہم میں سے زندہ نہیں بچے گا۔

اب مولوی صاحب پریشان تھے کہ ٹھاکر صاحب کو کیسے سمجھائیں بالآخر انہوں نے نماز چوپال پر پڑھنا بند کر دی اور باہمی صلح ہو گئی مسجد اس گاؤں میں اب تک نہیں ہے۔ (نقوش آپ بیتی نمبر جون ۱۹۶۴ء) باتی نمبر ۳ مثلاً راؤ پٹی (الفضل ۱۴/ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۹) اکبر پور اور واحد پور (ضلع فرخ آباد) الفضل ۱۱/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۔ صالح نگر (الفضل ۳۱/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۲)

۸۱۔ بیان شیخ نیاز علی صاحب وکیل ہائیکورٹ لاہور۔ زمیندار ۲۴/ جون ۱۹۲۳ء بحوالہ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ ۴۶۔

۸۲۔ بیان شیخ غلام حسن صاحب ہیڈ ماسٹر ہائی سکول جہلم (زمیندار ۲۹/ جون ۱۹۲۳ء) بحوالہ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ ۴۶-۴۷۔

۸۳۔ زمیندار ۲۲/ فروری ۱۹۲۳ء بحوالہ رہنمائے تبلیغ صفحہ ۶۶۔

۸۴۔ الفضل ۱۴/ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-۲۔

۸۵۔ الفضل ۱۳/ نومبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۶۔

۸۶۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۷۱۔

۸۷۔ تازیانہ (لاہور) ۱۹/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۰ (ایڈیٹر یوسف حسن)

۸۸۔ ہندو دھرم اور اصلاحی تحریکیں صفحہ ۴۲-۴۴ (مصنفہ پروفیسر پریتم سنگھ ایم۔ اے) طبع اول ۱۹۴۱ء مطبوعہ امرت الیکٹرک پریس ریلوے روڈ لاہور۔

۸۹۔ الفضل ۲۴/ اگست ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-۲۔

۹۰۔ بحوالہ الفضل ۱۱/ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۲۔

۹۱۔ الفضل ۱۱/ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-۲۔

۹۲۔ بحوالہ الفضل ۲۱/ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۲۔

۹۳۔ ملاپ (لاہور) بحوالہ کارزار شدھی صفحہ ۹۶۔

۹۴۔ شردھانند پر حجت تمام کرنے کے لئے جماعت احمدیہ دہلی نے ۲۲/ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو ایک جلسہ عام منعقد کیا جس میں مولانا

جلال الدین صاحب شمس نے شردھانند کو مقابلہ پر بلایا اور اس غرض کے لئے اپنی تقریروں کے بعد وقت بھی رکھا مگر شردھانند کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ (الفضل ۹/ نومبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۷)

۹۵۔ بحوالہ الفضل ۲/ اکتوبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۶۔

۹۶۔ بحوالہ الفضل ۲۵/ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۲۔

۹۷۔ الفضل ۲۱/ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-۲۔

۹۸۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جون ۱۹۲۴ء صفحہ ۷ و سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۷۳۔

۹۹۔ الفضل ۲۱/ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۔

۱۰۰۔ الفضل ۲۵/ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-۲۔

۱۰۱۔ الفضل ۲۱/ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۔

۱۰۲۔ الفضل ۲۵/ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-۲۔

۱۰۳۔ الفضل ۱۲/ جنوری ۱۹۲۶ء صفحہ ۷۔

۱۰۴۔ قریشی صاحب موصوف ۱۹۴۲ء میں ملکانہ نو مسلموں کا ایک پیدل قافلہ جو ایک درجن افراد پر مشتمل تھا ساندھن سے قادیان کے سالانہ جلسہ پر لائے تھے۔ (الحکم ۱۴/ ۷ مارچ ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۰)

۱۰۵۔ آپ تبلیغ اسلام کرتے ہوئے اسی سرزمین میں فوت ہوئے اور یہیں دفن کئے گئے۔

۱۰۶۔ اخبار المسنّت (امرتسر) یکم جون ۱۹۲۵ء (ایڈیٹر مولوی عبد الحق تراب) بحوالہ رہنمائے تبلیغ صفحہ ۱۶۶۔

۱۰۷۔ پرتاپ (لاہور) ۲۱/ اکتوبر ۱۹۲۹ء ایڈیٹر مہاشہ کرشن بی۔اے (بحوالہ راہنمائے تبلیغ صفحہ ۱۶۷)

۱۰۸۔ اخبار تیج دھلی ۲۵/ جولائی ۱۹۲۷ء (ایڈیٹر لالہ دیش بندھو) بحوالہ تاثرات قادیان صفحہ ۲۲۱-۲۲۳ (مولفہ جناب مہاشہ فضل حسین صاحب) طبع اول

۱۰۹۔ اخبار تیج (دہلی) ۲۵/ جولائی ۱۹۲۷ء۔ بحوالہ تاثرات قادیان صفحہ ۲۲۱-۲۲۳۔

۱۱۰۔ فتنہ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں (مطبوعہ اخبار رفتار زمانہ لاہور ۷/ جون ۱۹۵۰ء صفحہ ۲۲-۲۴) چوہدری افضل حق صاحب اپنے رفقاء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خدا نے مجلس احرار کو زبان آور لوگ دیئے ہیں۔ جن کی تاثیر میں ڈوبی ہوئی تقریریں قلوب کو گرما دیتی ہیں لیکن میں نے سینکڑوں تقریروں میں اسلام کے محاسن اور خوبیاں بیان ہوتے سنی ہیں مگر کسی احراری لیڈر کو یہ کہتے نہیں سنا کہ مسلمانو اتم بھی اپنے دینی اور تبلیغی فرض کو ادا کرو اور غیر مسلموں میں اسلام کا تحفہ پیش کرو احراری ہیں جن کے متعلق عام گمان ہے کہ وہ اسلام کے بہترین مبلغ اور جادو بیان ہیں جب ان کا یہ حال ہے تو دوسروں سے کیا توقع۔ خطبات احرار صفحہ ۴۷۔ (مرتبہ جناب آغا شورش کاشمیری) طبع اول مارچ ۱۹۴۴ء۔

۱۱۱۔ الفضل ۲۵/ جنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۳-۶۔

۱۱۲۔ الفضل ۲۰/ نومبر ۱۹۲۲ء صفحہ او الفضل ۸/ فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۶۔

۱۱۳۔ الحکم ۲۱/ فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۷۔

۱۱۴۔ الحکم ۱۴/ فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۷۔

۱۱۵۔ الفضل یکم مارچ ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-۲۔

۱۱۶۔ مسجد برلن کے لئے چندہ دینے والوں کی ایک فہرست ضمیمہ الفضل ۵/ مارچ ۱۹۲۳ء میں شائع کی گئی تھی۔

۱۱۷۔ الفضل ۷/ اگست ۱۹۲۳ء صفحہ ۷۔

۱۱۸۔ الفضل ۹/ نومبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۔ الفضل ۴-۷/ دسمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۹۔

۱۱۹۔ الفضل ۱۱/ دسمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۸۔

۱۲۰۔ ٹورنامنٹ سے متعلق تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ "تعلیم الاسلام ہائی سکول اور اس کی کھیلیں" (از ماسٹر علی محمد صاحب بی۔اے بی ٹی)

۱۲۱- یہ لیکچر خان بہادر (سر) عبد القادر صاحب کی صدارت میں ہوا۔ جنہوں نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا "جناب مرزا صاحب کو جو موقع اس مسئلہ اور اسی طرح اور بہت سے اہم مسائل پر غور فرمانے کا حاصل ہے وہ معمولی نہیں بلکہ غیر معمولی ہے کیونکہ آپ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کے مذہبی پیشوا ہیں اور آپ نے اپنی زندگی مذہبی معاملات پر غور و فکر کرنے کے لئے وقف کی ہوئی ہے۔(الفضل ۲۳/۲۰ نومبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۷)

۱۲۲- حیات محمد علی جناح طبع دوم صفحہ ۱۶۹ فروری ۱۹۴۶ء (شائع کردہ کتب خانہ تاج آفس نیپیئر روڈ کراچی (پاکستان)

۱۲۳- میثاق لکھنؤ (۱۹۱۶ء) کی طرف اشارہ ہے جس میں یہ معاہدہ ہوا تھا کہ پنجاب میں مسلمانوں کو پچاس فیصدی- بنگال میں چالیس فیصدی، بہار میں ۲۹ فیصدی، مدراس اور سی پی میں پندرہ فیصدی اور بمبئی میں تینتیس فیصدی نشستیں مخصوص کی جائیں۔(حیات محمد علی جناح صفحہ ۷۴-۷۵ طبع دوم (از سید رئیس احمد جعفری)

۱۲۴- ریویو آف ریلیجنز اردو جون ۱۹۲۴ء صفحہ ۱-۳۰-

۱۲۵- الفضل ۲۳/۲۰ نومبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۹- قیام لاہور کے دوران میں حضور نے آنریبل میاں سر فضل حسین صاحب وزیر تعلیم کے زیر صدارت اسلامیہ کالج کے ہال میں بھی لیکچر دیا۔ جو ۱۵/ نومبر ۱۹۲۳ء کو ہوا۔ جس کا عنوان تھا اسلام پر مغربی علماء کی نکتہ چینی۔ (الفضل ۲۳/۲۰ نومبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۰-۱۱)

۱۲۶- الفضل ۱۸/ دسمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-۲-

۱۲۷- اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۳۵ء میں (مع اضافہ) شائع ہوا۔

۱۲۸- اس غیر مطبوعہ حصہ کا مسودہ حضرت مؤلف نے اپنی زندگی میں میر مسعود احمد صاحب (خلف حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ) کے سپرد فرما دیا تھا۔ تاریخ احمدیت اور کتاب شمائل احمد (شائع کردہ شعبہ اطفال خدام الاحمدیہ مرکزیہ قادیان۔ مطبوعہ ۱۹۴۳ء میں اس کی بعض روایات درج ہو چکی ہیں۔

۱۲۹- الفضل ۱۴/ دسمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۹- ولادت ۱۸۹۲ء پیدائشی صحابی تھے۔ آپ کے والد حضرت حافظ غلام رسول وزیر آبادی نے آپ کو بچپن میں ہی وقف کر دیا تھا۔

۱۳۰- الفضل ۳۰/ نومبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-

۱۳۱- الفضل ۲۸/۲۵ مارچ ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۴-۱۵-

۱۳۲- یہ وہی صاحب ہیں جو وسط یورپ کی طرف سے دربار تاجپوشی شاہ جارج پنجم پر دہلی میں شاہی مہمان تھے۔

۱۳۳- مسیحی دینیات کے مسلمہ جرمن عالم۔

۱۳۴- رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۴ء صفحہ ۴۶-۴۸-

۱۳۵- الفضل ۱۴/ جون ۱۹۲۳ء صفحہ ۱- الفضل ۳۰/ نومبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-

۱۳۶- الفضل ۱۷/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ۲- الفضل ۲۳/۲۰ نومبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-

۱۳۷- الفضل ۷/ اگست ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۱-

۱۳۸- الفضل ۲۱/ اگست ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-

۱۳۹- الفضل ۱۲/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-

۱۴۰- الفضل ۳/ مئی ۱۹۲۳ء صفحہ ۷-

۱۴۱- الفضل ۱۲/ اکتوبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۲ و ۱۹/ اکتوبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-

۱۴۲- الفضل یکم جنوری ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۲ و الفضل ۸/ جنوری ۱۹۲۴ء صفحہ ۵-

۱۴۳- یہ مناظرہ کلمۃ الحق کے نام سے شائع شدہ ہے۔(ناشر مکتبۃ الفرقان- ربوہ)

۱۴۴- الفضل ۲۶/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۲-

۱۴۵- الفضل ۷/ اگست ۱۹۲۳ء صفحہ ۱-

۱۴۶- الحکم ۲۱/۱۴ جولائی ۱۹۲۳ء صفحہ ۹-۱۱-

۱۴۷۔ الفضل ۲/۲ جون ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۱۔
۱۴۸۔ الفضل ۹/ نومبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۔
۱۴۹۔ الفضل ۲۷/ نومبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۔
۱۵۰۔ الفضل ۲۶/ اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۲۔
۱۵۱۔ الفضل ۱۷/ جولائی ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۱۔
۱۵۲۔ کارزار شدھی صفحہ ۱۲۲۔۱۲۳۔
۱۵۳۔ الفضل ۲۱ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۷۔

پانچواں باب (فصل اول)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کا پہلا سفر یورپ اور مغرب میں فتح اسلام کی بنیاد

خلافت ثانیہ کا گیارھواں سال

(جنوری ۱۹۲۴ء تا دسمبر ۱۹۲۴ء بمطابق جمادی الاول ۱۳۴۲ھ تا جمادی الاخر ۱۳۴۳ھ)

۱۹۲۴ء کا سال سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں تبلیغی نقطہ نگاہ سے ایک انقلاب انگیز سال کہلانے کا مستحق ہے کیونکہ اس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے یورپ کا پہلا سفر فرمایا۔ جس کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ ایک نئے دور میں داخل ہو گئی۔

ویمبلے کانفرنس کے لئے تحریک

شروع ۱۹۲۴ء میں انگلستان کی مشہور ویمبلے [1] نمائش کے سلسلہ میں سوشلسٹ لیڈر مسٹر ولیم لافٹس ہیر (Mr. William Loftus Hare) نے یہ تجویز کی کہ اس عالمی نمائش کے ساتھ ساتھ ایک مذاہب کانفرنس بھی منعقد کی جائے جس میں برطانوی مملکت کے مختلف مذاہب کے نمائندوں کو دعوت دی جائے کہ وہ اس کانفرنس میں شریک ہو کر اپنے اپنے مذہب کے اصولوں پر روشنی ڈالیں۔ نمائش کے منتظمین جن میں مستشرقین بھی شامل تھے نے اس خیال سے اتفاق کیا اور لنڈن یونیورسٹی کے مدرسہ علوم شرقیہ (The School of Oriental Studies) کے زیر انتظام کانفرنس کے وسیع پیمانہ پر انعقاد کے لئے ایک کمیٹی قائم کر دی گئی۔[2]

کانفرنس کا مقام امپیریل انسٹی ٹیوٹ لنڈن مقرر کیا گیا اور ۲۲ / ستمبر ۱۹۲۴ء سے ۳ / اکتوبر ۱۹۲۴ء تک کی تاریخیں اس کے لئے تجویز کی گئیں۔ کمیٹی نے مندرجہ ذیل مذاہب کے مقررین کا انتخاب کیا۔ ہندومت، اسلام، بدھ ازم، پارسی مذہب، جینی مذہب، سکھ ازم، تصوف، برہمو سماج، آریہ سماج، کنفیوشس ازم وغیرہ۔

اگرچہ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر ۱۹۲۳ء کے آغاز ہی سے لنڈن میں تھے مگر آپ کو اس

عظیم الشان کانفرنس کی تجویز کا مطلق علم نہ ہو سکا۔ مگر جب کمیٹی کی تشکیل کے علاوہ مقررین بھی تجویز ہو چکے اور ۱۹۲۴ء کا بھی کچھ حصہ گزر چکا تو ایک سوسائٹی میں بر سبیل تذکرہ کسی نے اس کا تذکرہ کیا جس پر آپ کمیٹی کے جائنٹ سیکرٹری ایم۔ ایم شارپلز سے ملے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اسلام سے متعلق احمدی جماعت کا نقطہ نگاہ ضرور پیش ہونا چاہئے۔ کمیٹی میں ذکر آیا تو کمیٹی کے نائب صدر ڈاکٹر سر تھامس ڈبلیو آرنلڈ (مصنف Preaching of Islam) نے کمیٹی کو توجہ دلائی کہ انتخاب مقررین میں نیرّ صاحب سے ضرور مشورہ لیا جائے۔ چنانچہ حضرت نیرّ صاحب کے ساتھ مجوزہ پروگرام پر نظر ثانی ہوئی۔ آپ نے ہندو مت اور بدھ کے نمائندوں کے نام تجویز کرنے کے علاوہ تصوف کی نمائندگی کے لئے حضرت صوفی حافظ روشن علی صاحب کا نام لکھایا۔ مگر ساتھ ہی بتایا کہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفتہ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ کی اجازت سے ہی حافظ صاحب آسکیں گے۔

کمیٹی میں جونہی یہ نام پیش ہوئے تو ڈاکٹر آرنلڈ اور پروفیسر مارگولیتھ نے اور کمیٹی کے دوسرے تمام ممبروں نے نہایت خلوص و محبت سے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی خدمت میں کانفرنس میں شمولیت کی درخواست کی جائے اور صوفی صاحب کو بھی ساتھ لانے کی گزارش کی جائے اس طرح حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں انگلستان کے سربر آوردہ مستشرقین کی طرف سے دعوت نامہ پہنچا [۳]۔

سفر یورپ کے لئے مشورہ

یہ دعوت قادیان پہنچی تو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۶/ مئی ۱۹۲۴ء کو بعد نماز عصر ایک مجلس شوریٰ بلائی [۴]۔ جس میں دوستوں سے مشورہ طلب فرمایا کہ کسے کانفرنس میں شمولیت کے لئے لندن بھیجا جائے۔ قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد نے عرض کیا کہ یہ تبلیغ اسلام کا ایک خاص موقعہ ہے اگر حضور خود بنفس نفیس تشریف لے جاسکیں تو مناسب ہو گا [۵]۔ دوسرے احباب نے بھی بھاری اکثریت سے اس کی تائید کی۔ اس کے بعد حضور نے بیرونی جماعت سے استصواب فرمایا [۶]۔

چنانچہ سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے ۱۴/ مئی ۱۹۲۴ء کو احباب جماعت کے نام حسب ذیل مکتوب رقم فرمایا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

برادران! السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

آپ لوگوں کو شاید معلوم ہو گا کہ ولایت میں دو سال سے ایک تجارتی نمائش کی تیاریاں ہو رہی تھیں جس میں انگریزی حکومت کے تمام علاقوں کی ہر قسم کی پیداوار اور صنعت کی چیزیں رکھی جائیں گی

یہ نمائش اب کھل گئی ہے اور ایسے بڑے پیمانے پر ہے کہ اندازہ کیا جاتا ہے کہ تجارت کی ترقی کو مد نظر رکھ کر اور ملکوں کے باہمی تعلقات کو مضبوط کرنے کے لئے دو کروڑ آدمی کے قریب اس کو دیکھنے آئے گا۔ غرض ان دنوں میں دنیا کے ہر گوشے کے تعلیم یافتہ آدمی انگلستان میں جمع ہوں گے اور گویا تمام دنیا چھوٹے پیمانے پر اس جگہ جمع ہو جائے گی۔ چینی' جاپانی' امریکن' روسی' فرانسیسی' جرمن' ترک' عرب' مصری' ایرانی' افغانی' ہندوستانی اور دوسری چھوٹی بڑی قوموں کے تعلیم یافتہ اور سمجھدار طبقہ کے لوگ وہاں جمع ہوں گے اور چھ ماہ تک ایسا ہی جمگھٹا وہاں رہے گا۔

اس اجتماع سے فائدہ اٹھا کر انگلستان کے مذہبی مذاق کے لوگوں نے تجویز کی ہے کہ ستمبر کے آخر اور اکتوبر کے شروع میں وہاں ایک مذہبی جلسہ کیا جائے۔ جس میں ہر مذہب کے لوگ اپنے اپنے مذہب کی حقیقت کو کھول کر بیان کریں اور ساری دنیا کو ان کے اصل عقیدہ اور غرض کا علم ہو جائے۔

اس انجمن نے اپنے جلسہ میں تقریر پڑھنے کی مجھے بھی دعوت دی ہے اور درخواست کی ہے کہ میں خود وہاں جا کر اپنے سلسلہ کے متعلق ان کو علم اور واقفیت بہم پہنچاؤں۔ ایسے عظیم الشان موقع سے تبلیغ کا فائدہ اٹھانا تو ہمارا فرض ہے کیونکہ ایسا موقعہ کہ اس کثرت سے ساری دنیا کے ملکوں کے اعلیٰ طبقوں کے لوگ جمع ہوں اور گویا ساری دنیا ایک ہی وقت میں اکٹھی ہو جائے۔ روز بروز نہیں ملتا اس نمائش کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ سو سال تک ایسی بڑی نمائش پھر انگریزوں کے لئے کرنی مشکل ہو گی۔ اس وقت گویا انگلستان میں بیٹھ کر ہم ساری دنیا کو خدا کا پیغام پہنچا سکتے ہیں اور کروڑوں آدمیوں کو سلسلہ کی حقیقت سے واقف کر سکتے ہیں اور دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہ سکتا جو اس ذریعہ سے سلسلہ سے واقف نہ ہو جائے مگر سوال یہ ہے کہ یہ کام کیا کس طرح جائے؟ میں نے اس مذہبی کانفرنس کی دعوت پر قادیان کے احباب کو جمع کر کے مشورہ لیا تھا۔ سولہ احباب میں سے گیارہ کا مشورہ یہ تھا کہ اس موقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہئے اور آپ کو خود جانا چاہئے۔

اور مہینہ ڈیڑھ مہینہ رہ کر نہ صرف مذہبی کانفرنس میں شامل ہوں بلکہ اس سے پہلے اور بعد انگلستان اور دوسرے ممالک کے لوگوں کو ملاقات کا موقعہ دے کر سلسلہ کی طرف ان کی توجہ کو کھینچیں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ ہر مذہب اور ہر علم کے جاننے والے لوگ وہاں جمع ہوں گے اس لئے اس موقعہ پر صرف میرے ہی جانے سے ان لوگوں کو فائدہ ہو سکتا ہے اور دوسروں کے جانے سے ان کی توجہ نہ اس طرف منعطف ہو گی نہ دوسروں کی باتوں سے ان کو ایسی تسلی ہو گی یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ساری دنیا کو خبردار کر دینے سے تمام دنیا کی حق کی طالب روحیں سلسلہ کی تحقیق میں لگ جائیں گی اور شاید بعض ملک آپ ہی اپنے ملک میں مشن قائم کرنے کی درخواست کریں۔

دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ اس وقت جب کہ ہم مغربی ممالک میں مشن قائم کر رہے ہیں سلسلہ کے امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان ممالک کو دیکھ کر اپنی آنکھوں سے وہاں کے حالات کا مطالعہ کرے تا تبلیغ کے لئے ایسی سکیم تیار ہو سکے جو مکمل ہو اور مرکز اور مبلغین کا تعلق زیادہ مضبوط ہو جائے۔

تیسری دلیل یہ لوگ یہ دیتے ہیں کہ امام جماعت کے ساتھ جو ایک جماعت کارکنوں کی جائے گی وہ دوسرے ممالک کے لوگوں کے ساتھ مل کر اور واقفیت حاصل کر کے زیادہ عمدگی سے کام کر سکے گی۔ اور اس کا نقطہ نگاہ وسیع ہو کر اسے معلوم ہو جائے گا کہ باہر جانے والے مبلغین کے لئے کیا دقتیں ہیں اور دنیا کیا کر رہی ہے اس کے مقابلہ کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

دوسرا فریق جو مخالف ہے اس کے دلائل یہ ہیں کہ اس وقت تک ان ممالک میں سلسلہ کی عظمت پوری طرح قائم نہیں اس لئے خلیفہ کا ایسے وقت میں جانا سلسلہ کی شان کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ مرکز سے خلیفہ وقت کا باہر جانا گو عارضی ہو مگر موجب فتنہ ہو سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جو غرض خلیفہ کے جانے سے ہے وہ دوسری طرح پوری ہو سکتی ہے۔ چند عالم بھیج دیئے جاویں جو وہاں جا کر تبلیغ کریں۔ جب وہ ممالک تیار ہو جائیں تو پھر خلیفہ وقت کا باہر جانا بھی درست ہو سکتا ہے جو لوگ میرے جانے کا مشورہ دیتے ہیں وہ یہ ہیں۔ مفتی محمد صادق صاحب' چوہدری فتح محمد صاحب' عزیزم مرزا بشیر احمد صاحب' ذوالفقار علی خان صاحب' سید ولی اللہ شاہ صاحب' مولوی رحیم بخش صاحب' میر قاسم علی صاحب' قاضی ظہور الدین صاحب' ماسٹر عبدالمغنی صاحب' حافظ روشن علی صاحب اور شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری۔

جو لوگ میرے جانے کے خلاف مشورہ دیتے ہیں وہ یہ ہیں۔

مولوی شیر علی صاحب' مولوی سید سرور شاہ صاحب' ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب' میر محمد اسحاق صاحب اور شیخ یعقوب علی صاحب۔ گویا گیارہ رائیں تو میرے جانے کی تائید میں تھیں اور پانچ اس امر کے حق میں تھیں کہ میرا جانا ٹھیک نہیں کوئی اور آدمی بھیجے جاویں۔

اس مشورہ کے بعد میری رائے اس طرف مائل تھی کہ میرے جانے کے بعد ان ملکوں کے مشنوں کو اور زیادہ مضبوط کرنا پڑے گا کیونکہ تحریک کر کے خاموش ہو جانا ٹھیک نہیں کیونکہ اس سے زیادہ نقصان ہو گا اور اگر مضبوط کیا جاوے تو روپیہ زیادہ خرچ کرنا پڑے گا۔ پھر اگر میں گیا تو چونکہ ساتھ زیادہ آدمی ہوں گے اس لئے روپیہ زیادہ خرچ ہو گا اور جماعت پر بوجھ پہلے ہی زیادہ ہے اس لئے میرا خیال ہے کہ عزیزم مرزا بشیر احمد صاحب اور حافظ روشن علی صاحب کو بھیج دیا جاوے۔

دو تین (روز) (متن میں یہ لفظ سہواره گیا ہے۔ ناقل) کے بعد عزیزم مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنے جانے کے متعلق کچھ عذر پیش کیا اور ادھر ولایت سے دوبارہ تار آئی کہ مذہبی کانفرنس چاہتی ہے کہ میں خود شامل ہوں۔ اس پر دوبارہ مشورہ لیا گیا تو میر محمد اسحٰق صاحب نے بھی جانے والوں کی تائید میں رائے دی لیکن میں نے بعد مشورہ یہ مناسب سمجھا کہ چونکہ خلیفہ وقت کا ملک سے باہر جانا گو ساڑھے تین ماہ کے لئے ہو۔ ایک ایسا اہم امر ہے کہ اس کا سب جماعت پر اثر پڑتا ہے۔ اس لئے سب جماعت کو مشورہ میں شامل کیا جاوے اور اس رائے کے ماتحت میں چاہتا ہوں کہ آپ کی انجمن اس معاملہ کے متعلق مشورہ دے کہ آیا اس کے نزدیک کونسا پہلو اختیار کیا جاوے۔ میرا خود جانا زیادہ مناسب ہو گا یا بعض دوسرے دوستوں کو بھیجنا۔ مشورہ کے وقت یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس امر سے میں متفق ہوں کہ اگر مغربی ممالک میں تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھنا ہے تو ضروری ہے کہ امام جماعت کسی وقت اپنی آنکھوں سے ان ممالک کی حالت کو دیکھے تاکہ صحیح تجویز تبلیغ کے متعلق کر سکے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ موقع ٹھیک ہے یا ابھی انتظار کرنا چاہئے؟ خرچ کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ اگر آپ لوگ اس امر کو پسند کریں کہ مجھے جانا چاہئے تو میں نے فیصلہ کیا ہے کہ گو میں اس وقت سخت مقروض ہوں مگر خزانہ پر اپنا بوجھ نہیں ڈالوں گا۔ بلکہ اپنا خرچ خود کروں گا گو کہ قرض ہی لینا پڑے مگر جو لوگ دوسرے ساتھ ہوں گے یعنی انگریزی لیکچرار اور علماء اور رپورٹر۔ ان کا خرچ اور تبلیغ کا خرچ بتیس ہزار کے قریب ہو گا۔ اس میں سے پندرہ سولہ ہزار تو وہ ہے جو خالص تبلیغ پر ہو گا اور پندرہ سولہ ہزار وہ ہے جو ان لوگوں کے آمدورفت کے کرایہ اور مکان اور خوراک وغیرہ پر خرچ ہو گا۔ جو لوگ یہ رائے دیتے ہیں کہ اس وقت مجھے ضرور جانا چاہئے ان کی یہ رائے ہے کہ اس رقم کا خاص بوجھ جماعت پر نہیں پڑے گا۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ مسجد برلن کے لئے جو زمین لی تھی اور جسے عمارت کھڑی کرتے ہوئے پیشتر اس کے کہ مسجد بنتی اس لئے روکنا پڑا تھا کہ جرمن کی مالی حالت بدل جانے کے سبب اس پر چھ سات لاکھ روپیہ خرچ آتا ہے۔ (جس کا ذکر میں سالانہ جلسہ کے موقع پر کر چکا ہوں) اس جگہ کو مجلس شوریٰ کے مشورہ کے بعد فروخت کیا گیا ہے اور اس پر چالیس ہزار روپیہ نفع آیا ہے۔ یعنی ہمارے خرچ سے اتنی رقم زیادہ مل گئی ہے اس روپیہ سے جو نفع کے طور پر آیا ہے۔ روپیہ قرض لے لیا جائے کیونکہ یہ روپیہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور انعام ملا ہے اور پھر تین چار سال میں آہستہ آہستہ کر کے جماعت اس رقم کو واپس کر دے اس طرح فوری بوجھ کوئی نہیں پڑے گا۔ باقی لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس رقم کو ہمیں بالکل نہیں چھیڑنا چاہئے ...... اور اگر ضرورت ہو تو اسی وقت سفر کرنا چاہئے کہ جب پہلے روپیہ جمع ہو۔

اب ان تمام امور کو مدنظر رکھ کر آپ لوگ مجھے مشورہ دیں کہ میں کون سا طریق اختیار کروں۔

اگر آپ مجھے جانے کا مشورہ دیں تو جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ میں اسلام کی ترقی کی خاطر روپیہ قرض لے کر بھی جانے کی کوشش کروں گا۔

اور اپنی ذات کا بوجھ سلسلہ پر نہیں ڈالوں گا۔ لیکن اگر آپ کے نزدیک میرا جانا مناسب نہ ہو تو دوسرا وفد بھیجنے کی صورت کی جائے گی۔ جس میں چونکہ آدمی کم ہوں گے۔ اس پر خرچ کم ہو گا۔ گو دس گیارہ ہزار پھر بھی خرچ ہو جائے گا۔ چونکہ فیصلہ فوراً ضروری ہے اس لئے جو جماعتیں دور ہیں ان کو چاہئے کہ اپنی رائے سے بذریعہ تار کے اطلاع دیں۔ کل وقت سفر کا ساڑھے تین ماہ ہو گا۔ ۲۵/ مئی تک جواب پہنچ جانا چاہئے۔

خاکسار

مرزا محمود احمد قادیان ۱۴/ مئی ۱۹۲۴ء

نوٹ: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فی الحال اس خط کا مضمون اپنی جماعت کے دوستوں تک ہی محدود رہے۔ خاکسار رحیم بخش ایم۔ اے۔ افسر ڈاک

نوے فیصدی جماعتوں نے بھی یہی مشورہ دیا کہ حضور ہی بنفس نفیس تشریف لے جائیں [۷]۔ پھر حضور نے بھی اور چالیس کے قریب دوستوں نے استخارے بھی کئے جن سے اسی مشیت الٰہی کا علم ہوا کہ خود آپ ہی کو تشریف لے جانا چاہئے [۸]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کی طرف مزید توجہ فرمائی تو آپ پر یہ حقیقت بالکل منکشف ہو گئی کہ قرآن مجید میں ذوالقرنین [۹] (مسیح موعود) یا اس کے نائب کے سفر یورپ کی اور حدیث شریف میں سفر دمشق [۱۰] کی واضح پیشگوئیاں موجود ہیں۔ ذوالقرنین کے سفر سے متعلق واقعہ پر مزید غور کرتے ہوئے حضور نے معلوم کیا کہ یہ سفر (بنیادی اغراض کے اعتبار سے) تبلیغ کے لئے نہیں بلکہ مغربی ممالک میں اسلامی انقلاب کی تبلیغی سکیم تیار کرنے کے لئے کیا جائے گا [۱۱]۔ اسی سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ رویاء بھی آپ کے سامنے آیا کہ "میں نے دیکھا کہ میں شہر لندن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے رنگ سفید تھے...... [۱۲]

اس کے علاوہ خود حضور کو ایک عرصہ قبل رؤیا میں سفر یورپ کا نظارہ دکھایا جا چکا تھا۔ چنانچہ ایک رویاء میں آپ نے دیکھا۔ آپ لنڈن میں ہیں اور ایک جلسہ میں آپ شامل ہیں۔ مسٹر لائڈ جارج (سابق برطانوی وزیر اعظم) اس جلسہ میں تقریر کر رہے ہیں کہ یکدم ان کی حالت بدل گئی اور انہوں

نے دہشت زدہ ہو کر کہا کہ مجھے ابھی خبر آئی ہے کہ "مرزا محمود امام جماعت احمدیہ کی فوجیں عیسائی لشکر کو دباتی چلی آتی ہیں اور مسیحی لشکر شکست کھا رہا ہے" [۱۳]۔

دوسری رؤیا میں (جو کانفرنس کی تحریک سے دو تین ماہ پہلے کی تھی) آپ نے دیکھا کہ "میں انگلستان کے ساحل سمندر پر کھڑا ہوں جس طرح کہ کوئی شخص تازہ وارد ہوتا ہے اور میرا لباس جنگی ہے میں ایک جرنیل کی حیثیت میں ہوں..... اس وقت میں یہ خیال کرتا ہوں کہ کوئی جنگ ہوئی ہے اور اس میں مجھے فتح ہوئی ہے اور میں اس کے بعد میدان کو ایک مدبر جرنیل کی طرح اس نظر سے دیکھ رہا ہوں کہ اب مجھے اس فتح سے زیادہ سے زیادہ فائدہ کس طرح حاصل کرنا چاہئے...... اتنے میں ایک آواز آئی (William the Conqueror) ولیم دی کنکرر یعنی ولیم (اولوالعزم) فاتح [۱۴]

ان امور پر غور و فکر اور مسلسل دعاؤں اور استخاروں کے بعد حضور نے "پہلے کانفرنس کی دعوت ایک الٰہی تحریک سمجھی اور باوجودیکہ اتنے لمبے سفر پر جانے کے رستہ میں آپ کے لئے ذاتی طور پر بہت سے مشکلات حائل تھیں [۱۵] اور اس بوجھ کا اٹھانا آپ کے لئے بہت مشکل تھا۔ حضور نے اپنے فرائض دینی کو مقدم رکھتے ہوئے پورے انشراح صدر سے سفر یورپ پر جانے کا فیصلہ فرمالیا۔ اور روانگی کی تاریخ ۱۲/ جولائی ۱۹۲۴ء معین کر دی۔

چنانچہ حضور نے ۲۴/ جون ۱۹۲۴ء کو اپنے فیصلہ کی اطلاع دیتے ہوئے اعلان فرمایا کہ "ہماری جماعت کا کام ساری دنیا میں تبلیغ اسلام کرنا ہے اور چونکہ ساری دنیا کو اسلام کے حلقہ میں لانا ہمارا فرض ہے اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے متعلق ہم ایک مکمل نظام تجویز کریں...... اس نظام کے مقرر کرنے کے لئے ضروری ہے خلیفہ مغربی ممالک کی حالت کو وہاں جا کر دیکھے...... پس مغربی ممالک میں تبلیغ کے کام کو اگر ہم نے جاری رکھنا ہے اور اگر اس پر جو روپیہ خرچ ہوتا ہے اس کی خدا تعالیٰ کو جوابدہی سے عہدہ برآ ہونا ہے تو ضروری ہے کہ خود خلیفہ وقت ان علاقوں میں جا کر ان کی مشکلات کو دیکھے۔ اور وہاں کے ہر طبقہ کے لوگوں سے مشورہ کر کے ایک سکیم تجویز کرے...... پس ان ضروریات کو مد نظر رکھ کر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ مذہبی کانفرنس کی تحریک کو ایک خدائی تحریک سمجھ کر اس وقت باوجود مشکلات کے اس سفر کو اختیار کروں۔ مذہبی کانفرنس میں شمولیت کی غرض سے نہیں بلکہ مغربی ممالک کی تبلیغ کے لئے ایک مستقل سکیم تجویز کرنے اور وہاں کے تفصیلی حالات سے واقف ہونے کے لئے کیونکہ وہ ممالک ہی اسلام کے راستہ میں ایک دیوار ہیں جس دیوار کا توڑنا ہمارا مقدم فرض ہے" [۱۶]۔

کانفرنس کے لئے کتاب "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" کی تصنیف

سفر یورپ کے فیصلہ کا اعلان تو ۲۴/ جون ۱۹۲۴ء میں ہوا۔ مگر معاملہ کی اہمیت کے پیش نظر حضور نے ٹھیک ایک ماہ قبل ۲۴/ مئی [۱۷] ۱۹۲۴ء کو کانفرنس کے لئے "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" کے عنوان سے مضمون لکھنا شروع فرمادیا۔

حضور کو سخت گرمی اور تپش میں صبح سے لے کر آدھی رات تک مصروف رہنا پڑتا تھا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔ "مضمون کے لکھنے کے دنوں میں مجھے بسا اوقات رات کے بارہ بارہ بجے تک اور بعض دفعہ تو دو دو بجے تک بیٹھنا پڑتا تھا۔ اس شدید گرمی کے موسم میں جبکہ دن کو کام بھی مشکل ہوتا ہے رات کے وقت لیمپ کی روشنی میں بارہ بارہ بجے تک کام کرنا سخت مشکل کام ہے اور میرے جیسے کمزور صحت کے آدمی کے لئے تو ناممکن معلوم ہوتا ہے" [۱۸]۔

اس کے دوران میں دو روز آپ بیمار ہو گئے مگر بالآخر شبانہ روز محنت و جدوجہد کے بعد محض روح القدس کی تائید سے ۶/ جون ۱۹۲۴ء تک مضمون ختم ہو گیا [۱۹]۔ اس کے بعد مضمون پر نظر ثانی اور پھر انگریزی ترجمہ کے مقابلہ اور اصلاح کا کٹھن مرحلہ شروع ہوا۔ چونکہ مضمون کے لکھنے کے دنوں میں آپ نے ملاقاتوں اور ڈاک کا کام مجبوراً کم کر دیا تھا۔ اس لئے اب وہ کام بھی جمع ہو گیا اس لئے آدھا دن ڈاک اور ملاقات وغیرہ میں صرف ہوتا اور آدھا مضمون کے لئے۔ یہ دن حضور کے لئے پہلے سے بھی زیادہ مصروفیت کے تھے۔ چنانچہ حضور خود فرماتے ہیں "مجھے ان دنوں میں بالکل معلوم نہ ہوتا تھا کہ دن کب ہوتا ہے اور رات کب کیونکہ میرے لئے یہ دونوں چیزیں برابر تھیں" [۲۰]۔

نظر ثانی اور ترجمہ اور اس کی اصلاح کا کام حضور نے مکرم و محترم چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب، حضرت مولوی شیر علی صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے کے سپرد فرما رکھا تھا [۲۱] اور انگریزی مسودہ کے ٹائپ کرانے اور مقابلہ کی ذمہ داری حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد پر تھی [۲۲]۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ساتھ ان سب اصحاب نے دن رات ایک کر کے ۲/ جولائی ۱۹۲۴ء کو مضمون کا انگریزی ترجمہ مکمل کر دیا [۲۳] اور ۳/ جولائی ۱۹۲۴ء کو اس کی ایک نقل مذاہب کانفرنس کے منتظموں کو بھجوا دی گئی [۲۴]۔

اسی اثناء میں حضور نے یہ دیکھ کر کہ لکھا ہوا مضمون بہت لمبا ہو گیا ہے جسے کانفرنس میں پڑھا نہیں جا سکے گا۔ یہ فیصلہ فرمایا کہ "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" کے مطالب کا خلاصہ کر کے ایک نیا مضمون لکھنا چاہئے چنانچہ حضور ۲/ جولائی ۱۹۲۴ء کو "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" کے انگریزی ترجمہ کی نظر ثانی سے فارغ ہوتے ہی نئے مضمون کی تصنیف میں مشغول ہو گئے اور ۹/ جولائی ۱۹۲۴ء کو قریباً گیارہ بجے رات

یہ نیا مضمون جو "سلسلہ احمدیہ" (Ahmadiyya Movement) کے عنوان سے تھا پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اور پھر اسی کا خلاصہ کانفرنس میں پڑھا گیا [۲۵]۔

"احمدیت یعنی حقیقی اسلام" گو چند دنوں میں تصنیف ہوئی۔ مگر اس میں حضور نے خدا کے فضل سے احمدیت کے نقطہ نگاہ سے اسلام کی دلکش اور جامع تصویر رکھی اور مکمل نقشہ مغربی دنیا کے سامنے کھینچ دیا اور اللہ تعالیٰ سے تعلق سے متعلق اسلامی نظریہ پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے پہلے یہ بتایا کہ "اسلام" ہی وہ مذہب ہے جس کے ذریعہ سے علیم خدا کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے اور دہی وہ مذہب ہے جس کے ذریعہ سے انسان خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کر سکتا ہے" [۲۶]۔ پھر حضور نے اسلام کے نظام اخلاق' نظام تمدن اور نظام ملکی پر قلم اٹھانے کے بعد یہ عظیم الشان انکشاف فرمایا کہ قرآن مجید نے آج سے چودہ سو سال پہلے جبکہ لیگ آف نیشنز کا کوئی خیال بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ بین الاقوامی سطح پر ایک اسلامی جمعیتہ الاقوام کا خاکہ پیش کر رکھا ہے اور جب تک اس کے مطابق لیگ کی تشکیل نہیں ہوگی دنیا میں کبھی امن قائم نہیں ہو سکتا۔ حضور کی یہ پیشگوئی کس طرح آج تک حرف بحرف پوری ہو رہی ہے [۲۷]۔ اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

جماعت احمدیہ کے لئے نیابتی انتظام

"احمدیت یعنی حقیقی اسلام" [۲۸] اور "سلسلہ احمدیہ" کا انگریزی ترجمہ مکمل ہوتے ہی حضور نے فوری طور پر جس اہم امر کی طرف توجہ فرمائی۔ وہ قادیان میں نیابتی انتظام کا قیام تھا۔ چنانچہ حضور نے اپنے بعد حضرت مولوی شیر علی صاحب کو امیر اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کو ان کا نائب مقرر فرمایا۔ ان کے علاوہ ایک مجلس شوریٰ مقرر فرمائی جس کے چودہ ممبر یہ قرار دیئے۔ حضرت حجتہ اللہ نواب محمد علی خان صاحب۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب۔ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب۔ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب۔ حضرت قاضی امیر حسین صاحب۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب۔ حضرت ماسٹر عبدالمغنی خان صاحب۔ حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب۔ حضرت مولوی فضل الدین صاحب وکیل۔ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل۔ حضرت میر قاسم علی صاحب۔ حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل۔ شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر "نور"۔ خواجہ غلام نبی صاحب ایڈیٹر "الفضل" [۲۹]۔

حضور نے ان تمام اصحاب کے تقرر پر ۱۱/ جولائی ۱۹۲۴ء کو ایک خطبہ بھی دیا۔ جس میں ہر ایک کا نام لے کر ان کی مخلصانہ خدمات کا نہایت تعریفی کلمات میں ذکر کر کے بتایا کہ موجودہ حالات میں یہ لوگ میرے نزدیک بہترین مشیر ہیں [۳۰]۔

علمی کام جاری رکھنے کے لئے حضور نے ہدایت جاری فرمائی کہ مکرم مولوی شیر علی صاحب درس قرآن اور مولوی سید سرور شاہ صاحب درس بخاری دیں اور یہ دونوں درس مسجد اقصیٰ میں باری باری ہوں۔

حضرت مولوی شیر علی صاحب ناظر اعلیٰ کی حیثیت میں کام کر رہے تھے۔ اب جدید انتظام کے بعد حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کو (حضرت چوہدری نصر اللہ خان صاحب کی حج سے واپسی تک) ناظر اعلیٰ مقرر فرمایا گیا۔

حضور نے ڈاک کا یہ انتظام فرمایا کہ آپ کے نام خطوط قادیان کے پتہ پر لکھے جائیں اور مرکز سے ہفتہ کی ڈاک کا اکٹھا پارسل بنا کر حضور کے نام بھیج دیا جائے [۲۱]۔

سفر یورپ کے لئے تیاری

جتنی جلدی اس عظیم الشان سفر کی تیاری ہوئی شائد اس کی مثال پہلے دنیا میں نہ ملتی ہو چھ ہزار میل کا سفر اور صدیوں کی تبلیغ کے لئے سکیم بنانے کی تجویز اور حالت یہ کہ سفر کے شروع ہونے تک حضور کو کسی امر کے سوچنے کے لئے یکسوئی کے لمحات میسر نہیں آسکے۔ ۹۔ ۱۰/ جولائی ۱۹۲۴ء کی رات کے گیارہ بجے کانفرنس والا مضمون ہی بمشکل ختم ہوا۔ اور ۱۲/ جولائی حضور کی روانگی کی تاریخ تھی۔ اس لحاظ سے ۱۰ اور ۱۱/ جولائی کے صرف دو دن فراغت کے مل سکے۔ جن میں حضور نے اپنے بعد قادیان میں انتظام کا فیصلہ کیا۔ لائبریری میں سے ضروری کتابیں نکلوائیں اور دوسرے لوگوں کی مستعار کتابیں واپس کیں [۲۲]۔

۱۱/ جولائی ۱۹۲۴ء کا مصروف ترین دن

۱۱/ جولائی ۱۹۲۴ء کے دن حضور کی مصروفیت انتہاء تک پہنچ گئی۔ حضور صبح کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار مبارک پر دعا کے لئے تشریف لے گئے۔ حضور نے مزار کے مشرقی دروازہ میں کھڑے ہو کر دیر تک دعا فرمائی پھر جنوب کی طرف موضع ننگل میں سے ہوتے ہوئے موضع کاہلواں کے پاس سڑک تک گئے اور دوسرے رستہ پر لوٹ کر دوبارہ مقبرہ بہشتی میں پہنچے اور مزار اقدس پر دوبارہ دعا فرمائی اس وقت بھی حضور کی مصروفیت کا یہ عالم تھا کہ چلتے چلتے ایک مجاہد کو جو حضور کے ساتھ ہی دور دراز ملک کے لئے روانہ ہو رہے تھے نہایت اہم اور ضروری امور کے متعلق نوٹ اور ہدایات لکھواتے رہے۔

مقبرہ بہشتی سے واپسی کے بعد حضور گھر تشریف لے گئے اور پھر جمعہ پڑھایا جس میں مقامی انتظام کی تفصیل بیان فرمائی۔ نماز جمعہ کے بعد دیر تک بیرونی احباب سے مصافحہ فرماتے رہے۔

عصر کی نماز حضور نے مسجد مبارک میں پڑھائی اور پھر مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے جہاں ایک

بہت بڑے مجمع میں حضور کا ان اصحاب کے ساتھ جو حضور کے ہمراہ تشریف لے جا رہے تھے۔ (اور جو سبز پگڑیاں بند گلے کے سیاہ کوٹ اور پاجامہ میں ملبوس تھے [23]) فوٹو لیا گیا۔ ان اصحاب میں حضرت شہزادہ عبدالمجید صاحب۔ مولوی ظہور حسین صاحب اور مولوی محمد امین صاحب بھی کھڑے کئے گئے جو ایران اور بخارا میں تبلیغ کے لئے روانہ ہونے والے تھے۔ حضور انور کے سر پر سفید پگڑی تھی اور آپ کرسی پر رونق افروز تھے۔ حضور نے اپنے معمولی لباس ململ کی سفید پگڑی کھلے گلے کا لمبا کوٹ اور سفید لٹھے کی شلوار میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی۔

اس موقعہ پر حضور نے دو نکاحوں کا بھی اعلان فرمایا ور دعا کے بعد حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کی ایک الوداعی نظم [24] ملک عبدالعزیز صاحب طالب علم مدرسہ احمدیہ نے ایسے رقت انگیز لہجہ میں پڑھی کہ حضور آبدیدہ ہو گئے اور آخیر تک اپنا چہرہ مبارک رومال سے ڈھانپے رہے [25]۔ اس تقریب کے بعد حضور رات کے ایک بجے تک اپنے بعد کام چلانے کے متعلق ہدایات دیتے رہے [26]۔

روانگی سے قبل مزار مسیح موعودؑ پر آخری دعا

۱۲/ جولائی ۱۹۲۴ء کو روانگی کا دن تھا اس دن حضور صبح صبح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار مبارک پر آخری بار دعا کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اس دعا کے وقت حضور کے قلبی جذبات کیا تھے؟ حضور خود ہی اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"صبح...... اس آخری خوشی کو پورا کرنے کے لئے چلا گیا جو اس سفر سے پہلے میں قادیان میں حاصل کرنی چاہتا تھا۔ یعنی آقائی و سیدی و راحتی و سروری و حبیبی و مرادی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے مزار مبارک پر دعا کرنے کے لئے...... مگر آہ وہ زیارت میرے لئے کیسی افسردہ کن تھی ...... یہ جدائی میرے لئے ایک تلخ پیالہ تھا اور ایسا تلخ کہ اس کی تلخی کو میرے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ میری زندگی کی بہت بڑی خواہشات میں سے ہاں ان خواہشات میں سے جن کا خیال کر کے بھی میرے دل میں سرور پیدا ہو جاتا تھا۔ ایک یہ خواہش تھی کہ جب میں مرجاؤں (**اللھم متعنا بطول حیاتہ و اطلع شموس طالعہ**۔ مولف) تو میرے بھائی جن کی محبت میں میں نے عمر بسر کی ہے اور جن کی خدمت میرا واحد شغل رہا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے عین قدموں کے نیچے میرے جسم کو دفن کر دیں تاکہ اس مبارک وجود کے قرب کی برکت سے میرا مولیٰ مجھ پر بھی رحم فرمادے۔ ہاں شاید اس قرب کی وجہ سے وہ عقیدت کیش احمدی جو جذبہ محبت سے لبریز دل لے کر اس مزار پر حاضر ہو میری قبر بھی اس کو زبان حال سے یہ کہے کہ ع

"اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی"

اور وہ کوئی کلمہ خیر میرے حق میں بھی کہہ دے۔ جس سے میرے رب کا فضل جوش میں آکر میری کوتاہیوں پر سے چشم پوشی کرے اور مجھے بھی اپنے دامن رحمت میں چھپالے۔ آہ! اس کی غنا میرے دل کو کھائے جاتی ہے اور اس کی شان احدیت میرے جسم کے ہر ذرہ پر لرزہ طاری کر دیتی ہے...... پس میری جدائی حسرت کی جدائی تھی کیونکہ میں دیکھ رہا تھا کہ میری صحت جو پہلے ہی کمزور تھی پچھلے دنوں کے کام کی وجہ سے بالکل ٹوٹ گئی ہے۔ میرے اندر اب وہ طاقت نہیں جو بیماریوں کا مقابلہ کر سکے۔ وہ ہمت نہیں جو مرض کی تکلیف سے مستغنی کر دے ادھر ایک تکلیف دہ سفر درپیش تھا۔ جو سفر بھی کام ہی کام کا پیش خیمہ تھا اور ان تمام باتوں کو دیکھ کر دل ڈرتا تھا اور کہتا تھا کہ شاید کہ یہ زیارت آخری ہو۔ شاید وہ امید حسرت میں تبدیل ہونے والی ہو۔ سمندر پار کے مردوں کو کون لا سکتا ہے ان کی قبریا سمندر کی تہ اور مچھلیوں کا پیٹ ہے یا دیار بعیدہ کی زمین جہاں مزار محبوب پر سے ہو کر آنے والی ہوا بھی تو نہیں پہنچ سکتی" [۲۷]۔

قادیان سے روانگی کا نظارہ

اس روز (۱۲/ جولائی ۱۹۲۴ء کو) صبح کی نماز کے بعد سے ہی لوگ مسجد مبارک کے قریب جمع ہونے شروع ہو گئے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف سے خدام کا بھاری ہجوم ہو گیا۔ ۸ بجے کے قریب حضور نے بیت الدعا میں لمبی دعا کرائی پھر باہر تشریف لائے۔ اصحاب مصافحہ کے لئے بے تابی کے ساتھ آگے بڑھے لیکن حکم ہوا کہ مصافحے سڑک کے موڑ پر ہوں گے۔

اگرچہ منتظمین نے انتظام کیا تھا کہ حضور کو حلقہ کے اندر لے کر ہجوم کو پیچھے پیچھے رکھا جائے لیکن ہجوم کا ریلہ سنبھالے نہ سنبھلتا تھا۔ کئی لوگ ایک دوسرے پر گرتے مگر کسی قسم کے ملال کے بغیر فوراً اٹھ کر آگے بڑھنے کی جدوجہد میں مصروف ہو جاتے۔ منتظموں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ ہجوم کے گردو غبار سے حضور کو تکلیف ہوگی۔ سب لوگوں کو قریب آنے سے روکنے کی کوشش کی مگر حضور نے حکم دیا کہ کسی کو روکا نہ جائے اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ میں بھی آہستہ آہستہ چلتا ہوں آپ لوگ بھی آہستہ چلیں تا زیادہ گرد نہ اڑے۔

موڑ کے قریب پہنچ کر حضور نے سارے خدام سمیت پھر لمبی دعا فرمائی۔ دعا کے بعد حضور مردوں کے ہجوم سے باہر تشریف لے گئے اور حضرت ام المومنین نے دیر تک حضور کو گلے لگا کر دعاؤں سے رخصت فرمایا [۲۸]۔

حضرت ام المومنین سے الوداع ہونے کے بعد حضور نے خدام کو جو موڑ پر دو رویہ قطار میں کھڑے تھے شرف مصافحہ بخشا۔ سب اصحاب سے مصافحہ کر لینے کے بعد حضور اور حضور کے ہمراہ جانے

والے اصحاب موٹروں میں سوار ہوئے اور یہ مقدس قافلہ آسمانی "ولیم دی کنکرر" کی قیادت میں اللہ اکبر کے نعروں کے درمیان روانہ ہو گیا[39]۔

اس سفر میں حسب ذیل اصحاب ہمرکاب تھے [40]۔

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب [41]۔ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال [42]۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد [43]۔ حضرت خان صاحب ذوالفقار علی صاحب [44]۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب [45]۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی [46]۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب [47]۔ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی [48]۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری [49]۔ چوہدری علی محمد صاحب [50]۔ میاں رحم دین صاحب [51]۔

ان کے علاوہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب جو حضور کے ترجمان خصوصی کی حیثیت سے جا رہے تھے پہلے ہی انگلستان روانہ ہو چکے تھے۔ اسی طرح چوہدری محمد شریف صاحب وکیل بھی اپنے خرچ پر حضور کے ہمراہ گئے۔

بٹالہ سے دہلی تک

حضور مع خدام قادیان سے روانہ ہو کر بٹالہ کے اسٹیشن پر پہنچے۔ جہاں آپ کی انتظار میں خلقت کا بے پناہ اژدھام تھا۔ بٹالہ سے چل کر دہلی تک مختلف مقامات کی جماعتوں نے شرف ملاقات حاصل کیا اور دعاؤں کے ساتھ اپنے محبوب آقا کو الوداع کہا۔ امرتسر' بیاس' جالندھر چھاؤنی' پھگواڑہ اور دہلی میں آپ کے اور آپ کے رفقاء سفر کے فوٹو لئے گئے۔ لدھیانہ سے آگے جا کر حضور نے قادیان کی یاد میں وہ مشہور نظم کہی [52-53]۔ جس کا پہلا شعر یہ تھا۔

ہے رضائے ذات باری اب رضائے قادیاں
مدعائے حق تعالیٰ مدعائے قادیاں

قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب بھی حضور کے ہمراہ تشریف فرما تھے جو سہارنپور سے واپس ہوئے۔ دہلی اسٹیشن پر دہلی' بریلی' شاہجہانپور' قائم گنج اور علی گڑھ کی جماعتوں نے حضور کا شاندار استقبال کیا۔ امرتسر میں مستری محمد موسیٰ صاحب کی طرف سے برف کا انتظام تھا۔ جو دہلی تک قائم رہا اور وہ خود بھی دہلی تک حضور کے ہم رکاب رہے۔

دہلی سے بمبئی تک

دہلی سے آگے متھرا اسٹیشن پر آگرہ کی جماعت کے علاوہ میدان ارتداد ملکانہ کے بعض مجاہدین مثلاً ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم اور ماسٹر غلام محمد صاحب بھی حاضر تھے [54]۔ متھرا کے پلیٹ فارم پر بھی حضور کا فوٹو لیا گیا۔ مجاہدین میدان ارتداد ملکانہ نے آگرہ تک حضور کی معیت کا فخر حاصل کیا۔ متھرا اور آگرہ کے درمیان ملکانوں کے راستے میں جو

گاؤں پڑتے تھے حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال نے وہ حضور کو گاڑی میں دکھائے اور وہ جگہ بھی جہاں ہندو ٹھاکروں نے اشدھی کے خلاف پنچایت کی تھی۔ عین اس وقت جب حضور ملکانہ کے علاقہ سے گزر رہے تھے علاقہ ملکانہ اور دوسرے اہم معاملات کے لئے دعا فرمائی اور اپنی جیب خاص سے ایک قربانی کے لئے روپے مرحمت فرمائے۔ اسی دوران میں گاڑی آگرہ پہنچ گئی [۵۵]

حضور آگرہ سے چل کر گوالیار اور جھانسی سے ہوتے ہوئے آدھی رات کے وقت بھوپال پہنچے جہاں حضرت حکیم عبید اللہ صاحب بسمل اور بعض دوسرے دوست موجود تھے۔ ۱۳/ جولائی ۱۹۲۴ء کی شام کو حضور نے اپنے رفقاء کو ارشاد فرمایا کہ وہ باہم صرف انگریزی یا عربی میں کلام کریں چنانچہ بمبئی اسٹیشن تک اس پر پورے طور پر عمل ہوتا رہا۔ ۱۴/ جولائی ۱۹۲۴ء کو عید الاضحیہ کی تقریب تھی۔ حضور نے عید منماڑ اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر پڑھائی اور مختصر سا خطبہ پڑھا۔ گاڑی اسی روز پانچ بجے شام کے بعد عیسیٰ کے وکٹوریہ اسٹیشن پر پہنچی۔ اسٹیشن پر حیدر آباد' سکندر آباد' سورت' ایلچ پور' مالا بار اور بمبئی کی جماعتیں موجود تھیں جس اخلاص و عقیدت کے ساتھ ان جماعتوں نے حضور کا خیر مقدم کیا اس کا اظہار الفاظ نہیں کر سکتے۔ مصافحہ کے بعد حضور کا فوٹو لیا گیا۔ جس کے معاً بعد حضور مولوی عبد الرحیم صاحب درد' خان صاحب ذوالفقار علی صاحب اور شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کو لے کر تھامس کک کے دفتر میں تشریف لے گئے پھر انجمن احمدیہ بمبئی کی میمن بلڈنگ میں آکر قیام پذیر ہوئے یہاں پہنچ کر بمبئی کے دو ایک سیٹھ آپ سے ملاقات کے لئے آئے اور حضور تبلیغ فرماتے رہے پھر ساڑھے بارہ بجے تک تحریر میں مصروف رہے [۵۶]۔

بمبئی سے بذریعہ جہاز روانگی اور عدن میں ورود

دوسرے دن ۱۵/ جولائی ۱۹۲۴ء کو قریباً سات بجے حضور اپنے رفقاء سمیت بمبئی کی بندرگاہ پر تشریف لے گئے اور عرشہ جہاز [۵۷] سے جماعت کے نام ایک محبت بھرا برقی پیغام دیا جس میں فرمایا۔ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ مجھے کس قدر محبت تم سے ہے...... لیکن یہ جدائی صرف جسمانی ہے میری روح ہمیشہ تمہارے ساتھ تھی اور رہے گی میں زندگی میں یا موت میں تمہارا ہی ہوں" [۵۸]۔

بندرگاہ پر جماعت کے دوست بڑی کثرت سے الوداع کہنے کے لئے حاضر تھے۔ حضور نے اس موقعہ پر ایک لمبی اور رقت انگیز اجتماعی دعا کرائی۔ یہاں تک کہ جہاز کی روانگی کا وقت گزرنے لگا مگر جہاز کے افسروں پر بھی ایسی محویت طاری تھی کہ وہ نہ دعا ختم کرنے کے لئے کہہ سکتے تھے اور نہ جہاز روانہ کر سکتے تھے۔ آخر حضور نے دعا ختم کی اور دعا کے ساتھ آسمان سے ترشح ہوا حضور نے دعاؤں کے ساتھ

جماعت کو رخصت کیا اور السلام علیکم اور خدا حافظ کے نعروں سے فضا گونجی۔ جہاز ایک چھوٹی دخانی کشتی کے ذریعہ حرکت دیا جارہا تھا۔ جماعت کے دوست کنارے پر کھڑے تھے اور حضور دل میں دعا کر رہے تھے۔ پھر یکایک آپ کو جوش آیا اور پرنم آنکھوں کے ساتھ آپ نے پھر جماعت کے لئے نہایت کرب و اضطراب کے ساتھ لمبی دعا کی۔

اب جہاز حرکت میں آچکا تھا اور دوست بڑی تیزی سے نظر سے اوجھل ہو رہے تھے مگر حضور کی شفقت و محبت کا ایک عجیب عالم دیکھنے میں آیا یعنی جہاز کا جو حصہ بھی دوستوں کے قریب ہوتا حضور بھی دوڑ کر اسی طرف تشریف لے جاتے کبھی اس سرے کبھی دوسرے اور کبھی وسط میں اور دوستوں کے لئے قریب جاکر پھر دعا شروع کرادیتے اس وقت بارش ہو رہی تھی اور آپ کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے مگر اپنے خدام سے دلی الفت و محبت کی چنگاری آپ کو بے قرار کئے ہوئے تھی۔ غرضکہ حضور اسی طرح جہاز کے چاروں طرف نہایت بے تابی سے گھومتے رہے حتی کہ سب دوست آنکھوں سے بالکل غائب ہو گئے [۵۹]

جہاز کا یہ پہلا دن تھا اسی دن سے حضور اور حضور کے رفقاء کی طبیعت سمندری مرض (Sea Sickness) سے سخت ہونے لگی۔ پھر کئی روز تک سمندر میں ایسا شدت کا تلاطم برپا رہا کہ اس نے حالت اور زیادہ تشویشناک کر دی۔ سمندر کی طوفانی حالت ایسی مخدوش تھی کہ جہاز کی رفتار بہت ہی کم کردینی پڑی اور عملہ جہاز بھی بیمار ہو گیا۔ خود حضور پر جہازی بیماری کے اثر کے ساتھ سردرد اور بخار کا حملہ ہوا اور متلی کی شکایت بھی تھی لیکن حضور اپنی تکلیف بھولے ہوئے تھے اور اپنے خدام ہی کے فکر میں تھے۔ حضور ہر ایک کی عیادت فرماتے اور ہر طرح تسلی دیتے اور دلجوئی فرماتے تھے اور کبھی کبھی احباب کا دل بہلانے اور غم غلط کرنے کے لئے مولوی عبد الرحیم صاحب درد' خان صاحب ذوالفقار علی خان صاحب اور ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب سے نظمیں سنتے۔ خاص طور پر حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کی الوداعی نظم تو بار بار پڑھی گئی۔ اس موقعہ پر حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی' حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال' حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور چوہدری علی محمد صاحب نے ایثار نفس کا بہت عمدہ نمونہ دکھایا اور اپنا آرام قربان کر کے اپنے بیمار بھائیوں کو آرام پہنچایا۔ دگرنہ جہاز میں تو ہر جگہ نفسی نفسی کا معاملہ تھا۔ دوسروں کی خدمت کا جذبہ صرف انہی بزرگوں میں نظر آتا تھا [۶۰]۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کو اس سفر میں سب سے بڑی فکر اور تشویش جس نے آپ کو دن رات متفکر کر رکھا تھا صرف یہ تھی کہ یورپ کے تمدن اور اس کی دماغی ترقی کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔ چنانچہ

سفر ولایت کے موقعہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اپنے ساتھیوں اور رفقاء کے ساتھ

کرسیوں پر دائیں سے بائیں: ۱۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مصری ۲۔ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال۔ ۳۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ ۔ ۴۔ حضرت خان ذوالفقار علی خان صاحب گوہر۔ ۵۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب۔ کھڑے ہوئے دائیں سے بائیں: ۱۔ میاں رحم دین صاحب (باورچی) ۲۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی بانی و مدیر الحکم۔ ۳۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب (معالج خصوصی) ۔ ۴۔ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی ۵۔ حضرت چوہدری محمد شریف صاحب وکیل ساہیوال (منٹگمری) ۶۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد ۷۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب

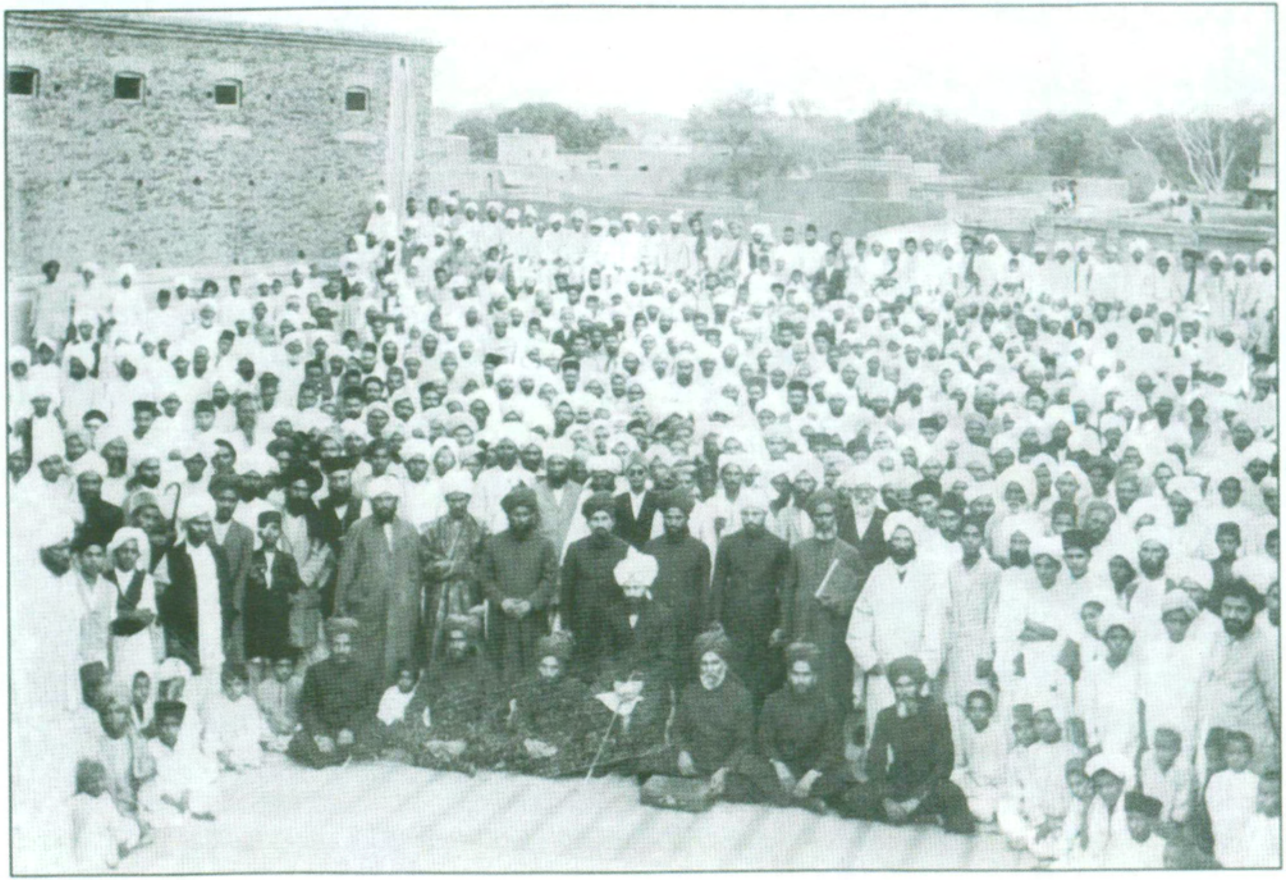

انگلستان روانگی سے قبل حضرت خلیفۃ المسیح الثانی قادیان کے احباب کے ساتھ (11 جولائی 1924ء)

12 جولائی 1924ء کو سفر ولایت کے موقعہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مع خدام لاہور اور امرتسر کے احمدی احباب کے ساتھ امرتسر ریلوے سٹیشن پر

سفر ولایت کے دوران بمبئی کی جماعت کے ساتھ

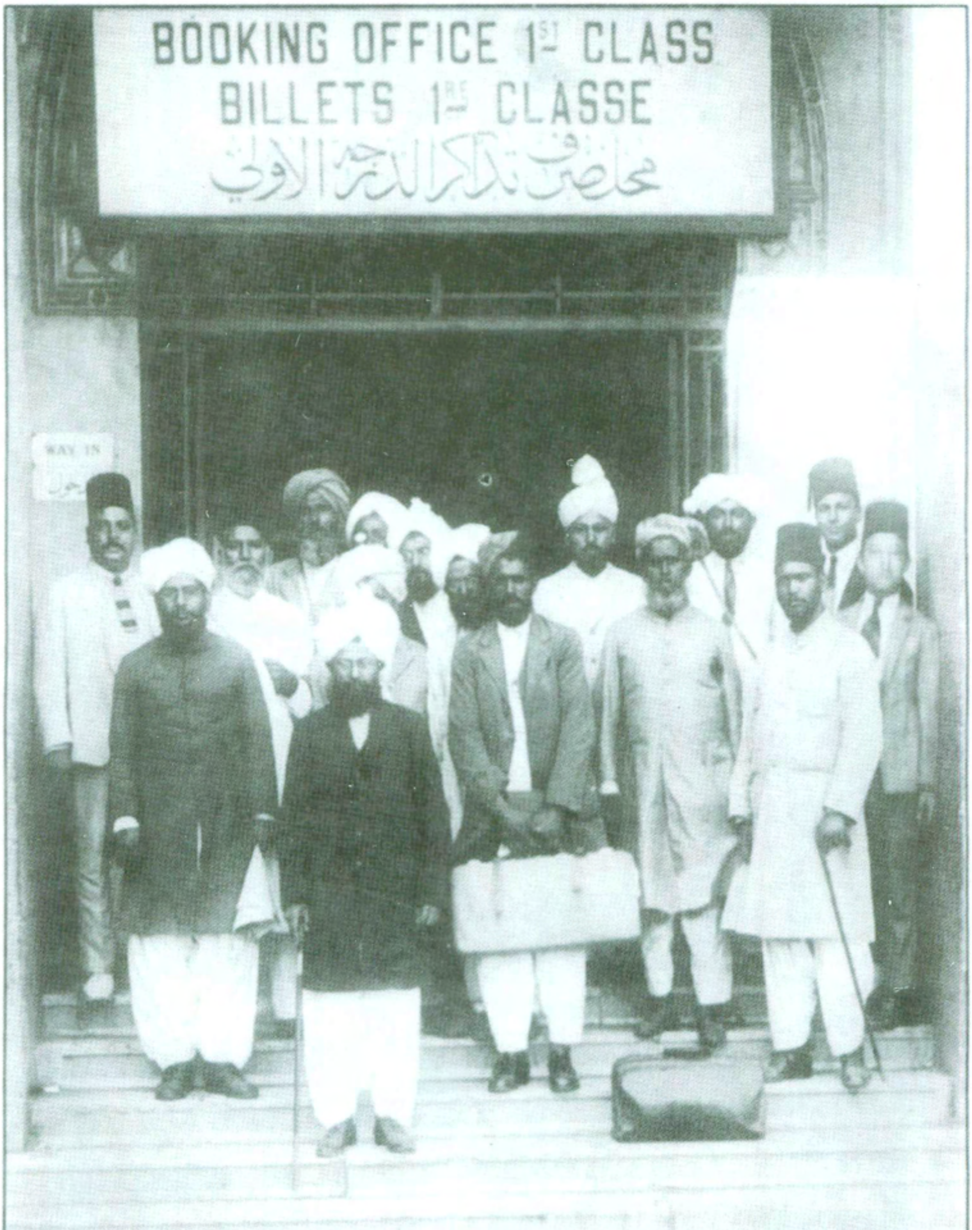

یورپ جاتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی قاہرہ کے ریلوے سٹیشن پر

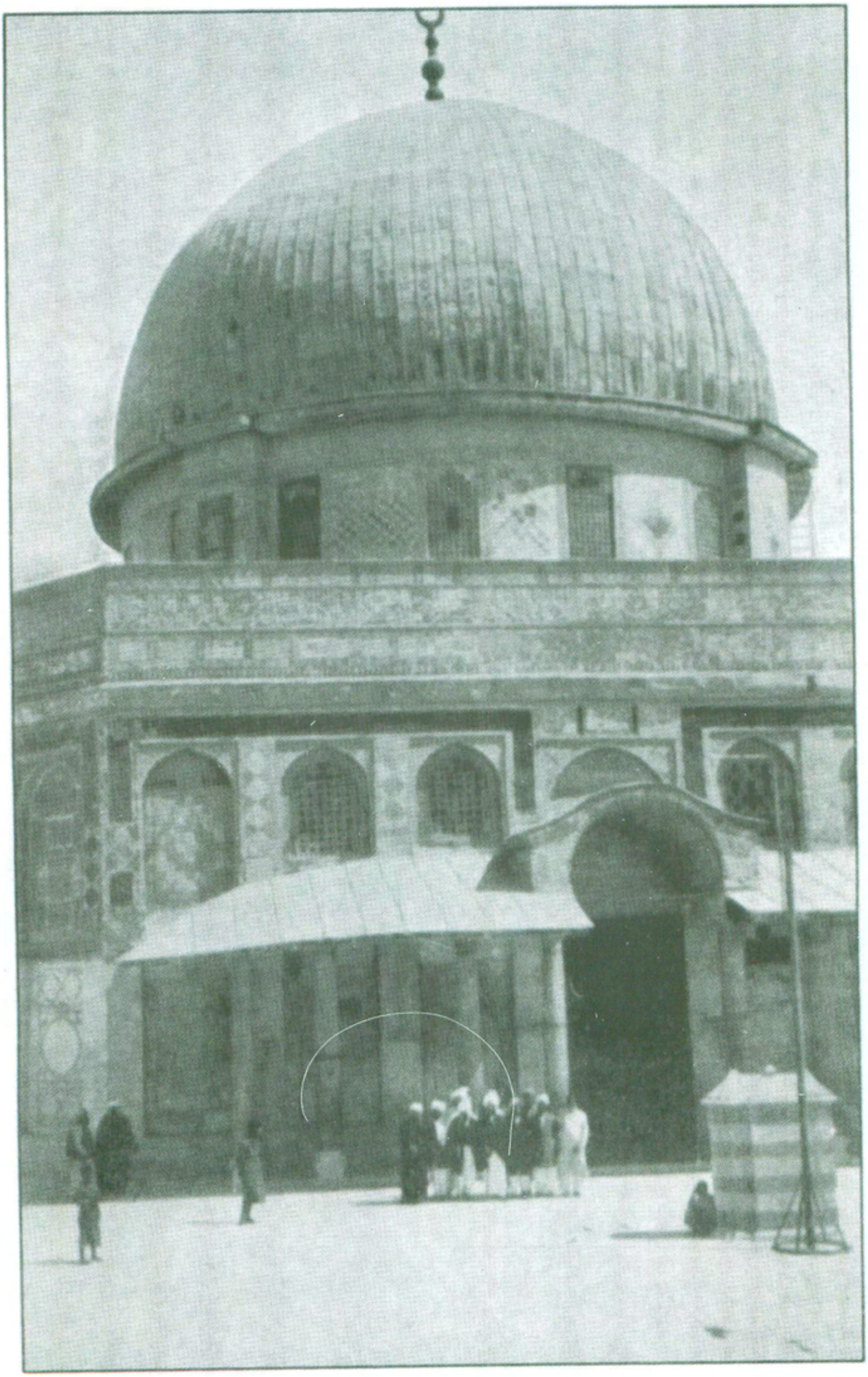

یورپ جاتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی یروشلم (بیت المقدس) کی مسجد عمر میں

سفر یورپ کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثانی پیرس (فرانس) کی مسجد میں

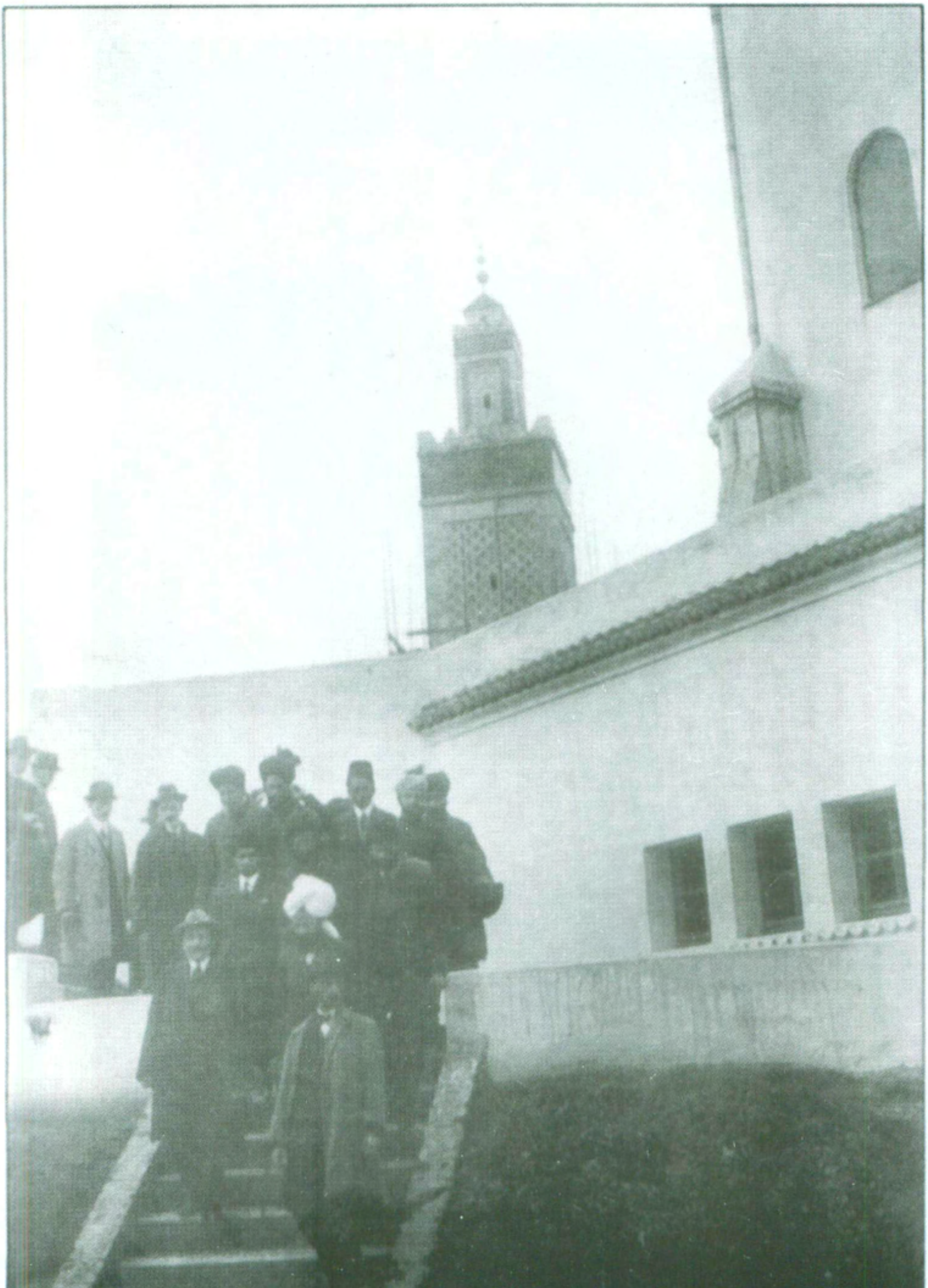

سفر یورپ کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثانی پیرس کی مسجد سے باہر نکلتے ہوئے

ISLAM'S PART IN LIVING RELIGIONS OF THE EMPIRE

His Holiness the Khalifa-Tul-Masih leading Moslems in prayer at Chesham Place on their arrival from the East. They will represent Islam at the Wembley Conference on "Living Religions in the Empire."

دورہ انگلستان کے موقعہ پر CHESHAM PLACE میں حضرت خلیفۃ المسیح نماز پڑھا رہے ہیں

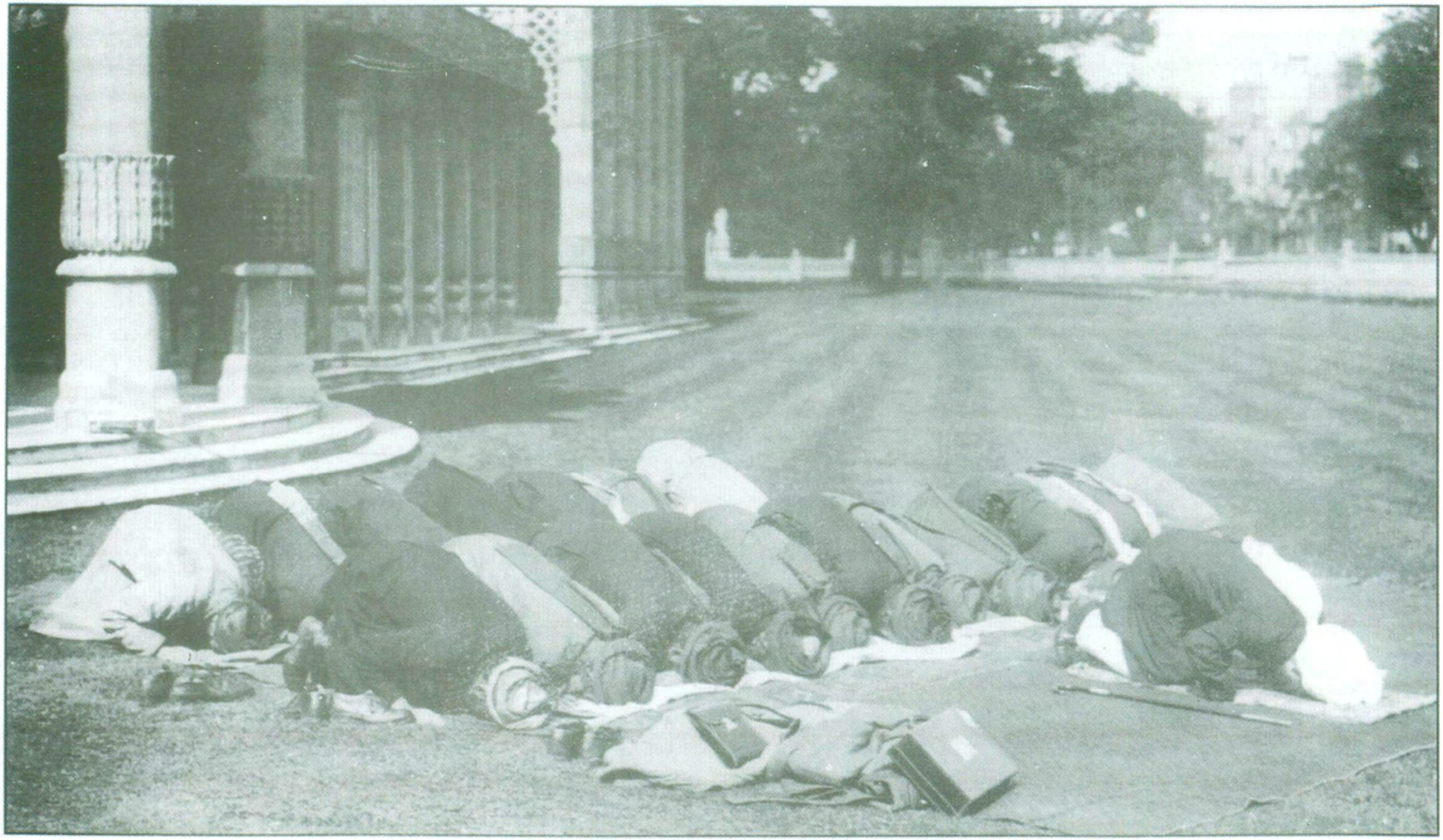

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رائل پارک انگلستان میں اپنے خدام کے ہمراہ نماز ادا کرتے ہوئے

ویمبلے کانفرنس کے موقعہ پر

ایستادہ! چوہدری فتح محمد سیال صاحب۔ چوہدری علی محمد صاحب۔ حکیم فضل الرحمٰن صاحب مبلغ نائیجیریا۔ بابو عزیز دین صاحب۔ حضرت خلیفہ المسیح الثانی۔ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔ کرنل تقی الدین صاحب۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب۔ سردار مصباح الدین صاحب۔ بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی۔ مولوی عبدالرحیم صاحب نیر۔ چوہدری محمد شریف صاحب۔ ملک غلام فرید صاحب (مبلغ جرمنی و انگلستان)۔ ملک نواب الدین صاحب۔ غلام حسین صاحب بھنو۔ ماریشس مولوی مبارک علی صاحب بنگالی۔ کرسیوں پر! مولوی ذوالفقار علی خان صاحب گوہر۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری۔ لافٹس ہیر سیکرٹری ویمبلے کانفرنس۔ حافظ روشن علی صاحب۔ مولوی محمد دین صاحب (مبلغ امریکہ) حضرت مرزا شریف احمد صاحب۔ مولوی عبدالرحیم صاحب درد۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے دست مبارک سے مسجد فضل لنڈن کی بنیاد

19/ اکتوبر 1924ء حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ۶۳۔میلروز روڈ (Metrose Road)۔لنڈن میں مسجد فضل کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے

مسجد فضل لنڈن

مولانا عبدالرحیم درد مبلغ انگلستان کی طرف سے شہزادہ امیر فیصل کا استقبال

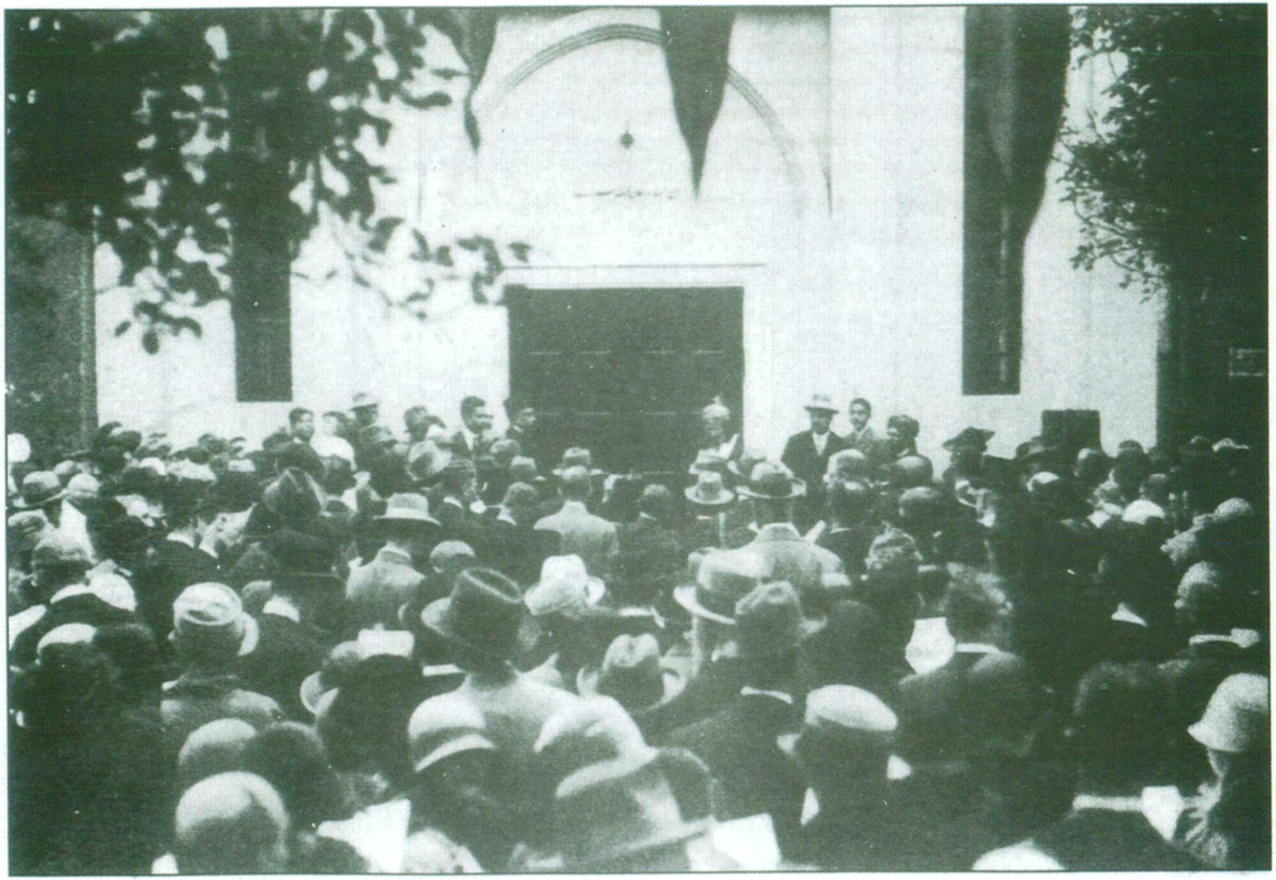

مسجد فضل لنڈن کا افتتاح

اپنے رفقاء سے فرمایا۔ "یورپ کے متعلق مجھے اس بات کا خطرہ اور فکر نہیں ہے کہ اس کا مذہب کیونکر فتح کیا جائے گا۔ مذہب کے متعلق تو مجھے یقین ہے کہ عیسائیت اسلام کے سامنے جلد سرنگوں ہو گی مجھے اگر فکر ہے تو صرف یہ ہے کہ یورپ کا تمدن اور یورپ کی ترقی اور دماغی ترقی کا کیونکر مقابلہ کیا جائے یہی دو باتیں ایسی ہیں جن پر غور و فکر کرتے ہوئے میں راتیں گزار دیتا ہوں اور گھنٹوں اسی سوچ میں پڑا رہتا ہوں"۔ پھر فرمایا۔ "انگریزی لباس سے مجھے سخت چڑ ہے اگر ہمارے بچوں میں سے کوئی پتلون اور ہیٹ کا استعمال کرے تو اس کو سزا دینی چاہئے۔ جس قوم کے پاس لباس بھی اپنا نہیں اور دوسرے کے لباس کو اپنے لباس سے اچھا سمجھ کر اسے اختیار کر لینا چاہتی ہے۔ اس قوم نے اس کا مقابلہ کیا کرنا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے عربوں کی آنکھ کھلتے ہی اصل کو معلوم کر لیا تھا....... اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا۔ **خالفوا الیھود والنصاری**۔ الخ نیز **من تشبہ بقوم فھو منھم** "اور حقیقت یہی ہے کہ جو کسی قوم کے لباس کو اور تمدن کو قبول کر لیتا ہے وہ دل سے ان ہی میں سے ہوتا ہے کیونکہ دل اس کا ان کی عظمت اور بڑائی کا قائل ہو چکا ہوتا ہے" [۶۱]۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے طوفانی کیفیت میں بھی عموماً نماز باجماعت کا التزام رکھا اور اپنے رفقاء سفر اور جماعت کے لئے بہت دعائیں کیں۔ آخر پانچویں روز (۱۹/ جولائی) سے طوفان کی حالت بدلنے لگی اور چھٹے روز (۲۰/ جولائی) کو بہت حد تک طوفان تھم گیا [۶۲]۔

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کی روایت ہے کہ "اس روز حضور نے جب نماز عصر جملہ احباب سمیت جہاز کے فرسٹ اور سیکنڈ کلاس کے صحن میں ادا کی اور بعد نماز حضور مصلے پر تشریف فرما ہوئے اور تمام رفقائے سفر حضور کی خدمت میں حاضر تھے تو جہاز کے ڈاکٹر نے (جس کا نام مینگی تھا اور اٹلی کا باشندہ تھا) حضور کی طرف اشارہ کر کے آہستہ سے کہنے لگا۔ "Jesus Christ and twelve Disciples" یعنی یسوع مسیح اور بارہ حواری۔ یہ سن کر میری حیرت کی کچھ حد نہ رہی کہ خدا تعالیٰ کیسا قادر ہے کہ پوپ کی بستی کا رہنے والا ایک نہایت سچی اور عارفانہ بات کہہ رہا ہے"۔

ساتویں روز ۲۱/ جولائی ۱۹۲۴ء کو حضور اپنے خدام میں قریباً ڈیڑھ بجے رات تک رونق افروز رہے۔ ناگپور کا ایک ہندو نوجوان مسٹر جوشی بی ایس سی جو مکینکل انجینئرنگ کی تعلیم کے لئے جرمنی جا رہا تھا حضور کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضور نے حقیقی مذہب کی شناخت اور زندہ خدا پر ایمان کے صحیح طریق پر بہت لطیف تقریر فرمائی جس سے مسٹر جوشی بہت متاثر ہوا اور کہا کہ حقیقت میں آج مجھے نیا علم ملا ہے [۶۳]۔

آٹھویں دن (۲۲/ جولائی) جہاز عدن کے اور قریب آیا تو حضور نے آدھی رات کے وقت اپنے

قلم سے جماعت کے نام ایک مفصل خط میں لکھا۔

"آج جہاز عدن کے قریب ہو رہا ہے صبح چار بجے خشکی پر جہاز لگے گا۔ طوفان کے علاقہ سے جہاز خدا کے فضل سے نکل آیا ہے...... رات کا وقت ہے اور رات بھی خاصی گزر گئی ہے۔ مجھے لوگ کہتے ہیں کل رات آپ کم سوئے تھے اب سو جایئے مگر عدن قریب آ رہا ہے...... اگر میں اس وقت اپنا قلم رکھ دیتا ہوں تو پھر مجھے عدن کے بعد ہی کچھ لکھنے کا موقعہ ملے گا۔ اس لئے میں ان دوستوں کی نصیحت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے...... یہی کہتا ہوں کہ خط نصف ملاقات ہوتی ہے۔ میں خدا کی مشیت کے ماتحت اپنے دوستوں کی پوری ملاقات سے تو ایک وقت تک محروم ہوں پس مجھے آدھی ملاقات کا تو لطف اٹھانے دو۔ مجھے چھوڑ دو کہ میں خیالات و افکار کے پر لگا کر کاغذ کی ناؤ پر سوار ہو کر اس مقدس سرزمین میں پہنچوں جس سے میرا جسم بنا ہے اور جس میں میرا ہادی اور رہنما مدفون ہے اور جہاں میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی راحت۔ دوستوں کی جماعت رہتی ہے۔ ہاں پیشتر اس کے کہ ہندوستان کی ڈاک کا وقت نکل جائے مجھے اپنے دوستوں کے نام ایک خط لکھنے دو تا میری آدھی ملاقات سے وہ مسرور ہوں اور میرے خیالات تھوڑے دیر کے لئے خالص اس سرزمین کی طرف پرواز کر کے مجھے دیار محبوب سے قریب کر دیں" [۶۴]۔

خط کے آخر میں جماعت کو نصیحت فرمائی۔ "اپنے آپ کو صاف رکھو۔ تا قدوس خدا تمہارے ذریعہ سے اپنے قدس کو ظاہر کرے اور اپنے چہرہ کو بے نقاب کرے اتحاد' محبت' ایثار' قربانی' اطاعت' ہمدردی بنی نوع انسان' عفو' شکر' احسان اور تقویٰ کے ذریعہ سے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ خدا تعالیٰ کا ہتھیار بننے کے قابل بناؤ۔ یاد رکھو تمہاری سلامتی سے آج دین کی سلامتی ہے" [۶۵]۔

جہاز ۲۳/ جولائی ۱۹۲۴ء کو (۹ بجے صبح کے قریب) بخیریت عدن پہنچا اور حضور۔ نے بذریعہ تار اپنی خیریت کی اطلاع ارسال فرما دی [۶۶]۔

عدن سے پورٹ سعید تک

اب جہاز عدن سے پورٹ سعید کی طرف چلا اور حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا وقت پہلے سے زیادہ دعا اور اس اہم سفر کے متعلق عملی پروگرام پر غور میں صرف ہونے لگا۔ چنانچہ ۲۴/ جولائی ۱۹۲۴ء کو آپ نے شام و مصر میں تبلیغ سلسلہ پر کئی گھنٹے دوستوں سے مشورہ لیا اور ایک سکیم تجویز فرمائی اور دوستوں کو تاکید فرمائی کہ سفر کی اہمیت' مقصد کی عظمت اور مشکلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تمام وقت اس کی تیاری میں صرف ہونا چاہئے اور اس کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے تا ہمیں ہر قسم کے برکات حاصل ہوں۔ غرضیکہ اٹھتے بیٹھتے آپ کے پیش نظر یہی ایک امر تھا کہ کوئی لمحہ ضائع نہ ہو [۶۷] اسی تاریخ (۲۴/ جولائی)

کو حضور دیر تک اسلامی عالم میں اتحاد عمومی پیدا کرنے کی ایک موثر تحریک کے قیام پر گفتگو فرماتے رہے۔

۲۵/ جولائی کو گیارہ اور ۱۲ بجے کے درمیان جہاز جدہ اور مکہ شریف کے سامنے سے گزرنے والا تھا۔ حضور نے ارادہ فرمایا کہ خاص طور پر دعا کی جائے چنانچہ حضور نے دو رکعت نماز باجماعت پڑھائی جس میں بہت رقت انگیز دعائیں کیں ۶۸۔ ۲۶/ جولائی کو حضور دن بھر مضمون لکھنے میں مصروف رہے۔

۲۷-۲۸/ جولائی کو حضور نے اپنے قلم سے جماعت کے نام دوسرا مکتوب لکھا۔ جو آپ کے اس اندرونی فکر و تشویش کا آئینہ دار تھا اور جو اس تصور سے آپ کو ہو رہی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یورپ اسلام کو تو قبول کرے مگر اسلامی تمدن اپنانے سے انکار کر دے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو اسلام کی بدلی ہوئی صورت پہلے یورپ میں پھر ساری دنیا میں قائم ہو جائے گی اور مسیحیت کی طرح اسلام بھی مسخ ہو جائے گا ۶۹۔

حضور نے اس خط میں اپنی جماعت کو اس زبردست خطرہ سے متنبہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا "ہمارا فرض ہے کہ اس مصیبت کے آنے سے پہلے اس کا علاج سوچیں اور یورپ کی تبلیغ کے لئے ہر قدم جو اٹھائیں اس کے متعلق پہلے غور کر لیں اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہاں کے حالات کا عینی علم حاصل نہ ہو۔ پس اسی وجہ سے باوجود صحت کی کمزوری کے میں نے اس سفر کو اختیار کیا ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو میں انشاء اللہ اس علم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا۔ اگر میں اس جدوجہد میں مر گیا تو اے قوم میں ایک نذیر عریان کی طرح تجھے متنبہ کرتا ہوں کہ اس مصیبت کو کبھی نہ بھولنا اسلام کی شکل کو کبھی نہ بدلنے دینا۔ جس خدا نے مسیح موعود کو بھیجا ہے وہ ضرور کوئی راستہ نجات کا نکال دے گا۔ پس کوشش نہ چھوڑنا۔ نہ چھوڑنا نہ چھوڑنا۔ آہ نہ چھوڑنا میں کس طرح تم کو یقین دلاؤں کہ اسلام کا ہر ایک حکم ناقابل تبدیل ہے خواہ چھوٹا ہو خواہ بڑا........ جو اس کو بدلتا ہے وہ اسلام کا دشمن ہے۔ وہ اسلام کی تباہی کی پہلی بنیاد رکھتا ہے۔ کاش وہ پیدا نہ ہوتا...... یورپ سب سے بڑا دشمن اسلام کا ہے۔ وہ مانے یا نہ مانے تمہاری کوشش کا کوئی اثر ہو یا نہ ہو تم کو اسے نہیں چھوڑنا چاہئے اگر تم دشمن پر فتح نہیں پا سکتے تو تمہارا یہ فرض ضرور ہے کہ اس کی نقل و حرکت کو دیکھتے رہو اور پھر میں کہتا ہوں کہ یہ کس کو کس طرح معلوم ہوا کہ یورپ آخر اسلام کو قبول نہیں کرے گا۔ یورپ کے لئے اسلام کا قبول کرنا مقدر ہو چکا ہے ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ وہ ایسی صورت سے اسلام کو قبول کرے کہ اسلام ہی کو نہ بدل دے" ۷۰۔

پورٹ سعید سے قاہرہ

حضور مع خدام پورٹ سعید سے اسی دن ایکسپریس گاڑی سے قاہرہ تشریف لے گئے اور شیخ محمود احمد صاحب عرفانی کے مکان پر فروکش ہوئے۔ قاہرہ میں حضور کا قیام صرف دو دن رہا۔ مگر آپ کی برکت و توجہ سے دو دنوں میں ہی قاہرہ کے اندر سلسلہ کی تائید میں ایک نئی رو پیدا ہو گئی۔

حضور قیام مصر کی نسبت اپنے تاثرات و حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ہم قاہرہ میں صرف دو دن ٹھہرے .... میرے نزدیک مصر مسلمانوں کا بچہ ہے جسے یورپ نے اپنے گھر میں پالا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے بلاد اسلامیہ کے اخلاق کو خراب کرے۔ مگر میرا دل کہتا ہے اور جب سے میں نے قرآن کریم کو سمجھا ہے میں برابر اس کی بعض سورتوں سے استدلال کرتا ہوں اور اپنے شاگردوں کو کہتا چلا آیا ہوں کہ یورپین فوقیت کی تباہی مصر سے وابستہ ہے اور اب میں اسی بناء پر کہتا ہوں .... مصر جب خدا تعالیٰ کی تربیت میں آجائے گا تو وہ اسی طرح یورپین تہذیب کے مخرب اخلاق حصوں کو توڑنے میں کامیاب ہو گا جس طرح حضرت موسیٰ فرعون کی تباہی میں۔ بے شک اس وقت یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے مگر جو زندہ رہیں گے وہ دیکھیں گے میں نے قاہرہ پہنچتے ہی ..... اس بات کا اندازہ لگا کر کہ وقت کم ہے اور کام زیادہ۔ ساتھیوں کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ایک حصہ اخبارات و جرائد کے مدیروں کے ملنے میں مشغول ہوا اور دوسرا پاسپورٹوں اور ڈاک کے متعلق کام میں لگ گیا۔ تیسرا سفر کی بعض ضرورتوں کو مہیا کرنے میں .... یہ علاقے تبلیغ کے لئے بہت روپیہ چاہتے ہیں مگر اسی طرح جب ان میں تبلیغ کامیاب ہو جائے تو اشاعت اسلام کے لئے ان سے مدد بھی کچھ مل سکتی ہے میں لکھ چکا ہوں کہ میں نے بعض دوستوں کو اخبارات [47] کے ایڈیٹروں کے پاس ملنے کے لئے بھیجا تھا ...... جن اخبار نویسوں سے ہمارے دوست ملے انہوں نے آئندہ ہر طرح مدد دینے کا وعدہ کیا۔ حتیٰ کہ وطنی اخباروں نے بھی ...... علاوہ مذکورہ بالا لوگوں کے جن سے ملنے ہمارے لوگ خود جاتے رہے۔ بعض لوگ گھر پر بھی ملنے آتے رہے۔ چنانچہ جامع ازہر کے ماتحت جو خلافت کمیٹی بنی ہے ...... اس انجمن کے پریذیڈنٹ اور سیکرٹری اور بعض اور دوسرے لوگ ملنے کے لئے آئے ...... اس کے بعد مصر کے ایک مشہور صوفی سید ابو العزائم صاحب ملنے کے لئے آئے یہ صاحب بہت بڑے پیر ہیں کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ ان کے مرید ہیں ...... علاوہ ان لوگوں کے دو اور معزز آدمی بھی ملنے کے لئے آئے۔ لیکن افسوس کہ بوجہ باہر ہونے کے مجھے ان سے ملنے کا موقعہ نہ ملا ان میں سے ایک تو ترکی رئیس تھے ...... دوسرے صاحب ایک وکیل تھے ان کے گھر پر بھی میں نے اپنے بعض ساتھیوں کو بھیجا انہوں نے .... مصریوں کی حالت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اس بات کی خواہش کی کہ مصر میں

احمدیہ مشن کو مضبوط کیا جائے...... چونکہ گرمی کا موسم ہے تمام عمائد اور علماء ملک کے ٹھنڈے علاقوں کی طرف چلے گئے ہیں اس لئے اور زیادہ لوگوں سے ملنے کا موقعہ نہیں مل سکتا تھا۔ مجھے جو مصر میں سب سے زیادہ خوشی ہوئی وہ وہاں کے احمدیوں کی ملاقات کے نتیجہ میں تھی تین مصری احمدی مجھے ملے اور تینوں نہایت ہی مخلص تھے دو ازہر کے تعلیم یافتہ اور ایک علوم جدیدہ کی تعلیم کی تحصیل کرنے والے دوست۔ تینوں نہایت ہی مخلص اور جوشیلے تھے اور ان کے اخلاص اور جوش کی کیفیت کو دیکھ کر دل رقت سے بھر جاتا تھا۔ تینوں نے نہایت درد دل سے اس بات کی خواہش کی کہ مصر کے کام کو مضبوط کیا جائے" [42]۔

قاہرہ سے بیت المقدس تک

حضور فرماتے ہیں۔ "دو دن کے قیام کے بعد ہم دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔ مگر چونکہ راستہ میں بیت المقدس پڑتا تھا۔ مقامات انبیاء کے دیکھے بغیر آگے جانا مناسب نہ سمجھا اور دو دن کے لئے وہاں ٹھہر گئے...... یہودی قوم کی قابل رحم حالت جو یہاں نظر آتی ہے۔ کہیں اور نظر نہیں آتی۔ بیت المقدس کا سب سے بڑا معبد جسے پہلے مسیحیوں نے یہودیوں سے چھین...... کر مسلمانوں نے اسے مسجد بنا دیا اس کی دیوار کے ساتھ کھڑے ہو کر ہفتہ میں دو دن برابر دو ہزار سال سے یہودی روتے چلے آتے ہیں جس دن ہم جگہ کو دیکھنے کے لئے گئے۔ وہ دن اتفاق سے ان کے رونے کا تھا۔ عورتوں اور مردوں اور بوڑھوں اور بچوں کا دیوار کے پیچھے کھڑے ہو کر بائبل کی دعائیں پڑھ پڑھ کر اظہار عجز کرنا ایک نہایت ہی افسردہ کن نظارہ تھا...... بیت المقدس میں سے مندرجہ ذیل مقامات قابل ذکر ہیں۔ ابو الانبیاء حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاقؑ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی قبور اور وہ مقام جس پر حضرت عمرؓ نے نماز پڑھی اور بعد میں اس کو مسجد بنا دیا گیا اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے مقامات (بیت لحم وغیرہ۔ مؤلف) وہاں کے بڑے بڑے مسلمانوں سے میں ملا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ وہ مطمئن ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہودیوں کے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر میرے نزدیک ان کی رائے غلط ہے یہودی قوم اپنے آبائی ملک پر قبضہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔...... قرآن شریف کی پیشگوئیوں اور حضرت مسیح موعودؑ کے بعض الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ضرور اس ملک میں آباد ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے [43]۔...... پس میرے نزدیک مسلمان رؤساء کا یہ اطمینان بالآخر ان کی تباہی کا موجب ہو گا...... فلسطین کے گورنر ہائی کمشنر کہلاتے ہیں۔ اصل ہائی کمشنر آج کل ولایت گئے ہوئے ہیں ان کی جگہ سر گلبرٹ کلیٹن کام کر رہے ہیں۔ میں ان سے ملا تھا ایک گھنٹہ تک ان سے ملکی معاملات کے متعلق گفتگو ہوتی رہی...... مسلمانوں کو عام طور پر شکایت تھی کہ تعلیمی معاملات میں ہمیں آزادی نہیں۔ میں نے اس امر کے متعلق ان سے

گفتگو کی اور انہوں نے اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہ مسلمانوں کی یہ شکایت ایک حد تک بجا ہے مجھے بتایا کہ ایک دن پہلے ہی انہوں نے ایک تجویز وزارت برطانیہ کے غور کے لئے بھیجی ہے...... سر کلیٹن صاحب کو پہلی ملاقات میں ہمارے سلسلہ سے بھی بہت دلچسپی ہو گئی اور گو ہم نے دوسرے دن روانہ ہونا تھا۔ مگر انہوں نے اصرار کیا کہ ڈیڑھ بجے ہم ان کے ساتھ کھانا کھائیں۔ چنانچہ ڈیڑھ گھنٹہ تک دوسرے دن بھی ان کے ساتھ گفتگو ہوتی رہی اور فلسطین کی حالت کے متعلق بہت سی معلومات مجھے ان سے حاصل ہوئیں [۷۵]۔

بیت المقدس سے دمشق تک

فلسطین سے چل کر ہم حیفا آئے جہاں سے کہ دمشق کے لئے گاڑی بدلتی ہے۔ رات حیفا میں ٹھہرنا پڑا۔ چونکہ دس بجے صبح سے پہلے کوئی گاڑی نہ جاتی تھی۔ صبح گاڑی لے کر میں سیر کے لئے گیا اور مجھے معلوم ہوا کہ بہائیوں کے لیڈر مسٹر شوقی آفندی عکہ کو چھوڑ کر حیفا میں آن بسے ہیں...... ہم ایک سڑک پر آرہے تھے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ اس کے پاس چند قدم پر ہی مرزا عباس علی صاحب عرف عبدالبہاء کا مکان ہے .... مولوی رحیم بخش صاحب [۷۶] - ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور میاں شریف احمد صاحب مکان دیکھنے کو چلے گئے۔ شوقی آفندی تو وہاں موجود نہ تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی اور بعض دوسرے رشتہ دار (اور) بچے موجود تھے...... نہ کوئی علماء کی جماعت تھی نہ انتظام تھا......" [۷۷]

حضور ۴/ اگست ۱۹۲۴ء کی صبح کو حیفا سے بذریعہ ریل روانہ ہو کر اسی شام کو ساڑھے آٹھ بجے کے قریب دمشق پہنچے اور ۹/ اگست تک یہاں مقیم رہے [۷۸]۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخالف حالات کے باوجود دمشق میں غیر معمولی طور پر کامیابی اور شہرت عطا فرمائی۔ جس کی تفصیل خود حضور کے قلم سے لکھی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں :

"جب ہم دمشق میں گئے تو اول تو ٹھہرنے کی جگہ ہی نہ ملتی تھی۔ مشکل سے انتظام ہوا مگر دو دن تک کسی نے کوئی توجہ نہ کی۔ میں بہت گھبرایا اور دعا کی اے اللہ! پیشگوئی جو دمشق کے متعلق ہے کس طرح پوری ہو گی۔ اس کا یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ ہم ہاتھ لگا کر واپس چلے جائیں۔ تو اپنے فضل سے کامیابی عطا فرما۔ جب میں دعا کر کے سویا تو رات کو یہ الفاظ میری زبان پر جاری ہو گئے۔ عبد مکرم یعنی ہمارا بندہ جس کو عزت دی گئی...... چنانچہ دوسرے ہی دن جب اٹھے تو لوگ آنے لگے یہاں تک کہ صبح سے رات کے بارہ بجے تک دو سو سے لے کر بارہ سو تک لوگ ہوٹل کے سامنے کھڑے رہتے۔ اس سے ہوٹل والا ڈر گیا کہ فساد نہ ہو جائے۔ پولیس بھی آگئی اور پولیس افسر کہنے لگا۔ فساد کا خطرہ ہے۔ میں نے یہ دکھانے کے لئے کہ لوگ فساد کی نیت سے نہیں آئے۔ مجمع کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ چند ایک نے

گالیاں بھی دیں لیکن اکثر نہایت محبت کا اظہار کرتے اور ھذا ابن المھدی کہتے اور سلام کرتے مگر باوجود اس کے پولیس والوں نے کہا کہ اندر بیٹھیں۔ ہماری ذمہ داری ہے اور اس طرح ہمیں اندر بند کر دیا گیا۔ اس پر ہم نے برٹش قونصل کو فون کیا..... اس پر ایسا انتظام کر دیا گیا کہ لوگ اجازت لے کر اندر آتے رہے...... غرض عجیب رنگ تھا کالجوں کے لڑکے اور پروفیسر آتے۔ کاپیاں ساتھ لاتے اور جو میں بولتا لکھتے جاتے اگر کوئی لفظ رہ جاتا تو کہتے یا استاذ ذرا ٹھہریئے۔ یہ لفظ رہ گیا ہے۔ گویا انجیل کا وہ نظارہ تھا جہاں اسے استاد کر کے حضرت مسیح کو مخاطب کرنے کا ذکر ہے اگر کسی مولوی نے خلاف بولنا چاہا تو وہی لوگ اسے ڈانٹ دیتے ایک مولوی آیا جو بڑا با اثر سمجھا جاتا تھا۔ اس نے ذرا ناواجب باتیں کیں تو تعلیم یافتہ لوگوں نے ڈانٹ دیا اور کہہ دیا کہ ایسی بیہودہ باتیں نہ کرو۔ ہم تمہاری باتیں سننے کے لئے نہیں آئے اس پر وہ چلا گیا اور روٴسا معذرت کرنے لگے کہ وہ بے وقوف تھا۔ اس کی کسی بات پر ناراض نہ ہوں یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ پھر منارۃ البیضاء کا بھی عجیب معاملہ ہوا۔ ایک مولوی عبدالقادر صاحب (المغربی۔ ناقل) حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب کے دوست تھے۔ ان سے میں نے پوچھا کہ وہ منارہ کہاں ہے جس پر تمہارے نزدیک حضرت عیسیٰ نے اترنا ہے کہنے لگے۔ مسجد امویہ کا ہے لیکن ایک اور مولوی صاحب نے کہا کہ عیسائیوں کے محلہ میں ہے ایک اور نے کہا حضرت عیسیٰ آکر خود بنائیں گے۔ اب ہمیں حیرت تھی کہ وہ کونسا منارہ ہے۔ دیکھو تو چلیں صبح کو میں نے ہوٹل میں نماز پڑھائی اس وقت میں اور ذوالفقار علی خان صاحب اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب تھے یعنی میرے پیچھے دو مقتدی تھے۔ جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا سامنے منار ہے اور ہمارے اور اس کے درمیان صرف ایک سڑک کا فاصلہ ہے۔ میں نے کہا یہی وہ منار ہے اور ہم اس کے مشرق میں تھے۔ یہی وہ سفید منارہ تھا اور کوئی نہ تھا۔ مسجد امویہ والے منار نیلے سے رنگ کے تھے جب میں نے اس سفید منارہ کو دیکھا اور پیچھے دو ہی مقتدی تھے تو میں نے کہا کہ وہ حدیث بھی پوری ہو گئی " [۷۹]۔

"دمشق میں توقع سے بہت بڑھ چڑھ کر کامیابی ہوئی...... اخبارات نے لمبے لمبے تعریفی مضامین شائع کئے۔ دمشق کے تعلیم یافتہ طبقے نے نہایت گہری دلچسپی لی۔ تمام وہ اخبارات جن میں ہمارے مشن کے متعلق خبریں اور مضامین نکلتے تھے کثرت سے فوراً فروخت ہو جاتے تھے " [۸۰]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اوپر شیخ عبدالقادر مغربی کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کا ایک خاص واقعہ بھی ہے جس کا بیان کرنا ضروری ہے۔ ان صاحب نے جو دمشق کے ادیب شہیر تھے حضور سے کہا کہ ایک جماعت کے معزز امام ہونے کی حیثیت سے ہم آپ کا اکرام کرتے ہیں۔ مگر آپ یہ امید نہ رکھیں کہ ان علاقوں میں کوئی شخص آپ کے خیالات سے متاثر ہو گا کیونکہ ہم لوگ عرب نسل کے ہیں اور عربی

ہماری مادری زبان ہے اور کوئی ہندی خواہ وہ کیسا ہی عالم ہو ہم سے زیادہ قرآن و حدیث کے معنی سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ آپ نے یہ گفتگو سن کر اس کے خیال کی تردید فرمائی اور ساتھ ہی تبسم کرتے ہوئے فرمایا کہ مبلغ تو ہم نے ساری دنیا میں ہی بھیجنے ہیں۔ مگر اب ہندوستان واپس جانے پر میرا پہلا کام یہ ہو گا کہ آپ کے ملک میں مبلغ روانہ کروں اور دیکھوں کہ خدائی جھنڈے کے علمبرداروں کے سامنے آپ کا کیا دم خم ہے۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا کہ ولایت سے واپسی پر دمشق میں دارالتبلیغ قائم کرنے کے لئے حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب اور مولانا جلال الدین صاحب شمس کو بھجوا دیا جیسا کہ آگے ذکر آئے گا [80]۔

دمشق سے پورٹ سعید تک

حضور ۱۰/ اگست ۱۹۲۴ء کو دمشق سے روانہ ہو کر بیروت سے ہوتے ہوئے حیفا پہنچے [82]۔ اور پھر عکہ میں بہائیوں کا مرکز دیکھنے تشریف لے گئے۔ مگر وہاں جا کر آپ کی حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی جب آپ کو معلوم ہوا کہ عکہ میں کوئی بہائی نہیں ہے بلکہ عکہ سے تین چار میل پرے ایک گاؤں ہے جس کا نام منثیہ ہے۔ اس میں یہ لوگ رہتے ہیں۔ بڑی مشکل سے موٹروں پر وہاں پہنچے۔ بہجہ میں مرزا محمد علی صاحب سے جو مرزا عباس علی صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ گمنام سی جگہ ہے کبھی کبھار کوئی مہمان آ جاتا ہے تو مکان کے ایک گوشہ میں ٹھہر جاتا ہے۔ جب بہائیوں کی تعداد کے متعلق ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ صحیح تعداد تو نہیں بتائی جا سکتی مگر جو کچھ بہائی ہیں ایران ہی میں ہیں پھر کچھ امریکہ میں ہیں باقی ملکوں میں یونہی تھوڑے ہیں [83]۔

حضور بہجہ میں [84] دو گھنٹے تک ٹھہرے مگر کچھ معلوم نہ ہوا کہ اس جگہ کوئی اور بھی آباد ہے۔ یہاں سے فارغ ہو کر حضور اپنے قافلہ سمیت واپس حیفا پہنچے اور دوسرے دن صبح پورٹ سعید کی طرف روانہ ہوئے [85]۔

پورٹ سعید سے برنڈزی تک

۱۳/ اگست ۱۹۲۴ء [86] کو آپ کا جہاز جس کا نام پلنا تھا پورٹ سعید سے برنڈزی کے لئے روانہ ہوا۔ حضور کی طبیعت متواتر سفروں شب بیداریوں اور غذا کی بے ترتیبیوں اور خصوصاً دمشق کی متواتر لمبی لمبی تقریروں کی وجہ سے پہلے ہی ناساز تھی کہ بیروت پہنچ کر بیماری کا سخت حملہ ہوا۔ بیروت سے حیفا تک کا سفر موٹر کے ذریعہ کرنا پڑا اور اس دن حضور کو دس بارہ اسہال ہوئے۔ عکہ پہنچ کر حضور نے پھر اپنی تکلیف کا کچھ خیال نہ کیا اور گیارہ بجے رات تک بہائیوں سے گفتگو فرماتے رہے۔ ۱۲ بجے شب حیفا میں پہنچے اور پھر بیماری کی حالت میں حیفا سے پورٹ سعید تک آئے۔ صحت کی خرابی کی یہ حالت دیکھ کر جہاز

کے ڈاکٹر نے سفر جاری رکھنے کی بجائے کسی صحت افزا مقام پر آرام کرنے کا مشورہ دیا مگر حضور نے سفر منقطع کرنا پسند نہ فرمایا۔

حضور کو پورٹ سعید میں قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل اور خواجہ غلام نبی صاحب ایڈیٹر الفضل کے خطوط سے معلوم ہوا کہ اخبار "پیغام صلح" آپ کے سفر یورپ کے خلاف بہت زہر اگل رہا ہے۔ اس پر حضور نے ۱۵/ اگست ۱۹۲۴ء کو تھوڑی دیر میں "اہل پیغام سے خطاب" کرتے ہوئے ایک نظم کہی جس کے تین شعر یہ تھے۔

پھیر لو جتنی جماعت ہے مری بیعت میں	باندھ لو ساروں کو تم مکر کی زنجیروں سے
پھر بھی مغلوب رہو گے مرے تا یوم البعث	ہے یہ تقدیر خداوند کی تقدیروں سے
ماننے والے مرے بڑھ کے رہیں گے تم سے	یہ قضا وہ ہے جو بدلے گی نہ تدبیروں سے

حضور نے اس نظم کی تشریح میں ایک نوٹ سپرد قلم کرکے پوری نظم الفضل کو اشاعت کے لئے بھجوادی [۸۷]۔ ۱۶/ اگست ۱۹۲۴ء کو ساڑھے نو بجے صبح آپ کا جہاز اٹلی کی بندرگاہ برنڈزی پر پہنچا۔

برنڈزی سے لنڈن

حضور مع خدام برنڈزی سے ساڑھے چھ بجے شام کی گاڑی سے سوار ہو کر ۱۷/ اگست ۱۹۲۴ء کو ساڑھے نو بجے روما میں داخل ہوئے جو عیسائیت کے پوپ کا مرکز ہے۔

روما میں حضور کا قیام چار روز رہا۔ اس عرصہ میں حضور برابر اشاعت سلسلہ کے کام میں مصروف رہے۔ اخبارات کے نمائندوں اور فوٹو گرافروں نے آپ سے انٹرویو کئے۔ حضور نے اٹلی کے وزیر اعظم مسولینی سے بھی ملاقات کی اور اسے سلسلہ احمدیہ کے اغراض و مقاصد بتائے۔ مسولینی نہایت اکرام سے پیش آیا [۸۸]۔

حضور کا ارادہ پوپ سے ملنے اور ان کو تبلیغ اسلام کرنے کا بھی تھا۔ مگر پوپ نے آپ کی آمد پر ملاقاتوں کا سلسلہ بند کر دیا [۸۹]۔ تاہم حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ان تک جو پیغام حق پہنچانا چاہتے تھے وہ خدا تعالیٰ نے دوسرے طریق پر پہنچا دیا۔ یعنی روما کے سب سے مشہور اور کثیر الاشاعت اخبار "لاٹریبونا" نے حضور کا ایک مفصل انٹرویو شائع کیا۔ حضور سے سوال کیا گیا کہ آپ پوپ کو ملتے تو کیا کہتے؟ حضور نے جواب دیا۔ "میں جب پوپ سے ملتا تو سب سے بہترین تحفہ جو میرے پاس ہے میں اسے پیش کرتا اور وہ یہ ہے کہ میں اسے دعوت اسلام دیتا اور اس نور کی طرف بلاتا جو انسانوں کو خدا تک پہنچا دیتا ہے اور یہ لفظاً نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے قرب کے نشانات اس میں پائے جاتے ہیں...... بڑے بڑے آدمی عیسائیوں میں پائے جاتے ہیں جن کو بڑا نیک اور متقی کہا جاتا ہے۔ مگر وہ کوئی نشان اپنی

صداقت میں نہیں دکھا سکتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا قرب حاصل کرنے کا یہ راہ نہیں۔ اور یہ سچ ہے خدا تعالیٰ نے مسیح موعودؑ کو اسی لئے دنیا میں بھیجا ہے کہ وہ دنیا پر ثابت کر دے کہ یہ قوت اور طاقت اب اسلام میں ہے .... پس میں پوپ کو اس اسلام کی بشارت دیتا اور اس کو سناتا کہ ہم کو وہ نشان دیئے گئے ہیں جو خدا کے برگزیدہ کو ملتے ہیں" [۹۰]۔

روما میں حضور نے اصحاب کہف کی غاریں بھی دیکھیں جس کی تفصیل حضور نے اپنی تفسیر کبیر جلد سوم صفحہ ۹۲۱-۹۲۲ پر درج فرمائی ہے۔

روما سے ۲۰/ اگست ۱۹۲۴ء کو بوقت شام روانگی ہوئی اور گاڑی دوسرے دن صبح (۲۱/ اگست کو) ۹ بجے کے قریب پیرس فرانس پہنچی۔ پیرس سے کیلے آئے اور بذریعہ جہاز رودبار انگلستان عبور کر کے ڈوور آئے اور ڈوور سے گاڑی لے کر [۹۱] ۲۲/ اگست ۱۹۲۴ء [۹۲] کو ٦ بجے کے قریب لنڈن کے مشہور وکٹوریہ سٹیشن پہنچے۔ جہاں مبلغ اسلام اور دوسرے اصحاب استقبال کے لئے حاضر تھے۔

حضور نے پلیٹ فارم پر قدم رکھتے ہی اپنے قافلہ سمیت دعا کی۔ اس نظارہ کا فوٹو لنڈن کے اخبارات میں بھی شائع ہوا۔ اسٹیشن سے حضور لُڈگیٹ (باب اللد) پہنچے اور سینٹ پال کے گرجا کے دروازہ کے پاس صحن میں آپ نے اسلام کی کامیابی اور کسر صلیب کے لئے دعا کی۔ یہ نظارہ لنڈن نے کبھی نہیں دیکھا تھا اس لئے چاروں طرف خلقت کا اژدحام ہو گیا۔ حضور ایک لمبی دعا کرنے کے بعد اپنے خدام سمیت اپنی قیام گاہ (واقع چیشم پیلس نمبر٦) میں تشریف لے گئے اور دعا کے بعد قیام فرما ہو گئے [۹۳]۔

برطانوی پریس میں چرچا

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ جس دن سفر یورپ کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ برطانوی پریس میں آپ کی آمد کی خبریں شائع ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ مگر لنڈن میں ورود کے بعد تو مصور اور غیر مصور اخبارات نے اتنی کثرت سے آپ کے فوٹو اور حالات وغیرہ شائع کئے کہ ایک متعصب رومن کیتھولک اخبار کو لکھنا پڑا کہ تمام برطانوی پریس سازش کا شکار ہو گیا ہے [۹۴]۔ اور کئی لوگوں نے برملا اظہار کیا کہ پریس نے اتنی اہمیت اور شہرت لنڈن میں آنے والے کسی بڑے سے بڑے لارڈ کو بھی نہیں دی [۹۵] جتنی آپ کی تشریف آوری پر پریس کے علاوہ فلموں میں آپ کے اور آپ کے رفقاء کے مناظر دکھائے گئے اس طرح خدا نے انگلستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک آپ کی شہرت کا خود ہی سامان فرما دیا۔

قیام لنڈن کا پہلا ہفتہ ۲۲ تا ۲۸/ اگست ۱۹۲۴ء

حضور نے یہاں پہنچ کر سب سے پہلا اہم کام یہ کیا کہ اپنے رفقاء کو مختلف

فرائض سپرد کر کے ایک انتظامیہ کمیٹی قائم کر دی جس کے پریذیڈنٹ چوہدری فتح محمد صاحب سیال اور سیکرٹری مولوی محمد الدین صاحب کو تجویز فرمایا۔ ملک غلام فرید صاحب مکرمی مولوی محمد الدین صاحب اور حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر کو پریس سے رابطہ کے لئے مقرر فرمایا۔ ہندوستان میں سفر کی مفصل رپورٹ بھجوانے کا کام ابتدا ہی سے حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کے ذمہ تھا جو وہ برابر سرانجام دے رہے تھے۔ ڈاک کی خدمت حافظ روشن علی صاحب' چوہدری محمد شریف صاحب وکیل' شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کو اور ملاقات کی خدمت ذوالفقار علی خان صاحب' چوہدری فتح محمد صاحب سیال اور مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے سپرد ہوئی [۴۶]۔ اور بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی اور چوہدری علی محمد صاحب کو خورد نوش کے انتظامات پر لگایا گیا۔ چوہدری علی محمد صاحب کو چونکہ اکثر حضور کی خدمت میں بھی حاضر رہنا پڑتا تھا اس لئے زیادہ ذمہ داری حضرت بھائی صاحب پر تھی۔ جو اپنی اصل ڈیوٹی کے علاوہ گاہے گاہے جماعت ہندوستان کو حالات سے باخبر رکھنے کے لئے خطوط بھی لکھتے تھے اور حضور کی ڈاک کے لئے بھی وقت دیتے تھے [۴۷]۔

انتظامیہ کمیٹی کی تشکیل کے علاوہ حضور نے قیام لندن کے پہلے ہفتہ میں "ایوننگ سٹینڈرڈ" اور اخبار "سٹار" کے نمائندوں کو انٹرویو دیا۔ ڈاکٹر عبدالمجید شاہ صاحب لاہوری اور مسٹر عبداللہ کوئلم (انگریز) کو شرف ملاقات بخشا اور مختلف مسائل پر تبادلہ خیال فرمایا۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب کے "تصوف" کے مضمون پر نظر ثانی فرمائی اور ضروری ہدایات کے ساتھ مولوی محمد دین صاحب کو ترجمہ کے لئے دیا۔ یہ مضمون ۲۵/ دسمبر ۱۹۲۴ء کو مولوی محمد دین صاحب ہی نے پانچ بجے شام سر پیٹرک ننگن کی صدارت میں سنایا اور بہت مقبول ہوا [۴۸]۔

اس ہفتہ حضور چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ہمراہ وہبلے اور انڈیا آفس میں تشریف لے گئے۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر مبلغ انگلستان نے اخبارات کے نمائندوں کو دعوت دی۔ جس میں مذاہب کانفرنس کی انتظامیہ کے بعض ممبر (کرنل ینگ ہسبنڈ اور مس شارپلز) بھی شریک ہوئے۔ اس دعوت میں حضور نے اہل انگلستان کے نام ایک مفصل پیغام دیا۔ جس کا فصیح و بلیغ انگریزی زبان میں فی البدیہہ انگریزی ترجمہ مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے سنایا [۴۹]۔

فرمایا۔ میں اس محبت اور اس اخلاص کی وجہ سے جو بنی نوع انسان سے رکھتا ہوں اور جو میں سمجھتا ہوں کہ بانی سلسلہ احمدیہ کی صحبت اور اسلام کی تعلیم کا نتیجہ ہے انگلستان آیا ہوں۔ میں ان پیشگوئیوں کی وجہ سے جو بانی سلسلہ احمدیہ نے کیں اس امر پر یقین رکھتا ہوں کہ مغرب جلد ان صداقتوں کو قبول کرے گا جو بانی سلسلہ احمدیہ جن کا دعویٰ مسیح موعود اور مہدی اور کل مذاہب کے موعود ہونے کا تھا

لائے تھے۔ جب وہ صرف اکیلے تھے اور انکے ساتھ کوئی نہ تھا بلکہ علاوہ ہندوؤں مسلمانوں اور مسیحیوں کے جو طبعاً اُن کے مخالف تھے گورنمنٹ بھی ان پر مہدی کے دعویٰ کی وجہ سے شک کرتی تھی اس وقت انہوں نے یہ خبر دی تھی کہ خدا تعالیٰ ان کے نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچائے گا اور انگلستان میں خصوصاً اور دوسرے مغربی ممالک میں عموماً لوگ ان کے دعویٰ کو قبول کر کے اسلام میں جس کے زندہ کرنے اور ان غلطیوں سے پاک کرنے کے لئے جو اسے لوگوں کے اجتہاد کی وجہ سے اس میں پیدا ہو گئی تھیں جو خدا کے الہام سے مدد پا کر اس کو پیش نہیں کرتے تھے داخل ہو جائیں گے اس دعویٰ کو چونتیس سال گزرے اور آج دنیا کے پردہ پر ایک ملین کے قریب آدمی ان کو مانتا ہے اور یوروپین ممالک میں اور امریکہ میں بھی کئی لوگ ان پر ایمان لا چکے ہیں۔ پس ماضی پر نظر کرتے ہوئے میں یقین کرتا ہوں کہ بقیہ حصہ پیشگوئی کا بھی پورا ہو کر رہے گا۔ اسلام یعنی وہ اسلام جسے مسیح موعود نے زندہ کیا ہے اور جو انسانی اجتہادوں سے پاک ہے آخر پھیلے گا اور انگلستان اس طرح ایک ایسے شخص سے نور پائے گا جو اس کے ماتحت ملک میں رہتا تھا جس طرح روم نے انیس سو سال پہلے اپنے ایک ماتحت ملک کے نبی سے نور پایا ہے۔ یہ امر مشکل معلوم ہوتا ہے مگر کون خیال کرتا تھا کہ ناصرہ کا مصلح دنیا پر غالب ہو گا۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ ایسے ہی لوگوں سے کام لیتا ہے۔ جن کو دنیا ادنیٰ اور کمزور سمجھتی ہے تا اس کا جلال ظاہر ہو اور لوگ اس کو انسانی مدد کا محتاج نہ سمجھ لیں میں اہل انگلستان سے امید کرتا ہوں کہ وہ سنجیدگی سے اس شخص کے دعویٰ پر غور کرے جو یہ کہتا تھا کہ خدا تعالیٰ اس سے اسی طرح بولتا تھا جس طرح کہ وہ پہلے نبیوں سے بولا اور ان کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر وہ اس کی طرف توجہ کریں گے تو وہ اسی طرح خدا کا جلال اپنے اندر پائیں گے اور اس کا کلام سنیں گے جس طرح کہ پہلے نبیوں کے حواریوں نے محسوس کیا اور سنا۔

مسیح موعود کا دعویٰ تھا کہ وہ صلح کے شہزادے ہیں اور یہ کہ ان کے ہاتھ پر دنیا اکٹھی کی جائے گی اور امن قائم ہو گا پس ہر اک امن پسند کا فرض ہے کہ وہ ان کے دعویٰ پر غور کرے تا اس کی سستی اس مقصد کو پیچھے نہ ڈال دے جس کے حصول کے لئے وہ کوشاں ہے۔ کوئی سچی اخوت قائم نہیں ہو سکتی جس کی بنیاد خدا کے ساتھ تعلق پر نہ ہو کیونکہ بھائیوں کا رشتہ باپ کے ذریعہ سے ہوتا ہے جو باپ کو پہچانتا ہے وہ باپ کے حق کو پہچان سکتا ہے اور اس زمانہ میں صرف مسیح موعود ہی ایک ایسا شخص ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ باپ سے اسی دنیا میں انسان کو ملا دیتا ہے اور نہ صرف دعویٰ کرتا ہے بلکہ ہزاروں جنہوں نے اس کی تعلیم پر عمل کیا انہوں نے خدا تعالیٰ کے کلام کو اسی طرح سنا جس طرح کہ پہلے نبیوں کے حواری سنتے تھے چنانچہ راقم مضمون بھی ان میں سے ایک ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ انگلستان ہمارے مشن کی ہمدردانہ طور پر مدد کرے گا اور تمام وہ لوگ جو سچے طور پر خدا تعالیٰ کی محبت کے مشتاق

ہیں ملامت اور طعن کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس طرف متوجہ ہوں گے اور انگلستان کا پریس جو آزادی کا حامل ہے اس حقیقی آزادی کے حصول میں جس کے بغیر بچے اپنے باپ سے نہیں مل سکتے ہماری مدد کریں گے۔ جو لوگ خیالات میں ہمارے مخالف ہیں کم سے کم ان کو یہ سوچنا چاہئے کہ ہمارا اور ان کا مقصد ایک ہے یعنی دنیا میں نیکی کو قائم کرنا اور خدا تعالیٰ سے انسان کا تعلق قائم کرکے سچی اخوت کو پیدا کرنا جس کا نتیجہ امن ہوتا ہے۔ جب ہم مقصد کی یگانگت پر غور کرکے اپنے اپنے دائرہ میں کام کریں گے تو یقیناً یہ یگانگت ایک ذرائع کے اختیار کرنے پر بھی ہمیں مجبور کردے گی۔

چونکہ ہمارا مقصد خدا اور بندوں کے درمیان اور بندوں اور بندوں کے درمیان نیک تعلق قائم کرنا ہے میں اہل انگلستان سے یہ بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ مشرقی سوال کی طرف زیادہ توجہ کریں۔ مشرق و مغرب باوجود کوشش کے روز بروز ایک دوسرے سے جدا ہو رہا ہے اور اگر جلد اس کی طرف توجہ نہ کی گئی تو اس کا نتیجہ دنیا کے لئے اچھا نہ ہوگا۔ عقلمندوں کو واقعات کی موجودہ صورت کو نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ یہ سوچنا چاہئے کہ ایسے حالات جو اس وقت پیدا ہو رہے ہیں آخر کار کیا نتیجہ پیدا کیا کرتے ہیں قوموں کی زندگی محدود نہیں ہوتی اس لئے ان کو اپنے مستقبل قریب پر نہیں بلکہ مستقبل بعید پر نظر ڈالنی چاہئے۔ دنیا اپنی موجودہ حالت پر ہرگز نہیں رہ سکتی۔ اگر اس میں تبدیلی نہ ہوئی تو یا دونوں تہذیبیں نئی اور پرانی تباہ ہو جائیں گی یا ان میں سے ایک مگر کیوں نہ دونوں ہی قائم رہیں؟ ہمدردی اور دور اندیشی اس بُعد کو دور کر سکتے ہیں مگر یہ کام حکومتوں سے نہیں ہو سکتا بلکہ جب تک قومیں اس طرف توجہ نہ کریں گی یہ کام نہ ہوگا۔ وہ لوگ کوتہ اندیش ہیں جو اس کام کے لئے حکومتوں کی طرف دیکھتے ہیں حکومتیں خود نہیں ہلا کرتیں بلکہ قومیں ان کو ہلایا کرتی ہیں۔ ایک زبردست طاقت نے دنیا میں کام شروع کیا ہوا ہے کیوں نہ ہم اسے اپنے مفید مطلب استعمال کرلیں ایک دریا جب اس کے پانی کو استعمال کیا جائے لاکھوں ایکڑ کو سیراب کر دیتا ہے لیکن جب اس کو اپنا کام کرنے دیا جائے ہزاروں گاؤں اور سینکڑوں جانوں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ سو آؤ ہم سب مل کر بہتری کے لئے کوشش کریں اور بجائے اجاڑنے والوں کے آباد کرنے والے بنیں۔

قیام لنڈن کا دوسرا ہفتہ ۲۹/ اگست سے ۴/ ستمبر ۱۹۲۴ء تک

دوسرے ہفتہ میں حضور کی مصروفیات میں بے حد اضافہ ہو گیا۔ جس کی بڑی وجہ کابل میں مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی سنگساری کا المناک حادثہ تھا [100]۔ اس حادثہ کی اطلاع ملنے پر حضور نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے اور واقعات کی روک تھام کے لئے ضروری اور مناسب اقدامات فرمائے۔ اور اس کے لئے

دن رات ایک کر دیا [۱۰۱] اور یہ سلسلہ لنڈن میں قیام کے آخر تک برابر جاری رہا۔

اس کے علاوہ اس دوسرے ہفتہ میں حضور برائٹن کے قصبہ میں تشریف لے گئے اور جنگ عظیم میں جان دینے والے سپاہیوں کی یادگار میں چھتری میں دعا کی کہ جس طرح یہ ایک نشان ہے ان لوگوں کا جو ایک دنیاوی غرض کے لئے متحد ہوئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعودؑ کی عظیم الشان چھتری کے نیچے مشرق و مغرب کو جمع کر دے۔ حضور نے دعا سے پہلے ایک تقریر بھی فرمائی۔ سینما والوں نے اس نظارہ کی تصویریں سینما میں دکھائیں اور اخبارات نے مفصل خبریں شائع کیں۔ حضور چھتری میں دعا کے بعد ایوان شاہی کو گئے اور اس کے دروازہ پر ایک ہجوم کے سامنے اپنا پیغام سنایا جس کا ترجمہ مکرم چودھری ظفر اللہ خان صاحب نے پڑھا۔ اسی ہفتہ آپ نے مسئلہ تبلیغ پر مجلس مشاورت منعقد فرمائی۔ "سپرچولزم سوسائٹی" کے ایک جلسہ میں شمولیت فرمائی اور مختلف اخبارات اور مذہبی کانفرنس کے نمائندوں سے گفتگو کی۔ اخبار الفضل سے معلوم ہوتا ہے کہ برائٹن کی یادگار تقریب کے فلمی نظارے دنیا بھر کے سینما گھروں میں دکھلائے گئے چنانچہ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کی رپورٹ میں ہے کہ "خدا تعالیٰ کی قدرتیں بھی عجیب در عجیب ہیں ساری دنیا میں سلسلہ احمدیہ کا ذکر پہنچانے کے لئے یہ سامان کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کو برائٹن میں دعوت دی گئی۔ حضور تشریف لے گئے اور سارا قافلہ ہمرکاب تھا ادھر فوٹوگرافروں کے دل میں تحریک ہوئی اور وہ وہاں جا پہنچے۔ انہوں نے وہ نظارے فلموں میں بھر کر سینما میں بھیج دیئے۔ اب وہ فلمیں ہیں جو عراق میں، عرب میں، مصر میں شام میں امریکہ و افریقہ میں غرض تمام دنیا میں چکر لگا رہی ہیں"۔ [۱۰۲]۔

قیام لنڈن کا تیسرا ہفتہ ۵/ ستمبر تا ۱۱/ ستمبر ۱۹۲۴ء

حضور نے تیسرے ہفتہ میں بھی تبلیغ سلسلہ کی مہم اور تیز کر دی۔ چنانچہ ۷/ ستمبر ۱۹۲۴ء کو بہت سے انگریز مردوں، عورتوں، ہندوستانی طالب علموں اور سفارت ترکیہ اور دوسرے معزز مسلمانوں کو دعوت پر بلایا گیا۔ جس میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا ایک اور پیغام محبت حسب سابق مکرم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے نہایت قابلیت سے پڑھ کر سنایا [۱۰۳]۔ ۹/ ستمبر ۱۹۲۴ء کی شام کو حضور نے "ایسٹ اینڈ ویسٹ یونین" کے اجلاس (منعقدہ گلڈ ہاؤس) میں پہلا انگریزی لیکچر دیا جو بہت پسند کیا گیا [۱۰۴]۔ پھر ۱۱/ ستمبر ۱۹۲۴ء کو قیام امن کے مسئلہ پر لیگ آف نیشنز کے شعبہ مذہب و اخلاق کے سیکرٹری مسٹر ایل سن اور مسٹر رین سے تفصیلی گفتگو فرمائی اور حکیمانہ انداز میں بتایا کہ جب تک اسلامی اصولوں پر لیگ آف نیشنز کی بنیاد قائم نہیں ہوگی یہ اپنے مقاصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی [۱۰۵]۔

قیام لنڈن کا چوتھا ہفتہ ۱۲/ ستمبر تا ۱۸/ ستمبر ۱۹۲۴ء

چوتھے ہفتہ کا آغاز جمعہ سے ہوا۔ جو حضور نے پڑھایا اور جماعت کو توجہ دلائی کہ اسے شہید افغانستان کی طرح ہر وقت شہادت کے لئے تیار رہنا چاہئے [۱۰۶]۔ ۱۳/ ستمبر ۱۹۲۴ء کو حضور نے پورٹ سمتھ میں دو لیکچر دیئے ایک "مسیح کی آمد ثانی" اور دوسرا "پیغام آسمانی" پر ۱۵/ ستمبر کو حضور نے ہندوستانی طلبہ سے خطاب فرمایا [۱۰۷]۔ ۱۶/ ستمبر ۱۹۲۴ء کو آپ نے کانفرنس کے لئے مجوزہ مضمون کا خلاصہ لکھا۔ ۱۷/ ستمبر ۱۹۲۴ء کو آپ نے مولوی نعمت اللہ خان صاحب شہید کابل کی شہادت سے متعلق ایک احتجاجی جلسہ میں تقریر فرمائی [۱۰۸]۔

قیام لنڈن کا پانچواں ہفتہ ۱۹ سے ۲۵/ ستمبر تک

۱۹/ ستمبر ۱۹۲۴ء کو حضور نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں قومی اخلاق مضبوط کرنے پر زور دیا۔ جمعہ کے بعد ویمبلے کانفرنس کے پریذیڈنٹ سرای۔ ڈی راس سے ملاقات کی۔ آپ کا شمار انگلستان کے نامور مستشرقین میں ہوتا ہے۔ مزاج پرسی کے بعد انہوں نے کہا کہ آپ کی تشریف آوری پر انگلستان کا پریس بہت دلچسپی لے رہا ہے۔ اسی شام آپ نے سینٹ لوکس ہال میں "حیات بعد الموت" پر شاندار لیکچر دیا۔ ۲۰/ ستمبر ۱۹۲۴ء کو لیگوس (نائیجیریا) کے دو حاجی صاحبان (جن میں سے ایک احمدی تھے) حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۲۱/ ستمبر ۱۹۲۴ء کی شام کو حضور کی کرنل ڈگلس سے ملاقات ہوئی۔ یہ وہی ڈگلس تھے جنہوں نے ہنری مارٹن کلارک کا مقدمہ بے بنیاد پاکر خارج کر دیا تھا اور عدل و انصاف کا بہترین نمونہ دکھایا تھا۔ ۲۲/ ستمبر ۱۹۲۴ء کو ویمبلے کانفرنس کا افتتاح ہوا اور حضور معہ رفقاء اس کے اجلاس میں شمولیت کے لئے تشریف لے گئے۔

کانفرنس میں حضور کے مضمون کی شاندار کامیابی

۲۳/ ستمبر ۱۹۲۴ء کا دن سفر یورپ کی تاریخ میں سنہری دن ہے۔ کیونکہ اس دن ویمبلے کانفرنس میں حضور کا بے نظیر مضمون پڑھا گیا۔ جس نے سلسلہ احمدیہ کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ یورپ میں اسلام کی روحانی فتح کی بنیادیں رکھ دیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لندن میں تقریر کرنے کا رؤیا پوری آب و تاب سے پورا ہو گیا۔

حضور کے مضمون کا وقت ۵ بجے شام مقرر تھا جب کہ لوگ اڑھائی گھنٹے سے مسلسل بیٹھے اسلام سے متعلق مضامین سن رہے تھے [۱۰۹]۔ انگلستان کے باشندے زیادہ دیر تک بیٹھنے کے عادی نہیں ہیں مگر جونہی آپ کی تقریر کا وقت آیا وہ نہ صرف وہیں اپنی اپنی جگہ پورے شوق و ذوق سے بیٹھ گئے بلکہ دیکھتے

ہی دیکھتے پورا ہال سامعین سے بھر گیا۔ کسی اور لیکچر کے وقت حاضرین کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہوئی۔

اجلاس کے صدر سر تھیوڈر ماریسن نے حضور کا سامعین سے تعارف کرانے کے بعد نہایت ادب واحترام کے جذبات کے ساتھ آپ سے درخواست کی کہ اپنے کلمات سے محظوظ فرمائیں۔ اس پر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی جو اپنے رفقاء کے ساتھ سٹیج پر ہی تشریف فرما تھے کھڑے ہوئے اور انگریزی میں فرمایا۔ مسٹر پریذیڈنٹ بہنو اور بھائیو! میں سب سے پہلے خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے اس کانفرنس کے بانیوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا کیا کہ لوگ اس طریق پر مذہب کے سوال پر غور کریں اور مختلف مذاہب سے متعلق تقریریں سن کر یہ دیکھیں کہ کس مذہب کو قبول کرنا چاہئے۔ اس کے بعد میں اپنے مرید چوہدری ظفر اللہ خان صاحب بار ایٹ لاء سے کہتا ہوں کہ میرا مضمون سنائیں۔ میں ایسے طور پر اپنی زبان میں بھی پرچہ پڑھنے کا عادی نہیں ہوں۔ کیونکہ میں ہمیشہ زبانی تقریریں کرتا ہوں اور چھ چھ گھنٹے تک بولتا ہوں۔ مذہب کا معاملہ اسی دنیا تک ختم نہیں ہو جاتا بلکہ وہ مرنے کے بعد دوسرے جہان تک چلتا ہے اور انسان کی دائمی راحت مذہب سے وابستہ ہے اس لئے آپ اس پر غور کریں اور سوچیں اور مجھے امید ہے کہ آپ توجہ سے سنیں گے۔

اس کے بعد حضور نے مکرم چودھری صاحب کے کان میں کہا کہ "گھبرانا نہیں میں دعا کروں گا"۔

چنانچہ مکرم چودھری صاحب کھڑے ہوئے اور ایک گھنٹہ میں نہایت بلند اور نہایت مؤثر اور نہایت پر شوکت لہجہ میں یہ مضمون پڑھ کر سنایا۔ چودھری صاحب ایک دن پہلے حلق کی خراش کی وجہ سے بیمار تھے مگر اللہ تعالیٰ نے روح القدس سے ان کی تائید فرمائی۔ حضرت امیر المومنین کا مضمون اور مکرم چودھری ظفر اللہ خان صاحب کی زبان نے (جسے حضور نے ایک مجمع میں میری زبان کہا تھا [111]) حاضرین پر وجد کی کیفیت طاری کر دی [111]۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب حاضرین گویا احمدی ہیں۔ تمام لوگ ایک محویت کے عالم میں اخیر تک بیٹھے رہے۔ جب مضمون میں اسلام کے متعلق کوئی ایسی بات بیان کی جاتی جو ان کے لئے نئی ہوتی تو کئی لوگ خوشی سے اچھل پڑتے۔ غلامی' سود' اور تعدد ازدواج وغیرہ مسائل کو نہایت واضح طور پر بیان کیا گیا تھا۔ اس حصہ مضمون کو بھی نہ صرف مردوں نے بلکہ عورتوں نے بھی نہایت شوق اور خوشی سے سنا ایک گھنٹہ بعد لیکچر ختم ہوا۔ تو لوگوں نے اس گرم جوشی کے ساتھ اور اتنی دیر تک تالیاں بجائیں کہ پریذیڈنٹ (سر تھیوڈر ماریسن) کو اپنے ریمارکس کے لئے چند منٹ انتظار کرنا پڑا۔

پریذیڈنٹ نے کہا۔ مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مضمون کی خوبی اور لطافت کا اندازہ خود مضمون نے کرا لیا ہے میں اپنی طرف سے اور حاضرین کی طرف سے مضمون کی خوبی ترتیب' خوبی

خیالات اور اعلیٰ درجہ کے طریق استدلال کے لئے حضرت خلیفتہ المسیح کا شکریہ ادا کرتا ہوں حاضرین کے چہرے زبان حال سے میرے اس کہنے کے ساتھ متفق ہیں۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ وہ اقرار کرتے ہیں کہ میں ان کی طرف سے شکریہ ادا کرنے میں حق پر ہوں اور ان کی ترجمانی کا حق ادا کر رہا ہوں۔ پھر حضور کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں آپ کو لیکچر کی کامیابی پر مبارکباد عرض کرتا ہوں آپ کا مضمون بہترین مضمون تھا جو آج پڑھے گئے۔ کیا آپ کا خیال نہیں ہے کہ اس کامیابی کے لئے جو آج آپ کو حاصل ہوئی ہے آپ یہاں تشریف لائے [۱۱۲]۔

اجلاس ختم ہونے پر سر تھیوڈر مارسن دیر تک سٹیج پر کھڑے کھڑے مختلف باتیں کرتے رہے۔ اور بار بار مضمون کی تعریف کرتے رہے۔ مضمون کے پڑھنے پر لوگوں نے مکرم چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو بھی بہت مبارکباد دی۔

چنانچہ (فری چرچ کے ہیڈ) ڈاکٹر والٹر واش نے جو خود فصیح البیان لیکچرار تھے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا۔

میں نہایت خوش قسمت ہوں کہ مجھے یہ لیکچر سننے کا موقعہ ملا۔ قانون کے ایک پروفیسر نے بیان کیا کہ جب وہ مضمون سن رہا تھا تو یہ محسوس کر رہا تھا کہ یہ دن گویا ایک نئے دور کا آغاز کرنے والا ہے پھر کہا اگر آپ لوگ کسی اور طریق سے ہزاروں ہزار روپیہ بھی خرچ کرتے تو اتنی زبردست کامیابی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

ایک پادری منش نے کہا تین سال ہوئے مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ حضرت مسیح تیرہ حواریوں کے ساتھ یہاں تشریف لائے ہیں اور اب میں دیکھتا ہوں کہ یہ خواب پورا ہو گیا ہے [۱۱۳]۔

مس شارپلز (کانفرنس کی سیکرٹری) نے کہا کہ لوگ اس مضمون کی بہت تعریف کرتے ہیں اور خود ہی بتایا کہ ایک صاحب نے ہز ہولی نس (خلیفتہ المسیح الثانی) کے متعلق کہا یہ اس زمانہ کا لوتھر معلوم ہوتا ہے بعض نے کہا ان کے سینہ میں ایک آگ ہے۔ ایک نے کہا یہ تمام پرچوں سے بہتر پرچہ تھا۔

ایک جرمن پروفیسر نے جلسہ کے بعد سڑک پر چلتے ہوئے آگے بڑھ کر حضور کی خدمت میں مبارکباد عرض کی اور کہا میرے پاس بعض بڑے بڑے انگریز بیٹھے کہہ رہے تھے۔ یہ نادر خیالات ہیں جو ہر روز سننے میں نہیں آتے۔

مسٹر لین نے جو انڈیا آفس میں ایک بڑے عہدیدار تھے تسلیم کیا کہ خلیفتہ المسیح کا پرچہ سب سے اعلیٰ اور بہترین پرچہ تھا [۱۱۴]۔

پریس نے بھی اس عظیم الشان لیکچر کی نمایاں خبریں شائع کیں اور اس کی عظمت کا اقرار کیا۔ چنانچہ

"مانچسٹر گارڈین" نے (۲۴/ ستمبر ۱۹۲۴ء کی اشاعت میں) لکھا۔

"اس کانفرنس میں ایک ہلچل ڈالنے والا واقعہ جو اس وقت ظاہر ہوا وہ آج سہ پہر کو اسلام کے ایک نئے فرقہ کا ذکر تھا۔ نئے فرقہ کا لفظ ہم نے آسانی کے لئے اختیار کیا ہے ورنہ یہ لوگ اس کو درست نہیں سمجھتے تھے۔ اس فرقہ کی بنا ان کے قول کے بموجب آج سے چونتیس سال پہلے اس مسیح نے ڈالی جس کی پیشگوئی بائبل اور دوسری کتابوں میں ہے اس سلسلہ کا یہ دعویٰ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے صریح الہام کے ماتحت اس سلسلہ کی بنیاد اس لئے رکھی ہے کہ وہ نوع انسان کو اسلام کے ذریعہ خدا تعالیٰ تک پہنچائے۔ ایک ہندوستان کے باشندے نے جو سفید دستار باندھے ہوئے ہے اور جس کا چہرہ نورانی اور خوش کن ہے اور سیاہ داڑھی رکھتا ہے اور جس کا لقب ہز ہولی نس خلیفۃ المسیح الحاج میرزا بشیر الدین محمود احمد یا اختصاراً خلیفۃ المسیح ہے مندرجہ بالا تحدی اپنے مضمون میں پیش کی۔ جس کا عنوان ہے "اسلام میں احمدیہ تحریک" .... آپ کے ایک اور شاگرد نے جو سرخ رومی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ آپ کا پرچہ کمال خوبی کے ساتھ پڑھا..... آپ نے اپنے مضمون کو جس میں زیادہ تر اسلام کی حمایت اور تائید تھی۔ ایک پُرجوش اپیل کے ساتھ ختم کیا۔ جس میں انہوں نے حاضرین کو اس نئے مسیح اور اس نئی تعلیم کے قبول کرنے کے لئے مدعو کیا۔ اس بات کا بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ اس پرچہ کے بعد جس قدر تحسین و خوشنودی کا چیئرز کے ذریعہ اظہار کیا گیا اس سے پہلے کسی پرچہ پر ایسا نہیں کیا گیا تھا"۔

(ترجمہ [115])

قیام لنڈن کا چھٹا ہفتہ ۲۶/ ستمبر سے ۲/ اکتوبر تک

۲۶/ ستمبر کو حضور نے کنز رویٹو کی درخواست پر ڈچ ہال لنڈن میں ہندوستان کے حالات حاضرہ اور اتحاد پیدا کرنے کے ذرائع پر ایک معلومات افزا لیکچر دیا [116]۔ ۲۸/ ستمبر کو آپ کا ایک اہم مضمون "رسول کریم ﷺ کی زندگی اور تعلیم سے نوجوان بچے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں" کے موضوع پر لنڈن فیلڈ میں پڑھا گیا [117]۔ ۲۹/ ستمبر کو حضور کا بہت سا وقت ہندوستان کی ڈاک میں صرف ہوا۔ اسی ہفتہ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ "ریویو آف ریلیجنز" کا انگریزی ایڈیشن آئندہ لنڈن سے شائع ہوا کرے [118]۔

۲/ اکتوبر کو حضور "ولیم دی کنکرر" والی خواب کو پورا کرنے کے لئے خلیج میونسی پر پہنچے اور ایک کشتی لے کر اس مقام کی طرف تشریف لے گئے۔ جہاں "ولیم دی کنکرر" اترا تھا۔ حضور کشتی چھوڑ کر قریب ہی ایک مقام پر جس کا نام الیکرسی (لنگر گاہ) ہے۔ کھڑے ہوئے اور خواب کی طرح اسی شکل و ہیئت میں ایک لکڑی پر دایاں پاؤں رکھ کر ایک فاتح جرنیل کی طرح چاروں طرف نظر کی۔ حضرت بھائی

عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کا بیان ہے کہ اس وقت آپ کے چہرہ پر جلال اور شوکت تھی اور اس کے ساتھ ایک ربودگی بھی تھی۔ اس کے بعد خاموشی کے ساتھ آپ نے دعا فرمائی۔ اس مقام کے پاس ہی ویلنٹائن نام ایک برج سا ہے جس پر ایک توپ رکھی ہوئی تھی۔ حضور نے نماز قصر کر کے پڑھی اور اس میں بھی لمبی دعا کی اور زمین پر اکڑوں بیٹھ کر پتھر کے سنگریزوں کی مٹھیاں بھریں اور فرمایا۔ کسریٰ کے دربار میں ایک صحابی کو مٹی دی گئی تو صحابی نے مبارک فال لیا کہ کسریٰ کا ملک مل گیا اور لے کر رخصت ہوا۔ شہنشاہ ایران نے آدمی بھیجے کہ وہ مٹی لے آئیں۔ مگر صحابی نے واپس نہ کی اور خدا نے بھی اس مبارک فال پر وہ سرزمین صحابہ کو دے دی۔ بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی اور درد صاحب نے ان سنگریزوں کی دو دو مٹھیاں بھر کر اپنی جیبوں میں ڈال لیں۔ یہاں سے فارغ ہوتے ہی بھائی جی کے دل میں ایک پُرزور تحریک ہوئی اور آپ نے باآواز بلند مبارک باد دی اور بہت جوش سے حضرت مسیح موعودؑ کا یہ مصرع پڑھا۔ ع

تو سچے وعدوں والا منکر کہاں کدھر ہیں [119] ؟

قیام لنڈن کا ساتواں ہفتہ ۳/ اکتوبر سے ۹/ اکتوبر تک

۳/ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو حضور نے خطبہ جمعہ [120] پڑھا اور کانفرنس مذاہب عالم کے آخری اجلاس سے اردو میں خطاب فرمایا۔ جس پر نہایت ہی مسرت کا اظہار کیا گیا۔ لیکچر ہال بالکل پُر تھا [121]۔ نیز شام کو حضور نے "ریویو آف ریلیجنز" لنڈن کی ترتیب مضامین اور دیگر امور پر مجلس شوریٰ منعقد فرمائی۔ ۴/ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو حضور مع رفقاء انگلستان کے نئے مبلغ مولوی عبدالرحیم صاحب درد کو لے کر پٹنی کے اس مکان کے دروازہ پر تشریف لے گئے۔ جو مجوزہ مسجد میں کھلنے والا تھا۔ اس مقام پر کھڑے ہو کر حضور نے تعمیر مسجد کی سکیم کا مختصر ذکر فرمایا۔ پھر مکان کے اس کمرہ میں تشریف لے گئے۔ جہاں ان دنوں نمازیں ہوتی تھیں اور بہت لمبی دعا فرمائی اور اس کے بعد اپنے دست مبارک سے مولوی عبدلرحیم صاحب درد کو اس مکان کی چابی عطا فرمائی اور پھر مولوی عبدالرحیم صاحب درد اور ان کے نائب ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے کو مفصل ہدایات دیں [122]۔ ۷/ اکتوبر کو حضور نے دارالامراء (House of Lords) کا اجلاس دیکھا اور ۸ اور ۹ اکتوبر کو دارالعوام (House of commons) کا اجلاس دیکھنے تشریف لے گئے [123]۔

قیام لنڈن کا آٹھواں ہفتہ ۱۰/ اکتوبر سے ۱۶/ اکتوبر تک

یہ ہفتہ حضور کی گوناگوں مصروفیت کا ہفتہ تھا۔ چنانچہ حضور نے ۱۰/ اکتوبر کو خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا [124]۔ ایک ڈاکٹر سے مشورہ کے لئے

تشریف لے گئے۔ ۱۲/ اکتوبر کو نو مسلموں کو پانچ گھنٹہ تک تبلیغ و ہدایت فرمانے میں مصروف رہے نیز انگریز مردوں اور عورتوں سے مختلف مسائل سے متعلق دلچسپ مذہبی گفتگو فرمائی [۱۲۵]۔ چونکہ ۱۴/ اکتوبر کو سامان سفر تھامس کک اینڈ سنز (Thomas cook and sons) کے سپرد کیا جانے والا تھا اس لئے ۱۳/ اکتوبر کا دن سامان کی تیاری میں گزرا۔ ۱۵/ اکتوبر کو حضور نے "اورینٹل سکول آف سٹڈیز" دیکھا [۱۲۶]۔

قیام لنڈن کا آخری ہفتہ ۱۷/ اکتوبر سے ۲۴ اکتوبر تک

اب ہم قیام انگلستان کے حالات بیان کرتے ہوئے اس کے آخری مگر اہم ہفتہ میں پہنچ گئے ہیں۔ اس ہفتہ کا آغاز "مسجد فضل" کی بنیاد کے ابتدائی انتظامات سے ہوا۔ اور اختتام رخت سفر باندھنے پر۔ اس طرح وہ دن آپہنچا جس کے انتظار میں آپ فرماتے ہیں۔ ؎

آہ کیسی خوش گھڑی ہو گی کہ بانیل و مرام
باندھیں گے رخت سفر کو ہم برائے قادیاں

"مسجد فضل" کے سنگ بنیاد کا یادگار دن (۱۹/ اکتوبر ۱۹۲۴ء)

اس ہفتہ کا یادگار دن ۱۹/ اکتوبر ۱۹۲۴ء ثابت ہوا۔ جبکہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۴ بجے شام ایک بہت بڑے مجمع میں "مسجد فضل" (۶۳ میلروز روڈ۔ لنڈن) کا اپنے دست مبارک سے سنگ بنیاد رکھا [۱۲۷]۔

اس تقریب پر سب سے پہلے (متعینہ) امام مسجد لنڈن مولوی عبدالرحیم صاحب درد نے خوش آمدید کا مختصر ایڈریس پڑھا۔ جس کے بعد تمام حاضرین مقام بنیاد کی طرف گئے۔ جہاں پہلے حضرت حافظ روشن علی صاحب نے تلاوت فرمائی۔ پھر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے انگریزی زبان میں ایک مضمون پڑھا جس میں مسجد کی غرض و غایت پر اسلامی نقطہ نگاہ سے روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔

"پیشتر اس کے کہ میں اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھوں میں اس امر کا اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مسجد صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کے لئے بنائی جاتی ہے۔ تاکہ دنیا میں خدا تعالیٰ کی محبت قائم ہو اور لوگ مذہب کی طرف (جس کے بغیر حقیقی امن اور حقیقی ترقی نہیں) متوجہ ہوں اور ہم کسی شخص کو جو خدا تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہے ہرگز اس میں عبادت کرنے سے نہیں روکیں گے بشرطیکہ وہ ان قواعد کی پابندی کرے جو اس کے منتظم انتظام کے لئے مقرر کریں اور بشرطیکہ وہ ان لوگوں کی عبادت میں مخل نہ

ہوں جو اپنی مذہبی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اس مسجد کو بناتے ہیں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ رواداری کی روح جو اس مسجد کے ذریعہ سے پیدا کی جاوے گی۔ دنیا سے فتنہ و فساد دور کرنے اور امن و امان کے قیام میں بہت مدد دے گی۔ اور وہ دن جلد آجائیں گے کہ لوگ جنگ و جدال کو ترک کر کے محبت اور پیار سے آپس میں رہیں گے"۔

اس مضمون کے بعد (جس کا حاضرین پر ایک گہرا اثر تھا) حضرت خلیفتہ المسیح نے بنیادی پتھر رکھا جس پر انگریزی میں ایک مضمون درج تھا۔ جس کے الفاظ ہم حضرت خلیفتہ المسیح ہی کے خط کے عکس کی صورت میں اگلے صفحہ پر درج کرنے کے علاوہ ذیل میں بھی نقل کر دیتے ہیں [۱۲۸]۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر۔

قل ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین۔

میں میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفتہ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ جس کا مرکز قادیان پنجاب ہندوستان ہے۔ خدا کی رضا کے حصول کے لئے اور اس غرض سے کہ خدا تعالیٰ کا ذکر انگلستان میں بلند ہو۔ اور انگلستان کے لوگ بھی اس برکت سے حصہ پاویں جو ہمیں ملی ہے آج ۲۰/ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ کو اس مسجد کی بنیاد رکھتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمام جماعت احمدیہ کے مردوں اور عورتوں کی اس مخلصانہ کوشش کو قبول فرمائے۔ اور اس مسجد کی آبادی کے سامان پیدا کرے اور ہمیشہ کے لئے اس مسجد کو نیکی، تقویٰ، انصاف اور محبت کے خیالات پھیلانے کا مرکز بنائے اور یہ جگہ حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ اور حضرت احمد مسیح موعود نبی اللہ بروز و نائب محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام کی نورانی کرنوں کو اس ملک اور دوسرے ملکوں میں پھیلانے کے لئے روحانی سورج کا کام دے اے خدا تو ایسا ہی کر۔

۱۹/ اکتوبر ۱۹۲۴ء

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین

میں میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ جس کا مرکز قادیان پنجاب ہندوستان ہے خدا کی رضا کے حصول کے لئے اور اس غرض سے کہ خدا تعالیٰ کا ذکر انگلستان میں بلند ہو اور انگلستان کے لوگ بھی اس برکت سے حصہ پاویں جو ہمیں ملی ہے آج ۲۰ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ کو اس مسجد کی بنیاد رکھتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمام جماعت احمدیہ کے مردوں اور عورتوں کی اس مخلصانہ کوشش کو قبول فرمائے اور اس مسجد کی آبادی کے سامان پیدا کرے اور ہمیشہ کے لئے اس مسجد کو نیکی تقویٰ۔ انصاف اور محبت کے خیالات پھیلانے کا مرکز بنائے اور یہ جگہ حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت احمد مسیح موعود نبی اللہ بروز و نائب محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام کی نورانی کرنوں کو اس ملک اور دوسرے ملکوں میں پھیلانے کے لئے روحانی سورج کا کام دے اے خدا تو ایسا ہی کر

۱۹ اکتوبر ۱۹۲۴ء

لندن میں سب سے پہلی مسجد کی بنیاد رکھی جا چکی تو مولوی عبدالرحیم صاحب درد نے بلند آواز سے حضرت مولوی شیر علی صاحب کا ایک تار پڑھ کر سنایا جو انہوں نے جماعت احمدیہ ہندوستان کی طرف سے اس تقریب پر مبارک باد کا بھیجا تھا۔ اس کے بعد حضور نے لمبی دعا کی۔ پھر عصر کی نماز اسی مقام پر پڑھی اور حضور نے اعلان فرمایا کہ میں اعلان کرتا ہوں کہ اس مسجد کا باقاعدہ سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس تقریب کے فوٹو اور فلم ایک درجن کے قریب فوٹو گرافروں اور سینما والوں نے لئے۔ نماز کے بعد مبارکباد کی آواز ہر طرف بلند ہوئی اور مسجد کے محراب پر ایک جھنڈا لہرایا گیا جو حیدر آباد کے ہوم سیکرٹری نواب اکبر نواز جنگ صاحب نے دیا تھا۔ اس کے بعد پورا مجمع خیمہ کی طرف چائے نوشی کے لئے آیا [۱۲۹]۔

اس مجمع میں مختلف قوموں کے ممتاز آدمی شامل تھے۔ مثلاً انگریز، جرمن، سروین، ہنگری، زیکوسلواکیا، لیتھونیا، مصری، اٹالین، جاپانی اور ہندوستان کے رہنے والے نیز مختلف مذاہب کے لوگ عیسائی، مسلمان، پارسی اور یہود بھی تھے۔ اگرچہ بارش کا دن تھا پھر بھی دو سو سے زیادہ معززین اس تقریب میں شامل ہوئے جن میں انگریزوں کے علاوہ دوسری حکومتوں کے نمائندے بھی موجود تھے جن میں جرمن سفیر، لیتھونیا اور سرویا کے وزیر، زیکوسلواکیا کا نمائندہ، ترکی، البانیہ اور فن لینڈ کے وزراء نے بذریعہ خطوط اچھی خواہشوں کا اظہار کیا۔ وزیر اعظم انگلستان نے امام مسجد لنڈن اور جماعت احمدیہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا۔ افسوس میں اس دن لنڈن میں نہیں ہوں گا۔

اس تقریب پر آنے والے مہمانوں کو ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی کہ وہ بہت دیر تک اس جگہ ٹھہرے رہے اور سلسلہ کے متعلق اپنی دلچسپی ظاہر کرتے رہے۔ ورڈز ورتھ کے میئر نے کہا کہ کوئی مذہب جسے اس تقریر کے کسی حصہ پر بھی اعتراض ہو۔ مذہب کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا اور لکھنے والا فرشتہ اس کو دوام کی سیاہی میں ڈبوئی ہوئی قلموں کے ساتھ لکھے گا۔ زیکوسلواکیا کے نمائندہ نے کہا کہ مجھے نہایت ہی خوشی ہے کہ مجھے ایسے خیالات پہلی دفعہ سننے کا موقعہ ملا ہے [۱۳۰]۔

مسجد کے سنگ بنیاد پر بہت سے انگریزی اخباروں نے نوٹ لکھے جن میں سے صرف دو بطور نمونہ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ "ڈیلی کرانیکل" نے لکھا۔

"ہز ہولی نس (یعنی تقدس مآب۔ ناقل) خلیفۃ المسیح نے جو اسلام کے فرقہ احمدیہ کے امام ہیں۔ کل ۱۹/ اکتوبر کو میلروز روڈ ساؤتھ فیلڈز میں لنڈن کی پہلی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اس اصلاحی تحریک کے پیرو لنڈن میں ایک سو اور مشرق وافریقہ میں دس لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔ فی الحال یہ ارادہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مسجد کے صرف ایک حصہ کو مکمل کیا جائے اور اس حصہ کی تعمیر کے لئے سارا روپیہ بذریعہ چندہ جمع ہو

چکا ہے۔ اس تقریب پر جاپان اور جرمنی کے سفیر، ڈینڈزورتھ کے رئیس، استھونیا کا وزیر اور ترکی اور البانیہ کے نمائندے بھی شامل تھے[۱۲۶]۔ (ترجمہ)

۲۔ "ویسٹ منسٹر گزٹ" نے لکھا۔ "ایک مسجد جو لنڈن میں پہلی مسجد ہوگی۔ سوتھ فیلڈز میں تعمیر کی جائے گی۔ جس کا مینار ستر فٹ بلند ہوگا۔ جہاں سے ایک موذن مومنوں کے لئے نماز کے وقت کا اعلان کرے گا۔ سنگ بنیاد کل ایک باغیچہ میں رکھا گیا۔ پھلدار درختوں میں خوشبو کا نیلا نیلا دھواں اٹھتا دکھائی دیتا تھا۔ گیلی زمین پر قالین بچھائے گئے۔ اور اس مجمع میں مختلف اقوام کے لوگ شامل تھے۔ ہز ہولی نس خلیفتہ المسیح نے یہ رسم ادا کی۔ آپ نے قرمزی رنگ کے کفوں والا گلابی رنگ کا کوٹ پہنا ہوا تھا سر پر ایک بھاری سفید عمامہ تھا اور ہاتھ میں ایک عصا جس کے سر پر آبنوس اور چاندی لگی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ "میں میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفتہ المسیح الثانی اور جماعت احمدیہ کا امام جس کا مرکز قادیان پنجاب ہندوستان میں ہے۔ آج ۲۰/ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ کو خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھتا ہوں کہ لنڈن میں اس کے نام کا جلال ظاہر ہو اور تا کہ اس ملک کے لوگ بھی ان برکات سے حصہ لیں جو ہمیں عطا کی گئی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تقریب تو انسان کی اخوت اور وحدت کا ایک نشان ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ اختلاف رائے سے تفرقہ پیدا ہو۔ عرب کا مقدس نبی فرماتا ہے کہ اختلاف رائے رحمت کا ایک سرچشمہ ہے کیونکہ اس سے علم اور حکمت کی ترقی میں مدد ملتی ہے رواداری اور عالی حوصلگی صرف اختلاف رائے کے مدرسہ میں سیکھی جاسکتی ہے۔

ہز ہولی نس کی رائے میں وہ دن دور نہیں جبکہ لوگ جنگ کے خیالات کو ترک کر دیں گے اور بھائیوں اور بہنوں کی طرح ایک ہی خالق کے بندہ ہو کر اتفاق سے زندگی بسر کریں گے........

امام مسجد مولوی عبد الرحیم صاحب درد نے بیان کیا کہ ایک دن مشرق مغرب مل جاویں گے..... یہ سلسلہ جو کہ اسلام میں پہلا تبلیغی سلسلہ ہے۔ انگلستان کو ایشیا سے اور خصوصاً ہندوستان سے زیادہ قریب کر دے گا۔ انگلستان میں یہ پہلی مسجد ہے جس کو صرف مسلمانوں نے تعمیر کیا ہے مسٹر سی۔ ایچ روشر مسجد کے انجینئر نے ہمارے نامہ نگار سے بیان کیا کہ وہ ایک وقت سلطان مراکش کے انجینئر تھے اس کی عمارت اپنی شکل میں شرقی طرز کی ہوگی یہ سلسلہ احمدیہ کی تعمیر کردہ مسجد ہوگی جنکا عقیدہ ہے کہ الہام کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ وہ مذہبی جنگوں کے خلاف ہیں اور رواداری کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ ہمارا سلسلہ دنیا کو نبی عربی (ﷺ) کے خالص دین کی طرف واپس بلاتا ہے"[۱۲۷]۔

لنڈن سے روانگی اور بمبئی میں ورود

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۲۴/ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو مسجد فضل لنڈن میں پہلا جمعہ پڑھایا [123] - اور لنڈن سے روانگی سے پہلے حضور نے فرمایا - میرے نزدیک انگلستان کی فتح کی بنیاد رکھ دی گئی ہے - آسمان پر اس کی فتح کی بنیاد رکھ دی گئی ہے اور اپنے وقت پر اس کا اعلان زمین پر بھی ہو جائے گا - دشمن ہنسے گا اور کہے گا یہ بے ثبوت دعویٰ تو ہر ایک کر سکتا ہے مگر اس کو ہنسنے دو کیونکہ وہ اندھا ہے اور حقیقت کو دیکھ نہیں سکتا" [124] -

حضور ۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو لنڈن سے روانہ ہوئے -

واٹرلو اسٹیشن پر (جہاں سے حضور مع خدام گاڑی پر سوار ہوئے) بہت سے یورپین مردوں اور عورتوں کے علاوہ ہندوستانی اور افریقن لوگ بھی الوداع کرنے کے لئے موجود تھے - نہایت محبت آمیز مصافحوں کے بعد ہر ایک نے خدا حافظ کہا اور فوٹو گرافروں نے فوٹو لئے - لنڈن سے گاڑی ساؤتھ ہٹن پہنچی - جہاں سے حضور معہ رفقاء نے رات کے بارہ بجے بحری جہاز سے رودبار انگلستان عبور کی اور ۲۶/ اکتوبر کو ساڑھے آٹھ بجے کی گاڑی سے سوار ہو کر پیرس پہنچے - پیرس میں حضور کا قیام بہت مختصر تھا جو بہت کامیاب رہا - روزانہ اخبارات کے نمائندے ملاقات کے لئے آئے - پیرس کی سرکاری نو تعمیر مسجد میں پہلی نماز حضور نے پڑھائی - پریس کے نمائندوں اور سینما کی کمپنیوں نے فوٹو لئے جو روزانہ اخبارات میں شائع ہوئے [125] -

حضور ۳۱/ اکتوبر کو پیرس سے روانہ ہوئے - ۲/ نومبر کی رات کو وینس (اٹلی) سے جہاز پر سوار ہو کر [126] ۱۸/ نومبر ۱۹۲۴ء کو بمبئی کے ساحل پر اترے - جماعت احمدیہ کے قریباً دو سو نمائندوں نے جو ہندوستان کے مختلف حصوں سے تشریف لائے تھے - حضور کا نہایت گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا اور پریس کے نمائندوں نے فوٹو لئے - ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب نے تمام جماعت احمدیہ ہندوستان کی طرف سے حضور کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا - یہاں سے حضور لیاقت منزل میں پہنچے اور جناب سید محمد رضوی صاحب کے ہاں فروکش ہوئے [127] - بمبئی کے تمام اخبارات کے نمائندوں نے حضور سے سفر یورپ کے حالات دریافت کرنے کے لئے ملاقات اور گفتگو کی [128، 129] -

بمبئی میں بخیر و عافیت پہنچنے پر حضور نے جماعت احمدیہ کے نام برقی پیغام ارسال فرمایا کہ -

"میں اپنی طرف سے اور اپنے رفقاء سفر کی طرف سے تمام احباب جماعت کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ہمارے مشن کی کامیابی کے لئے دعائیں کیں - میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ حیرت انگیز کامیابی جو ہمیں اس سفر کے دوران میں حاصل ہوئی محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی وجہ سے تھی -

اس نے ہر قدم پر ہماری نصرت فرمائی اور ہمارے لئے ایسے اوقات میں دروازے کھولے جب کہ ہمیں کوئی رستہ نظر نہیں آتا تھا۔ میں تمام احباب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ کے اس خاص فضل کو یاد رکھیں اور اپنے آپ کو ان بڑی قربانیوں کے لئے تیار کریں جو انہیں ان اثمار کے حاصل کرنے کے لئے کرنی پڑیں گی۔ جو گزشتہ چار ماہ کے کام کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہونے والے ہیں...... اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنی برکات نازل فرمائے"[160]۔

بمبئی سے بٹالہ تک

حضور ۲۰/ نومبر ۱۹۲۴ء کو بمبئی سے بی بی اینڈ سی آئی ریلوے کے ذریعہ روانہ ہو کر اگلے دن ۲۱/ نومبر ۱۹۲۴ء کو آگرہ پہنچے۔ آگرہ آتے ہوئے آپ نے اِکرن کا مشہور مقام دیکھا جو مائی جمیا کا گاؤں اور جماعت احمدیہ کے معرکہ جہاد کا اہم میدان رہا ہے۔ آگرہ اسٹیشن پر آپ کا مخلصانہ استقبال کیا گیا۔ مرزا عرفان علی بیگ صاحب نے آپ کے گلے میں پھولوں کے ہار پہنائے[161]۔

صوفی محمد ابراہیم صاحب بی ایس سی امیر المجاہدین آگرہ کی طرف سے اخبار الفضل ۶/ دسمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۷ پر حسب ذیل خبر شائع ہوئی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ورود آگرہ میں

۲۱/ نومبر بوقت ۸/ بجے شام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مع خدام آگرہ فورٹ پر گاڑی سے اترے جہاں سلسلہ احمدیہ کے قریباً ایک سو قائمقاموں نے جو یوپی کے مختلف مقامات سے جمع ہوئے تھے مع چند رؤساء قریباً چالیس غیر احمدی پنجابی تاجروں کے استقبال کیا۔ حضور کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے۔ حضور نے سب لوگوں کو مصافحہ سے مشرف کیا۔ پھر مع خدام الاحمدیہ دار التبلیغ میں تشریف لائے۔ آتے ہی حضور نے نمازیں ادا کیں اور علاقہ مین پوری کے چند مہمانوں کی بیعت لی۔ پھر کھانا تناول فرمایا اور مجاہدین و جماعت احمدیہ آگرہ کی طرف سے مولوی غلام احمد صاحب مولوی فاضل نے ایڈریس پیش کیا جس کے جواب میں حضور نے اپنی کامیابی کو محض فضل الٰہی سے ثابت کرتے ہوئے جماعت کو آئندہ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونے کی تلقین فرمائی اور مزید قربانیوں کے لئے تیار ہونے کا حکم دیا۔ اگلی صبح حضور کا مع خدام فوٹو لیا گیا اور موٹر پر تاج محل کو دیکھتے ہوئے موضع ساندھن تشریف لے گئے"۔

۲۲/ نومبر کو حضور ملکانہ تبلیغ کا بہت بڑا مرکز ساندھن دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے یہاں کل انتظام ملکانوں نے کیا تھا۔ بڑے شاندار دروازے بنائے گئے تھے جن میں سے ایک پر "غلام احمد کی جے" کا فقرہ لکھا ہوا تھا۔ حضور کی خدمت میں ایک ایڈریس بھی پیش کیا گیا۔ جس کا حضور نے جواب دیا۔

پھر بہت سے لوگوں نے بیعت کی۔ سانڈھن سے روانہ ہو کر حضور ابھنیرہ اسٹیشن سے سوار ہوئے اور اسی رات دہلی پہنچے۔ دہلی اسٹیشن پر بہت بڑا مجمع تھا۔ یہاں تک کہ چلنا مشکل ہو گیا۔ دہلی اور شملہ کی جماعتوں نے ایڈریس پیش کیا۔ جس کا حضور نے جواب دیا اور ۲۳/ نومبر کی صبح کو دہلی سے روانہ ہو کر انبالہ پہنچے اور انبالہ سے بٹالہ روانہ ہوئے۔

تمام درمیانی اسٹیشنوں پر جہاں گاڑی کھڑی ہوئی۔ مختلف مقامات کی جماعتوں نے آکر شرف ملاقات حاصل کیا۔ انبالہ کے اسٹیشن پر جماعت انبالہ کی طرف سے دوپہر کا کھانا پیش کیا گیا۔ راجپورہ کے اسٹیشن پر ریاست پٹیالہ' سرہند' نابھہ اور بسی وغیرہ کی جماعتیں موجود تھیں۔ چاوا اور دوراہا کے اسٹیشنوں پر غوث گڑھ کی جماعت موجود تھی چاوا پر گاڑی اسٹیشن سے آگے نکل آئی تھی مگر اسٹیشن پر جماعت دکھائی دی۔ اس لئے گاڑی رکوائی گئی اور حضور نے کچھ دور پیدل چل کر اپنے خدام کو شرف مصافحہ بخشا۔

لدھیانہ اسٹیشن پر قابل دید منظر تھا۔ تمام جماعتیں جو ضلع لدھیانہ اور فیروزپور اور مالیرکوٹلہ سے آئی ہوئی تھیں۔ ایک خاص ترتیب سے صف بستہ کھڑی تھیں۔ شیخ محمد شفیع صاحب سیکرٹری جماعت لدھیانہ نے ایڈریس پڑھا۔ جس کا حضور نے جواب دیا۔ لدھیانہ کے بعد گاڑی جالندھر چھاؤنی پر ٹھہری۔ جہاں ضلع جالندھر' ہوشیارپور اور کپورتھلہ کی جماعت کے نمائندے کثیر تعداد میں موجود تھے۔ حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحب رئیس حاجی پورہ نے ایڈریس پڑھا پھر گاڑی جالندھر اور بیاس اسٹیشنوں پر مختصر قیام کرتی ہوئی امرتسر پہنچی جہاں پلیٹ فارم پر تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ جماعت احمدیہ کا مبارکباد اور خیر مقدم کا بلند جھنڈا لہرا رہا تھا۔ قریشی محمد حسین صاحب (موجد مفرح عنبری) قائم مقام امیر جماعت احمدیہ لاہور نے ایڈریس پڑھا اور حضور نے اس کا جواب دیا۔ جماعت امرتسر کی طرف سے کھانا پیش کیا گیا گاڑی ۱۱ بجے بٹالہ پہنچی۔

جماعت قادیان کی طرف سے بٹالہ میں حضور کے استقبال و قیام کے انتظام کے لئے احباب موجود تھے۔ حضور نے رات بٹالہ میں قیام فرمایا اور ۲۴/ نومبر ۱۹۲۴ء کو بروز "دوشنبہ مبارک دوشنبہ" بٹالہ سے بذریعہ موٹر قادیان کے لئے روانہ ہوئے۔

قادیان میں ورود مسعود اور آپ کا نہایت شاندار پُرجوش اور پُراخلاص استقبال

ادھر حضور روانہ ہوئے ادھر قادیان کے سب چھوٹے بڑے اس مقام کی طرف جانے شروع ہو گئے جو استقبالیہ کمیٹی نے قادیان اور بٹالہ کی سڑکوں کے مقام اتصال پر کنوئیں کے پاس مقرر کیا تھا۔ یہ جگہ شامیانے لگا کر قطعات اور رنگ

برنگ جھنڈیوں سے سجا کر نہایت خوبصورت بنائی گئی تھی۔ بیٹھنے کے لئے بنچ رکھے گئے تھے اور سڑک پر بہت خوبصورت دروازہ بنایا گیا جس پر اھلاً و سھلاً و مرحباً کے علاوہ دوسرے قطعات بھی آویزاں تھے۔ حضور کی تشریف آوری سے قبل بہت بڑا مجمع ہو گیا جس میں قادیان اور بیرونی جماعت کے احمدیوں کے علاوہ قادیان کے غیر احمدی آریہ اور سکھ اصحاب بھی تھے۔ منتظمین نے نہایت عمدگی سے تمام اصحاب ایک ترتیب کے ساتھ سڑک سے لے کر شامیانے تک کھڑے کر دیئے سب سے آگے حضرت مولوی شیر علی صاحب' حضرت میر محمد اسحٰق صاحب اور خاندان مسیح موعودؑ کے افراد کھڑے تھے۔

اس وقت ہر فرد ہمہ تن چشم انتظار بن کر سڑک کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے تھا کہ دور سے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی موٹر نظر آئی اور سب کے چہرے خوشی اور مسرت سے کھل گئے۔ ہر ایک کا جی چاہتا تھا کہ اڑ کر سب سے پہلے اپنے محبوب آقا کے پاس پہنچے اور زیارت کرے۔ لیکن انتظام کی پابندی کی وجہ سے مجبور تھے۔ حضور بھی اپنے خدام کے وفور شوق کو جانتے تھے۔ اس لئے حضور نے بھی انتظام کی پابندی کرانے کے لئے کہلا بھیجا کہ ہر ایک شخص اپنی اپنی جگہ کھڑا رہے۔ اپنی جگہ چھوڑ دینے والے سے مصافحہ نہیں کیا جائے گا۔

یہ ارشاد پہنچ جانے کے بعد حضور کی موٹر آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ موٹر پر سبز جھنڈا لہرا رہا تھا جو چودھری علی محمد صاحب پکڑے ہوئے تھے۔ جب حضور دروازہ کے پاس پہنچے تو پہلے حضرت مولوی شیر علی صاحب نے پھر حضرت میر محمد اسحاق صاحب نے مصافحہ و معانقہ کیا اس کے بعد حضور نے بہت دیر تک باری باری تمام مجمع سے مصافحہ کیا جب سب لوگ مصافحہ کر چکے تو حضور نے آگے بڑھ کر حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب کو گلے لگایا اور دیر تک معانقہ فرمایا۔ اس وقت حضرت صاحبزادہ صاحب کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ آپ کے بعد حضور نے حجتہ اللہ حضرت نواب محمد علی خان صاحب اور حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب سے معانقہ فرمایا اور پھر تمام مجمع کے ساتھ دعا فرمائی اور اپنے رفقاء سمیت قادیان کی طرف پیدل ہی چل دیئے۔ اس وقت ایک عظیم الشان ہجوم ساتھ تھا۔

حضور قصبہ میں داخل ہونے سے پہلے باغ میں پہنچے۔ اس وقت پھولوں کے بہت سے ہار حضور کے گلے میں تھے۔ حضور نے اس موقعہ پر فرمایا اگر یہ جائز ہوتا۔ تو میں سارے پھول حضرت مسیح موعودؑ کے مزار مبارک پر چڑھا دیتا کیونکہ یہ فتوحات کا نشان آپ ہی کے طفیل اور آپ ہی کے ذریعہ حاصل ہوا ہے۔ اس کے بعد حضور نے مقبرہ بہشتی کے پاس پہنچ کر مٹی کے لوٹے سے پانی پیا۔ پھر وضو کیا اور مزار مسیح موعودؑ پر اکیلے دعا کرنے کو تشریف لے گئے تھوڑی دیر کے بعد حضور نے اپنے رفقاء سفر بھی پاس

بلائے - پھر سب نے مل کر دعا کی - دعا کرنے کے بعد حضور نے اپنے نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کی قبر پر کھڑے ہو کر (جو آپ کے اس سفر کے دوران انتقال فرما گئے تھے) نماز جنازہ پڑھی -

مقبرہ بہشتی سے قصبہ میں داخل ہونے لگے تو حضور نے فرمایا - حافظ روشن علی صاحب داخلہ شہر کی دعا پڑھیں گے - سب دوست اسے بلند آواز سے دہراتے جائیں - اس پر حافظ صاحب دعا کا لفظ لفظ بلند آواز سے پڑھتے اور سارا مجمع اسے دہراتا - دعا یہ تھی -

آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون صدق الله وعده و نصر عبده و هزم الاحزاب وحده ·

حضور میاں محمد اسمٰعیل صاحب و میاں محمد عبداللہ صاحب جلد ساز ان کے مکان سے متصل راستے میں سے گزرتے ہوئے مہمان خانہ کے قریب پہنچے - جہاں حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے لنگر خانہ حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے خیر مقدم کیا - یہاں نواب محمد عبداللہ خان صاحب کے فرزند میاں عباس احمد صاحب اونچے چبوترے پر بٹھائے گئے تھے - جن کی طرف سے حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے ایک نان حضور کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے پیش کیا کہ "یہ تیرے اور تیرے ساتھ کے درویشوں کے لئے ہے" - حضور نے نان لیا اور اپنے رفقاء میں تقسیم کر دیا [142] - اس کے بعد جلوس پھر بلند آواز سے حمد کا یہ ترانہ پڑھتا ہوا آگے بڑھا - مدرسہ احمدیہ کی طرف سے سکول کے دروازوں کے قریب خیر مقدم اور خوش آمدید کے رنگین اور سنہری قطعے آویزاں تھے -

احمدیہ چوک میں پہنچ کر حضور نے سارے مجمع سمیت واپسی کی دُعا پڑھی - اس وقت کا نظارہ نہایت ہی رقت آمیز اور مؤثر تھا خود حضور کی آواز میں رقت اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور حاضرین بھی فرط مسرت سے رو رہے تھے اور بعض کی چیخیں بھی نکل گئیں - اس رقت انگیز حالت میں حضور نے ڈبڈبائی آنکھوں اور دردناک لہجہ میں فرمایا -

"دیکھو رسول کریم ﷺ کی یہ دعا کیسی لطیف ہے جس کا نظارہ ہم آج دیکھ رہے ہیں - یہی جگہ یہی مقام اور یہی گھر ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دعویٰ کیا تو آپ اکیلے اور تنہا تھے - کوئی ساتھی اور مددگار نہ تھا - اس وقت چاروں طرف سے آوازیں آئیں کہ نعوذ باللہ یہ فریبی ہے یہ جھوٹا ہے - دغاباز ہے اور دشمن کہتے کہ ہم اسے کیڑے کی طرح مسل دیں گے - لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے وعدوں کے مطابق آپ کی تائید اور نصرت کی اور آج اسی کمند میں جکڑے ہوئے ہم اس قدر لوگ یہاں جمع ہیں آپ ہی کے طفیل ہمیں خدا تعالیٰ نے ہر میدان میں فتح دی - اسی کے ذریعہ اور اسی کے وعدوں کے مطابق خدا تعالیٰ نے ہمیں وہ عزتیں دیں جو درحقیقت اس کے لئے آئیں اور خدا

تعالیٰ نے ہمیں ان انعامات کا وارث بنایا جن کا وعدہ آپ سے کیا گیا اور اگر حقیقت اور سچائی کو مد نظر رکھا جائے تو سچ ہے کہ ساری بڑائیاں حضرت مسیح موعودؑ کے لئے ہیں۔ محمد ﷺ کے لئے ہیں اور خدا تعالیٰ کے لئے ہیں"۔

یہ الفاظ فرمانے کے بعد حضور اس دروازہ میں سے گزر کر جو مسجد مبارک کے نیچے نہایت خوبصورتی کے ساتھ بنایا اور بیل بوٹوں سے سجایا گیا تھا۔ مسقف گلی میں سے ہو کر سیڑھیوں سے مسجد مبارک میں تشریف لے گئے اور مسجد کے اس حصہ میں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے ابتدائی زمانہ میں مسجد تھی۔ حضور نے باجماعت دو رکعت نفل اپنے رفقاء سمیت ادا فرمائے۔ نماز کے بعد حضور مجمع کو السلام علیکم کہہ کر اپنے گھر دار المسیح میں تشریف لے گئے [۱۶۳]۔

اس طرح حضور کا یہ مبارک اور تاریخی سفر جو قریباً چار ماہ پہلے ۱۲/ جولائی ۱۹۲۴ء کو شروع ہوا تھا ۲۴/ نومبر ۱۹۲۴ء کو بخیر و خوبی ختم ہوا اور آپ یورپ کے لمبے اور طویل سفر سے کامیاب و کامران فتح مندی و کامرانی کا جھنڈا لہراتے ہوئے قادیان کی مقدس سرزمین میں رونق افروز ہوئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے اپنے رفقاء سفر اور ماسٹر عبد الرحیم صاحب نیر کا شکریہ اور تحریک دعا

اسی روز حضرت مولانا شیر علی صاحب نے اہل قادیان کی طرف سے نماز عصر کے بعد مسجد اقصیٰ میں سپاسنامہ پیش کیا۔ جس کے جواب میں حضور نے سفر میں خدا تعالیٰ کی بے نظیر تائیدات پر روشنی ڈالی اور آخر میں اپنے رفقاء سفر اور حضرت ماسٹر عبد الرحیم صاحب نیر کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"آخر میں مضمون ختم کرنے سے پہلے میں اس سفر کے ساتھیوں کے متعلق بھی اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک ان سے ہو سکا انہوں نے کام کیا۔ انسانوں سے غلطیاں ہوتی ہیں اور ان سے بھی ہوئی ہیں۔ میں ان پر بعض اوقات ناراض بھی ہوا ہوں مگر میری ناراضگی کی مثال ماں باپ کی ناراضگی سی ہے جو ان کی اصلاح اور اس سے بھی زیادہ پُر جوش بنانے کے لئے ہوتی ہے۔ مگر انہوں نے اچھے کام کئے اور بڑے اخلاص کا نمونہ دکھایا ہے اور میرے نزدیک وہ جماعت کے شکریہ کے مستحق ہیں خصوصاً اس لئے کہ میرے جیسے انسان کے ساتھ انہیں کام کرنا پڑا۔ جب کام کا زور ہو تو میں چاہتا ہوں کہ انسان مشین کی طرح کام کرے نہ اپنے آرام کا اسے خیال آئے نہ وقت بے وقت دیکھے۔ جب اس طرح کام کیا جائے تو بعض اوقات اچھے سے اچھے کام کرنے والے کے ہاتھ پاؤں بھی پھول جاتے ہیں۔ مگر انہوں نے اخلاص سے کام کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ حق رکھتے ہیں کہ ان کے لئے خصوصیت سے دعائیں کی

جائیں پھر میں سمجھتا ہوں ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیر خصوصیت سے جماعت کی دعاؤں اور شکریہ کے مستحق ہیں واقفیت کی وجہ سے انہوں نے اس سفر میں بہت کام کیا ہے...... ان کی وجہ سے بھی سلسلہ کے کاموں میں بہت کچھ مدد ملی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ برادرانہ حسن سلوک کے خلاف ہو گا اگر میں اس پہلے موقعہ پر جو مجھے اظہار خیالات کا اس سفر کے بعد ملا ہے ان کی خدمات کا اظہار نہ کروں" [۱۷۷]۔

حضرت مصلح موعود کا ایک اہم مکتوب

حضرت مصلح موعود نے ۱۸/ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو خان بہادر آصف زمان صاحب آف پیلی بھیت کے نام حسب ذیل مکتوب سپرد قلم فرمایا۔

۱۸/ اکتوبر ۱۹۲۴ء

مکرمی شیخ صاحب

السلام علیکم۔ آپ کا خط مورخہ گیارہ ستمبر ملا۔ سفر کے حالات پر ہندوستان کے اخبار ہی حواس باختہ نہیں، خود ہمارے لوگ جو اس ملک کے حالات سے واقف ہیں حیران ہیں۔ پرانے رہنے والے اقرار کرتے ہیں کہ جس قدر ملک میں ہماری آمد پر شور ہوا ہے کسی بادشاہ کے آنے پر بھی پریس نے اس قدر نوٹس نہیں لیا۔ یہاں کا پریس اپنے آپ کو سب سے اوپر خیال کرتا ہے اور پھر اس قدر بدلنے والا ہے کہ ایک دن لکھ کر دوسرے دن لکھنا اپنی ہتک خیال کرتا ہے مگر ہمارے متعلق کوئی ساٹھ ستر اخبارات نے نوٹس لیا ہے اور بعض نے چھ چھ سات سات دفع لکھا ہے۔ لیکچر اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہایت کامیاب رہا آخری دن برکت دینے کی درخواست بھی مجھی سے کی گئی۔ لوگ کثرت سے سلسلہ کے حالات سے واقفیت کی طرف متوجہ ہیں آج ہی ایک شخص انگلستان کے ایک اور علاقے سے ملنے آیا ہوا تھا ایک مشہور سوسائٹی کا سیکرٹری ہے صرف ملنے کے لئے آیا تھا۔ اس سوسائٹی کی مختلف ممالک میں شاخیں ہیں اور کئی ممبر پارلیمنٹ اس میں شامل ہیں، جنگ کے خلاف سوسائٹی ہے۔

لڑکے کی پیدائش مبارک ہو۔ خدا تعالیٰ اسے خاندان کے لئے بھی بابرکت کرے اور خود اسے بھی صاحب فضل بنائے نام حمید زمان رکھیں اور اگر یہ نام پہلے کسی لڑکے یا اور رشتہ دار کا ہو تو ناصر زمان۔

میری صحت بالکل خراب ہو گئی ہے آنکھیں بہت کمزور ہو گئی ہیں بظاہر پچھلے چھ ماہ سے متواتر کام نے ناقابل تلافی نقصان پہنچا دیا ہے۔ ڈاکٹر لمبے اور فوری آرام کا مشورہ دیتے ہیں مگر سردست یہ میسر ہوتا نظر نہیں آتا۔

وعلی اللہ التوکل

خاکسار

مرزا محمود احمد

ویمبلے کانفرنس لندن کی رپورٹ

"ویمبلے کانفرنس لندن" کی مفصل رپورٹ جس میں دوسرے مضامین کے علاوہ حضور کا مضمون بھی شامل تھا ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی جس کے دیباچہ میں صدر انتظامیہ کانفرنس مذاہب لندن ڈینی سن راس (Denison Ross) نے لکھا۔

"جیسا کہ ہمیں پہلے ہی علم تھا کہ لنڈن میں ان تمام مدعوین کی حاضری ممکن نہیں تھی جنہیں ہم نے کانفرنس میں مضمون پڑھنے کے لئے دعوت دے رکھی تھی لیکن بیرون سے اس کا جواب حوصلہ افزاء تھا۔ چنانچہ ہم خلیفۃ المسیح امام جماعت احمدیہ کے خاص طور پر ممنون ہیں کہ آپ نے اپنے ارادہ سے فوراً آگاہ فرمادیا کہ آپ اپنے چند رفقاء سمیت خاص طور پر کانفرنس میں شمولیت کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ کی اس قابل ذکر مستعدی کی اخبارات میں کافی اشاعت ہوئی اور آپ کا یہ کار عظیم ہماری کانفرنس کے لئے خاص دلچسپی کے پیدا کرنے کا موجب ہوا۔

کانفرنس کے دوران بہت سی استقبالیہ دعوتیں منعقد ہوئیں۔ ایک تو لیڈی بلام فیلڈ (Blom field) کی طرف سے (Claridgen) ہوٹل میں وقوع پذیر ہوئی اور دوسری رٹز (Ritz) ہوٹل میں مکرم اے آر درد کی طرف سے۔ تاکہ احمدیہ جماعت کے امام سے ملاقات اور تعارف ہو سکے۔ جو گروپ فوٹو وہاں لئے گئے وہ اپنے اندر ان اجتماعات کے وسیع المشرب اور صلح کل ہونے پر واقعاتی شہادت ہیں۔

کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں مضمون پڑھنے والوں میں سے خاص تعداد کو پلیٹ فارم پر بلایا گیا۔ چند مختصر لیکچر دیئے گئے۔ جن میں کانفرنس کی کامیابی پر اطمینان کا اظہار کیا گیا۔ ان میں سے ہز ہولی نس خلیفۃ المسیح کا نہایت شاندار لیکچر اردو زبان میں تھا۔

قرآن مجید کی آیات کی تلاوت بھی کی گئی جو کہ ووکنگ مسجد کے مفتی اور ہمارے مہمان صوفی روشن علی صاحب آف رنمل نے کی۔ (ترجمہ انگریزی)

("ریویو آف ریلیجنز" آف دی ایمپائر صفحہ ۵-۶)

سیکرٹری ویمبلے کانفرنس کے نام مکتوب

(حضرت امتہ الحی صاحبہؓ کی وفات پر ویمبلے کانفرنس کی سیکرٹری مس شارپلز (M.M Sharples) نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں تعزیت نامہ لکھا جس کے جواب میں حضور نے وسط ۱۹۲۵ء میں ایک اہم مکتوب لکھا۔ جس کا وہ حصہ جو حضور کی مقدس زندگی پر روشنی ڈالتا ہے۔ درج ذیل کیا جاتا ہے)

"مکرمہ! مجھے افسوس ہے کہ بوجہ ماہ رمضان کے آجانے کے میں آپ کے خط کا جلد جواب نہ دے سکا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا اور میرے ساتھیوں کا دل اس محبت اور ہمدردی کے شکریہ سے لبریز ہے جس سے آپ ہماری پارٹی سے پیش آئیں اور ہم اسے ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ میں اس ہمدردی کا بھی شکرگزار ہوں جس کا اظہار آپ نے میری پیاری بیوی کی وفات کے متعلق کیا ہے۔ میری مرحومہ بیوی ایسا علمی مذاق رکھتی تھیں اور میری تسلی کا ایسا موجب تھیں کہ ان کی وفات میرے لئے نہایت تکلیف کا موجب تھی اور اس وجہ سے میں آپ کی ہمدردی کا اور بھی زیادہ ممنون ہوں۔ گو مجھے اللہ تعالیٰ نے میرے ولایت کے سفر سے پہلے ہی اس واقعہ کی اطلاع دے دی تھی اور میں نے شائع بھی کر دیا تھا کہ میرے اہل کے متعلق ایک سخت حادثہ پیش آنے والا ہے مگر میرے قومی فرائض مجھے مجبور کرتے تھے کہ میں اپنے ذاتی احساسات کو سلسلہ کے مفاد پر قربان کر دوں۔ لیکن باوجود اس کے کہ اس حادثہ کے متعلق ایک حد تک پہلے سے علم تھا پھر بھی یہ واقعہ میرے سفر سے واپسی کے اس قدر قریب ہوا کہ قدرتاً اس کی تکلیف زیادہ محسوس ہوئی لیکن میں اللہ تعالیٰ کی قضا پر خوش ہوں اور کوئی تکلیف مجھے اس کے دین کی خدمت سے غافل نہیں کر سکتی۔ (انشاء اللہ) ایک دن بھی ایسا نہیں گزرتا کہ میں مرحومہ کو یاد نہ کرتا ہوں اور اس کے لئے دعا نہ کرتا ہوں۔ لیکن میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے دیکھتا ہوں کہ میرا دل خدا کی راہ میں قربان ہونے کے لئے پہلے سے بھی زیادہ تیار ہے میں مرحومہ کو بھولنا پسند نہیں کرتا گویا رفتگان ہمیشہ غمگین رہنے والی ہوتی ہے کیونکہ میرے نزدیک ایک وفادار بیوی سے ادنیٰ وفاداری ہم یہ کر سکتے ہیں کہ باوجود تکلیف کے ہم اس کی یاد کو تازہ رکھیں تا اس کے لئے دعا کرتے رہیں"۔

پانچواں باب (فصل دوم)

سفر یورپ کے تفصیلی حالات فصل اول میں بیان ہو چکے ہیں۔ اب ۱۹۲۴ء کے بقیہ واقعات فصل دوم میں درج کئے جاتے ہیں۔

امریکہ کے مستشرق پادری زویمر قادیان میں

امریکہ کے مشہور و معروف مستشرق زویمر مرکز احمدیت دیکھنے کی غرض سے ۲۸/ مئی ۱۹۲۴ء کو قادیان آئے۔ آپ نے مرکزی ادارے دیکھنے کے بعد حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی اور سلسلہ کا لٹریچر لینے کے بعد رخصت ہوئے [۱۶۵]۔ اور امریکہ پہنچ کر ایک سرکلر خط شائع کیا۔ جس میں عیسائی دنیا سے اپیل کی کہ اسے جماعت احمدیہ کے مقابلہ کے لئے خاص تیاری کرنی چاہئے۔ کیونکہ "جدید اسلام" جماعت احمدیہ کے ذریعے سے یورپ و امریکہ میں مضبوط ہو رہا ہے [۱۶۶]۔

پادری زویمر نے چرچ مشنری ریویو لنڈن میں "ہندوستان میں اسلام" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا اور اس میں اپنی آمد قادیان کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا۔

"ہمارا استقبال نہایت گرم جوشی کے ساتھ کیا گیا۔ در حقیقت انہوں نے ایک دوسرے ریلوے اسٹیشن [۱۶۷] پر ہمیں لانے کے لئے آدمی بھیجا (مگر ہم دوسرے رستہ آگئے اور ہمیں گھنٹوں کی بجائے دنوں تک قادیان میں ٹھہرنے کی دعوت دی........ یہاں سے نہ صرف رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" شائع ہوتا ہے بلکہ تین اور رسائل بھی نکلتے ہیں اور لندن' پیرس' برلن' شکاگو' سنگاپور اور تمام مشرق قریب کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ چھوٹے چھوٹے دفاتر ہر قسم کے دستیاب ہونے والے سامان۔ مختلف قسم کی انسائیکلوپیڈیا ڈکشنریوں اور عیسائیت کے خلاف لٹریچر سے بھرے پڑے ہیں یہ ایک اسلحہ خانہ ہے جو ناممکن کو ممکن بنانے کے لئے تیار کیا گیا ہے اور ایک زبردست عقیدہ ہے۔ جو پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا دیتا ہے" [۱۶۸]۔ (ترجمہ)

حادثہ بھیرہ

وسط جولائی ۱۹۲۴ء میں جماعت احمدیہ بھیرہ ایک خطرناک ابتلا میں مبتلا ہو گئی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک غیر احمدی مولوی صاحب نے احمدیت کے خلاف مسلسل اشتعال پھیلا کر شہر کی فضا مکدر کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غیر احمدیوں نے احمدیوں کے خلاف بلوہ کر دیا۔ جس میں خود غیر احمدی اصحاب کے ہاتھوں ان ہی کے ایک ساتھی مارے گئے۔ جس پر بائیس بے گناہ احمدی حوالات میں

دے دیئے گئے [۱۴۹]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو اس حادثہ کا علم ہوا تو حضور نے بذریعہ تار مولوی شیر علی صاحب کو ہدایت فرمائی کہ "یہ حادثہ جماعت احمدیہ کی تاریخ میں نہایت اہم ہے سلسلہ کی حفاظت نہایت ضروری ہے اپنے طور پر تحقیقات کریں اگر اس میں احمدیوں کا قصور نکلے تو ان کو تنبیہہ کی جانی چاہئے اور جو شخص یا اشخاص اس فساد کے اصل بانی ہوں ان کا مقاطعہ کرنے کے متعلق میرے پاس رپورٹ آنی چاہئے۔ لیکن اگر وہ مظلوم ہوں تو انہیں اپنے سلسلہ کا احترام قائم رکھنے کے لئے ہر طرح سے پوری امداد دینی چاہئے .... بھیرہ کے احمدیوں کو ہدایت کر دی جائے کہ وہ اپنے تمام بیانات وغیرہ میں صداقت اور محض صداقت کو اختیار کریں" [۱۵۰]۔

اس ارشاد پر حضرت مفتی محمد صادق صاحب، مولوی فضل الدین صاحب وکیل اور مولوی فضل الٰہی صاحب نے نہایت محنت سے تحقیقات کر کے مفصل رپورٹ دی کہ بھیرہ کے احمدی مدتوں کی دشمنی اور ایک مولوی صاحب کے اشتعال کا شکار ہوئے ہیں [۱۵۱]۔

دار التبلیغ ایران

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۲/ جولائی ۱۹۲۴ء کو شہزادہ عبد المجید صاحب لدھیانوی کو ایران میں احمدیہ مرکز قائم کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ آپ کے ہمراہ مولوی ظہور حسین صاحب اور محمد امین خان صاحب بھی تھے۔ جن کو بخارا میں احمدیت کا پیغام پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا۔ حضرت شہزادہ صاحب جو اس تبلیغی وفد کے امیر تھے اپنے دوسرے ساتھیوں سمیت ۱۶/ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو ایران کے مشہور شہر مشہد میں پہنچے اور پانچ چھ دن کے بعد مشہد سے طہران (دار الخلافہ ایران) میں تشریف لے گئے اور وہاں نیا دار التبلیغ قائم کیا۔

حضرت شہزادہ عبد المجید صاحب ضعیف العمر بزرگ اور قدیم صحابہ میں سے تھے اور نہایت اخلاص سے اپنے خرچ پر آئے تھے۔ مگر اخراجات یہاں آکر ختم ہو گئے۔ پیچھے کوئی جائیداد تھی نہیں۔ مرکز سے مستقل مالی امداد ان کو دی نہیں جاتی تھی۔ اس لئے آخر عمر میں بعض اوقات اپنے زائد کپڑے فروخت کر کے گزارہ کرتے تھے۔ اور جیسا کہ بعض دیکھنے والوں کا بیان ہے آپ معمولی سی صف اور نہایت مختصر سے بستر پر رات بسر کیا کرتے تھے۔ یہاں تک نوبت آجاتی کہ کپڑے دھونے کے لئے خرچ باقی نہ رہتا [۱۵۲]۔ بایں ہمہ آپ نے آخر دم تک اپنا عہد نبھایا اور اپنی بے نفس خدمات سے باقاعدہ جماعت قائم کر دی [۱۵۳]۔ ۲۳/ فروری ۱۹۲۸ء کو تہران میں انتقال فرما گئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ان کی وفات پر فرمایا۔

"شہزادہ عبد المجید صاحب .... افغانستان کے شاہی خاندان سے تھے اور شاہ شجاع کی نسل سے

تھے۔ آپ نہایت ہی نیک نفس اور متوکل آدمی تھے میں نے جب تبلیغ کے لئے اعلان کیا کہ ایسے مجاہدوں کی ضرورت ہے جو تبلیغ دین کے لئے زندگی وقف کریں تو انہوں نے بھی اپنے آپ کو پیش کیا۔ اس وقت ان کے پاس کچھ روپیہ تھا۔ انہوں نے اپنا مکان فروخت کیا تھا۔ رشتہ داروں اور اپنے متعلقین کا حصہ دے کر خود ان کے حصہ میں جتنا آیا۔ وہ ان کے پاس تھا۔ اس لئے مجھے لکھا کہ میں اپنے خرچ پر جاؤں گا۔ اس وقت میں ان کو بھیج نہ سکا اور کچھ عرصہ بعد جب ان کو بھیجنے کی تجویز ہوئی تو اس وقت وہ روپیہ خرچ کر چکے تھے۔ مگر انہوں نے ذرا نہ بتایا کہ ان کے پاس روپیہ نہیں ہے۔ وہ ایک غیر ملک میں جا رہے تھے۔ ہندوستان سے باہر کبھی نہ نکلے تھے اس ملک میں کسی سے واقفیت نہ تھی۔ مگر انہوں نے اخراجات کے نہ ہونے کا قطعاً اظہار نہ کیا اور وہاں ایک عرصہ تک اسی حالت میں رہے انہوں نے وہاں سے بھی اپنی حالت نہ بتائی نہ معلوم کس طرح گزارہ کرتے رہے پھر مجھے اتفاقاً پتہ لگا۔ ایک دفعہ دیر تک ان کا خط نہ آیا اور پھر جب آیا تو لکھا تھا چونکہ میرے پاس ٹکٹ کے لئے پیسے نہیں تھے اس لئے خط نہ لکھ سکا۔ اس وقت مجھے سخت افسوس ہوا کہ چاہئے تھا جب ان کو بھیجا گیا۔ اس وقت پوچھ لیا جاتا کہ آپ کے پاس خرچ ہے یا نہیں۔ پھر میں نے ایک قلیل رقم ان کے گزارہ کے لئے مقرر کر دی۔ وہاں کے لوگوں پر ان کی روحانیت کا جو اثر تھا اس کا پتہ ان چٹھیوں سے لگتا تھا جو آتی رہی ہیں۔ ابھی پرسوں اترسوں ۱۵۴ اطلاع ملی ہے کہ آپ یکم رمضان (۱۳۴۶ھ) کو فوت ہو گئے دس دن بیمار رہے ہیں پہلے ہلکا ہلکا بخار رہا۔ آخری دن بہت تیز بخار ہو گیا۔ جب ڈاکٹر کو بلایا تو اس نے کہا ہسپتال لے چلو۔ دوسرے دن وہاں لے جانا تھا کہ فوت ہو گئے ان کی تیمارداری کرنے والے رات بھر جاگتے رہے۔ سحری کے وقت آپ نے ایک دو دفعہ پانی مانگا تیماردار صبح کی نماز کے بعد سو گئے اور بارہ بجے کے قریب ان کی آنکھ کھلی تو آپ فوت ہو چکے تھے۔ جس طرح قسطنطنیہ کی خوش قسمتی تھی کہ وہاں حضرت ایوب انصاری دفن ہوئے...... اسی طرح یہ ایران کے لئے مبارک بات ہے کہ وہاں خدا تعالیٰ نے ایسے شخص کو وفات دی جسے زندگی میں دیکھنے والے ولی اللہ کہتے تھے اور جسے مرنے پر شہادت نصیب ہوئی۔" ۱۵۵

حضرت شہزادہ عبدالمجید صاحب تہران کے جنوبی طرف شہر کے سب سے بڑے قبرستان میں دفن کئے گئے۔ ۱۹۵۳ء تک آپ کا مزار مبارک موجود تھا مگر اس کے بعد یہ قبرستان ہموار کر کے اس پر عمارتیں تعمیر کر دی گئیں اور اس کا ظاہری نشان بھی مٹ گیا۔

حضرت شہزادہ عبدالمجید خان صاحبؓ کے بعد مندرجہ ذیل مبلغین ایران تشریف لے گئے۔

(۱) حضرت میر مہدی حسین صاحب (۲) حضرت بابو فقیر علی صاحب (۳) شیخ عبدالواحد صاحب (۴)

مولوی صدر الدین صاحب (۵) مولوی عبد الخالق صاحب۔

اول الذکر دونوں بزرگ آنریری مبلغ تھے اور مؤخر الذکر تحریک جدید کے مبلغ جو ۱۹۴۵ء سے ۱۹۵۵ء کے عرصہ میں بالترتیب ایران گئے اور مصروف تبلیغ رہے۔

دار التبلیغ ایران کی طرف سے مندرجہ ذیل فارسی لٹریچر اب تک شائع ہو چکا ہے۔

"فلسفہ اصول اسلام"۔ "اسلامی اصول کی فلاسفی" کا ترجمہ (از حضرت مولوی عبید اللہ صاحب بسمل و چوہدری احمد دین صاحب وکیل گجرات) ترجمہ براہین احمدیہ جلد اول۔ (از مولوی صدر دین صاحب فاضل) "گلدستہ بہار"۔ (حضرت مسیح موعودؑ کے کلام فارسی و عربی کا انتخاب۔ شائع کردہ مولوی صدر الدین صاحب فاضل۔) "حقیقت اسلام" (ترجمہ لیکچر حضرت مسیح موعودؑ جلسہ ۱۹۰۶ء۔ شائع کردہ مولوی صدر الدین صاحب فاضل) "پیغام احمدیت" (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا لیکچر۔ مترجم شیخ عبد الواحد صاحب فاضل) "شمشیر براں" [۱۵۶]۔ "افضل الانبیاء"۔ "نعمت الهام وباب و بہا" [۱۵۷]۔ "اولین مسجد اسلامی در لندن" (تالیف مولوی صدر الدین صاحب فاضل)

حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے خلفاء اور دوسرے مصنفین کا لٹریچر تہران کے "کتاب خانہ ملی" (پبلک لائبریری) "کتاب خانہ شوریٰ ملی" (قومی اسمبلی کی لائبریری) "دانش گاہ تہران" (یونیورسٹی) اور "دانشکدہ ادبیات" (آرٹس کالج) میں موجود ہے اور ایران کے مذہبی حلقے خصوصاً عیسائیت اور بہائیت کے رد کے لئے جماعت احمدیہ کا لٹریچر بڑی دلچسپی سے مطالعہ کرتے ہیں اور اسے اسلام کی خدمت قرار دیتے ہیں [۱۵۸]۔

مبلغ احمدیت مولوی ظہور حسین صاحب پر روسی حکومت کے دردناک مظالم جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے بخارا کا تبلیغی وفد (جو مولوی ظہور حسین صاحب اور مولوی محمد امین خان صاحب پر مشتمل تھا) ۱۶/ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو ایران کے شہر مشہد میں پہنچا۔ یہاں مولوی ظہور حسین صاحب تپ محرقہ میں مبتلا ہو کر ہسپتال میں داخل ہو گئے مگر مولوی محمد امین خان صاحب جو ۱۹۲۱ء میں بھی بخارا کا سفر کر چکے تھے۔ ۶/ نومبر ۱۹۲۴ء کو بخارا کی طرف چل دیئے اور کچھ عرصہ تک تبلیغی کام کرنے کے بعد حاجی مردان قل ساکن بخارا کو لے کر واپس قادیان آگئے [۱۵۹]۔

اب مولوی ظہور حسین صاحب کی سنئے۔ مولوی صاحب موصوف نے اپنی بیماری سے شفایاب ہوتے ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں لکھا کہ میں بیماری سے اٹھا ہوں اور سخت کمزور ہوں۔ سردی بھی سخت پڑنے لگی ہے اور برفباری بھی شروع ہو گئی ہے۔ پھر میں نہ روسی زبان سے واقف

ہوں نہ رستہ کا علم ہے۔ ویزا بھی نہیں ملا۔ خرچ بھی کم ہے۔ مگر ان مایوس کن حالات کے باوجود میں بخارا جانے سے رک نہیں سکتا کیونکہ مجھے یقین ہے کہ حضور کی دعائیں مجھے ناکام نہ ہونے دیں گی۔

مولوی صاحب یہ اطلاع دینے کے بعد اکیلے ہی ۸/ دسمبر ۱۹۲۴ء کو بخارا کی طرف چل دیئے اور ڈیڑھ دن کے بعد رات روسی ترکستان کی سرحد میں داخل ہو گئے مگر ار تھک اسٹیشن سے بخارا کا ٹکٹ لے کر گاڑی پر سوار ہو رہے تھے کہ گرفتار کر لئے گئے اور آپ کو جاسوس سمجھ کر پہلے ار تھک' پھر عشق آباد' تاشقند اور ماسکو کے قید خانوں کی تاریک کوٹھڑیوں میں رکھ کر بہت تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ مگر ان مصائب کے باوجود آپ نے قید خانہ میں بھی برابر تبلیغ جاری رکھی چالیس کے قریب قیدیوں کو احمدی کر کے روس میں احمدیت کا بیج بو دیا۔

مولوی ظہور حسین صاحب نے اپنی "آپ بیتی" میں بڑی تفصیل سے اپنے دردناک حالات شائع کر دیئے ہیں۔ ہم "آپ بیتی" کا ایک اقتباس ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"الغرض جب حکومت کے اکثر افراد نے جو میرے سخت مخالف ہو گئے انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے جاسوسی کا الزام لگا کر قتل کر دیا جائے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ شخص بیان میں قابو نہیں آتا تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک کاغذ خود ہی فارسی زبان میں لکھ کر اس جگہ پر اس طرح پھینکا جائے کہ اسے علم نہ ہو...... میرے کمرے میں دو روشندان تھے وہاں سپاہی مقرر کر دیئے گئے...... تاکہ جب مجھے سوتا ہوا دیکھیں روشندان کے ذریعہ سے کاغذ پھینک دیں اور ادھر دروازہ پر جو سپاہی ہے۔ وہ فوراً دروازہ کھول کر تلاشی لے کر کاغذ پکڑے اور مجھ کو ملزم ثابت کر دے.... پس میں نہ رات کو سوتا نہ دن کو...... اسی طرح کئی دن تک میرا حال رہا کہ نہ میں رات کو سوتا نہ دن کو۔ نہ کھانا صبح کھاتا نہ شام کو۔ جب مجھ کو سخت بھوک لگتی تو نہایت کم ایک دو لقمے کھاتا ادھر...... دو ماہ سے متواتر سؤر کا گوشت قید میں دیتے تھے اور روسی یا مسلمانوں کی کوئی تمیز نہ تھی میں بجائے گوشت کے گرم پانی سے روٹی بھگو کر کھایا کرتا تھا کئی وقت پانی نہ پینے..... اور کھانا نہ کھانے کے باعث اور بہت کم سونے کے باعث...... سخت لاغر اور کمزور ہو گیا...... ایک بار رات کے آٹھ نو بجے کا وقت تھا ایک حاکم جو سپاہی سے بڑا عہدہ رکھتا تھا اس نے دروازہ کھول کر مجھے پکڑ لیا اور اوپر سے روشندان کی طرف سپاہی کو دیکھ کر روسی زبان میں کہا کہ جلدی کاغذ پھینک۔ جب میں نے سپاہی کو روشندان سے دیکھا تو اس وقت بے اختیار میں اونچی آواز سے بڑے حاکم (یعنی اس کے عہدہ کا نام لے کر) پکارا...... تو پانچ چار اور سپاہی میرے کمرے میں آئے اور مجھ کو پکڑ کر دوسرے تاریک و سیاہ کمرے میں لے گئے...... پھر ایک لکڑی کا اچھا لمبا اور چوڑا تختہ لائے جس پر مجھ کو اس قدر سخت جکڑا کہ میری بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ میں ساری رات......

شدت درد کے باعث جو میرے بازوؤں کو بوجہ سختی سے پیچھے کی طرف باندھنے کے ہوتی تھی جاگتا رہا ......جس وقت مجھ کو پیشاب آیا تو میں نے اسی طرح کہ جس طرح لیٹا ہوا تھا اوپر ہی کیا کیونکہ باندھنے اور پھر تختے کے ساتھ جکڑنے کے باعث میں ادھرادھر ہل نہیں سکتا تھا...... اس رات اپنی سخت تکلیف دیکھ کر میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور ایک دعا یہ کی کہ اے خدا! تو میرے آقا حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ کو خبر دے دے کہ میں قید میں اس تکلیف میں مبتلا ہوں...... اللہ تعالیٰ نے..... دوسرے تیسرے دن مجھ کو بذریعہ خواب بتایا کہ حضور میرے لئے کوشش فرمارہے ہیں جس پر مجھ کو یقین ہو گیا کہ یہ خواب درست ہے۔ چنانچہ جب عاجز آزاد ہو کر قادیان آیا تو میرے استاذ محترم حضرت حافظ روشن علی صاحب ؓ نے مجھ کو واضح الفاظ میں فرمایا کہ حضور کو خوابوں کے ذریعہ تیرے قید ہونے اور تکالیف برداشت کرنے کی خبر دی گئی تھی۔ چنانچہ اس بناء پر حضور نے حضرت مفتی محمد صادق صاحب ؓ کو جو ان دنوں ناظر امور خارجہ تھے حکم دیا کہ آپ فوراً ماسکو میں انگریز سفیر کو اس مضمون کا خط لکھیں کہ ہم نے ایک سال سے اپنا مبلغ بخارا کی طرف بھیجا ہوا ہے جس کا ہم کو کچھ علم نہیں ہو سکا"۔ [۱۱۰]

المختصر روسی حکام نے ڈیڑھ پونے دو سال تک آپ کو قید رکھنے کے بعد ہنزلی (ایران کی بندرگاہ) پر چھوڑ دیا۔ جہاں سے آپ تہران۔ بغداد۔ بصرہ اور کراچی سے ہوتے ہوئے ۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۶ء کی صبح کو قادیان پہنچ گئے [۱۱۱]۔

مولوی صاحب کی واپسی پر "کشمیر اخبار" لاہور نے "ایک احمدی کا قابل تقلید مذہبی جوش" کے عنوان سے لکھا "مولوی ظہور حسین مبلغ احمدیت جو دو سال سے بالکل لاپتہ تھے پھر ہندوستان واپس آگئے ہیں اس دوران میں آپ کو بہت سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ اپنے ایک خط میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں بغیر پاسپورٹ کے بے کسی اور بے بسی کی حالت میں مشہد سے بخارا کی طرف جانا پڑا اور وہ بھی دسمبر کے مہینہ میں جبکہ راستہ برف سے سفید ہو رہا تھا۔ راستے میں روسیوں کے ہاتھ پڑ گئے۔ جہاں آپ پر مختلف مظالم توڑے گئے۔ قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ بے رحمی سے مارا گیا۔ تاریک کمروں میں رکھا گیا۔ کئی کئی دن سئور کا گوشت کھانے کے لئے ان کے سامنے رکھا گیا۔ لیکن وہ سرفروشِ عقیدت جادہ استقلال پر برابر قائم رہا۔ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ کوئی شخص جو قید خانہ میں انہیں دیکھنے آیا۔ ان کی تعلیمات کی بدولت احمدی ہوئے بغیر باہر نہ نکلا۔ اس طرح تقریباً چالیس اشخاص احمدی ہو گئے۔ جو باتیں آج مولوی ظہور حسین سے جیل کے اندر اور جیل سے باہر ظہور میں آئی ہیں قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں اشاعت مذہب کے لئے ایسی ہی تڑپ ہوا کرتی تھی۔ کیا ہمارے ناظرین کو معلوم نہیں ہے

کہ امام ابو حنیفہؒ جیل کے اندر بھی لوگوں کو درس دیتے رہے احمدی مسلمانوں کے عقائد اور عام مسلمانوں کے عقائد میں بوجہ احمدیت اور محمدیت بہت کچھ اختلاف ہے تاہم اس امر کو بلاخوف تردید تسلیم کر لینا چاہئے کہ ہمارے اندر وہ اخلاص و عزم اور وہ تڑپ اپنے مذہب کی حمایت و اشاعت کے لئے نہیں جو ایک معمولی احمدی بھی اپنے دل کے اندر رکھتا ہے۔

کاش! اسلام کے دوسرے فرقے بھی کفر سازی و کفر پروری کی بجائے ایسے ہی مجاہد پیدا کر سکیں" [162]۔

مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی دردناک شہادت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ابھی لنڈن میں ہی تشریف رکھتے تھے کہ یہ دردناک اطلاع پہنچی کہ امیر امان اللہ خاں شاہ افغانستان کے حکم سے کابل میں احمدی مبلغ مولوی نعمت اللہ خان صاحب ۳۱/ اگست ۱۹۲۴ء کو ۳۴ سال کی عمر میں محض احمدی ہونے کی وجہ سے سنگسار کر دیئے گئے [163]۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

مولوی نعمت اللہ خاں صاحب (ابن امان اللہ) کابل کے پاس ایک گاؤں خوجہ تحصیل رخہ ضلع پنج شیر [164] کے رہنے والے تھے احمدی ہونے کے بعد وہ سلسلہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے قادیان چلے گئے اور مدرسہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ ۱۹۱۹ء میں جبکہ وہ ابھی تعلیم پا رہے تھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ان کو کابل کے احمدیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے افغانستان بھجوا دیا اور چونکہ احمدیوں کے لئے وہاں امن نہیں تھا۔ اس لئے آپ نے انفرادی رنگ میں اپنے بھائیوں کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رکھا۔ اسی دوران میں ۲۰/ فروری ۱۹۱۹ء کو امیر حبیب اللہ خاں شاہ افغانستان قتل ہو گئے تو امیر امان اللہ خاں نے تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد اپنی سلطنت میں کامل مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا [165]۔

اس اعلان پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اگست ۱۹۱۹ء میں نیک محمد خاں صاحب غزنوی (سابق گورنر غزنی امیر احمد خاں کے فرزند) اور بعض دوسرے اصحاب کو افغانستان سے آمدہ ایک نمائندہ وفد سے ملاقات کے لئے منصوری بھجوایا۔ جو محمود طرزی صاحب (وزیر خارجہ افغانستان) کی قیادت میں انگریزوں سے معاہدہ صلح طے کرنے کے لئے آیا تھا۔ حضور کا مقصد یہ تھا کہ افغان حکومت کی موجودہ پالیسی کا علم ہو جائے۔ کہ کیا احمدیوں کے لئے بھی مذہبی آزادی ہے اور وہ احمدی افغان جو مذہب میں مداخلت کی وجہ سے اپنے وطن سے ہجرت کر کے قادیان آگئے ہیں واپس اپنے گھروں کو جا سکتے ہیں۔ اس افغان وفد میں ایک ہندو وزیر خزانہ افغانستان بھی شامل تھے انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ یہ میر احمد خاں (رئیس و سابق گورنر غزنی) کا لڑکا ہے اور چودہ سال [166] کی عمر میں احمدیت کے اظہار کی آزادی نہ پا کر

قادیان آگیا ہے تو انہوں نے روتے ہوئے گلے لگالیا اور کہا کہ تمہارا باپ تو میرا بھائی تھا۔ تم اپنے وطن میں واپس آجاؤ۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ یہی وعدہ محمود طرزی صاحب نے کیا [۱۶۷]۔ اور یہ بھی یقین دلایا کہ افغانستان میں کسی احمدی کو قطعاً کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ کیونکہ ظلم کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔

وفد کے دوسرے ممبروں کے دل پر بھی نیک محمد خاں صاحب کی حالت زار دیکھ کر بہت اثر ہوا اور ان کی آنکھوں سے آنسو آگئے کہ ایسے معزز خاندان کے بچے اس عمر میں اپنے عزیزوں سے جدا ہو کر دوسرے وطنوں کو جانے پر مجبور ہوں۔ موجودہ شاہ افغانستان امیر امان اللہ خان کے وقت میں نہ ہوگا۔

احمدی وفد اپنے نزدیک بہت کامیاب واپس آیا۔ مگر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے مزید احتیاط کرتے ہوئے مولوی نعمت اللہ خاں صاحب کو ہدایت فرمائی کہ وہ محمود طرزی صاحب سے ان کی واپسی پر ملیں اور ان سے احمدیوں پر ہونے والے ظلم کا تذکرہ کریں اور شاہ کابل کے سامنے اپنے خیالات پیش کرنے کی بھی اجازت لیں۔ محمود طرزی صاحب نے ملاقات کے بعد ان احمدیوں کی تکلیف کا ازالہ کر دیا۔ لیکن چونکہ افغانستان کے بعض علاقوں سے یہ خبریں برابر آرہی تھیں کہ احمدیوں پر برابر ظلم ہو رہا ہے۔ اس لئے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے حکم سے وزیر خارجہ افغانستان اور مشہور ترکی جرنل جمال پاشا (مقیم افغانستان) کو بذریعہ خط توجہ دلائی گئی [۱۶۸]۔ اس کے جواب میں کابل کی وزارت خارجہ کی طرف سے سردار محمود طرزی صاحب نے لکھا۔

"دو قطعہ مکتوب شما تاریخ ۳۰/ ماہ اپریل ۱۹۲۱ء عیسوی بعنوان جناب جلالت مآب جمال پاشا و بنام ایں خدمتگار عالم اسلام رسیدہ۔ مضامین و مطالب آنرا مطالعہ کردہ الیٰ آخرہ دانستہ شدیم۔ جواباً ے نگاریم کہ در سلطنت اعلیٰ حضرت غازی پادشاہ معظم افغانستان ہیچ یک زحمت یا تکلیفے از طرف حکومت دربارہ تابعین و متعلقین شما در خاک افغانستان ابراز نیافتہ"۔

"اگر سیاہہ اشخاص تابعین خود راکہ در خاک افغانستان سکونت دارند برائے ما بفرستید، ممکن است اگر تکلیفے دربارہ شاں وارد شدہ باشد رفع شود"۔

یعنی آپ کے دو خط مورخہ ۳۰/ اپریل ۱۹۲۱ء جناب جلالت مآب جمال پاشا اور عالم اسلام کے اس خدمت گار کے نام پہنچے جن کے تمام مطالب و مضامین سے آگاہی ہوئی۔ جواباً لکھا جاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت غازی (امان اللہ خاں) کے عہد حکومت میں کابل کی سرزمین میں رہنے والے آپ کے متبعین اور متعلقین کو کسی قسم کی زحمت یا تکلیف حکومت کی طرف سے نہیں پہنچائی گئی اور اگر ملک افغانستان میں سکونت رکھنے والے احمدیوں کی فہرست ہمارے پاس بھیج دیں تو ممکن ہے کہ اگر انہیں کوئی تکلیف ہوئی ہو تو اس کا ازالہ کر دیا جائے [۱۶۹]۔

اس مراسلہ کے کچھ عرصہ بعد علاقہ خوست کے بعض احمدیوں کو پھر تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ تو جماعت احمدیہ شملہ نے سفیر افغانستان (متعین ہندوستان) کی معرفت حکومت افغانستان کو ایک درخواست بھیجی۔ ۲۴/ مئی ۱۹۲۳ء کو سفیر افغانستان کی معرفت جواب ملا۔ کہ احمدی امن کے ساتھ حکومت کے ماتحت رہ سکتے ہیں ان کو کوئی تکلیف نہیں دے سکتا۔ باقی وفادار رعایا کی طرح ان کی حفاظت کی جائے گی۔ جواب میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ یہ معاملہ حضرت شاہ معظم کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اور آپ کے مشورہ سے لکھا جا رہا ہے۔

اب جماعت احمدیہ پوری طرح مطمئن تھی کہ افغانستان میں مذہبی آزادی کا دور دورہ ہے مگر ۱۹۲۳ء کے آخر میں اطلاع ملی کہ دو احمدیوں کو حکومت افغانستان نے قید کر لیا ہے۔ اس اطلاع کے چند ماہ بعد شروع جولائی ۱۹۲۴ء میں مولوی نعمت اللہ صاحب کو بھی حکام نے بلایا اور بیان لیا کہ وہ احمدی ہیں؟ پہلے تو ان کو یہ صحیح بیان دینے پر کہ وہ احمدی ہیں رہا کر دیا گیا۔ مگر پھر جلدی ہی آپ جیل میں ڈال دیئے گئے۔

۲۸/ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ (مطابق یکم اگست ۱۹۲۴ء) کو مولوی نعمت اللہ صاحب نے قید خانہ سے فضل کریم صاحب بھیروی (مقیم کابل) کے نام ایک مفصل خط لکھا [۱۷۰]۔ جس میں اپنے حالات ان الفاظ میں بتائے کہ "یہ کمینہ داعی اسلام تیس روز سے ایسے قید خانہ میں ہے جس کا دروازہ اور روشندان بھی بند رہتے ہیں اور صرف ایک حصہ دروازہ کھلتا ہے کسی کے ساتھ بات کرنے کی بھی ممانعت ہے جب میں وضو وغیرہ کے لئے جاتا ہوں تو ساتھ پہرہ ہوتا ہے خادم کو قید خانہ میں آنے کے دن سے لے کر اس وقت تک چار کوٹھڑیوں میں تبدیل کیا جا چکا ہے لیکن جس قدر بھی زیادہ اندھیرا ہوتا ہے اسی قدر خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے روشنی اور اطمینان قلب دیا جاتا ہے......... یہ خط لے کر حضرت خلیفۃ المسیح کے حضور بھیج دیں۔ علاوہ ازیں بذریعہ تار یا خط میرے احمدی بھائیوں کو میرے حال سے اطلاع دے دیں تا وہ دعا فرماویں کہ خدا تعالیٰ مجھے دین متین کی خدمت میں کامیاب کرے۔ میں ہر وقت قید خانہ میں خدا تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ "الٰہی اس نالائق بندہ کو دین کی خدمت میں کامیاب کر میں یہ نہیں چاہتا کہ مجھے قید خانہ سے رہائی بخشے اور قتل ہونے سے نجات دے بلکہ میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ الٰہی اس بندۂ نالائق کے وجود کا ذرہ ذرہ اسلام پر قربان کر" [۱۷۱]۔ (ترجمہ از فارسی)

الغرض مولوی نعمت اللہ خاں محکمہ شرعیہ ابتدائیہ [۱۷۲] میں پیش کئے گئے۔ جس نے ۱۱/ اگست ۱۹۲۴ء کو آپ کے ارتداد اور واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ ۱۶/ اگست ۱۹۲۴ء کو آپ عدالت مرافعہ کابل کے سامنے پیش کئے گئے۔ جس نے آپ کے دوبارہ بیانات لئے اور ارتداد سے متعلق پہلے

فیصلہ کی توثیق کرتے ہوئے مزید حکم یہ دیا کہ نعمت اللہ خان کو قتل کرنے کی بجائے ایک بڑے ہجوم کے سامنے سنگسار کیا جائے [۱۶۳]۔

اس فیصلہ کے مطابق ۳۱/ اگست ۱۹۲۴ء کو پولیس نے مولوی صاحب کو ساتھ لے کر کابل کی تمام گلیوں میں پھرایا اور ہر جگہ منادی کی کہ یہ شخص آج ارتداد کی پاداش میں سنگسار کیا جائے گا لوگ اس موقعہ پر حاضر ہو کر اس میں شامل ہوں۔ دیکھنے والوں کی شہادت ہے جس وقت آپ کو گلیوں میں پھرایا جا رہا تھا اور سنگساری کا اعلان کیا جا رہا تھا تو آپ گھبرانے کی بجائے مسکرا رہے تھے۔ گویا آپ کی موت کا فتویٰ نہیں دیا جا رہا تھا بلکہ عزت افزائی کی خبر سنائی جا رہی تھی۔

آخر عصر کے وقت ان کو کابل کی چھاؤنی کے میدان میں (جسے شیرپور کہا جاتا ہے [۱۶۴]) سنگسار کرنے کے لئے لے جایا گیا تو انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس دنیا کی زندگی ختم ہونے سے پہلے ان کو اپنے رب کی عبادت کرنے کا آخری موقعہ دیا جائے حکام کی اجازت ملنے پر انہوں نے نماز پڑھی اور اس کے بعد کہا کہ اب میں تیار ہوں جو چاہو سو کرو۔

چنانچہ آپ کمر تک گاڑ دیئے گئے اور پہلا پتھر کابل کے سب سے بڑے عالم نے پھینکا اس کے بعد ان پر چاروں طرف سے پتھروں کی بارش شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ آپ پتھروں کے ڈھیر کے نیچے دب گئے اور خدا تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولوی نعمت اللہ خان صاحب نے شہادت کے وقت جس جذبہ فدائیت اور ایمانی جرأت کا نمونہ دکھایا۔ اس کا اقرار کرتے ہوئے کابل کے ایک نیم سرکاری اخبار نے ۶/ ستمبر ۱۹۲۴ء کی اشاعت میں لکھا۔ "مولوی نعمت اللہ بڑے زور سے احمدیت پر پختگی سے مصر رہا اور جس وقت تک اس کا دم نہیں نکل گیا سنگساری کے وقت بھی اپنے عقیدہ کو باآواز بلند ظاہر کرتا رہا"۔

اخبار "ڈیلی میل" کے کابلی نامہ نگار نے بتایا۔ "ایک بہت بڑا مجمع یہ فتویٰ عمل میں لانے کا نظارہ دیکھنے کے لئے جمع ہو گیا تھا مگر اپنے نہایت ہی خوفناک انجام کے باوجود (جو اس کا انتظار کر رہا تھا) وہ شخص نہایت مضبوط اور پختگی کے ساتھ اپنے عقائد کا اظہار کرتا رہا اور اپنے آخری سانس تک اپنے عقیدہ پر قائم رہا۔ اسی حالت میں کہ وہ اپنے مذہبی عقائد کا اظہار کر رہا تھا اس کثرت سے پتھروں کی بوچھاڑ ہونی شروع ہو گئی کہ چند لمحوں میں اس کا جسم کلی طور پر پتھروں کے بہت بڑے تودے کے نیچے دب گیا [۱۶۵]۔ (ترجمہ)

اسی طرح ایک آریہ اخبار "پرکاش" نے ۲۱/ ستمبر ۱۹۲۴ء کے پرچہ میں لکھا۔ "ہمارا احمدیوں سے سخت اختلاف ہے...... لیکن باوجود اس کے ہم انہیں مبارکباد دیتے ہیں کہ ان کی جماعت کے ایک

فرد نے اپنے مذہب کے لئے شہید ہونا منظور کیا ہے۔ اگرچہ کابل کی عدالت نے کہہ دیا تھا کہ مولوی نعمت اللہ کے لئے بروئے شرع توبہ بھی نہیں ہے تاہم ان کے باعث فخر ہے کہ انہوں نے آخری وقت تک توبہ نہیں کی پتھر کھا کھا کر مرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ ایک انتہائی ایذا کی موت ہے باوجود اس کے انہوں نے اسے منظور کیا لیکن احمدی ہونے سے انکار نہیں کیا" [۱۷۶]۔

حضرت مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی شہادت کے بعد ان کی لاش پر پہرہ لگا دیا گیا۔ ان کے بوڑھے غیر احمدی باپ نے حکام سے لاش لینے کی درخواست کی مگر حکومت نے صاف انکار کر دیا [۱۷۷]۔

انصاف پسند دنیا کا زبردست احتجاج

اس دردناک حادثہ کی خبر شائع ہونے پر ہر ملک میں شہید کی مظلومیت پر گہرے رنج والم کا اظہار کیا گیا اور تمام متمدن اور انصاف پسند دنیا نے اس کارروائی کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا چنانچہ جہاں یورپ کے اخباروں مثلاً "ٹائمز"۔ "آبزرور"۔ "فنانشل ٹائمز"۔ "نیئر ایسٹ"۔ "ڈیلی ٹیلیگراف"۔ "مارننگ پوسٹ"۔ "ڈیلی نیوز"۔ "ڈیلی میل" نے [۱۷۸] اس کے خلاف سخت احتجاج کیا اور نوٹ لکھے وہاں ہندوستان کے مسلم اور غیر مسلم پریس [۱۷۹]۔ نے بھی اس کے خلاف زبردست آواز اٹھائی چنانچہ بطور نمونہ چند اخباروں کے اقتباس درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ مشہور شیعہ اخبار "ذوالفقار" نے ۸/ ستمبر ۱۹۲۴ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"نہایت افسوس ہے کہ مولوی صاحب مرحوم ایک احمدی مسلمان تھے۔ قرآن ایک ہے۔ خدا ایک ہے۔ رسول ایک' کعبہ ایک۔ پانچ وقت کی نماز پڑھتا اور روزے رکھتا تھا صرف اس کا یہ جرم تھا کہ وہ امیر افغانستان کے مذہب کا مسلمان نہیں تھا۔ جو پہلے گرفتار کر لیا گیا اور اس کو اپنے مذہب پر پھیرنے کی بہت کوشش کی گئی مگر اس نے قبول نہیں کیا۔ اس لئے ظالمانہ سزا سے ایک غریب الوطن کو قتل کر دیا گیا۔ خدا مرحوم کو غریق رحمت کرے۔ اس رنج میں ہمیں احمدی صاحبان سے دلی ہمدردی ہے اور امیر کے اس فعل ظالمانہ سے سخت نفرت ہے جس حکومت میں یہ ظلم اور ستم روا رکھا گیا ہے اس کا کاسۂ عمر جلد ٹوٹ جائے گا۔ ایسی حکومت دیرپا نہیں رہتی" [۱۸۰]۔

۲۔ صوبہ بنگال کے بااثر ہندو اخبار "بنگالی" (کلکتہ) نے ۹/ ستمبر ۱۹۲۴ء کی اشاعت میں لکھا۔ "یہ فعل ہر رنگ میں بالکل خلاف انسانیت اور وحشیانہ ہے مگر اس معاملہ میں جو دھوکہ دہی اور بدعہدی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اس حکومت نے ضمیر کی کامل آزادی کا اعلان کیا تھا" [۱۸۱]۔

۳۔ اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور (۱۵/ ستمبر ۱۹۲۴ء) نے لکھا۔

"افغان عدالتوں کا...... سارا فیصلہ ایک ایسے جاہلانہ مذہبی تعصب سے لبریز نظر آتا ہے کہ جس

کے امکان کا تصور بھی بیسویں صدی میں مشکل سے ہو سکتا ہے یہ بات بے شک باور کی جاسکتی ہے کہ اس مقدمہ کی تہہ میں ایک پولیٹکل تحریک تھی یعنی درحقیقت اس کا موجب وہ عنصر ہوا جس کو خوش کرنے اور جس کی مخالفت کو موافقت سے بدلنے کا امیر کو خاص فکر ہے کیونکہ اس کی اصلاحات پر ان بے حد متعصب لوگوں کی طرف سے خلاف شرع اسلام ہونے کا الزام لگایا گیا ہے ہم کہتے ہیں کہ اگر امیر کا منشا اپنی سلطنت کے ان بڑھتے ہوئے متعصب لوگوں کو خوش کرنا ہی تھا تو یہ بات اس نے اس نیک نامی پر قربان کرکے حاصل کی ہے جو اس کی گورنمنٹ کو ترقی یافتہ ہونے اور مذہبی رواداری کے لئے حاصل ہو سکتی تھی" [۱۸۲]۔

۴۔اخبار "مسلم" لاہور نے ۱۷/ ستمبر ۱۹۲۴ء کو لکھا۔

"حکومت افغانستان کا یہ فعل کہ مولوی نعمت اللہ خان صاحب کو محض مرزا صاحب کا پیرو ہونے کی وجہ سے مرتد قرار دیا اور پھر اس خام خیالی پر سنگسار کر دیا مسلمان کہلانے والوں کے لئے باعث شرم ہے" [۱۸۳]۔

۵۔ "پیسہ اخبار" لاہور (۱۸/ ستمبر ۱۹۲۴ء) نے لکھا۔ "گو ابھی تک اس واقعہ کی مزید تفصیل دستیاب نہیں ہوئی۔ لیکن اب پائنیر سے معلوم ہوا ہے کہ متعصب عقیدہ کے مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے اس سزا کی اجازت دے دی ہوگی۔ چونکہ افغانستان میں اسلام سلطنت کا مذہب ہے اور اسی کے استحکام پر سلطنت کے استحکام کا مدار ہے۔ اس لئے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے لیکن احمدی صاحبان کا یہ اعتراض بھی بجا ہے کہ امیر صاحب نے سال گزشتہ میں مذہبی حریت کا اعلان کر دیا تھا ...... حضرت خلیفتہ المسلمین معزول سلطان عبدالمجید خاں نے بھی سوئٹزرلینڈ سے کابل کے اس مذہبی قتل پر سخت صدائے احتجاج بلند کی ہے اور دول یورپ کو اس پر توجہ دلائی ہے۔ معلوم نہیں دول یورپ افغانستان کے اس مذہبی معاملہ میں کیا مداخلت کر سکتی ہے بہرحال واقعہ افسوسناک ہے"۔

۶۔ "آریہ پتر" (۲۴/ ستمبر ۱۹۲۴ء) نے لکھا۔ "غیر مسلم مذہب کے لوگ اکثر یہ کہا کرتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت کا انحصار زیادہ تر جبر و تشدد اور تلوار پر ہے۔ لیکن مسلم اصحاب اس کی تردید کرتے ہیں اور ان کا دعویٰ یہ ہے کہ اسلام کی عالمگیر اخوت اور اس کے عقائد کی خوبیاں ہی اس کی اشاعت کا خاص سبب ہیں۔ جو ہو ابھی حال میں کابل کی خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ ہز میجسٹی امیر کابل نے ایک احمدی بھائی نعمت اللہ خاں کو اس لئے نہایت بے رحمانہ اور وحشیانہ طریق پر ہلاک کر دیا کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود مانتا تھا...... اس ایک واقعہ سے مذہبی معاملات میں اسلامی اسپرٹ کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے" [۱۸۴]۔

۷۔الہ آباد کے انگریزی اخبار "لیڈر" نے ۲۵/ستمبر ۱۹۲۴ء کو لکھا:۔

"نعمت اللہ خان کی ہلاکت کے لئے جو خلاف انسانیت اور انتہائی درجہ کا سفاکانہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ یقیناً ساری دنیا کی مہذب اقوام کے دل کو ہلادے گا ایک احمدی نامہ نگار کا بیان ہے کہ اس غریب کو کابل کی تمام گلیوں میں پھرایا گیا۔ اور پولیس اس کے ساتھ ساتھ اعلان کرتی گئی کہ اسے کفر کے جرم میں سنگسار کیا جائے گا لوگ اکٹھے ہو کر اس کی خوفناک ہلاکت کا مشاہدہ کریں۔ پھر اسے کابل چھاؤنی میں ایک کھلی جگہ لے جا کر کمر تک زمین میں گاڑ دیا گیا۔ تب کابل کے مفتی نے اس پر پہلا پتھر پھینکا۔ اس کے بعد چاروں طرف سے اس بے چارے پر پتھروں کی بارش ہونے لگی جو اس وقت تک برابر جاری رہی جب تک وہ پتھروں کے ایک بڑے ڈھیر کے نیچے دب نہ گیا۔ قتل کا یہ وحشیانہ طریقہ کابل کی اعلیٰ ترین عدالت کے حکم سے عمل میں لایا گیا جس نے حکم دیا تھا کہ عوام الناس کی موجودگی میں اسے سنگساری سے ہلاک کیا جائے" ۱۸۵۔

۸۔ کلکتہ کے انگریزی اخبار "مسلمان" نے ۲۶/ستمبر ۱۹۲۴ء کی اشاعت میں لکھا۔ "گورنمنٹ کابل نے مولوی نعمت اللہ خاں کو محض احمدی ہونے کی وجہ سے فتویٰ موت صادر کرنے میں جس بے جا تعصب کا اظہار کیا ہے اور جس وحشیانہ طریق سے ان کا قتل عمل میں لایا گیا ہے ہماری حقیر رائے میں اسلام اور انسانیت کے لئے باعث ننگ و عار ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور فرقہ حنفیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہی والئی افغانستان کا مذہب ہے۔ ہم احمدی فرقہ کے بعض عقائد سے متفق نہیں اور گو ہم مذہبی عالم ہونے کا دعویٰ نہیں رکھتے لیکن یہ خیال بھی نہیں کر سکتے کہ ہماری شریعت میں ایسی ناروا داری ہے کہ محض اختلاف عقائد کی وجہ سے حکومت ہونے کی صورت میں قتل کو روا رکھتی ہو۔ عیسائی اور یہودی تو رسول ﷺ کی نبوت کے ہی قائل نہیں کیا انہیں بھی سنگسار کرنا چاہئے۔ اگر ایسا ہی ہے تو کیوں عدالت ہائے افغانستان نے ان عیسائیوں اور یہودیوں کے خلاف جو مملکت افغانستان میں بستے ہیں فتویٰ موت صادر نہیں کیا...... ہم یہ ضرور کہیں گے کہ نعمت اللہ خاں پر فتویٰ اور اس پر طریق عمل نے ہمیں سخت نقصان پہنچایا ہے...... یہ اسلام کے خوبصورت چہرہ پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ مہذب دنیا میں یہ فعل اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ناپسندیدہ خیالات پیدا کرے گا۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ اس غلطی کا اعادہ نہ ہو گا اور آئندہ افغانستان اس امر کو گوارا نہ کرے گا کہ اسے تعصب اور ناروا داری کا مجسمہ سمجھا جائے" ۱۸۶۔

۹۔اخبار "وکیل" امرتسر نے اپنی ۲۷/ستمبر ۱۹۲۴ء کی اشاعت میں لکھا۔

"یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ افغانستان کے اس فیصلے سے پہلے ہمارے مسلم معاصرین فرقہ احمدیہ

کو ایک اسلامی فرقہ تسلیم کرتے تھے اور فتنہ ارتداد کے متعلق اس کے افراد کی مساعی حسنہ کو اپنے کالموں میں انتہائی استحسان کے ساتھ درج کیا کرتے تھے۔ ممالک غیر میں اشاعت اسلام کے متعلق ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان اختلافات کو فروعی قرار دیتے تھے جو احمدی و غیر احمدی مسلمانوں کے عقائد میں موجود ہیں۔ پھر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کونسا نیا تغیر فرقہ احمدیہ کے عقائد میں رونما ہو گیا ہے کہ وہ ایک احمدی کو مرتد قرار دینے لگے ہیں...... اگر حکومت افغانستان نے کسی سیاسی امر کی بناء پر ایک احمدی کا قتل مناسب خیال کیا تھا تو اسلام کے دامن کو اس سیاہ دھبے سے آلودہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ وہ اپنے فیصلہ میں صاف لکھ سکتی تھی کہ اس شخص کو کسی سیاسی امر کی بناء پر قتل یا سنگسار کیا جاتا ہے۔ اس نے محض ارتداد کو موجب رجم قرار دینے میں غلطی کی اور شریعت سے منسوب کر کے اس غلطی کو اور بھی غلیظ بنا دیا۔ ہمارے بعض علماء و معاصرین نے اس غلطی کی تائید کرنے میں اسلام کی نہیں بلکہ اپنے معاندانہ جذبات کی ترجمانی کی ہے" [۱۸۷]۔

۱۰۔ لکھنؤ کے مشہور روزانہ اخبار "اودھ" (۵/اکتوبر ۱۹۲۴ء) نے لکھا۔

"یہ معاملہ محض ایک قادیانی کی سنگساری کا معاملہ نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کابل کی سلطنت میں کوئی شخص ایسے اعتقادات و خیالات رکھ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ جو وہاں کے با اقتدار علماء و حکام کے خلاف ہوں۔ ہمیں یقین ہے کہ تمام متمدن دنیا اب اس تاریک حد سے بہت دور چلی گئی ہے۔ جبکہ آزادی رائے و خیال پر بھی پابندیاں عائد تھیں۔ اب کسی متمدن ملک میں دلوں پر حکومت کرنے کی کوشش ویسی نہیں ہو رہی ہے جیسی کہ کبھی زمانہ جاہلیت میں ہوتی ہو گی۔ اس وجہ سے اس متمدن دنیا میں اور اس آزادی کے دور میں کابل کا واقعہ تمام دنیا کو حیرت میں ڈالنے کے لئے کافی ہے [۱۸۸]۔

۱۱۔ اخبار "تہذیب نسواں" (لاہور) نے ۱۴/اکتوبر ۱۹۲۴ء میں لکھا۔

"اعلیٰ حضرت امیر کابل نے تخت نشینی کے موقع پر اپنی سلطنت میں ہر قوم کو پوری مذہبی آزادی دینے کا بڑے زور سے اعلان فرمایا تھا۔ ایسے اعلان کے بعد اس قسم کے دردناک واقعہ کا ظہور میں آنا بے انتہا افسوس کی بات ہے۔ احمدی فرقے کے مسلمان بالعموم دیندار امن پسند مرنج مرنجان لوگ ہیں۔ عقائد میں ان کا ہم سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو۔ مگر اسلام کی خدمت جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ خدمت ہم مسلمانوں کے کسی اور فرقہ سے نہیں ہو سکتی۔ ملکانہ راجپوتوں میں فرائض تبلیغ جس خوبی سے ان خادمان دین نے ادا کئے ہیں وہ اب تک کسی دوسرے فرقے سے ادا نہیں ہو سکے۔ پھر ان خدمات کے علاوہ انگلستان اور امریکہ میں احمدی فرقے کے مبلغین خدمات اشاعت اسلام کے باب میں بالکل منفرد ہیں۔ یہ خدمات مسلمانوں کے اور کسی فرقے سے نہیں ہو سکیں اور اب کوئی کرے گا تو

انہیں کی تقلید کرنے والا ہو گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جو ثواب ان نیک بندوں کی مساعی جمیلہ کے لئے لکھا گیا ہو گا وہ اب دوسروں کو ملنا مشکل ہو گا۔

حریفاں باده ہا خوردند و رفتند
تہی خمخانہ ہا کردند و رفتند

ایسے مفید و نیک دل گروہ کے مبلغ کو یوں بے دردی سے پتھراؤ کر کے ہلاک کر دیا جائے کتنے شدید اور خوفناک ظلم کی بات ہے۔ اس واقعہ جانکاہ کا ذرا تصور دل میں لاؤ کہ جس وقت ایسے بے گناہ مظلوم کو میدان میں کھڑا کر کے اس پر پتھر مارنے شروع کئے ہوں گے اور وہ اس کے منہ، سر اور آنکھوں پر لگے ہوں گے اور سر کی ہڈیاں ٹوٹ کر ہر طرف خون کی دھاریں چل رہی ہوں گی۔ اس وقت اس عاجز، بے بس و بے کس کا کیا حال ہوا ہو گا۔ لکھا ہے کہ اس شدید عذاب سے ان کی روح جسم سے مفارقت کر گئی اور ان کے دلفگار رفیقوں نے پتھروں میں سے ان کی نعش نکالنی چاہی تو اشقیاء نے انہیں اس کی بھی اجازت نہ دی" [۸۹]۔

۱۲۔ "آل انڈیا مسلم لیگ" کے صدر آنریبل سید رضا علی صاحب نے مولوی نعمت اللہ خان کی سنگساری کے دلخراش واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

"اگر کسی سیاسی جرم میں انہیں سزا دی گئی ہوتی تو ہمیں کوئی سروکار نہ ہوتا۔ لیکن اخباروں میں جو فیصلے شائع ہوئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں بعلت ارتداد سنگسار کیا گیا اور یہی باعث ہے جو مسلمان بے تعلق نہیں رہ سکتے۔ مذہبی اختلافات پر بحث کرنے کی مجھ میں اہلیت نہیں۔ یہ کہہ سکتا ہوں کہ کسی اسلامی حکومت کو یہ حق نہیں کہ محض کسی روحانی عقیدہ کے لئے وہ اپنی کسی رعایا کو قتل کرے۔ اگر یہ خیال پھیلا کہ اسلامی حکومتیں رواداری نہیں برت سکیں تو اسلام کی اخلاقی قوت بہت کمزور ہو جائے گی" [۹۰]۔

۱۳۔ اخبار "ذوالفقار" نے ۸/ اکتوبر ۱۹۲۴ء کے پرچہ میں دوبارہ لکھا۔

"ہمیں احمدی صاحبان سے مذہباً کوئی اتفاق رائے نہیں ہے۔ مگر انسانی ہمدردی یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم امیر افغانستان کے اس ظالمانہ اور بے رحمانہ فعل پر اظہار رنج و نفرین کریں اور اس کو متعصب اور مذہبی دیوانہ اور نا قابل حکومت اور سلطنت کہیں۔ کسی والئی ملک کا یہ فرض منصبی نہیں ہے کہ وہ اپنے مذہب سے اختلاف رائے رکھنے والے کمزور کسی فرقہ یا شخص کو موت کے گھاٹ اتارتا جائے اور زبردست قوم کے دباؤ سے دبتا رہے" [illegible]۔

جمعیتہ العلماء ہند کی طرف سے امان اللہ خاں کو مبارکباد

متمدن اور مہذب دنیا کے اس احتجاج عام کے مقابل ہندوستان کے متعصب اور سنگدل علماء نے اس خبر پر خوشی کے شادیانے بجائے چنانچہ "جمعیتہ العلماء ہند" کی طرف سے مولوی حبیب اللہ صاحب ناظم دارالعلوم دیوبند نے امیر امان اللہ خاں کو مبارکباد کا تار دیا اور لکھا کہ۔

"مرکزی جماعت دارالعلوم دیوبند دلی مسرت واطمینان کے ساتھ اس امر کا اظہار کرتی ہے کہ اعلیٰ حضرت امیر غازی نے ایک مرتد پر حسب قواعد شرعیہ حدود تعزیر جاری کرکے امیر شہید رحمتہ اللہ علیہ کے اسوہ حسنہ پر عمل اور خلفاء راشدین کے مبارک عہد اور ملوک عادلہ اسلام کے طریق کو زندہ کیا ہے۔ یہ ایک فیصلہ ہے جس نے ہندوستان کی فضا میں ایسے وقت جبکہ قادیانی رہزن نام نہاد مذہبی آزادی کی آڑ لے کر غارتگری میں مصروف تھے۔ سکون واطمینان پیدا کردیا ہے اور جو نہایت قبولیت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے...... اعلیٰ حضرت امیر غازی اپنے اس غیر متزلزل اتباع شریعت پر صد ہزار مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اور یہی وہ امر ہے جو ہم کو دولت خداداد کی ترقی واستحکام اور ملت افغانیہ کے عروج کی غیبی بشارت سناتا ہے" [۱۹۲]۔

حضرت خلیفتہ المسیح کا پیغام جماعت احمدیہ کے نام

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے مولوی نعمت اللہ خان صاحب شہید کے سانحہ شہادت پر ۴/ ستمبر ۱۹۲۴ء کو جماعت احمدیہ کے نام پیغام دیا کہ "برادران! غم کے اس وقت میں ہمیں اپنے فرض کو نہیں بھلانا چاہئے۔ جو ہمارے اس مبارک بھائی کی طرف سے ہم پر عائد ہوتا ہے۔ جس نے اپنی جان خدا کے لئے قربانی کردی ہے اس نے اس کام کو شروع کیا ہے جسے ہمیں پورا کرنا ہے آؤ ہم اس لحہ سے یہ مصمم ارادہ کرلیں کہ ہم اس وقت تک آرام نہیں کریں گے جب تک ہم ان شہیدوں کی زمین کو فتح نہیں کرلیں گے (یعنی وہاں احمدیت نہیں پھیلالیں گے) صاحبزادہ عبداللطیف صاحب۔ نعمت اللہ خان صاحب اور عبدالرحمٰن صاحب کی روحیں آسمان سے ہمیں ہمارے فرائض یاد دلارہی ہیں اور میں یقین کرتا ہوں کہ احمدیہ جماعت ان کو نہیں بھولے گی [۱۹۳]۔

اس پیغام پر جماعت کے بہت سے مخلصین نے حضور کی خدمت میں اپنے نام پیش کئے کہ وہ کابل میں جاکر تبلیغ کرنے اور مولوی نعمت اللہ خاں کی طرح جان قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔

چنانچہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب نے لکھا۔

سیدنا وامامنا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میری زندگی اب تک ایسی ہی گزری ہے کہ سوائے اندوہ وندامت کے اور کچھ حاصل نہیں۔ میں اکثر غور کرتا ہوں کہ یہ بھی کیسی زندگی ہے کہ سوائے روزی کمانے کے کسی اور کام کی فرصت نہ ملے اور دنیا کے دھندوں میں پھنسا انسان طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا رہے۔ آج جو ایک خوش قسمت کے محبوب حقیقی کے ساتھ وصال کی خبر آئی تو جہاں دل میں ایک شدید درد پیدا ہوا وہاں یہ بھی تحریک ہوئی کہ تمہارے لئے یہ موقع ہے کہ اپنی ناکارہ زندگی کو کسی کام میں لاؤ اور اپنے تئیں افغانستان کی سرزمین میں حق کی خدمت کے لئے پیش کرو۔ پھر میں اچانک رکا کہ کیا یہ محض میرے نفس کی خواہش نمائش تو نہیں کہ اس یقین پر کہ مجھے نہیں بھیجا جائے گا اپنے تئیں پیش کرتا ہے اور میں نے اپنے ذہن میں ان مصائب اور مشکلات کا اندازہ کیا جو اس رستہ میں پیش آئیں گی اور اپنے تئیں سمجھایا کہ فوری شہادت ایک ایسی سعادت ہے جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی اور کیا تم محض اس لئے اپنے تئیں پیش کرتے ہو کہ شہادت کا درجہ حاصل کرو اور دنیا کے افکار سے نجات حاصل کرو یا تمہارے اندر یہ ہمت ہے کہ ایک لمبا عرصہ زندہ رہ کر ہر روز اللہ تعالیٰ کے رستہ میں جان دو اور متواتر شہادت سے منہ نہ موڑو۔ حضور انور میں کمزور ہوں' سست ہوں' آرام طلب ہوں لیکن غور کے بعد میرے نفس نے یہی جواب دیا ہے کہ میں نمائش کے لئے نہیں' فوری شہادت کے لئے نہیں' دنیا کے افکار سے نجات کے لئے نہیں بلکہ اپنے گناہوں کے لئے توبہ کا موقعہ میسر کرنے کے لئے' اپنی عاقبت کے لئے ذخیرہ جمع کرنے کے لئے' اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے اپنے تئیں اس خدمت میں پیش کرتا ہوں اگر مجھ جیسے نابکار گنہگار سے اللہ تعالیٰ یہ خدمت لے اور مجھے یہ توفیق عطا فرمائے کہ میں اپنی زندگی کے بقیہ ایام اس کی رضا کے حصول میں صرف کردوں تو اس سے بڑھ کر میں کسی نعمت اور کسی خوشی کا طلب گار نہیں۔

حضور میں مضمون نویس نہیں اور حضور کی بارگاہ میں تو نہ زبان یاری دیتی ہے نہ قلم جیسے کسی نے کہا ہے۔ ؎

بے زبانی ترجمان شوق بے حد ہو تو ہو
ورنہ پیش یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں

اس لئے اس پر بس کرتا ہوں کہ میں جس وقت حضور حکم فرمادیں افغانستان کے لئے روانہ ہونے کو تیار ہوں اور فقط حضور کی دعاؤں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلبگار رہوں۔

والسلام

حضور کا ادنیٰ ترین خادم

خاکسار ظفر اللہ

(رسالہ ''خالد'' دسمبر ۱۹۸۵ء وجنوری ۱۹۸۶ء صفحہ ۱۸۱ تا ۱۸۴)

سید ولی اللہ شاہ صاحب نے اپنی درخواست میں لکھا۔ "میرا نام بھی ان مجاہدین کی فہرست میں داخل فرمائیں۔ جو جام شہادت کے پینے کے لئے تیار ہو رہے ہیں"۔

مولوی عبد المغنی خان صاحب نے درخواست دی کہ "حضرت نعمت اللہ خاں شہید کے واقعہ پر اگر حضور پسند فرمائیں تو میں اس امر کے لئے تیار ہوں کہ کابل جاکر شہید موصوف کے قدم بقدم چل کر سنگسار کیا جاؤں"۔

مولوی ابو العطاء صاحب فاضل نے درخواست پیش کی کہ "حضور سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھ گناہگار کو اس خدمت کے لئے قبول فرمایا جاوے اور دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ کامل ایمان' استقامت اور ثبات عطا فرمائے"۔

منشی عبد الخالق صاحب کپور تھلوی نے لکھا۔ "خادم کو مکرم برادرم مولوی نعمت اللہ خان صاحب شہید کے شہادت پانے سے جدائی کا سخت صدمہ پہنچا ہے...... اب وہ جگہ شہید کی کابل میں خالی ہے۔ لہٰذا امیدوار ہوں کہ اس جگہ پر کمترین کی پرورش فرمائی جائے اور کابل بھیج دیا جائے۔ شاید اسی راستہ سے اس نابکار کو وصالِ الٰہی ہو۔ خادم حضور انور نے فارسی کی مشق شروع کر دی ہے اور قرآن مجید کا ترجمہ فارسی میں دیکھنا شروع کر دیا ہے"۔

ان کے علاوہ کئی اور مخلصین نے اپنے تئیں اس خدمت کے لئے پیش کیا۔ مثلاً مولانا غلام رسول صاحب راجیکی۔ ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب (سابق مہر سنگھ) ملک صلاح الدین صاحب [۱۹۴] - نذیر احمد علی صاحب۔ چوہدری بدر الدین صاحب مبلغ ملکانہ۔ غلام رسول صاحب افغان۔ احمد نور صاحب کابلی۔ میاں عطاء اللہ صاحب (بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی ایڈووکیٹ) مولوی غلام احمد صاحب فاضل بدوملہوی۔ سید لال شاہ صاحب (اول مدرس لوئر مڈل سکول شرقپور ضلع شیخوپورہ) ماسٹر نذیر احمد صاحب چغتائی۔ مولوی محمد شہزادہ خاں صاحب۔ شیخ نیاز محمد صاحب انسپکٹر پولیس کراچی۔ حافظ محمد ابراہیم صاحب قادیان۔ مولوی محمد حسین صاحب مبلغ ملکانہ۔

پانچواں باب (فصل سوم)

دو بزرگ ہستیوں کا انتقال

اس سال کے نہایت اہم اور دردناک واقعات میں سے یہ ہے کہ حضرت ناناجان میر ناصر نواب صاحب اور حضرت امتہ الحی صاحبہ (حرم ثانی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) جیسی بزرگ ہستیاں بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت میر ناصر نواب صاحب کا وصال ۱۹/ ستمبر ۱۹۲۴ء کو ہوا[۱۰۵]۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے جسمانی تعلق اور عظیم الشان خدمات دینیہ کے باعث سلسلہ احمدیہ میں آپ کو ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ اکل حلال' جرأت ایمانی' محنت و مشقت' استقلال' سخاوت' ہمدردی خلق اور احکام شریعت کا کمال اہتمام آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکا تھا۔ پوری عمر قال اللہ اور قال الرسول پر سختی سے کاربند رہے۔ سلسلہ کی خدمت کا ہر کام اعزازی کیا۔ اور آنریری کام کرنے کے باوجود تنخواہ لینے والوں سے زیادہ محنت و استقلال کا ثبوت دیا (آپ کی خدمات کا تذکرہ "تاریخ احمدیت" جلد سوم میں کیا جاچکا ہے)

حضرت میر صاحب کی وفات کے دو ماہ بعد ۱۰/ دسمبر ۱۹۲۴ء کو (ام خلیل) حضرت امتہ الحی صاحبہ بھی اپنے مولا سے جا ملیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے آپ کی وفات پر فرمایا۔

"عورتوں پر خصوصیت سے میری اس بیوی کا احسان ہے۔ حضرت خلیفہ اولؓ کی وفات کے بعد میرا منشا نہیں تھا کہ میں عورتوں میں درس دیا کروں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ بہت ہی بڑی ہمت کا کام ہے کہ ایسے عظیم الشان والد کی وفات کے تیسرے روز ہی امتہ الحی نے مجھ کو رقعہ لکھا (اس وقت میری ان سے شادی نہیں ہوئی تھی) کہ مولوی صاحب مرحوم اپنی زندگی میں ہمیشہ عورتوں میں قرآن کریم کا درس دیا کرتے تھے۔ اب آپ کو خدا نے خلیفہ بنایا ہے۔ حضرت مولوی صاحب نے اپنی آخری ساعت میں مجھے وصیت فرمائی کہ میرے مرنے کے بعد میاں سے کہہ دینا کہ وہ عورتوں میں درس دیا کریں۔ اس لئے میں اپنے والد صاحب کی وصیت آپ تک پہنچاتی ہوں۔ وہ کام جو میرے والد صاحب کیا کرتے تھے۔ اب آپ اس کو جاری رکھیں وہ رقعہ ہی تھا جس کی بناء پر میں نے عورتوں میں درس دینا شروع کیا اور وہ رقعہ ہی تھا جس کی وجہ سے میرے دل میں ان سے نکاح کا خیال پیدا ہوا۔ پس اگر اس درس کی وجہ سے کوئی فائدہ عورتوں کو پہنچا ہو تو یقیناً اس کے ثواب کی مستحق بھی مرحومہ ہی ہے...... بلکہ حق تو یہ

ہے کہ عورتوں میں خطبہ - لیکچرز سوسائٹیاں اور ہر ایک خیال جو عورتوں کے متعلق ہو سکتا ہے اس کی محرک وہی ہیں" [۱۹۶]-

لاہور میں مسلم لیگ کا اجلاس اور حضرت خلیفہ ثانی کی سیاسی راہنمائی

ملک میں دو مشہور سیاسی پارٹیاں قائم تھیں آل انڈیا نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ - کانگریس کی بنیاد ایک انگریز مسٹر ہیوم نے ۱۸۸۵ء میں رکھی [۱۹۷] - اور ابتداءً اس کے بنیادی مقاصد میں انگریزی حکومت اور ہندوستانیوں کے درمیان رابطہ پیدا کرنا تھا جو رفتہ رفتہ مکمل آزادی کے مطالبہ میں تبدیل ہو گیا۔ مسلم لیگ کی تاسیس ۳۰/ ستمبر ۱۹۰۶ء کو وقار الملک نواب مولوی مشتاق حسین صاحب کی زیر صدارت عمل میں آئی اور اس کا نصب العین یہ تجویز ہوا کہ "ہندوستانی" "مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی محافظت و ترقی اور حکومت (برطانیہ) کی وفاداری کے ساتھ ہمسایہ اقوام سے اتفاق و اتحاد بڑھانے کی کوشش" [۱۹۸] - کانگریس میں گو مسلمان زعماء کی ایک خاصی جماعت شامل تھی مگر عملاً اس پر ہندوؤں کا قبضہ تھا - اس کے برعکس مسلم لیگ خالص مسلمانوں کی سیاسی جماعت تھی جس میں مسٹر محمد علی جناح [۱۹۹] جیسے مشہور لیڈر شامل تھے - جو ۱۹۲۱ء میں کانگریس سے علیحدہ ہو چکے تھے اور مسلم مفاد کی ترجمانی کا فریضہ انتہائی خلوص سے ادا کر رہے تھے - اور گو اس ابتدائی دور میں مسلمانوں نے ان کی سیاسی عظمت کو نہیں سمجھا۔ مگر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی اسی وقت سے ان کی قومی خدمات کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ حضور نے ۱۴/ نومبر ۱۹۲۳ء کو بریڈلا ہال میں تقریر کرتے ہوئے مسلمانوں کی مسٹر جناح اور راجہ صاحب محمود آباد سے بے التفاتی پر سخت اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ "ایک زمانہ تھا جب مسلمان ان کی بہت بڑی قدر کرتے اور ان کو اپنا لیڈر سمجھتے تھے - مگر اب یہ حالت ہے کہ ان کو بالکل چھوڑ دیا گیا ہے...... اسی طرح مسلمان نقصان اٹھا رہے ہیں [۲۰۰] - اسی طرح شملہ میں لیکچر دیتے ہوئے فرمایا [۲۰۱]-

"جناح صاحب اس وقت سے مسلمانوں کی خدمت کرتے آئے ہیں کہ محمد علی صاحب (جو ہر- ناقل) ابھی میدان میں نہ آئے تھے...... میں صاف صاف کہتا ہوں کہ جناح صاحب میرے لیڈر نہیں - میں اپنی قوم کا آپ لیڈر ہوں..... لیکن میں ان کی خدمات کے باعث ان کو قابل عزت اور قابل ادب سمجھتا ہوں جب تک مسلمانوں میں یہ احساس نہ ہو کہ خدمت کرنے والوں کی خدمات کا اعتراف کریں اور ان کا ادب کریں اس وقت تک ان میں قومی وقار پیدا نہ ہو گا" [۲۰۲]-

مسٹر محمد علی جناح کی خدمات ہی کا اثر تھا کہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو نہ صرف ان کی

ذات سے بلکہ "مسلم لیگ" سے بھی گہری ہمدردی پیدا ہو چکی تھی۔ خصوصاً اس لئے کہ یہ واحد سیاسی ادارہ تھا جو مسلمانان ہند کے سیاسی تحفظ کو پیش کر رہا تھا اور حضور کی از حد خواہش تھی کہ اسے زیادہ سے زیادہ مضبوط و مستحکم بنانا چاہئے۔ چنانچہ اسی خیال سے آپ نے مسلم لیگ کے اجلاس لاہور (منعقدہ ۲۳/ مئی ۱۹۲۴ء) کے لئے "اساس الاتحاد" کے نام سے ایک اہم رسالہ تصنیف فرمایا۔ جسے اجلاس کے موقعہ پر مفت تقسیم کیا گیا۔ مسلم لیگ کی استقبالیہ کمیٹی نے حضور کو اجلاس میں شرکت کی خاص طور پر دعوت دی تھی جو اس رسالہ کی وجہ تصنیف بنی۔

یہ دور مسلم لیگ کی تاریخ میں انتہائی نازک دور تھا۔ اس وقت مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ کر اپنا اثر و نفوذ ختم کر چکی تھی۔ مگر آپ نے "اساس الاتحاد" کے ذریعہ اس میں زندگی کے نئے آثار پیدا کرنے کے لئے نہایت اہم اور مفید مشورے دیئے۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم نکتہ مسلم لیگ کے ارباب حل و عقد کے سامنے مندرجہ ذیل الفاظ میں رکھا۔

"مسلم کی تعبیر مذہبی نقطہ خیال سے اور ہے اور سیاسی نقطہ خیال سے اور۔ مذہبی نقطہ خیال سے تو مختلف فرق اسلام کے نزدیک وہ لوگ مسلم ہیں جو ان اصولی مسائل میں جن پر وہ اپنے نزدیک بنائے اسلام رکھتے ہیں متفق ہوں۔ اور سیاسی نقطہ خیال کے مطابق ہر شخص جو رسول کریم ﷺ پر ایمان لانے کا مدعی ہے اور آپ کی شریعت کو منسوخ نہیں قرار دیتا اور کسی جدید شریعت کا قائل نہیں ہے لفظ مسلم کے دائرہ کے اندر آجاتا ہے...... پس ضروری ہے کہ مسلم لیگ کے دروازے ہر ایک اس فرقہ کے لئے کھلے ہوں جو اپنے آپ کو مسلم کہتا ہے خواہ اس کو دوسرے فرقوں کے لوگ مذہبی نقطہ نگاہ سے کافر ہی سمجھتے ہوں اور اس کے کفر پر تمام علماء کی مہریں ثبت ہوں" [۲۰۳]۔

حضور نے "اساس الاتحاد" میں ان اہم نکات کو بھی دوہرایا جو آپ نے ملکی قوموں میں اتحاد کے لئے ۱۹۲۳ء میں پیش فرمائے تھے اور ایسی تدابیر بتائیں جن پر آپ کے نزدیک ملکی جماعتوں میں مستقل اور پائیدار صلح و امن کی اساس رکھی جاسکتی تھی [۲۰۴]۔

مسلم لیگ نے بالآخر یہ عظیم الشان نکتہ تسلیم کر کے اعلان کیا کہ اس کا دروازہ ہر مدعی اسلام کے لئے کھلا ہے۔ چنانچہ مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ میں کہا۔ "اس (مسلم لیگ۔ ناقل) نے اپنے دستور میں اعلان کر دیا ہے کہ ہماری مراد مسلم کے لفظ سے صرف اس قدر ہے کہ اس میں شریک ہونے والا اسلام کا دعویٰ رکھتا ہو اور اس کا کلمہ پڑھتا ہو کیونکہ مسلم لیگ کوئی مفتیوں کی جماعت نہیں۔ علماء کے فتاویٰ اپنی جگہ پر قائم رہیں گے صرف غیر کلمہ گویوں کے مقابلہ میں قدرے

توسیع کیا گیا ہے" [۲۰۵]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کے لئے صرف مشوروں اور تجاویز بتلانے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ہر ممکن اخلاقی' آئینی اور مالی ذرائع سے اس کی اعانت بھی کرنے لگے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی خود فرماتے ہیں۔

"جب مسلم لیگ قائم ہوئی تو اس کی مالی حالت اتنی کمزور تھی کہ انہیں اپنے جلسے منعقد کرنے کے لئے بھی روپیہ نہیں ملتا تھا اور ہمیشہ میں انہیں مدد دیا کرتا تھا۔...... مجھے لاہور میں ایک دفعہ لکھنؤ کے ایک وکیل ملے انہوں نے کہا میں قریباً نو سال مولانا محمد علی صاحب کا سیکرٹری رہا ہوں اور مجھے خوب یاد ہے کہ جب کبھی مسلم لیگ کا جلسہ ہوتا تھا آپ کو اس میں بلایا جاتا تھا اور آپ سے مشورہ لیا جاتا تھا...... اور جب روپیہ کی وجہ سے جلسہ نہ ہو سکتا تھا تو آپ سے مالی امداد لی جاتی تھی ہم لوگ جو ابھی تک زندہ موجود ہیں اس بات کے گواہ ہیں" [۲۰۶]۔

یہ بات ایسی کھلی تھی کہ غیر مسلم بھی اسے جانتے تھے چنانچہ ارجن سنگھ صاحب عاجز (ایڈیٹر اخبار "رنگین" امرتسر نے) اپنی کتاب "سیر قادیان" میں جماعت احمدیہ کا سیاسی مسلک بیان کرتے ہوئے لکھا۔

"مسلمانوں کی کئی سیاسی جماعتیں ہیں اور جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ احمدی جماعت مسلم لیگ کے طرز عمل کی حامی ہے چنانچہ ذمہ دار احمدیوں سے تبادلہ خیالات کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ان لوگوں نے مسلم لیگ کے مقاصد کی تکمیل کی خاطر ہزار ہا روپیہ خرچ کرنے کے علاوہ اپنی تمام کوششیں مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے وقف رکھی ہوئی ہیں" [۲۰۷،۲۰۸]۔

"دعوۃ الامیر" کی اشاعت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو اوائل خلافت ہی سے والیان ریاست تک پیغام احمدیت پہنچانے کا از حد خیال رہا ہے جیسا کہ نظام حیدر آباد دکن' والی ریاست رامپور اور والیۂ ریاست بھوپال کے نام تبلیغی خطوط بھجوانے کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے اس سال (۱۹۲۴ء میں) حضور نے امیر امان اللہ خان بادشاہ افغانستان و ممالک محروسہ پر اتمام حجت کے لئے "دعوۃ الامیر" کے نام سے ایک ضخیم کتاب شائع فرمائی [۲۰۹]۔ جس کا فارسی ترجمہ حضرت حکیم مولانا عبید اللہ صاحب بسمل [۲۱۰] نے کیا [۲۱۱]۔ حضور نے اس بے نظیر کتاب میں (جس کا ایک حصہ خدا تعالیٰ کے القاء کا نتیجہ ہے [۲۱۲]) نہایت جامعیت کے ساتھ جماعت احمدیہ کے مخصوص عقائد اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ ماموریت کے بارہ میں

دلائل بیان فرمائے اور حضور علیہ السلام کی پوری ہونے والی بارہ اہم پیشگوئیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس شاندار تحفہ کا اختتام مندرجہ ذیل الفاظ پر کیا ہے۔

"اللہ تعالیٰ کے مامور پر ایمان لایئے تا خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو امن دیا جائے اور اسلام کی آواز کو قبول کیجئے تا سلامتی سے آپ کو حصہ ملے میں آج اس فرض کو ادا کر چکا ہوں جو مجھ پر تھا۔ خدا تعالیٰ کا پیغام میں نے آپ کو پہنچا دیا ہے۔ اب ماننا نہ ماننا آپ کا کام ہے" [۲۰۳]۔

افسوس امیر امان اللہ خان نے نہ صرف یہ آسمانی تحفہ قبول کر کے خدا کی امان کے نیچے آنے سے انکار کر دیا بلکہ انتہائی شوخی اور بے باکی سے مظلوم اور بے کس احمدیوں کو پے در پے اپنے مظالم کا نشانہ بنایا [۲۰۴] جس کا خمیازہ انہیں عبرتناک رنگ میں بھگتنا پڑا جو رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ یعنی ۱۹۲۹ء میں ایک ڈاکو بچہ سقہ نے تخت کابل پر قبضہ کر لیا [۲۰۵]۔ اور انہیں بھاگ کر پہلے قندھار اور پھر قندھار سے بمبئی [۲۰۶] کے رستہ جا کر اٹلی میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ جہاں وہ کئی سال تک نہایت کسمپرسی اور گمنامی کی زندگی بسر کرنے کے بعد ۳/ اپریل ۱۹۶۰ء کو راہی ملک عدم ہو گئے فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا بیان ہے کہ جب وہ یورپ روانہ ہوئے تو خود ان کے ایک درباری نے آپ کی خدمت میں خط لکھا کہ ہماری مجالس میں بار بار یہ ذکر آیا ہے کہ جو کچھ ہماری ذلت ہوئی وہ اسی ظلم کی وجہ سے ہوئی جو ہم نے احمدیوں پر کیا تھا امید ہے کہ اب جبکہ ہمیں سزا مل چکی ہے آپ ہمارے لئے بددعا نہ کریں گے" [۲۰۷]۔

دعوۃ الامیر کا اثر سعید روحوں پر

"دعوۃ الامیر" کو گو امیر امان اللہ نے کوئی اہمیت نہ دی مگر یہ کتاب بہت سی سعید روحوں کی ہدایت کا موجب بنی اور بن رہی ہے۔ یہی وہ عظیم الشان کتاب ہے جو خان فقیر محمد صاحب ایگزیکٹو انجینئر (سابق صوبہ سرحد) کو احمدیت میں لانے کا فوری باعث ہوئی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل میں فرماتے ہیں۔

"سرحد کے ایک رئیس چوہدری فقیر محمد صاحب ایگزیکٹو انجینئر تھے۔ وہ ایک دفعہ دہلی میں مجھے ملے اور انہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ ہم چار بھائی ہیں جن میں سے دو بھائی غیر احمدی ہیں اور دو بھائی احمدی ہیں۔ اپنے متعلق انہوں نے کہا کہ میں ابھی تک آپ کی جماعت میں شامل نہیں ہوا...... ہم پورا پورا انصاف کرنے کے عادی ہیں روپیہ میں سے اٹھنی ہم نے آپ کو دے دی ہے اور اٹھنی دوسرے مسلمانوں کو دے دی ہے۔ میں نے بھی ان سے مذاقاً کہا کہ خان صاحب! ہم تو اٹھنی پر راضی نہیں ہوتے۔ ہم تو پورا لے کر چھوڑا کرتے ہیں...... وہ اس وقت معہ اہل و عیال انگلستان کی سیر کو جا رہے

تھے۔ میری اس بات کو سن کر انہوں نے کہا کہ خان محمد اکرم خان صاحب چارسدہ والے میرے بھائی ہیں انہوں نے آپ کی بعض کتابیں میرے ٹرنک میں رکھ دی ہیں...... چنانچہ اس کے بعد وہ ولایت چلے گئے۔ ابھی تین مہینے ہی گزرے تھے کہ مجھے ایک چٹھی پہنچی اس کے شروع میں ہی یہ لکھا تھا...... کہ میں وہ ہوں جو آج سے تین ماہ پہلے دہلی کے شاہی قلعہ میں آپ سے ملا تھا۔ اور میں نے آپ سے کہا تھا کہ ہم نے پورا پورا انصاف کیا ہے اٹھنی آپ کو دے دی ہے اور اٹھنی غیر احمدیوں کو دے دی ہے جس پر آپ نے کہا تھا کہ ہم تو پورا روپیہ لے کر چھوڑا کرتے ہیں۔ سو آپ کے حکم کے مطابق اب ایک چونی آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور اپنے آپ کو بیعت میں شامل کرتا ہوں..... اور لکھا کہ جب میں ولایت میں آیا اور میں نے مختلف مقامات کی سیر کی تو گو میں پٹھان ہوں اور مذہبی جوش میرے دل میں موجود ہے مگر کفر کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر میرا دل پژمردہ ہوتا چلا گیا۔...... مجھے یقین ہو گیا کہ اب اسلام دنیا پر غالب نہیں آسکتا۔ ایک دن میرے دل پر اس خیال کا بے انتہا اثر ہوا۔ اور حالت مایوسی میں میں نے کہا آؤ ان کتب کو پڑھ کر دیکھو جو میرے بھائی نے میرے ٹرنک میں رکھ دی تھیں۔ چنانچہ پہلے "اسلامی اصول کی فلاسفی" نکلی اور اسے میں نے پڑھا اس کے بعد آپ کی کتاب "دعوۃ الامیر" نکلی اور اسے میں نے پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے اس کتاب میں وہی ذکر آ گیا جس نے میرے دل میں انتہائی طور پر مایوسی پیدا کر دی تھی یعنی اسلام کے تنزل اور اس کے ادبار کا اس میں ذکر تھا۔ مگر ساتھ ہی بتایا گیا تھا کہ رسول کریم ﷺ نے اسلام کے تنزل کے متعلق یہ پیشگوئی کی تھی جو پوری ہو گئی۔ غرضیکہ بعد دیگرے اسلامی تنزل کے متعلق کئی پیشگوئیاں تھیں جو پڑھنے میں آئیں اور جو واقعہ میں پوری ہو چکی تھیں۔ اس کے بعد آپ نے اسلام کی ترقی کے متعلق رسول کریم ﷺ کی پیشگوئیوں کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ کی وہ پیشگوئیاں پوری ہو گئیں جو اسلام کے تنزل کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں۔ تو وہ پیشگوئیاں کیوں پوری نہیں ہوں گی۔ جو اسلام کے دوبارہ غلبہ کے متعلق ہیں۔ میں نے جب یہ مضمون پڑھا تو میرا دل خوشی سے بھر گیا...... اور میں نے فیصلہ کیا کہ اب میں اس وقت تک سونے کے لئے اپنے بستر پر نہیں جاؤں گا جب تک آپ کو اپنی بیعت کا خط نہ لکھ لوں۔ چنانچہ سونے سے پہلے میں یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں میری بیعت کو قبول کیا جائے" [۲۱۸]۔

احمدیہ مسجد لاہور کی تعمیر

خلافت ثانیہ کے آغاز سے لے کر ۱۹۲۳ء تک جماعت احمدیہ لاہور کے احباب حضرت میاں چراغ دین صاحب رئیس لاہور کے گھر (واقع بیرون دہلی دروازہ) پر نمازیں پڑھتے تھے اور یہی جگہ بطور مہمان خانہ استعمال ہوتی تھی مگر ۱۹۲۴ء میں حضرت میاں چراغ دین صاحب اور حضرت میاں سراج دین [۲۱۹] صاحب کے مشترکہ

احاطہ میں جماعت احمدیہ لاہور کی پہلی مسجد کی بنیاد رکھی گئی جو ۱۹۲۵ء کے قریب پایہ تکمیل تک پہنچی مکرم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب امیر جماعت لاہور نے تعمیر مسجد کے لئے ایک کمیٹی بنائی جس کے پریذیڈنٹ بابو عبد الحمید صاحب آڈیٹر اور سیکرٹری سید دلاور شاہ صاحب بخاری تھے۔ مسجد کا نقشہ میاں محمد صاحب نے تیار کیا جو سکول آف آرٹس لاہور میں ورک اوورسیر تھے۔ اور اس کے پایہ تکمیل تک پہنچانے کا سہرا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص صحابی حضرت حکیم محمد حسین صاحب قریشی (موجد مفرح عنبری) کے سر ہے چنانچہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی فرماتے ہیں "حکیم محمد حسین صاحب قریشی جنہوں نے دہلی دروازہ والی مسجد بنوائی ان کے تعلقات بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بہت قدیم اور مخلصانہ تھے" [۲۲۰]۔

سالانہ جلسہ پر تقریریں

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے سالانہ جلسہ ۱۹۲۴ء کے موقعہ پر تین تقریریں فرمائیں۔

۱۔ افتتاحی تقریر جس میں استغفار و دعا کی طرف توجہ دلائی۔

۲۔ دوسری تقریر "بہائی ازم کی تاریخ و عقائد" کے موضوع پر ہوئی۔ جس سے دنیا پر پہلی بار واضح طور پر یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ بہائیت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ بہاء اللہ صاحب کا دعویٰ خدا ہونے کا تھا۔

۳۔ حضور نے اپنی آخری اور تیسری تقریر میں پہلے مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی شہادت کا ذکر کرکے قرآن و احادیث سے ثابت فرمایا کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا ہرگز رجم و قتل نہیں ہے۔ اس کے بعد حضور نے اپنے سفر بلاد اسلامیہ و یورپ کے واقعات اور اس سفر کے تیئس عظیم الشان برکات و فوائد بیان فرمائے اور جماعت احمدیہ کو ان کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی [۲۲۱]

۱۹۲۴ء کے متفرق مگر اہم واقعات

۱۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے حرم ثانی میں مرزا خلیل احمد صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے ہاں مرزا مجید احمد صاحب اور حضرت میر محمد اسحق صاحب کے ہاں سید داؤد احمد صاحب کی ولادت ہوئی۔

۲۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب نے ۳/ مارچ ۱۹۲۴ء کو تعلیم الاسلام مڈل سکول کاٹھ گڑھ کا سنگ بنیاد رکھا [۲۲۲]۔

۳۔ صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب (اول) (فرزند حضرت خلیفتہ المسیح الثانی) مولوی الحاج میر محمد سعید صاحب حیدر آبادی۔ حضرت سید فضل شاہ صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب [۲۲۳]۔ (مالک

انگلش ویئر ہاؤس لاہور) عابد علی شاہ صاحب سیالکوٹی۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب [224] (ترگڑی والے) سردار امام بخش خاں صاحب تمندار قیصرانی [225]۔ پیر برکت علی صاحب (برادر اکبر حافظ روشن علی صاحب) اور مولوی فیض الدین صاحب سیالکوٹی کا انتقال ہوا۔

۴۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۸/ مارچ ۱۹۲۴ء کو محفوظ الحق علمی۔ مہر محمد خاں شہاب اور ماسٹر اللہ دتہ کو جماعت میں درپردہ اور خفیہ بہائی خیالات کی اشاعت کرنے پر جماعت احمدیہ سے خارج کر دیا۔ ان لوگوں نے حضور کے مقرر کردہ کمیشن کے سامنے اپنے بہائی ہونے کا خود اعتراف کیا تھا [226]۔ حضور نے ان کے اخراج کے بعد بہائی مذہب کی حقیقت سے متعلق لیکچروں کا ایک سلسلہ جاری فرمایا [227]۔ علاوہ ازیں مولوی فضل الدین صاحب پلیڈر نے بڑی محنت اور عرقریزی سے بہائیت کی کتابیں خصوصاً بہاء اللہ کی کتاب "اقدس" حاصل کی اور بہائی ازم کے ابطال میں بنیادی اور اہم لٹریچر شائع کیا [228]۔

۵۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے مرزا رشید احمد صاحب (خلف حضرت مرزا سلطان احمد صاحب) کا نکاح حضرت میرزا بشیر احمد صاحبؓ کی دختر امتہ السلام صاحبہ کے ساتھ پڑھا" [229]۔

۶۔ مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری مولوی فاضل میں یونیورسٹی بھر میں اول آئے۔ آپ نے حضور کی خدمت میں لکھا کہ مجھے یونیورسٹی کی طرف سے انگریزی کی تکمیل کے لئے تیس روپے ماہوار وظیفہ مل سکتا ہے اگر حضور کا ارشاد ہو تو وہاں داخل ہو جاؤں مگر حضور نے فرمایا۔ "جسے ہم مسیحا نفس بنانا چاہتے ہیں اسے تیس روپے میں گرفتار کرانے کے لئے تیار نہیں" [230]۔ چنانچہ آپ نے مبلغین کلاس میں داخلہ لے لیا۔ مولانا ابو العطاء صاحب کے ہم مکتبوں میں سے ابو البشارت مولوی عبد الغفور صاحب، مولوی تاج دین صاحب لائلپوری [231] اور مولوی عبد اللہ صاحب مالاباری نے بھی اسی سال مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا [232]۔ اور مزید ٹریننگ لینے کے بعد سلسلہ کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ مؤخر الذکر تین اصحاب میں سے خصوصاً (ابو البشارت) مولوی عبد الغفور صاحب فاضل نے آگے چل کر اپنی تقریروں اور مباحثوں سے جماعت میں بڑا نام پیدا کیا اور مولوی عبد اللہ صاحب مالاباری نے مالابار کے طول و عرض میں احمدیت کا پیغام پہنچایا اور سلسلہ کی عمدہ خدمات کیں۔

۷۔ اس سال سے سالانہ جلسہ مسجد نور کی بجائے قریب ہی ہائی سکول کی گراؤنڈ میں منعقد ہونا شروع ہوا [233]۔

۸۔ حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب نیر مبلغ بلاد یورپ و مغربی افریقہ نے ۲۱/۲۰ دسمبر ۱۹۲۴ء کو سلسلہ احمدیہ میں پہلی بار میجک لینٹرن کے ذریعہ تبلیغی تصاویر دکھانے کا طریق جاری فرمایا [۲۲۴] ۔حضرت نیر صاحب کے بعد ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم نے بھی اس طریق سے تبلیغ احمدیت کا بہت کام لیا ہے۔

۹۔ علمائے سلسلہ کی نئی مطبوعات: (۱) قرآن مجید کا گورمکھی ترجمہ (از جناب شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور) (۲) "احکام القرآن" (از حکیم محمد الدین صاحب گوجرانوالہ) (۳) "برگزیدہ رسول غیروں میں مقبول" (۴) "محاکمہ مابین آریہ سماج اور گاندھی"۔ (از مہاشہ فضل حسین صاحب) (۵) "سیرت مسیح موعودؑ" [۲۲۵]۔ (از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی) (۶) "فقہ احمدیہ" حصہ اول (از حضرت علامہ حافظ روشن علی صاحبؓ) (۷) "کارزار شدھی" (از ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم)

۱۰۔ مشہور مباحثات: مباحثہ مظفر نگر [۲۲۶] (مولانا جلال الدین صاحب شمس اور مولوی عبد اللطیف صاحب مصطفیٰ آبادی کے مابین) مباحثہ بانکی پور پٹنہ [۲۲۷] (مولوی سید وزارت حسین صاحب رئیس موضع اورین ضلع مونگیر اور آریہ سماج کے درمیان) مباحثہ گلانوالی [۲۲۸] ضلع امرتسر (مولوی ظہور حسین صاحب فاضل اور مولوی محمد اسماعیل صاحب کے درمیان) مباحثہ مونگیر [۲۲۹] (حضرت حافظ روشن علی صاحب اور اجودھیا پرشاد ست دیو اور مراری لال تین آریہ مناظروں کے ساتھ) مباحثہ میانی [۲۴۰] (مولانا جلال الدین صاحب شمس کا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب میانوی کے ساتھ) مباحثہ کھاریاں [۲۴۱] (مولانا جلال الدین صاحب شمس اور مولوی محمد حسین صاحب کولوتارڑوی) مباحثہ اٹاوہ (مابین جناب سید صادق حسین صاحب مختار عدالت سیکرٹری انجمن احمدیہ اٹاوہ و حکیم مرزا محمود احمد صاحب زرقانی و سید محفوظ الحق صاحب علمی بہائی [۲۴۲])

۱۱۔ (میجر جنرل) احیاء الدین صاحب (خلف خان بہادر میاں وسیع الدین صاحب سرخ ڈھیری ضلع مردان صوبہ سرحد) داخل سلسلہ احمدیہ ہوئے۔

حواشی

۱۔ ویمبلے لنڈن کے ایک پارک کا نام ہے جہاں اس نمائش کا انعقاد ہوا تھا۔
۲۔ اس کمیٹی کے ممبر یہ تھے۔(۱) سر ای ڈینی سن راس (صدر)(۲) سر تھامس ڈبلیو آرنلڈ اور مسٹر وکٹر برینفورڈ (نائب صدر) مسٹر ایف سی چیننگ۔ مسٹر ی رائس ڈیوڈ۔ پادری ٹسل ڈیوس۔ پادری اے ایس گیڈن۔ پروفیسر مارگولیتھ۔ پروفیسر ایلائس ورنر۔ پادری ڈبلیو سٹن بیچ۔ سر فرانسس ینگ ہسبنڈ۔ (یہ سب انتظامیہ کمیٹی کے ممبر تھے) مسٹر ایل سی ساپر (خزانچی) مسٹر ڈبلیو لافشس ہیئر (سیکرٹری) مس ایم ایم شارپلز (سیکرٹری)
۳۔ الفضل ۲۸/ دسمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۶۵۔
۴۔ الفضل ۲۰/ مئی ۱۹۲۴ء صفحہ ا۔
۵۔ تواریخ مسجد فضل لنڈن صفحہ ۱۳۔
۶۔ الفضل ۱۶/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔
۷۔ الفضل ۱۶/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۸۔
۸۔ الفضل ۲۴/ جون ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کا بیان ہے کہ اس سفر کے متعلق استخارہ کرنے کا تحریری ارشاد خاکسار کو بھی پہنچا تھا۔ ابھی دو تین دن ہی دعا کی تھی کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ مولوی فضل الدین صاحب (وکیل) اسباب سفر باندھ رہے ہیں اور میں بطور مددگار پاس کھڑا ہوں میں نے یہ رؤیا حضور کو لکھ کر بھیج دی تھی۔
۹۔ حضرت مسیح موعودؑ نے لیکچر لاہور اور براہین احمدیہ حصہ پنجم پر تحریر فرمایا ہے کہ ذوالقرنین کے قرآنی واقعہ میں میرے متعلق پیشگوئی ہے اور میرا نام ذوالقرنین رکھا گیا ہے اب ذوالقرنین کی نسبت قرآن مجید میں لکھا ہے کہ اس نے مغربی ممالک کی طرف سفر کیا۔ ثابت ہوا کہ مسیح موعود یا اس کے کسی جانشین کو ان ممالک کی طرف ضرور سفر کرنا پڑے گا۔
۱۰۔ حضرت مسیح موعودؑ نے حدیث نزول عیسیٰ کی تشریح میں فرمایا یسافر المسیح الموعود او خلیفۃ من خلفاءہ الی ارض دمشق (حمامۃ البشریٰ صفحہ ۳۷ طبع اول یعنی مسیح موعود یا اس کے خلفاء میں سے کوئی خلیفہ سرزمین دمشق کا سفر اختیار کرے گا۔
۱۱۔ الفضل ۱۶/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۸۔
۱۲۔ ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۵۱۵-۵۱۶۔
۱۳۔ ملخصاً از الفضل ۲۴/ جون ۱۹۲۴ء صفحہ ۵۔
۱۴۔ ملخصاً از الفضل ۲۴/ جون ۱۹۲۴ء صفحہ ۵۔
۱۵۔ ان کی تفصیل حضور ہی کے قلم مبارک سے لکھتا ہوں فرمایا۔ "میری مالی مشکلات جن کی موجودگی اور بوجھ کا اٹھانا طبیعت پر ایک حد تک گراں گزرتا ہے دوسرے میری صحت بہت خراب رہتی ہے اور اتنے لمبے سفر اور اس کی مشقتوں کو برداشت کرنا میرے لئے شاید ایک بار گراں ثابت ہو کیونکہ اس قدر کثیر اخراجات کے برداشت کرنے کے بعد اگر وقت کو پوری طرح استعمال نہ کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ کام نہ کیا جائے تو یہ ایک اسراف ہو گا۔ جس کو میری طبیعت پسند نہیں کرتی۔ تیسرے قادیان سے اس قدر عرصہ تک اتنے فاصلے پر رہنا کہ گویا ایک نئی دنیا ہے مجھے ناپسند ہے چوتھے اپنی صحت کی خرابی اور عمر کی ناپائیداری کا خیال کر کے طبیعت ایک تکلیف محسوس کرتی ہے۔ پانچویں میری دو بیویاں اس وقت حاملہ ہیں اور ان دونوں کو اسقاط کا مرض ہے اور بچے ان کو سخت تکلیف سے ہوتے ہیں یہاں تک کہ جان کی فکر پڑ جاتی ہے اور ان کے وضع حمل کا زمانہ وہی ہے جو اس سفر میں خرچ ہو گا۔ میری غیر حاضری کا خیال ان کی طبائع پر ایک قدر بوجھ ہے"۔ (الفضل ۲۴/ جون ۱۹۲۴ء صفحہ ۳)
۱۶۔ الفضل ۲۴/ جون ۱۹۲۴ء صفحہ ۶۔
۱۷۔ الفضل ۱۶/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔

۱۸'۱۹۔ الفضل ۱۶/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۴۔

۲۰۔ الفضل ۱۶/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔

۲۱'۲۲۔ الفضل ۱۶/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔

۲۳۔ الفضل ۱۶/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔

۲۴۔ فاروق ۶/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۔

۲۵۔ مفصل ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز اردو دسمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۷-۴۰۔

۲۶۔ احمدیت یعنی حقیقی اسلام اردو صفحہ ۹۰۔

۲۷۔ ایضاً صفحہ ۲۲۸-۲۲۹۔

۲۸۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ سفر یورپ کے دوران میں ولنگٹن سکوائر کلکتہ سے چھپوا کر لندن بھجوا دیا گیا تھا۔

۲۹۔ الفضل ۲۲/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۵-۷۔

۳۰۔ الفضل ۲۴/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۵۔

۳۱۔ الفضل ۲۴/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۷۔

۳۲۔ الفضل ۱۶/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۳-۴۔

۳۳۔ یہ فوٹو سید ناصر شاہ صاحب نے لیا تھا۔

۳۴۔ پوری نظم الفضل ۱۵/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۱ پر چھپی ہوئی ہے۔

۳۵۔ الفضل ۱۵/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۔

۳۶۔ الفضل ۱۶/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۴۔

۳۷۔ الفضل ۱۶/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۴۔

۳۸۔ الفضل ۱۵/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۱-۲۔

۳۹۔ الفضل ۱۵/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۱-۲۔

۴۰۔ الفضل ۱۸/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۴۔

۴۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرح حضرت صاحبزادہ صاحب اپنے ذاتی خرچ پر تشریف لے گئے تھے اور واپسی پر کچھ عرصہ مصر میں عربی ادب کا مطالعہ کرنے کے لئے قیام پذیر رہے۔

۴۲۔ سیکرٹری تبلیغ کی حیثیت سے۔

۴۳۔ پرائیوٹ سیکرٹری

۴۴۔ جنرل سیکرٹری۔

۴۵۔ بحیثیت عالم۔

۴۶۔ بحیثیت پریس رپورٹر۔

۴۷۔ مشیر طبی کی حیثیت سے۔

۴۸۔ خادم خاص۔

۴۹۔ بحیثیت عالم۔

۵۰۔ خادم۔

۵۱۔ باورچی۔

۵۲۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب کی قلمی یادداشت سے ماخوذ۔ پوری نظم الفضل ۲۵/ جولائی ۱۹۲۴ء کے علاوہ کلام محمود میں بھی موجود ہے۔

۵۳۔ یہ وہی تاریخی نظم ہے جس کی اشاعت پر حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے بھی حضور کو مخاطب کرکے اسی ردیف و قافیہ میں

اپنے دلی خیالات کا اظہار فرمایا تھا۔ملاحظہ ہو درعدن صفحہ ۹۔۱۳۔دراصل آپ کی مقدس شاعری کا آغاز اسی نظم سے ہوتا ہے۔

۵۴۔ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کے ایک خط سے ماخوذ ایضاً الفضل ۲۳/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۷۔

۵۵۔ الفضل ۲۲/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۲۔

۵۶۔ الفضل ۹/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۵۔خط حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب سے ماخوذ و الفضل ۲/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۔

۵۷۔ اس جہاز کا نام افریقہ تھا۔اٹالین کمپنی کا جہاز ہونے کی وجہ سے دو ایک ہندوستانی گورکھوں کے سوا اس کے سب ملازم اٹالین تھے۔ افسروں کا سلوک دوران سفر حضور اور حضور کے رفقاء کے ساتھ بہت ہی اچھا تھا۔(الفضل ۱۲/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۶)

۵۸۔ الفضل ۱۸/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۔۲۔

۵۹۔ الفضل ۹/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۶۔ایضاً خط حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی۔

۶۰۔ الفضل ۹/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۷ و ۱۲/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۷۔

۶۱۔ الفضل ۲۳/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۸۔۹۔

۶۲۔ الفضل ۹/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۷۔

۶۳۔ الفضل ۱۲/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۔۵۔۶۔

۶۴۔ الفضل ۹/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔

۶۵۔ الفضل ۹/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۴۔

۶۶۔ الفضل ۲۹/ جولائی ۱۹۲۴ء و الفضل ۱۹/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۷۔

۶۷۔ الفضل ۱۹/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۷۔

۶۸۔ الفضل ۲۱/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۸۔

۶۹۔ الفضل ۱۶/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۶۔۷۔

۷۰۔ الفضل ۶/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۔۷۔

۷۱۔ الفضل ۲۱/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۸ و الفضل ۲/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۔

۷۲۔ اس سلسلہ میں اخبار المقطم قاہرہ مورخہ ۲/ اگست ۱۹۲۴ء کے ایک نوٹ کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۸۔

۷۳۔ الفضل ۱۳/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔۵۔

۷۴۔ بعد کے واقعات نے حضور کے الفاظ کی لفظاً لفظاً تصدیق کردی۔

۷۵۔ الفضل ۱۳/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔۶۔

۷۶۔ یعنی مولوی عبدالرحیم صاحب درد۔

۷۷۔ الفضل ۱۳/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۶۔

۷۸۔ الفضل ۱۶/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵۔

۷۹۔ الفضل ۴/ دسمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۶۔۷۔

۸۰۔ الفضل ۲۸/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۔

۸۱۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۷۵ ۳۔۷۶ ۳ (از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب) ایضاً الحکم ۲۱/ ۱۴ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۳۔

۸۲۔ الفضل ۶/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۸۔

۸۳۔ الفضل ۱۳/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۷۔

۸۴۔ عکا شہر کی آبادی سے چار میل دور کھیتوں میں جس جگہ بہاءاللہ کی قبر ہے بہائی اس کا نام بہجہ رکھتے ہیں۔

۸۵۔ خط حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی۔

۸۶۔ الفضل ۲۰/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔

۸۷۔ الفضل ۲۰/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۔۲۔

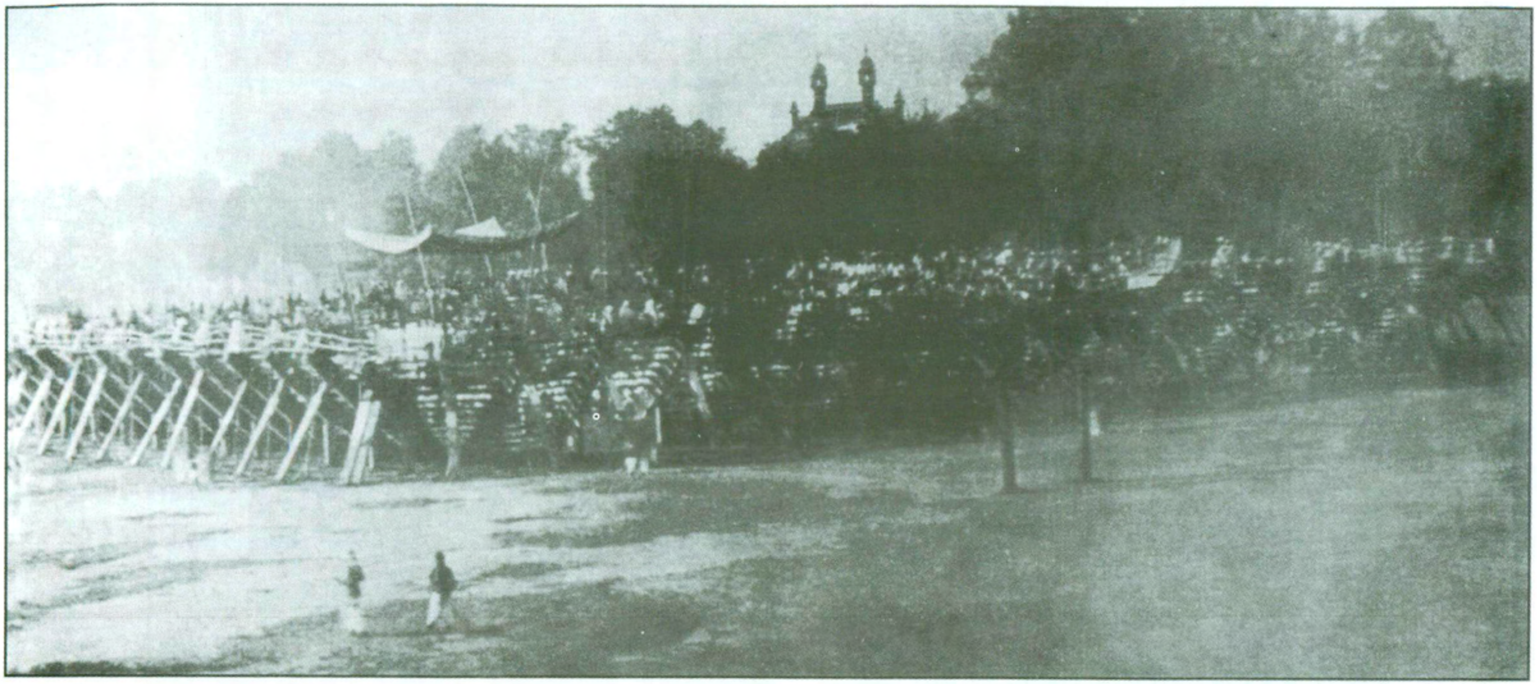

سالانہ جلسہ قادیان کا ایک منظر

جلسہ سالانہ قادیان 1927ء (توسیع جلسہ گاہ کے لئے وقار عمل)

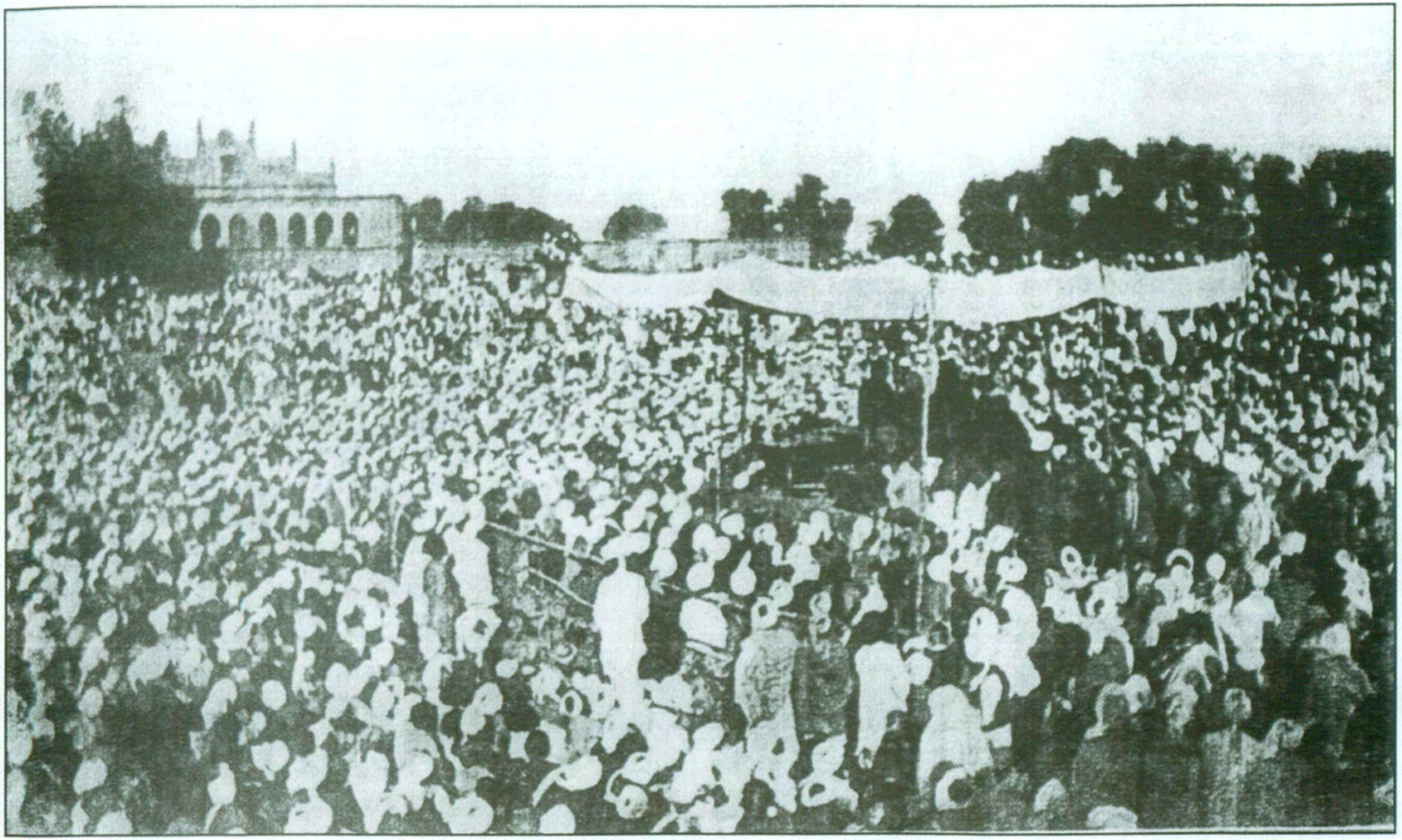

جلسہ سالانہ قادیان 1928ء کا ایک منظر

29 جنوری 1926ء چالیس زبانوں میں جلسہ کے مقررین حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے ساتھ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مسجد اقصیٰ قادیان میں جمعہ پڑھانے کے لئے تشریف لا رہے ہیں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ساتھ انڈونیشیا کے مولوی ابوبکر ایوب۔ ابوبکر بگنڈ و مہاراجو۔ راتو پوتی ڈمنگ اور مولانا رحمت علی صاحب

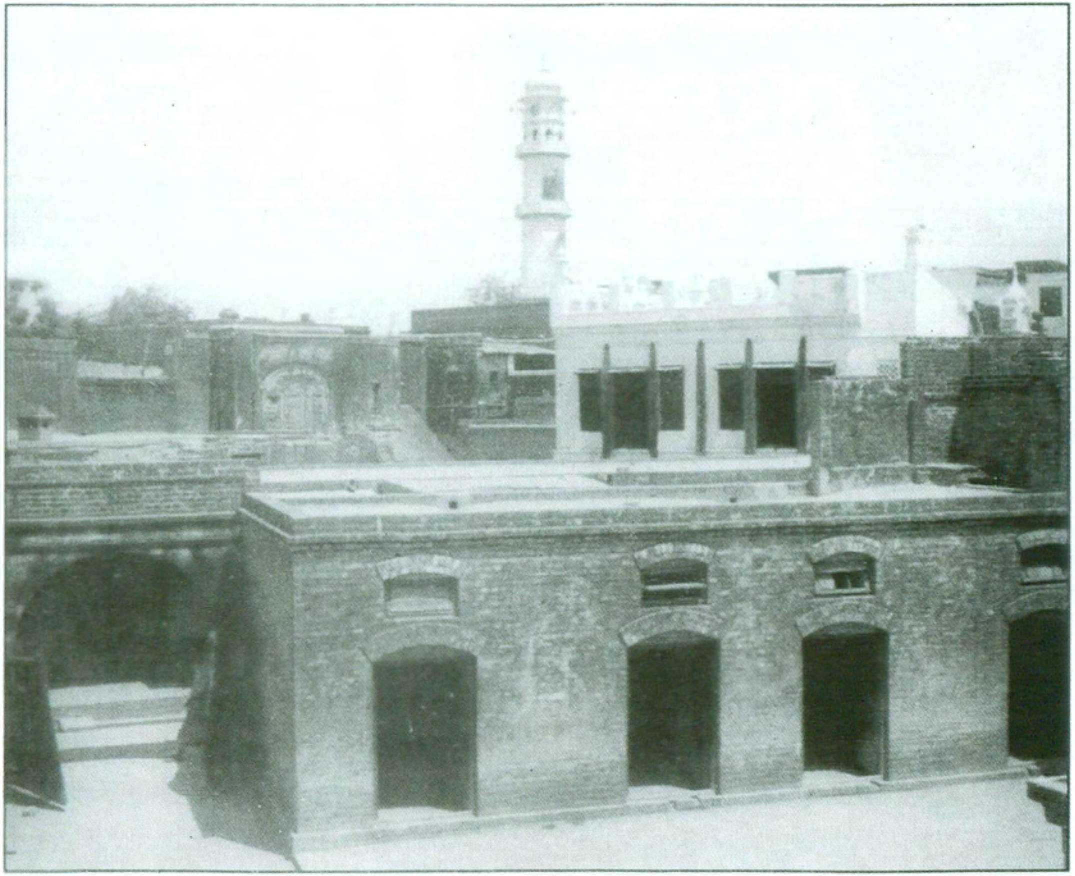

مدرسہ احمدیہ قادیان

مدرسہ احمدیہ قادیان کے اساتذہ اور سٹاف کے ارکان

کرسیوں پر دائیں سے بائیں ! حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ ۔ حضرت ماسٹر محمد طفیل صاحبؓ ۔ حضرت مولوی غلام نبی صاحبؓ مصری ۔ حضرت قاری غلام یٰسین صاحبؓ ۔ نعمت اللہ خانصاحب ۔ انور بدایونی صاحب کلرک بورڈنگ مدرسہ احمدیہ ۔ قاضی عطاء اللہ صاحبؓ انگریزی ٹیچر ۔ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ ۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ ۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب نومسلم مصری ۔ حضرت مولوی ارجمند خانصاحب ۔ حضرت قاضی سید امیر حسین صاحبؓ ۔ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؓ فاضل حلالپوری ۔ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم مبشر بلاد اسلامیہ و مدیر الحکم (دور جدید)

پیچھے کھڑے ہوئے دائیں سے بائیں ! سید محمد ہاشم صاحبؓ بخاری ۔ (قاضی عطاء اللہ صاحب کے بائیں کندھے پر ہاتھ رکھنے والے) پیر حبیب احمد صاحب مرحوم ۔ مولوی عزیز بخش صاحب مرحوم ۔ مولوی ناصر الدین صاحب ۔ حمید اللہ خان صاحب (برادر حضرت خان ارجمند خانصاحب) میاں شیخ محمد صاحب پوسٹ مین قادیان ۔ مولوی عنایت اللہ صاحب قادیانی مرحوم ۔ مولانا قمر الدین صاحب فاضل ۔ مولوی تاج الدین صاحب (المعروف فاضل گر) مولوی عبداللہ صاحب بدوملہی ۔ مولوی علی احمد صاحب چکڑالوی ۔

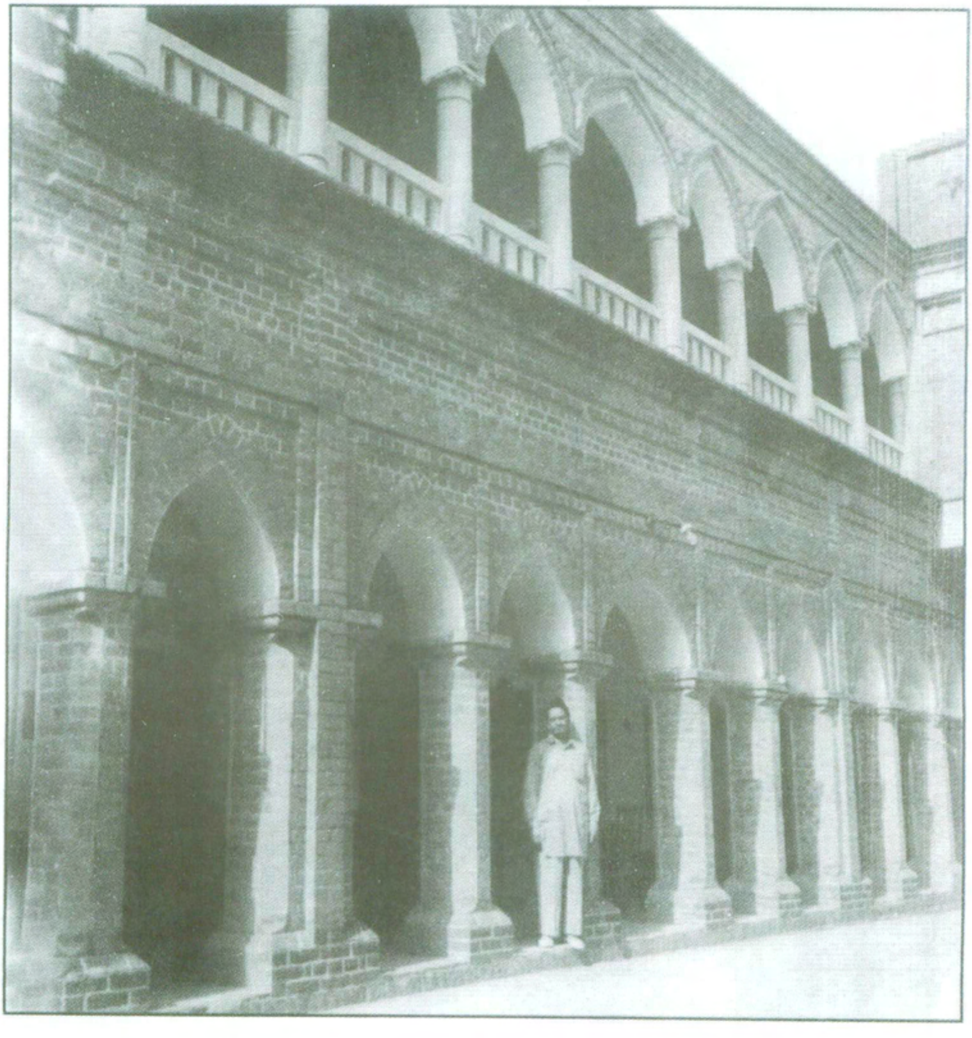

قصر خلافت قادیان

جماعت احمدیہ کبابیر۔ حیفا۔ فلسطین حضرت مولانا جلال الدین شمس کے ساتھ

حضرت حافظ جمال احمد اور مولوی عبیداللہ ماریشس کی جماعت کے ہمراہ سپریم کورٹ ماریشس میں اپنے فاضل بیرسٹر کے ساتھ

حضرت حافظ جمال احمد ماریشس کی جماعت احمدیہ کے ساتھ مسجد احمدیہ دارالسلام میں عید الفطر کے موقعہ پر

۸۸۔ الفضل ۲۳/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳-۴۔
۸۹۔ خط سیدنا امیر المومنین خلیفتہ المسیح الثانی بنام حضرت مولوی شیر علی صاحب (الفضل ۲۳/ ستمبر صفحہ ۳-۴)
۹۰۔ الفضل ۲۳/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳-۴۔
۹۱۔ خط حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی سے ماخوذ۔
۹۲۔ الفضل ۳۰/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۔
۹۳۔ الفضل ۲۳/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵۔
۹۴۔ الفضل ۲۸/ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۶۶ چند اخبارات کے نام بطور نمونہ یہ ہیں۔ ٹائمز آف لنڈن۔ ڈیلی میل لنڈن۔ ڈیلی مرر۔ ڈیلی نیوز۔ ایوننگ سٹینڈرڈ۔ ڈیلی سکیچ۔ ڈیلی گرافک۔ ڈیلی ٹیلیگراف۔ مانچسٹر گارڈین۔
۹۵۔ الفضل ۲/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۔
۹۶۔ سفر یورپ کے حالات کی قلمی ڈائری (از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی) اصل ڈائری جو پنسل سے لکھی ہوئی ہے خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہے۔
۹۷۔ ان خطوط کی نقل خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہے۔
۹۸۔ الفضل ۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔
۹۹۔ قلمی ڈائری حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی سے ماخوذ۔ (مکمل پیغام کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۷/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۴-۵)
۱۰۰۔ اس کا مفصل ذکر آگے آرہا ہے۔
۱۰۱۔ مثلاً لیگ آف نیشنز۔ اور دنیا کے مختلف ممالک کو تار دیئے پریس کو اطلاعات بہم پہنچانے کا انتظام فرمایا لنڈن میں احتجاجی جلسے منعقد کرائے ایک مضمون میں شہید افغانستان کے مفصل حالات شائع کئے۔
۱۰۲۔ الفضل ۲/ ستمبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۵-۷۔ الفضل ۱۵/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵۔ الفضل ۱۰/ جنوری ۱۹۲۵ء صفحہ ۲۔
۱۰۳۔ الفضل ۷/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۴-۵ پر پیغام کا متن موجود ہے۔
۱۰۴۔ مکمل لیکچر کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۷/ اکتوبر ۱۹۲۴ء۔
۱۰۵۔ الفضل ۱۴/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳-۴۔
۱۰۶۔ مفصل خطبہ کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۴/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵-۶۔
۱۰۷۔ الفضل ۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵۔
۱۰۸۔ الفضل ۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۴۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔
۱۰۹۔ ۲۳/ ستمبر کو اسلام پر تین مضمون پڑھے گئے پہلا مضمون خواجہ کمال الدین صاحب بانی ووکنگ مشن نے اہلسنت والجماعت کی طرف سے دوسرا شیخ خادم دجیلی نے اہل تشیع کی طرف سے اور تیسرا اور آخری حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی طرف سے تھا۔ جو تحریک احمدیت کے نقطہ خیال سے اسلام کی ترجمانی کرتا تھا۔
۱۱۰۔ الفضل ۸/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۸۔
۱۱۱۔ الفضل ۲۱/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵۔
۱۱۲۔ الفضل ۲۳/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۴۔
۱۱۳۔ الفضل ۳۰/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۶ الف۔
۱۱۴۔ الفضل ۲۳/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۴-۵۔
۱۱۵۔ بحوالہ الفضل ۱۸/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۔
۱۱۶۔ یہ لیکچر ایک سیاسی لیکچر کے نام سے چھپا ہوا ہے۔
۱۱۷۔ یہ مضمون "پیارا رسول" کے نام سے چھپا ہوا ہے۔
۱۱۸۔ الفضل ۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۴۔

۱۱۹- الفضل ۲۰/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵-
۱۲۰- الفضل ۱۳/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵-
۱۲۱- الفضل ۱۵/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳ و ۶/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳-
۱۲۲- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۱/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳-۵-
۱۲۳- الفضل ۱۱/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۶-
۱۲۴- الفضل ۲۲/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵-
۱۲۵- الفضل ۱۸/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳-۸-
۱۲۶- الفضل ۱۱/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۶-
۱۲۷- الفضل ۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۲-
۱۲۸- الفضل ۲۰/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵-
۱۲۹- الفضل ۲۰/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۴-
۱۳۰- الفضل ۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۲-
۱۳۱- ڈیلی کرانیکل لندن ۲۰/ اکتوبر ۱۹۲۴ء (بحوالہ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۷۹)
۱۳۲- ویسٹ منسٹر گزٹ (۲۰/ اکتوبر ۱۹۲۴ء) بحوالہ تواریخ مسجد فضل لندن صفحہ ۳۶-۳۸-
۱۳۳- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۹/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳-
۱۳۴- الفضل ۴/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳- ایضاً صفحہ ۳-۶-
۱۳۵- الفضل ۱۱/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۲- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۸/ دسمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۴-۶-
۱۳۶- الفضل ۶/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۱-
۱۳۷- الفضل ۶/ دسمبر ۱۹۲۴ء-
۱۳۸- مثلاً ٹائمز آف انڈیا نے ۱۹/ نومبر ۱۹۲۴ء کو لکھا- حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ سے (جو کل اپنے لمبے سفر یورپ سے واپس آئے ہیں) ہمارے اخبار (ٹائمز آف انڈیا) کے ایک نمائندہ نے ان کے بمبئی پہنچنے سے تھوڑی دیر بعد ملاقات کی یہ ملاقات نہایت دلچسپ اور نئی روشنی دینے والی ثابت ہوئی- اس نئی اسلامی جماعت کے امام ایک ذی علم اور روشن دماغ نوجوان ہیں اور انگریزی خوب روانی کے ساتھ بولتے ہیں-(بحوالہ الفضل ۲۵/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۹)
۱۳۹- اسی طرح حضور نے ۲۰/ نومبر ۱۹۲۴ء کو گاندھی جی کے ساتھ علی برادران اور جناب ابوالکلام صاحب آزاد کی موجودگی میں حالات حاضرہ پر گفتگو فرمائی اور اس بات پر زور دیا کہ کانگریس اس وقت تک صحیح معنوں میں قومی جماعت نہیں کہلا سکتی جب تک اس میں تمام قسم کے خیال کے لوگ شامل نہ کئے جائیں- اب کانگریس اپنے آپ کو قومی جماعت کہتی ہے لیکن وہ ایک خاص پارٹی کے لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے گاندھی جی نے اس پر رضامندی ظاہر کی اور حضور سے کانگریس میں شامل ہونے کے لئے بہت اصرار کیا حضور نے جواب دیا کہ چونکہ میں کلی طور پر حامی تعاون ہوں اور آئینی اور ارتقائی ترقی کا حامی ہوں اس لئے موجودہ صورت میں انڈین کانگریس میں شامل نہیں ہو سکتا- (الفضل ۶/ دسمبر ۱۹۲۴ء) صفحہ ۱-۲-
۱۴۰- الفضل ۲۲/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۱-۲-
۱۴۱- ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کا بیان ہے کہ جب حضور ریلوے اسٹیشن آگرہ سے گھوڑا گاڑی پر سوار شہر میں جائے قیام پر تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک احمدی دوست نے حضور کی خدمت میں قادیان سے آمدہ تازہ تار پیش کیا- جس میں یہ اطلاع تھی کہ امتہ الحی صاحبہ سخت بیمار ہیں حضور جلد از جلد قادیان تشریف لائیں- یعنی آگرہ کا ایک روزہ قیام منسوخ فرمادیں- مگر حضور نے فرمایا کہ یہ دینی کام جو مقررہ پروگرام کے مطابق ہے چھوڑ نہیں سکتا اور ساتھ ہی اپنے اس طبی خادم حشمت اللہ کو فوراً قادیان روانہ کر دیا چنانچہ میں حضور کے ورود قادیان سے ۳۱ گھنٹے پہلے قادیان پہنچ گیا حضرت امتہ الحی صاحبہ کو میرے پہنچنے سے خوشی ہوئی-

۱۴۲۔ یاد رہے کہ دراصل ایک خوبصورت بچہ کی طرف سے نان پیش کئے جانے کا ذکر حضرت مسیح موعودؑ کے ایک کشف میں آتا ہے جو تریاق القلوب میں درج ہے اور اس موقعہ پر بھی اسے پورا کر دیا گیا۔
۱۴۳۔ الفضل ۲۹/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۱ تا ۸۔
۱۴۴۔ الفضل ۴/ دسمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۹۔
۱۴۵۔ الفضل ۳/ جون ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۔۲۔
۱۴۶۔ بحوالہ الفضل ۶/ جنوری ۱۹۲۵ء صفحہ ۵۔
۱۴۷۔ بٹالہ مراد ہے کیونکہ اس وقت تک قادیان میں ریل نہیں آئی تھی۔
۱۴۸۔ بحوالہ الفضل ۱۸/ جولائی ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۔
۱۴۹۔ الفضل ۱۴/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔
۱۵۰۔ الفضل ۲۹/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۔
۱۵۱۔ الفضل ۱۴/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔
۱۵۲۔ آپ بیتی صفحہ ۱۸۷ (از مولوی ظہور حسین صاحب) طبع دوم ۱۹۶۳ء۔
۱۵۳۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۴۱ و رپورٹ ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۸۹۔
۱۵۴۔ یہ خطبہ ۲۳/ مارچ ۱۹۲۸ء کا ہے۔
۱۵۵۔ الفضل ۲۷۔۳۰/ مارچ ۱۹۲۸ء صفحہ ۹۔ حضرت شہزادہ صاحب کی تیمارداری اور تجہیز و تکفین کرنے والے محمد خان صاحب گجراتی (متوطن ہنجن کسانہ تحصیل کھاریاں) تھے۔
۱۵۶، ۱۵۷۔ یہ دونوں کتابیں ردّ بہائیت میں ہیں جن کو ایران کے علماء و فضلاء نے بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ چنانچہ آقائی عبدالحسین آیتی (سابق مبلغ بہائیاں) آقائی عطاء اللہ شہاب پور (انجمن تبلیغات اسلامی کے بانی اور رسالہ نور دانش کے) آقائی حسن نیکو (سابق مبلغ بہائیاں) اور شیخ مصطفیٰ رہنما صاحب (ایڈیٹر رسالہ حیات مسلمین (تہران) نے ان پر عمدہ تبصرے لکھے جو دنیائے اسلام۔ نور دانش۔ آئین اسلام اور اصلاحات ایران، آئین برادری، حیات مسلمین وغیرہ ایرانی اخبارات میں چھپ چکے ہیں۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۳۰/ مئی ۱۹۵۶ء)
۱۵۸۔ تحریک جدید کے بیرونی مشن صفحہ ۴۸ (از جناب صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر ربوہ)
۱۵۹۔ الفضل ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۔
۱۶۰۔ آپ بیتی از مولوی ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا و روس صفحہ ۹۵۔۱۰۹۔
۱۶۱۔ آپ بیتی صفحہ ۱۸۴۔۱۹۰ طبع دوم ۱۹۶۳ء۔ الفضل ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۔
۱۶۲۔ اخبار کشمیری مورخہ ۲۱/ اکتوبر ۱۹۲۶ء (بحوالہ الفضل ۳۰/ نومبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۳۔۴)
۱۶۳، ۱۶۴۔ الفضل ۱۱/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵۔
۱۶۵۔ الفضل ۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔
۱۶۶۔ الفضل ۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔
۱۶۷۔ الفضل ۱۴/ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۔
۱۶۸۔ الفضل ۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔
۱۶۹۔ الفضل ۲۵/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔
۱۷۰۔ اصل خط جو فارسی زبان میں ہے خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہے اور اس کا عکس الفضل ۱۱/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۴ پر چھپ چکا ہے۔
۱۷۱۔ الفضل ۱۱/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵۔
۱۷۲۔ یعنی پہلی شرعی عدالت۔

۱۷۳۔ اخبار حقیقت کابل (جلد ۱ شمارہ ۱۱ صفحہ ۴) بحوالہ الفضل ۱۸/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵۔ عدالت عالیہ کے فاضل جج نے اپنے فیصلہ میں یہ بھی لکھا کہ ملزم چونکہ اہل السنت والجماعت کے ان علماء کو جنہوں نے مسئلہ نزول مسیح کو جسمانی صورت میں بتایا ہے غلطی خوردہ سمجھتا ہے اس لئے یہ خادم شرع شریف اس فیصلہ کا حکم درست سمجھتا ہوا اس کی تصدیق کرتا ہے"۔ (ترجمہ)

۱۷۴۔ الفضل ۱۳/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۔

۱۷۵۔ بحوالہ الفضل ۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۔

۱۷۶۔ بحوالہ الفضل ۶/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۷۔

۱۷۷۔ سیدنا حضرت خلیفہ ثانی کے ایک مفصل مضمون مطبوعہ الفضل ۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔۴ سے ماخوذ۔

۱۷۸۔ بحوالہ الفضل ۴/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۔

۱۷۹۔ بعض متعصب اخباروں نے اس فعل پر پردہ ڈالنے کے لئے شہید احمدیت مولوی نعمت اللہ خاں کو سیاسی مجرم گردانے کی کوشش کی۔ مگر افغان عدالت کے فیصلہ نے اس کی تغلیط کر دی۔ اخبار ڈیلی میل کے نامہ نگار نے کابل سے اطلاع دی کہ مولوی نعمت اللہ کی سنگساری کے عدالتی فیصلہ کے بعد امیر نے ملکی دستور کے مطابق اس فیصلہ کی بذات خود تصدیق کی جس کے بعد یہ عمل میں لایا گیا۔ (الفضل ۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۴ء)

۱۸۰۔ الفضل ۹/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۷۔

۱۸۱۔ بحوالہ الفضل ۲۳/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵۔

۱۸۲۔ بحوالہ الفضل ۳۰/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۶۔

۱۸۳۔ الفضل ۱۶/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۔

۱۸۴۔ الفضل ۶/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۷۔

۱۸۵۔ الفضل ۷/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۸۔

۱۸۶۔ بحوالہ الفضل ۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۸۔

۱۸۷۔ الفضل ۷/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۸۔

۱۸۸۔ بحوالہ الفضل کیم نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۰۔

۱۸۹۔ الفضل ۲۳/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۹۔

۱۹۰۔ بحوالہ الفضل ۱۵/ جنوری ۱۹۲۵ء صفحہ ۴۔

۱۹۱۔ الفضل ۱۶/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۔

۱۹۲۔ زمیندار ۲۱/ ستمبر ۱۹۲۴ء۔

۱۹۳۔ الفضل ۱۱/ ستمبر ۱۹۲۴ء۔

۱۹۴۔ یاد رہے یہ مؤلف ''اصحاب احمد'' نہیں۔ کوئی اور صاحب تھے۔

۱۹۵۔ الفضل ۲۳/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۔۲ (تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو حیات ناصر (مؤلفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ)

۱۹۶۔ الفضل ۲۰/ دسمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۶۔

۱۹۷۔ اردو انسائیکلو پیڈیا صفحہ ۱۴ شائع کردہ فیروز سنز لاہور۔

۱۹۸۔ مسلمانان ہند کی حیات سیاسی صفحہ ۵۲ (از محمد مرزا دہلوی) طبع اول مارچ ۱۹۴۰ء۔

۱۹۹۔ ولادت ۲۵/ دسمبر ۱۸۷۶ء بمقام کراچی ۱۸۹۶ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا ۱۸۹۷ء میں بمبئی ہائیکورٹ میں مقدمات کی پیروی شروع کی ۱۹۰۵ء میں کانگریس کے پلیٹ فارم سے عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے ۱۹۲۱ء میں کانگریس سے علیحدگی اختیار کی ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں پاکستان کی تجویز منظور کرائی ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۷ء تک حصول پاکستان کے لئے شب و روز کوشاں رہے ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا تو اس کے پہلے گورنر جنرل بنائے گئے اور گیارہ ستمبر ۱۹۴۸ء کو کراچی میں وفات پائی۔

۲۰۰- ریویو آف ریلیجنز اردو جون ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۲-
۲۰۱- ۱۹۲۷ء کے حالات میں اس کا ذکر آرہا ہے-
۲۰۲- لیکچر شملہ صفحہ ۱۹-۲۰-
۲۰۳- اساس الاتحاد صفحہ ۳-۴-
۲۰۴- اساس الاتحاد صفحہ ۲۴-۲۵-
۲۰۵- خطبہ صدارت صفحہ ۱۵-۱۶-
۲۰۶- الفضل ۱۴/ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۴-
۲۰۷- سیر قادیان صفحہ ۲۵-۲۶-
۲۰۸- اس ضمن میں تفصیلات تو آئندہ اپنے اپنے مقام پر آئیں گی ہم یہاں صرف مالی اعانت سے متعلق بطور مثال دو شہادتیں صدر انجمن احمدیہ کے پرانے ریکارڈ سے درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور جماعت احمدیہ کا مسلم لیگ سے رابطہ و تعلق کتنا پرانا اور کتنا گہرا ہے-
(۱) صدر انجمن احمدیہ کے ریکارڈ متعلقہ ۱۹۲۷ء میں ناظر اعلیٰ کی طرف سے یہ رپورٹ درج ہے کہ شملہ کانفرنس کے موقعہ پر مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر سیف الدین کچلو بیرسٹرایٹ لاء حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلم لیگ کی مالی کمزوری کا اظہار کر کے حضرت سے امداد کی درخواست کی حضور نے ترقی اسلام کے سلسلہ میں دو سو روپیہ دینا منظور فرمالیا اور اسی وقت اپنے پاس سے ادا فرما دیئے-(۲) ۱۹۲۹ء کے ریکارڈ میں ہمیں یہ ملتا ہے کہ جماعت احمدیہ کی طرف سے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس (دہلی منعقدہ ۳۰/ ۳۱ مارچ ۱۹۲۹ء) کے لئے ایک سو روپیہ چندہ دیا گیا- (ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ مارچ ۱۹۲۹ء صفحہ ۳۷۶) یہ اجلاس روشن تھیٹر دہلی اجمیر دروازہ میں ہوا تھا اس میں مسٹر محمد علی جناح- حاجی عبد اللہ ہارون صاحب- مولوی شفیع صاحب داؤدی- مولوی ظفر علی خان صاحب کے علاوہ حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب اور حضرت ذوالفقار علی خان صاحب اور دوسرے مقتدر حضرات شامل تھے- اس جلسہ کا اشتہار جو سید شمس الحسن صاحب سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ بلیماران دہلی کا لکھا ہوا اور اقبال پرنٹنگ پریس دہلی کا چھپا ہوا ہے قادیان کی احمدیہ لائبریری میں محفوظ ہے-
۲۰۹- حضرت شیخ یعقوب علی صاحب کے ایک خط محررہ یکم جون ۱۹۲۲ء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۹۲۲ء میں تصنیف ہو چکی تھی چنانچہ فرماتے ہیں "حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ نے امیر کے نام ایک لطیف تحفہ لکھا ہے اور عبد الاحد خاں افغان کو سردست ایک خط دے کر بھیجا ہے"- (جان پدر صفحہ ۳۵)
۲۱۰- رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۸ء صفحہ ۲۸-
۲۱۱- الفضل ۲۱/ اگست ۱۹۲۴ء صفحہ ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں امیر کابل کو یہ کتاب بذریعہ ڈاک بھجوانے کی تجویز کی گئی تھی- لیکن عبد الاحد صاحب افغان کا بیان ہے کہ حضرت سید ولی اللہ شاہ اور نیک محمد خاں غزنوی بمبئی گئے اور سردار محمود طرازی وزیر خارجہ کو دعوۃ الامیر دی کہ وہ شاہ کابل تک اسے پہنچادیں-
۲۱۲- سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی فرماتے ہیں "احمدیت اور دعوۃ الامیر کے بعض حصے ایسے ہیں جن کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ خدائی تائید شامل ہے اور وہ انسانی الفاظ نہیں رہے بلکہ خدا تعالیٰ کے القا کردہ الفاظ ہو گئے ہیں"- (الفضل ۱۲/ مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۶)
۲۱۳- دعوۃ الامیر صفحہ ۲۸۳-
۲۱۴- تفصیل آگے آرہی ہے-
۲۱۵- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو زوال غازی (از عزیز ہندی)
۲۱۶- سید احمد محمود غزنوی (جنہوں نے عرشہ جہاز پر شاہ سے آخری ملاقات بھی کی تھی) امان اللہ خاں کی بمبئی سے روانگی کے وقت کا دردناک منظر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں- "عام مسافروں کے ساتھ ان کی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں- یورپ کو جانے والے مسافر بڑے اعلیٰ لباس میں پورے فیشن کے ساتھ دوڑتے نظر آتے تھے اور اگر کوئی شخص سب سے سادہ معمولی قمیص میں اور پتلون

بغیر کوٹ کے پہنے ہوئے تھا تو وہ افغانستان کا سابق بے کس بادشاہ تھا میں مبالغہ نہیں کرتا۔ قمیض بھی صاف نہ تھی یوں معلوم ہوتا تھا کہ کئی روز سے پہنی جارہی ہے۔ ۱۹۲۷ء کے زمانہ کو یاد کرو بمبئی میں کس زور سے استقبال کیا گیا تھا۔ جہاز کا ایک حصہ مخصوص طور پر سجایا گیا تھا۔ بڑی بڑی شاہی کرسیاں مزین تھیں جہاز کے اوپر ہوائی جہاز پرواز کر رہے تھے آج کیا ہے امان اللہ عام مسافروں کے ساتھ ہے وہ جب گزرتا ہے تو عام مسافروں کے ساتھ کھوا چھلتا ہے اگر اس دن زربفت کی پوشاک اور سر پر تاج تھا تو آج جسم پر کوٹ تک نہیں سر سے ننگے نظر آرہے تھے اور یاس وحزن کی ایک حرکت کرتی ہوئی تصویر دکھائی دیتی تھی۔ وہ حسرت بھری نگاہوں سے ادھر ادھر نگاہ اٹھاتا اور اپنی اس حالت پر خون کے آنسو رو رہا تھا۔ ملکہ ثریا جو یورپ کی عورتوں میں اپنے فیشن اور اعلیٰ لباس کے باعث محبوب تھی۔ آج معمولی لباس میں بال پریشان کئے عرشہ جہاز پر اپنے کیبن کے سامنے کھڑی تھیں پژمردگی۔ افسردگی ان کے چہرہ پر نمایاں تھی معلوم ہوتا تھا کہ اپنی سابقہ جاہ و حشمت کو یاد کرکے اور موجودہ حالت کا مقابلہ کرکے بے ہوشی کے عالم میں کھڑی ہجوم خلق کو جو بڑی بے توجہی کے ساتھ اس کے پاس کھڑا ہے دیکھ رہی ہے اس کا چھوٹا بچہ جسے ولی عہد سلطنت افغانستان شہزادہ ہدایت اللہ خان کہتے تھے اس کے پاس ہے وہ اپنی ماں کے ساتھ لپٹ کر پوچھتا ہے "مادر جان ما کجا میرویم"۔ کون دل ہے جو ان الفاظ کو سن کر ٹوٹ نہ جاتا ہو ہمارے سوا شاہ نے اور کسی کو ملاقات کا شرف نہیں بخشا...... سیڑھی اٹھائی گئی اور جہاز نے لنگر اٹھانے کے لئے گھنٹی بجائی۔ اب ہم نیچے اترے۔ مولانا ظفر علی خاں سے ملے اور ان کی جماعت میں شامل ہو گئے نیچے بہت سے لوگ جمع تھے جنہیں جہاز پر جانے کا موقعہ نہیں ملا جہاز کنارہ سے جدا ہوا اور صدائے اللہ اکبر امان اللہ خاں کو سنائی گئی اور اس کو یاد دلایا گیا کہ ایک سب سے بڑا بادشاہ ہے جسے چاہے تخت دے جسے چاہے اس حالت میں وطن سے نکالے۔ یہ خیال میرے دل میں تھا آنسو میری آنکھوں سے جاری تھے اور زبان پڑھ رہی تھی اللھم تو تی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء۔ امان اللہ خاں و ثریا اور اس کے بچے سامنے کھڑے دیکھ رہے تھے اور نعروں کو سن رہے تھے اچانک مولانا ظفر علی خاں نے بلند آواز سے کہا۔ "سلامت روی وباز آئی"۔ اس مصرعہ نے برق کا کام کیا اور اس کو سنتے ہی امان اللہ خاں جو پہلے ہی مغموم و محزون تھے بے اختیار ہو گئے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور دیر تک خاموش کھڑے رہے پھر معاً شاہ و ثریا دونوں اپنے کیبن میں چلے گئے معلوم ہوتا ہے کہ اس مصرعہ نے ان پر تیر کا کام کیا دو بجے کے قریب جہاز ساحل سے دور چلا گیا اور ہم لوگ واپس آئے و فیھا عبرۃ لاولی الابصار" (انقلاب لاہور ۲۹/ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۳)

۲۱۷۔ الفضل ۲۱/ مئی ۱۹۴۷ء صفحہ ۵۔

۲۱۸۔ تفسیر کبیر (سورۃ التکویر) صفحہ ۱۹۶-۱۹۷ طبع اول (خان فقیر محمد صاحب نے ۱۹۳۱ء میں بیعت کی تھی)

۲۱۹۔ والد ماجد جناب ڈپٹی محمد شریف صاحب۔

۲۲۰۔ الفضل ۳۱/ دسمبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۲۔ مسجد احمدیہ بیرون دہلی دروازہ میں پہلے چمڑے کا گودام ہوا کرتا تھا یہ زمین ساڑھے گیارہ ہزار روپیہ میں خرید کی گئی تھی (رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۸-۱۹۱۷ء صفحہ ۴۸)

۲۲۱۔ الفضل ۳/ جنوری ۱۹۲۵ء صفحہ ۲ و سفر یورپ کے برکات کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو الفضل ۲۵/ نومبر ۱۹۲۴ء و الفضل ۴/ دسمبر ۱۹۲۴ء۔

۲۲۲۔ الفضل ۱۸/ مارچ ۱۹۲۴ء صفحہ ۱-۲۔

۲۲۳۔ شیخ صاحب مرض ذیابیطس میں مبتلا ہو کر ۲/ مارچ ۱۹۲۴ء کو فوت ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے شیخ صاحب کی بیماری کی خبر سنتے ہی ۲۸/ فروری ۱۹۲۴ء کو ذوالفقار علی خان صاحب کے ہاتھ اپنا ایک پر درد خط عیادت نامہ کے رنگ میں...... بھجوایا۔ جس میں تحریر فرمایا "میں نے بارہا حضرت مسیح موعود کو رویا میں دیکھا ہے اور یہ معلوم کیا ہے کہ جہاں دوسرے بعض لوگوں پر ناراض ہیں آپ سے کم ناراض ہیں یا صرف دوستانہ گلہ آپ سے رکھتے ہیں...... مجھے بعض اور خوابوں میں بھی آپ کے دل کی حالت بعض دوسرے لوگوں کی نسبت اچھی دکھائی گئی ہے۔ اس لئے بھی اور ان متواتر خدمات کو یاد کرتے ہوئے جو آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں کیں میرا دل آپ کی جدائی پر کڑھتا ہے"۔ (الفضل ۱۱/ ۱۴ مارچ ۱۹۲۴ء صفحہ ۱-۲/۱۲)

۲۲۴۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "ہمارے مولوی محمد اسماعیل صاحب ترگڑی والے جنہوں نے "چشمہ مسیح" لکھی تھی۔ ان کی ایک بات مجھے بڑی اچھی لگتی ہے...... وہ ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے بعد مجھے ملے وہ چونکہ بڑھے تھے اس لئے

انہیں بار بار پیشاب آنے کا مرض تھا وہ مجھے کہنے لگے۔ آپ ہمارے جیسے بڈھوں کا بھی کچھ خیال رکھا کریں۔ میں نے کہا کیا بات ہے۔ کہنے لگے آپ کا لیکچر ہو جاتا ہے لمبا اور مجھے ہے بار بار پیشاب آنے کا مرض۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی مجھے ضرورت ہوتی ہے کہ میں اٹھوں اور جا کر پیشاب کر آؤں مگر جب پیشاب آتا ہے تو مجھ سے اٹھا نہیں جاتا۔ میں کہتا ہوں یہ بات جو بیان کر رہے ہیں اسے ذرا پوری طرح سن لوں یہ ختم ہو گئی تو پیشاب کر آؤں گا مگر جب وہ بات ختم ہوتی ہے تو ایک اور بات شروع ہو جاتی ہے اور وہ بھی بڑی مزیدار ہوتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ اسے بھی سن کر جاؤں۔ غرض ادھر پیشاب سے برا حال ہو رہا ہوتا ہے اور ادھر باتیں اتنی دلچسپ ہوتی ہیں کہ اٹھ کر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ آخر انتظار کرتے کرتے حالت یہ ہو جاتی ہے کہ...... شدت پیشاب کی وجہ سے مثانہ پھٹنے لگتا ہے۔ یہ ان کی محبت کی ایک علامت تھی کہ انہوں نے ایک طرف اپنی تکلیف کا بھی اظہار کر دیا اور دوسری طرف اپنی محبت کا بھی اظہار کر دیا"۔ (سیر روحانی طبع اول صفحہ ۴۔ لیکچر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی جلسہ ۱۹۳۸ء)

۲۲۵۔ ضلع ڈیرہ غازی خان کے ایک نہایت معزز احمدی رئیس جن کو حضرت خلیفتہ المسیح الثانی سے انتہائی مخلصانہ تعلق تھا۔ آپ حکومت میں پیش ہونے والے احمدی وفدوں کے ممبر ہوتے تھے۔

۲۲۶۔ الفضل ۲۱/ مارچ ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۔

۲۲۷۔ الفضل ۲۵/ مارچ ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۔

۲۲۸۔ اقدس کا نسخہ حاصل کرنا بہت مشکل تھا جماعت احمدیہ کی طرف سے بھائیوں کو بطور ضمانت ایک ہزار روپیہ تک کی پیشکش کی گئی کہ اس کی نقل کرنے کی اجازت دے دیں مگر وہ آنوں بہانوں سے ٹال دیتے تھے۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء)

۲۲۹۔ الفضل ۶/ جون ۱۹۲۴ء صفحہ ۶-۹۔

۲۳۰۔ الفرقان دسمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۵-۶۔

۲۳۱۔ آپ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ابتداءً مدرسہ احمدیہ میں استاد مقرر ہوئے۔ پھر ناظم قضا جیسے اہم عہدہ پر فائز ہوئے۔

۲۳۲۔ الفضل ۲۲/ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۔

۲۳۳۔ الفضل ۳/ جنوری ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۔

۲۳۴۔ الفضل ۶/ جنوری ۱۹۲۵ء صفحہ ۷۔

۲۳۵۔ سنہ اشاعت حصہ اول ۲۴ء حصہ دوم ۲۵ء حصہ سوم ۲۷ء حصہ چہارم۔ غالباً ۱۹۲۷ء۔

۲۳۶۔ الفضل ۲۲/ فروری ۱۹۲۴ء صفحہ ۹۔

۲۳۷۔ الفضل ۲۵/ مارچ ۱۹۲۴ء صفحہ ۷-۸۔

۲۳۸۔ الفضل ۲۹/ فروری ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۔

۲۳۹۔ الفضل ۲۰/ جون ۱۹۲۴ء صفحہ ۸-۹۔

۲۴۰۔ الفضل ۸/ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۔ طبع شدہ ہے۔

۲۴۱۔ الفضل ۱۶/ دسمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۷۔

۲۴۲۔ اخبار انوار الاسلام لکھنؤ ۲۶/ ۲ فروری ۱۹۲۵ء مدیر حسام الدین صاحب لکھنوی

چھٹا باب (فصل اول)

شہدائے کابل کی شہادت سے لے کر مسلمانان ہند کی ترقی و بہبود سے متعلق منظم جدوجہد

خلافت ثانیہ کا بارھواں سال

(جنوری ۱۹۲۵ء تا دسمبر ۱۹۲۵ء بمطابق رجب ۱۳۴۳ھ تا جمادی الآخر ۱۳۴۴ھ)

مولوی عبدالحلیم صاحب اور قاری نور علی صاحب کی شہادت

امیر امان اللہ خان صاحب کی حکومت جس نے ۱۹۲۴ء میں مولوی نعمت اللہ خاں صاحب کو محض اختلاف عقیدہ کی بناء پر سنگسار کرادیا تھا عالمگیر احتجاج پر اور بھی مشتعل ہو گئی اور اس نے ۵/ فروری ۱۹۲۵ء کو دو اور احمدی مولوی عبدالحلیم صاحب ساکن چراسہ اور قاری نور علی صاحب ساکن کابل سنگسار کر دیئے [1]

سرزمین کابل میں چند ماہ کے اندر ہونے والے اس دوسرے المناک حادثہ پر جس میں دو بے گناہوں کا خون بہایا گیا تھا۔ دنیا کے انصاف پسند حلقوں نے پہلے سے زیادہ زور اور شدت سے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ احتجاج کرنے والوں میں دنیا بھر کے مشہور علمی دماغ شامل تھے۔ مثلاً (برطانوی مؤرخ) ایچ۔جی ویلز (نامور افسانہ نگار) سر آرتھر کونن۔ سر الیور لاج۔ کرنل سر فرانسس ینگ ہسبنڈ۔ تصوف اسلامی کے ماہر پروفیسر نکلسن [2]۔ جناب محمد علی جوہر۔ جناب عبدالماجد دریا آبادی۔ مسٹر گاندھی [3]۔

ہندوستان کے ہندو مسلم پریس نے اس واقعہ کے خلاف پوری قوت سے آواز بلند کی چنانچہ بطور نمونہ چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ "انڈین ڈیلی میل" (بمبئی) نے ۱۴/ فروری ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں لکھا۔

"یہ خبر کہ کابل کے دو اور احمدی...... سنگسار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے ہیں۔ امیر افغانستان کی شہرت کو سوائے چند متعصب ہندوستانی ملانوں کے حلقے کے اور کسی قوم میں نہیں

بڑھائے گی" ۵۔

۲۔ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور نے ۱۷/ فروری ۱۹۲۵ء کے پرچہ میں لکھا۔

"اس بیسویں صدی میں ایسے ملک میں جو اپنے آپ کو دنیا کی مہذب قوموں میں شمار کرے ایسے دل سوز منظر کا واقعہ دل میں افسوسناک خیالات پیدا کرتا ہے" ۶۔

۳۔ اخبار "ریاست" دہلی نے ۲۱/ فروری ۱۹۲۵ء کو لکھا۔

"افغان گورنمنٹ کا یہ وحشیانہ فعل موجودہ زمانہ میں اس قدر قابل نفرت ہے کہ جس کے خلاف مہذب ممالک جتنا بھی صدائے احتجاج بلند کریں کم ہے...... دنیا میں کسی شخص کا مذہبی عقائد کی صورت میں حکومت کی طرف سے ظلم کیا جانا اور بے رحمی کے ساتھ قتل کیا جانا باعث شہادت ہوا کرتا ہے اور بلاشبہ نعمت اللہ اور اس کے دو شجاع اور بہادر قادیانی بھی شہید کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے اپنے عقائد کے مقابلہ پر دنیاوی لالچ اور راحت و آرام کی پروانہ کی اور اپنے فانی جسم کو پتھروں' اینٹوں اور دوسری بے جان چیزوں کے حوالے کر دیا۔ ع

"ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما"۔

ہم جہاں افغان حکومت کے اس ظالمانہ فعل کے خلاف نفرت اور انتہائی حقارت کا اظہار کرتے ہیں وہاں ان شہداء کے خاندان اور قادیانی فرقہ کے تمام لوگوں کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے اپنے عقائد پر مضبوط رہ کر دنیا میں ظاہر کر دیا کہ ہندوستان اب بھی اپنے عقائد کے مقابلہ پر بڑی مصیبت کو لبیک کہنے کے لئے تیار ہے" ۷۔۸

۴۔ مدراس کے مشہور اخبار "مدراس میل" نے کلکتہ کے اخبار سٹیٹسمین کے حوالہ سے لکھا۔

"یہ نہایت ظالمانہ فعل جو نیم سرکاری افسروں کی ہدایات کے بموجب عمل میں لایا گیا..... یہ ظاہر کرتا ہے کہ امیر جس نے بلند ارادوں اور مصلحانہ روح کے ساتھ اپنا کام شروع کیا تھا...... قدامت پسند اور متعصب اثرات کے نیچے دب گیا ہے" ۹۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے مظالم پر صبر و سکون کی تلقین

شہدائے کابل کے حادثہ کی قادیان میں اطلاع جب پہنچی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اسی وقت بیت الدعا میں تشریف لے گئے اور دعا کی کہ الٰہی تو اس حکومت پر رحم فرما اور ان کو ہدایت دے۔ دعا کے بعد حضور نے ایک تقریر کی جس میں پوری جماعت کو صبر و سکون سے کام لینے کی تلقین فرمائی اور ساتھ ہی آنے والی نسلوں کو نصیحت فرمائی۔ کہ

"مجھے اس بات کا خیال نہیں آتا کہ گورنمنٹ افغان نے ہمارے آدمیوں کو سنگسار کر دیا ہے مجھے ڈر ہے تو اس بات کا ہے کہ ہماری نسلیں جب تاریخ میں ان مظالم کو پڑھیں گی۔ اس وقت ان کا جوش اور ان کا غضب عیسائیوں کی طرح ان کو کہیں اخلاق سے نہ پھیر دے...... اس لئے میں آنے والی نسلوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ جب خدا تعالیٰ ان کو ہماری ان حقیر خدمات کے بدلے میں حکومت اور بادشاہت عطا کرے گا تو وہ ان ظالموں کے ظلموں کی طرف توجہ نہ کریں جس طرح ہم اب برداشت کر رہے ہیں وہ بھی برداشت سے کام لیں اور وہ اخلاق دکھانے میں ہم سے پیچھے نہ رہیں بلکہ ہم سے بھی آگے بڑھیں [10]۔

مسئلہ "قتل مرتد" اور ہندو اصحاب

مولوی نعمت اللہ صاحب شہید کے واقعہ شہادت کی طرح اس موقعہ پر بھی ہندوستان کے بعض متعصب اور تنگ نظر علماء نے امان اللہ خان کا یہ فعل مستحسن قرار دیا اور اسے "شریعت حقہ اسلامیہ" کی اہم ترین دفعہ ثابت کرنے کی کوشش کی [11]۔ اس مؤقف نے دشمنان اسلام کے ہاتھ اسلام اور آنحضرت ﷺ کو بدنام کرنے کا ایک اور ہتھیار دے دیا اور ان کو پورا پورا الیقین ہو گیا کہ اسلام واقعی جبر و تشدد کا علمبردار ہے۔

چنانچہ مسٹر گاندھی نے کہا "میرا خیال ہے کہ سنگساری کی سزا کی قرآن میں صرف خاص حالات میں اجازت ہے۔ جن کے تحت میں یہ واقعات تو آسکتے ہیں لیکن...... اس قسم کی سزا کو اخلاق پر دھبہ قرار دوں گا...... یہ اس قسم کی سزا ہے جو انسانی جذبات کو ٹھیس لگاتی ہے خواہ جرم کسی بھی قسم کا کیوں نہ ہو دل اور دماغ قبول نہیں کرتے کہ کسی بھی جرم کے لئے سنگساری کی وحشیانہ سزا کو مناسب قرار دیا جائے" [12]۔

پنڈت شردھانند نے بیان دیا کہ "حال کی سنگساری کے بارہ میں وزیر داخلہ کابل نے جو اعلان نکالا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے یہ سنگساریاں مذہبی اختلاف کی بناء پر عمل میں آئی تھیں۔ جہاں کہیں بھی اسلامی بادشاہت قائم ہو گی وہاں قتل مرتد بذریعہ سنگساری کا قانون جاری ہو گا...... اس لئے ہندوستان کے ہندو اس امر سے واقفیت رکھتے ہوئے اطمینان کے ساتھ بیٹھ نہیں سکتے...... میں نے مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیتہ علمائے ہند سے پوچھا تھا کہ اگر قتل مرتد کا مسئلہ صحیح ہے تو ہندو کیسے مطمئن ہوں گے؟ مولانا مفتی صاحب نے جواب دیا تھا کہ قتل مرتد کی اجازت اسی حالت میں ہے جبکہ مسلمان بادشاہ ہو۔ کیونکہ بادشاہ ہی ایسا حکم دے سکتا ہے۔ میں نے اس وقت کہا تھا کہ اگر ہندوستان میں جمہوری سلطنت قائم ہو جائے اور اس کا صدر مسلمان چنا جائے۔ اس وقت ان ہندوؤں اور

عیسائیوں کی حالت کیا ہوگی۔ جو ایک بار مسلمان ہو کر پھر اپنے پرانے مذہب میں واپس آنا چاہیں گے ...... اگر ایسے وحشیانہ قانون کے برخلاف یک زبان ہو کر ساری دنیا آواز نہ اٹھائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ انصاف کا خیال دنیا سے معدوم ہو گیا ہے" [۱۱۳]۔

مسئلہ قتل مرتد اور جماعت احمدیہ اور دوسرے روشن خیال علماء

جماعت احمدیہ قتل مرتد کے مسئلہ ہی کو اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی و مخالف سمجھتی ہے اس لئے وہ دشمنان اسلام کے حملوں کا جواب دیتے ہوئے شروع ہی سے یہ واضح کرتی آرہی تھی کہ امان اللہ خاں کی حکومت اور اس کے مؤیدین نے احمدیوں ہی کا نہیں اسلام کا بھی خون کیا ہے۔ جماعت احمدیہ کے اس مؤقف کی تائید و موافقت بعض دوسرے روشن خیال علماء نے بھی کی اور جرأت اور دلیری سے قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت کیا کہ نہ تو اسلام میں ارتداد کے لئے کوئی سزا مقرر ہے اور نہ احمدی مرتد ہیں۔

چنانچہ جناب مولانا محمد علی جوہر نے اس موضوع پر اپنے اخبار ہمدرد میں کئی اقساط میں ایک مفصل مقالہ سپرد قلم کیا جس میں مسئلہ "قتل مرتد" پر قرآن و حدیث سے بحث کرنے کے بعد لکھا۔

"اس وقت احمدیوں کی دو جماعتیں ہیں۔ لاہوری جماعت کے عقائد تو بالکل عام مسلمانوں کے سے ہیں...... اب رہے قادیانی احمدی یعنی مرزا بشیر الدین صاحب [۱۱۴] کے حلقہ کے لوگ بے شک ان کے عقائد عام مسلمانوں سے بالکل الگ ہیں اور ہم ان لوگوں کو صحیح نہیں سمجھتے مگر باوجود ان کے غلط عقائد کے ان کو کافر و مرتد کہنا صریح ظلم ہے کیونکہ وہ اہل کعبہ ہیں 'توحید' رسالت' قرآن اور حدیث کو ماننے اور عبادت و معاملات میں فقہ حنفی پر عمل کرتے ہیں۔ صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ کو فرض تسلیم کرتے اور اس پر عمل کرتے ہیں قرآن کو کلام الٰہی اور رسول اللہ کو افضل الرسل و انبیاء مانتے ہیں۔ باقی مرزا غلام احمد صاحب کے متعلق جو خیال انہوں نے قائم کر لیا ہے وہ ہر اک لحاظ سے غلط و باطل ہے مگر بہر صورت وہ قصور علم و کوتاہی فہم کی وجہ سے ہے۔ وہ آیات و احادیث میں تاویل کرتے ہیں اور مؤول کو آج تک کسی نے مرتد و کافر نہیں کہا۔ مرتد کی تعریف یہ ہے کہ جو اپنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے دین اسلام کو چھوڑ دیا۔ کسی دوسرے شخص کو یہ حق نہیں کہ کسی ایسے شخص کو وہ مرتد و کافر قرار دے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو۔ قرآن میں یہاں تک ہے کہ **ولا تقولوا لمن القٰی الیکم السلام لست مومنا** جو تم کو سلام کرے اس سے یہ مت کہو کہ تو مومن نہیں۔ اگر قصور فہم و تاویلات بعیدہ کی بناء پر کفر و ارتداد کے فتوے نکلنے اور احکام جاری ہونے لگیں تو کوئی فرقہ بھی کفر و ارتداد کی زد سے نہیں بچ سکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ قادیانی جماعت کے جو کچھ بھی عقائد ہیں وہ آیات واحادیث کے سوءِ فہم و قصورِ علم کی بناء پر ہیں۔ ایک آیت کے معنے جو ہم سمجھے ہوئے ہیں وہ اس کے دوسرے معنی مراد لیتے ہیں۔ مگر ہماری طرح وہ بھی اپنے عقائد کے ثبوت میں آیات واحادیث کے معنی و مفہوم کو اپنے طور پر اپنے فہم و ادراک کے مطابق پیش کرتے ہیں اور یہ مسلّمہ مسئلہ ہے کہ مؤول کو مرتد یا کافر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ مرتد کی سزا قتل بتلائی جاتی ہے نہ کہ رجم۔ مگر افغانستان میں ان کو رجم کیا جا رہا ہے جو ایک نئی اختراع ہے۔

اگر مناظرانہ الزامات کفر و ارتداد کو معتبر قرار دیا جائے تو پھر تمام فرقے ایک دوسرے کے نزدیک واجب القتل ٹھہرتے ہیں۔ بہت سے غالی اور متقشف علمائے احناف شیعوں کو بھی کافر سمجھتے ہیں۔ بالخصوص قائلین افک عائشہؓ کو۔ اسی طرح شیعہ خوارج کو کافر کہتے ہیں اور مناظرانہ حیثیت میں تمام فرقے ایک دوسرے کے عقائد کو باطل ٹھہراتے اور کفر و ارتداد سے تعبیر کرتے ہیں۔ بریلی کے دارالکفر سے سینکڑوں علماء حق کی نسبت کفر کے فتوے صادر ہوئے۔ خصوصاً مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے لے کر حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز تک تمام علمائے دیوبند ان کے نزدیک بالکل ہی مرتد و کافر تھے۔ کیا یہ سب واجب القتل نہیں ٹھہرتے اور کیا اس طریقہ پر ایک ایسے فتنہ کا......دروازہ نہیں کھل جاتا۔ جو لاانتہاء تباہی اور بربادی کا باعث ہوگا" [۱۵]۔

سید رئیس احمد صاحب جعفری نے مولانا محمد علی جوہر کے ان مضامین پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "انہوں نے ان دونوں جماعتوں کے افکار و آراء کا مطالعہ کیا۔ اور پھر اپنا نظریہ یہ پیش کیا کہ اسلام میں قتل مرتد جائز نہیں...... اس مسئلہ پر انہوں نے آیات قرآنی 'احادیث رسول ﷺ 'اقوال فقہاء 'خیالات آئمہ 'افکار مجتہدین کا اتنا نادر ذخیرہ جمع کر لیا کہ ایک شخص پوری بصیرت کے ساتھ اس مسئلہ پر "ریسرچ" کر سکتا ہے۔ اس ذخیرہ سے متمتع ہونے کے بعد اپنی بصیرت کے مطابق ایک رائے قائم کی اور اس پر آخر وقت تک مصر رہے" [۱۶]۔

مسلم زعماء میں سے دوسرے اہل قلم جنہوں نے اس موقعہ پر مسئلہ قتل مرتد پر محققانہ انداز میں قلم اٹھایا جناب عبدالماجد صاحب بی۔ اے دریا آبادی ہیں جنہوں نے لکھا۔

"کابل کے واقعہ رجم کی تائید و تحسین میں بعض اخبارات کی پُرجوش تحریریں اور علمائے حنفیہ کے مضامین میری نظر سے گزرے میں نے انہیں بغور پڑھا۔ لیکن افسوس ہے کہ ان سے متفق و مطمئن نہ ہو سکا اور باوجود غیر احمدی ہونے کے اس باب خاص میں میری ہمدردی گروہ احمدی کے ساتھ ہے۔

میں کسی معنی میں بھی ہرگز مذہبی عالم ہونے کا دعویٰ نہیں رکھتا۔ تاہم ایک عام مسلم بھی اپنے فہم و

ادارک کے موافق ہر اسلامی مسئلہ میں لب کشائی کر سکتا ہے۔ اس لئے امید ہے کہ میری یہ مبادرت قابل عفو خیال کی جائے گی۔

میرے پیش نظر سوالات ذیل ہیں۔

۱۔ کیا اسلام نے ارتداد کی سزا قتل رکھی ہے؟

۲۔ کیا قتل و رجم مترادف ہیں؟

۳۔ کیا احمدیت ارتداد ہے؟

(اس کے بعد آپ نے اس مسئلہ پر جو موافق و مخالف دلائل کا تجزیہ کیا اور آخر میں لکھا۔)

"رجم مرتد کی تائید میں تو کوئی سند بھی موجود نہیں۔ "قتل" مرتد کے باب میں کتاب و سنت خاموش ہیں بلکہ قرآن کریم میں جو رواداری عقائد کا اعلان عام کیا جا چکا ہے وہ فتویٰ جواز قتل مرتد کی گویا تردید کر رہا ہے۔ صحابہ کرام کے طرز عمل سے باغیوں کے ساتھ قتال ثابت ہوتا ہے نہ کہ محض مرتدوں سے۔ آخر میں تیسرا مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ آیا مرتد کا اطلاق احمدیوں پر صحیح ہے۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں مرتد تو شاید صرف اسے کہہ سکتے ہیں جو احکام خدا یا احکام رسول سے منحرف ہو گیا ہو۔ پھر کیا احمدیت کو کتاب و سنت کے کسی جزئیہ سے بھی انکار ہے..... جہاں تک میری نظر سے خود بانی سلسلہ احمدیہ جناب مرزا غلام احمد صاحب مرحوم کی تصانیف گزری ہیں ان میں بجائے ختم نبوت کے انکار کے اس عقیدہ کی خاص اہمیت مجھے ملی۔ بلکہ مجھے ایسا یاد پڑتا ہے کہ احمدیت کے بیعت نامہ میں ایک مستقل دفعہ حضرت رسول خدا ﷺ کے خاتم النبین ہونے کی موجود ہے۔ مرزا صاحب مرحوم اگر اپنے تیئں نبی کہتے تھے تو اس معنی میں جس میں ہر مسلمان ایک آنے والے مسیح کا منتظر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ ختم نبوت کے منافی نہیں۔

پس اگر احمدیت وہی ہے جو خود مرزا صاحب مرحوم بانی سلسلہ کی تحریروں سے ظاہر ہوتی ہے تو اسے "ارتداد" سے تعبیر کرنا بڑی ہی زیادتی ہے ان کی تحریروں سے تو محض اتنا ہی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ توحید و رسالت کے پوری طرح قائل ہیں قرآن پر حرفاً حرفاً ایمان رکھتے ہیں کعبہ مومنین کو اپنا قبلہ سمجھتے ہیں بلکہ سردار کونین ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ محبت و شیفتگی بھی ٹپکتی ہے۔ ان سے ہمارا جو کچھ اختلاف ہے وہ بعض احکام و ہدایات کی سوء تعبیر کی بناء پر ہے نہ کہ اغراض و انکار کی بناء پر۔ اور سوء تعبیر ایسی شے نہیں جس کی بناء پر ارتداد و تکفیر کا حکم لگایا جا سکے" [۱۷]۔

بالآخر یہ بتانا ضروری ہے کہ اس موقعہ پر جماعت احمدیہ کے مشہور مخالف جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ایڈیٹر اخبار "اہلحدیث" نے بھی مسئلہ "قتل مرتد" کے بارے میں جماعت احمدیہ کے

مسلک کی تائید کرتے ہوئے لکھا۔

''ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ صورت موجودہ میں سنگسار کرنے کا حکم نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں نہ کتب فقہ حنفیہ میں نہ شافعیہ وغیرہ میں اگر اس کا نام سیاسی حکم رکھا جائے تو ہمیں اس پر بحث نہیں''۔

اس کے بعد آپ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی اور لکھا۔

''نتیجہ یہ ہے کہ افغانستان میں جو کسی مرزائی کو محض مرزائی ہونے کی وجہ سے (اگر یہ صحیح ہے) سنگسار کیا گیا ہے تو قرآن' حدیث اور کتب فقہ میں اس کا ثبوت نہیں اس لئے یہ سزا نہ حد ہے نہ تعزیز ہاں اگر کچھ ہو سکتا ہے تو باصطلاح افاغنہ سیاسی حکم ہے دگر ہیچ'' [۱۸]۔

مسئلہ ''قتل مرتد اور اسلام'' پر سلسلہ مضامین

جماعت احمدیہ کی بار بار وضاحتوں اور جناب محمد علی صاحب جوہر اور جناب عبدالماجد صاحب دریا آبادی کے قابل قدر علمی مضامین کے باوجود غیر مسلموں کی طرف سے اسلام کو برابر بدنام کیا جارہا تھا۔ چنانچہ آریوں کے بااثر اخبار ''پرکاش'' لاہور (۷/ مارچ ۱۹۲۵ء) نے لکھا۔

'' قادیانیوں کا تعصب مذہبی ملاحظہ ہو۔ کہ عین اسی وقت جبکہ وہ حکومت افغانستان کے اس سنگدلانہ فعل کے برخلاف صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں اس عنوان سے اپنے اخبار میں مضامین کی اشاعت میں بھی مشغول ہیں کہ اسلام منوانے کے لئے کبھی تلوار نہیں چلائی گئی۔ کوئی ان بھلے آدمیوں سے پوچھے کہ اگر اسلام منوانے کے لئے کبھی تلوار نہیں چلائی گئی تو کیا نعمت اللہ پر پھول برسائے گئے تھے۔ یا اس کی اور اس کے بعد دو اور احمدیوں کی لاشیں ابھی تک پھولوں کے ڈھیر میں دبی پڑی ہیں...... یہ ضرور ہے کہ نعمت اللہ اور دیگر احمدیوں کو تلوار نہیں پتھروں کی مار سے مارا گیا ہے۔ لیکن پتھر کی مار تلوار کی مار سے بلاشبہ زیادہ سنگدلانہ ہے'' [۱۹]۔

اس خطرناک طعن و تشنیع کا دروازہ بند کرنے کی واحد صورت یہی تھی کہ سابقہ مضامین پر اکتفانہ کرتے ہوئے مسئلہ قتل مرتد پر اسلامی نقطہ نگاہ سے سیر حاصل روشنی ڈالی جائے تا اسلام کا مقدس چہرہ اس بدنما داغ سے پوری طرح صاف و شفاف ہو کر غیر مسلموں کے سامنے آجائے۔ چنانچہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حضرت مولوی شیر علی صاحب کو اس اہم خدمت کے لئے مقرر فرمایا۔ جنہوں نے حضور کی ہدایت اور نگرانی کے تحت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے مکرم مولوی فضل الدین صاحب وکیل۔ مکرم مولوی جلال الدین صاحب شمس اور مکرم مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی کی اعانت سے اس مسئلہ کے ہر پہلو پر زبردست تحقیق کی اور اس سلسلہ میں قرآن مجید' احادیث نبوی اور اقوال فقہاء پر نہایت گہری اور باریک نظر ڈال کر ایسے مدلل'

متین اور زوردار رنگ میں اس نازک مسئلہ پر قلم اٹھایا کہ اپنوں اور بیگانوں کی پیدا کردہ غلط فہمیوں ہی کا ازالہ نہیں ہوا بلکہ اسلام کا مذہب امن و صلح ہونا بھی پورے طور پر عیاں ہو گیا۔ یہ مضمون الفضل ۱۹۲۵ء میں پہلے باقساط چھپا پھر اگلے سال "قتل مرتد اور اسلام" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوا۔ یہ اسی عظیم الشان تصنیف کا اثر ہے کہ مولوی ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر اخبار "زمیندار" کو (جنہوں نے اس مسئلہ کی تائید میں اہل دیوبند کے بعد پنجاب میں سب سے زیادہ مضامین شائع کئے تھے) بالآخر اپنے اخبار "زمیندار" میں یہ تسلیم کرنا پڑا کہ "اس دین کی اصل محکم جس کا نام اسلام ہے یہ دین کمال کو پہنچا اور نعمت پوری ہو چکی اس قرآن کریم میں مجرم ارتداد کی کوئی جسمانی سزا نہیں بتائی گئی" [۲۰]۔

تحریک چندہ خاص

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۰/ فروری ۱۹۲۵ء کو مخلصین جماعت کو ایک لاکھ روپیہ کی خاص چندہ کی تحریک فرمائی۔ اس تحریک کا پس منظر حضور کے الفاظ میں یہ تھا۔

"میری صحت متواتر بیماریوں سے جو تبلیغ ولایت کے متعلق تصانیف اور دوران سفر کے متواتر کام کے نتیجہ میں پیدا ہوئیں بالکل ٹوٹ چکی ہے۔ اور غموں اور صدموں نے میرے جسم کو زکریا علیہ السلام کی طرح کھوکھلا کر دیا ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر کبھی بھی میرا جسم راحت اور آرام کا مستحق اور میرا دل اطمینان کا محتاج تھا تو وہ یہ وقت ہے لیکن صحت کی کمزوری' جانی [۲۱] اور مالی ابتلاؤں [۲۲] کے باوجود بجائے آرام ملنے کے میری جان اور بھی زیادہ بوجھوں کے نیچے دبی جارہی ہے۔ کیونکہ سفر مغرب کی وجہ سے اور اشاعت کتب کی غرض سے جو روپیہ قرض لیا گیا تھا اس کی ادائیگی کا وقت سر پر ہے بلکہ شروع ہو چکا ہے اور بیت المال کا یہ حال ہے کہ قرضہ کی ادائیگی تو الگ رہی کارکنوں کی تنخواہیں ہی تین تین ماہ کی واجب الادا ہیں۔ پس یہ غم مجھ پر مزید بر آں پڑ گیا ہے کہ قرضہ ادا نہ ہونے کی صورت میں ہم پر نادہندگی اور وعدہ خلافی کا الزام نہ آئے اور اسی طرح وہ لوگ جو باہر کی اچھی ملازمتوں کو ترک کر کے قادیان میں خدمت دین کے لئے بیٹھے ہیں ان کو فاقہ کشی کی حالت میں دیکھنا اور ان کو ان کی ان تھک خدمات کے بعد قوت لایموت کے لئے بھی روپیہ نہ دے سکنا کوئی معمولی صدمہ نہیں ہے تیسرا صدمہ مجھے یہ ہے کہ اس قدر تکالیف برداشت کر کے جو سفر اختیار کیا گیا تھا اس کے اثرات کو دیرپا اور وسیع کرنے کے لئے ضروری تھا کہ فوراً تجربہ کے ماتحت شام اور انگلستان میں تبلیغ کا راستہ کھولا جاتا۔ مگر مالی تنگی کی وجہ سے اس کام کو شروع نہیں کیا جا سکتا اور سب محنت کے برباد ہونے کا خطرہ ہے۔ ان صدمات کے بعد جو میری صحت اور جسم کو پہنچے ہیں اور جو اپنی ذات میں ہی ایک انسان کو

ہلاک کردینے کے لئے کافی ہیں اس قدر صدمات کا بوجھ میرے لئے ناقابل برداشت ہوا جارہا ہے۔ پس میں نے اب فیصلہ کیا ہے کہ اس وعدہ کے مطابق جو احباب نے سفر ولایت کے متعلق مشورہ لیتے وقت کیا تھا ایک خاص چندہ کی اپیل کروں۔

سفر ولایت پر پچاس ہزار روپیہ خرچ آیا ہے۔ اور اس خاص لٹریچر کی اشاعت پر جو اس سفر کی غرض کے لئے چھپوایا گیا۔ بیس ہزار روپیہ۔ موجودہ مالی تنگی کو رفع کرنے اور سفر سے جو تحریک اسلامی اور مغربی بلاد میں پیدا کی گئی تھی اس کے چلانے اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے تیس ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔ یہ کل ایک لاکھ روپیہ ہوتا ہے اور میں اس کے لئے اب جماعت سے اپیل کرتا ہوں اور اس کے پورا کرنے کے لئے یہ تجویز کرتا ہوں کہ ہر شخص جو احمدی کہلاتا ہے۔ اس غرض کے لئے اپنی ایک مہینہ کی آمد تین ماہ میں یعنی ۱۵/ فروری سے ۱۵/ مئی تک علاوہ ماہوار چندہ کے جو وہ دیتا ہے اس خاص تحریک میں ادا کرے۔ زمیندار لوگ دونوں فصلوں کے موقعہ پر علاوہ مقررہ چندہ کے دوسیری فی من پیداوار پر ادا کریں اور اس جماعت کی عزت اور سلسلہ کے کام کو برباد ہونے سے بچایا جائے" [۲۳]۔

جماعت احمدیہ نے اپنے پیارے امام کے ارشاد پر تین ماہ کے اندر اندر ایک لاکھ سے زیادہ روپیہ اپنے آقا کے قدموں میں ڈال دیا۔

چنانچہ حضور نے اس پر خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے ۱۲/ جولائی ۱۹۲۵ء کو اعلان فرمایا۔ "الحمدللہ کہ میں آج اس امر کا اعلان کرنے کے قابل ہوا ہوں کہ معیاد مقررہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جماعت احمدیہ کو ایک لاکھ کی تحریک کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائی...... مجھے نہایت خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مخالفوں کے منہ بند کر دیئے ہیں جو اعتراض کر رہے تھے کہ احمدی چندے دیتے دیتے تھک گئے ہیں [۲۴]۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ان لوگوں کے جواب میں اس نے جماعت کو اس امر کا عملی ثبوت بہم پہنچانے کا موقعہ دے دیا ہے کہ وہ چندے دیتے دیتے تھکی نہیں بلکہ وہ اسی طرح تازہ دم ہے جس طرح کہ پہلے دن تھی۔ بلکہ مومنانہ شان کے مطابق اس کا جوش پہلے سے بھی بڑھا ہوا ہے اور وہ دین اسلام کے لئے ہر اک قربانی کے لئے تیار ہے اور ہر ایک بوجھ اٹھانے کے لئے آمادہ!" [۲۵]

اشاعت احمدیت کے لئے خاص تحریک

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۳/ فروری ۱۹۲۵ء کو تحریک فرمائی کہ ہر ایک احمدی دل میں عہد کرے کہ اشاعت سلسلہ میں ہمہ تن لگ جائے گا۔ نیز فرمایا۔

"میرے نزدیک موجودہ ترقی کی رفتار بہت کم ہے۔ جب تک ایک لاکھ سالانہ سلسلہ میں لوگ داخل نہ ہوں ہماری ترقی خطرہ میں ہے۔ ہمیں جلد سے جلد اس بات پر قادر ہونا چاہئے۔ ایک لاکھ سالانہ

کی رفتار سے ہم یہ امید کر سکتے ہیں کہ سلسلہ میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے کہ جو اس کام کو جاری رکھ سکیں گے۔ موجودہ حالت میں تو ہم یہ بھی امید نہیں کر سکتے۔ پس جس طرح احباب سب چندہ دیتے ہیں۔ اسی طرح ایک دو سال بھی اگر وہ سب اشاعت سلسلہ اور اخلاق کی درستی کی کوشش میں لگ جائیں جس کے ساتھ جماعت کے اندر ایک رو پیدا ہو جائے تو اس طرح ایسی تعداد پیدا ہو سکتی ہے کہ جو کام کو سنبھال سکیں" [۲۶]۔

فرقہ وارانہ نیابت کے سوال کا حل

ان دنوں ملک میں فرقہ وارانہ نیابت کا سوال بہت پیچیدہ صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس کے تصفیہ کے لئے سیاسی زعماء نے دہلی میں آل انڈیا پارٹی کانفرنس بھی منعقد کی۔ [۲۷] مگر کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ مسلمان اپنا یہ مطالبہ کہ ان کو بعض صوبوں میں ان کی تعداد سے زیادہ حق نیابت دیا جائے چھوڑ دیں۔ مدراس یا بہار میں اگر وہ چند ممبریاں زیادہ بھی حاصل کر لیں گے تو اس سے ان کو اتنا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا جتنا کہ بعض صوبوں میں کثرت سے ہو سکتا ہے۔ اور آئندہ نظام اس طریق پر قائم کیا جائے کہ ہر ایک قوم کو اس کی آبادی کے مطابق حق نیابت ملے۔ صرف یہ رعایت ہو کہ جہاں قلیل التعداد اقوام کو نصف ممبری کا حق ملتا ہے وہاں ان کو ایک پوری ممبری کا حق دیا جائے بشرطیکہ آبادی کی کثرت قلت میں نہ بدل جائے۔

اس ضمن میں دوسری اہم تجویز آپ نے یہ فرمائی کہ ہر قوم کا انتخاب اس کی اپنی قوم کے افراد کے ذریعہ سے کیا جاوے یعنی نہ صرف یہ شرط ہو کہ ہر ایک قوم کو اس کی تعداد کے مطابق نیابت دی جائے بلکہ یہ بھی شرط ہو کہ ہر قوم کے نمائندے صرف اسی کے ووٹوں سے منتخب کئے جائیں ورنہ طاقتور اور ہوشیار قومیں دوسری اقوام کے ایسے ممبروں کے منتخب کرانے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ جو اپنی قوم کا نمائندہ کہلانے کی بجائے دوسرے زبردست یا زیادہ تعلیم یافتہ قوم کا نمائندہ کہلانے کا زیادہ حقدار ہو گا۔

تیسری بات حضور نے سیاسی لیڈروں کے سامنے یہ پیش کی کہ ایسے قواعد تجویز کئے جائیں جن کی موجودگی میں کثیر التعداد قومیں اقلیتوں پر ظلم نہ کر سکیں۔ پس آئندہ سمجھوتہ کی بنیاد ان شرائط پر ہونی چاہئے کہ

(الف) ایک قوم دوسری قوم کے مخصوص تمدنی قوانین کے خلاف بھی قانون نہیں بنا سکتی اور نہ ان امور کے متعلق جو مابہ النزاع ہوں۔

(ب) ایسے امور میں نہ صرف مذاہب کے کثیر التعداد فرقوں کے خیالات کا احترام کیا جائے گا بلکہ

اگر قلیل التعداد فرقہ کثیر التعداد کے خلاف ہو تو اس کے لئے کوئی قانون اس کی مرضی کے خلاف نہیں بنایا جائے گا [۲۸]۔

مدرسۃ الخواتین کا اجراء اور آپ کی مصروفیات میں اضافہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے احمدی خواتین کی علمی ترقی سے متعلق سفر یورپ کے دوران میں جو سکیم بنائی تھی۔ اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے حضور نے ۱۷/ مارچ ۱۹۲۵ء کو "مدرستہ الخواتین" کی بنیاد رکھی [۲۹]۔

چونکہ قابل معلمات اس وقت موجود نہیں تھیں اس لئے خود حضور بھی طالبات کو پڑھاتے تھے چنانچہ آپ نے اپنی مصروفیات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے دسمبر ۱۹۲۵ء میں فرمایا۔

"میں صبح ناشتہ کے بعد مدرسہ خواتین میں پڑھاتا ہوں یہ ایک نیا مدرسہ قائم کیا گیا ہے۔ جس میں چند تعلیم یافتہ عورتوں کو داخل کیا گیا ہے ان میں میری تینوں بیویاں اور لڑکی بھی شامل ہیں ان کے علاوہ اور بھی ہیں چونکہ ہمیں اعلیٰ تعلیم دینے کے لئے معلم عورتیں نہیں ملتیں اس لئے چکیں ڈال کر عورتوں کو مرد پڑھاتے ہیں۔ آج کل میں ان عورتوں کو عربی پڑھاتا ہوں۔ مولوی شیر علی صاحب انگریزی پڑھاتے ہیں اور ماسٹر محمد طفیل صاحب جغرافیہ۔ سوا گھنٹہ تک میں انہیں پڑھاتا ہوں۔ اصل وقت تو ۴۵ منٹ مقرر ہے مگر سارے استاد اپنا کچھ نہ کچھ وقت بڑھا لیتے ہیں کیونکہ مقررہ وقت کم ہے اور تعلیم زیادہ اس کے بعد اس کمرہ میں جہاں کل دوست ملاقات کرتے ہیں جاتا ہوں...... وہاں آکر میرا دفتری کام شروع ہوتا ہے...... اس وقت میں سلسلہ کے انتظامی کاموں اور کاغذات اور سکیموں کا مطالعہ کرتا ہوں اسی دوران میں دس بجے کے قریب ڈاک آجاتی ہے جن میں روزانہ...... سو سوا سو خطوط ہوتے ہیں جو کم از کم دو اڑھائی گھنٹہ کا کام ہوتا ہے...... اس کے بعد میں کھانا کھانے جاتا ہوں پھر نماز ظہر کے لئے جاتا ہوں نماز پڑھانے کے بعد آکر سلسلہ کے کام جو سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں یا دفاتر کے کاغذات پڑھنے یا تدابیر سوچنے یا بعض علمی مضامین کے لئے مطالعہ کرتا ہوں...... اس کے بعد پھر عصر کی نماز...... پڑھانے کے بعد وہاں کچھ دیر دوستوں کے لئے بیٹھتا ہوں اور اگر درس ہو تو درس کے لئے چلا جاتا ہوں یا بیٹھ کر خطوط کے جواب لکھاتا ہوں کہ مغرب کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔ وہ پڑھاتا ہوں اور اس کے بعد کھانا کھا کر عشاء کی نماز تک مطالعہ کرتا ہوں اور پھر عشا کی نماز کے بعد کام کے لئے اسی کمرہ میں چلا جاتا ہوں جہاں ۱۱ بجے اور ۱۲ بجے تک ترجمہ قرآن کریم کا کام کرتا ہوں پھر علمی شوق کے لئے ذاتی مطالعہ کرتا ہوں..... ساڑھے بارہ بجے یا ایک بجے تک یہ مطالعہ کرتا ہوں اس کے بعد جب بستر پر لیٹتا ہوں تو تھکان کی وجہ سے نیند نہیں آتی۔ آنکھوں کے سامنے چیزیں ہلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ کیونکہ

تھکان کی وجہ سے اعصاب کانپ رہے ہوتے ہیں اسی حالت میں نیند آجاتی ہے پھر صبح کی نماز کے بعد کام کا یہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے [۲۰]۔

حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات کے متعلق اہم اعلان

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مجلس شوریٰ (منعقدہ ۱۹۲۵ء) کے موقعہ پر یہ اہم اعلان فرمایا۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے تھے۔ محمد ﷺ کا بروز ہو کر آئے تھے۔ اس لئے آپ کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ دنیا کی ساری کتابوں اور تحریروں سے بیش قیمت ہے اور اگر کبھی یہ سوال پیدا ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر کی ایک سطر محفوظ رکھی جائے یا سلسلہ کے سارے مصنفین کی کتابیں؟ تو میں کہوں گا آپ کی ایک سطر کے مقابلہ میں یہ ساری کتابیں مٹی کا تیل ڈال کر جلا دینا گوارا کروں گا۔ مگر اس سطر کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنی انتہائی کوشش صرف کر دوں گا" [۲۱]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا چوتھا نکاح

(حرم ثانی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) حضرت امۃ الحی صاحبہ کی وفات سے جماعت میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے مدنظر احمدی خواتین کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک اہم سکیم تھی جو ان کی وفات سے درمیان میں ہی رہ گئی [۲۲]۔

اگر آپ لاکھوں کی جماعت کے امام نہ ہوتے اور احمدی مستورات کی ترقی و بہبود اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری آپ پر عائد نہ ہوتی تو آپ کے لئے کسی اور نکاح کا خیال ہی دکھے ہوئے دل کو ٹھیس لگانے کے لئے کافی تھا کیونکہ جسمانی و مالی پہلو دونوں مخدوش اور سقیم تھے اور دو بیویاں اور بچے موجود تھے [۲۳]۔ لیکن آپ محض مفاد سلسلہ کی خاطر تیسرے نکاح کے لئے آمادہ ہو گئے اور مولوی عبدالماجد صاحب بھاگلپوری سے ان کی دختر نیک اختر سارہ بیگم صاحبہ کے لئے کم از کم تین سو مرتبہ استخارہ کر کے سلسلہ جنبانی شروع کیا [۲۴]۔

آخر جب فریقین کی طرف سے معاملہ طے پا گیا تو ۱۲۔ ۱۳/ اپریل ۱۹۲۵ء کو مسجد اقصیٰ میں حضور کے اس مبارک نکاح کی تقریب عمل میں آئی۔ حضور نے اپنا خطبہ نکاح خود پڑھا اور اس کے اغراض و مقاصد پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی [۲۵]۔

سرزمین حجاز کی خانہ جنگی اور جماعت احمدیہ

جنگ عظیم کے خاتمہ پر تمام عرب ممالک کی ایک وسیع مملکت بنانے کا جو وعدہ

انگریزوں نے کیا تھا۔ وہ تو پورا نہ کیا۔ البتہ عربوں کے لیڈر شریف حسین (شریف مکہ) کو حجاز کا بادشاہ تسلیم کر لیا شریف حسین اس وعدہ خلافی پر بہت تلملائے۔ نجد کے سلطان امیر عبدالعزیز ابن سعود نے حجاز پر چڑھائی کر دی اس لڑائی میں جیسا کہ بعد کو انکشاف ہوا۔ ابن سعود اور شریف حسین دونوں کو برطانیہ کی خفیہ امداد حاصل تھی۔ ہندوستان کی برطانوی حکومت امیر عبدالعزیز ابن سعود کا حوصلہ بڑھا رہی تھی اور مصر کے برطانوی حکمران شریف حسین کو امداد دے رہے تھے [۲۶]۔ امیر عبدالعزیز ابن سعود کی فوجیں تجربہ کار تھیں شریف حسین کو شکست پر شکست ہونے لگی اور طائف بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ مگر ابھی تک شریف حسین میں تاب مقابلہ تھی۔ لیکن جونہی مکہ مکرمہ پر سعودی لشکر نے حملہ کیا تو انہوں نے اس خیال سے کہ اہل مکہ ہی اس کے خلاف کہیں بغاوت نہ کر دیں اور ان کے لئے بھاگنے کا رستہ نہ رہے خلافت سے دستبرداری اختیار کر لی اور ان کے بڑے لڑکے شریف علی نے ان کی جگہ عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور اپنی فوج ترتیب دے کر جدہ کو اپنا صدر مقام بنا لیا اور کھلے میدان میں جنگ کرنے کی بجائے ساحل سمندر کے پاس شہروں میں محصور ہو گئے [۲۷]۔ اور اس طرح وسط ۱۹۲۵ء میں حجاز کی صورت یہ تھی کہ امیر ابن سعود کا مکہ مکرمہ پر اقتدار ہو چکا تھا۔ مگر جدہ کی مشہور بندرگاہ جو ہندوستانی حجاج کا صرف ایک ہی راستہ تھی شریف حسین کے قبضہ میں تھی۔ مگر یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی ہندوستان کے مسلمان سیاسی لیڈر برابر زور دے کر حج کے لئے جہاز روانہ کروا رہے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے ایک مضمون میں (جو الفضل ۱۹۲۵ء کی تین اشاعتوں میں شائع ہوا) مسلمانوں کو مخلصانہ مشورہ دیا کہ فتنہ کے ان ایام میں حج کا ارادہ ملتوی کر دیں۔ کیونکہ حج کی شرائط میں ایک اہم شرط امن کا وجود ہے جو موجودہ حالات میں مفقود ہے [۲۸]۔

اس مشورہ کے ساتھ ہی حضور نے (امیر ابن سعود اور شریف مکہ کی کشمکش اور عرب پر اس کے سیاسی اور تمدنی اثرات کا جائزہ لینے کے علاوہ بتایا کہ اٹھارھویں صدی عیسوی میں جبکہ اسلام پر شرک کی گھٹائیں چھا رہی تھیں "خدا تعالیٰ کی غیرت نے مختلف ممالک میں مختلف لوگ مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لئے پیدا کئے ہندوستان میں شاہ ولی اللہ صاحب پیدا ہوئے عرب میں خدا تعالیٰ نے محمد بن عبدالوہاب کو چنا"۔ اس تفصیل کے بعد سعودی خاندان کی پوری تاریخ پر روشنی ڈالی اور سعودی حکومت کی نسبت یہ رائے دی کہ "ہمارا پچھلا تجربہ بتاتا ہے کہ احمدیت میں جس قدر جلد وہابی [۲۹] داخل ہوتے ہیں اس قدر جلد کوئی دوسرا فرقہ مسلمانوں کا داخل نہیں ہوتا۔ پس جماعت احمدیہ کے فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ حجاز پر وہابیوں کی حکومت ہمارے لئے گو مشکلات بھی پیدا

کرے گی...... مگر انجام کار انشاء اللہ ہمارے سلسلہ کے لئے مفید ہوگی"[60]۔

اس کے چند ماہ بعد امیر عبد العزیز ابن سعود[61] نے شریف علی کو مکمل شکست دے دی اور نجد و حجاز کو ملحق کر کے مملکت سعودیہ عربیہ کے نام سے اپنی حکومت قائم کر لی جسے آہستہ آہستہ سب حکومتوں نے تسلیم کر لیا۔

چھٹا باب (فصل دوم)

دار التبلیغ شام و فلسطین ابھی جماعت احمدیہ کا باقاعدہ قیام بھی عمل میں نہیں آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام پر ۶/ اپریل ۱۸۸۵ء کو الہام نازل فرمایا کہ "یدعون لک ابدال الشام و عباد الله من العرب۔ [۴۲] یعنی تیرے لئے ابدال شام اور عرب کے نیک بندے دعا کرتے ہیں۔

اس آسمانی خبر کے قریباً چار سال بعد لدھیانہ میں پہلی بیعت ہوئی۔ اور ۱۰/ جولائی ۱۸۹۱ء کو مکہ مکرمہ کے ایک بزرگ محمد بن شیخ احمد [۴۳] (ساکن محلہ شعب عامر) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرکے داخل احمدیت ہوئے۔ بلاد عربیہ کے دوسرے بزرگ [۴۴] جنہوں نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ السید محمد سعید النشار الحمیدانی الطرابلسی تھے ان کے علاوہ طائف میں عثمان صاحب اسکندریہ (مصر) میں السید احمد زہری بدر الدین [۴۵] اور یمن میں الحاج محمد المغربی [۴۶] حضور علیہ السلام کی زندگی میں آپ پر ایمان لائے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے دعویٰ مسیحیت کے بعد بلاد عربیہ تک اپنی دعوت پہنچانے کے لئے فصیح و بلیغ عربی میں متعدد تالیفات فرمائیں [۴۷]۔

یہ مبارک لٹریچر بلاد عربیہ اور دوسرے عربی سمجھنے والے ممالک میں پھیلا دیا [۴۸]۔ اس طرح حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہی کے زمانہ میں احمدیت کا پیغام ان ممالک تک پہنچ گیا۔ اسی زمانہ میں حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصر میں تشریف لے گئے اور احمدیت کی دعوت پہنچاتے رہے [۴۹]۔

خلافت اولیٰ کے آخری دور میں سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور شیخ عبد الرحمن صاحب لاہوری نو مسلم مصر میں بغرض تعلیم گئے [۵۰]۔ اور اپنی تعلیمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ تبلیغ سلسلہ میں بھی مصروف رہے۔ ان کے بعد ۱۹۲۲ء میں شیخ محمود احمد صاحب عرفانی کے ذریعہ بلاد عربیہ کا پہلا احمدیہ دار التبلیغ مصر میں قائم ہوا [۵۱]۔

اب اس سال (۱۹۲۵ء میں) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے شام میں نیا دار التبلیغ کھولنے کے لئے حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب اور مولانا جلال الدین صاحب شمس کو روانہ فرمایا اور انہیں الوداع کرتے ہوئے جہاں اور کئی نصائح فرمائیں وہاں یہ بھی ارشاد فرمایا۔ کہ

"اہل عرب کے ہم پر بہت بڑے احسان ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ ہم تک اسلام پہنچا ہمارا و نگٹا

دو نگنا ان کے احسان کے نیچے دبا ہوا ہے۔ ان کا بدلہ دینے کے لئے ہمارے یہ مبلغ وہاں جا رہے ہیں۔ ان میں سے سید ولی اللہ شاہ صاحب پر دوہری ذمہ داری ہے۔ کیونکہ انہوں نے علم بھی اس ملک سے حاصل کیا ہے۔ اب ان کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ ان لوگوں کو روحانی علم دیں۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال رکھنا چاہئے کہ وہ مبلغ کی حیثیت سے نہیں جا رہے بلکہ مدبر کی حیثیت سے جا رہے ہیں ان کا کام یہ دیکھنا ہے کہ اس ملک میں کس طرح تبلیغ کرنی چاہئے مبلغ کی حیثیت سے مولوی جلال الدین صاحب جا رہے ہیں ان کو اسی مقصد کے لئے اپنا وقت صرف کرنا چاہئے تاکہ ان کے جانے کا مقصد فوت نہ ہو جائے ...... ان کا یہ کام ہے کہ ان کے ذریعہ جو جماعت خدا تعالیٰ پیدا کرے اس کا تعلق مرکز سے اس طرح قائم کریں جس طرح عضو کا تعلق جسم سے ہوتا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو ہماری ترقی ہی موجب تنزل ہو گی.... پس مبلغین کا سب سے مقدم فرض یہ ہے کہ احمدیت میں داخل ہونے والوں کا آپس میں ایسا رشتہ اور محبت پیدا کرنے کی کوشش کریں جس کی وجہ سے ساری جماعت اس طرح متحد ہو کہ کوئی چیز اسے جدا نہ کر سکے۔ اگر شامی احمدی ہوں تو انہیں یہ خیال نہ پیدا ہونے دیں کہ ہم "شامی احمدی" ہیں اسی طرح جو مصری احمدی ہوں۔ ان کے دل میں یہ خیال نہ ہونا چاہئے کہ ہم "مصری احمدی" ہیں...... کیونکہ مذہب اسلام وطنیت کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔ اس لئے نہیں کہ حب وطن کو مٹانا چاہتا ہے اسلام تو خود کہتا ہے حب الوطن ایمان کی علامت ہے مگر وہ وطن کو ادنیٰ قرار دیتا ہے اور اس سے اعلیٰ یہ خیال پیش کرتا ہے کہ ساری دنیا کو اپنا وطن سمجھو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انسانیت کو وطن سمجھو دنیا سے مراد تو وہ انسان ہوتے ہیں جو زندہ ہوتے ہیں مگر انسانیت سے مراد وہ تمام انسان ہیں جو پہلے گزر چکے اور جو آئندہ آئیں گے ایک مسلمان کا کام جہاں پہلوں کی نیکیوں کو قائم کرنا اور ان کے الزامات کو مٹانا ہوتا ہے وہاں آئندہ نسلوں کے لئے سامان رشد پیدا کرنا بھی ہوتا ہے اس کے لئے انسانیت ہی مطمح نظر ہو سکتی ہے پس ہمارے مبلغوں کو یہ مقصد مدنظر رکھ کر کھڑا ہونا چاہئے اور ہمیشہ اسی کو مدنظر رکھنا چاہئے" [۵۲]۔

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور مولانا جلال الدین صاحب شمس ۲۷/ جون ۱۹۲۵ء [۵۳] کو قادیان سے روانہ ہوئے اور ۱۷/ جولائی ۱۹۲۵ء کو دمشق پہنچے [۵۴]۔ حضرت شاہ صاحب کے دوستوں اور شاگردوں کا حلقہ بیت المقدس اور شام میں وسیع تھا۔ جس سے انہوں نے مولانا جلال الدین صاحب شمس کا تعارف کرایا۔ قیام دمشق کے دوران میں آپ نے "کشتی نوحؑ" کا ترجمہ کیا۔ ایک ٹریکٹ "الحقائق عن الاحمدیہ" چھپوایا اور ایک مبسوط کتاب "حیات المسیح ووفاتہ" کے نام سے شائع کی۔ جس کا عیسائیوں کے علاوہ بڑے بڑے مسلمان عالموں اور فلاسفروں پر بھی بہت اثر پڑا۔ چنانچہ مصر

کے مشہور مفکر احمد زکی پاشا نے تسلیم کیا کہ وفات مسیح کے متعلق جو تحقیق احمدیوں نے کی ہے اور جس سے اسلام کی برتری ثابت ہوتی اور عیسائیت پر کاری ضرب لگتی ہے۔ ان کے علاوہ محسن البرازی بیک نے (جو پہلے حکومت شام کے سابق وزیر اور پھر القصر الجمھوری معتمد اول منتخب ہوئے) کہا کہ افسوس اگر میرے دنیوی مشاغل مانع نہ ہوتے تو سب سے بہترین کام جس کے اختیار کرنے میں فخر کرتا وہ تبلیغ اسلام تھا جسے احمدی انجام دے رہے ہیں [۵۵]۔

ان دنوں عراق میں کوئی مرکزی مبلغ موجود نہیں تھا۔ ہندوستانی احمدی انفرادی طور پر تبلیغ میں مصروف رہتے تھے۔ حکومت عراق نے انہیں تبلیغ احمدیت کی ممانعت کر دی اور ان کے پرائیوٹ اجتماعات پر بھی پابندی لگا دی۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو ہدایت فرمائی کہ وہ ہندوستان واپس آتے ہوئے عراق کے راستہ سے آئیں اور کوشش کریں کہ یہ ناروا پابندیاں اٹھا دی جائیں چنانچہ شاہ صاحب شروع ۱۹۲۶ء میں بغداد پہنچے اور امیر فیصل سے ملاقات کی اور خوبی اور عمدگی سے پورا معاملہ ان کے سامنے رکھا [۵۶] جس پر حکومت عراق نے سب پابندیاں اٹھا دیں [۵۷]۔

حضرت شاہ صاحب موصوف سفارت عراق میں کامیاب ہو کر ۱۰/ مئی ۱۹۲۶ء [۵۸] کو قادیان تشریف لائے تو سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے فرمایا۔

''میرے نزدیک شاہ صاحب نے اس سفر میں ایک بڑا کام کیا ہے...... وہ عراق کے متعلق ہے۔ سیاستاً یہ ایک ایسا کام ہے کہ جو دور تک اثر رکھتا ہے..... ہم گورنمنٹ آف انڈیا کے ذریعہ کوشش کر چکے تھے۔ مگر پھر بھی اجازت نہ حاصل ہوئی تھی۔ وہاں سے ہمارے کئی آدمی اس لئے نکالے جا چکے تھے کہ وہ تبلیغ کرتے تھے۔ اپنے گھر میں جلسہ کرنا بھی منع تھا۔ ان حالات میں کوشش کر کے کلی طور پر روک اٹھا دینا بلکہ وہاں ایسے خیالات پیدا ہو جانا جو ان کے دل میں ہمدردی اور محبت ثابت کرتے ہیں بہت بڑا کام ہے .... یہ کام اس قسم کا ہے کہ سیاسی طور پر اس کے کئی اثرات ہیں...... اس سے سمجھا جائے گا کہ احمدی قوم حکومتوں کی رائے بدلنے کی قابلیت رکھتی ہے...... پس شاہ صاحب نے یہ بہت بڑی خدمت کی ہے'' [۵۹]۔

شاہ صاحب کی خصوصی خدمات کا تذکرہ کرنے کے بعد اب ہم پھر دارالتبلیغ شام و فلسطین کے ابتدائی حالات کی طرف واپس آتے ہیں۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔ شام و فلسطین میں بحیثیت مبلغ مولانا جلال الدین صاحب شمس تشریف لے گئے تھے۔ آپ نے شاہ صاحب کی معیت میں وہاں پہنچتے ہی تبلیغ شروع کر دی اسی دوران میں نومبر ۱۹۲۵ء میں دروزیوں نے تحریک آزادی کا علم بلند کر دیا جس پر شام

کی فرانسیسی حکومت نے دمشق پر مسلسل بمباری کر کے تباہی مچادی مگر ان ناموافق حالات میں بھی آپ شاہ صاحب کے ساتھ پیغام حق پہنچاتے رہے اور یکم اپریل ۱۹۲۶ء تک دمشق میں ایک جماعت پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے [۶۰]۔ چنانچہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے فرمایا۔ "ان مشکلات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمارے شام کے مبلغین نے جو کام کیا وہ..... تعریف کے قابل ہے کہ انہوں نے تبلیغ کو جاری رکھا۔ الخ....... [۶۱]

۱۹۲۷ء میں مولانا جلال الدین صاحب شمس نے دمشق میں ایک تحریری مناظرہ ڈنمارک کے ایک مشہور پادری الفریڈ نلسن سے کیا جو بیس سال سے شام کے علاقہ میں عیسائیت کا کام کر رہے تھے اور شام کے عیسائی مشنوں کے انچارج تھے۔ موضوع مناظرہ یہ تھا کہ کیا حضرت مسیح ناصری فی الواقعہ صلیب پر فوت ہوئے؟ مناظرہ کے محرک السید منیر الحصنی صاحب تھے جو احمدی مناظر کے دلائل سن کر احمدیت میں شامل ہو گئے اور اخلاص میں اتنی ترقی کی کہ جماعت شام کے امیر و مبلغ بنے۔ چنانچہ آپ خود لکھتے ہیں۔

"میرے قبول احمدیت کا سب سے بڑا سبب یہی مناظرہ تھا۔ کیونکہ میں نے دیکھا کہ احمدی مبلغ کے دلائل و براہین لاجواب تھے۔ مسیحی مناظر سے ان کا کوئی جواب نہ بن پڑا اور عزت و غلبہ اسلام نصف النہار کی طرح ظاہر ہو گیا۔ عیسائی پادری اور مولانا شمس صاحب میں مناظرہ سے پہلے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اختتام مناظرہ پر پوری روئداد مناظرہ فریقین کے خرچ پر طبع کرائی جائے گی۔ لیکن جب مناظرہ ہو چکا تو وہ اپنے عہد سے پھر گیا۔ اس مناظرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ قبول احمدیت کے لئے کھول دیا اور مجھے مسیح موعود کی جماعت میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا" [۶۲]۔ یہ مناظرہ "**اعجب الاعاجیب فی نفی الاناجیل لموت المسیح علی الصلیب**" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

عیسائیت کے خلاف محاذ قائم کرنے کے علاوہ آپ نے علماء و مشائخ کا بھی مقابلہ کیا۔ مگر آپ کے دلائل و براہین کا وہی جواب دیا گیا جو ہمیشہ مخالفین حق دیا کرتے ہیں۔ یعنی دسمبر ۱۹۲۷ء [۶۳] میں آپ پر خنجر سے قاتلانہ حملہ کرا کے سخت زخمی کر دیا گیا۔ آپ کے زخم مندمل ہوئے تو علماء کی انگیخت پر فرانسیسی حکومت نے ۹/ مارچ ۱۹۲۸ء کو حکم دیا کہ آپ شام کا ملک چھوڑ دیں۔ جس کی اطلاع آپ نے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی خدمت میں بذریعہ تار دی۔ حضور نے آپ کو فلسطین کی بندرگاہ حیفا میں جانے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ آپ السید منیر الحصنی صاحب کو دمشق میں اپنا قائم مقام امیر مقرر کر کے ۱۷/ مارچ ۱۹۲۸ء کو حیفا پہنچ گئے اور فلسطین مشن کی بنیاد رکھی۔

شروع شروع میں یہاں بھی آپ کی سخت مخالفت ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ حیفا میں

بھی جماعت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب مشائخ نے دیکھا کہ یہاں لوگ احمدیت کو بنظر استحسان دیکھنے لگے ہیں تو انہوں نے سخت مخالفت شروع کر دی آخر ایک عالم شیخ کامل قصاب سے آپ کا دو دن مباحثہ ہوا۔ شیخ مذکور نے اپنی شکست محسوس کر کے عوام کو آپ کے خلاف بھڑکایا۔

ان مخدوش حالات کے باوجود آپ برابر تبلیغی کوششوں میں مصروف رہے۔ چنانچہ اپریل ۱۹۲۸ء سے فروری ۱۹۲۹ء تک آپ کے آٹھ پرائیویٹ مناظرے علماء سے دو بہائیوں اور سات عیسائیوں سے ہوئے۔ عیسائیوں کے ساتھ جو مناظرے ہوئے ان کا اثر مسلمانوں پر بہت اچھا ہوا اور مشائخ کے ساتھ جو مناظرے ہوئے ان میں سے پہلے مناظرہ میں مدمقابل عالم نے اپنی شکست محسوس کر لی۔ اس لئے دوسرے مناظرہ میں شرائط مناظرہ کی خلاف ورزی کی جس کا نتیجہ فوری طور پر یہ ہوا کہ جو صاحب محرک مناظرہ تھے وہ احمدی ہو گئے ان کی بیعت پر مشائخ اور بھی زیادہ مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور تمام مساجد میں جمعہ کے دن جبکہ دیہات سے بھی سینکڑوں لوگ حیفا میں آئے ہوئے تھے سلسلہ احمدیہ اور آپ کے خلاف تقریریں کیں۔ اس کا ردعمل یہ ہوا کہ سلسلہ سے ناواقف لوگ واقف ہو گئے اور جو واقف تھے وہ قریب تر ہو کر سلسلہ کے حالات کا مزید مطالعہ کرنے لگے۔

۳/ جون ۱۹۲۸ء کو آپ بعض دوستوں کے ہمراہ سیر کرتے ہوئے (کبابیر کے نیچے واقع) وادی السیاح میں پہنچے جہاں ان کی ملاقات الحاج محمد المغربی الطرابلسی سے ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہ بزرگ ۲۳ سال سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام پر ایمان لا چکے ہیں۔ اور ان کے ایمان کا باعث حضرت اقدس کی بعض تالیفات تھیں جو کسی طرح یمن میں امام محمد بن ادریس کے پاس پہنچی تھیں۔ یہ بزرگ پہلے ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ مگر اب اپنے دو شاگردوں سمیت علانیہ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے [۷۴]۔ ۱۹۳۰ء میں جبکہ کبابیر میں الحاج صالح عبدالقادر عودہ نے اپنے خاندان سمیت احمدیت قبول کر لی۔ الحاج مغربی بھی کبابیر میں آ گئے اور کبابیر کے بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا اور مدرسہ کبابیر قائم ہونے تک باقاعدہ یہ خدمت بجا لاتے رہے [۷۵]۔

وسط ۱۹۲۹ء میں علماء نے جماعت احمدیہ کی بڑھتی ہوئی ترقی دیکھ کر مخالفت تیز کر دی چنانچہ انہوں نے فلسطین کی "المجلس الاسلامی الاعلیٰ" سے ایک مبلغ آپ کے مقابلہ کے لئے بلوایا جس نے "جمعیۃ الشبان المسلمین" اور دوسرے مقامی علماء کے ساتھ مل کر احمدیوں پر جبر و تشدد کرنا شروع کیا۔ اس شور و شر کے تھوڑے عرصہ کے بعد یہودیوں اور مسلمانوں میں جھگڑا شروع ہو گیا اور ایک دوسرے کے خلاف مظاہرات کرنے لگے اور قتل کی وارداتیں شروع ہو گئیں اور معلوم ہو گیا کہ فسادی عنصر آپ کے مکان پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ آپ کو فساد کے اندیشہ سے مجبوراً دوسرے مکان میں منتقل ہونا پڑا

[٦٦]۔

۳/ اپریل ۱۹۳۱ء [٦٧] (بمطابق ۱۶ ذوالقعدہ ۱۳۴۹ھ) کو آپ نے کبابیر [٦٨] میں "جامع سیدنا محمود" کی بنیاد رکھی جو بلاد عربیہ میں پہلی احمدیہ مسجد ہے مسجد کی صرف چھت ڈالنا باقی رہ گئی تھی کہ آپ واپسی کے لئے مصر روانہ ہو گئے۔ اس مسجد کی تعمیر میں کبابیر کے سب احمدی مردوں' عورتوں اور بچوں نے حصہ لیا۔ آپ ۲۹/ ستمبر ۱۹۳۱ء تک فلسطین میں رہے آپ کے زمانہ قیام میں حیفا اور طیرہ میں دو مستقل جماعتیں قائم ہوئیں اور بلاد عربیہ کے اہم مقامات مثلاً بغداد' موصل بیروت' حمص' حماۃ' لاذقیہ اور عمان وغیرہ میں تبلیغی خطوط کے ذریعہ پیغام احمدیت پہنچا [٦٩-٧٠]۔

شام و فلسطین میں آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف شائع ہوئیں۔ "**اعجب الاعاجیب فی نفی الاناجیل لموت المسیح علی الصلیب**"۔ "**البرھان الصریح فی ابطال الوھیۃ المسیح**"۔ "**الھدیہ السنیہ لفئۃ المبشرۃ المسیحیۃ**"۔ "**حکمۃ الصیام**" "**میزان الاقوال**"۔ "**توضیح المرام فی الرد علی علماء حمص و طرابلس الشام**"۔ "**دلیل المسلمین فی الرد علی فتاوی المفتین**"۔

آپ ابھی حیفا میں تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حکم سے مولانا ابوالعطاء صاحب ۱۳/ اگست ۱۹۳۱ء [٧١] کو قادیان سے روانہ ہو کر ۴/ ستمبر ۱۹۳۱ء [٧٢] کو حیفا پہنچے۔ مولانا شمس صاحب نے آپ کو مشن کا چارج دیا اور ۲۰/ دسمبر ۱۹۳۱ء [٧٣] کو قادیان مراجعت پذیر ہوئے۔

آپ کی واپسی پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کے بعض لوگوں کو توفیق دی ہے کہ انہوں نے سچائی کی خاطر جانیں دیں جیسا کہ افغان ہیں۔ ہندوستانیوں کو ابھی تک ایسا موقعہ نہیں ملا۔ اور ایسا تو بالکل نہیں ملا کہ وہ جانتے ہوں کہ ان کی جان لی جائے گی اور پھر جان لی گئی ہو۔ مگر ایسا بھی موقعہ نہیں ملا کہ بے جانے حملہ کر کے جان لی گئی ہو۔

اس قسم کا پہلا موقعہ مدرسہ احمدیہ کے فارغ التحصیل لوگوں میں سے مولوی جلال الدین صاحب کو ملا" [٧٤]۔

مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل ستمبر ۱۹۳۱ء سے آخر جنوری ۱۹۳۶ء تک قیام پذیر رہے۔ آپ کے زمانہ میں دارالتبلیغ پہلے سے بھی زیادہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گیا۔

آپ نے کبابیر میں "مسجد جامع سیدنا محمود" کی تکمیل کرائی۔ مولانا شمس صاحب نے ۱۹۳۰ء میں

ایک مکتب جاری کیا تھا۔ جس میں الشیخ محمد المغربی لڑکوں اور لڑکیوں کو قرآن مجید پڑھاتے تھے اس کا باقاعدہ مدرسہ احمدیہ کی صورت میں افتتاح اب مولوی ابو العطاء صاحب کے ذریعہ سے یکم جنوری ۱۹۳۴ء کو ہوا۔ آپ اس مدرسہ کے پہلے ہیڈ ماسٹر تھے اور الشیخ سلیم محمد الربانی' الشیخ ابو حسین مصطفیٰ الغمادی' الحاج عبداللہ العراقی' السید منیر الحصنی ۷۵ اور محمد سعید بخت ولی اس کے ابتدائی اساتذہ!! اس کے علاوہ آپ نے "المطبعة الاحمدية" کے نام سے کبابیر میں پہلا احمدیہ پریس جاری کیا جس کا افتتاح ۶/ مارچ ۱۹۳۵ء کو ہوا اور سب سے پہلے اس پر حضرت مسیح موعودؑ کے اشتہار "دعوت حق" کا عربی ترجمہ شائع کیا ۷۶۔

آپ کے زمانہ میں بھی علماء اور مسیحی منادوں سے زبردست مقابلہ جاری رہا اور متعدد تحریری و تقریری مناظرے ہوئے جن میں اللہ تعالیٰ نے اسلام و احمدیت کو غلبہ عطا فرمایا اور بہت سے لوگوں تک پیغام حق پہنچا۔ اس دوران میں آپ قاہرہ' راس البر' دمیاط اور اسکندریہ بھی تشریف لے گئے ۷۷۔ عیسائیوں کے علاوہ آپ نے یہودیوں کو بھی اسلام کی دعوت دی اور عبرانی زبان میں بھی ان کے لئے ایک ٹریکٹ شائع کیا۔ یہودیوں کے لئے یہ پہلا موقعہ تھا کہ انہیں عبرانی زبان میں مسلمانوں کی طرف سے پیغام پہنچایا گیا اور انہیں حیرت ہوئی کہ اب ہمیں عبرانی میں بھی اسلام کی طرف بلایا جارہا ہے۔

آپ کے زمانہ قیام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے گاہے گاہے کوئی ٹریکٹ یا رسالہ شائع کرنے کی بجائے باقاعدہ مقررہ وقت پر شائع ہونے والے رسالہ کی بنیاد رکھی اور پہلے شروع میں ایک سہ ماہی رسالہ "البشارة الاسلامية الاحمدية" کے نام سے جاری کیا۔ جسے بعد میں جنوری ۱۹۳۵ء میں "البشریٰ" کے نام سے ماہوار کر دیا جو آئندہ چل کر بلاد عربیہ کے طول و عرض میں اسلام و احمدیت کا پیغام پھیلانے میں مؤثر ترین ذریعہ ثابت ہوا۔

آپ نے باقاعدہ سہ ماہی یا ماہوار رسالہ کے علاوہ مندرجہ ذیل لٹریچر شائع کیا۔ (۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب اعجاز المسیح ایک مبسوط دیباچہ کے ساتھ۔ (۲) نبراس المومنین (سو احادیث نبویہ کا مجموعہ) یہ کتاب مدرسہ احمدیہ کبابیر کے نصاب میں داخل تھی۔ (۳) عین الضياء (۴) القول المتين فى بيان معنى خاتم النبيّن (۵) عشرون دليلا على بطلان لاهوت المسيح (۶) الدين الحى الخالد (۷) دعوة عامة الى المناظرة (۸) رسالة اخلاص الى كل مسيحى متدين" ۷۸۔

آپ کے زمانہ میں ام الفحم اور موضع عارہ میں نئی جماعتیں قائم ہوئیں اور کبابیر' حیفا اور برجا میں احمدیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ۷۹۔

مولانا ابو العطاء صاحب مولوی محمد سلیم صاحب فاضل کو چارج دے کر شام اور عراق کے راستہ سے ۲۴/ فروری ۱۹۳۶ء کو قادیان پہنچ گئے [۸۰]۔

مولوی محمد سلیم صاحب ۴/ جنوری ۱۹۳۶ء [۸۱] کو قادیان سے روانہ ہوئے اور ۲۷/ جنوری ۱۹۳۶ء کو حیفا پہنچے ہی تھے [۸۲] کہ آپ کے چارج لینے کے چند ہفتے بعد فلسطین بھر میں عربوں اور یہودیوں کی باہمی کشمکش کی وجہ سے عام ہڑتال شروع ہو گئی۔ جو چھ ماہ تک جاری رہی۔۔ جس نے جلدی شورش کی شکل اختیار کر لی۔ تاہم آپ نے دار التبلیغ کے مرکز کبابیر میں درس و تدریس کا سلسلہ باقاعدہ جاری رکھا۔ "البشریٰ" کی ادارت کا کام خوش اسلوبی سے سنبھالے رکھا مدرسہ کبابیر کی ترقی و بہبود میں دلچسپی لی اور فلسطین، شرق اردن اور مصر میں علماء از ہر نیز عیسائی پادریوں سے مناظرے کئے جن میں سچائی کو فتح نصیب ہوئی۔ آپ کے وقت میں بھی کئی سعید روحیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی میں داخل ہوئیں [۸۳]۔ آپ نے اپنے زمانہ قیام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مشہور کتاب "الاستفتاء" شائع کی۔ اور رسالہ اسئلہ واجوبہ (پہلا حصہ) بھی لکھا۔

مولوی محمد سلیم صاحب فاضل قریباً دو سال تک فریضہ تبلیغ ادا کرنے کے بعد ۱۰/ مارچ ۱۹۳۸ء کو واپس آ گئے [۸۴]۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے چوہدری محمد شریف صاحب فاضل کو فلسطین روانہ فرمایا [۸۵]۔

آپ ۷/ ستمبر ۱۹۳۸ء کو قادیان سے روانہ ہوئے اور ۲۴/ ستمبر ۱۹۳۸ء کو حیفا پہنچے آپ بلاد عربیہ میں قریباً ۱۸ سال تک تبلیغ احمدیت میں مصروف رہنے کے بعد ۱۵/ دسمبر ۱۹۵۵ء کو ربوہ میں واپس آئے۔

آپ کا دور تبلیغ بڑے صبر آزما حالات میں گزرا۔ عربوں اور یہودیوں کی کشمکش پہلے سے زیادہ نازک صورت اختیار کر گئی۔ اسی دوران میں آپ کے قتل کا منصوبہ بھی کیا گیا جو ناکام ہو گیا۔ فلسطین میں عربوں اور یہودیوں کی خانہ جنگی جب انتہاء کو پہنچ گئی تو نومبر ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ کی طرف سے تقسیم فلسطین کے فیصلہ کا اعلان ہوا [۸۶] اور ۱۵/ مئی ۱۹۴۸ء کو اسرائیل حکومت قائم ہو گئی اور ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ جہاں ہزاروں بے گناہ عرب مارے گئے اور لاکھوں بے خانماں ہوئے حیفا اور کبابیر باقی ملک سے کٹ گیا اور متعدد احمدی جماعتیں ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئیں [۸۷]۔

ابھی تقسیم فلسطین کا آخری فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے شیخ نور احمد صاحب منیر اور مولوی رشید احمد صاحب چغتائی بالترتیب ۱۳/ اکتوبر ۱۹۴۵ء اور ۲۳/ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو بلاد عربیہ میں تبلیغ کے لئے فلسطین روانہ ہوئے۔

شیخ نور احمد صاحب منیر چند ماہ فلسطین میں فریضہ تبلیغ ادا کرنے کے بعد ۱۷/ ستمبر ۱۹۴۶ء کو شام میں آگئے۔ اور جماعت احمدیہ شام کو بیدار کرنے کے علاوہ اس ملک کے اونچے طبقہ تک پیغام احمدیت پہنچایا اور ملکی پریس کے ذریعہ عوامی حلقوں کو بھی جماعت احمدیہ کی سرگرمیوں سے روشناس کرایا۔ پھر آپ ہی کے دوران قیام میں فلسطینی احمدی نہایت بے سرو سامانی سے دمشق میں پناہ گزین ہوئے جن کی آبادکاری کا انتظام بھی آپ نے السید منیر الحصنی صاحب سے مل کر کیا۔ اس سلسلہ میں جماعت احمدیہ دمشق نے بہت اخلاص اور ہمدردی کا نمونہ دکھایا اور احمدی مہاجرین کی خصوصاً اور دوسرے مہاجرین کی عموماً ہر ممکن امداد کی۔ آپ ۱۷/ دسمبر ۱۹۴۹ء کو واپس مرکز (ربوہ) میں آگئے [۸۸]۔

مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کے فلسطین میں پہنچنے کے ایک سال بعد چونکہ فلسطین کی صورت حال بہت زیادہ نازک ہو گئی تھی اس لئے چوہدری محمد شریف صاحب نے انہیں ۳/ مارچ ۱۹۴۸ء کو شرق اردن میں نیا مشن قائم کرنے کے لئے بھجوا دیا۔ جہاں آپ ۱۷/ جولائی ۱۹۴۹ء تک تبلیغی فرائض ادا کرنے کے بعد دمشق میں آگئے اور کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد لبنان مشن کی بنیاد رکھی اور ۲۲/ دسمبر ۱۹۵۱ء کو مرکز (ربوہ) میں پہنچے [۸۹]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے چوہدری محمد شریف صاحب مبلغ انچارج کے اس بروقت اقدام کی تعریف کرتے اور السید منیر الحصنی اور شیخ نور احمد صاحب منیر کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"مشرقی پنجاب پر جیسے تباہی آئی ویسے ہی یہودیوں کے حملہ کی وجہ سے فلسطین پر آئی ہے اور خطرناک جگہ وہی تھی جہاں ہماری جماعت تھی۔ حیفا کی جماعت کا کچھ حصہ فسادات سے پہلے ہی دمشق چلا گیا تھا۔ باقیوں کے متعلق کوئی اطلاع نہیں آئی۔ چوہدری محمد شریف صاحب نے جو وہاں کے مشنری انچارج تھے وقت کی نزاکت سمجھتے ہوئے بڑی ہوشیاری سے کام کیا اور اپنا ایک مبلغ شرق اردن بھجوا دیا اور اسے ہدایت کی کہ پتہ نہیں ہمارا کیا حال ہو تم وہاں جا کر نیا مرکز بنانے کی کوشش کرو۔ گویا انہوں نے وہی تدبیر اختیار کی جو ہم نے قادیان سے نکلنے کے وقت اختیار کی تھی اور اپنا ایک ساتھی شرق اردن میں بھجوا دیا....... شام میں کسی وقت ہمارے مبلغ گئے تھے لیکن کافی عرصہ سے یہ میدان خالی پڑا تھا۔ تحریک جدید کے ماتحت شیخ نور احمد صاحب کو وہاں بھیجا گیا ان کے ذریعہ جماعت میں ایک خاص بیداری پیدا ہو رہی ہے وہاں کے دوست منیر الحصنی صاحب مقامی احمدی ہیں جو کہ نہایت ہی مخلص اور اچھے تعلیم یافتہ ہیں۔ انہوں نے یورپ میں فرانس وغیرہ میں تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ آسودہ حال اور تاجر ہیں ان کے چھوٹے بھائی دمشق کے سب سے بڑے تاجر ہیں اور ان کے ایک بھائی کی قاہرہ (مصر) میں

ایک بڑی دکان ہے ان کے خاندان کے سب افراد احمدی ہو گئے ہیں اور بہت مخلص اور قربانی کرنے والے لوگ ہیں۔ ہمارے مبلغ کے وہاں جانے کی وجہ سے اور برادرم منیر الحصنی صاحب کے قادیان میں رہ جانے کی وجہ سے وہاں کی جماعت میں ایک خاص احساس اور بیداری پیدا ہو چکی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اچھا اثر پیدا ہوا ہے" [۹۰]۔

چوہدری محمد شریف صاحب فاضل نے اپنے زمانہ قیام فلسطین میں مندرجہ ذیل اہم خدمات انجام دیں۔

۱۔ احمدیہ پریس (کبابیر) متروک الاستعمال اور مقفل ہو چکا تھا۔ جسے آپ نے نومبر ۱۹۳۸ء میں درست کرا کے اسی سے رسالہ (البشریٰ) شائع کرنا شروع کیا۔ جو آپ کے زمانہ قیام تک باقاعدگی سے آپ کی ادارت میں نکلتا رہا۔

۲۔ احمدیہ پریس اور احمدیہ کتب خانہ عارضی طور پر بنائے گئے تھے جو آپ نے از سر نو پختہ تعمیر کرائے [۹۱]۔

۳۔ مدرسہ احمدیہ کبابیر کو ترقی دی۔

۴۔ حضور علیہ السلام کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع کیں۔ "تحفہ بغداد"۔ "حمامتہ البشریٰ"۔ "نجم الہدیٰ"۔ "لجتہ النور"۔ "حقیقتہ المہدی"۔ "مکتوب احمد الی علماء الہند وغیرھا من البلاد الاسلامیہ"۔ (عربی حصہ "انجام آتھم") "الہدیٰ والتبصرۃ لمن یریٰ"۔

۵۔ حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی مندرجہ ذیل اردو کتب کے تراجم شائع کئے۔ "تجلیات الٰہیہ"۔ "لیکچر سیالکوٹ"۔ "الوصیت"۔ "تحفہ شہزادہ ویلز"۔ "نظام نو"۔ "اسلام اور دیگر مذاہب"۔ (مؤخر الذکر دو کتابوں کے مترجم جماعت احمدیہ مصر کے پریذیڈنٹ الاستاذ بسیونی ہیں)

۶۔ مندرجہ ذیل تالیفات کر کے شائع کیں۔ "التاویل الصحیح لنزول المسیح"۔ "اسئلۃ و اجوبۃ"۔ (آخری حصہ) "کشف الغطاء عن وجہ شریعۃ البھاء"۔ "محمد رسول اللہ خاتم النبیّن و مفتی الدیار المصریۃ"۔ "نداء المنادی"۔ (چار حصے) ان کے علاوہ بڑی تعداد میں عربی اور عبرانی تبلیغی ٹریکٹ شائع کئے۔

۷۔ حیفا کی اسلامی لاء کورٹ نے احمدیوں کی نکاح خوانی سے انکار کر دیا تھا۔ آپ نے یہ معاملہ المجلس الاسلامی الاعلیٰ (بیت المقدس) تک پہنچایا۔ جس نے تمام عدالتوں کو ہدایت جاری کی کہ جماعت احمدیہ مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے۔

۸۔ آپ نے جنوری ۱۹۴۷ء میں پیٹری آرک آف انطاکیہ کو خصوصاً اور فلسطین و شام کے پیٹری آرکوں اور بشپوں کو عموماً چیلنج دیا کہ وہ بیت المقدس میں اسلام اور عیسائیت کے درمیان اختلافی مسائل کی نسبت تقریری اور تحریری مناظرہ کرلیں۔ یہ چیلنج عراق' مصر' شام' لبنان وغیرہ کے اخبارات میں شائع ہوا۔ مگر انہیں میدان مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ ہو سکی [۴۲]۔

۹۔ بہائیوں کے لیڈر شوقی آفندی پر بھی اتمام حجت کیا [۴۳]۔

۱۰۔ مصر' شام' اردن لبنان اور عراق کے دورے کئے۔ آپ کے ذریعہ جہاں بلاد عربیہ کی پہلی احمدیہ جماعتوں میں اضافہ ہوا۔ وہاں سوڈان' حبشہ [۴۴]' عدن' کویت' بحرین اور شمالی افریقہ میں نئی جماعتیں قائم ہوئیں۔

آپ کی واپسی [۴۵] پر صدر انجمن احمدیہ قادیان کے ماتحت فلسطین مشن میں مولوی جلال الدین صاحب قمر انچارج مبلغ مقرر ہوئے جو آج تک (یعنی دسمبر ۱۹۶۴ء) تک فریضہ تبلیغ ادا کر رہے ہیں۔

شام و فلسطین سے شائع ہونے والے لٹریچر کا گو مفصل ذکر کیا جا چکا ہے مگر اسے مکمل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ اس دار التبلیغ کی اور بھی کئی مطبوعات ہیں مثلاً الکفر ملة واحدة (ٹریکٹ حضرت خلیفة المسیح الثانی) "دعوة الاحمدية و غرضها"۔ ("احمدیت کا پیغام"۔ تالیف حضرت خلیفة المسیح الثانی کا ترجمہ) "المودودی فی المیزان"۔ (قادیانی مسئلہ کے جواب کا عربی ترجمہ (از السید منیر الحصنی صاحب)

دار التبلیغ شام و فلسطین کے حالات بیان کرنے کے بعد ہم بالآخر سلسلہ احمدیہ کی مساعی کے سلسلہ میں بلاد عربیہ کے چند فضلاء و ادباء کے افکار و آراء درج کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ رسالہ "التمدن الاسلامی" (دمشق) الجزء السابع ۱۳۵۷ھ نے لکھا:۔

"اسلام کی طرف منسوب ہونے والے تمام فرقوں میں سے صرف قادیانی فرقہ ہی زندہ اور بیدار فرقہ ہے اس فرقہ کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ نہیں لیکن اس کے یورپ اور مشرق میں پھیلے ہوئے تبلیغی مشن مساجد اور مدارس دیکھنے سے آپ کو یقین ہو جائے گا کہ سچا اور مخلص مومن کون ہے اور کاذب کون"؟ (ترجمہ [۴۶])

۲۔ رسالہ "العرفان" (لبنان) (بابت ذوالقعدہ و ذوالحجہ ۱۳۵۸ھ) نے ۱۹۳۹ء میں لکھا۔ "تبلیغ و اشاعت اسلام سے متعلق جماعت احمدیہ کی جدوجہد کو ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ اعلائے کلمہ اسلام کا عظیم الشان کام کر رہی ہے"۔ (ترجمہ [۴۷])

۳۔ احمد درویش زقزق شام نے ۱۹۴۲ء میں احمدیہ مبلغین کی تبلیغی مساعی کے بارے میں لکھا۔ "خدا

کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میں موجودہ زمانہ میں وہ پہلوان پاتا ہوں جو اسلامی شریعت کے احیاء کے لئے کمربستہ ہیں اور محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین کی نصرت کر رہے ہیں"۔ (ترجمہ ۹۸)

۴۔ الصراط المستقیم نمبر ۲۶ (بغداد) نے لکھا۔ "مسلمانان عالم آج تک کسی یورپین زبان میں ایک اخبار بھی جو دین اسلام کے حقائق بیان کرے شائع نہیں کر سکے۔ انہیں آج تک یہ توفیق نہیں ملی کہ وہ یورپ کے کسی شہر میں مسجد یا مشن کی بنیاد رکھیں۔ لیکن قادیانی احمدیوں نے امریکہ اور یورپ میں بہت سی مساجد تعمیر کی ہیں ان ممالک میں ان کے کئی مشن ہیں انگریزی اور دیگر کئی زبانوں میں ان کے اخبارات بھی جاری ہیں"۔ (ترجمہ ۹۹)

۵۔ اخبار "آخر دقیقہ" دمشق (بابت ۱۸/ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ) نے لکھا کہ "احمدیوں کی نسبت سب کو معلوم ہے کہ وہ دنیا بھر میں تبلیغ اسلام کر رہے ہیں احمدی ہمیشہ مذہبی گفتگو کرنے کے لئے تیار اور مخالفین اسلام کو ساکت کرنے اور ان کے شکوک و شبہات کا ازالہ کرنے کو کمربستہ رہتے ہیں"۔ (ترجمہ ۱۰۰)

۶۔ اخبار "الجزیرۃ" عمان (اردن) مورخہ ۱۲/ جون ۱۹۴۹ء لکھتا ہے۔

"ہم اس بات کا اعتراف کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کے مبلغین بڑی ہمت اور تندہی سے اپنا کام کرتے ہیں اور اسلام کے پھیلانے کے لئے بہت جدوجہد کر رہے ہیں۔ افریقہ کے غیر آباد علاقوں اور وسط افریقہ اور امریکہ میں تو ان کی یہ کوششیں اور بھی زیادہ ہیں"۔ (ترجمہ ۱۰۱)

۷۔ رسالہ "ھافو عیل ھا تصعیر" "تل ابیب" نے ۲۵/ مارچ ۱۹۵۳ء کو لکھا۔

"لا شک ان للاحمدیۃ فی تاریخ الاسلام فضل ۱۰۲"۔ یعنی بلاشبہ تحریک احمدیت کو تاریخ اسلام میں خصوصی مقام حاصل ہے۔

۸۔ الحاج عبدالوہاب عسکری (بغداد کے صحافی) لکھتے ہیں۔

"جماعت احمدیہ نے دین اسلام کی جو خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان میں تبلیغی لحاظ سے وہ ساری دنیا پر فوقیت حاصل کر چکے ہیں...... یہ لوگ اعلائے کلمتہ الدین کے لئے ہر قسم کے ممکن ذرائع اختیار کرتے ہیں اور ان کے بڑے بڑے کارناموں میں سے محکمہ تبشیر ایک بہت بڑا کارنامہ ہے نیز وہ مسجدیں ہیں جو انہوں نے امریکہ افریقہ اور یورپ کے مختلف شہروں میں بنائی ہیں اور یہی وہ سنت ناطقہ ہے جس کو لے کر وہ کھڑے ہوئے ہیں اور اسی کے ذریعہ اسلامی خدمات بجالا رہے ہیں۔ بلاشبہ جماعت احمدیہ کے ہاتھوں اسلام کا مستقبل اب روشن ہو گیا ہے"۔ (ترجمہ

۱۰۳)

معارف قرآنیہ میں مقابلہ کا چیلنج

قادیان میں اس سال غیر احمدی مسلمانوں کا سالانہ جلسہ ہوا۔ جس میں ایک دیوبندی عالم نے اپنی تقریر میں کہا ہمیں معلوم نہیں کہ وہ معارف قرآنیہ کیا ہیں جو مرزا صاحب نے قرآن مجید سے استنباط کئے ہیں ۱۰۴۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جولائی ۱۹۲۵ء میں علمائے دیوبند کو چیلنج دیا کہ "میں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا ادنیٰ خادم ہوں میرے مقابلہ پر مولوی صاحبان آئیں اور قرآن کریم کے تین رکوع کسی جگہ سے قرعہ ڈال کر انتخاب کرلیں اور وہ تین دن تک اس ٹکڑے کی ایسی تفسیر لکھیں جس میں چند ایسے نکات ضرور ہوں جو پہلی کتب میں موجود نہ ہوں اور میں بھی اسی ٹکڑے کی اسی عرصہ میں تفسیر لکھوں گا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کی روشنی میں اس کی تشریح بیان کروں گا اور کم سے کم چند ایسے معارف بیان کروں گا جو اس سے پہلے کسی مفسر یا مصنف نے نہ لکھے ہوں گے اور پھر دنیا خود دیکھ لے گی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم کی کیا خدمت کی ہے۔ اور مولوی صاحبان کو قرآن کریم اور اس کے نازل کرنے والے سے کیا تعلق...... ہے" ۱۰۵۔

دیوبندی علماء نے دعوت مقابلہ قبول کرنے کی بجائے لکھا کہ "صاحبزادہ صاحب! آپ کو دین و ایمان اسلام و قرآن معارف الٰہیہ اور حقائق و عرفان سے کیا تعلق۔ آپ تو آپ آپ کے تو اباجان بھی ان تمام باتوں سے محروم تھے" ۱۰۶۔ مگر مولوی ثناء اللہ صاحب نے "اہلحدیث" (۲۱/ اگست ۱۹۲۵ء) میں بظاہر آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔

"گو ہماری اس میں ہتک ہے کہ ہم ایک ایسے شخص کے سامنے بیٹھیں جو نہ علوم ظاہری کے عالم ہیں نہ کسی باطنی درجہ کے مدعی .... تاہم .... بلا تکلف ہم کو یہ صورت منظور ہے پس آپ اسی میدان میں تشریف لے آیئے جس میں مرزا صاحب نے امرتسر میں مباہلہ کیا تھا" ۱۰۷۔

قادیان سے جواب دیا گیا کہ تفسیر نویسی کے مقابلہ کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے قادیان سے باہر تشریف لے جانے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ مناسب انتظام کے ساتھ اپنی اپنی جگہ بیٹھے بھی یہ مقابلہ ہو سکتا ہے امرتسر میں قرعہ اندازی ہو اور ہر دو جانب سے قرعہ سے منتخب ہونے والے تین رکوع کی تفسیر لکھیں اور پھر یہ دونوں تفسیریں مساوی خرچ پر یکجا شائع کردی جائیں۔ ہاں اگر مولوی ثناء اللہ صاحب بالمشافہ تفسیر نویسی ضروری سمجھتے ہیں تو وہ قادیان تشریف لے آئیں ان کے تمام مناسب اخراجات ہم ادا کریں گے اور ہر قسم کی جانی اور مالی حفاظت کی ذمہ داری ہم پر ہوگی ۱۰۸۔

جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مقابلہ کی کوئی صورت بھی قبول نہ کی۔ البتہ ایک عرصہ

بعد دیوبندی اصحاب کے ساکت رہ جانے کا اعتراف کرتے ہوئے یہ ضرور لکھا کہ۔

"ماہ جولائی ۱۹۲۵ء میں قادیان سے دیوبندی علماء کے لئے تفسیر نویسی کا چیلنج شائع ہوا۔ دیوبندیوں کے ساکت رہنے پر میں سینہ ٹھونک کر میدان میں آنکلا کہ میں دیوبندی ہوں۔ مجھ سے مقابلہ کرلو" [۱۰۹]

"آل مسلم پارٹیز کانفرنس پر ایک نظر"

۱۶۔۱۷/ جولائی ۱۹۲۵ء کو امرتسر میں ایک آل مسلم پارٹیز کانفرنس نواب اسمٰعیل خان صاحب بیرسٹر (ممبر لیجسلیٹو اسمبلی) کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں مسلمانان ہند کے کئی سیاسی لیڈر مثلاً مولوی محمد علی صاحب جوہر' مولوی شوکت علی صاحب' مولوی عبدالباری صاحب' سید غلام بھیک صاحب اور خلیفہ شجاع الدین صاحب نے شرکت کی [۱۱۰]۔

کانفرنس کے منتظمین کی طرف سے حضور کی خدمت میں دعوت شرکت موصول ہوئی جس پر حضور نے "آل مسلم پارٹیز کانفرنس پر ایک نظر" کے نام سے ایک ٹریکٹ لکھا۔

کانفرنس کے ایجنڈا میں مندرجہ ذیل اہم مسائل درج ہیں۔ (۱) ملک میں تبلیغی نظام کا قیام۔ (۲) تنظیم مسلمانان ہند (۳) مسلم بنک (۴) قیام بیت المال (۵) اصلاح رسوم و بدعات و رفع تنازعات (۶) تحفظ مساجد و اوقاف و قیام مکاتب (۷) ہندو مسلم مناقشات (۸) سیاست ہند سے متعلق مسلمانوں کا رویہ (۹) مسلمانوں کی تعلیم و تجارت و صنعت و حرفت کی ترقی کا مسئلہ۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالٰی بنصرہ العزیز نے اپنے ٹریکٹ کے آغاز میں مسلمان کی سیاسی اور مذہبی تعریف کی ضرورت و اہمیت واضح کرنے کے بعد ہر ایک مسئلہ کا حل پیش فرمایا۔ اور مسلمان لیڈروں کو مندرجہ ذیل نکات کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی۔

۱۔ ہم حکومت سے صحیح تعاون کر کے جس قدر جلد حکومت پر قابض ہو سکتے ہیں۔ عدم تعاون سے نہیں [۱۱۱]

۲۔ مسلمانوں کو اپنا مطالبہ حق نیابت اور اپنے دوسرے ضروری مطالبات نہایت درجہ مدلل و معقول صورت میں پیش کرنے چاہئیں تا انگلستان کی رائے عامہ ان کے حق میں ہو جائے۔

۳۔ مسلمان دینی تعلیم کی طرف خاص توجہ دیں۔ اسلامی تمدن پر تاریخی کتابیں لکھی جائیں اور اس سلسلہ میں تعلیم نسواں پر خاص طور پر زور دیا جائے۔

۴۔ مسلمان اپنے بچوں کو مغربی تمدن سے آزاد کرائیں۔ کیونکہ تمدنی غلطی سیاسی غلامی سے بھی بہت بڑھ کر ہے۔

۵۔ مسلمانوں کی تجارتی ترقی کے لئے "مسلم چیمبر آف کامرس" اور "بورڈ آف انڈسٹریز"۔ قائم کئے جائیں [۱۱۲]

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے اپنا یہ ٹریکٹ دے کر میر محمد اسحاق صاحب' مفتی محمد صادق صاحب' ذوالفقار علی خان صاحب' چوہدری فتح محمد صاحب سیال' حافظ روشن علی صاحب' چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب اور شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری [۱۱۳] کو امرتسر بھجوایا۔ ان اصحاب نے یہ ٹریکٹ کانفرنس میں تقسیم کیا [۱۱۴]۔ جو بہت دلچسپی سے پڑھا گیا۔ اس موقعہ پر علمائے دیوبند' جمعیتہ العلماء اور امرتسری علماء [۱۱۵] نے کانفرنس میں احمدیوں کی شرکت پر سخت مخالفت کی۔ اور مسجد جامع خیرالدین میں تقریریں کیں اور اشتہار دیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو کافر ہیں۔ اس لئے اگر وہ کانفرنس میں شامل ہوں گے تو ہم کانفرنس کا بائیکاٹ کریں گے [۱۱۶]۔ لیکن ان کی یہ جدوجہد کامیاب نہ ہوئی اور احمدی وفد نے کانفرنس میں نہ صرف شرکت کی بلکہ اس کے ارکان سبجیکٹ کمیٹی کے ممبر بھی منتخب کر لئے گئے [۱۱۷]۔

علماء کی روش پر مولوی محمد بشیرالدین صاحب ایڈیٹر اخبار "البشیر" (اٹاوہ۔ یو۔ پی) نے اظہار افسوس کرتے ہوئے لکھا۔

"اس اجلاس کی مخالفت جمعیتہ العلماء اور علماء دیوبند کی جانب سے اس بنیاد پر ہوئی کہ چونکہ قادیانی مسلمان نہیں ہیں۔ لہٰذا اگر ان کو آل مسلم پارٹیز کانفرنس میں شریک کیا جاوے گا تو ہم اس کانفرنس میں شریک نہ ہوں گے اپنی عدم شرکت پر ان اصحاب نے اکتفاء نہیں کیا بلکہ شہر امرتسر میں بہ زمانہ کانفرنس بڑے بڑے پوسٹر لگائے گئے۔ جن میں دوسرے مسلمانوں کو بھی شرکت کانفرنس سے باز رکھنے کی کوشش کی گئی۔ خواہ قادیانی جماعت کی نسبت ہمارے کچھ بھی خیال ہوں۔ اور اگرچہ ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ مذہبی حیثیت سے دوسرے فرقہ کو کافر سمجھے لیکن آل مسلم پارٹیز کانفرنس کا مقصد زیادہ تر سیاسی یا مسلمانوں کی قوم کی اندرونی اصلاح اور وسائل معاش پر فکر کرنا تھا لہٰذا محض اختلافی مسائل مذہبی کی بنیاد پر مسلمانوں کو کسی جماعت کو کافر سمجھ کر اس امر پر اصرار کرنا کہ اگر فلاں جماعت کے اصحاب اس میں شریک ہوں گے تو ہم اس میں شریک نہ ہوں گے نہایت تنگ نظری اور کوتہ اندیشی کی دلیل ہے اور ہم کو افسوس ہے کہ باوجودیکہ زمانہ مسلمانوں کو تھپیڑ رہا ہے اور ہندوستان میں بلاخیال سنی و شیعہ و مقلد و غیر مقلد' دیوبندی اور بریلوی یا قادیانی کے تمام ان لوگوں کے لئے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں زندہ رہنا مشکل ہو گیا ہے لیکن بدقسمتی سے ہماری قوم کے علماء آج بھی انہیں خیالات میں مبتلا ہیں جو پچاس سال قبل تھے" [۱۱۸]۔

چھٹا باب (فصل سوم)

دار التبلیغ سماٹرا و جاوا کا قیام

۱۹۲۵ء میں سلسلہ احمدیہ کا ایک اور بیرونی مشن جزائر شرق الہند (یعنی انڈونیشیا [۱۱۹]) کے جزیرہ سماٹرا میں قائم کیا گیا۔ اس دار التبلیغ کی داغ بیل اتفاقاً پڑی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ان جزائر میں سے تین نوجوان مولوی ابوبکر ایوب صاحب، مولوی احمد نور الدین صاحب اور مولوی زینی دحلان صاحب حصول علم دین کے لئے لکھنؤ پہنچے اور وہاں ایک عالم سے تعلیم حاصل کرنا شروع کی جہاں ان لوگوں نے دیکھا کہ ان کا استاد اپنے کسی استاد یا پیر کی قبر پر سجدہ کر رہا ہے یہ نظارہ دیکھ کر تینوں لکھنؤ سے لاہور آگئے اور چند ماہ تک احمدیہ بلڈنگس میں قیام کیا۔ مگر ان کی تعلیم کا کوئی تسلی بخش انتظام نہ ہو سکا۔ اسی اثناء میں انہیں یہ معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خاندان قادیان میں مقیم ہے [۱۲۰]۔ چنانچہ یہ تینوں اصحاب اگست ۱۹۲۳ء میں قادیان تشریف لے گئے اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر بتایا کہ ہم دینی تعلیم کے لئے آئے تھے۔ مگر ہمارا کوئی معقول انتظام نہیں کیا گیا۔ حضور نے فرمایا میں دینی تعلیم کا انتظام کر سکتا ہوں مگر شرط یہ ہوگی کہ آپ چھ ماہ تک صرف اردو زبان پڑھیں چنانچہ انہوں نے پہلے اردو سیکھی اور پھر دینیات کی تعلیم حاصل کرنے لگے [۱۲۱]۔ اور جلد ہی احمدیت میں داخل ہو گئے [۱۲۲]۔ کچھ عرصہ بعد ان کی مساعی سے کئی اور سماٹری اور جاوی طلباء قادیان میں پہنچ گئے۔ ساتھ ہی ان لوگوں نے اپنے رشتہ داروں سے تبلیغی خط و کتابت شروع کی۔ جس کے نتیجہ میں بعض لوگ تو حضرت مسیح موعودؑ پر اسی عرصہ میں ایمان لے آئے بعض مستعد ہو گئے اور بعض نے مخالفت کا رنگ اختیار کیا اور بحث شروع کر دی۔ ان حالات نے ان طلبہ کو تبلیغ کی طرف اور بھی متوجہ کر دیا [۱۲۳]۔

چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ جب سفر یورپ سے واپس تشریف لائے تو انہوں نے ۲۹/ نومبر ۱۹۲۴ء کو حضور کے اعزاز میں ایک دعوت دی اور مخلصانہ ایڈریس پیش کر کے استدعا کی [۱۲۴] کہ حضور مغرب کی طرف تشریف لے گئے ہیں اب از راہ شفقت مشرق کی طرف بھی تشریف لے چلیں حضور نے وعدہ فرمایا کہ انشاء اللہ میں خود یا میرا کوئی نمائندہ آپ کے ملک میں جائے گا [۱۲۵]۔

چنانچہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے جزائر شرق الہند کے لئے مولوی رحمت علی صاحب فاضل کو پہلا مبلغ احمدیت مقرر فرمایا۔ قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اپنی مشہور کتاب "سلسلہ احمدیہ" میں

تحریر فرماتے ہیں۔

"اس مہم کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح کی مردم شناس آنکھ نے مولوی رحمت علی صاحب کو منتخب کیا۔ مولوی صاحب مولوی فاضل تھے۔ مگر سادہ مزاج رکھتے تھے اور بعض حلقوں میں خیال کیا جاتا تھا کہ شاید وہ اس نازک کام میں کامیاب نہ ہو سکیں مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے اور حضرت خلیفۃ المسیح کی روحانی توجہ کے طفیل اس مشن نے حیرت انگیز رنگ میں ترقی کی اور بعض لحاظ سے دوسرے سب مشنوں کو مات کر گیا" [۱۲۶]۔

مولوی رحمت علی صاحب ۱۷/ اگست ۱۹۲۵ء کو قادیان سے روانہ ہوئے [۱۲۷]۔ حضور نے آپ کو رخصت کرتے ہوئے کئی نصیحتیں فرمائیں۔ مثلاً علم کا گھمنڈ رکھنے والوں اور علماء سے خلوت میں گفتگو کریں۔ تبلیغ کا کام بتدریج ہو۔ جہاں جہاں جماعتیں قائم ہوں وہاں انجمن بھی قائم کریں اور انجمن کو باقاعدہ کرنے کے ساتھ ساتھ نئے احمدیوں میں تبلیغ کی عادت بھی پیدا کریں اور عمدہ نمونہ بنیں۔ تا لوگ احمدیت کی حقیقت سمجھ سکیں [۱۲۸]۔

مولوی رحمت علی صاحب احمدیت کا پیغام لے کر ستمبر ۱۹۲۵ء میں اس ملک میں پہنچے اور سب سے پہلے سماٹرا کے قصبہ "تاپک توان" میں فروری ۱۹۲۷ء تک قیام کیا۔ اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے وہاں ایک جماعت پیدا کر دی۔ "تاپک توان" میں احمدیت کا بیج بو دینے کے بعد آپ مارچ ۱۹۲۷ء میں پاڈانگ گئے [۱۲۹]۔ اور وہاں اپنا مرکز قائم کر کے ایک رسالہ "اقبال" نامی جاری کیا [۱۳۰]۔ اور پبلک لیکچروں، اخبارات اور انفرادی ملاقاتوں سے عوام اور حکومت دونوں حلقوں میں تبلیغ شروع کر دی۔

علماء نے احمدیت کا اثر و نفوذ دیکھا تو وہ متفقہ طور پر آپ کو ملک سے نکالنے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن حکام نے مذہبی معاملات میں دست اندازی کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی دوران میں قادیان سے خاجی محمود احمد صاحب بھی علم دین حاصل کر کے پہنچ گئے اور آپ کا ہاتھ بٹانے لگے۔ مسلمانوں میں تبلیغ کے علاوہ عیسائیت کے خلاف بھی محاذ قائم کیا گیا اور عیسائی پادریوں سے متعدد مذاکرات و مباحثات ہوئے۔

دسمبر ۱۹۲۷ء کے آخر میں پاڈانگ میں غیر احمدی علماء سے آپ کا ایک عظیم الشان مباحثہ ہوا یہ مناظرہ مولوی رحمت علی صاحب کے الفاظ میں احمدیت کی حیات و موت اور ترقی و تنزل کا سوال تھا۔ بڑے بڑے علماء، مشائخ ایڈیٹر اور عہدیداران حکومت اس میں موجود تھے۔ علماء کو مناظرہ میں سخت ناکامی اٹھانا پڑی اور تحقیق پسند طبائع پر سلسلہ کی حقانیت کھل گئی۔ اور گو اس کے نتیجہ میں ایک کثیر طبقہ احمدیت کا دل سے قائل ہو گیا۔ مگر علماء کی سختیوں کی وجہ سے علی الاعلان صداقت کا اظہار نہ کر سکا [۱۳۱]۔

تاہم احمدیت میں ان کے داخلہ کی رفتار پہلے سے تیز ہو گئی۔ اور "تاپک توان" اور پاڈانگ کے بعد ڈوکو میں بھی جماعت قائم ہو گئی۔ اور تبلیغ کو مزید وسعت دینے کے لئے مئی ۱۹۲۸ء میں کرائے کے ایک مکان میں باقاعدہ مشن ہاؤس قائم کر دیا گیا [۱۲۲] اس وقت تک جماعت سماٹرا میں ہی قائم ہوئی تھیں اور جاوا کا جزیرہ خالی پڑا تھا۔ مگر ۳۰-۱۹۲۹ء میں سماٹرا کے ایک احمدی ابوبکر بگنڈو مہاراجو تجارتی کاروبار کے سلسلہ میں وہاں گئے اور جاوا میں بھی ایک مختصر جماعت پیدا ہو گئی۔

چار سال کی محنت شاقہ کے بعد مولوی رحمت علی صاحب مرکز کی ہدایت پر ۱۹/ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو [۱۲۳] واپس تشریف لائے آپ کے ساتھ ابوبکر صاحب (پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ پاڈانگ) اور ایک معزز دوست ڈمنگ داتو پوتی بھی تھے۔ مولوی رحمت علی صاحب حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ ۶/ نومبر ۱۹۳۰ء کو روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ مولوی محمد صادق صاحب بھی تھے۔ جنہیں حضور نے سماٹرا کی تبلیغ کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ یہ دونوں مبلغ ۲/ دسمبر ۱۹۳۰ء کو پاڈانگ پہنچے۔ جہاں مولوی رحمت علی صاحب کچھ عرصہ مولوی محمد صادق صاحب کے ساتھ رہنے کے بعد اپریل ۱۹۳۱ء میں جاوا روانہ ہو گئے [۱۲۴]۔ اور وہاں نئے دار التبلیغ کی بنیاد رکھی۔ جاوا میں آپ کے رستہ میں بہت مشکلات تھیں۔ مگر آپ نے استقلال سے مقابلہ کیا اور پہلے سال چپو، بٹاوی (جاکرتا) اور بوگور میں جماعتیں قائم ہو گئیں [۱۲۵]۔ اور آپ کا مرکز بٹاوی میں تھا۔

جنوری ۱۹۳۵ء میں مولوی رحمت علی صاحب گارت اور تاسکملایا کے شہروں میں گئے اور مختلف انجمنوں میں تقریریں کرنے کے علاوہ عیسائیوں سے مباحثے کئے اس سے پہلے عام مسلمان عیسائیوں کے اعتراضات سے سخت پریشان تھے۔ لیکن اب جو انہوں نے دیکھا کہ عیسائی احمدی مبلغ کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے۔ تو انہوں نے مولوی صاحب کو بہت مبارکباد دی۔ مگر علماء نے مخالفت شروع کر دی اور عوام کو بھڑکایا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں مگر یہی مخالفت بعض سعید روحوں کو احمدیت میں لانے کا موجب بن گئی [۱۲۶]۔

مولوی رحمت علی صاحب جاوا جانے سے پہلے جو تبلیغی میدان قائم کر چکے تھے اسے مولوی محمد صادق صاحب نے اور وسیع کرنے کی طرف توجہ دی۔ چنانچہ آپ نے پاڈانگ میں ایک پندرہ روزہ اخبار "اسلام" (مولوی احمد نور الدین صاحب سماٹری کی ادارت میں) نامی جاری کیا۔ جو بعد کو ماہنامہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس رسالہ کے اجراء پر عیسائی اخبارات احمدیت کے مقابلہ میں آگئے۔ اس کے علاوہ عیسائیوں سے عام خط و کتابت کے ذریعہ بھی بحث ہونے لگی [۱۲۷]۔ مئی ۱۹۳۴ء میں آپ نے سماٹرا کے دار الحکومت "میڈان" میں جا کر کام شروع کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ایک جماعت قائم

ہو گئی۔

۳۵-۱۹۳۴ء کا زمانہ تاپوتوان اور لہوسوکن کی جماعت کے لئے بھاری ابتلا کا زمانہ تھا کیونکہ اس میں جماعت کو تبلیغ بلکہ باقاعدہ نماز کی ادائیگی سے روک دیا گیا۔ اسی طرح لہوسوکن کی جماعت کو وہاں کے راجہ نے اپنے مظالم کا تختہ مشق بنایا[۱۲۸]۔ تاہم حق و صداقت کی اشاعت کا سلسلہ خطوط و مضامین، اشتہارات و اخبارات اور مستقل کتابوں کی تصنیف کے ذریعہ بھی جاری رہا اور مباحثات کے ذریعہ بھی چنانچہ پاڈانگ میں ایک اور میڈان میں تین نہایت کامیاب مناظرے ہوئے پہلا مناظرہ مولوی محمد صادق صاحب نے پاڈانگ میں ایک عیسائی سے کیا۔ جس نے دلائل سے عاجز آکر مولوی صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "یہ شخص جنوں کو استعمال کرتا ہے"۔ دوسرا مباحثہ مولوی ابوبکر ایوب سماٹری کا ایک عرب فاضل سے ہوا۔ میڈان میں یہ پہلا مذہبی مناظرہ تھا جس میں خدا کے فضل سے اس قدر کامیابی ہوئی کہ غیر احمدی اخباروں نے بھی احمدیت کی فتح کا کھلا کھلا اقرار کیا۔ تیسرا اور چوتھا مباحثہ مولوی صادق صاحب اور مولوی ابوبکر ایوب صاحب نے ایک مجلس شرعی کے صدر سے کیا۔ ان کے علاوہ انہی دنوں چھ اور مناظروں میں بھی اللہ تعالیٰ نے کامیابی بخشی اور غیر احمدی علماء جو پہلے احمدیت کی مخالفت میں پوری قوت صرف کر رہے تھے اب احمدی مبلغوں کے مقابل پر آنے سے جھجکنے لگے[۱۲۹]۔

اب جاوا اور سماٹرا میں سلسلہ کی...... تبلیغ کا کام روز بروز وسیع ہو رہا تھا۔ اس لئے حضور نے یکم فروری (الفضل ۴ فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۱) کو ملک عزیز احمد خانصاحب اور مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری کو قادیان سے اور سید شاہ محمد صاحب کو سنگاپور سے وہاں بھجوایا۔ ۳۷-۱۹۳۶ء میں مولوی ابوبکر ایوب صاحب نے سماٹرا میں قریباً دو ہزار میل کا تبلیغی سفر کیا۔ اسی زمانہ میں گاروت (جاوا) میں احمدیہ مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔ ایک پریس خرید اگیا[۱۳۰]۔ مولوی رحمت علی صاحب کچھ عرصہ مرکز میں تشریف لے گئے اور دوبارہ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں واپس جاوا آئے اور تبلیغ سلسلہ میں مصروف ہو گئے۔ ان دنوں گاروت میں مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری سوراباپا میں ملک عزیز احمد صاحب بہرواکرتو میں سید شاہ محمد صاحب اور تاسکملایہ میں محمد طیب صاحب فریضہ تبلیغ ادا کر رہے تھے۔ ان مبلغین کی کوششوں سے احمدیت قبول کرنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ ایک خاص اثر یہ بھی ہوا کہ دو جماعتوں کے سوا جو ظاہرا مخالفت کرتی تھیں باقی مخالف جماعتیں ایک ایک کر کے میدان سے ہٹ گئیں[۱۳۱]۔

نومبر ۱۹۴۰ء کے تیسرے ہفتہ میں مولوی رحمت علی صاحب بٹاویہ (جاوا) سے سماٹرا میں آئے ۱۴ دن میڈان میں اور تین ماہ پاڈانگ میں رہ کر مارچ ۱۹۴۱ء میں واپس جاوا تشریف لے گئے قیام کے دوران میں آپ نے جماعت کو وعظ و نصیحت سے متمتع کیا۔ آپ کی آمد پر پاڈانگ میں چار جلسے ہوئے

جن میں مولوی محمد صادق صاحب اور مولوی ابوبکر صاحب کے علاوہ آپ نے بھی لیکچر دیئے سماٹرا میں ایک مبلغ ناکافی تھا۔ اس لئے مولوی ابوبکر صاحب جو پہلے جاوا میں کام کر رہے تھے سماٹرا میں فریضہ تبلیغ انجام دینے لگے۔

اسی اثناء میں ۸/ مارچ ۱۹۴۲ء کو جاپانیوں نے جزائر شرق الہند پر قبضہ کر لیا اور مشکلات اور تکالیف کا ایک نہایت المناک سلسلہ شروع ہوا۔ قبضہ کے دوران جاپانیوں نے ملکی باشندوں پر جو وحشیانہ مظالم توڑے وہ نہایت ہی دردناک تھے۔ ایک جماعت کے سوا جسے حکومت نے اپنی سیاسی اغراض کے لئے قائم کیا تھا باقی سب سیاسی اور مذہبی تنظیمیں حکماً بند کر دیں۔ تاہم انفرادی تبلیغ جاری رہی اور اس عرصہ میں جماعت کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا۔ اس زمانہ میں احمدی مبلغین نے جن میں مولوی رحمت علی صاحب اور ملک عزیز احمد خان خاص طور پر قابل ذکر ہیں مختلف کتابوں کے تراجم کئے جو بعد کو شائع ہوئے۔

جاوا اور سماٹرا کے علماء نے جنوب مشرقی ایشیا کی اس جاپانی لڑائی کو جہاد فی سبیل اللہ قرار دیا اور مخبری کی کہ احمدی انگریزوں کے جاسوس ہیں۔ چنانچہ جاپانی حکام نے مولوی محمد صادق صاحب کی بارہا پوچھ گچھ کی اور بالآخر تبلیغ کی ممانعت کر دی۔ اس پر مولوی محمد صادق صاحب نے حکومت جاپان کو مفصل خط لکھا جس میں احمدیت کی غرض و غایت پر روشنی ڈالنے کے علاوہ خاص طور پر اس طرف توجہ دلائی کہ جاپان حکومت کی لڑائی ہرگز جہاد فی سبیل اللہ نہیں اس کی علمبردار صرف مسلمان قوم ہو سکتی ہے اور آپ مسلمان نہیں۔

جماعت احمدیہ کے ایک وفد نے جس میں مولوی محمد صادق صاحب بھی شامل تھے جاپانی حکومت کے گورنر آف سماٹرا کے سامنے یہ خط پیش کیا۔ جاپانی حکومت نے اس سے سخت برافروختہ ہو کر مولوی محمد صادق صاحب کو سزائے موت کا حکم صادر کر دیا۔

اس کے بالمقابل جاوا کے احمدی مبلغین جاپانی حکومت نے قید میں ڈال دیئے جس کی وجہ یہ ہوئی کہ ۱۹۴۴ء میں مغربی جاوا کے ایک مقام پر بغاوت ہوئی۔ بعض مقامی علماء نے جاپانی حکام سے کہا کہ بغاوت میں احمدیوں کا ہاتھ ہے اس شکایت پر بعض دوسرے احمدیوں کے علاوہ ملک عزیز احمد خاں، مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری اور سید شاہ محمد صاحب گرفتار کر لئے گئے۔ غرضکہ جاوا اور سماٹرا دونوں جگہ صرف احمدی جماعتیں اور احمدی مبلغین جاپانی مظالم کا نشانہ بنائے گئے اور بظاہر نجات کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ مگر اس سے پہلے کہ جاپانی اپنے منصوبوں میں کامیاب ہوتے اس ظالم حکومت کا تختہ الٹ گیا۔ اور قدرت الٰہی کا یہ عجیب کرشمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس انقلاب کی نسبت احمدی

مبلغوں کو قبل از وقت اطلاع دے دی گئی تھی [۱۶۵]۔

جاپانی حکومت کا خاتمہ ہوا تو ڈاکٹر سکارنو نے ۱۷/ اگست ۱۹۴۵ء کو انڈونیشیا کی آزادی کا اعلان کر دیا اور ولندیزیوں کے خلاف سارے ملک میں تحریک آزادی لڑی جانے لگی۔ اس موقعہ پر مبلغین احمدیت اور دوسرے احمدیوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر تحریک آزادی میں بھی سرگرم حصہ لیا [۱۶۶]۔ چنانچہ مولوی عبدالواحد صاحب اور ملک عزیز احمد صاحب نے تقریباً دو تین ماہ ریڈیو پر اردو پروگرام نشر کیا۔ اور سید شاہ محمد صاحب تو تحریک میں اس جوش و خروش سے شامل رہے کہ انڈونیشیا کے ایک سابق وزیر داخلہ نے کہا کہ ہم سید شاہ محمد صاحب کو اپنی قوم کا ہی فرد سمجھتے ہیں چنانچہ ۱۹۴۹ء میں جس روز صدر ڈاکٹر سکارنو ڈچ حکومت سے چارج لینے کے لئے جن چودہ آدمیوں کے ہمراہ دارالحکومت میں پہنچے تو ان میں سید شاہ محمد صاحب بھی تھے [۱۶۷]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹۴۸ء میں جبکہ انڈونیشیا کی جنگ آزادی جاری تھی۔ مولوی محمد سعید صاحب انصاری کو سماٹرا بھجوایا۔ نومبر ۱۹۴۹ء میں جماعت کی از سرنو تنظیم کرنے کے لئے مولوی رحمت علی صاحب کی صدارت میں تمام مبلغین کا پہلا اجتماع منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں جماعت احمدیہ انڈونیشیا کے لئے قواعد و ضوابط مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس کے ممبر سید شاہ محمد صاحب مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری اور ملک عزیز احمد صاحب تھے اور معاون مسٹر راڈین ہدایت۔ انڈونیشین زبان میں قواعد مرتب ہوئے تو ۹-۱۰-۱۱/ دسمبر کو جماعت ہائے انڈونیشیا کی پہلی سالانہ کانفرنس جاکرتا میں منعقد ہوئی [۱۶۸]۔ جس کا سلسلہ (ایک سال کے وقفہ کے ساتھ) اب تک خدا کے فضل سے جاری ہے۔

مولوی رحمت علی صاحب ۳۰/ اپریل ۱۹۵۰ء کو واپس تشریف لائے اسی سال مولوی امام الدین صاحب، مولوی عبدالحی صاحب، مولوی محمد زہدی صاحب اور حافظ قدرت اللہ صاحب اور دو سال بعد حکیم عبدالرشید صاحب ارشد بھی ان علاقوں میں تبلیغ کے لئے بھیجے گئے۔ ان کے بعد حضور نے ۶/ جون ۱۹۵۴ء کو صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب کو مع اہل و عیال انڈونیشیا روانہ فرمایا۔ صاحبزادہ صاحب نے وہاں ملک میں پھیلی ہوئی جماعتوں کا دورہ کر کے ان میں غیر معمولی بیداری پیدا کی اور ۲۲/ مارچ ۱۹۵۶ء کو واپس تشریف لائے۔ ۱۹۵۴ء کے سالانہ جلسہ میں شمولیت کے لئے جماعت ہائے انڈونیشیا کے وائس پریذیڈنٹ راڈین ہدایت صاحب ربوہ آئے تو واپسی پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے انڈونیشیا کی جماعتوں کے اخلاص اور قربانی کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک کی لکھی ہوئی ایک تحریر جو آٹھ صفحات پر مشتمل ہے اور "حقیقۃ الوحی" کے مسودہ کا

ایک حصہ ہے بطور تبرک بھجوائی۔

۱۹۶۲ء میں ملک عزیز احمد صاحب انتقال فرما گئے اور اسی سرزمین میں دفن کئے گئے۔ جولائی ۱۹۶۳ء میں صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب (وکیل التبشیر تحریک جدید [۱۴۹]) مشرق بعید کے مشنوں کا جائزہ لینے کے لئے انڈونیشیا بھی تشریف لے گئے اور بانڈونگ انڈونیشیا کی چودھویں سالانہ کانفرنس منعقدہ بانڈونگ (۲۶ تا ۲۸/ جولائی ۱۹۶۳ء) میں شمولیت کی۔ اس کانفرنس میں ساٹھ احمدیہ جماعتوں کے قریباً دو ہزار نمائندے شامل ہوئے کانفرنس کے دوران قریباً نوے افراد داخل سلسلہ احمدیہ ہوئے [۱۵۰]۔

دار التبلیغ سماٹرا اور جاوا جس کا آغاز محض اتفاقی رنگ میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے غیر معمولی ترقی کر چکا ہے ابتداءً اس کے اخراجات مرکز برداشت کرتا تھا مگر ۱۹۴۷ء کے بعد سے انڈونیشیا مشن خود کفیل مشن بن چکا ہے۔

جاوا اور سماٹرا میں مندرجہ ذیل مقامات پر مشہور احمدی جماعتیں قائم ہیں۔

(جاوا غربی) جاکرتا، بوگور، چیسالاڈا، سوکابومی، چیانجور، چیپارائے، بانڈنگ، چکالونگ، گاروت، داناسگرا، سنگاپرنا، تاسکملایا، چیہارنگ، بوجنگ، پینگلاں، تنجرانگ، کرادنگ، لاوی مانگو، بونی جایا، سوکاتابی، تولنجنگ، چیساعت، کڈنگ ہالنگ، گونڈرنگ، چریبون، مانس لور۔

(جاوا وسطی) پورو کرتو۔ جوگجاکرتا۔ پابووارن۔ کڈنگ مالنگ۔

(جاوا شرقی) سورابایا (سماٹرا شمالی) میڈان۔ تابنگ تنگی۔ تنجونگ بالائی (سماٹرا وسطی) پاڈنگ۔ تالنگ۔ پکن بارو۔ بوکیت۔ تیمگی ڈوکو۔ (سماٹرا جنوبی) لاہت۔ ۱۹۶۲ء کی رپورٹ کے مطابق جماعت احمدیہ انڈونیشیا کی اکاون مساجد اور تیرہ مشن ہاؤس قائم ہیں۔

جاوا اور سماٹرا کے مبلغین کی طرف سے اسلام اور احمدیت کی تائید میں شام و فلسطین کے بعد سب مشنوں سے زیادہ لٹریچر شائع ہوا ہے چنانچہ چند اہم کتابوں کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبارک تصانیف کے تراجم۔ اسلامی اصول کی فلاسفی۔ کشتی نوح۔ ایک غلطی کا ازالہ۔ احمدی اور غیر احمدی میں فرق۔ لیکچر سیالکوٹ۔ الوصیت۔ (کتب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے تراجم) حضرت مسیح موعودؑ کے کارنامے۔ سیرت مسیح موعود۔ دعوت الامیر۔ نظام نو۔ "اسلام کا اقتصادی نظام" (تصانیف مولوی رحمت علی صاحب) اسرار ارکان اسلام۔ صداقت حضرت مسیح موعود۔ اسلام میں جہاد۔ معراج النبی ﷺ۔ حقیقت بائیبل۔ سیرت النبی ﷺ۔ مسئلہ تقدیر۔ ملائکۃ اللہ۔ قبر مسیح اسرائیلی۔ المسیح الاسرائیل اور صلیب۔ حقیقت ابنیت عیسیٰ۔ مشارکت و تمدن اسلامیہ۔ اسلام اور دنیا کے علوم کا منبع۔ دنیا کا آئندہ نظام۔ صداقت رسول کریم از روئے بائیبل۔ میں

نے اسلام کو کیوں چنا۔ قیامت۔ جہاد۔ لائحہ عمل احمدیہ۔ (تصانیف مولوی محمد صادق صاحب) (۱) بائیبل کا یسوع۔ (۲) محمد ﷺ از روئے بائبل۔ (۳) تصدیق المسیح۔ (تصانیف ملک عزیز احمد خان صاحب) ترقی اسلام کی راہ۔ مبایعین اور غیر مبایعین میں فرق۔ پیشگوئی متعلقہ مصلح موعود۔ (تصانیف میاں عبدالحی صاحب) "کفارہ" (تصانیف مولوی ابو بکر صاحب) مکمل تردید (جماعت کے خلاف اعتراضات کا رد) شفاعت ارحم الراحمین۔ (تصانیف صالح الشبیبی صاحب الندی) وادی قرآن کے صحیفے۔ احمدیت پر ایک طائرانہ نظر۔ نماز مترجم۔

جماعت احمدیہ انڈونیشیا کی طرف سے اس وقت تک کئی ماہوار یا سہ ماہی رسائل نکل چکے ہیں مثلاً رسالہ "اسلام" (ماہوار) رسالہ "البشریٰ" (ماہور) رسالہ "پنوجوک جالن" (ماہوار) رسالہ الہدیٰ (ماہوار) رسالہ "Bale bat" (ماہوار) رسالہ "آواز مجلس خدام الاحمدیہ" (سہ ماہی) رسالہ "آواز مجلس انصار اللہ" (سہ ماہی) رسالہ "آواز مجلس ناصرات الاحمدیہ" (سہ ماہی) آج کل رسالہ "سینار اسلام" اور ہفتہ وار "بلٹن یا احمدیہ گزٹ" باقاعدہ جاری ہے۔

انڈونیشیا میں اس وقت مندرجہ ذیل مبلغین اعلائے کلمہ اسلام میں مصروف ہیں۔

سید شاہ محمد صاحب (رئیس التبلیغ) مولوی ابو بکر ایوب صاحب مرکزی مبلغ۔ مولوی عبدالحی صاحب مرکزی مبلغ۔ مولوی امام الدین صاحب مرکزی مبلغ۔ مولوی صالح شبیبی صاحب مرکزی مبلغ۔ مولوی عبدالواحد صاحب مرکزی مبلغ۔ مولوی محمد ایوب صاحب لوکل مبلغ۔ مولوی زینی دحلان صاحب۔ مولوی منصور احمد صاحب۔ راڈین احمد نور صاحب۔ مولوی احمد رشدی صاحب۔ مولوی سلیمان عباس صاحب۔ مولوی محی الدین صاحب۔ حاجی بصری صاحب دیہاتی مبلغ۔ محمد شیتری صاحب دیہاتی مبلغ۔ سلیمان صاحب دیہاتی مبلغ۔ عبدالرحمن صاحب دیہاتی مبلغ۔

اس دارالتبلیغ کی اسلامی خدمات کی نسبت دوسروں کی چند آراء بطور نمونہ درج ذیل کی جاتی ہیں۔

۱۔ سفیر انڈونیشیا الحاج محمد رشید صاحب نے ستمبر ۱۹۵۷ء میں ایک پبلک جلسہ میں جماعت احمدیہ کی انڈونیشیا میں اسلامی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا کہ "انڈونیشین قوم جو عیسائیت کے سیلاب کے آگے بہہ جارہی تھی اس کو جماعت احمدیہ کے مبلغین نے اس خطرہ سے بچالیا [۱۵۱]۔

۲۔ سلسلہ احمدیہ کے ایک شدید مخالف ڈاکٹر حاجی عبدالکریم امر اللہ نے اپنی کتاب "القول الصحیح" میں لکھا کہ "ہم روئے زمین کے مسلمانوں کی طرف سے جماعت احمدیہ قادیان کا اس بارہ میں شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر یورپین ممالک میں کئی

عیسائیوں کو اسلام کی طرف کھینچا ہے"[152]۔

۳۔ ایم۔ اے آر گب اپنی کتاب (Mohammadanism) ایڈیشن جولائی ۱۹۵۵ء آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے صفحہ ۱۴۲ پر لکھتے ہیں۔

"......... جماعت احمدیہ قادیان۔ انڈونیشیا۔ جنوبی۔ مشرقی اور مغربی افریقہ میں عیسائی مشنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہی ہے"[153]۔

۴۔ جسٹس دان۔ ڈیر کو دوف "دی مسلم ورلڈ" (جنوری ۱۹۶۲ء) کی اشاعت میں لکھتے ہیں۔

"انڈونیشیا کے ایک مشہور پبلشر نے مجھے بتایا کہ انڈونیشیا کا نوجوان علمی طبقہ جماعت احمدیہ کا لٹریچر بڑے شوق کے ساتھ خریدتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ انڈونیشیا کے بڑے جزائر میں احمدی موجود ہیں بلکہ دور افتادہ علاقوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ غالب اکثریت قادیانی احمدیوں کی ہے تاہم ان دونوں احمدیہ فرقوں کا وجود مغربی تعلیم یافتہ نوجوانوں میں احیاء اسلام کا زبردست محرک ہے۔

جماعت احمدیہ کا اثر ہندوستان سے نکل کر ساری دنیا میں پھیل رہا ہے۔ اس کی شاخیں اور اس کا لٹریچر دنیا کے ہر گوشے میں پہنچ چکا ہے یورپ اور امریکہ کے لوگ اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے مبلغ بھی تمام ممالک میں فریضہ تبلیغ ادا کر رہے ہیں یورپ اور باقی علمی دنیا میں جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی ایک خاص اہمیت کی حامل ہیں اور اپنے اس امتیاز کے باعث ہم اس کے معترف اور ممنون ہیں۔ (نیشنل فرنٹ نیوز آف انڈونیشیا۔ ۲۰/ دسمبر ۱۹۶۲ء)

مقامات مقدسہ کی بے حرمتی پر احتجاج

ہندوستان میں یہ دلخراش خبر پہنچی کہ (حضرت) محمد بن عبدالوہاب" کے معتقدین کی گولہ باری سے رسول کریم ﷺ کے روضہ اطہر کے گنبد کو نقصان پہنچا جس سے گنبد میں دراڑیں پڑ گئی ہیں ساتھ ہی یروشلم کی مسلم کونسل کے صدر اعلیٰ کی طرف سے تار آیا کہ صحیح خبر یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ اطہر پر گولہ باری نہیں کی گئی البتہ اس کے گنبد پر گولیاں لگی ہیں[154]۔

اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۴/ ستمبر ۱۹۲۵ء کو رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے خطبہ جمعہ میں فرمایا۔

"یہ تو مانا نہیں جا سکتا کہ نجدیوں نے جان بوجھ کر روضہ مبارک 'مسجد نبوی' اور دیگر مقامات مقدسہ پر گولے مارے ہوں گے کیونکہ آخر وہ بھی مسلمان کہلاتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں اور آپ کی عزت و توقیر کا بھی دم بھرتے ہیں لیکن باوجود ان سب باتوں کے جو کچھ ہوا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ...... گو انہوں نے دیدہ دانستہ مقامات مقدسہ کو

نقصان نہ پہنچایا ہو مگر ان کی بے احتیاطی سے نقصان ضرور پہنچا"۔ پھر فرمایا۔ "گو میں سمجھتا ہوں قبے بنانے ناجائز ہیں۔ مگر ہر جگہ نہیں بلکہ ضرورت کے وقت جائز ہیں۔ اگر ان سے مراد قبر کی حفاظت نہیں تو ناجائز ہیں یا ان کے لئے ناجائز ہیں جو ہر حال میں ناجائز سمجھتے ہیں مگر خواہ کچھ ہی ہو ان کا یہ کام نہیں کہ ان کو توڑیں۔ اس معاملے میں ہم نجدیوں کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں کہ قبے بلا ضرورت بنانے ناجائز ہیں اور شرک میں داخل ہیں لیکن اس معاملہ میں ہم ان کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے کہ ان کو توڑنا اور گرانا بھی درست ہے...... ہماری ان باتوں کو دیکھ کر نجدیوں کے حامی کہیں گے کہ یہ بھی شریف علی کے آدمی ہیں لیکن اگر رسول اللہ ﷺ کی توقیر کے متعلق آواز اٹھاتے ہوئے شریف کا آدمی چھوڑ کر شیطان کا آدمی بھی کہہ دیں تو کوئی حرج نہیں ہم تو رسول اللہ ﷺ کی خاطر سب سے محبت رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی اگر کوئی محبت رکھتے ہیں تو صرف اس لئے کہ وہ رسول کریم ﷺ کے غلام تھے اور آپ کو جو کچھ حاصل ہوا اس غلامی کی وجہ سے حاصل ہوا...... بے شک ہم قبوں کی یہ حالت دیکھ کر خاموش رہتے لیکن رسول کریم ﷺ کی محبت اور عزت کی خاطر ہم آواز بلند کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں...... ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں جس سے ہم نجدیوں کے ہاتھ روک سکیں۔ ہاں ہمارے پاس سہام اللیل ہیں۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ رسول کریم ﷺ کے مزار مقدس اور مسجد نبوی اور دوسرے مقامات کو اس ہتھیار سے بچائیں۔ ہماری جماعت کے لوگ راتوں کو اٹھیں اور اس بادشاہوں کے بادشاہ کے آگے سر کو خاک پر رکھیں جو ہر قسم کی طاقتیں رکھتا ہے اور عرض کریں کہ وہ ان مقامات کو اپنے فضل کے ساتھ بچائے...... عمارتیں گرتی ہیں اور ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن ان عمارتوں کے ساتھ اسلام کی روایات وابستہ ہیں۔ پس ہمیں دن کو بھی رات کو بھی، سوتے بھی اور جاگتے بھی دعائیں کرنی چاہئیں کہ خدا تعالیٰ اپنی طاقتوں سے اور اپنی صفات کے ذریعہ سے ان کو محفوظ رکھے اور ہر قسم کے نقصان سے بچائے"[۵۵]

معاملات حجاز میں جماعت احمدیہ کا موقف

اس خطبہ کے کچھ عرصہ بعد ایک احمدی دوست نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں لکھا کہ مجھ سے بعض اہل حدیث اصحاب نے شکایت کی کہ توحید کے مسئلہ میں ہمارے عقائد ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ مگر ابن سعود کے معاملہ میں تم لوگ ہماری مخالفت اور حنفیوں کی تائید کرتے ہو۔ نیز دھمکی دی کہ آپ لوگ اپنا رویہ نہیں بدلیں گے تو خلافت کمیٹیاں جو اس وقت تک آپ کے لیکچروں کی مؤید ہو رہی ہیں تائید کرنا چھوڑ دیں گی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس پر ۲۷/ نومبر ۱۹۲۵ء کو ایک مفصل خطبہ دیا۔ جس میں معاملات حجاز کی نسبت جماعت احمدیہ کے موقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا :-

"میرے نزدیک کسی حکومت کے لئے جائز نہیں کہ وہ مذہبی معاملات میں زبردستی کرے یا زبردستی کسی قوم کے قابل احترام مقامات کو گرائے یا ان پر قبضہ کرے۔ پس ہر ایک اسلامی حکومت کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ اپنے علاقہ کے مسلمانوں کی عبادت گاہوں یا قابل احترام مقامات کو گرا کر ملک میں فتنہ پیدا کرے۔ لیکن ہاں میرے نزدیک دو مقام ایسے ہیں جن میں اگر کوئی مشرکانہ فعل ہوتا ہے تو اسلامی حکومت کے لئے جائز ہے کہ جبراً اس میں دست اندازی کرے اور ان مقامات کو اپنی حفاظت اور نگرانی میں رکھے ان مقامات مقدسہ میں سے ایک تو خانہ کعبہ ہے اور دوسرا مسجد نبویؐ

....

ایک اسلامی حکومت کا حق ہے کہ ان پر اپنا قبضہ رکھے وہ بہرحال اسلامی حکومت کے قبضے میں رہنے چاہئیں اور اس قبضہ کی غرض صرف حفاظت ہونی چاہئے نہ کہ ان کے استعمال میں کسی قسم کی مشکل پیدا کرنا۔ پس ان دونوں مقامات پر اسلامی حکومت کا قبضہ رہنا چاہئے جو یہ دیکھتی رہے کہ ان کی حفاظت کماحقہ ہو رہی ہے یا نہیں اور ان میں کوئی فعل شریعت کے خلاف تو نہیں کیا جاتا۔ اگر کیا جاتا ہو تو اسے جبراً روک دے مثلاً اگر خانہ کعبہ میں بت پرستی ہو یا قبریں پوجی جاتی ہوں اور اسی طرح مسجد نبویؐ میں بھی کوئی مشرکانہ فعل ہوتا ہو تو میں کہوں گا کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے اور اس حکومت کا کہ جس کے قبضہ میں یہ دونوں مقام ہوں حق ہے کہ لوگوں کو وہاں ایسا کرنے سے جبراً روک دے"۔

اس اصولی بات کے بعد حضور نے روضہ رسول عربی ﷺ کی نسبت فرمایا کہ۔

"بعض لوگ جب دوسری قبروں کے متعلق یہ دیکھتے ہیں کہ وہ شرک کا منبع بن رہی ہیں تو انہیں آنحضرت ﷺ کے مقبرہ کے متعلق بھی یہی خیال گزرتا ہے کہ اس سے بھی شرک پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس کے متعلق ان کا یہ خیال کرنا غلطی ہے۔ کیونکہ رسول کریم ﷺ کے مزار مبارک پر جو گنبد بنایا گیا ہے۔ وہ اس لئے نہیں کہ اس سے روضہ کی شان بڑی بنا کر پرستش کی جائے بلکہ وہ اس لئے بنایا گیا کہ شرک نہ ہو رسول کریم ﷺ کی قبر کو چھپانے کے لئے اس پر گنبد بنایا گیا تھا پس اس گنبد سے یہ قیاس کرنا غلطی ہے...... پس میں پھر کہتا ہوں کہ کسی اعزاز کے لئے رسول کریم ﷺ کی قبر پر گنبد نہیں بنایا گیا۔ بلکہ اس کی حفاظت کے لئے بنایا گیا۔ اور اس غرض کے لئے بنایا گیا کہ تا آپ کی قبر چھپی رہے کسی اعزاز کے لئے رسول کریم ﷺ کی قبر گنبد کی محتاج نہیں۔ اعزاز اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ بجائے خود ہے اور کسی بیرونی کوشش سے نہیں ہو سکتا۔ پس اس کے لئے کسی گنبد کی یا کسی اور شے کی ضرورت نہ تھی۔ آنحضرت ﷺ جب زندہ تھے اس وقت صحابہؓ آپ کی حفاظت کرتے تھے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپؐ کی وفات کے بعد دشمنوں سے بچانے کے لئے آپ کے جسم مبارک کی

حفاظت مسلمان نہ کریں........ یہاں تو ایک گنبد کے لئے شور برپا ہے مگر میں کہتا ہوں حفاظت کے لئے اگر ایک سے زائد گنبد بھی بنانے پڑیں تو بنانے چاہئیں..... آج کل ہوائی جہازوں اور توپ کے گولوں اور دیگر اسی قسم کی ایجادوں سے پل بھر میں ایک عالم کو تباہ کر دیا جا سکتا ہے اس لئے آپ کی قبر کی حفاظت کا سوال اور بھی اہم ہو گیا ہے"۔

خطبہ کے آخر میں حضور نے اہلحدیث اصحاب کو قیام توحید و استیصال شرک کے تعلق میں پورے پورے تعاون کا یقین دلاتے ہوئے اعلان فرمایا کہ۔

"میں کہتا ہوں کہ شرک کو مٹاؤ لیکن شرک کو مٹاتے ہوئے رسول کریم ﷺ کے نشانات اور شعائر اللہ نہ گراؤ اور ان مقامات کو ملیامیٹ نہ کرو جن کو دیکھ کر ایک شخص کے دل میں توحید کی لہر پیدا ہوتی ہے۔ پس وہ قوم جو اہلحدیث کہلاتی ہے اور جس کا بڑا دعویٰ شرک کی بیخکنی ہے وہ بالضرور شرک کے مٹانے میں کوشش کرے اور ہم اس کوشش میں اس کے ساتھ ہیں لیکن ایسا کرتے ہوئے وہ یہ نہ کرے کہ شعائر اللہ پر ہی کلہاڑا رکھ دے یا ان مقامات کی بنیادوں میں ہی پانی پھیر دے جن سے روایات اسلامی وابستہ ہیں......" [۱۵۶]۔

شام کی تحریک آزادی اور جماعت احمدیہ

جنگ عظیم کے بعد شام پر فرانس نے قبضہ کر لیا۔ شامیوں نے یہ قبضہ ختم کرنے کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء کے آخر میں لبنان کی ایک جنگجو مسلمان پہاڑی قوم (دروز) نے تحریک آزادی کا علم بلند کر دیا۔ شام کی فرانسیسی حکومت نے ستاون گھنٹے بلکہ بعض خبروں کے مطابق اس سے بھی زیادہ عرصہ تک دمشق پر گولہ باری کی جس سے یہ بارونق شہر تباہ و ویران ہو گیا اور ایسی تباہی آئی کہ تین ہزار سال سے ایسی تباہی اس شہر میں نہیں آئی تھی [۱۵۷]۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام (مورخہ ۹/ اپریل ۱۹۰۷ء) "بلائے دمشق" میں خبر دی گئی تھی [۱۵۸]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۳/ نومبر ۱۹۲۵ء کو دمشق کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام اور اس کے عملی ظہور کی دردناک تفصیلات سنانے کے بعد اہل شام کی تحریک آزادی کی تائید کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں اس اظہار سے بھی نہیں رک سکتا کہ دمشق میں ان لوگوں پر جو پہلے ہی بے کس اور بے بس تھے۔ یہ بھاری ظلم کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کی بے بسی اور بے کسی کا یہ حال ہے کہ باوجود اپنے ملک کے آپ مالک ہونے کے دوسروں کے محتاج بلکہ دست نگر ہیں میرے نزدیک شامیوں کا حق ہے کہ وہ آزادی حاصل کریں ملک ان کا ہے حکمران بھی وہی ہونے چاہئیں۔ ان پر کسی اور کی حکومت نہیں ہونی

چاہئے۔ یہ ظلم اس لحاظ سے اور بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے کہ پچھلی جنگ میں اہل شام نے اتحادیوں کی مدد کی اور اس غرض سے مدد کی کہ انہیں اپنے ملک میں حکومت کرنے کی آزادی دی جائے گی۔ پھر کتنا ظلم ہے کہ اب ان کو غلام بنایا جاتا ہے۔ وہ ملک جو تلوار کے ذریعہ زیر نہ کئے جائیں بلکہ معاہدات کی رو سے سیاست اور علم کا چرچانہ ہونے کے سبب جن کی تربیت کرنے کا ذمہ لیا جائے۔ کیا ان کی یہی حالت ہونی چاہئے کہ انہیں بالکل غلام بلکہ غلاموں سے بھی بدتر بنانے کی کوشش کی جائے انہیں ہر طرح تکلیف دی جائے اور بجائے مدد کرنے کے ان کو نقصان پہنچایا جائے پس نہ انگریزوں کا اور نہ کسی اور سلطنت کا حق ہے کہ وہ شامیوں کے ملک پر حکومت کریں اور نہ ہی فرانسیسیوں کا حق ہے کہ وہ ملک پر جبراً قبضہ رکھیں۔ شامیوں نے اتحادیوں کی مدد کی اور انہیں فتح دلائی جس کا بدلہ یہ ملا کہ فرانسیسیوں نے ان کے ملک کو تباہ اور ان کے گھروں کو ویران کر دیا۔ اس سے زیادہ غداری کیا ہو سکتی ہے کہ جس نے ان کو فتح دلائی اسے ہی غلامی کا حلقہ پہنایا جاتا ہے"۔

نیز اہل شام سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے فرمایا۔

"شام والے مظلوم ہیں اور ان کی وفاداریوں اور جانبازیوں کا اچھا صلہ ان کو نہیں دیا گیا۔ انہوں نے اپنی جانیں دے کر اتحادیوں کو فتح دلانے کی کوشش کی۔ مگر جب ان کی باری آئی تو بجائے حسن سلوک کے ان پر ظلم کیا گیا۔ ان کی جانیں تباہ کی گئیں ان کا ملک ویران کیا گیا۔ ان کے مال برباد کئے گئے۔ پس وہ مظلوم ہیں اور میں ان مظلوموں کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہوں..... میں ان لوگوں کے لئے بھی دعا کرتا ہوں جنہوں نے قوم کی حریت اور آزادی کے لئے کوشش کی۔ اور اس کے لئے مارے گئے۔ پھر میں ان لوگوں کے لئے بھی دعا کرتا ہوں جو زندہ ہیں اور اسی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ وہ تباہی سے بچیں اور کامیاب ہوں" [۱۵۹]۔

الحمد للہ! کہ حضور کی یہ دعا جناب الٰہی میں قبول ہوئی اور بالآخر فرانسیسی تسلط ختم ہوا اور ۱۶/ ستمبر ۱۹۴۱ء کو شام میں مسلمانوں کی آزاد حکومت قائم ہوئی۔

"منہاج الطالبین"

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے سالانہ جلسہ ۱۹۲۵ء پر گناہوں سے پاک ہونے اور نیکیوں میں آگے بڑھنے کے طریق پر دو دن تک علمی لیکچر دیا [۱۶۰]۔ حضور نے اس مضمون کا عنوان اپنی ایک بہت پرانی رؤیا کی بناء پر "منہاج الطالبین" رکھا [۱۶۱]۔ "منہاج الطالبین" اسلامی اخلاق و تصوف کے لطیف اور باریک مسائل کا انسائیکلوپیڈیا اور روحانی بیماریوں کے علاج کی بیاض ہے جس میں امراض روح و قلب کی تشخیص اس کے اسباب اور اس کے علاج کے علاوہ صحت روحانی میں ترقی کرنے کے مجرب علمی و عملی نسخے درج ہیں۔ اس لیکچر کے مطالعہ سے یہ حقیقت

انسان پر کھلتی ہے کہ وہ آسمانی طب جو انسانوں کو گناہوں سے نجات دے کر نیکیوں کی طرف مائل کرتی اور پھر ان پر دوام بخشتی ہے صرف اور صرف خدا کے انبیاء و خلفاء ہی کو عطا ہوتی ہے کیونکہ وہی آسمانی حکم کے نمائندے ہونے کی حیثیت سے صحیح معنوں میں مزکی و معلم ہوتے ہیں۔ حضور نے اپنے لیکچر کے خاتمہ پر جماعت احمدیہ کو نصیحت فرمائی۔ کہ

"اگر ہماری جماعت کا ہر ایک شخص اولیاء اللہ میں سے نہ ہو تو دنیا کو نجات نہیں دلائی جا سکتی۔ اور ہم دنیا میں کوئی تغیر نہیں پیدا کر سکتے یاد رکھو ہمارا مقابلہ دنیا کی موجودہ بدیوں سے نہیں بلکہ ہمارا فرض خیالات بد کی رو سے مقابلہ کرنا بھی ہے اور ہمیں خیالات کے اس دریا کا مقابلہ کرنا ہے جو ہر طرف لہریں مار رہا ہے۔ بہت ہی نازک ہے"۔

۱۹۲۵ء کے متفرق مگر اہم واقعات

۱۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حرم اول میں مرزا حفیظ احمد صاحب پیدا ہوئے [۱۶۲]۔

۲۔ ڈنمارک کی دو خواتین (ڈاکٹر کازنند اور مس پالی) سلسلہ احمدیہ کی تحقیق کے لئے قادیان آئیں [۱۶۳]۔

۳۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب جو حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے لنڈن سے واپسی پر مصر ٹھہر گئے تھے ۱۹/ جنوری ۱۹۲۵ء کو بخیریت قادیان تشریف لے آئے [۱۶۴]۔

۴۔ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے صحابی حضرت منشی ہاشم علی صاحب ۲۸/ مارچ ۱۹۲۵ء [۱۶۵] کو اور حضرت مولوی نظام الدین صاحب (والد حضرت مولوی شیر علی صاحب) ۲۳/ جون ۱۹۲۵ء کو رحلت فرما گئے [۱۶۶]۔

۵۔ مولانا ابو العطاء صاحب فاضل نے یکم مارچ ۱۹۲۵ء کو "انجمن احمدیہ خدام الاسلام" قائم کی جس کا مقصد اشاعت اسلام و احمدیت تھا۔ اس انجمن نے تبلیغی ٹریکٹوں کا مفید سلسلہ جاری کیا جو ایک عرصہ تک جاری رہا [۱۶۷، ۱۶۸]۔

۶۔ لنکا کے گمپولا نام قصبہ میں ایک احمدی عورت کا انتقال ہو گیا۔ غیر احمدی مسلمانوں نے اپنے قبرستان میں دفن کئے جانے کی مخالفت کی جس پر پولیس کی نگرانی میں میت دفن کی گئی [۱۶۹]۔

۷۔ ایک عرب سیاح محمد سعد الدین صاحب حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے قادیان آئے [۱۷۰]۔

۸۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء میں مزار حضرت مسیح موعودؑ کے اردگرد پختہ چار دیواری تعمیر ہوئی اور اس کے چاروں طرف دروازے رکھے گئے۔ چار دیواری بنانے کے لئے ملک صاحب خان صاحب نون

(ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر) نے ڈیڑھ ہزار روپیہ دیا تھا[۱۷۱]۔

۹۔ ایک ماہوار رسالہ (بنگلہ زبان میں) "احمدی" کے نام سے کلکتہ (بنگال) میں جاری ہوا۔ جو خدا کے فضل سے اب پندرہ روزہ ہے[۱۷۲] اسی طرح رنگون (برما) سے عبدالکریم صاحب غنی نے ایک سہ ماہی رسالہ جاری کیا جس کا نام "The Universal Peace" تھا۔

۱۰۔ اگست ۱۹۲۵ء میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کے "صیغہ امانت" کا اجراء ہوا[۱۷۳]۔

۱۱۔ قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے منصوری میں کئی ماہ قیام پذیر رہنے کے بعد ۱۵/ ستمبر ۱۹۲۵ء کو قادیان تشریف لائے[۱۷۴]۔

۱۲۔ حضرت ام المومنین اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے شملہ کا سفر کیا[۱۷۵]۔

۱۳۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب نے سالانہ جلسہ پر "تربیت جماعت احمدیہ کے متعلق ضروری امور" کے موضوع پر تقریر فرمائی[۱۷۶]۔

۱۴۔ مشہور مباحثے: مباحثہ دہلی (ماسٹر محمد حسن صاحب آسان دہلوی اور دھرم بھکشو کے درمیان[۱۷۷]) مباحثہ دلاور چیمہ ضلع گوجرانوالہ (مولانا جلال الدین صاحب شمس اور مولوی محمد حسین صاحب کولو تارڑوی کے درمیان[۱۷۸]) مباحثہ نادون (ماسٹر محمد علی صاحب اشرف اور بابو حبیب اللہ کلرک امرتسری کے درمیان[۱۷۹]) مباحثہ گوجرانوالہ (مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی اور مولوی محمد حسین صاحب کولو تارڑوی کے درمیان[۱۸۰]) مباحثہ شیخوپورہ (مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی اور ایک اہل حدیث عالم کے درمیان[۱۸۱]) مباحثہ گجرات (مولانا جلال الدین صاحب شمس اور مولوی محمد حسین صاحب کولو تارڑوی کے درمیان[۱۸۲]) مباحثہ بدوملی (مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی اور ڈاکٹر براؤن اور پادری عبدالحق صاحب کے درمیان[۱۸۳]) مباحثہ جالندھر (مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی اور مولوی عبدالحق صاحب کے درمیان[۱۸۴]) مباحثہ دہلی (مولانا جلال الدین صاحب شمس اور مولوی عبدالرحمن صاحب اہلحدیث عالم کے درمیان[۱۸۵])

۱۵۔ علمائے سلسلہ احمدیہ کی نئی مطبوعات: ترجمہ قرآن مجید (از حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحبؓ) "حدوث روح و مادہ" (حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ) "بہائی مذہب کی حقیقت" (از مولوی فضل الدین صاحب وکیل[۱۸۶]) "آئینہ احمدیت" (از مرزا محمد صادق صاحب لاہور) "انذاری پیشگوئی درباره مرزا احمد بیگ وغیرہ" (از مولوی غلام احمد صاحب فاضل بدوملہوی)

۱۶- جناب شیخ عبدالقادر [۱۸۷] (سابق سوداگر مل حال مربی سلسلہ احمدیہ) اسلام قبول کر کے داخل سلسلہ احمدیہ ہوئے۔ آپ کو میاں محمد مراد صاحب (ساکن پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ) کے ذریعہ سے متاع ایمان نصیب ہوئی [۱۸۸]۔

چھٹا باب (فصل چہارم)

خلافت ثانیہ کا تیرھواں سال

(جنوری ۱۹۲۶ء تا دسمبر ۱۹۲۶ء بمطابق رجب ۱۳۴۴ھ تا جمادی الآخر ۱۳۴۵ھ)

دنیا کی چوبیس زبانوں میں تقریریں

۲۹/ جنوری ۱۹۲۶ء کو (حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے زیر انتظام) پہلی بار ایک جلسہ ہوا جس میں دنیا کی چوبیس زبانوں میں تقریریں ہوئیں۔

اس جلسہ کے مقررین یہ تھے۔ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی (عربی)، فخر الدین صاحب مالاباری (ملیالم)، حضرت میر قاسم علی صاحب (اردو)' جندب صاحب (جاوی)' عبد الواحد صاحب (کشمیری)' شیخ محمد یوسف صاحب (گورمکھی)' حسن خان صاحب (اڑیا)' حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل حلالپوری (فارسی)' حضرت مفتی محمد صادق صاحب (عبرانی)' محمد نور صاحب طالب علم مدرسہ احمدیہ (ملایا)' خواجہ میاں صاحب (مرہٹی)' حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب نیر (انگریزی)' میاں شاہ ولی صاحب (گوجری)' مولوی ارجمند خاں صاحب (پشتو)' مہاشہ محمد عمر صاحب (سنسکرت)' علی قاسم صاحب ابن مولوی ابو الہاشم صاحب (بنگالی)' ابراہیم صاحب سیلونی (سیلونی)' حضرت ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب نو مسلم (پنجابی)' ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم (پوربی)' احمد سریڈو صاحب (ڈچ)' احسان الحق صاحب (ریاستی)، ضیاء اللہ صاحب (سندھی)، ملک احمد حسین صاحب نیروبی (سواحیلی) احمد حسین صاحب وکیل (کنٹری)

ان تقاریر کے بعد حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے تقریر فرمائی کہ حضرت مسیح ناصری کے متعلق آتا ہے کہ ان کے حواریوں کے متعلق پیشگوئی تھی کہ وہ غیر زبانوں میں تقریر کریں گے [۱۸۹]۔ چنانچہ انہوں نے یہودیوں کے مختلف قبیلوں کی زبانوں میں ان کو تبلیغ کی مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام العود احمد کے مطابق پہلے مسیح سے افضل تھے اس لئے آپ کی جماعت کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ اس میں غیر زبانیں بولنے والے پیدا ہو گئے۔ بے شک اب عیسائیت میں مختلف ممالک کے لوگ داخل ہیں۔ مگر حضرت مسیح کے زمانہ میں اور پھر ان کے بعد تین سو سال تک تین چار ممالک میں ہی عیسائیت پھیلی

تھی۔ پس یہ سب تقریریں (جو مختلف زبانوں میں صداقت مسیح موعود علیہ السلام پر ہوئی ہیں) اپنی ذات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی مستقل دلیل ہیں [190]۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کا پانچواں نکاح

یکم فروری ۱۹۲۶ء کو حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا نکاح حضرت سیٹھ ابوبکر یوسف صاحب آف جدہ کی دختر فرخندہ اختر حضرت عزیزہ بیگم صاحبہ سے ہوا۔ نکاح کا اعلان ایک ہزار روپیہ مہر پر حضرت سید سرور شاہ صاحب نے کیا [191]۔

حضرت مولوی صاحب نے خطبہ نکاح میں بتایا۔ اس نکاح کے متعلق میں نے الہام، کشوف اور رؤیا اور خوابیں وغیرہ بیان کرنے کی اجازت نہیں لی۔ اس لئے میں ان کو بیان نہیں کرتا۔ البتہ یہ بیان کر دیتا ہوں کہ میں اور حافظ صاحب اس نکاح کے واقعات سے واقف ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ نکاح کن حالات کے ماتحت ہو رہا ہے۔ جس لڑکی کے ساتھ اب نکاح ہونے لگا ہے اس کے متعلق حضرت صاحب اپنا ارادہ فسخ کر چکے تھے چنانچہ اس کے رشتے کے متعلق آپ نے کسی دوسری جگہ اجازت بھی دے دی تھی۔ لڑکی اور لڑکے کے والدین تیار بھی ہو چکے تھے مگر ایک ہی رات میں خدا نے یہ سب کچھ بدل دیا۔ اور صبح ہوتے ہی لڑکے کے باپ نے کہہ دیا ہم نہیں کر سکتے اور ادھر خود حضرت صاحب کو حضرت ام المومنین پر اور دوسرے احباب پر خداوند تعالیٰ نے اپنے منشاء اور قضاؤ قدر کو بار بار ظاہر فرمایا اور علاوہ اس کے خداوند تعالیٰ کا فعل بھی اس کا مؤید تھا۔ خلیفہ بے شک ہمارا آقا ہے مگر خدا کا قبضہ ان کے دل پر بھی ہے۔ جس طرح اس نے سید عبدالقادر جیلانیؒ سے کہا کہ کھا تو اس نے کھایا اور کہا پہن تو اس نے پہنا اسی طرح اس نے یہاں بھی کیا اور کہا کرو" [192]۔

حضرت صاحبزادہ صاحب سید عبداللطیف صاحب شہید کے خاندان کی کابل سے ہجرت اور قادیان میں آمد

جیسا کہ تاریخ احمدیت جلد سوم میں بتایا جا چکا ہے حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب شہید [193] کی شہادت کے بعد آپ کا خاندان ایک لمبے عرصہ تک ظلم و ستم کا نشانہ بنتا رہا۔ اور آخر نہایت بے کسی کے عالم میں ۱۲/ فروری ۱۹۲۶ء [194] کو سرائے نورنگ (ضلع بنوں) میں ہجرت کر کے آگیا۔ جہاں اس کی پہلے سے جاگیر موجود تھی۔

سید ابوالحسن صاحب قدسی اور سید محمد طیب صاحب (فرزندان شہید مرحوم) کا ارادہ سرائے نورنگ پہنچ کر جلد ہی قادیان کی زیارت کرنے اور حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی خدمت میں حاضر ہونا تھا کہ اس دوران میں خود حضور نے از راہ شفقت نیک محمد خان صاحب غزنوی کو سرائے نورنگ بھیج

دیا۔ چنانچہ یہ دونوں اصحاب غزنوی صاحب کے ہمراہ وسط مارچ ۱۹۲۶ء میں پہلی بار قادیان آئے۔ حضور نے نماز ظہر کے بعد مسجد مبارک میں ان کو شرف ملاقات بخشا اور بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔

سید محمد طیب صاحب پندرہ بیس روز قادیان میں مقیم رہنے کے بعد سرائے نورنگ چلے گئے اور سید ابوالحسن صاحب قدسی نے جنہیں بچپن سے عربی و فارسی پڑھنے کا شوق تھا۔ مدرسہ احمدیہ کی چوتھی جماعت میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۳۱ء میں آپ نے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور پہلے مدرسہ احمدیہ میں اور پھر جامعہ احمدیہ میں ۱۹۶۲ء تک تعلیمی خدمات بجالاتے رہے۔

"دارالشیوخ" کا قیام

جماعت احمدیہ کے مرکز میں جماعت کے غریب و یتیم بچوں اور دوسرے محتاجوں اور معذوروں کے لئے کوئی تسلی بخش انتظام نہیں تھا۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے اس اہم جماعتی ضرورت کی طرف توجہ فرمائی اور یکم مئی ۱۹۲۶ء سے "دارالشیوخ" کے نام سے ایک اہم ادارہ قائم کیا [۱۹۵]۔ جس میں غریب اور معذور بچے بلکہ بعض بوڑھے بھی کافی تعداد میں رہتے تھے اور حضرت میر صاحب اپنی پرائیوٹ کوشش کے ذریعہ ان کے اخراجات وغیرہ مہیا کر کے انہیں تعلیم دلاتے تھے اور اپنے عزیزوں کی طرح ان کی دیکھ بھال کرتے تھے اور نابینا بچوں کو قرآن مجید کے حفظ کرانے کا انتظام کرتے تھے۔ دارالشیوخ میں پرورش پانے والے متعدد بچے مدرسہ احمدیہ جامعہ احمدیہ اور تعلیم الاسلام ہائی سکول میں پڑھے۔

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے "دارالشیوخ" کا جس رنگ میں انتظام فرمایا۔ وہ بلا مبالغہ عدیم المثال تھا۔ یتامیٰ و مساکین اور بے سہارا لوگوں کے لئے آپ کی شفقت اور ہمدردی سے متعلق متعدد واقعات شائع شدہ ہیں۔ جن میں سے بطور نمونہ صرف تین کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ حکیم عبداللطیف صاحب شاہد (گوالمنڈی لاہور) کا بیان ہے کہ "میری دارالشیوخ میں تین سال تک بطور مہتمم تقرری کے زمانہ میں بیسیوں طالب علم قادیان بغرض تعلیم آئے جب خاکسار آپ کی خدمت میں ایسے کسی طالب علم یا غریب آدمی کو داخلہ کے لئے پیش کرتا تو تین سال کے لمبے عرصہ میں مجھے یاد نہیں کہ آپ نے کسی کے داخلہ میں کبھی لیت و لعل فرمایا ہو۔ دارالشیوخ میں کسی فرد کے داخلہ کے بعد آپ نہ صرف اس کی ضروریات کا پورا خیال رکھتے بلکہ اس کو بیکار بھی نہ رہنے دیتے۔ اور اگر کوئی شخص طلب علم کی خواہش کرتا تو اسے ہائی سکول یا مدرسہ احمدیہ میں داخل فرمادیتے اور اگر کوئی درزی وغیرہ کا کام سیکھنا چاہتا تو اسے وہاں پر انچارج درزی خانہ مرزا مہتاب بیگ صاحب کے سپرد کر دیتے" [۱۹۶]۔

۲۔ منشی محمد یٰسین صاحب سابق محرر نظارت ضیافت بیان کرتے ہیں کہ "دارالشیوخ میں ۱۷۵ کے

قریب افراد کے کھانے کے لئے بڑی محنت کرنی پڑتی تھی۔ اور اس کا فنڈ بڑا کمزور تھا۔ ایک دفعہ قاضی نور محمد صاحب مرحوم ہیڈ کلرک نظارت ضیافت نے عرض کیا کہ اب دار الشیوخ پر دو ہزار قرض ہو گیا ہے۔ فرمایا کہ کل عصر کے بعد ٹانگہ لانا اور میرے ہمراہ چلنا دار الشیوخ کے لئے چندہ کی تحریک کرنا ہے۔ دوسرے دن میں ٹانگہ لایا۔ ہم دونوں سوار ہو گئے حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کبیر مرحوم کے گھر کے پاس حضرت نواب عبداللہ خان صاحب ملے اور مصافحہ کیا۔ نواب صاحب نے مصافحہ کے بعد فرمایا کہ ماموں جان آپ کو بخار ہے۔ فرمانے لگے ہاں کچھ بخار تو ہے۔ مگر دار الشیوخ پر کچھ قرضہ ہو گیا ہے اس کے لئے چندہ کرنے کو محلہ دار الرحمت جا رہا ہوں۔ انہوں نے پچاس روپے جیب سے نکال کر دیئے۔ مجھے فرمایا جیب میں رکھتے جاؤ۔ جب نواب صاحب کچھ آگے نکل گئے تو فرمایا۔ "بوہنی" (ابتداء) تو اچھی ہو گئی۔ غرض محلہ دار الرحمت میں پہنچے۔ مغرب کی نماز کے بعد تحریک کی گئی مولانا ابو العطاء صاحب نے بھی تقریر کی تھی۔ اہل محلہ نے کافی چندہ دیا اور کچھ غلہ بھی دیا۔ دوسرے دن محلہ دار الفضل بھی گئے۔ پھر دوسرے محلہ جات میں گئے اور ایک ہفتہ کے اندر اندر اڑھائی ہزار روپیہ چندہ جمع ہو گیا۔ غلہ اس کے علاوہ تھا۔ قاضی صاحب سے فرمانے لگے کہ جب کمی ہو جائے تو پھر بتانا" [۱۹۷]

۳۔ حافظ عبدالعزیز صاحب موذن مسجد اقصیٰ قادیان کا بیان ہے کہ "ایک دفعہ ایک معزز احمدی قادیان تشریف لائے وہ بوجہ عدیم الفرصتی کے ایک گھنٹہ کے لئے حضرت اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو آئے تھے۔ حضرت میر صاحب نے فوراً بھائی احمد الدین صاحب ڈنگوی کی دکان سے ان کے لئے لسی اور ناشتے کا انتظام کیا اور ان کو ساتھ لے کر دار الشیوخ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ جماعت کے یہ یتیم اور مسکین بچے ہیں یہ میرا باغ ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر لگایا ہے۔ اس کی آبیاری میں آپ بھی حصہ لیں۔ وہ احمدی دوست چند منٹ میں آپ کی باتوں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ مبلغ پانچ سو روپے کی رقم ان یتامیٰ کی اعانت کے لئے پیش کر دی" [۱۹۸]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۹۴۳ء میں دار الشیوخ سے متعلق حضرت میر صاحب کی ان خدمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں سمجھتا ہوں جہاں ہماری جماعت مشترکہ طور پر یتامیٰ و مساکین کی خبر گیری میں ناکام رہی ہے وہاں میر محمد اسحٰق صاحب نے اس میں کامیابی حاصل کر لی اور انہوں نے سوڈیڑھ سو ایسے غرباء اور یتامیٰ و مساکین کو جن کے کھانے پینے اور لباس اور رہائش وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں تھا اپنی نگرانی میں رکھ کر ایسے رنگ میں ان کی تربیت اور تعلیم کا کام کیا۔ جو نہایت قابل تعریف ہے۔ میر صاحب نے جن جن مشکلات میں یہ کام کیا ہے ان کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ مشکلات یقیناً ایسی ہیں

جو ان کے کام کی اہمیت کو اور بھی بڑھا دیتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں انہوں نے اتنے سال کام کر کے جماعت کے اندر ایک بیداری پیدا کر دی ہے کہ اب جماعت کے افراد کو بھی محسوس ہونے لگ گیا ہے...... یتیم کی خدمت اور اس کی صحیح رنگ میں تعلیم و تربیت اتنا اہم کام ہے کہ کوئی جماعت جو زندہ رہنا چاہتی ہے وہ کسی صورت میں بھی اس کو نظر انداز نہیں کر سکتی" الخ......[۱۹۹]۔

حضرت میر صاحب کی وفات کے بعد جو (۱۷/ مارچ ۱۹۴۴ء کو ہوئی) جہاں سلسلہ کے دوسرے علمی اور انتظامی معاملات میں زبردست خلا پیدا ہو گیا وہاں دارالشیوخ کے انتظام کو بھی سخت دھکا لگا۔ اور اگرچہ صدر انجمن احمدیہ کا مستقل صیغہ قرار دے کر اس کے اخراجات کی ذمہ داری براہ راست مرکزی نظم و نسق کے سپرد ہو گئی۔ مگر یہ ادارہ قادیان میں دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکا[۲۰۰]۔

قصر خلافت کی بنیاد

۲۲/ مئی ۱۹۲۶ء کا دن بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس روز حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے اپنے دست مبارک سے (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کی نشستگاہ اور سید ناصر شاہ صاحب کے مکان کے درمیان قطعہ زمین پر) قصر خلافت کی بنیاد رکھی۔ اور مجمع سمیت دعا فرمائی۔ اس کے بعد احباب حضرت صاحبزادہ صاحب کے دیوان خانے میں جمع ہوئے جہاں شیرینی تقسیم کی گئی اور یہ مبارک تقریب ختم ہوئی[۲۰۱]۔ قصر خلافت کی عمارت اکتوبر ۱۹۲۶ء[۲۰۲] میں پایہ تکمیل تک پہنچی جس کے بعد حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور آپ کی ڈاک کا پہلے سے زیادہ عمدہ اور محفوظ انتظام ہو گیا۔

"احمدیہ گزٹ" کا اجراء

جماعت احمدیہ کی مختلف انجمنوں اور افراد سلسلہ کو ایک باقاعدہ صورت میں سلسلہ کے مرکزی صیغوں کی کارگزاری اور اعلانات سے باخبر رکھنے کے لئے ۲۶/ مئی ۱۹۲۶ء سے "احمدیہ گزٹ" کا اجراء ہوا۔ اس اہم پرچہ کی عنان ادارت حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کے سپرد ہوئی[۲۰۳]۔ "احمدیہ گزٹ" چند سال کے بعد بند کر دیا گیا اور یہ کام بھی حسب سابق الفضل ہی بجالانے لگا۔

حضرت امام کا پیغام احمدیان بنگال کے نام

بنگالی احمدیوں نے بنگلہ زبان میں "احمدی" کے نام سے ایک رسالہ جاری کر رکھا تھا۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس پرچہ کے نئے سال کے پہلے نمبر کے لئے "جماعت احمدیہ بنگال کے نام ایک پیغام" ارسال کیا۔ جس میں تحریر فرمایا کہ۔

"سنو اے فرزندان بنگال! خدا تعالیٰ کا مسیح مغرب ہند میں نازل ہوا اور وہ شوق محبت سے آپ لوگوں کی طرف جو مشرق ہند کے بسنے والے ہیں بڑھا اور اس نے زندگی کا پانی چھڑک کر آپ لوگوں میں

سے بعض کو زندہ کیا اور عرفان کی روشنی ڈال کر بعض سوتوں کو جگایا۔ اب پنجاب بنگال سے ملنے کے لئے بے تاب ہے۔ مگر اس کے راستے میں سد سکندری حائل ہے۔ ہاں کفر کی دیوار اس کے اور بنگال کے درمیان کھڑی ہے وہ دیوار جسے پٹھانوں اور مغلوں کی چھ سو سالہ حکومت بھی توڑ نہیں سکی۔ اسلام نے اپنی نشوونما کے لئے پنجاب اور بنگال کو چنا تھا۔ اسی طرح احمدیت نے بھی پنجاب اور بنگال کو چنا ہے مگر درمیانی علاقے خالی ہیں بادشاہتیں اس دیوار کو توڑ نہیں سکیں۔ لیکن وہ محبت کرنے والے دل اس روک کو اٹھانے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ اٹھو اے بھائیو! محبت سے پُر دلوں کو لے کر اٹھو۔ بادلوں کی طرح اٹھو جو سب ملک کو ایک آن میں سیراب کر جاتے ہیں۔ آندھیوں کی طرح اٹھو جو سب خس و خاشاک کو ایک منٹ میں اڑا دیتی ہیں۔ سیلاب کی طرح اٹھو جو مکانوں' قصبوں اور شہروں کو اپنے آگے بہا کر لے جاتا ہے۔ ہاں۔ ہاں۔ سورج کی طرح بلند ہو جس کی روشنی تمام تاریکیوں کو مٹا دیتی ہے اور خدا تعالیٰ کے پیغام کو اپنے ملک میں پھیلاتے ہوئے دریائے گنگا کے کنارے کنارے اس علاقہ کی طرف آجاؤ۔ جہاں سے کہ آپ لوگوں کے آباء نے مشرق کا رخ کیا تھا" [۲۰۴]۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کا سفر ڈلہوزی

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی شبانہ روز مصروفیات نے آپ کی صحت پر بہت اثر ڈالا اور سالانہ جلسہ ۱۹۲۵ء کے بعد آپ روز بروز کمزور ہو رہے تھے۔ اس لئے ڈاکٹری مشورہ کے مطابق آپ تبدیلی آب و ہوا کے لئے ۲۹/ جولائی ۱۹۲۶ء [۲۰۵] کو مع اہل و عیال ڈلہوزی تشریف لے گئے اور ۱۱/ اکتوبر ۱۹۲۶ء [۲۰۶] کو وارد قادیان ہوئے۔ اس سفر میں حضور نے ترجمہ قرآن شریف اور ڈاک کا کام بدستور جاری رکھا اور اس غرض کے لئے حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب حلالپوری' صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔ اے (پرائیوٹ سیکرٹری) اور یحییٰ خان صاحب ہمراہ گئے۔ نیز طبی مشورہ کے لئے ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب بھی جنہیں ہمیشہ آپ کے اکثر سفروں میں ہمرکاب رہنے کا شرف حاصل رہا ہے [۲۰۷]۔

سفر ڈلہوزی کے حالات میں اس امر کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے کہ حضور اپنے زمانہ خلافت کے آغاز سے لے کر اب تک ڈاک اور دوسری دفتری ضرورتوں پر سفر کرنے پر کارکنان سلسلہ کے اخراجات اپنے پاس سے ادا فرماتے آرہے تھے۔ مگر اب اپنی کمزور مالی حالت کے پیش نظر آپ نے پہلی بار صدر انجمن احمدیہ کو لکھا کہ "ڈاکٹروں کا مشورہ ہے کہ میں آب و ہوا کی تبدیلی کروں۔ اب تک تو میں بوجہ مالی کمزوری کے اس کو ٹلاتا رہا ہوں مگر اب چونکہ کمزوری زیادہ ہوتی جارہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا تجربہ بھی کر لوں۔ چونکہ اس حالت میں میں اکیلا سفر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ میرے لئے بھی

تکلیف دہ ہے اور گھر کے لوگوں کے لئے موجب تشویش۔ اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ سب اہل خانہ کو ساتھ لے کر جاؤں کیونکہ مکان بہرحال لینا ہو گا۔ اور دو جگہ کے اخراجات بھی تکلیف دہ ہوں گے۔ میں نے اندازہ کیا ہے۔ ۲ ہزار کے قریب زائد خرچ ہو گا۔ اس میں سے ایک ہزار روپیہ کا مد متفرق غیر معمولی سے انتظام کر دیا جائے۔ ایک ہزار کا میں انشاء اللہ بعض دوستوں سے انتظام کرلوں گا۔ یہ روپیہ میں انشاء اللہ بجٹ کے خاتمہ سے پہلے ادا کردوں گا۔ تا سلسلہ کے کام کو نقصان نہ ہو چونکہ اس سفر میں ترجمہ قرآن شریف اور ڈاک کا کام بھی ہو گا۔ اس لئے مولوی محمد اسماعیل صاحب' صوفی عبدالقدیر صاحب اور یحییٰ خان صاحب کے جانے کے متعلق بھی انتظام کیا جائے مکان تو میں نے لے ہی لیا ہے۔ ان کے جانے اور آنے اور کھانے کے اخراجات اور کتب جو لے جانی پڑیں گی۔ ان کے کرایہ کے انتظام کی ضرورت ہو گی...... میں نے اس سے پہلے کبھی یہ اخراجات اپنے سفروں میں نہیں لئے تھے۔ بمبئی اور کشمیر میں مہمان نوازی اور اس قسم کی دوسری دفتری ضرورتوں پر ہمراہ سفر کرنے والوں پر میرا تین چار ہزار روپیہ سے زائد خرچ ہوا تھا۔ لیکن میں اب مقروض ہوں"۔

اس تحریر پر صدر انجمن احمدیہ نے حضور کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ "یہ بار بحیثیت امام جماعت ہونے کے حضور کو اٹھانا پڑتا ہے اس لئے مجلس کا حق ہے کہ حضور سے درخواست کرے کہ یہ بار حقیقتاً مجلس کے اٹھانے کا ابتداء ہی سے ہے۔ اس لئے اس کے اٹھانے کی اجازت بخشی جائے"۔

مگر حضور نے ایسی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور ۱۱/ جولائی ۱۹۲۶ء کو تحریر فرمایا۔

"میں آپ لوگوں کی محبت کا ممنون ہوں۔ مگر اول تو آپ لوگ خود میرے مقرر کردہ ممبر ہیں اور ہماری کانسٹی ٹیوشن کے لحاظ سے خلیفہ کو کوئی رقم دینے کا فیصلہ بذریعہ شوریٰ کر سکتی ہے نہ کہ صدر انجمن احمدیہ۔ اور یہ اصول کے خلاف ہے کہ ایک اپنی ہی قائم کردہ انجمن کسی شخص کی مالی امداد کا فیصلہ کرے۔ دوسرے اس وقت تک قرض لے کر ادھار اٹھا کر گزارہ کرتا رہا ہوں۔ دل میں یہی نیت ہے کہ خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو خود ادا کردوں گا۔ ورنہ جائیداد سے وصیت کر جاؤں گا صحت کی حالت بتاتی ہے کہ بہت گزر گئی اور تھوڑی رہ گئی۔ اب اپنا طریق کیا بدلوں...... اور کسی کے لئے ٹھوکر کا موجب کیوں بنوں۔ میری طبیعت اس قدر حساس ہے۔ خصوصاً مالی معاملات میں ایک حرف اعتراض کا خواہ اشد ترین منافق کی زبان سے کیوں نہ نکلا ہو کہ میرے قلب کو ناقابل تلافی صدمہ پہنچتا ہے۔ اس وقت میری یہ حالت ہے کہ تیس آدمی کے قریب ہیں جن کا خرچ مجھے اٹھانا پڑتا ہے۔ اور دو سو روپیہ ماہوار کے قریب لائبریری اور امداد وغیرہ کا خرچ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ چار پانچ وقت کے کھانے میں سے ایک وقت کے سوا باقی سب قرض پر ہمارا گزارہ ہوتا ہے۔ اپنی عمر کے لئے میں اپنی جائداد کی قیمت کی وسعت

کا اندازہ کیا کرتا ہوں کہ اس وقت تک زندہ رہنا میرے لئے جائز ہو سکتا ہے جب تک کہ قرض کی رقم کو جائداد بہ سہولت ادا کر سکے۔ آگے اللہ تعالیٰ کے کام کا بندہ کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ غرض باوجود اس حالت کے اور اس رات اور دن کی پریشانی کے یہ روزمرہ کا دکھ مجھے زیادہ پسندیدہ معلوم ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ میں کوئی رقم بیت المال سے بغیر قرضہ کے لوں اور کسی طرف سے میرے کان میں یہ آواز آئے کہ ان کو اس قدر رقم ملتی ہے۔ اب بھی جبکہ میں کبھی کچھ نہیں لیتا میرے کانوں میں یہ آوازیں پڑی ہیں کہ خلیفہ کی اس قدر بیویاں ہیں۔ اب ان کا خرچ جماعت پر پڑے گا۔ اگر میں کوئی رقم لوں گا تو یہ آواز میرے لئے بالکل ناقابل برداشت ہوگی۔ مومنوں کے نفوس خدا کے لئے قربانیاں ہیں۔ کوئی کسی طرح قربان ہو جاتا ہے کوئی کسی طرح قربان ہو جاتا ہے" [۲۰۸] - خاکسار مرزا محمود احمد۔ ۲۶/۷/۱۱

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور مولوی محمد علی صاحب کے مشترکہ اعلانات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ڈلہوزی میں ہی قیام فرما تھے کہ (حضرت) مولوی غلام حسن خان صاحب پشاوری' خان بہادر دلاور خاں صاحب [۲۰۹] (اسسٹنٹ کمشنر) اور قاضی محمد شفیق صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جماعت احمدیہ کے دو فریقوں میں مصالحت کے لئے تبادلہ خیالات کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس تحریک مصالحت پر مولوی محمد علی صاحب' مولوی غلام حسن خان صاحب' خان بہادر محمد دلاور خاں وغیرہ کو اپنی کوٹھی پر دعوت دی اور بالآخر طے پایا کہ اخبارات اور رسائل میں ایک دوسرے کے خلاف سب و شتم اور ذاتی حملوں کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔ ہاں اختلافی مسائل پر متانت و شائستگی سے مضامین کا سلسلہ جاری رہے [۲۱۰]۔

چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں ۱۷/ جولائی ۱۹۲۶ء کو مندرجہ ذیل اعلان فرمایا۔

"برادران! السلام علیکم۔ میں اس اعلان کے ذریعہ تمام اڈیٹران' نامہ نگاران و مصنفین سلسلہ احمدیہ کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ جو اختلافات سلسلہ میں کسی نہ کسی سبب سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی وجہ سے بعض دفعہ مبایعین بھی گو جواباً ہی کیوں نہ ہو ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ جن سے مسئلہ کی تحقیق پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ صرف دوسرے کی دلازاری ہوتی ہے۔ گو جواباً بعض دفعہ سختی کرنا ایک قسم کا علاج ہی ہوتا ہے لیکن موجودہ زمانہ میں جبکہ دنیا کی نگاہیں خاص طور پر ہماری طرف لگی ہوئی

ہیں لوگوں میں یہ امر جماعت کی سبکی کا موجب ہو جاتا ہے اور یہ میں بارہا بتا چکا ہوں کہ دنیا اخلاق سے فتح ہو سکتی ہے نہ کہ ہمارے زور دار الفاظ سے۔ اس لئے آئندہ کے لئے میں اپنے تمام احباب کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ جواباً بھی کوئی ایسا کلمہ اپنی تحریرات میں درج نہ کریں جس سے کسی پر ان سے ادنیٰ ذاتی حملہ بھی ہوتا ہو بلکہ صرف مسائل کی تحقیق سے کام لیں۔ چونکہ کسی فریق کے حد سے بڑھ جانے پر بعض دفعہ الزامی جواب کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ اس لئے میں سردست اس اعلان کو تین ماہ کی مدت سے مشروط کرتا ہوں اس تین ماہ کے عرصہ میں تو خواہ کوئی حالات بھی پیش آئیں اور الزامی جواب نہ دینے سے نقصان بھی ہو تب بھی اس اعلان کو قائم رکھا جائے گا۔ لیکن تین ماہ کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ آیا دوسرے فریق نے کوئی اصلاح کی ہے یا نہیں۔ اگر اس کا رویہ درست ہوا یا ایسا اشتعال انگیز نہ ہوا کہ جس کی وجہ سے الزامی جوابات کی ضرورت پیش آئے تو پھر اس اعلان کی مدت کو لمبا کر دیا جائے گا۔ ورنہ دوبارہ اعلان کر کے مجبوری کی وجہ سے اس اعلان کو منسوخ کر دیا جائے گا۔ میں دوستوں کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر کسی مصنف یا مؤلف یا مضمون نویس یا ایڈیٹر نے اس کے خلاف عمل کیا اور اس کے اس فعل کی طرف مجھے توجہ دلائی گئی تو میں تحقیقات کے بعد ایسے شخص کے خلاف اظہار نفرت کرنے پر مجبور ہوں گا۔ پس میری محبت اور میری رائے کی قدر کرنے والے دوستوں کو اپنی تحریرات میں خود ہوشیار رہنا چاہئے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ایسے سامان پیدا کر دے کہ ہمیں آئندہ بھی اس اعلان کو منسوخ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے [۲۸]۔

مرزا محمود احمد ۱۷/۹/۲۶"

اسی طرح مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے بھی اپنے رفقاء کے نام یہ اعلان شائع کیا کہ

"اس میں شبہ نہیں کہ ابتدائے اختلاف کا زمانہ ایک جوش کا زمانہ تھا۔ جس میں زیادتی کے مقابل پر زیادتی کا بھی عذر ہو سکتا تھا لیکن اب وہ زمانہ باقی نہیں رہا اور اگر اب اختلاف باقی بھی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ کب تک باقی رہے گا۔ تو مسائل پر بحث اسی طرح ہو سکتی ہے کہ جس طرح ہم دوسرے غلط عقائد پر بحث کرتے ہیں کسی عقیدہ کی غلطی کے اظہار کے لئے نہ کسی خاص شخص کو برا کہنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ اس پر کوئی ذاتی حملہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اس اعلان کے ذریعہ سے میں اپنے تمام احباب کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ آئندہ کے لئے ہماری تحریرات کی روش خواہ وہ اخبار میں ہوں یا رسالوں میں اس کے مطابق ہونی چاہئیں اور اس امر پر کہ کسی دوسرے پر کوئی حملہ نہ ہو یا اس کی دلآزاری نہ ہو۔ ایک نیکی کا کام سمجھ کر اس خلق کو جو فی الحقیقت انبیاء کا خلق ہے۔ اپنے اندر لینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ مسائل اور عقائد پر بحث ضرور رہے گی۔ لیکن اس میں کسی شخص کی

ذات پر بھی کوئی حملہ نہ ہو نہ کسی کے متعلق کسی قسم کے دل آزار کلمات ہوں مجھے امید ہے کہ یہ طرز تحریر جس میں نرمی کا پہلو غالب ہو بالآخر زیادہ مفید نتائج پیدا کرنے والی ہوگی"[۲۱۲]۔

افسوس جہاں جماعت احمدیہ قادیان نے اس معاہدہ کی پوری پوری پابندی کی وہاں "پیغام صلح" اپنے گزشتہ طریق کے مطابق پھر ذاتی حملوں پر اتر آیا۔ حتیٰ کہ "سیرت النبیؐ" کے جلسوں کی محض اس وجہ سے مخالفت کی کہ اس کی تحریک قادیان سے اٹھی تھی۔ نیز لکھا "کہ ان (مراد حضرت خلیفہ ثانی۔ ناقل) کا اختیار ہے کہ وہ جو چاہیں کریں۔ صلح کریں یا جنگ کریں۔ ہم دونوں حالتوں میں ان کے عقائد کے خلاف جو اسلام میں خطرناک تفرقہ پیدا کرنے والے ہیں۔ ہر حال میں جنگ کریں گے"[۲۱۳]۔

معاہدہ کی خلاف ورزی پر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے اس بات کی تحقیق کے لئے کہ معاہدہ کی خلاف ورزی کس فریق نے کی ہے ایک ثالثی بورڈ کی تجویز فرمائی اور اعلان کیا کہ اگر یہ بورڈ فیصلہ کر دے کہ میری طرف سے زیادتی ہوئی ہے تو میں علی الاعلان معافی مانگوں گا۔ اور اگر یہ فیصلہ ہو کہ مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے زیادتی ہوئی ہے تو وہ اقرار کریں کہ معافی مانگیں گے۔ اسی طرح اگر بورڈ کا فیصلہ یہ ہو کہ ہماری اخباروں نے معاہدہ توڑا۔ تو ہماری اخباریں بھی معافی مانگیں گی۔ اور اگر "پیغام صلح" کا قصور ثابت ہو تو پیغام صلح کو معافی طلب کرنا پڑے گی[۲۱۴]۔ مگر مولوی محمد علی صاحب نے یہ آسان طریق قبول نہ کیا۔

مسجد فضل لنڈن کا افتتاح

یہ ذکر گزر چکا ہے کہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے ۱۹۲۴ء میں اپنے سفر ولایت کے دوارن میں مسجد لنڈن کی بنیاد رکھی تھی۔ مگر چونکہ اس وقت بعض ضروری سامان مہیا نہ ہو سکے تھے۔ اس لئے مسجد کی بقیہ تعمیر کچھ عرصہ تک ملتوی رہی۔ بالآخر ۱۹۲۵ء میں اس کا کام شروع کیا گیا اور ۱۹۲۶ء میں یہ خدا کا گھر اپنی تکمیل کو پہنچا۔ اس وقت مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے نے (جو دارالتبلیغ لنڈن کے انچارج تھے) حضرت خلیفتہ المسیح کی ہدایت کے ماتحت بادشاہ فیصل ملک عراق سے درخواست کی وہ اپنے لڑکے شہزادہ زید کو اجازت دیں کہ وہ ہماری مسجد کا افتتاح کریں اور جب اس کے جلد بعد شاہ عراق خود یورپ گئے تو ان سے تحریک کی گئی کہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ خود مسجد کے افتتاح کے لئے تشریف لاویں۔ مگر انہوں نے اس درخواست کو ٹال دیا اس کے بعد سلطان ابن سعود ملک حجاز کی خدمت میں تار دی گئی کہ وہ اپنے کسی صاحبزادہ کو اس کام کے لئے مقرر فرمائیں اور انہوں نے تار کے ذریعہ اس درخواست کو منظور کیا اور اپنے ایک فرزند شہزادہ فیصل (موجودہ شاہ حجاز) کو اس غرض کے لئے ولایت روانہ کر دیا۔ جب شہزادہ موصوف لنڈن پہنچے تو جماعت احمدیہ لنڈن کے انتظام کے ماتحت ان کا شاندار استقبال کیا گیا اور

اخباروں میں دھوم مچ گئی کہ وہ مسجد لنڈن کے افتتاح کے لئے تشریف لائے ہیں۔ مگر اس کے بعد ایسے پراسرار حالات پیدا ہونے لگے کہ شہزادہ فیصل برملا انکار کرنے کے بغیر پیچھے ہٹنا شروع ہو گئے۔ اور گو آخر وقت تک انہوں نے انکار نہیں کیا۔ مگر عملاً تشریف بھی نہیں لائے۔ ان کو متامل دیکھ کر درد صاحب نے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی سے بذریعہ تار اجازت لے رکھی تھی کہ اگر وہ نہ آئیں تو سرشیخ عبدالقادر صاحب مسجد کا افتتاح کر دیں۔ چنانچہ جب شہزادہ فیصل صاحب نہ پہنچے تو سر عبدالقادر صاحب نے ۳ر اکتوبر ۱۹۲۶ء کو مسجد کا افتتاح کر دیا۔ جو ان ایام میں لیگ آف نیشنز میں شرکت کے لئے ہندوستان کے نمائندہ کی حیثیت میں ولایت گئے ہوئے تھے۔ مگر شہزادہ فیصل کی آمد آمد کا ولایت کے اخباروں میں اس قدر کثرت کے ساتھ چرچا ہو چکا تھا کہ لوگوں نے ان کے نہ آنے کو بہت اچنبھا سمجھا۔ اور واقف کار لوگ تاڑ گئے کہ اس عملی انکار کے پیچھے اصل راز کیا مخفی ہے۔ یہ راز یہی تھا کہ بعض مسلم اور غیر مسلم حلقوں نے یہ بات دیکھ کر کہ جماعت احمدیہ زیادہ اہمیت اختیار کر رہی ہے سلطان ابن سعود کو بہکا دیا تھا کہ ان کے صاحبزادہ صاحب مسجد احمدیہ کی افتتاحی رسم سے مجتنب رہیں اور ان کے دل میں یہ خیال بھی پیدا کر دیا تھا کہ چونکہ مسلمان علماء کا ایک معتد بہ حصہ جماعت احمدیہ کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا اس لئے احمدیہ مسجد کے افتتاح میں شہزادہ فیصل کی شرکت سے اسلامی ممالک میں سلطان کے متعلق برا اثر پیدا ہو گا۔ بہرحال خواہ اصل وجہ کچھ بھی ہو۔ شہزادہ فیصل کی شرکت سے جو فائدہ جماعت احمدیہ کو حاصل ہو سکتا تھا۔ وہ پھر بھی ہو گیا اور وہ یہ کہ ولایت کے اخباروں میں نہایت کثرت کے ساتھ مسجد احمدیہ اور جماعت احمدیہ کی شہرت ہو گئی۔ بلکہ ابتدائی اقرار اور بعد کے انکار نے اس شہرت کو اور بھی نمایاں کر دیا [۲۱۵]۔

مسجد لنڈن کے افتتاح کی تقریب پر انگلستان، مصر اور ہندوستان کے پریس نے نمایاں خبریں شائع کیں۔ بطور نمونہ صرف برطانوی اخبارات کے چند اقتباسات درج کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ "ڈیلی کرانیکل" مورخہ ۴/ اکتوبر ۱۹۲۶ء نے لکھا۔

"مشرق و مغرب کا ایسا عجیب اور دلفریب ملاپ شاذ و نادر کبھی ہوا ہو۔ جیسا کہ دیکھنے میں آیا۔ جبکہ لنڈن کی لمبی تاریخ میں پہلی مرتبہ مسلمانوں کی اذان سؤتھ فیلڈ کے چمکدار مناروں سے سنائی دی...... عربی شہزادہ کی غیر حاضری میں لنڈن کی پہلی مسجد کا افتتاح شیخ عبدالقادر صاحب سابق وزیر پنجاب اور حال نمائندہ لیگ آف نیشنز نے کیا...... تقریروں کے ختم ہوتے ہی مناروں سے مؤذن کی دل سوز آواز مومنین کو نماز کے بلانے کے لئے سنائی دی [۲۱۶]۔

۲۔ "سؤتھ ویلز نیوز" مورخہ ۴/ اکتوبر ۱۹۲۶ء نے لکھا۔

"لنڈن نے کل ایک ایسے نظارہ کو دیکھا جسے اس نے اپنی طویل تاریخ میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سؤتھ فیلڈ واقع لنڈن میں مسلمانوں کی پہلی مسجد رحیم خدا کے نام کے ساتھ کھولی گئی...... مسجد کے افتتاح سے پہلے امام مسجد نے احمدیہ فرقہ کے امام کی طرف سے ایک پیغام سنایا جس میں ہز ہولی نس نے یہ فرمایا کہ

"مسجد کا وجود اس عظیم الشان نیکی کا معاوضہ ہے جو مغرب نے ہماری گہری نیند کے زمانہ میں ہمارے لئے علوم کی مشعل کو روشن کرنے سے کی ہے انہوں نے عیسائیوں سے یہ اپیل کی ہے کہ وہ اسلام کو دشمنی کی نظر سے نہ دیکھیں کیونکہ اسلام عیسائیت کو اس نظر سے نہیں دیکھتا۔ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بڑا اور سچا نبی مانتے ہیں۔ مجمع میں بہت سے اکابرین شامل تھے" ۲۱۷۔

۳۔ "ناردرن ایکو" مورخہ ۴/ اکتوبر ۱۹۲۶ء نے لکھا۔

"آنریبل شیخ نے اپنے ایڈریس کے دوران میں کہا کہ وہ ظاہری رسومات کے مؤید نہیں لیکن چونکہ ظاہری رسومات سے اشاعت و شہرت ہوتی ہے لہذا ہم ان کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔ مسجد چونکہ اسلامی تحریک کا آغاز ہے۔ اس لئے اگر اس کی شہرت نہ ہوئی تو یہ محض گمنامی میں رہے گی۔ یہ شہرت افتتاحی رسومات کی اشاعت سے حاصل ہوگی۔ میں احمدیہ فرقہ کا ممبر نہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اسلام کے بعض بڑے اور پرانے فرقے اس فرقہ کو پسند نہیں کرتے اور امیر کی ممانعت کی بھی یہی وجہ ہے اس مسجد کے کام کو فرقہ وارانہ نظر سے نہیں جانچنا چاہئے۔ اسلام کو مغربی قوموں کے سامنے اصلی معنوں میں پیش کرنے کے کام کے سامنے فرقہ بندی ہیچ ہے اسی رائے کو لے کر میں اس مجمع میں شامل ہوا ہوں" ۲۱۸۔

برطانوی اخبارات کی آراء کے بعد انگلستان کے بعض پادریوں کا ردعمل بھی بتانا ضروری ہے۔ جنہوں نے نہ صرف تقریب افتتاح پر شامل ہونے سے انکار کیا بلکہ مسجد کی مخالفت کی۔ چنانچہ آرچ بشپ آف کنٹربری (انگلستان کے سب سے بڑے پروٹسٹنٹ پادری) نے دعوتی رقعہ کے جواب میں لکھا۔ "آپ آسانی سے یہ بات سمجھ لیں گے کہ میرے لئے مسلمانوں کی کسی تقریب میں شامل ہونا موزوں نہ ہوگا"

اس طرح رومن کیتھولک کے سب سے بڑے پادری نے جواب دیا کہ "آپ جانتے ہیں کہ ہم کسی اور مذہب کی عبادت میں شمولیت اختیار نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارا یقین ہے کہ ایمان عبادت پر مقدم ہے"۔

لاٹ پادری صاحب کی خدمت میں لکھا گیا کہ ہم نے آپ کو عبادت میں شریک کرنے کے لئے

نہیں بلایا بلکہ تقریب افتتاح میں شامل ہونے کی دعوت دی ہے۔ مگر انہوں نے آنے سے معذوری ظاہر کر دی۔

مسیحیوں کے ایک فرقہ کے اخبار "پرسٹ ٹائمز" نے لکھا۔

"اس مسجد کی تعمیر ایک چیلنج سمجھنا چاہئے مغرب اب تک مشرق کو مذہباً اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ مگر افسوس کہ اس نے اپنی طاقت کو اپنے گھر میں ہی کمزور کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب مشرق بھی مغرب کی طرف دیکھنے لگا ہے۔ اب مسلمانوں کی اذان کا نعرہ اس سرزمین میں سنایا جانے والا ہے"۔ اس کے بعد اس اخبار نے پادریوں پر اعتراض کیا جو افتتاح میں شریک ہوئے تھے اور متنبہ کیا کہ اگر عیسائیت کا کوئی حقیقی دشمن ہے تو وہ اسلام ہی ہے۔

اسی طرح مسٹر لارنس نے کلکٹن میں ایک بحث کے دوران میں اس امر پر بہت حیرت کا اظہار کیا کہ انگلستان کی تمام مسیحی جماعتوں نے کیوں متحد ہو کر ایسا مقابلہ نہ کیا کہ اس سرزمین پر یہ مسجد تعمیر ہی نہ ہو سکتی" [۲۱۹]۔

"انجمن انصار اللہ" کا قیام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے نومبر ۱۹۲۶ء میں احمدی بچوں اور نوجوانوں کی تربیت کے لئے "انصار اللہ" کے نام سے ایک نئی انجمن قائم فرمائی۔

اس انجمن میں زیادہ تر طالب علم شامل تھے۔ مدرسہ احمدیہ اور ہائی سکول کے طلباء مع اساتذہ مختلف گروپوں کی صورت میں عصر کی نماز کے بعد مدرسہ احمدیہ کے صحن میں اکٹھے ہوتے اور حضور ممبروں کو خود ہدایات دیتے تھے [۲۲۰]۔ اس انجمن کا پہلا اجلاس ۵/ نومبر ۱۹۲۶ء کو منعقد ہوا۔ جس میں حضور نے "انصار اللہ" کے ہر ممبر کا فرض قرار دیا کہ اسے آیۃ الکرسی اور تین آخری سورتیں یاد ہونی چاہئیں اور اس کے پاس تین کتابیں ضرور ہونی چاہئیں۔ (۱) قرآن مجید (۲) کشتی نوح (۳) ریاض الصالحین [۲۲۱]۔

انجمن کے ممبروں کو حضور نے وقتاً فوقتاً جو نصائح فرمائیں ان میں تہجد، خوش اخلاقی، استقلال، یکسوئی، السلام علیکم کی ترویج پر آپ نے خاص طور پر زور دیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد پر دونوں سکولوں کے طلباء نے اپنے اپنے نمائندوں کا بھی انتخاب کیا۔ چنانچہ مدرسہ احمدیہ کے بچوں نے پہلے سال کے لئے صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو اور تعلیم الاسلام ہائی سکول کے مرزا منصور احمد صاحب کو اپنا نمائندہ منتخب کیا [۲۲۲]۔

اس انجمن نے اپنے ممبروں میں بہت تھوڑے عرصہ میں نمایاں تبدیلی پیدا کر دی اور ان میں سے

اکثر تہجد پڑھنے لگے [۲۲۳]۔ انجمن انصار اللہ کے طالب علموں میں ان کا ایک "اسلامی سیونگ بینک" بھی قائم فرمایا۔ جس کی مثال پیش کرتے ہوئے حضور نے مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر "پیسہ اخبار" لاہور کو ملاقات میں بتایا کہ مسلمانوں کی اقتصادی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ ایسے مسلم بینک کھولے جائیں جن میں سود کا شائبہ تک نہ ہو [۲۲۴]۔

انگریزی اخبار "سن رائز" کا اجراء

خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدی جماعت بیرونی ممالک میں روز بروز بڑھ رہی تھی اور تربیتی اور تبلیغی ضروریات کا تقاضا تھا کہ مرکز سے ایک ایسا انگریزی اخبار جاری کیا جائے جو ایک طرف دنیا میں پھیلی ہوئی جماعتوں کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ہدایات و خطبات اور مرکزی تحریکات سے آگاہ رکھے۔ اور دوسری طرف غیروں میں اسلام و احمدیت کی اشاعت کرے۔ ان اغراض و مقاصد کے پیش نظر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایک پندرہ روزہ انگریزی اخبار جاری کرنے کی ہدایت فرمائی اور اس کا نام "سن رائز" رکھا [۲۲۵]۔

اخبار "سن رائز" مولوی محمد الدین صاحب بی۔ اے (مبلغ امریکہ) کی زیر ادارت دسمبر ۱۹۲۶ء میں جاری ہوا [۲۲۶]۔ وسط ۱۹۲۸ء میں ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے آپ کے دور میں اخبار کا علمی معیار بھی بلند ہوا اور اس کی اشاعت میں بھی اضافہ ہوا۔ یکم ستمبر ۱۹۳۰ء سے اسے ہفتہ وار کر دیا گیا [۲۲۷]۔ مارچ ۱۹۳۴ء میں اخبار لاہور (فلیمنگ روڈ) میں منتقل ہو کر مسٹر مجید ملک ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا۔ مگر جلد ہی بند ہو گیا اور اس کا دوبارہ اجراء قاضی عبد المجید صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی کے ذریعہ ہوا اور آپ نے عرصہ تک بڑی محنت اور توجہ سے یہ کام انجام دیا۔ تقسیم ملک کے بعد یہ اخبار بعض واقفین کے زیر ادارت شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۵۰ء کے شروع میں مکرم نسیم سیفی صاحب اس کے انچارج مقرر ہوئے۔ اور ماہ اکتوبر ۱۹۵۰ء میں ان کے نائیجیریا تبلیغ اسلام کے لئے جانے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی کی موجودگی میں اس کی ضرورت نہیں لہذا اسے بند کر دیا جائے۔

"سن رائز" نے قریباً ربع صدی تک نہ صرف جماعت احمدیہ کی تربیتی اور تبلیغی ضروریات پوری کی ہیں بلکہ دوسرے مسلمانوں کی سیاسی تحریکات میں بھی نمایاں حصہ لیا ہے [۲۲۸]۔

اخبار "مصباح" کا اجراء

احمدی خواتین کے لئے ۱۵/ دسمبر ۱۹۲۶ء کو اخبار "مصباح" جاری ہوا۔ جس کے پہلے ایڈیٹر حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل مقرر ہوئے اس کا ذکر "لجنہ اماء اللہ" کے حالات (۱۹۲۳ء) میں آچکا ہے۔ اس کے اعادہ کی

ضرورت نہیں۔

سوامی شردھانند صاحب کا قتل اور حضرت مسیح موعود کی ایک پیشگوئی کا ظہور

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۲/ اپریل ۱۸۹۳ء کو کشف دیکھا کہ "میں ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہوا ہوں اور چند دوست بھی میرے پاس موجود ہیں اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا اس کے چہرے پر سے خون ٹپکتا ہے میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک نئی خلقت اور شمائل کا شخص ہے گویا انسان نہیں ملائک شداد غلاظ میں سے ہے۔ اور اس کی ہیبت دلوں پر طاری تھی اور میں اس کو دیکھتا ہی تھا کہ اس نے مجھ سے پوچھا کہ لیکھرام کہاں ہے اور ایک اور شخص کا نام لیا کہ وہ کہاں ہے۔ تب میں نے اس وقت سمجھ لیا کہ یہ شخص لیکھرام اور دوسرے شخص کی سزادہی کے لئے مامور کیا گیا ہے۔ مگر مجھے معلوم نہیں رہا کہ وہ دوسرا شخص کون ہے" [۲۲۹]؟

اس کشف کی وضاحت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتاب "حقیقتہ الوحی" میں تحریر فرمایا۔

"اب تک مجھے معلوم نہیں کہ وہ اور شخص کون ہے اس فرشتہ خونی نے اس کا نام تو لیا مگر مجھے یاد نہ رہا۔ کاش اگر مجھے یاد ہوتا تو اسے میں متنبہ کرتا۔ تا اگر ہو سکتا تو میں اسے وعظ و نصیحت سے توبہ کی طرف مائل کرتا لیکن قرآئن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص بھی لیکھرام کا روپ یا یوں کہو کہ اس کا بروز ہے اور توہین اور گالیاں دینے میں اس کا مثیل ہے۔ واللہ اعلم" [۲۳۰]۔

یہ عظیم الشان پیشگوئی ۲۳/ دسمبر ۱۹۲۶ء کو پوری ہوئی جب کہ شدھی تحریک کے علمبردار اور لیکھرام کے مثیل (منشی رام) سوامی شردھانند صاحب ایک مسلمان عبدالرشید خوشنویس کے ہاتھوں دہلی میں قتل ہو گئے۔ سوامی شردھانند کا لیکھرام ثانی ہونا خود آریہ سماجی حلقوں نے تسلیم کیا۔ چنانچہ روزنامہ "تیج" (۲۵/ دسمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۲) نے لکھا۔

"ہمیں .... وہ نظارہ نہیں بھولتا۔ جب پنڈت لیکھرام کے بلیدان کے سماچار سنتے ہی شریمان مہاتما منشی رام جی جالندھر سے لاہور آئے اور پنڈت لیکھرام کی شہادت کے متعلق سب کام اپنے ہاتھ میں لے کر آریہ جنتا کو دھرم پر درڑ (پختہ) رہنے کا اپدیش دیا" [۲۳۱]۔

اسی اخبار نے ۲۷/ دسمبر ۱۹۲۶ء کو شائع کیا کہ۔

" سوامی جی لیکھرام ثانی تھے ...... سوامی شردھانند جی ایک افضل اور برگزیدہ ترین آریہ سماجی نیتا تھے۔ لاہور میں سورگیہ پنڈت لیکھرام جی آریہ مسافر کی شہادت کے پورے بیس سال بعد دہلی میں

بزدل مذہبی دیوانے سفاک مسلمانوں کے ہاتھوں سوامی جی کا اس طرح جام شہادت پینا ایک دلدوز روح فرسا حادثہ ہے"[۲۲۲]۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کا تبصرہ سوامی شردھانند کے قتل پر

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے سوامی شردھانند کے واقعہ قتل پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ "یہ واقعہ کئی لحاظ سے اہم ہے ایک تو شردھانند صاحب آریوں اور پولٹیکل جماعتوں کے لیڈر سمجھے جاتے تھے دوسرے وہ ایک ہی ہندو تھے جن کو مسجد میں منبر پر چڑھا کر جہاں خدا کا کلام پڑھا جاتا اور سنایا جاتا ہے مسلمانوں نے ان کی تقریر کرائی اور جس کو اس لئے مسجد میں منبر پر کھڑا کیا گیا کہ اس کے ذریعہ سے ہندو مسلمانوں میں اتحاد ہو پانچ سال بعد اسی قوم کا فرد اسے قتل کرتا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ اس قتل کے نتیجہ میں وہ سیدھا جنت میں چلا جائے گا......... تیسرے اس لحاظ سے یہ واقعہ اپنے اندر اہمیت رکھتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی کے مطابق ہے۔ (آگے حضور نے اس کی تفصیل پر روشنی ڈالنے کے بعد فرمایا) گو یہ پیشگوئی کے مطابق ہوا لیکن یہ صحیح نہیں کہ جو بات پیشگوئی کے مطابق ہو وہ ضرور اچھی ہوتی ہے۔ مثلاً یہ پیشگوئی ہے کہ نبی کی مخالفت ہو گی۔ اس پر استہزاء کیا جائے گا لیکن باوجود اس کے اس کی مخالفت اور استہزاء اچھی بات نہیں۔ پھر یہ بھی پیشگوئی ہوتی ہے کہ فلاں شخص دین کی راہ میں مارا جائے گا اور ایک شخص کے ناحق مارے جانے کی خبر دی جاتی ہے۔ بہرحال اس فعل کے اندر بعض بھیانک باتیں جن کے باعث ہم اظہار نفرت کئے بغیر نہیں رہ سکتے.....جو قوم اس لئے مارتی ہے کہ اس کے مذہب پر لوگ حملہ کرتے ہیں وہ گویا ثابت کرتی ہے کہ اس کا مذہب تلوار کا محتاج ہے...... لیکن اسلام کی اشاعت تلوار سے نہیں ہوئی ہے جو شخص اسلام کے لئے تلوار اٹھاتا ہے وہ اسلام کا دشمن ہے۔ اس لئے ہم اس فعل کی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے نہایت حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس نے قوم اور ملک کے امن کو برباد کر دیا ہے اور دین اسلام کو بدنام کر دیا ہے"[۲۲۳]۔

پنڈت شردھانند کے قتل سے اسلام جیسے پر امن اور صلح و آشتی کے علمبردار مذہب کو کتنا بدنام کیا گیا اس کا اندازہ لگانے کے لئے صرف یہ بتانا کافی ہے کہ مسٹر گاندھی نے جو "ہندو مسلم اتحاد" کے سب سے زبردست حامی لیڈر سمجھے جاتے تھے کہا۔ "اسلام ایسے ماحول میں پیدا ہوا ہے جس کی فیصلہ کن طاقت پہلے بھی تلوار تھی اور آج بھی تلوار ہے"[۲۲۴]۔

"حق الیقین" کی تصنیف و اشاعت

اس سال حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے "حق الیقین" کے نام سے ایک اہم تصنیف شائع فرمائی جو "ہفوات

المسلمین" کتاب کے جواب میں تھی۔ اس کتاب میں حضور نے مخالفین اسلام کے احادیث پر اعتراضات کے جواب اور احادیث کے فوائد میں نہایت مفید معلومات جمع کردی ہیں۔

ہندو مسلم اتحاد سے متعلق وائسرائے ہند کے نام مکتوب

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے دسمبر ۱۹۲۶ء میں وائسرائے ہند لارڈ ارون کے نام ایک طویل مکتوب لکھا۔ جس میں ملک کے سیاسی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے ہندو مسلم کشیدگی اور منافرت کے ازالہ کے بارے میں نہایت اہم تجاویز رکھیں یہ خط "مسلم آؤٹ لک" (دسمبر ۱۹۲۶ء) کی متعدد قسطوں میں چھپنے کے علاوہ رسالہ کی صورت میں بھی شائع ہو گیا۔ جسے لنڈن کے سیاسی حلقوں اور ہندوستان سے دلچسپی رکھنے والے مدبروں نے بڑے شوق اور دلچسپی سے پڑھا اور ہندو مسلم اتحاد کی گتھی سلجھانے کے لئے اسے ایک اہم اور مفید دستاویز قرار دیا[۲۲۵]۔

ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم میدان مناظرہ میں

اس سال ایک پرجوش احمدی طالب علم نے میدان مناظرہ میں قدم رکھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس میدان کا شہسوار بن گیا اور اپنی علمی خدمات کی بناء پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے خالد کا لقب پایا۔ ہماری مراد ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتی سے ہے جنہوں نے ۱۹۲۶ء میں (جبکہ آپ کی عمر صرف سولہ سال کی تھی اور آپ میٹرک میں تعلیم پاتے تھے) سیالکوٹ کے ایک غیر احمدی عالم سے پہلا مناظرہ کیا[۲۲۶]۔

ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم اپنی وفات تک (جو ۳۱/ دسمبر ۱۹۵۷ء کو بمقام لاہور ہوئی) لسانی و قلمی جہاد میں مصروف رہے۔ اور ناقابل فراموش خدمات انجام دیں جیسا کہ آئندہ اپنے اپنے مقام پر ذکر آئے گا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ ابتداء میں آپ کی شہرت مناظروں سے ہی ہوئی۔ حالانکہ آپ نے کسی دینی درسگاہ میں کوئی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ان کی اس خصوصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا کہ۔

"خادم صاحب مرحوم گجرات صوبہ پنجاب کے رہنے والے تھے اور کسی ایسے خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ جس میں علمی تبحر اور تبلیغی ذوق و شوق کی کوئی خاص روایات پائی جاتی ہیں۔ بلکہ خود ملک صاحب مرحوم نے بھی کسی دینی درسگاہ میں تعلیم نہیں پائی اور نہ کسی عالم دین کی باقاعدہ شاگردی اختیار کر کے دین کا علم سیکھا ان کی درسی اور عرفی تحصیل علم صرف اس قدر تھی کہ انگریزی کالجوں کی فضا میں بی۔ اے پاس کر کے وکالت کا امتحان دیا اور پھر بظاہر ساری عمر عدالتوں میں گشت لگا کر اپنی

روزی کماتے رہے مگر باوجود اس کے خادم صاحب مرحوم نے محض اپنے ذاتی شوق اور ذاتی مطالعہ کے نتیجہ میں وہ کمال پیدا کیا کہ جہاں تک مذہبی مباحثہ اور اس میدان کے علمی حوالہ جات کا تعلق ہے وہ جماعت احمدیہ کے کسی موجودہ عالم سے کم نہیں تھے بلکہ مناظرات میں جوابوں کی فراوانی اور برجستگی میں انہیں گویا ایک جیتی جاگتی انسائیکلوپیڈیا کہنا چاہئے۔ ہر اعتراض کا جواب ان کی زبان پر تیار کھڑا ہوتا تھا۔ ہر ضروری حوالہ ان کے منہ سے اس طرح نکلتا تھا جس طرح ٹکسال کی مشین سے سکے بن بن کر نکلتے ہیں۔ اور جیسا کہ میں نے کہا ہے یہ سب کچھ کسی درسی تعلیم کا نتیجہ نہیں تھا۔ بلکہ محض ذاتی شوق اور ذاتی مطالعہ کا نتیجہ تھا۔ جس نے ان کو مذہبی مناظرین کی صف اول میں لا کھڑا کیا تھا" ۲۲۷۔

دو بزرگ ہستیوں کا انتقال

جیسا کہ آگے ذکر آ رہا ہے اس سال کئی بزرگ انتقال فرما گئے جن میں سے حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب ۲۲۸ الف اور حضرت چودھری نصر اللہ خان صاحب ۲۲۸ ب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے سالانہ جلسہ ۱۹۲۶ء کے موقعہ پر حضرت ڈاکٹر صاحب اور حضرت چودھری صاحب کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا۔

"اس دفعہ ہمارے سلسلہ میں سے چند دوست ہم سے جدا ہو گئے جن کے ساتھ بعض خصوصیات وابستہ تھیں۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب تھے انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے زمانہ میں قبول کیا جبکہ چاروں طرف مخالفت زوروں پر تھی اور پھر طالب علمی کے زمانہ میں قبول کیا اور مولویوں کے گھرانہ میں قبول کیا....... جب انہوں نے ایک دوست سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ سنا تو آپ نے سنتے ہی فرمایا کہ اتنے بڑے دعویٰ کا شخص جھوٹا نہیں ہو سکتا اور آپ نے بہت جلد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کر لی۔ حضرت صاحب نے ان کا نام اپنے بارہ حواریوں میں لکھا ہے اور ان کی مالی قربانیاں اس حد تک بڑھی ہوئی ہیں کہ حضرت صاحب نے ان کو تحریری سند دی کہ آپ نے سلسلہ کے لئے اس قدر مالی قربانی کی ہے کہ آئندہ آپ کو قربانی کی ضرورت نہیں"۔

"دوسرے دوست چودھری نصر اللہ خان صاحب تھے جو گو اتنے پرانے نہ تھے لیکن سلسلہ کی خدمات میں بہت آگے نکل گئے تھے میں نے جب ایک دفعہ اعلان کیا کہ سلسلہ کے لئے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو دین کی خدمت کے لئے اپنے اوقات کو وقف کریں تو سب سے پہلے لبیک کہنے والے چودھری صاحب ہی تھے جو ادب اور احترام ان میں تھا وہ بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہے کامیاب وکیل تھے۔ صاحب جائیداد تھے زمین کافی تھی۔ اس لئے یہاں آزادی سے گزارہ کرتے تھے مگر ان کی

فرمانبرداری کو دیکھا ہے کہ گزارہ لینے والوں میں بھی وہ فرمانبرداری نہیں نظر آتی .... ایک پرانا خادم سلسلہ ہم سے اٹھ گیا۔ آئندہ نسلوں کی یاد کے لئے اور انہیں بتانے کے لئے کہ ہم میں ایسے مخلص موجود ہیں۔ یہ چند کلمات کہے ہیں تا دوسروں کو بھی تحریک ہو اور کام کرکے دکھائیں۔ دینی خدمات میں ان کی طرح حصہ لیں" [۲۲۹]۔

۱۹۲۶ء کے متفرق مگر اہم واقعات

۱۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے حرم ثالث (حضرت سیدہ مریم بیگم صاحبہ بنت حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب) کے بطن سے صاحبزادی امتہ الباسط صاحبہ پیدا ہوئیں [۲۳۰]۔

۲۔ جنوری ۱۹۲۶ء کے آغاز میں قادیان کے تار گھر کا افتتاح ہوا۔ تار برقی کے آلات نصب ہونے کے بعد سب سے پہلا تار حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا۔ جو ہندوستان کی بعض مشہور جماعتوں کے نام تھا۔ تار کے الفاظ یہ تھے۔

"خدا تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مرکز قادیان میں تار برقی آجانے کے سبب قادیان کا تعلق بیرونی دنیا کے ساتھ قائم ہو گیا ہے۔ تار کا یہاں آنا بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان پیشگوئیوں کا پورا ہونا ہے۔ جو آپ نے قادیان کی ترقی اور معموری کے لئے فرمائیں۔ میں اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتا ہوا تمام ان شخصوں کو جو احمدی کہلاتے ہیں نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اسلام کو دنیا میں پھیلانے اور اس مقصد وحید کو بہت جلدی پورا کرنے کے لئے اپنی تمام تر کوششوں اور ہمتوں کو صرف کرنے میں مشغول ہو جائیں کہ جس کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں مبعوث فرمایا"۔ خلیفتہ المسیح [۲۳۱]۔

۳۔ سیالکوٹ میں احمدیوں کی جامع مسجد کبوتراں والی مسجد کے نام سے مشہور ہے غیر احمدی اصحاب نے اس سے احمدیوں کو بے دخل کرنا چاہا۔ آخر عدالت میں چارہ جوئی کی گئی۔ عدالت نے ۲۲ / فروری ۱۹۲۶ء کو فیصلہ سنایا جس میں مسجد پر احمدیوں کا قبضہ تسلیم کیا گیا [۲۳۲]۔

۴۔ ۱۸ / جون ۱۹۲۶ء کو سونگھڑہ (کٹک) کی مسجد کا افتتاح ہوا۔ جو بنگال، بہار اور اڑیسہ میں پہلی احمدیہ مسجد تھی [۲۳۳]۔

۵۔ اس سال اللہ تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ کو سیاسی رنگ میں بھی ایک عظمت اور قوت حاصل ہوئی وہ یہ کہ پنجاب کونسل کے انتخابات کے سلسلہ میں بعض بڑے بڑے مسلمان لیڈر خود حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خدا کے فضل سے ایک مسلمان ممبر کے سوا باقی سب مسلمان جن کی تعداد ۱۶ تھی اور جن کی جماعت احمدیہ نے تائید کی تھی انتخاب میں

جیت گئے [۲۴۴] - کامیاب ہونے والے مسلمانوں میں چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب بیرسٹرایٹ لاء لاہور- پیر اکبر علی صاحب وکیل فیروز پور اور نواب سر ذوالفقار خان صاحب (برادر حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ) بھی تھے [۲۴۵]-

۶- ۱۹۲۶ء میں پہلی بار سالانہ جلسہ کے موقعہ پر بڑے بڑے پوسٹر شائع کئے گئے [۲۴۶] - جن میں سالانہ جلسہ کا اعلان اور پروگرام درج تھا- جلسہ ۱۹۲۶ء کو یہ بھی خصوصیت حاصل ہوئی کہ مہمانوں کو بٹالہ سے قادیان تک پہنچانے کے لئے پہلی بار موٹروں کا انتظام کیا گیا [۲۴۷]-

۷- اس سال حضرت مولوی زین الدین صاحب آف بمبئی- حضرت مولوی سید عبدالواحد صاحب بنگالی' حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی- حضرت حاجی احمد اللہ صاحب اور حضرت صوفی غلام محمد صاحب نقل نویس امرتسری انتقال فرما گئے [۲۴۸]-

۸- مرکز کی طرف سے شائع ہونے والے رسالوں اور اخباروں کا سلسلہ خدا کے فضل سے وسیع ہو رہا تھا اس لئے ایک نئے صیغہ "طبع و اشاعت" کا قیام ہوا۔ جس کے سب سے پہلے مہتمم طبع و اشاعت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل مقرر کئے گئے [۲۴۹]-

۹- مشہور مباحثے: مناظرہ گوجرانوالہ [۲۵۰] (مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی اور ثناء اللہ صاحب کے درمیان) مناظرہ ماہل پور [۲۵۱] (مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی اور مولوی محمد شیث صاحب جو دت رام پوری کے درمیان) مناظرہ پٹی ضلع لاہور [۲۵۲] (مولانا ابوالعطاء صاحب اور اہلحدیث عالم مولوی عبدالرحیم صاحب لکھو والے) مناظرہ لائل پور (قاضی محمد نذیر صاحب فاضل اور راج نرائن صاحب گمسٹ شاستری کے درمیان [۲۵۳]) مناظرہ سٹھیالی ضلع گورداسپور [۲۵۴] (مولوی قمرالدین صاحب فاضل اور بابو حبیب اللہ صاحب امرتسری کلرک محکمہ انہار) مناظرہ بٹالہ [۲۵۵] (حضرت میر قاسم علی صاحب و مولانا ابوالعطاء صاحب نے آریہ دھرم بھکشو صاحب سے کیا) مناظرہ قصور [۲۵۶] (حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی اور پادری عبدالحق صاحب کے درمیان) مناظرہ کمال ڈیرہ علاقہ سندھ [۲۵۷] (حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری اور چار حنفی علماء صاحبان کے درمیان)

۱۰- علماء سلسلہ کی نئی مطبوعات: "الواح الہدیٰ"- "ترجمہ ریاض الصالحین [۲۵۸]" (از حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل) "اسوہ حسنہ" از حضرت میر محمد اسحٰق صاحب- "مجاہد بخارا کی آپ بیتی" حصہ اول (از مولوی ظہور حسین صاحب) "ویدوں کا سربستہ راز" (از مہاشہ فضل حسین صاحب)

چھٹا باب (فصل پنجم)

خلافت ثانیہ کا چودھواں سال

(جنوری ۱۹۲۷ء سے دسمبر ۱۹۲۷ء تک بمطابق جمادی الآخر ۱۳۴۵ھ تا رجب ۱۳۴۶ھ)

۱۹۲۷ء یہ خصوصیت رکھتا ہے کہ اس سال حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی قیادت میں جماعت احمدیہ نے آنحضرت ﷺ کی ناموس و عزت کے تحفظ اور مسلمانان ہند کی ترقی و بہبود کے لئے ایک زبردست تحریک شروع کی جس نے دوسرے مسلمانوں میں بھی نئی زندگی نیا جوش اور نیا ولولہ ان میں پیدا کر دیا اور وہ بھی متحد ہو کر جماعت احمدیہ کے دوش بدوش اسلام کی حفاظت کے لئے تیار ہوئے۔ ایک جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ اس لحاظ سے یہ زمانہ جماعت احمدیہ اور دیگر مسلمانان ہند کی مذہبی اور سیاسی تاریخ کا ایک اہم سنگ میل کہلانے کا مستحق ہے۔

جماعت احمدیہ کو تبلیغی جنگ کیلئے تیار ہونے کا ارشاد

پنڈت شردھانند صاحب کے قتل نے ہندو قوم میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف زبردست آگ لگادی۔ اور پشاور سے لے کر کلکتہ تک کے تمام ہندوؤں نے عزم کر لیا کہ وہ پنڈت شردھانند کا کام بہر کیف جاری رکھیں گے اور اپنی جان اور اپنا مال تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ اس غرض کے لئے ایک "شردھانند میموریل فنڈ" قائم کیا گیا اور ہندو شدھی سبھا نے اپنی سرگرمیاں اور زیادہ تیز کر دیں [۲۵۹]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کے سامنے یہ تشویشناک صورت رکھتے ہوئے بتایا کہ اب اسلام پر جو حملہ ہوگا۔ اس کا دفاع ہمیں کرنا ہوگا۔ چنانچہ حضور نے فرمایا۔

"ہندوستان میں سپین کی طرح کا مشکل وقت اسلام کے لئے آیا ہوا ہے...... یہ جو ہندوؤں کی طرف سے چیلنج دیا گیا ہے اگر احمدی جماعت اس کے جواب کے لئے میدان میں نکل کھڑی ہو تو یقیناً اسلام کی فتح ہے........ پس میں احمدی دوستوں سے کہتا ہوں........ اگر وہ اس جنگ کے لئے تیار ہوں تو .... وہ ایک جان ہو کر مضبوط عزم کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور ایسی بلند آواز اٹھائیں کہ ہر ہندو

کے کان میں وہ پہنچے اور کوئی شخص اس آواز کو دبا نہ سکے" [۲۶۰]۔

مسلمانوں کو اشتراک عمل کی دعوت

اپنی جماعت کو مخاطب کرنے کے بعد حضور نے خواب غفلت میں پڑے ہوئے مسلمانوں کو آنے والے عظیم خطرہ سے ہوشیار اور بیدار کرتے ہوئے اشتراک عمل کی دعوت دی اور فرمایا۔

"وہ آنحضرت ﷺ کی محبت کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم ان کے ہونٹوں سے تو یہ بات نکلتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی محبت ان کے اندر ہے اور پھر ان میں سے بعض تو اسلام کا درد بھی رکھتے ہیں۔ پس جب یہ بات ان میں پائی جاتی ہے تو میں ان الفاظ کا ہی واسطہ دے کر انہیں کہتا ہوں کہ وہ جو آنحضرت ﷺ کی محبت کے الفاظ بولتے ہیں۔ ان کا لحاظ کر کے ہی وہ اس نازک وقت میں اسلام کی مدد کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس وقت یقیناً وہی براہین اور دلائل کارگر ہو سکتے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتائے ہیں مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ گھر کی لڑائی چھوڑ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے"۔

اس سلسلہ میں حضور نے مسلمانان ہند سے تین باتوں کی خواہش کی۔

۱۔ دشمن کے مقابلہ کے وقت ہم آپس میں متحد ہو جائیں اور ایک دوسرے کے مددگار بنیں۔

۲۔ مسلمان اپنے ماحول کے حالات سے باخبر رہیں اور جس جگہ وہ ہندوؤں کے حملہ کا دفاع نہیں کر سکتے وہ ہمیں اطلاع دیں۔ ہم اپنے آدمی بھیج دیں گے۔

۳۔ جہاں جہاں آریوں اور عیسائیوں کا زور ہو۔ وہاں مسلمان تبلیغی جلسے کر کے ہمارے واعظ بلوائیں۔ [۲۶۱]

اس اعلان پر اسلام کا درد رکھنے والا طبقہ احمدی واعظوں کو اپنے جلسوں میں بھی بلانے لگا اور احمدی مسلمان اور غیر احمدی مسلمان دونوں ایک پلیٹ فارم پر اسلام کا دفاع کرنے لگے چنانچہ اس زمانہ کے اخبارات میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں کہ دوسرے مسلمانوں کو جہاں بھی اور جس وقت بھی آریوں یا عیسائیوں کے خلاف جلسہ کرنے یا مناظرے کرنے کی ضرورت پیش آئی احمدی مبلغ دعوت ملتے ہی وہاں بلا تامل پہنچے اور انہوں نے مخالفین اسلام کے دانت کھٹے کر دیئے۔ چنانچہ خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنی کتاب "مسلمان مہارانا" میں اقرار کیا کہ۔

"اگرچہ میں قادیانی عقیدہ کا نہیں ہوں نہ کسی قسم کا میلان میرے دل میں قادیانی جماعت کی طرف ہے۔ لیکن میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ قادیانی جماعت اسلام کے حریفوں کے مقابلہ میں بہت مؤثر اور پُرزور کام کر رہی ہے" [۲۶۲]۔

سید کشفی شاہ نظامی صاحب سیکرٹری پراونشل تنظیم کمیٹی برما نے (حضور کی خدمت میں) لکھا۔

"اس وقت جبکہ اسلام پر ہر طور سے نرغہ ہے اور ہمارے مخالفین نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اسلام کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔ مسلمانوں کو ایسی حالت میں زیر کر لینا آسان امر ہے اور گورنمنٹ کو شاید یہ خیال تھا کہ ہر حالت میں جماعت احمدیہ گورنمنٹ کے فعل پر صاد کرے گی۔ یہ دیکھ کر مجھے کس قدر مسرت حاصل ہوئی ہے کہ آپ نہایت غیرت کے ساتھ اس حملہ کے روکنے میں آگے بڑھے ہیں اور میں مسلمانان برما کی طرف سے بغیر مبارکبادی دیئے ہوئے نہ رہوں گا کہ یقیناً آپ پرجوش مقابلہ کے لئے آمادہ ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ کے مرید بھی آپ کے صحیح جذبات کا اندازہ کرتے ہوئے آپ کے اس کارِ خیر میں اسی اخلاص کے ساتھ کاربند ہوں گے۔ اللھم آمین۔ والسلام" [۲۶۳]۔

جداگانہ نیابت کی تائید

۲۵/ فروری ۱۹۲۷ء کو جماعت احمدیہ کا ایک وفد وائسرائے ہند کو ملا۔ یہ وفد ۲۶ اصحاب پر مشتمل تھا۔ اور اس میں حضرت صاحبزادہ شریف احمد صاحب، حضرت مفتی محمد صادق صاحب، حضرت ذوالفقار علی خان صاحب، چوہدری ظفر اللہ خان صاحب، سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب (سکندر آباد دکن) پیر اکبر علی صاحب ایڈووکیٹ فیروزپور، مرزا ناصر علی صاحب ایڈووکیٹ فیروزپور، مولوی عبدالماجد صاحب بھاگلپوری اور سید بشارت احمد صاحب وکیل ہائیکورٹ حیدرآباد دکن وغیرہ حضرات شامل تھے۔

چودھری ظفر اللہ خان صاحب بیرسٹرایٹ لاء نے وفد کی طرف سے ایڈریس پیش کیا۔ جس میں دوسرے اہم امور کی طرف توجہ دلانے کے علاوہ آپ نے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے سلسلہ میں وائسرائے ہند کی توجہ مبذول کراتے ہوئے کہا۔ "یہ ضروری ہے کہ جب تک کہ قلیل التعداد جماعتیں خود اپنے اس حق کو نہ چھوڑیں۔ انتخابات کونسلہا علیحدہ نیابت اور جداگانہ منتخب کنندگان کے طریق پر جاری رہے" [۲۶۴]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا سفر لاہور

اس سال حضور نے مسلمانان ہند کی راہ نمائی اور دیگر اسلامی مصالح کی غرض سے دو اہم سفر کئے۔ (۱) سفر لاہور (۲۶/ فروری ۱۹۲۷ء [۲۶۵] تا ۵/ مارچ ۱۹۲۷ء [۲۶۶]) (۲) سفر شملہ (۱۳/ اگست ۱۹۲۷ء [۲۶۷] تا ۲/ اکتوبر ۱۹۲۷ء [۲۶۸]) سفر لاہور میں لاہور کے متعدد مشہور مسلمان اخبار نویس اور لیڈر ملاقات کے لئے آئے اور مسلمانوں کی ترقی و بہبود کے سلسلہ میں گفتگو فرماتے رہے۔ آنے والوں میں مولوی سید ممتاز علی صاحب ایڈیٹر اخبار "تہذیب نسواں"۔ مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر "پیسہ اخبار" سید عبدالقادر صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج۔ مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری وکیل [۲۶۹]۔ بشیر احمد

صاحب پروفیسر فارمین کرسچن کالج خاص طور پر قابل ذکر ہیں [۱۷۰]۔ سر شہاب الدین صاحب اور مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری نے حضور کے اعزاز میں دعوت بھی دی۔ ۲۸/ فروری ۱۹۲۷ء کو حضور نے لیجسلیٹو کونسل پنجاب کے اجلاس میں اور یکم مارچ ۱۹۲۷ء کو اسلامی کالج کے جلسہ تقسیم اسناد میں شرکت فرمائی [۱۷۱]۔ ۴/ مارچ ۱۹۲۷ء کو آپ ملک غلام محمد صاحب کی فلور ملز دیکھنے کے لئے قصور تشریف لے گئے جہاں آپ کی ایک تقریر بھی ہوئی [۱۷۲]۔

"ہندو مسلم فسادات' ان کا علاج اور مسلمانوں کا آئندہ طریق عمل"

لاہور میں حضور کے دو لیکچر بھی ہوئے۔ پہلا لیکچر خان بہادر سر محمد شفیع کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کی صدارت میں ۲/ مارچ ۱۹۲۷ء کو بریڈ لاء ہال میں ہوا۔ جس کا عنوان تھا۔ "ہندو مسلم فسادات' ان کا علاج اور مسلمانوں کا آئندہ طریق عمل"۔ اس لیکچر نے پورے ہندوستان کو ہلا دیا اس تقریر کا چرچا ہندو اور مسلم پریس میں خوب ہوا۔ مثلاً اخبار "تنظیم" نے لکھا۔

"امیر جماعت احمدیہ قادیان نے بریڈ لاء ہال لاہور میں ہندو مسلم فسادات کے اسباب و علاج اور مسلمانوں کے آئندہ طرز عمل پر ایک اہم تقریر کی ہے...... آپ نے ہندوؤں اور مسلمانوں سے مذہبی اور سیاسی رواداری اور احترام باہمی کی اپیل کرتے ہوئے اس امر پر زور دیا کہ مسلمانوں کو آپس میں متحد ہو جانا چاہئے۔ ورنہ ان کے لئے اپنا وجود قائم رکھنا بھی دشوار ہو جائے گا۔ آپ کی تجویز ہے کہ مسلمان سیاسی معاملات میں سیاسی اتحاد کو پیش نظر رکھیں اور ان تمام فرقوں کو مسلمان سمجھ لیں جو اسلام کے دعویدار ہیں اور جنہیں غیر مسلم مسلمان کہتے ہیں۔ کیونکہ غیر مسلم کسی فرق و امتیاز کے بغیر تمام مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ تمام فرقوں کے حقوق کا لحاظ رکھیں اور اپنے بچوں کے لئے اس قسم کی تاریخیں لکھیں جن میں سلاطین اسلام کے متعلق صحیح واقعات پیش کئے جائیں اور انہیں معلوم ہو کہ ان کا ماضی کس قدر شاندار تھا" [۱۷۳]۔

لاہور کے ہندو اخبارات میں سے "ملاپ"۔ "پرتاپ"۔ "سوراجیہ" اور "بندے ماترم" نے بھی (اپنی ۴/ مارچ ۱۹۲۷ء کی اشاعتوں میں) اس تقریر کا خلاصہ نمایاں طور پر شائع کیا اور جہاں مسلمانوں نے اس تقریر کو سراہا وہاں ہندو اخبار "ملاپ" نے اس پر تنقید کی۔ چنانچہ "ملاپ" (۴/ مارچ ۱۹۲۷ء) نے خاص طور پر "میرزا محمود احمد صاحب کا تازہ لیکچر" کے عنوان سے لکھا۔

"۲/ مارچ ۱۹۲۷ء کو میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ نے بریڈ لاء ہال لاہور میں "ہندو مسلم فسادات کا علاج اور مسلمانوں کے آئندہ طریق عمل" کے موضوع پر جن خیالات کا

اظہار کیا وہ اسی پرچہ میں آپ کسی دوسری جگہ پڑھیں گے۔ یہ سچ ہے کہ میرزا صاحب کا طرز تقریر معقول اور متین تھا۔ لیکن آپ نے جس طریقہ سے اپنے مضمون کو نبھایا وہ مسلمانوں کے ایک سیاسی مبلغ کی حیثیت سے تھا نہ کہ ایک مذہبی امام کی حیثیت سے........ گو اصولی طور پر تو مرزا صاحب نے فرقہ وارانہ نیابت کے مسئلہ کو لیاقت پر قربان کرنا ہی مناسب سمجھا۔ لیکن جب آپ اپنی تقریر کے اندر تفاصیل میں داخل ہوئے تو آپ نے اس اصول کی بناء پر حمایت کی کہ پس افتادہ اور کمزور اقوام کی ترقی کے لئے یہ امر ضروری ہے لیکن یہ نہ سوچا کہ پس افتادہ اقوام کے لئے تربیت اور درسی تعلیم کی سہولتیں ہی مفید ہو سکتی ہیں لیکن سیاست میں پس افتادہ اقوام کے ہاتھوں عنان اقتدار دینا گاڑی کے پیچھے گھوڑا لگانے کے مترادف ہے۔ ہم پس افتادہ قوم کے بچوں کے لئے تعلیمی سہولتیں بہم پہنچانے کو تو کسی حد تک حق بجانب قرار دے سکتے ہیں لیکن یہ نہیں پسند کر سکتے کہ سروسز لیجسلیچروں اور لوکل باڈیوں میں نااہل اور نیم خواندہ آدمیوں کی قسمتوں کو خراب ہوتا دیکھیں..... اس کے سوائے جس خطرناک پہلو پر میرزا صاحب نے مسلمانوں کو نرالی انگیخت کی وہ ان ہندو تاجروں اور دکانداروں کا بائیکاٹ کرنا تھا جو کہ کھانے پینے کی چیزیں فروخت کرتے ہیں۔ کاش میرزا صاحب اتنا تو سوچتے کہ اس طرح وہ ہندو تجاروں کا بائیکاٹ کرکے افتراق کی خلیج کو محض وسیع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں نہ کہ فساد کو روکنے کی کوئی سبیل بیان فرما رہے ہیں۔ وہ جمہوریہ اسلام کے اندر ایک ایسا نفرت کا جذبہ پیدا کر رہے ہیں۔ جس سے ہندو قدرتاً ناراض ہوں اور یہ سمجھنے لگ پڑیں کہ آنریبل میاں فضل حسین نے سیاسی میدان میں ہندوؤں کو جو ضعف پہنچایا ہے وہی اب میرزا صاحب تجارتی پہلو میں ہندوؤں کو پہنچانا چاہتے ہیں"۔

"مذہب اور سائنس" پر لیکچر

حضور کا دوسرا لیکچر ۳/ مارچ ۱۹۲۷ء کو "مذہب اور سائنس" کے موضوع پر حبیبیہ ہال میں شاعر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کی صدارت میں ہوا۔ حضور نے ڈھائی گھنٹہ تک تقریر فرمائی اور قرآن و حدیث کو سائنس اور علوم جدیدہ کی بعض نئی تحقیقاتوں کے بالمقابل رکھ کر کئی مثالوں سے واضح فرمایا کہ سائنس نے جو باتیں آج دریافت کی ہیں ان کا انکشاف تیرہ سو سال پہلے قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ فرما چکے ہیں۔ یہ علمی لیکچر نہایت کامیاب لیکچر تھا [۲۷۴]۔ چنانچہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا :-

"ایسی پُراز معلومات تقریر بہت عرصہ کے بعد لاہور میں سننے میں آئی ہے اور خاص کر جو قرآن شریف کی آیات سے مرزا صاحب نے استنباط کیا ہے وہ نہایت عمدہ ہے....... میں اپنی تقریر کو زیادہ دیر

تک جاری نہیں رکھ سکتا۔ تا مجھے اس تقریر سے جو لذت حاصل ہو رہی ہے۔ وہ زائل نہ ہو جائے اس لئے میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں" ۲۷۵۔

جماعت احمدیہ سے تبلیغ اسلام سے متعلق عہد کی تجدید

مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء کے دوران جماعت کے سامنے کئی اہم امور زیر بحث آئے جن میں ایک بہت بڑا مسئلہ اچھوت اقوام میں تبلیغ کا تھا۔ جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کے نمائندوں سے تبلیغ اسلام کی مہم جاری رکھنے کا عہد لیا کہ اگر ہمارے جسموں کا ذرہ ذرہ بھی اشاعت اسلام میں لگ جائے گا تو ہم تبلیغ اسلام بند نہ کریں گے ۲۷۶۔ نیز پر شوکت الفاظ میں فرمایا۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ہمیں دلوں کی عمارتیں بنانے کے لئے خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ ہمیں اینٹ پتھر کی عمارتوں سے کیا غرض! آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آئندہ لوگ آئیں گے جو سنگ مرمر کی عمارتیں بنائیں گے ان میں سونے کا کام کریں گے۔ یہ کام ان کے لئے رہنے دو۔ آؤ ہم دلوں کی عمارتیں بنائیں۔ پس اگر ہمیں ان عمارتوں کو فروخت کرنا پڑے' ان زمینوں کو بیچ ڈالنا پڑے تو کوئی پرواہ نہیں۔ یہ سارا نظام اسی وقت تک ہے جب تک ہم اصل فرض اور مقصد کو پورا کر سکتے ہیں۔ جب ہم سمجھیں گے کہ اسلام کی عزت اس کی محتاج ہے تو ہمیں ان کے بیچ ڈالنے میں ایک منٹ کے لئے بھی دریغ نہ ہو گا۔ مگر کوئی غیرت مند آدمی پسند نہ کرے گا کہ اس کا مکان تو باقی رہے اور قوم کی عمارتیں بک جائیں۔ اس کی زمین تو باقی رہے لیکن اسلام کی زمین فروخت ہو جائے...... اگر صرف آپ لوگ جنہوں نے آج اقرار کیا ہے دین کی خدمت کے لئے کھڑے ہو جائیں تو میں سمجھوں گا اسلام کی فتح کا زمانہ آگیا اور میں دشمن پر فتح پا گیا" ۲۷۷۔

فسادات لاہور اور جماعت احمدیہ کی طرف سے مظلوم مسلمانوں کی امداد

مئی ۱۹۲۷ء کے پہلے ہفتہ کا آغاز فسادات لاہور سے ہوا۔ جس میں لاہور کے مظلوم اور بے کس مسلمانوں کا خون دو تین دن تک نہایت بے دردی سے بہایا جاتا رہا ۲۷۸۔

قادیان میں اس دردناک حادثہ کی اطلاع پہنچی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو سخت قلق و کرب ہوا اور آپ نے ذوالفقار علی خان صاحب (ناظر اعلیٰ) اور مفتی محمد صادق صاحب (ناظر امور عامہ) کو فوراً قیام امن' خدمت خلق اور امداد مظلومین کی غرض سے اور مسلمانوں کی قانونی امداد کے لئے مولوی فضل الدین صاحب وکیل کو لاہور روانہ فرمایا۔ اس کے بعد حضور کی ہدایات لے کر بھائی عبدالرحمن

صاحب قادیانی بھی لاہور تشریف لے آئے اور مسجد احمدیہ لاہور میں انفرمیشن بیورو (شعبہ اطلاعات) قائم کر دیا گیا [۲۷۹]۔

شعبہ اطلاعات کے قیام کے بعد حضرت ذوالفقار علی خان صاحب اور حضرت مفتی صاحب نے سب سے پہلے مقتولین اور مجروحین اور ان کے پسماندگان سے متعلق ضروری اور مفصل معلومات حاصل کرنے کے لئے ایک مفصل اشتہار دیا [۲۸۰]۔ جس پر صبح ۶ بجے سے لے کر ۹ بجے شام تک لاہور کے مختلف حصوں سے بکثرت اطلاعات آنا شروع ہوئیں اور جہاں جہاں بھی فوری امداد کی ضرورت محسوس ہوئی ان بزرگوں نے امداد پہنچائی اور خود کوتوالی میں جا کر زیر حراست مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی۔ مرنے والوں کے لواحقین اور متعلقین کی ڈھارس بندھائی اور مناسب ضروریات کا بندوبست کیا اور لاہور کے احمدی ڈاکٹروں کو ہسپتال میں جا کر زخمیوں کی دیکھ بھال کے لئے بھجوایا [۲۸۱]۔ چنانچہ لاہور کے ہفت روزہ "ترجمان" نے ۶/ جون ۱۹۲۷ء کی اشاعت میں لکھا۔ "مرزائی مسلمانوں نے بڑے وسیع پیمانے پر لاہور کے مصیبت زدہ مسلمانوں کی ہر صورت میں یعنی قانونی اور نقدی کی امداد بہم پہنچانا شروع کر دی ہے" [۲۸۲]۔

ذوالفقار علی خاں صاحب (ناظر اعلیٰ)، ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب (ناظر امور خارجہ)، مولوی فضل الدین صاحب وکیل اور بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی مہینوں تک مسلمانان لاہور کی خدمت کرتے رہے [۲۸۳]۔

چھٹا باب (فصل ششم)

مسلمانان ہند کی ترقی و بہبود کے لئے وسیع پیمانہ پر جدوجہد کا آغاز

لاہور کے مسلمانوں کا کشت و خون محض ایک مقامی فرقہ وارانہ کشمکش نہیں تھی بلکہ اس کے پیچھے مسلمانوں کو ختم کرنے کی زبردست روح کام کر رہی تھی۔ اس لئے حضور نے صرف مظلومین لاہور کو امداد دینے کے علاوہ مسلمانان ہند کی اقتصادی' معاشی' سیاسی اور مذہبی ترقی کے لئے ایک ملک گیر تحریک چلانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سلسلہ میں حضور نے سب سے پہلے قادیان کے ناظروں' مبلغوں' ایڈیٹروں' مصنفوں' طالب علموں اور استادوں کو دفتر ڈاک میں بلایا اور ملکی حالات پر مفصل تقریر فرمائی اور انہیں اپنی تحریک سے متعلق نہایت اہم ہدایات دیں [۲۸۴]۔

جماعت احمدیہ کو اپنی اہم تحریک سے روشناس کرانے کے بعد حضور نے مسلمانوں کو ان خطرناک حالات کے مقابلہ میں متحد کرنے کے لئے پے در پے مضامین' پوسٹر اور اشتہارات شائع فرمائے چنانچہ اس سلسلہ میں آپ کے قلم سے پہلا مضمون "امام جماعت احمدیہ کا فسادات لاہور پر تبصرہ [۲۸۵]" کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس میں آپ نے مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ فسادات لاہور سے سبق لیں اور اشاعت اسلام کی طرف توجہ دیں۔ دوسری اہم بات جس کی طرف آپ نے اس مضمون میں مسلمانوں کو توجہ دلائی یہ تھی کہ :-

"مسلمانوں کو چاہئے کہ سکھ صاحبان سے تعلقات کو بڑھائیں اور اس شورش کی وجہ سے اس امر کو نظر انداز نہ کر دیں کہ سکھ صاحبان صرف ہندوؤں کا ہتھیار بنائے گئے ہیں۔ ورنہ وہ دل سے مسلمانوں کے دشمن نہیں ہیں بلکہ بوجہ اپنے بزرگوں کی نصائح اور توحید پر ایمان رکھنے کے مسلمانوں کا داہنا بازو ہیں اور مسلمانوں کی ذرا سی توجہ کے ساتھ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ملک سے فساد اور شورش کو مٹانے کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ خصوصاً جب کہ ان کا سیاسی فائدہ بھی مسلمانوں سے ملنے میں ہے کیونکہ ہندوؤں سے مل کر وہ اس صوبہ میں قلیل التعداد ہی رہے لیکن مسلمانوں سے مل کر وہ ایک زبردست پارٹی بنا سکتے ہیں۔ جو پنجاب کو اس کی پرانی شان و شوکت پر قائم کرنے میں نہایت مفید ہو سکتی ہے" [۲۸۶]۔

اس مضمون کے ساتھ حضور نے ایک مفصل ٹریکٹ بھی شائع فرمایا۔ جس کا عنوان تھا۔ "آپ

اسلام اور مسلمانوں کے لئے کیا کر سکتے ہیں"؟

اس ٹریکٹ میں حضور نے اسلامی اتحاد کی تحریک کے اکتیس اہم نکات مسلمانوں کے سامنے رکھے جن میں انجمن ترقی اسلام سے تعاون کی اپیل فرمائی - یہ نکات حضور ہی کے الفاظ میں درج ذیل ہیں-

۱- "آپ آج سے اقرار کرلیں کہ جہاں تک آپ کے اختیار میں ہو گا- آپ جائز طور پر مسلمانوں کی بے کاری کو دور کرنے میں مدد دیں گے"-

۲- "آپ کو اگر ایسے مسلمانوں کا علم ہے' جو کسی قسم کے روزگار کے متلاشی ہیں تو ان لوگوں کو تحریک کریں کہ وہ اپنے نام سے صیغہ ترقی اسلام کو اطلاع دیں"-

۳- "آپ یہ ارادہ کرلیں کہ آپ مسلمان مستحقین کو اپنا پیشہ سکھا کر انہیں کام کے قابل بننے کی ہر سعی کو استعمال کریں گے"-

۴- "آپ کو ایسے نوجوانوں کا حال معلوم ہے- جو مناسب پیشہ نہ جاننے کے سبب سے بیکار ہیں تو ایسے نوجوانوں کے نام سے صیغہ ترقی اسلام کو اطلاع دیں"-

۵- "آپ آج سے ارادہ کرلیں کہ مسلمان مظلوموں کی مدد کے لئے آپ حتی الوسع تیار رہیں گے"-

۶- "اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تو یہ بھی آپ کی اسلامی خدمت ہو گی کہ آپ ایسے مظلوموں کے ناموں اور پتوں سے صیغہ مذکورہ بالا کو اطلاع دیں"-

۷- "آپ کو بعض ایسے کام اور پیشے معلوم ہیں جن میں مسلمان ترقی کر سکتے ہیں تو اس کے متعلق صیغہ مذکورہ کو تفصیلی علم دیں"-

۸- "اگر آپ کو بعض ایسے محکموں کا حال معلوم ہے جن میں مسلمان کم ہیں اور ان کی طرف توجہ مسلمانوں کے لئے مفید ہے تو ان سے صیغہ مذکور کو اطلاع دیتے رہیں"-

۹- "اگر مسلمانوں کی کسی ضرورت کے لئے کسی ڈیپوٹیشن کی ضرورت ہو تو آپ اس میں شامل ہونے کے لئے بشرطیکہ آپ کے حالات اجازت دیں تیار رہیں"-

۱۰- "اگر آپ پروفیسر ہیں یا تعلیم کے کام سے دلچسپی رکھتے ہیں تو ایسے تعلیمی شعبوں سے صیغہ مذکور کو اطلاع دیتے رہا کریں- جن میں مسلمان کم ہیں"-

۱۱- "اندھا دھند پرانی لکیر پر چل کر ایک ہی لائن پر اپنے بچوں کو نہ چلائیں- بلکہ اپنے بچہ کو اعلیٰ تعلیم دلانے سے پہلے اپنے احباب سے مشورہ کرلیں کہ کس تعلیم سے نہ صرف بچہ ترقی کر سکتا ہے بلکہ مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے"-

۱۲۔ "خود بھی سادہ زندگی کو اختیار کریں اور اپنے بچوں کو بھی سادہ زندگی اختیار کرنے کی تحریک کریں"۔

۱۳۔ "اگر آپ کو خدا تعالیٰ نے عزت دی ہے تو غرباء سے اور اگر آپ شہری ہیں تو قصباتیوں سے تعلق بڑھائیں"۔

۱۴۔ "تعاون باہمی کی انجمنیں اپنے علاقوں میں قائم کریں"۔

۱۵۔ "آپ آج سے عہد کرلیں کہ کسی ہندو کی پکی ہوئی یا اس کے ہاتھ کی چھوئی ہوئی چیز کا استعمال نہیں کرنا۔ جب تک کہ ہندو اپنی روش کو بدل کر مسلمانوں سے خریدنا اور ان کے ہاتھوں کا کھانا نہ شروع کردیں"۔

۱۶۔ "فساد سے بچنے اور مستقل ارادہ سے کام کرنے کی طرف آپ اپنے گردو پیش کے لوگوں کو تحریک کرتے رہیں"۔

۱۷۔ "آپ کے محلہ اور آپ کے گاؤں میں ایسے لوگ ہیں جن کو ہندو تہذیب نے ہزاروں سالوں سے غلام بنا رکھا ہے...... ان کی ہدایت کی طرف توجہ کریں"۔

۱۸۔ "آپ مرسلہ اشتہار کو مناسب موقعوں پر اپنے شہر یا محلہ میں لگادیں گے تو یہ بھی ایک دینی خدمت ہے"۔

۱۹۔ "اس لٹریچر کو منگوا کر جو اس وقت کی ضرورت کے مطابق شائع کرایا جائے گا اپنے علاقہ میں فروخت کریں"۔

۲۰۔ "اگر آپ کے قصبہ اور شہر میں کوئی اسلامی انجمن ایسی نہیں جو تبلیغی کام میں حصہ لے رہی ہو تو آپ ایسی انجمن کو قائم کرکے دینی خدمت کرسکتے ہیں"۔

۲۱۔ "ہندو لوگ ہر علاقہ میں خفیہ خفیہ شدھی کی تحریک جاری کر رہے ہیں۔ آپ ایک بہت بڑی خدمت اسلامی کریں گے اگر آپ ان کی حرکات کو تاڑتے رہیں"۔

۲۲۔ "بیواؤں۔ مظلوم عورتوں اور یتیموں کو آریہ اور مسیحی خصوصاً بہکا رہے ہیں۔ آپ ایک بڑی خدمت اسلام کریں گے اگر ان کے حالات پر نگاہ رکھیں اور ان کی مدد اور ہمدردی کریں"۔

۲۳۔ "اگر آپ کو شوق تبلیغ ہے اور آپ عربی کی تعلیم رکھتے ہیں یا کم سے کم انٹرینس تک تعلیم یافتہ ہیں تو ہم بڑی خوشی سے آپ کی مذہبی تعلیم کا انتظام کرنے کے لئے تیار ہیں"۔

۲۴۔ "اگر آپ کے ہاں پہلے سے انجمن قائم ہے تو آپ تبلیغی لیکچروں یا مباحثوں کا انتظام کرکے خدمت اسلام کرسکتے ہیں"۔

۲۵۔ "آپ مسلمانوں کی دینی تعلیم کے لئے ایسے لیکچروں کا انتظام کر کے بھی جن میں اسلامی تعلیم کی خوبیاں بیان کی جائیں اسلام کی خدمت کر سکتے ہیں"۔

۲۶۔ "آپ دین کی خدمت کے لئے اپنے اموال میں سے ایک حصہ الگ کر کے دین اسلام کی مدد کر سکتے ہیں"۔

۲۷۔ "آپ مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کر کے کہ آپس میں گو ہمارے کس قدر اختلاف ہوں۔ لیکن دشمنان اسلام کے مقابلہ میں ہمیں ایک ہو جانا چاہئے .... بہت بڑی خدمت اسلام کر سکتے ہیں"۔

۲۸۔ "آپ مسلمان زمینداروں میں یہ خیال پیدا کر کے کہ وہ اپنے علاقہ کی ادنیٰ اقوام کو مسلمان بنانے میں مبلغین اسلام کی مدد کریں۔ خدمت اسلام میں حصہ لے سکتے ہیں"۔

۲۹۔ "مسلمانوں کو ہر موقعہ پر اس خطرہ سے آگاہ کرتے رہیں جو اس وقت اسلام کو پیش آ رہا ہے"۔

۳۰۔ "آپ کی خدمت اور بھی بڑھ جائے گی اگر آپ ایسے لوگوں کے ناموں اور پتوں سے صیغہ مذکورہ بالا کو اطلاع دیتے رہا کریں جو کسی نہ کسی رنگ میں خدمت اسلام میں حصہ لینے کے لئے تیار ہوں"۔

۳۱۔ "اگر آپ ان امور میں سے کسی امر کی تعیین نہ کر سکتے ہوں تو آپ کم سے کم اس قدر ضرور کریں کہ اپنی زندگی کو اسلام کی تعلیم کے مطابق بسر کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرح آپ اسلام کو اعتراض سے بچانے میں ہماری مدد کریں گے [۲۸۷]۔

سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی اس بروقت اور پرزور تحریک کی کامیابی کے لئے جماعت احمدیہ کے مرکزی ناظروں' مبلغوں' کارکنوں اور دوسرے احمدیوں نے اپنے اوقات وقف کر دیئے اور ایسی غیر معمولی جدوجہد سے کام لیا کہ خصوصاً مسلمانان پنجاب میں حیرت انگیز انقلاب برپا ہو گیا اور مسلمان نہ صرف اتحاد ملت اور تبلیغ اسلام سے متعلق اپنے فرائض کی طرف متوجہ ہو گئے بلکہ ایک نہایت ہی قلیل عرصہ میں مسلمانوں کی ہزاروں نئی دکانیں کھل گئیں [۲۸۸]۔ ہندوؤں نے مسلمان دکانداروں کو ناکام کرنے کے لئے کئی صورتیں اختیار کیں۔ مثلاً جن چیزوں کی تجارت مسلمانوں نے شروع کی ان کی قیمتیں قیمت خرید سے بھی گرا دیں۔ مگر مسلمانوں کو تجارت کے میدان سے بے دخل کرنے کی یہ تدبیریں کارگر نہ ہو سکیں اور ان کا قدم پیچھے ہٹنے کی بجائے آگے ہی بڑھتا گیا۔

حواشی

۱- الفضل ۲۱/ فروری ۱۹۲۵ء صفحہ ۱- ان شہداء کو پتھر مارنے والوں میں بھیرہ کے صوفی عبد الرحیم صاحب پراچہ بھی تھے جنہوں نے اس حادثہ سے متاثر ہو کر بعد ازاں احمدیت قبول کرلی- ولادت غالباً ۱۹۰۲ء وفات ۷/ فروری ۱۹۵۸ء بھیرہ میں دفن کئے گئے-

۲- امان اللہ خاں کی حکومت نے اعلان کیا کہ کابل کے دو اشخاص ملا عبد الحلیم چہار آسیائی ملا نور علی دکاندار قادیانی عقائد کے گرویدہ ہو چکے تھے اور لوگوں کو اس عقیدہ کی تلقین کر کے انہیں صلاح کی راہ سے بھٹکا رہے تھے- جمہوریہ نے ان کی اس حرکت سے مشتعل ہو کر ان کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجرم ثابت ہو کر عوام کے ہاتھوں پنجشنبہ ۱۱/ رجب ۱۳۴۳ھ کو عدم آباد پہنچائے گئے- ان کے خلاف مدت سے ایک اور دعویٰ دائر ہو چکا تھا اور مملکت افغانیہ کے مصالح کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط ان کے قبضہ سے پائے گئے جن سے پایا جاتا ہے کہ وہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھ بک چکے تھے- اس واقعہ کی تفصیل مزید تفتیش کے بعد شائع کی جائے گی- (اخبار امان افغان- بحوالہ الفضل ۳/ مارچ ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۱) اس اعلان میں سازشی خطوط کا جو الزام عائد کیا گیا وہ امان اللہ خاں کی حکومت اپنے عہد اقتدار کے آخری دن تک ثابت کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی- دراصل جس حکومت میں محض مذہبی اور نظریاتی اختلاف کی وجہ سے سنگسار کرنا روا ہو وہاں چند سازشی خطوط کا مرحومین کے گلے مڑھ دینے میں کیا مضائقہ سمجھا جا سکتا تھا پھر عجیب تر بات یہ تھی کہ مزید تفتیش تو ابھی ہونے والی تھی- مگر سزا پہلے دے دی گئی-

۳- الجمعیتہ (دہلی) ۱۰/ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۹ بحوالہ الفضل ۱۸/ اپریل ۱۹۲۵ء و الفضل ۱۱/ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۱-۲-

۴- الفضل ۳/ مارچ ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۱-

۵- بحوالہ اخبار الفضل ۲۱/ فروری ۱۹۲۵ء صفحہ ۱-

۶- بحوالہ الفضل ۲۶/ فروری ۱۹۲۵ء صفحہ ۵-

۷- اخبار ریاست دہلی ۲۱/ فروری ۱۹۲۵ء-

۸- دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر اخبار ریاست نے اپنی مشہور کتاب "ناقابل فراموش" کے صفحہ ۱۴۴ پر بھی اپنے اس احتجاج کا ذکر کیا ہے-

۹- الفضل ۱۲/ مارچ ۱۹۲۵ء صفحہ ۶-

۱۰- الفضل ۱۹/ فروری ۱۹۲۵ء صفحہ ۶-۷-

۱۱- "سیرت محمد علی" صفحہ ۵۱ (از سید رئیس احمد صاحب جعفری) طبع دوم ۱۹۵۰ء-

۱۲- بحوالہ الفضل ۳/ مارچ ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۱-

۱۳- بحوالہ الفضل ۱۰/ مارچ ۱۹۲۵ء-

۱۴- اصل مضمون میں الدین کی بجائے احمد کا لفظ لکھا گیا ہے جو سہو کتابت ہے- (ناقل)

۱۵- روزنامہ "ہمدرد" دہلی ۲۱/ فروری ۱۹۲۵ء صفحہ ۳ (اس سلسلہ میں جناب محمد علی جوہر کی ایک تحریر کا عکس الفضل ۱۵/ اپریل ۱۹۵۲ء میں شائع ہو چکا ہے)

۱۶- سیرت محمد علی از رئیس احمد صاحب جعفری صفحہ ۵۱-

۱۷- منقول از الفضل ۲۱/ مارچ ۱۹۲۵ء صفحہ ۶-۷-

۱۸- اخبار اہلحدیث امرتسر ۳/ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۳-۴-

۱۹- بحوالہ الفضل ۲۴/ مارچ ۱۹۲۵ء صفحہ ۳-

۲۰- زمیندار ۱۹/ فروری ۱۹۲۵ء بعنوان احقاق حق بحوالہ الفضل ۲۸/ فروری ۱۹۲۸ء صفحہ ۴-

۲۱- حضرت ناناجان میر ناصر نواب صاحب اور حضرت امتہ الحی صاحبہ وغیرہ کی وفات کے صدمات کی طرف اشارہ ہے-

۲۲- جیسا کہ پچھلے سال کے حالات میں ذکر کیا جا چکا ہے حضرت خلیفہ ثانی نے سفر یورپ کے ذاتی اخراجات خود برداشت کئے اور اس

سلسلہ میں آپ کو سیٹھ شیخ حسن یادگیر اور بعض دوسرے اصحاب سے قرض لینا پڑا تھا۔ ملاحظہ ہو اصحاب احمد جلد اول صفحہ ۲۳۰۔ ۲۳۲

۲۳۔ الفضل ۱۷/ فروری ۱۹۲۵ء صفحہ ۵۔

۲۴۔ دراصل اس تحریک پر اخبار سیاست نے نہایت معتبر ذرائع کی بناء پر لکھا تھا کہ آئے دن چندے دیتے دیتے قادیانی مرید بھی کچھ تھک سے گئے ہیں اور اپیل کا اثر تاحال حوصلہ افزا نہیں۔ مگر اس کے بعد خود ہی ۱۳/ مئی ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں لکھا معتقدین قادیان اپنے خلیفہ کے ایماء پر بھوکے رہ کر محنت کر کے بال بچوں کو بھوکا رکھ کر روپیہ دے رہے ہیں۔ (بحوالہ الفضل ۱۹/ مئی ۱۹۲۵ء صفحہ ۳)

۲۵۔ الفضل ۱۶/ جولائی ۱۹۲۵ء صفحہ ۱-۲۔

۲۶۔ الفضل ۲۱/ فروری ۱۹۲۵ء صفحہ ۷۔

۲۷۔ منعقدہ ۲۳-۲۴/ جنوری ۱۹۲۵ء بمقام دہلی (الفضل ۵/ فروری ۱۹۲۵ء صفحہ ۲)

۲۸۔ الفضل ۱۴/ فروری ۱۹۲۵ء صفحہ ۳-۴۔

۲۹۔ الفضل ۲۱/ مارچ ۱۹۲۵ء صفحہ ۱-۲۔

۳۰۔ منہاج الطالبین صفحہ ۳-۴ (از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) طبع اول دسمبر ۱۹۲۶ء۔

۳۱۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۵ء صفحہ ۳۹۔

۳۲۔ الفضل ۳/ جنوری ۱۹۲۵ء صفحہ ۷۔

۳۳۔ الفضل ۱۸/ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۳-۶۔

۳۴۔ الفضل ۱۸/ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۵۔

۳۵۔ الفضل ۱۸/ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۳ تا ۶۔

۳۶۔ تاریخ اقوام عالم صفحہ ۷۰۸-۷۰۹۔ اس امر کا پہلی بار انکشاف برطانوی پالیسی کے بہت بڑے ماہر لفٹنٹ کمانڈر جے۔ ایم کین ممبر پارلیمنٹ اسسٹنٹ چیف آف سٹاف جبرالٹر نے کیا تھا چنانچہ انہوں نے اپنی ایک کتاب میں جنگ کے اسباب وعلل پر بحث کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اب مذہب کی بناء پر جنگ نہیں ہوتے۔ ہاں عرب کے مختلف قبائل میں مذہب ابھی تک باعث مخاصمت ہے واقعہ یہ ہے کہ خود انگلستان نے عربوں کے مذہبی تعصب سے فائدہ اٹھانا چاہا اور شریف حسین کو جو شاہ حجاز بن چکا تھا اس بات پر اکسایا کہ خلیفۃ المسلمین کی خالی جگہ پر متمکن ہو جائے یہ محکمہ خارجہ کی سازش تھی اور اس کے ذمہ دار قاہرہ کے عرب بیورو کے ارکان تھے لیکن یہ تجویز بالکل ناکامیاب رہی۔ اس ناکامی کی وجہ نادانستہ طور پر حکومت ہند بن گئی حکومت ہند اپنی خفیہ حکمت عملی پر کاربند ہوتے ہوئے شریف مکہ کے زبردست دشمن ابن سعود کو اشرفیاں اور بندوقیں پہنچاتی رہی۔ یہ وہابی لوگ اہل مکہ کے خلاف پچھلی صدی سے نبرد آزما ہیں۔ ادھر برطانوی محکمہ خارجہ کا عرب بیورو شریف مکہ کو بندوقیں اور اشرفیاں دے رہا تھا حکومت ہند نے تاڑ لیا تھا کہ ابن سعود طاقتور آدمی ہے اس لئے اسے پھانسنا چاہئے اور برطانوی محکمہ خارجہ خلیفۃ المسلمین بنانے کی سازش میں لگا ہوا تھا۔ غرض حکومت برطانیہ کا اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے بے خبر تھا اس طرح ابن سعود اور شریف مکہ کی جنگ دراصل حکومت ہند اور برطانیہ کی جنگ تھی اور اس راز کا انکشاف اس وقت ہوا۔ جب صلح کانفرنس کے موقعہ پر حکومت ہند اور محکمہ خارجہ نے اپنی الگ الگ یادداشتیں برطانوی وزارت کے آگے پیش کیں۔ (بحوالہ اخبار تازیانہ (لاہور) ۱۵/ اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۸)

۳۷۔ الفضل ۲۰/ جون ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۔

۳۸۔ الفضل ۴/ جون ۱۹۲۵ء صفحہ ۳-۴۔

۳۹۔ حضور نے اپنے اس مضمون میں یہ وضاحت بھی فرمائی کہ محمد بن عبد الوہاب کے پیروؤں کا نام آہستہ آہستہ وہابی پڑ گیا۔ اس لئے میں نے وہی نام لکھا ورنہ یہ لوگ اس نام کو استعمال نہیں کرتے۔ (الفضل ۲۰/ جون ۱۹۲۵ء صفحہ ۴)

۴۰۔ الفضل ۲۰/ جون ۱۹۲۵ء صفحہ ۶۔

۴۱۔ ولادت ۱۸۸۲ء۔وفات ۱۹۵۳ء۔
۴۲۔ مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ ۸۶ (مکتوب بنام میر عباس علی صاحب مورخہ ۶/ اپریل ۱۸۸۵ء)
۴۳۔ ۳۱۳۔اصحاب کبار کی فہرست میں آپ کا نام ۹۸ نمبر پر درج ہے (ملاحظہ ہو ضمیمہ انجام آتھم)
۴۴۔ ۳۱۳ کی فہرست میں ۵۵ نمبر پر۔
۴۵۔ الاستفتاء (از حضرت مسیح موعودؑ) صفحہ ۳۲۔
۴۶۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو تابعین اصحاب احمد حصہ اول صفحہ ۸۰ تا ۹۴ (وفات ۱۸/ دسمبر ۱۹۶۰ء)
۴۷۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد دوم و سوم۔
۴۸۔ خرسطفور جبارہ (ایک دمشقی فاضل) نے اپنی کتاب خلاصۃ الادیان و زبدۃ الادیان کے صفحہ ۲۴ میں آپ کی تالیف تمامۃ البشریٰ سے چند سطور نقل کر کے آپ کی نسبت لکھا ہے کہ یہ کتاب ایک ہندی فاضل کی ہے جو تمام ملک ہند میں مشہور ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے تریاق القلوب کے ضمیمہ ۳ میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔
۴۹۔ تاریخ احمدیت جلد دوم (طبع دوم) صفحہ ۲۸۱ حاشیہ۔
۵۰۔ تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۴۹۷۔
۵۱۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے ملاحظہ ہو صفحہ ۲۹۳ بعنوان دار التبلیغ مصر کا قیام۔
۵۲۔ الفضل ۱۱/ جولائی ۱۹۲۵ء صفحہ ۵-۶۔
۵۳۔ الفضل ۳۰/ جون ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۔
۵۴۔ الفضل ۱۸/ اگست ۱۹۲۵ء صفحہ ۲۔
۵۵۔ مضمون السید منیر الحصنی صاحب امیر جماعت احمدیہ شام (مطبوعہ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۷ء صفحہ ۴۵-۴۶)
۵۶۔ الفضل ۱۳/ اپریل ۱۹۲۶ء صفحہ ۲۔
۵۷۔ الفضل ۳۰/ اپریل ۱۹۲۶ء صفحہ ۲۔
۵۸۔ الفضل ۱۴/ مئی ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۔
۵۹۔ الفضل ۱۸/ جون ۱۹۲۶ء صفحہ ۵-۶۔
۶۰۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۳۴-۳۵۔
۶۱۔ الفضل ۱۸/ جون ۱۹۲۶ء صفحہ ۴۔
۶۲۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۷ء صفحہ ۱۴۱ اس مناظرہ کا حصہ دوم جس میں حیاۃ و وفات مسیح پر بحث تھی فریقین کے مساوی خرچ پر شائع ہوا۔ مگر اس کے علاوہ دیگر مسائل شائع نہ ہوئے۔
۶۳۔ مولانا شمس صاحب کی یادداشت کے مطابق یہ ۲۰/ دسمبر ۱۹۲۷ء کا دن تھا۔
۶۴۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۷۵-۱۷۸۔
۶۵۔ تابعین اصحاب احمد جلد اول صفحہ ۸۷۔
۶۶۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۵۹-۱۶۰۔
۶۷۔ رپورٹ سالانہ ۳۱-۱۹۳۲ء صفحہ ۱۲۔
۶۸۔ کبابیر ایک گاؤں ہے جو حیفا شہر سے تین میل کے فاصلہ پر جبل الکرمل کی چوٹی پر سمندر کے کنارہ پر واقعہ ہے اور ۱۹۴۲ء سے حیفا کا ایک حصہ بن چکا ہے۔
۶۹۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۸۰۔
۷۰۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۵۸۔
۷۱۔ الفضل ۱۵/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۔
۷۲۔ الفضل ۸/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۔

۷۳۔ الفضل ۲۲/ دسمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۲۔
۷۴۔ الفضل ۱۹/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۶ کالم ۱۔
۷۵۔ آپ کو تبلیغ احمدیت کی وجہ سے شام کی فرانسیسی حکومت نے ملک سے نکال دیا تھا اس لئے آپ ان دنوں حیفا میں تشریف لے آئے تھے۔
۷۶۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۵-۱۹۳۴ء صفحہ ۸۳۔
۷۷۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۳-۱۹۳۲ء صفحہ ۱۵۲-۱۵۳۔
۷۸۔ رسالہ الفرقان فروری ۱۹۵۶ء و رپورٹ سالانہ ۳۴-۱۹۳۵ء صفحہ ۸۱-۸۲۔
۷۹۔ رپورٹ سالانہ ۳۲-۱۹۳۳ء صفحہ ۱۵۱-۱۵۲۔
۸۰۔ الفضل ۲۵/ فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۲۔
۸۱۔ الفضل ۷/ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۔
۸۲۔ الفضل ۲۳/ فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۵۔
۸۳۔ رپورٹ سالانہ ۳۷-۱۹۳۸ء صفحہ ۱۴۸ تا ۱۵۴۔
۸۴۔ الفضل ۱۲/ مارچ ۱۹۳۸ء۔
۸۵۔ قادیان سے آپ اپنی اہلیہ صاحبہ (فضل بی بی بنت میاں خیر الدین صاحب) کے ساتھ روانہ ہوئے تھے جو ۲/ فروری ۱۹۴۳ء کو اسی سرزمین میں انتقال کر گئیں اور جبل الکرمل (کبابیر) میں دفن کی گئیں۔ (الفضل ۲۱/ اپریل ۱۹۴۳ء صفحہ ۲)
۸۶۔ رپورٹ سالانہ ۳۸-۱۹۳۹ء صفحہ ۷۷۔
۸۷۔ انقلاب ۱۹۴۸ء سے پہلے فلسطین کے مندرجہ ذیل مقامات پر احمدی موجود تھے۔ کبابیر۔ حیفا۔ عکا۔ بیت المقدس۔ ناصرہ۔ نابلس۔ طیرہ۔ ام الفحم۔ عین غزال۔ جبع۔ برجا۔ طول کرم۔ کفرلام۔ سمخ۔ بیسان۔ طبریا۔ ترشیحا۔ صفد۔ لد۔ رملہ۔ یافا۔
۸۸۔ آپ کچھ عرصہ بعد لبنان میں بھیجے گئے مگر اس کی تفصیل لبنان مشن کے حالات میں آرہی ہے۔
۸۹۔ مزید تفصیلات اردن اور لبنان مشن کے کوائف میں آئیں گی۔
۹۰۔ الفضل ۵/ دسمبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۳۔
۹۱۔ رپورٹ سالانہ ۳۸-۱۹۳۹ء۔
۹۲۔ الفضل ۲۵/ دسمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۸ و البشریٰ ۱۹۴۷ء۔
۹۳۔ تفصیل کے لئے دیکھیں البشریٰ جلد ۱۵ نمبر ۲-۱۹۴۹ء
۹۴۔ اس وقت حبشہ کے مندرجہ ذیل مقامات پر جماعت احمدیہ موجود ہے۔ ادیس آبابا۔ ہرر۔ اسا تفری۔ شرشر۔ دری دوا۔ اداما (البشریٰ جلد ۱۷ صفحہ ۱۳۹) ۱۹۵۱ء حبشہ میں ڈاکٹر نذیر احمد صاحب (ابن حضرت ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب سابق مہر سنگھ) نے بھی آنریری مبلغ کی حیثیت سے کام کیا ہے۔
۹۵۔ حکومت اسرائیل کے پریذیڈنٹ (اسحٰق بن صفی) نے آپ کو پیغام بھیجا کہ اپنے وطن روانہ ہونے سے پہلے مجھے مل کر جائیں۔ چنانچہ آپ نے ان کی دعوت قبول کر لی اور ۲۸/ نومبر ۱۹۵۵ء کو ان سے ملاقات کی۔ اور انہیں (جماعت احمدیہ کا شائع کردہ) جرمن کا ترجمہ قرآن مجید بطور تحفہ دیا۔ جسے انہوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ اس تقریب کا فوٹو بھی لیا گیا۔ جو دنیا کے مختلف ممالک میں شائع ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس کا ذکر اپنے خطبہ جمعہ ۵/ ستمبر ۱۹۵۸ء (مطبوعہ الفضل ۳/ اکتوبر ۱۹۵۸ء) میں بھی فرمایا ہے۔ مولانا صاحب ۱۵/ دسمبر ۱۹۵۵ء کو واپس ربوہ تشریف لائے۔ (الفضل ۱۶ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱)
۹۶۔ (الجزء السابع ۱۳۵۷ھ بحوالہ رسالہ البشریٰ (فلسطین) صفحہ ۹۰ جلد ۵۔
۹۷۔ بحوالہ البشریٰ جلد ۵ صفحہ ۳۰۶۔
۹۸۔ بحوالہ البشریٰ (فلسطین) جلد ۷۔
۹۹۔ بحوالہ البشریٰ جلد ۱۳ صفحہ ۴۰۔

۱۰۰۔ بحوالہ البشریٰ (فلسطین) جلد ۱۳ صفحہ ۱۲۴۔
۱۰۱۔ بحوالہ البشریٰ جلد ۱۵ صفحہ ۲۴۰۔
۱۰۲۔ بحوالہ البشریٰ صفحہ ۱۳۸ جلد ۲۰۔
۱۰۳۔ مشاہداتی فی سماء الشرق صفحہ ۴۳ تا ۴۵۔
۱۰۴۔ اہلحدیث ۲۱/ اگست ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۔
۱۰۵۔ الفضل ۱۶/ جولائی ۱۹۲۵ء صفحہ ۳-۴۔
۱۰۶۔ بحوالہ الفضل ۱۰/ ستمبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۵۔
۱۰۷۔ اہلحدیث ۲۱/ اگست ۱۹۲۵ء صفحہ ۳۔
۱۰۸۔ الفضل ۱۰/ ستمبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۳۔
۱۰۹۔ اہلحدیث ۹/ جون ۱۹۴۴ء (مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس ادعا کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے مفصل مضمون کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۳۱/ جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۳-۵۔
۱۱۰۔ الفضل ۲۳/ جولائی ۱۹۲۵ء صفحہ ۱-۲۔
۱۱۱۔ مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی جانشین شیخ الہند مولوی محمود الحسن صاحب نے صوبہ جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس لاہور (منعقدہ ۲۵-۲۶-۲۷/ جنوری ۱۹۴۶ء) کے خطبہ صدارت میں تسلیم کیا کہ ہندوستان کو کامل یا نیم آزادی اگر ملنے والی ہے تو وہ انگریزوں کے دینے سے ملے گی۔ (خطبہ صدارت صفحہ ۳۲)
۱۱۲۔ الفضل (۱۸/ جولائی ۱۹۲۵ء)
۱۱۳۔ الفضل ۱۸/ جولائی ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۔
۱۱۴۔ الفضل ۲۳/ جولائی ۱۹۲۵ء صفحہ ۲۔
۱۱۵۔ مثلاً سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری، مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی، مولوی محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی (الفضل ۲۳/ جولائی ۱۹۲۵ء صفحہ ۲)
۱۱۶۔ الفضل ۲۳/ جولائی ۱۹۲۵ء صفحہ ۱-۲۔
۱۱۷۔ الفضل ۲۱/ جولائی ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۔
۱۱۸۔ الفضل ۲۷/ اگست ۱۹۲۵ء صفحہ ۵۔
۱۱۹۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تقریر سید شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا مطبوعہ خالد مارچ ۱۹۵۴ء صفحہ ۵-۷۔ یاد رہے کہ ہم نے اس عنوان کے تحت انڈونیشیا کے جزائر میں سے صرف سماٹرا اور جاوا کے تبلیغی حالات کا تذکرہ کیا ہے بورنیو اور دوسرے جزائر کے مشنوں کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔
۱۲۰۔ تقریر سید شاہ محمد صاحب مطبوعہ خالد اپریل ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۱-۲۲۔
۱۲۱۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۵۔
۱۲۲۔ سب سے اول مولوی زینی دحلان نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔
۱۲۳۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۷ء صفحہ ۵۵-۵۶۔
۱۲۴۔ الفضل ۴/ دسمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۔
۱۲۵۔ خالد اپریل ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۲۔
۱۲۶۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۸۳۔
۱۲۷۔ الفضل ۲۰/ اگست ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۔
۱۲۸۔ ملخصاً از الفضل ۱۵/ ستمبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۵-۷۔
۱۲۹۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۸۳۔

۱۳۰۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۳۵۔
۱۳۱۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۸۳۔۱۸۶۔
۱۳۲۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۸۵ تا ۱۸۷۔
۱۳۳۔ الفضل ۲۲/ اکتوبر ۱۹۲۹ء۔
۱۳۴۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۷ء صفحہ ۵۸۔
۱۳۵۔ رپورٹ سالانہ ۳۲۔۱۹۳۱ء صفحہ ۵۔۶۔
۱۳۶۔ رپورٹ سالانہ ۳۵۔۱۹۳۴ء صفحہ ۹۸۔۹۹۔
۱۳۷۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۷ء صفحہ ۵۸و ۶۲۔
۱۳۸۔ رپورٹ سالانہ ۳۵۔۱۹۳۴ء صفحہ ۹۱۔
۱۳۹۔ رپورٹ سالانہ ۳۵۔۱۹۳۴ء صفحہ ۹۰ تا ۹۷۔
۱۴۰۔ رپورٹ سالانہ ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۴۰۔۱۴۱۔
۱۴۱۔ سالانہ رپورٹ ۳۸۔۱۹۳۷ء صفحہ ۱۳۹۔۱۴۴۔
۱۴۲۔ رپورٹ سالانہ ۴۱۔۱۹۴۰ء صفحہ ۳۰۔۳۱۔
۱۴۳۔ خالد اپریل ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۳۔۲۴۔
۱۴۴۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۷ء صفحہ ۶۴۔۶۶۔
۱۴۵۔ چنانچہ مولوی محمد صادق صاحب کا بیان ہے کہ جنوب مشرقی ایشیا کی جنگ کے ختم ہونے میں چند ماہ باقی رہ گئے ایک روز ایک مخلص ہمارے ایک احمدی دوست کے پاس آیا اور کہا کہ مولوی محمد صادق صاحب کے متعلق یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ جس وقت اتحادی فوجیں سماٹرا یا جاوا کے کسی حصہ پر چڑھ آئیں گی اسی وقت ان کو گرفتار کر لیا جائے گا...... یہ خبر سنتے ہی میں نے جماعت کو تحریک کی کہ وہ بیس دن متواتر تہجد کی نماز ادا کریں۔ اور ہر سوموار اور جمعرات کو روزے رکھیں...... جب تیسری رات تہجد کی نماز پڑھ کر صبح سے قبل میں تھوڑی دیر کے لئے لیٹ گیا۔ تو مجھے خواب میں بڑے موٹے حروف میں لکھا ہوا دکھائی دیا کہ کتاب دانیال کی پانچویں فصل پڑھو...... مغرب کی نماز پڑھ کر میں نے بائبل کا مذکورہ حوالہ پڑھا جس میں بیلشضر بن بخت نصر کے متعلق ذکر ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ خدا نے اسے ایک خواب دکھایا جس کے متعلق دانیال نبی نے خدا سے پوچھا اور اس کی تعبیر بیان کی اس خواب کے الفاظ یہ ہیں کہ بلشضر کی حکومت کا خاتمہ قریب آپہنچا ہے خدا نے اسے تولا۔ وہ ہلکی نکلی اب اسے مٹا کر فارسی حکومت کو اس کی جگہ قائم کر دیا جائے گا۔ میں نے یہ خواب بعض ہندو اور سکھ دوستوں کے سامنے بھی بیان کیا اور بعض چیدہ چیدہ احمدی دوستوں کو بھی بتایا۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے حالات کو ایسے پلٹا دیا کہ چند ماہ میں حکومت جاپان تباہ ہو گئی۔ دراصل جاپانی حکومت نے ۱۴/ اگست ۱۹۴۵ء ہی کو شکست مان لی تھی۔ مگر اس نے سماٹرا اور جاوا میں ۲۲/ اگست کو یہ شائع کیا کہ ہمارے بادشاہ نے رعایا پر شفقت کی نظر کرتے ہوئے انگریز اور امریکہ سے صلح کر لی ہے۔ جس دن یہ پمفلٹ شائع ہوا۔ اسی دن میں سردار جوگندر سنگھ صاحب ہری برادرز پاڈنگ کی دکان پر گیا وہاں ایک عالم حسن نواد بھی تھے۔ انہوں نے مجھے مخاطب ہو کر کہا "مبارک ہو" میں نے کہا "خیر مبارک"۔ مگر بتایئے تو سہی یہ مبارکباد کیسی "انہوں نے کہا آپ کے متعلق فیصلہ ہو چکا تھا کہ آپ کو ۲۳/ ۲۴/ اگست ۱۹۴۵ء کی رات کو سزائے موت دی جائے گی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا۔ کیونکہ بلیک لسٹ میں آپ کا نام بھی درج ہے پھر دوسرے غیر احمدیوں نے بھی ہمارے بعض دوستوں کو خود بخود بتایا کہ میرے متعلق سزائے موت کا فیصلہ اس لئے کیا گیا تھا کہ میں جاپانی جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ نہ مانتا تھا بلکہ اس کے خلاف تبلیغ کرتا تھا۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ایک کرشمہ ظاہر فرمایا۔
(ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری ۱۹۴۷ء صفحہ ۶۶۔۶۷)

اسی طرح جاوا میں جو مبلغین گرفتار تھے ان کی رہائی کے لئے خدا تعالیٰ نے نشان دکھایا اور جاپانی حکومت کی تباہی کی معین تاریخیں تک بتا دیں۔ چنانچہ جناب سید شاہ محمد صاحب فرماتے ہیں۔
"ایک دفعہ ہمارے بعض دوستوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ استخارہ اور دعا کے ذریعہ معلوم کیا جائے کہ کیا ہم زندہ قید سے

چھٹکارا حاصل کرلیں گے یا ہمارے گلے کاٹے جائیں گے۔...... اس خواہش کی بنا پر میں نے بھی استخارہ کیا...... مجھے رؤیا میں بتایا گیا۔"پندرہ دن" اور ساتھ ہی ایک گھڑی دکھائی گئی جس پر بارہ بج کر اٹھاون منٹ کا وقت تھا اور تفہیم یہ ہوئی کہ ہم پندرہ دن کے بعد بارہ بج کر اٹھاون منٹ پر قید سے رہا ہو جائیں گے ایک دوست محمد طیب نامی کے متعلق معلوم ہوا کہ ان کے کاغذات پر حضرت خلیفتہ المسیح نے دستخط ثبت نہیں کئے اس لئے وہ ہمارے ساتھ قید سے رہا نہیں ہوں گے...... وہ ہمارے بعد رہا ہوں گے۔یہ پندرہ دن مہینہ کی ۲۷ تاریخ کو ختم ہوئے تھے یہ رؤیا سب دوستوں کو سنادی گئی اور ہم سب منتظر تھے کہ وہ دن کب آتا ہے جب ہم رہا ہوں گے۔اتفاق ایسا ہوا کہ جب ہم لوگ سونے لگے تو میرا ہاتھ مکرم مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری مبلغ (جو قید میں میرے ساتھ تھے) کے سر پر لگا۔ان کے علاقہ میں جسے میں نے افریدیوں کا علاقہ قرار دیا ہے یہ معیوب سمجھا جاتا تھا کہ کوئی شخص کسی کے سر پر ہاتھ لگادے۔ لیکن میرا ہاتھ ان کے سر پر اتفاقی طور پر لگ گیا۔مولوی صاحب کی طبیعت پر یہ ناگوار گزرا اور آپ نے مجھ پر ناراضگی کا اظہار کیا...... اور ہم میں بحث کی صورت پیدا ہوگئی...... رات کو ساڑھے تین بجے کے قریب میں نے رؤیا میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہم دونوں کی کل کی حرکت نہایت ناپسند ہے اور اس تکرار کے نتیجہ میں جو ہم دونوں میں ہوئی ہم سب کو تین دن مزید قید کی سزادی جائے گی...... میں نے انہیں اسی وقت جگایا۔میری آنکھوں میں آنسو تھے میں ان کے گلے لگ گیا۔اور ان سے معافی مانگنی شروع کی انہوں نے کہا پاگل تو نہیں ہوگئے جاپانی سنیں گے تو ہمیں مارنا شروع کردیں گے۔میں نے انہیں رؤیا کے متعلق بتایا تو وہ بھی رونے لگ گئے...... الختصر ہم تیس مئی کو رہا ہوئے اور رؤیا کے مطابق جب قید خانہ کے دروازہ سے باہر نکلے تو گھڑی پر ایک بجنے میں دو منٹ باقی تھے۔محمد طیب صاحب کو کمرہ سے باہر لاکر تھوڑی دیر بعد پھر انہیں کمرہ میں بند کردیا گیا...... قید میں ہمیں ایک دوسرے سے بات کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ایک دن ہم عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے مولوی عبدالواحد صاحب امام تھے اور ہم دو مبلغ مقتدی تھے ڈیوٹی پر جو سپاہی تھا اس نے ہمیں نماز پڑھتے دیکھ لیا اور کھڑکی کھول کر اندر آگیا۔اس سپاہی کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا...... اس نے ہمیں زور سے ایک ایک ٹھوکر ماری اور کہا یہ کیا کر رہے ہو۔جاپانی خدا تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں رکھتے وہ دیوتاؤں کے پجاری ہیں۔...... طبعاً ہمیں یہ بات ناگوار گزری کہ اب ہمیں عبادت کی بھی اجازت نہیں دی جاتی۔ہم نے دعا کی اور اسی رات ہم میں سے اکثر کو خدا تعالیٰ نے رؤیا میں دکھایا کہ جاپانی عنقریب تباہ ہو جائیں گے۔(مجھے بھی دس سے زیادہ مرتبہ رؤیا میں بتایا گیا۔لنمزقنهم۔یعنی ہم انہیں ٹکڑے ٹکڑے کردیں گے۔**ھم** کی ضمیر کا اشارہ جاپانیوں کی طرف تھا اور ساتھ ہی یہ بتایا گیا کہ ۱۲/ اگست سے ۲۲/ اگست کے درمیان جاپانی تباہ ہوں گے...... اس کے دوسرے سال یعنی ۱۹۴۵ء میں ۱۲/ اگست کو جاپانی علاقہ میں ایٹم بم گرایا گیا۔اور ۲۲/ اگست کو جاوا میں جاپانیوں نے اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے"۔(خالد مئی ۱۹۵۴ء صفحہ ۳۰-۳۲)

۱۴۶۔ الفضل ۲۵/ جنوری ۱۹۴۶ء میں حضور کا مفصل ارشاد شائع ہوا تھا جس کا متن ۱۹۴۶ء کے واقعات میں درج کیا جائے گا۔

۱۴۷۔ رسالہ خالد جون ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۷-۱۸

۱۴۸۔ تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

۱۴۹۔ اس دورہ کی تفصیلات اپنے مقام پر آئیں گی۔ یہاں صرف اجمالاً تذکرہ کیا گیا ہے۔ صاحبزادہ صاحب کے ہمراہ جناب کمال یوسف صاحب سابق مبلغ سکنڈے نیویا سیکرٹری کی حیثیت سے گئے تھے۔

۱۵۰۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی کتابچہ تحریک جدید مرتبہ جناب مولوی نورالدین صاحب منیر ایم۔اے (نائب وکیل التصنیف تحریک جدید) شائع کردہ وکالت تبشیر ربوہ۔

۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳۔ سید شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا کی رپورٹ محررہ ۱۸/۱۱/۶۲ سے ماخوذ۔

۱۵۴۔ بحوالہ الفضل ۸/ ستمبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۱۔

۱۵۵۔ الفضل ۱۲/ ستمبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۵ تا ۹۔

۱۵۶۔ الفضل ۵/ دسمبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۷ تا ۱۱۔

۱۵۷۔ الفضل ۲۱/ نومبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۵۔

۱۵۸۔ بدر ۱۱/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۴۔الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۲ و تذکرہ طبع دوم صفحہ ۷۰۱۔

۱۵۹۔ الفضل ۲۱/ نومبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۸ تا ۱۰۔
۱۶۰۔ الفضل میں اس لیکچر کی رپورٹ میں لکھا ہے۔ یہ تقریر چار گھنٹہ تک جاری رہی بوجہ رات ہو جانے کے جلسہ گاہ میں گیس کے لیمپ جلا دیئے گئے اور موم بتیاں بھی تقسیم کر دی گئیں تاکہ جو اصحاب تقریر کے نوٹ لے رہے تھے انہیں آسانی ہو آخر بوجہ دیر ہو جانے کے سات بجے کے بعد حضور نے بقیہ تقریر دوسرے دن کرنے کا ارشاد فرماتے ہوئے بند فرمائی۔ (الفضل یکم و ۵/ جنوری ۱۹۲۶ء صفحہ ۲) پھر اگلے دن کی روداد میں لکھا ہے حضور نے بقیہ تقریر شروع فرمائی یہ تقریر بھی چار گھنٹہ سے زیادہ عرصہ تک مسلسل جاری رہی اور آخر ساڑھے سات بجے کے قریب ختم ہوئی۔
۱۶۱۔ (ایضاً صفحہ ۱۱) منہاج الطالبین صفحہ ۲۲۔
۱۶۲۔ الفضل ۱۷/ نومبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۔
۱۶۳۔ الفضل ۱۰/ جنوری ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۔
۱۶۴۔ ایضاً ۲۲/ جنوری ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۔
۱۶۵۔ الفضل ۲۱/ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۲۔
۱۶۶۔ الفضل ۳۰/ جون ۱۹۲۵ء صفحہ ۲۔
۱۶۷۔ انجمن کے شائع کردہ اہم ٹریکٹوں کے عنوان۔ مسلمانوں کو بشارت۔ اسلام کی زندگی مسیح ناصری کی موت میں ہے۔ خاتم النبیین اور اجرائے نبوت۔ معیار صداقت اور حضرت مسیح موعود۔ امکان نبوت در خیرامت۔ فرقہ ناجیہ کی علامات۔ صداقت اسلام اور واقعہ لیکھرام۔ صداقت مسیح موعود از روئے بائبل۔ سچے اور جھوٹے مدعی رسالت میں مابہ الامتیاز۔ صحابہ کرام کے دو عظیم الشان اجماع۔ حضرت مسیح موعود کا زمانہ بعثت۔ حضرت مسیح موعود کی صداقت کا ایک اور نشان ظاہر ہوا۔ عقائد احمدیہ۔ دلائل صداقت انبیاء اور حضرت مسیح موعود۔
۱۶۸۔ الحکم ۱۴/ جون ۱۹۲۵ء صفحہ ۵۔
۱۶۹۔ اخبار سیلون ڈیلی نیوز بحوالہ الفضل ۲۵/ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۲۔
۱۷۰۔ الفضل ۲۳/ مئی ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۔
۱۷۱۔ الفضل ۲/۷ اکتوبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۔
۱۷۲۔ الفضل ۱۷/ اکتوبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۵ و الفضل ۲۱/ نومبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۲۔ رسالہ احمدی کے پہلے ایڈیٹر مولوی غلام صمدانی صاحب بی۔اے جائنٹ ایڈیٹر مولوی دولت احمد خاں بی۔اے اور معاون مدیر مولوی محمد عبد الحافظ صاحب تھے۔ (الفضل ۲۰/ جولائی ۱۹۲۶ء صفحہ ۱)
۱۷۳۔ الفضل ۱۵/ ۱۳ اگست ۱۹۲۵ء صفحہ ۸-۹۔
۱۷۴۔ الفضل ۱۹/ ستمبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۔
۱۷۵۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۲۵ء۔
۱۷۶۔ الفضل ۴/ جنوری ۱۹۲۶ء صفحہ ۲۔
۱۷۷۔ الفضل ۲۶/ فروری ۱۹۲۵ء صفحہ ۷۔
۱۷۸۔ الفضل ۹/ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۔
۱۷۹۔ الفضل ۹/ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۲۔
۱۸۰۔ الفضل ۹/ مئی ۱۹۲۵ء صفحہ ۲۔
۱۸۱۔ الفضل ۱۹/ مئی ۱۹۲۵ء صفحہ ۲۔
۱۸۲۔ الفضل ۱۹/ مئی ۱۹۲۵ء صفحہ ۲۔
۱۸۳۔ الفضل ۱۱/ اگست ۱۹۲۵ء صفحہ ۲۔
۱۸۴۔ الفضل ۲۸/ نومبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۔
۱۸۵۔ الفضل ۲۸/ مارچ ۱۹۲۵ء صفحہ ۲۔

۱۸۶- لکھنؤ کے مشہور اہل قلم اور فسانہ نگار مولوی عبدالحلیم صاحب شرر نے اپنے رسالہ دلگداز ماہ جون ۱۹۲۶ء میں کتاب بہائی مذہب کی حقیقت پر مفصل تبصرہ کیا۔ جس میں لکھا بابیت اسلام کے مٹانے کو آئی ہے اور احمدیت اسلام کو قوت دینے کے لئے۔ اور اسی کی برکت ہے کہ باوجود چند اختلافات کے احمدی فرقہ والے اسلام کی جیسی سچی اور پرجوش خدمت ادا کرتے ہیں۔ دوسرے مسلمان نہیں کرتے اس سلسلے میں مولوی فضل الدین صاحب احمدی نے جو قادیان کے ایک قابل پلیڈر ہیں...... یہ رسالہ بابی اور بہائی مذہبوں کی تردید میں شائع کیا ہے...... مولوی فضل الدین صاحب نے یہ کتاب نہایت قابلیت سے لکھی ہے۔ زبان نہایت پاکیزہ اور شستہ ہے..... جن حضرات کو مذہب بابی و بہائی کی تاریخ اور اس نئے دین کے عقائد و احکام معلوم کرنے کا شوق ہو۔ اس رسالہ کو منگوا کر ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

۱۸۷- مؤلف کتاب سید الانبیاء۔ حیات نور اور حیات طیبہ آپ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو تابعین اصحاب جلد اول صفحہ ۲ تا ۷۹ (از ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان)

۱۸۸- آپ کے مفصل حالات بھی تابعین اصحاب احمد جلد اول صفحہ ۱۸ تا ۲۶ پر موجود ہیں۔

۱۸۹- اعمال باب ۲۔

۱۹۰- ملخصاً از الفضل ۲/ فروری ۱۹۲۶ء صفحہ ۲۔

۱۹۱- الفضل ۵/۹ فروری ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۴۔

۱۹۲- الفضل ۵/۹ فروری ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۳۔

۱۹۳- حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کا شجرہ حضرت داتا گنج بخش تک پہنچتا ہے آپ کے جد امجد شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانے میں سہارنپور سے آئے تھے۔ خاندانی شجرہ نسب درج ذیل ہے۔

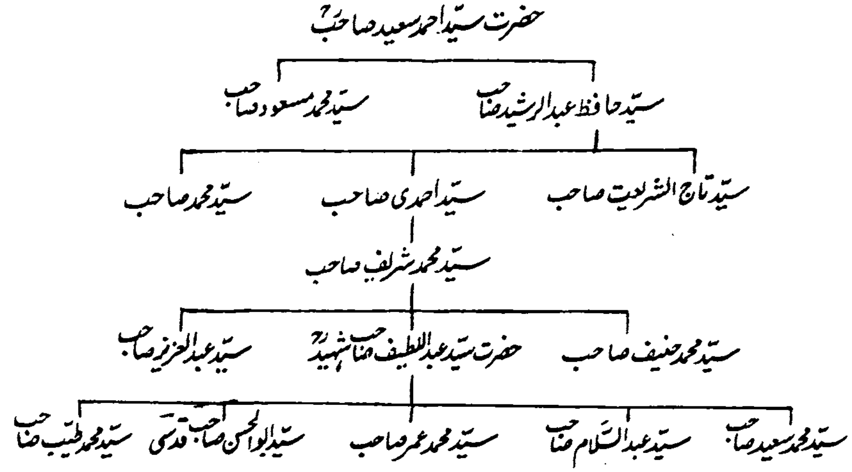

۱۹۴- الفضل ۲۶/ مارچ ۱۹۲۶ء صفحہ ۴۔

۱۹۵- رپورٹ مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۲۲۔ سالہا سال تک دارالشیوخ میں حضرت مسیح موعودؑ کے باغ اور بہشتی مقبرہ سے متصل مکان میں رہا۔ اس کے بعد مدرسہ احمدیہ سے ملحق عمارت میں بھی (جہاں الفضل کا دفتر رہا ہے) دارالشیوخ کے طلبہ مقیم رہے۔

۱۹۶- الفرقان ستمبر۔اکتوبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۱۰۲-۱۰۳۔

۱۹۷- الفرقان ستمبر۔اکتوبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۱۱۹-۱۲۰۔

۱۹۸- ایضاً الفرقان صفحہ ۶۰۔

۱۹۹- رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۳ء صفحہ ۷۳-۴۱۔

۲۰۰- ربوہ میں اس اہم ادارہ کا احیاء دارالیتامیٰ کے نام سے ہو چکا ہے۔ جس کے نگران میر داؤد احمد صاحب (خلف میر محمد اسحٰق صاحبؓ) ہیں۔

۲۰۱۔ الفضل ۲۵/ مئی ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۔
۲۰۲۔ الفضل ۸/ اکتوبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۔
۲۰۳۔ الفضل یکم جون ۱۹۲۶ء صفحہ ۴۔
۲۰۴۔ الفضل ۱۸/ جون ۱۹۲۶ء صفحہ ۲۔
۲۰۵۔ الفضل ۱۰/ اگست ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۔
۲۰۶۔ الفضل ۱۵/ اکتوبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۔
۲۰۷۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۲۶ء۔
۲۰۸۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۲۶ء۔
۲۰۹۔ مقدم الذکر دو اصحاب اس وقت غیر مبائع تھے یاد رہے اس سے پہلے سید عبد الجبار صاحب (سابق والی سوات بھی اس سلسلہ میں قادیان تشریف لا کر گفتگو کر چکے تھے (الفضل ۷/ ستمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۶)
۲۱۰۔ میری داستان (از خان بہادر محمد دلاور خاں) صفحہ ۵۲-۵۳۔
۲۱۱۔ الفضل ۲۴/ ستمبر ۱۹۲۶ء۔
۲۱۲۔ الفضل یکم اکتوبر ۱۹۲۶ء۔
۲۱۳۔ پیغام صلح ۱۷/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۵۔
۲۱۴۔ الفضل ۱۸/ ستمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۸-۹۔
۲۱۵۔ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۸۴-۳۸۶۔ افتتاح مسجد لنڈن کے مفصل حالات کے لئے دیکھو کتاب تاریخ مسجد فضل لنڈن مصنفہ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ۔
۲۱۶۔ تاریخ مسجد فضل لنڈن صفحہ ۹۹-۱۰۰۔
۲۱۷۔ تاریخ مسجد فضل لنڈن صفحہ ۱۰۲۔
۲۱۸۔ تاریخ مسجد فضل لنڈن صفحہ ۱۰۱-۱۰۲۔
۲۱۹۔ تاریخ مسجد فضل لنڈن صفحہ ۱۰۵-۱۰۶۔
۲۲۰۔ خود نوشت ڈائری مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور مطبوعہ خالد اپریل ۱۹۵۹ء صفحہ ۳-۴۔ و خالد مارچ ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۱۔ نیز ملاحظہ ہو خالد مئی تا ستمبر ۱۹۵۹ء۔
۲۲۱۔ ایضاً صفحہ ۱۴۔
۲۲۲۔ الفضل ۱۴/ جنوری ۱۹۲۷ء صفحہ ۶۔
۲۲۳۔ الفضل ۸/ مارچ ۱۹۲۷ء۔
۲۲۴۔ ایضاً خالد ماہ جون ۱۹۵۹ء صفحہ ۶۔
۲۲۵۔ الفضل ۲۶/ نومبر ۱۹۲۶ء۔
۲۲۶۔ مولوی محمد الدین صاحب کے نائب مولوی عبد الرحیم صاحب نیر مقرر ہوئے۔
۲۲۷۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۰-۱۹۳۱ء صفحہ ۱۷۔
۲۲۸۔ مثلاً تحریک آزادی کشمیر (تفصیل اگلی جلد میں آرہی ہے)
۲۲۹۔ تریاق القلوب (صفحہ ۲۸۱ بار دوم)
۲۳۰۔ حقیقتہ الوحی طبع اول صفحہ ۲۸۴ حاشیہ۔
۲۳۱۔ بحوالہ الفضل ۴/ جنوری ۱۹۲۷ء صفحہ ۴۔
۲۳۲۔ بحوالہ الفضل ۴/ جنوری ۱۹۲۷ء صفحہ ۴۔
۲۳۳۔ الفضل ۱۱/ جنوری ۱۹۲۷ء صفحہ ۴-۵۔ شردھانند کے قتل پر اخبار امان افغان نے لکھا "شردھانند ایک بہت بڑے راہنما اور صاحب

عزم بزرگ تھے اور اس قسم کے لوگ خواہ وہ کسی قوم یا مذہب سے تعلق رکھتے ہوں جمہور اقوام کے عقلاء کے نزدیک واجب الاحترام ہوا کرتے ہیں چنانچہ ایسی محترم شخصیت کی وفات ہمارے دل کو صدمہ پہنچا رہی ہے" نیز لکھا "شردھانند کو ایک مسلمان نے قتل کیا لیکن یہ ایک ایسی حرکت ہے جس کا حکم اسلام نے نہیں دیا"۔(بحوالہ الفضل یکم مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۹)

۲۳۴۔ ملاحظہ ہو دیباچہ کتاب الجہاد فی الاسلام (از سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی)

۲۳۵۔ الفضل ۱۶/ ستمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۔

۲۳۶۔ الفرقان ۱۹۵۷ء صفحہ ۲۹۔

۲۳۷۔ الفرقان جنوری ۱۹۵۹ء صفحہ ۴۔

۲۳۸۔ (الف) تاریخ وفات یکم جولائی ۱۹۲۶ء ' ۲۳۸۔ (ب) تاریخ وفات ۲/ ستمبر ۱۹۲۶ء۔

۲۳۹۔ الفضل ۱۱/ جنوری ۱۹۲۷ء صفحہ ۳-۴۔

۲۴۰۔ الفضل ۲/ اپریل ۱۹۲۶ء صفحہ ۱-۲۔

۲۴۱۔ الفضل ۱۲/ جنوری ۱۹۲۶ء صفحہ ۲۔

۲۴۲۔ الفضل ۲۶/ فروری ۱۹۲۶ء صفحہ ۲۔

۲۴۳۔ الفضل ۹/ جولائی ۱۹۲۶ء صفحہ ۲۔

۲۴۴۔ الفضل ۱۴/ جنوری ۱۹۲۷ء صفحہ ۳۔ ایضاً الفضل ۱۲/ نومبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۱- ۱۹/ نومبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۔

۲۴۵۔ الفضل ۱۰/ دسمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۔

۲۴۶۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۲۶ء۔

۲۴۷۔ الفضل ۲۱/ دسمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۔

۲۴۸۔ الفضل ۱۶/ فروری ۱۹۲۶ء صفحہ ۸ و ۱۳/ اپریل ۱۹۲۶ء صفحہ ۹ و ۳/ اگست ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۰ و ۲۶/ اکتوبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۶-۲۱/ دسمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۷۔

۲۴۹۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۲۶ء۔

۲۵۰۔ الفضل ۵/ مارچ ۱۹۲۶ء صفحہ ۲۔

۲۵۱۔ الفضل یکم جون ۱۹۲۶ء صفحہ ۲۔

۲۵۲۔ الفضل ۱۱/ جون ۱۹۲۶ء صفحہ ۲۔

۲۵۳۔ الفضل ۱۸/ جون ۱۹۲۶ء صفحہ ۲۔

۲۵۴۔ الفضل ۱۳/ جولائی ۱۹۲۶ء صفحہ ۲۔

۲۵۵۔ الفضل ۱۷/ اگست ۱۹۲۶ء صفحہ ۹۔

۲۵۶۔ الفضل ۳۰/ نومبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۹۔

۲۵۷۔ الفضل ۱۱/ مئی ۱۹۲۶ء صفحہ ۲۔

۲۵۸۔ حدیث کی کتاب۔

۲۵۹۔ پرتاپ ۵/ جنوری ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۰ بحوالہ الفضل ۱۱/ جنوری ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۰۔

۲۶۰۔ خطبہ فرمودہ ۲۲/ اپریل ۱۹۲۷ء مطبوعہ الفضل ۶/ مئی ۱۹۲۷ء صفحہ ۷۔

۲۶۱۔ الفضل ۶/ مئی ۱۹۲۷ء صفحہ ۷-۹۔

۲۶۲۔ بحوالہ الفضل ۳۱/ مئی ۱۹۲۷ء صفحہ ۵۔

۲۶۳۔ بحوالہ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ ۵۴۔

۲۶۴۔ الفضل ۸/ مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۵۔

۲۶۵۔ الفضل ۴/ مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۔

۲۶۶۔ الفضل ۸/ مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۲۔
۲۶۷۔ الفضل ۱۶/ اگست ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۔
۲۶۸۔ الفضل ۴/ اکتوبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۔
۲۶۹۔ الفضل ۸۔ مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۲۔
۲۷۰۔ الفضل ۱۱/ مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۶۔
۲۷۱۔ الفضل ۸/ مارچ ۱۹۲۷ء۔
۲۷۲۔ الفضل ۱۱/ مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۷۔
۲۷۳۔ اخبار تنظیم۔ امرتسر ۱۴/ مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۲۔
۲۷۴۔ الفضل ۱۱/ مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۷۔ اس لیکچر کا اپنے لفظوں میں خلاصہ ڈاکٹر شاہنواز خان صاحب نے ریویو آف ریلیجنز اردو۔ جنوری ۱۹۳۰ء میں شائع کر دیا تھا۔
۲۷۵۔ ایضاً ۱۵/ مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۹۔
۲۷۶۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔
۲۷۷۔ رپورٹ مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۸۶۔
۲۷۸۔ جناب عبد المجید صاحب سالک کا بیان ہے۔ "۴/ مئی ۱۹۲۷ء کو رات کے وقت حویلی کابلی مل کی مسجد سے چند مسلمان نماز پڑھ کر نکلے تو سکھوں نے ڈبی بازار والے گوردوارے سے نکل کر ان پر حملہ کیا اور تین غازی شہید ہو گئے حکام شہر اور بزرگان شہر نے انتہائی تدابیر اختیار کیں تاکہ فساد پھیلنے نہ پائے۔ مسلمانوں نے نہایت صبر و شکیب سے کام لیا اور دوسرے دن شہداء کی میتیں ہزارہا مسلمانوں کے جلوس کے ساتھ اٹھیں جب یہ جلوس لوہاری دروازہ کے باہر پہنچا تو ہندوؤں کے ایک مکان سے جنازہ پر کنکر پھینکے گئے۔ مسلمان بپھر گئے لیکن پھر بڑوں کے سمجھانے بجھانے پر خاموش ہو گئے۔ تاکہ جنازوں کی توہین نہ ہو لیکن جب ہزارہا مسلمان میتوں کو دفن کرنے کے بعد واپس آئے تو ہندوؤں سے ان کا تصادم ہو گیا اور شہر کے مختلف حصوں میں چھرا چلنے لگا۔ اگرچہ اس فساد کا آغاز سکھوں کی طرف سے ہوا تھا لیکن حویلی کابلی مل کے حادثہ کے بعد سکھ خدا جانے کہاں غائب ہو گئے اور خونریزی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہونے لگی۔ ایسی حالت میں سکھوں کا طریقہ یہی ہوتا تھا کہ وہ جانتے تھے کہ ہم بہت قلیل اقلیت میں ہیں۔ اگر ہم میں سے دو تین آدمیوں نے فساد شروع کر دیا ہے تو باقی سکھوں کو اس فساد کے نتائج سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ طیش کھائے ہوئے مسلمان ہندوؤں پر حملہ آور ہو جاتے تھے اور پھر ہندو بھی اپنے اپنے حلقوں میں مسلمانوں کا قتل کرنا شروع کر دیتے تھے۔ غرض دو تین دن لاہور میں کشت و خون کا سلسلہ جاری رہا اور کوئی دو سو ہلاک اور تین سو سے زیادہ زخمی ہوئے۔" (سرگزشت از جناب عبد المجید صاحب سالک صفحہ ۲۳۶۔ ۲۳۷)
۲۷۹۔ الفضل ۲۰/ مئی ۱۹۲۷ء صفحہ ۲، ۱۷/ مئی ۱۹۲۷ء صفحہ ۲۔
۲۸۰۔ اخبار سیاست لاہور ۱۵/ مئی ۱۹۲۷ء اور الفضل ۱۱/ مئی ۱۹۲۷ء صفحہ ۲ پر یہ مکمل اشتہار چھپا ہوا ہے۔
۲۸۱۔ الفضل ۲۰/ مئی ۱۹۲۷ء صفحہ ۲ و الفضل ۲۴/ مئی ۱۹۲۷ء صفحہ ۲۔
۲۸۲۔ ہفت روزہ ترجمان لاہور ۶/ جون ۱۹۲۷ء صفحہ ۷۔
۲۸۳۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۹
۲۸۴۔ الفضل ۱۰/ مئی ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۔
۲۸۵۔ الفضل ۱۳/ مئی ۱۹۲۷ء۔
۲۸۶۔ الفضل ۱۳/ مئی ۱۹۲۷ء صفحہ ۲۔
۲۸۷۔ آپ اسلام اور مسلمانوں کے لئے کیا کر سکتے ہیں؟ صفحہ ۷ تا ۱۵۔
۲۸۸۔ تقریر دلپذیر صفحہ ۴۳۔ ۱۹۲۷ء (از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی)

ساتواں باب (فصل اول)

خلافت ثانیہ کا چودھواں سال

کتاب "رنگیلا رسول" اور رسالہ "ورتمان" کا فتنہ جماعت احمدیہ کا زبردست دفاع اور تحفظ ناموس رسول کے لئے ملک گیر تحریک کا آغاز

آنحضرت ﷺ پر آریہ مصنفوں کے حملے

اس دور میں بعض بد زبان اور دریدہ دہن آریہ مصنف آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات پر خاص طور پر حملے کر رہے تھے چنانچہ ایک آریہ سماجی راجپال نے "رنگیلا رسول" نامی کتاب شائع کی اور اس میں مقدس بانی اسلام ﷺ کی نسبت نہایت درجہ دلخراش اور اشتعال انگیز باتیں لکھیں جس پر حکومت کی طرف سے مقدمہ چلا۔ یہ مقدمہ ابھی زیر سماعت تھا کہ امرتسر کے ہندو رسالہ "ورتمان" نے مئی ۱۹۲۷ء کی اشاعت میں ایک بے حد دلآزار مضمون شائع کیا جس میں ایک آریہ دیوی شرن شرما نے افسانوی صورت میں آنحضرت ﷺ کے خلاف یہ دکھانے کی کوشش کی کہ (معاذ اللہ) مبتلائے عذاب ہیں اور اس کی وجہ (خاکش بدہن) شہوت رانی ہے اس شرمناک فسانہ میں حضور علیہ التحیتہ والسلام اور حضور کے مقدس اہل بیت کے نام بھی بگاڑ کر پیش کئے گئے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ولولہ انگیز بیان اور اس کا زبردست رد عمل

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے یہ اشتعال انگیز مضمون دیکھتے ہی ایک پوسٹر شائع فرمایا جس کا عنوان تھا۔ "رسول کریم کی محبت کا دعویٰ کرنے والے کیا اب بھی بیدار نہ ہوں گے" [1]

اس پوسٹر میں حضور نے نہایت پر شوکت اور پر جلال انداز میں تحریر فرمایا:۔

"کیا اس سے زیادہ اسلام کے لئے کوئی اور مصیبت کا دن آسکتا ہے؟ کیا اس سے زیادہ ہماری بیکسی کوئی اور صورت اختیار کر سکتی ہے؟ کیا ہمارے ہمسایوں کو یہ معلوم نہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ فداہ نفسی واہلی کو اپنی ساری جان اور سارے دل سے پیار کرتے ہیں اور ہمارے جسم کا ذرہ ذرہ اس پاکبازوں کے سردار کی جوتیوں کی خاک پر بھی فدا ہے اگر وہ اس امر سے واقف ہیں تو پھر اس قسم کی تحریرات سے سوائے اس کے اور کیا غرض ہو سکتی ہے۔ کہ ہمارے دلوں کو زخمی کیا جائے اور ہمارے سینوں کو چھیدا جائے اور ہماری ذلت اور بے بسی کو نہایت بھیانک صورت میں ہماری آنکھوں کے سامنے لایا جائے اور ہم پر ظاہر کیا جائے کہ مسلمانوں کے احساسات کی ان لوگوں کو اس قدر بھی پرواہ نہیں جس قدر کہ ایک امیر کبیر کو ایک ٹوٹی ہوئی جوتی کی ہوتی ہے لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا مسلمانوں کو ستانے کے لئے ان لوگوں کو کوئی اور راستہ نہیں ملتا ہماری جانیں حاضر ہیں ہماری اولادوں کی جانیں حاضر ہیں جس قدر چاہیں ہمیں دکھ دے لیں لیکن خدارا نبیوں کے سردار کی ہتک کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو تباہ نہ کریں کہ اس پر حملہ کرنے والوں سے ہم بھی صلح نہیں کر سکتے ہماری طرف سے بار بار کہا گیا ہے اور میں پھر دوبارہ ان لوگوں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہماری جنگل کے درندوں اور بن کے سانپوں سے صلح ہو سکتی ہے لیکن ان لوگوں سے ہرگز صلح نہیں ہو سکتی جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے والے ہیں۔ بیشک وہ قانون کی پناہ میں جو کچھ چاہیں کریں اور پنجاب ہائیکورٹ کے تازہ فیصلہ کی آڑ میں جس قدر چاہیں ہمارے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے لیں۔ لیکن وہ یاد رکھیں کہ گورنمنٹ کے قانون سے بالا اور قانون بھی ہے اور وہ خدا کا بنایا ہوا قانون فطرت ہے وہ اپنی طاقت کی بنا پر گورنمنٹ کے قانون کی زد سے بچ سکتے ہیں لیکن قانون قدرت کی زد سے نہیں بچ سکتے اور قانون قدرت کا یہ اٹل اصل پورا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس کی ذات سے ہمیں محبت ہوتی ہے اس کو برا بھلا کہنے کے بعد کوئی شخص ہم سے محبت اور صلح کی توقع نہیں رکھ سکتا"۔

پھر مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اے بھائیو! میں دردمند دل سے پھر آپ کو کہتا ہوں کہ بہادر وہ نہیں جو لڑ پڑتا ہے وہ بزدل ہے کیونکہ وہ اپنے نفس سے دب گیا ہے بہادر وہ ہے جو ایک مستقل ارادہ کر لیتا ہے اور جب تک اس کو پورا نہ کر لے اس سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ پس اسلام کی ترقی کے لئے اپنے دل میں تینوں باتوں کا عہد کر لو۔ اول یہ کہ آپ خشیت اللہ سے کام لیں گے اور دین کو بے پرواہی کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے دوسرے یہ کہ آپ تبلیغ اسلام سے پوری دلچسپی لیں گے اور اس کام کے لئے اپنی جان اور اپنے مال کی

قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ اور تیسرے یہ کہ آپ مسلمانوں کو تمدنی اور اقتصادی غلامی سے بچانے کے لئے پوری کوشش کریں گے اور اس وقت تک بس نہیں کریں گے جب تک کہ مسلمان اس کچل دینے والی غلامی سے بکلی آزاد نہ ہو جائیں اور جب آپ یہ عہد کرلیں تو پھر ساتھ ہی اس کیمطابق اپنی زندگی بسر کرنے لگیں۔ یہی وہ سچا اور حقیقی بدلہ ہے ان گالیوں کا جو اس وقت بعض ہندو مصنفین کی طرف سے رسول کریم ﷺ فداہ نفسی واہلی کو دیجاتی ہیں اور یہی وہ سچا اور حقیقی علاج ہے جس سے بغیر فساد اور بدامنی پیدا کرنے کے مسلمان خود طاقت پکڑ سکتے ہیں اور دوسروں کی مدد کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں ورنہ اس وقت تو وہ نہ اپنے کام کے ہیں نہ دوسروں کے کام کے اور وہ قوم ہے بھی کس کام کی جو اپنے سب سے پیارے رسول کی عزت کی حفاظت کے لئے حقیقی قربانی نہیں کر سکتی؟

کیا کوئی دردمند دل ہے جو اس آواز پر لبیک کہہ کر اپنے علاقہ کی درستی کی طرف توجہ کرے اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کا وارث ہو"۔ [۴]

اس پوسٹر نے جو پورے ہندوستان میں ایک ہی تاریخ کو راتوں رات چسپاں کر دیا گیا تھا۔ ملک بھر میں زبردست ہیجان کی صورت پیدا کر دی اور حکومت کو انتہائی جدوجہد کے ساتھ امن قائم رکھنا پڑا۔ اگرچہ پوسٹر ضبط کر لیا گیا مگر یہ ضبطی غیرت رسولؐ اور عشق رسولؐ کے طوفان کو بھلا کیا روکتی اس سے مسلمانوں کے دلوں میں اسلام اور بانی اسلام حضرت محمد ﷺ کے لئے قربانی اور فدائیت کے جذبات پہلے سے بھی زیادہ شدت سے موجزن ہونے لگے اور خود حکومت کو بھی "ورتمان" کا ناپاک اور گندہ پرچہ ضبط کرنے اور اس کے ایڈیٹر اور مضمون نگار پر مقدمہ چلانے کی فوری توجہ پیدا ہوئی۔

ہندوؤں نے یہ صورت دیکھی تو سر میلکم ہیلی (SIR MALCOLM HAILEY) گورنر پنجاب کے نام کھلی چھٹی لکھی۔

"اس رسالہ "ورتمان" میں جو مضمون قابل اعتراض سمجھا گیا ہے اس کے جواب میں ایک نہایت گندہ دل آزار اور اشتعال دلانے والا پوسٹر مرزا بشیر.... قادیان کی طرف سے شائع کیا گیا اور اس کی ہزارہا کاپیاں چھاپ کر ملک کے ہر حصہ میں تقسیم اور چسپاں کرائی گئیں۔ رسالہ ورتمان کا وہ پرچہ جس پر قابل اعتراض مضمون چھپا چند سو سے زیادہ نہ چھپا ہو گا اور اسے ایک آدھ مسلمان کے سوا اور کسی مسلمان نے نہیں پڑھا ہو گا لیکن مرزا کا پوسٹر جہاں لاکھوں مسلمانوں نے پڑھا وہاں لاکھوں ہندوؤں کی بھی نظر سے گذرا۔ اور اس طرح پر اس کے ذریعہ زیادہ زہر پھیلایا گیا۔ مگر سرکار نے مرزا کی اس شرارت کا اس کے سوا اور کوئی نوٹس نہ لیا کہ اس کا پوسٹر ضبط کر لیا گیا کیا اس امر کی ضرورت نہ تھی کہ

جس طرح لالہ گیان چند (اڈیٹر ورتمان ناقل) کے خلاف مقدمہ چلایا گیا ہے اسی طرح مرزا کے خلاف بھی قانون کو حرکت دی جاتی۔[۴۲]

کتاب "رنگیلا رسول" سے متعلق عدالت پنجاب کا فیصلہ

اوپر کتاب "رنگیلا رسول" کا ذکر آچکا ہے اس ناپاک کتاب کے مقدمہ میں راجپال کو زیر دفعہ ۱۵۳-الف تعزیرات ہند چھ ماہ قید بامشقت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا چھ ماہ قید مزید کی سزا ہوئی تھی۔ راجپال نے پنجاب ہائیکورٹ میں اپیل دائر کی اور اس کے جج کنور دلیپ سنگھ نے فیصلہ دیا کہ۔

"میری رائے میں دفعہ ۱۵۳-الف اس قدر وسیع معانی کے لئے نہیں بنایا گیا تھا۔ میرے خیال میں اس دفعہ کے وضع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو کسی ایسی قوم پر حملہ کرنے سے روکا جائے جو موجود ہو نہ کہ اس سے گذشتہ مذہبی رہنماؤں کے خلاف اعتراضات اور حملوں کو روکنا مقصود تھا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں اس امر پر اظہار افسوس کرتا ہوں کہ ایسی دفعہ کی تعزیرات میں کمی ہے لیکن میں یہ نہیں سمجھتا کہ یہ مقدمہ دفعہ ۱۵۳-الف کی زد میں آتا ہے اس لئے میں نظر ثانی کو بادل ناخواستہ منظور کرتا ہوں۔ اور مرافعہ گزار کو بری کرتا ہوں"۔[۴۳]

اخبار "مسلم آؤٹ لک" لاہور کا عدالتی فیصلہ کے خلاف احتجاج

فیصلہ کے خلاف اخبار مسلم آؤٹ لک (Muslim Out Look) کے احمدی ایڈیٹر سید دلاور شاہ صاحب بخاری نے ۱۴ جون ۱۹۲۷ء کو "مستعفی ہو جاؤ" کے عنوان سے ایک اداریہ لکھا جس پر پنجاب ہائیکورٹ کی طرف سے اخبار کے ایڈیٹر اور اس کے مالک وطابع (مولوی نور الحق صاحب) کے نام توہین عدالت کے جرم میں ہائیکورٹ کی طرف سے نوٹس پہنچ گیا

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے سید دلاور شاہ بخاری کو مشورہ

سید دلاور شاہ صاحب بخاری ہائیکورٹ کا نوٹس لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ مضمون پر اظہار افسوس کر دینا چاہئے مگر حضور نے مشورہ دیا کہ۔

"ہمارا فرض ہونا چاہئے کہ صوبہ کی عدالت کا مناسب احترام کریں لیکن جبکہ ایک مضمون آپ نے دیانتداری سے لکھا ہے اور اس میں صرف ان خیالات کی ترجمانی کی ہے جو اس وقت ہر مسلمان کے دل میں اٹھ رہے ہیں تو اب آپ کا فرض سوائے اس کے کہ اس سچائی پر مضبوطی سے قائم رہیں

اور کیا ہو سکتا ہے یہ رسول کریم ﷺ کی محبت کا سوال ہے اور ہم اس مقدس وجود کی عزت کے معاملہ میں کسی کے معارض بیان پر بغیر آواز اٹھائے نہیں رہ سکتے ہیں میں قانون تو جانتا نہیں اس کے متعلق تو آپ قانون دان لوگوں سے مشورہ لیں مگر میری طرف سے آپ کو یہ مشورہ ہے کہ آپ اپنے جواب میں لکھوا دیں کہ اگر ہائیکورٹ کے ججوں کے نزدیک کنور دلیپ صاحب کی عزت کی حفاظت کے لئے تو قانون انگریزی میں کوئی دفعہ موجود ہے لیکن رسول کریم ﷺ کی عزت کی حفاظت کے لئے کوئی دفعہ موجود نہیں تو میں بڑی خوشی سے جیل خانہ جانے کے لئے تیار ہوں"۔ [۵]

مقدمہ کی سماعت اور سید دلاور شاہ کا بیان

اس مقدمہ کی سماعت ۲۲ جون ۱۹۲۷ء کو ہائیکورٹ کے فل بنچ نے کی جس میں سید دلاور شاہ صاحب بخاری نے مومنانہ غیرت کا ثبوت دیتے ہوئے نہایت ایمان افروز بیان دیا کہ۔

"مسلمان کا سب سے زیادہ محبوب اور مطلوب جذبہ یہ ہے کہ وہ اسلام کے پیغمبر پاک سے عقیدت وافر اور ارادت کامل رکھتا ہے۔ مسلمان کے لئے خواہ وہ کسی طبقہ یا درجہ سے تعلق رکھتا ہو عام اس سے کہ وہ امیر ہو یا غریب و نادار یہ ناممکن ہے کہ پیغمبر پاک ﷺ کی ذات پاک یا آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ پر کسی قسم کا حملہ گوارا کر سکے..... یہی وجہ ہے کہ رنگیلا رسول کی اشاعت سے ہر ایک قلب مسلم پر یاس و ہیجان مستولی ہو گیا۔ ہر مسلمان مضطرب نظر آنے لگا۔ لیکن اس اشتعال انگیز کتاب کی اشاعت سے مشتعل شدہ جذبات کو ملت اسلامیہ کے ہر فرد نے دبائے رکھا۔ اور اس امید سے دل کو تسلی دے لی کہ اس کی اشاعت کے ذمہ دار کو قانون کے ماتحت واجب اور منصفانہ سزا دی جائے گی اور کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔ آنریبل مسٹر جسٹس دلیپ سنگھ کے فیصلہ نے امیدوں کے قصر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اس وسیع ملک کے طول و عرض میں لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو نہایت سخت صدمہ پہنچا"۔ [۶]

چودھری ظفر اللہ خان صاحب کی فاضلانہ بحث

اس مقدمہ میں وکالت کے لئے مسلمان وکلاء نے متفق طور پر چودھری ظفر اللہ خان صاحب کا نام تجویز کیا اور آپ ہی مقدمہ میں پیش ہوئے اور ایسی قابلیت اور عمدگی سے وکالت کی کہ سب مسلمانوں نے آپ کو خراج تحسین ادا کیا۔ چنانچہ اخبار "دور جدید" لاہور نے لکھا:۔

" مسلم آؤٹ لک کے اس کیس کے سلسلہ میں جو درحقیقت راجپال کے مقدمہ تحقیر نبی کریم کا ایک شاخسانہ تھا۔ شفیع مرحوم و مغفور کی کوٹھی پر پنجاب کے بہترین وکلاء اس غرض کے لئے جمع

ہوئے تھے کہ اس مقدمہ کو ہائیکورٹ میں ججوں کے سامنے کون پیش کرے تو ان چوٹی کے آٹھ دس وکلاء نے (جو سب کے سب لیڈر اور قومی رہنما اور سردار سمجھے جاتے ہیں) متفقہ طور پر فیصلہ کیا تھا کہ اس کام کو چوہدری ظفر اللہ خاں کے علاوہ اور کوئی شخص کامیابی کے ساتھ انجام نہیں دے سکتا۔ چودھری صاحب موصوف نے اگرچہ اس بات پر بہت زور دیا اور فرمایا کہ آپ حضرات تجربہ 'قابلیت' شہرت اور استعداد میں مجھ سے بڑھ کر ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذمہ دار کارکن آپ میں سے کوئی بزرگ ہو جائے اور میں بطور اسسٹنٹ ممکن خدمت اور مدد کرتا رہوں لیکن اس کو کسی ایک نے بھی منظور نہ کیا۔

چودھری صاحب نے ہائیکورٹ میں یہ کیس بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا اور اپنی سحربیان تقریر کے آخری فقروں میں فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ جن کے احکام کے سامنے دنیا کی چالیس کروڑ آبادی کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں جن کی غلامی پر دنیا کے جلیل القدر شہنشاہ عظیم الشان وزراء مشہور عالم جرنیل اور کرسی عدالت پر رونق افروز ہونے والے جج (جنکی قابلیت پر زمانہ کو ناز ہے) فخر کرتے ہیں ایسے انسان کامل کے متعلق راجپال کی ذلیل تحریر کو کسی جج کا یہ قرار دینا کہ اس سے نبی کریم کی کوئی ہتک نہیں ہوئی تو پھر مسلم آؤٹ لک کے مضمون سے بھی یہ فیصلہ قرار دینے والے کہ اس سے کسی کی کوئی تحقیر نہیں ہوئی صاحب الرائے ٹھہرتے ہیں۔ اس موقعہ پر مولانا ظفر علی خان صاحب جو اس وقت موجود تھے فرط جوش میں آبدیدہ ہو گئے۔ اور ان سے رہا نہ گیا وہ صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور چودھری صاحب کا ہاتھ چوم کر ان کو گلے سے لگالیا نیز نہایت پر زور طریق سے یہ بات کہی کہ چوہدری صاحب کی اس تقریر نے واضح طور پر غلط ثابت کر دیا ہے کہ مسلمانوں میں مقرر نہیں۔ ان واقعات سے صرف نظر کرتے ہوئے چودھری صاحب کو ایک زمانہ میں انجمن حمایت اسلام کی ممبری کے لئے مینیجنگ کمیٹی کا بھی ممبر بنایا گیا اور آپ نے مسلمانوں کے مختلف ڈیپوٹیشنز کی ممبری کے فرائض سرانجام دیئے"۔ [۷]

اخبار سیاست (لاہور) ۲۳ جون ۱۹۲۷ء نے لکھا:۔

" اس سوال پر کہ عدالت کو اس مقدمہ کی سماعت کا حق حاصل ہے یا نہیں چودھری ظفر اللہ خان صاحب بیرسٹرایٹ لاء ممبر پنجاب کونسل نے زبردست تقریر کی اور متعدد حوالے دیکر ثابت کرنا چاہا کہ عدالت ہائے برطانیہ کو ولایت کے قانون عامہ کی رو سے ایسے مقدمات کی سماعت کا اختیار حاصل ہے یہ اختیار پرانی عدالت ہائے ہند کو حاصل تھا جو بمبئی' مدراس اور کلکتہ میں موجود تھیں ان کے بعد انہی شہروں میں عدالت ہائے عالیہ مقرر ہوئیں ان کو یہ حق خاص طور پر تفویض ہوا ان کے سوا کسی عدالت

کو یہ حق حاصل نہیں سرکاری وکیل نے جواب میں کہا کہ الہ آباد ہائیکورٹ اور پنجاب ہائیکورٹ کی حیثیت ایک ہی ہے اور دونوں کو یہ حق حاصل ہے غرضیکہ پُرلطف بحث ہوئی اور ساڑھے بارہ بجے عدالت نے فیصلہ کیا کہ ہمیں سماعت مقدمہ کا حق حاصل ہے اگرچہ فیصلہ چودھری ظفر اللہ خان صاحب کے خلاف ہوا تاہم ان کی قابلیت اور ان کے فاضلانہ خطاب کا ہر شخص معترف تھا اور اپنے اور بیگانے وکلاء نے بھی ان کو ان کی تیاری اور قابلانہ تقریر پر مبارکباد دی۔

اس کے بعد اصل الزام زیر بحث آیا مسٹر کارڈن بیرسٹر نے سرکار کی طرف سے تقریر کی اور کہا کہ جس مضمون پر اعتراض ہے وہ ۱۴ جون کو شائع ہوا اس کا عنوان ہے "مستعفی ہو جاؤ" ایک جج سے استعفاء کا مطالبہ کرنا ہی اس کی سخت ہتک کرنا ہے دوسرے اس مضمون میں لکھا ہے کہ جن حالات میں یہ فیصلہ ہوا ہے جو غیر معمولی فیصلہ ہے ان کی تحقیقات ہونا چاہئے اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ مضمون میں الزام لگایا گیا ہے کہ فاضل جج نے ایمانداری سے فیصلہ نہیں کیا........

آپ کے بعد..... مسٹر ظفر اللہ نے ثابت کیا کہ کسی جج سے استعفاء کا مطالبہ کرنا اس کی ہتک کرنا نہیں ہے اس کو عدالت نے تسلیم کیا آپ نے کہا کہ ملزمین نے نہایت دلیرانہ جواب دیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ جھوٹ بولنے والے نہیں ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد یہ نہ تھا کہ جج کی نیت پر حملہ کریں تو ہمیں ان کے بیان پر اعتماد کرنا چاہئے وہ اس امر کی تحقیقات چاہتے تھے کہ آیا اس مقدمہ میں سرکاری وکیل نے خوب بحث کی یا نہ کی اور جج نے اس کو دو ججوں کے سپرد کیوں نہ کر دیا اکیلے کیوں فیصلہ کیا وغیرہ وغیرہ آپ نے کہا کہ ایک فقرہ کے بھلے اور برے دو معنی ہو سکتے ہیں اس کے جو بھلے معنی ہیں عدالت ان کو اختیار کرے"۔

مولوی نور الحق صاحب کی جانب سے مسٹر نیاز محمد نے کہا کہ وہ محض ناشر و طابع ہیں اور انگریزی نہیں جانتے لہذا ان کی ذمہ داری کم ہے آپ نے کئی حوالے پیش کئے مگر مولوی نور الحق صاحب نے خود اٹھ کر کہہ دیا میں تمام الزام قبول کو کرتا ہوں"۔

عدالت کی طرف سے سزا کا فیصلہ

جسٹس براڈوے نے سید دلاور شاہ صاحب بخاری، مولوی نور الحق صاحب کے بیانات اور چودھری ظفر اللہ خان صاحب کی بحث سننے کے بعد فیصلہ دیا کہ:۔

" میں سید بخاری کو چھ ماہ قید محض اور ساڑھے سات سو روپے جرمانہ اور بصورت عدم ادائیگی چھ ہفتہ مزید قید محض کی سزا دیتا ہوں اور مولوی نور الحق کو ۳ ماہ قید محض ہزار روپے جرمانہ اور بصورت عدم ادائیگی مزید ایک ماہ قید محض کا حکم سناتا ہوں۔ تمام ججوں نے اس سزا سے اتفاق کیا۔ فوراً پولیس کے

افسروں نے ملزمین کو گھیر لیا۔ وارنٹ تیار تھے۔ انہیں موٹر میں بٹھا کر سنٹر جیل کو لے گئے۔ ۸

تحفظ ناموس رسولؐ کیلئے مسلمانان ہند کی راہنمائی اور ملک گیر تحریک کا آغاز

عدالتی فیصلہ پر مسلمانان ہند کا قومی دماغ سخت پریشان ہو گیا اور مسلمان اس وقت متفق طور پر یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ اب انہیں کیا اقدام کرنا چاہئے ایک فریق نے یہ علاج سوچا کہ عدالتوں کا بائیکاٹ کیا جائے۔ دوسرے فریق نے کہا کہ مسلم آؤٹ لک کے ایڈیٹر کی طرح دوسرے مسلمان بھی توہین عدالت کے جرم کا تکرار کریں آخر کتنے مسلمانوں کو جیل خانہ میں ڈالا جا سکے گا۔ تیسرے فریق نے یہ تجویز بتائی کہ ملک میں سول نافرمانی شروع کر دی جائے۔

مگر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے ان سب تدبیروں کو پُر زور دلائل سے بے فائدہ بلکہ مسلم مفادات کے اعتبار سے انتہائی نقصان دہ اور ضرر رسان ثابت کیا۔ اور اس نازک ترین وقت میں جبکہ مسلمانوں اور اسلام کی زندگی اور موت کا سوال درپیش تھا مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی اور تحفظ ناموس رسول ﷺ کے لئے ایک پرامن مگر مؤثر عملی تحریک کا آغاز کر دیا۔

۲۲ جولائی ۱۹۲۷ء کے دن جلسوں کی تجویز

اس سلسلہ میں حضور نے ابتدائی مرحلہ پر فوری رنگ میں یہ تجویز کی کہ "مسلم آؤٹ لک" کے مدیر و مالک کی قید کے پورے ایک ماہ بعد یعنی ۲۲ جولائی ۱۹۲۷ء کو جمعہ کے دن ہر مقام پر جلسے کئے جائیں جن میں مسلمانوں کو اقتصادی اور تمدنی آزادی سے متعلق آگاہ کیا جائے اور سب سے وعدہ لیا جائے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں تبلیغ اسلام کا کام جاری کریں گے۔ اور ہندوؤں سے ان امور میں چھوت چھات کریں گے جن میں ہندو چھوت چھات کرتے ہیں اپنے قومی حقوق قوانین حکومت کے ماتحت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اس دن ہر مقام پر ایک مشترکہ انجمن بنائی جائے جو مشترکہ فوائد کا کام اپنے ہاتھ میں لے۔ اسی طرح تمام مسلمان حکومت سے درخواست کریں کہ ہائی کورٹ کی موجودہ صورت مسلمانوں کے مفاد کے خلاف اور ان کی ہتک کا موجب ہے (پنجاب میں) پچپن فیصد آبادی والی قوم کے کل دو جج ہیں اس لئے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ کم سے کم ایک مسلمان جج پنجاب کے بیرسٹروں میں سے اور مقرر کیا جائے اور اسے نہ صرف مستقل کیا جائے بلکہ دوسرے ججوں سے اسے اس طرح سینئر کیا جائے کہ موجودہ چیف جسٹس (سرشادی لال) کے بعد وہی چیف جج ہو۔

محضر نامہ کی تجویز

حضور نے مزید فرمایا کہ ۲۲ جولائی کے جلسوں میں مسلمانوں سے دستخط لے کر ایک محضر نامہ تیار کیا جائے کہ ہمارے نزدیک "مسلم آؤٹ لک" کے ایڈیٹر

اور مالک نے ہرگز عدالت عالیہ کی ہتک نہیں کی بلکہ جائز نکتہ چینی کی ہے جو موجودہ حالات میں ہمارے نزدیک طبعی تھی اس لئے ان کو آزاد کیا جائے اور جلد سے جلد جسٹس کنور دلیپ سنگھ کا فیصلہ مسترد کر کے مسلمانوں کی دلجوئی کیجائے۔ [9]

انگریزی حکومت نے چاہا کہ آپ یہ مہم جاری نہ کریں۔ لیکن حضور نے حکومت کو صاف صاف کہہ دیا کہ۔

"مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ گورنمنٹ کی خاطر قوم کو قربان کر دوں اس وقت قوم کی حفاظت کا سوال ہے"۔ [10]

۲۲ جولائی ۱۹۲۷ء کو جلسے کا شاندار منظر اور قومی و ملی اتحاد

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی اس آواز پر جو آپ نے قادیان سے بلند کی تھی پورا ہندوستان گونج اٹھا اور جیسا کہ آپ نے تحریک پیش کی تھی ۲۲ جولائی کو مسلمانان ہند نے ہر جگہ کامیاب جلسے کئے اور ایک متحدہ پلیٹ فارم سے نہ صرف مسلم آؤٹ لک کے مالک اور مدیر کی گرفتاری پر احتجاج کیا گیا۔ بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی سکیم کے مطابق مسلمانوں نے مشترکہ انجمنیں قائم کر کے دوکانیں کھلوائیں تبلیغ اسلام کی طرف توجہ دی اور اپنے سیاسی حقوق کے لئے اپنی جدوجہد تیز تر کر دی اور ایک محضر نامہ تیار کیا جس پر پانچ لاکھ مسلمانوں کے دستخط تھے۔ [11]

جماعت احمدیہ کے علماء مصنفین اور دوسرے احمدی اپنے محبوب امام کی ہدایات کے مطابق اس تحریک کو کامیاب کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔

لنڈن میں مسلم پولیٹیکل لیگ کا قیام

جماعت احمدیہ کی کوششوں کا دائرہ بیرونی ممالک تک ممتد تھا۔ چنانچہ جماعت احمدیہ کی کوشش سے لندن میں مسلم حقوق کی تائید کے لئے ایک مسلم پولیٹیکل لیگ قائم کی گئی۔ [12]

انہی دنوں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب بیرسٹر مسلمانان پنجاب کے نمائندہ کی حیثیت سے لندن تشریف لے گئے آپ نے دارالعوام اور دارالامرا کے ممبروں انڈیا آفس کے عہدیداروں سابق وائسرائے، گورنروں، پارلیمنٹ کے کارکنوں اور پریس کے نمائندوں سے ملاقاتیں کیں۔ کئی مجالس کو خطاب کیا اور "مارننگ ٹائمز" "مانچسٹر گارڈین" "ڈیلی کرانیکل"۔ "سنڈے ٹائمز" وغیرہ مشہور برطانوی اخبارات میں مضمون لکھے جن کے نتیجہ میں پبلک حلقوں میں مسلمانوں کے حقوق کی نسبت اور زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی۔ [13] چنانچہ اخبار "دور جدید" نے چودھری صاحب کی قومی و ملی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا۔

"پنجاب کونسل کے تمام مسلمانوں نے (جو یقیناً مسلمانان پنجاب کے نمائندے کہلانے کا جائز حق رکھتے ہیں) جبکہ یہ ضرورت محسوس کی کہ پنجاب کی طرف سے ایک مستند نمائندہ انگلستان بھیجا جانا چاہئے۔ تو عالی جناب چوہدری ظفر اللہ خاں ہی کی ذات ستودہ صفات تھی جس پر ان کی نظر انتخاب پڑی چنانچہ چودھری صاحب اپنا روپیہ صرف کرکے اور اپنے قیمتی وقت اور آمدنی کو نظر انداز کرکے انگلستان تشریف لے گئے اور اس خوبی اور عمدگی سے حکومت برطانیہ اور سیاسیین انگلستان کے روبرو یہ مسائل پیش کئے جس کے مداح نہ صرف مسلمانان پنجاب ہوئے بلکہ حکومت بھی کافی حد تک متاثر ہوئی یہ وہ واقعات ہیں اور وہ روشن حقائق ہیں جن سے کم از کم اخباری دنیا کا کوئی شخص کسی وقت بھی انکار نہیں کر سکتا"۔ [۱۶۳]

ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش

ہندوؤں نے جب دیکھا کہ قادیان سے بلند ہونیوالی تحریک نے مسلمانوں میں زبردست اثر پیدا کر دیا ہے تو انہوں نے مسلمانوں کو احمدیوں کے خلاف اکسانا شروع کیا۔ چنانچہ ایک ہندو اخبار نے لکھا۔

"مرزائیوں یا احمدیوں اور دوسرے مسلمانوں میں اس قدر اختلاف رائے ہے کہ مرزائی مسلمانوں کو اور مسلمان مرزائیوں کو کافر قرار دیتے ہیں ابھی کل کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان نے مولوی کفایت اللہ صدر جمعیت علماء دہلی سے مرزائیوں کے متعلق فتویٰ طلب کیا تھا آپ نے جو فتویٰ دیا۔ وہ جمعیت علماء کے آرگن "الجمعیتہ" دہلی کے کالموں میں شائع ہوا ہے اس میں مولانا کفایت اللہ نے مرزائیوں کو کافر قرار دیتے ہوئے ان کے ساتھ زیادہ میل جول بڑھانے کو برا قرار دیا ہے مگر مرزائیوں کی چالاکی ہوشیاری اور خوش قسمتی ملاحظہ ہو جو مسلمان ان کو کافر قرار دیتے ہیں ان کے ہی لیڈر مرزائی بنے ہوئے ہیں۔ اس وقت لاہور کے بدنام اخبار "مسلم آؤٹ لک" کے ایڈیٹر اور پرنٹر پبلشر کے قید ہونے پر تمام ہندوستان کے مسلمان ایک غیر معمولی مگر فرضی جوش کا اظہار کر رہے ہیں اور مسلم آؤٹ لک کی پیروی کے لئے بے قرار ہوئے پھرتے ہیں اخبار مسلم آؤٹ لک کے متعلق ہمیں یہ معلوم کرکے از حد حیرت ہوئی ہے کہ اس کے ایڈیٹر مسٹر دلاور شاہ بخاری احمدی تھے اور جب ہائیکورٹ کا نوٹس ان کے نام آیا تو وہ مرزا قادیان کے پاس گئے تاکہ اپنے ڈیفنس یا طرز عمل کے متعلق اس کی رائے لیں۔ مرزا نے انہیں مشورہ دیا کہ معافی مانگنے کے بجائے قید ہو جانا بہتر ہے غرضیکہ ہر پہلو سے یہ ایک احمدی تحریک ہے اور احمدیوں کی چالاکی پر ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح انہوں نے تمام مسلمانوں کو اپنے آگے لگایا ہوا ہے اور تو اور جو مسلمان لیڈر انہیں کافر قرار دیتے تھے وہ بھی اس وقت

انہیں اپنا لیڈر تسلیم کرتے اور ان کی ہاں میں ہاں ملانا اسلام کی بہت بڑی خدمت خیال کرتے ہیں۔ ۱۵

مقدمہ ورتمان کا فیصلہ

"رنگیلا رسول" سے متعلق عدالتی فیصلہ اور اس کے ردعمل کا تذکرہ کرنے کے بعد اب ہم دوبارہ مقدمہ ورتمان کی طرف آتے ہیں۔

قبل ازیں ذکر آچکا ہے کہ رسالہ "ورتمان" کی ضبطی اور اس کے طابع و ناشر کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے پر ہندوؤں نے حکومت انگریزی پر زور دیا کہ وہ امام جماعت احمدیہ (ایدہ اللہ تعالیٰ) پر بھی مقدمہ چلائے مگر حکومت ہندوؤں سے مرعوب نہ ہوئی۔ اور چیف جسٹس نے یہ مقدمہ ایک جج کے سپرد کر دیا۔ لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے حکومت کو بذریعہ تار توجہ دلائی کہ یہ مقدمہ ایک سے زیادہ ججوں کے سامنے پیش ہونا چاہئے تا دفعہ ۱۵۳۔ الف سے متعلق جسٹس دلیپ سنگھ کے فیصلہ کی تحقیق ہو جائے۔

یہ معقول مطالبہ حکومت نے منظور کر لیا اور چیف جسٹس صاحب جو رخصت پر جا رہے تھے بمبئی سے واپس آگئے اور مقدمہ ورتمان ڈویژن بنچ کے سپرد ہو گیا۔ ۱۶ جس نے ۶ اگست ۱۹۲۷ء کو فیصلہ سنایا کہ مذہبی پیشواؤں کے خلاف بدزبانی ۱۵۳۔ الف کی زد میں آتی ہے اور بانی اسلام کو اسلام سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اور بنابریں ڈویژن بنچ نے ورتمان کے مضمون نگار کو ایک سال قید بامشقت اور پانچسو روپیہ جرمانہ اور ایڈیٹر کو چھ ماہ قید سخت اور اڑھائی سو روپیہ جرمانہ کی سزا دی۔ ۱۷

مقدمہ ورتمان کے فیصلہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے جذبات

مقدمہ ورتمان کا فیصلہ ہو گیا اور "میر دوزخ" کا مضمون لکھنے والا اور اس کا چھاپنے والا ایک سال اور چھ ماہ کے لئے دنیا کے دوزخ میں ڈال دیا گیا۔ مسلمان خوش ہو گئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو بہت سے لوگوں نے مبارکباد کے تار بھی دیئے مگر آپ نے فرمایا۔

"میرا دل غمگین ہے کیونکہ میں اپنے آقا۔ اپنے سردار حضرت محمد ﷺ کی ہتک عزت کی قیمت ایک سال کے جیل خانہ کو نہیں قرار دیتا۔ میں ان لوگوں کی طرح جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینے والے کی سزا قتل ہے ایک آدمی کی جان کو بھی اس کی قیمت نہیں قرار دیتا۔ میں ایک قوم کی تباہی کو بھی اس کی قیمت نہیں قرار دیتا۔ میں دنیا کی موت کو بھی اس کی قیمت نہیں قرار دیتا۔ بلکہ میں اگلے پچھلے سب کفار کے قتل کو بھی اس کی قیمت نہیں قرار دیتا۔ کیونکہ میرے آقا کی عزت اس سے بالا ہے کہ کسی فرد یا جماعت کا قتل اس کی قیمت قرار دیا جائے"۔

"کیونکہ کیا یہ سچ نہیں کہ میرا آقا دنیا کو جلانے کے لئے آیا تھا نہ کہ مارنے کے لئے وہ لوگوں کو

زندگی بخشنے کے لئے آیا تھا نہ کہ ان کی جان نکالنے کے لئے غرض محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت دنیا کے احیاء میں ہے نہ اس کی موت میں پس میں اپنے نفس میں شرمندہ ہوں کہ اگر یہ دو شخص جو ایک قسم کی موت کا شکار ہوئے ہیں اور بد بختی کی مہر انہوں نے اپنے ماتھوں پر لگائی ہے اس صداقت پر اطلاع پاتے جو محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا ہوئی تھی تو کیوں گالیاں دے کر برباد ہوتے کیوں اس کے زندگی بخش جام کو پاکر ابدی زندگی نہ پاتے اور اس صداقت کا ان تک نہ پہنچنا مسلمانوں کا قصور نہیں تو اور کس کا ہے پس میں اپنے آقا سے شرمندہ ہوں کیونکہ اسلام کے خلاف موجودہ شورش در حقیقت مسلمانوں کی تبلیغی سستی کا نتیجہ ہے۔ قانون ظاہری فتنہ کا علاج کرتا ہے نہ دل کا اور میرے لئے اس وقت تک خوشی نہیں جب تک کہ تمام دنیا کے دلوں سے محمد رسول اللہ ﷺ کا بغض نکل کر اس کی جگہ آپ کی محبت قائم نہ ہو جائے"۔ ۱۸

حضرت امام جماعت احمدیہ کی مساعی پر مسلم اخبارات کا اظہار تشکر

ناموس رسول عربی ﷺ کی حفاظت اور دشمنان اسلام کے فتنہ کی سرکوبی کے لئے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے جو عظیم الشان جہاد کیا وہ اس دور کے اسلامی کارناموں میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ چنانچہ اخبار مشرق (گورکھپور) نے حضرت امام صاحب جماعت احمدیہ کے احسانات کے عنوان پر مندرجہ ذیل نوٹ شائع کیا۔

"جناب امام صاحب جماعت احمدیہ کے احسانات تمام مسلمانوں پر ہیں آپ ہی کی تحریک سے "ورتمان" پر مقدمہ چلایا گیا۔ آپ ہی کی جماعت نے رنگیلا رسول کے معاملہ کو آگے بڑھایا۔ سرفروشی کی اور جیل خانہ جانے سے خوف نہیں کھایا آپ ہی کے پمفلٹ نے جناب گورنر صاحب بہادر پنجاب کو انصاف و عدل کی طرف مائل کیا۔ آپ کا پمفلٹ ضبط کر لیا مگر اس کے اثرات کو زائل نہیں ہونے دیا۔ اور لکھ دیا کہ اس پوسٹر کی ضبطی محض اس لئے ہے کہ اشتعال نہ بڑھے اور اس کا تدارک نہایت ہی عادلانہ فیصلہ سے کر دیا اور اس وقت ہندوستان میں جتنے فرقے مسلمانوں میں ہیں۔ سب کسی نہ کسی وجہ سے انگریزوں یا ہندوؤں یا دوسری قوموں سے مرعوب ہو رہے ہیں صرف ایک احمدی جماعت ہے جو قرون اولے کے مسلمانوں کی طرح کسی فرد یا جمعیت سے مرعوب نہیں ہے اور خاص اسلامی کام سرانجام دے رہی ہے مسلم پولیٹیکل جماعت جو لنڈن میں بنائی گئی ہے یہ مسلم لیگ کی طرح مٹ جانے والی اور تباہ ہو جانے والی چیز نہ ہو گی کہ مسلمانان ہند نے لیگ کا اثر ولایت تک بڑھایا لیکن جب ہندوستان کی نیشنل کانگریس میں لیگ جذب ہو گئی تو آنریبل سید امیر علی کو دودھ کی مکھی کی طرح الگ

کر دیا۔" [۱۰] اسی اخبار نے ایک دوسری اشاعت میں لکھا:

یہ واقعہ ہے اس پر کوئی پردہ نہیں ڈال سکتا کہ مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سے صرف احمدی جماعت ہی اس بات کا دعوئی کر سکتی ہے کہ اس نے فتنہ ارتداد کا مقابلہ بر حیثیت اچھا کیا اور خوب کیا اور اس سے زیادہ بہتر اور صحیح طریق پر ناموس رسول کریم صلعم کی حفاظت کے لئے جہاد اکبر بھی کسی دوسری جماعت نے نہیں کیا فرداً من الافراد کا ذکر نہیں۔ کیونکہ حضرت خواجہ حسن نظامی اپنی ذات خاص سے کیا کچھ نہیں کرتے ہیں۔ یورپ اور افریقہ اور امریکہ میں جو خدمات اسلام یہ جماعتیں کر رہی ہیں ان کا ذکر بے سود ہے ہندوستان میں بھی جو کام ہو رہا ہے اور جیسا ایثار اور ہمت بلکہ اولوالعزمی یہ لوگ دکھا رہے ہیں باعث صد ہزار ممنونیت قوم مسلمہ ہے۔ حال میں صوبہ متوسط کے دارالصدر ناگپور میں اس جماعت کے ایک فرد واحد نے جو ثبوت اپنی ہمت و ایثار کا دیا ہے اس کی مفصل کیفیت الفضل قادیان نے ۱۷ اگست کو لکھی ہے ایک صاحب ایثار کی کوششیں اور ہمت کا یہ نتیجہ نکلا کہ جلسہ ہوا اور بارش بہت زور و شور سے ہوتی رہی۔ پانی میں سب بھیگتے رہے جن کے پاس چھتریاں تھیں۔ چھتریاں اتار دیں اور ریزولیوشن پیش کئے پاس کئے تقریریں کیں اور ثابت کر دیا کہ مسلمان اپنے پیشوا اور اپنے امام جماعت کے حکم کی تعمیل میں سب کچھ کر سکتا ہے اور اس موقعہ پر قابل تحسین تمام فرقوں کے مسلمان ہیں جنہوں نے اختلاف کو چھوڑ کر خدا کے حکم پر تمسک کیا اور رہنمائے اسلام امین کامل صادق پاک باز حضرت محمد رسول ﷺ کے ناموس کی حفاظت کے لئے ایک مرکز پر جمع ہو گئے اور یہی خدا کا حکم ہے قرآن پاک میں برابر اس کی تاکید مسلمانوں کو ہے کہ تفرقہ نہ پیدا کرو۔ فرقہ بندی کو چھوڑ دو اور سب ایک ہو جاؤ گے تو غیر مسلم فرقے تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

ہم جماعت احمدیہ کو مبارک باد دیتے ہیں کہ وہ سچا کام خدمت اسلام کا انجام دے رہی ہے اور اس وقت ہندوستان میں کوئی جماعت اتنا اچھا اور ٹھوس کام نہیں کرتی کہ وہ ہر موقعہ پر مسلمانوں کو حفاظت اسلام اور بقائے اسلام کے لئے توجہ دلاتی رہتی ہو۔ باوجود اختلاف عقائد کے ہمارے دل پر اس جماعت کی خدمات کا گہرا اثر ہے۔ اور آج سے نہیں۔ جناب مرزا غلام احمد صاحب مرحوم کے زمانہ سے اس وقت تک ہم نے کبھی اس کے خلاف کوئی حرف زبان اور قلم سے نہیں نکالا۔"

(اخبار مشرق یکم ستمبر ۱۹۲۷ء بحوالہ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ ۵۷-۵۸)

اسی طرح اخبار "انقلاب" لاہور نے احمدیوں کی قابل قدر خدمات اسلامی کے عنوان پر لکھا۔

"احمدی فرقے سے براعتبار عقائد ہمیں جو اختلاف ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ علاوہ بریں مطالبات اسلامی کی تکمیل کے طریقہ ہائے کار میں بھی ہمارے اور ان کے درمیان بڑی حد تک فرق

وتفاوت موجود ہے لیکن ان اختلافات کے باوجود ہم اس فرقہ کی بعض قابل قدر خدمات اسلامی کا تہ دل سے اعتراف کرتے ہیں۔ امام جماعت احمدیہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب نے مقدمہ راجپال کے فیصلہ کے متعلق نہ صرف ہندوستان میں ہی مسلمانوں کی ہم آہنگی اختیار کی بلکہ مسجد لنڈن کے امام مولوی عبدالرحیم درد کو اس قسم کی ہدایات بھی بھیج دیں کہ جہاں تک ہو سکے اس سلسلہ میں مسلمانوں کی شکایات کو پارلیمنٹ تک پہنچا دو اور انگلستان میں بھی اس جدوجہد کی بنیاد رکھ دو۔ جس نے آج مسلمانان ہند کو آتش زیرپا کر رکھا ہے ان ہدایات کا نتیجہ یہ ہوا کہ درد صاحب نے نہایت ہی دردمندی اور انہماک سے کام شروع کر دیا اور اب تک جو اطلاعات موصول ہو چکی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف بعض معززین انگلستان اور مسلمانان مقیم برطانیہ کے دستخطوں سے وزیر ہند کو بھیجنے کے لئے ایک محضرنامہ تیار ہو رہا ہے جس پر دو سو سے زائد دستخط کرنے والوں میں چینی' ہندوستانی' ایرانی' افغانی اور برطانوی مسلمانوں کے علاوہ سر آتھر کانن ڈائل اور سر ولیم سمپسن جیسے معزز اور نامور انگریز بھی شامل ہیں اس محضرنامہ میں راجپال کی کتاب اور مقدمہ راجپال کے خلاف شدید نفرت اور حقارت کا اظہار کیا گیا۔ اس کے علاوہ "مانچسٹر گارڈین" نے اس مسئلہ پر ایک افتتاحیہ لکھا ہے جس میں بتایا ہے کہ حالات موجودہ میں اس قسم کی قابل اعتراض تحریروں کی اشاعت سخت خطرناک فسادات کا باعث ہو سکتی ہے یہ بھی مولوی عبدالرحیم صاحب درد اور سردار اقبال علی شاہ صاحب احمدی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ تازہ خبر یہ ہے کہ پارلیمنٹ کے کسی رکن نے راجپال کے مقدمہ کے متعلق ایک سوال بھی کر دیا ہے جس کے جواب میں ارل ونٹرٹن نے اعلان کیا ہے کہ عدالت عالیہ اس قسم کے مقدمہ کی سماعت کر رہی ہے اگر اس کا فیصلہ خاطر خواہ نہ ہوا تو اس قسم کی مطبوعات کے انسداد کے لئے قانون میں ترمیم کیجائیگی ہمیں یقین ہے کہ احمدیوں کی مساعی جمیلہ جاری رہیں گی اور دوسرے مسلمان بھی اس کام میں احمدیوں کی اعانت کریں گے۔ یہاں تک کہ پارلیمنٹ میں ایک ایسی قوی جماعت پیدا ہو جائے جو مسلمانوں کے مطالبات کی پورے زور سے حمایت کر سکے ہم ان بروقت خدمات کے لئے امام جماعت احمدیہ اور مولوی عبدالرحیم درد صاحب کے بہت شکر گزار ہیں"۔ [۲۵]

تحفظ ناموس پیشوایان مذاہب کے لئے مکمل قانون کا مطالبہ

مقدمہ "ورتمان" کے فیصلہ سے یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ جسٹس کنور دلیپ سنگھ نے دفعہ ۱۵۳۔ الف کی جو تشریح کی ہے بالکل غلط ہے اس امر کی فوری ضرورت تھی کہ بزرگان مذاہب کی توہین کے انسداد کے لئے پہلے سے زیادہ واضح اور زیادہ مکمل قانون کا مطالبہ حکومت سے کیا جاتا۔ چنانچہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۰ اگست

۱۹۲۷ء کو فیصلہ ورتمان کے بعد مسلمانوں کا اہم فرض کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا جس کے ابتداءً میں یہ بتایا کہ جماعت احمدیہ اس قانون کے نامکمل ہونے کی دیر سے شاکی ہے چنانچہ حضور نے تحریر فرمایا کہ:۔

"۱۸۹۷ء میں بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے گورنمنٹ کو اس طرف توجہ دلائی تھی کہ مذہبی فتن کو دور کرنے کے لئے اسے ایک زیادہ مکمل قانون بنانا چاہئے لیکن افسوس کہ لارڈ الجن نے جو اس وقت وائسرائے تھے اس تجویز کی طرف مناسب توجہ نہ کی۔ اس کے بعد سب سے اول ۱۹۱۴ء میں میں نے سراڈوائر کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ گورنمنٹ کا قانون مذہبی فتن کے دور کرنے کے لئے کافی نہیں اور جب تک اس کو مکمل نہ کیا جائے ملک میں امن قائم نہ ہو گا۔ انہوں نے مجھے اس بارہ میں مشورہ کرنے کے لئے بلایا لیکن جس تاریخ کو ملاقات کا وقت تھا اس سے دو دن پہلے استاذی المکرم حضرت مولوی نور الدین صاحب امام جماعت احمدیہ فوت ہو گئے۔ اور دوسرے دن مجھے امام جماعت منتخب کیا گیا۔ چنانچہ وہ جماعت کے لئے ایک سخت فتنہ کا وقت تھا۔ میں سراڈوائر سے مل نہ سکا اور بات یونہی رہ گئی۔ اس کے بعد ۱۹۲۳ء میں میں میکلیگن سابق گورنر پنجاب سے ملا اور انہیں اس قانون کے نقصوں کی طرف توجہ دلائی مگر باوجود اس کے کہ میں نے انہیں کہا تھا کہ آپ گورنمنٹ آف انڈیا کو توجہ دلائیں انہوں نے یہ معذرت کر دی کہ اس امر کا تعلق گورنمنٹ آف انڈیا سے ہے اس لئے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد میں نے پچھلے سال ہز ایکسیلینسی گورنر جنرل کو ایک طویل خط میں ہندوستان میں قیام امن کے متعلق تجاویز بتاتے ہوئے اس قانون کی طرف بھی توجہ دلائی لیکن افسوس کہ انہوں نے محض شکریہ تک ہی جواب کو محدود رکھا اور باوجود وعدہ کے کہ وہ ان تجاویز پر غور کریں گے غور نہیں کیا میرے اس خط کا انگریزی ترجمہ چھ ہزار کے قریب شائع کیا گیا اور تمام حکام اعلیٰ سیاسی لیڈروں اخباروں پارلیمنٹ کے ممبروں اور دوسرے سربر آوردہ لوگوں کو جا چکا ہے اور کلکتہ کے مشہور اخبار "بنگالی" نے جو ایک متعصب اخبار ہے لکھا ہے کہ اس میں پیش کردہ بعض تجاویز پر ہندو مسلم سمجھوتے کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے سر مائیکل اڈوائر اور ٹائمز آف لنڈن کے مسٹر براؤن نے ان تجاویز کو نہایت ہی ضروری تجاویز قرار دیا اور بہت سے ممبران پارلیمنٹ اور دوسرے سربر آوردوں نے ان کی اہمیت کو تسلیم کیا۔ لیکن افسوس کہ ان حکام نے جن کے ساتھ ان تجاویز کا تعلق تھا ان کی طرف پوری توجہ نہ کی جس کا نتیجہ وہ ہوا جو نظر آ رہا ہے ملک کا امن برباد ہو گیا اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔" [۶۱]

یہ تفصیل بیان کرنے کے بعد حضور نے حکومت اور مسلمانوں کو مروجہ قانون (۱۵۳۔الف) کی

چار واضح خامیوں کی طرف توجہ دلائی۔

۱۔ موجودہ قانون صرف اس شخص کو مجرم گردانتا ہے جو فسادات کی نیت سے کوئی مضمون لکھے۔ براہ راست توہین انبیاء کو جرم نہیں قرار دیتا۔

۲۔ اس قانون کے تحت صرف حکومت ہی مقدمہ چلا سکتی ہے۔

۳۔ اس قانون میں یہ اصلاح کرنا ضروری ہے کہ جوابی کتاب لکھنے والے پر اس وقت تک قانونی کارروائی نہ کی جائے جب تک کہ اصل مؤلف پر مقدمہ نہ چلایا جائے بشرطیکہ اس نے گندہ دہنی سے کام لیا ہو۔

۴۔ یہ قانون صوبائی ہے لہٰذا اصل قانون یہ ہونا چاہئے کہ جب ایک گندی کتاب کو ایک صوبائی حکومت ضبط کرلے تو باقی تمام صوبائی حکومتیں بھی قانوناً پابند ہوں کہ وہ اپنے صوبوں میں اس کتاب کی طباعت یا اشاعت بند کردیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس قانون پر عمل درآمد گورنمنٹ آف انڈیا کے اختیار میں ہو جو کسی صوبہ کی حکومت کے توجہ دلانے پر ایک عام حکم جاری کردے جس کا سب صوبوں پر اثر ہو۔ [۲۲]

ہندوستان سے یہ آواز بلند کرنے کے بعد حضور نے لندن کے مبلغ مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے کے ذریعہ انگلستان میں بھی کوشش کرکے وہاں کے پریس میں یہ سوال اٹھا دیا کہ موجودہ قانون ناقص ہے اور اسے جلد بدلنا چاہئے اور پارلیمنٹ میں بھی بعض ممبروں نے یہ معاملہ رکھا۔

ساتواں باب (فصل دوم)

سفر شملہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ تحفظ ناموس رسولؐ اور مسلمانوں کے ملکی و قومی حقوق کی نگہداشت کے لئے جو جدوجہد فرما رہے تھے۔ اس کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے ہندوستان کے مشہور مسلم و غیر مسلم زعماء سے تبادلہ خیالات کرنے کے علاوہ حکومت کے حلقوں سے رابطہ پیدا کرنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ بنفس نفیس اس مقصد کی تکمیل کے لئے ۱۳ اگست ۱۹۲۷ء [۲۲] کو شملہ تشریف لے گئے اور قریباً ڈیڑھ ماہ تک دن رات مصروف رہنے کے بعد ۲ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو دارالامان میں واپس تشریف لائے۔ [۲۳]

اس مبارک سفر میں جو اول سے آخر تک دینی، قومی اور ملکی سرگرمیوں کے لئے وقف تھا آپ کی مصروفیات عروج تک پہنچ گئیں۔

ناموس پیشوایان مذاہب کے تحفظ کے لئے نیا قانون گورنر صاحب پنجاب نے مقدمہ "ورتمان" کے فیصلہ سے قبل ایک تقریر میں کہا کہ۔ اس مقدمہ (ورتمان) کا نتیجہ یہ فیصلہ کر دیگا کہ آیا ہمارے لئے موجودہ قانون ہی کافی ہے یا ہمیں اس میں ترمیم کرنے کے لئے مجلس واضع قوانین تک جانا پڑیگا"۔

یعنی ورتمان کا بھی اگر وہی فیصلہ ہوا جو راجپال کا ہوا تب حکومت قانون کی ترمیم کے لئے اسمبلی میں سوال رکھے گی۔ [۲۵] لیکن حضور نے شملہ تشریف لے جا کر نہ صرف حکومت کو ملکی اور جدید قانون کی ضرورت کا قائل کرنے کی کوشش کی بلکہ اسمبلی کے مسلمان ممبروں سے تبادلہ خیالات کے علاوہ ہندو لیڈروں سے بھی اپنے مجوزہ مسودہ قانون پر گفتگو فرمائی چنانچہ مسلمانوں کے مشہور لیڈر جناب محمد علی جناح (قائداعظم) مولوی محمد یعقوب صاحب ڈپٹی پریذیڈنٹ اسمبلی، سر عبدالقیوم صاحب، خان محمد نواز خان صاحب، مولوی محمد شفیع صاحب داؤدی اور مولوی محمد عرفان صاحب گاہے گاہے آپ کی فرودگاہ پر تشریف لائے اور انہوں نے اس کے تمام پہلوؤں پر گھنٹوں بیٹھ کر تبادلہ خیالات کیا اور آپ کے مسودہ کی نہ صرف تائید کی بلکہ تعریف بھی۔ [۲۶] یہ مسودہ شائع ہوا تو ہندوستان ٹائمز نے اسے نہایت اہم اور ضروری قرار دیا اور پنڈت مدن موہن مالویہ نے اپنی ایک پرائیویٹ ملاقات میں اصولی طور پر اس سے اتفاق کیا۔ اسی طرح مہاراشٹر پارٹی کے لیڈر مسٹر کلکر اور مسٹر پہلوی خود حضور کی قیامگاہ پر آئے اور آپ کی رائے سے اظہار اتفاق کیا۔ [۲۷]

حضور کی اس شبانہ روز جدوجہد کا اثر یہ ہوا کہ قیام شملہ کے صرف نو دن بعد حکومت ہند نیا قانون اسمبلی میں پیش کرنے پر رضامند ہو گئی۔ چنانچہ ۲۲ اگست ۱۹۲۷ء کو شملہ سے یہ سرکاری اعلان ہوا کہ۔

"مذاہب کی توہین یا دوسروں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کے لئے شرانگیز مضامین کی افسوسناک اشاعت کے پیش نظر حکومت ہند نے موجودہ قانون کی دفعات کو محض اس لئے بنظر امعان ملاحظہ کیا کہ ان میں سے کسی کو قوی بنانے کی ضرورت ہے یا نہیں لیکن قانون پر غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اس قسم کی تحریرات تعزیرات ہند کے باب پانزدہم کی گرفت میں نہیں آتی ہیں۔ کیونکہ یہ باب محض ان جرائم پر حاوی ہے جو مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس قسم کی تمام تحریرات دفعہ ۱۵۳۔ الف تعزیرات ہند کے رو سے قابل مواخذہ ہیں کیونکہ ایسا تو بہت ہی شاذونادر ہوتا ہے کہ اس سے دو مختلف جماعتوں کے درمیان نفرت و حقارت کے جذبات کو ترقی دینے کی کوشش کا اظہار نہ ہوتا ہو۔

لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ طریقہ ایسے افعال کو قابل مواخذہ قرار دینے کے لئے ایک ٹیڑھا سا طریقہ ہے جنہیں خود ہی مورد تعزیر ہونا چاہئے عام اس سے کہ ان افعال سے مختلف جماعتوں کے درمیان منافرت و مغایرت کے جذبات کو ترقی ہوتی ہے یا نہیں۔ لہٰذا حکومت ہند نے فیصلہ کر لیا ہے کہ لیجسلیٹو اسمبلی میں فوراً ایک مسودہ قانون پیش کر دیا جائے تاکہ تعزیرات ہند کے باب پانزدہم میں ایک نئی دفعہ کا اضافہ ہو جائے جس کے رو سے کسی مذہب کی عمداً توہین یا توہین کی کوشش یا ملک معظم کی رعایا کی کسی جماعت کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے یا مجروح کرنے کی کوشش کو بذات خود ایک جرم قرار دیا جا سکے۔ اس دفعہ کو کتاب الآئین پر لانے کے لئے ضابطہ فوجداری میں بھی بعض ترمیمات کی جائیں گی جو اس اجلاس میں پیش ہوں گی"۔ [۲۸] چنانچہ اسمبلی نے اس معاملے کے پیش ہونے پر ایک نئی دفعہ کا اضافہ منظور کر لیا اور پیشوایان مذاہب کی عزت کے تحفظ کا قانون پہلے سے بھی زیادہ معین صورت اختیار کر گیا۔

ہندو مسلم اتحاد کانفرنس میں شرکت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ہندو مسلم مناقشات دور کرنے کی جدوجہد کبھی ترک نہیں کی اور باوجودیکہ آپ کے سامنے تبلیغ اسلام اور تربیت جماعت اور تنظیم قوم کا ایک عظیم الشان مقصد تھا۔ آپ نے ملک میں امن و صلح کی فضا پیدا کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ چنانچہ پچھلی سطور میں یہ ذکر آچکا ہے کہ حضور نے وائسرائے ہند کے نام ایک مفصل مکتوب لکھا جس میں ہندو مسلم فسادات کی روک تھام اور باہمی مفاہمت کے لئے نہایت قیمتی مشورے دیئے اس خط میں

آپ نے ملکی سطح پر ایک ہندو مسلم اتحاد کانفرنس کی ضرورت پر بھی زور دیا تھا۔ وائسرائے نے ابتداء میں تو غیر ضروری خیال کی لیکن ۲۹ اگست ۱۹۲۷ء کو کونسل آف سٹیٹ اور مجلس واضع قوانین کے ممبروں میں تقریر کی کہ۔

"ایک سال گذرا ہے کہ بعض مقتدر اصحاب نے مجھ کو توجہ دلائی تھی کہ میں ایسی کانفرنس منعقد کروں جو ان اسباب پر غور کرے جو امن کے کفیل ہو سکیں۔ بعض وجوہ کی بناء پر جو اس وقت مجھ کو یقینی معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اس وقت کوئی کارروائی کرنا مناسب خیال نہ کیا لیکن اس عرصہ میں بعض ایسے واقعات رونما ہوئے جن سے میں مجبور ہو گیا کہ اپنے سابقہ فیصلہ پر نظر ثانی کروں"۔

اس تقریر کے دوسرے روز شملہ میں ہندو مسلم اتحاد کی کانفرنس شروع ہو گئی۔

اتحاد کانفرنس کا پہلا مشترکہ اجلاس

۳۰ اگست ۱۹۲۷ء کو اس کانفرنس کا پہلا مشترکہ (مگر غیر ضابطہ) اجلاس کونسل چیمبر میں ہوا۔ اس اجلاس میں جناب محمد علی صاحب جناح (قائد اعظم) سر عبد القیوم صاحب، سر عمر حیات خان صاحب ٹوانہ، سر ذوالفقار علی خان صاحب، مولانا شوکت علی صاحب و جناب محمد علی صاحب جوہر، مولوی ظفر علی خان صاحب۔ پنڈت مدن موہن مالویہ۔ ڈاکٹر مونجے، لالہ لاجپت رائے، مسٹر سری نواس آئینگر وغیرہ لیڈر شامل ہوئے اور سمجھوتے کے طریق پر گرما گرم تقریریں اور بحثیں ہوئیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنی تقریر میں اتحاد کے صحیح طریق پر روشنی ڈالی اور مسلمانوں کے اقتصادی حقوق کی حفاظت پر زور دیا۔ اتحاد کے اصول پر مفصل غور کے لئے ۷ ستمبر ۱۹۲۷ء کا دوسرا اجلاس مقرر ہوا۔ [۲۸]

حضرت خلیفۃ المسیح کی تجاویز ہندو مسلم اتحاد سے متعلق کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں

فیصلہ کے مطابق ۷ ستمبر ۱۹۲۷ء کو دوسرا اجلاس منعقد ہوا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ہندو مسلم اتحاد سے متعلق مندرجہ ذیل بیس اہم تجاویز پیش فرمائیں۔

۱۔ ہر جماعت کو اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کرنے اور دوسروں کو اپنے مذہب میں داخل کرنے کی پوری آزادی ہونی چاہئے۔

۲۔ کسی کے مذہب پر کسی ایسے عقیدہ یا دستور کی وجہ سے جسے وہ اپنے مذہب کا جزو نہ سمجھتی ہو کوئی اعتراض نہ کیا جائے۔

۳۔ ہر قوم کو مکمل آزادی ہونی چاہئے کہ وہ اپنے افراد کی اقتصادی اصلاح کر سکے اور ان کو کاروبار کرنے یا دکانیں کھولنے کی ترغیب دے اور ان کی سرپرستی کی تحریک کرے۔

۴۔ اپنی دکانیں کھولنے کی تحریک مسلم قوم کے لئے ایسی ہی مفید ہے جیسے کہ سودیشی تحریک۔ لہذا اس سلسلہ میں ہماری کوششیں کسی انتقام یا دشمنی کی بنا پر نہ سمجھی جائیں۔

۵۔ کسی قوم کے مذہبی یا سوشل عقائد سے کوئی تعرض نہ ہونا چاہئے اگر مسلمان گائے ذبح کرنا چاہیں تو ان کو پوری آزادی ہونی چاہئے۔ اسی طرح عیسائیوں سکھوں ہندوؤں کو سور مارنے یا جھٹکے کرنے یا باجہ بجانے میں پوری آزادی ہو۔

۶۔ مذہبی امور میں ہر قوم کو مکمل آزادی ہونی چاہئے اور یہ اصل ہندو مسلم اتحاد کا ایک ضروری جزو قرار دینا چاہئے۔

۷۔ ہندوؤں کو ایک ایسا قانون پاس کرانے میں جس کی رو سے پرائیویٹ ساہوکارہ باضابطہ ہو سکے۔ ہماری مدد کرنی چاہئے۔ اور ہماری کوششوں کو جو ہم مسلم رقبوں میں مسلمانوں کے فائدے کے لئے کوآپریٹو بنک کھلوانے کے سلسلہ میں کریں' فرقہ وارانہ منافرت کا رنگ نہیں دینا چاہئے۔

۸۔ جس طرح ملازمتوں کو ہندوستانیوں کے لئے مخصوص کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح مختلف قوموں کے تناسب کے لحاظ سے ملازمتوں میں بھی ان کی نیابت منظور کی جائے۔ اور ہر صوبہ میں ہر قوم کی نیابت اس کی تعداد کے لحاظ سے ہونی چاہئے۔

۹۔ یہ امر بطور اصل تسلیم کیا جائے کہ جس صوبہ میں جو قوم زیادہ تعداد میں ہو وہ کونسل میں قلیل تعداد نہ رکھے۔ اور جب کسی قلیل التعداد قوم کو خاص مراعات دیتا ہوں۔ تو مذکورہ بالا اصول کے عین مطابق کیا جائے۔

۱۰۔ یونیورسٹیوں کے بارہ میں بھی یہی اصل ہونا چاہئے کیونکہ یہ ضروری ہے کہ ہر صوبے کی ذہنی بالیدگی ایسی قوم کے سپرد کی جائے جس کی تعداد اس صوبہ میں زیادہ ہو۔

۱۱۔ صوبہ سرحد میں اصلاحات کا نفاذ اسی طرح اور اسی حد تک ہونا چاہئے جہاں تک کہ دوسرے صوبوں میں ملے ہیں اور اس صوبہ میں ہندوؤں کو وہی حقوق دیئے جائیں جو مسلمانوں کو ان صوبوں میں ملے ہیں

۔ جہاں وہ اقلیت میں ہیں۔

۱۲۔ سندھ اور بلوچستان مستقل صوبے بنا دیئے جائیں اور یہاں ہندوؤں کو وہی حقوق دیئے جائیں جو مسلمانوں کو ان صوبوں میں حاصل ہیں۔ جہاں وہ قلیل التعداد ہیں۔

۱۳۔ چونکہ دیسی ریاستوں کو بھی برٹش انڈیا کے ہم پایہ ہونا چاہئے۔ اس لئے یہ فیصلہ ہو جانا چاہئے کہ کس ریاست میں وہاں کی حکمران قوم کو قطع نظر اس کی تعداد کے بعض خاص حقوق دیئے

جائیں اور اس کو فوقیت ہونی چاہئے۔

۱۴۔ مختلف صوبجات کے اختیار خود انتظامی کے اصول کو اس شرط پر تسلیم کرنا چاہئے کہ ایسے صوبجات ہمیشہ مرکزی حکومت کے قواعد و آئین کے اندر رہیں گے۔

۱۵۔ مخلوط انتخاب کا طریقہ اصولاً صحیح ہے مگر ہندوستان کی موجودہ حالت کے مطابق نہیں اور ہمارے خیال میں یہ مسلم مفاد کے لئے خطرناک ہے بہرحال جماعت احمدیہ اور پنجاب کے مسلمان اور بعض دوسرے صوبوں کے مسلمان بھی فی الحال مخلوط انتخاب کے طریقہ کو منظور کرنے کے لئے تیار نہیں اس لئے ہمارا مطالبہ ہے کہ جداگانہ انتخاب کا حق مسلمانوں کے لئے جاری رہنا چاہئے۔ اور دوسری جماعتوں کو بھی جو اسے پسند کریں۔

۱۶۔ مذہبی امور میں سے کوئی بات فیصلہ نہ کی جائے جب تک اس قوم کے تین چوتھائی ممبر جس پر اس کا اثر پڑ سکتا ہے۔ اس کے حق میں رائے نہ دیں اور فیصلے کرنے کے بعد بھی اگر اتنی ہی تعداد ممبروں کی اس کو چھوڑنا چاہے تو اس کو چھوڑ دیا جائے۔

۱۷۔ اس وقت تمام فرقہ وارانہ مخالفت اور لڑائیوں میں ایک قوم دوسری کو پیش دستی کا الزام دیتی ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ اتحاد کانفرنس کے آخری فیصلہ سے پہلے یا تو یہ طے ہو جائے کہ تمام مصائب کی ذمہ داری کس قوم پر ہے؟ یا پھر یہ طے ہو جانا چاہئے کہ اگر آئندہ کوئی رنجدہ واقعہ ہو تو کسی فریق کو گذشتہ واقعات کا حوالہ دینے کی اجازت نہیں ہوگی ورنہ فطرتاً یہ خیال پیدا ہو گا۔ کہ ذمہ داری کے اظہار کے ڈر سے صلح کی جا رہی ہے۔

۱۸۔ ہر صوبہ میں ایک بورڈ بنایا جائے جس کی شاخیں تمام اضلاع میں ہوں۔ اور جب کبھی کوئی فرقہ وارانہ مخاصمت پیدا ہو تو لوکل بورڈ کے ممبروں کو فوراً جائے وقوع پر پہنچ کر تفتیش کرنا چاہئے۔ اور جس قوم کی طرف سے ابتداء ثابت ہو اس کے لیڈر کو اسے مناسب سزا اور مظلوم پارٹی کو ہر ممکن طریق سے مدد دینی چاہئے۔

۱۹۔ انڈین نیشنل کانگریس صحیح معنوں میں قومی جماعت ہونی چاہئے اور ہر خیال اور عقیدہ کے لوگوں کو اس کا ممبر ہونے کی اجازت ہو اور حلف وفاداری صرف انہیں الفاظ میں لیا جانا چاہئے کہ "میں اپنے آپ کو ہندوستانی سمجھتا ہوں اور ہمیشہ ہندوستان کی بہبودی کو مد نظر رکھوں گا" اس کے سوا ممبر کے لئے کوئی شرط نہیں ہونی چاہئے تاکہ ہر خیال اور عقیدہ کے لوگ اس میں شامل ہو سکیں۔

۲۰۔ ہر قوم یا فرقہ کو اس کی اپنی تنظیم سے متعلقہ باتوں میں کامل آزادی ہونی چاہئے تا وہ اپنے مفاد کی

حفاظت کر سکے۔ [۲۰]

اتحاد کانفرنس کا تیسرا اجلاس

اسی دن شام کے پانچ بجے برہم مندر کے ہال میں ہندو مسلم اتحاد کانفرنس کا تیسرا اجلاس جناب محمد علیؒ صاحب جناح (قائداعظم) کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں یہ قرار پایا۔ کہ ایک مشترکہ سب کمیٹی مقرر کی جائے جو اس کانفرنس کے لئے ایجنڈا تیار کرے۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی بھی اسی کمیٹی کے ممبر نامزد ہوئے۔ اسی اجلاس میں یہ بھی فیصلہ ہوا کہ دوسرے دن ۸ ستمبر ۱۹۲۷ء کی صبح کو سب کمیٹی کا اجلاس ہو اور شام ۵ بجے اس ایجنڈا پر غور کرنے کے لئے اتحاد کانفرنس کا اجلاس ہو۔ چنانچہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی قرارداد کے مطابق مقررہ وقت پر تشریف لے گئے لیکن کوئی اجلاس نہ ہو سکا۔

الغرض کئی روز تک یہ کانفرنس جاری رہی اور سب کمیٹی کے اجلاسوں کی طرح کانفرنس میں بھی تعطل کی صورتیں پیدا ہوئیں۔ مگر حضرت خلیفتہ المسیح کی کوشش سے فضا سازگار ہو گئی۔ چنانچہ پنڈت مدن موہن مالویہ جی نے شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی سے (جو شملہ میں نامہ نگار کی حیثیت سے گئے تھے) کہا کہ کل حضرت نے بہت ہی معقول تقریر کی اور صحیح راستہ دکھایا۔ [۲۱]

افسوس حضور کی انتہائی جدوجہد کے باوجود ملکی لیڈروں میں کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس دوران میں ہندو اخبارات نے اپنے لیڈروں پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ اگر وہ سنجیدگی سے کسی مسئلہ میں مسلمانوں کے جذبات و احساسات کا لحاظ رکھنے کے لئے تیار بھی ہو جاتے تو ہندو ان کی قطعاً پروانہ کرتے۔ [۲۲]

گورنر صاحب پنجاب سے ملاقات

قیام شملہ کے دوران میں حضور کی گورنر صاحب پنجاب سے بھی ملاقات ہوئی جس کی تفصیل خود حضور کے الفاظ میں یہ ہے:۔ "گورنر صاحب پنجاب سے میرا ملنے کا ارادہ نہ تھا مگر چیف سیکرٹری صاحب گورنر پنجاب کی چٹھی آئی کہ واپس جانے سے پہلے گورنر صاحب سے ضرور ملتے جائیں میں جب ان سے ملنے کے لئے گیا۔ تو انہوں نے چھوٹتے ہی تحریک چھوت چھات کے متعلق گفتگو شروع کر دی اور کہا کہ آپ کی جماعت نے بائیکاٹ کی تحریک شروع کر رکھی ہے۔ میں نے بتایا کہ یہ رپورٹ آپ کو غلط ملی ہے نہ ہم نے بائیکاٹ کرنے کے لئے کہا اور نہ ہماری جماعت نے بائیکاٹ کی تحریک کی۔ ہم نے جو کہا وہ صرف یہ ہے کہ ہندو جو چیزیں مسلمانوں سے نہیں خریدتے وہ مسلمان بھی ہندوؤں کی بجائے مسلمانوں سے خریدیں اور مسلمان اپنی دکانیں نکالیں تاکہ تجارت کا کام بالکل ان کے ہاتھ سے نہ چلا جائے آخر ایک لمبی گفتگو کے بعد گورنر صاحب کو تسلیم کرنا پڑا کہ یہ بائیکاٹ نہیں اور اس تحریک میں کوئی ہرج نہیں۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا ایک اہم مکتوب

(جو حضور نے بابو عبدالحمید صاحب آڈیٹر لاہور کے نام آخر ۱۹۲۷ء میں تحریر فرمایا تھا)

"مکرمی بابو عبدالحمید صاحب السلام علیکم۔ گورنر صاحب سے چھوت چھات پر گفتگو ہوئی تھی معلوم ہوا کہ ہندوؤں کی طرف سے جو تحریکات اس کے متعلق ہو رہی ہیں وہ ان سے ناواقف ہیں۔ آپ جلد سے جلد کوشش کر کے ہندو اخبارات میں جہاں جہاں مسلمانوں کے بائیکاٹ کے متعلق جو تحریرات نکل چکی ہیں۔ ان کے کٹنگ مع اخبار کے نام اور تاریخ کے ارسال کریں تاکہ ان کے پاس پیش کیا جاسکے"۔

والسلام خاکسار مرزا محمود احمد

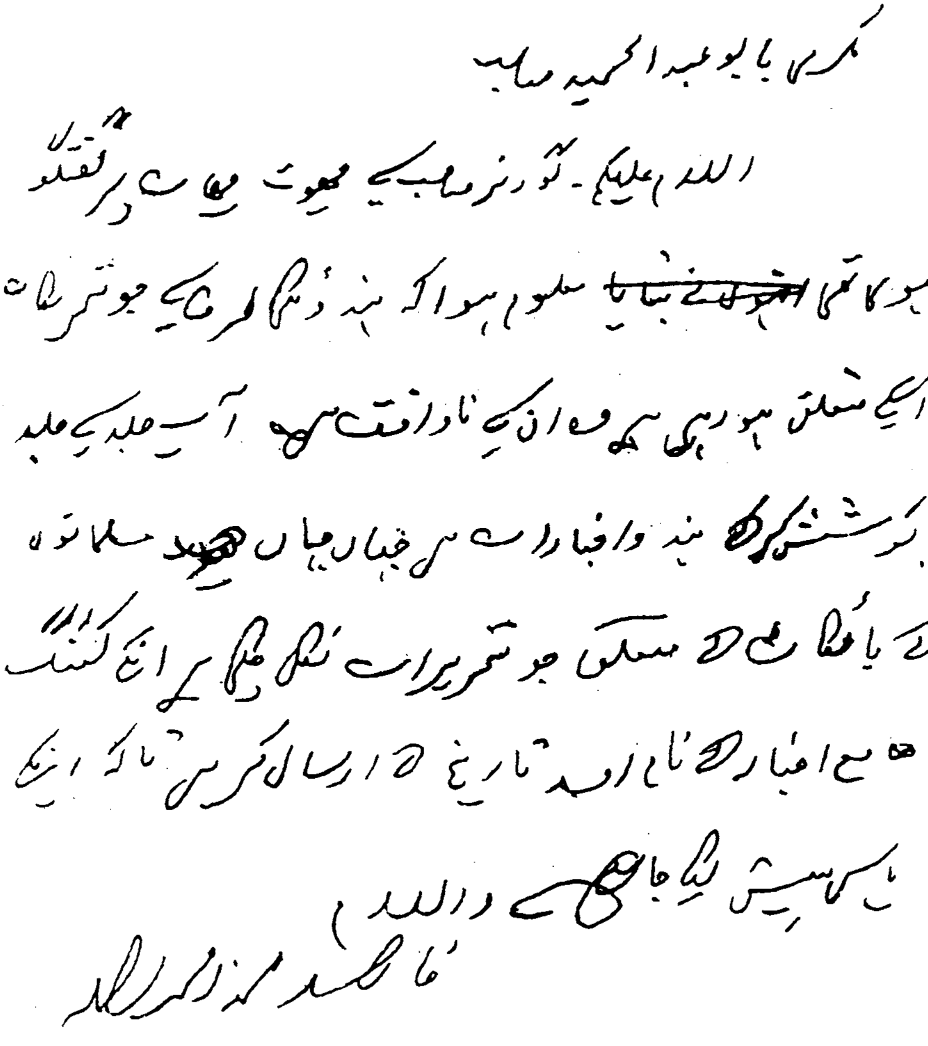
مکرمی بابو عبدالحمید صاحب
السلام علیکم۔ گورنر صاحب سے چھوت چھات پر گفتگو
ہوئی تھی بتایا معلوم ہوا کہ ہندوؤں کی طرف سے جو تحریکات
اس کے متعلق ہو رہی ہیں وہ ان سے ناواقف ہیں آپ جلد سے جلد
کوشش کر کے ہندو اخبارات میں جہاں جہاں مسلمانوں
کے بائیکاٹ کے متعلق جو تحریرات نکل چکی ہیں ان کے کٹنگ
مع اخبار کے نام اور تاریخ کے ارسال کریں تاکہ ان کے
پاس پیش کیا جا سکے والسلام
خاکسار مرزا محمود احمد

لیکچر شملہ

۱۱ ستمبر کا دن سفر شملہ میں ایک خاص دن تھا کیونکہ اس روز حضور نے الفنسٹن ہال میں نواب سر ذوالفقار علی خان کی صدارت میں ایک بصیرت افروز لیکچر دیا سب سے پہلے تلاوت قرآن مجید کے بعد صدر سر ذوالفقار علی خان نے آپ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا "حضرات ہمارے معزز محترم مرزا صاحب کی ہستی اس بات کی محتاج نہیں کہ آپ سے انٹروڈیوس کراؤں آپ کو زمانہ جانتا ہے آپ کی ذات سے جو فیض پہنچ رہا ہے اور مسلمانوں کی اصلاح حالت کے لئے جو سعی آپ کر رہے ہیں وہ سب کو معلوم ہے اس لئے میں کسی لمبی تقریر کی حاجت نہیں سمجھتا بلکہ حضرت سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ ہمیں اپنے ارشادات سے مستفیض فرمائیں۔ [23]

اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے تین گھنٹہ تک ایک عظیم الشان لیکچر دیا۔ جس میں نہایت مدلل اور موثر انداز میں مسلمانوں کو ان کی انفرادی اور قومی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور انہیں حقیقی مسلمان بننے' اور اپنے اندر استقلال ادب' خدمت خلق' خواہش مقابلہ' صفائی' پابندی وقت' جفاکشی' رواداری' نظام' قومی آزادی اور تبلیغی روح پیدا کرنے کی تلقین فرمائی اور ایک بار پھر اپنا یہ قومی نعرہ بلند کیا کہ قومی ترقی چاہتے ہو۔ تو مشترک اسلامی امور میں ایک ہو جاؤ۔ چنانچہ حضور نے اختلاف امتی رحمۃ کا فلسفہ بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ "میری بات کو اچھی طرح سمجھ لو۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ جو فرقہ اپنے آپ کو مسلم کہتا ہے اور قرآن مجید کی شریعت کو منسوخ قرار نہیں دیتا اس سے اتحاد کر لو قومی برکات اور انعام قومی اتحاد کی روح سے وابستہ ہیں"۔ [24]

جداگانہ انتخاب کے مسئلہ پر مسٹر محمد علی جناح (قائداعظم) سے تبادلہ خیالات

شملہ کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ آپ نے جناب محمد علی صاحب جناح (قائداعظم) سے جداگانہ انتخاب کے مسئلہ پر تبادلہ خیالات کیا اور ان پر اس کی معقولیت واضح کر دی۔ چنانچہ حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب کا بیان ہے کہ۔

"یہ موسم گرما ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے ستمبر کا مہینہ تھا تمام صوبوں کے لیڈر شملہ میں اکٹھے ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی رائے جداگانہ انتخاب کے حق میں تھی............

مرحوم قائداعظم اس وقت کانگرس کے ممبر اور مسٹر محمد علی جناح کہلاتے تھے آپ کو بھی کنگز لے میں دعوت چائے دی گئی تھی۔ میں اس وقت اس دعوت میں موجود تھا۔

آپ نے تبادلہ خیال کے آخر میں فرمایا۔ مرزا صاحب! میں نہیں مان سکتا کہ نصب العین ہمارا یہ ہو کہ ہندوستانی قوم بلند مقام تک جا پہنچے اور اس کا ذریعہ یہ جداگانہ انتخاب ہو؟ قومیت صرف مشترکہ انتخاب کے ذریعہ سے ہی بن سکتی ہے حضور نے فرمایا کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ جہاں تک

آئیڈیل (غایہ کمالیہ یعنی مقصد اعلیٰ) کا تعلق ہے مشترکہ انتخاب قومیت کے لئے ضروری ہے مگر اس کا وقت نہیں مسلمان حد درجہ کمزور ہیں۔ وہ مشترکہ انتخاب میں ہندو سرمایہ اور ہندو چالوں کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکیں گے مگر مسٹر محمد علی جناح نہ مانے اور اپنی رائے پر قائم رہے۔ [۲۵] چنانچہ شملہ میں جب آپ کے زیر صدارت آخری اجلاس ہوا اور اس میں مقررین کی مخالف و موافق دونوں طرح کی تقریریں ہوئیں اور حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی تقریر فرمائی۔ تو اکثر حضرات جداگانہ انتخاب کے حق میں تھے۔ مگر جب رائے حاصل کرنے کا سوال اٹھایا گیا تو صدر جلسہ نے بدیں عذر رائے حاصل کرنے کی ضرورت نہ سمجھی کہ یہ اجلاس باقاعدہ نہیں حاضرین میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو مسلم لیگ کے ممبر نہیں غرض مرحوم قائداعظم کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی اکثریت کس طریق انتخاب کے حق میں ہے اور جب انہوں نے اجلاس کے خاتمہ پر آخری تقریر کی تو ان کا اٹھنا اور مسکراتے ہوئے یہ کہنا میں کبھی نہیں بھولا کہ مجھے ان تقریروں سے قوم کی اکثریت کا جداگانہ انتخاب کے حق میں ہونا معلوم ہو گیا ہے جب ہندوؤں کے ساتھ فیصلہ کرنے کا موقع آئے گا تو میں ان کی اس رائے کا خیال رکھوں گا"۔ [۲۶]

سفر شملہ کے تاثرات

سفر شملہ کے اہم واقعات بیان ہو چکے ہیں۔ بالآخر مناسب ہے کہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے اس سفر سے متعلق بیان فرمودہ تاثرات درج کر دیئے جائیں حضور فرماتے ہیں:-

"اس سال میں نے شملہ کا سفر اختیار کیا جس کے دو بہت بڑے فائدے ہوئے ایک تو یہ کہ مذہبی لحاظ سے اس مسودہ میں مشورہ دینے کا موقعہ میسر آیا جو گورنمنٹ نے مذاہب کے بزرگوں کی ہتک کے انسداد کے متعلق پیش کیا اسمبلی کے ممبروں کو اس کے متعلق کئی باتیں میں نے بتائیں چنانچہ مسودہ میں بعض تبدیلیاں میرے مشورہ کے مطابق ہو گئیں بعض نہ بھی ہوئیں۔ مگر بہت بڑی کامیابی یہ تھی کہ بڑے بڑے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ اسلام کے لئے احمدی جماعت سب کچھ قربان کر کے کام کرنے کے لئے تیار ہے۔ مسز نیڈو جو مشہور عورت لیڈر ہیں انہوں نے ذکر کیا میں ایک موقعہ پر مسٹر محمد علی جناح سے ملی تو انہوں نے کہا احمدی جماعت میں کام کرنے کی عجیب روح ہے اسمبلی کے ممبروں کو اتنی فکر نہیں جتنی ان لوگوں کو ہے ان کے آدمی نہ رات دیکھتے ہیں نہ دن ہر وقت ہمارے پاس پہنچ جاتے اور اپنا مشورہ پیش کرتے ہیں بات یہ ہے کہ جب مجھے مسودہ ملا تو میں نے راتوں رات آدمیوں کو اسمبلی کے بعض ممبروں کے پاس بھیجا کہ جا کر انہیں اس کے متعلق ضروری باتیں بتاؤ۔

اس اثنا میں شملہ میں اتحاد کانفرنس منعقد ہوئی جس کا مجھے بھی ممبر بنایا گیا اس طرح مجھے ہندو

مسلمان لیڈروں کے ساتھ مل کر کام کرنا پڑا جس سے کئی فائدے ہوئے ایک تو یہ کہ ہندو مسلمان لیڈروں سے واقفیت پیدا ہو گئی۔ جس سے آئندہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے دوسرے ان کی شخصیتوں کا علم ہو گیا۔ میں کانفرنس میں بولتا بہت کم تھا۔ اور ہر ایک کے کیریکٹر کو دیکھتا رہتا تھا۔ اور اب میں ان میں سے ہر ایک کے کیریکٹر سے خدا تعالیٰ کے فضل سے واقف ہوں کہ ان میں سے بعض اخلاص سے کام کرنے والے بھی ہیں گو بعض نمائشی بھی ہیں مگر خوشی اس بات کی ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنی سمجھ کے مطابق مسلمانوں کے فائدے کے لئے اخلاص سے کام کرنے والے ہیں۔

مجھے یہ افسوس ہے کہ کانفرنس میں بعض مسلمانوں کی طرف سے ایسی باتیں بھی پیش ہوئیں۔ جو مناسب نہ تھیں۔ مگر میں نے یہی طریق رکھا کہ ان کو اپنی مجلس میں اپنے طور پر سمجھا لیا جائے تاکہ مجلس میں مسلمان ایک دوسرے کی مخالفت نہ کریں اور خدا تعالیٰ کا فضل تھا کہ ہندو لیڈروں میں تو آپس میں تفرقہ ہو جاتا۔ مگر مسلمانوں میں اتحاد رہا۔ اور ہندوؤں کی ایک پارٹی بھی ٹوٹ کر مسلمانوں سے مل گئی۔ اگرچہ شملہ میں کوئی بات طے نہ ہو سکی۔ مگر یہ اسی کا اثر تھا کہ کلکتہ میں ہندو مسلمان لیڈروں میں گائے اور باجا کے مسئلہ پر اتحاد ہو گیا۔ [۲۷]

پھر فرماتے ہیں:۔

"مسٹر جناح اور مولانا محمد علی سے پچھلے دنوں شملہ میں مجھے شناسائی ہو چکی ہے اور یونٹی کانفرنس اور قانون حفاظت مذاہب کے متعلق گھنٹوں ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ میں مسٹر جناح کو ایک بہت زیرک قابل اور مخلص خادم قوم سمجھتا ہوں اور ان سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی میرے نزدیک وہ ان چند لوگوں میں سے ہیں جنہیں اپنے ذاتی عروج کا اس قدر خیال نہیں جس قدر کہ قومی ترقی کا ہے۔ مولانا محمد علی صاحب کو بھی میں نے اس سے بہت اچھا پایا جیسا کہ سنا تھا وہ ایک دردمند دل رکھنے والے اور محنت سے کام کرنے والے انسان ہیں۔ اور جن مخالف حالات میں وہ کام کر رہے ہیں وہ اس بات کا انہیں مستحق بناتا ہے کہ مسلمان ان کی قدر کریں۔ اور ان کی رائے کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں مجھے ان سے کئی باتوں میں اختلاف رہا ہے لیکن میں ہمیشہ انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتا رہا ہوں"۔ [۲۸]

مسلمانوں کے روشن خیال طبقہ کی طرف سے جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات کا اقرار

قیام شملہ میں آپ کی بے حد مصروفیات نے آپ کی صحت پر برا اثر ڈالا۔ لیکن اسلام کے وقار اور عظمت کا سکہ دلوں پر بیٹھ گیا۔ جماعت احمدیہ جو اسلامی خدمات بجالا رہی تھی اب مسلمانوں کے روشن خیال گروہ اس حقیقت کا اور بھی زیادہ

قوت وشدت سے اقرار کرنے پر مجبور ہوئے کہ مسلمانوں کی خدمت اور بھلائی کے لئے تنہا یہی جماعت مصروف جہاد ہے۔

چنانچہ مولانا محمد علی صاحب جوہر حضور کی خدمت اسلام کے لئے مصروفیت اور درد دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے اخبار ''ہمدرد'' دہلی (۲۶ ستمبر ۱۹۲۷ء) میں لکھا:۔

''ناشکر گذاری ہوگی کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد اور ان کی اس منظم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلاف عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لئے وقف کر دی ہیں۔ یہ حضرات اس وقت اگر ایک جانب مسلمانوں کی سیاسیات میں دلچسپی لے رہے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کی تنظیم، تبلیغ و تجارت میں بھی انتہائی جدوجہد سے منہمک ہیں۔ اور وقت دور نہیں جبکہ اسلام کے اس منظم فرقہ کا طرز عمل سواد اعظم اسلام کے لئے بالعموم اور ان اشخاص کے لئے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدمات اسلام کے بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں مشعل راہ ثابت ہوگا۔ جن اصحاب کو جماعت قادیان کے اس جلسہ عام میں جس میں مرزا صاحب موصوف نے اپنے عزائم و طریق کار پر اظہار خیالات فرمایا۔ شرکت کا شرف حاصل ہوا ہے وہ ہمارے خیال کی تائید کئے بغیر نہیں رہ سکتے''۔ [۳۹]

اخبار درّ نجف (سیالکوٹ) نے اپنی ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۷ء کی اشاعت میں لکھا۔

''احمدی جماعت قادیان کے بہت سے اشتہارات و نوٹس دفتر میں بغرض اندراج در نجف موصول ہوئے جنہیں بوجہ عدم گنجائش درج نہیں کیا گیا ہمیں اس فرو گذاشت پر افسوس ہے جماعت مذکورہ کی خالص اسلامی خدمات کا اعتراف نہ کرنا پرلے درجے کی بے حیائی ہے امرت سر کے ایک ڈھیٹ اخبار نے ان کی نیت پر نکتہ چینی کرتے ہوئے بے جا جھک ماری ہے تعجب ہے کہ جو لوگ باعث ایجاد خلق فخر موجودات سرور کائنات ﷺ کو کسی رنگ میں بھی عالم خفیات و غیب نہیں مانتے وہ قادیانیوں کی نیت اور ارادہ سے کس طرح آشنا ہو سکتے ہیں اگر قادیانی جماعت کا نصب العین اس سے احمدیہ تبلیغ ہے اور وہ دین خدا کی خدمت کر کے مسلمانان عالم پر اپنا اثر ڈالنا چاہتی ہے تو بسم اللہ دل ما روشن چشم ماشاد کیونکہ ان کا اثر نتیجہ ہوگا خدمات اسلام کا پس ہر اک ہمدرد ملت بیضا کو اس امر کا حریص ہونا چاہئے جس کا یہ نتیجہ ہے۔ اگر ان کی سرگرمی میں ہی تبلیغ احمدیت ہے۔ نیز اگر کفار کا مقابلہ اور باہمی کشمکش سے احتراز و اجتناب باہم آویزیوں سے نفرت دعوت اتحاد پر زور دینا وغیرہ امور کو ہی مسلم پبلک بنظر پسندیدگی دیکھتی ہے تو پھر بجائے اس کے کہ اس عمل خیر پر کاربند ہونے والوں کی نیت پر حملے کئے جائیں کیوں نہ وہی وطیرہ خود اختیار کیا جائے جو لوگ سمجھتے ہیں کہ قادیانیوں نے مسلم پبلک سے ووٹ حاصل

کرنے کے لئے یہ روش اختیار کی ہے تو وہ خود ہی ووٹ حاصل کریں در نجف خالص اسلامی خدمات بجا لانے والوں کا معترف ہے اور یہ اس کا آزادانہ اعلان متصور ہو"۔ [۶۰] (اخبار در نجف ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۱)

جماعت احمدیہ کی مساعی کا اثر آریوں پر

یہ تو مسلمانوں کی تحریرات ہیں اب ہم ایک آریہ اخبار کی رائے کا ذکر کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہو گا کہ ہندو قوم پر ان مساعی کا ردعمل کس رنگ میں رونما ہوا۔ چنانچہ ہندو اخبار "تیج" (مورخہ ۲۳ جولائی ۱۹۲۷ء) نے لکھا۔

"ویسے تو آج کل مسلمان بھائیوں کا قریب قریب ہر فرقہ ہندوؤں کا مخالف ہو رہا ہے مگر احمدی مسلمان ہندو جاتی کو بدنام اور تباہ و برباد کرنے کے لئے جو ان تھک کوششیں کر رہے ہیں اس کی نظیر مسلمانوں کا کوئی دوسرا فرقہ نہیں پیش کر سکتا۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ اس فرقہ کے عالم وجود میں آنے کی غرض و غایت ہی ہندوؤں اور خاص کر آریہ سماجیوں کو تباہ و برباد کرنا تھی جب بھی کسی ہندو بزرگ سے تبادلہ خیالات کا موقع ملا۔ میں نے ان کو احمدیہ جماعت کی دن بدن بڑھتی ہوئی کوششوں کی طرف متوجہ کیا۔ افسوس میری صدائیں بے اثر ثابت ہوئیں جو کچھ اب تک ہو تا رہا مسلمانوں کی انفرادی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ اب ایک زبردست اور منظم جماعت (جماعت احمدیہ) اس کام کے لئے تیار ہو چکی ہے تو ایشور جانے کیا ہو جائے گا۔" [۶۱]

اخبار بندے ماترم لاہور (۱۸ ستمبر ۱۹۲۷ء) نے لکھا۔

" احمدی لوگ تمام دنیا کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ ٹھوس اور مسلسل تبلیغی کام کرنے والے ہیں اور ان کی تبلیغی جدوجہد اس وقت ہمیں سب سے زیادہ نقصان پہنچا رہی ہے اگر ہماری غفلت کی یہی حالت رہی تو مستقبل قریب میں یہی لوگ ہماری مکمل تباہی کے باعث ہوں گے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ احمدی لوگ ہندو جاتی کے سب سے زیادہ خوفناک حریف ہیں۔ ہمیں ان کی طرف سے ہرگز غافل نہ رہنا چاہئے اس ضروری بات کو پھر ایک دفعہ بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ احمدی جماعت ایک نہایت زبردست منظم اور مسلسل تبلیغی کام کرنے والی جماعت ہے احمدیوں کی عورتیں ہماری قوم کے مردوں سے بازی لے گئیں۔ ہم اپنی معمولی کامیابیوں پر خوشیاں منانے میں کمی نہیں کرتے لیکن ٹھوس اور خاموش کام کرنے سے ہمیں بیر ہے۔ ہماری زبانیں قینچی کی طرح چلتی ہیں لیکن ہاتھ حرکت نہیں کرتے۔ احمدیوں کے نقص خوب نکالے بعض اوقات ان کا تمسخر بھی اچھی طرح اڑایا۔ لیکن ان کے مقابلہ میں کام کیا کیا؟ اس کا جواب ہمارے پاس سوائے خاموشی کے اور کچھ نہیں۔" [۶۲]

فصل سوم

"رنگیلا رسول" اور "ورتمان" کے فتنہ کی مدافعت میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور جماعت احمدیہ کی عظیم الشان خدمات دینیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ہم سفر شملہ کے آخر تک آگئے ہیں لہٰذا اب وہ واقعات بیان کئے جاتے ہیں جو اگرچہ اس عرصہ میں ہوئے مگر محض تسلسل کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے۔

لاوارث عورتوں اور بچوں کی خبر گیری کے لئے تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے جولائی ۱۹۲۷ء میں آریوں کے ایک خطرناک منصوبہ کا انکشاف کرتے ہوئے مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ شدھی کا زور جب سے شروع ہوا ہے ہندو صاحبان کی طرف سے مختلف سٹیشنوں پر آدمی مقرر ہیں جو عورتوں اور بچوں کو جو کسی بدقسمتی کی وجہ سے علیحدہ سفر کر رہے ہوں بھگا کر لے جاتے ہیں اور انہیں شدھ کر لیتے ہیں اس سلسلہ میں حضور نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ ہر بڑے شہر میں لاوارث عورتوں اور بچوں کے لئے ایک جگہ مقرر ہونی چاہئے جہاں وہ رکھے جائیں نیز دہلی والوں کو اس کے انتظام کی طرف خاص توجہ دلائی اور فرمایا۔

"یاد رکھنا چاہئے کہ قطرہ قطرہ سے دریا بن جاتا ہے۔ ایک ایک آدمی نکلنا شروع ہو تو بھی کچھ عرصہ میں ہزاروں تک تعداد پہنچ جاتی ہے اور ان کی نسلوں کو مدنظر رکھا جائے تو لاکھوں کروڑوں کا نقصان نظر آتا ہے۔ پس اس نقصان کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے۔" ۴۳'۴۴

چنانچہ انجمن محافظ اوقاف دہلی نے یہ اہم فرض اپنے ذمہ لیا اور اس کے لئے پانچ معزز ارکان کی کمیٹی قائم کر دی۔

مسلم پارٹیز کانفرنس کے لئے تجاویز

ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو (ایڈیٹر اخبار "تنظیم" امرتسر) ۱۹۲۷ء میں مسلمانوں کی تنظیم کے لئے ایک مسلم پارٹیز کانفرنس منعقد کرنا چاہتے تھے اس سلسلہ میں انہوں نے جناب شوکت علی خاں، حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون صاحب، جناب مولوی محمد علی صاحب پریذیڈنٹ انجمن اشاعت اسلام لاہور، جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری، جناب ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب اور جناب پروفیسر عبداللہ یوسف علی صاحب وغیرہ مسلمان لیڈروں سے مشورہ کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے بھی راہنمائی کے لئے

درخواست کی۔ حضور نے اس کے جواب میں مندرجہ ذیل مکتوب رقم فرمایا۔

"میں پہلے ہی اس فکر میں تھا۔ اس میں کیا شک ہے کہ اس وقت مسلمانوں کو اختلاف سے نقصان پہنچ رہا ہے لیکن اس سے بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ مسلمان اس اختلاف کے نقصان کو سمجھ نہیں سکتے۔ اور تیسری مصیبت یہ ہے کہ وہ اتحاد کے حقیقی ذرائع کو چھوڑ کر اپنے سوا دوسری ہر ایک آواز کو دبانا چاہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مختلف طبائع اس لئے پیدا کی ہیں۔ کہ وہ قومی تمدن کی مختلف ضرورتوں کی طرف دلی رجحان سے توجہ کریں۔ یہاں ہر ایک اختلاف کو مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے میں آپ سے اس امر میں بالکل متفق ہوں کہ ایک عام تحریک سے پہلے چند آدمیوں کا مل کر اصول پر غور کرنا ازبس مفید ہوگا۔ مگر میرے نزدیک تکمیل عمل کے لئے ان پانچ افراد کے علاوہ جن کا آپ نے ذکر فرمایا ہے سر شفیع یا سر اقبال.... مسٹر جناح۔ سر عبد القیوم۔ مہاراجہ صاحب محمود آباد اور سر عبد الرحیم بھی اگر ابتدائی مشورہ میں شریک ہوں تو مفید ہوگا۔ اس مختصر کانفرنس کے بعد پھر ایک عام کانفرنس منعقد کی جاوے۔ اور اس میں زیادہ وسیع پیمانے پر پبلک کے اہل الرائے لوگوں کو دعوت دی جائے ان لوگوں کو دعوت ضرور دی جائے اگر مجبوری کی وجہ سے تشریف نہ لاسکیں تو پھر جس قدر احباب جمع ہوں وہی مشورہ کر لیں۔ اصل بات جس پر غور کی ضرورت ہے وہ یہی ہے کہ:۔

۱۔ مختلف جماعتوں کی نمائندگی کس اصول پر ہو؟

۲۔ اختلاف کی صورت میں کس حد تک مختلف جماعتیں پابند اور کس حد تک آزاد ہوں گی؟

۳۔ مشترکہ پروگرام کیا ہو اور کس حد تک اس کا دائرہ عمل وسیع ہو؟ ایسی تحریکات اس طرح ہوتی ہیں کہ ایک شخص دعوت دیتا ہے اور دوسرے لوگ اگر متفرق ہوں تو اس کے بلانے پر جمع ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک میری آواز کا کوئی اثر ممکن ہے تو میں ان اصحاب کو دعوت دینے کے لئے تیار ہوں اور اگر کسی دوسرے صاحب کو دعوت دینا زیادہ مناسب ہو تو میں ہر ممکن مدد دینے کا وعدہ کرتا ہوں"۔ [۴۵]

علاقہ تیراہ کا سنی شیعہ فساد اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی دردمندانہ اپیل

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے کئی ماہ کی توجہ اور کوشش سے اتحاد المسلمین کا جو خوشگوار ماحول پیدا کر دیا تھا۔ اسے سرحدی آزاد علاقہ کے شیعہ سنی فساد سے سخت نقصان پہنچا۔ جو ستمبر ۱۹۲۷ء کے ابتداء میں تیراہ کے علاقہ میں رونما ہوا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر شیعہ اور سنی حضرات سے مندرجہ ذیل دردمندانہ اپیل شائع کی:۔

" سرحدی آزاد علاقہ کے شیعہ سنی فساد کی اطلاعیں ان لوگوں کے لئے جن کے دل میں اسلام کا درد ہے سخت صدمہ کا موجب ہوئی ہیں...... میں تمام سنیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ان معاملات پر پلیٹ فارم یا اخبارات میں جوش سے بحث نہ کریں بلکہ باہمی اختلافات کا پرائیویٹ طور پر تصفیہ کرنے کی کوشش کریں۔ نیز یہ بھی اپیل کرتا ہوں کہ سنی صرف اس واسطے اس جھگڑے میں سنیوں کو حق پر نہ سمجھ لیں کہ وہ سنی ہیں اور اسی طرح میں شیعوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ یہ خیال نہ کرلیں کہ شیعہ قبائل مظلوم ہیں صرف اس وجہ سے کہ وہ شیعہ ہیں لیکن یہ بات صاف ہے کہ ہمیں بہت سی عزیز جانوں کا نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔ جو کسی وقت مفاد اسلامی کے لئے زیادہ منفعت بخش ثابت ہو سکتی تھیں۔ ہمارا فوری فرض یہ ہونا چاہئے کہ اس برائی کو اور نہ پھیلنے دیں اور ان لوگوں کی مدد کریں جن کو اس فساد میں نقصان برداشت کرنا پڑا ہے میرے ناقص خیال میں چونکہ ہم سرکاری علاقہ میں رہنے کی وجہ سے آزاد علاقے پر بہت تھوڑا اثر رکھتے ہیں اور چونکہ وہ اقوام اپنی آزادی کے لئے بہت غیرت رکھتی ہیں۔ اس لئے ہم صرف سرحدی رؤسا کے ذریعہ ہی ان لڑنے والے قبائل پر اثر ڈال سکتے ہیں لہٰذا ہم کو فوراً پشاور اور کوہاٹ میں تمام اسلامی فرقوں کے ذی اثر اصحاب کی ایک کمیٹی بنانا چاہئے جس میں وہ ملّا اور سردار خصوصیت سے شامل کئے جائیں۔ جن کو ان اقوام میں سے کسی نہ کسی میں کم و بیش رسوخ حاصل ہو تاکہ ہم آزاد سرحدی علاقہ کے شیعوں اور سنیوں میں صلح و آشتی پیدا کرنے کے ذرائع معلوم کر سکیں۔

میں یہ بھی تجویز کرتا ہوں کہ اس کمیٹی کو چاہئے کہ ان لوگوں میں حقیقی صلح کرائے۔ اور صرف دفع الوقتی سے کام لے کر کوئی ایسا صلح نامہ نہ مرتب کرے۔ جو انجام کار ایک سخت نقصان دہ دھوکا ثابت ہو۔ نیز ایک فنڈ بھی فوراً کھولنا چاہئے۔ تاکہ جن لوگوں کو اس افسوسناک لڑائی میں مالی یا جانی نقصان پہنچا ہے ان کی مدد کی جاسکے۔ میں ایک لائق ڈاکٹر کی خدمات پیش کرتا ہوں۔ جو بشرط ضرورت ان زخمیوں کا علاج کرے گا جن کے متعلق میں نے سنا ہے کہ کثیر تعداد میں سرکاری علاقے میں آگئے ہیں۔ نیز میں ان لوگوں کے لئے جن کو اس لڑائی میں تکلیف پہنچی ہے ہر ایک قسم کی مالی و اخلاقی مدد دینے کا جو میری طاقت میں ہے وعدہ کرتا ہوں۔ "[۲۶]

مصیبت زدگان گجرات کی امداد

انہی دنوں گجرات کاٹھیاواڑ میں سیلاب آیا خود حضور نے اور جماعت کے دوسرے دوستوں نے مصیبت زدگان کی مالی امداد فرمائی۔[۲۷]

الور کے اسلامی مدارس کے بقا کے لئے جدوجہد

انہی دنوں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کو اطلاع ملی کہ ریاست الور میں اسلامی مدارس بند کردیئے گئے ہیں جس پر آپ کی ہدایت کے مطابق ریاست سے خط و کتابت کے ذریعہ کوشش کی گئی۔ کہ اسلامی مدارس جاری رہیں۔ [۴۸]

مخالفین احمدیت کی سازش اور اس کا انجام

جماعت احمدیہ کی کامیابیوں اور حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہر حلقہ میں بڑھتی ہوئی مقبولیت دیکھ کر بعض لوگوں نے جن سے سلسلہ کی عظمت اور آپ کی شہرت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ آپ کی زبردست مخالفت شروع کردی چنانچہ اس غرض کے لئے قادیان کے بعض مستری جو مشین سویاں کی دکان چلاتے تھے آلہ کار بنائے گئے۔ [۴۹] جنہوں نے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ پر اقدام قتل کا مقدمہ دائر کرنے کے علاوہ ایک اخبار "مباہلہ" نامی (قادیان سے) جاری کرکے آپ کی ذات مقدس پر شرمناک حملے کئے اور اپنی دشنام طرازی اور اشتعال انگیزی سے جماعت کے خلاف ایک طوفان بے تمیزی کھڑا کردیا۔ یہ فتنہ دراصل ایک گہری سازش کا نتیجہ تھا جس کے پیچھے سلسلہ احمدیہ کے مخالف عناصر [۵۰] کام کررہے تھے۔ اور جنہوں نے احمدیت کو بدنام کرنے بلکہ کچلنے کے لئے پوری قوت سے ہر قسم کے اوچھے ہتھیار استعمال کئے۔ اس فتنہ نے جہاں دشمنان احمدیت کی گندی اور شکست خوردہ ذہنیت بالکل بے نقاب کردی وہاں حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی یوسفی شان کا اظہار ہوا۔ اور آپ نے صبرو تحمل کا ایک ایسا عدیم النظیر نمونہ دکھایا کہ ملک کا سنجیدہ اور متین طبقہ ورطۂ حیرت میں پڑ گیا۔ اور انہوں نے گند اچھالنے والوں کے خلاف نفرت اور بیزاری کا کھلا اظہار کیا۔ مثلاً

۱۔ اخبار "تازیانہ" لاہور (۷ اپریل ۱۹۳۰ء) نے لکھا۔

"مسلمانوں کی یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ وہ اپنی قوتیں اپنوں کی تخریب میں ہی صرف کرتے ہیں ہم نے ایک بار مباہلہ والوں کی حمایت کی تھی لیکن آج..... ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اصلیت کو پبلک پر ظاہر کرکے مباہلہ والوں کی مخالفت کریں۔ اخبار مباہلہ قادیان سے شائع ہوتا ہے اس اخبار میں احمدیوں کے بزرگ و محترم پیشوا کی ذات پر نہایت رکیک حملے کئے جاتے ہیں اب بتلائیے کہ یہ کہاں کی اسلامی شان ہے؟.... اخبار مباہلہ والوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی تحریروں میں اعتدال اور شرافت کا جزو پیدا کریں اگر وہ ایک جماعت کے ہردلعزیز اور مقدس پیشوا پر نہایت خوفناک الفاظ میں الزامات لگائیں گے اور فحش نویسی سے کام لیں گے تو اگر اس پیشوا یا پیر یا رہنما

کا کوئی جوشیلا مرید قانون اپنے ہاتھ میں لے لے تو اسے معذور سمجھا جائے گا۔ [۵۱] اخبار مباہلہ والے اس حقیقت سے خالی الذہن نہیں کہ جس شخص کے خلاف وہ نہایت زہریلے مضامین لکھ رہے ہیں وہ مسلمانوں کی عزت و ناموس کے لئے کٹ مرنے کو تیار ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ ہم ایک جماعت کے احساسات کا خیال نہ کرتے ہوئے کامل بے احتیاطی اور غیر ذمہ داری سے اناپ شناپ لکھتے چلے جائیں"۔

۲۔ اخبار "رشی" امرتسر (۱۰ اپریل ۱۹۳۰ء) نے لکھا۔

"ہم اخبار مباہلہ کا شروع سے مطالعہ کرتے آئے ہیں اس میں ہمیشہ خلیفہ صاحب کے خلاف نہایت لچر اور گندے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں اس کے مقابلہ میں مرزا صاحب کا رویہ قابل تعریف ہے کہ باوجود ہر قسم کی طاقت رکھنے کے آپ نے اس لچر اخبار کے بدزبان مالکان کے خلاف کبھی کوئی سخت ایکشن نہیں لیا۔ مگر افسوس ہے کہ آپ کی شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اب اس رذیل چیتھڑے میں آپ کے اہل بیت کے خلاف نہایت دل آزار مضامین شائع ہونے شروع ہو گئے ہیں اس وقت ہر سچے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ مذہب کے سچے خیر خواہ اور خدا کے عزیز بندے کے جانشین کی اس آڑے وقت میں امداد کریں"۔

۳۔ رسالہ "مولوی" (دہلی) نے لکھا۔

"ہمارے نزدیک اس قسم کی حرکات سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا ایسے الزامات کا قطعی ثبوت درکار ہوتا ہے اور جب تک شرعی طور پر الزام ثابت نہ ہو۔ اس وقت تک اسکی اشاعت کسی لحاظ سے مفید نہیں ہو سکتی اب تک اس قسم کی بداخلاقی کی کوئی اطلاع کسی کو نہیں ملی۔ حالانکہ ہمیشہ سے ان کے مخالفین کی تعداد کافی رہی مگر کسی نے اس نوعیت کے الزام ان پر نہیں لگائے"۔ [۵۲]

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ ۱۹۲۷ء پر اس فتنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"ایسی باتیں الٰہی سلسلوں کے ساتھ خدا تعالےٰ کی سنت کے ماتحت لگی رہتی ہیں ان سے گھبرانا نہیں چاہئے ہمارا فرض کام کرنا ہے دشمنوں کی شرارتوں سے گھبرانا ہمارا کام نہیں۔ جو چیز خدا تعالیٰ کی ہو اسے وہ خود غلبہ عطا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی چیزوں کی آپ حفاظت کرتا ہے اگر سلسلہ احمدیہ کسی بندہ کا سلسلہ ہوتا تو اتنا کہاں چل سکتا تھا یہ خدا کا ہی سلسلہ ہے وہی اس کی پہلے حفاظت کرتا رہا ہے اور وہی آئندہ کرے گا۔........ خدا تعالیٰ نے مجھے بتلایا ہے کہ شوکت و سلامتی سعادت اور ترقی کا زمانہ عنقریب

آنے والا ہے کہنے والے نے کہا ہے دیکھوں گا کس طرح جماعت ترقی کرتی ہے مگر میں بھی دیکھوں گا میرے خدا کی بات پوری ہوتی ہے یا اس شخص کی" ۵۳ چنانچہ ایک دنیا نے دیکھ لیا کہ خدا کی بات پوری ہوئی یہ فتنہ اپنی موت آپ مرگیا۔ اور بہت بری طرح مرا۔ مگر جماعت احمدیہ پہلے سے زیادہ شان پہلے سے زیادہ قوت اور پہلے سے زیادہ اثر و نفوذ میں بڑھتی چلی گئی۔ اور اب خدا کے فضل سے اس کو ایک ایسا غیر معمولی مقام حاصل ہو گیا ہے کہ عصر حاضر کی زندہ مذہبی تحریکات پر قلم اٹھانے والا کوئی شخص اس کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔

سائمن کمیشن کی آمد سے پہلے مسلمانوں کی بروقت رہنمائی

۱۹۱۸ء کی چیمسفورڈ ریفارم سکیم کے مطابق حکومت برطانیہ نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ کہ ہر دس سال کے عرصہ میں ایک کمیشن ہندوستان بھیجا جایا کرے جو غور کر کے رپورٹ کرے کہ کیا ہندوستان مزید حقوق کے حاصل کرنے کے قابل ہو گیا ہے یا نہیں؟ اور جو حقوق اسے پہلے دیئے جا چکے ہیں وہ ان کو بھی صحیح طور پر استعمال کر رہا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیا یہ حقوق اس سے واپس لے لئے جائیں؟

اس سلسلہ میں حکومت برطانیہ کی طرف سے ۱۹۲۷ء کے آخر میں آئندہ ایک کمیشن کے بھجوائے جانے کا اعلان ہوا جس کے صدر انگلستان کے مشہور بیرسٹر سر جان سائمن مقرر کئے گئے۔

کمیشن کے ممبروں میں سے چونکہ کوئی بھی ہندوستانی نہیں تھا اسلئے کانگرس اور ملک کی دوسری سیاسی جماعتوں نے اس کے بائیکاٹ کا فیصلہ کر لیا۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کے بعض مقتدر سیاست دان جن میں قائداعظم مسٹر محمد علی جناح اور محمد علی جوہر بھی شامل تھے۔ اس کے حامی ہو گئے۔

حضرت خلیفہ ثانی ان اصحاب کو ہمیشہ عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے مگر اس اقدام سے چونکہ مسلمانوں کے اقتصادی اور سیاسی مفادات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا اس لئے آپ نے ۸ دسمبر ۱۹۲۷ء کو مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت کے عنوان سے رسالہ شائع کیا جس میں مسلمانوں کو خالص اسلامی نقطہ نگاہ سے یہ مشورہ دیا کہ بائیکاٹ کا اثر زیادہ تر مسلمانوں پر پڑے گا۔ اور ہندوؤں پر بہت ہی کم پڑے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سے ریفارم سکیم منظور ہوئی ہے ہندو اس امر کو سمجھ چکے ہیں کہ ہندوستان کا مستقبل انگریز قوم سے تعلق رکھتا ہے اور ان کے لیڈر برابر آٹھ سال سے گرمیوں میں انگلستان جاتے ہیں اور بڑے بڑے انگریزوں سے ہندوؤں کے فائدہ کی باتیں کر کر کے انہیں اپنا ہم خیال بنا چکے ہیں۔ اسی طرح وہ کوشش کر کے پارلیمنٹ کے ممبروں کو ہندوستان لاتے ہیں۔ اور ہندوؤں کے گھر مہمان ٹھہراتے ہیں...... مگر مسلمانوں کے پاس نہ دولت ہے نہ ان کے اندر قربانی کا

مادہ - چنانچہ وہ اس آٹھ سال کے عرصہ میں بالکل سوتے رہے ہیں اور صرف اس سال عزیزم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب احمدی بیرسٹر لاہور ممبر پنجاب کونسل اور ڈاکٹر شفاعت احمد صاحب بیرسٹر ممبر یو - پی کونسل اس غرض سے ولایت گئے تھے - اور انہیں کئی بڑے بڑے آدمیوں نے کہا کہ ہمیں تو آج ہی معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کے حقوق کی جداگانہ حفاظت کی ضرورت ہے ورنہ ہم تو یہ خیال کرتے تھے کہ ہندو لیڈر جو باتیں کہتے ہیں مسلمان ان سے متفق ہیں ورنہ مسلمان کیوں نہ آکر ہم سے اپنے حقوق کے متعلق بات کرتے لیکن دو آدمیوں کی سہ ماہی کوشش آٹھ سال کے درجنوں آدمیوں کی کوششوں کا مقابلہ کب کر سکتی ہے ہندو لیڈروں میں سے اکثر انگلستان کے بااثر لیڈروں کے ذاتی دوست ہیں - جبکہ مسلمانوں میں سے بہت ہی کم لوگ انگریز لیڈروں کے روشناسا ہیں - نتیجہ یہ ہے کہ انگریز ہندوستان کے مطالبات وہ سمجھتے ہیں جو ہندوؤں کی طرف سے کئے جاتے ہیں اور مسلمان اس امر کو یاد رکھیں کہ اگر کمیشن کا بائیکاٹ ہوا تو کمشن جو رپورٹ کرے گا - وہ اپنے پہلے علم کی بنا پر کرے گا - اور وہ الف سے لیکری تک ہندو لیڈروں کا دیا ہوا ہے - ۵۴

حضرت خلیفہ ثانی کی سالانہ جلسہ پر تقریریں

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے سالانہ جلسہ ۱۹۲۷ء پر بھی حسب دستور تین تقریریں فرمائیں - پہلی تقریر افتتاحی تھی دوسرے دن کی تقریر ۵۵ دلپذیر میں سال کے کاموں پر آپ نے تبصرہ کیا اور آئندہ کا پروگرام جماعت کے سامنے رکھا - تیسرے دن علمی تقریر حضرت مسیح موعود کے کارنامے کے موضوع پر تھی - مؤخر الذکر تقریر میں آپ نے حضور علیہ السلام کے پندرہ عظیم الشان کارہائے نمایاں بالتفصیل بیان فرمائے اور آخر میں ارشاد فرمایا :-

"میں نے آپ کے کاموں کی تعداد ۱۵ بتائی ہے لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ آپ کا کام یہیں تک ختم ہو گیا ہے آپ کا کام اس سے بہت وسیع ہے اور جو کچھ کہا گیا ہے یہ اصولی ہے اور اس میں بھی انتخاب سے کام لیا گیا ہے اگر آپ کے سب کاموں کو تفصیل سے لکھا جائے تو ہزاروں کی تعداد سے بڑھ جائیں گے اور میرے خیال میں اگر کوئی شخص انہیں کتابی صورت میں جمع کر دے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا وہ منشا پورا ہو سکتا ہے جو آپ نے براہین احمدیہ میں ظاہر فرمایا ہے - اور وہ یہ کہ اس کتاب میں اسلام کی تین سو خوبیاں بیان کی جائیں گی - حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ وعدہ اپنی مختلف کتابوں کے ذریعہ پورا کر دیا - آپ نے اپنی کتابوں میں تین سو سے بھی زائد خوبیاں بیان فرمادی ہیں - اور میں یہ ثابت کرنے کے لئے تیار ہوں - ۵۶

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی پر حملہ کی سازش اور سالانہ جلسہ ۱۹۲۷ء پر پہرے کا خاص انتظام

مرکز میں متعدد مقامات سے اطلاعات آئیں کہ دشمنان اسلام اور دشمنان سلسلہ احمدیہ حضرت خلیفہ ثانی پر حملہ کی سازش کر رہے ہیں بعض معزز احمدی دوستوں نے حضرت خلیفہ ثانی کو اس سلسلہ میں نہایت گھبراہٹ کے خطوط لکھے۔ کہ غیر مذاہب کے لوگوں کی طرف سے اس قسم کی تجویزیں ہو رہی ہیں اس کے علاوہ بیسیوں لوگوں نے منذر خوابیں بھی دیکھیں جن میں خطرہ دکھایا گیا تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر جماعت احمدیہ کی طرف سے سالانہ جلسہ ۱۹۲۷ء کے موقعہ پر حضور کی حفاظت کا پہلی بار خاص انتظام کیا گیا۔ چنانچہ حضور نے سالانہ جلسہ پر پہرہ کے نئے انتظام کی وجوہ بتانے کے بعد فرمایا۔ گو مذہبی لحاظ سے خدا تعالیٰ کے رستہ میں مارا جانا بہت بڑی نعمت ہے لیکن شماتت اعداء کو مدنظر رکھتے ہوئے حفاظت کی ضرورت ہے رسول کریم ﷺ سے بڑھ کر دین کے لئے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان ہونے کی خواہش اور کس کو ہو سکتی ہے۔ مگر جب رسول کریم ﷺ کی جان کا خطرہ ہوتا تو صحابہ آپ کی حفاظت کرتے اور قبیلہ کے لوگ باری باری آپ کے گھر کا پہرہ دیتے اور رسول کریم ﷺ اس بات کی اجازت دیتے اور اس وقت جب کہ لوگ پہرہ دے رہے ہوتے آپ بعض اوقات ان سے باتیں کرنے کے لئے باہر تشریف لے آتے۔ اس لئے ہم بھی احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہیں ورنہ ایسی باتیں مومن کے لئے خوشی کا باعث ہوتی ہیں۔ [۵۷]

بزرگ ہستیوں کا انتقال

اس سال حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوری، منشی محمد عبداللہ صاحب ریڈر سیالکوٹی۔ تائی صاحبہ محترمہ حرمت بی بی (زوجہ مرزا غلام قادر صاحب) محترمہ ہاجرہ صاحبہ [۵۸] (نواسی حضرت خلیفہ اول) حضرت صوفی حافظ تصور حسین صاحب بریلوی اور منشی جھنڈے خان صاحب (بیہ ہالی ضلع گورداسپور) کا انتقال ہوا۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے سالانہ جلسہ ۱۹۲۷ء پر ان جدا ہونے والے بزرگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں نہایت افسوس کے ساتھ ان چند اصحاب کی دائمی جدائی پر اظہار رنج و ملال کرتا ہوں جن کو خدا تعالےٰ کی مشیت نے اس سال ہم سے جدا کر لیا۔ ان میں سے مقدم وجود مولوی عبداللہ صاحب سنوری کا ہے میرے نزدیک ہر سلسلہ کے خادم اور اسلام کے خدمت گذار کا جدا ہونا بہت رنج اور تکلیف کی بات ہے مگر مولوی عبداللہ صاحب سلسلہ کے خادم ہی نہ تھے' حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام سے پرانی اور دیرینہ صحبت رکھنے کی خصوصیت ہی نہ رکھتے تھے بلکہ اپنے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا ایک بہت بڑا نشان بھی رکھتے تھے۔ جو ان کے دفن ہونے کے ساتھ ہی دفن ہو گیا"۔

۵۹

"دوسرے ایک اور صاحب جو پرانے تو نہ تھے مگر بڑا اخلاص رکھتے تھے اور خصوصیت سے سیالکوٹ کی جماعت میں سے جن تین اصحاب کو خدا نے خلافت ثانیہ کے شروع کے وقت فتنہ سے محفوظ رکھا ان میں سے ایک تھے یعنی منشی محمد عبداللہ صاحب"۔

"اسی زمانہ میں بعض ایسی عورتوں کی بھی وفات ہوئی ہے جو بطور نشان ہے یا جو قومی لحاظ سے افسوسناک ہے جیسے تائی صاحبہ کا انتقال۔ اسی عرصہ میں حضرت خلیفتہ المسیح الاول ؓ کی نواسی ہاجرہ فوت ہوئی ہیں۔ حضرت خلیفہ اول کو ان سے خاص انس تھا میں نے دیکھا اپنے بچوں کی طرح رکھتے اور جب اپنے بچوں کے لئے کپڑے بناتے تو ان کے لئے بھی بناتے مرحومہ میں بھی بہت اخلاص تھا اور سلسلہ کی خدمت کا شوق تھا۔ لجنہ کی محنت کرنے والی کارکن تھیں۔ چونکہ جوانی میں ہی فوت ہو گئی ہیں اس وجہ سے ان کی وفات کا اور بھی افسوس ہے ان باتوں کا اظہار میں نے اس لئے کیا ہے تا جماعت میں یہ احساس پیدا ہو کہ جو وجود سلسلہ کے خدمت گذار اور قابل قدر ہوں ان کے لئے محبت اور الفت کے جذبات پیدا ہوں..... ان سے اپنے اخلاص کا اظہار کیا جائے اور ان کی یاد قائم رکھی جائے"۔ ۶۰

۱۹۲۷ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

۱۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حرم رابع سے صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب ۶۱ حرم خامس سے صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ۶۲ اور حرم اول سے صاحبزادہ مرزا انور احمد صاحب ۶۳ پیدا ہوئے نیز حضرت میر محمد اسحاق صاحب کے ہاں سید مسعود احمد صاحب کی ولادت ہوئی۔ ۶۴

۲۔ حضرت خلیفہ ثانی نے اسی سال ۲۵ لاکھ کا ریزرو فنڈ قائم کرنے کی تحریک فرمائی اور اس کی ضرورت یہ بیان کی کہ ہماری جماعت کا بجٹ چونکہ محدود ہوتا ہے اور ہم اپنے سلسلہ کی ضروریات سے اس قدر روپیہ نہیں بچا سکتے جس سے عام اسلامی معاملات کی درستی کے لئے کافی رقم نکال سکیں۔ جیسے کہ شدھی کا مقابلہ یا تمدنی اور اقتصادی تحریکات ہیں یا ادنیٰ اقوام کی تبلیغ ہے۔ اس وجہ سے ہم نے ۲۵ لاکھ ریزرو فنڈ کی تحریک کی ہے تاکہ اصل رقم محفوظ رہے اور اس کی آمد اہم کاموں پر خرچ کی جائے۔ ۶۵

۳۔ اس سال حضرت مفتی محمد صادق صاحب ؓ نے کولمبو' بنگال' مدراس' مالابار اور یوپی کا کامیاب تبلیغی دورہ کیا اور حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر تبلیغی مہم پر حیدر آباد تشریف لے گئے۔ ۶۶

۴۔ مرکز سے خط و کتابت کے ذریعہ سے بھی تبلیغ کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ ۶۷

۵۔ علمائے سلسلہ کی نئی مطبوعات:۔ "اشاعت اسلام" (از حضرت مولوی شیر علی صاحب) "تاریخ مسجد فضل لنڈن" (از حضرت میر محمد اسماعیل صاحب) مشاہدات عرفانی (از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی) جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات (از حضرت چوہدری فتح محمد سیال۔ ایم اے سابق مبلغ انگلستان) سیرت مسیح موعود حصہ سوم۔ حیات ناصر (سوانح حیات حضرت میر ناصر نواب صاحب) (از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)۔

۶۔ مشہور مباحثے :۔ مباحثہ ڈیرہ دون [۶۸] (مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی اور پنڈت دھرم بھکشو صاحب کے درمیان) مباحثہ بسراواں [۶۹] متصل قادیان (مولانا ابو العطاء صاحب اور ایک غیر احمدی کے درمیان) مباحثہ مینووالی [۷۰] ضلع سیالکوٹ (مولانا ابو العطاء صاحب اور مولوی محمد شفیع صاحب سنکھتروی کے درمیان) مباحثہ مکھوواں [۷۱] ضلع لدھیانہ (مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی اور غیر احمدی علماء نادر علی صاحب و رحمت علی صاحب کے درمیان)

۷۔ مکرم مولوی عبد اللطیف صاحب فاضل دیوبند بہاولپوری [۷۲] سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔

تمت بالخیر

حواشی (ساتواں باب)

۱۔ پوسٹر کی نقل ۱۰ جون ۱۹۲۷ء کے الفضل میں شائع کردی گئی تھی۔
۲۔ اخبار الفضل ۱۰ جون ۱۹۲۷ء صفحہ ۶ تا ۸
۳۔ اخبار "گورو گھنٹال" لاہور۔ ۲۷ جون ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۲
۴۔ "الفضل ۳ جون ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۲ میں مفصل فیصلہ شائع ہو گیا تھا۔
۵۔ "الفضل" یکم جولائی ۱۹۲۷ء صفحہ ۳
۶۔ اخبار "انقلاب" ۲۳ جون ۱۹۲۷ء ضمیمہ
۷۔ "دور جدید" (لاہور) ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۳، ۴
۸۔ روزنامہ "سیاست" لاہور ۲۳ جون ۱۹۲۷ء صفحہ ۴۔ (ایضاً مفصل روداد کے لئے ملاحظہ ہو الفضل یکم جولائی ۱۹۲۷ء)
۹۔ الفضل یکم جولائی ۱۹۲۷ء صفحہ ۳-۸
۱۰۔ لیکچر شملہ صفحہ ۳۳ (از سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)
۱۱۔ الفضل ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۴
۱۲۔ الفضل ۳۰ اگست ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۸-۳۵
۱۳۔ الفضل ۴ نومبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۱
۱۴۔ اخبار "دور جدید" لاہور ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۳-۴
۱۵۔ اخبار "گورو گھنٹال" لاہور ۱۱ جولائی ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۱
۱۶۔ عدالت کے مفصل فیصلہ کے لئے ملاحظہ ہو۔ الفضل ۱۶ اگست ۱۹۲۷ء صفحہ ۵ تا ۱۰
۱۷۔ الفضل ۱۶ اگست ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۰
۱۸۔ "الفضل" ۱۹ اگست ۱۹۲۷ء صفحہ ۳
۱۹۔ اخبار "مشرق" ۲۳ ستمبر ۱۹۲۷ء بحوالہ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ ۶۵-۶۶
۲۰۔ انقلاب ۳ اگست ۱۹۲۷ء بحوالہ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ ۶۶-۶۷۔ بالآخر یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جماعت احمدیہ اور دوسرے غیور مسلمانوں کے برعکس بعض مسلمان لیڈروں نے ناموس رسول ﷺ کی خاطر اٹھائی جانے والی اس تحریک کا مکمل بائیکاٹ کیا اور اس کا مذاق اڑایا۔ چنانچہ جناب ابوالکلام صاحب آزاد نے ۲۹ جولائی ۱۹۲۷ء کو مولوی محی الدین صاحب قصوری کے نام خط لکھا کہ "مجھے قطعاً اس سے انکار ہے کہ چونکہ تاریخ نوع بشر کے ۱۹۲۷ء یا اس سے پہلے کسی برس میں ہندوستان کے ایک مجہول اور مجنون جہل کیڑے مکوڑے نے یا دو نے یا تین نے ایک یا چند رسالے لکھ کر تاریخ انسانیت کی سب سے بڑی شخصیت کے خلاف بدزبانی کی ہے اس لئے اس کی ناموس کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کی عزت و حرمت کا سوال پیدا ہو گیا۔ مجھے اس سے بھی قطعاً انکار ہے انکار ہی نہیں بلکہ میں اسے اللہ کے برگزیدہ رسول ﷺ اور اس کے اہل بیت مطہر کی بڑی سے بڑی توہین سمجھتا ہوں جو دنیا میں ہو سکتی ہے قطعاً راجپال نے عالم انسانیت کی اس سب سے بڑی ہستی کی اتنی توہین نہیں کی جس قدر آپ لوگ کر رہے ہیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے اعمال کا محاسبہ نہیں کرتے آپ کو معلوم نہیں پچھلے دنوں کسی چیز نے مجھے اتنی اذیت نہیں دی جس قدر آپ کے فدائیان رسول کی ان ناقابل برداشت لغوتوں نے **کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا**۔ لطف یہ ہے کہ آپ از راہ جوش ایمانی مجھے بھی دعوت دیتے ہیں کہ اس میں حصہ لوں میرے عزیز اسی کو غنیمت سمجھو کہ ...گرفتار ہو گئے اور مجھے مناسب معلوم نہ ہوا کہ اس بارے میں کچھ لکھوں ورنہ مضمون طیار تھا اور کمپوز ہو رہا تھا اب وہ رہا ہو جائیں اور جو کچھ ہونا ہے ہو جائے تو اپنا جو فرض اسلامی سمجھتا ہوں اس کے مطابق

لوگوں کو بتلاؤں گا کہ انہوں نے کیسا غلط اور گمراہ طریقہ اختیار کیا ہے"("تبرکات آزاد" صفحہ ۵۵-۵۷)

۲۱۔ "الفضل ۱۹ اگست ۱۹۲۷ء صفحہ ۵

۲۲۔ "الفضل" ۱۹ اگست ۱۹۲۷ء صفحہ ۶-۷

۲۳۔ "الفضل" ۱۶ اگست ۱۹۲۷ء صفحہ ۱

۲۴۔ الفضل ۴ اکتوبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۱

۲۵۔ الفضل ۳۰ اگست ۱۹۲۷ء صفحہ ۳-۴۔

۲۶۔ الفضل ۹ ستمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۸

۲۷۔ الفضل ۹ ستمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۸

۲۸۔ الفضل ۳۰ اگست ۱۹۲۷ء صفحہ ۳، ۴

۲۹۔ "الفضل" ۹ ستمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۸-۹

۳۰۔ "الفضل" ۱۹ ستمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ا-ب ضمیمہ

۳۱۔ الفضل ۳۰ ستمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۶

۳۲۔ بطور مثال چند اخبارات کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔ اخبار "ملاپ" لاہور نے لکھا "ہماری اطلاعات بتلاتی ہیں کہ کچھ ہندو لیڈر ڈھیلے پڑ رہے ہیں"۔ انہیں اگر کوئی برائی نظر آتی ہے تو ہندوؤں میں اس لئے وہ انہیں پر سارا بوجھ ڈال کر صلح کی عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن آج ہندو جنتا کی آواز لیڈروں کے کانوں تک پہنچانے کے لئے ہم یہ کڑوی بات کہنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ چاہے شری مالوی جی ہوں یا لالہ لاجپت رائے۔ مسٹر سری نواس آئینگر ہوں یا کوئی اور لیڈر اگر ہندوؤں کی عام رائے کے خلاف کوئی سمجھوتہ کیا گیا۔ تو ہندو ہرگز مجبور نہ ہوں گے کہ ان پر عمل پیرا ہوں ہندو صلح چاہتے ہیں لیکن باعزت بغیر کسی سودے کے بغیر کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کے۔ اخبار ہندو رکشک نے لکھا۔ "اتحاد کانفرس کرنے دو ان لوگوں کو جن کے پاس فالتو وقت ہے۔ تم اپنے کام میں لگو اور وہ کام ہے سنگھٹن کا...... مولانا محمد علی تو راجپال کو کتاب کی دوسری ایڈیشن شائع کرنے پر قتل کی دھمکی دیتے ہیں لیکن ہندو لیڈر ہیں جو اس شخص کے ساتھ جو سوامی شردھانند کے قاتل سے جیل میں ملنے کے لئے گیا بیٹھ کر اتحاد کی گفتگو کر سکتے ہیں۔ "اخبار تیج (دہلی) نے لکھا "حقیقت میں کوئی بھی ہندو ایسا نہیں ہے جو سچے دل سے یہ محسوس کرتا ہو کہ موجودہ حالات میں کسی قسم کی شرائط اتحاد طے کرنے سے اتحاد ہو سکتا ہے۔" (بحوالہ الفضل ۳۰ ستمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۳-۴)

۳۳۔ "الفضل" ۲۳ ستمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۳

۳۴۔ لیکچر شملہ۔ صفحہ ۲۸-۲۹ یہ لیکچر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے قلمبند کیا تھا۔

۳۵۔ قائداعظم محمد علی جناح صاحب کے سوانح نگار سید رئیس احمد صاحب جعفری نے اپنی کتاب "حیات محمد علی جناح" میں لکھا ہے ۱۹۲۷ء کے آغاز میں قائداعظم نے اپنے چودہ نکات مرتب کئے اور ہندوؤں سے کہہ دیا کہ اگر ہمارے یہ معمولی مطالبات منظور کر لئے جائیں تو ہم جداگانہ انتخاب سے دستبردار ہو جائیں گے۔ (صفحہ ۱۷۰ طبع دوم) پھر نہرو رپورٹ کے دور کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ متحدہ مطالبہ، متحدہ محاذ، متحدہ دستور جناح کو اس قدر عزیز تھا کہ انہوں نے چودہ نکات سے بھی دستبرداری اختیار کر لی۔ اب وہ صرف چند مطالبات کانگرس سے منظور کرانا چاہتے تھے (صفحہ ۱۷۶)

۳۶۔ ہماری ہجرت اور قیام پاکستان صفحہ ۱۵-۱۶ (از حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب تقریر جلسہ سالانہ اپریل ۱۹۴۹ء)

۳۷۔ "تقریر دلپذیر" صفحہ ۱۵-۱۶

۳۸۔ "مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت صفحہ ۹

۳۹۔ بحوالہ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات" صفحہ ۶۴-۶۵

۴۰۔ بحوالہ کتاب جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ ۵۶-۵۷

۴۱۔ بحوالہ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ ۵۸

۴۲۔ بحوالہ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ ۵۸-۵۹

۴۳۔ الفضل ۱۹ جولائی ۱۹۲۷ء صفحہ ۱-۲

۴۴۔ اس اعلان کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مسلمان عورتوں کو بہکانے سے متعلق آریوں کی ایک اور گہری سکیم کا بھی پتہ چلا۔ یہ سکیم "دھرم پرچار" کے نام سے چھپی جسے پہلے اخبار دعوت کانپور نے اور پھر الفضل (۲۰ ستمبر ۱۹۲۷ء) نے بھی شائع کر دیا تھا۔

۴۵۔ الفضل ۱۲ اگست ۱۹۲۷ء صفحہ ۴۔

۴۶۔ اخبار "تنظیم" امرتسر ۱۴ اگست ۱۹۲۷ء صفحہ ۲

۴۷۔ الفضل ۹ ستمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ا ب۔ ضمیمہ

۴۸۔ الفضل ۱۶ ستمبر ۱۹۲۷ء۔ صفحہ ۵

۴۹۔ الفضل ۱۶ ستمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۵

۵۰۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تقریر دلپذیر (سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) تحفہ مستریاں (از حضرت میر قاسم علی صاحب) فتنہ مستریاں (از ڈاکٹر بدرالدین صاحب) اخبار "جواب مباہلہ" (مدیر مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل جالندھری

۵۱۔ ان عناصر میں متعصب علماء اور تنگدل ہندوؤں کے علاوہ امیر غیر مبائعین بھی شامل تھے۔ چنانچہ ماسٹر فقیر اللہ صاحب آڈیٹر انجمن اشاعت اسلام لاہور امام مسجد احمدیہ بلڈنگس لاہور کا بیان ہے کہ۔ "انجمن کی انتظامیہ کمیٹی کے سارے ممبروں کو علم ہے۔ کہ مولوی صاحب اپنی خاص منظوری کے ساتھ مباہلہ والوں (مستریوں) کی نقدی سے مدد کرتے رہے۔ ان کے اشتہارات چھپوا کر خاص ملازم انجمن کی معرفت دوسرے شہروں میں تقسیم کرواتے رہے۔ مگر مولوی صاحب نے مسجد میں کھڑے ہو کر جمعہ میں کہا۔ کہ ہم نے کبھی صاحبزادہ صاحب کے خلاف بدگوئی کی تشہیر میں حصہ نہیں لیا" (رسالہ فرقان قادیان جولائی ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۸)

اسی طرح میاں محمد صادق صاحب سابق آنریری جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے ۱۹۴۲ء میں مولوی محمد علی صاحب کے نام اپنی ایک کھلی چٹھی میں لکھا کہ آپ نے خلیفہ صاحب قادیان کے خلاف الزامات کی تشہیر میں ہمیشہ اخلاقی اور مالی مدد کی ہے"۔ (رسالہ "فرقان" قادیان مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۳۳)

اخبار فاروق (۷ جون ۱۹۳۱ء) نے اس امر کے ثبوت میں مولوی محمد علی صاحب کے خطوط کی نقلیں شائع کیں۔ نیز لکھا اخبار مباہلہ سینکڑوں کی تعداد میں ان کے دفاتر میں فروخت ہوتا رہا۔ رات کے دو دو بجے تک مباہلہ کے پیکٹ تیار ہوتے تھے اگر کسی قسم کا شبہ ہو تو پیغام بلڈنگ بک ڈپو کے حساب میں "مباہلہ" کی خرید و فروخت کا اندراج دیکھا جا سکتا ہے۔

۵۲۔ بعد کے واقعات نے اس کی تصدیق کر دی۔ مؤلف۔

۵۳۔ رسالہ مولوی جلد ۹ نمبر ا صفحہ ۸

۵۴۔ تقریر دلپذیر صفحہ ۲۵-۳۰

۵۵۔ رسالہ مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت صفحہ ۱۳-۱۴ یہ رسالہ مدرسہ احمدیہ اور تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے جمع شدہ چندہ سے شائع کیا گیا تھا۔

۵۶۔ یہ تقریر اسی نام سے شائع ہو چکی ہے۔

۵۷۔ حضرت مسیح موعودؑ کے کارنامے صفحہ ۱۵-۱۷ (از سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) طبع اول دسمبر ۱۹۲۸ء

۵۸۔ تقریر دلپذیر صفحہ ۳-۴

۵۹۔ اہلیہ حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیالؓ

۶۰۔ تقریر دلپذیر صفحہ ۵ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت المہدی جلد دوم صفحہ ۱۰۷-۱۰۸ مؤلف حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ

۶۱۔ تقریر دلپذیر صفحہ ۷-۸

۶۲۔ "الفضل" ۸ مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۱

۶۳۔ "الفضل" ۵ اگست ۱۹۲۷ء صفحہ ۱

۶۴۔ "الفضل" ۷ اکتوبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۱

۶۵۔ "الفضل" ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۱

۶۶۔ تقریر دلپذیر" صفحہ ۳۹

۶۷۔ تقریر دلپذیر" صفحہ ۲۰ (از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی)

۶۸۔ "تقریر دلپذیر" صفحہ ۲۲

۶۹۔ الفضل ۸ فروری ۱۹۲۷ء صفحہ ۸

۷۰۔ الفضل ۱۸ فروری ۱۹۲۷ء صفحہ ۱

۷۱۔ الفضل ۱۸ فروری ۱۹۲۷ء صفحہ ۲

۷۲۔ الفضل ۱۱ مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۲

۷۳۔ مکرم مولوی عبد اللطیف صاحب ۱۸۹۵ء میں احمد پور لمہ ضلع رحیم یار خاں میں پیدا ہوئے عربی کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی بعد ازاں تکمیل تعلیم کے لئے دو سال مدرسہ عربیہ دیو بند میں داخل ہوئے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے وطن میں ایک مدرسہ کے عربی استاد مقرر ہوئے خوابوں اور کشوف کی بناء پر ۱۹۲۷ء میں سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے ۱۹۳۰ء میں آپ نے سورۃ بنی اسرائیل کی تفسیر دستور الارتقاء لکھی اپریل ۱۹۴۱ء میں سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد پر ملازمت چھوڑ کر واقفین کی تعلیم کے لئے قادیان تشریف لے آئے اور ہجرت تک آپ واقفین کو مختلف علوم پڑھاتے رہے ہجرت کے بعد جامعۃ المبشرین میں تعلیم دینے کے لئے مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں تذکرہ کے دوسرے ایڈیشن کی تیاری کے لئے آپ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ۱۹۵۵ء میں آپ اس اہم کام سے فارغ ہوئے۔ ۱۹۵۸ء تک تحریک جدید کے صیغہ تصنیف میں کام کیا۔ اس کے بعد سے اب تک الشرکۃ الاسلامیہ میں بطور مصنف کام کر رہے ہیں۔ (تاریخ وفات ۳ نومبر ۱۹۷۷ء)

اشاریہ

جلد۴

(مرتبہ:۔ ریاض محمود باجوہ شاہد۔ محمد انور نسیم شاہد)

اسماء .... صفحہ ۱ تا ۲۸

مقامات .... صفحہ ۲۹ تا ۴۰

کتابیات .... صفحہ ۴۱ تا ۵۳

اسماء

آ۔ا

آرتھر کونن ڈائل، سر ۵۰۸،۶۰۹
آرنلڈ، سر تھامس ڈبلیو ۴۲۳،۴۹۸
آزاد سبحانی، مولوی ۴۱۷
آصف زمان، خان بہادر ۴۶۶
آصف علی، ڈاکٹر ۲۶۲
آکیں ہیلے، بشپ اے۔ بی ۲۷۳
آل نبی، مولوی ۳۸۵
حضرت ابراہیم علیہ السلام ۴۴۱
ابراہیم، سیٹھ ۳۹۹
ابراہیم سیلونی ۵۵۳
ابراہیم عباس فضل اللہ ۲۹۲
ابراہیم علی، شیخ ۳۵۷
ابراہیم مانو۔ غانا ۲۷۵
ابن ابی لیلیٰ، گورنر کوفہ ۲۳۴
ابن سعود ۵۲۰،۵۲۱،۵۶۲،۵۸۵
ابوالاعلیٰ مودودی، سید ۱۵۷،۲۶۴،۳۱۵
ابوالبشارت عبدالغفور ۲۶۹،۴۹۶
ابوالحسن قدسی، سید ۵۵۴،۵۵۵،۵۹۲

ابوالعطاء جالندھری، مولانا ۲۵۶،۲۵۷،۲۸۷،
۲۸۸،۳۱۹،۴۸۷،۴۹۶،۵۲۷تا۵۲۹،
۵۵۰،۵۵۶،۵۷۲،۶۳۳
ابوالکلام آزاد، مولانا ۲۶۳،۳۱۴،۳۱۷،۶۳۴
ابوالہاشم خاں بنگالی ۱۶۶،۱۹۰،۲۰۴،۲۴۱
ابوبکر۔ پاڈانگ ۵۳۹
ابوبکر بگنڈ و مہارا۔ ساٹرا ۵۳۹
ابوبکر ایوب سماٹری، مولوی ۲۰۴،۵۳۷،۵۴۰،
۵۴۱،۵۴۴
ابوبکر یوسف، سیٹھ ۵۵۴
ابوتراب عبدالحق، مولوی ۲۰۶
ابوحسین مصطفی المحماوی ۵۲۸
ابوسعید عرب ۱۹
ابوصالح ابوالکلام ۲۵۲
ابوھریرہؓ ۳۱۶
اجمل خاں، حکیم ۳۱۴،۳۸۳
اجودھیا پرشاد ۴۹۷
احسان اللہ، ملک ۲۷۵
احمد اللہ حاجی ۵۷۲

احمد اللہ خان، حافظ ـ [illegible] ۲۸، ۲۹
احمد الدین ۱۸۱، ۱۸۳
احمد بخش، مولوی ۱۵۴
احمد حاجی سلیمان اچھا ۱۷۰
احمد حسن الزیات ۳۱۹
احمد حسن سوکیہ ۱۷۲
احمد حسین، ملک، بیرسٹر ۴۱۲
احمد حسین، ملک، نیروبی ۵۵۳
احمد حسین خاں ـ مدیر ''شباب'' ۴۱۲
احمد حسین فرید آبادی ۲۲۴، ۳۱۱
احمد حسین لائلپوری، حکیم ۳۱۲
احمد حسین وکیل ۵۵۳
احمد حلمی آفندی ۲۹۲
احمد دین ڈنگوی ۵۵۶
احمد دین وکیل، چوہدری ـ گجرات ۳۵۸
احمد رشدی، مولوی ۵۴۴
احمد زکی ابوشادی، ڈاکٹر ۲۹۲
احمد زکی پاشا ۵۲۴
احمد زہری بدرالدین ۵۲۲
احمد سریڈو ۵۵۳
احمد سعید، سید ۵۹۲
احمد سعید، مولوی ۳۸۱
احمد شاہ، سید ۲۷۱
احمد شہید ۲۵۲
احمد علی، مولوی سید ۲۳۲
احمد محمود غزنوی ۵۰۵
احمد مسیح، پادری ۳۱۲، ۴۱۳
احمد نور، راڈین ۵۴۴
احمد نور الدین، مولوی ۵۳۷، ۵۳۹
احمد نور کابلی، سید ۱۸، ۴۸۷
احمدی، سید ۵۹۲
احمد یداللہ بھنو ۱۷۲
احیاء الدین، میجر جنرل ۴۹۷
اختر احمد ۱۸۳
ارجمند خاں، مولوی ۳۲۲، ۵۵۳
ارل ونٹرٹن ۶۰۹
اروڑے خاں، منشی ۱۸۸، ۲۲۴
اروِن، لارڈ ۵۶۹
اسامہ بن زید ۲۳۴
حضرت اسحاق علیہ السلام ۴۴۱
اسحاق بن صفی ۵۸۷
اسد اللہ خاں ۱۸۳
اسد اللہ شاہ ۱۱۶
اسد علی ۳۶۸
اسماعیل ـ ماریشس ۱۶۹
اسماعیل آدم، سیٹھ ۴۷ تا ۴۸
اسماء ـ درس القرآن میں شامل ہونیوالے ۳۰۰ تا ۳۰۲
اعظم علی جالندھری، ڈاکٹر ۳۹۹

اقبال علی شاہ، سردار ۶۰۹
اکبر علی، پیر ۱۸۶، ۵۷۲، ۵۷۵
اکبر مسیح، پادری ۷۶
اکبر یار جنگ، نواب ۱۹۶، ۲۶۰، ۴۱۳
افتخار احمد، پیر۔ لدھیانہ ۳۲، ۱۳۷
افتخار الحق ۱۸۳
افضل حق، چوہدری۔ ''مفکر احرار'' ۳۲۸، ۳۹۶، ۴۱۵، ۴۱۹
افضل خاں۔ علاقہ ملکانہ ۳۶۲
الطاف حسین حالی، مولانا ۴۹، ۱۰۳، ۱۰۴
الفا عبدالقادر ۲۶۹
الف دین ایڈووکیٹ، مولوی ۲۶۰
الفریڈ نلسن، پادری ۵۲۵
اللہ بخش، میاں ۱۲۰
اللہ دتہ، ماسٹر ۴۹۶
الیاس اکبر علی ۱۷۱
الیاس برنی، پروفیسر ۱۳۲، ۲۷۱
الیکو، پرنس ۲۶۹
الیگزنڈر ڈوئی، ڈاکٹر ۶۴، ۲۴۹
الیور لاج، سر ۵۰۸
امام الدین، مولوی ۵۴۲، ۵۴۴
امام بخش تمندار قیصرانی ۴۹۶
امان اللہ خاں، امیر ۲۶۳، ۴۸۵، ۴۹۲، ۴۹۳، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۱۰، ۵۸۴

امبید کار، ڈاکٹر ۳۰۰
امۃ الباسط، سیدہ ۵۷۱
امۃ الحفیظ، سیدہ نواب ۸۸، ۱۷۵، ۳۹۸
امۃ الحفیظ۔ کلیولینڈ ۲۵۲
امۃ الحفیظ اہلیہ خلیل احمد ناصر ۳۰۸
امۃ الحمید بیگم ۱۹۵، ۳۰۸
امۃ الحی، سیدہ ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۸۰، ۳۰۳، ۳۰۸، ۳۲۲، ۳۹۹، ۴۶۸، ۴۸۹، ۵۰۲، ۵۱۹، ۵۸۴
امۃ الحی۔ خلیل احمد ناصر صاحب کی سالی ۳۰۸
امۃ الرشید بیگم ۲۱۲، ۳۰۸
امۃ الرشید بنت محمد یامین ۲۴۷
امۃ الرشید شوکت ۳۲۲
امۃ السلام بی بی ۴۹۶
امۃ العزیز بیگم ۲۰۷
امۃ العزیز بیگم بنت حضرت مصلح موعود
رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۶۴
امۃ القیوم بیگم ۳۰۸
امۃ اللطیف۔ امریکہ ۲۵۲
امۃ اللہ خورشید ۳۲۲
ام داؤد، سیدہ ۳۲۲، ۳۹۸
ام طاہر، سیدہ (مریم بیگم) ۲۷۷، ۳۰۳، ۳۰۸، ۳۲۲
ام متین، سیدہ (مریم صدیقہ) ۳۰۳، ۳۰۹
ام ناصر، سیدہ (محمودہ بیگم) ۴۵، ۶۳، ۳۰۳، ۳۹۹
امیر احمد خاں، مرزا ۲۶۵

امیر احمد قریشی ۱۳۷
امیر حسین، قاضی سید ۳۲، ۱۱۶، ۱۵۴، ۲۱۱،
۲۱۶، ۳۹۹، ۴۳۰
امیر علی، سید ۶۰۷
امیر مینائی لکھنوی ۵۰
امین اللہ خاں سالک ۲۵۲
انور احمد، مرزا ۶۳۲
انور شاہ کاشمیری ۲۷۸
اوصاف علی خاں، خان ۲۶۵، ۲۸۵، ۳۳۴
اہلیہ چوہدری فتح محمد سیال ایم اے ۱۹۵، ۶۳۶
اہلیہ کپتان عبدالکریم ۳۹۹
ایڈورڈ میکلیگن، سر ۲۲۲
ایلائس ورنر ۴۹۸
ایلسن، مسٹر ۴۵۰
ایوب انصاریؓ ۴۷۲
ایوب فضلی قرانیا ۳۱۹

ب - پ

باقر، آغا ۵۰
بدرالدین، چوہدری ۳۵۱، ۳۵۶، ۴۸۷
بدرالدین، ڈاکٹر ۱۸۱
براڈے، جمس ۶۰۲
براؤن، ڈاکٹر ۵۵۱، ۶۱۰
برکت اللہ ۱۸۳
برکت علی، پیر ۴۹۶
برکت علی، چوہدری۔ راجن پور ۲۲۶
برکت علی، چوہدری گڑھ شنکر ۳۵۷
برکت علی لائق لدھیانوی ۱۸۹
برہان الدین جہلمی ۵۱
بسم اللہ بیگم ۳۵۳
بشارت احمد، ڈاکٹر ۱۱۶، ۲۲۹
بشارت احمد ایڈووکیٹ، سید ۵۷۵
بشارت احمد بشیر ۲۷۱، ۲۷۵
بشارت احمد منیر، ڈاکٹر ۲۵۲
بشارت احمد نسیم امروہی ۲۷۵
بشیر احمد، پروفیسر ۵۷۶
بشیر احمد، شیخ۔ لاہور ۱۸۱، ۱۸۴، ۳۲۱
بشیر احمد ایم۔ اے، صاحبزادہ مرزا ۴۱، ۴۴،
۸۷، ۱۰۰، ۱۰۵، ۱۲۴، ۱۲۹، ۱۳۶، ۱۴۱ تا ۱۴۳، ۱۴۶،
۱۶۵، ۱۶۷، ۱۷۳، ۱۸۱، ۱۸۶، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۷، ۱۹۸،
۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۸، ۲۱۱، ۲۱۶، ۲۲۷، ۲۴۴، ۲۶۰، ۲۷۸،
۲۸۳، ۲۹۵، ۳۲۱، ۳۰۳، ۳۱۴، ۳۱۹، ۳۲۱، ۳۵۱،
۳۵۷، ۴۳۴، ۴۶۴، ۵۱۴، ۵۳۷، ۵۵۱، ۵۵۷، ۵۶۹
بشیر احمد خاں رفیق، خان ۱۵۱، ۲۳۵
بشیر احمد شمس ۲۷۱
بشیر افضل ۲۵۲
بشیر الدین عبیداللہ، حافظ ۱۷۲
بشیر الدین محمود احمد، صاحبزادہ مرزا صفحہ ۱ تا صفحہ آخر

بگا، میاں ۱۴۵
بلائڈن، ڈاکٹر ای ڈبلیو ۳۱۷
بلال دانیال باء کرنل ۱۴۹
بلام فیلڈ ۴۶۸
بوزینب بیگم ۱۷۵
بی اماں ۴۱۷
بیٹی، مسٹر ۵۱،۵۰
پالی، مس ۵۵۰
پائندہ خاں جنجوعہ ۲۴۴
پرائس، جے۔اے۔غانا ۲۷۶
پوپ ۴۴۶،۴۴۵
پورنا نند، پنڈت ۲۸۵
پہلوی، مسٹر ۶۱۲
پیٹر، کنگ ۱۵۱
پیٹرک لگن، سر ۴۴۷
پیر بخش، منشی ۲۸۵
پیر محمد۔ ماریشس ۱۷۱
پھجو خاں، نمبردار ۳۷۱،۳۶۲

ت۔ٹ۔ث

تاج دین لائلپوری، مولوی ۴۹۶
تاج محمود، حاجی۔ چنیوٹ ۲۴۶
تصور حسین بریلوی، حافظ صوفی ۶۳۱
تقی الدین، خلیفہ ۱۸۲
تھیوڈر ماریسن، سر ۴۵۳،۴۵۲
تائن بی، پروفیسر ۱۵۳
ٹسل ڈیوس ۴۹۸
ٹیپو، سلطان ۲۳۶
ثریا، ملکہ ۵۰۶
ثناء اللہ امرتسری ۱۹۶، ۲۱۱، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۵، ۲۹۵، ۲۹۶، ۵۱۳، ۵۳۴، ۵۷۶، ۵۸۸، ۶۲۴

ج

جارج برنارڈ شاہ ۱۵۲
جارج پنجم ۸۸
جارج ششم ۱۵۱
جان محمد خاں ۳۷۱
جان سائمن، سر ۶۲۹
جان ہمفری فشر ۲۷۵
جان ہنری بیروز ۲۴۹
جلال الدین شمس، مولانا ۱۵۰، ۱۵۱، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۶۵، ۲۸۷، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۵۱، ۲۵۶، ۳۷۱، ۴۹۷، ۵۱۴، ۵۲۲ تا ۵۲۵، ۵۲۷، ۵۵۱، ۵۸۶
جلال الدین قمر ۵۳۲
جلال لکھنوی ۵۰، ۱۰۴
جمال احمد، حافظ ۱۷۲، ۲۶۵
جمال الدین، بابو ۳۶۰
جمال الدین سیکھوانی، میاں ۳۱۱

جماعت علی شاہ، پیر ۲۲۴
جندب جاوی ۵۵۳
جمیا، مائی ۳۵۴، ۳۵۵، ۴۶۲
جواد علی بی۔اے، سید ۲۵۲
جوالا سنگھ، پادری ۸۲، ۲۰۶
جواہر لال نہرو، پنڈت ۳۵۳
جوزف بارکلے ۴
جوشی، مسٹر۔ناگپور ۴۳۷
جوگندر سنگھ ہری، سردار ۵۸۹
جہانگیر، بادشاہ ۱۰۴
جیوفرے ہیرلڈ ۲۷۳
جھنڈے خاں، منشی ۶۳۱

چ

چانن، میاں ۷۳
چراغ دین، میاں۔رئیس لاہور ۸، ۱۱۶، ۱۶۳، ۲۱۱، ۲۶۵، ۴۹۵
چراغ دین جمونی ۶۴
چرچل، مسٹر ۲۸۳
چرنجی لال کریم ۲۰۶
چنن خاں ۳۱۲
چینگ، ایف۔سی ۴۹۸

ح

حاجی بصری ۵۴۴
حامد شاہ سیالکوٹی، میر ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۴۳، ۲۱۱، ۲۱۲
حامد علی، حافظ شیخ ۱۰، ۱۴، ۲۲۴
حامدہ بیگم دختر پیر منظور محمد صاحب ۳۹۹
حبیب الرحمان، منشی۔رئیس حاجی پورہ ۷۳، ۴۶۳
حبیب الرحمٰن افغان ۳۵۱
حبیب الرحمٰن لدھیانوی ۵۸۸
حبیب اللہ ۱۸۳
حبیب اللہ، قاضی۔لاہور ۱۱۶
حبیب اللہ، مولوی۔دیوبند ۴۸۵
حبیب اللہ امرتسری، بابو ۵۵۱، ۵۷۲
حرمت بی بی۔تائی صاحبہ ۱۱، ۱۸۹، ۶۳۱، ۶۳۲
حسام الدین لکھنوی ۵۰۷
حسن خاں ۵۵۳
حسن فواد۔انڈونیشیا ۵۸۹
حسن موسیٰ خاں۔آسٹریلیا ۱۷۶
حسن نظامی، خواجہ ۱۹۹ تا ۲۰۱، ۲۲۱، ۲۴۴، ۳۱۶، ۶۰۸
حسن نیکو، آقائی ۵۰۳
حشمت اللہ خاں، ڈاکٹر ۱۹، ۱۰۰، ۱۹۷، ۲۲۷، ۲۴۵، ۲۵۹، ۴۳۴، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۹۸، ۵۰۲، ۵۵۹
حشمت علی خاں ۱۸۲
حفصہ بیگم اہلیہ مفتی فضل الرحمان ۲۰۵
حفیظ احمد (اول) مرزا ۴۹۵

حفیظ احمد، مرزا ۵۵۰
حمید احمد، مرزا ۱۸۶
حمید اللہ ۱۸۳
حمید زمان ابن آصف زمان ۴۶۷
حنیف جواہر ۱۷۲

خ

خادم حسین، کیپٹن ملک ۱۳۷
خادم حسین بھیروی ۴۰
خادم دوجیلی، شیخ ۵۰۱
خدا بخش، مرزا ۱۸۶، ۲۳۰
خدا بخش، میاں (مومن پٹیالوی) ۵۳۱، ۳۵۵، ۳۵۶
خریسطفور جبارہ ۵۸۶
خلیل ابیشطی ۳۱۹
خلیل احمد، مرزا ۴۹۵
خلیل احمد اختر، ملک ۲۷۵
خلیل احمد مونگھیری، حکیم ۱۶۵، ۲۰۵، ۲۲۴
خلیل احمد ناصر، چوہدری ۲۵۲، ۳۰۸
خلیل محمود ایم۔اے ۲۵۲
خیراتی خاں ۳۶۲
خیر الدین، مسٹر۔سرائیون ۲۶۷، ۳۱۶
خیر الدین، سیٹھ۔لکھنؤ ۱۹۶، ۲۷۱

د۔ڈ۔ذ

داغ دہلوی ۵۰، ۱۰۴
دان ڈیرکودوف ۵۴۵
داؤد احمد، سید میر ۲۷۵، ۴۹۵، ۵۹۲
داؤد احمد، مرزا ۱۲۵
دختر مرزا محمد شفیع صاحب ۲۰۵
دلاور خاں ۳۶۲
دلاور شاہ بخاری، سید ۲۴۰، ۴۹۵، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۲، ۶۰۵
دلیپ سنگھ، جسٹس ۶۰۰
دولت احمد خاں بی۔اے، مولوی ۵۹۱
دوست محمد، مولوی۔غیر مبائع ۲۳۰
دھرم بھکشو، پنڈت ۲۸۵، ۴۱۳، ۵۵۱، ۵۷۲، ۶۳۳
دینا۔حجام ۸
دین محمد، حکیم ۳۲، ۵۳، ۱۰۳، ۱۰۴
دیوان سنگھ مفتون، سردار ۵۸۴
ڈگلس، کرنل ۴۵۱
ڈمنگ داتو پوتی ۵۳۹
ڈیوڈ، سی رائس ۴۹۸
ڈینی سن راس ۴۶۸
ذوالفقار علی خاں، مولانا ۲۱۱، ۲۱۷، ۲۵۳، ۲۸۵، ۳۱۱، ۴۲۵، ۴۳۴ تا ۴۳۶، ۴۴۳، ۴۴۷، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۷۵، ۵۷۸، ۵۷۹
ذوالفقار علی خاں، نواب سر ۵۷۲، ۶۱۴، ۶۱۹

ر۔ز

راجپال ۵۹۹، ۶۰۹، ۶۳۵

راجمار اتھی ۳۲۹

راج نرائن گھسٹ شاستری ۵۷۲

راؤ ین ہدایت ۵۴۲

رام چندر دہلوی، پنڈت ۲۲۴، ۴۱۳

رچرڈ، مسٹر ۳۱۳

رحمت اللہ، شیخ ۷۷، ۱۲۴، ۱۸۶

رحمت اللہ، شیخ۔ لاہور ۳۱، ۹۰، ۱۴۱، ۴۹۵

رحمت اللہ، میاں۔ بنگلہ ۷۳

رحمت اللہ شاکر، شیخ ۲۳۲

رحمت خاں، چوہدری ۱۵۱

رحمت علی، مولوی ۲۰۴، ۲۲۳، ۵۳۷ تا ۵۴۲

رحمت علی، مولوی۔ غیر احمدی عالم ۶۳۳

رحم دین، میاں ۴۳۴

رستم علی، چوہدری۔ مدار ۷

رشید احمد ۱۸۳

رشید احمد، مرزا ۴۹۶

رشید احمد چغتائی ۵۲۹، ۵۳۰

رشید احمد گنگوہی ۵۱۲

رشید الدین، چوہدری ۴۷۱

رشید الدین، ڈاکٹر خلیفہ ۴۵، ۴۶، ۱۲۴، ۱۴۱ تا ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۶۵، ۲۱۱، ۲۱۷، ۴۲۵، ۴۳۰، ۵۷۰

رشیدہ ظ ۲۵۲

رشیدہ کلام ۲۵۲

رضا علی، سید ۲۸۴

رضوان عبداللہ ۲۹۲

رفیع احمد، مرزا ۵۴۲، ۶۳۲

روڈ ہوٹون، بشپ ایس او ۲۷۳

روشن علی، حافظ ۱۳۹، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۶۵، ۱۸۴، ۱۹۰، ۲۰۶، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۶، ۲۲۴، ۲۲۷، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۸۵، ۳۱۲، ۴۲۳، ۴۲۵، ۴۳۴، ۴۵۶، ۴۶۵، ۴۶۸، ۴۹۷، ۵۳۶

رئیس احمد جعفری ۲۶۲، ۳۱۵، ۵۱۲، ۶۳۵

ریگلین، سر ڈبلیو ایچ ۱۷۹

ریمزے، مسٹر ۲۷۳

این، مسٹر ۴۵۰

زکیہ بیگم ۱۷۵، ۴۱۲

زویمر، پادری ۴۷۰

زید، شہزادہ۔ عراق ۵۶۲

زین الدین آف بمبئی ۵۷۲

زین العابدین ولی اللہ شاہ ۸۷، ۲۳۵، ۲۵۷، ۲۶۵، ۳۰۷، ۳۱۱، ۴۲۵، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۸۷، ۵۰۵، ۵۲۲ تا ۵۲۴، ۵۳۶، ۶۳۵

زینب عثمان ۲۵۲

زینی دحلان، مولوی ۵۳۷، ۵۸۸

سبحان محمد۔ فونکس ۱۶۹

ست دیو ۲۹۴

سٹن پیج، پادری ڈبلیو ۴۹۸

سٹیورٹ سنڈیمن، سر ۲۳۵

سجاد حسین، خواجہ ۱۰۳، ۱۰۴

سخاوت علی، حافظ ۱۱۸

ساپر، ایل سی ۴۹۸

سارہ بیگم، سیدہ ۳۰۳، ۳۲۲، ۵۱۹

سراج الحق نعمانی، پیر ۱۵۷

سراج الدین احمد، قاضی ۲۳۶

سراج دین، میاں۔ لاہور ۴۹۵

سردار علی، شیخ ۱۸۴

سعود احمد دہلوی ۲۷۵

سعید احمد، مرزا ۱۵۰

سفیر الدین احمد، سید ۲۷۵

سکارنو، ڈاکٹر ۵۴۲

سکندر حیات خاں، نواب سر ۲۶۰

سلطان احمد، صاحبزادہ مرزا ۱۲۷، ۱۶۲، ۱۹۴، ۲۳۰، ۳۹۸

سلطان احمد پیرکوٹی ۲۳۲

سلطان جہاں بیگم، نواب ۱۹۱

سلطان محمود، میاں حاجی ۲۴۶

سلیمان صاحب ۵۴۴

سلیمان عباس ۵۴۴

سلیمان ندوی، سید ۲۶۰، ۳۲۶، ۳۲۷

سلیم محمد الربانی ۵۲۸

سنت رام، لالہ ۳۸۷

سیرت صاحب ۳۲۸

سیف الدین کچلو، ڈاکٹر ۳۸۳، ۵۰۵، ۶۲۴

سیف علی۔ شیعہ ۴۱۳

ش

شادی لال، سر ۶۰۳

شارپلز، ایم ایم ۴۲۳، ۴۴۷، ۴۵۳، ۴۶۸، ۴۹۸

شاہ چراغ ۱۰۲

شاہد احمد خاں، نواب میاں ۱۷۵

شاہدہ بیگم ۱۷۵

شاہ محمد، سید ۵۴۰ تا ۵۴۲، ۵۴۴، ۵۸۸، ۵۹۰

شاہنواز خاں، ڈاکٹر ۳۲۲، ۵۹۵

شاہ ولی، میاں ۵۵۳

شاہ ولی اللہ۔ محدث دہلوی ۵۲۰

شبلی، علامہ ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸

شبیر احمد عثمانی ۵۸۸

شجاع الدین، خلیفہ ۵۳۵

شردھانند، پنڈت ۳۲۸ تا ۳۳۰، ۳۵۱، ۳۵۸، ۳۷۹، ۳۹۶، ۴۱۷ تا ۴۱۹، ۵۱۰، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۷۳، ۵۹۳، ۵۹۴

شریف احمد ۱۸۳
شریف احمد، صاحبزادہ مرزا ۴۱، ۴۴، ۸۷، ۱۰۰، ۱۲۹،
۱۸۶، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۵، ۲۱۷، ۲۵۶، ۲۵۹، ۲۷۷، ۲۷۹،
۲۸۳، ۲۸۵، ۲۹۲، ۳۵۱، ۳۷۳، ۳۹۸، ۴۱۲، ۴۳۴،
۴۴۲، ۴۹۵، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۷۵
شریف حسین۔شریف مکہ ۲۵۷، ۵۲۰، ۵۸۵
شریف علی۔شریف مکہ ۵۲۰، ۵۲۱
شفاعت احمد، ڈاکٹر ۶۳۰
شفیع احمد دہلوی، سید ۷۷، ۴۱۲
شکر الٰہی، چوہدری ۲۵۲
شمس الحق، سید ۵۰۵
شوقی آفندی ۴۴۲، ۵۳۲
شوکت علی، مولانا ۲۶۲، ۳۱۴، ۳۸۳،
۴۱۷، ۵۰۲، ۵۳۵، ۶۱۴، ۶۲۴
شہاب الدین، سرچوہدری ۵۷۶
شہزادہ۔آف بھڑ اعلاقہ ملکانہ ۳۵۳
شیر علی، مولانا ۳۲، ۳۳، ۶۱، ۱۲۴،
۱۴۱ تا ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۵۰، ۲۱۱، ۲۱۶، ۲۲۷، ۲۳۳، ۲۴۰،
۲۴۴، ۲۴۶، ۲۶۵، ۲۷۷، ۳۰۷، ۳۱۱، ۳۲۰، ۳۲۵،
۴۲۹، ۴۳۱، ۴۵۹، ۴۶۳، ۴۶۶، ۴۷۱، ۵۰۱، ۵۱۴،
۵۱۸
شیر محمد۔آسٹریلیا ۱۷۶
شیر محمد، میاں۔یکہ بان ۷۳، ۷۴

ص۔ض۔ط۔ظ

صاحب خاں نون، ملک ۲۴۳، ۳۹۹، ۵۵۰
صادق حسین اٹاوی، سید ۳۵۱، ۴۹۷
صادقہ بیگم۔راجن پور ۲۲۵
صالح شیبی ۵۴۴
صالح عبدالقادر عودہ ۵۲۶
صالح محمد، مولوی ۲۷۵
صالح محمد قصوری، صوفی ۲۳۱
صدرالدین، مولوی۔مجاہد ایران ۱۰۰، ۱۰۲،
۱۰۴، ۱۰۵، ۱۴۱، ۴۷۳
صدرالدین، مولوی۔لاہوری ۸۴، ۶۱،
۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۳
صدیق حسن خاں، نواب ۱۶:
صغریٰ بیگم۔اماں جی صاحبہ ۱۷۸
صلاح الدین ۱۸۳
صلاح الدین، قریشی ۱۵۱
صلاح الدین ایم۔اے، ملک ۱۰۷، ۱۳۷، ۴۸۷
ضیاء الدین، ڈاکٹر ۲۷۱، ۶۲۴
ضیاء الدین جگراؤں ۱۰۱
ضیاء اللہ سندھی ۵۵۳
ضیاء اللہ ۱۸۳
طاہر احمد، مرزا (اول) ۴۱۲
طاہرہ بیگم ۱۷۵

طیبہ آمنہ بیگم ۱۷۵، ۲۲۳
ظفر احمد، مرزا ۱۵۰
ظفر احمد کپورتھلوی ۱۲، ۹۸، ۴۱۰
ظفر اسلام ۳۵۱، ۳۵۶
ظفر الملک علوی ۲۶۲
ظفر علی خاں، مولانا ۱۳۲، ۲۰۰، ۲۴۳، ۲۶۲، ۳۱۵، ۵۰۵، ۵۱۵، ۶۰۱، ۶۱۴
ظل الرحمان بنگالی ۲۰۴، ۳۱۱، ۳۵۶، ۳۵۷
ظہور احمد باجوہ ۱۵۱
ظہور حسین، مولوی۔ مجاہد بخارا ۲۰۴، ۲۵۶، ۳۱۱، ۴۱۳، ۴۳۲، ۴۷۱، ۴۷۳ تا ۴۷۵، ۴۹۷

ع

عابد علی شاہ۔ سیالکوٹی ۴۹۶
عباد اللہ، گیانی ۳۱۶
عباس احمد خاں، نواب میاں ۱۷۵، ۴۶۵
عباس علی، مرزا ۴۴۲
عباس کالو ۱۷۲
عباس محمود العقاد ۲۹۰
عبد الاحد خاں افغان ۵۰۵
عبد الباری، مولانا۔ فرنگی محل ۲۵۷، ۳۱۴، ۵۳۵
عبد الباقی بہاری ۱۷۸
عبد الجبار، سید ۵۹۳
عبد الجلیل کاٹھ گڑھی ۱۸۲
عبد الحسین آیتی ۵۰۳
عبد الحق، پادری ۲۱۳، ۴۱۳، ۵۵۱، ۵۷۲
عبد الحق، قاضی ۱۸۴، ۱۸۷، ۱۸۸
عبد الحق، ماسٹر ۵۴، ۱۹۵
عبد الحق ایڈووکیٹ، مرزا ۱۸۱، ۱۸۴، ۳۲۱، ۳۵۸
عبد الحق، مولوی۔ غیر مبائع ۱۸۷، ۲۱۳، ۵۵۱
عبد الحق انور، مولوی ۲۷۵
عبد الحق حقانی، مولانا ۳۲۶
عبد الحق کاتب ۲۳۵
عبد الحق ودیارتھی ۳۲۳
عبد الحکیم۔ کلیولینڈ ۲۵۲
عبد الحلیم، مولوی۔ چراسہ ۵۰۸، ۵۸۴
عبد الحلیم شرر مولانا ۵۹۴
عبد الحمید، بابو۔ آڈیٹر ریلوے ۱۴۶، ۳۱۳، ۳۲۱، ۴۹۵، ۶۱۸
عبد الحمید، راجہ ۲۵۲
عبد الحمید، مولوی۔ مجاہد افریقہ ۲۷۵
عبد الحمید ابراہیم آفندی ۲۹۲
عبد الحمید خاں ۱۸۳
عبد الحمید خورشید آفندی ۲۸۷، ۲۹۱
عبد الحی، سید ۱۸۲
عبد الحی، میاں۔ مجاہد انڈونیشیا ۵۴۲، ۵۴۴
عبد الحی، مولوی۔ غیر احمدی ۳۸۴

عبدالحی، میاں۔ابن حضرت خلیفۃ المسیح الاول ۶۱، ۱۵۵، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۶
عبدالحی سنوری ۱۱۶
عبدالخالق، شیخ۔نومسلم ۱۴۶، ۱۶۶، ۱۹۰، ۲۱۳، ۲۴۱، ۲۹۹، ۴۱۳
عبدالخالق، مولوی ۲۷۵، ۳۵۷، ۴۷۳
عبدالخالق کپورتھلوی ۳۵۶، ۳۷۱، ۳۷۲، ۴۸۷
عبدالرحمان۔انڈونیشیا ۵۴۴
عبدالرحمان، چوہدری ۱۵۱
عبدالرحمان، صوفی۔مالیرکوٹلہ ۱۰۱
عبدالرحمٰن، ماسٹر۔نومسلم ۳۲، ۱۴۱، ۱۶۵، ۱۸۵، ۱۸۶، ۴۸۷، ۵۵۳
عبدالرحمان، ملک ۱۲۰
عبدالرحمان، مولوی۔شہید کابل ۴۸۵
عبدالرحمان، مولوی۔اہل حدیث ۵۵۱
عبدالرحمان انور، مولوی ۱۳۷، ۱۳۸، ۵۹۳
عبدالرحمان پیڈرو ۲۶۸
عبدالرحمان جٹ، مولانا ۱۵۴
عبدالرحمان جنید ۱۸۳
عبدالرحمان خادم، ملک ۱۸۱، ۱۸۴، ۲۴۰، ۲۵۷، ۵۶۹، ۵۷۰
عبدالرحمان خاں۔پشاور ۹۳
عبدالرحمان خاں بنگالی ۲۵۲
عبدالرحمان رانجھا ۱۸۲

عبدالرحمان قادیانی، بھائی ۳۹، ۱۶۵، ۲۴۱، ۳۵۱، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۷۲، ۴۳۴، ۴۳۶، ۴۴۷، ۴۵۰، ۴۵۵، ۵۰۱، ۵۵۰، ۵۷۸، ۵۷۹
عبدالرحمان مدراسی ۱۲۴، ۱۴۳
عبدالرحمان مصری، شیخ ۱۲۶، ۱۹۶، ۲۸۵، ۴۲۵، ۴۳۴، ۴۴۷، ۵۲۲، ۵۳۶
عبدالرحیم، بابو ۲۰۶
عبدالرحیم، حافظ۔مالیرکوٹلہ ۳۲، ۱۸۶
عبدالرحیم، سر ۶۲۵
عبدالرحیم، قاضی ۳۵۷، ۳۶۰، ۳۷۱
عبدالرحیم، مولوی۔لکھووالے ۵۷۲
عبدالرحیم پراچہ۔بھیرہ ۵۸۴
عبدالرحیم خاں خالد، میاں ۱۸۱
عبدالرحیم درد، مولانا ۱۰۰، ۱۳۷، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۸۱، ۲۰۴، ۲۳۴، ۲۵۹، ۴۰۵، ۴۲۳، ۴۲۵، ۴۲۹، ۴۳۴ تا ۴۳۶، ۴۴۲، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۹، ۴۶۰، ۵۶۲، ۶۰۹، ۶۱۱
عبدالرحیم قادیانی، بھائی ۲۰، ۲۲۷، ۳۵۶
عبدالرحیم لدھیانوی، سید ۳۷۴، ۳۷۵
عبدالرحیم مالاباری ۱۸۳
عبدالرحیم نیر ۶۷، ۱۳۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۹۳، ۲۶۷ تا ۲۷۰، ۳۱۶، ۳۱۷، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۴۷، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۹۷، ۵۵۳، ۵۹۳، ۶۳۲
عبدالرزاق، سید ۱۸۲

عبدالرشید۔مجاہد شدھی ۳۸۵
عبدالرشید،سید حافظ ۵۴۲
عبدالرشید ارشد ۵۴۲
عبدالرشید خوشنویس ۵۶۷
عبدالرشید رازی ۲۷۵
عبدالستار،ڈاکٹر سید ۴۱۲
عبدالستار خاں۔بزرگ صاحب ۱۱۶
عبدالستار سوکیہ ۱۷۲
عبدالسلام،سید ۵۹۲
عبدالسلام،مولوی (احمدی) ۱۸۳
عبدالسلام،مولوی (غیر احمدی) ۳۲۸
عبدالسلام سیالکوٹی،میر ۱۵۱
عبدالسلام شملوی،حافظ ۲۳۱
عبدالسلام عمر،میاں ۳۱۱
عبدالسلام کاٹھ گڑھی ۲۲۳،۳۵۶
عبدالسمیع،میاں ۳۵۱
عبدالسمیع کپورتھلوی ۳۵۷
عبدالصمد پٹیالوی ۳۵۷
عبدالعزیز،حافظ ۵۵۶
عبدالعزیز،سید ۵۹۲
عبدالعزیز،ماسٹر ۲۴۱
عبدالعزیز، ملک ۴۳۲
عبدالعزیز، مولوی۔چک سکندر ۲۳۲
عبدالعزیز،میاں ۱۲۰

عبدالعزیز دین ۲۳۵
عبدالغفار ۱۸۲
عبدالغفار،نواب ۴۱۳
عبدالغفار افغان ۲۶۵
عبدالغفور ۱۸۳
عبدالغفور بی۔اے،صوفی ۲۵۲
عبدالغنی کڑک،ڈاکٹر ۲۴۵
عبدالقادر،اخوند ڈاکٹر ۸۱
عبدالقادر،سر شیخ ۱۴۹،۲۱۱،۲۳۶،۲۵۴،
۴۰۸،۴۲۰،۵۶۳،۵۶۴
عبدالقادر،شیخ مولانا ۲۳۱،۵۵۲
عبدالقادر المغربی ۴۴۳
عبدالقادر ایم۔اے،پروفیسر سید ۲۱۷،۲۱۸،
۵۷۵
عبدالقادر ضیغم ۲۵۲
عبدالقادر لدھیانوی ۲۶۵
عبدالقدیر شاہد،مولوی ۲۷۵
عبدالقدیر کاٹھ گڑھی ۱۸۲
عبدالقدیر نیاز،صوفی ۱۳۷،۱۴۹،۱۸۲،۲۰۴،
۳۰۰،۳۳۰،۳۵۱،۳۵۴ تا ۳۵۶،۵۵۸،۵۵۹
عبدالقیوم،سر ۶۱۲،۶۱۴،۶۲۵
عبدالقیوم چنیوٹی ۱۰۹
عبدالکریم۔خطبہ نویس ۲۳۲
عبدالکریم،مولوی سید۔غیر احمدی ۲۲۴

عبدالکریم امراللہ، ڈاکٹر حاجی ۵۴۴
عبدالکریم سیالکوٹی، مولانا ۹، ۱۳، ۲۱، ۵۷، ۵۸
عبدالکریم شریف، علامہ ۲۹۰
عبدالکریم غنی ۵۵۱
عبدالکریم لوہار ۲۷۹
عبدالکریم یوسف زئی، بابو ۲۸۹
عبداللطیف شہید، صاحبزادہ سید ۴۱۱، ۴۸۵، ۵۵۴، ۵۹۲
عبداللطیف، مولوی۔ چاٹگام ۱۹۶
عبداللطیف، مولوی۔ مصطفیٰ آباد ۴۹۷
عبداللطیف بہاولپوری، مولوی ۶۳۳، ۶۳۷
عبداللطیف بی۔ اے، چوہدری ۴۱۲
عبداللطیف شاہ، حکیم ۵۵۵
عبداللطیف شاہد، مولوی ۲۷۵
عبداللطیف گجراتی ۳۵۱
عبداللہ، قادیان ۲۴۷
عبداللہ، ڈاکٹر ۲۰
عبداللہ، مولوی۔ سارچوری ۲۶۵
عبداللہ العراقی، الحاج ۲۵۸
عبداللہ المامون السہروردی ۱۸۵
عبداللہ الہ دین، سیٹھ ۱۵۵، ۲۱۴، ۲۴۴، ۳۳۴، ۵۷۵
عبداللہ بن سبا ۲۱۷
عبداللہ خاں، چوہدری ۳۳۴
عبداللہ خاں، خان ۳۵۷

عبداللہ علی۔ امریکہ ۲۵۲
عبداللہ کونلم۔ لیورپول ۱۶۹، ۴۴۷
عبداللہ مالاباری ۴۹۶
عبداللہ محمد صدیق الغماری ۲۹۰
عبداللہ منہاس ۳۳۰
عبداللہ ناصرالدین ۳۱۶
عبداللہ ہارون، سیٹھ ۲۶۰، ۵۰۵، ۶۲۴
عبداللہ یوسف علی ۶۲۴
عبدالماجد بھاگلپوری ۵۱۹، ۵۷۵
عبدالماجد دریابادی، مولانا ۱۳۲، ۵۰۸، ۵۱۲، ۵۱۴
عبدالمالک خاں ۲۷۵
عبدالمتعال محمد الجبری ۲۹۰
عبدالمجید ۱۶۹
عبدالمجید بھٹی ۲۷۱
عبدالمجید بی اے، چوہدری ۲۳۲
عبدالمجید خاں، منشی۔ کپورتھلہ ۱۹
عبدالمجید خاں، سلطان ۴۸۱
عبدالمجید سالک ۲۶۳، ۳۱۵، ۳۸۱، ۵۹۵
عبدالمجید شاہ لاہوری، ڈاکٹر ۴۴۷
عبدالمجید قرشی ۲۵۳، ۳۱۰
عبدالمجید لدھیانوی ۱۴۹، ۴۳۲، ۴۷۱، ۵۰۴
عبدالحی عرب، سید ۱۱۶، ۱۲۰
عبدالمغنی خاں، مولوی ۱۰۰، ۲۱۶، ۲۱۷، ۳۱۳،
۵۲۵، ۴۳۰، ۴۸۷

عبدالمنان ۱۸۳
عبدالمنان، صوبیدار ۳۲۰
عبدالواحد ۵۵۳
عبدالواحد، شیخ ۴۷۲
عبدالواحد بنگالی، مولوی سید ۵۷۲
عبدالواحد سماٹری ۵۴۰ تا ۵۴۲، ۵۴۴
عبدالوحید، حافظ سید ۱۸۹، ۱۹۶
عبدالوہاب بن آدم ۲۷۵
عبدالوہاب عسکری، الحاج ۵۳۳
عبدالوہاب عمر، میاں ۱۷۸
عبیداللہ، بابو ۳۱۲
عبیدالسلام ۱۸۳
عبیدالسلام، حافظ ۱۷۱، ۴۱۱
عبیداللہ بسمل ۱۸۵، ۲۳۶، ۴۳۵، ۴۹۲
عبیداللہ سندھی، مولانا ۸۲
عثمان صاحب۔ طائف ۵۲۲
عثمان خاں۔ علاقہ ملکانہ ۳۶۲
عثمان علی خاں، میر ۱۵۷
عثمان غنیؓ، حضرت ۲۱۷، ۲۱۸
عجب خاں، پاڑاچنار ۲۲۸
عرفان علی بیگ، مرزا ۴۶۲
عزیز احمد، چوہدری ۳۵۱
عزیز احمد، مرزا ۱۳۷
عزیز احمد خاں، ملک ۵۴۰ تا ۵۴۳
عزیز الرحمان بریلوی، سید ۳۵۶
عزیز اللہ شاہ، سید ۱۸۱۔۱۸۲
عزیز بخش، مولوی۔ ڈیرہ غازی خاں ۱۲۰، ۱۸۷
عزیز دین، بابو ۱۵۱
عزیز محمد پلیڈر، ملک ۳۵۸
عزیزہ بیگم، سیدہ ۵۵۴
عصمت اللہ، مولوی ۱۹۶
عصمت اللہ وکیل، چوہدری ۱۸۲
عطاء الرحمان ایم اے، پروفیسر ۱۱۶
عطاء اللہ، چوہدری ۲۷۵
عطاء اللہ۔ لاہور ۱۸۲
عطاء اللہ ایڈووکیٹ، میاں ۱۸۱، ۱۸۲، ۳۵۸، ۴۸۷
عطاء اللہ خاں، میر ۱۸۴
عطاء اللہ شاہ بخاری ۲۵۶، ۲۶۲، ۳۱۵، ۵۸۸
عطاء اللہ شہاب پور ۵۰۳
عطاء اللہ کلیم ۲۷۵
عطاء محمد، حکیم ۲۲۴
عظیم اللہ، مولوی۔ نابھہ ۲۲۴
عظیم۔ ملطان غوث ۱۶۹
علی اکبر ایم اے، چوہدری ۱۸۱، ۱۸۲
علی قاسم بنگالی ۵۵۳
علی محمد بے اے بی ٹی، چوہدری ۱۰۰، ۱۳۷، ۴۳۴، ۴۳۶، ۴۴۷، ۴۶۴
علیہ شہید۔ امریکہ ۲۵۲

علیہ علی ۔ امریکہ ۲۵۲
عمر الدین شملوی ۱۱۶، ۱۶۳، ۱۸۷، ۲۱۳
عمر بن خطاب، حضرت ۹۸، ۲۳۴، ۴۴۱
عمر حیات خاں ٹوانہ، سر ۶۱۴
عنایت اللہ، میر ۱۸۳
عیسیٰ علیہ السلام ۲۸۹، ۲۹۰، ۴۴۱، ۴۴۳

غ

غریب نواز، خواجہ ۱۹۹
غلام احمد، چوہدری ۱۸۳، ۱۸۴، ۲۴۰
غلام احمد، چوہدری ۔ جج ہائی کورٹ ۳۵۸
غلام احمد اختر ۲۲۴
غلام احمد بدوملہوی ۲۰۴، ۲۵۶، ۳۷۱، ۴۸۷، ۵۱۴، ۵۵۱، ۵۷۲، ۶۳۳
غلام احمد قادیانیؑ، حضرت مرزا ۔ مسیح موعود ۱۲، ۱۵، ۱۷، ۱۹، ۲۳، ۲۶ تا ۲۸، ۳۸، ۴۰، ۴۱، ۵۸، ۶۶، ۱۳۴، ۱۶۲، ۱۸۸، ۱۸۹، ۳۷۸، ۴۰۱، ۴۹۸، ۵۲۹، ۶۰۸
غلام احمد کریام ۳۱۴
غلام احمد واعظ ۲۵، ۲۲۷، ۳۵۴، ۳۵۶
غلام اکبر ایڈووکیٹ ۲۴۴
غلام الثقلین، خواجہ ۷۶
غلام اللہ، مرزا ۲۰۵
غلام امام شاہجہانپوری ۲۳۸
غلام باری سیف، پروفیسر ۳۲۱
غلام بھیک بی ۔ اے، میر سید ۲۱۲، ۵۳۵
غلام حسن، اخوند پروفیسر ۱۸۴
غلام حسن، شیخ ۔ جہلم ۴۱۸
غلام حسن پشاوری ۱۲۴، ۱۲۶، ۵۶۰
غلام حسن رہتاسی ۱۰۵، ۱۹۰
غلام حسین، چوہدری ۱۸۱، ۱۸۲
غلام حسین، حکیم ۱۹۴
غلام حسین رہتاسی، ملک ۲۰۶
غلام حیدر وکیل، مرزا ۱۸۴
غلام رسول، بابو ۳۵۸
غلام رسول، مرزا ۔ پشاور ۳۸۵
غلام رسول افغان ۴۸۷
غلام رسول راجیکی ۹۲، ۱۶۲، ۱۶۷، ۱۷۵، ۱۸۷، ۱۹۶، ۲۱۳، ۲۲۷، ۲۶۵، ۲۸۵، ۴۱۳، ۴۸۷، ۷۵۲
غلام رسول وزیر آبادی، حافظ ۴۲۰
غلام سرور کانپوری ۹۰
غلام صمدانی بی اے ۵۹۱
غلام علی، ڈاکٹر ۱۸۱
غلام فرید ایم اے، ملک ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۸۱، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۴۷، ۴۵۵، ۵۶۶
غلام قادر، مرزا ۱۸۹
غلام مجتبیٰ، قاری ۱۱۶
غلام محی الدین قصوری ۵۷۵، ۵۷۶
غلام مرتضیٰ میانوی، مفتی ۴۹۷

غلام مصطفیٰ، ڈاکٹر ۲۴۰
غلام محمد ۱۸۱، ۱۸۲
غلام محمد، ڈاکٹر۔ غیر مبائع ۱۲۶، ۲۲۹
غلام محمد، ملک ۵۷۶
غلام محمد اختر، میاں ۳۲۱
غلام محمد امرتسری، صوفی۔ نقل نویس ۵۷۲
غلام محمد امرتسری، مولوی حکیم ۱۹۶، ۳۵۷
غلام محمد بی اے، صوفی حافظ ۱۵۴، ۱۶۹تا۱۷۲، ۳۰۷
غلام محمد بی اے سیالکوٹی، چوہدری ۳۱۱
غلام نبی، ملک ۱۸۴
غلام نبی بلانوی، خواجہ ۱۳۸، ۲۲۱، ۳۵۶، ۴۳۰، ۴۴۵
غلام نبی مصری، مولوی ۱۵۴، ۱۸۵، ۵۲۲
غلام یٰسین بی اے، چوہدری ۲۵۲
غیور احمد ۱۸۳

ف

فتح دین، مولوی ۲۶۵
فتح محمد سیال ایم اے ، ۱۱۶، ۱۲۰، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۹۴، ۲۱۱
۲۱۷، ۲۴۴، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۶۰ ۳۷۶،
۳۸۱، ۳۸۲، ۴۲۵، ۴۳۴تا۴۳۶، ۴۴۷، ۵۳۶
فتح محمد ملتانی ۳۵۱
فتح محمد نائک ۴۰۱
فخر الدین، منشی ۲۴۱
فخر الدین مالاباری، مولوی ۵۵۳
فرانسس ینگ ہسبنڈ، سر ۵۰۸
فرزند علی خاں، خان ۱۴۹، ۱۸۷، ۲۶۵، ۳۳۴، ۳۵۸
فرنیزی، پروفیسر ۴۱۱
فضل احمد، چوہدری۔ گجرات ۱۸۴، ۳۲۰
فضل احمد بٹالوی، بابو شیخ ۳۳۴، ۳۸۱
فضل احمد لدھیانوی، مولوی قاضی ۲۱۳
فضل الدین کمبوہ، جمعدار ۲۴۷، ۲۷۸
فضل الدین وکیل، مولوی ۲۱۶، ۳۸۶، ۴۳۰، ۴۷۱
۴۹۶، ۴۹۸، ۵۱۴، ۵۷۸، ۵۷۹
فضل الرحمٰن، حکیم ۲۲۳، ۲۷۰، ۲۷۴، ۲۹۲
فضل الرحمان۔ قادیان ۱۱۶
فضل الرحمٰن، مفتی ۶۹، ۲۰۵
فضل الرحمان فیضی، سید ۳۵۸
فضل الٰہی، صوفی ۱۰۲
فضل الٰہی، مولوی ۴۷۱
فضل الٰہی انوری ۲۷۵
فضل الٰہی بشیر ۱۷۲
فضل بی بی بنت میاں خیر الدین ۵۸۷
فضل حسین، سر میاں ۴۲۰، ۵۷۷
فضل حسین، مہاشہ ملک ۲۲۳، ۲۳۶، ۳۰۰، ۳۱۶
فضل شاہ، سید ۱۳، ۱۴، ۲۲، ۴۹۵
فضل کریم، ڈاکٹر۔ کابل ۳۳۴، ۴۷۶
فضل کریم بی اے، میاں ۳۵۸
فضل کریم پراچہ، شیخ ۲۴۰

فضل کریم، شیخ ۱۸۲
فقیر اللہ، ماسٹر ۳۲، ۳۷، ۶۳۶
فقیر علی، بابو ۲۷۴، ۴۷۲
فقیر محمد، چوہدری۔ کورٹ انسپکٹر ۲۳۱، ۴۹۳
فقیر محمد، خان ۵۰۶
فلپس، پادری ڈاکٹر ۲۸۸
فوزیہ بیگم ۱۷۵
فیروز محی الدین، قریشی ۲۷۱، ۲۷۵
فیصل، شاہ عراق ۵۶۲
فیصل، شہزادہ ۵۶۲، ۵۶۳
فیض احمد گجراتی، چوہدری ۲۳۲
فیض الحق، حاجی ۲۷۱
فیض الدین سیالکوٹی ۴۹۶
فیض قادر ۱۸۳

ق

قادر بخش، ماسٹر ۲۷۸، ۴۱۲
قاسم علی، میر ۱۷۸، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۹۰، ۲۰۶، ۲۱۳، ۲۲۴، ۲۲۷، ۲۷۷، ۲۸۵، ۴۱۳، ۴۱۸، ۴۲۵، ۴۳۰، ۵۵۳، ۵۷۲
قاسم علی خاں رامپوری ۳۵۷
قدرت اللہ، حافظ ۵۴۲
قدرت اللہ سنوری ۱۱۶، ۲۰۵، ۲۴۴
قدسیہ بیگم ۱۷۵
قطب الدین بدوملہوی، حکیم مولوی ۳۵۸
قمر الدین سیکھوانی، مولوی ۲۵۶، ۵۷۲
قمر جان صاحبہ ۱۹۵
قیصر ولیم ۱۵۶

ک، گ

کارڈن، مسٹر ۶۰۲
کازنند، ڈاکٹر ۵۵۰
کامل قصاب، شیخ ۵۲۶
کبیر الدین، مرزا ۲۲۷
کرامت اللہ ۱۸۳
کرشن جی، سر ۳۸۷
کرم الٰہی، قاضی ۳۹۹
کرم داد، مولوی ۲۲۷
کرم دین جہلمی ۵۰
کرملی، الاستاذ ۳۱۹
کریما کریم عبدالرحمان ۲۵۲
کشفی شاہ نظامی، سید ۵۷۵
کفایت اللہ، مولوی ۳۸۱، ۶۰۵
کلکر، مسٹر ۶۱۲
کمال الدین، خواجہ ۶۲، ۷۶تا۷۸، ۸۴، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۶۲، ۱۶۸، ۳۲۷، ۵۰۱
کمال یوسف، سید ۵۹۰
کنور دلیپ سنگھ ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۴

کنور عبدالوہاب ۳۸۳
کوریو، مسٹر ۱۴۷
کے ایس حسن ۱۷۶
کین، جے ایم ۵۸۵
گاندھی، مسٹر ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۴، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۵۳، ۵۰۲، ۵۰۸، ۵۱۰، ۵۶۸
گب، پروفیسر ایچ اے آر ۱۳۲، ۵۴۵
گرین، مسٹر ۱۵۱
گلاب دین رہتاسی ۲۶۵
گلبرٹ کلیٹن، سر ۴۴۱، ۴۴۲
گل محمد، مرزا ۲۰۶، ۲۷۹، ۲۸۲، ۳۲۰
گنگا سنگھ، سردار ۲۶۵
گوبند سنگھ، گورو ۲۸۱، ۲۸۲
گیان بھکشو، مہاشہ ۳۱۲
گیان چند، لالہ ۵۹۹
گیڈن، اے ایس ۴۹۸

ل

لاجپت رائے، لالہ ۶۱۴، ۶۳۵
لارنس، مسٹر ۵۶۵
لافٹس ہیر، ڈبلیو ۴۹۸
لال الدین، ڈاکٹر ۱۸۱
لال شاہ، سید ۴۸۷
لائڈ جارج ۲۵۴، ۲۵۵، ۴۲۷
لطف الرحمان، مرزا ۲۷۵
لطیفہ کریم۔ امریکہ ۲۵۲
لعل محمد، ڈاکٹر ۱۶۹
لوک ناتھ جی، پنڈت ۳۳۰
لیکھرام، پنڈت ۵۶۷
لین، مسٹر ۴۵۳
لیوکس، مسٹر ۱۸۸، ۱۸۹

م

مارگولیتھ، پروفیسر ۱۹۴، ۴۲۳، ۴۹۸
مازور صاحب۔ ماریشس ۱۷۱
مانٹیگو، مسٹر ۲۰۱ تا ۲۰۳
مائیکل آڈوائر، سر ۶۱۰
مبارک احمد، شیخ مولانا ۱۳۷
مبارک احمد، صاحبزادہ مرزا (اول) ۴۱، ۲۴۴، ۲۷۷
مبارک احمد، مرزا ۱۶۵، ۲۳۹، ۵۴۳
مبارک احمد ساقی، مولوی ۲۷۱
مبارک اسماعیل ۲۲۷
مبارک علی، ملک۔ لاہور ۶۰، ۷۰
مبارک علی بنگالی، مولوی ۱۴۸، ۲۰۴، ۳۹۸، ۴۱۱
مبارک علی سیالکوٹی ۱۰۸
مبارکہ بیگم، سیدہ نواب ۱۶، ۱۷، ۴۱، ۴۴، ۵۹، ۶۳، ۱۷۵، ۳۳۴، ۳۹۸
مبشر احمد، مرزا ۳۱۱

مبشر احمد، مرزا (اول) ۲۶۴
مجید احمد، مرزا ۲۷۵تا۴۹۵
مجدد الف ثانی ۱۹۹
مجید ملک ایم اے ۵۶۶
محبوب خاں، جے پور ۳۵۱
محبوب عالم، منشی ۵۴، ۵۶۶، ۵۷۵
محبوب علی خاں، میر ۱۵۸
محسن الملک، نواب ۲۰۱
محفوظ الحق علمی ۴۹۶، ۴۹۷
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲، ۱۵، ۱۵۲، ۱۶۲، ۲۴۹،
۲۶۱، ۲۹۶، ۴۰۷، ۴۳۷، ۵۱۹، ۵۴۵تا۵۴۸،
۵۹۶تا۶۰۸
محمد، سید ۵۹۲
محمد، میاں۔ نقشہ نویس ۴۹۵
محمد ابراہیم، حافظ۔ قادیان ۴۸۷
محمد ابراہیم بقاپوری ۱۹۶، ۲۰۶، ۲۱۳، ۲۲۷، ۵۷۲
محمد ابراہیم بی ایس سی، صوفی ۱۸۱، ۲۰۴، ۳۵۱، ۳۵۶
۴۶۲
محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولوی میر ۲۶۵، ۲۷۸
محمد ابراہیم علی، شیخ ۳۵۶
محمد ابراہیم نائک ۳۵۱
محمد احسن امروہی، سید ۲۵، ۸۵، ۹۶، ۱۲۳، ۱۴۱تا۱۴۳
۲۲۷، ۲۴۲، ۲۸۵، ۵۷۵
محمد احمد، نواب ۳۳۴
محمد احمد ایم اے ۲۳۱
محمد احمد جلیل، مولوی ۳۲۱
محمد احمد مظہر، شیخ ۱۸۱، ۱۸۴، ۳۲۱، ۳۳۰،
۳۵۳، ۳۵۸، ۳۸۲، ۳۸۵
محمد اسحاق، سید میر ۵۵، ۵۶، ۶۱، ۷۳، ۱۰۳
۱۰۵، ۱۳۹، ۱۴۶، ۱۵۴، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۸۶،
۱۸۷، ۱۹۰، ۱۹۶، ۱۹۸، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۲۴،
۲۲۷، ۲۴۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۳۰، ۴۶۴:
۴۶۵، ۴۹۵، ۵۳۶، ۵۵۱، ۵۵۵تا۵۵۷
محمد اسحاق، صوفی ۲۷۵
محمد اسحاق خلیل، مولوی ۲۷۱
محمد اسلم۔ غیر احمدی صحافی ۹۰
محمد اسماعیل، سید ۱۰۱
محمد اسماعیل، سید میر ۲۴، ۵۸، ۹۹، ۱۰۳،
۱۰۵، ۱۲۴، ۱۴۱، ۱۴۳، ۲۰۵، ۲۱۷، ۲۴۵، ۲۵۹،
۲۷۹تا۲۸۱، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۶، ۴۶۴، ۵۹۳
محمد اسماعیل، مولوی۔ بقاپوری ۳۵۷
محمد اسماعیل مولوی۔ غیر احمدی ۴۹۷
محمد اسماعیل، میاں۔ جلد ساز ۴۶۵
محمد اسماعیل ترگڑی، مولوی ۴۹۶، ۵۰۶
محمد اسماعیل بیگ، مرزا ۱۶
محمد اسماعیل پانی پتی، شیخ ۱۰۳، ۱۶۳
محمد اسماعیل حلالپوری ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۸۴، ۱۹۸
۲۱۶، ۲۲۷، ۲۳۰، ۴۳۰، ۵۵۳، ۵۵۸، ۵۵۹

محمد اسماعیل دیال گڑھی ۲۳۲
محمد اسماعیل رام پوری ۱۸۳
محمد اسماعیل سرساوی ۲۵،۲۶،۱۱۶
محمد اسماعیل غزنوی ۵۸۸
محمد اسماعیل گوڑیانی، ڈاکٹر ۲۸۵
محمد اسماعیل منیر ۱۷۲
محمد اشرف، ڈاکٹر۔مرادآباد ۴۱۸
محمد افضل، قریشی ۱۷۲،۲۷۵
محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر ۱۵۰،۱۵۹
محمد اکبر خاں، اخوند ۱۲۰
محمد اکرم خاں، خان ۴۹۴
محمد الدین فوق ۹۰
محمد الدین ملتانی، منشی ۳۵۶
محمد المغربی، الحاج ۵۲۲،۵۲۶،۵۲۸
محمد امین، مولوی ۴۳۲،۴۷۱،۴۷۳
محمد امین، مولوی۔اہل حدیث ۲۶۵
محمد امین افغان، میاں ۴۰۳،۴۰۴
محمد انور ۱۸۲
محمد ایوب، مخدوم ۸۳
محمد ایوب، مولوی ۵۴۴
محمد بخش ۲۱
محمد بخش ایڈووکیٹ، میر ۴۱۳
محمد بشیر۔شکاگو ۲۵۲
محمد بشیر الدین، مولوی ۵۳۶
محمد بشیر شاد ۲۷۱،۳۱۷
محمد بن ادریس، امام ۵۲۶
محمد بن عبدالوہاب ۵۴۵تا۵۸۵
محمد بن شیخ احمد ۵۲۲
محمد پٹیالوی، حافظ ملک ۳۵۸
محمد تقی، منشی ۲۴۴
محمد جان وزیرآبادی، شیخ ۹۹
محمد حسن ۱۸۲
محمد حسن آسان دہلوی ۲۲۷،۳۲۳،۵۵۱
محمد حسین، چوہدری۔جھنگ ۱۸۴
محمد حسین، چوہدری۔سیالکوٹ ۳۹۹
محمد حسین چوہدری۔ملتان ۲۴۰
محمد حسین، حکیم۔مرہم عیسیٰ ۱۱۶،۱۸۷،۲۰۶،۲۲۵
محمد حسین، شیخ ۳۳۴،۴۱۶
محمد حسین۔بھیرہ ۱۱۶
محمد حسین۔غیر احمدی ۴۱۳
محمد حسین، مولوی۔سبز پگڑی والے ۳۵۷
۳۵۸،۳۷۱،۴۸۷
محمد حسین چنیوٹی ۳۲
محمد حسین شاہ، ڈاکٹر سید ۱۰۶،۱۲۴،۱۶۳،۲۲۸،۲۸۵
محمد حسین قریشی، حافظ ۱۱۶
محمد حسین قریشی، حکیم۔موجد مفرح عنبری ۱۵۵،۴۶۳
۴۹۵
محمد حسین کولوتارڑوی ۴۹۷،۵۵۱

محمد حنیف، سید ۵۹۲

محمد حنیف میر پوری، قریشی ۳۵۷، ۴۱۸

محمد خاں شہاب، مہر ۴۹۶

محمد خاں گجراتی ۵۰۳

محمد داؤد ۱۸۳

محمد دلاور خاں، خان بہادر ۵۶۰

محمد دہلوی، مرزا ۳۱۴

محمد دین، منشی ۳۳۴

محمد دین، مولوی ۱۴۶، ۱۹۰، ۲۲۷، ۲۴۱، ۲۵۱، ۲۸۸، ۳۹۸، ۴۴۷، ۵۶۶، ۵۹۳

محمد دین، واصل باقی، میاں ۳۹۹

محمد رشید، الحاج ۵۴۴

محمد رمضان، ڈاکٹر ۱۸۲

محمد زاہد ۱۸۳

محمد زہدی، مولوی ۵۴۲

محمد سرور شاہ، سید ۳۲، ۳۳، ۹۶، ۱۰۵، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۶۵، ۱۸۴، ۱۸۷، ۲۱۱، ۲۱۶، ۲۲۷، ۲۵۷، ۲۷۷، ۴۱۳، ۴۲۵، ۴۳۰، ۴۳۱، ۵۵۴

محمد سعد الدین۔ عرب سیاح ۵۵۰

محمد سعید، الحاج میر۔ حیدر آباد ۴۹۵

محمد سعید، سید ۵۹۲

محمد سعید احمد انصاری ۵۴۲

محمد سعید النشار الحمیدانی الطرابلسی ۵۲۲

محمد سعید بخت ولی ۵۲۸

محمد سعید سعدی ۲۰۶، ۲۲۷

محمد سلیم، مولوی۔ مجاہد مصر ۲۸۸، ۵۲۹

محمد شتیری ۵۴۴

محمد شریف ۱۸۳

محمد شریف، چوہدری۔ مجاہد فلسطین ۲۸۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۵۲۹ تا ۵۳۱

محمد شریف، سید ۵۹۲

محمد شریف میاں۔ پلیڈر ۸۱، ۱۱۶، ۱۳۸

محمد شریف وکیل، چوہدری ۴۴۷

محمد شفیع، شیخ۔ لدھیانہ ۲۱۳، ۴۶۳

محمد شفیع، سر میاں ۶۲۵

محمد شفیع اسلم، ماسٹر ۳۵۱، ۳۵۳ تا ۳۵۶، ۳۷۱، ۳۸۵، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۹۷، ۵۵۳

محمد شفیع داؤدی ۵۰۵، ۶۱۲

محمد شفیع سنکھتروی ۶۳۳

محمد شہزادہ خاں، مولوی ۲۵۶، ۳۱۱، ۴۸۷

محمد صادق ۱۸۳

محمد صادق، مفتی ۲۴، ۳۱، ۳۲، ۵۳، ۵۶، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۳۷، ۱۴۸، ۱۵۵، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۴، ۲۱۷، ۲۲۷، ۲۴۰، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۹۴، ۳۱۳، ۴۲۵، ۴۳۰، ۴۷۱، ۵۰۵، ۵۳۶، ۵۵۳، ۵۷۵، ۵۷۸، ۵۷۹، ۶۳۴

محمد صادق، میاں۔ غیر مبائع ۶۳۲، ۶۳۶

محمد صادق ساٹری ۵۳۹ تا ۵۴۱، ۵۸۹

محمد صدر علی ۱۷۱

محمد صدیق چوہدری۔ مولوی فاضل ۱۹۴

محمد صدیق امرتسری ۲۳۵

محمد صدیق بانی، سیٹھ ۲۱۳

محمد طفیل، ماسٹر ۵۱۸

محمد طفیل خان ۳۲۲

محمد طیب ۵۴۰، ۵۹۰

محمد طیب، سید ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۹۲

محمد ظفر اللہ خاں، سر چوہدری ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۶۰،
۱۶۵، ۱۶۷، ۱۸۱، ۱۸۶، ۱۹۰، ۱۹۳، ۱۹۸، ۲۰۲، ۲۰۳،
۲۱۳، ۲۱۷، ۲۲۳، ۲۴۱، ۲۴۴، ۲۵۲، ۲۵۷، ۲۸۳، ۲۹۹،
۳۰۲، ۳۱۷، ۳۲۰، ۳۲۳، ۳۳۴، ۴۲۹، ۴۳۴، ۴۴۷،
۴۵۰، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۹۵، ۵۳۶، ۵۷۲،
۵۷۵، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۳۰

محمد ظہور الدین اکمل، قاضی ۷۷، ۷۸، ۱۰۶، ۲۲۱،
۲۲۷، ۳۲۲، ۴۲۵، ۴۳۰، ۴۴۵، ۵۵۷، ۵۶۶، ۵۷۲

محمد عبدالحافظ ۵۹۱

محمد عبدالرحیم خاں، خان ۲۶۴

محمد عبداللہ، مولوی۔ بھینی شرقپور ۲۶۵

محمد عبداللہ، جلدساز ۴۶۵

محمد عبداللہ، نواب ۱۷۵، ۱۸۱، ۲۰۵، ۲۷۸،
۳۳۴، ۳۵۱، ۴۱۲، ۴۱۶، ۵۵۶

محمد عبداللہ بی اے بی ٹی، قاضی ۱۴۸، ۱۷۷، ۳۵۱، ۳۵۵،
۳۵۶، ۴۳۰

محمد عبداللہ سنوری، منشی ۷، ۹۸، ۲۴۴، ۳۵۸

۳۹۹، ۴۱۰، ۶۳۱

محمد عبداللہ سیالکوٹی ۶۳۱، ۶۳۲

محمد عبداللہ ہیڈ ماسٹر ۱۲۰

محمد عثمان، مولوی ۲۲۶

محمد عجب خاں ۸۶

محمد عرفان، مولوی ۶۱۲

محمد علی۔ ضرب دیال ۱۰۲

محمد علی، مرزا ۴۴۴

محمد علی اشرف، حکیم ماسٹر ۳۲، ۵۵۱

محمد علی ایم اے، مولوی ۶۱، ۶۲، ۷۸، ۸۴، ۸۶،
۹۴ تا ۹۶، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۵،
۱۲۷ تا ۱۳۳، ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۸۶،
۲۰۸، ۲۲۶، ۲۲۸ تا ۲۳۴، ۲۸۵، ۵۶۱، ۵۶۲، ۶۲۴،
۶۳۶

محمد علی جناح، قائداعظم ۱۵۰، ۲۳۴، ۲۳۵، ۳۱۵،
۴۹۰، ۵۰۵، ۶۱۲، ۶۱۴، ۶۱۷، ۶۱۹، ۶۲۱، ۶۲۵، ۶۳۵

محمد علی جوہر، مولانا ۲۶۲، ۳۱۵، ۳۸۳
۴۱۷، ۴۹۲، ۵۰۲، ۵۰۸، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۴، ۵۳۵، ۶۱۴
۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۹، ۶۳۵

محمد علی خاں، بابو ۱۱۹

محمد علی خاں، خاں بہادر ۱۴۵، ۳۹۹

محمد علی خاں، نواب ۹۳، ۹۴، ۹۶، ۱۲۳
۱۴۱ تا ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۶۵، ۱۷۵، ۲۰۹، ۲۱۱، ۲۴۴، ۲۷۷،
۲۸۰، ۲۸۳، ۳۳۴، ۳۵۷، ۴۳۰

محمد علی روپڑی ۲۷۸

محمد علی شاہ، سید ۲۱۳

محمد عمر مہاشہ (سابق جوگندر پال) ۲۶۶، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۵۱، ۳۵۳

محمد عمر، سید ۵۹۲

محمد عمر ایڈووکیٹ، شیخ ۲۴۱

محمد لطیف، پروفیسر ۲۷۵

محمد لطیف، چوہدری ۱۸۱

محمد مدثر شاہ، میر ۲۲۴، ۲۶۵

محمد مرزا دہلوی، میاں ۲۶۲

محمد مراد، میاں۔ پنڈی بھٹیاں ۱۱۶، ۵۵۲

محمد مسعود، سید ۵۹۲

محمد مصطفیٰ کمال پاشا ۲۶۳

محمد منیر، ڈاکٹر ۳۳۴

محمد موسیٰ، مستری۔ لاہور ۲۹۵

محمد موسیٰ، مستری۔ امرتسر ۴۳۴

محمد ناصر، سید میر ۱۸۶

محمد نذیر، قریشی ۲۵۶

محمد نذیر لائلپوری، قاضی ۴۱۸، ۵۷۲

محمد نواز خاں، خان ۶۱۲

محمد نور ۵۵۳

محمد ہاشم بخاری، سید ۲۷۵

محمد یار عارف، مولانا ۱۴۹

محمد یسین، منشی ۵۵۵

محمد یعقوب، شیخ ۱۸۳

محمد یعقوب، مرزا ۱۸۳

محمد یعقوب، مولوی ۶۱۲

محمد یعقوب بیگ، ڈاکٹر مرزا ۶۹، ۸۴، ۱۲۴، ۱۶۲، ۲۲۶، ۲۳۰

محمد یعقوب طاہر، مولانا ۱۰۴، ۱۳۸، ۲۳۶، ۳۲۱، ۳۲۲

محمد یوسف ۱۸۳

محمد یوسف، سردار ۳۱۶

محمد یوسف، شیخ۔ ایڈیٹر ''نور'' قادیان ۱۱۶، ۱۶۷، ۱۸۷، ۱۹۲، ۱۹۶، ۲۰۶، ۲۱۳، ۲۶۵، ۴۱۸، ۴۳۰، ۵۵۳

محمد یوسف، قاضی ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۶۸، ۲۳۷، ۳۱۱

محمد یوسف، میاں۔ لاہور ۱۳۷

محمد یوسف شاہ، کرنل ۲۷۱

محمود احمد زرقانی، حکیم مرزا ۴۹۷

محمود احمد عرفانی، شیخ ۲۰۴، ۲۲۳، ۲۸۶، ۲۸۷، ۴۴۰، ۵۲۲، ۵۵۳

محمود احمد ناصر، سید میر ۱۵۱

محمود الحسن ۲۳۸

محمود اللہ شاہ، سید ۱۸۱، ۱۸۲

محمود شلتوت ۲۸۹، ۲۹۰، ۳۱۹، ۳۲۰

محمود طرازی، سردار ۴۷۸، ۵۰۵

محمودہ بیگم ۳۱۱

محی الدین، مولوی ۵۴۴

محی الدین الکردی ۲۸۷

محی الدین قصوری	۶۳۴
مختار احمد شاہجہانپوری، حافظ سید	۱۸، ۳۳، ۱۱۷
مختار بیگم	۱۹۵
مدن موہن مالویہ، پنڈت	۶۱۲، ۶۱۴، ۶۱۷، ۶۳۵
مراری لال	۴۹۷
مرتضی حسن دربھنگوی	۲۷۸
مرسل شفیق	۲۵۲
مرید احمد، میر	۳۳۴
مسعود احمد، سید میر	۴۲۰، ۶۳۲
مسولینی، ڈکٹیٹر۔ اٹلی	۴۴۵
مشتاق احمد	۱۸۳
مشتاق احمد باجوہ	۱۵۱، ۳۰۰
مشتاق حسین، شیخ۔ گوجرانوالہ	۳۳۴
مشتاق حسین، نواب مولوی	۴۹۰
مصباح الدین، سردار	۱۴۸
مصطفی، شیخ	۵۰۳
مصطفی احمد خاں، نواب میاں	۱۷۵
مصطفی المراغی	۲۸۸، ۲۹۰
مصطفی دلیل	۲۵۲
مطیع الرحمان بنگالی، صوفی	۲۵۱، ۲۵۲
مظفر احمد مرزا	۱۵۰
مظفر الدین بنگالی، چوہدری	۱۳۷
مظفر خاں	۳۶۲
معراج دین عمر، میاں	۱۶۱، ۱۷۵

معین الدین، حافظ	۲۲۴
مقبول احمد قریشی	۲۷۱
ملائم خاں۔ علادل پور	۳۷۳
ملتان خاں۔ علادل پور	۳۷۳
ملکہ جان	۱۹۵
ممتاز احمد فاروقی	۲۳۱
ممتاز بیگم	۳۶۲
ممتاز علی، مولوی	۳۸۰، ۵۷۵
ممتاز علی خاں	۳۶۱
منٹو، لارڈ	۲۰۱
منشی خاں	۳۶۲
منصور احمد، مولوی۔ انڈونیشیا	۵۴۴
منظور احمد بھیروی، ڈاکٹر	۳۳۴
منظور علی	۱۶۹
منظور محمد، پیر	۲۲۷، ۲۴۰
منور احمد، مرزا	۲۱۲، ۳۳۴
منور احمد، مرزا۔ مجاہد امریکہ	۲۵۲
منیر احمد، مرزا	۲۱۲
منیر احمد رشید	۲۷۵
منیر الحصنی، السید	۵۲۵، ۵۲۸، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۸۶
مولا بخش بھٹی سیالکوٹ	۱۶۱
مونجے، ڈاکٹر	۶۱۴
مہاراجہ صاحب محمود آباد	۶۲۵
مہتاب بیگ، مرزا	۳۵۷، ۵۵۵

مہدی، چیف ۲۶۸،۲۶۹

مہدی حسین، سید میر ۳۵۸،۴۷۲

میاں، خواجہ ۵۵۳

میاں محمد، مولانا سید ۲۳۶

میاں محمد، شیخ۔ غیر مبائع ۱۲۷،۲۲۹

میکلیگن ۶۱۰

میلکم ہیلی، سر ۵۹۸

مینگلی، ڈاکٹر ۴۳۷

ن

نادر علی، مولوی ۶۳۳

نارمن ونسنٹ پیل ۲۵۳

ناصر احمد، صاحبزادہ مرزا۔ خلیفۃ المسیح الثالث ۱۵۰، ۲۰۵،۳۱۱

ناصر الدین ۱۸۳

ناصر شاہ، سید ۱۱۶،۵۵۷

ناصر علی ایڈووکیٹ، مرزا۔ فیروز پور ۵۷۵

ناصر علی تمیم، میاں ۱۸۴

ناصر نواب، سید میر ۹،۱۴،۳۸،۵۸،۸۴، ۱۰۵،۲۱۹،۲۲۷،۲۳۲،۲۸۴،۴۶۵،۴۸۹،۵۸۴

نانک، بابا ۶۸،۳۳۸

نتھو خاں ۳۶۲

نجم الدین، میاں ۱۸۶

نذر حسین، سردار ۳۲۰

نذیر احمد ۱۸۳

نذیر احمد، چوہدری ۲۳۱،۲۷۵

نذیر احمد، ڈاکٹر ۵۸۷

نذیر احمد چغتائی، ماسٹر ۴۸۷

نذیر احمد خاں ایڈووکیٹ، چوہدری۔ جے پور ۳۵۱، ۳۷۰،۳۷۱،۳۷۸،۳۸۲تا۳۸۴

نذیر احمد طالب پوری ۳۳۴

نذیر احمد علی، مولانا ۲۷۴،۴۸۷

نذیر احمد مبشر سیالکوٹی ۲۷۴،۲۷۵،۳۱۸

نذیر خاں، ماسٹر ۲۴۰

نصر اللہ خاں، چوہدری ۱۴۶، ۲۱۷،۳۳۴،۴۳۱،۵۷۰

نصرت جہاں بیگم، حضرت سیدہ ۱۴تا۱۷، ۱۰۵،۱۵۴،۱۷۵،۱۸۶،۱۹۵،۲۰۵،۲۳۹،۳۰۳، ۳۹۸،۴۱۲،۴۳۳،۵۵۱

نصیر احمد، مرزا ۶۳

نصیر الدین احمد، شیخ ۲۷۱

نصیر الدین خاں ۳۶۲

نظام الدین اولیاء ۵۸،۱۹۹

نظام الدین، مولوی ۵۵۰

نعمت اللہ خاں، مولوی ۴۴۹،۴۵۱، ۴۷۶تا۴۷۸، ۴۸۰تا۴۸۲،۴۸۴،۴۸۵،۴۸۷،۴۹۵، ۵۰۴،۵۰۸تا۵۱۰،۵۱۴

نعمت اللہ ولی ۴،۲۶

نکلسن، پروفیسر ۵۰۸

نواب خاں ۳۸۴
نواس آئینگر، سری ۶۱۴
نور احمد، ڈاکٹر ۳۵۱
نور احمد، شیخ ۱۲۰
نور احمد منیر، شیخ ۲۹۰، ۳۲۰، ۵۲۹، ۵۳۰
نور الاسلام ۲۵۲
نور الحق، مولوی ۶۰۲
نور الحق انور، مولوی ۲۵۲
نور الدین، حضرت حکیم مولانا ۱۸، ۳۸، ۴۰، ۵۱، ۵۳، ۵۴، ۵۷، ۵۹، ۶۱، ۶۲، ۶۶، ۷۵، ۷۶، ۸۲، ۹۳ تا ۹۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۳۰، ۱۳۴، ۱۴۱، ۱۶۲، ۲۳۳، ۶۱۰
نور خاں ۳۵۳
نور علی، قاری ۵۰۸، ۵۸۴
نور محمد، حافظ۔ فیض اللہ چک ۱۱۶
نور محمد، قاضی ۳۲، ۵۵۶
نور محمد خاں ۳۶۲
نور محمد نسیم سیفی (رئیس تبلیغ) ۲۷۱، ۵۶۶
نور محمد نوردیا، ماسٹر ۱۶۹ تا ۱۷۱
نیاز علی، شیخ ۴۱۸
نیاز محمد، مسٹر ۶۰۲
نیاز محمد، شیخ ۴۸۷
نیاز محمد، ملک ۷۳
نیاز محمد خاں۔ جے پور ۳۵۱
نیک محمد خاں غزنوی ۱۰۰، ۴۷۸، ۵۰۵، ۵۵۴

و، ہ، ی

واحد حسین، گیانی ۳۰۰، ۳۱۶
واگ لیری ۲۵۲
والٹر، مسٹر ۱۸۸
والٹر واش، ڈاکٹر ۴۵۳
وائٹ بریخٹ، پادری ۶۸
وچارانند، سوامی ۳۲۹
وڈ، پادری ۸۱
وزارت حسین، مولوی سید۔ مونگیر ۴۹۷
وسیم احمد، مرزا ۶۳۲
وکٹر برنیفورڈ ۴۹۸
ولی کریم ۲۵۲
ولی محمد، چوہدری ۱۸۲
ولیم دی کنکرر ۴۲۸، ۴۳۴، ۴۵۴
ولیم سمپسن، سر ۶۰۹
ولیم سن، پروفیسر ایس جی ۲۷۶، ۳۱۸
ولیم لافنس ہیر ۴۲۲
ویلز، ایچ جی ۵۰۸
ویلز، شہزادہ ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۵
ہاجرہ صاحبہ ۶۳۱
ہادی علی خاں ۳۵۶، ۳۵۷
ہارون الرشید ۱۸۲
ہاشم علی، منشی ۵۵۰

ہاڈلز، بشپ ۲۷۲

ہدایت اللہ خاں، شہزادہ ۵۰۶

ہربرٹ، ڈاکٹر ۱۵۳

ہنری کار، مسٹر ۳۱۷

ہنری مارٹن کلارک، ڈاکٹر ۳۰، ۴۵۱

ہیوم، مسٹر ۱۸۸

یار محمد پلیڈر، قاضی ۳۲

حضرت یعقوب علیہ السلام ۴۴۱

یعقوب طالع، الحاج ۲۷۶

یعقوب علی عرفانی، شیخ ۱۳، ۱۶، ۱۹، ۳۲، ۷۷، ۸۳، ۹۸، ۱۹۰، ۱۹۸، ۲۲۷، ۳۰۷، ۳۱۹، ۳۵۷، ۳۸۵، ۳۹۹، ۴۱۶، ۴۲۵، ۴۳۵، ۴۴۷، ۴۹۹، ۵۰۱، ۵۰۵، ۵۵۶، ۶۱۷، ۶۳۵

ینکسن، پادری ۸۷

ینگ ہسبنڈ، کرنل ۴۴۷، ۴۹۸

حضرت یوسف علیہ السلام ۴۴۱

یوسف سلیمان، ڈاکٹر ۱۹۶

یوسف علی بی اے، شیخ ۱۳۷، ۱۸۱، ۱۸۲، ۲۰۴، ۳۵۱، ۳۵۴ تا ۳۵۶

یونس احمد ۳۸۵

یحیٰی بن عقب شامی، امام ۴

یحیٰی خاں ۵۵۸، ۵۵۹

☆ ☆ ☆

مقامات

آ۔ا

آڈمیر ۱۷۶
آسٹریلیا ۱۷۶، ۳۹۵
آسٹریا ۱۵۶
آسنور (کشمیر) ۲۸۴
آکسفورڈ ۱۵۲، ۱۹۴
آگرہ ۱۶۲، ۳۲۶، ۳۲۸، ۳۵۳ ت ۳۶۰
۳۷۲، ۳۸۶، ۳۹۳، ۴۳۵، ۴۳۴، ۴۶۲، ۵۰۲
آنور ۳۵۶، ۳۸۴
اباداں ۲۷۳
اٹاوہ ۳۲۶، ۳۵۵، ۳۵۷، ۴۹۷
اٹلی ۴۴۵، ۴۵۹، ۴۹۳
اجمیر شریف ۱۹۹
اجنالہ ۱۹۶
احمد آباد ۱۸۵، ۲۲۰
احمد پور ۶۳۷
اچھنیرہ ۳۵۲، ۴۶۳
اواما ۵۸۷
ادیس آبابا ۵۸۷
ارتھک ۴، ۴۷
اردن ۵۲۹، ۵۸۷
اڑیسہ ۵۷۱
اسباتفری ۵۸۷
اسپار ۳۸۲
استھونیا ۴۶۰
اسرائیل ۵۲۹
اسکندریا ۵۲۲، ۵۲۸
اسلام آباد (کشمیر) ۳۸۴
اسمٰعیلہ ۴۱۳
اسہار ۳۸۵
اسیام ۲۷۴
افریقہ ۲، ۲۲۳، ۲۶۸، ۲۷۳، ۲۷۷، ۲۹۴، ۳۰۹
۳۱۶، ۳۱۷، ۳۸۴، ۳۹۵، ۴۵۰، ۵۳۳، ۵۴۵، ۶۰۸
افغانستان ۳۹۵، ۴۰۳، ۴۷۱، ۴۷۶،
۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۶
اکبر پور ۴۱۸
اکرافول ۲۶۸، ۲۶۹
اکرن ۳۵۴، ۳۵۵، ۴۶۲
البانیہ ۲۸۸، ۴۵۹، ۴۶۰
السس ۲۸۳

الور ۳۲۸،۶۲۷

الہ آباد ۲۵۷

ام الفحم ۵۲۸،۵۸۷

امرتسر ۹،۵۳،۵۸،۶۷،۶۹،۹۰،۱۹۶،۱۹۸،۲۲۰
۲۲۳،۲۵۳ تا ۲۵۵،۳۱۲،۴۳۴،۴۶۳،۵۳۴ تا ۵۳۶

امریکہ ۲،۱۶۳،۲۴۹،۲۵۰،۲۵۲،۲۵۳،۲۹۴،
۲۹۶،۳۰۹،۳۸۴،۳۹۵،۳۹۸،۴۴۴،
۴۵۰،۴۷۰،۵۳۳،۵۴۵،۶۰۸

انبالہ ۳۲۰،۴۶۳

انڈونیشیا ۲۲۳،۳۰۹،۵۴۲ تا ۵۴۵،۵۸۸

انڈیاناپولس ۲۵۲

انطاکیہ ۵۳۲

انگلستان ۲،۱۲۰،۱۲۱،۱۴۸،۱۵۰ تا ۱۵۳،۱۵۶،۲۱۲،
۲۳۴ تا ۲۳۶،۲۵۰،۳۹۵،۴۱۲،۴۲۲،۴۲۴،
۴۲۸،۴۳۴،۴۴۶ تا ۴۶۱،۵۶۳ تا ۵۶۵،
۵۸۵،۶۰۹،۶۱۱،۶۲۹

اودھم پور (کشمیر) ۴۱۳

اہرانہ ۲۳۳

ایٹہ ۳۲۶،۳۵۴ تا ۳۵۷،۳۶۰

ایران ۲،۱۵۹،۳۹۵،۴۰۴،۴۴۴،۴۷۱ تا ۴۷۳

ب

باٹھی ۳۵۶

بالٹی مور ۲۵۲

بانڈونگ ۵۴۳

بانکی پور ۴۹۷

بٹالہ ۶۹،۷۳،۸۷،۲۳۳،۲۴۱،۲۷۸،
۲۷۹،۳۶۰،۴۳۴،۴۶۲،۴۶۳،۵۷۲

بٹاویہ ۵۴۰

بٹاوی ۵۳۹

بحرین ۵۳۲

بخارا ۴۰۴،۴۷۱،۴۷۳ تا ۴۷۵

بدایون ۳۲۶

بدوملہی ۵۵۱

برائٹن ۱۵۲،۴۵۰

برجا ۵۲۸،۵۸۷

برزبن ۲۳۹

برلن ۳۹۸،۴۱۱،۴۲۶،۴۷۰

برمنگھم ۱۵۲

برنڈزی ۴۴۴،۴۴۵

برون ۳۵۷

بریڈفورڈ ۱۵۲

بریلی ۴۳۴

بسرواں ۶۳۳

بسی ۴۶۳

بصرہ ۴۷۵

بغداد ۲۶۱،۴۷۵،۵۲۷

بلوچستان ۱۵۸،۶۱۵

بلیک برن ۱۵۲

بمبئی ۴۷، ۱۶۲، ۱۹۸، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۲۴، ۲۸۷، ۳۲۸، ۴۲۰، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۹۳، ۵۵۹، ۶۰۱

بموری ۳۸۶

بنارس ۳۸۲

بنگال ۱۶۶، ۲۰۲، ۲۰۳، ۳۰۰، ۳۸۴، ۴۲۰، ۵۵۷، ۵۷۰، ۵۷۱، ۶۳۲

بنگہ ۷۳، ۷۴، ۱۶۵، ۱۹۶

بوپارہ ۳۷۱

بوجنگ ۵۴۳

بوریو ۵۸۸

بوسٹن ۲۵۲

بوکیت ۵۴۳

بوگور ۵۳۹

بونی جایا ۵۴۳

بہار ۱۹۳، ۴۲۰، ۵۷۱

بہہ ۴۴۴

بہرواکرتو ۵۴۰

بیاس ۴۳۴، ۴۶۳

بیرن بین ۱۷۶

بیروت ۴۴۴، ۵۲۷

بیری ۳۵۶، ۴۱۸

بیسان ۵۸۷

بیگووال ۷۳

بھائی ۳۵۶

بھڈیار ۲۳۳

بھرت پور ۳۲۶، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۷، ۳۸۴، ۴۱۴

بھریا ۲۳۳

بھڑا ۳۵۳

بھمبلہ ۲۰۶

بھنگالہ ۲۳۳

بھوپال ۱۵۸، ۱۶۱، ۴۳۵، ۴۹۲

بھوپت پور ۳۵۶، ۳۵۷

بھونگاؤں ۳۸۶، ۴۱۳

بھیرہ ۴۷۰، ۴۷۱، ۵۸۴

پ-ت-ٹ

پابووارن ۵۴۳

پاکپتن ۲۳۳

پانی پت ۱۰۳، ۱۹۵

پائی ۱۷۲

پٹس برگ ۲۵۲

پٹنی ۱۴۸، ۱۵۰، ۴۵۵

پٹی ۵۷۲

پٹیالہ ۱۹۵، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۲۷، ۳۶۷، ۴۶۳

پرتھ ۱۷۶

پرشین ۱۵۲

پرکھم ۳۵۶، ۳۸۲، ۳۸۶

پشاور ۱۴۵، ۱۶۵، ۳۱۱، ۵۷۳

پکن بارو ۵۴۳
پکیواں ۲۰۶
پنجاب ۲۰۱،۲۰۳،۲۰۵،۲۲۲،۲۹۹،۳۰۰، ۳۸۴،۴۰۰،۴۲۰،۵۵۸،۶۱۷
پورٹ بلیر ۱۸۶
پورٹ سعید ۴۳۸،۴۴۰،۴۴۴،۴۴۵
پورٹ لوئیس ۱۷۰
پیرس ۴۴۶،۴۷۰
پینگلاں ۵۴۳
پھگوازہ ۷۳،۴۳۴
تابنگ تنگی ۵۴۳
تا پک توان ۵۳۸ تا ۵۴۰
تاسملایا ۵۳۹،۵۴۰،۵۴۳
تاشقند ۴۷۴
تانگ ۵۴۳
ترشیجا ۵۸۷
ترکستان ۳۹۵،۴۷۴
ترکی ۱۵۶،۱۵۸،۲۲۲،۲۳۶،۲۳۷، ۲۵۷،۲۶۳،۲۸۳،۴۵۹،۴۶۰
تروا ۳۲۶،۳۵۲
تریوے ۱۲۷
تسی ۳۵۵
تلونڈی راہوالی ۲۳۳
تجرانگ ۵۴۳
تجونگ بالائی ۵۴۳
تولجنگ ۵۴۳
تہران ۲۴۹،۴۷۱،۴۷۲،۴۷۵
تیراہ ۳۵۶،۶۲۵
تینگی ڈوکو ۵۴۳
تھریس ۲۸۳
ٹانگانیکا ۳۰۹

ج۔چ

جاپان ۲،۲۹۶،۴۵۹،۴۶۰،۵۸۹
جاکرتا ۵۴۳
جالندھر ۲۳۳،۲۹۲،۴۳۴،۴۶۳،۵۵۱
جاوا ۲،۲۹۸،۵۳۷،۵۳۹ تا ۵۴۱، ۵۴۳،۵۸۸ تا ۵۹۰
جدہ ۴۳۹،۵۲۰
جرمنی ۱۵۶،۱۵۷،۲۱۱،۲۳۶،۲۳۷،۳۹۵، ۳۹۹،۴۰۰،۴۱۱،۴۱۲،۴۵۹،۴۶۰
جلال آباد ۴۱۴
جلالپور جٹاں ۴۱۲
جمال پور ۳۲۶
جموں ۲۳۳،۳۲۹
جوڑہ ۲۳۳
جوگجاکرتا ۵۴۳
جھوڑا ۳۷۱
جہانگیر پورہ ۳۱۱

جہلم ۲۶۵
جے پور ۳۲۶،۳۵۱
جیسور ۳۲۶
جیج ۵۸۷
جھانسی ۴۳۵
چارلی گنج ۳۷۴
چاوا ۴۶۳
چبانچور ۵۴۳
چپو ۵۳۹
چپارائے ۵۴۳
چٹاگانگ ۱۸۷
چری بون ۵۴۳
چساعت ۵۴۳
چشمہ اچھابل ۲۸۴
چشمہ ویری ناگ ۲۸۴
چکالونگ ۵۴۳
چک منگلا ۳۰۹
چکوال ۹۳
چنیوٹ ۲۶۵
چہارنگ ۵۴۳
چیسالاڈا ۵۴۳
چین ۲،۲۹۶
چھڑمنو ۳۵۷

ح ـ خ

حاجی پورہ ۷۳،۴۶۳
حبشہ ۲۶۷،۵۳۲،۵۸۷
حجاز ۲۵۷،۲۸۳،۵۱۹تا۵۲۱،۵۴۶،۵۶۲
حماۃ ۵۲۷
حمص ۵۲۷
حیدرآباد (دکن) ۱۵۵،۱۵۷،۱۷۰،۴۳۵،۶۳۲
حیفا ۴۴۲،۴۴۴،۵۲۵،۵۲۷تا۵۲۹،
۵۳۱،۵۸۶،۵۸۷
خوجہ ۴۷۸
خیرپور ۳۳۴

د ـ ڈ ـ ذ

داناسگرا ۵۴۳
دریاگنج ۷۹
دری دوا ۵۸۷
دلاورچیمہ ۵۵۱
دمشق ۲۴۹،۴۲۷،۴۴۲تا۴۴۴،۵۲۳،۵۲۵،
۵۳۰،۵۴۸
دمیاط ۵۲۸
دوالمیال ۲۲۷،۲۳۳
دوجووال ۲۳۴
دوراہا ۴۶۳
دھاریوال ۴۱۳
دھروی ۳۷۱

دھرم سالہ ۲۵۹
دہلی ۹، ۵۸، ۷۸، ۷۹، ۱۰۵، ۱۲۰، ۱۷۸، ۱۸۶، ۱۹۰، ۱۹۵، ۲۰۲، ۲۲۰، ۲۹۲، ۲۳۴، ۲۴۱، ۳۱۲، ۳۲۶، ۳۲۹، ۳۸۶، ۳۹۰، ۴۱۸، ۴۳۴، ۴۶۳، ۵۵۱
دھومڑی ۳۵۷
ڈلہوزی ۸۷، ۱۳۵، ۲۰۸، ۵۵۸
ڈلہ ۳۶۸
ڈنمارک ۵۵۰
ڈوکو ۵۳۹
ڈوگری ۲۶۵
ڈوور ۴۴۶
ڈھاکہ ۲۳۸
ڈیٹرائٹ ۲۵۱، ۲۵۲
ڈیرہ غازی خان ۱۲۰، ۱۸۷، ۲۳۳
ڈیرہ دون ۶۳۳
ڈیریانوالہ ۲۲۴
ڈہلیہ ۳۷۳

ر۔ز

راجپورہ ۱۹۹، ۴۶۳
راس البر ۵۲۸
رام پور ۳۷۱، ۴۹۲
راولپنڈی ۲۶۲
راہوں ۷۴، ۲۳۳
ربوہ ۳۰۹، ۵۹۲
رڑکی ۴۵
رملہ ۵۸۷
رنگون ۵۵۱
روزہل ۱۷۱، ۱۷۲
روس ۱۵۶، ۱۹۷، ۲۳۶، ۴۰۳
روما ۴۴۵، ۴۴۶
زاویہ ۲۷۰
زیکوسلواکیہ ۴۵۹

س۔ش

سالٹ پانڈ ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۷۵
سارچور ۲۳۳، ۲۶۵
سانڈھن ۳۸۶، ۳۹۴، ۴۶۲
ساؤتھ آل ۱۵۲
ساؤتھ فیلڈز ۴۵۹، ۴۶۰
سپین ۵۷۳
سُہیالی ۵۷۲
سرائے نورنگ ۵۵۴
سرحد ۴۹۳، ۶۱۵
سرگودھا ۱۹۶، ۲۲۷، ۲۳۳
سرویا ۱۵۶، ۴۵۹
سرہند ۴۶۳
سرینگر ۲۸۴
سٹروعہ ۱۸۷

سکندرآباد ۲۸۷، ۴۳۵
سکندرراؤ ۱۰۵
سکنڈری ۲۶۸
سماٹرا ۲، ۴۱۲، ۵۳۷، ۵۳۹ تا ۵۴۳، ۵۸۸، ۵۸۹
سمح ۵۸۷
سمرقند ۴۰۴
سمرنا ۲۸۳
سندھ ۱۸۵، ۶۱۵
سنگاپور ۴۷۰
سنور ۱۹۹، ۲۰۵
سوڈان ۵۳۲
سورابایا ۵۴۰، ۵۴۳
سورت ۴۳۵
سورج پور ۳۹۳
سوکابومی ۵۴۳
سوکاتابی ۵۴۳
سنگاپرنا ۵۴۳
سونگھڑہ ۵۷۱
سوئٹزرلینڈ ۴۸۱
سہارنپور ۲۳۳، ۴۳۳
سیالکوٹ ۵۰، ۵۱، ۱۶۵، ۲۱۳، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۵۵، ۴۱۳، ۵۷۱
سی۔پی ۴۲۰
سیرالیون ۱۹۳، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۷۰، ۲۷۴، ۳۱۶
سیکھواں ۲۰۶، ۲۳۳
سیلون ۱۸۹
سینٹ پیٹر ۱۷۱، ۱۷۲
سینٹ لوئیس ۲۵۲
شادیوال ۱۹۸
شام ۲۵۷، ۳۹۵، ۴۳۸، ۴۵۰، ۵۲۲ تا ۵۲۵، ۵۳۰، ۵۳۲، ۵۴۳، ۵۴۸، ۵۴۹
شاہجہان پور ۱۱۷، ۱۲۰، ۲۳۴، ۳۲۶، ۴۳۴
شرشر ۵۸۷
شکاگو ۲۵۱، ۲۵۲، ۳۱۳، ۴۷۰
شملہ ۶۶، ۹۳، ۱۶۱، ۱۸۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۱۳، ۲۸۳، ۴۶۳، ۴۷۶، ۴۹۰، ۵۵۱، ۶۱۲، ۶۱۷، ۶۱۹ تا ۶۲۱، ۶۲۴
شکر ۱۹۶
شیموگہ ۲۲۴
شیخوپورہ ۵۵۱
شیروانی کوٹ ۴۷۸
شیفیلڈ ۱۵۲

ص

صالح نگر ۳۸۶، ۳۹۴، ۴۱۸
صرتح ۲۳۳
صفدر ۵۸۷
صوابی ۲۳۳

ط۔ظ

طائف ۵۲۰

طبریا ۵۸۷
طول کرم ۵۸۷
طیرہ ۵۲۷، ۵۸۷
ظفروال ۲۰۶

ع۔غ

عارہ ۵۲۸
عالم پورکوٹلہ ۲۶۵
عدن ۴۳۵، ۴۳۸، ۵۳۲
عراق ۲۵۷، ۴۵۰، ۵۲۲، ۵۲۹، ۵۳۲، ۵۶۲
عرب ۲، ۸۹، ۲۴۹، ۲۵۷، ۳۹۵، ۴۵۰، ۵۲۰
عشق آباد ۴۰۱، ۴۷۴
عکہ ۴۴۲، ۴۴۴، ۵۰۰، ۵۸۷
علادل پور ۳۷۳
علی پور ۲۳۳
علی گڑھ ۸۰، ۳۲۶ تا ۳۲۸، ۳۵۴، ۳۵۷، ۴۳۴
علی گنج ۳۷۱
عمان ۵۲۷
عین غزال ۵۸۷
عینو والی ۶۳۳
غوث گڑھ ۴۶۳

ف

فتح پور ۳۵۲
فتح گڑھ چوڑیاں ۲۱۳
فجی ۱۷۶
فرانس ۱۵۶، ۲۳۶، ۳۹۵، ۴۳۶، ۵۴۸
فرخ آباد ۳۲۶، ۳۸۵، ۳۹۳
فلاڈلفیا ۲۵۰، ۲۵۲
فلپائن ۲۹۸
فلسطین ۴۴۱، ۴۴۲، ۵۲۲، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۷ تا ۵۲۹، ۵۳۲، ۵۴۳
فن لینڈ ۴۵۹
فونکس ۱۶۹، ۱۷۲
فیروز پور ۷۹، ۹۹، ۲۶۵، ۴۱۳، ۴۶۳

ق

قادیان ۵۳، ۷۵، ۸۴، ۱۲۲، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۳۵، ۱۴۵، ۱۶۰، ۱۶۲، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۴، ۲۰۱، ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۶۵، ۲۷۸، ۲۸۵، ۳۱۱، ۴۰۵، ۴۶۳، ۵۷۱، ۶۰۴
قاہرہ ۶۸، ۲۴۹، ۲۸۷، ۴۴۰، ۴۴۱، ۵۲۸، ۵۳۰
قائم گنج ۳۵۷، ۴۳۴
قسطنطنیہ ۴۷۲
قصور ۷۹، ۵۷۴، ۵۷۶
قندھار ۴۹۳
قنوج ۳۵۷

ک۔گ

کابل ۴۴۹، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۸۲ تا ۴۸۷، ۴۹۳، ۵۰۸ تا ۵۱۲، ۵۸۰

کاٹھ گڑھ ۷۳،۷۴،۲۰۶
کاس گنج ۳۵۷،۳۶۰
کاکان ۴۰۴
کانپور ۹۱،۹۲
کانڈی ۱۸۶
کانگڑہ ۵۶
کانو ۲۷۰
کاہلواں ۴۳۱
کبابیر ۵۲۶تا۵۲۹،۵۳۱،۵۸۶،۵۸۷
کپورتھلہ ۷۹،۲۱۳،۲۳۳،۴۶۳
کٹک ۲۰۷،۲۱۳
کڈنگ ہالنگ ۵۴۳
کراچی ۲۳۳،۴۷۵
کرادنگ ۵۴۳
کرتارپور ۲۷۷
کرنال ۲۵۴
کریام ۷۴،۲۳۳
کشمیر ۷۹،۲۸۴،۳۲۹،۵۵۹
کفرلام ۵۸۷
کلاس والا ۲۰۶
کلکتہ ۲۳۳،۲۶۲،۴۹۹،۵۵۱،۵۷۳،۶۰۱
کلکٹن ۵۶۵
کلیولینڈ ۲۵۲
کماسی ۲۷۳

کمال ڈیرہ ۵۷۲
کنانور ۱۷۶
کوانیاٹا ۲۷۴
کوٹ رادھا کشن ۲۳۳
کولمبو ۱۷۰،۱۸۶،۶۳۲
کولوتارز ۱۹۶
کوہاٹ ۶۲۵
کوئٹہ ۱۳۵،۴۰۳
کویت ۵۳۲
قہفہ ۴۰۳
کیپ ٹاؤن ۲۷۴
کیپ کوسٹ ۲۶۸
کیلے ۴۴۶
کینس سٹی ۲۵۲
کینیا ۳۰۹
کھارا ۱۸۵
کھاریاں ۴۹۷
کھڑوائی ۳۸۶
کھیز ۱۸۷
گاروت ۵۴۰،۵۴۳
گاندھربل ۲۸۴
گجرات ۲۱۳،۲۲۰،۲۳۴،۵۵۱،۶۲۶
گڑھ شنکر ۱۹۶
گڑھی ۳۶۱،۳۷۱

گلاسگو ۱۵۲
گلانوالی ۴۹۷
گمبولا ۵۵۰
گوجرانوالہ ۹۳، ۱۸۷، ۲۱۳، ۲۲۰، ۲۳۳، ۵۵۱، ۵۷۲
گوجرہ ۲۳۳
گورداسپور ۵۰، ۱۰۴، ۱۶۵
گوروہرسہائے ۶۸
گوروکل کانگڑی ۳۱۶، ۳۲۹
گوکھوال ۲۳۳
گولڈکوسٹ (غانا) ۲۶۶، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۷۴ تا ۲۷۶، ۲۹۲، ۳۰۹
گوڈرنگ ۵۴۳
گوبیٹہ ۳۷۱
گھٹیالیاں ۳۰۹

ل

لاذقیہ ۵۲۷
لاوی مانگو ۵۴۳
لاہت ۵۴۳
لاہور ۸، ۵۰، ۶۹، ۷۹، ۸۱، ۸۲، ۹۰، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۷۶، ۱۸۰، ۱۸۶، ۲۱۳، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۸، ۲۳۳، ۲۵۳ تا ۲۵۵، ۲۷۷، ۲۸۵، ۲۹۵، ۳۱۲، ۳۱۳، ۴۱۳، ۴۹۰، ۴۹۲، ۴۹۴، ۵۳۷، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۸ تا ۵۸۰
لائبیریا ۲۰۴
لائلپور (فیصل آباد) ۲۲۰، ۲۲۷، ۲۳۳، ۴۱۳، ۵۷۲
لبنان ۲۴۹، ۵۳۰، ۵۳۲، ۵۴۸، ۵۸۷
لد ۵۸۷
لدھیانہ ۹، ۵۸، ۹۹، ۴۶۳، ۵۲۲
لکھنؤ ۱۶۹، ۲۲۷، ۳۲۷، ۴۹۲، ۵۳۷، ۵۹۲
لنگڑوعہ ۷۴
لندن ۱۴۷ تا ۱۵۳، ۱۶۲، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۵۳، ۲۵۹، ۲۶۸، ۲۷۰، ۳۰۹، ۳۹۸، ۴۱۱ تا ۴۲۳، ۴۲۷، ۴۴۶ تا ۴۶۱، ۴۶۸، ۴۷۰، ۴۷۸، ۵۵۰، ۵۶۲ تا ۵۶۴، ۶۰۴
لنکا ۵۵۰
لودھراں ۲۳۳
لودھی ننگل ۹۳
لورین ۲۸۳
لوہارو ۱۵۸
لہوسوکن ۵۴۰
لیبیا ۲۸۹
لیتھونیا ۴۵۹
لیڈز ۱۵۲
لیگوس ۲۶۹ تا ۲۷۲

م

ماچھیواڑہ ۲۱۳
ماریشس ۱۶۹ تا ۱۷۲، ۲۶۵، ۳۰۹
ماسکو ۴۷۴، ۴۷۵

مالابار ۱۶۶،۱۷۶،۴۳۵،۶۳۲
مالیرکوٹلہ ۱۸۶،۱۹۵،۲۷۷،۲۸۵،۴۶۳
مانچسٹر ۱۵۲
مانس پور ۵۴۳
مانگٹ اونچے ۱۶۵،۲۳۳
ماہل پور ۲۳۳،۵۷۲
ماؤنٹ گراوٹ ۲۳۹
متھرا ۳۲۶،۳۵۵تا۳۵۷،۳۸۴،۳۸۶،۴۳۴
مجھولہ ۳۷۱
محلانوالہ ۲۳۳
محمدآباد ۱۸۵،۳۵۷
محمودآباد ۱۸۵
مدراس ۱۷۰،۳۰۲،۴۲۰،۶۰۱،۶۳۲
مڈغاسکر ۱۷۲
مردان ۲۳۳
مشہد ۴۷۱
مصر ۸۹،۲۲۳،۲۳۶،۲۵۷،۲۸۶تا۲۹۱،۳۹۵،
۴۳۸،۴۴۰،۴۵۰،۴۵۹،۵۲۲،۵۲۹،
۵۳۲،۵۵۰،۵۶۳
مظفرگڑھ ۳۵۷
مظفرنگر ۳۵۴،۴۹۷
مکہ معظمہ ۲۲۹،۴۳۹،۵۲۰،۵۲۲
مکھوال ۶۳۳
ملتان ۳۱،۹۳،۲۳۳
ملکانہ (علاقہ) ۳۳۰،۴۳۳
ملواکی ۲۵۲
منٹیہ ۴۴۴
منصوری ۴۷۸
منگھوالی ۳۵۷
منماڑ ۴۳۵
موصل ۵۲۷
مونٹین بلانش ۱۷۲
مونگیر ۱۶۵،۱۹۳،۴۹۷
موہن پور ۴۱۴
مہیکہ ۳۷۱
میانی ۴۹۷
میڈان ۵۳۹،۵۴۰
میرٹھ ۴۹۱
مین پوری ۳۲۶،۳۵۴،۳۵۵،۳۸۶،۳۹۳،۴۶۲

ن

نابلس ۵۸۷
نابھہ ۲۶۵،۴۶۳
نادون ۵۵۱
ناصرآباد ۵۸۷
ناصرہ ۵۸۷
ناگپور ۴۳۷
نائیجیریا ۱۴۸،۱۹۳،۲۶۵،۲۶۶،۲۶۸تا۲۷۳،

۳۰۹، ۳۱۷

نجد ۵۲۰، ۵۲۱

ندوہ ۳۲۶، ۳۲۷

نگلہ گھنو ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۷۰ تا ۳۷۲

ننگل ۴۳۱

نواں شہر ۷۴

نواں کوٹ ۱۹۶، ۲۰۶

نوشہرہ ۳۱۲

نوگاؤں ۳۵۴، ۳۵۶

نیروبی ۲۹۴، ۴۱۲

نیکس ٹاؤن ۲۵۲

نیویارک ۲۵۱، ۲۵۲

و۔ہ۔ی

واحد پور ۴۱۸

واشنگٹن ۲۵۰، ۲۵۲

وزیرآباد ۹۳

ولیایسٹک ۲۵۲

وکٹوریہ ۴۳۵

ووکنگ ۱۴۷

وی آنا ۲۹۴

وینس ۴۶۱

ہاتھرس ۴۱۸

ہالینڈ ۱۵۷، ۳۰۹

ہانگ کانگ ۱۱۶

ہڈرزفیلڈ ۱۵۲

ہرات ۴۰۳

ہردوئی ۳۲۶

ہرر ۵۸۷

ہری پور ۸۶

حلال پور ۳۰۹

ہندوستان ۱۵۰، ۱۶۰، ۱۶۹، ۱۸۵، ۲۰۱، ۲۱۱، ۲۱۹، ۲۳۴ تا ۲۳۶، ۲۶۳، ۲۹۲، ۳۲۴، ۳۲۹، ۳۸۴، ۳۹۵، ۴۰۴، ۴۰۷، ۴۱۱، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۷، ۵۳۶، ۵۴۵، ۵۶۳، ۵۷۴، ۶۰۴، ۶۰۸، ۶۲۹

ہنزلی ۴۷۵

ہنگری ۴۵۹

ہوشیارپور ۲۱۳، ۴۶۳

یاڑی پورہ ۲۸۴

یافا ۵۸۷

یمن ۵۲۲

یوپی ۳۲۶، ۳۵۸، ۶۳۲

یورپ ۲، ۶۳، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۸، ۱۷۷، ۱۸۵، ۲۹۱، ۳۸۴، ۳۹۵، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۷، ۴۳۱، ۵۳۳، ۵۴۵، ۶۰۸

یوگنڈا ۳۰۹

یوگوسلاویہ ۱۵۱

☆ ☆ ☆

کتابیات

تفسیر

بیان القرآن ۲۳۰
تفسیر کبیر ۱۰۰،۱۰۵،۲۴۱،۲۴۲،۴۴۶،۵۰۶
جلالین ۲۶۹

حدیث

بخاری شریف ۵۴،۵۵
ریاض الصالحین ۵۶۵،۵۷۲
مسلم ۳۱۶
مشکوۃ ۹۸،۲۲۵

کتب حضرت مسیح موعودؑ

آئینہ کمالات اسلام ۲۶،۲۷،۱۰۱
احمدی اور غیر احمدی میں فرق ۵۴۳
ازالہ اوہام ۲۶،۱۰۱،۴۹۸
اسلامی اصول کی فلاسفی ۲۵۲،۲۹۱،۴۷۳،۴۹۴،۴۵۳
الاستفتاء ۵۲۹،۵۸۶
اشتہار تکمیل تبلیغ ۷
اشتہار دعوت حق ۵۲۸
اعجاز المسیح ۵۲۸
التبلیغ ۲۹۱
الوصیت ۵۸،۱۰۵،۱۲۸،۲۲۸،۲۳۰،۵۳۱،۵۴۳
الہدیٰ والتبصرۃ لمن یریٰ ۵۳۰،۵۳۱
انجام آتھم ۲۸،۱۰۱،۵۳۱،۵۸۶
انوار الاسلام ۲۳۲
ایک غلطی کا ازالہ ۵۴۳
براہین احمدیہ ۴۷۳،۴۹۸
پیغام صلح ۷۶
تبلیغ رسالت ۲۱۳
تجلیات الٰہیہ ۵۳۱
تحفہ بغداد ۵۳۰
تحفہ گولڑویہ ۴۵،۱۰۳
تریاق القلوب ۱۰۲،۵۰۳،۵۸۶،۵۹۳
تذکرہ ۱۰۲،۱۰۵،۲۴۱،۵۹۰
جنگ مقدس ۹
چشمہ معرفت ۱۰۶
حقیقت اسلام ۴۷۳
حقیقۃ الوحی ۶۵،۱۰۶،۵۴۲،۵۹۳
حمامۃ البشریٰ ۲۹۱،۴۹۸،۵۳۱،۵۸۶
خطبہ الہامیہ ۴۳
دافع البلاء ۲۳۰

درثمین ۱۴۰
درمکنون ۱۸۶
سبز اشتہار ۵، ۹۸
سراج منیر ۲۸، ۱۰۱
سر الخلافہ ۲۶
کشتی نوح ۵۴۳
گلدستہ بہار (انتخاب کلام فارسی وعربی) ۴۷۳
لجۃ النور ۵۳۱
لیکچر سیالکوٹ ۵۳۱، ۵۴۳
لیکچر لاہور ۴۹۸
محمود کی آمین ۲۹، ۱۰۱
مکتوبات احمدیہ ۱۹، ۴۷، ۱۰۰، ۵۳۱، ۵۸۶
ملفوظات جلد چہارم ۷
مواہب الرحمٰن ۴۷، ۱۰۳
نجم الہدیٰ ۵۳۰
نزول المسیح ۴۵، ۱۰۳

کتب خلفاء سلسلہ

آل پارٹیز کانفرنس پر ایک نظر ۵۳۵
آئینہ صداقت ۱۰۸ تا ۱۱۰، ۲۳۴، ۲۸۴
آپ مسلمانوں کیلئے کیا کر سکتے ہیں ۵۸۰، ۵۹۵
احمدیت یعنی حقیقی اسلام ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۹۹
اساس الاتحاد ۴۹۱، ۵۰۵
اسلام اور دیگر مذاہب ۱۹۰، ۵۳۱
اسلام اینڈ ڈیماکریسی ۲۵۲
اسلام کا اقتصادی نظام ۵۴۳
اسلام میں اختلافات کا آغاز ۲۱۷، ۲۴۷
اظہار حقیقت ۲۰۸
الازھار لذوات الخمار ۱۰۱، ۳۲۲
القول الفصل ۱۶۸
الکفر ملۃ واحدۃ ۵۳۲
الموعود ۱۰۲، ۱۰۸
الواح الہدیٰ ۳۱۴
انوار خلافت ۱۸۵، ۲۴۰
ایک عظیم الشان بشارت ۱۷۷
برکات خلافت ۱۰۶، ۱۶۴، ۱۶۵، ۲۴۴
پیارا رسول ۴۵۴، ۵۰۱
پیغام احمدیت ۴۷۳
پیغام مسیح ۱۷۵
تبلیغ حق ۱۰۲
تحفۃ الملوک ۱۵۵
تحفہ شہزادہ ویلز ۲۹۲، ۳۲۰
ترک موالات اور احکام اسلام ۲۴۷، ۲۶۱، ۳۱۵
تقدیر الٰہی ۱۰۶، ۲۲۳
تقریر دلپذیر ۵۹۵، ۶۳۵ تا ۶۳۷
ٹرکی کا مستقبل اور مسلمانوں کا فرض ۲۴۷
چشمہ توحید ۶۳، ۱۸۴
چند غلطیوں کا ازالہ ۱۷۴

حضرت مسیح موعودؑ کے کارنامے ۵۴۳
حق الیقین ۵۶۸
حقائق القرآن ۱۳۵
حقیقت الامر ۲۰۸
حقیقۃ الرؤیا ۱۰۲، ۲۰۵
حقیقۃ النبوۃ ۱۷۳، ۲۳۹
خلافت راشدہ ۹۸
دعوۃ الاحمدیہ وغرضہا ۵۳۲
دعوۃ الامیر ۴۹۲، ۵۰۵، ۵۴۳
ذکر الٰہی ۱۹۵، ۲۴۲
روح پرور خطاب ۱۰۵، ۲۳۲
زندہ مذہب ۱۹۹، ۲۴۴
سیر روحانی ۵۰۷
سیرت مسیح موعودؑ ۱۰۵، ۱۹۴، ۵۴۳
صادقوں کی روشنی کون دور کر سکتا ہے ۷۲، ۱۰۷
عرفان الٰہی ۲۱۹
کلام محمود ۴۹، ۴۹۹
کون ہے جو خدا کے کام روک سکے ۱۳۹، ۲۳۲
لیکچر شملہ ۶۳۴، ۶۳۵
محبت الٰہی ۶۴
مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت ۶۳۵، ۶۳۶
معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ ۲۵۷
ملائکۃ اللہ ۲۶۴
منصب خلافت ۱۳۶، ۱۴۳، ۲۳۲، ۲۳۴
منہاج الطالبین ۵۴۹، ۵۸۵، ۵۹۰
نجات ۱۹۰، ۳۱۱، ۳۱۹، ۳۲۰
نصائح مبلغین ۱۹۰
نظام آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر ۲۳۹
نظام نو ۵۳۱، ۵۴۳
نور الدین ۵۱
ہدایات زریں ۲۶۶، ۳۱۶، ۳۴۱، ۳۹۸
ہستی باری تعالیٰ ۱۰۱، ۲۸۴

کتب مصنفین سلسلہ

آپ بیتی (مفتی محمد صادق صاحب) ۳۱۳
آپ بیتی (مولوی ظہور حسین صاحب) ۴۷۴، ۵۰۳، ۵۷۲
آریہ پنتھ کا فوٹو ۴۱۳
آور موومنٹ ۲۷۱
آئینہ احمدیت ۵۵۱
اچھوت ادھار کی حقیقت یا ہندو اقتدار کے منصوبے ۳۰۰
اچھوتوں کی حالت زار ۳۰۰
اچھوتوں کی درد بھری کہانیاں ۳۰۰
احمد قادیانی ۲۷۲
احکام القرآن ۴۹۷
احمدیت پر ایک طائرانہ نظر ۵۴۴
احمدی جنتری ۱۹۷۳ء ۲۳۷

احمدیہ پاکٹ بک ۲۴۰
اسرار ارکان اسلام ۵۴۳
اسلام اور دنیا کے علوم کا منبع ۵۴۳
اسلام اور عیسائیت ۲۷۲
اسلام کا اجمالی خاکہ ۲۷۲
اسلام کا تعارف ۲۵۲
اسلام کا غلبہ ۳۱۸
اسلام میں جہاد ۵۴۳
اسئلہ و اجوبہ ۵۲۹، ۵۳۱
اسوۂ حسنہ ۵۷۲
اشاعت اسلام ۶۳۳
اشاعت اسلام اور ہماری ذمہ داریاں ۳۱۸
اصحاب احمد ۹۸، ۱۰۲ تا ۱۰۸، ۲۳۹، ۲۴۱، ۲۴۸، ۴۱۶
اعجب الاعاجیب فی نفی الاناجیل لموت المسیح علی الصلیب ۵۲۵
افضل الانبیاء ۴۷۳
البرہان الصریح فی ابطال الوہیۃ المسیح ۵۲۷
التاویل الصحیح لنزول المسیح ۵۳۱
التشریح الصحیح لالہامات المہدی و المسیح ۲۸۵
الحجۃ البالغۃ ۱۹۷
الحقائق عن الاحمدیہ ۵۲۳
الدین الحی الخالد ۵۲۸
الصلاۃ فی الاسلام ۲۹۱
القول المتین فی بیان معنی خاتم النبیین ۵۲۸

القول المحمود فی شان مصلح موعود ۱۹۶
الفاروق ۱۹۶
المسیح الاسرائیل اور صلیب ۵۴۳
المہدی ۲۲۷
النور المبین ۲۹۱
الواح الہدیٰ ۳۱۴، ۵۷۲
الہدیۃ السنیۃ لفئۃ المبشرۃ المسیحیہ ۵۲۷
انذاری پیشگوئی درباره مرزا احمد بیگ وغیرہ ۵۵۱
انقلاب عظیم کے متعلق انذار و بشارت ۲۳۵
انگریزی نماز ۱۶۶
بابا نانک کی سوانح عمری ۱۷۸، ۲۲۴
براہین العقائد ۲۲۴
برگزیدہ رسول غیروں میں مقبول ۴۹۷
بشارات رحمانیہ ۲۲۵، ۲۳۵
بشائر التوراۃ والانجیل فی حق سلیل سیدنا ابراہیم الخلیل ۲۹۱
بہائی مذہب کی حقیقت ۵۵۱
بائیبل کا یسوع ۵۴۴
پسر موعود ۱۶۵
پیشگوئی متعلقہ مصلح موعود ۵۴۴
تابعین اصحاب احمد ۲۲۵، ۵۸۶، ۵۹۴
تاثرات قادیان ۳۱۳، ۳۲۳، ۴۱۹
تاریخ احمدیت ۴۴، ۹۶، ۹۹، ۱۰۲، ۱۰۳ تا ۱۰۹، ۲۳۴، ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۴۳، ۲۴۴، ۴۲۰، ۴۸۹، ۵۵۴، ۵۸۶

تاریخ مالابار ۲۸۵،۲۳۹
تاریخ بیت الفضل لنڈن ۵۰۲،۴۹۸،۲۳۴،
۶۳۳،۵۹۴
تبدیلی عقائد مولوی محمد علی صاحب ۲۳۰
تبلیغ ہدایت ۳۲۰،۳۰۳
تحریک جدید ۵۹۰
تحریک جدید کے بیرونی مشن ۵۰۳
تحفہ مستریاں ۶۳۶
تحقیق الادیان ۲۸۷
ترجمۃ القرآن ۱۸۴
ترقی اسلام کی راہ ۵۴۴
تذکرۃ الذاکرین ۱۸۷
تذکرۃ المہدی ۲۸۵،۲۳۶،۱۸۷،۹۹
تصدیق المسیح ۵۴۴،۲۰۴
تعلیم الاسلام ہائی سکول اور اس کی کھیلیں ۴۱۹
تنویر الابصار ۲۲۴
تنویر الالباب لابطال دعوۃ البہاء والباب ۲۹۱
توضیح المرام فی الرد علی علماء حمص وطرابلس والشام ۵۲۷
جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات ۳۳۳،۳۲۲،
۶۳۵،۶۳۳،۶۰۸،۵۹۴،۴۱۸تا۴۱۶،۳۳۴
جماعت مبائعین کے عقائد صحیحہ ۲۲۴
جواہر الکلام ۲۹۱
جہاد ۵۴۴
حدوث روح و مادہ ۵۵۱
حق الیقین ۲۱۳
حقیقت ابنیت عیسیٰ علیہ السلام ۵۴۳
حقیقت اختلاف ۱۰۹
حقیقت بائیبل ۵۴۳
حکمت الصیام ۵۲۷
حیات احمد ۲۵۲
حیات المسیح ووفاتہ ۵۲۳
حیات النبیؐ ۱۸۷
حیات قدسی ۱۰۹
حیات ناصر ۶۳۳،۵۰۴
خلافت محمود ۱۶۶
درعدن ۵۰۰
دعوۃ عامۃ الی المناظرہ ۵۲۸
دلیل المسلمین فی الرد علی فتاوی المفتین ۵۲۷
دنیا کا آئندہ نظام ۵۴۳
دیوان اشرف ۱۰۱
ذکر حبیب ۱۰۴
رہنمائے تبلیغ ۴۱۸،۳۱۵
رسالۃ اخلاص الی کل مسیحی متدین ۵۲۸
روایات سروری (غیر مطبوعہ) ۲۳۲،۱۰۵،۱۰۴،۱۰۲
روایات صحابہ (غیر مطبوعہ) ۹۹تا۱۰۱،۱۰۵تا۱۰۷،
۲۳۸،۲۲۵
روئداد جلسہ جوبلی ۲۲۶

سلسلہ احمدیہ ۲۲۸، ۲۴۳ تا ۲۴۷، ۳۱۸،
۳۲۰، ۴۱۶ تا ۴۱۹، ۵۰۰، ۵۰۲، ۵۳۸، ۵۹۳

سیرت احمد ۱۰۰

سیرت المہدی ۹۸، ۴۱۰

سیرت النبیؐ ۵۴۳

سیرت ام المومنینؓ ۹۹، ۱۰۷

سیرت خاتم النبیینؐ ۲۶۰، ۳۱۵

سیرت سروری ۲۳۲

سیرت مسیح موعودؑ (مولانا عبدالکریم سیالکوٹی) ۹، ۹۹

سیرت مسیح موعودؑ (شیخ یعقوب علی عرفانی) ۱۰۲،
۱۰۴، ۴۹۷، ۶۳۳

شفاعت ارحم الراحمین ۵۴۴

شمائل احمد ۴۲۰

شمشیر براں ۴۷۳

شہید مرحوم کے چشم دید واقعات ۲۸۵

صداقت رسول کریمؐ از روئے بائبل ۵۴۳

صداقت حضرت مسیح موعودؑ ۵۴۳

صداقت مریمیہ ۱۸۷

ظہور المہدی ۱۶۶

عشرون دلیلاً علی بطلان لاہوت المسیح ۵۲۸

عین الضیاء ۵۲۸

فتح مبین ۲۴۳

فتنہ مستریاں ۶۳۶

فقہ احمدیہ ۴۱۳، ۴۹۷

فیصلہ حکم ۲۴۶

کارزار شدھی ۴۱۵ تا ۴۱۸، ۴۲۱، ۴۹۷

کشف الاختلاف ۱۰۷

کشف الغطاء عن وجہ شریعۃ البہاء ۵۳۱

کشف اللثام ۲۹۱

کفارہ ۵۴۴

کلام حسن ۲۴۱

کلمۃ الحق ۴۲۰

کلمۃ الفصل ۱۶۷

کلید کلام الامام ۲۲۹

کیا مسیح علیہ السلام زندہ ہیں ۳۱۹، ۳۲۰

قادیان ۳۱۸

قادیان گائیڈ ۲۴۰، ۲۴۴، ۲۴۶

قبر مسیح ۲۵۲

قبر مسیح اسرائیلی ۵۴۳

قتل مرتد اور اسلام ۵۹۱

قدرت ثانیہ ۱۶۷

قیامت ۵۴۴

لائف آف محمدؐ ۲۷۱

لائحہ عمل احمدیہ ۵۴۴

مباحثہ احمدیاں و غیر احمدیاں ۲۴۳

مباحثہ سرگودھا ۲۴۳

مباحثہ مصر ۲۸۸

مبائعین اور غیر مبائعین میں فرق ۵۴۴

محاکمہ آریہ سماج اور گاندھی ۴۱۵، ۴۹۷
محقق ۴۱۳
محمد اور یسوع ۲۷۲
محمدؐ رسول وخاتم النبیین ومفتی الدیار المصریہ ۵۳۱
محمد صلی اللہ علیہ وسلم از روئے بائیبل ۵۴۴
مرکز احمدیت قادیان ۱۰۱
مسئلہ کفر واسلام ۱۶۷، ۲۳۹
مشارکت۔تمدن اسلامیہ ۵۴۳
مشاہدات عرفانی ۶۳۳
مقدمۃ الہدیٰ والتبصرۃ لمن یری ۳۱۹
مکمل تردید ۵۴۴
نعت الہام وباب وبہاء ۴۷۳
وادی قمران کے صحیفے ۵۴۴
والد صاحب (عبدالرحیم درد صاحب کے والد) ۳۱۸
وکٹری فار خلافت ۲۳۹
وید شاستر اور اچھوت ادھار ۳۰۰
ویدوں کا سربستہ راز ۵۷۲
ویرز ڈ جیزس ڈائیڈ ۱۵۰
ہماری تحریک ۲۷۲
ہماری ہجرت اور قیام پاکستان ۶۳۵
ہندوراج کے منصوبے ۴۱۴

کتب غیر مبائعین

احمدی قوم کی خدمت میں اپیل ۲۲۸
القول الفصل کی ایک غلطی کا اظہار ۱۷۳
اندرونی اختلافات سلسلہ کے اسباب ۱۶۳، ۲۳۷
انکشاف حقیقت ۲۲۷
خلافت اسلامیہ ۱۳۱
دی سپلٹ ۲۸۴
سالانہ رپورٹ انجمن اشاعت اسلام لاہور ۲۲۶
عسل مصفی ۲۳۰
مجاہد کبیر ۲۲۹، ۲۳۲
مجدد اعظم ۲۲۹، ۲۳۰
مجدد کامل ۲۲۹

اسلامیات

اقامۃ البرھان علی نزول عیسیٰ فی آخر الزمان ۲۹۰
الاسلام عقیدۃ وشریعۃ ۳۲۰
الجہاد فی الاسلام ۵۹۴
الفتاویٰ ۲۹۹، ۳۱۹، ۳۲۰
النسخ فی الشریعۃ الاسلامیۃ کما افھمہ ۲۹۰
توجیہات الاسلام ۳۲۰
خلاصۃ الادیان وزبدۃ الادیان ۵۸۶

سیرت وتاریخ

انڈیا ونز فریڈم ۳۱۴
تاریخ اقوام عالم ۲۳۶، ۵۸۵
تاریخ ہند ۲۴۷
تاریخ ہند وپاک ۲۴۴

تبرکات آزاد ۶۳۵،۴۱۷،۴۱۵،۳۱۵

تحریک اسلامی ۳۱۵

ترکی کے آرمینیوں پر فرضی مظالم ۲۳۶

تذکرۂ حالی ۱۰۳

تقاریر مولانا ظفر علی خان ۳۱۵

تقسیم ہند ۳۱۴

حقیقت خلافت اور مسلمانوں کا فرض ۲۳۶

حیات شبلیؒ ۴۱۴،۳۲۵

حیات محمد علی جناح ۶۳۵،۴۲۰،۴۰۶،۳۱۵،۲۴۴

خطبات احرار ۴۱۹

خطبہ صدارت ۵۸۸،۵۰۵

دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ ۲۳۶،۱۵۷

ذکر اقبال ۲۳۶

سرگزشت ۵۹۵،۴۱۷،۳۸۰،۳۱۵

سوانح سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۳۱۵

سیرت محمد علی ۵۸۴،۴۱۴،۳۱۵

سیر قادیان ۵۰۵،۴۹۰

علماء حق کے کارنامے ۲۳۶

فتنہ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں ۴۱۸،۴۱۵،۴۱۴

مسلمانان ہند کی حیات سیاسی ۵۰۴،۳۱۵،۳۱۴

مسلمان مہارانا ۵۷۴

مشاہداتی فی سماء الشرق ۵۸۸

مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں ۳۱۵

میثاق لکھنو ۴۲۰

میری داستان ۵۹۳

ناقابل فراموش ۵۸۴

یادگار جنگ ۲۴۶

کتب مخالفین سلسلہ

ارمغان قادیان ۲۴۳

القول الصحیح ۵۴۴

قادیانی مذہب ۲۳۱

کتب اہل کتاب

احمدیہ ۲۷۵

احمدیہ موومنٹ ۲۴۱،۱۸۸

اعمال ۵۹۲

بائیبل ۱۴۶

بیروز لیکچرز ۳۱۳

دی ڈائجسٹ آف کسٹمری لاء ۱۷۹

سویلائزیشن آن ٹرائل ۲۳۵

طالمود ۴

کرائسٹ آر محمدؐ ۸۱۳

گیٹنگ میرڈ (جینون اسلام) ۲۳۵

ماڈرن ٹرنڈز ان اسلام ۲۳۱

محمڈن ازم ۵۴۵،۲۳۱

نشوء اللغۃ العربیۃ ونموھا واکتفاءھا ۲۲۸

ھفوات المسلمین ۵۶۹

ہندو سکھ لٹریچر

رنگیلا رسول ۵۹۶، ۵۹۸، ۶۰۰، ۶۰۶
ستیارتھ پرکاش ۳۶۸
ہندو دھرم اور اصلاحی تحریکیں ۳۸۸، ۴۱۸

بہائیت

الاقدس ۴۹۶، ۵۰۷

لغت، نحو۔ دائرۃ المعارف

اردو انسائیکلوپیڈیا ۴۰۸، ۵۰۴
انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۲۴۳
حدائق البلاغہ ۱۰۳
دروس نحویہ ۸۷

اخبارات و رسائل

اخبار آبزور۔ لنڈن ۴۳۰
اخبار آخر دقیقہ۔ دمشق ۵۳۳
اخبار آریہ پتر ۴۸۱
اخبار پترکا۔ بریلی ۳۷۷
رسالہ آواز مجلس انصار اللہ۔ انڈونیشیا ۵۴۴
رسالہ آواز مجلس ناصرات الاحمدیہ۔ انڈونیشیا ۵۴۴
اخبار آئین اسلام۔ ایران ۵۰۳
اخبار آئین برادری۔ ایران ۵۰۳
اخبار اتفاق۔ مدراس ۳۱۵
رسالہ احمدی۔ کلکتہ ۵۵۱، ۵۵۷، ۵۹۴
اخبار احمدیہ گزٹ۔ انڈونیشیا ۵۴۴
اخبار احمدیہ گزٹ۔ قادیان ۵۵۷
اخبار اخوت۔ لکھنو ۲۱۷
رسالہ الاسلام۔ انڈونیشیا ۵۳۹، ۵۴۴
اخبار اصلاحات ایران۔ ایران ۵۰۳
رسالہ اقبال۔ پاڈانگ۔ انڈونیشیا ۵۳۸
رسالہ الاسلام۔ لنڈن ۱۵۰
اخبار البدر۔ قادیان ۱۵، ۱۰۵
رسالہ البشارۃ الاسلامیہ الاحمدیہ۔ فلسطین ۲۸۸، ۵۲۸
رسالہ البشریٰ۔ فلسطین ۲۸۸، ۳۲۰، ۵۲۸، ۵۲۹،
۵۳۱، ۵۸۷، ۵۸۸
رسالہ البشریٰ۔ انگریزی۔ قادیان ۳۱۱
اخبار البشیر۔ اٹاوہ ۵۳۶
رسالہ التمدن الاسلامی۔ دمشق ۵۳۲
اخبار الجزیرہ۔ عمان۔ اردن ۵۳۳
رسالہ الجمعیہ۔ دہلی ۱۷۸، ۲۲۹
اخبار الحکم۔ قادیان ۷۹، ۱۰۱، ۱۰۵، ۲۴۳، ۲۵۰، ۳۱۸،
۳۲۲، ۴۱۹، ۴۲۰، ۵۹۰
اخبار الرسالہ والروایۃ۔ مصر ۳۱۹
رسالہ الصراط المستقیم۔ بغداد ۵۳۳
رسالہ العرفان۔ لبنان ۵۳۲
اخبار الفتح۔ قاہرہ ۲۹۰، ۳۲۰
رسالہ الفرقان۔ ربوہ ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۴۰، ۳۱۴، ۳۲۰،
۵۰۷، ۵۸۷، ۵۹۲، ۵۹۴
اخبار الفضل۔ قادیان ۹۰، ۹۹ تا ۱۰۲، ۱۰۵، ۱۳۶،
۲۲۵ تا ۲۲۸، ۳۱۳ تا ۳۲۳، ۴۱۵ تا ۴۲۱،

۴۴۵، ۴۹۸، ۵۰۵تا۵۰۷، ۵۸۴تا۵۹۴
اخبارالمصلح۔کراچی ۲۴۰
اخبارالمقطم۔قاہرہ ۵۰۰
رسالہ الہدیٰ۔انڈونیشیا ۵۴۴
اخبارالہلال۔کلکتہ ۱۳۳
اخبارامان افغان۔کابل ۵۸۴
اخبارانڈین ڈیلی میل۔بمبئی ۵۰۳
رسالہ انصاراللہ۔ربوہ ۳۱۳
اخبارانقلاب۔لاہور ۵۰۶، ۶۰۸، ۶۳۴
اخبارانوارالاسلام۔لکھنؤ ۵۰۷
اخباراودھ۔لکھنؤ ۴۸۳
اخباراہلحدیث۔امرتسر ۱۳۴، ۲۰۷، ۲۶۲، ۵۱۳، ۵۳۴، ۵۸۴، ۵۸۸
اخباراہل سنت۔امرتسر ۳۹۳، ۴۱۹
اخبارایجپشین گزٹ۔اسکندریہ ۲۳۵
اخبارایسٹ اینڈ ویسٹ۔لنڈن ۱۸۵
اخبارایوننگ بلیٹین۔امریکہ ۲۵۰
رسالہ بالیبات۔انڈونیشیا ۵۴۴
اخباربیپٹسٹ ٹائمز۔لنڈن ۵۶۵
اخباربدر۔قادیان ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۹، ۲۳۳، ۵۹۰
اخباربندے ماترم۔لاہور ۵۷۶، ۶۲۳
اخباربنگالی۔کلکتہ ۴۸۰
اخبارپایونیر۔کلکتہ ۷۶، ۲۳۵
اخبارپبلک ریکارڈ۔امریکہ ۲۵۰
اخبارپبلک لیجر۔امریکہ ۲۵۰
اخبارپرتاپ۔لاہور ۳۷۹، ۳۹۴، ۴۱۴، ۴۱۹، ۵۷۶، ۵۹۴
اخبارپرکاش۔لاہور ۴۷۷، ۵۱۴
رسالہ پنوجوک جاکن۔انڈونیشیا ۵۴۴
رسالہ پنوراما۔پاکستان ۲۵۳، ۳۱۳
اخبارپیسہ۔لاہور ۹۷، ۱۰۴، ۲۲۸، ۳۲۳، ۳۸۵، ۴۱۴، ۴۸۱
اخبارپیغام صلح۔لاہور ۱۷۶، ۱۳۱تا۱۳۳، ۲۲۶، ۲۲۹، ۲۳۹، ۲۴۷، ۴۴۵، ۵۴۸، ۵۶۲، ۵۹۳
رسالہ تادیب النساء۔قادیان ۳۸۰
اخبارتازیانہ۔لاہور ۴۱۸، ۵۸۵، ۶۲۷
رسالہ تائیدالاسلام۔لاہور ۲۸۵
رسالہ ترجمان۔لاہور ۵۷۹، ۵۹۵
رسالہ تشحیذالاذہان۔قادیان ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۴۱، ۲۴۶
میگزین تعلیم الاسلام۔قادیان ۱۰۵، ۲۹۲، ۳۲۰
اخبارتنظیم۔امرتسر ۲۵۳، ۳۱۰، ۳۲۳، ۵۷۶، ۶۲۴، ۶۳۶
اخبارتیج۔دہلی ۳۱۰، ۳۷۹، ۴۱۴، ۴۱۹، ۶۲۳، ۶۳۵،
اخبارٹائمز۔لنڈن ۴۸۰، ۵۰۱
اخبارٹائمزآف انڈیا ۵۰۲
اخبارجاگرت۔سناتنی اخبار ۴۱۵
اخبارجیون تت۔لاہور ۳۷۷، ۴۱۶
اخبارحق۔لاہور ۲۴۶

اخبار حقیقت۔کابل ۵۰۴

اخبار حیات مسلمین۔ایران ۵۰۳

رسالہ خالد۔ربوہ ۴۸۶، ۴۸۹، ۵۹۰، ۵۹۴

اخبار رسالہ در نجف۔سیالکوٹ ۳۷۸، ۶۲۲

اخبار دعوت۔کانپور ۶۳۶

اخبار دعوت اسلام۔دہلی ۴۱۲

رسالہ دلگداز۔لکھنو ۵۹۲

اخبار دنیائے اسلام۔ایران ۵۰۳

اخبار دور جدید۔لاہور ۶۰۰، ۶۳۴

اخبار دی اسلامزم۔ماریشس ۱۶۹

اخبار دی ایوننگ سٹنڈرد۔لنڈن ۲۳۵، ۵۰۱

اخبار دی ٹروتھ۔نائیجیریا ۲۷۱

اخبار دی پریس۔امریکہ ۲۵۰

اخبار دی کریسنٹ۔روزہل ۱۶۹

اخبار دی گائیڈنس۔سالٹ پانڈ ۲۷۵

اخبار دی لائٹز۔نائیجیریا ۲۷۲

رسالہ دی مسلم۔ہیرلڈ۔لنڈن ۱۵۱

رسالہ دی مسلم سن رائز۔امریکہ ۲۵۱، ۲۵۲

رسالہ دی یونیورسل پیس۔رنگون ۵۵۱

اخبار ڈیلی ٹائمز۔نائیجیریا ۲۷۳

اخبار ڈیلی ٹیلیگراف۔لندن ۵۰۴، ۵۰۱

اخبار ڈیلی کرانیکل۔لندن ۴۵۹، ۵۰۲، ۵۶۳

اخبار ڈیلی گرافک۔لنڈن ۵۰۱

اخبار ڈیلی مرر۔لندن ۵۰۱

اخبار ڈیلی میل۔لندن ۴۷۷، ۴۸۰، ۵۸۰

اخبار ذوالفقار ۲۹۳، ۳۱۵، ۳۲۰، ۴۸۰، ۴۸۴

اخبار رشی۔امرتسر ۶۲۸

اخبار رفتار زمانہ۔لاہور ۴۱۹

اخبار رنگین۔امرتسر ۴۹۲

اخبار روزگار۔آگرہ ۳۷۸

اخبار ریاست۔دہلی ۵۰۹، ۵۸۴

رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو۔قادیان ۱۰۵، ۲۳۶، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۳، ۳۱۵، ۳۱۵، ۴۱۵، ۴۱۹، ۴۹۹، ۵۸۶، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۵

رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگلش۔قادیان ۱۴۹، ۱۶۹، ۳۱۶، ۴۵۴، ۵۰۵

اخبار زمیندار۔لاہور ۱۳۴، ۲۳۱، ۳۷۵، ۳۷۹، ۳۸۶، ۴۱۴، ۴۱۷، ۴۱۸، ۵۱۵، ۵۸۴

اخبار سٹیٹس مین۔کلکتہ ۲۳۵

اخبار سچ۔لکھنو ۲۶۰

اخبار سراج الاخبار۔جہلم ۶۴

اخبار سرمہ روزگار۔آگرہ ۱۳۴، ۲۳۶

اخبار سنڈے ٹائمز۔لندن ۶۰۴

اخبار سن رائز۔قادیان ۵۶۶

اخبار سوراجیہ۔لاہور ۵۷۶

اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ۔لاہور ۱۸۵، ۲۱۷، ۲۴۷، ۲۹۴، ۴۸۰، ۵۰۹

اخبار ساؤتھ ویلز نیوز۔لندن ۵۶۳

اخبار سیاست۔لاہور ۳۷۹، ۳۸۵، ۴۱۷، ۵۸۵، ۵۹۵، ۶۳۴
اخبار سیلون۔ڈیلی نیوز ۵۹۱
رسالہ سنیار اسلام۔انڈونیشیا ۵۴۴
رسالہ شباب۔اردو ۲۱۲
اخبار شبھ چنتک۔قادیان ۶۴
اخبار صدق۔لکھنو ۱۳۲
اخبار عالم اسلامی۔مصر ۳۱۹
اخبار عصر جدید۔کلکتہ ۱۶، ۱۲۸
اخبار فاروق۔قادیان ۱۷۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۴، ۴۱۸
رسالہ الفرقان۔قادیان ۲۲۵، ۲۳۱
اخبار فلاڈلفیا ریکارڈ۔امریکہ ۲۵۰
اخبار فنانشل ٹائمز۔لندن ۴۸۰
اخبار قصر النیل۔مصر ۲۸۷
اخبار روزانہ قومی رپورٹ۔مدراس ۲۱۷
اخبار کرزن گزٹ۔دہلی ۱۳۴
اخبار کشمیری۔لاہور ۴۷۵، ۵۰۳
اخبار کیرالا پترکا ۱۷۷
اخبار کیسری۔لاہور ۳۲۹، ۳۷۹، ۴۱۷
اخبار گورو گھنٹال۔لاہور ۶۳۵
اخبار لاٹر بیونا۔روما ۴۴۵
رسالہ لائف۔امریکہ ۳۱۸
اخبار لغت العرب۔مصر ۳۱۹
اخبار پیتے جرنل۔ماریشش ۱۷۰
اخبار لے میسیج۔ماریشش ۱۷۲
اخبار لیڈر۔نیروبی ۲۹۴
اخبار مارننگ پوسٹ۔لنڈن ۴۸۰
اخبار مارننگ ٹائمز۔لندن ۶۰۴
اخبار مانچسٹر گارڈین۔لندن ۴۵۴، ۵۰۱
اخبار مباہلہ۔قادیان ۶۲۷، ۶۳۷
رسالہ مجلۃ الازہر۔قاہرہ ۲۷۶، ۳۱۹
رسالہ مخزن۔لاہور ۲۱۱
اخبار مدراس میل ۲۳۵، ۵۰۹
اخبار مدینہ۔بجنور ۱۳۳
رسالہ مرشد۔لاہور ۲۴۴
اخبار مسلم۔لاہور ۴۸۱
اخبار مسلم آؤٹ لک۔لاہور ۵۹۹، ۶۰۳، ۶۰۵
اخبار مسلم ورلڈ۔نائیجیریا ۲۷۲
اخبار مسلم ورلڈ۔امریکہ ۱۸۵
اخبار مسلمان۔کلکتہ ۴۸۲
اخبار مشرق۔گورکھپور ۳۳۳، ۳۷۵، ۴۱۶، ۶۰۷، ۶۳۴
رسالہ مصباح۔قادیان ۳۲۲
رسالہ معارف۔اعظم گڑھ ۲۶۰
اخبار مقتطف۔مصر ۳۱۹
اخبار مقطم۔قاہرہ ۵۰۰
اخبار ملاپ۔لاہور ۴۱۸، ۵۷۶، ۶۳۵

اخبار ملت۔لاہور ۱۳۳
اخبار منادی۔دہلی ۱۰۵
رسالہ مولوی۔دہلی ۶۲۸
اخبار ناردن ایکو۔لندن ۵۶۴
اخبار نائیجیرین۔ٹریبیون ۲۷۳
اخبار نارتھ امریکن بلیٹین۔امریکہ ۲۵۰
اخبار نجات۔بجنور ۴۱۶
رسالہ نظام المشائخ۔دہلی ۲۴۴
رسالہ نقوش۔لاہور ۲۳۴، ۳۱۵، ۴۱۴، ۴۱۸
اخبار نور دانش۔ایران ۵۰۳
اخبار نور۔علی گڑھ ۳۷۷
اخبار نور۔قادیان ۹۶، ۱۱۰، ۱۹۲، ۲۲۵، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۴۶، ۳۶۰، ۴۱۸
اخبار نیئر ایسٹ۔لندن ۴۸۰
رسالہ ورتمان۔امرتسر ۵۹۶، ۵۹۷، ۶۰۶، ۶۰۹
رسالہ ورلڈ کرسچن ڈائجسٹ۔غانا ۲۷۶
اخبار وکیل۔امرتسر ۱۳۳، ۲۱۷، ۳۳۰، ۳۷۷، ۳۷۹، ۳۸۵، ۴۱۵، ۴۱۷، ۴۸۲
اخبار ویسٹ افریقن پائلاٹ۔نائیجیریا ۲۷۳
اخبار ویسٹ افریقہ۔افریقہ ۲۳۵
اخبار ویسٹ منسٹر گزٹ۔لندن ۴۶۰، ۵۰۲
اخبار ہمدرد۔دہلی ۵۸۴، ۶۲۲
اخبار ہمدم۔لکھنو ۲۱۷، ۳۲۴، ۳۳۲، ۳۷۵، ۴۱۵، ۵۱۱
اخبار ہندو رکشک ۶۳۶
اخبار ہندوستان ٹائمز ۶۱۲
اخبار ہندو۔کلکتہ ۲۳۵

تمت

تاریخِ احمدیّت

جلد پنجم

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی قیادت میں

جماعت احمدیہ کے عظیم الشان دینی، اصلاحی اور ملی کارنامے

(عمومی واقعات ۱۹۲۸ء سے لے کر ۱۹۳۱ء)

اور

تحریک آزادی کشمیر میں جماعت احمدیہ کی سنہری خدمات

(از ۱۹۱۴ء تا ۱۹۶۴ء)

مؤلفہ

دوست محمّد شاہد

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد پنجم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 81-7912-112-7

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-5 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt. Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 81-7912-112-7

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جابجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے موٴرخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہوگیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۶ کو جلد نمبر ۵ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان بھی تاریخ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد پنجم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر و اشاعت قادیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وعلی عبدہ المسیح الموعود

امروز قوم من نہ شناسد مقام من

روزے بگریہ یاد کند وقت خوشترم

(رقم فرمودہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلھا العالی)

یہ تاریخ احمدیت کی چھٹی[1] جلد ہے۔ گذشتہ سال حضرت خلیفۃ المسیح ثانیؓ کی حیات کا پہلا حصہ شائع ہوا۔ جو آپ کی مبارک زندگی کے حالات اور خلافت کے متعلق تھا۔ یہ جلد ان کارناموں پر مشتمل ہے جو آپ نے مسلمانوں کے لئے سرانجام دیئے اور ہر موقعہ پر رہنمائی فرمائی اور جہاں اور جس جگہ جس پہلو سے مسلمانوں کو کمزور دیکھا، مظلوم دیکھا، غلطی خوردہ دیکھا، آپ اپنی جانب سے اپنے ذاتی درد کے جوش سے جو آپ تمام اہل اسلام کے لئے دل میں بھار رکھتے تھے مدد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ کسی کے پکارنے اور امداد طلبی کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ آپ میں فطرتاً مسلمانوں کی خدمت کا جذبہ اور محبت، ہمدردی، بدرجہ اتم موجود تھی۔ جو بھی جماعت احمدیہ کے ساتھ کسی کا سلوک رہا ہو، آپ نے کبھی اس کو یاد نہیں رکھا۔ کبھی مسلمانوں کے مفاد سے بے پرواہ نہیں ہوئے۔ کہ اگر مسلمانوں نے اس جماعت اور اس تازہ سرسبز ثمر خیز شاخ اسلام کی قدر نہیں جانی۔ تو ہم پر ان کی حالت پر افسوس کرنا اور رحم کھانا ہی واجب ہے۔ گو نادانی اور کم فہمی سے بعض نادانوں کے غلط پروپیگنڈہ سے یا کم علمی و ناواقفی سے انہوں نے حق کو نہ پہچانا۔ اور قدر نہ کی۔ مگر ہمارا کام تو ہر وقت ہر موقعہ پر ان کی خیر خواہی اور ہر رنگ میں ان کی مدد کرنا ہے۔ ہمیں وہ عزیز ہیں۔ ان کا سکھ ہمارا سکھ اور ان کا دکھ ہمارا دکھ ہے۔ ان کی عزت ہماری عزت، ان کی ذلت ہماری ذلت ہے۔

غرض ہر ضرورت کے وقت اپنے خاص اہم کاموں میں بھی التوا کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ تڑپ کر اسلام کے نام پر آگے بڑھے۔ کہ

"آخر کنند دعویٰ حُبّ پیمبرم"

---

[1] موجودہ ایڈیشن کی پانچویں جلد

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں آپ پر نازل ہوتی رہیں۔ اور اپنے آقا ﷺ کے قدموں میں بلند سے بلند درجات حاصل ہوتے چلے جائیں۔ آمین۔

مبارکہ

(دوشنبہ۔ ۶/دسمبر ۱۹۶۵ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وعلی عبدہ المسیح الموعود

پیش لفظ بار اول

تاریخ احمدیت کی پانچویں [1] جلد سے خلافت ثانیہ کے مبارک دور کی تاریخ کی ابتدا ہوئی تھی جلد ششم [2] اس دور کی دوسری جلد ہے اس جلد کا ہر ہر لفظ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ بابرکت وجود جس کے اس دنیا میں آنے سے پہلے یہ کہا گیا تھا کہ وہ اسیروں کا رستگار ہوگا کس شان سے یہ خدا تعالیٰ کا کلام پورا ہوا۔ اس جلد میں ان تمام کارناموں کا مبسوط طور پر ذکر کیا گیا ہے جو سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کے لئے سرانجام دیئے۔ اور کانگریس کے ہندو لیڈروں کی زبردست مخالفت اور مزاحمت کے باوجود مسلمانوں کو ایک بلند مقام پر لا کھڑا کیا۔ جہاں سے وہ اپنی منزل مقصود کو بخوبی دیکھ سکتے تھے اسی طرح حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مظلوم اہالیان کشمیر کے لئے جو محیر العقول جدوجہد کی اس کا بھی مفصل ذکر اس کتاب میں آرہا ہے۔

نہایت عاجزانہ دعاؤں کے ساتھ ہم پوری کوشش میں تھے کہ وہ دن جلد آئے کہ یہ کتاب مکمل ہو اور مجلد کر کے سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت بابرکت میں پیش کی جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ۷رنومبر ۱۹۶۵ء کی شام کو مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد نے کتاب کا مسودہ مکمل کیا اور کتاب میں لگائی جانے والی تصاویر کے متعلق لاہور سے یہ اطلاع ملی کہ وہ تیار ہو چکی ہیں۔ اس طرح کتاب کا بیشتر حصہ چھپ چکا تھا۔ لیکن چند ساعات کے بعد دل ہلانے والی اطلاع ملی۔ کہ حضور رضی اللہ عنہ انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور ہماری آرزوئیں اور تمنائیں دل میں ہی رہ گئیں چونکہ مضمون ۷رنومبر تک مکمل ہو چکا تھا اس لئے ہم نے ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے الفاظ جو حضور کے نام کے ساتھ لکھے جارہے تھے اسی طرح رہنے دیئے گئے۔ اور بدل کر رضی اللہ عنہ کے الفاظ نہیں کئے گئے۔

تاریخ احمدیت کے لکھے جانے کا پروگرام حضور نے ہی تجویز کیا تھا۔ اور مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد کو اس غرض کے لئے حضور نے ہی مقرر فرمایا تھا۔ اور قصر خلافت میں بلا کر یہ عظیم ذمہ داری مجھ

---

[1] موجودہ جلد چہارم [2] موجودہ جلد پنجم

ناچیز پر ڈالی تھی۔ کہ جس قدر جلد ہو سکے تاریخ احمدیت کو محفوظ کر لیا جائے۔ تا کہ آنیوالی نسلیں اس کو مشعل راہ بنا کر خدمت دین کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرتی چلی جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج اس کی چھٹی [1] جلد مکمل ہو رہی ہے اور وہ پودا جو حضور رضی اللہ عنہ کے مقدس ہاتھوں نے لگایا تھا۔ آج تناور درخت بن چکا ہے۔ اور جماعت کے افراد اس کے پھلوں سے لذت اٹھا رہے ہیں۔

اس کتاب کو یہ اولیت حاصل ہے کہ یہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے زمانہ خلافت کے پہلے سالانہ جلسہ پر شائع ہو رہی ہے اور اس تاریخی جلسہ کی ایک تاریخی اور علمی یادگار ہونے کا فخر اسے حاصل ہو رہا ہے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اس ناچیز ہدیہ کو قبول فرماویں گے اور کتاب کے مولف، ناشر اور دیگر معاونین اور کارکنان ادارۃ المصنفین کے لئے دعا فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس محنت کو قبول فرمائے اور ہماری نجات کا ذریعہ بنائے۔ اور آئندہ بڑھ چڑھ کر خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اس موقعہ پر ادارۃ المصنفین ان تمام اصحاب کا دلی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہے جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں پر خلوص تعاون فرمایا۔ درج ذیل اصحاب نے اپنے قیمتی وقت کو صرف کر کے جستہ جستہ مقامات پر نہایت محنت سے نظر ثانی فرمائی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

(۱) حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری (۲) مولانا جلال الدین صاحب شمس ناظر اصلاح و ارشاد (۳) مکرم چوہدری محمد شریف صاحب فاضل مبلغ بلاد عربیہ وافریقہ (۴) محترم ومکرم جناب شیخ بشیر احمد صاحب سابق جج ہائیکورٹ مغربی پاکستان۔ (۵) مکرم چوہدری محمد صدیق صاحب ایم۔ اے انچارج خلافت لائبریری ربوہ (۶) جناب چوہدری ظہور احمد صاحب اڈیٹر صدر انجمن احمدیہ پاکستان وفنانشل سیکرٹری کشمیر ریلیف فنڈ ربوہ۔ (۷) جناب چوہدری عبدالواحد صاحب نائب ناظر بیت المال آمد ربوہ۔

خاکسار کو بھی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ اول سے آخر تک اس کتاب کے مسودہ کو اس لحاظ سے دیکھا کہ اس کا ہر گوشہ مکمل نظر آئے فالحمد للہ علی ذالک

اسی طرح درج ذیل اصحاب بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے مولف تاریخ احمدیت

---

[1] موجودہ جلد پنجم

کو اس کتاب کے لئے مواد بھجوایا:۔ مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور پرائیویٹ سیکرٹری۔ مکرم سید داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ۔ مکرم قریشی محمد اسد اللہ صاحب فاضل مربی سلسلہ۔ مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ وامیر جماعت احمدیہ لائلپور۔ مکرم ملک فضل حسین صاحب۔ مکرم ملک مبارک احمد صاحب قائد خدام الاحمدیہ کراچی۔ مکرم داؤد احمد صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ راولپنڈی۔ مکرم مرزا عبدالحق صاحب ناظم تعلیم راولپنڈی۔ مکرم بابو قاسم الدین صاحب امیر جماعت احمدیہ سیالکوٹ۔ مکرم ڈاکٹر محمد احسان صاحب سیکرٹری اصلاح وارشاد سیالکوٹ۔ مکرم سید اعجاز احمد شاہ صاحب انسپکٹر بیت المال۔ مکرم مبارک احمد خاں صاحب ایمن آبادی مدیر رفتار زمانہ لاہور۔ مکرم جمیل الرحمٰن صاحب بی ایس سی مبلغ افریقہ۔ مکرم حکیم سید پیر محمد صاحب سیالکوٹ۔ مکرم صوبیدار میجر سلیم اللہ صاحب نوشہرہ نیز مکرم راجہ محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل اور محمد اکرم صاحب کارکنان خلافت لائبریری بھی شکریہ کے مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے مکرم مولوی دوست محمد صاحب سے کتاب کی تیاری کے دوران ہر ضروری کتاب کی فراہمی میں پورا تعاون فرمایا۔ مکرم سید محمد باقر صاحب نے نہایت ہمت اور شوق سے اس کتاب کی کتابت کی اور مکرم خواجہ عبدالرحمٰن صاحب اور دیگر کارکنان ضیاء الاسلام پریس نے نہایت توجہ سے طباعت کا کام کیا۔ مکرم قاضی منیر احمد صاحب کارکن ادارۃ المصنفین نے اس کتاب کی طباعت کے جملہ انتظامات کے سلسلہ میں بہت جدوجہد کی اللہ تعالیٰ سب کی محنت کو قبول فرمائے اور فضلوں سے نوازے۔ آمین۔ بالآخر تمام احباب جماعت سے درخواست ہے کہ وہ اولین فرصت میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک کے ضروری واقعات کوائف بذریعہ تحریر مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد کو ارسال فرمائیں اور حضور کے قیمتی خطوط اور تاریخی تصاویر بھی۔ تا یہ قومی امانتیں تاریخ احمدیت میں محفوظ ہو جائیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں جلد از جلد تاریخ احمدیت کو مکمل کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

خاکسار ابوالمنیر نورالحق

مینجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین ربوہ

۱۹۶۵ء/۱۲/۰۶

فہرست تاریخ احمدیت جلد پنجم

عنوان	صفحہ
پہلا باب	
خلافت ثانیہ کا پندرھواں سال	
فصل اول	
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے اخلاق عالیہ کا ایک یادگار واقعہ	۳
سائمن کمیشن کی آمد اور جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات	۴
مسلمانوں کو صحیح طریق عمل اختیار کرنے کی دعوت	۸
حافظ روشن علی صاحب کی تبلیغ حق	۹
مرکزی اور بیرونی درسگاہیں	۹
پردہ سے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ایک مکتوب	۱۰
گھروں میں درس جاری کرنے کی تحریک	۱۱
احمدیت کا حال اور مستقبل	۱۲
تعلیم نسواں کے لئے خاص تحریک	۱۲
پہلے تحقیقاتی کمیشن کا تقرر	۱۴
سیٹھ علی محمد صاحب کی کامیابی سے متعلق آسمانی بشارت	۱۵
جماعت کو حفاظت اسلام کے لئے اور زیادہ چوکس ہو جانے کا ارشاد	۱۶
حضرت مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب گوہر کا جوش دینی اور حرارت ایمانی	۱۸
جامعہ احمدیہ (عربی کالج) کا قیام	۱۸
کمیٹی کی رپورٹ	۱۹
جامعہ احمدیہ کے اساتذہ	۲۰
جامعہ احمدیہ کا افتتاح اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی قیمتی نصائح	۲۱
جامعہ احمدیہ کا دور اول	۲۲
دور اول میں تعلیم پانے والے علماء	۲۴
جامعہ احمدیہ کا دور ثانی	۲۷
دور ثانی میں تعلیم پانے والے علماء	۲۷
جامعہ احمدیہ کے دور ثالث کا آغاز	۲۷
سفر لاہور	۲۸
فصل دوم	
سیرت النبیؐ کے بابرکت جلسوں کا انعقاد	۲۹
مجالس سیرت النبیؐ کی تجویز اور اس کا پس منظر	۲۹
وسیع سکیم	۳۰
لیکچراروں کی فراہمی کا مسئلہ	۳۲
لیکچراروں کی راہنمائی کے لئے مفصل نوٹس کی طباعت اور الفضل کے ''خاتم النبیین نمبر'' کی اشاعت	۳۳

عنوان	صفحہ
تحریک سے متعلق عجیب و غریب غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش	۳۳
سیرت النبیؐ کے کامیاب جلسوں کا روح پرور نظارہ	۳۴
جلسوں کی کامیابی پر تبصرے	۳۶
اخبار مشرق	۳۶
اخبار ''مخبر'' (اودھ)	۳۷
اخبار ''سلطان'' کلکتہ	۳۷
اخبار ''کشمیری'' لاہور	۳۸
''اردو اخبار'' ناگپور	۳۹
اخبار ''پیشوا'' دہلی	۴۰
جلسوں کے عظیم الشان فوائد	۴۱
قادیان میں جلسہ سیرت النبیؐ	۴۲
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تقریر	۴۳
انعامات لینے والے غیر مسلم	۴۴
آنحضرتؐ کے خاتم النبیین ہونے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا حلفیہ بیان	۴۴
۱۹۲۹ء کے ایک اشتہار کا نمونہ	۴۷
فصل سوم	
سفر ڈلہوزی اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا پہلی بار امیر مقامی مقرر ہونا	۴۹
جہاد بالقرآن کی اہم تحریک	۵۴
چندہ خاص کی تحریک	۵۴

عنوان	صفحہ
مخالف اخبارات سے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ایک اصولی ارشاد	۵۶
''پیغام صلح'' کا پیغام جنگ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا اہم فرمان	۵۶
شرفاء سے دردمندانہ اپیل	۵۷
ہائیکورٹ کا انتظام	۵۸
فصل چہارم	
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا درس القرآن	۵۹
۱۸/اگست تا ۱۸/ستمبر ۱۹۲۸ء کے مبارک ایام	۵۹
حضور کی غیر معمولی محنت و کاوش	۵۹
دوستوں کا قادیان میں اجتماع	۵۹
درس نوٹ کرنے والے علماء اور زود نویس	۶۰
مسجلین کا تقرر	۶۰
درس القرآن سننے والوں سے خطاب	۶۰
دار المسیح میں دعوت طعام	۶۱
الوداعی تقریر اور خطبہ جمعہ	۶۱
درس کا فوٹو	۶۲
دوبارہ اجتماعی دعا، صدقہ اور تقسیم انعامات	۶۲
عورتوں کی عزت کے قیام کے لئے خطبہ جمعہ	۶۲
دار التبلیغ لنڈن کے لئے خواتین احمدیت کی مزید قربانی	۶۳
فصل پنجم	
''نہرو رپورٹ'' پر مفصل تبصرہ	۶۴

عنوان	صفحہ
کانگریس نواز حلقوں کی طرف سے نہرو رپورٹ کی تائید	۶۵
نہرو رپورٹ کے مخالف مسلمانوں کا طبقہ	۶۷
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے مدلل اور مسکت تبصرہ	۶۷
تبصرہ کے مضامین پر طائرانہ نظر	۶۸
مسلمانوں کو بروقت انتباہ	۶۹
مسلمانوں کے لئے آئندہ طریق عمل کی راہنمائی	۷۰
تبصرہ کی وسیع اشاعت اور مقبولیت	۷۱
مسلمانان ہند کی طرف سے رپورٹ کے خلاف کامیاب احتجاج	۷۲
ایک اہم مکتوب	
جماعت احمدیہ کے خلاف ہندوؤں کی سازش	۷۳
بنگالی مسلمانوں کی بیداری کے لئے ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے کا دورہ	۷۳
آل مسلم کانفرنس پٹنہ کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے مطالبات کی تائید	۷۵
آل انڈیا مسلم لیگ اور نہرو رپورٹ	۷۷
کلکتہ میں آل پارٹیز کنونشن کا انعقاد	۷۸
آل انڈیا مسلم کانفرنس دہلی اور نہرو رپورٹ	۸۱
فصل ششم	
قادیان کی ترقی کا نیا دور	۸۵
مسلم حکومتوں کو انتباہ	۸۹
امرتسر قادیان ریلوے کا افتتاح اور گاڑی پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا مع خدام سفر	۹۰
حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کا اعلان احمدیت	۹۲
سالانہ جلسہ ۱۹۲۸ء	۹۴
۱۹۲۸ء میں رحلت پانے والے بزرگ	۹۶
فصل ہفتم	
۱۹۲۸ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات۔ خاندان مسیح موعودؑ میں ترقی	۹۷
امتحان کتب مسیح موعودؑ میں نمایاں کامیابی پر انعامات	۹۷
تحریک وقف زندگی	۹۷
حج بیت اللہ کی طرف۔ جماعت احمدیہ کی خاص توجہ	۹۸
کتابوں کی اشاعت کے متعلق اہم فیصلہ	۹۸
اخبار ''لائٹ'' کا مقدمہ اور اس کی پیروی	۹۸
دستکاری کی نمائش اور انعام	۹۸
خطبات نکاح	۹۸
بیرونی مشنوں کے بعض واقعات۔ مبلغین احمدیت کی ممالک غیر کو روانگی اور واپسی	۱۰۰

عنوان	صفحہ
مصنفین سلسلہ کی نئی مطبوعات	۱۰۱
اندرون ملک کے مشہور مباحثے	۱۰۱
حواشی	۱۰۴
دوسرا باب	
خلافت ثانیہ کا سولہواں سال	
فصل اول	
سفر لاہور	۱۲۴
انقلاب افغانستان پر تبصرہ اور راہنمائی	۱۲۵
مذاہب کانفرنس کلکتہ	۱۲۶
طلبہ میں تقسیم انعامات کا مشترکہ جلسہ	۱۲۷
گورنر پنجاب کی خدمت میں ایڈریس	۱۲۷
مسلم خبر رساں ایجنسی کے قیام کی تحریک	۱۲۸
اشاعت لٹریچر سے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے اہم ارشادات	۱۲۸
دہلی میں انجمن احمدیہ کا سالانہ جلسہ	۱۲۸
جناح لیگ اور شفیع لیگ کے الحاق کی کوشش اور کامیابی	۱۲۹
راجپال کا قتل اور اسمبلی میں بم کا واقعہ	۱۳۱
فصل دوم	
جلسہ سیرت النبیؐ اور الفضل کا ''خاتم النبیین نمبر''	۱۳۵
ابوالاثر حفیظ صاحب جالندھری قادیان میں	۱۳۹
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا سفر کشمیر	۱۳۹
سفر کشمیر کے دوسرے قابل ذکر واقعات	۱۴۱
فصل سوم	
''عبدالکریم ثانی'' حضرت حافظ روشن علی صاحب کی وفات	۱۴۳
حضرت حافظ صاحب کے جانشین	۱۴۵
جواب مباہلہ	۱۴۶
مذبح قادیان کے انہدام کا واقعہ	۱۴۷
پنجاب سائمن کمیٹی کی رپورٹ پر تبصرہ	۱۴۸
مسلمانان فلسطین پر یہودی یورش کے خلاف احتجاج	۱۴۹
شاردھا بل اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی	۱۵۰
فصل چہارم	
سلطنت برطانیہ کے آثار زوال	۱۵۲
میاں علم دین کی لاش اور حکومت کا غیر دانشمندانہ رویہ	۱۵۲
سالانہ جلسہ کے لئے چندہ کی تحریک	۱۵۳
دیوانہ وار تبلیغ کرنے کا ارشاد	۱۵۳
مبلغین کو خاص ہدایت	۱۵۳
ڈچ مشنری پادری کریمر قادیان میں	۱۵۴
چھپن فیصدی کمیٹی کا وفد قادیان میں	۱۵۵

عنوان	صفحہ
کانگریس کا اجلاس لاہور اور مجلس احرار اسلام کی بنیاد	۱۵۶
امیر شریعت احرار کی رائے	۱۶۰
جنرل سیکرٹری مجلس احرار کا بیان	۱۶۰
مجلس احرار کے اخبار ''آزاد'' کی رائے	۱۶۱
امریکہ کے ایک مشہور مصنف کی رائے	۱۶۱
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۱۶۱
فصل پنجم	
متفرق واہم واقعات	
خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں ترقی	۱۶۲
مدیر ''مشرق'' کی وفات	۱۶۲
حیدرآباد دکن میں انجمن ترقی اسلام کی بنیاد	۱۶۲
مقدمہ شاہجہانپور کا فیصلہ	۱۶۳
عربی امتحان میں احمدی خواتین کی کامیابی	۱۶۳
پشاور میں ایک احمدی پر قاتلانہ حملہ	۱۶۳
بیرونی مشنوں کے بعض ضروری واقعات	۱۶۳
مبلغین احمدیت کی روانگی اور واپسی	۶۱۴
نئی مطبوعات	۱۶۴
اندرون ملک کے بعض مشہور مباحثے	۱۶۴
خان بہادر نواب محمد دین صاحب کی بیعت	۱۶۷
حواشی	۱۶۹

عنوان	صفحہ
تیسرا باب	
خلافت ثانیہ کا سترھواں سال	
فصل اول	
نظام جماعت سے متعلق ایک اصولی ہدایت	۱۷۷
''ندائے ایمان'' کے تبلیغی اشتہارات کا اجراء	۱۷۸
مبلغین جماعت کو نصائح	۱۷۸
کپورتھلہ میں ایک مسجد کی تعمیر	۱۷۹
مولانا ابوالعطاء صاحب کا سفر مانگرول اور حضرت مصلح موعود کے خطوط	۱۸۰
رسالہ ''جامعہ احمدیہ'' کا اجراء اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا نصیحت آمیز مضمون	۱۸۲
''تعلیم الاسلام ہائی سکول میگزین'' کا اجراء اور حضور کا پیغام	۱۸۳
ایک ڈچ کونسل قادیان میں	۱۸۵
فتنہ اخبار ''مباہلہ'' اور حادثہ بٹالہ	۱۸۵
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے روزوں کی تحریک اور اس کا نتیجہ	۱۸۷
منصب خلافت سے متعلق پرشوکت اعلان	۱۸۷
خودحفاظتی کی تلقین	۱۸۸
احمدیہ یونیورسٹی کی داغ بیل	۱۸۹

عنوان	صفحہ
فصل دوم	
ملکی شورش میں کانگریس اور حکومت کے رویہ پر تنقید اور صحیح طریق عمل کی راہنمائی	۱۹۱
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا مکتوب وائسرائے ہند کے نام	۱۹۴
جماعت احمدیہ کی طرف سے مسلم پریس کی حفاظت کے لئے پیشکش	۱۹۶
سیاسیات میں دخل دینے کی وجہ	۱۹۷
فصل سوم	
حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی نسبت اخبار ''ٹریبیون'' کی ایک مفتریانہ خبر اور اس کا ردعمل	۱۹۹
کانگریسی لیڈر مسز نائیڈو کی رہائی کے لئے اپیل	۲۰۵
نہرو کمیٹی کی تتمہ رپورٹ پر تبصرہ	۲۰۵
فصل چہارم	
سفر شملہ اور آل مسلم پارٹیز کانفرنس میں شرکت	۲۰۷
قادیان میں درس و تدریس سے متعلق ایک اعلان	۲۱۰
مسلمان ریاستوں کی اصلاح وترقی کا خیال	۲۰۱
ڈھاکہ اور ضلع حصار کے مسلمانوں پر مظالم اور احمدیوں کو عملی امداد کی ہدایت	۲۱۱
شعار اسلامی کی پابندی کا تاکیدی ارشاد	۲۱۲
سائمن کمیشن رپورٹ پر تبصرہ اور ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل	۲۱۳
کتاب ''ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل'' پر مزید تبصرے	۲۱۹
فصل پنجم	
حضرت مصلح موعود کے حضور چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا ایک مکتوب	۲۲۱
گول میز کانفرنس اور محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی سنہری خدمات	۲۲۲
مکتوب از لاہور ۳۰ راگست ۱۹۳۰ء	۲۲۲
مکتوب از لنڈن ۱۲ رنومبر ۱۹۳۰ء	۲۲۲
مکتوب از لنڈن ۱۹ نومبر ۱۹۳۰ء	۲۲۳
مکتوب از لنڈن ۲۵ ردسمبر ۱۹۳۰ء	۲۲۳
مکتوب از لنڈن ۲ رجنوری ۱۹۳۱ء	۲۲۴
مکتوب از لنڈن ۲۵ ستمبر ۱۹۳۱ء	۲۲۵
مکتوب از لنڈن ۱۷ رنومبر ۱۹۳۲ء	۲۲۶
مکتوب از لنڈن ۲۶ رمئی ۱۹۳۳ء	۲۲۶
مکتوب از لنڈن ۲۷ رجولائی ۱۹۳۴ء	۲۲۷
چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو مسلمانان ہند کی طرف سے خراج تحسین	۲۲۷

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
فصل ششم		حواشی	۲۴۷
ایک جرمن سیاح قادیان میں	۲۳۱	**چوتھا باب**	
انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں احمدیت کا ذکر	۲۳۳	خلافت ثانیہ کا اٹھارہواں سال	
حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کی بیعت	۲۳۷	**فصل اول**	
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۲۳۹	''انصار اللہ'' کا احیاء اور اس کی تبلیغی خدمات	۲۵۵
فصل ہفتم		قومی نقائص کی اصلاح کے لئے جدوجہد	۲۵۶
۱۹۳۰ء کے اہم واقعات۔ خاندان مسیح موعودؑ میں ترقی	۲۴۰	حضرت خلیفۃ المسیح کے لئے پہرے کا مستقل اور باقاعدہ انتظام	۲۵۷
مولانا شوکت علی خاں صاحب قادیان میں	۲۴۰	جماعت احمدیہ کی ادبی خدمات	۲۵۸
امۃ الحی لائبریری کا قیام	۲۴۰	رسالہ ''ادبی دنیا'' میں پہلا مضمون	۲۶۱
حضرت مرزا عزیز احمد صاحب کا دوسرا نکاح	۲۴۰	مسلمانان کانپور پر ہولناک مظالم	۲۶۶
ریز رو فنڈ میں نمایاں حصہ	۲۴۱	انگریزی حکومت کی غفلت شعاری اور حضور کا اعلان	۲۶۷
انگلستان مشن کا احتجاج	۲۴۱	**فصل دوم**	
مبلغین احمدیت کی بیرونی ممالک کو روانگی اور واپسی	۲۴۱	تحفہ لارڈ ارون	۲۶۹
قاہرہ سے اخبار ''اسلامی دنیا'' کا اجراء	۲۴۲	اتحاد المسلمین کے لئے تحریک	۲۷۰
احمدی مشن ایک حیدرآبادی سیاح کی نظر میں	۲۴۲	مسلمانوں کے لئے نازک وقت اور جماعت احمدیہ کو نصیحت	۲۷۱
سیٹھ ابوبکر صاحب سماٹری کی طرف سے الوداعی تقریب	۲۴۲	صنعت و حرفت کی طرف توجہ	۲۷۲
اندرون ملک کے مشہور مباحثات	۲۴۳	ناظروں کے دوروں سے متعلق حضرت خلیفہ ثانی کی ہدایت	۲۷۲
۱۹۳۰ء کی دو اہم تصانیف	۲۴۵		

عنوان	صفحہ
نمائندگان مشاورت کو زریں نصیحت	۲۷۳
خواتین میں بہادری پیدا کرنے کی تحریک	۲۷۳
سفر منصوری	۲۷۳
صدر انجمن احمدیہ کے قواعد وضوابط کی تشکیل	۲۷۶
جماعت احمدیہ کے ہر فرد کو بیدار و ہوشیار ہونے کا ارشاد	۲۷۶
پہلا برٹش احمدی قادیان میں	۲۷۷
فصل سوم	
قاضی محمد علی صاحب نوشہروی کا وصال	۲۷۸
قرآن مجید کی طباعت میں غیر مسلموں کے دخل پر انتقاد اور احتجاج	۲۸۱
فصل چہارم	
جماعت احمدیہ کا چہل سالہ دور	۲۸۲
انجمن شباب المسلمین بٹالہ کا جلسہ	۲۸۳
زمینداروں کی اقتصادی مشکلات کا حل	۲۸۴
امام جماعت احمدیہ کی مذہبی نصیحت	۲۸۴
خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں ایک مبارک تقریب	۲۸۵
حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کا انتقال	۲۸۶
اردو کا ایک بھلایا ہوا اہل قلم	۲۸۸
جناب فقیر سید وحید الدین صاحب کا قابل قدر نوٹ	۲۸۸

عنوان	صفحہ
امیر ''اہلحدیث'' کا مباہلہ کے لئے چیلنج اور فرار	۲۹۲
حضرت مسیح موعودؑ کی طرز تحریر اختیار کرنے کی تحریک	۲۹۳
فصل پنجم	
دارالتبلیغ سیلون کا قیام	۲۹۵
دفاتر صدر انجمن احمدیہ کے لئے جدید عمارت اور اس کا افتتاح	۲۹۸
سیرت النبیؐ کے جلسے	۲۹۹
چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا ایک اہم مکتوب (مورخہ ۱۰؍دسمبر ۱۹۳۱ء) بحضور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی	۳۰۱
مسلم لیگ کا اجلاس دہلی اور چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کا خطبہ صدارت	۳۰۷
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۳۰۹
۱۹۳۱ء اندرون ملک کے مبلغین احمدیت	۳۰۹
فصل ششم	
مولانا محمد علی جوہر کا انتقال پر ملال	۳۱۱
خاندان مسیح موعودؑ میں ترقی	۳۱۱
بنگال کی امارت	۳۱۲
نکاحوں سے متعلق ایک ضروری اعلان	۳۱۲
۱۹۳۱ء کی مردم شماری اور قادیان کی آبادی	۳۱۲
ایک افغانی سیاح قادیان میں	۳۱۲

عنوان	صفحہ
قادیان میں عورتوں کے لئے اعلیٰ انگریزی تعلیم کا اجراء	۳۱۲
بیرونی مشنوں کے بعض واقعات	۳۱۳
مبلغین اسلام کی آمد و روانگی	۳۱۳
۱۹۳۱ء کی مطبوعات سلسلہ	۳۱۴
مباحثات بالاکوٹ و پھگلہ	۳۱۴
اندرون ملک کے دیگر مشہور مباحثات	۳۱۷
بعض نو مبائعین	۳۱۸
حواشی	۳۱۹
حصہ دوم	
تحریک آزادی کشمیر اور جماعت احمدیہ	
پہلا باب	
فصل اول	
ریاست کے جغرافیائی و تمدنی حالات	۳۲۶
فصل دوم	
قدیم تاریخ کشمیر	۳۲۹
فصل سوم	
بدھ مت کا دور	۳۳۳
فصل چہارم	
کشان قوم کا قبضہ	۳۳۴
فصل پنجم	
اسرائیلی قبائل کا کشمیر میں داخلہ	۳۳۶
فصل ششم	
حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریمؑ کشمیر میں	۳۴۰
ہندو لٹریچر کی شہادت	۳۴۴
بدھ مذہب کے لٹریچر کی شہادت	۳۴۶
عیسائی لٹریچر کی شہادت	۳۴۷
مسلم لٹریچر کی شہادت	۳۴۷
فصل ہفتم	
کشمیر میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت	۳۴۹
فصل ہشتم	
کشمیر سکھ عہد حکومت میں	۳۵۳
فصل نہم	
کشمیر میں ڈوگرہ راج	۳۵۵
حضرت خلیفہ اول پر ایک انکشاف	۳۵۸
مہاراجہ کشمیر کی طرف سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کا پروگرام	۳۵۸
کشمیر سے افغانستان تک ہندو راج قائم کرنے کی سازش	۳۶۱
حواشی	۳۶۳

عنوان	صفحہ

دوسرا باب

فصل اول

عنوان	صفحہ
تحریک آزادی کشمیر کا پہلا دور	
پنجاب کے مسلم پریس کا احتجاج	۳۶۹
اہل کشمیر کے تحفظ کے لئے انجمنوں کا قیام	۳۷۰
فصل دوم	
تحریک آزادی کا دوسرا دور	۳۷۲
کشمیر میں تعلیم بالغاں کی بنیاد	۳۷۴
راجوری کے مسلمانوں کی تنظیم	۳۷۴
مسٹر شارپ اور کشمیری وفد	۳۷۵
فصل سوم	
تحریک آزادی کا تیسرا دور	
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا دوسرا سفر کشمیر	۳۷۶
۱۹۲۴ء میں ڈوگرہ راج کے مظالم	۳۷۶
رشی نگر میں آتشزدگی	۳۷۸
ہندو ریاستوں سے انصاف پروری کی اپیل	۳۷۸
کشمیر اور جموں میں تعلیمی جدوجہد	۳۷۸
مسلمان زمینداروں کی تنظیم	۳۷۹
خلیفہ عبدالرحیم صاحب آف جموں کی خدمات اور بیز جی کا لرزہ خیز بیان	۳۸۰
حکام ریاست کا منصوبہ اور یعقوب علی صاحب کی ایمانی جرات	۳۸۲
سر ایلبین کے بیان کی تائید میں جماعت احمدیہ کا جلسہ	۳۸۴
"الفضل" میں مسلمانان کشمیر کے مطالبات اور ان کی تائید	۳۸۵
فصل چہارم	
تحریک آزادی کا چوتھا دور (۱۹۲۹ء۔۱۹۳۰ء)	
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا تیسرا سفر کشمیر	۳۸۶
سرینگر میں ریڈنگ روم پارٹی کا قیام	۳۸۷
فصل پنجم	
تحریک آزادی کے پانچویں دور کا آغاز (اپریل ۱۹۳۱ء تا مئی ۱۹۳۳ء)	
مذہبی مداخلت اور توہین قرآن مجید کے ناگوار واقعات	۳۹۰
آزادی کشمیر سے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے مضامین کا آغاز	۳۹۲
آزادی کشمیر میں دلچسپی لینے کی فوری وجوہات	۳۹۴
۱۶ر جون کے تاریخی مضمون کی بازگشت	۳۹۶
جنرل سیکرٹری مسلم کشمیری کانفرنس کا مکتوب	۳۹۶
آزادی کشمیر سے متعلق دوسرا مضمون	۳۹۷
آزادی کشمیر سے متعلق تیسرا مضمون	۳۹۹

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے مظلومین کشمیر کی فوری اعانت	۴۰۱
خانقاہ معلی (سرینگر) میں مسلمانوں کا عظیم الشان اجتماع	۴۰۱
مقدمہ عبدالقدیر خان اور مہاراجہ جموں وکشمیر کا اعلان	۴۰۲
۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کا المناک دن اور سرینگر کے مسلمانوں پر گولیوں کی بوچھاڑ	۴۰۵
مسلمانان سرینگر پر مظالم سے متعلق چشم دید شہادت	۴۰۶
تحریک آزادی کے لیڈروں کی گرفتاری	۴۰۹
ہندو پریس کا ظالمانہ رویہ	۴۱۱
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا وائسرائے ہند کے نام تار	۴۱۱
مجروحین ومظلومین کی فوری امداد	۴۱۳
کشمیر کانفرنس کی اطلاع اور دوسرے اہم اقدامات	۴۱۳
جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کی طرف سے اشتراک عمل وتعاون کی آواز	۴۱۳
حضور کی طرف سے خواجہ حسن نظامی صاحب کی تجویز کا جواب	۴۱۵
شملہ میں مسلم زعماء کی کانفرنس اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام	۴۱۵
فہرست ممبران آل انڈیا کشمیر کمیٹی	۴۱۹
حواشی	۴۲۲

تیسرا باب

فصل اول

(۲۵ جولائی ۱۹۳۱ء تا ۱۲ نومبر ۱۹۳۱ء)

عنوان	صفحہ
اصولی اور آئینی تحریک	۴۳۰
مسلمانان ہند کو متحد پلیٹ فارم پر لانے کی جدوجہد	۴۳۱
پلبسٹی کمیٹی	۴۳۳
آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا اندرونی نظم ونسق	۴۳۴
کشمیر ریلیف فنڈ	۴۳۶
آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اجلاس	۴۳۶
برطانوی ہند کے احمدی اور تحریک آزادی	۴۳۷
تحریک آزادی کشمیر کا بیرونی مرکز قادیان	۴۳۸
اندرون ریاست کے احمدی اور تحریک آزادی	۴۳۹
بیرونی مما کے احمدی اور تحریک آزادی	۴۴۲

فصل دوم

عنوان	صفحہ
مسلمانان ریاست کی تنظیم	۴۴۳
شیخ محمد عبداللہ صاحب کی صدر کشمیر کمیٹی سے پہلی ملاقات اور تنظیم کے سنہری دور کا آغاز	۴۴۵
اندرون کشمیر کام کرنے والے بعض پرجوش کارکن	۴۴۹

عنوان	صفحہ
برادران کشمیر کے لئے مطبوعہ خطوط	۴۵۰
فصل سوم	
حکومت ہند اور حکومت کشمیر سے رابطہ اور خط و کتابت	۴۵۲
فصل چہارم	
''یوم کشمیر'' کے عظیم الشان جلسے اور ان کا ردعمل	۴۵۷
فصل پنجم	
عالمی پراپیگنڈے کا آغاز	۴۶۱
مہاراجہ کشمیر کی سازش اور اس کی ناکامی	۴۶۳
کشمیر کمیٹی کے جلسہ پر سنگباری	۴۶۵
فصل ششم	
مظلومین ریاست کو طبی اور مالی امداد	۴۷۰
فصل ہفتم	
معاہدہ صلح اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا مخلصانہ مشورہ	۴۷۶
فصل ہشتم	
حکام ریاست اور ہندوؤں کا شرانگیز منصوبہ، جماعت احمدیہ کے خلاف مہم۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا اجلاس سیالکوٹ اور ریاست میں مسلمانوں کا قتل عام	۴۸۰
مسلمانان سرینگر و اسلام آباد پر فوج کے مظالم	۴۸۵
تحریک آزادی کے لئے مسلسل قربانی کی تحریک	۴۸۶
فصل نہم	
مہاراجہ صاحب کی طرف سے ابتدائی حقوق دیئے جانے کا اعلان	۴۸۷
حضرت خلیفۃ المسیح کا ایک اہم اعلان	۴۸۸
مہاراجہ کے سامنے مسلم وفد کے مطالبات	۴۸۸
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا تار مہاراجہ کشمیر کے نام	۴۸۹
مہاراجہ کی طرف سے ابتدائی حقوق دیئے جانے کا اصولی اعلان اور پتھر مسجد کی واگزاری	۴۹۰
مہاراجہ صاحب کشمیر کا قابل تعریف اعلان رعایا کو ضروری حقوق دینے کا اقرار	۴۹۲
حواشی	۴۹۷
چوتھا باب	
فصل اول	
کمیشن میں کام کرنے والے مخلص کارکن	۵۰۴
تبدیلی مذہب اور گاؤکشی سے متعلق قوانین کی فراہمی	۵۰۷
حضرت امام جماعت احمدیہ کی خدمت میں زعمائے کشمیر	۵۰۷

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
کمیشن جموں میں	۵۰۸	مسٹر لاتھر سے سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کی ملاقات	۵۲۴
جموں کے لیڈر سردار گوہر رحمان صاحب کے خطوط	۵۰۸	وزیراعظم ہری کشن کول صاحب کی برطرفی	۵۲۴
ملک فضل حسین صاحب کی دو تصانیف	۵۱۰	ہری کشن کول صاحب سے متعلق اہم واقعات	۵۲۴
گلانسی کمیشن کے مسودہ اصلاحات پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی نظر ثانی	۵۱۲	مہاجرین علاقہ میرپور کے خورد و نوش اور بازیابی کے لئے جدوجہد	۵۲۷
مڈلٹن کمیشن کی رپورٹیں	۵۱۲	مظلومین پونچھ کی امداد کے لئے سید ولی اللہ شاہ صاحب کی مساعی جمیلہ	۵۲۸
گلانسی کمیشن کی رپورٹ اور مسلمانان کشمیر کے حقوق و مطالبات پر مہر تصدیق	۵۱۳	سید ولی اللہ شاہ صاحب کی خدمات پر شکریہ	۵۳۱
حضرت امام جماعت احمدیہ کی طرف سے گلانسی اور زعماء کشمیر کو مبارکباد	۵۱۵	وزیراعظم سے کشمیر کمیٹی کے وفد کی ملاقات	۵۳۰
سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کا دورہ کشمیر	۵۱۵	اہل کشمیر سے خطاب	۵۳۱
فصل دوم		سید ولی اللہ شاہ صاحب کی جدوجہد اور مجرموں کی سزایابی	۵۳۲
حضرت امام جماعت احمدیہ کی طرف سے اہل کشمیر کے لئے مالی و جانی قربانیوں کی پرزور تحریک اور اہل کشمیر سے ایک اہم وعدہ	۵۱۷	**فصل چہارم**	
فصل سوم		مظلومین کشمیر کے مقدمات کی شاندار وکالت اور بے نظیر کامیابی	۵۳۵
فسادات اور ان کی روک تھام، زعماء کشمیر کی رہائی کے لئے کامیاب جدوجہد اور مجرموں کی سزایابی	۵۲۰	شیخ بشیر احمد صاحب بی۔اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ	۵۳۶
سول نافرمانی کی تحریک	۵۲۱	چوہدری عصمت اللہ صاحب وکیل	۵۳۸
شیخ محمد عبداللہ صاحب اور دوسرے زعماء کشمیر کی گرفتاری پر احتجاج اور ان کی رہائی	۵۲۲	شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ	۵۳۹
ریاست کشمیر کا مقابلہ کرنے کے لئے نیا پروگرام	۵۲۳	چیف جسٹس کشمیر کے نام میموریل	۵۴۴
		چوہدری عزیز احمد صاحب بی اے۔ ایل ایل بی	۵۴۷
		قاضی عبدالحمید صاحب امرتسری	۵۴۷

عنوان	صفحہ
میر محمد بخش صاحب ایڈووکیٹ	۵۴۸
چوہدری اسداللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء۔ لاہور	۵۵۰
وکلاء کی خدمات پر خراج تحسین	۵۵۱
جناب اللہ رکھا صاحب ساغر کا بیان	۵۵۱
شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب کا بیان	۵۵۲
عتیق اللہ صاحب کشمیری کا بیان	۵۵۴
صاحب دین صاحب میرپور کا بیان	۵۵۴

فصل پنجم

عنوان	صفحہ
برادران کشمیر کے نام حضرت امام جماعت احمدیہ کے پیغامات	۵۵۵
حقیقت حال	۵۹۵
کشمیر ایجی ٹیشن ۱۹۳۸ء کے متعلق چند خیالات	۶۱۱
سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے بعض نہایت اہم غیر مطبوعہ مکتوبات	۶۱۶
عارضی معاہدہ کی شرائط	۶۱۷

فصل ششم

عنوان	صفحہ
"آل جموں وکشمیر مسلم پولیٹیکل کانفرنس" کی بنیاد	۶۲۷
شیخ محمد عبداللہ صاحب کی ایک درخواست	۶۲۸
سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور مولوی عبدالرحیم صاحب درد کے ہاتھوں کانفرنس کے انتظامات	۶۲۸
مسلم کانفرنس کا پہلا تاریخی اجلاس	۶۲۹
حضرت امام جماعت احمدیہ کے نام شیخ محمد عبداللہ صاحب کا مکتوب	۶۳۱
مسلم کانفرنس کے دوسرے اجلاس	۶۳۲
مسلم کانفرنس کا سیاسی اثر	۶۳۳
کانفرنسی لیڈروں کی طرف سے اتحاد کی اپیل	۶۳۳
حواشی	۶۳۶

پانچواں باب

فصل اول

عنوان	صفحہ
تحریک آزادی کے چھٹے دور کا آغاز	۶۴۱
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا صدارت سے استعفیٰ اور اس کا ردعمل	۶۴۴
میر احمد اللہ صاحب ہمدانی میر واعظ سرینگر	۶۴۷
مسلمانان سرینگر	۶۴۷
مسلمانان جموں	۶۴۷
مسلمانان علاقہ ساہنی (ریاست جموں)	۶۴۸
مسلمانان میرپور	۶۴۸
مسلم ایسوسی ایشن پونچھ	۶۴۹
مسلمانان تھکیالہ پڑاوہ	۶۴۹
مسلمانان گلگت	۶۵۰
مسلم پریس کا تبصرہ	۶۵۰

عنوان	صفحہ
ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کا استعفیٰ اور اخبار ''ریاست''	۶۵۱
قدیم کشمیر کمیٹی کے خاتمہ کا اعلان اور جدید کشمیر کمیٹی کی تشکیل	۶۵۴
''جدید کشمیر کمیٹی'' کا انجام	۶۵۵
دو اہم بیانات	۶۵۶
فصل دوم	
''آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن'' کی شکل میں ''کشمیر کمیٹی'' کا احیا	۶۵۹
حضرت امام جماعت احمدیہ کا شکریہ	۶۶۱
''میاں احمد یار وکیل صدر مسلم کانفرنس کا بیان	۶۶۲
فہرست ممبران آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن	۶۶۲
فصل سوم	
اخبار ''اصلاح'' کا اجراء	۶۶۴
اخبار اصلاح اہل کشمیر کی نظر میں	۶۶۴
اخبار اصلاح کے مدلل اداریے	۶۶۵
اخبار ''اصلاح'' کا عملہ	۶۶۸
فصل چہارم	
کشمیر کی پہلی اسمبلی کا قیام اور مسلم کانفرنس کی سو فیصدی کامیابی	۶۶۹
شیخ محمد عبداللہ کے اہم مکتوبات	۶۶۹
قادیان میں مجلس کشامرہ کی بنیاد	۶۷۲
فصل پنجم	
چوہدری عبدالواحد صاحب کی قومی وملی خدمات	۶۷۳
کشمیر کے مسلم پریس کی تنظیم	۶۷۶
کشمیر ایسوسی ایشن کو خراج تحسین	۶۷۶
شیخ محمد عبداللہ صاحب کے قابل قدر ارشادات اور اسلامیان کشمیر کا فرض	۶۷۶
فصل ششم	
۱۹۳۸ء کی ایجی ٹیشن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی رہنمائی اور مسلم کانفرنس کا احیاء سرینگر میں	
مسلمانوں کے جلوس پر لاٹھی چارج	۶۷۸
کشمیر ایجی ٹیشن کے متعلق چند خیالات	۶۷۹
جماعت احمدیہ اور نیشنل کانفرنس	۶۷۹
مسلمانان کشمیر کو کشمیری پنڈتوں کے عزائم سے چوکس اور ہوشیار کرنے کی مہم	۶۸۱
مسلم کانفرنس کا احیاء	۶۸۱
مسلم ویلفیئر ایسوسی ایشن کا قیام	۶۸۲
فصل ہفتم	
''شاہی تحقیقاتی کمیشن کے سامنے خواجہ غلام نبی صاحب گلکار، چوہدری عبدالواحد صاحب اور خواجہ عبدالرحمان صاحب ڈار کے بیانات	۶۸۳
مولوی عبداللہ ناصر الدین صاحب کا بیان	۶۸۳
کشمیر چھوڑ دو	۶۸۴

عنوان	صفحہ
فصل ہشتم	
آزاد کشمیر حکومت کی بنیاد، حضرت امام جماعت احمدیہ کی اقوام متحدہ سے متعلق ایک نصیحت	۶۸۵
ڈاکٹر بشیر محمود وانی شہید	۶۸۹
کشمیر اور حیدرآباد کو فوری طور پر متوازی سطح پر حل کرنے کا بروقت مشورہ	۶۹۳
مجاہدین کشمیر کی اعانت کے لئے اپیل	۶۹۴
انجمن مہاجرین جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا قیام	۶۹۵
فصل نہم	
اہل کشمیر کی طرف سے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کی سلامتی کونسل میں نمائندگی	۶۹۶
یو۔این۔او پر اعتماد نہ کرنے کی نصیحت	۶۹۸
فصل دہم	
احمدی کمپنی معراجکے کے محاذ پر	۶۹۹
فرقان بٹالین کا قیام	۶۹۹
فرقان بٹالین کے دوسالہ مجاہدانہ کارنامے	۷۰۰
فرقان بٹالین کے مجاہدوں پر ایک نظر	۷۰۲
فرقان بٹالین کے شہداء	۷۰۳
فرقان بٹالین کی تقریب سبکدوشی	۷۰۴
کمانڈر انچیف پاکستان کا پیغام	۷۰۶
مجاہدین کا پرجوش استقبال	۷۰۶
''فاتح الدین'' حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا خطاب اور ایک اہم اعلان	۷۰۷
فرقان بٹالین کے کارناموں پر غیروں کا خراج تحسین	۷۰۷
فرقان بٹالین کے نظم ونسق پر ایک طائرانہ نظر	۷۰۸
حضور کی محاذ پر آمد	۷۱۱
جناب شیر ولی صاحب	۷۱۱
فصل یازدہم	
جنوری ۱۹۴۹ء کی جنگ بندی	۷۱۳
تحریک کشمیر کے لئے متحد العمل ہونے کی دردمندانہ تحریک	۷۱۳
جماعت احمدیہ کو جہاد کے لئے تیار رہنے کی ہدایت	۷۱۳
آزادی کشمیر کے لئے دعا	۷۱۴
مستقبل سے متعلق ایک آسمانی انکشاف	۷۱۴
آزادی کشمیر کے لئے دعاؤں کی تحریک خاص	۷۱۵
سیدنا المصلح الموعود کا عہد اور دعائیہ کلمات	۷۱۶
حواشی	۷۱۷
تاریخ احمدیت جلد پنجم پر ہفت روزہ ''انصاف'' راولپنڈی کا تبصرہ	۷۲۳

حصہ اول

۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۱ء

پہلا باب

جلسہ ہائے سیرت النبیؐ کی تجویز و انعقاد
سے لے کر
تقریر فضائل القرآن تک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
وعلی عبدہ المسیح الموعود

پہلا باب (فصل اول)

جلسہ ہائے سیرت النبیؐ کی تجویز و انعقاد سے لے کر تقریر "فضائل القرآن" تک

خلافت ثانیہ کا پندرھواں سال

(جنوری ۱۹۲۸ء تا دسمبر ۱۹۲۸ء بمطابق رجب ۱۳۴۶ھ تا رجب ۱۳۴۷ھ)

خلافت ثانیہ کا نیا دور الحمد للہ کہ ہم کو اس جلد سے خلافت ثانیہ کے ایک نئے دور میں داخل ہونے کی توفیق عطا ہوئی ہے یہ نیا دور ۱۹۲۸ء سے شروع ہوتا ہے جس میں ایک طرف تحفظ ناموس رسول کی وہ تحریک خاص جو حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۹۲۷ء سے جاری کر رکھی تھی۔ "سیرت النبیؐ" کے عالمگیر جلسوں کی صورت میں نقطہ عروج تک پہنچ گئی اور دوسری طرف جماعت احمدیہ نے ہندوستان کے سیاسی حقوق سے متعلق برطانوی حکومت کے مقرر کردہ۔۔ سائمن کمیشن سے تعاون کر کے مسلمانان ہند کے قومی و سیاسی مطالبات کی تکمیل کے لئے ایک نئے رنگ کی آئینی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔[1]

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ان بیرونی تحریکات میں راہ نمائی کا فرض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ جماعت کی اندرونی اصلاح و تربیت کی طرف بھی خصوصی توجہ مبذول فرمائی۔ چنانچہ آپ نے ۱۹۲۸ء ہی میں احمدیوں میں قرآن مجید کا ذوق و شوق پیدا کرنے کے لئے ۱۹۱۷ء اور ۱۹۲۴ء کے درسوں کی طرح مسلسل ایک ماہ تک قادیان میں درس قرآن دیا یہ وہی معرکتہ الآراء درس تھا جو بعد کو تفسیر کبیر جلد سوم کی صورت میں شائع ہوا اور جس نے دنیائے تفسیر میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا۔

مسلمانان عالم خصوصاً مسلمانان ہند اس زمانے میں بڑے نازک دور میں سے گذر رہے تھے۔ اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ کی قیادت ہی اس رنگ میں فرما رہے تھے کہ پوری جماعت مسلمانوں کے عمومی مفاد کے لئے زندہ اور متحرک مرکز بن جائے اس غرض کے لئے آپ نے ۱۹۲۷ء میں ۲۵ لاکھ کا ایک ریزرو فنڈ قائم کرنے کی تحریک فرمائی۔ [۲] تا سلسلہ کے عام بجٹ پر بوجھ ڈالے بغیر ہی دیگر مسلمانوں کی ترقی و بہبود کا فرض بخوبی ادا ہوتا رہے اور اخراجات کی کمی کے باعث مفید اور اہم تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کی رفتار سست نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس سال یعنی ۱۹۲۸ء میں حضور نے جماعت احمدیہ کے سامنے جو سالانہ پروگرام رکھا اس میں تیسرے نمبر پر ریزرو فنڈ کو بھی شامل فرمایا۔

ان خصوصیات کے علاوہ ۱۹۲۸ء کو کئی اور پہلوؤں سے بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ مثلاً اسی سال جامعہ احمدیہ کا افتتاح ہوا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب (خلف اکبر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام) نے قبول احمدیت کا اعلان کیا۔ قادیان میں ریل آئی۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے قلم سے نہرو رپورٹ پر تبصرہ شائع ہوا۔ اور "فضائل القرآن" کے موضوع پر سالانہ جلسہ میں تقاریر کا ایمان افروز سلسلہ جاری کیا گیا۔

۱۹۲۸ء کے واقعات کا سرسری جائزہ لینے کے بعد اب ہم اس سال کے حالات پر بالتفصیل روشنی ڈالتے ہیں۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے اخلاق عالیہ کا ایک یادگار واقعہ

تاریخ اسلام خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم کی اسلامی مساوات کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ چونکہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بھی سلسلہ خلافت کے ایک ممتاز اور مبارک فرد ہیں اس لئے آپ کی سیرت مقدسہ بھی عہد اول کی یاد تازہ کر دیتی ہے اور آپ کی ذات میں ان مقدس بزرگوں کے اخلاق محمدی کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔

۲۷/ جنوری ۱۹۲۸ء کا واقعہ ہے کہ چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے کے ہاں دعوت ولیمہ تھی جس میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور جماعت کے بہت سے معززین مدعو تھے۔ جس کمرے میں بیٹھنے کا انتظام تھا وہاں لکڑی کے دو تخت بچھے تھے جن پر حضور کے لئے نشست گاہ بنائی گئی تھی۔ اور چونکہ وہ کافی لمبے چوڑے تھے اس لئے حضور کے ساتھ اور بھی کئی اصحاب بیٹھ سکتے تھے۔ باقی کمرہ میں دیگر اصحاب کے بیٹھنے کے لئے فرش پر ہی انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن حضور جب کمرہ میں تشریف لائے اور اس جگہ رونق افروز ہونے کی درخواست کی گئی تو حضور نے اس وجہ سے کہ وہ جگہ کمرے کے دوسرے فرش سے کسی قدر اونچی ہے وہاں بیٹھنا گوارا نہ کیا اور فرمایا کہ اور دوست نیچے بیٹھیں تو

میں اوپر کیسے بیٹھ سکتا ہوں اور آپ نیچے فرش پر بیٹھ گئے۔ ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اور دوست وہاں بیٹھ جائیں مگر کسی خادم کو یہ جرات نہ ہوئی کہ ایسی حالت میں جبکہ اس کا پیارا آقا نیچے فرش پر بیٹھا ہے اونچے حصہ پر جا بیٹھے۔ لیکن جب یہ کمرہ بھر گیا اور جگہ تنگ ہو گئی اور بارش کی وجہ سے کوئی اور انتظام بھی ممکن نہ ہو سکا تو اس جگہ چھوٹے بچے بٹھا دیئے گئے اس پر حضور نے ازراہ مزاح فرمایا ان بچوں کی نگرانی کے لئے چند بڑے بھی ان کے ساتھ بیٹھ جائیں۔ چونکہ بچوں کو اس جگہ بٹھا دینے کے باوجود جگہ کی قلت دور نہیں ہوئی تھی اس لئے بعض اور اصحاب نے بھی وہاں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ [۳]

سائمن کمیشن کی آمد اور جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات

"تاریخ احمدیت" کی جلد پنجم میں سرسری طور پر یہ ذکر کیا جا چکا ہے [۴] کہ برطانوی پارلیمنٹ نے ہندوستان کو مزید سیاسی حقوق دینے اور دوسرے اہم ملکی مسائل کا جائزہ لینے کے لئے ۱۹۲۷ء کے آخر میں ایک کمیشن بھجوانے کا اعلان کیا تھا جس کے پریذیڈنٹ انگلستان کے بیرسٹر سر جان سائمن مقرر کئے گئے۔ کمیشن کے فرائض میں یہ داخل تھا کہ وہ ہندوستان آکر مرکزی اور صوبائی قانون ساز اسمبلیوں اور کونسل آف سٹیٹ کے نمائندوں اور حکومت کے افسروں سے مشورے کرنے کے علاوہ مختلف ہندوستانی جماعتوں کے خیالات بھی دریافت کرے اور مختلف شہادتوں کو قلمبند کر کے اور متعلقہ امور کی تحقیقات کر کے دو سال تک اپنی رپورٹ برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے پیش کر دے تا آئندہ دستور اساسی کی تیاری میں اس سے مدد مل سکے۔

کمیشن کا اعلان ہوتے ہی آل انڈیا نیشنل کانگریس نے اس بناء پر کہ کمیشن میں کوئی ہندوستانی ممبر شامل نہیں کیا گیا۔ اس کے بائیکاٹ کا فیصلہ کر لیا۔ [۵] اور مسلمانوں کے بعض قوم پرور اور ذہین لیڈر اور صف اول کے سیاستدان جیسے جناب محمد علی جناح، سر عبد الرحیم اور مولانا محمد علی جوہر بھی اس فیصلہ کی تائید میں ہو گئے۔

سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اس نازک ترین موقعہ پر مسلمانوں کی قیادت کے لئے پھر میدان عمل میں آئے اور آپ نے مسلمانوں کو بتایا کہ کمیشن کا بائیکاٹ ہندوؤں کی ایک خطرناک چال ہے انہوں نے انگریزوں سے تعلقات قائم کر کے انہیں اپنے مطالبات کی معقولیت منوانے کی مہم سالہا سال سے جاری کر رکھی ہے۔ اور انگلستان کے بااثر لیڈروں سے ان کے گہرے تعلقات ہیں اس کے مقابل مسلمانوں میں بہت ہی کم انگریز لیڈروں کے روشناس ہیں نتیجہ یہ ہے کہ انگریز ہندوستان کے مطالبات وہی سمجھتے ہیں جو ہندوؤں کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔ اب ہندو یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے اپنے مطالبات پیش کرنے کا جو موقعہ پیدا ہوا ہے وہ بھی ان کے بائیکاٹ

میں شامل ہو کر ضائع کر دیں۔ ان حالات میں مسلمانوں کا بھی کمیشن کے بائیکاٹ میں شریک ہونا مسلم مفاد کے سراسر خلاف اور سخت ضرر رساں اور مہلک ثابت ہو گا۔[۶] لہٰذا آپ نے تمام مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ اس اہم موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے حقوق کو بالوضاحت کمیشن کے سامنے پیش کریں اس سلسلہ میں حضور نے مندرجہ ذیل اہم مسائل کی تیاری کا مشورہ دیا۔

اول :انگریزوں کے نزدیک اقلیتوں کی حفاظت کا سوال چنداں اہمیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہاں پارٹیوں کی بنیاد سیاسی خیالات پر ہے جو بدلتے رہتے ہیں مگر ہندوستان کی پارٹیوں کی بنیاد مذہب ہے جو بہت کم بدلتا ہے پس انگلستان اور ہندوستان کے فرق کو سمجھا کر کمیشن کے پرانے تعصب کو جسے ہندوؤں کے بیانات نے اور بھی بڑھا دیا ہے۔ دور کرنا چاہیئے اور اقلیتوں کے تحفظ حقوق کے متعلق اپنے مطالبات اور دلائل کا ذخیرہ جمع کر لینا چاہیئے۔

دوم :اس وقت تک ہندوؤں کو مسلمانوں پر غلبہ ادنیٰ اقوام کی وجہ سے ہے ہندو لوگ چوہڑوں وغیرہ کو حق تو کوئی نہیں دیتے لیکن انہیں ہندو قرار دے کر ان کے بدلہ میں خود اپنے لئے سیاسی حقوق لے لیتے ہیں مسلمانوں کا فرض ہے کہ انہیں ابھاریں ان کی تنظیم میں مدد دیں اور کمیشن کے سامنے ان کے معاملہ کو پیش کرنے میں مدد دیں۔

سوم :ہندوستان کے مخصوص حالات میں مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب کی سخت ضرورت ہے پس اس امر پر زور دینا چاہیئے کہ اس حق کو ہندوستان کے اساسی قانون میں داخل کیا جائے اور جب تک مسلمان قوم بہ حیثیت قوم راضی نہ ہو اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔[۷]

چہارم :پنجاب اور بنگال اور جو آئندہ مسلم اکثریت کے صوبے بنیں ان میں مسلمانوں کو اس قدر حقوق دیئے جائیں کہ ان کی کثرت قلت میں نہ بدل جائے اس وقت بنگال کے چھپن فیصدی مسلمانوں کو چالیس فیصدی حق ملا ہوا ہے اور پنجاب کے پچپن فیصدی کو قریباً پینتالیس فیصدی' اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان کسی صوبے کو بھی اپنا نہیں کہہ سکتے اور آزاد ترقی کے لئے کوئی بھی راستہ کھلا نہیں۔

پنجم :صوبہ سرحد میں اصلاحی طریق حکومت کے لئے کوشش ہونی چاہیئے۔ اور سندھ کے متعلق یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ وہ بمبئی سے الگ ایک مستقل صوبہ قرار دیا جائے۔

ششم :اس امر کو اساسی قانون میں داخل کرنا چاہیئے کہ کوئی دوسری قوم آزادی کے کسی مرتبہ پر بھی کسی ایسے امر کو جو کسی دوسری قوم کی مذہبی آزادی سے تعلق رکھتا ہو محدود نہیں کر سکے گی۔ خواہ براہ راست مذہبی اصلاح کے نام سے خواہ تمدنی اور اقتصادی اصلاح کے نام سے

ہفتم : تبلیغ ہر وقت اور ہر زمانہ میں قیود سے آزاد رہے گی۔

ہشتم : زبان کا سوال کسی قوم کی ترقی کے لئے اہم سوال ہوتا ہے پس یہ فیصلہ ہونا چاہیئے۔ کہ مسلمانوں کو اردو زبان میں تعلیم حاصل کرنے کی پوری اجازت ہوگی۔ اور جن صوبوں میں اردو رائج ہے ان میں اردو زبان قانونی زبان کی حیثیت سے ہمیشہ کے لئے قائم رہے گی۔ [۸]

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ نقطہ نگاہ رسالہ "مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت" کی صورت میں اردو اور انگریزی زبان میں شائع فرمادیا اور اسے وسیع پیمانہ پر پھیلا کر ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک اس تنظیم و کثرت کے ساتھ پہنچادیا کہ مسلمانوں کا کثیر طبقہ جو کانگریس کی تحریک مقاطعہ سے متفق ہو چکا تھا کمیشن سے تعاون کو ضروری سمجھنے لگا۔ [۹] اور گو جناب محمد علی جناح بدستور بائیکاٹ کی پالیسی پر دیانتداری سے ڈٹے رہے۔ مگر مسلم لیگ میں شامل مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقے نے سر شفیع کی قیادت میں اپنی الگ تنظیم قائم کرکے کمیشن سے تعاون کا فیصلہ کرلیا۔ اس نئی لیگ کے صدر سر شفیع صاحب بنے اور سیکرٹری ڈاکٹر سر محمد اقبال۔ [۱۰] جنہوں نے کمیشن کے بائیکاٹ کی پرزور مخالفت کی۔ [۱۱]

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی اس بروقت رہنمائی ہی کا نتیجہ تھا کہ ۳/ فروری ۱۹۲۸ء کو سائمن کمیشن ساحل بمبئی پر وارد ہوا تو کانگریس کے احتجاجی مظاہروں اور اس کی کوششوں کے باوجود مسلمانوں نے عموماً اس کمیشن سے تعاون ہی کو ترجیح دی چنانچہ کلکتہ' دہلی اور بمبئی میں مسلمانوں کی اکثریت ہڑتالیوں سے الگ رہی۔ شمالی ہندوستان میں جہاں مسلم اکثریت کو بائیکاٹ میں شامل کرنے کے لئے کانگریسی خیال کے علماء مثلاً مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر "زمیندار" بہت زور لگا رہے تھے"۔ [۱۲] "انقلاب" جیسا اخبار پشت پناہی کرنے لگا تھا [۱۳] اور مولانا محمد علی صاحب جوہر' ابوالکلام صاحب آزاد' ڈاکٹر انصاری صاحب اور لالہ لاجپت رائے جیسے لیڈر صوبہ کا دورہ کررہے تھے اور بڑی جوشیلی تقریروں سے لوگوں کو بائیکاٹ پر اکسا رہے تھے۔ مگر یہاں بھی کانگریسی پروگرام ناکام رہا۔ اور دارالسلطنت لاہور میں تو اسے عبرتناک ناکامی ہوئی چنانچہ ہندو اخبار "ملاپ" لاہور (۵/ فروری ۱۹۲۸ء) نے اقرار کیا کہ "صرف چند دکانیں بند تھیں جو انگلیوں پر شمار کی جاسکتی ہیں"۔ [۱۴] اور ممکن ہے یہ چند دکانیں بھی دکانداروں کی کسی مصروفیت یا بیماری کی وجہ سے ہی بند ہوں۔ اخبار "ملاپ" نے اس ناکامی کی وجہ یہ بتائی کہ لوگوں کو اپنے لیڈروں پر اعتماد نہیں رہا۔ چنانچہ اس کے الفاظ یہ تھے "لاہور کے ہندو بھی اور مسلمان بھی ایسے لیڈروں سے بہت بیزار ہو چکے ہیں"۔ [۱۵]

جناب عبدالمجید صاحب سالک نے سائمن کمیشن کے خلاف بائیکاٹ کی مہم کا ذکر کرنے کے بعد لکھا

کہ "بائیکاٹ ہوا بھی اور نہ بھی ہوا جن لوگوں کو اس کمیشن کے سامنے شہادتیں دینی تھیں۔ وہ دے بھی آئے اور سنا ہے کہ خود کانگریس نے بھی نہرو رپورٹ کی ایک کاپی خفیہ طور پر کمیشن کو بھیج دی تھی۔ تا کہ مبادا کمیشن کانگریس کے نقطہ نگاہ سے بے خبر رہے"۔ [۱۶]

پنجاب کونسل کے ممبروں نے بھی کمیشن سے تعاون کیا اور کمیشن سے تعاون کے لئے سات افراد پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی۔ کمیٹی کے مسلمان ممبروں میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب بھی شامل تھے۔ جنہوں نے حسب سابق قومی اور ملی مطالبات کو کمیشن تک پہنچانے اور شہادتوں پر جرح کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ چنانچہ لاہور کے انگریزی اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" (۵/ نومبر ۱۹۲۸ء) نے لکھا۔

"ہمارا سیاسی نمائندہ جو سائمن کمیشن کے ساتھ ہے ہندوستانی ممبروں کی مختلف النوع شخصیتوں سے بہت ہی متاثر ہوا ہے سر شنکرن نائر وجاہت اور علیحدگی پسند ہیں سر سکندر حیات خان صاحب خوش گفتار اور اپنی طرف مائل کر لینے والے ہیں۔ مسٹر راجہ اچھوت اقوام کے نمائندے ہیں۔ مسٹر اروِن رابرٹس ہوشیار اور چوکس ہیں سر ذوالفقار علی خاں صاحب فاضل ہیں اور دل نشین طرز میں گفتگو کرنے والے ہیں شہادت دینے والوں پر جرح کرنے کے باب میں ایک نمایاں شخصیت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی ہے آپ داڑھی رکھے ہوئے ہیں۔ آپ کوئی دور از کار بات نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ مطلب کی بات کہتے ہیں اور اس لحاظ سے آپ سر آرتھر فروم سے مشابہ ہیں یعنی آپ کی آواز پُرشوکت ہے اور نہایت برجستہ تقریر کرنے والے ہیں"۔ [۱۷]

اگرچہ پنجاب کونسل کی پہلی سائمن کمیٹی میں ہندوؤں کی ہوشیاری اور بعض مسلمانوں کی خود غرضی کے باعث مسلمانوں کو جو صوبہ میں پچپن فی صدی تھے تیس فیصدی سے بھی کم نمائندگی ملی [۱۸] جس کے خلاف حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی احتجاجاً آواز بلند فرمائی۔ تاہم کمیٹی کی اکثریت نے (جو چوہدری ظفر اللہ خان صاحب' کپتان سردار حیات خان۔ رائے صاحب چوہدری چھوٹو رام اور مسٹر رابرٹس پر مشتمل تھی) آئندہ اصلاحات سے متعلق اس نے سفارش کی کہ کونسل کے تمام ممبر منتخب شدہ ہوں جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب قائم رہیں۔ اور تمام صوبے اپنے اندرونی معاملات میں خود مختار ہوں۔ [۱۹] وغیرہ وغیرہ۔

کمیشن کے سامنے دو دفعہ جماعت احمدیہ کا وفد بھی پیش ہوا۔ ایک بار گورداسپور میں دوسری بار لاہور میں۔ گورداسپور کے وفد میں ضلع کے بعض معزز ممبروں کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب' حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھی تھے۔ [۲۰] لاہور کے وفد میں پنجاب کے مختلف حصوں سے ۱۶ نمائندے شامل ہوئے جن کے نام یہ ہیں۔ حضرت

صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب' حضرت نواب محمد علی خان صاحب۔ سردار امیر محمد خان صاحب تمندار کوٹ قیصرانی۔ جنرل اوصاف علی خان صاحب مالیر کوٹلہ۔ کپتان غلام محمد صاحب دوالمیال۔ لیفٹیننٹ تاج محمد خان صاحب اسماعیلیہ (مردان) چوہدری ظفر اللہ خان صاحب بیرسٹر ممبر لیجسلیٹو کونسل پنجاب' قاضی محمد شفیق صاحب ایم۔ اے ایل ایل بی۔ چارسدہ۔ چوہدری سلطان احمد صاحب ذیلدار گجرات۔ چوہدری غلام حسین صاحب سفید پوش لائل پور' حضرت مولوی ذوالفقار علی خان صاحب ناظر اعلیٰ' حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے' حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ [۲۱]

اس وفد نے احمدی نقطہ خیال سے سیاسی امور پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اور تمام ممبران کمیشن کو سلسلہ کی کتابیں دی گئیں اور سیاسی امور سے قبل سلسلہ کے حالات اختصاراً سنائے۔ صدر کمیشن نے کہا کہ وہ سلسلہ احمدیہ کی اہمیت کے قائل ہیں اور رائے دہی اور تعاون کے شکر گزار۔ وفد نے اپنا میموریل ۵ لاکھ دستخطوں کے ساتھ پیش کیا۔ [۲۲]

مسلمانوں کو صحیح طریق عمل اختیار کرنے کی دعوت

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ جماعت کی کامیابی کے ذرائع پر غور و فکر فرماتے رہتے تھے۔ اسی ضمن میں حضور نے ۱۰ فروری ۱۹۲۸ء کو ایک خطبہ جمعہ دیا جس میں بتایا کہ دوسرے مسلمان قربانیاں بھی کرتے ہیں مگر ان کے اعلیٰ نتائج نہیں نکلتے اس کے مقابل جماعت احمدیہ میں نصرت اور تائید الٰہی کا عجیب نظارہ نظر آتا ہے جس کی صرف یہی وجہ ہے کہ صحیح راستہ اختیار کئے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی۔ [۲۳]

اس خطبہ پر اخبار "تنظیم" (۲۸ / فروری ۱۹۲۸ء نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا"۔ صاحبو! مرزا صاحب کی تقریر کا ایک ایک لفظ صحیح ہے اگر مجھ سے پوچھو تو میں عرض کروں گا کہ اس وقت مسلمانوں میں نیک نیت مجاہد' ایثار پیشہ کارگذار اور مقاصد کو سمجھنے والے تو ہزاروں موجود ہیں مگر" طریق کار" مرتب کرنے والے بہت کم ہیں۔......... ہم جس قدر عمل و خدمت اور ایثار و قربانی کر رہے ہیں اسی قدر اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کی ہے اور ہماری انجمنیں اور اخبار جس قدر تیز دوڑ رہے ہیں اسی قدر قوم اپنے نصب العین سے دور جا رہی ہے اس لئے کہ راستہ صحیح نہیں۔ احمدیہ جماعت نے ہم سے بہت پیچھے اپنا سفر شروع کیا ہے۔ لیکن آج ہم اس جماعت کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے دنیا کے ہر گوشہ میں اس جماعت کے نام اور کام کی دھوم ہے ہم بھی کام کے مدعی ہیں لیکن اے غافل مسلمانو! سوچو کہ ہم نے عملی طور پر کیا کیا؟"۔ [۲۴]

حافظ روشن علی صاحب کی تبلیغ حق

فروری ۱۹۲۸ء میں حضرت حافظ روشن علی صاحب (حضرت مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب کے فرزند رشید) (پروفیسر) حبیب اللہ خان صاحب کی برات کے ساتھ میرٹھ تشریف لے گئے۔ اس سفر کے لئے حضرت خان صاحب ہی نے تحریک فرمائی تھی آپ کا منشایہ تھا کہ اس موقعہ پر جناب محمد علی صاحب جوہر شریک ہوں گے حضرت حافظ صاحب کے ذریعہ ان کو تبلیغ کا موقعہ مل سکے گا۔ اعلائے کلمہ حق کی خاطر حضرت حافظ صاحب نے یہ بات منظور فرمائی تھی اور آپ کا یہ سفر بہت بابرکت ثابت ہوا۔ جناب محمد علی صاحب جوہر آپ کے تبحر علمی سے بہت متاثر ہوئے۔ نیز دوسرے افراد خاندان نے سلسلہ احمدیہ کی عظمت کا اقرار کیا۔ [۲۵]

مرکزی اور بیرونی درسگاہیں

۱۹۲۸ء میں نظارت تعلیم و تربیت قادیان کے تحت مندرجہ ذیل مرکزی درسگاہیں قائم تھیں۔ مدرسہ احمدیہ قادیان۔ مبلغین کلاس قادیان، تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان۔ مدرسہ البنات قادیان۔ مدرسہ خواتین قادیان متفرق کلاس قادیان۔ درزی خانہ قادیان۔ احمدیہ ہوسٹل لاہور۔ [۲۶]

ان آٹھ باقاعدہ درسگاہوں کے علاوہ جن کے اخراجات کی ذمہ داری صدر انجمن احمدیہ قادیان پر تھی۔ بعض درسگاہیں مقامی جماعتوں نے اپنے طور پر بھی جاری کر رکھی تھیں۔ ان میں دو احمدیہ مڈل سکول تھے ایک گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ میں اور دوسرا کاٹھ گڑھ ضلع ہوشیار پور میں۔ [۲۷] گھٹیالیاں کا سکول مقامی جماعت نے اخراجات کی مشکلات کے باعث ان دنوں ڈسٹرکٹ بورڈ ضلع سیالکوٹ کے سپرد کر دیا تھا۔ اور کاٹھ گڑھ کا سکول چوہدری عبدالسلام خان صاحب کی محنت، توجہ اور مساعی سے مالی تنگی کے باوجود بھی کامیابی سے چل رہا تھا۔

اس کے علاوہ سیکھواں، ونجواں، فیض اللہ چک (ضلع گورداسپور) کتھووالی، بھدرک (کشمیر) اجمیر (ہوشیارپور) سہارنپور وغیرہ میں مردانہ پرائمری سکول اور سیکھواں، کاٹھ گڑھ، علی پور، بنگہ اور سیالکوٹ میں زنانہ مدارس قائم تھے۔

موخر الذکر سکول کا قیام لجنہ اماء اللہ سیالکوٹ اور بابو روشن دین صاحب [۲۸] (سیکرٹری تعلیم و تربیت) کا خصوصاً اور میر عبدالسلام صاحب، بابو قاسم الدین صاحب اور مستری نظام الدین صاحب کی مساعی کا عمومی نتیجہ تھا۔

یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ سیالکوٹ شہر انگریزی عہد اقتدار کے زمانہ میں پادریوں کا بھاری مرکز رہا ہے جہاں عیسائیوں نے مسلمان بچوں اور بچیوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے

شروع ہی سے کئی سکول کھول رکھے تھے۔ جماعت احمدیہ سیالکوٹ نے مسلمان بچیوں کو ان کے اثر سے بچانے کے لئے آنریری استانیوں کی خدمات حاصل کر کے ایک گرلز سکول کی بنیاد رکھی۔ یہ سکول ابتداءً ایک عارضی عمارت میں کھولا گیا۔ مگر لجنہ اماء اللہ سیالکوٹ کی کوشش اور جماعت احمدیہ سیالکوٹ کے تعاون سے احمدیہ مسجد کبوتراں والی کے شمالی جانب مدرسہ کی مستقل عمارت تعمیر کی گئی جو شہر بھر میں مسلمانوں کی پہلی درسگاہ تھی۔ ۱۹/ فروری ۱۹۲۸ء کو اس درسگاہ کا افتتاح نظارت تعلیم و تربیت قادیان کے نمائندہ خصوصی حضرت الحاج مولوی عبدالرحیم صاحب نیرؓ (سابق مبلغ انگلستان و افریقہ) نے فرمایا۔ [۲۸]

یہ درسگاہ ترقی کر کے ہائی سکول تک پہنچ گئی اور اب بابو قاسم الدین صاحب (امیر جماعت احمدیہ ضلع سیالکوٹ) کی نگرانی میں چل رہی ہے۔ سیالکوٹ کی مسلمان بچیوں کو زیور علم سے آراستہ کرنے میں اس کی کوششیں ناقابل فراموش ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ایک مکتوب پردہ سے متعلق

ایک صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ۲۳/ فروری ۱۹۲۸ء کو پردہ سے متعلق بذریعہ خط استفسار کیا جس میں حضور نے ایک مفصل مکتوب تحریر فرمایا جس میں قرآن و حدیث کی روشنی میں صحیح اسلامی پردہ کی وضاحت کرتے ہوئے یہ معتدل مسلک پیش فرمایا کہ:

"پردے کا قرآن کریم نے ایک اصل بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت کے لئے پردہ ضروری ہے **الا ما ظهر منها** [۲۹] (یعنی سوائے اس کے جو آپ ہی آپ ظاہر ہو) آپ ہی آپ ظاہر ہونے والی موٹی چیزیں تو دو ہیں یعنی قد اور جسم لیکن عقلاً یہ بات ظاہر ہے کہ عورت کے کام کے لحاظ سے یا وقت کے لحاظ سے جو چیز آپ ہی آپ ظاہر ہو وہ پردے میں داخل نہیں۔۔ چنانچہ اسی حکم کے ماتحت طبیب عورتوں کی نبض دیکھتا ہے بیماری مجبور کرتی ہے کہ اس چیز کو ظاہر کر دیا جائے اگر منہ پر کوئی جلدی بیماری ہے تو طبیب منہ بھی دیکھے گا۔ اگر اندرونی بیماری ہے تو زبان دیکھے گا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک جنگ میں ہم پانی پلاتی تھیں۔ اور ہماری پنڈلیاں ننگی ہو جاتی تھیں۔ اس وقت پنڈلیوں کا ننگا ہونا قرآن کریم کے خلاف نہ تھا بلکہ اس قرآنی حکم کے مطابق تھا۔ جنگی ضرورت کے لحاظ سے ضروری تھا کہ عورتیں کام کرتیں...... اسی اصل کے ماتحت اگر کسی گھرانے کے شغل ایسے ہوں کہ عورتوں کو باہر کھیتوں پر یا میدانوں میں کام کرنا پڑے۔ تو ان کے لئے آنکھوں اور ان کے اردگرد کا علاقہ کھلا ہونا نہایت ضروری ہو گا۔ پس **الا ما ظهر منها** کے تحت ماتھے سے لے کر منہ تک کا حصہ کھولنا ان کے لئے

بالکل جائز ہو گا اور پردہ کے حکم کے مطابق بغیر اس کے کھولنے کے وہ کام نہیں کر سکتیں اور جو حصہ ضروریات زندگی کے لئے اور ضروریات مصیبت کے لئے کھولنا پڑتا ہے بشرطیکہ وہ مصیبت جائز ہو اس کا کھولنا پردے کے حکم میں شامل ہی ہے۔ لیکن جس عورت کے کام اسے مجبور نہیں کرتے کہ وہ کھلے میدانوں میں نکل کر کام کرے اس کا منہ اس کے پردے میں شامل ہے"۔ [۲۶]

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مختلف حلقوں میں اسلامی پردہ کا سوال زیادہ زور کے ساتھ اٹھا ہوا تھا چنانچہ انہی دنوں شیخ عبدالغفور صاحب میڈیکل سٹوڈنٹ نے (۲۹ / جون ۱۹۲۸ء کو) اور جناب مشرف حسین صاحب ایم۔ اے دہلوی انسپکٹر ڈاکخانہ جات نے (۶ / جولائی ۱۹۲۸ء کو) حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر خاص طور پر اسلامی پردہ کی نسبت آپ کی رائے دریافت کی۔ جس پر حضور کو پردہ کی مزید تشریح و توضیح کرنا پڑی۔ [۲۷]

گھروں میں درس جاری کرنے کی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے سالانہ جلسہ ۱۹۲۷ء پر جماعت کے دوستوں سے ارشاد فرمایا کہ وہ قرآن مجید حدیث شریف اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا درس جاری کریں اور جہاں روزانہ درس نہ ہو سکے۔ وہاں ہفتہ میں دو بار یا کم از کم ہفتہ میں ایک ہی بار درس کا انتظام کر دیا جائے جس پر اس سال بہت سی نئی جگہوں میں درس جاری ہو گئے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے بھی حضور کے ارشاد پر وسط مارچ ۱۹۲۸ء میں ناظر تعلیم و تربیت کی حیثیت سے عہدیداران جماعت کو مزید توجہ دلائی کہ جہاں جہاں ابھی تک سلسلہ درس شروع نہیں ہوا اس کی طرف فوراً توجہ دیں۔ نیز گھروں میں بھی درس جاری کرنے کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:

"ہمارے احباب کو چاہیئے کہ علاوہ مقامی درس کے اپنے گھروں میں بھی قرآن شریف اور حدیث اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا درس جاری کریں۔ اور یہ درس خاندان کے بزرگ کی طرف سے دیا جانا چاہیئے۔ اس کے لئے بہترین وقت صبح کی نماز کے بعد کا ہے لیکن اگر وہ مناسب نہ ہو تو جس وقت بھی مناسب سمجھا جائے اس کا انتظام کیا جائے۔ اس درس کے موقعہ پر گھر کے سب لوگ مرد، عورتیں لڑکے لڑکیاں بلکہ گھر کی خدمت گاریں بھی شریک ہوں اور بالکل عام فہم سادہ طریق پر دیا جائے۔ اور درس کا وقت بھی پندرہ بیس منٹ سے زیادہ نہ ہو تا کہ طبائع میں ملال نہ پیدا ہو۔ اگر ممکن ہو تو کتاب کے پڑھنے کے لئے گھر کے بچوں اور ان کی ماں یا دوسری بڑی مستورات کو باری باری مقرر کیا جائے اور اس کی تشریح یا ترجمہ وغیرہ گھر کے بزرگ کی طرف سے ہو میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس قسم

کے خانگی درس ہماری جماعت کے گھروں میں جاری ہو جائیں۔ تو علاوہ علمی ترقی کے یہ سلسلہ اخلاق اور روحانیت کی اصلاح کے لئے بھی بہت مفید و بابرکت ہو سکتا ہے"۔ [۲۳]

احمدیت کا حال اور مستقبل

۶/ اپریل ۱۹۲۸ء کو جمعہ تھا اس روز احباب مجلس مشاورت کے سلسلہ میں کثرت سے قادیان آئے ہوئے تھے۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے مسجد نور کے متصل بڑ کے درخت کے نیچے ایک ولولہ انگیز خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ:

ہم بڑ کے درخت کے نیچے یہ مشورے کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں کہ دنیا کس طرح فتح کی جائے......... یاد رکھیں آج جو سرگوشیاں ہو رہی ہیں ان کا ایسا نتیجہ نکلے گا کہ ساری دنیا پر احمدیت کا جھنڈا لہرائے گا۔ لیکن آج کے منظر کی تصویر اگر لے لی جائے اور اسے کوئی آج سے چھ سات سو سال بعد شائع کرے تو اس وقت کے لوگ انکار کریں گے کہ یہ ہمارے بڑوں کی حالت کی تصویر ہے وہ کہیں گے ہم نہیں مان سکتے کہ وہ ایسے کمزور تھے۔ اس پر یقین کرنے کے لئے ایک تیز قوت واہمہ کی ضرورت ہو گی۔ مگر میں جماعت سے کہتا ہوں ان وعدوں کا مستحق بننے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور اس کے لئے دعاؤں پر بہت زور دینا چاہیئے۔ معاملات میں صفائی رکھنی چاہیئے ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اپنے نفسوں کو قابو میں رکھنا چاہیئے۔ آپس میں محبت اور اتحاد کا سلوک کرنا چاہیئے"۔ [۲۴]

تعلیم نسواں کے لئے خاص تحریک

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو آغاز خلافت ہی سے احمدی خواتین کی تعلیمی ترقی و بہبود کا خیال رہا ہے مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء کے موقعہ پر حضور نے نمائندگان جماعت کے سامنے تعلیم نسواں کے لئے خاص تحریک کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: [۲۵]

"میرے نزدیک عورتوں کی تعلیم ایسا اہم سوال ہے کہ کم از کم میں تو اس پر غور کرتے وقت حیران رہ جاتا ہوں ایک طرف اس بات کی اہمیت اتنی بڑھتی چلی جارہی ہے کہ دنیا میں جو تغیرات ہو رہے ہیں یا آئندہ ہوں گے جن کی قرآن سے خبر معلوم ہوتی ہے ان کی وجہ سے وہ خیال مٹ رہا ہے جو عورت کے متعلق تھا کہ عورت شغل کے طور پر پیدا کی گئی ہے.......... دوسری طرف اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عورت کا میدان عمل مرد کے میدان سے بالکل علیحدہ ہے........... پس ایک طرف عورتوں کی تعلیم کی اہمیت اور دوسری طرف یہ حالت کہ ان کا میدان عمل جداگانہ ہے یہ ایسے امور ہیں جن پر غور کرتے ہوئے نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہمیں خدا تعالیٰ نے دوسروں کا نقال نہیں

بنایا۔ بلکہ دنیا کے لئے راہ نما بنایا ہے۔ ہمیں خدا تعالیٰ نے اس لئے کھڑا کیا ہے کہ ہم دنیا کی راہ نمائی کریں نہ یہ کہ دوسروں کی نقل کریں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم غور کریں عورتوں کو کیسی تعلیم کی ضرورت ہے ہمیں ہر قدم پر سوچنا اور احتیاط سے کام لینا چاہیئے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کچھ کرنا ہی نہیں چاہیئے کرنا چاہیئے اور ضرور کرنا چاہیئے مگر غور اور فکر سے کام لینا چاہیئے۔ اب تک ہماری طرف سے سستی ہوئی ہے ہمیں اب سے بہت پہلے غور کرنا چاہیئے تھا۔ اور اس کے لئے پروگرام تیار کرنا چاہیئے تھا گو وہ پروگرام مکمل نہ ہوتا اور مکمل تو یکلخت قرآن شریف بھی نہیں ہو گیا تھا پس یکلخت تو قدم اوپر نہیں جا سکتا مگر قدم رکھنا ضرور چاہیئے تھا۔ میں اس بات کی زیادہ ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ پہلے اس بات پر غور ہونا چاہیئے۔ کہ عورتوں کو تعلیم کیسی دینی چاہیئے مختلف زبانیں سکھانا تو ضروری بات ہے باقی امور میں ضروری نہیں کہ عورتوں کو اس رستے پر لے جائیں جس پر دوسرے لوگ لے جا رہے ہیں اعلیٰ تعلیم وہی نہیں جو یورپ دے رہا ہے مسلمانوں میں بھی اعلیٰ تعلیم تھی مسلمان عورتیں بھی پڑھتی پڑھاتی تھیں"۔

"عورتوں کی تعلیم کا جس قدر جلد سے جلد مکمل انتظام کیا جائے گا۔ اتنا ہی مفید ہو گا۔ مسلمانوں نے اس بات کو مد نظر نہیں رکھا اور بہت نقصان اٹھا رہے ہیں عورتوں کی تعلیم کئی لحاظ سے فائدہ پہنچاتی ہے اور اس کے نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں نے بڑا نقصان اٹھایا ہے........ میں نے شملہ میں محسوس کیا کہ ہندوؤں کے اثر اور رسوخ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ انگریز عورتوں سے ہندو عورتوں کا تعلق ہے مگر مسلمان عورتوں کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ایک زنانہ دعوت میں میری ایک بیوی شامل ہوئیں میں نے ان سے مسلمان عورتوں کے حالات پوچھے وہ یہی کہتیں کہ ہر بات میں مسلمان عورتیں پیچھے ہی رہتی تھیں اور کسی کام میں دخل نہ دیتی تھیں۔ میری بیوی انگریزی میں گفتگو نہ کر سکتی تھیں ایک انگریز عورت نے ان سے گفتگو کرنے کی خواہش بھی کی مگر وہ نہ کر سکیں غرض مسلمانوں کا سوشل اثر اسی لئے بہت کم ہے کہ مسلمان عورتیں تعلیم یافتہ نہیں ہیں اور ان کے تعلقات بڑے سرکاری عہدیداران کی بیویوں سے نہیں ہیں اور یہ کہنا غلط ہے کہ حکومت میں عورتوں کا دخل نہیں ہے بہت بڑا دخل ہے اور جن عورتوں کا آپس میں تعلق ہو ان کے مردوں کا خود بخود ہو جاتا ہے اس طرح مسلمانوں کو بہت سا سیاسی نقصان پہنچ رہا ہے جس کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ پھر تبلیغ کے لحاظ سے بھی عورتوں کی تعلیم نہایت ضروری ہے ہندو اور عیسائی عورتیں تعلیم میں بہت بڑھ رہی ہیں ہماری عورتیں تعلیم حاصل کر کے نہ صرف ان کے حملوں سے بچ سکتی ہیں بلکہ ان کو تبلیغ بھی کر سکتی ہیں"۔ [۲۶]

پہلے تحقیقاتی کمیشن کا تقرر

یکم جنوری ۱۹۱۹ء میں نظارتوں کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک اگرچہ نظارتیں اپنے ماتحت دفاتر کی نگرانی کے فرائض انجام دے رہی تھیں لیکن (خلیفہ وقت کے علاوہ) خود نظارتوں کے کام کی نگرانی کرنے والا کوئی ادارہ نہ تھا۔ اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپریل ۱۹۲۸ء میں پہلی بار ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر فرمایا۔ جو چوہدری نعمت اللہ خان صاحب سب جج دہلی۔ پیر اکبر علی صاحب وکیل فیروز پور اور چوہدری غلام حسین صاحب ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس کرنال پر مشتمل تھا۔ اور اس کے ذمہ یہ کام کیا کہ وہ سارے دفاتر کا معائنہ کر کے رپورٹ کرے کہ "دفاتر کا عملہ کم ہے اور کام زیادہ ہے یا عملہ زیادہ اور کام کم ہے نظارتوں کے فرائض پورے طور پر ادا ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور ارشاد فرمایا کہ "یہ دوست معائنہ کرنے کے لئے اپنی فرصت اور سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے خود تاریخ مقرر کر لیں۔ اور اس کی اطلاع نظارتوں کو دے دیں۔ چوہدری نعمت اللہ خان صاحب کو اس کمیٹی کا پریذیڈنٹ مقرر کیا جاتا ہے وہ مناسب موقع پر دوسروں کو جمع کر لیں لیکن جب کسی دفتر کا معائنہ کرنا ہو تو اسے لکھ دیں۔ تاکہ وہ تیاری کرے"۔ [۲۷]

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے فرمان مبارک کے مطابق اس کمیشن کو جنوری ۱۹۲۹ء کے آخر میں ایک ہفتہ معائنہ کر کے رپورٹ پیش کر دینا چاہیئے تھی مگر کمیشن نے اس پر کوئی کارروائی نہ کی۔ لہٰذا حضور نے ۱۹۲۹ء میں دوبارہ کمیشن مقرر فرمایا۔ اور پہلے ممبران ہی کو اس کا رکن تجویز فرمایا۔ تا وہ اپنی کوتاہی کا کفارہ کر سکیں۔ اور اسے معائنہ کے لئے پانچ اہم ہدایات دیں۔

۱۔ کمیشن تحقیقات کرے کہ ناظر اپنے مقررہ فرائض منظور شدہ رقم میں پوری طرح ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۲۔ کیا نظارتیں ان قواعد کی جو پاس کرتی ہیں اور ان ہدایتوں کی جو انہیں دی جاتی ہیں پابندی کرتی اور کراتی ہیں یا نہیں؟

۳۔ کیا نظارتیں مجلس شوریٰ کے فیصلوں کو نافذ کرنے کی کوشش کرتی ہیں یا نہیں؟

۴۔ انجمن کے کارکن اپنے اختیارات ایسے طور پر تو استعمال نہیں کرتے کہ لوگوں کے حقوق ضائع ہوں؟

۵۔ کوئی صیغہ اخراجات کے بارے میں اسراف سے تو کام نہیں لے رہا۔ [۲۸، ۲۹]

چنانچہ ارکان کمیشن نے اس کام میں کافی وقت صرف کیا وہ دو بار محض اسی غرض کے لئے قادیان آئے جہاں انہوں نے لمبی لمبی شہادتیں لیں جو ہزار صفحات سے بھی متجاوز تھیں اور بالآخر بہت چھان

ین اور بڑے غور و فکر کے بعد ایک مفصل اور ضخیم رپورٹ لکھی جس میں ۷۲ سفارشات پیش کیں۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس رپورٹ کی بعض اغلاط [۶۰] اور نقائص کے باوجود مشاورت ۱۹۳۰ء کے سامنے کمیٹی کی محنت و کاوش پر خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"جو کام انہوں نے کیا ہے اسے مدنظر رکھتے ہوئے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ پہلی دفعہ یہ کام کیا گیا ہے جس کے لئے انہوں نے پوری محنت کی ہے کافی وقت صرف کیا ہے اور ایک لمبی رپورٹ مرتب کی ہے جماعت کے شکریہ کے مستحق ہیں اور دوسروں کے لئے نمونہ ہیں......... غرض کمیشن نے بہت قابل تعریف اور مفید کام کیا ہے اور کسی ممبر کی غلطی سے اس کام پر پانی نہیں پھیرا جا سکتا۔ کمیشن کا کام باعث خوشی ہے اور میں اس پر خوشی اور امتنان کا اظہار کرتا ہوں"۔ [۶۱]

اس کے ساتھ ہی حضور نے صاف لفظوں میں یہ وضاحت فرما دی:

"یہ...... کمیشن...... مجلس شوریٰ کا قائم مقام نہیں ہے بعض لوگوں کو غلطی لگی ہے اور خود کمیشن کے بعض ممبروں کو بھی غلط فہمی ہوئی ہے کہ انہوں نے کمیشن کو مجلس شوریٰ کا قائمقام سمجھا ہے۔ حالانکہ مجلس شوریٰ اپنی ذات میں کوئی حق نہیں رکھتی وہ میرے بلانے پر آتی اور آکر مشورہ دیتی ہے اور ہمیشہ خلیفہ کے بلانے پر آئے گی اور اسے مشورہ دے گی۔ ورنہ وہ اپنی ذات میں کوئی حق نہیں رکھتی۔ کہ مشورہ دے۔ اور کمیشن خلیفہ نے مقرر کیا ہے تاکہ وہ اس کام کا معائنہ کرے جو کارکن کر رہے ہیں۔ اور جس کی نگرانی خلیفہ کا کام ہے خلیفہ چونکہ اس قدر فرصت نہیں رکھتا کہ خود تمام کاموں کی نگرانی کر سکے اس لئے اس نے اپنی تسلی کے لئے کمیشن مقرر کیا تاکہ وہ دیکھے کہ کارکنوں کے سپرد جو کام ہے اسے وہ کس طرح کر رہے ہیں؟"۔ [۶۲]

سیٹھ علی محمد صاحب کی کامیابی سے متعلق آسمانی بشارت

حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب سکندر آباد کا بیان ہے کہ "حضرت امیرالمومنین کے ارشاد کے مطابق میں نے اپنے لڑکے علی محمد صاحب کو آئی۔ سی۔ ایس (I.C.S) کے لئے لندن روانہ کیا۔ وہاں ان کو پہلے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کرنی ضروری تھی۔ مگر ایم۔ اے میں اس قدر دیر ہو گئی کہ آئی۔ سی۔ ایس کے لئے موقعہ نہ رہا۔ ایم۔ اے کے سات مضامین میں سے چھ تو انہوں نے پاس کر لئے مگر آخری مضمون (Constitutinal Law) (قوانین آئین سازی) اور (Consitutuional History) (تاریخ آئین سازی) میں متواتر فیل ہوتے گئے اس لئے وہ ناامید ہو کر واپس چلے آنا چاہتے تھے ان کو سات سال کا عرصہ ہوتا تھا اس لئے میں نے حضرت امیرالمومنین سے ان کو واپس بلا لینے کی اجازت چاہی مگر حضور نے فرمایا کہ میں نے

خواب میں ان کا نام پاس ہونے والوں کی فہرست میں دیکھا ہے اس لئے انشاء اللہ وہ یقیناً پاس ہو کر آئیں گے۔ اس لئے میں نے ان کو یہ کیفیت لکھی اور پھر کوشش کرنے کو کہا۔ انہوں نے پھر ایک بار کوشش کی مگر پھر بھی فیل ہو گئے یہ پریشان حالی میں تھے کہ اب آئندہ کیا کیا جائے۔ ان کے استاد کو جب معلوم ہوا کہ پھر فیل ہو گئے تو اس نے تحقیق کی۔ معلوم نہیں خدا تعالیٰ کا وہاں کیا کرشمہ ہوا کہ ایک دو روز میں ان کو (ایڈنبرا) یونیورسٹی کی طرف سے اطلاع ملی کہ آپ کے فیل ہونے کی خبر غلط تھی آپ پاس ہو گئے ہیں۔ یہ بہت خوش ہوئے اور سمجھ گئے یہ محض خدا تعالیٰ نے اپنے خلیفہ کا خواب پورا کرنے کے لئے ان پر فضل کیا ہے۔ انہوں نے خدا تعالیٰ کا بہت بہت شکریہ ادا کیا......... حج کا موقعہ تھا اس لئے واپس ہوتے ہوئے حج کر کے الحاج علی محمد ایم۔ اے بن کر ہم کو آملے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔" [۲۳]

امتحان میں کامیابی کا یہ ایمان افروز واقعہ اوائل ۱۹۲۸ء کا ہے۔ [۲۴]

جماعت کو حفاظت اسلام کیلئے اور زیادہ چوکس ہو جانے کا ارشاد

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو بھی اسلام کی مشکلات کا غم ستائے جا رہا تھا اور ان نازک ایام میں جماعت کو بیدار اور ہوشیار کرنے کی ہر لحہ فکر رہتی تھی اگرچہ ۱۹۲۷ء میں جماعت کو اپنی ذمہ داری کا زبردست احساس پیدا ہو چکا تھا تاہم حضور نے مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء کے موقعہ پر نمائندگان مشاورت سے خطاب کرتے ہوئے انہیں اپنے فرائض منصبی کی طرف خاص توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اس وقت اسلام ایسی مشکلات میں گھرا ہوا ہے کہ ہم ان مشکلات کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ اور جب جزوی طور پر اندازہ کرتے ہیں تو اس کا ایسا اثر دماغ پر پڑتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہو تو جنون ہو جائے اس حالت میں صرف اس بات سے آرام حاصل ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام کہتا ہے کہ ان مشکلات کا انجام برا نہیں ہو گا۔ اور تم کامیاب ہو جاؤ گے...... سوائے اس کے کوئی سہارا نہیں نہ ہمارے پاس مال ہے نہ تربیت ہے نہ تعداد کے لحاظ سے دنیا کا مقابلہ کر سکتے ہیں جب یہ حالت ہے تو سوچ لو کہ کس قدر خشیت اور ڈرنے کا مقام ہے اور پھر کس قدر کوشش کتنے ایثار اور کیسے توکل کی ضرورت ہے"۔

"صرف ہندوستان میں اسلام کے متعلق اگر کسی کو جوش اور تڑپ کا دعویٰ ہے تو وہ ہماری جماعت ہے ایسی خطرناک حالت میں اگر ہماری جماعت کی سی کمزور جماعت بھی پوری توجہ اسلام کی حفاظت کے لئے نہ کرے تو بتاؤ پھر اسلام کی حفاظت کا اور کیا ذریعہ ہے اس میں شبہ نہیں کہ ہدایت خدا

تعالیٰ ہی پھیلاتا ہے مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ہدایت پھیلانے کے لئے آسمان سے فرشتے نہیں آیا کرتے انسان ہی یہ کام کیا کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بدر کی جنگ کے موقعہ پر رسول کریم ﷺ نے یہ دعا کی تھی کہ مسلمان مٹھی بھر ہیں اگر یہ تباہ ہو گئے تو پھر اسلام کا کیا بنے گا پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہماری کوئی طاقت نہیں ہے مگر خدا تعالیٰ انسانوں سے ہی اپنے دین کی اشاعت کراتا ہے اگر ہم بھی توجہ نہ کریں تو پھر اسلام کی خدمت کرنے والا کوئی نہ ہو گا جہاں کوئی اور بھی کام کرنے والا ہو وہاں کوئی سستی بھی کر سکتا ہے لیکن جہاں ایک ہی کام کرنے والا ہو اس کی سستی کا نتیجہ سوائے تباہی کے کچھ نہیں ہوتا اس وقت یہ موقعہ نہیں ہے کہ مختلف جماعتیں اسلام کا کام کر رہی ہیں اسلام کی ترقی کا انحصار صرف احمدیہ جماعت پر ہے اور حالات نازک سے نازک تر ہوتے جا رہے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام ہے "آگ ہماری غلام بلکہ ہمارے غلاموں کی غلام ہے"۔ ایک معنی اس کے یہ ہیں کہ مصائب اور آفات آپ کی جماعت کو تباہ نہ کریں گے مگر اس کے ایک اور معنی بھی ہیں۔ آگ کا لفظ مختلف معنی رکھتا ہے آگ مصائب کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے اور محبت کے معنوں میں بھی۔ پس اس الہام میں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کے مصائب ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ آگ ہمارا کام کر رہی ہے یعنی عشق الٰہی کی آگ ہماری کمزوریوں کو جلا رہی ہے اور جب دلوں میں عشق الٰہی کی آگ جل جاتی ہے۔ تو پھر اس کی علامات مونہوں سے بھی ظاہر ہونے لگتی ہیں پس ہماری جماعت کے ہر فرد کے دل میں محبت الٰہی کا ایسا شعلہ ہو کہ مونہہ سے بھی نکلتا ہو اور ہر احمدی اس آگ کو اس طرح بھڑکائے کہ اس کا چہرہ دیکھ کر لوگ سمجھ جائیں کہ یہ اسلام کا سچا عاشق ہے جو اسلام کے لئے جان بھی دے دے گا۔ مگر قدم پیچھے نہ ہٹائے گا۔

میں نے دیکھا ہے کہ پچھلی مجلس مشاورت سے احباب نے ہر رنگ میں ترقی کی ہے اور مالی اور دوسری مشکلات کے متعلق کسی قدر تسلی ہوئی ہے اور اس وجہ سے چند راتیں میں نے بھی آرام سے بسر کی ہیں۔ مگر اتنی ترقی کافی نہیں ہے ہمیں اپنے تمام کاموں میں استقلال دکھانا چاہیئے ...... پس میں اپنی جماعت کے لوگوں سے کہتا ہوں کہ اب بھی بیدار ہوں اور پچھلی دفعہ جو عہد کیا گیا تھا اسے پھر یاد دلاتا ہوں۔ [۶۵] جو دوست پچھلے سال نہ آئے تھے وہ آج سے عہد کریں کہ واپس جا کر ان لوگوں کا اخلاص بڑھائیں گے جن میں اخلاص ہے۔ اور جن میں نہیں ان میں پیدا کریں گے اسلام کی محبت پھیلانے اور اسلام کی اشاعت کرنے میں لگ جائیں اور قرآن کریم کی روشنی جو مٹ رہی ہے اسے قائم کریں میں نے بتایا ہے دوستوں میں پہلے کی نسبت بہت تغیر ہے اور یہ بہت خوشی کی بات ہے مگر ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہیں۔ اور دیکھیں ہر روز ہمارا قدم آگے بڑھ رہا ہے یا نہیں پس میں

دوستوں سے ایک بات تو یہ کہتا ہوں کہ ہر روز قدم آگے بڑھائیں۔ اخلاص و محبت بڑھائیں اور دوسرے بھائیوں میں بھی پیدا کریں"۔ [۲۶]

حضرت مولوی ذوالفقار علی خان صاحب گوہر کا جوش دینی و حرارت ایمانی

رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کی دختر کے نکاح کی تقریب مئی ۱۹۲۸ء کے دوسرے ہفتہ میں ہوئی جس میں شمولیت کے لئے مولانا جوہر کے برادر اکبر حضرت خان ذوالفقار علی خاں ایک ہفتہ کی رخصت لے کر قادیان سے دہلی تشریف لے گئے"۔ [۲۷]

دہلی میں آپ کو تبلیغ اسلام کا ایک موقعہ ملا جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ نے اس درجہ جوش دینی اور حرارت ایمانی کا ثبوت دیا کہ مشہور مسلم لیڈر جناب عبدالماجد صاحب دریا بادی مدیر "صدق" لکھنؤ نے آپ کی وفات پر "صدق جدید" میں لکھا۔ کہ "مئی ۱۹۲۸ء کا ذکر ہے کہ مولانا محمد علی کی منجھلی صاحبزادی کا عقد دہلی میں تھا۔ اس تقریب میں یہ بھی آئے ہوئے تھے۔ ایک روز دوپہر کی تنہائی میں دو معزز مہمانوں نے مسائل اسلامی پر کچھ طنز و تمسخر شروع کیا (دونوں بیرسٹر تھے) اور لامذہب نہیں بلکہ اچھے خاصے مسلمان اور ایک صاحب ماشاء اللہ ابھی موجود ہیں) مخاطب "سچ" (سابق صدق) کا ایڈیٹر تھا لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ بھی بول سکے ایک اور صاحب نے جو اس وسیع کمرے کے کسی گوشے میں لیٹے ہوئے تھے کڑک کر ایک ایک اعتراض کا جواب دینا شروع کر دیا اور وہ جوابات اتنے کافی بلکہ شافی نکلے کہ مخاطب اصلی کو بولنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ یہ نصرت اسلام میں تقریر کر ڈالنے والے بھی ذوالفقار علی خان تھے اس جوش دینی و حرارت ایمانی رکھنے والے سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نرمی اور رافت ہی کا معاملہ فرمائیں اور اس کی لغزشوں کو سرے سے درگذر فرمائیں"۔ (صدق جدید لکھنؤ) [۲۸]

جامعہ احمدیہ (عربی کالج) کا قیام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو شروع خلافت سے یہ خیال تھا کہ جماعت احمدیہ کی عالمگیر تبلیغی ضروریات کے لئے مدرسہ احمدیہ کو ترقی دے کر اسے ایک عربی کالج تک پہنچانا ضروری ہے اس مقصد کی تکمیل کے لئے حضور نے ۱۹۱۹ء میں پہلا قدم یہ اٹھایا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے، حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب، حضرت میر محمد اسحاق صاحب، حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے، حضرت مولوی محمد دین صاحب، ماسٹر نواب دین صاحب اور شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر فرمائی جس نے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد

ایک سکیم تیار کی۔ ۴۹

کمیٹی کی رپورٹ

اس اہم کمیٹی اور اس کی سکیم کا ذکر صدر انجمن احمدیہ کی رپورٹ ۲۰-۱۹۱۹ء میں ان الفاظ میں آتا ہے کہ امسال مدرسہ احمدیہ میں بہت بڑا تغیر واقع ہوا ہے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ نے جماعت کی ضرورت کو مدنظر رکھتے اور یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ان ضروریات کو سوائے مدرسہ احمدیہ کے اور کوئی انسٹی ٹیوشن پورا نہیں کر سکتی اس کی طرف خاص توجہ فرمائی اور اس مدرسہ کی موجودہ حالت کو ترقی دینے اور اس کو جماعت کے لئے ایک نہایت کار آمد وجود بنانے کے لئے اس کی پہلی سکیم پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنادی (آگے ممبران کمیٹی کے نام دینے کے بعد لکھا ہے۔ ناقل) اور اس کمیٹی کو حکم دیا کہ وہ اس کی سکیم پر پورا غور کرے اور اس میں مناسب تغیر و تبدل کر کے اس کو ایسی لائنوں پر چلائے جن پر چل کر مدرسہ ایسے طالب علم نکال سکے جو صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ تمام بیرونی ممالک ولایت وغیرہ میں بھی تبلیغ کر سکیں اور تعلیم مدرسہ تک ہی محدود نہ رکھی جائے۔ بلکہ اس کے ساتھ ایک کالج بھی کھول دیا جائے چنانچہ حضور کی ہدایت کے مطابق اس کمیٹی نے کامل دو ماہ غور کرنے کے بعد ایک سکیم تیار کر کے حضور کی خدمت میں پیش کر دی اور حضور نے اس میں مناسب اصلاح کر کے اسے جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ اور وہ سکیم اس سال مدرسہ احمدیہ میں جاری کر دی گئی۔ لیکن چونکہ اس سکیم اور پرانی سکیم میں بہت فرق تھا۔ اگر یہ سارے مدرسہ میں جاری کر دی جاتی تو پہلے طالب علموں کی تعلیم میں بہت نقص وارد ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے فی الحال یہ صرف پہلی تین جماعتوں میں رائج کی گئی۔ اور گویا اب مدرسہ میں دو سکیمیں کام کر رہی ہیں۔ پہلی تین جماعتیں نئی سکیم کے مطابق تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور آخری چار جماعتیں پرانی سکیم کے مطابق اور اس کے علاوہ ایک جماعت مدرسہ احمدیہ کے ساتھ اور بھی ہے جو مولوی فاضل کلاس کہلاتی ہے اس کا کورس یونیورسٹی کے کورس کے مطابق ہے۔ ۵۰

جامعہ احمدیہ کے انتظام کا فیصلہ

حضور نے اس سکیم کے مطابق ۱۹۲۴ء میں صدر انجمن احمدیہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ مدرسہ کو کالج تک ترقی دینے کے لئے عملی اقدام کرے۔ ۵۱ چنانچہ کئی مراحل طے ہونے کے بعد صدر انجمن احمدیہ نے ۱۵/ اپریل ۱۹۲۸ء کو جامعہ احمدیہ کے نام سے ایک مستقل ادارہ کے قیام کا فیصلہ کر دیا جس کے مطابق مدرسہ احمدیہ کی مولوی فاضل کلاس اس عربی کالج کی پہلی دو جماعتیں قرار دے دی گئی۔ اور جماعت مبلغین (جس کے واحد انچارج یا پروفیسر حضرت علامہ حافظ روشن علی صاحب ہی تھے)۔ ۵۲ دو جماعتوں میں تقسیم کر کے جامعہ کے ساتھ ملحق کر دی گئی اس طرح ابتداء میں جامعہ احمدیہ کی چار جماعتیں کھولی گئیں درجہ

اولیٰ و درجہ ثانیہ (مدرسہ احمدیہ کی مولوی فاضل کلاس) [۵۳] اور درجہ ثالثہ و رابعہ (جماعت مبلغین)

نئی درسگاہ کی عمارت کے لئے تعلیم الاسلام ہائی سکول کے احاطہ کی وہ کوٹھی مخصوص کی گئی۔ جو گیسٹ ہاؤس کے طور پر بھی استعمال ہوتی تھی۔ اور جس میں خلافت ثانیہ کے اوائل تک جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے (سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان) قیام رکھتے تھے۔ [۵۴] جامعہ احمدیہ کے بورڈر طلباء کا انتظام کسی موزوں عمارت کے نہ ہونے کی وجہ سے عارضی طور پر مدرسہ احمدیہ کے بورڈنگ ہی میں رہا۔

جامعہ احمدیہ کی جماعتوں کے لئے مدرسہ احمدیہ کا وہ سامان جو اس وقت تک عملاً مدرسہ کی مولوی فاضل کلاس کے استعمال میں تھا۔ جامعہ احمدیہ میں منتقل کر دیا گیا اور دیگر ضروری ابتدائی سامان کے لئے مبلغ ایک سو روپیہ کی منظوری دی گئی۔ اور سائر کا باقی بجٹ حصہ رسدی مدرسہ اور جامعہ میں تقسیم کر کے جامعہ احمدیہ کو اس کا دسواں حصہ (دہاکے کی کسر چھوڑ کر) بطور پیشگی حاصل کرنے کا حق دیا گیا۔

جامعہ احمدیہ کے اساتذہ

اس سلسلہ میں سب سے اہم مسئلہ جامعہ احمدیہ کے سٹاف کا تھا۔ سو اس کے پہلے پرنسپل حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب اور پروفیسر حضرت حافظ روشن علی صاحب، حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب حلال پوری اور حضرت میر محمد اسحاق صاحب مقرر کئے گئے۔ [۵۵]

جامعہ احمدیہ کے ان اولین قدیم ترین پروفیسروں کے بعد ۱۹۴۷ء یعنی تقسیم ہند تک مندرجہ ذیل اساتذہ وقتاً فوقتاً اس دینی درسگاہ میں تعلیمی فرائض بجالاتے رہے۔ [۵۶] مولوی ارجمند خان صاحب۔ [۵۷] مولوی محمد یار صاحب عارف۔ حافظ مبارک احمد صاحب۔ [۵۸] حضرت مولوی محمد جی صاحب ہزاروی۔ [۵۹] سردار مصباح الدین صاحب سابق مبلغ انگلستان۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ مولوی فاضل۔ مولوی علی محمد صاحب اجمیری۔ صاحبزادہ مولوی سید ابوالحسن صاحب قدسی (خلف الصدق حضرت صاحبزادہ مولوی سید عبداللطیف صاحب شہیدؓ) مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی۔ شیخ محبوب عالم صاحب خالدؔ۔ مولوی ناصرالدین عبداللہ صاحب فاضل سنسکرت۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔اے۔ مرزا احمد شفیع صاحب۔ مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری۔ ماسٹر علی محمد صاحب بی۔اے۔ بی ٹی۔ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے۔ مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری۔ مولوی عبدالمنان صاحب عمر۔ مولوی ظفر محمد صاحب۔ مولوی عطاء الرحمٰن صاحب طالبؔ (جون ۱۹۴۷ء)۔ [۶۰]

جامعہ احمدیہ کا افتتاح اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی قیمتی نصائح

اساتذہ کرام کی فہرست دیتے ہوئے ہم ۱۹۴۷ء کے آخر تک پہنچ گئے تھے اب پھر ضروری ابتدائی حالات کی طرف آتے ہیں۔ جامعہ احمدیہ کی داغ بیل پڑنے کے بعد جب اس نئی درسگاہ کے ابتدائی انتظامات پایہ تکمیل کو پہنچ گئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۲۰/ مئی ۱۹۲۸ء کو اس کا افتتاح فرمایا۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس تقریب پر جو تقریر فرمائی وہ الفضل ۱۴۔ اگست ۱۹۲۸ء میں شائع ہو چکی ہے۔

حضور نے تقریر میں اس نئے ادارہ کی غرض وغایت پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"خدا تعالیٰ کے مامور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد اور ہدایت کے ماتحت مدرسہ احمدیہ قائم کیا گیا تا کہ اس میں ایسے لوگ تیار ہوں جو ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر الخ کے منشاء کو پورا کرنے والے لوگ ہوں۔ بے شک اس مدرسہ سے نکلنے والے بعض نوکریاں بھی کرتے ہیں مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک شخص ایک ہی کام کا اہل نہیں ہوتا۔ انگریزوں میں سے بہت سے لوگ قانون پڑھتے ہیں مگر لاء کالج سے نکل کر سارے کے سارے بیرسٹری کا کام نہیں کرتے بلکہ کئی ایک اور کاروبار کرتے ہیں تو اس مدرسہ سے پڑھ کر نکلنے والے کئی ایسے ہوتے ہیں جو ملازمتیں کرتے ہیں۔ مگر یہ اس لئے نہیں بنایا گیا کہ اس سے تعلیم حاصل کرنے والے نوکریاں کریں بلکہ اصل مقصد یہی ہے کہ مبلغ بنیں اب یہ دوسری کڑی ہے کہ ہم اس مدرسہ کو کالج کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔ تبلیغ کے لحاظ سے یہ کالج ایسا ہونا چاہیئے کہ اس میں نہ صرف دینی علوم پڑھائے جائیں بلکہ دوسری زبانیں بھی پڑھانی ضروری ہیں ہمارے جامعہ میں بعض کو انگریزی بعض کو جرمنی بعض کو سنسکرت بعض کو فارسی بعض کو روسی بعض کو سپینش وغیرہ زبانوں کی اعلیٰ تعلیم دینی چاہیئے۔ کیونکہ جن ملکوں میں مبلغوں کو بھیجا جائے ان کی زبان جاننا ضروری ہے بظاہر یہ باتیں خواب وخیال نظر آتی ہیں۔ مگر ہم اس قسم کی خوابوں کا پورا ہونا اتنی بار دیکھ چکے ہیں کہ دوسرے لوگوں کو ظاہری باتوں کے پورے ہونے پر جس قدر اعتماد ہوتا ہے اس سے بڑھ کر ہمیں ان خوابوں کے پورے ہونے پر یقین ہے......... ابھی تو ہم اس کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ مدرسہ احمدیہ کے ساتھ بھی مبلغین کی کلاس تھی مگر اس میں شبہ نہیں کہ ہر چیز اپنی زمین میں ہی ترقی کرتی ہے جس طرح بڑے درخت کے نیچے چھوٹے پودے ترقی نہیں کرتے اسی طرح کوئی نئی تجویز دیرینہ انتظام کے ساتھ ترقی نہیں کر سکتی۔ اس وجہ سے جامعہ کے لئے ضروری تھا کہ اسے علیحدہ کیا جائے۔ اس سے متعلق میں نے ۱۹۲۴ء میں صدر انجمن احمدیہ کو لکھا تھا کہ کالج کی کلاسوں کو علیحدہ کیا جائے۔ اور اسے موقعہ دیا جائے کہ اپنے ماحول کے مطابق ترقی کرے۔ آج وہ خیال پورا ہو رہا

ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ یہی چھوٹی سی بنیاد ترقی کرکے دنیا کے سب سے بڑے کالجوں میں شمار ہو گی"۔

نیز طلباء جامعہ کو ان کی اہم ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ:

"وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں ان کے سامنے عظیم الشان کام اور بہت بڑا مستقبل ہے وہ عظیم الشان عمارت کی پہلی اینٹیں ہیں اور پہلی اینٹوں پر ہی بہت کچھ انحصار ہوتا ہے ایک شاعر نے کہا تھا۔

خشت اول چوں نہد معمار کج	تا ثریا مے رود دیوار کج

اگر معمار پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھے تو ثریا تک دیوار ٹیڑھی ہی رہے گی۔ جتنی اونچی دیوار کرتے جائیں اتنی ہی زیادہ ٹیڑھی ہو گی گو کالج میں داخل ہونے والے طالب علم ہیں اور نظام کے لحاظ سے ان کی ہستی ماتحت ہستی ہے۔ لیکن نتائج کے لحاظ سے اس جامعہ کی کامیابی یا ناکامی میں ان کا بہت بڑا دخل ہے یہ تو ہم یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ کے کام ترقی کرتے جائیں گے۔ مگر ان طلباء کا ان میں بڑا دخل ہو گا۔ اس لئے انہیں چاہیئے کہ اپنے جوش اپنے اعمال اور اپنی قربانیوں سے ایسی بنیاد رکھیں کہ آئندہ جو عمارت تعمیر ہو اس کی دیواریں سیدھی ہوں ان میں کجی نہ ہو ان کے سامنے ایک ہی مقصد اور ایک ہی غایت ہو اور وہ یہ کہ اسلام کا اعلاء ہو........ اور ان کا یہی موٹو ہونا چاہیئے۔ کہ **و لتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون** [۶۱] اور **و ما کان المومنون لینفروا کافة فلو لا نفر من کل فرقة منھم طائفة لیتفقھوا فی الدین و لینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون** ○ [۶۲] میرے نزدیک ان آیتوں کو لکھ کر کالج میں لٹکا دینا چاہیئے۔ تاکہ طالب علموں کی توجہ ان کی طرف رہے اور انہیں معلوم رہے کہ ان کا مقصد اور مدعا کیا ہے۔ [۶۳، ۶۴]

جامعہ احمدیہ کا دور اول

جامعہ احمدیہ کا ابتدائی دور کئی قسم کی مشکلات میں سے گزرا۔ پہلے سال کے شروع میں ہی جامعہ احمدیہ کے اولین استاد اور جماعت مبلغین کے شفیق استاد حضرت علامہ حافظ روشن علی صاحب تشویشناک طور پر بیمار ہو گئے اور پھر اچانک ۲۹/ دسمبر ۱۹۲۸ء کو آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ [۶۵] اور بالآخر آپ ۲۳/ جون ۱۹۲۹ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے [۶۶] حضرت حافظ صاحبؓ کے انتقال سے نہ صرف جماعت احمدیہ اپنے ایک جلیل القدر و عظیم المرتبت عالم بے بدل فاضل اجل سے محروم ہو گئی بلکہ جامعہ احمدیہ کو بھی بہت بڑا نقصان پہنچا۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا میر محمد اسحاق صاحبؓ کی لمبی بیماری نے بھی تعلیم پر ناگوار اثر ڈالا۔ [۶۷] اسی

طرح شروع شروع میں متعدد دقتوں اور دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا۔ طلباء جامعہ احمدیہ کی عمارت بھی ناقص تھی۔ اور اس کا علیحدہ ہوسٹل نہ ہونے کی وجہ سے اس کے بعض طلباء مدرسہ احمدیہ کے بورڈنگ میں رہتے تھے اور بعض ہائی سکول کے بورڈنگ میں اور بعض نے اپنے قیام کا پرائیویٹ انتظام کر رکھا تھا۔

جامعہ احمدیہ کے ابتدائی کوائف، اس کے اساتذہ اور افتتاح کا عمومی تذکرہ کرنے کے بعد اب ہم اس درسگاہ کے بعض دوسرے حالات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

۱۹۲۹ء میں جامعہ احمدیہ کا پنجاب یونیورسٹی سے الحاق ہوا۔ [۶۸] ۱۹۳۰ء میں جامعہ کے طلباء کی ورزش کے لئے گراؤنڈ کا انتظام ہوا۔ [۶۹] اپریل ۱۹۳۰ء میں ایک سہ ماہی رسالہ "جامعہ احمدیہ" جاری ہوا۔ جامعہ احمدیہ کے پاس اپنی کوئی لائبریری نہ تھی اور طلباء کو مرکزی لائبریری میں جو اندرون شہر واقع تھی۔ جانا پڑتا تھا۔ ۳۱-۱۹۳۰ء میں بعض کتب منگوانے کا انتظام شروع ہوا۔ [۷۰] چنانچہ ۱۹۴۷ء تک جامعہ احمدیہ کی ایک اچھی خاصی لائبریری تیار ہو گئی تھی۔ ۱۹۳۲ء میں قادیان علوم شرقیہ کے امتحان کا سنٹر منظور ہوا۔ اسی سال جامعہ کے اندرونی انتظام کو باقاعدہ بنانے کے لئے اس کے سٹاف کی ایک کونسل بنائی گئی جس کے صدر حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب اور سیکرٹری حضرت مولانا میر محمد اسحاق صاحب مقرر ہوئے اور چہار شنبہ کو ہفتہ وار اجلاس منعقد ہونا قرار پایا۔ [۷۱]

نومبر ۱۹۳۲ء میں جامعہ احمدیہ کے ایک وفد نے جو انتیس افراد پر مشتمل تھا مولوی ارجمند خان صاحب کی قیادت میں ہندوستان کے متعدد شہروں کا ایک کامیاب تبلیغی و تفریحی دورہ کیا۔ [۷۲]

اسی زمانہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ایک ارشاد کی روشنی میں یہ قاعدہ بنا دیا گیا کہ جامعہ احمدیہ میں صرف وہی طلباء داخل کئے جائیں گے جو مدرسہ احمدیہ کے فارغ التحصیل ہوں گے ان کے سوا کوئی طالب علم جامعہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ البتہ جہاں تک جامعہ احمدیہ کی مولوی فاضل کلاس کا تعلق ہے صدر انجمن احمدیہ کی خاص اجازت سے استثنائی طور پر مدرسہ احمدیہ کے فارغ التحصیل طلباء کے علاوہ دوسرے بھی داخل ہو سکیں گے۔ مگر ضروری ہو گا کہ انجمن اپنے فیصلہ میں استثناء کی وجوہ بیان کر کے منظوری دے اور مبلغین کلاس میں بہر صورت کوئی دوسرا طالب علم داخل نہیں ہو سکے گا۔ [۷۳] اس قاعدے سے مولوی فاضل کا امتحان دینے والے دوسرے احمدی طلباء کو جامعہ میں داخلہ کی صورت میسر آ گئی بلکہ کئی غیر احمدی طلباء بھی استفادہ کرتے رہے اور مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔

طلباء جامعہ احمدیہ پر تعلیمی و اخلاقی لحاظ سے بہت زیادہ اثر انداز ہونے والی دقت یہ تھی کہ ان کے لئے کوئی الگ ہوسٹل نہیں تھا۔ آخر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی دو سالہ توجہ سے ۱۹۳۴ء میں یہ پیچیدہ معاملہ بھی حل ہو گیا اور بورڈنگ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے جنوبی جانب ایک عمارت میں جہاں پہلے پرائمری کے طلباء تعلیم پاتے تھے جامعہ احمدیہ کا دارالاقامہ (ہوسٹل) قائم ہوا۔ اور ۲۰/ نومبر ۱۹۳۴ء کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس کا افتتاح فرمایا۔ اس تقریب پر حضور نے فرمایا:

"جامعہ کی کامیابی کے لئے اس کا قیام ضروری ہے تا صحیح اخلاق اور دینی خدمت کے لئے جوش پیدا ہو اور نوجوان ایمان و ایقان میں اور قربانی و ایثار کی روح میں دوسروں سے بڑھ کر ہوں ان کی نمازیں اور دعائیں دوسروں کی نمازوں اور دعاؤں سے فرق رکھتی ہوں۔ ایسے برگزیدہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ خود علم سکھلاتا ہے نئے نئے جواب سکھاتا ہے"۔ الخ [۷۴، ۷۵]

جب مولوی ناصرالدین عبداللہ صاحب بنارس وغیرہ سے سنسکرت کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد واپس آئے تو مئی ۱۹۳۹ء سے جامعہ احمدیہ میں سنسکرت کلاس بھی کھول دی گئی جو دسمبر ۱۹۴۴ء تک جاری رہی۔ اس کے بعد پروفیسر ناصرالدین نظارت تالیف و تصنیف میں منتقل ہو گئے۔ [۷۶]

دوراول میں تعلیم پانے والے علماء

حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب اپریل ۱۹۳۹ء تک جامعہ احمدیہ کے پرنسپل رہے اور آپ کی قیادت میں جامعہ احمدیہ نے ایک مثالی درسگاہ کی حیثیت سے بہت ترقی کی اور مسلمہ طور پر بڑا عروج پایا۔ اور آپ کے زمانہ میں اس چشمہ علم و حکمت سے متعدد فاضل و محقق، واعظ و مبلغ، صحافی و مصنف اور مناظر و مقرر پیدا ہوئے۔

جامعہ احمدیہ میں دور اول کے تعلیم پانے والوں کی فہرست بہت طویل ہے بعض ممتاز نام درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ مگر یہ نام فارغ التحصیل ہونے کے لحاظ سے نہیں بلکہ صرف داخلہ کی ترتیب سے درج کئے گئے ہیں لہٰذا یہ خیال کرنا ہرگز صحیح نہیں ہو گا کہ ان حضرات نے مولوی فاضل یا مبلغین کلاس بھی اسی ترتیب سے پاس کی ہو گی۔ (تواریخ ولادت جامعہ احمدیہ کے ریکارڈ سے ماخوذ ہیں)

۱۹۲۷ء [۷۷] مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی (تاریخ ولادت ۷/ دسمبر ۱۹۰۲ء)
مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر (تاریخ ولادت ۱۵/ اپریل ۱۹۰۸ء)
صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (تاریخ ولادت یکم نومبر ۱۹۰۹ء) [۷۸]
مولوی ظفر محمد صاحب (تاریخ ولادت ۹/ اپریل ۱۹۰۸ء)
مولوی غلام حسین صاحب ایاز (تاریخ ولادت یکم مئی ۱۹۰۵ء)

قریشی محمد نذیر صاحب (تاریخ ولادت یکم جولائی ۱۹۱۰ء)
مولوی احمد خاں صاحب نسیم (تاریخ ولادت ۱۸ / مئی ۱۹۰۸ء)
مولوی ابوبکر ایوب صاحب سماٹری (تاریخ ولادت ۱۳ / اکتوبر ۱۹۰۸ء)
مولوی احمد نور الدین صاحب سماٹری (تاریخ ولادت ۶ / مئی ۱۹۰۶ء)
مولوی ولیداد خان صاحب شہید افغانستان (تاریخ ولادت ۱۷ / مئی ۱۹۰۴ء)
مولوی زین العابدین زینی دہلان سماٹری (تاریخ ولادت ۱۴ / جون ۱۹۰۵ء)
مولوی محمد صادق صاحب چغتائی (تاریخ ولادت ۴ / اپریل ۱۹۰۹ء)
۱۹۲۸ء مولوی عطاء الرحمٰن صاحب طالب [79] (تاریخ ولادت ۱۵ / جون ۱۹۱۱ء)
مولوی نذیر احمد صاحب مبشر (تاریخ ولادت ۱۵ / اگست ۱۹۰۹ء)
شیخ مبارک احمد صاحب (تاریخ ولادت یکم مارچ ۱۹۱۱ء)
مہاشہ محمد عمر صاحب (تاریخ ولادت ۱۷ / نومبر ۱۹۰۴ء)
مولوی عبدالواحد صاحب ناسنور کشمیر (تاریخ ولادت)
مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور بوتالوی (تاریخ ولادت ۲۷ / مئی ۱۹۰۸ء)
مولوی چراغ الدین صاحب (تاریخ ولادت ۴ / اکتوبر ۱۹۰۶ء)
۱۹۲۹ء مولوی عبدالغفور صاحب جالندھری (تاریخ ولادت ۱۳ / مئی ۱۹۱۳ء)
شیخ محبوب عالم صاحب خالد (تاریخ ولادت ۱۳ / اپریل ۱۹۰۹ء)
شیخ عبدالقادر صاحب (تاریخ ولادت ۱۰ / اگست ۱۹۰۹ء)
ملک صلاح الدین صاحب (تاریخ ولادت ۲۰ / مارچ ۱۹۱۵ء) [80]
مولوی محمد سلیم صاحب (تاریخ ولادت ۱۲ / دسمبر ۱۹۱۰ء)
چوہدری محمد شریف صاحب (تاریخ ولادت ۱۰ / اکتوبر ۱۹۱۳ء)
۱۹۳۰ شیخ عبدالواحد صاحب (تاریخ ولادت ۱۵ / اگست ۱۹۱۳ء)
مولوی محمد احمد صاحب جلیل (تاریخ ولادت ۵ / جولائی ۱۹۱۱ء)
مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری (تاریخ ولادت ۶ / ستمبر ۱۹۰۸ء)
مولوی عبدالرحیم صاحب عارف (تاریخ ولادت ۸ / اگست ۱۹۰۸ء)
۱۹۳۱ء مولوی امام الدین صاحب (تاریخ ولادت ۹ / جون ۱۹۱۲ء)
مولوی محمد اسماعیل صاحب یادگیری (تاریخ ولادت ۸ / اپریل ۱۹۱۴ء)

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب (تاریخ ولادت ۹ / مئی ۱۹۱۴ء)
مولوی محمد اسماعیل صاحب دیال گڑھی (تاریخ ولادت ۱۵ / اپریل ۱۹۱۳ء)
مولوی عبدالخالق صاحب (تاریخ ولادت ۱۵ / فروری ۱۹۱۰ء)
مولوی رمضان علی صاحب (تاریخ ولادت ۱۲ / اگست ۱۹۱۳ء) [۸۱]
مولوی عبدالمالک خان صاحب (تاریخ ولادت ۲۵ / نومبر ۱۹۱۱ء) [۸۲]
۱۹۳۲ء سید احمد علی صاحب (تاریخ ولادت ۹ / دسمبر ۱۹۱۱ء)
قریشی محمد افضل صاحب (تاریخ ولادت ۵ / اکتوبر ۱۹۱۴ء)
۱۹۳۳ء چوہدری محمد صدیق صاحب (تاریخ ولادت ۵ / مارچ ۱۹۱۶ء)
مولوی روشن دین صاحب (تاریخ ولادت ۷ / اپریل ۱۹۱۳ء)
حافظ محمد رمضان صاحب (تاریخ ولادت ۱۰ / اگست ۱۹۱۰ء)
۱۹۳۴ء مولوی غلام احمد صاحب فرخ (تاریخ ولادت ۱۲ / اپریل ۱۹۱۶ء)
مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری (تاریخ ولادت ۱۲ / اکتوبر ۱۹۱۵ء)
۱۹۳۵ء مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر (تاریخ ولادت ۵ / فروری ۱۹۱۳ء)
۱۹۳۶ء مولوی شریف احمد صاحب امینی (تاریخ ولادت ۱۹ / نومبر ۱۹۱۷ء) [۸۳]
مولوی (ابوالمنیر) نورالحق صاحب (تاریخ ولادت ۱۷ / دسمبر ۱۹۱۸ء)
مرزا منور احمد صاحب شہید امریکہ (تاریخ ولادت ۲۰ / اپریل ۱۹۱۹ء)
مولوی صدرالدین صاحب (تاریخ ولادت ۱۲ / جون ۱۹۱۷ء)
مولوی عنایت اللہ صاحب خلیل (تاریخ ولادت ۲۵ / جولائی ۱۹۱۴ء)
سید اعجاز احمد صاحب بنگالی (تاریخ ولادت قریباً ۱۹۱۶ء)
۱۹۳۷ء حافظ قدرت اللہ صاحب (تاریخ ولادت ۲۲ / فروری ۱۹۱۷ء)
مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری (تاریخ ولادت ۱۴ / اگست ۱۹۲۰ء)
عبدالغفار صاحب ڈار (تاریخ ولادت مارچ ۱۹۱۶ء)
مولوی محمد احمد صاحب ثاقب (تاریخ ولادت ۱۵ / مئی ۱۹۱۸ء)
۱۹۳۸ء مولوی نورالحق صاحب انور (تاریخ ولادت دسمبر ۱۹۲۰ء)
مولوی رشید احمد صاحب چغتائی (تاریخ ولادت ۲۷ / جولائی ۱۹۱۹ء)
شیخ نور احمد صاحب منیر (تاریخ ولادت ۸ / اکتوبر ۱۹۱۹ء) [۸۴]

جامعہ احمدیہ کا دور ثانی

حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کے بعد مئی ۱۹۳۹ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔اے پرنسپل مقرر ہوئے اور جامعہ کا دوسرا دور شروع ہوا۔ آپ کے زمانہ میں بھی امتحان مولوی فاضل کے نتائج بہت اچھے رہے مگر لوگوں کے اس عام رجحان کی وجہ سے کہ دینی تعلیم پر دنیاوی تعلیم کو فوقیت حاصل ہے مبلغین کلاس میں داخل ہونے والے طلباء کی تعداد میں کمی آگئی۔ آپ کے دور میں جامعہ کے اندرونی نظام میں بعض اصلاحات بھی ہوئیں مثلاً تقریروں کی مشق کے لئے ایک مجلس طلباء بنائی گئی۔ لائبریری جامعہ احمدیہ کی کتابیں از سر نو مرتب کرکے دو حصوں میں تقسیم کی گئیں۔ ایک حصہ میں نصاب کی کتابیں اور دوسرے میں کتب سلسلہ کے لئے دوسرا علمی اور ادبی لٹریچر رکھا گیا۔ اس کے علاوہ دارالاقامہ میں بھی ایک لائبریری قائم ہوئی۔ [۸۵]

دور ثانی میں تعلیم پانے والے علماء

آپ کے زمانہ میں جن علماء و مبلغین نے اکتساب علم کیا ان میں سے بعض قابل ذکر یہ ہیں :

۱۹۴۰ء مولوی غلام باری صاحب سیف (تاریخ ولادت یکم اکتوبر ۱۹۲۰ء)
مولوی جلال الدین صاحب قمر (تاریخ ولادت ۵ / مئی ۱۹۲۳ء)
شیخ نصیر الدین احمد صاحب (تاریخ ولادت ۱۵ / مارچ ۱۹۲۳ء)
حافظ بشیر الدین صاحب (تاریخ ولادت ۴ / اکتوبر ۱۹۲۲ء)
مولوی محمد منور صاحب (تاریخ ولادت ۱۳ / فروری ۱۹۲۳ء)

۱۹۴۱ء ملک مبارک احمد صاحب (تاریخ ولادت ۱۹۲۲ء)
مولوی خورشید احمد صاحب شاد [۸۶] (تاریخ ولادت ۲۴ / ستمبر ۱۹۲۰ء)
مولوی محمد عثمان صاحب (تاریخ ولادت ۱۰ / جون ۱۹۲۲ء)
مولوی بشارت احمد صاحب امروہوی (تاریخ ولادت ۸ / اگست ۱۹۱۷ء)

۱۹۴۲ء مولوی بشارت احمد صاحب بشیر (تاریخ ولادت ۱۰ / جون ۱۹۲۳ء)

۱۹۴۳ء مولوی محمد زہدی صاحب (تاریخ ولادت ۷ / نومبر ۱۹۱۸ء)
صوفی محمد اسحاق صاحب (تاریخ ولادت یکم مارچ ۱۹۲۳ء)

جامعہ احمدیہ کے دور ثالث کا آغاز

صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب مئی ۱۹۴۴ء میں تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے اور ۲۴ مئی ۱۹۴۴ء کو مولانا ابو العطاء صاحب فاضل جالندھری نے جامعہ احمدیہ کا چارج سنبھال لیا۔ [۸۷] اس طرح

جامعہ احمدیہ کی زندگی کے تیسرے دور کا آغاز ہوا۔

اوائل ۱۹۴۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی جامعہ احمدیہ کی طرف خاص توجہ فرمائی اور جماعت کو وقف زندگی کی تحریک کی۔ جس پر کئی مخلص نوجوانوں نے لبیک کہا۔ اور میٹرک پاس طلباء کے لئے جامعہ احمدیہ میں ایک سپیشل کلاس جاری کی گئی۔ اس کے علاوہ دوسرے طلباء میں بھی اضافہ ہوا۔ اور جامعہ احمدیہ میں زندگی کی ایک نئی روح پیدا ہوئی۔ جامعہ احمدیہ اور اس کا ہوسٹل محلہ دارالانوار کے نئے گیسٹ ہاؤس میں منتقل کر دیا گیا۔ اور طلباء کو رہائش کی سہولتیں میسر آئیں۔ یہ ادارہ ترقی کی منازل طے کر رہا تھا کہ تقسیم ہند کا سانحہ پیش آگیا۔ اور اس کے اساتذہ و طلباء ۱۰ نومبر ۱۹۴۷ء کو کانوائے کے ذریعہ قادیان سے لاہور آگئے۔ [۸۸] جہاں نئی صورت حال کے پیش نظر مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کا مخلوط ادارہ جاری ہوا۔ جس کے پرنسپل بھی آپ ہی مقرر ہوئے۔ اور یکم جولائی ۱۹۵۳ء تک اس ادارہ کو کامیابی سے چلانے کے بعد پرنسپل کی حیثیت سے جامعۃ المبشرین میں منتقل ہو گئے۔

جامعہ احمدیہ کے دور ثالث اور اس سے نکلنے والے علماء و مبلغین کا مفصل تذکرہ تو انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گا۔ مگر یہاں یہ بتانا مناسب ہو گا کہ اس دور کے تعلیم پانے والوں میں صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب، سید مسعود احمد صاحب اور سید محمود احمد صاحب ناصر بھی شامل ہیں۔

سفر لاہور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ جون ۱۹۲۸ء کے پہلے ہفتہ میں لاہور تشریف لے گئے۔ آپ کے حرم ثالث حضرت سارہ بیگم صاحبہ بنت حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری، صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور صاحبزادہ عبدالسلام صاحب (ابن حضرت خلیفہ اولؓ) ادیب فاضل وغیرہ کا امتحان دے رہے تھے اور یہ سفر اسی سلسلہ میں تھا۔ [۸۹]

(فصل دوم)

"سیرت النبیؐ" کے بابرکت جلسوں کا انعقاد

مجالس سیرت النبیؐ کی تجویز اور اس کا پس منظر

۱۹۲۸ء کا نہایت مہتم بالشان اور تاریخ عالم میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے لائق واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ہاتھوں سیرت النبی کے جلسوں کی بنیاد ہے جس نے برصغیر ہندو پاک کی مذہبی تاریخ پر خصوصاً اور دنیا بھر میں عموماً بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔ اور جو اب ایک عالمگیر تحریک کی صورت اختیار کرتی جارہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس اہم تحریک کی تجویز حضور کے دل میں ۱۹۲۷ء کے آخر میں اس وقت القا فرمائی۔ جبکہ ہندوؤں کی طرف سے کتاب "رنگیلا رسول" اور رسالہ "ورتمان" میں آنحضرت ﷺ کی شان مبارک کے خلاف گستاخیاں انتہا کو پہنچ گئیں۔ اور ملک میں فرقہ وارانہ کشیدگی نہایت خطرناک شکل اختیار کر گئی۔ حضور نے اس مرحلہ پر آنحضرت ﷺ کی ناموس و حرمت کی حفاظت کے لئے ملکی سطح پر جو کامیاب مہم شروع فرمائی۔ اس کی تفصیل پچھلی جلد میں گذر چکی ہے۔ یہ مہم اسلامی دفاع کا ایک شاندار نمونہ تھی۔ جس نے نہ صرف مخالفین اسلام کی چیرہ دستیوں کا سدباب کرنے میں مضبوط دیوار کا کام دیا۔ بلکہ نبی کریم ﷺ کے نام لیواؤں کو عشق رسول کے عظیم الشان جذبہ سے ایک پلیٹ فارم پر مجتمع کر دیا۔ مگر حضور کے مضطرب اور درد آشنا دل نے اسی پر قناعت کرنا گوارا نہ کیا۔ اور آپ سب و شتم کی گرم بازاری کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ جب تک آنحضرت ﷺ کی مقدس زندگی کے حالات اور آپؐ کے عالمگیر احسانات کے تذکروں سے ہر ملک کا گوشہ گوشہ گونج نہیں اٹھے گا۔ اس وقت تک مخالفین اسلام کی قلعہ محمدی پر موجودہ یورش بدستور جاری رہے گی۔ اور دراصل یہی خیال تھا۔ جس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آپ نے "سیرت النبیؐ" کے جلسوں کی تجویز فرمائی۔ چنانچہ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں:

"لوگوں کو آپ پر (یعنی آنحضرت رسول کریم ﷺ پر ناقل) حملہ کرنے کی جرأت اسی لئے ہوتی ہے۔ کہ وہ آپ کی زندگی کے صحیح حالات سے ناواقف ہیں۔ یا اسی لئے کہ وہ سمجھتے ہیں دوسرے

لوگ ناواقف ہیں اور اس کا ایک ہی علاج ہے۔ جو یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی سوانح پر اس کثرت سے اور اس قدر زور کے ساتھ لیکچر دیئے جائیں کہ ہندوستان کا بچہ بچہ آپ کے حالات زندگی اور آپؐ کی پاکیزگی سے آگاہ ہو جائے۔ اور کسی کو آپ کے متعلق زبان درازی کرنے کی جرات نہ رہے جب کوئی حملہ کرتا ہے تو یہی سمجھ کر کہ دفاع کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔ واقف کے سامنے اس لئے کوئی حملہ نہیں کرتا کہ وہ دفاع کر دے گا۔ پس سارے ہندوستان کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو رسول کریم ﷺ کی پاکیزہ زندگی سے واقف کرنا ہمارا فرض ہے اور اس کے لئے بہترین طریق یہی ہے کہ رسول کریم ﷺ کی زندگی کے اہم شعبوں کو لے لیا جائے۔ اور ہر سال خاص انتظام کے ماتحت سارے ہندوستان میں ایک ہی دن ان پر روشنی ڈالی جائے۔ تاکہ سارے ملک میں شور مچ جائے اور غافل لوگ بیدار ہو جائیں"۔ [۴۰]

نیز فرمایا:

"آنحضرت ﷺ ان وجودوں میں سے ہیں جن کے متعلق کسی شاعر نے کہا ہے کہ ع

آفتاب آمد دلیل آفتاب

سورج کے چڑھنے کی دلیل کیا ہے؟ یہ کہ سورج چڑھا ہوا ہے کوئی پوچھے اس بات کی کیا دلیل ہے کہ سورج چڑھا ہوا ہے تو اسے کہا جائے گا۔ دیکھ لو سورج چڑھا ہوا ہے۔ تو کئی ایسے وجود ہوتے ہیں کہ ان کی ذات ہی ان کا ثبوت ہوتی ہے اور رسول کریم ﷺ کی ذات ستودہ صفات انہی وجودوں میں سے ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اس وقت تک جو انسان پیدا ہوئے یا آئندہ پیدا ہوں گے وہ سب کے سب رسول کریم ﷺ سے نیچے ہیں اور آپؐ سب پر فوقیت رکھتے ہیں ایسے انسان کی زندگی پر اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو اس کی زندگی کو بگاڑ کر ہی کر سکتا ہے اور بگاڑے ہوئے حالات سے وہی متاثر ہو سکتا ہے جسے صحیح حالات کا علم نہ ہو......... رسول کریم ﷺ کی ذات پر اسی طرح حملے کئے جاتے ہیں ایسے حملوں کے اندفاع کا بہترین طریق یہ نہیں ہے کہ ان کا جواب دیا جائے بلکہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کو توجہ دلائیں کہ وہ رسول کریم ﷺ کے حالات خود پڑھیں اور ان سے صحیح طور پر واقفیت حاصل کریں۔ جب وہ آپؐ کے حالات پڑھیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ آپ کی ذات نور ہی نور ہے اور اس ذات پر اعتراض کرنے والا خود اندھا ہے"۔ [۴۱]

وسیع سکیم اس اہم قومی و ملی مقصد کی تکمیل کے لئے آپ نے ایک وسیع پروگرام تجویز فرمایا جس کے اہم پہلو مندرجہ ذیل تھے:

اول: ہر سال آنحضرت ﷺ کی مقدس سوانح میں سے بعض اہم پہلوؤں کو منتخب کر کے ان

پر خاص طور سے روشنی ڈالی جائے۔ ۱۹۲۸ء کے پہلے "سیرت النبیؐ" کے جلسے کے لئے آپ نے تین عنوانات تجویز فرمائے۔ (ا) رسول کریم ﷺ کی بنی نوع انسان کے لئے قربانیاں۔ (۲) رسول کریم ﷺ کی پاکیزہ زندگی (۳) رسول کریم ﷺ کے دنیا پر احسانات۔

دوم : ان مضامین پر لیکچر دینے کے لئے آپ نے سالانہ جلسہ ۱۹۲۷ء پر ایسے ایک ہزار فدائیوں کا مطالبہ کیا۔ جو لیکچر دینے کے لئے آگے آئیں تا انہیں مضامین کی تیاری کے لئے ہدایات دی جاسکیں اور وہ لیکچروں کے لئے تیار کئے جاسکیں۔ جلسوں کے اثرات سے قطع نظر صرف یہی بہت بڑا اور غیر معمولی کام تھا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی سیرت پر روشنی ڈالنے والے ہزار لیکچرار تیار کر دیئے جائیں۔

سوم : سیرت النبیؐ پر تقریر کرنے کے لئے آپ نے مسلمان ہونے کی شرط اڑادی اور فرمایا رسول کریم ﷺ کے احسانات سب دنیا پر ہیں اس لئے مسلمانوں کے علاوہ وہ لوگ جن کو ابھی تک یہ توفیق تو نہیں ملی کہ وہ رسول کریم ﷺ کے اس تعلق کو محسوس کر سکیں۔ جو آپ کو خدا تعالیٰ کے ساتھ تھا۔ مگر وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی قربانیوں سے بنی نوع انسان پر بہت احسان کئے ہیں وہ بھی اپنے آپ کو پیش کر سکتے ہیں ان کی زبانی رسول کریم ﷺ کے احسانات کا ذکر زیادہ دلچسپ اور زیادہ پیارا معلوم ہو گا۔ پس اگر غیر مسلموں میں سے بھی کوئی اپنے آپ کو اس کام کے لئے پیش کریں گے تو انہیں شکریہ کے ساتھ قبول کیا جائے گا اور ان کی اس خدمت کی قدر کی جائے گی۔ [۹۲]

چہارم : غیر مسلموں کو سیرت رسولؐ کے موضوع سے وابستگی کا شوق پیدا کرنے کے لئے یہ اعلان کیا گیا کہ جو غیر مسلم اصحاب ان جلسوں میں تقریریں کرنے کی تیاری کریں گے اور اپنے مضامین ارسال کریں گے ان میں سے اول، دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والوں کو علی الترتیب سو، پچاس اور پچیس روپے کے نقد انعامات بھی دیئے جائیں گے۔ [۹۳]

پنجم : حضور کے سامنے چونکہ "میلاد النبیؐ" کے معروف رسمی اور بے اثر اور محدود جلسوں کے مخصوص اغراض کی بجائے "سیرت النبیؐ" کے خالص علمی اور ہمہ گیر جلسوں کا تصور تھا اس لئے آپ نے ان کے انعقاد کے لئے ۱۲/ ربیع الاول کے دن کی بجائے (جو عموماً ولادت نبوی کی تاریخ تسلیم کی جاتی ہے) دوسرے دنوں کو زیادہ مناسب قرار دیا۔ [۹۴] چنانچہ ۱۹۲۸ء میں آپ نے یکم محرم ۱۳۴۷ھ بمطابق ۲۰/ جون کو یوم سیرت منانے کا اعلان کیا۔ جسے شیعہ فرقہ کے مسلمانوں کی بآسانی شمولیت کے پیش نظر ۱۷/ جون میں تبدیل کر دیا۔ [۹۶،۹۵]

حضور نے اس عظیم الشان پروگرام کے شایان شان جماعت احمدیہ اور دوسرے مسلمانوں کو

تیاری کرنے کی طرف بار بار توجہ دلائی اور اس بارے میں کئی اہم مشورے دیئے مثلاً اصل جلسوں کی اہمیت بتانے کے لئے مختلف موقعوں پر مختلف محلوں میں جلسے کریں' جلسہ کی صدارت کے لئے بارسوخ اور سربر آوردہ لوگ منتخب کئے جائیں جلسہ گاہ کا ابھی سے مناسب انتظام کرلیں۔ اسی طرح جلسہ کے لئے منادی اور اعلان کے متعلق ابھی سے تیاری شروع کردیں۔ اور یہ ذمہ اٹھائیں کہ وہ اپنے ماحول میں دو دو تین تین گاؤں میں جلسے منعقد کرائیں گے۔ ۹۷

لیکچراروں کی فراہمی کا مسئلہ

اس ضمن میں مشکل ترین کام یہ تھا کہ ملک کے عرض و طول میں تقریر کرنے والے ایک ہزار لیکچرار مہیا اور تیار کئے جائیں۔ شروع شروع میں یہ کام حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے سپرد فرمایا مگر ۱۴/ مارچ ۱۹۲۸ء کو اس کی نگرانی صیغہ ترقی اسلام کے سیکرٹری چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے کے سپرد فرمادی۔ ۹۸

حضرت چوہدری صاحب نے ملکانہ تحریک کی طرح اس معاملہ میں بھی انتہائی مستعدی فرض شناسی اور فدائیت کا ثبوت دیا اور زبردست سعی و جدوجہد سے ہزار سے زیادہ یعنی چودہ سو انیس لیکچرار فراہم ہوگئے یہ لیکچرار وہ تھے۔ جن کے نام رجسٹر میں درج تھے ورنہ ۱۷/ جون کے مقررین تعداد میں اس سے بھی بہت زیادہ۔ یہاں زیادہ مناسب ہوگا۔ کہ چوہدری صاحب کے قلم سے ان مخلصانہ مساعی کا نقشہ پیش کردیا جائے۔ فرماتے ہیں :

"۱۴/ مارچ کو میں نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لے کر مبلغین میں سے ایک صاحب کو اس کام کے لئے فارغ کردیا۔ جس کے ساتھ عملہ دفتر دعوۃ و تبلیغ بھی بطور معاون کام کرتا رہا۔ لیکچرار مہیا کرنے کے لئے اسلامی انجمنوں' اسلامیہ سکولوں' ائمہ مساجد علماء و سجادہ نشینان' ممبران ترقی اسلام ایڈیٹران اخبارات' ممبران لیجسلیٹو کونسلز و اسمبلی اور ہندو معززین و تھیوسافیکل سوسائٹیوں سے خط و کتابت کی گئی اور اس کے علاوہ متعدد اسلامی اخبارات میں پے در پے تحریکات شائع کرنے کے ساتھ صوبجات بنگال' مدراس اور بمبئی کی انگریزی اخبارات میں لیکچرار مہیا کرنے کے لئے اجرت پر اشتہارات دیئے گئے۔ ہندوستان کے علاوہ ممالک خارجہ انگلینڈ' نائجیریا' گولڈ کوسٹ' نیروبی و دیگر حصص افریقہ اور شام' ماریشس' ایران' سماٹرا' آسٹریلیا میں بھی مبلغین اور بعض دیگر احباب کو بھی خطوط لکھے گئے۔ ۱۷/ جون کے جلسہ سے چند دن قبل حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کا رقم فرمودہ ایک پوسٹر ۱۵ ہزار کی تعداد میں چھپوا کر ہندوستان کے تمام حصوں میں بھیجا گیا جس میں مسلمانوں کو ہر جگہ ۱۷/ جون کے دن جلسہ کرنے کی تحریک کی گئی۔ ہمارا مطالبہ تمام ہندوستان سے ایک ہزار لیکچرار مہیا کرنے کا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے

فضل سے ۱۶/ جون کو ممالک خارجہ اور ہندوستان کے لیکچراروں کی تعداد درج رجسٹر ۱۴۱۹ تھی۔ گویا مطالبہ سے ۴۱۹ زیادہ لیکچرار تھے۔ اور پھر خصوصیت اس میں یہ تھی کہ مختلف علاقوں سے ہمیں ۲۵ غیر مسلم لیکچرار اصحاب کے نام ملے۔ اگرچہ ۱۷/ جون کے دن غیر مسلم لیکچراروں کی تعداد اس سے بہت زیادہ تھی جو بروقت مقامی طور پر جلسوں میں بخوشی حصہ لینے کے لئے تیار ہو گئے۔ غرض لیکچراروں کے حصول میں ہمیں امید سے بڑھ کر کامیابی ہوئی "۔ [99]

لیکچراروں کی رہنمائی کے لئے مفصل نوٹوں کی طباعت اور الفضل کے "خاتم النبیین نمبر" کی اشاعت

جہاں تک لیکچراروں کو مواد فراہم کرنے کا تعلق تھا اس کے لئے حضرت چوہدری صاحب نے یہ انتظام فرمایا۔ کہ مجوزہ مضامین کے متعلق مفصل نوٹ تیار کرائے اور وہ (پانچ ہزار کی تعداد میں) طبع کرا کے لیکچراروں کو بھجوا دیئے۔ [100] جس سے ان کو بہت مدد ملی۔ علاوہ بریں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر ادارہ "الفضل" نے پانچ روز قبل ۱۲/ جون ۱۹۲۸ء کو ۲۷ صفحات پر مشتمل نہایت شاندار "خاتم النبیین نمبر" شائع کیا جس میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی اور دوسرے ممتاز بزرگان احمدیت و علماء سلسلہ [101] اور احمدی مستورات [102] کے علاوہ بعض مشہور غیر احمدی زعماء [103] اور غیر مسلم اصحاب [104] کے نہایت بلند پایہ مضامین تھے۔ آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں متعدد نعتیں [105] بھی شامل اشاعت تھیں جن میں سے حضرت میر محمد اسماعیل صاحب کا "سلام بحضور سید الانام" اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی نظم بعنوان "پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار" کو اپنوں اور بیگانوں میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ "خاتم النبیین نمبر" سات ہزار چھاپا گیا۔ جو چند روز میں ختم ہو گیا اور دوستوں کے اشتیاق پر دوبارہ شائع کیا گیا۔ [106]

تحریک سے متعلق عجیب و غریب غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش

یہ تحریک تمام اقوام عالم کے لئے عموماً اور مسلمانوں کے لئے نہایت مفید و بابرکت تحریک تھی۔ لیکن تعجب اور افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض مسلم حلقوں میں شروع ہی سے اس کی مخالفت میں آواز اٹھائی گئی اور اس کے متعلق عجیب و غریب اعتراضات کئے گئے مثلاً بعض نے کہا یہ تحریک حکومت کے منشاء کے تحت اور حکومت سے تعاون کرنے کی تلقین کے لئے کی گئی ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ان جلسوں میں چندہ جمع کیا جائے گا۔ بعض نے کہا کہ احمدی اس طرح اپنے عقائد کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں اور یہ تحریک خود غرضی پر مبنی ہے۔ [107] ایک سوال یہ اٹھایا گیا کہ مذہبی معاملہ میں غیر مسلم کیوں شریک کئے گئے۔

مخالفت کرنے والی جماعتوں میں سے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور' خلافت کمیٹی اور مسلم اخبارات میں سے اخبار "پیغام صلح" اور اخبار "زمیندار" نے تحریک کو ناکام بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ خلافت کمیٹی کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگوں نے تو آخر ملک اور عام پبلک کا رجحان اس تحریک کی طرف دیکھ کر اس سے عدم تعاون کی پالیسی ترک کر دی (سوائے چند جگہوں کے) لیکن احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے امیر [۱۰۸] اور اخبار "پیغام صلح" و "زمیندار" نے آخردم تک مخالفت جاری رکھی۔ حتیٰ کہ ۱۷/ جون سے پہلے اور عین اس دن اکثر مقامات پر اس قسم کی تحریریں چھپوا کر شائع کیں جن کا نہایت برا اثر پڑ سکتا تھا۔

سیرت النبیؐ کے کامیاب جلسوں کا روح پرور نظارہ

لیکن اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اس عظیم الشان مہم کے پیچھے کام کر رہی تھی اس لئے یہ تمام کوششیں اکارت گئیں اور ہندوستان کے عرض و طول میں ۱۷/ جون کو نہایت تزک و احتشام سے یوم سیرت النبیؐ منایا گیا۔ اور نہایت شاندار جلسے منعقد کئے گئے۔ اور ایک ہی سٹیج پر ہر فرقہ کے مسلمانوں نے سیرت رسولؐ پر اپنے دلی جذبات عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے تقریریں کیں۔ چنانچہ متعدد مقامی احمدیوں نے لیکچر دیئے مرکز سے قریباً پچاس کے قریب لیکچرار ملک کے مختلف جلسوں میں شامل ہوئے۔ بعض ممتاز احمدی مقررین کے نام یہ ہیں: حضرت میر محمد اسحاق صاحب' مولوی ابو العطاء صاحب جالندھری۔ [۱۰۹] مولوی محمد یار صاحب عارف' چوہدری ظفر اللہ خان صاحب' حضرت حافظ روشن علی صاحب' شیخ محمود احمد صاحب عرفانی' قریشی محمد نذیر صاحب ملتانی۔ ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر۔ حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق [۱۱۰]' پروفیسر عبدالقادر صاحب ایم۔ اے اسلامیہ کالج کلکتہ۔ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور۔ حضرت میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر "فاروق" قادیان۔ مرزا عبدالحق صاحب پلیڈر گورداسپور' مولوی محمد صادق صاحب۔ مولوی کرم داد صاحب دوالمیال۔ مولوی غلام احمد صاحب مولوی فاضل۔ مولوی ظل الرحمٰن صاحب بنگالی۔ قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری' حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب' حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب۔ حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری۔ مولوی ابو البشارت عبدالغفور صاحب مولوی فاضل۔ ڈاکٹر شفیع احمد ایڈیٹر اخبار "زلزلہ" دہلی۔ [۱۱۱] حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی۔ مولوی ظہور حسین صاحب۔ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی۔ ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم۔ مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر۔ قریشی محمد حنیف صاحب اڑیسہ۔

دوسرے مسلمانوں میں سے تقریر کرنے والوں یا نظم پڑھنے والوں یا صدارت کرنے والوں میں

کئی نمایاں شخصیتیں شامل تھیں۔ مثلاً ابو الاثر حفیظ صاحب جالندھری' مولوی مرزا احمد علی صاحب امرت سری' مولوی عبدالمجید صاحب قرشی اسسٹنٹ ایڈیٹر "تنظیم" امرت سر۔ مولوی صبغتہ اللہ صاحب فرنگی محلی لکھنؤ۔ شاہ سلیمان صاحب پھلواری۔ شمس العلماء سید سبط حسن صاحب۔ سید حبیب صاحب مدیر "سیاست" لاہور۔ مولوی محمد بخش صاحب مسلم بی۔اے لاہور۔ سید معین الدین صاحب صدر الصدور امور مذہبی سرکار آصفیہ حیدر آباد دکن۔ شیخ عبدالقادر صاحب ایم۔اے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی۔ نواب ذوالقدر جنگ بہادر ہوم سیکرٹری ریاست حیدر آباد دکن۔ خان بہادر مخدوم سید صدر الدین صاحب ملتان۔ نواب سر عمر حیات خاں صاحب ٹوانہ۔ نواب صدر یار جنگ ناظم امور مذہبیہ ریاست حیدر آباد۔ خواجہ سجاد حسین صاحب بی۔اے (خلف شمس العلماء مولوی الطاف حسین صاحب حالی) مسٹر محمود سہروردی صاحب ممبر کونسل آف اسٹیٹ دہلی۔

مسلمانوں کے علاوہ ہندو' سکھ' عیسائی' جینی اصحاب نے بھی آنحضرت ﷺ کی پاکیزہ سیرت' بیش بہا قربانیوں اور عدیم النظیر احسانات کا ذکر کیا۔ [۱۱۲] اور نہ صرف ان جلسوں میں بخوشی شامل ہوئے بلکہ کئی مقامات پر انہوں نے ان کے انعقاد میں بڑی مدد بھی دی۔ [۱۱۳] جلسہ گاہ کے لئے اپنے مکانات دیئے' ضروری سامان مہیا کیا' سامعین کی شربت وغیرہ سے خدمت کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بڑے بڑے معزز اور مشہور لیڈروں نے جلسوں میں شامل ہو کر تقریریں کیں چنانچہ لاہور کے جلسہ میں لالہ بہاری لال صاحب انند ایم اے پروفیسر دیال سنگھ کالج اور لالہ امرناتھ صاحب چوپڑہ بی۔اے ایل ایل۔ بی نے دہلی کے جلسہ میں رائے بہادر لالہ پارس داس آنریری مجسٹریٹ اور لالہ گردھاری لال صاحب نے انبالہ میں مشہور کانگریسی لیڈر لالہ دنی چند صاحب بی۔اے۔ایل ایل۔بی نے تقاریر کیں مسٹر ایس کے بھٹہ چارجی نے سید پور (بنگال) کے جلسہ کی اور مشہور لیڈر مسٹر ایس جے ہردیال ناگ نے چاندپور کے جلسوں کی صدارت کی۔ بابو بنکا چندر سین صاحب' بابو کیتار سینا بھوش صاحب' بابو للت موہن صاحبان برہمن بڑیہ کے جلسہ میں شریک ہوئے۔ بنگال کے معزز لیڈر سرپی سی رائے صاحب کلکتہ کے جلسہ کے صدر تھے۔ [۱۱۴] اور ڈاکٹر ایچ ڈبلیو بی مانرو (یا مورنیو) صاحب اینگلو انڈین کمیونٹی کے مشہور لیڈر' بنگال کے لیڈر بابو بپن چندر پال صاحب۔ [۱۱۵] مشہور بنگالی مقرر مسز نیرا بھر دبھا چکرا ورتی صاحب نے کلکتہ کے جلسہ میں بہت دلچسپ تقریریں کیں۔ رنگپور کے جلسہ میں بدھن رانجھر لاہری ایم۔ اے۔بی ایل صاحب (مشہور اور بنگالی لیکچرار) نے ایک فصیح تقریر کی۔ مدراس میں وہاں کے مشہور اخبار جسٹس کے قابل ایڈیٹر صاحب نے جلسہ کی صدارت کی اور نہایت پر زور تقریر کی۔ بانکی پور کے مسٹر پی کے سین صاحب بیرسٹر سابق جج ہائیکورٹ پٹنہ اور بابو بلدیو سہائے صاحب ممبر لیجسلیٹو کونسل نے

تقریریں کیں۔ بھاگلپور میں مشہور ہندو لیڈر بابو اننت پرشاد صاحب وکیل نے جلسہ کی صدارت کی۔ امراؤتی میں آنریبل سرجی ایس کھاپارڈے صاحب ممبر کونسل آف سٹیٹ کی صدارت میں جلسہ منعقد ہوا۔ بنگلور میں مسٹر کے سمپت گری راؤ صاحب ایم۔اے نے تقریر کی۔ حیدر آباد دکن کے جلسہ کے لئے راجہ سر کرشن پرشاد صاحب نے نعتیں بھیجیں' بھاؤنگر کاٹھیاواڑ کے جلسہ میں جناب کپل رائے صاحب بی۔اے بی ٹی نے تقریر کی جو کاٹھیاواڑ میں ایک ممتاز علمی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ سینکڑوں غیر مسلم معززین اور غیر مسلم تعلیم یافتہ خواتین بھی جلسوں میں شریک ہوئیں۔ اور دنیا کے سب سے بڑے محسن سب سے بڑے پاکباز اور سب سے بڑے ہمدرد کے متعلق اپنی عقیدت اور اخلاص کا اظہار کیا۔ یہ ایسا روح پرور نظارہ تھا جو اس سے قبل کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اور جس کی یاد دیکھنے والوں کے ذہن میں آج بھی تازہ ہے۔ ۱۱۶

ہندوستان کے علاوہ سماٹرا' آسٹریلیا' سیلون' ماریشس' ایران' عراق' عرب' دمشق (شام) حیفا (فلسطین) گولڈ کوسٹ (غانا) نائیجیریا' جنجہ' ممباسہ (مشرقی افریقہ) اور لندن میں بھی سیرت النبیؐ کے جلسے ہوئے۔ ۱۱۷ اس طرح خدا کے فضل سے عالمگیر پلیٹ فارم سے آنحضرت ﷺ کی شان میں محبت و عقیدت کے ترانے گائے گئے اور سپین کے مشہور صوفی حضرت محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کی اس پیشگوئی کا ایک پہلو کہ آنحضرتؐ کے مقام محمود کا ظہور حضرت امام مہدی کے ذریعہ سے ہوگا۔ ۱۱۸ امام مہدی کے خلیفہ برحق کے زمانہ میں (جس کا نام خدائے ذوالعرش نے محمود رکھا تھا) پوری ہوگئی و لعلّ اللّٰہ یحدث بعد ذالک امرا۔

جلسوں کی کامیابی پر تبصرے

مجالس سیرت النبیؐ کی کامیابی ایسے شاندار رنگ میں ہوئی کہ بڑے بڑے لیڈر دنگ رہ گئے اور اخباروں نے اس پر بڑے عمدہ تبصرے شائع کئے۔ اور اس کی غیر معمولی کامیابی پر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کو مبارکباد دی مثلاً:

اخبار مشرق

۱۔ اخبار مشرق گورکھپور (۲۱/ جون ۱۹۲۸ء) نے لکھا:

"ہندوستان میں یہ تاریخ ہمیشہ زندہ رہے گی۔ اس لئے کہ اس تاریخ میں اعلیٰ حضرت آقائے دو جہاں سردار کون و مکان محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر خیر کسی نہ کسی پیرایہ میں مسلمانوں کے ہر فرقہ نے کیا۔ اور ہر شہر میں یہ کوشش کی گئی کہ اول درجے پر ہمارا شہر رہے.......... جن اصحاب نے اس موقعہ پر تفرقہ و فتنہ پردازی کے لئے پوسٹر لکھے اور تقریریں لکھ کر ہمارے پاس بھیجیں وہ بہت احمق ہیں جو ہمارے عقیدے سے واقف نہیں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پر

ایمان رکھے وہ ناجی ہے بہرحال ۱۷/ جون کو جلسے کی کامیابی پر ہم امام جماعت احمدیہ جناب مرزا محمود احمد کو مبارکباد دیتے ہیں اگر شیعہ و سنی اور احمدی اسی طرح سال بھر میں دو دو چار مرتبہ ایک جگہ جمع ہو جایا کریں گے تو پھر کوئی قوت اسلام کا مقابلہ اس ملک میں نہیں کر سکتی"۔ ۱۱۹

اخبار "مخبر" (اودھ)

۲۔ "مخبر" اودھ نے "انسان اعظم حضرت رسول اکرم ﷺ کی سیرت پر شاندار لیکچر" اور "ہندوستان میں جلسے" کے دوہرے عنوان سے ایک مفصل مضمون شائع کیا۔ جس میں لکھا :

"دور حاضرہ کے مسلمانوں میں جماعت احمدیہ ایک پرجوش جماعت ہے جس کے زبردست لیکچروں کی آواز یورپ سے امریکہ تک گونج رہی ہے اور یہ ہر موقع پر معترضین اسلام کی تسلی کرنے کو آمادہ رہی ہے اس طبقہ نے بحث و مباحثہ کے ضمن میں بہترین خدمات انجام دیئے ہیں اور علم کلام میں جو عظیم الشان تبدیلیاں پیدا کی ہیں ان سے کسی انصاف پسند کو انکار نہیں۔ کچھ دنوں سے غیر اقوام کے مقررین اور جرائد و رسائل نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ حضرت نبی کریم ﷺ کے متعلق اپنے جلسوں میں ایسے حالات بیان کرتے ہیں جن کا مستند تواریخ میں پتہ نہیں اور اپنے اخبارات میں ان غلط روایات پر الٹی سیدھی رائے زنی کرتے ہیں جن سے سیرت نبوی کا لٹریچر نا آشنا ہے جماعت احمدیہ نے اس بات کا بیڑہ اٹھایا کہ ۱۷/ جون کو ہندوستان کے ہر حصہ میں مسلمانوں کے عام جلسے کئے جائیں۔ جن میں آنحضرت کی سیرت مبارک پر شاندار لیکچروں کا سلسلہ شروع ہوا اور اس میں نہ صرف ہر فرقہ اسلامیہ کے ممتاز افراد شریک ہوں بلکہ غیر مذاہب کے اشخاص کو بھی دعوت دی جائے...... ۱۷/ جون کو ہندوستان کے مشہور مقامات پر جماعت احمدیہ کے زیر اہتمام شاندار جلسے ہوئے کلکتہ کے جلسہ میں اینگلو انڈین طبقہ کے معزز ممبر ڈاکٹر موریو صاحب نے شریک ہو کر اس کے اغراض پر شادمانی کا اظہار کیا۔ بابو بپن چندر پال نے بھی اپنی تقریر میں اس کے مقاصد کو بہترین قرار دیا اور وعدہ کیا کہ وہ اسے کامیاب بنانے میں کوشاں ہوں گے۔ لاہور میں سر عبدالقادر صاحب کے زیر صدارت جلسہ ہوا جس میں پروفیسر بہاری لال اور لالہ امرناتھ صاحب ایڈووکیٹ نے آنحضرت کی خوبیاں بیان کیں۔ اگر برادران وطن اسی طرح اسلامی جلسوں میں پیغمبر اسلام کے کمالات اور پاک زندگی کی فضیلت ظاہر کرتے رہے تو جملہ مذاہب میں یگانگت پیدا ہو جائے گی"۔ ۱۲۰

اخبار "سلطان" کلکتہ

۳۔ کلکتہ کے ایک بنگالی اخبار "سلطان" (۲۱/ جون نے لکھا:

"جماعت احمدیہ نے ۱۷/ جون کو رسول کریم ﷺ کی سیرت بیان کرنے کے لئے ہندوستان بھر

میں جلسے منعقد کئے ہمیں اطلاعات موصول ہوئی ہیں کہ تقریباً سب جگہ کامیاب جلسے ہوئے اور یہ تو ایک حقیقت ہے کہ اس نواح میں احمدیوں کو ایسی عظیم الشان کامیابی ہوئی ہے کہ اس سے قبل کبھی نہیں ہوئی اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت احمدیہ روز بروز طاقتور ہو رہی ہے۔ اور لوگوں کے دلوں میں جگہ حاصل کر رہی ہے ہم خود بھی ان کی طاقت کا اعتراف کرتے ہیں اور ان کی کامیابی کے متمنی ہیں"۔ [۱۲۱]

اخبار "کشمیری" لاہور

۴۔ اخبار "کشمیری" لاہور (۲۸/ جون ۱۹۲۸ء) نے "۱۷/ جون کی شام" کے عنوان سے یہ تبصرہ شائع کیا:

"مرزا بشیر الدین محمود احمد جماعت احمدیہ قادیان کے خلیفۃ المسیح کی یہ تجویز کہ ۱۷/ جون کو آنحضرت ﷺ کی پاک سیرت پر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں لیکچر اور وعظ کئے جائیں باوجود اختلافات عقائد کے نہ صرف مسلمانوں میں مقبول ہوئی بلکہ بے تعصب امن پسند صلح جو غیر مسلم اصحاب نے ۱۷/ جون کے جلسوں میں عملی طور پر حصہ لے کر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ ۱۷/ جون کی شام کیسی مبارک شام تھی کہ ہندوستان کے ایک ہزار سے زیادہ مقامات پر بہ یک وقت و بہ یک ساعت ہمارے برگزیدہ رسول کی حیات اقدس ان کی عظمت ان کے احسانات و اخلاق اور ان کی سبق آموز تعلیم پر ہندو، مسلمان اور سکھ اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ اگر اس قسم کے لیکچروں کا سلسلہ برابر جاری رکھا جائے تو مذہبی تنازعات و فسادات کا فوراً انسداد ہو جائے۔

۱۷/ جون کی شام صاحبان بصیرت و بصارت کے لئے اتحاد بین الاقوام کا بنیادی پتھر تھی ہندو اور سکھ مسلمانوں کے پیارے نبی کے اخلاق بیان کر کے ان کو ایک عظیم الشان ہستی اور کامل انسان ثابت کر رہے تھے۔ بلکہ بعض ہندو لیکچرار تو بعض منہ پھٹ معترضین کے اعتراضات کا جواب بھی بدلائل قاطع دے رہے تھے۔

آریہ صاحبان عام طور پر نفاق و فساد کے بانی بتائے جاتے ہیں اور سب سے زیادہ یہی گروہ آنحضرت ﷺ کی مقدس زندگی پر اعتراض کیا کرتا ہے۔ لیکن ۱۷/ جون کی شام کو پانی پت، انبالہ اور بعض اور مقامات میں چند ایک آریہ اصحاب نے ہی حضورؐ کی پاک زندگی کے مقدس مقاصد پر دل نشین تقریریں کر کے بتا دیا۔ کہ اس فرقہ میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو دوسرے مذاہب کے بزرگوں کا ادب و احترام اور ان کی تعلیمات کے فوائد کا اعتراف کر کے اپنی بے تعصبی اور امن پسندی کا ثبوت دے سکتے ہیں۔

۱۷/ جون کی مبارک شام کو جن مقامات پر ہندو اور سکھ اصحاب نے ہمارے رسول پاک ﷺ

کی شان میں نعتیں پڑھیں یا جلسوں کی صدارت کی یا اہل جلسہ کے لئے شربت کی سبیلیں لگائیں یا اپنی تقریروں میں آنحضرت ﷺ کو ان کی پاکیزہ تعلیم اور ان کے اعلیٰ اخلاق و فضائل کی وجہ سے دنیا کا سب سے بڑا محسن ظاہر کیا۔ ان میں مقامات ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مردان' پانی پت' بہاؤ نگر' مونگیر' حیدر آباد دکن' لاہور' امرت سر' دہلی' کبیر والا (ملتان) قلعہ شب قدر (سرحد) میانی' ڈیرہ دون' بانکی پور۔ سہسرام' گورداسپور' کھاریاں' امراؤتی' دھرگ (سیالکوٹ) دھرم کوٹ بگہ"۔ ۱۲۲

"اردو اخبار" ناگپور

۵۔ "اردو اخبار" ناگپور (۵ / جولائی ۱۹۲۸ء) نے "جماعت احمدیہ کی قابل قدر خدمات" کی سرخی دے کر مندرجہ ذیل نوٹ لکھا :

"جماعت احمدیہ ایک عرصہ سے جس سرگرمی سے اسلامی خدمات بجالا رہی ہے وہ اپنے زریں کارناموں کی بدولت محتاج بیان نہیں ہے یورپ کے اکثر ممالک میں جس عمدگی کے ساتھ اس نے تبلیغی خدمات انجام دیں اور دے رہی ہے سچ یہ ہے کہ یہ اسی کا کام ہے پچھلے دنوں جبکہ یکایک شدھی کا ایک طوفان عظیم امنڈ آیا تھا۔ اور جس نے ایک دو آدمیوں کو نہیں بلکہ گاؤں کے گاؤں مسلمانوں کو متاثر بنا کر مرتد کر لیا تھا۔ یہی ایک جماعت تھی جس نے سب سے پہلے سینہ سپر ہو کر اس کا مقابلہ کیا اور وہ کچھ خدمات انجام دیں اور کامیابی حاصل کی کہ دشمنان اسلام انگشت بدنداں رہ گئے۔ اور ان کے بڑھے ہوئے حوصلے پست ہو گئے۔ یہ مبالغہ نہیں بلکہ واقع ہے کہ جس ایثار و انہماک سے یہ مختصر سی جماعت اسلام کی خدمت انجام دے رہی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے اور بلاشبہ اس کے یہ تمام کارنامے تاریخی صفحات پر آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں پچھلے دنوں اس کی یہ تحریک کہ حضور سرور کائنات ﷺ کی سیرت پر ۱۷/ جون کو ہندوستان کے ہر مقام پر عام مجمع میں جس میں مسلم و غیر مسلم دونوں شامل ہوں تقریریں کی جائیں اور جس کے لئے اس نے صرف تحریک ہی پیش نہیں کی بلکہ صدہا روپے بھی خرچ کر کے مقررین کے لئے ہزارہا کی تعداد میں لیکچرز طبع کرا کر مفت تقسیم کئے۔ اور جس کا اثر یہ ہوا کہ 17- جون کو مسلم اور غیر مسلم دونوں جماعتوں نے شاندار جلسے کر کے سیرت نبویؐ پر کمال حسن و خوبی سے اظہار خیالات کئے ہمارا تو خیال ہے کہ اگر اس تحریک پر آئندہ بھی برابر عمل کیا گیا تو یقیناً وہ ناپاک حملے جو آج برابر غیر مسلم اقوام ذات فخر موجودات پر کرتی رہتی ہیں ہمیشہ کے لئے مٹ جائیں گے۔ اور وہ ناگوار واقعات جو آئے دن پیش آتے رہتے ہیں اس مبارک تحریک کی بدولت نیست و نابود ہو جائیں گے........ ہم اس شاندار کامیابی پر حضرت امام جماعت احمدیہ مدظلہ کی خدمت میں دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اور یقین دلاتے ہیں کہ آپ کی اس مبارک تحریک نے مسلمانوں کے قدیم فرقوں کو ایک مرکز پر کھڑا کر کے اتحاد کا عجیب و غریب سبق دیا ہے"۔ ۱۲۳

اخبار "پیشوا" دہلی

۶- اخبار "پیشوا" دہلی (۸ / جولائی ۱۹۲۸ء) نے ۱۷ / جون کے جلسوں کی کامیابی پر خوشی اور اس کے مخالفین پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

"۱۷ / جون کو قادیانی جماعت کے زیر اہتمام تمام ہندوستان میں فخر کائنات کی سیرت پر ہندوستان کے ہر خیال اور ہر طبقہ کے باشندوں نے لیکچر دیئے اور خوشی کا مقام ہے کہ مسلمان اخبارات [۱۲۴] نے سوائے زمیندار اور الجمعیت اور الانصار کے متفقہ طور سے ان جلسوں کی کامیابی میں حصہ لیا۔ مگر افسوس کہ علماء دیوبند نے ذکر رسول کی مخالفت اس لئے کی کہ ان کو قادیانی عقائد سے اختلاف ہے"۔ [۱۲۵]

"حالانکہ مجھے ذاتی طور سے علم ہے کہ جناب مولانا کفایت اللہ صاحب سے (جو دیوبندی علماء میں بہت سمجھدار عالم مانے جاتے ہیں) جب ایک قادیانی بھائی نے دہلی کے جلسہ کی صدارت کے لئے درخواست کی اور مولانا نے انکار کیا تو انہی قادیانی بھائی نے عرض کیا کہ جناب ہم کو کافر سمجھ کر جلسہ کی صدارت اس طرح قبول کیجئے۔ کہ اپنے معتقدات کے خلاف کسی کو بولنے کی اجازت نہ دیجئے۔ کیا اس جلسہ میں جو ذکر رسالت پناہ کے لئے کوئی غیر مسلم کرے شریک نہ ہوں گے؟ اس معقول درخواست کا جواب مفتی صاحب نے یہ دیا کہ میں آپ سے بحث نہیں کرنی چاہتا۔ اور نہ میں آپ کے جلسہ میں کسی حال میں شریک ہوں گا"۔ [۱۲۶]

"مجھے بے حد افسوس ہے کہ زمانہ نے ابھی علماء کی آنکھیں نہیں کھولیں اور ان کی تنگ نظری کی ذہنیت ابھی تبدیل نہیں ہوئی۔ قادیانی عقائد کا جہاں تک تعلق ہے میں ان کے ایک ایک حرف سے اختلاف رکھتا ہوں مگر کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ مسلمان سناتن دھرم' جین دھرم' بدھ دھرم اور خدا معلوم کیا کیا مت کے پیروؤں کو ہندو سنگھٹن کی تحریک میں جو خالص آریہ سماجی تحریک ہے مدغم دیکھ کر اپنے بھولے ہوئے سبق اتحاد بین المسلمین کو یاد کرنے کے لئے واعتصموا بحبل اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑیں۔ اور جزوی اختلافات کو پس پشت ڈال کر دشمنوں کو ناخوش اور دوستوں کو خوش کرنے کے لئے نہیں بلکہ عزت کی زندگی بسر کرنے کے لئے متحد ہو جائیں میرا خیال ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمان معتقدات کی جزئیات سے آزاد ہو کر اتحاد اسلام کے لئے تیار ہیں مگر ملت اسلام کی اس زبردست تنظیم میں خود پرست اور غرض مند ملا اسلام کی آڑ لے کر حارج ہوتے ہیں جن کو اسلامی تعلیم سے ذرہ برابر واسطہ نہیں اس لئے ضرورت ہے کہ غرض مند ملاؤں سے مسلمانوں کو بچایا جائے"۔ [۱۲۷]

جلسوں کے عظیم الشان فوائد

سیرت النبیؐ کے جلسوں نے ملک کے عرض و طول میں ایک اتحاد و اتفاق اور محبت و آشتی کی ایک نئی روح پھونک دی اور اس سے ملک کو کئی فوائد حاصل ہوئے۔ چنانچہ

پہلا فائدہ: یہ ہوا کہ ہندوستان کے مختلف گوشوں کے ہزار ہا افراد نے وہ لٹریچر پڑھا جو آنحضرت ﷺ کے مقدس حالات پر شائع کیا گیا تھا۔

دوسرا فائدہ: یہ ہوا کہ ممتاز غیر مسلموں نے جن میں ہندو سکھ عیسائی سب شامل تھے آنحضرت ﷺ کی خوبیوں کا علی الاعلان اقرار کیا۔ اور آپؐ کو محسن اعظم تسلیم کیا۔

تیسرا فائدہ: یہ ہوا کہ بعض ہندو لیڈروں نے آنحضرت ﷺ کی صرف تعریف و توصیف ہی نہیں کی۔ بلکہ ان پر آپؐ کے حالات سن کر اتنا اثر ہوا۔ کہ انہوں نے کہا ہم آپ کو نہ صرف خدا کا پیارا سمجھتے ہیں بلکہ سب سے بڑھ کر اعلیٰ انسان یقین کرتے ہیں کیونکہ آپ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ محفوظ ہے مگر دوسرے مذہبی راہنماؤں کی زندگی کا کوئی پتہ نہیں لگتا۔

چوتھا فائدہ: یہ ہوا کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو ایک مشترک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کا موقعہ مل گیا اور ہر فرقہ کے لوگوں نے نہایت اخلاص اور جوش سے متحدہ طور پر ان جلسوں کو کامیاب بنانے کی کوشش کی۔ خصوصاً شیعہ اصحاب نے ہر جگہ اور ہر مقام پر جس طرح اتحاد عمل کا ثبوت دیا۔ وہ نہایت ہی قابل تعریف تھا۔ اہلسنّت والجماعت مسلمانوں نے بھی حتی الامکان پوری امداد دی اہلحدیث نے بھی ان کو کامیاب بنانے کی کوشش کی۔ سنی علماء میں سے فرنگی محل لکھنؤ کے علماء خاص طور پر قابل ذکر تھے۔ اگرچہ بعض مقامات پر بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے مخالفت بھی ہوئی۔ لیکن اکثر مسلمانوں نے بہت شاندار خدمات سرانجام دیں۔ اور بعض جگہ تو ان کی مساعی اس قدر بڑھی ہوئی تھیں۔ کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہاں انہوں نے احمدیوں سے بھی زیادہ کام کیا۔ مثلاً امرت سر، لکھنؤ، مدراس، پٹنہ وغیرہ مقامات میں دوسرے فرقوں کے مسلمانوں نے جلسوں کو کامیاب بنانے میں نہایت قابل تعریف کام کیا۔ اور دہلی لاہور اور پشاور وغیرہ مقامات میں بھی بڑی امداد دی۔

پانچواں فائدہ: یہ ہوا کہ پبلک پر یہ بات کھل گئی کہ ہندوؤں کا ایک بڑا طبقہ بانی اسلام کے خلاف ناپاک لٹریچر کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور بانی اسلام کو دنیا کا بہت بڑا مصلح تسلیم کرتا ہے۔

چھٹا فائدہ: یہ ہوا کہ بعض مقامات کے لوگوں نے لیکچروں کو اتنا مفید اور موثر پایا کہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ آئندہ پندرہ روزہ یا ماہوار یا سہ ماہی یا ششماہی ایسے جلسے ہوا کریں۔ ایک جگہ ایک مسلمان

رئیس نے کہا کہ آج تک ہم مسلمانوں کا ایمان رسول اللہ ﷺ کی نسبت ورثہ کا تھا اب آپؐ کے حالات زندگی سن کر ایمان کامل حاصل ہوا۔ بعض غیر مسلم اصحاب نے بھی کہا کہ "ہمیں علم نہ تھا کہ بانی اسلام میں ایسے کمالات ہیں اب معلوم ہوا ہے کہ وہ بے نظیر انسان تھے"۔

ساتواں فائدہ: ان جلسوں کا یہ ہوا کہ اس سے ملکی اتحاد پر نہایت خوشگوار اثر پڑا۔ اور یہ ایسی واضح حقیقت تھی کہ بعض مشہور مسلم و غیر مسلم لیڈروں نے اس کا اقرار کیا۔ چنانچہ سر شیخ عبد القادر صاحب نے لاہور کے جلسہ کی صدارتی تقریر میں حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا حاضرین کی طرف سے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "یہ مبارک تحریک نہایت مفید ہے جس سے ہندوستان کی مختلف اقوام میں رواداری پیدا ہو کر باہمی دوستانہ تعلقات پیدا ہوں گے اور ملک میں امن و اتحاد پیدا کرنے کا ذریعہ بنیں گے"۔ کلکتہ میں سر پی سی رائے صاحب نے بحیثیت صدر تقریر کرتے ہوئے کہا "ایسے جلسے جیسا کہ یہ جلسہ ہے ہندوستان کی مختلف اقوام میں محبت اور اتحاد پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں"۔ اسی طرح اینگلو انڈین کمیونٹی کے مشہور لیڈر ڈاکٹر ایچ بی مانرو صاحب نے کہا۔ "میں نے باوجود اپنی بے حد مصروفیتوں کے اس جلسہ میں آنا ضروری سمجھا کیونکہ اس قسم کے جلسے ہی اس اہم سوال کو جو اس وقت ہندوستان کے سامنے ہے (یعنی ملک کی مختلف اقوام میں اتحاد) صحیح طور پر حل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں اور اسلام میں متحد کرنے کی طاقت ایک تاریخی بات ہے غرضکہ ہندو مسلم اور عیسائی لیڈروں نے تسلیم کیا کہ اقوام ہند میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے اس قسم کے جلسے نہایت مفید ہیں۔ [۱۲۸]

سیرت النبیؐ کے شاندار جلسوں کی تفصیلات پر روشنی ڈالنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض دوسرے امور کو جن کا ذکر ابھی تک اجمالی صورت میں آیا ہے مزید وضاحت کے ساتھ کر دیا جائے۔

قادیان میں جلسہ سیرت النبیؐ

جماعت احمدیہ کا مرکز ہونے کی وجہ سے قادیان کا جلسہ اپنے اندر مرکزی شان رکھتا تھا۔ جس میں احمدی اصحاب کے علاوہ غیر احمدی مسلمان، ہندو، سکھ اور عیسائی لوگ بڑی کثرت سے شامل ہوئے جلسہ گاہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے سامنے کھلے میدان میں شامیانے نصب کر کے بنائی گئی۔ جس میں دلاویز قطعات آویزاں تھے اور جسے اچھی طرح سجایا گیا تھا عورتوں کے لئے تعلیم الاسلام ہائی سکول میں جلسہ کا علیحدہ انتظام تھا۔ جو حضرت امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کی صدارت میں بڑی کامیابی سے ہوا۔ شائع شدہ پروگرام کے مطابق صبح ایک جلوس مرتب کیا گیا جو قریباً دس پارٹیوں پر مشتمل تھا۔ غیر احمدی مسلمانوں کی الگ پارٹیاں تھیں اور

ایک پارٹی جادی اور سماٹری طلبہ کی تھی جو حضرت مسیح موعودؑ کا عربی نعتیہ کلام پڑھ رہی تھی باقی بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اردو نظمیں اور ہندو شعراء کی نعتیں پڑھ رہی تھیں۔ یہ شاندار جلوس ۷ بجے کے قریب تعلیم الاسلام ہائی سکول کے میدان سے روانہ ہوا۔ اور حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کی کوٹھی کے سامنے سے گذر کر دارالعلوم کی سڑک پر سے ہوتا ہوا ہندو بازار میں آیا۔ اور چوک سے غربی جانب مڑکر اور دوسرے بازار سے ہوتا ہوا احمدیہ بازار میں پہنچا جلوس کی پارٹیاں نعتیہ اشعار اور درود خوش الحانی اور بلند آواز سے پڑھ رہی تھیں اس جلوس کا انتظام حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے زیر نگرانی مقامی سیکرٹری تبلیغ ملک فضل حسین صاحب مہاجر کے سپرد تھا۔ [۱۲۹] اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے دوسرے افراد اور بزرگ اس میں شامل تھے۔ جلوس محلہ دارالفضل والی سڑک کے راستہ جلسہ گاہ میں پہنچ کر ختم ہوگیا۔

جلسہ گاہ میں سب سے پہلے بچوں کا اجلاس ہوا جس کا صدر بھی ایک چھوٹا لڑکا مقرر ہوا۔ اور جس میں پریذیڈنٹ کے علاوہ بیس طلباء نے آنحضرت ﷺ کے وہ احسانات بیان کئے جو براہ راست بچوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض بچوں کی تقریروں سے خوش ہو کر حکیم محمد عمر صاحب نے نقد انعامات دیئے ایک بچہ نے جسے دو روپے انعام ملا تھا انعام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ روپے ترقی اسلام کی مد میں دے دیئے۔ اس پر اسے ایک روپیہ اور انعام دیا گیا مگر اس نے وہ بھی اشاعت اسلام میں دے دیا۔

بچوں کے اجلاس کے بعد چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے کی صدارت میں جامعہ احمدیہ مدرسہ احمدیہ اور ہائی سکول کے بڑے طلباء کی تقریریں ہوئیں۔ اور اجلاس کھانے اور نماز کے لئے برخاست ہوا۔

نماز ظہر کے بعد پھر اجلاس ہوا۔ جس میں جامعہ احمدیہ اور ہائی سکول کے ایک ایک طالب علم کی تقریروں کے بعد مشاعرہ ہوا۔ اور مقامی شعراء کی سات نظموں کے علاوہ ہندو شعراء کی دو نعتیں بھی خوش الحانی سے پڑھی گئیں مشاعرہ کے اختتام پر پہلے ڈاکٹر گوربخش سنگھ صاحب ممبر سال ٹاؤن کمیٹی قادیان نے آنحضرت ﷺ کی سیرت پر روشنی ڈالی اور پھر چوہدری فتح محمد صاحب سیال نے حضورؐ کی سیرت مقدسہ کی خصوصیات بیان کیں اور اجلاس نماز عصر کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تقریر

ساڑھے پانچ بجے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی پر معارف تقریر "دنیا کا محسن" کے عنوان سے شروع ہوئی۔ اس تقریر میں حضور نے آنحضرت ﷺ کی پاکیزہ سیرت، بیش بہا احسانات اور عدیم المثال قربانیوں کا نہایت ہی مدلل پاکیزہ اور اچھوتے طرز میں ذکر فرمایا۔ اور دلائل و واقعات کی بناء پر ان

اعتراضوں کا بھی اصولی رنگ میں جواب دیا۔ جو حضور کی مقدس زندگی پر کئے جاتے ہیں۔ یہ تقریر آٹھ بجے ختم ہوئی۔ اور حضور نے دعا کے بعد جلسہ کا اختتام فرمایا۔ ۱۳۰ حضور کا یہ لیکچر بہت مقبول ہوا اور اس کا پہلا ایڈیشن جو پانچ ہزار ۱۳۱ کی تعداد میں شائع کیا گیا بہت جلد ختم ہو گیا اور اسے دوبارہ چھپوانا پڑا۔ ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے نے اس لیکچر کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو ریویو آف ریلیجنز (انگریزی) میں بھی شائع ہو گیا۔ ۱۳۲

انعامات لینے والے غیر مسلم

اوپر ذکر آچکا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اعلان کیا گیا تھا کہ جو غیر مسلم سیرت النبیؐ پر مضمون بھیجیں گے ان میں سے درجہ اول و دوم و سوم کو انعامات تقسیم کئے جائیں گے۔ اس وعدہ کے مطابق درجہ اول کا انعام رائے بہادر لالہ پارس داس صاحب آنریری مجسٹریٹ دہلی کو درجہ دوم کا انعام بھائی گیانی کرتار سنگھ صاحب ساکن کھاریاں ضلع گجرات کو اور درجہ سوم کا انعام لالہ بھگت رام صاحب جیو دیا پرچارک چھاؤنی فیروز پور نے حاصل کیا۔ ۱۳۳ دراصل انعام کا اعلان کرتے ہوئے یہ خیال کیا گیا تھا کہ غریب طبقہ کے لوگ اس تحریک میں حصہ لیں گے اس لئے انعام کی رقم بھی مقرر کر دی تھی مگر خدا کے فضل سے اس تحریک میں دس ۱۳۴ بڑے بڑے معزز لوگوں نے حصہ لیا اور سب سے اول انعام جسے ملا وہ آنریری مجسٹریٹ اور بہت معزز آدمی تھے اس لئے اس رقم کو تحفہ کی صورت میں بدلنا پڑا۔

آنحضرتؐ کے خاتم النبیین ہونے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا حلفیہ بیان

مسلم اخبارات نے سیرت النبیؐ کے جلسوں کے مخالفین پر سخت تنقید کی تھی۔ مگر یہ اصحاب اپنی روش کو بدلنے پر آمادہ نہ ہوئے اور انہوں نے اپنے تئیں حق بجانب ثابت کرنے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور جماعت احمدیہ کے خلاف اپنا یہ الزام پھر دہرایا کہ دراصل آپ ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتے۔ لہذا ان کا یوم خاتم النبیین منانا دنیا کو دھوکہ دینا ہے۔ ۱۳۵ اس افسوسناک غلط فہمی کے پھیلانے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۳ / اگست ۱۹۲۸ء کے الفضل میں مفصل مضمون شائع کیا۔ جس میں آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر مندرجہ ذیل حلفیہ بیان شائع فرمایا۔

"میں رسول کریم ﷺ کو خاتم النبیینؐ یقین کرتا ہوں اور اس پر میرا ایمان ہے قرآن شریف کے ایک ایک شوشہ کو میں صحیح سمجھتا ہوں اور میرا یقین ہے کہ اس میں کسی قسم کا تغیر ناممکن ہے۔ جو لوگ قرآن شریف کو منسوخ قرار دیں یا اس کی تعلیم کو منسوخ قرار دیں میں انہیں کافر سمجھتا ہوں

میرے نزدیک رسول کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں لکھا ہے اور جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے میرا یہی عقیدہ ہے اور انشاء اللہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ موت تک اس عقیدہ پر قائم رہوں گا اور اللہ تعالیٰ مجھے محمد رسول اللہ ﷺ کے خدام کے زمرہ میں کھڑا کرے گا اور میں اس دعویٰ پر اللہ تعالیٰ کی غلیظ سے غلیظ قسم کھاتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ اگر میں دل میں یا ظاہر میں رسول کریم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا منکر ہوں اور لوگوں کو دکھانے کے لئے اور انہیں دھوکہ دینے کے لئے ختم نبوت پر ایمان ظاہر کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت مجھ پر اور میری اولاد پر ہو اور اللہ تعالیٰ اس کام کو جو میں نے شروع کیا ہوا ہے تباہ و برباد کردے۔ میں یہ اعلان آج نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ میں نے اس عقیدہ کا اعلان کیا ہے اور سب سے بڑا ثبوت اس کا یہ ہے کہ میں بیعت کے وقت ہر مبائع سے اقرار لیتا ہوں کہ وہ رسول کریم ﷺ کو خاتم النبیین یقین کرے گا۔...... مولوی صاحب ۱۳۶ یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو نبی مانتا ہوں اس لئے ثابت ہوا کہ میں رسول کریم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا منکر ہوں کیونکہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایسا نبی ہرگز نہیں مانتا کہ ان کے آنے سے رسول کریم ﷺ کی نبوت ختم ہو گئی ہو۔ اور آپ کی شریعت منسوخ ہو گئی ہو بلکہ میرا یہ عقیدہ ہے اور ہر ایک جس نے میری کتب کو پڑھا ہے یا میرے عقیدہ کے متعلق مجھ سے زبانی گفتگو کی ہے جانتا ہے کہ میں حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کو رسول کریم ﷺ کا ایک امتی مانتا ہوں اور آپ کو رسول کریم ﷺ کی شریعت اور آپ کے احکامات کے ایسا ہی ماتحت مانتا ہوں جیسا کہ اپنے آپ کو یا کسی اور مسلمان کو بلکہ میرا یہ یقین ہے کہ مرزا صاحب رسول کریم ﷺ کے احکامات کے جس قدر تابع اور فرمانبردار تھے اس کا ہزارواں حصہ اطاعت بھی دوسرے لوگوں میں نہیں ہے اور آپ کی نبوت ظلی اور تابع نبوت تھی۔ جو آپ کو امتی ہونے سے ہرگز باہر نہیں نکالتی تھی۔ اور میں یہ بھی مانتا ہوں کہ آپ کو جو کچھ ملا تھا وہ رسول کریم ﷺ کے ذریعہ اور آپؐ کے فیض سے ملا تھا۔ پس باوجود اس عقیدہ کے میری نسبت یہ کہنا کہ میں چونکہ مرزا صاحب کو نبی مانتا ہوں اس لئے گو منہ سے کہوں کہ رسول کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں میں جھوٹا اور دھوکہ باز ہوں۔ خود ایک دھوکہ ہے۔ ۱۳۷

حضور نے اپنے اس مضمون کے آخر میں لکھا:

"حق یہ ہے کہ گو ہم میں سے ہر ایک کا یہ حق ہے کہ وہ دوسرے کی نسبت یہ کہہ دے کہ اس کا عقیدہ حقیقت ختم نبوت کے منافی ہے لیکن جو شخص کہتا ہے کہ مسلمانوں میں سے کوئی فرقہ بھی ایسا ہے کہ وہ ختم نبوت کا ایسے رنگ میں منکر ہے کہ اس کا حق ہی نہیں کہ وہ دوسرے مسلمانوں سے مل کر

رسول کریم ﷺ کی عظمت کے قیام کے لئے کوشش کر سکے وہ........اسلام اور مسلمانوں کی تباہی کا ذمہ دار ہے۔ ۱۲۸

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ مولوی محمد علی صاحب کا یہ عقیدہ تھا کہ غیر احمدی اصحاب ختم نبوت کے منکر ہیں۔ اور یہ کہ نئے اور پرانے نبی کی آمد کے عقیدوں میں نتیجہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں چنانچہ مولوی صاحب نے اپنے رسالہ "دعوۃ عمل" میں لکھا تھا۔

"قرآن شریف تو نبوت کو آنحضرت ﷺ پر ختم کرتا ہے مگر مسلمانوں نے اس اصولی عقیدہ کے بالمقابل یہ خیال کر لیا کہ ابھی آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت عیسیٰؑ جو نبی ہیں۔ وہ آئیں گے اور یہ بھی نہ سوچا کہ جب نبوت کا کام تکمیل کو پہنچ چکا اور اسی لئے نبوت ختم ہو چکی تو اب آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی کس طرح آسکتا ہے خواہ پرانا ہو یا نیا۔ نبی جب آئے گا نبوت کے کام کے لئے آئے گا۔ اور جب نبوت کا کام ختم ہو گیا تو نبی بھی نہیں آسکتا پرانے اور نئے سے کچھ فرق نہیں پڑتا"۔

پھر لکھا:

"مسلمانوں نے عقیدہ بنالیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے نہیں بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ اس امت کے معلم بنیں گے اور یوں آنحضرت ﷺ کی شاگردی سے یہ امت نکل جائے گی۔ ("دعوت عمل" صفحہ ۱۲۔۱۳ شائع کردہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے یہ اقتباس درج کرنے کے بعد مندرجہ بالا مضمون میں تحریر فرمایا:

"اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ اول مولوی صاحب کے نزدیک عام مسلمانوں کا عقیدہ ختم نبوت کے عقیدہ کے مقابل پر ہے یعنی متضاد اور مخالف ہے دوم مولوی صاحب کے نزدیک یہ عقیدہ کہ کوئی پرانا نبی دوبارہ دنیا میں آئے گا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ کوئی نیا نبی آئے گا دونوں میں کچھ فرق نہیں یہ دونوں عقیدے عملاً........ ختم نبوت کے عقیدہ کو رد کرنے والے ہیں سوم مسلمانوں کے عقیدہ نزول مسیح کے رو سے امت محمدیہ امت محمدیہ نہ رہے گی۔ یعنی رسول کریم ﷺ کی نبوت ختم ہو جائے گی....... کیا یہ غضب نہیں کہ ابھی کچھ عرصہ پہلے تو مولوی صاحب کے نزدیک تمام مسلمان ختم نبوت کے منکر تھے۔ اور ان کے عقائد امت محمدیہ کو آنحضرتؐ کی امت سے نکال رہے تھے لیکن ۱۷/ جون کے جلسہ کی تحریک کا ہونا تھا کہ....... انہیں معلوم ہو گیا کہ سب مسلمان تو ختم نبوت کے قائل ہیں اور یہ مبائع احمدی ختم نبوت کے منکر ہیں"۔ ۱۲۹

۱۹۲۹ء کے ایک اشتہار کا نمونہ

دنیا کا محسن

"کسی اہل بصیرت مسلمان سے پوشیدہ نہیں کہ فی زمانہ کچھ ہماری غفلتوں اور علمی و عملی کمزوریوں کے باعث اور کچھ مخالف کے خلاف واقعہ طرز عمل کے ماتحت امام المتقین سید المعصومین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پاک سیرت نہ صرف دوسرے اہل مذہب بلکہ خود مسلمانوں کی آنکھوں سے بھی اوجھل ہو چکی ہے۔ اس لئے اشد ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ حضور سرور عالمؐ کی سیرت صحیحہ سے دنیا جہان والوں کو آگاہ کیا جاوے۔ تاکہ وہ حقیقت کو پاکر اتباع ظن کے گناہ اور اس کے زہر سے محفوظ ہو جاویں۔

اسی غرض کو مد نظر رکھتے ہوئے گزشتہ سال حضرت امام جماعت احمدیہ نے یہ مبارک تحریک کی تھی۔ کہ ایک ہی تاریخ مقررہ پر ہندوستان کے گوشے گوشے میں جلسے منعقد کرکے آنحضرتؐ کی پاکیزہ زندگی حضورؐ کے دنیا پر احسانات اور آپؐ کی قربانیاں قرآن کریم اور صحیح تاریخ سے بیان کی جائیں۔ چنانچہ یہ تحریک بڑی حد تک کامیاب اور مفید ثابت ہوئی۔

توکل کرتے ہوئے امسال یہ ایک مزید تجویز کی گئی ہے۔ کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ ممالک غیر یورپ۔ امریکہ۔ افریقہ وغیرہ وغیرہ میں بھی ۲/ جون ۱۹۲۹ء کو ایسے جلسے منعقد کئے جائیں اسی دن تمام دنیا میں مختلف زبانوں میں آنحضرتؐ کی پاک سیرت پر لیکچر ہوں۔

پس اسی اصول پر انتظام کیا گیا ہے۔ کہ جہلم میں ۲/ جون ۱۹۲۹ء کو بوقت پانچ بجے شام بمقام حویلی گھاٹ ایک جلسہ زیر صدارت جناب میجر نواب ملک طالب مہدی خان صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر منعقد ہوگا۔ جس میں مسلم۔ اور غیر مسلم اصحاب دو مضامین یعنی

(۱) "رسول کریمؐ کا غیر مذاہب سے معاملہ بلحاظ تعلیم و تعامل"۔

(۲) توحید باری تعالیٰ کے متعلق رسول کریمؐ کی تعلیم"

پر لیکچر دیں گے۔ امید ہے کہ رواداری اور وسیع النظری سے کام لے کر ہر علمی مذاق کا شائق طبقہ جلسہ میں شامل ہو کر اپنی بہتری اور بہبود کے ذرائع پر غور کرے گا۔

ان جلسوں کی غرض و غایت یہ ہے کہ لیکچروں اور خوش آئند تقریروں کے ذریعہ لاکھوں ان پڑھ یا غفلت اور سستی کی وجہ سے خود مطالعہ سے معذور مسلمان اس دن تھوڑا سا وقت صرف کرکے رسول کریمؐ کی ذات والا صفات کے متعلق کافی واقفیت حاصل کرلیں گے۔ اور ضمناً غیر مسلم صاحبان پر جب

آنحضرتؐ کے صحیح حالات واضح ہوں گے تو سلیم الفطرت اور شریف الطبع اصحاب اپنے ایسے ہم مذہبوں کو جو تعصب سے اندھے ہو رہے ہیں گالیاں دینے سے روکیں گے۔ اسی طرح بعض مفسد جو رسول کریمؐ کی شان میں خلاف واقعہ اور گندے مضامین لکھ لکھ کر آئے دن ملک کا امن برباد کر رہے ہیں۔ اپنے کئے پر پشیمان ہو کر آئندہ کے لئے اصلاح پا جائیں گے۔ اور ہندو مسلم اتحاد کے راستہ سے جس کے بغیر ملک کی ترقی سراسر محال ہے۔ ایک بڑی رکاوٹ دور ہو جائے گی۔

المشترین

"مولوی" محمد اکرم خان بیرسٹرایٹ لاء و گورنمنٹ ایڈووکیٹ جہلم
"مستری عبدالرحمٰن میونسپل کمشنر و پریذیڈنٹ اہلحدیث جہلم"
"چوہدری" ذکاء اللہ خان ایم اے۔ ایل ایل۔ بی پلیڈر جہلم
"شیخ عمر بخش متولی مسجد خانساماں جہلم
"پنڈت" عبدالقادر بی۔ اے آنرز بیرسٹرایٹ لاء جہلم
"شیخ محمد حسین میونسپل کمشنر جہلم
"چوہدری فیروز الدین بی۔ اے ایل ایل بی پلیڈر جہلم
"حکیم جمشید علی خان پریذیڈنٹ انجمن امامیہ جہلم
"شیخ محمد شفیع بی اے ایل ایل بی پلیڈر جہلم
"ڈاکٹر نذر محمد میڈیکل پریکٹیشنر و پریذیڈنٹ خلافت کمیٹی جہلم
شیخ بشیر علی بی۔ اے' ایل ایل بی پلیڈر جہلم
"حافظ نور محمد میونسپل کمشنر و پریذیڈنٹ اہل السنّت والجماعت جہلم

فصل سوم

سفر ڈلہوزی اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا پہلی بار امیر مقامی مقرر ہونا

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بحالی صحت کے لئے عموماً ہر سال کسی صحت افزا مقام کی طرف تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ اس سال بھی حضور ۲۱ / جون ۱۹۲۸ء کو ڈلہوزی تشریف لے گئے اور حضور نے اپنے بعد پہلی بار حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو امیر مقامی مقرر فرمایا۔ [۱۷۰] اس موقعہ پر حضرت میاں صاحب نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ "میں اپنی بہت سی کمزوریوں کی وجہ سے اس عہدہ کا اہل نہیں ہوں"۔ مگر حضور نے اپنے فیصلہ میں تبدیلی مناسب نہ سمجھی اور یہ بار آپ ہی کو اٹھانا پڑا۔

اپنے زمانہ امارت میں آپ کو بعض احباب کی طرف سے ایسی درخواستیں موصول ہوئیں کہ فلاں ناظر صاحب نے یہ فیصلہ کیا ہے اسے منسوخ کیا جائے یا مجلس معتمدین کا فلاں ریزولیوشن قابل منسوخی ہے یا یہ کہ فلاں معاملہ میں یہ حکم جاری کیا جائے حالانکہ وہ ایسا معاملہ تھا جس میں صرف ناظر متعلقہ یا مجلس یا خلیفہ وقت ہی حکم صادر فرما سکتے تھے۔

اس قسم کی باتوں سے آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ابھی تک جماعت کو مقامی امیر کی پوزیشن کا صحیح علم نہیں ہے لہٰذا آپ نے ایک مفصل اعلان شائع کیا جس میں احباب کی اس غلط فہمی کا ازالہ کر کے پوری وضاحت فرمائی کہ مقامی امیر اگرچہ اپنے حلقہ میں حضرت امام کا قائم مقام ہوتا ہے۔ مگر اس کی پوزیشن ایسی ہے، جیسے کہ دوسرے مقامات کے مقامی امیروں کی ہوتی ہے۔ گو مرکز کی اہمیت کی وجہ سے اس کی ذمہ داری دوسرے امراء سے زیادہ ہے لیکن بہرحال وہ ایک مقامی امیر ہے جو ناظران سلسلہ ہی کے ماتحت ہوتا ہے اس کا حلقہ امارت صرف مرکزی جماعت تک ہے دوسری جماعتوں کے ساتھ اس کا کوئی انتظامی تعلق نہیں ہوتا۔ [۱۷۱]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ۱۹۲۸ء کے بعد بھی کئی بار امیر مقامی مقرر ہوئے اور آپ نے نہ صرف اپنے زمانہ امارت میں بلکہ پوری زندگی میں ہمیشہ اطاعت امام کا ایک بے مثال نمونہ دکھایا۔ چنانچہ آپ کے سوانح نگار محترم شیخ عبد القادر صاحب مربی سلسلہ احمدیہ نے اپنی تالیف "حیات بشیر" کے تیسرے باب میں آپ کی مقدس زندگی کے متعدد واقعات درج کئے ہیں جن سے قطعی طور پر

یہ شہادت ملتی ہے۔ کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو وابستگی خلافت اور اطاعت امام کے لحاظ سے جو بلند مقام خلافت اولیٰ میں حاصل تھا وہ خلافت ثانیہ میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور متابعت کے رنگ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو نصیب ہوا۔ ۱۲۲ اس سلسلہ میں مکرم مرزا مظفر احمد صاحب کا مندرجہ ذیل بیان خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"اباجانؓ" حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سے بھی بے حد محبت کرتے تھے۔ اور حضور کے خلافت پر فائز ہونے کے بعد اپنا جسمانی رشتہ اپنے نئے روحانی رشتہ کے ہمیشہ تابع رکھا دینی معاملات کا تو خیر سوال ہی کیا تھا دنیاوی امور میں بھی یہی کوشش فرماتے تھے کہ حضور کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ حضور کی تکریم کے علاوہ کمال درجہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ میں نے اس کی جھلکیاں بہت قریب سے گھریلو ماحول میں دیکھی ہیں آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کا رنگ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ نبض دل کے تابع ہو عمر بھر اس تعلق کو کمال وفاداری سے نبھایا اور اس کیفیت میں کبھی کوئی رخنہ پیدا نہ ہونے دیا.......

حضور کا سلوک بھی اباجان سے بہت شفقت کا تھا اور ہمیشہ خاص خیال رکھتے تھے اور اہم معاملات میں مشورہ بھی لیتے تھے۔ ضروری تحریرات خصوصاً جو گورنمنٹ کو جانی ہوتی تھیں ان کے مسودات اباجان کو بھی دکھاتے تھے۔ اور اس کے علاوہ اہم فیصلہ جات اور سکیم پر عمل درآمد کا کام اکثر اباجان کے سپرد کرتے تھے۔ اور اس بات پر مطمئن ہوتے تھے کہ یہ کام حسب منشاء اور خوش اسلوبی سے ہو جائے گا"۔ ۱۲۳

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی اطاعت امام سے متعلق ایک مختصر نوٹ دینے کے بعد اب ہم سفر ڈلہوزی کی طرف آتے ہیں۔ یہ سفر جو بظاہر آب و ہوا کی تبدیلی کی غرض سے حسب معمول گوناگوں مصروفیات میں گزرا۔ اوسطاً ڈیڑھ دو سو خطوط کا روزانہ پڑھنا اور اس کا جواب لکھوانا۔ ۱۲۴ سلسلہ کے انتظامات و معاملات کی نسبت ہدایات جاری کرنا' خطبات جمعہ' علمی تحقیق ۱۲۵ کا کام غرضکہ جس پہلو سے بھی دیکھا جائے یہ زمانہ علمی سرگرمیوں کا زمانہ تھا۔ اس سلسلہ میں بعض اہم واقعات کا ذکر کرنا مناسب ہو گا۔

۳۰/ جون ۱۹۲۸ء کو حضور نے پہلی دفعہ ۴۵ کے قریب عربی اشعار کہے۔ ۶/ جولائی ۱۹۲۸ء کو اخبار ٹائمز آف انڈیا کے نام ایک چٹھی لکھوائی جس میں اخبار کے ایک دلآزار فقرہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے معذرت شائع کرنے اور آئندہ ازواج النبی ﷺ کی نسبت احتیاط سے قلم اٹھانے کی تاکید

فرمائی۔ [۱۴۶]

۶/ جولائی ۱۹۲۸ء کو ایک انگریز مسٹر مروین نے حضور سے ملاقات کی۔ مسٹر مروین نے پوچھا کہ کیا لندن مسجد میں دوسرے مذاہب کے لوگ بھی داخل ہو سکتے ہیں حضور نے فرمایا۔ یہ اعلان تو ہم نے افتتاح مسجد کے موقعہ ہی پر کر دیا تھا کہ مسجد کا دروازہ سبھی کے لئے کھلا ہے اس ضمن میں حضور نے تاریخ اسلام کا یہ مشہور واقعہ بھی بیان فرمایا کہ کس طرح آنحضرت ﷺ نے ۹ھ میں نجران [۱۴۷] کے ساتھ عیسائیوں کو مسجد نبویؐ میں اتارا۔ ان سے گفتگو فرمائی اور ان کو مسجد ہی میں عبادت کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ چنانچہ ان لوگوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے اپنی نماز ادا کی۔ [۱۴۸، ۱۴۹]

۹/ جولائی ۱۹۲۸ء کو بابو شیخ محمد صاحب وکیل گورداسپور ملاقات کے لئے آئے۔ جن سے تحصیل شکر گڑھ کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت اور اچھوت اقوام میں تبلیغ سے متعلق گفتگو ہوئی ان رکاوٹوں کا ذکر کیا جو کچھ عرصہ ہوا احمدی مبلغوں کو اس علاقہ کی اچھوت اقوام میں تبلیغ کرتے وقت خود مسلمانوں کی طرف سے پیش آئی تھیں۔

اسی روز مشرف حسین صاحب ایم۔ اے دہلوی انسپکٹر ڈاک خانہ جات سے دہلی کے شاہی خاندانوں کی تباہی اور پرانے اہل علم گھرانوں کی نسبت بہت گفتگو ہوئی۔ اس ضمن میں حضور نے اسلامی پردہ کی وضاحت بھی فرمائی۔ [۱۵۰] ۱۱/ جولائی ۱۹۲۸ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مسٹر اے۔ اے لین رابرٹس ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع گورداسپور اور مسٹر انڈرسن سشن جج صاحب گورداسپور کو اپنی کوٹھی پر چائے کی دعوت دی اور ایک گھنٹہ کے قریب سلسلہ احمدیہ کے معاملات سے متعلق انگریزی میں گفتگو فرمائی۔

۱۲/ جولائی ۱۹۲۸ء کو جنرل کک صاحب افسر افواج کے اعزاز میں سردار مکھن سنگھ صاحب رئیس نے ایک پارٹی سٹفل ہوٹل میں دی۔ جس میں معززین شہر کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (مع حضرت مفتی محمد صادق صاحب و شیخ یوسف علی صاحب) بھی مدعو تھے۔ اس پارٹی میں کئی ایک ہندوستانی شرفاء اور انگریز حکام سے سلسلہ احمدیہ اور دیگر امور پر گفتگو ہوتی رہی۔

پارٹی کے بعد میاں حق نواز صاحب بیرسٹرایٹ لاء لاہور اور ڈاکٹر شفاعت احمد صاحب [۱۵۱] ممبر یو۔ پی کونسل حضور کی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ ان اصحاب نے احمدیہ مشن لندن کی تبلیغی مساعی کی بہت تعریف کی اور پھر سیاسیات ہند کی نسبت حضور سے گفتگو کی۔ اسی روز سردار ہرچند سنگھ صاحب جے جی رئیس و جاگیردار ریاست پٹیالہ بھی حضور کی ملاقات کے لئے آئے۔

۱۳/ جولائی ۱۹۲۸ء کو ایک سکھ سردار ٹکہ فتح جنگ صاحب آف سدھووال آئے۔ اور بہت دیر

تک حضور سے گفتگو کرتے رہے انہوں نے پوچھا- آپ تو ہر سال خوب سفر کرتے ہوں گے- حضور نے فرمایا- ہماری جماعت کا انتظام دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہے- ہر کام کے صیغے مقرر ہیں- دفتری کاموں سے متعلق کارکن مجھ سے مشورہ لیتے ہیں- اس وجہ سے زیادہ دیر تک مرکز سے باہر رہنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح بیرونی جماعتیں نہ صرف جماعتی کاموں سے متعلق بلکہ اپنے پرائیویٹ معاملات کے متعلق بھی مشورے لیتی ہیں ڈیڑھ دو سو کے قریب روزانہ خطوط آتے ہیں ان حالات میں بمشکل دو ایک ماہ تبدیلی آب و ہوا کے لئے باہر رہ سکتا ہوں- باہر سے بھی ضروری کاموں کے متعلق ہدایات دیتا رہتا ہوں اور ضروری کاغذات یہاں بھی آتے ہیں- ٹکہ صاحب نے حضور سے مختلف نوعیت کے مذہبی و سیاسی سوالات کئے- مثلاً احمدیوں اور غیر احمدیوں میں کیا فرق ہے؟ ہندو مسلمانوں میں اتحاد کیونکر ہو سکتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ- حضور نے ان کے مفصل جوابات دیئے- اسی روز نماز عصر کے بعد سردار حبیب اللہ صاحب بیرسٹرایٹ لاء کو چائے کی دعوت پر بلایا گیا تھا- حضور نے مسلم اتحاد کی نسبت اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا جب تک مسلمانوں کے اتحاد کی بنیاد اس بات پر رکھی جائے گی کہ ان سے (جبرا) کچھ باتیں چھڑائی جائیں اور سب کو ایک جیسے عقائد پر جمع کیا جائے اس وقت تک اتحاد نہ ہو گا- اتحاد کی واحد صورت یہ ہے کہ رواداری سے کام لیا جائے- کسی کے مذہبی عقائد سے تعرض نہ کیا جائے اور مشترکہ مسائل میں مل کر کام کیا جائے- ۱۵۲

۱۵/ جولائی ۱۹۲۸ء کو بابو ابو سعید صاحب احمدی ریڈر سشن جج گورداسپور نے حضور کے اعزاز میں حضور ہی کے جائے قیام پر چائے کی دعوت دی- دعوت میں ۲۰-۲۵ کے قریب معززین شامل تھے- جن سے حضور نے پردہ' ترکوں کا اسلام سے تعلق' شاہ کابل کا سفر یورپ اور دیگر ممالک میں تبلیغ اسلام وغیرہ مسائل پر گفتگو فرمائی- ۱۷/ جولائی ۱۹۲۸ء کو چوہدری سر شہاب الدین صاحب پریذیڈنٹ لیجسلیٹو کونسل پنجاب نے حضور کو مع رفقاء اپنی کوٹھی میں دعوت دی جس میں بعض اور معززین بھی مدعو تھے- حضور چوہدری شہاب الدین صاحب' شیخ اصغر علی صاحب کمشنر ملتان سے مسلمانوں کی موجودہ حالت اور اس کی اصلاح کے متعلق گفتگو فرماتے رہے- ۱۵۳

۱۸/ جولائی ۱۹۲۸ء کو ایک کشمیری پیر حضور سے ملنے کے لئے تشریف لائے جو پہاڑی ریاستوں میں مسلمانوں کی افسوسناک حالت اور ریاستوں کے مظالم کا ذکر کرتے رہے اور عرض کیا کہ اسلام کو اس زمانہ میں سب سے زیادہ نقصان خود علماء پہنچا رہے ہیں- آپ ہی کی جماعت ہے جو اس وقت مسلمانوں کو بچا سکتی ہے- آپ ضرور ان علاقوں کے مسلمانوں کے لئے بھی کوئی انتظام فرمائیں- حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے فرمایا- "ہم مسلمانوں کی ہر طرح امداد کرنے کے لئے تیار ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ ان

(۱) مولوی ابوبکر ایوب صاحب (۲) ابوبکر صاحب بگنڈ ومہاراجو (۳) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ
(۴) ادریس ڈمنگ داتو صاحب (۵) مولانا رحمت علی صاحب مبلغ سماٹرا

جامعہ احمدیہ کے پہلے تین پرنسپل

(دائیں) مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل جالندھری سابق مبلغ بلادِ عربیہ (وسط) حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب
(بائیں) حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (مئی 1947ء)

سٹاف جامعہ احمدیہ غالباً 1930ء - 1931ء

(دائیں سے بائیں) ۱۔مولوی علی محمد صاحب اجمیری ۲۔سردار مصباح الدین صاحب سابق مربی انگلستان
۳۔حضرت مولوی ارجمند خان صاحب ۴۔ضیغم احمدیت حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب (پرنسپل)
۵۔حضرت سید میر محمد اسحاق صاحب ۶۔حضرت مولانا محمد اسماعیل حلالپوری صاحب
۷۔حضرت مولانا حافظ مبارک احمد صاحب (پیچھے کھڑے) جامعہ احمدیہ کے ایک کارکن

جامعہ احمدیہ سے 1930ء کے فارغ التحصیل

مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور۔ مولوی چراغ دین صاحب
مولوی محمد صادق صاحب سماٹری۔ مولوی عبدالواحد صاحب مبلغ کشمیر

علاقوں میں اگر کوئی مبلغ بھیجا جائے۔ تو حکام اسے نکال دیتے ہیں۔ تھوڑا ہی عرصہ ہوا۔ ہم نے اپنا ایک مبلغ ایک علاقہ میں بھیجا۔ اسے ایک بڑے ریاستی افسر نے کہا تم یہاں سے چلے جاؤ مبلغ نے مجھے لکھا کہ کیا کرنا چاہئے۔ میں نے جواب دیا آپ تحریری حکم مانگیں اور جب تک تحریری طور پر نکلنے کے لئے نہ کہا جائے نہ نکلیں جب یہ بات اس مبلغ نے اس حاکم سے کہی تو اس نے کہا جس غرض سے تم تحریر مانگتے ہو وہ ہم بھی جانتے ہیں تحریر کوئی نہیں دی جا سکتی۔ اگر تم نہ نکلو گے تو کسی اور الزام میں گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا جائے گا۔ ایسی حالت میں اس مبلغ کو واپس آجانا پڑا۔ ان علاقوں کے مسلمانوں کی اصلاح کی ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ وہاں کے ہوشیار اور ذہین طلباء کو تعلیم دی جائے اور پھر وہ اپنے علاقہ میں مسلمانوں کی اصلاح کریں۔ وہ چونکہ اسی جگہ کے باشندے ہوں گے ان کو حکام نہیں نکال سکیں گے۔ اگر آپ ایسے لڑکے بھجوائیں تو ہم ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کر دیں گے۔

۱۹/ جولائی ۱۹۲۸ء کو حضور کی طرف سے میاں فیملی باغبانپورہ کے ان اصحاب کو جو ڈلہوزی میں تھے چائے کی دعوت دی جس میں میاں شاہنواز صاحب بیرسٹرایٹ لاء ممبر اسمبلی' میاں بشیر احمد صاحب بی اے بیرسٹرایٹ لاء' میاں رفیع احمد صاحب خلف سر میاں محمد شفیع صاحب اور میاں افتخار احمد صاحب شریک ہوئے۔ جماعت احمدیہ کی تبلیغی خدمات ہندوستان کی ادنیٰ اقوام میں تبلیغ اسلام اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے متعلق گفتگو ہوتی رہی جس میں سب اصحاب نے بہت دلچسپی لی۔ ۱۵۴

۲۲/ جولائی ۱۹۲۸ء کو افواج علاقہ جالندھر چھاؤنی کے کمانڈنگ افسر صاحب بریگیڈیر جنرل ٹوس صاحب نے حضور سے ملاقات کی اور دو گھنٹہ تک مختلف امور پر حضور سے گفتگو کرتے رہے۔ اور سلسلہ کے حالات' حضور کے سفر شام' مصر اور یورپ کے حالات سنتے رہے حضور کی وسیع معلومات اور صائب رائے کا اثر کمانڈنگ آفیسر صاحب کے چہرہ سے اثنائے گفتگو میں نمایاں ہو رہا تھا۔ اسی دن شیخ اصغر علی صاحب کمشنر ملتان سے حضور نے اسلامی ممالک کے حالات اور بعض دوسرے امور کے متعلق گفتگو فرمائی۔

۲۳/ جولائی ۱۹۲۸ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی حرم محترمہ نے مختلف اقوام و مذاہب کی خواتین کو چائے کی دعوت دی۔ ۲۴/ جولائی ۱۹۲۸ء کو مسٹر کارنیلس اسسٹنٹ کمشنر گورداسپور حضور کی ملاقات کے لئے آئے۔ ۱۵۵ ۲۹/ جولائی ۱۹۲۸ء کو حضور نے صوفی عبد القدیر صاحب نیاز بی۔ اے کو انگلستان روانہ کرنے سے قبل لمبی دعا کے بعد رخصت کیا اور احباب دور تک انہیں الوداع کہنے کے لئے ان کے ساتھ گئے۔ حضور ۵/ اگست ۱۹۲۸ء کو واپس قادیان تشریف لائے۔ ۱۵۶

جہاد بالقرآن کی اہم تحریک

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جولائی ۱۹۲۸ء کے پہلے ہفتہ میں مسلمانان عالم کو اس طرف توجہ دلائی کہ ان کی ترقی و سربلندی کا اصل راز قرآن مجید کے سمجھنے اور اس پر کاربند ہونے میں مضمر ہے چنانچہ حضور نے ۶/ جولائی ۱۹۲۸ء کو خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا۔

" ہر مسلمان کو چاہیئے کہ قرآن کریم کو پڑھے۔ اگر عربی نہ جانتا ہو تو اردو ترجمہ اور تفسیر ساتھ پڑھے عربی جاننے والوں پر قرآن کے بڑے بڑے مطالب کھلتے ہیں مگر یہ مشہور بات ہے کہ جو ساری چیز نہ حاصل کر سکے اسے تھوڑی نہیں چھوڑ دینی چاہیئے۔ کیا ایک شخص جو جنگل میں بھوکا پڑا ہو اسے ایک روٹی ملے تو اسے اس لئے چھوڑ دینی چاہیئے کہ اس سے اس کی ساری بھوک دور نہ ہوگی۔ پس جتنا کوئی پڑھ سکتا ہو پڑھ لے۔ اور اگر خود نہ پڑھ سکتا ہو تو محلہ میں جو قرآن جانتا ہو اس سے پڑھ لینا چاہیئے۔ جب ایک شخص بار بار قرآن پڑھے گا اور اس پر غور کرے گا تو اس میں قرآن کریم کے سمجھنے کا ملکہ پیدا ہو جائے گا۔ پس مسلمانوں کی ترقی کا راز قرآن کریم کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ہے جب تک مسلمان اس کے سمجھنے کی کوشش نہ کریں گے کامیاب نہ ہوں گے۔ کہا جاتا ہے دوسری قومیں جو قرآن کو نہیں مانتیں وہ ترقی کر رہی ہیں پھر مسلمان کیوں ترقی نہیں کر سکتے۔ بے شک عیسائی اور ہندو اور دوسری قومیں ترقی کر سکتی ہیں لیکن مسلمان قرآن کو چھوڑ کر ہرگز نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی اس بات پر ذرا بھی غور کرے تو اسے اس کی وجہ معلوم ہو سکتی ہے اگر یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کی کتاب ہے اور اگر یہ صحیح ہے کہ ہمیشہ دنیا کو ہدایت دینے کے لئے قائم رہے گی تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اگر قرآن کو خدا کی کتاب ماننے والے بھی اس کو چھوڑ کر ترقی کر سکیں تو پھر کوئی قرآن کو نہ مانے گا پس قرآن کی طرف مسلمانوں کو توجہ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی ترقی کا انحصار قرآن کریم ہو"۔ [۱۵۷]

چندہ خاص کی دوسری تحریک

جماعت احمدیہ کے لئے یہ زمانہ مالی لحاظ سے بڑی تنگی کا زمانہ تھا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو بار بار مالی مطالبات پر زور دینا پڑتا تھا چنانچہ ۱۹۲۷ء میں حضور نے چندہ خاص کی تحریک فرمائی جس پر مخلصین جماعت کو خدا تعالیٰ نے ایسی توفیق بخشی کہ نہ صرف پچھلا بہت سا قرضہ اتر گیا بلکہ اگلے سال کا بجٹ پورا کرنے کے لئے بھی خاصی رقم جمع ہو گئی لیکن سلسلہ احمدیہ کا خزانہ چونکہ ابھی خطرہ سے پوری طرح باہر نہیں تھا۔ اور جماعت کے لئے ضروری تھا کہ جب تک یہ نازک صورت حال ختم نہ ہو جائے معمولی چندوں کے علاوہ چندہ خاص بھی دیا کریں تا معمولی چندوں کی کمی اس سے پوری ہو جائے۔ اور سلسلہ کے کاموں میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو۔

چنانچہ حضور نے اس ضرورت کے پیش نظر صدر انجمن احمدیہ کے نئے مالی سال کے شروع ہونے پر احباب جماعت کے نام چندہ خاص کی دوسری تحریک فرمائی۔ یہ اپیل ۱۷/ جولائی ۱۹۲۸ء کے اخبار الفضل میں شائع ہوئی اور اس کا عنوان تھا۔ "اے عباداللہ میری طرف آؤ"۔ چنانچہ حضور نے اعلان فرمایا کہ:

"اس سال بھی حسب معمول تمام دوست اپنی آمد میں سے ایک معین رقم چندہ خاص میں ادا کریں۔ اور چاہیئے کہ وہ رقم ستمبر کے آخر تک پوری کی پوری وصول ہو جائے۔ اور یہ بھی کوشش رہے کہ اس کا اثر چندہ عام پر ہرگز نہ پڑے۔ بلکہ چندہ عام پچھلے سال سے بھی زیادہ ہو۔ کیونکہ مومن کا قدم ہر سال آگے ہی آگے پڑتا ہے اور وہ ایک جگہ پر ٹھہرنا پسند نہیں کرتا"۔

اپنے اعلان کے آخر میں حضور نے جماعت کے دوستوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اے میرے پیارے دوستو! میں کس طرح آپ لوگوں کو یقین دلاؤں کہ خدا تعالیٰ دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کرنے والا ہے۔ پس پہلے سے تیار ہو جاؤ تا موقعہ ہاتھ سے کھو نہ بیٹھو۔ یاد رکھو۔ کہ خدا تعالیٰ کے کام اچانک ہوا کرتے ہیں اور جس طرح اس کے عذاب یکدم آتے ہیں اس کے فضل بھی یکدم آتے ہیں۔ پس بیدار ہو جاؤ اور آنکھیں کھول کر اس کے افعال کی طرف نگاہ رکھو کہ اس کا غیب غیر معمولی امور کو پوشیدہ کئے ہوئے ہے جو ظاہر ہو کر رہیں گے اور دنیا ان کو چھپانے میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکے گی آپ لوگ اس کے فضل کے وارث ہو کر رہیں گے خواہ دنیا اسے پسند کرے یا نہ کرے"۔

پھر فرمایا:

"میں اس امر کی طرف بھی آپ کی توجہ پھرانی چاہتا ہوں۔ کہ اس سال بعض اضلاع میں گیہوں کی فصل خراب ہو گئی ہے اور اس کا اثر چندوں پر پڑنا بعید نہیں۔ پس چاہیئے کہ احباب اس امر کا بھی خیال رکھیں اور اس کو پورا کرنے کی بھی کوشش کریں۔ اور ان اضلاع کے دوستوں کو بھی جہاں نقصان ہوا ہے میں کہتا ہوں کہ لا تخش عن ذی العرش اقلالا۔ خدا تعالیٰ سے کمی کا خوف نہ کرو اور اس کے دین کی راہ میں قربانی سے نہ گھبراؤ کہ خدا تعالیٰ اس کا بدلہ آپ کو آئندہ موسم میں دے دے گا۔ اور آپ کی ترقی کے بیسیوں سامان پیدا کر دے گا"۔ [۱۵۸]

خلیفۂ وقت کے اس ارشاد پر مخلصین نے لبیک کہا اور کئی جماعتوں نے اپنے وعدے پورے کر دیئے"۔ [۱۵۹]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ایک اصولی ارشاد مخالف اخبارات سے متعلق

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے مسلم اتحاد کو ترقی دینے کے لئے قبل ازیں یہ تحریک فرما رکھی تھی کہ مسلمان متحدہ مسائل میں مل کر کام کریں۔ اور مسلم پریس ایسی باتوں کی اشاعت سے احتراز کرے جو باہمی منافرت کا موجب ہوں اور اسی وجہ سے احمدیہ پریس نے ایک عرصہ سے مسلمان اخبارات کے خلاف لکھنا ترک کر دیا تھا۔ مگر افسوس حضور کی ذات اور احمدیوں کے خلاف "زمیندار" وغیرہ اخبارات نے اپنی روش میں کوئی تبدیلی نہ کی اور سراسر بے بنیاد پراپیگنڈا جاری رکھا۔ اس لئے ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ (چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے) نے ۱۲/ جولائی ۱۹۲۸ء کو حضور کی خدمت میں لکھا کہ حضور اجازت مرحمت فرمائیں کہ ایسے الزامات اور جگر سوز تحریروں کا معقولیت کے ساتھ جواب دیا جائے۔

اس درخواست پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ارشاد فرمایا کہ

"میں آپ سے متفق ہوں کہ ہماری خاموشی سے سلسلہ کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اور باوجود بار بار توجہ دلانے کے کہ ہم صرف اسلام کی خاطر خاموش ہیں انہوں نے نصیحت حاصل نہیں کی۔ اور محض ذاتی بغض پر اسلام کے فوائد کو قربان کر دیا ہے۔ اب یہ ذاتی عداوت ایسا رنگ اختیار کر رہی ہے کہ اس کا نقصان اسلام اور مسلمانوں کو پہنچنے کا خطرہ ہے۔ اور وہ تحریک اتحاد جسے میں نے بصد کوشش جاری کیا تھا اس سے متاثر ہونے کے خطرہ میں ہے پس اسلام اور مسلمانوں کے فوائد کو مد نظر رکھتے ہوئے میں اس امر کی اجازت دیتا ہوں اور بادل نخواستہ دیتا ہوں کہ صاحبان جرائد اور مصنفین سلسلہ کو اجازت دی جائے کہ وہ ایسے اعتراضات کے جواب دے دیا کریں جن کا اسلام یا سلسلہ کے کاموں پر بد اثر پڑنے کا اندیشہ ہو۔ لیکن سخت الفاظ کے استعمال سے پرہیز کیا کریں۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکے ذاتیات کی بحثوں میں نہ پڑا کریں۔ کہ ان بحثوں میں پڑنے سے فساد کے بند ہو جانے کا احتمال بہت کمزور ہو جاتا ہے"۔ [۱۲۰]

"پیغام صلح" کا پیغام جنگ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا اہم فرمان

"پیغام صلح" نے ۱۷/ جولائی ۱۹۲۸ء کی اشاعت میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا۔ "ان کا اختیار ہے کہ وہ جو چاہیں کریں صلح کریں یا جنگ کریں ہم دونوں حالتوں میں ان کے عقائد کے خلاف جو اسلام میں خطرناک تفرقہ پیدا کرنے والے ہیں ہر حال میں جنگ کریں گے"۔ [۱۲۱]

حضور نے اس پر ۱۸/ جولائی ۱۹۲۸ء کو ایک مفصل مضمون سپرد قلم فرمایا۔ جس میں احباب جماعت

کو ہوشیار کرتے ہوئے لکھا :

"حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ تحریر فرمایا تھا کہ پیغام صلح نہیں وہ پیغام جنگ ہے اور آج کھلے لفظوں میں پیغام صلح نے ہمیں پیغام جنگ دیا ہے اور صرف اس بات پر چڑ کر کہ کیوں ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے اور آپ کے خلاف گالیوں کا سدباب کرنے کے لئے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر ایک ہی دن سینکڑوں جلسوں کا انعقاد کیا ہے۔ میں اس جرم کا مجرم بے شک ہوں اور اس جرم کے بدلہ میں ہر ایک سزا خوشی سے برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں اور چونکہ اس اعلان جنگ کا موجب ہمارے عقائد نہیں کیونکہ انہی عقائد کے معتقد خود مولوی محمد علی صاحب بھی رہے ہیں اور سب فرقہ ہائے اسلام ان کے معتقد ہیں بلکہ ہماری خدمات اسلام ہیں اس لئے میں اس چیلنج کو خوشی سے منظور کرتا ہوں اور اپنی جماعت کے لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے دماغوں پر اس اعلان جنگ کو لکھ لیں۔ "پیغام" ہم سے آخری دم تک جنگ کرنے کا اعلان کرتا ہے اب ان کا بھی فرض ہے کہ وہ اس جنگ کی دفاع کے لئے تیار ہو جائیں...... جیسا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے یہ لوگ دنیا میں قائم رکھے جائیں گے تاکہ آپ لوگ ہمیشہ ہوشیار رہیں۔ لیکن جیسا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ آپ لوگ اس کے فضل سے ان پر غالب رہیں گے اور وہ ہمیشہ آپ کی مدد کرے گا۔ پس خدا تعالیٰ کے لئے نہ کہ اپنے نفسوں کے لئے ان صداقتوں کے پھیلانے کے لئے مستعد ہو جاؤ۔ جو خدا تعالیٰ نے آپ کو دی ہیں اور اس بغض اور کینہ کو انصاف اور عدل کے ساتھ مٹانے کی کوشش کرو جس کی بنیاد ان لوگوں نے رکھی ہے اور اس فتنہ اور لڑائی کا سدباب کرو جس کا دروازہ انہوں نے کھولا ہے اور کوشش کرو۔ کہ مسلمانوں کے اندر اس صحیح اتحاد کی بنیاد پڑ جائے۔ جس کے بغیر آج مسلمانوں کا بچاؤ مشکل ہے اور جسے صرف اپنی ذاتی اغراض کے قیام کے لئے یہ لوگ روکنا چاہتے ہیں اور کوشش کرو کہ ان میں انصاف پسند روحیں اپنی غلطی کو محسوس کرکے آپ لوگوں میں آشامل ہوں تاکہ جس قدر بھی ہو سکے اس اختلاف کی شدت کو کم کیا جا سکے اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو"۔ [۱۶۲]

شرفاء سے دردمندانہ اپیل

جہاں تک غیر مبایعین کے ذاتی حملوں کا تعلق تھا۔ حضور نے نہایت درد بھرے الفاظ میں شریف و متین طبقوں سے اپیل کی۔ کہ وہ اس جنگ میں فریقین کے طرز عمل اور رویے کا فرق ملحوظ رکھیں۔ اور اس پر گواہ رہیں۔ چنانچہ حضور نے لکھا :

"میں یقین رکھتا ہوں کہ ہر فرقہ اور ہر مذہب کے شریف لوگ جو ہمارے لٹریچر کو اخباری یا علمی ضرورتوں کی وجہ سے پڑھتے ہیں اس امر پر گواہی دیں گے کہ بلاوجہ اور متواتر مجھ پر ظلم کیا گیا ہے۔

میرے خلاف اتہامات لگائے گئے ہیں اور مجھ پر حملے کئے گئے ہیں آج میری زندگی میں شاید معاصرت کی وجہ سے لوگ اس فرق کو اس قدر محسوس نہ کریں۔ اور شاید گواہی دینا غیر ضروری سمجھیں یا اس کے بیان کرنے سے ہچکچائیں لیکن دنیا کا کوئی شخص بھی خالد اور ہمیشہ زندہ رہنے والا نہیں۔ نہ معلوم چند دن کو نہ معلوم چند ماہ کو نہ معلوم چند سال کو جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ جب لوگ میرے کاموں کی نسبت ٹھنڈے دل سے غور کر سکیں گے۔ جب سخت سے سخت دل انسان بھی جو اپنے دل میں شرافت کی گرمی محسوس کرتا ہو گا۔ ماضی پر نگاہ ڈالے گا۔ جب وہ زندگی کی ناپائیداری کو دیکھے گا اور اس کا دل ایک نیک اور پاک افسردگی کی کیفیت سے لبریز ہو جائے گا اس وقت وہ یقیناً محسوس کرے گا کہ مجھ پر ظلم پر ظلم کیا گیا اور میں نے صبر سے کام لیا۔ حملہ پر حملہ کیا گیا لیکن میں نے شرافت کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اور اگر اپنی زندگی میں مجھے اس شہادت کے سننے کا موقعہ میسر نہ آیا تو میرے مرنے کے بعد بھی یہ گواہی میرے لئے کم لذیذ نہ ہو گی یہ بہترین بدلہ ہو گا جو آنے والا زمانہ اور جو آنے والی نسلیں میری طرف سے ان لوگوں کو دیں گی اور ایک قابل قدر انعام ہو گا۔ جو اس صورت میں مجھے ملے گا پس میں بجائے اس کے کہ ان لوگوں کے حملہ کا جواب سختی سے دوں بجائے اس کے کہ گالی کے بدلہ میں گالی دوں تمام ان شریف الطبع لوگوں کی شرافت اور انسانیت سے اپیل کرتا ہوں جو اس جنگ سے آگاہ ہیں کہ وہ اس اختلاف کے گواہ رہیں وہ اس فرق کو مدنظر رکھیں اور اگر سب دنیا بھی میری دشمن ہو جائے تو بھی ان لوگوں کی نیک ظنی جو خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں لیکن ایک غیر متعصب دل ان کے سینہ میں ہو ان بہترین انعاموں میں ہو گا۔ جن کی کوئی شخص امید کر سکتا ہے۔ [۱۶۳]

ہائی کورٹ کا انتظام

مسلمان ان دنوں ہندوؤں کے فرقہ وارانہ تعصب کا ہر جگہ شکار ہو رہے تھے۔ حتیٰ کہ پنجاب ہائی کورٹ کی انتظامیہ میں بھی ان کے حقوق پامال ہونے لگے۔ جس پر ابتداء اخبار "مسلم آؤٹ لک" نے پھر اخبار "زمیندار" نے احتجاج کیا۔ اور گو ان اخبارات نے جلسہ ہائے سیرت النبیؐ کے سلسلہ میں عدم تعاون کا مظاہرہ کیا تھا مگر چونکہ یہ معاملہ مسلمانوں کے تحفظ حقوق کا تھا۔ اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس کے حق میں آواز بلند کی۔ اور لکھا: "ہم مسلمانوں کی جس طرح مناسب سمجھیں گے حفاظت کریں گے اور انشاء اللہ کسی کی مخالفت کے خیال سے اس میں کوتاہی نہیں کریں گے اور نہ یہ دیکھیں گے کہ ایک مفید تحریک کرنے والا ہمارا دشمن ہے بلکہ اگر کوئی مفید تحریک ہو گی تو خواہ وہ "زمیندار" ہی کی طرف سے کیوں نہ ہو۔ جس نے ہماری مخالفت کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے۔ تب بھی ہم اس کی تائید سے اور پر زور تائید سے انشاء اللہ دریغ نہیں کریں گے اور اس بات سے نہیں شرمائیں گے کہ اس تحریک کا سہرا "زمیندار" کے سر بندھتا ہے۔ [۱۶۴]

فصل چہارم

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا درس القرآن

۸/ اگست تا ۸/ ستمبر ۱۹۲۸ء کے مبارک ایام

قرآنی علوم و معارف اور اسرار و نکات کی اشاعت کے لحاظ سے ۸/ اگست ۱۹۲۸ء تا ۸/ ستمبر ۱۹۲۸ء کے مبارک ایام ہمیشہ یادگار رہیں گے کیونکہ ان میں سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ میں سورۂ یونس سے سورۂ کہف تک پانچ پاروں کا روح پرور درس دیا۔ [۱۷۵]

حضور کی غیر معمولی محنت و کاوش

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو ناسازئ طبع کے باوجود بہت محنت و مشقت کرنا پڑی۔ درس القرآن کو علمی اور تحقیقی پہلو سے مکمل کرنے کے لئے حضور گرمی کے تکلیف دہ موسم میں رات کے بارہ بارہ بجے تک کتب کا مطالعہ کر کے نوٹ تیار کرنے میں مصروف رہتے اور پھر دن میں سلسلہ کے اہم اور ضروری معاملات کی سر انجام دہی کے علاوہ روزانہ چار پانچ گھنٹہ تک سینکڑوں کے اجتماع میں بلند آواز سے درس دیتے۔ [۱۷۶] جس قدر وقت میسر آ سکا اسے کلام اللہ پر غور کرنے اور اس کے حقائق و معارف بیان کرنے میں صرف فرماتے۔ [۱۷۷]

حضور کے اس عظیم مجاہدہ کا ذکر کرنے کے بعد جو آپ نے محض اشاعت علوم قرآن کی خاطر اختیار فرمایا۔ اب ہم درس القرآن کے دوسرے اہم کوائف بیان کرتے ہیں۔

دوستوں کا قادیان میں اجتماع

یہ درس چونکہ ایک خاص اہمیت رکھتا تھا۔ اس لئے احباب جماعت کو متعدد بار تحریک کی گئی [۱۷۸] کہ اس موقعہ سے نہ صرف خود پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے بلکہ دوسرے اہل علم مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کو بھی لانے کی کوشش کریں۔ [۱۷۹] چنانچہ ۷/ اگست ۱۹۲۸ء تک بہت سے دوست مرکز احمدیت قادیان میں جمع ہو گئے۔ درس کے پہلے ہفتہ میں بیرونی احباب کی تعداد قریباً ڈیڑھ سو تک پہنچ گئی۔ ان احباب کی اکثریت گرایجوایٹ وکلاء، کالجوں کے طلباء اور حکومت کے معزز عہدیداروں اور رؤساء پر مشتمل تھی۔ [۱۸۰] اور ان کے قیام کا انتظام مدرسہ احمدیہ میں کیا گیا تھا۔

پروگرام کے مطابق ۸ / اگست ۱۹۲۸ء کو مسجد اقصیٰ میں نماز ظہر کے بعد درس کا آغاز ہوا۔ [141]

درس نوٹ کرنے والے علماء اور زودنویس

درس محفوظ کرنے کے لئے حضور نے پہلے دن سے سلسلہ کے جید علماء اور زود نویسوں کی ایک جماعت متعین فرمادی تھی جو مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل تھی [142] حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب، مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ۔ مولوی ارجمند خان صاحب، مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی، مولوی ظہور حسین صاحب۔ مولوی ابو العطاء صاحب جالندھری۔ بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی، ابوالبشارت مولوی عبدالغفور صاحب، مولوی محمد یار صاحب عارف، مولوی عبدالرحمٰن صاحب مصری، مولوی ظفرالاسلام صاحب، سردار مصباح الدین صاحب، مولوی علی محمد صاحب اجمیری، شیخ چراغ الدین صاحب [143]

مسجّلین کا تقرر

ان کے علاوہ سامعین میں سے (جن کی تعداد بعض اوقات پانچ سو سے بھی زیادہ ہو جاتی تھی [144] اور جن میں مقامی احباب بھی شامل تھے) ۸۱ کے قریب اصحاب کا نام ایک رجسٹر میں درج کرلیا گیا اور ان کا نام مسجّلین رکھا جنہیں حضور کے قریب جگہ دی جاتی تھی۔ اور ان کی روزانہ درس سے قبل حاضری ہوتی تھی اور ۱۲ / اگست سے تو ان کا امتحان بھی لیا جانے لگا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی درس شروع کرنے سے پیشتر سوالات لکھوا دیتے اور پھر جواب لکھنے کے بعد پرچے لے لیتے۔ اور دوسرے دن نتیجے کا اعلان فرمادیتے پہلے امتحان میں بابو محمد امیر صاحب امیر جماعت کوئٹہ اول، صوفی صالح محمد صاحب قصور دوم اور مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیان سوم رہے۔ اس کے بعد نتائج میں پانچ درجوں تک کا اعلان ہوتا تھا جب مسجّلین کی تعداد ایک سو سات تک پہنچ گئی تو مسجد میں ان کی نشستیں مقرر کردی گئیں۔ تا ان کو بیٹھنے میں آسانی ہو۔ [145] درس القرآن کے عام اوقات اڑھائی بجے سے پانچ بجے تک اور پھر نماز عصر کے بعد ۶ بجے سے ۷ بجے تک مقرر تھے۔ لیکن عام طور پر اس سے زیادہ وقت صرف کیا جاتا۔ [146]

درس القرآن سننے والوں سے خطاب

۳۱ / اگست ۱۹۲۸ء کو حضور نے خطبہ جمعہ میں درس القرآن سننے والوں سے خطاب کرتے ہوئے انہیں نصیحت فرمائی کہ :

"درس جب انہوں نے تکلیف اٹھا کر سنا ہے تو اس سے فائدہ بھی اٹھائیں اور وہ اس طرح کہ قرآن کریم کو دنیا تک پہنچائیں۔ قرآن دنیا میں غلافوں میں رکھنے یا جھوٹی قسمیں کھانے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ اس لئے آیا ہے کہ منبروں پر سنایا جائے۔ مناروں پر اس کی منادی کی جائے اور بازاروں میں

اس کا وعظ کیا جائے۔ وہ اس لئے آیا ہے کہ پڑھا جائے اور سنایا جائے۔ پھر پڑھا جائے اور سنایا جائے۔ پھر پڑھا جائے اور سنایا جائے۔ خدا تعالیٰ نے اس کا نام پانی رکھا ہے اور پانی جب پہاڑوں پر گرتا ہے تو ان میں بھی غاریں پیدا کر دیتا ہے وہ نرم چیز ہے مگر گرتے گرتے سخت سے سخت پتھروں پر بھی نشان بنا دیتا ہے۔ اور اگر جسمانی پانی اس قدر اثر رکھتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کا نازل کیا ہوا روحانی پانی دلوں پر اثر نہ کرے۔ مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے بار بار سنایا جائے اور اپنے عمل سے نیک نمونہ پیش کیا جائے"۔ [۱۷۷]

۳/ ستمبر سے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجوزہ درس بروقت ختم کرنے کے لئے صبح آٹھ بجے سے قریباً ساڑھے گیارہ بجے تک اور پھر ظہر کے بعد عصر تک دینا شروع فرما دیا۔ [۱۷۸]

دار مسیح موعودؑ میں دعوت طعام

۶/ ستمبر کو حضور نے درس میں شامل ہونے والے اصحاب کو دار مسیح موعود علیہ السلام میں دعوت طعام دی جس میں بہت سے مقامی اصحاب کو بھی شمولیت کا فخر بخشا۔ اخبار الفضل نے اس دعوت پر یہ نوٹ لکھا۔

"اس دعوت کی قدر و قیمت وہی اصحاب جانتے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لنگر خانہ کے سوکھے ٹکڑے بطور تبرک لے جاتے ہیں اور اپنے عزیزوں میں بطور تحفہ تقسیم کرتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ دعوت دینے والے ہوں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے دوسرے نونہال دعوت کھلانے والوں میں ہوں اور دار مسیح موعود میں بیٹھ کر دعوت کھانے کا موقعہ نصیب ہو۔ اس سے بڑھ کر ایک احمدی کے لئے کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے مبارک ہو ان اصحاب کو جنہیں یہ موقعہ میسر آیا اور خوش قسمت ہیں وہ انسان جنہیں روحانی مائدہ کے ساتھ اس دعوت میں بھی شریک ہونے کا فخر حاصل ہوا"۔ [۱۷۹]

الوداعی تقریر اور خطبہ جمعہ

چونکہ کئی اصحاب کو بعض مجبوریوں کے باعث واپس جانا ضروری تھا اس لئے حضور نے اگلے روز ۷/ ستمبر کو گیارہ بجے تک درس دینے کے بعد جانے والے اصحاب کے لئے ایک مختصر سی الوداعی تقریر فرمائی۔ جس میں تبلیغ اسلام کرنے' قرآن مجید کے حقائق و معارف پھیلانے اور قلمی جہاد کرنے کی نصیحت کرنے کے بعد حاضرین سمیت نہایت خشوع خضوع سے لمبی دعا فرمائی دوران دعا گریہ و بکا سے مسجد میں گونج پیدا ہو گئی۔ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ [۱۸۰]

اسی روز آپ نے خطبہ جمعہ میں بیرونی احباب کو نصیحت فرمائی کہ وہ اپنے اپنے مقام پر جا کر جماعتوں کو سنبھالنے اور چست بنانے کی کوشش کریں۔ اور ان میں زندگی کی روح پیدا کریں اور انہیں

بتائیں کہ ان کا معیار آگے والے کی طرف دیکھنا ہوتا ہے۔ دنیا دار قربانی کرتے وقت پیچھے کی طرف دیکھتا ہے اور شکریہ کے وقت آگے کی طرف پھر ارشاد فرمایا کہ "آپ لوگوں نے قرآن کریم کا جو حصہ پڑھا ہے۔ اسے ضبط کریں۔ اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اور دوسروں سے عمل کرانے کی کوشش کریں تاکہ جو مشکلات دین پر آرہی ہیں وہ دور ہوں اور خدا تعالیٰ اپنے فضل سے دین کی ترقی کے سامان پیدا کرے اور ہماری کمزوریوں کی وجہ سے اس کے دین کو نقصان نہ پہنچے"۔ ۱۸۱

درس کا فوٹو

جمعہ و عصر کے بعد پھر درس ہوا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں پورے مجمع کا فوٹو لیا گیا۔ ۱۸۲ ۸/ ستمبر درس القرآن کا آخری دن تھا اس روز صبح سے درس شروع ہوا جو دو بجے دوپہر تک مسلسل جاری رہا۔

دوبارہ اجتماعی دعا صدقہ اور تقسیم انعامات

درس کے خاتمہ پر حضور نے دوبارہ اجتماعی دعا کرائی اور ماسٹر فقیر اللہ صاحب ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس کی طرف سے حاضرین میں مٹھائی تقسیم کی گئی۔ اس موقعہ پر حضور نے فرمایا۔ کہ چونکہ رسول کریم ﷺ کے متعلق آتا ہے کہ حضور علیہ السلام رمضان کے دنوں میں جبکہ قرآن نازل ہوتا تھا بہت صدقہ دیا کرتے تھے اس لئے میں بھی اس موقعہ پر اپنی طرف سے دس روپے بطور صدقہ دیتا ہوں اور بھی جن دوستوں کو توفیق ہو قادیان کے غرباء کے لئے صدقہ دیں اس پر قریباً دو سو روپے اس وقت جمع ہو گئے۔

آخر میں حضور نے اپنے دست مبارک سے درس کے سب امتحانات میں نتائج کے لحاظ سے اعلیٰ پوزیشن حاصل کرنے والوں کو انعامات عطا فرمائے۔ اول انعام حافظ عبدالسلام صاحب شملوی ۱۸۳ نے دوسرا صالح محمد صاحب قصور نے۔ تیسرا نذیر احمد صاحب متعلم بی۔ ایس سی نے اور چوتھا فقیر محمد صاحب کورٹ انسپکٹر نے اور پانچواں شیخ عبدالقادر صاحب طالب علم مدرسہ احمدیہ (حال مربی سلسلہ احمدیہ) نے حاصل کیا۔ تقسیم انعامات کے بعد یہ مقدس و مبارک تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

عورتوں کی عزت کے قیام کے لئے خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۲۸/ ستمبر ۱۹۲۸ء کو ایک اہم خطبہ جمعہ دیا۔ جس میں جماعت کو ہدایت فرمائی کہ عورتوں کی عزت کی حفاظت کرو۔ خواہ تمہارے دشمنوں کی عورتیں ہیں۔ چنانچہ حضور نے فرمایا۔

"عورت کی عزت کی حفاظت خواہ وہ دشمن کی ہو۔ انسانیت کا ادنیٰ فرض ہے۔ اور بہادر آدمی کا کام ہے کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کی عورت کی عزت کی حفاظت کے لئے خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق

رکھتی ہو اگر اسے جان بھی دینی پڑے تو قطعاً دریغ نہ کرے پس تم بہادر بنو اور عورت کی عزت کی حفاظت کرو۔ عورت کی عزت کو خدا نے قائم کیا ہے اور شعائر اللہ میں سے ہے"۔ [۱۸۴]

دارالتبلیغ لنڈن کے لئے خواتین احمدیت کی مزید قربانی

مسجد لنڈن کی تعمیر کے بعد انگلستان میں تبلیغ اسلام کا کام روز بروز بڑھ رہا تھا چنانچہ مبلغ انگلستان خان صاحب فرزند علی صاحب کی طرف سے حضرت امیر المومنین کی خدمت میں یہ درخواست پہنچی کہ کام زیادہ ہے اور عملہ بڑھانے کی ضرورت ہے اس کی تائید حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے بھی ولایت کے دوران قیام میں کی تھی۔ اس لئے حضور نے فیصلہ صادر فرمایا کہ ایک مبلغ کا وہاں اضافہ کر دیا جائے اور بجائے ہندوستان سے کوئی نیا مبلغ بھیجنے کے خود انگلستان کے کسی نو مسلم کو اس کام پر مقرر کیا جائے۔ صدر انجمن کے بجٹ میں چونکہ اس کی گنجائش نہیں تھی اور احمدی خواتین کو بھی تبلیغی کاموں میں مناسب حصہ لینا چاہیئے۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ یہ مسجد انہی کے چندوں سے بنی ہے۔ لہذا حضور نے خواتین احمدیت کو تحریک فرمائی کہ وہ مشن کا زائد خرچ اٹھائیں اور جو کچھ دیں اپنے پاس سے دیں نہ کہ مردوں کی جیب سے لے کر۔ [۱۸۵]

چنانچہ احمدی مستورات نے حسب سابق حضور کے اس مطالبہ پر پورے اخلاص سے لبیک کہا۔ اور قادیان۔ [۱۸۶] امرت سر' لدھیانہ' کراچی' [۱۸۷] گوجرانوالہ' سنتوکداس' [۱۸۸] سیالکوٹ' کیمبل پور' لاہور' فیروز پور' لالہ موسیٰ' [۱۸۹] گھٹیالیاں' میلسی' ملتان' [۱۹۰] میرٹھ' دہلی' [۱۹۱] نوشہرہ چھاؤنی' ایبٹ آباد' فیض اللہ چک ضلع گورداسپور' [۱۹۲] ضلع محبوب نگر' ڈیرہ غازی خاں' جہلم' بھیرہ' چکوال' کھوالی چک ۳۱۲' [۱۹۳] کوہاٹ اور راولپنڈی [۱۹۴] وغیرہ مقامات کی مستورات نے اس مالی قربانی میں نہایت اخلاص سے حصہ لیا۔ بیرونی ممالک میں سے ماریشس کی احمدی عورتوں نے بھی چندہ دے کر اپنے اخلاص کا ثبوت دیا۔ [۱۹۵]

فصل پنجم

"نہرو رپورٹ" پر مفصل تبصرہ اور اس کے خلاف زبردست احتجاج

"نہرو کمیٹی" کا قیام اور مسلم حقوق کی پامالی

سائمن کمیشن کی تحقیقات ابھی ابتدائی مرحلہ پر تھیں کہ مسٹر برو کن ہیڈ (وزیر ہند) نے ایک بیان دیا کہ ہندوستانی اس درجہ منقسم، مختلف اور ایک دوسرے سے بیزار ہیں کہ وہ ایک متحدہ دستور اساسی بھی نہیں بنا سکتے۔ اور کہا کہ اگر وہ حکومت کے مقرر کردہ کمیشن کا بائیکاٹ کرتے ہیں تو خود ہی ہندوستان کے لئے ایک مناسب دستور کا خاکہ تیار کر کے دکھادیں۔ ۱۹۶

کانگریس نے جو شروع سے سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کئے ہوئے تھی۔ اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے ۱۹/ مئی ۱۹۲۸ء کو آل پارٹیز کانفرنس کا ایک اجلاس بمبئی میں منعقد کیا۔ جس میں ہندوستان کا دستور اساسی تشکیل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اصحاب کی ایک سب کمیٹی مقرر کی۔ (۱) پنڈت موتی لال نہرو (۲) مسٹر سبھاش چندر بوس (نمائندہ کانگریس) (۳) مسٹر اینی (۴) مسٹر جیاکار (نمائندہ ہندو مہاسبھا) (۵) سر تیج بہادر سپرو نمائندہ لیبرل فیڈریشن (۶) مسٹر پردھان (غیر برہمنوں کے نمائندہ) (۷) سر علی امام (۸) مسٹر شعیب قریشی (نمائندہ مسلمانان ہند) (۹) سردار منگل سنگھ (سکھ لیگ کے نمائندہ) (۱۰) مسٹر جوشی (مزدوروں کی طرف سے)

بالفاظ دیگر دس ممبروں میں سے صرف دو مسلمان مسلم نقطہ نگاہ کے اظہار کے لئے نامزد ہوئے جن میں سے سر علی امام بوجہ بیماری صرف ایک اجلاس میں شریک ہو سکے۔ اور گو جناب شعیب قریشی نے شرکت جاری رکھی۔ ۱۹۷ لیکن اسی اثناء میں انہیں یہ معلوم کر کے بہت مایوسی ہوئی کہ ایک ایسا دستور وضع کیا جارہا ہے جس میں ہندو اکثریت کو سب کچھ مل جائے گا۔ اور مسلم اقلیت بالکل محروم رہ جائے گی حتی کہ مسلم لیگ کے وہ مطالبات جنہیں کانگریس منظور کر چکی تھی۔ پنڈت موتی لال نہرو نے رد کر دیئے اور کمیٹی نے خود کانگریس کی طے شدہ پالیسی پر خط تنسیخ کھینچ دیا۔ یہ رنگ دیکھ کر جناب شعیب قریشی صاحب الگ ہو کر بیٹھ رہے اور انہوں نے رپورٹ پر دستخط تک نہیں کئے۔ ۱۹۸، ۱۹۹ پنڈت موتی لال

صاحب نہرو نے' ان کی جگہ چوہدری خلیق الزماں صاحب اور تصدق احمد خان صاحب شروانی لے لیئے۔ [۲۰۰] یہ تھی نہرو رپورٹ جو آل پارٹیز کانفرنس لکھنؤ میں پاس کی گئی اور جسے کانگریس کی طرف سے ۱۲/ اگست ۱۹۲۸ء کو سارے ہندوستان کے نمائندہ دستور کی حیثیت سے شائع کیا گیا۔

حق یہ ہے کہ نہرو رپورٹ صرف اور صرف ہندوؤں کی نیابت کرتی تھی۔ چند آدمی اپنی مرضی سے ایک جگہ جمع ہو گئے جن میں کئی لوگ ایسے تھے۔ کہ جنہوں نے اپنے تئیں خود ہی لیڈر قرار دے لیا تھا نہ مسلمان سیاسی جماعتوں کی نمائندگی اس میں ہوئی نہ مختلف صوبوں کی نمائندگی۔ حالانکہ جن مسائل میں اختلاف زیادہ بھیانک صورت میں نمایاں ہوتا تھا وہ صوبائی مسائل تھے نہ کہ آل انڈیا مسائل۔ [۲۰۱] پھر جہاں تک مسلم مطالبات کا تعلق تھا وہ تقریباً نظرانداز کر دیئے گئے۔ اور جو باقی رکھے گئے ان پر ایسے پیرایہ بیان میں بحث کی گئی جو نہایت حوصلہ شکن تھا۔ اور ساف طور پر بیان کیا گیا کہ مطالبات فرقہ وارانہ ہیں اور مفاہمت ممکن نہیں۔ نیز بنگال و پنجاب کی مسلم اکثریت کو بھی خطرہ میں ڈال دیا اور محمد امین زبیری مارہروی کے الفاظ میں "رپورٹ دراصل اس خطرہ کی گھنٹی تھی کہ ہندوستان میں دوہری حکومت قائم ہو۔ جس میں فوجی اور خارجی اختیار انگریزوں کے ہاتھ میں رہے اور ملکی و انتظامی اختیارات ہندو اکثریت کے ہاتھ میں آجائیں تا برطانوی سنگینوں سے مسلمانوں کو غلام بنا لیا جائے اور بقول مولانا محمد علی جوہر کہ "جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں منادی کی جاتی تھی تو منادپکارتا تھا کہ خلقت خدا کی ملک بادشاہ کا حکم کمپنی بہادر کا لیکن نہرو رپورٹ کا ملخص یہ ہے کہ خلقت خدا کی ملک وائسرائے یا پارلیمنٹ کا اور حکم مہاسبھا کا"۔ [۲۰۲]

کانگریس نواز حلقوں کی طرف سے نہرو رپورٹ کی تائید

ہندوؤں کو تو اس رپورٹ کا حامی ہونا چاہیئے تھا لیکن حیرت یہ ہے کہ خود مسلمانوں میں بھی ایک خاصہ بارسوخ طبقہ اس کی بے سوچے تائید میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اور مولوی ابوالکلام صاحب آزاد اس کے سرخیل تھے جنہوں نے شروع ہی سے مسلمانوں کو یہ دلاسا دینے کی کوشش کی تھی کہ ہندو اکثریت کا خطرہ محض "شیطانی وسوسہ" ہے۔ [۲۰۳] انہیں مسلم تھا کہ "ہندوؤں کا جماعتی وصف تنگ دلی اور کوتاہ دستی ہے۔ وہ چیز جسے دل کا کھلا ہونا اور طبیعت کی فیاضی کہتے ہیں ہمارے ہندو بھائیوں میں پیدا نہ ہو سکی"۔ [۲۰۴] بایں ہمہ وہ مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہے تھے کہ وہ بے اعتمادی کا مظاہرہ کر کے "چند نشستوں" اور "نام نہاد ضمانتوں" کو جو "گناہ بے لذت" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں اور جنہیں ہندو "خاص رعایت سے" تعبیر کرسکتے ہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ [۲۰۵] اور ان کا کہنا تھا کہ "یہ باتیں خاص رعایت نہ تھیں اگر دوسری جماعت میں

فیاضی اور کشادہ دلی کی اسپرٹ موجود ہوتی مگر جب موجود نہیں ہے اور ہمارے تحفظ کے لئے یہ باتیں کوئی قیمت بھی نہیں رکھتیں تو پھر یقیناً ہماری خودداری اور غیرت کا تقاضا یہی ہونا چاہیئے کہ اس قسم کے مطالبوں سے خود ہی دستبردار ہو جائیں اور اپنے مستقبل کا دامن غیرت اپنے تنگ دل بھائیوں کے منت کرم داشتن سے آلودہ نہ ہونے دیں"۔ [206]

یہی نہیں ان کا نعرہ ہمیشہ یہ رہا کہ "اگر ایسے مسلمان دماغ موجود ہیں جو چاہتے ہیں کہ اپنی گزری ہوئی تہذیب و معاشرت کو پھر تازہ کریں جو وہ ایک ہزار برس پہلے ایران اور وسط ایشیا سے لائے تھے تو میں ان سے یہ بھی کہوں گا کہ اس خواب سے جس قدر جلد بیدار ہو جائیں بہتر ہے کیونکہ یہ ایک قدرتی تخیل ہے اور حقیقت کی سرزمین میں ایسے خیالات اگ نہیں سکتے۔ [207]

دراصل مولوی ابوالکلام صاحب آزاد کے اس مسلک کے پیچھے صرف ایک جذبہ سب سے نمایاں کار فرما تھا یعنی گاندھی جی کی اطاعت۔ چنانچہ انہوں نے کہا۔ "ہماری کامیابیوں کا دارومدار تین چیزوں پر ہے اتحاد۔ ڈسپلن (Discipline) اور مہاتما گاندھی کی راہنمائی پر اعتماد۔ یہی ایک راہنمائی ہے جس نے ہماری تحریک کا شاندار ماضی تیار کیا۔ اور صرف اس سے ہم ایک فتح مند مستقبل کی توقع کر سکتے ہیں۔ [208]

مولوی ابوالکلام صاحب آزاد (جن کی پشت پر کانگریس اور ہندوؤں کی طاقت و ثروت تھی) کے ہمنواؤں کی کثیر تعداد نہرو رپورٹ کی سرگرم موید تھی جو ہندوستان میں ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے حتی کہ پنجاب میں بھی جو مسلم اکثریت کا صوبہ ہونے کی وجہ سے فرقہ وارانہ مسائل کا بنگال سے بڑھ کر آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ خلافت کمیٹی کے سابق ارکان (مثلاً چودھری افضل حق صاحب' سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی وغیرہ) جنہوں نے دسمبر ۱۹۲۹ء میں مجلس احرار اسلام کی بنیاد رکھی۔ [209] نہرو رپورٹ کی حمایت کر رہے تھے۔ چنانچہ چوہدری افضل حق صاحب کی نسبت (جنہیں اس مجلس کے دماغ کی حیثیت حاصل تھی۔ [210] اور جنہیں بعد کو قائد و مفکر اور مصلح و مجدد کے نام سے بھی پکارا گیا [211] ان کے رفقاء کا کہنا ہے کہ ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ مرتب ہوئی تو اس سکیم کی حمایت کی قصر برطانیہ کے وہ ستون جنہوں نے چند سنہری سکوں کی جھلک کی خاطر ضمیر فروشی کر رکھی تھی آپ کے خلاف ہو گئے۔ [212] ان حضرت کا اس بارے میں غلو و تشدد جس انتہا تک پہنچ گیا اس کا کسی قدر اندازہ مندرجہ عبارت سے ہو سکتا ہے کہ وہ رپورٹ پر تنقید کرنے والوں کو برطانوی ایجنٹ تک قرار دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ خود چوہدری افضل حق صاحب نے اپنی کتاب "تاریخ احرار" میں محتاط الفاظ میں اقرار کیا ہے کہ احرار نے نہرو رپورٹ کو مسلمانوں میں مقبول بنانے کے لئے

زبردست جدوجہد کی اور اس کے لئے قربانیاں دیں۔ ۲۱۳

احرار پنجاب کے دوش بدوش مولوی ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر "زمیندار" لاہور بھی رپورٹ کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ اور ان کا اخبار اس کی حمایت میں وقف تھا۔ ۲۱۴ بلکہ انہوں نے آگے چل کر مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں ایک ریزولیوشن بھی پیش کیا جس میں اس کے اصول کو پسند کرتے ہوئے اس کے مرتب کرنے والوں کی محنت و کاوش کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ اور جزئیات کو طے کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنانے کی رائے دی گئی تھی۔ ۲۱۵ مذہبی لیڈروں میں سے مولوی ثناء اللہ صاحب امرت سری اور ان کے متعدد رفقاء بھی حق میں تھے۔ ۲۱۶

نہرو رپورٹ کے مخالف مسلمانوں کا طبقہ

ان تفصیلات سے ظاہر ہے کہ ہندوستان خصوصاً پنجاب میں خود مسلمانوں کا ایک حصہ نہرو رپورٹ کی حمایت میں وقف اور اس کی تبلیغ کر رہا تھا۔ اس کے مقابل بلاشبہ کئی درد مند دل رکھنے والے مسلمانوں کو جن میں سر محمد شفیع، مولانا محمد علی جوہر، سر محمد اقبال جیسے مسلمان لیڈر بھی شامل تھے۔ اس رپورٹ سے سخت اختلاف تھا مگر وہ اپنے اختلاف کے ساتھ ایسے وزنی اور واقعاتی دلائل نہ پیش کرتے تھے۔ جو دوسرے مسلمانوں کو رپورٹ کی مضرتوں سے آگاہ کر کے اس کی کھلی مخالفت پر آمادہ کر دیں اور نہ یہ حضرات کسی منظم رنگ میں نہرو رپورٹ میں بے نقاب کرنے کی جدوجہد کر رہے تھے بلکہ ڈاکٹر سر محمد اقبال تو مایوس ہو کر پنجاب کونسل میں اس نظریہ کا اظہار کر چکے تھے کہ "ہندوستان میں حکومت کے لائق نہ مسلمان ہیں نہ ہندو اور یہ کہ میں ہندو مسلم افسران کی بجائے انگریز افسروں کا خیر مقدم کروں گا"۔ ۲۱۷، ۲۱۸

ان حالات میں مسلمانان ہند کو ایک ایسے قائد و راہ نما کی ضرورت تھی جو میدان عمل میں آئے اور نہ صرف نہرو رپورٹ کا علمی و عملی رنگ میں تجزیہ کر کے انہیں اس کی مخالفت میں مضبوط چٹان پر کھڑا کر دے۔ تاوہ اکثریت کے ناپاک عزائم سے محفوظ رہ کر اپنی قومی زندگی کو محفوظ کر سکیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے مدلل مسکت تبصرہ

جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ۸ / اگست ۱۹۲۸ء سے ۸ / ستمبر ۱۹۲۸ء تک درس القرآن میں مصروف تھے۔ اس کے بعد چند دن گذشتہ ماہ کے جمع شدہ کام کے نکالنے میں لگے جب فارغ ہوئے تو نہرو رپورٹ کی تلاش کی۔ لیکن تلاش کے باوجود اس کی کوئی کاپی میسر نہ آئی اور آخری اطلاع لاہور سے یہی پہنچی کہ تیسرا ایڈیشن چھپنے پر ہی یہ کتاب دستیاب ہو سکے گی چونکہ پہلے ہی کافی دیر ہو چکی تھی۔ آپ کو اس کا بہت

افسوس ہوا۔ اسی اثناء میں آپ کے اہل و عیال شملہ سے واپس آئے تو آپ انہیں لینے کے لئے امرت سر تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کو اسٹیشن کے بک سٹال سے اس کے دو نسخے مل گئے اس طرح ۲۱/ستمبر کو یہ رپورٹ فراہم ہوئی اور اسی وقت سے آپ نے اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اور چونکہ پہلے ہی دیر ہو چکی تھی اس لئے آپ نے الفضل کے ذریعہ اس کے متعلق اپنی رائے کا باقساط اظہار شروع کر دیا۔ [۲۱۹] جو "نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے مصالح" کے عنوان سے ۲/اکتوبر ۱۹۲۸ء سے ۲/نومبر ۱۹۲۸ء تک سات قسطوں میں مکمل ہوا۔

تبصرہ کے مضامین پر طائرانہ نظر

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تبصرہ کے آغاز میں رپورٹ کی اندرونی شہادتوں سے ثابت کرنے کے بعد کہ نہرو کمیٹی کسی صورت میں بھی ہندوستان کی نمائندہ نہیں کہلا سکتی۔ سب سے پہلے مسلمانوں کے اصولی مطالبات پر روشنی ڈالی جو یہ تھے۔

۱۔ حکومت کا طریق فیڈرل یا اتحادی ہو یعنی تمام صوبوں کو اندرونی طور پر کامل خود مختاری حاصل ہو۔

۲۔ نیابت سے متعلق یہ اصل تسلیم کیا جائے کہ جن صوبوں میں کسی قوم کی اقلیت کمزور ہے اسے اپنے حق سے زیادہ ممبریاں دی جائیں لیکن جن میں اقلیت والی قوم یا اقوام مضبوط ہوں وہاں ان کی اصلی تعداد کے مطابق ہی حق نیابت حاصل ہو۔

۳۔ جب تک ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہمی اعتماد قائم نہ ہو جائے اس وقت تک سب صوبوں میں اور کم سے کم پنجاب اور بنگال میں جداگانہ طریق انتخاب جاری رہے۔

۴۔ صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان کو دوسرے صوبوں کی طرح نیابتی حکومت دی جائے اور سندھ کو الگ صوبہ بنا کر اسے بھی نیابتی اختیارات تفویض کئے جائیں۔

۵۔ کسی صوبہ میں بھی اکثریت کو اقلیت کی زبان یا اس کے طرز تحریر میں مداخلت کا حق حاصل نہ ہو۔

۶۔ حکومت مذہب یا مذہب کی تبلیغ میں دخل دینے کی مجاز نہ ہو۔

۷۔ (حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی طرف سے) ساتواں مطالبہ یہ بھی پیش ہو رہا تھا کہ ان حقوق کو قانون اساسی میں داخل کیا جائے اور قانون اساسی اس وقت تک نہ بدلا جا سکے جب تک کہ منتخب شدہ ممبروں میں سے ۲/۳ اس کے بدلنے کی رائے نہ دیں۔ اور تین دفعہ کی متواتر منتخب شدہ مجالس آئینی پے در پے ۲/۳ رائے سے اس کے بدلنے کا فیصلہ کریں اور قانون اساسی کا جو حصہ کسی خاص قوم کے حقوق

کے متعلق ہو وہ اس وقت تک تبدیل نہ کیا جائے جب تک اس شرط کے ساتھ کہ اس قوم کے ۲/۳ ممبر اس کے بدلنے کے حق میں نہ ہوں اور جب تک تین متواتر طور پر منتخب شدہ کونسلوں میں وہ اس تبدیلی کے حق میں ووٹ نہ دیں اسے پاس نہ سمجھا جائے۔ [۲۲۰]

اکثر و بیشتر یہ ان مطالبات کا خلاصہ تھا جو عموماً شفیع لیگ کی طرف سے پیش کئے گئے۔ اس کے مقابل کلکتہ لیگ کے مطالبات تھے جس کے بانی 'صدر اور روح رواں جناب محمد علی جناح تھا۔ مگر اول تو انہیں خود اقرار تھا۔ کہ اس زمانے میں مسلمانوں کی اکثریت ان کی تائید میں نہیں تھی۔ [۲۲۱] دوسرے شفیع لیگ سے ان کا اصولی اختلاف اس مرحلے پر بنیادی حیثیت سے دو ایک امور پر تھا۔ جن کی وضاحت حضور نے فرمائی اور اس کے بعد مسلمانوں کا ایک ایک مطالبہ بیان کر کے نہرو رپورٹ کی روشنی میں ثابت کیا کہ اس نے مسلم مطالبات کو پورا کرنا تو رہا ایک طرف ان کے موجودہ حاصل شدہ حقوق بھی غصب کرنے کی کوشش کی ہے اتحادی طریق حکومت (Federal System) کی بجائے اس نے ایک قسم کی وحدانی طرز حکومت (Unitary System) کی تجویز کی۔ اقلیتوں کی نسبت اس نے فیصلہ دیا کہ انہیں کسی جگہ زائد حق نہ دیا جائے۔ جداگانہ انتخاب کا مطالبہ اس نے پورا کرنے سے انکار کر دیا۔ اگرچہ صوبہ سرحد کے لئے نیابتی حکومت قبول کرلی۔ مگر بلوچستان کو مشتبہ چھوڑ دیا اور سندھ کو الگ صوبہ بنانے کے لئے غیر معقولی شرطیں لگا دیں۔ زبان کا معاملہ نظر انداز کر دیا۔ مذہبی اور اقتصادی دست اندازی سے روکنے کے مطالبہ کی اہمیت و وسعت لفظوں کے ہیر پھیر میں دبا دی گئی۔ اسی طرح جہاں تک اقلیتوں کی حفاظت کی دفعات کا ایسے رنگ میں قانون اساسی میں شامل کرنے کا تعلق تھا۔ کہ ان کا بدلنا آسان کام نہ ہو۔ اسے بھی نہرو کمیٹی نے نظر انداز کر دیا۔

مسلمانوں کو بروقت انتباہ

مسلمانوں کے مطالبات اور نہرو رپورٹ پر تفصیلی نظر ڈالتے ہوئے آپ نے پہلے مسلمانوں کو خاص حفاظت کی ضرورت کے سات اہم وجوہ بیان فرمائے۔ اور پھر مسلمانوں کے ہر مطالبہ کی معقولیت روز روشن کی طرح ثابت کر دکھائی اور مسلمانوں کو بروقت انتباہ کیا کہ وہ یہ خیال چھوڑ دیں کہ اب جو کچھ بھی فیصلہ ہو جائے بعد میں اگر اس میں نقص معلوم ہو گا تو اسے بدل دیا جائے گا کیونکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے آج انہیں اپنے مطالبات کا منوانا زیادہ آسان ہے لیکن سوراج کے ملنے کے بعد ان کا منوانا بالکل ناممکن ہو گا اس وقت مرکزی حکومت پر ہندو اکثریت چھائی ہوئی ہو گی اس لئے مسلمان اسمبلیوں میں بھی حق نہ حاصل کر سکیں گے۔ پھر مسلمان اقلیت کے قوت و طاقت سے اپنے حقوق بزور منوانے کا امکان نہیں ہے اور نہ بیرونی طاقتوں اور ملکوں پر انحصار کرنا صحیح ہو سکتا ہے لہذا ملک میں اپنے مستقبل کو محفوظ کرنے کی

واحد صورت یہی ہے کہ ہندوستان کو خود مختار حکومت ملنے سے پہلے مسلم اقلیت اپنے حقوق منوالے چنانچہ آپ نے کانگریسی مسلمانوں کے نقطہ نگاہ سے شدید اختلاف کرتے ہوئے مسلمانوں کو صاف صاف بتادیا۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ ہندوستان کی آزادی کے لئے کوشش نہ کرو اب جبکہ انگلستان نے خود فیصلہ کر دیا ہے کہ ہندوستان کو نیابتی حکومت کا حق ہے اس کے لئے جو جائز کوشش کی جائے میں اس میں اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ شریک ہوں مگر جو چیز مجھ پر گراں ہے اور میرے دل کو بٹھائے دیتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے حقوق کی حفاظت کئے بغیر آئندہ طریق حکومت پر راضی ہو جائیں۔ اس کے نتائج نہایت تلخ اور نہایت خطرناک نکلیں گے اور مسلمانوں کو چاہئے کہ جب تک کہ دونوں مسلم لیگز کی پیش کردہ تجاویز کو قبول نہ کرلیا جائے۔ اس وقت تک وہ کسی صورت میں بھی سمجھوتے پر راضی نہ ہوں ورنہ جو خطرناک صورت پیدا ہوگی اس کا تصور کر کے بھی دل کانپتا ہے"۔ [۲۲۲]

مسلمانوں کے لئے آئندہ طریق عمل کی راہنمائی

تبصرہ کے آخر میں حضور نے مسلمانوں کے سامنے طریق عمل رکھا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضور نے مندرجہ ذیل تجاویز پیش فرمائیں:

اول : مسلمان اپنے مطالبات میں بعض اہم باتوں کو نظرانداز کر رہے ہیں جن پر انہیں اسلامی نقطہ نگاہ سے غور کرنا ضروری ہے۔ مثلاً رائے دہندگی میں عورتوں کا حق' خارجی معاملات' احترام جمعۃ المبارک' اہلی اور عائلی معاملات میں اسلامی قانون کے نفاذ پر زور' ہائیکورٹوں کے ججوں کا تقرر' صوبوں کی طرف سے تقرر' ریاستوں کا سوال خلاصہ یہ کہ انہیں نہرو کمیٹی پر مزید غور کرنا چاہئے اور اس کے لئے اول تو ایک آل پارٹیز مسلم کانفرنس منعقد ہو جس پر ہر خیال کے مسلمانوں کو اظہار خیال کا موقعہ دیا جائے اور اصولی غور کرنے کے بعد ایک سب کمیٹی بنائی جائے جو نہرو کمیٹی پر تفصیلی اور باریک نگاہ ڈالے اور اس کی خامیوں کو دور اور اس کی کمیوں میں اضافہ کر کے ایک مکمل قانون اساسی پیش کرے۔

دوم : نہرو کمیٹی گورنمنٹ کے حلقوں میں ایک خاص جنبش پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہر شہر اور ہر قصبے میں جلسے کر کے یہ ریزولیوشن پاس کئے جائیں کہ ہم نہرو کمیٹی کی رپورٹ سے متفق نہیں اور ان جلسوں کی رپورٹیں گورنمنٹ کے پاس بھی بھیجی جائیں۔

سوم : جمہور مسلمانوں کو نہرو رپورٹ کی خرابیوں سے آگاہ کیا جائے اور ہر شہر ہر قصبے اور ہر گاؤں میں اس کے لئے جلسے منعقد ہوں اس تحریک کی کامیابی کے لئے جمہور کا پشت پر ہونا ضروری ہے۔

چہارم: انگلستان کی رائے عامہ پر بھی اثر ڈالنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ تا اسے معلوم ہو کہ نہرو رپورٹ لکھنے والے فرقہ وارانہ تعصب سے بالا نہیں رہ سکے۔

حضور نے یہ بھی وعدہ فرمایا کہ "میں اور احمدیہ جماعت اس معاملہ میں باقی تمام مسلمان فرقوں کے ساتھ مل کر ہر قسم کی جدوجہد کرنے کے لئے تیار ہیں اور میں احمدیہ جماعت کے وسیع اور مضبوط نظام کو اس اسلامی کام کی اعانت کے لئے تمام جائز صورتوں میں لگا دینے کا وعدہ کرتا ہوں"۔ [۲۲۳]

تبصرہ کی وسیع اشاعت اور مقبولیت

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا یہ بے نظیر تبصرہ "مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ" کے نام سے معاً بعد کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا اور کلکتہ اور دہلی میں (جو ان دنوں سیاسی سرگرمیوں کے مرکز تھے اور جہاں کانگریس، مسلم لیگ، مجلس خلافت اور دوسری جماعتوں کے اجلاس منعقد ہو رہے تھے) اس کی خاص طور پر اشاعت کی گئی۔ حضور کی اس بروقت رہنمائی سے مسلمانوں کے اونچے طبقے بہت ممنون ہوئے اور مسلمانوں کے سیاسی حلقوں میں اسے نہایت پسند کیا گیا۔ اور بڑے بڑے مسلم لیڈروں نے تعریفی الفاظ میں اسے سراہا اور شکریہ ادا کیا کہ حضرت امام جماعت احمدیہ نے مسلمانوں کی نہایت ضرورت کے وقت دستگیری کی ہے۔ چنانچہ کئی اصحاب نے حضرت مفتی محمد صادق صاحب سے کہا کہ "اصلی اور عملی کام تو آپ کی جماعت ہی کر رہی ہے اور جو تنظیم آپ کی جماعت میں ہے وہ اور کہیں نہیں دیکھی جاتی"۔ کلکتہ کے مخلص احمدی مسٹر دولت احمد خاں صاحب بی۔ اے ایل ایل بی جائنٹ ایڈیٹر اخبار "سلطان" نے تبصرہ کو بنگالی میں ترجمہ کر کے اور ایک چھوٹی سی خوبصورت کتاب کی شکل میں ترتیب دے کر شائع کیا اور اہل بنگال میں اس کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ [۲۲۴]

ایک معزز تعلیم یافتہ غیر احمدی نہرو رپورٹ پر تبصرہ کا مطالعہ کرنے کے بعد اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے سیکرٹری ترقی اسلام کے نام ایک خط میں لکھا۔ "میری طبیعت بہت چاہتی ہے کہ حضرت خلیفہ صاحب کو دیکھوں اور ان کی زیارت کروں۔ کیونکہ میرے دل میں ان کی بہت وقعت ہے.......... آپ براہ مہربانی حضرت صاحب کی خدمت میں اس احقر کا سلام عرض کر دیجئے اور یہ بھی کہہ دیجئے کہ ایک خادم کی طرف سے مبارکباد منظور فرمائیں کہ آپ نہایت خوش اسلوبی سے ایسے خطرناک حالات میں جن سے اسلام اس وقت گزر رہا ہے اس کو بچا رہے ہیں اور نہ صرف مذہبی خبر گیری کر رہے ہیں بلکہ سیاسی معاملات میں بھی مسلمانوں کی رہنمائی فرما رہے ہیں۔ میں نے جناب والا کے خیالات کو نہرو رپورٹ کے متعلق پڑھا جس نے آپ کی وقعت کو میری آنکھوں میں اور بھی بڑھا دیا۔ اور میں جہاں آپ کو ایک زبردست مذہبی عالم سمجھتا ہوں اس کے ساتھ ہی ایک ماہر سیاست دان بھی سمجھنے لگا

ہوں"۔ [225]

برطانوی پارلیمنٹ کے ممبروں اور انگلستان کے اہل الرائے طبقہ تک مسلم نقطہ نگاہ پہنچانے کے لئے اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کر کے بھیجا گیا۔ [226]

مسلمانان ہند کی طرف سے رپورٹ کے خلاف کامیاب احتجاج

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانان ہند سے ملی و قومی مفاد کی خاطر پورے نظام جماعت کو مصروف عمل کرنے کا جو وعدہ فرمایا۔ وہ آپ نے پورا کر دیا۔ چنانچہ حضور نے ۵/ اکتوبر ۱۹۲۸ء کے خطبہ جمعہ میں ہندوستان کے تمام احمدیوں کو حکم دیا کہ وہ ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں دوسرے لوگوں سے مل کر جلد سے جلد ایسی کمیٹیاں بنائیں جو نہرو کمیٹی کے خلاف جلسے کر کے لوگوں کو اس کی پیش کردہ تجاویز کے بد اثرات سے آگاہ کریں اور ریزولیوشن پاس کر کے ان کی نقول لاہور اور کلکتہ کی مسلم لیگوں' مقامی حکومت' حکومت ہند' سائمن کمیشن اور تمام سیاسی انجمنوں اور پریس کو بھیجیں اور حکومت کو آگاہ کر دیا جائے کہ نہرو رپورٹ میں ہمارے حقوق کو نظرانداز کر دیا گیا ہے اور یہ تحریک اس وقت تک جاری رہنی چاہئے۔ جب تک ان باتوں کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ نیز فرمایا:

"خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارا نظام ہے اس لئے ایک جگہ سے جو آواز اٹھتی ہے وہی پشاور سے لے کر آسام تک اور منصوری سے لے کر راس کماری تک ہر جگہ سے بلند ہوتی ہے۔ اور سارے ملک میں شور برپا ہو جاتا ہے ایسا نظام اگر انسان خود پیدا کرنے کی کوشش کریں تو سینکڑوں سالوں میں بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مامور بھیج کر ہم پر احسان کیا کہ ایسا زبردست نظام منٹوں میں پیدا کر دیا۔ اور جو کام کروڑوں مسلمان سالہا سال میں نہیں کر سکتے تھے وہ خدا کے فضل سے ہم نے کئے ہیں...... پس میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ اس نظام کو کام میں لا کر تحریک کریں تاکہ اس رپورٹ کے بد اثرات سے مسلمانوں اور گورنمنٹ کو متنبہ کیا جا سکے...... اور تھوڑے عرصہ میں ہی ایسا مطلع پیدا کر دیا جائے جو اس غبار سے جو اس وقت اٹھ رہا ہے پاک و صاف ہو"۔ [227]

چنانچہ جماعتوں نے حضور کے اس ارشاد کی تعمیل میں مسلمانوں کو بیدار کر دیا اور ملک کے چپہ چپہ میں احتجاجی جلسے کئے۔ [228] اور ہندوستان کے مسلمان ایک بار پھر اسی جوش و خروش سے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے جس طرح حضرت امام جماعت احمدیہ کی سرفروشانہ جدوجہد نے انہیں ۱۹۲۷ء میں تحریک تحفظ ناموس رسول میں متحد و منسلک کر دیا تھا۔

بالآخر گاندھی جی جیسے کانگریسی راہنما کو اجلاس منعقدہ الہ آباد میں نہایت صاف گوئی سے اقرار

کرنا پڑا کہ "ہم یہ کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ کہ نہرو رپورٹ کو ردی کے کاغذ کے برابر بھی وقعت نہیں دی گئی"۔ [۲۲۹]

ایک اہم مکتوب
ہندوؤں کی سازش جماعت احمدیہ کے خلاف

احمدی وکیل فضل کریم صاحب نے حضور کی خدمت میں لکھا کہ:

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضور کو قبل اس کے ہندوؤں کی مخالفت اور بغض کے متعلق کافی علم ہے۔ مگر کل ہی مجھے ایک مسلمان وکیل دوست سے ایک ایسے امر کے متعلق علم ہوا کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب ہندوؤں نے Organized ہمارا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور اس کی طرف اپنے عوام کو بھی توجہ دلا دلا کر تیار کر رہے ہیں۔ خصوصیت سے گزشتہ ایک دو سال اور موجود ہندو رپورٹ کی ہماری طرف سے مخالفت نے آگ لگا دی ہے۔ اس دوست نے مجھے بتلایا کہ ایک ہندو نے مجھے بتلایا ہے کہ احمدی ملکی ترقی میں ایک زبردست روک ہیں اس لئے ہم انہیں Crush کر کے چھوڑیں گے اور سارے ملک کے ہندوؤں نے یہ ٹھان لیا ہے اور اس کے لئے روپیہ کا بھی انتظام کیا جائے گا۔ میں نے دوست سے دریافت کیا کہ وہ کس حیثیت کا انسان ہے تو انہوں نے بتایا کہ معمولی سا آدمی ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہے کہ عوام میں بھی ہماری مخالفت اور مقابلہ کی روح پھونکی جا رہی ہے۔

میں انشاء اللہ العزیز مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں گا مجھے تو یہ سن کر ایک پہلو سے خوشی ہوئی اور ایک پہلو سے فکر پیدا ہوئی۔ خوشی تو اس لئے کہ ملک کی ایک زبردست قوم بھی سلسلہ کی طاقت کو مان گئی اور روز افزوں ترقی سے گھبرا رہی ہے فکر اپنی کمزوریوں کا ہے کہ مقابلہ کی طاقت نہیں اللہ تعالیٰ ہی قوت عطا کرے گا۔ خادم کو دعاؤں میں یاد فرمائیں۔

خاکسار فضل کریم

بنگالی مسلمانوں کی بیداری کے لئے ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے کا دورہ

بنگال اگرچہ مسلم اکثریت کا صوبہ تھا مگر پورے بنگال پر ہندو سرمایہ دار چھائے ہوئے تھے اور وہی زیادہ تر تعلیم یافتہ بھی تھے اس

نازک صورت حال کے پیش نظر سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اکتوبر ۱۹۲۸ء میں ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے (سابق مبلغ جرمنی و انگلستان) کو بنگال میں بھجوایا اور ارشاد فرمایا کہ نہرو رپورٹ کے خلاف بنگالی مسلمانوں میں تحریک پیدا کر دیں۔

ملک صاحب نے کلکتہ ' چاٹگام ' اکھوڑہ ' برہمن بڑیہ ' بوگرہ ' رنگپورہ ' جلپاگوری ' کاکورہ ' مالدہ ' جمشید پور وغیرہ مشہور مقامات کا دورہ کیا اور کئی مقامات پر زور دار لیکچر دیئے۔ چنانچہ اکھوڑہ میں "حالات حاضرہ اور ان کا علاج" کے موضوع پر انگریزی زبان میں تقریر کی جو بہت پسند کی گئی بوگرہ میں آپ نے مقامی اخبارات کے لئے نہرو رپورٹ کے متعلق مضامین لکھے۔ جن کو مقامی پریس کے علاوہ بنگال کے دوسرے اخبارات نے بھی شائع کیا۔ رنگپورہ میں آپ نے ایک مقامی رئیس کی صدارت میں نہرو رپورٹ پر لیکچر دیا۔ جلسہ میں قراردادیں پاس ہوئیں جو کلکتہ کے مشہور اخبارات فارورڈ اور انگلش مین میں بھی شائع ہو گئیں۔ علاوہ ازیں فری پریس کو بھی تار دیا گیا۔ اس لحاظ سے یہ میٹنگ بہت کامیاب ہوئی۔ یہاں آپ نے بعض رؤساء سے انفرادی ملاقاتیں بھی کیں۔ اور مسلمانوں کی اقتصادی و تعلیمی پستی کے متعلق تبادلہ خیالات کیا۔ جلپاگوری میں بھی نہرو رپورٹ پر آپ کا لیکچر ہوا۔ یہ مقام چونکہ کمشنری کا ہیڈ کوارٹر تھا اس لئے تعلیم یافتہ اصحاب بڑی کثرت سے شامل اجلاس ہوئے۔ خان بہادر ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب صدر جلسہ تھے۔ یہاں بھی ریزولیوشن پاس کرکے اخبارات کو بھیجے گئے لوگوں پر آپ کی تقریر کا بہت اچھا اثر ہوا۔ ۲۲۰

ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے کا خود نوشت بیان ہے کہ:

"میں اکتوبر ۱۹۲۸ء میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے حکم سے بنگال کے دورہ پر گیا۔ چلتے وقت حضور نے خصوصیت سے مجھے فرمایا کہ آپ نے صرف سیاسی تقریریں کرنی ہیں۔ مذہبی تقریروں کی ضرورت نہیں......... میں نے وہاں برہمن بڑیہ ' کلکتہ ' ٹاٹانگر ' رنگپور ' جلپاگوری ' بوگرہ وغیرہ میں نہرو رپورٹ کے خلاف حضور کے تحریر کردہ دلائل کو اپنی زبان میں پیش کیا۔ میرے وہ لیکچر بہت ہی مقبول ہوئے۔ وہ میرے کیا لیکچر تھے زبان میری تھی دلائل حضور کے تھے میں اب ان لوگوں کے نام تو نہیں جانتا۔ کہ یہ ۳۷ سال پہلے کی بات ہے۔ لیکن بوگرہ میں کئی خان بہادروں نے مجھے کہا کہ ہمارے تو وہم میں بھی یہ دلائل نہ آئے تھے۔ اور ہم نہیں سمجھ سکتے تھے کہ نہرو رپورٹ کا کیسے مقابلہ کریں۔ آپ نے یہ دلائل کہاں سے سیکھے۔ میری عمر اس وقت چھوٹی تھی وہ حیران تھے کہ ایک نوجوان ہندوستان کے اہم ترین سیاسی مسئلہ پر اس قابلیت سے کیسے اظہار کر رہا ہے اور کس قابلیت سے اس نے نہرو رپورٹ کے بخیے ادھیڑ دیئے ہیں جس کے مقابلہ میں ہم عاجز تھے۔ میں نے انہیں کہا کہ یہ دلائل تو احمدیہ جماعت

کے امام کے دیئے ہوئے ہیں میں تو ان کا ایک خادم ہوں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ جلپا گوری میں میری مولوی تمیز الدین صاحب سے ملاقات ہوئی اور غالباً وہاں انہوں نے ہی میرے لیکچر کا انتظام کیا۔ مجھے ابھی تک ان کی مشترکہ انتخاب کے خلاف اور ہندوؤں کے خلاف شدید غضب کا احساس ہے جس شدت سے میں نے مشترکہ انتخاب کی مخالفت اور جداگانہ انتخاب کی تائید کی اس سے کہیں زیادہ اس بارے میں مولوی تمیز الدین صاحب متشدد تھے۔ انہوں نے میرے سامنے ہندوؤں کو گالیاں بھی دیں۔ اور کہا کہ یہ مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں مجھے اس وقت سے یہ احساس ہے کہ مولوی صاحب ہندوؤں کی مسلمانوں کے خلاف چالوں کو خوب جانتے تھے۔ اور ان کے سخت دشمن تھے اور ہندوؤں کی نظر میں بھی وہ ایک کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے۔ ٹاٹا نگر میں میں نے ایک بڑے ہندوؤں اور مسلمانوں کے اجتماع میں جس میں ہندوؤں کی بہت زیادہ کثرت تھی اسلام کے صلح کل مذہب ہونے پر تقریر کی۔ اس تقریر کے صدر بہار کے ایک بہت بڑے کانگریسی لیڈر تھے جن کا نام اس وقت پورا تو مجھے یاد نہیں۔ لیکن ان کے نام کا ایک حصہ کنٹھ تھا۔ میری اس تقریر کو بہت پسند کیا گیا اور مسٹر کنٹھ نے تو بڑے تعجب اور بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ ہمیں معلوم نہ تھا کہ اسلام اس محبت صلح اور آشتی کے پیغام کو لے کر دنیا میں آیا ہے۔ سب بڑے بڑے شہروں میں میں نے تقریریں کیں اور میری ان تقاریر کی رپورٹیں کلکتہ کے اخبارات انگلش مین (English Man) اور سٹیٹسمین (Statesman) میں چھپتی رہیں۔ سٹیٹسمین (Statesman) ان دنوں کلکتہ سے نکلتا تھا۔ میں ان رپورٹوں کی نقول حضرت صاحب کو بھجواتا رہا۔ جب میں واپس قادیان پہنچا تو حضرت صاحب میرے اس دورہ سے بہت خوش تھے۔ جب میں نے اپنی رپورٹ عرض کرنی چاہی تو آپ نے بہت خوشی سے فرمایا۔ کہ ہمیں آپ کی تقریروں کی سب رپورٹیں پہنچ چکی ہیں"۔ [۲۲۱]

الغرض یہ دورہ بہت کامیاب رہا اور مسلمانان بنگال بھی نہرو رپورٹ کی نقصان دہ سکیم سے واقف ہو کر اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

آل مسلم کانفرنس پٹنہ کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے مطالبات کی تائید

نہرو رپورٹ پر غور کرنے کے لئے مولانا محمد علی صاحب جوہر کی زیر صدارت پہلی آل مسلم کانفرنس پٹنہ میں منعقد ہوئی کانفرنس میں اگرچہ نمائندگان کی ایک بڑی تعداد کسی صورت میں بھی مخلوط انتخاب کو منظور کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ لیکن کثرت آراء کی تائید سے مخلوط انتخاب کو شرائط کے ماتحت منظور کر لینے کی قرارداد پاس کی گئی۔ آل مسلم کانفرنس نے مسلمانوں کی طرف سے مخلوط انتخابات تسلیم کرنے کے لئے جو آٹھ مطالبات پیش

کئے ان کا بڑا حصہ انہی امور پر مشتمل تھا جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے نہرو رپورٹ کے تبصرہ میں درج فرمائے تھے۔

۱۔ چنانچہ حضور نے پہلا مطالبہ یہ فرمایا کہ "حکومت کا طریق فیڈرل یا اتحادی ہو یعنی تمام صوبہ جات کامل طور پر خود مختار سمجھے جائیں"۔ [۲۲۲] آل مسلم کانفرنس نے فیصلہ کیا۔ "صوبہ جاتی حکومتیں تمام اندرونی معاملات میں آزاد ہوں"۔

۲۔ دوسرا مطالبہ حضور کا یہ تھا کہ "جن صوبوں میں کسی قوم کی اقلیت کمزور ہے ان میں اس کے ہر قسم کے خیالات کے لوگوں اور ہر قسم کے فوائد کی نیابت کا راستہ کھولنے کے لئے جس قدر ممبریوں کا اسے حق ہو اس سے زیادہ ممبریاں اسے دے دی جائیں۔ لیکن جن صوبوں میں کہ اقلیت والی قوم یا اقوام مضبوط ہوں وہاں انہیں ان کی اصلی تعداد کے مطابق حق نیابت دیا جائے۔ کیونکہ ان صوبوں میں اگر اقلیت کو زیادہ حقوق دیئے گئے تو اکثریت اقلیت میں تبدیل ہو جائے گی"۔ [۲۲۳] کانفرنس نے اس سلسلہ میں یہ تجویز منظور کی۔ "بہار اور اڑیسہ کے مسلمانوں کے لئے مرکزی اور صوبہ جاتی دونوں مجالس قانون ساز میں ۲۵ فیصدی نیابت مخصوص کی جائے اور اسی طرح دوسرے صوبہ جات کی مسلم اور غیر مسلم اقلیت کو بھی جس کا تناسب آبادی ۱۵ فیصدی سے زیادہ نہ ہو تناسب آبادی سے زیادہ نشستیں دی جائیں لیکن شرط یہ ہے کہ کوئی اکثریت اقلیت میں منتقل نہ ہو جائے"۔

۳۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے تیسرا مطالبہ یہ پیش فرمایا تھا کہ "چونکہ کل ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد صرف پچیس فیصدی ہے اس لئے انہیں مرکزی حکومت میں کم سے کم ۳۳ فیصدی نیابت کا حق دیا جائے"۔ چنانچہ آل مسلم کانفرنس نے فیصلہ کیا کہ "مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کو کم از کم ۱/۳ نشستیں دی جائیں"۔

۴۔ چوتھا مطالبہ یہ تھا کہ "صوبہ سرحد اور بلوچستان کو دوسرے صوبوں کی طرح نیابتی حکومت دی جائے اور سندھ کو الگ صوبہ بنا کر اسے بھی نیابتی حکومت دی جائے"۔ اس بارہ میں کانفرنس کا فیصلہ یہ تھا۔ "سندھ کو حقیقی معنوں میں علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے۔ صوبہ شمال مغربی سرحد اور بلوچستان میں مکمل اصلاحات نافذ کی جائیں"۔

۵۔ پانچواں مطالبہ یہ تھا کہ "قانون اساسی کا جو حصہ کسی خاص قوم کے حقوق کے متعلق ہو اس کے متعلق یہ شرط ہو کہ جب تک اس قوم کے ۲/۳ ممبر جس کے حقوق کی حفاظت اس قانون میں تھی اس کے بدلنے کے حق میں نہ ہوں اسے پاس نہ سمجھا جائے"۔

آل مسلم کانفرنس نے اس بارے میں یہ قرارداد پاس کی کہ "اگر کسی قوم کے ۴/۳ ارکان اپنی قوم کے مفاد کے منافی سمجھ کر کسی مسودہ قانون یا قانون یا اس کا کوئی جزو یا ترمیم یا قرارداد کی مخالفت کریں تو ایسا مسودہ قانون' یا قانون یا اس کا کوئی جزو یا ترمیم یا قرارداد مجلس وضع قوانین میں پیش نہ ہو سکے نہ اس پر بحث کی جائے اور نہ یہ منظوری حاصل کر سکے۔

اس مختصر سے تقابل سے ظاہر ہے کہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور ان کے مفادات کی حفاظت کے لئے جو مطالبات ضروری سمجھے اور جنہیں اچھی طرح واضح فرمایا ان کی اہمیت کو آل مسلم کانفرنس پٹنہ نے بھی تسلیم کیا۔ اور اسی طرح ان مطالبات کو ان مسلمانوں کی تائید حاصل ہو گئی جو اپنے قومی حقوق کی ہر حال میں حفاظت کرنا ضروری سمجھتے اور ہندو سیاست کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنتا اپنی قومی موت کے مترادف یقین کرتے اور مسلمانوں کو فروخت کرنا قومی غداری قرار دیتے تھے۔ [۲۲۳-۲۲۵]

آل انڈیا مسلم لیگ اور نہرو رپورٹ

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے نہرو رپورٹ پر تبصرہ نے مسلمانان ہند میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک زبردست جنبش پیدا کر دی۔ مگر افسوس کانگریسی علماء ہندوؤں کا آلہ کار ہونے کی وجہ سے اور مخلص مسلم لیگی زعماء اپنی خوش فہمی کے باعث ابھی تک اس کی پورے زور سے حمایت کئے جا رہے تھے۔ چنانچہ مسلم لیگ کے مورخ جناب سید رئیس احمد صاحب جعفری لکھتے ہیں:

"دسمبر ۱۹۲۸ء میں کلکتہ قومی اجتماعات کا مرکز قرار پایا۔ کانگریس مسلم لیگ مجلس خلافت سب کے سالانہ اجلاس یہیں ہو رہے تھے انہی اجلاسوں میں نہرو رپورٹ کے رد و قبول کا مسئلہ طے ہونا تھا۔ اب مسٹر جناح بھی واپس آ چکے تھے وہ دیکھ رہے تھے اس رپورٹ نے ان کے چودہ نکات کا قتل عام کر دیا ہے۔ پھر بھی وہ نہرو رپورٹ کی مخالفت نہیں کر رہے تھے بلکہ حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے لئے مولانا محمد علی کا نام مولانا شوکت علی نے مسلم لیگ کونسل میں پیش کیا لیکن جناح نے راجہ صاحب محمود آباد سر علی محمد خاں کے نام کی حمایت کی اس لئے نہیں کہ وہ محمد علی کے مخالف تھے۔ اور علی محمد کے دوست تھے۔ اس لئے کہ محمد علی نہرو رپورٹ کے علانیہ مخالف تھے اور علی محمد نہرو رپورٹ کے علانیہ حامی تھے جناح نہرو رپورٹ کے مخالف کو لیگ کے اجلاس کا صدر نہیں بنانا چاہتے تھے وہ چاہتے تھے کہ نہرو رپورٹ کا حامی مسلم لیگ کی صدارت کرے اور رپورٹ پر آخری غور و فکر کے لئے کانگریس کی طرف سے جو کنونشن منعقد ہونے والی ہے اس میں دوستانہ اور مخلصانہ طور پر چند معمولی ترمیمات منظور کرا کے مسلمانوں کو نہرو رپورٹ منظور کر لینے پر آمادہ کرے تاکہ حکومت

برطانیہ کے سامنے ہندوستان اپنا متحدہ مطالبہ پیش کر سکے۔ متحدہ مطالبہ ' متحدہ محاذ ' متحدہ دستور جناح کو اس قدر عزیز تھا کہ انہوں نے چودہ نکات سے بھی دست برداری اختیار کر لی۔ اب وہ صرف چند مطالبات کانگریس سے منظور کرانا چاہتے تھے اور اس کے بعد پوری قوت کے ساتھ نہرو رپورٹ کی تبلیغ و حمایت کے لئے وقف ہو جانا چاہتے تھے "۔ [۲۳۶]

کلکتہ میں آل پارٹیز کنونشن کا انعقاد

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی مسلسل جدوجہد اور دوسرے مسلمانوں کی پیہم چیخ پکار کا نتیجہ یہ نکلا کہ پنڈت موتی لال نہرو صدر کانگریس نے اعلان کر دیا۔ کہ ایک نیشنل کنونشن بلائی جائے گی۔ چنانچہ اس اعلان کے مطابق ۲۸/ دسمبر ۱۹۲۸ء کو کلکتہ میں ایک آل پارٹیز کانفرنس نہرو رپورٹ پر غور کرنے ' ترمیمیں پیش کرنے اور آخری فیصلہ کرنے کے لئے منعقد ہوئی جس میں ہندوستان کی تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے نمائندوں کو دعوت دی گئی۔ چنانچہ اجلاس میں آزاد خیال معتدل ' کانگریسی ' سوراجی ' ترک موالات کے علمبردار اور حامی موالات غرضکہ ہر خیال و مسلک کے لوگ شامل ہوئے۔ خلافت کمیٹی اور جمعیتہ العلماء ہند نے متفقہ طور پر اپنا نمائندہ مولانا محمد علی جوہر کو نامزد کیا۔ اور وہ اس میں شرکت کے لئے آئے۔ [۲۳۷] مسلم لیگ کی طرف سے جناب محمد علی صاحب جناح (۲۲ نامور مسلم لیگی نمائندوں سمیت) تشریف لائے اور جماعت احمدیہ کی طرف سے حضرت مفتی محمد صادق صاحب (ناظر امور خارجہ) اور مسٹر دولت احمد خان صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی جائنٹ ایڈیٹر اخبار "سلطان" کلکتہ نے شمولیت فرمائی۔ [۲۳۸]

کنونشن میں مباحثہ کا آغاز ہوا۔ اور غالباً سب سے پہلے یہ نکتہ زیر بحث آیا۔ کہ کانگریس ہندوستان کے لئے درجہ نو آبادیات چاہتی ہے یا کامل آزادی کا مطالبہ کرتی ہے۔ [۲۳۹]

مولانا محمد علی صاحب جوہر نے درجہ نو آبادیات کے مطالبہ کی مخالفت میں تقریر شروع کی۔ اس دوران میں ان کے منہ سے یہ بھی نکل گیا۔ کہ جو لوگ آزادی کامل کے مخالف اور درجہ مستعمرات کے حامی ہیں وہ ملک کے بہادر فرزند نہیں ہیں بلکہ بزدل ہیں۔ اس لفظ کا منہ سے نکلنا تھا کہ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ بیٹھ جاؤ ہم نہیں سننا چاہتے۔ "مسلمانان ہند کی حیات سیاسی" کے مولف جناب محمد مرزا صاحب دہلوی اس واقعہ کی تفصیل میں لکھتے ہیں۔ "اس بحث کے دوران میں کانگریس کے ہندو ممبروں کی ذہنیت کا جو مظاہرہ ہوا اس نے مولانا محمد علی مرحوم کو بددل کر دیا تھا۔ اور وہ کنونشن کے اجلاس سے اٹھ کر چلے آئے تھے۔ یہ ذہنیت کیا تھی۔ عقیدہ رکھا جائے آزادی کامل کا۔ لیکن اگر حکومت کی طرف سے ڈومینین اسٹیٹس کا ابتدائی درجہ بھی مل جائے تو اسے قبول کر لیا جائے۔ [۲۴۰]

مولانا محمد علی صاحب جوہر کا یہ موقف کہاں تک درست تھا اس کا تجزیہ کرتے ہوئے محمد مرزا دہلوی لکھتے ہیں۔ "کانگریس نے آزادی کامل کا عقیدہ قبول کر لینے کے بعد بھی حکومت سے نہرو رپورٹ کے ذریعہ جس طرز حکومت کا مطالبہ کیا تھا اور اس کی جو تاویل صاحب رپورٹ نے کانگریس کے اجلاس میں پیش کی تھی وہ یہ تھی کہ عقیدہ تو بے شک ہمارا آزادی کامل ہی ہے لیکن اس تک پہنچنے کے لئے ابتدائی سیڑھیاں بھی ہمیں طے کرنے کی ضرورت ہے اور نہرو رپورٹ ان ابتدائی سیڑھیوں میں سے ایک ہے اس تاویل کے صاف معنی یہ ہیں کہ کانگریس نے آزادی کامل کا عقیدہ تو قبول کر لیا ہے لیکن ملک ابھی اس کے لئے تیار نہیں ہے۔ اور فی الحقیقت اس وقت کے حالات کے اعتبار سے یہ بہت صحیح رائے تھی لیکن بعض انتہا پسند اور جوشیلے افراد جن میں ہندو کم اور مسلمان زیادہ تھے کانگریس کے ساتھ محض اس لئے ہو گئے تھے کہ آزادی کامل اس کا مطمح نظر ہے اور اس کی سیاسی جدوجہد کا مفہوم صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ کسی طرح ملک سے بدیشی حکومت کو نکال باہر کرے حالانکہ بدیشی حکومت کو فی الفور ہندوستان سے باہر کر دینے کا اس وقت تک کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ جب تک ہندوستانی حکومت کے ہر شعبہ کو چلانے اور بیرونی حملوں سے ملک کی مدافعت کرنے کے قابل نہ ہو جائیں اور یہ قابلیت ان میں سیاسی بصیرت اور متواتر تجربوں ہی سے آسکتی تھی۔ اور اس قسم کا موقع انہیں اس وقت مل سکتا تھا جب ہندوستان کی ساری قومیں اس پر متحد ہو جائیں"۔ ۲۲۱

یہ ضمنی بحث ختم کر کے ہم پہلے مضمون کی طرف آتے ہیں۔ ہم بتا چکے ہیں کہ مولانا محمد علی صاحب جو ہر درجہ نو آبادیات سے متعلق ابتدائی بحث ہی میں کنونشن سے اٹھ کر چلے آئے تھے۔ جس پر بعد کو بڑی شدومد سے تنقید کی گئی۔ کہ انہیں کنونشن میں اپنے مطالبات پیش ضرور کرنے چاہئے تھے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو بہت بڑی امید تھی کہ مطالبات منظور ہو جاتے اور یہ اختلاف و افتراق وہیں ختم ہو جاتا۔ مگر چونکہ انہوں نے دوبارہ شرکت نہیں کی اس لئے اختلاف کی خلیج اور زیادہ وسیع ہوتی گئی۔ ان کے سیرت نگار سید رئیس احمد صاحب جعفری نے اس اعتراض کا خاص طور پر ذکر کر کے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ "بادی النظر میں یہ اعتراض وزنی معلوم ہوتا ہے لیکن بہ تامل خفیف یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ محمد علی نے جو کچھ کیا وہی اچھا تھا ڈومینین اسٹیٹس میں ان کے ساتھ جو طرز عمل اختیار کیا گیا وہ ایسا نہیں تھا کہ کوئی خوشگوار امید قائم کرنے میں مدد دیتا۔ اس کے علاوہ اختلافات کے آغاز سے اس وقت تک ہندو زعماء کا جو بے نیازانہ طرز عمل ہو گیا تھا۔ وہ بھی ایک خوددار اور شریف آدمی کو "طواف کوئے ملامت" کی اجازت نہیں دے سکتا تھا"۔ ۲۲۲

کنونشن سے بائیکاٹ کی یہ دونوں وجوہ کس درجہ معقولیت کا پہلو لئے ہوئے ہیں اس کا فیصلہ

قارئین پر چھوڑ کر ہم کنونشن کی بقیہ روداد پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر کے چلے جانے کے بعد مسلم لیگی لیڈر مسٹر محمد علی صاحب جناح نے حالات کی نزاکت، ہندو مسلم اتحاد کی اہمیت آزادی و حریت کی قدر و قیمت اور مسلم مطالبات کی معقولیت پر ایک شستہ اور منجھی ہوئی تقریر کی اور اپیل کی کہ محبت و اخوت کے جذبات کے ساتھ ان تجاویز پر غور کیجئے اور انہیں منظور کر کے اختلافات کا خاتمہ کر دیجئے کہ اس وقت قوم کی ضروریات کا تقاضا یہی ہے۔ ۲۲۳

مسٹر جناح کی تقریر پر نہرو کمیٹی کے ممبر سر تیج بہادر سپرو نے کہا۔ "ہم یہاں صرف ایک تمنا لے کر آئے ہیں کہ جس طرح ہو آپس میں سمجھوتہ ہو جائے۔ اگر آپ اعداد و شمار کا تجزیہ کریں تو آپ کا تناسب ۲۷ فیصدی ہے اور مسٹر جناح ۳۳ فیصدی مطالبہ کر رہے ہیں۔ میں نہ جناب صدر کا غیر وفادار ہوں نہ نہرو رپورٹ کا لیکن میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اس مرحلہ پر ہمیں مفاہمت سے اعراض نہیں کرنا چاہئے۔ میں اپنی ہر دلعزیزی کو خطرہ میں ڈال کر بھی یہ کہوں گا کہ ہر قیمت پر ہمیں سمجھوتہ کر لینا چاہئے۔ یہی اس کانفرنس کا مقصد ہے"۔ ۲۲۴

سر سپرو کی مدلل تقریر نے حاضرین پر ایک حد تک اثر کیا لیکن مشہور مہا سبھائی لیڈر مسٹر جیکر نے کھڑے ہو کر یہ طلسم توڑ دیا۔ انہوں نے کہا:

"ہمارے ساتھ مولانا ابو الکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری، سر علی امام، راجہ صاحب محمود آباد اور ڈاکٹر کچلو جیسے محب وطن موجود ہیں۔ یہ سب حضرات نہرو رپورٹ سے بالکلیہ متفق ہیں خود مسلم لیگ کے بہت سے ممبر نہرو رپورٹ کے حامی ہیں اب اگر مسٹر جناح کسی کی نمائندگی کرتے ہیں تو صرف چند لوگوں کی۔ یہ بھی یاد رکھئے مسٹر جناح کا مطالبہ مسلم قوم کا مطالبہ نہیں ہے ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی سر شفیع کے ساتھ ہے جو مخلوط انتخاب کے مخالف ہیں ایک دوسرا طبقہ مسلمانوں کا مسٹر فضل ابراہیم رحمت اللہ کے ساتھ ہے جو دہلی میں ایک مسلم کانفرنس (زیر صدارت آغا خاں) کر رہے ہیں۔ مسٹر جناح کا مطالبہ نہ مسلم قوم کا مطالبہ ہے نہ مسلم اکثریت کا"۔ ۲۲۵

اس تقریر کے بعد ووٹ لئے گئے تو کنونشن نے مسٹر جیکر کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا اور مسلم لیگ کے مطالبات جو پہلے ہی مختصر سے تھے رد کر دیئے گئے۔ مسٹر چھاگلہ (جج ہائیکورٹ بمبئی۔ مسلم لیگ کے ایک سرگرم کارکن) نے اس واقعہ شکست کی نسبت ۸ / جنوری ۱۹۲۹ء کو ایسوشی ایٹڈ پریس کو بیان دیتے ہوئے کہا:

"کنونشن کے اجلاس کے سامنے لیگ کی نمائندگی اس لئے کی گئی تھی کہ مسلمان چند ضروری ترمیمات کے بعد نہرو رپورٹ کو منظور کر سکیں گے۔ میں نہایت افسوس کے ساتھ اس امر کا اعادہ کرتا

ہوں کہ کنونشن کو مسلم مطالبات پر نہایت فراخ دلی سے غور کرنا چاہئے تھا بجائے اس کے وہ ہندو مہاسبھا کے زیر اثر اور اس کی دھمکی میں آکر یہ صورت اختیار کرتا۔ میں یہ امر ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلم لیگ کے نمائندوں کی اکثریت کنونشن کے اجلاس میں شریک ہوئی تھی۔ اور جنہوں نے مسلمانوں کے جائز مطالبات کو پیش کیا تھا۔ نہرو رپورٹ کے حامیوں میں سے تھے اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نہ صرف اپنی ملت کے ساتھ جنگ کی بلکہ اپنی جماعت (مسلم لیگ) محض نہرو رپورٹ کی تائید کرنے کے سلسلہ میں برائی حاصل کی۔ اگر کنونشن ان ۲۳ منتخب نمائندوں کے ساتھ کسی امر پر گفتگو کرنے سے قاصر ہے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ ہندوستان کے کسی مسلمان سے بھی فیصلہ کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ اگر ان ۲۳ نمائندوں کو فرقہ پرست سمجھ کر ان کے ساتھ یہ رویہ اختیار کیا گیا تو سمجھ لو کہ ہندوستان میں ایک بھی مسلم قوم پرور موجود نہیں"۔ ۲۲۶

اس صورت حال کے بعد مسٹر محمد علی جناح کانگریس اور اس کے لیڈروں سے بالکل دل برداشتہ ہو گئے اور آخر مسلم لیگ نے بھی ۳۰ / مارچ ۱۹۲۹ء کو روشن تھیٹر دہلی میں مسٹر جناح کی زیر صدارت یہ فیصلہ کیا کہ "چونکہ پنڈت نہرو نے مسلم لیگ کے مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے لہذا مسلم لیگ بھی نہرو رپورٹ منظور کرنے سے قاصر ہے"۔ ۲۲۷

کلکتہ کنونشن میں جہاں مسلم لیگی نمائندے نہرو رپورٹ کے حامی کی صورت میں آئے وہاں حضرت مفتی محمد صادق صاحب (ناظر امور خارجہ نمائندہ جماعت احمدیہ) نے اپنی تقریر میں واضح کیا کہ ہم نہرو رپورٹ کے مخالف ہیں اور اس کے خلاف ہمارے رسالے اور مضامین شائع ہوئے لیکچر دیئے گئے، مجالس قائم کی گئیں مگر اس کے باوجود ہم نے کنونشن کی دعوت قبول کی اور اس میں شامل ہوئے کیونکہ ہم بائیکاٹ کے قائل نہیں ہماری رائے ہے کہ سب سے ملنا چاہئے پھر خواہ ہماری بات تسلیم ہو۔ یا رد کر دی جائے لیکن سب کے خیالات کو سن لینا ضروری ہے۔

نہرو رپورٹ میں ترمیم کے لئے احمدی نمائندہ نے دس ریزولیوشن پیش کئے جن کو ایجنڈا میں شائع کیا گیا اور وہ سب اپنے اپنے موقعہ پر پیش ہوئے اور ان کے موافق و مخالف تقریریں بھی ہوئیں لیکن جس کنونشن میں مسلم لیگی مطالبات کو کانگریسی ذہنیت کے سامنے شکست اٹھانا پڑی وہاں احمدی نمائندے کیونکر کامیاب ہو سکتے تھے۔ تاہم یہ فائدہ ضرور ہوا کہ کنونشن کے سب حلقوں کے سامنے جماعت احمدیہ کے سیاسی خیالات خوب واضح ہو گئے۔ ۲۲۸

آل انڈیا مسلم کانفرنس دہلی اور نہرو رپورٹ

کانگریس کی منعقدہ کنونشن میں مسلم مطالبات کی پامالی دیکھ کر

مسلمانوں کی تمام مشہور مذہبی و سیاسی جماعتوں کے نمائندے دہلی میں جمع ہوئے اور ۳۱/ دسمبر ۱۹۲۸ء سے ۲/ جنوری ۱۹۲۹ء تک آل انڈیا مسلم کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔

یہ کانفرنس جو سر آغا خاں کی صدارت میں شروع ہوئی مسلمانان ہند کی اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس تھی جس میں کونسلوں اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے علاوہ مسلم لیگ' خلافت کمیٹی اور جمعیتہ العلماء ہند کے نمائندے اور سربر آوردہ ارکان بھی شامل تھے۔ [۲۴۹] سر شفیع کے الفاظ میں یہ کانفرنس مسلمانان ہند کی پوری نمائندہ تھی۔ [۲۵۰] اور برصغیر پاک و ہند کے صحافی جناب عبدالمجید صاحب سالک کا جو اس کانفرنس میں موجود تھے بیان ہے کہ:

"میں اس کانفرنس کو ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں بے نظیر سمجھتا ہوں۔ مسلمانوں کی جس قدر زیادہ نمائندگی اس کانفرنس میں مہیا ہوئی اتنی اور کسی اجتماع میں دکھائی نہیں دی یہاں تک کہ اس کانفرنس میں بیس قادیانی ممبر بھی شامل کر لئے گئے تھے تاکہ اس جماعت کو بھی نقصان نیابت کی شکایت نہ ہو"۔ [۲۵۱]

جیسا کہ سالک صاحب نے اشارہ کیا ہے متعدد احمدی مختلف صوبوں سے منتخب ہو کر کانفرنس میں شامل ہوئے تھے۔ مثلاً بنگال سے جناب حکیم ابو طاہر محمود احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ کلکتہ' بہار سے جناب حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری' پنجاب سے چودھری ظفر اللہ خاں صاحب' دہلی سے بابو اعجاز حسین صاحب پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ دہلی اور مرکز کی طرف سے حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب۔

کانفرنس کے آغاز میں سر شفیع نے ایک پرجوش تقریر کے ساتھ کانفرنس کا اصل ریزولیوشن پیش کیا جو اکثر و بیشتر ان خطوط پر مرتب کیا گیا تھا جو حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے نہرو رپورٹ کے تبصرہ میں تجویز فرمائے تھے۔

اس قرارداد کی تائید میں مسٹر اے۔ کے غزنوی' مولوی شفیع داؤدی' ڈاکٹر سر محمد اقبال' مسٹر شرف الدین سی۔ پی' حافظ ہدایت حسین کانپور' مولوی محمد یعقوب صاحب ڈپٹی پریذیڈنٹ اسمبلی دہلی۔ مسٹر عبدالعزیز پشاوری' ڈاکٹر شفاعت احمد خاں' داؤد صالح بھائی' حاجی عبداللہ ہارون' مولوی عبدالماجد بدایونی' مولوی کفایت اللہ' مولوی آزاد سبحانی اور مولانا محمد علی صاحب جوہر نے بالترتیب تقریریں کیں اور یہ قرارداد پرزور تائید سے منظور ہوئی۔ [۲۵۲]

یہی وہ اہم قرارداد تھی جس پر آئندہ چل کر مسٹر محمد علی جناح نے اپنے مشہور چودہ نکات تجویز کئے۔ چنانچہ جناب عبدالمجید صاحب سالک اپنی کتاب "ذکر اقبال" میں لکھتے ہیں:

"اس کانفرنس میں مسلمانوں کے تمام سیاسی مطالبات کے متعلق ایک قرارداد منظور ہوئی جس کا

چرچا ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ہوا اور بعد میں مسٹر محمد علی جناح نے بھی اپنے چودہ نکات اسی قرارداد کے اصول پر مرتب کئے"۔ ۲۵۳

اسی طرح محمد مرزا دہلوی مسلم لیگ کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مسلم کانفرنس کے اس اجلاس کے بعد مارچ ۱۹۲۹ء میں مسلمانوں کے مطالبات کو منظم صورت میں حکومت اور کانگریس کے آگے پیش کرنے کے لئے دہلی میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا...... اس اجلاس میں جناب محمد علی جناح نے نہرو رپورٹ پر نہایت سخت تنقید کی اور اسے مسلم تجاویز دہلی کے مقابلہ میں ہندو تجاویز سے تعبیر کیا۔ اسی کے ساتھ مسلمانوں کے بنیادی حقوق پر بڑی تفصیل اور جامعیت سے روشنی ڈالی اور مستقبل کے ہندوستان میں مسلم انفرادیت کے تحفظ کے لئے ایک طویل تجویز میں وہ مشہور چودہ نکات پیش کئے جو آج تک مسلمانوں کے قومی مطالبات سمجھے جاتے ہیں"۔ ۲۵۴

اس کانفرنس میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی دو تقریریں ہوئیں ایک سبجیکٹ کمیٹی میں اور دوسری کھلے اجلاس میں۔ آپ نے اپنی تقریروں میں واضح کیا کہ کس طرح نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کے حقوق تلف کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس سلسلہ میں آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے تبصرہ رپورٹ کا تذکرہ بھی کیا۔ جس میں رپورٹ کی خامیوں پر مدلل بحث تھی۔ آپ نے مولانا شوکت علی کے ایک ریزولیوشن کی تائید کرتے ہوئے فرمایا۔ مسلمانوں کو خصوصیت سے علم حاصل کرنے کی طرف توجہ کرنا چاہئے۔ مسئلہ گاؤکشی کے ذکر پر آپ نے بتایا۔ کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ علیہ السلام نے سب سے پہلے اس بات کو ہندوؤں کے سامنے پیش کیا تھا کہ اگر ہندو اس وجہ سے ناراض ہیں کہ مسلمان گائے کا گوشت کھاتے ہیں تو ہم ان کی خاطر ایک جائز اور حلال چیز کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ وہ بھی ہماری خاطر ایک چھوٹی سی قربانی کریں اور وہ یہ ہے کہ پاکوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خدا کا سچا نبی مان لیں اور آپ کے خلاف بدزبانی سے باز آجائیں۔ کانفرنس کے تمام ممبروں نے اس تجویز سے اتفاق کیا اس موقعہ پر اکثر مسلم زعماء حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی بروقت سیاسی رہنمائی، جماعت احمدیہ کی زبردست تنظیم اور اس کے عظیم الشان کارناموں کے مداح پائے گئے۔ ۲۵۵

بالآخر یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ کانفرنس مسلمانان ہند کی سیاست میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ جناب عبدالمجید صاحب سالک نے اس کے ملک گیر اثر و نفوذ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "اب سارا مسلم پریس، تمام مسلم ادارات اور جماعتیں ان مطالبات کی حمایت کر رہی تھیں۔ جو

دہلی مسلم کانفرنس میں پیش کئے گئے تھے۔ تمام مخالف جماعتیں دب گئی تھیں اور حقیقت میں اس قرارداد کا مخالف کوئی بھی نہ تھا خود کانگرسی مسلمان بھی اس کی کامیابی کے خواہاں تھے گو ڈر کے مارے زبان سے اقرار نہ کرتے ہوں"۔ [۲۵۷]

فصل ششم

قادیان کی ترقی کا نیا دور اور ریل کی آمد

جیسا کہ "تاریخ احمدیت" کی دوسری جلد کے شروع میں ہم بتا چکے ہیں کہ جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا سے حکم پا کر دعویٰ ماموریت فرمایا تھا۔ قادیان ایک بہت چھوٹا سا گمنام گاؤں تھا اس وقت قادیان کی آبادی دو ہزار نفوس سے زیادہ نہ ہو گی۔ اس کے اکثر گھر ویران نظر آتے تھے۔ اور ضروری استعمال کی معمولی معمولی چیزوں کی خرید کے لئے بھی باہر جانا پڑتا تھا۔ اسی طرح اس وقت قادیان کی بستی تار اور ریل وغیرہ سے بھی محروم تھی۔ اور دنیا سے بالکل منقطع حالت میں پڑی تھی۔ قادیان کا ریلوے سٹیشن بٹالہ تھا۔ جو قادیان سے ۱۲ میل مغرب کی طرف واقع ہے۔ اس کے اور قادیان کے درمیان ایک ٹوٹی پھوٹی کچی سڑک تھی۔ [۲۵۷] جس پر نہ صرف پیدل چلنے والے تھک کر چور چور ہو جاتے تھے بلکہ یکے میں سفر کرنے والوں کو بھی بہت تکلیف اٹھانا پڑتی تھی۔

چنانچہ حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی اور بعض دوسرے بزرگوں کے چشم دید واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی دور میں سب سے پہلی مشکل تو اس بستی کی گمنامی کی وجہ سے اس کی تلاش تھی اور دوسرا بڑا بھاری مرحلہ قادیان پہنچنے کا تھا۔ آمد و رفت کے ذرائع کی اتنی کمی تھی کہ سواری بڑی مشکل سے ملتی تھی اور اس زمانے کی سواریاں بھی کیا تھیں۔ بیل گاڑی' ریڑھو' گڈا' اور سب سے بڑھ کر دقیانوسی یکہ۔ چلنے میں جھٹکوں کی کثرت سے پسلیاں دکھ جایا کرتیں' پیٹ میں درد اٹھنے لگتا اور جسم ایسا ہو جاتا کہ گویا کوٹا گیا ہے۔ یکہ مل جانے کے بعد دوسری مشکل یہ ہوا کرتی تھی کہ یکہ بان غائب ہو جاتا۔ وہ نہار لینے چلا جایا کرتا۔ اور جب تک کئی مسافر ہاتھ نہ آجاتے اس کی نہاری تیار نہ ہو سکتی اور اس طرح بہت سا قیمتی وقت ضائع ہو جایا کرتا۔ سڑک کی کیفیت لکھنے کی تو ضرورت نہیں کیونکہ اس کی تفصیل خود خداوند عالم الغیب نے فج عمیق کے کلام میں فرما دی ہے۔ اس کی خرابی تو روز بروز بڑھتی رہتی مگر مرمت کی نوبت مدتوں تک نہ آتی۔ چونکہ غلہ اور دوسری تمام ضروری چیزیں گڈوں ہی کے ذریعہ سے آتی جاتی رہتی تھیں اس لئے سڑک اور بھی خستہ و خراب رہتی تھی۔ یکہ کی ہیئت ترکیبی کچھ ایسی واقع ہوئی تھی کہ اچھے خاصے تازے گھوڑے کا حال بھی چند ہی روز جوتے جانے پر ایسا پتلا ہو جاتا کہ دیکھنے والوں کے دل رحم سے بھر جاتے۔ (کبھی یکہ سواریوں کو لے کر چلتا اور کبھی سواریاں یکہ کو لے کر۔ حضرت مولانا انوار حسین خاں رئیس شاہ آباد ضلع ہردوئی جو سابقون

الاولون میں سے تھے۔ یکہ تو کرایہ پر لے لیتے مگر صرف بستر اس کے پیچھے بندھوا دیتے۔ اور دوسرے لوگوں کو بٹھا دیتے اور خود تمام راستہ پیدل ہی طے فرما کر قادیان پہنچتے۔ یکہ میں بیٹھ کر سفر کا کوئی حصہ تو شاید ہی کبھی آپ نے طے کیا ہو۔ سفر کا زیادہ حصہ تو اور حضرات کو بھی پیدل ہی طے کرنا پڑتا تھا اور برسات کے موسم میں تو خدا کی پناہ۔ ۲۵۸ بعض اوقات سارا سارا دن چلنے پر بھی قادیان پہنچ جانا ممکن نہ تھا۔ یکے دلدل میں پھنس جانے پر تو ایسی مصیبت پیش آتی جو برداشت سے باہر ہو جاتی۔ سامان مزدوروں کے سر پر آتا اور سواریاں بدقت پیدل چل کر!! یکہ بان مجبور ہو کر گھوڑا اپنے ساتھ لے آتا اور یکہ سڑک پر کھڑا رہ جاتا۔

قادیان کی بستی نشیب میں واقع ہے۔ برسات میں چاروں طرف سے پانی کا سیلاب آیا کرتا جس سے گاؤں کے اردگرد کی ڈھابیں، کھائیاں اور خندقیں پانی سے بھر جایا کرتیں اور زائد پانی قریباً ڈیڑھ میل تک بٹالہ قادیان کی سڑک میں سے ہی گذرا کرتا جو بعض اوقات اتنا گہرا اور تیز رو ہو جاتا کہ اس میں سے سلامت گذر جانا بہت ہی دشوار ہو جاتا اور گاؤں صحیح معنوں میں ایک جزیرہ بن جایا کرتا۔ ۲۵۹

یہ تھے وہ حالات جن میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سلسلہ کی ترقی اور قادیان کی ترقی کے بارے میں بشارتیں دی گئیں۔ چنانچہ ۱۹۰۲ء میں آپ کو عالم کشف میں دکھایا گیا کہ قادیان ایک بڑا عظیم الشان شہر بن گیا اور انتہائے نظر سے بھی پرے تک بازار نکل گئے الخ۔ ۲۶۰ پھر اپریل ۱۹۰۵ء میں حضور نے رؤیا میں دیکھا کہ "میں قادیان کے بازار میں ہوں اور ایک گاڑی پر سوار ہوں جیسے کہ ریل گاڑی ہوتی ہے"۔ ۲۶۱

قادیان میں ریل گاڑی کے پہنچنے کی نسبت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی ایک مشہور پیشگوئی ہے۔ کئی صحابہ نے اسے خود حضور کی زبان مبارک سے سنا تھا حتیٰ کہ انہیں حضور نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ قادیان کی ریلوے لائن نواں پنڈ اور بسراواں کی طرف سے ہو کر پہنچے گی۔ چنانچہ روایات صحابہ میں مرزا قدرت اللہ صاحب ساکن محلہ چابک سواراں لاہور، شاہ محمد صاحب ساکن قادیان اور میاں چراغ دین صاحب ولد میاں صدرالدین صاحب قادیان کی شہادتیں ملتی ہیں۔ ۲۶۲

ان غیبی خبروں کے پورا ہونے کا بظاہر کوئی سامان نظر نہیں آتا تھا بلکہ حکومت کی بے اعتنائی کا تو یہ عالم تھا کہ ریلوے لائن بچھوانے کا تو کیا ذکر صرف اتنی بات کی منظوری کے لئے کہ قادیان سے بٹالہ تک سڑک پختہ کر دی جائے اور اس کے لئے سالہا سال کوشش بھی جاری رکھی گئی تھی حکام وقت نے عملاً انکار کر دیا تھا بحالیکہ دوسرے راستے اور سڑکیں آئے دن درست ہوتی رہتی تھیں لیکن اگر آخر تک بھی نوبت نہ آئی تو اس چھوٹے سے ٹکڑے کی جو بٹالہ اور قادیان کے درمیان تھا۔ ۲۶۳ اور جیسا کہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اپنی مشہور کتاب "سلسلہ احمدیہ" میں تحریر فرمایا ہے ہرگز امید نہ تھی کہ قادیان میں اس قدر جلد ریل آجائے گی۔ [۲۶۴] لیکن خدا نے ایسا تصرف فرمایا کہ جماعتی کوشش کے بغیر اچانک یہ بات معلوم ہوئی کہ ریلوے بورڈ کے زیر غور بٹالہ اور بیاس کے درمیان ایک برانچ لائن کی تجویز ہے۔ [۲۶۵] مگر پھر پتہ چلا کہ محکمہ ریل کے ذمہ دار افسروں کو یہ خیال ہوا کہ یہ ریلوے جسے بعد کو بٹالہ بوٹاری ریلوے کا نام دیا گیا ۱۹۳۰ء تک بھی تیار نہیں ہو سکتی۔ [۲۶۶] مگر چونکہ خدا کی مشیت میں اب وقت آچکا تھا۔ کہ قادیان کا مرکز احمدیت ریل کے ذریعہ پورے ملک سے ملا دیا جائے اس لئے ریلوے بورڈ نے ۱۹۲۷ء کے آخر میں قادیان بوٹاری ریلوے کی منظوری دے دی اور شروع ۱۹۲۸ء میں محکمہ اطلاعات حکومت پنجاب کی طرف سے سرکاری طور پر یہ اعلان کر دیا گیا کہ ریلوے بورڈ نے نارتھ ویسٹرن ریلوے کے زیر انتظام پانچ فٹ چھ انچ پٹڑی کی بٹالہ سے بوٹاری تک ۴۲ میل لمبی ریلوے لائن بنانے کی منظوری دے دی ہے اس منصوبہ کا نام بٹالہ بوٹاری ریلوے ہوگا ساتھ ہی گورنمنٹ گزٹ میں اعلان ہوا کہ سروے ہو چکا ہے اور لائن بچھانے کا کام جلد شروع ہونے والا ہے۔ [۲۶۷] چنانچہ عملاً یہ کام نہایت تیزی سے جاری ہو گیا۔ اور شب و روز کی زبردست کوشش کے بعد بالآخر ۱۴/ نومبر ۱۹۲۸ء کو ریل کی پٹڑی قادیان کی حد میں پہنچ گئی۔ اس دن سکولوں اور دفتروں میں تعطیل عام کر دی گئی اور لوگ جوق در جوق ریلوے لائن دیکھنے کے لئے جاتے رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ارشاد فرمایا کہ نئے راستے کھلنے پر کئی قسم کی مکروہات کا بھی خدشہ ہوتا ہے۔ اس لئے ساری جماعت اور مرکز سلسلہ کے لئے ریل کے مفید اور بابرکت ہونے کے لئے دعائیں کرنی چاہئیں اور صدقہ دینا چاہئے۔ چنانچہ قادیان کی تمام مساجد میں دعائیں کی گئیں اور غرباء و مساکین میں صدقہ تقسیم کیا گیا۔ ۱۶/ نومبر ۱۹۲۸ء کو ریلوے لائن قادیان کے سٹیشن تک عین اس وقت پہنچی جبکہ جمعہ کی نماز ہو رہی تھی۔ نماز کے بعد مرد عورتیں اور بچے اسٹیشن پر جمع ہونے شروع ہو گئے اور قریباً دو اڑھائی ہزار کا مجمع ہو گیا۔ ریلوے کے مزدوروں اور ملازمین کے کام ختم کرنے پر ان میں مٹھائی تقسیم کی گئی۔ جس کا انتظام مقامی چندہ سے کیا گیا تھا۔ [۲۶۸]

اب صرف اسٹیشن کی تعمیر اور ریلوے لائن کی تکمیل کا کام باقی تھا۔ [۲۶۹] جو دن رات ایک کر کے مکمل کر دیا گیا۔ قادیان کے سب سے پہلے اسٹیشن ماسٹر بابو فقیر علی صاحب مقرر ہوئے۔ [۲۷۰] اور اسٹیشن کا نام "قادیان مغلاں" تجویز کیا گیا۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ لائن کے بوٹاری تک جانے کا فیصلہ ہوا تھا مگر ابھی لائن قادیان کے حدود تک نہیں پہنچی تھی کہ ریلوے حکام نے قادیان سے آگے لائن بچھانے کا فیصلہ ملتوی کر دیا۔ اور نہ صرف اگلے حصہ کی تعمیر رک گئی [۲۷۱] بلکہ آگے بچھی ہوئی ریلوے لائن اکھاڑ

بھی دی گئی۔ اور جو اراضی اس کے لئے مختلف مالکوں سے خریدی گئی تھیں وہ اخیر میں نیلام عام کے ذریعہ فروخت کردی گئی۔

ان حالات سے ظاہر ہے کہ یہ لائن خالص خدائی تصرف کے تحت محض قادیان کے لئے تیار ہوئی۔ منشی محمد دین صاحب سابق مختار عام (والد ماجد شیخ مبارک احمد صاحب سابق رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ) کا بیان ہے کہ جب ریلوے لائن بچھ گئی۔ تو متعلقہ یورپین ریلوے افسر کی پر تکلف دعوت حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کی کوٹھی میں کی گئی۔ سروے کا عملہ بھی شامل تھا۔ اور جماعت کے کئی معززین بھی شامل تھے۔ اس موقعہ پر اس یورپین افسر نے یہ بات ظاہر کی کہ میرے اندر کوئی ایسی طاقت پیدا ہو گئی تھی جو مجھے چین نہیں لینے دیتی تھی۔ اور یہی تحریک ہوتی تھی کہ جلد لائن مکمل ہو۔ [۲۷۲]

بالآخر یہ بتانا ضروری ہے کہ سلسلہ کے مفاد' قادیان کی ترقی اور بہشتی مقبرہ کی حفاظت کے لحاظ سے ضروری تھا کہ لائن قادیان کے شمال کی طرف سے ہو کر گذرے مگر ریلوے حکام اور علاقہ کی غیر احمدی اور غیر مسلم آبادی اسے جنوب سے گذارے جانے کے لئے انتہائی جوش اور پوری سرگرمی سے کوشش کر رہی تھی۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی فراست و بصیرت سے اس صورت حال کو پہلے سے معلوم کرلیا اور اس کی روک تھام کے لئے ابتداہی میں خاص انتظام سے ایک زبردست مہم شروع کرادی یہ مہم کیا تھی اس میں کن بزرگوں نے حصہ لیا۔ اور کس طرح کامیابی ہوئی اس کی تفصیل شیخ محمد دین صاحب سابق مختار عام کے بیان کے مطابق درج ذیل ہے فرماتے ہیں: غالباً ۱۹۲۸ء کی ابتداء یا ۱۹۲۷ء کے آخر کا واقعہ ہے کہ کسی اخبار میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ نے ایک سرکاری اعلان پڑھا جس میں اس قسم کا کوئی ذکر تھا کہ ریلوے امرت سر سے بیاس تک ملائی جائے اس پر حضور نے فوراً مولوی عبدالمغنی خان صاحب کو ناظر خاص مقرر فرمایا' حکام سے رابطہ کے لئے حضرت مفتی محمد صادق صاحب جو اس وقت ناظر امور خارجہ تھے مقرر کئے گئے۔ میں اور منشی امام الدین صاحب [۲۷۳] (والد ماجد چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ) ان دونوں بزرگوں کے لئے بطور معاون تجویز ہوئے۔ ہماری تجویز یہ تھی کہ یہ ریلوے بٹالہ کے شمال کی طرف سے آئے اور قادیان کے شمالی جانب سے ہوتی ہوئی سری گوبند پور پہنچے۔ مگر محکمہ ریلوے اور علاقہ کے غیر مسلموں اور دوسرے مخالفین کی تجویز یہ تھی۔ کہ ریل بٹالہ کے جنوب سے ہوتی ہوئی قادیان کے جنوب مقبرہ بہشتی کی طرف جائے وہاں سے سری گوبند پور سے ہوتی ہوئی بیاس تک پہنچائی جائے۔ ہماری طرف سے حکام کو بتایا گیا کہ بٹالہ کے جنوب کی اراضیات زیادہ زرخیز اور قیمتی ہیں اور شمالی جانب کی اراضیات کم

قیمت کی ہیں - چنانچہ ریلوے نے ہماری یہ تجویز مان لی - اور سروے شروع ہو گیا - ریلوے نے اس ٹکڑہ پر ریلوے لائن بچھانے کے لئے ایک یورپین افسر مقرر کیا تھا جو بہت ہوشیار نوجوان تھا - سروے کرنے والا سارا عملہ مسلمان تھا اور اس عملہ کے افسر معراج دین صاحب اوورسیر تھے - میری یہ ڈیوٹی تھی کہ میں اس عملہ کے ساتھ دن رات رہوں اور جماعتی مفاد کے مطابق اوورسیر معراج دین صاحب کو بتاؤں کہ ریلوے لائن بٹالہ کے شمال سے ہوتی ہوئی اس اس طریق سے آئے - چنانچہ جب سروے لائن نہر تتلے والی کے قریب پہنچ گئی تو مخالف عنصر نے جس میں قادیان کے مسلمان اور سکھ وغیرہ بھی شامل تھے پھر زور لگایا کہ ریلوے لائن قادیان کی جنوبی جانب سے پہنچے اس مرحلہ پر یورپین افسر نے حکم دیا کہ سروے کر کے معلوم کیا جائے کہ شمالی اور جنوبی جانب سے خرچ میں کس قدر تفاوت ہو گا - بظاہر حالات شمالی جانب خرچ قریباً لاکھ ڈیڑھ لاکھ زیادہ تھا - مگر ریلوے اوورسیر نے جب شمالی اور جنوبی جانب کا خرچ پیش کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں میں فرق خفیف سا ہے (جس کی ایک وجہ غالباً یہ تھی کہ قادیان کی جنوبی جانب پست تھی اور سیلاب کا پانی وہاں جمع رہتا تھا - جس سے بچاؤ کے لئے بھرتی ڈال کر لائن بچھانے کے اخراجات بھی اس میں شامل کرنے پڑتے تھے - مولف) بنابریں یورپین افسر نے ریلوے کے افسران بالا سے بھی یہی منظوری لے لی کہ لائن قادیان کے شمال ہی کی طرف سے گذاری جائے - چنانچہ لائن قادیان کے شمالی جانب سے تعمیر کی گئی - بلکہ اسی خسرہ نمبر سے آئی اور اسی مجوزہ جگہ پر اسٹیشن بنا جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب پہلے سے تجویز فرما چکے تھے - [۲۷]

المختصر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی یہ بات پوری ہوئی کہ قادیان میں لائن نواں پنڈ اور بسراواں کی طرف سے ہو کر پہنچے گی اور اس طرح قادیان میں گاڑی کا آنا سلسلہ احمدیہ کی صداقت کا ایک چمکتا ہوا نشان بن گیا - اور قادیان کے ریلوے نظام سے وابستہ ہونے کے بعد سلسلہ کی ترقی کا میدان وسیع سے وسیع تر ہو تا گیا - فالحمد للہ علیٰ ذٰلک ۔

مسلم حکومتوں کو انتباہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۶ / نومبر ۱۹۲۸ء کو ایک اہم خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا - جس میں مسلمان حکومتوں کو ان کی دین سے بے اعتنائی پر انتباہ کیا اور بتایا کہ ترک یورپین اثر سے آزاد ہوئے تو ہر مسلمان کو اس پر خوشی تھی - مگر تھوڑے ہی دنوں بعد انہوں نے آہستہ آہستہ مذہب اور حکومت کے تعلق کو توڑنا شروع کیا - پھر عربی حروف چھوڑ کر ترکی الفاظ کو انگریزی الفاظ میں لکھنا شروع کیا - جس کا نتیجہ یہی ہو گا - کہ جس آسانی سے وہ پہلے قرآن شریف پڑھ سکتے تھے اب نہیں پڑھ سکیں گے - اور اسلام سے تعلق کم ہو تا جائے گا - ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان کی یہ حرکت محض نقل سے زیادہ کچھ نہیں اب یہ مرض دوسرے ممالک میں

بھی پھیلنا شروع ہو گیا ہے۔ افغانستان میں ہیٹ اور انگریزی لباس پہننے اور داڑھی منڈانے کا حکم دیا گیا ہے اب ایران میں بھی حکومت اس قسم کے قواعد بنا رہی ہے جس سے افسروں کے لئے انگریزی لباس پہننا ضروری ہو گا۔ اور جو نہ پہنے وہ سزا کا مستحق ہو گا۔ اسی طرح یہ سکیم بھی زیر غور ہے کہ قدیم ایرانی حروف اختیار کر لئے جائیں۔ نہ معلوم عربی نے کیا قصور کیا ہے۔ حالانکہ ان کے آباء کا سارا لٹریچر اسی زبان میں ہے قوموں کی ترقی ان کے آباء کی روایتوں پر منحصر ہوتی ہے ان کی کتابیں عربی حروف میں لکھی ہوئی ہیں اب اگر عربی حروف کو مٹا دیا گیا۔ تو آئندہ نسلیں ان کتابوں کو نہیں پڑھ سکیں گی اور اس طرح قرآن کریم سے وابستگی بھی کم ہو جائے گی۔ اس سلسلہ میں حضور نے یہ بھی فرمایا کہ:

"میں نے پہلے امور کو دیکھا تو خیال کیا کہ یہ ترکوں پر مخالفین کے حملے ہیں۔ مگر جب تصدیق ہوئی تو پھر میں سمجھا کہ شاید یہ وباء ترکوں تک ہی محدود رہے مگر اب دوسروں تک اس کے اثر کو دیکھ کر میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی رائے اس کے متعلق بیان کردوں اور جہاں جہاں تک ہماری آواز سنی جائے ہم بتادیں۔ کہ یہ راستے ترقی کے نہیں۔ ترقی کے لئے اسلام کی طرف توجہ کی ضرورت ہے اور اسلام میں جو ظاہری اتحاد ہے اسے مٹانا کسی مسلمان حکومت کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ اس وقت اسلامی حکومتوں میں سے سوائے نجد کے کہیں اسلام نظر نہیں آتا۔ میں نجدیوں کے مقابر کو گرانے یا دوسرے مظالم کو کٹر حنفیوں کی طرح ہی حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں مگر بہرحال سنت اسلام کو قائم اور برقرار رکھنے کے لئے ان کی کوشش ضرور قابل قدر ہے مخالفین ہنس رہے ہیں کہ مسلمانوں نے قرآن کے معنوں پر عمل تو پہلے ہی چھوڑ رکھا تھا اب اس کے الفاظ کو بھی چھوڑ رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے کہ وہ اپنی غلطیوں کو سمجھ سکیں اور ان کے بدنتائج سے محفوظ رہ سکیں"۔ [۲۷۵]

امرتسر قادیان ریلوے کا افتتاح اور گاڑی پر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کا مع خدام سفر

ریلوے پروگرام کے مطابق چونکہ ۱۹/ دسمبر ۱۹۲۸ء کو امرت سر سے قادیان جانے والی پہلی ریل گاڑی روانہ ہونی تھی۔ اس لئے قادیان سے بہت سے مرد عورتیں اور بچے اس تاریخ کو امرت سر پہنچ گئے۔ نیز حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنفس نفیس ۳ بجے بعد دوپہر امرت سر تشریف لے آئے۔ تا قادیان ریلوے کے افتتاح کی تقریب پر اس خدائے قدوس کے آگے دست دعا بلند کریں۔ جس نے محض اپنے فضل و کرم سے موجودہ زمانے کی اہم ایجاد کو خدام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آرام و آسائش کے لئے مرکز احمدیت تک پہنچا دیا۔

حضور کے امرت سر اسٹیشن پر تشریف لاتے ہی ہجوم بہت زیادہ ہو گیا کیونکہ قادیان کے دوستوں

کے علاوہ گوجرانوالہ' لاہور' امرت سر اور بعض دور دراز مقامات کے احباب بھی آگئے اور گاڑی روانہ ہونے سے قبل قادیان جانے والوں کی اتنی کثرت ہو گئی کہ ریلوے والوں کو پہلی تجویز کردہ گاڑیوں میں اور ڈبوں کا اضافہ کرنا پڑا۔

گاڑی کے پاس ہی اذان کہی گئی اور حضور نے ظہر و عصر کی نمازیں ایک بہت بڑے مجمع کو باجماعت پڑھائیں اس کے بعد حضور نے احباب کو شرف مصافحہ بخشا۔ پھر حضور گاڑی کے دروازہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ریل کا قادیان میں آنا مبارک کرے۔ یہ کہہ کر حضور نے مجمع سمیت چند منٹ تک نہایت توجہ اور الحاح سے دعا کرائی اور پھر سب احباب گاڑیوں میں سوار ہو گئے۔ ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب نے ریل گاڑی کے جاری ہونے سے متعلق چار صفحہ کا ایک بہت عمدہ اور موثر ٹریکٹ تیار کر کے گاڑی چلنے کے موقعہ پر تقسیم کر دیا۔ [۲۷۶] جس میں سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے اوائل زمانہ کی مشکلات کا نقشہ کھینچتے ہوئے ثابت کیا کہ ریل کا کسی حصہ ملک میں جاری ہو جانا معمولی بات ہے مگر قادیان کی ریل خاص تائید الٰہی میں سے ہے اور اس کی تقدیر خاص کے ماتحت تیار ہوئی ہے اور ان عظیم الشان نشانوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ انبیاء کی تائید کے لئے ظاہر فرماتا ہے۔ [۲۷۷]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے رونق افروز ہونے کے بعد جتنی دیر تک گاڑی اسٹیشن پر کھڑی رہی۔ مدرسہ احمدیہ کے سکاؤٹس [۲۷۸] نہایت خوش الحانی سے اردو اور پنجابی نظمیں پڑھتے رہے اور انہوں نے چند آیات و الہامات سے جو سرخ رنگ کے کپڑوں پر چسپاں تھیں گاڑی بھی خوب سجائی اور جاذب نظر بنائی تھی۔ ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

الا ان روح اللہ قریب۔ الا ان نصر اللہ قریب یاتون من کل فج عمیق۔ یاتیک من کل فج عمیق(۲) **واذا العشار عطلت واذا النفوس زوجت**(۳) دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔(۴) **اھلا و سھلا و مرحبا** (۵) خوش آمدید (۶) غلام احمد کی جے۔

(۷) یہ میرے رب سے میرے لئے اک گواہ ہے		یہ میرے صدق دعویٰ پر مہر اللہ ہے

گاڑی نے اپنے مقررہ وقت ۳ بج کر ۴۲ منٹ پر حرکت کی اور ساتھ ہی اللہ اکبر کا نہایت بلند اور پر زور نعرہ بلند ہوا جو گاڑی کے ریلوے یارڈ سے نکلنے تک برابر بلند ہوتا رہا۔ گاڑی دیکھنے کے لئے آدمیوں کے گذرنے کے پل پر بڑا ہجوم تھا۔ اللہ اکبر اور "غلام احمد کی جے" کے نعرے راستہ کے ہر

گاؤں اور اسٹیشن پر بلند ہوتے آئے اگرچہ گاڑی امرتسر ہی سے بالکل پر ہو گئی تھی اور ہر ایک درجہ میں بہت کثرت سے آدمی بیٹھے تھے۔ لیکن بٹالہ اسٹیشن پر تو ایسا اژدحام ہو گیا تھا کہ بہت لوگ گاڑی میں بیٹھ نہ سکے اور بہت سے بمشکل پائدانوں پر کھڑے ہو سکے۔ کچھ قادیان سے پہلے اسٹیشن وڈالہ گرنتھیاں پر بھی جہاں اردگرد کے بہت سے احمدی مرد و عورتیں جمع تھیں چند ہی اصحاب بدقت بیٹھ سکے۔ آخر گاڑی اپنے وقت پر ۶ بجے شام کو قادیان کے پلیٹ فارم پر پہنچی یہاں بھی قرب و جوار کے بہت سے دوستوں کا ہجوم تھا سٹیشن جھنڈیوں اور گملوں سے خوب آراستہ تھا۔ فضا بہت دیر تک اللہ اکبر اور "غلام احمد کی جے" کے پرجوش نعروں سے خوب گونجتی رہی۔ کچھ عجیب ہی شان نظر آرہی تھی۔ گذشتہ سال انہی ایام میں کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ اس مقام پر اتنی رونق اور ایسی چہل پہل ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے قلیل ہی عرصہ میں ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ بالکل نیا نقشہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔ **فالحمد للہ علیٰ ذالک۔**

اس سفر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور حضور کے اہل بیت کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلوۃ والسلام کے کئی نونہال بھی اس گاڑی میں تشریف لائے تھے۔ اور حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب، حضرت مولانا مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب، حضرت مولانا مولوی شیر علی صاحب، حضرت عرفانی کبیر شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم، حضرت مولوی میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر "فاروق" حضرت مولوی عبدالمغنی خان صاحب ناظر بیت المال، حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد اور کئی اور مقامی بزرگوں کو بھی اس گاڑی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی معیت کا شرف حاصل ہوا۔ ۲۷۹-۲۸۰

حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کا اعلان احمدیت

اس سال کے اہم واقعات میں سے حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کا اعلان احمدیت ہے۔ جیسا کہ متعدد واقعات و شواہد سے یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچتا ہے۔ ۲۸۱ حضرت صاحبزادہ صاحب کو دراصل شروع ہی سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلوۃ والسلام کے ساتھ بے حد عقیدت و شیفتگی تھی اور آپ حضرت اقدس علیہ السلام کو بے مثال عاشق رسول اللہ ﷺ سمجھتے اور آپ کے دعاوی کو برحق تسلیم کرتے تھے۔ اور آپ کی روح تحریک احمدیت کو قبول کر چکی تھی مگر آپ کو اس کے اظہار و اعلان میں بہت تامل تھا اور اس بات کا علم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو بھی تھا۔ اور حضور ہمیشہ ان کے حلقہ بگوش احمدیت ہونے

کے لئے دعائیں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ جون ۱۹۲۴ء میں حضور نے ان کے فرزند مرزا رشید احمد صاحب کا خطبہ نکاح پڑھا تو ایجاب و قبول کے بعد ارشاد فرمایا:

"ان کے خاندان میں اب ایک ہی وجود ایسا ہے جس نے ابھی تک اس ہدایت کو قبول نہیں کیا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لائے ان کے لئے بھی دعا کریں کہ خدا تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔۔۔۔۔۔۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالی ہے میں برابر ان کے لئے دعا کرتا رہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ان کو ہدایت دے میں سنتا رہتا ہوں کہ وہ احمدیت کو ہدایت کی راہ ہی خیال کرتے ہیں مگر کوئی روک ہے جس کے لئے دعا کرنی چاہئے کہ خدا تعالیٰ اس روک کو ہٹا دے۔ آمین"۔ [۲۸۲]

الحمد للہ خدا کے خلیفہ برحق کی دعا درگاہ عالی میں مقبول ہوئی اور آخر اکتوبر ۱۹۲۸ء کے پہلے ہفتہ میں حضرت مرزا سلطان احمد نے اعلان احمدیت کر دیا اور اس سلسلے میں مندرجہ ذیل بیان الفضل میں شائع کرایا۔

"تمام احباب کی اطلاع کے لئے میں یہ چند سطور شائع کرتا ہوں کہ میں حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے سب دعوؤں پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں صادق اور راستباز تھے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے جیسا کہ میرے ان مضامین سے آپ لوگوں پر ظاہر ہو چکا ہوگا۔ جو سلسلہ احمدیہ کی خدمات کے متعلق میں شائع کرتا رہا ہوں مگر اس وقت تک بوجہ بیماری اور ضعف کے میں ان مسائل کے متعلق پورا غور نہیں کر سکا۔ جن کے بارے میں قادیان اور لاہوری احمدیوں میں اختلاف ہے اور اسی وجہ سے اب تک اپنی احمدیت کا اعلان نہیں کر سکا۔ مگر اب میں نے سوچا ہے کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے میں اس امر کا سردست اعلان کر دوں کہ میں دل سے احمدی ہوں جب مجھے اللہ توفیق دے گا تو میں اختلافی مسائل پر غور کر کے اس امر کا بھی فیصلہ کر سکوں گا۔ کہ میں دونوں جماعتوں میں سے کس کو حق پر سمجھتا ہوں۔ پس سردست اپنے احمدی ہونے کا اعلان ان چند سطور کے ذریعہ سے کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے دوسرے سوال کے متعلق بھی اپنے پاس سے ہدایت فرمائے اور وہ راہ دکھائے جو اس کے نزدیک درست ہو۔ آمین۔

(خان بہادر) مرزا سلطان احمد (خلف اکبر حضرت مسیح موعود علیہ السلام) [۲۸۳]

اس اعلان کے علاوہ آپ نے ایک ٹریکٹ "الصلح خیر" نامی شائع کیا جس میں تحریر فرمایا:

"میری عقیدت حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ نہ صرف اس وقت سے ہے جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیحیت کا دعویٰ کیا بلکہ ان ایام سے میں عقیدت رکھتا ہوں کہ جبکہ میری عمر بارہ تیرہ برس کی تھی۔ میں تصدیق کرتا ہوں اور صدق دل سے مانتا ہوں کہ میرے والد صاحب مرحوم کی

ہستی ایسی عظیم الشان تھی جو اسلام کے واسطے ایک قدرتی انعام تھا......میں اپنے والد صاحب مرحوم مرزا غلام احمد صاحب کو ایک سچا انسان اور پکا مسلمان الموسوم مسیح موعود علیہ السلام سمجھتا ہوں۔ اور ان کی حقانیت پر ایمان رکھتا ہوں اور میں اپنے آپ کو اس رنگ میں ایک احمدی سمجھتا ہوں۔ آپ مجھ سے پوچھیں گے کہ کیوں حضرت مولوی نور الدین صاحب یا میاں محمود احمد صاحب یا مولوی محمد علی صاحب کی بیعت نہیں کی۔ اس کا جواب یہ ہے میں نے کبھی اپنی زندگی میں باوجود اس کے کہ میرے والد صاحب مرحوم میری بعض کمزوریوں کی وجہ سے میرے فائدہ کے لئے مجھ پر ناراض بھی تھے۔ اور میں اب صدق دل سے یہ اعتراف بھی کرتا ہوں کہ ان کی ناراضگی واجبی اور حق تھی۔ باوجود ان کی ناراضگی کے بھی میں نے کبھی اخیر تک بھی ان کے دعاوی اور ان کی صداقت اور سچائی کی نسبت کبھی کوئی مخالفانہ حصہ نہیں لیا۔ جس کو میرے احمدی اور غیر احمدی دوست بخوبی جانتے ہیں جو قریباً ۳۰ سال سے میرے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اس سے زیادہ اور کیا میری صداقت ہوگی اور بایں حالات کون کہہ سکتا ہے کہ میں ان کا مخالف یا ان کے دعاوی کا منکر ہوں۔ جب یہ حالت ہے تو مجھے کوئی یہ الزام نہیں دے سکتا کہ میں ان کا منکر تھا یا ہوں.......

بیعت کیا چیز ہے ایک یقین اور صداقت کے ساتھ ایک مقدس انسان کے ہاتھ میں ہاتھ دینا اور اس کے ساتھ ہی صدق دل سے خدا کو اس امر پر شاہد کرنا۔ پس میں اب تک اپنے والد صاحب مرحوم کو سچا مسیح موعود مانتا ہوں اور میرا خدا اس پر شاہد ہے میں اعلان اور اظہار کو بیعت یقین کرتا ہوں"۔ ۲۸۴، ۲۸۵

قبول احمدیت کا اعلان کر دینے کے بعد بیعت خلافت کا جو نازک ترین مرحلہ باقی تھا وہ بفضلہ تعالیٰ ۲۵/ دسمبر ۱۹۳۰ء کو بخیر و خوبی طے ہوا۔ جیسا کہ آگے بالتفصیل ذکر آئے گا۔

سالانہ جلسہ ۱۹۲۸ء

سالانہ جلسہ ۱۹۲۸ء ۲۶/ دسمبر سے شروع ہو کر ۲۸/ دسمبر ۱۹۲۸ء کو بخیر و خوبی ختم ہوا۔ ریل کے جاری ہونے کی وجہ سے اس سال مہمانوں کی تعداد میں پہلے کی نسبت غیر معمولی اضافہ ہوا۔ مہمانوں کی ایک خاصی تعداد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں ۱۹/ دسمبر کو جبکہ پہلی گاڑی قادیان پہنچی مرکز میں آگئے اور ۲۳/ دسمبر کے بعد قادیان آنے والوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ محکمہ ریلوے کو معمول کے مطابق گاڑیوں کے علاوہ ایک اسپیشل ٹرین روزانہ چلانا پڑی جو ۲۸/ دسمبر تک جاری رہی۔

اس دفعہ نہ صرف بہت سی عورتیں بچے اور بہت سے ضعیف اور کمزور لوگ شامل جلسہ ہوئے جو پہلے نہ آسکے تھے۔ بلکہ بہت سے غیر مبائع، غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب بھی دور دراز مقامات سے تشریف لائے۔ ضعیف العمر لوگوں میں سے چنگا بنگیال ضلع جہلم کی ایک خاتون بھی تھیں جن کی عمر سو

سال سے زیادہ تھی۔ اور جو اپنی وضع کی اتنی پابند تھیں کہ انہوں نے اپنے گھر کے سوا کبھی کسی دوسری جگہ رات بسر نہیں کی تھی اور پہلی بار ہی ریل گاڑی دیکھی تھی۔ جس میں وہ قادیان آئی تھیں۔ پنجاب کے تمام اضلاع اور ہندوستان کے مختلف حصوں کے علاوہ مالابار' کابل اور ماریشس سے بھی کچھ احباب تشریف لائے تھے۔ غیر احمدی اصحاب جن میں بڑے بڑے سرکاری عہدیدار مجسٹریٹ' وکلاء' بیرسٹرز' رؤساء علی گڑھ اور اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر شامل تھے۔ بڑی کثیر تعداد میں آئے۔ مثلاً شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی پانی پتی کے فرزند ارجمند خواجہ سجاد حسین صاحب بی۔ اے اور خان بہادر چوہدری (نواب) محمد دین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر' غیر مسلموں میں بنارس یونیورسٹی کے ایک پروفیسر لکھ راج قابل ذکر تھے۔ ۲۸۶

جلسہ کے منتظم اعلیٰ اور ناظر ضیافت حضرت میر محمد اسحاق صاحب تھے۔ آپ کے زیر انتظام اندرون قصبہ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب اور بیرون قصبہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب انچارج تھے۔ اور حسب معمول ہر اہم صیغہ کے علیحدہ علیحدہ انچارج اور ان کے مددگار مقرر تھے۔ جلسہ پر قریباً تین سو مردوں نے بیعت کی۔ بیعت ہونے والی مستورات کی تعداد مزید بر آں تھی۔ ۲۸۷

"فضائل القرآن" پر سلسلہ تقاریر کا آغاز

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کا ابتداء خلافت سے یہ دستور رہا ہے کہ حضور سالانہ جلسہ کے موقعہ پر ہمیشہ ایک خالص علمی موضوع پر تقریر فرمایا کرتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۲۸ء کے جلسہ پر حضور نے "فضائل القرآن" کے عنوان پر ایک اہم سلسلہ تقاریر کا آغاز فرمایا۔ جو (۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۵ء کو مستثنیٰ کر کے) ۱۹۳۶ء کے جلسہ تک جاری رہا۔ حضور کا منشاء مبارک دراصل یہ تھا کہ قرآن کریم کی فضیلت سے متعلق سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے براہین احمدیہ میں جو تین سو دلائل لکھنے کا وعدہ فرمایا تھا وہ اگرچہ حضور ہی کی دوسری تصنیفات میں پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔ مگر وہ ظاہری طور پر بھی پورا کر دیا جائے۔ ۲۸۸ مگر مشیت ایزدی کے مطابق صرف چھ لیکچر ہو سکے۔ ۲۸۹

"فضائل القرآن" کے لیکچروں کے اس بیش بہا مجموعہ میں جو ۴۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ حضور نے قرآن مجید کے دوسرے مذاہب کی الہامی کتابوں پر فضیلت کے متعدد دلائل دیئے ہیں اور قرآن مجید کے بہت سے مشکل مقامات کو نہایت خوبی و نفاست سے حل کیا ہے اور مستشرقین کے اعتراضات کا ایسے موثر رنگ میں جواب دیا ہے کہ انسان عش عش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس سلسلہ کی چھٹی تقریر حضور کے ایک ایسے چیلنج پر ختم ہوتی ہے جس کو قبول کرنے کی جرأت

آج تک کسی غیر مسلم مفکر کو نہیں ہوئی۔ یہ چیلنج ان الفاظ میں تھا:

"قرآن کریم کو وہ عظمت حاصل ہے جو دنیا کی کسی اور کتاب کو حاصل نہیں اور اگر کسی کا یہ دعویٰ ہو کہ اس کی مذہبی کتاب بھی اس فضیلت کی حامل ہے تو میں چیلنج دیتا ہوں کہ وہ میرے سامنے آئے۔ اگر کوئی وید کا پیرو ہے تو وہ میرے سامنے آئے۔ اگر کوئی توریت کا پیرو ہے تو وہ میرے سامنے آئے اگر کوئی انجیل کا پیرو ہے تو میرے سامنے آئے اور قرآن کریم کا کوئی استعارہ میرے سامنے رکھ دے جس کو میں استعارہ سمجھوں پھر میں اس کا حل قرآن کریم سے ہی پیش نہ کردوں تو وہ بے شک مجھے اس دعویٰ میں جھوٹا سمجھے لیکن اگر پیش کردوں تو اسے ماننا پڑے گا کہ واقعہ میں قرآن کریم کے سوا دنیا کی اور کوئی کتاب اس خصوصیت کی حامل نہیں"۔ [۲۴۰]

۱۹۲۸ء میں رحلت پانے والے بزرگ

سلسلہ احمدیہ کے قدیم بزرگ اب بڑی تیزی سے رخصت ہوتے جا رہے تھے۔ چنانچہ اس سال مندرجہ ذیل بزرگوں کا انتقال ہوا۔

(۱) حضرت صوفی مولا بخش صاحب (تاریخ وفات ۱۴/ فروری ۱۹۲۸ء) [۲۴۱] (۲) حضرت شہزادہ عبدالمجید صاحب لدھیانوی مبلغ ایران (تاریخ وفات ۲۳/ فروری ۱۹۲۸ء) [۲۴۲] (۳) حضرت شیخ نور احمد صاحب مالک مطبع ریاض ہند امرت سر (تاریخ وفات ۸/ جون ۱۹۲۸ء) [۲۴۳] (۴) حضرت میاں سراج الدین صاحب (تاریخ وفات ۲۷/ جولائی ۱۹۲۸ء) [۲۴۴] (۵) حضرت ڈاکٹر کرم الٰہی صاحبؓ امرت سری (تاریخ وفات ۱۰/ اگست ۱۹۲۸ء) [۲۴۵] (۶) حضرت حافظ نور احمد صاحب لدھیانوی (تاریخ وفات ۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۸ء) [۲۴۶]

ان صحابہ کے علاوہ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحبؓ کے ماموں حضرت سیٹھ الہ دین بھائی ابراہیم صاحب سکندر آباد دکن بھی (پچاس سال کی عمر میں) بتاریخ ۲۰/ فروری ۱۹۲۸ء وفات پا گئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "احمدیہ جماعتیں ان کا جنازہ پڑھیں اور دعاء مغفرت کریں"۔ [۲۴۷، ۲۴۸]

بیرون ملک بھی بعض ممتاز احمدیوں کا انتقال ہوا۔ مثلاً نائجیریا میں سلسلہ احمدیہ کے ایک قدیم فدائی امام محمد بیضا ڈوبری چیف امام شہر لیگوس قریباً ستر برس کی عمر میں وفات پا گئے۔ [۲۴۹] آپ ۶/ جون ۱۹۲۱ء کو اپنے چالیس ساتھیوں سمیت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر کے ذریعہ بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے تھے۔ بیعت کے بعد ان پر بہت ابتلاء آئے گالیاں دی گئیں مقدمات کئے گئے مگر ان کے استقلال میں ذرا فرق نہ آیا۔ [۲۵۰]

فصل ہفتم

۱۹۲۸ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندان مسیح موعودؑ میں ترقی

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ہاں (۱۸/ دسمبر ۱۹۲۸ء کو) مرزا طاہر احمد صاحب [۲۰۱] اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے ہاں (۱۷/ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو) امتہ الباری صاحبہ کی ولادت ہوئی۔ [۲۰۲]

امتحان میں نمایاں کامیابی

حضرت سارہ بیگم صاحبہ نے پنجاب یونیورسٹی سے ادیب کا امتحان پاس کیا۔ آپ صوبہ بھر کی خواتین میں اول آئیں اور یونیورسٹی میں چوتھی پوزیشن حاصل کی۔ [۲۰۳] اس کامیابی میں موصوفہ کی محنت اور کوشش کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تعلیم خواتین میں دلچسپی کا بھی دخل تھا۔ حضور کے پیش نظر خواتین کی تعلیم کے انتظام کو زیادہ بہتر بنانے کی جو تجاویز تھیں ان کو کامیاب بنانے کے لئے حضور کی نظر انتخاب حضرت امتہ الحیٔ صاحبہ کے بعد حضرت سارہ بیگم صاحبہ پر ہی تھی۔ آپ کے علاوہ حضرت ام داؤد صالحہ بی صاحبہ (اہلیہ محترمہ حضرت میر محمد اسحاق صاحب) پنجاب یونیورسٹی کے امتحان مولوی میں اول رہیں۔ [۲۰۴]

امتحان کتب مسیح موعودؑ میں انعام

مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء کے موقعہ پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنے دست مبارک سے ملک عزیز احمد صاحب راولپنڈی کو امتحان کتب حضرت مسیح موعودؑ میں اول آنے پر "حقیقتہ الوحی" بطور انعام مرحمت فرمائی۔ [۲۰۵]

تحریک وقف زندگی

سلسلہ کی تبلیغی جدوجہد کو وسیع سے وسیع تر کرنے کے لئے حضور نے دسمبر ۱۹۱۷ء [۲۰۶] میں پہلی بار وقف زندگی کی تحریک فرمائی تھی۔ اور اس سال آپ نے ۴/ مئی ۱۹۲۸ء کو جماعت کے نوجوانوں سے دوسری بار وقف زندگی کا مطالبہ فرمایا۔ [۲۰۷] جس پر مدرسہ احمدیہ کے بیس سے زیادہ طالب علموں نے لبیک کہا۔ [۲۰۸]

حج بیت اللہ کی طرف جماعت احمدیہ کی خاص توجہ

اس زمانہ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جماعت احمدیہ کی توجہ فریضہ حج کی طرف بڑھ گئی۔ چنانچہ ۱۹۲۷ء میں پچاس ساٹھ کے قریب احمدی حج بیت اللہ سے شرف ہوئے۔ [۲۰۹] اور ۱۹۲۸ء میں بھی یہ رجحان ترقی پذیر رہا۔ [۲۱۰]

کتابوں کی اشاعت کے متعلق اہم فیصلہ

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی منظوری سے مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ قادیان نے یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ سلسلہ کی طرف سے کوئی کتاب ٹریکٹ یا رسالہ وغیرہ نظارت تالیف و تصنیف کی منظوری کے بغیر نہ چھپ سکتی ہے نہ شائع ہو سکتی ہے۔ ۲۸/ اگست ۱۹۲۸ء کو اس فیصلہ کا الفضل میں باضابطہ اعلان کر دیا گیا [۲۱۱] مسودات کی نگرانی کا کام شروع شروع میں زیادہ تر مولوی فضل الدین صاحب پلیڈر کرتے تھے جو ان دنوں نظارت تالیف و تصنیف کی مرکزی لائبریری کے نگران اور نظارت امور عامہ کے قانونی مشیر تھے۔ [۲۱۲]

اخبار "لائٹ" کا مقدمہ اور اس کی پیروی

مولوی محمد یعقوب خاں صاحب ایڈیٹر اخبار "لائٹ" لاہور نے اخبار الفضل کے ایڈیٹر (خواجہ غلام نبی صاحب) اور پرنٹر (حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی) پر ازالہ حیثیت کا مقدمہ دائر کیا۔ [۲۱۳] اس مقدمہ کی پیروی میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے خاص توجہ فرمائی۔ مولوی فضل الدین صاحب وکیل اس کے انتظام اور ضروری تیاری میں مصروف رہے۔ [۲۱۴]

دستکاری کی نمائش اور انعام

لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کی زیر نگرانی ۱۹۲۷ء سے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر دستکاری کی نمائش کا انتظام جاری تھا جس میں اصل لاگت لجنات کو واپس کر دی جاتی تھی اور منافع اشاعت اسلام میں جمع کر دیا جاتا تھا۔ دستکاری کے کام کو زیادہ کامیاب بنانے کے لئے ۱۹۲۸ء میں ایک انعامی تمغہ کا اعلان کیا گیا۔ جو اہلیہ صاحبہ ماسٹر محمد حسن صاحب آسان دہلوی کو ملا۔ [۲۱۵]

خطبات نکاح

سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مندرجہ ذیل اصحاب کے نکاح کا اعلان کرتے ہوئے پر معارف خطبات نکاح ارشاد فرمائے:

(۱) چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے (مورخہ ۲/ جنوری ۱۹۲۸ء) [۲۱۶] (۲) صوفی غلام محمد صاحب بی۔ اے مبلغ ماریشس (مورخہ ۱۴/ مارچ ۱۹۲۸ء) [۲۱۷] (۳) صاحبزادہ عبدالسلام صاحب عمر خلف سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الاول رضی اللہ عنہ (مورخہ ۱۴/ اگست ۱۹۲۸ء) [۲۱۸]

سیدنا حضرت فضل عمر کو اللہ تعالیٰ نے وہ علوم و معارف عطا فرمائے کہ ایک بار حضور نے فرمایا۔
"میں نے دیکھا ہے جب میں خطبہ نکاح کے لئے کھڑا ہوا ہوں نئے سے نیا نکتہ سوجھا ہے اگر کوئی غور کرنے والا ہو تو یہی معجزہ اسلام کی سچائی کے لئے زبردست ثبوت ہے تین آیتیں رسول کریم ﷺ نے تجویز فرمائیں۔ اور ان تینوں آیتوں کی تفسیر ختم نہیں ہو سکتی"۔ [۳۱۹] ملک فضل حسین صاحب نے حضور کے خطبات النکاح کی دو جلدیں عرصہ ہوا شائع کر دی ہیں جن کو دیکھ کر اس علمی نشان کا پتہ چلتا ہے جن کے متعلق حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی ولادت سے قبل ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے وعدہ تھا کہ وہ علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا۔

بیرونی مشنوں کے بعض واقعات

نائیجیریا - لیگوس میں مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کی شاندار عمارت مکمل ہوئی اور اس کا افتتاح ۱۰/ جنوری ۱۹۲۸ء کو یورپین اور افریقن آبادی کے بہترین نمائندوں کی موجودگی میں بڑی شان کے ساتھ ہوا۔ تقریر کرنے والوں میں مسٹر گرائرایم۔ اے ڈائریکٹر محکمہ تعلیم اور مسٹر ہنری کار ایم۔ اے۔ بی۔ سی۔ ایل ریذیڈنٹ لیگوس تھے ان کے علاوہ یورپین مسیحی مشنری اور مدارس کے پرنسپل بھی موجود تھے۔ تمام مقررین نے نہایت عزت کے الفاظ میں سلسلہ عالیہ احمدیہ اور مبلغ سلسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب نیر کا ذکر کیا۔ مسٹر ہنری کار نے لیگوس میں اشاعت اسلام اور مسلمانوں کی تعلیمی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ باقاعدہ طور پر تعلیم کے لئے کچھ بھی نہیں ہو سکا۔ جب تک کہ احمدی جماعت نے مولوی عبدالرحیم صاحب نیر کے زیر ہدایت اپنا مدرسہ لیگوس میں نہیں کھولا۔ [۳۲۰]

گولڈ کوسٹ - اپریل ۱۹۲۸ء میں گولڈ کوسٹ مشن کے شہر کالی میں حکیم فضل الرحمٰن صاحب اور غیر احمدی علماء میں مناظرہ ہوا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے احمدیت کو نمایاں فتح دی۔ اس مناظرہ کی خصوصیت یہ تھی کہ حکومت کے اعلیٰ افسر حتیٰ کہ پراونشل کمشنر بھی اس میں موجود تھے۔ [۳۲۱]

مشرقی افریقہ - ملک محمد حسین صاحب بیرسٹر و ممبر میونسپل کونسل نیروبی کی کونسل سے مسجد احمدیہ نیروبی کی تعمیر کے لئے میونسپل کارپوریشن کی طرف سے تین چار ایکڑ کا ایک باموقعہ قطعہ مفت ملا۔ جس پر جماعت احمدیہ نیروبی نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مندرجہ ذیل احباب پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کر دی۔ ملک احمد حسین صاحب چیئرمین مسجد کمیٹی عبدالحکیم صاحب جان سیکرٹری سیٹھ محمد عثمان یعقوب صاحب' ڈاکٹر عمر دین صاحب' سید معراج دین صاحب۔ [۳۲۲]

سماٹرا - جماعت احمدیہ پاڈانگ سماٹرا نے مارچ ۱۹۲۸ء سے تبلیغی ٹریکٹوں کا ایک سلسلہ شروع کیا جو

مفت تقسیم ہوتے تھے اور تاپاتوان میں بھی بھیجے جاتے تھے۔ [۲۲۳]

شام و فلسطین۔ شامی علماء و مشائخ کا ایک وفد شام کی فرانسیسی حکومت کے رئیس الوزراء شیخ تاج الدین صاحب کے پاس پہنچا کہ احمدی مبلغ کو دمشق سے نکال دینا چاہئے۔ چنانچہ فرانسیسی حکومت نے بتاریخ ۹ / مارچ ۱۹۲۸ء علامہ جلال الدین صاحب شمس کو ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر شام سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ جس پر آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں تار بھیجا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ حضور نے جواباً ارشاد فرمایا۔ کہ حیفا چلے جائیں۔ اس ارشاد عالی کی تعمیل میں آپ نے بتاریخ ۱۵ / مارچ ۱۹۲۸ء السید منیر الحصنی صاحب کو دمشق میں اپنا قائم مقام بنایا اور ۱۷ / مارچ کو حیفا تشریف لے گئے۔ اور فلسطین مشن کی بنیاد رکھی۔ [۲۲۴] مولانا شمس صاحب ۳ / جون ۱۹۲۸ء کو فلسطین کی وادی السیاح میں تشریف لے گئے۔ اتفاقاً شیخ محمد المغربی الطرابلسی سے ملاقات ہو گئی معلوم ہوا کہ یہ بزرگ در پردہ ۲۳ سال سے حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کر چکے ہیں۔ اس ملاقات کے بعد آپ اپنے شاگردوں سمیت علانیہ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ [۲۲۵]

آسٹریلیا۔ آسٹریلیا میں ۲۸ / دسمبر ۱۹۲۸ء کو جماعت احمدیہ کا پہلا جلسہ منعقد ہوا جس میں احمدیوں کے علاوہ دوسرے مسلمان بھی شامل ہوئے۔ صوفی محمد حسن موسیٰ خاں صاحب آنریری مبلغ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دعاوی اور سلسلہ کے حالات سنائے جس کا خدا کے فضل سے اچھا اثر ہوا۔ یہ جلسہ احمدیت کے لئے آسٹریلیا میں آئندہ جلسوں کے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا تھا۔ [۲۲۶]

مبلغین احمدیت کی ممالک غیر کو روانگی اور واپسی

۱۔ خان صاحب فرزند علی خاں صاحب (۲۲- اپریل ۱۹۲۸ء کو) [۲۲۷] اور صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز (۳/ اگست ۱۹۲۸ء کو) [۲۲۸] انگلستان میں اور صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی (۲۱ مئی ۱۹۲۸ء) [۲۲۹] کو امریکہ میں تبلیغ اسلام کے لئے قادیان سے روانہ ہوئے۔

۲۔ ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے اور مولوی عبدالرحیم صاحب درد انگلستان میں کئی سال تک تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دینے کے بعد بالترتیب ۸ / جولائی ۱۹۲۸ء اور ۲۲ / اکتوبر ۱۹۲۸ء کو واپس تشریف لے آئے۔ [۲۳۰] ان مبلغین نے واپسی پر سمرنا، قسطنطنیہ، دمشق، بغداد میں بھی پیغام حق پہنچایا۔ [۲۳۱] حضرت خلیفۃ المسیح الثانی درد صاحب کے استقبال کے لئے دوسرے احباب قادیان کے ساتھ پا پیادہ شہر سے قریباً اڑھائی تین میل باہر بٹالہ کی سڑک کے موڑ پر تشریف لے گئے۔ اور معانقہ کیا۔ [۲۳۲]

مصنفین سلسلہ کی نئی مطبوعات

سیرت مسیح موعودؑ حصہ سوم [۲۲۳] (از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی) رسالہ "درود شریف" (از حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب حلال پوری) "نور ہدایت (از سید عبدالمجید صاحب منصوری) "احسانات مسیح موعود" (لیکچر مولوی حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری) "اصل طبی بیاض حصہ اول (حکیم الامت حضرت مولانا حافظ حکیم نور الدین خلیفۃ المسیح الاول کی طبی بیاض جسے زیادہ عام فہم اور مفید بنانے کے لئے حضرت مولانا حکیم عبید اللہ صاحب بسمل کی خدمات حاصل کی گئیں اور جسے صاحبزادہ عبدالسلام صاحب عمر نے شائع کیا۔ [۲۲۴] "بخار دل" (حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیلؓ کی عارفانہ نظموں کا مجموعہ جو شیخ محمد اسماعیل صاحب مینجر حالی بک ڈپو پانی پت نے شائع کیا)

"برگزیدہ رسول غیروں میں مقبول" [۲۲۵] (از ملک فضل حسین صاحب) "نیر صداقت" [۲۲۶] (از ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ) "قول سدید" (ختم نبوت سے متعلق ایک رسالہ جو ڈاکٹر سید شفیع احمد صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی۔ محقق دہلوی نے شائع کیا۔ اور جس کی خریداری کی خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے سفارش فرمائی۔ [۲۲۷]

اندرون ملک کے مشہور مباحثے

مباحثہ گجرات۔ (یہ مباحثہ مولانا ابو العطاء صاحب فاضل جالندھری اور ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتی کا پادری عبدالحق صاحب سے چار دن تک ہوتا رہا تھا۔ موضوع بحث یہ تھے۔ باطل مذہب، کلام الٰہی، تحریف بائبل۔ مسیح کی آمد ثانی) [۲۲۸]

مباحثہ رائے کوٹ۔ (مابین مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی و پادری عبدالحق صاحب) [۲۲۹]

مباحثہ دینا نگر۔ (ضلع گورداسپور) (مابین مولانا ابو العطاء صاحب فاضل و پنڈت دھرم بھکشو) [۲۳۰]

مباحثہ دہلی۔ یہ مباحثہ ماسٹر محمد حسن صاحب آسان نے آریہ سماج کے سالانہ جلسہ کے موقع پر آریہ مناظر پنڈت جگد میا پرشاد لکھنوی سے نجات کے موضوع پر کیا۔ [۲۳۱]

مباحثہ گھرینڈا متصل بھڈیار ضلع امرت سر۔ اس مباحثہ کے مناظر مولوی قمر الدین صاحب مولوی فاضل اور امرت سر کے ایک غیر احمدی عالم صاحب تھے۔ [۲۳۲]

مباحثہ شیخوپورہ۔ (مولوی محمد یار صاحب عارف اور اہلحدیث مولوی نور حسین صاحب گرجاکھی کے درمیان) [۲۳۳]

مباحثہ ڈچکوٹ ضلع لائلپور۔ (مابین حضرت مولوی میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر فاروق اور ستیہ دیو اپدیشک آریہ پرتی ندھا سبھا) [۳۴۴]

مباحثہ ہریال تحصیل شکر گڑھ۔ یہ مباحثہ دو مضمونوں پر تھا پہلا مضمون "کیا وید الہامی کتاب ہے" اور دوسرا مضمون "کیا قرآن مجید الہامی کتاب ہے"۔ تھا پہلے مضمون میں مہاشہ محمد عمر صاحب اور دوسرے میں ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم مناظر تھے۔ آریہ سماج کی طرف سے پنڈت ستیہ دیو آریہ سماجی پیش ہوئے۔ [۳۴۵]

مباحثہ مومیونوال ضلع جالندھر۔ مولوی محمد یار صاحب عارف نے ختم نبوت کے موضوع پر مباحثہ کیا۔ [۳۴۶]

مباحثہ پاک پٹن۔ (احمدی مناظر غلام احمد خاں ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ پاک پٹن اور غیر احمدی مناظر حکیم عبد العزیز صاحب تھے اور مسئلہ زیر بحث حیات و وفات مسیح ناصری علیہ السلام) [۳۴۷]

مباحثہ لائل پور۔ (مابین مولانا ابو العطاء صاحب فاضل و پنڈت کالی چرن صاحب و مہاشہ چرنجی لال صاحب پریم) [۳۴۸]

مباحثہ امرال ضلع سیالکوٹ۔ (مابین مولوی ظہور حسین صاحب و مولوی محمد شفیع صاحب موضوع بحث وفات مسیح اور صداقت مسیح موعودؑ تھے)۔ [۳۴۹]

مباحثہ امرت سر۔ اس مباحثہ کے دو موضوع تھے۔ "کیا وید ایشور کا گیان ہے"۔ دوسرا "کیا قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے"۔ پہلے میں مولوی مہاشہ محمد عمر صاحب اور پنڈت دھرم بھکشو مناظر تھے۔ دوسرے میں مولوی علی محمد صاحب اجمیری اور پنڈت دھرم بھکشو صاحب۔ [۳۵۰]

مباحثہ ماڑی بچیاں ضلع گورداسپور۔ (مولانا ابو العطاء صاحب فاضل اور مولوی محمد امین صاحب واعظ کے درمیان ہوا۔ موضوع بحث یہ تھا۔ "کیا حضرت مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ کو یوسف نجار کا بیٹا قرار دیا ہے)۔ [۳۵۱]

مباحثہ گوجرانوالہ۔ (مابین مولانا ابو العطاء صاحب فاضل اور مولوی نور حسین صاحب اہلحدیث گرجاکھی زیر صدارت حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ) [۳۵۲]

مباحثہ پٹھانکوٹ۔ اس مباحثہ کا موضوع صداقت مسیح موعودؑ تھا جو ۲۴۔۲۵ نومبر ۱۹۲۸ء کو چار اجلاسوں میں تھا۔ پہلے اجلاس میں مولانا غلام رسول صاحب راجیکی اور مولوی کرم دین صاحب ساکن بھیں مناظر تھے۔ دوسرے اجلاس میں مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری اور حافظ محمد شفیع صاحب

تیسرے اور چوتھے اجلاس میں بھی مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری مناظر رہے۔ مگر غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی ثناء اللہ صاحب امرت سری پھر مولوی کرم دین صاحب ساکن بھیں پیش ہوئے تھے۔ [۳۵۳]

مباحثہ گجرات۔ (ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم اور آریہ سماجی مناظر پنڈت کالی چرن صاحب کے درمیان۔ [۳۵۴]

حواشی (پہلا باب)

۱- اس سلسلہ میں ابتدائی تعارف کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۶۲۵-۶۲۶

۲- تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۶۳۰

۳- الفضل ۳۱/ جنوری ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۱-۲

۴- تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۶۲۵-۶۲۶

۵- اسی بناء پر سیاسی لیڈروں نے یہاں تک کہا کہ کمیشن میں کسی ہندوستانی کو شامل نہ کر کے ہندوستانیوں کی ہتک کی گئی ہے حالانکہ جب کمیشن صرف برطانوی حکومت کی پارلیمنٹ کے ممبروں پر مشتمل تھا تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ برطانیہ نے اپنے ارکان کا نام اس سے الگ کر کے اپنے ارکان کی توہین کا ارتکاب کیا ہے۔

۶- پنجاب کے کانگرسی لیڈر لالہ لاجپت رائے نے مرکزی اسمبلی میں ان دنوں بائیکاٹ کی تائید میں ایک ہنگامہ خیز تقریر کی جس سے ہندو قوم کی سیاست کا تجزیہ کرنے میں آسانی ہو گی۔ انہوں نے ایک طرف تو کہا کہ "ہندوستان کے مسائل اتنے وسیع اور پیچیدہ ہیں کہ اگر دیوتا لوگ بھی سورگ (بہشت) سے اتر کر یہاں آئیں تو وہ انہیں سمجھ نہیں سکیں گے۔" دوسری طرف کہا "اگر انگریز ہندوستان سے چلے جائیں تو میرے خیال میں موجودہ قانون سے زیادہ انارکی و فساد۔ خرابی پیدا نہیں ہو گی"۔ تیسری طرف کہا "میں اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کا سوال ایسا نہیں کہ جس کا فیصلہ ایک کمیشن کر سکتا ہے بلکہ اس کا فیصلہ گفتگوئے مصالحت اور سمجھوتہ سے ہو سکتا ہے"۔ (اہلحدیث ۲۴/ جنوری ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۳) اس رویہ کا اس کے سوا کیا مقصد ہو سکتا تھا کہ انگریز اس ملک کی باگ ڈور ہندو اکثریت کو دے کر رخصت ہو جائیں۔ اور اگر وہ ان مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں تو کانگریس سے مصالحت اور سمجھوتہ کر کے حل کر سکتے ہیں اسے کمیشن کے ذریعہ ہندوستان کی تمام جماعتوں اور افراد سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔

۷- یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ جماعت احمدیہ نے متحدہ ہندوستان میں ہمیشہ ہی مخلوط انتخاب کی مخالفت کی ہے۔ اور جداگانہ انتخاب کو مسلمانوں کی قومی زندگی کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ چنانچہ بمبئی کے اخبار "خلافت" نے اسے ایک کارنامہ قرار دیتے ہوئے لکھا تھا کہ "قادیانیوں کو خواہ کافر کہا جائے خواہ مرتد اور سچی بات یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو ان سے اصولی اختلافات بھی ہیں لیکن ان کو اس بات کا کریڈٹ ملنا چاہئے کہ ان عام اور مشہور اختلافات کے باوجود انہوں نے یہ کبھی نہیں کیا کہ تخصیص نشست چاہی ہو یا مشترک انتخاب کا مطالبہ کیا ہو۔ حالانکہ اگر وہ چاہتے تو اپنے سرکاری اثر و نفوذ کے سبب ایسا کر سکتے تھے۔ ان کا یہ کارنامہ تاریخ اپنے اندر محفوظ رکھے گی۔ اور انہیں ہمیشہ اچھے الفاظ میں یاد کرے گی"۔ (اہلحدیث ۲۹/ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۵)

۸- "مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت" الفضل ۱۶/ دسمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۸۔

۹- رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء میں صیغہ ترقی اسلام کی رپورٹ میں اس کی تفصیلات بایں الفاظ ملتی ہیں "مجھے اس ٹریکٹ کا ذکر خاص طور پر کر دینا چاہئے جو سائمن کمیشن کے ورود ہندوستان سے قبل مسلمانان ہند کے مفاد کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے لکھا۔ اور صیغہ ترقی اسلام نے پندرہ ہزار کی تعداد میں اردو میں ہندوستان کے تمام حصوں میں بکثرت شائع کیا۔ اور علاوہ ازیں دو ہزار کی تعداد میں یہی مضمون چھپوا کر وائسرائے' تمام صوبوں کے گورنروں' چیف کمشنروں' اور ڈپٹی کمشنروں کے علاوہ افسران پولیس' اعلیٰ عہدیداران میڈیکل ڈیپارٹمنٹ' انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ وغیرہ غرض حکومت کے ہر طبقہ کے اعلیٰ افسروں کے نام بھیجا گیا۔ اسی رسالہ کا اثر تھا کہ سائمن کمیشن کے ورود ہندوستان پر مسلمانان ہند نے ہڑتال نہ کی"۔ (صفحہ ۲۱۲-۲۱۳)

۱۰- "مسلمانان ہند کی حیات سیاسی" صفحہ ۱۱۸ (از محمد مرزا دہلوی)

۱۱- "ذکر اقبال" صفحہ ۱۳۷ (از عبدالمجید سالک)

۱۲- مولوی ظفر علی خان صاحب سائمن کمیشن سے بائیکاٹ کرنے کے خیال میں جس قدر متشدد اور غالی ہو گئے تھے اس کا اندازہ آپ کی

ایک تقریر سے باآسانی لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے ایک تبلیغی کانفرنس میں کی۔ اخبار تیج (دہلی) کا نامہ نگار لکھتا ہے۔ "آپ تقریر کر رہے تھے جس میں آپ نے سائمن کمیشن کے مقاطعہ کا دو مرتبہ تذکرہ کیا۔ اور دونوں مرتبہ صدر نے آپ کو ٹوکا آپ سے کہا گیا کہ تبلیغی کانفرنس کا سیاسیات سے کوئی واسطہ نہیں ہے اس پر مولانا نے طنزاً کہا کہ ایک غلام ملک میں کوئی تبلیغ نہیں ہو سکتی ہے صاحب صدر نے دوسری مرتبہ مداخلت کی تو مولانا نے حاضرین سے درخواست کی کہ وہ پنڈال کو خالی کر دیں"۔ اخبار "انقلاب" نے اس رپورٹ پر لکھا "اس کا مطلب یہ ہے کہ انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد سے اب تک تبلیغ کی جتنی انجمنیں بنیں اور انہوں نے جو کام کیا وہ از سرتاپا غلط تھا۔ مولانا محی الدین احمد قصوری اور مولانا محمد عبداللہ صاحب کی جمعیت دعوۃ و تبلیغ عبث ہے مولانا محمد علی صاحب ایم۔ اے کینٹ تاجر چرم بمبئی نے اپنی کمائی میں سے جو ستر اسی ہزار روپیہ اس کام پر صرف کیا وہ بالکل لاحاصل ضائع ہوا۔ میر غلام بھیک صاحب نیرنگ گذشتہ چار پانچ سال سے جو محنت و مشقت برداشت کرتے رہے اور کر رہے ہیں وہ بیکار تھی اسی لئے کہ یہ سب کچھ ایک غلام ملک میں ہوا۔ پھر قادیانی احمدیوں کی انجمن لاہوری احمدیوں کی انجمن دوسری صدہا تبلیغی انجمنیں خواجہ کمال الدین ووکنگ مشن غرض تمام ادارے اور نظام فضول تھے۔ فضول ہیں اور انہیں جلد سے جلد بند کر دینا چاہئے"۔ (انقلاب ۲۶/ فروری ۱۹۲۸ء صفحہ ۳)

۱۳۔ عبدالمجید سالک "سرگزشت" میں لکھتے ہیں۔ اس مقاطعہ کو موثر بنانے کے لئے کانگریس کی پوری مشینری حرکت میں آگئی۔ انقلاب کا رویہ یہ تھا کہ سائمن کمیشن سے مقاطعہ بالکل مناسب ہے"۔ (صفحہ ۲۴۷)

۱۴۔ بحوالہ الفضل ۱۰/ فروری ۱۹۲۸ء صفحہ ۴ کالم ۱ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۴/ فروری ۱۹۲۸ء صفحہ ۳۔۴)

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ "سرگزشت" صفحہ ۲۴۹۔

۱۷۔ بحوالہ الفضل ۹/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱

۱۸۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس حق تلفی پر الفضل ۲۹/ مئی ۱۹۲۸ء میں ایک اہم مضمون بھی سپرد قلم فرمایا تھا۔ اور مسلمانوں کو اس کے تدارک کے لئے قیمتی مشورے دیئے تھے جسے اخبار انقلاب نے بھی ۲/ جون ۱۹۲۸ء کو شائع کیا۔ حضور نے تجویز پیش فرمائی تھی کہ اس صورت حال پر غور کرنے کے لئے مختلف الخیال لوگوں کا ایک جلسہ کیا جائے جس میں کونسل اور مقتدر اسلامی اخبارات کے نمائندے بھی شامل ہوں۔ اخبار انقلاب (۸/ جون ۱۹۲۸ء) نے اس سے اتفاق رائے کرتے ہوئے لکھا۔ "مرزا صاحب کو چاہئے کہ وہ خود اپنے اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھا کر ایسا جلسہ جلد سے جلد منعقد کرنے کی سعی فرمائیں"۔

۱۹۔ الفضل ۲۹/ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۳

۲۰۔ الفضل ۲۰/ مارچ ۱۹۲۸ء صفحہ ۱

۲۱۔ الفضل ۲۳/ مارچ ۱۹۲۸ء صفحہ ۱

۲۲۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۸ء صفحہ ۲۹۹

۲۳۔ الفضل ۱۷/ فروری ۱۹۲۸ء صفحہ ۵۔۶

۲۴۔ اخبار "تنظیم" (امرتسر) ۲۸/ فروری ۱۹۲۸ء بحوالہ الفضل ۸/ مئی ۱۹۲۸ء صفحہ ۸

۲۵۔ "فرقان" دسمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۵۵ (مضمون مولوی عبدالمالک خان صاحب مربی سلسلہ احمدیہ مقیم کراچی)

۲۶۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء صفحہ ۲۲۹

۲۷۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء صفحہ ۲۵۳

۲۸۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء صفحہ ۲۵۳۔۲۵۴

۲۹۔ الفضل ۶/ مارچ ۱۹۲۸ء صفحہ ۹

۳۰۔ سورۃ نور ع ۴۔ آیت ۳۱

۳۱۔ اخبار "مصباح" (قادیان) یکم اپریل ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۵۔۱۶

۳۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۶/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۴۔۵ و "الفضل" ۱۷/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۷)

۳۳- الفضل ۱۶/مارچ ۱۹۲۸ء صفحہ ۲
۳۴- الفضل ۱۷/اپریل ۱۹۲۸ء صفحہ ۷
۳۵- دراصل اس مشاورت کے سامنے مرکز میں زنانہ ہوسٹل کے قیام کی تجویز زیر غور تھی۔ حضور نے اس تجویز کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے مندرجہ بالا تحریک فرمائی بعض نمائندوں کی رائے تھی کہ حضرت ام المومنینؓ کی طرف سے زنانہ ہوسٹل کے چندہ کی اپیل ہو اور عورتیں چندہ دیں۔ مگر حضور نے اسے سختی سے رد کر دیا۔ اور فرمایا۔ "یہ اپیل میری طرف سے ہو اور مرد چندہ دیں اگر یہ چندہ عورتوں پر رکھا گیا تو یہ بات آئندہ ہماری ترقی میں حائل ہو جائے گی اور ہمارے گھروں کا امن برباد کر دے گی۔ اور یہ احساس پیدا ہو گا کہ مرد عورتوں کے لئے کچھ نہیں کر رہے اور نہ کرنا چاہتے ہیں...... میں اس قسم کا احساس اپنی جماعت کی عورتوں میں پیدا کرنا پسند نہیں کرتا۔ ہم خود اپنے چندہ سے عورتوں کی تعلیم کا انتظام کریں گے اور اس کے لئے ایک پیسہ بھی عورتوں سے نہ مانگیں گے "۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء صفحہ ۶۱)
۳۶- رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء صفحہ ۵۹ تا ۶۰
۳۷- "رپورٹ مجلس مشاورت "۱۹۲۸ء صفحہ ۳۹
۳۸- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رپورٹ مشاورت "۱۹۲۹ء صفحہ ۱۵۳ تا ۱۵۵
۳۹- "رپورٹ مجلس مشاورت "۱۹۲۹ء صفحہ ۶۸-۶۹
۴۰- مثلاً کمیشن نے ہر کاغذ نمبر دے کر شامل مسل نہیں کیا۔ بعض کارکنوں کے خلاف اس نے ایک رائے قائم کی۔ مگران کو جواب دہی کا موقعہ نہیں دیا وغیرہ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۱-۱۲) کمیشن کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ اس نے اپنی اٹھارہویں سفارش میں نادانستہ طور پر ایک ایسی تجویز پیش کی جس پر براہ راست منصب خلافت پر زد پڑتی تھی۔ اور اس کے ادب و احترام کے سراسر منافی تھی اس سفارش کی تفصیل اور اس پر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا مفصل فیصلہ ۱۹۳۰ء کے حالات میں آئے گا۔
۴۱- رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۹-۱۰
۴۲- "رپورٹ مجلس مشاورت "۱۹۳۰ء صفحہ ۱۲-۱۳
۴۳- "بشارات رحمانیہ" (مولفہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر مولوی فاضل) حصہ اول صفحہ ۲۰۲-۲۰۳
۴۴- الفضل ۱۳/اپریل ۱۹۲۸ء صفحہ ۹ کالم ۳
۴۵- تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۵۶۸-۵۶۹ پر تبلیغ اسلام سے متعلق اس عہد کا ذکر آچکا ہے۔
۴۶- "رپورٹ مجلس مشاورت "۱۹۲۸ء صفحہ ۱۳۸-۱۴۳
۴۷- الفضل ۸/مئی ۱۹۲۸ء صفحہ او ۱۵/مئی ۱۹۲۸ء صفحہ ا
۴۸- روزنامہ "ملت" لاہور مورخہ ۱۹/مارچ ۱۹۵۴ء بحوالہ الفضل ۲/اپریل ۱۹۵۴ء صفحہ ۵ کالم ۱-۲
۴۹- رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۲۰-۱۹۱۹ء صفحہ ۵۹
۵۰- رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۲۰-۱۹۱۹ء صفحہ ۵۹-۶۰
۵۱- الفضل ۱۴/اگست ۱۹۲۸ء
۵۲- چوہدری محمد شریف صاحب سابق مبلغ بلاد عربیہ و گیمبیا کا بیان ہے کہ مبلغین کلاس کا مدرسہ احمدیہ کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا اس کلاس کی پڑھائی حضرت حافظ صاحب کے مکان میں بھی اور مسجد اقصیٰ میں بھی ہوا کرتی تھی کوئی میز کرسی وغیرہ نہ ہوا کرتا تھا"۔
۵۳- رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء میں لکھا ہے "ساتویں جماعت سے اوپر یعنی مولوی فاضل کی دونوں جماعتیں جو پہلے مدرسہ کے ساتھ ہوا کرتی تھیں اب کالج میں منتقل کر دی گئی ہیں...... ۴۲ لڑکے کالج کی طرف منتقل ہوئے ہیں (صفحہ ۲۱۰)
۵۴- بعض اصحاب کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی اور حضرت مولوی محمد دین صاحب بھی اس میں رہتے رہے ہیں۔
۵۵- ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۲۸ء جامعہ احمدیہ کے یہ اولین اساتذہ کسی تعارف کے محتاج نہیں اور تاریخ احمدیت میں ان بزرگوں

کا کئی بار تذکرہ آچکا ہے اور آئندہ بھی آئے گا۔ یہاں مختصراً یہ بتانا مناسب ہو گا۔ (۱) ضیغم احمدیت حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب ۱۰/ ستمبر ۱۸۷۳ء کو پیدا ہوئے۔ ۶-۷/ مارچ ۱۸۹۷ء سے قبل حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کی اور اپریل۔ مئی ۱۹۰۱ء میں مستقل طور پر ہجرت کر کے قادیان تشریف لے آئے یکم مئی ۱۹۰۱ء سے سلسلہ کی باقاعدہ ملازمت اختیار کی اور تعلیم الاسلام ہائی سکول اور پھر مدرسہ احمدیہ میں لمبے عرصہ تک عظیم الشان تعلیمی و تربیتی خدمات بجالانے کے بعد جامعہ احمدیہ کے پرنسپل بنے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "اصحاب احمد" جلد ۵ ہر سہ حصص مولفہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان دارالامان۔ (۲) عبدالکریم ثانی حضرت حافظ روشن علی صاحب کے سوانح تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۱۶۸ و ۱۶۹ میں مندرج ہیں جامعہ احمدیہ میں منتقل ہونے سے قبل آپ جماعت مبلغین کے نگران تھے۔

(۳) حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب حلال پوری ۱۳/ اپریل ۱۹۰۸ء میں حضرت مسیح موعودؑ کے دست مبارک پر بیعت کر کے داخل احمدیت ہوئے اور ۲۸/ جنوری ۱۹۰۹ء سے مستقل طور پر دیار حبیب میں آگئے۔ یہاں حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ آپ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، صرف و نحو اور ادب عربی کے نہایت بلند پایہ عالم تھے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کی کتب و ملفوظات کے تو گویا حافظ تھے۔

(۴) حضرت میر محمد اسحاق صاحب (خلف الصدق حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ) ۸/ ستمبر ۱۸۹۰ء کو بمقام لدھیانہ پیدا ہوئے غالباً ۱۸۹۴ء کے بعد سے قادیان میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اور "الدار" میں قیام کا شرف حاصل ہوا۔ بچپن سے ۱۸ سال کی عمر تک حضرت مسیح موعودؑ کے روز و شب کے حالات مشاہدہ کئے اور آخر دم تک قریباً اسی طرح ذہن میں محفوظ رہے کئی سفروں میں ہمرکاب ہونے کا فخر حاصل کیا۔ آخری بیماری کی ابتداء سے وصال تک حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء کے پاس رہے حضور علیہ السلام نے متعدد مرتبہ آپ سے لوگوں کے خطوط کے جوابات لکھوائے۔ اور حقیقتہ الوحی کا مسودہ بھی۔ حضور نے اپنی کتابوں میں بیسیوں دفعہ آپ کا ذکر فرمایا۔ بہت سے نشانوں کے عینی گواہ اور مورد بھی تھے۔ بے قاعدہ اور باقاعدہ طور پر حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب اور مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل سے عربی علوم پڑھے ۱۹۱۰ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا ۱۹۱۲ء میں صدر انجمن کی ملازمت میں آئے۔ جامعہ احمدیہ کے قیام سے قبل مدرسہ احمدیہ میں مدرس تھے۔ (رسالہ جامعہ احمدیہ سالنامہ صفحہ ۴۷) جامعہ میں آپ اپنے مفوضہ نصاب پڑھانے کے علاوہ ہمیشہ طلباء میں خاص اہتمام سے تقریر کا ذوق و شوق پیدا کرنے کے لئے جامعہ احمدیہ اور مہمان خانہ میں تقریر کراتے اور بیرونی مقامات میں جلسوں اور مناظروں میں لے جاتے جس سے ان میں تقریر کی غیر معمولی قوت پیدا ہو جاتی تھی۔

۵۶- یاد رہے کہ اس جلد میں جامعہ احمدیہ سے متعلق حالات تقسیم ہند ۱۹۴۷ء تک لکھے گئے ہیں بعد کے واقعات پاکستانی دور کی تاریخ میں آئیں گے۔

۵۷- ۱۸۹۴ء میں مہمند قبیلہ کے ایک ممتاز گھرانے میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم پشاور کی بعض درسگاہوں میں پائی دریں اثناء صاحبزادہ سیف الرحمٰن صاحب احمدی ساکن بازید خیل ضلع پشاور کے حلقہ درس میں آپ کو شمولیت کا موقعہ ملا۔ اور آپ اسی اثر کے ماتحت مارچ ۱۹۱۰ء کے سالانہ جلسہ پر قادیان تشریف لائے اور حضرت خلیفہ اولؓ کے دست مبارک پر بیعت کر لی ۱۹۱۷ء میں آپ نے مدرسہ احمدیہ سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا جون ۱۹۱۸ء میں مدرسہ احمدیہ میں استاد مقرر ہوئے ۱۹۲۹ء میں ترقی پا کر جامعہ احمدیہ میں منتقل ہوئے اور تعلیمی و تربیتی فرائض ادا کرنے کے بعد ۱۹۴۹ء میں بطور پروفیسر تعلیم الاسلام کالج میں منتقل ہوئے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "جامعہ احمدیہ" سالنامہ نمبر صفحہ ۴۷ و اصحاب احمد جلد پنجم حصہ سوم صفحہ ۴۹ تا ۵۵)۔

۵۸- کھیوا تحصیل چکوال ضلع جہلم آپ کی جائے پیدائش ہے آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولوی عبدالرحمٰن صاحب اور جناب مولوی محمد خلیل الرحمٰن صاحب بھیروی اور مولوی فضل الٰہی صاحب سے پائی پھر چند سال مدرسہ احمدیہ میں دینیات کا علم حضرت قاضی سید امیر حسین صاحب اور حضرت حافظ روشن علی صاحب سے حاصل کیا۔ معقولات سے متعلق علامہ حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا ۱۹۲۷ء میں بمقام شملہ قرآن مجید حفظ کیا اور حافظ و قاری محمد یوسف صاحب سہارنپوری کو سنایا۔

۵۹- یہ حضرت خلیفہ اولؓ کے قابل شاگردوں میں سے ہیں "تسہیل العربیہ" (کا عربی اردو حصہ) اور ترجمہ "مفردات امام راغب"

آپ کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں

۶۰۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب کچھ عرصہ تک طب کی تعلیم دیتے رہے حافظ فتح محمد صاحب قاری جامعہ احمدیہ قادیان کے آخری دور میں معلم تجوید رہے اور سید احمد صاحب فزیکل انسٹرکٹر۔

۶۱۔ قرآن مجید سورۃ آل عمران آیت ۱۰۵

۶۲۔ قرآن مجید سورۃ التوبہ آیت ۱۲۲

۶۳۔ الفضل ۱۴/ اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ۶۔۷

۶۴۔ حضور ایدہ اللہ نے اس سال ۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو مولوی عبدالرحیم صاحب درد کے اعزاز میں دی گئی ایک پارٹی میں دوبارہ جامعہ احمدیہ میں تشریف لائے۔ اور طلباء جامعہ احمدیہ کو پرزور تلقین فرمائی کہ وہ مختلف موضوعات پر تحقیقی مقالے لکھیں اس سے نہ صرف ان کی علمی ترقی ہوگی اور جامعہ احمدیہ کو تقویت پہنچے گی بلکہ جماعت احمدیہ کی شہرت دوبالا ہو جائے گی (ملخصاً از الفضل ۲/۷ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۵ تا ۷)

۶۵۔ الفضل ۴/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۰

۶۶۔ الفضل ۲۸/ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۔ اس حادثہ کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

۶۷۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۱۳

۶۸۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۱۳

۶۹۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۳۰ء صفحہ ۲۱۲ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۲-۱۹۳۱ء صفحہ ۴۶

۷۰۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۱-۱۹۳۰ء صفحہ ۲۶۔ اس لائبریری کے ۱۹۴۷ء تک وقتاً فوقتاً کئی پروفیسر نگران رہے مثلاً حافظ مبارک احمد صاحب۔ شیخ محبوب عالم صاحب خالد۔ لائبریری میں ۱۹۴۷ء تک گاہے گاہے جو اخبارات و رسائل منگوائے گئے ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔ انقلاب (لاہور) پیغام صلح (لاہور) ام القریٰ (مکہ مکرمہ) ماہنامہ ادبی دنیا (لاہور) عالمگیر۔ ریویو آف ریلیجنز اردو انگریزی (قادیان) معارف (اعظم گڑھ) میگزین تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان۔ نیرنگ خیال (لاہور) الضیاء نہرائی عربی۔ اہلحدیث (امرت سر) احسان (لاہور) پرتاپ (لاہور) ہمایوں (لاہور) الاستقلال عربی (ارجنٹائن) روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ (لاہور) اخبار ریاست (دہلی) فرقان (قادیان)

۷۱۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۲-۱۹۳۱ء صفحہ ۴۴-۴۶

۷۲۔ الفضل ۱۳/ دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۔ تفصیل ۱۹۳۲ء کے حالات میں آئے گی۔

۷۳۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ ۳۳-۱۹۳۲ء صفحہ ۳۴

۷۴۔ الفضل ۲/۷ نومبر ۱۹۳۴ء

۷۵۔ ۱۹۴۷ء تک مندرجہ ذیل اصحاب مختلف اوقات میں ہوسٹل جامعہ احمدیہ کے سپرنٹنڈنٹ رہے۔ سردار مصباح الدین صاحب۔ شیخ محبوب عالم صاحب خالد۔ صاحبزادہ مولوی ابوالحسن صاحب قدسی۔ مولوی ارجمند خان صاحب۔

۷۶۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۴۵-۱۹۴۴ء صفحہ ۳۵۔ اسی کلاس سے مولوی بشیر احمد صاحب (حال مبلغ و امیر کلکتہ) نے سنسکرت کا نصاب پاس کیا۔

۷۷۔ گو جامعہ احمدیہ کا افتتاح مئی ۱۹۲۸ء میں ہوا مگر جیسا کہ جامعہ احمدیہ کے قدیم ریکارڈ (رجسٹر داخل خارج طلبہ) سے ثابت ہے طلبہ کا داخلہ ۱۹/ نومبر ۱۹۲۷ء سے شروع کر دیا گیا تھا تا نئے تعلیمی سال یکم مئی ۱۹۲۸ء سے باقاعدہ جامعہ احمدیہ کا اجراء ہو سکے۔

۷۸۔ صحیح تاریخ ولادت ۱۶/ نومبر ۱۹۰۹ء

۷۹۔ مولوی فاضل کے امتحان میں اول آئے تھے۔

۸۰۔ صحیح تاریخ ولادت ۱۱/ جنوری ۱۹۱۳ء

۸۱۔ ۱۹۳۳ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور پنجاب یونیورسٹی میں اول پوزیشن حاصل کی۔

۸۲۔ آپ پہلی بار ۱۹۲۹ء میں داخل جامعہ ہوئے مگر دو سال کے لئے چلے گئے۔ اور دوبارہ داخلہ ۱۹۳۱ء میں لیا۔

۸۳۔ امتحان مولوی فاضل میں دوم آئے۔

۸۴۔ ملک صلاح الدین صاحب کی تیار شدہ مفصل فہرست شاگردان حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب اصحاب احمد جلد پنجم حصہ دوم میں موجود ہے۔ البتہ اس میں ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے کا نام سہواً لکھا گیا ہے۔

۸۵۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ ۴۰-۱۹۳۹ء صفحہ ۱۲۱-۱۲۲ و رپورٹ سالانہ ۴۳-۱۹۴۲ء صفحہ ۲۰ و رپورٹ سالانہ ۴۵-۱۹۴۴ء صفحہ ۳۶۔

۸۶۔ پنجاب یونیورسٹی کے امتحان مولوی فاضل میں اول رہے۔

۸۷۔ مولانا ابوالعطاء صاحب کے پرنسپل بننے سے چند ماہ قبل خان صاحب مولوی ارجمند خان صاحب قائم مقام پرنسپل کے فرائض انجام دیتے رہے۔

۸۸۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۴۸-۱۹۴۷ء صفحہ ۱۵

۸۹۔ "فاروق" ۶/ جون ۱۹۲۸ء صفحہ ا و فاروق ۱۳/ جون ۱۹۲۸ء صفحہ ا

۹۰۔ الفضل ۱۰/ جنوری ۱۹۲۸ء صفحہ ا-۲ (تقریر سالانہ جلسہ ۱۹۲۷ء)

۹۱۔ الفضل ۴/ مئی ۱۹۲۸ء صفحہ ۵ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷/ اپریل ۱۹۲۸ء)

۹۲۔ الفضل ۱۰/ جنوری ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ کالم ۲

۹۳۔ الفضل ۵/ جون ۱۹۲۸ء صفحہ ا

۹۴۔ یہاں یہ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ کہ منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر "پیسہ اخبار" لاہور نے اپنی کتاب "اسلامی سائیکلوپیڈیا" میں ۱۲/ ربیع الاول کی مجالس میلاد النبی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا۔ "مرزا غلام احمد قادیانی جو مسیح موعود ہونے کے مدعی تھے ان کے پیرو اس روز خاص جلسہ کیا کرتے ہیں۔ جس سے ان کا مدعا اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ آج کے دن نبی ﷺ نے وفات پائی ہے۔ مگر نبوت نے وفات نہیں پائی نبی ہمیشہ آتے رہیں گے چنانچہ ایک نبی مرزا صاحب بھی آچکے ہیں"۔ (حصہ اول صفحہ ۱۳۱)

۹۵۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ پہلی تاریخ بدلنے کا سوال اہلسنت والجماعت کے بعض اصحاب میں پیدا ہوا حالانکہ اس دن لیکچر دینے والوں میں کئی شیعہ حضرات نے بھی نام لکھوایا تھا اور جلسہ کو کامیاب بنانے میں ہر ممکن تعاون کی پیشکش کی تھی اور گو کسی شیعہ کو شہیدان کربلا کے دردناک حالات کے ساتھ سیرت رسولؐ پر روشنی ڈالنے سے اعتراض نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر حضور نے محض اس وجہ سے کہ محرم کے دنوں میں فسادات رونما ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے اور حکومت امن وامان کی بحالی کے لئے بعض جگہ جلسوں کی ممانعت کر دیتی ہے۔ ۱۷/ جون کا دن جلسوں کے لئے مقرر فرمادیا۔ (الفضل ۴/ مئی ۱۹۲۸ء صفحہ ۶)

۹۶۔ الفضل ۴/ مئی ۱۹۲۸ء۔

۹۷۔ الفضل ۴/ مئی ۱۹۲۸ء صفحہ ۷-۸

۹۸۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۰۵

۹۹۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۰۵

۱۰۰۔ الفضل ۳/ اپریل ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۰ و رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۰۷

۱۰۱۔ مثلاً حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت میر محمد اسماعیل صاحب، حضرت مولوی شیر علی صاحب حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ حضرت مولوی ذوالفقار علی صاحب، حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب۔ مولوی عبدالحمید صاحب سیکرٹری تبلیغ جماعت احمدیہ دہلی شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر۔ حضرت شیخ عبدالرحیم صاحب سابق سردار جگت سنگھ۔ حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل۔ قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری۔ مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری۔ خواجہ غلام نبی صاحب ایڈیٹر "الفضل"۔

۱۰۲- مثلاً فاطمہ بیگم صاحبہ اہلیہ ملک کرم الٰہی صاحب ضلع دار - مریم بیگم صاحبہ اہلیہ حضرت حافظ روشن علی صاحب ہاجرہ بیگم صاحبہ اہلیہ ایڈیٹر الفضل - سکینتہ النساء بیگم صاحبہ قادیان - نسیم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب کیمبل پور - عزیزہ رضیہ صاحبہ اہلیہ مرزا گل محمد صاحب - امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر گوہرالدین صاحب مانڈلے برما - امتہ الحق صاحبہ بنت حضرت حافظ روشن علی صاحب -

۱۰۳- مثلاً حکیم برہم صاحب ایڈیٹر اخبار "مشرق" گورکھپور - جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی ایڈیٹر "منادی" -

۱۰۴- لالہ دنی چند صاحب ایڈووکیٹ انبالہ -

۱۰۵- بعض نعت لکھنے والے: حضرت منشی قاسم علی صاحب رامپوری - مولوی برکت علی صاحب لائق لدھیانہ - حضرت خان صاحب مولوی ذوالفقار علی خان صاحب - جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر بی - اے - ایل ایل بی وکیل کپور تھلوی -

۱۰۶- اخبار "مشرق" (گورکھپور) نے اس نمبر پر یہ ریویو کیا کہ "اس میں حضرت رسول کریم ﷺ کے سوانح حیات و واقعات نبوت پر بہت کثرت سے مختلف اوضاع و انواع کے مضامین ہیں اور ہر مضمون پڑھنے کے قابل ہے ایک خصوصیت اس نمبر میں یہ ہے کہ ہندو اصحاب نے بھی اپنے خیالات عالیہ کا اظہار فرمایا ہے جو سب سے بہتر چیز ہندوستان میں بین الاقوامی اتحاد پیدا کرنے کی ہے دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مردوں سے زیادہ عورتوں نے اپنے پیغمبر کے حالات پر بہت کچھ لکھا ہے" - (۲۱/جون ۱۹۲۸ء (بحوالہ الفضل ۳/جولائی ۱۹۲۸ء) صفحہ ۳ کالم ۳)

۱۰۷- یہ تینوں باتیں غلط تھیں اور واقعات نے ان کا غلط ہونا ثابت کر دیا (۱) مولوی ابوالکلام صاحب آزاد - ڈاکٹر کچلو صاحب - ڈاکٹر مختار صاحب انصاری اور سردار کھڑک سنگھ صاحب جیسے کانگریسی لیڈر یا تو بعض جلسوں کے پریذیڈنٹ ہوئے یا اس کے داعی بنے جس سے ظاہر ہے - کہ حکومت کے ساتھ اس تحریک کا کوئی تعلق نہیں تھا - (۲) ان جلسوں پر جماعت احمدیہ کا پندرہ ہزار کے قریب روپیہ صرف ہوا - لیکن جماعت نے کسی ایک پیسہ کا بھی چندہ نہ مانگا البتہ لکھنؤ اور کئی دوسرے مقامات میں مسلمانوں نے خود جلسہ کے انعقاد کے لئے رقوم بھیجیں جو انہیں کے انتظام کے ماتحت اس کام پر خرچ ہوئیں (۳) سارے ہندوستان میں منعقد ہونے والے جلسوں میں سے صرف ایک تقریر کے متعلق کہا گیا کہ اس میں احمدیت کی تبلیغ کی گئی مگر وہ تقریر بھی ہندوؤں کے خلاف تھی - پھر ان جلسوں میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری' حیدر آباد دکن کے صدر الصدور مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی' علماء فرنگی محل اور جناب ابوالکلام صاحب آزاد کا کسی نہ کسی رنگ میں حصہ لینا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ انہیں ایسے جلسوں میں احمدیت کے مخصوص عقائد کی تبلیغ ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا - (الفضل ۲۴/جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۵-۶ کالم ۲-۳)

۱۰۸- چنانچہ مولوی محمد علی صاحب مرحوم پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے خود اقرار کیا کہ "ان جلسوں میں میاں صاحب کے ساتھ ہم نے اشتراک عمل نہیں کیا" - (پیغام صلح یکم ستمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲) اس کے مقابل ان کا گذشتہ طرز عمل یہ تھا کہ انہوں نے ایک عرصہ قبل کانگریس کے لیڈر مسٹر گاندھی کی قیادت میں چلائی ہوئی تحریک خلافت کے ساتھ وابستگی ضروری خیال کی چنانچہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے موجودہ امیر جناب مولوی صدر الدین صاحب کا بیان ہے کہ "میں نے انگریزی راج کے خلاف ہندوستان میں اور خود انگلستان میں متعدد لیکچر دیئے تھے اور سالہا سال تک کانگریس اور تحریک خلافت سے تعاون کرتے ہوئے کھدر پوش بنا رہا" - (کامیاب زندگی کا تصور صفحہ ۱۱۲ مولف پروفیسر انور ول شائع کردہ مکتبہ جدید لاہور سن طبع اول مارچ ۱۹۶۴ء -

افسوس ان حضرات کو سیرت النبی ﷺ کی عالمگیر تحریک بھی جماعت احمدیہ قادیان سے اتحاد عمل پر آمادہ نہ کر سکی - اور بعض غیر مبایعین نے بیان کیا کہ ہمیں انجمن نے ان میں حصہ لینے سے روکا ہے اور دو چار مقامات کے سوا بحیثیت قوم فریق لاہور نے اس کا بائیکاٹ ہی کیا - جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس تحریک کے بانی حضرت خلیفتہ المسیح الثانی تھے اور یہ آواز قادیان سے بلند ہوئی تھی - مگر چونکہ غیر مسلموں کو اسلام تک لانے کی موثر ترین صورت یہی تھی جو حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے تجویز فرمائی تھی اس لئے بالآخر ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا - کسی موقعہ پر یہ آواز بلند کر دینے سے کہ فلاں شخص نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کر کے ہمارا دل دکھایا ہے حقیقتاً کوئی اصلاح نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات اپنے غیظ و غضب کے اظہار سے بڑھ کر اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا - اگر ان گستاخیوں کا سدباب کرنا ہے اگر اس ملک میں اشاعت اسلام کے لئے کوئی عملی راستہ کھولنا ہے تو

اس کے لئے سب سے بڑھ کر یہ ضروری ہے کہ آنحضرتؐ کے صحیح حالات کو ہر طبقہ کے لوگوں تک پہنچایا جائے"۔(پیغام صلح ضمیمہ ۳۰/ اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ کالم ۳)

۱۰۹۔ اخبار مخبر اودھ نے جلسہ لکھنؤ کے موقعہ پر آپ کی تقریر کے بارے میں لکھا۔ "پھر مولوی اللہ دتہ صاحب احمدی پلیٹ فارم پر تشریف لائے آپ نے موثر طریقہ سے حضور کی زندگی کا شاندار پہلو دکھایا پرانے خیالات کے بزرگ اور ینگ پارٹی کے نوجوان مسلمان آپ کی تقریر سے نہایت خوش ہوئے۔ آپ نے ثابت کردیا کہ آنحضرت ﷺ دنیا کے لئے اخلاق کا اعلیٰ نمونہ اور خدا کی رحمت تھے اہل مجلس کی استدعا پر آپ کو مزید وقت دیا گیا...... جس روز مولوی اللہ دتہ صاحب لکھنؤ سے قادیان تشریف لے جا رہے تھے تو احمدیوں کے علاوہ دیگر فرقوں کے مسلمان بھی اسٹیشن پر موجود تھے جنہوں نے رخصت کے وقت آپ سے مصافحہ کیا"(مخبر اودھ ۲۶/ جون ۱۹۲۸ء بحوالہ الفضل ۳/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۹ کالم ۳)

۱۱۰۔ کلکتہ کے اخبار "دی انگلش مین" (۱۸/ جون ۱۹۲۸ء) نے اور "دی امرت بازار پتر کا" (۱۹/ جون) نے جلسہ سیرت النبیؐ کلکتہ کی رپورٹ شائع کی جس میں آپ کی تقریر کا بھی ذکر کیا۔(ملاحظہ ہو الفضل ۶/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۹ کالم ۱)

۱۱۱۔ آپ نے ۱۷/ جون کا جلسہ ریل گاڑی میں کیا۔ جس کی دلچسپ تفصیل آپ کے الفاظ میں یہ ہے کہ "۱۷/ جون ۱۹۲۸ء کو میں کراچی میں تھا۔ اس دن وہاں کے اس جلسہ میں شریک ہونے کو دل چاہتا تھا.... مگر مجبوری تھی ٹھہرنا مشکل تھا آخر ۳ بجے کی گاڑی میں سوار ہوگیا اور اپنی سیٹ پر کھڑے ہو کر حضرت رسول کریم ﷺ خاتم النبیینؐ کی سیرت پر لیکچر دینا شروع کردیا۔ جب دوسرا اسٹیشن آیا تو اس کمرہ سے نکل کر دوسرے کمرہ میں جا پہنچا اور وہاں لیکچر کردیا۔ غرضیکہ اسی طرح بفضلہ تعالیٰ سات گاڑیوں میں پہنچ کر ۱۷/ جون کو ۳ بجے سے ۱۲ بجے تک میں نے لیکچر دیئے جن کو ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی غرضکہ ہر طبقہ نے پسند کیا۔(الفضل ۶/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۷ کالم ۱)

۱۱۲۔ ملک فضل حسین صاحب نے جو "بک ڈپو تالیف و اشاعت" کے مینجر کے فرائض سرانجام دے رہے تھے غیر مسلم اصحاب کی بعض تقاریر "دنیا کا ہادی اعظم غیروں کی نظر میں" کے نام سے دسمبر ۱۹۲۸ء میں شائع کردیں۔

۱۱۳۔ جنوبی ہندوستان میں ایک تھیوسافیکل سوسائٹی کے ذریعہ اسی کے حلقہ اثر کے اندر ۳۰ کے قریب جلسے ہوئے (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۰۶)

۱۱۴۔ آپ نے تحریک کی افادیت پر روشنی ڈالی اور کہا میں مسٹری آرداس کی برسی کے جلسہ کا بھی صدر تھا مگر وہاں اتنی حاضری نہ تھی۔ جتنی یہاں ہے۔

۱۱۵۔ آپ نے کہا کہ میں بہت ضروری کام چھوڑ کر آیا ہوں۔ کیونکہ اس میں شمولیت سب سے ضروری تھی آئندہ بھی اگر ایسے جلسے منعقد ہوں گے تو خواہ کتنا ہی کام مجھے درپیش ہو گا میں اس پر ایسے جلسہ میں شمولیت کو مقدم کروں گا۔(الفضل ۲۴/ جولائی ۱۹۲۸ء نمبر ۴)

۱۱۶۔ الفضل ۲۶/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۳۔۴۔ تفصیل رپورٹوں کے لئے ملاحظہ ہو۔ الفضل ۲۲/ جون، ۲۶/ جون، ۳/ جولائی، ۶/ جولائی، ۱۰/ جولائی، ۱۷۔۲۴ جولائی ۱۹۲۸ء۔

۱۱۷۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۰۶

۱۱۸۔ ملاحظہ ہو تفسیر حضرت محی الدین ابن عربی سورہ بنی اسرائیل (زیر آیت عسٰی ان یبعثک ربک مقاما محمودا)

۱۱۹۔ بحوالہ الفضل ۲۹/ جون ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۶

۱۲۰۔ بحوالہ الفضل ۳/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۹

۱۲۱۔ بحوالہ الفضل ۶/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۹ کالم ۲

۱۲۲۔ بحوالہ الفضل ۱۰/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۱

۱۲۳۔ بحوالہ الفضل ۱۷/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۹

۱۲۴۔ مثلاً اخبار ہمدم (لکھنؤ) وکیل (امرتسر) مشرق (گورکھپور) کشمیری گزٹ (لاہور) "حقیقت" "خادم المومنین" "منادی" (دہلی) "اردو اخبار" (ناگپور) "پیشوا" اور "حق" "مخبر" (اودھ) "توحید" (کراچی) اس کے علاوہ جزوی طور پر غیر مسلم اخبارات نے

بھی جلسہ کی رپورٹیں شائع کیں۔ مثلاً اخبار "دی انگلش مین" (کلکتہ) "دی امرت بازار پتر کا" (کلکتہ) "انقلاب" (لاہور) "سیاست" (لاہور) "تنظیم" (امرت سر)۔ مقدم الذکر دو اخبارات نے تو جلسوں کے انعقاد سے قبل اس کی افادیت و اہمیت پر زوردار نوٹ لکھے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۵/ جون ۱۹۲۸ء صفحہ ۹)

۱۲۵۔ روزنامہ "حقیقت" لکھنؤ (۲۴/ جون ۱۹۲۸ء) نے علماء کی ذہنیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا۔ "جو لوگ اتفاق کی چلتی ہوئی گاڑی میں روڑا اٹکانا چاہتے ہیں انہیں ان کی رائے مبارک رہے خادمان ملک و ملت کو ان کی آواز پر کان نہیں دھرنا چاہئے"۔ (بحوالہ الفضل ۱۷/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۵)

۱۲۶۔ مولوی کفایت اللہ صاحب کے اس عدم تعاون بلکہ صریح بائیکاٹ کے باوجود جلسہ دہلی بہت کامیاب ہوا۔ چنانچہ اخبار "منادی" دہلی (۲۳ جون ۱۹۲۸ء) نے لکھا کہ "سوا نو بجے رات کو پریڈ کے میدان میں سیرت رسول کی نسبت جلسہ ہوا۔ دس ہزار کا مجمع تھا۔ ہندو مسلمان کی نہایت عمدہ تقریریں ہوئیں جلسہ بہت کامیاب ہوا۔ بارہ بجے تک رہا۔ آج تک دہلی میں کوئی مشترکہ جلسہ ایسی کامیابی سے نہ ہوا ہو گا"۔ (بحوالہ الفضل ۱۷/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۷)

۱۲۷۔ بحوالہ الفضل ۱۷/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۹

۱۲۸۔ مضمون چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے۔ مطبوعہ الفضل ۲۴/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۴-۵ سے ماخوذ مع تلخیص۔

۱۲۹۔ الفضل ۲۲/ جون ۱۹۲۸ء صفحہ ۳-۴۔ مقامی جماعت میں سے ملک صاحب کے ساتھ گہرا تعاون کرنے والے حضرات۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ مولوی فاضل، منشی محمد الدین صاحب ملتان (سابق مختار عام) چوہدری برکت علی صاحب، ماسٹر علی محمد صاحب بی۔اے۔ بی ٹی۔ چوہدری ظہور احمد صاحب مولوی عطا محمد صاحب اور مدرسہ احمدیہ اور تعلیم الاسلام ہائی سکول کے سکاؤٹس (الفضل ۱۷/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ کالم ۲)

۱۳۰۔ الفضل ۲۲/ جون ۱۹۲۸ء صفحہ ۳-۴

۱۳۱۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ اگست ستمبر ۱۹۲۸ء۔

۱۳۲۔ ملاحظہ ہو "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی جولائی تا اکتوبر ۱۹۳۲ء۔ ملک صاحب کے قلم سے حضور کے لیکچر "اسلام میں اختلافات کا آغاز" کا انگریزی ترجمہ بھی ریویو آف ریلیجنز میں شائع شدہ ہے۔

۱۳۳۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۰۷-۲۰۸

۱۳۴۔ دوسرے غیر مسلم مضمون نگاروں کے نام یہ تھے سردار جوند سنگھ صاحب سعد اللہ پور ضلع گجرات پنڈت مہرچند صاحب لدھیانہ، لالہ دنی چند صاحب کپور آنریری پرچارک شادی بیوگان سرہند۔ پنڈت گیانیندر دیو شرما صاحب شاستری گورکھپور، لالہ سرداری لعل صاحب وروان حجرہ شاہ مقیم منٹگمری۔ سردار جسونت سنگھ دریا رام ضلع ہوشیارپور بابو انت پرشاد صاحب بی۔اے، ایل ایل بی، وکیل و رئیس بھاگلپور۔ یہ مضامین ملک فضل حسین صاحب مینجر بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان نے "دنیا کا ہادی اعظم غیروں کی نظر میں" کے نام سے عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ دسمبر ۱۹۲۸ء میں شائع کر دی تھیں۔ ملک صاحب موصوف کی خدمات کا کئی مقام پر ذکر آئے گا لہذا ضمناً یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ ملک صاحب نے بکڈپو تالیف و اشاعت صدر انجمن احمدیہ کے مینجر ہونے کی حیثیت سے اس قومی ادارہ کو سالہا سال تک نہایت خوش اسلوبی سے سنبھالا۔ اور آپ کے زمانہ اہتمام میں سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر کی خوب اشاعت ہوئی ہے۔

۱۳۵۔ پیغام صلح ۲۷/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۱ (مضمون مولوی محمد علی صاحب پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)

۱۳۶۔ مولوی محمد علی صاحب۔ ناقل

۱۳۷۔ الفضل ۳/ اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ۴ کالم ۱

۱۳۸۔ الفضل ۳/ اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ۳-۷

۱۳۹۔ الفضل ۳/ اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ۷)

۱۴۰۔ الفضل ۲۶/ جون ۱۹۲۸ء صفحہ ۱ کالم ۱

۱۴۱۔ الفضل ۱۷/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۶ کالم ۱-۲

۱۴۲- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "حیات بشیر" طبع اول صفحہ ۲۷۲-۲۸۳ (مولفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحب سابق سوداگر مل مربی سلسلہ احمدیہ) کتاب "نبیوں کا چاند" طبع اول صفحہ ۶۶-۷۳ (مولفہ فضل الرحمٰن صاحب نعیم) شائع کردہ اتالیق منزل ربوہ۔
۱۴۳- الفضل ۲۰/ نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۴-۵
۱۴۴- الفضل ۲۱/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۴ کالم ۲- الفضل ۱۰/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۵ کالم ۱
۱۴۵- رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۸۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی (حال مبلغ گیمبیا) ایک ماہ تک حوالہ جات وغیرہ نکالنے کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر رہے۔
۱۴۶- ٹائمز آف انڈیا نے ۲۴/ جون ۱۹۲۸ء کی اشاعت میں آنحضرت ﷺ کے حرم پاک کا ذکر نہایت گرے ہوئے الفاظ میں کیا تھا۔ جس پر حضور نے چٹھی لکھی اور اس کے اسسٹنٹ ایڈیٹر ایس جیسن کو تحریری معذرت کرنا پڑی حضرت اقدس کی چٹھی اور اس معذرت نامہ کا متن الفضل ۲۰/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ پر شائع شدہ ہے۔
۱۴۷- نجران مکہ معظمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر ایک وسیع علاقہ کا نام ہے جہاں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا جس کو وہ کعبہ کہتے تھے اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے۔ تفصیلات معجم البلدان اور فتح الباری میں موجود ہیں۔ (بحوالہ سیرت النبی ﷺ حصہ اول جلد دوم صفحہ ۳۷-۳۸- از شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی مرحوم)
۱۴۸- زاد المعاد ابن قیمؒ (بحوالہ سیرت النبیؐ حصہ اول جلد دوم صفحہ ۳۸- از شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی مرحوم)
۱۴۹- الفضل ۱۷/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۶
۱۵۰- الفضل ۱۷/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۷ کالم ۱-۲
۱۵۱- ڈاکٹر صاحب مسلمانوں کے مشہور لیڈر تھے جو ۱۹۲۷ء میں آنریبل چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ساتھ مسلم حقوق و مطالبات کی نمائندگی کے لئے انگلستان گئے تھے۔
۱۵۲- الفضل ۲۱/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۵ تا ۷
۱۵۳- الفضل ۲۴/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۹ کالم ۲
۱۵۴- الفضل ۲۷/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۶ کالم ۱-۲
۱۵۵- الفضل ۳۱/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۲
۱۵۶- الفضل ۱۰/ اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ حضور قبل ازیں قریباً دو ہفتہ تک ڈلہوزی میں قیام پذیر ہونے کے بعد ۷/ جولائی ۱۹۲۸ء کو قادیان بھی تشریف لے گئے اور ۹/ جولائی ۱۹۲۸ء کو واپس ڈلہوزی آگئے (الفضل ۱۳/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۱ کالم ۱
۱۵۷- الفضل ۱۳/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۷ کالم ۳
۱۵۸- الفضل ۱۷/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۳-۴
۱۵۹- جن جماعتوں نے چندہ خاص کے وعدے پورے کر دیئے ان کے نام رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۹۳ پر شائع شدہ ہیں۔
۱۶۰- الفضل ۲۴/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲
۱۶۱- اخبار "پیغام صلح" لاہور ۱۷/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۵ کالم ۲
۱۶۲- الفضل ۲۷/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲
۱۶۳- الفضل ۲۷/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۳-۴
۱۶۴- الفضل ۲۷/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ کالم ۲
۱۶۵- یہ درس حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی نظر ثانی ترمیم و اصلاح اور بہت سے اضافوں کے بعد ۱۹۴۰ء میں تفسیر کبیر جلد سوم کی صورت میں شائع ہوا۔ اس کی تفصیل اگلی جلد میں آرہی ہے۔
۱۶۶- اس وقت تک ابھی مائیکروفون کا استعمال قادیان میں شروع نہیں ہوا تھا۔
۱۶۷- الفضل ۱۱/ ستمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱-۲
۱۶۸- اس بارے میں پہلا اعلان الفضل ۳/ اپریل ۱۹۲۸ء میں اور دوسرا الفضل ۲۲/ مئی ۱۹۲۸ء میں ہوا۔ اس کے بعد ۶/ جولائی ۱۹۲۸ء

سے ۷ / اگست ۱۹۲۸ء کے الفضل میں۔

۱۶۹۔ الفضل ۶ / جولائی ۱۹۲۸ء تا ۷ / اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ا

۱۷۰۔ مثلاً حافظ عبدالسلام صاحب شملہ' مرزا عبدالحق صاحب بی۔اے ایل ایل بی گورداسپور' چوہدری عصمت اللہ صاحب وکیل لائلپور۔ منشی قدرت اللہ صاحب سنوری۔ صالح محمد صاحب قصور' نذیر احمد صاحب متعلم بی ایس سی' بابو عبدالحمید صاحب شملہ' قریشی رشید احمد صاحب بی۔ ایس سی۔ میرٹھ۔ بابو فقیر محمد صاحب کورٹ انسپکٹر کیمل پور' ملک عبدالرحمن صاحب خادم گجرات۔ سید محمد اقبال حسین صاحب ہیڈ ماسٹر نور محل' بابو روشن دین صاحب سیالکوٹ' ماسٹر فقیر اللہ صاحب ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس۔

۱۷۱۔ الفضل ۱۴ / اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ا

۱۷۲۔ مولوی ارجمند خان صاحب کی روایت ہے کہ "ایک دفعہ میں نے اختتام درس پر حضرت مولانا (سید محمد سرور شاہ صاحب۔ ناقل) سے عرض کیا آپ لکھنے کی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں۔ آپ کو قرآن مجید کے علوم سے واقفیت اور پورا عبور حاصل ہے آپ نے جواباً فرمایا ایک تو میں حضرت صاحب کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں دوسرے یہ کہ اگرچہ میں حضور کو خلافت سے قبل پڑھاتا رہا ہوں لیکن منصب خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ پر معارف اور حقائق قرآنیہ کا ایسا دروازہ کھولا ہے کہ میرا فہم ان علوم سے قاصر ہے اور میں حضور کا شاگرد ہوں استاد نہیں"۔ (اصحاب احمد جلد پنجم حصہ سوم صفحہ ۵۴ طبع اول)

۱۷۳۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۸۸۔ "اصحاب احمد" جلد پنجم حصہ سوم صفحہ ۵۴ (مرتبہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان) تاریخ اشاعت ستمبر ۱۹۶۴ء ناشر احمدیہ بکڈپو ربوہ طبع اول۔

۱۷۴۔ دو اڑھائی سو مستورات بھی پردہ میں بیٹھ کر استفادہ کرتی تھیں (الفضل ۱۴ / اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ا)

۱۷۵۔ الفضل ۱۷ / اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ا کالم ۱۔۲

۱۷۶۔ الفضل ۱۴ / اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ۲

۱۷۷۔ الفضل ۷ / ستمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۵ کالم ۳

۱۷۸۔ الفضل ۷ / ستمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ا

۱۷۹۔ الفضل ۱۱ / ستمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ کالم ا

۱۸۰۔ الفضل ۱۱ / ستمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ کالم ۱۔۲

۱۸۱۔ الفضل ۱۴ / ستمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۷ کالم ۳

۱۸۲۔ افسوس یہ تاریخی فوٹو اب قریباً ناپید ہے اور باوجود تلاش کے "شعبہ تاریخ احمدیت" ربوہ کو اب تک دستیاب نہیں ہو سکا۔ الفضل ۱۲ / اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ میں مرزا عبدالحق صاحب وکیل گورداسپور (حال امیر صوبائی مغربی پاکستان) کے قلم سے "درس کے اجتماع کا فوٹو" کے عنوان سے اس فوٹو کا یوں ذکر ملتا ہے کہ "جن دوستوں نے درس کے موقعہ پر فوٹو کی قیمت ادا کی تھی ان کی خدمت میں اطلاعاً عرض ہے کہ وہ اپنی کاپی مولوی عبدالرحمن صاحب مولوی فاضل مدرسہ احمدیہ قادیان سے محصول ڈاک بھیج کر منگوا سکتے ہیں"۔

۱۸۳۔ ولادت ستمبر ۱۸۹۲ء بیعت ۱۹۱۲ء۔ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۴۲ء تک جماعت احمدیہ نئی دہلی و شملہ کے امیر رہے اور ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۷ء تک نئی دہلی کی جماعت احمدیہ کے امیر اور مشترکہ جماعت دہلی و نئی دہلی کے نائب امیر کی حیثیت سے خدمات بجالاتے رہے۔ ۱۹۵۲ء میں پنشن پانے کے بعد زندگی وقف کی اور سالہا سال تک تحریک جدید میں وکیل الدیوان اور وکیل اعلیٰ کے عہدوں پر فائز رہے اور ان دنوں وکیل المال ثانی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

۱۸۴۔ الفضل ۱۲ / اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۲

۱۸۵۔ الفضل ۲۳ / اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۳ و صفحہ ۷۔۸

۱۸۶۔ الفضل ۲۳ / اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۳ و صفحہ ۷۔۸

۱۸۷۔ الفضل ۱۶۔۲۰ / نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ا

۱۸۸۔ الفضل ۲۳ / نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ا

۱۸۹۔ الفضل ۲۷/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱
۱۹۰۔ الفضل ۳۰/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲
۱۹۱۔ الفضل ۷/ دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱
۱۹۲۔ الفضل ۱۱/ دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱
۱۹۳۔ الفضل ۸/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۱
۱۹۴۔ الفضل ۲۹/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۲
۱۹۵۔ الفضل ۱۶/ جولائی ۱۹۲۹ء صفحہ ۷
۱۹۶۔ "حیات محمد علی جناح" صفحہ ۱۷۴۔ "مسلمانان ہند کی حیات سیاسی" صفحہ ۱۱۸-۱۱۹
۱۹۷۔ "مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ" صفحہ ۲-۴ (از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)
۱۹۸۔ "حیات محمد علی جناح" صفحہ ۱۷۴۔
۱۹۹۔ مرزا محمد دہلوی کی کتاب "مسلمانان ہند کی حیات سیاسی" صفحہ ۱۲۰-۱۲۱ سے اس کی مزید تفصیلات کا پتہ چلتا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ "سوال ہوا کہ اس رپورٹ ساز کمیٹی کے مسلم اراکین آخر کیا کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس رپورٹ پر کیوں دستخط کر دیئے اس وقت یہ عقدہ کھلا کہ اس کمیٹی کے دو مسلم ارکان میں سے ایک شعیب قریشی نے "مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حمایت کرتے ہوئے نہایت قابلیت' معقولیت اور جرأت کے ساتھ پنڈت موتی لال نہرو کی تجاویز سے اختلاف کیا تھا لیکن جب پنڈت جی نے ان کو نہ مانا تو وہ پھر کمیٹی کے کسی جلسہ میں شریک ہی نہیں ہوئے۔ اور فوراً الہ آباد سے بمبئی واپس چلے گئے انہوں نے کمیٹی سے اختلاف کرتے ہوئے ایک بیان بھی لکھا تھا لیکن پنڈت موتی لال نہرو نے وہ اختلافی بیان رپورٹ کے ساتھ شائع نہیں کیا اور مولانا کفایت اللہ صاحب اس سے بھی زیادہ صفائی کے ساتھ اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مسٹر شعیب قریشی نے ان سے کہا تھا کہ انہوں نے (یعنی شعیب قریشی نے) نہرو رپورٹ پر اپنے دستخط نہیں کئے ہیں لیکن اس کے متعلق انہوں نے اپنے لبوں پر اس لئے مہر سکوت قائم رکھی کہ ایسا نہ کرنے سے رپورٹ کی اہمیت ختم ہو جاتی تھی۔ اور سر علی امام کے متعلق جو اس رپورٹ ساز کمیٹی کے دوسرے مسلم ممبر تھے۔ مولانا کفایت اللہ کا بیان ہے کہ انہوں نے رپورٹ پر دستخط تو کر دیئے تھے لیکن اسے پڑھا نہ تھا۔ چنانچہ لکھنؤ میں جب یہ رپورٹ آل پارٹیز کانفرنس کے اجلاس میں پیش ہوئی تو سر علی امام نے اس کی حمایت میں جو تقریر کی اس کا بڑا حصہ ان تجاویز سے مختلف تھا جو مسلمانوں کے متعلق نہرو رپورٹ میں شائع کی گئی تھیں"۔ (دی کیس آف دی مسلم صفحہ ۴)
۲۰۰۔ "حیات محمد علی جناح" صفحہ ۱۷۴-۱۷۵۔
۲۰۱۔ "مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ" صفحہ ۵۔ (از سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)
۲۰۲۔ "سیاست ملیہ" صفحہ ۲۲۶ (محمد امین زبیری مارہروی) مطبوعہ عزیزی پریس آگرہ مارچ ۱۹۴۱ء صفر ۱۳۶۰ھ
۲۰۳۔ "تحریک آزادی" (مرتبہ انور عارف) صفحہ ۱۸ ناشر انور عارف مالک مطبع ماحول کراچی طبع دوم نومبر ۱۹۵۹ء آپ نے ایک مقام پر مسئلہ اقلیت کی نسبت یہ بھی لکھا ہے۔ "میں ایک لمحہ کے لئے یہ باور نہیں کر سکتا کہ ہندوستان کے مستقبل کے نقشے میں ان اندیشوں کے لئے کوئی جگہ نکل سکتی ہے۔...... ان اندیشوں کا صرف ایک ہی علاج ہے ہمیں دریا میں بے خوف و خطر کود جانا چاہیئے۔ جوں ہی ہم نے ایسا کیا ہم معلوم کر لیں گے کہ ہمارے تمام اندیشے بے بنیاد تھے"۔ ("خطبات ابو الکلام آزاد" طبع اول صفحہ ۳۱۴)
۲۰۴۔ ایضاً صفحہ ۱۱۱۔
۲۰۵۔ ایضاً صفحہ ۱۱۰ و صفحہ ۱۱۲
۲۰۶۔ تحریک آزادی (مرتبہ انور عارف) صفحہ ۱۱۲-۱۱۳
۲۰۷۔ "خطبات ابو الکلام آزاد" صفحہ ۳۱۹ ناشر ایم ثناء اللہ خاں اینڈ سنز ۲۶ ریلوے روڈ لاہور
۲۰۸۔ ایضاً صفحہ ۳۱۹-۳۲۰

۲۰۹۔ "تاریخ احرار" (از چوہدری افضل حق) صفحہ ۹ طبع اول۔ "سوانح سید عطاء اللہ شاہ بخاری" (از جناب شورش کاشمیری) صفحہ ۸۵ طبع اول

۲۱۰۔ مجلس احرار اسلام کا آرگن "آزاد" ۳۱/ جنوری ۱۹۵۱ء صفحہ ۱۹

۲۱۱۔ ایضاً ۱۰' ۱۲

۲۱۲۔ ایضاً صفحہ

۲۱۳۔ "تاریخ احرار" صفحہ ۷۲ (از چوہدری افضل حق صاحب) ناشر زمزم بک ایجنسی بیرون موری دروازہ لاہور۔

۲۱۴۔ اہلحدیث ۵/ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۵ کالم ۳

۲۱۵۔ روزنامہ "ہمدم" لکھنؤ ۱۴/ نومبر ۱۹۲۸ء

۲۱۶۔ ملاحظہ ہو "اہلحدیث" (امرت سر) ۲/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۵ کالم ۲-۳ و "اہلحدیث" امرت سر ۵/ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۵ کالم ۳

۲۱۷۔ "تحریک آزادی" (مرتبہ انور عارف) صفحہ ۱۱۳ و "سیرت محمد علی" صفحہ ۴۱۶

۲۱۸۔ تصدق احمد صاحب شروانی ممبر مجلس وضع آئین و قوانین ہند نے انہی دنوں اخبار زمیندار (۲۹/ ستمبر ۱۹۲۸ء) میں لکھا تھا۔ "نہرو رپورٹ کے شائع ہونے اور آل پارٹیز کانفرنس لکھنؤ میں اس کے منظور ہو جانے کے بعد بھی اخبارات میں اس کے متعلق مخالف اور موافق متعدد مضامین شائع ہو رہے ہیں جہاں تک میری نظر سے اردو اخبارات گذرے ہیں مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کسی اخبار میں میں نے کوئی تنقید یا تبصرہ اس رپورٹ کے متعلق نہیں دیکھا۔ اجمالی طور پر اس رپورٹ کی موافقت یا مخالفت کی گئی ہے"۔ (بحوالہ الفضل ۵/ اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱ کالم ۲)

۲۱۹۔ کتاب "مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ"

۲۲۰۔ "مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ" صفحہ ۱۰-۱۴

۲۲۱۔ چنانچہ مسٹر جناح نے اپنی ایک تقریر کے دوران کہا "ہمیں (کلکتہ لیگ کے بانیوں کو) اس کمرہ میں اکثریت حاصل ہے۔ لیکن کیا ہمیں ملک میں بھی اکثریت حاصل ہو گی؟ (اس پر لوگوں نے کہا۔ ہاں) مسٹر جناح نے کہا کہ میرے لئے اس سے زیادہ کوئی امر خوشکن نہ ہو گا۔ مگر انصاف یہ چاہتا ہے کہ میں اقرار کروں کہ مجھے اس پر اطمینان حاصل نہیں ہے کہ ملک کے مسلمانوں کی اکثریت ہماری تائید میں ہے"۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ ۲/ جنوری ۱۹۲۸ء صفحہ ۵ کالم ۳) بحوالہ "مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ صفحہ ۱۶

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ مسٹر محمد علی جناح مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کے لئے ایک تہائی نیابت ملنے کی شرط پر مخلوط انتخاب کے حامی ہو گئے تھے۔ لیکن سر شفیع اور ان کے رفقاء نے مسٹر جناح کی اس پالیسی سے اختلاف کیا اور لیگ دو حصوں میں بٹ گئی ایک کے صدر مسٹر جناح اور سیکرٹری ڈاکٹر کچلو اور دوسری کے صدر سر شفیع اور سیکرٹری سر محمد اقبال قرار پائے" ("ذکر اقبال" صفحہ ۱۳۹) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور جماعت کا تعاون اس مرحلہ پر شفیع لیگ کو حاصل تھا۔

۲۲۲۔ "مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ" صفحہ ۳۵-۳۶

۲۲۳۔ "مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ" صفحہ ۱۱۶

۲۲۴۔ الفضل ۱۸/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۰ کالم ۳۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۵۷

۲۲۵۔ الفضل ۲۰/ اگست ۱۹۲۹ء صفحہ ۸

۲۲۶۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۳۱-۱۹۳۰ء صفحہ ۱۰۸

۲۲۷۔ الفضل ۱۶/ اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۸-۹

۲۲۸۔ بطور ثبوت ملاحظہ ہو الفضل ۲/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۷ '۶/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۰ '۹/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ و صفحہ ۶ '۱۳/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ '۲۰/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ و صفحہ ۱۰ '۲۷/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۰ '۳۰/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۷ '۱۱/ دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ '۸ '۱۸/ دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۹

۲۲۹۔ سیاست ۳۱/ جولائی ۱۹۲۹ء بحوالہ الفضل ۹/ اگست ۱۹۲۹ء صفحہ ۶

۲۳۰۔ الفضل ۱۴/ دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۷ کالم ۲۔ ۳۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۱۔ ۱۲ و الفضل ۷/ دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۷۔ الفضل ۱۱/ دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۸

۲۳۱۔ اقتباس از مکتوب ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے (دفتر تفسیر القرآن انگریزی ٹمپل روڈ لاہور)

۲۳۲۔ "مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ طبع اول صفحہ ۱۰

۲۳۳۔ "مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ" طبع اول صفحہ ۱۲

۲۳۴۔ الفضل ۲۱/ دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۴

۲۳۵۔ جناب عبدالمجید صاحب سالک اور محمد مرزا دہلوی کے نظریہ کے مطابق جناب محمد علی جناح نے چودہ نکات مسلم کنونشن دہلی کے انعقاد کے بعد پیش کئے جیسا کہ آگے ذکر آ رہا ہے۔

۲۳۶۔ حیات محمد علی جناح صفحہ ۱۷۵۔ ۱۷۶

۲۳۷۔ "سیرت محمد علی" صفحہ ۵۲۵ (از رئیس احمد جعفری) طبع دوم ۱۹۵۰ء

۲۳۸۔ الفضل ۱۸/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۰۔ مسلم لیگی وفد میں شامل دوسرے ممبران میں سے بعض کے نام راجہ صاحب محمود آباد صدر اجلاس' ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو۔ مسٹر چاگلا۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب' مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر زمیندار۔ نوابزادہ لیاقت علی خان صاحب۔ چوہدری خلیق الزمان صاحب۔ مسٹر عبداللہ صاحب بریلوی (حیات محمد علی جناح" صفحہ ۱۷۷)

۲۳۹۔ سیرت محمد علی صفحہ ۵۲۵

۲۴۰۔ "مسلمانان ہند کی حیات سیاسی" صفحہ ۱۲۷۔ جناب سید رئیس احمد صاحب جعفری اپنی کتاب "سیرت محمد علی" میں لکھتے ہیں۔ "ان (یعنی مولانا محمد علی جوہر۔ ناقل) کی تقریر کے بعد دوسرے بزرگوں نے اسی موضوع پر تقریر کی اور ان کے نظریہ کی مخالفت اور درجہ مستعمرات کی حمایت کی مباحثہ ابھی اسی موضوع پر جاری ہی تھا کہ مغرب کی نماز کا وقت آگیا اور محمد علی مغرب کی نماز پڑھنے باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ نماز پڑھ کر واپس آرہے تھے لیکن ابھی ڈائس تک پہنچے تھے کہ کسی نے ان سے کہہ دیا درجہ مستعمرات تو پاس ہو گیا اور اس پر مباحثہ بھی ختم ہو گیا۔ سنتے ہی محمد علی نے اناللہ پڑھا اور الٹے پاؤں واپس آگئے پھر انہوں نے کنونشن میں شرکت نہیں کی اگرچہ زور بہت ڈالا گیا"۔ (صفحہ ۵۲۷)

۲۴۱۔ مسلمانان ہند کی حیات سیاسی" صفحہ ۱۲۸

۲۴۲۔ "سیرت محمد علی" طبع دوم ۱۹۵۰ء صفحہ ۵۲۸۔ ۵۲۹ (از رئیس احمد جعفری) کتاب منزل لاہور۔

۲۴۳۔ "سیرت محمد علی" صفحہ ۵۲۹۔ ۵۳۰

۲۴۴۔ "حیات محمد علی جناح" طبع اول صفحہ ۱۷۹۔ ۱۸۰

۲۴۵۔ حیات محمد علی جناح صفحہ ۱۸۱

۲۴۶۔ "سیرت محمد علی" صفحہ ۵۳۰۔ ۵۳۱

۲۴۷۔ "حیات محمد علی جناح" صفحہ ۱۸۳

۲۴۸۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۸/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۰

۲۴۹۔ کانفرنس میں شریک ہونے والے بعض اصحاب کے نام: سر آغا خاں' مولانا محمد علی جوہر' سر ابراہیم رحمت اللہ' سر شفیع' سر محمد اقبال' سر ذوالفقار علی خاں' مسٹر اے کے غزنوی' مسٹر شرف الدین' مولوی شفیع داؤدی' سیٹھ عبداللہ ہارون' نواب محمد اسماعیل خان' نواب محمد یوسف' مولوی محمد یعقوب ڈپٹی پریذیڈنٹ اسمبلی' مسٹر محمود سہروردی' سید رضا علی' صاحبزادہ سلطان احمد' ڈاکٹر ضیاء الدین' داؤد صالح بھائی' عبدالماجد بدایونی' حسرت موہانی' ڈاکٹر شفاعت احمد خاں' خان بہادر ہدایت حسین' مولوی آزاد سبحانی' مولوی کفایت اللہ' مولوی محمد عرفان' ڈاکٹر ذاکر حسین خاں' عبدالمجید سالک' غلام رسول مہر۔ (الفضل ۸/ جنوری ۱۹۲۹ء و سرگزشت (از عبدالمجید صاحب سالک) صفحہ ۲۵۷

۲۵۰۔ "سیرت محمد علی" صفحہ ۵۳۵۔ ۵۳۶

۲۵۱۔ "سرگزشت" (از عبدالمجید سالک) طبع اول صفحہ ۲۵۷

۲۵۲- الفضل ۸/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۲ و الفضل ۱۸/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۰ کالم ۳
۲۵۳- "ذکر اقبال" صفحہ ۱۴۳
۲۵۴- "مسلمانان ہند کی حیات سیاسی" صفحہ ۱۲۲-۱۲۳
۲۵۵- الفضل ۱۱/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۱
۲۵۶- "سرگزشت" (از عبدالمجید سالک) صفحہ ۲۶۰
۲۵۷- "سلسلہ احمدیہ" صفحہ ۳۹۸-۳۹۹ (مولفہ قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ)
۲۵۸- خطوط وحدانی کا حصہ حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری نے اپنے قلم سے اضافہ فرمایا ہے (المؤلف)
۲۵۹- "مرکز احمدیت قادیان" صفحہ ۴۹-۵۱ (مؤلفہ شیخ محمود احمد عرفانی مرحوم مجاہد بلاد عربیہ)
۲۶۰- الحکم ۲۰/ اپریل ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۲-۱۳ (بحوالہ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۴۳۳-۴۳۴- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہاں تک دکھایا گیا کہ قادیان کی آبادی دریائے بیاس تک پہنچ جائے گی (الفضل ۱۴/ اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ۶- کالم ۳ و تذکرہ طبع دوم صفحہ ۷۹۷) مگر اس کے ساتھ ہی آپ کو یہ بھی اطلاع دی گئی کہ اس قادیان کی اس پر رونق اور وسیع آبادی سے قبل قادیان کو ابتلاؤں کے ایک سلسلہ میں سے گذرنا پڑے گا۔ مثلاً آپ کو دکھایا گیا قادیان آنے کا راستہ حضور پر بند ہے (تذکرہ طبع دوم صفحہ ۴۶۳) الدار کے اردگرد ایک دیوار کھینچی جارہی ہے جو فصیل شہر کے رنگ میں ہے (ایضاً صفحہ ۴۴۰-۴۴۳) قادیان کے راہ میں سخت اندھیرا ہے مگر آپ ایک غیبی ہاتھ کی مدد سے کشمیری محلہ سے ہوتے ہوئے پہنچ گئے ہیں (ایضاً ۸۳۳-۸۳۴) اس سلسلہ میں حضور کو یہ الہام بھی ہوا کہ ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد یعنی وہ قادر خدا جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا پھر تجھے واپس لائے گا۔ (تریاق القلوب صفحہ ۹۱- تذکرہ طبع دوم صفحہ ۳۱۳)
۲۶۱- الحکم ۱۷/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۲- بحوالہ تذکرہ صفحہ ۵۳۴
۲۶۲- تذکرہ طبع دوم صفحہ ۷۸۰-۷۸۱-۸۰۹
۲۶۳- الفضل ۲۵/ دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۷ کالم ۲
۲۶۴- "سلسلہ احمدیہ" (صفحہ ۳۹۹) طبع اول۔
۲۶۵- یہاں یہ بتانا مناسب ہوگا کہ قبل ازیں آخر ۱۹۱۴ء میں گورداسپور سے بوٹاری تک لائن بچھانے کی تجویز بھی زیر غور آئی تھی اور حکومت نے اس کی پیمائش کی ابتدائی منظوری بھی دے دی تھی۔ اور گو یہ قطعی بات نہ تھی کہ یہ لائن قادیان سے ہو کر گذرے مگر درمیانی حصہ میں اہم ترین مقام قادیان ہی تھا اس لئے قرین قیاس یہی تھا کہ یہ قادیان کے راستہ سے بوٹاری تک پہنچے گی۔ لیکن یہ تجویز ابتدائی مرحلہ پر ہی ملتوی ہو گئی اور تیرہ سال تک معرض التواء میں پڑ گئی اس بات کا علم بابو قریشی محمد عثمان احمدی ہیڈ ڈرافٹسمین دفتر چیف انجینئر نارتھ ویسٹرن ریلوے لاہور کے ایک خط سے ہوتا ہے جو انہوں نے ۸/ نومبر ۱۹۱۴ء کو حضرت مولوی محمد دین صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول کے نام لکھا تھا۔ اور جو دفتر پرائیویٹ سیکرٹری ربوہ میں محفوظ ہے بابو صاحب نے اس خط میں لکھا۔ "نئی لائنوں کی بابت دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ منظوری گورنمنٹ کی تعمیر کے لئے نہیں بلکہ پیمائش کرنے کے لئے ہے چنانچہ اس کی پیمائش عنقریب شروع ہونے والی ہے پھر یہ خیال ہوا کہ جب گورنمنٹ نے لائنوں کی لمبائی وغیرہ دی ہے تو پیمائش ابتدائی کے نقشے دفتر میں ہوں گے۔ مگر ابتدائی پیمائش ہی نہیں ہوئی صرف سرسری (Rangl) لمبائی نقشہ سے ناپ لی گئی ہے اور اس کی منظوری دے دی گئی۔ گورداسپور ڈسٹرکٹ کا نقشہ (map) دیکھنے سے معلوم ہوا کہ قادیان اس لائن پر آتا ہے جو گورداسپور سے بوٹاری تک منظور ہوئی جس کی لمبائی قریباً ۳۷ میل ہوگی...... اگر یہ لائن گورداسپور سے سیدھی بوٹاری جاوے تو قادیان قریباً ساڑھے تین میل رہ جاتا ہے۔ اگر قادیان ہی ہو کر جاوے تو مطلب حاصل ہے زیادہ قرینہ قوی اس بات کا ہے کہ لائن قادیان ہو کر گزرے کیونکہ اس کے گردونواح میں قادیان سب سے بڑی جگہ ہے اور لائن منظور شدہ کی لمبائی (37 Miles) ہی اس وقت درست آتی ہے جبکہ لائن قادیان ہو کر گذرے"۔ اگر اس تجویز کے مطابق لائن بچھائی جاتی تو اس کا سرسری نقشہ حسب ذیل ہوتا:

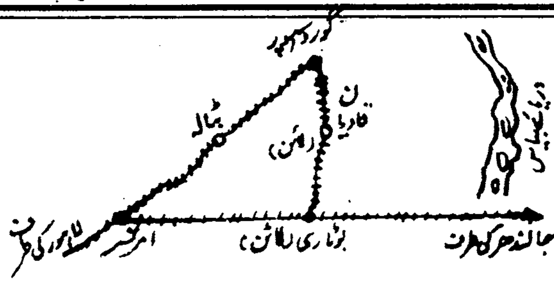

۲۶۶۔ الفضل ۲۵/ دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۷ کالم ۲

۲۶۷۔ الفضل ۱۷/ جون ۱۹۲۸ء صفحہ ا کالم ۲

۲۶۸۔ الفضل ۱۶۔۲۰/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ا کالم ۱۔۲

۲۶۹۔ الفضل ۳۰/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ا کالم ۱

۲۷۰۔ الفضل ۱۱/ دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ا کالم ۱

۲۷۱۔ الفضل ۲/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ا کالم ۱۔ ایضاً رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۵۰

۲۷۲۔ مکتوب شیخ محمد دین صاحب محررہ ۲۰/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۵ (بنام مولف کتاب)

۲۷۳۔ "اصحاب احمد" جلد اول صفحہ ۱۰۴ میں لکھا ہے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے منشی صاحبؓ کو حضرت مولوی عبد المغنی خان صاحب کا نائب فرمایا اور منشی صاحب کئی ماہ تک سارا سارا دن پیدل سفر کر کے تندہی سے کام کرتے رہے۔

۲۷۴۔ ماخوذ از مکتوب جناب شیخ محمد دین صاحب سابق مختار عام ۲۰/ جولائی و ۲۷/ جولائی ۱۹۶۵ء

۲۷۵۔ الفضل ۲۳/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۷

۲۷۶۔ اس کا مکمل متن الفضل ۲۵/ دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۷۔۸ میں چھپا ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے قادیان میں گاڑی آنے اور حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے ہمرکاب سفر کرنے کی نسبت ایک مبشر خواب بھی دیکھا تھا جس کا ذکر آپ نے اس ٹریکٹ میں بھی کر دیا ہے۔

۲۷۷۔ ایضاً صفحہ ۷

۲۷۸۔ مدرسہ احمدیہ کے سکاؤٹس کی تنظیم ان دنوں بہت مستعد اور سرگرم عمل تھی۔ اس تنظیم کا ایک کارنامہ یادر ہے گا۔ اور وہ یہ کہ جب ۲۷/ دسمبر ۱۹۲۷ء کے جلسہ میں بہت سے لوگوں کو پنڈال کی کوتاہی کی وجہ سے بیٹھنے کی جگہ نہ مل سکی تو حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اظہار ناراضگی فرمایا۔ جس پر مدرسہ احمدیہ کے سکاؤٹس دوسرے احباب کے ساتھ حضرت میر محمد اسحاق صاحب ناظر ضیافت کی نگرانی میں رات کے گیارہ بجے سے لے کر فجر کی نماز سے کچھ پہلے تک نہایت محنت' غیر معمولی تدبر اور پوری تندہی سے بغیر ایک منٹ کے وقفہ اور آرام کے شہتیریاں اٹھانے اور اینٹیں اور گارا بہم پہنچانے کا کام کرتے رہے اور جلسہ کی جگہ کافی وسیع ہو گئی اور اس کے احاطہ میں تین ہزار کے قریب زیادہ نشستوں کی گنجائش پیدا ہو گئی۔ کام کرنے والوں میں محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب بھی شامل تھے۔ غرض یہ کام اس خاموشی اور عمدگی سے انجام پایا کہ دوسرے روز دوسری تقریر کے وقت حضور نے اس کام پر اظہار خوشنودی فرمایا۔ اور سکاؤٹس اور دوسرے لوگوں کو اپنے دست مبارک سے بطور یادگار تمغے عنایت فرمائے۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۷۵۔۱۷۶ و الفضل ۳/ جنوری ۱۹۲۸ء صفحہ ۲) قادیان کے رسالہ "جامعہ احمدیہ" کے سالنامہ (صفحہ ۴۳) پر ان سکاؤٹس کی تصویر شائع شدہ ہے۔

۲۷۹۔ الفضل ۲۵/ دسمبر ۱۹۲۸ء

۲۸۰۔ اس پہلی گاڑی کے گارڈ کا نام بابو ولی محمد صاحب اور ڈرائیور کا نام بابو عمر دین صاحب تھا گاڑی امرت سر سے بٹالہ تک ۲۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بٹالہ تا قادیان ۱۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے آئی جس میں پانچ بوگیاں تین سنگل گاڑیاں اور دو بریک وان تھیں۔ انجن S T Class اور ۷۰۹ نمبر کا تھا۔ اس پہلی گاڑی کو جو امرت سر سے قادیان جانی تھی دیکھنے اور اس میں سفر کرنے کے لئے دور ترین فاصلہ سے جو پہلے ٹکٹ خریدے گئے وہ مکرم شیخ احمد اللہ صاحب ہیڈ کلرک کنٹونمنٹ بورڈ نوشہرہ اور ان کی ہمشیرزادی زبیدہ خاتون صاحبہ کے نوشہرہ چھاؤنی سے قادیان تک کے تھے یہ گاڑی رات کو ۴/۱ ۶ بجے امرت سر چلی گئی جس میں بٹالہ' امرت سر اور لاہور کے بہت سے اصحاب واپس ہو گئے۔ ریل کے افتتاح پر احمدیان مالابار اور احمدیہ ایسوسی ایشن میمو (برما) نے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حضور مبارکباد کے تار ارسال کئے اور اپنی عدم شمولیت پر اظہار افسوس کیا۔

۲۸۱۔ "تاریخ احمدیت" جلد سوم (صفحہ ۵۵۷-۵۵۸-۵۸۰) اور تاریخ احمدیت جلد چہارم (صفحہ ۲۱۴-۲۱۵) پر اس حقیقت کی تائید میں متعدد شواہد موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ملاحظہ ہو حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب کا مضمون مطبوعہ الفضل ۲۵/ ستمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۵)

۲۸۲۔ الفضل ۶/ جون ۱۹۲۴ء صفحہ ۹ کالم ۲

۲۸۳۔ الفضل ۲/ اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱ کالم ۲

۲۸۴۔ ٹریکٹ "الصلح خیر" صفحہ ۲-۳

۲۸۵۔ تفصیل ۱۹۳۰ء کے حالات میں آئے گی۔

۲۸۶۔ الفضل ۴/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۷ کالم ۲

۲۸۷۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۱-۲-۱۱-۱۲

۲۸۸۔ "فضائل القرآن" طبع اول صفحہ ۱۳۴-۱۳۵

۲۸۹۔ اس سلسلہ کے پانچ ابتدائی لیکچر خواجہ غلام نبی صاحب مرحوم ایڈیٹر "الفضل" نے قلمبند کئے اور آخری تقریر مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر مرحوم نے لکھی۔ ان سب تقریروں کا مجموعہ الشرکتہ الاسلامیہ ربوہ نے "فضائل القرآن" ہی کے نام سے دسمبر ۱۹۶۳ء میں شائع کر دیا ہے۔

۲۹۰۔ "فضائل القرآن" طبع اول صفحہ ۴۳۹

۲۹۱۔ الفضل ۲/ مارچ ۱۹۲۸ء صفحہ ۵۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کے حقیقی چچا تھے آپ نے ۱۸۹۱ء میں تحریری اور فروری ۱۸۹۲ء میں دستی بیعت کی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے اہل بیت سے بہت اخلاص رکھتے تھے اور خلافت سے وابستگی تو ان کے ایمان کا جزو تھا۔ (الفضل ۱۳/ مارچ ۱۹۲۸ء)

۲۹۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۴۴۰-۴۴۲) ۳۱۳ کی فہرست میں آپ کا نام ۷۴ نمبر پر لکھا ہے۔

۲۹۳۔ بعمر ۸۹ سال (ریکارڈ بہشتی مقبرہ قادیان) ۳۱۳۔ اصحاب میں ان کا نام ۵۹ نمبر پر درج ہے۔

۲۹۴۔ حضرت میاں چراغ دین صاحبؓ رئیس لاہور کے چھوٹے بھائی اور حضرت میاں محمد شریف صاحب ای۔ اے۔ سی کے والد۔ سلسلہ احمدیہ کے آغاز ہی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خدام میں شریک ہوئے اور نہایت اخلاص سے زندگی بسر کی (الفضل ۱۰/ اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ۲) و (الفضل ۲۴/ اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ۹ کالم ۱)

۲۹۵۔ ولادت ۱۸۴۸ء سن بیعت ۱۸۹۸ء۔ شروع عہد خلافت ثانیہ سے معتمد صدر انجمن احمدیہ تھے۔ ۱۹۲۱ء میں جب امراء کا نظام قائم ہوا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جماعت امرتسر کا امیر مقرر فرمایا۔ (الفضل ۳۰/ اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۶-۷)

۲۹۶۔ غلام حسین صاحب لدھیانوی کا بیان ہے کہ میں نے حافظ صاحب سے دریافت کیا کہ آپ حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت میں کس طرح داخل ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ جب حضور (پہلی بار) لدھیانہ تشریف لائے تو میں نے خواب دیکھا کہ ایک بزرگ لدھیانہ تشریف لائے ہیں اور خواب ہی میں اس محلہ اور مکان کا پتہ بھی دیا گیا میں تلاش میں نکلا تو بعینہ حضرت صاحب کی زیارت ہوئی۔ اور میں حضور کی مجلس میں حاضر ہوتا رہا۔ اس کے بعد بیعت اولیٰ کے موقعہ پر حضرت حاجی منشی احمد جان صاحب کے مکان پر جا کر بیعت کر لی۔ بیعت کنندگان کی فہرست میں آپ کا اس وقت چودھواں نمبر تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام حصہ اول طبع اول کے صفحہ ۸۱۷ پر آپ کا ذکر خیر ان الفاظ میں کیا ہے۔ "حافظ صاحب جوان صالح بڑے محب اور مخلص اور اول درجہ کا اعتقاد رکھنے والے ہیں ہمیشہ اپنے مال سے خدمت کرتے رہتے ہیں جزاہم اللہ خیر الجزا"۔ ۳۱۳ اصحاب کبار کی فہرست میں آپ کا نام ۸۷ انمبر پر مرقوم ہے۔ (الفضل ۱۱/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۲)

۲۹۷۔ الفضل ۲۴/ فروری ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۔ ان کے مفصل حالات حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کے قلم سے الفضل ۳/ مارچ ۱۹۲۸ء صفحہ ۸-۹ پر شائع شدہ ہیں۔

۲۹۸۔ خواتین میں سے اہلیہ حضرت مولوی صوفی حافظ غلام محمد صاحب مبلغ ماریشس ۱۶/ جنوری ۱۹۲۸ء کو اور محمودہ بیگم صاحبہ (اہلیہ

مولوی عبدالسلام صاحب عمر۲۶/ مئی ۱۹۲۸ء کو اور آخر مئی ۱۹۲۸ء میں اہلیہ صاحبہ حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب اور ۲۳/ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو والدہ محترمہ خان صاحب منشی فرزند علی صاحب کا انتقال ہوا (الفضل ۲۰/ جنوری ۱۹۲۸ء و ۲۹/ مئی ۱۹۲۸ء صفحہ او ۵/ جون ۱۹۲۸ء صفحہ او الفضل ۲۶/ اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ا۔

۲۹۹۔ الفضل ۱۴/ ستمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱-۲

۳۰۰۔ الفضل ۱۴/ ستمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱-۲

۳۰۱۔ الفضل ۲۱/ دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱

۳۰۲۔ الفضل ۲۳/ اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱ کالم ۱

۳۰۳۔ الفضل ۳۱/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۱ کالم ۱

۳۰۴۔ الفضل ۶/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۲

۳۰۵۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۶

۳۰۶۔ ملاحظہ ہو "تاریخ احمدیت" جلد پنجم صفحہ ۲۲۸

۳۰۷۔ الفضل ۱۵/ مئی ۱۹۲۸ء صفحہ ۷-۸

۳۰۸۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۱۲

۳۰۹۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۸ء صفحہ ۲۶۵

۳۱۰۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۲۱

۳۱۱۔ الفضل ۲۸/ اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ کالم ۱

۳۱۲۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۶۹

۳۱۳۔ یہ دعویٰ الفضل ۷/ ستمبر ۱۹۲۸ء کے ایک مضمون بعنوان "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا کچا چٹھا" پر کیا گیا۔

۳۱۴۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۳۳-پیغام صلح ۱۱/ ستمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۳۔ الفضل ۲۱/ ستمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱

۳۱۵۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۲۷

۳۱۶۔ الفضل ۱۰/ جنوری ۱۹۲۸ء صفحہ ۲

۳۱۷۔ الفضل ۳/ اپریل ۱۹۲۸ء صفحہ ۷

۳۱۸۔ الفضل ۲۶/ اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۹-۱۰

۳۱۹۔ الفضل ۱۷/ جنوری ۱۹۲۱ء

۳۲۰۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۸۸

۳۲۱۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۸۲

۳۲۲۔ الفضل ۴/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۸ کالم ۲-۳

۳۲۳۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۸۶

۳۲۴۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۸ء صفحہ ۳۳ و "تاریخ احمدیت" جلد پنجم صفحہ ۴۹۹

۳۲۵۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۷۷

۳۲۶۔ الفضل ۲۵/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۱

۳۲۷۔ الفضل ۲۷-۷/ اپریل ۱۹۲۸ء صفحہ ۱

۳۲۸۔ الفضل ۷/ اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ۱ کالم ۱

۳۲۹۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۷۴۔

۳۳۰۔ الفضل ۱۳/ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ کالم ۳۔ الفضل ۲۶/ اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱

۳۳۱۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۷۲

۳۳۲۔الفضل ۲۶/ اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ا
۳۳۳۔سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے سالانہ جلسہ ۱۹۲۸ء پر اس کی نسبت ارشاد فرمایا۔ کہ "ہر ایک احمدی کا فرض ہے کہ خرید کر اپنے پاس رکھے" الفضل یکم جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۲ کالم ۳)
۳۳۴۔الفضل ۲۱/ دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۹۔
۳۳۵۔اس کتاب کے چار حصے شائع ہوئے پہلا دوسرا ۱۹۲۸ء میں اور تیسرا چوتھا ۱۹۲۹ء میں۔
۳۳۶۔میر مدثر شاہ صاحب غیر مبائع مبلغ کے ٹریکٹ "تناقضات مابین اقوال حضرت صاحب و میاں صاحب" کا جواب۔
۳۳۷۔الفضل ۲۴/ دسمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۳
۳۳۸۔الفضل ۳۰/ مارچ ۱۹۲۸ء صفحہ ۸ (تاریخ مباحثہ ۲۶ تا ۲۸ فروری ۱۹۲۸ء)
۳۳۹۔الفضل ۷/ ۲ اپریل ۱۹۲۸ء (تاریخ مباحثہ ۱۸/ مارچ ۱۹۲۸ء)
۳۴۰۔الفضل ۳/ اگست ۱۹۲۸ء (تاریخ مباحثہ ۲۹/ جولائی ۱۹۲۸ء)
۳۴۱۔ الفضل ۲/ مارچ ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ کالم ۲ (تاریخ مناظرہ ۱۳/ فروری ۱۹۲۸ء)
۳۴۲۔الفضل ۱۳/ مارچ ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ کالم ۲ پر اس مناظرہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مولوی صاحب نے ہر سوال کا جواب قرآن سے دیا جسے سن کر لوگ عش عش کر اٹھے (تاریخ مناظرہ مارچ ۱۹۲۸ء)
۳۴۳۔یہ مباحثہ ۶۔۷۔۸/ اپریل ۱۹۲۸ء تین روز جاری رہا۔ احمدی مناظر نے اپنے دلائل اس خوبی اور عمدگی سے بیان کئے کہ غیر احمدی بلکہ غیر مسلم تک نے خراج تحسین ادا کیا (الفضل ۲۲/ مئی ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ کالم ۲)
۳۴۴۔مناظرہ کا موضوع "نیوگ" تھا آریہ مناظر نے علی الاعلان تسلیم کیا۔ کہ نیوگ آریوں کا دھرم نہیں۔ ایک ہندو اس موقعہ پر اسلام لایا۔ (فاروق ۱۳ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ا)
۳۴۵۔فاروق ۲۰/ اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۱۔ یہ مباحثہ ۱۳/ اگست ۱۹۲۸ء کو ہوا۔ ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم ابھی سترہ منٹ تقریر کرنے پائے تھے کہ آریوں نے آپ کی ٹھوس اور مدلل تقریر کی تاب نہ لا کر ہنگامہ اٹھا دیا اس لئے پولیس نے مداخلت کر کے مناظرہ بند کرا دیا اور آریہ سماجی اسے غنیمت سمجھتے ہوئے میدان سے اٹھ کر چل دیئے۔
۳۴۶۔الفضل ۱۷/ اگست ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ (تاریخ مناظرہ ۲۲/ جولائی ۱۹۲۸ء)
۳۴۷۔الفضل ۱۳/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۸ کالم ۳ (تاریخ مباحثہ ۲۱/ اکتوبر ۱۹۲۸ء)
۳۴۸۔الفضل ۷/ ۲ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۸ کالم ۳۔ آریہ سماج لائل پور نے جماعت احمدیہ سے ۲۹/ اکتوبر لغایت ۳/ نومبر ۱۹۲۸ء چھ مختلف مضامین پر مباحثہ طے کیا تھا۔ مگر آریہ مناظر ۳۰/ اکتوبر کو پہنچے اس روز مسئلہ تناسخ پر مباحثہ ہوا۔ قریباً ایک گھنٹہ باقی تھا۔ کہ آریہ سماج کے مناظر کا گلا بند ہو گیا۔ صاحب صدر لالہ بھگت رام صاحب ساہنی کی درخواست پر بقیہ وقت ایک گھنٹہ ۳۱/ اکتوبر پر ملتوی کر دیا گیا۔ دوسرے دن آریہ سماج کے دوسرے مناظر میدان میں آئے۔ جنہوں نے بمشکل تمام ایک گھنٹہ پورا کیا۔ اور تناسخ کی بجائے قرآن مجید پر اعتراضات شروع کر دیئے۔ جن کے مسکت جواب دیئے گئے۔ اس کے بعد آریہ سماج کو کسی اور موضوع پر مباحثہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔
۳۴۹۔الفضل ۶/ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ کالم ا (تاریخ مباحثہ ۲۳۔۲۴/ ستمبر ۱۹۲۸ء
۳۵۰۔الفضل ۱۳/ نومبر ۱۹۲۸ء۔ تاریخ مباحثہ ۳۱/ اکتوبر و یکم نومبر ۱۹۲۸ء بمقام مندر آریہ سماج لوہگڑھ)
۳۵۱۔ الفضل ۱۳/ نومبر ۱۹۲۸ء (تاریخ مباحثہ ۷/ نومبر ۱۹۲۸ء)
۳۵۲۔الفضل ۷/ ۲ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲ (تاریخ مناظرہ ۲۰/ نومبر ۱۹۲۸ء مقام مناظرہ باغ مہاں سنگھ)
۳۵۳۔اس مناظرہ میں صدارت کے فرائض مرزا عبد الحق صاحب بی۔ اے ایل ایل بی نے انجام دیئے۔ اور انجمن نظام المسلمین نے ہر ممکن طریقہ سے مباحثہ کا انتظام کیا۔ دونوں دن غیر احمدی مناظر بطور معترض پیش ہوئے مگر خدا کے فضل سے دونوں روز احمدیت کو کھلا غلبہ حاصل ہوا۔ اور بفضلہ تعالیٰ حاضرین پر احمدی دلائل کا سکہ بیٹھ گیا۔ فالحمد للہ (الفضل ۲۱/ دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۷۔۸)
۳۵۴۔تاریخ مباحثہ ۳۰/ دسمبر ۱۹۲۸ء۔ مضمون مباحثہ "عالمگیر مذہب" تھا۔ شروع میں آریہ سماجی مناظر نے ایک گھنٹہ تک تقریر کی کہ

آئندہ دنیا کا مذہب آریہ دھرم ہو گا- خادم صاحب نے آریہ سماجی مناظر کی تقریر کے ۱۵ منٹ میں ایسے مسکت اور مدلل جواب دیئے کہ پنڈت صاحب اصل مبحث کو چھوڑ کر قرآن مجید پر اعتراضات کرنے لگے- خادم صاحب نے ان کا بھی اچھی طرح تجزیہ کر دینے کے بعد اپنے مطالبات کے جواب کا مطالبہ کیا- مگر وہ آخر وقت تک ان کا جواب نہ دے سکے- حتیٰ کہ ایک معزز ہندو وکیل پنڈت صاحب کی تقریر کے دوران بول اٹھے کہ جواب کیوں نہیں دیتے- مگر پنڈت صاحب جواب لاتے کہاں سے-(الفضل ۸/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲)

دوسرا باب (فصل اول)

انقلاب افغانستان پر تبصرہ اور راہنمائی سے لے کر مسلمانان ہند کے تحفظ حقوق کی نئی مہم تک

خلافت ثانیہ کا سولھواں سال

(جنوری ۱۹۲۹ء تا دسمبر ۱۹۲۹ء بمطابق رجب ۱۳۴۷ھ تا رجب ۱۳۴۸ھ تک)

سفر لاہور حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ۱۲/ جنوری ۱۹۲۹ء کو بذریعہ موٹر لاہور تشریف لے گئے [1,2]۔ اور اپنے برادر نسبتی ڈاکٹر خلیفہ تقی الدین صاحب کے ہاں قیام فرمایا۔ اگلے روز (۱۳/ جنوری کو) حضور نے احمدیہ ہوسٹل میں مختلف کالجوں کے احمدی اور غیر احمدی طلباء کے علاوہ بعض دوسرے اصحاب کو بھی شرف ملاقات بخشا [3]۔

۱۴/ جنوری کو آپ نے گورنر صاحب پنجاب (سر جیفری ڈی مانٹ مورنسی) سے ملاقات کی [4] اس کے بعد مسجد احمدیہ بیرون دہلی دروازہ میں تشریف لے گئے اور ایک پر معارف تقریر فرمائی جس میں آیت لا یمسه الا المطهرون کی نہایت لطیف تفسیر فرمائی اور بتایا کہ قرآن کریم کے اعلیٰ معارف اور نکات انہیں لوگوں پر کھولے جاتے ہیں جنہیں روحانیت حاصل ہو اور جو خدا تعالیٰ کے مقرب ہوں اور یہ قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا ایک ثبوت ہے۔

اسی سلسلہ میں حضور نے بیان فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کا جو علم دیا وہ کسی اور کو حاصل نہ تھا۔ حالانکہ اور لوگ ظاہری علوم کے لحاظ سے بہت بڑھ کر تھے اسی طرح مجھے بھی خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کے ایسے معارف سمجھائے ہیں کہ خواہ کوئی ظاہری علوم میں کتنا بڑھا ہوا ہو اگر قرآن کریم کے حقائق بیان کرنے میں مقابلہ کرے گا تو ناکام رہے گا [5]۔ یہ تقریر تقریباً ایک گھنٹہ تک جاری رہی۔

۱۵/ جنوری کو چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے حضور کے اعزاز میں سٹفل ہوٹل میں چائے کی دعوت دی جس میں سر شیخ عبدالقادر صاحب، خلیفہ شجاع الدین صاحب، سید محسن شاہ صاحب،

مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری، شیخ نیاز علی صاحب کے علاوہ اور بھی کئی اصحاب شامل ہوئے اور مسائل حاضرہ پر گفتگو ہوتی رہی اس کے بعد حضور چوہدری صاحب کی کوٹھی میں تشریف لے گئے اور احمدی اور غیر احمدی دوستوں نے ملاقاتیں کیں۔

۱۶/ جنوری کو سر شیخ عبد القادر صاحب نے اپنی کوٹھی پر حضور اور حضور کے رفقاء کو چائے کی دعوت دی۔ اس سے فارغ ہو کر حضور چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کے ہاں تشریف لے گئے اور بہت سے اصحاب کو شرف ملاقات بخشا۔ ۱۷/ جنوری کو حضور نے بعض سربر آوردہ مسلمانوں سے ملاقات کی اور معاملات حاضرہ پر گفتگو فرماتے رہے۔

۱۸/ جنوری کی صبح کو حضور بذریعہ موٹر لاہور سے بٹالہ آئے اور بٹالہ سے ٹرین پر سوار ہو کر جمعہ سے قبل قادیان پہنچے اور خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا[۶]۔

انقلاب افغانستان پر تبصرہ اور رہنمائی

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے ۱۹۲۸ء کے آخر میں مسلم ممالک خصوصاً ترکی اور افغانستان کو متنبہ کیا تھا کہ وہ دین سے بے اعتنائی چھوڑ دیں اور غیر اسلامی رجحانات کا دروازہ بند کر دیں کہ یہ راستے ترقی کے نہیں ترقی کے لئے اسلام کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

شاہ افغانستان امیر امان اللہ خان نے جو سیاحت یورپ کے دوران مغربی تہذیب و تمدن پر بے حد فریفتہ ہو گئے تھے۔ کابل واپس پہنچتے ہی مغربیت کی ترویج و اشاعت کے لئے احکام نافذ کر دیئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۳/ جنوری ۱۹۲۹ء کو افغانوں نے ایک معمولی انسان حبیب اللہ (عرف بچہ سقہ) کی سرکردگی میں مسلح بغاوت کر دی۔ امیر امان اللہ خان نے قندھار کو مرکز بنا کر کابل پر چڑھائی کرنے کی کوشش کی لیکن قبائلی سرداروں اور تعلیم یافتہ نوجوانوں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور وہ افغانستان سے بھاگ کر ہندوستان کی راہ سے اٹلی چلے گئے۔

ابھی امیر امان اللہ خاں اپنے ملک میں ہی تھے کہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۲۵/ جنوری ۱۹۲۹ء کو خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں افغانستان کی شورش پر مفصل تبصرہ کیا اور اپنے موقف کا مندرجہ ذیل الفاظ میں اعلان فرمایا۔

"آئندہ کے متعلق ہمارا مسلک یہی ہے کہ ہمیں کسی خاص شخص سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو بھی حکومت کسی ملک میں قائم ہو اس کی اطاعت فرض اور اس سے بغاوت گناہ ہے ہم نے عام فائدہ اسلام کا دیکھنا ہے۔ میرے نزدیک سیاسی لحاظ سے اسلام کو (حقیقی اسلام کو نہیں کیونکہ وہ تو خود اپنی ذات سے قائم ہے۔ اسے اپنے قیام کے لئے کسی ایسے سہارے کی ضرورت نہیں) ہاں سیاسی لحاظ سے اسلام کو

ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں زبردست آزاد اور مضبوط حکومتیں ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ باوجود اس کے کہ شریف حسین کے زمانہ میں ہم اس کی حکومت کو ناجائز سمجھتے اور اس کے خلاف بغاوت کرنا جائز قرار دیتے تھے لیکن جب سلطان ابن سعود نے پوری طرح وہاں اپنا تسلط جمالیا اور اس کی حکومت قائم ہو گئی تو اب ہم اس کو جائز سمجھتے اور اس کے خلاف بغاوت کو ناجائز قرار دیتے ہیں اب اگر شریف بھی اس پر حملہ کرے گا۔ تو ہمیں برا لگے گا۔ اس لئے ہم بچہ سقہ کو بھی برا سمجھتے ہیں کہ اس نے ایک آزاد اسلامی حکومت کو ضعف پہنچایا۔ جب تک وہ خود وہاں حکومت قائم نہ کر لے ہم اسے برا ہی کہیں گے۔ اب وہاں خواہ کوئی بادشاہ ہو جائے امان اللہ خاں ہو یا عنایت اللہ خاں یا نادر خاں ہو۔ یا علی احمد جان یا بچہ سقہ جو بھی وہاں ایسی حکومت قائم کرلے گا۔ جو سارے افغانستان پر حاوی ہو گی۔ بالکل آزاد ہو گی' کسی دوسری سلطنت کے ماتحت نہ ہو گی ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لئے کوشش کرے گی' اس کے ہم ایسے ہی خیر خواہ ہوں گے جیسے ان اسلامی حکومتوں کے ہیں جو اپنے ممالک میں مسلمانوں کی ترقی کی کوشش کر رہی ہیں۔ پس ہمارے آئندہ کے متعلق احساسات یہ ہیں کہ وہاں ایسی حکومت قائم ہو جو بالکل آزاد ہو۔ وہ نہ انگریزوں کے ماتحت ہو نہ روسیوں کے نہ کسی اور کے ہم اسے بھی پسند نہیں کرتے کہ افغانستان ایک دفعہ کامل آزادی حاصل کرنے کے بعد تھوڑا بہت ہی انگریزوں کے ماتحت ہو ہم اسے اس طرح دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ آزاد ہو۔ مضبوط ہو ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو اور نہ کسی کے ماتحت یا زیر اثر ہو۔ اگر وہاں ایسی حکومت قائم ہو جائے تو حکمران خواہ کوئی ہو ایسی حکومت اسلام کے لئے مفید ہو گی...... ہم اسے سخت ناپسند کرتے ہیں کہ افغانستان کے معاملات میں کسی قسم کا دخل دیا جائے اور ہم امید رکھتے ہیں گورنمنٹ اس بات کی احتیاط کرے گی کہ افغانستان کے اندرونی معاملات میں ہرگز مداخلت نہ کی جائے اور جیسے وہ پہلے آزاد تھا ویسے ہی اب بھی رہے۔ میرے نزدیک مسلمانوں کو صرف اس بات کی ضرورت ہے اور مسلمانوں کی تمام جماعتوں اور انجمنوں کو بالاتفاق پورے زور کے ساتھ یہ اعلان کر دینا چاہئے کہ ہم اسے سخت ناپسند کرتے ہیں کہ افغانستان کے فسادات کے نتیجہ میں کوئی غیر قوم خواہ وہ انگریز ہی ہوں اس ملک پر کسی قسم کا تصرف کرے افغانستان اسی طرح آزاد ہونا چاہئے جیسے پہلے تھا...... تاکہ مسلمانوں کی سیاسی طاقت کو جو پہلے ہی کمزور ہے مزید نقصان نہ پہنچے [۶]۔

مذاہب کانفرنس کلکتہ

۲۷-۲۸/ جنوری ۱۹۲۹ء کو برہمو سماج کے زیر انتظام کلکتہ یونیورسٹی کے سینٹ ہال میں مذاہب کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں مولوی دولت احمد خاں بی۔ اے ایڈیٹر رسالہ "احمدی" نے حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے قائم مقام کی حیثیت میں

مضمون پڑھا اور مولوی عبد القادر صاحب ایم۔اے مولوی فاضل احمدی پروفیسر اسلامیہ کالج کلکتہ نے بتایا کہ دنیا میں اسلامی اصولوں کی تعلیم و ترویج بین الاقوامی طور پر ہمدردانہ جذبات پیدا کرنے کا موجب ہوگی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے غیر مشتبہ الفاظ میں اخوت انسانی کی تعلیم دی ہے [۸]۔

طلبہ میں تقسیم انعامات کا مشترکہ جلسہ

لڑکوں اور لڑکیوں میں عملی ذوق و شوق بڑھانے کے لئے ۲۸/ جنوری ۱۹۲۹ء کو تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے ہال میں قادیان کے مرکزی اداروں کا تقسیم انعامات کا مشترکہ جلسہ ہوا جس میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھ سے انعامات تقسیم فرمائے [۹] اور تقریر بھی فرمائی جس کے شروع میں فرمایا کہ "جلسہ تقسیم اسناد میرے نزدیک ایک ایسا فنکشن (تقریب) ہے جو سکول کی زندگی کو زیادہ دلچسپ بنانے میں بہت مفید ہو سکتا ہے اور ہم صرف ایک ضرورت کو آج پورا نہیں کر رہے۔ بلکہ اس ضرورت کو اس کے وقت سے بہت پیچھے پورا کر رہے ہیں"۔

اس کے بعد حضور نے ہدایت فرمائی کہ "میرے خیال میں یہ ضروری ہے کہ انعاموں کو ہمیشہ طالب علم کے سامنے رکھنے کا انتظام ہونا چاہیئے جب تک انعامات ایک لمبے سلسلے کے ساتھ وابستہ نہ کر دیئے جائیں وہ ایسے دلچسپ اور مفید نہیں ہو سکتے۔ یہ ایک ضروری بات ہے جسے پورا کرنا ہمارے منتظمین کا فرض ہونا چاہیئے۔ ٹورنامنٹ کے انعاموں کے متعلق بھی ایسا انتظام ہونا چاہیئے کہ وہ سارا سال ورزش کا شوق دلانے میں مد ثابت ہو سکیں اور علوم کے انعامات کے متعلق بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے اگر زمانہ امتحان میں پڑھائی کا شوق پیدا کیا جائے تو یہ اتنا مفید نہیں ہو سکتا جتنا سارا سال محنت کرنے کا ہوگا" [۱۰]۔

یہ مرکز احمدیت میں اپنی نوعیت کا پہلا جلسہ تھا۔

گورنر پنجاب کی خدمت میں ایڈریس

۳۱/ جنوری ۱۹۲۹ء کو پنجاب کے نمائندگان جماعت احمدیہ نے گورنر پنجاب کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا۔ جس میں جماعت کی تاریخ اس کی علمی و دینی خدمات اور تعلیمی ترقی پر روشنی ڈالنے کے بعد مسلمانوں کے چھ متفقہ مطالبات پیش کئے [۱۱] اور افغانستان کے سیاسی تغیرات کی نسبت یہ درخواست کی کہ مرکزی حکومت پر زور دیا جائے کہ نہ صرف یہ کہ افغانستان کے متعلق عدم مداخلت کی پالیسی برقرار رکھی جائے بلکہ جہاں تک ہو سکے اسے کامل آزادی اور خود مختاری حاصل کرنے میں مدد دی جائے [۱۲]۔

ہز ایکسی لینسی گورنر پنجاب نے اس ایڈریس کے جواب میں جماعت احمدیہ کی حیرت انگیز علمی ترقی

کو سراہا اور یقین دلایا کہ آپ کی جماعت کے خیالات پر احتیاط و توجہ کے ساتھ غور کیا جائے گا۔ افغانستان کے اندرونی خلفشار کی نسبت اس بات کا اظہار کیا کہ گورنمنٹ کی پالیسی انتہا درجہ غیر جانبدارانہ ہے اور رہی ہے اور ہمیں مخلصانہ امید ہے کہ اس ملک کے طول و عرض میں پھر سے امن کا دور دورہ ہو جائے اور ہندوستان کے شمال مغرب میں اس کا ہمسایہ ملک ایک دفعہ پھر ایک مضبوط اور ایک متحدہ ملک بن جائے [۱۳]۔

مسلم خبررساں ایجنسی کے قیام کی تحریک

"الفضل" نے ۱۹/ فروری ۱۹۲۹ء کی اشاعت میں مسلمانان ہند کو توجہ دلائی کہ وہ جلد سے جلد کوئی اپنی خبررساں ایجنسی قائم کریں اور اس کی ہر طرح حوصلہ افزائی کریں کہ قوموں کی زندگی کے لئے یہ نہایت ضروری چیز ہے [۱۴]۔

اشاعت لٹریچر سے متعلق حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے اہم ارشادات

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے ۲۲/ مارچ ۱۹۲۹ء کو ارشاد فرمایا کہ "یہ زمانہ نشر و اشاعت کا ہے جس ذریعہ سے ہم آج اسلام کی مدد کر سکتے ہیں وہ یہی ہے کہ صحف و کتب کی اشاعت پر خاص زور دیں اگر ہر جماعت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کی ایجنسیاں قائم ہو جائیں تو یقیناً بہت فائدہ ہو سکتا ہے" [۱۵]۔

نیز ہدایت فرمائی کہ "عام طور پر ہماری کتابیں گراں ہوتی ہیں اور اس وجہ سے لوگ ان کی اشاعت نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے ایک طرف تو میں نظارت [۱۶] کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ کتابوں کی قیمتوں پر نظر ثانی کرے اور قیمتیں اس حد پر لے کر آئے کہ ان انجمنوں کو جو ایجنسیاں لیں کافی معاوضہ بھی دیا جا سکے اور نقصان بھی نہ ہو اور دوسری طرف احباب کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ بھی اس بارے میں فرض شناسی کا ثبوت دیں"۔

اس کے علاوہ سلسلہ کے اخبارات کی توسیع کی طرف بھی خاص توجہ دلائی [۱۷]۔

دہلی میں انجمن احمدیہ کا سالانہ جلسہ

انجمن احمدیہ دہلی کا آٹھواں سالانہ جلسہ ۲۳ تا ۲۶/ مارچ ۱۹۲۹ء منعقد ہوا۔ جس میں حضرت شیخ غلام احمد صاحب واعظ، حضرت صوفی غلام محمد صاحب بی۔ اے، حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی، حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر، مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری وغیرہ علمائے سلسلہ نے تقریریں کیں۔ اور بابو اعجاز حسین صاحب امیر جماعت احمدیہ دہلی، چوہدری نعمت خاں صاحب سینئر جج دہلی، مولوی اکبر علی صاحب انسپکٹر آف ورکس ریلوے، خان صاحب برکت علی صاحب امیر جماعت

احمدیہ شملہ' مولوی حاجی حکیم امجد علی صاحب آنریری مجسٹریٹ ور ئیس دہلی' کرنل اوصاف علی خان صاحب سی آئی ای سابق کمانڈر انچیف نابھہ اسٹیٹ' مولوی محمد شفیع صاحب داؤدی ممبر لیجسلیٹو اسمبلی دہلی اور خواجہ حسن نظامی صاحب نے مختلف اجلاسوں میں صدارت فرمائی۔ اس جلسہ میں خواجہ صاحب نے رائے بہادر لالہ پارس داس رئیس دہلی کو حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ امام جماعت احمدیہ کی طرف سے سیرت النبیؐ کے مضمون [18] بطور انعام ایک طلائی تمغہ اور گھڑی پیش کی [19]۔

جناح لیگ اور شفیع لیگ کے الحاق کی کوشش اور کامیابی

سائمن کمیشن سے بائیکاٹ کے مسئلہ پر مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ چکی تھی۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں جناب محمد علی صاحب جناح کی سیاسی خدمات کی بہت قدر و منزلت تھی۔ اس لئے آپ دل سے چاہتے تھے کہ سر شفیع اور جناح میں مفاہمت ہو جائے۔

چنانچہ حضور نے ڈاکٹر سر محمد اقبال (سیکرٹری شفیع لیگ) اور جناب محمد علی جناح دونوں کو خطوط لکھے۔ جن کا ذکر ان ہر دو اصحاب نے بعض مجالس میں بھی کیا اور مصالحت کی امید پیدا ہو گئی شروع مارچ ۱۹۲۹ء کو سر محمد شفیع اور جناب محمد علی صاحب جناح [20] کی ملاقات ہوئی۔ اس وقت جماعت احمدیہ کے نمائندہ کی حیثیت سے حضرت مفتی محمد صادق صاحب (ناظر امور خارجہ) بھی موجود تھے۔ دونوں لیڈر گفت و شنید کے بعد باہمی اتحاد پر آمادہ ہو گئے اور ۲۸-۲۹-۳۰/ مارچ کا اجلاس مسلم لیگ دہلی میں قرار پایا۔ اس اجلاس کے دعوتی خطوط [21] حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بھی بھیجے گئے کہ آپ بھی تشریف لائیں۔ مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے لئے سعی فرمائیں۔ حضور خود تو مجلس مشاورت کی وجہ سے تشریف نہ لے جاسکے اس لئے حضور نے اپنی طرف سے حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو دہلی بھیجا علاوہ ازیں بہار سے حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری بھی آ گئے۔ حضرت مفتی صاحب مصالحت میں کامیابی کے بہت پر امید تھے [22]۔ اور انہوں نے اس کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ مگر سر محمد شفیع تو بیماری کی وجہ سے نہ آسکے اور ان کے رفقاء لیت و لعل میں رہے جناح صاحب نے ہر طرح کوشش کی کہ شفیع لیگ کے تمام اصحاب لیگ میں شامل کر لئے جائیں۔ مگر لیگ کے ممبروں نے ان کی سخت مخالفت کی اور مسٹر جناح کی کوئی اپیل قبول نہ کی۔ مسلم لیگ کے اس اجلاس میں سبجیکٹ کمیٹی کے سامنے تین ریزولیوشن پیش ہوئے ایک مسودہ جناح صاحب کا تیار کیا ہوا تھا۔ جس میں نہرو رپورٹ رد کر دی گئی تھی یہ ریزولیوشن راجہ غضنفر علی صاحب نے پیش کیا اور حضرت مفتی محمد صادق

صاحب نے اس کی تائید کی۔ دوسرا اور تیسرا مسودہ غازی عبدالرحمن صاحب نے اور شیروانی صاحب نے پیش کیا۔ موخر الذکر واپس لے لیا گیا دونوں مسودے سبجیکٹ کمیٹی میں پاس ہو کر کھلے اجلاس میں پیش ہونے والے تھے کہ ڈاکٹر عالم صاحب کی صدارت پر زبردست ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اس اثناء میں مسٹر جناح بھی تشریف لے آئے اور انہوں نے کارروائی بند کرا دی اور مسلم لیگ کا اجلاس کوئی ریزولیوشن پاس ہوئے بغیر ملتوی ہو گیا [23]۔ لیکن حضرت مفتی صاحب نے اپنی کوششیں برابر جاری رکھیں [24]۔ جو بالآخر بار آور ہوئیں۔

چنانچہ ۲۸/ فروری ۱۹۳۰ء کو مسٹر جناح کی زیر صدارت مسلم لیگ کونسل کا اہم اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ لیگ کی دونوں شاخوں کے پچاس سے زیادہ اصحاب شریک اجلاس تھے۔ سر شفیع بھی موجود تھے اور تالیوں کی گونج میں اعلان کیا گیا کہ لیگ کی دونوں شاخوں کو ملا دیا گیا ہے۔ اس کے بعد مسٹر جناح اور سر شفیع ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے [25]۔ اور دونوں مسلم لیگیں ایک ہو گئیں۔

نظارت امور خارجہ قادیان کی مطبوعہ رپورٹ ۳۰-۱۹۲۹ء میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "دہلی کی آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں اس سال آخری جلسہ میں ہر دو مسلم پارٹیوں کی مصالحت ہوئی جو مدت بعد عمل میں آئی اور اس مصالحت کے کرانے میں ہماری طرف سے بہت کوشش ہوتی رہی فالحمد للہ امید ہے کہ اب انشاء اللہ سب مسلمان مل کر اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے سربکف ہو سکیں گے" [26]۔

سلسلہ احمدیہ کے ترجمان اخبار "الفضل" نے اس خبر پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ادارتی نوٹ میں لکھا۔

"یہ نہایت افسوسناک بات تھی کہ مسلمانوں کی واحد سیاسی انجمن مسلم لیگ میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا تھا...... یہ صورت دردمندان قوم کے لئے بے حد تکلیف دہ تھی...... اور وہ دونوں کو متحد دیکھنے کے آرزومند تھے۔ حال میں مسلم لیگ کے اجلاس کا ایجنڈا جب ہمیں بغرض اشاعت موصول ہوا تو ہم نے اسے شائع کرتے ہوئے ذمہ دار ارکان کو متحد ہونے کی ضرورت بتاتے ہوئے لکھا تھا کہ سب سے اول اتحاد پیدا کرنا چاہئے اور پھر مل کر اسلامی حقوق کی حفاظت میں لگ جانا چاہئے"۔ (الفضل ۴/ فروری) اب ہمیں یہ معلوم ہو کر بہت خوشی ہوئی کہ ہماری یہ خواہش بر آئی .... اب لیگ کا فرض ہے کہ پوری طرح مسلم حقوق کی حفاظت میں لگ جائے اور پوری کوشش و جدوجہد سے مسلم لیگ کو اس مقام پر لے آئے کہ وہ صحیح معنوں میں مسلمانوں کی سیاسی نمائندگی کا حق ادا کر سکے۔ مسلم لیگ نے بہت وقت غفلت اور اندرونی کشمکش میں کھو دیا ہے اسے نہ صرف گزشتہ کوتاہیوں کی تلافی

کرنی چاہئے بلکہ آئندہ پوری تندہی سے کام کرنا چاہئے" [27, 28]۔

راجپال کا قتل اور اسمبلی میں بم کا واقعہ

ایسے وقت میں جبکہ ملک میں کانگریس کی سیاسی تحریک زوروں پر تھی اپریل ۱۹۲۹ء کے شروع میں دو نہایت اہم واقعات رونما ہوئے جنہوں نے ملکی فضا پر بہت ناگوار اثر ڈالا۔

پہلا واقعہ کتاب "رنگیلا رسول" کے دریدہ دہن اور بدباطن مصنف "راجپال" کا قتل تھا۔ جو پچیس چھبیس سال کے ایک پرجوش مسلمان نوجوان علم الدین کے ہاتھوں ۶/ اپریل کو لاہور میں ہوا [29]۔ مسلمان علماء نے جن میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری بھی شامل تھے۔ اس قتل پر اظہار بیزاری کیا اور کہا کہ راجپال کا قتل شرع اسلام کی رو سے ناجائز ہے اور ملک کی سیاسی حالت کے لئے سخت مضر ہے اور اگر کسی مسلمان نے ایسا کیا ہے تو اس فعل کا وہ خود ذمہ دار ہے لیکن آریہ اخباروں نے مسلمانوں پر یہ الزام لگایا کہ "حالات بتلا رہے ہیں کہ ملک میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک یہ سازش پھیلی ہوئی ہے" [30, 31]۔ ایک آریہ مقرر نے دہلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ یہ قلمی جنگ ہے جو شخص حجت اور دلائل سے گزر کر اس قسم کی باتوں پر اتر آتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مذہب میں تحریر و دلائل کی طاقت نہیں لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اسلام کا اس قدر دیوالہ نکل چکا ہے" [32]۔ دوسرا واقعہ ۸/ اپریل کو نئی دہلی میں ہوا۔ جبکہ لیجسلیٹو اسمبلی کے کونسل چیمبر میں جب سپیکر (صدر اسمبلی) رولنگ دینے کے لئے کھڑا ہوا تو گیلری سے سرکاری بنچوں پر دو بم پھینکے گئے [33]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۲/ اپریل ۱۹۲۹ء کے خطبہ جمعہ میں ان ہر دو واقعات کے پس پردہ اسباب و عوامل پر قرآنی نقطہ نگاہ سے روشنی ڈالی اور بتایا کہ۔

"قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی کے راستہ میں جو روکیں ہوتی ہیں۔ ان کے متعلق ایک گر بتایا ہے اور وہ گر یہ ہے کہ ناکام رہنے والے لوگوں کی ناکامی کا سبب **یحبون العاجلۃ و یذرون ورآئھم یوما ثقیلا** ہوتا ہے۔ وہ نہایت ہی محدود نگاہ سے معاملات کو دیکھتے ہیں قریب ترین نتائج ان کے نزدیک محبوب ہوتے ہیں اور حقیقی اور اصلی غیر متبدل اور دائمی اثرات و نتائج ان کے پیش نظر نہیں ہوتے۔ دنیا میں جس قدر لڑائیاں' فسادات اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر ان کے اسباب پر غور کیا جائے تو ننانوے فیصدی ایسے نکلیں گے جن کا سبب فریقین میں سے کسی نہ کسی کا یا دونوں کا بغیر کافی غور و فکر کے جلدی سے کسی نتیجہ پر پہنچ جانا اور ایک عاجل نتیجہ پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہو گا اگر انسان اپنے جوشوں کو دبائے رکھے اور اگر وہ یہ دیکھے کہ میرے اعمال کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ تو بہت سی لڑائیاں دور ہو جائیں بہت سے جھگڑے بند ہو جائیں اور بہت سے فسادات مٹ جائیں میں دیکھتا ہوں ہندوستان میں

اس وقت متواتر کئی سال سے فساد شروع ہے قوموں میں اختلاف ہے مذہب میں تفرقہ ہے حکومت اور رعایا میں کشمکش جاری ہے ان سب کی وجہ یحبون العاجلۃ ویذرون ورآئھم یوما ثقیلا ہی ہے عاجل نتیجہ کو لوگ پسند کر رہے ہیں اور ایک بھاری آنے والے دن کو نظرانداز کر رہے ہیں"۔

قیام امن کے اس سنہری اصول کی روشنی میں حضور نے حکومت اور رعایا دونوں کو قصوروار ٹھہرایا حکومت کو بتایا کہ۔

"حکام گورنمنٹ ابھی تک اسی پرانے اثر کے ماتحت ہیں جبکہ ہندوستان میں ہندوستانیوں کی آواز کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھی وہ ابھی اسی خیال میں ہیں کہ ہمیں خدائی قدرت حاصل ہے جس چیز کو ہم درست سمجھیں نہ صرف یہ کہ اسے درست سمجھا جائے بلکہ واقعہ میں وہ درست ہی ہے اور جسے ہم غلط سمجھیں نہ صرف یہ کہ اسے غلط سمجھا جائے بلکہ فی الواقعہ وہ غلط ہی ہے...... بسا اوقات ان کا لہجہ ایسا ہتک آمیز ہوتا ہے کہ ایک آزاد خیال انسان کے دل میں اس کی قومی عزت کا جوش ابال مارتا ہے اور وہ فوراً مقابلہ کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے........ ہندوستانیوں میں اس وقت ایک رو پیدا ہو رہی ہے۔ اور ہندوستانی برابری کے مدعی ہیں۔ وہ قوم کے اعزاز اور وقار کو محسوس کرنے لگ گئے ہیں۔ وہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہم بھیڑ بکریاں نہیں کہ ریوڑ کی طرح جدھر چاہے ہانک دیا جائے ہم بچے نہیں کہ ہماری نگرانی کی جائے وہ اپنے ملک میں ملکی علوم ملکی تہذیب اور ملکی تمدن کو جاری کرنا چاہتے ہیں پس ان حالات میں اگر انگلستان ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتا ہے تو اس کے افسروں کو اپنے رویہ میں تبدیلی کرنی پڑے گی کوئی ملک خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو جب اس میں آزادی کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ تو وہ یقیناً آزادی حاصل کر کے رہتا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں کوئی ایک بھی ایسی مثال ایسی نہیں ملتی کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا ملک جس کی آبادی خواہ چند ہزار ہی ہو ہمیشہ کے لئے کسی کا غلام رہا ہو۔ پھر یہ ہندوستان کے ۳۳ کروڑ انسان کہاں ہمیشہ کے لئے غلامی میں رہ سکتے ہیں"۔

ہندوستان کے سیاسی لیڈروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"دوسری طرف میں دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن میں ملک کی آزادی کا جوش ہے۔ میں اس کی بہت قدر کرتا ہوں اور آزادی و حریت کا جوش جو میرے اندر ہے میں سمجھتا ہوں اگر احمدیت اسے اپنے رنگ میں نہ ڈھال دیتی۔ تو میں بھی ملک کی آزادی کے لئے کام کرنے والے انہی لوگوں میں سے ہوتا لیکن خدا کے دین نے ہمیں بتا دیا کہ عاجلہ کو مدنظر نہیں رکھنا چاہئے میں ان لوگوں کی کوششوں کو پسند کرتا ہوں مگر بعض دفعہ وہ ایسا رنگ اختیار کر لیتی ہیں کہ انگریزوں کو نقصان پہنچانے کے خیال میں وہ اپنی قوم کے اخلاق اور اس روح کو جو حکومت کے لئے ضروری ہوتی ہے تباہ کر دیتی

ہے ایسے بہت خطرناک ہوتے ہیں گورنمنٹ کی خوشامد کرنے والا بے شک غدار ہو سکتا ہے لیکن اس کی غداری اس کے اپنے نفس کے لئے ہوتی ہے۔ جو شخص کسی عہدہ یا دنیاوی مطلب کے حاصل کرنے کے لئے گورنمنٹ کی خوشامد کرتا ہے وہ بے شک غدار ہے لیکن جو شخص ملک کے اخلاق کو برباد کرتا اور بگاڑتا ہے وہ اس سے بڑھ کر غدار ہے پہلے شخص کی غداری کا اثر اس کی اپنی ذات پر ہوتا ہے لیکن دوسرے کی غداری تمام قوم کے لئے تباہی کا موجب ہوتی ہے"۔

قتل راجپال کے سلسلہ میں حضور نے مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ۔

"وہ عاجل باتوں کی طرف نہ جائیں مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ چاند پر تھوکنے سے اپنے ہی منہ پر آکر تھوک پڑتا ہے۔ مخالف خواہ کتنی ہی کوشش کریں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے نور کو گرد و غبار سے نہیں چھپا سکتے اس نور کی شعاعیں دور دور پھیل رہی ہیں تم یہ مت خیال کرو کہ کسی کے چھپانے سے یہ چھپ سکے گا۔ ایک دنیا اس کی معتقد ہو رہی ہے پادریوں کی بڑی بڑی سوسائٹیوں نے اعتراف کیا ہے کہ ہمیں سب سے زیادہ خطرہ اسلام سے ہے کیونکہ اسلام کی سوشل تعلیم کی خوبیوں کے مقابلہ میں اور کوئی مذہب نہیں ٹھہر سکتا۔ اسلام کا تمدن یورپ کو کھائے چلا جارہا ہے اور بڑے بڑے متعصب اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اسلام کو گالی دینے سے اسلام کی ہتک ہو گی وہ اگر عیسائی ہے تو عیسائی مذہب کا دشمن ہے اگر سکھ ہے تو سکھ مذہب کا دشمن ہے اور اگر ہندو ہے تو ہندو دھرم کا دشمن۔ ہتک تو دراصل گالی دینے والے کی ہوتی ہے جسے گالی دی جائے اس کی کیا ہتک ہو گی۔ ہتک تو اخلاق کی بناء پر ہوتی ہے اگر کوئی شخص مجھے گالیاں دیتا ہے تو وہ اپنی بداخلاقی کا اظہار کرتا ہے۔ اور اس طرح خود اپنی ہتک کرتا ہے۔ میں گالیاں سنتا ہوں اور برداشت کرتا ہوں تو اپنے بلند اخلاق کا اظہار کرتا ہوں جو میری عزت ہے۔ وہ مذہبی لیڈر جنہوں نے قوموں کی ترقی کے لئے کام کیا خواہ کسی بڑے طبقہ میں یا ایک بہت ہی محدود طبقہ میں کیا ہو وہ قابل عزت ہیں اور انسانی فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ ان کی عزت کی جائے جو قوم ایسا نہ کرنے والوں کی مدد کرتی ہے وہ خود اپنی تباہی کا سامان پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو قانون کو ہاتھ میں لیتے ہیں۔ وہ بھی مجرم ہیں۔ اور اپنی قوم کے دشمن ہیں اور جو ان کی پیٹھ ٹھونکتا ہے وہ بھی قوم کا دشمن ہے۔ میرے نزدیک تو اگر یہی شخص قاتل ہے تو اس کا سب سے بڑا خیر خواہ وہی ہو سکتا ہے جو اس کے پاس جائے اور اسے سمجھائے کہ دنیاوی سزا تو تمہیں اب ملے گی ہی لیکن قبل اس کے کہ وہ ملے تمہیں چاہئے کہ خدا سے صلح کر لو اس کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ اسے بتایا جائے تم سے غلطی ہوئی ہم تمہارے جرم کو تو کم نہیں کر سکتے لیکن بوجہ اس کے کہ تم ہمارے بھائی ہو تمہیں مشورہ دیتے ہیں کہ توبہ کرو۔ گریہ و زاری کرو۔ خدا کے حضور گڑگڑاؤ۔ یہ

احساس ہے جو اگر اس کے اندر پیدا ہو جائے تو وہ خدا کی سزا سے بچ سکتا ہے اور اصل سزا وہی ہے"۔

حضور نے حکومت 'عوام اور مسلمانوں کو قیمتی مشورے دینے کے علاوہ ہندو اور مسلمان دونوں سے اپیل کی کہ ایک دوسرے کے بزرگوں کا احترام کریں کہ یہی طریق قیام امن کا موجب ہو سکتا ہے ۳۲۔

دوسرا باب (فصل دوم)

جلسہ سیرت النبیؐ اور الفضل کا "خاتم النبیینؐ نمبر" ۲/ جون ۱۹۲۹ء پچھلے سال کی طرح اندرون اور بیرون ملک میں جماعت احمدیہ کے زیر انتظام وسیع پیمانے پر سیرت النبیؐ کے جلسے منعقد ہوئے۔ جو شان و شوکت میں آپ ہی اپنی نظیر تھے اس سال آنحضرت ﷺ کی مقدس زندگی کے مندرجہ ذیل پہلوؤں پر بالخصوص روشنی ڈالی گئی۔

۱۔ رسول کریم ﷺ کا غیر مذاہب سے معاملہ بلحاظ تعلیم اور تعامل۔

۲۔ توحید باری تعالیٰ پر رسول کریم ﷺ کی تعلیم اور زور [۲۵]

پچھلے سال کے جلسوں نے مسلمانوں میں اس کی عظمت و اہمیت کا سکہ بٹھا دیا تھا اس لئے اس دفعہ اسلامی پریس نے اس تقریب کے آنے سے کئی روز پہلے ہی اس کو کامیاب بنانے کی مہم شروع کر دی۔ چنانچہ خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنے اخبار "منادی" (۲۴/ مئی ۱۹۲۹ء) میں لکھا۔

"ربیع الاول کے جشن خالص مذہبی تقریب کی صورت میں ہوتے ہیں........ مگر دوسری جون کے جلسے اس طرز کے ہوں گے جن میں عیسائی اور ہندو وغیرہ وغیرہ بھی شریک ہو سکیں اور سیرت پاک رسول مقبول ﷺ کو سن کر اپنے ان خیالات کی اصلاح کر سکیں جو غلط پراپیگنڈا نے غیر مسلمین کے دلوں میں جما دیئے ہیں۔ لہٰذا میرے تمام رفیقوں اور مریدوں کو ان جلسوں کی تیاری و تعمیل میں پوری جدوجہد کرنی چاہئے" [۲۶]۔

اخبار "محسن" ملتان (۲۳/ مئی ۱۹۲۹ء) نے لکھا۔

"یہ امر قابل صد ہزار ستائش ہے کہ سلسلہ احمدیہ کے امام صاحب نے اس مبارک تقریب کو کامیاب بنانے کے لئے ہر مذہب و ملت کے پیروؤں کو مدعو کیا ہے........ ظاہر بین نظریں اس کی تہہ کو نہیں پہنچ سکتیں۔ لیکن اگر بنظر امعان دیکھا جائے تو اس کی تہہ میں ایک بہت بڑا اسلامی تبلیغی راز مضمر ہے" [۲۷]۔

اخبار "پیغام عمل" فیروزپور (۲۴/ مئی ۱۹۲۹ء) نے لکھا۔

"ہم مسلمانوں کو خصوصاً و دیگر انصاف پسند اصحاب کی خدمت میں عموماً نہایت ادب و نیاز سے

گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ اگر آپ فی الواقعہ ان ہر دو قوموں (مسلم و ہندو۔ ناقل) کے مابین صلح و آشتی چاہتے ہیں نیز دنیا کے ہادیان دین کی عزت و احترام کو اپنا فرض اولین یقین کرتے ہیں تو آؤ حضرت امام جماعت احمدیہ کی اس مبارک تحریک پر لبیک کہتے ہوئے اس کو ہر ممکن سے ممکن طریق سے کامیاب بنانے کی سعی کریں" ۲۸۔

اخبار "مسلم راجپوت" نے ۱۵/ مئی ۱۹۲۹ء کی اشاعت میں لکھا۔

"عہد حاضرہ میں ترقی اسلام کا یہ سب سے بڑا گر ہے کہ حضور سرور عالم کے اقوال و اعمال کو صحیح رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے اور ہماری رائے میں اہل قادیان کی یہ تحریک نہایت مبارک اور ہر اعتبار سے لائق تائید ہے اور تمام ان مسلمانوں کو جو حقیقت میں دین الفطرت کے چمن کو سرسبز اور شاداب دیکھنا چاہتے ہیں نہ صرف ان جلسوں کی تائید کرنی چاہئے بلکہ ان میں عملی حصہ لینا چاہئے۔

کوئی شخص ایسے جلسوں کی جس میں پیغمبر اسلام (ﷺ) کی پاک زندگی کے حالات بیان کئے جائیں مخالفت کرے اور اس پر حمایت و تائید اسلام کا دم بھرے یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں بدقسمتی سے مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی ہے جو اس نیک تحریک کی مخالفت کو بھی اپنا ایمان سمجھتی ہے۔ اس جماعت کو سب سے بڑے دو اعتراض ہیں۔ (۱) حضرات قادیان اس میں اپنے مخصوص فرقہ وارانہ خیالات کی اشاعت کرتے ہیں اور (۲) وہ اپنے اغراض کی اشاعت کے لئے دوسرے مسلمانوں سے روپیہ وصول کرتے ہیں لیکن گزشتہ سال کے جلسوں پر اس قسم کی کوئی بات دیکھنے میں نہیں آئی جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہر دو الزامات غلط ہیں اور محض ایک مفید کام میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں مسلمانوں کو چاہئے کہ ان خواہ مخواہ کے مخالفین کی باتوں پر کان نہ دھریں" ۲۹۔

اخبار "مشرق" گورکھپور (۹/ مئی ۱۹۲۹ء) نے لکھا۔

"مسلمانوں میں احمدی جماعت جس خلوص کے ساتھ قومی خدمات انجام دے رہی ہے دوسری جماعتیں اس خلوص کے ساتھ یہ خدمات انجام نہیں دیتیں۔ ہم کو اس کا اعتراف ہے یہ احمدی وہی لوگ ہیں جن کو کمزور سمجھ کر دوسرے مسلمان اپنی قوت کے زور پر سنگسار کراتے ہیں افسوس معلوم نہیں **لا اکراہ فی الدین** کے عامل اس قسم کے جبر و تشدد اور عقیدہ پرستی کہاں سے سیکھ کر آئے ہیں اس ہی احمدی جماعت کے مخلص ممبروں نے پچھلے سال میں اپنی محنت اور خلوص سے آنحضرت ﷺ کے مقدس حالات جو غیر مسلموں میں تاریکی کے اندر پڑے ہیں خود غیر مسلموں سے پلیٹ فارموں پر بلا کر ظاہر کرائے ہیں اس ہی جماعت کے اراکین کی جدوجہد سے امسال پھر ۲/ جون ۱۹۲۹ء

کو حضور کے حالات ملک کے گوشتہ گوشتہ میں بیان کئے جائیں گے [٦٠]۔

اخبار "ہمت" لکھنؤ (۳/ مئی ۱۹۲۹ء) نے لکھا۔

"جناب امام جماعت احمدیہ کی یہ مبارک تجویز بے حد مقبول ہو رہی ہے کہ مختلف اور مخصوص مقامات پر اس طرح کے جلسے منعقد کئے جائیں جن میں مسلمانوں کے تمام فرقوں کے علماء اور لیکچرار بالاتفاق سیرت نبویؐ پر اظہار خیالات فرمائیں اور ان جلسوں میں دوسرے فرقوں کے افراد کو بھی شرکت کی دعوت اور ان کی نشست وغیرہ کا انتظام کیا جائے جماعت احمدیہ کی سنجیدہ اور ٹھوس تبلیغی سرگرمیاں ہر حیثیت سے مستحق مبارکباد ہیں اور ہمارے نزدیک مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس نہایت مفید اور اہم تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پوری سعی سے کام لیں" [٦١]۔

حکیم مولوی امجد علی صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس دہلی نے کہا۔

"......... ایسے نازک وقت میں جبکہ ہندوستان میں چاروں طرف آگ لگی ہوئی تھی حضرت امام جماعت احمدیہ نے ان پاک جلسوں کی بنیاد رکھ کر ہم پر بڑا احسان کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک الہامی تحریک تھی" [٦٢]۔

اسلامی پریس نے امسال بھی ان جلسوں پر مفصل تبصرہ کیا اور ان کی افادیت کا اقرار کیا۔ چنانچہ "انقلاب" (لاہور) "کشمیری گزٹ" (لاہور) "مدینہ" (بجنور) "تعمیر" (فیض آباد) "محسن" (ملتان) "سیاست" (لاہور) "صحیفہ" (حیدر آباد دکن) "حقیقت" "ہمدم" "ہمت" (لکھنؤ) اور بنگال کے متعدد انگریزی' اردو' بنگالی اخبارات کے علاوہ بیرونی ممالک میں "ڈیلی نیوز" شکاگو اور افریقہ کے متعدد اخبارات نے اپنے اپنے رنگ میں اس تحریک کی پرزور تائید کی اور بعض نے جلسوں کی روئیدادیں بھی شائع کیں [٦٣]۔

اس کے مقابل سیرت النبیؐ کے جلسوں کی سب سے زیادہ مخالفت اخبار "زمیندار" کے ایڈیٹر مولوی ظفر علی خاں کی طرف سے کی گئی جس کی وجہ سے ملتان' فیض آباد' انبالہ' لاہور اور پشاور وغیرہ مقامات میں افسوسناک صورتحال پیدا ہوئی۔ غیر جانبدار اسلامی پریس مثلاً اخبار "تعمیر" فیض آباد (۴/ جون ۱۹۲۹ء) اخبار "محسن" ملتان (٦/ جون ۱۹۲۹ء) اور اخبار "سیاست" لاہور (۸/ جون ۱۹۲۹ء) نے اس پر زبردست تنقید کی چنانچہ موخر الذکر اخبار نے خصوصاً پشاور کے مخالفین کے متعلق لکھا۔

"سب سے زیادہ اندوہناک مداخلت پشاور میں رونما ہوئی۔ پشاور لاہور سے بہت دور ہے اور وہاں کے نوجوان اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ گدائے لم یزل [٦٤] کی مخالفت و موافقت کبھی بھی فی سبیل اللہ نہیں ہوئی....... انہوں نے اس کی شریرانہ تحریروں سے متاثر ہو کر جلسہ میں گدھے چھوڑ

دیئے اور اس طرح پشاور کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا دیا نہیں نہیں صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے اپنے ہادی و رہنما (فداہ ابی) کی یاد کے جلسے کو برباد کر کے اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کر دیا اور مخالفین کو یہ کہنے کا موقعہ دیا کہ مسلمان سچے دل سے رسول اللہ ﷺ کی قدر نہیں کرتے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس شرارت کے ذمہ دار چند جاہل لونڈے ہوں گے ہماری دعا ہے کہ خداوند کریم انہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے" [۲۵]۔

گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی "الفضل" نے ۳۱/ مئی ۱۹۲۹ء کو شاندار خاتم النبیین نمبر شائع کیا۔ جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے علاوہ جماعت احمدیہ کے مشہور اور جید علماء و فضلا (اور احمدی خواتین) نے مضمون لکھے۔ غیر احمدی مضمون نگاروں میں سے مولوی محمد یعقوب صاحب ڈپٹی پریذیڈنٹ لیجسلیٹو اسمبلی دہلی' سید حبیب صاحب ایڈیٹر روزنامہ "سیاست" لاہور' ملا رموزی صاحب' خواجہ حسن نظامی صاحب دہلی اور غیر مسلم مضمون نگاروں میں سے لالہ رام چند صاحب منچندہ بی۔ اے۔ ایل ایل بی وکیل لاہور' پنڈت ٹھاکر دت صاحب شرما' موجد امرت دھارا' لالہ جگن ناتھ صاحب بی اے۔ ایل ایل بی وکیل کبیر والہ (ضلع ملتان) پروفیسر ایچ۔ سی۔ کمار صاحب بی۔ اے اور پادری غلام مسیح صاحب لاہور خاص طور پر قابل ذکر تھے۔ اس نمبر کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ احمدی غیر احمدی اور غیر مسلم شعراء نے اپنا نعتیہ کلام اس کے لئے بھیجا تھا۔ مثلاً حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہان پوری' ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب' حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب' حضرت مولوی ذوالفقار علی صاحب' جناب حکیم سید علی صاحب آشفتہ لکھنوی' لسان الملک ریاض خیر آبادی' لسان الہند مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی' منشی لچھمن نرائن صاحب سنہابی۔ اے' لسان القوم صفی لکھنوی' اعتبار الملک حکیم مولوی ضمیر حسن خان صاحب دل شاہجہانپوری۔

الفضل کے اس خصوصی نمبر پر غیر مسلم اور مسلم دونوں حلقوں نے عمدہ آراء کا اظہار کیا۔

۱۔ چنانچہ لالہ رام چند صاحب منچندہ بی اے۔ ایل ایل بی۔ ایڈووکیٹ لاہور نے لکھا۔

"میں نے اہل قلم کے قیمتی مضامین کو جو تمام کے تمام حضرت رسول اللہ کی پاک ذات اور سوانح عمری کے متعلق ہیں نہایت ہی مسرت اور دلچسپی سے پڑھا...... اگر استقلال کے ساتھ اس کو جاری رکھا گیا تو آج سے تیس سال بعد کئی ہندو گھرانوں میں پیغمبر صاحب کی برسی منائی جائے گی۔ اور جو کام مسلم بادشاہ ہندوؤں سے نہیں کرا سکے وہ آپ کرا سکیں گے' ملک میں امن ہو گا' خوشحالی ہو گی' ترقی اور آزادی ہو گی اور ہندو مسلم باوجود اختلافات کے بھائیوں کی طرح رہیں

گے" [۴۶]۔

۲۔ اخبار "کشمیری" لاہور (۱۴/ جون ۱۹۲۹ء) نے لکھا۔

"الفضل کے خاتم النبیین نمبر کی کئی دنوں سے دھوم تھی آخر ۳۱/ مئی کو یہ نمبر دیدہ زیب جاذب توجہ شکل اور صوری و معنوی خوبیوں کے ساتھ شائع ہو گیا"۔ الخ [۴۷]۔

۳۔ اخبار "سیاست" (۱۶/ جون ۱۹۲۹ء) لاہور نے لکھا۔

"یہ نمبر ہماری نظر سے گزرا ہے اس میں ملک کے بہترین انشاء پردازوں کے قلم سے اسوہ حسنہ رسول پاک کے متعلق مضامین موجود ہیں۔ ہر مضمون اس قابل ہے کہ موتیوں سے تولا جائے"

[۴۸]۔

۴۔ اخبار "منادی" (دہلی) (۲۱/ جون ۱۹۲۹ء) نے لکھا۔

"اس سال بھی اخبار الفضل کا خاتم النبیین نمبر نہایت قابلیت اور عرقریزی سے مرتب کیا گیا...... جس کے مطالعہ سے گوناگوں معلومات کے حصول کے علاوہ ایمان بھی تازہ ہوتا ہے ہمارے نزدیک اس اخبار کا یہ نمبر اس قابل ہے کہ ہر مسلمان اس کا مطالعہ کرے" [۴۹]۔

ابو الاثر حفیظ صاحب جالندھری قادیان میں

جون ۱۹۲۹ء کے شروع میں ابو الاثر حفیظ صاحب جالندھری قادیان تشریف لائے۔ ان کی آمد پر تعلیم الاسلام ہائی سکول کی گراؤنڈ میں ایک مجلس مشاعرہ منعقد ہوئی جس میں دوسرے اصحاب کے علاوہ ابو الاثر حفیظ صاحب جالندھری نے جو ابھی نوجوان ہی تھے اور "شاہنامہ اسلام" کی اشاعت کے لئے کوشاں تھے۔ "شاہنامہ اسلام" کے بعض حصے اپنی مخصوص طرز میں پڑھ کر سنائے اس مجلس میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی شمولیت فرمائی [۵۰]۔

حفیظ صاحب نے "شاہنامہ اسلام" کی اشاعت سے پہلے اس کے بعض حصے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو بھی دکھائے تھے اور حضور کے ارشاد پر بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان نے اس کی سو کاپیاں پیشگی قیمت پر خریدی تھیں [۵۱]

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کا سفر کشمیر

۱۹۲۹ء کا نہایت اہم اور قابل ذکر واقعہ حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کا سفر کشمیر ہے جو ۵/ جون ۱۹۲۹ء [۵۲] سے شروع ہو کر ۳۰/ ستمبر ۱۹۲۹ء [۵۳] کو ختم ہوا۔ حضور کے اہل بیت و صاحبزادگان کے علاوہ حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب ہلالپوری، حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد ایم۔ اے، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب اور مولوی قمر الدین صاحب بھی رفیق سفر تھے۔ آخر میں حضرت

صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب بھی سری نگر تشریف لے گئے [۵۳]۔ سری نگر میں حضور نے ہاؤس بوٹ میں قیام فرمایا۔

اس سفر کی (جو کشمیر کا اس وقت تک آخری سفر ہے) نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ حضور نے دوران قیام میں ریاست کشمیر و جموں کی جماعت احمدیہ اور دوسرے مسلمانوں کو اپنی تقریروں اور خطبوں میں ایمان کے ساتھ عمل صالح اختیار کرنے کی طرف بار بار توجہ دلائی اور مختلف طریقوں اور پیرایوں سے ان کو اخلاقی' ذہنی اور روحانی تغیر پیدا کرنے کی انقلاب انگیز دعوت دی اور خصوصاً کشمیری احمدیوں کو ان کی تنظیمی اور تبلیغی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ فرمایا۔

اس سلسلہ میں حضور کے خطبات و تقاریر کے بعض اقتباسات درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ "یہاں کی جماعت تنظیم کی طرف توجہ نہیں کرتی۔ اگر وہ منظم جماعت کی صورت میں ہو اور تبلیغی کوششوں میں لگ جائے تو ریاست میں اچھا اثر پڑے۔ اس علاقہ میں جماعتیں تو موجود ہیں اور اچھی جماعتیں ہیں مگر چونکہ ان کی کوئی تنظیم نہیں اس لئے علاقہ پر اثر نہیں پڑتا...... اگر ایسا ہو جائے تو مسلمان ترقی کر سکتے ہیں"۔ (فرمودہ ۲۷/ جون ۱۹۲۹ء) (بمقام سرینگر [۵۵]) ۲۔ "صحیح طریق یہ ہے کہ انسان ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ حاصل کرنے کی کوشش کرے اور جس قدر کسی کی طاقت ہو۔ اس قدر کرے اس سے وہ اپنی حالت میں ایک پورا درخت ہو جائے گا جو کم و بیش دوسروں کے لئے فائدہ کا موجب ہو گا اس کے اندر حسن سلوک کی عادت احسان کرنے کا مادہ ہو' لوگوں کی مدد کرنے اور بھلائی کرنے کی عادت ہو الغرض تمام قسم کی نیکیاں کم و بیش اس کے اندر ہوں...... تب ہی اس کے اندر سرسبز درخت والی خوبصورتی پیدا ہو گی" [۵۶]۔ (فرمودہ ۲۱/ جون ۱۹۲۹ء بمقام سرینگر)

۳۔ "جو باتیں مسلمانوں نے چھوڑ دی ہیں جب تک وہ دوبارہ ان میں پائی نہ جائیں کبھی اور کسی حال میں ترقی نہیں کر سکتے۔ محنت کی عادت ڈالیں' دوسروں پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیں' خدمت خلق کو اپنا فرض سمجھیں تب وہ ترقی کر سکتے ہیں...... اسلام چونکہ اچھی چیز تھی اس وقت تک اس ملک میں اسلام کی خوبیوں کا نقش موجود ہے۔ گو مسلمان اپنی غفلت کی وجہ سے مٹا دیئے گئے یہاں کشمیر میں بھی یہی مرض پایا جاتا ہے اس لئے میں نے اپنے خطبے اس طرز کے بیان کرنے شروع کئے ہیں کہ مسلمانوں میں عمل نہ کرنے کی وجہ سے جو پستی ہے اس میں تبدیلی پیدا ہو۔ کیونکہ مسلمان اپنی مدد آپ نہ کریں گے محنت نہ کریں گے دیانتداری سے کام نہ کریں گے اپنے آپ کو مفید نہ بنائیں گے تب تک ترقی نہ ہو گی...... مسلمانوں کو چاہئے خدا تعالیٰ کی امداد کے طالب ہوں۔ دوسروں پر توکل نہ کریں بلکہ خود عمل کریں اور خدا تعالیٰ کے ماننے والوں میں سے ہوں" [۵۷]۔ (فرمودہ ۵/ جولائی ۱۹۳۰ء بمقام

سرینگر)

۴۔ "بعض قربانیاں ایسی کرنی پڑتی ہیں جن کا نفع فوری طور پر نظر نہیں آتا مگر اس کے پس پردہ بہت عظیم الشان فوائد ہوتے ہیں انبیاء کے حقیقی متبعین بھی قربانیاں کرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں کامیاب ہو جاتے ہیں...... ہمارے لئے بھی ضروری ہے کہ بلحاظ ایمان کے پتھر کی چٹان کی طرح ثابت ہوں...... ماموروں کا کام نئی زندگی پیدا کرنا ہوتا ہے انبیاء کی جماعتوں کے ہر فرد کو سمجھنا چاہئے کہ میرے ہی ذریعہ دنیا کی نجات ہو گی...... حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس قسم کے چالیس مومنوں کی خواہش رکھتے تھے کہ اگر ہماری جماعت میں پیدا ہو جائیں تو پھر تمام دنیا کا فتح کرنا آسان ہو جاتا ہے" ۵۸ -(فرمودہ ۲۸/ جون ۱۹۲۹ء بمقام سرینگر)

۵۔ "ان اصول کے ذریعہ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے پیش فرمائے ہیں قرآن اور حدیث کے مطالب حل کرنا ایک کھلی بات ہو گئی ہے اور ہمارے دوستوں کے لئے ضروری ہے کہ قرآن اور حدیث پر تدبر کریں اور خصوصاً نوجوانوں کو بہت زیادہ توجہ کرنی چاہئے کیونکہ ہر ایک قوم نوجوانوں کی کوشش سے ترقی کرتی ہے"۔(فرمودہ ۲/ اگست ۱۹۲۹ء بمقام آڑو کشمیر ۵۹)

۶۔ اھدنا الصراط المستقیم میں یہ سکھایا گیا ہے کہ اے خدا ہمیں کام کے مسلمان بنا ہم نام کے مسلمان نہ ہوں کیونکہ نام کی کچھ حقیقت نہیں اصل چیز کام ہے" ۶۰ -(فرمودہ ۱۹/ جولائی ۱۹۲۹ء بمقام سرینگر)

۷۔ "پاک لوگوں کا دل خدا تعالیٰ کی محبت اور الفت میں اس قدر گداز ہوتا ہے کہ گویا اس کے مقابلہ میں جسم نے کچھ کیا ہی نہیں ہوتا۔ یہی وہ درجہ ہے جس کے لئے ہر ایک مومن کو کوشش کرنی چاہئے اسی کے لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو گیا اور اگر وہ خراب ہو گیا تو سارا جسم خراب ہو گیا۔ الا وھی القلب۔ سنو وہ دل ہے پس اصل چیز انسان کے دل کی پاکیزگی ہے" ۶۱ -(فرمودہ ۹/ اگست ۱۹۲۹ء بمقام پہلگام)

ان سات مختصر اقتباسات سے یہ اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں ہے کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کشمیر اور دوسرے مسلمانوں کو بیدار کرنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور ہر ممکن کوشش کی کہ ریاست کے مسلمانوں میں زندگی کی ایک نئی روح پیدا ہو جائے۔

سفر کشمیر کے دوسرے قابل ذکر واقعات

اس خصوصی مہم کے علاوہ سفر کشمیر کے کئی اور قابل ذکر واقعات بھی ہیں جن کا بیان کرنا

ضروری ہے۔ مثلاً

عیادت خواجہ کمال الدین صاحب: حضور ۱۹۲۹ء کو بذریعہ موٹر ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب اور صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو ساتھ لے کر خواجہ کمال الدین صاحب کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے جو نشاط باغ کے آگے سرینگر سے ۵۰۰ فٹ کی بلندی پر خیمہ میں رہائش پذیر تھے۔ حضور ایک گھنٹہ تک خواجہ صاحب کے پاس تشریف فرما رہے [۶۲]۔

حضور اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ "اسلامی سنت کو پورا کرنے کے لئے اور اس وجہ سے کہ میں چھوٹا تھا اور مدرسہ میں پڑھتا تھا خواجہ صاحب نے تین چار دن مجھے حساب پڑھایا تھا اور اس طرح وہ میرے استاد ہیں میں ان کی عیادت کے لئے گیا تھا۔ موقع کے لحاظ سے ان کی بیماری کے متعلق باتیں ہوتی رہیں" [۶۳]۔

یاڑی پورہ کے جلسہ میں شرکت: ۱۵/ اگست ۱۹۲۹ء کو جماعت احمدیہ یاڑی پورہ کا جلسہ منعقد ہوا جس میں حضور معہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ہلالپوری، مولوی قمرالدین صاحب [۶۴]، مولوی عبدالرحیم صاحب درد بذریعہ موٹر تشریف لے گئے۔ احباب جماعت نے حضور کا شاندار استقبال کیا جلسہ گاہ میں جو مسجد احمدیہ کے صحن میں بنائی گئی تھی۔ خوب آراستہ کی گئی تھی۔ نماز ظہر و عصر پڑھانے کے بعد حضور نے ایک ولولہ انگیز تقریر فرمائی جس میں بتایا کہ نبی کے زمانہ میں چھوٹے بڑے کئے جاتے ہیں اور بڑے چھوٹے۔ تقریر میں صحابہ کرام کی مثالیں پیش کر کے احمدی احباب کو خدمت اسلام، تبلیغ احمدیت اور بچوں کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی [۶۵]۔ اور آخر میں ارشاد فرمایا۔

"میں جماعت کے لوگوں کو اس طرف خاص طور پر توجہ دلاتا ہوں خواہ کوئی تاجر ہو یا واعظ، زمیندار ہو یا گورنمنٹ کا ملازم خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا ہر ایک کو سب سے اول اپنے نفس کی اصلاح کرنی چاہئے اور لوگوں کے سامنے اپنا ایسا نمونہ پیش کرنا چاہئے کہ جو کوئی دیکھے پکار اٹھے خدا رسیدہ لوگ ایسے ہوتے ہیں اگر ایسی حالت ہو جائے تو پھر دیکھ لو احمدیت کی ترقی کے لئے کس طرح رستہ کھل جاتا ہے" [۶۶]۔

یاڑی پورہ میں قریباً چونسٹھ افراد نے بیعت کی۔

جموں میں تقریر: سرینگر سے واپسی پر حضور نے ایک روز جموں میں قیام فرمایا۔ جہاں ۳۰/ ستمبر ۱۹۲۹ء کو آپ نے ایک اہم تبلیغی تقریر فرمائی جس میں طالبان حق کو بڑے پر جوش الفاظ میں توجہ دلائی کہ وہ سچے مذہب اور سچی جماعت کی تلاش میں خدا تعالیٰ سے بذریعہ دعا رہنمائی طلب کریں [۶۷]۔

دوسرا باب (فصل سوم)

حضرت حافظ روشن علی صاحب "عبدالکریم ثانی" کی وفات

علامہ حضرت حافظ روشن علیؓ کی وفات

۱۹۲۹ء کا روح فرسا واقعہ حضرت حافظ روشن علی ؓ جیسے مثالی عالم ربانی کی وفات ہے جو ۲۳/ جون ۱۹۲۹ء کی شام کو واقع ہوئی [۶۸]۔ حضرت میر محمد اسحاق ؓ کے الفاظ میں "حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت نور الدینؓ اعظم کو چھوڑ کر سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں مولوی عبدالکریم صاحب مرحومؓ کی وفات کے بعد کوئی حادثہ حافظ صاحب مرحوم کے حادثہ جیسا نہیں ہوا [۶۹]۔

جماعت احمدیہ نے یہ عظیم صدمہ کتنی شدت سے محسوس کیا اس کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ حضرت حافظ صاحب کی یاد میں کئی ماہ تک مضامین شائع ہوتے رہے [۷۰]۔ سلسلہ کے بزرگوں اور شاعروں [۷۱] نے عربی اردو اور فارسی میں دردناک مرثیے کہے اور آپ کے شاگردوں اور مرکزی اداروں اور بیرونی جماعتوں کی طرف سے تعزیتی قراردادیں پاس کی گئیں۔ حتّٰی کہ سلسلہ کے مشہور مخالف جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اپنے اخبار "اہلحدیث" میں لکھا۔

"حافظ روشن علی قادیانی جماعت میں ایک قابل آدمی تھے۔ قطع نظر اختلاف رائے کے ہم کہتے ہیں کہ موصوف خوش قرأت خوش گو تھے۔ مناظرے میں متین اور غیر دلآزار تھے۔ مرزا صاحب کے راسخ مرید تھے ہمیں ان کی وفات میں ان کے متعلقین سے ہمدردی ہے" [۷۲]۔

اخبار "پیغام صلح" لاہور نے لکھا۔

"حافظ روشن علی صاحب ایک متشدد محمودی تھے۔ محمودیت کی حمایت میں انہوں نے ہمیشہ غالیانہ سپرٹ کا اظہار کیا۔ تاہم ان میں بعض خوبیاں بھی تھیں جن کی وجہ سے ان کی موت باعث افسوس ہے حافظ صاحب حضرت مولانا نور الدین صاحبؓ مرحوم کے شاگردوں میں سے تھے نہایت ذہین' خوش بیان' خوش الحان اور عالم آدمی تھے۔ نہ صرف علوم اسلامیہ پر کافی عبور تھا بلکہ غیر مذاہب سے بھی خاصی واقفیت رکھتے تھے اور آریہ سماج کے ساتھ کئی مناظرے انہوں نے کئے" [۷۳]۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ حضرت حافظ صاحب کی وفات کے وقت چونکہ سرینگر میں مقیم تھے۔ اس لئے امیر مقامی حضرت مولوی شیر علی صاحب نے حضور کو بذریعہ تار اطلاع دی۔ جس پر

حضور نے تعزیت کا مندرجہ ذیل تار ارسال فرمایا۔

"۲۴/ جون محمود آباد۔ سرینگر

مولوی شیر علی صاحب کا تار حافظ روشن علی صاحب کی وفات کے متعلق ملا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ میں وہاں موجود نہیں ہوں تاکہ اس قابل قدر دوست اور زبردست حامی اسلام کی نماز جنازہ خود پڑھا سکوں۔ حافظ صاحب مولوی عبدالکریم صاحب ثانی تھے [۷۴]۔ اور اس بات کے مستحق تھے کہ ہر ایک احمدی انہیں نہایت عزت و توقیر کی نظر سے دیکھے۔ انہوں نے اسلام کی بڑی بھاری خدمت سرانجام دی ہے اور جب تک یہ مقدس سلسلہ دنیا میں قائم ہے انشاء اللہ ان کا کام کبھی نہیں بھولے گا۔ ان کی وفات ہمارے سلسلہ اور اسلام کے لئے ایک بڑا صدمہ ہے لیکن ہمیشہ ایسے ہی صدمے ہوتے ہیں جنہیں اگر صبر کے ساتھ برداشت کیا جائے تو وہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کے جاذب بن جاتے ہیں ہم سب فانی ہیں لیکن جس کام کے لئے ہم کھڑے کئے گئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو موت و حیات کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ غیر معلوم اسباب کے ذریعہ اپنے کام کی تائید کرے گا۔ چونکہ ہماری جماعت ہمارے پیارے اور معزز بھائی کی خدمات کی بہت ممنون ہے اس لئے میں درخواست کرتا ہوں کہ تمام دنیا بھر کی احمدیہ جماعتیں آپ کا جنازہ پڑھیں۔ یہ آخری خدمت ہے جو ہم اپنے مرحوم بھائی کی ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بدلہ ان بیش قیمت خدمات کے مقابلہ میں جو انہوں نے اسلام کے لئے کیں کیا حقیقت رکھتا ہے۔

میں احباب کے ساتھ سرینگر میں نماز جنازہ پڑھوں گا۔ اگر لاش کے متغیر ہو جانے کا خوف نہ ہو تا تو التوائے تدفین کی ہدایت دے کر میں اس آخری فرض کو ادا کرنے کے لئے خود قادیان آتا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر جو ہم سے رخصت ہو گئے ہیں اور ان پر بھی جو زندہ ہیں اپنی رحمتیں نازل فرمائے" [۷۵]۔

چنانچہ یہ تار پہنچنے کے بعد قادیان میں ۲۴/ جون کو ۱۱ بجے کے قریب حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی کوٹھی سے جہاں ایام علالت میں آپ مقیم تھے آپ کا جنازہ اٹھایا گیا۔ جنازہ کے ہمراہ ایک انبوہ کثیر تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کے باغ میں حضرت مولوی شیر علی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور یہ مقدس اور خدا نما وجود مقبرہ بہشتی میں دفن کر دیا گیا [۷۶]۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے سرینگر میں نماز جنازہ پڑھائی اور دوسرے مقامات کی احمدی جماعتوں نے حضور کے حکم کے مطابق اپنی اپنی جگہ غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔

حضرت امیر المومنین نے ۲۸/ دسمبر ۱۹۲۹ء سالانہ جلسہ کے موقعہ پر حافظ صاحب کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں سمجھتا ہوں میں ایک نہایت وفادار دوست کی نیک یاد کے ساتھ بے انصافی کروں گا اگر اس موقعہ پر حافظ روشن علی صاحب کی وفات پر اظہار رنج و افسوس نہ کروں۔ حافظ صاحب مرحوم نہایت ہی مخلص اور بے نفس انسان تھے۔ میں نے ان کے اندر وہ روح دیکھی۔ جسے اپنی جماعت میں پیدا کرنے کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواہش تھی۔ ان میں تبلیغ کے متعلق ایسا جوش تھا کہ وہ کچھ کہلوانے کے محتاج نہ تھے۔ بہت لوگ مخلص ہوتے ہیں کام بھی اچھا کرتے ہیں مگر اس امر کے محتاج ہوتے ہیں کہ دوسرے انہیں کہیں کہ یہ کام کرو تو وہ کریں۔ حافظ صاحب مرحوم کو میں نے دیکھا وہ سمجھتے تھے گو خدا تعالیٰ نے خلیفہ مقرر کیا ہے۔ مگر ہر مومن کا فرض ہے کہ ہر کام کی نگہداشت کرے اور اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھے وہ اپنے آپ کو سلسلہ کا ایسا ہی ذمہ دار سمجھتے تھے جیسا اگر کوئی مسلمان بالکل اکیلا رہ جائے اور (وہ اپنے آپ کو ذمہ دار) سمجھے یہ ان میں ایک نہایت ہی قابل قدر خوبی تھی اور اس کا انکار ناشکری ہو گا یہ خوبی پیدا کئے بغیر جماعت ترقی نہیں کر سکتی کہ ہر شخص محسوس کرے کہ سب کام مجھے کرنا ہے۔ اور تمام کاموں کا میں ذمہ دار ہوں۔ میں سمجھتا ہوں ایسے ہی لوگوں کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ اگر مجھے چالیس مومن میسر آجائیں تو میں ساری دنیا کو فتح کر لوں۔ یعنی ان میں سے ہر ایک محسوس کرے کہ مجھ پر ہی جماعت کی ساری ذمہ داری ہے اور میرا فرض ہے کہ ساری دنیا کو فتح کروں" [۷۷]۔

حضرت حافظ صاحب کے جانشین

حضرت حافظ روشن علی صاحب کی وفات سے جماعت کے تبلیغی کاموں میں جو خلا پیدا ہو گیا اس کا پر ہونا بہت مشکل نظر آتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے بعض نامور شاگردوں کو جنہیں آپ نے مرض الموت میں وصیت فرمائی تھی کہ "میرے شاگرد ہمیشہ تبلیغ کرتے رہیں" [۷۸] اس خلا کے پر کرنے کے لئے آگے بڑھا دیا اور انہوں نے تبلیغ و اشاعت دین کے میدان میں ایسی ایسی خدمات سرانجام دیں کہ وہ حضرت حافظ روشن علی ثانی بن گئے۔ چنانچہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

"کچھ عرصہ کے بعد جب ادھر میر محمد اسحاق صاحب کو انتظامی امور میں زیادہ مصروف رہنا پڑا اور ان کی صحت بھی خراب ہو گئی اور ادھر حافظ روشن علی صاحب وفات پا گئے تو...... اس وقت اللہ تعالیٰ نے فوراً مولوی ابوالعطاء صاحب اور مولوی جلال الدین صاحب شمس کو کھڑا کیا اور جماعت نے محسوس کیا کہ یہ پہلوں کے علمی لحاظ سے قائم مقام ہیں" [۷۹]۔

حضرت حافظ روشن علیؓ کی وفات کے بعد افتاء کی اکثر و بیشتر ذمہ داری [۸۰] حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب کے کندھوں پر آپڑی جسے آپ عمر بھر کمال خوبی و خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے [۸۱]۔

حضرت مولانا کا طریق تھا کہ آپ جامعہ احمدیہ کے طلبہ کو بھی استفتاء کا جواب دینے کے لئے ارشاد فرماتے اور ساتھ ہی کتابوں کی بھی رہنمائی فرماتے اور پھر اس پر نظر ثانی کر کے بھجواتے اس طرح آپ کی رہنمائی اور نگرانی میں آپ کے شاگردوں کو بھی فقہی مسائل میں دسترس حاصل ہو جاتی [۸۲]۔

"جواب مباہلہ" اخبار "مباہلہ" [۸۳] دسمبر ۱۹۲۸ء سے نہایت ناپاک اور شرمناک پراپیگنڈا کر رہا تھا۔ جس کے تحقیقی اور مدلل جواب کے لئے مولوی ابو العطاء صاحب جالندھری سیکرٹری انجمن انصار خلافت لاہور نے "جواب مباہلہ" کے نام سے ٹریکٹوں کا ایک سلسلہ جاری کیا۔ اس سلسلہ میں پہلا ٹریکٹ ۳۰/ جون ۱۹۲۹ء کو لاہور سے شائع ہوا۔

مولوی ابو العطاء صاحب نے اس سلسلہ کے شروع کرنے سے پہلے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سے اجازت بھی چاہی اور ضروری ہدایات کی بھی درخواست کی۔ حضور نے اپنے قلم سے مندرجہ ذیل نہایت پرزور اور بصیرت افروز جواب تحریر فرمایا جو پہلے ٹریکٹ میں بھی شائع کر دیا گیا۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

مکرمی۔ السلام علیکم۔ بے شک اس کام کو شروع کریں اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار اور ناصر ہو۔ میں تو خود ان امور کا جواب دینا شرعاً اور بعض رؤیا کی بنا پر مناسب نہیں سمجھتا لیکن ایک ادنیٰ تدبر سے انسان ان لوگوں کے مفتریانہ بیانات کی حقیقت کو پا سکتا ہے۔ میرا جواب تو میرا رب ہے میں اسی کو اپنا گواہ بناتا ہوں وہ سب کھلی اور پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور اسی کا فیصلہ درست اور راست ہے وہ اس امر پر گواہ ہے کہ اخبار مباہلہ والوں نے سرتاپا جھوٹ بلکہ افترا سے کام لیا ہے اور انشاء اللہ وہ گواہ رہے گا۔ میں اسی کے فضل کا امیدوار اور اسی کی نصرت کا طالب ہوں رب انی مغلوب فانتصر میں ان لوگوں کے بیانات پر جو اخبارات میں شائع ہوئے ہیں سوائے اس کے یہ کہوں کہ انہیں خدا تعالیٰ کی لعنت سے ڈرنا چاہئے کہ سرتاپا کذب و بہتان سے کام لے رہے ہیں اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا اگر میرا رب مجھ سے کام لینا چاہتا ہے تو وہ خود میرا محافظ ہو گا اور اگر وہی مجھ سے کام نہیں لینا چاہتا تو لوگوں کی تعریفیں میرا کچھ نہیں بنا سکتیں۔ باقی رہیں ہدایات۔ سو میرے نزدیک ہر ایک عقلمند انسان جو شریعت کے امور سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہو ان لوگوں کے غلط طریق سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ ہاں ایک سوال ہے جس کا شائد آپ جواب نہ دے سکیں اور وہ یہ ہے کہ بعض نادان اور شکوک و شبہات میں

پڑے ہوئے لوگ یہ خیال کر لیتے ہیں کہ مباہلہ نہ کرنا اس سبب سے نہیں کہ مباہلہ کو میں جائز نہیں سمجھتا بلکہ اس سبب سے ہے کہ میں مباہلہ کرنا نہیں چاہتا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو مباہلہ بھی ہر شخص سے نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے بھی شرائط ہیں مگر اس قسم کے امور کے لئے کہ جن کے متعلق حدود مقرر ہیں اور گواہی کے خاص طریق مذکور ہیں مباہلہ چھوڑ کر قسم بھی جائز نہیں اور ہرگز درست نہیں کہ کسی شخص (الزام دہندہ) کو ایسے امور میں مباہلہ کے مطالبہ کی اجازت دی جائے یا مطالبہ پر مباہلہ کو منظور کر لیا جائے مجھے یہ کامل یقین ہے اور ایک اور ایک دو کی طرح یقین ہے کہ ایسے امور کے متعلق مباہلہ کا مطالبہ کرنا یا ایسے مطالبہ کو منظور کرنا ہرگز درست نہیں بلکہ شریعت کی ہتک ہے اور میں ہر مذہبی جماعت کے لیڈروں یا مقتدر اصحاب سے جو اس امر کا انکار کریں مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں اگر مولوی محمد علی صاحب یا ان کے ساتھ جو مباہلہ کی اشاعت میں یا اس قسم کے اشتہارات کی اشاعت میں خاص حصہ لے رہے ہیں۔ مجھ سے متفق نہیں بلکہ ایسے امور میں مباہلہ کے مطالبہ کو جائز سمجھتے ہیں اور ان کا یہ یقین ہے کہ جو شخص ایسے مطالبہ کو منظور نہیں کرتا وہ گویا اپنے جرم کا ثبوت دیتا ہے تو ان کو چاہئے کہ اس امر پر مجھ سے مباہلہ کر لیں۔ پھر اللہ تعالیٰ حق و باطل میں خود فرق کر دے گا۔

خاکسار مرزا محمود احمد ۸۴ ۲۹/۶/۱۵

اس باطل شکن چیلنج کو قبول کرنے اور میدان مباہلہ میں آنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔

مذبح قادیان کے انہدام کا واقعہ

قادیان کے احمدی اور دوسرے مسلمان اپنی ضروریات کے لئے عید اور دوسرے موقعوں پر گائے ذبح کیا کرتے تھے لیکن جب حکومت نے یہاں سال ٹاؤن کمیٹی قائم کی تو اس عمل کو ایک باضابطہ شکل میں لانے کے لئے کمیٹی کی معرفت مذبح کی درخواست دی گئی۔ جو ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور نے منظور کر لی اور کمیٹی نے بھینی متصل قادیان میں منظور شدہ جگہ پر مذبح تعمیر کیا اور جولائی میں اس کے کھلنے کی اجازت ملی اور جونہی اس میں باقاعدہ کام شروع ہوا۔ قادیان کے فتنہ پرداز ہندوؤں اور سکھوں نے اردگرد کے سادہ مزاج اور دیہاتی سکھوں کو بھڑکانا شروع کیا اور ۷/ اگست ۱۹۲۹ء کو کئی سو سکھوں کے شوریدہ سر ہجوم کے ذریعہ پولیس کی موجودگی میں پندرہ منٹ کے اندر اندر مذبح مسمار کرا دیا ۸۵۔ اور پھر سکھوں کو مسلمانوں کے خلاف آلہ کار بنانے کے بعد ڈپٹی کمشنر کے فیصلہ کے بعد ۸۶ کمشنر صاحب کے پاس اپیل دائر کر دی اور اس فتنہ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے ڈپٹی کمشنر نے مرعوب ہو کر مذبح کا لائسنس منسوخ کر دیا۔

اس واقعہ نے سارے ہندوستان کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی زبردست لہر دوڑا دی۔ اور مسلم

پریس نے ایسا متحدہ احتجاج کیا جس کی نظیر نہیں ملتی چنانچہ "انقلاب" (لاہور) "مدینہ" (بجنور) "پیغام صلح" (لاہور) "منادی" (دہلی) "الجمعیتہ" (دہلی) "دور جدید" (لاہور) "تازیانہ" (لاہور) "مسلم آوٹ لک" (لاہور) "وکیل" (امرتسر) "مونس" (اٹاوہ) "اہلحدیث" (امرتسر) "زمیندار" (لاہور) "الامان" (دہلی) "شباب" (راولپنڈی) "حقیقت" (لکھنؤ) "ہمت" (لکھنؤ) نے مذبح کی تائید و حمایت میں پرزور اداریے لکھے۔ اس کے علاوہ مسلم لیگ (امرتسرو گورداسپور) "مجلس خلافت پنجاب" نے ریزولیوشن پاس کئے۔

جس زمانہ میں مذبح سے متعلق یہ فتنہ برپا کیا گیا ہے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی سری نگر میں تشریف فرما تھے اور حضور معاملہ کے آغاز ہی سے اس میں غیر معمولی دلچسپی لیتے اور ہدایات دیتے رہے تھے اور سری نگر سے واپسی کے بعد تو آپ نے ایک طرف تو ملی و قومی حق کے حاصل کرنے کے لئے جماعت احمدیہ میں زبردست جوش و خروش پیدا کر دیا اور دوسری طرف ۹/ ستمبر ۱۹۲۹ء کو مسئلہ ذبیحہ گائے سے متعلق ہندو، سکھ اور مسلم لیڈروں کے نام مفصل مکتوب لکھا۔ جو الفضل ۲۰/ ستمبر ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا۔ جس کے جواب میں سردار جوگندر سنگھ صاحب، سردار تارا سنگھ صاحب، بھائی پرمانند صاحب دیانند کالج جالندھر اور بعض مسلمان لیڈروں کے خطوط موصول ہوئے۔ چونکہ کمشنر صاحب لاہور کی عدالت میں مذبح قادیان سے متعلق اپیل کی سماعت ہونے والی تھی اس لئے سب سے بڑی ضرورت اس امر کی تھی کہ مسلمانوں کا کیس صحیح صورت میں رکھا جائے۔ یہ اہم کام چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کے سپرد ہوا۔ جنہوں نے ۱۷/ ستمبر ۱۹۲۹ء کو چوٹی کے ہندو وکلاء کے دلائل کی زبردست تردید کرتے ہوئے مذبح کی ضرورت واضح کی۔ ہندو وکلاء آپ کی بحث کے سامنے کوئی ایسی معقول دلیل نہ پیش کر سکے جسے مسلمانوں کو اپنے مذہبی اور اقتصادی حق سے محروم کر دینے کے لئے وجہ جواز قرار دیا جا سکے [۸۷،۸۸]۔

آخر ۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو کمشنر صاحب نے (باوجود یہ کہ ان کا رویہ قبل ازیں غیر منصفانہ اور دلآزار نظر آتا تھا) ہندوؤں کی اپیل خارج کر دی اور فیصلہ کیا کہ حکم امتناعی اس وقت تک قائم رہے گا جب تک ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور ذبیحہ گائے کے لائسنس کی تجدید کریں [۸۹]۔

پنجاب سائمن کمیٹی کی رپورٹ پر تبصرہ

پنجاب کے سائمن کمیشن کمیٹی میں مسلمانوں کو اپنی غفلت اور بے حسی کی وجہ سے اپنے تناسب کے لحاظ سے بہت کم نمائندگی ملی۔ مزید براں الجھن یہ پیدا ہو گئی کہ کمیٹی کے مسلمان ممبروں نے تعاون کے پیش نظر یہ تجویز قبول کر لی کہ پنجاب کونسل میں کل ایک سو پینسٹھ ممبر ہوں جن میں سے ۸۳

ممبر مسلمان ہوں، باقی ہندو سکھ اور مسیحی وغیرہ چونکہ اس تجویز کے نتیجہ میں مسلمانوں کی پچپن فیصدی کی اکثریت اکاون فیصدی میں بدل جاتی تھی اور مسلمانان پنجاب کے سیاسی مفاد کو نقصان پہنچتا تھا اس لئے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ان کی رائے کے خلاف الفضل (۳۰/ اگست ۱۹۲۹ء) میں آواز اٹھائی اور ان ممبروں کی چار اصولی غلط فہمیوں کی نشاندہی فرمائی۔ جن کا ردعمل موجودہ تجویز کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ اور پھر ان کے ازالہ کی تین صورتیں تحریر فرمائیں [۵۰]۔

حضور کا یہ مضمون اخبار "سیاست" اور "دور جدید" میں شائع ہوا تو ضلع میانوالی کے ایک غیر احمدی محمد حیات خاں صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس پنشنر نے ۸/ ستمبر ۱۹۲۹ء کو حضور کے نام مندرجہ ذیل خط لکھا۔

"بخدمت مکرم و معظم بندہ جناب والاشان حضرت خلیفہ صاحب قادیان بعد السلام علیکم و آداب و تسلیمات گزارش ہے کہ جناب کا مضمون...... پڑھ کر جس اعلیٰ قابلیت و باریکی سے آپ نے نقائص اور ان کے علاج بتائے ہیں ان کی داد دینی پڑتی ہے۔ اگر چند اخبارات نے بھی ہوشیاری سے نقائص و علاج لکھے ہیں مگر حضور کی باریکی کو نہیں پہنچ سکے...... دیگر جس مسلمان نے بھی...... اس مضمون کو پڑھا ہے میری تائید کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کی جزائے خیر دے الخ"

مسلمانان فلسطین پر یہودی یورش کے خلاف احتجاج

برطانوی حکومت نے جن عرب ملکوں کو پہلی جنگ عظیم کے بعد ترکوں کے اقتدار سے آزاد کرانے کا تحریری معاہدہ کیا تھا ان میں فلسطین بھی شامل تھا لیکن اس کے ساتھ ہی برطانیہ نے دنیا بھر کے یہودیوں کی ایجنسی سے یہ خفیہ وعدہ کر لیا تھا کہ جنگ کے بعد یہودیوں کے لئے فلسطین ایک قومی گھر بنا دیا جائے گا۔ چنانچہ عربوں سے کئے ہوئے وعدے تو پس پشت ڈال دیئے گئے اور یہودیوں کی آباد کرنے کی مہم بڑے زور شور سے شروع کر دی۔ اور یہودیوں نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے مسلمانان فلسطین کو نشانہ ظلم و ستم بنانا شروع کر دیا۔

ان مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے حضرت مولانا میر محمد اسحاق صاحب کی صدارت میں ۱۴/ ستمبر ۱۹۲۹ء کو ایک غیر معمولی جلسہ ہوا۔ جس میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب نے فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کی قرارداد پیش کر کے ایک مفصل تقریر فرمائی اور اپنے چشم دید حالات و واقعات کا ذکر کر کے بتایا کہ یہود کو مسلمانوں پر مسلط کرنے کے لئے بہت خطرناک چال چلی جا رہی ہے۔ ان کے علاوہ شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار "نور" شیخ محمود احمد صاحب عرفانی، سید محمود اللہ شاہ صاحب اور چودھری ظہور احمد صاحب نے حفاظت حقوق مسلمانان فلسطین کی طرف حکومت کو

توجہ دلانے اور یہود کو مظالم سے باز رکھے جانے کے لئے ریزولیوشن پیش کئے جو اتفاق رائے سے پاس ہوئے [41]۔

شاردا ایکٹ اور حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ

اجمیر کے مسٹر ہربلاس شاردا نے اسمبلی میں تجویز پیش کی کہ ہندوؤں میں کم سن بچوں کی شادی کی عادت پائی جاتی ہے جس سے بچوں کی ذہنی اور جسمانی نشوونما' اخلاق و عادات اور صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے لہذا ایک قانون نافذ کیا جائے جس سے اس رسم کا انسداد ہو سکے۔ یہ تجویز شاردا ایکٹ کے نام سے موسوم ہوئی اور اسے وائسرائے ہند کی منظوری سے پورے ہندوستان پر نافذ کر دیا گیا [42]۔

امیر المومنین سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس قانون سے متعلق حکومت ہند کو ایک مفصل بیان ارسال فرمایا جس میں بتایا کہ بچپن کی شادی پر قانوناً پابندی عائد کرنا درست نہیں تعلیم اور وعظ کے ذریعہ اس کی روک تھام کرنی چاہئے۔ قانون بنا دینے سے کئی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔ صحیح طریق یہ ہے کہ بچوں کو بالغ ہونے پر فسخ نکاح کا حق دیا جائے اس حق سے تمام نقائص دور ہو سکتے ہیں بلاشبہ فسخ نکاح کے معاملہ میں دوسرے مذاہب کا اسلامی تعلیم سے اختلاف ہے لیکن اس کے باوجود یہ عقل و فہم سے بالا امر ہے کہ مسلمانوں کو کیوں ایسے تمدنی حالات میں دوسرے مذاہب کے تابع کیا جائے جن میں ہماری شریعت نے ہمارے لئے معقول صورت پیدا کر دی ہے لیکن ان کے ہاں کوئی علاج نہیں۔ شرعاً ایسے قانون کی ہمارے نزدیک ممانعت نہیں بشرطیکہ اس کا فیصلہ مسلمانوں کی رائے پر ہو [43]۔

انہی دنوں حضور سے سوال کیا گیا کہ یہ مداخلت فی الدین ہے؟ حضور نے فرمایا۔ نہیں۔ ہمارے نزدیک مداخلت فی الدین وہ ہے جس پر جہاد کرنا فرض ہو جائے اسے ہم تمدنیات میں مداخلت سمجھتے ہیں اور اسی بناء پر اس کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ کسی قوم کو دوسروں کے تمدن میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ تمدنی طور پر جن باتوں کی اسلام نے اجازت دی ہے ان سے روکنے کا حق کسی کو نہیں۔ ہاں اگر مسلمان آپس میں فیصلہ کر کے ایسا کر لیتے تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ یہ عارضی انتظام ہے جو ایک جائز بات میں عیب پیدا ہونے کی وجہ سے اسے روکنے کے لئے کیا گیا ہے لیکن دوسروں کا اس سے روکنا مستقل طور پر ہے اور رسول کریم ﷺ پر حملہ ہے جسے برداشت نہیں کیا جا سکتا" [44]۔

سفر لاہور

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ درد شکم کے علاج کی غرض سے ۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو لاہور تشریف لے گئے [45]۔ اور کرنل باٹ صاحب سے طبی مشورہ لینے کے علاوہ نماز جمعہ پڑھانے اور احمدیہ انٹر کالجیئٹ ایسوسی ایشن کی ایک دعوت میں تقریر فرمانے کے بعد ۴/ نومبر کی شام کو قادیان

واپس تشریف لے آئے [96]۔

اس سفر کی نسبت حضور کا تاثر یہ تھا کہ۔

"مسلمانوں کا ارادہ سیاسیات کے متعلق کچھ کرنے کا معلوم نہیں ہوتا۔ اب کے لاہور جا کر میں نے پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ کہیں زندگی دکھائی نہیں دیتی۔ مردنی چھائی ہوئی ہے ہاں اتنا ہے کہ انہیں اپنی اس حالت کا احساس ضرور ہے۔ ایک معزز مسلمان نے کہا۔ اب تو کوئی انسان پیدا ہی ہو گا تو مسلمان بچ سکیں گے۔ میں نے کہا۔ پیدا تو ہوا تھا مگر مسلمانوں نے پہچانا نہیں" [97]۔

دوسرا باب (فصل چہارم)

سلطنت برطانیہ کے آثارِ زوال

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو ۱۸۹۱ء [۹۸] میں جبکہ برطانوی سلطنت کا آفتاب بڑی آب و تاب سے چمک رہا تھا الہام ہوا

سلطنت برطانیہ تا ہشت سال

بعد ازاں ضعف و فساد و اختلال

چنانچہ ۲۲/ جنوری ۱۹۰۱ء کو ملکۂ وکٹوریہ انتقال کر گئیں ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم ہوئی جس نے اتحادیوں کی طاقت پر بڑی ضرب لگائی۔ ۱۹۱۸ء میں انگریز ہندوستان کو سیاسی حقوق دینے کے اعلان پر مجبور ہو گئے۔ ۱۹۲۸ء میں ہندوستان کو مزید اختیارات دینے کے لئے انگلستان سے مشن آیا اور "سلطنت برطانیہ تا ہشت سال" کی صداقت کے آثار نمایاں ہونے لگے۔

یہ حقیقت بین الاقوامی حیثیت سے بھی اب ایسی واضح نظر آرہی تھی کہ سرونسٹن چرچل جیسے برطانوی مفکر نے انہی دنوں "کیا برطانوی سلطنت کا خاتمہ قریب ہے"۔ کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس میں کھلا اقرار کیا کہ اس میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ موجودہ صدی سلطنت برطانیہ کے لئے فائدہ بخش نظر نہیں آتی۔ سلطنت کو گزشتہ صدی سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا ہے انیسویں صدی میں اس کو دوسری حکومتوں پر جو تفوق حاصل تھا وہ کم ہو رہا ہے۔ برطانیہ کو اپنی بحری طاقت پر ناز تھا۔ لیکن ہوائی قوت اس کے لئے مہلک ثابت ہوئی ہے اور بے نظیر بحری قوت کے گھمنڈ کا خاتمہ ہو گیا ہے مالی لحاظ سے جو فوقیت انگلستان کو حاصل تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ اس سے قبل جو قومیں اور ملک ہمارے مطیع و فرمانبردار تھے ان میں اب بیداری پیدا ہو چکی ہے اور حکومت خود اختیاری حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ ہندوستان کی سب سے بڑی تحریک وہ ہے جو گورنمنٹ کے خلاف استعمال ہو رہی ہے اس تحریک کے پیرو ہر ایسے رکن کو جو انسانوں کے اس وسیع سمندر میں انتظام و انصرام کے لئے جاتا ہے۔ ناقابل التفات سمجھتے ہیں۔ (تلخیص و ترجمہ [۹۹])

میاں علم دین صاحب کی لاش اور حکومت کا غیر دانشمندانہ رویہ

حکومت نے دشمن

اسلام راجپال کے قاتل علم دین کو میانوالی جیل میں پھانسی کی سزا دی [۱۰۰]۔ مگر ان کی لاش مسلمانوں کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا جس پر مسلمانوں میں زبردست ہیجان پیدا ہو گیا۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے حکومت کے اس غیر دانشمندانہ رویہ پر سخت تنقید کی اور فرمایا۔ اس سے فساد بڑھے گا۔ جب ایک شخص مر گیا اور قانون کی حد ختم ہو گئی۔ تو اس سے آگے قدم بڑھانا فتنہ پیدا کرنا ہے یہ بہت ہی نامعقول حرکت ہے جو حکومت سے سرزد ہوئی یہ تو خواہ مخواہ مسلمانوں کو چڑانے والی بات ہے پھر اس کا جنازہ بھی نہیں پڑھنے دیا گیا۔ حالانکہ یہ ہر مسلمان کا مذہبی حق ہے جس سے محروم کرنا بہت بیہودہ بات ہے [۱۰۱]۔

آخر حکومت کو مسلمانوں کے سامنے جھکنا پڑا اور لاش مسلمانوں کے حوالہ کر دی گئی۔ لاہور میں اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ حضور کو اطلاع ملی کہ جنازہ میں مسلمانوں کا بڑا ہجوم تھا۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ "یہ ایک مظاہرہ کی اچھی صورت تھی اس کا یہ اثر ہو گا کہ آئندہ کسی شخص کو ایسی امن شکن حرکات کی کم جرأت ہو گی جیسے راجپال نے کی تھی۔ ملکی ترقی کے لئے اتحاد نہایت ضروری ہے اور اتحاد ترقی نہیں کر سکتا جب تک فتنہ انگیز حرکات کا انسداد نہ ہو" [۱۰۲]۔ اور فرمایا "اتنے بڑے مجمع کا ایسی حالت میں مسلمانوں نے بہت اچھا انتظام کیا اور کوئی ناگوار واقعہ رونما نہ ہوا۔ ایسے انتظامات سے قوم کی اچھی ٹریننگ ہو سکتی ہے" [۱۰۳]۔

سالانہ جلسہ کے لئے چندہ کی تحریک

حضرت امیر المومنین خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۵/ نومبر ۱۹۲۹ء [۱۰۴] کے خطبہ جمعہ میں پوری جماعت کو اور پھر مکتوب [۱۰۵] کے ذریعہ اس کے کارکنوں کو سالانہ جلسہ کے چندے کی فوری وصولی کے لئے تحریک فرمائی۔ یہ تحریک نہایت ہی تنگ وقت میں شائع ہوئی لیکن جماعت نے حیرت انگیز جوش سے اس کا استقبال کیا۔ بعض جماعتوں اور احباب نے مقررہ چندہ سے ڈیوڑھا دوگنا بلکہ اس سے بھی زیادہ چندہ بھیج دیا۔ جس پر حضور نے بہت خوشنودی کا اظہار فرمایا [۱۰۶]۔

دیوانہ وار تبلیغ کرنے کا ارشاد

۲۲/ نومبر ۱۹۲۹ء کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت سے بذریعہ خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا کہ دیوانہ وار تبلیغ احمدیت میں لگ جاؤ ورنہ آئندہ نسلیں بھی کمزور ہو جائیں گی [۱۰۷]۔

مبلغین کو خاص ہدایت

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ملک میں تبلیغ احمدیت کا دائرہ وسیع تر کرنے کے لئے ۴/ دسمبر ۱۹۲۹ء کو ہدایت فرمائی کہ مبلغین خاص طور پر ان مقامات میں بھجوائے جائیں۔ جہاں ابھی تک کوئی جماعت قائم نہیں ہوئی چنانچہ فرمایا۔

"ہماری تبلیغ میں ایک روک ہے عام طور پر ہمارے مبلغین انہی مقامات پر جاتے ہیں جہاں پہلے ہی

جماعتیں موجود ہیں میں نے سوچا ہے ہر مبلغ کے لئے ایسے مقامات کے دورے لازمی کر دیئے جائیں جہاں پہلے کوئی احمدی نہیں۔ تا نئی جماعتیں قائم ہوں جس جگہ پہلے ہی کچھ احمدی ہوتے ہیں وہاں پھر جماعت ترقی نہیں کرتی۔ کیونکہ لوگوں میں ضد پیدا ہو جاتی ہے لیکن اگر مبلغین کو نئے مقامات پر بھیجا جائے تو ہر ایک کے لئے ماہ ڈیڑھ ماہ میں پانچ سات نئے آدمی جماعت میں داخل کرنا کچھ مشکل نہیں ......اور اس طرح پہلی جماعتوں میں بھی از سر نو جوش پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ جب ان کے قرب و جوار میں نئی جماعتیں قائم ہو جائیں تو وہ بھی زیادہ جوش اور سرگرمی سے کام کریں گے" [۱۰۸]۔

پادری کریمر ڈچ مشنری قادیان میں

ہالینڈ کے ایک مشنری پادری ڈاکٹر کریمر ہالینڈ سے جاوا جاتے ہوئے ۱۵/ دسمبر ۱۹۲۹ء کو قادیان آئے حضور سے ملاقات کی اور سلسلہ کے مدارس اور دفاتر دیکھے [۱۰۹]۔ اور شام کو واپس چلے گئے۔ ڈاکٹر کریمر جماعت کی تنظیم اور جذبہ تبلیغ دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے "مسلم ورلڈ" (اپریل ۱۹۳۱ء) میں اپنے تاثرات مندرجہ ذیل الفاظ میں شائع کئے۔

جماعت احمدیہ مسلمانوں میں ایسی ہی جماعت ہے۔ جیسی کہ ہندوؤں میں آریہ سماج۔ ان دونوں جماعتوں کا عیسائیت کے ساتھ خاص تعلق ہے کیونکہ یہ دونوں جماعتیں ہندوستان میں توسیع عیسائیت کے خلاف جارحانہ کارروائیاں کر رہی ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں پر عام طور پر مایوسی کا عالم طاری ہے برخلاف اس کے جماعت احمدیہ میں نئی زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں اور اس لحاظ سے یہ جماعت قابل توجہ ہے۔ یہ لوگ اپنی تمام توجہ اور طاقت تبلیغ اسلام پر خرچ کر رہے ہیں اور سیاست میں حصہ نہیں لیتے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ انسان جس حکومت کے ماتحت ہو اس سے وفادار رہے۔ اور وہ صرف اس بات کی پرواہ کرتے ہیں کہ کونسی حکومت کے ماتحت ان کو تبلیغ اسلام کے مواقع اور سہولتیں حاصل ہیں۔ اور وہ اسلام کو ایک مذہبی گروہ یا سیاسی نقطہ نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ اس کو محض صداقت اور خالص حق سمجھ کر تبلیغ کے لئے کوشاں ہیں اس لحاظ سے یہ جماعت فی زمانہ مسلمانوں کی نہایت عجیب جماعت ہے اور مسلمانوں میں صرف یہی ایک جماعت ہے جس کا واحد مقصد صرف تبلیغ اسلام ہے۔ اگرچہ ان کی طرز تبلیغ میں کسی قدر سختی پائی جاتی ہے تاہم ان لوگوں میں قربانی کی روح اور تبلیغ اسلام کا جوش اور اسلام کے لئے سچی محبت کو دیکھ کر بے تحاشا صد آفرین نکلتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب ایک زبردست شخصیت کے آدمی تھے۔ وہ فریق جو ان کو نبی مانتا ہے اس کا مرکز قادیان ہے۔ میں جب قادیان گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں لوگ اسلام کے لئے جوش اور اسلام کی آئندہ کامیابی کی امیدوں سے سرشار ہیں اپنے آپ کو وہ غریبانہ طور پر پیغام پہنچانے والے نہیں سمجھتے۔ بلکہ

ان کو اس بات پر ناز ہے کہ وہ دنیا میں سچائی کا اعلان کرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور وہ اسلام کی محبت میں اس قدر اندھے اور مجنون ہو رہے ہیں کہ جس قدر انسانی قلب کے لئے ممکن ہو سکتا ہے .... اگرچہ یہ لوگ دیگر مذاہب کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں (؟) لیکن وہ اس بات کے تکرار سے بھی کبھی نہیں تھکتے کہ اسلام بنی نوع انسان کی مساوات ' امن و امان اور مذہبی آزادی کا سبق دیتا ہے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اس بات میں یہ لوگ سچے ہیں کیونکہ ان لوگوں کی تمام طاقت اس بات کے پیش کرنے پر خرچ ہو رہی ہے۔ کہ اسلام اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ تمدن کی تعلیم دیتا ہے۔ اس جماعت کا اثر اس کے اعداد و شمار سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ مذہب میں ان کا طرز استدلال بہت سے تعلیم یافتہ مسلمانوں نے اختیار کر لیا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں میں رہتے ہوئے احمدیوں کا علم کلام عقلاً ماننا پڑتا ہے" [۱۱۰]۔

چھپن فیصدی کمیٹی کا وفد قادیان میں

پنجاب میں مسلم آبادی چھپن فیصدی تھی اسی مناسبت سے ۱۹/ نومبر ۱۹۲۹ء کو جناب عبدالمجید صاحب سالک مدیر انقلاب کی تحریک پر دفتر "انقلاب" لاہور میں "چھپن فیصدی کمیٹی" کے نام سے پروفیسر سید عبدالقادر صاحب کی صدارت میں ایک انجمن قائم ہوئی۔ جس کا مقصد مسلمانان پنجاب کے سیاسی حقوق کی حفاظت تھا۔ ملک لال دین صاحب قیصر اور مولوی عبدالمجید صاحب قرشی کمیٹی کے نمایاں ممبر تھے [۱۱۱]۔ کمیٹی کے ساتھ ہی "چھپن فیصدی کور" کی بھی بنیاد ڈالی گئی۔

اس کمیٹی کا ایک وفد جو مولوی عبدالمجید صاحب قرشی اور مولوی محمد شریف صاحب پر مشتمل تھا۔ ۱۷/ دسمبر ۱۹۲۹ء کو قادیان آیا اور حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ سے ملا۔ حضور نے بتایا کہ ہم تو ۱۹۱۷ء سے برابر مسلمانان پنجاب و بنگال کے متعلق یہ معاملہ پیش کر رہے ہیں۔ ہم آپ کی ہر قسم کی مدد کریں گے۔ آپ اپنے خیالات ہماری جماعت کے سامنے پیش کریں اور یہاں قادیان ہی سے یہ کام شروع کر دیں اور اس کے ساتھ بعض اہم اور قیمتی ہدایات بھی دیں۔

حضور سے اجازت حاصل ہونے پر مولوی ذوالفقار علی خان صاحب کی زیر صدارت قادیان میں ایک پبلک جلسہ منعقد ہوا جس میں سب سے پہلے خان صاحب نے ۵۶ فیصدی سے متعلق حضرت خلیفتہ المسیح الثانی اور جماعت احمدیہ کی مساعی جمیلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ کس طرح مسٹر مانٹیگو وزیر ہند کی ہندوستان میں آمد کے وقت سے اس کے لئے ہم آواز بلند کر رہے ہیں اور اب سائمن کمیشن کے سامنے بھی اس حق پر زور دیا ہے پس چونکہ یہ معاملہ ہمیشہ ہماری ہی طرف سے اٹھتا رہا ہے اس لئے ہم دل و جان سے اس کے حامی ہیں اور ہر جائز امداد کے لئے تیار ہیں۔

خان صاحب کے بعد قریشی صاحب نے نہایت موثر پیرایہ میں کمیٹی کا نقطہ نگاہ واضح کیا اور اس جدوجہد میں شامل ہونے کی اپیل کی۔ اس تقریر کے بعد لوکل انجمن احمدیہ قادیان کے پریذیڈنٹ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے پرجوش تقریر کرکے یہ ریزولیوشن پیش کیا۔ جو باتفاق رائے پاس ہوا۔

"لوکل جماعت احمدیہ قادیان پنجاب میں مسلمانوں کو چھپن فیصدی حقوق کے ملنے کی حامی ہے۔ کیونکہ حضرت امام جماعت احمدیہ قادیان ہمیشہ سے یہ مطالبہ مسلمانان پنجاب کے لئے پیش کرتے رہے ہیں۔ بحیثیت ایک مستقل منظم جماعت کے یہ جماعت اپنے امام کی ہدایات کے ماتحت ۵۶ فیصدی کمیٹی کی ہر قسم کی جائز امداد کرے گی۔ اور ہر وقت تعاون کے لئے تیار رہے گی" [۱۱۲]۔

کانگریس کا اجلاس لاہور اور مجلس احرار اسلام کی بنیاد

کانگریس نے "نہرو رپورٹ" کے تسلیم کئے جانے کی نسبت اجلاس کلکتہ (دسمبر ۱۹۲۸ء) میں حکومت کو ایک سال کا جو نوٹس دے رکھا تھا اس کی معیاد دسمبر ۱۹۲۹ء تک تھی اس دوران میں کانگریس سول نافرمانی کی خفیہ اور علانیہ تیاریاں کرتی اور مسلمانوں اور حکومت دونوں کو دھمکیاں دیتی رہی۔ اور بالآخر مہلت ختم ہوتے ہی اس نے ۲۱/ دسمبر ۱۹۲۹ء کے اجلاس لاہور میں اعلان کر دیا۔ کہ چونکہ "نہرو رپورٹ" منظور نہیں ہوئی اس لئے اب سول نافرمانی کا پروگرام عمل میں لایا جائے۔ اور اب ہم درجہ نو آبادیات پر بھی قناعت نہیں کریں گے۔ آزادی کامل حاصل کریں گے۔ یہ اعلان پنڈت جواہر لال نہرو کی صدارت میں گاندھی جی نے کیا۔

اس موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی چٹھی بعنوان "An Appeal to Hindu Leaders" (ہندوؤں کے نام اپیل) تقسیم کی گئی جس میں حضور نے انہیں مسلم حقوق کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا "مسلمانوں کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ وہ ملکی مفاد کی خاطر آئندہ مصائب کا اطمینان اور محفوظ ہونے کے احساس کے ساتھ مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکیں ہر اکثریت کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ نہ صرف اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کرے بلکہ انہیں ہر طرح مطمئن کرنے کی کوشش کرے۔ مسلمان حب وطن اور اس کے استخلاص میں جدوجہد کے لحاظ سے برادران وطن سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں۔ لیکن اقلیت میں ہونے کی وجہ سے وہ ملک کے آئندہ نظام میں اپنی پوزیشن کے متعلق طبعاً مشوش ہیں الخ" [۱۱۳]۔

اس اپیل پر کانگریس کے لیڈروں نے بالکل التفات نہ کی اور مسلمانوں کے حقوق کو نظر انداز کرکے "آزادی کامل" کی قرارداد پاس کر دی۔ جس کے معنے اس کے سوا کچھ نہ تھے کہ وہ بدیشی حکومت کو

مسلمان سے تصفیہ حقوق کے بغیر ہی ملک سے نکال باہر کرنا چاہتی تھی حالانکہ اس مقصد کے حصول سے پہلے ہندوستانی قوموں کی سیاسی انفرادیت کی محافظت کی ضمانت ضروری تھی اس لئے کہ آزادی کامل تک پہنچنے کے لئے راہ میں جو منزلیں آتی تھیں وہ سب آئینی تھیں۔ لہٰذا ان آئینی منزلوں تک کا راستہ بالکل آئینی حیثیت سے طے ہونا چاہئے تھا اور ابتداء ہی میں ان مختلف اقوام کو جو اس راہ پر گامزن ہونے والی تھیں آئینی حیثیت سے یہ اطمینان مل جانا چاہئے تھا کہ اس راہ کی آخری منزل تک پہنچتے پہنچتے ہر قوم کی انفرادیت اور اس کا سیاسی مفاد ہر طرح محفوظ رہے۔ مگر یہ ضمانت ابھی تک ہندوستانی اقلیتوں کو نہیں ملی تھی۔ بلکہ ابتدائی آئینی منزل (نہرو رپورٹ) میں بھی مختلف قوموں کو جو ہم سفر تھیں بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا جس کے باعث ملک میں شدید بے چینی اور انتشار پیدا ہوا۔ اور ساری جدوجہد آزادی ایک مخصوص (ہندو) قوم کی کشمکش اقتدار بن کر رہ گئی۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز شروع سے یہ آواز اٹھاتے آرہے تھے کہ آزادی کامل سے پہلے ہندو اکثریت سے جو آل انڈیا نیشنل کانگریس پر قابض ہے حقوق کے تصفیہ کی اشد ضرورت ہے ورنہ حکومت حاصل ہو جانے کے بعد سب کچھ اکثریت کے ہاتھ میں چلا جائے گا [۱۱۴]۔ یہ آواز ابتداء میں بہت کمزور تھی مگر نہرو رپورٹ کے بعد ملک کے گوشہ گوشہ سے اس زور کے ساتھ بلند ہوئی کہ مسلمانوں کی اکثریت نے "آزادی کامل" کے لفظ کے پیچھے پوشیدہ خطرے کو محسوس کر لیا اور اس بظاہر دلکش و دلفریب مگر حقیقت میں مہلک اور خطرناک نعرہ میں کانگریس کی تائید کرنے سے صاف انکار کر دیا [۱۱۵]۔

مسلمانوں کے سواد اعظم کے مقابل بعض انتہا پسند اور جوشیلے مسلمان جو کانگریس کی مہا سبھائی ذہنیت کا متعدد بار تجربہ کرنے کے باوجود کانگریس سے چمٹے ہوئے تھے اور "نیشنلسٹ" اور "خدائی خدمت گار" کہلاتے تھے یا "جمعیتہ العلماء ہند" سے منسلک تھے "آزادی کامل" کی قرارداد پر کانگریس کے اور بھی پرجوش حامی بن گئے۔ ان جماعتوں کے علاوہ جو کانگریس کے دوش بدوش مسلمانوں میں کام کر رہی تھیں "آزادی کامل" کی قرارداد کو عملی جامہ پہنانے اور اس کی تحریک کو مسلمانوں تک پھیلانے کے لئے دسمبر ۱۹۲۹ء میں یعنی کانگریس کے اجلاس لاہور ہی کے دنوں میں لاہور ہی میں مجلس احرار اسلام کے نام سے ایک نئی سیاسی جماعت کی بنیاد پڑی۔ جس کے لیڈر اگرچہ شروع ہی سے ہر معاملہ میں کانگریس کی پرزور حمایت کرتے آرہے تھے مگر اب ایک نئے نام اور نئے پلیٹ فارم سے اپنی پہلی سرگرمیوں کو تیز تر کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مفکر احرار چوہدری افضل حق صاحب لکھتے ہیں۔ "مجلس احرار کا سب سے پہلا جلسہ ۲۹/ دسمبر ۱۹۲۹ء کانگریس کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر ہوا۔

جس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری [۱۱۶] نے میری صدارت میں تقریر کی اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان نوجوان ہندوستان کی آزادی کا ہراول ثابت ہوں۔ آزادی کے حصول کا فخر ہمارے حصہ میں آئے۔ اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد سول نافرمانی کا آغاز ہوا۔ اور کانگریس کے جھنڈے تلے سب نے مل کر قربانیاں پیش کیں" [۱۱۶]۔

سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے ایک سوانح نگار لکھتے ہیں۔ "دسمبر ۱۹۲۹ء میں کانگریس نے مکمل آزادی کا ریزولیوشن پاس کیا اور اپریل ۱۹۳۰ء میں نمکین ستیہ گرہ کا آغاز کر دیا۔ احرار ذہناً کانگریس کے ساتھ تھے انہوں نے اپنی تنظیم کو ادھورا چھوڑا اور کانگریس میں شریک ہو کر سول نافرمانی میں حصہ لینے لگے [۱۱۷]۔

اس کی تفصیل میں شاہ جی کے ایک اور سوانح نویس نے لکھا ہے کہ۔

"انڈین نیشنل کانگریس نے ۱۹۲۹ء کے اجلاس میں بمقام لاہور جب آزادی کامل کی قرارداد منظور کی تو اس کی تائید و اشاعت میں آپ نے نہایت انہماک اور سرگرمی سے حصہ لیا اور جب مہاتما گاندھی کی قیادت میں آزادی کا بگل بجایا گیا اور نمکین سول نافرمانی کا ملک میں آغاز ہوا تو آپ پیش پیش رہے اور تمام ہندوستان میں کانگریس کے پروگرام کی اشاعت کے لئے طوفانی دورے کئے [۱۱۸]۔

ایک احراری لیڈر جناب مظہر علی صاحب اظہر کا بیان ہے کہ۔

"مجلس احرار کے قیام کے وقت کانگریس سے کوئی اختلاف نہ تھا بلکہ ہمارے بہترین کارکن ۱۹۳۰ء کی سول نافرمانی کی تحریک میں قید کاٹ چکے تھے۔ جن میں سے سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی، چوہدری افضل حق صاحب اور شیخ حسام الدین صاحب کے نام بیان کر دینا مناسب ہے اس کے علاوہ ہمارے رضاکاروں نے تحریک سول نافرمانی میں حصہ لیا" [۱۱۹]۔

مجلس احرار کے صدر جناب سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا اپنے متعلق واضح طور پر اعلان تھا کہ "سر سے پاؤں تک سیاسی آدمی ہوں" [۱۲۰]۔ لہٰذا مجلس احرار [۱۲۱] بنیادی حیثیت سے خالص ایک سیاسی جماعت تھی جس کا اصولی و بنیادی مقصد وحید مسلمانوں کو اپنے جوش خطابت سے کانگریس کی پالیسی پر گامزن اور اس کی تحریک پر کاربند کرنا تھا اور کانگریس کے چوٹی کے لیڈر ان دنوں جماعت احمدیہ کو تمام اسلامی جماعتوں میں اپنا سب سے بڑا حریف سمجھتے تھے۔ اور اس کی زبردست تنظیم اور فدائیت کا بے نظیر جذبہ ان کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹک رہا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر سید محمود جنرل سیکرٹری آل انڈیا نیشنل کانگریس اپریل ۱۹۳۰ء میں قادیان آئے۔ انہوں نے حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کو ایک ملاقات میں بتایا کہ پنڈت جواہر لال صاحب نہرو جب یورپ کے سفر سے (دسمبر ۱۹۲۷ء) میں واپس

آئے تو انہوں نے اسٹیشن پر اتر کر جو باتیں سب سے پہلے کیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ میں نے اس سفر یورپ سے یہ سبق حاصل کیا ہے۔ کہ اگر انگریزی حکومت کو ہم کمزور کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ اس سے پہلے احمدیہ جماعت کو کمزور کیا جائے [122]۔

چنانچہ مجلس احرار اسلام نے اس نقطہ کو بھی اپنی تحریک کا جزو لاینفک بنالیا اور جس طرح انہوں نے اس سے پہلے "نہرو رپورٹ" کے مخالفین کو قصر برطانیہ [123] کے ستون مشہور کر رکھا تھا اور آئندہ چل کر مسلم لیگ اور خاکسار تحریک کو انگریزی ایجنٹ اور دام فرنگ کے نام سے موسوم کیا [124]۔ جماعت احمدیہ کو "برطانوی ایجنٹ" قرار دے کر اس عظیم الشان اسلامی تنظیم کے خلاف بر سرپیکار ہو گئے۔ جو کانگریسی ذہن کے عین مطابق تھا۔ چنانچہ چوہدری افضل حق صاحب "تاریخ احرار" میں صاف لکھتے ہیں "کانگرسی مسلمانوں کا ذہن بے حد متشکک اور متشدد ہے ۱۹۳۵ء سے پہلے تو لوگوں کو سی۔ آئی۔ ڈی اور انگریز کے ایجنٹ کا الزام لگانا عام تھا۔ کانگریسی مسلمان اپنے دعویٰ اور عمل میں مخلص ہوتے ہیں مگر وہ دوسروں کو ہمیشہ بد عقل اور دوسروں کا آلہ کار سمجھتے ہیں [125]۔ مجلس احرار کا ترجمان اخبار "آزاد" (لاہور) اسی بناء پر لکھتا ہے۔

"جب حجتہ الاسلام حضرت علامہ انور شاہ صاحب کاشمیری، حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی اور حضرت مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری وغیر ھم رحمہم اللہ کے علمی اسلحہ فرنگی کی اس کاشتہ داشتہ "نبوت" کو موت کے گھاٹ نہ اتار سکے تو مجلس احرار اسلام کے مفکر اکابر نے جنگ کا رخ بدلا۔ نئے ہتھیار لئے اور علمی بحث و نظر کے میدان سے ہٹ کر سیاست کی راہ سے فرنگی سیاست کے شاہکار پر حملہ آور ہو گئے" [126]۔

اس اہم ترین سیاسی مقصد کے علاوہ (جو دراصل کانگریس کے پروگرام کی تکمیل کے لئے از حد ضروری تھی) تحریک احمدیت کی مخالفت میں بعض اور عوامل بھی کار فرما تھے۔ مثلاً نہرو رپورٹ کی اندھا دھند تائید کی وجہ سے اس گروہ کے وقار اور عظمت کو سخت ٹھیس پہنچی تھی [127]۔ جس کے ازالہ اور دوبارہ مسلمانوں میں نفوذ و مقبولیت کے لئے احمدیت کی مخالفت ایک کارگر ہتھیار تھا۔ جو غیر احمدی علماء اپنی شہرت و عزت کی دکان چمکانے کے لئے ابتدا سے استعمال کرتے آ رہے تھے۔

جماعت احمدیہ سے مخالفت کی ایک اہم وجہ مولوی ظفر علی خاں کے اخبار "زمیندار" کے نزدیک مسلمانوں سے "مالی منفعت" کا حصول تھا [128]۔ چنانچہ اس نے لکھا۔ "بتدریج یہ حقیقت زمانے نے مولانا حبیب الرحمٰن اور چودھری افضل حق پر........ واضح کردی کہ کیا خدمت دین کے اعتبار سے اور کیا مالی منفعت کے لحاظ سے قادیانیت کی مخالفت موثر ترین ہے"۔ یہ نظریہ اس لحاظ سے خاص طور پر

قابل توجہ ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری "امیر شریعت" احرار کو مسلم تھا کہ رد احمدیت کے فن میں مولوی صاحب موصوف ان کے قائد ہیں چنانچہ ان کا بیان ہے کہ "میری صدارت میرے دوستوں کا عطیہ ہے ورنہ اس منصب کے حقدار مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار ہیں۔ جنہوں نے روز اول سے مرزائیت کی جڑوں پر کلہاڑا رکھا ہے وہ اس فن میں ہمارے استاد ہیں" [۱۲۹]۔

اس مقام پر مجلس احرار کی صرف ابتدائی تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالنا مقصود تھا جس سے الحمد للہ ہم فارغ ہو چکے ہیں۔ البتہ ہم آگے جانے سے پہلے مناسب سمجھتے ہیں کہ اس مجلس کے سیاسی نظریات اور اس کے سیاسی مزاج کی نسبت اس کے قائدین اور مخالفین دونوں کی بعض آراء و مقتبسات بطور نمونہ درج کر دیں تا ان واقعات و حوادث کی تہہ تک پہنچنے میں مدد ملے جو آئندہ مجلس احرار کی سیاسی پالیسی اور انتہاء پسندانہ روش کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ کے خلاف رونما ہوئے اور جنہوں نے برصغیر پاک و ہند کی سیاسی و مذہبی فضا پر خطرناک اثر ڈالا۔

امیر شریعت احرار کی رائے

سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے آزادی ہند سے متعلق اپنا مثبت نظریہ بتاتے ہوئے فرمایا۔

"ہمارا پہلا کام یہ ہے کہ غیر ملکی طاقت سے گلو خلاصی حاصل ہو اس ملک سے انگریز نکلیں یا نکالے جائیں تب دیکھا جائے گا کہ آزادی کے خطوط کیا ہوں گے......... اگر اس مہم میں سور بھی میری مدد کریں گے تو میں ان کا منہ چوم لوں گا" [۱۳۰]۔

جنرل سیکرٹری مجلس احرار کا بیان

احرار کے ایک سابق جنرل سیکرٹری لکھتے ہیں۔

"احرار پنجاب کے ادنیٰ متوسط طبقے کے شہریوں کی ایک ایسی تحریک تھے۔ جس میں جوش و جذبہ وافر تھا۔ وہ لیگ کے ہمہ گیر سیاسی ذہن کے مقابلہ میں ایک مذہبی جماعت تھے اور کانگریس کی ہمہ گیر تنظیم کے مقابلہ میں ایک محدود سیاسی ذہن...... خود داخلی طور پر متضاد الخیال تھے۔ لیکن اینٹی برٹش ذہن کی مشترکہ چھاپ نے انہیں ایک کر رکھا تھا۔ جن طاقتوں کے خلاف صف آراء تھے ان کی مختلف الاصل جارحیت کے خلاف مذہبی زبان میں سیاسی اثر پیدا کرتے تھے....... اکابر احرار میں سے بیشتر کانگریس اور جمعیتہ العلماء کے ذہن کی سفارت کرتے۔ مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی سے ایک گونہ عقیدت رکھتے اور ان کی ذات کے لئے نبرد آزما ہوتے تھے گویا سیاست و مذہب کے میدان میں انہیں اپنے ثانوی ہونے کا اقرار تھا...... احرار کسی تخلیقی فکر کے مظہر نہ تھے مگر ایجی ٹیشن اور پراپیگنڈا کے فن میں بے مثال تھے۔....... احرار میں قربانی، احتجاج، حوصلہ اور خطابت کا جوہر وافر

تھا۔ لیکن فکر نظر کسوٹی اور قیادت کا تناسب مقابلتاً کمتر تھا" [۱۳۱]۔

مجلس احرار کے اخبار "آزاد" کی رائے

"یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مجلس احرار کے خطبوں میں جذباتیت' پھکڑ بازی اور اشتعال انگیزی کا عنصر غالب ہوتا ہے یہ ٹھیک ہے مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ ہماری قوم کی ذہنیت اور مذاق کیا ہے...... آپ ذرا حقیقت پسند' سنجیدہ اور متین بن جائیں پھر آپ مسلمانوں میں مقبول ہو جائیں اور کوئی تعمیری و اصلاحی کام کرلیں تو ہمارا ذمہ۔ یہی تو ہماری سب سے بڑی کمزوری ہے کہ ہم حقائق و واقعات سے کوئی تعلق نہیں رکھتے صرف جذبات سے کام نکالتے ہیں اسی طرح اشتعال انگیزی بھی ہماری تحریکوں' جماعتوں اور قائدوں کی جان ہے۔ آپ بڑے بڑے دیندار' بااخلاق اور سنجیدہ اور متین پہاڑوں کو کھودیں تو اشتعال کا چوہا نکلے گا۔ الیکشن بازی میں تو دیندار اور بے دین سب کے سب اشتعال انگیزی ہی سے کام لیتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس سے کوئی کم لیتا ہے اور کوئی زیادہ ہمارے احراری بزرگ اس میں سب سے آگے ہیں اس لئے وہ رشک و حسد کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں" [۱۳۳]۔

امریکہ کے ایک مشہور مصنف کی رائے

امریکہ کے ایک نامور مصنف مسٹر جان گنتھر لکھتے ہیں۔ "احرار پنجاب میں بایاں بازو ہیں اور وہ کانگریس کے ساتھ ہیں وہ عجیب مجموعہ اضداد ہیں ایک طرف وہ مذہبی اعتبار سے فرقہ پسند فدائی ہیں اور دوسری طرف سیاسی انتہاپسند" [۱۳۴]۔

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ کے علاوہ (جن کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے) ۱۹۲۹ء میں کئی اور جلیل القدر صحابہ کا انتقال ہوا جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حضرت مولوی محمد صاحب مزنگ لاہور (تاریخ وفات ۲/ جنوری ۱۹۲۹ء)

۲۔ حضرت بابا ہدایت اللہ صاحب [۱۳۵] (تاریخ وفات ۱۲/ جنوری ۱۹۲۹ء)

۳۔ حضرت شہامت خاں صاحب نادون ضلع کانگڑہ (والد ماجد ڈاکٹر مطلوب خاں صاحب)

۴۔ حضرت بابو روشن دین صاحب سیالکوٹ (تاریخ وفات ۲۴/ جنوری ۱۹۲۹ء [۱۳۶])

۵۔ شاہ جہاں بی بی اہلیہ حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب شہیدؓ (تاریخ وفات یکم نومبر ۱۹۲۹ء [۱۳۷])

۶۔ صوفی بابا شیر محمد صاحب آف بنگہ ضلع جالندھر [۱۳۸]۔

دوسرا باب (فصل پنجم)

متفرق واہم واقعات

خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں ترقی

(۱) حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی حرم رابع سارہ بیگم صاحبہ کے ہاں ۱۳/ اپریل ۱۹۲۹ء کو صاحبزادی امۃ النصیر بیگم صاحبہ پیدا ہوئیں [۱۲۹]۔

(۲) حضرت نواب محمد علی خاں کے ہاں ۱۲/ ستمبر ۱۹۲۹ء کو صاحبزادی آصفہ مسعودہ بیگم پیدا ہوئیں [۱۳۰]۔

مدیر "مشرق" کی وفات

حکیم برہم صاحب ایڈیٹر "مشرق" گورکھپور ۲۴/ جنوری ۱۹۲۹ء کو وفات پاگئے [۱۳۱]۔ آپ مسلمانوں کی فلاح کے لئے کوشش کرنے والوں میں ایک ممتاز و بااصول اخبار نویس تھے اور اس لئے جماعت احمدیہ کے دینی اور مذہبی خدمات کا کھلے الفاظ میں اقرار کرکے دلی بشاشت سے اسے سراہنے ہی پر بس نہ کرتے بلکہ مسلمانوں کے دلوں میں اس کے کاموں کی قدرو منزلت پیدا کرنے کے لئے پرزور مضامین بھی شائع فرمایا کرتے تھے۔

چنانچہ آپ نے اپنی زندگی میں جو آخری پرچہ "مشرق" تیار کیا اور جو آپ کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ اس میں بھی مندرجہ ذیل نوٹ لکھا۔

"ہندوستان میں صداقت اور اسلامی سپرٹ صرف اس لئے باقی ہے کہ یہاں روحانی پیشواؤں کے تصرفات باطنی اپنا کام برابر کر رہے ہیں اور کچھ عالم بھی اس شان کے ہیں جو عبدالدراہم نہیں ہیں اور سچ پوچھو تو اس وقت یہ کام جناب مرزا غلام احمد صاحب مرحوم کے حلقہ بگوش اسی طرح انجام دے رہے ہیں جس طرح قرون اولیٰ کے مسلمان انجام دیا کرتے تھے" [۱۳۲]۔

حیدر آباد میں انجمن ترقی اسلام کی بنیاد

یکم فروری ۱۹۲۹ء سے انجمن ترقی اسلام حیدر آباد (دکن) کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا۔ انجمن کی انتظامیہ کے ایک ممبر مولوی عبدالرحیم صاحب نیر بھی تھے جو ۱۹۲۸ء سے جنوبی ہند میں بحیثیت مبلغ

بڑے شوق و جوش سے مصروف کار تھے اور انجمن ترقی اسلام کا نمایاں کام ریاست کی اچھوت اقوام میں مدارس کا قیام اور ان میں تبلیغ اسلام کرنا تھا۔ چنانچہ موضع بوئے پلی۔ دیناچڑ اور محبوب نگر میں مدرسے قائم ہو گئے جن میں ایک سو سے زائد طالب علم تعلیم پاتے تھے۔ ان مدرسوں کے اخراجات انجمن ترقی اسلام کے مقامی ریزرو فنڈ سے ادا کئے جاتے تھے [۱۶۳]۔

مقدمہ شاہ جہانپور کا فیصلہ

مقدمہ احمدیہ مسجد شاہ جہانپور کی اپیل ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں دائر تھی۔ شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ اور مولوی فضل الدین صاحب مشیر قانونی نے پیروی کی۔ بالآخر مقدمہ جج شاہ جہان پور سے احمدیوں کے حق میں فیصل ہوا تھا [۱۶۴]۔

احمدی خواتین کی عربی امتحان میں کامیابی

اس سال جماعت احمدیہ کی سات خواتین نے "مولوی" کا عربی امتحان پاس کیا۔ جن میں سے محترمہ امتہ السلام بیگم صاحبہ بنت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب یونیورسٹی میں خواتین میں اول اور حضرت سارہ بیگم صاحبہ سوم رہیں۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ اتنی احمدی مستورات اس امتحان میں پاس ہوئیں [۱۶۵]۔

ایک احمدی پر قاتلانہ حملہ

ستمبر ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے کہ جماعت احمدیہ پشاور کے ایک مخلص احمدی میاں محمد یوسف صاحب پر قصہ خوانی بازار میں ایک شخص نے پشاور میں چاقو سے محض اس لئے قاتلانہ حملہ کر دیا کہ اس کا بھائی ان کے ذریعہ سے داخل سلسلہ احمدیہ ہو چکا تھا۔ اور کسی موقع پر میاں محمد یوسف صاحب نے اسے بھی قبول احمدیت کی دعوت دی تھی [۱۶۶]۔ مجرم اسی وقت گرفتار کر لیا گیا اور عدالت نے دو سال قید بامشقت کی سزا دی [۱۶۷]۔

بیرونی مشنوں کے بعض ضروری واقعات

ماریشس: حافظ جمال احمد صاحب نے آریہ سماجیوں کے خلاف مسلمانوں کے مشترکہ جلسوں میں کامیاب تقریریں کیں اور وہاں کے مسلمان سیٹھوں نے اقرار کیا کہ اسلام کی فتح احمدیوں کے ہاتھ پر ہوئی ہے [۱۶۸]۔

سماٹرا: یکم رمضان کو پاڈانگ میں مسئلہ معراج پر ایک غیر احمدی مولوی صاحب سے مناظرہ ہوا۔ مشتعل ہجوم نے مناظرہ کے دوسرے دن مولوی رحمت علی صاحب اور حاجی محمود صاحب کو گالیاں دیں اور احمدیہ مشن ہاؤس پر پتھر پھینکے۔ دو گھنٹے تک یہ ہنگامہ جاری رہا۔ جسے دیکھ کر اسی جگہ دو احباب داخل سلسلہ احمدیہ ہو گئے [۱۶۹]۔

پینانگ (سٹریٹ سیٹلمنٹ): میں ۳-۴/ جولائی ۱۹۲۹ء کو علی الترتیب وفات مسیح اور ختم نبوت پر کامیاب مباحثات ہوئے پہلا مباحثہ احمد نورالدین صاحب نے اور دوسرا ذینی دحلان صاحب نے کیا -۱۵۰

نائیجیریا (مغربی افریقہ) حکیم فضل الرحمٰن صاحب نے ۲۲/ فروری ۱۹۲۹ء کو مسجد ایکرافول کا سنگ بنیاد رکھا۔ حکیم صاحب اس سے پیشتر افریقہ کی کئی احمدی مساجد کا افتتاح کر چکے تھے۔ مگر یہ پہلی مسجد تھی جس کی بنیاد آپ کے ہاتھوں رکھی گئی ۱۵۱-

مبلغین احمدیت کی روانگی اور واپسی

(۱) مولوی نذیر احمد علی صاحب ۲۲/ فروری ۱۹۲۹ء کو سیرالیون مغربی افریقہ میں فریضہ تبلیغ بجالانے کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ پہلے مبلغ تھے جو قادیان سے ریل گاڑی میں روانہ ہوئے ۱۵۲-

(۲) مولوی رحمت علی صاحب مبلغ سماٹرا۔ ابوبکر صاحب بگنڈا اور ادریس داتو صاحب سماٹری کو ساتھ لے کر ۱۹/ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو پہلی بار قادیان تشریف لائے ۱۵۳-

نئی مطبوعات

اس سال مندرجہ ذیل کتب سلسلہ شائع ہوئیں۔ (۱) "مکتوبات احمدیہ" جلد پنجم نمبر ۳ یعنی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکتوبات بنام چوہدری رستم علی صاحبؓ مرتبہ (حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)

(۲) "تحفتہ النصاریٰ" حصہ اول (مولفہ چوہدری غلام احمد صاحب امیر جماعت پاکپٹن)

اندرون ملک کے بعض مشہور مباحثے

(۱) مباحثہ گجرات: (مابین مولانا ابوالعطاء صاحب و آریہ مناظر) یہ مباحثہ ۱۵/ جنوری ۱۹۲۹ء کی شام کو آریہ سماج کے مندر میں ہوا۔ موضوع بحث مسئلہ تناسخ تھا۔ مولانا ابوالعطاء صاحب نے آریہ مناظر سے مطالبہ کیا کہ وہ ثابت کریں کہ انسان ہونے سے پہلے وہ کن کن جونوں کے چکر میں مقید رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ تھوڑی مدت کے گناہوں کی سزا آریوں کی مسلمہ کتب کے مطابق عرصہ دراز تک کیوں دی جائے گی۔ مولانا صاحب کے مطالبہ کا کوئی معقول جواب آریہ مناظر نہ دے سکا تو آریوں نے جناب مولانا کے خلاف بولنے کے لئے اہل قرآن کے ایک مولوی صاحب کو کھڑا کر دیا۔ آریہ سماج کو توجہ دلائی گئی کہ اگر یہ صاحب اسلام کے نمائندے ہیں تو آریہ مناظر سے بحث کریں۔ اگر نہیں تو آریوں کی طرف سے کھڑے ہوں آخر جب مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ شاہ جی آریوں کی امداد کے لئے تشریف لائے ہیں تو انہوں نے ان کو مقام مباحثہ سے باہر نکال دیا۔ جب سیکرٹری آریہ سماج نے دیکھا ۱۵۴ - کہ اب مناظرہ کرنا ہی پڑے گا تو ادھر ادھر کی باتوں میں وقت ضائع کرنے کی کوشش شروع

کردی اور پھر لیمپ بجھادیا اور مناظرہ ختم ہو گیا۔

(۲) مباحثہ میمو (برما) (مابین سید عبداللطیف صاحب احمدی آف رنگون اور مولوی غلام علی شاہ صاحب آف مانڈلے) یہ مناظرہ ۲۳/ جون ۱۹۲۹ء کو جامع مسجد میں چھ گھنٹہ تک جاری رہا۔ قریباً ایک ہزار افراد اس میں شامل ہوئے احمدی مناظر نے صداقت حضرت مسیح موعودؑ اور ختم نبوت پر آیات قرآنی سے اپنے دعوے کے دلائل پیش کرکے چیلنج کیا کہ مولوی صاحب انہیں توڑیں مگر غیر احمدی مولوی صاحب جو قریباً ایک درجن علماء کی معیت میں آئے ہوئے تھے آخر تک کسی دلیل کو توڑ نہ سکے [۱۵۵]۔

(۳) مباحثہ گجرات: (مابین مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری و پنڈت ست دیو صاحب آریہ سماجی مناظر) تاریخ مناظرہ ۲۴/ مارچ ۱۹۲۹ء تھی اور موضوع بحث یہ تھا کہ "وید کامل الہامی کتاب ہے یا قرآن شریف"؟ مولانا ابوالعطاء صاحب نے آریہ مناظر کے رد میں ستیارتھ پرکاش سے اہم حوالہ جات پیش کئے اور قرآن شریف کے الہامی ہونے کے بارے میں تو ایسی لاجواب دلکش تقریر فرمائی کہ سامعین عالم وجد میں تھے [۱۵۶]۔

(۴) مباحثہ دینانگر ضلع گورداسپور: (مابین مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری و پنڈت رام چند صاحب دہلوی) تاریخ مباحثہ ۲۶/ جولائی ۱۹۲۹ء۔ موضوع بحث "نماز اور سندھیا" تھا۔ آریہ مناظر کو ایسا زچ ہونا پڑا کہ آریوں پر مردنی سی چھاگئی [۱۵۷]۔

(۵) مباحثہ ڈنڈوت: تحصیل پنڈ دادن خاں ضلع جہلم (مابین ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتی و مولوی محمد احسن صاحب) تاریخ مناظرہ ۹/ اگست ۱۹۲۹ء۔ موضوع بحث "صداقت حضرت مسیح موعودؑ" تھا [۱۵۸]۔

(۶) مباحثہ پھٹنمبی: تحصیل پنڈ دادن خاں ضلع جہلم (مابین ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتی و مولوی سید لال شاہ صاحب) تاریخ مناظرہ ۱۲/ اگست ۱۹۲۹ء۔ موضوع بحث "صداقت مسیح موعودؑ" اور "حیات و وفات مسیح ناصری علیہ السلام"۔ ملک صاحب نے دوران مناظرہ میں اپنے استنباط کی تائید میں بار بار انعامی چیلنج دیئے مگر غیر احمدی مناظر صاحب کو ان کے قبول کرنے کی جرأت نہ ہو سکی [۱۵۹]۔

(۷) مباحثہ موضع میانوالی ضلع سیالکوٹ: (مابین مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی و مولوی عبدالرحیم شاہ صاحب) تاریخ مباحثہ ۲۲/ اگست ۱۹۲۹ء۔ موضوع مباحثہ "حیات و وفات حضرت مسیحؑ" و "صداقت حضرت مسیح موعودؑ"۔ غیر احمدی مناظر صاحب لاجواب ہو کر سخت

کلامی پر اتر آئے۔ جس پر غیر احمدیوں کے صدر نے بھی اظہار افسوس کیا[۱۶۰]۔

(۸) مباحثہ مری: (مابین مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری و ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب غیر مبائع) تاریخ مباحثہ ۲۳/ اگست ۱۹۲۹ء تھی اور موضوع مباحثہ "امکان نبوت از روئے قرآن و حدیث!!" اس مناظرے میں ڈاکٹر صاحب نے ایسی روش اختیار کی جس کی وجہ سے غیر احمدی حضرات کو جو جلسہ میں موجود تھے۔ یہ یقین ہو گیا کہ آپ احمدیت سے دست بردار ہو گئے ہیں انہوں نے پر شوق و جوش ڈاکٹر صاحب سے معانقہ کیا اور انہیں دعوت دی کہ آپ جمعہ کی نماز ہمارے ساتھ ہی ادا کریں اس موقعہ پر تو آپ نے کچھ ایسا ہی انداز ظاہر کیا تھا کہ گویا آپ رضامند ہیں مگر بعد کو انکار کر دیا۔ اس موضوع کے بعد دعویٰ نبوت از روئے تحریرات مسیح موعود پر مباحثہ کا فیصلہ ہو چکا تھا بلکہ شرائط بھی طے ہو چکی تھیں لیکن غیر مبائعین نے ڈاکٹر صاحب کو کہلا بھیجا کہ اگر آپ نے مناظرہ کیا تو ہم آپ سے الگ ہو جائیں گے[۱۶۱]۔

(۹) مباحثہ ترگڑی: (مابین ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم گجراتی و مولوی سراج دین صاحب) یہ مباحثہ ۹/ ستمبر ۱۹۲۹ء کو ہوا۔ موضوع بحث حیات و وفات مسیحؑ تھا[۱۶۲]۔

(۱۰) مباحثہ سرینگر: (مابین مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری و میر مدثر شاہ صاحب غیر مبائع) یہ مباحثہ ۱۲۔ ۱۳/ ستمبر ۱۹۲۹ء کو منعقد ہوا۔ موضوع "امت محمدیہ میں نبوت" تھا[۱۶۳]۔

(۱۱) مباحثہ رنگون: (مابین سید محمد لطیف صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ رنگون و سید علی شاہ صاحب) تاریخ مباحثہ ۱۷/ ستمبر ۱۹۲۹ء اور موضوع بحث "وفات مسیح و صداقت مسیح موعود" تھا۔ احمدی مناظر نے غیر احمدی مناظر کو بار بار قرآن و حدیث پیش کر کے جواب کا مطالبہ کیا۔ مگر وہ اٹھ کر روانہ ہو گئے[۱۶۴]۔

(۱۲) مباحثہ انچولی ضلع میرٹھ: (مابین مولانا ظہور حسین صاحب و مولوی محمد منظور صاحب سنبلی مراد آبادی و مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی و مولوی عبد الشکور صاحب لکھنوی) احمدی مناظرین نے اس مناظرے میں دیوبندی علماء سے سولہ مطالبات کئے جن کا کوئی جواب نہ دیا گیا نواب مہربان علی صاحب سپیشل مجسٹریٹ اور دیگر رؤساء نے اسٹیج پر اس کا کھلا اقرار کیا[۱۶۵]۔

(۱۳) مباحثہ لالہ موسیٰ[۱۶۶]: (ضلع گجرات) مابین ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم گجراتی و مناظر اہلحدیث حافظ فضل الرحمٰن صاحب۔ تاریخ مباحثہ ۳/ اکتوبر ۱۹۲۹ء۔ موضوع نمبر ا بحث حیات و وفات مسیح ناصری نمبر ۲ صداقت مسیح موعودؑ۔ غیر احمدی مناظر دوسری بحث میں اختتام مناظرہ سے ایک گھنٹہ قبل ہی میدان مناظرہ سے اٹھ کر چل دیئے۔

(۱۴) مباحثہ چک نمبر ۵۶۵: ضلع لائلپور (مابین ابوالعطاء صاحب و علماء اہل سنت) یہ مناظرہ وسط اکتوبر ۱۹۲۹ء میں صداقت مسیح موعود اور ختم نبوت کے موضوع پر ہوا۔ غیر احمدیوں نے ۳۰ کے قریب حنفی و اہلحدیث علماء جمع کر رکھے تھے۔ مناظرہ ہونے پر یہ بہت بے دل ہو گئے۔ حتیٰ کہ آپس میں الجھ پڑے کہ فلاں بات کیوں پیش نہ کی۔ میں ہوتا تو یہ پیش کرتا [۱۶۷]۔

(۱۵) مباحثہ موضع کاشیما: ضلع بنگال (احمدی مناظر مولوی ظل الرحمٰن صاحب بنگالی) یہ مباحثہ آخر اکتوبر ۱۹۲۹ء میں ہوا۔ موضوع بحث بقائے نبوت اور صداقت مسیح موعود تھا۔ اطراف و جوانب کے ہزاروں آدمی کارروائی دیکھنے کے لئے شامل ہوئے تھے [۱۶۸]۔

خان بہادر نواب محمد دین صاحب کی بیعت

خان بہادر چوہدری نواب محمد دین صاحب باجوہ ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر [۱۶۹] تلونڈی عنایت ضلع سیالکوٹ کے ایک نامور رئیس تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ محترمہ بہشت بی بی صاحبہ اور آپ کے برادر اکبر چوہدری محمد حسین صاحب اور آپ کے فرزند ارجمند چوہدری محمد شریف صاحب (ایڈووکیٹ منٹگمری) تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحابیت کا شرف پا چکے تھے لیکن باوجود یہ کہ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے ہی سے حضور کی گہری عقیدت حاصل تھی [۱۷۰]۔ تاہم آپ ابھی تک بیعت سے مشرف نہیں ہوئے تھے۔ آخر اس سال یعنی ۱۹۲۹ء [۱۷۱] میں آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دست مبارک پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شامل ہو گئے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ آپ کی بیعت کا دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"مجھے یاد ہے جب انہوں نے بیعت کی تو ساتھ یہ درخواست کی کہ میری بیعت ابھی مخفی رہے .... میں ریٹائر ہو چکا ہوں اور اب ملازمتیں ریاستوں میں ہی مل سکتی ہیں۔ اس لئے اگر میری بیعت ظاہر نہ ہو تو ملازمت حاصل کرنے میں سہولت رہے گی .... میں چند دنوں کے لئے شملہ گیا اور انہوں نے مجھے دعوت پر بلایا اور کہا اور تو میں کوئی خدمت نہیں کر سکتا لیکن یہ تو کر سکتا ہوں کہ دعوت پر بڑے بڑے آدمیوں کو بلا لوں .... مجھے ثواب مل جائے گا۔ میں دعوت پر چلا گیا انہوں نے بڑے بڑے آدمی بلائے ہوئے تھے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ کوئی اعتراض کرے اور میں اس کا جواب دوں کہ وہ کھڑے ہوئے اور حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تقریر میں انہوں نے کہا بڑی خوشی کی بات ہے کہ امام جماعت احمدیہ یہاں تشریف لائے ہیں جو شخص کسی قوم کا لیڈر ہوتا ہے ہمیں اس کا احترام کرنا چاہئے .... دو تین منٹ کے بعد وہ تقریر کرتے ہوئے یکدم جوش میں آ گئے اور کہنے لگے اس

زمانہ میں ایک شخص آیا اور وہ کہتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں۔ اگر آپ لوگ اسے نہیں مانیں گے تو آپ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے عذاب آجائے گا۔ جب وہ تقریر کر کے بیٹھ گئے تو میں نے کہا۔ دیکھئے نواب صاحب میں نے تو ظاہر نہیں کیا کہ آپ احمدی ہیں آپ نے تو خود ہی ظاہر کر دیا ہے وہ کہنے لگے مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں نے کہا میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ سچی احمدیت چھپی نہیں رہتی آپ خواہ کتنا بھی چھپائیں یہ ظاہر ہو کر رہے گی" [۱۶۷]۔

حواشی حصہ اول (دوسراباب)

۱۔ الفضل ۱۸/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۔

۲۔ رستہ میں ایک جگہ موٹر خراب ہو گئی وہاں قریب ہی کرکٹ کی کھیل ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب کی خواہش پر حضور کھیل کے میدان میں چلے گئے۔ وہاں ہندوستان کے ایک مشہور مسلم لیڈر آگئے اور حضور کو دیکھ کر حیرانی سے کہنے لگے کہ آپ بھی یہاں آگئے۔ حضور نے فرمایا۔ یہاں آنے میں کیا حرج ہے۔ کہنے لگے یہاں کھیل ہو رہی ہے آپ نے جواب دیا۔ میں خود ٹورنامنٹ کراتا ہوں اور کھیلنے بھی جاتا ہوں۔ پہلے فٹ بال بھی کھیلا کرتا تھا مگر اب صحت اسے برداشت نہیں کرتی۔ انہیں یہ باتیں سن کر بہت تعجب ہوا۔ گویا پڑھے لکھے مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال ہے کہ دین اور ورزش ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء)

۳۔ الفضل ۱۸/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

۴۔ آپ آخر ۱۹۲۸ء میں آئے تھے اور یکم دسمبر ۱۹۲۸ء کو انجمن حمایت اسلام لاہور نے ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا تھا۔ یہ گورنر صاحب جماعت احمدیہ کی تعلیمی ترقی سے بہت متاثر تھے چنانچہ انہوں نے غالباً اسی ملاقات کے دوران میں یا کسی اور موقعہ پر کہا۔
"ایک ایسی جماعت نے جو مقابلتاً قلیل ہے اور جس کے مالی محدود ذرائع ہیں تعلیمی اعتبار سے نمایاں ترقی کی ہے اور یہ امر ذات خود تمام ملت اسلامیہ کے لئے من حیث الجماعت ایک تعجب انگیز نمونہ ہے جن اصحاب نے اس عظیم الشان تحریک کی رہنمائی کی اور جنہوں نے اس کی تائید اور معاونت کی میرے پاس ان کی تحسین کے لئے کافی کلمات نہیں ہیں"۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۱۸)

۵۔ مفصل تقریر الفضل ۵/ فروری ۱۹۲۵ء میں چھپ چکی ہے۔

۶۔ الفضل ۲۲/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۱-۲۔

۷۔ الفضل یکم فروری ۱۹۲۹ء صفحہ ۸۔

۸۔ الفضل یکم مارچ ۱۹۲۹ء صفحہ ۶ کالم ۱-۲۔

۹۔ خواتین اور طالبات کے لئے پردے کا انتظام تھا۔ جو انعامات دیئے گئے ان میں سے تقریر اور مضمون نگاری کے انعام حاصل کرنے والے طلبائے جامعہ و مدرسہ کے نام یہ ہیں۔ (جامعہ احمدیہ) مولوی محمد صادق صاحب' عبدالسنان صاحب عمر (مدرسہ احمدیہ) مولوی محمد سلیم صاحب۔ شیخ عبدالقادر صاحب۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۱۷)

۱۰۔ الفضل یکم فروری ۱۹۲۹ء صفحہ ۱ کالم ۳ و صفحہ ۲ کالم ۲۔

۱۱۔ یعنی (۱) ہندوستان میں فیڈرل طرز کی حکومت ہو جس میں صوبوں کو مکمل خود اختیاری حاصل ہو۔ (۲) جداگانہ انتخاب کو اس وقت تک قائم رکھا جائے جب تک کہ سیاسی میدان سے فرقہ وارانہ جذبات معدوم نہ ہو جائیں۔ (۳) اسی دوران میں مختلف اقوام کے لئے تناسب آبادی کے لحاظ سے صوبجاتی مجالس قانون ساز میں نشستیں مخصوص کردی جائیں۔ اقلیتوں کو بے شک کچھ زائد مراعات دی جائیں لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ایسا کرنے سے کوئی کثرت اقلیت میں تبدیل نہ ہو جائے۔ (۴) سندھ کو مستقل صوبہ بنادیا جائے۔ (۵) صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اصطلاحات نافذ کردی جائیں۔ (۶) تمام مذاہب کے لئے کامل آزادی کا اصول تسلیم کیا جائے اور یہ بات سابقہ تمام باتوں کے ساتھ ملکی دستور میں داخل سمجھی جائے۔

۱۲۔ الفضل ۱۲/ فروری ۱۹۲۹ء صفحہ ۴۔

۱۳۔ الفضل ۱۲/ فروری ۱۹۲۹ء صفحہ ۴-۵۔
۱۴۔ الفضل ۱۹/ فروری ۱۹۲۹ء صفحہ ۴۔
۱۵۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۴۷۔
۱۶۔ تالیف و تصنیف۔
۱۷۔ الفضل ۲۹/ مارچ ۱۹۲۹ء صفحہ ۶-۷۔
۱۸۔ جس کا ذکر قبل ازیں ۱۹۲۸ء کے حالات میں گزر چکا ہے۔
۱۹۔ الفضل ۹/ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۔
۲۰۔ مولانا محمد علی جوہر نے اپنے اخبار ہمدرد ۵/ مارچ ۱۹۲۹ء میں ملاقات کا ذکر کیا تھا۔ (مولانا محمد علی بحیثیت تاریخ اور تاریخ ساز) صفحہ ۴۳۶ شائع کردہ سندھ ساگر اکادمی لاہور طبع اول جنوری ۱۹۶۲ء۔
۲۱۔ مکمل متن کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۲/ مارچ ۱۹۲۹ء صفحہ ۹۔
۲۲۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۴۸۔ چنانچہ انہوں نے ۲۶/ مارچ ۱۹۲۹ء کو لکھا۔ مسلمانوں کے مشہور لیڈروں کے درمیان جو باہمی اختلافات اور نزاع پیدا ہو گیا تھا اس کے دور کرنے کے واسطے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ نے جو سعی فرمائی تھی وہ بھی بفضلہ تعالیٰ بار آور ہو رہی ہے چنانچہ جس وقت یہ رپورٹ مجلس مشاورت میں پیش ہو گی اس وقت راقم الحروف دہلی میں مسلمانوں کے دو بڑے لیڈروں مسٹر جناح اور سر شفیع اور ان کے رفقاء کی باہمی مصالحت میں انشاء اللہ کامیابی دیکھ رہا ہو گا۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۴۸)
۲۳۔ الفضل ۱۲/ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ۷۔
۲۴۔ الفضل ۵/ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۲ کالم ۲۔
۲۵۔ الفضل ۷/ مارچ ۱۹۳۰ء۔
۲۶۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۲۵۷۔
۲۷۔ الفضل ۱۱/ مارچ ۱۹۳۰ء صفحہ ۴ کالم ۱۔
۲۸۔ عبدالمجید صاحب سالک نے مسلم لیگ کے الحاق کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اپنی سرگزشت میں لکھا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ مسٹر محمد علی جناح مسلمانوں کی مصلحت کو خوب جانتے تھے اور انہوں نے ہندوؤں کے سامنے اتمام حجت کر دیا اور پھر غصے میں بمبئی چلے گئے۔ پھر خیال آیا ہو گا کہ دو لیگوں کا قائم رہنا خالص حماقت ہے خصوصاً جبکہ آل پارٹیز کانفرنس ملک بھر میں گونج اور گرج رہی ہے اور مسلم لیگ کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ (صفحہ ۲۶۰-۲۶۱)
۲۹۔ الفضل ۱۲/ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۲۔
۳۰۔ اخبار تیج (دہلی) ۱۰/ اپریل ۱۹۲۹ء بحوالہ اہلحدیث امرتسر ۱۹/ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۴-۱۵۔
۳۱۔ بعض شریف اور غیر متعصب ہندوؤں نے اس موقعہ پر یہ بھی اقرار کیا کہ "اگرچہ بعض ہندو جرائد قتل راجپال کی آڑ میں مذہب اسلام اور اس کے بانی حضرت محمد صاحب کی ذات بابرکات کے خلاف نہایت کمینے الزامات تراشنے میں مصروف ہیں لیکن مسلمان لیڈروں کی صاف دلی ملاحظہ ہو کہ وہ ان ناقابل برداشت حملوں کو سنتے ہوئے بھی قتل راجپال میں ان کے ساتھ نہایت خلوص دلی سے اظہار ہمدردی کر رہے ہیں۔ ہم مسلمان بھائیوں کا اس صاف دلی اور اظہار ہمدردی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔" اخبار رشی امرتسر ۱۸/ اپریل ۱۹۲۹ء) بحوالہ الفضل ۳۰/ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ۴۔
۳۲۔ تیج (دہلی) ۱۰/ اپریل ۱۹۲۹ء بحوالہ اہلحدیث امرتسر صفحہ ۱۵ کالم ۳۔
۳۳۔ الفضل ۱۲/ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۲۔
۳۴۔ الفضل ۱۹/ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ۶ تا ۸۔
۳۵۔ الفضل ۲۵/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۶۔
۳۶۔ بحوالہ الفضل ۲۸/ مئی ۱۹۲۹ء صفحہ ۹ کالم ۱۔

۳۷۔ بحوالہ الفضل ۲۸/ مئی ۱۹۲۹ء صفحہ ۹ کالم ۲۔
۳۸۔ بحوالہ الفضل ۲۸/ مئی ۱۹۲۹ء صفحہ ۹ کالم ۳۔
۳۹۔ الفضل ۲۱/ مئی ۱۹۲۹ء صفحہ ۹ کالم ۲۔
۴۰۔ مشرق ۹/ مئی ۱۹۲۹ء بحوالہ الفضل ۲۱/ مئی ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۰ کالم ۱۔
۴۱۔ اخبار ہمت لکھنؤ ۳/ مئی ۱۹۲۹ء بحوالہ الفضل ۱۰/ مئی ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۰ کالم ۲۔
۴۲۔ الفضل ۹/ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
۴۳۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۲۰۰۔
۴۴۔ مراد مولوی ظفر علی خاں صاحب ہیں۔ ناقل۔
۴۵۔ بحوالہ الفضل ۲۸/ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۶ کالم ۱-۲۔
۴۶۔ بحوالہ الفضل ۱۱/ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۱ کالم ۲۔
۴۷۔ بحوالہ الفضل ۲۱/ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۱ کالم ۲-۳۔
۴۸۔ بحوالہ الفضل ۲۵/ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۱ کالم ۲۔
۴۹۔ بحوالہ الفضل ۲۵/ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۱ کالم ۳۔
۵۰۔ الفضل ۱۴/ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۵۱۔ الفضل ۱۲/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
۵۲۔ الفضل ۱۸-۲۱/ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۵۳۔ الفضل ۴/ اکتوبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۔
۵۴۔ الفضل ۳۰/ اگست ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۔
۵۵۔ الفضل ۵/ جولائی ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۱ کالم ۱۔
۵۶۔ الفضل ۹/ جولائی ۱۹۲۹ء صفحہ ۶ کالم ۳۔
۵۷۔ الفضل ۱۹/ جولائی ۱۹۲۹ء صفحہ ۷ کالم ۲-۳۔
۵۸۔ الفضل ۲۳/ جولائی ۱۹۲۹ء صفحہ ۷ کالم ۲۔
۵۹۔ الفضل ۱۳/ اگست ۱۹۲۹ء صفحہ ۶ کالم ۱۔
۶۰۔ الفضل ۲۰/ اگست ۱۹۲۹ء صفحہ ۶ کالم ۳۔
۶۱۔ الفضل ۲۳/ اگست ۱۹۲۹ء صفحہ ۶ کالم ۱۔
۶۲۔ الفضل ۵/ جولائی ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۱ کالم ۲۔
۶۳۔ الفضل ۱۹/ جولائی ۱۹۲۹ء صفحہ ۱ کالم ۲۔
۶۴۔ یاد رہے کہ سفر کشمیر کے اکثر و بیشتر خطبات آپ نے اور بعض ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب و محمد افضل صاحب نے مرتب کر کے الفضل کو بھجوائے جو شائع شدہ ہیں۔
۶۵۔ الفضل ۲۲/ اگست ۱۹۲۹ء صفحہ ۱ کالم ۲-۳۔
۶۶۔ الفضل ۱۲/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۹ کالم ۱-۲۔
۶۷۔ الفضل ۳/ دسمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۷۔
۶۸۔ الفضل ۲۸/ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۔
۶۹۔ الفضل ۲۸/ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۷ کالم ۲۔
۷۰۔ خواجہ غلام نبی صاحب ایڈیٹر الفضل، حضرت میر محمد اسحاق صاحب، مولانا ابو العطاء صاحب، حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر، مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی اور ڈاکٹر محمد شاہنواز صاحب کے مضامین الفضل میں شائع شدہ ہیں۔

۷۱۔ مرثیہ کہنے والوں میں سے حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب' حضرت خان صاحب ذوالفقار علی صاحب' حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی' نواب خان صاحب ثاقب میرزا خانی' ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم' مولانا جلال الدین صاحب شمس' مولوی غلام احمد صاحب اختر اوچ شریف' مولوی عبداللہ صاحب مالاباری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۷۲۔ اخبار اہلحدیث ۵/ جولائی ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۵ کالم ۲۔

۷۳۔ اخبار پیغام صلح ۹/ جولائی ۱۹۲۹ء۔

۷۴۔ حضور نے اس ایک فقرہ میں حضرت حافظ صاحبؓ کی پوری زندگی کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ چنانچہ جب ہم حضرت مولوی عبدالکریمؓ اور آپ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو دونوں بزرگوں میں متعدد مماثلتیں اور مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔ دونوں اپنے زمانے میں صف اول کے علماء میں شمار ہوتے تھے۔ دونوں خوش الحان واعظ مقرر تھے۔ دونوں کی علمی و دینی خدمات کا سلسلہ آخر دم تک جاری رہا۔ دونوں سنتالیس سال کی عمر میں اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملے۔

۷۵۔ الفضل ۲۸/ جون ۱۹۲۹ء۔

۷۶۔ الفضل ۲۸/ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

۷۷۔ الفضل ۷/ جنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ۳ کالم ۱' ۲۔

۷۸۔ الفضل ۲۸/ جون ۱۹۲۹ء۔

۷۹۔ الفضل ۱۹/ نومبر ۱۹۴۰ء۔

۸۰۔ یاد رہے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جنوری ۱۹۱۹ء میں جب نظارتوں کا قیام فرمایا تو اعلان فرمایا کہ میں نے جماعت کی ضروریات افتاء کو مدنظر رکھ کر مکرمی مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب' مکرمی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اور مکرمی حافظ روشن علی صاحب کو مقرر کیا ہے۔ (الفضل ۴/ جون ۱۹۱۹ء صفحہ ۱ کالم ۳)

۸۱۔ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے جنہوں نے اصحاب احمد کی تین جلدوں میں آپ کی مفصل سوانح لکھی ہے بطور نمونہ آپ کے پچپن فتاویٰ بھی شائع کئے ہیں جن سے حضرت مولانا کی تبحر علمی' باریک نظری اور دینی بصیرت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

۸۲۔ اصحاب احمد جلد پنجم حصہ سوم میں اس کا کئی مقامات پر ذکر آتا ہے نیز رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۳۳-۱۹۳۲ء کے صفحہ ۱۳ پر لکھا ہے۔ مفتی صاحب سلسلہ ان طلباء سے فتویٰ کا کام بھی لے کر مشق کرواتے رہتے ہیں۔

۸۳۔ اخبار مباہلہ جاری کرنے والے کون تھے؟ اس کا تذکرہ تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۶۲۱ تا ۶۲۵ میں گزر چکا ہے۔

۸۴۔ اخبار جواب مباہلہ نمبر ۱ صفحہ ۲۔

۸۵۔ الفضل ۱۷/ ستمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۶ و الفضل ۱۳/ اگست ۱۹۲۹ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

۸۶۔ اخبار ملاپ (۲۰/ اگست ۱۹۲۹ء) نے لکھا کہ سکھوں سے پوچھا گیا کہ تمہیں بوچڑ خانہ پر اعتراض تو نہیں تو انہوں نے بھی کہا کہ نہیں پس ڈپٹی کمشنر صاحب نے سمجھا کہ فیصلہ ہو گیا۔ اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاں تک مذبح کا تعلق ہے سکھ مذبح کے خلاف نہیں تھے۔ اس کے بعد انہیں پہلے اقرار پر قائم نہ رہنے دینے میں کسی اور فریق کا ہاتھ تھا اور یہ فریق ہندوؤں کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ چنانچہ سکھوں کے مشہور اخبار اکالی (امرتسر) نے تو صاف لکھا کہ گائے کی مذہبی عظمت کا سوال خالص ہندو سوال ہے اور سکھ جہاں جھٹکہ پر کسی قسم کی بندش برداشت نہیں کر سکتے وہاں دوسروں کو بھی کوئی خوراک کھانے سے نہیں روکنا چاہئے۔ اسی طرح سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون نے اپنے اخبار ریاست (۲۴/ اگست ۱۹۲۹ء) میں لکھا۔ جہاں تک کسی جانور کے مارنے کا سوال ہے ایڈیٹر ریاست کے ذاتی خیال کے مطابق گائے اور بکری یہاں تک کہ گائے اور ایک مکھی میں بھی کوئی فرق نہیں۔ گائے سے متعلق سکھ قوم کی یہ رائے ہندوؤں سے پوشیدہ نہیں تھی۔ جیسا کہ اخبار گورو گھنٹال (۳۱/ اگست ۱۹۲۹ء) نے اقرار کیا کہ سکھوں میں اب کچھ عرصہ سے بعض من چلے لوگ ایسے بھی پیدا ہو چکے ہیں کہ جو نہ صرف یہ کہ گائے کی عظمت کے قائل نہیں رہے بلکہ وہ سؤر اور گائے میں بھی کوئی تمیز کرنے کے لئے تیار نہیں۔ (بحوالہ الفضل ۳/ ستمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۳-۴)

۸۷۔ یاد رہے کمشنر صاحب کی عدالت میں مذبح کے خلاف قادیان کے ہندوؤں کی اپیل پیش ہوئی تھی کوئی سکھ ان کے ساتھ شامل نہ تھا۔

۸۸۔ الفضل ۲۴/ ستمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ا و الفضل یکم اکتوبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۳-۴۔
۸۹۔ الفضل یکم نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ا۔ یاد رہے کہ ڈپٹی کمشنر صاحب نے اس فیصلہ کے بعد مذبح کی اجازت ملتوی کر دی تھی۔ مگر گوشت کی دکان موجود رہی۔ اور آخر ۱۵/ جون ۱۹۳۱ء کو محلہ دار العلوم میں نئے تعمیر شدہ مذبح کا افتتاح ہوا۔ (الفضل ۱۶/ جون ۱۹۳۱ء صفحہ ا)
۹۰۔ الفضل ۳۰/ اگست ۱۹۲۹ء صفحہ ۵۔
۹۱۔ الفضل ۲۰/ ستمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ا کالم ۲-۳۔
۹۲۔ شاردا بل کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو۔ زمیندار ۲/ اکتوبر ۱۹۲۹ء بحوالہ الفضل ۸/ اکتوبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۹ کالم ۱-۲۔
۹۳۔ الفضل ۲۲/ اکتوبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۱-۲۔
۹۴۔ ایضاً صفحہ ۶ کالم ۳۔
۹۵۔ الفضل ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۹ء صفحہ ا کالم ا۔
۹۶۔ الفضل ۸/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ا کالم ا۔ مفصل تحریر کے لئے ملاحظہ ہو۔ الفضل ۲۹/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۸ تا ۱۳۔
۹۷۔ الفضل ۱۵/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۶ کالم ۲۔
۹۸۔ تاریخ احمدیت جلد دوم طبع دوم صفحہ ۲۰۴۔
۹۹۔ پارس لاہور ۲۴/ نومبر ۱۹۲۹ء۔ بحوالہ الفضل ۲۶/ نومبر ۱۹۲۹ء۔
۱۰۰۔ دفتر پرائیوٹ سیکرٹری ربوہ کے قدیم ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ علم دین کے والد صاحب نے ۷/ جولائی ۱۹۲۹ء کو حضور کی خدمت میں خط لکھا کہ علم دین قتل راجپال میں گرفتار ہے اور عدالت سیشن سے پھانسی کا حکم ہو چکا ہے اپیل کی تاریخ ۱۵ ماہ حال مقرر ہے۔ حضور اس کے لئے دعا فرمائیں۔
۱۰۱۔ الفضل ۱۵/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۶۔
۱۰۲۔ الفضل ۱۰/ دسمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۶ کالم ۲۔
۱۰۳۔ الفضل ۲۲/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۱ کالم ۲۔
۱۰۴۔ شائع شدہ الفضل ۲۲/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۶-۹۔
۱۰۵۔ الفضل ۲۶/ نومبر ۱۹۲۹ء۔
۱۰۶۔ الفضل ۱۷/ دسمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۱-۲۔
۱۰۷۔ الفضل ۲۹/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۶-۷۔
۱۰۸۔ الفضل ۱۷/ دسمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۶ کالم ۱-۲۔
۱۰۹۔ الفضل ۲۰/ دسمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ا کالم ا۔
۱۱۰۔ مسلم ورلڈ اپریل ۱۹۳۱ء بحوالہ تاثرات قادیان (مولفہ ملک فضل حسین صاحب) صفحہ ۱۹۸ تا ۲۰۱
۱۱۱۔ سرگزشت صفحہ ۲۶۳ و الفضل ۲۶/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۴۔
۱۱۲۔ الفضل ۲۴/ دسمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۸-۹۔ اخبار انقلاب (۲۰/ دسمبر ۱۹۲۹ء) نے بھی اس وفد کی خبر شائع کر دی تھی۔
۱۱۳۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۲۵۸۔ (الفضل ۱۰/ جنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ۸)
۱۱۴۔ الفضل ۲۲/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۹ کالم ا۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی بنیادی پالیسی ہمیشہ یہ رہی ہے کہ کانگریس حکومت یا عوام میں سے جو فریق جس پہلو کے اعتبار سے صحیح قدم اٹھاتا آپ اس کی تائید فرماتے مثلاً حضور سے انہیں دنوں عرض کیا گیا کہ شاید کانگریس کے اجلاس لاہور کی وجہ سے حکومت کرسمس کی چھٹیاں منسوخ کر دے اس پر آپ نے فرمایا اگر یہ درست ہے تو روکنے کا طریق بہت بزدلانہ ہے...... چاہئے تو یہ تھا کہ گورنر صاحب خود کانگریس کے جلسہ میں جاتے اور کہتے سناؤ جو کچھ سنانا چاہتے ہو ایسی دلیری کا بھی مخالفین پر خاص اثر ہوتا ہے۔ (الفضل ۲۲/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۹ کالم ۲)
۱۱۵۔ یاد رہے کانگریسی پراپیگنڈا کی وجہ سے دوسرے مسلم ممالک اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ مسلمانان ہند غلامی کے زمانہ کو لمبا کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ عبد المجید صاحب سالک اپنی کتاب سرگزشت میں لکھتے ہیں۔

"چونکہ...... کانگریس اپنے اجلاس لاہور میں کامل آزادی کی قرارداد منظور کر چکی تھی اس لئے ہمارے بعض بے خبر ہمسایہ ملکوں میں یہ غلط فہمی پھیل گئی تھی کہ بس اب ہندوستان سے انگریزوں کا بوریا بستر بندھنے والا ہے افغانستان' ایران' ترکی اور مصر کے بعض حلقے اس امر پر بے حد تاسف کا اظہار کر رہے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان اس آزادی کی تحریک میں شامل نہیں ہوتے اور انگریز کے اقتدار کو نادانستہ زیادہ استوار کر رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی ممالک پر انگریز کی گرفت نرم ہونے میں نہیں آتی اخباروں اور عوامی جماعتوں ہی تک یہ معاملہ محدود رہتا تو ایسی اہم بات نہ تھی لیکن جب نحاس پاشا اور مصطفیٰ کمال بھی مسلمانان ہند کو متہم کر کے انہیں تحریک آزادی میں حصہ لینے کی تلقین کرتے تھے تو جی جل جاتا تھا کہ ان لوگوں کو حقیقی حالات کا کچھ علم نہیں محض گھر بیٹھے ہی سات کروڑ مسلمانوں کی ایک عظیم جمعیت کو انگریز پرست سمجھ رہے ہیں"۔ (سرگزشت از عبدالمجید صاحب سالک صفحہ ۲۷۷-۲۷۸)

۱۱۶۔ آپ ۱۸۹۲ء میں بمقام پٹنہ پیدا ہوئے ۱۲ برس کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ اپنے وطن ناگڑیاں ضلع گجرات (پنجاب) آئے کچھ عرصہ تک امرتسر کی جامع مسجد خیرالدین کے مدرسہ عربیہ میں تعلیم پائی۔ ۲۲-۱۹۲۱ء کی تحریک خلافت کے موقعہ پر جب اس مسجد کے آپ خطیب تھے اپنی پرجوش خطابت سے مسلمانوں کو ترک موالات اور ہجرت پر آمادہ کیا جس سے متاثر ہو کر جہاں ہزاروں مسلمان قید ہوئے تحریک خلافت کے ایام میں رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر نے ان کو مشورہ دیا کہ جو قدرت تم کو اپنی زبان پر ہے وہ خداداد ہے اور خدا کی ایک بڑی نعمت ہے مگر ایک بڑی خطرناک نعمت ہے اور تمہاری مسئولیت بہت بڑھ گئی ہے جب تک تم اسے حق کی راہ میں استعمال کرو گے فلاح دارین حاصل کرو گے لیکن اگر کبھی یہ باطل کی راہ میں استعمال کی گئی تو ہزاروں بندگان خدا کو بھی گمراہ کرنے کے لئے کافی ہوگی۔ (سوانح سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ از حبیب الرحمٰن خان کابلی ایضاً "تاریخ احرار" از چوہدری افضل حق طبع ثانی ۱۹۶۸ء صفحہ ۱۷)

۱۱۷۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ از جناب آغا شورش کاشمیری مدیر چٹان لاہور طبع اول صفحہ ۸۴-۸۵۔

۱۱۸۔ سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۲۵۔ مولفہ حبیب الرحمٰن خان کابلی جون ۱۹۴۰ء بار اول۔ پبلشر ہندوستانی کتب خانہ ۶۳ ریلوے روڈ لاہور۔

۱۱۹۔ خطبات احرار صفحہ ۱۳۵۔

۱۲۰۔ سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۹۱ (از خان کابلی)

۱۲۱۔ کہتے ہیں کہ مجلس احرار کے ساتھ اسلام کا لفظ مولوی ظفر علی خاں کی تجویز پر شامل ہوا تھا۔ چنانچہ اخبار زمیندار ۸/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ سے اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ چوہدری افضل حق صاحب (مفکر احرار) سے اس میں یہ سوال کیا گیا ہے کہ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ مجلس احرار کی تشکیل کے وقت احرار کے ساتھ اسلام لکھنا آپ پسند نہ کرتے تھے محض مولانا ظفر علی خان کے ارشاد پر احرار اسلام نام دیا گیا"۔

۱۲۲۔ خطبہ جمعہ سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ (الفضل ۶/ اگست ۱۹۳۵ء)

۱۲۳۔ اخبار آزاد لاہور۔ چوہدری افضل حق نمبر۔

۱۲۴۔ خطبات احرار مرتبہ جناب شورش کاشمیری صفحہ ۲۰-۳۴-۴۲۔

۱۲۵۔ تاریخ احرار صفحہ ۱۶۱ ناشر زمزم بک ایجنسی بیرون موری دروازہ لاہور۔

۱۲۶۔ اخبار آزاد لاہور ۳۰/ اپریل ۱۹۵۱ء صفحہ ۷ کالم ۱-۲۔

۱۲۷۔ اس حقیقت کی مزید وضاحت و تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احرار صفحہ ۱۷۔ خطبات احرار صفحہ ۷۷ و ۱۱۵۔

۱۲۸۔ زمیندار ۱۲/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ کالم ۱۔

۱۲۹۔ خطبہ صدارت بر موقعہ تبلیغی کانفرنس قادیان (مدینہ بجنور یکم نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۴ کالم ۲)

۱۳۰۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۲۹-۳۰ (از شورش کاشمیری)

۱۳۱۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ صفحہ ۱۰۷-۱۰۹۔

۱۳۲۔ مدیر رسالہ چٹان لاہور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی نسبت لکھتے ہیں۔ جن چیزوں سے نفور ہوں ان سے تمسخر بھی روا رکھتے ہیں ان کے ہاں اس تمسخر یا پھکڑ کی زد سب سے زیادہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی ذریات پر پڑتی ہے۔ (سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ

۱۹۴)

۱۳۳۔ روزنامہ آزاد لاہور۔ احرار نمبر ۷/ ۱۲ ستمبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۷ و ۱۸۔

۱۳۴۔ رشید نیاز صاحب نے اپنی کتاب تاریخ سیالکوٹ میں جان گنتھر کے یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ یہ ہیں وہ الفاظ جو ایشیاء کے ایک شہرہ آفاق مصنف مسٹر جان گنتھر کی زبان سے مجلس احرار اسلام کے بارے میں جاری ہوئے ہیں اس نے احرار کو مجموعہ اضداد کہہ کر جو طنز کا نشتر مارا ہے وہ مسٹر گنتھر کے لئے تو ایک تنقید کا سہارا ہے۔ مگر سرفروشان احرار کے لئے باعث شرف و مباہات ایک رنجدہ چیز یہ بھی ہے کہ اس تحریک کو جتنے مخلص کارکن ملے ہیں۔ اس کے لیڈر بہ تخصیص چند اتنے ہی موقع پرست ثابت ہوئے۔ (صفحہ ۲۴۲ مطبوعہ ۱۹۵۸ء ناشر مکتبہ نیاز سٹریٹ ڈاکٹر فیروز الدین سیالکوٹ)

۱۳۵۔ پنجابی کے بہت مشہور شاعر جنہوں نے دو رسالے ایک پنجابی میں اور دوسرا اردو میں حضرت مسیح موعودؑ کی تائید میں لکھے تھے ایک سو چار سال کی عمر میں فوت ہوئے آخری عمر میں بڑھاپے کی وجہ سے قادیان جانے سے معذور ہو چکے تھے اور نماز عید کے سوا سب نمازیں بستر پر ہی ادا کر سکتے تھے حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت مولوی غلام حسین صاحب لاہوری اور ان کی نسبت فرمایا تھا کہ انہیں ہمارے خرچ پر قادیان لایا جائے انہیں وصیت کرنے کی ضرورت نہیں مگر افسوس ان کی وفات اچانک ہوئی اور نعش کو قادیان لے جانے کا بندوبست نہ کیا جاسکا۔ (الفضل ۲۲/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۲ کالم ۳)

۱۳۶۔ الفضل ۱۲/ فروری ۱۹۲۹ء صفحہ ا کالم ا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۵/ جنوری ۱۹۲۹ء کو حضرت مولوی محمد صاحب، حضرت شہامت خاں صاحب اور حضرت بابو روشن دین صاحب کا اکٹھا جنازہ پڑھایا اور حضرت مسیح موعودؑ کے ان پرانے اور اولین صحابہ کے اخلاص و فدائیت کا ذکر نہایت تعریفی کلمات میں فرمایا۔ (الفضل ۲۹/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۲ کالم ۱)

۱۳۷۔ مرحومہ نہایت مخلص اور پرجوش احمدی تھیں جب حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف ﷺ کی شہادت کا واقعہ ہوا تو انہوں نے نہایت صبر و استقلال کا نمونہ دکھایا اور اس کے بعد اپنی چھوٹی بڑی سب اولاد کو احمدیت کی تعلیم دینے اور اس صداقت پر پختہ کرنے میں منہمک ہو گئیں۔ اپنے اثاثہ کے ۱/۳ حصہ کی وصیت کی ہوئی تھی ۱۹۲۶ء سے جبکہ یہ خاندان خوست سے سرحد میں آیا ہر سال سالانہ جلسہ پر تشریف لاتی تھیں۔ (الفضل ۱۲/ نومبر ۱۹۲۹ء)

۱۳۸۔ مورخ احمدیت حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی آپ کے حالات زندگی میں لکھتے ہیں۔

میاں شیر محمد صاحب نے حق سمجھ لیا اور سمجھ کر قبول کر لیا یہی وہ گھڑی تھی جس نے شیر محمد یکہ بان کو ابدال بنا دیا...... اس دن کے بعد میاں شیر محمد کی حالت میں یہ تبدیلی ہوئی کہ وہ یکہ بان مبلغ ہو گیا جب وہ اپنی سواریوں کو لے کر چلتا تو اس کا کام یہ ہوتا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خوشخبری سناتا اور خدا تعالیٰ نے اس پر تبلیغ کے ایسے اسرار کھول دیئے کہ وہ اپنے مطلب کو نہایت سریع الفہم طریق پر مدلل کر کے پیش کرتا...... یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

برکسے چوں مہربانی مے کنی   از زمینی آسمانی مے کنی

...... ان کی زندگی میں جب یہ انقلاب ہوا تو ان کے ساتھ مختلف قسم کی آزمائشوں اور ابتلاؤں کا دور شروع ہو گیا۔ پے در پے گھوڑے خریدے اور مر گئے اور کئی قسم کے نقصان ہوئے یہاں تک کہ بعض اوقات عرصہ حیات تنگ ہو گیا مگر اس شیر نے ان مصائب میں اپنے مولیٰ سے صدق اور اخلاص کے رشتہ کو آگے بڑھایا۔ (الفضل ۱۰/ دسمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۱ کالم ۴)

۱۳۹۔ الفضل ۱۶/ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ا کالم ۲۔

۱۴۰۔ الفضل ۱۷/ ستمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۔ آپ مرزا مبشر احمد صاحب (ابن حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) کے عقد میں آئیں۔

۱۴۱۔ آپ حضرت سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری کی طرح امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ امیر مینائی کے تلامذہ کی یہ خصوصیت ہمیشہ یادگار رہے گی کہ ان میں سے کسی نے تحریک احمدیت کی مخالفت نہیں کی۔

۱۴۲۔ اخبار مشرق ۲۴/ جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۴ کالم ا بحوالہ الفضل ۲۲/ فروری ۱۹۲۹ء صفحہ ۴ کالم ا۔

۱۴۳۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۹۴-۱۹۶۔

۱۴۴۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۲۵۱۔

۱۴۵۔ الفضل ۹/ جولائی ۱۹۲۹ء صفحہ ا کالم ۱-۲۔

۱۴۶۔ الفضل ۲۷/ دسمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۵۔
۱۴۷۔ الفضل ۲۲/ اکتوبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ حملہ آور کا نام محمد اکبر آفریدی تھا جس نے قید سے رہائی کے بعد بیعت کر لی تھی۔
۱۴۸۔ الفضل یکم مارچ ۱۹۲۹ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔
۱۴۹۔ الفضل ۲۶/ مارچ ۱۹۲۹ء صفحہ ۸۔
۱۵۰۔ الفضل ۲/ اگست ۱۹۲۹ء صفحہ ۹۔
۱۵۱۔ الفضل ۱۴/ مئی ۱۹۲۹ء صفحہ ۷۔
۱۵۲۔ الفضل ۲۶/ فروری ۱۹۲۹ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۱۵۳۔ الفضل ۲۲/ اکتوبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۱۵۴۔ الفضل ۱۵/ فروری ۱۹۲۹ء۔
۱۵۵۔ الفضل ۵/ جولائی ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۱ کالم ۳۔
۱۵۶۔ الفضل ۱۲/ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ۹ کالم ۳۔
۱۵۷۔ الفضل ۳۰/ جولائی ۱۹۲۹ء صفحہ ۱ کالم ۱ و ۲/ اگست ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۔
۱۵۸۔ الفضل ۲۰/ اگست ۱۹۲۹ء صفحہ ۸ کالم ۳۔
۱۵۹۔ الفضل ۶/ ستمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۹ کالم ۱۔
۱۶۰۔ الفضل ۲۷/ ستمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۷ کالم ۳۔
۱۶۱۔ الفضل ۱۳/ ستمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۸ و الفضل ۱۵/ اکتوبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۶-۷۔
۱۶۲۔ الفضل ۲۷/ ستمبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۷ کالم ۳۔
۱۶۳۔ الفضل ۲۲/ اکتوبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۸-۹
۱۶۴۔ الفضل ۸/ اکتوبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۷ کالم ۳۔
۱۶۵۔ الفضل ۵/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۹۔
۱۶۶۔ الفضل ۲۲/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۳ کالم ۲
۱۶۷۔ الفضل ۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۹ کالم ۳۔
۱۶۸۔ الفضل ۲۹/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۷ کالم ۳۔
۱۶۹۔ تاریخ ولادت ۱۸۷۲ء تاریخ وفات ۵/ جولائی ۱۹۴۹ء۔ بیعت کے بعد گو آپ کی پوری زندگی سلسلہ کی خاطر سرفروشانہ خدمات میں گزری مگر آپ کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ جدید مرکز احمدیت ربوہ کا قیام ہے۔ جیسا کہ دور پاکستان کی تاریخ احمدیت میں بڑی شرح و بسط سے ذکر آ رہا ہے و باللہ التوفیق۔
۱۷۰۔ اس کا تفصیلی ذکر حضرت نواب محمد دین صاحب کے ایک مضمون مطبوعہ الفضل ۲۸/ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۳ میں بھی موجود ہے۔
۱۷۱۔ کتاب ربوہ (از ملک کیپٹن خادم حسین صاحب) صفحہ ۳۲۵۔ طبع اول ۱۹۶۲ء ربوہ۔
۱۷۲۔ الفضل ۳۱/ جولائی ۱۹۴۹ء۔

تیسرا باب (فصل اول)

"ندائے ایمان" کے سلسلہ اشتہارات سے لے کر کتاب "ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسئلہ کا حل" کی اشاعت اور گول میز کانفرنس کے انعقاد تک

خلافت ثانیہ کا سترھواں سال

(جنوری ۱۹۳۰ء تا دسمبر ۱۹۳۰ء بمطابق رجب ۱۳۴۸ھ تا شعبان ۱۳۴۹ھ)

نظام جماعت سے متعلق ایک اصولی ہدایت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالے نے ۱۷ جنوری ۱۹۳۰ء کو نظام جماعت پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ خلیفہ سے ہر ایک احمدی کو براہ راست تعلق ہے مگر ساتھ ہی فرمایا:۔

"یاد رکھنا چاہئے ہر ایک احمدی ہر ایک بات جو مجھ تک پہنچانا چاہے پہنچا سکتا ہے سوائے اس بات کے جو دفتری لحاظ سے اس کی ذات کے متعلق ہو مثلاً اگر کوئی یہ لکھے کہ میری ترقی روک دی گئی ہے یا مجھے فلاں حق نہیں دیا گیا تو اس قسم کی باتوں پر میں اس وقت تک غور نہ کروں گا جب تک متعلقہ دفتر کے ذریعہ کاغذ نہ آئے لیکن اگر کوئی اس قسم کی بات ہو (خدانخواستہ) کہ دفتر میں فلاں خیانت کرتا ہے یا قومی کام کو نقصان پہنچاتا ہے تو اس قسم کی شکایت کو میں سنوں گا کیونکہ قوم کے ہر ایک فرد کا خواہ وہ کلرک ہو یا چپڑاسی فرض ہے کہ قومی حقوق کی حفاظت کرے.... جب تک خلافت قائم ہے ہر ایک احمدی کا براہ راست خلیفہ کے ساتھ تعلق ہے مگر دیکھو بعض معاملات میں اللہ تعالیٰ نے بھی حد بندی کر دی ہے مثلاً انسانوں کے آپس کے معاملات کے متعلق ہر ایک انسان کا خدا تعالے سے براہ راست تعلق ہے لیکن معاملات میں براہ راست کوئی حکم جاری نہیں کر سکتا..... مگر پھر یہ بھی کہتا ہے کہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں حتیٰ کہ رسول بھی واسطہ نہیں، خلفاء بھی دنیا میں خدا

تعالیٰ کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے اور ان کے ماننے والوں کے درمیان بھی کوئی واسطہ نہیں ہوتا سوائے حکمانہ امور کے جو کسی کی ذات سے تعلق رکھتے ہوں۔ [1]

"ندائے ایمان" کے تبلیغی اشتہارات کا اجراء

اس سال حضور نے تبلیغ احمدیت پر زور دینے کے لئے جہاں ہر احمدی کو اپنے پایہ کا ایک نیا احمدی بنانے کی دوبارہ تحریک فرمائی وہاں اہل ملک تک پیغام احمدیت پہنچانے کے لئے اپنے قلم سے "ندائے ایمان" کے نام سے اشتہارات کا ایک نہایت مفید سلسلہ شروع فرمایا۔ جس کا پہلا نمبر آپ نے ۱۷ جنوری ۱۹۳۰ء کو لکھا جو صیغہ دعوۃ و تبلیغ کی طرف سے پوسٹر اور پمفلٹ کی صورت میں تین بار چھپوا کر چھیاسٹھ ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا۔ [2]

اس پہلے نمبر میں حضور نے مسلمانان عالم کو حضرت مسیح موعودؑ کے ظہور کی نہایت موثر پیرائے میں خبر دیتے ہوئے توجہ دلائی کہ حق کو قبول کرنے میں جلدی کرنی چاہئے اور خدا کی آواز سے بے پرواہی نہیں برتنی چاہئے کیونکہ کیا معلوم ہے کہ موت کب آجائے گی اور ہمارے اعمال کے زمانہ کو ختم کردے گی..... آخر کونسی دلیل ہے جس کے آپ منتظر ہیں اور کونسا نشان ہے جس کی آپ کو جستجو ہے مسیح موعود کے متعلق جو کام بتایا گیا تھا وہ آپ کے ہاتھوں سے پورا ہو رہا ہے۔ اور اسلام ایک نئی زندگی پا رہا ہے پس جلدی کریں اور مسیح موعود کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہوں۔ لیکن اگر آپ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے ابھی تک اس معاملہ پر غور ہی نہیں کیا تو بھی میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ جلد تحقیق کی طرف متوجہ ہوں۔ اور مندرجہ ذیل طریقوں میں سے ایک کو اختیار کریں۔ (۱) جو سوالات آپ کے نزدیک حل طلب ہوں انہیں اپنے قریب کے احمدیوں کے سامنے پیش کر کے حل کرائیں۔ (۲) اگر آپ کے پاس کوئی احمدی جماعت نہ ہو تو مجھے ان سوالات سے اطلاع دیں۔ (۳) اپنے علاقہ میں جلسہ کر کے احمدی مبلغ منگوا کر خود بھی سلسلہ احمدیہ کی صداقت کے دلائل سنیں۔ اور دوسروں کو بھی اس کا موقعہ دیں اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو اپنے نور کے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ [3]

اس پہلے اشتہار نے جو پوسٹر کی صورت میں [4] ملک بھر میں چسپاں کیا گیا تھا ہر جگہ ایک زبردست حرکت پیدا کر دی۔ "ندائے ایمان" کے تین مزید اشتہار بھی حضور کے قلم سے کچھ کچھ وقفے کے ساتھ شائع ہوئے۔ چوتھا اشتہار اکتوبر ۱۹۳۳ء [5] میں چھپا تھا۔

مبلغین احمدیت کو نصائح

۲۹ جنوری ۱۹۳۰ء کو مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے طلباء نے حکیم فضل الرحمان صاحب کے اعزاز میں افریقہ سے واپسی پر چائے

کی دعوت دی جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔
"دین کے لئے قربانی کرنے کا خیال ہمیشہ یاد رکھنے والا خیال ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مذہب کے لئے جو قربانی کی جائے وہ اپنا بدلہ خدا تعالیٰ سے لاتی ہے تم اپنے اندر روحانیت پیدا کرو آگے اس کے نتائج تمہیں خود حاصل ہو جائیں گے۔ روحانی درجے بھی دو قسم کے ہوتے ہیں بعض انسانوں کو خدا تعالیٰ اس قابل سمجھتا ہے کہ دنیا میں ان کی قبولیت ہو۔ ایسے لوگوں کی قبولیت پھیلا دیتا ہے چنانچہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں فیوضع لہ القبول فی الارض دوسرا درجہ یہ ہے خدا تعالیٰ اپنے بندوں میں قبولیت نہیں پھیلاتا مگر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے ایسا انسان ولایت الٰہی کے اثرات محسوس کرنے لگ جاتا ہے اس طرح بھی وہ سمجھتا ہے ناکام نہیں رہا کیونکہ وہ خدا کے فضل اور نوازش اپنے اوپر نازل ہوتا دیکھ لیتا ہے۔

پس دین کی خدمت کرنا اور قربانی کے لئے تیار رہنا بہت بڑی بات ہے مگر اس سے بڑی بات یہ ہے کہ خدمت اور قربانی خدا کے لئے ہو بندوں کے لئے نہ ہو۔ اور جب خدا کے لئے ہوگی تو انسان کی نگاہ روحانیت پر ہوگی اور وہ کامیاب ہو جائے گا لیکن جو دنیا پر نظر رکھتا ہے اس کی نگاہ مادیات پر ہوتی ہے اس پر خدا کے فیوض نازل نہیں ہوتے اور نہ وہ دنیا کے لئے مفید ہوتا ہے"۔ [۶]

٭ اسی روز طلباء جامعہ احمدیہ نے بھی مکرم حکیم صاحب کے اعزاز میں دعوت دی۔ اس موقعہ پر حضور نے مبلغوں کو دوسری اہم نصیحت یہ فرمائی کہ:۔

"مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اندر انسانیت پیدا کرے یعنی دوسروں سے مل کر کام کرنے کی اس میں اہلیت ہو' اتحاد اور تعاون سے کام کر سکے دوسری چیز.... انانیت ہے اسی کا دوسرا نام توحید ہے انسان میں ایک تو انسانیت رکھی گئی ہے۔ یعنی دوسرے انسانوں سے تعلق پیدا کرنا اور ان کے ساتھ مل کر کام کرنا۔ دوسرے انانیت ہے یعنی یہ سمجھنا کہ میرے اور میرے رب کے درمیان اور کوئی واسطہ نہیں۔ میرا اپنے رب کے ساتھ براہ راست تعلق ہے"۔ [۷]

کپورتھلہ میں ایک مسجد کی تعمیر

مہاراجہ جگجیت سنگھ صاحب والئی کپورتھلہ اسلامی ملکوں میں بہت سفر کر چکے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے مراکش میں قطبیہ مسجد دیکھی تو اس کا خالص عربی طرز انہیں پسند آیا اور وہیں انہوں نے ارادہ کر لیا کہ کپورتھلہ میں ایسی ہی مسجد تعمیر کراؤں گا۔ چنانچہ انہوں نے واپس آکر مذہبی رواداری کا ثبوت دیتے ہوئے ایک شاندار مسجد کپورتھلہ میں تعمیر کرائی جو قطبیہ کا ہو بہو چربہ تھی اور جو پیرس کے ایک مشہور انجینئر کے مجوزہ نقشہ کے مطابق ساڑھے تین سال میں تعمیر ہوئی۔ [۸]

۱۴ مارچ ۱۹۳۰ء کو مہاراجہ صاحب نے اس کا افتتاح کیا۔ اس تقریب پر ہزاروں نفوس شامل ہوئے مختلف والیان ریاست اور ہندوستان کے مذہبی اور سیاسی لیڈر بھی مدعو تھے۔ [۹] حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے نمائندہ مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے نے افتتاح کے وقت محراب مسجد کے پاس کھڑے ہو کر تقریر کی جس میں مہاراجہ صاحب کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ میں حضرت امام جماعت احمدیہ قادیان کے نمائندہ کی حیثیت سے مہاراجہ صاحب بہادر کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی مسلمان رعایا کے لئے یہ عظیم الشان مسجد اپنے دارالحکومت میں تعمیر کرائی ہے غالباً یہ ایشیا بھر میں اپنی قسم کی پہلی ہی مثال ہے مہاراجہ صاحب نے جس فیاضی، دریادلی اور وسعت قلبی کا ثبوت اس خدا کے گھر بنانے سے دیا ہے وہ آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں اور مہذب حکومتوں کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ ہمارے بعض وطنی بھائی ہمارا اپنی مساجد میں بھی اذان دینا پسند نہیں کرتے مہاراجہ صاحب کا عین اپنے گھر میں اذانیں دلوانا اور نمازیں پڑھوانا کوئی معمولی بات نہیں بلکہ اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ مہاراجہ صاحب اپنے ملک کے نہایت ہی خیر خواہ اور سچے لیڈروں میں سے ہیں۔ اور حضرت باوا نانک علیہ الرحمتہ کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ اگر ہندوستان میں ایک مذہب والے دوسرے مذہب کے متبعین کے ساتھ ایسی ہی فراخدلی اور فراخ حوصلگی سے پیش آئیں۔ تو وہ دن دور نہیں کہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ سارے جہان میں حقیقی امن کی راہ نکل آئے۔ اسلام کی پاک تعلیم کے مطابق کوئی شخص ایک نیکی کرے تو خدا اس کو دس نیکیوں کا اجر دیتا ہے مگر مہاراجہ صاحب نے تو صدقہ جاریہ کے طور پر ہمیشہ کے لئے یہ نہایت ہی خوبصورت اور عالی شان عمارت تعمیر کرادی ہے"۔ [۱۰]

مولانا ابوالعطاء صاحب کا سفر مانگرول اور حضرت مصلح موعود کے خطوط

مولانا ابوالعطاء صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"مارچ ۱۹۳۰ء کا واقعہ ہے کہ حیدر آباد دکن میں آریوں سے مناظرہ مقرر ہوا۔ جب میں حضورؓ سے اجازت لینے اور درخواست دعا کرنے کے لئے حاضر ہوا تو فرمایا کہ والئی مانگرول سے ہماری رشتہ داری بھی ہے اور وہ گزشتہ دنوں بیمار رہے ہیں آپ واپسی پر براستہ بمبئی مانگرول سے ہوتے آئیں میرا اسلام بھی پہنچادیں اور ان کی خیریت بھی پوچھ آئیں۔ حیدر آباد پہنچنے پر مجھے حضور کا مندرجہ ذیل گرامی نامہ موصول ہوا:۔

عزیز مکرم مولوی اللہ دتا صاحب

السلام علیکم۔ نواب صاحب کو آج خط لکھ دیا ہے لیکچر کرانے کے لئے بھی اشارۃً لکھ دیا ہے ایک

نقل آپ کو بھجوا رہا ہوں۔

قیام حیدر آباد میں سیٹھ احمد بھائی صاحب کی طرف خاص خیال رکھیں۔ بہت مخلص ہیں لیکن دنیا کی طرف زیادہ رجحان ہے اور اس وجہ سے نقطہ نگاہ اور ہے ہمارے آدمی ملتے رہیں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص سلسلہ اور محبت خلافت میں ترقی دے۔

نواب صاحب اگر امراء کے طریق پر چلتے وقت کوئی رقم کرایہ وغیرہ کے نام سے دیں تو ان کے سیکرٹری کی معرفت اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھ دیں کہ میں تو اپنے امام کی طرف سے سلام پہنچانے اور مزاج پرسی کے لئے آگیا تھا مگر چونکہ ہدیہ واپس کرنا بھی درست نہیں میں خدمت اسلام کے لئے یہ رقم جمع کرادوں گا تاکہ نواب صاحب کی خوشی بھی پوری ہو جائے اور ان کے لئے موجب ثواب بھی ہو۔

یہ میں نے احتیاطاً لکھ دیا ہے کیونکہ عام طور پر امراء کے ذہن میں علماء کے سوالی ہونے کا خیال جما ہوا ہے۔ پس بحیلہ لطیف احمدی جماعت کے علماء کے متعلق ایسا خیال ان کے دل سے نکالنا ضروری ہے گو ممکن ہے یہ موقع ہی پیش نہ آئے۔ والسلام خاکسار۔

مرزا محمود

راستہ میں اگر بمبئی میں سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب سے بھی ملتے آئیں تو اچھا ہو وہ آپ کے مضمونوں سے خاص طور پر ناراض ہیں۔ آپ کو غالی سمجھتے ہیں مگر ہیں بڑے مخلص اور مجھے ان سے شدید محبت ہے شاید اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح کر دے۔

مرزا محمود احمد"

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا خط میں جناب نواب صاحب کے نام والے خط کی جس نقل کا ذکر ہے جو مجھے بھجوائی گئی تھی وہ حسب ذیل تھی:۔

نقل خط بنام نواب صاحب منگرول

مکرمی و معظمی جناب نواب صاحب منگرول کان اللہ معکم

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ! عزیزم مولوی اللہ دتہ صاحب ہمارے نوجوان صاحب علم و عرفان علماء میں سے ہیں۔ ریاست حیدر آباد بعض دینی اجتماعوں کے لئے جا رہے ہیں جناب کے محبانہ تعلقات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے انہیں ہدایت کی تھی کہ واپسی پر میری طرف سے خیریت طلبی اور مزاج پرسی کرتے آئیں۔ بعد میں خیال آیا کہ شاید ان دنوں آپ ریاست میں تشریف نہ رکھتے ہوں یا ان کا آنا کسی اور سبب سے قرین مصلحت نہ ہو اس لئے یہ چند حروف تحریر ہیں کہ اگر ایسا ہو تو آپ اپنے کسی

سیکرٹری کو ہدایت فرمائیں کہ وہ مولوی صاحب موصوف کو معرفت سیٹھ عبداللہ بھائی صاحب الہ دین بلڈنگس سکندر آباد دکن اطلاع کر دیں۔ کہ اس وقت ان کا آنا قرین مصلحت نہ ہو گا۔ اگر بالعکس ان کے آنے میں کوئی روک نہ ہو تو اس لحاظ سے کہ یہ نوجوان علوم اسلامیہ میں حصہ وافر رکھتے ہیں۔ اگر ان سے وعظ و نصیحت کی کوئی خدمت جناب کی ریاست میں ہو جائے تو ان کا قلیل قیام ان کے لئے موجب حصول ثواب بھی ہو جائے گا۔ ورنہ اصل غرض تو میری جانب سے السلام علیکم پہنچانا اور مزاج پرسی ہی ہے۔ غالباً عزیز مذکور خود بھی خط لکھیں گے۔ والسلام۔ مرزا محمود احمد

معزز قارئین! اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضورؓ کی دعاؤں کی برکت سے یہ سفر بہت کامیاب رہا۔ میں نے حضور کی سب ہدایات کی حرف بحرف تعمیل کی تھی۔ آپ ذرا ان خطوط میں اس محبت اور پیار کے انداز کو تو دیکھیں جو ہمارے امام رضی اللہ عنہ کو اپنے خدام سے تھا۔ اپنی جماعت کے افراد سے تھا۔ ان دنوں حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب غیر مبائعین میں شامل تھے حضور ﷺ کی توجہات کا نتیجہ تھا کہ آپ نے بیعت کر کے سلسلہ کی عظیم خدمات کی توفیق پائی۔" (الفرقان ربوہ فضل عمر نمبر دسمبر ۱۹۶۵ء و جنوری ۱۹۶۶ء)

رسالہ جامعہ احمدیہ کا اجراء اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا نصیحت آمیز مضمون

اکثر کالج اپنا رسالہ شائع کرتے ہیں جو ان کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اسی طریق کے مطابق جامعہ احمدیہ کی طرف سے حضرت مولانا میر محمد اسحاق صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ کی زیر نگرانی اپریل ۱۹۳۰ء سے ایک سہ ماہی رسالہ جاری کیا گیا۔ رسالہ اردو عربی مضامین پر مشتمل تھا ابتداء حصہ اردو کے مدیر مولوی چراغ دین صاحب فاضل۔ حصہ عربی کے مولوی محمد صادق صاحب فاضل چغتائی [11] اور مینجر مولوی عبدالرحمان صاحب انور (بوتالوی) مقرر ہوئے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس رسالہ کے پہلے نمبر کے لئے مندرجہ ذیل مضمون تحریر فرمایا:-

"ہر ایک کالج میں آجکل رواج ہے کہ اس کے طلباء اپنے تعلقات کو کالج سے مضبوط کرنے کے لئے ایک رسالہ جاری کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے نہ صرف اپنے لئے ایک میدان کار نکالتے ہیں بلکہ اس کے ذریعہ سے کالج کے پرانے طلباء کا تعلق بھی کالج سے قائم رہتا ہے کیونکہ وہ اس میں مضمون لکھتے رہتے ہیں اور کالج کے حالات سے آگاہ رہتے ہیں پس اسی لحاظ سے اس رسالہ کا اجرا یقیناً کالج کے لئے انشاء اللہ مفید ثابت ہو گا۔ لیکن آپ لوگوں کو یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ صرف رسالہ کے اجراء سے کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک کہ محنت کرنے اور علم کو بڑھاتے رہنے کی آپ لوگ

کوشش نہ کریں۔ خالی مضمون ہر ایک شخص لکھ سکتا ہے لیکن اس کوشش میں بہت کم لوگ کامیاب ہوتے ہیں کہ ایسا مضمون لکھیں جو دوسروں کے لئے زیادتی علم کا موجب ہو۔ حالانکہ اصل مضمون وہی ہے جو اپنے اندر کوئی نئی بات رکھتا ہو پس میں آپ کو نصیحت کروں گا کہ آپ اپنے رسالہ میں ہمیشہ کوشش کر کے مضمون لکھیں اور ان امور کو مدنظر رکھیں۔

۱۔ ایسے مضمونوں کو منتخب کریں جو واقعہ میں مفید ہوں اور صرف ذہنی دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش نہ کی گئی ہو۔

۲۔ ہمیشہ اس امر کو مدنظر رکھیں کہ مضمون کی طبعی ترتیب قائم رکھی جائے تاکہ پڑھنے والے کے اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

۳۔ ہمیشہ مضمون میں ایسے مفید پہلو پیدا کرنے کی کوشش کریں جو اس سے پہلے زیر بحث نہ آئے ہوں۔

۴۔ ہمیشہ ایسے امور پر بحث کریں جن سے ذہن میں وسعت پیدا ہو اور تنگ ظرفی اور کج بحثی پیدا کرنے والے نہ ہوں۔

۵۔ ہمیشہ یہ کوشش کریں کہ تقویٰ کا دامن نہ چھوٹے۔ اپنے خیال کو ثابت کرنے کے لئے کبھی جھوٹے استدلال کو کام میں نہ لاویں۔

۶۔ اگر کسی امر میں اپنی غلطی معلوم ہو تو اس کے اقرار کرنے سے دریغ نہ ہو۔

۷۔ جن لوگوں کو آپ سے پہلے علم پر غور کرنے کا موقعہ ملا ہو ان کے غور و فکر کے نتائج کو مناسب درجہ دیں لیکن:۔

۸۔ یہ یاد رہے کہ انسانی علم کی ترقی کبھی مسدود نہیں ہو سکتی مگر ساتھ ہی یہ امر بھی ہے کہ:۔

۹۔ علم کے جس مقام پر اب دنیا ہے وہ پہلوں کی قربانی کا ہی نتیجہ ہے اگر وہ نہ ہوتے تو ہم بھی اس مقام پر کھڑے نہ ہوتے پس ان کی غلطیاں ہی ہماری اصابت رائے کا موجب ہیں"۔ [۱۲]

رسالہ جامعہ احمدیہ نے اپنے محققانہ مضامین کی وجہ سے بہت جلد اپنا مقام پیدا کر لیا۔ اور جماعت نے طلباء جامعہ احمدیہ کے ٹھوس اور مدلل مضامین کو سراہا۔ [۱۳] دسمبر ۱۹۳۰ء میں یعنی پہلے ہی سال اس کا ایک ضخیم سالنامہ شائع ہوا جو معیاری مضامین اور عمدہ تصاویر کا مرقع تھا۔ افسوس یہ رسالہ اقتصادی مشکلات کی وجہ سے جاری نہ رہ سکا۔ اور دسمبر ۱۹۳۲ء میں بند کر دیا گیا۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول میگزین کا اجراء اور حضور کا پیغام

اس سال تعلیم الاسلام ہائی سکول کی طرف سے

بھی ایک سہ ماہی اردو و انگریزی میگزین جاری ہوا جس کے مدیر اعلیٰ ماسٹر محمد ابراہیم صاحب بی اے تھے افسوس رسالہ جامعہ احمدیہ کی طرح یہ بھی جلد ہی بند کردیا گیا۔ اس رسالہ کے اجراء پر بھی حضور نے ایک روح پرور پیغام تحریر فرمایا جو میگزین کے پہلے شمارہ میں سرورق کے صفحہ ۲ پر شائع ہوا۔ اس اہم پیغام کا متن حسب ذیل تھا:۔

"مجھے تعلیم الاسلام ہائی سکول کا ایک سابق طالب علم ہونے کی حیثیت سے دہری خوشی ہے کہ سکول کے طلباء ایک رسالہ اپنے اندر کام کا جوش پیدا کرنے کے لئے نکالنے لگے ہیں۔ میرے نزدیک یہ رسالہ مفید ہو سکتا ہے اگر طالب علم اس کا پورا بوجھ خود اٹھائیں اور اسے ایک سکول میگزین سے زیادہ حیثیت نہ دیں۔ میں جب چھوٹا تھا تو ہم نے ایک رسالہ تشحیذ الاذہان نکالا تھا۔ اور صرف ہم سات طالب علم اس رسالہ کو شائع کرتے تھے اور کسی سے مدد طلب نہیں کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ رسالہ اپنوں کے علاوہ غیروں میں بھی مقبول تھا۔

میں امید کرتا ہوں کہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے موجودہ طالب علم بھی اس رویے سے کام کریں گے اور اس رسالہ کو اپنے اندر تعلیم الاسلام کی روح پیدا کرنے کا ذریعہ بنائیں گے۔ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے سکول کا نام نہایت شاندار ہے اور اس نام کے اندر ہی ان کا نام پوشیدہ ہے۔ تعلیم الاسلام کو سیکھنا اور اسے دنیا میں پھیلانا یہ ان کا واحد مقصد ہونا چاہئے۔ اسلام اس وقت بالکل لاوارث ہے خدا تعالیٰ نے تم کو چنا ہے کہ تم اس کے وارث بنو وہ اس وقت پامال ہے خدا تعالیٰ نے تم کو چنا ہے کہ تم اُس کے حامل بنو۔ وہ اس وقت بے یار ہے خدا تعالیٰ نے تم کو چنا ہے کہ تم اس کے یار بنو وہ اس وقت بے وطن ہے خدا تعالیٰ نے تم کو چنا ہے۔ تمہارے دل اور تمہارے گھر اس کا وطن بنیں تم زبانوں سے کئی دفعہ کہہ چکے ہو کہ ایسا ہی ہوگا مگر وقت ہے کہ ہمارے عمل بھی اس کا ثبوت دیں کوئی سپاہی بغیر مشق کے میدان جنگ میں کام نہیں دے سکتا۔ نیک نیت اچھی چیز ہے مگر خالی نیک نیت خواہ کتنی ہی پختہ کیوں نہ ہو بغیر عملی قابلیت کے چنداں فائدہ نہیں دیتی۔ پس زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کرو۔ اور اس کی تعلیم کو لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کرو۔ تاکہ یہ امر تمہاری عادت میں داخل ہو جائے۔ اور آپ ہی آپ ایسے اعمال ظاہر ہوتے چلے جائیں جو تعلیم الاسلام کے ظاہر کرنے والے ہوں اور آپ ہی آپ وہ کلمات نکلنے شروع ہو جائیں۔ جو تعلیم الاسلام کی گونج پیدا کرنے والے ہوں۔ اور آپ ہی آپ وہ ملفوظات قلم پر آنے لگیں جو تعلیم الاسلام کا رنگ رکھتے ہوں۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو اور اگر سچے دل سے کوشش کرو گے تو انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا"۔ والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد [۱۲]

ایک ڈچ قنصل قادیان میں

۵ اپریل ۱۹۳۰ء کو مسٹر انڈر یا ساڈچ قنصل قادیان آئے۔ [۱۵] واپسی پر انہوں نے حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو ایک خط لکھا جس میں تحریر کیا۔ میں نے قادیان میں نیکی کے سوا اور کچھ نہیں پایا۔ سفر ہندوستان سے جو بہت سے اثرات میرے دل پر ہوئے ہیں ان میں سے خاص اثرات قادیان کے ہیں جنہوں نے میرے دل میں خاص جگہ حاصل کی ہے۔ سب سے اول آپ لوگوں کی مہمان نوازی ہے جس سے میں مسرور ہوا۔ اور میں آپ کا ممنون ہوں گا۔ اگر آپ میرا شکریہ اپنے سب احباب کو پہنچادیں۔ خاص بات جو مجھ پر اثر کرنے والی ہوئی وہ ایک طبعی ایمان اور سچی برادری ہے جو للّٰہی محبت سے پیدا ہو کر قادیان کو رسولوں کی سی ایک فضا بخش رہی ہے۔ جو عیسائی حلقوں میں شاذونادر ہے۔ [۱۶] (ترجمہ از ڈچ زبان)

فتنہ اخبار "مباہلہ" اور حادثہ بٹالہ

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے اخبار "مباہلہ" کے ذریعہ سے حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کے خلاف جو نہایت ہی اشتعال انگیز اور حد درجہ دل آزار پراپیگنڈا شروع کیا جارہا تھا جو مارچ اپریل ۱۹۳۰ء میں تشویشناک صورت اختیار کر گیا۔

چنانچہ مباہلہ والوں نے ۲۸ مارچ ۱۹۳۰ء کو عین اس وقت جبکہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ خطبہ جمعہ ارشاد فرمارہے تھے مسجد اقصیٰ کی محراب کے پاس فساد برپا کرنے کا ارادہ کیا۔ اس موقعہ پر بعض جوشیلے مقتدی مسجد کی کھڑکیوں سے پھاند کر وہاں پہنچ گئے تا ان کو کیفر کردار تک پہنچائیں مگر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے بعض دوستوں کو قسمیں دے کر بھیجا کہ تمہیں بالکل ہاتھ نہیں اٹھانا ہو گا اور صرف اپنے دوستوں کو پکڑ کر لانا ہو گا۔ یہ واقعہ ہزاروں آدمیوں کی موجودگی میں ہوا لیکن پولیس نے جو کارروائی کی وہ یہ تھی کہ (حضرت میر قاسم علی صاحب اور مولوی عبدالرحمان صاحب فاضل وغیرہ) احمدی معززین کی ہزار ہزار روپیہ کی ضمانتیں طلب کیں۔ [۱۷] اس واقعہ کے چند روز بعد انہوں نے جاہل عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے یہ چال چلی کہ ۳ اپریل ۱۹۳۰ء کی رات کو اپنے اخبار مباہلہ کے تمام فائل، متعلقہ کاغذات، نیز گھر اور دفتر کا تمام سامان محفوظ کر کے مکان کی ایک کوٹھڑی کو جہاں اسباب وغیرہ کچھ نہ تھا آگ لگادی جس سے چند لکڑیاں جھلس گئیں۔ مگر جماعت احمدیہ کے مخالف اخبارات وغیرہ میں یہ جھوٹی خبریں شائع کیں کہ ہمارا مکان نذر آتش کر دیا گیا ہے اور سارا سامان جلادیا گیا ہے۔ [۱۸] قادیان میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی ہدایت کے تحت احمدی بے مثال صبر و تحمل کا نمونہ بنے ہوئے تھے۔ اس لئے ان لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ مرکز احمدیت میں بیٹھ کر ان کے لئے مزید شرارت پھیلانے کا موقعہ نہیں ہے۔ بٹالہ میں اپنی شرارتوں کا اڈہ بنالیا اور مشہور کر دیا کہ احمدیوں نے انہیں

قادیان سے نکال دیا ہے بٹالہ میں ان کی تحریک پر انجمن شباب المسلمین کے عہدیداروں اور والنٹیئروں نے ۹۔ اپریل ۱۹۳۰ء کو ایک جلوس مرتب کیا جو محض اشتعال دلانے کے لئے اس محلہ سے گزرا جہاں پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ بٹالہ (شیخ عبدالرشید صاحب مالک کارخانہ عبدالرشید اینڈ سنز) کا مکان تھا۔ جلوس نے مکان کے سامنے فحش گالیاں دیں اور حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفتہ المسیح الثانی اور دوسرے افراد خاندان مسیح موعود کے متعلق ناروا کلمات استعمال کئے اور جب انہیں منع کیا گیا تو جلوس کے بعض افراد دروازے توڑ کر جبراً ان کے رہائشی مکان میں گھس گئے اور اندر جا کر انہیں اور ان کے لڑکے کو زدوکوب کیا اور سامان توڑ پھوڑ دیا۔ [19]

بٹالہ میں ان کی قماش کے لوگوں نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی ان کے جلوس نکالے ان کے لئے چندہ جمع کیا مگر چند دن کے بعد ہی یہ لوگ اپنا نیا میدان تلاش کرنے کے لئے امرت سر آگئے اور احمدیوں کے خلاف ہنگامہ آرائی شروع کر دی۔ [20]

۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کی رات کو ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس نے حالات کو بد سے بدتر بنا دیا کہا جاتا ہے کہ نوشہرہ کے ایک احمدی نوجوان قاضی محمد علی صاحب گورداسپور [21] سے بٹالہ کی طرف ایک لاری میں آرہے تھے بدقسمتی سے اسی میں "مباہلہ" والے مستری اور ان کے مددگار ایک کافی تعداد میں موجود تھے۔ راستہ میں قاضی صاحب کی مباہلہ والوں سے گفتگو ہوتی رہی جس میں زیادہ تر زور انہوں نے اس بات پر دیا کہ مخالفت کی وجہ سے شرافت و انسانیت کو خیرباد نہیں کہنا چاہئے اور جھوٹے الزامات لگا کر احمدیوں کی دل آزاری نہیں کرنی چاہئے مگر مباہلہ والوں نے اخبار مباہلہ کا ایک پرچہ نکال کر نہایت گندے اور اشتعال انگیز فقرات سنانے شروع کر دیئے اور تصادم شروع ہو گیا۔ فریق مخالف نے قاضی صاحب پر حملہ کرنے کے لئے چاقو نکال لیا یہ دیکھ کر قاضی محمد علی صاحب کو بھی چاقو نکالنا پڑا۔ یہ دیکھ کر لاری میں بیٹھنے والے لوگ قاضی صاحب پر پل پڑے اور بے تحاشا مارنا شروع کر دیا۔ ایسی حالت میں انہوں نے اپنے بچاؤ کی پوری کوشش کی لیکن انہیں بہت سے آدمیوں نے اس قدر مارا کہ بیہوش کر دیا اور انہیں معلوم نہ ہوا کہ کیا ہوا اور جب ہوش آیا تو دیکھا کہ ایک شخص (جو بعد کو مر گیا) زخمی پڑا ہے اور وہ خود دوسروں کے پنجے میں گرفتار ہیں اس کے بعد پولیس نے آکر انہیں گرفتار کر لیا۔ [22] اور ان پر قتل عمد کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے ان کی قانونی امداد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا۔ مگر ابتدائی عدالت نے ان کو پھانسی کا فیصلہ دیا۔ اس پر ہائیکورٹ میں اپیل دائر کی گئی مگر سزا بحال رہی۔ [23]

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی طرف سے روزوں کی تحریک اور اس کا نتیجہ

جماعت احمدیہ علیٰ وجہ البصیرت اپنے خلیفہ و امام کا جو مقام و منصب سمجھتی ہے اور اسے جس طرح اپنے ایمان کا جزو قرار دیتی ہے اس لحاظ سے یہ سوال خارج از بحث تھا کہ فتنہ پردازوں کے خلاف کسی دنیوی عدالت میں چارہ جوئی کی جائے البتہ سلسلہ کے دوسرے ارکان کے تحفظ کے لئے عدالتوں کی طرف رجوع ہو سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے اسی نقطہ نگاہ سے ۱۹۳۰ء کی مجلس مشاورت میں جماعت کے نمائندوں سے مشورہ طلب فرمایا۔ چنانچہ عدالتوں کے طریق کار سے پوری طرح واقفیت رکھنے والے معززین اور تجربہ کار اصحاب کی آراء سننے کے بعد اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کی شان اور وقار کے احترام کا لحاظ رکھتے ہوئے نمائندوں کی کثرت نے رائے دی کہ ہمیں سرکاری عدالتوں کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ ان پر کوئی بھروسہ ہے۔ چنانچہ حضور نے بھی فیصلہ فرمایا کہ ہم انسانی عدالتوں کی بجائے خدائے قدوس کی بارگاہ میں اپنا استغاثہ پیش کریں۔ اور ارشاد فرمایا کہ رسول کریم ﷺ کی عادت تھی کہ ہفتہ میں دو روز پیر اور جمعرات کے دن روزے رکھا کرتے تھے۔ ہماری جماعت کے وہ احباب جن کے دل میں اس فتنہ نے درد پیدا کیا ہے اور جو اس کا انسداد چاہتے ہیں۔ اگر روزے رکھ سکیں تو ۲۸ اپریل ۱۹۳۰ء سے تیس دن تک جتنے پیر کے دن آئیں ان میں روزے رکھیں اور دعاؤں میں خاص طور پر مشغول رہیں کہ خدا تعالے یہ فتنہ دور کر دے۔ اور ہم پر اپنا خاص فضل اور نصرت نازل کرے اور جو دوست یہ مجاہدہ مکمل کرنا چاہیں وہ چالیس روز تک جتنے پیر کے دن آئیں ان میں روزے رکھیں اور دعا کریں۔ [۲۴]

چنانچہ جماعت کے دوستوں نے حضور کی تحریک پر روزے رکھے اور تضرع سے دعائیں کیں آخر خدائی عدالت نے اپنے بندوں کے حق میں ڈگری دے دی یعنی ایسا سامان پیدا کر دیا کہ فتنہ پردازوں کے دلوں میں حکومت کی مخالفت کا جوش پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے وہ سب پکڑے گئے باقی وہ رہ گئے جو بالکل کم حیثیت اور رذیل لوگ تھے۔ اصل وہی تھے جن کی شہ پر انہیں شرارت کی جرأت ہوتی تھی اور وہ گرفتار ہو گئے ان کے علاوہ وہ اخبار جو جماعت کے خلاف گند اچھالتے تھے۔ یا تو بند ہو گئے۔ یا پریس آرڈی نینس کے خوف کی وجہ سے اپنا رویہ بدلنے پر مجبور ہوئے۔ [۲۵]

منصب خلافت سے متعلق پرشوکت اعلان

پچھلے سالوں میں حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جو کمیشن دفاتر کے جائزہ کے سلسلہ میں مقرر فرمایا تھا اس نے مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء میں اپنی رپورٹ پیش کی جس میں

یہ تجویز رکھی کہ انجمن معتمدین خلیفہ وقت کی ماتحتی میں سلسلہ کی تمام جائداد کی نگران اور مالک مقرر ہوئی ہے اس واسطے وہ صحیح معنوں میں جماعت کی نمائندہ ہونی چاہئے ناظر صاحبان جو جماعت کے ملازمین میں سے ہیں۔ کسی طرح بھی جماعت کے نمائندے نہیں کہلا سکتے۔ ہمارے خیال میں انجمن معتمدین کے ممبران جماعت کے انتخاب سے مقرر ہونے چاہئیں۔ [۲۶]

یہ پوری تجویز چونکہ منصب خلافت کی حقیقت کے بالکل خلاف [۲۷] اور اس پر تبر رکھنے کے مترادف تھی اس لئے حضور نے اس پر زبردست تنقید کی اور نہایت پر جلال اور پر شوکت الفاظ میں اعلان فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ ہمارا گواہ ہے ہم ایسے لوگوں سے تعاون کر کے کام نہیں کر سکتے۔ ہم نے اس قسم کے خیالات رکھنے والے ان لوگوں سے اختلاف کیا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں رہے آپ کے پاس بیٹھے آپ کی باتیں سنیں ہم اپنے جسم کے ٹکڑے الگ کر دینا پسند کر لیتے۔ لیکن ان کی علیحدگی پسند نہ کرتے مگر ہم نے انہیں چھوڑ دیا اور اس لئے چھوڑ دیا کہ خلافت جو برکت اور نعمت کے طور پر خدا تعالیٰ نے نازل کی وہ اس کے خلاف ہو گئے اور اسے مٹانا چاہتے تھے۔ خلافت خدا تعالیٰ کی ایک برکت ہے اور یہ اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک جماعت اس کے قابل رہتی ہے لیکن جب جماعت اس کی اہل نہیں رہتی تو یہ مٹ جاتی ہے ہماری جماعت بھی جب تک اس کے قابل رہے گی۔ اس میں یہ برکت قائم رہے گی اگر کسی کے دل میں یہ خیال ہو کہ مجلس شوریٰ جماعت کی نمائندہ ہے اور اس کی نمائندہ مجلس معتمدین ہو تو اسے یاد رکھنا چاہئے کہ ہم یہ خیال سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہو سکتے۔ اور ہم اس کے مقابلہ میں ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن خلافت کو نقصان پہنچنے دینے کے لئے تیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے میں صاف صاف کہہ رہا ہوں ایسے لوگ ہم سے جس قدر جلد ہو سکے الگ ہو جائیں اور اگر وہ ہمارے ساتھ رہتے ہیں تو منافق ہیں اور دھوکہ دے رہے ہیں اگر سارے کے سارے بھی الگ ہو جائیں اور میں اکیلا ہی رہ جاؤں تو میں سمجھوں گا کہ میں خدا تعالیٰ کی اس تعلیم کا نمائندہ ہوں جو اس نے دی ہے مگر یہ پسند نہ کروں گا کہ خلافت میں اصولی اختلافات رکھ کر پھر کوئی ہم میں شامل رہے یہ اصولی مسئلہ ہے اور اس میں اختلاف کر کے کوئی ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتا"۔

اس موقعہ پر ہر طرف سے پر زور آوازیں آئیں کہ سب حضور کے ساتھ متفق ہیں۔ [۲۸]

خود حفاظتی کی تلقین

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے اندر جو بہادرانہ سپرٹ کام کر رہی تھی وہ حضور پوری جماعت میں سرگرم عمل دیکھنے کے متمنی تھے چنانچہ آپ

نے اس سلسلہ میں مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء کے موقعہ پر احباب کو یہ اہم مشورہ دیا کہ:۔

"جو سامان بہادری اور جرأت پیدا کرنے والے میسر آسکتے ہیں وہ ضرور مہیا کئے جائیں جن احباب کو بندوق رکھنے کی اجازت مل سکے وہ بندوق رکھیں جہاں جہاں تلوار رکھنے کی اجازت ہے وہاں تلوار رکھی جائے اور جہاں یہ اجازت نہ ہو وہاں سونٹا رکھا جائے.... قرآن کریم میں آتا ہے خذوا حذرکم ہتھیار اپنے پاس رکھو دیکھو سکھ ہتھیار رکھنے کے لئے کس قدر اصرار کرتے ہیں اور ہم جنہیں ہمارا مذہب حکم دیتا ہے کہ ہتھیار رکھو ہم کیوں نہ رکھیں مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ گھر سے باہر نکلتے کے وقت لاٹھی رکھا کرو۔ مذہب میں بھی یہی پسندیدہ بات ہے اس قسم کی سب چیزیں چستی چالاکی اور بہادری پر دلالت کرتی ہیں ان کی طرف ہمارے دوستوں کو توجہ کرنی چاہئے۔ [۲۹]"

یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب ہے کہ احمدیوں میں جو آجتک سونٹا ہاتھ میں رکھنے کا کچھ عمل ہے وہ اسی تحریک کا نتیجہ ہے جو قرآن کریم کی ہدایت کے عین مطابق ہے۔

احمدیہ یونیورسٹی کی داغ بیل

مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے نے مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء کے موقعہ پر پہلی بار یہ تحریک کی کہ ہمارے سلسلہ کو قائم ہوئے نصف صدی ہونے کو ہے اور ہمارے مدارس بھی ۲۵ سال سے قائم ہیں مگر ابھی تک ہم نے یونیورسٹی کی شکل پورے طور پر اختیار نہیں کی۔ حالانکہ ایک بڑھتی ہوئی قوم کی ترقی کو صحیح لائنوں پر چلانے کے لئے ایک مستقل اور مکمل یونیورسٹی کا قائم ہونا ضروری ہے۔ ہمارے زمانے کے حالات اس سرعت سے بدل رہے ہیں کہ میرے نزدیک اب وقت آگیا ہے۔ کہ ہم احمدیہ یونیورسٹی کی شکل کو ایک چھوٹے پیمانے پر قواعد و ضوابط کے ساتھ قائم کر کے محفوظ کر دیں۔ [۳۰]

اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک مفصل سکیم بھی پیش کی جس پر حضرت خلیفۃ المسیح نے ایک سب کمیٹی مقرر فرمائی جس کے ممبر حسب ذیل تھے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب، حضرت میر محمد اسحاق صاحب، قاضی محمد اسلم صاحب، چوہدری اسد اللہ خان صاحب۔ منشی برکت علی صاحب لائق لدھیانوی۔ ملک غلام رسول صاحب شوق۔ چوہدری فضل احمد صاحب۔ مولوی محمد دین صاحب۔ مرزا عبدالحق صاحب۔ چوہدری غلام حسین صاحب۔ چوہدری محمد شریف صاحب وکیل۔ شیخ عبدالرحمان صاحب مصری۔

اس کمیٹی نے اس سکیم کو ضرورت سے زیادہ مفصل اور پیش از وقت قرار دیا۔ اور اس کی بجائے

ایک مختصر مجلس تعلیم (تعلیمی بورڈ) کی تجویز پیش کی جس کے سپرد جماعت کی اعلیٰ نگرانی کا کام کیا جاسکے۔ اس کمیٹی کی رپورٹ ۱۹۳۲ء کی مجلس مشاورت میں پیش ہوئی لیکن اس کی تائید میں صرف سات نمائندگان تھے۔ کثرت رائے اس تجویز کے خلاف تھی۔ حضرت خلیفتہ المسیح نے نمائندگان جماعت سے رائے لینے کے بعد چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کی یہ تجویز منظور فرمائی کہ نظارت تعلیم و تربیت کی طرف سے ایک نئی رپورٹ تیار کی جائے جس میں دوسری یونیورسٹیوں کے انتظام کے پیش نظر احمدیہ یونیورسٹی کا ڈھانچہ ہو۔ چنانچہ نظارت تعلیم و تربیت کی طرف سے صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔اے نے ایک ڈھانچہ تیار کیا جس پر مارچ ۱۹۳۳ء میں چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب، سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، ملک غلام رسول صاحب شوق اور قاضی پروفیسر محمد اسلم صاحب پر مشتمل ایک اور کمیٹی کا تقرر عمل میں لایا گیا جس نے ۱۹۳۸ء میں اپنی سفارشات پیش کیں۔ ان سفارشات پر مزید غور کرنے کے لئے حضور نے مندرجہ ذیل ممبران پر مشتمل ایک اور کمیشن مقرر فرمایا چوہدری ابوالہاشم خاں صاحب صدر۔ ناظر صاحب تعلیم و تربیت سیکرٹری۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب۔ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب۔ ملک غلام رسول صاحب شوق۔ مولوی عبدالرحیم صاحب درد۔ پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب۔

اس کمیشن کی رپورٹ سب کمیٹی (شوریٰ) کی سفارشات کے ساتھ ۱۹۴۰ء کی مجلس مشاورت میں پیش ہوئی تو حضور نے مشاورت کی بحث سننے کے بعد فرمایا:۔

"یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ ہم ایک ایسے بورڈ کے قیام پر غور کریں جس کا کام امتحانات کی نگرانی تعلیمی ضرورتوں کا خیال رکھنا اور نصاب مقرر کرنا اور نصاب کے لئے اگر کسی موضوع پر کوئی موزوں کتاب موجود نہ ہو تو وہ لکھوانا ہو تا یہ ٹیکنیکل کام ناظر کے ہاتھ سے نکل کر ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلا جائے جو تعلیمی لحاظ سے زیادہ ماہر ہوں"۔

"کثرت رائے تعلیمی بورڈ کے حق میں تھی اور حضور نے بھی فیصلہ فرمایا کہ صدر انجمن احمدیہ جلد سے جلد ایک ایسے بورڈ کے قیام کے متعلق تفصیلی قواعد بنا کر میرے سامنے پیش کرے۔ سلسلہ کے سب امتحانات بھی اسی کے سپرد ہوں"۔

چنانچہ اس ہدایت کے مطابق حضور کی خدمت میں تفصیلی قواعد پیش کئے گئے اور بالآخر آپ کی منظوری سے ۱۹۴۲ء میں اس تعلیمی بورڈ کا قیام عمل میں آیا جس کا نام مجلس تعلیم رکھا گیا۔ [۱۳۱] اس طرح احمدیہ یونیورسٹی کے ابتدائی نظام کی داغ بیل مجلس تعلیم کی صورت میں قائم کردی گئی۔

(فصل دوم)

ملکی شورش میں کانگریس اور حکومت کے رویہ پر تنقید اور صحیح طریق عمل کی راہنمائی

آل انڈیا نیشنل کانگرس نے دسمبر ۱۹۲۹ء میں کامل آزادی کا نعرہ بلند کرنے کے بعد ۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء کو یوم آزادی منایا اور ۶ اپریل ۱۹۳۰ء سے گاندھی جی کی قیادت میں قانون نمک سازی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ملک میں سول نافرمانی کا آغاز کر دیا اور کلکتہ سے لیکر پشاور تک بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے گاندھی جی اور کانگریس نے پے درپے کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو اس شورش میں شامل کرنے پر آمادہ کرلیں۔ اور گو مجلس احرار اور جمعیتہ العلماء کی مختصری جماعتیں کانگریس کے دوش بدوش شریک کار تھیں۔ [۳۲] لیکن حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی مساعی کے نتیجہ میں مسلمان من حیث القوم اس تحریک سے الگ ہی رہے اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ پہلے ہمارے ساتھ تصفیہ حقوق کر کے ہمیں مطمئن کر دو اس کے بعد ہم ہر تحریک میں شامل ہونے کو تیار ہوں گے۔

چنانچہ سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح نے ۲ مئی ۱۹۳۰ء کو خطبہ جمعہ کے ذریعہ اس سیاسی شورش پر مفصل تبصرہ کرتے ہوئے کانگریس کی تحریک آزادی سے اصولی اور کلی ہمدردی کا اظہار کرنے کے باوجود کانگریس اور گورنمنٹ دونوں کے غلط رویہ پر بے لاگ تنقید کی اور مسلمانوں کے لئے عموماً اور جماعت احمدیہ کے لئے خصوصاً صحیح طریق عمل پیش کیا۔ چنانچہ حضور نے کانگریس کی نسبت اس رائے کا اظہار فرمایا کہ:-

"کانگریس اپنی ذات میں ہمارے لئے کسی تکلیف اور رنج کا موجب نہیں وہ چند ایسے افراد کا مجموعہ ہے جو اپنے بیان کے مطابق ملک کی آزادی اور بہتری کے لئے کوشش کر رہے ہیں اور کوئی عقلمند، کوئی شریف کوئی باحیا اور کوئی انسان کہلانے کا مستحق انسان ایسے لوگوں کو بے قدری اور بے التفاتی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ جو اپنے آپ کو اس لئے مصیبت میں ڈالے ہوئے ہوں کہ اپنے ملک اور اہل ملک کو آرام اور آسائش پہنچائیں اس لئے جس حد تک ان کے اپنے بیان اور ان کے اصول کا تعلق ہے ہمیں ان کے ساتھ کلی ہمدردی ہے اور جس مقصد اور مدعا کو لے کر وہ کھڑے ہوئے ہیں.... ان کے حصول کی خواہش میں ہم کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ اور حریت جس طرح گاندھی جی، پنڈت موتی

لال نہرو' پنڈت جواہر لال نہرو' مسٹر سین' مسٹر آئنگر' ڈاکٹر ستیہ پال وغیرہ کو مطلوب ہے اسی طرح ہمیں بھی مطلوب ہے اور ہندوستان ویسا ہی ہمارا ملک ہے جیسا ان لوگوں کا ہے اور اپنے وطن کی محبت اور آزادی کا خیال اسی طرح ہمارے سینوں میں بھی موجزن ہے جس طرح ان کے سینوں میں ہے"۔

حکومت وقت سے متعلق یہ نکتہ پیش فرمایا:۔

"لیکن دوسری طرف ہم اس بات سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ ہمارا ملک ہندوستان انگریز کے ماتحت ہے.... وہ سترھویں صدی سے ہندوستان میں آئے اور انیسویں صدی سے بلکہ اٹھارھویں صدی سے ہی انہیں حکومت میں حصہ مل گیا۔ اور اب وہ سارے ہندوستان پر قابض ہیں۔ پس اس سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ قانون کے مطابق ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت قائم ہے۔ اور کوئی دوسری حکومت جو انگریزوں کے منشاء اور سمجھوتہ کے بغیر قائم ہو وہ قانونی حکومت نہیں کہلا سکتی"۔

"ان حالات میں ایک طرف تو ہم کانگریس کی نیت پر حملہ کرنے اور اس کے مقصد کو برا کہنے کے لئے تیار نہیں اور دوسری طرف انگریزوں کا حکومت کا حق چلا آتا ہے اس کا انکار کرنے کے لئے تیار نہیں..... ان دونوں باتوں کے درمیان رستہ تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسے پل صراط تیار کرنا اگرچہ یہ بہت مشکل کام ہے لیکن صحیح راستہ یہی ہے اور یہی خدا کے منشاء کے ماتحت ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس وقت یہ صحیح راستہ اختیار نہیں کیا جارہا۔ ایک طرف کانگریس کے لوگ ایک صحیح مقصد کے لئے ایسی کارروائیوں پر اتر آئے ہیں جو نہ آج مفید ہو سکتی ہیں نہ کل۔ آزادی اچھی چیز ہے مگر وہ آزادی حاصل کرنے کا طریق جو ہمیشہ کے لئے غلام بنائے کبھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ کانگریس والے آزادی حاصل کرنے کے لئے ایسا ہی طریق اختیار کئے ہوئے ہیں جو ہندوستان کو ہمیشہ کے لئے غلام بنا دے گا اور وہ طریق قانون شکنی ہے...... اس کے مقابلہ میں ہم یہ نہیں کہتے کہ گورنمنٹ غلطی سے بری ہے اس کا رویہ بھی اتنا اچھا نہیں جتنا ہونا چاہئے تھا۔ اسے سمجھنا چاہئے تھا کہ وہ باہر سے آئے ہوئے لوگ ہیں یہاں کے نہیں اس لئے ملک میں یہ خیال پیدا ہونا لازمی ہے کہ ملکی معاملات کے حل کرنے میں ہماری رائے بھی سنی جائے مگر اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ انگلستان میں اگر کوئی فساد ہو تو اس کے انسداد کے لئے حکومت لوگوں سے مشورہ کرتی اور ان کی کمیٹیاں بناتی ہے اور پھر طریق عمل تجویز کرتی ہے حالانکہ ملک ان کا اپنا ہوتا ہے حکومت ان کی اپنی ہوتی ہے مگر یہاں باہر کے آئے ہوئے غیروں پر حکومت کرنے والے اتنے فسادات کی موجودگی میں ملک سے پوچھتے تک نہیں کہ کیا کیا جائے۔ غرض ایک طرف اگر کانگریس غلط طریق اختیار کئے ہوئے ہے تو دوسری طرف گورنمنٹ بھی غلطی کر رہی ہے اور مسلمانوں کے لئے بہت مشکل پیدا ہو گئی ہے۔ مسلمان قانون شکنی نہ کریں اور نمک سازی بھی نہ کریں

مگر یہ بھی تو نہیں ہو سکتا کہ وہ ملک کی حریت اور آزادی کے لئے کچھ نہ کریں لیکن اگر وہ اس کے لئے آواز اٹھاتے ہیں۔ تو کانگریس کے حامی اور مددگار سمجھے جاتے ہیں اور اگر خاموش رہتے ہیں تو ملک کے دشمن قرار پاتے ہیں۔ مسلمانوں کی اس مشکل کا ازالہ بھی گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہے مگر افسوس ہے کہ گورنمنٹ نے اس کے متعلق کچھ نہیں کیا۔ اس وقت چاہئے تھا کہ گورنمنٹ مسلمانوں کو یقین دلاتی کہ ہم تمہارے جائز حقوق تمہیں دینے کے لئے تیار ہیں یا کم از کم اس بات کا اقرار کرتی کہ کانگریس سے مسلمانوں کا علیحدہ رہنا اس لئے نہیں کہ وہ نکمے ہیں اور کچھ کر نہیں سکتے بلکہ اس لئے ہے کہ وہ قانون کا احترام کرتے ہیں اور قانون کے اندر رہ کر ملک کی ترقی کے لئے کوشاں ہیں"۔

اس ضمن میں مسلمانوں کے سامنے بہترین صورت یہ رکھی کہ:-

"وہ قانون شکنی کا مقابلہ کریں۔ اور ادھر گورنمنٹ سے اپنے مطالبات پورے کرانے پر قانون کے اندر رہ کر زور دیں اور ثابت کردیں کہ ہم ایسے ہی ملک کی آزادی کے خواہاں ہیں جیسے ہندو اور اس بات کو جاری رکھیں جب تک اپنے حقوق حاصل نہ کرلیں"۔

خطبہ کے آخر میں حضور نے جماعت احمدیہ کے لئے اعلان فرمایا کہ:-

"ہر جگہ اور ہر علاقہ کی جماعتیں قانون شکنی کا مقابلہ کریں۔ اور اس طرح گورنمنٹ کو امن قائم کرنے میں مدد دیں مگر اس کے ساتھ ہی صاف طور پر کھول کر کہدیں کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارا ملک غلام رہے ہم اپنے اور مسلمانوں کے حقوق کا مطالبہ کرتے رہیں گے اور انہیں حاصل کریں گے۔ [۳۳]

حضور کا یہ خطبہ اردو اور بنگالی میں ٹریکٹ کی صورت میں بکثرت شائع کیا گیا۔ [۳۴] اس کے علاوہ حکومت ہند پر زور دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات پورا کرنے کا اعلان کرے۔ اسی سلسلہ میں ۴ جون ۱۹۳۰ء کو پنجاب کے مسلمان زمینداروں کا ایک وفد سر نواب ملک خدا بخش صاحب کی صدارت میں وائسرائے ہند لارڈ اردون سے بھی ملا جس میں جماعت احمدیہ کی طرف سے حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب شامل ہوئے۔ وائسرائے نے وفد کو یقین دلایا کہ مسلمانان پنجاب کو اس بات کا خوف نہ کرنا چاہئے کہ ان کے جائز مطالبات منظور ہوئے بغیر رہ جائیں گے۔ [۳۵]

اس موقعہ پر جماعت احمدیہ نے ملک کے طول و عرض میں بحالی امن کے لئے جلسے منعقد کرنے کے ساتھ ساتھ جو شاندار عملی جدوجہد کی وہ ایک بے مثال کارنامہ ہے ملک کے جس گوشہ میں کہیں اکا دکا احمدی بھی موجود تھا وہ بڑے سے بڑے خطرات کے مقابلہ کے لئے ڈٹ کر میدان میں آگیا احمدیوں نے نہ صرف شورش پسندوں کی ہمنوائی گوارا نہ کی بلکہ وہ اپنی مسلسل کوشش اور قربانی سے مسلمانوں کو

من حیث الجماعت اس تباہ کن تحریک سے علیحدہ رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔

ساری جماعت میں صرف ایک مثال منٹگمری کی تھی جہاں ایک احمدی نے کمزوری دکھائی اور حضور کی خدمت میں خط لکھا۔ کہ یہاں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے کانگریسی تحریک کی علی الاعلان مخالفت کی تو لوگ ناراض ہو جائیں گے۔ حضور نے ۳۰ مئی ۱۹۳۰ء کو خطبہ جمعہ میں اس خط کا ذکر کرتے ہوئے سخت خفگی اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مجھے یہ خط پڑھ کر سخت حیرت ہوئی کیونکہ میں نہیں سمجھ سکتا مومن بزدل بھی ہو سکتا ہے... کس قدر شرم اور افسوس کی بات ہے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے جبر و تشدد اور ظلم ہو رہا ہو۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے منصوبے عملی صورت اختیار کر رہے ہوں اور ہم اس وجہ سے چپ چاپ بیٹھے رہیں کہ لوگ ناراض ہو جائیں گے لوگ ہمارے دوست کس دن ہوئے تھے اور پھر ہم نے کب لوگوں کی پوجا کی کہ یہ خیال کریں آج وہ ہمارے دوست ہیں..... احمدیوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگر وہ اپنے کام میں سستی کر کے مقامی ہندو مسلمانوں کی مخالفت سے بچ بھی گئے تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور دکھ پیدا کر دے گا۔ تا وہ غافل نہ ہو جائیں۔ مومن کبھی بزدل نہیں ہوتا اس لئے ایسے خیالات دل میں نہ لانے چاہئیں۔ اس تحریک سے مسلمانوں کا صریح نقصان ہو رہا ہے اور اگر اسی طرح ہوتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب ان کی وہی حالت ہوگی جو سپین میں ہوئی... یاد رکھو ہر وہ پتھر جو خدا تعالیٰ کی بات منوانے اور مسلمانوں کی ہمدردی کرنے کی وجہ سے پڑتا ہے وہ پتھر نہیں پھول ہے۔ ایسے پتھر مبارکبادی کے پھول ہیں جو خدا تعالیٰ پھینکتا ہے اس لئے ان سے ڈرنا نہیں بلکہ خوش ہونا چاہئے کہ ان کے ذریعہ خدا تعالیٰ اپنے بندے کو عزت دیتا ہے.... ہم جو کچھ کرتے ہیں محض مسلمانوں کے فائدے کے لئے کرتے ہیں اگر وہ آج اس بات کو نہیں سمجھتے تو آئندہ نسلیں یقیناً یہ کہنے پر مجبور ہوں گی کہ ایسے نازک موقعہ پر احمدیوں نے ان کی حفاظت کی پوری پوری کوشش کی"۔ [۲۶]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا مکتوب وائسرائے ہند کے نام

سول نافرمانی کے نتیجہ میں حکومت کی طرف سے گرفتاریاں شروع ہو گئیں جس پر ملکی فضا بالکل بدل گئی اور شورش شہروں سے نکل کر دیہات تک پھیل گئی۔

اس اہم مرحلہ پر حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۲ مئی ۱۹۳۰ء کو وائسرائے ہند کے نام ایک مفصل خط لکھا جس میں ان کے سامنے قیام امن کی غرض سے سات اہم تجاویز پیش کیں:۔

۱۔ ملک کی تمام امن و اعتدال پسند جماعتوں کے نمائندوں کی کانفرنس بلا کر مشورہ لیا جائے کہ کونسا

طریق ہے جس سے قانون کا احترام بھی قائم رہے اور ہندوستانیوں کو تشدد کی بھی شکایت نہ ہو۔

۲۔ تمام گورنروں کی کانفرنس منعقد کی جائے اور سب ہندوستان کے لئے ایک متفقہ طریق عمل تجویز کیا جائے۔

۳۔ پریس پر پابندیاں لگانا ایک حد تک ضروری ہے لیکن اس قدر ضمانتوں کا طلب کرنا اردو پریس کے لئے ناقابل برداشت ہے اور شورش کو بڑھادے گا پس اول صرف تنبیہہ ہونی چاہئے دوسری بار معمولی ضمانت طلب کی جائے تیسری بار زر ضمانت زیادہ کردیا جائے۔

۴۔ حکومت کو اعلان کرنا چاہئے کہ موجودہ گرفتاریاں تحریک آزادی کو روکنے کے لئے نہیں بلکہ اس کے لئے بہتر فضا پیدا کرنے کی غرض سے ہیں ورنہ ہندوستان کو بہرحال درجہ نو آبادیات دیا جائے گا۔

۵۔ مسلمان موجودہ شورش میں من حیث القوم الگ ہیں۔ مگر ہنگامہ پشاور [۲۷] میں حکومت سے سخت غلطی ہوئی اور مقامی حکام نے ضبط نفس سے کام نہیں لیا حکومت کو اس کا ازالہ کرنا چاہئے اس ضمن میں اس قسم کا اعلان بہت مفید ہوگا۔ کہ صوبہ سرحد کو بھی دوسرے صوبوں کے ساتھ ساتھ ملکی اصلاحات دے دی جائیں گی۔

۶۔ مسلمانوں کو شبہ ہے کہ حکومت فیصلہ کرتے وقت ان کے حقوق ہندوؤں کے شور کی وجہ سے تلف کردے گی اس کا ازالہ ہونا چاہئے۔

۷۔ شاردا ایکٹ کے بارے میں بھی حکومت نے سخت غلطی کا ارتکاب کیا ہے میں خود بچپن کی شادیوں کا مخالف ہوں لیکن اس کے باوجود ہرگز پسند نہیں کرتا کہ ایک کثیر التعداد جماعت سوشل اصلاح کے نام سے قلیل التعداد جماعتوں کے ذاتی معاملات میں دخل دے۔

وائسرائے ہند کے پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر کننگھم کی طرف سے اس خط کا مفصل جواب موصول ہوا جس کا ملخص یہ تھا کہ:۔

۱۔ انگلستان سے واپسی کے بعد ہز ایکسی لینسی نے مختلف جماعتوں کے مشہور نمائندوں کے ساتھ مسلسل رابطہ قائم رکھا ہے اور انہیں یقین ہے کہ گورنروں نے بھی رکھا ہوگا اس لئے فی الحال باقاعدہ کسی کانفرنس کی ضرورت نہیں۔

۲۔ اس سے زیادہ بے بنیاد خیال اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کہ حکومت آزادی ملک کے جائز جذبات کو دبانا چاہتی ہے۔

۳۔ اخباروں کو کئی موقعوں پر ضمانت طلب کرنے سے پہلے دوستانہ انتباہ کیا گیا ہے اور اس کا اثر

بھی بہت اچھا ہوا ہے۔

۴۔ واقعہ پشاور کی تحقیق کے لئے ہائیکورٹ کے دو ججوں پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کر دی گئی ہے۔

۵۔ شاردا ایکٹ کے متعلق آپ کی رائے ہز ایکسی لینسی نے خاص دلچسپی سے پڑھی ہے اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ ایک مذہبی جماعت کے امام کی طرف سے اس بارے میں جو خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔ وہ خاص طور پر توجہ کے مستحق ہیں چنانچہ گورنمنٹ آف انڈیا نے حال ہی میں لوکل حکومتوں سے شاردا ایکٹ وغیرہ کے بارہ میں مشورہ طلب کیا ہے۔

۶۔ حفاظت حقوق کی نسبت مسلمانوں کی بدگمانی دور کرنے کے لئے ہز ایکسی لینسی اپنے اثر کو کام میں لائیں گے۔ ہز میجسٹی کی حکومت ہمیشہ اس امر پر زور دیتی رہی ہے کہ گول میز کانفرنس میں تمام قوموں اور خاص ذمہ داری رکھنے والی جماعتوں کی نمائندگی کا ضرور خیال رکھا جائے گا۔ [۲۸]

جماعت احمدیہ کی طرف سے مسلم پریس کی حفاظت کیلئے پیشکش

پنجاب کانگریس کمیٹی نے اخبارات بند کر دینے کا نوٹس دیا تھا۔ اور بند نہ کرنے کی صورت میں پکٹنگ لگانے کی دھمکی دی تھی جس سے کانگریس کی غرض یہ تھی کہ مسلمان اخبارات کا جو کانگریسی شورش کے خطرات سے آگاہ کر رہے تھے گلا گھونٹ دیا جائے اور اس طرح مسلمانوں کے سیاسی اور ملکی مفاد کو سخت نقصان پہنچایا جائے۔ اس نازک مرحلہ پر جماعت احمدیہ نے لاہور کے مسلم اخبارات "انقلاب و سیاست" کو کانگریس کے تشدد سے بچانے کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ چنانچہ ناظر صاحب امور خارجہ قادیان نے اخبار انقلاب و سیاست کو حسب ذیل تار دیا۔

"جماعت احمدیہ کو یہ سن کر افسوس ہوا کہ کانگریس کے رضاکار آپ کے دفتر پر پہرا بٹھانے کی دھمکی دے رہے ہیں چونکہ یہ امر پابند قانون شہریوں کا مقصد مشترک ہے اس لئے جماعت احمدیہ قادیان حسب ضرورت اپنے آدمیوں کو لاہور بھیجنے کے لئے بالکل تیار ہے تاکہ وہ کانگریس کے جارحانہ اقدام کے مقابلے میں اخبارات کی حفاظت کریں"۔

یہ تار انقلاب نے اپنے ۲۹ مئی ۱۹۳۰ء کے پرچہ میں احمدی بھی انقلاب کی حفاظت کے لئے تیار ہیں کے عنوان سے نمایاں طور پر شائع کرتے ہوئے لکھا:۔

"ہم جماعت احمدیہ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں ہمیں یقین ہے کہ ان کی طرح ہر مسلمان اپنے اس خادم جریدے کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہے جب تک ملت اسلامیہ انقلاب کی پشت پناہ ہے انقلاب کو کفر کی طاقتیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں"۔ (صفحہ ۱)

اخبار "سیاست" کے ایڈیٹر جناب سید حبیب صاحب کی طرف سے اس تار کے جواب میں حسب ذیل چٹھی موصول ہوئی:۔

"جناب من! میں دلی شکریہ کے ساتھ آپ کے مکتوب نمبر C۲۶/۴۵۹ محررہ ۲۷ مئی ۱۹۳۰ء اور تار جس کا آپ نے اس مکتوب میں حوالہ دیا ہے رسید پیش کرتا ہوں اور آپ کو یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ اس موقعہ پر آپ نے جس برادرانہ ہمدردی اور سچی اسلامی سپرٹ کا اظہار کیا ہے اس نے مجھ پر اور میرے متعلقین پر ایک دیرپا اثر قائم کیا ہے میں آپ کی معرفت آپ کی جماعت کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور انہیں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ میں اس پیشکش کے لئے بے حد ممنون ہوں اب خطرہ گذر گیا ہے اور کانگریس نے میرے دفتر پر پکٹنگ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ تاہم اگر کبھی ضرورت پیش آئی تو میں آپ کی مخلصانہ پیشکش سے فائدہ اٹھانے میں دریغ نہ کروں گا آپ کا حبیب"۔ [۳۸]

سیاسیات میں دخل دینے کی وجہ

جماعت احمدیہ ایک مذہبی جماعت ہے جس کا اصل مقصد اور مدعا تبلیغ اسلام ہے اس لئے اس کا براہ راست سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں لیکن جب ملک میں کوئی وبا آتی ہے تو وہ سب کو لپیٹ لیتی ہے جب آگ لگتی ہے تو دوست دشمن کے گھر کی کوئی تمیز روا نہیں رکھتی۔

اسی طرح وہ سیاسی تغیرات جو اس زمانہ میں پیدا ہو رہے تھے اور وہ ہیجان جو عوامی ذہن میں پایا جاتا تھا جماعت احمدیہ پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اور اگر جماعت احمدیہ خود متاثر نہ بھی ہوتی تب بھی دوسرے لوگ انہیں خاموش نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ سیاسی حلقے پہلے یہ اعتراض کرتے تھے کہ یہ جماعت ملکی معاملات میں دلچسپی نہیں لیتی لیکن جب حضرت خلیفۃ المسیح کی قیادت میں جماعت نے صحیح طریق عمل کا اظہار کیا تو یہ کہا جانے لگا کہ تم کانگریس کی تحریک کے خلاف کیوں رائے رکھتے ہو۔ حضور نے ۳۰ مئی ۱۹۳۰ء کو جماعت احمدیہ کی یہ نازک پوزیشن ملک کے سامنے پیش کرتے ہوئے فرمایا:۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم سیاسیات میں کیوں دخل دیتے ہیں ان کے لئے میرے تین جواب ہیں اول یہ کہ ہم اپنا کام کر رہے تھے تم نے ستایا، دق کیا اور بار بار اعتراض کئے کہ تم کیوں خاموش ہو اس لئے ہم مجبور ہو گئے کہ اپنی صحیح رائے کا اظہار کر دیں۔ دوسرے یہ کہ ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے ہندوستان کے ہر حصہ اور بیرونی ممالک میں پھیلی ہوئی ہے اور ان میں سے کئی ایک ایسے دوست ہیں جنہیں سالہا سال قادیان آنے کا اتفاق نہیں ہوتا اس لئے ضروری ہے کہ ان کی رہنمائی کے لئے ہم اپنے نیز بیرونی پریس کے ذریعہ بھی ملکی امور کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کریں اور انہیں مناسب ہدایات دیں۔ تیسرے یہ کہ ہم مبلغ ہیں اور ہمارا پیشہ یہی ہے کہ جو بات حق سمجھیں اسے دنیا میں

پھیلائیں جس طرح کوئی شخص کسی ڈاکٹر کو نہیں کہہ سکتا کہ تم لوگوں کا علاج کیوں کرتے ہو کیونکہ اس کا کام ہی یہ ہے اسی طرح کوئی شخص حق کے اظہار کی وجہ سے ہم پر بھی اعتراض نہیں کر سکتا کیونکہ یہ ہمارا پیشہ ہے اس لئے جسے ہم مفید سمجھیں فرض منصبی کے لحاظ سے ضروری ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچادیں۔

اگر ہماری باتیں غلط ہیں تو پھر ہمارے مخالفین کے لئے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں کیوں کہ ان باتوں کو سن کر لوگ خود ہی رد کر دیں گے لیکن اس حق سے ہمیں محروم نہیں کیا جا سکتا کہ جس طرح وہ اپنے خیالات کی اشاعت کرتے ہیں اسی طرح ہم بھی کریں آزادی وطن حاصل کرنے والے آزادی کو ہر چیز پر مقدم سمجھتے ہیں۔ لیکن کیا یہ امر آزادی کے منافی نہیں ہو گا۔ کہ وہ ہم سے محض اس وجہ سے جھگڑیں کہ ہماری رائے ان کے خلاف ہے انہیں تو چاہئے کہ اعلان عام کر دیں کہ جو شخص ان کے خیالات کے خلاف رائے رکھتا ہو وہ آئے اور اسے پیش کر کے اس کی معقولیت ثابت کرے..... ہم ایسے جلسوں کا انتظام کرتے ہیں اور مخالف رائے رکھنے والے اپنی اپنی رائے کا اظہار کریں ہم نے تو کئی بار اس بات کا اعلان کیا ہے کہ جو لوگ ہماری رائے کو غلط سمجھتے ہیں وہ آئیں اور ہمارے سٹیج پر کھڑے ہو کر تقریریں کریں یہ نہیں کہ ہرایرے غیرے کے لئے بلکہ اگر معقول اور بارسوخ لیڈر آئیں تو ہم ان کی تقریر کے لئے جماعت کو اکٹھا بھی کر سکتے ہیں اور میں خود بھی ان کے خیالات سنوں گا اور اگر انکی بات معقول ہو گی تو ہمیں اس کے ماننے میں کوئی عذر نہ ہو گا۔ اور اگر وہ ہمارے خیالات کو معقول سمجھیں تو ان کا بھی فرض ہے کہ آزادی کے ساتھ ہماری اتباع کرنے لگ جائیں۔ [۴۰] مگر افسوس کانگریس کے ذمہ دار لیڈروں کو اس معقول تجویز کے قبول کرنے کی توفیق نہ مل سکی۔

فصل سوم

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی نسبت اخبار "ٹربیون" کی ایک مفتریانہ خبر اور اس کا ردعمل

جون ۱۹۳۰ء کا پہلا ہفتہ جماعت احمدیہ کے لئے ایک درد انگیز امتحان اور ابتلاء کا ہفتہ تھا احمدیوں نے کانگریس کی سیاسی شورش کے خلاف قیام امن کی جو مخلصانہ جدوجہد جاری رکھی تھی اس پر کانگریسی حلقے نعل در آتش ہو رہے تھے۔ [۶۱] اور انہوں نے مختلف مقامات کے احمدیوں کو جانی اور مالی نقصان پہنچانے کی دھمکیاں دیں اس سلسلہ میں سب سے خطرناک حربہ یہ استعمال کیا گیا کہ جماعت احمدیہ سے انتقام لینے اور اس کی توجہ منتشر کرنے کے لئے ہندو اخبار "ٹربیون" کے کسی نامہ نگار نے امرت سر سے بذریعہ فون حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اچانک وفات کی بے بنیاد خبر بھیجی جو "ٹربیون" لاہور نے ۳ جون ۱۹۳۰ء کو شائع کردی اور اس پر ایک شذرہ لکھ دیا۔ [۶۲]

اس سراسر جھوٹی اطلاع نے حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات سے متعلق جماعت احمدیہ کے لئے اس قدر رنج والم اور غم واندوہ پیدا کردیا جس کا اندازہ امکان سے باہر ہے اس خبر کا شائع ہونا تھا کہ بجلی کی طرح یہ آن کی آن میں ملک کے ایک سے دوسرے سرے تک پہنچ گئی اور جس احمدی تک بھی پہنچی اس پر ایک قیامت ڈھا گئی بہت سے احمدی احباب کا بیان ہے کہ ٹربیون کی خبر کان میں پڑتے ہی دماغ معطل ہوگیا ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ گویائی کی طاقت سلب ہوگئی اور گھر کے لوگوں کو بتانا مشکل ہوگیا۔ اور جب بتایا گیا تو گھروں میں کہرام مچ گیا مرد عورت بوڑھے جوان جلد سے جلد قادیان جا پہنچنے کی کوشش میں مصروف ہوگئے۔ [۶۳] چنانچہ جہاں جہاں سے تردید کی اطلاع پہنچنے سے پہلے کوئی گاڑی چلتی تھی وہاں کے احباب فوراً روانہ ہوگئے اور جہاں روانگی میں دیر تھی یا جلدی پہنچنا مشکل تھا وہاں سے واپسی تاروں کا تانتا بندھ گیا۔

شیخ کریم بخش صاحب آف کوئٹہ نے یہ اطلاع سنی تو جماعت کوئٹہ کی طرف سے تار دینے کے لئے تار گھر گئے اور ساری رات بیٹھے روتے رہے جب دوسرے روز ۴ بجے حضور کی خیریت کا جواب ملا تب گھر گئے۔ [۶۴]

ڈاکٹر محمد شفیع صاحب ۶۵ ویٹرنری اسسٹنٹ جڑانوالہ میں تھے ٹریبیون کی خبر پڑھ کر ان کی جو حالت ہوئی اس کی نسبت وہ خود ہی لکھتے ہیں۔ ٹریبیون کی غلط خبر نے مجھے قریب مرگ کر دیا۔ اگر اسی روز شام کو ٹریبیون میں تردید کا تار نہ پڑھتا اور برادرم ڈاکٹر محمد احسان صاحب ۶۶ قادیان سے ۱۰ بجے شب کو نہ آجاتے۔ تو میرا زندہ رہنا مشکل تھا کیونکہ جس وقت سے میں نے یہ خبر پڑھی تھی رو رو کر میری حالت دگرگوں ہو رہی تھی۔ دل ڈوبتا جاتا اور جسم بے حس ہوتا جاتا تھا۔ ۶۷

ملک (راجہ) علی محمد صاحب افسر مال نے انہیں دنوں مظفر گڑھ سے مولوی عبد الرحیم صاحب درد کے نام مندرجہ ذیل مکتوب لکھا ۶۸ جس سے کسی قدر اندازہ ہو جائے گا کہ ٹریبیون کی خبر سن کر احمدیوں کی کیا حالت ہوئی ہوگی وہ لکھتے ہیں۔

"کل شام کو عزیزی چوہدری عبد اللہ خاں صاحب و ڈاکٹر محمد دین صاحب اخبار ٹریبیون کا پرچہ میری اطلاع کے لئے لائے وہ خود روتے ہوئے میرے پاس پہنچے خبر پڑھ کر دل بے قرار ہو گیا۔ اٹھ کر میں نے اندر اپنی اہلیہ کو خبر دی جو سخت گھبرا گئی چند ساعت تو ہم سب بیٹھے زار زار روتے رہے دل میں غم و ملال کے بادل اٹھ کر آتے تھے۔ اور قوت واہمہ قادیان لے جاتی تھی۔ اور تصور قادیان کی حالت و غم و مصیبت کی ایسی تصویر کھینچتا تھا جس کی وجہ سے آنکھیں پھٹ جاتی تھیں۔ اور کلیجہ منہ کو آتا تھا تمام رات میں نہیں سویا۔ اور روتے ہوئے گذری میری اہلیہ کی حالت نہایت مضطربانہ تھی اور کبھی کبھی جب اس کے منہ سے یہ صدا غم والم کے گہرے جذبات سے آلودہ نکلتی کہ حضرت صاحب نے ہزاروں نکاح کے خطبے پڑھے ہونگے لیکن کیا اب ان کی لڑکی کا خطبہ کوئی اور پڑھے گا۔ تو دل غم کے تلاطم خیز سمندر میں تیرتا دکھائی دیتا تھا۔ اور جب قوت واہمہ میری توجہ کو جماعت کی موجودہ اور اندرونی بیرونی شورش کی طرف کھینچتی تھی تو پھر دل سے یہی صدا نکلتی تھی کہ یہ زلزلہ جو ہماری جماعت پر آیا ہے بے نظیر ہو گا۔ اور اس کی مثال کسی گذشتہ جماعت کے حالات میں نہیں ملیگی دل غم سے پر ہو کر آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ کبھی کبھی دل میں یہ خیال گذرتا تھا کہ شاید یہ خبر جھوٹ ہو لیکن اس پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اتنی بڑی شخصیت کے متعلق "ٹریبیون" اخبار میں جھوٹی خبر نکلنے کا کم امکان ہو سکتا ہے تاہم اس خیال کے تابع میں نے اپنے رب کے حضور میں درخواست کی کہ اے میرے مولیٰ اگر یہ خبر غلط ہو تو میں ایک رات سالم عبادت کروں گا۔ اور بالکل نہیں سوؤں گا چنانچہ آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسا ہی کرنے کا ارادہ ہے۔

غرضیکہ گزشتہ رات ہمارے لئے قیامت کا نمونہ تھی میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آج تک ایسی غم والی رات نہیں پائی" ۶۹

ڈاکٹر محمد علی خاں صاحب افریقی۔ "ٹریبیون" اخبار پڑھتے ہی ماہی بے آب کی طرح تلملا اٹھے اس صدمہ سے دل کو ضعف ہو گیا تار دینے ہی کو تھے کہ جماعت احمدیہ گجرات کے امیر سے خوشخبری ملی کہ حضور بخیریت ہیں۔ بارگاہ ایزدی میں شکر کیا لیکن اس دن کے ضعف کا اثر تین دن تک رہا۔ [۵۰] خود قادیان میں یہ حالت تھی کہ جس کے کان میں یہ منحوس خبر پڑتی وہ حضرت امیرالمومنین کی خیر و عافیت کا پورا پورا علم اور یقین رکھنے کے باوجود حضور کی زیارت کے لئے بے تاب ہو جاتا [۵۱] حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کا بیان ہے کہ :-

"میں حسب معمول اپنے دفتر کے برآمدہ میں بیٹھا تھا کہ مکرمی مولوی فقیر علی صاحب اسٹیشن ماسٹر (قادیان) گھبرائے ہوئے بھاگے چلے آتے ہیں۔ میں محسوس کرتا تھا کہ گھبراہٹ میں ان کا قدم باوجود کوشش کے پوری تیزی سے نہیں اٹھ رہا۔ مجھ سے ابھی وہ فاصلے پر تھے کہ میں نے پوچھا خیر تو ہے انہوں نے کہا حضرت صاحب کی طبیعت کیسی ہے میں نے جواب دیا اچھی ہے مگر میرے کہنے سے ان کی تسلی نہیں ہوئی وہ بھاگے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ لاہور میں کسی بدمعاش نے جھوٹی خبر اڑادی ہے میں اندازہ کرتا تھا کہ ان کے منہ سے موت کا لفظ نہیں نکلتا۔ میں نے کہا کہ کیوں تم نے اسٹیشن پر ہی اس کی تردید نہ کردی۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا اور بھاگتے چلے گئے میں نے اس نظارہ کو دیکھا اور تعجب کیا کہ یہ قادیان میں موجود تھے اور ان کو علم تھا پھر انہوں نے اس خبر کی تردید کے لئے شہر آنے کی کیوں ضرورت سمجھی مگر معاً میں نے محسوس کیا کہ یہ محبت کا ایک کرشمہ ہے۔ [۵۲]

قادیان ہی کا واقعہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے اہل بیت کے پاس سے ایک احمدی خاتون اٹھ کر گئی ہی تھیں کہ ان کے بیٹے نے جو لاہور سے اسی وقت آئے تھے یہ سنایا کہ وہاں ایسی خبر مشہور ہے وہ خاتون یہ سنتے ہی فوراً واپس آئیں جب حضور کی صحت سے متعلق دریافت کر لیا تو انہیں تسلی ہوئی۔ [۵۳]

قادیان میں جب بیرونی جماعتوں کے اس طرح پریشانی و افسوس میں مبتلا ہونے کا علم ہوا تو اس کے ازالہ کے لئے جو کچھ کیا جاسکتا تھا اس کے لئے تمام دفاتر مصروف ہو گئے اور جماعتوں کو ہر ممکن ذریعہ تاروں وغیرہ سے حضور کی بخیریت ہونے کی اطلاع جلد سے جلد پہنچانے کے انتظامات کئے گئے اس موقعہ پر الفضل کا ایک غیر معمولی نمبر بھی شائع کیا گیا۔ اسٹیشن ماسٹر صاحب اور سب پوسٹ ماسٹر صاحب قادیان اور ان کے عملے نے بھی پورا پورا تعاون کیا اور ہر طرف اطلاعات بھجوانے کی کوشش کی لیکن ان تمام ذرائع کو بروئے کار لانے کے باوجود کئی مقامات کے احمدی جنہیں بروقت اطلاع نہ پہنچائی جاسکی یا کسی اور جگہ سے بھی علم نہ ہو سکا وہ فوراً قادیان کے لئے روانہ ہو گئے اور ۳ جون کی صبح کی گاڑی سے

گوجرانوالہ 'نواں شہر ضلع جالندھر' لائلپور' چوہڑکانہ 'اوکاڑہ' منٹگمری وغیرہ مقامات سے احمدی قادیان پہنچ گئے۔ ۵۴

جو احباب یہ افواہ سن کر گھروں سے دیوانہ وار چل دیئے تھے ان کا بیان ہے کہ شدت غم والم میں ازخود رفتہ ہو جانے کی وجہ سے انہیں یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ ان کے ساتھ گاڑی میں کون لوگ بیٹھے ہیں اور وہ کس کس اسٹیشن سے گذر رہے ہیں وفور غم واندوہ کی وجہ سے آنسو بھی نہ نکلتے تھے بس ایک بیہوشی کا سا عالم تھا اور خود فراموشی کا ایک دریا تھا جس میں بہتے چلے جا رہے تھے جب راستہ میں کسی نے اس خبر کے غلط ہونے کا ذکر کیا تو بے اختیار خوشی کے آنسو نکل آئے لیکن پھر خوشی اور مسرت کا یہ عالم تھا کہ اس کا برداشت کرنا مشکل ہو گیا جس طرح غم واندوہ کا کوئی اندازہ نہ تھا اسی طرح اب خوشی کی بھی کوئی حد نہ رہی تھی۔ ۵۵

لیکن باوجودیکہ انہیں رستہ ہی میں حضرت امیرالمومنین کی خیریت کا علم ہو چکا تھا اور وہ اسے صحیح بھی سمجھ گئے تھے تاہم صبر نہیں کر سکتے تھے تاوقتیکہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کا بیان ہے کہ میں جو راستہ پر بیٹھتا ہوں ان آنے والوں کو دیکھتا تھا کہ وہ محبت اور اخلاص کے پیکر ہیں انہیں دوران سفر میں اس خبر کا افتراء ہونا معلوم ہو چکا تھا۔ مگر ان کی بے قراری ہر آن بڑھ رہی تھی۔ اور یہ صرف اعجاز محبت تھا یہ دوست اپنی اس بیقراری میں قصر خلافت کی طرف بھاگے جا رہے تھے میں نے دیکھا بعض ان میں ایسے بھی تھے جنہوں نے اس سفر میں نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ ان طبعی تقاضوں پر بھی محبت کا غلبہ تھا۔ جب تک قصر خلافت میں جاکر انہوں نے اپنے امام کو دیکھ نہ لیا۔ اور مصافحہ اور معانقہ کی سعادت حاصل نہ کر لی ان کے دل بے قرار کو قرار نہ آیا۔ ۵۶

خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ "باہر سے آنے والوں کی حالت یہ تھی کہ باوجودیکہ اس کی تردید ہو چکی تھی مگر وہ یہی کہتے تھے جب تک ہم خود دیکھ نہ لیں ہمیں چین نہیں آئے گا۔ مجھے اس دن سردرد کا دورہ تھا مگر آنے والے دوستوں سے ملنا پڑتا تھا"۔ ۵۷

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی حالت آنے والے دوستوں سے ایک الگ رنگ رکھتی تھی آپ کو اس خبر کا کوئی خیال نہ تھا جو تکلیف تھی وہ یہ تھی کہ اس خبر نے جماعت کو تکلیف دی آپ ان کے مالی نقصان ان کے ذہنی اور روحانی تکلیف کو اس طرح محسوس کرتے تھے کہ گویا آپ ہی پر وارد ہو رہی ہے۔ ۵۸

"ٹریبیون" کی خبر نے پوری جماعت کو مجسم گریہ وزاری بنا دیا مگر اس سے کئی سبق بھی حاصل

ہوئے مثلاً

اول یہ ثابت ہو گیا کہ دشمنان احمدیت جماعت احمدیہ کے خلاف ایسے جھوٹ سے بھی پرہیز نہیں کرتے جس کا بہت جلد ظاہر ہو جانا یقینی ہوتا ہے۔

دوم جماعت احمدیہ کے ہر فرد نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ سے محبت و عقیدت کا ایسا بے نظیر اور عدیم المثال نمونہ پیش کیا جس کی مثال عظیم الشان نبیوں کی جماعتوں کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتی۔

سوم مخالفوں کے اس پراپیگنڈا کی قلعی کھل گئی کہ معاذاللہ جماعت احمدیہ کو مباہلہ والوں کے بہتانات کی وجہ سے اپنے امام سے اخلاص نہیں رہا۔

چہارم۔ دوسرے لوگوں کے دلوں میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی جو عزت و عظمت تھی اس کا بھی اظہار ہوا۔ چنانچہ غیراز جماعت مسلمانوں کا معتدبہ حصہ جماعت احمدیہ کے ساتھ غم میں ایسا شریک ہوا کہ گویا خود ان کے گھروں میں کوئی مصیبت آگئی ہے ایک مسلمان پرنسپل کھانا نہ کھا سکے بعض غیر احمدی عورتیں اور بچے بھی یہ خبر سن کر رونے لگے۔ [۵۹] شملہ میں جب یہ منحوس اطلاع پہنچی تو غیر احمدیوں نے حضرت مفتی محمد صادق صاحب سے قدم قدم پر ہمدردی کا اظہار کیا۔ سید محسن شاہ صاحب ایڈووکیٹ آف لاہور نے کہا کہ مسلمانوں کو اس وقت راہ راست پر چلانے والا ایک ہی شخص تھا وہ بھی چلا گیا تو باقی کیا رہا۔ سر عبدالقادر صاحب کو اس خبر سے گہرا صدمہ پہنچا اور خیریت کی خبر ملنے پر بے انتہاء خوشی ہوئی [۶۰] جسو کی ضلع گجرات کے شیعہ اصحاب نے مولوی حکیم سید فضل حسین صاحب شیعہ مبلغ آف کوٹلہ سیداں احمد آباد ضلع جہلم کی صدارت میں "ٹربیون" کے ناپاک پراپیگنڈا کی مذمت کا ریزولیوشن پاس کیا۔ [۶۱]

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے انگریزی اخبار لائٹ (Light) نے اپنے یکم جون ۱۹۳۰ء کے پرچہ میں سیاہ حاشیہ کے ساتھ "مرزا بشیر الدین محمود احمد مرحوم" کے نام سے ایک نوٹ شائع کیا جس کا ترجمہ یہ تھا کہ "ہم گہرے رنج اور افسوس کے ساتھ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سلسلہ احمدیہ کے قادیانی حصہ کے امام کی وفات کی خبر درج کرتے ہیں جو حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے ہوئی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمیں آپ سے بعض عقائد میں اختلافات تھے لیکن اس سے ہم اس مشہور و معروف ہستی کی ان خوبیوں سے جو قدرت نے انہیں فیاضی سے عطا کی تھیں آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ اپنے عقائد کے لئے آپ کا جوش اور سرگرمی بحیثیت لیڈر آپ کی پختہ کاری اور ہنرمندی ماہر تنظیم اور سب سے بڑھکر آپ کی ذاتی مقناطیسی کشش جس کی وجہ سے آپ کے متبعین کو آپ سے حیرت انگیز عقیدت تھی ایسی صفات ہیں جنہیں وہ لوگ بھی جنہوں نے کبھی آپ کو دیکھا بھی نہیں تسلیم کئے بغیر

نہیں رہ سکتے اس حقیقت سے یہ حادثہ اور بھی غمناک ہو جاتا ہے کہ آپ ابھی نوجوان یعنی صرف چالیس سال کی عمر کے تھے ہم آپ کی جماعت نیز آپ کے غمزدہ خاندان سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ [۶۲]

پنجم ایک اور سبق اس خبر سے جماعت کو یہ حاصل ہوا کہ اسے اپنے خبر رسانی کے انتظام کو مضبوط کرنے کا خیال پیدا ہوا چنانچہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کو توجہ دلائی کہ:-

"دفاتر ایسا انتظام کریں کہ جماعتیں مختلف حلقوں میں تقسیم ہو جائیں اور ارد گرد کی جماعتیں ضرورت کے موقع پر وہاں سے اطلاع حاصل کریں۔ مثلاً لاہور' دہلی' راولپنڈی' پشاور' جالندھر' ملتان وغیرہ مقامات پر یہاں سے اطلاع دیدی جائے اور ہر جماعت اپنے قریبی مرکز سے معلوم کر لے اگر ہمارا خبر رسانی کا انتظام ایسا ہوتا تو تین جون کو ہی ہر جگہ اطلاع مل جاتی لیکن اب تو یہ ہوا کہ بعض لوگوں کو واپسی تار دیئے۔ ۴۸-۴۸ گھنٹے ہو گئے لیکن کوئی جواب نہ ملا کیونکہ تار والے آہستہ آہستہ اور باری باری کام کر رہے تھے ادھر دوستوں کو اس قدر پریشانی تھی کہ کئی ایک کے دل گھٹنے شروع ہو گئے اور بعض کو تو باوجود یکہ اطمینان ہو چکا تھا کہ یہ خبر غلط ہے مگر انہیں دھڑکے کی بیماری ہو گئی اگر ایسا انتظام ہوتا کہ انہیں وقت پر اطلاع مل سکتی تو ان کی صحت پر ایسا ناگوار اثر نہ پڑتا پس دفاتر کو چاہئے ایسا انتظام کریں کہ تمام جماعتوں کو فوراً اطلاع پہنچائی جاسکے"۔ [۶۳]

بالآخر یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر جماعت کو یہ اہم وصیت فرمائی کہ:-

"جہاں خدا تعالیٰ نے اس جماعت کو اخلاص کے اظہار کا موقعہ دیا وہاں یہ بھی بتادیا کہ انسان آخر انسان ہی ہے خواہ وہ کوئی ہو اور ایک نہ ایک دن اسے اپنے مخلصین سے جدا ہونا پڑتا ہے اس بات کا احساس بھی خدا تعالیٰ نے جماعت کو کرادیا اس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ خلیفہ سے جماعت کو جو تعلق ہے وہ جماعت ہی کی بہتری اور بھلائی کے لئے ہے اور جو بھی خلیفہ ہو اس سے تعلق ضروری ہے یاد رکھو اسلام اور احمدیت کی امانت کی حفاظت سب سے مقدم ہے اور جماعت کو تیار رہنا چاہئے کہ جب بھی خلفاء کی وفات ہو جماعت اس شخص پر جو سب سے بہترین خدمت دین کر سکے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے اور اس سے الہام پانے کے بعد متفق ہو جائے گی انتخاب خلافت سے بڑی آزمائش مسلمانوں کے لئے اور کوئی نہیں یہ ایسی ہے جیسے باریک دھار پر چلنا ذرا سا قدم لڑکھڑانے سے انسان دوزخ میں جاگرتا ہے غرض انتخاب خلافت سب سے بڑھ کر ذمہ داری ہے جماعت کو اس بارے میں اپنی ذمہ داری پہچاننی چاہئے"۔ [۶۴]

کانگریسی لیڈر مسز نائیڈو کی رہائی کے لئے اپیل

ہندوستان کی مشہور کانگریسی لیڈر مسز نائیڈو سول نافرمانی کے جرم میں نو ماہ کے لئے جیل میں ڈال دی گئی تھیں جس پر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے ۵ جون ۱۹۳۰ء کو وائسرائے ہند (لارڈ اروِن) کے نام ایک مفصل خط لکھا جس میں مسز نائیڈو کی رہائی کے لئے پرزور اپیل کرتے ہوئے تحریر کیا کہ:۔

"قانون شکنی کے ارادہ کو تو میں کسی صورت میں بھی جائز نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن میرے خیال میں سیاسی جدوجہد کی بناء پر عورت کے لئے جیل خانہ کا مقام تجویز کرنا بھی ایک ایسا طریق ہے جو صرف انتہائی صورت میں اختیار کیا جانا چاہئے اور خصوصاً مسز نائیڈو جیسی عورت کے لئے جو ملک کے نہایت ممتاز اور روشن ضمیر لیڈروں میں سے ہونے کے علاوہ ایک مشہور شاعرہ بھی ہیں پس میں...... اپیل کرتا ہوں کہ آپ مسز نائیڈو کی آزادی کا اعلان کر کے اس امر کا ایک مزید ثبوت دیں کہ برطانیہ عورت کی عزت کرتا ہے..... میں اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ عورتوں کے ذریعہ سے قانون شکنی کی مہم سر کرانے کی خواہش ایک بزدلانہ خواہش ہے اور اگر ایسے موقع پر گورنمنٹ کو قانون کے احترام کے لئے کچھ کرنا پڑتا ہے تو اس کی آئینی ذمہ داری گورنمنٹ پر عائد نہیں ہو سکتی لیکن باوجود اس کے میرے نزدیک عورت کا شرف ایک ایسا امر ہے کہ اگر کانگریس والے اس کا خیال نہ بھی رکھیں تو بھی گورنمنٹ کو حتی الوسع اس کا خیال رکھنا چاہئے"۔ [۶۵]

حضور نے وائسرائے ہند سے رہائی کی اپیل کرنے کے علاوہ کانگریس کے ارباب حل و عقد سے بھی خط و کتابت کی اور زور دیا کہ انہیں ملکی آزادی کی جدوجہد کے اس حصے میں عورتوں کی شرکت کو بالکل روک دینا چاہئے جس کا لازمی نتیجہ جیل خانہ ہے کیونکہ اس طرح خود کانگریس پر بھی بزدلی کا اعتراض آتا ہے۔ [۶۶]

نہرو کمیٹی کی تتمہ رپورٹ پر تبصرہ

سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے قلم سے نہرو رپورٹ پر تبصرہ شائع ہونے کے بعد نہرو کمیٹی نے اس کا ایک تتمہ شائع کیا جس میں اپنی پہلی پیش کردہ تجاویز میں بعض اصلاحیں کیں۔ حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے اصلاح کے ان حصوں پر جو مسلم قوم سے تعلق رکھتے تھے ایک مختصر مگر جامع تبصرہ کیا۔ جو الفضل ۱۱ مئی ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳-۴) میں شائع ہوا۔

اس تبصرہ میں حضور نے تعلیم، اجارہ زمین، حکومت کی زبان، صوبجاتی حکومتوں پر مرکزی حکومت کی بالادستی، صوبائی گورنروں کے تقرر، نئے صوبوں کی تجویز، قانون سازی، فرقہ وارانہ

انتخاب وغیرہ امور کی نسبت نہرو کمیٹی کی تتمہ رپورٹ پر زبردست تنقید فرمائی اور حکومت برطانیہ کو صاف اور واضح لفظوں میں متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"ان کی قوم بے شک اس وقت ہندوستان کی حاکم ہے لیکن وہ اس کی مالک نہیں ہے وہ آٹھ کروڑ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ہندوؤں کا غلام بنادینے کا کوئی حق نہیں رکھتے وہ قوم جو غلامی کو مٹانے کے لئے اس قدر دعویدار ہے وہ آئندہ نسلوں کی نظر سے ہمیشہ کے لئے گر جائے گی۔ اگر وہ اس آزادی کے زمانے میں آٹھ کروڑ مسلمانوں کو قلم کی ایک جنبش سے ایک ایسی قوم کا غلام بنانے کا فیصلہ کردے گی جس نے اپنے غلاموں کے ساتھ دنیا کی تمام اقوام سے بدتر سلوک کیا ہے ہر ایک قوم کے غلام تھوڑے یا زیادہ عرصہ میں آزاد ہو گئے ہیں لیکن ہندوؤں کے غلام ہزاروں سال کے گزرنے کے بعد آج بھی اچھوت اقوام کے نام سے ہندوؤں کے ظالمانہ دستور غلامی پر شہادت دے رہے ہیں انگلستان کو یاد رکھنا چاہئے کہ جس وقت وہ ہندوستان کو آزادی دینے پر آمادہ ہو گا اسی وقت سے مسلمان آزاد ہوں گے اور ان کا یہ حق ہو گا کہ وہ یہ مطالبہ کریں کہ یا تو ان کے حقوق کی نگرانی کی جائے یا وہ اپنی آزاد ہستی کے برقرار رکھنے کے لئے مجبور ہوں گے کہ ہر ایک ایسے نئے نظام سے وابستہ ہونے سے انکار کردیں۔ جو ان کی آزادی کو کچل دینے والا ہو اور اپنے لئے خود کوئی ایسا نظام قائم کریں۔ جس کے ماتحت وہ اپنی آزادی اور حریت قائم رکھ سکیں۔ [۶۷]

آزادی ہند کے بعد مسلمانوں کے مستقل اور آزاد نظام کے قیام کا یہی وہ عظیم الشان تخیل تھا جس پر چند ہفتے بعد آل پارٹیز کانفرنس نے اپنے سیاسی مطالبہ کی بنیاد رکھی۔ [۶۸] اور جسے ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے اسی سال دسمبر ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس [۶۹] منعقدہ (الہ آباد) میں ذرا وضاحت سے پیش فرمایا اور اس کے مطابق ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی۔

فصل چہارم

سفر شملہ اور آل مسلم پارٹیز کانفرنس میں شرکت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالٰے بنصرہ العزیز وسط ۱۹۳۰ء میں شملہ تشریف لے گئے اس سفر کو (جو ۲ جولائی ۱۹۳۰ء کو شروع ہو کر ۱۳ اگست ۱۹۳۰ء کو ختم ہوا) [۷۰] مسلمانان ہند کی سیاسی جدوجہد میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ دراصل شملہ میں مقیم مسلم زعماء نے اس کے لئے خاص طور پر تحریک کی تھی چنانچہ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب نے ۲۵ جون ۱۹۳۰ء کو مندرجہ ذیل مکتوب حضور کی خدمت میں لکھا تھا:۔

"سیدنا و امامنا۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' والانامہ شرف صدور لایا۔ سائمن کمیشن کی رپورٹ کا خلاصہ حضور نے ملاحظہ فرمالیا ہوگا۔ اکثر پہلوؤں سے مایوس کن ہے۔ سردار حیات خاں [۷۰ ب] اور دیگر احباب شملہ کی خواہش تھی کہ حضور ۴-۵ (جولائی ۱۹۳۰ء ناقل) کی کانفرنس میں ضرور شملہ شمولیت فرمائیں تا اس موقع پر مسلمانوں کی صحیح نمائندگی ہو سکے۔"

آل مسلم پارٹیز کانفرنس نے کن امور پر غور کیا اور حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر کس طرح سیاسی راہنمائی فرمائی؟ اس پر لاہور کے ہفت روزہ اخبار "خاور" (۲۱ جولائی ۱۹۳۰ء) کا مندرجہ ذیل اداریہ کافی روشنی ڈالتا ہے۔

"ماہ حال کے اوائل میں آل انڈیا مسلم کانفرنس شملہ میں منعقد ہوئی۔ پنجاب۔ بمبئی۔ مدراس۔ بنگال۔ یو۔ پی۔ سی پی اور دہلی سے نمائندگان آئے ہوئے تھے۔ مولانا شوکت علی صاحب صدر جلسہ تھے تین دن تک ان حضرات نے سائمن رپورٹ' نہرو رپورٹ اور راؤنڈ ٹیبل کانفرنس پر بحث و تمحیص کی۔ آخر جس قدر قرار دادیں پاس ہوئیں وہ تقریباً وہی تھیں جو جنوری ۱۹۲۹ء کو دہلی میں پاس ہوئی تھیں۔ مجملاً ان قرار دادوں کی کیفیت یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں نے فیڈرل نظام حکومت کی حمایت کرتے ہوئے مرکزی قانون ساز جماعت میں ساڑھے تینتیس فیصد نشستوں کا مطالبہ کیا۔ گورنروں کے وسیع اختیارات کی مذمت کی۔ بنگال اور پنجاب میں اپنی اکثریت کا مطالبہ کیا۔ سندھ کی علیحدگی' سرحد اور بلوچستان کو صوبجاتی آزادی اور سائمن کمیشن نے محکمہ فوج کے لئے جو سفارشات کی تھیں ان کی مخالفت کی۔ ہماری رائے میں جن سیاسی حالات میں سے ہم گذر رہے ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اسی قسم کے مطالبات یا سیاسی خیالات کا اظہار کرتے۔ مگر برٹش پارلیمنٹ بلاشبہ آج

کانگریس کے سوا دوسری کسی جماعت کو تسلیم نہیں کرتی اس لئے مسلمان اگر یہ چاہتے ہیں کہ برٹش مدبرین کے سامنے ان کی وہی پوزیشن ہو جو آج کانگریسی رہنماؤں کو حاصل ہے تو وہ انہی حکمت عملیوں پر کاربند ہوں جن پر کانگریس راہنما عمل پیرا ہیں یعنی پراپیگنڈا کے لئے پریس کا زور قلم اور پلیٹ فارم کی آواز خریدنے کا انتظام کرنا چاہئے۔

شملہ کے مقام پر جس قدر مسلم نمائندگان جمع تھے ان میں بعض صوبوں کے وزراء اکثر خطاب یافتگان' تعلقہ داران' رؤسا' صاحب جاہ اور حکومت نواز حضرات ہی شامل تھے چنانچہ لانگ وڈ ہوٹل اور ڈیویکو ہال ردم سے نکلتے ہوئے سنا گیا کہ اس مسلم کانفرنس کو بیرونی دنیا میں آل انڈیا ٹوڈیز کانفرنس کہا جاتا ہے۔ بایں ہمہ یہ کہنا بالکل حق بجانب ہو گا کہ اس کانفرنس میں جتنے حضرات نے حصہ لیا تھا۔ وہ ہندوستان کے ان صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے پوری پوری اسلامی حکومت قائم کرانے پر تلے ہوئے نظر آتے تھے۔ ان کا یہ جذبہ اتنا مضبوط اور الم نشرح تھا کہ ایک دن وہ ضرور ہندو ابنائے وطن اور اپنے اجنبی حکمرانوں کو اس بات پر مجبور کرنے کے لئے بھی آمادہ ہو جائیں گے کہ انہیں بنگال پنجاب' شمال مغربی سرحدی صوبہ' سندھ اور بلوچستان کی حکومت دیدی جائے گو ابھی تک وہ برادرانہ محبت اور صلح جویانہ حکمت عملی پر کاربند ہیں۔ مگر ایک دن ضرور ایسا آنے والا ہے کہ مسلم سیاستدان ہر قسم کے ذرائع کو استعمال کرنے پر بھی آمادہ ہو جائیں گے اگر کسی بات نے ہمارے دل پر شملہ کانفرنس کے متعلق اثر کیا۔ تو وہ یہی چیز تھی آج جس طرح سے کانگریسی سیاستدان حکومت خود اختیاری کے لئے تن من اور دھن سے لگے ہوئے ہیں اسی طرح یقیناً مسلم خطاب یافتگان' تعلقہ داران' رؤسا' حکومتی عہدیداران اور حکومت نواز بھی اپنے سیاسی حقوق کی بازگشت کے لئے کمربستہ ہو جائیں گے۔

حضرت میرزا بشیرالدین محمود صاحب ایک روحانی پیشوا سمجھے جاتے ہیں۔ مگر راقم الحروف نے شملہ کانفرنس کے موقعہ پر آپ کو سیاسیات حاضرہ سے پورا واقف' راستباز اور صاف گو بزرگ پایا۔ بالخصوص جس وقت دوسرے دن کی نشست میں گول میز کانفرنس کی شرکت کا سوال پیش ہوا۔ تو راجہ غضنفر علی خان صاحب اور دو ایک دوسرے حضرات نے اس سوال کو قبل از وقت بیان کرتے ہوئے یہ دلیل پیش کی کہ اس سے ہندوستان کو وہ قومیں جو اس کانفرنس کا بائیکاٹ کر رہی ہیں۔ مسلمانوں کے اس اشتیاق تعاون کو حقارت سے دیکھیں گی۔ اور اسلامی وقار کو دھبہ لگے گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ چند دن صبر سے کام لیا جائے۔ ملک فیروز خاں صاحب نون اور کئی ایک دوسرے حضرات نے اس دلیل کو توڑنے اور ریزولیشن کے حق بجانب یا برمحل ہونے پر زور دیا۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ ان کے دلائل معترضین کو مطمئن نہ کر سکے اور اس کی وجہ غالباً یہی تھی کہ وہ سب حضرات اس ریزولیوشن کی برجستگی اور اس

کے اعماق تعلسف کو ظاہر کرنے سے گریز کرتے تھے اور الفاظ کے پیچ و تاب میں مطالب کو پنہاں رکھنے کی کوشش کرتے تھے مگر حضرت مرزا محمود صاحب نے ریزولیوشن کے حق میں چند منٹ کے لئے جو تقریر کی وہ ممدوح کی انتہائی راستبازی اور راستگوئی کی دلیل تھی چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اس وقت مسلمان سائمن رپورٹ اور نہرو رپورٹ سے اس قدر دل برداشتہ اور کبیدہ خاطر ہو چکے ہیں کہ وہ گول میز کانفرنس کے نتائج کا انتظار کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اس لئے بہت ممکن ہے کہ کوئی عنصر جمہور اسلام کے جذبات کو فوراً سول نافرمانی کی طرف دھکیل دے اس لئے مسلم اکابر کا فرض ہے کہ وہ قوم کو گول میز کانفرنس کی شرکت کے مرحلہ تک صبر کی تلقین کریں تاکہ وہ سول نافرمانی کے میدان میں نہ کود پڑیں"۔

فی الحقیقت یہ ایک راز تھا جسے دوسرے بزرگ الفاظ کی چادر میں لپیٹ رہے تھے مگر مرزا صاحب نے اس راز کا نقاب الٹ کر عریاں کر دیا۔ راقم الحروف کو اس سے قبل مرزا صاحب کے خیالات کو صفحہ قرطاس پر تو دیکھنے کا ضرور موقعہ ملا تھا۔ مگر بالمواجہ گفتگو سننے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ میرے دل پر اس کیفیت نے بہت اثر کیا اور میں نے اسی وقت مہر صاحب اور قیصر صاحب سے اس کا ذکر کیا۔ بہر کیف اس کانفرنس کی قرار دادیں جن جذبات کے ماتحت پاس ہوئیں وہ جذبات ہر طرح قابل احترام تھے"۔ [41]

کانفرنس کے صدر مولوی شوکت علی خان صاحب نے اپنے تاثرات انقلاب ۱۶ جولائی ۱۹۳۰ء میں شائع کرائے تھے۔ جن کا ایک ضروری اقتباس درج ذیل ہے:۔

"حاضرین جلسہ میں اسمبلی اور کونسلوں کے بہت سے ارکان تھے۔ علاوہ ملک فیروز خاں نون کے نوابزادہ محمد یوسف صاحب صوبہ متحدہ کے وزیر بھی موجود تھے مولوی محمد یعقوب ڈپٹی پریذیڈنٹ بھی شریک تھے۔ سوراج پارٹی' نئی انڈی پنڈنٹ پارٹی اور نئی بے نام پارٹی کے ارکان بھی موجود تھے۔ کونسل اور اسمبلی کے اکثر سابق ارکان بھی تھے آئندہ کونسلوں اور اسمبلی کے بہت سے امیدوار بھی تھے زمینداروں اور امیروں کا طبقہ خاص طور پر موجود تھا۔ جس قدر تجربہ کار اصحاب موجود تھے۔ ان کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ مباحثہ کا معیار بہت اونچا تھا۔ اور تائید ہو یا ترمیم یا مخالفت تمام مقررین نے وقت کی اہمیت کا اندازہ کر کے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جلسے بہت پر لطف رہے اور آپس میں بہت لوگوں کی نئی دوستیاں قائم ہو گئی ہیں"۔

خدا کے فضل و کرم سے اتنی نئی بات [42] اور نمایاں طور پر دکھائی دی کہ حاضرین میں سے ہر شخص کے دل میں یہ تمنا تھی کہ وہ خود اور باقی تمام مسلمان بھی باتوں کو چھوڑ کر موجودہ سستی' کاہلی اور بے ہمتی کو چھوڑ کر جلد تر اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں۔ اور تمام قوم کو بیدار کر کے چند ماہ کے اندر اس

قدر کام کر دکھائیں کہ جو کمی مقابلتاً ہم میں پیدا ہوئی تھی وہ دور ہو جائے۔ اور مسلمان اپنی شایان شان حیثیت سے ملک کی حکومت میں حصہ لیں۔ میں سارے ہندوستان کے مسلمانوں کو بشارت دیتا ہوں کہ ہماری قومی زندگی نے اپنا رنگ بدلا ہے اور آنے والے دو تین مہینوں میں ہندوستان دیکھ لے گا کہ کس سرعت کے ساتھ وہ اپنی تنظیم کرتے ہیں۔ اور اپنے گھر کو سنبھالتے ہیں۔ جنگ اور ہنگامہ آرائی کے لئے ان کو کھڑا کرنا بہت آسان کام ہے۔ مہاتما گاندھی نے جو کام دس برس میں کیا مسلمان اس سے دگنا کام دس مہینے میں کر دیں گے مگر ٹھنڈے تعمیری کاموں میں ذرا دل کم لگتا ہے اس لئے بہت دنوں کی سستی اور کاہلی کے بعد اس نے کروٹ بدلی ہے اب مسلمان آمادہ عمل ہیں۔ ایک منٹ کے اندر ایک چھوٹی سی کمیٹی بنائی گئی کہ وہ تخمینہ کرے کہ معمولی مصارف کے لئے کس قدر روپے کی فوری ضرورت ہے مشکل سے پانچ منٹ صرف کئے گئے ہوں گے کہ مصارف کا اندازہ کر کے پچاس ہزار کی رقم مقرر کر دی گئی۔

میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب امام جماعت احمدیہ کا خاص طور پر تذکرہ کروں کہ علاوہ مفید مشوروں اور امداد کے اپنی اور اپنی جماعت کی طرف سے دو ہزار روپے کا وعدہ فرمایا۔ اور سات سو روپے اسی وقت مولانا شفیع داؤدی سیکرٹری آل انڈیا مسلم کانفرنس کے خالی خزانے میں داخل کئے۔" ۴۳

قادیان میں درس و تدریس سے متعلق ایک اعلان

چونکہ قادیان سلسلہ احمدیہ کا مرکز ہے اس لئے وعظ و تدریس سے متعلق یہاں بہت کچھ احتیاط کی ضرورت تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول ؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں یہ اعلان کرایا تھا کہ مساجد وغیرہ میں عام مرکزی مقامات پر کوئی شخص ان کی اجازت کے بغیر وعظ نہ کرے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد مبارک سے یہ طریق چلا آتا تھا کہ قادیان میں کوئی عام درس بغیر اجازت نہیں ہوتا تھا۔

اسی طریق کے مطابق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۴ جولائی ۱۹۳۰ء کو اعلان فرمایا کہ کوئی شخص اجتماعی جگہوں جیسے مساجد' مدارس' دفاتر' اور مہمانخانہ وغیرہ میں پبلک درس نہ دے۔ کیونکہ ایسی جگہوں پر جو درس دیا جائے یا وعظ کیا جائے سلسلہ پر اسکی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور ایسی ذمہ داری اجازت کی شرط لگانے کے بغیر نہیں اٹھائی جا سکتی۔ ۴۴

مسلمان ریاستوں کی اصلاح و ترقی کا خیال

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو ابتدا ہی سے مسلمان ریاستوں کی ترقی و

بہبود کا خیال رہا ہے چنانچہ اس سال ریاست رامپور نے حضرت مولوی ذوالفقار علی خان صاحب ناظر اعلیٰ کی خدمات حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ کی ضرورت کے باوجود انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ ۷۵ اور ۱۰ اگست ۱۹۳۰ء کو ان کی الوداعی دعوت میں فرمایا:۔

"مسلمان ریاستوں کی ہستی یادگار ہے اس اسلامی شان و شوکت کی جو ہندوستان میں قائم تھی اور یادگار ہے اس زمانہ کی جب مسلمانوں کو خدا نے ہندوستان کی حکومت دی تھی۔اسی طرح ہر ہندو ریاست یادگار ہے مسلمانوں کی غلط پالیسی اختیار کرنے کی۔ہر مسلمان ریاست کی ہستی یاد دلاتی ہے کہ تمہیں خدا نے اس ملک کی حکومت دی تھی اور یہ بھی قابل قدر چیز ہے مگر افسوس کہ یہ آثار بھی مٹ رہے ہیں۔گو اسلامی ریاستیں اسلامی شان و شوکت کی قائم مقام نہیں مگر اسلامی حکومت کی یادگار ضرور ہیں اور مسلمانوں کو بتاتی ہیں کہ یہ ملک تمہارا اور تمہارے باپ دادوں کا تھا اور اس کے جو نشان ہم پر اثر انداز ہوتے ہیں وہ ہمارے اندر زندگی اور تازگی پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں پس میں جہاں تک سمجھتا ہوں اسلامی ریاستوں کے مٹنے سے وہ تعلقات جو مسلمانوں کو زمانہ ماضی سے ہیں کمزور ہو جائیں گے اس لئے مجھے ہمیشہ اسلامی ریاستوں کی اصلاح اور ترقی کا خیال رہتا ہے اور اگر کسی ریاست میں کسی احمدی کے جانے کا موقع ہو تو خیال آتا ہے شاید اسی کے ذریعہ اس ریاست کی حفاظت کا کوئی سامان پیدا ہو جائے۔یا شاید یہی اس کی نجات کا ذریعہ بن جائے۔اسی وجہ سے باوجود اس کے کہ میں ریاست کی ملازمت کو زیادہ اچھا نہیں سمجھتا۔خیال آتا ہے کہ احمدی وہاں جائیں اور کام کریں شاید خدا تعالیٰ ان کے ذریعہ ان ریاستوں کی اصلاح کر دے۔اور والیان ریاست جن کے دل اس درد سے خالی ہیں جو قومی درد ہوتا ہے وہ بھی درد محسوس کرنے لگیں۔اور شاید انہیں خیال آئے کہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس کی پوری طرح حفاظت کریں اس لئے نہیں کہ اپنے نفسوں پر خرچ کریں یا اپنے بال بچوں پر خرچ کریں۔بلکہ اس لئے کہ اسلام کے لئے مفید ثابت ہو مسلمانوں کی اصلاح اور ترقی کے کام آئے ان کی بہتری اور بھلائی کا ذریعہ بنے اس لئے میں نے خان صاحب کو جانے کی اجازت دی ہے"۔ ۷۶

ڈھاکہ اور ضلع حصار کے مسلمانوں پر مظالم اور احمدیوں کو عملی امداد کی ہدایت

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹۲۷ء کے فسادات لاہور کو دیکھ کر مسلمانوں کو تحریک اتحاد کی دعوت دی تھی جس کا مسلمانوں پر گہرا اثر ہوا تھا مگر اس کے بعد بعض لوگوں نے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی اور بالآخر اس تحریک کو بہت ضعف پہنچا۔۱۹۳۰ء کے وسط میں ڈھاکہ اور حصار کے مسلمان ہندوؤں کے تختہ مشق بنائے جانے

لگے تو اس تحریک کی پھر ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ حضور نے ۸ اگست ۱۹۳۰ء کو احمدیوں سے ارشاد فرمایا کہ وہ اس طرح عملی طور پر مسلمانوں کے مصائب میں ان کے شریک ہوں کہ وہ محسوس کریں کہ یہ مصیبت احمدیوں پر آئی ہے اس طرح ان کا نمونہ دیکھ کر دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں بھی اپنے بھائیوں کے لئے غیرت اور بیداری پیدا ہو جائے اور وہ بھی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ ۷۷

ڈھاکہ کے مسلمانوں کی امداد کے لئے لفٹنٹ خواجہ حبیب اللہ صاحب نواب ڈھاکہ کی صدارت میں ایک مسلم ریلیف کمیٹی قائم ہوئی جسے حضور نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور دو سو روپیہ مظلوموں کی امداد کے لئے ارسال فرمایا۔ ۷۸

شعار اسلامی کی پابندی کا تاکیدی ارشاد

۳ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے شعار اسلامی (داڑھی) کی پابندی کی طرف پر زور توجہ دلائی چنانچہ فرمایا:- "احباب کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو شعائر اسلامی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عادی بنائیں کیا یہ کوئی کم فائدہ ہے کہ ساری دنیا ایک طرف جا رہی ہے اور ہم کہتے ہیں ہم اس طرف چلیں گے جس طرف محمد رسول اللہ ﷺ لے جانا چاہتے ہیں اس سے دنیا پر کتنا رعب پڑے گا دنیا رنگا رنگ کی دلچسپیوں اور ترغیبات سے اپنی طرف کھینچ رہی ہو مگر ہم میں سے ہر ایک یہی کہے کہ میں (اس) راستہ پر جاؤں گا جو محمد رسول اللہ ﷺ کا تجویز کردہ ہے تو لازماً دنیا کہے گی کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف کوئی بات نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اس کے متبعین اس کے گرویدہ اور جانثار ہیں۔ لیکن جو شخص فائدے گن کر مانتا ہے وہ دراصل مانتا نہیں ماننا وہی ہے جو ایک دفعہ یہ سمجھ کر کہ میں جس کی اطاعت اختیار کر رہا ہوں وہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے آئندہ کے لئے عہد کر لیتا ہے کہ جو نیک بات یہ کہے گا اسے مانوں گا اور اطاعت کی اس روح کو مدنظر رکھتے ہوئے سوائے ان صورتوں کے کہ گورنمنٹ کے کسی حکم یا نیم حکم سے داڑھی پر کوئی پابندی عائد ہو جائے سب کو داڑھی رکھنی چاہئے..... مگر یہ ایسی ہی صورت ہے جیسے بیماری کی حالت میں شراب کا استعمال جائز ہے۔ اس لئے اس حالت والے چھوڑ کر باقی سب دوستوں کو داڑھی رکھنی چاہئے اور اپنے بچوں کی بھی نگرانی کرنی چاہئے کہ وہ شعائر اسلامی کی پابندی کرنے والے ہوں اور اگر وہ نہ مانیں تو ان کا خرچ بند کر دیا جائے اسے کوئی صحیح الدماغ انسان جبر نہیں کہہ سکتا... اس کا نام جبر نہیں بلکہ نظام کی پابندی ہے اور نظام کی پابندی جبر نہیں ہوتا بلکہ اس کے اندر بہت بڑے بڑے فوائد ہیں اور اس کے بغیر دنیا میں گذارہ ہی نہیں ہو سکتا"۔ ۷۹

سیرت النبیؐ کے جلسے

اس سال پھر ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو جماعت احمدیہ کے زیر انتظام اندرون و بیرون ملک میں جلسہ ہائے سیرت النبی (ﷺ) کے پرشوکت جلسے منعقد ہوئے۔ اس روز حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان میں ایک نہایت پُرمعارف تقریر فرمائی جس میں عرفان الٰہی اور محبت باللہ کے اس عالی مرتبہ پر روشنی ڈالی جس پر رسول کریم ﷺ دنیا کو قائم فرمانا چاہتے تھے۔ ۸۰

حسب دستور اس سال بھی الفضل کا خاتم النبیّین نمبر شائع ہوا جس میں حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ اور سلسلہ کے دوسرے بزرگوں کے مضامین کے علاوہ مولوی عبدالمجید صاحب سالکؔ مدیر انقلاب، سراج الحسن صاحب سراؔج لکھنوی، حکیم سید علی صاحب آشفتہ، منشی لچھمن نرائن صاحب سنہا کی نعتیں بھی شامل اشاعت تھیں۔ اس نمبر کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ اس میں بیرونی ممالک کے احمدیوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ اور سالٹ پانڈ مغربی افریقہ کے مسٹر جمال جانسن کا مضمون اور فلسطین کے مصباح الدین العابودی کی عربی نظم شائع ہوئی۔

سائمن کمیشن رپورٹ پر تبصرہ اور ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل

لارڈ ارون وائسرائے ہند رخصت پر ولایت گئے وہاں سے واپس آکر انہوں نے ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو اعلان کیا کہ ہندوستان کی منزل مقصود درجہ نو آبادیات ہے اور حکومت سیاسی ارتقاء کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے لئے ایک گول میز کانفرنس بھی منعقد کرنے کو تیار ہے اس کے سات ماہ بعد ۱۲ مئی ۱۹۳۰ء کو انہوں نے گول میز کانفرنس کی تاریخ انعقاد کا بھی اعلان کیا کہ یہ کانفرنس ۲۰ نومبر ۱۹۳۰ء کے قریب منعقد کئے جانے کی تجویز ہے اور ہندوستانی نمائندوں کو لندن میں جمع کرنے کے انتظامات بڑی سرگرمی سے عمل میں لائے جارہے ہیں اور جہاں کانگریس نے اقلیتوں کے مسائل کلیتہً نظرانداز کردیئے وہاں وائسرائے نے کانفرنس کے زیر غور مسائل میں سب سے زیادہ اہم مسئلہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت ہی قرار دیا اور کہا:-

"ہندوستان کا ارتقاء حقیقی مسائل کے حل پر منحصر ہے جن میں سب سے زیادہ اہم مسئلہ یہ ہے کہ اقلیتوں کی آئندہ پوزیشن کیا ہوگی جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ کوئی ایسا تصفیہ اطمینان بخش خیال نہیں کیا جاسکتا جو ان اہم اقلیتوں کے نزدیک مقبول نہ ہو جنھیں آئندہ دستور کے ماتحت زندگی بسر کرنی ہے اور جو ان میں حفاظت و سلامتی کا احساس پیدا کردے"۔

گول میز کانفرنس کے موقع پر مسائل اقلیت کے سلسلہ میں سائمن کمیشن کی رپورٹ کا زیرغور آنا

ناگزیر تھا۔ چنانچہ وائسرائے ہند یہ کہہ چکے تھے کہ یہ اہم سرکاری حیثیت اور پر معنی قدر و قیمت کی دستاویز ہے اور اس وقت ہندوستان کی سیاسی حالت کے مسئلہ کا ایک ایسا تعمیری حل ہے جس سے بہتر ہمارے پاس اور کوئی حل موجود نہیں۔ بنابریں حضور نے گول میز کانفرنس کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مدلل و مفصل اور جامع و مانع تبصرہ لکھا اور اس کا انگریزی ایڈیشن شائع کرا کے بذریعہ ہوائی جہاز عین اس وقت انگلستان میں پہنچا دیا جبکہ گول میز کانفرنس کی کارروائی کا آغاز ہونے والا تھا۔

اس کتاب کی تیاری میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مولوی شیر علی صاحب اور حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد نے دن رات ایک کر کے نہایت محنت اور عرق ریزی سے کام کیا اور انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ کتاب بروقت تیار ہو گئی۔ اور گول میز کانفرنس کے ممبروں کے علاوہ وزیراعظم انگلستان، وزیر ہند اور دیگر عمائد و ارکان سلطنت برطانیہ تک پہنچ گئی اور اس کے بعد ہندوستان میں بھی اعلیٰ حکام اور اسمبلی اور کونسل کے اکثر ممبروں اور ملک کے چوٹی کے سیاسی لیڈروں کو بھجوائی گئی اور بکثرت تقسیم کی گئی۔ [۸۱]

یہ تبصرہ جس میں مسلمانوں کے حقوق و مطالبات کی معقولیت پر سیر حاصل بحث کی گئی تھی۔ اور ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا نہایت معقول اور تسلی بخش حل پیش کیا گیا تھا۔ اس سے راؤنڈ ٹیبل کے مسلمان نمائندوں کو بہت تقویت پہنچی اور اس کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے پہلی بار متفقہ طور پر اپنے مطالبات کامیابی اور خوبی کے ساتھ پیش کئے اور انگلستان کے اہل الرائے لوگوں پر اس کا اس قدر گہرا اثر ہوا کہ وہ لوگ جو چند روز پہلے اس عظیم الشان ملک کو ہندوؤں کے ہاتھ میں دینے کو تیار بیٹھے تھے۔ اس غلطی سے متنبہ ہو گئے اور مسلمانوں کی ہندوستانی خصوصی حیثیت کے قائل ہو کر ان کے مطالبات کی معقولیت کا اقرار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ [۸۲]

یہ تبصرہ انگلستان اور ہندوستان دونوں حلقوں میں بہت مقبول ہوا نہایت درجہ دلچسپی اور توجہ سے پڑھا گیا اور مدبروں سیاستدانوں اور صحافیوں نے اس پر بڑے شاندار الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا۔ چنانچہ بطور نمونہ چند آراء درج ذیل کی جاتی ہیں:۔

۱۔ لارڈ ہیسٹن سابق گورنر یو۔ پی:۔ میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے امام جماعت احمدیہ کی نہایت دلچسپ تصنیف ارسال فرمائی ہے میں نے قبل ازیں بھی ان کی چند تصنیفات دلچسپی سے پڑھی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کا پڑھنا میرے لئے خوشی اور فائدے کا موجب ہو گا۔

۲۔ لیفٹیننٹ کمانڈر کینورڈی ممبر پارلیمنٹ۔ کتاب ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل کے ارسال فرمانے پر آپ کا بہت بہت ممنون ہوں میں نے اسے بہت دلچسپی سے پڑھا ہے"۔

۳۔ سر میلکم ہیلی گورنر صوبہ یو۔پی و سابق گورنر پنجاب۔ "میرے پیارے مولوی صاحب (امام مسجد لندن) اس کتاب کے لئے جو آپ نے امام جماعت احمدیہ کی طرف سے میرے نام بھیجی ہے میں آپ کا بہت ممنون ہوں میں جماعت احمدیہ کے حالات سے خوب واقف ہوں اور اس روح کو خوب سمجھتا ہوں اور قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں جسے لیکر وہ ہندوستان کے اہم مسائل کے حل کے لئے کام کر رہی ہے مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب میرے لئے مفید ہوگی اور میں اسے نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھوں گا"۔

۴۔ مسٹر ڈبلیو۔پی۔ بارٹن۔ میں جناب کا امام جماعت احمدیہ کی تصنیف کردہ کتاب کے ارسال کرنے پر شکریہ ادا کرتا ہوں یہ ایک نہایت دلچسپ تصنیف ہے میرے دل میں اس بات کی بڑی وقعت ہے کہ مجھے اس کے مطالعہ کا موقع ملا ہے"۔

۵۔ مسٹر آر۔ای ہالینڈ (انڈیا آفس)۔ جناب کے کتاب ارسال فرمانے کا بہت بہت شکریہ میں نے اسے بہت دلچسپ پایا ہے اور اس سے فائدہ اٹھایا ہے"۔

۶۔ سر ہون اولمر۔ "اس چھوٹی سی کتاب کے ارسال کے لئے جس میں مسئلہ ہند کے حل کے لئے امام جماعت احمدیہ کی تجاویز مندرج ہیں۔ میں تہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں سائمن کمیشن کی تجاویز پر یہی ایک مفصل تنقید ہے جو میری نظر سے گزری ہے میں ان تفصیلات کے متعلق کچھ عرض نہ کروں گا جن کے متعلق اختلاف رائے ایک لازمی امر ہے لیکن میں اس اخلاص، معقولیت اور وضاحت کی داد دیتا ہوں جس سے کہ ہز ہولی نس (امام جماعت احمدیہ) نے اپنی جماعت کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور میں ہز ہولی نس (حضرت اقدس۔ ناقل) کی...بلند خیالی سے بہت متاثر ہوا ہوں"۔

۷۔ لارڈ کریو سابق وزیر ہند۔ "لارڈ کریو مسئلہ ہند پر امام جماعت احمدیہ کی تصنیف کردہ کتاب کے ارسال کے لئے امام مسجد لندن کے بہت ممنون ہیں انہوں نے یہ کتاب دلچسپی سے پڑھی ہے"۔

۸۔ سر ای گیٹ۔ "میں کتاب ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل کے ارسال کرنے پر نہایت شکر گزار ہوں اور اسے نہایت دلچسپی سے پڑھ رہا ہوں"۔

۹۔ سر گریہم بوور۔ "میں مسئلہ ہند پر آپ کی ارسال کردہ کتاب کے لئے آپ کا بہت ممنون ہوں اور اسے نہایت دلچسپی سے پڑھوں گا گول میز کے مندوبین نے ابتداء تو بہت اچھی کی ہے یوں تو میرا خیال ہے کہ فیڈرل سسٹم کو سبھی پسند کرتے ہیں لیکن تفاصیل کے متعلق دقتیں ہیں مثلاً ہندوستان کی فوجی اقوام اکثر مسلمان ہیں۔ اور ہندی افواج میں اعلیٰ ترین رجمنٹیں مسلمانوں کی ہیں تو کیا یہ تجویز ہے کہ انگریز افسروں کی بجائے ہندی افسر مقرر کر دیئے جائیں؟ میرا خیال ہے کہ ایسا نظام چل نہ سکے گا یہی میری رائے پولیس کے متعلق ہے فوج اور پولیس کا سوال ظاہرا تو بہت آسان ہے لیکن عملاً اتنا آسان

نہیں میں یہ کتاب سر جیمز۔ آر۔ انز۔ سابق چیف جسٹس جنوبی افریقہ کو بھیجوں گا اور اگر آپ اجازت دیں تو میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ اخبار کیپ ٹائمز کے ایڈیٹر کو اس کا دیباچہ شائع کرنے پر آمادہ کریں۔

جنوبی افریقہ میں یہودیوں کا بڑا اثر ہے اور ریاستہائے متحدہ کے یہودیوں کے علاوہ دوسرے درجہ پر صیہون فنڈ میں چندہ دینے والے یہیں کے یہودی ہیں۔ یہی صیہونی تحریک انہیں مسلمانوں کا دشمن بنائے ہوئے ہے یورپین لوگ خاص کر انگریز مسلمانوں کے حق میں ہیں اس لئے میرا جی چاہتا ہے کہ اخبار کیپ ٹائمز ہز ہولی نس کی اس تصنیف کا دیباچہ شائع کرے"۔

۱۰۔ سر جان کر۔ "کتاب ہندوستان کے سیاسی مسائل کا حل کی ایک جلد ارسال فرمانے کے لئے میں آپ کا بہت ممنون ہوں۔ اور میں اسے بہت دلچسپی سے پڑھ رہا ہوں"۔

۱۱۔ لارڈ ڈارلنگ۔ "لارڈ ڈارلنگ امام مسجد لنڈن کی طرف سے مسئلہ ہند کے متعلق کتاب پاکر بہت شکر گزار ہیں انہیں یقین ہے کہ اس کتاب سے انہیں بہت سی کار آمد معلومات اور تنقید ملے گی"۔

۱۲۔ سر جیمز ڈاکر۔ "مجھے ایک جلد ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل مصنفہ جناب امام جماعت احمدیہ ملی ہے میں اس کے لئے آپ کا بہت مشکور ہوں۔ میں نے اس کے بعض جستہ جستہ مقامات دیکھے ہیں مجھے یقین ہے کہ یہ تصنیف قابل دید ہوگی"۔

۱۳۔ میجر آر۔ ای۔ فشری۔ بی۔ ای۔ "آپ نے ازراہ کرم مجھے مسئلہ ہند پر امام جماعت احمدیہ کی تصنیف کردہ کتاب ارسال فرمائی اس کا شکریہ مجھ پر واجب ہے میں اسے بڑی دلچسپی سے پڑھ رہا ہوں مجھے ہندوستان اور دوسرے ممالک میں جو تجارب حاصل ہوئے ہیں ان کی بناء پر آپ کے مقاصد سے ہمدردی ہے۔

بطور ممبر انڈین ایمپائر سوسائٹی کے میں یقیناً ہمیشہ اس بات کا حامی رہوں گا کہ اسلام کے متعلق جو برطانیہ کی ذمہ داری ہے وہ ہماری قوم کے اعلیٰ ترین اخلاقی فرائض میں سے ہے۔

میں نے اپنی زندگی کے بہت سے سال مسلمانوں میں رہ کر گزارے ہیں وہ رواداری اور مہمان نوازی اور سخاوت جو مسلمان دوسری موحد اقوام سے برتتے ہیں اسلام کے اعلیٰ معیار تعلیم کی شاہد ہے۔ ہر دو مذاہب یعنی اسلام اور عیسائیت میں ایک مجانست ہے اسلام عیسائیت کی روایات کو قدر اور عزت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس سے دونوں مذاہب میں ایک مضبوط اتحاد پیدا ہو جانا چاہئے اگرچہ میں خود عیسائی ہوں لیکن پھر بھی میں اسلامی روح کو جس نے ترقی اور تہذیب کے پھیلانے میں بڑی مدد دی ہے قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتا ہوں"۔

۱۴۔ آنریبل پیٹرسن۔ سی۔ایس۔ آئی۔ سی۔ آئی۔ای:۔ "کتاب ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل کے ارسال کا بہت بہت شکریہ مجھے ابھی تک اس کے ختم کرنے کی فرصت نہیں ملی امید ہے کہ چند دنوں میں ختم کرلوں گا لیکن جس قدر میں نے پڑھا ہے اس سے ضرور اس قدر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تصنیف موجودہ گتھی کے سلجھانے کے لئے ایک دلچسپ اور قابل قدر کوشش ہے مسلمانوں کا نقطہ نظر اس میں بہت وضاحت سے پیش کیا گیا ہے امید ہے کہ میں آپ سے جلد ملوں گا"۔

۱۵۔ لارڈ ہیلشم:۔ "میں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے وہ کتاب ارسال کی جس میں سائمن رپورٹ کے متعلق مسلمانوں کی رائے درج ہے میں اس بات کی اہمیت کو خوب سمجھتا ہوں کہ سائمن رپورٹ کو خالی الذہن ہو کر پڑھنا بہت ضروری ہے اور اسے ناحق ہدف ملامت بنانا یا غیر معقول مطالبات پیش کرنا درست نہیں اس لئے مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہے کہ مجھے اس کے متعلق ہندوستان کے ایک ذمہ دار طبقہ کی رائے پڑھنے کا موقع ملا ہے"۔

۱۶۔ لارڈ سڈنہم:۔ میں اس بات کا بہت شکرگزار ہوں کہ آپ نے مہربانی فرماکر مجھے جماعت احمدیہ کے خیالات سے جو ہز ہولی نس نے بڑی خوبی سے بیان فرمائے ہیں آگاہ ہونے کا موقع دیا ہے میں نے دیکھا کہ ہز ہولی نس اس خیال سے متفق ہیں کہ ہندوستان ابھی درجہ نو آبادیات کے لائق نہیں۔ اور یہ کہ بہت سے دوسرے مبصرین کی طرح ہز ہولی نس بھی اس خیال کے ہیں کہ انگریزی Democracy کے نمونہ پر ہندوستان کی حکومت ہونی چاہئے مگر شاید انہیں یہ پتہ نہیں کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کا پریذیڈنٹ اپنے وزراء خود چنتا ہے اور یہ وزراء اس کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں تاہم ملک کی کانگریس کے سامنے فیڈرل نظام پر عمل درآمد کرنے میں بعض خاص دقتیں ہیں اضلاع متحدہ امریکہ کو چار سال کی جنگ اور دس لاکھ آدمیوں کی جانوں کی قربانی کے بعد یہ درجہ ملا تھا۔ فی الحال جیسا کہ سائمن کمیشن کی رائے ہے ہندوستان فیڈرل حکومت کے قابل نہیں ہوا۔ کبھی ہندوستان کے سے حالات میں کسی ملک میں فیڈرل حکومت قائم نہیں ہوئی۔ فیڈریشنیں قدرتی طور پر خود بخود بن جایا کرتی ہیں جب لوگ ان کے لئے تیار ہوں۔

ہندوستان کو جو بہت کافی حد تک حکومت خود اختیاری دی جاچکی ہے اس پر جو کچھ بغیر کسی کے خطرہ کے متزاد کیا جاسکے اس میں دریغ نہیں ہونا چاہئے لیکن میرے خیال میں سب سے اہم معاملہ پبلک کی بہبود کا ہے"۔

برطانیہ کا مشہور ترین اخبار ٹائمز آف لنڈن مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۳۰ء کے نمبر میں فیڈرل آئیڈیل کے عنوان کے ماتحت ایک نوٹ کے دوران میں لکھتا ہے کہ:۔

"ہندوستان کے مسئلہ کے متعلق ایک اور ممتاز تصنیف (مرزا بشیر الدین محمود احمد) خلیفۃ المسیح امام جماعت احمدیہ کی طرف سے شائع ہوئی ہے"۔

۱۷۔ ایل۔ایم۔ایمری۔ مشہور ممبر کنزرویٹو پارٹی:۔ "میں نے یہ کتاب بڑی دلچسپی سے پڑھی ہے اور میں اس روح کو جس کے ساتھ یہ کتاب لکھی گئی ہے اور نیز اس محققانہ قابلیت کو جس کے ساتھ ان سیاسی مسائل کو حل کیا گیا ہے نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں"۔

انگلستان کے سیاستدانوں کی آراء درج کرنے کے بعد ہندوستان کے مسلم زعماء اور اسلامی پریس کے تبصرے درج کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ سر مرزا محمد اسماعیل بیگ صاحب دیوان ریاست میسور۔ "سر مرزا آپ کی کتاب پاکر بہت ممنون ہیں اور اسے بہت دلچسپی سے پڑھیں گے علی الخصوص اس وجہ سے کہ وہ آپ کی جماعت کے امام سے ذاتی واقفیت رکھتے ہیں"۔ آپ کا صادق آئی۔ایم۔ایس۔ سیکرٹری۔

۲۔ جناب اے۔ایچ غزنوی آف بنگال:۔ "کتاب ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل" کے لئے مسٹر اے۔ایچ غزنوی مولوی فرزند علی صاحب کے بہت ممنون ہیں انہوں نے اس کتاب کو بہت دلچسپ پایا ہے"۔

۳۔ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب آف علی گڑھ:۔ "میں نے جناب کی کتاب نہایت دلچسپی سے پڑھی میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کی یورپ میں بہت اشاعت فرمائیں ہر ایک ممبر پارلیمنٹ کو ایک ایک نقل ضرور بھیج دی جائے اور انگلستان کے ہر مدیر اخبار کو بھی ایک ایک نسخہ ارسال فرمایا جائے اس کتاب کی ہندوستان کی نسبت انگلستان میں زیادہ اشاعت کی ضرورت ہے جناب نے اسلام کی ایک اہم خدمت سرانجام دی ہے"۔

۴۔ سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون صاحب ایم۔ایل۔اے کراچی:۔ "میری رائے میں سیاست کے باب میں جس قدر کتابیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں ان میں کتاب "ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل" بہترین تصانیف میں سے ہے"۔

۵۔ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال لاہور۔ تبصرہ کے چند مقامات کا میں نے مطالعہ کیا ہے نہایت عمدہ اور جامع ہے"۔

۶۔ اخبار انقلاب لاہور (مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۳۰ء) جناب مرزا صاحب نے اس تبصرہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے یہ بڑی بڑی اسلامی جماعتوں کا کام تھا جو مرزا صاحب نے انجام دیا"۔

۷۔ اخبار سیاست لاہور (مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۳۰ء) "مذہبی اختلافات کی بات چھوڑ کر دیکھیں تو جناب بشیر الدین محمود احمد صاحب نے میدان تصنیف و تالیف میں جو کام کیا ہے وہ بلحاظ ضخامت و افادہ ہر تعریف کا مستحق ہے اور سیاست میں اپنی جماعتوں کو عام مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو چلانے میں آپ نے جس اصول عمل کی ابتدا کر کے اس کو اپنی قیادت میں کامیاب بنایا ہے وہ بھی ہر منصف مزاج مسلمان اور حق شناس انسان سے خراج تحسین وصول کرکے رہتا ہے آپ کی سیاسی فراست کا ایک زمانہ قائل ہے اور نہرو رپورٹ کے خلاف مسلمانوں کو مجتمع کرنے میں سائمن کمیشن کے روبرو مسلمانوں کا نقطہ نگاہ پیش کرنے میں مسائل حاضرہ پر اسلامی نقطہ نگاہ سے مدلل بحث کرنے اور مسلمانوں کے حقوق کے استدلال سے مملو کتابیں شائع کرنے کی صورت میں آپ نے بہت ہی قابل تعریف کام کیا ہے زیر بحث کتاب سائمن رپورٹ پر آپ کی تنقید ہے جو انگریزی زبان میں لکھی گئی ہے۔ جس کے مطالعہ سے آپ کی وسعت معلومات کا اندازہ ہوتا ہے آپ کا طرز بیان سلیس اور قائل کر دینے والا ہوتا ہے آپ کی زبان بہت شستہ ہے"۔

۸۔ ایڈیٹر صاحب اخبار "ہمت" لکھنؤ (مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۳۰ء):۔ ہمارے خیال میں اس قدر ضخیم کتاب کا اتنی قلیل مدت میں اردو میں لکھا جانا انگریزی میں ترجمہ ہو کر طبع ہونا۔ اغلاط کی درستی' پروف کی صحت اور اس سے متعلق' سینکڑوں دقتوں کے باوجود تکمیل پانا۔ اور فضائی ڈاک پر لندن روانہ کیا جانا۔ اس کا بین ثبوت ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایک ایسی جماعت ہے جو اپنے نقطہ نظر کے مطابق اپنے فرائض سمجھ کر وقت پر انجام دیتی ہے اور نہایت مستعدی اور تندہی کے ساتھ۔

غرضیکہ کتاب مذکورہ ظاہری اور باطنی خوبیوں سے مزین اور دیکھنے کے قابل ہے"۔ [۸۳]

کتاب "ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل" پر مزید تبصرے

DIL KUSHR, TEMPLE ROAD L HORE. ۱۰ نومبر ۱۹۳۰ء

مکرمی جناب تقدس مآب مرزا صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

عنایت نامہ آج ہی ملا اور اس کے ساتھ آپ کی انگریزی کتاب جس میں ہندوستان کی سیاسی مشکلات کا حل آپ نے لکھا ہے میں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے اپنے قیمتی خیالات سے مستفید ہونے کا موقع دیا۔ میں کتاب کو شوق سے پڑھوں گا۔ اور شوق سے کسی وقت تبادلہ خیالات کے موقع کا

منتظر رہوں گا۔ آپ نے واقعی بڑی ہمت کی ہے اس تھوڑے وقت میں اس اہتمام کے ساتھ کتاب لکھ کراور ترجمہ کرا کے ممبران گول میز کانفرنس اور دیگر اکابر انگلستان کے پاس اپنی رائے پہنچادی ہے۔

مجھے بھی شملہ پر آپ سے نہ مل سکنے کا افسوس رہا۔ خدا نے چاہاتو اب لاہور میں ملاقات ہوگی آپ سرما میں ایک آدھ مرتبہ تو تشریف لایا کرتے ہیں۔ جب تشریف لائیں تو مجھے بھی اطلاع ہو جائے تاکہ کہیں مل بیٹھنے کا بندوبست کیا جائے۔

والسلام

راقم عبدالقادر

نحمدہ ونصلی! پانی پت۔ فیض منزل

۶ شوال ۱۳۴۱ھ۔ چٹھی نمبر ۱۵۸۱

حضرت مرزا صاحب قبلہ سلام علیک

مزاج عالی!

جناب نے "سیاسی مسئلہ کا حل" تصنیف فرما کر مسلمانوں۔ ہندوستان حکومت پر جو احسان اور خدمت انجام دی ہے اس پر جناب کی ذات شریف مستحق مبارک باد ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جناب نے اپنے اعلیٰ منصب کا وہ فرض جو آپ پر عائد ہو تا تھا بدرجہا اولیٰ طریق پر ادا فرمایا۔ "الحمد للہ علیٰ ذالک" میں آخر میں پھر ایک مرتبہ ہدیۂ تبریک پیش کرنے کا فخر حاصل کرتا ہوں

فقط والسلام

ابو عامر اقبال احمد انصاری

فصل پنجم

حضرت مصلح موعودؓ کے حضور چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا ایک مکتوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

MODEL TOWN LAHORE

۳۰/۸/۳۰

سیدنا و امامنا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ حضور کا ملا۔ عزیز بشیر احمد آج سیالکوٹ چلا گیا ہے یکم ستمبر سے کام سیکھنے کے لئے اس کی تعیناتی وہاں ہوئی ہے۔ حضور کا والا نامہ اور میاں عبد المنان صاحب کا خط وہیں بھیج دیئے گئے ہیں۔ کراچی والے مقدمہ کے متعلق ابھی پورا وثوق نہیں ہے کہ خاکسار کو وہاں جانا ہو گا۔ اگر جانا ہوا تو یہاں عبد اللہ خاں صاحب جو مدد طلب کریں گے انشاء اللہ دریغ نہیں کروں گا۔ پہلے تو ۹ ستمبر تاریخ سماعت مقدمہ مقرر تھی۔ لیکن پرسوں کی خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے تاریخ ملتوی ہو جائے۔ بہر صورت جو بھی فیصلہ ہو گا اس کی اطلاع خدمت اقدس میں کر دوں گا۔ انشاء اللہ۔

آج گورنر صاحب کی چٹھی آئی ہے کہ وائسرائے صاحب تمہیں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے نامزد کرنا چاہتے ہیں لیکن آخری فیصلہ کرنے سے پہلے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آیا تم جا سکو گے یا نہیں۔ چٹھی اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہے۔ پتہ بھی اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے چٹھی کے شروع میں Personal and Confidential کے الفاظ ہیں۔ جواب طلب کیا ہے میں نے لکھ دیا ہے کہ میں جانے کے لئے تیار ہوں اور ہر ممکن کوشش کروں گا کہ جو مسائل زیر غور آئیں ان کا کوئی تسلی بخش حل ہو سکے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک آخری فیصلہ نہ ہو وہ نہیں چاہتے کہ نمائندگان کے ناموں کی اشاعت ہو۔ حضور دعا فرمائیں کہ اگر خاکسار کے ذمہ یہ خدمت ڈالی جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی رضا اور اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کے مطابق عمل کرنے کی بصارت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

والسلام

حضور کا غلام

خاکسار ظفر اللہ خان

گول میز کانفرنس اور محترم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی سنہری خدمات

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے سائمن کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ فرماتے ہوئے مسلمانان ہند کے جن مطالبات و حقوق پر علمی و سیاسی نقطہ نظر سے سیر حاصل روشنی ڈالی تھی۔ وہ گول میز کانفرنس [۸۶] میں اکثر و بیشتر مسلم زعماء کی بحث کا مرکز رہے۔ اور انہوں نے اپنی اپنی اہلیت کے مطابق برطانوی نمائندوں کے سامنے ان کی ضرورت واہمیت واضح کی مگر اس کی بہترین اور شاندار وکالت کا حق چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے ادا کیا جو دیگر پہلے کانفرنس کی طرح اس کانفرنس میں بھی حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی زبان بن گئے۔

کانفرنس میں کونسے پیچیدہ مسائل در پیش تھے کس طرح ان پر غور و بحث کے لئے کارروائی ہوئی اور چوہدری صاحب نے اس میں کیا کیا کام کیا اس کا محض سرسری سا اندازہ کرنے کے لئے ذیل میں چوہدری صاحب موصوف کے بعض ان خطوط کے بعض اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔ جو کانفرنس کے سلسلہ میں آپ وقتاً فوقتاً اپنے آقا و مرشد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں لکھتے تھے یہ خطوط مسلمانان ہند کی سیاسی جدوجہد کی مستند ترین دستاویز ہیں۔

مکتوب از لاہور ۳۰ اگست ۱۹۳۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم سیدنا وامامنا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آج گورنر صاحب کی چٹھی آئی ہے کہ وائسرائے صاحب تمہیں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے نامزد کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن آخری فیصلہ کرنے سے پہلے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آیا تم جاسکو گے یا نہیں... میں نے لکھ دیا ہے کہ میں جانے کے لئے تیار ہوں..... حضور دعا فرمائیں کہ اگر خاکسار کے ذمہ یہ خدمت ڈالی جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی رضا اور مسلمانوں کی بہتری کے مطابق عمل کرنے کی بصارت اور توفیق عطا فرمائیں۔ والسلام۔

حضور کا غلام ظفر اللہ خاں

مکتوب از لنڈن ۱۲ نومبر ۱۹۳۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم سیدنا وامامنا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ "گول میز کانفرنس کا افتتاح ملک معظم نے کیا تقریریں وغیرہ کل ہی ہندوستان میں بھی شائع ہو جائیں گی یہ کارروائی تو محض نمائشی تھی اصل اجلاس

۱۷ سے شروع ہونگے البتہ ۱۶ نمائندگان کی ایک ضابطہ کمیٹی قائم کی گئی ہے جس کے اجلاس آج سے شروع ہو گئے ہیں تاکہ کانفرنس کا پروگرام تیار کیا جائے ان ۱۶ میں سے ۳ برطانوی نمائندے ہیں ۵ ریاستوں کے ۸ برطانوی ہند کے ان ۸ میں سے ۲ مسلمان ایک یورپین ایک سکھ ۴ ہندو جن کے نام یہ ہیں۔ سپرو۔ جے کار۔ شاستری [۸۵]۔ بھوپندر ناتھ متر۔ سکھ سردار اجل سنگھ۔ یورپین سرہیوبرٹ کار۔ مسلمان شفیع اور جناح۔ ان کے نام بھی آج کی کارروائی میں شائع ہو جائیں گے "Royal EmpireSociety" کی طرف سے ایک تبصرہ سائمن کمیشن کی رپورٹ پر شائع ہوا ہے جس میں سے قابل تذکرہ یہ بات ہے کہ ان کی سفارش ہے کہ قریباً تمام ملک کو اس طرح پر ووٹ دے دیئے جائیں کہ ۲۰۔۲۰ کے حلقے قائم ہو جائیں۔ اور یہ ۲۰ ایک ووٹر انتخاب کریں اس صورت میں ہر قوم کی تعداد آراء کے لحاظ سے آبادی کے مطابق ہو سکتی ہے یہ بھی سفارش ہے کہ تعلیم یافتہ لوگوں کو انفرادی طور پر بھی رائے دہندگی کا حق دیا جائے ان کی رپورٹ صوبجات میں سرکاری وزیر کے مخالف ہے۔ [۸۶]

مکتوب از لنڈن ۱۹ نومبر ۱۹۳۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم سیدنا و امامنا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کانفرنس کے جنرل اجلاس ہو رہے ہیں ان کی رپورٹیں اخباروں میں چھپ [۸۷] رہی ہوں گی حضور کے ملاحظہ سے گذری ہوں گی مسلمان ممبران اپنے مطالبات پر متحد ہیں، ہندوؤں سے کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا۔ سمجھوتے کی افواہیں اخباروں میں بالکل غلط تھیں۔ گفتگو ہوتی رہی ہے۔ وہ اپنی جگہ پختہ ہیں ہم اپنی جگہ۔ کانفرنس میں یہ سوالات کمیٹیوں میں پیش ہوں گے اور یہ کمیٹیاں سوائے پہلی کمیٹی کے جو عام ڈھانچہ دستور آئین کا تیار کرے گی آئندہ ہفتہ کے آخر میں غالباً بنائی جائیں گی۔

مسلمانوں کے مطالبات وہی ہیں جو حضور کی کتاب میں درج ہیں اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ بنیادی حقوق دستور آئین میں درج ہونے چاہئیں اور اگر ان کی خلاف ورزی کی گئی تو عدالت کو دست اندازی کا اختیار ہونا چاہئے..... والسلام حضور کا غلام خاکسار ظفر اللہ خان

مکتوب از لنڈن ۲۵ دسمبر ۱۹۳۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم سیدنا و امامنا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لبرل ہندوؤں اور مسلمان نمائندگان کے قائم مقاموں کے درمیان پھر سمجھوتہ کے لئے گفتگو جاری ہے گفتگو کی بناء جداگانہ حلقہ ہائے نیابت پر ہے کیونکہ مسلمانوں نے مشترکہ انتخابات کو تسلیم کرنے سے قطعی انکار کر دیا ہے چھ صوبجات کا جھگڑا بھی نہیں کیونکہ وہاں صورت یہ ہے کہ موجودہ حق نیابت اور جداگانہ انتخابات قائم ہیں صرف پنجاب اور بنگال کا جھگڑا ہے بنگال میں تو مسلمانوں کو تمام کونسل کی کثرت ملنی ناممکن ہے کیونکہ یورپینوں کا حق

نیابت غالباً گیارہ فیصد تسلیم کیا جائیگا باقی ۸۹ فیصدی میں سے ۵۱ مسلمانوں کو کسی صورت میں نہیں مل سکتا کیونکہ اس طرح ہندوؤں کی نیابت ان کی آبادی کی نسبت سے بھی کم ہو جاتی ہے موجودہ کونسل میں تمام ممبران میں سے ۲۵ فیصدی مسلمان ہیں پنجاب میں زیادہ سے زیادہ ۵۱ فیصدی تسلیم ہو سکے گا کیونکہ زیادہ رخ اس طرف ہے کہ حکومت ہند کی سفارش اس معاملے میں تسلیم کرلی جائے اور ان کی ایک سفارش یہ ہے کہ پنجاب میں ۴۹ فیصدی کے قریب مسلمانوں کو جداگانہ نیابت سے مل جائے اور کوئی دو فیصدی کے قریب مشترک نشستوں میں سے۔ مثلاً تمنداروں کی نشست اور بڑے زمینداروں کی نشستوں میں سے آئندہ آبادی کی نسبت بڑھنے کا اصول تسلیم کرانا مشکل ہے کیونکہ برلس ۸۸ یہ اصول پیش کرتے ہیں کہ فہرست رائے دہندگان میں مسلمانوں کا تناسب آبادی کے مطابق کر دینا چاہئے اور اگر وہاں تناسب ٹھیک ہو جائے تو جس قدر آبادی میں تناسب بڑھے گا۔ فہرست رائے دہندگان میں بھی بڑھ جائے گا اور اس صورت میں بڑھتی نسبت کے ساتھ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ مشترکہ انتخاب کی طرف آئیں نہ کہ اور زیادہ علیحدہ انتخابات پر قائم ہونے چاہئیں۔ اور ان کی کثرت بھی بڑھتی جائے۔

باقی مسلمان مطالبات کو وہ تسلیم کرتے ہیں مذہبی امور کے متعلق حفاظتی اصول نہایت وسیع الفاظ میں ہے فیڈرل سسٹم کو بھی ابھی تک تو تسلیم کیا جارہا ہے دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے اگر آپس میں کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ تو قدامت پسند اور لبرل گروہوں کے انگریز نمائندگان تو غالباً مسلم مطالبات کے ساتھ اظہار ہمدردی کریں گے لیکن لیبر والے اگر مخالفت نہیں کریں گے تو ان کی طبیعت مخالفت کی طرف ضرور مائل ہوگی۔

سکھوں کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اگر پنجاب میں مسلمانوں کی کثرت قانوناً کر دی گئی تو خانہ جنگی ہو جائے گی۔ گو اس تقریر کا اثر سکھوں کے لئے مفید نہیں ہوگا۔ اقلیتوں کی کمیٹی کا ایک اجلاس پرسوں ہوا تھا۔ آئندہ اجلاس ۳۱ کو ہوگا۔ اگر کوئی سمجھوتہ ممکن ہوا تو اس دن تک ہو چکا ہوگا۔ ممکن ہے کہ کانفرنس کے اجلاس وسط جنوری یا تیسرے ہفتہ میں ختم ہو سکیں۔ اس صورت میں خاکسار وسط فروری کے قریب انشاء اللہ واپس پہنچ سکے گا۔ والسلام حضور کا غلام۔ خاکسار ظفر اللہ خان"۔

مکتوب از لنڈن ۲ جنوری ۱۹۳۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سیدنا و امامنا! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ فرنٹیر کمیٹی نے کل رپورٹ کر دی ہے کہ صوبہ سرحدی کی کونسل میں ۶۵ فیصدی منتخب شدہ ممبر اور ۳۵ فیصدی نامزد شدہ ہوں نامزد شدہ میں سے ۲۰ فیصدی سے زائد سرکاری ممبر نہ ہوں۔ بعض محکمہ جات جو دیگر صوبجات میں صوبجاتی ہوں گے اس صوبہ میں مرکزی ہوں گے دو وزراء دونوں غیر سرکاری جن میں سے ایک ضرور منتخب شدہ ہو۔

گورنر حکومت کا ذمہ دار اور وزارت میں شامل ہو گا۔ گویا ڈھانچہ مل گیا ہے گو گورنر کے اختیارات کچھ زائد ہوں گے مسودہ رپورٹ میں یہ تھا کہ ہندوؤں سکھوں کی تعداد سے دگنی نیابت ملے گی ڈاکٹر مونجے لگا کہنے کہ مسلمانوں کو فلاں میں اتنا ملا ہوا ہے فلاں میں اتنا۔ مسلمانوں نے درمیان میں ہی کہہ دیا کہ اچھا تعداد سے تین گنا لے لو اس کا بہت اچھا اثر ہوا۔

اقلیتوں کی کمیٹی میں لبرل ہندوؤں کی طرف سے مختلف باتیں پیش کی گئی ہیں۔ یہاں تک بھی کہہ دیا گیا ہے کہ اگر تم جداگانہ نیابت ترک نہیں کر سکتے تو پھر ہم تمہیں مجبور نہیں کرتے لیکن تعداد کے لحاظ سے نہ لبرل ۵۱ فیصدی سے آگے بڑھیں گے نہ انگریز کیونکہ سکھوں کو بھی وہ زائد دینا چاہتے ہیں۔ آئندہ اجلاس ۶ جنوری کو ہو گا۔ کل اور پرسوں سر محمد شفیع نے خوب اچھی طرح مسلم مطالبات کو پیش کیا۔ ۶ کو شاید مجھے بھی کچھ کہنے کا موقعہ ملے۔ آجکل میں پانچ کمیٹیوں میں کام کر رہا ہوں کل صبح ساڑھے دس بجے سے لیکر شام ساڑھے گیارہ بجے تک متواتر کمیٹیوں کے اجلاسوں میں بیٹھنا پڑا اور تمام نمائندگان کانفرنس میں سے صرف میں ایک تھا جو ہر اس کمیٹی میں شامل تھا جس کا اجلاس کل ہوا آجکل کام بہت تیزی سے ہو رہا ہے کیونکہ وقت بہت تنگ ہے میں انشاء اللہ ۲۳ یا ۳۰ جنوری (غالباً ۳۰) کو مارسیلز سے جہاز پر سوار ہوں گا اور ۸ یا ۱۵ (غالباً) ۱۵ فروری کی شام کو بفضل اللہ لاہور پہنچ سکوں گا۔

خان صاحب [۸۹] اب تو خوب کام کر رہے ہیں کچھ دلچسپی بھی پیدا ہو گئی ہے اور کام کی تفاصیل کے ساتھ واقفیت بھی اس سے ان کا حوصلہ بھی بڑھ گیا ہے۔ والسلام۔ حضور کا غلام خاکسار ظفر اللہ خاں"۔

مکتوب از لنڈن ۲۵ ستمبر ۱۹۳۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم سیدنا و امامنا! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ۱۸ ستمبر جمعہ کے دن خاکسار کو وزیر ہند نے انڈیا آفس میں گفتگو کرنے کے لئے بلایا تھا۔ علاوہ مسلمانوں کے حقوق کے متعلق عام گفتگو کے آخر میں خاکسار نے کشمیر کے معاملات پر بھی انہیں توجہ دلائی اور انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ خود بھی توجہ کریں گے اور وائسرائے کو بھی توجہ دلائیں گے۔ اس امر کی طرف اور اس کے اغلب نتائج کی طرف بھی توجہ دلائی۔ کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی [۹۰] کی طرف سے نواب سر ذوالفقار علی خاں اور سر محمد اقبال جیسے صاحبان کو تو جانے کی اجازت نہ دی گئی اور احرار کے جتھے کو کسی نے نہ روکا۔

اس کے بعد اطلاع ملی کہ عارضی صلح [۹۱] ہو گئی ہے اور آج خبر چھپی ہے کہ وسیع پیمانے پر فسادات ہوئے ہیں جن میں سرکاری افسران اور پولیس وغیرہ کے ۹۰-۹۵ آدمی زخمی ہوئے ہیں۔ اور اگر ان کے ۹۰-۹۵ زخمی ہوئے تو رعایا کا خون بہت بے دردی سے بہایا گیا ہو گا۔ پارلیمنٹ میں سوالات وغیرہ کے متعلق خان صاحب [۹۲] نے حضور کی خدمت میں لکھ دیا ہو گا اور خاکسار کی دوسری ا،

تقریروں، کی نقول بھی بھیج دی ہوں گی.....والسلام حضور کا غلام خاکسار ظفراللہ خاں"۔

مکتوب از لنڈن ۷ انومبر ۱۹۳۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم سیدنا وامامنا! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ "آج کانفرنس کا ابتدائی اجلاس ہے باقاعدہ اجلاس ۲۱(نومبر۔ ناقل) سے شروع ہوں گے۔ وزیر ہند اور وزیر اعظم سے مل چکا ہوں مؤخرالذکر سے تو رسمی ملاقات تھی وزیر ہند سے مفصل اور بلا تکلف گفتگو ہوئی۔ سندھ کی علیحدگی کے متعلق وہ پوری امید دلاتے ہیں مرکزی مجلس میں مسلم نمائندگی پر بھی بحث ہوئی۔ برطانوی ہند کے حصہ میں سے تیسرا حصہ تو وہ تسلیم کرتے ہیں لیکن ریاستوں کو زائد نیابت دینے سے جو پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں اس کا حل ابھی تجویز نہیں ہو سکا.....والسلام۔ حضور کا غلام خاکسار ظفراللہ خاں"۔

مکتوب از لنڈن ۲۶ مئی ۱۹۳۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم سیدنا وامامنا! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ پرسوں خاکسار.....وزیر نو آبادیات سے ملا تھا فلسطین کے معاملات پر گفتگو تھی۔ میاں سر فضل حسین صاحب نے لکھا تھا کہ چونکہ ہندوستان میں اس معاملہ پر شور ہو رہا ہے اس لئے کوشش کی جائے کہ اول حکومت کی پالیسی عربوں سے ہمدردی کی ہو اور دوسرے حکومت ہند کو اطلاع دی جائے کہ فلسطین میں کیا کیا جا رہا ہے وزیر صاحب کے ساتھ بہت سے پہلوؤں پر گفتگو ہوئی اور گفتگو کے درمیان میں مجھے خیال ہوا کہ واپسی پر میں فلسطین سے ہوتا جاؤں گفتگو کے آخر میں فلسطین کے ہائی کمشنر سے بھی ملاقات ہو گئی جو آجکل انگلستان آئے ہوئے تھے اگر حضور پسند فرمائیں تو خاکسار واپسی پر قسطنطنیہ' یروشلم وغیرہ سے ہوتا آئے اس صورت میں حضور ہدایات بھی ارسال فرمادیں۔ کہ ان ممالک میں خاکسار کن امور کی طرف توجہ کرے خصوصیت سے فلسطین میں ہائی کمشنر نے وعدہ کیا ہے کہ وہ مناسب سہولتیں بہم پہنچادیں گے تاکہ میں دیکھ لوں کہ حکومت کی کیا پالیسی ہے اور اسے کس طرح چلایا جا رہا ہے۔

۲ جون کے بعد کمیٹی [42] کا اجلاس ۱۳ جون کو ہو گا.....فی الحال کمیٹی میں صرف تمہیدی بحث ہو رہی ہے میں نے مسلمانوں کی طرف سے قریباً تمام ایسے مسائل کا ذکر کر دیا ہے جس کی زد ان پر پڑتی ہے تفصیلی بحث میں پھر ان پر زور دیا جائے گا انشاء اللہ درخواست ہے کہ حضور خاکسار کو اپنی دعاؤں میں یاد فرماتے رہیں۔ ہز ہائی نس آغا خاں' ڈاکٹر شفاعت احمد خاں اور مسٹر غزنوی تینوں نے مجوزہ ہندو مسلم سکھ معاہدہ کے خلاف اپنی رائے میاں سر فضل حسین صاحب کو میری معرفت بھجوا دی ہے۔ والسلام۔ حضور کا غلام خاکسار ظفراللہ خاں"۔

مکتوب از لنڈن ۷ ۲ جولائی ۱۹۳۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم سیدنا وامامنا! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ سیاسی اور آئینی امور کے متعلق تو انہی قیاسات کی مزید تائید ہوئی ہے جن کا ذکر خدمت اقدس میں پیشتر کر چکا ہوں سندھ کی علیحدگی کے خلاف یہاں مخالفین نے ایک مرکز قائم کر رکھا ہے جس کی طرف متواتر سرگرمی سے کوشش جاری ہے۔..... لیکن معلوم ہوا کہ کمیٹی اس سے متاثر نہیں ہوئی میں اس امر پر زور دے رہا ہوں کہ سندھ کی علیحدگی دیگر صوبجات میں نئے نظام کے اجراء کے ساتھ ہی عمل میں آجائے۔ ....."

چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کو مسلمانان ہند کی طرف سے خراج تحسین

گول میز کانفرنس اور اسکی تجاویز پر غور کرنے والی پارلیمنٹری کمیٹی کی رپورٹ ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی جسے ۱۹۳۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے پاس کر دیا۔ اور اس کا نام گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ رکھا گیا۔ جو ہندوستان میں یکم اپریل ۱۹۳۷ء سے نافذ بھی ہو گیا۔

ہندوستان کے اس جدید آئین اساسی میں مسلمانوں کے کم و بیش تمام مطالبات منظور کر لئے گئے جداگانہ انتخاب بدستور قائم رہا۔ صوبہ سرحد میں مکمل اصلاحات رائج کر دی گئیں۔ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے ایک جداگانہ صوبے کی حیثیت دے دی گئی پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت (اگرچہ بے حد قلیل) قائم ہو گئی البتہ بنگال سے متعلق مسلم مطالبہ تسلیم نہ کیا جا سکا۔ اور مسلمانوں کی آئینی اکثریت قائم نہ ہوئی۔ البتہ کانگریس کا زور وہاں بھی توڑ دیا گیا۔ اس کے علاوہ گورنروں کو اس قسم کی ہدایات جاری کر دی گئیں۔ کہ صوبائی وزارتوں میں مسلمانوں کو ایک تہائی حصہ ضرور ملنا چاہئے۔ [۴۴] اور ان کامیابیوں کا سہرا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی توجہ کے طفیل چوہدری ظفراللہ خان صاحب کے سر تھا۔ جنہوں نے کامیاب وکالت کو خیر باد کہہ کر چار سال تک اپنی لگاتار کوششیں ملک کی آئین سازی کے نقشہ میں مسلم حقوق کا رنگ بھرنے کے لئے وقف کئے رکھیں۔

اسلامی ہند کی سیاسی تاریخ میں چوہدری ظفراللہ خاں صاحب نے اسلامی حقوق کی پاسبانی و ترجمانی کا فریضہ جس خوش اسلوبی سے ادا کیا اس پر ہندی مسلمانوں نے کھلے دل سے خراج تحسین ادا کیا۔ اور سیاسی معاملات میں آپ کی بلندی فکر و اصابت رائے کا سکہ بڑے بڑے مدبران سیاست کے قلوب پر بیٹھ گیا۔ اور مسلمانوں نے آپ کی مدلل و پرزور تقریروں پیچیدہ ولاینحل مسائل میں برمحل راہنمائی نے امت مسلمہ کی شاندار خدمات کا اقرار کیا اور جب آپ لندن سے واپس آئے تو آپ کا شاندار استقبال کیا گیا [۴۵] اور ۱۹۳۴ء میں آپ آنریبل سر میاں فضل حسین صاحب کی جگہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل

کے بلا مقابلہ ممبر منتخب کر لئے گئے چوہدری صاحب کی خدمات سے متعلق کثیر شہادتوں میں سے صرف چند آراء کا پیش کرنا کافی ہو گا۔

ا۔ خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے اخبار منادی ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں آپ کی لفظی تصویر پیش کرتے ہوئے لکھا:۔

"دراز قد' مضبوط اور بھاری جسم' عمر چالیس سے زیادہ' گندمی رنگ' چوڑا چکلا چہرہ' فراخ چشم' فراخ عقل' فراخ علم اور فراخ عمل' قوم مسلمان' عقیدہ قادیانی۔ چپ رہتے ہیں اور بولتے ہیں تو کانٹے میں تول کر اور بہت احتیاط کے ساتھ پورا تول کر بولتے ہیں۔ سیاسی عقل ہندوستان کے ہر مسلمان سے زیادہ رکھتے ہیں۔ وزیر اعظم' وزیر ہند اور وائسرائے اور سب سیاسی انگریز ان کی قابلیت کے مداح ہیں اور ہندو لیڈر بھی بادل ناخواستہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا حریف تو ہے مگر بڑا ہی دانشمند حریف ہے اور بڑا ہی کارگر حریف ہے گول میز کانفرنس میں ہر ہندو اور مسلمان اور ہر انگریز نے چوہدری ظفر اللہ خاں کی لیاقت کو مانا اور کہا کہ مسلمانوں میں اگر کوئی ایسا آدمی ہے جو فضول اور بے کار بات زبان سے نہیں نکالتا۔ اور نئے زمانے کے پالیٹکس پیچیدہ کو اچھی طرح سمجھتا ہے تو وہ چوہدری ظفر اللہ ہے۔ میاں سر فضل حسین قادیانی نہیں ہیں۔ مگر وہ اس قادیانی کو اپنا سیاسی فرزند اور سپوت بیٹا تصور کرتے ہیں۔ ظفر اللہ ہر انسانی عیب سے پاک اور بے لوث ہے"۔ [۹۶]

۲۔ اخبار دور جدید لاہور (۱۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء) نے لکھا ہے:۔

"ہم آپ کی ان حالیہ مصروفیتوں اور خدمات اسلامی کو معرض بحث میں لانا چاہتے ہیں جن کے لئے آپ کو بہت بڑے ایثار سے کام لینا پڑا ہے۔ آج چار سال سے آپ اس پریکٹس پر لات مار کر جس کی آمدنی اوسطاً پانچ چھ ہزار ہے محض ملت اسلامی کی خدمات انجام دینے کی خاطر انگلستان میں بڑی تندہی کے ساتھ کام کر رہے ہیں جن کو نہ صرف پنجاب کے بلکہ تمام ہندوستان کے مقتدر اور چوٹی کے رہنماؤں نے تسلیم کیا ہے حتیٰ کہ اہل انگلستان ان کا لوہا مانے ہوئے ہیں"۔

۳۔ اخبار "انقلاب" لاہور ۱۳ جولائی ۱۹۴۱ء لکھتا ہے:۔

"سر سیموئل ہور وزیر ہند نے اپنی ایک تقریر میں اعلان کیا تھا کہ گول میز کانفرنسوں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں حل کرنے کے لئے قیمتی اور نتیجہ خیز خدمات سر محمد ظفر اللہ خاں نے سرانجام دیں"۔

۴۔ اخبار "شہباز" لاہور (۶ جولائی ۱۹۴۱ء) نے لکھا:۔

"۱۹۳۰ء میں ہندوستانی اصلاحات کے سلسلے میں لندن میں گول میز کانفرنس کے اجلاس شروع

ہوئے۔ سر محمد ظفر اللہ خاں تینوں گول میز کانفرنسوں اور ہندوستانی اصلاحات سے متعلق دونوں ایوانوں کی مشترکہ پارلیمنٹری کمیٹی کے مندوب تھے ان کانفرنسوں اور کمیٹی میں آپ نے جو شاندار خدمات سرانجام دیں ان سے ہندوستان میں اور ہندوستان سے دلچسپی رکھنے والے برطانوی حلقوں میں آپ کی شہرت میں بہت اضافہ ہو گیا۔ مشترکہ پارلیمنٹری کمیٹی کے چیئرمین لارڈ لنلتھگو تھے۔ اس کمیٹی میں سر محمد ظفر اللہ خاں نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے انہیں بے حد مقبولیت ہوئی اور انہوں نے برطانیہ کے صف اول کے بعض ممتاز مدبرین مثلاً لارڈ ہیلنگ۔ آرچ بشپ آف کنٹربری۔ سر آسٹن چیمبرلین۔ اور مارکوئیس آف سالسبری کے رشتہ دوستی سے منسلک کر دیا سر محمد ظفر اللہ خاں نے انگلستان کے ہوشیار ترین مباحث اور سیاستدان مسٹر چرچل پر زبردست جرح کی۔ مسٹر چرچل کمیٹی کے سامنے شہادت دے کر فارغ ہوئے تو سر محمد ظفر اللہ خاں سے ازراہ مزاح کہنے لگے آپ نے کمیٹی کے سامنے مجھے دو گھنٹے بہت بری طرح رگیدا ہے بااین ہمہ جب سلطنت برطانیہ بلکہ تمام مہذب دنیا کو شدید ترین خطرہ لاحق ہونے کے پیش نظر تمام سیاسی اختلافات کو بالائے طاق رکھنا پڑا تو ان دونوں کے باہم بہترین دوست بن جانے میں سر محمد ظفر اللہ خاں کی جرح حائل نہ ہو سکی۔

مشترکہ منتخب کمیٹی میں اہم خدمات سرانجام دینے کی وجہ سے لارڈ لنلتھگو (چیئرمین کمیٹی و وائسرائے ہند - ناقل)۔۔۔۔ کو آپ کا کام بنظر تعمق دیکھنے کا موقعہ مل گیا۔ سرماؤس گوائر۔۔۔۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے اصل تشکیل دہندہ میں سر محمد ظفر اللہ خاں کو کئی مواقع ان سے مل کر کام کے میسر آئے"۔ [۷۵]

۵- جناب سید حبیب صاحب ایڈیٹر اخبار "سیاست" لاہور (۱۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء) نے لکھا:-

"چوہدری صاحب بارہا مسلمانوں کی طرف سے پنجاب کونسل میں نمائندہ بن کر آئے ایک دفعہ ان کو یہ اعزاز بلا مقابلہ نصیب ہوا۔ کونسل کے اندر مسلمانوں کے عام مفاد کی نمائندگی کرتے رہے۔ سائمن کمیشن میں انہوں نے مسلم نمائندہ کی حیثیت سے کام کیا سر فضل حسین کی جگہ عارضی طور پر (وزیر) مقرر ہوئے اور گول میز کانفرنس میں مسلم نمائندہ کی حیثیت سے لئے گئے ...... چودھری صاحب نے جہاں جہاں بھی مسلمانوں کی خدمت کی وہاں ہمیشہ مفاد ملت کا خیال رکھا کسی موقع پر ان کے کسی بدترین دشمن کو بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ انہوں نے قادیانیت کو مفاد اسلام پر ترجیح دی انہوں نے لندن میں اپنا اور مسلمانوں کا نام روشن کیا۔ سر آغا خاں اور دوسرے مسلمان ان کی قابلیت' محنت' جانفشانی اور مفاد اسلام کے لئے ان کی عرق

ریزی کے مداح رہے"۔ ۹۸

۶۔ اخبار "مسلم آواز" کراچی جون ۱۹۵۲ء لکھتا ہے:

"سر ظفر اللہ خاں کے متعلق قائد اعظم (محمد علی جناح۔ ناقل) اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ظفر اللہ خاں کا دماغ خداوند کریم کا زبردست انعام ہے"۔ ۹۹

۷۔ ڈاکٹر عاشق حسین صاحب بٹالوی ڈاکٹر اقبال صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ڈاکٹر صاحب ایک سیاسی مفکر تھے۔ عملی سیاستدان نہ تھے ایک عملی سیاستدان کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب کو دو مختلف موقعوں پر کام کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ پہلا موقع اس وقت پیش آیا جب وہ ۱۹۲۷ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے اور دوسرا موقع وہ تھا۔ جب انہیں ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن جانا پڑا.... گول میز کانفرنس سے تو وہ اس قدر برگشتہ خاطر ہوئے تھے کہ استعفیٰ دے کر واپس چلے آئے۔ پنجاب لیجسلیٹو کونسل میں کامیاب ترین آدمی سر فضل حسین تھے۔ اور گول میز کانفرنس کے مسلمان مندوبین میں سب سے زیادہ کامیاب آغا خاں اور چوہدری ظفر اللہ خاں ثابت ہوئے"۔ ۱۰۰

۸۔ مقتدر مسلم اصحاب کی آراء کے بعد اب ایک ہندو نامہ نگار کا نظریہ بھی ملاحظہ ہو۔ اخبار "تیج" دہلی کے نامہ نگار نے لنڈن سے لکھا:۔

"مسلم ڈیلی گیٹوں میں چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے خاص شہرت حاصل کرلی ہے حالانکہ وہ ہمیشہ فرقہ پرستی کا راگ گاتے رہے ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنی قابلیت کے باعث سر محمد شفیع، مسٹر جناح اور ڈاکٹر شفاعت احمد خاں پر سبقت لے گئے ہیں"۔ ۱۰۱

فصل ششم

ایک جرمن سیاح قادیان میں

ایک جرمن سیاح مسٹر فریڈرک جو چین FRIEDRICH WAGER CHEM NITZ ولداخ کے راستہ سے ہندوستان آیا تھا ۲۹ نومبر ۱۹۳۰ء کو وارد قادیان ہوا اور قریباً دو ماہ تک مقیم رہا۔ مسٹر فریڈرک قادیان کے ماحول سے بہت متاثر ہوا اور اس نے اپنے تاثرات ریویو آف ریلیجنز (انگریزی) میں شائع کرائے جن کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے [107] سیاح مذکور نے لکھا:۔

قادیان میں قیام:۔ میرا ارادہ چند گھنٹے یا زیادہ سے زیادہ ایک دن قادیان میں ٹھہرنے کا تھا لیکن باوجودیکہ جب میں یہاں آیا تو میری ظاہری حالت بالکل معمولی تھی اور لمبے سفر کی وجہ سے بالکل خستہ ہو رہا تھا۔ یہاں بڑی گرم جوشی کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا گیا جو بہترین قیامگاہ اس وقت میسر تھی وہ میرے لئے تجویز کی گئی۔ اور جلدی ہی مجھے کم از کم ایک ہفتہ ٹھہرنے کی دوستانہ دعوت دی گئی اس وجہ سے مجھے اپنا پروگرام منسوخ کر کے یہاں ایک ہفتہ ٹھہرنا پڑا۔ بعد میں متواتر اصرار پر مجھے اپنا قیام اس قدر لمبا کرنا پڑا۔ کہ میں یہاں قریباً سات ہفتہ ٹھہرا۔ اس طرح مجھے جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ دیکھنے کا بھی موقع مل گیا۔ جس میں ملک کے ہر حصہ سے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ اس جلسہ سے متعلق میں نہایت اعلیٰ رائے رکھتا ہوں

عیسائی محققین اور قادیان:۔ یقیناً بہت سے عیسائی ایسے ہیں جو اسلام سے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کے دو ہی طریق ہیں ایک تو یہ کہ کتابوں کا مطالعہ کیا جائے اور دوسرے یہ کہ اسلامی ممالک میں رہائش اختیار کی جائے کتابوں سے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ بہت سی کتابیں ایسی ہیں جو اسلام سے متعلق غلط خیالات پیش کرتی ہیں جماعت احمدیہ کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے ایسی غلط بیانیوں کی تصحیح کی ہے اور اسلام سے متعلق صحیح اور مستند معلومات کا ذخیرہ فراہم کر دیا ہے جو لوگ اسلامی ممالک میں نہیں جا سکتے۔ انہیں چاہئے کہ جماعت احمدیہ کا مہیا کردہ لٹریچر پڑھیں اسلامی ممالک میں جانے والوں کے لئے ایک بڑی دقت یہ ہے کہ انہیں اس ملک کی زبان سیکھنی پڑتی ہے لیکن ہر ایک نہیں کر سکتا۔ اب یہ دقت رفع ہو گئی ہے ایسے جویان حق اگر قادیان جائیں تو انہیں وہاں متعدد ایسے لوگ ملیں گے جو نہایت فصیح انگریزی جانتے ہیں۔ اور کئی ایک ایسے مشنری وہاں ہیں جو یورپ

کے مختلف ممالک اور امریکہ سے واپس آئے ہوئے ہیں اور عیسائی ممالک کے حالات کا تجربہ رکھتے ہیں۔ قادیان میں جانے والے ہر شخص کو وہاں کئی لوگ ایسے ملیں گے جن سے وہ با آسانی تبادلہ خیالات کر سکتا ہے۔

قادیان کی فضاء:۔ قادیان کی فضاء مادی دنیا سے بالکل مختلف اور خالص روحانی ہے یہاں مذہبی خیالات کا چرچا رہتا ہے یہاں رہنے سے انسان کے اندر ایسی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ روز مرہ کی زندگی میں مادیات کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکتا ہے یہ روح اور جسم دونوں کے لئے امن اور تازگی و آسودگی کا مرکز ہے جائے وقوع بھی ایسی ہے جو مادی لحاظ سے بہت اچھی ہے یہاں شاید ایک آدھ ہی موٹر کار نظر آئے گی ریلوے سٹیشن بھی فاصلہ پر ہے موجودہ زمانے کی ایجادیں یہاں کی زندگی کو پریشان نہیں کرتیں۔ قادیان مختلف ممالک کے لوگوں کا مرکز ہے اور اس لئے یہاں مختلف خیالات اور علوم سے تعلق رکھنے والے لوگ جمع ہیں۔ جو شخص یہاں کوشش کرے کچھ حاصل کرنا چاہے وہ اطمینان قلب سے حاصل کر سکتا ہے۔ اور ایسا جوں جوں تلاش کرے گا۔ اسے یہاں کبھی نہ ختم ہونے والے نئے نئے خزانے حاصل ہوتے جائیں گے۔

قادیان سے کیا حاصل ہوا:۔ یہاں میں نے ہر قسم کی گفتگو کی۔ اور مختلف کتب کا مطالعہ کیا جن میں ٹیچنگس آف اسلام کا اثر میرے قلب پر بہت گہرا ہے اس طرح اسلام کے متعلق میرے علم میں بیش بہا اضافہ ہوا۔ اور قرآن پاک و رسول کریم ﷺ سے متعلق جو غلط فہمیاں یورپین تصنیفات کے مطالعہ سے پیدا ہو گئی تھیں۔ وہ رفع ہو گئیں۔ اسلام کی سادگی مجھ پر زیادہ سے زیادہ واضح ہو گئی۔ میری دلی خواہش ہے کہ یورپ اور امریکہ کے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اسلام میں کتنی اعلیٰ خوبیاں ہیں۔ تا عیسائی ممالک آہستہ آہستہ انہیں قبول کر سکیں۔ اسلامی تعلیم اس قدر سادہ ہے کہ معمولی سمجھ کا آدمی بھی اسے نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے عیسائیت اسلام سے بہت کچھ حاصل کر سکتی ہے اسلام اور عیسائیت دونوں ایک دوسرے سے بہت کچھ لے سکتے ہیں اور اس طرح ایک دوسرے کے قریب ہو سکتے ہیں یہ فضول بات ہے کہ ہم دوسرے مذاہب کے تاریک پہلو ہی زیر نظر رکھیں ہمیں چاہئے کہ خوبیوں کو بھی دیکھیں بلکہ انہیں قبول کریں۔ اس طرح توحید کے متعلق ہمارا عقیدہ کامل ہو سکتا ہے اور خدائے واحد و قادر مطلق پر ایمان بڑھ سکتا ہے مجھے یقین ہے کہ احمدیت کے مقدس بانی کو خدا تعالیٰ کی طرف سے الہامات ہوتے تھے اور میں ایمان رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے ہمکلام ہوتا ہے جس کے کئی ایک مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مختلف مذاہب میں جو اختلاف ہے وہ کم ہو جائے۔

رواداری:۔ مجھے یہ دیکھ کر بے انتہاء مسرت ہوئی کہ قادیان میں غیر مذاہب والوں سے بہت اچھا سلوک کیا جاتا ہے حضرت خلیفۃ المسیح امام جماعت احمدیہ نے اپنی بے انتہاء مصروفیتوں کے باوجود مجھے کئی بار باریابی کا موقع عطا فرمایا۔ اور ایک دفعہ فرمایا۔ احمدیوں کو دیگر مذاہب کے لوگوں سے متعلق رواداری کی بھی تلقین کی جاتی ہے مجھے یقین ہے کہ جماعت احمدیہ کا دیگر مذاہب کے ساتھ حسن سلوک پرانے مذہبی تعصبات کو نیست و نابود کرنے میں بہت ممد ہو گا۔ اور مجھے اس تصور سے بے انتہا مسرت ہوتی ہے کہ اس سے آخر کار مختلف مذاہب میں اختلافات کم ہو جائیں گے۔ میں قادیان میں ایک عیسائی کی طرح رہا۔ اور کبھی اسے چھپایا نہیں۔ لیکن باوجود اس کے مجھ سے بہترین سلوک کیا گیا۔

قادیان جانیوالوں کو مشورہ:۔ جس شخص کو قادیان جانے کا اتفاق ہو میں اسے مشورہ دوں گا کہ وہ وہاں کچھ عرصہ ٹھہرے کیونکہ کچھ عرصہ ٹھہرنے پر ہی قادیان کی حقیقی سپرٹ انسان پر ظاہر ہونا شروع ہوتی ہے۔ لیکن جو شخص ایک آدھ دن ٹھہر کر چلا جائے اسے وہاں کوئی دلچسپی نظر نہ آئے گی قادیان 'دہلی' آگرہ کی طرح شاندار عمارات کا مجموعہ نہیں لیکن ایک ایسی جگہ ہے جس کے روحانی خزانے کبھی ختم نہیں ہوتے۔ یہاں ہر دن جو گذارا جائے انسان کی روحانیت میں اضافہ کرتا ہے اور بہت ہی کم لوگ ایسے ہوں گے جو قادیان سے خالی ہاتھ واپس گئے ہوں لیکن وہاں سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کی قیمت کا اندازہ سکوں میں نہیں ہو سکتا بلکہ یہ بہت ہی زیادہ قیمتی بلکہ انمول چیز ہے۔ میں نے ایشیا میں ایک لمبا سفر کیا ہے۔ اور بہت مقامات دیکھے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں دوبارہ دیکھنے کی خواہش نہیں۔ بعض ایسے ہیں جنھیں پھر دیکھنے کو دل چاہتا ہے اور ایسے مقامات میں قادیان کا نمبر سب سے اول ہے اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ قادیان نے مجھے کیا کچھ دیا ہے۔ اور یہ ایک وزیٹر (زائر) کو دے سکتی ہے آخر میں میں ان تمام احباب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی مہربانی سے قادیان کا قیام میری زندگی کا ایک یادگار اور ناقابل فراموش واقعہ بن گیا ہے۔ اگست ۱۹۳۱ء کے ریویو میں مسٹر عبداللہ آرسکاٹ نے قادیان کے متعلق اپنے تاثرات شائع کرائے ہیں جن کے حرف حرف سے مجھے اتفاق ہے فرق اتنا ہے کہ انہوں نے ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ رائے قائم کی ہے اور میں عیسائی ہونے کی حالت میں یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ [۱۰۳]

احمدیت کا ذکر انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں

مغربی دنیا میں انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کو جدید علوم اور سائنسی ترقی کا ایک معیاری نقطہ سمجھا جاتا ہے۔ ۱۷۷۱ء میں یہ پہلی بار ایڈنبرا (سکاٹ لینڈ) سے تین جلدوں میں شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن تقریباً پانچ برس کے بعد چھپا جو دس (۱۰) جلدوں پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد اس کے نئے سے نئے ایڈیشن مزید

اضافوں کے ساتھ نکلنے لگے ۳۰-۱۹۲۹ء میں اس کا چودھواں ایڈیشن بیک وقت لندن اور نیویارک سے منظر عام پر آیا۔ جس میں جدید ترین نشوونما ("RECENT DEVELPMENTS") کے ذیلی عنوان کے تحت احمدیت کا ذکر کیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا جبکہ اس سلسلہ تالیف کے ذریعہ دنیا کو سلسلہ احمدیہ سے روشناس کرانے کی سنجیدہ کوشش کی گئی یہ مضمون نامور مستشرق پروفیسر سر تھامس واکر آرنلڈ (SIR THOMES WALKER ARNALD) کے قلم سے نکلا جو نو برس تک سرسید کے زمانہ میں ایم اے او کالج علی گڑھ میں پروفیسر کے منصب پر فائز رہے اور یہیں مشہور عالم کتاب دعوت اسلام ("The Preaching Of Islam") لکھی جسے مسلم دنیا میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ سر تھامس آرنلڈ کا انتقال ۹۔ جون ۱۹۳۰ء کو ہوا۔ ذیل میں ان کے احمدیت سے متعلق نوٹ کا متن اور اردو ترجمہ دیا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو قادیان نے اگست ۱۹۳۳ء کے شمارہ میں ایک مختصر تعارفی نوٹ کے ساتھ سپرد اشاعت کیا تھا :-

RECENT DEVELOPMENTS

In modern times the most important sectarian developments have beem those of the Wahhabis (q.v.), the Babis (q.v.) and the Ahmadiyya The last of these movements was started by Mirza Ghulam Ahmad, who in 1879, began to preach in the village of Qadian in the province of the Punjab, India. He claimed to be not only the Mahdi but also the promised Messiah personages generally held to be distinct in ordinary Muslim the ology. Another modification he introduced into Islamic doctrine had reference to the death of Jesus; the commonly accepted belief maintains that Jesus was taken by God alive into heaven, while a phantom was crucified in his place; in opposition to this he declared that Jesus was actually crucified, but was taken down from the cross while still alive by his disciples, was healed of his wounds and afterwards made his way into Kashmir, where he finally died, his tomb being still in existence in the city of Srinagar. Having thus removed the ground for any expectation of the second coming of Jesus from haven to earth, he explained that he himself was the Messiah, not as being an incarnation of Jesus (for he rejected the doctrine of Transmigration), but as having come in the likeness of Jesus- being Jesus for this generation just as John the Baptist was Elijah, because he came in the spirit and power of Elijah.

In proff that he had come in the spirit and power of Jesus, Mirza Ghulam Ahmad adduced the likeness of his own character and personality to that of Jesus, his gentlencess of spirit, the peaceful character of his teaching, his miracles and the appropriateness of his teaching to the need of the age. In harmony with this pacific claim, he expounded the doctrine of Jihad (usually interpreted as meaning war against unbelievers) as a striving after righteousness. Mirza Ghulam Ahmad died in 1908 and a few years after his death his followers split into two parties, one having its headquarters in Qadian and the other in Lahore. Both these sections of the community succeeded in enlisting the services of devoted, self-sacrificing men, who are unceasingly active as propagandists, controversialists and pamphleteers. They control an extensive missionary activity, not only in India, West Africa, Mauritius and Java (where their efforts are mainly directed towards persuading their co-religionists to join the Ahmadiyya sect), but also in Berlin, Chicago and London. Their missionaries have devoted special efforts to winning European converts and have devoted a considerable measure of success. In their literature they give such a presentation of Islam as they consider calculated to attract persons who have received an education on modern lines, and thus not only attract, non-Muslims, and rebut the attacks made on Islam by Christain controversialists, but win back to the faith Muslims who have come under agnostic or rationalist influences.

(The Encyclopaedia Britannica 14th Edition (1929-30) Vol. 12 P. 711- 712

تازہ ارتقاء

"دور جدید میں سب سے اہم فرقہ وارانہ نشوو ارتقاء وہابیوں' بابیوں اور احمدیوں کا ہے موخر الذکر تحریک کے بانی مرزا غلام احمد ہیں جنہوں نے ۱۸۷۹ء میں قادیان کی بستی سے جو صوبہ پنجاب ہندوستان میں واقع ہے۔ دعوت وارشاد کا سلسلہ شروع کیا۔

آپ کا دعویٰ نہ صرف مہدی موعودؑ کا تھا بلکہ آپ مسیح موعودؑ ہونے کے بھی مدعی تھے۔ حالانکہ یہ دو شخصیتیں اسلام کے رواجی علم کلام میں بالعموم جداگانہ اور مختلف قرار دی گئی ہیں' ایک اور اصلاح جو آپ نے اسلامیوں کے عقائد کی کی وہ یسوع مسیح کی وفات سے متعلق ہے۔ مسلمانوں کا عام اعتقاد یہ ہے کہ مسیحؑ زندہ آسمان پر اٹھالئے گئے اور ان کی جگہ ان کا ایک شبیہ صلیب پر لٹکایا گیا۔ اس کے برعکس آپ نے یہ بتلایا کہ فی الحقیقت مسیحؑ ہی صلیب پر چڑھائے گئے لیکن ابھی زندہ ہی تھے کہ ان کے پیروان نے انہیں صلیب سے اتار لیا' رفتہ رفتہ 'ان کے زخم مندمل ہو گئے' پھر انہوں نے کشمیر کا رخ کیا جہاں انجام کار وہ فوت ہو گئے اور ان کا مزار ابھی تک شہر سری نگر کشمیر میں موجود ہے' اس طریق سے آپ نے آسمان سے یسوع مسیح کی آمد ثانی کی امید کو منقطع کرتے ہوئے یہ بتلایا کہ آپ خود ہی وہ مسیحؑ ہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ مسیحؑ آپ میں حلول کر آیا تھا کیونکہ آپ مسئلہ تناسخ کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ آپ یسوع مسیح کے مثیل بنکر آئے اور آپؑ موجودہ نسل کے لئے بالکل اسی طرح یسوع مسیح تھے جس طرح ایلیا کی جگہ پر یوحنا تھا' کیونکہ وہ یوحنا کی خوبو اور قویٰ لیکر ظاہر ہوا تھا۔

اس امر کے ثبوت میں کہ آپ یسوع مسیح کی خوبو اور قویٰ لیکر مبعوث ہوئے آپ نے اپنے خلق کی حلیمی' اپنی تعلیمات کی امن پسندانہ روش اور حاضر الوقت ضروریات سے مناسبت اور اپنے معجزات کے ذریعہ یسوع مسیح سے اپنی شخصیت اور کیریکٹر کی مماثلت کو ثابت کیا۔ مسئلہ جہاد کی جسے عام طور پر کفار سے جنگ کے معانی میں استعمال کیا جاتا تھا۔ اپنے امن پسندانہ دعویٰ کی مطابقت میں آپ نے یہ تشریح کی کہ سب سے بڑھ کر' اس سے مراد زہد واتقا کی جدوجہد ہے۔

مرزا غلام احمد کا انتقال ۱۹۰۸ء میں ہوا۔ اور آپؑ کی وفات سے چند ہی برس بعد آپ کے متبعین دو گروہوں میں منقسم ہو گئے' جن میں سے ایک کا صدر مقام قادیان ہے اور دوسرے کا لاہور۔ اس سلسلہ کے ہردو فریق ایسے مخلص اور ایثار پیشہ افراد کی خدمات حاصل کرنے میں کامیاب ہیں جو غیر مختتم طور پر بحیثیت مبلغ مناظر اور ناشر کے پوری مستعدی سے سرگرم عمل ہیں' وہ دعوت و تبلیغ کی ایک ایسی وسیع جدوجہد پر ضبط قائم کئے ہوئے ہیں جو نہ صرف ہندوستان مغربی افریقہ' ماریشس اور جاوا (جہاں ان کی مساعی زیادہ تر اپنے ہم مذہبوں کو سلسلہ احمدیہ میں داخل کرنے میں صرف ہو رہی ہیں) بلکہ برلن' شکاگو اور لنڈن تک بھی پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں ان کے مبلغین نے خاص مساعی یوروپین

لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے میں صرف کی ہیں، اور اس معاملہ میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے لٹریچر میں اسلام کو اسی طریق سے پیش کیا ہے جو ان کے نزدیک ایسے لوگوں کو بھی اپنی طرف جذب کر سکے گا۔ جنہوں نے جدید انداز پر تعلیم حاصل کی ہے۔ اور اس طرح نہ صرف یہ کہ غیر مسلموں کو ان کی طرف کشش ہوگی اور اسلام کے عیسائی مخالفین کے حملوں کا رد ہو سکے گا بلکہ ان مسلمانوں کو بھی واپس اسلام میں لایا جاسکے گا جو دہریت یا طبعیت کے اثرات سے متاثر ہو چکے ہیں"۔

حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کی بیعت

حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب جنہوں نے ۱۹۲۸ء میں اعلان احمدیت کیا تھا اس سال دسمبر ۱۹۳۰ء میں اپنی آخری بیماری کے دوران جبکہ آپ صاحب فراش ہو چکے تھے۔ اپنے چھوٹے بھائی حضرت امیر المومنین میرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ الودود کے دست مبارک پر بیعت کرلی۔ اور اس طرح سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مصلح موعود سے متعلق یہ عظیم الشان پیشگوئی کہ وہ تین کو چار کرنیوالا ہوگا غیر معمولی حالات اور فوق العادت رنگ میں پوری ہو گئی۔ فالحمد للہ۔

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب اس واقعہ سے متعلق لکھتے ہیں کہ "میں جناب مرزا سلطان احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا اور کبھی کبھی سلسلہ احمدیہ کا ذکر بھی ہو جاتا تھا آخر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے وہ دن بھی لے آیا کہ مرزا صاحب موصوف کے اہل بیت کی طرف سے خاکسار کو بلایا گیا۔ تا حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کر کے حضور کو یہاں لے آؤں۔ تا حضور بیعت لے لیں۔ میں نے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت مبارک میں حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے ہاں تشریف لے چلنے اور ان سے بیعت لے لینے کے لئے عرض کیا۔ حضور اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ مرزا سلطان احمد صاحب کی چارپائی کے قریب کرسی پر بیٹھ گئے۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ دونوں بھائیوں پر خاموشی طاری ہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں کے دل شرم وحیا سے لبریز ہیں۔ آخر کچھ توقف کے بعد خاکسار نے مرزا صاحب موصوف کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ جب آپ بیعت کی خواہش ظاہر فرما چکے ہیں تو اپنا ہاتھ بڑھائیں اور بیعت کرلیں چنانچہ انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور بیعت شروع ہو گئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح دھیمی آواز سے بیعت کے الفاظ فرماتے اور مرزا سلطان احمد صاحب ان کو دہراتے جاتے تھے جس وقت یہ الفاظ فرمائے گئے کہ آج میں محمود کے ہاتھ پر اپنے تمام گناہوں سے توبہ کر کے احمدی جماعت میں داخل ہوتا ہوں۔ تو میرے قلب کی عجیب کیفیت ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب نظارہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔ کہ ایک چھوٹے بھائی کو جو بڑے بھائی سے عمر میں بہت چھوٹا ہے بلکہ اس کی اولاد کے برابر ہے۔ خدا تعالیٰ نے وہ مرتبہ دیا ہے کہ وہ آج اپنے بڑے بھائی سے یہ الفاظ کہلوا رہا ہے کہ آج میں محمود کے ہاتھ پر اپنے تمام گناہوں سے توبہ کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوتا ہوں پھر اس کے بعد یہ الفاظ بھی دہرائے گئے۔ کہ آئندہ بھی ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کی کوشش کروں گا شرک نہیں کروں گا۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ اور جو نیک کام آپ بتائیں گے ان میں آپ کی فرمانبرداری کروں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام دعووں پر ایمان رکھوں گا۔

بیعت کے تمام الفاظ ختم ہو جانے پر حسب معمول حضور نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے حضرت مرزا سلطان احمد صاحب اور دیگر حاضرین نے بھی ہاتھ اٹھا کر دعا میں شمولیت کی۔ [۱۰۴]

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے لا نبقی لک من المخزیات ذکرا [۱۰۵] یعنی ہم تمہارے متعلق ایسی تمام باتوں کو جو شرمندگی یا رسوائی کا موجب ہو سکیں مٹا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کو بیعت خلافت کی توفیق دے کر اپنا یہ وعدہ غیر معمولی رنگ میں پورا فرما دیا۔ چنانچہ سیدنا حضرت امیر المومنین فرماتے ہیں۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق جو اعتراض کئے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک اہم اعتراض یہ بھی تھا کہ آپ کے رشتہ دار آپ کا انکار کرتے ہیں اور پھر خصوصیت سے یہ اعتراض کیا جاتا تھا کہ آپ کا ایک لڑکا آپ کی بیعت میں شامل نہیں یہ اعتراض اس کثرت سے کیا جاتا تھا کہ جن لوگوں کے دلوں میں سلسلہ کا درد تھا وہ اس کی تکلیف محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ میں دوسروں کا تو نہیں کہہ سکتا لیکن اپنی نسبت میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے متواتر اور اس کثرت سے اس امر میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں کہ میں کہہ سکتا ہوں بغیر ذرہ بھر مبالغہ کے بیسیوں دفعہ میری سجدہ گاہ آنسوؤں سے تر ہو گئی اس وجہ سے نہیں کہ جس شخص کے متعلق اعتراض کیا جاتا تھا وہ میرا بھائی تھا بلکہ اس وجہ سے کہ جس شخص کے متعلق اعتراض کیا جاتا تھا وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا بیٹا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ یہ اعتراض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پڑتا تھا میں نے ہزاروں دفعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور آخر اللہ تعالیٰ نے اس کا نتیجہ یہ دکھایا کہ مرزا سلطان احمد صاحب جو ہماری دوسری والدہ سے بڑے بھائی تھے۔ اور جن کے متعلق حضرت خلیفتہ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان کے لئے اب احمدیت میں داخل ہونا ناممکن ہے احمدی ہو گئے ان کا احمدی ہونا ناممکن اس لئے کہا جاتا تھا کہ جس شخص نے اپنے باپ کے زمانہ میں بیعت نہ کی ہو۔ اور پھر ایسے شخص کے زمانہ میں بھی بیعت نہ کی ہو جس کا ادب اور احترام اس کے دل میں موجود ہو اس کے

متعلق یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی وقت اپنے چھوٹے بھائی کے ہاتھ پر بیعت کر لے گا لیکن کتنا زبردست اور کتنی عظیم الشان طاقتوں اور قدرتوں والا وہ خدا ہے جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے مدتوں پہلے فرمادیا تھا و لا نبقی لک من المخزیات ذکرا یعنی ہم تیرے اوپر جو اعتراض کئے جاتے ہیں ان کا نشان بھی نہیں رہنے دیں گے بلکہ سب کو مٹادیں گے۔ [۱۰۶]

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

۱۔ حکیم چراغ علی صاحب [۱۰۷] (تاریخ وفات ۱۹ اپریل ۱۹۳۰ء)

۲۔ مولوی عبدالصمد صاحب انصاری مہاجر پٹیالوی۔ [۱۰۸]

۳۔ حضرت مولوی قاضی سید امیر حسین صاحب [۱۰۹] (تاریخ وفات ۲۴ اگست ۱۹۳۰ء)

۴۔ ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسری [۱۱۰] (تاریخ وفات ۲۷ ستمبر ۱۹۳۰ء)

۵۔ میاں جیون بٹ صاحب امرت سری [۱۱۱] (تاریخ وفات ۱۸ ستمبر ۱۹۳۰ء)

۶۔ حضرت مولوی حافظ سید علی میاں صاحب [۱۱۲] شاہجہانپوری (تاریخ وفات ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۰ء)

۷۔ حضرت منشی حبیب الرحمن صاحب رئیس [۱۱۳] حاجی پورہ ریاست کپور تھلہ (تاریخ وفات یکم دسمبر ۱۹۳۰ء)

فصل ہفتم

۱۹۳۰ء کے متفرق واہم واقعات

خاندان مسیح موعودؑ میں ترقی ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے حرم اول کے ہاں مرزا اظہر احمد صاحب پیدا ہوئے۔ [۱۱۴] ۲۰ فروری ۱۹۳۰ء کو صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی نواسی صبیحہ بیگم صاحبہ [۱۱۵] پیدا ہوئیں (جو بعد کو مرزا انور احمد صاحب کے عقد میں آئیں)

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے ہاں ۲۰ دسمبر ۱۹۳۰ء کو ایک فرزند کی ولادت ہوئی۔ [۱۱۶]

شوکت علی خان صاحب قادیان میں مشہور مسلم لیڈر مولانا شوکت علی خان صاحب ۳ جنوری ۱۹۳۰ء کو قادیان تشریف لائے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے ملاقات کی۔ [۱۱۷] اس سلسلہ میں اخبار آفتاب (بمبئی) نے ۲۴ فروری ۱۹۳۰ء کو ایک اخبار کے حوالہ سے مندرجہ ذیل خبر شائع کی۔ "مولانا شوکت علی پچھلے دنوں قادیان تشریف لے گئے اور مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کے ہاں فروکش ہوئے۔ خلوت میں آپ نے خلیفہ صاحب سے دست بستہ عرض کی کہ میں آپ کی دعاؤں کا محتاج ہوں فی الحال میں آپ کی تبلیغ علی الاعلان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس طور پر مسلمان مجھ سے ایک دم بدظن ہو جائیں گے انشاء اللہ موقعہ ملنے پر ہر ممکن طریق سے احمدیت (قادیانیت) کی اشاعت کروں گا" اس خبر سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ مخالفین احمدیت ان دنوں کس طرح غلط بیانیوں سے کام لے رہے تھے یہ خبر "زمیندار" نے بھی شائع کی تھی جس کی تردید ۲۵ فروری ۱۹۳۰ء کے "زمیندار" میں خود مولانا شوکت علی صاحب نے شائع کر دی تھی۔

امۃ الحی لائبریری کا اجراء "امۃ الحی لائبریری" فروری ۱۹۳۰ء میں قائم ہوئی گول کمرہ میں اس کا باقاعدہ افتتاح ہوا۔ [۱۱۸]

حضرت مرزا عزیز احمد صاحب کا دوسرا نکاح حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۲ فروری ۱۹۳۰ء کو مسجد اقصیٰ

میں بعد نماز عصر مرزا عزیز احمد صاحب خلف اکبر حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کا دوسرا نکاح سیدہ نصیرہ بیگم صاحبہ (بنت حضرت مولانا میر محمد اسحٰق صاحب) سے پڑھا۔ اور نہایت لطیف خطبہ نکاح ارشاد فرمایا۔ ۱۱۹

ریزرو فنڈ میں نمایاں حصہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے "ریزرو فنڈ" کی جو اہم تحریک جاری تھی اس کے قیام میں جن اصحاب نے سب سے زیادہ حصہ لیا ان میں سرفہرست محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب تھے چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء میں فرمایا:-

"دراصل لوگوں نے اس فنڈ کے جمع کرنے میں بہت کم توجہ کی ہے۔ اگر پانچ پانچ روپے بھی دوست ماہوار جمع کرنے کی کوشش کرتے تو بہت کچھ جمع کر سکتے تھے بعض نے تو کہا تھا کہ وہ لاکھ لاکھ جمع کر سکتے ہیں مگر نہ معلوم انہوں نے کیوں نہ کیا۔ اگر دوست اس طرف توجہ کریں تو ۲۵ لاکھ کا جمع ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں اور اس سے بہت کافی آمدنی ہو سکتی ہے اس وقت تک ریزرو فنڈ کا زیادہ حصہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے جمع کیا ہے اور انہوں نے ایک معقول رقم جمع کی ہے بڑی رقموں کے لحاظ سے چوہدری صاحب کی رقم بہت بڑی رقم ہے۔ ۱۲۰

انگلستان مشن کا احتجاج

انگلستان کے ایک مقتدر رسالہ نے جنوری ۱۹۳۰ء کے ایشوع میں آنحضرت ﷺ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ذکر نہایت ناشائستہ الفاظ میں کیا تھا۔ خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب نے اس کا علم ہونے پر ایک طرف ایڈیٹر کو اور دوسری طرف وزیر ہند کو توجہ دلائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایڈیٹر رسالہ کو معافی مانگنا پڑی اور حکومت ہند نے اس رسالہ کا داخلہ ملک میں ممنوع قرار دے دیا۔ ۱۲۱

مبلغین احمدیت کی بیرونی ممالک کو روانگی اور واپسی

(۱) حکیم فضل الرحمان صاحب مبلغ افریقہ ۲۷ جنوری ۱۹۳۰ء کو واپس قادیان تشریف لائے۔ ۱۲۲

(۲) مولوی رحمت علی صاحب (دوسری بار) اور مولوی محمد صادق صاحب (پہلی بار) تبلیغ اسلام کی غرض سے ۶ نومبر ۱۹۳۰ء کو قادیان سے روانہ ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ انہیں الوداع کہنے کے لئے خود ریلوے سٹیشن پر تشریف لے گئے اور دعاؤں کے ساتھ ان مجاہدوں کو رخصت کیا۔

۱۲۳

قاہرہ سے اخبار "اسلامی دنیا" کا اجراء

اس سال جناب شیخ محمود احمد صاحب عرفانی نے قاہرہ میں آنریری مبلغ کے فرائض انجام دینے کے علاوہ "اسلامی دنیا" کے نام سے ایک اخبار جاری کیا مسلمانوں کا باہمی تعارف اور انہیں ان کے مصائب ملی سے آگاہ کر کے اتحاد کی دعوت اس اخبار کی پالیسی تھی۔ اس کے دو ایڈیشن نکلتے تھے ایک اردو میں دوسرا عربی میں۔ [۱۱۲۴] یہ اخبار مصور تھا اور اردو دنیا میں اسلامی دنیا کی خبریں نہایت شرح و بسط سے شائع ہوتی تھیں۔ افسوس ہے کہ بعض ناگزیر مجبوریوں نے یہ اخبار زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہنے دیا۔ اور اس کی اشاعت بند ہو گئی اور جناب عرفانی صاحب قاہرہ سے قادیان آگئے۔

احمدی مشن ایک حیدر آبادی سیاح کی نظر میں

میرزا سلیم بیگ صاحب سیاح بلاد اسلامیہ حیدر آباد دکن اس زمانہ میں سیاحت کر رہے تھے میرزا صاحب کو مصر اور دوسرے احمدی مشنوں کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں دوسری مرتبہ ۱۹۳۰ء میں قاہرہ جانے کا اتفاق ہوا اور یہ میری خوش نصیبی تھی کہ عرفانی صاحب موجود تھے۔ اور ان کا مشن نہایت کامیابی سے اپنے کام میں لگا ہوا تھا... اور مجھے مشن کی کارگزاری پر مشن کے رسوخ پر مبلغ کے خلوص پر غور کرنے کا بہت زیادہ موقع ملا۔ میں ان تاثرات کو لئے ہوئے فلسطین، شام، استنبول اور برلن وغیرہ گیا جہاں مجھے جماعت احمدیہ کی تنظیم اور کوششوں کا ثبوت ملتا گیا مجھے حقیقتاً نہایت صدق دل سے اس کا اعتراف ہے کہ میں نے ہر جگہ جماعت احمدیہ کے مبلغوں کی کوششوں کے نقوش دیکھے ہر جگہ اسلامی روایات کے ساتھ تنظیم دیکھی ہر جگہ اس جماعت میں خلوص اور نیک نیتی پائی جماعت احمدیہ میں سب سے بڑی خوبی اتحاد عمل اور امام جماعت احمدیہ کے احکام کی پابندی ہے اس کے اراکین کہیں اور کسی حال میں شعار اسلام اور احکام اسلام کو نظر انداز نہیں کرتے۔ اور نہ اپنی اصل غرض سے اور فرض سے انجان ہوتے ہیں۔ تقریروں، تحریروں یا ملاقاتوں میں ان کا نقطہ نظر موجود ہوتا ہے۔ اور وہ اشارۃً کنایتہً اپنا کام کئے جاتے ہیں محنت برداشت کرتے ہیں غیر مانوس اور غیر مشرب لوگوں میں رسوخ پیدا کر کے اپنے فرائض کی تکمیل کرتے ہیں۔ [۱۱۲۵]

سیٹھ ابو بکر صاحب سماٹری کی طرف سے الوداعی تقریب

سیٹھ ابو بکر صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ سماٹرا جو ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو مولوی رحمت علی صاحب مبلغ سماٹرا کے ہمراہ آئے ۱۱ جنوری ۱۹۳۰ء کو سماٹرا روانہ ہوئے اور ۳۰ جنوری ۱۹۳۰ء کو پاڈانگ پہنچے روانگی سے ایک دن قبل انہوں نے قصر خلافت میں ایک سو اصحاب کو چائے کی دعوت دی جس میں سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح نے بھی شرکت

فرمائی۔ سیٹھ صاحب نے ملائی زبان میں تقریر کی قادیان اور خلافت کی روحانی برکات اور احمدیوں کی اخوت اسلامی کا ذکر کرتے ہوئے ان پر بار بار رقت طاری ہو جاتی اور آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔ [۱۲۶]
سیٹھ صاحب کی تقریر کے بعد مولوی رحمت علی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا۔ پھر حضرت امیرالمومنین نے بھی خطاب فرمایا اور بتایا کہ سیٹھ صاحب نے گو اجنبی زبان میں تقریر کی مگر ان کی حالت اس قدر مؤثر تھی کہ بے اختیار دل کھنچا جاتا تھا چنانچہ فرمایا:-

"گو مولوی رحمت علی صاحب نے ان کی تقریر کا ترجمہ کر دیا ہے مگر میں سمجھتا ہوں اس ترجمہ سے بہت زیادہ قیمتی تھی وہ آواز وہ لہجہ اور وہ تاثر جو ابوبکر صاحب کے چہرہ سے ظاہر ہو رہا تھا اور جو یادگار کے طور پر قائم رہیں گے اور ہم کہہ سکتے ہیں ہمارے ایمان میں ان کی وجہ سے اسی طرح زیادتی ہوئی ہے جس طرح ان کے ایمان میں قادیان آنے کی وجہ سے ہوئی ہے"۔ [۱۲۷]

آخر میں فرمایا:-

"میں اپنے کل جانے والے بھائی کے لئے دعا کرتا ہوں اور انہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہماری خواہش، کوشش اور دعا ان کے ساتھ ہوگی"۔

اس کے بعد سارے مجمع نے حضور ایدہ اللہ تعالے کے ساتھ دعا کی اور یہ مبارک تقریب ختم ہوئی۔ [۱۲۸]

اندرون ملک کے مشہور مباحثات

(۱) مباحثہ گجرات [۱۲۹] (مابین ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم و پنڈت شانتی سروپ سابق محمد علی)
تاریخ مناظرہ ۳ جنوری ۱۹۳۰ء پنڈت صاحب نے اس موضوع پر کہ "میں نے اسلام کیوں چھوڑا"۔ ایک لیکچر دیا تھا اس کے بعد یہ مباحثہ ہوا۔ جس میں ان کے ایسے تمام اعتراضات کے جوابات دیئے گئے جن کی بناء پر انہوں نے اسلام کو چھوڑ دینا ظاہر کیا تھا مگر وہ آخر بحث تک کسی ایک جواب کو بھی رد نہ کر سکے۔

۲۔ مباحثہ میرٹھ [۱۳۰] (مابین مولانا ابوالعطاء صاحب و آریہ سماجی پنڈت صاحب) تاریخ مناظرہ ۸-۹ فروری ۱۹۳۰ء اور موضوع تناسخ تھا۔

۳۔ مباحثہ حیدرآباد دکن:- (مابین مولانا ابوالعطاء صاحب و پنڈت دھرم بھکشو صاحب آریہ سماجی) تاریخ مناظرہ ۲۰-۲۱-۲۲ مارچ ۱۹۳۰ء موضوع بحث "عالمگیر مذہب" اور "تناسخ"۔ [۱۳۱]

۴۔ مباحثہ مدرسہ چٹھہ ضلع گوجرانوالہ (مابین حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی و مولوی فضل علی صاحب لکھنوی و مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی و مولوی فضل علی صاحب لکھنوی) تاریخ

مناظرہ ۸ تا ۱۱ جولائی ۱۹۳۰ء موضوع بحث ختم نبوت اور صداقت مسیح موعود علیہ السلام۔ ایک حنفی عالم مولوی سردار محمد صاحب نے اس مباحثہ سے متاثر ہو کر کہدیا کہ اگر آج پانچ سو روپیہ کا انعام مقرر ہوتا تو احمدی مناظروں کا حق تھا کہ ان کو دیا جاتا۔ [122]

۵۔ مباحثہ کریم پور ضلع جالندھر۔ (مابین مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری و مولوی اسد اللہ صاحب سہارنپوری) تاریخ مناظرہ ۲۵-۲۶ مئی ۱۹۳۰ء موضوع بحث صداقت حضرت مسیح موعود و حیات و وفات مسیح۔ اس مباحثہ میں بفضلہ تعالیٰ حق کو ایسی نمایاں فتح ہوئی کہ آٹھ اشخاص اس سے متاثر ہو کر سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ [123]

۶۔ مباحثہ جتوئی ضلع مظفر گڑھ (جماعت احمدیہ کے مناظر مولانا ابو العطاء صاحب و مولانا ابو البشارت عبد الغفور صاحب اور غیر احمدی مناظر مولوی سلطان محمود صاحب و مولوی غلام رسول صاحب المعروف محدث) تاریخ مناظرہ ۱۱ تا ۱۳ جولائی ۱۹۳۰ء۔ موضوع بحث حیات و وفات مسیح علیہ السلام، حضرت مرزا صاحب، ختم نبوت صداقت مسیح موعود۔ [124]

۷۔ مباحثہ گلہ مہاراں ضلع سیالکوٹ (احمدی مناظر مولوی محمد یار صاحب عارف اور غیر احمدی مناظر مولوی احمد دین صاحب ککھڑوی، مولوی نور حسین صاحب گرجاکھی اور حافظ حبیب اللہ صاحب امرت سری) تاریخ مباحثہ ۲۱ جولائی ۱۹۳۰ء۔ یہ مناظرہ حیات و وفات مسیح اور صداقت مسیح موعود کے موضوع پر ہوا۔ اس میں احمدیوں کی طرف سے مناظر تو آخر تک مکرمی مولوی محمد یار صاحب عارف ہی رہے۔ مگر غیر احمدیوں کو یکے بعد دیگرے تین مناظر بدلنے پر مجبور ہونا پڑا مگر اس پر بھی انہیں ایسی شکست فاش نصیب ہوئی کہ غیر احمدی علماء کو وقت ختم ہونے سے پیشتر ہی اپنی میز کرسیاں اور کتابیں اٹھوا کر میدان بحث سے چل دینا ہی مناسب معلوم ہوا۔ [125]

۸۔ مباحثہ کوٹ باجوہ تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ (احمدی مناظر مولوی محمد یار صاحب عارف اور غیر احمدیوں کی طرف سے کئی علماء نے مناظرہ میں حصہ لیا) تاریخ مناظرہ ۲۱ جولائی ۱۹۳۰ء موضوع بحث حیات و وفات مسیح و صداقت مسیح موعود۔ [126]

۹۔ مباحثہ نارووال ضلع سیالکوٹ (احمدی مناظر مولوی عبد اللہ صاحب امام مسجد احمدیہ نارووال و مولوی خیر دین صاحب سیکرٹری تبلیغ نارووال۔ غیر احمدی مناظر مولوی غلام رسول صاحب و مولوی عبد الرحیم صاحب (مناظر اہلحدیث) تاریخ مناظرہ ۵-۷-۸ ستمبر ۱۹۳۰ء موضوع بحث حیات و وفات مسیح و صداقت مسیح موعود۔ [127]

۱۰۔ مباحثہ بھڈیار ضلع امرت سر [128] (احمدی مناظر حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی و

مولوی محمد یار صاحب عارف) تاریخ مناظرہ ۱۳-۱۴ ستمبر ۱۹۳۰ء موضوع بحث۔ حیات و وفات مسیح صداقت مسیح موعود۔

۱۱- مباحثہ چندر کے منگولے ضلع سیالکوٹ (مابین مولوی محمد یار صاحب عارف و مولوی عصمت اللہ صاحب غیر مبائع) تاریخ مناظرہ ۱۵ نومبر ۱۹۳۰ء تھی اور موضوع بحث مسئلہ نبوت۔ [139]

۱۲- مباحثہ بٹالہ (مابین مولانا ابو العطاء صاحب و مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری) ۱۵ نومبر ۱۹۳۰ء کو یہ مناظرہ ہوا۔ [140]

۱۳- مباحثہ لائل پور (احمدی مناظر مولوی محمد یار صاحب عارف و مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری غیر احمدی مناظر مولوی مسعود صاحب و مولوی محمد شفیع صاحب سنکھتروی) تاریخ مناظرہ ۱۹-۲۰ نومبر ۱۹۳۰ء موضوع بحث ختم نبوت کی حقیقت اور صداقت مسیح موعود۔ [141]

۱۴- مباحثہ کوٹ کپورہ فرید کوٹ (مابین مولوی محمد یار صاحب عارف و مولوی عبدالرحمن فرید کوٹی) تاریخ مناظرہ ۱۰ دسمبر ۱۹۳۰ء۔ موضوع ختم نبوت و حیات و وفات مسیح۔ [142]

۱۵- مباحثہ آڑہ ضلع گجرات (مابین ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم و مولوی محمد حسین صاحب کولوتارڑوی) تاریخ مناظرہ ۳۱ دسمبر ۱۹۳۰ء و یکم جنوری ۱۹۳۱ء موضوع بحث صداقت مسیح موعود وحیات و وفات مسیح [143]

۱۶- مباحثہ کرولیاں ضلع گورداسپور۔ (احمدی مناظر مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری۔ مولوی محمد یار صاحب عارف۔ مولوی ابو البشارت عبد الغفور صاحب۔ غیر احمدی مناظر مولوی نور حسین گرجاکھی۔ مولوی محمد امین صاحب و عبد الرحیم صاحب) تاریخ مناظرہ ۳۱ دسمبر ۱۹۳۰ء و یکم جنوری ۱۹۳۱ء مضامین مناظرہ "ختم نبوت" "صداقت مسیح موعود و حیات و وفات مسیح۔ [144]

۱۹۳۰ء کی دو اہم تصانیف

۱۹۳۰ء کے واقعات کو ختم کرنے سے پہلے اس دور کی دو اہم کتابوں کا تفصیلی ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جن میں سے ایک مسلمانان ہند کی سیاسی خدمت کا شاہکار ہے اور دوسرا تبلیغ احمدیت کا۔ پہلی کتاب کا نام ہندو راج کے منصوبے اور دوسری کا نام ہے تفہیمات ربانیہ۔

۱- ہندو راج کے منصوبے۔ یہ کتاب مکرم ملک فضل حسین صاحب کی نادر تالیف ہے جسے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالے بنصرہ العزیز نے نہایت درجہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور شاندار رائے لکھی (ملاحظہ ہو الفضل ۱۶ ستمبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۲) نیز جماعت احمدیہ بلکہ دوسرے مسلمان لیڈروں نے اس کی اشاعت میں دل کھول کر حصہ لیا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک نہایت قلیل وقت میں اس کے

آٹھ دس ایڈیشن چھپکر ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا دیئے گئے کتاب کی افادیت کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نظام حیدر آباد دکن نے بڑے اہتمام کے ساتھ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ کرایا اور "Plans of Hindu Raj" کے نام سے بڑی سج دھج کے ساتھ اسے شائع کیا اور تیسری گول میز کانفرنس پر تین سو نسخے لنڈن بھجوائے گئے۔ جو حکومت برطانیہ کے ارکان' پارلیمنٹ کے مقتدر افراد اور سربر آوردہ انگریزوں تک پہنچا دیئے گئے۔ انگریزی کے علاوہ سندھی اور گجراتی زبان میں بھی اس کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے حضرت مرزا شریف احمد صاحب' حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی' حضرت میر محمد اسحاق صاحب' حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال' حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب۔ عبدالمجید صاحب سالک ایڈیٹر انقلاب۔ سید شمس الحسن صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ دہلی اور محترمہ بیگم شاہنواز نے بھی اس پر نہایت عمدہ ریویو لکھے جو الفضل ۲۳ اگست ۱۹۳۰ء اور یکم فروری ۱۹۵۲ء میں شائع ہو چکے ہیں اس سلسلہ میں مکرم ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے کی یہ رائے نہایت صائب اور حقیقت پر مبنی ہے کہ مسلمانان ہند کو بیدار کرنے اور مطالبہ پاکستان میں جان ڈالنے میں مہاشہ فضل حسین کی کتاب ہندو راج کے منصوبے کا بھی کافی دخل ہے یقیناً قیام پاکستان کی تاریخ لکھنے والا کوئی مورخ اس کتاب کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔

۲۔ تفہیمات ربانیہ (منشی محمد یعقوب صاحب نائب تحصیلدار ریاست پٹیالہ کی کتاب عشرہ کاملہ اور تحقیق لاثانی کا مفصل و مدلل جواب مولانا ابوالعطا صاحب جالندھری کے قلم سے) اس کتاب کا پہلا ایڈیشن دسمبر ۱۹۳۰ء میں مینیجر بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان نے اور دوسرا ایڈیشن نئے اور مفید اضافوں کے ساتھ دسمبر ۱۹۶۴ء میں مکتبہ الفرقان ربوہ نے شائع کیا۔ حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس کے طبع اول پر سالانہ جلسہ ۱۹۳۰ء میں فرمایا۔

"اس کا نام میں نے ہی تفہیمات ربانیہ رکھا ہے (طباعت سے پہلے) اس کا ایک حصہ میں نے پڑھا ہے جو بہت اچھا تھا۔ اس کتاب کے لئے کئی سال سے مطالبہ ہو رہا تھا۔ کئی دوستوں نے بتایا کہ عشرہ کاملہ میں ایسا مواد ہے کہ جس کا جواب ضروری ہے اب خدا کے فضل سے اس کے جواب میں اعلیٰ لٹریچر تیار ہوا ہے۔ دوستوں کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور اس کی اشاعت کرنی چاہئے"۔ [۱۲۵]

حواشی (تیسرا باب)

۱۔ الفضل ۱۲ فروری ۱۹۳۰ء صفحہ ۷-۸
۲۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۲۰۱-۲۰۲
۳۔ الفضل ۱۲ فروری ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۲ کالم ۱
۴۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۲۰۱-۲۰۲
۵۔ الفضل ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۳۔ بعض لوگوں نے اس سلسلہ اشتہارات کی مقبولیت کو دیکھ کر نداۓ ایمان ہی کے نام سے جوابی اشتہار لکھے مگر ان حرکات سے اصل اشتہارات کا اثر زائل نہیں ہو سکتا تھا۔
۶۔ الفضل ۱۱ فروری ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۰ کالم ۲-۳
۷۔ الفضل ۷ فروری ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۰-۱۱
۸۔ "سرگزشت" صفحہ ۲۶۸۔
۹۔ مثلاً نواب صاحب بہاولپور۔ نواب صاحب پالن پور۔ سر محمد شفیع صاحب۔ عبدالمجید صاحب سالک۔ خواجہ حسن نظامی صاحب۔
۱۰۔ الفضل ۲۱ مارچ ۱۹۳۰ء صفحہ ۱-۲
۱۱۔ اکتوبر ۱۹۳۰ء سے رسالہ مولوی ظفر محمد صاحب فاضل کی ادارت میں اور مارچ ۱۹۳۱ء سے سید یوسف شاہ صاحب کاشمیری کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا آخری پرچہ میں، جو دسمبر ۱۹۳۲ء میں چھپا مولوی محمد سلیم صاحب ایڈیٹر تھے۔
۱۲۔ رسالہ جامعہ احمدیہ سالنامہ دسمبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۱
۱۳۔ رسالہ جامعہ احمدیہ سالنامہ دسمبر ۱۹۳۰ء
۱۴۔ تعلیم الاسلام میگزین جلد ۱ نمبر ۱ سرورق صفحہ ۲
۱۵۔ الفضل ۸ اپریل ۱۹۳۰ء صفحہ ۱ کالم ۱
۱۶۔ الفضل ۹ مئی ۱۹۳۰ء صفحہ ۷ کالم ۲-۳
۱۷۔ الفضل ۱۱ اپریل ۱۹۳۰ء صفحہ ۸ کالم ۱
۱۸۔ الفضل ۸ اپریل ۱۹۳۰ء صفحہ ۱ کالم ۲-۳ الفضل ۱۱ اپریل ۱۹۳۰ء صفحہ ۲ کالم ۳
۱۹۔ الفضل ۱۵ اپریل ۱۹۳۰ء صفحہ ۲
۲۰۔ الفضل ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء صفحہ ۲ کالم ۲
۲۱۔ دیندار متقی اور جوش رکھنے والے نوجوان تھے زرعی زمین کے علاوہ لنگی کلاہ کی دکان بھی تھی سلیم اللہ صاحب صوبیدار میجر پینشنر نوشہرہ کے بیان کے مطابق ایوب شاہ صاحب مردان کی تحریک پر قاضی صاحب کے ماموں اور وہ داخل احمدیت ہوئے۔ قاضی صاحب کی بیوی عرصہ ہوا فوت ہو چکی ہیں ان کا ایک لڑکا ابو فضل علی اور نواسہ فیروز شاہ موجود ہے۔
۲۲۔ الفضل ۴ مئی ۱۹۳۰ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲
۲۳۔ الفضل ۱۹ مئی ۱۹۳۱ء مزید تفصیل ۱۹۳۱ء کے واقعات میں آرہی ہے۔
۲۴۔ الفضل ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴
۲۵۔ الفضل ۱۲ جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۵ کالم ۳ (خطبہ جمعہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی)
۲۶۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۴۶
۲۷۔ اس تجویز سے تین نتائج نکلتے تھے۔ (۱) معتمدین سلسلہ کی تمام جائداد کے نگران ہیں گو خلیفہ کے ماتحت ہیں (۲) خلیفہ کا ناظر صاحبان کو مجلس معتمدین کے ممبر مقرر کرنا درست نہیں۔ (۳) مجلس معتمدین کا انتخاب خلیفہ کی طرف سے نہیں جماعت کے

انتخاب سے ہونا چاہئے ظاہر ہے کہ یہ تینوں نتیجے نظریہ خلافت کے بھی منافی تھے۔ اور دنیاوی حکومتوں کے دستور اساسی کے بھی خلاف تھے کوئی پارلیمنٹ وزراء مقرر نہیں کرتی۔ مگر کمیشن کی رائے تھی کہ مجلس شوریٰ مجلس معتمدین مقرر کرے (ایضاً صفحہ ۴۶)

۲۸۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۷۴

۲۹۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۲۸-۱۲۹

۳۰۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۲۳۵-۲۳۶

۳۱۔ "مجلس تعلیم" کے ابتدائی ارکان' ضروری قواعد اور اہم کوائف کی تفصیل انشاء اللہ ۱۹۴۲ء کے حصہ تاریخ میں آئیگی۔ مندرجہ بالا حالات کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "مجلس تعلیم" (شائع کردہ مجلس تعلیم قادیان۔ دسمبر ۱۹۴۵ء)

۳۲۔ "مسلمانان ہند کی حیات سیاسی" میں لکھا ہے ۱۹۳۰ء میں جب کانگریس نے اپنے سول نافرمانی کے پروگرام کا جائزہ لینا شروع کیا تو مسلمانوں کی قدیم سیاسی جماعتوں میں سے ایک بھی اس کے ساتھ نہ ہوئی اور نہ مسلمان من حیث القوم اس تحریک میں شامل ہوئے البتہ احرار اور جمعیتہ العلماء کی مختصر جماعتیں گاندھی ارون سمجھوتے تک کانگریس کے ساتھ رہیں"۔ (صفحہ ۱۳۵)

۳۳۔ الفضل ۹ مئی ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۱ تا ۱۴ ہفت روزہ "ملت" کراچی (۳۰ جون ۱۹۳۰ء) نے اس خطبہ کا قریباً پورا متن شائع کیا۔ اس خطبہ کے بعد بھی حضور نے کانگریس اور اس کی تحریک پر کئی خطبے ارشاد فرمائے جنہوں نے سول نافرمانی کی آگ بجھانے میں بہت مدد دی۔

۳۴۔ الفضل ۲۷ مئی ۱۹۳۰ء صفحہ ۲ کالم ۲-۳۔ الفضل ۳ جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۲ کالم ۱

۳۵۔ الفضل ۱۰ جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۷

۳۶۔ الفضل ۵ جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۰

۳۷۔ ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو کانگریس کے دو سرحدی لیڈروں (عبد الغفار خاں وغیرہ) کی گرفتاری پر شہر کے حالات قابو سے باہر ہو گئے فوج بلائی گئی جس نے ہجوم پر رائفلوں اور مشین گنوں سے فائر کئے اس حادثہ میں بیس افراد ہلاک ہو گئے۔ حضرت خلیفتہ المسیح کے مندرجہ بالا مکتوب میں اسی دردناک واقعہ کی طرف اشارہ ہے مگر افسوس ڈاکٹر عاشق حسین صاحب بٹالوی جیسے مورخ حضرت امام جماعت احمدیہ کے اس احتجاج سے آشنا نہیں چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب "اقبال کے آخری دو سال" میں لکھا ہے عین اس وقت جب صوبہ سرحد کے باشندوں کے خون سے پشاور کی سرزمین لالہ زار بن رہی تھی ہندوستان بھر میں کوئی اسلامی جماعت کوئی اسلامی انجمن کوئی اسلامی ادارہ ایسا نہیں تھا جو صدائے احتجاج بلند کرتا۔ اور حکومت سے پوچھتا کہ یہ کس جرم کی پاداش میں مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے۔ مسلم لیگ ختم ہو چکی تھی ابنائے زماں کی ناقدری کے ہاتھوں جناح وطن میں رہنے کے باوجود غریب الوطن کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھا محمد علی مرض الموت میں مبتلا اپنی زندگی کا آخری سال پورا کر رہا تھا۔ (صفحہ ۳۴۴)

۳۸۔ الفضل ۵ جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۴-۵

۳۹۔ الفضل ۳ جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۱ کالم ۳

۴۰۔ الفضل ۷ جون ۱۹۳۰ء اس خطبہ میں حضور نے کانگریس کے پروگرام پر زبردست ناقدانہ روشنی ڈالتے ہوئے ثابت کر دکھایا کہ اس تحریک سے سراسر نقصان ہی نقصان ہے مسلمانوں کو بھی اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور ملک کو بھی نہیں (ایضاً صفحہ ۹ کالم ۳)

۴۱۔ الفضل ۴-جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۱-۲۔ یہ اخبار تقسیم ملک کے بعد انبالہ منتقل ہو چکا ہے۔

۴۲۔ جیسا کہ ۱۹۲۹ء کے حالات میں ذکر آچکا ہے کانگریس پہلے ہی اپنی تحریک کے خلاف مسلمانان ہند میں اپنا سب سے بڑا حریف جماعت احمدیہ کو سمجھتی تھی کیونکہ یہی واحد فعال جماعت تھی جو مسلمانوں کے حقوق کے لئے سینہ سپر تھی چنانچہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ ڈاکٹر سید محمود صاحب (کانگریس کے سیکرٹری۔ ناقل)... نے میرے سامنے کہا کہ میں آپ کے سیاسی خیالات سے اختلاف رکھتا ہوں لیکن مذہبی لحاظ سے آپ کی اسلامی خدمات کا قائل ہوں ہمارے دردصاحب جب گاندھی جی سے ملنے گئے تو اس وقت بھی گاندھی جی کے سامنے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مسلمانوں میں اگر کوئی کام کرنے والی

جماعت ہے تو وہ احمدیہ جماعت ہی ہے جس پر خود گاندھی جی نے کہا کہ میں اس امر کو خوب جانتا ہوں" (الفضل ۷ ۲جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۸ کالم ۱)

۴۳۔ الفضل ۱۰جون ۱۹۳۰ء

۴۴۔ الفضل یکم اکتوبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۵

۴۵۔ حال پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ۔ (وفات ۲۔جنوری ۱۹۹۳ء)

۴۶۔ حال سیکرٹری اصلاح وارشاد سیالکوٹ۔

۴۷۔ الفضل ۱۹جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۶ کالم ۳

۴۸۔ مفصل مکتوب کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۰جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲

۴۹۔ الفضل ۱۰جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲

۵۰۔ الفضل ۱۲اگست ۱۹۳۰ء صفحہ ۹ کالم ۱-۲

۵۱۔ الفضل ۱۰جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲

۵۲۔ الفضل ۱۵جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۷ کالم ۱-۲

۵۳۔ الفضل ۱۲جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۶

۵۴۔ الفضل ۵جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۱ کالم ۲-۳

۵۵۔ الفضل ۱۰جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۴ کالم ۲-۳

۵۶۔ الفضل ۱۵جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۷ کالم ۳

۵۷۔ الفضل ۱۲جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۶ کالم ۲

۵۸۔ الفضل ۱۵جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۷ کالم ۳

۵۹۔ الفضل ۱۲جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۶ کالم ۲-۱

۶۰۔ الفضل ۱۲جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۲ کالم ۱

۶۱۔ الفضل ۱۹جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۶ کالم ۳

۶۲۔ بحوالہ الفضل ۷جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۲ کالم ۱

۶۳۔ الفضل ۱۲جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۷ کالم ۳

۶۴۔ الفضل ۱۳جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۳-۴

۶۵۔ الفضل ۱۰جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۳

۶۶۔ ایضاً صفحہ ۳ کالم ۳

۶۷۔ الفضل ۱۱مئی ۱۹۳۰ء صفحہ ۴ کالم ۳

۶۸۔ تفصیل اگلی فصل کے آغاز میں آرہی ہے۔

۶۹۔ یہاں یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ ۱۹۳۰ء کے الہ آباد اجلاس کے لئے علامہ اقبال کے صدر مقرر کئے جانے کا فیصلہ مسلم لیگ کے جس اجلاس میں کیا گیا اس کے صدر حضرت مفتی محمد صادق صاحب تھے۔ (الفضل ۲۰ دسمبر ۱۹۳۰ء)

۷۰۔ الفضل ۵ جولائی ۱۹۳۰ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ حضور کے ہمراہ حضرت ام المومنین، حضور کے دو حرم، پرائیویٹ سیکرٹری مع عملہ ناظر امور خارجہ مولوی عبدالرحیم صاحب درد مع عملہ، حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اور حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب بھی تشریف لے گئے اور مقامی امیر حضرت مولوی شیر علی صاحب مقرر فرمائے گئے۔

۷۰(ب)سر سکندر حیات خان صاحب مراد ہوں گے۔ (مولف)

۷۱۔ ہفت روزہ "خاور" لاہور ۲۱جولائی ۱۹۳۰ء صفحہ ۳

۷۲۔ نقل مطابق اصل

۷۳۔ بحوالہ الفضل ۱۹ جولائی ۱۹۳۰ء صفحہ ۹ کالم ۱

۷۴۔ الفضل ۱۵ جولائی ۱۹۳۰ء صفحہ ۱-۲

۷۵۔ اس سلسلہ میں حضور کا اعلان الفضل ۲۱ اگست ۱۹۳۰ء صفحہ ۱ پر مندرج ہے۔

۷۶۔ الفضل ۱۹ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۵-۶

۷۷۔ الفضل ۱۴ اگست ۱۹۳۰ء صفحہ ۶-۷

۷۸۔ الفضل ۱۶ اگست ۱۹۳۰ء صفحہ ۳ کالم ۱ اور صفحہ ۸

۷۹۔ الفضل ۹ اکتوبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۷ کالم ۲-۳

۸۰۔ مفصل تقریر الفضل ۸ نومبر ۱۹۳۰ء و ۱۱ نومبر ۱۹۳۰ء میں چھپ چکی ہے۔

۸۱۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۱-۱۹۳۲ء صفحہ ۳-۴

۸۲۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۰-۱۹۳۱ء صفحہ ۱۰۸-۱۰۹

۸۳۔ یہ سب آراء سیاسی مسئلہ کا حل کے اردو ایڈیشن میں چھپ چکی ہیں۔

۸۴۔ یہ کانفرنس لندن میں تین بار منعقد ہوئی (۱) نومبر ۱۹۳۰ء تا جنوری ۱۹۳۱ء (۲) ستمبر ۱۹۳۱ء تا دسمبر ۱۹۳۱ء) ۳ (نومبر ۱۹۳۲ء تا دسمبر ۱۹۳۲ء۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب تینوں کانفرنسوں میں شامل ہوئے مگر جناب محمد علی جناح نے پہلی اور دوسری کانفرنس میں شمولیت فرمائی اور پھر دل برداشتہ ہو کر لنڈن میں ہی مقیم ہو گئے چنانچہ ان کا بیان ہے میں حیران ہوں کہ میری ملی خودداری اور وقار کو کیا ہو گیا تھا کانگریس سے صلح و مفاہمت کی بھیک مانگا کرتا تھا میں نے اس مسئلہ کے حل کے لئے اتنی مسلسل اور غیر منقطع مساعی کیں کہ ایک انگریز اخبار نے لکھا "مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے مسئلہ سے کبھی نہیں تھکتے لیکن گول میز کانفرنس کے زمانہ میں مجھے اپنی زندگی میں سب سے بڑا صدمہ پہنچا.... اب میں مایوس ہو چکا تھا مسلمان بے سہارا اور ڈانواں ڈول ہو رہے تھے... مجھے اب محسوس ہونے لگا کہ میں ہندوستان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ نہ ہندو ذہنیت میں کوئی خوشگوار تبدیلی پیدا کر سکتا ہوں نہ مسلمانوں کی آنکھیں کھول سکتا ہوں آخر میں نے لندن میں ہی بود و باش کا فیصلہ کر لیا"۔ ("حیات محمد علی جناح" طبع دوم صفحہ ۲۰۰-۲۰۱ از جناب سید رئیس احمد صاحب جعفری) کانفرنس میں ان کی کیا پوزیشن تھی اس پر خود جناب محمد علی صاحب جناح مندرجہ ذیل الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں "میں اس کانفرنس میں بالکل یکہ و تنہا تھا میں نے مسلمانوں کو ناراض کیا کیونکہ وہ مجھے مخلوط انتخاب کا حامی سمجھتے تھے۔ ہندو مجھ سے الگ ناراض تھے کیونکہ میں چودہ نکات کا موجد تھا۔ میں نے والیان ریاست کو بھی ناراض کیا... برطانوی پارلیمنٹ بھی مجھ سے ناراض تھی.... نتیجہ یہ ہوا کہ دو ہفتے بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ کانفرنس کے مندوبین کے ہجوم میں میرا ایک بھی حامی اور مددگار نہ رہا"۔ (اقبال کے آخری دو سال" صفحہ ۲۶۲-۲۶۳۔ از ڈاکٹر عاشق حسین صاحب بٹالوی)

لارڈ ٹمپل وڈ جو اس زمانے میں وزیر ہند تھے اپنی کتاب "Nine Troubled Years" کے صفحہ ۵۲ پر گول میز کانفرنس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں جناح بھی چونکہ آغا خاں اور چوہدری ظفر اللہ خاں کے ساتھ بیٹھتے تھے اسلئے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے وفد کی راہنمائی کریں گے یہ صحیح ہے کہ انہوں نے وقتاً فوقتاً بحث میں نمایاں حصہ لیا لیکن ہم میں سے اکثر لوگ ان کے تغیر پذیر ذہن کی حرکات سمجھنے سے معذور رہتے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی شخص کے ساتھ کام کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ کیا وہ ایک آل انڈیا فیڈریشن کے حامی تھے اس کا تیقن کے ساتھ جواب دینا ہمارے لئے ممکن نہ تھا... کیا وہ مرکز میں ردوبدل کئے بغیر صوبائی خود مختاری کے حامی تھے بعض اوقات ان کی باتوں سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ صوبائی خود مختاری سے آگے نہیں جانا چاہتے تھے.... ان کی یہی تغیر پذیر ذہنی کیفیت تھی جو ان کے ساتھ تعاون کرنے میں ہمارے لئے مشکلات پیدا کر رہی تھی۔ اور جس کی وجہ سے وہ اپنے مسلمان رفقاء کی صاف اور صحیح راہنمائی سے معذور رہتے"۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب (جن کی نامزدگی میں جماعت احمدیہ کی کوششوں کا بہت دخل تھا۔ (رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۳۱ء و ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰۹-۱۱۰)) اگرچہ کانفرنس میں شامل ہوئے اور اقلیتوں کے مسائل کی کمیٹی میں بطور ممبر سرگرم عمل رہے مگر ایک موقع پر جبکہ مسلم وفد کے سرگروہ نے کہا کہ صوبائی خود اختیاری کے ساتھ ہی مرکز میں وفاق قائم کر دیا جائے تو وہ مسلم وفد سے علیحدہ ہو گئے (ذکر اقبال صفحہ ۱۵۸) آپ لنڈن میں قیام کے دوران میں احمدیہ مسجد لنڈن کی ایک تقریب میں بھی شامل ہوئے۔

جہاں نو مسلم انگریزوں کی زبان سے قرآن مجید سن کر خوش ہوئے۔ اور خصوصاً ایک انگریز نوجوان مسٹر عبدالرحمٰن ہارڈی کے حسن قرات اور صحت تلفظ سے بے حد محظوظ ہوئے ایک چھ سات سال کی انگریز بچی نے سورہ فاتحہ سنائی جس پر ڈاکٹر صاحب نے اسے ایک پونڈ انعام بھی دیا۔ اور امام مسجد لنڈن مولوی فرزند علی صاحب کا شکریہ ادا کیا جن کی توجہ سے یہ موقع میسر آیا تھا۔ جناب غلام رسول صاحب مہر نے اس واقعہ کی تفصیل لنڈن سے ایک مکتوب میں بھجوائی تھی جو "انقلاب" (۲۹ اکتوبر ۱۹۳۱ء) میں شائع شدہ ہے (الفضل یکم نومبر ۱۹۳۱ء میں اس کی نقل بھی چھپ گئی تھی) جناب مہر صاحب کا مکتوب ان الفاظ پر ختم ہوتا تھا۔ "مولانا فرزند علی نہایت خوش اخلاق اور نیک طبع بزرگ ہیں فرائض امامت و تبلیغ کی بجا آوری کے علاوہ مسلمانوں کے جماعتی سیاسی کاموں میں بھی کافی وقت صرف کرتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے یہاں کے اونچے طبقے میں بہت گہرا اثر و رسوخ پیدا کر لیا ہے" ان سطور سے یہ اندازہ کچھ مشکل نہیں ہے کہ لندن کا احمدیہ مشن ان دنوں مسلمانوں کی سیاسی خدمات میں کس درجہ دلچسپی لے رہا تھا۔

۸۵۔ سری نواس شاستری مراد ہیں۔

۸۶۔ ۱۵ نومبر ۱۹۳۰ء کو چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے برادر اصغر چوہدری اسد اللہ خانصاحب نے (جو ان دنوں اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن میں مقیم تھے) حضور کی خدمت میں یہ خط لکھا "کل گول میز کانفرنس کا پہلا اجلاس ہوا تھا پبلک کو اندر جانیکی اجازت نہیں تھی نہ ہی پریس کو ساڑھے دس بجے سے لیکر ایک بجے تک اجلاس ہوا آج پھر برادرم مکرم گئے ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کانفرنس کو اسلام کی فتح کا ایک ذریعہ بنادے"۔

۸۷۔ ہندوستان کے جن اخباروں میں گول میز کانفرنس کی اطلاعات شائع ہوئیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے خاص اہتمام سے اسے اپنے دو ذاتی کٹنگ رجسٹروں میں محفوظ کرالیا تھا جو اب تک خلافت لائبریری ربوہ میں موجود ہیں۔

۸۸۔ صحیح لفظ پڑھا نہیں گیا (مؤلف)

۸۹۔ خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب مبلغ لندن کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے مسلمانوں کے سیاسی مفادات کی غرض سے انتھک کوشش کی چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا "خان صاحب منشی فرزند علی صاحب نے پہلے تو اتنی گھبراہٹ ظاہر کی کہ میں نے یہ سمجھا شاید ساری محنت برباد ہو جائے لیکن جب کام شروع ہوا تو انہوں نے اتنی کوشش اور سرگرمی سے کام کیا کہ اس کا بہت بڑا اثر ہوا۔ حتیٰ کہ ولایت کے اخبارات میں کئی تصاویر چھپیں جن میں خانصاحب کو نمائندہ گول میز کانفرنس لکھا گیا۔ بلکہ ایک ہوائی جہاز کی تصویر میں انہی کو نمائندہ قرار دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر جگہ اور ہر سوسائٹی میں مسلمانوں کی تائید اور حمایت کے لئے وہ پہنچتے تھے اور کوشش کرتے رہے" (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۱۱)

جناب شفیع داؤدی صاحب نے ۱۰ جنوری ۱۹۳۱ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں خان صاحب کے حسن اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے لکھا۔ "حضرت مرزا صاحب مدظلہ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ میری قسمت میں ہجوم کار اتنا لکھا ہوا ہے کہ معمولی اخلاقی رسمیات کی انجام دہی سے قاصر رہ جاتا ہوں بارہا میں نے ہندوستان پہنچ کر کوشش کی کہ ایک بار اور جناب کی مہربانیوں کا دلی شکریہ ادا کروں مگر بالکل ہی موقع نہ ملا مجھے فرزند علی خاں صاحب کی بندہ نوازی کبھی بھولنے کی نہیں انہوں نے اخوت اسلام کا سچا نمونہ میرے ساتھ لندن میں پیش کیا اور میں سمجھتا ہوں یہ ان کی فطرت میں داخل ہے اس لئے ہر ایک کے ساتھ ان کا برتاؤ ایسا ہی ہوتا ہوگا۔ ماشاء اللہ خوب آدمی ہیں بہت ہی مخلص آدمی ہیں خداوند تعالے انہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے"۔

۹۰۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا تذکرہ کتاب کے حصہ دوم میں بڑی تفصیل سے آرہا ہے یہ حصہ تحریک آزادی کشمیر سے مخصوص ہے۔

۹۱۔ یعنی کشمیری زعماء اور ڈوگرہ حکومت میں (مؤلف)

۹۲۔ خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب (مؤلف)

۹۳۔ یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ مارچ ۱۹۳۳ء میں تینوں کانفرنسوں کی متفقہ تجاویز ایک قرطاس ابیض کی صورت میں شائع کردی گئی تھیں۔ اس کے بعد اپریل ۱۹۳۳ء میں لارڈ لنلتھگو کی صدارت میں ایک متحدہ پارلیمنٹری کمیٹی مقرر ہوئی جس میں ہندوستانی نمائندے بھی شامل ہوئے اس کمیٹی نے ۱۹۳۴ء میں اپنی رپورٹ پیش کردی اس پارلیمنٹری کمیٹی کا ذکر چوہدری

صاحب نے اپنے خط میں فرمایا ہے۔

۹۴۔ اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۲۶۵۔ ان کامیابیوں کی عظمت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہندو اکثریت کی نمائندہ جماعت آل انڈیا نیشنل کانگرس فرقہ وارانہ مسائل کو کوئی اہمیت دینے کی بجائے اسے محض بیکار چیز سمجھ رہی تھی اس کے نزدیک اصل مسئلہ صرف اور صرف یہ تھا کہ ملک کی باگ ڈور ہندوستان کی اکثریت کے ہاتھ میں دے دی جائے چنانچہ پنڈت جواہر لال صاحب نہرو نے کتاب "میری زندگی" میں کانگرس کی اس مستقل پالیسی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"پہلی گول میز کانفرنس ختم ہو رہی تھی اور اس کے فیصلوں کی بڑی دھوم دھام تھی۔ ہمیں اس پر ہنسی آتی تھی اور شاید اس ہنسی میں کسی قدر حقارت بھی شامل تھی۔ یہ ساری تقریریں اور بحثیں بالکل بیکار اور حقیقت سے خالی تھیں...... ایک مسئلہ جب ورکنگ کمیٹی کے سامنے پیش تھا فرقہ وارانہ مسئلہ تھا یہ وہی پرانا قصہ تھا جو نئے نئے بھیس بدل کر آتا تھا...... گاندھی جی کا خیال تھا کہ اگر کانفرنس برطانوی حکومت کے اشارے سے پہلے فرقہ وارانہ مسئلے میں الجھے گی تو اصل سیاسی اور معاشی مسائل پر خاطر خواہ غور نہیں کیا جاسکے گا..... گاندھی جی لندن کی (دوسری) گول میز کانفرنس میں کانگرس کے تنہا نمائندہ کی حیثیت سے گئے تھے...... ہم گول میز کانفرنس میں کچھ اس لئے تو شریک نہیں ہو رہے تھے کہ جا کر دستور ملکی کی ضمنی تفصیلات سے متعلق وہ بحثیں چھیڑیں جو کبھی ختم ہی ہونے میں نہ آئیں اس وقت ان تفصیلات میں ہمیں ذرا دلچسپی نہ تھی اور ان پر تو غور اس وقت ہو سکتا تھا جبکہ برطانوی حکومت سے بنیادی معاملات پر کوئی سمجھوتہ ہو جاتا اصلی سوال تو یہ تھا کہ جمہوری ہند کو کتنی طاقت منتقل کرنی ہے تفصیلات کو طے کرنے اور انہیں قلمبند کرنے کا کام تو کوئی بھی قانون دان بعد کو کر سکتا تھا ان بنیادی امور میں کانگرس کا مسلک صاف اور سیدھا تھا اور اس میں بحث اور دلیل کی زیادہ گنجائش نہ تھی"۔

۹۵۔ الفضل ۸ اد سمبر ۱۹۳۳ء

۹۶۔ بحوالہ الفضل ۱۳ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۷ کالم ۳

۹۷۔ بحوالہ "اصلاح" سرینگر ۲۴ جولائی ۱۹۴۱ء صفحہ ۴

۹۸۔ بحوالہ الفضل ۹ فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۵

۹۹۔ بحوالہ الفضل ۲۲ جون ۱۹۵۲ء صفحہ ۸

۱۰۰۔ اقبال کے آخری دو سال" صفحہ ۱۴-۱۵

۱۰۱۔ بحوالہ الفضل ۷ فروری ۱۹۵۲ء

۱۰۲۔ الفضل ۹ جون ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۱

۱۰۳۔ رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی (قادیان) مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۵۸ تا ۱۶۲

۱۰۴۔ الفضل ۱۱ دسمبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۳۔ ملخصاً۔

۱۰۵۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۷۰ حاشیہ

۱۰۶۔ الفضل ۱۱ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۵ کالم ۱-۲

۱۰۷۔ ولادت جون ۱۸۶۰ء تاریخ بیعت جون ۱۹۰۵ء مارچ ۱۹۱۹ء میں ہجرت کر کے قادیان آگئے تھے۔ ۱۹۲۳ء میں فتنہ ارتداد کے انسداد کے تبلیغی جہاد میں شامل ہوئے اور کوسمہ ضلع مین پوری میں خدمات بجا لاتے رہے ۱۱۹ پریل ۱۹۳۰ء کو انتقال کیا اور مزار حضرت مولوی عبد الکریم کے قریب دفن کئے گئے۔ (الفضل ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۸-۹

۱۰۸۔ الفضل ۱۹ اگست ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۔ نہایت مخلص اور صوفی منش درویش انسان تھے ہندی زبان پر عبور تھا اور ہندو کتب سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اور اسلام کی صداقت کا بیان آپ کے رگ و ریشہ میں داخل تھا اس باب میں کتاب " شری نش کلنک درشن یا ظہور نکلنگ اوتار" آپ کی یادگار ہے اس کے علاوہ اعلان المسیح فی رد تکفیر المسیح کی غیر مطبوعہ تصنیف بھی آنریری طور پر پوری عمر تبلیغ اسلام و احمدیت میں گذاری۔

۱۰۹۔ الفضل ۲۶ اگست ۱۹۳۰ء سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مشہور عالم اور محدث تھے آپ نے ۱۸۹۳ء میں مباحثہ آتھم کے دوران حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دست مبارک پر بیعت کی اور جماعت احمدیہ امرت سر کی پہلی انجمن فرقانیہ کے پہلے صدر مقرر

ہوئے بیعت کے بعد مخالفت کی وجہ سے مدرستہ المسلمین امرتسر سے سلسلہ ملازمت جب منقطع ہو گیا تو قادیان ہجرت کر کے تشریف لے آئے اور ایک نہایت ہی قلیل مشاہرہ پر پہلے مدرسہ تعلیم الاسلام میں پھر مدرسہ احمدیہ میں پڑھانے لگے۔ اور پنشن یاب ہونے کے بعد بھی آخر دم تک درس تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور بخاری مسلم کا سبق مختلف طلباء کو دیتے رہے۔ آپ بھیرہ کے رہنے والے اور حضرت خلیفہ اول کے داماد تھے۔ قریباً اسی سال کی عمر میں وصال ہوا۔ قوٰی نہایت اعلیٰ۔ قد لمبا۔ شکل نہایت وجیہ اور بارعب' طبیعت جلالی تھی مگر حق معلوم ہونے پر فوراً غصہ ٹھنڈا ہو جاتا تھا اپنے فرائض کی ادائیگی میں وقت کے نہایت پابند تھے مجلس معتمدین کے بھی کئی سال ممبر رہے آپ کو علم حدیث میں بالخصوص ید طولیٰ حاصل تھا قرآن مجید کے علوم سے بھی خاص شغف تھا آپ کی طبیعت مجتہدانہ تھی اور قرآن و حدیث کے کئی مقامات میں منفردانہ رائے رکھتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے آزاد خیالی اور حریت رائے کا ایک خاص جوہر عطا کیا تھا۔ قاضی صاحب حضرت خلیفہ ثانی کے استاد تھے مگر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ زبردست ارادت رکھتے تھے حضور کے ہاتھ پر بیعت کر کے ہر معاملہ میں پوری اطاعت اور فرمانبرداری کا ثبوت دیا۔ اور فتنہ انکار خلافت کے خلاف مردانہ وار کھڑے رہے۔ حضرت خلیفتہ المسیح کو بھی آپ سے بہت محبت تھی حضور جب شملہ سے واپس آئے تو الدار میں جانے سے پہلے قاضی صاحب کی عیادت کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان کی پائنتی بیٹھ گئے اور اٹھ کر بیٹھنے کی خواہش پر خود حضرت نے ان کو سہارا دے کر اٹھایا۔ (الفضل ۲۸ اگست ۱۹۳۰ء صفحہ ۹ کالم ۲-۳۔ الفضل ۲ ستمبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۷-۹

۱۱۰- امرت سر کے احمدیوں میں سب سے پہلے نوجوان جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابتلاء کے ابتدائی ایام میں قبول کیا۔ امرت سر کی احمدیہ مسجد انہی کی کوشش سے جماعت کو ملی۔ امرت سر میں ان کا مکان آنے جانے والے احمدیوں کے لئے ایک کھلا مہمان خانہ تھا۔ (الفضل ۹ دسمبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۶-۷ و ۲۰ دسمبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۷-۸)

۱۱۱- ۱۸۹۵ء کے قریب حضرت مسیح موعود کی بیعت سے مشرف ہوئے حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کے خسر تھے۔ اور جماعت احمدیہ امرت سر کے بزرگوں میں احمدیت کا مضبوط قلعہ۔ تفصیل کے لئے دیکھیں اصحاب احمد جلد ۵ حصہ اول صفحہ ۷۳-۷۶ و اصحاب احمد جلد ۵ حصہ دوم صفحہ ۲۱ تا ۲۴۔

۱۱۲- والد ماجد حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری اور سید محمد ہاشم صاحب بخاری (مجاہد افریقہ کے نانا۔ اپنے تبحر علم' وسعت نظر اور میر العقول قوت حافظہ کے لحاظ سے ایک نمونہ قدرت الٰہی تھے اسی برس کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ حضرت مسیح موعود کے ان قدیم صحابہ میں سے تھے جن کو ۱۸۹۳ء سے قبل شرف قبول حاصل ہوا (الفضل ۱۸ نومبر ۱۹۳۰ء و الفضل ۲۵ دسمبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۷ کالم ۳) حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے ۷ نومبر ۱۹۳۰ء کو خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ "حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری .... اپنے علاقہ میں تو وہ سلسلہ کا ایک ستون ہیں بہت سے احباب ان سے واقف ہونگے اور قادیان میں بعض نے ان کی نظمیں بھی سنی ہونگی... اپنے علاقہ کے لئے وہ اور ان کے والد سلسلہ کے لئے بہت بابرکت وجود ہیں" (الفضل ۱۳ نومبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۶ کالم ۱)

۱۱۳- حضرت مسیح موعود کے قدیم ۳۱۳ مخلصین میں سے تھے بہت سے مقدمات اور مباحثات میں حضرت مسیح موعود کے ساتھ رہے (الفضل ۹ دسمبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۲ کالم ۳)

۱۱۴- الفضل ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۱ کالم ۱

۱۱۵- الفضل ۲۵ فروری ۱۹۳۰ء صفحہ ۱

۱۱۶- الفضل ۲۳ دسمبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۲ کالم ۲ (مرزا فاروق احمد صاحب جو تقریباً اڑھائی سال کی عمر میں فوت ہوئے)

۱۱۷- الفضل ۷ جنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ۱ کالم ۱

۱۱۸- الفضل ۱۱ فروری ۱۹۳۰ء صفحہ ۱

۱۱۹- الفضل ۷ فروری ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۔ مفصل خطبہ کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۷ مارچ ۱۹۳۰ء صفحہ ۸ تا ۱۱

۱۲۰- رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۷۵ مطبوعہ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۰ء

۱۲۱- الفضل ۷ مارچ ۱۹۳۰ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲

۱۲۲- الفضل ۳۱ جنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ۱

۱۲۳۔ الفضل ۸ نومبر ۱۹۳۰ء صفحہ ا
۱۲۴۔ الفضل کیم اپریل ۱۹۳۰ء صفحہ ۹۔۱۰۔ اخبار انقلاب لاہور وغیرہ نے اس کے اجرا کا خیر مقدم کیا۔
۱۲۵۔ مرکز احمدیت قادیان" صفحہ ۳۶۱۔۳۶۲ (از شیخ محمود احمد صاحب عرفانی)
۱۲۶۔ الفضل ۱۴ جنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ا الفضل ۱۷ جنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ۳۔۴ پر ان کی مفصل تقریر چھپ چکی ہے۔
۱۲۷۔ الفضل ۱۷ جنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۰ کالم ۳
۱۲۸۔ ایضاً صفحہ ۱۱ کالم ۲
۱۲۹۔ الفضل ۲۴ جنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۳ کالم ۲۔۳
۱۳۰۔ الفضل ۲۱ فروری ۱۹۳۰ء صفحہ ۲
۱۳۱۔ الفضل ۲۵ مارچ ۱۹۳۰ء صفحہ ۲ کالم ۲ و الفضل ۱۵ اپریل ۱۹۳۰ء صفحہ ۸ کالم ۳
۱۳۲۔ الفضل ۲۴ جولائی ۱۹۳۰ء صفحہ ۲ کالم ا
۱۳۳۔ الفضل ۱۵ جون ۱۹۳۰ء صفحہ ۶ کالم ۳
۱۳۴۔ الفضل ۴ جولائی ۱۹۳۰ء صفحہ ۹
۱۳۵۔ الفضل ۷ اگست ۱۹۳۰ء صفحہ ۲۔
۱۳۶۔ الفضل ۳۱ جولائی ۱۹۳۰ء صفحہ ۲ کالم ۳
۱۳۷۔ الفضل ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۷ کالم ۳
۱۳۸۔ الفضل ۲۳ ستمبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔۲
۱۳۹۔ الفضل ۲۵ نومبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۷۔۸
۱۴۰۔ الفضل ۱۸ نومبر ۱۹۳۰ء صفحہ ا
۱۴۱۔ الفضل ۲۹ نومبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۷۔۸
۱۴۲۔ الفضل ۲۳ دسمبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۸ کالم ۳
۱۴۳۔ الفضل ۶ جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ا۔ کولوتارڑوی صاحب ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے داماد تھے۔
۱۴۴۔ الفضل ۲۴ جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۲ کالم ۳)
۱۴۵۔ الفضل ۱۳ جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۴ کالم ۳)

چوتھا باب (فصل اول)

مجلس انصار اللہ کے احیاء سے لے کر مسلم لیگ کے اجلاس دہلی (دسمبر ۱۹۳۱ء) میں محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے خطبہ صدارت تک

خلافت ثانیہ کا اٹھارہواں سال

(جنوری ۱۹۳۱ء تا دسمبر ۱۹۳۱ء بمطابق شعبان ۱۳۴۹ھ تا شعبان ۱۳۵۰ھ)

ہم ۱۹۲۸ء کے واقعات قلمبند کرتے ہوئے اب ۱۹۳۱ء کے اس اہم سال میں آپہنچے ہیں جس میں تحریک آزادی کشمیر کا آغاز ہوا۔ اور حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی صدارت میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی جیسے فعال اور ملک گیر ادارہ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ جس کے تحت جماعت احمدیہ کا ہر فرد کشمیر کے مسلم لیڈروں اور دوسرے مسلمانوں کے دوش بدوش آزادی کشمیر کے لئے سربکف ہو کر میدان عمل میں آگیا۔

کشمیر کی تحریک آزادی میں جماعت احمدیہ کی سنہری خدمات بہت تفصیل طلب ہیں اور ان کی اہمیت و عظمت کا تقاضا ہے کہ وہ یک جائی طور پر پوری شرح و بسط سے زیب قرطاس کی جائیں۔ تا یہ بھی معلوم ہو سکے کہ مصلح موعود سے متعلق یہ پیشگوئی کہ "وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہو گا۔" [1] کس شان سے پوری ہوئی۔ لہٰذا اس جلد کا حصہ دوم اس اہم تحریک کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے اور یہاں صرف اس قدر اشارہ پر اکتفا کرتے ہوئے ۱۹۳۱ء کے دوسرے حالات و واقعات پر نظر ڈالتے ہیں۔

"انصار اللہ" کا احیاء اور اس کی تبلیغی خدمات

فروری ۱۹۳۱ء میں "انصار اللہ" کا احیاء ہوا اور اس کا مقصد یہ قرار پایا۔ کہ ہر جماعت سے ایسے مخلصوں کو جو تبلیغ کے لئے اپنے اوقات مرکزی لائحہ عمل کے مطابق وقف

کریں دوسرے لوگوں سے ممتاز حیثیت دی جائے۔ انصار اللہ میں داخل ہونے والے احمدیوں سے یہ عہد لیا جاتا تھا کہ وہ نظارت دعوۃ و تبلیغ یا مقامی سیکرٹری تبلیغ کے ماتحت اپنے ایام وقف تبلیغ سلسلہ کے لئے اس حلقہ میں گزاریں گے۔ جو ان کے لئے مقرر کیا جائے گا اور اپنی علمی استعداد بڑھانے کے لئے ان مضامین کی تیاری کریں گے جو لائحہ عمل میں تجویز کئے گئے ہیں۔ [۲]

یہ تبلیغی تنظیم جو نظارت دعوۃ و تبلیغ کی دست و بازو ثابت ہوئی اور ملک کے طول و عرض میں اس نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ [۳] اس کی ترقی میں حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب اور حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال کی کوششوں کا بہت دخل تھا۔ انصار اللہ کی تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز قادیان کے قرب و جوار میں بیٹ کے علاقہ سے کیا گیا۔ جہاں ۲۸ / مارچ ۱۹۳۱ء کو بتیس افراد پر مشتمل پہلا وفد پہنچا اس نے سولہ حلقوں میں تقسیم ہو کر ایک سو پندرہ بستیوں میں پیغام احمدیت پھیلانے کی بنیاد رکھ دی۔ سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ارشاد فرمایا تھا کہ قادیان کا ہر بالغ احمدی (معذوروں کے سوا) سال میں پندرہ دن تبلیغ کے لئے وقف کرے جو نظارت دعوۃ تبلیغ کے زیر انتظام بیرونی مقامات میں بھیجا جائے گا۔ انصار اللہ کے اس پہلے وفد کے تمام افراد قادیان ہی کے رہنے والے اور حضور کی تحریک پر روح اخلاص کا نمونہ دکھانے والوں میں سابقون الاولون تھے۔ [۴]

اس کے بعد ۹ / اپریل ۱۹۳۱ء کو دوسرا وفد (کہ وہ بھی) بتیس ہی افراد پر مشتمل تھا۔ اسی علاقہ میں روانہ ہوا۔ [۵] چوہدری محمد شریف صاحب مبلغ بلاد عربیہ کا بیان ہے کہ "حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی اس تبلیغی مہم بیٹ کے انچارج مقرر کئے گئے تھے آپ کا ہیڈ کوارٹر "بھینی میلواں" تھا۔ میں بھی جولائی کے اس وفد میں شامل تھا جس نے اس علاقہ میں کام کیا"۔ قادیان سے باہر جس تنظیم انصار اللہ نے سب سے پہلے اپنے حلقہ تبلیغ میں کام شروع کرنے کی اطلاع دی۔ وہ بنگہ ضلع جالندھر کی تنظیم انصار اللہ تھی۔ [۶]

یہ تھی مختصر سی داغ بیل اس تنظیم کی جو بعد کو جماعت احمدیہ کی ایک مستقل تحریک بنی اور جو آج عظیم الشان خدمات بجا لا رہی ہے۔ [۷]

قومی نقائص کی اصلاح کے لئے جدوجہد

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۲۷ / فروری ۱۹۳۱ء کو ایک سلسلہ خطبات شروع فرمایا۔ جس میں حضور نے جماعت احمدیہ کو بعض ان قومی امور کی طرف توجہ دلائی جو مسلمانوں کے زوال کا باعث بنے۔ مثلاً حضور نے بتایا کہ جب تک مسلمان یہ یقین رکھتے رہے کہ قرآن مجید وسیع و غیر محدود مطالب رکھتا ہے ان کی علمی ترقی جاری رہی مگر جس وقت ان میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ قرآنی

معارف میں ترقی نہیں ہو سکتی اور اب اس سے نئے نئے علوم نہیں نکالے جاسکتے ان کے دماغ معطل و مفلوج ہو کے رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مادی ترقیات کے دروازے بھی بند ہونے لگے۔ چنانچہ ساتویں صدی ہجری تک مسلمانوں میں ایجاد کا سلسلہ جاری رہا۔ وہ طب' کیمیا' ہیئت' ہندسہ' الجبرا' انجینئرنگ کے ماہر تھے۔ مگر اسی صدی میں جب یہ خیال غالب آگیا کہ اب قرآن سے نئے معارف نکالنا گناہ ہے دنیوی اختراعات کا سلسلہ بھی رک گیا۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ہمیشہ غور کرتے رہیں کہ کیا ہم میں بھی تو یہ نقص پیدا نہیں ہو گیا۔ اور اگر ہو گیا ہے تو اس کے ازالہ کی کوشش کریں۔ ورنہ جس نقص نے دوسرے مسلمانوں کو مصیبت میں ڈال دیا وہ ہمارے لئے بھی مشکلات کا موجب بن سکتا ہے۔ [۸]

حضرت خلیفتہ المسیح کیلئے پہرے کا مستقل اور باقاعدہ انتظام

خلافت اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت اور بیش بہا امانت ہے۔ جس کی حفاظت نظام اسلامی کی حفاظت ہے۔ اور اس سعادت میں حصہ لینے والے اور خلیفہ وقت کا پہرہ دینے والے بڑے اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے پہرہ دینے والے عبدالاحد خاں صاحب [۹] افغان ہیں جو ۱۹۱۸ء میں حضور کا انفلوانزا کی شکایت پیدا ہونے کے دنوں میں پہرے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ اسی زمانہ کے قریب قریب خان میر صاحب افغان اور نیک محمد خان صاحب غزنوی بھی گاہے گاہے یہ خدمت انجام دینے لگے۔ مگر یہ کام رضاکارانہ حیثیت میں ہوتا تھا۔ دسمبر ۱۹۲۷ء میں بہت سے دوستوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور پر حملہ کیا گیا ہے۔ جس پر ۱۵/ ستمبر ۱۹۲۷ء کو صدر انجمن احمدیہ نے "خادم خاص" کے نام سے دو نئی اسامیاں منظور کیں اور فیصلہ کیا گیا کہ ان کا تقرر پرائیویٹ سیکرٹری (حضرت امیرالمومنین) کے مشورہ سے ناظر امور عامہ کریں گے۔ [۱۰] مگر غالباً یہ انتظام سالانہ جلسہ کے لئے کیا گیا تھا۔ حضور کی حفاظت اور قصر خلافت کی حفاظت کا باقاعدہ انتظام شروع ۱۹۳۱ء میں ہوا۔ اس سلسلہ میں پہلے محافظ خان میر صاحب [۱۱] افغان متوطن علاقہ دیسور مقرر ہوئے۔ اگرچہ آپ صاحبزادہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی نگرانی میں ۱۲/ جنوری ۱۹۳۱ء سے آنریری طور پر کام کر رہے تھے مگر دفتری حیثیت سے مارچ ۱۹۳۱ء میں ان کا تقرر ہوا۔ خان میر صاحب ۱۹۳۱ء سے ۱۱/ دسمبر ۱۹۴۷ء تک اس خدمت پر فائز رہے شروع میں تو آپ اکیلے پہرہ دار تھے مگر کچھ مدت کے بعد بعض اور اصحاب آپ کے ساتھ اس نازک ذمہ داری میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۴۸ء میں پہرہ داروں کی نگرانی کے لئے "افسر حفاظت" کا تقرر عمل میں آیا۔ اور پہلے افسر حفاظت جناب سید احمد صاحب مولوی فاضل (ابن حضرت ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب) مقرر ہوئے۔ جو ماہ جون ۱۹۵۱ء تک یہ خدمت بجالاتے

رہے۔ان کے بعد یہ کام بالترتیب مندرجہ ذیل اصحاب کے سپرد ہوتا رہا۔
۱۔ چوہدری اقبال احمد صاحب (حال چک ۹۸ شمالی سرگودھا) (۲/ جون ۱۹۵۱ء سے جون ۱۹۵۴ء تک)
۲۔ کیپٹن محمد حسین صاحب چیمہ (حال سیکرٹری مال لنڈن) (جون ۱۹۵۴ء سے جون ۱۹۵۷ء تک)
۳۔ جناب کیپٹن شیر ولی صاحب (حال موضع درجمال ڈاکخانہ کریالہ ضلع جہلم) (۱۱/ جون ۱۹۵۷ء سے ۲۵/ اکتوبر ۱۹۵۷ء تک)
۴۔ صوبیدار عبدالغفور صاحب نائب افسر (اکتوبر ۱۹۵۷ء سے ۲۲/ اکتوبر ۱۹۵۸ء تک)
۵۔ چوہدری عبدالسلام صاحب باڈی گارڈ قائم مقام افسر (۲۲/ اکتوبر ۱۹۵۸ء سے ۸/ دسمبر ۱۹۵۸ء تک)
۶۔ صوبیدار عبدالمنان صاحب دہلوی [۱۲] (۹/ دسمبر ۱۹۵۸ء سے آج تک۔) [۱۳]

پہرے کے انتظام کو زیادہ مستحکم بنانے کے خیال سے ۱۹۵۶ء میں نظارت حفاظت کا قیام ظہور میں آیا اور پہلے ناظر جناب مرزا داؤد احمد صاحب لفٹنٹ کرنل ریٹائرڈ مقرر ہوئے۔ مگر ۱۹۵۷ء کے شروع میں یہ نظارت ختم کر دی گئی۔ اور حسب دستور سابق افسر حفاظت ہی پہرے کی نگرانی کا فرض انجام دینے لگے۔

اس مستقل اور باقاعدہ انتظام کے علاوہ سالانہ جلسہ اور جمعہ اور دوسرے ہنگامی حالات میں ۱۹۲۷ء سے حضور کے زمانہ صحت تک بہت سے مخلصین آنریری طور پر حفاظت کی خدمت انجام دیتے رہے ہیں مثلاً سردار کرم داد صاحب رسالدار۔ لفٹنٹ سردار نذر حسین صاحب۔ چوہدری اسد اللہ خان صاحب (حال امیر جماعت احمدیہ لاہور)۔ چوہدری محمد صدیق صاحب فاضل (حال انچارج خلافت لائبریری)۔ مرزا محمد حیات صاحب (رفیق حیات سیالکوٹ)۔ مولوی عبدالکریم صاحب (ابن حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ حلال پوری)۔ خواجہ محمد امین صاحب۔ ملک محمد رفیق صاحب۔ بابو شمس الدین صاحب (حال امیر جماعت احمدیہ پشاور)۔ جمعدار شیر احمد خان صاحب (حال لنڈن)

جماعت احمدیہ کی ادبی خدمات

دہلی کے مشہور ولی مرتاض حضرت خواجہ میر درد رحمتہ اللہ علیہ (۱۷۱۹ء۔ ۱۷۸۵ء) نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ "اے اردو گھبرانا نہیں۔ تو فقیروں کا لگایا ہوا پودا ہے خوب پھلے پھولے گی۔ تو پروان چڑھے گی ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ قرآن حدیث تیری آغوش میں آکر آرام کریں گے۔ بادشاہی قانون اور حکیموں کی طبابت تجھ میں آجائے گی اور تو سارے ہندوستان کی زبان مانی جائے گی"۔ [۱۴]

یہ عظیم الشان پیشگوئی خدا کے فضل و کرم سے تحریک احمدیت کے ذریعہ سے پوری ہوئی اور ہو رہی ہے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فقید المثال اردو لٹریچر اور دنیا بھر میں اس کی اشاعت کرنے والی جماعت پیدا کر دی ہے۔ اور ساری دنیا میں جہاں جہاں احمدی مشن یا احمدی مسلمان موجود ہیں وہاں اردو سیکھی اور سکھلائی جا رہی ہے الغرض اردو کی ترقی و سربلندی کی اساس عالمگیر سطح پر قائم کی جا چکی ہے۔ اور خصوصاً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس اساس کو بلند سے بلند تر کرنے میں اپنے زمانہ خلافت میں سنہری خدمات انجام دی ہیں اور آپ کے قلم سے نکلی ہوئی کثیر التعداد تصانیف و تحریرات اس پر شاہد ہیں۔

اس ضمن میں آپ نے اس سال (۳۱-۱۹۳۰ء) میں اردو کی سرپرستی کی طرف خاص طور پر توجہ فرمائی۔ مذہبی اور سیاسی میدان میں آپ کی قابلیت کا سکہ پہلے ہی بیٹھ چکا تھا۔ اب ادبی حلقوں میں بھی آپ کی دھوم مچ گئی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنریبل جسٹس سر عبدالقادر صاحب کی نگرانی اور شمس العلماء احسان اللہ خان صاحب تاجور نجیب آبادی (۱۸۹۴ء-۱۹۵۱ء) کی ادارت میں لاہور سے "ادبی دنیا" کے نام سے ماہوار اردو کا ایک بلند پایہ رسالہ شائع ہوتا تھا[۱۵]۔ جو اپنے معاصرین میں ممتاز مقام رکھتا تھا۔ اس رسالہ (مارچ ۱۹۳۰ء) میں پروفیسر بھوپال سنگھ صاحب ایم۔ اے سینئر پروفیسر انگلش (دیال سنگھ کالج لاہور) کا ایک مضمون شائع ہوا جس کا عنوان تھا "حالی کی تنقید نگاری" حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے یہ مضمون بہت دلچسپی سے پڑھا اور آپ کو تحریک ہوئی کہ "شعر" سے متعلق اپنے خیالات سپرد قلم کرکے بھجوائیں۔ چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں۔ "ایک پروفیسر اور پھر انگریزی زبان کے پروفیسر کے قلم سے اردو علم ادب کی ایک شاخ کے متعلق مضمون کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے میں نے اس مضمون کو نہایت شوق سے دیکھا اس مضمون کے مطالعے کے دوران میں توسن خیال میں کہیں سے کہیں چلا گیا تا اینکہ میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہو گئی کہ میں شعر کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں"۔

رسالہ "ادبی دنیا" میں پہلا مضمون

اس آرزو کی تکمیل کے لئے آپ نے "ابن الفارس" کے نام سے ادارہ ادبی دنیا کو ایک مضمون بھجوایا جو مئی ۱۹۳۰ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں جو اپنی نوعیت کا اچھوتا مضمون تھا۔ حضور نے مغربی زبان اور عربی مشتقات کی روشنی میں شعر کی تعریف بیان فرمائی اور اس کی کیفیت و ماہیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اعتدال کے ایک نئے زاویہ کی نشان دہی فرمائی۔ چنانچہ آپ نے لکھا۔

"شعر کا بھی ایک جسم ہے اور ایک روح موجودہ دور کے مغربی علماء میں سے اکثر اس کے جسم ہی سے

تعریف کو مکمل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ قدیم اور زمانہ وسطی کے ادیب اپنی تعریف شعر کی روح سے خاص کر دیتے تھے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ جو کچھ کہتے ہیں درست کہتے ہیں مگر سچائی کے زیادہ قریب ہونے کے لئے ہمیں ان دونوں تعریفوں کو ملا لینا چاہئے۔ مغربی شعراء میں سے ورڈس ورتھ [۱۶] کا یہ خیال ہے کہ شعر نام ہے ان جذبات کا جن کی یاد سکون کے وقت میں پھر تازہ کی جاتی ہے۔ یا یہ کہ شعر ان جذبات کو جو ہم محسوس کرتے ہیں تمثیل کے ذریعہ سے بیرونی دنیا تک پہنچانے کا نام ہے میتھیو آرنلڈ [۱۷] کا نظریہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے جس کا یہ خیال ہے کہ شعر حیات کی تنقید کا نام ہے۔ مگر مشہور جرمن فلاسفر ہیگل [۱۸] کے نزدیک صرف وزن ہی وہ پہلی اور آخری چیز ہے جس کا شعر میں پایا جانا ضروری ہے۔ عمدہ تشبیہات' طرفہ خیالات' اعلیٰ افکار اچھے اور برے شعر میں فرق کرنے میں تو مدد دے سکتے ہیں لیکن وہ شعر کو شعر نہیں بناتے...... میں یہ کہوں گا کہ ورڈس ورتھ نے ہیگل سے اختلاف نہیں کیا نہ ہیگل نے ورڈس ورتھ سے۔ صرف اتنا ہوا ہے کہ ایک استاد الفاظ نے شعر کا فلسفہ بیان کر دیا ہے اور ایک فلاسفر نے اس کی لفظی صورت سے بحث کر لی ہے"۔

اس کے بعد آپ عربی زبان سے شعر کے معنی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"مغربی زبان کے مشتقات کی رو سے اس فن پر جو روشنی پڑتی ہے وہ کافی نہیں اور ابتدائی انسان کی جرأت کے اظہار سے زیادہ اس سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ لیکن میرے نزدیک عربی زبان جو نہایت ہی مکمل زبان ہے۔ اور اشتقاق کبیر بلکہ اکبر کی مدعی ہے اس کے مقرر کردہ نام سے ہمیں اس فن کی حقیقت کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل ہو جاتی ہیں عربی زبان میں کلام منظوم کو شعر کہتے ہیں اور شعر کے معنے پہچاننے کے ہیں...... اشتقاق صغیر پر جو ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اندرونی اور چھپی ہوئی چیز کے معنے پائے جاتے ہیں۔ اور ساتھ چھپی ہوئی چیز انسان کے لئے اس کے اندرونی جذبات ہیں جو بیرونی اثرات سے متحرک ہو کر جوش میں آجاتے ہیں۔ پس شعر کے معنی اشتقاق صغیر کی روشنی میں یہ ہوں گے کہ ایسی بات کو بیان کرنے والا کلام جو ہمارے دل میں موجود ہے اور جو ہمارے بعض جذبات کو اس طرح ابھارتا ہے کہ ہم الفاظ سے جدا ہو کر معانی کی تمام جزئیات سے پوری طرح واقف ہو جاتے ہیں معانی کو محسوس کرتے ہیں گویا وہ ایک مضراب ہے جو ہمارے سازوں میں لرزش پیدا کر دیتی ہے"۔ [۱۹]

ادبی دنیا کے مدیر جناب تاجور نجیب آبادی نے اس مضمون پر اسی شمارہ میں دو نوٹ لکھے۔

(۱) "ملک کے ایک مشہور مذہبی رہنما جن کی روحانی عظمت کا سکہ ان کے لاکھوں مریدوں ہی نہیں بلکہ امتیوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور جو اپنی مسند خلافت سے احکام الٰہی کی تبلیغ اور مذہبی تلقین ہی کو

اپنا منصب خیال فرماتے ہیں۔ ادبی دنیا ان کی مقدس مصروفیتوں میں بھی خلل انداز ہوئے بغیر نہ رہا۔ اس نمبر میں "ابن الفارس" کے نام سے جو بلند و گراں مایہ مضمون شائع ہو رہا ہے۔ انہی کے خامہ تقدس چکاں کی تراوش ہے"۔ [۲۰]

(۲) "مندرجہ بالا مضمون ایک ایسی شخصیت کے دل و دماغ کی تراوش ہے جو فی الحقیقت لاکھوں انسانوں کے قلوب پر حکمران ہے۔ ادبی دنیا کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو گا۔ کہ ایسے حضرات اپنے رشحات کرم سے اس کی آبیاری کرتے ہیں۔ فاضل مضمون نگار نے ہمیں "ابن الفارس" کے لطیف و نازک نقاب اٹھانے کی اجازت نہیں دی مگر ہم علامہ اقبال کے ہم نوا ہو کر کہہ سکتے ہیں ۔

پرتو حسن توے افتد بروں مانند رنگ صورت مے پردہ از دیوار مینا ساختی" [۲۱]

رسالہ "ادبی دنیا" میں دوسرا مضمون

حضور نے اگلے سال ۱۹۳۱ء میں "اردو رسائل زبان کی کس طرح خدمت کر سکتے ہیں"۔ کے اہم موضوع پر ایک اور قیمتی مضمون تحریر فرمایا۔ جو "ادبی دنیا" مارچ ۱۹۳۱ء (صفحہ ۱۸۶ تا ۱۸۸) میں آپ کا فوٹو دے کر شائع کیا گیا۔ ذیل میں اس اہم مضمون کا مکمل متن درج کیا جاتا ہے۔ حضور نے تحریر فرمایا۔

"اردو زبان کی بڑی دقتوں میں سے ایک یہ دقت ہے کہ اس کی لغت کتابی صورت میں پوری طرح مدون نہیں ہے اور نہ اس کے قواعد پورے طور پر محصور ہیں اور نہ مختلف علمی مضامین کے ادا کرنے کے لئے اصطلاحیں مقرر ہیں مولوی فتح محمد صاحب جالندھری نے قواعد کے بارے میں اچھی خدمت کی ہے اور مولانا شبلی اور مولوی عبدالحق صاحب نے ان کے کام کو جلا دینے میں حصہ لیا ہے۔ لغت کا کام مولوی نذیر احمد دہلوی نے کیا ہے اور اصطلاحات کے لئے ہم عثمانیہ یونیورسٹی کے ممنون ہیں۔ انجمن ترقی اردو انہی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بہت کچھ کر رہی ہے لیکن کام اس قدر ہے کہ کسی ایک شخص یا ایک انجمن یا ایک ادارہ سے ہونا ناممکن ہے۔ اردو کے بہی خواہوں نے جو میرے نزدیک بعض مشکلات کو جو اردو زبان سے مخصوص ہیں نظر انداز کر دیا ہے۔ مثلاً

(۱) وہ سب زبانوں میں عمر میں چھوٹی ہے۔

(۲) حقیقی شاہی گود میں پلنے کا اسے کبھی موقع نہیں ملا۔ جو زبان کی ترقی کے لئے ضروری ہے۔

(۳) اصل میں تو تین لیکن کم سے کم دو مائیں اس کی ضرور ہیں اور مصیبت یہ ہے کہ دونوں سگی ہیں ہر ایک اپنی تربیت کا رنگ اس پر چڑھانا چاہتی ہے اور جب ان کا آپس میں اتحاد نہیں ہو سکا تو دونوں اپنا غصہ اس معصوم پر نکالتی ہیں۔ میں نے تو جہاں تک غور کیا ہے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس وقت جھگڑا یہ

نہیں کہ اہل سنسکرت اردو کو اپنا بنانے کو تیار نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ وہ اسے صرف اپنا ہی بنائے رکھنے پر مصر ہیں اور عربی فارسی والوں کے سایہ سے اس نونہال کو دور رکھنا چاہتے ہیں اور یہی حال ان کا بھی ہے۔

(۴) ہمارا علمی طبقہ غیر زبانوں میں سوچ کا عادی ہو گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کی تحقیق و تفتیش سے اردو نفع نہیں اٹھا سکتی۔

(۵) ٹائپ نہ ہونے کے سبب آنکھوں کو اس کے حروف سے وہ موانست نہیں پیدا ہوتی۔ جو ٹائپ پر چھپنے والی زبانوں کے حروف سے ہو جاتی ہے۔ اور اس وجہ سے لوگوں میں شوق تعلیم سرعت سے ترقی نہیں کر سکا۔ اور کتابوں کی اشاعت وسیع پیمانے پر نہیں ہو سکی انسان بارہ تیرہ قسم کی ٹائپوں کا عادی تو ہو سکتا ہے لیکن ہزاروں قسم کا نہیں۔ اور اردو زبان کے جتنے کاتب ہیں گویا اتنے ہی ٹائپ ہیں۔ جس کی وجہ سے طبیعتوں پر ایک غیر محسوس بوجھ پڑتا ہے اور تعلیم کا ذوق کم ہو جاتا ہے۔

ان مشکلات کی وجہ سے اردو کی ترقی کے رستہ میں دوسری زبانوں کی نسبت زیادہ مشکلات حائل ہیں۔ مگر میرے نزدیک وہ ایسی نہیں کہ دور نہ کی جا سکیں۔ اب تک نقص یہی رہا ہے کہ مرض کی تشخیص نہیں کی گئی۔ اور اس کی وجہ سے لازماً علاج بھی صحیح نہیں ہوا اگر اردو عمر میں اپنی بہنوں سے چھوٹی تھی تو اس کے لئے اس قسم کی غذا کا بھی انتظام ہونا چاہئے تھا اور اگر وہ شاہی گود سے محروم تھی۔ تو کیوں نہ اسے جمہوریت کی گود میں ڈال دیا گیا۔ جس کی حفاظت شاہی حفاظت سے کسی صورت میں کم نہیں کہ اصل بادشاہت تو اسی کی ہے۔ اگر اس کی تربیت کے متعلق اختلاف تھا تو بجائے یہ صورت حالات پیدا کرنے کے کہ جس کا بس چلا وہ اسے اپنے گھر لے گیا۔ وہی کیوں نہ کیا گیا جو حضرت محمد (ﷺ) نے اس وقت کیا تھا جب خانہ کعبہ کی تعمیر جدید کے موقع پر حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھنے کے سوال پر مختلف قریش خاندان میں جھگڑا پیدا ہوا تھا۔ اور انہوں نے ایک چادر بچھا دی اور اس پر حجر اسود اپنے ہاتھ سے رکھ کر سب قوموں کے سرداروں سے کہا کہ وہ اس چادر کے کونے پکڑ لیں۔ اور اس طرح سب کے سب اس کے اٹھانے میں برابر کے شریک ہو جائیں۔ اسی طرح اگر اردو، سنسکرت اور عربی کی مشترک تربیت میں دے دی جاتی تو یہ جھگڑا ختم ہو سکتا تھا۔ ٹائپ کا سوال مختلف قسم کا سوال ہے لیکن اگر مذکورہ بالا باتوں کی طرف توجہ ہوتی۔ تو بہت سے لوگ اسے حل کرنے کی طرف بھی مائل ہو جاتے۔ اور الحمد للہ کہ اس وقت حیدر آباد میں بہت سے ارباب بصیرت اس کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔

میری ان معروضات کا مطلب یہ ہے کہ اردو کی ترقی کے لئے ایسے ذرائع اختیار کرنے چاہئیں کہ بجائے ایک محدود جماعت کی دلچسپی کا مرکز بننے کے جمہور کو اس سے دلچسپی پیدا ہو۔ خالص علمی رسائل

صرف منتخب اشخاص کی توجہ منعطف کرا سکتے ہیں اور زبانیں چند آدمیوں سے نہیں بنتیں خواہ وہ بہت اونچے پایہ کے کیوں نہ ہوں۔ قاعدہ یہ ہے کہ زبان عوام الناس بناتے ہیں۔ اور اصطلاحیں علماء۔ اردو بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتی۔ پس اگر ہم اردو کی ترقی کے مقصد میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔ تو اس کا ذریعہ صرف یہی ہے کہ ہمارے ادبی رسالوں میں اس کے علمی پہلوؤں پر بحثیں ہوں۔ تاکہ صرف پیش آنے والی مشکلات کے علاج ہی کا سامان نہ ہو۔ بلکہ عوام الناس بھی ان تحقیقات سے واقف ہوتے جائیں اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل سے کئی اردو رسائل کامیابی سے چل رہے ہیں۔ اگر ان رسائل میں چند صفحات مستقل طور پر اس بات کے لئے وقف ہو جائیں کہ ان میں اردو زبان کی لغت یا قواعد یا اصطلاحوں وغیرہ پر بحثیں ہوا کریں تو یقیناً تھوڑے عرصہ میں وہ کام ہو سکتا ہے جو بڑی بڑی انجمنیں نہیں کر سکتیں۔ اور بڑا فائدہ یہ ہو تاکہ جو نئی نئی اختراعیں ہوں گی یا الفاظ کے استعمال یا قواعد زبان کے متعلق جو پہلو زیادہ وزنی معلوم ہو گا عام لوگ بھی اس کو قبول کریں گے کیونکہ دلچسپ اردو رسائل میں چھپنے کی وجہ سے وہ سب مضامین ان کی نظروں سے بھی گزرتے رہیں گے۔ ہاں یہ مد نظر رہے کہ مضمون ایسے رنگ میں ہو کہ سب لوگ اسے سمجھ سکیں۔ اس قسم کے مضامین کی اشاعت کا فائدہ یہ بھی ہو گا کہ ہمارے ہندو بھائی بھی ان بحثوں میں حصہ لے سکیں گے اور اس میں کیا شک ہے کہ بغیر ان کی مدد کے ہم یہ کام نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اردو میں بہت سے لفظ سنسکرت اور ہندی بھاشا کے ہیں اور ان کی اصلاح یا ان میں ترقی بغیر ہندوؤں کی مدد کے نہیں ہو سکتی۔ ان کی شمولیت کے بغیر یا تو وہ حصہ زبان کا نامکمل رہ جائے گا۔ یا اسے بالکل ترک کر کے اس کی جگہ عربی الفاظ اور اصطلاحیں داخل کرنی پڑیں گی۔ اور یہ دونوں باتیں سخت مضر ہیں اردو کی ترقی کے راستہ میں روک پیدا کرنے والی ہوں گی۔

اس تمہید کے بعد میں ایڈیٹر صاحب ادبی دنیا اور دوسرے ادبی رسائل سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر وہ ان باتوں میں مجھ سے متفق ہوں تو اپنے رسائل میں ایک مستقل باب اس غرض کے لئے کھول دیں۔ لیکن انہیں ان مشکلات کا بھی اندازہ کر لینا چاہئے جو اس کام میں پیش آئیں گی۔ مثلاً یہ کہ جو سوالات اٹھائے جائیں گے انہیں حل کون کرے گا بالکل ممکن ہے کہ جواب دینے والے ایسے لوگ ہوں جن کا کلام مستند نہ ہو یا جن کے جواب تسلی بخش نہ ہوں یا کوئی شخص جواب کی طرف توجہ ہی نہ کرے۔ اگر صرف رسالہ کے ادارہ نے جواب دیئے تو پھر اول تو اصل مطلب فوت ہو جائے گا دوم ممکن ہے کہ اس سے وہ اثر پیدا نہ ہو سکے۔ جو اصل مقصود ہے۔ لہٰذا اس مشکل اور اس قسم کی دوسری مشکلات کے حل کے لئے میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ جو رسالہ اس تحریک پر عمل کرنا چاہے اس میں ایک ادبی کلب قائم کر دی جائے ادارہ کی طرف سے متعدد بار تحریک کر کے رسالہ کے خریداروں کے

نام ظاہر کریں۔ جو خریدار مستند ادیب ہیں ان سے اصرار کر کے اپنا نام پیش کرنے کے لئے کہا جائے ایسے تمام خریداروں کے نام ایک رجسٹر میں جمع کر لئے جائیں۔ اور انہیں ادبی کلب کا ممبر سمجھا جائے۔ چونکہ بالکل ممکن ہے کہ بہت سے ادیب اور علماء جن کی امداد کی ضرورت سمجھی جائے۔ رسالہ کے خریدار نہ ہوں۔ اس لئے ایسے لوگوں کی ایک فہرست تیار کی جائے اور رسالہ کے مستطیع خریداروں کی امداد سے ان کے نام رسالہ مفت ارسال کیا جائے اور ان کا نام اعزازی ممبر کے طور پر کلب کے رجسٹر میں درج کر لیا جائے۔

تمام ممبروں سے امید کی جائے کہ جب کبھی کوئی سوال (۱) اردو لغت کے متعلق (۲) نحوی قواعد کے متعلق (۳) بعض علمی خیالات کے ادا کرنے میں زبان کی دقتوں کے متعلق (۴) محاورات کے متعلق (۵) تذکیر و تانیث (۶) جمع کے قواعد کے متعلق (۷) پرانی اصطلاحات کی تشریح یا نئی اصطلاحات کی ضرورت کے متعلق پیدا ہو تو بجائے خود حل کر کے خود ہی اس سے لطف حاصل کرنے کے وہ اس سوال کو رسالہ کے ادبی کلب کے حصول کے لئے کرائیں۔ خواہ اپنا حل بھی ساتھ ہی لکھ دیں یا خالی سوال ہی لکھ دیں ان سے یہ بھی امید کی جائے کہ جب کوئی ایسا سوال سامنے ہو تو وہ اس کا جواب دینے کی کوشش کیا کریں۔

ملک کو اردو علم ادب کے لحاظ سے چند حلقوں میں تقسیم کر دیا جائے مثلاً (۱) دہلی اور اس کے مضافات (۲) لکھنؤ اور اس کے مضافات (۳) پنجاب (۴) رامپور اور اس کے مضافات (۵) بھوپال اور اس کے مضافات (۶) آگرہ اور اس کے مضافات (۷) اعظم گڑھ اور الہ آباد اور اس کے مضافات (۸) بہار (۹) حیدر آباد۔

اس طرح علمی لحاظ سے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

(۱) اسلامی یعنی عربی اور فارسی اثر۔

(۲) ہندو یعنی سنسکرت اور ہندی بھاشا اثر۔

جب سوالات رسالہ کے دفتر میں آئیں تو ادارہ انہیں مختلف حصوں میں تقسیم کر دے مثلاً جو سوال کسی لفظ کے استعمال اس کی شکل اور اس کی تذکیر و تانیث کے متعلق ہوں انہیں ایک جگہ جمع کر کے شائع کرے اور ان کے متعلق مذکورہ بالا حلقوں کے احباب سے درخواست کرے کہ وہ نہ صرف اپنی علمی تحقیق بتائیں بلکہ یہ بھی بتائیں کہ ان کے علاقہ میں وہ لفظ اردو میں استعمال ہوتا ہے یا نہیں اگر ہوتا ہے تو کس شکل میں اور کن کن معنوں میں۔ اس طرح دو فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک تو اس امر کا اندازہ ہو جائے گا کہ اس خاص لفظ یا محاورہ کے متعلق اردو بولنے والوں کی اکثریت کس

طرف جارہی ہے اور اس سے اردو کی ترقی کی رو کا اندازہ ہو سکے گا۔ دوسرے علمی تحقیق بھی ہو جائے گی اور پڑھنے والوں کی طبائع فیصلہ کر سکیں گی کہ اس بارہ میں اردو کے حق میں کون سی بات مفید ہے آیا تحقیق کی پیروی کرنی چاہئے یا غلط الفاظ کی تصدیق کہ یہ دونوں باتیں اپنے اپنے موقع پر زبان کی ترقی کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ اس طرح جس لفظ کے متعلق بحث ہو اگر سنسکرت یا ہندی بھاشا اس کا ماخذ ہو تو اس کے علماء کو اور اگر عربی فارسی ماخذ ہو تو اس کے علماء کو اس پر روشنی ڈالنے کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اس طرح اور بہت سی تقسیمیں کی جاسکتی ہیں۔ جو اس کلب کو زیادہ دلچسپ بنانے کا باعث ہو سکتی ہیں کلب کا کام فیصلہ کرنا ہو بلکہ ہر پہلو کو روشنی میں لانا ہو۔

اس طرح جدید اصطلاحات کی ضرورتوں کو کلب کے صفحات میں شائع کیا جائے اور بحث کی طرح اس طریق پر نہ ڈالی جائے کہ خالص عربی یا خالص سنسکرت اصطلاحات لے لی جائیں بلکہ تحریک یہ کی جائے کہ وہ خیال جس کے ادا کرنے کی ضرورت پیدا ہوئی ہے۔ اس کے متعلق کلب کے ممبر پہلے یہ بحث کریں کہ اس خیال کا کسی اردو لفظ سے تعلق ہے۔ پھر یہ دیکھا جائے کہ وہ لفظ کس زبان کا ہے۔ اور آیا اس لفظ سے جدید اصطلاح کا بنانا آسان ہو گا۔ اگر عام رائے اس کی تائید میں ہو تو پھر اس زبان کے ماہروں سے درخواست کی جائے کہ وہ اس کے متعلق اپنا خیال ظاہر کریں کیونکہ جس زبان کا لفظ ہو اس کے ماہر اس کے صحیح مشتقات پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔

ممکن ہے یہ خیال کیا جائے کہ اردو رسائل کے ادارے تو پہلے بوجھوں تلے دبے پڑے ہیں وہ اتنی پیچیدہ سکیم پر کس طرح عمل کر سکتے ہیں لیکن اول تو یہ سکیم عمل میں اس قدر پیچیدہ اور توجہ طلب نہ ہو گی۔ جس قدر کاغذ پر نظر آتی ہے۔ دوم اس قسم کے کلب جیسا کہ یورپ کا تجربہ ہے۔ ہمیشہ رسائل و اخبارات کی دلچسپی اور خریداری بڑھانے کا موجب ہوتے ہیں اس لئے جو رسالہ اس کام کو شروع کرے گا وہ میرے نزدیک مالی پہلو سے فائدہ میں رہے گا۔ تیسرے یہ بھی ضروری ہے کہ فوراً اس ساری سکیم پر عمل کیا جائے ہو سکتا ہے کہ کلب جاری کر کے صفحات مقرر کئے بغیر اور اس طرح مضامین تقسیم کئے بغیر جس طرح میں نے بیان کیا ہے کام شروع کر دیا جائے پھر جوں جوں ادارہ اور کلب کے ممبروں کو مشق ہوتی جائے کام کو اصول کے ماتحت لایا جائے۔ تھوڑی سی ہمت کی ضرورت ہے اور بس۔

ادبی دنیا کے لئے اور اگر کوئی اور رسالہ اس تحریک پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ضرورت ہو تو میں اس بحث کو واضح کرنے کے لئے اور اس تحریک سے لوگوں میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے بشرط فرصت اور مضامین بھی لکھ سکتا ہوں"۔ (صفحہ ۱۸۶-۱۸۸)

جناب تاجور نے حضور کے مضمون کے ساتھ ایک ادارتی نوٹ دیا۔ جس میں آپ کی اردو نوازی اور ادبی خدمات کو زبردست خراج تحسین ادا کرتے ہوئے لکھا۔

"حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کی توجہات بیکراں کا میں سپاس گزار ہوں کہ وہ ادبی دنیا کی مشکلات میں ہماری عملی امداد فرماتے ہیں میں نے ان کی جناب میں امداد کی نہ کوئی درخواست کی تھی۔ نہ مجھے احمدی ہونے کا شرف حاصل ہے اور نہ ادبی دنیا کوئی مذہبی پرچہ ہے۔ مگر حضرت مرزا صاحب اپنی عزیز مصروفیتوں میں سے علم و ادب اور علم و ادب کے خدمتگزاروں پر توجہ فرمائی کے لئے بھی وقت نکال لیتے ہیں۔ ملکی زبان و ادب سے جناب موصوف کا یہ اعتنا ان علماء کے لئے قابل توجہ ہے۔ جو اردو ادب کی خدمت کو تضیع اوقات سمجھتے ہیں"۔ ۲۲

اگلے نمبر میں مزید لکھا۔

"پچھلے نمبر میں حضرت امام جماعت احمدیہ قادیان کی توجہ بیکراں کا حال آپ نے پڑھ لیا ہو گا۔ امام جماعت احمدیہ مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود کے خلف الرشید اور ان کے خلیفہ ہیں۔ مرزا صاحب مرحوم کی تصانیف اردو ادب کا ایک ذخیرہ بیکراں ہیں الولد سرّ لابیہ کے مطابق ان کے نامور فرزند کے دل میں بھی اردو زبان کے لئے ایک لگن اور اردو کے خدمت گزاروں سے ایک لگاؤ موجود ہے"۔ ۲۳

اس مضمون میں حضور نے ادبی رسالوں کے سامنے ایک سکیم بھی رکھی تھی۔ جسے ادبی حلقوں میں پسند کیا گیا۔ چنانچہ سید عبد القدوس صاحب ہاشمی ندوی ایم۔ اے مدیر رسالہ "قدیم" (گیا جنوبی ہند) نے ۹/ اپریل ۱۹۲۱ء کو حضور کی خدمت میں لکھا کہ میں نے رسالہ "ادبی دنیا" میں شائع شدہ آپ کی سکیم کئی بار پڑھی اور مجھے یہ بہت پسند آئی ہے میں جناب کی سکیم بروئے کار لانا چاہتا ہوں۔ اور میں انشاء اللہ ابتدائی دقتیں بھی برداشت کر لوں گا۔ میں حضور کا بہت شکر گزار ہوں گا اگر اس بارے میں گرانقدر مشورہ سے سرفراز فرمایا جائے۔

مسلمانان کانپور پر ہولناک مظالم

۲۵/ مارچ ۱۹۳۱ء کو ہندوؤں نے کانپور میں فرقہ وارانہ فساد کر کے مسلمانان کانپور پر ہولناک مظالم ڈھائے نہ بوڑھوں کے قتل سے رکے نہ بچوں کے قتل سے جھجکے۔ عورتوں کی چھاتیاں کاٹ ڈالیں۔ مکانات جلا دیئے دکانیں لوٹ لیں۔ اور مساجد منہدم کر دیں۔ سفاکی اور بے رحمی کی انتہا یہ تھی کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کی تباہی' بربادی' ہلاکت اور خوں ریزی پر مسرت و شادمانی کا اظہار کیا۔ چنانچہ لاہور کے ہندو اخبار "کیسری" نے لکھا۔ "اس وقت تک عام طور پر اس قسم کے فسادات میں یہ ہوتا تھا کہ ہندو پٹتے

اور مسلمان لوٹتے تھے۔ مگر اب حالات بدل رہے ہیں۔ ہمیں اس امر سے تسلی ہے کہ اب ہندو مار نہیں کھاتے"۔ ۲۴

اخبار "الفضل" نے جو مظلوم کی حمایت کے لئے وقف تھا۔ مسلمانوں پر ان خطرناک مظالم اور ذمہ دار حکام کی مجرمانہ غفلت کے خلاف زبردست آواز بلند کی۔ ۲۵ کانپور کے مصیبت زدہ مسلمانوں کی امداد کے لئے ایک مسلم ریلیف کمیٹی قائم ہوئی جسے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے دو سو روپے کا عطیہ ارسال فرمایا۔ جس کی رسید خان بہادر حافظ ہدایت حسین صاحب بار ایٹ لاء پریذیڈنٹ ریلیف کمیٹی کانپور نے بھجوائی۔ ۲۶

انگریزی حکومت کی غفلت شعاری اور حضور کا اعلان

حکومتیں ہمیشہ زبردست کا ساتھ دیا کرتی ہیں۔ ان دنوں انگریزی حکومت یہی مظاہرہ کر رہی تھی۔ مسلمانوں کے خلاف فسادات برپا ہوتے تو گواہی دینے والے مسلمان ہی مقدمات میں پھانس لئے جاتے تھے۔ حضرت اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے مسلمان بادشاہوں اور بزرگوں پر برابر حملے ہوتے رہتے۔ حتیٰ کہ امتحان کے پرچوں میں بھی مسلم بادشاہوں کو گالیاں دی جاتیں مگر حکومت ٹس سے مس نہ ہوتی۔

۱۹۳۱ء میں حکومت کی اس دو رخی پالیسی کا جماعت احمدیہ کو خاص طور پر نشانہ بننا پڑا۔ بنگال میں ایک بدباطن نے ایک کتاب لکھی جس میں حضرت مسیح موعودؑ کو شرمناک گالیاں دی گئیں۔ مگر حکومت نے اس پر کوئی نوٹس نہ لیا۔ اس کے مقابل ہماری طرف سے لیکھو نام لکھ دینے پر حکومت کی مشینری حرکت میں آگئی۔ بحالیکہ جب پنڈت لیکھرام کا نام ہی لیکھو ۲۷ ہو تو اسے لیکھو نہ لکھا جائے تو اور کیا لکھا جاتا۔

حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے حکومت کے اس غیر دانشمندانہ و نامنصفانہ اقدام پر ۲۷/ مارچ ۱۹۳۱ء کو احتجاج کرتے ہوئے فرمایا۔

"ہم ہرگز ایسے نوٹسوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہم قانون کی پابندی کرتے ہیں۔ گورنمنٹ اگر کوئی قانون بنائے گی کہ لیکھو کو لیکھو نہ کہا جائے تو خدا تعالیٰ ہمارے لئے کوئی اور راہ نکال دے گا جس سے ہم آریوں کی دکھتی رگ پکڑ سکیں گے۔ کیونکہ اسلام کوئی حکم ایسا نہیں دیتا۔ جس سے مشکلات میں اضافہ ہو جائے۔ اگر اس نے قانون کی پابندی کا حکم دیا ہے تو ایسے راستے بھی بتا دیئے ہیں۔ کہ قانون کے اندر رہتے ہوئے بھی اپنی غیرت کا ثبوت دے سکیں"۔ ۲۸

اس کے ساتھ ہی آپ نے مصنفین سلسلہ کو اجازت دی کہ وہ اخلاق و قانون کے اندر رہتے

ہوئے آریوں کی بدزبانیوں کا جواب دیں۔ ہاں قانون کی پابندی کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ قید سے ڈریں اگر انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا اور اظہار صداقت کے "جرم" میں انہیں جیل میں ڈال دیا جاتا ہے تو انہیں بخوشی چلے جانا چاہئے۔ کیونکہ مومن بزدل نہیں ہوتا۔ [۲۸]

چوتھا باب (فصل دوم)

تحفہ لارڈ ارون

لارڈ ارون ۱۹۲۶ء میں ہندوستان میں وائسرائے ہو کر آئے اور ۱۹۳۱ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ لارڈ ارون نہایت خوش خلق، نیک دل اور مذہبی آدمی تھے۔ جنہوں نے اپنے پانچ سالہ دور حکومت میں اعلیٰ اخلاقی نمونہ پیش کیا۔

لارڈ ارون جب ہندوستان سے رخصت ہونے لگے۔ تو دوسروں نے تو ان کو مادی تحفے و تحائف پیش کئے مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ایک کتاب "تحفہ لارڈ ارون" کے نام سے (۲۷/ مارچ سے ۳۱/ مارچ ۱۹۳۱ء تک) پانچ روز میں تصنیف فرمائی [1] اور جو احمدیہ وفد [2] نے ۸/ اپریل ۱۹۳۱ء کو وائسرائیگل لاج (دہلی) میں وائسرائے ہند لارڈ ارون کو نہایت خوبصورت سنہری کاسکیٹ اور خوشنما طشتری میں بطور تحفہ پیش کی۔

"تحفہ لارڈ ارون" تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں حضور نے لارڈ ارون کو ان کے طریق عمل پر مبارکباد دینے اور ان کے جذبہ مذہبی کی تعریف کرنے کے بعد توجہ دلائی ہے کہ حکومت برطانیہ سے دانستہ یا نادانستہ ہندوستانی مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ ان کی حکومت انگریزی حکومت کے قیام سے طبعاً تباہ ہو گئی ہے۔ اور نہ صرف کرناٹک، بنگال، اودھ، میسور، جھجر اور سندھ جیسی اسلامی ریاستیں مٹ گئی ہیں بلکہ مسلمانوں کا تمدن اور فوقیت بھی انگریزی حکومت کے نتیجہ میں تباہ ہو گئی حالانکہ غالب گمان تھا کہ اگر انگلستان کا قدم درمیان میں نہ آتا تو چند سال میں ایک نئی زبردست اسلامی حکومت اسی طرح ہندوستان میں قائم ہو جاتی جس طرح مغلوں سے پہلے بار بار ہو چکی تھی۔ لہٰذا اب جبکہ ہندوستان کی عنان حکومت ہندوستانیوں کے سپرد کی جانے والی ہے۔ انگلستان کا فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ اس تغیر کے نتیجہ میں مسلمان اور زیادہ تباہ نہ ہو جائیں۔ بلکہ انہیں علمی، تمدنی اور مذہبی ترقی کرنے کا موقع حاصل رہے نہ یہ کہ جب وہ ہندوستان کو آزادی دے تو ہندوؤں کو اپنی پہلی حالت سے سینکڑوں گنا طاقتور اور مسلمانوں کو سینکڑوں گنا کمزور کر کے جائے۔ اگر ایسا ہوا تو مسلمانوں کو ہمیشہ انگریزوں سے یہ جائز شکایت رہے گی کہ انہوں نے ہندوستان میں آ کر یا اپنا فائدہ کیا یا ہندوؤں کا اس کے برعکس مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے کی بجائے ان کی طاقت کو توڑ کر ہمیشہ کے لئے انہیں کمزور کر دیا۔ پس میں اور تمام جماعت احمدیہ بلکہ ہر مسلمان آپ سے امید کرتا ہے کہ آپ انگلستان جا

کر اپنے دوستوں کو خصوصاً برطانوی پبلک کو عموماً اسلامی نقطہ نگاہ سے واقف کریں گے۔ اور انگلستان کو اس خطرناک غلطی میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھیں گے۔ احمدی جماعت یہ امر کبھی برداشت نہیں کرے گی کہ مسلمانوں کو دوسری قوموں کے رحم پر چھوڑ دیا جائے اور اسلام کو آزادانہ طور پر پرامن طریق سے ترقی کرنے کے ذرائع سے محروم کر دیا جائے۔

دوسرے اور تیسرے باب میں حضور نے لارڈ اروِن کو اسلام اور سلسلہ احمدیہ کی نسبت گزشتہ نوشتے بتائے اور پھر جماعت احمدیہ کے بائیس بنیادی عقائد بیان کرنے کے بعد خاتمہ میں بتایا کہ "بے شک یہ سلسلہ اس وقت کمزور ہے لیکن سب الٰہی سلسلے شروع میں کمزور ہوتے ہیں' شام' فلسطین اور روم کے شہروں میں پھرنے والے حواریوں کو کون کہہ سکتا تھا کہ یہ کسی وقت دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیں گے۔ وہی حال ہمارے سلسلہ کا ہے اس کی بنیادیں خدا تعالیٰ نے رکھی ہیں اور دنیا کی روکیں اس کی شان کو کمزور نہیں بلکہ دوبالا کرتی ہیں کیونکہ غیر معمولی مشکلات پر غالب آنا اور غیر معمولی کمزوری کے باوجود ترقی کرنا الٰہی مدد اور الٰہی نصرت کا نشان ہوتا ہے اور بصیرت رکھنے والوں کے ایمان کی زیادتی کا موجب"۔ [۲۲]۔

لارڈ اروِن نے اس قیمتی تحفہ پر بہت خوشی کا اظہار کرنے اور اس کا زبانی شکریہ ادا کرنے کے علاوہ حضور کے نام ایک تحریری شکریہ بھی ارسال کیا جو تحفہ لارڈ اروِن اردو ایڈیشن کے آخر میں طبع شدہ ہے۔

اتحاد المسلمین کے لئے تحریک

سیاسی تغیرات ملکی اپنے ساتھ مذہبی خطرات بھی لا رہے تھے۔ وہ مسلمان جو پہلے ہی اقتصادی طور پر ہندوؤں کے دست نگر اور ذہنی طور پر ان کے زیر اثر تھے۔ اور تعلیمی اور دنیوی ترقیات سے محروم چلے آرہے تھے۔ اور ان کا تبلیغی مستقبل بھی تاریک نظر آرہا تھا۔ چنانچہ گاندھی جی کا اخبار سٹیٹسمین میں ایک انٹرویو شائع ہوا۔ کہ سوراج (ملکی حکومت) مل جانے کے بعد اگر غیر ملکی مشنری ہندوستانیوں کے عام فائدہ کے لئے روپیہ خرچ کرنا چاہیں گے تو اس کی تو انہیں اجازت ہو گی لیکن اگر وہ تبلیغ کریں گے تو میں انہیں ہندوستان سے نکلنے پر مجبور کروں گا۔ جس کے معنے اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتے کہ سوراج میں مذہبی تبلیغ بند ہو جائے گی۔

اس کے علاوہ ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے واقعات برابر ہو رہے تھے۔ پہلے بنارس میں فساد ہوا۔ پھر آگرہ اور میرزاپور میں اور پھر کانپور میں مسلمانوں کو نہایت بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس نازک موقع پر مارچ ۱۹۳۱ء مسلمانوں کو پھر اتحاد کی پر زور تلقین فرمائی اور نصیحت کی کہ اگر مسلمان ہندوستان میں زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ تو انہیں یہ سمجھوتہ کرنا چاہئے کہ اگر دیگر قوموں کی طرف سے کسی اسلامی فرقہ پر ظلم ہو تو خواہ اندرونی طور پر اس سے کتنا ہی شدید اختلاف کیوں نہ ہو اس موقع پر متفق ہو جائیں گے [۲۳]۔

تحریک اتحاد کے تعلق میں جماعت احمدیہ کی کوششیں کہاں تک بار آور ہوئیں اس کا اندازہ ایک ہندو اخبار کے حسب ذیل الفاظ سے لگ سکتا ہے۔ اخبار "آریہ ویر" لاہور (۹/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۶) نے لکھا۔

"رشی دیانند اور منشی اندرمن کے زبردست اعتراضات کی تاب نہ لا کر مرزا غلام احمد قادیانی نے احمدیہ تحریک کو جاری کیا۔ احمدیہ تحریک کا زیادہ تر حلقہ کار مسلمانوں کے درمیان رہا...... اس جماعت کے کام نے مسلمانوں کے اندر حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی ہے...... اس تحریک نے مسلمانوں کے اندر اتحاد پیدا کر دیا...... آج مسلمان ایک طاقت ہیں 'مسلمان قرآن کے گرد جمع ہو گئے"۔ [۲۴]

مسلمانوں کے لئے نازک وقت اور جماعت احمدیہ کو نصیحت

خدا تعالیٰ کے فضل سے اب جماعت احمدیہ کو ایک ایسا مقام حاصل ہو چکا تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی نگاہیں اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے لئے اسی کی طرف اٹھتی تھیں اور وہ جماعت کی سیاسی رہنمائی اور قیادت کا اقرار کھلے لفظوں میں کرنے لگے تھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجلس مشاورت ۱۹۳۱ء (منعقدہ ۲-۳-۴/ اپریل) کے موقع پر جماعت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ۔

"اب ایسے تغیرات ہونے والے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے ہوشیاری سے کام نہ لیا اور اللہ تعالیٰ کا فضل جذب کرنے کی تدبیر نہ کی تو ہندوستان میں مسلمان اسی طرح تباہ ہو جائیں گے جس طرح سپین میں ہوئے تھے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اگر مسلمان ہوشیاری سے کام لیں اور خدا تعالیٰ کی رضا کے ماتحت کام کریں تو یہ ملک جس میں ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی ہے خدائے واحد کی عبادت کرنے لگے۔

اس سلسلہ میں حضور نے جماعت کو اس کی ذمہ داری کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"خدا تعالیٰ کی توحید قائم ہو گی۔ اور ضرور قائم ہو گی مگر یہ ضروری نہیں کہ اسلام کی ترقی ہمارے ہاتھوں ہو۔ اگر ہم اس کے اہل ثابت ہوئے تو ہمارے ہاتھوں ہو گی ورنہ خدا تعالیٰ کوئی اور قوم کھڑی کر دے گا"۔ [۲۵]

صنعت و حرفت کی طرف توجہ

ہندوستان میں تجارت قریباً تمام کی تمام ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی جو مسلمان اس طرف توجہ کرتے تھے۔ وہ اس لئے کامیاب نہیں ہو سکتے تھے کہ درمیان کے سارے راستے ہندوؤں کے قبضہ میں تھے۔ جب ملک میں سودیشی تحریک پیدا ہوئی تو مسلمانوں کو بھی صنعت کا خیال آیا۔ لیکن بڑھئی' جلاہے' معمار' لوہار جو پہلے زیادہ تر مسلمان ہوتے تھے۔ وہ گرے ہوئے برتاؤ کی وجہ سے اپنے اپنے پیشہ کو حقیر سمجھ کر چھوڑ چکے اور اس کی جگہ دوسرا کام اختیار کر چکے تھے۔ اس لئے سودیشی تحریک سے بھی زیادہ تر فائدہ ہندوؤں ہی نے حاصل کیا۔ اور وہ تجارت کے قریباً تمام شعبوں پر قابض ہو گئے۔ حتیٰ کہ ذبیحہ گاؤ کے سوال پر آئے دن جابجا فسادات برپا کرنے کے باوجود چمڑے کی تجارت کے بھی مالک بن بیٹھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس سال مشاورت ۱۹۳۱ء کے موقع پر دوسرے مسلمانوں کو عموماً اور اپنی جماعت کو خصوصاً اس نازک صورت حال کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ جماعتی ترقی کے لئے صنعت و حرفت اور تجارت ضروری چیزیں ہیں۔ اور اگر مسلمانوں نے جلد ہی ادھر توجہ نہ کی تو ان پر ترقی کے راستے ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں گے۔

حضور نے اس سلسلہ میں ایک صنعتی تحریک جاری کرنے کا قصد فرمایا اور اس کی سکیم بنانے کے لئے چند تجربہ کار اصحاب پر مشتمل ایک کمیٹی بنادی جن کے اسماء درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب (پریذیڈنٹ) (۲) حضرت مولوی عبدالمغنی خان صاحب ناظر بیت المال (۳) سیٹھ فاضل بھائی صاحب سکندر آباد دکن (۴) مرزا محمد اشرف صاحب (محاسب صدر انجمن احمدیہ) (۵) محمد فاضل صاحب راولپنڈی (۶) مولوی محمد عبداللہ صاحب (بوتالوی) (۷) شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری [۲۶]۔

صنعتی تحریک کی سکیم کے مطابق قادیان میں پہلا کارخانہ "ہوزری فیکٹری" کے نام سے کھولا گیا جو ۱۹۲۳ء سے ۱۹۴۷ء تک بڑی کامیابی سے چلتا رہا [۲۷]۔

ناظروں کے دوروں سے متعلق حضرت خلیفہ ثانی کی ہدایت

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجلس مشاورت ۱۹۳۱ء کے موقع پر ایک طرف تو ناظروں کو یہ ہدایت کی کہ وہ دورے کر کے جماعتوں کی رہنمائی کریں اور دوسری طرف جماعتوں سے ارشاد فرمایا کہ۔

"میں امید کرتا ہوں آئندہ جماعتیں ناظروں کے دورہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گی اور ان کا احترام کر کے ثابت کر دیں گی۔ کہ ہم دینی خدمت کرنے والوں کا پورا پورا احترام کرنے والے

ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے تو یہاں تک فرمادیا ہے کہ میں جسے کسی کام کے لئے مقرر کرتا ہوں۔ اس کی اطاعت کرنے والا میری اطاعت کرتا ہے اور اس کی نافرمانی کرنے والا میری نافرمانی کرتا ہے اسی طرح رسول کریم ﷺ نے آرگنائزیشن کو مذہب کا حصہ بنادیا اور کام کرنے والوں کی اطاعت اور احترام نظام کی جان ہے"۔ ۳۸

نمائندگان مشاورت کو زریں نصیحت

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۵/ اپریل ۱۹۳۱ء کو جو اس مجلس مشاورت کا تیسرا دن تھا۔ اس کے آخری اجلاس میں نمائندگان مشاورت کو نصیحت فرمائی کہ ہمارے سارے کام روحانیت پر مبنی ہیں۔ جب تک ہماری جماعت کا ہر فرد یہ محسوس نہیں کرتا کہ ہمارے کام قومی ملکی سیاسی نہیں بلکہ مذہبی ہیں اور ان کا سرانجام دینا عبادت ہے اس وقت تک کامیابی نہیں ہو سکتی"۔ ۳۹

خواتین میں بہادری پیدا کرنے کی تحریک

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۰/ اپریل ۱۹۳۱ء کو خواتین میں تحریک جرأت و بہادری پیدا کرنے کے سلسلہ میں فرمایا۔

"ابتدائی ایام میں مسلمان عورتوں نے بڑا کام کیا۔ مگر اسی وجہ سے کہ انہیں جنگوں میں شامل ہونے کا موقعہ دیا گیا۔ رسول کریم ﷺ ہمیشہ انہیں جنگوں میں شامل رکھتے تھے لڑائی کے فنون سکھاتے تھے۔ اور مشق کراتے تھے۔ مگر اب مسلمانوں نے یہ باتیں چھوڑ دی ہیں۔...... ہمارا فرض ہے کہ انہیں دلیر بنائیں اور اگر لڑائی میں شامل ہونے کے لئے تیار نہیں کرسکتے تو کم از کم ان کے اندر اتنی جرأت تو پیدا کر دیں کہ اگر ہم میں سے کوئی اسلام کے لئے جان دینے کے لئے جائے تو انہیں بجائے صدمہ کے اس وصال سے خوشی ہو کہ اس ثواب میں ہم بھی شریک ہیں"۔ ۴۰

سفر منصوری

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹/ اپریل ۱۹۳۱ء کو مع حرم سوم حضرت ام رفیع صاحبہ اور اپنی دختر ناصرہ بیگم صاحبہ آب و ہوا کی تبدیلی کے لئے منصوری تشریف لے گئے۔ حضور کے ہمراہ حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد ایم اے' ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب اور شیخ یوسف علی صاحب پرائیوٹ سیکرٹری بھی تھے۔ ۴۱

حضور نے ۲۴/ اپریل کو جماعت احمدیہ منصوری کو اس کی تبلیغی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ پہاڑوں کو انبیاء اور علماء کے ساتھ نسبت ہے اس باطنی نسبت کے ساتھ اب پہاڑوں کو الٰہی سلسلوں کے ساتھ ایک نسبت ظاہری بھی ہو گئی ہے۔ اب اگر ایسے مختلف پہاڑی مقامات پر ہماری جماعتیں مضبوط ہو جائیں تو پھر ہم سارے ملک میں تبلیغ کر سکتے ہیں ۴۲

۲۶/ اپریل ۱۹۳۱ء کو حضور نے منصوری کے ٹاؤن ہال میں "ہندو مسلم اتحاد" کے موضوع پر ایک اہم لیکچر دیا۔ جس کے آخر میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ۔

"میں تفصیلی طور پر غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندو مسلمانوں کی صلح ہو سکتی ہے لیکن اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ صلح نہیں ہو سکتی۔ اور ہمیں اگر آپس میں لڑنا ہی پڑے تو بھی انسانیت کو بالائے طاق نہیں رکھنا چاہئے۔ لڑائی کے وقت اس قسم کے واقعات نہیں ہونے چاہئیں کہ ہم انسانیت کو ہی بھول جائیں عورتوں اور چھوٹے بچوں کو ہلاک کریں۔ چھوٹے بچوں پر تو جنگلی جانور بھی رحم کھاتے ہیں۔ بہادری سے لڑیں اس سے صلح ہو جانے کی امید قائم رہتی ہے نہ کہ بزدلی سے کام لیں کہ یہ انسانیت کے خلاف ہے" [۲۴]

حضور نے یکم مئی ۱۹۳۱ء کو اسلامیہ سکول میں خان بہادر ظل حسین صاحب آنریری مجسٹریٹ کی زیر صدارت دوسرا لیکچر دیا۔ جس میں ہندو مسلم تعلقات اور ان کی اصلاح کی ضرورت پر قریباً دو گھنٹہ تک معلومات افزا روشنی ڈالی۔ جسے تمام طبقوں نے عام طور پر پسند کیا بلکہ حاضرین میں سے بعض کی رائے تھی کہ یہ اپنی قسم کی پہلی تقریر ہے جس کی تعریف میں تمام مختلف الخیالات لوگ رطب اللسان ہیں۔

۳۰/ اپریل ۱۹۳۱ء کو حضور منصوری سے روانہ ہو کر ڈیرہ دون [۲۵] میں مقیم ہوئے پھر دہلی [۲۶] تشریف لے گئے جہاں حضور کی خدمت میں جماعت دہلی نے ایڈریس پیش کیا۔ حضور نے جماعت دہلی کی تعریف کی اور فرمایا کہ یہ جماعت ان جماعتوں میں سے ہے جو حتی الوسع ان تمام ذرائع کو استعمال کرتی ہیں جن سے وہ کوشش کرتی ہیں کہ جماعت کا قدم ترقی کی طرف بڑھے۔ [۲۷] قیام دہلی کے دوران حضور نے نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر دعا کی۔ [۲۸]

مولوی برکت علی صاحب لائقؔ سابق امیر جماعت لدھیانہ کی روایت کے مطابق اس سفر میں حضور مالیر کوٹلہ بھی تشریف لے گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے ایک قدیم صحابی حضرت صوفی میر عنایت علی صاحب کو بیعت اولیٰ کی معینہ جگہ کی نسبت اختلاف تھا۔ ان کے نزدیک بیعت اولیٰ موجودہ معینہ جگہ کے بالمقابل جنوبی کوٹھڑی میں ہوئی تھی۔ لیکن دوسرے بیعت کنندگان کی رائے میں معینہ جگہ ہی اصل جگہ تھی۔ اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے حضور نے واپسی پر لدھیانہ میں قیام فرمایا۔ اور بیعت اولیٰ کی جگہ کی تعیین فرمائی جس کی تصدیق حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی رضی اللہ عنہ نے بھی کی۔ (جو پہلے روز کے بیعت کرنے والوں میں شامل تھے) اس طرح حضرت امیر المومنین کے ہاتھوں صحیح مقام سے متعلق اختلاف کا ہمیشہ کے لئے فیصلہ ہو گیا۔ [۲۹]

حضور لدھیانہ سے روانہ ہو کر ۱۴/ مئی ۱۹۳۱ء کو دارالامان قادیان میں رونق افروز ہوئے۔ ۵۰
اس سفر میں آپ کو اکثر اوقات رات کے تین تین بجے تک مختلف دینی اور ملکی سرگرمیوں میں مصروف رہنا پڑا۔

اس سفر میں خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی مدیر "منادی" نے بھی آپ سے ملاقات اور حالات حاضرہ پر گفتگو کی۔ محترم خواجہ صاحب نے اسی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے اپنے اخبار "منادی" میں لکھا۔

"جماعت احمدیہ کے امام جناب میرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب سے ملا تو واحدی صاحب بھی ساتھ تھے ان کی عمر بیالیس سال کی ہے جب پہلے ملاقات ہوئی تھی تو ان کی ڈاڑھی نہیں نکلی تھی اور یہ اپنے والد کے ساتھ درگاہ (حضرت نظام الدین اولیاء۔ ناقل) میں آئے تھے۔ اب لمبی ڈاڑھی ہے اور کچھ بال بھی سفید ہو گئے ہیں۔ مجھ سے بارہ سال چھوٹے ہیں۔ آنکھیں غلافی ہیں ہنس کر یعنی خندہ پیشانی سے بات کرتے ہیں۔ بات چیت سے معلوم ہوا بہت بھولے اور بہت سیدھے سادھے مسلمان ہیں۔ موجودہ زمانہ کی چالاکی و ہوشیاری نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ بعض باتوں سے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک معصوم بچہ گفتگو کر رہا ہے۔ مجھ پر اس سادگی کا بہت اچھا اثر ہوا اور میرے دل میں ان کی عزت پیدا ہوئی۔ گفتگو موجودہ حالات پر تھی۔ وہ جداگانہ انتخاب کے حامی ہیں دلائل میں کوئی گہرائی نہ تھی"۔
۵۱، ۵۲

یہ تو خواجہ صاحب کا وہ تاثر تھا۔ جس کا ذکر انہوں نے ۱۹۳۱ء کی سرسری ملاقات کے بعد لکھا تھا اس کے بعد جلد ہی آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں آیا اور حضور کی صدارت میں ان کو تحریک آزادی کشمیر میں خدمات بجالانے کی سعادت حاصل ہوئی تو انہیں حضور کی شخصیت کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا اور وہ اپنے گزشتہ نظریہ کو بدلنے پر مجبور ہو گئے چنانچہ انہوں نے ۱۹۳۳ء میں حضور کی قلمی تصویر کھینچتے ہوئے لکھا۔

"میرزا محمود احمد دراز قد، دراز ریش، گندمی رنگ، بڑی بڑی آنکھیں، عمر چالیس سے زیادہ ذات مغل، پیشہ امامت اور مسیح موعود کی خلافت اور تقریر و تحریر کے ذریعہ قادیانی جماعت کی پیشوائی۔ پنجاب کے قصبہ قادیان میں رہتے ہیں۔ ان کے والد نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ امام مہدی ہیں اور حضرت عیسیٰ بھی ہیں اور شری کرشن بھی ہیں۔ اب یہ اپنے والد کے قائم مقام اور خلیفے ہیں۔ آواز بلند اور مضبوط ہے۔ عقل دور اندیش اور ہمہ گیر ہے۔ کئی بیویوں کے شوہر اور کئی بچوں کے باپ اور کثیر تعداد انسانوں کے رہنما ہیں۔ اکثر بیمار رہتے ہیں مگر بیماریاں ان کی عملی مستعدی میں رخنہ نہیں ڈال سکتیں۔

انہوں نے مخالفت کی آندھیوں میں اطمینان کے ساتھ کام کر کے اپنی مغلئی جواں مردی کو ثابت کر دیا اور یہ بھی کہ مغل ذات کار فرمائی کا خاص سلیقہ رکھتی ہے سیاسی سمجھ بھی رکھتے ہیں اور مذہبی عقل و فہم میں بھی قوی ہیں اور جنگی ہنر بھی جانتے ہیں یعنی دماغی اور قلمی جنگ کے ماہر ہیں"۔ ۵۳

صدر انجمن احمدیہ کے قواعد و ضوابط کی تشکیل

صدر انجمن احمدیہ کے قواعد و ضوابط جمع کرنے کے لئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت علامہ میر محمد اسحاق صاحب اور حضرت مرزا محمد شفیع صاحب آڈیٹر (صدر انجمن احمدیہ) پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی۔ جس نے مئی ۱۹۳۱ء میں مفصل قواعد و ضوابط مرتب کر دیئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس مجموعہ کے شائع کرنے کی منظوری ۱۴/ مئی ۱۹۳۶ء کو عطا فرمائی اور جنوری ۱۹۳۸ء میں یہ شائع کر دیا گیا۔ صدر انجمن احمدیہ کے قواعد اساسی (Bylaws) کا یہ پہلا ایڈیشن ۲۸۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس پر آخری نظر ثانی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے فرمائی اور جناب سید محمد اسمٰعیل صاحب سپرنٹنڈنٹ دفاتر نے اس کی ترقیات و اضافہ جات کے شامل کرنے میں مدد دی۔ ۵۴

جماعت احمدیہ کے ہر فرد کو بیدار و ہوشیار ہونے کا ارشاد

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۰/ مئی ۱۹۳۱ء کو ارشاد فرمایا کہ ہر احمدی کو اپنے ماحول میں بیدار ہو جانا چاہئے اور اندرونی و بیرونی دشمنوں پر کڑی نگاہ رکھنی چاہئے۔ اور خصوصاً منافقین کو بے نقاب کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔ اس ضمن میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔

"میں یقین رکھتا ہوں کہ ایسے لوگوں کو جماعت سے علیحدہ کر دینے سے سلسلہ کو کبھی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ تم اگر ایک کو نکالو تو خدا اس کے بدلے ہزار آدمی سلسلہ میں داخل کرے گا۔ آخر سلسلہ کی اشاعت کی ذمہ داری تو مجھ پر ہے۔ میں کیوں نہیں ڈرتا۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اگر میں ایک شخص کو بھی جماعت سے نکالوں تو خدا اس کے بدلے سینکڑوں آدمی مجھے دے گا۔ میں دیکھتا ہوں کہ مستریوں کو جماعت سے نکالنے کے بعد جماعت نے اتنی جلدی ترقی کی ہے کہ پچھلے سالوں میں ایسی ترقی نہیں ہوئی"۔

منافق کی آپ نے واضح علامت یہ بیان فرمائی کہ۔

"جس وقت کوئی شخص نظام سلسلہ کی تحقیر کرے اور علانیہ اعتراض کرے اور جب کہا جائے کہ ذمہ دار افسروں تک یہ بات پہنچاؤ تو وہ کہے کہ مجھے ڈر آتا ہے تو فوراً سمجھ جاؤ کہ وہ منافق ہے"۔ ۵۵

پہلا برٹش احمدی قادیان میں

مسٹر عبداللہ سکاٹ پہلے برطانوی احمدی اور انگریز نو مسلم تھے جو ۹/ مئی ۱۹۳۱ء کو قادیان تشریف لائے اور قریباً دو ماہ تک مرکز احمدیت کی برکات سے مستفید ہوئے۔ اس دوران آپ کو حضرت خلیفہ ثانی کی ملاقات کا موقعہ بھی ملا۔ واپسی پر آپ نے قادیان سے متعلق اپنے تاثرات ایک مفصل مضمون میں قلمبند کئے جن میں قادیان کی مساجد' اس کے اداروں اور پاکیزہ اور روحانی فضا کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا کہ قرآن شریف میں جنت کی جو تفصیل لکھی ہے کہ وہاں نہ غم ہو گا' نہ ڈر' نہ جھگڑے' ہر شخص ایک دوسرے سے السلام علیکم کہہ کر ملاقی ہو گا۔ یہی بات میں نے قادیان میں بچشم خود مشاہدہ کی ہے [۵۶]۔

چوتھا باب (فصل سوم)

قاضی محمد علی صاحب نوشہروی کا وصال

قاضی محمد علی صاحب بٹالہ کے واقعہ قتل میں ماخوذ تھے۔ آپ کی اپیل ۹ اور ۱۲/ جنوری ۱۹۳۱ء کو ہائیکورٹ لاہور میں جسٹس ایڈیسن اور جسٹس کولڈ سٹریم کے بینچ میں پیش ہوئی۔ اپیلانٹ کی طرف سے شیخ دین محمد صاحب ایم اے۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ ہائیکورٹ ممبر پنجاب کونسل اور شیخ بشیر احمد صاحب بی اے۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ ہائیکورٹ گوجرانوالہ (حال ٹمپل روڈ لاہور) نے پیروی کی۔ بنچ نے سشن جج کا فیصلہ موت بحال رکھا اور اپیل نامنظور کردی۔ ۵۷

ہائیکورٹ کے فیصلہ کے بعد حکومت پنجاب اور حکومت ہند سے رحم کی اپیل کی گئی مگر گورنر صاحب پنجاب اور وائسرائے ھند دونوں نے یہ اپیل رد کردی۔ جس پر پریوی کونسل کی طرف رجوع کیا گیا۔

پریوی کونسل میں اپیل دائر تھی کہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے قاضی محمد علی صاحب کو اپنے قلم سے ۹/ اپریل ۱۹۳۱ء کو مندرجہ ذیل نصیحت آمیز خط تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مکرم قاضی صاحب!	السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ہائی کورٹ کے فیصلہ کے بعد گورنمنٹ پنجاب اور حکومت ہند کے پاس رحم کی اپیل کی گئی اور گورنر صاحب اور وائسرائے دونوں نے اس اپیل کو رد کردیا اور اس کی بڑی وجہ جہاں تک میں سمجھا ہوں اس وقت کے سیاسی حالات ہیں وہ ڈرتے ہیں کہ اگر اس مقدمہ میں دخل دیں تو ان لوگوں کے بارے میں بھی دخل دینا پڑتا ہے۔ جو سیاسی شورش میں پھانسی کی سزا پا چکے ہیں۔

اب صرف ایک ہی راہ باقی تھی اور وہ پریوی کونسل میں اپیل تھی سو اپیل اب دائر ہے اور اس ماہ میں اس کی پیشی ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا اس لئے میں پیشتر اس کے کہ اس اپیل کا فیصلہ ہو آپ کو بعض امور کے متعلق لکھنا چاہتا ہوں۔

(۱) جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ میرا یہ یقین ہے کہ قانون کو ہاتھ میں لینا ہمارے طریق کے خلاف ہے اس لئے جس حد تک بھی آپ سے غلطی ہوئی ہے اس کے متعلق آپ کو توبہ اور استغفار سے کام

لینا چاہئے اللہ تعالیٰ نے جب ایک قانون بنایا ہے تو یقیناً اس نے ہمارے لئے ایسے راہ بھی بنائے ہیں کہ بغیر قانون شکنی کے ہم اپنی مشکلات کا حل سوچ سکیں۔

(۲) خواہ آپ سے غلطی ہی ہوئی لیکن چونکہ آپ نے جو کچھ کیا ہے جہاں تک مجھے علم ہے محض دین کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے لئے کیا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر آپ استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر توکل سے کام لیں۔ تو وہ نہ صرف یہ کہ آپ سے عفو کا معاملہ کرے گا بلکہ آپ کو اپنے اخلاص کا بھی اعلیٰ بدلہ دے گا۔

(۳) غیب کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے ہم امید رکھتے ہیں کہ وہ آپ سے رحم کا معاملہ کرے گا۔ اور آپ کے بچاؤ کی کوئی صورت پیدا کر دے گا لیکن اس کی مشیت پر کسی کو حکومت نہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کو برأت کی خوابیں آئی ہیں لیکن خدا تعالیٰ کی برأت اور رنگ میں ہوتی ہے۔ اس کی طرف سے یہ بھی ایک برأت ہے کہ غلطی کی سزا اس دنیا میں دے کر انسان کو پاک کر کے اپنے فضل کا وارث کر دے۔ پس چونکہ خوابیں تعبیر طلب ہوتی ہیں ان کے ظاہری معنوں پر اس قدر زور نہیں دینا چاہئے۔ اور اس امر کو مدنظر رکھنا چاہئے کہ اگر ان کی تعبیر کوئی اور ہے تو پھر بھی بندہ اللہ تعالیٰ کی قضاؤ قدر پر راضی رہے۔

کوئی انسان دنیا میں نہیں جو موت سے بچا ہوا ہو اور ایسا بھی کوئی نہیں جو کہہ سکے کہ وہ ضرور لمبی عمر پائے گا بڑے بڑے مضبوط آدمی جوان مر جاتے ہیں اور کمزور آدمی بڑھاپے کو پہنچتے ہیں۔ پس کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک خاص قسم کی موت سے بچ بھی جائے تو کل ہی دوسری قسم کی موت اسے پکڑ نہ لے گی۔ پس کیوں نہ بندہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر راضی ہو تاکہ اس دنیا میں اسے جو تکلیف پہنچی ہو اگلے جہان میں تو اس کا بدلہ مل جائے۔ پس میں چاہتا ہوں کہ اس وقت کہ ابھی اپیل پیش ہونے والی ہے آپ کو توجہ دلاؤں کہ اگر خدانخواستہ یہ آخری کوشش بھی ناکام رہے تو آپ کو صبر اور رضاء بقضاء کا ایسا اعلیٰ نمونہ دکھانا چاہئے کہ جو ایک مومن کی شایان شان ہو۔

ابھی پچھلے دنوں بھگت سنگھ وغیرہ کو پھانسی کی سزا ہوئی ہے۔ لیکن ان لوگوں نے رحم کی اپیل کرنے سے بھی انکار کر دیا کیونکہ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے ملک کے لئے یہ کام کیا ہے ہم کسی رحم کے طالب نہیں اور پھر بغیر گھبراہٹ کے اظہار کے یہ لوگ پھانسی پر چڑھ گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جو نہ خدا تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے۔ اور نہ مابعد الموت انہیں کسی زندگی یا کسی نیک بدلہ کا یقین تھا۔ صرف قومی خدمت ان کے مدنظر تھی اور بس۔ ان لوگوں کا یہ حال ہے تو اس شخص کا کیا حال ہونا چاہئے جو خدا تعالیٰ پر یقین رکھتا ہو اور ایک نئی اور اعلیٰ زندگی کا امیدوار ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت اسلامی تعلیم کے مطابق مجبور ہے کہ آپ کے فعل کو غلطی پر محمول کرے۔ لیکن ساتھ ہی جماعت اس امر کو بھی محسوس کر رہی ہے کہ آپ نے غیرت اور دینی جوش کا ایسا نمونہ دکھایا ہے کہ اگر اس فعل کے بدلہ میں آپ کو سزائے پھانسی مل جائے تو یقیناً جماعت اس امر کو محسوس کرے گی کہ آپ نے اپنی غلطی کا بدلہ اپنی جان سے دے دیا اور آپ کا اخلاص باقی رہ گیا۔ جسے وہ ہمیشہ یاد رکھنے کی کوشش کرے گی۔ لیکن اگر آپ سے کسی قسم کا خوف ظاہر ہو یا گھبراہٹ ظاہر ہو تو یقیناً جماعت کے لئے یہ ایک صدمہ کی بات ہو گی۔ اور آپ کے پہلے فعل کو وہ کسی دینی غیرت کا نتیجہ نہیں بلکہ عارضی جوش کا نتیجہ خیال کرے گی۔ پس آج اس وقت کا معاملہ نہ صرف یہ کہ آپ کے اپنے وقار پر اثر انداز ہو گا بلکہ جماعت کے وقار پر بھی۔ جس کے لئے کابل کے شہداء نے ایک اعلیٰ معیار قائم کر دیا ہے۔ پس جہاں ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پیالے کو آپ سے ٹلا دے اور آپ بھی دعا کریں کہ ایسا ہی ہو وہاں ہر ایک احمدی یہ امید کرتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی مشیت ہماری خواہشات کے خلاف ہو تو آپ کا رویہ اس قدر بہادرانہ اس قدر دلیرانہ اس قدر مومنانہ ہو گا کہ آئندہ نسلیں آپ کے نام کو یاد رکھیں۔ اور آپ کی غلطی کو بھلاتے ہوئے آپ کے اخلاص کی یاد کو تازہ رکھیں اور ان کے دل اس یقین سے پُر ہو جائیں کہ ایک احمدی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مشیت پر خوش ہے اور اسے دنیا کی کوئی تکلیف مرعوب نہیں کر سکی۔

خاکسار (دستخط مرزا محمود احمد)

قادیان ۳۱/۴/۹ خلیفۃ المسیح

آخر پریوی کونسل نے بھی فیصلہ بحال رکھا اور قاضی محمد علی صاحب کو خدا کی طرف سے آخری بلاوا آپہنچا۔ خدا کی مشیت ازلی پوری ہوئی اور آپ ۱۶/ مئی ۱۹۳۱ء کو گورداسپور جیل میں بوقت ۶ بجے صبح تختہ دار پر لٹکا دیئے گئے فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

قاضی صاحب کی نعش گورداسپور سے قادیان پہنچائی گئی اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے باغ میں پانچ ہزار کے مجمع سمیت نماز جنازہ ادا کی پھر دوستوں نے آپ کا چہرہ دیکھا اور فوٹو لیا گیا اور آپ بہشتی مقبرہ کی مقدس خاک میں دفن کر دیئے گئے۔ [۵۸]

قاضی صاحب بڑے حق پرست، متقی اور خداترس انسان تھے۔ [۵۹] وکیلوں اور قانون دانوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے بیان کو قانونی رنگ میں ڈھال لیں۔ تو وہ الفاظ کے معمولی ہیر پھیر سے سزا سے بچ سکتے ہیں۔ مگر انہوں نے معمولی سا اختلاف بھی گوارا نہ کیا۔ پھانسی قبول کرلی۔ مگر سچائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز آپ کی حق پرستی کو سراہتے ہوئے

فرماتے ہیں۔

"عدالت کے فیصلہ کے ہم پابند نہیں اس نے اپنا کام کیا اور اپنی رائے کے مطابق انہیں پھانسی دے دی اس پر اس کا کام ختم ہو گیا۔ مگر ہم اس کے فیصلہ کو صحیح ماننے کے پابند نہیں ہیں۔ اس نے اپنے نقطہ نگاہ پر بنیاد رکھی وہ ان کی سچائی سے اس طرح واقف نہ تھی جس طرح ہم واقف ہیں...... ہم نے ان کی صداقت کو دیکھا ہے متواتر ایسے واقعات ہوئے کہ انہیں جھوٹ بولنے کے لئے ورغلایا گیا۔ مگر انہوں نے ایک لحہ کے لئے صداقت کو نہ چھوڑا اور میں ذاتی طور پر واقف ہوں کہ وہ شخص جھوٹا نہ تھا اور پانچ نہیں اگر پانچ ہزار گواہ بھی اس کے خلاف شہادت دیں تو ہم انہیں ہی جھوٹا سمجھیں گے.........

عدالت نے اگرچہ دیانتداری سے فیصلہ کیا مگر غلط کیا۔ واقعہ یہی ہے کہ قاضی صاحب نے قتل نہیں کیا۔ ایک آدمی ضرور مرا۔ مگر معلوم نہیں کس کے ہاتھ سے...... پس ہم جب قاضی صاحب کی تعریف کرتے ہیں تو اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے ایک آدمی کو مار دیا بلکہ اس وجہ سے کہ انہوں نے سچائی کو اختیار کیا۔ آخر دم تک اس پر قائم رہے اور بالآخر جان دے دی۔ مگر صداقت کو نہ چھوڑا اور یہ وہ روح ہے جو ہم چاہتے ہیں ہر احمدی کے اندر پیدا ہو۔ اسی وجہ سے میں ان کے جنازہ میں شامل ہوا"۔ [۶۵]

قرآن مجید کی طباعت میں غیر مسلموں کے دخل پر انتقاد و احتجاج

ہندوستانی مسلمانوں کی غفلت اور عدم توجہی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی ایک غیر مسلموں نے قرآن مجید کی طبع و اشاعت کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ چونکہ ان کا مقصد محض روپیہ کمانا تھا۔ اس لئے ان کی طباعت میں خطرناک غلطیاں پائی جاتی تھیں۔ مثلاً لاہور کے ایک کتب فروش سنت سنگھ نے قرآن کریم کا پہلا پارہ شائع کیا۔ جس میں دوسری عام غلطیوں کے علاوہ قرآن مجید کی آیت میں حضرت آدم کے لئے جہاں خلیفہ کا لفظ آتا ہے۔ وہاں خبیث کا لفظ لکھ دیا۔

اس دلآزار حرکت کے خلاف اخبار الفضل نے (۳۰/ مئی ۱۹۳۱ء) کو شدید صدائے احتجاج بلند کی۔ اور کہا کہ غیر مسلموں کو قرآن مجید کی طباعت اور فروخت سے فوراً روک دینا چاہئے۔ مسلمانوں کو کسی غیر مسلم کا چھپا ہوا قرآن مجید نہیں خریدنا چاہئے اور مسلمان تاجران کتب کو قرآن مجید کی طباعت و اشاعت کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ [۶۶]

چوتھا باب (فصل چہارم)

جماعت احمدیہ کا چہل سالہ دور

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اکتوبر نومبر ۱۸۹۰ء میں مقام مسیحیت کا انکشاف ہوا۔ جس کا اعلان حضور نے شروع ۱۸۹۱ء میں "فتح اسلام" میں فرمایا۔ اس لحاظ سے ۱۹۳۱ء کے آغاز میں جماعت احمدیہ کی عمر چالیس سال تک پہنچ گئی اور بلوغت تامہ کا پہلا درجہ جماعت کو حاصل ہوا۔ یہ چالیس سالہ دور اس شان سے گزرا کہ اس کی ہر دہائی میں احمدیت کو فتح نصیب ہوئی۔ پہلے دس سال میں مسیحیت و مجددیت کے خلاف اٹھنے والے طوفان کا رخ پلٹا گیا۔ دوسرے دس سال میں اللہ تعالیٰ نے نبوت کی تشریح و توضیح کا سامان فرمایا۔ تیسرے دس سال میں نظام خلافت کو تقویت حاصل ہوئی۔ اور چوتھے دس سال میں بیرونی ممالک میں بکثرت احمدیہ مشن قائم ہوئے۔ اور سلسلہ کی عالمگیر ترقی کی بنیادیں رکھ دی گئیں۔

حضرت امیرالمومنین نے خدا تعالیٰ کی اس غیر معمولی تائید و نصرت پر جذبات تشکر ظاہر کرنے کے لئے ۵/ جون ۱۹۳۱ء کو ایک اہم خطبہ جمعہ پڑھا اور ارشاد فرمایا کہ۔

"یہ ایک قسم کی جوبلی ہے کیونکہ پچاس سال کی عمر کا پا جانا بڑی خوشی کی بات ہوا کرتی ہے۔ مگر پہلی بلوغت چالیس سالہ ہے اور ہمیں سب سے پہلے اس بلوغت کے آنے پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ باوجود دشمنوں کی کوششوں کے ہماری جماعت چالیس سال کی عمر تک پہنچ گئی۔ اور میں سمجھتا ہوں ہمیں خاص طور پر اس تقریب پر خوشی منانی چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قوانین میں سے ایک قانون یہ بھی ہے کہ اگر بندہ اس کی نعمت پر خوشی محسوس نہیں کرتا۔ تو وہ نعمت اس سے چھین لی جاتی ہے اور اگر خوشی محسوس کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو زیادہ زور سے اللہ تعالیٰ کے فیضان نازل ہوتے ہیں پس میرا خیال ہے ہم کو اس سال چالیس سالہ جوبلی منانی چاہئے"۔

اس چہل سالہ جوبلی کی بہترین صورت آپ نے یہ بیان فرمائی کہ۔

"سب سے بڑی جوبلی یہ ہے کہ ہم سال حال تبلیغ کے لئے مخصوص کر دیں اور اتنے جوش اور زور کے ساتھ تبلیغ میں مصروف ہو جائیں کہ ہر جماعت اپنے آپ کو کم از کم دگنی کرے یہ جوبلی ایسی ہو گی جو آئندہ نسلوں میں بطور یادگار رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے اپنی یادگاروں کے قیام کے لئے اینٹوں، پتھروں اور چونے کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ دنیا میں روحانیت قائم کرنا چاہتے ہیں اور

یہی ان کی بہترین یادگار ہوتی ہے کہ اس مقصد کو پورا کر دیا جائے جس کے لئے وہ دنیا میں مبعوث ہوئے"۔ [۶۲]

اور فرمایا۔

"اس جوبلی کی یادگار کا اس کو بھی حصہ ہی قرار دے لو کہ تمام بالغ احمدی خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں کوشش تو یہ کریں کہ ہمیشہ تہجد پڑھیں لیکن اگر ہمیشہ اس پر عمل نہیں کر سکتے تو جمعہ کی رات مخصوص کرلیں اور سب اللہ تعالیٰ کے حضور متفقہ طور پر دعائیں مانگیں"۔ [۶۳]

حضور نے ۱۲/ جون ۱۹۳۱ء کو جمعہ کی رات میں التزام سے تہجد پڑھنے کی تلقین کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار فرمایا کہ اگر جماعت یہ نیکی بطور یادگار پیدا کرے تو عرش الٰہی ہل جائے گا اور "دہریت کی رو جو اس وقت دنیا میں جاری ہے رک جائے گی اور بے دینی والحاد کو شکست ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول شروع ہو جائے گا"۔ [۶۴]

انجمن شباب المسلمین بٹالہ کا جلسہ

بٹالہ کی انجمن شباب المسلمین نے جماعت احمدیہ کے خلاف ایک محاذ قائم کر رکھا تھا۔ جون ۱۹۳۱ء کو اس کے پلیٹ فارم پر جناب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے ایک روایت کے مطابق یہاں تک کہہ ڈالا کہ احمدیوں کے مقابل پر ہمیں کسی کوشش کی ضرورت نہیں سیاسی طور پر مسلمان کانگریس کی مدد کریں۔ احمدی ہمیشہ ہی خوشامدی چلے آئے ہیں۔ چنانچہ ان کا امیر بھی خوشامدی ہی تھا جس دن ہمیں حکومت ملی اور میں وزیر اعظم ہو گیا یہ لوگ میرے بوٹ چاٹا کریں گے۔ گاندھی جی کی تعریف کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کو ان کے پیچھے چلنا چاہئے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے ہندوستان کو آزادی دلائی میرزا صاحب نے آکر دنیا کو کون سی آزادی دلائی تھی انہوں نے تو آکر غلام بنا دیا۔ جب سوراج مل گیا۔ تو یہ لوگ گاندھی جی کی سرداری تسلیم کریں گے اور اب تو گائے پر لڑتے ہیں۔ پھر گائے کا پیشاب پیا کریں گے۔ [۶۵]

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹/ جون ۱۹۳۱ء کے خطبہ جمعہ میں اس بیان کا ذکر کر کے اس پر مفصل تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابل میں گاندھی وغیرہ کی کچھ بھی حقیقت نہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کی طرف سے مامور ہو کر آئے پس جو بھی آپ کے مقابل پر اٹھے گا۔ خواہ وہ گاندھی ہو یا کوئی اور۔ اللہ تعالیٰ اسے یوں کچل ڈالے گا جس طرح ایک جوں مار دی جاتی ہے۔

........کہتے ہیں کہ گاندھی جی نے انگریزوں کو ہرا دیا۔ اول تو یہ بات ہی غلط ہے لیکن پھر بھی اگر گاندھی جی انگریز کیا ساری دنیا کو بھی ہرا دیں۔ تب بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابل میں اس کی کچھ حیثیت نہیں کیونکہ گاندھی جی کی فتوحات لوگوں کو خوش کر کر کے ہوئیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے دنیا کو ناراض کر کے جیتا یہاں تک کہ دنیا کا ایک معتد بہ حصہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں آگرا اور ابھی کیا ہے دنیا دیکھے گی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر کس طرح مخلوق اکٹھی ہوتی ہے......... گاندھی جی اور ان کی تحریکیں ہستی ہی کیا رکھتی ہیں۔ اس خدا کے جرنیل کے مقابل میں جو دنیا کا نجات دہندہ بن کر آیا۔ پھر گاندھی جی تو اسلامی تعلیم پر بھی اعتراض کرتے ہیں...... پس ایسے شخص کی تعریف کرنا دراصل رسول کریم ﷺ کی علانیہ ہتک کرنا ہے"۔ [۶۶]

زمینداروں کی اقتصادی مشکلات کا حل

لائل پور میں ۲۰-۲۱/ جون ۱۹۳۱ء کو ایک زمیندارہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ایک اہم مضمون محترم مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری نے پڑھا [۶۷]۔ جو بعد کو "زمینداروں کی اقتصادی مشکلات کا حل" کے نام سے رسالہ کی صورت میں بھی شائع کر دیا گیا۔

اس مضمون میں حضور نے زمینداروں کی مشکلات کے عارضی و مستقل اسباب و علل اور پھر ان کے علاج پر بڑی تفصیلی روشنی ڈالی اور زمینداروں کی تباہی کا سب سے بڑا موجب سودی قرض کو قرار دیتے ہوئے اس سے نجات پانے کے لئے ایک بہترین سکیم پیش کی اور وعدہ فرمایا کہ "میں اور احمدی جماعت کے تمام افراد اپنی طاقت کے مطابق ہر اس جائز کوشش میں آپ لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ جو آپ زمینداروں کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے کریں"۔ [۶۸]

بعض اکالیوں نے یہ چاہا کہ یہ مضمون ہی نہ سنایا جائے کیونکہ ان کو یہ خیال تھا کہ اس میں سلسلہ کی کچھ نہ کچھ تبلیغ ضرور ہو گی۔ لیکن جب مضمون پڑھا گیا۔ تو اکالیوں نے عصمت اللہ خان صاحب وکیل احمدی سے معافی مانگی اور اقرار کیا کہ مضمون بہت اچھا تھا۔ ہم نے اسے روکنے میں سخت غلطی کی اسی طرح شہر کے دوسرے لوگوں نے بھی جو کانفرنس میں موجود تھے اس مضمون کو بہت پسند کیا۔ [۶۹]

امام جماعت احمدیہ کی مذہبی نصیحت

حیدر آباد دکن کے "صحیفہ روزانہ" نے اپنی ۲۵/ جون ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں حضرت مصلح موعود کا حسب ذیل بیان شائع کیا۔

"میں تمام مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان کے لئے یہ وقت بہت نازک ہے چاروں طرف سے تاریک بادل امڈے آرہے ہیں زمانہ مسلمانوں کو ایک زخم دینے کو تیار ہے ایک دفعہ پھر وہ بنیادیں جن پر انہیں عظیم الشان اعتماد تھا ہل رہی ہیں اور وہ عمود جن پر ان کے تمام نظام کی چھتیں رکھی گئی تھیں متزلزل ہو رہی ہیں ان کی عقل و دانش کے امتحان کا وقت پھر آرہا ہے زمانہ پھر دیکھنا چاہتا ہے کہ پچھلی مصیبتوں سے انہوں نے کیا حاصل کیا ہے اور پچھلے تجربوں نے انہیں کیا فائدہ پہنچایا ہے اور یہ وقت ہے کہ بیدار ہوں اور ہوشیار ہوں زوردار تحریروں اور لچھے دار تقریروں کی سحر کاریوں سے متاثر ہونے کی بجائے ان آنکھوں سے کام لیں جو خدا نے انہیں دی ہیں۔ اور ان کانوں سے کام لیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے اور اس دل و دماغ سے کام لیں جو ان کے رب نے انہیں بخشا ہے اور اس بات کے لئے کھڑے ہو جائیں کہ وہ ذلت کی چادر جو ان کو پہنائی جاتی ہے وہ اسے ہرگز نہیں پہنیں گے خدا نے مسلمانوں کو معزز بنایا تھا مگر انہوں نے خود اپنے لئے ذلت خریدی لیکن اب ان کو چاہئے کہ وہ ذلت کے جامہ کو اتار پھینکیں اور اپنی...... ایک مستقل اور نہ ختم ہونے والی جدوجہد کو اختیار کریں اور گالی کا جواب محبت سے اور سختی کا جواب نرمی سے دیں تاکہ دنیا کو یہ معلوم ہو کہ وہ اپنے نفوس پر اعتماد رکھتے ہیں اور مضبوط چٹانوں کی طرح ہیں جو ہر حالت میں اپنی جگہ پر رہتی ہیں نہ کہ چھوٹے کنکروں کی طرح جو تھوڑی سی ہوا پر ادھر ادھر مچاتے ہیں۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ مرزا محمود احمد فقط۔

خاندان حضرت مسیح موعود میں ایک مبارک تقریب

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب تک حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے سات صاحبزادے [40] اور صاحبزادیاں [41] قرآن کریم ختم کر چکی تھیں بلکہ محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب تو بفضلہ تعالیٰ حافظ قرآن مجید بھی ہو چکے تھے۔ خدا تعالیٰ کے اس احسان عظیم کا شکر ادا کرنے کے لئے ۲۹/ جون ۱۹۳۱ء بروز دوشنبہ مبارک دوشنبہ عصر کے وقت حضور کے حرم اول کے مکان میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں مقامی خواتین کے علاوہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا' صاحبزادی حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ' حضرت صاحبزادی امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ اور سیدہ امتہ السلام بیگم صاحبہ (بنت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) اور حرم محترم سیدنا امیر المومنین شامل ہوئے۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک تقریب سے متعلق ایک نظم ارشاد فرمائی تھی جس میں اپنے تمام بچوں کے نام لے لے کر (جن میں حضور نے سیدہ امتہ السلام بیگم صاحبہ کو حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ کی یادگار ہونے کی وجہ سے شامل فرمایا) اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا شکر بجالاتے ہوئے دعائیں

کی گئیں اور جو نظم اس موقعہ پر پڑھی گئی اس کے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:۔

بڑھیں اور ساتھ دنیا کو بڑھائیں پڑھیں اور ایک عالم کو پڑھائیں
الٰہی دور ہوں ان کی بلائیں پڑیں دشمن پہ ہی اس کی جفائیں
الٰہی تیز ہوں ان کی نگاہیں نظر آئیں سب ہی تقویٰ کی راہیں
ہوں بحر معرفت کے یہ شناور سماء علم کے ہوں مہر انور
یہ قصر احمدی کے پاسباں ہوں یہ ہر میداں کے یارب پہلواں ہوں
ثریا سے یہ پھر ایمان لائیں یہ پھر واپس ترا قرآن لائیں

آخر میں حضرت ام المومنین اور حرم محترم حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے سب بچوں کو سامنے بٹھا کر خواتین کے تمام مجمع سمیت دعائیں مانگیں اور تمام خواتین میں شیرینی تقسیم کی گئی۔ [۴۷]

حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کا انتقال

حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب اسّی سال کی عمر میں ۲/ جولائی ۱۹۳۱ء کو بوقت صبح انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اسی روز پونے پانچ بجے کے قریب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا اور حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بہت بڑے مجمع سمیت باغ میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی اور آپ مزار حضرت مسیح موعودؑ کے احاطہ میں شرقی جانب دفن کئے گئے۔

محترم حضرت مرزا سلطان احمد صاحب نہایت متواضع اور وسیع الاخلاق انسان تھے۔ خدمت خلق کے جذبہ سے آپ کا دل معمور تھا۔ قوت تحریر اور زور قلم آپ نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ورثہ میں پایا تھا۔ پورے ملک ہند کے موقر و بلند پایہ رسائل و اخبارات آپ کے فلسفیانہ اخلاقی و علمی مضامین نہایت قدر و منزلت سے فخریہ شائع کرتے تھے۔ [۴۸] اس کے علاوہ آپ ۷۴ کے لگ بھگ کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ [۴۹]

حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کا انتقال ادب اردو کے لئے بہت بڑا نقصان تھا۔ جو ادبی حلقوں میں بہت محسوس کیا گیا۔ مثلاً "ادبی دنیا" کے ایڈیٹر اور شمس العلماء احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادی (۱۸۹۴-۱۹۵۱ء) نے اپنے رسالہ میں آپ کی تصویر دے کر یہ نوٹ شائع کیا کہ۔

"دنیائے ادب اس ماہ اردو کے نامور بلند نظر اور فاضل ادیب خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب سے بھی محروم ہو گئی۔ آپ نہایت قابل انشاء پرداز تھے۔ اردو کا کوئی حصہ ان کی رشحات قلم سے محروم نہ رہا ہو گا۔ قانون و عدالت کی اہم مصروفیتوں کے باوجود بھی مضامین لکھنے کے لئے وقت نکال لیتے تھے۔ بہت جلد مضمون لکھتے تھے۔ عدالت میں ذرا سی فرصت ملی تو وہیں ایک مضمون لکھ کر کسی رسالہ کی

فرمائش پوری کر دی۔ اردو زبان کے بہت سے مضمون نگاروں نے ان کی طرز انشاء کو سامنے رکھکر لکھنا سیکھا افسوس کہ ایسا ہمہ گیر و ہمہ رس انشاء پرداز موت کے ہاتھوں نے ہم سے چھین لیا۔

مرزا صاحب مرحوم سیلف میڈ (خود ساز) لوگوں میں سے تھے۔ آپ نے پٹواری کی حیثیت سے ملازمت شروع کی اور ڈپٹی کمشنر تک ترقی کی۔ آپ مرزا غلام احمد صاحب (مسیح موعود) کے فرزند تھے۔ اپنے محترم باپ کی زندگی میں ان کی "نبوت بروزی" پر ایمان نہیں لائے۔ ان کی وفات کے بعد اور اپنی وفات سے کچھ دن پہلے اپنے چھوٹے بھائی حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفتہ المسیح کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اردو میں بیش قیمت لٹریچر آپ نے اپنی یادگار کے طور پر چھوڑا ہے۔ علم اخلاق پر آپ کی کتابیں اردو زبان کی قابل قدر تصانیف میں سے ہیں"۔ ۷۵

انجمن حمایت اسلام لاہور کے ترجمان "حمایت اسلام" ۹/ جولائی ۱۹۳۱ء نے لکھا۔

"یہ خبر گہرے حزن و ملال کے ساتھ سنی جائے گی کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بڑے صاحبزادے خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب جو پراونشل سول سروس کے ایک ہردلعزیز اور نیک نام افسر تھے۔ اس جہان فانی سے رحلت کر گئے۔ خان بہادر صاحب مرحوم نے علم و ادب پر جو احسانات کئے ہیں وہ کبھی آسانی سے فراموش نہیں کئے جاسکتے ان کے شغف علمی کا اس امر سے پتہ چل سکتا ہے کہ وہ ملازمت کی انتہائی مصروفیتوں کے باوجود گراں بہا مضامین کے سلسلے میں پیہم جگر کاری کرتے رہے۔ ہمیں مرحوم کے عزیزوں اور دوستوں سے اس حادثہ میں دلی ہمدردی ہے۔ باری تعالیٰ مرحوم کو فردوس کی نعمتیں اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے"۔ ۷۶

حضرت مرزا سلطان احمد رضی اللہ عنہ کی شکل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے مشابہت پائی جاتی تھی اور کوئی نظم پڑھتے وقت گنگنانے کی آواز تو حضور علیہ السلام کی طرز سے بہت ہی ملتی تھی۔ آپ سے ملنے والے آپ سے مل کر روئے مبارک حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی مشابہت پاکر روحانی مسرت حاصل کیا کرتے تھے۔

چنانچہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے ۴/ جولائی ۱۹۳۱ء کو حضرت امیر المومنین کی خدمت میں جو عریضہ تعزیت ارسال کیا۔ اس میں لکھا۔

"آج الفضل میں جناب میرزا سلطان احمد صاحب کی وفات کی خبر پڑھی انا للہ و انا الیہ راجعون مجھے جب کبھی مرحوم کی بیماری کے آخری ایام میں مرحوم کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تو مرحوم کو دیکھ کر یہ مصرعہ میری زبان پر جاری ہو جایا کرتا تھا ؎

"دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے

آخری عمر میں مرحوم کا چہرہ بہت حد تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے چہرہ مبارک سے مشابہ نظر آیا کرتا تھا۔ اور رنگ بھی بہت صاف ہو گیا تھا۔ آخر ان کی صفائی باطن کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انہیں سلسلہ میں داخل ہونے اور پھر حضور کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی توفیق عطا فرمائی فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت کی آغوش میں جگہ دے اور جنت میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا روحانی قرب نصیب کرے"۔ ۷۷

اردو کا ایک بھلایا ہوا اہل قلم "سیاست جدید" (کانپور) حال میں ہی لکھتا ہے۔ "......اس بیسویں صدی کے شروع کے بیس سالوں میں اردو کے کسی بھی قابل ذکر رسالہ کو اٹھا کر دیکھ لیجئے اس کے مضمون نگاروں میں ایک نام مرزا سلطان احمد کا ضرور نظر آئے گا۔ عموی۔ علمی و فلسفیانہ موضوعوں پر قلم اٹھاتے تھے ان کے مضامین عام اور عوامی سطح سے بلند اور سنجیدہ مذاق والوں کے کام کے ہوتے تھے۔ رسالہ الناظر مشہور زمانہ کانپور .... ادیب الہ آباد۔ مخزن لاہور۔ پنجاب لاہور وغیرہ میں ان کی گلکاریاں نظر آتی تھیں۔ رفتہ رفتہ اردو والوں نے انہیں بالکل ہی بھلا دیا۔ ان کے قلم سے چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں نکلی تھیں جن کی میزان چالیس درجن سے کم نہ ہوگی۔ کسی کتاب کو ان کے خصوصی طرز تحریر کے باعث قبولیت عام نصیب نہ ہوئی۔ اور اب جبکہ پاکستان کے قیام کے بعد اس سرزمین میں اردو کی خدمت ہو رہی ہے اور بہت پرانے مصنفوں اور مؤلفوں کی کتابیں جو گمنام اور مثل گمنام کے ہو چکی تھیں وہاں بڑے آب و تاب سے چھاپی جا رہی ہیں۔ ان کے ذخیرہ تصانیف کی طرف سے کسی کو بھی تاحال توجہ کی توفیق نہیں ہوئی۔ ۷۸

جناب فقیر سید وحید الدین صاحب کا قابل قدر نوٹ

جناب فقیر سید وحید الدین صاحب لکھتے ہیں۔

"مرزا سلطان احمد

میرے بزرگوں سے ان کے دوستانہ مراسم اور قریبی روابط تھے اس زمانے میں ہوٹل موجود ہی نہ تھے۔ نہ آج کی طرح عالی شان ہوٹل تعمیر کرنے یا ان میں قیام کرنے کا تصور تھا۔ مہمان آتے اور اپنے قریبی اقارب و احباب کے پاس ٹھہرتے۔ عام لوگوں کے لئے سرائیں تھیں۔ دوست دوستوں کے یہاں آتے اور بلا تکلف قیام کرتے۔ مہمان نوازی شرافت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ مہمان سے لوگ اکتاتے نہ تھے، بلکہ یہ سمجھتے تھے کہ مہمان کا آنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا باعث ہوتا ہے اور مہمان غیب

سے اپنا رزق خود لے کر آتا ہے۔ میزبانی اور مہمانی کی وجہ سے آپس کے تعلقات کی بھی تجدید ہوتی رہتی۔

مرزا صاحب اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ ادھر میرے اکثر بزرگ بھی مختلف سرکاری محکموں سے وابستہ رہے۔ انگریز نے کچھ ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا کہ خوشحال گھرانوں کے لوگ بھی جب تک کسی سرکاری عہدے اور دفتری منصب پر فائز نہ ہوتے' زیادہ باوقار نہ سمجھے جاتے تھے۔ سرکاری ملازمت نشان عزت تھی۔ مرزا صاحب اردو' فارسی اور عربی زبانوں پر بڑا عبور رکھتے تھے' مگر انگریزی نہیں جانتے تھے۔

سرکاری ملازمت میں انہوں نے اپنے فرائض بڑی محنت' ذہانت اور دیانت داری سے انجام دیئے۔ جس جگہ بھی رہے' نیک نام رہے۔ بالادست افسر بھی خوش ماتحت عملہ اور اہل معاملہ عوام بھی مطمئن۔ وہ اپنی ان خوبیوں کے سہارے ترقی کرتے کرتے ڈپٹی کمشنر کے عہدے تک پہنچے۔ جو اس زمانے میں ایک ہندوستانی کی معراج تھی۔ سادہ لباس' سادہ طبیعت' انکسار اور مروت ان کے مزاج کا خاصہ تھا۔ ان کی ذات کے جوہر اس وقت پوری طرح نمایاں ہو کر سامنے آئے' جب وہ ریاست بہاول پور کے وزیر بنا کر بھیجے گئے۔ کوٹھی میں داخل ہوتے ہی ملازمین سے کہا------

"سلطان احمد اس ٹھاٹھ باٹھ اور ساز و سامان کا عادی نہیں ہے"۔

چنانچہ ان کے کہنے سے تمام اعلیٰ قسم کا فرنیچر اور ساز و سامان اکٹھا کر کے ایک کمرے میں مقفل کر دیا گیا۔ انہوں نے رہنے کے لئے صرف ایک کمرہ منتخب کیا۔ نمائش اور دکھاوا تو انہیں آتا ہی نہیں تھا۔ لباس اور رہائش کی طرح کھانا بھی سادہ کھاتے۔

جب ملازمت سے ان کے سبکدوش (ریٹائر) ہونے کا وقت آیا تو انہی دنوں پہلی جنگ عظیم کے اختتام کے بعد حکومت کے خلاف ترک موالات (نان کو آپریشن) کے ہنگامے شروع ہو گئے۔ پہلے لاہور اور پھر گوجرانوالہ ان ہنگاموں کی لپیٹ میں آگیا۔ مرزا سلطان احمد گوجرانوالہ میں ڈپٹی کمشنر تھے۔ وہاں سب سے زیادہ ہنگامے ہوئے۔ عوام کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ لیڈروں کی ہدایات کے برخلاف انہوں نے آئینی حدود کو توڑ دیا۔ بعض سرکاری عمارتوں کو نقصان پہنچایا اور ریلوے اسٹیشن کو پورے کا پورا جلا دیا۔ ایک جم غفیر ہاتھوں میں بانس' لاٹھیاں اور اینٹ پتھر لئے ہوئے ضلع کچہری کی طرف بڑھا۔ مرزا سلطان احمد ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ اگر اپنے تدبر اور خوش بیانی سے کام نہ لیتے تو یہ مشتعل لوگ نہ جانے کیا کر کے دم لیتے۔ مرزا صاحب نے اس پُرجوش ہجوم کے سامنے ایسی سلجھی ہوئی تقریر کی کہ نفرت و غصہ کی یہ آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ وہی جلوس مرزا سلطان احمد کی سرکردگی میں شہر کو

واپس ہوا اور جن کی زبانوں پر "انگریز مردہ باد" کے نعرے تھے وہ اب "مرزا سلطان احمد زندہ باد" کے جیکارے لگانے لگے۔

ترک موالات کے ہنگامے ٹھنڈے پڑ گئے تو گورنر پنجاب نے ایک ملاقات میں مرزا سلطان احمد سے کہا کہ آپ گوجرانوالہ کا انتظام ٹھیک طور پر نہ کر سکے۔ مرزا صاحب اس کے جواب میں بولے کہ لاہور میں تو "یور ایکسی لینسی" بہ نفس نفیس موجود تھے۔ پھر بھی یہاں کے ہنگاموں کو نہ روک سکے۔ آپ یہاں روکتے تو یہ ہنگامے وہاں نہ پہنچتے۔ مرزا صاحب کے اس جرأت مندانہ معقول جواب پر لاٹ صاحب خفیف ہو کر رہ گئے۔

انگریز حکومت نے جب پنجاب میں مارشل لاء نافذ کیا تو وہ بڑی سختی اور شدید آزمائش کا زمانہ تھا۔ امرتسر' لاہور' گوجرانوالہ اور حافظ آباد کے باشندوں پر سب سے زیادہ سختی کی گئی۔ میں اس زمانے میں نویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ بڑے تشدد اور جبرو استبداد کا دور تھا۔ برطانوی ملوکیت چنگیزیت پر اتر آئی تھی۔ ہر روز ایک سے ایک سخت حکم نافذ ہوتا۔ شہری آزادی برطانوی سامراج کے شکنجے میں کسی جارہی تھی حکم دیا گیا کہ شہر کی تمام موٹر کاریں ہیڈ کوارٹر میں جمع کرا دی جائیں۔ اس وقت لاہور میں مشکل سے پچاس ساٹھ کاریں ہوں گی۔ پھر حکم ہوا کہ موٹر سائیکلیں بھی ہیڈ کوارٹر پہنچا دی جائیں۔ اس کی بھی لوگوں کو جبراً قہراً تعمیل کرتے ہی بنی 'مگر جو رو ستم کا یہ سلسلہ اس حد پر بھی نہ رک سکا ایک اور فرمان صادر ہوا جس کی تعمیل میں سائیکلیں تک سرکاری تحویل میں دے دینی پڑیں۔ حکم یہ تھا کہ سائیکلیں پمپ اور لیمپ سمیت جمع کرائی جائیں۔ جن بیچاروں کے پاس لیمپ اور پمپ نہ تھے انہوں نے بازار سے مول لے کر سرکاری حکم کی تعمیل کی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے مارشل لاء کی تلوار ہر کسی کے سر پر لٹک رہی ہے۔ راقم الحروف کے پاس بھی ایک سائیکل تھی۔ جو کئی سال کی رفاقت کے سبب مجھے بہت عزیز تھی۔ میں اسے مع ساز و سامان دل پر جبر کر کے ایمپائر (لاہور میں صرف یہی ایک سینما ہال تھا جس میں انگریزی کی خاموش فلمیں دکھائی جاتی تھیں) کے مرکز میں داخل کرا آیا۔ حکم حاکم' مرگ مفاجات!

والد مرحوم اس زمانے میں حافظ آباد میں تعینات تھے جو فسادات اور ہنگاموں کے اعتبار سے کافی متاثر علاقہ تھا اور انگریز کی خاص توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ انگریز ڈپٹی کمشنر نے ان سے دریافت کیا "آپ کے خیال میں مارشل لاء کو کتنی مدت تک قائم رکھنا چاہئے"؟

والد مرحوم نے دست بستہ عرض کیا "صاحب! بہت ہو چکا ہے۔ اب بس کرو"۔ ان کے اس فقرے میں نہ جانے کتنے مظلوموں کی فریاد و فغاں شامل تھی۔ ڈپٹی کمشنر اس فقرے کو سن کر ایک دم سنجیدہ (SERIOUS) ہو کر خاموش ہو گیا۔ اس کی اس خاموشی کا راز اس وقت کھلا جب ایک ہفتے کے اندر

اندر والد صاحب کا تبادلہ دوسرے علاقے میں کر دیا گیا۔ اس واقعے سے اندازہ ہو کہ ہر سچی بات کچھ نہ کچھ قربانی چاہتی ہے۔

جوانی کی کوتاہ نظری کے سبب میں نے والدہ صاحبہ کی خدمت میں عرض کیا کہ والد صاحب کو ڈپٹی کمشنر سے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ اس طرح خواہ مخواہ انگریز بالادست افسر کی ناراضی مول لی۔ لیکن آج میں اپنی اس خام خیالی پر ندامت محسوس کرتا ہوں کہ میں نے اس نہج و انداز پر کیوں سوچا؟ کیونکہ انہوں نے تو یہ کہہ کر اگلے جہان میں حاکم مطلق اور منصف حقیقی کے سامنے سرخرو ہونے کا ایک سبب پیدا کیا اور یہ مشورہ دیتے ہوئے ذاتی مفاد اور وقتی مصلحتوں کے لئے سچائی اور ایمان کا دامن نہیں چھوڑا۔

یہاں انگریز کے اس کردار کو سراہنا بھی ضروری ہے کہ اس اختلاف رائے کے باوجود ایک جگہ سے دوسری جگہ تبادلے ہی کو کافی تنبیہ سمجھا گیا۔ اس سے زیادہ اور کوئی نوٹس نہیں لیا گیا۔

مارشل لاء جب ختم ہوا تو انگریز سرکار نے اس "لاقانونی دور" کے واقعات کی تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جس کے صدر لارڈ ہنٹر قرار پائے۔ عوام کی طرف سے ممتاز قومی نمائندے گواہ کی حیثیت سے ہنٹر کمیٹی کے سامنے پیش ہوئے۔ مرزا سلطان احمد صاحب نے جس صاف گوئی' بے باکی اور اخلاقی جرأت کے ساتھ اس کمیٹی کے روبرو گواہی دی اور واقعات کا تجزیہ کیا وہ "ہنٹر کمیٹی" کی رپورٹ میں زریں ورق کی صورت میں محفوظ رہے گا۔

مرزا سلطان احمد پر فالج کا حملہ جان لیوا ثابت ہوا۔ علاج معالجے کے لئے انہیں لاہور لایا گیا۔ راقم الحروف کے ایک بزرگ سید اصغر علی شاہ کے ہاں ان کا قیام رہا۔ یہ مکان ہمارے مکان سے ملحق تھا۔ میں اکثر مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اپنے خطوں کے جوابات وہ مجھ سے لکھواتے۔ میرے لئے بڑی مشکل کا سامنا تھا۔ مرزا صاحب بیمار ہونے کے باوجود روانی کے ساتھ خط کی عبارت فرفر بولتے اور میں اپنی بدخطی چھپانے کے لئے آہستہ لکھتا۔ میری سست نگاری' ان کی زود گوئی کا ساتھ کہاں دے سکتی تھی۔ جب میں خط لکھ چکتا تو مرزا صاحب اسے پڑھتے اور میں ان کے تیوروں سے بھانپ لیتا کہ میری تحریر سے وہ مطمئن نہیں ہیں بلکہ کچھ دل گرفتہ ہی ہیں۔ میں دل ہی دل میں شرمندہ ہوتا۔ مجھے ان کا ایک جملہ جو انہوں نے اپنے دوست کے خط میں مجھ سے لکھوایا تھا آج تک یاد ہے۔

"یہ خط وہ شخص کسی اور سے لکھوانے کا محتاج ہے جو جب بھی قلم اٹھاتا تھا تو صفحے کے صفحے بے تکان لکھتا چلا جاتا اور پھر بھی اس کا قلم رکنے کا نام نہ لیتا"۔

اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکے۔ چند دن کے لئے طبیعت بحال بھی ہوئی تو وہ موت کا سنبھالا تھا۔ اللہ

تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ بڑے صاحب کردار بزرگ تھے"۔

("انجمن" صفحہ ۱۲۵ تا ۱۳۲ از فقیر سید وحید الدین صاحب پرنٹرو پبلشر لائن آرٹ پریس۔ کراچی) طبع اول ۱۹۶۶ء۔

امیر "اہلحدیث" کا مباہلہ کے لئے چیلنج اور فرار

گھڑیالہ ضلع لاہور میں ایک شخص سید محمد شریف تھے۔ جن کا دعویٰ تھا کہ پنجاب کے اہلحدیث کا ایک حصہ ان کے ساتھ ہے۔ سید صاحب نے وسط ۱۹۳۱ء میں حضرت خلیفتہ المسیح کو مباہلہ کا چیلنج دیا اور خود ہی تاریخ مباہلہ ۱۲/ جولائی ۱۹۳۱ء اور مقام مباہلہ عید گاہ امرتسر مقرر کر دی اور کہا کہ نتیجہ مباہلہ خارق عادت ہو نہ کہ انسانی ہاتھوں سے حضور نے یہ چیلنج پہنچتے ہی ۶/ جولائی ۱۹۳۱ء کو نہ صرف مباہلہ کی تجویز بلکہ مباہلہ کے خارق عادت اثر کی شرط بھی منظور فرمائی مگر مقام و تاریخ مباہلہ اور دوسری تفصیلات طے کرنے کے لئے یہ تجویز پیش کی کہ فریقین کے دو دو نمائندے ہوں جو تین اور مسلمہ فریقین آدمیوں کی موجودگی میں مقام و تاریخ مباہلہ کا فیصلہ کریں تا فریقین میں سے کسی کو بلاوجہ تکلیف نہ ہو۔ اس سلسلہ میں حضور نے اپنی طرف سے مولوی فضل الدین صاحب وکیل اور مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کو اپنا نمائندہ مقرر فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی حضور نے قرآن مجید اور سنت رسول اللہ ﷺ کے عین مطابق یہ ضروری قرار دیا کہ مباہلہ سے پہلے فریقین ایک دوسرے پر اتمام حجت کے لئے تقریر کریں دوسرے یہ کہ صرف آپ اور سید محمد شریف صاحب ہی مباہلہ نہ کریں بلکہ اپنے متبعین میں سے کم از کم پانچ پانچ سو افراد شامل کریں"۔ ۷۹

اس اعلان کے ساتھ حضور نے اپنی جماعت سے مطالبہ کیا کہ خواہ سید محمد شریف صاحب پانچ سو افراد ہی ساتھ لائیں۔ ہماری طرف سے ایک ہزار احمدی مباہلہ میں پیش ہوں گے۔ اس لئے ہماری جماعت کے وہ دوست جو یقین، وثوق اور اپنے مشاہدہ کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام پر ایمان لا چکے ہیں۔ ایک دن کے استخارہ کے بعد اپنا نام پیش کریں۔ تا ایک ہزار کی فہرست فریق ثانی کے پاس بھجوائی جاسکے۔ ۸۰

حضرت خلیفتہ المسیح کا خیال تھا کہ یہ چیلنج سنجیدگی پر مبنی ہے اور آپ کو امید بندھ گئی تھی کہ فریقین میں بالآخر مباہلہ ہو گا۔ مگر ادھر آپ تو جماعت کے ایک ہزار احمدی کے میدان میں لانے کے لئے تیار ہو گئے ادھر سید صاحب نے اس سے گریز اختیار کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ پہلے ہی مرحلہ پر اس پر اڑ گئے کہ نہ کسی اتمام حجت کی ضرورت ہے نہ ہزار یا پانچ سو افراد کی اور نہ یہ شرائط قرآن و حدیث کے مطابق ہیں۔

حضور نے اس کے جواب میں ۱۸/ جولائی ۱۹۳۱ء کو مفصل طور پر ان کے سامنے قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنا موقف ثابت کر دکھایا۔ اور للکارا کہ وہ اس بحث کو ختم کرتے ہوئے مباہلہ مسنونہ کے لئے تیار ہو جائیں تاکہ میرے نمائندے ان کے نمائندوں سے مل کر مباہلہ کی تاریخ اور مقام کا تصفیہ کر لیں۔ [۸۱] احمدی بڑی بے تابی سے مباہلہ کے انعقاد کا انتظار کر رہے ہیں۔ لیکن سید صاحب اپنے بلند بانگ دعاوی کے باوجود اپنی ہٹ پر قائم رہے اور اپنے موقف کو درست قرار دینے کے لئے ایک اشتہار دیا۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ان کے دلائل کی دھجیاں بکھیر دیں اور تیسری بار ان کو پھر دعوت دی کہ "ایسے اعلیٰ موقع کو ہاتھ سے نہ دیں اور اپنے مریدوں کو اس ثواب کے موقع سے محروم نہ کریں۔ آخر ہماری جماعت کے لوگ بھی تو شوق سے اس مباہلہ میں شامل ہونے کے لئے تیار ہیں میں نہیں سمجھتا کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے انہیں **فاذھب انت و ربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون**۔ کہہ کر ان سے الگ ہو جائیں"۔ [۸۲]

مگر "امیر جماعت اہلحدیث" پر ان غیرت دلانے والے الفاظ کا بھی کچھ اثر نہ ہوا اور آخر دم تک انہیں اپنی جماعت کو لے کر میدان مباہلہ میں آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

حضرت مسیح موعودؑ کی طرز تحریر اختیار کرنے کی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۰/ جولائی ۱۹۳۱ء کو جماعت کے مصنفوں، اخبار نویسوں اور مضمون نگاروں کو یہ اہم تحریک فرمائی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرز تحریر اپنائیں تا ہمارے جماعتی لٹریچر ہی میں اس کا نقش قائم نہ ہو بلکہ دنیا کے ادب کا رنگ ہی اس میں ڈھل جائے۔

چنانچہ حضور نے فرمایا۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود سے دنیا میں جو بہت سی برکات ظاہر ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی برکت آپ کا طرز تحریر بھی ہے۔۔ جس طرح حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے الفاظ جو ان کے حواریوں نے جمع کئے ہیں یا کسی وقت بھی جمع ہوئے ان سے آپ کا ایک خاص طرز انشاء ظاہر ہوتا ہے اور بڑے بڑے ماہرین تحریر اس کی نقل کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طرز تحریر بھی بالکل جداگانہ ہے اور اس کے اندر اس قسم کی روانی زور اور سلاست پائی جاتی ہے کہ باوجود سادہ الفاظ کے، باوجود اس کے کہ وہ ایسے مضامین پر مشتمل ہے جن سے عام طور پر دنیا ناواقف نہیں ہوتی اور باوجود اس کے کہ انبیاء کا کلام مبالغہ، جھوٹ اور نمائشی آرائش سے خالی ہوتا ہے اس کے اندر ایک ایسا جذب اور کشش پائی جاتی ہے کہ جوں جوں انسان

اسے پڑھتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے الفاظ سے بجلی کی تاریں نکل نکل کر جسم کے گرد لپٹتی جارہی ہیں..... اور یہ انتہا درجہ کی ناشکری اور بے قدری ہوگی۔ اگر ہم اس عظیم الشان طرز تحریر کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنے طرز تحریر کو اس کے مطابق نہ بنائیں"۔

نیز فرمایا۔

"پس میں اپنی جماعت کے مضمون نگاروں اور مصنفوں سے کہتا ہوں کسی کی فتح کی علامت یہ ہے کہ اس کا نقش دنیا میں قائم ہو جائے۔ پس جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا نقش قائم کرنا جماعت کے ذمہ ہے آپ کے اخلاق کو قائم کرنا اس کے ذمہ ہے آپ کے دلائل کو قائم رکھنا ہمارے ذمہ ہے آپ کی قوت قدسیہ اور قوت اعجاز کو قائم کرنا جماعت کے ذمہ ہے آپ کے نظام کو قائم کرنا جماعت کے ذمہ ہے وہاں آپ کے طرز تحریر کو قائم رکھنا بھی جماعت کے ذمہ ہے"۔

اس ضمن میں حضور نے اپنا تجربہ یہ بتایا کہ۔

"میں نے ہمیشہ یہ قاعدہ رکھا ہے۔ خصوصاً شروع میں جب مضمون لکھا کرتا تھا۔ پہلا مضمون جو میں نے تشحیذ میں لکھا وہ لکھنے سے قبل میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی تحریروں کو پڑھا تا اس رنگ میں لکھ سکوں۔ اور آپ کی وفات کے بعد جو کتاب میں نے لکھی اس سے پہلے آپ کی تحریروں کو پڑھا۔ اور میرا تجربہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس سے میری تحریر میں ایسی برکت پیدا ہوئی کہ ادیبوں سے بھی میرا مقابلہ ہوا۔ اور اپنی قوت ادبیہ کے باوجود انہیں نیچا دیکھنا پڑا"۔ [۸۳]

چوتھا باب (فصل پنجم)

دار التبلیغ سیلون کا قیام

سیلون یا لنکا (CEYLON) کی سرزمین کو دنیا کی قدیم مذہبی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ "قصص الانبیاء" وغیرہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام جنت (ارضی) سے نکلنے کے بعد ہندوستان کے مشہور جنوبی جزیرہ لنکا ہی میں اقامت پذیر ہو گئے۔ لنکا میں ایک پہاڑ کی چوٹی کا نام ADAM,s PEAK یعنی آدم کی چوٹی ہے۔ جہاں سیلونی ہر سال عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ سبحۃ المرجان میں جناب سید غلام علی واسطی آزاد بلگرامی نے اس طرح کی کئی روایات جمع کی ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہاں حضرت آدم اپنے ساتھ حجر اسود بھی لائے تھے۔ ان بیانات کی واقعاتی حیثیت خواہ کیسی ہی مخدوش و سقیم کیوں نہ ہو۔ مگر مورخین اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ عرب اور ہندوستان کے درمیان ازمنہ قدیم سے جو تجارتی تعلقات قائم تھے اور جو دونوں علاقوں بلکہ تمام دنیا کی تاریخ پر اثر انداز ہوئے۔ لنکا کے ساحلی علاقہ نے اس میں ایک مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ جب عرب نور اسلام کی روشنی سے منور ہوا تو مسلمان ملاحوں اور تاجروں نے اپنے پیشروؤں کا کام برقرار رکھا۔ اور اپنی کشتیاں اور جہاز لے کر عرب سے لنکا اور ہندوستان کے ساحل پر آنے لگے [۸۴]۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں احمدیت کا پیغام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ مبارک ہی میں لٹریچر کے ذریعہ سے لنکا پہنچا۔ نیک اور سعید طبع لوگ اس سے متاثر ہوئے یہاں تک کہ حضرت صوفی غلام محمد صاحب بی۔اے ماریشس تشریف لے جاتے ہوئے ۱۴/ مارچ ۱۹۱۵ء کو سیلون میں پہنچے اور آپ نے یہاں تین مہینے قیام فرمایا۔ اور اس مختصری مدت میں ایک مخلص اور فعال جماعت پیدا کر لی۔ [۸۵]

حضرت صوفی صاحب کے ماریشس جانے کے کچھ مدت بعد مولوی ابراہیم صاحب مالاباری مقامی مبلغ مقرر کئے گئے۔ مقامی جماعت نے ۱۹۱۶ء میں ایک رسالہ Message (پیغام) اور انگریزی میں اور ایک رسالہ تھودن (Thoothan) تامل زبان میں جاری کیا۔ جو تبلیغ کا بہترین ذریعہ تھے۔ قیام جماعت کے سولہ سال بعد ستمبر ۱۹۳۱ء میں کولمبو میں باقاعدہ دار التبلیغ قائم کیا گیا جس کے پہلے مرکزی مبلغ مولوی عبداللہ صاحب مالاباری مقرر ہوئے۔ آپ کے تقرر سے کچھ عرصہ قبل سیلون کے مذکورہ بالا دونوں

رسالوں کی اشاعت میں وقفہ پڑ گیا تھا۔ یکم اپریل ۱۹۳۲ء [۸۶] سے (تھودن) کا دوبارہ اجراء ہوا۔ جس کی طباعت و اشاعت میں جناب عبد المجید صاحب کی جدوجہد کا نمایاں دخل تھا۔ عبد المجید صاحب اوائل عمر ہی میں احمدیہ پریس میں کمپوزیٹر کی خدمات انجام دیتے آرہے تھے۔ ان کا اخلاص و شوق ان کے علم میں خاطر خواہ اضافہ کا موجب بن گیا۔ اور اب وہی اس رسالہ کے ایڈیٹر اور پبلشر ہیں اور اشاعت اسلام کے لئے ان کی قربانی' جوش اور ولولہ قابل رشک ہے۔

دارالتبلیغ سیلون کے اولین مبلغ مولوی عبداللہ صاحب مالا باری نے (جو مالا بار مشن کے بھی انچارج تھے جہاں آپ کے ذریعہ سینکڑوں افراد حلقہ بگوش احمدیت ہوئے) پہلے ہی سال کولمبو (Colombo) پانہ ڈرا (Panadra) اور نیگو مبو (Negombo) میں زبانی گفتگو کے علاوہ مضامین اور ہفتہ وار لیکچروں کے ذریعہ احمدیت کی منادی کی اور نیگو مبو میں پہلی احمدیہ مسجد کی بنیاد رکھی۔ [۸۷] اس وقت سیلون یا لنکا ہندوستان کا ایک حصہ تھا۔ فروری ۱۹۴۸ء میں انگریزوں نے اس ملک کو آزاد کیا۔

ان ابتدائی سرگرمیوں کے بعد آپ نے اس جزیرہ میں تبلیغ کو مزید وسعت دی۔ جب بھی آپ مالا بار سے سیلون پہنچتے تو کولمبو کے علاوہ پانہ دورا' نیگو مبو' کیمپولا' مٹوروٹا' پوسولاوا۔ [۸۸] مقامات کے بارہا دورے کرتے تھے اور تحریر و تقریر اور پرائیویٹ ملاقاتوں سے اشاعت حق میں مصروف رہتے تھے اور خطبات' انفرادی نصائح اور درس و تدریس کے ذریعہ سے تعلیم و تربیت کا فریضہ بھی بجالاتے رہے۔ [۸۹]

محترم مولوی عبداللہ صاحب مالاباری پہلے نظارت دعوت و تبلیغ کے ماتحت پھر ۱۹۴۵ء سے وکالت تبشیر تحریک جدید کے زیر نگرانی فریضہ تبلیغ بجالاتے رہے۔ اور مالابار سے موقعہ ملنے پر ہر سال دو سال بعد چند ماہ سیلون میں گزارتے۔ اس ملک کی آزادی کے بعد ۸/ اگست ۱۹۵۱ء کو صرف اس مشن کے لئے تحریک جدید نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر کو مبلغ بنا کر بھیجا۔ آپ نے مارچ ۱۹۵۸ء تک تبلیغ حق کی اور آپ کے عہد میں بھی جماعت سیلون نے ہر لحاظ سے ترقی کی اور لنکا کی حکومت اور عوام دونوں میں احمدیت کا چرچا عام ہونے لگا۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کی واپسی سے قبل اس مشن کا چارج لینے کے لئے مولوی عبد الرحمٰن صاحب شاہد سیلونی [۹۰] ۱۲/ جولائی ۱۹۵۷ء کو ربوہ سے روانہ کئے گئے جو ۱۲/ دسمبر ۱۹۶۱ء تک سیلون مشن کے انچارج رہے ۱۹۶۲ء سے مقامی جماعت ہی یہ مشن چلا رہی ہے۔

سیلون مشن کا مرکز کولمبو ہے جہاں احمدیہ دارالتبلیغ میں فضل عمر لائبریری اور اخبار "دی میسیج"

(The Message) کے شعبے قائم ہیں ۱۹۵۷ء میں جماعت کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر ایک سہ منزلہ عمارت بھی خرید لی گئی جس کے صحن میں مسجد بنانے کی تجویز ہے۔

نیگومبو میں اس مشن کی دوسری شاخ ہے جہاں وسیع باغ میں احمدیہ مسجد' بچوں کا سکول اور لائبریری ہے پالمنی میں تیسری شاخ ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ سیلون میں جماعت کا دیرینہ اخبار دی میسیج ہے جو ایک مدت تک بند رہنے کے بعد ۱۹۵۳ء میں دوبارہ انگریزی اور تامل میں جاری کیا گیا ۱۹۵۶ء میں اس کا تیسرا ایڈیشن سیلون کی سرکاری زبان سنہلیز (Sinhaleese) میں بھی چھپنے لگا۔ اور اب یہ واحد اسلامی اخبار ہے جو بیک وقت ملک میں بولی یا سمجھی جانے والی تین زبانوں (انگریزی تامل اور سنہلیز) میں شائع ہو رہا ہے۔ اور علمی طبقہ میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ سیلون۔ لنکا کے علاوہ جنوبی ہند' ملائیشیا اور برما میں بھی اس کے ذریعہ سے پیغام حق پہنچ رہا ہے۔

احمدیہ مشن سیلون نے چند سال میں ہزاروں روپے کا لٹریچر جنوبی ہند کی مختلف زبانوں میں تیار کر لیا ہے جو سیلون کے علاوہ جنوبی ہند' ملایا اور بورنیو وغیرہ بھی بھیجا جاتا ہے۔ مطبوعات کی بنیاد مکرم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر نے رکھی اور اس کی مالی امداد سیلون کے مخلص احمدی جناب ڈاکٹر سلیمان صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ نے قبول کی۔ مشن کی طرف سے اب تک "اسلامی اصول کی فلاسفی"۔ "لیکچر لاہور"۔ "نظام نو"۔ "ہمارا رسول"۔ "تحفہ شہزادہ ویلز"۔ "احادیث النبیؐ"۔ "قرآن مجید کی دو سورتیں"۔ "صداقت مسیح موعود"۔ "وفات عیسیٰ" اور "اجرائے نبوت" وغیرہ رسائل و کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ کثیر تعداد میں ٹریکٹ بھی "اسلامی قاعدہ" (سنہلیز) اور "اسلام کا خلاصہ" (تامل و انگریزی) بھی ادارہ کی مطبوعات میں سے ہیں۔

اس مشن نے سرکاری زبان سنہلیز میں پہلی بار اسلامی لٹریچر شائع کر کے حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کی ایک خواب پوری کر دی جو حضور نے درج ذیل الفاظ میں قبل از وقت شائع فرما دی تھی۔

"میں نے رؤیا میں دیکھا کہ کوئی تحریر میرے سامنے پیش کی گئی ہے۔ اور اس میں یہ ذکر ہے کہ ہمارے سلسلہ کا لٹریچر سنہالیز زبان میں بھی شائع ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اور اس کے نتائج اچھے نکلیں گے۔ میں خواب میں کہتا ہوں کہ سنگھالیز زبان تو ہے یہ سنہالیز کیوں لکھا ہے پھر میں سوچتا ہوں کہ سنہالیز زبان کون سی ہے تو میرا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ شاید یہ ملائی زبان کی کوئی قسم ہے اس کے بعد آنکھ کھل گئی"۔ [41]

اس عظیم الشان رؤیا کی اشاعت کے پانچ برس بعد ۱۹۵۷ء میں سنہیلیز زبان میں "اسلامی اصول کی فلاسفی" شائع ہونے پر احمدیہ مشن ہاؤس میں ایک پبلک تقریب منعقد ہوئی جس میں "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے ترجمہ کی اشاعت کا اعلان سیلون کے وزیر ڈاک خانہ جات و براڈ کاسٹ نے کیا اور سیلون کے ہر روزنامے نے اس تقریب کا اس کی تصاویر دے کر نمایاں ذکر کیا۔ اور مشن کے اس کارنامے کو قومی خدمت قرار دے کر خوب سراہا۔ وزیر اعظم سیلون جناب بندرانائیکا (Bandra Naika S.W.R.D) نے اپنے پیغام میں کہا۔ بدھسٹ اور سنہیلیز ہونے کے لحاظ سے میں اس کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی" (ISLAM DHAR MAYA) کے لئے مختصر پیغام بھیجنے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔ تاریخ سیلون کے اہم دور میں سنہیلیز میں اسلامی کتب کی اشاعت باعث اطمینان ہے اس کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے تعلقات بڑھیں گے۔ یہ کتاب جو عام فہم زبان میں تیار کی گئی ہے۔ یقیناً سنہیلیز زبان میں اسلامی لٹریچر کی ضرورت پوری کرنے والی ہوگی۔

"اسلامی اصول کی فلاسفی" کے مترجم مسٹر پی۔ ایچ ویدیگے کا بیان ہے کہ جب میں ترجمہ کر رہا تھا تو کئی غیر مسلموں نے میری سخت مخالفت کی۔ مگر میں نے اس قومی و دینی خدمت کی تکمیل ضروری خیال کی۔ اور اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے اس سے عقیدت ہو گئی۔ اسی وجہ سے اس کا ترجمہ بہت کم وقت میں مکمل ہو گیا۔ سیلون ریڈیو سے بھی کئی روز مسلسل جماعت احمدیہ سیلون کی اس عظیم الشان خدمت کا تذکرہ کیا جاتا رہا۔ [۹۲]

اخبار اور لٹریچر کی اشاعت کے علاوہ ملکی اخبارات ریڈیو اور مبلغین کے مسلسل دوروں کی وجہ سے سیلون کے ہر شہر اور ہر گاؤں میں اسلام اور احمدیت کا پیغام بہت اچھی طرح پہنچ گیا ہے اور پندرہ اہم پبلک لائبریریوں میں جماعت احمدیہ کا لٹریچر بھی موجود ہے۔

۱۹۵۲ء سے یہ مشن خود اپنا کفیل ہو چکا ہے اور سیلون کی جماعت دینی خدمتوں اور قربانیوں کے علاوہ سلسلہ کے تبلیغی و تربیتی کاموں میں بھی اسی طرح دل سوزی و سرگرمی اور جوش و خروش سے حصہ لینے والی ہے۔ جس طرح دوسرے ملکوں کی جماعتیں۔

دفاتر صدر انجمن احمدیہ کیلئے جدید عمارت اور اس کا افتتاح

صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر غیر مناسب و بے ترتیب عمارتوں میں ایک دوسرے سے جدا اور منتشر حالت میں تھے جس کی وجہ سے سلسلہ کا خرچ بھی زیادہ ہو رہا تھا۔ اور قربت و سہولت بھی حاصل نہیں تھی۔ لہذا ستمبر ۱۹۳۱ء کے قریب مسجد اقصیٰ کے شرقی جانب پنڈت شنکر داس صاحب کا پختہ مکان تھا جو خرید لیا گیا۔ اس مکان کا سلسلہ احمدیہ کے قبضہ میں

آجانا اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں میں سے ایک خاص فضل اور اس کے نشانوں میں سے ایک اہم نشان تھا۔ جب پنڈت شنکر داس صاحب نے یہ عمارت تعمیر کی تو مسجد اور دار مسیح سے قرب کی وجہ سے احمدی آبادی بہت مشوش ہوئی مگر جب حضرت مسیح موعودؑ کے سامنے اس کا ذکر ہوا۔ تو حضور نے اللہ تعالیٰ سے علم پاکر ارشاد فرمایا۔ یہ کوئی فکر کی بات نہیں۔ شاہی کیمپ کے پاس کوئی شخص نہیں ٹھہر سکتا۔ اس وقت یہ گھر نہایت آباد اور ترقی کی حالت میں تھا۔ مگر اس کے بعد اس مکان کے مکینوں کو پے در پے ایسے صدمات پہنچے کہ یہ اجڑ گیا۔ اور خدائی قدرت نمائی کا آخری کرشمہ یہ ہوا کہ یہی عمارت حضرت مسیح موعودؑ کے شاہی کیمپ کا ایک حصہ بن گئی اور اس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حکم سے شاہی فوج کے سپاہی دنیا کی روحانی فتح حاصل کرنے کے لئے داخل ہو گئے۔ [۹۳]

اس مکان کی اوپر کی منزل تک نہ تو لپائی تھی نہ سفیدی اور نہ فرش لگے ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں بالائی منزل میں دو برآمدے اور دو کمرے ابھی تعمیر کئے جانے تھے لہٰذا حضرت مرزا بشیر احمد صاحب افسر صاحب پراویڈنٹ فنڈ اور افسر صاحب تعمیر پر مشتمل ایک سب کمیٹی بنائی گئی۔ جس کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ عمارت کا اس رنگ میں نقشہ بنائے کہ زیادہ سے زیادہ دفاتر کی گنجائش نکل آئے۔ [۹۴]

سب کمیٹی کے تجویز کردہ نقشہ کے مطابق جب اس مکان کی عمارت میں مناسب کمی بیشی اور مرمت ہو چکی تو اپریل ۱۹۳۲ء میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے دفاتر کی اس جدید عمارت کا افتتاح فرمایا۔ [۹۵]

سیرت النبیؐ کے جلسے

حسب معمول سیرت النبیؐ کے شاندار جلسے اس سال بھی منعقد ہوئے۔ [۹۶] لاہور کے جلسہ میں جو ۸/ نومبر ۱۹۳۱ء کو ہوا۔ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بھی تشریف فرما ہوئے۔ بریڈلاء ہال میں لالہ رام چند صاحب منچندہ اور مولوی محمد بخش صاحب مسلم بی۔ اے کی تقریر کے بعد حضور نے ۲ ½ گھنٹہ تک ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ تقریر میں قرآن کریم کی آیت **لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف الرحیم** ۝ (التوبہ) کی نہایت ہی لطیف تفسیر کرتے ہوئے بتایا کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی پانچ ایسی خصوصیات بیان کی گئی ہیں جن میں آپ منفرد ہیں۔ [۹۷]

اس تاریخ کو گزشتہ روایات کے مطابق الفضل کا خاتم النبیینؐ نمبر بھی شائع کیا گیا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب اور دوسرے بزرگان سلسلہ اور علمائے سلسلہ کے علاوہ حضرت سارہ بیگم صاحبہ، محترمہ ناصرہ بیگم صاحبہ، امتہ السلام بیگم صاحبہ اور دوسری احمدی خواتین کے مضامین بھی شائع ہوئے۔ غیر از جماعت اصحاب

میں سے مولوی خیر صاحب سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر اخبار "مشرق" (گورکھپور) نے مضمون لکھا اور سید علی نقوی صاحب صفی لکھنوی۔ ابو المعظم نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی۔ سید محمد کاظم علی صاحب شائق رئیس اعظم گورکھپور اور مفتی ضیاء الدین صاحب پونچھ کی نعتیں شائع ہوئیں۔ یہ نمبر باتصویر تھا یعنی اس کا سرورق احمدیہ مسجد فضل لندن کی تصویر سے مزین !!

چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا ایک اہم مکتوب

(مورخہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۳۱ء)

بحضور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

(بسلسلہ اجلاس مسلم لیگ دھلی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Swiss Hotel
Delhi
10.12.31.

سیدنا و اماما۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مجھے ابھی اطلاع ملی ہے کہ خاکسار کو آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کا جو دہلی میں ۲۶ - ۲۷ دسمبر کو ہونے والا ہے صدر منتخب کیا گیا ہے۔ کونسل کا جلسہ پچھلے اتوار کو ہوا تھا اس میں میرا نام تو آیا تھا لیکن جو تین اور دیگر تھے اور مجھے یہ خیال نہ تھا کہ میری باری آجائیگی اس لئے حضور سے پیشتر اجازت طلب نہ کر سکا۔ گو سیکرٹری

صاحب سے میں نے یہ کہہ دیا تھا کہ ہمارا جلسہ انہی تاریخوں پر
ہوگا لیکن انہوں نے کہا اگر تم پہلے بھی نہ ہو سکا تو ۲۷ کو
فارغ ہو بھی جاؤ گے اس شام چلے جانا۔ خاکسار نے ان کی
مطابق جناب مفتی صاحب سے عرض کر دیا تھا کہ حضور کی خدمت
میں اس روز کی صورت کی اطلاع کر دیں۔ آج شام معلوم
ہوا ہے کہ مجھے منتخب کیا گیا ہے اور اب کسی تبدیلی کی گنجائش
نہیں کیونکہ وقت بہت کم ہے۔ اور سیکریٹری صاحب
کل بمبئی جا رہے ہیں اور ۲۸ کو واپس تشریف لائیں گے
اس لئے اب وہ کسی اور کے لئے کوشش بھی نہیں کر سکتے۔
ادھر اس موقعہ کی ذمہ داری بھی بہت ہے۔ غالباً ایسا اہم
سیاسی موقعہ پہلے نہ ہوا ہوگا۔ اس لئے خاکسار نے حضور
کی منظوری کی امید میں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرتا

ہوتا اسے منظور کر لیا ہے۔ اور زیادہ تر اس رنگ میں اپنے
خیالات کے لحاظ سے اسے قبول کیا ہے کہ اس کو نو ہر مسلمان
سمجھے کہ حضور کی زبان بن کر سیاسی مشورے دوں اور اس حد
تک ملکی سیاسیات میں رہنمائی کر سکوں۔ اس لئے مستدعی
ہوں کہ حضور کمال ذرہ نوازی اور شفقت سے زبانی قیمتی
وقت نکال کر ایڈریس کا مسودہ لکھوا دیں اور ڈاک کے ذریعہ
بھجوا دیں تاکہ اس کا اردو سے ترجمہ کر لیا جائے۔ ایڈریس دونوں
زبانوں میں چھپے گا اردو میں بھی اور انگریزی میں بھی
گو پڑھا غالباً انگریزی کا ہی جائے گا۔ حضور اندازہ فرما
سکتے ہیں کہ وقت بہت ہی مختصر بلکہ ناکافی ہے مجھے پورے
دن کا کام ملاقات میں بھی کرنا ہے۔ لیکن زیادہ مشکل یہ ہے
کہ نہ میرے اندر وہ وسعتِ نظر نہ وہ قابلیت نہ موجودہ
حالات کا صحیح اندازہ کہ ہر ہوا ہے اور نہ آئندہ

آپ نے دلی خلوص کا اظہار جو بر وقت فرض کے طور پر قصیدہ ادا کرنے کے لئے ضرور تھا ہی۔ اس لئے میری ناقابلیت کو بھی مد نظر رکھتے ہوئے اور موقعہ کا لحاظ سے بھی حضور یہ تکلیف ضرور گوارا فرمائیں۔ حضور کی عام مصروفیتوں کے علاوہ جلسہ بھی قریب آ جاتا ہے اور حضور پر یہ زائد بوجھ ہوگا لیکن

حاشا محمود کہ از تعنت علما جہاںؔ

خاکسار ان شاء اللہ یہاں سے فارغ ہو کر ۲۸ کو قبل دوپہر حاضر خدمت اقدس ہوگا۔ ایک دو اور کی طرف سے بھی تاکید اور استدعا تھی حضور کی خدمت میں رہ کر تدبیر راست بھی لکھیں گے۔

ادنیٰ درخواست یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو حضور جلسہ کی تاریخیں ۲۷-۲۸-۲۹ مقرر فرما دیں۔ لیکن میں نے ذکر سنا ہے کہ "یہ ناممکن ہوگا" مگر مجھے یاد

ہے کہ حضور نے فرمایا تھا کہ یہ تاریخیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تجویز کردہ ہیں)

اس سے ذیل درخواست ہے کہ بہر صورت ایسے خدام کو جو دہلی سے گذر کر جلسہ پر جا سکتے ہیں ارشاد فرمایا جائے کہ وہ لیگ کے اجلاس میں جس وقت کے لئے زیادہ سے زیادہ شامل ہو سکتے ہیں شامل ہوں۔ ان کا خیال ہے کہ میرے نام کا اعلان ہوتے ہی جمعیت العلماء وغیرہ شور مچانا اور مخالفت شروع کر دیں گے اور کوشش کریں گے کہ اجلاس کے دوران میں بھی مخالفت ہو۔ اس لئے کوشش کی جائے کہ جماعت احمدیہ کے بہت سے ممبران شامل ہو سکیں تاکہ حاضری بھی اچھی ہو اور ایڈرولیوشن وغیرہ بھی حسب منشاء پاس ہو جائیں۔

یہ عریضہ جلدی میں لکھ رہا ہوں اور پورے طور پر اظہار مدعا بھی نہیں کر سکا۔ حضور اس عریضہ کے ملنے پر اگر بذریعہ تار

خاکسار کو اطلاع کرا دیں کہ یہ عریضہ شرف باریابی حاصل کر لیا جائے اور ایڈیشن کے متعلق خاکسار کی گذارش قبول ہو چکی ہے تو خاکسار کی بہت سی تشویش رفع ہو جائیگی ایڈوائس جیسے جیسے حضور لکھواتے جائیں اگر خاکسار کو بھجوا دیں تو خاکسار ساتھ ساتھ ترجمہ کراتا جائے۔ ایڈوائس سیاست حاضرہ میں مسلمانوں کی حالت۔ موجودہ سیاسی حالات پر تبصرہ اور آئندہ کے کام کے متعلق بھی ہوگا۔ آئندہ کیلئے باقاعدہ نظام لٹریچر کا ویسا ہی انتظام کرنے پر اگر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ توجہ سے زور دیویں

اور آخری گذارش یہ ہے کہ خاکسار کے لئے دعا فرماتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اس خاکسار کو صحیح اور حقیقی خدمت اور راہنمائی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام
حضور کا غلام
خاکسار ظفر اللہ خان۔

مسلم لیگ کا اجلاس دہلی اور چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا خطبہ صدارت

مسلم لیگ کا اجلاس دہلی ۲۶/ دسمبر ۱۹۳۱ء کو مسجد فتح پوری کے جیون بخش ہال میں زیر صدارت جناب چوہدری ظفر اللہ خان صاحب منعقد ہونا قرار پایا تھا۔ لیکن کئی روز سے احراریوں اور دوسرے کانگریسی علماء نے جلسہ میں رکاوٹ ڈالنے اور چوہدری صاحب کو محض احمدی ہونے کی وجہ سے بدنام کرنے میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کر دیں۔ آپ کا سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کیا اور بالآخر ہال پر بھی قبضہ کر لیا۔ [۹۸] جس پر مسلم لیگ کے ایک سو مندوبین خان صاحب نواب علی صاحب کی کوٹھی واقعہ کیلنگ روڈ نئی دہلی میں جمع ہوئے۔ خان صاحب ایس۔ ایم عبداللہ صدر مجلس استقبالیہ کے خطبہ کے بعد سر مولوی محمد یعقوب صاحب سیکرٹری مسلم لیگ نے لیگ کونسل کے انتخاب کے مطابق چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے فرائض صدارت ادا کرنے کی درخواست کی اور چوہدری صاحب کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے اور ایک مبسوط فاضلانہ خطبہ صدارت پڑھ کر سنایا۔

اس خطبہ میں آپ نے مسلم نقطہ نگاہ کی ترجمانی کرتے ہوئے ملک کے تمام پیچیدہ اور لاینحل مسائل مثلاً وفاق' وفاقی مجالس قانون' مالیات وفاق' حق رائے دہندگی' عدالت وفاق' صوبجاتی خودمختاری' مسلمانوں کے اساسی حقوق وغیرہ پر سیرحاصل روشنی ڈالی اور نہایت صاف اور واضح لفظوں میں مسلمانوں کے موقف کی معقولیت مہرنیم روز کی طرح روشن کر دکھائی۔ سیکرٹری مسلم لیگ کے الفاظ میں یہ اجلاس عدیم النظیر تھا۔ اور اس میں کونسل کے ارکان نے غیر معمولی تعداد میں شرکت کی۔ [۹۹]

یہ خطبہ صدارت [۱۰۰] مسلم لیگ کی تاریخ میں نہایت درجہ اہمیت رکھتا ہے جسے اسلامی پریس نے بے حد سراہا۔ چنانچہ چند مسلم اخبارات کی آراء درج ذیل ہیں۔

(۱) روزانہ اخبار "انقلاب" (لاہور) یکم جنوری ۱۹۳۲ء کے پرچہ میں خطبہ صدارت درج کرتے ہوئے لکھا۔

"چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی کے صدر کی حیثیت سے جو خطبہ پڑھا۔ اس میں سیاسیات ہند اور سیاسیات اسلامی کے تمام مسائل پر نہایت سلاست' سادگی اور سنجیدگی سے اظہار خیالات فرمایا"۔

(۲) اخبار "الامان" دہلی ۳۰/ دسمبر ۱۹۳۱ء نے لکھا۔

"جہاں تک آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی تجاویز اور اس کے خطبہ صدارت کا تعلق

ہے اس میں پوری پوری مسلمانان ہند کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اور اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ بروقت مسلمانان ہند کی صحیح ترجمانی کرنے میں یہ اجلاس گزشتہ جلسوں سے زیادہ کامیاب رہا۔ وزیر اعظم کے اس تاریخی اعلان پر جو اس نے ۲/ دسمبر کو گول میز کانفرنس میں پیش کیا تھا۔ مایوسی کا اظہار افسوس کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا کہ جب تک وہ مسلمانوں کے فلاں فلاں مطالبات نہ منظور کریں۔ اس وقت تک مسلمان محض اس اعلان سے ہرگز مطمئن نہیں ہو سکتے۔ اس طرح ایک اہم تجویز آل انڈیا مسلم کانفرنس اور آل انڈیا مسلم لیگ کو متحد کرنے کے لئے منظور کی گئی۔ جس پر مسلمانوں کی سیاسی موت و حیات کا دارومدار ہے۔ اسی طرح بعض اور مفید ضروری تجاویز منظور ہوئیں۔ اسی طرح خطبہ صدارت میں جس دلیری و بے باکی کے ساتھ حکومت کے رویہ کی مذمت اور حقوق مسلمین کی وکالت کا حق ادا کیا گیا ہے۔ وہ بھی اس اجلاس کی ایک تاریخی خصوصیت ہے"۔

(۳) "الخلیل" دہلی نے اپنے یکم جنوری ۱۹۳۲ء کے پرچہ میں لکھا۔

"چودھری ظفر اللہ خاں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں جو خطبہ صدارت ارشاد فرمایا۔ وہ اپنی نوعیت و سود مندی کے اعتبار سے وقت کا ایک اہم خطبہ ہے اور اس میں مسلم جذبات کی صحیح صحیح ترجمانی کی گئی ہے۔ ہم چوہدری صاحب کے ممنون ہیں کہ آپ نے مسلم جذبات کی سچی وکالت کی اور حکومت اور دنیا کو ایک دفعہ اور متنبہ کر دیا ہے کہ اگر مسلمانوں کے حقیقی مطالبات منظور نہ کئے گئے اور انتخاب جداگانہ کے قیام میں پنجاب و بنگال میں مسلم اکثریت کے تحفظ سندھ کی غیر مشروط علیحدگی اور سرحد کو حقیقی اصلاحات کے عطا کرنے کی طرف مستعدانہ قدم نہ اٹھایا گیا تو یہاں کوئی آئین کامیاب نہ ہو گا اور مسلمان ہرگز مطمئن نہ ہوں گے۔ مسلم حقوق کی وکالت کا جو طریقہ آپ نے اختیار کیا۔ وہ بہت صحیح اور بہت درست تھا۔ تمام خطبہ آپ کی فاضلانہ اور دلیرانہ ترجمانی سے لبریز ہے۔ آپ نے اس خطبہ صدارت میں جن گرانقدر خیالات کا اظہار کیا ہے۔ حقیقت میں وہی مسلمانوں کے خیالات ہیں اس خطبہ کو پڑھ کر مخالفین کو یقیناً اپنے احتجاجی فعل و عمل پر افسوس ہوا ہو گا اور ہونا چاہئے"۔ [۱۵۱]

سر محمد یعقوب خاں صاحب نے اجلاس دہلی کے بخیر و خوبی منعقد ہو جانے کے بعد مسلمانان ہند کو توجہ دلائی کہ "آل انڈیا مسلم لیگ کو اپنا سالانہ اجلاس منعقد کرنے میں جو دشواریاں دہلی میں ۲۶/ دسمبر ۱۹۳۱ء کو پیش آئیں وہ پہلی مرتبہ نہ تھیں بلکہ اس سے پیشتر کئی مرتبہ لیگ کے مخالفوں نے اس کو توڑنے اور اس کے جلسوں کو ناکام بنانے میں سعی اور کوشش کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا...... اس مرتبہ دہلی میں مخالفین کا ہجوم...... بہت زیادہ اور بہت قوی اسی وجہ سے ہوا کہ علم بغاوت مذہب کے نام

سے بلند کیا گیا تھا اور یہی امر سب سے زیادہ باعث شرم اور قابل نفرت ہے مسلمانان ہند کو اس واقعہ سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ اور آئندہ کے واسطے اس فتنہ پردازی کا سدباب کرنا چاہئے۔ ورنہ مسلمانوں کا تمام قومی شیرازہ بکھر جائے گا۔ اور ان کے سیاسی حقوق کا قلعہ پاش پاش ہو جائے گا۔۔۔۔۔۔ مسلمانوں کو اس وقت ہندوستان میں اپنی آٹھ کروڑ آبادی پر ناز ہے اور اسی کے تناسب سے ہم اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں اگر قادیانی شیعہ 'خوجے' بوہرے اور دیگر تمام فرقے مثلاً اہل قرآن اور اہل حدیث سب کے سب جیسا کہ علماء کرام ہمیشہ سے فتویٰ دیتے چلے آئے ہیں۔ دائرہ اسلام سے خارج کر دیئے جائیں۔ تو خالص مسلمانوں کی آبادی ہندوستان میں کس قدر رہ جائے اور ان کے سیاسی مطالبات کی کیا گت ہوگی"۔ [۱۰۲]

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

۱۹۳۱ء میں فوت ہونے والے بعض جلیل القدر صحابہ یہ ہیں۔ (۱) چوہدری عبدالسلام صاحب کاٹھ گڑھی (تاریخ وفات ۱۹/ اکتوبر ۱۹۳۱ء) [۱۰۳]

۲۔ حضرت سید ارادت حسین صاحب اوریویؓ [۱۰۴] (تاریخ وفات ۲/ نومبر ۱۹۳۱ء)

۳۔ حضرت ملا محمد میرو صاحب افغان ساکن خوست [۱۰۵] (تاریخ وفات ۸/۷ دسمبر ۱۹۳۱ء)

۱۹۳۱ء میں اندرون ملک کے مبلغین احمدیت

سلسلہ احمدیہ کے مبلغین اب تک کسی خاص حلقہ میں تعینات نہ کئے جاتے تھے۔ بلکہ مرکز جہاں چاہتا انہیں بھجوا دیتا تھا۔ مگر مجالس مشاورت ۱۹۳۰ء میں فیصلہ کیا گیا کہ مبلغین کے ہیڈ کوارٹر تجویز کر کے وہ کئی حلقوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ اس فیصلہ کے مطابق ۱۹۳۱ء میں مبلغین کے لئے حسب ذیل حلقے مقرر کئے گئے تھے۔

(ا) صوبہ پنجاب میں نو حلقے تھے جن کی تفصیل مع مبلغین متعلقہ یہ ہے۔

نمبر شمار	نام ہیڈ کوارٹر	نام مہتمم تبلیغ	علاقہ
۱	امرتسر	حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب۔ بقاپوری	امرتسر 'گورداسپور' لاہور' فیروزپور۔
۲	راولپنڈی	مولوی ابوالبشارت عبدالغفور صاحب	راولپنڈی' کیمل پور' جہلم' میانوالی
۳	انبالہ	مولوی محمد حسین صاحب	انبالہ' لدھیانہ' پٹیالہ' نابھہ
۴	سیالکوٹ	حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی مولوی ظہور حسین صاحب	سیالکوٹ' گوجرانوالہ' گجرات' شیخوپورہ
۵	دھلی	مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور بوتالوی	دہلی' رہتک' حصار' کرنال
٦	جالندھر	مہاشہ محمد عمر صاحب	جالندھر' ہوشیارپور' کانگڑہ

۷	لائل پور	مولوی علی محمد صاحب اجمیری	لائلپور‘ منٹگمری‘ سرگودھا‘ جھنگ
۸	ملتان	مولوی عبدالاحد صاحب ہزاروی‘ مولوی ظفر محمد صاحب	بہاولپور‘ ملتان‘ مظفر گڑھ‘ ڈیرہ غازی خاں
۹	متفرق	گیانی واحد حسین صاحب	

(۲) صوبہ سرحد کو بتفصیل ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

نمبر شمار	ہیڈ کوارٹر	مہتمم تبلیغ	علاقہ
۱	ٹوپی ضلع پشاور	صاحبزادہ عبداللطیف صاحب	پشاور‘ کوہاٹ‘ علاقہ غیر
۲	ڈیرہ اسمٰعیل خاں	مولوی چراغ دین صاحب	ڈیرہ اسمٰعیل خاں۔ بنوں مع علاقہ غیر
۳	بالاکوٹ	حکیم عبدالواحد صاحب	ضلع ہزارہ مع علاقہ غیر

ان کے علاوہ صوبہ یو۔ پی میں مولوی غلام احمد صاحب فاضل بدوملہوی‘ ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارف‘ مولوی افضال احمد صاحب اور مولوی جلال الدین صاحب بالترتیب لکھنؤ‘ مین پوری اور ساندھن میں کام کر رہے تھے۔ کشمیر میں تبلیغ مولوی عبدالواحد صاحب کشمیری مولوی فاضل کے سپرد تھی۔ صوبہ سندھ میں مولوی مرید احمد صاحب اور مولوی محمد مبارک صاحب متعین تھے۔ حیدر آباد (دکن) میں حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر تبلیغ کے انچارج تھے۔ صوبہ بنگال میں مولوی ظل الرحمٰن صاحب بنگالی مقرر تھے اور اچھوت اقوام میں فریضہ تبلیغ کا کام شیخ حمید اللہ صاحب‘ شیخ عبدالرحیم صاحب اور مولوی خلیل الرحمٰن صاحب بجالا رہے تھے۔ [۱۵۶]

چوتھا باب (فصل ششم)

۱۹۳۱ء کے بعض اہم و متفرق واقعات

مولانا محمد علی جوہر کا انتقال پر ملال

۱۹۳۱ء کا پہلا ہفتہ ملکی و قومی لحاظ سے بڑا المناک و دل خراش ثابت ہوا۔ یعنی ان کے نہایت ہی مقبول و ممتاز سیاسی لیڈر مولانا محمد علی جوہر جو حضرت مولوی ذوالفقار علی خاں گوہر [۱۰۷] کے چھوٹے بھائی تھے اس دارفانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا محمد علی جوہر اپنی علمی قابلیت، سیاسی عظمت، فطری جرأت اور جذبہ حریت میں شہرہ آفاق لیڈر تھے۔ آپ نے اپنے وطن و قوم کی خدمت کے لئے اپنی عزیز سے عزیز متاع کو بھی قربان کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ آپ عرصہ سے بیمار چلے آرہے تھے۔ مگر محض آزادی کی تمنا لے کر لنڈن پہنچے۔ گول میز کانفرنس میں شامل ہوئے اور ۳۱/ دسمبر کو لیٹے لیٹے آزادی وطن کے لئے ایک پرجوش اور ولولہ انگیز تقریر کی اور کہا۔ "اگر آپ مجھے ہندوستان کی آزادی نہیں دیں گے تو پھر آپ کو یہاں مجھے قبر کے لئے جگہ دینا ہوگی"۔ [۱۰۸] یہ الفاظ ایک لحاظ سے صحیح ثابت ہوئے اور آپ لنڈن میں ہی ۴/ جنوری ۱۹۳۱ء ساڑھے ۹ بجے صبح کو وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ [۱۰۹] اور "خادم الحرمین الشریفین" مولانا جوہر کا انتقال ایک قومی حادثہ تھا جس پر پورے عالم اسلام میں صف ماتم بچھ گئی۔ جماعت احمدیہ نے اس پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ الفضل نے اس عظیم رہنما کی وفات پر نوٹ لکھا اور ان کے علمی کارناموں کو خراج تحسین ادا کیا۔ [۱۱۰] اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے نظارت امور خارجہ نے محترم مولانا شوکت علی صاحب کے نام ایک برقی پیغام ارسال کیا۔ کہ "حضرت خلیفۃ المسیح کو مولانا محمد علی کی وفات کی خبر معلوم کرکے جو ایک قومی نقصان ہے سخت صدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مہربانی فرماکر تمام خاندان سے حضور کی دلی ہمدردی کا اظہار کردیں"۔ [۱۱۱]

خاندان مسیح موعودؑ میں ترقی

۲۱۔ ۲۲/ مئی ۱۹۳۱ء کی درمیانی شب کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی حرم ثالث (حضرت ام طاہر) سے مرزا

اطہر احمد صاحب پیدا ہوئے۔ ۱۱۲

۱۷/ جولائی ۱۹۳۱ء کو حرم خامس حضرت ام وسیم کے ہاں صاحبزادہ مرزا نعیم احمد صاحب کی ولادت ہوئی۔ ۱۱۳

بنگال کی امارت

کلکتہ کی جماعت کے امیر حکیم ابو طاہر صاحب اپنی بیماری کے باوجود بہت کامیابی سے سلسلہ کا کام چلا رہے تھے۔ اور اپنی سرگرمیوں اور کوششوں سے کلکتہ جیسے علمی اور تجارتی مرکز میں جماعت احمدیہ کا وقار بلند کرکے اسے بڑے طبقہ میں مقبول بنا دیا تھا۔ وہاں کا سیرت النبیؐ کا جلسہ (۱۹۳۰ء) بہترین جلسہ تھا۔ حضور نے ان کی ان مخلصانہ مساعی پر مجلس مشاورت میں اظہار خوشنودی فرمایا اور انہیں پورے بنگال کا امیر مقرر فرما دیا۔ ۱۱۴

نکاحوں سے متعلق ایک ضروری اعلان

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جماعت احمدیہ کو شادی بیاہ کی غیر اسلامی رسوم سے بچانے کے لئے یہ اعلان فرمایا۔ "اگر مجھے علم ہو گیا کہ کسی نکاح کے لئے زیور یا کپڑے وغیرہ کی شرائط لگائی گئی ہیں یا لڑکی والوں نے ایسی تحریک بھی کی ہے تو ایسے نکاح کا اعلان میں نہیں کروں گا"۔ اسی ضمن میں حضور نے یہ بھی فرمایا کہ "فضول رسمیں قوم کی گردن میں زنجیریں اور طوق ہوتے ہیں جو اسے ذلت اور ادبار کے گڑھے میں گرا دیتے ہیں اسلام ان سے منع کرتا اور اعتدال سکھاتا ہے"۔ ۱۱۵

۱۹۳۱ء کی مردم شماری اور قادیان کی آبادی

۱۹۲۱ء کی مردم شماری میں قادیان کی کل آبادی ۴۴۰۰ تھی جس میں سے احمدی ۲۳۰۰ تھے۔ مگر دس برس کے بعد فروری ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں احمدی آبادی دگنی سے بھی بڑھ گئی جس کی فرقہ وار تفصیل یہ ہے۔

احمدی ۵۱۹۸۔ غیر احمدی ۸۱۹۔ سناتنی ۳۸۶۔ آریہ ۸۷۔ سکھ ۲۶۸۔ عیسائی چوہڑے ۵۱۔ چوہڑے ۲۰۹ = میزان ۷۰۱۸۔ ۱۱۶

ایک افغانی سیاح قادیان میں

ایک افغانی سیاح ۳۰/ مئی ۱۹۳۱ء کو حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لئے قادیان آئے اور حضور سے ملاقات کی۔ ۱۱۷

قادیان میں عورتوں کے لئے اعلیٰ انگریزی تعلیم کا اجراء

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

بنصرہ العزیز نے یکم جولائی ۱۹۳۱ء کو قادیان میں ایف۔اے کلاس کا افتتاح فرمایا۔ اس موقع پر حضور نے اس خواہش کا اظہار فرمایا۔ کہ انگریزی تعلیم جاری رہے یہاں تک کہ گریجوایٹ خواتین کی اتنی کثیر تعداد پیدا ہو جائے کہ ہم سکول میں بھی زنانہ سٹاف رکھ سکیں۔ اور کالج بھی قائم کر سکیں۔

اس تعلق میں حضور نے یہ بھی فرمایا۔ کہ تربیت اولاد کے مسئلہ میں کامیابی کی فقط یہی ایک صورت ہے کہ چھوٹی عمر کے بچوں کے بورڈنگ بنا کر ان کا انتظام عورتوں کے سپرد کر دیا جائے۔ تاکہ وہ ان میں بچپن میں ہی خاص اخلاق پیدا کریں اور پھر وہ بچے بڑے ہو کر دوسروں کے اخلاق کو اپنے اخلاق کے سانچے میں ڈھالیں۔ اگر ہم ایسے ہومز (گھر) قائم کر سکیں۔ تو اس کے ذریعہ سے اعلیٰ اخلاق پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ اور ایسی تربیت ہو سکتی ہے جو ہماری جماعت کو دوسروں سے بالکل ممتاز کر دے۔ مگر یہ بات کبھی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کافی تعداد میں تعلیم یافتہ عورتیں نہ ہوں۔ ۱۱۸

بیرونی مشنوں کے بعض واقعات

مولانا رحمت علی صاحب کے ذریعہ فروری ۱۹۳۱ء میں جاوا مشن کا قیام ہوا۔ مولوی صاحب کا مرکز بٹاویا تھا۔ ابتداً میں بٹاویا کے علاوہ چپو اور بوگر میں جماعتیں قائم ہوئیں۔ ۱۱۹

۲۔ کبابیر میں مولانا جلال الدین صاحب شمس نے ۳/ اپریل ۱۹۳۱ء کو پہلی احمدیہ مسجد کی بنیاد رکھی۔ ۱۲۰

۳۔ نومبر ۱۹۳۱ء میں فلسطین کی مردم شماری ہوئی۔ جس میں احباب جماعت نے اپنے نام کے ساتھ "احمدی مسلمان" لکھوایا۔ فلسطین کی یہ پہلی مردم شماری تھی جس میں جماعت احمدیہ کا ذکر ہوا۔ ۱۲۱

۴۔ مسلمانان عالم کی ایک کانفرنس اوائل دسمبر ۱۹۳۱ء میں بمقام بیت المقدس منعقد ہوئی جس میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو بھی دعوت دی گئی۔ حضور نے مبلغ حیفا محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس کو شامل ہونے کا ارشاد فرمایا۔ اور گو بعض تنگ دل مشائخ نے یہ برداشت نہ کیا۔ مگر اس واقعہ سے جماعت احمدیہ کی عالمی حیثیت و اہمیت ضرور واضح ہو گئی۔ ۱۲۲

مبلغین اسلام کی آمد و روانگی

۱۔ مکرم مولوی محمد یار صاحب عارف ۲۵/ جولائی ۱۹۳۱ء کو قادیان سے بغرض تبلیغ لنڈن روانہ ہوئے۔ ۱۲۳ اور محترم ابو العطاء صاحب ۱۳/ اگست ۱۹۳۱ء کو قادیان سے حیفا (فلسطین) کو۔ ۱۲۴

۲۔ ۲۸/ ستمبر ۱۹۳۱ء کو محترم جناب مولوی ابوبکر ایوب صاحب سماٹری دس سال قادیان میں تعلیم حاصل کرنے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد سماٹرا روانہ ہوئے۔ ۱۲۵

۳۔ محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس شام و فلسطین میں فریضہ تبلیغ کی کامیاب ادائیگی کے بعد ۲۰/ دسمبر ۱۹۳۱ء کو واپس دارالامان میں پہنچ گئے۔ ۱۸۶

۱۹۳۱ء کی مطبوعات سلسلہ

اس سال مرکز احمدیت سے مندرجہ ذیل کتب شائع ہوئیں۔

۱۔ "تجلیات رحمانیہ" (از مولانا ابو العطاء صاحب فاضل) جناب مولوی ثناء اللہ امرتسری ایڈیٹر "اہلحدیث" نے "تعلیمات مرزا"۔ "فیصلہ مرزا" وغیرہ بعض رسائل لکھے تھے جن کا جواب مولانا ابو العطاء صاحب نے حیفا فلسطین سے لکھ کر بذریعہ ہوائی ڈاک ارسال فرمایا اور حضرت مولوی میر قاسم علی ایڈیٹر "فاروق" نے دسمبر ۱۹۳۱ء میں "تجلیات رحمانیہ" کے نام سے شائع کیا۔

۲۔ "مسلمانان کشمیر اور ڈوگرہ راج" (مؤلفہ ملک فضل حسین صاحب) اس کتاب میں کشمیری مسلمانوں کے سیاسی مطالبات کی معقولیت حقائق و واقعات کی روشنی میں بالکل نمایاں اور ڈوگرہ راج میں ان کی دردناک حالت اور ناگفتہ بہ مظلومیت کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی دسمبر ۱۹۳۱ء میں اشاعت پذیر ہوئی اور ملک صاحب کی دوسری کتابوں کی طرح غیر معمولی دلچسپی سے پڑھی گئی۔

مباحثات بالاکوٹ و بھگلہ

مولانا ابو العطاء صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"اوائل ۱۹۳۱ء کی بات ہے کہ بالاکوٹ ضلع ہزارہ میں غیر احمدی علماء سے مباحثات ہوئے۔ پادریوں سے کامیاب مناظرہ پہلے ہو چکا تھا۔ علماء سے جو مباحثہ وفات مسیح علیہ السلام پر ہوا اس میں مدمقابل مولوی عبدالحنان صاحب ہزارویؒ تھے۔ اس مباحثہ کا آغاز نہایت پرلطف طریق پر ہوا تھا میں نے اپنی تقریر کے شروع میں آیت قرآنی کی تلاوت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر باآواز بلند پڑھا۔ ؎

ابن مریم مر گیا حق کی قسم
داخل جنت ہوا وہ محترم

اس پر مخالف مولوی صاحب نے کہا کہ یہ شعر اس لئے غلط ہے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کو وفات یافتہ بھی مان لیا جائے تب بھی یہ کہنا غلط ہے کہ وہ جنت میں داخل ہو چکے ہیں۔ جنت میں تو ابھی کوئی بھی داخل نہیں ہوا۔ اس پر میں نے فوراً مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ کیا رسول کریم ﷺ بھی

جنت میں داخل نہیں ہوئے؟ مولوی صاحب نے کہہ دیا کہ ہاں ابھی تک رسول کریم ﷺ بھی جنت میں داخل نہیں ہوئے میں نے قرآن مجید ہاتھ میں لے کر پر زور لہجہ میں کہا میں اس خدا کی قسم کھاتا ہوں جس نے یہ قرآن مجید نازل کیا ہے کہ ہم احمدیوں کے عقیدہ کے رو سے رسول اکرم ﷺ جنت کے بلند ترین مقام میں داخل ہیں۔ اس قسم کے بعد میں نے کہا کہ بھائیو! ایک طرف مولوی صاحبان کا یہ عقیدہ ہے جو ابھی آپ نے مولوی عبدالحنان صاحب کے منہ سے سنا ہے اور ایک طرف ہمارا عقیدہ ہے جو میں نے ابھی حلفاً بیان کیا ہے۔ اب آپ خود اندازہ لگالیں کہ رسول کریم ﷺ کی عزت و عظمت کو کون مانتا ہے؟ شروع مناظرہ میں ہی اس واقعہ سے سامعین پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ اس مناظرہ اور دیگر مناظرات میں بھی اللہ تعالیٰ کی خاص تائید شامل حال رہی اور اس پہاڑی علاقہ میں احمدیت کا خوب چرچا ہوا۔ **فالحمد للہ علی ذٰلک۔**

بالاکوٹ کے بعد **بھگلہ** میں مناظرہ مقرر تھا۔ یہ مناظرہ جمعہ کے روز ہونے والا تھا۔ مقام مناظرہ ایک کھلی جگہ گاؤں سے کچھ فاصلہ پر عین اس سڑک پر واقع تھا جو مانسہرہ سے بالاکوٹ کو جاتی ہے۔ مناظرہ کا وقت نماز جمعہ کے بعد مقرر ہوا۔ ہم نے اسی جگہ پر نماز جمعہ ادا کی۔ احمدیوں کی تعداد تیس چالیس ہوگی۔ غیر احمدی جم غفیر کی صورت میں نیچے وادی میں پانی کے نالہ کے پاس نماز ادا کرنے کے لئے گئے۔ خطبہ جمعہ میں مولوی غلام غوث صاحب نے عوام کو سخت اشتعال دلایا۔ سامعین میں احمدیوں کے بعض رشتہ دار اور ہمدرد بھی تھے۔ انہوں نے وہاں سے جلد آکر اپنے احمدی رشتہ داروں کو بتایا کہ مناظرہ وغیرہ تو ہوگا نہیں فساد اور کشت و خون ہوگا بہتر ہے کہ آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ ایک کے بعد دوسرے دوست نے آکر یہی ترغیب دی۔ جماعت احمدیہ **بھگلہ** کے صدر محترم سید عبدالرحیم شاہ صاحب کو دوستوں نے اس طرف توجہ دلائی۔ انہوں نے مجھے حالات سے اطلاع دی۔ میں نے کہا کہ جانے کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ جب غیر احمدی مولوی ہجوم کو لے کر مقام مناظرہ کی طرف آرہے تھے تو ان کے اطوار صاف بتا رہے تھے کہ وہ لوگ مناظرہ کے لئے نہیں بلکہ مقاتلہ کے لئے آرہے ہیں۔ محترم سید عبدالرحیم شاہ صاحب نے خطرہ کو بھانپ کر پھر توجہ دلائی میں نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ ان کے کہنے پر بھی میرا وہی جواب تھا۔ ہاں ہم نے اتنی احتیاط ضرور کرلی تھی کہ مناظرہ کی کتب جو پہلے پھیلا کر میز پر رکھی ہوئی تھیں انہیں محفوظ کرلیا تھا۔

اس وقت موت یقینی نظر آرہی تھی۔ میرے ہاتھ میں اس وقت بھیرہ کی بنی ہوئی بید کی خوبصورت چھڑی تھی جو مجھے اپنے بزرگوار حضرت مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی ؓ کی طرف سے میری شادی کے موقعہ پر ملی تھی۔ میرے دل میں اس وقت یہ حسرت تھی کہ دفاع کا کوئی انتظام نہیں تاہم اللہ تعالیٰ

پر توکل کرتے ہوئے ہم سب تیار بیٹھے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو پیش آئے ہم اسے برداشت کریں گے۔

مخالف ہجوم میں لاٹھی تو قریباً ہر دیہاتی کے ہاتھ میں تھی' بہت سے لوگوں کے پاس کلہاڑیاں بھی تھیں۔ غیر احمدی مولوی صاحبان نے ہجوم کے ساتھ ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور ایک مولوی صاحب نے کھڑے کھڑے مجھ سے یوں خطاب کیا کہ آپ لوگ مناظرہ کرنا نہیں چاہتے؟ میں نے کہا کہ کیوں نہیں چاہتے ہم تو مناظرہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ کتابوں کے ٹرنک کس لئے ہیں؟ اس پر مولوی صاحب نے کہا ہم پہلے مرزا صاحب کی صداقت پر مناظرہ کریں گے۔ میں نے کہا کہ ہمیں منظور ہے ابھی مناظرہ شروع ہو جاتا ہے میرے دل میں آیا کہ چلو پہلی تقریر میں پیغام حق تو پہنچا دیا جائے گا بعد میں تو یہ لوگ اغلباً فساد برپا کر دیں گے۔ مولوی صاحب کہنے لگے کہ پہلی تقریر ہم کریں گے۔ میں نے کہا کہ اصول کے مطابق پہلی تقریر مدعی کی ہوتی ہے۔ ہم صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مدعی ہیں اس لئے پہلی تقریر ہماری ہوگی۔ اس مرحلہ پر ہجوم میں شور اٹھا اور اشتعال انگیز نعرہ کے ساتھ ایک دیہاتی لاٹھی لے کر میرے سر پر مارنے کے لئے آگے بڑھا۔ میرے ساتھ محترم سید عبدالرحیم شاہ صاحب کھڑے تھے انہوں نے لاٹھی کو دیکھ لیا اور آگے بڑھ کر روکنا چاہا مگر وہ لاٹھی ان کے ماتھے پر لگی۔ خون زور سے بہنے لگا اور ہنگامہ کی صورت پیدا ہو گئی۔

اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ کا عجیب نشان ظاہر ہوا۔ بھگلہ کے ایک غیر احمدی سید نے جب یہ دیکھا کہ قریبی گاؤں کے ایک گوجر کی لاٹھی سے بھگلہ کے سید عبدالرحیم شاہ زخمی ہو گئے ہیں تو اس نے شور مچا دیا کہ اے بھگلہ کے لوگو! تمہارے سید کو فلاں گاؤں کے گوجر مار گئے ہیں۔ یہ آواز بلند ہونی تھی کہ سارا ریلہ ان گوجروں کی طرف ہو گیا۔ ایک لمحہ کے اندر اندر یوں ہوا کہ وہ لوگ جو احمدیوں کو قتل کرنے کے لئے آئے تھے بھاگتے نظر آئے۔ وہ ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ بھگلہ والوں نے سید عبدالرحیم شاہ صاحب کو لاٹھی مارنے والے شخص کو نیچے نالہ میں قریباً دو اڑھائی فرلانگ کے فاصلہ پر جا پکڑا اور خوب مار اتنی کہ مشہور ہو گیا کہ شاید وہ مر گیا حالانکہ مرا نہیں تھا۔ ہم اس میدان میں کھڑے قدرت خداوندی کا نظارہ دیکھ رہے تھے۔ سب مولوی میدان سے بھاگ چکے تھے صرف احمدی ہی اس جگہ موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی تائید کا یہ عجیب واقعہ تھا۔

میری طبیعت پر سید عبدالرحیم شاہ صاحب کے میری جگہ لاٹھی اپنے سر پر لینے کا بڑا اثر تھا اور آج تک قائم ہے اس کے بعد میں جب فلسطین گیا تب بھی اس واقعہ کی وجہ سے ان سے سلسلہ خط و کتابت جاری رہا۔

گزشتہ سال (جولائی ۱۹۷۰ء میں) مجھے عزیزم مولوی محمد الدین صاحب مربی سلسلہ احمدیہ کی معیت میں ایبٹ آباد اور بھگہ جانے کا موقعہ ملا۔ برادرم سید محمد بشیر صاحب پسر سید عبدالرحیم شاہ صاحب ہمیں ایبٹ آباد سے مانسہرہ اور پھر بھگہ لے گئے۔ ایک دن رات ہم نے بھگہ میں احباب کے درمیان گزارا۔ محترم سید عبدالرحیم شاہ صاحب نے گزرے ہوئے واقعات سب کے سامنے بڑی محبت سے سنائے اور بار بار کہا کہ میں حیران تھا کہ میں نے جب بھی مولوی صاحب (خاکسار) سے اس وقت کہا کہ لوگ آمادہ فساد ہیں ہمیں حفاظت کا انتظام کرنا چاہئے تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ اب انتظام تو اللہ تعالیٰ نے ہی کرنا ہے ہم کیا کر سکتے ہیں یہاں سے جانے کا بہرحال کوئی سوال نہیں ہے۔ اس قیام کے آخر پر ہم نے وہ مقام بھی دیکھا جہاں اب سکول بن چکا ہے"۔

(رسالہ الفرقان جنوری ۱۹۷۱ء صفحہ ۵۴ تا ۵۶)

اندرون ملک کے دیگر مشہور مباحثات

۱۔ مباحثہ دھرگ میانہ تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ (احمدی مناظرین مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری۔ مولوی ظہور حسین صاحب مولوی محمد یار صاحب عارف غیر احمدی مناظرین مولوی محمد امین صاحب و مولوی عبدالرحیم صاحب) یہ مباحثہ ۳۔ ۴/ جنوری ۱۹۳۰ء کو مسئلہ حیات و وفات مسیح و صداقت مسیح موعودؑ کے موضوع پر ہوا مناظرہ کے دوران ہی میں غیر احمدی مناظرین میدان مباحثہ سے چل دیئے۔ [127]

۲۔ مباحثہ جہلم: (مابین مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری و میر مدثر شاہ صاحب غیر مبائع) یہ مباحثہ ۱۵/ مارچ ۱۹۳۱ء کو نبوت مسیح موعودؑ کے موضوع پر ہوا تھا۔ اس مناظرہ کا یہ اثر ہوا۔ کہ تعلیم یافتہ طبقہ نے ہمارے فاضل مناظر کے دلائل کی معقولیت کا کھلے طور پر اظہار کیا [128]۔

۳۔ مباحثہ بدوملہی ضلع سیالکوٹ: (مابین مولوی ظہور حسین صاحب و پنڈت رام چندر صاحب دہلوی و مابین گیانی واحد حسین صاحب و پادری یوحنا صاحب) بدوملہی میں ۱۵/ مارچ ۱۹۳۱ء کو آریہ سماج نے مذاہب کانفرنس منعقد کی جس کے دوسرے روز مسجد احمدیہ میں مسلمانوں کا متفقہ جلسہ ہوا۔ جس میں احمدی [129] و غیر احمدی علماء [130] نے صداقت اسلام پر تقریریں کیں۔ اس جلسہ کے دوران احمدی مبلغوں نے کامیاب مناظرے کئے۔ [131]

۴۔ مباحثہ بسراواں متصل قادیان: (مابین پروفیسر حافظ مبارک احمد صاحب و مولوی محمد حسین صاحب کولو تارڑوی) یہ مباحثہ ۲۹/ مارچ ۱۹۳۱ء کو الہامات مسیح موعودؑ کے موضوع پر ہوا۔ [132]

۵۔ مباحثہ ہالہ ضلع حیدر آباد سندھ: (مابین مولوی مرید احمد صاحب احمدی اور مولوی عبدالکریم صاحب) یہ مناظرہ ۱۸/ اپریل ۱۹۳۱ء کو معروف تین اختلافی مسائل پر ہوا۔ [۱۲۳]

۶۔ مباحثہ بوسن ضلع ملتان: (احمدی مناظر ابوالبشارت مولوی عبدالغفور صاحب فاضل و مولوی ظہور حسین صاحب فاضل) یہ مناظرہ ۱۷-۱۸-۱۹/ مئی ۱۹۳۱ء کو تین دن جاری رہا۔ موضوع بحث حیات و وفات مسیحؑ، مسئلہ نبوت اور صداقت مسیح موعودؑ تھے۔ [۱۲۴]

۷۔ مباحثہ رنگ پور بنگال: جو مولوی ظل الرحمن صاحب بنگالی نے وسط ۱۹۳۱ء کے قریب ایک غیر احمدی عالم سے رنگ پور میں صداقت مسیح موعودؑ اور حیات و وفات مسیحؑ کے موضوع پر کیا۔ جس کا سنجیدہ اور تعلیم یافتہ طبقہ پر بہت اچھا اثر ہوا۔ [۱۲۵]

۸۔ مباحثہ بٹالہ: (مابین مولوی محمد یار صاحب عارف و مولوی محمد یوسف صاحب امرتسری اور جناب ابوالعطاء صاحب فاضل جالندھری و حافظ احمد الدین صاحب گکھڑوی) ۲۹-۳۰/ جون ۱۹۳۱ء کو گلاب خاں قانیاں تحصیل بٹالہ میں بالترتیب حیات و وفات مسیح اور صداقت مسیح موعود پر مناظرہ ہوا۔ [۱۲۶]

۹۔ مباحثہ ڈگری علاقہ سندھ: (مابین بابو اللہ داد صاحب احمدی و مولوی عبدالعزیز صاحب ملتانی مناظر اہلحدیث اور مابین مولوی محمد سلیم صاحب فاضل و عبدالرحیم شاہ صاحب) تاریخ انعقاد ۹-۱۰/ جولائی ۱۹۳۱ء تھی اور موضوع بحث حیات و وفات مسیح و صداقت مسیح موعودؑ۔ [۱۲۷]

۱۰۔ مباحثہ بھینی واقعہ بیٹ متصل قادیان: (مابین ابوالعطاء صاحب جالندھری و پادری عبدالحق صاحب) یہ مباحثہ ۱۸/ جولائی ۱۹۳۱ء کو ہوا۔ اور اس میں احمدیت کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ [۱۲۸]

۱۱۔ مباحثہ سری گوبند پور: (مابین حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی و مولوی محمد یوسف صاحب امرتسری) یہ مباحثہ ۲۹/ اگست ۱۹۳۱ء کو "ختم نبوت" کے موضوع پر ہوا۔ [۱۲۹]

۱۲۔ مباحثہ کاہنووان تحصیل گورداسپور: (مابین مولوی محمد سلیم صاحب فاضل و مولوی محمد یوسف صاحب امرتسری) تاریخ مباحثہ ۱۸-۱۹/ ستمبر ۱۹۳۱ء موضوع وفات مسیح و صداقت مسیح موعودؑ۔ یہ کامیاب مناظرہ مسلسل سات گھنٹے ہوا۔ [۱۳۰]

بعض نومبایعین

۱۹۳۱ء میں جن اصحاب نے بیعت کی۔ ان میں سے ڈپٹی فقیر اللہ صاحب ڈپٹی ایگزیکٹو انجینئر سرحد اور میر اللہ بخش صاحب تسنیم [۱۳۱] راہوالی ضلع گوجرانوالہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حواشی (چوتھا باب)

۱- اشتہار ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء-
۲- رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۳۱-۱۹۳۰ء-
۳- ملاحظہ ہو رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۳۰-۱۹۳۱ء تا ۴۰-۱۹۳۹ء-
۴- وفد کے بعض دوستوں کے نام- میاں فضل محمد صاحب (ہرسیاں والے) بابو محمد رشید صاحب- سید عنایت علی شاہ صاحب- سردار نذر حسین صاحب- منشی امام دین صاحب- سید ولایت شاہ صاحب- سردار کرم داد خان صاحب- حافظ محمد رمضان صاحب- (الفضل ۳۱/ مارچ ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۱)
۵- الفضل ۱۱/ اپریل ۱۹۳۱ء صفحہ ۱-
۶- رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۱-۱۹۳۰ء صفحہ ۱۴-
۷- تفصیل اگلی جلد میں آئے گی-
۸- الفضل ۵/ مارچ ۱۹۳۱ء صفحہ ۶ تا ۸-
۹- حال درویش قادیان کا اصل وطن افغانستان ہے آپ ۱۹۰۹ء میں داخل احمدیت ہوئے تھے-
۱۰- ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۱۸-۱۱۹-
۱۱- بیعت ۱۹۰۹ء-
۱۲- خلف حضرت ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب دہلویؓ (ولادت قریباً ۱۸۷۹ء وفات ۱۰/ اگست ۱۹۶۵ء) حضرت ڈاکٹر صاحب کے ایک فرزند مولوی عبدالقادر صاحب دہلوی قادیان میں ناظم جائداد صدر انجمن احمدیہ کے عہدہ پر ہیں-
۱۳- یہ سطور یکم اکتوبر ۱۹۶۵ء کو لکھی جا رہی ہیں-
۱۴- میخانہ درد (از جناب سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی) صفحہ ۱۵۳- اشاعت مارچ ۱۹۱۰ء-
۱۵- جناب تاجور کے بعد منصور احمد صاحب اور پھر جناب صلاح الدین احمد صاحب اس کے مدیر بنے- جنہوں نے ربع صدی سے زائد اس کے ادارت کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے ادا کئے اور اس کی قلمی خدمت کرتے کرتے اپنے مولائے حقیقی کو جا ملے-
۱۶- Wordsworth
۱۷- Mathew Arneld
۱۸- Hegle
۱۹- ادبی دنیا مئی ۱۹۳۰ء صفحہ ۳۲۸ تا ۳۴۱-
۲۰- ایضاً صفحہ ۳۲۳-
۲۱- ادبی دنیا مئی ۱۹۳۰ء صفحہ ۳۴۱-
۲۲- ادبی دنیا مارچ ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۳۱-
۲۳- ادبی دنیا اپریل ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۱۹-۱۲۰-
۲۴، ۲۵- بحوالہ الفضل ۱۱/ اپریل ۱۹۳۱ء صفحہ ۳-۴-
۲۶- ریکارڈ دفتر پرائیوٹ سیکرٹری ربوہ-
۲۷- ملاحظہ ہو آریہ پتھک لیکھرام ہندی صفحہ ۲۳-۲۴- (از لالہ منشی رام المعروف (سوامی شردھانند)
۲۸- الفضل ۱۶/ اپریل ۱۹۳۱ء صفحہ ۸-۹-

۲۹۔ ایضاً صفحہ ۹ کالم ۳۔
۳۰۔ اس تصنیف کا انگریزی میں ترجمہ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد نے کیا اور اس پر نظر ثانی صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے فرمائی۔ طباعت اور کاسکیٹ اور طشت کی تیاری کا انتظام مخدومی حضرت مولوی شیر علی صاحب نے کیا۔ (الفضل ۱۴/ اپریل ۱۹۳۱ء)
۳۱۔ ممبر چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے، چوہدری ظفر اللہ خان صاحب، مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے۔
۳۲۔ تحفہ لارڈ اردن (اردو) طبع اول اپریل ۱۹۳۱ء صفحہ ۷ ۴ شائع کردہ بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان۔
۳۳۔ الفضل ۱۶/ اپریل ۱۹۳۱ء صفحہ ۵ تا ۷۔
۳۴۔ بحوالہ فاروق ۲۸/۲۱ اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰۔
۳۵۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۱ء صفحہ ۶-۸۔
۳۶۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۱ء صفحہ ۷۹-۸۰۔
۳۷۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مشاورت ۱۹۳۱ء میں احباب جماعت سے یہ عہد لیا کہ جاپان انگلستان یا دوسرے ممالک کی بنی ہوئی جرابیں خواہ کتنی خوبصورت، چمکدار اور مضبوط کیوں نہ ہوں ہم اپنے کارخانہ کی ہی جرابیں استعمال کریں گے۔ چنانچہ احمدیوں نے اس عہد پر عمل کیا اور جلد ہی اس کی مصنوعات کو ملک بھر میں مقبولیت حاصل ہو گئی۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۱ء صفحہ ۸۲)
۳۸۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۰۴۔
۳۹۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۲۸۔
۴۰۔ الفضل ۱۹/ اپریل ۱۹۳۱ء صفحہ ۷ کالم ۳۔
۴۱۔ یہاں یہ بتانا مناسب ہو گا کہ ہندو ایک عرصہ سے ہندو مہاسبھا کے زیر اہتمام جنگی تیاریوں میں مصروف تھے اور وہی ہندو لیڈر جو کانگریس کے روح رواں سمجھے جاتے اور کانگریس کے پلیٹ فارم پر عدم تشدد پر زور دیتے تھے مردوں کے علاوہ عورتوں کو بھی نشانہ بازی اور شمشیر زنی سکھانے لگے اور پھر جلد ہی یہ کام براہ راست کانگریس نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ (الفضل ۲۵/ اپریل ۱۹۳۱ء صفحہ ۳ کالم ۲)
۴۲۔ الفضل ۱۹/ اپریل ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۴۳۔ الفضل ۵/ مئی ۱۹۳۱ء صفحہ ۶ کالم ۱-۲۔
۴۴۔ الفضل ۲/ مئی ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۴۵۔ الفضل ۵/ مئی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۔
۴۶۔ الفضل ۴/ جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۶ کالم ۱۔
۴۷۔ الفضل ۷/ مئی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۴۸۔ الفضل ۹/ مئی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۴۹۔ ریویو آف ریلیجنز اردو جون۔ جولائی ۱۹۴۳ء صفحہ ۳۶-۳۷۔
۵۰۔ الفضل ۱۶/ مئی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۵۱۔ سالنامہ منادی ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۶۹-۱۷۰۔
۵۲۔ زمانہ نے خود ثابت کر دیا کہ حضور کا موقف ہی صحیح تھا۔
۵۳۔ اخبار عادل دہلی ۲۴/ اپریل ۱۹۳۳ء و سالنامہ منادی ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۷۸-۱۷۹۔
۵۴۔ ملاحظہ ہو دیباچہ قواعد و ضوابط صدر انجمن احمدیہ قادیان شائع کردہ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے۔ ناظر اعلیٰ۔
۵۵۔ الفضل ۹/ جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۷ کالم ۲-۳۔
۵۶۔ رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو (قادیان) نومبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۲۳۔

۵۷۔ الفضل ۱۵/ جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
۵۸۔ الفضل ۱۹/ مئی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۔۲۔
۵۹۔ قاضی صاحب کی سیرت طیبہ کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۱/ مئی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۔۲۔
۶۰۔ الفضل ۱۸/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۶ کالم ۱۔۳۔
۶۱۔ الفضل ۳۰/ مئی ۱۹۳۱ء۔
۶۲۔ الفضل ۱۱/ جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۶ کالم ۳۔
۶۳۔ الفضل ۱۱/ جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۹ کالم ۳۔
۶۴۔ الفضل ۱۸/ جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۶ کالم ۲۔
۶۵۔ بحوالہ الفضل ۲۷/ جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۷۔
۶۶۔ الفضل ۲۷/ جون ۱۹۳۱ء۔
۶۷۔ الفضل ۴/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۳ تا ۷۔
۶۸۔ الفضل ۴/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۷ کالم ۳۔
۶۹۔ چوہدری عصمت اللہ خان صاحب وکیل کے ایک خط محررہ جون ۱۹۳۱ء سے ماخوذ جو دفتر پرائیویٹ سیکرٹری ربوہ میں موجود ہے۔
۷۰۔ ۷۱۔ صاجزادہ مرزا ناصر احمد صاحب' ناصرہ بیگم صاحبہ' مرزا مبارک احمد صاحب' امتہ القیوم بیگم صاحبہ' مرزا منور احمد صاحب' امتہ الرشید بیگم صاحبہ' امتہ العزیز بیگم سلمہم اللہ وبارک علیہم۔
۷۲۔ الفضل ۲/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۔۲۔
۷۳۔ آپ کے مطبوعہ مضامین کے مجموعہ کی بارہ جلدیں خلافت لائبریری ربوہ میں موجود ہیں۔
۷۴۔ نقوش (لاہور) آپ بیتی نمبر صفحہ ۵۷۸۔۵۷۹ پر ان کتابوں کی مندرجہ ذیل فہرست درج ہے۔ اساس الاخلاق' قوت اور محبت۔ الوجد۔ جبر و قدر۔ تبیین الحق۔ مرآۃ الخیال۔ صدائے الم۔ معیار۔ اصول۔ سسی و پنوں (پنجابی) اخلاق احمدی۔ ریاض الاخلاق۔ سراج الاخلاق۔ رفیق الاخلاق۔ فرحت صداقت۔ امثال۔ دلنواز۔ دلسوز۔ ایک اعلیٰ ہستی۔ بزم خیال۔ زمیندارہ بنک۔ نظم خیال الفت۔ راز الفت۔ فن شاعری۔ مشیر باطل۔ نبوت۔ الصلوٰۃ۔ اعتصام۔ حیات صادقہ۔ نساء المومنین۔ خیالات یاد رسول۔ یادگار حسین۔ ایثار حسین۔ علوم القرآن۔ ملت۔ النظر۔ فنون لطیفہ (چند نظمیں) زندگی۔ درس بے خودی۔ طلاق و کثرت ازدواج۔ تنقید بر مثنوی۔ مولانا قدوائی۔ ذبح گائے۔ فلسفہ۔ صفات باری۔ سفرنامہ۔ مجموعہ مضامین (بارہ جلد) وغیرہ۔
۷۵۔ ادبی دنیا لاہور اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۶۹۔
۷۶۔ رسالہ حمایت اسلام لاہور ۹/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۴۔
۷۷۔ اصل خط دفتر پرائیویٹ سیکرٹری ربوہ میں محفوظ ہے۔
۷۸۔ بحوالہ ہفت روزہ لاہور ۹/ اگست ۱۹۶۵ء صفحہ ۵۔ منشی دین محمد صاحب ایڈیٹر میونسپل گزٹ نے کتاب یادگار دربار تاجپوشی حصہ دوم صفحہ ۲۵۵۔۲۵۶ میں حضرت صاجزادہ صاحب کے مختصر حالات مع تصویر کے شائع کئے تھے۔
۷۹۔ الفضل ۹/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۔۲۔
۸۰۔ الفضل ۱۱/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۷ کالم ۲۔
۸۱۔ الفضل ۱۸/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۳۔۴۔
۸۲۔ الفضل ۳۱/ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ۶۔
۸۳۔ الفضل ۱۶/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۵۔۶۔
۸۴۔ آب کوثر (از جناب شیخ محمد اکرام ایم۔ اے) صفحہ ۱۹۔۲۱ طبع سوم۔
۸۵۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۱۸۸۔ (طبع اول)
۸۶۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۲۔۱۹۳۱ء صفحہ ۱۵۔

۸۷۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۲-۱۹۳۱ء صفحہ ۱۵-۱۶۔

۸۸۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۱-۱۹۳۰ء صفحہ ۱۵-۱۶۔

۸۹۔ Pandura Negombo Gampola Moturata Pussulawa

۹۰۔ یہ لنکا کے اصل باشندے تھے اور ربوہ میں تعلیم حاصل کر کے گئے تھے۔

۹۱۔ الفضل ۲۴/ دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ خواب نمبر ا۔

۹۲۔ المبشرات شائع کردہ ادارۃ المصنفین ربوہ صفحہ ۱۶۵-۱۶۸۔

۹۳۔ الفضل ۳/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۵ کالم ۱-۲۔

۹۴۔ ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۳۱ء۔

۹۵۔ الفضل ۳/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۵ کالم ۱-۲۔

۹۶۔ الفضل نومبر و دسمبر ۱۹۳۱ء میں تفصیلی رپورٹیں موجود ہیں۔

۹۷۔ الفضل ۱۲/ نومبر ۱۹۳۱ء۔ مفصل تقریر الفضل ۲۴/ نومبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۵ تا ۷ و ۶/ دسمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۵ تا ۹ پر چھپ گئی تھی۔

۹۸۔ سر محمد یعقوب صاحب سیکرٹری مسلم لیگ نے اس سلسلہ میں یہ بیان جاری کیا کہ دہلی کے غیر تعلیم یافتہ طبقہ میں چوہدری ظفراللہ خان صاحب کی صدارت کے خلاف جو شرارت پھیلائی گئی وہ ان کانگریسی پٹھوؤں کی تیار کردہ تھی جو پس پردہ اس نوع کے کام کیا کرتے ہیں اور جن کا دماغی توازن اس وجہ سے اور بھی متزلزل ہو گیا تھا کہ گول میز کانفرنس میں مسلم مندوبین کی یگانگت و اتحاد نے کانگریسی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اور حاسد سخت پریشان ہو رہے تھے کہ اب کیا کریں۔ ناواقف طبقہ کی اس شورش کے باوجود میں دیکھتا ہوں کہ دہلی کے مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ سمجھدار اور معاملہ فہم طبقہ ہمارے ساتھ ہے۔ (ملاپ ۳۰/ دسمبر ۱۹۳۱ء بحوالہ الفضل ۳/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۴)

اس بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ ہندو پریس نے اس دھاندلی پر خوشی کے شادیانے بجائے اور لکھا...... مسلم لیگ کے قادیانی صدر چودھری ظفراللہ خاں کی جو گت اب کے دہلی میں بنی ہے اور سیاہ جھنڈوں سے آپ کا استقبال ہوا ہے اس کی خبریں سن کر یہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ مسلم لیگ اور اس کے صدر مسلمانوں کے کسی طرح نمائندے نہیں ہیں۔ (ملاپ ۲۸/ دسمبر ۱۹۳۱ء) نیز لکھا۔ سمجھ نہیں آتی کہ عام مسلمانوں کے اس سلوک کے باوجود قادیانی کس طرح مسلم حقوق کی نمائندگی وغیرہ کی رٹ لگاتے اور ان کے لئے ہندوؤں سے الجھتے ہیں۔ (آریہ ویر ۳۰/ دسمبر ۱۹۳۱ء)

۹۹۔ الفضل ۳/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰ کالم ۲۔

۱۰۰۔ یہ الفضل ۱۹۳۳ء میں بالاقساط شائع ہونے کے علاوہ ٹریکٹ کی صورت میں بھی چھپ چکا ہے۔

۱۰۱۔ بحوالہ اخبار الفضل ۵/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۷ کالم ۳۔

۱۰۲۔ الفضل ۱۲/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۸ کالم ۱-۲۔

۱۰۳۔ حضرت مسیح موعودؑ کے پرانے خدام میں سے تھے آپ خدمت احمدیت کے لئے ایک سرگرم سپاہی تھے۔ جن کے نتیجہ میں کاٹھ گڑھ اور اس کے گردو نواح میں احمدیہ جماعتیں قائم ہوئیں۔ دینی تعلیم قادیان میں حاصل کی تھی۔ قرآن شریف گرنتھ اور سنسکرت کے فاضل تھے کئی تبلیغی مناظرے کئے احمدیہ مڈل سکول اور احمدیہ شفاخانہ جاری کیا۔ تبلیغ کے لئے ایک عاشق کی مانند گھومتے رہتے تھے۔ آپ کا پروگرام مقرر ہوتا تھا کھانے اور پہننے کا آپ کو کوئی خیال نہ ہوتا جو کچھ ملا کھالیا اور جو کچھ ملا پہن لیا۔ یہاں تک کہ اکثر سفر میں اپنے ساتھ جیب میں چنے رکھتے تھے۔ (الفضل ۲۹/ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۷ کالم ۳)

۱۰۴۔ صوبہ بہار کے صحابہ میں سے تھے آخر عمر تک بڑے جوش کے ساتھ تبلیغ احمدیت اور مسلمانوں کے ملکی، سیاسی اور قومی مفاد میں کوشاں رہے۔ جماعت احمدیہ اور مسلمانان صوبہ بہار کے لئے ان کا وجود بہت نافع اور فیض رساں تھا۔ صوبہ بہار کے اخبار اتحاد نے ان کی وفات پر لکھا۔ آپ کے انتقال نے ایک زبردست کمی کر دی ہے خدا اسے پورا کرے۔ (الفضل ۱۰/ نومبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۳) یہ حضرت سید وزارت حسین صاحب کے بڑے بھائی تھے اور ہندوستان کے مشہور احمدی ادیب جناب سید اختر صاحب اورینوی کے تایا۔

۱۰۵- حضرت مولوی عبدالستار صاحب افغان عرف بزرگ صاحب کے برادر خورد اور حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف شہیدؓ کے مخلص دوستوں میں سے تھے۔ حضرت ملا میرو صاحب کا عظیم الشان کارنامہ جو ہمیشہ یاد رہے گا۔ یہ ہے کہ حضرت شہید مرحوم کا خاندان جب ترکستان میں جلاوطنی کے دن گزار رہا تھا حکومت افغانستان نے ان کی ساری جائدادیں ضبط کرلی تھیں اور اس خاندان کا نام تک لینا جرم سمجھا جاتا تھا۔ ملا میرو صاحب ہی کا وجود تھا جس کو خاندان شہید سے ہمدردی اور خدمات کا احساس تھا۔ چنانچہ صاحبزادہ سید ابوالحسن صاحب قدسی فرماتے ہیں۔ قریباً پندرہ سال تک وہ ہمارے خرچ وغیرہ کا انتظام کرتے رہے۔ بنوں جاکر ہماری زمین کی آمدنی لے کر ترکستان پہنچادیتے راستہ کی دوری برفوں اور پہاڑوں کی مشکلات آپ کے راستہ میں حائل نہ ہو سکتی تھیں۔ اور ایک مدت دراز تک ان دور دراز سفروں کو پیدل طے کرتے رہے پھر جب ہم کابل کے جیل خانوں میں تھے وہاں بھی آپ کا ہی وجود ہمارے لئے نہایت مفید ثابت ہوا۔ اور ہم خدا کے فضل سے آپ کی کوشش سے نہایت باآبرو اور عزت کے ساتھ رہتے۔ خلاصہ یہ کہ جب تک ہمیں ضرورت تھی۔ اس وقت تک انہوں نے ہمیں نہ چھوڑا اور جس وقت ہم کو شاہ امان اللہ خاں نے اپنے ملک میں آنے کی اجازت دی اور ہم سید گاہ میں آگئے۔ اس وقت انہوں نے کہا اب عمر کے آخری حصہ کو قادیان میں ہی ختم کرنا چاہئے۔ چنانچہ وہ قادیان آگئے اور پھر آخری دم تک قادیان میں ہی رہے۔ (الفضل ۱۷/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۹-۱۰) جناب عبدالرحیم خاں صاحب عادل کا بیان ہے کہ آپ کا اصل نام ملا محمد مہروز خاں تھا آپ موصی نہ تھے مگر حضرت خلیفہ ثانی کے حکم سے اپنی دینی خدمات کے باعث بہشتی مقبرہ قادیان میں دفن کئے گئے۔

۱۰۶- رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۲-۱۹۳۱ء صفحہ ۱۸-۲۰۔

۱۰۷- محترم سید رئیس احمد صاحب جعفری مولانا کی زندہ دلی اور ظرافت کا ایک واقعہ اپنی کتاب سیرت محمد علی میں لکھتے ہیں کہ احباب کی ایک صحبت میں بحث چھڑی۔ تم تین بھائی ہو دو شاعر ہیں ذوالفقار علی گوہر محمد علی جوہر اور شوکت علی کیا؟ محمد علی نے فوراً جواب دیا۔ شوہر بھی ایک ہم قافیہ تخلص ہے صفحہ ۱۱۷-۱۱۸۔

۱۰۸- سیرت محمد علی (از سید رئیس احمد صاحب جعفری) صفحہ ۵۷۰۔

۱۰۹، ۱۱۰- الفضل ۱۰/ جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۴ کالم ۲-۳۔ آپ کی قبر مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کے احاطہ اور شاہ حسین کے جوار میں مغربی جانب کے درمیانی گیٹ سے داخل ہوئے بائیں ہاتھ ہے۔

۱۱۱- الفضل ۸/ جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۔

۱۱۲- الفضل ۲۶/ مئی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

۱۱۳- الفضل ۲۱/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۲۔ تاریخ احمدیت جلد سوم میں ان کی جو تاریخ ولادت ۱۹۳۲ء درج ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

۱۱۴- رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۰۴۔

۱۱۵- الفضل ۷/ اپریل ۱۹۳۱ء صفحہ ۵ کالم ۲۔

۱۱۶- الفضل ۲۶/ مئی ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

۱۱۷- الفضل ۲/ جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

۱۱۸- الفضل ۷/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۵۔

۱۱۹- رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۲-۱۹۳۱ء صفحہ ۵-۶۔

۱۲۰- رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۲-۱۹۳۱ء صفحہ ۱۲۔

۱۲۱- رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۲-۱۹۳۱ء صفحہ ۱۲۔

۱۲۲- رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۳۲-۱۹۳۱ء صفحہ ۱۲۔

۱۲۳- الفضل ۲۸/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

۱۲۴- الفضل ۱۵/ اگست ۱۹۳۱ء و ۱۳/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۰ کالم ۱۔

۱۲۵- الفضل یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

۱۲۶- الفضل ۲۲/ دسمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

۱۲۷۔ الفضل ۱۳/ جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔

۱۲۸۔ الفضل ۹/ اپریل ۱۹۳۱ء صفحہ ۹۔

۱۲۹۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی' مولوی ظہور حسین صاحب' مولوی محمد علی صاحب بدوملہوی' مہاشہ محمد عمر صاحب' گیانی واحد حسین صاحب۔

۱۳۰۔ مولوی محمد حنیف صاحب ندوی' مولوی عطاء اللہ صاحب امرتسری' مولوی عبدالواحد صاحب' مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب آف چونڈہ۔ حافظ بدر الدین صاحب۔ حافظ محمد حسین صاحب' چوہدری حکیم نور الدین صاحب جلال آبادی۔

۱۳۱۔ الفضل ۹/ اپریل ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔

۱۳۲۔ الفضل ۲/ اپریل ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

۱۳۳۔ الفضل ۲۸/ مئی ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

۱۳۴۔ الفضل ۳۰/ مئی ۱۹۳۱ء صفحہ ۹ کالم ۱-۲۔

۱۳۵۔ الفضل ۱۸/ جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

۱۳۶۔ الفضل ۲/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

۱۳۷۔ الفضل ۲۳/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔

۱۳۸۔ الفضل ۲۱/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

۱۳۹۔ الفضل ۸/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۹ کالم ۳۔

۱۴۰۔ الفضل ۲۲/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ا و الفضل ۲۷/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۰ کالم ۱-۲۔

۱۴۱۔ الفضل ۴/ فروری ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰۔

حصہ دوم

تحریک آزادی کشمیر
اور
جماعت احمدیہ

حصہ دوم۔ پہلا باب (فصل اول)

ریاست جموں و کشمیر کے جغرافیائی حالات تمدنی و مذہبی تاریخ اور تحریک آزادی کا پس منظر

ریاست کے جغرافیائی حالات

محل وقوع و رقبہ ریاست جموں و کشمیر (جس کے قریباً چالیس لاکھ مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمان باشندے جنگ آزادی کے ایک فیصلہ کن اور نازک مرحلہ میں داخل ہو چکے ہیں) ایک عرصہ سے عالمی سیاست کی توجہ کا خصوصی مرکز بن چکی ہے۔ اس ریاست کے شمال میں چین اور روس، جنوب مغرب میں مغربی پاکستان، مشرق میں تبت اور جنوب مشرق میں بھارت ہے۔ ریاست کا رقبہ تقریباً چوراسی ہزار مربع میل ہے۔ [1] جو بیلجیم، سوئٹزرلینڈ، بولیویا، البانیہ، ڈنمارک اور فلسطین کے مجموعی رقبہ کے لگ بھگ اور بلغاریہ، پرتگال، چیکوسلواکیہ، آئس لینڈ، لائبیریا، ملایا، نیپال اور یونان جیسے ممالک سے ہزاروں میل زیادہ ہے۔

کشمیر کی خوبصورت وادی کشمیر کی مشہور عالم اصل وادی جو قدرت کے دلکش مناظر کی وجہ سے "جنت نظیر" کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ تقریباً اسّی میل لمبی اور ۳۰ میل چوڑی ہے۔ اس وادی کے طول میں سے دریائے جہلم گزرتا ہے۔ وادی کی زمین نہایت زرخیز ہے اور جابجا باغات سے مزین نظر آتی ہے۔ اس وادی کے ایک حصہ میں وہ مشہور علاقہ ہے جس میں زعفران پیدا ہوتا ہے۔ وادی کے چاروں طرف پہاڑوں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جو قدرتی جنگلات سے ڈھکا ہوا ہے مگر اس میں دیہات اور آبادیوں کے آس پاس زراعت بھی ہوتی ہے۔ قدرتی نالے اور چشمے کشمیر کی وادی اور پہاڑ کے حصہ ہر دو کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ لوگوں کا پیشہ عموماً زراعت اور گلہ بانی ہے مگر شہروں اور قصبوں میں صنعت و حرفت بھی اپنے کمال تک پہنچی ہوئی ہے۔ اور کشمیری لوگ اس شعبہ کے ساتھ خاص لگاؤ اور دلچسپی رکھتے ہیں۔ اون کا کام، ریشم کا کام، لکڑی کا کام تمام صنعتوں میں سے نمایاں ہے۔ اور کشمیر کا یہ مال عرصہ سے بیرونی ممالک میں بڑی قدر کی نگاہ سے

دیکھا جاتا ہے۔ سری نگر میں ایک پیشہ اور بھی ہے یعنی زائرین کشمیر کی خدمت و تواضع کا پیشہ۔ مختصر یہ کہ کشمیر کی اصل وادی ایک دلکش سیر گاہ اور سیاحوں کا مرکز ہے۔ جسے بجا طور پر برصغیر پاک و ہند کا سوئٹزرلینڈ کہنا بالکل مناسب ہو گا۔ بعض لوگ اسے ایشیا کا وینس بھی کہتے ہیں اور سری نگر کو بغداد کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ فرخی' نظامی' فیضی' عرفی اور دوسرے نامور شاعروں کے کلام میں اس کی تعریف پائی جاتی ہے۔

فرانسیسی سیاح و ڈاکٹر گستاؤلی بان وادی کشمیر کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتا ہے۔ اس کے ایک طرف تو برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیاں ہیں۔ اور دوسری طرف پہاڑوں کی دیواریں جہاں انسان کا قدم پہنچ نہیں سکتا۔ ان دو موانع کے وسط میں نہایت خوشگوار آب و ہوا کا یہ ملک ہے جس کے کھیت سرسبز ہیں' جھیلیں شفاف اور پُرسکون' گاؤں مکانات خوبصورت اور مندر اور قصروں کی دیواریں سفید سفید نظر آتی ہیں۔ اس ملک میں صرف ایک ہی ندی جہلم ہے جس کا نام آریوں نے دتستا رکھا۔ اور جسے یونانیوں نے ہائی ڈاس پیر کہا ہے۔ یہاں یہ ندی اپنے منبع سے قریب واقع ہوئی ہے اور اس کے کناروں پر چنار اور بید اس طرح اُگے ہوئے ہیں کہ پردوں کا کام دیتے ہیں۔ ندی کے کناروں پر چلتے وقت جب اوپر کو آنکھ اٹھتی ہے تو ایک طرف ننگا پربت کی شاندار چوٹی جو ملک ہند کی سرحد ہے اور دوسری طرف ڈب سنگ کا پہاڑ۔ جس کا درجہ دنیا کے پہاڑوں میں دوسرا سمجھا جاتا ہے۔ نظر آتا ہے۔ اگر نیچے نظر ڈالیں۔ تو ایک اور ہی منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ جو بے انتہا خوشگوار اور دل پذیر ضرور ہے ایک طرف جھیلوں کے پرسکون نیلے پانی میں سنگ مرمر کی خوبصورت عمارتیں اپنے پاؤں دھو رہی ہیں۔ اور دوسری طرف وہ سبزہ ہے جس کی گہری سبزی میں انواع و اقسام کے پھول اپنا تبسم دکھا رہے ہیں۔ کشمیر کے وسط میں سری نگر جو کہ اس کا دارالسلطنت ہے۔ جہلم کے دونوں کناروں پر واقع ہے۔ اور اس میں نہریں اس کثرت سے ہیں۔ کہ اسے ہند کا وینس کہتے ہیں۔ مکانات کی مسطح چھتوں پر ایک تہہ مٹی کی بچھائی گئی ہے۔ جس میں سے ہری گھاس اور قسما قسم کے پھول کھلتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک معلق باغوں کا سلسلہ ہے اور جھیلوں کے اندر بھی تیرتے ہوئے باغ موجود ہیں۔ اس گھاٹی میں انسان کا حسن' فطرت کی لطافت سے بھی مقابلہ کرتا ہے۔ کشمیری صورت شکل میں نہایت حسین اور رنگ میں ہند کے کل باشندوں سے صاف ہیں۔ [۲]

کشمیر کا یہ خوبصورت اور دلفریب خطہ صوبہ کشمیر کا صرف ایک حصہ ہے اور ریاست میں صوبہ کشمیر کے علاوہ صوبہ جموں اور ملحقہ جاگیرات اور لداخ و گلگت کے اضلاع سرحدی بھی شامل ہیں مردم شماری ۱۹۴۱ء کی رو سے ریاست کی کل آبادی کم و بیش چالیس لاکھ تھی جو ملک شام [۳] کی موجودہ

آبادی کے برابر ہے اس آبادی میں سے (تیس لاکھ تہتر ہزار پانچ سو چالیس) مسلمان تھے۔ چنانچہ "انسائیکلو پیڈیا آف بریٹینیکا" میں زیر لفظ "کشمیر" (Kashmir) لکھا ہے کہ کشمیر کے باشندوں میں بھاری اکثریت واضح اور صریح طور پر مسلمانوں کی ہے۔ جو ابھی تک اپنے قدیم مذہبی خیالات و عقائد سے زبردست متاثر اور اس پر سختی سے قائم ہیں ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست کی کل آبادی چالیس لاکھ اکیس ہزار چھ سو سولہ نفوس پر مشتمل تھی جن میں سے آٹھ لاکھ سات ہزار پانچ سو انچاس ہندو، تیس لاکھ تہتر ہزار پانچ سو چالیس مسلمان۔ تین ہزار اناسی دیسی عیسائی۔ انتیس ہزار تین سو چھتر قبائلی اور ایک لاکھ آٹھ ہزار چوہتر متفرق لوگ تھے۔ [۲] (ترجمہ)

(فصل دوم)

قدیم تاریخ کشمیر

پندرھویں صدی قبل مسیح سے لے کر (جبکہ آریہ قوم جنوبی ایشیا میں داخل ہوئی) دو ہزار سال قبل مسیح اور مابعد کا زمانہ "زمانہ قبل از تاریخ" کہلاتا ہے۔ اس دور کی تاریخ کے دو اہم ماخذ ہیں۔ (۱) آثار قدیمہ۔ (۲) ہندو لٹریچر۔

آثار قدیمہ سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ "عہد تاریخ سے پہلے" بھی کشمیر میں آبادی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر صوفی غلام محی الدین صاحب لکھتے ہیں۔ "اب تک یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کشمیر میں پتھر کا زمانہ آیا ہی نہیں بہرحال پاندریٹھن 'تخت سلیمان ارہوم' دندراہوم' رنگل اور نارن راگ کے مقامات پر کھدائی وغیرہ کے بعد کاشتکاری اور شکار کے اوزاروں قدیم وضع کی قبروں' مختلف شکلوں کے گھڑے ہوئے پتھروں کی حالیہ دریافت نے بظاہر ثابت کر دیا ہے کہ ایسا عہد کشمیر میں گزرا ہے یعنی اس قدیم قبل از تاریخ دور میں بھی یہ سرزمین انسانوں سے آباد رہ چکی ہے۔ بدھ زمانے سے پہلے اور بعد میں ناگ پوجا کا وسیع رواج اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وادی کشمیر کے اولین آبادکار ضرور وہ لوگ ہوں گے جو "باشندگان قدیم" کے نام سے مشہور ہیں۔ اور آریاؤں کی آمد سے پہلے ہندوستان میں آباد تھے۔ اس بارے میں کچھ پتہ نہیں کہ کشمیر میں قدم رکھتے وقت ان ابتدائی باشندوں کی تہذیب کس مقام تک پہنچ چکی تھی"۔ [۵]

زمانہ تاریخ سے قبل کے حالات کشمیر کا دوسرا ماخذ ہندوؤں کا لٹریچر ہے۔ جس میں پنڈت کلہن کی کتاب "راج ترنگنی" (تاریخ کشمیر) جو بارھویں صدی عیسوی میں راجہ جے سنگھ (۱۱۳۵ء۔ ۱۱۶۲ء) کے عہد میں لکھی گئی اور بھوج پتر پر لکھی ہوئی کتاب رتناکر اور اس کا ترجمہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مگر متعدد مغربی محققین و مورخین کی رائے میں ہندوؤں کی پرانی کتابیں تاریخی نقطہ نگاہ سے قابل اعتماد نہیں ہیں۔ چنانچہ ڈبلیو کوک ٹیلر کا بیان ہے۔ "ہندوؤں کے بزرگوں نے...... تاریخ کو بالکل خبط کر دیا ہے" ----- الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی اپنی کتاب "تاریخ ہند" میں لکھتے ہیں۔ "ہندوؤں کی تاریخ نویسی انتہا درجہ ناقص و ناقابل اعتماد ہے......" [۶]

مشہور مستشرق ڈاکٹر گستاولی بان نے کافی تحقیق کے بعد ہندو تاریخ نویسی کی نسبت یہ رائے قائم کی

ہے۔ "ان ہزار ہا جلدوں میں جو ہندوؤں نے اپنی تین ہزار سال کے تمدن میں تصنیف کی ہیں ایک تاریخی واقعہ بھی صحت کے ساتھ درج نہیں ہوا"۔ [۷] نامور ونیسنٹ اے سمتھ ایم۔ اے "راج ترنگنی" کی نسبت مندرجہ ذیل رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ "کشمیر کی تاریخ بارھویں صدی میں لکھی گئی اور تمام سنسکرت ادبیات میں صرف ایک یہی کتاب ہے جو باقاعدہ تاریخ کے فن میں تحریر ہوئی اس میں کثرت سے ایسی بے سروپا قدیم روایتیں پائی جاتی ہیں جو سخت احتیاط کے بعد کام میں لائے جانے کے قابل ہوں گی"۔ [۸]

مغربی محققین کے یہ نظریات متعدد ہندو فاضلوں اور ودوانوں کو بھی مسلم ہیں۔ چنانچہ بھائی پرمانند صاحب مشہور مہاسبھائی لیڈر کا اقرار ہے کہ "بدقسمتی سے ہمارے بزرگوں کو اپنے حالات درستی سے قلم بند کرنے کا شوق نہ تھا اور جو کچھ حالات لکھے ہوئے ملتے ہیں وہ شاعرانہ مبالغہ سے بھرے ہوئے ہیں۔ جن کی امداد سے صحیح واقعات پر پہنچنا محال ہے"۔ [۹]

اسی طرح منشی ہیرالال صاحب معترف ہیں کہ "افسوس ہے ہندوستان کی کوئی پرانی تاریخ نہیں ملتی اس کے قدیمی حالات پر ایسا گھٹاٹوپ بادل چھاگیا ہے۔ کہ جس کا پتہ لگنا قریباً ناممکن ہوگیا ہے۔ [۱۰] اسی طرح بابو رومیش چندر دت نے ہندو وقائع نگاروں پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔ "معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے متقدمین کی ناکامیابی زیادہ تر ان کے غلط راستہ پر چلنے کی وجہ سے تھی۔ انہوں نے اپنی تمام کوشش ہندوستان کے مختلف حصوں اور سلطنت کے راجاؤں کی ایک فہرست بنانے میں صرف کر دی...... لیکن ہمارا یقین ہے کہ یہ فہرستیں قریباً غلط ہیں"۔ [۱۱]

بابو رومیش چندر دت نے ہندو تاریخ دانی کے جس پہلو کی نشاندہی کی ہے وہ "راج ترنگنی" [۱۲] اور "رتناگر" [۱۳] دونوں میں موجود ہے جو عام طور پر قدیم تاریخ کشمیر کا سرچشمہ اور منبع قرار دی گئی ہیں۔ خصوصاً "راج ترنگنی" کے متعلق تو اس کے غالی مداحوں کو بھی (جو اسے مبالغہ آمیزی سے مصئون و محفوظ سمجھتے ہیں) اعتراف ہے کہ کلہن کی تحریر میں دھندلاپن ہے۔ اس نے نادر الفاظ استعمال کئے ہیں یا شاعرانہ گڑبڑ ڈال دی ہے اور اس کے بیانات کی طرز تحریر شاعرانہ ڈھنگ پر ہے یہ چیز ترنگ نمبر۸ میں بہت بڑھی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ وہ یہ کہنے پر بھی مجبور ہیں کہ "فوق الفطرت عنصر جادو اور منتر وغیرہ کا بھی اس کی تاریخ میں بہت کچھ دخل ہے"۔ (دیباچہ "مکمل راج ترنگنی" صفحہ ۱۴۱۔ ۱۴۳) ان حالات میں عہد حاضر کے ایک مورخ کے لئے اصل واقعات کی تہہ تک پہنچنا کتنا مشکل کام ہے اس پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم منشی محمد الدین صاحب فوق [۱۴] مورخ کشمیر کی محنت و کاوش کی داد دینا پڑتی ہے کہ انہوں نے "راج ترنگنی" اور "رتناگر" اور دوسرے قدیم لٹریچر کی ورق گردانی کرکے اپنی

ریسرچ کو ایک عمدہ خلاصہ اور بہترین نچوڑ "مکمل تاریخ کشمیر" جلد اول کی شکل میں شائع کر دیا اور اس میں ابتدائے ظہور آدم سے لے کر ۱۳۲۴ء تک کے تاریخ وار واقعات پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے قدیم فرمانروایان کشمیر کے حالات کا ایک اہم خاکہ پیش کیا ہے۔

مورخ کشمیر منشی محمد الدین صاحب فوق کی تحقیق کا سادہ لفظوں میں خلاصہ یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں کچھ عرصہ تک یہ خطہ کشمیر پانی کے نیچے دبا رہا۔ پانی ہٹ جانے یا نکالے جانے کے بعد یہ زمین آباد ہونی شروع ہوئی اور اس کی آبادی پر پانچ ہزار برس سے زائد عرصہ گزر چکا ہے قدیم ایام میں یہاں مستقل آبادی نہ تھی۔ کیونکہ کثرت سے برفباری سے موسم سرما میں یہاں قیام نہایت دشوار بلکہ ناممکن تھا خصوصاً جبکہ سخت سردی سے بچاؤ کے ضروری سامان ناپید تھے اور لوازمات زندگی کے وسائل محدود تھے۔ ابتداء میں کشمیر تالاب کی صورت میں ایک وسیع میدان تھا جس میں جابجا چشمے اور دریا موجود تھے۔ موجودہ دریا بہت (دوتستا) جسے جہلم کہتے ہیں پہلے بھی اس طرح کشمیر اور کاغان کا پانی لے کر پنجاب کو سیراب کرتا تھا اس وقت یہ موسم بہار کی چراگاہوں کا کام دیتا تھا۔ اوائل موسم بہار میں بھمبر' راجوری' کاغان پکھلی وغیرہ قرب وجوار کے باشندے اور چرواہے بھیڑ' بکریاں لے کر یہاں آجاتے اور ان کے مرغزاروں کی زرخیزی اور شادابی سے متمتع ہو کر جاڑے سے پہلے ہی اپنے دیس کو لوٹ جاتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جبکہ لوگ تہذیب سے بالکل ناآشنا وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کا گزارہ زیادہ تر مال مویشی اور شکار پر تھا۔ پتھر کی کلہاڑیاں اور ہتھیار ان کے جنگی اسلحہ تھے آخر دور میں تیرو ترکش کا استعمال بھی کرنے لگے۔ اور زراعت بھی انہوں نے اختیار کی لیکن مستقل رہائش کے پابند نہ تھے جہاں زمین نظر آئی وہیں کاشتکاری شروع کر دی پھر نقل مکانی کر کے کسی اور طرف چل دیئے۔ دریا دیو کے ذریعہ یہاں ابتدائی آبادی شروع ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد مسیح سے تین ہزار آٹھ سو نواسی سال پیشتر طوفان نوح کا حادثہ پیش آیا جس نے دریا دیو کی قوم کو بالکل نیست و نابود کر دیا۔ حضرت مسیحؑ سے دو ہزار بیالیس سال پہلے راجہ سندرسین کے عہد میں کشمیر کا شہر سندمت نگر بھی (یہ شہر اس مقام پر آباد تھا جہاں اب جھیل ولر ہے) غرق ہو گیا اس طغیانی سے کامراج کا ایک بڑا حصہ زیر آب آگیا۔ حضرت مسیحؑ سے بارہ سو بیاسی سال پہلے راجہ نریندر کے عہد حکومت میں پانی نکلوا کر کامراج میں دوبارہ آبادی کی بنیاد پڑی کہتے ہیں کہ کشمیر کی اس جدید آبادی کا سلسلہ کشیپ رشی کے زمانے سے شروع ہوتا ہے۔ جس نے مختلف لوگوں کو یہاں لا کر آباد کر دیا۔ دریا دیو کے بعد جب کشیپ رشی نے کشمیر از سر نو آباد کیا اس وقت ہر شخص اپنے اپنے گھر کا خود مختار اور حاکم تھا۔ اس حالت کے بعد ایک قبائلی نظام نے جنم لیا۔ اور اسی وقت سے شخصی طرز حکومت کی ابتدا ہوئی اور پورن کرن (راجہ جموں) کا لڑکا دیا کرن کشمیر کا سب

سے پہلا حاکم بنا۔ یہ ۳۱۸۰ ق م کا واقعہ ہے اس کے بعد ۱۳۲۴ء تک کشمیر میں ہندو راجوں کے یکے بعد دیگرا کیس خاندان حکمران رہے اور آخری ہندو راجہ سہدیو تھا۔ [۱۵]

منشی محمد الدین صاحب فوق نے بعض ہندو تواریخ اور آثار قدیمہ سے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ ہندوؤں کے مشہور رشی راجہ رام چندر جی نے بھی کشمیر کو اپنے مقبوضات میں شامل کر لیا تھا۔ ۷۵۰ء میں راجہ للتادت کے زمانے میں موضع شیر دروں کی زمین سے ایک مندر برآمد ہوا۔ جس کے دروازے پر صاف الفاظ میں کندہ تھا کہ یہ مندر راچمندر اور لچھمن نے تعمیر کیا ہے۔ [۱۶]۔ یاد رہے کہ بعض مورخین نے راچمندر جی کا زمانہ ایک ہزار سال قبل مسیح کے لگ بھگ معین کیا ہے۔ [۱۷]

فصل سوم

بدھ مت کا دور

آریہ قوم جب ہندوستان میں آکر بت پرستی میں ڈوب گئی۔ تو مہاتما بدھ (انداز ا۵۶۷ق م ۴۸۷ ق م) کا ظہور اور بدھ مت جلد ہی ہندوستان' چین' جاپان اور برما وغیرہ ممالک تک جا پہنچا۔ اور ۲۶۱ق م راجہ اشوک نے اس وقت کے مشہور فاضل اپ گپتا کے ہاتھ پر بدھ دھرم قبول کر لیا۔ اس طرح بدھ دھرم کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ [۱۸]۔

راجہ اشوک نے اس مذہب کے فروغ دینے کے لئے ۲۵۹ق م میں دوسرے علاقوں کے علاوہ کشمیر میں بھی واعظ و مبلغ بھجوائے۔ [۱۹] کشمیر اس کی عملداری اور سلطنت میں داخل تھا۔ [۲۰] اشوک کو تعمیرات کا بہت شوق تھا۔ کہتے ہیں کہ تین برس کی قلیل مدت میں اس نے چوراسی ہزار ستوپ تعمیر کرائے تھے۔ کشمیر میں بھی بدھوں کی عمارتیں پائی جاتی ہیں۔ مگر ان کے ستون اور مورتیاں یونانی طرز تعمیر کا نمونہ ہیں۔۔ [۲۱] قیاس ہے کہ ان عمارتوں کا زمانہ غالباً ۱۹۰ق م سے لے کر ۲۰ء کا درمیانی زمانہ تھا۔ جبکہ شمال مغربی ہندوستان (پنجاب) پر یونانیوں کا قبضہ تھا۔ [۲۲]

فصل چہارم

کشان قوم کا قبضہ

وسط ایشیا کی ترکستانی قوموں کو یورپین مورخین ستھین اقوام کہتے ہیں۔ ان اقوام کی ایک شاخ یوچی بیان کی جاتی ہے۔ جس کی ایک شاخ کا نام کشن یا کشان تھا۔[23] اس کشن یا کشان قوم نے آگے چل کر کابل و کشمیر تک جو اس زمانہ میں "کی پن" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا تھا۔ قبضہ کر کے ایک زبردست حکومت قائم کر لی تھی۔[24-25] مسٹر ونسینٹ اے سمتھ کے اندازہ میں یہ ۱۵ء تا ۳۰ء کا واقعہ ہے۔[26]

تقریباً ۷۸ء میں اس شاخ کا بادشاہ کنشک تخت نشین ہوا۔ جس کے متعلق ونسنٹ اے سمتھ نے لکھا ہے۔ کہ یہ "غالباً کنشک ہی کا کام تھا کہ اس نے کشمیر کی دور افتادہ وادی کو زیر نگین اور اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کیا یہاں اس نے بہت سی عمارات تعمیر کرائیں اور ایک شہر بسایا جو اگرچہ اب محض ایک گاؤں ہی رہ گیا ہے مگر کنشک کا نام اب تک اس میں باقی ہے"۔[27]

راج ترنگنی کے مترجم اسٹین کا قول ہے کہ کنشک پور کی جگہ اب ایک گاؤں کانسپور آباد ہے جو ۷۴-۲۸ مشرقی طول بلد اور ۳۴-۱۴ شمالی عرض بلد پر دریائے بہت اور اس شاہراہ کے درمیان واقعہ ہے جو بارامولا سے سرینگر کو جاتی ہے ونسینٹ اے سمتھ نے لکھا ہے کہ کنشک کے سکے کشمیر میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔[28] پنڈت کلہن نے "راج ترنگنی" میں کنشک کی نسبت لکھا ہے کہ اس کے زمانے میں کشمیر کا علاقہ بحیثیت مجموعی بدھ مت والوں کے قبضہ میں تھا۔[29] راجہ کنشک نے بدھ مذہب کی تحقیق کے لئے کشمیر کا دارالسلطنت کے قریب کندلون کے مقام پر ایک مجلس منعقد کرائی جس میں پانچ سو کے قریب فاضل جمع ہوئے جنہوں نے شریعت سے متعلق بڑی ضخیم تفسیریں لکھیں جو خاتمہ مجلس کے بعد تانبے کی چادروں پر کندہ کرائی گئیں اور ایک خاص ستوپ میں جو کنشک نے اس غرض سے تعمیر کرایا تھا محفوظ کر دی گئیں ازاں بعد راجہ کنشک نے کشمیر کی آمدنی اشوک کی طرح مذہب کے لئے وقف کر دی۔[30]

کنشک کے بعد ہوشک نے کشمیر میں ایک شہر ہشک پور بسایا جو شہر عین درہ بارامولا کے پار واقع تھا۔ کہتے ہیں کہ ۶۳۱ء میں جب چینی سیاح ہیون سانگ کشمیر گیا تو چند روز تک ہشک پور کی خانقاہ والوں

نے اس کی مہمان نوازی کا حق ادا کیا اور اسے بہت سے بھکشوؤں کے ساتھ بڑے کروفر سے دار السلطنت میں پہنچایا۔ [۲۱] کشمیر کے فرمانروا (غالباً در بھور دھن) نے اس کا دھوم دھام سے استقبال کیا۔ اور اس نے کشمیر کے عالموں سے مباحثات کئے یہاں اس کو بدھ مذہب کی بہت سی کتابوں کے مطالعہ کا موقعہ ملا۔ جن میں سے بعض اس نے حفظ کرلیں اور مئی ۶۳۱ء سے اپریل ۶۳۳ء تک کشمیر میں قیام کرنے کے بعد واپس چلا گیا۔ [۲۲]

بادشاہ ہوشک کے بعد باسودیو اور باسودیو کی موت کے بعد جو ۱۷۸ء میں خیال کی جاتی ہے۔ کشن یا کشان سلطنت پر زوال آگیا۔ [۲۳]

حصہ دوم۔ پہلا باب (فصل پنجم)

اسرائیلی قبائل کا کشمیر میں داخلہ

پانچویں صدی قبل مسیح سے تیسری صدی قبل مسیح کا دور تاریخ کشمیر کا نہایت اہم اور قابل ذکر دور ہے کیونکہ اسی زمانے میں خطہ کشمیر کے طول و عرض پر مستقل اور منظم آبادی کا آغاز ہوا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد فلسطین میں یہودیوں کی حکومت دو حصوں میں بٹ گئی۔ تاریخ میں ایک حصہ کو سلطنت اسرائیل کہتے ہیں اور دوسرے کو سلطنت یہودیہ' سلطنت اسرائیل سرغوں کے ہاتھوں ۷۲۲ ق م میں ختم ہوگئی اور سولہ سترہ سال میں ہزاروں یہود جلاوطن ہوگئے۔ اس کے قریباً ڈیڑھ دو سو سال بعد بخت نصر نے سلطنت یہودیہ پر (جس کا دارالسلطنت یروشلم تھا) چڑھائی کر کے ۵۸۶ ق م میں اس کا تختہ الٹ دیا۔ یروشلم تباہ و برباد اور تاخت و تاراج کر دیا گیا۔ اور اسرائیلی قبائل' عراق' فارس' میدیا اور دوسرے علاقوں میں غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگئے۔ ولیم ایم لینگر کی تحقیق کے مطابق ۵۸۶ ق م سے ۵۳۸ ق م تک یہودی عراق کے ماتحت اور ۵۳۸ ق م سے ۳۳۲ ق م تک --- ایرانی حکومت کے ماتحت رہے آخر خورس نے انہیں یروشلم میں ہیکل از سرنو تعمیر کرنے کی اجازت دے دی۔ نحمیاہ نبی نے یروشلم کی فصیلیں بنائیں اور شرعی قانون نافذ کئے۔ [۲۴] حالات کے سازگار ہونے پر بعض اسرائیلی قبائل اپنے وطن کو لوٹ آئے۔ مگر بقیہ دس قبائل پر اسرار طریق پر غائب ہوگئے۔

مختصر تاریخ بائیبل (A Manual of Bible History) کے مصنف مسٹر بلیکی ان گمشدہ قبیلوں کی نسبت یہ قیاس آرائی کرتے ہیں۔ "یہ بات کہ آخر کار ان دس فرقوں کی کیا حالت ہوئی ایک ایسا تاریخی مسئلہ ہے جو اب تک حل نہیں ہوا بعض کا گمان ہے۔ کہ وہ ایشیاء میں ملک ٹرکی کے نسطوری فرقے کے عیسائیوں میں شامل ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ ہند کے افغانوں میں ملتے ہیں اور بعض کا یہ خیال ہے کہ وہ بہت دور دور جگہوں کو چلے گئے ہیں"۔ [۲۵] مسٹر بلیکی جس "تاریخی مسئلہ" کو لاینحل قرار دیتے تھے۔ کوئی سربستہ راز نہیں رہا۔ بلکہ تحقیق کی روشنی میں یہ حقیقت ناقابل تردید شواہد و دلائل کے ذریعہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ یہ دس گم شدہ اسرائیلی قبائل قطعی طور پر افغانستان اور کشمیر

میں آباد ہوئے اور اب ان علاقوں میں زیادہ تر انہیں کی نسل پائی جاتی ہے۔ کشمیریوں [۲۶] کا نسبی سلسلہ کئی پشتوں کے واسطہ سے براہ راست ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام تک جا پہنچتا ہے۔

اگر اسرائیلی خصوصیات و آثار کی روشنی میں اہل کشمیر کے چہروں کی ساخت' رنگ' عادات زبان اور کشمیر کی پرانی یادگاروں اور ان کے ناموں پر وسیع نظر ڈالی جائے تو یہ تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ کشمیر کے باشندے یقیناً بنی اسرائیل کی اولاد سے ہیں۔ [۲۷] یہ حقیقت اب اتنی واضح اور نمایاں ہو چکی ہے کہ مغربی اور مشرقی محقق مفکر اور سیاح حتیٰ کہ عیسائی دنیا بھی اس پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے پر مجبور ہو چکی ہے۔ [۲۸] چنانچہ فرانسیسی ڈاکٹر برنیئر نے اپنی کتاب "سلطنت مغلیہ میں سیر و سیاحت" (جلد دوم مطبوعہ لنڈن ۱۸۹۱ء) میں کئی محققین کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ کشمیر کے باشندے دراصل یہودی ہیں کہ جو تفرقہ شاہ اسور کے ایام میں اس ملک میں آگئے تھے۔ اور ان کے لباس اور بعض رسوم قطعی طور پر فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ اسرائیلی خاندان میں سے ہیں۔ جارج فارسٹر نامی ایک انگریز اپنے "مکاتیب سفراز بنگال تا انگلستان" مطبوعہ لنڈن ۱۸۰۸ء میں لکھتا ہے کہ جب میں کشمیر میں تھا تو میں نے خیال کیا کہ میں ایک یہودیوں کی قوم کے درمیان رہتا۔ [۲۹]

ڈاکٹر غلام محی الدین صاحب صوفی "اہل کشمیر" کے عنوان سے لکھتے ہیں۔ کہ "کشمیریوں میں سے بہتوں کے خدوخال کی یہودی وضع کا متعدد جدید سیاحوں نے مشاہدہ کیا ہے۔ حالیہ زمانے میں کشمیر پر دو بلند پایہ محققین یعنی سر والٹر لارنس اور سر فرانسس ینگ ہزبینڈ نے جن کی کشمیر اور کشمیریوں سے گہری واقفیت میں کوئی کلام نہیں' عورتوں' بچوں اور مردوں کے چہروں کی صریح "یہودی" وضع کو تسلیم کیا ہے۔ سر والٹر لارنس کہتے ہیں کہ مڑی ہوئی ناک کشمیریوں کی امتیازی خصوصیت ہے۔ اور عبرانی ناک نقشہ عام ہے۔ سر فرانسس کا کہنا ہے کہ "ہم نے اپنے ذہن میں قدیم اسرائیلی ہیروں کی جو تصویر بنائی ہے اسے کشمیر میں سچ مچ دیکھنا ممکن ہے..... اور واقعہ یہ ہے کہ اصلی انجیلی چہروں کو کشمیر میں ہر جگہ دیکھا جا سکتا ہے...... برنیئر نے بھی اسی فیصلہ کن انداز میں بات کی ہے۔ "پیر پنجال کے پہاڑ پار کر کے کشمیر میں داخل ہونے پر مجھے سرحدی دیہات کے باشندے یہودیوں سے بہت مشابہ معلوم ہوئے۔ ان کے خدوخال اور آداب اسی قدیم قوم کے معلوم ہوتے ہیں۔ میری بات کو محض تخیل آرائی نہ سمجھئے کیونکہ میرے کشمیر آنے سے مدتوں قبل ہمارے جیسوئٹ [۳۰] پادری اور کئی دوسرے یورپی ان کی یہودی شکل و صورت کا ذکر کر چکے ہیں"۔ شاہ ہمدان ولی اللہ چودھویں صدی (عیسوی) میں تشریف لائے تھے۔ انہوں نے بھی وادی کو گویا کشمیر میں اسرائیلیوں کی آباد کاری کی تائید میں "باغ سلیمان" کا نام دیا تھا"۔ [۳۱]

اس عظیم الشان انکشاف کے بعد کہ کشمیری اسرائیلی نسل سے ہیں "کشمیر" کی وجہ تسمیہ کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا ہے کہ کشمیر دراصل عبرانی نام ہے۔ جو ک اور اشیر سے مرکب ہے ک کے معنی ہیں مانند اور اشیر عبرانی زبان میں ملک شام کو کہتے ہیں۔ پس ک اشیر کے معنی ہیں "ملک شام کی مانند" مگر کثرت استعمال اور مرور زمانہ سے ک اشیر کا درمیانی الف گر گیا اور کشیر رہ گیا۔ جس کا واقعاتی ثبوت یہ ہے کہ خود اہل کشمیر اس خطہ کو آج تک کشیر ہی کہتے ہیں چنانچہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کا ایک شعر ہے

"کشیری کہ با بندگی خو گرفتہ
بتے می تراشد ز سنگ مزارے"۔[۶۶]

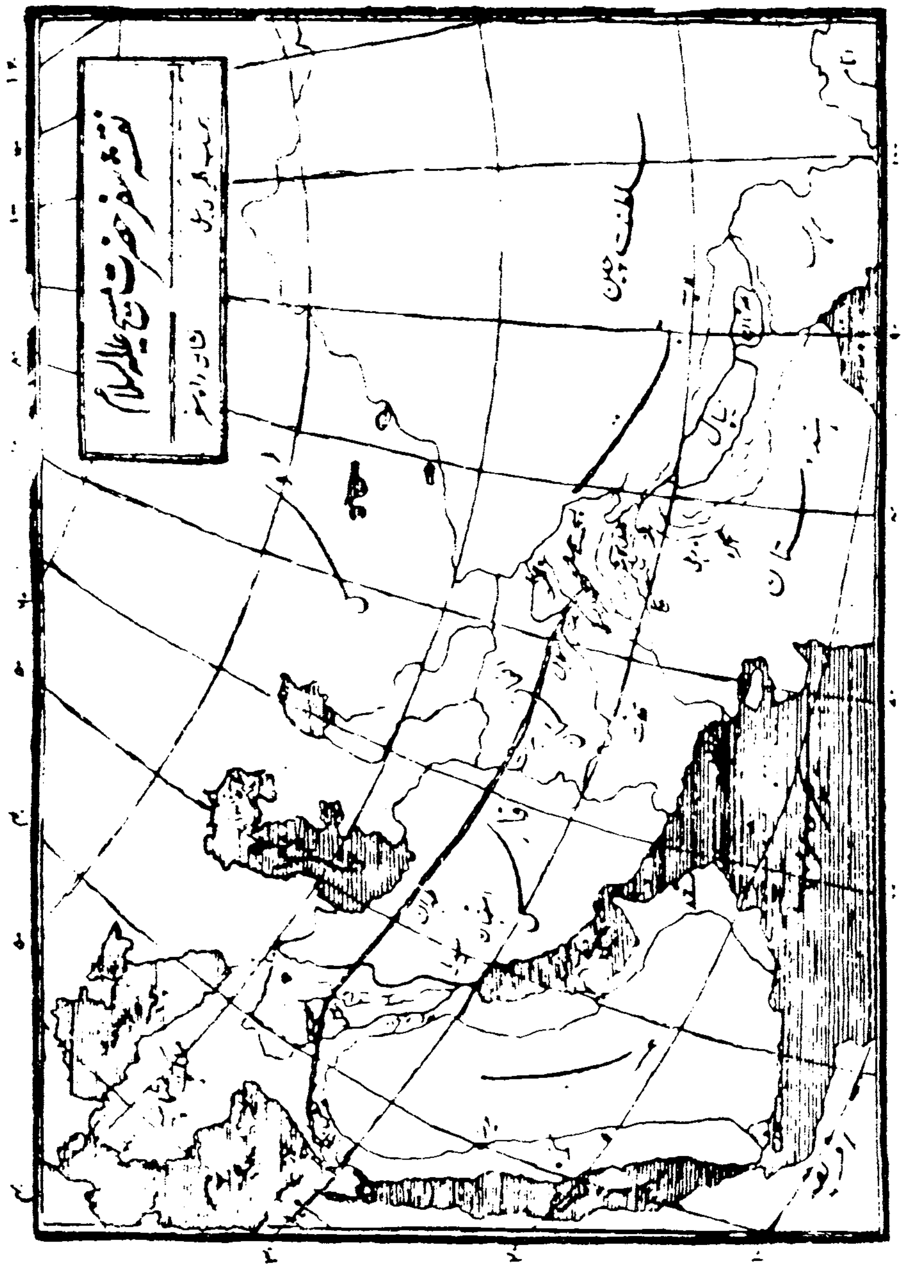

فصل ششم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریمؑ کشمیر میں

اب ہم کشمیر کے اس تاریخی زمانے میں داخل ہو رہے ہیں جبکہ خدا کے ایک برگزیدہ نبی اور جلیل القدر پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جنہیں قدیم اسلامی لٹریچر میں "امام السائحین" [۲۳] یعنی سیاحوں کا امام کہا گیا ہے) اپنی والدہ حضرت مریمؑ [۲۴] کے ساتھ صلیبی موت سے بچ جانے کے بعد اپنے تبلیغی مشن کی تکمیل کے لئے عراق' فارس' افغانستان اور پنجاب سے گزرتے ہوئے کشمیر میں رونق افروز ہو گئے اور آپ کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اس بھیڑ خانہ کی نہیں مجھے ان کا بھی لانا ضرور ہے اور وہ میری آواز سنیں گی پھر ایک ہی گلہ اور ایک ہی چرواہا ہو گا۔ [۲۵]

تاریخ کشمیر بلکہ تاریخ عالم کے اس پراسرار عہد پر صدیوں تک پردہ پڑا رہا اور خصوصاً عیسائی دنیا نے اپنی مذہبی مصالح کے باعث اسے چھپانے کی مسلسل کوشش کی مگر جدید تحقیقات سے جو مشہور مذاہب عالم' ہندو دھرم' بودھ مت' عیسائیت اور اسلام کے لٹریچر اور آثار قدیمہ کی روشنی میں کی گئی ہے اور جس کا سلسلہ گہری دلچسپی اور غیر معمولی توجہ سے جاری ہے اب تک حضرت مسیح علیہ السلام کے سفر کشمیر سے متعلق بہت ہی تعجب خیز اور حیرت انگیز تفصیلات منظر عام پر آچکی ہیں۔ اس علمی تحقیق میں جن محققوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحقیق کی روشنی میں مزید کام کیا ہے ان میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ' حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ' حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ آف ہوتی مردان' مولانا جلال الدین صاحب شمس' چوہدری نذیر احمد صاحب بیرسٹرایٹ لاء لاہور' شیخ عبد القادر صاحب محقق عیسائیت اور قریشی محمد اسد اللہ صاحب کاشمیری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان محققین کی ریسرچ سے جو نتائج بر آمد ہوئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صرف چند گھنٹے تک صلیب پر رہے اور بے ہوشی کے عالم میں زندہ ہی صلیب سے اتار لئے گئے۔ حضرت مسیحؑ کے صلیب سے زندہ اتارے جانے کے بعد حکیم نقودیمس نے آپ کے زخموں پر تیز مصالح اور شفا بخش مرہم لگایا اور پھر آپ ایک رومن طرز کی "قبر" میں منتقل کر دیئے گئے جو آپ کے حواری یوسف آرمیتیا کی ملکیت تھی اور جو پہاڑ کھود کر بنائی گئی تھی اس قبر میں جو ایک کشادہ کمرہ کے

مشابہ ہے۔ اور اب تک یروشلم میں موجود ہے) آپ کے جسم کو مختلف مقوی ادویہ اور بوٹیوں کا بخور دیا گیا۔ ایک بڑا پتھر رکھ دیا گیا۔ رات [۷۶] کے آخری حصہ میں تیز آندھی اور زلزلہ سے چٹانیں ہلنے اور شق ہونے لگیں۔ اس وقت حضرت مسیح کا ایک معتقد سفید لباس میں ملبوس قبر تک پہنچا۔ سردار کاہن کے پہرہ دار جو زلزلہ اور آندھی سے پہلے ہی خوفزدہ تھے اس شخص کو دیکھتے ہی دہشت زدہ ہو کر بھاگ گئے اور شہر میں جاکر افواہ پھیلادی کہ ایک فرشتہ نے غار سے پتھر ہٹاکر اسے کھول لیا ہے۔

واقعہ صلیب پر تیس گھنٹے گزرنے کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کو بے ہوشی سے افاقہ ہونا شروع ہوا۔ اور جب آپ کو ساری سرگزشت بتائی گئی تو آپ بہت متعجب ہوئے اور خدا تعالیٰ کی حمد کرنے لگے۔ حکیم نقودیمس کے مشورہ پر آپ نے کھجوریں اور روٹی شہد کے ساتھ کھائی اور آپ میں اتنی قوت آگئی کہ آپ خود اٹھ کر بیٹھ سکیں۔ اس مرحلہ پر زیادہ دیر تک حضرت مسیح کو اس قبر ہی میں رہنے دینا بڑا مخدوش و خطرناک امر تھا اس لئے آپ کو اس قبر سے ایک قریبی مکان میں منتقل کر دیا گیا۔ چند روز کے بعد آپ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تو آپ نے اپنے شاگردوں کو تبلیغ کے متعلق نصیحتیں فرمائیں۔ اوردور دراز مقام کے سفر پر روانگی سے پیشتر ان سے فرمایا۔ کہ "میں نہیں بتا سکتا۔ کہ اب کہاں جاؤں گا۔ کیونکہ میں اس امر کو مخفی رکھنا ضروری سمجھتا ہوں اور میں سفر بھی تنہا ہی کروں گا۔ اور جب آپ یروشلم کے قریب کوہ زیتون پر حواریوں سے جدا ہونے لگے۔ تو پہاڑ پر سخت کہر چھائی ہوئی تھی۔ حواریوں نے آپ کے سامنے گھٹنے ٹیکے تو ان کے چہرے زمین کی طرف جھکے ہوئے تھے۔ اس حالت میں آپ اٹھے اور جلدی جلدی دھند اور غبار میں آگے روانہ ہو گئے لیکن شہر میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ یسوع بادلوں میں سے آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ مگر یہ خبر آپ کے ان حواریوں میں سے کسی نے مشہور نہیں کی تھی جو آپ کی روانگی کے وقت موجود تھے اور جن کے گھٹنے ٹیکنے کی حالت میں آپ آگے بڑھ گئے تھے۔ بلکہ یہ خبر ان لوگوں نے مشہور کی تھی جو آپ کی روانگی کے وقت موجود نہیں تھے۔ یہ واقعہ جو بہت اختصار سے لکھا گیا ہے۔ واقعہ صلیب کے ایک عینی شاہد نے اپنے مفصل مکتوب میں پوری شرح و بسط سے درج کیا ہے۔ [۷۷]

گو حضرت مسیح علیہ السلام نے یروشلم سے روانگی کے وقت مصلحتاً اپنے سفر کی نسبت کچھ نہیں بتایا تھا مگر اناجیل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود پہلے سے یہی سمجھتے تھے کہ آپ کا ارادہ بنی اسرائیل کے ان گمشدہ قبائل تک پیغام حق پہنچانے کا ہے چنانچہ یوحنا ۷/۳۶-۳۳ (اتھورائزڈ ورشن) میں لکھا ہے۔ "یہودیوں نے آپس میں کہا کہ یہ کہاں جائے گا کہ ہم اسے نہ پائیں گے۔ کیا ان کے پاس جائے گا جو غیر قوموں میں پراگندہ ہیں"۔ ان آیات کی شرح میں پیکس تفسیر بائیبل میں لکھا ہے۔ شاید مسیح ان

علاقوں میں جانے کے لئے سوچ رہا تھا جہاں یہود جلاوطنی کے بعد بس گئے تھے۔

امریکن یونیورسٹی کے ایک پروفیسر البرٹ ہیما اپنی کتاب "Ancient History" ("تاریخ قدیم") میں انجیل کے اس بیان پر لکھتے ہیں۔ "ایک دن جب حضرت مسیح ناصری ایک پرجوش وعظ فرما رہے تھے اس وعظ میں آپ نے اپنی روانگی کا ذکر کیا۔ تو کچھ لوگوں نے حیرانی کا اظہار کیا کہ کیا یہ بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل میں جاکر تبلیغ کا ارادہ رکھتے ہیں"۔ (صفحہ ۳۸) [۴۸]

حدیث نبویؐ میں آتا ہے کہ "اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسیٰ ان یا عیسیٰ انتقل من مکان الی مکان لئلا تعرف فتوذیٰ"۔ [۴۹] یعنی اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اے عیسیٰ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف چلتے رہو تا ایسا نہ ہو کہ تم پہچانے جاؤ اور تمہیں تکلیف دی جائے۔

اس فرمان خداوندی کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم سے روانہ ہو کر پہلے دمشق تشریف لے گئے جہاں مقدسین دمشق یروشلم کے یہودی چرچ سے الگ ہو کر آبسے تھے۔ ان لوگوں نے جو آپ کے لئے چشم براہ تھے۔ نہ صرف آپ کو پناہ دی بلکہ خود بھی آپ کی پناہ میں آگئے یعنی حلقہ بگوش عیسائیت ہونے لگے۔ یروشلم کے کاہن اعظم کو جب یہ پتہ لگا کہ حضرت مسیحؑ دمشق میں پناہ گزین ہیں تو اس نے پولوس کو ان کی گرفتاری کے لئے مسلح دستہ دے کر دمشق کی طرف بھیجا۔ لیکن وہ اپنے ارادوں میں ناکام رہا۔ ان واقعات کی تفصیل رابرٹ گریور اور جوشوا پوڈرو کی تصنیف "یسوع روم میں" (Jesus in Rome)۔ میں موجود ہے۔ [۵۰] اس حقیقت کی مزید تائید وادی قمران سے برآمد ہونے والے صحائف سے بھی ہوتی ہے۔

دمشق سے آپؑ مختلف مقامات کی سیروسیاحت کرتے جن میں (روم بھی بتایا جاتا ہے) نصیبین کے رستہ افغانستان سے ہوتے ہوئے شمالی ہند میں داخل ہوئے (غالباً اسی زمانے میں یا اس کے کچھ مدت بعد آپ لیہ، لاسہ، گلگت، ہمس، نیپال، بنارس، پنجاب وغیرہ میں بھی تشریف لے گئے) اور بالآخر کشمیر میں جاگزین ہوگئے۔ جو "اوینٰھما الی ربوۃ ذات قرار و معین" کے قرآنی الفاظ کی عملی تعبیر تھی۔ اس وقت راجہ اکھ کا بیٹا گوپانند (گوپادت دوم) حکمران تھا۔ یہ ۷۸ء کا واقعہ ہے جبکہ لوک سن ۳۱۵۴ تھا اسی سال آپ کی ملاقات سری نگر کے قریب وین مقام پر ہندوستان کے مشہور راجہ شالباہن سے ہوئی۔ [۵۱] حضرت مسیحؑ نے یہاں کھلے طور پر اعلان نبوت فرمایا اور اہل کشمیر کثرت سے آپ کی دعوت قبول کرنے لگے۔

حضرت مسیح علیہ السلام موسوی شریعت کے تابع نبی تھے۔ جیسا کہ آپ نے خود فرمایا ہے۔ "یہ نہ

سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں"۔ ۵۲ موسوی شریعت کی نشرو اشاعت کے فریضہ کی بجا آوری کے ساتھ ہی آپ کی آمد کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ آپ موعود آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ظہور کی بشارت سنائیں۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ آپ کے الہامات کو انجیل ہی کا نام دیا گیا جس کے لغوی معنی ہی خوشخبری کے ہیں۔

چنانچہ آپ نے اپنے اس فرض منصبی کی تکمیل فرمائی اور اہل کشمیر کو اسلام اور آنحضرت ﷺ کے ظہور کی خبر دی اور ان کو آنحضرت ﷺ اور اسلام کے استقبال کے لئے تیار کرتے رہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل اس ملک میں آکر اکثر بدھ مت میں داخل ہو گئے تھے۔ سو حضرت مسیحؑ کے کشمیر میں آنے پر ان میں سے اکثر راہ راست پر آگئے جس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ گوتم بدھ نے ایک اور آنے والے بدھ کی نسبت جس کا نام اس نے بگوا متیا (یعنی مسیحا) رکھا تھا پیشگوئی کی تھی اور کہا "متیا لاکھوں مریدوں کا پیشوا ہوگا۔ جیسا کہ میں اب سینکڑوں کا ہوں"۔ (لگاوتی ستتا بحوالہ کتاب اولڈن برگ صفحہ ۱۴۴)

گوتم بدھ نے یہ بھی بتایا تھا کہ پانچویں صدی تک اس کے مذہب کا زوال ہو جائے گا تب متیا اس ملک میں دوبارہ میری اخلاقی تعلیموں کو قائم کرے گا۔ چنانچہ کشمیر میں حضرت مسیحؑ کی آمد گوتم بدھ کی پیدائش سے پانچ سو سال کے بعد ہی ہوئی۔ ۵۳ اور بدھ کے پیرو پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہوتے گئے۔

غرض اس ملک میں حضرت مسیحؑ کو بڑی وجاہت حاصل ہوئی۔ حتیٰ کہ راجہ کا ایک مرید "سندھی متی" نامی آپ کی زندگی میں لاولد راجہ جے اندر کے بعد تخت نشین بھی ہوا۔ چنانچہ انیسویں صدی کے آخر میں ایک سکہ پنجاب سے بر آمد ہوا جس پر پالی زباں میں حضرت عیسیٰؑ کا نام درج تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کشمیر میں آکر شاہانہ عزت پائی غالباً یہ سکہ ایسے بادشاہ کی طرف سے جاری ہوا ہوگا جو حضرت مسیحؑ پر ایمان لے آیا تھا۔ ۵۴

کتاب "اکمال الدین و اتمام النعمت" سے جو شیعوں کی معتبر کتاب ہے اور ہزار برس قبل تصنیف ہوئی۔ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل کشمیر آنحضرت ﷺ کی آمد کے صدیوں سے منتظر چلے آرہے تھے اور ان کی کتابوں میں حضور کی پیشگوئی موجود تھی۔ ۵۵

"اکمال الدین" میں مزید لکھا ہے۔ "حضرت یوز آصف (یسوع مسیح علیہ السلام۔ ناقل) نے کشمیر میں آخری وقت اپنا خلیفہ مقرر کیا جس کا نام بابد تھا۔ اور اسے وصیت فرمائی کہ میرے بعد عبادت کا پابند رہنا، نماز پڑھتے رہنا، سچائی سے منہ نہ پھیرنا۔ پھر آپ نے اپنے اوپر ایک قبر بنائے جانے کا ارشاد فرمایا

جہاں آپ نے اپنے پاؤں مغرب کی طرف پھیلائے اور سر مشرق کی طرف کیا اور اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ [56]

حدیث نبویؐ [57] کے مطابق آپ کا وصال ایک سو بیس برس کی عمر میں ہوا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ مقدس توما کے ہاتھوں دفن کئے گئے۔ [58] (ناصرین گاسپل) سرینگر کے محلہ خانیار میں آپ کا مزار مبارک اب تک موجود ہے۔ "طبقات کبیر" میں حضرت امام حسن علیہ السلام کا یہ قول درج ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کی روح ۲۷/ رمضان کو قبض کی گئی تھی۔ [59] **"لقد قبض فی اللیلۃ التی عرج فیھا بروح عیسی بن مریم لیلۃ سبع و عشرین من رمضان"** اسی طرح تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی قبر کے کتبہ کی عبارت یہ ہے۔ **"ھذا قبر رسول اللہ عیسی بن مریم"** [60] اس وقت کا واقعاتی ثبوت کہ حضرت مسیحؑ نے واقعی لمبی زندگی پا کر وفات پائی تھی ان تصاویر سے بھی ملتا ہے جو دوسری صدی کے ابتدائی مسیحیوں نے بنائی تھیں اور جو ان کے ہاں امانت کے طور پر محفوظ چلی آتی تھیں یہ تصاویر انسائیکلوپیڈیا برٹینکا جلد ۱۴ میں شائع ہو چکی ہیں۔ [61] ان تصاویر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جوانی اور بڑھاپے کی تصاویر ہیں۔ بڑھاپے کی تصویر سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ حضرت مسیحؑ اس وقت طویل العمر تھے۔

مشرقی لٹریچر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا روحانی سلسلہ خلافت اسلام کی آمد کے زمانے تک موجود تھا۔ اور لوگ یہاں تورات' زبور' انجیل اور صحف ابراہیمی پڑھتے اور ان پر عمل کرتے اور دوسروں کو ان پر عمل کرنے کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ [62، 63]

عصر جدید کی تحقیق پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد اب حضرت مسیحؑ کے سفر کشمیر سے متعلق چند مستند شہادتیں درج کی جاتی ہیں۔ جن سے تاریخ کشمیر کے اس تاریخی واقعہ پر تیز روشنی پڑتی ہے۔ یاد رہے کہ حضرت مسیحؑ قدیم لٹریچر میں کئی ناموں سے پکارے گئے ہیں۔ یسوع۔ یوز آسف۔ آصف یوسا۔ شافت متیا۔ مسیح۔ مشیحا۔ مسیحا۔ می شی ہو۔ عیسیٰ۔ ایشان دیو۔ عیسیٰ نادیو۔ عیسیٰ ناتھ۔ مگر یہ سب ایک ہی شخصیت کے مختلف نام ہیں۔ جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مختلف قوموں یا گروہوں نے اپنے لب و لہجہ اور تلفظ میں یاد کیا ہے۔ [64]

ہندو لٹریچر کی شہادت

"بھوشیہ مہاپران" ہندوؤں کے قدیم اٹھارہ پرانوں میں سے نواں پران ہے۔ [65] اس کتاب کے تیسرے باب میں دو جگہ حضرت مسیحؑ کی کشمیر میں آمد کا ذکر ملتا ہے چنانچہ لکھا ہے۔ "ایک دن مہاراجہ شالباہن ہمالیہ پہاڑ کے ایک ملک میں گیا۔ وہاں اس نے ساکا [66] قوم کے ایک راجہ کو وین [67] مقام پر دیکھا وہ خوبصورت رنگ کا تھا۔ اور سفید کپڑے

پہنے ہوئے تھا۔ شالباہن [۶۸] نے اس سے پوچھا آپ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ میں یوساشافت (یوز آسف) ہوں اور عورت کے بطن سے میری پیدائش ہوئی۔ (راجہ شالباہن کے حیران ہونے پر) اس نے کہا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ اور میں مذہب کو صاف و پاک کرنے کے لئے آیا ہوں راجہ نے اس سے پوچھا کہ آپ کونسا مذہب رکھتے ہیں۔ اس نے جواب دیا اے راجہ! جب صداقت معدوم ہو گئی اور ملیچھوں کے ملک (ہندوستان سے باہر کسی ملک) میں حدود شریعت قائم نہ رہی تو میں وہاں مبعوث ہوا۔ میرے کلام کے ذریعہ جب گنہگاروں اور ظالموں کو تکلیف پہنچی تو ان کے ہاتھوں سے میں نے بھی تکلیفیں اٹھائیں۔ راجہ نے اس سے پھر پوچھا کہ آپ کا مذہب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میرا مذہب محبت' صداقت اور تزکیہ قلوب پر مبنی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میرا نام "عیسیٰ مسیح" رکھا گیا ہے"۔ [۶۹]

حضرت عیسیٰؑ کے کشمیر میں آنے اور ان کے ایک مرید "سندھی متی" کے بادشاہ بننے کا ذکر پنڈت کلہن کی "راج ترنگنی" میں بھی ملتا ہے یہ ذکر "ایشان دیو" کے نام سے کیا گیا ہے۔ اگرچہ پنڈت کلہن نے اس سلسلہ میں خالص دیو مالائی طرز بیان میں عجوبہ پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک مبہم اور غیر مسلسل اور بہت لمبا واقعہ لکھا ہے جو "راج ترنگنی" مترجم از "ٹھاکر چند شاہپوریہ کے صفحہ ۱۷۷ سے ۱۹۴ تک پھیلا ہوا ہے۔ لیکن اگر دوسرے قدیم لٹریچر کی روشنی میں اس پورے واقعہ پر ناقدانہ نظر ڈالی جائے اور اس کے حشو و زوائد اور غیر حقیقی عناصر کی چھان بین کی جائے۔ تو اس سے یہ قیمتی معلومات حاصل ہوتی ہیں کہ ایشان دیو (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کا ایک مرید "سندھی متی" [۷۰] کشمیر کے راجہ جے اندر کا وزیر تھا جسے راجہ نے غلط کار مشیروں کی سازش کے نتیجہ میں جیل میں ڈال دیا۔ جو دس سال نظر بند رہا۔ راجہ لاولد تھا اس لئے اس نے اس خیال سے کہ میرے بعد سندھی متی ضرور تخت کا وارث ہو جائے گا۔ سندھی متی کو پھانسی پر لٹکانے کا حکم دے دیا۔ اس پر "ایشان دیو" پر کشفی حالت طاری ہوئی۔ اور اس نے دیکھا کہ جوگیوں کا ایک مجمع ہے جس کے گرد روشنی کا ہالہ بنا ہوا ہے۔ اس مجمع نے "سندھی متی" کا پنجرا اپنے حلقہ میں لے لیا۔ پھر کیا دیکھتا ہے کہ مجمع اس کے (منتشر) اعضا جوڑ رہا ہے۔ "ایشان دیو" جب عالم کشف سے بیدار ہوئے۔ تو ان کو غیبی آواز آئی کہ اے ایشان خائف نہ ہو یہ شخص جسے ہم نے آسمانی جسم سے بنایا ہے زمین پر سندھی متی کے نام سے اور اپنے شریفانہ چال چلن کی وجہ سے آریہ راج کے لقب سے مشہور ہو گا۔ چنانچہ ادھر سندھی متی پھانسی کی موت سے بچ گیا۔ ادھر راجہ جے اندر کی موت واقع ہو گئی۔ ایشان دیو نے "سندھی متی" کو گلے لگایا اور اہل کشمیر نے بھی اس کے دوبارہ "زندہ" ہونے پر بڑی خوشی منائی اور بالاتفاق لاولد راجہ جے اندر کی جگہ اسے تخت پر بٹھایا۔

وہ ۷۴ برس تک حکمران رہا۔ اور آخر سلطنت چھوڑ کر کسی غار میں عبادت کے لئے چلا گیا۔ [۴۱]

"بھوشیہ مہا پران" کے علاوہ بندھیا چل کے ایک ہندو فرقہ "ناتھ جوگی" کی کتاب "ناتھ ناموولی" میں بھی حضرت مسیح کا ذکر آتا ہے چنانچہ لکھتا ہے۔ "عیسیٰ ناتھ کو اپنے ہم وطنوں نے ہاتھوں اور پیروں میں کیل لگا کر سولی پر چڑھا کر مارنے کی کوشش کی اور مردہ سمجھ کر قبر میں رکھ دیا۔ مگر عیسیٰ ناتھ نے قبر سے نکل کر آریہ دیس میں فرار اختیار کیا اور کوہ ہمالیہ کے دامن (کشمیر) میں ایک خانقاہ قائم کی اور خانیار سرینگر میں ان کی سادھی (مزار) ہے"۔ [۴۲]

بدھ مذہب کے لٹریچر کی شہادت

ایک روسی سیاح نکولس ناٹووچ ۱۸۹۰ء کے قریب لداخ میں بدھ مذہب کی ایک خانقاہ میں کئی ماہ مقیم رہا۔ جہاں بدھ علماء انہیں اپنے کتب خانے میں سے پرانی کتابیں ترجمہ کر کے سنایا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک کتاب سے انہوں نے عیسیٰؑ کے حالات پڑھ کر سنائے اس کتاب کا ترجمہ کر کے وہ ساتھ لے گئے اور فرانسیسی زبان میں ایک کتاب لکھی جس کا ترجمہ انگریزی میں بھی شائع ہو گیا ہے۔ اس کتاب کا نام "The Unknown Life of Jesus Christ" جب یہ کتاب شائع ہوئی تو عیسائی حلقوں نے پورا زور لگایا کہ اس کتاب کو جعلی ثابت کر دکھائیں۔

اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں نوٹووچ نے چیلنج کیا کہ میں محققین کے ایک مشن کے ساتھ خود ہندوستان جانے کے لئے تیار ہوں اور بدھ صحیفوں سے ان کی تسلی کروا سکتا ہوں۔ چنانچہ ایک فاضل خاتون لیڈی میرک نے ھمس جا کر تحقیقات کی اور اس کے نتائج شائع کرتے ہوئے لکھا۔ "لداخ کے شہر لیہ میں مسیح کی روایت ہمیں ملتی ہے۔ جو یہاں عیسیٰؑ کے نام سے مشہور تھے۔ ھمس کے بدھ معبد میں ۱۵۰۰ سو سال قبل کی نہایت قیمتی دستاویزات رکھی ہیں جو مسیحؑ کی زندگی کے ان ایام سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو اس نے یہاں بسر کئے ان میں لکھا ہے کہ اس علاقہ میں مسیحؑ کو خوش آمدید کہی گئی اور یہاں اس نے لوگوں کو تعلیم دی"۔ [۴۳]

پروفیسر نکولس رورک (Nicholus Rorick) نے وسط ایشیا کی سیاحت کے بعد ۱۹۲۹ء میں ایک کتاب (Heart of Asia) کے نام سے شائع کی۔ اس کتاب میں پروفیسر مذکور نے لکھا ہے کہ "کشمیر' لداخ اور وسط ایشیا کے مختلف مقامات میں اب بھی یہ مضبوط روایات پائی جاتی ہیں کہ حضرت مسیح ناصریؑ نے ان علاقوں کا سفر اختیار کیا ہے سری نگر میں وہ فوت ہوئے۔ وہیں ان کا مزار ہے۔ یہ سب کی سب روایات اس بات پر متفق ہیں کہ جس زمانے میں حضرت مسیحؑ فلسطین سے غیر حاضر تھے۔ اس وقت آپ ایشیا اور ہندوستان میں موجود تھے۔ [۴۴]

عیسائی لٹریچر کی شہادت

مکتوب اسکندریہ کا ذکر اوپر آچکا ہے اس کے علاوہ بعض مزید شہادتیں بطور نمونہ درج ذیل کی جاتی ہیں۔

۱۔ مسٹر سٹیفن گراہم اپنی کتاب "روسین پلگرمز آف یروشلم" کے صفحہ ۱۱۱ پر لکھتے ہیں۔

"غالباً مسیح کی موت (یعنی صلیبی "موت"۔ناقل) کے بعد کئی سال تک ان کے درمیان یہ عجیب خبر پھیلی رہی کہ وہ زمین پر کسی دور دراز جگہ میں زندہ ہیں اور عنقریب دوبارہ ظاہر ہوں گے۔

۲۔ انیسویں صدی کے عیسائی مصنف مسٹر بروس لکھتے ہیں۔

"مسیح فی الواقع مرے نہیں تھے۔عارضی بے ہوشی کے بعد وہ پھر ہوش میں آگئے تھے اور کئی مرتبہ اپنے شاگردوں کو زندہ نظر آئے۔ پھر وہ اتنا عرصہ زندہ رہے کہ پولوس کو بھی ان کی زیارت نصیب ہوئی اور بالآخر انہوں نے کسی نامعلوم مقام پر وفات پائی"۔ (اپالوگویٹر مطبوعہ ۱۸۹۲ء)

۳۔ ڈاکٹر ایم۔اے (ایک مسیحی مصنف) لکھتے ہیں۔

"یہ ہو سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کے دس گمشدہ قبائل کو تبلیغ کرکے مسیح سرینگر (کشمیر) کے دور دراز علاقہ میں فوت ہو گیا ہو۔ اور وہ اس قبر میں دفن ہو جو اس کے نام سے مشہور ہے"۔ [۷۵]

۴۔ کپتان سی۔ایم انرک لکھتے ہیں۔ "مجھے اپنے قیام کشمیر کے دوران میں وہاں کی قبروں کے متعلق چند عجیب باتیں معلوم ہوئیں۔ان میں سے ایک قبر کو مسیح ناصری کی قبر کہتے ہیں"۔ [۷۶]

مسلم لٹریچر کی شہادت

کشمیر کی قدیم تاریخ میں جو کشمیر کے مشہور مورخ ملا نادری کی تالیف ہے اور جو ۱۳۷۸ء سے ۱۴۱۶ء تک مکمل ہوئی ہے۔

"راجہ گوپانند پسرش بعد از عزلی او بر حکومت رسید۔ در (عہد حکومت) [۷۷] او بتخانہ ہائے بسیار (تعمیر شدند) بالائے کوہ سلیمان گنبد شکستہ بود و برائے تعمیرش یکے از وزرائے خود نامی سلیمان کہ از پارس آمدہ بود تعیین نمود۔ ہندو واں اعتراض کردند کہ او غیر دین ملیچھ است دریں وقت حضرت یوز آصف از بیت المقدس بجانب وادی اقدس مرفوع شدہ دعوائے پیغمبری کرد شب و روز عبادت باری تعالیٰ کرد و در تقویٰ و پارسائی بدرجہ اعلیٰ رسیدہ خود را برسالت اہل کشمیر مبعوث (گوارید) و بدعوت خلائق اشتغال نمود زیرا کہ کثیر مردمان خطہ عقیدت مند آنحضرت بودند۔راجہ گوپادت اعتراض ہندواں پیش او کرد۔ بحکم آنحضرت سلیمان کہ ہندواں نامش سندیمان دادند تکمیل گنبد مذکورہ کرد (سال پنجاہ و چہار) و نیز بر نردبان نوشت کہ دریں وقت یوز آصف دعوئ پیغمبری می کند و بر دیگر سنگ نردبان ہم نوشت کہ ایشان یسوع پیغمبر بنی اسرائیل است و در کتاب ہندواں دیدہ اند کہ آنحضرت بعینہ

حضرت عیسیٰ روح اللہ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بود و نام یوز آصف ہم گرفت۔ والعلم عند اللہ۔ عمر خود دریں بسر کرد بعد رحلت بمحلہ انزمرہ آسودہ و نیز مے گویند کہ بروضہ آنحضرت انوار نبوت جلوہ گر مے باشند و راجہ گوپادت شصت سال و دو ماہ حکومت نمودہ درگزشت"۔ ۴۸

(ترجمہ) راجہ آکھ کے معزول ہونے کے بعد اس کا بیٹا راجہ گوپانند گوپادت کا نام اختیار کر کے حکمران ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں بہت سی عمارات تعمیر ہوئیں۔ کوہ سلیمان کی چوٹی پر ایک شکستہ گنبد تھا۔ اپنے وزیروں میں سے ایک شخص سلیمان نامی کو جو پارس سے آیا تھا۔ اس کی تعمیر کے لئے مقرر کیا۔ ہندوؤں نے اعتراض کیا کہ وہ ملیچھ ہے اس وقت حضرت یوز آصف بیت المقدس کی جانب سے وادی اقدس (کشمیر) کی طرف سے مرفوع ہوئے۔ اور آپ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ شب و روز عبادت باری تعالیٰ میں مشغول رہے۔ تقویٰ اور پارسائی میں اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر خود کو اہل کشمیر کی طرف پیغمبر مبعوث قرار دیا۔ اور دعوت خلائق میں مصروف ہو گئے۔ چونکہ خطہ کشمیر کے لوگ آنحضرت (یوز آصف) کے عقیدت مند تھے۔ راجہ گوپادت نے ہندوؤں کا اعتراض ان کے سامنے پیش کیا۔ اور آنحضرت کے حکم سے سلیمان نے جسے ہندوؤں نے سندیمان کا نام دیا گنبد مذکورہ کی تکمیل کی (۵۴ تھا) اور اس نے گنبد کی سیڑھیوں پر لکھا۔ اس وقت یوز آصف نے دعویٰ پیغمبری کیا ہے اور دوسری سیڑھی کے پتھر پر یہ عبارت لکھی۔ وہ یسوع پیغمبر بنی اسرائیل ہے (ملا نادری کہتے ہیں) ہندوؤں کی ایک کتاب میں میں نے دیکھا ہے کہ آنحضرت بعینہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔ اور یوز آصف بھی نام اختیار کر لیا تھا۔ والعلم عند اللہ اور آپ نے اپنی عمر یہیں بسر کی اور وفات کے بعد موضع انزمرہ میں دفن ہوئے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت کے روضہ پر انوار نبوت جلوہ گر ہوتے ہیں۔ راجہ گوپادت نے ۶۰ سال دو ماہ حکومت کرنے کے بعد انتقال کیا۔

حصہ دوم۔ پہلا باب (فصل ہفتم)

کشمیر میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت

کشمیر میں پہلا مسلمان جو اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک (۷۰۵ء تا ۷۱۵ء) کے زمانے میں پہنچا۔ [۷۹-۸۰] جہم بن سامہ شامی تھا جو فاتح محمد بن قاسمؒ کے سندھ پر حملہ (۷۱۲ء تا ۷۱۵ء) کے دوران راجہ داہر کے بیٹے جے سیہ (یا جے سنگھ) کے ہمراہ کشمیر میں آیا۔ کشمیر کے حکمران راجہ [۸۱] نے جہم بن سامہ کی بہت قدر و منزلت کی اور اس نے وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ چنانچہ شروع ساتویں صدی ہجری کی مستند کتاب "چچ نامہ" [۸۲] میں یہ ذکر موجود ہے۔

۷۱۷ء اور ۷۲۰ء کے وسطی زمانے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سلیط بن عبداللہ کو تبت اور کشمیر میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا (تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۶۲) [۸۳]

سلیط بن عبداللہ کی آمد کے قریباً چھ سو سال تک یہاں تبلیغ اسلام کی کسی نمایاں جدوجہد کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ البتہ دسویں صدی عیسوی میں ایک مسلمان عرب سیاح ابودلف سعر بن مہلل بغداد سے ترکستان چین کابل تبت سے ہوتا ہوا کشمیر میں بھی آیا تھا۔ [۸۴] مگر اس کا سفرنامہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ [۸۵]

کشمیر کے حالات نے چودھویں صدی عیسوی کے آغاز میں یکایک پلٹا کھایا اور بعض باکمال مسلمان بزرگوں کے روحانی اثر اور بے نفس تبلیغ کے ذریعہ سے پوری ریاست اسلامی نور سے منور ہونے لگی۔ یہ روحانی انقلاب خدا تعالیٰ کے خاص تصرف سے ہوا۔ جس کی بظاہر یہ وجہ ہوئی کہ کشمیر کے راجہ رینچن کو دو مبلغین اسلام حضرت شاہ میر [۸۶] اور حضرت بلال شاہ عرف حضرت بلبل شاہ [۸۷] نے یکے بعد دیگرے تبلیغ کی اور راجہ صاحب ۱۳۲۷ء میں مع اہل و عیال حضرت بلبل شاہ کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہو گئے۔ اور ملک صدرالدین کے نام سے یاد کئے جانے لگے۔ راجہ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد سرزمین کشمیر اشاعت اسلام کا مرکز بن گئی۔ اور ہر طرف اسلام کا غلغلہ بلند ہونے لگا۔
راجہ رینچن نے جن کا اسلامی نام صدرالدین قرار پایا تھا ۲ سال ۷ ماہ حکمران رہنے کے بعد ۱۳۲۷ء میں وفات پائی۔ صدرالدین بادشاہ اپنے عہد حکومت میں اشاعت اسلام کے لئے ہمہ تن کوشاں رہا۔

سلطان صدر الدین کی وفات کے بعد ریاستی نظم و نسق میں بد نظمی پیدا ہو گئی اور ۱۳۴۳ء میں حضرت شاہ میر" سلطان شمس الدین کے نام سے تخت نشین ہوئے۔ آپ نے بلا تفریق مذہب و ملت تمام رعایا سے مالیہ سرکاری دسویں حصہ کی بجائے پانچواں حصہ مقرر کر دیا۔ ریاست میں بکری سمت موقوف کر کے نیا سنہ جاری کیا۔ جس کی ابتداء راجہ رینچن (سلطان صدر الدین) کی تاجپوشی کے وقت سے ہوئی ۔ شاہان مغلیہ کے زمانے تک یہ سنہ کشمیری سنہ کے نام سے رائج رہا۔ ۱۳۴۷ء میں آپ دار فانی سے گزر گئے۔ ۸۸ آپ کے زمانے میں اسلامی حکومت مستحکم بنیاد پر قائم ہو گئی۔ سلطان جمشید کے عہد حکومت ۴۸-۱۳۴۷ء میں بعض صاحب کرامات بزرگ ہوئے جن کا زہد و اتقا زبان زد خلائق تھا۔ اور کرامات سے کشمیر میں اشاعت اسلام کی رفتار پہلے سے تیز ہو گئی۔ ۸۹

۱۳۷۲ء ۹۰ میں یعنی سلطان شہاب الدین" کی حکومت (۱۳۶۰ء تا ۱۳۷۸ء) کے آخر میں امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی" پہلی بار ہمدان سے تشریف لائے اور کچھ عرصہ قیام کے بعد واپس تشریف لے گئے پھر ۱۳۷۹ء میں (جبکہ سلطان قطب الدین" جیسا عادل، منصف اور رعایا پرور بادشاہ تخت نشین تھا۔ سات سو ۹۱ مریدوں کے ہمراہ دوبارہ کشمیر تشریف لائے۔ اور کشمیر کے طول و عرض میں تبلیغی نظام قائم کر دیا۔ مساجد تعمیر کرائیں، مدارس قائم کئے اور ہر شہر میں معلمین و مبلغین کی ایک جماعت متعین فرمائی ۷۸۳ھ بمطابق ۱۳۷۲ء میں آپ بہت سے فقراء اور صوفیاء کو لے کر گلگت اور لداخ تشریف لے گئے اور تمام علاقے میں دورے کر کے تبلیغ اسلام فرماتے رہے۔ ۹۲

جن مبلغین اور داعیان اسلام نے آپ کی زیر نگرانی کشمیر میں تبلیغی فرائض انجام دیئے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ میر حسین سمنانی"، سید جمال الدین"، سید کمال الدین"، سید جمال الدین علائی"، سید فیروز"، سید محمد کاظم ملقب بہ سید قاضی، سید رکن الدین"، سید فخر الدین"، شیخ محمد قریشی"، سید مراد"، سید عزیز اللہ"، شیخ احمد قریشی"، حاجی محمد"، شیخ سلیمان"۔ ان بزرگوں نے حضرت شاہ ہمدان" کے زیر ہدایت کشمیر کے مختلف مقامات کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، خانقاہیں بنائیں جہاں مبلغین تیار ہوتے تھے۔ مساجد اور مدارس تعمیر کئے اور لنگر خانے جاری کئے۔ ان مبلغین کے علاوہ شاہ ہمدان" کے بھانجے سید احمد اندرابی نے بھی کشمیر میں تبلیغ کی۔ اندرابیہ کے بعض مشہور مبلغوں کے نام یہ ہیں۔ سید محمد اندرابی، سید محمد ابراہیم اندرابی، سید شمس الدین، سید محمد میرک اندرابی، سید محمد طاہر، سید محمد افضل، قطب العالم، سید محمد عنایت اللہ" اندرابی، حاجی سید عتیق اللہ شہید" اندرابی، سید کمال الدین اندرابی۔ ۹۳

۱۳۹۴ء میں یعنی سلطان سکندر کی تخت نشینی کے پہلے سال حضرت امیر کبیر علی ہمدانی" کے نوجوان فرزند سید میر محمد ہمدانی بعمر ۲۲ سال تین سو رفقاء سمیت وارد کشمیر ہوئے اور بارہ سال (ایک روایت

کے مطابق بائیس سال تک) کشمیر میں مصروف تبلیغ رہے۔ پروفیسر آرنلڈ نے لکھا ہے کہ کشمیر میں میر ہمدانی کے آنے پر اس تیزی اور وسعت سے اسلام پھیل گیا۔ کہ ملک میں چند لوگ مسلمان ہونے سے رہ گئے اور جوں جوں لوگ مسلمان ہوتے گئے اپنے مندروں کو مسجدیں بناتے گئے۔

سلطان سکندر کے بعد ۱۴۱۷ء میں سلطان علی شاہ اور ۱۴۲۳ء میں سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ تخت نشین ہوا۔ اس علم نواز' انصاف پرور اور مساوات پسند مسلم فرمانروا کے زمانے میں کشمیر نے ہر لحاظ سے غیر معمولی ترقی کی اور اس کا وجود مسلمان اور ہندو بلکہ پوری رعایا کے لئے سایہ رحمت ثابت ہوا اور ملک کی کایا پلٹ گئی۔

اس کے عہد حکومت میں ملک کشمیر علوم و فنون کا گہوارہ بن گیا۔ اور کشمیر کی شہرت ہندوستان سے گزر کر بلخ بخارا' خراسان اور ایران تک جا پہنچی اور علماء و فضلا خود بخود اس کے دربار میں کھنچے چلے آئے اور یہیں زندگی بسر کرنے لگے۔ ملک الشعراء ملا احمد کشمیری جیسے شاعر و مناظر اور ملا نادری جیسے مورخ اسی زمانے میں ہوئے ہیں۔ [۹۴] سلطان زین العابدین کے زمانہ میں کشمیر شریعت اسلامیہ کی پابندی کے لئے خاص طور پر مشہور ہوا۔ اور جس قدر علماء و مشائخ اس دور میں نظر آتے ہیں کسی بادشاہ کشمیر کے زمانے میں دکھائی نہیں دیتے۔ چند بزرگوں کے نام یہ ہیں۔ شیخ الاسلام مولانا کبیر' قاضی القضاۃ ملا جلال الدین" حافظ بغدادی" میر علی بخاری" علامہ سید شمس الدین اندرابی' سید حسین قمی رضوی" باباحاجی ادھم" سید محمد مدنی' سید محمد عالی بلخی' میر سید حسن و میر سید حسین منطقی سید جان بازولی' بابا زین الدین" بابا عثمان گنائی" شیخ بہاء الدین گنج بخش" شیخ نور الدین ولی" میر سید محمد امین اویسی" [۹۵] سلطان زین العابدین" (متوفی ۱۴۷۰ء) کے عہد تک جن مبلغین اسلام کا تذکرہ کیا جا چکا ہے ان کے علاوہ اور بہت سے بزرگ وقتاً فوقتاً کشمیر میں تبلیغ کے فرائض ادا کرتے رہے ہیں۔ جن میں سے میر شمس الدین عراقی' شیخ محمد حمزہ" مخدوم خواجہ طاہر" سہروردی' شاہ فرید الدین قادری" میر عبدالرشید بیہقی" - [۹۶] خواجہ محمد اعظم" مولف "تاریخ اعظمی" "شیخ بہاء الدین گنج بخش" شیخ نور الدین ولی" مولانا محمد کمال" (استاد حضرت مجدد الف ثانی") شاہ نعمت اللہ کشمیری" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ [۹۷]

کشمیر میں اسلامی حکومت قریباً پانچ سو سال تک قائم رہی ۱۳۲۵ء سے ۱۳۴۴ء تک شاہان زمانہ بے استقلالی ۱۳۴۳ء تا ۱۵۵۴ء سلاطین کشمیر۔ ۱۵۵۴ء سے ۱۵۸۶ء تک خاندان چک۔ ۱۵۸۶ء سے ۱۷۵۲ء تک شاہان مغلیہ اور ۱۷۵۳ء سے ۱۸۱۹ء تک افغان برسراقتدار رہے [۹۸] اور آخری مسلمان بادشاہ شجاع الملک تھا۔

اسلامی عہد حکومت کی مذہبی تاریخ پر روشنی ڈالنے کے بعد بالآخر یہ بتانا ضروری ہے کہ مسلم

سلاطین کشمیر کے بعد اہل کشمیر کو خوشحال بنانے اور ملک کی علمی ' ثقافتی اور مادی ترقی و بہبود میں مغل بادشاہوں نے گہری دلچسپی لی ہے۔ چنانچہ فرانسیسی سیاح ڈاکٹر برنیئر جو حضرت اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ میں اس برصغیر میں سیرو سیاحت کر رہا تھا۔ مسلم کشمیر کی نسبت لکھتا ہے۔

دوسرے ممالک کی نسبت کشمیر میں علم و فضل کی فراوانی ہے۔ ادبیات اور حکمت سے یہاں کے لوگ کافی واقف ہیں صنعت و حرفت میں بھی یہ کسی سے کم نہیں۔ کشمیر جنت نظیر ہے سارا ملک سرسبز و شاداب اور سدا بہار باغ کی طرح ہے...... اور کشمیری ہر طرح سے سکھی ہیں"۔ [۹۹]

پیٹرس جیروس جہانگیری دور کے کشمیر کا حال مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"اکبر کا جانشین جہانگیر تھا۔ جسے اپنی سلطنت میں سب سے زیادہ عزیز کشمیر تھا۔ وہ کشمیر میں باغ لگانے والے کے نام سے مشہور ہے۔ کشمیر میں اس کے لگائے ہوئے جو باغ اب تک مشہور ہیں۔ وہ شالیمار باغ ' نسیم باغ اور نشاط باغ ہیں۔ ہر ایک میں حیرت انگیز شہ نشین اور چبوترے بنے ہوئے ہیں جہاں فواروں سے ٹھنڈا پانی دھار باندھ کر نکلتا ہوا جھرنوں سے گرتا اور مرمریں ڈھلانوں پر جھلملاتا جاتا ہے۔ وادی کے طول و عرض میں جو دیوزاد اور پرشوکت چنار نظر آتے ہیں وہ بھی جہانگیر نے لگائے تھے۔ [۱۰۰]

راؤ بہادر وی۔ پی مینن (بھارتی امور ریاست کے سابق سیکرٹری) اپنی تصنیف "The Integration of The Indian states" میں لکھتے ہیں۔

دو سو سال تک کشمیر مغلوں کا گرمائی صدر مقام رہا۔ مغلوں کے آثار و نقوش قلعہ ہری پربت ' شالیمار باغ ' نشاط باغ ' اچھابل اور ویری ناگ میں اب تک موجود ہیں۔ چنار کے بلند و بالا درخت جو ہر جگہ نظر آتے ہیں انہیں کی یادگار ہیں۔ [۱۰۱]

فصل ہشتم

کشمیر سکھ عہد حکومت میں

افسوس مغلیہ دور کی پر عظمت اور انمول وراثت کو بعد کے حکمرانوں نے حتی الوسع برباد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مسلمانوں کے ستارہ عروج کے زوال پر عنان اقتدار ۱۸۱۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کے ہاتھ میں آگئی۔ مہاراجہ صاحب کے بعد ان کے جانشینوں نے مارچ ۱۸۴۶ء تک حکومت کی اس دور میں مسلمانوں کی رواداری کا بدلہ اس رنگ میں دیا گیا۔ کہ ان کی مساجد اور قلعے مسمار کئے گئے اور جن عمارتوں کو دیکھ کر انسانی عقل حیرت میں پڑ جاتی تھی۔ وہ اصطبلوں میں بدل دی گئیں اور وادی کشمیر میں اذان دینے کی سزا زبان کاٹنا قرار دی گئی۔

چنانچہ پیٹرس جیروس لکھتا ہے۔ "حکومت کی مسلح فوجیں تمام تندرست مردوں کو پکڑ دھکڑ کر دور دراز علاقوں میں طویل عرصوں تک بطور قلی کام کرنے کے لئے بھیج دیتیں۔ اکثر وہ کبھی واپس نہ آتے۔ کھیتی باڑی کا کام بوڑھے مرد اور عورتیں، جیسے بن پڑتا کرتیں۔ نوجوان عورتوں نے خود کو برقعوں میں چھپا لیا۔ اور لڑکوں کا وہی حشر ہوا۔ جو صدہا سال پہلے کورنتھ میں ان کے بھائیوں کا ہوا تھا۔ پھر سے ہزاروں لوگ کشمیر سے بھاگ گئے۔ اب کی دفعہ بھاگنے والے مسلمان تھے"۔ [۱۰۲]

یورپین سیاح ولیم مورکرافٹ (جس نے ۱۸۲۴ء میں کشمیر کا سفر کیا تھا) لکھتا ہے۔

"سکھ کشمیریوں کو مویشیوں سے کسی طرح بہتر نہ سمجھتے تھے۔ اگر کوئی سکھ کسی کشمیری کو قتل کر دے تو اس کی سزا سولہ سے بیس روپے تک جرمانہ تھی۔ جس میں سے چار روپیہ مقتول کے ورثاء کو دیئے جاتے تھے اگر وہ ہندو ہو۔ اور دو روپے دیئے جاتے تھے اگر وہ مسلمان ہو"۔ [۱۰۳]

فضل احمد صاحب صدیقی ایم۔ اے مدیر "ڈان" اپنی کتاب "خوننابہ کشمیر" صفحہ ۱۶ تا ۱۹ میں سکھ عہد حکومت کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مسلمانان کشمیر پر سکھوں کی کرم فرمائیاں انتہائی شرمناک حد تک پہنچی تھیں۔ اذان دینا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ بیشتر مساجد اراضی نزول قرار دے دی گئی تھیں۔ شاہ ہمدان جیسے جلیل القدر بزرگ کے خانقاہ کے انہدام کے احکام جاری ہو گئے تھے۔ بربنائے ایں مفروضہ کہ ۱۲۰۰ سال پہلے اس خانقاہ کی

جگہ کوئی شری کالی مندر تھا...... گائے کی قربانی کے الزام میں غریب مسلمان سری نگر کے بازاروں میں حقیر جانوروں کی طرح گھسیٹ گھسیٹ کر مار ڈالے گئے۔ انہی سفاکیوں سے تنگ آکر بے شمار کشمیری گھرانے ہجرت پر مجبور ہوئے اور پنجاب۔ یوپی۔ اور دیگر مقامات میں جا بسے"۔ [۱۰۴-۱۰۵]

فصل نہم

کشمیر میں ڈوگرہ راج

وادیٔ کشمیر کے ستم رسیدہ اور مظلوم مسلمانوں پر ظلم و بربریت اور جبر و تشدد کا اس سے بھی زیادہ ہولناک دور ۱۶/ مارچ ۱۸۴۶ء کے منحوس دن سے شروع ہوا جبکہ انگریزی حکومت نے پچھتر لاکھ روپیہ ایک گھوڑا' بارہ بکریوں اور چھ جوڑا شال سالانہ خراج کے بدلے کشمیر اور دریائے سندھ کے مشرق اور دریائے راوی کے مغرب کا تمام پہاڑی علاقہ مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کے "جانشین ہائے نرینہ" کو دے دیا۔

یہ سودا ایک تحریری معاہدہ کی رو سے ہوا جو معاہدہ امرتسر کہلاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ خرید و فروخت محض فرضی اور دکھاوے کی تھی کوئی رقم لی دی نہیں گئی۔ اب خواہ مذکورہ سودا فرضی ہو یا واقعی بہرکیف یہ ایک حقیقت ہے کہ کشمیر میں ڈوگرہ حکومت انگریزوں کی مہربانی سے قائم ہوئی تھی۔ اور اس طرح کشمیر کے لکھوکھا مسلمان عملاً فروخت کئے گئے اور غلام بنا دیئے گئے۔

اس زمانے میں کشمیر کی مرکزی وادی کو چھوڑ کر کشمیر کا ملک چار بڑی ریاستوں میں منقسم تھا۔ جو اپنی طاقت' اثر اور وسعت کے لحاظ سے دوسری چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے نمایاں تھیں اور یہ چاروں کی چاروں بڑی ریاستیں مسلمان تھیں اور ان کے رئیس اپنے اپنے علاقہ میں خود مختار رئیس تھے۔ ان میں سے ایک ریاست بھمبر تھی جو موجودہ اضلاع گجرات اور جہلم کی حدود کے ساتھ ملتی تھی۔ دوسری ریاست راجوری تھی۔ تیسری کرناء اور چوتھی کشتواڑ۔ راجہ گلاب سنگھ صاحب ایک زیرک آدمی تھے۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ کشمیر کی مرکزی وادی چاروں طرف سے اسلامی ریاستوں میں گھری ہوئی ہے۔ تو انہوں نے ان ریاستوں کو مٹا کر کشمیر میں صرف ایک ڈوگرہ سلطنت قائم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اور چونکہ انگریزی حکومت ان کی پشت پناہ تھی اس لئے وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے یکے بعد دیگرے چاروں اسلامی ریاستوں کو ختم کر کے مرکزی حکومت کشمیر میں شامل کر لیا۔ کشمیر کی دوسری مسلمان ریاستوں کے بہت ہی قلیل عرصہ میں نابود ہو جانے پر ان کے پسماندگان میں سے کچھ تو اپنے ہی ملک میں دربدر خاک چھاننے پر مجبور ہو گئے اور کچھ اپنی عزت و آبرو

بچانے کے لئے ہندوستان کے مختلف مقامات میں پناہ گزین ہو گئے۔ [۱۰۶]

مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب نے اپنے ناروا عزائم کی تکمیل کے لئے مسلمان نوابوں پر کیا کیا مظالم ڈھائے؟ اس بارے میں شیخ غلام حیدر چشتی بانی رکن ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن جموں لکھتے ہیں۔

"گلاب سنگھ بے حد سفاک' ظالم' بے رحم اور حریص راجہ تھا۔ اس نے جموں کی حکومت سنبھالتے ہی ...... بھمبر' پونچھ' میرپور' راجوری اور کشتواڑ وغیرہ کے مسلمان حکمرانوں کو مکرو فریب سے قابو میں لا کر کسی کو "درگ" میں ڈالا جو کنوؤں کی شکل کا ایک گڑھا ہوتا تھا جس میں دشمن کو ڈالا جاتا تھا) کسی کی آنکھیں نکلوائیں اور کسی کو سامنے کھڑا کر کے کھال اتروادی۔ چنانچہ پونچھ کے ایک مسلمان راجے کو گرفتار کر کے گلاب سنگھ کے سامنے لایا گیا۔ تو اس نے راجے کی کھال اتارنے کا حکم دیا۔ کھال سر کی طرف سے اتارنے میں دماغی صدمے سے آدمی جلد مرجاتا ہے۔ اور اسے کم اذیت ہوتی ہے لیکن پاؤں کی طرف سے اتارنے میں آدمی دیر تک زندہ رہتا ہے۔ اور مرنے سے پہلے زیادہ دیر تک اذیت اٹھاتا ہے گلاب سنگھ کا ایک بیٹا بھی اس وقت موجود تھا۔ جب مظلوم راجے کی کھال ٹانگوں سے اوپر ادھیڑی جا چکی تو اس دردانگیز نظارے کی تاب نہ لاتے ہوئے اس نے منہ ایک طرف پھیر لیا۔ گلاب سنگھ نے بیٹے کی گردن پکڑ کر یہ کہتے ہوئے اس کا منہ مظلوم راجے کی طرف پھیر دیا۔ کہ اگر یہ بزدلی دکھاؤ گے تو حکومت کیسے کرو گے"۔

جب کھال چھاتی تک اتر چکی تو بہادر مسلمان راجہ نے جس کے حواس اس وقت تک بجا تھے پہلے پانی پینے کی اور پھر بیوی بچوں کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ لیکن گلاب سنگھ نے اس کی اس خواہش کو مسترد کر دیا جب کھال گردن تک اتر چکی تو راجہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی"۔ [۱۰۷، ۱۰۸]

مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب کے اگست ۱۸۵۷ء [۱۰۹] میں اس جہان سے رخصت ہو جانے کے بعد راجہ رنبیر سنگھ یا رندھیر سنگھ حکمران ہوئے تو مسلمانوں کو کچھ سکون حاصل ہوا۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب ہی کے زمانے میں ۷۷-۱۸۷۶ء کے قریب حاجی الحرمین حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب طبیب شاہی کی حیثیت سے کشمیر تشریف لے گئے۔ اور آپ نے عظیم الشان طبی خدمات انجام دیں۔ آپ کا وجود باجود نہ صرف کشمیری مسلمانوں کے لئے آیہ رحمت بن گیا۔ بلکہ پچاس سالہ تعطل کے بعد تبلیغ اسلام کا موقع بھی پیدا ہو گیا۔ [۱۱۰]

۱۲/ ستمبر ۱۸۸۵ء کو مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب فوت ہو گئے۔ اور مہاراجہ پرتاب سنگھ صاحب ان کے جانشین ہوئے۔ کہا گیا ہے کہ یہ راجہ جی بڑے کٹر ہندو تھے۔ اور کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ ایسے پروہت زدہ تھے کہ پنڈتوں سے مشورہ کئے بغیر کوئی فیصلہ ہی نہ کرتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پنڈت

لوگ جو مسلمانوں کے سخت دشمن اور ان پر ظلم و ستم ڈھانے کے خوگر چلے آتے تھے مگر مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب کی عدل پسند طبیعت کی وجہ سے وقتی طور پر ظلم آرائی سے رکے ہوئے تھے۔ مہاراجہ پرتاب سنگھ صاحب کے اقتدار سنبھالتے ہی ان کو شہ ملی اور وہ پوری کشادہ دلی سے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کردینے میں مشغول ہو گئے۔

چنانچہ رسالہ "پنجاب ریویو" (مارچ ۱۸۸۷ء) نے اہل کشمیر کی حالت زار کا دردناک نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا۔ "کشمیر کی حالت افریقہ کے وحشیوں کی حالت سے ذرا بھی کم نہیں اور اگر اور بھی سچ پوچھنا چاہتے ہیں تو ان بدنصیب معتوبوں گویا ازلی سیاہ بختوں پر تو نہ آج بلکہ ہمیشہ ہی سے آفت رہی ہے"۔

"دربار جموں و کشمیر ایک ایسا دربار ہے کہ جہاں چھانٹ چھانٹ کے متعصب لوگ بھرتی کئے جاتے ہیں"۔ کرنل اے ڈیورنڈ اپنی کتاب "میکنگ آف اے فرنٹیر" میں ڈوگرہ مظالم کا ذکر یوں کرتا ہے۔

"تمام افسر اور سپاہی یا تو ڈوگرہ قوم سے ہیں یا دوسرے ہندوؤں سے کہ جنہیں کشمیریوں سے کسی قسم کی ہمدردی نہیں۔ سپاہی مزدوروں سے کتوں کا سا سلوک کرتے اور انہیں اس طرح پیٹتے تھے جیسے کوئی بوجھ اٹھانے والے جانوروں کو پیٹتا ہے"۔ [۱۱۱]

ایک غیر ملکی سیاح مسٹر ای' ایف نائٹ رکن مہم کرنل ڈیورنڈ نے ۱۸۹۱ء میں کشمیر کے دیہاتی مسلمانوں کی دردناک حالت کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے۔

"جب کشمیر کے بے گاری سرینگر سے گلگت تک سامان رسد لے جانے کے لئے لگائے جاتے ہیں تو ان کی حالت قابل رحم ہوتی ہے...... یہ بیگاری گلگت کی سنگلاخ اور دشوار گزار راہوں پر منوں بوجھ اٹھا کر بڑے صبر کے ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ اور گلگت ایسے بے برگ و گیاہ اور برفانی خطے میں (کشمیری) سامان رسد پہنچاتے ہیں۔ ان میں سے کئی بھوک' پیاس اور تھکاوٹ سے چور ہو کر پگڈنڈیوں پر ہی جاں بحق ہو جاتے ہیں۔ اور سینکڑوں نیم عریانی کے باعث برفانی سردیوں کی تاب نہ لا کر مرجاتے ہیں۔ جب کسی شخص کو اس کے گاؤں میں بیگار کے لئے پکڑا جاتا ہے تو گھروں میں کہرام مچ جاتا ہے اس کے بیوی بچے چیختے اور چلاتے ہیں اور اس بدنصیب انسان سے چمٹ جاتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ اب وہ اس کی صورت دوبارہ نہیں دیکھیں گے"۔ [۱۱۲]

جہاں حکومت کے افسروں کی طرف سے مسلمانوں پر ایسے ظلم و ستم کئے جاتے ہیں۔ وہاں حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحبؓ جیسے حامی اسلام و المسلمین اور اظہار حق میں کسی بڑی سے بڑی قوت سے بھی مرعوب نہ ہونے والے مرد خدا کو زیادہ دیر تک کہاں برداشت کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ یہی ہوا اور مہاراجہ پرتاب سنگھ صاحب نے پنڈتوں کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے ستمبر ۱۸۹۲ء کو آپ پر "گاؤ کشی"

کاالزام لگا کر دو دن کے اندر اندر کشمیر چھوڑ دینے کا حکم دے دیا۔ (ملاحظہ ہو اخبار "سرمور گزٹ" ۱۶/ ستمبر ۱۸۹۲ء صفحہ ۲ کالم ۲) ۱۱۳

حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحبؓ کے ریاست سے چلے آنے کے بعد مسلمانوں پر یہ حقیقت کھلی کہ ریاست کشمیر میں مسلمانوں کو ملازمتوں سے برطرف یا ریاست سے نکلوا دینے کی منظم سازش کی جارہی ہے۔

چنانچہ راولپنڈی کے مشہور اخبار "چودھویں صدی" نے ۲۳/ جولائی ۱۸۹۵ء کو "مسلمانان کشمیر کی حق تلفی کا اصلی سبب" کے عنوان سے مضمون لکھ کر اس امر کا پہلی بار انکشاف کیا کہ ایک سوچی سمجھی سکیم کے مطابق مسلمانوں کو ان کے عہدوں اور ملازمتوں سے محروم کیا جارہا ہے۔ ۱۱۴

حضرت خلیفہ اولؓ پر ایک انکشاف

ضمناً یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت مولانا حکیم نور الدینؓ کے ریاست کشمیر سے واپس آجانے کے ایک عرصہ بعد آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عجیب انکشاف ہوا کہ کشمیر اور ہمالیہ کے دامن میں آباد مسلم آبادی کا اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے جس کا اظہار حضور نے مکرم سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب سے بھی فرمایا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب کی روایت کے مطابق حضور نے ارشاد فرمایا۔

"ساری رات میں جاگتا رہا اس غم و فکر میں کہ مسلمانوں کی نجات کیسے ہوگی۔ دجالی فتنہ شدت سے بڑھتا چلا جارہا ہے۔ اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کی کئی حکومتیں برباد ہو گئی ہیں۔ پھر آپ خاموش ہو گئے۔ تھوڑے وقفہ کے بعد حسرت بھرے لہجے میں فرمایا۔ قرآن مجید میں جو آیا ہے **تکاد السمٰوٰت یتفطرن منه و تنشق الارض و تخر الجبال هدا** ۱۱۵ پورا ہو گیا بہت ہی بڑا فتنہ جس سے نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ پھر فرمایا خدا کا کلام پر حکمت ہوتا ہے اور اس کے اندر ہی علاج بھی سمجھا دیا جاتا ہے۔ یہ پہاڑی سلسلہ ہے آپ نے کوہ ہمالیہ سے شروع کرتے ہوئے بلوچستان اور ڈیرہ غازی خان کے سب پہاڑی سلسلے گنے اور فرمایا۔ ان پہاڑی قوموں کے اندر کوئی جائے اور ان میں زندگی پیدا کرے تو شاید ان میں حرکت پیدا ہو اور مسلمانوں کا بقیۃ الباقیہ کسی طرح بچ جائے"۔ ۱۱۶

مہاراجہ کشمیر کی طرف سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کا پروگرام

اوپر اخبار "چودھویں صدی" کے احتجاج کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب یہ بتایا جاتا ہے کہ اس احتجاج کا رد عمل کیا ہوا۔ کشمیری پنڈتوں نے مسلمانوں کی زندگی تو پہلے ہی تلخ اور دوبھر بنا رکھی تھی۔ اب اس میں اور شدت اختیار کر لی اور

خصوصاً بکروالوں پر بھاری ٹیکس عائد کرنے کے علاوہ دوسرے سرکاری ذرائع سے مسلمانان کشمیر کو شدھ کرنے کا پروگرام بھی بنالیا۔ چنانچہ ۱۹۲۳ء میں جب ہندوؤں نے بے علم مسلمان راجپوتوں (ملکانہ) کو مرتد کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ تو مہاراجہ کشمیر پرتاب سنگھ صاحب نے اس کی پشت پناہی کی۔ [۱۱۷]

جو مہاراجہ اور پنڈت ریاست کشمیر سے بہت دور دوسری حکومت کے علاقوں میں شدھی کا جال بچھانے کے لئے اتنے سرگرم ہوں وہ خود اپنی ریاست و حکومت میں کیا کچھ نہ کر رہے ہوں گے۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی رائے میں تو ۱۷۔۱۸۶۱ء سے کشمیر میں شدھی کی سکیم بنائی گئی تھی لیکن اس سکیم کے نفاذ کا نمایاں زمانہ ۱۹۲۳ء ہی ہے جموں کے بعض اصحاب کا بیان ہے کہ شدھی کے زمانہ میں مشہور مہاسبھائی لیڈر پنڈت مدن موہن مالویہ مہاراجہ کشمیر کے پاس پہنچے اور ارتداد (شدھی) کے لئے سب سے پہلے اودھم پور کا ضلع اور بھرباتی ریاست تجویز کی۔

جموں کے ممتاز سیاسی لیڈر جناب چوہدری غلام عباس صاحب "کشمکش" میں لکھتے ہیں کہ اس وقت ریاست کے بعض علاقوں میں مسلمانوں کی حالت بڑی ناگفتہ بہ تھی۔ "پہاڑی علاقوں میں اس وقت ایک اجنبی کے لئے ہندو اور مسلمان میں تمیز کرنا بے حد مشکل بات تھی۔ ان مسلمانوں کی رسوم وضع قطع اور لباس حتیٰ کہ عام عادات بھی ہندوانہ تھیں۔ گھر گھر میں مورتیاں تھیں جن کو یہ مسلمان پوجتے اور ان سے مرادیں مانگتے تھے"۔ [۱۱۸]

جموں شہر میں جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی ینگ مینز ایسوسی ایشن اور انجمن اسلامیہ کے نام سے مسلمانوں کی دو انجمنیں قائم تھیں۔ اور سرینگر میں انجمن "نصرت الاسلام"۔ "انجمن اسلامیہ" اور انجمن "ہمدرد اسلام" وغیرہ تھیں۔ مگر شدھی کے زمانے میں اس فتنہ کی روک تھام میں پرجوش اور نمایاں حصہ صرف جموں کی انجمنوں ("انجمن اسلامیہ" اور "ینگ مینز ایسوسی ایشن") ہی نے لیا۔ انہوں نے جماعت احمدیہ قادیان اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے علماء و مبلغین بلوائے اور ہندو دھرم کے خلاف اور اسلام کی حقانیت میں کامیاب لیکچر دلوائے چنانچہ ماہ مارچ ۱۹۲۴ء کے آخری ہفتہ میں انجمن اسلامیہ جموں کے جلسوں میں حضرت علامہ حافظ روشن علی صاحب اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے نہایت کامیاب لیکچر ہوئے۔ [۱۱۹]

اگلے سال انجمن اسلامیہ جموں کے جلسہ میں حضرت علامہ حافظ روشن علی صاحب اور حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر نے شمولیت فرمائی۔ حضرت حافظ صاحب کا لیکچر ۲۱/ مارچ ۱۹۲۵ء کی شام کو "حقیقت اسلام" کے موضوع پر ہوا۔ اور حضرت مولوی نیر صاحب نے ۲۲/ مارچ ۱۹۲۵ء کو "کتاب مبین" کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ [۱۲۰]

"انجمن اسلامیہ" سے زیادہ "مسلم ینگ مینز ایسوسی ایشن" نے اس تنظیم کے سرگرم ممبروں میں شدھی کے خلاف جدوجہد میں حصہ لیا۔ جناب چوہدری نواب خان صاحب (والد ماجد جناب چوہدری غلام عباس صاحب) اور مستری یعقوب علی صاحب جیسے مستعد اور مخلص احمدی بھی شامل تھے۔ ایسوسی ایشن کے جلسے انجمن اسلامیہ کے جلسوں کی نسبت زیادہ بارونق اور دلچسپ ہوتے تھے۔ اور اس کے سٹیج پر بھی احمدی مبلغین نے تقریریں کیں مثلاً ینگ مینز ایسوسی ایشن کے پہلے سالانہ جلسہ پر جناب چوہدری غلام عباس صاحب کی دعوت پر حضرت علامہ حافظ روشن علی صاحبؓ نے بھی تقریر فرمائی۔ ۱۲۱

ایسوسی ایشن کا یہ پہلا جلسہ بہت کامیاب رہا۔ چنانچہ چوہدری غلام عباس صاحب لکھتے ہیں۔ "مسلمانوں کے سینوں میں ایک غیر مرئی جوش و ہیجان پیدا ہو گیا۔ ان کی مدتوں سے بے حس رگوں میں خون تیزی سے دوڑنے لگا۔ جلسہ کے اختتام پر ایسوسی ایشن کی پوزیشن کو چار چاند لگ گئے اور کارکنان ایسوسی ایشن عوام کی توجہ کا مرکز اور ان کے سیاسی مستقبل کی امید بن گئے"۔ ۱۲۲

ان ابتدائی جلسوں کے بعد بھی جماعت احمدیہ کے مرکز قادیان سے آریوں کا رد کرنے اور حقانیت اسلام ثابت کرنے کے لئے بار بار مبلغ جاتے رہے۔ مثلاً ۱۹۲۶ء اور ۱۹۲۹ء میں مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری اور فاضل سنسکرت مہاشہ محمد عمر صاحب مولوی فاضل نے انتہائی مخالف ماحول میں جموں اور کوٹلی میں لیکچر دیئے۔ ۱۲۳ ۱۹۳۰ء کے قریب جموں اور بھمبر میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ نے اسلامی انجمنوں کے جلسوں میں تقریریں فرمائیں۔ ۱۲۴ جولائی ۱۹۳۱ء میں ابو البشارت مولوی عبد الغفور صاحبؓ گیانی واحد حسین صاحب' ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم گجراتیؓ بی۔ اے اور مولوی عبد الاحد صاحب جماعت احمدیہ پونچھ کے سالانہ جلسہ میں شامل ہوئے۔ ۱۲۵

۱۹۳۲ء میں ریاستی کوائف آتش فشاں پہاڑ کی مانند لاوا پھینکنے پر تیار ہو چکے تھے۔ آریوں نے سخت اشتعال پھیلا رکھا تھا اور ریاست کا حکمران طبقہ مسلمانوں کو کچل دینے کا تہیہ کر چکا تھا مگر ان مخدوش حالات کے باوجود قریشی محمد نذیر صاحب فاضل و مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل احمدی مبلغ جموں میں پہنچے اور آریوں کے اعتراضات کی دھجیاں اڑا دیں۔

ان مرکزی مبلغین احمدیت کے علاوہ مولوی عبد الواحد صاحب مولوی فاضل ناسنور' مولوی نظام الدین صاحب' مولوی سید محمد یوسف شاہ صاحب مولوی فاضل اور مولوی محمد حسین صاحب نے جو ریاست میں احمدی مبلغ تھے۔ کشمیر اور پونچھ میں فتنہ ارتداد کا مقابلہ کیا۔ ان مجموعی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے فضل و کرم سے ملکانہ قوم کی طرح اہل کشمیر بھی شدھی کے سیلاب کی زد سے بچ گئے۔

کشمیر سے افغانستان تک ہندو راج قائم کرنے کی سازش

لیکن مہاراجہ پرتاپ سنگھ اور کشمیر کے پنڈتوں کے ناروا اور خطرناک عزائم اسی حد تک محدود نہ تھے بلکہ وہ ہندوستان کے دوسرے مہاسبھائیوں اور جن سنگھیوں کے دوش بدوش سارے ہندوستان اور کشمیر میں بھی ہندو راج قائم کرنے کی [۱۲۶] زبردست سازش میں مصروف تھے اور یہ سازش جو پہلے اندر ہی اندر رواں دواں تھی ۱۹۲۵ء میں پوری طرح کھل کر سامنے آگئی۔

چنانچہ ہندو اخبار "ملاپ" لاہور نے (جو آگے چل کر مسلمانان کشمیر کی تحریک آزادی میں مہاراجہ کشمیر کی تائید اور مسلمانوں کی مخالفت میں پراپیگنڈہ کے لئے وقف ہو گیا تھا) ۱۵/ مئی ۱۹۲۵ء کو ایک مضمون شائع کیا جس میں لکھا کہ۔

"ہم بھی ایک نیا گل کھلائیں گے اور اس گل کی مہک کابل سے کلکتہ اور کشمیر سے راس کماری تک پھیل جائے گی۔ یہ گل ہندو سنگٹھن اور خصوصاً پنجابی ہندوؤں کا سنگٹھن ہے اس سے ہندو ریاست قائم ہو گی پورن شدھی ہو گی اور افغانستان اور سرحد کی فتح ہو گی یہ سب معجزے اور کرامات آئندہ ظہور میں آئیں گے"۔

نیز لکھا۔

"جب ہندو سنگٹھن کی طاقت سے سوراجیہ لینے کا وقت قریب آئے گا تو ہماری جو نیتی (پالیسی) مسلمانوں و عیسائیوں کی طرف ہو گی اس کا اعلان کر دیا جائے گا۔ اس وقت باہمی سمجھوتہ وغیرہ کی ضرورت نہیں ہو گی بلکہ ہندو مہاسبھا صرف اپنے فیصلہ کا اعلان کر دے گی کہ نئی ہندو ریاست میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے فرائض اور حقوق کیا ہوں گے۔ اور ان کی شدھی کی کیا شرائط ہوں گی"۔ [۱۲۷]

مہاراجہ پرتاپ سنگھ صاحب کے ستمبر ۱۹۲۵ء میں لاولد فوت ہو جانے پر جب ان کے بھتیجے سرہری سنگھ صاحب بہادر مہاراجہ کشمیر ہوئے تو حالات پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئے چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۹۳۱ء میں فرمایا کہ "ہم سب کو اس بات کی امید تھی۔ کہ سرہری سنگھ بہادر مہاراجہ کشمیر کے گدی نشین ہونے پر ریاست کی حالت اچھی ہو جائے گی لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے بھی بدتر ہو گئی ہے...... اس وجہ سے کہ ریاست میں ایک ایسا عنصر اس وقت غالب ہو رہا ہے جو نہایت ہی متعصب ہے اور آریہ راج کے قائم کرنے کے خیالی پلاؤ پکا رہا ہے۔ یہ عنصر چونکہ مہاراجہ صاحب بہادر کے گرد و پیش رہتا ہے اور ریاست کی بدقسمتی سے اس وقت ریاست کے سیاہ و

سفید کا مالک بن رہا ہے۔ اس لئے مہاراجہ صاحب بہادر جموں و کشمیر بھی یا تو اس عنصر کے بڑھے ہوئے نفوذ سے خوف کھا کر یا بوجہ ناواقفیت کے ان کی پالیسی کو نہ سمجھتے ہوئے کسی مخالف آواز کے سننے کے لئے تیار نہیں ہیں"۔ [۱۲۸]

کشمیری قوم اپنی فطری صلاحیتوں اور قدرتی استعدادوں کے لحاظ سے نہایت زرخیز دماغ لے کر پیدا ہوئی ہے یہ وہ قوم ہے جس نے حضرت مولانا عبدالکریمؓ سیالکوٹی جیسے "مسلمانوں کے لیڈر" حضرت مولانا سید محمد سرور شاہؓ جیسے شیر خدا، مولانا جلال الدین شمس جیسے مبلغ و مناظر، خواجہ کمال الدین جیسے وکیل اور مشنری، خواجہ غلام نبی و سید حبیب جیسے صحافی، ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال جیسے نامور فلسفی و شاعر، نواب سلیم اللہ خان آف ڈھاکہ جیسے محب وطن، نواب اعظم یار جنگ اور مولوی چراغ علی جیسے مصنف، خلیفہ رجب دین صاحب جیسے منتظم و مدبر، خلیفہ عبدالحکیم جیسے صاحب طرز ادیب حکیم اجمل خاں جیسے طبیب حاذق اور شیخ دین محمد جیسے قانون دان پیدا کئے مگر مہاراجہ ہری سنگھ کی ذہنیت کیا تھی اور وہ اپنے پیشروؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کشمیری مسلمانوں کو کس نظر سے دیکھنے کے عادی تھے۔ اس کی نسبت ایک مورخ رچرڈ ٹمپل کا ایک واقعہ لکھنا ضروری ہے رچرڈ لکھتا ہے کہ "جب میں نے مہاراجہ ہری سنگھ سے پوچھا وہ کیوں سری نگر شہر کو ایک پاک و صاف شہر بنانے کی کوشش نہیں کرتے تو انہوں نے جواب دیا کہ کشمیری لوگ گندہ رہنا پسند کرتے ہیں اسی طرح جب ایک دفعہ مہاراجہ ہری سنگھ سے پوچھا گیا کہ وہ کشمیری قوم کے نوجوانوں کو اپنی فوج میں بھرتی کیوں نہیں کرتے تو انہوں نے کہا کہ کشمیری بزدل ہیں اور جب انہیں رنبیر سنگھ کے عہد میں فوج کی تربیت دے کر لڑائی میں جانے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں پولیس کی حفاظت ہونی چاہئے"۔ [۱۲۹]

لیکن یہ فرضی کہانی آئندہ رونما ہونے والے واقعات نے جھوٹی ثابت کر دی جبکہ فرزندان کشمیر نے آزادی کی آواز بلند کرنے کے بعد اپنی چھاتیوں پر گولیاں کھائیں اور اپنے خون سے جذبہ حریت کی مسلسل آبیاری کی۔ بہرحال ڈوگرہ حکومت کے مظالم، کشمیری پنڈتوں کی سازش اور مہاراجہ ہری سنگھ صاحب کی ذہنیت کا مطالعہ کرنے کے بعد تحریک آزادی کشمیر کا پس منظر معلوم کرنا چنداں مشکل نہیں ہے۔

حواشی (حصہ دوم - پہلا باب)

۱- بین الاقوامی معلومات اور حالات حاضرہ صفحہ ۲۳۳ (از جناب محمد اکرم صاحب رہبر سینئر سب ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت (لاہور) طبع اول ۱۹۶۴ء و تاریخ اقوام کشمیر (مولفہ مورخ کشمیر جناب منشی محمد دین صاحب فوق صفحہ ۱۲۸ طبع اول جون ۱۹۳۴ء-
۲- تمدن ہند صفحہ ۳۷-۳۸-
۳- عرب دنیا صفحہ ۶۱ (از جناب محی الدین الوائی ایم-اے الازہر قاہرہ-ناشر مکتبہ برہان دہلی سن اشاعت دسمبر ۱۹۶۱ء-
۴- ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے تفصیلی اعداد و شمار کے لئے ملاحظہ ہو مولوی حشمت اللہ صاحب لکھنوی کی کتاب مختصر تاریخ جموں وریاستہائے مفتوحہ مہاراجہ گلاب سنگھ بہادر مطبوعہ ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۳۲-
۵- ہفت روزہ نصرت لاہور کشمیر نمبر صفحہ ۸۱-
۶- مقدمہ تاریخ ہند قدیم جلد اول (از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی) صفحہ ۱۰۶-۱۰۸ مطبوعہ جولائی ۱۹۳۳ء-
۷- مقدمہ تاریخ ہند قدیم جلد اول (از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی) صفحہ ۱۴۴-
۸- قدیم تاریخ ہند صفحہ ۱۱- از ونیسنٹ اے سمتھ ایم-اے ترجمہ مولوی محمد جمیل الرحمن صاحب ایم اے-ایم آر اے ایس-مددگار پروفیسر تاریخ السلام کلیہ جامعہ عثمانیہ-سنہ اشاعت ۱۹۲۲ء دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن-
۹٬۱۰- رسالہ زمانہ کانپور ستمبر-اکتوبر ۱۹۱۴ء بحوالہ مقدمہ تاریخ ہند قدیم مولفہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی جلد اول صفحہ ۱۰۹-
۱۱- مکمل راج ترنگنی (مترجم ٹھاکر اچھر چند صاحب شاہ پوری) صفحہ ۲۳-۲۴-
۱۲- اصل کتاب سنسکرت نظم میں اور آٹھ ترنگ (جلدوں) میں ہے جس کا نسخہ جناب فوق صاحب کے بیان کے مطابق کشمیر کے علاوہ جے پور یا جودھ پور میں بھی مل سکتا ہے-اس کتاب کے اردو اور انگریزی تراجم ہو چکے ہیں ٹھاکر اچھر چند شاہ پوری نے ۱۹۱۲ء میں مکمل راج ترنگنی کے نام سے اردو ترجمہ شائع کیا تھا اور ایم-اے سٹائن صاحب نے انگریزی میں-
۱۳٬۱۴- اردو لٹریچر میں رنتگاگر سے متعارف کرانے والے منشی محمد الدین صاحب فوق تھے-منشی صاحب فروری ۱۸۷۷ء میں کوٹلی ہرنارائن ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اور ۱۴/ ستمبر ۱۹۴۵ء کو وفات پائی بڑے فاضل و محقق-نغز گو شاعر کامیاب صحافی اور مایہ ناز تاریخ دان اور صاحب نظر مولف تھے-جماعت احمدیہ سے ان کو خاص انس تھا اور اس کے کارناموں کے بے حد مداح تھے آپ نے اپنے پیچھے ۹۵ کتابیں یادگار چھوڑیں جن میں سے ۸۱ شائع ہو چکی ہیں کشمیر کی تاریخ آپ کا سب سے محبوب مضمون تھا- (رسالہ نقوش لاہور نمبر صفحہ ۹۹۷ تا ۱۰۰۳)
۱۵- ملخصا از کتاب مکمل تاریخ کشمیر جلد اول صفحہ ۱ تا ۲۸ (از منشی محمد الدین صاحب فوق)
۱۶- مکمل تاریخ کشمیر جلد اول صفحہ ۱۸-۱۹ (از جناب منشی محمد الدین صاحب فوق)
۱۷- تاریخ اقوام عالم (از مرتضی احمد خاں) صفحہ ۱۹۰- مطبوعہ مارچ ۱۹۴۶ء-شائع کردہ مجلس ترقی ادب اردو-کلب روڈ-لاہور-
۱۸- تاریخ ہندوپاک صفحہ ۴۱-۴۲-
۱۹- تاریخ ہندوپاک صفحہ ۷۶-
۲۰- قدیم تاریخ ہند صفحہ ۲۲۵٬ ۲۲۶٬ ۲۲۷ (ونیسنٹ اے سمتھ)
۲۱- تمدن ہند اردو (بان گستاولی) صفحہ ۵۲۳ و ۳۶۳-
۲۲- قدیم تاریخ ہند از ونیسنٹ اے سمتھ ایم-اے (ترجمہ) صفحہ ۳۵۵-
۲۳- کروشتی طرز تحریر میں اس قوم کا نام کشن لکھا ہے مگر ساسانی اور چینی شہادات بتاتی ہیں کہ یہ نام کشان تھا-(قدیم تاریخ ہند از ونسنٹ اے سمتھ مترجم-صفحہ ۳۷۶ حاشیہ)
۲۴- مقدمہ تاریخ ہند قدیم صفحہ ۱۹۲ (از اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

۲۵- ملاحظہ ہو قدیم تاریخ ہند (از ونسنٹ اے سمتھ - ترجمہ حاشیہ صفحہ ۳۷۶)
۲۶- قدیم تاریخ ہند (ترجمہ) صفحہ ۳۷۷-
۲۷- قدیم تاریخ ہند - اردو (از ونسنٹ اے سمتھ ایم - اے صفحہ ۳۹۱)
۲۸- قدیم تاریخ ہند صفحہ ۳۹۱ - ۳۹۲ حاشیہ -
۲۹- قدیم تاریخ ہند صفحہ ۳۹۱ - ۳۹۲ حاشیہ -
۳۰- قدیم تاریخ ہند صفحہ ۴۰۳ - ۴۰۵ -
۳۱- قدیم تاریخ ہند (از ونسنٹ اے سمتھ) مترجم صفحہ ۴۱۰ -
۳۲- مقدمہ تاریخ ہند قدیم صفحہ ۱۷۹ (از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)
۳۳- قدیم تاریخ ہند (ونسنٹ اے سمتھ) اردو - صفحہ ۴۱۱ -
۳۴- انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم جلد دوم صفحہ ۵۶ - ۵۸ و تالیف ولیم ایل لینگر ترجمہ و تہذیب غلام رسول صاحب مہر شائع کردہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور - اشاعت اول ۱۹۵۹ء -
۳۵- تاریخ بائیبل صفحہ ۳۷۵ (از مسٹر بلیکی) (ترجمہ)
۳۶، ۳۷ اس سلسلہ میں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو بانی جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوۃ والسلام کی کتاب مسیح ہندوستان میں باب چہارم فصل سوم - حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی کتاب تحقیق در بارہ قبر مسیح اور حیات المسیح و وفاۃ از حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور خواجہ نذیر احمد صاحب کی کتاب Jesus in Heaven on Earth قابل مطالعہ ہے -
۳۸- ملاحظہ ہو تاریخ کلیسیا مصنفہ پادری برکت اللہ صاحب ایم - اے صفحہ ۱۵۷ بحوالہ حضرت مسیح مشرق میں صفحہ ۴ -
۳۹- بحوالہ کتاب مسیح ہندوستان میں از سیدنا حضرت مسیح موعود طبع اول صفحہ ۱۵ و ۹۲ - ۹۳ -
۴۰- یعنی یسوع - (ناقل)
۴۱- رسالہ نصرت لاہور ۲۸ / فروری ۱۹۶۰ء صفحہ ۸۰ - ۸۲ -
۴۲- روزگار فقیر صفحہ ۱۰۲ جلد دوم (مولفہ جناب فقیر سید وحید الدین صاحب) طبع اول نومبر ۱۹۶۴ء -
۴۳- امام عالم عارف باللہ علامہ محمد بن الولید الفہری الطرطوشی اپنی شہرہ آفاق کتاب سراج الملوک مطبع خیریہ مصر ۱۳۰۶ء میں لکھتے ہیں - ابن عیسیٰ روح اللہ و کلمتہ راس الزاھدین و امام السائحین (صفحہ ۶) اور لسان العرب میں لکھا ہے کہ قیل سمی عیسیٰ بمسیح لانہ کان سائحا فی الارض یعنی عیسیٰ کا نام مسیح اس لئے رکھا گیا کہ وہ زمین میں سیر کرتے رہے تھے -
۴۴- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو - حضرت مریم کا سفر کشمیر (از جناب محمد اسد اللہ صاحب قریشی فاضل کشمیری)
۴۵- یوحنا باب ۱۰ آیت ۱۶ -
۴۶- انجیلی بیان کے مطابق دن کا آخری حصہ ہے -
۴۷- یہ خط ۱۸۷۳ء میں ابی سینیا کی ایک تجارتی کمپنی کے ممبر کو شہر اسکندریہ کے ایک قدیم یونانی راہب خانے سے دستیاب ہوا - اور اس کا انگریزی ترجمہ انڈو امریکن بک کمپنی شکاگو نے "The Crusifixion by AN Eye witness" کے نام سے ۱۹۰۷ء میں شائع کر دیا تھا -
۴۸- بائبل کے مشہور سکالر سی - آر - گریگری کو انجیل مرقس کا ایک نسخہ ملک یونان میں کوہ ایتھاس سے ۱۸۸۷ء میں ملا - جس کی کتابت نویں صدی عیسوی میں ہوئی تھی - اس نسخہ کے اختتام پر یہ ذکر ہے کہ حضرت مسیح صلیب سے اتارے جانے کے بعد جس قبر میں رکھے گئے تھے اس سے آپ زندہ باہر نکل آئے تھے اور شاگردوں کو یہ پیغام دیا تھا کہ وہ گلیل میں آکر آپ سے ملیں - اس ضمن میں لکھا ہے کہ ان واقعات کے بعد یسوع خود بھی مشرق سے ظاہر ہوا اور اس نے ان کی معرفت (یعنی حواریوں کے ذریعہ سے) مغرب تک حیات جاوید کی پاک اور لازوال منادی پھیلائی - (Canon and text of the newtestament By CR Gregry P 512) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو - انجیل مرقس کا آخری ورق (مولفہ محقق عیسائیت جناب شیخ عبد القادر

صاحب لائلپوری۔ چوبرجی۔ لاہور)

۴۹۔ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۴ مطبوعہ ۱۳۱۲ھ حیدر آباد دکن۔

۵۰۔ ملاحظہ ہو کتاب صحائف قمران صفحہ ۶۶۔۶۹۔ از محقق عیسائیت شیخ عبد القادر صاحب لائلپوری۔ طبع اول دسمبر ۱۹۶۰ء۔

۵۱۔ مسیح کشمیر میں (از محمد اسد اللہ صاحب قریشی) صفحہ ۶۶۔۶۷۔

۵۲۔ متی باب ۵۔ آیت ۱۷۔

۵۳۔ مسیح ہندوستان میں صفحہ ۷۸۔۷۹۔ از سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

۵۴۔ مسیح ہندوستان میں صفحہ ۵۱ (از سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

۵۵۔ اکمال الدین فی اثبات الغیبتہ وکشف الحیرہ (مولفہ الشیخ السعید ابی جعفر محمد بن علی بن الحسن بن موسیٰ بن بابویہ القمی) صفحہ ۲۴۴ و ۲۷۲۔

۵۶۔ ایضاً صفحہ ۳۶۰۔

۵۷۔ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۲۰ و طبرانی بروایت حضرت فاطمتہ الزہراءؓ۔

۵۸۔ پادری سمتھ ایم۔ اے نے اپنی کتاب ہندوستان کی تاریخ میں ایک روایت لکھی ہے کہ تھوما حواری کا شمالی ہندوستان میں جانا بھی ثابت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ تھوما حواری نے حضرت مریم صدیقہ کے سامنے شمال مشرقی ہند کے علاقہ میں اپنے تبلیغی حالات بیان کئے۔ مسز فرد ایک عیسائی خاتون کی (جو مدراس میں تھوما حواری کے مقبرہ پر متعین تھیں) ایک روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں سب ہندوستان ہی میں تھے۔ (جلد اول صفحہ ۴۳) بحوالہ حضرت مسیح کشمیر میں صفحہ ۳۹۔ (از جناب قریشی محمد اسد اللہ صاحب فاضل کاشمیری)

۵۹۔ طبقات کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۶ مطبوعہ ۱۳۲۱ھ۔

۶۰۔ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۷۳۹ (مطبوعہ ۱۸۸۱۔۱۸۸۲ء)

۶۱۔ انسائیکلو پیڈیا میں ان تصاویر کے ساتھ مندرجہ ذیل نوٹ شائع کیا گیا ہے۔ یہ تصویر روم کے مقدس پطرس کے گرجا میں قدیم یادگاروں میں رکھی ہوئی ہے جو کہ ایک کپڑے پر بنائی گئی ہے تصویر کی تاریخ یقینی طور پر دوسری صدی عیسوی تک پیچھے جاتی ہے۔

۶۲۔ اصول کافی کتاب الحجۃ صفحہ ۲۱۵ مطبوعہ ایران (کتاب التوحید)

۶۳۔ چنانچہ دیسی پادری برکت اللہ صاحب ایم۔ اے لکھتے ہیں۔ حال ہی میں شمالی ہندوستان سے بھی اس قسم کی صلیبیں ملی ہیں یہ صلیبیں کشمیر کی قدیم قبروں اور پہاڑوں کی وادیوں سے دستیاب ہوئی ہیں۔ ان کی بناوٹ ان کے نقش و نگار اور الواح کی عبارات کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صلیبیں نسطوری ہیں اور قبریں نسطوری عیسائیوں کی ہیں یہ امور ثابت کرتے ہیں کہ قدیم صدیوں میں کشمیر میں بھی عیسائی کلیسائیں جابجا قائم تھیں۔ اور وہاں نسطوری مسیحی بکثرت آباد تھے۔ (تاریخ کلیسائے ہند صفحہ ۱۵۷)

۶۴۔ یہ علم لسانیات کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ ایک زبان کا لفظ جب دوسری زبان میں آتا ہے تو اس میں اکثر کچھ نہ کچھ تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میکس مولر نے اپنی کتاب سیکرڈ آف دی ایسٹ جلد ۱۱ میں اس کی نظیر کے طور پر مثالیں بھی دی ہیں۔

۶۵۔ یہ کتاب ۱۱۵ء میں تصنیف ہوئی اور ۱۹۱۰ء میں مہاراجہ کشمیر سر پرتاپ سنگھ کے حکم سے بمبئی میں بزبان سنسکرت شائع ہوئی۔ اس کا ترجمہ شبلوناتھ شاستری ودوان سے کرایا گیا۔

۶۶۔ باہر سے آنے والی قوم۔

۶۷۔ سری نگر سے دس میل کے فاصلہ پر ایک خوبصورت مقام ہے۔

۶۸۔ جیمز پرنسپ لکھتے ہیں راجہ شالباہن ۷۸ء میں کشمیر سے رخصت ہوئے۔.......... (حضرت مسیح کشمیر میں صفحہ ۴۶)

۶۹۔ مہا بھوشیہ پران صفحہ ۲۸۰ پرب ۳ ادھیائے ۲ شلوک ۲۱ تا ۳۱۔

۷۰۔ متی کا لفظ بھی معنی خیز ہے۔

۷۱۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو کتاب حضرت مسیح کشمیر میں صفحہ ۵۳ تا ۶۰۔

۷۲۔ ماہنامہ پترا بوہ ۱۹۳۶ء بزبان بنگلہ (بحوالہ حضرت مسیح کشمیر میں صفحہ ۴۶۔۴۷ (مولفہ مولانا محمد اسد اللہ صاحب قریشی الکاشمیری)

۷۳- کتاب مسیح بلاد شرقیہ میں تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۶۰ء جناب مولانا شیخ عبد القادر صاحب فاضل) صفحہ ۸۳-۸۶-
۷۴- ملخصاً از کتاب مسیح بلاد شرقیہ میں صفحہ ۷۰-۷۳-
۷۵- کتاب اگر مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوا- صفحہ ۱۷- بحوالہ Where did jesus die (مولفہ مولانا جلال الدین صاحب شمس)
۷۶- خدا کی سلطنت صفحہ ۹۷ مطبوعہ ۱۹۱۵ء-
۷۷- قوسین میں دیئے ہوئے الفاظ کرم خوردہ تھے جو مشکل سے پڑھے گئے-
۷۸- جناب خواجہ نذیر احمد صاحب نے اپنی کتاب "Jesus in Heaven on Earth" کے صفحہ ۳۸۲ پر اس کا پہلی بار عکس شائع کیا-
۷۹- جہم بن سامیہ علافیوں کے ساتھ عراق سے ہندوستان میں آیا-
۸۰- بان گستاولی فرانسیسی محقق نے اپنی کتاب "تمدن عرب" میں لکھا ہے کہ عربوں نے اپنی حکومت قائم ہو جانے کے ساتھ ہی ہندوستان سے تجارتی تعلقات کو بہت بڑی وسعت اور ترقی دی- ہندوستان پہنچنے کے لئے بحری اور بری دونوں راستے اختیار کئے- بری راستہ سے قافلے دمشق و بغداد و سمرقند و کشمیر سے ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچتے تھے- (تمدن عرب صفحہ ۵۰۳) عرب کشمیری شالیں' مسالہ جات' عطریات' اور بیش بہا لکڑیاں بر آمد کرتے تھے (صفحہ ۵۰۴) پندرھویں صدی عیسوی کی فارسی کتاب ختائی نامہ میں ایک مسلمان تاجر نے لکھا ہے کہ عرب کشمیر کے راستہ سے چین تک تجارت کیا کرتے تھے- (صفحہ ۵۰۵)
۸۱- ہندو روایات کے مطابق ۷۰۸ء سے ۷۱۵ تک کشمیر کے یکے بعد دیگرے راجہ تاراپیڈ اور راجہ للتادت دو راجے گزرے ہیں- مقدم الذکر کا عہد حکومت ۷۱۱ء سے ۷۱۵ء تک رہا- موخر الذکر راجہ کا دور حکومت ۷۱۵ء سے ۷۵۲ء تک بیان کیا جاتا ہے بعض قرائن سے جہم بن سامہ کی کشمیر میں آمد رمضان ۹۳ھ مطابق جون ۷۱۲ء کے بعد ہوئی ہے- (مکمل تاریخ کشمیر جلد اول صفحہ ۱۹۵)
۸۲- چچ نامہ صفحہ ۲۰۳ تالیف علی بن حامد ابو بکر الکوفی سنہ تالیف ۶۱۳ھ- ناشر مجلس مخطوطات- فارسیہ حیدر آباد دکن سنہ اشاعت ۱۹۳۹ء- اس کتاب کا اصل نام فتح نامہ ہے-
۸۳- بحوالہ تاریخ اشاعت اسلام (مولفہ جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی) صفحہ ۵۶۱ سنہ اشاعت ۱۹۶۲ء- ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور-
۸۴- مسلم ثقافت ہندوستان میں صفحہ ۲۷۱-۲۷۳ (مولفہ جناب مولانا عبد المجید صاحب سالک) طبع اول ۱۹۵۷ء ناشر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور-
۸۵- جناب شیخ محمد اکرام صاحب ایم- اے کی کتاب "آب کوثر" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں اکے دکے مسلمان کشمیر میں آتے جاتے رہتے تھے اور راجہ ہرش کے عہد حکومت (۱۱۰۳ء تا ۱۱۱۴ء) میں تو بعض مسلمان کشمیری فوج میں ملازم بھی رہے ہیں- صفحہ ۴۲۶ حاشیہ)
۸۶- آپ سوات سے ۱۳۱۵ء میں کشمیر تشریف لائے- اور شاہی دربار تک پہنچے تھے اور کشمیر کے سیاسی تعلقات مسلمانوں سے قائم ہوئے- (آب کوثر صفحہ ۴۲۶-۴۲۷)
۸۷- خزینۃ الاصفیا میں لکھا ہے کہ حضرت بلبل شاہؒ کا اصل نام سید شرف الدین" تھا اور اسلام کشمیر میں انہی کی بدولت پھیلا وہ شاہ نعمت اللہ فارسی کے مرید اور سہروردی سلسلہ کے بزرگ تھے- (بحوالہ آب کوثر صفحہ ۴۲۷)
۸۸- مکمل تاریخ کشمیر (صفحہ ۱۲-۱۳)
۸۹- مکمل تاریخ کشمیر جلد دوم صفحہ ۱۳-۱۴-
۹۰- آب کوثر میں اس کی بجائے ۱۳۶۹ء کا سال لکھا ہے-
۹۱- مکمل تاریخ کشمیر جلد دوم صفحہ ۲۱-۲۳- تاریخ مذکورہ کے مطابق آپ کے یہ سب مرید سادات کرام سے تھے-
۹۲- تاریخ اشاعت اسلام مولفہ جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی (صفحہ ۵۶۰-۵۶۱)
۹۳- تاریخ اشاعت اسلام مولفہ جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی- (صفحہ ۵۶۱-۵۶۲)
۹۴- ملخصاً از کتاب مکمل تاریخ کشمیر جلد دوم صفحہ ۴۳-۵۵-

۹۵۔ شباب کشمیر صفحہ ۲۵۰ تا ۲۸۸ (مولفہ مورخ کشمیر منشی محمد الدین صاحب فوق)
۹۶۔ تاریخ اشاعت اسلام صفحہ ۵۶۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تبلیغ سے ایک فاضل برہمن مسلمان ہوا جس کا نام شیخ عبداللہ رکھا گیا۔ کشمیر کے موجودہ لیڈر شیر کشمیر شیخ عبداللہ صاحب ان کے پوتے کے پوتے ہیں۔
۹۷۔ مزید ناموں کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ اشاعت اسلام صفحہ ۵۶۲-۵۶۳ (از شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی) خزینتہ الاصفیاء (جلد دوم) مولفہ مفتی رحیم اللہ قریشی اسدی الہاشمی الاہوری۔
۹۸۔ مکمل تاریخ کشمیر جلد دوم صفحہ ۲ (مولفہ مورخ کشمیر منشی محمد الدین صاحب فوق)
۹۹۔ (منقول از کتاب کاشمیر مصنفہ شری گوپال نیوٹیا صفحہ ۱۱۷) بحوالہ کتاب مسئلہ کشمیر اور ہندو مہاسبھائی صفحہ ۷-۲ مولفہ ملک فضل حسین صاحب۔
۱۰۰۔ بحوالہ رسالہ نصرت ہفت روزہ۔ صفحہ ۴۹۔ کشمیر نمبر۔ (۲۸/ فروری ۱۹۶۰ء)
۱۰۱۔ بحوالہ کشمیر اور جوناگڑھ کی کہانی صفحہ ۲۰۷ (از جناب رئیس احمد صاحب جعفری)
۱۰۲۔ بحوالہ رسالہ نصرت لاہور صفحہ ۷۱-۷۲ (THIS IS KASHMIR)
۱۰۳۔ بحوالہ مختصر تاریخ کشمیر از اللہ بخش صاحب یوسفی شائع کردہ محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی یوسفی ہاؤس کراچی نمبر ۵۔
۱۰۴۔ خوں نابہ کشمیر (مولفہ جناب فضل احمد صاحب صدیقی ایم۔اے مدیر ڈان شائع کردہ ادارہ ادب فریئر اسٹریٹ صدر کراچی نمبر ۲)
۱۰۵۔ یہی وہ زمانہ تھا جبکہ سینکڑوں دوسرے خاندانوں کی طرح حاجی میر شمس الدین صاحب (لائف پریذیڈنٹ انجمن حمایت اسلام) میاں کریم بخش صاحب رئیس اعظم، شیخ حسن دین صاحب ڈار (مدیر حمایت اسلام) کے خاندان کے علاوہ گنائی خاندان لاہور میں پناہ گزین ہوا۔ خواجہ غلام محی الدین صاحب مالک کشمیر اخبار کے خاندان نے امرتسر میں بودوباش اختیار کرلی۔ ڈھاکہ کا مشہور نوابی خاندان (جس سے خواجہ نصرت جنگ نائب ناظم کا تعلق تھا) سکھوں کے مظالم سے تنگ آکر بنگال میں چلا گیا۔ اسی طرح سیالکوٹ، لاہور اور امرتسر میں آباد پال قوم کو بھی ان پر آشوب ایام میں کشمیر کو خیرباد کہنا پڑا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو منشی محمد الدین صاحب فوق کی کتاب تاریخ اقوام کشمیر)
۱۰۶۔ کشمیر کے حالات از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب شائع کردہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی طبع اول صفحہ ۳-۵۔ اشاعت اول اگست ۱۹۳۱ء مطبوعہ قادیان۔
۱۰۷۔ ہنگامہ کشمیر صفحہ ۸ (بحوالہ شیر کشمیر مصنفہ کلیم اختر صاحب صفحہ ۹۲ تا ۹۳) شائع کردہ سندھ ساگر اکاڈمی لاہور طبع اول ۱۹۶۳ء۔
۱۰۸۔ کشمیری مسلمانوں کی ہجرت کا جو سلسلہ سکھ عہد حکومت میں شروع ہوا تھا وہ ڈوگرہ راج کے ابتداء میں بھی جاری رہا۔ چنانچہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے جد امجد شیخ محمد رفیق صاحب بھی دوسرے بہت سے کشمیری خاندانوں کی طرح ۱۸۵۷ء کے بعد ہجرت کرکے سیالکوٹ میں آبسے تھے ڈار اور گورگانی خاندان جو تقسیم ہند سے پہلے امرتسر میں آباد تھا وہ بھی اسی دور میں ترک کشمیر پر مجبور ہوا تھا۔ (ذکر اقبال صفحہ ۷-۸ (مولفہ مولانا عبدالمجید صاحب سالک و تاریخ اقوام کشمیر۔ (جلد اول)
۱۰۹۔ صحیفہ زریں صفحہ ۷ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۹۰۲ء۔
۱۱۰۔ تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۹۱۔ (طبع اول)
۱۱۱۔ بحوالہ مختصر تاریخ کشمیر (از اللہ بخش صاحب یوسفی) صفحہ ۶۱۔
۱۱۲۔ شیر کشمیر مصنف جناب کلیم اختر صاحب (طابع۔ سندھ ساگر اکاڈمی لاہور ۸۔ صفحہ ۹۴-۹۵)
۱۱۳۔ تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۱۳۶ تا ۱۴۱ میں یہ واقعہ بالتفصیل آچکا ہے۔
۱۱۴۔ تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۱۴۰-۱۴۱ (اس اخبار کے بعض متعلقہ پرچے خلافت لائبریری صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں محفوظ ہیں)
۱۱۵۔ (سورہ مریم: ع ٦)
۱۱۶۔ روزنامہ الفضل قادیان ۶/ جون ۱۹۳۵ء صفحہ ۷۔
۱۱۷۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۳۲۰ پر یہ واقعہ آچکا ہے۔

۱۱۸۔ کشمکش صفحہ ۳۸-۳۹۔ مولفہ چوہدری غلام عباس صاحب (شائع کردہ اردو اکیڈمی لاہور)

۱۱۹۔ اخبار الفضل یکم اپریل ۱۹۲۴ء و الفرقان ربوہ دسمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۳۴-۳۵ میں تفصیل درج ہے۔

۱۲۰۔ الفضل ۹/ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ا کالم ا۔

۱۲۱۔ الفرقان دسمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۳۵۔

۱۲۲۔ کشمکش صفحہ ۴۷-۴۸ (از جناب چوہدری غلام عباس صاحب۔ ناشر اردو اکیڈمی لوہاری دروازہ لاہور)

۱۲۳۔ الفضل ۹/ اگست ۱۹۲۶ء صفحہ ۴ و الفضل ۵/ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ا۔

۱۲۴۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۷۔

۱۲۵۔ الفضل ۷/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ا کالم ا۔

۱۲۶۔ ملاحظہ ہو کتاب ہندو راج کے منصوبے (از ملک فضل حسین صاحب (احمدی مہاجر)

۱۲۷۔ بحوالہ مسئلہ کشمیر اور ہندو مہاسبھائی۔ صفحہ ۲۱۲-۲۱۳۔ مطبوعہ ستمبر ۱۹۳۲ء (از مکرم جناب مہاشہ ملک فضل حسین صاحب)

۱۲۸۔ الفضل ۱۶/ جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۳ کالم ۲-۳۔

۱۲۹۔ کشمیر کی تحریک آزادی صفحہ ۲۷ (از میر عبدالعزیز صاحب بی۔اے)

دوسرا باب (فصل اول)

تحریک آزادی کشمیر کے مختلف ابتدائی دور' مسلمانان کشمیر پر مظالم کے خونچکاں واقعات' حضرت امام جماعت احمدیہ کے پرزور احتجاجی مضامین اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام۔ (از ستمبر ۱۸۹۲ء تا ۲۵ جولائی ۱۹۳۱ء)

تحریک آزادی کا پہلا دور (از ۱۸۹۲ء تا ۱۹۰۸ء)

پنجاب کے مسلم پریس کا احتجاج

گزشتہ باب میں ذکر آچکا ہے کہ حضرت حکیم مولانا نور الدین صاحب کو ستمبر ۱۸۹۲ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ صاحب کے حکم پر ریاست کشمیر چھوڑنا پڑی۔ آپ کے بعد ایک سوچی سمجھی سکیم کے مطابق مسلمان ملازمین کو برطرف کیا جانے لگا۔ چنانچہ راولپنڈی کے اخبار "چودھویں صدی" نے ۲۳/ جولائی ۱۸۹۵ء کو پہلی بار ڈوگرہ حکومت کی درپردہ سازش کا انکشاف کرتے ہوئے لکھا:۔ "جموں اور کشمیر کی حکومت میں مہاراجہ گلاب سنگھ کا زمانہ تو ایک نہایت پر آشوب زمانہ تھا۔ ان کے زمانہ حکومت سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب کا عہد حکومت ایک پر امن زمانہ تھا۔ اور طرز حکومت کی ایک مستقل بناء پڑ گئی تھی۔ اور ہر ایک قسم کی ترقیاں ہوئی تھیں جو سب سے بڑی خوبی مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب کی حکومت میں تھی وہ یہ تھی کہ وہ اپنی رعایا کے ہر ایک فرقہ کے ساتھ ان کے حقوق کی مقدور کے مطابق سلوک کرنے کی طرف مائل رہتے تھے اپنی مسلمان رعایا سے بھی ایسی ہی الفت رکھتے تھے جیسی ہندو رعایا سے اور اگرچہ ان کے نزدیک ہندو اور مسلمانوں میں ان کی رعایا ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہ تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو اپنی ملازمت میں رکھنا زیادہ پسند کرتے تھے اس سبب سے اچھے اچھے اور جلیل القدر عہدوں پر اکثر مسلمان ملازم دکھائی دیتے تھے اور ادنیٰ ملازمت میں بھی بے شمار مسلمان تھے اس وقت ہمارے پاس کوئی فہرست تو اس زمانہ کے

ملازموں کی نہیں ہے لیکن ہم حافظہ سے بہت سے نام گنا دے سکتے ہیں (اس کے بعد بارہ مسلمانوں کے نام لکھ کر تیرھواں نام حضرت "مولوی نور الدین صاحب حکیم اعلیٰ" کا لکھا اور آپ کے بعد چند نام مزید لکھنے کے بعد تحریر کیا کہ) مولوی نور الدین صاحب حکیم اعلیٰ وغیرہ جیسے بزرگ اور قدیم اور ہردلعزیز عہدہ دار کی نسبت صرف یہ امر قابل بیان ہے کہ ان کے نکالنے کے واسطے گاؤکشی کا الزام تجویز کیا گیا تھا کیونکہ اور کوئی بہانہ نہیں مل سکتا تھا[۱]

اخبار چودھویں صدی نے اس مضمون کے بعد اہل کشمیر کی حق تلفیوں پر مسلسل مضامین لکھے جن میں ریاستی اعداد و شمار سے اصل حقائق پر روشنی ڈالی اور ان مسلمان ملازموں کی فہرستیں شائع کیں جو حکومت کشمیر کی ظالمانہ کارروائی کا شکار ہوئے تھے۔

اخبار چودھویں صدی کے بعد جناب تاج الدین صاحب تاج نے ۱۹۰۱ء میں گلشن کشمیر کے نام سے کشمیر کے صحیح حالات کی ترجمانی کے لئے ایک ہفت روزہ شروع کیا۔[۲] ۱۹۰۶ء میں منشی محمد الدین صاحب فوق نے رسالہ "کشمیری میگزین" جاری کیا۔ ۱۹۱۳ء سے یہ رسالہ "کشمیری اخبار" کی صورت میں ۱۹۳۴ء تک چھپتا رہا۔ اس رسالہ و اخبار نے باشندگان کشمیر کی آواز بلند کرنے میں قریباً ربع صدی تک ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔ ان اخبارات کے بعد تحریک آزادی کشمیر میں جن اخباروں نے نمایاں حصہ لیا ان میں اخبار انقلاب۔ مسلم آوٹ لک۔ سیاست۔ سن رائز (لاہور)۔ جماعت احمدیہ کا انگریزی ترجمان۔ اخبار الفضل اور اخبار فاروق (قادیان) خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور خصوصاً الفضل (قادیان) نے تو اس سلسلہ میں ایسا مستند اور مفصل ریکارڈ محفوظ کر دیا ہے کہ تحریک آزادی کشمیر پر قلم اٹھانے والا کوئی مورخ اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا!!

اہل کشمیر کے تحفظ حقوق کے لئے انجمنوں کا قیام

شروع شروع میں صحافت نے جو آواز بلند کی اس پر عملی قدم اٹھانے کے لئے مجلس کشمیری مسلمانان لاہور کے نام سے ۱۸۹۶ء میں پہلی انجمن قائم ہوئی جس کے بانیوں میں سے میاں کریم بخش صاحب رئیس اعظم لاہور ان کے فرزندان میاں شمس الدین صاحب و میاں نظام الدین صاحب و میاں جلال الدین صاحب۔ مولوی احمد دین صاحب بی۔اے پلیڈر۔ خواجہ رحیم بخش صاحب بی۔اے اور ڈاکٹر محمد اقبال صاحب تھے اس مجلس نے ڈیڑھ سال تک کام کیا۔

یکم دسمبر ۱۹۰۱ء کو اس تنظیم کا احیاء "مسلم کشمیری کانفرنس" کے نام سے ہوا۔ اور اس کے جنرل سیکرٹری میاں شمس الدین صاحب اور پریذیڈنٹ میاں کریم بخش صاحب مقرر ہوئے۔[۳] ۱۹۱۱ء میں "آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس" کی بنیاد پڑی جو ملک گیر تنظیم تھی جس نے جلد ہی ملک گیر صورت

اختیار کرلی اور اس کے اجلاس لاہور' امرتسر' گوجرانوالہ' سیالکوٹ' گجرات' جہلم اور راولپنڈی میں بھی ہوئے۔اور ۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۳ء تک خان بہادر شیخ غلام صادق صاحب آنریری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر امرت سر' خان بہادر خواجہ یوسف شاہ صاحب ممبر لیجسلیٹو اسمبلی پنجاب' نواب سربلند جنگ بہادر حاجی مولوی حمید اللہ خان صاحب، سابق چیف جسٹس حیدر آباد دکن۔ خان بہادر نواب خواجہ محمد اعظم خان صاحب رئیس اعظم ڈھاکہ' میاں فیروز الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس اعظم امرت سر اور شیخ عطا محمد صاحب بی۔اے ایل ایل۔بی وکیل پبلک پراسیکیوٹر گجرات رئیس اعظم گوجرانوالہ نے ان اجلاسوں کی بالترتیب صدارت کی ۱۹۲۴ء میں یہ مجلس سرینگر میں اپنا اجلاس کرنا چاہتی تھی مگر معتمد وزیر امور خارجہ ریاست جموں و کشمیر نے اطلاع دی کہ سال رواں میں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ [۴]

۲۵-۱۹۲۴ء میں اس کے یہ عہدیدار تھے۔(۱) شیخ عطا محمد صاحب۔بی۔اے ایل ایل۔بی پریذیڈنٹ سنٹرل سٹینڈنگ کمیٹی (۲) سید محسن شاہ صاحب بی۔اے ایل ایل۔بی بیرسٹرایٹ لاء ایڈووکیٹ ہائیکورٹ لاہور آنریری جائنٹ سیکرٹری (۳) خواجہ فیروز الدین احمد صاحب بی۔اے بیرسٹرایٹ لاء ایڈووکیٹ ہائیکورٹ لاہور۔ آنریری جائنٹ سیکرٹری۔ (۴) منشی محمد الدین صاحب فوق ایڈیٹر "کشمیری اخبار" لاہور آنریری اسسٹنٹ سیکرٹری۔ (۵) خواجہ غلام نبی صاحب آنریری فنانشل سیکرٹری۔ (۶) خواجہ صدر الدین صاحب آنریری آڈیٹر۔ [۵]

اس تنظیم نے کشمیری خاندانوں کے ہونہار مگر نادار بچوں پر ہزاروں روپے صرف کئے ۱۹۱۷ء تک اس کانفرنس نے شمالی کشمیر میں ۱۲-۱۳ مدرسے اپنے خرچ پر جاری کئے اور کشمیر کے بعض ہونہار طلبہ کو وظائف دیکر کالجوں کی تعلیم بھی دلوائی۔ [۶] ۱۹۳۱ء میں جب آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں آیا تو اس کے سب عہدیداروں خصوصاً سید محسن شاہ صاحب بی۔اے۔ایل ایل۔بی ہائیکورٹ لاہور اور منشی محمد الدین صاحب فوق نے کشمیر کمیٹی سے خاص طور پر تعاون کیا اور اپنی خدمات اسکے مقاصد کی تکمیل کے لئے پیش کردیں۔ فجزاهم الله احسن الجزاء۔ اس زمانہ میں آل انڈیا کشمیری کانفرنس" کے علاوہ "آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" (جس کے جائنٹ سیکرٹری عرصہ تک صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب بی۔اے رہے) مسلمانان کشمیر کے تعلیمی مسئلہ کی طرف خاص دلچسپی لیتی رہی۔ [۷-۸]

فصل دوم

تحریک آزادی کا دوسرا دور (۱۹۰۹ء تا ۱۹۲۰ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا پہلا سفر کشمیر ۱۹۰۹ء حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اپنے زمانہ خلافت سے پانچ سال قبل بیس سال کی عمر میں یکم جولائی ۱۹۰۹ء کو پہلی بار کشمیر تشریف لے گئے اور ۲۲/ اگست ۱۹۰۹ء تک قیام پذیر رہے۔ [9] اسی دوران میں آپ ناسنور [10] بھی تشریف لائے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو فطری طور پر مظلوموں اور بیکسوں کے لئے ایک مضطرب اور حساس دل عطا فرمایا ہے دوران قیام کشمیر میں آپ کی آنکھوں نے کشمیری مسلمانوں پر ظلم و ستم کے ایسے ایسے نظارے دیکھے کہ آپ فرط غم سے آبدیدہ ہو گئے اور آپ میں اہل کشمیر کی آزادی کے لئے زبردست جذبہ پیدا ہو گیا چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں۔

"میں چھوٹا تھا کہ ہم سرینگر جاتے ہوئے ایک گاؤں میں سے گذرے اس وقت موٹریں نہ تھیں ٹانگوں پر جاتے تھے۔ گاؤں والوں سے ہم نے مرغ مانگا مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا اس گاؤں میں تو وبا پڑی تھی اور سب مرغ مر گئے میرے چھوٹے بھائی بھی غالباً حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب ناقل) بھی میرے ساتھ تھے جن کی عمر اس وقت تیرہ سال کی تھی وہ ایک گھر میں گھس گئے اور واپس آکر کہا کہ اس میں چالیس سے زیادہ مرغ ہیں میں نے سمجھا بچہ ہے غلطی لگی ہو گی لیکن پاس ہی صحن تھا میں نے جو ادھر نظر کی تو واقعی صحن مرغوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے جب گھر والے سے پوچھا تو اس نے کہا یہ تو ہم نے نسل کشی کے لئے رکھے ہوئے ہیں اتنے میں ایک اور ساتھی نے آکر کہا قریباً سب گھروں میں کثرت سے مرغ موجود ہیں۔ آخر گاؤں والوں نے بتایا کہ بات یہ ہے کہ سرکاری آدمی آتے ہیں اور بغیر پیسہ دیئے ہمارے گھر اجاڑ کر چلے جاتے ہیں اس لئے ہر سفید پوش کو سرکاری آدمی سمجھ کر انکار کر دیتے ہیں۔ ایک دفعہ میں پہلگام گیا۔ ریاست کا اس وقت قانون تھا کہ بوجھ اٹھانے کے لئے اگر آدمی کی ضرورت ہو تو تحصیلدار کو چٹھی لکھی جائے چنانچہ میں نے چٹھی لکھی مزدور آ گئے اور بوجھ اٹھا کر چل پڑے دور جا کر میں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک آہیں بھر رہا ہے اور کراہ رہا ہے میں چونکہ جانتا تھا کہ کشمیری مزدور بوجھ بہت اٹھاتے ہیں اس لئے اس کے کراہنے پر مجھے حیرت ہوئی اور کہا

تم لوگ بوجھ اٹھانے میں بہت مشاق ہو پھر اس طرح کیوں کراہ رہے ہو اس نے کہا مشاق وہی ہوتے ہیں جن کا یہ پیشہ ہو میں تو برات کے ساتھ جا رہا تھا کہ پکڑ کر یہاں بھیج دیا گیا وہ ایک معزز زمیندار تھا جس نے کبھی یہ کام نہیں کیا تھا میں نے اسے کہا میں ٹرنک خود اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا پہلے گاؤں میں ہی چلکر مجھے کتنی رقم خرچ کرنی پڑے میں وہاں سے مزدور لیکر تمہیں چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا" [۱۱] یہ ایسی دردناک بات تھی جس سے میں بہت ہی متاثر ہوا اور میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہو گئی کہ کشمیر کے لوگوں کی آزادی کے لئے کوشش کرنی چاہئے"۔ [۱۲]

پھر فرماتے ہیں "اس سے بھی زیادہ عجیب واقعہ مجھے ایک افسر نے جو پونچھ میں وزارت کے عہدہ پر فائز رہا ہے بتایا.... کہ ایک دفعہ مجھے مزدوروں کی ضرورت تھی میں نے حاکم مجاز کو اس کے متعلق خط لکھا اس نے کچھ مزدور بھیجے جن کے متعلق مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک بھی مزدور نہ تھا بلکہ سب کے سب براتی تھے جن میں دولہا بھی شامل تھا ذرا غور کرو یہ کس قدر دردناک واقعہ ہے ان لوگوں کے لئے کھانے پکے ہوئے ہونگے اور لڑکی والے ان کی راہ دیکھ رہے ہوں گے دولہن دولہا کا انتظار کر رہی ہو گی۔ اس واقعہ سے میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے"۔ [۱۳]

غرضیکہ اس نوعیت کے تلخ واقعات کی یاد لے کر آپ واپس قادیان تشریف لائے اور پہلا قدم یہ اٹھایا کہ اگلے سال جب ستمبر ۱۹۱۰ء سے مدرسہ احمدیہ کے افسر بنے تو آپ نے کشمیری طلبہ کو قادیان میں تعلیم دلانے کی طرف خاص توجہ شروع کر دی۔ اور جب مارچ ۱۹۱۴ء میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے کشمیری طلباء کے لئے خاص وظائف مقرر فرما دیئے اور ریاست کے نونہالوں کی کثیر تعداد قادیان میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آنے لگی جس کا سلسلہ ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ حضور کو اہل کشمیر کا کس درجہ خیال تھا اس کا اندازہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کے رجسٹر متعلقہ سال ۱۹۱۷ء سے بخوبی لگ سکتا ہے اس رجسٹر میں لکھا ہے کہ:۔

"درخواست مسمی عبدالجبار مدرس رشی نگر ڈاک خانہ شوپیاں ملک کشمیر۔ کہ اس کے بھائی عبدالرزاق کو مدرسہ احمدیہ میں داخل فرمایا جائے۔ معہ ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح کہ اب کشمیری لڑکے مدرسہ احمدیہ میں نہیں رہے اس لئے اس کا انتظام کر کے بلالیں۔ معہ رپورٹ سیکرٹری کہ لڑکے کو لکھ دیا گیا ہے کہ وہ بہت جلد آجاوے مناسب وظیفہ مقرر کیا جاوے۔ [۱۴]

۱۹۲۹ء میں کشمیر کے ایک غیر احمدی پیر حضور کی ملاقات کے لئے تشریف لائے حضور نے انہیں فرمایا کہ آپ کشمیر سے ذہین طلبہ بھجوائیں ہم ان کی تعلیم کا ذمہ لیتے ہیں۔ [۱۵]

کشمیر میں تعلیم بالغاں کی بنیاد

کشمیر میں شوپیاں سے چند میل کے فاصلہ پر تحصیل کولگام میں احمدیوں کا مشہور گاؤں ناسنور ہے جہاں ۱۹۰۹ء کے جلسے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے بھی شرکت فرمائی اور احمدیوں اور غیر احمدیوں سے خطاب کرتے ہوئے اہم نصائح فرمائیں۔ [۱۶]

ناسنور میں ڈار قوم کا ایک معزز خاندان آباد تھا۔ جو سارے علاقہ میں بڑی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور زمینداری اور تجارت دونوں لحاظ سے وہ آسودہ حال تھا اس خاندان کے ایک بزرگ حضرت حاجی عمر ڈار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدیم صحابہ [۱۷] میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی اس نصیحت سے متاثر ہو کر کہ ریاست میں تعلیم عام کرنی چاہئے۔ ۱۹۰۹ء سے کشمیر میں تعلیم بالغان کی بنیاد رکھی چنانچہ منشی محمد الدین صاحب فوق لکھتے ہیں:۔ "خواجہ محمد عمر ڈار احمدی ہونے کے بعد سب سے پہلے حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ [۱۸] پھر انہوں نے قریباً پچاس سال کی عمر میں کچھ لکھنا پڑھنا سیکھا۔ اور کشمیر میں تعلیم بالغان کی بنیاد قائم کی جس کے کھنڈروں پر آج ہماری ریاست کا محکمہ تعلیم ایک عالی شان عمارت کھڑی کرنے میں مصروف نظر آرہا ہے مرزا صاحب کے عقائد و دعاوی سے کسی کو مخالفت ہو یا موافقت اور خواجہ عمر ڈار کی قبول احمدیت اچھی ہو یا بری لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی احمدیت نے اس گاؤں میں ایک بیداری سی پیدا کر دی اور اس بیداری نے وہ علمی انقلاب پیدا کر دیا جس کی بدولت آج ناسنور میں ایک پرائمری سکول کے علاوہ ایک زنانہ سکول بھی قائم ہے اور چھ مولوی فاضل کا امتحان پاس ہونے کے علاوہ متعدد انگریزی خوان نوجوان وہاں موجود ہیں جو مختلف محکموں میں اچھے اچھے عہدوں پر برسر روزگار ہیں"۔ [۱۹]، [۲۰]

راجوری کے مسلمانوں کی تنظیم

۱۹۱۴ء میں ایک احمدی عالم مولوی عبد الرحمٰن صاحب ساکن اندورہ اسلام آباد (والد ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب) نے راجوری میں مسلمانوں کو منظم کرنے کی جدوجہد شروع کی اس بزرگ کو قرآن مجید سے عشق تھا۔ لوگ ان کو امام مہدی کہتے تھے۔ کیونکہ آپ جب قرآن کریم تلاوت فرماتے تھے تو لوگ وجد میں آجاتے تھے [۲۱] مولوی عبد الرحمٰن صاحب کی تقریروں سے علاقہ میں مسلمانوں میں ایسا اتحاد پیدا ہو گیا اور ہندوؤں نے نئی ابھرنے والی تنظیم کو اپنے لئے خطرہ سمجھ کر ہندو مسلم فساد کھڑا کر دیا۔ پولیس نے گولیاں چلائیں۔ مولوی عبد الرحمٰن صاحب کی جائیداد ضبط کر لی گئی۔ اور انہیں کٹک میں پناہ گزیں ہونا پڑا۔ [۲۲] ایک عرصہ کے بعد دوبارہ اپنے گاؤں میں آگئے۔ ۱۸/ جون ۱۹۴۴ء کو انتقال فرمایا۔

مسٹر شارپ اور کشمیری وفد

اس وقت تک اہل کشمیر کے لئے جو کچھ کیا جا رہا تھا وہ زیادہ تر پنجاب کے مسلمانوں کی طرف سے ہو رہا تھا۔ ۱۹۱۶ء پہلا سال ہے۔ جبکہ خود مسلمانان کشمیر نے حکومت ہند کے مشیر تعلیم مسٹر شارپ کے سامنے جو ان دنوں کشمیر کا دورہ کر رہے تھے اپنے مطالبات پیش کرنے کی جرأت کی۔ مہاراجہ (پرتاپ سنگھ صاحب) نے یہ مطالبات بظاہر منظور کر لئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حکمران ریاست کی رسمی منظوری کے باوجود وہ سفارشات کبھی شرمندہ معنی نہ ہو سکیں۔ [۲۳]

فصل سوم

تحریک آزادی کا تیسرا دور (۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۸ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا دوسرا سفر کشمیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ۱۹۲۱ء میں (۲۵/ جون تا ۲۹/ ستمبر) دوبارہ کشمیر تشریف لے گئے اور جیسا کہ تحریک آزادی کشمیر کے ایک نہایت مخلص اور سرگرم کارکن چوہدری ظہور احمد صاحب (حال آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ ربوہ) نے کشمیر کی کہانی میں بالتفصیل تحریر فرمایا ہے اس سفر میں حضور کو اہل کشمیر کے روح فرسا حالات دیکھ کر ان سے ہمدردی کی تڑپ اور گہری ہو گئی اور ریاستی باشندوں کے حالات کا بہت گہرا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ اور آپ نے اپنے متعلقین اور دوسرے افراد جماعت سے اس مظلومیت کا سیاق و سباق کا مواد فراہم کرنا شروع کر دیا۔ اور پہلی فرصت میں مظلومین کشمیر کو باہمی اتحاد، اتفاق، تعلیم کی اشاعت اقتصادی حالت کی [۲۴] بہتری اور اسلامی احکام کی تعمیل اور رسم و رواج سے علیحدگی کی طرف توجہ دلائی۔ مؤخر الذکر بات چونکہ دینی نقطہ نگاہ سے سب سے اہم تھی اس لئے حضور نے اس پر کشمیر میں خطبات جمعہ کے دوران بھی زور دیا اور فرمایا:-

"اگر کامیابی یا ترقی کرنا چاہتے ہو تو جہاں خدا کا حکم آوے اسے کبھی حقیر نہ سمجھو۔ رسم و رواج کو جب تک خدا کے لئے چھوڑنے کو تیار نہ ہو گے تب تک نمازیں، روزے اور دوسرے اعمال آپ کو مسلمان نہیں بنا سکتے۔ جہاں نفس فرمانبرداری سے انکار کرتا ہے اسی موقعہ پر حقیقی فرمانبرداری کرنے کا نام اسلام ہے اگر کوئی ایسا فرمانبردار نہیں ہے اور رسم و رواج کو مقدم کرتا ہے تو اس کا اسلام اسلام نہیں ہے"۔ [۲۵]

۱۹۲۴ء میں ڈوگرہ راج کے مظالم جولائی ۱۹۲۴ء کا واقعہ ہے کہ سرینگر کے کارخانہ ریشم کے مزدوروں کو شکایت تھی کہ ان کو بہت کم مزدوری ملتی ہے اور جو کچھ ملتا ہے خود ہندو افسران اس میں سے رشوت جمع کر لیتے ہیں یہ الزام درست ثابت ہوا۔ مگر ریاست یا تو افسر کو بچا لیتی... یا برائے نام سزا دے کر کسی اور پارک میں تبدیل کر دیتی تھی اس کھلی طرف داری پر مسلمان مزدوروں نے ہڑتال کر دی۔ ریاستی حکام نے رات کے بارہ بجے مظلوم

مزدور لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔ اور دوسرے مزدوروں کو گورنر کشمیر کی موجودگی میں مسلح فوج نے اپنے نیزوں کا نشانہ بنایا۔ اس واقعہ پر شاید ایک ماہ نہ گذرا ہوگا کہ ایک ہندو اخبار "عام" لاہور کے ایک مضمون کی بناء پر کشمیری پنڈتوں کی ایک جماعت نے خانقاہ معلیٰ پر اینٹوں اور پتھروں سے حملہ کر دیا۔ اور جوتوں سمیت اندر جاکر اس کی بعض کھڑکیاں بھی توڑ دیں چند دنوں کے بعد جب محرم آیا تو ریاست نے ذوالجناح اور ماتمی جلوس نکالنے پر عمداً پابندی لگا دی بلکہ گورنر صاحب کشمیر (جو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بھی تھے) شیعہ اصحاب سے ذوالجناح بھی چھین لیا۔ اس کے بعد ۱۴/ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ سیر و سیاحت کے لئے کشمیر آئے تو مسلمانان کشمیر کے نمائندوں نے اپنی سیاسی، مذہبی اور معاشرتی شکایات کا محضرنامہ (میموریل) تیار کیا جس میں اعداد و شمار دے کر بتایا کہ ریاست کی کل آبادی کا ننانوے فیصدی حصہ ہندو ارکان حکومت کی جیبوں میں جاتا ہے اور صرف ایک فیصدی حصہ ۹۵ فیصدی مسلمان آبادی کو دیا جا رہا ہے۔ [۲۶]

یہ محضرنامہ مسلمانان کشمیر کے نمائندوں نے لارڈ ریڈنگ (وائسرائے ہندوستان) کو پیش کیا جو انہوں نے دربار کشمیر میں بھیج دیا لارڈ ریڈنگ ۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۴ء تک کشمیر میں رہے ان کے جانے کے بعد مہاراجہ پرتاپ سنگھ صاحب نے رائے بہادر کرنل جنک سنگھ صاحب مشیر مال، چوہدری خوشی محمد صاحب ناظر اور مسٹر گلینسی (ممبر فائیننس و پولیس) پر مشتمل ایک کمیشن بٹھا دیا جس نے محضرنامہ پر دستخط کرنے والوں کے بیانات لینے شروع کئے بیانات دینے والے کمیشن کے ممبروں سے مرعوب نہ ہوئے کشمیر کی حکومت کے لئے اس قسم کی حق گوئی بالکل نئی بات تھی نتیجہ یہ ہوا ۱۵/ مارچ ۱۹۲۵ء کو مسلمانوں کے ان نمائندوں میں سے خواجہ سعد الدین صاحب شال رئیس سرینگر کے مکان پر ایک انسپکٹر پولیس اور دو سب انسپکٹر پولیس نے ڈیڑھ سو سپاہیوں کی جمعیت کے ساتھ دھاوا بول دیا۔ اس وقت خواجہ صاحب کا اکلوتا بیٹا نمونیہ میں مبتلا تھا اور آپ اس کی تیمار داری میں مصروف تھے آپ نے صبر و شکر سے ریاست کے ظالمانہ احکام کی تعمیل کی۔ اور پولیس پہلے بند گاڑی میں اور پھر موٹر میں بٹھا کر پنجاب کی سرحد تک چھوڑ گئی۔ اسی طرح خواجہ حسن شاہ صاحب نقش بندی رئیس [۲۷] کی چار ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر میموریل پر دستخط کرنے کی پاداش میں ضبط کر لی گئی۔ اور ان کے قابل فرزند خواجہ نور شاہ صاحب تحصیل دار خاص کا نہ صرف درجہ ترقی (وزیر وزارت) غصب کر کے ایک اور شخص کو دے دیا گیا بلکہ ان سے اس قسم کا سلوک روا رکھا گیا کہ پہلے وہ جبراً رخصت لینے پر مجبور کئے گئے اور پھر ان کے ایک مشورہ طلب عریضہ کو ناحق استعفیٰ بنا کر منظور کر لیا گیا۔ حالانکہ ان کا مذکورہ بالا میموریل کے ساتھ کوئی تعلق اور واسطہ نہ تھا اسی طرح سید حسین شاہ صاحب ذیلدار جڈل بل [۲۸] (سرینگر) بھی اسی

"جرم" کی وجہ سے ذیلداری سے علیحدہ کر دیئے گئے۔

اسی پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے اسلام آباد میں مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کے لئے لشکر اور توپ خانے منگوائے گئے بارہ مولا میں مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ مسجد کی دیواریں اپنے ہاتھ سے گرا دیں۔ سرینگر میں ریشم خانہ کے مزدوروں کو بندوقوں کے کندوں اور سنگینوں کی نوکوں سے زخمی اور مجروح کر کے الٹا ان پر بلوہ اور بغاوت کے مقدمات قائم کئے گئے اور بیرونی دنیا کو بے خبر رکھنے کے لئے تار رکوا دیئے گئے۔ [۲۹] لیکن مظلوموں کی آہیں جو توپ و تفنگ سے زیادہ اثر رکھتی ہیں۔ وہ نہ صرف آہنی دیواروں بلکہ ہمالیہ کے سربفلک پہاڑوں کو چیرتی اور کشمیر کی وادیوں کو طے کرتی پنجاب کے میدانوں میں جس جس جگہ اور جس جس میدان پر گئیں ان لوگوں کو جن کے پہلو میں پتھر نہیں بلکہ درد سے بھرا ہوا ایک گداز دل ہے ہم نوا و ہم آہنگ بناتی گئیں۔

رشی نگر میں آتشزدگی

قریباً ۱۹۲۷ء میں کشمیر کے موضع رشی نگر کے مسلمان باشندوں کو آتشزدگی کی وجہ سے بہت نقصان پہنچا جس پر نظارت امور خارجہ قادیان نے گورنر صاحب سرینگر سے درخواست کی کہ وہ مالیہ کی ادائیگی معاف کر دیں یا اسے ملتوی کر دیں۔ [۳۰]

ہندو ریاستوں سے انصاف پروری کی اپیل

ریاست بھوپال کی تعزیرات میں ایک دفعہ یہ چلی آتی تھی کہ اگر کوئی شخص اسلام قبول کر کے پھر ارتداد اختیار کرے تو اسے تین برس تک قید یا جرمانہ یا ہر دو قسم کی سزا دی جا سکتی تھی۔ والئی بھوپال نے اکتوبر ۱۹۲۸ء میں یہ قانون منسوخ کر دیا۔ اخبار "الفضل" نے اس خبر پر کشمیر اور دوسری ہندو ریاستوں کے حکمرانوں کو توجہ دلائی کہ یہ ایک مسلم حکمران کی روشن ضمیری اور رعایا پروری کی تازہ ترین مثال ہے کاش وہ بھی اپنی مسلم رعایا کو مذہبی آزادی دے کر اپنے عدل شعار ہونے کا ثبوت دیں۔ [۳۱]

کشمیر اور جموں میں تعلیمی جدوجہد

حضرت خواجہ محمد عمر صاحب ڈار کے فرزند خواجہ عبدالرحمٰن صاحب ڈار بھی صحابی تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں پڑھتے رہے۔ اور حضور علیہ السلام کی دعاؤں کی برکت سے انٹرنس میں کامیاب ہوئے تھے۔ خواجہ صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی نصائح پر عمل پیرا ہو کر سارے علاقے کا دورہ کیا۔ مسلمانوں کو منظم کیا ان کے اختلافات رفع کرنے کی کوشش کی اور ان کو تعلیم کے فوائد بتائے۔ ادھر وادی کشمیر میں خواجہ

صاحب کام کر رہے تھے ادھر علاقہ جموں میں خواجہ صاحب کے دوش بدوش ٹھیکیدار یعقوب علی صاحب میاں فیض احمد صاحب اور ان کے رفقاء نے بھی یہ تحریک شروع کردی ٹھیکیدار صاحب انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ممبر تھے۔ اور فیض احمد صاحب کا تعلق جماعت احمدیہ قادیان سے تھا۔ [۲۲]

مسلمان زمینداروں کی تنظیم

کشمیر میں زمینوں کا مالک ریاست سمجھی جاتی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی زمیندار اپنی زمین پر کسی قسم کا مالکانہ تصرف نہیں کر سکتا تھا بلکہ ہر مالکانہ تصرف کے لئے اسے ریاست کی خاص اجازت حاصل کرنا پڑتی تھی گویا کشمیر میں زمیندار عملاً مزارعوں کی حیثیت رکھتے تھے وہ اپنی اراضی پر لگائے ہوئے درخت نہیں کاٹ سکتے تھے مکان نہیں تعمیر کر سکتے تھے اگر ریاست کو ان کی زمین کے لینے کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ فوراً بے دخل کر دیئے جاتے اور محض کاشت کے حقوق کی بناء پر انہیں نہایت خفیف سا معاوضہ ملتا۔ ریاست کو یہ بھی قانوناً حق حاصل تھا کہ مسلمان زمینداروں پر غیر مسلم اشخاص کو لا کر مالک قرار دے چنانچہ کئی خالص مسلم رقبہ جات اسی طرح محض رسمی نذرانوں پر غیر مسلموں کی ملکیت قرار پا چکے تھے اور اس کے متعلق کسی مسلمان زمیندار کا عذر قابل شنوائی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح مسلمان زمینداروں کا بڑی بے دردی سے گلا کاٹا جا رہا تھا ظلم و ستم کی حد یہ تھی کہ ریاست کشمیر کو صرف نقدی میں ٹیکس وصول کرنے کی بجائے عملاً جنس اور نقدی ہر دو صورتوں میں معاملہ وصول کرتی تھی گویا کشمیری زمیندار کو لگان کے ساتھ مالکانہ بھی ادا کرنا پڑتا تھا یعنی کچھ ٹیکس تو وہ ریاست کو بحیثیت حکومت دیتا تھا اور کچھ بحیثیت مالک جس کی عملی صورت اور بھی عجیب تھی اور وہ یہ کہ ریاست زمیندار سے پیداوار کا ایک معقول حصہ لگان سرکاری میں وصول کر لیتی اور اس کے ساتھ ہی وہ زمیندار کی پیداوار بھی خود اپنے مقرر کردہ نرخ پر خرید لیتی جس کے بعد ریاست یہ خرید شدہ جنس بازاری بھاؤ پر معقول منافع کے ساتھ پھر زمیندار اور دوسری رعایا کے ہاتھ فروخت کر دیتی اس طرح ریاست دوہرا فائدہ اٹھاتی اور رعایا کو دوہرا نقصان ہوتا۔ [۲۳]

زمینداروں کی یہ حالت زار دیکھ کر خواجہ عبدالرحمٰن صاحب ڈار [۲۴] نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ہدایات کی روشنی میں زمینداروں کی تنظیم و اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے قانون و اخلاق کی پابندی کرتے ہوئے ریاست بھر کے مسلمان زمینداروں کی تنظیم کر لی۔ اس پر حکام ریاست نے انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ حتی کہ پولیس نے ان کو ڈوگرہ مظالم کے خلاف احتجاج اور محض زمینداروں کو منظم کرنے کے جرم میں غنڈوں میں شامل کر لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ وہ نازک دور تھا جبکہ ڈوگرہ راج سے ٹکر لینے کا خیال و تصور بھی اہل کشمیر کو نہیں آسکتا تھا' چنانچہ جناب چراغ حسن حسرت لکھتے ہیں۔ نوجوانوں نے بڑے اشتیاق سے یہ واقعات سنے اور حیرت زدہ ہو کر چلا اٹھے کیا یہ ممکن ہے بڈھے ٹھڈوں نے جنھیں ظلم سہتے زیادہ عرصہ ہوا تھا۔ سر ہلا کر کہا بالکل جھوٹ بادشاہوں سے کون لڑ سکتا ہے۔ (کشمیر از حسرت صفحہ ۱۶۰) [۲۵]

خلیفہ عبدالرحیم صاحب (آف جموں) کی خدمات اور بینرجی کا لرزہ خیز بیان

اس زمانہ میں ریاست کی کلیدی اسامیوں پر ڈوگروں اور کشمیری پنڈتوں کا قبضہ تھا (الا ماشاء اللہ) اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانان کشمیر کو یہ بھی تلقین کی جارہی تھی کہ وہ ریاست کی ملازمت میں زیادہ سے زیادہ آگے آنے کی کوشش کریں اور جو مسلمان ان اسامیوں پر ہیں وہ مسلمانوں کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں۔ حضرت خلیفہ نور الدین صاحب جمونی کے فرزند خلیفہ عبدالرحیم صاحب [۲۶] ان غیور افسروں میں سے تھے جنھوں نے دور ملازمت میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا حق ادا کر دیا۔ تحریک آزادی کے سلسلہ میں آپ کی شاندار مساعی کا ذکر آئندہ بھی آئے گا مگر واقعاتی ترتیب کے لحاظ سے یہاں ہم ان کے اس کارنامے کا ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ خاص طور پر انہوں نے ریاستی وزراء سرایلبین بینرجی اور مسٹر ویکفیلڈ کے سامنے صحیح اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے واضح کیا کہ کس طرح ۹۵ فیصدی مسلمان اکثریت بے انصافی اور جبر و تشدد کا شکار ہو رہی ہے۔

چوہدری ظہور احمد صاحب (آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ پاکستان) خلیفہ عبدالرحیم صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "خلیفہ عبدالرحیم صاحب (جو بعد میں ہوم سیکرٹری حکومت جموں و کشمیر بنے) انہی ریاستی افسروں میں سے ایک تھے جن کی قومی خدمات کو مسلمانان جموں و کشمیر کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جبکہ سرایلبین بینرجی اور مسٹر ویکفیلڈ ریاست کے وزراء میں شامل تھے اور مہاراجہ پر چھائے ہوئے تھے خلیفہ عبدالرحیم صاحب جو مسلمانوں کی حالت زار سے بخوبی واقف تھے اپنی قابلیت محنت اور دیانتداری کی وجہ سے اپنے بالا افسران یعنی وزراء کے دلوں میں بھی ایک خاص مقام پیدا کر چکے تھے انہوں نے ان وزراء کے سامنے مردم شماری کے اعداد و شمار رکھے اور اس کے مقابل ملازمتوں میں ان کا تناسب بتایا جو آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھا۔ ہندو ساری ریاست پر چھائے ہوئے تھے تجارت پر تو کلیتہ ہندوؤں کا ہی قبضہ تھا۔ پلیٹ فارم کی بھی کوئی آزادی نہ تھی۔ انجمن بنانے کی ممانعت تھی مسلمانوں کے اوقاف پر ریاست کا قبضہ تھا بعض مساجد مال گوداموں کے طور پر استعمال ہو رہی تھیں۔ یہ ساری باتیں سر بینرجی اور مسٹر ویکفیلڈ کے نوٹس میں لائی گئیں۔

۲۷

خلیفہ عبدالرحیم صاحب کی اس جدوجہد کا نتیجہ یہ رونما ہوا۔ کہ ہندوستان کے مشہور مدبر اور سیاست دان سر ایلبین بینرجی ریاست کشمیر میں دو تین سال تک وزیر خارجہ و سیاسیات رہنے کے بعد مستعفی ہو گئے اور استعفاء کے فوراً بعد ایسوشی ایٹڈ پریس کے نمائندہ کو اپنے مشاہدہ اور تجربہ کی بناء پر مسلمانان کشمیر کے متعلق ایک اہم بیان دیا ۲۸ جو اخبار سٹیٹسمین (Statesman) کلکتہ نے حسب ذیل رائے کے ساتھ شائع کیا:۔

"ہندو کانگریسی اخبارات جس طرح برطانوی راج کے خلاف محاذ جنگ قائم کئے ہوئے تھے اسی طرح آج کل انہوں نے مسلمانوں کے کشمیری اضطراب کے خلاف بھی ایک مستقل جہاد شروع کر رکھا ہے اور اس مسلم ایجیٹیشن کو ناقص بتا بتا کر اس کے اثر کو زائل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریک اس قدر کامیاب اور منظم ہے کہ قارئین کرام کو بخوبی معلوم ہو گا۔

ریاست جموں و کشمیر کے باشندوں کی حالت جس قدر خراب ہے ان پر جس طرح حکومت کی جاتی ہے ان کے ساتھ غیر شریفانہ اور انسانیت سوز سلوک کیا جاتا ہے اس کا اندازہ خود ریاست کے ایک اہلکار کی زبان سے سنئے۔ اور غور کیجئے کہ یہاں کی حالت کس قدر ناگفتہ بہ اور کس قدر ناقابل برداشت ہو چکی ہے پریس کے نمائندہ سے ریاست کشمیر کے "محکمہ خارجیہ سیاسیہ" کے سابق وزیر (۱۹۲۹ء) سر ایلبین بینرجی نے اپنے عہدہ سے دست بردار ہونے کے بعد جو ایک دفعہ بیان دیا تھا اس وقت اس کا اعادہ ضرور مفید ہو گا یاد رہے کہ یہ بیان کسی تحریک کے سلسلہ میں نہیں دیا گیا تھا بلکہ ان واقعات سے متاثر ہو کر دیا گیا ہے جن سے وہ اپنے عہد میں متاثر ہوئے اور جو انہوں نے اپنے عہد حکومت میں اپنی آنکھوں سے دیکھے اور آگاہی عوام کے لئے شائع کر دیا۔ مسٹر ایلبین بینرجی نے جو واقعات بیان کئے تھے ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

"کشمیر کی ریاست میں تقریباً تمام مسلمانوں کی آبادی ہے لیکن اس قدر جاہل اس قدر سادہ لوح اور مظلوم و معصوم کہ حالت حد بیان سے باہر ہے افلاس بے انتہا بڑھا ہوا ہے اور حکومت کی بے اعتنائی اور جور اس قدر ناقابل برداشت ہیں کہ مجھے ان کی حالت دیکھ دیکھ کر رقت ہوتی ہے حکومت اور رعایا کے درمیان کوئی رابطہ محبت نہیں ہے وہ بے زبان مویشیوں کی طرح ہیں جو حاکم جس صورت سے چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا حکومت کی انتظامی مشینری اس قدر خراب اور ناقص ہے کہ میں عرض نہیں کر سکتا۔ اشد ضروری ہے کہ تمام انتظامی عملہ کو از سر نو تشکیل کیا جائے اور تمام نقائص فوراً دور کر دئے جائیں۔ لوگوں کو شکایتیں کرنے اور اپنی حالت حکام اعلیٰ تک

پہنچانے کا کوئی معقول ذریعہ نہیں ہے اور حکومت ان کی طرف سے اس قدر استغناء برتتی ہے کہ گویا وہ ان سے کچھ فائدہ حاصل کرتی ہی نہیں تعلیم یافتہ طبقہ جو تمام تر کشمیری پنڈتوں پر مشتمل ہے ان کی حالت بھی کچھ اچھی نہیں۔ اس لئے انہیں بھی ایک طرح سے مسلمانوں ہی کی طرح خراب و خستہ سمجھنا چاہئے وہ کسی قسم کی تجارتی و صنعتی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لے سکتے۔ اور مذہبی حلقوں میں ان کی حالت اچھی نہیں اس لئے وہ بھی بری حالت میں ہیں حکومت کی ملازمتوں میں ان کو بھی ترجیح نہیں دی جاتی وہاں بیرونی اصحاب کی خوب پرورش ہوتی ہے ریاست میں کوئی رائے عامہ نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اخبارات سرے سے ہیں ہی نہیں اور موجودہ دور تمدن میں کسی مقام پر اخبارات کا نہ ہونا جس قدر اندوہناک منظر دور جہالت و بربریت کا ثبوت پیش کر سکتا ہے وہ وہاں موجود ہے یعنی رائے عامہ کے فقدان سے یہاں کی حکومت کی پالیسی پر نکتہ چینی بالکل نہیں ہوتی.... کشمیر کی سیاسی فوقیت زیادہ تر قدرتی اور جغرافیائی محل وقوع کی بناء پر ہے کیونکہ قدرت نے اسے تین بڑی بڑی سلطنتوں کے مابین پیدا کیا ہے اور اس وجہ سے اسے جو فوقیت حاصل ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے لیکن ریاست نہ تو کبھی اپنے پورے مدارج پر پہنچے گی اور نہ اپنی ذمہ داریاں پہچانے گی جب تک کہ حکومت اور باشندوں کے درمیان زیادہ رابطہ اتحاد اور زیادہ رشتہ الفت و مفاہمت قائم نہ ہو کشمیر کے دستکار جس قدر... جفاکش مشہور تھے اب ان کی ہمت افزائی نہیں ہوتی اور اس وجہ سے ان کی حالت اس قدر مائل بہ انحطاط ہے کہ بیان سے باہر ہے حکومت ان کی سرپرستی اور امداد نہیں کرتی اس وجہ سے ان کی حالت روز بروز گرتی چلی جارہی ہے۔ میسور کی حکومت اپنے صناعوں کی جتنی امداد و سرپرستی کرتی ہے وہ اس ریاست (کشمیر) کے لئے نمونہ ہے"۔ [۲۹] ' [۳۰]

حکام ریاست کا منصوبہ اور یعقوب علی صاحب کی ایمانی جرأت

سر ایلین کے اس بیان نے جہاں ہندوستان کے طول و عرض میں زبردست ہیجان برپا کر دیا وہاں حکومت جموں و کشمیر پر بھی اس مشہور مدبر کے الفاظ نے سراسیمگی اور گھبراہٹ طاری کر دی اور اس نے پہلے انجمن اسلامیہ جموں و کشمیر کی اسلامی انجمنوں سے اس کی تردید کرانے اور عامتہ المسلمین کی آواز دبانے کا منصوبہ سوچا جو ناکام ہو گیا جس کا سہرا ٹھیکیدار یعقوب علی صاحب احمدی (جموں) پر تھا۔ [۳۱] جو ینگ مینز ایسوسی ایشن کے روح رواں تھے اس اہم واقعہ کی تفصیل شمالی ہند کے پرجوش اخبار "انقلاب" نے اپنی تین اشاعتوں میں شائع کی جس کے تین اقتباسات درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

"سر ایلین بینرجی کے خیالات سے جو قریباً تمام اخبارات میں چھپ چکے ہیں متاثر ہو کر حکام

ریاست جموں نے پرسوں مسلمانوں کا وفد آغا سید حسین ہائیکورٹ جج کے مکان پر بلایا اور یہ خیال ظاہر کیا کہ مسلمانوں کی طرف سے آپ ایک ریزولیوشن منظور کرادیں جس میں بینرجی کے خیالات سے اختلاف ظاہر کیا جائے۔ مسلمانوں کے ان خود ساختہ لیڈروں نے چائے کی ایک ایک پیالی سے اتنا نشہ حاصل کیا کہ مہاتما گاندھی بھی وائسرائے کی چائے پر اتنے سرشار نہ ہوئے ہونگے۔ آپ نے قوم سے استصواب کئے بغیر فرمادیا۔ ہمیں دیجئے قلم اور دوات ابھی لکھے دیتے ہیں خدا بھلا کرے مستری یعقوب علی صاحب قبلہ کا جنہوں نے کہدیا کہ پہلے مسلمانوں سے استصواب ضروری ہے چنانچہ کل انجمن اسلامیہ نے منادی کرادی کہ سر ایلین بینرجی کے خیالات پر اظہار رائے کیا جائے گا مسلم پبلک کو ان کی اس قوم فروشی کی خبر ہوئی تو انجمن مذکور کے خلاف نفرت کا جذبہ پھیل گیا جس پر اول تو جلسہ ملتوی کرنے کی ٹھانی گئی مگر مسلمانوں کے زور دینے پر جلسہ منعقد ہوا اور سرکار کے ان پٹھوؤں نے جو حکام سے کہہ آئے تھے کہ ہم میں قوت گویائی موجود ہے تمام مجمع کو ہاتھوں پر ڈال لیں گے جلسہ کا افتتاح کردیا۔ حاضری چھ ہزار سے زیادہ تھی قوت گویائی والے بزرگ تو بول ہی نہ سکے۔ چند اور لیڈروں نے برجستہ تقریریں کیں مگر مسلمانوں نے صاف کہہ دیا کہ ہمیں انجمن کے موجودہ عہدیدار منظور نہیں کیونکہ تمام کے تمام پریذیڈنٹ اور سیکرٹری پنشن یافتہ ہیں اور مسلمان ان سے اعلائے کلمتہ الحق کی توقع نہیں رکھتے مسلمانوں نے تقاضا شروع کردیا مسلمانوں کو ۹۰ فیصدی ہوتے ہوئے تین فیصدی نوکریاں بھی نہیں دی جاتیں۔ مسلمانوں کا خون بہایا جاتا ہے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ چند آزاد خیال حضرات نے کہہ دیا کہ مہاراج بہادر کے حکام مسلمانوں سے اس طرح سلوک کرتے ہیں جس طرح فرعون کی حکومت اسرائیلیوں سے کرتی تھی۔ کسی نے کہا کہ مسلمانوں کے اتنے بھی حقوق نہیں جتنے گدھوں کے ہوتے ہیں کسی نے کہا انسپکٹر پولیس ایک بھی مسلمان نہیں غرض طرح طرح کی شکایات دہرائی گئیں۔ مسلمانوں کی ایک جماعت نے ایک پوسٹر پر جس پر ان کی شکایات مندرج تھی دستخط کرائے اور وہ پبلک جلسہ میں پڑھا گیا تمام مسلمانوں نے اس سے اتفاق کیا اور رجعت پسندوں کو ریزولیوشن منظور تو کیا پیش کرنے کی جرات نہ ہو سکی۔ غرض مسلمانان ریاست جموں نے سر ایلین بینرجی کے لفظ لفظ سے اتفاق کیا اور مہاراج سے استدعا کی کہ آپ مسلمانوں کی شکایات کا تدارک کرنے کی طرف توجہ فرمائیں"۔ [۶۲]

دوسرے شمارہ میں نامہ نگار جموں کے حوالہ سے "انقلاب" نے یہ خبر شائع کی:۔

"یہاں کل سے بڑی زبردست افواہ پھیل رہی ہے کہ حکومت کشمیر اپنے لئے پراپیگنڈا کرانے کی غرض سے اس وقت تک بیس ہزار روپے خرچ کرچکی ہے اور ایک بڑے سرکاری افسر پچیس ہزار کی

رقم لے کر پرسوں سے لاہور گئے ہوئے ہیں تاکہ اخبارات کے منہ بند کئے جائیں۔ شہر بھر میں بڑا ہیجان پھیلا ہوا ہے.... انجمن اسلامیہ نے اپنے جس اجلاس میں وہ رسوائے عالم ریزولیوشن منظور کیا وہ اغراض و مقاصد انجمن کی رو سے بالکل بے ضابطہ اجلاس تھا کیونکہ جلسہ سالانہ کے بعد کوئی اجلاس منعقد نہیں ہو سکتا۔ تاوقتیکہ انتخاب عہدیداران نہ ہو۔ مزید براں اجلاس مذکورہ کا کورم بھی پورا نہ تھا"۔ ۴۳

تیسرے شمارہ میں یہ تبصرہ کیا:۔

"سرایلبین بینرجی کی صدائے حق نے ایک ہی دن میں جو کام کیا وہ اسلامی اخباروں کے پانسو مضامین اور اسلامی انجمنوں کی پانسو قراردادوں سے بھی نہ ہو سکا۔ ایک قابل 'تجربہ کار' مدبر نے ڈھائی سال تک ریاست کشمیر کے حالات کا امعان نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد جو رائے ظاہر کی ہے اس سے مہاراجہ بہادر' حکام ریاست حکومت ہند غرض کوئی بھی تغافل و تجاہل نہیں کر سکتی... اگرچہ بعض ہندو عمال ریاست نے چند خوشامد پرست مسلمانوں کو ساتھ ملا کر عامہ مسلمین کی رائے کو دبانے اور سرایلبین بینرجی کے بیان کی تردید کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن تمام کشمیری مسلمانوں نے اپنی کمزوری اپنی مفلسی اور بیکسی کے باوجود ان کے خلاف شدت سے صدائے احتجاج بلند کی اور ان خوشامد پرستوں کو اسلام کا غدار بتایا جو اپنے ذاتی مفاد کے لئے مسلمانوں کو پامال کرنا چاہتے ہیں... تمام اسلامی اخبارات اس معاملے میں ہم زبان ہیں"۔ ۴۴

سر ایلبین کے بیان کی تائید میں جماعت احمدیہ کا جلسہ

اس سلسلہ میں اپریل ۱۹۲۹ء میں مرکز احمدیت قادیان میں بھی ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس کی روداد اخبار انقلاب (۲۰/ اپریل ۱۹۲۹ء) نے بایں الفاظ شائع کی:۔

"قادیان کے گذشتہ ہفتہ معزز کشمیری احباب کا ایک عظیم الشان جلسہ زیر صدارت مولوی عبدالاحد صاحب مولوی فاضل منعقد ہوا جس میں مولوی احد اللہ صاحب متعلم مولوی فاضل' مولوی غلام احمد صاحب (کشفی) کارکن صیغہ ترقی اسلام' خاکسار محی الدین (بانڈی پورہ)' مولوی عبدالعزیز صاحب ڈار' خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب (شوپیاں)' مولوی عبدالغفار صاحب ڈار' غلام محی الدین شاہ صاحب تاجر (بانڈی پورہ) ۴۵ کی زبردست تقریریں ہوئیں جلسے میں بالاتفاق رائے پاس ہوئی کہ سر ایلبین بینرجی نے مسلمانان کشمیر کی افتادگی' بے چارگی کے متعلق جو بیان دیا ہے بالکل صحیح اور آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے موصوف نے جو مفید و قیمتی مشورہ ریاست کو دیا ہے اس لائق ہے کہ

ریاست اسے قدردانی اور قبولیت کی نظر سے دیکھے اور عملی جامہ پہنائے۔ سرایلبین بینرجی ایک غیر مسلم ہیں۔ ان کا مسلمانان کشمیر کے ساتھ سوائے اس کے اور کوئی تعلق نہیں کہ وہ اپنے پہلو میں بنی نوع انسان سے ہمدردی رکھنے والا ایک دردمند دل رکھتے ہیں۔ فطرت انسانی کا یہی تقاضا ہے کہ عاجز و مظلوم کی حالت دیکھ کر درد سے دل بھر جائے۔ یہ جلسہ ریاستی برادری اسلام سے پرزور استدعا کرتا ہے کہ ہر جگہ جلسے کر کے ذمہ دار حکام کی اس صلح کش حرکت اور چند نام نہاد مسلمانوں کی ملت فروشانہ کارروائی کے خلاف برملا نفرت ملامت کریں جس کا ارتکاب وہ دوروں سے اور جلسے کر کے کر رہے ہیں۔ جو مسلمانان کشمیر کے لئے کسی طرح بھی مفید نہیں بلکہ باعث ہلاکت ہے۔... آخر میں یہ جلسہ سرایلبین بینرجی کا اپنی کل مسلمان ریاست کی طرف سے دلی شکریہ ادا کرتا ہے اور ان کے بے غرضانہ بیان اور اس وسعت قلبی پر بصدق دل مبارکباد عرض کرتا ہے"۔ [۷۶]

"الفضل" میں مسلمانان کشمیر کے مطالبات اور انکی تائید

۲۷-۲۸ / اپریل ۱۹۲۹ء کو لدھیانہ میں آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس میں اہل کشمیر کی فلاح و بہبود کے لئے ۱۹ ریزولیوشنز پاس کئے اور کانفرنس کے لائحہ عمل اور اس پر عملدرآمد کے لئے چالیس افراد پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی اس اجلاس کی روداد الفضل (۱۴/ مئی ۱۹۲۹ء) نے (جو عرصہ سے کشمیری مسلمانوں کے مسئلہ میں دلچسپی لے رہا تھا) شائع کرتے ہوئے اہل کشمیر کے اہم مطالبات عوام تک پہنچائے۔ [۷۷]

"آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس" نے اپنے اس اجلاس میں یہ قرارداد بھی پاس کی کہ یہ اجلاس نہایت افسوس سے اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ دربار کشمیر گذشتہ چند سال سے ان تجاویز کو جو کانفرنس سالانہ اجلاس میں منظور کرتی ہے اور دربار کو بھیجتی ہے توجہ کرنا تو کجا جواب دینے سے بھی قاصر رہا۔ جو معمولی رواداری کا تقاضہ تھا اور باوجود کانفرنس کے متواتر مطالبات کے مسلمانان کشمیر کے مصائب کو دور کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی"۔ [۷۸]

فصل چہارم

تحریک آزادی کا چوتھا دور (از ۱۹۲۹ء تا ۱۹۳۰ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا تیسرا سفر کشمیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ۱۵/ جون ۱۹۲۹ء کو تیسری بار کشمیر تشریف لے گئے ہندو حلقوں کے سامنے چونکہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی تحریک کشمیر سے متعلق سرگرمیاں آچکی تھیں۔ اس لئے اخبار "ملاپ" (لاہور) نے ۲۲/ جون ۱۹۲۹ء کو لکھا۔ ریاست کشمیر کو اس بارہ میں اپنی تسلی کر لینی چاہئے کہیں خلیفہ صاحب ریاست کشمیر کی مسلم آبادی میں اپنے تبلیغی وعظوں سے کوئی نئے کانٹے نہ بو آئیں۔ [۳۳] حضور کو اس سفر میں یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ کشمیر بیدار ہو رہا ہے مگر خواجہ عبدالرحمٰن صاحب ڈار سے ریاستی سلوک معلوم کر کے سخت افسوس ہوا۔ چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں:۔

"میں ۱۹۲۹ء میں جب کشمیر گیا تو مجھے یہ بات معلوم کر کے نہایت خوشی ہوئی کہ مسلمانوں میں ایک عام بیداری پائی جاتی تھی حتیٰ کہ کشمیری زمیندار جو کہ لمبے عرصہ سے ظلموں کا تختہ مشق ہونے کی وجہ سے اپنی خودداری کی روح بھی کھو چکے تھے ان میں بھی زندگی کی روح داخل ہوتی ہوئی معلوم دیتی تھی۔ اتفاق حسنہ سے زمینداروں کی طرف سے جو جدوجہد کی جارہی تھی اس کے لیڈر ایک احمدی زمیندار تھے۔ زمینداروں کی حالت درست کرنے کے لئے جو کچھ وہ کوشش کر رہے تھے اس وجہ سے ریاست انہیں طرح طرح سے دق کر رہی تھی وہ ایک نہایت ہی شریف آدمی ہیں معزز زمیندار ہیں' اچھے تاجر ہیں اور ان کا خاندان ہمیشہ سے ہی اپنے علاقہ میں معزز چلا آیا ہے اور وہ بھی اپنی گذشتہ عمر میں نہایت معزز اور شریف سمجھے جاتے رہے ہیں۔ لیکن محض کسانوں کی حمایت کی وجہ سے ان کا نام بدمعاشوں میں لکھے جانے کی کوشش کی جارہی تھی جب مجھے یہ حالات معلوم ہوئے تو میں نے مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے کو اس بارہ میں انسپکٹر جنرل آف پولیس ریاست جموں و کشمیر سے ملاقات کے لئے بھیجا گفتگو کے بعد انسپکٹر جنرل پولیس نے یہ وعدہ کیا کہ وہ جائز کوشش بے شک کریں لیکن زمینداروں کو اس طرح نہ اکسائیں جس سے شورش پیدا ہو اور اس کے مقابلہ میں وہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ ان کو جو ناجائز تکلیفیں پولیس کی طرف سے پہنچ رہی ہیں وہ ان کا ازالہ کر دیں گے اور اسی طرح یہ یقین دلایا کہ جو جائز تکالیف کسانوں کو ہیں ان کا ازالہ کرنے کے لئے ریاست تیار ہے ہم

نے یہ یقین کرتے ہوئے کہ یہ وعدے اپنے اندر کوئی حقیقت رکھتے ہیں ان صاحب کو جو اس وقت کسانوں کی حمایت کر رہے تھے یہ یقین دلایا کہ ان کی جائز شکایات پر ریاست غور کرے گی اس لئے وہ کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے شورش اور فتنہ کا خوف ہو لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ زمینداروں کی جائز شکایات کو دور ہونا تو الگ رہا برابر دو سال سے (یہ الفاظ جون ۱۹۳۱ء میں لکھے گئے ناقل) ان صاحب کے خلاف ریاست کے حکام کوشش کر رہے ہیں اور باوجود مقامی حکام کے لکھنے کے کہ وہ صاحب نہایت ہی شریف انسان ہیں ان کا نام بدمعاشوں میں درج کرنے کی کوشش کی جارہی ہے"۔ [۵۰]

حضور کے دل کو (جو کشمیر کے بے بس اور مظلوم مسلمانوں کی غلامانہ زندگی اور دکھ بھری داستان پر پہلے ہی بہت دکھی تھا) اس قسم کے اخلاق سوز اور خلاف انسانیت واقعات سے اور زیادہ ٹھیس پہنچی۔ چنانچہ فرماتے ہیں "۱۹۲۹ء میں جب مجھے کشمیر جانے کا اتفاق ہوا تو پھر وہاں بعض اس قسم کے حالات دیکھنے میں آئے جن کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کی ہمدردی کا نقش اور گہرا ہو گیا"۔ [۵۱] یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس سفر میں اہل کشمیر کو اپنی مدد آپ کرنے اور متحد و منظم ہونے کی پر زور تلقین فرمائی جیسا کہ حصہ اول میں بتایا جا چکا ہے۔

سرینگر میں ریڈنگ روم پارٹی کا قیام

خواجہ غلام نبی صاحب گلکار [۵۲] سرینگر کے پر جوش احمدی اور اپنے خاندان میں پہلے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان ہیں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سرینگر میں تشریف لائے تو خواجہ صاحب کو بھی حضور کی مجلس سے فیض یاب ہونے کا موقعہ ملا۔ ملک و قوم کی خدمت کی چنگاری طالب علمی کے زمانہ ہی سے آپ کے اندر دبی ہوئی حضور کی توجہ سے اب سلگنے لگی اور انہوں نے ۱۹۳۰ء کے آغاز میں مختلف پبلک مقامات پر جا جا کر اصلاحی تقاریر کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور ان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی نصائح کے پیش نظر تعلیم 'اتحاد اور معاشرتی رسوم و رواج کی اصلاح پر زور دینے لگے۔ [۵۳]

"مورخ کشمیر منشی محمد الدین صاحب فوق لکھتے ہیں:۔ جب شیخ محمد عبداللہ جن کی خدمات اولین نے ان کو شیر کشمیر کا خطاب دیا ہے علی گڑھ میں تعلیم پا رہے تھے خواجہ غلام نبی ان ایام سے بھی قبل اپنی قومی پستی کا زبردست احساس رکھتے تھے آپ نے چند مسلمانوں کو منظم کیا۔ لیکن ریاست میں ان ایام میں انجمن بنانا جرم تھا آپ نے مسجدوں' دعوتوں' خانقاہوں اور میلوں اور ایسے ہی اجتماعات سے انجمنوں کا کام لے کر لیکچر وغیرہ شروع کر دیئے آپ کے ساتھ ان دنوں مسٹر عبدالغنی ننگرو ولد صابر جو ننگرو ساکن پلوامہ اور فتح کدل سرینگر کے ایک لڑکے غلام حسن ولد حبیب اللہ صابون کے سوا کوئی آگے آنے والا نہ تھا۔ ان ایام میں شیخ محمد عبداللہ علی گڑھ سے ایم۔ ایس۔ سی ہو کر واپس کشمیر آ چکے اور

سٹیٹ ہائی سکول میں سائنس ماسٹر مقرر ہو چکے تھے۔ اور آپ سے اکثر بلکہ روزانہ ملا کرتے تھے۔ ۵۴

سرینگر کا مشہور اخبار "اصلاح" خواجہ غلام نبی صاحب گلکار کی ان ابتدائی خدمات کا ذکر درج ذیل الفاظ میں کرتا ہے۔ "کشمیر کا ہر کس و ناکس بخوبی جانتا ہے کہ مسٹر گلکار ہی وہ مایہ ناز ہستی ہے جس کو سب سے پہلے اپنی قوم کی مظلومی و بے کسی کے خلاف آواز اٹھانے کا فخر حاصل ہوا۔ کشمیر کا بچہ بچہ اس امر کا زندہ گواہ ہے کہ مسٹر گلکار ان ہونہار نوجوانوں میں سے ہے جس کے دل نے سب سے پہلے قوم کی خستہ حالی پر درد محسوس کیا جونہی کہ اس نے عالم شباب میں قدم رکھا اس کی نگاہ قوم کی زبوں حالی و بد حالی پر پڑی اور اس کے دل پر ایسی چوٹ پڑی کہ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ۵۵ تحریک کشمیر کا جھنڈا بلند کرتا ہوا میدان میں کودا اور خطرات و مصائب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے قوم کو بیدار اور ہوشیار کرنے کے لئے عملی جدوجہد شروع کردی" اس مجاہد اعظم کی درد بھری آواز اور مخلصانہ تحریک نے صدیوں کے سوئے ہوئے غلام ملک کو بیدار کیا اور سالہا سال کی روندی ہوئی قوم میں زندگی کی لہر پیدا کردی۔ ۵۶

جناب خواجہ صاحب کی نمایاں سیاسی زندگی کا آغاز "آل کشمیر مسلم سوشل اپ لفٹ ایسوسی ایشن" سے ہوتا ہے جو نوجوانان سرینگر نے ۱۹۳۰ء میں کشمیری مسلمانوں کی تنظیم کے لئے قائم کی اور جس کے پہلے صدر آپ ہی تجویز ہوئے اس تنظیم کو جن سربر آوردہ مسلمانوں کی پشت پناہی حاصل تھی ان میں مولوی احمد اللہ صاحب ہمدانی، مولوی عبداللہ صاحب وکیل ۵۷ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہی دنوں ایسوسی ایشن کے ممبروں میں ایک ایسے سرگرم انقلابی لیڈر کا اضافہ ہوا جس نے آئندہ چل کر اندرون ریاست میں تحریک حریت کا جھنڈا اس شان سے بلند کیا کہ وہ خود مجسم تحریک بن گیا۔ میری مراد شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب ۵۸ سے ہے جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم ایس سی (کیمسٹری) کی ڈگری لیکر سرینگر میں تشریف لائے اور آتے ہی ایسوسی ایشن میں ایک نئی روح پھونک دی۔ ۸/ مئی ۱۹۳۰ء کو آل کشمیر مسلم سوشل اپ لفٹ ایسوسی ایشن۔ ۵۹ کا پہلا اجلاس "کا پگڑی مسجد حاجی سم راتھر" کے محلہ میں خواجہ محمد سکندر صاحب ٹیلیگراف ماسٹر کے مکان پر ہوا جس میں قریباً ایک سو نوجوان شامل ہوئے اور انہوں نے حلف اٹھایا کہ ہم ڈوگرہ حکومت سے کشمیر کو آزاد کرا کے چھوڑیں گے۔ ۶۰، ۶۱

چونکہ ریاست میں سیاسی انجمن بنانے کی اجازت نہ تھی اس لئے طے پایا کہ ایک ریڈنگ روم کھولا جائے جس سے تحریک آزادی کے لئے پراپیگنڈا سنٹر کا کام لیا جاسکے چنانچہ مجوزہ پروگرام کے مطابق دوسرے دن ۹/ مئی ۱۹۳۰ء کو عیدالاضحیہ کے دن ۶۲ یہ ریڈنگ روم کھولا گیا اور فتح کدل پر واقع

ہونے کی وجہ سے اس کا نام فتح کدل ریڈنگ روم رکھا گیا اور اس سے وابستہ لوگ "ریڈنگ روم پارٹی" کے نام سے موسوم ہوئے اور اس کے صدر شیر کشمیر محمد عبداللہ صاحب اور جنرل سیکرٹری خواجہ غلام نبی صاحب گلکار چنے گئے۔ [۶۳]

جموں میں "ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن" کے سیاسی لیڈر مثلاً جناب ٹھیکیدار مستری یعقوب علی صاحب، چوہدری غلام عباس صاحب، جناب سردار گوہر رحمان صاحب) بڑی جانفشانی، کوشش، خلوص اور استقلال سے تحریک آزادی کا علم بلند کر رہے تھے اور سر ایلبین بینرجی کے بیان کے بعد پنجاب کے مسلم پریس کے ذریعہ کشمیر کے اندرونی حالات بیرونی دنیا کے سامنے لا رہے تھے شیخ محمد عبداللہ صاحب ایسوسی ایشن سے رابطہ اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے خود جموں تشریف لے گئے۔ [۶۴] اور اپنے مشن میں کامیاب واپس آکر جلسوں جلوسوں اور تقریروں کا سلسلہ شروع کر دیا اور اب جموں [۶۵] کی طرح سرینگر سے بھی پنجاب کے مسلم پریس میں ڈوگرہ راج کے ظلم و ستم اور مسلمانوں کی مظلومی اور بیکسی کے متعلق مراسلات اور مضامین بھجوائے جانے لگے جن اخبارات میں یہ خطوط و مضامین شائع ہوتے تھے ریڈنگ روم پارٹی اسے پھیلا دیتی۔

ریڈنگ روم پارٹی نے ایک اور خفیہ پارٹی بنائی جو سرکاری ملازموں پر مشتمل تھی جس میں خواجہ علی شاہ صاحب، خواجہ غلام محمد صاحب گلکار، حکیم علی ریشم خانہ، غلام احمد صاحب عشائی نظام الدین صاحب مستو، صفدر علی صاحب، پیر غلام احمد صاحب فاضل اور پیر غلام رسول صاحب تھے جن کے ذمہ یہ کام تھا کہ مسلمانان ریاست کی ملازمتوں کے اعداد و شمار جمع کر کے پنجاب کے اخبارات کو ارسال کئے جائیں۔ [۶۶] چنانچہ یہ کام پوری سرگرمی سے جاری رہا۔

فصل پنجم

تحریک آزادی کے پانچویں دور کا آغاز (اپریل ۱۹۳۱ء سے مئی ۱۹۳۳ء تک)

مذہبی مداخلت اور توہین قرآن مجید کے ناگوار واقعات

اب ہم ۱۹۳۱ء کے اہم سال میں قدم رکھ رہے ہیں جبکہ تحریک آزادی کشمیر مختلف ابتدائی ادوار میں سے گذرتی ہوئی ایک نئے اور انقلاب انگیز دور میں داخل ہوگئی اور وہ مواد جو اندر ہی اندر بے کس مسلمانوں کے قلوب میں پک رہا تھا پھوٹ کر بہہ نکلا اور مظلوم کی زبان اس کے مظالم کی داستان سے ہویدا ہوگئی یہ انقلاب انگیز دور ۲۹/ اپریل ۱۹۳۱ء سے شروع ہوتا ہے جبکہ عید الاضحیہ کے دن جموں میں ایک آریہ ڈپٹی انسپکٹر پولیس نے ایک خطیب کو عید کا خطبہ پڑھنے سے روک دیا۔ اور یہ بتانے کے باوجود کہ خطبہ نماز کا ایک ضروری جزو ہے ہندو افسر اس بات پر اڑا رہا میں کہتا ہوں صرف نماز پڑھ سکتے ہو لیکچر کی اجازت نہیں۔ [۶۷] ریاست کے مسلمان جو صدیوں سے زیر عتاب چلے آرہے تھے یہ واقعہ برداشت نہ کرسکے۔ اور ینگ مینز ایسوسی ایشن نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور اس سلسلہ میں ایک پوسٹر بھی شائع کیا۔ جس نے ریاست کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک آگ سی لگادی یہ آتشی ماحول قائم تھا کہ اس کے صرف چند روز بعد ۵ جون کی صبح کو ایک ہندو سارجنٹ کے ہاتھوں قرآن مجید کی سخت بے حرمتی کا دل آزار واقعہ پیش آگیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جموں پولیس کا ایک مسلمان کانسٹیبل صبح کے وقت اپنے کمرہ میں تلاوت کر رہا تھا کہ ایک ہندو سارجنٹ آیا اور کانسٹیبل کو قرآن مجید کی تلاوت کرتے دیکھ کر آپے سے باہر ہوگیا اور اس نے کانسٹیبل کے ہاتھ سے قرآن کریم (پنجسورہ) چھین کر زمین پر دے مارا۔ اور غصہ سے کہنے لگا کہ تم یہ بکواس پڑھ رہے ہو۔ [۶۸] اور بعد میں حکومت کشمیر نے مسلمان سپاہی کو برطرفی کی سزا دے دی اور ظالم و سفاک ہندو افسر کو پنشن پر ریٹائر کردیا جس کے نتیجہ میں کئی مسلمانوں کے زخمی دلوں پر نہایت بیدردانہ طریق سے نمک پاشی ہوئی۔ [۶۹] اس زمانہ کے قریب ریاسی کی مسجد بھی گرائی گئی اور ڈھگوار اور کوٹلی میں نماز پڑھنے کی ممانعت کردی گئی۔

ان واقعات کے یکے بعد دیگرے ہونا' ہر واقعہ میں عبادت میں دخل اندازی کا ہونا اور پھر ہر واقعہ میں غیر مسلم پولیس کا ہاتھ ہونا بتاتا ہے کہ یہ اتفاقی حادثات نہیں تھے بلکہ دیدہ دانستہ کسی سکیم کا نتیجہ تھے

اس امر نے قدرتاً ریاست کے مسلمانوں کے اندر جوش پیدا کر دیا اور ریاست کی مسلم آبادی میں انتہائی رنج والم کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمانوں نے سخت اضطراب اور بے تابی کی حالت میں حکومت کشمیر سے مناسب تلافی کی استدعا کی اور اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھوں کے سامنے وہ مظالم بھی پھر گئے جو ڈوگرہ حکومت ابتداء ہی سے ان پر کرتی آرہی تھی اور انہیں یہ احساس ہوا کہ ریاست کے افسران یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ جموں کشمیر میں اب مسلمان محض ذلیل اور غلامانہ حیثیت میں رہ سکتا ہے چنانچہ ساری ریاست میں اس کے خلاف پروٹسٹ شروع ہو گیا جلسے کئے گئے اور برطانوی ہند کے مسلم پریس [۴۰] نے خصوصاً زبردست تنقید کی۔ مگر حکومت جموں و کشمیر نے کوئی مصالحانہ قدم اٹھانے کی بجائے اور زیادہ سختی شروع کر دی اور مسلم اخبارات کے داخلے بند کرنے شروع کر دیئے چنانچہ "انقلاب" "مسلم آؤٹ لک" اور "سیاست" کا ریاست کے اندر داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔ جب بعض مسلم اخباروں نے بعض دوسرے ناموں سے اخبارات نکالنے شروع کئے تو ان کے داخلے بھی بند کر دیئے گئے اس طرح ریاست کے مسلمانوں اور باہر کے مسلمانوں میں جدائی ڈال دینے سے ریاستی مسلمانوں اور برطانوی ہندوستان کے مسلمانوں میں شدید گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔ ریاست کے مسلمان نوجوانوں کا ایک وفد ۹/ جون ۱۹۳۱ء کو (ریاست کے انگریز وزیر) مسٹر ویکفیلڈ (Mr.G.E.C.Wakefield) سے ملا جو ایک روز قبل بغرض تحقیق کشمیر سے جموں آئے تھے اور جموں کی تمام اسلامی انجمنوں کے صدر اور سیکرٹری مدعو کر کے مسلمانوں کی شکایات سے متعلق گفتگو کر چکے تھے۔ [۴۱] مسلم وفد نے پانچ گھنٹے تک ان سے تبادلہ خیالات کیا۔ اپنے ضروری مطالبات ان کے سامنے رکھے اور درخواست کی کہ وہ ان کو مہاراجہ صاحب جموں و کشمیر کے سامنے پیش کریں۔ [۴۲] مسٹر ویکفیلڈ (وزیر دفاع و پولیٹکل امور) نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنا ایک وفد سری نگر میں مہاراجہ صاحب کے پاس لے جائیں اور وعدہ کیا کہ مسلمانوں کی تکالیف مہاراجہ صاحب کے سامنے پیش کریں گے۔ اور ان کے ازالہ کی کوشش کریں گے۔ [۴۳] چنانچہ ان کی اس یقین دہانی پر جموں کے چار مسلمان لیڈروں کا ایک وفد تجویز ہوا جس کے نام مندرجہ ذیل تھے۔ (۱) چوہدری غلام عباس صاحب (۲) مستری یعقوب علی صاحب (۳) سردار گوہر رحمان صاحب (۴) شیخ عبدالحمید صاحب ایڈووکیٹ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے آزادی کشمیر سے متعلق مضامین کا آغاز

جونہی یہ خبر روزنامہ انقلاب مورخہ ۱۲/ جون ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنی خداداد فراست و ذہانت سے قطعی طور پر اس نتیجے پر پہنچے کہ آزادی کشمیر کا یہ نہایت سنہری موقعہ ہے اور اس وقت کی خاموشی کشمیریوں کی ابدی غلامی پر منتج ہوگی۔ چنانچہ آپ نے انقلاب میں ہی ایک مضمون لکھا۔ جو ۱۶/ جون ۱۹۳۱ء کو الفضل میں بھی شائع ہوا۔ اس مضمون میں حضور نے تحریر فرمایا:۔

"میں متواتر کئی سال سے کشمیر میں مسلمانوں کی جو حالت ہو رہی ہے اس کا مطالعہ کر رہا ہوں اور لمبے مطالعہ اور غور کے بعد اس نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور ہوا ہوں کہ جب تک مسلمان ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے یہ زرخیز خطہ جو نہ صرف زمین کے لحاظ سے زرخیز ہے بلکہ دماغی قابلیتوں سے بھی حیرت انگیز ہے کبھی بھی مسلمانوں کے لئے فائدہ بخش تو کیا آرام دہ ثابت نہیں ہو سکتا.... کشمیر ایک ایسا ملک ہے جسے صنعت و حرفت کا مرکز بنایا جا سکتا ہے۔ اس ملک کے مسلمانوں کو ترقی دیکر ہم اپنی صنعتی اور دینی پستی کو دور کر سکتے ہیں۔ اس کی آب و ہوا ان شدید تغیرات سے محفوظ ہونے کی وجہ سے جو پنجاب میں پائے جاتے ہیں بارہ مہینے کام کے قابل ہے۔ ہندوستان کی انڈسٹریل ترقی میں اس کا موسم بہت حد تک روک ہے لیکن کشمیر اس روک سے آزاد ہے اور پھر وہ ایک وسیع میدان ہے جس میں عظیم الشان کارخانوں کے قائم کرنے کی پوری گنجائش ہے پس تمام مسلمانوں کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ اس ملک کو اس تباہی سے بچانے کی کوشش کریں جس کے سامان بعض لوگ پوری طاقت سے پیدا کر رہے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان اخبارات جیسے انقلاب۔ مسلم آؤٹ لک۔ سیاست اور سن رائز اور اسی طرح نیا اخبار کشمیری مسلمان جموں اور کشمیر کے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت میں بہت کچھ حصہ لے رہے ہیں لیکن خالی اخبارات کی کوششیں ایسے معاملات کو پوری طرح کامیاب نہیں کر سکتیں۔ ضرورت ہے کہ ریاست کشمیر کو اور گورنمنٹ کو پوری طرح اس بات کا یقین دلایا جائے کہ اس معاملے میں سارے کے سارے مسلمان خواہ وہ بڑے ہوں یا کہ چھوٹے ہوں کشمیر کے مسلمانوں کی تائید اور حمایت پر ہیں اور ان مظالم کو جو وہاں کے مسلمانوں پر جائز رکھے جاتے ہیں کسی صورت میں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں جہاں تک میں سمجھتا ہوں ریاست پر اور گورنمنٹ پر زور ڈالنے کے سامان مفقود نہیں ہیں ہم دونوں طرف زور ڈال سکتے ہیں ضرورت صرف متحدہ کوشش اور عملی جدوجہد کی ہے۔

میں نے ان مطالبات کو جو مسلمانان کشمیر کی طرف سے مسٹر ویکفیلڈ کے سامنے پیش ہوئے ہیں

دیکھا ہے میرے نزدیک وہ نہایت ہی معقول اور قلیل ترین مطالبات ہیں اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں ان میں اس مطالبہ کو بھی شامل کرنے کی ضرورت ہے کہ کشمیر کے علاقہ میں انجمنیں قائم کرنے پر جو روک پیدا کی جاتی ہے اس کو بھی دور کیا جائے جہاں تک مجھے علم ہے یہی پونچھ کے علاقہ میں بھی روک ہوتی ہے اور اجازت کی ضرورت ہوتی ہے یعنی جس طرح تحریر و تقریر کی مکمل آزادی کا مطالبہ کیا گیا ہے اسی طرح اجتماع کی مکمل آزادی کا بھی مطالبہ کیا جائے اور میرے نزدیک علاقہ کشمیر کے مسلمانوں کے زمیندارہ حقوق جو ہیں ان پر نظر ثانی کا مطالبہ بھی ہونا چاہئے کشمیر کے مسلمانوں کا بیشتر حصہ زمیندار ہے لیکن وہ لوگ ایسے قیود میں جکڑے ہوئے ہیں کہ سر اٹھانا ان کے لئے ناممکن ہے عام طور پر کشمیر کے علاقہ میں کسی نہ کسی بڑے زمیندار کے قبضہ میں جائدادیں ہوتی ہیں اور وہ لوگ انہیں تنگ کرتے رہتے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دو چار مسلمان زمیندار بھی ہیں لیکن دو چار مسلمانوں کی وجہ سے کشمیر کے لاکھوں مسلمانوں کو غلام نہیں بنے رہنے دینا چاہئے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں اگر ہمیں کشمیر و جموں کے مسلمانوں کی آزادی کا سوال حل کرنا مطلوب ہے تو اس کا وقت اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کی آزادی کی تحریک کے نتیجہ میں قدرتی طور پر انگلستان اپنے قدم مضبوط کرنے کے لئے ریاستوں کو آئندہ بہت زیادہ آزادی دینے پر آمادہ ہے اگر اس وقت کے آنے سے پہلے جموں اور کشمیر کے مسلمان آزاد نہ ہو گئے تو وہ بیرونی دباؤ جو جموں اور کشمیر ریاست پر آج ڈال سکتے ہیں کل نہیں ڈال سکیں گے پس میرے نزدیک اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک کانفرنس جلد سے جلد لاہور یا سیالکوٹ یا راولپنڈی میں منعقد کی جائے۔ اس کانفرنس میں جموں اور کشمیر سے بھی نمائندے بلوائے جائیں اور پنجاب اور اگر ہو سکے تو ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے مسلمان لیڈروں کو بھی بلایا جائے اس کانفرنس میں ہمیں پورے طور پر جموں اور کشمیر کے نمائندوں سے حالات سن کر آئندہ کے لئے ایک طریق عمل تجویز کر لینا چاہئے اور پھر ایک طرف حکومت ہند پر زور ڈالنا چاہئے وہ کشمیر کی ریاست کو مجبور کرے کہ مسلمانوں کو حقوق دیئے جائیں۔ دوسری طرف مہاراجہ صاحب کشمیر و جموں کے سامنے پورے طور پر معاملہ کو کھول کر رکھ دینے کی کوشش کی جائے تاکہ جس حد تک ان کو غلط فہمی میں رکھا گیا ہے وہ غلط فہمی دور ہو جائے اور اگر ان دونوں کوششوں سے کوئی نتیجہ نہ نکلے تو پھر ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ جن کے نتیجہ میں مسلمانان جموں اور کشمیر وہ آزادی حاصل کر سکیں جو دوسرے علاقہ کے لوگوں کو حاصل ہے چونکہ ریاست ہندو ہے ہمیں کوئی اعتراض نہ ہو گا کہ ہم اپنے حقوق میں سے کچھ حصہ رئیس کے خاندان کے لئے چھوڑ دیں لیکن یہ کسی صورت میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ پچانوے فیصدی آبادی کو پانچ فیصدی بلکہ اس سے بھی کم حق دے

کر خاموش کرا دیا جائے۔ میرے خیال میں کشمیری کانفرنس نے جو کچھ کام اس وقت تک کیا ہے وہ قابل قدر ہے لیکن یہ سوال اس قسم کا نہیں کہ جس کو باقی مسلمان کشمیریوں کا سوال کہہ کر چھوڑ دیں مسلمانان جموں و کشمیر کو اگر ان کے حق سے محروم رکھا جائے تو اس کا اثر صرف کشمیریوں پر ہی نہیں پڑے گا بلکہ سارے مسلمانوں پر پڑے گا اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے مسلمان تماشائی کے طور پر اس جنگ کو دیکھتے رہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کانفرنس کی دعوت کشمیری کانفرنس کی طرف سے جاری ہونی چاہئے لیکن دعوت صرف کشمیریوں تک ہی محدود نہیں رہنی چاہئے بلکہ تمام مسلمانوں کو جو کوئی بھی اثر و رسوخ رکھتے ہیں اس مجلس میں شریک ہونے کی دعوت دینی چاہئے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ اگر متحدہ کوشش کی جائے تو اس سوال کو جلد سے جلد حل نہ کیا جا سکے"۔ [۴۷]

آزادی کشمیر میں دلچسپی لینے کے فوری وجوہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے مسئلہ کشمیر کے لئے میدان عمل میں آنے کے چار اہم وجوہ و اسباب تھے۔ جن پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ اپنے قلم سے روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

"مجھے جو فوری توجہ کشمیر کے مسئلہ کی طرف ہوئی اس کی چار وجوہات تھیں پہلی وجہ تو یہ تھی کہ میں کشمیر کا کئی دفعہ سفر کر چکا تھا۔ اور میں نے وہاں کے مسلمانوں کی مظلومیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا تھا۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ پچاس ہزار کے قریب وہاں احمدی تھے جن کے حالات احمدیہ جماعت میں شامل ہونے کی وجہ سے مجھے قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملتا تھا۔ اور اس وجہ سے ان کی مظلومیت مجھ پر زیادہ سے زیادہ ظاہر ہوتی رہتی تھی۔ تیسرے نواب امام دین صاحب جو مہاراجہ رنجیت سنگھ سکھ بادشاہ کے زمانہ میں جالندھر کے گورنر تھے ان کو کشمیر کے خراب حالات دیکھ کر سکھ گورنمنٹ نے گورنر بنا کر کشمیر بھجوایا کشمیر کے حالات خراب تھے خصوصاً ارد گرد بسنے والے ڈوگروں کی وجہ سے یہ خرابی بڑھ گئی تھی۔ اس لئے نواب امام دین صاحب کا یہ خیال تھا کہ یہ کام آسان نہیں بلکہ بہت مشکل ہے انہوں نے سکھ گورنمنٹ سے اصرار کیا کہ مجھے اپنے ساتھ بطور مددگار میرزا غلام مرتضیٰ رئیس قادیان کو بھی ساتھ لے جانے کی اجازت دی جائے۔ میرزا غلام مرتضیٰ صاحب میرے دادا تھے اور نواب امام دین صاحب کے نہایت گہرے دوست تھے چنانچہ یہ دونوں کشمیر گئے اتنے میں انگریزوں اور سکھوں کی لڑائی ہوئی۔ اور انگریزوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے لڑکے پر فتح پائی اور انہوں نے تاوان جنگ کے طور پر ۷۵ لاکھ نانک شاہی روپیہ مانگا۔ جو تقریباً پچاس لاکھ موجودہ سکہ کے برابر تھا۔ چونکہ سکھ خزانے اس وقت خالی تھے اور انگریزوں نے جو سکھوں پر فتح پائی تھی اس میں اندرونی سازش مہاراجہ

دھیان سنگھ جرنیل مجیٹھہ اور جرنیل سردار گلاب سنگھ بھاگو والیہ (جو رشتہ داری کے لحاظ سے پٹیالہ اور کپورتھلہ سے ہی تعلق رکھتا تھا) کی تھی اس لئے انگریزوں نے سکھ حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ ۷۵ لاکھ چہرہ نانک شاہی کے بدلہ میں کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس بیچ دیں۔ اس کے بعد ریاست کشمیر نے اپنے اردگرد کا ایک وسیع علاقہ جو چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمرانوں کے ماتحت تھا قیام امن کے نام سے فتح کیا۔ گلگت کا بہت سا علاقہ مظفر آباد کا بہت سا علاقہ اور ریاسی کا بہت سا علاقہ سب اسی قسم کا ہے مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس اس جائداد کے جانے سے اس سکیم کی وجہ سے جس پر ڈوگرے عمل کرنا چاہتے تھے یعنی مسلمان ریاستوں کو تباہ کر کے ریاست جموں و کشمیر میں ملانا چاہتے تھے نواب امام دین صاحب نے بغاوت کرنا چاہی اور ان مسلمان ریاستوں کا ایک جتھہ بنانا چاہا۔ لیکن باقی مسلمانوں نے ان کو مشورہ دیا کہ یہ لڑائی انگریزوں کے ساتھ ہوگی۔ اور انگریزوں کے ساتھ پہاڑی نواب نہیں لڑ سکتے ہیں اس لئے نواب امام دین صاحب چارج دیکر وہاں سے آ گئے۔

چوتھی وجہ کشمیر میں دلچسپی کی یہ تھی کہ میرے استاد اور جماعت احمدیہ کے پہلے خلیفہ اور میرے خسر حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب کشمیر میں بطور شاہی حکیم کے ملازم رہے تھے اور راجہ ہری سنگھ کا باپ امر سنگھ اور چچا رام سنگھ اس وقت دونوں ۱۵-۱۵-۱۶-۱۶ سال کی عمر کے تھے۔ ان دونوں نے اسلام کی خوبیوں کو محسوس کیا اور حضرت مولوی نورالدین صاحب سے خواہش کی کہ وہ انہیں قرآن شریف پڑھائیں اور آپ نے ان کو مخفی طور پر قرآن شریف پڑھانا شروع کیا۔ ۱۴-۱۴-۱۵-۱۵ پارے پڑھے تھے کہ اس وقت کے مہاراجہ کو خبر ہو گئی جو مہاراجہ ہری سنگھ موجودہ راجہ کے تایا تھے اور ان کا نام پرتاپ سنگھ تھا انہوں نے اسی وقت مولوی صاحب کو تین دن کے اندر اندر جموں سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ اور ان لڑکوں کو عملاً نظر بند کر دیا۔ چوری چھپے کبھی بعد میں بھی حضرت مولوی صاحب سے خط و کتابت کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ میں نے ان کے بعض خط حضرت مولوی صاحب کے نام خود پڑھے ہیں (انکا حضرت مولوی صاحب سے ایسا تعلق تھا کہ امر سنگھ آپ کو اپنے خطوں میں اپنے بزرگ کے طور پر مخاطب کیا کرتا تھا) پس ایک طرف مسلمانوں کی ہمدردی اور ان کی مظلومیت کے احساس کی وجہ سے اور دوسری طرف اس خواہش کی وجہ سے کہ کشمیر جس میں میرے دادا سالہا سال تک کام کرتے رہے ہیں اور پھر اس وجہ سے کہ مہاراجہ ہری سنگھ کے باپ نے میرے خسر سے قرآن کریم پڑھا ہے ان سب کی ترقی کے لئے کوشش کروں میں نے فوراً اس معاملہ میں دلچسپی لینی شروع کر دی"۔ ۴۵

۱۶/ جون کے تاریخی مضمون کی بازگشت

تحریک آزادی میں دلچسپی لینے کے عوامل و محرکات کا تذکرہ کرنے کے بعد اب ہم دوبارہ ۱۶/ جون ۱۹۳۱ء کے مضمون کی طرف آتے ہیں یہ تاریخی مضمون جو گویا جنگ آزادی کا پہلا بگل تھا جب "انقلاب" اور "الفضل" میں شائع ہوا تو اس کی صدائے بازگشت یہ پیدا ہوئی کہ اول تو روزنامہ "سیاست" (لاہور) نے اسکی تائید میں ایک مضمون بعنوان کشمیر کانفرنس کے انعقاد کی تجویز لکھا۔ دوسرے مسلمانان ہند کے نامور صوفی لیڈر جناب شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے حضور کو خط لکھا کہ اب دیر نہیں کرنا چاہئے اور جلد کشمیر کانفرنس کی تحریک کر دینا چاہئے۔

جنرل سیکرٹری مسلم کشمیری کانفرنس کا مکتوب

تیسرے سید محسن شاہ صاحب بی۔اے۔ ایل ایل۔بی ایڈووکیٹ جنرل سیکرٹری مسلم کشمیری کانفرنس لاہور نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو مندرجہ ذیل مکتوب لکھا جو انقلاب یکم جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۳ پر بھی شائع ہوا۔

"مکرمی محترمی جناب مرزا صاحب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ میں نے آپ کا مضمون "ریاست کشمیر و جموں میں مسلمانوں کی حالت اور ایک خاص کشمیری کانفرنس منعقد کرنے کی ضرورت اخبار "انقلاب" مورخہ ۱۶/ جون میں پڑھا۔ مجھے آپ کے خیال سے کلی اتفاق ہے اور مسلمانان کشمیر کی حالت زار پر جو تجویز آپ نے تحریر فرمائی ہے وہ نہایت مفید اور قابل عمل ہے میرا خیال تھا کہ آپ مجھے بحیثیت آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس یہ تجویز تحریر کریں گے تاکہ میں اسے کانفرنس کی مجلس عاملہ میں پیش کروں مگر مجھے آج کے انقلاب مورخہ ۲۳/ جون ۱۹۳۱ء سے معلوم ہوا کہ آپ چاہتے ہیں کہ میں اخبار کے ذریعہ آپ کی تجویز کے متعلق اپنی رائے تحریر کروں لہذا یہ چند سطور آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں میں کانفرنس کا مجلس عاملہ کا جلسہ آئندہ ۵/ جولائی کو منعقد کروں گا جو فیصلہ ہو گا اس سے آپ کو مطلع کر دوں گا مگر میری ذاتی رائے یہ ہے کشمیر کا معاملہ ایسا معاملہ ہے جس میں سب مسلمانوں کا متفقہ طور پر شریک ہونا نہایت مفید ہو گا اور اس کے لئے ایک الگ انجمن قائم کرنی زیادہ مفید ہو گی لاہور کے اہل الرائے اصحاب سے میری اس معاملہ میں گفتگو ہوئی ہے اور یہ سب کی رائے ہے کہ یہ کام ایک الگ جماعت کے سپرد ہو تو اس سے جلد مفید نتیجہ نکلے گا۔ اور اس کے لئے بھی عنقریب لاہور میں ایک جلسہ منعقد کیا جائے گا۔ جس میں اگر آپ شریک ہوں تو بہت ہی اچھا ہو ورنہ آپ اپنے کسی نمائندے کو بھجوا دیں میں اس جلسے کی اطلاع آپ کو اور دیگر ہمدرد اصحاب کو دوں گا۔ اور اس جلسے میں مجوزہ کانفرنس کے ابتدائی مراحل طے کئے جائیں گے میں اور تمام مسلمان آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ

نے اس معاملے میں دلی ہمدردی اور دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے جس سے یقین کامل ہے کہ بہت جلد مفید عملی نتائج پیدا ہوں گے۔ خداوند کریم آپ کو اس نیک کام میں حصہ لینے کے لئے جزاہائے خیر عطا فرمائے"۔ والسلام نیازمند محسن شاہ آنریری جنرل سیکرٹری مسلم کشمیری کانفرنس۔ [۶۱]

آزادی کشمیر سے متعلق دوسرا مضمون

اس رد عمل پر حضور نے ایک اور مضمون رقم فرمایا جو روزنامہ انقلاب مورخہ ۲۵/ جون ۱۹۳۱ء اور روزنامہ الفضل ۲/ جولائی ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔ حضور نے اس مضمون میں لکھا کہ "آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس" جیسے ادارہ کو چاہئے کہ وہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دعوت نامہ شائع کرے اور مقام اجتماع کا اعلان کرے لیکن اگر مصلحت کی وجہ سے وہ اس کام کو ہاتھ میں نہ لینا چاہے تو پھر ہم لوگوں میں سے کوئی اس کا محرک ہو سکتا ہے"۔

اپنی اس ذاتی رائے کا اظہار کرنے کے بعد حضور نے کشمیر کانفرنس سے متعلق قیمتی مشورے دینے کے بعد تحریر فرمایا:-

"اب بھی میرا یہی خیال ہے کہ کشمیری کانفرنس کے سیکرٹری صاحب کو اس کام کے لئے کھڑا ہونا چاہئے مجھے اچھی طرح معلوم نہیں کہ وہ کون صاحب ہیں مگر میں امید کرتا ہوں کہ کام کو سہولت سے چلانے کے لئے وہی اس مجلس کے انعقاد کی کوشش کریں گے کیونکہ ہر کام کے لئے بلا ضرورت و مصلحت الگ الگ انجمنوں کا بنانا تفرقہ اور انشقاق پیدا کرتا ہے لیکن اگر کسی وجہ سے وہ اس کام کو کرنا پسند نہ فرماتے ہوں تو میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ اخبار کے ذریعہ سے اس کی اطلاع کر دیں۔ تاکہ کوئی دوسرا انتظام کیا جائے۔

"سیاست" کے مضمون نگار صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ کشمیر کے نمائندوں کا طلب کرنا ناممکن ہو گا لیکن میرے نزدیک یہ ناممکن نہیں، مجھے جو اطلاعات کشمیر سے آرہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کشمیر میں سینکڑوں آدمی اس امر کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں۔ کہ اپنی جان اور مال کو قربان کر کے مسلمانوں کو اس ذلت سے بچائیں جس میں وہ اس وقت مبتلا ہیں اور کشمیر والوں نے ایک انجمن سات آدمیوں کی ایسی بنائی ہے۔ جس کے ہاتھ میں سب کام دے دیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انجمن اپنے میں سے کسی کو یا اپنے حلقہ سے باہر سے کسی شخص کو نمائندہ مقرر کر کے بھیج دے اسی طرح گاؤں کے علاقوں سے بھی نمائندے بلوائے جا سکتے ہیں اگر ریاست کشمیر کی طرف سے روک کا احتمال ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان نمائندوں کا علم بھی کسی کو نہ دیا جائے لیکن اگر بفرض محال ہم کشمیر سے نمائندے طلب نہ بھی کر سکیں۔ تو پھر ہم یہ کر سکتے ہیں کہ ایک دو معتبر آدمیوں کو اپنی طرف سے کشمیر بھجوا دیں وہ بہت

معروف نہ ہوں اور نہ ان کے نام شائع کئے جائیں کشمیر پہنچ کر وہ کشمیر کی انجمن اور دوسرے علاقوں کے سربر آوردہ لوگوں سے مشورہ کر کے ان کے خیالات کو نوٹ کر کے لے آئیں۔ اور کانفرنس میں ان سے فائدہ اٹھالیا جائے۔

بہر حال کشمیر کے حقیقی مطالبات کا علم ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ مختلف علاقوں میں مختلف طور سے ظلم ہو رہا ہے اور ہم دور بیٹھے اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے لیکن باوجود اس کے میرا یہ مطلب نہیں کہ اگر کشمیر کے نمائندے نہ آسکیں تو ہم کوئی کام ہی نہ کریں۔ اگر ان سب تجاویز میں سے کسی پر بھی عمل نہ ہو تو بھی ہمیں کانفرنس کرنی چاہئے جو باشندگان کشمیر کشمیر سے باہر ہیں وہ کم کشمیری نہیں ہیں ہم اس کی مدد سے جس حد تک مکمل ہو سکے اپنی سکیم تیار کر سکتے ہیں۔

یہ ضروری ہے کہ یہ کانفرنس تمام فرقوں اور تمام اقوام کی نمائندہ کانفرنس ہو تاکہ متفقہ کوشش سے کشمیر کے سوال کو حل کیا جاسکے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس غرض کے لئے ان مسلمانوں کو بھی ضرور دعوت دینی چاہئے جو کانگریس سے تعلق رکھتے ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ لوگ اس کام میں دوسرے مسلمانوں سے پیچھے رہیں گے۔

"سیاست" کے مضمون نگار صاحب نے ایک پبلسٹی کمیٹی کشمیر کے قیام کی بھی تجویز پیش کی ہے میں اس سے بالکل متفق ہوں اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس بارہ میں میں کشمیر کے دوستوں کو پہلے سے لکھ چکا ہوں کہ کشمیر کی آزادی کی جدوجہد کو کامیاب کرنے کے لئے ہندوستان اور اس کے باہر بھی پروپیگنڈا کی ضرورت ہوگی اور میں اس کام میں سے یہ حصہ اپنے ذمہ لیتا ہوں کہ پارلیمنٹ کے ممبروں اور گورنمنٹ ہند کو کشمیر کے مسلمانوں کے حالات سے آگاہ کرتا رہوں اور کشمیر کے حالات کے متعلق پارلیمنٹ میں سوال کرواتا رہوں اس کے جواب میں مجھے یہ اطلاع بھی آگئی ہے کہ وہاں بعض دوست ایسے حالات جمع کرنے میں مشغول ہیں جن سے ان مظالم کی نوعیت ظاہر ہو گی۔ جو اس وقت کشمیر کے مسلمانوں پر روا رکھے جاتے ہیں اس فہرست کے آتے ہی میں ایک اشتہار میں ان کا مناسب حصہ درج کر کے پارلیمنٹ کے ممبروں میں اور دوسرے سربر آوردہ لوگوں میں تقسیم کراؤں گا اور گورنمنٹ ہند کو بھی توجہ دلاؤں گا۔

اس وقت غلامی کے خلاف سخت شور ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ کشمیر کی لاکھوں کی آبادی بلا قصور غلام بنا کر رکھی جائے آخر غلام اسی کو کہتے ہیں جسے روپیہ کے بدلے میں فروخت کر دیا جائے اور کیا یہ حق نہیں کہ کشمیر کو روپیہ کے بدلہ میں حکومت ہند نے فروخت کر دیا تھا پھر کیا ہمارا یہ مطالبہ درست نہیں کہ جبکہ انگریز عرب اور افریقہ کے غلاموں کو آزاد کرانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ ان غلاموں کو

بھی آزاد کرائیں جن کی غلامی کا سبب وہ خود ہوئے ہیں میں سمجھتا ہوں ہر ایک دیانتدار آدمی اس معاملہ میں ہمارے ساتھ ہوگا۔ بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ خود مہاراجہ سر ہری سنگھ صاحب بھی اگر ان کے سامنے سب حالات رکھے جائیں تو اس ظلم کی جو ان کے نام سے کیا جارہا ہے اجازت نہ دیں گے اور مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق دے کر اس فیڈریشن کے اصل کو مضبوط کریں گے جس کی وہ تائید کر رہے ہیں"۔ ۷۷

آزادی کشمیر سے متعلق تیسرا مضمون

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے اس دوسرے مضمون پر مختلف طور پر حاشیہ آرائی ہوتی رہی۔ بعض لوگوں نے کشمیر کے ساتھ دلچسپی پیدا کرنے کے لئے یوم کشمیر منانے کے فیصلے کئے لیکن بد قسمتی سے کسی نظام کے تحت نہیں پشاور نے الگ تاریخ مقرر کر دی کانپور نے الگ اور لاہور نے الگ۔ ۷۸ تب حضور نے تیسرا مضمون لکھا جو الفضل مورخہ ۱۶/ جولائی ۱۹۳۱ء میں اور انقلاب ۱۸/ جولائی ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا اور اس میں آپ نے بتایا کہ یہ کام بغیر نظام کے ہونے والا نہیں انگریز کہہ چکا ہے کہ میں ریاستوں کے معاملہ میں دخل نہیں دوں گا۔ اور ہندو اور مسلمان ان کی اس پالیسی کو پسند کر چکے ہیں اس لئے جب تک کل ہند بنیاد پر کوئی تحریک جاری نہ کی گئی اور ان مشکلات کو سوچ کر کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔ اس وقت تک یہ سوال کبھی بھی حل نہیں ہوگا۔ پس میں تحریک کرتا ہوں کہ ایک ایسے مقام پر جہاں کشمیر کے لوگ بھی آسکیں کل ہند مسلم اجتماع کیا جائے چنانچہ حضور کے الفاظ یہ تھے۔

"میں تمام ان ذمہ دار اشخاص کو جو یا تو نسلاً کشمیری ہیں یا مسئلہ کشمیر سے ہمدردی رکھتے ہیں توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس کام کے کرنے کے لئے ایک نظام تجویز کریں کوئی لوکل کمیٹی خواہ کتنے ہی بااثر آدمیوں پر مشتمل ہو اس کام کو نہیں کر سکتی۔ جب تک کہ ایک آل انڈیا کانفرنس مسلمانوں کی اس مسئلہ پر غور نہ کرلے گی۔ اور اس کے لئے ایک متفقہ پروگرام تجویز نہ کرے گی اس سوال کا حل ناممکن ہے۔

ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ یہ سوال براہ راست برطانوی ہند کے باشندوں سے تعلق نہیں رکھتا اور ہمارے یہاں کے مظاہرے ریاست کشمیر پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتے۔

دوسرے باشندگان کشمیر ابھی تعلیم میں بہت پیچھے ہیں اور بوجہ اس کے کہ ان کو کسی قسم کی بھی آزادی حاصل نہیں عوام الناس میں باقاعدہ جدوجہد کی بھی ہمت کم ہے۔

تیسرے ریاستوں میں اس طرح کی آئینی حکومت نہیں ہوتی جس طرح کی حکومت برطانوی علاقہ میں ہے نہ ان کا کوئی قانون مقرر ہے نہ ان کا کوئی ریکارڈ ہوتا ہے وہ جس طرح چاہتی ہے کرتی ہے اور

پھر اپنے منشاء کے مطابق اپنے فعل کی تشریح کر کے دنیا کے سامنے پیش کر دیتی ہے۔

چوتھے حکومت ہند ریاستوں کے معاملہ میں غیر جانبدار رہنے کا اعلان کر چکی ہے اور ان کی اس پالیسی کی تائید مسلمان بھی کر چکے ہیں پس حکومت ہند پر اس معاملہ میں زور دینا کوئی معمولی کام نہیں ہو گا اور ہمیں نہایت غور کے بعد کوئی ایسی راہ تلاش کرنی پڑے گی کہ ہمارا اصول بھی نہ ٹوٹے اور ہمارا کام بھی ہو جائے۔

پس ان حالات میں ہمیں اپنا پروگرام ایسی طرز پر بنانا ہو گا کہ کشمیر کے مسلمانوں کی ہمت بھی قائم رہے اور حکومت ہند پر بھی ہم زور دے سکیں۔ اور کوئی ایسی بات بھی ہم سے صادر نہ ہو جس کا اثر ہمارے بعض دوسرے اصولوں پر جو مسئلہ کشمیر سے کم اہم نہیں ہیں پڑتا ہے اور ایسا پروگرام آل انڈیا کانفرنس کے بعد ہی مقرر کیا جا سکتا ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے بعض دوست یہ خیال کر رہے ہیں کہ محض ان شکایات کو پیش کر دینا اور کرتے رہنا جو جموں اور کشمیر کے مسلمانوں کو ریاست سے ہیں ہمارے لئے کافی پروگرام ہے حالانکہ یہ درست نہیں اس سوال میں بعض ایسی پیچیدگیاں ہیں کہ اخبارات کے صفحات پر بھی ہم ان کو نہیں لا سکتے۔ اور میں ان مسلمانوں کو جو جوش تو رکھتے ہیں لیکن کسی نظام کے تحت کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بتا دینا چاہتا ہوں اگر کافی غور و فکر کے بعد اور وسیع مشورہ کے بعد اس کا پروگرام تیار نہ کیا گیا تو آئندہ بعض ایسے سوالات پیدا ہو جائیں گے جن کا حل ان کے امکان سے باہر ہو گا۔ لیکن اس وقت پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہو سکے گا۔ اور مسلمانوں کو بعض ایسے نقصانات پہنچ جائیں گے جن کا خیال کر کے بھی دل کو تکلیف ہوتی ہے پس میں پھر ایک دفعہ ان ذمہ دار لیڈروں کو جو برطانوی ہند کی کشمیر برادری میں رسوخ رکھتے ہیں توجہ دلاتا ہوں کہ وہ نہایت محدود لیکن ہندوستان بھر کے چوٹی کے لیڈروں کی ایک کانفرنس کسی ایسے مقام پر جہاں جموں اور کشمیر کے مسلمان بھی آ سکیں منعقد کریں۔ تاکہ اس موقعہ پر ان تمام مشکلات پر غور کر کے جو ہمارے رستے میں حائل ہیں ایک ایسا پروگرام تیار کیا جائے جس پر عمل کر کے بغیر کسی نئی پیچیدگی کے پیدا ہونے کے ہم مسلمانان کشمیر کی آزادی کے مسئلہ کو حل کر سکیں۔

اس پروگرام کے بعد ہی میرے نزدیک کشمیر ڈے کی کوئی تاریخ مقرر کرنی چاہئے اور اتنا عرصہ پہلے سے وہ تاریخ مقرر ہونی چاہئے کہ سارے ہندوستان میں جلسہ کی تیاری کی جا سکے اس دن علاوہ کشمیر کے حالات سے مسلمانوں کو واقف کرنے کے پروگرام کا وہ حصہ بھی لوگوں کو سنایا جائے جس کا شائع کرنا مناسب سمجھا جائے اور ہر مقام پر چندہ بھی کیا جائے اگر فی گاؤں پانچ پانچ روپیہ بھی اوسطاً چندہ کے

ہو جائیں تو قریباً تین لاکھ روپیہ پنجاب میں ہی جمع ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس جدوجہد میں بہت کچھ روپیہ بھی صرف کرنا پڑے گا اور بغیر ایک زبردست فائنشل کمیٹی کے جس پر ملک اعتبار کر سکے۔ کسی بڑے چندہ کی تحریک کرنا یقیناً مہلک ثابت ہو گا۔

میں امید کرتا ہوں کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب' شیخ دین محمد صاحب' سید محسن شاہ صاحب اور اسی طرح دوسرے سربر آوردہ ابنائے کشمیر جو اپنے وطن کی محبت میں کسی دوسرے سے کم نہیں ہیں اس موقعہ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے موجودہ طوائف الملوکی کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے ورنہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سب طاقت ضائع ہو جائے گی اور نتیجہ کچھ نہیں نکلے گا۔ [۷۹]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے مظلومین کشمیر کی فوری اعانت

یہی وہ زمانہ ہے جس کی نسبت تحریک آزادی کے ایک مشہور لیڈر مفتی ضیاء الدین صاحب ضیاء سابق مفتی اعظم پونچھ اپنے منظوم کتابچہ نوحہ کشمیر میں لکھتے ہیں۔

آغاز تحریک آزادی میں مظلوم کشمیریوں کی طرف سے زعماء ہندوستان کی خدمت میں خطوط بھیجے گئے جن میں ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال صاحب (شاعر مشرق) 'جناب شیخ صادق حسن صاحب امرت سری' امام جماعت احمدیہ اور خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی شامل ہیں اور کہا گیا کہ مظلوموں کی مدد کیجئے۔ (امام جماعت احمدیہ کے سوا) سب کی طرف سے یہ جواب آیا کہ آپ نے ایسے خطرناک کام میں کیوں ہاتھ ڈالا اور بس۔ صرف امام جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے یکشت ایک خطیر رقم مظلومین کشمیر کی امداد کے لئے موصول ہو گئی۔ [۸۰]

خانقاہ معلیٰ (سرینگر) میں مسلمانوں کا عظیم الشان اجتماع

قبل ازیں مسٹر ویکفیلڈ کے مشورہ پر جموں کے وفد کی تشکیل پر روشنی ڈالی جا چکی ہے اب یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ وفد جب سرینگر میں پہنچا تو سرینگر میں بھی تحریک آزادی پہلے سے زیادہ زور پکڑ گئی۔ اس وقت تک ریڈنگ روم پارٹی نے سرینگر کے دونوں مذہبی رہنماؤں یعنی میرواعظ احمد اللہ صاحب ہمدانی اور میرواعظ یوسف شاہ صاحب کا تعاون حاصل کر لیا تھا۔ اور جامع مسجد سرینگر اور خانقاہ معلیٰ میں باقاعدگی سے اجلاس ہو رہے تھے چنانچہ سرینگر کی جامع مسجد میں شیخ محمد عبداللہ صاحب کے اہتمام سے ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جو تیس ہزار مسلمانوں پر مشتمل تھا یہ ریاست کشمیر میں اپنی نوعیت کا پہلا جلسہ تھا جس میں سیاسی تقریریں ہوئیں اور مسلمانوں کو اپنے پیدائشی حقوق حاصل کرنے کی تلقین کی گئی۔ اس کے بعد جامع مسجد ریڈنگ روم پارٹی اور

دوسرے مسلم نوجوانوں کی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بن گئی۔ [۸۱] اسی دوران میں مسلم نمائندگان کے انتخاب کے لئے ۲۱/ جون ۱۹۳۱ء کو خانقاہ معلیٰ سرینگر کے کھلے صحن میں ایک عظیم الشان اسلامی جلسہ منعقد ہوا۔ پنڈت پریم ناتھ بزاز نے اپنی کتاب "INSIDE KASHMIR" کے صفحہ ۱۲۵ پر لکھا ہے کہ یہ تحریک آزادی کی تاریخ میں نہایت اہم جلسہ تھا جس میں میرواعظ یوسف شاہ اور مولوی عبداللہ وکیل "مرزائی" ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے تمام فرقہ وارانہ اختلاف یکسر نظرانداز کردیئے گئے اور سنی' شیعہ' حنفی وہابی اور احمدی پوری طرح اپنے مطالبات منوانے کے لئے متفق و مجتمع ہو گئے۔ مسلمان لیڈروں نے اس موقعہ پر حلفاً عہد کیا کہ وہ آخردم تک اپنے مقاصد کی خاطر نبرد آزما رہیں گے۔

اس جلسہ میں مختصر مگر پرجوش تقریریں ہوئیں اور شیخ محمد عبداللہ صاحب' میرواعظ احمد اللہ صاحب ہمدانی' میرواعظ محمد یوسف شاہ صاحب' خواجہ سعد الدین صاحب شال' خواجہ غلام احمد صاحب عشائی' منشی شہاب الدین صاحب' آغا سید حسین شاہ صاحب جلالی [۸۲] کا انتخاب (بطور نمائندگان) عمل میں آیا۔

جلسہ کے آخر میں ایک صاحب عبدالقدیر خاں جو امروہہ (یو-پی) کے باشندے تھے اور بعض انگریزوں کے گائیڈ کے طور پر کشمیر آئے ہوئے تھے بڑے جوش سے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے ایک کونے میں کھڑے ہو کر جموں کے گزشتہ واقعات دہراتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کو بے غیرتی کی زندگی چھوڑ دینی چاہئے۔ [۸۳]

قرآن کو اٹھا کر زمین پر پھینکا جاتا ہے اور راجہ کچھ نہیں سنتا تو ایسے راجہ کو پتھروں اور اینٹوں سے بات سنانی چاہئے اس تقریر کے نتیجہ میں انہیں ۲۵/ جون ۱۹۳۱ء کو نگین باغ سے جہاں وہ کسی یورپین کے ساتھ فروکش تھے گرفتار کر لئے گئے۔ [۸۴] اور دفعہ ۱۲۴ الف و دفعہ ۱۵۱' ۱۵۳ کے تحت عوام کو اکسانے اور رعایا میں منافرت پھیلانے کے جرم میں ان کا چالان کر دیا گیا۔ ۶-۷-۸-۹/ جولائی ۱۹۳۱ء کو سیشن کورٹ میں سماعت ہوئی۔

مقدمہ عبدالقدیر خان صاحب اور مہاراجہ جموں و کشمیر کا اعلان

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ابتداء ہی سے عبدالقدیر خان صاحب کے مقدمہ میں گہری توجہ و دلچسپی لے رہے تھے اور سرینگر کے احمدی نوجوان حضور کو تازہ اطلاعات برابر پہنچاتے آرہے تھے چنانچہ ۱۰/ جولائی ۱۹۳۱ء کو جناب محمد یوسف صاحب بی-اے (جو بعد کو ایل ایل بی ہو کر وکیل بنے) نے سرائے صفاکدل سے حسب ذیل خط لکھا جس سے اس زمانے کے ماحول پر خوب روشنی پڑتی ہے۔

سرائے صفاکدل سرینگر کشمیر

۳۱/۷/۱۰

بحضور حضرت اقدس خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ

آقائی! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

گذشتہ خطوں میں کچھ حال عرض خدمت کیا جا چکا ہے ان دنوں کوئی خاص امر تو پیش نہیں آیا البتہ مسٹر عبدالقدیر جنہوں نے توہین قرآن کریم کے متعلق تقریر کی تھی اور جن کی گرفتاری کی اطلاع حضور کو ہو چکی ہے۔ ان کا مقدمہ سیشن جج کی عدالت میں چل رہا ہے۔ پولیس اور C.I.D کی شہادتیں ہو چکی ہیں۔ عبدالقدیر صاحب کی طرف سے مولوی محمد عبداللہ صاحب وکیل، مولوی قمرالدین صاحب اور دو ایک اور وکیل پیروی کر رہے ہیں اور سب مفت کام کر رہے ہیں لیکن ان سب وکلاء کی رائے ہے کہ باہر پنجاب یا ہندوستان کا کوئی اچھا وکیل یا بیرسٹر چاہئے کیونکہ ریاستی وکلا بعض Points کھول کر بیان نہیں کر سکتے۔ ان کو ریاست کی طرف سے خطرہ رہتا ہے۔ کل ایک تار سید محسن شاہ سیکرٹری کشمیری کانفرنس کو اسی مضمون کا دیا گیا تھا۔ جو آج آپ کی خدمت میں دیا گیا وہاں سے آج جواب نہ آنے پر مسٹر عبداللہ اور مسٹر عبدالرحیم نے مجھ سے آپ کی خدمت میں تار دلوایا ہے اس Case میں باہر کے کسی قابل وکیل یا بیرسٹر کی ازحد ضرورت ہے جو ریاست سے بالکل نہ ڈرے اور ہر ایک بات کو کھول کر بیان کر سکے۔ اگر اس Case میں مسلمان دب گئے تو اوروں پر بھی ہاتھ ڈالا جائے گا یہ ایک قسم کا مسلمانوں کی طاقت کا امتحان لیا جا رہا ہے اس لئے زبردست Defence کی ضرورت ہے اس وقت تک مولوی عبداللہ صاحب نے مقدمہ کو نہایت قابلیت اور محنت سے چلایا ہے اور مقدمہ کو لمبا کر رہے ہیں تاکہ اس دوران میں باہر سے کوئی مدد آجائے۔ یہ مقدمہ یہاں کے High Court میں بھی جائے گا۔

مسلمانان کشمیر حضور والا سے امید رکھتے ہیں کہ حضور اس نازک موقع پر ان کی مدد فرمائیں گے... غالباً اس سے قبل مسٹر محمد عبداللہ کی طرف سے یا ان کے ایما کے مطابق کسی اور صاحب کی طرف **۸۵** سے حضور کو مل چکا ہو گا۔ حضور کے دوسرے مضمون نے جو الفضل میں شائع ہوا۔ بہت مفید نتیجہ یہاں پیدا کیا ہے اور مطالبات میں ان مضامین سے Points لئے جا رہے ہیں یہاں کے تعلیم یافتہ طبقہ کی توجہ حضور کی طرف بہت زیادہ ہو گئی ہے اور اب ہر بات میں وہ حضور کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

آج یہاں کی نمائش گاہ میں ایک سرکاری پبلک جلسہ ہوا۔ گورنر صاحب نے مہاراجہ صاحب کا اعلان پڑھ کر سنایا۔ حاضرین کی تعداد دو اڑھائی ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے۔ اعلان کا مضمون یہ تھا کہ

جب سے ہمارے خاندان کے ہاتھ حکومت آئی ہے ہندو مسلمان بھائیوں کی طرح آپس میں رہے ہیں لیکن اب کچھ کشیدگی ہو رہی ہے جو ہرگز پسندیدہ نہیں۔ اعلان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمہاری جو شکایات ہوں وہ براہ راست میرے پاس ہونی چاہئیں میں اپنی رعایا کے ہر ایک فرد سے ملاقات کروں گا (حالانکہ مہاراجہ کی ملاقات ناممکن ہے عوام کو بالکل پاس نہیں جانے دیا جاتا) پھر اعلان میں اس بات پر خاص زور دیا گیا ہے کہ ریاست کی بات ریاست کے باہر بالکل نہیں جانی چاہئے۔ اور باہر کے اخبارات کو بالکل خبر نہیں ہونے دینی چاہئے اور کسی غیر ریاستی کی مدد بالکل نہ لی جائے مہاراجہ صاحب نے اس بات کا پھر اعلان کیا ہے کہ میں کوئی مذہب نہیں رکھتا میرا مذہب انصاف ہے ملازمتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس میں قابلیت کا معیار رکھا گیا ہے چونکہ مسلمان تعلیم یافتہ لوگ کم ہیں اس لئے وہ زیادہ ملازمتوں میں نہیں ہیں اور جتنے تعلیم یافتہ مسلمان ہیں وہ ملازمتوں میں لگائے گئے ہیں (حالانکہ یہ بیان بالکل غلط ہے سینکڑوں پڑھے لکھے اور کئی گریجویٹ مارے مارے پھر رہے ہیں اگر یہ حالت نہ ہوتی تو آج نوجوان اس قدر شور نہ کرتے۔ دوسرے مسلمانوں کو تعلیم کی طرف رغبت نہیں دی جاتی اور ان کو Qualify کرنے کے لئے کوئی مدد ریاست نہیں دیتی صرف پنڈتوں اور ڈوگروں کی مدد اور آرام کا خیال رکھا جاتا ہے)۔

آخر میں پولیس وغیرہ کی مدح سرائی کرتے ہوئے ان کا اعلان ختم ہوا کہ یہ لوگ نہایت ایمانداری سے عوام کی مدد کریں گے (مدعی ہے کہ رشوت کا بازار تمام ریاست میں گرم ہے اور یہ لوگ اپنے آپ کو فرعون خیال کرتے ہیں)

چند روز سے بارش کا زور رہا۔ طوفان بہت آیا گذشتہ سالوں کا طوفان امسال سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پنڈی اور کشمیر کا راستہ تباہ ہو گیا ہے اور سنا ہے کہ کوہالہ کا پل بہہ گیا ہے البتہ جموں کے راستہ سے آمد و رفت جاری ہے ڈاک آج چار دن کے بعد قلیوں کے ذریعہ یہاں پہنچی ہے۔ خدا جانے یہ عریضہ کب حضور کی خدمت میں پہنچے گا۔

کاروبار کی حالت دن بدن خراب ہوتی جارہی ہے حضور کی خدمت اقدس میں ملتمس ہوں کہ حضور اپنی خاص دعاؤں میں اس عاجز کو بھی یاد رکھیں باقی حالات جو ہوں گے اس کی اطلاع بعد میں کروں گا۔

والسلام
حضور کا ادنیٰ ترین خادم
خاکسار محمد یوسف

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ایک یادگار تصویر
(13 ستمبر 1931ء بمقام سیالکوٹ)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ارکان کشمیر کمیٹی (سیالکوٹ) کے درمیان رونق افروز ہیں (13 ستمبر 1931ء بمکان آغا حید رصاحب)

مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے کے لئے جامع مسجد سرینگر کا فوجی محاصرہ

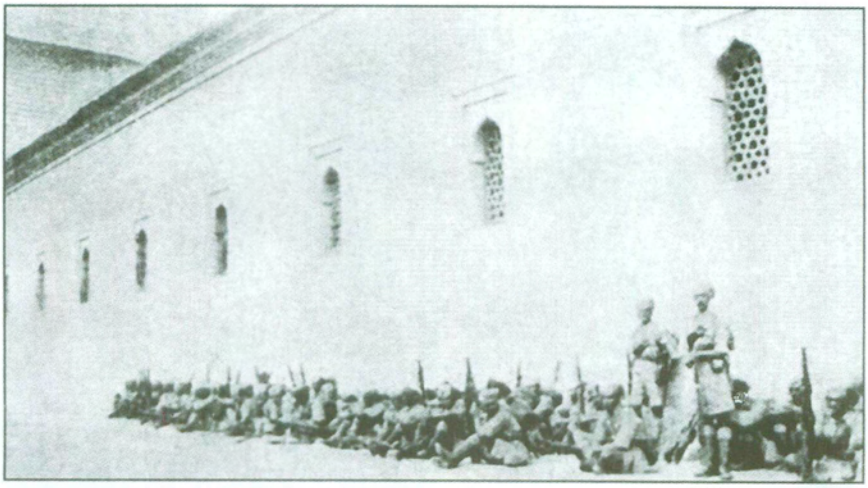

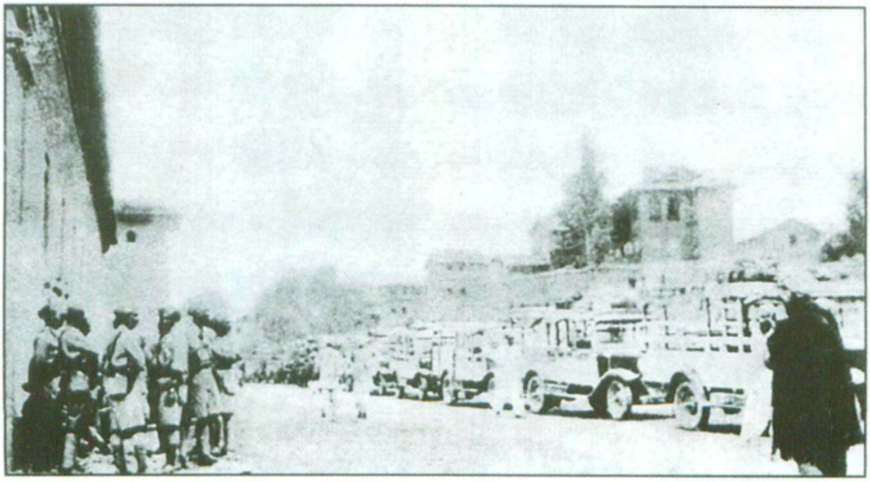

مسلمانانِ کشمیر پر ڈوگرہ مظالم کے دردناک مناظر (13`14 / جولائی 1931ء)

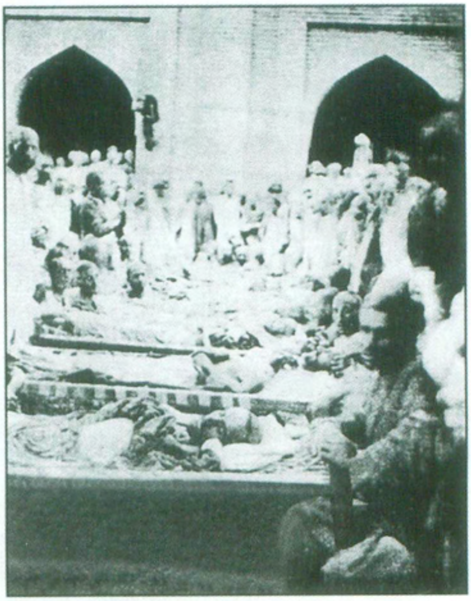

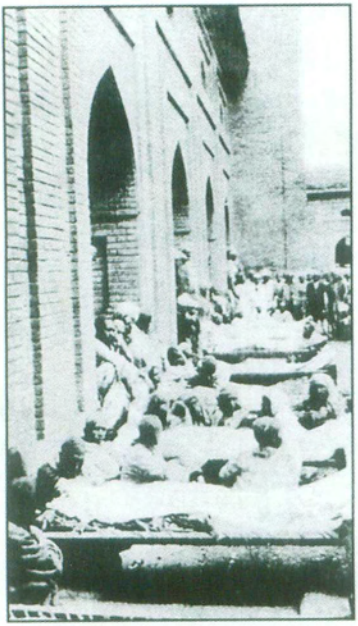

جامع مسجد سرینگر میں شہداء کی خاک وخون میں لتھڑی ہوئی لاشیں

ایک معصوم بچی
جس کا ناک کاٹنے کے بعد اسے دریا میں ڈبو دیا گیا

ڈوگرہ ظلم وستم
کا شکار ہونے والی ایک اور بدقسمت بچی

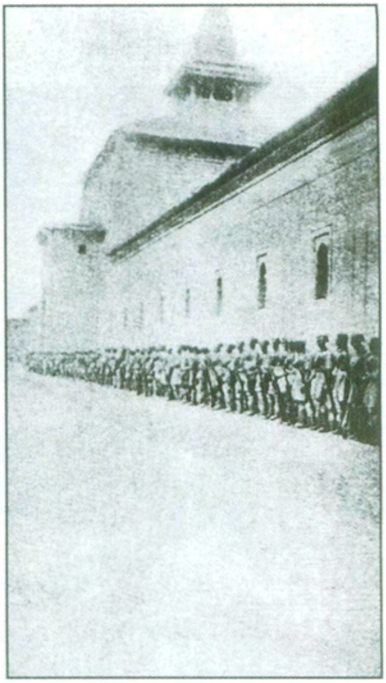

جامع مسجد سرینگر ڈوگرہ فوج کے نرغہ میں

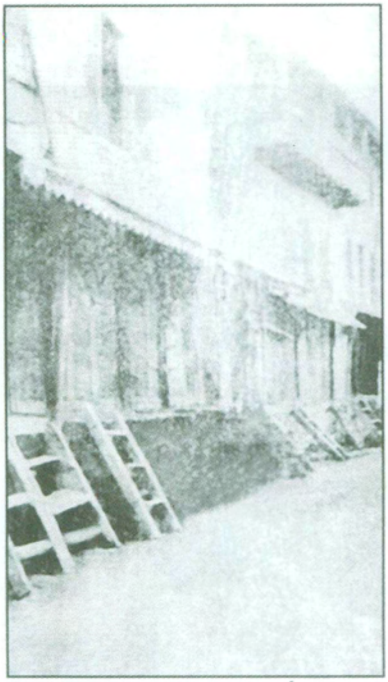

13/جولائی 1931ء کے حادثہ پر سرینگر میں
17 روزہ ہڑتال

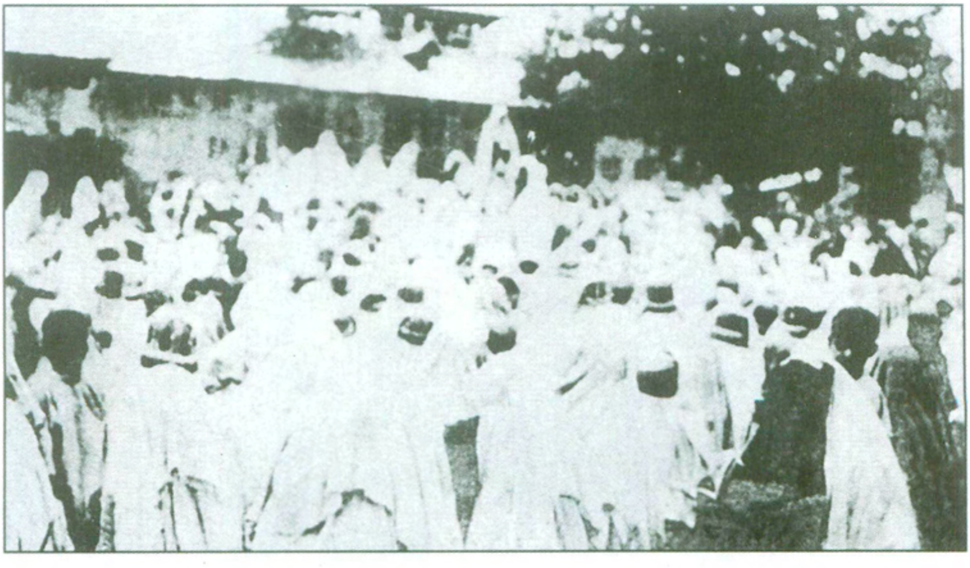

27/جولائی 1931ء کو سرینگر کی تقریباً سات ہزار مسلم خواتین کا اجتماع زیارت خواجہ نقشبند میں
(جہاں پولیس اور فوج کے ہاتھوں جام شہادت پینے والے مسلمان دفن کئے گئے)

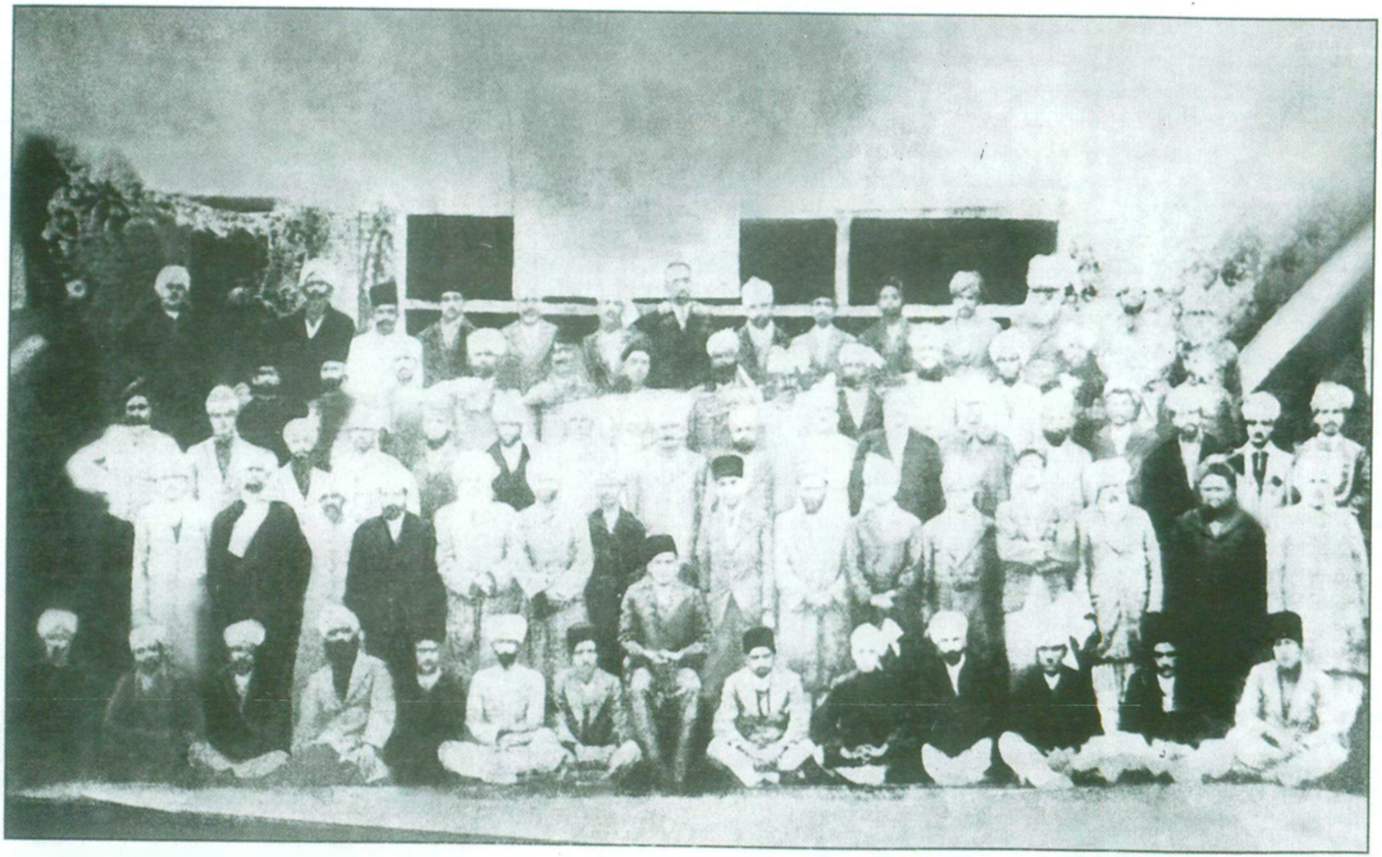

آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا تاریخی اجلاس سرینگر (منعقدہ اکتوبر 1935ء)

پچھلی قطار کے وسط میں شیخ محمد عبداللہ صاحب ہار پہنے کھڑے ہیں اور کرسی پر چوہدری غلام عباس صاحب اور ان کے بائیں ہاتھ غلام نبی صاحب گلکار تشریف فرما ہیں

چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب اور ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب
(دوسری) گول میز کانفرنس میں شمولیت کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں

قاضی محمد علی نوشہروی قیدی ہونے کی حالت میں

قاضی محمد علی نوشہروی شہادت کے بعد

۱۳ / جولائی ۱۹۳۱ء کا المناک دن اور سری نگر کے مسلمانوں پر گولیوں کی بوچھاڑ

مسلمانان سرینگر کو عبدالقدیر خان صاحب کے مقدمہ میں طبعاً دلچسپی اور ہمدردی تھی اور وہ کثیر تعداد میں مقدمہ کی کارروائی دیکھنے کے لئے عدالت میں جایا کرتے تھے۔ مگر اس دوران میں حکومت نے اس مقدمہ کی سماعت معمولی عدالت سے منتقل کر کے ہری پربت کے جیل خانہ میں شروع کر دی۔ مسلمانوں کو اس تبدیلی کا علم ہوا تو وہ یہ محسوس کر کے کہ شائد مقدمہ نے کوئی نئی صورت اختیار کر لی ہے ۱۳ / جولائی ۱۹۳۱ء کو مقدمہ کی سماعت کے وقت ہزاروں کی تعداد میں ہری پربت (سنٹرل جیل سرینگر) میں پہنچ گئے۔ [۸۶]

تحریک کشمیر کے ایک رہنما مولوی محمد سعید صاحب سابق ایڈیٹر "ہمدرد" سرینگر کا بیان ہے کہ کئی ایک پیشیوں کے بعد ۱۳ / جولائی ۱۹۳۱ء کو پیشی تھی اس سے قبل دو دن شہر میں بعض چالاک لوگوں نے مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لئے عوام اور غیر تعلیم یافتہ مسلمانوں میں اس افواہ کی شہرت کرا دی کہ عبدالقدیر صاحب کو بغاوت کے الزام میں پھانسی ہو گی۔ یا کم از کم حبس دوام کی سزا دی جائے گی۔ اس افواہ نے شہر میں سراسیمگی پھیلا دی اسال کی طرح ۱۹۳۱ء کی تاریخ ۱۳ / جولائی کو بھی سوموار کا دن تھا اتوار ۱۲ / جولائی کی شام کے بعد مائسمہ کی مسجد میں جلسہ ہوا شیخ محمد عبداللہ صاحب شیر کشمیر اور مولوی عبدالرحیم صاحب نے عوام کو یقین دلایا کہ مولانا عبدالقدیر کے مقدمہ کی تحقیقات ابھی جاری ہے افواہوں پر اعتبار نہیں۔ حکومت نے اگر کھلی عدالت کی بجائے بند کمرے میں تحقیقات شروع کی ہے تو اس سے خطرہ کا امکان نہیں اور چونکہ اب جیل میں سماعت ہو رہی ہے اس لئے عوام جو کھلی عدالت میں روئداد سننے جاتے تھے جیل کی طرف ہرگز نہ جائیں۔ کیونکہ وہاں جانا بے سود ہے۔

عوام چونکہ دوسری افواہ سے اس قدر متاثر ہو چکے تھے کہ نوجوان رہنماؤں کی ہدایت انہیں اپیل نہ کر سکی۔ اس لئے دوسرے روز جوق در جوق لوگ سنٹرل جیل اور جیل سے ملحقہ باغات میں جمع ہو گئے۔ [۸۷]

الختصر اسی دوران میں سیشن جج، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور دوسرے افسر بھی وہاں آ گئے۔ مسٹر پریم ناتھ بزاز کی رپورٹ کے مطابق اس وقت تقریباً سب افسر ہندو تھے۔ [۸۸] مسلمان ان افسروں کے ساتھ ہی جیل کے بیرونی احاطہ میں گھس گئے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس موقعہ پر کسی افسر نے بھی یہ اعلان نہیں کیا کہ یہ اجتماع غیر قانونی ہے اور یہ کہ لوگوں کو منتشر ہو جانا چاہئے اور یہ کہ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ان پر فائرنگ کیا جائے گا۔ اور بغیر کسی تنبیہ کے اس اجتماع میں سے ہجوم کے لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ مسلمان اس بات کو دیکھ کر نہایت گھبرائے اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ ہمارے لیڈروں کو فوراً رہا

کر دیا جائے اس موقعہ پر پھر بغیر تنبیہ کے پولیس کو فائر کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ ۸۹ گورنمنٹ کی رپورٹ یہ تھی کہ دس آدمی مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوئے پبلک کی رائے یہ تھی کہ اس سے بہت زیادہ آدمی مارے گئے ہیں اور جو لاشیں جیل میں رہ گئیں وہ الگ ہیں لیکن پولیس نے جن کا تعاقب کیا اور گلیوں میں جاکر ان کو شہید کر دیا وہ ان کے علاوہ تھے مسلمانان کشمیر نے اس وقت جس شجاعت اور بہادری کا نمونہ دکھایا اس کا اقرار کرتے ہوئے مسٹر ویکفیلڈ نے لکھا۔ "فسادات کے دوران جو ۱۹۳۱ء میں ہوئے جتنے بھی کشمیری مرے ان کے سارے کے سارے زخم سینے پر تھے پشت پر نہیں تھے۔ ۹۰

مسلمانان سرینگر پر مظالم سے متعلق چشم دید شہادت

اس سے زیادہ تفصیل ہمیں مولوی عبداللہ صاحب وکیل، پیر قمرالدین صاحب وغیرہ وکلاء اور دوسرے اصحاب کی شہادتوں سے ملتی ہے جو الفضل ۱۸/ اگست ۱۹۳۱ء) میں شائع شدہ ہیں۔

ان شہادتوں کا خلاصہ یہ تھا کہ ہر دو صاحبان ملزم عبدالقدیر صاحب کی طرف سے پیروکار تھے اس کے علاوہ مسٹر غلام محمد صاحب بی۔اے۔ایل ایل بی موجود تھے۔ ۱۳/ جولائی ۱۹۳۱ء کو مسلمانوں کی ایک جماعت جیل کے باہر عبدالقدیر صاحب کا مقدمہ سننے کے لئے جمع ہوئی جس کا ہرگز یہ مقصد نہ تھا کہ وہ کسی قیدی کو چھڑائے مقدمہ عبدالقدیر کے ساتھ مسلمانوں کو یہ تعلق تھا کہ عبدالقدیر توہین قرآن کریم کے سلسلے میں تقریر کرنے پر گرفتار کیا گیا تھا۔ اور مسلمان اس مقدمہ کو مذہبی مقدمہ سمجھتے ہیں اس لئے مقدمہ کی کارروائی سننے کے لئے آنا مسلمانوں کا فطری تقاضا تھا مسلمان ہرگز جیل کے دروازہ کی طرف نہیں دوڑے اور نہ گارد پر حملہ کیا۔ اور نہ پھاٹک سے داخل ہو کر اندرونی دروازہ پر پہنچنے کی کوشش کی بلکہ بیرونی پھاٹک کھلا تھا لوگ بیرونی پھاٹک سے داخل ہو کر بیرونی صحن میں بلا روک ٹوک آتے جاتے تھے۔ صاحب سیشن جج کے آنے پر دو تین سو اشخاص ان کے ساتھ صحن میں داخل ہوئے سیشن جج نے وکلاء ملزم سے کہا کہ لوگوں کو ہدایت کریں کہ باتیں کرکے شور نہ ڈالیں۔ وکلاء ملزم نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا آپ چلے جائیں اسلام کا حکم ہے کہ امن سے رہو۔ اس پر لوگ جو اس صحن میں جمع تھے باہر چلے گئے جیل سے متصل ایک باغ میں ایک اور جماعت مسلمانوں کی مقدمہ سننے کے لئے جمع تھی ایک مسلمان پولیس افسر نے وکلاء ملزم سے کہا کہ اس جماعت کو بھی ہدایت کی جائے کہ وہ بھی چلی جائے۔ اور صحن میں نہ آئے چنانچہ وکیل نے مع ایک پولیس کے آدمی کے انہیں کہا کہ آپ چلے جائیں اور کوئی آدمی صحن میں نہ آئے انہوں نے جواب دیا کہ ہم نماز ظہر پڑھ کر چلے جاتے ہیں

لوگ نماز کی تیاری میں مصروف ہو گئے وکلاء ملزم اور سپاہی واپس صحن جیل میں آ گئے۔ گورنر کشمیر مع پولیس موجود تھے انہوں نے پولیس کو مجمع سے لوگوں کو گرفتار کرنے کے لئے کہا۔ پولیس والے ہتھکڑیاں لے کر دوڑے اور باغ والے لوگوں کو گرفتار کرنا شروع کیا جو نماز کے لئے تیاری کر رہے تھے چند اشخاص کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا اس تشدد کو دیکھ کر مجمع میں شور پیدا ہوا اور فوراً گولی چلادی گئی اگر محض مجمع کو منتشر کرنا مقصود ہوتا تو اس کے لئے زیادہ سے زیادہ لاٹھی چارج کافی تھا مگر ایسا نہ کیا گیا بلکہ گولی چلائی گئی جس سے بے بس اور نہتے مسلمان اس طرح گرے جس طرح درخت سے پتے گرتے ہیں اس کے ساتھ ہی پتھر بھی آتے رہے۔ غرضیکہ اس گولی کے چلنے سے کچھ اصحاب قتل ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے مجمع نے بھاگنا شروع کیا تو پولیس والوں نے کہا کہ پولیس لائن کو آگ لگ گئی، مگر حقیقت یہ ہے کہ کوئی جگہ نہیں جلی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پولیس والوں نے خود ہی آگ لگائی اور خود ہی بجھائی حالانکہ یہ صاف بات ہے کہ اگر کوئی آگ لگاتا تو وہ موقع پر گرفتار ہوتا۔ کیونکہ پولیس مسلح ہو کر موقعہ پر حاضر تھی کسی قیدی نے مسلح پولیس سے بندوق چھیننے کی کوشش نہیں کی نہ کسی مسلمان سے کسی سپاہی نے تعرض کیا مجمع کو تنبیہہ نہیں کی گئی کہ تم منتشر ہو جاؤ۔ نہ مجمع خلاف قانون تھا اور نہ مجمع نے حملہ کیا ٹیلیفون اور تار کے کاٹنے کا واقعہ سراسر غلط ہے جب پہلے بندوقیں چلیں تو جواباً لوگوں نے کچھ پتھر مارے گولی آناً فاناً چلائی گئی لوگ وچار ناگ (قصبہ کا نام ہے) کی طرف نہیں گئے اور نہ ہی ان لوگوں نے شہر کا رخ کیا بلکہ اس قتل عام سے بچنے کے لئے ہندوؤں نے شور ڈال دیا اور لوٹ مار کی داستانیں بنائی گئیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس جگہ بھی شہر میں لوٹ مار کی داستانیں بنائی گئی ہیں وہاں ہندوؤں کی آبادی زیادہ ہے اور جس جگہ شہری پنڈتوں کی آبادی کم ہے وہاں کوئی شکایت لوٹ مار کی نہیں ہوئی اس کے علاوہ دوسرا ثبوت یہ ہے کہ جس جگہ شہر میں لوٹ مار کی کہانی بیان کی گئی ہے آج برابر پچپن دن کے بعد تلاشی لینے پر ہندوؤں کی دوکانوں کا مال ان کے گھروں سے نکل رہا ہے۔

ملٹری مع سواروں کے شہر میں روانہ کی گئی۔ ملٹری کے سپاہیوں اور سواروں سے ہتھیار لے کر انہیں چھاؤنی میں ہی رکھا گیا اور خاص طور پر ہندو ملٹری شہر میں متعین کی گئی (یہ وہی فوج تھی جس کو صرف ایک ہفتہ پہلے ہندوؤں نے یہ کہہ کر کہ مسلمان گائے ذبح کرنے والے ہیں مشتعل کیا ہوا تھا اور وہ پہلے سے مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے) غرضیکہ فوج نے شہر میں داخل ہو کر وہ تباہی مچائی کہ ہلاکو خاں کے مظالم کی از سر نو یاد تازہ ہو گئی۔ ایک نو سالہ لڑکی کی ناک کاٹی گئی اور اس کو دریا میں ڈبو دیا گیا اس سلسلے میں ایک معزز غیر مسلم خاتون کا بیان ملاحظہ ہو جو یہ ہے۔

"مورخہ ۱۵/ جولائی ۱۹۳۱ء دس بجے کے قریب محلہ تاشوان کی طرف سے میں نے عورتوں کے

رونے کی آواز سنی ایک آدمی جو پل کے اوپر سے جارہا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ شور کیسا ہے اس نے جواب دیا کہ ایک آدمی اپنی موت سے مرا ہے عورتیں اس کا ماتم کررہی ہیں۔ اس کے دو منٹ بعد میں نے گولی چلنے کی آواز محلہ تاشوان کی طرف سے سنی اتنے ہی میں اسی طرف سے ملٹری والوں کو آتے دیکھا اور میں بھی اسی وقت اپنے گھر سے باہر نکلی۔ میرا لڑکا میرے ساتھ تھا میں نے ایک اور لڑکے کو جو پل پر کھڑا تھا دیکھا جب ملٹری پل سے گزری تو ایک سپاہی نے اس لڑکے کا تعاقب کیا اور گولی چلائی اور وہ لڑکھڑا کر قصائی اور نان بائی کی دکان کے درمیان گر گیا۔ میرا لڑکا جو میرے ساتھ اس کی مدد کے لئے دوڑا اس پر بھی ایک گولی دوسرے سپاہی نے چلائی لیکن گولی کا نشانہ خطا گیا۔ اور میرا لڑکا بچ گیا اتنے میں ایک ماشکی جو سامنے سے آرہا تھا اس پر بھی ایک گولی چلائی اور وہ بھی گر گیا ایک تیسرا شخص جو کہیں جارہا تھا اس پر بھی گولی چلائی گئی جس وقت وہ دم توڑ رہا تھا اس پر دو اور فائر کئے گئے یہ سارا واقعہ دو تین منٹ میں ہوا میں نے انہیں کہا تم لوگوں کو کس نے اس طرح گولیاں چلانے کی اجازت دی ہے مجھے لکھت دکھاؤ انہوں نے جواب دیا ہم کو اجازت ہے اور چلے گئے ایک شخص جو کہ نوا کدل کی طرف سے بائیسکل پر آرہا تھا مجھے گھبرایا ہوا دیکھ کر مجھ سے دریافت کرنے لگا کہ کیا معاملہ ہے میں نے صرف اتنا کہا کہ جا کر ملٹری افسر کو ٹیلیفون کردو اور کہہ دو کہ اس محلہ میں بلاوجہ گولی چلائی جارہی ہے اور ہم لوگ خطرہ میں ہیں وہ چلا گیا تھوڑی دیر بعد آفیسر آگئے اور مجھ سے دریافت کیا تو میں نے اصلی واقعات سنا دیئے"۔

الغرض مسلمانوں کو قتل کرنے کے علاوہ لوٹا گیا اور کثیر التعداد کو جیل خانہ میں بھیج دیا گیا عورتوں کی بے حرمتی فوجیوں اور پنڈتوں نے مل کر کی۔ مسلمانوں کے گھروں کی تلاشیاں لی گئیں ابھی سلسلہ جاری ہے اور بغیر کسی مدعی کے صرف ایک ہندو کے کہنے پر محلہ محلہ کی تلاشی لی جاتی ہے۔

سپاہیوں کی پنڈتوں نے خوب خاطر و مدارات کی اور بہت عمدہ کھانے کھلائے پنڈتوں کے اس منصوبے کی (جو انہوں نے مسلمانوں کو مٹانے کے لئے باندھ رکھا ہے) دلیل یہ ہے کہ جموں میں پہلے مسلمانوں پر بم پھینکا گیا اور سرینگر کے شفاخانے سے ایک پنڈت کے ذریعہ جو وہاں کا ملازم ہے پکرک ایسڈ کی ایک کثیر مقدار چرائی قتل و غارت کے علاوہ اندھا دھند گرفتاریاں کرکے کثیر جماعت پر تشدد کیا گیا۔ اور پانی بند کرکے پیاسا رکھا گیا۔ صدہا مسلمانوں کو گھروں سے نکال کر جیل میں ڈالا گیا۔ جس میں رکھا گیا اور ان کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا کہ خدا کی پناہ اب (۴/ اگست) تک دریا سے نعشیں مل رہی ہیں۔ صدہا ایسی مثالیں ہیں جن سے یہ ایک منظم سازش ثابت ہے۔ مولوی نور الدین قاری جو ایک بہت ہردلعزیز مسلم ٹیچر ہیں سکول سے نکلتے ہی پکڑ لئے گئے اور ان کو ایک کوچہ کی طرف لے گئے اور خوب

مارا۔ اور آخر چند یوم حوالات میں رکھا۔ محلّہ نوا بازار بہری کدل۔ مہاراج گنج۔ ڈومہ کدل۔ وچار ناگ۔ وغیرہ وغیرہ مقامات پر ہندوؤں نے مسلمانوں کو قتل کیا لیکن حکومت نے آج تک کوئی تفتیشی کارروائی نہیں کی۔ اور نہ ہی ہندوؤں کو پکڑا ہے۔

مسلمانوں نے جب اصرار کیا کہ شہر میں تحقیقات کی جائے تو ایک ہندو اور ایک مسلمان افسر مقرر کیا گیا لیکن مسلمان افسر بھی حکومت کے اعلیٰ ارکان کی خوشنودی کی خاطر مسلمانوں کے خلاف کارروائی کرتے ہیں کیونکہ انہیں ملازمت سے علیحدگی کا خوف ہے چنانچہ کچھ ملازم مسلمان اور کچھ معلّمات معطل کی گئی ہیں غرضیکہ مسلمان نہایت بے کس' بے بس ہیں نہ قانونی امداد مہیا ہے"۔ [۴۲]

ان واقعات نے کشمیر میں گویا ایک قیامت برپا کردی اور سرینگر کے مسلمان محلّہ جات نے ماتمی لباس پہن لیا۔ اور شہر میں عام ہڑتال ہو گئی جو متواتر سترہ دن تک جاری رہی اس پر ریاست نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اپنی پوزیشن کے بچاؤ کے لئے فوری طور پر دو تدبیریں اختیار کیں ایک تو یہ کہ خبروں پر سنسر لگا دیا تا کوئی خبر جو اصل حالات کو منکشف کرے یا جو ریاست کے مفاد کے خلاف ہو بذریعہ تار یا ڈاک باہر نہ بھیجی جاسکے۔ دوسری تدبیر ریاست نے یہ کی کہ فوراً ایک تحقیقاتی کمیشن کا اعلان کر دیا مگر یہ خدا کا فضل ہوا کہ حکام ریاست کی یہ ہردو تجویزیں ناکام رہیں یعنی اول تو باوجود سنسر وغیرہ کی کوشش کے بیرونی دنیا تک حقیقت حال پہنچنے سے نہ رکی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو سیالکوٹ سے بذریعہ تار اس کی اطلاع پہنچ گئی دوسرے مسلمانان کشمیر نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ریاست کا مقرر کیا ہوا کمیشن صحیح معنوں میں غیر جانبدار کمیشن نہیں ہے اور ان کو اس سے انصاف کی توقع نہیں ہو سکتی غیر معمولی جرات سے کام لیا اور کمیشن کے ساتھ کام کرنے سے انکار کر دیا جس پر یہ کمیشن توڑنا پڑا۔ اس کے بعد نیا کمیشن مقرر کرنا پڑا جو جانبدار ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کا اعتماد حاصل نہ کر سکا۔ [۴۳]

حکام ریاست کی مکروہ ذہنیت کا اس سے بھی پتہ لگتا ہے کہ جب جماعت احمدیہ نے ریاست سے یہ استدعا کی کہ زخمی مسلمانوں کی طبی امداد کے لئے ایک طبی [۴۴] وفد کو ریاست میں آنے کی اجازت دی جائے تو ریاست نے یہ عذر کر کے کہ تمام ضروری طبی انتظامات پہلے سے مہیا ہیں اجازت دینے سے انکار کر دیا حالانکہ اس وفد کی تجویز خود مسلمانان کشمیر کی اس درخواست پر کہ ہمیں طبی امداد کی ضرورت ہے کی گئی تھی۔

تحریک آزادی کے لیڈروں کی گرفتاری

حکام ریاست نے بے گناہ فرزندان توحید کو شہید یا زخمی کرنے اور ان کی لاکھوں روپے

کی جائیدادیں لوٹ لینے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ۱۳۔ ۱۴/ جولائی ہی کو کئی سو بے گناہ مسلمانوں کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈال دیا۔ گرفتار ہونے والوں میں تحریک آزادی کے تمام مشہور لیڈر بھی شامل تھے۔

اس واقعہ کی تفصیل میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں۔ "۱۳/ جولائی ۱۹۳۱ء کو جب گورنمنٹ کو یہ معلوم ہو گیا کہ مسلمان اب آپے سے باہر ہو گئے ہیں اور مظالم کی برداشت ان سے ناممکن ہے تو انہوں نے یہ سوچا کہ مسلمانوں کے لیڈروں کو گرفتار کر لینا چاہئے چنانچہ جو لوگ مرنے والوں کو جیل خانہ سے اٹھا کر مسجد میں لے آئے تھے اور اس بات کی تیاری کر رہے تھے کہ دوسرے دن مسلمانوں کے اجتماع کے ساتھ ان کو دفن کر آئیں پہلے تو حکام نے ان کو یہ سمجھانا شروع کیا کہ تم لوگ خاموشی سے چند آدمی لاشوں کے ساتھ بھجوا دو اور پبلک پر اس حادثہ کو ظاہر نہ ہونے دو۔ اور یہاں تک بھی تجویز کی کہ جامع مسجد جہاں لاشیں رکھی ہوئی تھیں اس کے قریب ایک جگہ میں ان کو دفن کر دو لیکن مسلمان لیڈروں نے اس کو تسلیم نہ کیا اس پر گورنمنٹ نے تجویز کی کہ ظاہر میں تو لیڈروں کا پکڑنا مشکل ہو گا چوری چھپے ان لوگوں کو یکدم گرفتار کر لیا جائے چنانچہ مسٹر سدرلینڈ جو اس وقت فوج کے افسر اور غالباً جرنیل کے عہدہ پر تھے وہ جامع مسجد کے دروازہ پر آئے اور اشارہ سے شیخ عبداللہ صاحب کو بات کرنے کے بہانے سے بلایا۔ اور پھر چپ کر کے ان کو ساتھ لے گئے اور جیل خانہ میں ڈال دیا اس کے کچھ گھنٹوں کے بعد میاں غلام نبی صاحب گلکار جو دوسرے لیڈر تھے ان کو بھی ان کے گھر پر رات کے نو دس بجے گرفتار کر لیا۔ پھر ۱۵ یا ۱۶/ جولائی کو تیسرے لیڈر مسٹر عبدالرحیم کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور غالباً ۱۴ تاریخ کی رات کو ہی یعنی جس دن صبح شیخ عبداللہ صاحب کو گرفتار کیا تھا جموں کے اس وفد کے تین لیڈروں کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ جو مسٹر ویکفیلڈ کے کہنے پر مہاراجہ سے ملنے کے لئے گیا تھا۔ اور جس کا اس ایجی ٹیشن میں کوئی حصہ نہ تھا۔ ان لوگوں کے نام یہ تھے۔ (۱) جناب مستری یعقوب علی صاحب ٹھیکیدار۔ (۲) سردار گوہر رحمان صاحب [۹۵] (۳) چوہدری غلام عباس صاحب [۹۶]

زعمائے کشمیر نے اس موقعہ پر جس حوصلہ اور جاں فروشی کا نمونہ دکھایا اس پر روشنی ڈالتے ہوئے اخبار "اصلاح" (سرینگر) نے ۱۳/ جولائی ۱۹۳۲ء کو لکھا۔ جب شیخ عبداللہ صاحب اور ان کے نوجوان ہمراہیوں کو رات کے اندھیرے میں بادامی باغ سے قلعہ ہری پربت میں لے جایا گیا اور ایک اندھیری کوٹھری کے سامنے لے جا کر دریافت کیا گیا کہ کون پہلے اندر جانا چاہتا ہے تو اس خیال سے کہ شاید اس کوٹھری میں ایک ایک کر کے سب کو گولی سے اڑا دیا جائے گا بعض نوجوانوں کے حوصلے پست ہو گئے اس وقت شیخ صاحب موصوف نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ دنیا میں انسان کو ایک

نہ ایک دن مرنا ہی ہوتا ہے پس اس بات سے ایمان والے نہیں ڈرا کرتے کہ ہم آج مرتے ہیں کہ کل ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ ہم اپنی زندگی کو قوم پر نثار کر رہے ہیں اور سسک سسک کر غلاموں کی طرح نہیں مرتے مجھے پوری امید ہے کہ اس قربانی سے ہمارا وہ مقصد پورا ہو گا۔ جس کے لئے ہم نے اپنی تحریک کو شروع کر رکھا ہے۔ اس تقریر کے بعد قیدی چند لمحات کے لئے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر غلام نبی صاحب گلکار نے جرأت سے کام لے کر بتایا دوستو مرنا دنیا میں ایک ہی دفعہ ہے بزدلوں کی طرح زندہ رہنے سے دلاور کی موت مرنا بہترین ہے میں سب سے پہلے اندر جا رہا ہوں آپ میرے پیچھے آئیں (سوانح حیات شیخ محمد عبداللہ صاحب صفحہ ۵۶) چنانچہ اس نوعمر قومی جرنیل کی ہمت پر آفرین کہتے ہوئے اس وقت شیخ محمد عبداللہ صاحب نے فرمایا۔ تم پر فخر کرتا ہوں۔ [۴۷]

ہندو پریس کا ظالمانہ رویہ

مسلمانان سرینگر کے پرامن نہتے اور بے بس مجمع کو ریاستی حکام نے گولیوں کا نشانہ بنا کر جہاں اپنی وحشت و درندگی اور مسلمانان ریاست کی بے کسی و مظلومی انتہا تک پہنچا دی وہاں ہندو پریس نے نہ صرف اس قابل نفرین فعل کی تائید و حمایت کی بلکہ ریاستی حکام کو اور زیادہ ظلم و ستم کی تحریک کر کے اشتعال انگیزی کی حد کر دی۔

چنانچہ اخبار "ملاپ" لاہور نے لکھا "باغیوں کو ایسی عبرتناک سزائیں دی جائیں جو دوسروں کے لئے تازیانہ عبرت ہوں" (ملاپ ۱۷/ جولائی ۱۹۳۱ء)

"حکومت نے گرفتاریوں کے سلسلہ میں اس قدر فراخدلی سے کیوں کام لیا ہے سات ہزار حملہ آوروں میں سے صرف دو سو مسلمانوں کو پکڑا جانا کوئی خاص اثر پیدا نہیں کر سکتا چاہئے تو یہ تھا کہ حکومت ان سات ہزار مسلمانوں کو گرفتار کر لیتی اور ان کے خلاف مقدمہ چلایا جاتا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ ۶۸ سو مسلمان قانون کے ڈنڈے کی زد سے بچ جائیں گے اور مستقبل میں اس قسم کی جرأت کر سکیں گے"۔ (ملاپ ۱۷/ جولائی ۱۹۳۱ء)

اگلے روز اخبار پرتاپ لاہور نے (۱۸/ جولائی ۱۹۳۱ء) اس کی تائید مزید میں لکھا "سخت ہاتھ کے ساتھ فسادات کو کچل کر رکھ دینے کی ضرورت ہے"۔ [۴۸]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا وائسرائے ہند کے نام تار

مسلمانان ریاست کشمیر نے ۱۳/ جولائی ہی کے خونچکاں واقعہ کی اطلاع اسی روز حضور کو پہنچا دی اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ فوراً یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیں چنانچہ حضور نے اسی دن یعنی ۱۳/ جولائی کو ہز ایکسی لینسی وائسرائے ہند (لارڈ ولنگڈن) کو مندرجہ ذیل تار بھجوایا "یور ایکسی لینسی کشمیر میں مسلمانوں کی خستہ حالی سے ناواقف نہیں۔ تازہ ترین

اطلاعات سے پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں پر نہایت ہی خلاف انسانیت اور وحشیانہ مظالم کا ارتکاب شروع ہو گیا ہے ۱۳/ جولائی کو سرینگر میں جو کچھ ہوا وہ فی الواقعہ تاسف انگیز ہے ایسوسی ایٹڈ پریس کی اطلاع کے مطابق نو مسلمان ہلاک اور متعدد مجروح ہوئے ہیں لیکن پرائیویٹ اطلاعات سے پایا جاتا ہے کہ سینکڑوں مسلمان ہلاک اور مجروح ہوئے ہیں۔ ریاست سے آنے والی تمام خبروں پر سخت سنسر ہے یہی وجہ ہے کہ ہمیں جو تار موصول ہوا وہ سیالکوٹ سے دیا گیا ہے ہز ہائی نیس مہاراجہ کشمیر کے تازہ اعلان کے معا بعد جس میں انہوں نے اپنی مسلم رعایا کو کئی طرح کی دھمکیاں دی ہیں۔ اس قسم کی واردات کا ہونا صاف بتاتا ہے کہ یا تو غریب مسلمانوں پر بلا وجہ حملہ کر دیا گیا ہے۔ اور یا ایک نہایت ہی معمولی سے بہانہ کی آڑ لے کر ان بچاروں کو سفاکی کے ساتھ ذبح کر دیا گیا ہے۔

کشمیر میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت ہے لیکن ان کے حقوق بے دردی سے پامال کئے جارہے ہیں اس وقت وہاں مسلم گریجوایٹوں کی تعداد بہت کافی ہے مگر انہیں کوئی ملازمت نہیں دی جاتی۔ یا اگر بہت مہربانی ہو تو کسی ادنیٰ سے کام پر لگا دیا جاتا ہے اور جب ایک ملک کی ۹۵ فی صد آبادی کو اس کے جائز حقوق سے صریح ناانصافی کر کے محروم رکھا جائے تو اس کے دل میں ناراضگی کے جذبات کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے لیکن نہایت ہی افسوس ہے کہ ریاست کے ذمہ دار حکام بجائے اس کے کہ مسلمانوں کے جائز مطالبات منظور کریں ان کی خفگی کو رائفلوں اور بک شاٹ سے دور کرنا چاہتے ہیں جموں کے حکمرانوں نے کشمیر کو فتح نہیں کیا تھا بلکہ انگریزوں نے اسے ان کے ہاتھ ایک حقیر سی رقم کے بدلے فروخت کر دیا تھا لہٰذا وہاں جو کچھ ہو رہا ہے حکومت برطانیہ بھی اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکتی۔ مزید برآں ریاست آخر کار برطانیہ کے ماتحت ہے اور موجودہ حکمران جو محض ایک چیف تھا ریاست اور اختیارات کے لئے حکومت برطانیہ کا ممنون احسان ہے اس لئے حکومت برطانیہ کا فرض ہے کہ وہ کشمیر کے بے بس مسلمانوں کی شکایات کے ازالہ کے لئے جو کچھ کر سکتی ہے کرنے سے دریغ نہ کرے۔ کشمیر کی اپنی علیحدہ زبان ہے اور اس کا تمدن اور مذہب وغیرہ جموں سے بالکل جداگانہ ہے اس لئے ڈوگرہ وزراء سے کشمیری مسلمانوں کے حق میں کسی بہتری کی توقع نہیں ہو سکتی اور انہیں اس وقت تک امن حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک ان کی اپنی وزارت کے ذریعہ مہاراجہ جموں ان پر حکومت نہ کریں لہٰذا انسانیت کے نام پر میں یور ایکسی لینسی سے پر زور اپیل کرتا ہوں کہ آپ کشمیر کے لاکھوں غریب مسلمانوں کو جنہیں برٹش گورنمنٹ نے چند سکوں کے عوض غلام بنا دیا ان مظالم سے بچالیں تاکہ ترقی اور آزاد خیالی کے موجودہ زمانہ کے چہرہ سے سیاہ داغ دور ہو سکے۔ کشمیر بے شک ایک ریاست

ہے مگر اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ ناانصافی سے پنجاب سے علیحدہ کیا گیا ہے اور دوسرے صوبہ جات کے مسلمانوں کی طرح پنجاب کے مسلمان کشمیری مسلمانوں پر ان مظالم کو کسی صورت میں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے۔ اگر حکومت ہند اس میں مداخلت نہ کرے گی تو مجھے خطرہ ہے مسلمان اس انتہائی ظلم و ستم کو برداشت کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوئے گول میز کانفرنس میں شمولیت سے انکار نہ کردیں اور انتہائی مایوسی کے عالم میں کانگریسی رو میں نہ بہہ جائیں"۔ [۹۹]

مجروحین و مظلومین کی فوری امداد

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے وائسرائے کو تار دینے کے ساتھ ہی دوسرا کام یہ کیا کہ چوہدری عصمت اللہ صاحب وکیل لائلپوری کو سرینگر بھجوایا اور مظلومین کی امداد کے لئے پانچ سو کی رقم بھی فی الفور ارسال فرمادی۔ [۱۰۰]

کشمیر کانفرنس کی اطلاع اور دوسرے اہم اقدامات

سرینگر کے لرزہ خیز سانحہ نے مزید انتظار کو غیر ضروری بنادیا تھا اس لئے حضور نے فوراً ایک گشتی چٹھی پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے مسلمانوں کو بھی لکھی اور تار بھی دیئے کہ ۲۵/ جولائی ۱۹۳۱ء کو ہم شملہ میں جمع ہو کر کشمیر کے معاملہ پر پورے طور پر غور کریں۔ [۱۰۱] اور اس کے ساتھ ہی آپ نے تین اقدامات فرمائے۔ (۱) لنڈن مشن کو کشمیر کے حالات پر احتجاج کرنے کے لئے لکھا۔ (۲) روزنامہ الفضل کو اہل کشمیر پر ظلم و ستم کے خلاف زیادہ پر زور آواز بلند کرنے کا ارشاد فرمایا (۳) جماعت احمدیہ کے تمام افراد کو تحریک آزادی کے لئے مستعد و تیار کرنے کے لئے ۱۸/ جولائی ۱۹۳۱ء کو قادیان میں وسیع پیمانے پر زبردست احتجاجی جلسہ منعقد کیا گیا جس میں چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے۔ خواجہ غلام نبی صاحب ایڈیٹر الفضل اور مولوی نظام الدین صاحب مبلغ کشمیر نے مظالم کشمیر پر تقریریں کیں اور ڈوگرہ حکومت کے خلاف زبردست صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے متعدد قراردادیں پاس کی گئیں۔ [۱۰۲]

جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کی طرف سے اشتراک عمل و تعاون کی آواز

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے پے در پے مضامین نے یوں تو ملک کے طول و عرض میں بسنے والے مسلمانوں میں زبردست جنبش پیدا کردی اور ان کی نگاہیں قیادت کے لئے آپ کی طرف اٹھنے لگیں مگر اس پرجوش تعاون و اشتراک عمل کی غالباً پہلی زوردار آواز شمس العلماء جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کی طرف سے اٹھی جنہوں نے حضور

کو اس سلسلے میں متعدد خطوط لکھے اور ایک بلند پایہ لیڈر ہونے کے باوجود نہایت اخلاص و محبت سے ایک خادم کی حیثیت سے تحریک میں کام کرنے کی پیشکش کی چنانچہ ان کے دو مکتوب بطور نمونہ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درخواجہ حسن نظامی - ۱۳/ جولائی ۱۹۳۱ء

مخلص نواز جناب مرزا صاحب! السلام علیکم۔ آپ نے سرینگر کے حالات پڑھ لئے ہوں گے یہ موقع ہے کہ ہم سب مسلمان اپنی مستعدی اور اخوت اسلامی کو جتنی جلدی ایک مرکز پر جمع کر کے کام شروع کر دیں گے اتنا ہی زیادہ اثر ہوگا میری رائے یہ ہے کہ سری نگر کے واقعہ کی تحقیقات کے لئے آپ کو اور مجھ کو فوراً خود چلنا چاہئے اس سلسلہ میں اگر ہم دونوں کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ تو ایک برس کا کام ایک مہینہ میں پورا ہو جائے گا بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ جلدی کامیابی ہو جائے گی اور خود آپ کی جماعت میں اتنی بڑی زندگی صرف معمولی حرکت سے پیدا ہو جائے گی جو حیرت انگیز ہوگی۔

میں جانتا ہوں کہ آپ کی پوزیشن اور آپ کی ذاتی مصالح اور آپ کی جسمانی صحت مزاحم ہوگی لیکن یہ وقت کسی بات کے دیکھنے کا نہیں ہے۔ قدیمی مسلمانوں کی طرح نہایت چستی اور پھرتی سے آگے بڑھ جانے کا وقت ہے میں آپ کے ساتھ بحیثیت ایک معمولی خادم کے چلوں گا لاہور میں بھی اطلاعیں دی ہیں تاکہ اسمبلی کا کوئی ممبر اور کوئی پنشنر مسلمان جج اور کوئی بے تعصب ہندو بھی ہمارے ساتھ ہو تاکہ ہم سرینگر میں جاکر ایک منصفانہ اور موثر تحقیقات کر سکیں۔ تحقیقات تو یہی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کیا جائے جن پر تلوار اٹھائی گئی ہے لیکن ہمیں صرف تحقیقات کرنے کا اعلان کرنا ہے اور ہر قسم کی تکلیفوں اور سختیوں کو برداشت کر کے کام کرنا ہے۔ اس خط کو دیکھتے ہی مجھے تار دیجئے جہاں آپ بتائیں گے میں فوراً پہنچ جاؤں گا..... حسن نظامی (نقل بمطابق اصل)

۲۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درخواجہ حسن نظامی - ۱۸/ جولائی ۱۹۳۱ء

مخلص نواز حامی مسلمین جناب میرزا صاحب! السلام علیکم - ۱۶/ جولائی ۱۹۳۱ کا خط پہنچا غالباً کل یا پرسوں میرا ابھی ایک خط آپ کو ملا ہوگا آج کے خط پر غور کرنے سے جو خیال ہوا وہ عرض کرتا ہوں

لاہور کی کشمیری کانفرنس کی نسبت آپ نے نہایت صحیح رائے قائم کی ہے ڈاکٹر محمد اقبال کی نسبت یہ تو ٹھیک ہے کہ ان کا اثر ہے مگر یہ ٹھیک نہیں ہے کہ ان میں عملی جرأت بھی ہے وہ ہرگز اس مشکل کام میں دخل نہ دیں گے چاہے اس وقت وہ وعدہ کر لیں لیکن ایفاء کی امید نہیں ہے۔

آپ ڈکٹیٹر کی حیثیت رکھتے ہیں میں آپ کے ساتھ کام کرنے کو موجود ہوں لاہور میں ایک مرکزی مقام بنا دیجئے میں بھی وہاں آجایا کروں گا اور ایک بار آپ بھی آجائیں۔ ۲۴/ جولائی کا جو دن مقرر ہوا ہے اس دن آپ لاہور آجائیں میں بھی آجاؤں گا وہاں سب سے مل کر کام کا نقشہ بنا لیا جائے گا میں نے تو بڑے بڑے متعصب مولویوں سے باتیں کیں تو ان کو آپ کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے آمادہ پایا۔ بہرحال دوسرے غافل و کاہل و بے اثر لوگوں کا انتظار کرنا فضول ہے اب قدم بڑھائیے سب آپ کے پاس جمع ہو جائیں گے۔

۲۴/ جولائی کو لاہور آنا ممکن ہو تو تار دیجئے۔ تاکہ میں ۲۳ کو وہاں پہنچ جاؤں ورنہ قادیان آجاؤں گا تاکہ تمام امور پر زبانی گفتگو ہو سکے۔

آپ نے وائسرائے اور لندن کا کام موقع کے موافق کیا۔ مگر اس کا کچھ اثر نہیں ہو گا۔ جب تک کہ گورنمنٹ اور ریاست مسلمانوں میں یک جہتی اور قوت محسوس نہ کرے خواجہ بانو خدا کے فضل سے اچھی ہیں اور آپ کی اہلیہ کی عیادت کی شکر گزار ہیں۔ نیاز مند حسن نظامی۔

حضور کی طرف سے خواجہ حسن نظامی صاحب کی تجویز کا جواب

خواجہ صاحب موصوف نے سرینگر جانے اور گرفتار ہونے کی جو تجویز پیش کی تھی اس کا جواب حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ یہ صحیح ہے کہ میری اور آپ کی گرفتاری پر شور پڑ جائے گا کیونکہ ہمارے لئے اپنی جان اور مال قربان کرنے والے لاکھوں لوگ موجود ہیں مگر ریاست اتنی بیوقوف نہیں کہ ہمیں گرفتار کرے۔ میں خوب جانتا ہوں وہ ہرگز ایسا نہیں کرے گی۔ پس اس فعل میں ہماری کوئی قربانی نہیں ہوگی صرف ایک نمائش ہو جائے گی جس سے فائدہ اٹھانا ہماری شان کے خلاف ہے۔ چنانچہ خواجہ حسن نظامی صاحب نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا۔ ۱۰۴

شملہ میں مسلم زعماء کی کانفرنس اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مسئلہ کشمیر پر غور کرنے کے لئے ۲۵/ جولائی ۱۹۳۱ء کا دن مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ اس روز نواب سر ذوالفقار علی خاں صاحب آف مالیر کوٹلہ کی کوٹھی "Fair View" (شملہ) میں نماز ظہر کے بعد ایک اہم اجلاس منعقد ہوا جس میں ہندوستان کے بہت سے مسلم لیڈر مثلاً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ۱۰۵ شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی۔ سر میاں فضل حسین صاحب۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب، سر ذوالفقار علی خاں صاحب۔ جناب نواب صاحب کنج پورہ۔ خاں بہادر شیخ رحیم

بخش صاحب ریٹائرڈ سیشن جج' سید محسن شاہ صاحب ایڈووکیٹ لاہور سیکرٹری آل انڈیا کشمیری کانفرنس (لاہور) مولوی محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی (امرتسر) مولوی نورالحق صاحب مالک "مسلم آؤٹ لک" (لاہور) سید حبیب صاحب ایڈیٹر سیاست (لاہور) شامل ہوئے۔ ان کے علاوہ مولوی میرک شاہ صاحب (سابق پروفیسر دیوبند پروفیسر اورینٹل کالج لاہور) نے نمائندہ کشمیر کی حیثیت سے اور جناب اللہ رکھا صاحب ساغر نے نمائندہ جموں کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ صوبہ سرحد کی نمائندگی کے فرائض صاحبزادہ سر عبدالقیوم کے بھائی صاحبزادہ عبداللطیف صاحب (آف ٹوپی) نے انجام دیئے۔ ۱۰۶ اور مسلم پریس کے لئے اس اجلاس کی روداد قلمبند کرنے کا فریضہ چوہدری ظہور احمد صاحب (حال ایڈیٹر صدر انجمن احمدیہ پاکستان) نے ادا کیا۔ ۱۰۷

کانفرنس میں جب مسئلہ کشمیر پر بحث کا آغاز ہوا ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب' سر میاں فضل حسین صاحب اور دوسرے نمائندوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ سے کہا کہ اس بارے میں آپ وائسرائے سے ملیں اور اس سے گفتگو کر کے معلوم کریں کہ وہ کس حد تک کشمیر کے معاملات میں دخل دے سکتے ہیں جس حد تک وہ دخل دے سکتے ہوں اسی حد تک ہی ہمیں یہ سوال اٹھانا چاہئے۔ حضور نے فرمایا کہ یہ طریق درست نہیں کہ وائسرائے سے پوچھا جائے کہ وہ کس حد تک دخل دے سکتا ہے بلکہ ہم سب سے پہلے کشمیر کے لوگوں سے پوچھیں گے کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور پھر ان کے مطالبات کو پورے زور کے ساتھ گورنمنٹ کے سامنے رکھیں گے۔ ۱۰۸

آخر طے پایا کہ ایک آل انڈیا کشمیر کمیٹی بنائی جائے جو اس سارے کام کو اپنے ذمہ لیکر انجام دے اور اس وقت تک یہ مہم جاری رہے جب تک کہ ریاست کے باشندوں کو ان کے جائز حقوق نہ حاصل ہو جائیں تمام نمائندوں نے جو ریاست سے تعلق نہ رکھتے تھے یہ اقرار کیا کہ وہ بھی اس کمیٹی میں شمولیت اختیار کریں گے بلکہ وہ اسی وقت اس کے ممبر بھی بن گئے۔

اس کمیٹی کے قیام کے بعد اب اس کی صدارت کا نازک معاملہ پیش ہوا (کانفرنس کے نامہ نگار) چوہدری ظہور احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ کے دائیں ہاتھ ایک ہی صوفہ پر ڈاکٹر سر محمد اقبال بیٹھے تھے اور دائیں طرف دوسرے صوفہ پر نواب سر ذوالفقار علی تھے اور حضرت امام جماعت احمدیہ کے بائیں طرف پہلے خواجہ حسن نظامی اور ان کے بعد نواب صاحب آف کنج پورہ تھے اور پھر بقیہ معززین جن کا ذکر اوپر آچکا ہے ڈاکٹر سر محمد اقبال نے تجویز کیا کہ اس کمیٹی کے صدر امام جماعت احمدیہ ہوں ان کے وسائل مخلص اور کام کرنے والے کارکن یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ ان

سے بہتر ہمارے پاس کوئی آدمی نہیں۔۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے فوراً اس کی تائید کی اور سب طرف سے درست ہے کی آوازیں آئیں۔اس پر امام جماعت احمدیہ نے فرمایا کہ "مجھے اس تجویز سے ہرگز اتفاق نہیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اور میری جماعت ہر رنگ میں کمیٹی کے ساتھ تعاون کرے گی لیکن مجھے صدر منتخب نہ کیا جائے"۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال نے امام جماعت احمدیہ کو مخاطب کر کے فرمایا:-

"حضرت صاحب۔ جب تک آپ اس کام کو اپنے صدر کی حیثیت سے نہ لیں گے یہ کام نہیں ہو گا"۔ [۱۰۹]

اس تعلق میں ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے کو ایک ملاقات میں خود بتایا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ جب کشمیر میں تحریک آزادی شروع ہوئی اور ہم نے دیکھا کہ بچارے کشمیریوں کو مہاراجہ تباہ کر کے رکھ دے گا تو مجھے اور دیگر مسلمان لیڈروں کو خیال پیدا ہوا کہ کشمیریوں کی کیسے مدد کی جائے ہم نے سوچا اگر ہم نے جلسے وغیرہ کئے اور کارکنوں اور سرمایہ کے لئے تحریک کی تو اول تو دیانتدار کارکن نہ ملیں گے اور سرمایہ جمع نہیں ہو گا۔ اور جو سرمایہ جمع ہو گا۔ وہ بے ایمان کارکن کھا جائیں گے۔ اور اس دوران میں مہاراجہ تحریک کو کچل کر رکھ دے گا۔ کام فوراً شروع ہونا چاہئے ہم نے سوچا کہ ہندوستان میں صرف ایک ہی شخصیت ہے کہ اگر وہ اس تحریک کی قیادت منظور کرلے تو دیانتدار کارکن بھی مہیا کرلے گی سرمایہ بھی جمع کرلے گی۔ وکلاء وغیرہ بھی وہ خود دے گی۔ اخبارات میں ولایت میں اور یہاں بھی پراپیگنڈا وہ خود کرلے گی اور وائسرائے اور اس کے سیکرٹریوں سے ملاقات بھی خود کرے گی وہ شخصیت مرزا محمود احمد ہیں"۔ [۱۱۰]

ملک صاحب موصوف کا یہ بیان جو حال ہی میں چوہدری ظہور احمد صاحب نے شائع کیا ہے یقیناً شک و شبہ سے بالا شہادت ہے جس کی بالواسطہ تائید ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے اپنے ایک خط سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے کمیٹی کے قیام سے قریباً دس ماہ قبل ۵ / ستمبر ۱۹۳۰ء کو شیخ یوسف علی صاحب پرائیویٹ سیکرٹری (حضرت خلیفتہ المسیح الثانی) کے نام تحریر کیا چونکہ آپ کی جماعت منظم ہے اور نیز بہت سے مستعد آدمی اس جماعت میں موجود ہیں اس واسطے آپ بہت مفید کام مسلمانوں کے لئے انجام دے سکیں گے۔

"باقی رہا بورڈ [۱۱۱] کا معاملہ سو یہ خیال بھی نہایت عمدہ ہے میں اس کی ممبری کے لئے حاضر ہوں صدارت کے لئے کوئی زیادہ مستعد اور مجھ سے کم عمر کا آدمی ہو تو زیادہ موزوں ہو گا لیکن اگر اس بورڈ

کا مقصد حکام کے پاس وفود لے جانا ہو تو ہمیں اس سے معاف فرمایا جائے وفد بے نتیجہ ثابت ہوتے ہیں اس کے علاوہ مجھ میں اس قدر چستی اور مستعدی بھی باقی نہیں رہی۔ بہرحال اگر آپ ممبروں میں میرا نام درج کریں تو اس سے پہلے باقی ممبروں کی فہرست ارسال فرمائیں۔ مخلص محمد اقبال

(چربہ مکتوب ڈاکٹر سر محمد اقبال ۵/ ستمبر ۱۹۳۰ء)

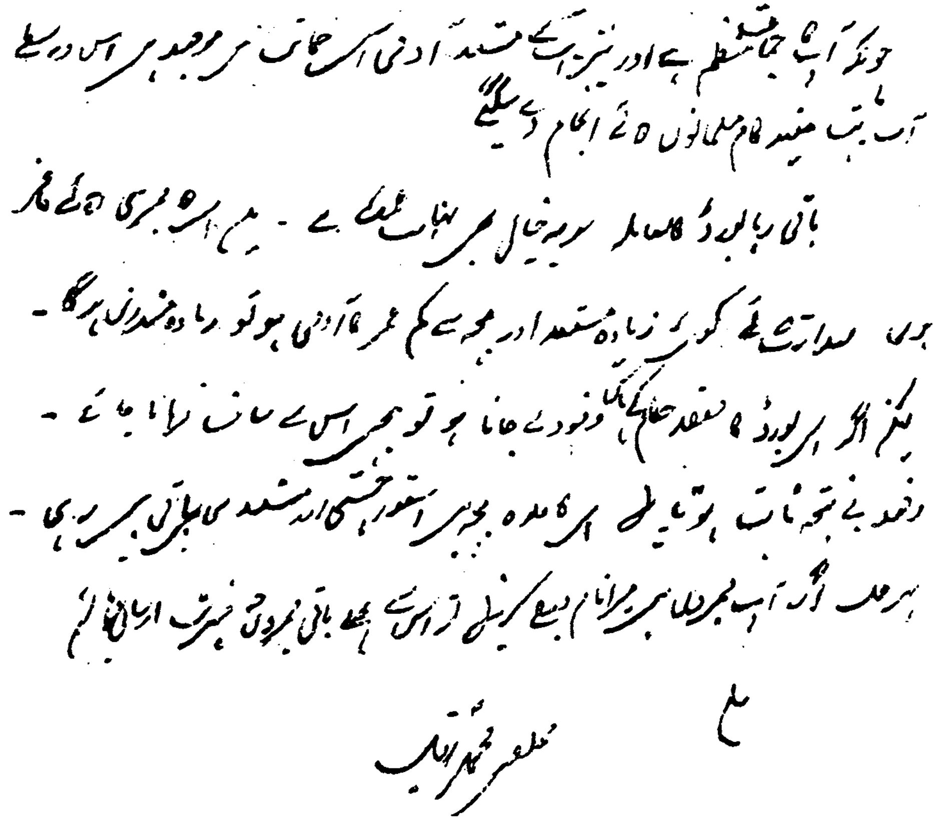

المختصر ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کی نگاہ میں چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات سے بڑھ کر تحریک آزادی کشمیر کی قیادت کے لئے اور کوئی موزوں شخصیت ملک میں موجود نہیں تھی۔ اس لئے آپ نے حضور ہی کا نام صدارت کے لئے پیش فرمایا ڈاکٹر صاحب کے بعد شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب اور دوسرے ارکان نے بھی اس کی مکمل تائید و حمایت کی اور جب ہر طرف سے یہی آواز بلند ہوئی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے بتیس لاکھ مسلمانان جموں کے بنیادی انسانی حقوق دلانے اور انہیں اقتصادی غلامی سے نجات دلانے کے لئے صدارت کی ذمہ داری قبول فرمالی۔

[112] اور نمائندوں کی رضامندی سے کمیٹی کے سیکرٹری مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے (سابق مبلغ انگلستان) تجویز کئے گئے"۔ [113]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"مجھے کہا گیا کہ ہم آپ کو ڈکٹیٹر تجویز کرتے ہیں آپ جو کہیں گے وہ ہم کریں گے مگر میں نے کہا مجھے اور بہت کام ہیں اور میرے لئے یہ کام کرنا مشکل ہے اس پر کہا گیا یہ بھی ثواب کا کام ہے ۳۰ لاکھ مظلوم اور بے کس مسلمانوں کی خدمت ہے آپ ضرور یہ کام کریں ہمارا اصول تھا کہ خلیفہ دوسری انجمنوں میں شامل نہ ہو۔ [114] مگر جب مجھ سے یہ کہا گیا تو میں اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ پھر خیال آیا یہ کہیں گے کہ ناکامی کے ڈر سے پیچھے ہٹتا ہے۔ اس پر میں نے کہا دوسری انجمنوں میں خلیفہ کے شامل نہ ہونے کا دستور ہم نے خود ہی بنایا ہے اسے خدمت خلق کے لئے توڑ دیں تو کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ میں نے ڈکٹیٹر بننے سے تو انکار کر دیا۔ لیکن کہا پریذیڈنٹ بننا قبول کر لیتا ہوں"۔ [115]

فہرست ممبران آل انڈیا کشمیر کمیٹی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے علاوہ دیگر ممبران کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ ایم محمد اسماعیل حاجی احمد صاحب	کلکتہ	۲۔ احمد عبدالستار صاحب آنریری سیکرٹری۔ دی کلکتہ مجلس	کلکتہ
۳۔ مسٹر ایچ ایس سہروردی۔ بار ایٹ لاء	کلکتہ	۴۔ مولانا ابو ظفر وجیہ الدین صاحب	کلکتہ
۵۔ ایم محمد علی اللہ بخش صاحب۔ سیکرٹری مسلم فیڈریشن	بمبئی	۶۔ مسٹر اے آر ڈ نسنکر	بمبئی ۸
۷۔ مولانا ابو یوسف صاحب اصفہانی	شمالی بمبئی	۸۔ قاضی کبیر الدین صاحب	بمبئی
۹۔ ڈاکٹر شفاعت احمد خاں صاحب	الہ آباد	۱۰۔ میاں سید جعفر شاہ صاحب	شاہ آباد
۱۱۔ سید کشفی شاہ نظامی	رنگون	۱۲۔ جناب مولانا حسرت موہانی صاحب	کانپور
۱۳۔ سید عبدالحفیظ صاحب	ڈھاکہ	۱۴۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب۔ ایم۔ایل۔اے	ایبٹ آباد
۱۵۔ مولانا محمد شفیع صاحب داؤدی	پٹنہ	۱۶۔ نواب ابراہیم علی خاں صاحب۔ نواب آف کنج پورہ۔ ایم۔ایل اے	کرنال

۱۷۔ چوہدری عبدالمتین صاحب۔ ایم۔ایل۔اے

سلہٹ۔	آسام	۱۸۔ جناب مشیر حسین صاحب قدوائی	لکھنؤ
۱۹۔ سید غلام بھیک صاحب نیرنگ پلیڈر	انبالہ	۲۰۔ مولانا سید حبیب شاہ صاحب۔ ایڈیٹر "سیاست"	لاہور
۲۱۔ مولوی نور الحق صاحب۔ پروپرائیٹر مسلم آوٹ لک	لاہور	۲۲۔ سید محسن شاہ صاحب ایڈووکیٹ سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کانفرنس	لاہور
۲۳۔ مولانا غلام رسول صاحب مہر۔ ایڈیٹر "انقلاب"	لاہور	۲۴۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب۔ بار ایٹ لاء	لاہور
۲۵۔ مولانا محمد یعقوب صاحب ایڈیٹر لائٹ	لاہور	۲۶۔ خان بہادر شیخ رحیم بخش صاحب۔ ریٹائرڈ سیشن جج	لاہور
۲۷۔ آنریبل نواب سر ذوالفقار علیخاں صاحب۔ ایم۔ ایل۔اے	لاہور	۲۸۔ مولانا عبدالمجید صاحب سالک ایڈیٹر انقلاب	لاہور
۲۹۔ محمد رفیق صاحب باریٹ لاء ایڈووکیٹ ہائیکورٹ	لاہور	۳۰۔ ملک برکت علی صاحب ایڈووکیٹ	لاہور
۳۱۔ حاجی شمس الدین صاحب	لاہور	۳۲۔ میاں فیروز الدین صاحب۔ سیکرٹری خلافت کمیٹی	لاہور
۳۳۔ میاں نظام الدین صاحب رئیس	لاہور	۳۴۔ میاں فضل کریم صاحب۔ ایل۔ایل۔بی پلیڈر	لاہور
۳۵۔ ڈاکٹر عبدالحق صاحب ایم۔بی بی ایس	لاہور	۳۶۔ سید عبدالقادر صاحب ایم۔اے۔ پروفیسر اسلامیہ کالج	لاہور
۳۷۔ مولانا علم الدین صاحب سالک	لاہور	۳۸۔ غلام مصطفیٰ صاحب ایڈووکیٹ	لاہور
۳۹۔ شیخ نیاز علی صاحب ایڈووکیٹ	لاہور	۴۰۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب بار ایٹ لاء۔ ایم۔ایل۔سی	لاہور
۴۱۔ پیر اکبر علی صاحب ایڈووکیٹ۔ایم۔ایل۔سی	فیروزپور	۴۲۔ چوہدری محمد شریف صاحب ایل۔ایل بی پلیڈر منٹگمری	
۴۳۔ خواجہ محمد شفیع صاحب	دہلی	۴۴۔ مولانا مظہر الدین صاحب ایڈیٹر "الامان"	دہلی
۴۵۔ شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب	دہلی	۴۶۔ حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون صاحب۔ ایم۔ ایل۔اے	کراچی
۴۷۔ مولانا سید محمد اسماعیل صاحب غزنوی	امرتسر	۴۸۔ شیخ محمد صادق صاحب ایم۔ایل۔اے	امرتسر
۴۹۔ مولانا عقیل الرحمان صاحب ندوی	سہارنپور	۵۰۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس	قادیان
۵۱۔ مولانا عبدالرحیم صاحب درد	قادیان	۵۲۔ مولانا عصمت اللہ صاحب	سیالکوٹ
۵۳۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب	لاہور	۵۴۔ غلام مصطفیٰ صاحب بار ایٹ لاء	گوجرانوالہ
۵۵۔ ایم حسام الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ	امرتسر	۵۶۔ مولانا کرم علی صاحب	لکھنؤ

۵۷۔ مولانا سید میرک شاہ صاحب فاضل دیوبند	کرنال	۵۸۔ شیخ صادق حسن صاحب ایم ایل اے	امرتسر
۵۹۔ شیخ فضل حق صاحب ایم۔ایل۔اے۔ پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی	بھیرہ	۶۰۔ سید ذاکر علی شاہ صاحب	لکھنؤ
۶۱۔ مولانا عبدالحمید صاحب	؟	۶۲۔ چوہدری اسد اللہ خان صاحب بار ایٹ لاء	لاہور
۶۳۔ شاہ مسعود احمد شاہ صاحب ایم۔ایل۔اے	؟	۶۴۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب	قادیان
۶۵۔ ایس ایم عبداللہ صاحب۔ نائب صدر میونسپلٹی	دہلی		

حواشی

۱۔ "چودھویں صدی" (راولپنڈی) ۲۳/ جولائی ۱۸۹۵ء صفحہ ۵-۶۔ (تاریخ احمدیت جلد چہارم طبع اول صفحہ ۱۴۰-۱۴۱

۲۔ "شیر کشمیر" صفحہ ۳۲۶ (از کلیم اختر صاحب) شائع کردہ سندھ ساگر اکاڈمی لاہور طبع اول ۱۹۶۳ء

۳۔ اخبار کشمیری لاہور ۲۱/ اپریل ۱۹۲۶ء صفحہ ۳-۴۔ "مسلم کشمیری کانفرنس" کا پہلا اجلاس امرتسر میں ۱۹۰۱ء میں ہوا تھا جس میں نواب سر سلیم اللہ مہمان خصوصی تھے اس اجتماع میں شیخ محمد اقبال صاحب' خواجہ الف دین صاحب وکیل' خواجہ احمد دین صاحب ایڈووکیٹ اور دوسرے عمائدین کے ساتھ منشی محمد الدین صاحب فوق بھی شامل تھے اس موقعہ کا فوٹو روزگار فقیر جلد دوم (مولفہ فقیر سید وحید الدین صاحب) میں چھپ چکا ہے۔

۴۔ الفضل (قادیان) ۲/ ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۲ کالم ۱

۵۔ "فغان کشمیر" (شائع کردہ کشمیر پبلسٹی بورڈ آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس لاہور) سرورق صفحہ ۱ تا ۴

۶۔ ایضاً صفحہ ۲۹ و "رہنمائے کشمیر" صفحہ ۷۷ (از منشی محمد الدین صاحب فوق) مطبوعہ گلزار محمدی پریس لاہور ۱۹۱۷ء)

۷۔ "رہنمائے کشمیر" صفحہ ۷۷ (از منشی محمد الدین صاحب فوق) یہ کانفرنس ۱۸۸۶ء میں سرسید احمد خاں مرحوم کی کوشش سے قائم ہوئی تھی مختلف اور دور دراز مقامات پر اس کے اجلاس منعقد ہوئے جن میں علامہ شبلی اور حالی نظمیں پڑھتے۔ نواب محسن الملک اور خواجہ غلام الثقلین صاحب لیکچر دیتے۔ مسلم لیگ کے قیام سے پہلے سیاسی و نیم سیاسی امور میں کانفرنس ہی مسلم قوم کی آواز سمجھی جاتی تھی۔ (موج کوثر صفحہ ۸۲) مولفہ شیخ محمد اکرام صاحب بی۔ اے۔

۸۔ ان مشہور کانفرنسوں کے علاوہ ہندوستان میں کشمیری خاندانوں کی اور بھی متعدد انجمنیں قائم تھیں جن کے نام آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس کے رسالہ "فغان کشمیر" مطبوعہ ۱۹۲۴ء میں مندرج ہیں۔

۹۔ تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۳۱۷

۱۰۔ اس قصبہ کو آسنور بھی کہتے ہیں۔

۱۱۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور احرار اسلام صفحہ ۱۶-۱۷ (لیکچر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ۱۴/ ستمبر ۱۹۳۱ء بمقام سیالکوٹ و الفضل ۲۴/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۸-۹

۱۲۔ الفضل ۲۴/ جون ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ کالم ۲

۱۳۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور احرار اسلام صفحہ ۷ و الفضل ۲۴/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۸-۹ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے واقعات بڑی کثرت سے ہوتے تھے چنانچہ ملک فضل حسین صاحب نے اپنی کتاب مسلمانان کشمیر اور ڈوگرہ راج صفحہ ۱۳۰ حاشیہ میں اخبار گورو گھنٹال ۳/ جنوری ۱۹۲۷ء صفحہ ۲۳ کے حوالہ سے نواب صاحب مالیر کوٹلہ کی سیر کشمیر میں اسی قسم کا واقعہ لکھا ہے۔

۱۴۔ رجسٹر کارروائی صدر انجمن احمدیہ ۱۹۱۷ء نمبر ۱۰ صفحہ ۲۰

۱۵۔ (مفہوم) الفضل ۷/۲/ جولائی ۱۹۲۹ء صفحہ ۶

۱۶۔ الفضل ۵/ ستمبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۱-۲

۱۷۔ ولادت قریباً ۱۸۳۹ء۔ ۱۸۹۴ء میں بیعت کی "کتاب البریہ" میں ان کا ذکر موجود ہے ۱۹۰۷ء میں قریباً ۶۸ سال کی عمر میں قادیان سے قرآن شریف پڑھا۔ مارچ ۱۹۱۴ء میں وفات پائی ناسنور میں مزار ہے ان کے علاوہ ریاست کشمیر کے بعض ممتاز صحابہ کے نام یہ ہیں خواجہ عبد القادر صاحب ڈار ناسنور۔ خواجہ عبد الرحمان صاحب ڈار ناسنور (دونوں حضرت حاجی عمر ڈار کے فرزند) مولوی حبیب اللہ لون ناسنور۔ مولوی غلام محمد صاحب ناسنور۔ فقیر محمد صاحب بھٹی ناسنور۔ راجہ عطاء اللہ خان صاحب یاڑی پورہ۔ راجہ غلام حیدر صاحب یاڑی پورہ (یہ دونوں بزرگ کشمیر کے اولین صحابہ ہیں) حضرت خلیفہ نور الدین صاحب جموں۔ مولوی غلام احمد صاحب لون ناسنور۔ شیخ فتح محمد صاحب ڈپٹی انسپکٹر کشتواڑ (ضلع اودھم پورہ) میاں محمد دین صاحب تاجر جموں۔ میر حبیب اللہ

صاحب گاگرن شوپیاں - میر عبدالرحمٰن صاحب رینجر - میر غلام محمد صاحب گاگرن (شوپیاں) جمال الدین صاحب گاگرن (شوپیاں) غلام رسول صاحب شیخ مالکو شوپیاں مولوی خلیل الرحمان صاحب (قصبہ سنجیڑی راجگان) (بروایت جناب عبدالعزیز صاحب ڈار) مولوی عبدالرحمان صاحب (اندورہ اسلام آباد)

۱۸- ۱۸۹۵ء

۱۹- "تاریخ اقوام کشمیر" جلد ۲ صفحہ ۱۷۵-۱۷۶

۲۰- مولوی فاضل مولوی عبدالجبار صاحب ناسنور - مولوی احداللہ صاحب ناسنور - مولوی نور احمد صاحب ناسنور - مولوی محمد عبداللہ شاہ صاحب ناسنور - مولوی خواجہ عبدالغفار صاحب ڈار صحافی نام منور کاشمیری) انگریزی خوان - جناب غلام محمد ڈار - مبارک احمد صاحب ڈار - مولوی عبدالرحیم صاحب - محمد ایوب صاحب صابر (مولوی عبداللہ صاحب وکیل - (مولوی عبداللہ صاحب وکیل بعد کو ناسنور سے سرینگر آگئے اور پھر کچھ عرصہ بعد اسلام چھوڑ کر بہائی ہو گئے -)

۲۱- ضمیمہ "نوائے کشمیر" کوٹلی ۲/ فروری ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۰ (مضمون جناب منشی امیر عالم صاحب کوٹلی ضلع میرپور)

۲۲- بروایت جناب خواجہ عبدالعزیز صاحب ڈار - ناسنور

۲۳- مختصر تاریخ کشمیر صفحہ ۱۳۶ (مولف جناب اللہ بخش صاحب یوسفی)

۲۴- ہفت روزہ لاہور ۲۲ مارچ ۱۹۶۵ء صفحہ ۶ (مقام اشاعت لاہور)

۲۵- الفضل یکم ستمبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۹ کالم ۲

۲۶- محضر نامہ کا مکمل متن رسالہ فغان کشمیر صفحہ ۵-۱۰ پر موجود ہے۔

۲۷- تاریخ اقوام کشمیر صفحہ ۱۴۹ میں آپ کا ذکر آتا ہے۔

۲۸- تاریخ اقوام کشمیر صفحہ ۱۷۷

۲۹- فغان کشمیر صفحہ ۱۲-۱۳

۳۰- رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء

۳۱- الفضل ۵/ اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۴ کالم ۱

۳۲- آپ کی پانچ روایات صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنی کتاب سیرت المہدی حصہ سوم (صفحہ ۲۴۰-۲۴۱) میں درج فرمائی ہیں۔

۳۳- کشمیر کے حالات صفحہ ۱۴-۱۵ (از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب) شائع کردہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی قادیان ۱۹۳۱ء

۳۴- خواجہ عبدالغفار صاحب ڈار مولوی فاضل سابق مدیر اخبار اصلاح سرینگر آپ کے فرزند ارجمند ہیں - خواجہ عبدالرحمٰن صاحب کے حقیقی بھائی خواجہ عبدالعزیز صاحب ہیں - جن کی نسبت ہفت روزہ ضمیمہ نوائے کشمیر کوٹلی (۲/ فروری ۱۹۵۱ء) لکھتا ہے خواجہ صاحب موصوف ۱۹۳۱ء سے برابر مسلمانوں کی آزادی کے لئے جدوجہد کرتے رہے ۱۹۴۵ء میں آپ نے تحصیلدار صاحب کولگام کے خلاف ایک زمیندار کو عدالت میں بے عزت کرنے پر تمام کولگام میں شورش برپا کر دی آخر پنڈت جیالال وانچو تحصیلدار کو کھلے اجلاس میں زمیندار سے معافی مانگنی پڑی خواجہ صاحب نے تحصیل کولگام کے ڈوگرہ جاگیرداروں کا ناک میں دم کر دیا تھا مزارعین کو ان کا پورا پورا حق دلانے میں پوری جدوجہد کی - جب پنڈت نہرو اور شیخ عبداللہ کوثر ناگ آئے تھے تو شیخ عبداللہ صاحب نے خواجہ عبدالعزیز ڈار کا تعارف کراتے ہوئے کہا خواجہ صاحب میرے پرانے رفیق کاروں میں سے ہیں مگر جب سے میں نے نیشنلزم کو اختیار کیا یہ مجھ سے ناراض ہیں مگر میں ضرور یہ کہوں گا کہ جس جماعت سے یہ تعلق رکھتے ہیں وہ زندہ اور فعال جماعت ہے اس جماعت نے کشمیریوں کو بیدار کرنے میں تمام لوگوں سے زیادہ کام کیا اور خواجہ صاحب اپنے علاقہ کے مسلمہ لیڈر ہیں (صفحہ ۲۱)

۳۵- بحوالہ "شیر کشمیر" صفحہ ۱۹ (از جناب کلیم اختر صاحب)

۳۶- خلیفہ صاحب مہاراجہ کشمیر کے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ خاص تھے اس کے بعد وہ ترقی پاکر پہلے ریاست کی وزارت خارجہ میں اسسٹنٹ سیکرٹری بنائے گئے پھر وسط ۱۹۴۹ء میں ہوم سیکرٹری کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

۳۷۔ رسالہ "لاہور" ۲۲/ مارچ ۱۹۶۵ء صفحہ ۷ کالم ۲۔۳

۳۸۔ الفضل ۳/ ستمبر ۱۹۳۱ء

۳۹۔ اسٹیٹسمین کلکتہ ۱۹/ اگست ۱۹۳۱ء "سیاست" لاہور ۲۳/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۴) بحوالہ مسئلہ کشمیر اور ہندو مہاسبھائی" مصنفہ ملک فضل حسین صاحب احمدی مہاجر صفحہ ۵۹ تا ۷۲۔ (اشاعت ستمبر ۱۹۳۲ء)

۴۰۔ سرایلبین بینرجی کے اس بیان نے اندرون کشمیر مسلمانوں کو بہت تقویت پہنچائی اور ینگ مینز ایسوسی ایشن (جموں) اور انجمن نوجوانان اسلام (سرینگر نے اس کی اشاعت میں خوب حصہ لیا موخر الذکر انجمن کی بنیاد مولوی غلام احمد صاحب ہمدانی نے ۱۹۲۸ء میں رکھی تھی۔

۴۱۔ بیان عبدالمجید صاحب قرشی (الفضل ۳۔ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۶ کالم ۲۔۳

۴۲۔ انقلاب ۷/ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ۶۔ جناب چوہدری غلام عباس صاحب نے ٹھیکدار یعقوب علی صاحب کے اس جرات مندانہ اقدام کا ذکر "کشمکش" (صفحہ ۵۲۔۵۳) میں بھی کیا ہے۔

۴۳۔ انقلاب ۱۲/ اپریل ۱۹۲۵ء

۴۴۔ انقلاب ۱۳ اپریل ۱۹۲۹ء صفحہ ۳

۴۵۔ (بریکٹ میں وضاحتی الفاظ خواجہ عبدالعزیز صاحب ڈار سے استصواب کے بعد اضافہ کئے گئے ہیں۔

۴۶۔ اخبار "انقلاب" لاہور ۲۰/ اپریل ۱۹۲۹ء

۴۷۔ الفضل ۱۴/ مئی ۱۹۲۹ء صفحہ ۹

۴۸۔ اخبار "انقلاب" لاہور ۳/ مئی ۱۹۲۹ء صفحہ ۶

۴۹۔ بحوالہ الفضل ۲۸/ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۳ کالم ۳

۵۰۔ الفضل ۱۶/ جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۳

۵۱۔ الفضل ۲۴/ جون ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ کالم ۲

۵۲۔ ولادت مارچ ۱۹۰۹ء۔ آٹھویں جماعت میں پڑھتے تھے کہ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو ایک عیسائی نوجوان احمد شاہ ایم۔ اے نے آہستہ آہستہ عیسائیت کی تبلیغ شروع کردی دوسرے ساتھی تو عیسائی ہونے پر آمادہ ہو گئے مگر گلکار صاحب اپنے ہمجولیوں کو مولوی عبداللہ صاحب وکیل کے پاس لے گئے اور ان سے پوچھا کہ اسلام اچھا مذہب ہے یا عیسائیت مولوی صاحب روزانہ شام کو درس دیا کرتے تھے اس روز انہوں نے اپنے درس میں عیسائیت کے خلاف زبردست تقریر کی اور حضرت مسیح موعود کی کتاب نور القرآن نکال کر سنائی جس سے سب بہت متاثر ہوئے اور روزانہ درس میں حاضر ہونے لگے۔ اور ان کی تبلیغ سے وفات مسیح کے قائل ہو کر مدرسہ نصرت الاسلام میں جہاں نویں جماعت کلو اطلہ لیا تھا اپنے ہم مکتبوں میں اس مسئلہ پر بحث شروع کردی اس پر مہتمم مدرسہ نے آپ کو مدرسہ سے خارج کردیا اور آپ سری پرتاپ ہائی سکول میں داخل ہو گئے دسویں جماعت پاس کی تو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے مبلغ مولوی عصمت اللہ صاحب کی تحریک پر اشاعت اسلام کالج (احمدیہ بلڈنگس لاہور) میں تعلیم پانے لگے۔ اسی دوران میں آپ کو ۱۹۲۸ء کے سالانہ جلسہ قادیان کی زیارت کا پہلا موقعہ میسر آیا اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے مکان پر قیام کیا اسی دوران میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ میرے سامنے ایک شیشہ ہے جس میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کھڑے معلوم ہوتے ہیں اور اس کے اندر لکھا ہے کہ یہ نور ہے اور آسمان سے یہ نور آیا ہے اس آسمانی انکشاف پر آپ جماعت احمدیہ قادیان میں شامل ہو گئے۔ اور دسمبر ۱۹۳۱ء میں بیعت کرلی۔

۵۳۔ معمار آزادی کشمیر صفحہ ۲ مطبوعہ ۱۹۶۱ء دار الاشاعت راولپنڈی (از محمد اسد اللہ صاحب قریشی کاشمیری)

۵۴۔ "تاریخ اقوام کشمیر" جلد ۲ صفحہ ۴۵۱۔ ۴۵۳ (مولف منشی محمد الدین صاحب فوق مطبوعہ ۱۹۴۳ء) بحوالہ معمار آزادی کشمیر صفحہ ۴۹۔۵۳

۵۵۔ خواجہ غلام نبی صاحب گلکار کا بیان ہے کہ اشاعت اسلام کالج کے پرنسپل (مولوی صدر الدین صاحب) کی خواہش تھی کہ میں انجمن کا ملازم ہو جاؤں اور مبلغ بن جاؤں وہ چاہتے تھے کہ وہ مجھے نواب آف منگرول کے پاس بھیج دیں جہاں مجھے ہر قسم کی

سہولتیں میسر ہو سکتی تھیں مگر میں نے انکار کیا اور کہا کہ میں اپنے ہی ملک کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

۵۶- "اصلاح" ۲۷/ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲

۵۷- جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب وکیل کشمیر کے ایک فرزند مشتاق احمد فاروق ایڈووکیٹ اس کی تفصیل میں لکھتے ہیں "مجھے تحریک کشمیر سے نہ صرف ایک کشمیری تعلیم یافتہ اور محب وطن کی حیثیت سے ہی دلچسپی رہی ہے بلکہ اس لئے بھی زیادہ اور غیر معمولی دلچسپی رہی ہے کہ تحریک کا آغاز سرینگر میں والد صاحب مرحوم (مولوی محمد عبداللہ وکیل) کی کوششوں کا نتیجہ تھا والد مرحوم نے ایک کتابچہ (مارچ ۱۹۳۱ء کے قریب ناقل) دور جدید کے عنوان سے لکھا اس سے قبل وہ مذہبی تبلیغ و معاشرتی اصلاح و بہبود کا کام کرتے رہے اور دور جدید کے شائع ہوتے ہی والد بزرگوار نے سیاسی سرگرمیاں شروع کردیں ادھر فتح کدل ریڈنگ روم کے نوجوانوں کی پشت پناہی اور رہدایت کا کام جہاں والد بزرگوار نے سنبھالا ادھر جموں میں مستری یعقوب علی مرحوم وہاں کے نوجوانوں کی پشت پناہی اور رہدایت فرمارہے تھے والد صاحب اور مستری یعقوب علی صاحب چونکہ دونوں کا تعلق جماعت احمدیہ سے تھا اور جماعت احمدیہ میں والد صاحب کو ان دنوں خاص مقام حاصل تھا۔ اس لئے تحریک کشمیر کا ہیڈ کوارٹر ہمارا مکان بن گیا"۔
("انصاف" راولپنڈی ۱۱/ فروری ۱۹۶۵ء صفحہ ۲ کالم ۳)

۵۸- دسمبر ۱۹۰۵ء میں بمقام سرینگر پیدا ہوئے آپ کی پیدائش سے پندرہ روز قبل آپ کے والد ماجد شیخ محمد ابراہیم صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ کی والدہ محترمہ کے پاس جس قدر دنیاوی دولت تھی وہ انہوں نے آپ کی تعلیم و تربیت پر نثار کردی ۱۹۲۲ء میں دسویں جماعت کا امتحان پاس کرتے ہی شفیق والدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ مگر بڑی بڑی مالی مشکلات برداشت کرتے ہوئے آپ نے تعلیم جاری رکھی اور سرینگر سے ایف ایس سی کا امتحان پاس کرنے کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہوئے آپ کو بچپن ہی سے اپنے کشمیری مسلمان بھائیوں کی مظلومیت پر افسوس ہوتا تھا اور دل خون ہوا جاتا تھا اور آنکھیں فرط ہمدردی سے پرنم ہو جاتیں۔ سرینگر اور لاہور دونوں جگہ آپ نے اپنے ہم وطنوں کی زبوں حالی کے تڑپا دینے والے مناظر دیکھے۔ ۱۹۲۸ء میں اسلامیہ کالج سے بی ایس سی کا امتحان پاس کرکے علی گڑھ کالج چلے گئے یہاں آپ پر کیا بیتی اس داستان مظلومیت پر شیخ محمد عبداللہ صاحب ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں۔ وہاں بھی میری حالت ایسی تھی میرے لئے کشمیری ہونا ایک عیب تھا جو لاہور میں معاف کیا گیا اور نہ علی گڑھ میں وطن اور وطن سے باہر اپنے عزیز وطن اور اہل وطن کی یہ ذلت و رسوائی دیکھ کر میرا دل پاش پاش ہو گیا۔ اور میں نے بے زبان کشمیریوں کے استخلاص کے لئے دعا کی اور سچے دل سے یہ حلف اٹھایا کہ میں یا تو اپنے مظلوم کشمیری بھائیوں کو ان مصائب سے نجات دلاؤں گا یا خود بھی صیاد کے ظلم و ستم کا شکار ہو جاؤں گا۔ ۱۹۳۰ء کے آغاز میں آپ ایم ایس سی (کیمسٹری) کی ڈگری حاصل کرکے سرینگر آگئے اور گورنمنٹ ہائی سکول سرینگر میں بطور سائنس ماسٹر کام کرنے لگے آپ ایم ایس سی تھے لیکن ڈوگرہ حکومت نے آپ کو ساٹھ روپے ماہوار تنخواہ اور ۲۳ روپے الاؤنس کی ملازمت دی حالانکہ آپ سے کم تعلیم یافتہ ہندو بڑے بڑے عہدوں بلکہ وزارتوں پر قابض تھے۔" نقوش لاہور آپ بیتی نمبر۔ صفحہ نمبر ۹۰۳۔۹۰۴ و شیر کشمیر ۷۹۔۸۰

۵۹- الفضل ۱۸/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تنظیم کی سرگرمیاں نمایاں رنگ میں وسط ۱۹۳۲ء سے پبلک کے سامنے آنے لگیں جبکہ گلانسی سفارشات منظور ہو گئیں الفضل نے نوجوانوں کی اس تنظیم کی خبر دیتے ہوئے لکھا یہ بات مسلم ہے کہ مسلمانان کشمیر بیدار ہو چکے ہیں...... خدا تعالیٰ ان کی ہمتوں میں برکت دے۔

۶۰- اخبار "ہمارا کشمیر" مظفر آباد ۲۶/ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۔ اس پہلے اجلاس میں شیخ محمد عبداللہ صاحب۔ غلام احمد صاحب عشائی اور مولوی محمد سعید صاحب جیسے زعماء میں سے کوئی بھی موجود نہیں تھا بعض شامل ہونے والے نوجوان یہ تھے۔ خواجہ غلام نبی صاحب گلکار۔ خواجہ محمد رجب صاحب (حال مجسٹریٹ مقبوضہ کشمیر) ملک محمد صدیق صاحب' مولوی بشیر احمد صاحب ابن مولوی عبداللہ' خواجہ عبدالغنی بلوائی' غلام احمد صاحب ظہرہ' محمد یحییٰ صاحب رفیقی' غلام نبی صاحب رفیقی' خواجہ عبدالصمد صاحب درزی' محمد مقبول صاحب کوزگر' مبارک شاہ صاحب نقشبندی' پیر سیف الدین صاحب' پیر حفیظ اللہ صاحب کاش' ملک غلام نبی صاحب درزی' ملک عبدالقدیر صاحب' غلام محمد صاحب باغ' غلام رسول صاحب ویر۔ غلام محمد صاحب بٹ' ماسٹر غلام محمد صاحب زینہ کدلی' خواجہ علی محمد صاحب سقہ' مفتی جلال الدین' پیر عبدالقدوس صاحب غلام محمد صاحب ہانڈے' ماسٹر محمد اسمٰعیل صاحب اسلام آبادی وغیرہ۔ (آواز حق مظفر آباد ۷/ ستمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۵۹)

۶۱۔ منشی محمد الدین صاحب فوق اس ایسوسی ایشن کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں مسلم سوشل اپ لفٹ ایسوسی ایشن....کی سکیم کے تحت ساٹھ ستر نائٹ سکول بھی سرینگر میں کھل چکے تھے (تاریخ اقوام کشمیر جلد ۲ صفحہ ۴۵۱-۴۵۳)

۶۲۔ خواجہ غلام نبی صاحب گلکار کا بیان ہے کہ دوسرے روز عید الاضحیہ تھی ان نوجوانوں نے بر سر عام چندہ جمع کیا عید گاہ میں حکومت کے خلاف تقریریں کیں اور اس کے ساتھ ہی فتح کدل ریڈنگ روم کا افتتاح کیا وہاں نوجوانوں کی آمدورفت شروع ہوئی نوجوان رہنماؤں نے حضرت بل آثار شریف 'خانقاہ معلی' علم صاحب 'مخدوم صاحب' مسجدوں 'دعوتوں' نائٹ سکولوں عرسوں اور میلوں پر حکومت کے خلاف عوامی طاقتوں کو مجتمع کیا اور مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی تلقین کی جگہ جگہ دستی پوسٹر لگائے۔" اخبار ہمارا کشمیر "مظفر آباد ۲۶/ جولائی ۱۹۵۳ء صفحہ ۳)

۶۳۔ معمار آزادی کشمیر صفحہ ۳۔

۶۴۔ "شیر کشمیر" صفحہ ۸۲-۸۳

۶۵۔ مسلم ینگ مینز ایسوسی ایشن کے کارکنوں نے کس طرح ابتداء پنجاب کے اسلامی اخبارات میں حالات بھجوانے شروع کئے اور حکومت کشمیر کا عتاب نازل ہوا۔ اور دوبارہ یہ سلسلہ وسیع پیمانے پر جاری ہوا اس کی تفصیل جناب عبد المجید صاحب سالک نے اپنی "سرگزشت" صفحہ ۲۸۵-۲۸۸ میں بیان فرمائی۔

۶۶۔ "آواز حق" مظفر آباد ۷/ ستمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۶۳ کالم ۳۔ اس شمارہ میں یہ بھی لکھا ہے "ریڈنگ روم پارٹی" نے یہ تجویز کی کہ لاہور سے اخبار نکالا جائے۔ مگر اقتصادی حالات اجازت نہیں دیتے تھے اس لئے یہ تجویز ہوئی کہ انقلاب کی خدمات حاصل کی جائیں۔ اور جب اس اخبار کا داخلہ ریاست میں بند کردیا جائے تو ایک اور نام سے اخبار جاری کیا جائے اور جب وہ بھی بند ہو جائے تو اشتہار نکالے جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اشتہاروں کے طریقہ پر اخبار "مظلوم کشمیر" "کشمیری مسلمان۔ ہتو کشمیر" یکے بعد دیگرے آتے گئے اور ادھر ریڈنگ روم پارٹی ان کو مشتہر کرتی گئی۔

۶۷۔ الفضل ۱۲/ مئی ۱۹۳۱ء صفحہ ۴

۶۸۔ الفضل ۱۱/ جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۲ کالم ۱

۶۹۔ الفضل ۴/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۲ کالم ۲۔

۷۰۔ مثلاً انقلاب (لاہور) ۹/ جون ۱۹۳۱ء 'الفضل قادیان ۱۱/ جون ۱۹۳۱ء انقلاب لاہور ۱۲/ جون ۱۹۳۱ء و الفضل (قادیان) ۱۳/ جون ۱۹۳۱ء۔

۷۱۔ الفضل ۱۳/ جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۲ کالم ۳۔

۷۲۔ INSIDE KASHMIR۔ صفحہ ۱۳۵ (مولف مورخ کشمیر مسٹر پریم ناتھ بزاز) مطبوعہ ۱۹۴۱ء ناشر پبلشنگ کمپنی سرینگر۔

۷۳۔ "انقلاب" ۱۲/ جون ۱۹۳۱ء

۷۴۔ الفضل ۱۶/ جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۳-۴

۷۵۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ایک غیر مطبوعہ مضمون سے ماخوذ

۷۶۔ انقلاب یکم جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۳

۷۷۔ الفضل ۲/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۳

۷۸۔ یہ تاریخ بالترتیب ۱۰-۲۸-۲۴/ جولائی ۱۹۳۱ء تجویز کی گئی۔

۷۹۔ اخبار الفضل قادیان دار الامان ۱۶/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۳-۴

۸۰۔ اردو ترجمہ "نوحہ کشمیر" (فارسی منظوم) صفحہ ۱۲-۱۳ مطبوعہ پنجاب نیشنل پریس لاہور ۱۹۶۳ء

۸۱۔ اخبار "ہمدرد سرینگر" ذمہ دار حکومت نمبر ۱۳/ جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۱)

۸۲۔ INSIDE KASHMIR۔ صفحہ ۱۳۵

۸۳۔ کشمیر کے حالات صفحہ ۲۸ (از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) و الفضل ۹/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۹ کالم ۱-۲۔ "آواز حق" مظفر آباد صفحہ ۲۵۹۔ مولوی محمد سعید صاحب مسعودی سابق ایڈیٹر اخبار ہمدرد لکھتے ہیں مولانا عبد القدیر صاحب ۳۵-۴۰ کے درمیان

سن وسال کے ایک گرانڈیل جوان تھے بھرپور جسم 'بڑا سا سر۔ گھنی اور تاؤ دی ہوئی کانوں کی لو سے ہمکنار مونچھیں۔ تیز چمکدار اور گہری آنکھیں۔ گہرا گندمی رنگ اور گرجدار آواز۔ ان سب باتوں نے مولانا میں امتیازی رعب کی شان پیدا کر رکھی تھی آپ فطرتاً سپاہی تھے اور آپ کا کاروبار چھاؤنیوں سے وابستہ رہنے کے باعث کربلا اور نیم چڑھا ہو گیا تھا مولانا یوپی کی طرف کسی مقام کے رہنے والے اور علمی خاندان سے متعلق تھے آپ کی تعلیم عربی 'فارسی قبل از تکمیل ہی رک چکی تھی فوجیوں کے ساتھ کاروبار کی وجہ سے انگریزی نہایت رواں اور فوجیانہ بولتے تھے اردو مادری زبان ہونے کے باعث زیر تصرف تھی راولپنڈی اور پشاور کے طویل قیام کے باعث پنجابی اور پشتو زبان بھی اہل زبان کی طرح بول لیتے تھے کشمیر میں آپ کا ورود ۱۹۳۱ء میں پہلی دفعہ یورپین فوجی افسروں کی معیت میں ہوا خانقاہ معلی میں مسلمانان کشمیر کا پہلا جلسہ تھا جس میں آپ شامل ہوئے جلسہ کے اختتام پر آپ نے مسلمانان کشمیر کی نسبت اپنے تاثرات بیان کئے اردو زبان کسی نے بھی نہ سمجھی۔ مگر پولیس کی رپورٹ پر دوسرے دن آپ کی گرفتاری عمل میں آگئی۔ اس سے قبل آپ حضرت بل میں جمعہ کے دن بھی کوئی تقریر کر چکے تھے"۔ (اخبار اصلاح سرینگر ۱۳/ جولائی ۱۹۳۶ء)

۸۴۔ ہفت روزہ اصلاح سرینگر ۱۳/ جولائی ۱۹۳۶ء

۸۵۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے پاس متواتر وفود اور تاریں آئیں کہ آپ یہ کام اپنے ہاتھ میں لیں اور ہماری مدد کریں (الفضل ۲۴/ جون ۱۹۳۶ء صفحہ ۳ کالم ۲

۸۶۔ "کشمیر کے حالات" صفحہ ۲۸ (از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب) مطبوعہ اگست ۱۹۳۱ء

۸۷۔ اخبار "اصلاح" سرینگر ۱۳/ جولائی ۱۹۳۶ء

۸۸۔ "INSIDE KASHIR" صفحہ ۱۳۰۔ مطبوعہ کشمیر پبلشنگ کمپنی سرینگر ۱۹۴۱ء

۸۹۔ جب گولی چلی تو عبدالقدیر خان صاحب کو کسی کارروائی کے بغیر جیل کی ڈیوڑھی سے واپس لے جا کر حوالات میں بند کر دیا گیا۔ اور چند روز بعد سرینگر سیشن جج نے ان کو ۶ سال کی سخت قید سنادی۔ مگر بعد ازاں جلد ہی انہیں رہا کر دیا گیا۔ (الفضل ۶/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۲)

۹۰۔ "RECOLLECTIONS" صفحہ ۱۹۴۔ (بحوالہ "شیر کشمیر" صفحہ ۱۰۵۔ از جناب کلیم اختر صاحب) اخبار الفضل قادیان نے مسلمانان کشمیر کی قابل تعریف ہمت اور استقلال کے عنوان پر ۴/ اگست ۱۹۳۱ء کو ایک پرزور اداریہ بھی لکھا تھا۔

۹۱۔ ۱۳۔ ۱۴/ جولائی ۱۹۳۱ء کو شہید ہونے والوں کی ایک نا تمام فہرست اخبار ہمارا کشمیر مظفر آباد ۲۶/ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۔ اور ہفت روزہ ولر ۱۳/ جولائی ۱۹۶۳ء میں شائع شدہ ہے۔

۹۲۔ الفضل ۱۸/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۹۔۱۰

۹۳۔ "کشمیر کے حالات" (از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب)

۹۴۔ یہ وفد ڈاکٹر محمد شاہنواز صاحب کی سرکردگی میں زخمیوں کے علاج کے لئے بھیجا جانا تجویز ہوا تھا جس کے لئے بذریعہ تار اجازت طلب کی گئی مگر حکومت کشمیر نے اسے داخلہ کی اجازت نہ دی۔ (الفضل ۳۰/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۱)

۹۵۔ ابن مولوی عبداللہ صاحب وکیل ولادت ۱۸۹۵ء قریباً ۱۹۴۷ء میں جموں سے ہجرت کر کے سیالکوٹ آگئے اب تک وہیں قیام رکھتے ہیں۔

۹۶۔ ولادت ۴/ فروری ۱۹۰۴ء بمقام جموں۔ چوہدری غلام عباس صاحب کی سیاسی جدوجہد میں ان کے والد بزرگوار منشی نواب الدین مرحوم احمدی کی تربیت اور دعاؤں کا بہت دخل ہے چنانچہ چوہدری صاحب خود ہی فرماتے ہیں "میرے والد محترم بے حد متشرع اور دیندار تھے۔ اور یہ امر واقع ہے کہ میں نے اپنی عمر میں ان کو ہمیشہ معمولاً اور التزاماً دو بجے صبح کے لگ بھگ بیدار ہوتے پایا۔ تہجد نماز پنجگانہ اور روزہ سے سوائے علالت کے انہوں نے کبھی ناغہ نہ کیا۔ مجھے ان سے بعض مذہبی عقائد میں اختلاف تھا لیکن میں جو کچھ بھی ہوں اور میں نے جو کچھ بھی اس دنیا میں حاصل کیا سب انکی بدولت ہے یہاں تک کہ میری موجودہ زندگی بھی ان ہی کی مرہون منت ہے ابتداء میں مہاراجہ ہری سنگھ اور ڈوگرہ حکومت کے خلاف لب کشائی کوئی آسان بات نہ تھی چہ جائے کہ حکومت کے خلاف باغیانہ تحریک کی رہنمائی کی جاتی۔ اکثر گھر والے میری سیاسی سرگرمیوں کے مخالف تھے لیکن والد محترم

بالخصوص تکلیہ میں میری گرفتاری پر بہت خوش ہوتے اور مجھے ہمیشہ ہمت اور استقلال کا سبق دیتے جب میری غیر آئینی سرگرمیاں شروع ہو گئیں تو ایک دفعہ باوجود کسر نفسی کے خود بھی گرفتار ہو گئے اب ان کے پاس مجھے دینے کے لئے کچھ نہ رہا تھا لیکن ان کی زندگی اور ان کی میرے حق میں دعائیں میرے لئے دنیا کی تمام نعمتوں اور ثروتوں سے زیادہ گراں قدر اندوختہ اور زادحیات تھیں۔ کاش وہ آج زندہ ہوتے اور میری پریشانی خاطر میں میرے درد دل کا مداوا ہو سکتے۔ ("کشمکش" مولف جناب چوہدری غلام عباس صاحب صفحہ ۲۴۲-۲۴۳۔ شیخ عبداللہ صاحب کا بیان ہے کہ گلکار صاحب نے بڑی جرأت کے ساتھ اپنی ہتھیلیاں پیش کرتے ہوئے کہا لو پہناؤ۔ ہمارے لئے یہ لوہے کی زنجیریں نہیں بلکہ سونے کے کنگن ہیں ("آتش چنار صفحہ ۹۸ از شیخ محمد عبداللہ صاحب ناشر چوہدری اکیڈمی لاہور تصنیف ۱۹۸۲ء اشاعت ۱۹۸۵ء

۹۷۔ "اصلاح" سرینگر ۱۳/ جولائی ۱۹۳۶ء صفحہ ۳-۴۔ ہری پربت کے ان لیڈروں کی گرفتاری کے بعد ۷ اون تک مسلسل ہڑتال رہی۔ کچھ عرصہ جیل میں رہنے کے بعد جب ان کی رہائی عمل میں آئی تو خواجہ غلام محی الدین صاحب رہبر ساکن بٹ مالو سرینگر نے ان کا گروپ فوٹو لیا تھا مگر افسوس مؤلف کو وہ پاکستان سے دستیاب نہیں ہو سکا۔ خواجہ غلام محی الدین صاحب کی دکان گنڈہ سنگھ بلڈنگ سرینگر سے متصل واقع تھی ممکن ہے سرینگر سے یہ قیمتی اور یادگار فوٹو مہیا ہو جائے۔

۹۸۔ بحوالہ "الفضل" ۲۳/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱-۲

۹۹۔ الفضل ۱۸/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱'۱۲

۱۰۰۔ الفضل ۲۴/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۵ کالم ۴

۱۰۱۔ غیر مطبوعہ مضمون ۱۹۵۱ء (سیدنا حضرت خلیفۃ الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)

۱۰۲۔ جلسہ سے قبل ایک عظیم الشان جلوس بھی نکالا گیا۔ جس نے مظالم کشمیر سے متعلق نظمیں پڑھنے اور اللہ اکبر' اسلام زندہ باد' اور ڈوگرہ راج مردہ باد" کے نعرے بلند کرکے زبردست مظاہرہ کیا۔ (الفضل ۲۱/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۲-۳

۱۰۳۔ کچھ عرصہ ہوا مولوی بشیر احمد صاحب مبلغ جماعت احمدیہ دہلی نے شمس العلماء جناب خواجہ حسن نظامی مرحوم کے فرزند حسن نظامی ثانی صاحب سے ملاقات کی۔ تو انہوں نے بتایا کہ آپ کے خلیفہ صاحب کے متعدد خطوط ہمارے یہاں محفوظ ہیں۔

۱۰۴۔ اخبار "الفضل" ۲۴/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۶ کالم ۳

۱۰۵۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ ۲۳/ جولائی ۱۹۳۱ء کو قادیان سے بذریعہ گاڑی سفر شملہ کے لئے روانہ ہوئے تھے مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے' شیخ یوسف علی صاحب بی۔ اے۔ پرائیویٹ سیکرٹری حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب (پروفیسر جامعہ احمدیہ) ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب اور چوہدری ظہور احمد صاحب (حال آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ ربوہ) بھی ہمراہ تھے (الفضل ۲۵/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۱) اور رسالہ لاہور ۵/ اپریل ۱۹۶۵ء)

۱۰۶۔ بروایت چوہدری ظہور احمد صاحب (لاہور ۵/ اپریل ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۲ کالم ۱)

۱۰۷۔ ایضاً

۱۰۸۔ "الموعود" صفحہ ۱۵۸-۱۵۹ (تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ۱۹۴۴ء) ناشر الشرکتہ الاسلامیہ ربوہ مطبوعہ دسمبر ۱۹۶۱ء

۱۰۹۔ لاہور ۵/ اپریل ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۲ کالم ۲

۱۱۰۔ ہفت روزہ "لاہور" مئی ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۳ کالم ۲ تا ۴

۱۱۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ان دنوں ملک میں اسلامی مفادات کے تحفظ کے لئے ایک مسلم بورڈ کی تجویز پر غور فرما رہے تھے یہ اسی تجویز کی طرف اشارہ ہے۔

۱۱۲۔ صدر بننے کے بعد بھی حضرت کا ذاتی نقطہ نگاہ یہ تھا کہ یہ عہدہ کسی اور مسلمان لیڈر کو سونپ دیا جائے اور آپ اور جماعت احمدیہ کمیٹی کے پلیٹ فارم سے مسلمانان کشمیر کی آزادی کے لئے سرگرم جدوجہد جاری رکھیں مگر خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے ۳۱/ جولائی ۱۹۳۱ء کو آپ کی خدمت میں لکھا۔ دوسرے صدر کا نام لینا آپ کی ہمت اور اعلیٰ جرأت سے بعید ہے آپ تو ان مشکلات کے عادی ہیں اس پر آپ کو اپنا خیال مجبوراً بدلنا پڑا۔

۱۱۳۔ الفضل ۳۰/ جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ و "لاہور" ۵/ اپریل ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۲۔

۱۱۴۔ ایک ملوان احمدی نے ۲۸/ جولائی ۱۹۳۱ء کو حضور کی خدمت میں لکھا۔ آج اخبار میں یہ پڑھ کر کہ حضور کشمیر کمیٹی کے پریذیڈنٹ ہو گئے ہیں بہت افسوس ہوا کہ تاج خلافت ہوتے ہوئے اس انجمن کی پریذیڈنٹی حضور نے قبول فرمالی ہے حضور امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے ملفوف کی پشت پر اپنے قلم سے یہ جواب رقم فرمایا۔ کہ بعض دفعہ شفقت علیٰ خلق اللہ کی وجہ سے مزل شان باتیں کرنی پڑتی ہیں میں پہلے بھی انکار کا ارادہ رکھتا تھا مگر جب دیکھا کہ بعض لوگ ڈر کر پیچھے ہٹ رہے ہیں تو اس کی ذمہ داری کو اٹھالیا۔

۱۱۵۔ الفضل ۱۰/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۳ کالم ۲۔۳۔

حصہ دوم۔ تیسرا باب (فصل اول)

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا طریق کار و نظام عمل، مسلمانان ریاست کی تنظیم، حکومت ہند و حکومت کشمیر سے رابطہ و خط و کتابت، یوم کشمیر، عالمی پراپیگنڈا، مظلومین کشمیر کی طبی اور مالی امداد، معاہدہ صلح، اجلاس سیالکوٹ اور مہاراجہ کی طرف سے ابتدائی حقوق دینے کا اعلان

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا طریق کار و نظام عمل

(۲۵/ جولائی ۱۹۳۱ء تا ۱۲/ نومبر ۱۹۳۱ء)

یہ تفصیل بتانے سے پیشتر کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی قیادت میں تحریک آزادی کشمیر کس شان سے اٹھی، آگے بڑھی اور منزل مقصود کی طرف تیزی سے رواں دواں ہوئی۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے نظام عمل اور طریق کار کا بیان کرنا ضروری ہے۔

اصولی اور آئینی تحریک

تحریک آزادی کشمیر دراصل ایک سماجی اور اقتصادی تحریک تھی جس کی بنیاد اخلاق اور انسانیت کے تقاضوں پر رکھی گئی۔ اس لئے ایک بااصول ادارہ کی حیثیت سے آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے ہندوؤں کے اشتعال انگیز پراپیگنڈا کے رد میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ موجودہ ایجی ٹیشن کسی صورت میں بھی ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب کی ذات کے خلاف نہیں بلکہ اس کا مطلب صرف مسلمانان کشمیر کی ناقابل برداشت شکایات کا ازالہ اور متشددانہ طرز حکومت کی اصلاح کرانا ہے۔ جو مدت مدید سے کشمیر میں مروج ہے"۔[1]

پھر یہ اصلاح بھی آل انڈیا کشمیر کمیٹی آئینی و دستوری دائرہ میں کرنے کے لئے قائم ہوئی تھی اور حق یہ ہے کہ اگر یہ کمیٹی سیاسی اغراض کے لئے بھی قائم ہوتی تب بھی اس کے لئے کسی غیر آئینی اور خلاف قانون روش کا اختیار کرنا سراسر نقصان دہ تھا وجہ یہ کہ زمانہ مسلمانان کشمیر ہی کے لئے نہیں مسلمانان ہند کے لئے بھی نہایت نازک زمانہ تھا۔ اور وہ خود اپنے حقوق و مطالبات کے حصول میں زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار تھے۔ برطانوی حکومت کا جھکاؤ ہندوؤں کی طرف تھا۔ اور ہندو اپنے تمام تر اختلافات فراموش کر کے پورے ہندوستان سے مسلمانوں کی ہستی تک مٹا دینے پر تلے ہوئے تھے۔ ہندو راجوں، مہاراجوں اور سرمایہ داروں کو کسی بھی ناجائز اور ناروا ذریعہ کے اختیار کرنے سے دریغ نہیں تھا۔ کانگریس کے لیڈر آزادی ہند کے دعاوی کے باوجود ہندو راجوں اور مہاراجوں کے حق میں تھے۔ [۲] اور حکومت ہند کی پالیسی یہ تھی کہ وہ ریاستوں کے اندرونی حالات میں غیر ریاستی لوگوں کی مداخلت کسی طرح گوارا نہ کرتی تھی۔ [۳]

ظاہر ہے کہ ان حالات میں ہندوستان اور ہندوستان کی دوسری ریاستوں کی طرح ریاست کشمیر کی آزادی کا مسئلہ بھی تدریجی طور پر ہی حل ہو سکتا تھا اور اہل کشمیر قانوناً دوسری ریاستوں سے بڑھ کر کوئی غیر معمولی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ لہٰذا "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" کے لئے تحریک کو چلانے کے لئے صرف آئینی جدوجہد ممکن تھی۔ اور حضور نے شروع میں ہی ممبران کمیٹی کے سامنے اس کی وضاحت فرما دی تھی۔

چنانچہ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کا بیان ہے۔ "جب ۱۹۳۱ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے لیڈران قوم کے مشورہ بلکہ ان کے اصرار اور اعتماد پر تحریک کشمیر کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ تو اس وقت حضور نے صرف اس شرط پر اس مبارک کام کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا کہ آپ کی ساری کوششیں کانسٹی ٹیوشنل یعنی دائرہ نظام کے اندر ہوں گی اور اس روح تعاون پر مبنی ہوں گی جو جماعت احمدیہ کے مذہبی اصول میں سے ایک اہم اصول ہے لیڈروں نے اس شرط کو منظور کیا"۔ [۴]

مسلمانان ہند کو متحد پلیٹ فارم پر لانے کی جدوجہد

مسلمانان کشمیر کا مسئلہ چونکہ پورے عالم اسلام کا مسئلہ تھا اس لئے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ممبروں نے روز اول ہی سے یہ حتمی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ملک کی تمام مسلمان جماعتوں اور انجمنوں سے اشتراک عمل کر کے کشمیر کی خاطر کام کرنے والی مختلف جماعتوں میں نظم پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ تا مسلمانوں کے متحد پلیٹ فارم سے اٹھنے والی آواز تحریک

کو چلانے میں زیادہ سے زیادہ ممد و معاون ہو سکے۔

چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے کمیٹی بنتے ہی ملک کے مختلف مسلمان لیڈروں کو کمیٹی سے تعاون کرنے کی اپیل کی اور اس خیال سے کہ اس کمیٹی میں کانگریس کے مؤید مسلمانوں کی بھی نمائندگی ہو جائے گی آپ نے مظہر علی صاحب اظہر اور چوہدری افضل حق صاحب (مفکر احرار) کو خطوط لکھوائے کہ مجھے امید ہے کہ آپ اس میں شامل ہو کر ہمارا ہاتھ بٹائیں گے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی کو ان کے پاس بھجوایا کہ یہ اصحاب کسی طرح اس میں شامل ہو جائیں۔ مگر یہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں اس پر آپ نے ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب، مولوی محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی اور مولوی غلام رسول صاحب مہر کو خطوط لکھے کہ اگر کمیٹی میں شمولیت سے انکار کی وجہ یہ ہے کہ میں صدر ہوں تو آپ ان حضرات کو تیار کریں کہ وہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ممبر ہو جائیں۔ اور مسلمانوں کی کثرت رائے کے ماتحت تحریک چلانے کا اقرار کریں۔ تو میں کمیٹی سے فوراً مستعفی ہو جاؤں گا۔ بلکہ اس صورت میں وہ میرے اس خط ہی کو استعفیٰ سمجھ لیں۔ اس پیشکش کا جواب یہ دیا گیا کہ ہم اپنا الگ کام کریں گے۔ ۵

یہ صورت حال بڑی حوصلہ شکن تھی مگر کشمیر کمیٹی نے نہ صرف عدم تعاون کرنے والوں کی تشہیر سے اجتناب کیا بلکہ اعلان کر دیا کہ وہ مسئلہ کشمیر کے سلسلہ میں ہر مسلم تنظیم یا مجلس سے تعاون کرے گی۔ اور حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ نے صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی حیثیت سے تمام شاخوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے پروگرام کو قائم رکھتے ہوئے جس قسم کی امداد کر سکیں کر دیں مثلاً طبی امداد۔ ۶

بہرحال کشمیر کمیٹی کا یہ کارنامہ ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی مسلسل توجہ اور زبردست کوشش نے مولوی میرک شاہ صاحب جیسے دیوبندی عالم، مولوی محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی جیسے عالم اہلحدیث، خواجہ حسن نظامی صاحب اور مولوی عبدالحمید ظفر صاحب بنگالی جیسے مذہبی پیشوا، مولوی حسرت صاحب موہانی، مولوی شفیع داؤدی صاحب اور ڈاکٹر شفاعت احمد خاں جیسے سیاستدان، سید عبدالقادر صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج جیسے مورخ، پروفیسر علم الدین صاحب سالک جیسے فاضل، حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون اور شیخ نیاز علی صاحب ایڈووکیٹ اور چوہدری عبدالمتین صاحب آف ڈھاکہ جیسے قومی کارکن، ملک برکت علی صاحب اور مشیر حسین صاحب قدوائی جیسے کانگریسی، ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب جیسے ماہر تعلیم، ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب جیسے فلسفی و شاعر اور سید محسن شاہ صاحب جیسے کشمیر کے دیرینہ خادم، مولوی عبدالمجید

صاحب سالک' مولوی غلام رسول صاحب مہر اور سید حبیب صاحب جیسے صحافی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ اور تحریک آزادی کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دینے لگے۔ ہندی مسلمانوں کی سیاسی جماعت آل انڈیا "مسلم لیگ" اور کشمیری کانفرنس دونوں کمیٹی کی حمایت کرنے لگیں بلکہ دہلی میں کمیٹی کا اجلاس (۲۲/ نومبر ۱۹۳۱ء) کو مسلم لیگ کے دفتر میں ہی منعقد ہوا۔

پبلسٹی کمیٹی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اگست ۱۹۳۱ء کے پہلے ہفتہ میں صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے' سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور مولوی عبد المغنی خان صاحب پر مشتمل ایک پبلسٹی کمیٹی تجویز فرمائی۔ جس کا کام مسلمانان کشمیر کے حقوق و مطالبات کی حمایت و اشاعت تھا۔ اس کمیٹی نے اپنا فرض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ چنانچہ "کشمیر کے حالات"۔ [۷] "مسلمانان کشمیر اور ڈوگرہ راج"۔ [۸] اور "مسئلہ کشمیر اور ہندو مہا سبھائی" جیسی تصانیف اس کی کوشش سے شائع ہوئیں۔ مقدم الذکر کتاب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے قلم سے لکھی گئی تھی۔ اور دوسری ملک فضل حسین صاحب احمدی مہاجر جماعت کے مشہور فاضل و محقق کی تحقیق کا نتیجہ تھیں ان کتابوں سے کشمیریوں کے موقف کو بہت تقویت پہنچی جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ اس اہم لٹریچر کی اشاعت کے علاوہ کمیٹی نے وقتاً فوقتاً مختلف ہینڈ بل [۹] اور ٹریکٹ بھی شائع کئے۔ مسلمانان کشمیر کا محضر نامہ (۱۹/ اکتوبر ۱۹۳۱ء برائے مہاراجہ کشمیر)

"MEMORIAL CONTAINING DEMANDS OF KASHMIR MUSLIMS"

کے نام سے شائع کیا۔

پبلسٹی کمیٹی نے مسلم پریس سے رابطہ قائم کرنے کی طرف بھی خاص توجہ دی۔ احمدی اخبارات میں سے اخبار "الفضل" (قادیان) "سن رائز" اور "پیغام صلح" لاہور نے نمایاں حصہ لیا۔ اور تحریک کو چپہ چپہ تک پھیلانے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا حتیٰ کہ پنجاب کے مشہور صحافی اور سیاسی لیڈر مولوی ظفر علی خان صاحب مدیر "زمیندار" کو لکھنا پڑا کہ شیخ محمد عبد اللہ صاحب تو اخبار الفضل کے اداریوں سے شیر کشمیر بنے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے "شیر کشمیر" کے عنوان سے ۱۱/ ستمبر ۱۹۳۲ء کو ایک نظم لکھی جس میں شیخ محمد عبد اللہ صاحب کی زبان سے یہ شعر کہے ۔

شیر کشمیر بن گیا ہوں میں فقط "الفضل" کے مقالوں سے [۱۰]

اخبار "سن رائز" ہفت روزہ انگریزی اخبار تھا جس نے کشمیریوں کے مطالبات کی تائید میں نہایت معرکتہ الآراء مضامین شائع کئے۔ اس کے ایڈیٹر ان دنوں ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے تھے یہ وہ بلند پایہ اور وقیع اخبار تھا جس کے مضامین دوسرے اخبارات بھی نقل کرتے تھے۔ اور لنڈن میں پارلیمنٹ

کے ممبروں اور انڈیا آفس کے افسروں تک پہنچتا تھا۔ بمبئی کے اخبار "سوشل ریفارمر" کے ایڈیٹر نٹراجن (NATRAJAN) نے اپنے اخبار میں لکھا کہ "سن رائز" جس جرأت اور قابلیت سے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ مسلمانوں کا کوئی اور اخبار نہیں کرتا۔ [۱۲] اس اخبار کے اداریے عموماً حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے تھے (گو حضور کا نام نہیں ہوتا تھا) اور ملک صاحب فصیح اور شستہ اور رواں انگریزی میں ترجمہ کرکے بطور اداریہ شائع کر دیتے تھے۔ [۱۳]

ان اخبارات کے علاوہ "اسلامی پریس" میں سے اخبار "انقلاب" (لاہور) "سیاست" (لاہور) "منادی" (دہلی) "ہمت" (لکھنؤ) [۱۴] نے کشمیر کمیٹی سے خاص تعاون کیا اور نہ صرف اس کے اجلاسوں کی کارروائی شائع کی۔ بلکہ تحریک کے حق میں آواز بلند کی۔ چونکہ مسلم پریس میں اخبار "انقلاب" تحریک کشمیر کی تائید میں بڑا اہم کردار ادا کر رہا تھا۔ اس لئے حکام کشمیر نے اس پر مقدمہ چلانا چاہا۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کو علم ہوا تو حضور نے ایڈیٹر صاحب "انقلاب" کو تار دیا کہ۔

"مجھے یہ سن کر بہت مسرت ہوئی کہ حکوت کشمیر "انقلاب" کے خلاف مقدمہ چلانا چاہتی ہے۔ اگر ایسا ہوا تو ہمیں موقعہ ملے گا کہ ہم کشمیر کے مظالم کو انگریزی عدالت میں بے نقاب کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری ہر قسم کی تائید و حمایت آپ کے ساتھ ہوگی"۔ [۱۵]

اسی طرح "انقلاب" سے پانچ ہزار کی ضمانت طلب کی گئی تو مدیران انقلاب نے اعلان کیا کہ ضمانت داخل خزانہ کرانے کی بجائے وہ اخبار بند کر دیا جائے گا۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے عبدالمجید صاحب سالک اپنی "سرگزشت" میں لکھتے ہیں:۔ "دوستوں اور قدردانوں کے تار پر تار آنے لگے۔ صاحبزادہ سر عبدالقیوم (پشاور) مرزا محمود احمد (قادیان) شعیب قریشی (بھوپال) نے آمادگی ظاہر کی کہ ہم پوری ضمانت داخل کر دینے کو تیار ہیں۔ "انقلاب" بند نہ ہونا چاہئے"۔ [۱۶]

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا اندرونی نظم و نسق

شروع شروع میں جبکہ کمیٹی کا قیام ہوا۔ نظارت امور عامہ نے (جس کے ناظران دنوں حضرت مفتی محمد صادق صاحب تھے) کام سنبھالا۔ یوم کشمیر کے پروگرام سب جماعتوں اور غیر احمدی معززین کو بھیجے اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا پمفلٹ "کشمیر کے حالات" راتوں رات چھپوا کر بھیجا۔ چندہ کے متعلق جماعت میں تحریکات کیں اور کئی دن پورا عملہ اسی میں مصروف رہا۔ [۱۷] اس کے بعد نظارت امور خارجہ کے تحت (جس کے اس وقت ناظر اور کشمیر کمیٹی کے سیکرٹری مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے تھے) کشمیر کمیٹی کے لئے باقاعدہ محکمہ قائم کر دیا گیا۔ [۱۸] جس کے زیر انتظام وقتاً فوقتاً مولوی عبدالرحیم صاحب درد سیکرٹری کشمیر کمیٹی۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ

صاحب۔ صوفی عبد القدیر صاحب نیازبی۔اے [۱۹] 'بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی' حکیم فضل الرحمٰن صاحب' چوہدری ظہور احمد صاحب' چودھری نذیر احمد صاحب باجوہ' چوہدری محمد عظیم صاحب باجوہ' چوہدری عصمت اللہ صاحب ایل ایل بی' مولوی ظہور الحسن صاحب (حال سیالکوٹ) اور لفٹنٹ محمد اسحاق صاحب (ابن حضرت مولوی حکیم قطب الدین صاحبؓ) سرینگر' جموں اور میرپور میں تحریک آزادی میں اہم خدمات بجالانے کا موقعہ ملا۔

چوہدری ظہور احمد صاحب لکھتے ہیں۔ (فروری ۱۹۳۲ء میں قادیان سے) "اپیل کی گئی کہ گریجوئیٹ اور مولوی فاضل اور اس سے کم تعلیم کے لوگ اپنے آپ کو آنریری خدمات کے لئے پیش کریں تاکہ ان کے سپرد خدمت کی جاسکے۔ سینکڑوں لوگوں نے اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے پیش کردیا میرپور کے علاقہ میں زیادہ کارکنوں کی ضرورت تھی۔ جموں سے چوہدری محمد عظیم صاحب باجوہ میرپور جاچکے تھے۔ دوسرے کارکنوں کی ایک ٹیم مولانا ظہور الحسن کی سرکردگی میں بھجوائی گئی۔ مولانا بڑے جوشیلے کارکن ہیں وہاں خوب کام کیا۔ ناصر میرپوری کا نام اخبارات میں کثرت سے آتا تھا یہ ناصر میرپوری مولانا ظہور الحسن ہی تھے"۔

اخبار "انقلاب" نے انہی سرفروش اور جانباز کارکنوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"کشمیر کمیٹی کے...... اگرچہ وہاں پہلے ہی متعدد ارکان مصروف کار تھے لیکن ان کی امداد اور مسلم نمائندوں سے مشاورت کرنے کی غرض سے پنجاب کے بعض مقتدر اور تجربہ کار حضرات بھیجے گئے۔ جنہوں نے اندرون کشمیر کے منظم کرنے میں نہایت قابل قدر خدمات انجام دیں...... ہم آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم عہدیداروں اور کارکنوں کے شکرگزار ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اس شکرگزاری میں مسلمانان کشمیر ہم سے کاملاً ہم آہنگ ہیں کہ کمیٹی کے کارکنوں نے نہایت بے نفسی اور انتہائی فراست سے ان کاموں کو نباہا ہے"۔ [۲۰]

حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد ایم۔اے اور دفتر کشمیر کمیٹی کے مستعد کارکنوں کے علاوہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب' حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے' حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب' حضرت مولوی محمد دین صاحب بی۔اے اور بعض دوسرے بزرگوں کو بھی افسروں کی ملاقاتوں وغیرہ کے لئے بھجوایا جاتا رہا۔ [۲۱]

مولوی عبد الرحیم صاحب درد ایم۔اے ابتداء میں سیکرٹری شپ کے فرائض ادا کرنے کے علاوہ دفتر کے بھی ناظم تھے۔ مگر جب دسمبر ۱۹۳۱ء میں مولانا جلال الدین صاحب شمس فلسطین سے اعلائے کلمہ اسلام کی بجاآوری کے بعد تشریف لائے تو حضور نے آپ کو دفتر کا انچارج مقرر فرمادیا اور اس

نئے تقرر کی نسبت بتایا کہ "مولوی جلال الدین صاحب کو شام سے واپسی پر کشمیر کا کام سپرد کیا گیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی یہ بہت بڑی عنایت ہے کہ ہمارے کام کرنے والے لوگ کام سے تھکتے نہیں ایک شخص جو چھ سال کا لمبا عرصہ اپنے وطن سے دور سمندر پار رہا ہو وہ امید کر سکتا ہے کہ واپسی پر اسے اپنے رشتہ داروں کے پاس رہنے اور آرام کرنے کا موقعہ دیا جائے مگر یہ مردوں اور عورتوں کے لئے تعجب کی بات ہے کہ مولوی صاحب جب سے آئے ہیں کل (۹/ فروری ۱۹۳۱ء کو - ناقل) صرف چند گھنٹوں کے لئے اپنے وطن گئے کیونکہ آتے ہی انہیں کام پر لگا دیا گیا"۔ [۲۲]

فروری ۱۹۳۳ء میں مولانا درد صاحب انگلستان تشریف لے گئے۔ تو ان کے بعد مولانا جلال الدین صاحب شمس پہلے اسسٹنٹ سیکرٹری کشمیر کمیٹی پھر اسسٹنٹ سیکرٹری "آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن" کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ فروری ۱۹۳۶ء میں مولانا صاحب انگلستان میں تبلیغ اسلام کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب اس دفتر کے انچارج بنائے گئے اب یہ دفتر "کشمیر ریلیف فنڈ" کے نام سے موسوم ہوتا تھا۔

اس دفتر کے ذمہ تحریک آزادی کشمیر سے متعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ امور کا انتظام تھا۔ غیر احمدی دوستوں کے عطایا مسلم بنک لاہور میں جمع ہوتے تھے۔ [۲۳] اور احمدیوں کا چندہ یہ دفتر وصول کرتا تھا۔ دفتر کشمیر کمیٹی ہر قسم کے چندہ کی آمد اور خرچ کا پورا حساب رکھتا۔ اندرون یا بیرون ریاست میں تحریک آزادی کے لیڈروں اور کارکنوں کے ضروری اخراجات مہیا کرتا' کشمیری طلباء کے وظائف کا انتظام کرتا۔ جلاوطن اور نظربند کشمیریوں کی امداد کرتا اور عدالتوں کے ضروری اخراجات ادا کرتا تھا۔

کشمیر ریلیف فنڈ

شروع ہی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر ہر احمدی کے لئے ایک پائی فی روپیہ کے حساب سے "کشمیر ریلیف فنڈ" لازمی قرار دے دیا گیا تھا اور جماعتیں عرصہ تک بڑے التزام سے یہ ادا کرتی رہیں۔ اس فنڈ کے پہلے فنانشل سیکرٹری چوہدری برکت علی خان صاحب گڑھ شنکری تھے۔ جنہوں نے اس مد کو غیر معمولی ترقی دی۔ ۷/ اپریل ۱۹۶۰ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ جس پر چوہدری ظہور احمد صاحب (آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ پاکستان) کو "ریلیف فنڈ" کی نگرانی کا کام سپرد کر کے حضور نے انہیں فنانشل سیکرٹری مقرر فرمایا۔

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اجلاس

کشمیر کمیٹی کے اجلاس شملہ' دہلی' سیالکوٹ اور لاہور میں ہوئے۔ [۲۴] حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو ان اجلاسوں میں بار بار شرکت کرنے کے علاوہ تحریک آزادی کے سلسلہ میں وزیر آباد' راولپنڈی اور گڑھی حبیب اللہ بھی تشریف لے جانا پڑا۔ آپ کے ساتھ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب' مولوی عبدالرحیم

صاحب درد' شیخ یوسف علی صاحب بی۔اے پرائیویٹ سیکرٹری اور ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کو بھی رفاقت نصیب ہوئی۔ گڑھی حبیب اللہ کے سفر میں جناب درد صاحب ساتھ نہیں تھے بلکہ آپ سرینگر گئے ہوئے تھے۔ اس سفر میں خان یحییٰ خان صاحب (ہیڈ کلرک دفتر پرائیوٹ سیکرٹری) میاں نذیر احمد صاحب بھاگلپوری (موٹر ڈرائیور) اور خاں میر خان صاحب (پہریدار) کو خدمت کا موقع ملا۔ [۲۵]

برطانوی ہند کے احمدی اور تحریک آزادی

جماعت احمدیہ اگرچہ مدتوں سے تحریک آزادی کشمیر میں دلچسپی لے رہی تھی لیکن آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی تشکیل کے بعد جبکہ کشمیر کمیٹی کی باگ ڈور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے سنبھال لی پوری دنیا کے احمدی گویا آزادی کشمیر کی فوج کے سپاہی بن گئے۔ قادیان جہاں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا اصل دفتر تھا ان دنوں تحریک آزادی کا اہم مرکز بن گیا۔ اور اس کے کارکن جن میں ہر طبقہ کے احمدی شامل تھے۔ میدان عمل میں آگئے۔ قادیان کے علاوہ ہندوستان میں جہاں جہاں احمدی جماعتیں قائم تھیں سرگرم عمل ہو گئیں۔ شدھی کے بعد ایسا جوش و خروش جماعت میں کبھی نہیں دیکھا گیا۔ خدا کے فضل سے کمیٹی کے اخراجات کا اکثر حصہ جماعت احمدیہ نے برداشت کیا۔ [۲۶] اور برطانوی ہند کی مسلمان جماعتوں میں سب سے زیادہ کارکن اندرون و بیرون ریاست کام کرنے والے جماعت احمدیہ نے فراہم کئے۔

تحریک آزادی کشمیر کا خمیازہ جماعت احمدیہ کو اس رنگ میں بھگتنا پڑا کہ جہاں کانگریسی خیال کے بعض مسلمان لیڈروں نے سر سکندر حیات خاں کی کوٹھی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو احمدیت کے صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی دھمکی دی۔ [۲۷] وہاں ہندوستان کی انگریزی حکومت جو ریاست کشمیر کی نگران تھی۔ احمدیوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ چنانچہ سید ولی اللہ شاہ صاحب کا بیان ہے کہ۔

"حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مجھے بذریعہ تار پالم پور بلوایا اور فرمایا۔ خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب شملہ میں ہیں آپ وہاں جائیں اور فارن سیکرٹری مسٹر گلینسی سے ملیں خان صاحب کو میں نے ہدایت بھیج دی ہے آپ اپنے طریق پر ان سے بات کریں۔ اور کہیں کہ کشمیر میں کام کرنے سے اب ہمیں روکا جا رہا ہے یہ درست پالیسی نہیں نیز جن حالات میں مجھے اور شیخ بشیر احمد صاحب کو وہاں سے نکالا گیا ہے وہ بھی پیش کروں چنانچہ میں ان اخبارات کے بہت سے تراشے لے گیا۔ مسٹر گلینسی نے اثنائے گفتگو میں اپنا وہی مشورہ دہرایا۔ اتفاق سے ان دنوں چار انگریز جاسوس روس میں گرفتار کئے گئے تھے۔ اور ملاقات سے ایک دن پہلے میں نے اخبار میں پڑھا کہ برٹش گورنمنٹ نے روس کو بمبارڈ کرنے کی دھمکی دی ہے۔ میں نے کہا چار انگریز جاسوس پکڑے جائیں اور برٹش

حکومت سارے ملک کو بمبارڈ کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ یہ تو آپ کے لئے جائز اور لاکھوں مسلمان کشمیر میں پامال ہوں اور ان کے بھائیوں کو یہ اجازت بھی نہ دی جائے کہ وہ ان کی جائز مدد کریں یہ کہاں کا انصاف ہے۔ اس پر وہ بگڑے اور خان صاحب سے کہنے لگے۔

"Well Moulvi Sahib the gentleman is reflecting on the Britishers"

اچھا مولوی صاحب یہ نوجوان انگریزوں کو طعنہ دیتا ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے گھنٹی بجائی اور ہمیں رخصت کیا"۔ [۲۸]

یہ تو انگریزی حکومت کا ذکر ہے جہاں تک حکام کشمیر کا تعلق ہے۔ انہوں نے بیرونی احمدیوں کی کڑی نگرانی رکھی اور بعض اوقات ان کے لئے اخراج ریاست تک کی سزا دے دی۔ چنانچہ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب' صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔ اے' چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹرایٹ لاء' شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ' محمد یوسف خان صاحب وکیل اور شیخ مبارک احمد صاحب [۲۹] مولوی فاضل کو ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر حدود ریاست سے نکل جانا پڑا۔ مہاشہ محمد عمر صاحب اور مولانا ابوالعطاء صاحب کو اخبار "سیاست" کا پرچہ ساتھ رکھنے کے جرم میں جرمانہ کر دیا گیا۔

تحریک آزادی کشمیر کا بیرونی مرکز قادیان

قادیان ان دنوں تحریک آزادی کشمیر کا ایک اہم مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا۔ چنانچہ اس زمانہ میں ریاست کے تمام بڑے بڑے لیڈر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے قیمتی مشورہ لینے اور راہنمائی حاصل کرنے کے لئے قادیان تشریف لاتے تھے۔ شروع شروع میں حضور کی ہدایت تھی کہ پریس میں ان کی آمد کا ذکر تک نہ کیا جائے۔ چنانچہ قادیان آنے والے بعض زعماء کے نام یہ ہیں۔ شیخ محمد عبداللہ صاحب (شیر کشمیر) [۳۰] 'مولانا میرک شاہ صاحب فاضل دیوبند' ٹھیکیدار یعقوب علی صاحب (جموں)' جناب چوہدری غلام عباس صاحب جموں' جناب اللہ رکھا صاحب ساغر جموں' جناب عبدالمجید صاحب قرشی' سردار گوہر رحمان صاحب جموں' جناب شیخ غلام قادر صاحب (جموں) مولوی محمد امین صاحب (بھمبر)، حافظ محمد صاحب (ڈکٹیٹر میرپور) ڈاکٹر امام الدین صاحب قریشی (میرپور) سید ولایت شاہ صاحب مفتی تحصیل راجوری' فتح محمد صاحب کریلوی علاقہ کوٹلی' مفتی ضیاء الدین صاحب ضیاء مفتی اعظم پونچھ' سید مقبول شاہ صاحب خانیاری' شیخ غلام احمد صاحب کلو پونچھ' جی۔ ایم صادق صاحب' مفتی عتیق اللہ صاحب پونچھ' خواجہ غلام محی الدین صاحب قرہ' خواجہ غلام قادر صاحب گاندربلی' مولوی عبدالرحیم صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی' مولوی عبداللہ صاحب وکیل۔ [۳۱]

کشمیر کے مقتدر اور بااثر لیڈر اور دوسرے کشمیری مسلمان ان دنوں اتنی کثرت سے قادیان تشریف لاتے تھے کہ اخبار "ملاپ" (۱۲/ جون ۱۹۳۲ء) نے اہل کشمیر سے طنزاً کہا۔

"اس موقعہ پر ہم کشمیری مسلمان بھائیوں سے چند کلمات کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ بیرونی مسلمانوں کے اشارے پر ناچنا بند کر دیں۔ دوم یہ کہ بیرونی مسلمانوں کے تنخواہ دار کشمیری ایجی ٹیڑوں کو کہہ دیں کہ ہم تمہاری لیڈری سے باز آئے اب معاف رکھو اور اگر کشمیر میں تمہارا گزارا نہیں ہو سکتا تو قادیان میں چلے جاؤ"۔ [۲۲]

اندرون ریاست کے احمدی اور تحریک آزادی

اندرون ریاست میں ہزاروں احمدی پائے جاتے تھے [۲۳] جو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے بننے کے ساتھ ہی ریاستی احمدی تحریک آزادی کے لئے سربکف ہو گئے۔ ۱۹۳۱ء میں جہاں جہاں ریاست میں مشہور احمدی جماعتیں قائم تھیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

صوبہ	حلقہ	احمدی جماعتیں
کشمیر (وزارت شمالی و جنوبی)	بارہ مولہ	بارہ مولہ۔ بانڈی پورہ۔ سوپورہ۔ ٹنگ مرگ۔ لدرون۔ ہانجی پورہ۔ ہندواڑہ۔
	اسلام آباد	سرینگر' اسلام آباد' ویری ناگ' اندورہ' پھڑا' پولی۔
	کولگام	ناسنور' کوریل' نند گام' کولگام' وٹو' رشی نگر' شوپیاں' مندوجن' گاگرن' زدرو مالو قلم پورہ' چک ایمرج' زینت پورہ' بالسو' نون مئی' اردنی' یاڑی پورہ' بیج بیاڑہ شورت' ناری گام' کند پورہ' ویری ناگ۔
	پلوامہ	پلوامہ' ہاری پاری گام' ترال۔
صوبہ کشمیر وزارت (مظفر آباد)	مظفر آباد	گھنڈی' سال خلہ' مظفر آباد' کرناہ۔
صوبہ جموں	ضلع جموں	شہر جموں' بورے جال (بھمب)
	ضلع کٹھوعہ	؟
	ضلع اودھم پور	اکھنور' بھدرواہ' کشتواڑ۔
	جاگیر چنینی	؟
	ضلع ریاسی	راجوری' ہڑانہ' چارکوٹ' رتیال' ہموسان' ساج' موہریاں کالابن' ڈھرانہ' دھوڑیاں۔
	ضلع میرپور	میرپور شہر' کوٹلی' گوئی' بھمبر' سنیجرڈی' نکیال' دیتال' بھابڑا۔
	ضلع پونچھ	پونچھ شہر' بھنیدرو' سلواہ' سرن' جوڑیاں' پٹھاناں تیر' سوناگلی' ناڑ' تائیں

		باڑی مژوٹ' باغ' کینیاں' کرسائی' درہ شیر خاں۔
اضلاع سرحدی	گلگت	گلگت شہر
	لداخ	؟

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کے ایک خط (بنام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مورخہ ۲/ مارچ ۱۹۳۲ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریک آزادی کے ایام میں قریباً تمام احمدی بلیک لسٹ کر دیئے گئے۔ اور حکام ریاست ان کے خلاف تشدد پر اتر آئے۔ حتیٰ کہ خلیفہ عبدالرحیم صاحب جیسے فرض شناس افسر کو تخفیف کا بہانہ کر کے ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔ اور دوبارہ ملازمت میں آنے کے لئے بڑی جدوجہد کرنا پڑی۔ [۲۴] سلسلہ کے مبلغ مولوی عبدالواحد صاحب' مولوی فاضل (آسنوری) بتاریخ ۱۴/ فروری ۱۹۳۲ء مظفر آباد میں گرفتار کر لئے گئے۔ دوران مقدمہ آپ کے ساتھ بے حد سختی اور درشتی روا رکھی گئی۔ فحش گالیاں تک دی گئیں۔ اور چھ ماہ قید سخت کی سزا دی گئی۔ [۲۵] جیل خانہ میں انہیں اس قدر تکلیف کا سامنا کرنا پڑا کہ ان کے دماغی توازن میں خلل آگیا اور آخر مظفر آباد سے ان کو سرینگر جیل منتقل کر کے رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد کافی عرصہ تک آپ دماغی عارضہ میں مبتلا رہے۔ [۲۶]

کشمیر کے مقامی احمدیوں کو تحریک آزادی میں حصہ لینے کے "جرم" میں کئی سال تک برابر تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا' بالخصوص ۳۷-۱۹۳۶ء میں ایک خاص منصوبہ کے تحت ان پر مظالم ڈھائے جانے لگے۔ ریاست میں جس جس جگہ قلیل تعداد میں یا اکیلا احمدی تھا اسے طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں۔ ان کے مکانات جلائے گئے۔ ان کے خلاف جھوٹے مقدمے بنا کر عدالت میں گھسیٹا گیا۔ بائیکاٹ کرائے گئے اور مقامی حکام نے فتنہ پردازوں کی خوب پیٹھ ٹھونکی چنانچہ وزارت جنوبی میں موضع میشہ دار تحصیل پلوامہ میں ایک احمدی دوست جلال الدین صاحب کو مصائب کا تختہ مشق بنایا گیا۔ اور پلوامہ کے تھانیدار نے اس مظلوم کی حمایت کرنے کی بجائے ظالموں کا ساتھ دیا۔ اسی طرح وزارت شمالی میں موضع لدرون زرہامہ کے احمدیوں پر عرصہ حیات تنگ کیا گیا۔ ان کے مکانات جلائے گئے کاروبار تباہ کر دیا گیا۔ اور جھوٹے مقدمات کھڑے کر کے حوالات میں بھیج دیا گیا۔ [۲۷]

ریاست میں تحریک آزادی میں کام کرنے والے احمدیوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ بطور نمونہ چند قابل ذکر اصحاب کے نام یہ ہیں۔ مولوی عبداللہ صاحب وکیل' خواجہ غلام نبی صاحب گلکار' مولوی عبدالرحیم صاحب ایم۔ اے' محمد ایوب صاحب صابر' یوسف خاں صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی' خواجہ محمد امین صاحب سرینگر' عبدالقدوس صاحب مخدومی سرینگر' غلام نبی صاحب رفیقی سرینگر'

قریشی محمد امین صاحب سرینگر' قاری نور الدین صاحب سرینگر' خواجہ صدر الدین صاحب بانہال' خلیفہ نور الدین صاحب (جموں)' خلیفہ عبد الرحیم صاحب (جموں)' ٹھیکیدار یعقوب علی صاحب (جموں)' مستری فیض احمد صاحب (جموں)' میاں عبد الرحمٰن صاحب (جموں) خواجہ امداد علی شاہ صاحب (جموں) غلام محمد صاحب خادم (جموں)' ماسٹر امیر عالم صاحب کوٹلی۔ منشی دانشمند خان صاحب (پونچھ) میر غلام احمد صاحب کشفی' خواجہ عبد الرحمٰن صاحب ڈار (ناسنور) خواجہ عبد الغنی صاحب بانڈی پورہ' میاں عبد الرحمٰن صاحب (آف فیض احمد اینڈ سنز) خواجہ ولی محمد صاحب ڈار کند پورہ' مولوی قطب الدین صاحب شرقی' خواجہ محمد رمضان صاحب یاتورشی گمر' خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب ٹیلر ماسٹر شوپیاں' سید محمد ناصر شاہ صاحب سرور مظفر آباد' سید سردار شاہ صاحب حال تاجر مظفر آباد' غلام محمد صاحب بانڈے' خواجہ نور الدین صاحب دانی لدرون تحصیل ہندواڑہ' چوہدری راج محمد صاحب چھ مرگ' حکیم عبد الرحمٰن صاحب ہانجی پورہ' خواجہ غلام رسول صاحب سکنہ مالو' عبد الغنی صاحب پلوانا' محمد یوسف صاحب گلگتی' مولوی خلیل الرحمن صاحب بنجیرڈی۔ [۲۸]

کشمیر کمیٹی مصلحتاً ابتداء ہی سے اس تحریک میں جماعت کے افراد کی قربانیوں اور سرگرمیوں کو نمایاں طور پر پبلک کے سامنے لانا ہرگز مناسب نہ سمجھتی تھی۔ اور اندرون ریاست اور بیرون ریاست یکساں طور پر دونوں جگہ اس نے یہی پالیسی اختیار کی۔ اس بارے میں کس حد تک احتیاط برتی گئی اس کا اندازہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل الفاظ سے بآسانی لگ سکتا ہے۔

"احمدیہ جماعت کے متعلق میں نے یہ احتیاط کی کہ سوائے ایک صاحب کے جو لاہور کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے (یعنی جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ ناقل) اور اس جماعت کی نمائندگی بھی ضروری تھی ایک احمدی بھی اس کمیٹی کا ممبر نہیں بنایا تا یہ الزام نہ ہو کہ اپنے آدمی بھرتی کر لئے گئے بلکہ ملک کے بہترین اور مشہور لوگوں کو دعوت دی"۔ [۲۹]

جناب محی الدین صاحب قمر قمرازی مصنف "ارمغان کشمیر" کا بیان ہے۔ تحریک آزادی کے دوران جو پارٹ احمدیوں اور ان کے امیر جماعت نے ادا کیا ہے وہ کوئی شخص بشرطیکہ غیر متعصب ہو بھلا نہیں سکتا۔ تحریک کے دنوں میں سوپور میں سپیشل طور پر گورنر کشمیر ٹھاکر کرتار سنگھ کے حکم سے وہاں تعینات ہوا تھا۔ اور مجھے بخوبی علم ہے کہ احمدی جماعت کے افراد نہایت تندہی اور خلوص نیت سے تحریک آزادی کی قلمے' درمے امداد کرتے رہتے تھے مجھے یاد ہے کہ میں گھر میں صبح سویرے اٹھتا تھا۔ تو مجھے سرہانے پر تحریک کشمیر کے سلسلہ میں کارکنان جماعت احمدیہ کی طرف سے ٹریکٹ رکھے ہوئے مل جاتے تھے۔ جنہیں پڑھ کر ہماری بڑی حوصلہ افزائی ہوتی تھی"۔

"اس جماعت کی معلومات اس قدر وسیع تھیں۔ کہ جو کچھ پندرہ دن کے بعد ہونے والا ہوتا تھا۔ اس سے اہل خطہ کو آگاہ کرتے تھے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ایک دفعہ میں مسلم ہوٹل سری نگر میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس وقت شیخ عبداللہ صاحب گرفتار ہو چکے تھے تو جماعت احمدیہ کے ایک ممبر نے کہا کہ فلاں تاریخ کو شیخ صاحب رہا کئے جائیں گے۔ اس پر نہایت متعجب ہوا کہ اس جماعت کی معلومات کس قدر وسیع اور مصدقہ ہوتی ہیں۔ میری ذاتی رائے ہے کہ جس آزادی کے لئے ہم اس وقت متمنی ہیں وہ اس وقت حاصل ہو گئی ہوتی، مگر بعض اونچی شخصیتوں کی تنگ دلی اور کوتاہ نظری کی وجہ سے..... ہمارا مدعا آزادی کشمیر کی تحصیل میں وقف تمنا رہ گیا"۔ [۶۰]

بیرونی ممالک کے احمدی اور تحریک آزادی

یہی صورت بیرونی ممالک کے احمدیوں کی تھی فرق صرف یہ تھا کہ وہ عملاً کشمیر میں پہنچ نہیں سکتے تھے۔ مگر اس کی کمی انہوں نے کشمیر کے مظلوموں کی آواز کو بلند کرنے اور مالی امداد بھجوانے کی صورت میں پوری کردی۔ [۶۱]

(فصل دوم)

مسلمانان ریاست کی تنظیم

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا جب قیام عمل میں آیا۔ تو ریاست کے مشہور مسلم لیڈر نظربند تھے۔ اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے صدارت قبول فرمانے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ مسلمانان ریاست کی تنظیم کی طرف فوری توجہ مبذول فرمائی۔ دراصل آزادی کشمیر کے متعلق حضور کا قطعی نقطہ نظر (جس کا آپ نے واضح لفظوں میں اعلان بھی کر دیا) یہ تھا کہ "کشمیر کو آزادی صرف اہالیان کشمیر کی کوشش سے مل سکتی ہے باہر کے لوگ صرف دو طرح ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ (۱) روپیہ سے (۲) حکومت برطانیہ اور دوسری مہذب اقوام میں اہالیان کشمیر کی تائید میں جذبات پیدا کر کے۔ پس ایک طرف تو اہل کشمیر کو یہ خیال دل سے نکال دینا چاہئے کہ باہر کے لوگ آکر ان کی کوئی جسمانی مدد کر سکتے ہیں ان کی مدد اول بے اثر ہوگی دوسرے اس کا آزادی کی کوشش پر الٹا اثر پڑے گا۔ اور جدوجہد کی باگ اہل کشمیر کے ہاتھ سے نکل کر ایسے ہاتھوں میں چلی جائے گی جو بالکل ممکن ہے کہ کسی وقت انہیں فروخت کر ڈالیں۔ اور خود الگ ہو جائیں۔ پس خود اہل کشمیر کا فائدہ اس میں ہے کہ باہر سے مشورہ لیں، مالی امداد لیں۔ لیکن کسی صورت میں بھی جنگ میں شریک ہونے کے لئے انہیں نہ بلائیں۔ تاکہ معاملہ ان کے ہاتھ سے نکل کر دوسروں کے ہاتھ میں نہ چلا جائے۔ عارضی جوش ان کے کام نہ آئے گا بلکہ مستقل قربانی ان کے کام آئے گی۔ اور مستقل قربانی ملک کے باشندے ہی کر سکتے ہیں"۔ [۶۲]

بہرکیف حضرت خلیفۃ المسیح الثانی چاہتے تھے کہ مسلمانان کشمیر کی اندرونی تنظیم ایسی مستقل، پائیدار اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہو جائے کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر مظالم کا مردانہ وار مقابلہ کر کے اپنے حقوق و مطالبات منوا سکیں۔

اس سلسلہ میں حضور نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ کشمیر کمیٹی کے پہلے اجلاس میں شامل ہونے والے کشمیری نمائندوں کو ہر قسم کے مخلصانہ تعاون کا یقین دلا کر انہیں مسلمانوں کو منظم کرنے کی اہم ہدایات دیں۔ چنانچہ جموں کے مشہور سیاسی لیڈر جناب اللہ رکھا صاحب ساغر (سابق مدیر و مالک اخبار "جاوید") کا بیان ہے کہ "کچھ خفیہ ہدایات مجھے دی گئیں اور کہا گیا کہ میں جموں جانے سے پہلے سیدھا سرینگر

پہنچوں جہاں حالات خاصے خراب ہو چکے تھے۔ اور ریاست کا مرکز جموں کی بجائے سرینگر بن چکا تھا۔ میں شملہ سے راولپنڈی پہنچا یہاں معلوم ہوا کہ سرینگر میں مارشل لاء لگا دیا گیا ہے اور کسی مسلمان کا جس کا سیاست سے دور کا بھی تعلق ہو سرینگر پہنچنا ممکن نہیں"۔ (اس کے بعد ساغر صاحب نے تفصیل سے ان مشکلات کا ذکر کیا ہے جن سے گزر کر وہ سرینگر پہنچے اور وہاں خلیفہ عبدالرحیم صاحب سے جو ان دنوں مسٹر ویکفیلڈ پرائم منسٹر کے پرائیوٹ سیکرٹری تھے۔ ملے اور جیسا کہ ہدایت دی گئی تھی ان کے مشورے کے مطابق کام کر کے کشمیر کمیٹی کی ہدایات قلمبند کر کے محبوب شاہ صاحب کے حوالہ کیں تا اسے متعلقہ افراد تک پہنچا دیا جائے۔ اس کے بعد آپ جموں روانہ ہو گئے۔ یہ واقعات بیان کرنے کے بعد مسلسل بیان میں لکھتے ہیں۔ دوسرے دن جموں پہنچتے ہی پروگرام کے مطابق عمل شروع کر دیا۔ یعنی جگہ جگہ پبلک میٹنگیں منعقد کی گئیں جن میں دربار کشمیر کی چیرہ دستیوں کی مذمت کی جاتی تھی اور حکومت سے مداخلت کی اپیل کی جاتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کی ایک انجمن بنائی گئی۔ جو مختلف قسم کے کتبے اٹھا کر جلوس کی شکل میں نعرے لگاتے ہوئے گلی کوچوں میں سے گزرتے تھے جب پولیس آتی تو تتر بتر ہو جاتے۔ اور کسی دوسری گلی میں جا کر اکٹھے ہو جاتے اور وہی نعرے بازی شروع کر دیتے تھے اس طرح پولیس والوں کو خوب ہلکان کیا جاتا تھا۔ اس کا نام "انجمن اطفال الاسلام" تھا۔ [۵۳] عورتوں کی جماعت بھی انہی خطوط پر بنائی گئی تھی۔ لیکن اس کا طریق زیادہ سنجیدہ اور مستور تھا ایک سائیکلوسٹائل کے ذریعہ [۵۴] ہر روز پمفلٹ چھاپ کر تقسیم کئے جاتے اور نمایاں جگہوں پر چسپاں کئے جاتے یہی طریقہ صوبہ جموں کے تمام قصبوں میں اختیار کیا گیا اور دیکھتے دیکھتے چند دنوں کے اندر اندر سرینگر اور جموں جیسے شہروں کی طرح ریاست کے چھوٹے چھوٹے قصبات میں بھی مسلمانوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی اور انقلاب آزادی کے پرچم لہرانے لگے"۔ [۵۵]

حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد پر مسلمانان کشمیر کی تنظیم کے لئے سرینگر' جموں' میرپور وغیرہ میں باقاعدہ دفتر کھول دیئے گئے۔ جو تحریک آزادی کے مضبوط اور فعال مراکز ثابت ہوئے چنانچہ پروفیسر محمد اسحٰق صاحب قریشی ایم۔ اے کا بیان ہے۔ "میں جس وقت دسویں جماعت کا طالب علم تھا۔ اس وقت جماعت احمدیہ نے اردو بازار جموں میں تحریک آزادی کے کام کے سلسلہ میں ایک دفتر کھولا ہوا تھا۔ جس میں بہت سے کارکن کام کرتے تھے جب حکومت نے مسلمانوں کے مطالبات کی تحقیقات کے لئے کمیشن قائم کیا تھا اس سلسلہ میں یہ دفتر مختلف لوگوں کے بیانات اور خیالات قلمبند کرتا تھا میں بھی اس دفتر میں کام کرنے جایا کرتا تھا طالب علموں کو بلا کر ان کے ذریعہ مسودات کے نقول لکھوائے جاتے تھے۔ اور آئندہ میدان میں کام کرنے کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ اس مقصد کے لئے وہاں لائبریری بھی

قائم کی گئی تھی۔ جس میں ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے اخبارات اور رسائل موجود رہا کرتے تھے جماعت احمدیہ کے کارکن، مبلغین اور وکلاء اس سلسلہ میں مظلومین کشمیر کی خدمات اور تحریک آزادی کے کام کے سلسلہ میں پیش پیش تھے۔

میرا تاثر یہ ہے کہ تحریک آزادی کشمیر ۳۲-۱۹۳۱ء میں جو ذہنی انقلاب اور عملی تحریک ابھری اس میں سب سے زیادہ جماعت احمدیہ کی مخلصانہ کوششوں کا عمل دخل تھا۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ اس وقت ریاست کے لوگ ڈوگرہ جبر و تشدد کے تحت اتنے دبے ہوئے تھے۔ کہ لوگوں کو تنظیم سے سیاسی تحریکیں چلانے اور سیاسی کام کرنے کا طریقہ ہی معلوم نہ تھا۔ جماعت نے ہی اہل ریاست کو تنظیم سے عملاً کام کرنے کا طریقہ سکھایا۔ [۴۱] میں نے جس تنظیم، مستعدی اور خلوص سے اس زمانہ میں تحریک آزادی کشمیر کے لئے جماعت احمدیہ کو کام کرتے دیکھا۔ وہ اب تک میں پاکستان میں بھی نہ دیکھ سکا۔ جماعت احمدیہ نے اس سلسلہ میں مالی اور قانونی امداد بھی کی اور ہر رنگ میں تحریک آزادی کو کامیاب بنانے کے لئے ایثار و اخلاص سے بے مثال کام کیا ہے"۔ [۴۲]

شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب کی صدر کشمیر کمیٹی سے پہلی ملاقات اور تنظیم کے سنہری دور کا آغاز

کشمیر میں مسلمانوں کی تنظیم کا نیا دور اس وقت شروع ہوتا ہے جب شیخ محمد عبداللہ صاحب "شیر کشمیر" دوسرے زعمائے کشمیر کے ساتھ قلعہ ہری پربت سے رہا ہو گئے اور انہوں نے صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے براہ راست رابطہ قائم کرنے کے بعد نئے عزائم اور نئے ارادوں کے ساتھ ریاست کے مسلمانوں کی قیادت اور رہنمائی کا کام دوبارہ اپنے ہاتھ میں لینا قبول کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے شیخ محمد عبداللہ صاحب کی کس طرح پہلی ملاقات ہوئی اور اس وقت کیا کیا تجاویز زیر غور آئیں؟ یہ تاریخ آزادی کشمیر کا ایک مخفی مگر نہایت اہم واقعہ ہے جس کی تفصیل حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے۔

"جب آل انڈیا کشمیر کمیٹی قائم ہو گئی اور میں نے یہ فیصلہ کیا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو آزادانہ طور پر باہر کام نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ کشمیر اور جموں کے لوگوں سے مل کر کام کرنا چاہئے تو میں نے کشمیر اور جموں کے نمائندے قادیان بلوائے اور ان سے مشورہ لیا۔ کوئی پندرہ سولہ آدمی آئے میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا کوئی اور ایسا آدمی رہ تو نہیں گیا۔ جس کا کشمیر میں اثر ہو۔ انہوں نے کہا کہ شیخ عبداللہ ایک نوجوان ہیں جن کا نوجوان لڑکوں پر اچھا خاصہ اثر ہے۔ اور وہ بول بھی سکتے ہیں۔ نڈر بھی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ لوگ ان کو کیوں ساتھ نہیں لائے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ان کے متعلق

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حکومت نے مخفی آرڈر کئے ہوئے ہیں کہ اگر یہ ریاست سے باہر نکلیں تو پھر ان کو واپس نہ آنے دیا جائے۔ مجھے یہ شیخ عبداللہ کے حالات معلوم ہوئے ان سے میں نے سمجھا کہ یہ آدمی کام کا ہے۔ پس کشمیر کی تحریک کی لیڈری کے متعلق میں نے اس وقت تک کوئی فیصلہ کرنا مناسب نہ سمجھا جب تک میں شیخ عبداللہ سے نہ مل لوں۔ چنانچہ میں نے مولوی عبدالرحیم صاحب درد کو جو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے سیکرٹری تھے۔ اس غرض کے لئے کشمیر بھجوایا۔ کہ وہ کشمیر کے حالات بھی دریافت کریں۔ اور دوسرے اس بات کا انتظام کریں کہ شیخ عبداللہ کشمیر کی کسی سرحد پر مجھ سے مل لیں۔ چنانچہ درد صاحب نے اس بات کا انتظام کیا۔ میں قادیان سے گڑھی حبیب اللہ گیا۔ اور درد صاحب شیخ عبداللہ صاحب کو لے کر گڑھی حبیب اللہ آئے۔ چونکہ گڑھی حبیب اللہ سرحد کشمیر پر تو واقع ہے لیکن سرحد کشمیر سے باہر۔ اور برطانوی ہندوستان میں تھا (اور اس وقت پاکستان میں ہے) اس لئے یہ ضروری سمجھا جائے گا کہ شیخ عبداللہ کو چھپا کر لایا جائے۔ چنانچہ جب ریاست کشمیر کے کسٹم پر پہنچے تو درد صاحب نے شیخ عبداللہ صاحب کو کار کے بیچ میں لٹا دیا اور ان کے اوپر کپڑے ڈال دیئے تاکہ سٹیٹ کے افسران کو پتہ نہ لگے۔ اور اس طرح چھپا کر وہ میرے پاس گڑھی حبیب اللہ کے ڈاک بنگلہ پر ان کو لائے۔ وہ میری اور شیخ عبداللہ صاحب کی پہلی ملاقات تھی۔ شیخ محمد عبداللہ صاحب سے میں نے بڑی لمبی گفتگو کی۔ اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس شخص سے لیڈری کا کام لیا جا سکتا ہے۔ لمبی گفتگو کے بعد میں نے کہا کہ شیخ محمد عبداللہ! میں آپ کو کشمیر کی تحریک آزادی کا لیڈر مقرر کرنا چاہتا ہوں شیخ محمد عبداللہ نے کہا میں لیڈری کے قابل نہیں مجھے تو کچھ آتا نہیں۔ جب میں نے اصرار کیا اور انہوں نے انکار کیا۔ تو میں نے کہا کہ شیخ محمد عبداللہ! میں آپ کو اصل حقیقت سمجھاتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ جب ہم برطانوی ہندوستان میں کشمیر کے متعلق آواز اٹھائیں گے تو لازماً انگریز ہم سے یہ پوچھے گا۔ آپ لوگ تو ریاست کے باشندے نہیں۔ آپ ان کے معاملات میں کیوں دخل دیتے ہیں اس کے دو ہی جواب میں ان کو دے سکتا ہوں یا تو یہ کہ وہ احمدی ہیں۔ مگر ان کی اکثریت احمدی نہیں ہے اور یا میں ان کو یہ جواب دے سکتا ہوں کہ میں ان کا وکیل ہوں۔ اور وکیل کے لئے کوئی شرط نہیں کہ وہ اس ملک کا باشندہ ہو۔ پس مجھے کشمیر میں تنظیم کی اس لئے ضرورت ہے کہ جب کبھی میں گورنمنٹ برطانیہ کو مخاطب کروں اور (وہ) مجھ سے پوچھیں کہ تمہارا ان سے کیا واسطہ ہے۔ تو میں ان کو دلیری سے کہہ سکوں کہ میں کشمیر اور جموں کے لوگوں کا وکیل ہوں۔ پس جب تک جموں و کشمیر سے ایسی آواز نہ اٹھتی رہے کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور اس کے صدر اس کے نمائندے ہیں اور وکیل ہیں اس وقت تک ہماری کوششیں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ شیخ محمد عبداللہ! تم یہ بتاؤ کہ کیا یہ آواز تم کشمیر سے زور کے ساتھ اٹھوا سکتے ہو یا نہیں؟ شیخ محمد

عبداللہ نے جواب دیا یہ آواز تو نہایت شاندار طور پر اٹھا سکتا ہوں۔ اس پر میں نے کہا۔ بس آپ اس کام کے اہل ہیں اور خدا کا نام لے کر اس کو شروع کر دیں میں نے ان کو اخراجات کے متعلق ہدایتیں دیں۔ کہ اس طرح دفتر بنانا چاہئے۔ اور وعدہ کیا کہ دفتر کے اخراجات اور دوسری ضرورتیں جو پیدا ہوں گی۔ ان کے اخراجات میں مہیا کرتا رہوں گا۔ چنانچہ اس گفتگو کے بعد درد صاحب شیخ محمد عبداللہ صاحب کو لے کر کشمیر چلے گئے۔ اور ان کی واپسی پر کشمیر گورنمنٹ کو علم ہوا کہ انہوں نے کشمیر کے بارڈر پر مجھ سے ملاقات کی۔ چنانچہ اس کی طرف مسٹر جیون لعل پرسنل اسسٹنٹ پرائم منسٹر نے اپنے خط میں اشارہ کیا ہے......جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"کسی قدر ہمیں یہ تسلی بھی تھی کہ صدر صاحب خود ریاست کی سرحد پر آکر اپنے نمائندگان سے مل گئے ہیں۔ اور تمام حالات معلوم کر گئے ہیں۔" یہ تفصیل حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک غیر مطبوعہ مضمون میں درج فرمائی ہے اور ساتھ ہی شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب کا ایک طویل خط بھی درج کیا ہے۔ جس میں شیخ صاحب نے علاوہ دوسرے امور کے اس تاریخی ملاقات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "میں جناب کو مودبانہ گڑھی حبیب اللہ والا وعدہ یاد دلانے کی جرأت کرتا ہوں کہ اخراجات دفتر جو کہ شاید مبلغ -/۲۳۸ روپے بنتے ہیں۔ جناب والا ماہوار بھیجتے رہیں گے مجھے روپے کی ازحد ضرورت ہے کاش مجھے سرینگر سے صرف دو ہفتہ کی مہلت ملتی کہ میں دیہات کا دورہ کر کے چندہ جمع کرتا مگر جونہی میں ادھر ادھر جاتا ہوں کام تمام کا تمام بگڑتا ہے۔ میں جناب سے التجا کروں گا۔ کہ کم از کم اخراجات دفتر کا انتظام فرمائیں"۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے شیخ محمد عبداللہ صاحب سے اپنا وعدہ کس مخلصانہ انداز میں پورا فرمایا۔ اس کی تفصیلات تو آئندہ مختلف مقامات پر آئیں گی مگر یہاں بھی بطور نمونہ شیخ محمد عبداللہ صاحب کی صرف ایک تحریر درج کر دی جاتی ہے۔

۱۔ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب نے مسلمانان ہند کے نام مندرجہ ذیل مکتوب لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سرینگر۔ برادران ملت: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جن حالات میں سے کشمیر کے مسلمان اس وقت گزر رہے ہیں۔ وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ان کے سیاسی حقوق کی حفاظت اور ان کی تمدنی اور تعلیمی اور مذہبی ترقی کے لئے جدوجہد ایک صرف کثیر کو چاہتی ہے۔ اندریں حالات ہم بیرون کشمیر کے مسلمان بھائیوں سے پر زور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس کار خیر میں ہماری امداد فرمائیں۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے اس وقت اپنے قیمتی مشورہ سے امداد کرنے کے علاوہ ہماری قانونی امداد بھی کی

ہے اور مالی امداد بھی ہمیں صرف انہیں سے پہنچی ہے اس لئے ہم برادران ملت سے پر زور اپیل اور استدعا کرتے ہیں کہ وہ اس کے فنڈز کو مضبوط کرنے کی طرف فوری توجہ فرمادیں۔ تاکہ مالی تنگی کی وجہ سے ضروری کاموں میں حرج واقع نہ ہو۔ مجلس احرار نے جو تکالیف جسمانی مظلومان کشمیر کی ہمدردی میں برداشت کی ہیں ان کے ہم تہ دل سے مشکور ہیں۔ مگر اس وقت کا افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جماعت احرار کی طرف سے ہمیں مالی امداد ایک روپیہ کی بھی اس وقت تک نہیں پہنچی۔ والسلام۔ شیخ محمد عبداللہ

۲۔(مکتوب بنام حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ)

۲۳/ مئی ۱۹۳۲ء۔ بچھوارہ سرینگر مکرمی جناب میاں صاحب السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔

مبلغ تین صد روپیہ بذریعہ رجسٹری بیمہ وصول پایا۔ شکریہ....... لوگوں میں نئی زندگی پیدا ہو رہی ہے۔ اب صرف اخبار کی کمی ہے میں کوشش کرتا ہوں پانچ دس آدمی مل کر اگر پانچ پانچ سو روپیہ نکالیں تو ایک اعلیٰ اخبار جاری ہو سکتا ہے۔ اور اخبار ایک مشترکہ کمیٹی کی صورت میں چلایا جاسکتا ہے۔ اور پریس بھی اپنا خریدا جاسکتا ہے۔ ابھی مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی لیکن کوشش جاری ہے کل رات آپ کی جماعت کے مبلغ مولوی عبدالاحد صاحب مجھے راستہ میں چلتے چلتے ملے اور فرمایا کہ آپ نے ارادہ ظاہر فرمایا ہے کہ کشمیر کے چند نوجوان طالب علموں کو جو کہ کالج یا ہائی کلاسز میں تعلیم پاتے ہوں' غریب ہوں اور قومی کاموں میں دلچسپی رکھتے ہوں آپ کی جماعت کی طرف سے کچھ وظیفہ مقرر کیا جائے۔ اگر یہ درست ہے تو سب سے اول ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس مد میں کل آپ کتنا خرچ کرسکتے ہیں تاکہ ہم اسی حساب سے لڑکوں کا انتخاب کریں۔ دوسری عرض میری یہ ہے کہ دیہاتوں سے بہت سے لڑکے امتحان انٹرنس میں کامیاب ہوئے ہیں اور وہ کالج میں صرف اسی لئے داخل نہیں ہو سکتے ہیں۔ کہ وہ غریب ہیں اور شہر میں رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ اگر سرینگر میں ایک مکان بطور بورڈنگ کے لیا جائے اور ایک باورچی ایک چپراسی اور ایک سپرنٹنڈنٹ اس میں رہے اور کم از کم ۲۰ لڑکوں کی رہائش کی گنجائش اس میں ہو تو میرے خیال میں یہ بہت ہی مفید بات ہوگی۔ ماہوار اخراجات تقریباً ۲۰۰ روپیہ ہوں گے اپنے مشورہ سے مشکور فرمادیں۔ تمام احباب کو عرض۔ والسلام

تابعدار شیخ محمد عبداللہ

۳۔(مکتوب بنام مولوی عبدالرحیم صاحب درد (سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی)

S.M. ABDULLAH M.S.c (Alig) JAMUN. 10.11.1932

مکرمی مولانا درد صاحب السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آج میں غلام قادر کو آپ کے پاس بدیں وجہ روانہ کرتا ہوں کہ تا وہ جناب کو یاد دلاتا رہے ۔ ۹ ممبر شپ فارمز رجسٹرات رسید بک فارمز دفتر پریس پیڈ کے متعلق انتظام مکمل ہو سکے باقی حالات وہ زبانی عرض کرے گا ۔ اشائی صاحب ابھی جموں میں ہیں آپ وقت بتا دیجئے کہ کب ہم لاہور آئیں گے ۔ میرا خیال ہے کہ دستور اساسی مکمل ہو ۔ تاہم کام کو شروع کرتے ۔ باقی خیریت ہے میری طرف سے جناب حضرت صاحب کو دست بستہ عرض سلام ۔ آپکا شیخ محمد عبداللہ ۔

اندرون کشمیر کام کرنے والے بعض پرجوش کارکن

شیخ محمد عبداللہ صاحب شیر کشمیر نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے تعاون سے اندرون کشمیر جو تنظیم کی اس کو کامیاب بنانے والے تو خدا کے فضل و کرم سے لاکھوں مسلمانان کشمیر تھے مگر بعض پرجوش کارکنوں اور تحریک آزادی کے علمبرداروں کا ذکر کرنا ضروری ہے ۔ میرواعظ محمد یوسف صاحب (حال راولپنڈی پاکستان) میرواعظ احمد اللہ صاحب ہمدانی ' غلام نبی صاحب ہمدانی ' مفتی ضیاء الدین صاحب ضیاء سابق مفتی اعظم پونچھ (حال مقیم لاہور پاکستان) ' سید حسین شاہ صاحب ' غلام احمد صاحب اشائی ' میاں احمد یار صاحب وکیل ' خواجہ سعد الدین صاحب شال ' بخشی غلام محمد صاحب سابق وزیر اعظم مقبوضہ کشمیر ' خواجہ غلام محمد صاحب بانڈے ' غلام نبی صاحب صحرائی ' غلام محمد صادق صاحب (مقبوضہ کشمیر کے موجودہ وزیر اعظم) ' سید حسین شاہ صاحب جلالی ' حسام الدین صاحب گیلانی ' خواجہ شہاب الدین صاحب ' شیخ عبدالحمید صاحب وکیل (حال مظفر آباد) ' سردار گوہر رحمان صاحب (حال سیالکوٹ) ' چوہدری غلام عباس صاحب جموں (حال مقیم راولپنڈی پاکستان) ' اللہ رکھا صاحب ساغر سابق ایڈیٹر "نوجوان" (حال مقیم راولپنڈی پاکستان) ' پروفیسر قریشی محمد اسحاق صاحب سابق جنرل سیکرٹری مسلم کانفرنس ' میجر محمد خان صاحب (صدر انجمن اسلامیہ پونچھ) ' ڈاکٹر امام الدین صاحب قریشی جنرل سیکرٹری مسلم ایسوسی ایشن میرپور ' صاحب دین صاحب زرگر (میرپور) ' سید ولایت شاہ صاحب مفتی تحصیل راجوری ۔ سرفراز خان صاحب نمبردار تھکیالہ ' رئیس کریلا پونچھ ' فتح محمد صاحب کریلوی ' مولوی محمد عبداللہ صاحب سیاکھوی (صدر جمعیتہ العلماء کشمیر) ' مولانا محمد سعید مسعودی (حال مقبوضہ کشمیر) ' سید محمد مقبول صاحب بیہقی ' صوفی محمد اکبر صاحب ' خواجہ عبدالرحیم صاحب ڈار ' خواجہ احمد اللہ صاحب جنرل شال مرچنٹ سرینگر [۲۸] ' خواجہ غلام محمد صاحب شال مرچنٹ سرینگر ' میرواعظ محمد عبداللہ شوپیاں ' پیر محمد یاسین ' سید میرک شاہ صاحب اندرابی حال لاہور ' سید غلام محی الدین اندرابی ' محمد رجب بخش صاحب ' خواجہ غلام نبی صاحب شال مرچنٹ سرینگر ' فقیر سالک ہمدانی صاحب ' سید عبدالغفور شاہ صاحب ' حکیم عبدالحی صاحب نوا کدل

سرینگر' محمد عثمان صاحب بٹ قصبہ ترال' خواجہ غلام وازہ (ہندواڑہ)' محمد مقبول صاحب (وٹالی)' غلام قادر مسالہ (ہندواڑہ)' قاضی عبدالغنی صاحب دلنہ (بارہ مولا)' محمد یوسف (کونٹیل)' محمد یوسف صاحب قریشی' صدر الدین (پونچھ)' حبیب اللہ صاحب زرگر' خواجہ عبدالرزاق صاحب ترال' حکیم غلام علی صاحب سرینگر' مفتی جلال الدین صاحب' غلام قادر صاحب (گاندربلی) پیر ضیاء الدین صاحب اندرابی' قلندر شاہ مظفر آباد' خواجہ محمد شعبان صاحب' محمد عبداللہ خان صاحب۔

برادران کشمیر کے لئے مطبوعہ خطوط

مسلمانان کشمیر کی تنظیمی جدوجہد میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ان شائع شدہ مکتوبات کا بھاری عمل دخل ہے جو حضور اہل کشمیر میں یکجہتی' تنظیم اور روح قربانی قائم رکھنے کے لئے شائع کر کے اندرون کشمیر بھجواتے رہے۔ ان خطوط نے خصوصاً ان ایام میں جبکہ شیخ محمد عبداللہ صاحب نظربند ہوئے کشمیریوں میں زبردست تنظیم ولولہ اور جوش پیدا کر دیا۔ اور تحریک کے ہر نازک موڑ پر صحیح رہنمائی کی (باب چہارم فصل پنجم میں یہ اہم خطوط بطور ضمیمہ شامل کر دیئے گئے ہیں) چنانچہ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب نے جیل سے رہائی کے بعد اپنے ایک خط میں تحریر فرمایا۔

"مکرم و معظم جناب حضرت میاں صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ سب سے پہلے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ میں تہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کروں اس بے لوث اور بے غرضانہ کوشش اور جدوجہد کے لئے جو آپ نے کشمیر کے درماندہ مسلمانوں کے لئے کی پھر آپ نے جس استقلال اور محنت کے ساتھ مسئلہ کشمیر کو لیا۔ اور میری غیر موجودگی میں جس قابلیت کے ساتھ ہمارے ملک کے سیاسی احساس کو قائم اور زندہ رکھا مجھے امید رکھنی چاہئے کہ آپ نے جس ارادہ اور عزم کے ساتھ مسلمانان کشمیر کے حقوق کے حصول کے لئے جدوجہد فرمائی۔ آئندہ بھی اسے زیادہ کوشش اور توجہ سے جاری رکھیں گے۔ اور اس وقت تک اپنی مفید کوششوں کو بند نہ کریں گے۔ جب تک ہمارے تمام مطالبات صحیح معنوں میں ہمیں حاصل نہ ہو جائیں"۔

حکام ریاست نے جلد ہی یہ خطوط جو آپ شائع کر کے اندرون کشمیر بھجواتے رہتے تھے ضبط کرنا شروع کر دیئے جس پر حضور نے لکھا۔ "عزیز دوستو! جو میرے پہلے خط کا حشر ہوا وہی اس خط کا بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آئندہ لوگ یہ احتیاط کیا کریں کہ میرا مطبوعہ خط ملتے ہی فوراً اسے پڑھ کر دوسروں تک پہنچا دیا کریں۔ تاکہ ریاست کے ضبط کرنے سے پہلے وہ خط ہر ایک کے ہاتھ میں پہنچ چکا ہو۔ اور تاکہ ہر مسلمان اپنے فرض سے آگاہ ہو چکا ہو۔ اور بہتر ہو گا جس کے ہاتھ میں میرا خط پہنچے وہ اس کا مضمون ان مردوں' عورتوں اور بچوں کو سنا دے جو پڑھنا نہیں جانتے۔ اور اگر ہو

سکے تو اس کی کئی نقلیں کر کے دوسرے گاؤں کے دوستوں کو بھجوا دے۔ اگر پورا خط نقل نہ ہو سکے تو اس کا خلاصہ ہی لکھ کر دوسرے دوستوں کو اطلاع کر دے"۔ (۶۹)

چنانچہ اس نصیحت کے مطابق مطبوعہ مکتوبات کشمیر و جموں کے طول و عرض میں پہنچتے رہے۔ اور مسلمانان ریاست میں آزادی و حریت کے جذبات و احساسات کو زندہ رکھنے میں ممد و معاون بنتے رہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ان خطوط میں چونکہ بعض برطانوی افسروں پر بھی تنقید کی گئی تھی اس لئے بعض انگریز افسروں نے ریاستی احکام ضبطی کی تائید کی۔ یہ بات چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کو سر میاں فضل حسین صاحب سے ایک ملاقات کے دوران معلوم ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ۱۷/ مارچ ۱۹۳۲ء کو ایک مکتوب میں اطلاع دی کہ۔

"مسٹر میکناٹن' سر چارلس والٹن اور مسٹر ایمرسن نے یہ شکایت کی ہوئی تھی کہ حضور کے اردو مطبوعہ خطوط اس قسم کے تھے جن کے نتیجہ میں قومی منافرت ریاست میں اور پنجاب میں بڑھنے کا اندیشہ تھا خصوصیت سے مڈلٹن رپورٹ کے متعلق جو خط تھا اس کے متعلق شکایت تھی کہ اس میں ایک شخص کی مفروضہ غلطی کی بناء پر برطانوی انصاف پر الزام لگایا گیا ہے..... مسٹر ایمرسن نے لکھا تھا کہ یہ مطبوعہ خطوط نامناسب اور نقصان دہ ہیں لیکن اس کی ذمہ داری صدر کمیٹی پر ہے۔ اس کی بناء پر وفد سے انکار نہیں کرنا چاہئے"۔

(فصل سوم)

حکومت ہند و حکومت کشمیر سے رابطہ اور خط و کتابت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ چونکہ شروع سے کشمیر کے معاملہ میں دلچسپی لے رہے تھے اس لئے جب آپ ۲۴/ جولائی ۱۹۳۱ء کو کانفرنس میں شرکت کے لئے شملہ تشریف لائے تو آپ نے شملہ پہنچتے ہی ۲۴ اور ۲۷/ جولائی ۱۹۳۱ء کو وائسرائے کو ملاقات کے لئے لکھا۔ جس کا جواب ۳۰/ جولائی کو آیا کہ یکم اگست ۱۹۳۱ء کو ہزایکسی لینسی وائسرائے آپ سے ملاقات کر سکیں گے۔ اور ان کو اس بات پر بھی کوئی اعتراض نہ ہو گا کہ آپ کے فارن سیکرٹری مولوی عبدالرحیم صاحب درد آپ کے بطور ترجمان ہوں۔ چنانچہ حضور یکم اگست ۱۹۳۱ء کو وائسرائے ہند (لارڈن ولنگڈن) سے ملے اس وقت مولانا درد بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اس ملاقات کی تفصیل اور اس کے نتائج خود حضور ہی کے الفاظ میں یہ ہیں۔

"پہلے تو وہ بڑی محبت سے باتیں کرتے رہے جب میں نے کشمیر کا نام لیا۔ تو وہ اپنے کوچ سے کچھ آگے کی طرف ہو کر کہنے لگے۔ کہ کیا آپ کو بھی کشمیر کے معاملات میں انٹرسٹ ہے آپ تو مذہبی آدمی ہیں مذہبی آدمی کا ان باتوں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا۔ میں بے شک مذہبی آدمی ہوں اور مجھے مذہبی امور میں ہی دخل دینا چاہئے۔ مگر کشمیر میں تو لوگوں کو ابتدائی انسانی حقوق بھی حاصل نہیں اور یہ وہ کام ہے جو ہر مذہبی شخص کر سکتا ہے۔ بلکہ اسے کرنا چاہئے۔ اس لئے مذہبی ہونے کے لحاظ سے بھی اور انسان ہونے کے لحاظ سے بھی میرا فرض ہے کہ میں انہیں وہ ابتدائی انسانی حقوق دلواؤں جو ریاست نے چھین رکھے ہیں آپ اس بارے میں کشمیر کے معاملات میں دخل دیں۔ تاکہ کشمیریوں پر جو ظلم ہو رہے ہیں ان کا انسداد ہو۔ وہ کہنے لگے آپ جانتے ہیں کہ ریاستوں کے معاملات میں ہم دخل نہیں دیتے۔ میں نے کہا میں یہ جانتا تو ہوں مگر کبھی کبھی آپ دخل دے دیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے کہا کیا حیدرآباد میں آپ نے انگریز وزیر بھجوائے ہیں یا نہیں کہنے لگے تو کیا آپ کو پتہ نہیں نظام حیدرآباد کیسا مناتا ہے۔ میں نے کہا یہی بات تو میں کہتا ہوں کہ آخر وجہ کیا ہے کہ نظام حیدرآباد برا منائیں تو آپ ان کی پروا نہ کریں اور مہاراجہ صاحب کشمیر برا منائیں تو آپ ان کے معاملات میں دخل دینے سے رک

جائیں یہ ہندو اور مسلم میں سوتیلے بیٹوں والا فرق آپ کیوں کرتے ہیں۔ آخر یا تو وہ یہ کہہ رہے تھے کہ گورنمنٹ ریاستی معاملات میں دخل نہیں دے سکتی۔ اور یا یہ کہنے لگے کہ جب مجھے وائسرائے مقرر کیا گیا تھا تو وزیر ہند نے مجھ سے کہا کہ ہندوستان کی سیاسی حالت سخت خراب ہے کیا تم اس کو سنبھال لوگے میں نے کہا میں سنبھال لوں گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ مجھے چھ مہینہ کی مہلت دی جائے اور مجھ پر اعتراض نہ کیا جائے۔ کہ تم نے کوئی انتظام نہیں کیا۔ ہاں اگر چھ مہینے کے بعد بھی میں انتظام نہ کر سکا تو آپ بے شک مجھے الزام دیں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا چھ مہینے یا سال نہیں میں آپ کو ۱۸ مہینے کی مہلت دیتا ہوں آپ اس عرصہ کے اندر یہ کام کرکے دکھائیں۔ لارڈ ولنگڈن کہنے لگے وزیر ہند نے تو مجھے ۱۸ مہینے کی مہلت دی تھی۔ اور آپ مجھے کوئی بھی مہلت نہیں دیتے بلکہ چاہتے ہیں کہ فوری طور پر میں یہ کام کردوں۔ میں نے کہا۔ اگر یہی بات ہے تو جھگڑے کی کوئی بات ہی نہیں انہوں نے تو ۱۸ مہینے کی آپ کو مہلت دی ہے آپ کو ۱۸ سال کی مہلت دینے کو تیار ہوں بشرطیکہ آپ مجھے یقین دلائیں کہ کشمیر کے مسلمانوں کی حالت سدھر جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ پانچ چھ ماہ تک مجھے حالات دیکھنے ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس عرصہ میں مجھ سے جو کچھ ہو سکا۔ میں کروں گا اور کشمیر کے مسلمانوں کو ان کے حقوق دلانے کی پوری پوری کوشش کروں گا"۔ [۵۰]

اسی ضمن میں فرماتے ہیں۔ "میری اس تجویز کو انہوں نے پسند کیا کہ ایک وفد جو نواب ذوالفقار علی خان صاحب' خان بہادر شیخ رحیم بخش صاحب ریٹائرڈ سیشن جج' خواجہ حسن نظامی صاحب' نواب صاحب کنج پورہ اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی پر مشتمل ہو اس کے کشمیر جانے کی درخواست کی جائے۔ تاکہ یہ لوگ جاکر صورت حال پر غور کریں اور اگر مسلمانوں کی غلطی ان کو نظر آئے تو ان کو سمجھائیں اور اگر ریاست کی غلطی ان کو نظر آئے تو مہاراجہ صاحب کو صحیح مشورہ دیں۔

میں نے یہ تجویز اس بات کو خوب سمجھتے ہوئے کی تھی کہ مہاراجہ صاحب اس کو نہیں مانیں گے۔ اور اس کا وائسرائے پر نیک اثر پڑے گا۔ بعد میں میں نے ڈاکٹر اقبال کا نام بھی اس وفد میں جانے کے لئے تجویز کیا اور اس کے متعلق انہیں سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی طرف سے تار بھی دی گئی انہوں نے اس کے جواب میں یہ لکھا کہ اس وقت وفد لے جانا میری رائے ناقص میں قرین مصلحت نہیں ہے کچھ ایجی ٹیشن کے بعد ہو تو مناسب ہے۔ اہل ریاست کا خیال ہے کہ یہ شورش لاہور سے اٹھی ہے۔ اس واسطے اول تو مجھے یہ اندیشہ ہے کہ وفد کو باریابی کی اجازت نہ ہو۔ اگر ہو بھی تو گورنمنٹ کشمیر اس کا بے جا فائدہ اٹھائے گی خود اہل خطہ بھی اس بات کو پسند نہ کریں گے۔ آج میر واعظ صاحب کا اعلان شائع ہوا ہے کہ ان کے دستخط اس اعلان پر جعلی بنائے گئے ہیں ریاست کے بعض مسلمانوں نے غالباً کشمیر

گورنمنٹ کے اشارہ پر شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ ریاست نے مولوی ابوالکلام آزاد کو دعوت دی ہے۔ یہ دعوت اگرچہ پہلے کی ہے تاہم اندیشہ ہے کہ ریاست ایک نیشنلسٹ مسلمان کو وہاں بلوا کر مسلمانان کشمیر کے کیس کو خراب کرنا چاہتی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں میری طرف سے آداب عرض ہو۔ محمد اقبال

پھر ۵/۶ اگست ۱۹۳۱ء کو ان کا لکھا ہوا خط خود براہ راست میرے پاس آیا جس کے متعلقہ حصے درج ذیل ہیں۔ "کشمیر کے متعلق آپ کی کوششیں یقین ہے بار آور ہوں گی۔ مگر ذرا ہمت سے کام لیجئے اور اس معاملہ کو انجام تک پہنچایئے۔ کشمیر کے مہاراجہ کے پاس وفد لے جانا مسلمانوں کے مفاد کے لئے نہایت مضر ثابت ہو گا۔ میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ اس تجویز کو جامہ عمل نہ پہنایئے۔ میں مفصل عرض نہیں کر سکتا۔ بالمشافہ موقعہ ہوا تو عرض کروں گا۔ اس تجویز کی بجائے یہ کیجئے کہ تین معززین کا وفد جس میں ایک آپ ہوں انگلستان جائے اور وہاں صرف دو ماہ قیام کرے اور انگریزی قوم اور پارلیمنٹ کو کشمیر کی تاریخ اور موجودہ حالات سے آگاہ کرے اس پر زیادہ سے زیادہ آٹھ دس ہزار روپیہ خرچ ہو گا اور نتائج اس کے بے انتہا خوشگوار ہوں گے اور مجھے یقین ہے کہ ہم سب کی توقعات سے بڑھ کر ہوں گے اگر مجھ کو ROUND TABEL CONFERANCE سے موقعہ مل گیا۔ تو انشاء اللہ کشمیر کے ADMINISTRATION کا سارا تار و پود بکھیر کر رکھ دوں گا اور ایسا کرنے میں کسی کا خوف مجھ پر غالب نہ ہو گا"۔

جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں میں نے وفد کی اس لئے تجویز پیش کی تھی کہ میں جانتا تھا کہ مہاراجہ نے نہیں ماننا اور اس طرح وائسرائے جو کہ اس کا بہت ہی گرویدہ ہے اس کی ذہنی کیفیت کی حقیقت سے آگاہ ہو جائے گا۔ اس لئے باوجود اس کے کہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کا میرے دل میں بہت احترام تھا میں نے ان کے مشورہ کو قبول نہ کیا۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ دونوں باتوں کا نتیجہ ایک ہی ہے نہ وفد نے جانا ہے اور نہ وہ نتائج پیدا ہونے ہیں جن کا ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کو خوف ہے اور ایسا ہی ہوا۔

میں نے ۳/ اگست ۱۹۳۱ء کو وائسرائے کے مشورہ سے سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی طرف سے مندرجہ ذیل الفاظ میں تار مہاراجہ صاحب جموں و کشمیر کو دلائی۔ "براہ مہربانی نواب سر ذوالفقار خان صاحب' نواب ابراہیم خان صاحب آف کنج پورہ' خواجہ حسن نظامی صاحب' خان بہادر شیخ رحیم بخش صاحب اور مولوی محمد اسٹعیل صاحب غزنوی پر مشتمل مسلمانوں کے ایک وفد کو اجازت دیں کہ وہ کشمیر کی موجودہ صورت حالات کے سلسلہ میں اگلے ہفتہ کی تاریخ کو یور ہائینس کی خدمت میں حاضر ہو۔

اس کا جواب پرائم منسٹر کشمیر کی طرف سے مندرجہ ذیل الفاظ میں آیا۔ "عبدالرحیم درد سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی فیئر ویو شملہ! بجواب آپ کے تار لکھا جاتا ہے کہ صورت حال پر پوری طرح قابو پا لیا گیا ہے۔ اور حالات اب اصل حالت میں ہیں غیر جانبدارانہ تحقیقات ہو رہی ہے۔ ایسے موقع پر کسی ڈیپوٹیشن کے آنے سے لازماً از سر نو جوش پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے افسوس ہے کہ ہزہائنس آپ کی درخواست منظور نہیں کر سکتے"۔ ۵۲

اس پر میں نے وائسرائے کے سامنے پروٹسٹ کیا کہ آپ سے مشورہ کرنے کے بعد یہ تار دی گئی تھی اور ایسے لوگ منتخب کئے گئے تھے جن پر ہرگز کسی فساد کا شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر باوجود اس کے مہاراجہ نے خود سری کے ماتحت مسلمانوں کی ہتک کی ہے۔ اور ایسے وفد کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے جس کے جواب میں وائسرائے کی طرف سے کچھ معذرت کی گئی اور کہا گیا کہ غالباً غلط فہمی ہو گئی ہے دوبارہ پھر تار دیجئے۔ چنانچہ ۵/ اگست ۱۹۳۱ء کو میری طرف سے مندرجہ ذیل تار مہاراجہ کو دی گئی۔

یور ہائنس کے وزیر اعظم کے تار بنام سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے متعلق میں یور ہائنس سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں۔ اگرچہ کشمیر کے حالات بظاہر اصلاح پذیر نظر آتے ہیں۔ مگر ہماری معلومات کے لحاظ سے ایجی ٹیشن شدید ہے۔ اور اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ علاوہ ازیں ہندوستان کے مسلمانوں میں کشمیر کے معاملات کے متعلق بہت ایجی ٹیشن ہے اور یور ہائنس کی طرف سے اس وفد کو ملاقات کا موقع دینے سے حالات میں سکون پیدا ہو گا برخلاف اس کے ایسے معزز افراد کو ملاقات کی اجازت دینے سے انکار پر اصرار سے مسلمانوں کے شکوک و شبہات میں اضافہ ہو گا۔ ۵۳

اس کا جواب دو ایک دن کے بعد پرائم منسٹر کی طرف سے یہ آیا۔ "امام جماعت احمدیہ فیئر ویو شملہ! بحوالہ آپ کے تار ۵/ اگست ہزہائنس کی گورنمنٹ کا اب تک بھی یہی خیال ہے۔ کہ ایسے حالات میں جبکہ حالت بدستور سابق ہو چکی ہے اور معاملات روبہ اصلاح ہیں۔ کسی بیرونی وفد کی آمد سے یقیناً تازہ جوش اور شبہات پیدا ہوں گے۔ خاص کر ایسی حالت میں جبکہ آپ خود گواہ ہیں کہ ایجی ٹیشن کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ وزیر اعظم کشمیر"۔ ۵۴

میں نے وائسرائے کو لکھا اس تار کے الفاظ کو دیکھ لیجئے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ کشمیر گورنمنٹ کی نیت مسلمانوں کے متعلق خراب ہے جب میں نے ان کو یہ لکھا کہ فسادات کی وجہ سے برطانوی ہند میں بھی شورش ہے اور وفد کے جانے سے اس میں سکون پیدا ہو جائے گا۔ تو کشمیر گورنمنٹ نے جواب دیا کہ چونکہ امن ہو گیا ہے اس لئے کسی وفد کی ضرورت نہیں گویا فساد کی حالت میں تو وفد

کی ضرورت ہے۔امن کی حالت میں وفد کی ضرورت نہیں لیکن جب میں نے تار دی کہ گو بظاہر آپ کو فتنہ دبا ہوا نظر آتا ہے۔مگر چونکہ اس فتنہ کی جڑیں گہری ہیں اور ہندوستان کے مسلمانوں میں کشمیر کے معاملات کے متعلق ایجی ٹیشن ہے اس لئے آپ وفد کے جانے کی اجازت دیں۔اس کا آنا مفید ہو گا تو اس پر کشمیر گورنمنٹ یہ جواب دیتی ہے کہ چونکہ فساد کی جڑیں گہری ہیں اس لئے وفد کے آنے کی ضرورت نہیں۔گویا کہ خطرہ کے متعلق وفد کا آنا ضروری نہیں۔اس طرح وہ اپنی دوسری تار میں پہلی تار کی تردید کر رہے ہیں۔

........ان تاروں کا نتیجہ یہ ہوا کہ وائسرائے پر حقیقت کھل گئی۔اور ان کے اندر یہ احساس پیدا ہو گیا کہ جلد یا بدیر حکومت ہند کو اس معاملہ میں دخل دینا پڑے گا۔اور جو پہلی ملاقات میں مجھ پر اثر تھا کہ وہ کسی صورت میں بھی کشمیر کے معاملات میں دخل دینے کو تیار نہیں یا کم سے کم وہ پورا زور لگائیں گے کہ وہ اس سے بچیں اس میں تبدیلی پیدا ہو گئی۔اور میں نے سمجھا کہ اب آئندہ میں جو زور گورنمنٹ ہند پر ڈالوں گا بے اثر نہیں جائے گا' بلکہ نتیجہ خیز ہو گا"۔[۵۵]

(فصل چہارم)

"یوم کشمیر" کے عظیم الشان جلسے اور ان کا رد عمل

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے پہلے اجلاس شملہ میں قرار پایا تھا کہ ۱۴/ اگست ۱۹۳۱ء کو ملک میں "یوم کشمیر" منایا جائے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۶/ اگست ۱۹۳۱ء کو اپنے قلم سے ایک مفصل مضمون لکھا جس میں پر زور تحریک فرمائی کہ کشمیر ڈے پورے اہتمام کے ساتھ منایا جائے چنانچہ آپ نے تحریر فرمایا۔

"مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے بتیس لاکھ بھائی بے زبان جانوروں کی طرح قسم قسم کے ظلموں کا تختہ مشق بنائے جا رہے ہیں جن زمینوں پر وہ ہزاروں سال سے قابض تھے ان کو ریاست کشمیر اپنی ملکیت قرار دے کر ناقابل برداشت مالیہ وصول کر رہی ہے۔ درخت کاٹنے' مکان بنانے' بغیر اجازت زمین فروخت کرنے کی اجازت نہیں۔ اگر کوئی شخص کشمیر میں مسلمان ہو جائے تو اس کی جائیداد ضبط کی جاتی ہے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ اہل و عیال بھی اس سے زبردستی چھین کر الگ کر دیئے جاتے ہیں۔ ریاست جموں و کشمیر میں جلسہ کرنے کی اجازت نہیں' انجمن بنانے کی اجازت نہیں۔ اخبار نکالنے کی اجازت نہیں غرض اپنی اصلاح اور ظلموں پر شکایت کرنے کے سامان بھی ان سے چھین لئے گئے ہیں وہاں کے مسلمانوں کی حالت اس شعر کے مصداق ہے۔

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے [۵۶]

چنانچہ حضور کے تجویز کردہ پروگرام کے مطابق ۱۴/ اگست کو ہندوستان کے ہر مشہور شہر اور بستی میں بڑے جوش و خروش سے یوم کشمیر منایا گیا۔ قادیان میں مظلومین کشمیر کی حمایت میں مظاہرہ کیا گیا۔ اس روز اس شان کا جلوس نکلا کہ قادیان میں کبھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ جلوس کے علاوہ چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے (سابق مبلغ انگلستان) کی صدارت میں عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا اور ڈوگرہ حکومت کے خلاف ریزولیوشن پاس ہوئے اور مظلومین کی امداد کے لئے چندہ کیا گیا۔ قادیان کی خواتین کا الگ جلسہ زیر صدارت حضرت سیدہ مریم بیگم صاحبہ (حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) ہوا جس میں حضور کے مجوزہ ریزولیوشنز کے علاوہ یہ قرارداد بھی پاس کی گئی کہ اس جلسہ کی کارروائی سے بذریعہ تار

لیڈی لارڈ ولنگڈن کو مطلع کیا جائے۔ ۵۷

دیوبند کے جلسہ میں مولوی محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم' مولوی حسین احمد صاحب مدنی اور مولوی میرک شاہ صاحب کی تقریریں ہوئیں۔ لاہور کا جلسہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کی صدارت میں ہوا جلوس اور جلسہ میں ایک لاکھ مسلمان شریک ہوئے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب' مولوی داؤد صاحب غزنوی اور سید محسن شاہ صاحب نے پرجوش تقریریں کیں۔

کلکتہ میں سہروردی صاحب نے عظیم الشان جلسہ کی صدارت کی۔ بمبئی میں ایک ہزار باوردی والنٹیرز نے جلوس کا انتظام کیا۔ مسلمانوں کا یہ جلوس بے نظیر تھا۔ جلسہ میں مولوی شوکت علی صاحب نے خاص طور پر حصہ لیا۔ سیالکوٹ میں ڈوگرہ حکومت کے خلاف پرجوش مظاہرہ کیا گیا جس میں مولوی عصمت اللہ صاحب مبلغ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے پرجوش تقریر کی۔ اور آغا غلام حیدر صاحب میونسپل کمشنر سیالکوٹ کی صدارت میں قراردادیں پاس ہوئیں۔ پٹنہ میں مولوی شفیع داؤدی صاحب کی صدارت میں جلسہ ہوا اور انہوں نے اطلاع دی کہ صوبہ بہار کے گوشہ گوشہ میں یوم کشمیر کے موقعہ پر پرجوش مظاہرے ہوئے۔

علی گڑھ میں حاجی محمد صالح خان صاحب شیروانی آنریری مجسٹریٹ کی صدارت میں جلسہ ہوا کراچی کے خالقدینہ ہال میں مسلمانوں کا ایک عظیم اجتماع ہوا۔ حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون صاحب نے صدارت کی۔ اسی طرح دہلی' پونا' لکھنؤ' رنگون' مالابار' گیا' حیدر آباد' بنگال' بنگلور' بہار واڑیسہ وغیرہ شہروں میں زبردست جلسے منعقد ہوئے۔ غرضکہ برصغیر کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ تھا جبکہ ملک کا گوشہ گوشہ تحریک آزادی کشمیر کی آواز سے گونج اٹھا اور ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک مسلمانوں میں درد و الم کی ایسی لہر دوڑ گئی کہ وہ دیوانہ وار اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے"۔ ۵۸

اندرون ریاست میں جہاں ڈوگرہ حکومت مظالم ڈھا رہی تھی۔ یوم کشمیر خاص اہتمام سے منایا گیا۔ چنانچہ اس دن سرینگر میں حکام کی مخالفانہ کوششوں کے باوجود جامع مسجد میں نہایت کامیاب جلسہ ہوا جس میں ایک لاکھ فرزندان توحید کا اجتماع ہوا۔ اس موقعہ پر ان چھوٹے چھوٹے یتیم بچے اور بچیوں کو سٹیج پر لایا گیا جن کے باپ ظالم اور فرعون مزاج ڈوگروں کے مظالم کا شکار ہو گئے تھے۔ یہ نظارہ بڑا ہی دردناک تھا جونہی لوگوں کی نظران معصوموں پر پڑی۔ مجمع زار زار رونے لگا۔ ہر ایک کی آنکھیں پرنم تھیں جلسہ گاہ اس وقت ماتم کدہ بن گئی۔ اور جب شہیدوں کے خونی کپڑے دکھائے گئے تو ایک حشر سا برپا ہو گیا"۔ ۵۹ سرینگر کے علاوہ گلمرگ' شوپیاں' بانڈی پور اور دوسرے مقامات پر بھی اس روز

کامیاب احتجاجی مظاہرے ہوئے۔ چنانچہ مورخ کشمیر منشی محمد الدین صاحب فوق لکھتے ہیں۔

"۱۴/ اگست کو یوم آزادی کے موقعہ پر مسلمانوں میں اتنا جوش و خروش تھا کہ اس کی نظیر ریاست کی سرزمین میں دوبارہ ملنی محال ہے"۔ ۶۰

"یوم کشمیر" کے موقعہ پر یہ پورے مظاہرے پورے امن و امان کے ماحول میں ہوئے البتہ جموں میں جب اس موقعہ پر جلوس نکالا گیا۔ تو اس پر گولی چلادی گئی۔ اور ایک مسلمان شہید ہو گیا اور کئی ایک زخمی بھی ہوئے جن میں بچے بھی تھے۔ اور مسجدوں پر حکومت نے قبضہ کر لیا۔ قادیان میں یہ اطلاع اسی روز پہنچ گئی اور حضور نے اسی وقت مہاراجہ صاحب کشمیر کو ذاتی طور پر مداخلت کرنے اور وائسرائے ہند کو سخت اقدام کرنے کے لئے تار دیئے۔ مہاراجہ صاحب کشمیر کو مندرجہ ذیل الفاظ میں تار دیا گیا۔

"قادیان ۴/ اگست جموں سے اطلاع ملی ہے کہ وہاں پر امن مسلم جلوس پر نہایت بے رحمی سے گولی چلادی گئی ہے۔ جس کے نتیجہ میں ایک شخص ہلاک ہو گیا ہے۔ اور کئی زخمی ہوئے جن میں بچے بھی شامل ہیں۔ مساجد پر افواج نے قبضہ کر رکھا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو حکام کی یہ ستم رانی ناقابل برداشت ہے مسلمانوں کا ایک طبقہ پہلے ہی انتہائی تدابیر اختیار کرنے پر زور دے رہا ہے میں یور ہائی نس سے اپیل کرتا ہوں کہ قبل اس کے کہ حالات بالکل قابو سے باہر ہو جائیں۔ جن سے مجبور ہو کر مجھے یا تو کشمیر کمیٹی کی صدارت انتہا پسند طبقہ کے حوالے کرنی پڑے یا سخت قدم اٹھانے پر مجبور ہونا پڑے۔ آپ ذاتی طور پر اس میں مداخلت کریں۔ اس وقت تمام دنیا کی آنکھیں کشمیر کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ کہ دیکھئے ان لاکھوں بے بسوں کے ساتھ جنہیں قدرت نے یور ہائی نس کی رعایا بنایا ہے۔ کیا سلوک روا رکھا جاتا ہے"۔ ۶۱

وائسرائے ہند کے نام دیئے جانے والے تار کے الفاظ یہ تھے۔ "قادیان ۱۴/ اگست جموں سے تار آیا ہے۔ کہ کشمیر ڈے کے سلسلہ میں مسلمانوں کے پر امن جلوس پر ریاستی فوج نے گولی چلادی۔ جس کے نتیجہ میں ایک مر گیا۔ اور کئی زخمی ہو گئے۔ جن میں بچے بھی شامل ہیں۔ مسجدوں پر فوجوں کا قبضہ ہے اگر یہ درست ہے تو یہ مظالم ناقابل برداشت ہیں۔ اگر حکومت نے مداخلت نہ کی تو معاملہ میں اہم پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ حالات بالکل قابو سے باہر ہو جائیں گے میں پہلے بھی معاملہ کی اہمیت و نزاکت پر زور دے چکا ہوں۔ اور موجودہ واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے اور اس حقیقت کے پیش نظر کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ پہلے ہی انتہائی کارروائی کئے جانے پر زور دے رہا ہے۔ مجھے یا تو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے کر اسے انتہا پسندوں کے حوالہ کرنا پڑے گا۔ یا پھر سخت قدم اٹھانے پر رضامند ہونا پڑے گا"۔ ۶۲

تار کے علاوہ حضور نے اسی وقت اپنا ایک نمائندہ جموں روانہ کر دیا۔ اور فوٹو گرافر بھی بھجوایا تا

زخمیوں کے فوٹو لے۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر خفیہ طور پر تصاویر لی گئیں اور اس طرح ڈوگرہ حکومت کے مظالم کا زبردست ثبوت فراہم کر لیا گیا۔ چنانچہ سرینگر اور جموں کے ۱۹۳۱ء کے خونچکاں واقعات سے متعلق جو تصاویر اس کتاب میں شائع کی جارہی ہیں۔ وہ حضور ہی کی ہدایت پر لی گئی تھیں اور حضور ہی کی توجہ کی بدولت آج تک محفوظ ہیں۔ [۶۳]

اس بروقت اقدام کی اہمیت بہت جلد نمایاں ہو گئی۔ حضور کا تار ملنے پر وائسرائے ہند نے ریاست کو تار دیا۔ کہ جموں کے مسلمانوں پر گولی چلائی گئی ہے مگر حکومت نے جواب دیا کہ یہ غلط ہے جلوس پر معمولی لاٹھی چارج ہوا ہے۔

یہی جواب وزیر اعظم کشمیر ہری کشن کول نے خواجہ حسن نظامی صاحب کو اپنے ۲۲/ اگست ۱۹۳۱ء کے مکتوب میں دیا۔ چنانچہ اصل واقعات کو بالکل مسخ کرتے ہوئے لکھا۔ "آپ تحریر فرماتے ہیں کہ بچوں کو جموں میں برچھیوں سے زخمی کیا گیا۔ پرسوں چار نمائندگان مسلمانان مجھے ملنے آئے۔ اور یہی شکایت میرے پاس کی میں نے فوراً بذریعہ ٹیلیفون جموں سے پتہ کیا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ مورخہ ۱۴/ اگست کے دن خلاف قانون مسلمانوں نے جموں میں سیاہ جھنڈوں کے ساتھ جلوس نکالا...... جس پر پولیس کو مجبور ہو کر جلوس کو لاٹھی چارج سے منتشر کرنا پڑا...... لاٹھی چارج میں ۸ یا ۱۰ آدمیوں کو خراش لگے۔ جن میں سے دو کو کسی قدر زیادہ ضرب آئی۔ لیکن ایسی نہیں جنہیں ضرب شدید کہا جاسکے ہر دو کی حالت کل سے قریباً بالکل اچھی ہے۔ اس واقعہ کو یہاں تک رنگ دیا گیا کہ گولی چل گئی۔ اور پچاس ساٹھ آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے برچھیوں اور سنگینوں سے۔ اصلیت یہ ہے کہ کوئی برچھا یا سنگین استعمال نہیں کی گئی"۔ [۶۴]

بالکل اسی قسم کی رپورٹ حکام کشمیر نے وائسرائے ہند کو بھجوائی...... کہ معمولی لاٹھی چارج ہوئی ہے۔ یہ رپورٹ پہنچنے پر وائسرائے کے پولٹیکل سیکرٹری نے بذریعہ تار حضور کو اطلاع دی کہ حکومت کشمیر گولی چلنے سے بالکل انکار کرتی ہے۔ مگر جب حضور نے حکومت ہند کے سامنے تصاویر رکھیں تو ڈوگرہ حکومت کی غلط بیانی بے نقاب ہو گئی۔

(فصل پنجم)

عالمی پراپیگنڈے کا آغاز

حکومت ہند اور ریاست کشمیر پر دباؤ ڈالنے کا نہایت موثر ذریعہ بیرونی پراپیگنڈا تھا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آغاز کار ہی سے اس کا خاص انتظام کیا۔

چنانچہ اس ضمن میں آپ نے امریکہ' سماٹرا' جاوا' عرب مصر و شام میں ایک مہم شروع کی مگر سب سے زیادہ توجہ انگلستان کی برطانوی حکومت' برطانوی پریس اور برطانوی عوام پر دی۔ کیونکہ کشمیر کی ریاست پر حکومت ہند کی نگرانی تھی۔ اور حکومت ہند برطانوی حکومت کے ماتحت تھی۔ برطانیہ کو متاثر کرنے کے لئے آپ نے مختلف ذرائع اختیار فرمائے۔

ا۔ آپ نے لندن مشن کے انچارج خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب کو انگلستان میں تحریک آزادی کی آواز بلند کرنے کے لئے کئی ہدایات دیں جن کی تعمیل میں انہوں نے "KASHMIR PAST AND PRESENT" (کشمیر کا ماضی و حال) کے نام سے بیس صفحات کا ایک انگریزی پمفلٹ شائع کیا' برطانوی پریس سے رابطہ کر کے ان میں مظلومان کشمیر کے حالات شائع کرائے چنانچہ لنڈن کے متعدد با اثر اور باوقار اخبارات مثلاً "مارننگ پوسٹ"۔ "سنڈے ٹائمز"۔ "ڈیلی ٹیلیگراف"۔ "نیئر ایسٹ" وغیرہ میں ہمدردانہ مضامین شائع ہوئے۔ اور وزیر اعظم کشمیر (ہری کشن کول) کی برطرفی کے عام مطالبہ اور نظم و نسق میں اصلاحات کی پرزور تائید کی گئی۔ [۶۵، ۶۶]

اخبار "انقلاب" یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء نے لکھا۔ "لنڈن ۲۸/ ستمبر آج کل برطانوی اخبارات میں کشمیر کے متعلق جو مضامین شائع ہو رہے ہیں۔ ان کی بناء پر معتبر حلقوں میں اہل کشمیر کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا جا رہا ہے...... لندنی اخبارات کا خیال ہے کہ ان کے مطالبات معقول اور وقیع ہیں جن سے حکومت کے لئے لازمی ہو گیا ہے۔ کہ ریاست کے نظم و نسق کا تجزیہ اور امتحان کرے خیال کیا جاتا ہے کہ خود مہاراجہ کشمیر مسلمانان کشمیر کی شکایات اور مطالبات پر غور کرنا چاہتے ہیں اور اس کے متمنی ہیں کہ انتظام ریاست کی اصلاح کر کے ریاست میں انتظامی شعبہ کو مضبوط کریں"۔ [۶۷]

جناب غلام رسول صاحب مہر نے جو ان دنوں ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے ہمراہ نمائندہ

"انقلاب" کی حیثیت سے انگلستان گئے ہوئے تھے انگلستان سے مندرجہ ذیل خط لکھا۔

"کشمیری مسلمانوں کے تعلق میں برطانوی جرائد کا رویہ پہلے کی نسبت بہتر ہے۔ اور اس میں بلا شائبہ و ریب مولوی فرزند علی صاحب امام مسجد لندن کا بڑا حصہ ہے۔ جو شروع سے لے کر کشمیر کے تعلق میں مسلسل جدوجہد فرماتے رہے ہیں۔ اخبارات میں جو خبریں شائع ہوتی رہیں ان کے علاوہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کی طرف سے متعدد تار موصول ہوئے جن کی کاپیاں ایک ایک مندوب کے پاس بھیجی جاتی ہیں"۔ ("انقلاب" ۱۹/ نومبر ۱۹۳۱ء) [۶۸]

جناب عبدالمجید صاحب سالک نے اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔ انگلستان میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے جو کام کیا وہ ہندوستان کے کام سے بھی کہیں زیادہ بیش بہا تھا۔ مولانا مہر کے تازہ مکتوب میں قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ انگریزی پریس کا رویہ پہلے اچھا نہ تھا۔ لیکن آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر کے برقی پیغامات اور مولوی فرزند علی امام مسجد لنڈن کی ان تھک مساعی سے اب حالات بہت بہتر ہیں اور اکثر انگریزی اخبارات کا لب و لہجہ ہمدردانہ ہو گیا ہے۔ اس کے لئے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے جو معزز و محترم ارکان گول میز کانفرنس میں شریک ہیں ان کو ہندوستان کے مفصل تار پہنچتے رہے جن میں حوادث کشمیر بیان کئے جاتے تھے۔ اور ان حضرات نے انہی تاروں سے متاثر ہو کر وزیر ہند سے متعدد ملاقاتیں کیں اور یہ وعدہ لیا کہ کشمیر کے معاملہ میں مظلوموں کی امداد کی جائے گی"۔ [۶۹]

مظفر آباد (آزاد کشمیر) کا اخبار "ہمارا کشمیر" ۱۶/ مارچ ۱۹۵۴ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ (جناب مرزا صاحب نے) جنگ آزادی میں شہید ہونے والوں کی تصویریں اپنے آدمیوں سے کھچوا کر انگلستان ارسال کیں۔ شہیدوں کے خونی جامے پارلیمنٹ کے ممبروں کو دکھائے گئے۔

اسی طرح وہ بعض لارڈز مثلاً کرنل ہاورڈ بری وغیرہ کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ کہ وزراء اور پارلیمنٹ کے دوسرے ممبروں پر زور دیں کہ برطانوی حکومت مسئلہ کشمیر میں مداخلت کرے۔ [۷۰] چنانچہ وزیر ہند کی پہلو تہی کے باوجود پارلیمنٹ میں یہ مسئلہ کئی بار زیر بحث لایا گیا۔ [۷۱] مولوی فرزند علی خان صاحب کے بعد جب مولوی عبدالرحیم صاحب درد انگلستان تشریف لے گئے تو تحریک آزادی کی سرگرمیاں زور شور سے جاری رہیں چنانچہ آپ کے تیار کردہ بعض سوالات پارلیمنٹ میں ایک ممبر لیفٹیننٹ کرنل آر۔ وی۔ کے ایلپن نے دریافت کئے۔ [۷۲]

حضور نے امام مسجد لنڈن کو یہ بھی تاکید فرمائی کہ گول میز کانفرنس میں شامل ہونے والے مسلمان ممبروں کے ذریعہ سے بھی مسئلہ کشمیر کی اہمیت واضح کرنے کی کوشش کی جائے چنانچہ ہز ہائی نس سر آغا خاں، سر میاں محمد شفیع، ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب اور چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے علیحدہ علیحدہ

وزیر ہند سے ملاقاتیں کیں۔ [۴۳] وزیر ہند نے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے وعدہ کیا کہ وہ خود بھی اس معاملہ میں توجہ کریں گے۔ اور حکومت ہند کو بھی توجہ دلائیں گے۔ اس کے بعد وائسرائے ہند کے پرائیوٹ سیکرٹری نے صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو تار دیا کہ حکومت ہند اس بارے میں ریاست سے خط و کتابت کر رہی ہے۔ [۴۴]

یہ پروپیگنڈہ شروع ہوتے ہی ریاست کو فکر پڑ گئی اور اس نے قریباً چھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ پر لنڈن میں ایک ایجنٹ مقرر کر دیا۔ تا اس پراپیگنڈا کا اثر زائل کر کے برطانوی اخبارات کو ریاست کے حق میں لکھنے پر مائل کرے مگر خدا کے فضل سے یہ سازش ناکام رہی۔ [۴۵]

جناب چوہدری غلام عباس صاحب نے بھی اپنی سوانح عمری "کشمکش" میں تحریر فرمایا ہے۔

"آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی معرفت ہماری شکایات سمندر پار کے مسلمانوں میں بھی زبان زد ہر خاص و عام ہو گئیں۔ اس نزاکت حال کے پیش نظر حکومت کشمیر کے لئے ہماری شکایات کو ٹالنا' اور بزور طاقت عوامی محرکات کو بلا فکر نتائج کچلتے چلے جانا مشکل ہو گیا۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے پیہم اصرار کے باعث حکومت ہند کا معاملات کشمیر میں دخل انداز ہونا ناگزیر ہو گیا۔ کشمیر کی سرحدات چین' روس جیسے اشتراکی ممالک سے ملتی ہیں۔ لہذا اپنی فوجی اہمیت اور بین الاقوامی معاملات کے نقطہ نظر سے بھی ضروری ہو گیا کہ انگریز ریاست کے معاملات میں ضرور ہی دخل دے۔ نومبر ۱۹۳۱ء کے آخری دنوں میں حکومت کشمیر کو مجبوراً مسلمانان ریاست کی شکایات اور مطالبات کی تحقیقات کے لئے ایک آزاد کمیشن کا اعلان کرنا پڑا۔ یقین غالب ہے کہ اس کمیشن کے تقرر میں حکومت ہند کو بھی زبردست دخل تھا"۔ [۴۶] وائسرائے اور حکومت ہند کے دوسرے افسروں پر معاملات کشمیر کی وضاحت کرنے کے سلسلہ میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے غیر معمولی دلچسپی لی اور وہ حتی الوسع برابر ان پر اپنا اثر و رسوخ ڈالتے رہے جیسا کہ اس زمانے کے خطوط سے جو آج تک محفوظ ہیں روشنی پڑتی ہے۔

مہاراجہ کشمیر کی سازش اور اس کی ناکامی

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں۔

"جب کشمیر کی تحریک ہوئی۔ اس وقت بھی ہمیں ایسے ہی لوگوں سے کئی خبریں ملیں۔ جن سے ہمیں بہت فائدہ ہوا۔ ایک وقت ایسا واقعہ ہونے لگا تھا جس سے تحریک کشمیر بالکل تباہ ہو جاتی۔ اس وقت ایک ہندو لیڈر دیوان چمن لال تھے جو دیوان رام لال کے بھائی تھے۔ کانگریس میں انہیں کافی پوزیشن حاصل تھی۔ جب راجہ نے دیکھا کہ اب اسے کوئی رستہ نہیں ملتا۔ تو اس نے کانگریس کو خریدنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس نے دیوان چمن لال سے کہا کہ میں آپ کو یورپ میں پروپیگنڈا کے لئے مقرر کرتا ہوں۔

چنانچہ انہوں نے اس تحریک کے ماتحت اپنی ایک واقف عورت کو جو انگلستان کی مشہور جرنلسٹ اور اخباری نمائندوں میں اچھی پوزیشن رکھنے والی تھی مقرر کیا۔ اور اسے تار دیا کہ میں تمہیں ۵۰ پونڈ ماہوار دوں گا۔ اور تمہارے باقی سب اخراجات بھی ادا کردوں گا تم اخباروں میں ریاست کے حق میں پروپیگنڈا کرو۔ وہ عورت بہت اثر رکھنے والی تھی۔ چنانچہ اس نے پریس کے نمائندوں اور اپنے دوستوں پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ بعض کی اس نے تنخواہیں مقرر کردیں۔ اور اس طرح کشمیر کے راجہ کے حق میں پروپیگنڈا کا انتظام کیا۔ وہ اس قسم کا انتظام کر رہی تھی کہ کسی مسلمان نے جس کے ہاتھ سے وہ تار گزری تھی۔ تار ٹائپ کرکے مجھے بھیج دی۔ اور لکھا کہ یہ تار دیوان چمن لال کی طرف سے فلاں عورت کو گئی ہے مگر اس نے اپنا نام نہ لکھا۔ ہم سمجھ گئے کہ تار کی نقل بھیجنے والا تار کے محکمہ میں کام کرتا ہے اور یہ تار اس کے ہاتھ سے گزری ہے۔ میں نے اس وقت وہ نقل ولائت میں اپنے نمائندہ کو بھجوائی۔ اور اسے ہدایت کی کہ وہ اس بارے میں فوراً کارروائی کرے چنانچہ تار ملتے ہی ہمارے نمائندہ نے اس عورت کو بلایا۔ اور کہا مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔ جب وہ عورت آئی تو ہمارے نمائندہ نے اسے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے دیوان چمن لال نے تمہیں یہاں ریاست کے پروپیگنڈا کے لئے مقرر کیا ہے اور تمہارے نام یہ تار آیا ہے میں یہ تار اخبارات میں چھپوانے لگا ہوں اور یہ لکھنے لگا ہوں کہ تم فلاں شخص کے لئے اجرت پر کام کر رہی ہو۔ اور اخبارات میں جو فلاں فلاں مضمون شائع ہوا ہے۔ وہ بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ انگلستان میں یہ سخت عیب سمجھا جاتا ہے کہ کوئی اخباری نمائندہ کسی سے پیسے لے کر کام کرے۔ جب اس نے یہ بات سنی تو وہ سخت گھبرائی۔ اور معذرت کرتے ہوئے کہنے لگی۔ کہ میں نے تو پہلے انکار کر دیا تھا۔ مگر خیر اب میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ اس سلسلہ میں کچھ نہیں لکھوں گی۔ چنانچہ اس نے اس کام کے کرنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح یہ پروپیگنڈا ختم ہوا۔ پھر ایک غیر احمدی دوست نے مجھے لکھا۔ مجھے یاد نہیں کہ اس نے مجھے اپنا نام بھی لکھا تھا یا نہیں کہ ایک شخص جو سر کا خطاب رکھتا ہے اور ایک ریاست کا وزیر اور راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کا ممبر ہے۔ راجہ نے اسے اس بات کے لئے مقرر کیا ہے۔ کہ وہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے ممبروں میں ریاست کے لئے پروپیگنڈا کرے میں نے چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو لکھا کہ آپ وہاں یہ چیز پیش کریں کہ فلاں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کا ممبر مہاراجہ کشمیر کے حق میں پروپیگنڈا کر رہا ہے۔ کیا گورنمنٹ نے یہاں لوگوں کو اس لئے بلایا ہے کہ وہ دوسری جماعتوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کریں۔ انہوں نے وزیر ہند سے بات کی۔ چنانچہ سر سیموئیل ہور جو بعد میں لارڈ ٹمپل وڈ ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس ممبر کو بلا کر کہا۔ کہ یہ نہایت بری بات ہے۔ تم یا تو وعدہ کرو۔ کہ یہ کام نہیں کرو گے۔ ورنہ وائسرائے ہند کو لکھوں گا۔

کہ وہ تمہاری ممبری منسوخ کر دیں۔ چنانچہ اس نے وعدہ کیا کہ وہ کشمیر کے بارہ میں پروپیگنڈا نہیں کرے گا"۔

(الفضل ۱۴/ نومبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۴)

کشمیر کمیٹی کے جلسہ پر سنگباری

(ہفت روزہ "سلطنت" دہلی کا اداریہ (مورخہ ۲۱/ اکتوبر ۱۹۳۱ء۔ سید شفیع احمد صاحب دہلوی کے قلم سے)

یہ سن کر ہماری حیرت کی کوئی حد نہیں رہی کہ سیالکوٹ میں ۱۳/ ستمبر کو ساڑھے نو بجے شب کو کشمیر کمیٹی کے جلسہ میں جبکہ جناب صدر کشمیر کمیٹی کے تقریر کرنے کا وقت مقرر تھا اور جلسہ گاہ قلعہ کے وسیع میدان میں ہو رہا تھا تو لوگ آٹھ بجے سے ہی جوق در جوق وہاں جمع ہونے لگے جب تجویز حاضرین جلسہ حکیم عبدالحکیم صاحب جو سیالکوٹ کے باا ثر شرفاء میں شمار کئے جاتے ہیں اور احمدی عقیدے کے آدمی نہیں ہیں صدر جلسہ قرار دیئے گئے اور اسٹیج پر تشریف لا کر صدارتی تقریر کرنے لگے تو اشرار کے ایک گروہ نے جو فتنہ و فساد کی غرض سے جلسہ گاہ میں بھیجا گیا تھا۔ سخت شور بپا کر دیا۔ یہ دیکھ کر صاحب صدر نے ایک مقامی حافظ صاحب کو قرآن کریم کی تلاوت کے لئے کھڑا کیا تا یہ تحفظ اسلام کے مدعیان خاموش ہو جاویں۔ لیکن ان لوگوں کو خدا اور رسول ﷺ سے تعلق ہی کیا تھا انہیں تو اپنے آقایان ولی نعمت کے احکام کی تعمیل کرنی تھی۔ عدوان اسلام والمسلمین کے پٹھو جن کا مقصد ہی تحریک کو نقصان پہنچا کر اپنے آقاؤں کا حق نمک ادا کرنا ہے۔ اس عظیم الشان جلسے میں ابتری پیدا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے شور و شر کر کے ہاؤ ہو کے نعرے بلند کرتے ہوئے ایک دوسرے کو دھکیل کر بیٹھے ہوئے پرامن حاضرین پر پتھر پھینکنا شروع کر دیا تاکہ لوگ منتشر ہو جائیں۔ یہ دیکھ کر پولیس نے ان لوگوں کو امن کے ساتھ مجمع سے چند فٹ پیچھے ہٹا دیا جہاں کھڑے ہو کر انہوں نے بیہودہ بکواس کے ساتھ ساتھ جلسہ پر سنگ باری بھی شروع کر دی۔

صدر صاحب کشمیر کمیٹی بھی جلسہ گاہ میں تشریف لائے تھے۔ فتنہ پردازوں اور لفنگوں کی ٹولی کی شرارتیں اور خلاف انسانیت و شرافت حرکات دیکھ کر منتظمین جلسہ نے صدر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ چونکہ سخت خطرہ کی حالت پیدا ہو گئی ہے اور نقصان کا احتمال ہے اس لئے آپ تشریف نہ لائیں لیکن جناب صدر نے اس خطرہ کی ذرہ بھر بھی پروانہ کی اور فوراً پتھروں کی اس شدید بارش کے دوران میں ہی اسٹیج پر تشریف لے آئے۔ چونکہ مفسد اور فتنہ پرداز ٹولی یہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اپنی شرمناک حرکات سے جلسہ کو درہم برہم کرنے میں کامیاب ہو جائے گی اور فتنہ و فساد کے نہ صرف اسباب جو اس نے پیدا کر رکھے ہیں بلکہ اپنی طرف سے فساد شروع بھی کر رکھا ہے اس سے وہ

اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گی۔ اس لئے جب اس نے دیکھا کہ اسے یہ مقصد حاصل نہیں ہوا اور وہ انسان جس کی تقریر سننے کے لئے ہزارہا انسان جمع ہوئے ہیں۔ مردانہ وار جلسہ میں آگیا ہے تو اس ٹولی نے اپنی کمینگی اور شرارت کا انتہائی مظاہرہ کرنا اور بہت زیادہ زور اور شدت کے ساتھ پتھر برسانا شروع کر دیئے چونکہ تمام احمدی اکٹھے اسٹیج کے اردگرد بیٹھے تھے اس لئے فتنہ پرداز ٹولی کا نشانہ وہی بنے۔ اس وقت احمدیوں نے جناب صدر کے اردگرد حلقہ بنالیا اور چھتریاں تان لیں مگر پتھروں کا اس قدر زور تھا کہ باوجود اس کے تین پتھر جناب صدر کے ہاتھوں پر آکر لگے اور احمدی تو شاید ہی کوئی ایسا ہو کہ جسے چوٹ نہ آئی ہو۔ پچیس تیس کے قریب احمدیوں کو تو شدید زخم آئے اور ان کے کپڑے خون سے تربتر ہو گئے۔ احمدیوں کو سخت چوٹیں آئیں اور سب سے زیادہ تکلیف دہ پہلو یہ تھا کہ ظالم اور سفاک فتنہ پرداز چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی سخت زخمی کر رہے تھے۔ لیکن باوجود اس کے ایک بھی احمدی نہ تو اپنی جگہ سے ہلا اور نہ کسی قسم کا اضطراب ظاہر کیا۔ تمام احمدی جناب صدر کے ساتھ نہایت مردانگی اور حوصلہ کے ساتھ پتھر کھا کر وقار اور استقلال کا ثبوت پیش کرتے رہے اور ہر لحظہ اللہ اکبر اور اسلام زندہ باد کے نعرے لگاتے رہے۔ پتھروں کا سارا زور جناب صدر کے اردگرد تھا کیونکہ بدباطن ٹولی آپ کو گزند پہنچانا چاہتی تھی اور آپ خطرہ کے منہ میں تھے۔ چنانچہ باوجود خدام کی جان نثارانہ حفاظت کے تین دفعہ آپ پر پتھر آکر پڑے۔ مگر جب اس خطرہ کو دیکھ کر منتظمین جلسہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ یہاں سے ہٹ جانا چاہئے تو آپ نے نہایت جوش کے ساتھ اسے رد فرمادیا اور خطرہ کی کوئی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے تقریر کئے بغیر جانے سے انکار کر دیا اگرچہ ساری شرارت آپ کو نقصان پہنچانے کے لئے کی گئی تھی لیکن آپ کی معجزانہ طور پر حفاظت ہوئی اور بدظن لفنگے سخت ناکام رہے۔

غرض جب پتھروں کی بارش پورے زور پر تھی تو احمدیوں کے کسی ایک بچہ نے بھی خطرہ کو محسوس کر کے اپنی جگہ سے ہلنے کی ضرورت نہ سمجھی تمام لوگ نہایت صبر و سکون کے ساتھ پتھر کھاتے اور نعرہ تکبیر بلند کرتے رہے۔ یہ حالت ایک گھنٹہ سے زیادہ تک جاری رہی اس دوران میں ۲۵-۳۰ احمدی ایسے شدید طور پر مجروح ہوئے جنہیں ہسپتال پہنچانا ضروری ہو گیا۔ چنانچہ انہیں موٹر میں بٹھا کر ہسپتال لے جانے کا انتظام کیا گیا اور مہذب دنیا یہ سن کر سیالکوٹ کے ان غنڈوں کی کمینگی پر ماتم کرے گی کہ ان مدعیان شجاعت و بسالت نے زخمیوں سے بھری ہوئی موٹر پر بھی پتھر برسائے اور اس کے شیشے وغیرہ توڑ ڈالے۔ اتنے لمبے عرصہ تک ہنگامہ خیزی اور فساد انگیزی کے باوجود پولیس کی گارد جو جلسہ سے قبل ہی وہاں آچکی تھی کہیں نظر نہ آتی تھی اور اس نے فتنہ پردازوں کی حد سے بڑھتی ہوئی شرارتیں دیکھنے کے باوجود انہیں روکنے کی قطعاً کوئی کوشش نہ کی۔ گویا اس کا وجود اور عدم وجود برابر تھا۔ اخبار

الفضل کا بیان ہے کہ "ہمیں معتبر لوگوں نے بتایا ہے کہ بعض ذمہ دار پولیس افسر مفسدوں کی مدد کر رہے تھے اور بعض لوگوں کے متعلق معلوم ہوا ہے۔ انہوں نے خود اپنے کانوں سے سنا کہ بعض پولیس افسر اور سپاہی پتھر مارنے کی تحریک کر رہے تھے"۔

موجود الوقت پولیس کی اس مجرمانہ غفلت کو دیکھ کر لوکل کشمیر کمیٹی کے بعض معزز ارکان نے ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کو اس حالت سے اطلاع دی اور وہ دونوں صاحبان موٹر میں وہاں پہنچ گئے ان کے آتے ہی انسپکٹر ان ڈیوٹی بھی کہیں سے نکل کر ادھر ادھر گھومتے ہوئے نظر آنے لگے۔ افسران مذکور نے شرارت کرنے والوں کو ان کی شرمناک حرکات سے باز رکھنے کی دیانتدارانہ کوشش کی اور ادھر ادھر چکر لگا کر انہیں روکتے رہے لیکن چونکہ بعض کمینہ فطرت شریر درختوں کے اوپر چڑھے ہوئے تھے اور عورتوں کی طرح چھپ چھپ کر حملے کر رہے تھے۔ اس لئے ڈپٹی کمشنر وغیرہ کی آمد پر بھی ان کی شرارت کا سلسلہ بند نہ ہوا۔

یہ حالت دیکھ کر جناب صدر کشمیر کمیٹی نے مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم اے سیکرٹری کشمیر کمیٹی سے ارشاد فرمایا کہ جا کر افسروں سے کہہ دیا جائے۔ اگر وہ ان لوگوں پر قابو نہیں پا سکتے تو ہمیں اجازت دیں۔ ہم خدا کے فضل سے چند منٹوں کے اندر اندر ان کے حواس درست کر سکتے ہیں احمدی جو اس موقعہ پر دو ڈھائی ہزار سے تعداد میں کم نہ تھے نہایت جوش کی حالت میں تھے اور اگر ان کے پیرو مرشد اور امام یعنی صدر کشمیر کمیٹی جناب مرزا محمود احمد صاحب کی مسلسل اور متواتر صبر و سکون کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہنے کی ہدایات نے ان کو جکڑا ہوا نہ ہوتا تو اس رات سیالکوٹ کی سرزمین کچھ اور ہی نظارہ دیکھتی جب احمدی چپ چاپ بیٹھ کر زخمی ہو رہے تھے اور اپنے بھائیوں کو لہولہان دیکھ کر اپنے کم سن بچوں کو زخم کھا کر گرتے دیکھ کر اور اپنے زخمیوں پر لحظہ بہ لحظہ اضافہ پا کر بے مثال حوصلہ اور استقلال کا اظہار کر رہے تھے تو اشرار کو ان کی فتنہ پردازی سے روکنا ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہ تھا وہ ہاتھ ہلائے بغیر زخمی ہونے پر ہر عزیز چیز سے عزیز تر مرزا محمود احمد صاحب کی حفاظت اور اپنے بچاؤ کے لئے اشرار کا مقابلہ کرنے کو ترجیح دیتے اور اس طرح ہر تکلیف کو اپنے لئے راحت محسوس کرتے۔ لیکن انہوں نے اس موقع پر بھی اپنے امام کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نہایت اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ اور اپنی امن پسندی کا اپنے تازہ تازہ اور گرم گرم خون سے ثبوت پیش کرتے رہے۔

آخر جب شرارت حد سے بڑھ گئی اور باوجود اعلیٰ حکام کی موجودگی کے رکتی نظر نہ آئی تو مولانا درد صاحب جناب صدر کے ارشاد کے ماتحت ڈپٹی کمشنر کے پاس گئے اور اس سے گفتگو شروع کی۔ چونکہ زخمی متواتر اس کے پاس سے گزر رہے تھے اور وہ یہی سمجھ چکا تھا کہ اس سے زیادہ احمدیوں کی صبر

آزمائی کا امتحان کرنا خطرناک نتائج پیدا کرے گا اس لئے اس نے پانچ منٹ کے اندر اندر فتنہ پردازوں کو منتشر ہونے کا حکم دے دیا۔ یہ لوگ جس قدر جوش دکھا رہے تھے بغیر مار کھانے کے بلکہ بعض کے مارے جانے سے ہرگز نہیں ملیں گے۔ لیکن حیرانی کی کوئی حد نہ رہی۔ جب یہ دیکھا کہ جنگ کے بلند بانگ نعرے لگانے والے اور اپنی شجاعت و بسالت سے دنیا کو زیروزبر کر دینے کے دعوے کرنے والے دم دبا کر ایسے بھاگے کہ مڑ کر پیچھے دیکھنے کی جرات بھی نہ کر سکے اور دو منٹ کے اندر اندر میدان ان شریروں سے بالکل صاف ہو گیا۔

اس کے بعد جناب صدر تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور ایسی زوردار اور موثر تقریر فرمائی کہ سب لوگ نہ صرف اپنے زخموں اور چوٹوں کو بھول گئے بلکہ نہایت لطف و سرور محسوس کرنے لگے۔ تقریر کے دوران میں سیالکوٹ کے شرفا اور نیک طینت لوگ آخر تک موجود رہے۔ تقریر کے دوران میں ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس موٹر میں ادھر ادھر گھومتے رہے اور اختتام پر ڈپٹی کمشنر صاحب نے خود حاضر ہو کر جناب صدر سے اس ہنگامہ کے متعلق اظہار افسوس کیا اور سپرنٹنڈنٹ صاحب اپنی موٹر میں بیٹھ کر جناب صدر صاحب کی فرودگاہ تک ساتھ گئے۔

اشرار کی اس شرارت اور احمدیوں کے صبر و استقلال اپنے خلیفہ کے لئے جذبہ فداکاری اور خطرناک سے خطرناک حالات میں اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کے احکام کی تعمیل و اطاعت کے جوش سے سیالکوٹ کے شریف النفس اور سمجھدار لوگ بے حد متاثر ہوئے۔ چنانچہ ان میں سے کئی ایک نے خود حاضر ہو کر مبارکباد پیش کی اور فتنہ پردازوں کی شرارت کے متعلق اظہار نفرت کیا۔ ایک معزز مولوی صاحب نے جو مذہبی لحاظ سے جناب صدر سے شدید اختلاف رکھتے ہیں جلسہ کے اختتام پر فرودگاہ پر آکر جناب صدر کو مبارکباد دی اور کہا آپ لوگوں نے آج ہمیں رسول کریم ﷺ کے زمانہ کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقعہ بہم پہنچایا ہے۔

مذکورہ بالا واقعات کو مطالعہ کرنے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ کشمیر کمیٹی مسلمانوں کے سربرآوردہ اصحاب اور لیڈروں نے بنائی تھی جن میں خواجہ حسن نظامی جو مذہبی رنگ میں جناب مرزا محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کے اشد ترین مخالف ہیں اور سر محمد اقبال اور نواب سر ذوالفقار علی ایم ایل اے اور نواب ابراہیم علی خان صاحب آف کرنال وغیرہ وغیرہ کیا اس بات کو نہیں جانتے تھے کہ اس کمیٹی کا صدر اگر مرزا صاحب ممدوح کو بنایا گیا تو بجائے کشمیری مسلمانوں کی مدد کرنے کے یہ احمدیت کا پروپیگنڈا شروع کر دیں گے۔ مذکورہ بالا تمام سربرآوردہ مسلمانوں کو بخوبی علم تھا کہ اس کمیٹی کے کام میں کوئی بھی ایسا کام نہیں۔ کہ جس میں احمدیت اور غیر احمدیت کا سوال اٹھ سکے اور اس وقت

تک کے حالات اور واقعات بھی یہ ثابت کر رہے ہیں کہ جناب صدر نے نہایت دیانتداری اور ایمانداری اور بڑے استقلال کے ساتھ مظلوم مسلمانوں کا کام کیا مگر جاہل اور کندہ ناتراش خود غرض لیڈروں کو شیطان نے بہکا کر بھولے مسلمانوں کو اس اپنے محسن کے ساتھ یہ برتاؤ کرنے پر آمادہ کر دیا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر مذکورہ بالا واقعات صحیح ہیں تو پولیس نے کس مصلحت سے مجرمانہ خاموشی سے کام لیا؟ کیا سیالکوٹ میں حکومت کشمیر کے ایجنٹ اور گرگے موجود تھے؟ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر کیا ہوا۔ گورنمنٹ کے حکام کے اشارہ سے ہوا یا لیڈروں کے اشارہ سے ہوا۔ یا کشمیر کے ایماء سے ہوا۔ ہمارے خیال میں گورنمنٹ کو اور کشمیر کو ایک بیان شائع کر کے اپنی پوزیشن فوراً صاف کرنی چاہئے اور ہندوستان میں ہر مقام پر مسلمانوں کو اس حرکت پر نفرین کی آواز بلند کرنی چاہئے"۔

(رسالہ سلطنت دہلی ۲۱/ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۶-۸)

(فصل ششم)

مظلومین ریاست کو طبی اور مالی امداد

تحریک آزادی کے نتیجہ میں مظلوم نہتے اور مفلوک الحال کشمیریوں پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے خصوصاً وسط ۱۹۳۱ء سے تو ان کے لئے متعدد ایسے نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے جن سے ان کی زندگی دوبھر ہو گئی اور قافیہ حیات تنگ ہو گیا۔ یہ نئے مسائل اصولی اعتبار سے تین تھے۔

۱۔ ڈوگرہ مظالم سے زخمی ہونے والوں کے علاج کا معاملہ۔

۲۔ اسیران کشمیر کے اہل و عیال کی مالی ضروریات اور ان کے جرمانوں کی ادائیگی۔

۳۔ تحریک آزادی دبانے کے لئے حکام نے وسیع پیمانے پر مسلمانوں کو گرفتار کر کے جیل خانوں میں ڈال دیا تھا اور ان پر سنگین الزامات عائد کر کے مقدمے چلا دیئے تھے ان کے لئے آئینی امداد کی ضرورت تھی۔

ان مسائل کے حل کے لئے بغیر تحریک کشمیر کا اندرون ریاست میں قائم و زندہ رہنا ممکن نہیں تھا لہٰذا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنے ذاتی اور اپنی جماعت اور ممبران کشمیر کمیٹی کے پورے وسائل و ذرائع بروئے کار لاتے ہوئے ان تمام امور کو طے کرنے میں اپنی پوری طاقت و قوت اور پورے وسائل و ذرائع صرف کر دیئے۔ زخمیوں کو طبی امداد پہنچانے کے لئے وفد بھیجے شہدا کے پسماندگان اور نظربندوں کے اہل و عیال کی ہر ممکن نگہداشت اور خبرگیری کا وسیع انتظام کیا حتیٰ کہ قید ہونے والے لیڈروں کے جرمانے اپنے فنڈ سے ادا کئے۔ اس سلسلہ میں پہلا وفد چوہدری عصمت اللہ خان صاحب بی ایس سی۔ ایل ایل بی اور متعدد ڈاکٹروں پر مشتمل تھا۔ جو ۱۴/ اگست ۱۹۳۱ء سے قبل ہی جموں و سرینگر بھیج دیا گیا تھا۔ اس کے بعد دو طبی وفد اور بھجوائے گئے ایک کے انچارج میجر ڈاکٹر شاہ نواز تھے اور دوسرے کے ڈاکٹر محمد منیر صاحب پہلا وفد میرپور گیا تھا اور دوسرا بھمبر۔

یہ تمام حقائق اخبار الفضل اور جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی طرف سے آنے والے مختلف پرائیویٹ خطوط سے واضح ہوتے ہیں۔ جو آج تک کشمیر کمیٹی کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ مگر اس تفصیل میں جانا ہم مناسب نہیں سمجھتے البتہ ذیل میں بعض اہم آراء کا ذکر کر دینا مناسب ہو گا۔ ینگ مینز مسلم

ایسو سی ایشن جموں کا ایک اشتہار یہاں درج کیا جاتا ہے۔ جس سے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی مالی خدمات کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے"۔ مصیبت زدہ مسلمانان جموں کی اپیل دردمندان ملت کے نام"۔

برادران اسلام! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ آپ پر روشن ہو چکا ہو گا کہ غریب مسلمانان کشمیر کو ابتدائی انسانی حقوق کے حصول میں آج تک کس طرح اپنا قیمتی خون پانی کی طرح بہانا پڑا اور یہ بھی واضح ہو چکا ہو گا کہ ۲/ نومبر کے المناک حادثہ میں جو ۴/ نومبر ۱۹۳۱ء تک جاری رہا۔ غریب مسلمانان جموں کو کن روح فرسا مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بعد بیسیوں ناکردہ گناہ مسلمانوں پر مقدمات دائر کر دیئے گئے ہیں چونکہ کوئی انجمن کافی سرمایہ کی عدم موجودگی میں مذکورہ واقعات سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی آپ کی حمیت اسلامی سے پر زور التجا کی جاتی ہے۔ کہ ازراہ کرم حتی المقدور مالی امداد سے دریغ نہ فرمائیں ہماری امداد کی خاطر تمام سرمایہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے حساب میں فی الفور جمع ہونا چاہئے۔ کیونکہ کمیٹی مذکورہ کی طرف سے کئی ماہ سے باقاعدہ طور پر ایک معتدبہ رقم ینگ مینز مسلم ایسو سی ایشن جموں کو ماہ بماہ پہنچ رہی ہے۔ اور اب ہمیں یہ معلوم کر کے بے حد افسوس ہوا ہے کہ سرمایہ کی کمی کی وجہ سے کمیٹی مذکورہ مقروض ہو چکی ہے۔ کیونکہ برادران ملت نے یہ خیال فرما کر کہ چونکہ اب کام ختم ہو چکا ہے روپیہ کی ضرورت نہیں رہی۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو مالی امداد بہم پہنچانا ترک فرما دیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہماری ضروریات روز افزوں ہیں ایسی حالت میں کمیٹی مذکورہ کا مقروض ہونا ہماری کم نصیبی کا باعث ہے...... پریذیڈنٹ محمد امین شاہ۔ جنرل سیکرٹری شیخ غلام قادر ینگ مینز ایسو سی ایشن جموں"۔

اخبار "انقلاب" (۱۱/ مارچ ۱۹۳۲ء) نے لکھا۔ "آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے مسلمانان کشمیر کے شہداء پسماندگان اور زخمیوں کی امداد اور ماخوذین بلا کی قانونی اعانت میں جس قابل تعریف سرگرمی محنت اور ایثار کا ثبوت دیا ہے۔ اس کو مسلمانان کشمیر کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ اب تک اس کمیٹی کے بے شمار کارکن اندرون کشمیر مختلف خدمات میں مصروف ہیں۔ اور ہزار ہا روپیہ مظلومین و ماخوذین کی امداد میں صرف کر رہے ہیں لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں نے اب تک اس کمیٹی کی مالی امداد میں کافی سرگرمی کا اظہار نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کمیٹی ہزار ہا روپیہ کی مقروض ہے۔ پچھلے دنوں "انقلاب" میں اس کمیٹی کے مداخل و مخارج بابت ماہ جنوری ۱۹۳۲ء شائع ہوئے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ صرف ایک مہینہ میں خرچ آگے سے بقدر بارہ تیرہ سو روپے کے زائد ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت حالات زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی اور قرض پر اتنا بڑا کام چل نہیں سکتا اور اگر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو محض قلت سرمایہ کی وجہ سے اپنی خفیہ سرگرمیاں روک دینی پڑیں۔ تو یہ امر مسلمانان کشمیر

کے لئے بے حد مصائب کا باعث ہو گا۔ اور مسلمانان ہند بھی یہ دعویٰ نہ کر سکیں گے کہ وہ اپنے کشمیری بھائیوں سے عملی ہمدردی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ کشمیر کمیٹی کے مختلف شعبے ہیں بہت سا روپیہ پروپیگنڈا پر صرف ہوتا ہے اور بہت سا روپیہ امداد مظلومین اور اعانت ماخوذین اور مصارف مقدمات اور قیام دفاتر کے سلسلے میں خرچ کیا جاتا ہے۔ کشمیر کے تقریباً تمام قابل ذکر مقامات پر کشمیر کمیٹی کے کارکن مصروف عمل ہیں۔ اور نہایت امن و امان خاموشی...... اور آئین کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ کمیٹی کی مالی امداد میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔ اور یقین رکھیں کہ ان کا ایک ایک پیسہ نہایت جائز مصارف پر خرچ ہو گا"۔ [۷۷]

اخبار "انقلاب" میں ہی مسلمانان راجوری کا مندرجہ ذیل مکتوب مع ادارتی نوٹ شائع ہوا۔

"جب سے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی ہے اس نے نہایت اخلاص سے مسلمانان کشمیر کی ہر ممکن طریق سے امداد کی ہے اور سینکڑوں تباہ حال مسلمانوں کو ہلاکت سے بچالیا ہے۔ اگر اس کے راستے میں بعض لوگ رکاوٹ نہ ڈالتے تو مسلمانان نے اپنے حقوق حاصل کر لئے ہوتے ہمیں افسوس ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے کشمیر کمیٹی کو مالی امداد دینے میں بہت کم توجہ کی ہے حالانکہ حقیقی اور ٹھوس کام کشمیر کمیٹی ہی کر رہی ہے۔ چنانچہ اس بات کے ثبوت سے ہم اس وقت مسلمانان راجوری کی ایک مراسلت درج کرتے ہیں۔ جس میں انہوں نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اس قسم کے بیسیوں مراسلات ہم کو کشمیر کے مختلف علاقوں سے موصول ہو چکے ہیں جن سے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی خدمات کا سچے دل سے اعتراف کیا گیا ہے۔ مسلمانان راجوری کا مراسلہ یہ ہے۔ ہم قصبہ مسلمانان راجوری آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہی ایک کمیٹی ہے جو ہر گلی کوچہ میں غریب اور ناتوان مسلمانوں کی خبر لے رہی ہے۔ ہم ایک ایسے ویران جنگل کے رہنے والے ہیں۔ جن کا خبر گیراں تحت الثریٰ سے لوح محفوظ تک سوائے ذات باری کے اور کوئی نہیں۔ مگر اس کمیٹی نے ہماری دستگیری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور ہم پر بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ کمیٹی کی نظر نہایت باریک ہے ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اے زمین و آسمان کے خالق اور دنیا و مافیہا کے ناظم ہماری اس ممد و معاون کمیٹی کو جو آج آڑے وقت میں ہمارے کام آ رہی ہے مضبوط کر، خصوصاً صدر صاحب آل انڈیا کمیٹی کے احسانات کو تمام فرقوں کے مسلمان کسی صورت میں بھی بھول نہیں سکتے۔ ہمارے بہت سے مصائب کا اس کمیٹی کی مہربانی سے کچھ نہ کچھ ازالہ ہو گیا ہے۔ اور ابھی بہت سی مشکلات موجود ہیں۔ اگر یہ کمیٹی اپنی پوری کوشش جاری رکھنے میں سرگرم رہی۔ تو انشاء اللہ ایک نہ ایک دن ان مصائب سے ہم نجات حاصل کر لیں گے"۔ [۷۸]

سرینگر کے معزز مسلمانوں نے "انقلاب" (لاہور) میں کشمیر کمیٹی کی شاندار خدمات پر ہدیہ تشکر پیش کرتے ہوئے لکھا۔ "برادران اسلام! ہم تمام مسلمانان کشمیر اس وقت مصائب کی چکی میں پیسے جا رہے ہیں۔ زمین اور آسمان ہم پر تنگ ہو رہا ہے کچھ ہم میں سے شہید ہوئے۔ بہت سے زخمی ہوئے بہت سے مقدمات میں گرفتار ہیں۔ کچھ بھوکے مر رہے ہیں اور بہت سے پریشان ہیں۔

اس مصیبت کے وقت میں ہم چاہتے ہیں کہ کوئی خدا کا نیک بندہ ہماری امداد کرے خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی عیسائی ہو یا ہندو۔ کیونکہ اس وقت مذہب کا سوال نہیں ہے بلکہ سوال یہ ہے کہ محض انسانی ہمدردی کی بناء پر کوئی ہماری امداد کرتا ہے یا نہیں۔ ان حالات میں ہم تمام مسلمانان کشمیر جناب پریذیڈنٹ صاحب آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے شکرگزار ہیں۔ کہ انہوں نے ہمارے دوسرے رہبران قوم کے ساتھ شامل ہو کر بہت ہی بلند کام کیا ہے۔ اور جو ان تھک کوششیں وہ ہم مظلومین کی امداد کے لئے کر رہے ہیں اس کو بیان کرنے سے ہماری ناچیز زبانیں قاصر ہیں۔ ہم کو جناب پریذیڈنٹ صاحب آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے عقائد اور اختلافی خیالات سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہم ان کے اختلافی خیالات کے ایسے ہی مخالف ہیں۔ جیسے کہ خواجہ حسن نظامی صاحب و دیگر عمائدین دین متین مخالف ہیں لیکن قومیت کے سوال میں عقائد کو چھوڑ کر ان کا کام نہایت ہی قابل تعریف ہے۔ پس ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مصیبت کے وقت غدار اور قوم فروش اخبار..... یہ کونسی خدمت انجام دے رہا ہے۔ کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے سارا اخبار قادیانیت کے جھگڑے میں سیاہ کر کے ہماری مزید پریشانی کا باعث بن رہا ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ ...... نے کشمیر میں آکر اور سرکاری مہمان بن کر اپنی عاقبت کس طرح خراب کی ہے۔ اب ہمارے بڑے خیر خواہ بن کر آریہ اخبارات کی کس طرح حمایت شروع کر رکھی ہے۔ اس لئے اب ہم مسلمانان کشمیر مجبور ہو کر اس تفرقہ پرداز اور مسلم کش اخبار اور اس کے حواریین پر نفرت کرتے ہیں۔ اور مسلمانان ہند سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اخبار مذکورہ پر دباؤ ڈال کر اسے حرکات ناشائستہ سے روکیں۔ ورنہ ہم لوگ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ ہماری پستی اور ذلت کے ایسے نام نہاد اخبار بھی ذمہ دار ہیں۔ الراقمان۔ خواجہ احمد اللہ صاحب جنرل شال مرچنٹ سرینگر، خواجہ غلام محمد صاحب شال مرچنٹ سرینگر، مسٹر غلام نبی مرچنٹ سرینگر، فقیر سالک صاحب ہمدانی، سید عبدالغفور شاہ صاحب، مفتی ضیاء الدین صاحب سرینگر، حکیم عبدالحی صاحب سرینگر، محمد عثمان صاحب بٹ قصبہ ترال، غلام محمد صاحب ترال، خواجہ عبدالرزاق صاحب ترال، حکیم غلام علی صاحب سرینگر، مسٹر غلام محمد صاحب بی۔ اے۔

مندرجہ بالا احباب کی طرف سے مجھے خط ہذا آپ کی خدمت میں روانہ کرنے کی ہدایت ہوئی ہے۔

خادم مفتی ضیاء الدین عفی عنہ از نوا کدل سرینگر۔ انقلاب ۸/ ستمبر ۱۹۳۱ء"۔ ۷۹

مفتی مولوی عتیق اللہ صاحب کشمیری (پونچھ) نے لکھا۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے جس خلوص اور ہمدردی کے ساتھ مظلوم مسلمانان ریاست جموں و کشمیر کی مالی' جانی' قانونی امداد دی' اس کے لئے ہمارے جسم کا ذرہ ذرہ زبان سپاس ہے۔ ہم لوگ اس کمیٹی کی بے لوث مالی امداد کے تازیست ممنون رہیں گے اس کمیٹی نے شہداء کے پسماندگان کا خیال رکھا۔ یتامی و ایامی کی پرورش کی۔ محبوسین کے پسماندگان کو مالی امداد دی۔ ماخوذین کو قانونی امداد دی۔ کارکنوں کو گرانقدر مشورے دیئے۔ جنگلوں میں پہاڑوں میں جاکر مظلومین کی امداد کی۔ ماخوذین کی اپیلیں دائر کیں اور ان کے مقدمات کی پیروی کی۔ قابل ترین قانونی مشیر بہم پہنچائے۔ ہندوستان اور بیرون ہند میں ہماری مظلومیت ظاہر کرنے کی جان توڑ کوشش کی۔ ہماری آواز کو حکام بالا تک پہنچایا۔ ہماری تسلی اور تسکین کی خاطر اشتہارات اور ٹریکٹ شائع کئے ہر وقت قابل اور موزون و التشیر دیئے دنیائے اسلام کو ہمارے حالات سے آگاہ کر کے ہمدردی پر آمادہ کیا۔ اخبارات کے ذریعہ سے ہماری مظلومیت کو ظاہر کیا"۔ ۸۰

جناب سید حبیب صاحب مدیر "سیاست" لاہور نے لکھا۔ "مظلومین کشمیر کی امداد کے لئے صرف دو جماعتیں پیدا ہوئیں۔ ایک کشمیر کمیٹی دوسری احرار۔ تیسری جماعت نہ کسی نے بنائی نہ بن سکی۔ احرار پر مجھے اعتبار نہ تھا۔ اور اب دنیا تسلیم کرتی ہے کہ کشمیر کے یتامی' مظلومین اور بیواؤں کے نام سے روپیہ وصول کر کے احرار شیر مادر کی طرح ہضم کر گئے۔ ان میں سے ایک لیڈر بھی ایسا نہیں جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اس جرم کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ کشمیر کمیٹی نے انہیں دعوت اتحاد عمل دی۔ مگر اس شرط پر کہ کثرت رائے سے کام ہو اور حساب باقاعدہ رکھا جائے۔ انہوں نے دونوں اصولوں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا میرے لئے سوائے ازیں چارہ نہ تھا کہ میں کشمیر کمیٹی کا ساتھ دیتا۔ اور میں یہ بہ بانگ دہل کہتا ہوں کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب صدر کشمیر کمیٹی نے تندہی' محنت' ہمت جانفشانی اور بڑے جوش سے کام کیا اور اپنا روپیہ بھی خرچ کیا اور اس کی وجہ سے میں ان کی عزت کرتا ہوں"۔ ۸۱

نواب میجر سر محمد خان زمان خاں کے۔ سی۔ آئی۔ ای فرمانروائے ریاست امب و ریاست ترنول (سابق صوبہ سرحد) نے حضرت خلیفتہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ۶/ مارچ ۱۹۳۲ء کو ایک مکتوب میں لکھا۔

"ہر گاہ از مخلصین باعتماد خود حالات ہمدردی عامہ مسلمین در ذات والا صفات آنجناب شنیدہ ام' و در اخبارات نیز ظہور ہمدردی عمل در اوقات فتنہ ارتداد کہ معاملہ مذہبی بود و مصیبت مسلمانان کشمیر کہ معاملہ سیاسی بود بار بار از نظر گزشتہ و اقوال مخلصین خود کہ وابستگان امان آں ذیشان مے باشند بہ

صداقت و تحقیق ذہن نشین شدہ اند"۔

یعنی میں نے اپنے قابل اعتماد مخلصین سے آنجناب کی ذات والا صفات کے عام مسلمانوں سے ہمدردی کے حالات سنے ہیں۔ اور اخبارات میں بھی فتنہ ارتداد کے اوقات میں جو ایک مذہبی معاملہ تھا اور مسلمانان کشمیر کی مصیبت میں جو ایک سیاسی معاملہ تھا آپ کی عملی ہمدردی کا ظہور بار بار نظر سے گزرا ہے اور اپنے مخلصین کے اقوال جو آپ کی امان ذی شان سے وابستہ ہیں صحیح اور ٹھیک ذہن نشین ہوئے ہیں۔

یہ تو نہایت اختصار کے ساتھ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی طبی اور مالی امداد کا تذکرہ ہے۔ جہاں تک قانونی امداد کا تعلق ہے کمیٹی کے زیر انتظام جماعت احمدیہ کے قابل اور چوٹی کے وکلاء نے ایسے بے نظیر کارنامے انجام دیئے ہیں۔ کہ تاریخ آزادی کشمیر میں ہمیشہ سنہری لفظوں سے یاد کئے جائیں گے۔ لہٰذا اس پہلو پر ہم آئندہ ایک فصل میں بالتفصیل روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

اہل کشمیر تک مالی امداد پہنچانا فی ذاتہ ایک کٹھن مرحلہ تھا جس کی مشکلات کا اندازہ جناب میر غلام احمد صاحب کشفی کے اس واقعہ سے لگ سکتا ہے۔ کہ تحریک کشمیر کے دوران مظلومین کشمیر کی مالی امداد کے سلسلے میں آپ ایک بار قادیان سے پانچ سو روپیہ دے کر جموں بھیجے گئے جہاں میر محمد بخش صاحب ایڈووکیٹ کشمیر کمیٹی کی طرف سے مقدمات کی پیروی میں مصروف تھے۔ میر غلام احمد صاحب نے پانچ سو روپے اور اس کے ساتھ ایک چٹھی اپنے بوٹ کے تلوے میں سی لی راستوں میں تلاشیاں لی جاتی تھیں آپ رات بھر جموں چھاؤنی میں رہے۔ اور صبح شہر میں داخل ہو کر دفتر کشمیر کمیٹی (واقعہ اردو بازار) میں پہنچے اور بوٹ کا تلوا کھول کر نقدی مع خط میر محمد بخش صاحب کے حوالہ کر دی۔ [۸۲]

(فصل ہفتم)

معاہدہ صلح اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا مخلصانہ مشورہ

حکام کشمیر نے مولانا ابو الکلام صاحب آزاد اور سر تیج بہادر سپرو کو اس لئے کشمیر بلایا۔ تا ان کے اثر سے تحریک ختم کی جاسکے۔ چنانچہ جیسا کہ مسٹر پریم ناتھ بزاز نے اپنی کتاب (INSIDE KASHMIR) کے صفحہ ۱۴۳ پر لکھا ہے کہ جناب آزاد نے کشمیری مسلم لیڈروں سے کہا کہ وہ اپنے فرقہ وارانہ معاملات کو سیاست سے نہ الجھائیں بالفاظ دیگر ایجی ٹیشن بند کر کے مہاراجہ کی ذات پر اعتماد کریں۔ اس پر اخبار "کشمیری" لاہور (۷/ اگست ۱۹۳۱ء) نے لکھا کہ "اگر مولانا ابو الکلام آزاد نے قوم کا اعتماد حاصل کرنا ہے تو وہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے گفتگو کئے بغیر اس معاملہ میں دخل نہ دیں"۔ مگر افسوس کہ سرینگر کے خود مسلمان لیڈران کی باتوں سے متاثر ہو گئے اور وزیر اعظم کشمیر ہری کشن کول کے دوست نواب سر مہر شاہ کے کہنے پر حکومت کشمیر سے ایک عارضی صلح نامہ کر لیا۔ اس معاہدہ کی مندرجہ ذیل شرائط تھیں۔

۱۔ موجودہ ایجی ٹیشن بالکل بند کر دی جائے گی۔ مساجد یا دوسرے مذہبی مقام پر ایسے پبلک جلسے منعقد نہ کئے جائیں گے جن سے حکومت کے خلاف یا فرقہ وارانہ منافرت پیدا ہوتی ہو۔

۲۔ مساجد اور زیارت گاہوں میں عام اعلان کر دیا جائے گا کہ مسلمان بیرونی شورش سے متاثر نہ ہوں اور ہز ہائنس کے جن سے انہیں اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کی امید ہے وفادار رہیں گے۔

۳۔ بیرونی ہمدردوں سے درخواست کی جائے گی کہ مطالبات کے متعلق آخری تصفیہ تک کوئی ایسی کارروائی نہ کریں جس سے اس فضا میں جس کے مطالبات پر غور کرنے کے لئے ضرورت ہے کسی قسم کا تکدر پیدا ہو۔

۴۔ اس سمجھوتہ سے رائج الوقت قوانین میں کوئی مداخلت نہ ہوگی۔

۵۔ اس سمجھوتہ کے لئے وزیر اعظم کی مشفقانہ اور ہمدردانہ امداد کے لئے ہم ان کے ممنون ہیں۔ مطالبات کے متعلق ان سے پوری توجہ کی امید رکھتے ہیں۔ (نوٹ) باوجود ہز ہائنس کی طرف

سے ہماری ۵/ اگست ۱۹۳۱ء کی عرضداشت کا جواب اطمینان بخش نہیں۔ ہم اس کا احترام کرتے ہیں اور ہز ہائنیس سے وفاداری کی وجہ سے مشروط صلح کے لئے تیار ہیں۔

اس کے مقابل حکومت نے وعدہ کیا کہ (۱) "قصبات اور دیہات میں مسلمان رہنماؤں کی طرف سے اس اعلان عام کے بعد کہ ایجی ٹیشن بند کر دی گئی ہے۔ وہ ان تمام ذرائع کو ترک کر دے گی جو گزشتہ دو ماہ سے اس کی طرف سے اختیار کئے گئے ہیں۔ (۲) وہ ملزم جن کا فسادات کے الزام میں عدالت میں چالان کیا جا چکا ہے ضمانت پر رہا کر دیئے جائیں گے۔ اور تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ شائع ہونے تک ان کے مقدمات کی سماعت ملتوی رہے گی۔ (۳) ان سرکاری ملازمین کے متعلق جنہیں ایجی ٹیشن میں حصہ لینے کے الزام میں موقوف، معطل یا تنزل کر دیا گیا ہے۔ اس وعدہ پر کہ وہ آئندہ ایسی باتوں میں حصہ نہیں لیں گے ان کے معاملہ میں دوبارہ غور کیا جائے گا۔ اور انہیں پھر وہی حقوق دیئے جائیں گے"۔ [۸۳]

اس معاہدہ کا اعلان جامع مسجد سرینگر میں ۲۸/ اگست ۱۹۳۱ء کو جمعہ کے اجتماع میں کیا گیا اور غیور مسلمانوں میں شدید نفرت کی لہر پیدا ہو گئی۔ حتیٰ کہ پبلک نے خود شیخ محمد عبداللہ صاحب پر حملہ کر دیا۔

جو ہری کشن کول وزیر اعظم کشمیر کی تمنائے دلی کے عین مطابق تھا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے معزز لیڈروں کو شروع سے محض آوارہ مزاج نوجوان کہہ کر سب و شتم کرتے آرہے تھے۔ [۸۴]

اس درد انگیز حادثہ کی تفصیلات ہدایت اللہ صاحب (یعنی چوہدری عصمت اللہ صاحب ایڈووکیٹ) نے ۲۹/ اگست ۱۹۳۱ء کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں درج ذیل الفاظ میں بھجوائیں۔

"یہ صلح یا عارضی صلح ایک عجیب ہیجان پیدا کرنے کا باعث ہوئی ہے۔ شہر میں ہر ایک کشمیری حیران اور پریشان نظر آتا تھا۔ بعض کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ اس کے متعلق علم ہونے پر رونے لگے۔ بعض نے صدمہ کی وجہ سے کھانا نہ کھایا اور زیادہ آپے سے باہر ہونے والے یہ اعلان کر رہے ہیں کہ ہم دس نمائندوں کو قتل کر دیں گے۔ اور اس کے بعد خود بھی خودکشی کر لیں گے یہاں تک تو ہوا کہ بعض نے (شیخ) محمد عبداللہ کو گریبان سے پکڑا۔ اور مارنا چاہا۔ بعض نے جبکہ وہ موٹر پر جا رہا تھا اس پر پتھر برسائے اور بعض نے فحش گالیاں دیں۔ اور ہر ایک نظر آرہا تھا کہ وہ اپنی قسمت کو رو رہا ہے۔ اس تمام کیفیت کی وجہ کیا تھی۔ وہ صرف یہی تھی کہ شہر میں مشہور ہو گیا کہ اس عارضی صلح میں نمائندوں نے کشمیری مسلمانوں کو فروخت کر دیا ہے۔ میرے پاس بھی میرے محلہ میں سے بعض لوگ آئے اور کہنے لگے کہ آج تک تو ہم کشمیری پنڈتوں سے محمد عبداللہ کے لئے لڑ پڑتے تھے۔ لیکن کل اگر ہم ہی سٹیج پر

بے عزتی کریں گے۔ تو کشمیری پنڈت ہم کو طعنہ نہ دیں گے؟ کہ ہم جو کہہ رہے تھے کہ محمد عبداللہ تم کو دھوکہ دے جائے گا۔ کیا وہ درست نہ نکلا؟ میں نے ہر ایک کو اطمینان دینے کی کوشش کی اور جس جس سے میری گفتگو ہوئی۔ وہ تسلی کے ساتھ واپس گیا۔ شہر کے ہر ایک حصہ میں نمائندوں کے خلاف غیظ و غضب نظر آتا تھا۔ اور یہی ہر ایک کہتا تھا کہ کل ہم ان نمائندوں کو بے عزت کریں گے۔ اور سٹیج پر نہیں آنے دیں گے"۔

جب حالات اس نہج تک آپہنچے تو شیر کشمیر جناب شیخ محمد عبداللہ صاحب نے ان سے کہا کہ آپ لوگ پریذیڈنٹ صاحب آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے پوچھ لیں اگر وہ ہمارے اس عارضی صلح نامہ کو ایسا ہی خطرناک قرار دیں تو آپ لوگوں کی جو مرضی ہو کریں ورنہ آپ ان کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھائیں۔ چنانچہ شیخ محمد عبداللہ صاحب اور دوسرے کشمیری زعماء کی طرف سے معاملہ صدر صاحب آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو بھجوایا گیا۔ جس پر صدر کشمیر کمیٹی (حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) نے "ریاست کشمیر و مسلم نمائندگان کے درمیان شرائط صلح پر ایک نظر" کے عنوان سے کشمیر میں ایک اشتہار شائع کیا[۸۵] جس میں صلح نامہ کے خطرناک نقائص کی نشاندہی کرنے کے بعد تحریر فرمایا۔

"مسلمانوں کے نمائندوں نے یہ معاہدہ کیا ہے اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کی پوری طرح اتباع کریں کیونکہ مسلمان دھوکہ باز نہیں ہوتا۔ اور جو قوم اپنے لیڈر کی خود تذلیل کرتی ہے۔ وہ کبھی عزت نہیں پاتی۔ نیز مسلمانوں میں قحط الرجال ہے۔ اور کام کرنے کے قابل آدمی تھوڑے ہیں پس انہی سے کام لیا جاسکتا ہے اور لینا چاہئے۔ پس یہ نہیں ہونا چاہئے کہ اس مضمون کو پڑھ کر کوئی جوشیلا شخص جموں اور کشمیر کے لیڈروں کی مخالفت شروع کردے۔ انہوں نے دیانتداری سے کام کیا ہے اور ہمیں ان کی قربانیوں کا احترام کرنا چاہئے۔ اور رہنتے ہوئے ان کی غلطی کو قبول کرنا چاہئے پھر اس کے ضرر سے بچنے کا بہترین طریق سوچنا چاہئے۔

وہ طریق میرے نزدیک یہ ہے کہ وقت کے تعین سے اس معاہدہ کے ضرر کو محدود کردیا جائے اور آئندہ کے لئے اپنے آپ کو آزاد کرالیا جائے۔ میرے نزدیک اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ دستخط کرنے والے نمائندگان ریاست کو ایک دوسری یادداشت یہ بھجوادیں کہ چونکہ عارضی صلح کا وقت کوئی مقرر نہیں اور یہ اصول کے خلاف ہے اس فروگذاشت کا علاج ہونا چاہئے۔ پس ہم لوگ یہ تحریر کرتے ہیں کہ ایک ماہ تک اس کی میعاد ہوگی۔ اگر ایک ماہ کے اندر مسلمانوں کے حقوق کے متعلق ریاست نے کوئی فیصلہ کردیا یا کم سے کم جس طرح انگریزی حکومت نے ہندوستان کے حقوق کے متعلق ایک اصولی اعلان کردیا ہے کوئی قابل تسلی اعلان کردیا تب اس عارضی صلح کا زمانہ لمبا کردیا جائے گا یا

اسے مستقل صلح کی شکل میں بدل دیا جائے گا۔ لیکن اگر ایک ماہ کے عرصہ میں ریاست نے رعایا کو ابتدائی انسانی حقوق نہ دیئے یا ان کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کیا۔ تو یہ صلح ختم سمجھی جائے گی۔ اور دونوں فریق اپنی اپنی جگہ پر آزاد ہوں گے"۔ ۸۶

اس اشتہار کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل کشمیر میں عارضی سمجھوتہ کے خلاف جوش دب گیا۔ اور ان کو تسلی ہو گئی۔ کہ اس کی خرابی کو سنبھال لیا جائے گا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ایک تار بھی قادیان پہنچا۔ کہ "حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت نے عارضی صلح کے شرائط پر جو تبصرہ فرمایا ہے اسے یہاں کی پبلک نے بہت پسند کیا ہے"۔ ۸۸،۸۷ اس تبصرہ کا مزید نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانان کشمیر نے فیصلہ کر لیا ہے وہ معاہدہ لمبا نہیں ہونے دیں گے یا حکومت ان کو حقوق دینے کا فیصلہ کرے گی۔ یا صلح نامہ ختم کر دیا جائے گا۔

(فصل ہشتم)

حکام ریاست اور ہندوؤں کا شرانگیز منصوبہ' جماعت احمدیہ کے خلاف مہم' آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا اجلاس سیالکوٹ اور ریاست میں مسلمانوں کا قتل عام

جس روز سے آل انڈیا کشمیر کمیٹی معرض وجود میں آئی مہاراجہ کشمیر' ریاستی حکام اور ہندوؤں کی تمام کوششیں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو ختم کرنے اور صدر کشمیر کمیٹی اور جماعت احمدیہ کو بدنام کرنے کے لئے وقف ہوگئیں اور ہندو پریس نے پرزور پراپیگنڈا کرنا شروع کیا کہ کشمیر ایجی ٹیشن قادیانی سازش کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ بطور نمونہ چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔ ہندو اخبار "ملاپ" (لاہور) نے لکھا۔

"قادیان کے خلیفہ جو خالص مذہبی آدمی بنتے ہیں وہ بھی کشمیر کے مسلمانوں کے گلے سے طوق غلامی اتارنے کے لئے لنگر لنگوٹے کس لیتے ہیں۔ آج سے برسوں پہلے کشمیر کے گاؤں گاؤں میں قادیانیوں نے اپنے واعظ بھیج دیئے جن کا کام مسلمانوں کو احمدی بنانے کے علاوہ یہ بھی تھا کہ وہ حکومت کشمیر کے خلاف لوگوں کو بھڑکائیں اور بغاوت تیار کریں"۔

"قادیانی سازش کا نتیجہ ہے کہ کشمیر کے امن پسند مسلمان اب شورش اور شرارت اور بغاوت کے شرارے بن چکے ہیں اب کشمیری مسلمانوں کو وہ پہلے جیسا صلح جو' میانہ رو اور حلیم الطبع انسان نہ سمجھو بلکہ قادیانی روپیہ نے قادیانی پراپیگنڈا نے اور قادیانی گدی کے خلیفہ کی حرص و آز نے ان کشمیری مسلمانوں کو مرنے مارنے پر تیار کردیا ہے"۔ [۸۹، ۹۰]

"مرزا قادیانی نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی اسی غرض سے قائم کی ہے۔ تاکہ کشمیر کی موجودہ حکومت کا خاتمہ کردیا جائے اور اس غرض کے لئے انہوں نے کشمیر کے گاؤں گاؤں میں پراپیگنڈا کیا..... انہیں روپیہ بھیجا ان کے لئے وکیل بھیجے شورش پیدا کرنے والے واعظ بھیجے۔ شملہ میں اعلیٰ افسروں کے ساتھ سازباز کرتا رہا"۔ (ملاپ یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۵)

"کشمیر میں قادیانی شرارت کی آگ لگائی واعظ گاؤں گاؤں گھومنے لگے۔ چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ چھپوائے گئے اردو میں بھی اور کشمیری زبان میں بھی اور انہیں ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر مفت تقسیم کیا گیا۔ مزید برآں روپیہ بھی بانٹا گیا"۔ (ملاپ ۳۰/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۵)

اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے ہندو پریس نے ایک طرف اہل کشمیر کو ڈرایا کہ قادیانی سازش بے نقاب ہو گئی ہے اب وہ اپنی تحریک سے ہاتھ کھینچ لیں۔ چنانچہ لکھا۔ "کشمیری مسلمانوں کو بھی دیکھنا چاہئے کہ وہ کن ٹھگوں کے پنجوں میں پھنس گئے ہیں۔ اور کس طرح اپنے مہاراجہ کے خلاف ایک بھاری سازش کے کل پرزے بنے ہوئے ہیں۔ یہ حالات ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں کشمیری مسلمانوں کو اب پرائشچت (کفارہ۔ ناقل) کے طور پر اعلان کرنا چاہئے کہ وہ کسی قسم کے حقوق کا مطالبہ فی الحال نہیں کرتے جس حالت میں وہ اب ہیں اسی حالت میں رہیں گے"۔ (ملاپ ۱۴/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۵) [41]

دوسری طرف حکومت کو توجہ دلائی "کہ حیرانی ہے کہ ریاست کشمیر کے خلاف شملہ میں بیٹھ کر جو سازش کی جارہی ہے (کشمیر کمیٹی کے قیام کی طرف اشارہ ہے۔ ناقل) یہ اسی پروگرام کی ایک مد ہے۔ حیرانی ہے کہ ریاست کشمیر کے خلاف اسی حکومت کے پایہ تخت میں بیٹھ کر سازش کی جارہی ہے جس حکومت کے لئے ریاست کشمیر کے حکمرانوں سے یہ معاہدہ کر رکھا ہے کہ وہ بیرونی دشمنوں سے کشمیر کی حفاظت کرے گی"۔ (ملاپ ۱۱۔ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۵)

یہ بھی لکھا۔ "کشمیر کے چاروں طرف مسلمان حکومتیں ہیں۔ کشمیر پر اگر اسلامی جھنڈا لہرایا تو گورنمنٹ کے لئے خطرناک ہو گا"۔ (ملاپ ۱۸/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۶) [42]

تیسری طرف ہندوؤں کو اشتعال دلایا کہ۔ اگر کشمیر میں مسلمان غالب ہو گئے اور کشمیری ہندوؤں کو نقصان پہنچا تو ہندوستان کے ۲۸ کروڑ ہندوؤں کی حالت خطرے میں ہو جائے گی۔ ہندوؤں کو مٹانے کی تیاری کشمیر میں ہو چکی ہے۔ اب پنجاب کے ہندوؤں کو جاگنا چاہئے۔ ورنہ ان کی حالت کشمیر جیسی ہو جائے گی"۔ (ملاپ ۳۱/ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۴)

اسی طرح لکھا۔ (ہندوستان کے ہندو) "اگر اس ہندو ریاست کو بچانا چاہتے ہیں تو انہیں آرام طلبی کو چھوڑ کر جدوجہد کرنا ہو گی۔ ورنہ بعد میں جموں و کشمیر کے ہندوؤں کے لئے آنسو بہانا بے سود ہو گا۔ وقت ہے جاگو، سنبھلو اور راکھشوں (ناپاک جانوروں یعنی مسلمانوں۔ ناقل) کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہندو ریاست کو بچاؤ"۔ (ملاپ ۱۴/ نومبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۵)

چوتھی طرف حکومت کشمیر کو توجہ دلاتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک ہندو ریاست کے استحکام کا معاملہ

ہے خطرہ کی کوئی بات نہیں اس شرارت کا منبع اس قدر ریاست کے اندر نہیں جتنا کہ برٹش پنجاب میں ہے یہاں کے قادیانی ہندو دھرم' قوم پرستی' کانگریس یا گاندھی کے سخت دشمن ہیں...... احرار کی سرگرمیوں کا کوئی نوٹس نہیں لینا چاہئے ان کی ایجی ٹیشن خالی خولی ہے"۔ [۹۲] (ملاپ ۳۱/ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۶)

ان حالات میں ہندو قوم کی طرف سے آل انڈیا کشمیر کمیٹی' اس کے صدر محترم امام جماعت احمدیہ اور جماعت احمدیہ کے خلاف منصوبہ بندی خلاف توقع نہیں تھی۔ چنانچہ اس ضمن میں کشمیر حکومت کے درپردہ عزائم کا پہلی بار انکشاف اس وقت ہوا جبکہ ۸/ ستمبر ۱۹۳۱ء کو شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب کا مندرجہ ذیل تار سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے نام پہنچا۔

" SECRETARY KASHMIR COMMITTEE QADIYAN 8 SEP. 1931 AHRAR DEPUTATION ARRIVED HERE STAYING AS STATE GUESTS SHOULD WE CO. OPERATE YOUR DEPUTATION BADLY NEEDED. ABDULLAH [۹۳]"

یعنی احرار کا وفد یہاں پہنچ گیا ہے۔ اور سرکاری مہمان کی حیثیت سے ٹھہرا ہوا ہے۔ کیا ہم اس سے تعاون کریں آپ کے وفد کی اشد ضرورت ہے۔

احراری وفد کے ممتاز رکن مفکر احرار جناب چوہدری افضل حق صاحب یہ بتاتے ہوئے کہ جموں کے گورنر نے وزیر اعظم (ہری کشن کول) کو تار دے کر اس وفد کے داخلہ کی اجازت حاصل کر لی تھی داخلہ کشمیر پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ "ہم سرینگر پہنچے تو فضا قدرے مکدر تھی۔ لوگ غریب جماعت کے غریب افراد کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ تنگ حال لوگ دوسروں کی تنگ حالی میں کیا مدد کریں گے بس آئے ہیں ریاستی خزانے سے جیبیں بھر کے لوٹ جائیں گے ہمارے ریاست میں آنے کا مقصد ہمارے بعض کانگرسی احباب نے لوگوں کو یہی سمجھایا اور لوگوں نے یونہی سمجھا..... غرض ایسے ماحول میں ہم سرینگر پہنچے حکومت کو ابتداء سے اصرار تھا کہ ہم ریاستی مہمان بنیں...... ہمارے آرام کا ہماری ضرورت سے زیادہ خیال رکھا۔ خوردونوش کا سامان ریاست کی شان کے مطابق کیا"۔ [۹۵] ان "شاہی مہمانوں" سے حکام کشمیر کی کیا گفتگو ہوئی یہ تو معلوم نہیں البتہ اس کے بعد عملاً ہوا یہ کہ چند روز بعد ۱۲۔ ۱۳/ ستمبر ۱۹۳۱ء کو سیالکوٹ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا اہم اجلاس منعقد ہوا جس میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے بھی شمولیت فرمائی۔ [۹۶] اس اجلاس میں عارضی معاہدہ کی روشنی میں کشمیر کی صورت حال پر غور کیا گیا اور مسلمانوں کو قربانی کے لئے تیار کرتے ہوئے خاص طور پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ مسلمانان کشمیر حتی الامکان بہت جلد اپنے مطالبات ریاست کشمیر کے سامنے پیش کر دیں۔ اور اسے آگاہ کر دیں کہ اگر ان مطالبات پر مناسب غور کرنے کے بعد ایک مہینہ کے اندر تسلی بخش

فیصلہ نہ کیا گیا تو مفاہمت کالعدم سمجھی جائے گی۔ [۹۷] کمیٹی کے سب فیصلوں کی تائید بعد کو آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس نے اپنے ایک خصوصی اجلاس میں کرتے ہوئے کمیٹی کو اپنی امداد کا پورا یقین دلایا۔ [۹۸،۹۹]

کشمیر کمیٹی کا اجلاس سیالکوٹ بخیر و خوبی ختم ہوا تو سیالکوٹ کشمیر کمیٹی کے ارکان نے حضور سے درخواست کی کہ کل ۱۴/ستمبر ۱۹۳۱ء کو قلعہ کے وسیع میدان پر ایک جلسہ سے خطاب فرمائیں۔ یہ درخواست حضور نے قبول فرمائی مگر دوسرے دن شام کو جب حضور قیام گاہ سے جلسہ گاہ کی طرف تشریف لے جانے لگے تو منتظمین جلسہ نے عرض کیا کہ کشمیر کمیٹی کے مخالفین [۱۰۰] جلسہ پر سنگباری کر رہے ہیں سخت خطرہ کی حالت ہے اور نقصان کا احتمال ہے اس لئے آپ تشریف نہ لے جائیں۔ لیکن حضور نے اس کی ذرہ برابر پروا نہ کی۔ اور پتھروں کی بارش میں سٹیج پر پہنچ گئے۔ خدام نے حضور کے اردگرد حلقہ بنالیا اور میر عبدالسلام صاحب وغیرہ مخلصین نے چھتریاں تان لیں۔ مگر اس کے باوجود تین پتھر حضور کے ہاتھوں پر آکر لگے۔ اور احمدی تو شاید ہی کوئی ایسا ہو جسے چوٹ نہ آئی ہو پچیس تیس کے قریب احمدیوں کو تو شدید زخم آئے۔ اور ان کے کپڑے خون آلود ہو گئے حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی سخت زخمی ہوئے۔ مگر احمدی استقلال کے ساتھ کوہ وقار اور پیکر عزم و شجاعت بنے ہوئے ہر لحظہ "اللہ اکبر" اور "اسلام زندہ باد" کے نعرے بلند کرتے رہے۔ پتھروں کا سارا زور حضور کے اردگرد تھا۔ منتظمین جلسہ نے مشورہ دیا کہ یہاں سے ہٹ جانا چاہئے۔ مگر آپ نے تقریر کئے بغیر واپس جانے سے بالکل انکار کر دیا اور آخر مولوی عبدالرحیم صاحب درد (سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی) حضور کے ارشاد پر ڈپٹی کمشنر کے پاس گئے اور ان کو صورت حال سے باخبر کیا چونکہ زخمی متواتر ان کے پاس سے گزر رہے تھے اور وہ بھی سمجھ چکے تھے کہ اس سے زیادہ احمدیوں کی صبر آزمائی کا امتحان کرنا خطرناک نتائج پیدا کرے گا اس لئے انہوں نے پانچ منٹ کے اندر اندر مجمع کو منتشر ہونے کا حکم دے دیا۔ اس حکم کے بعد ابھی تین منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ قلعہ کا میدان صاف ہو گیا۔ [۱۰۱]

اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے موثر اور پرزور تقریر کی اور نہایت پرشوکت انداز میں فرمایا کہ "جو لوگ دوسروں کی خاطر پتھر کھاتے ہیں ان پر ضرور پھول برستے ہیں۔ جو پتھر آج پھینکے گئے ہیں ان کے کھانے کی ہم میں اہلیت نہیں یہ خدا تعالیٰ نے اس لئے پھینکوائے ہیں کہ کل کو پھول بن کر ہمیں لگیں ان سے سمجھ لینا چاہئے کہ کشمیر آزاد ہو گیا...... یہ پتھر بھی جن لوگوں نے مارے ہیں انہوں نے اپنی طرف سے نہیں بلکہ کشمیر کی طرف سے مارے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ ریاست نے علاقہ پر رعایا کو قبضہ دے دیا۔ سو اللہ کے فضل سے ہم امید کرتے ہیں وہ مظلوم جو سینکڑوں سال سے ظلم و ستم کا

شکار ہو رہے ہیں ان کی آہیں اور سسکیاں آسمان پر جا پہنچیں اور خدا تعالیٰ نے ظالموں سے ظلم کی آخری اینٹیں پھنکوائیں تا اس ملک پر اپنا فضل نازل کرے ہم نے چاہا کہ مہاراجہ اور حکومت کے ادب کو قائم رکھتے ہوئے امن کے ساتھ بغیر اس کے کہ مہاراجہ کی عزت میں فرق آئے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ کشمیر کی تمام رعایا کو اس کے حقوق دلائیں مگر اس کے نادان وزراء نے ایسا نہ چاہا۔ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ ہم باہر رہیں گے اور اس کے گھر پر جاکر پتھر نہیں پھینکیں گے مگر ریاست نے ہمارے علاقہ میں ہم پر پتھر پھنکوائے اور ابتدا کی اور یہ مسلمہ ہے کہ البادی اظلم.... لیکن ہمارا قلب وسیع ہے ہم ان ہاتھوں کو جنہوں نے پتھر برسائے ان زبانوں کو جنہوں نے اس کے لئے تحریک کی اور اس کنجی کو جو اس کا باعث ہوئی معاف کرتے ہیں کیونکہ جس کام کا ہم نے بیڑا اٹھایا ہے اس کے مقابلہ میں یہ تکلیف جو ہمیں پہنچائی گئی بالکل معمولی ہے...... پس کشمیر کو آزاد کرانے کے لئے اگر ہم نے چند پتھر کھائے تو یہ کیا ہے ہم نے شروع سے کوشش کی ہے کہ امن کے ساتھ کام کریں اور آئندہ بھی یہی کوشش کرتے رہیں گے"۔ پھر حضور نے ڈوگرہ حکومت کے زہرہ گداز مظالم کے بعض چشم دید واقعات بیان کرنے کے بعد حاضرین جلسہ کو نہایت درد اور سوز سے تحریک آزادی کشمیر کے لئے ایک جھنڈے تلے جمع ہونے کی تلقین کی اور ارشاد فرمایا۔ "کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ کشمیری مسلمانوں پر ایسی ایسی آفتیں اور مصائب نازل ہو رہی ہوں اور یہاں یہ جھگڑے پیدا کئے جائیں۔ حالانکہ چاہئے تھا کہ متحدہ کوشش سے ان کی تکلیف کو دور کیا جاتا...... میں احرار کو نصیحت کرتا ہوں کہ اگر ان میں سے کوئی یہاں بیٹھا ہو تو جاکر اپنے دوستوں کو سنا دے میں ان پتھروں کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ اور اس وجہ سے ان پر کوئی غصہ نہیں انہیں چاہئے کہ کشمیر کے مظلوم بھائیوں کی خاطر اب بھی ان باتوں کو چھوڑ دیں۔ وہ آئیں میں صدارت چھوڑنے کے لئے تیار ہوں لیکن وہ عہد کریں کہ مسلمانوں کی اکثریت کے فیصلہ کی اتباع کریں گے۔ ان کے اخلاق آج ہم نے دیکھ لئے ہیں وہ آئیں ہمارے اخلاق بھی دیکھیں۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ صدارت چھوڑ دینے کے بعد بھی میں اور میری جماعت بھی ان کے ساتھیوں سے بھی زیادہ ان کا ہاتھ بٹائیں گے صدارت میرے لئے عزت کی چیز نہیں۔ عزت خدمت سے حاصل ہوتی ہے۔ سید القوم خادمھم۔ اگر کام نہ کیا جائے تو صرف صدر بننے سے کیا عزت ہو سکتی ہے۔ وہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی مجنون کہے۔ میں بادشاہ ہوں۔ بغیر خدمت کے اعزاز حاصل نہیں ہو سکتا۔ میرے ذمہ تو پہلے ہی بہت کام ہیں اتنی عظیم الشان جماعت کا میں امام ہوں اور اس قدر کام کرنا پڑتا ہے کہ بارہ ایک بجے سے پہلے شاید ہی کبھی سونا نصیب ہوتا ہو۔ میں نے تو یہ بوجھ صرف اس لئے اٹھایا ہے کہ کشمیری مسلمانوں کی آئندہ نسلیں دعائیں دیں گی۔ اور کہیں گی کہ اللہ تعالیٰ ان

لوگوں کا بھلا کرے جن کی کوشش سے آج ہم آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کے لئے بھی موقع ہے کہ کشمیریوں سے دعائیں لیں ان کی دعائیں عرش الہٰی کو ہلا دیں گی۔ وہ کہیں گے الہٰی! جن لوگوں نے ہمیں آزاد کرایا ہے تو بھی ان کو آزاد کر دے'.......

.... آخر میں سب حاضرین سے اور ان سب سے جن تک میرا یہ پیغام پہنچے کہتا ہوں کہ اٹھو! اپنے بھائیوں کی امداد کرو۔ اپنے کام بھی کرتے رہو مگر کچھ نہ کچھ یاد ان مظلوموں کی بھی دل میں رکھو جہاں اپنے خانگی معاملات اور ذاتی تکالیف کے لئے ہمارے دلوں میں ٹیسیں اٹھتی ہیں وہاں ایک ٹیس ان مظلوموں کے لئے بھی پیدا کرو۔ اور ان آنسوؤں کی جھڑیوں میں سے جو اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے برساتے ہو۔ اور نہیں تو ایک آنسو ان ستم رسیدہ بھائیوں کے لئے بھی ٹپکاؤ مجھے یقین ہے کہ تمہاری آنکھوں سے ٹپکا ہوا ایک ایک آنسو جس کی محرک سچی ہمدردی ہو گی۔ ایک ایسا دریا بن جائے گا۔ جو ان غریبوں کی تمام مصائب کو خس و خاشاک کی مانند بہا کر لے جائے گا اور اس ملک کو آزاد کر دے گا"۔ (الفضل ۲۴/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۳-۹)

مسلمانان سرینگر و اسلام آباد پر فوج کے مظالم

ادھر اجلاس سیالکوٹ کے معاً بعد آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے جلسہ پر سنگباری کی گئی۔ ادھر ایک ہفتہ بعد ۲۱/ ستمبر ۱۹۳۱ء کو شیخ محمد عبداللہ صاحب کو جو اسلامیہ سکول کے لئے چندہ جمع کر رہے تھے گرفتار کر لیا گیا گرفتاری کے خلاف احتجاج کرنے والے نہتے اور بے گناہ مسلمانوں کے ایک پرامن جلوس پر ریاستی پولیس اور فوج نے حملہ کر دیا۔ اس حملہ سے متعدد مسلمان شہید اور بیسیوں زخمی ہوئے۔ کشمیر کمیٹی کے نمائندہ چوہدری عصمت اللہ خان صاحب بی ایس سی۔ ایل ایل بی تھے۔ جنہیں شروع سے آخر تک تمام واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملا آپ نے قادیان میں نہ صرف اس دردناک حادثہ کے چشم دید حالات بالتفصیل بھجوا دیئے بلکہ جامع مسجد کا نقشہ بھی بھجوایا جو الفضل ۲۹/ ستمبر ۱۹۳۱ء میں شائع کر دیا گیا۔ چوہدری صاحب نے مسلح سواروں اور شہداء کے فوٹو ارسال کئے اور ان کے خون سے رنگین کر کے ایک کپڑا بھی جس پر انہیں کے خون سے لکھ کر یہ الفاظ بھی بھیجے کہ "مقتول مسلمانوں کا خون صفحہ کاغذ پر مظلومیت کی آواز بلند کر رہا ہے"۔ [۱۰۲]

سرینگر سے بھی زیادہ اسلام آباد میں مسلمانوں کا کشت و خون ہوا۔ جہاں ۲۳/ ستمبر ۱۹۳۱ء کو گولی چلنے سے ۲۵ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا اور ڈیڑھ سو سے زیادہ کے قریب زخمی ہوئے۔ [۱۰۳] اس کے علاوہ شوپیاں اور اس کے مضافات میں بعض مسلمانوں کو ان کے مکانوں میں نہایت بے دردی اور بے رحمی سے جلا دیا گیا۔ جب اہل کشمیر نے اس ظلم و ستم کو دیکھا تو انہوں نے ۲۴/ ستمبر ۱۹۳۱ء کو

سرینگر اور مضافات میں مسلح بغاوت کی۔ اس پر حکومت نے ۲۶/ ستمبر ۱۹۳۱ء کو ۱۹۔ ایل اور مارشل لاء برما آرڈیننس جاری کر دیا۔ [104]

تحریک آزادی کے لئے مسلسل قربانی کی تحریک

مہاراجہ کشمیر اور ان کے افسروں کی اس عہد شکنی نے عارضی صلح نامہ کو خود بخود چاک کر دیا۔ اور اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ ان مظالم سے یہ تحریک کہیں دب ہی نہ جائے۔ اس لئے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے اہل کشمیر اور مسلمانان ہند دونوں کو تحریک آزادی کے لئے مسلسل قربانی کی پر جوش تحریک فرمائی کہ

"میرے نزدیک اپنی اور اپنی ملک کی سب سے بڑی خدمت یہ ہو گی کہ ہر باشندہ کشمیر جو آزادی کی خواہش رکھتا ہے یہی ارادہ کر لے کہ خواہ میری ساری عمر آزادی کی کوشش میں خرچ ہو جائے میں اس کام میں اسے خرچ کر دوں گا اور آگے اپنی اولاد کو بھی یہی سبق دوں گا۔ کہ اسی کوشش میں لگی رہے اور اسی طرح قربانی کے متعلق ہر ایک شخص کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ آزادی جیسی عزیز شے کے لئے جو کچھ بھی مجھے قربان کرنا پڑے میں قربان کر دوں گا۔ اگر اس قسم کا ارادہ رکھا جائے گا تو لازماً درمیانی مشکلات معمولی معلوم ہوں گی اور ہمت بڑھتی رہے گی"۔ [105]

ریاست کشمیر کی طرف سے کشمیری مسلمانوں کا اقتصادی بائیکاٹ کیا جا رہا تھا اس ضمن میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے مسلمانان ہند کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور ایسی تدابیر رکھیں جن سے بائیکاٹ کی سکیم کو ناکام بنانے میں مدد مل سکتی تھی۔ [106]

(فصل نہم)

مہاراجہ صاحب کی طرف سے ابتدائی حقوق دیئے جانے کا اعلان

ریاست کشمیر کے حکام نے ظلم و ستم کی حد کر دی تھی۔ اور اصلاح احوال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ مگر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی مساعی جمیلہ کا بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ مہاراجہ ہری سنگھ صاحب نے ۵/ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو اپنی سالگرہ کے موقعہ پر شیخ محمد عبداللہ صاحب اور بعض دوسرے سیاسی قیدیوں کی عام رہائی کا اعلان کر دیا۔ مارشل لاء ختم کر دیا اور مسلمانوں کے حقوق و مطالبات پر ہمدردانہ غور کرنے کا بھی وعدہ کیا۔ اس عظیم الشان تغیر پر جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی زبردست جدوجہد اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی کوششوں سے رونما ہوا تھا شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنے "روزنامچہ" (مورخہ ۲۴/ اکتوبر ۱۹۳۱ء) میں لکھا۔ "حقیقت یہ ہے کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور اس کے اراکین کی اندرونی کوششوں کا یہ نتیجہ ہے۔ بے شک احرار کمیٹی کے کام کا بھی اثر پڑا ہے اور مہاراجہ کی سالگرہ کا بھی کچھ نہ کچھ اس سے تعلق ہے لیکن زیادہ اثر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ولایتی پراپیگنڈا کا ہے۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر نے ممتاز مسلمانوں کے ذریعہ لندن میں کوشش کی۔ انگلستان کے بڑے بڑے اخباروں میں ریاست کشمیر کے مظالم کی اطلاعیں شائع ہوئیں اور اخباروں نے ریاست کشمیر کو مطعون کیا۔ اور مسلمان لیڈروں نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر کی تحریک کی وجہ سے وزیر ہند پر زور ڈالا۔ اور وائسرائے نے ریاست کی حکومت پر زور ڈالا۔ جب یہ نتیجہ نکلا۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر اور سیکرٹری اور اراکین کی ایک خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اس موقع پر مسلمانوں کو باہمی تفریق سے بچانے کی کوشش کی۔ ورنہ بعض مسلمان ریاست کی حکمت عملی کا شکار ہو گئے۔ اور انہوں نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر اور سیکرٹری کی نسبت یہ لکھنا اور کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ صحیح عقیدہ کے مسلمان نہیں اس واسطے مسلمان ان کے ساتھ کام نہیں کر سکتے مگر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر اور سیکرٹری اور اراکین نے نہایت عقلمندی اور صبر و ضبط سے کام لیا۔ ورنہ بات بڑھ جاتی اور مسلمان آپس میں لڑنے لگتے اور کشمیر کی حمایت کا کام رک جاتا اور کشمیر کے مسلمانوں پر بہت زیادہ ظلم ہونے لگتے۔ کیونکہ ریاست کے حکام مسلمانوں کی خانہ جنگی سے مضبوط ہو جاتے"۔ [۱۰۷]

حضرت خلیفۃ المسیح کا ایک اہم اعلان

عین اس وقت جبکہ جنگ آزادی مہاراجہ صاحب کشمیر کے اعلان کے بعد ایک اہم مرحلہ میں داخل ہو گئی امام جماعت احمدیہ کو یہ اطلاعات پہنچیں کہ بعض حلقے یہ پراپیگنڈا بھی کر رہے ہیں کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے پردہ میں تبلیغ احمدیت کی جارہی ہے۔ اس پر حضور نے مندرجہ ذیل اہم اعلان لکھا جو انقلاب ۷/ اکتوبر ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔

"میرے نزدیک ایسا فعل یقیناً بددیانتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم اس بددیانتی سے محفوظ ہیں۔ میں اس انکار کے ساتھ سب احمدیوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ کشمیر کی خدمت ایک انسانی ہمدردی کا فعل ہے اس نیکی کو کسی ایسی غلطی سے جو بددیانتی کا رنگ رکھتی ہو خراب نہ کریں اور دوسرے مسلمانوں سے مل کر پوری تندہی سے خالص برادران کشمیر کے نفع کو مد نظر رکھ کر سب کام کریں"۔ [۱۰۸]

مہاراجہ کے سامنے مسلم وفد کے مطالبات

آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے اجلاس سیالکوٹ میں فیصلہ کیا تھا کہ مسلمانان ریاست جلد از جلد اپنے مطالبات پیش کر دیں اس فیصلہ کے بعد خود مہاراجہ نے اپنی سالگرہ کے موقعہ پر مطالبات پر غور کرنے کا اعلان کر دیا تھا لہذا ضرورت تھی کہ فوری طور پر مسلمانوں کا ایک وفد مہاراجہ کے سامنے مطالبات پیش کر دے۔ چنانچہ مسلمانان جموں و کشمیر کے نمائندگان (جناب مستری یعقوب علی صاحب [۱۰۹] اور چوہدری عباس احمد صاحب نے) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشورہ کیا ازاں بعد مسودہ مطالبات تیار کیا گیا اور مشہور زعمائے کشمیر نے اس پر کافی غور و بحث کی اور اسے آخری اصطلاحی اور قانونی شکل دینے کی غرض سے شیخ محمد عبد اللہ صاحب نے حضور کو تار دیا۔ کہ اپنے ذمہ دار نمائندوں کو کشمیر بھجوائیں۔ تا وہ آخری شکل دے کر مہاراجہ کے سامنے پیش کر سکیں۔ یہ تار قادیان میں ۱۴/ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو پہنچا چنانچہ حضور کی ہدایت پر مولوی عبد الرحیم صاحب درد، مولوی محمد یعقوب خان صاحب ایڈیٹر اخبار "لائٹ" (لاہور) مولوی عصمت اللہ صاحب اور چوہدری ظہور احمد صاحب سرینگر پہنچ گئے۔ چوہدری ظہور احمد صاحب کا بیان ہے۔ "ہم سرینگر کی چیکنگ پوسٹ پر پہنچے تو ریاست کا ایک سیکرٹری کار لے کر موجود تھا۔ مولانا عبد الرحیم درد کے متعلق دریافت کر کے ان سے ملا اور درخواست کی کہ آپ لوگوں کی رہائش کا انتظام ریاست کے بڑے گیسٹ ہاؤس میں ہے۔ اور میں کار لے کر آپ کو لینے کے لئے آیا ہوا ہوں۔ وزیر اعظم صاحب نے مجھے بھجوایا ہے۔

مولانا درد نے جواب دیا کہ ہم تو ان کے مہمان ہیں جنہوں نے ہمیں بلوایا ہے اس نے بہتیرا زور مارا لیکن محترم درد صاحب نے نہ ماننا تھا نہ مانے۔ اور ہم چیکنگ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنی کرایہ والی کار ہی پر امیرا کدل پہنچے۔ شیخ محمد عبداللہ (صاحب) اور ان کے رفقاء استقبال کے لئے موجود تھے سب بہت خوشی سے ملے۔ ان کے حوصلے بلند ہو گئے...... میں نے آتے ہی اپنے کمرہ میں دفتر لگایا۔ ہم دفتر کا تمام ضروری سامان ٹائپ رائٹر وغیرہ ساتھ لے گئے تھے۔ یہ وہ تاریخی ٹائپ رائٹر تھا۔ جس نے کشمیریوں کی امداد میں لاکھوں لفظ ٹائپ کئے۔ اور ان کا تاریخی میموریل بھی اس پر ٹائپ ہوا۔ جو مہاراجہ کو پیش کیا گیا...... آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے لمبے اور گہرے مطالعہ اور نمائندگی کشمیر کے مشورہ سے مطالبات کا جو مسودہ انگریزی زبان میں تیار کیا تھا وہ ان کے سپرد اس غرض سے کر دیا گیا کہ اس پر پورے گیارہ نمائندے پھر غور کریں اور اگر کسی جگہ ترمیم کی ضرورت سمجھیں تو کریں...... کئی گھنٹہ کے غور و فکر کے بعد نمائندگان کشمیر نے اس میں کسی کسی جگہ ترمیم کی۔ البتہ ان ترمیموں کی صرف زبان مولانا یعقوب خان صاحب ایڈیٹر "لائٹ (LIGHT)" لاہور اور مولانا درد صاحب نے درست کی۔ جب اس مسودہ پر سب نمائندگان کو شرح صدر ہو گیا تو وہیں راقم الحروف نے اسے ٹائپ کیا اور رات گئے یہ کام ختم ہوا۔ دوسرے دن...... پھر غور ہوتا رہا۔ چند الفاظ کی کمی و بیشی ہوئی۔ اور اس کے بعد میں نے اس مسودہ کو آخری شکل میں ٹائپ کر دیا۔ اور اس ٹائپ شدہ میموریل کی ایک کاپی (بطور ایڈوانس) اسی روز اور دوسری کاپی ۱۹/ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو حسب پروگرام نمائندگان نے خود مہاراجہ کے سامنے جا کر پیش کی"۔ [۱۱۰، ۱۱۱]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا تار مہاراجہ کشمیر کے نام

مہاراجہ کشمیر نے مظالم کی تحقیقات کے لئے جو "دلال کمیشن" مقرر کیا تھا اس نے سراسر جانبدارانہ رپورٹ کی جس پر ریاست کے بدعنوان افسروں کی حوصلہ افزائی ہوئی اور جموں میں فوج نے درجنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جموں سے یہ خبر ملنے پر حضور نے نومبر کے آغاز میں مہاراجہ کشمیر سے بذریعہ تار اپیل کی کہ وہ اپنی رعایا اور احراری جتھوں کو جو سیاسی جرائم میں گرفتار اور سزایاب ہوئے رہا کر دیں۔ دلال رپورٹ کو منسوخ کر دیں اور تمام فسادات کی تحقیقات کے لئے ایک آزاد کمیشن مقرر کیا جائے۔ کمیشن کا صدر باہر کے ہائی کورٹ کا غیر جانبدار جج ہو۔ جس کو حکومت ہند مقرر کرے اور اس میں مسلمانوں کی کافی نمائندگی ہو۔ نیز نومبر کے آخری ہفتہ تک مسلمانوں کی شکایات کا ازالہ اور ابتدائی حقوق کے متعلق اعلان کر دیا جائے۔ [۱۱۲]

مہاراجہ کی طرف سے ابتدائی حقوق دیئے جانے کا اصولی اعلان اور پتھر مسجد کی واگزاری!

اس تار پر ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ مہاراجہ صاحب کشمیر نے رعایا کو ۱۲/ نومبر ۱۹۳۱ء کو ابتدائی انسانی حقوق دینے کا مفصل اعلان جاری کر دیا۔ جو آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور تحریک آزادی کشمیر کی پہلی شاندار فتح تھی۔ حالانکہ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ شروع شروع میں حکومت ہند ریاست کشمیر کے معاملہ میں مداخلت کرنے سے گریز کرتی تھی لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی حکمت عملی فہم و تدبر اور آئینی جدوجہد کے نتیجہ میں تحریک آزادی کو ایسی طاقت حاصل ہو گئی کہ ایک طرف وائسرائے ہند کو دخل دینا پڑا دوسری طرف کشمیر گورنمنٹ کو جھکنا پڑا اور اس نے دوبار حضور کو پیغام بھیجا کہ آپ جموں آئیں اور مہاراجہ صاحب سے مل کر فیصلہ کر لیں۔ آپ کی گفتگو کے بعد جن حقوق کے متعلق اتفاق ہو گا۔ وہ کشمیر کے مسلمانوں کو دے دیئے جائیں گے حضور نے جواب دیا کہ میرے فیصلے کا کوئی سوال نہیں کشمیر کے مسلمانوں کے حقوق کا فیصلہ ہونا ہے اور یہ فیصلہ کشمیر کے نمائندے ہی کر سکتے ہیں۔ میں نہیں کر سکتا۔ میں نہیں چاہتا کہ میں آؤں اور آپ سے باتیں کر کے کچھ فیصلہ کر لوں۔ بلکہ میں چاہتا ہوں کہ جن لوگوں کے حقوق کا سوال ہے ان کے نمائندوں کو بات کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ [۱۱۳]

بالآخر وزیر اعظم کشمیر ہری کشن کول نے پیغام بھیجا کہ "آپ اپنے نمائندے بھجوائیں جن سے وقتاً فوقتاً بات چیت کی جا سکے جس پر حضور نے مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی کو بطور نمائندہ بھجوا دیا۔ [۱۱۴] ۱۰/ دسمبر ۱۹۳۱ء کو وزیر اعظم ریاست کشمیر کے پرائیویٹ سیکرٹری جیون لعل نے پرائیوٹ سیکرٹری (حضرت خلیفتہ المسیح الثانی) کو مندرجہ ذیل خط لکھا۔

تسلیم! آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۳/ نومبر ۱۹۳۱ء جناب حضور والا شان پرائم منسٹر صاحب بہادر کے ملاحظہ سے گزرا۔ مختصراً جواب عرض کرتا ہوں کہ ابتداء سے یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلمانان کشمیر کو ابتدائی جائز حقوق دینے میں بے حد جلدی کی جاوے۔ اور خاص طور پر گزشتہ ایک ہفتہ سے تو شب و روز سوائے اس کام کے پرائم منسٹر صاحب کسی دوسرے کام کی طرف متوجہ نہیں البتہ دو تین روز کے لئے جموں کے واقعات نے مجبور کیا۔ کہ وہاں پرائم منسٹر صاحب خود تشریف لے جائیں۔ جموں کے واقعات نے جس کے ذمہ دار احرار ہیں۔ معاملہ مطالبات کو قدرے التوا میں ڈال دیا۔ اور صدر صاحب کے ساتھ گفت و شنید یا خط و کتابت میں بھی دیر محض اسی وجہ سے ہوئی...... علاوہ بریں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے نمائندگان نے مقیمی سرینگر عبدالرحیم صاحب درد اور مولانا اسمٰعیل غزنوی صاحب

کے ساتھ اکثر تبادلہ خیالات ہوتا رہتا ہے۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ وہ آپ کو بتلا سکیں گے۔ کہ حکومت ہند نے اس معاملہ میں کس قدر دلچسپی لی ہے...... کسی قدر یہ ہمیں تسلی بھی تھی کہ صدر صاحب خود ریاست کی سرحد پر آکر اپنے نمائندگان سے مل گئے ہیں اور تمام حالات معلوم کر گئے ہیں۔ ۱۱۵ صدر صاحب کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ مساجد وغیرہ کے اعلان میں صدر صاحب اور ہماری منشاء کے خلاف ہمیں اعلان کو جلد شائع کرنے کے لئے کس طرح سے رائے دی گئی۔ جو مجبوری کی حد تک پہنچ گئی ..... کہ ہمیں کشمیر کے نمائندوں نے مجبور کیا تھا کہ ہم اس قسم کا اعلان کر دیں آپ نے صدر صاحب کے خیال کو اس شکل میں رکھا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم معاملہ کو لمبا کرنا چاہتے ہیں اور سنجیدگی کے ساتھ کسی مفید نتیجہ پر پہنچنے کی غرض سے گفتگو کرنا ہمارا مقصد نہیں یہ محض غلط فہمی ہے افسوس ہے کہ صدر صاحب نے ہماری مصروفیت اور مشکلات کا اندازہ نہیں کیا۔ لیکن ہر بات کا علاج وقت اور میعاد ہے۔ صدر صاحب عنقریب یقین کرنے پر تیار ہو جاویں گے کہ ہم معاملہ کو لمبا کرنا چاہتے ہیں یا مختصر؟ اور کہاں تک اس کے مشورہ صائب کے مطابق عمل کر رہے ہیں آپ کے لکھنے کے مطابق صدر صاحب کی خواہش محض مسلمانان کشمیر کو حقوق دلوانے کی ہے جس میں حکومت پورے طور سے خود مصروف ہے۔ آپ کا صادق جیون لعل۔ پرسنل اسسٹنٹ"۔ ۱۱۶

اگلے دن ۱۱/ نومبر ۱۹۳۱ء کو وزیراعظم کے پرسنل اسسٹنٹ نے مولوی عبدالرحیم صاحب درد کو چٹھی لکھی کہ وزیراعظم صاحب ابتدائی حقوق دینے کو تیار ہیں۔ ایسا ہی وہ حکومت کی پالیسی کا بھی فیصلہ کریں گے آپ اور صوفی عبدالقدیر صاحب بھی تشریف لائیں۔ ۱۱۷ چنانچہ یہ اصحاب وزیراعظم کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے ملنے کے بعد وزیراعظم نے ابتدائی حقوق کے اعلان کا مسودہ تیار کیا اور اس کی ایک نقل ریذیڈنٹ کشمیر مسٹر لیٹیمر (MR, LATIMAR) کو بھی بھجوا دی۔ مسٹر لیٹیمر نے ۱۲/ نومبر ۱۹۳۱ء کو مولوی عبدالرحیم صاحب درد سے تشریف لانے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ آپ رات کے دو بجے ریذیڈنسی پہنچے وہاں مسٹر لیٹیمر کے ساتھ مسٹر گلینسی بھی بیٹھے ہوئے تھے جو کشمیر کے فساد دور کرنے کے لئے جموں گورنمنٹ کے ساتھ وابستہ کئے گئے تھے۔ وہاں کیا گفتگو ہوئی؟ یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے جس کی تفصیل حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں یہ ہے۔

"مسٹر درد کے پہنچتے ہی مسٹر گلینسی نے نہایت ہی گستاخانہ لہجہ میں کہنا شروع کیا۔ کہ آپ نے اس اعلان کی مخالفت کی تو میں آپ لوگوں کو قید کر دوں گا۔ اور سزائیں دوں گا۔ نیز کہا آپ لوگ ریاست کی مخالفت سے باز نہ آئے تو وائسرائے کو آپ کے خلاف رپورٹ کر دوں گا۔ اور گورنمنٹ آف انڈیا کو لکھوں گا جب مسٹر گلینسی نے اس رنگ میں بات کی تو درد صاحب نے بھی مناسب سمجھا کہ اس کو اس

کی پوزیشن سے واقف کیا جائے انہوں نے کہا کہ اگر آپ وائسرائے کے پاس پہنچ سکتے ہیں تو میں بھی سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا کے پاس جا سکتا ہوں اس پر کلینسی نے رویہ بدل لیا۔ اور کہا کہ اگر آپ لوگوں نے مخالفت کی تو میرا مستقبل بالکل تباہ ہو جائے گا۔ تب مسٹر لیٹیمر جو کہ کلینسی سے زیادہ ہوشیار تھے انہوں نے درد صاحب کو اپنی طرف مخاطب کر لیا اور کہا کہ آپ بتائیں کہ جو اعلان حقوق کا ہوا ہے۔ اس سے آپ متفق ہیں یا نہیں؟ درد صاحب نے کہا کہ ابھی میں نے اس پر غور نہیں کیا۔ مسٹر لیٹیمر نے بکس سے پمفلٹ نکال کر ان کو دے دیا کہ آپ اس کو پڑھ لیں۔ جب انہوں نے اسے پڑھ لیا۔ تو مسٹر لیٹیمر نے کہا کہ اب میں آپ کو پڑھ کر سنانا چاہتا ہوں۔ جو بات درست ہو اس کی تصدیق کر دیں۔ اور جو غلط ہو وہ بتا دیں۔ چنانچہ مسٹر لیٹیمر نے اس اعلان کو پڑھنا شروع کیا اس کی اکثر باتوں کی درد صاحب نے تصدیق کی۔ اور دو باتوں کے خلاف کہا۔ اس پر مسٹر لیٹیمر نے خواہش ظاہر کی کہ کم سے کم کل جو سرینگر میں جلسہ ہو گا اس میں اس کو کلی طور پر رد نہ کیا جائے۔ اور اس کے جو پوائنٹ اچھے نظر آتے ہیں اس کی مخالفت نہ کریں۔ درد صاحب نے کہا یہ تو طبعی بات ہے اور درست ہے اور ہم ایسا ہی کریں گے مگر جو غلط بات ہے اس کی ہم تردید بھی کریں گے۔ اس پر مسٹر لیٹیمر نے مسٹر کلینسی سے کہا کہ بس بات ٹھیک ہو گئی۔ اکثر باتوں سے ان کو اتفاق ہے اور جن باتوں کو یہ صحیح سمجھتے ہیں ان کی خواہ مخواہ تردید کرنے کے لئے یہ آمادہ نہیں ہیں جب وہ یہ کہہ چکے تو درد صاحب نے ان کو بتایا کہ اس میں اکثر امور وہی ہیں جو ہم نے گورنمنٹ آف انڈیا اور گورنمنٹ آف کشمیر کے ذریعہ خود منظور کرائے ہیں۔ ان کی ہم مخالفت کس طرح کر سکتے ہیں۔ چنانچہ دو گھنٹے کی گفتگو کے بعد ریذیڈنٹ کا موٹر درد صاحب کو واپس ان کے ہاؤس بوٹ (میں) چھوڑ گیا"۔ ۱۱۸

المختصر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی مسلسل سعی و جدوجہد کے نتیجہ میں مہاراجہ صاحب کشمیر نے ۱۲/ نومبر ۱۹۳۱ء کو ابتدائی حقوق آزادی دینے کا تاریخی اعلان کر دیا۔ جس کا مکمل متن یہ تھا۔ (یہ اعلان ۱۱/ نومبر ۱۹۳۱ء کا لکھا ہوا تھا)

مہاراجہ صاحب کشمیر کا قابل تعریف اعلان

رعایا کو ضروری حقوق دینے کا اقرار

"کچھ عرصہ سے میری توجہ اس قسم کی بعض خاص شکایات کی طرف مبذول رہی ہے جن کا مفاد یہ ہے کہ میری ریاست میں مذہبی آزادی پر قیود موجود ہیں۔ ان شکایات کی وجہ سے مجھے بہت ہی سخت ایذا

پہنچی ہے اور میں اپنی رعایا کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمیشہ میری یہ خواہش رہی ہے اور میری حکومت کی حکمت عملی (پالیسی) رہی ہے کہ ریاست کی آبادی کے ہر گروہ کو مکمل ترین آزادی حاصل ہو کہ وہ جس مذہب کی پابند ہو وہ اس مذہب پر عمل پیرا رہ سکے میری خواہش یہ ہے کہ اس معاملہ کے متعلق جو غلط فہمی ابھی موجود ہے فی الفور رفع ہو جائے۔ اور اس پالیسی کے نفاذ میں ماتحت حکام سے جو غلطی بھی سرزد ہو وہ ظاہر کی جائے اور اس کا ازالہ کیا جائے۔

گلانسی کمیشن کا ذکر: میری درخواست پر بیرون ریاست سے ایک غیر جانبدار افسر کی خدمات حکومت ہند نے میرے سپرد کی ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ یہ افسران شکایات کی تحقیقات کرے۔ جو اس وقت موجود ہیں اور ان کے ازالہ کے لئے سفارشات مرتب کرے۔ جس افسر کو میں نے اس غرض سے منتخب کیا ہے ان کا نام مسٹر جے۔ بی گلانسی صاحب سی۔ آئی۔ ای ہے۔ ان صاحب کو اہل کشمیر سے متعارف کرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ آج سے چند ہی سال قبل انہوں نے غلہ کے انضباط کے طریق کار کے متعلق ریاست اور اہل ریاست کی جو بیش بہا خدمات کی تھیں وہ سب کو خوب معلوم ہیں غلہ کے متعلق ہر قسم کا کام کرنے والوں کو پہلے جن مشکلات سے سابقہ پڑتا تھا وہ خوش قسمتی سے رفع ہو گئی تھیں۔ اور ان کے رفع ہونے سے سب کو آرام اور نفع حاصل ہوا تھا جس کے لئے ہم ان تدابیر کے ممنون ہیں جو میری حکومت نے مسٹر گلانسی کے مشورہ کے بعد اختیار کی تھیں۔ لہذا مجھے امید اور یقین ہے کہ مسٹر گلانسی کو میری رعایا کا اعتماد حاصل ہو گا۔ اور کہ میری رعایا کی تمام جماعتیں اس کام میں جو مسٹر موصوف کو در پیش ہے ان کا ہاتھ بٹائیں گی۔

پرامن فضا کی ضرورت: میری ہدایات کے مطابق مسٹر گلانسی نے مختلف فرقوں کے نمائندوں سے تبادلہ خیالات کیا۔ اور ان کے ساتھ موجودہ حالت کی ہر صورت پر نہایت صفائی سے بحث کی۔ ان کا مدعا یہ تھا کہ پرامن فضا پیدا ہو جائے۔ اس لئے کہ تحقیقات کے کامیابی سے پورا ہونے کے لئے ایسی فضا کا وجود ناگزیر ہے۔

مسٹر گلانسی کے مددگار: اس تحقیقات میں مسٹر گلانسی کے چار غیر سرکاری آدمی مددگار ہوں گے جن میں سے دو مسلمان اور دو ہندو ہوں گے ان چار آدمیوں کو ان کی قوموں کے مصدقہ نمائندوں نے نامزد کیا ہے لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ اپنی اپنی قوم کے مفاد کے نہایت مناسب اور پورے پورے نمائندہ ہیں۔

شکایات کی تحقیقات: اس کمیشن کا پہلا کام یہ ہو گا۔ کہ یہ میری ریاست میں کسی جماعت کا جو مذہب ہو اسی مذہب کی آزادانہ پیروی میں جو حالات یا واقعات کسی طرح بھی حائل ہوں ان کے

متعلق اب تک جو شکایتیں میرے روبرو بغرض غور پیش ہو چکی ہیں ان کی جو تازہ شکایات کمیشن کے روبرو پیش کی جائیں گی ان کی تحقیقات کرے۔

مساجد وغیرہ کی واپسی: اس تحقیقات میں ان مقامات و عمارات کی واپسی کے دعاوی کی تحقیقات بھی شامل ہو گی۔ جن کا مقصد یہ ہو گا کہ ایسی عمارات اور ایسے مقامات جو اس وقت حکومت کے قبضہ میں ہیں اور جن کو رعایا کی کوئی جماعت ایسا مقام یا ایسی عمارت سمجھتی ہے جو کہ وہ کسی مذہب کے شعار کی پیروی کے لئے مخصوص ہیں اور اس سے قبل جو احکام میں جاری کر چکا ہوں ان میں ان مقامات یا عمارتوں کا تذکرہ نہیں ہوا۔ میری حکومت کا منشا ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی عمارت یا کسی ایسے مقام پر قبضہ کئے رہے جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ مقام یا عمارت کسی مذہب کے شعار کی پیروی کے لئے مخصوص تھی۔ اور جن ایسے مقامات یا عمارات کے متعلق کوئی جھگڑا نہیں ہو گا۔ ان کی واپسی کی تدابیر اختیار کی جائیں گی۔ نیز میری رعایا کا کوئی گروہ اگر کوئی ایسی فرقہ وار یا تمدنی شکایت ظاہر کرے گا جو اس گروہ کے خیال میں اس کے مذہب کے شعار کی پابندی کے راستہ میں حائل ہو تو گلانسی کمیشن اس کی بھی تحقیقات کرے گا۔

دیگر شکایات کی تحقیقات: اس کے بعد یہ کمیشن ان شکایات کی تحقیقات کرے گا۔ جو عام قسم کی ہوں اور جن کا کسی مذہب کے شعار کی پابندی سے کوئی تعلق نہ ہو۔

شکایات کا ازالہ کب ہو گا؟ ان تمام امور کے متعلق یہ کمیشن ممکن الوجود سرعت سے کام کرے گا۔ اور اپنی رپورٹ اپنی سفارشات کے ساتھ میری حکومت کے روبرو پیش کرے گا جن کے موصول ہوتے ہی بلا تاخیر مزید میری حکومت اس رپورٹ اور ان سفارشات کے متعلق مناسب کارروائی کرے گی اور جو احکام ضروری معلوم ہوں گے وہ نافذ کئے جائیں گے۔

آزادی تحریر و تقریر و اجتماع: میری خواہش یہ ہے کہ ریاست میں جو قوانین اس وقت جماعتیں اور انجمنیں بنانے کے متعلق اور اخبارات کے ذریعہ سے یا جلسوں میں اظہار خیالات کی آزادی کے متعلق اور دوسرے ایسے معاملات کے متعلق رائج ہیں۔ ان کو بہتر بنایا جائے۔ تاکہ جہاں تک میری رعایا کی بہبود اور اس کے امن سے زندگی گزارنے کی مقتضیات اجازت دیں۔ ان قوانین کو ریاست میں ان قواعد کے مطابق بنایا جائے جو اس وقت ایسے معاملات کے متعلق برطانوی ہندوستان میں رائج و نافذ ہیں۔ اس لحاظ سے ریاست کے قوانین میں تغیر و تبدل مسٹر گلانسی کے مشورہ کے مطابق ہو گا۔ اور یہ کام فی الفور شروع کر دیا جائے گا۔

دستور اساسی کا مسئلہ: جیسے کہ میں قبل ازیں اعلان کر چکا ہوں میری نیت یہ ہے کہ ایسے

ذرائع پیدا کئے جائیں۔ کہ میری رعایا کو ریاست کی حکومت میں دخل حاصل ہو جائے میں چاہتا ہوں کہ ہر قوم کے نمائندوں کو مناسب موقع دیا جائے کہ وہ ریاست کے معاملات کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں اور حکومت کے نظام میں دخل اور امداد بھی دے سکیں۔

کشمیر میں گول میز کانفرنس: میرا ارادہ یہ ہے کہ جب متذکرہ بالا کمیشن موجودہ شکایات و تکالیف کی تحقیقات کا کام ختم کر چکے تو میں ایک ایسی کانفرنس طلب کروں جس کے صدر مسٹر گلانسی ہوں اور جس میں میری رعایا کے تمام فرقوں کے نمائندے شامل ہوں۔ تاکہ اس کانفرنس میں دستور اساسی میں اصلاحات کی ترویج کے بہترین و مناسب ترین ذرائع پر تبادلہ خیالات ہو سکے۔ اور اس تبادلہ خیالات کے نتائج کے موافق میرے غور اور میرے احکام کے لئے سفارشات مرتب کی جاسکیں۔

بعض مناسب احکام کا نفاذ: اس تحریر کے ساتھ میری حکومت کے بعض اعلانات کئے گئے ہیں ان سے معلوم ہو گا کہ امور ذیل کے متعلق احکام نافذ کر دیئے گئے ہیں۔ اول۔ جن افسروں کو گزشتہ فسادات کے سلسلہ میں محکمانہ طور پر سزا دی گئی تھی۔ ان کو پھر بحال کر دیا گیا ہے۔

دوم۔ حال ہی میں جن لوگوں کو سیاسی جرائم کی وجہ سے سزا ملی ہے۔ ان کے لئے اپیل کی میعاد وسیع کر دی گئی ہے۔ سوم۔ گزشتہ چار ماہ میں جو فسادات ہوئے ہیں ان کی وجہ سے جو فاقہ مست ہو گئے ان کو فی الفور امداد دی جائے۔ چہارم۔ سرینگر میں اول اول جو فسادات ہوئے ہیں ان کی تحقیقات کے لئے جو (دلال) کمیٹی مقرر ہوئی تھی اس کی تحقیقات کے بعد جو فسادات رونما ہوئے ان کی اور ان فسادات کو دبانے کے لئے ریاست نے جو وسائل اختیار کئے ہیں ان کی تحقیقات کے لئے ایک افسر مقرر کیا گیا ہے۔ (دستخط) ہری سنگھ مہاراجہ سرینگر مورخہ ۱۱/ نومبر ۱۹۳۱ء"۔ [۱۱۹]

مہاراجہ صاحب نے اس سلسلہ میں سب سے پہلا اور فوری قدم یہ اٹھایا کہ پتھر مسجد [۱۲۰] جس پر ریاست کا مدت مدید سے قبضہ تھا اور سرکاری گودام کے طور پر استعمال ہوتی تھی بڑی فراخدلی کے ساتھ مسلمانوں کے سپرد کر دی۔ اس مسجد کی رسم افتتاح بڑے جوش و خروش کے ساتھ ۲۹/ نومبر ۱۹۳۱ء کو عمل میں آئی یہ دن مسلمانان ریاست کے لئے سچ مچ جشن عید کا دن تھا اس تقریب پر پچاس ہزار مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں کشمیری مسلمانوں کے مشہور لیڈروں نے خطاب کیا۔ اور اس میں متفقہ طور پر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے شکریہ کی قرارداد منظور کی۔ [۱۲۱] چوہدری ظہور احمد صاحب جو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے دوسرے ممتاز نمائندوں کے ساتھ اس تقریب میں خاص طور پر مدعو تھے اور اعزازی مہمانوں کی حیثیت سے سٹیج پر تشریف فرما تھے۔ تحریر فرماتے ہیں۔ "راقم الحروف اس جلسہ میں شروع سے آخر تک موجود رہا۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد "اللہ اکبر"۔

"اسلام زندہ باد" اور "صدر کشمیر کمیٹی زندہ باد" کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ اور حاضرین خوشی سے اچھلتے تھے اس جلسہ میں جو تین ریزولیوشن متفقہ طور پر منظور ہوئے ان میں سے سب سے پہلا آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور اس کے محترم صدر کے شکریہ پر مشتمل تھا...... جلسہ سے فراغت کے بعد ہم لوگ کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد جب شام کے بعد اپنے ہاؤس بوٹ پر پہنچے تو ہمارا ہاؤس بوٹ پھولوں' ہاروں اور بجلی کے قمقموں سے روشن تھا۔ اور گھاٹ پر بھی چراغاں تھا۔ یہ سب کام رضاکاروں نے خود بخود کیا تھا۔ ان میں بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام قادر ڈکٹیٹر خواجہ غلام محمد صادق اور خواجہ غلام محی الدین قرہ پیش پیش تھے اور یہ سب دوسرے رضاکاروں کے ہمراہ وہاں موجود تھے۔ ہمارے ہاؤس بوٹ پر پہنچتے ہی ان لوگوں نے خوشی سے پھر نعرے لگائے"۔ [۱۲۲]

حواشی

۱۔ قرارداد آل انڈیا کشمیر کمیٹی (اجلاس لاہور) نومبر ۱۹۳۱ء۔
۲۔ گاندھی جی کے اخبار ینگ انڈیا ۱۵/ جنوری ۱۹۲۵ء میں ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ جسے INDULAL KA YAJNIC نے اپنی کتاب GANDHI AS I KNOW HIM صفحہ ۳۸۰ پر نقل کیا۔ جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ کانگریس اس زمانہ میں راجوں مہاراجوں کے مخالف نہیں۔ بلکہ بالواسطہ طور پر حامی تھی۔ یہ کتاب دانش محل فیض گنج دہلی نے اپریل ۱۹۴۳ء میں شائع کی تھی۔
۳۔ اسی وجہ سے بعض مسلمانوں نے کانفرنس کے انعقاد کی مخالفت کی تھی۔ (الفضل ۱۰/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۳ کالم ۲)
۴۔ اخبار اصلاح سرینگر ۲/ نومبر ۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
۵۔ الفضل ۲۴/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲۔
۶۔ برادران ریاست کے نام تیسرا پیغام صفحہ ۱۔ سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے ۱۱/ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو اعلان کیا کہ بعض آل انڈیا کشمیر کمیٹیاں دریافت کرتی ہیں کہ مجلس احرار کے متعلق ان کا رویہ کیا ہونا چاہئے ان سب کی اطلاع کے لئے لکھا جاتا ہے کہ مجلس احرار بھی اسی کام کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ جس کے لئے آل انڈیا کشمیر کمیٹی۔ اس لئے ہمارا رویہ ان کے متعلق ہمدردانہ ہونا چاہئے۔ ہمیں اپنے پروگرام کی طرف پوری توجہ کرنی چاہئے لیکن اگر کوئی مدد ان کے پروگرام میں ہم کر سکیں تو اس سے بھی ہمیں دریغ نہیں کرنا چاہئے مرکزی کمیٹی بھی ان کی ممکن امداد سے دریغ نہیں کرے گی کیونکہ مشترکہ امور میں ایک دوسرے کی اعانت ایک بہترین پالیسی ہے۔ (الفضل ۱۱/ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱)
۷۔ الفضل ۸/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۸۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ مسٹر محمد حسین صاحب بی۔ کام نے کیا۔ (رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۲-۱۹۳۱ء صفحہ ۸۱)
۹۔ مثلاً آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ممبروں کی طرف سے ایک اہم اعلان۔ "میرزا صاحب کی صدارت اور خواجہ حسن نظامی" "مصیبت زدہ مسلمانان جموں کی اپیل دردمندان ملت کے نام" "میرواعظ ریاست کشمیر کا باطل سوز اعلان"۔ "آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی خدمات جلیلہ کا اعتراف"۔ "آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا فوری اجلاس"۔
۱۰۔ ارمغان قادیان صفحہ ۹۴ (کلام مولوی ظفر علی خاں صاحب) مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس ریلوے روڈ لاہور)
۱۱۔ جماعت احمدیہ کے دوسرے جرائد و رسائل مثلاً اخبار فاروق۔ نور۔ مصباح بھی تحریک آزادی کی حمایت کرتے رہتے تھے۔
۱۲۔ جناب ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے کے مکتوب مورخہ ۱۱/ اکتوبر ۱۹۶۴ء سے ماخوذ۔
۱۳۔ ہفت روزہ لاہور ۲۴/ مئی ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۳ کالم ۱-۲۔ (مضمون چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ)
۱۴۔ اس اخبار نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا رقم فرمودہ پمفلٹ کشمیر کے حالات اپنے کالموں میں باقساط شائع کیا تھا۔
۱۵۔ الفضل یکم اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۱۶۔ سرگزشت صفحہ ۲۹۸۔
۱۷۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۱ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ۹۲۔
۱۸۔ ملک محمد اسحاق صاحب کا (جو ایک عرصہ تک بطور خزانچی اس محکمہ میں کام کرتے ہیں) بیان ہے کہ اس محکمے کا دفتر اولاً کشمیر کمیٹی کے نام سے ثانیاً کشمیر ایسوسی ایشن کے نام سے قریباً ۱۹۳۶ء تک قصر خلافت میں قائم رہا۔ ازاں بعد کچھ عرصہ حضرت اماں جان کے چوبارہ (متصل احمدیہ بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان) میں رہنے کے بعد حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب کے گھر میں منتقل ہو گیا جو ان دنوں کشمیر ریلیف فنڈ کے انچارج تھے۔
۱۹۔ ہفت روزہ لاہور ۳۱/ مئی ۱۹۶۵ء صفحہ ۹ کالم ۲-۳۔

۲۰۔ اخبار انقلاب (لاہور) ۲۰/ نومبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۳۔
۲۱۔ سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۳۲-۱۹۳۱ء صفحہ ۱۰۶۔
۲۲۔ الفضل ۱۴/ فروری ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۲۳۔ اخبار سیاست ۱۸/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر کمیٹی کے ساتھ ایک کشمیر فنڈ کمیٹی بھی قائم کر دی گئی تھی۔ جس کے صدر ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب تھے کمیٹی کا حساب مسلم بنک لاہور میں کھول دیا گیا۔ روپے کا اخراج ڈاکٹر صاحب بالقابہ اور غلام رسول صاحب بیرسٹرایٹ لاء کے دستخطوں سے ہوتا تھا۔
۲۴۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اجلاسوں کی تاریخیں۔ ۲۵/ جولائی ۱۹۳۱ء (شملہ)' ۱۳/ ۱۲ ستمبر ۱۹۳۱ء (سیالکوٹ)' ۱۳/ اکتوبر ۱۹۳۱ء (لاہور)' ۲۴/ اکتوبر ۱۹۳۱ء (لاہور)' ۱۰/ نومبر ۱۹۳۱ء (لاہور)' ۲۲/ نومبر ۱۹۳۱ء (دہلی)' ۱۳/ فروری ۱۹۳۲ء (لاہور)' ۲/ مارچ و ۴/ مارچ ۱۹۳۲ء (دہلی)' ۹/ مئی ۱۹۳۲ء (لاہور' ۵/ جولائی ۱۹۳۲ء (لاہور)' یکم فروری ۱۹۳۳ء (لاہور)' ۷/ مئی ۱۹۳۳ء (لاہور)' ۳/ ستمبر ۱۹۳۳ء (لاہور)' ۱۶/ ستمبر ۱۹۳۳ء (شملہ)' ۲۵/ مارچ ۱۹۳۴ء (لاہور)' ۲۸/ مارچ ۱۹۳۴ء۔
۲۵۔ رسالہ لاہور ۳۱/ مئی ۱۹۶۵ء صفحہ ۸۔
۲۶۔ اجلاس منعقدہ ۹/ مئی ۱۹۳۲ء بمقام لاہور کی روئیداد میں حضور کی تقریر درج ہے کہ کمیٹی اس وقت تک ۳۳ ہزار روپیہ خرچ کر چکی ہے۔ اور جو ایڈووکیٹ محاذ کشمیر پر کام کر رہے ہیں ان کی قربانیاں اس کے علاوہ ہیں احمدیوں کے سوا دوسرے مسلمانوں کی طرف سے صرف سات ہزار روپیہ وصول ہوا ہے اور آٹھ ہزار کے قریب کمیٹی نے قرض لیا ہے باقی تمام رقم جماعت احمدیہ نے مہیا کی ہے۔ ماہوار خرچ ۳-۴ ہزار کے درمیان ہے لیکن احمدیوں کے چندہ کے سوا ماہوار آمد چار سو سے زیادہ نہیں ہر ماہ تقریباً بارہ سو قرض لینا پڑتا ہے۔ رجسٹر روئیداد کشمیر کمیٹی صفحہ ۱۹) یہ تو بطور مثال لکھا گیا ہے ورنہ کشمیر کمیٹی کی آمد کے حسابات سے جو موجود ہیں اس حقیقت کی پوری تائید ہوتی ہے۔
۲۷۔ غالباً یہ واقعہ اگست ۱۹۳۲ء کا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کی تفصیل پر روشنی ڈالتے ہوئے ۱۹۴۴ء میں فرمایا۔ ایک دن سر سکندر حیات خان صاحب نے مجھے کہلا بھیجا کہ اگر کشمیر کمیٹی اور احرار میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو حکومت کسی نہ کسی رنگ میں فیصلہ کر دے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس بارہ میں دونوں میں تبادلہ خیالات ہو جائے کیا آپ ایسی مجلس میں شریک ہو سکتے ہیں میں نے کہا مجھے شریک ہونے میں کوئی عذر نہیں۔ چنانچہ یہ میٹنگ سر سکندر حیات خاں کی کوٹھی پر لاہور میں ہوئی اور میں بھی اس میں شامل ہوا۔ چوہدری افضل حق صاحب بھی وہیں تھے۔ باتوں باتوں میں وہ جوش میں آگئے۔ اور میرے متعلق کہنے لگے کہ انہوں نے الیکشن میں میری مدد نہیں کی۔ اور اب تو ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ احمدیہ جماعت کو کچل کر رکھ دیں گے۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اگر جماعت احمدیہ کسی انسان کے ہاتھ سے کچلی جا سکتی تو کبھی کی کچلی جا چکی ہوتی۔ اور اب بھی اگر کوئی انسان اسے کچل سکتا ہے تو یقیناً یہ رہنے کے قابل نہیں ہے۔ (الموعود صفحہ ۱۷۳) جناب چوہدری افضل حق صاحب تاریخ احرار صفحہ ۷۵-۷۶ میں یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ میں نے کہا مرزا صاحب کوئی الیکشن ایسا نہیں گزرا جس میں مرزائیوں نے میرے خلاف ایڑی چوٹی کا زور نہ لگایا ہو...... ہمارا بھی خدا کے فضل سے فیصلہ یہ ہے کہ اس جماعت کو مٹا کر چھوڑیں گے"۔
۲۸۔ خود نوشت حالات حضرت سید زین العابدین ولی اللہ صاحب (غیر مطبوعہ)
۲۹۔ محترم شیخ مبارک احمد صاحب کے خلاف نوٹس جاری کئے جانے کا حکام کشمیر نے ایک عجیب عذر تراشا شیخ صاحب موصوف قادیان سے محض جماعتی تربیت و اصلاح کے لئے سرینگر بھجوائے گئے تھے۔ اب آپ آب و ہوا کی ناموافقت کے باعث جاتے ہی بیمار ہو گئے قادیان سے آپ کو اپنے والد ماجد (حضرت شیخ محمد الدین صاحب) کا تار ملا کہ چاول کھالیں اور چائے کا قہوہ استعمال کریں۔ (EAT RICE AND TAKE TEA WITHOUT MILK) آپ نے جوابی تار دیا کہ میں چاول اور قہوہ استعمال کرنے کے بھی قابل نہیں ہوں۔ (UNABLE TO EAT RICE AND TAKE TEA WITHOUT MILK) سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ان تاروں کو خفیہ اشارات قرار دے کر آپ کو گورنر کشمیر سردار عطر سنگھ کے حکم سے چوبیس گھنٹہ کے اندر اندر سرینگر سے چلے جانے کا حکم دے دیا۔

۳۰۔ دسمبر ۱۹۳۱ء کے آخری ہفتہ میں شیر کشمیر پہلی بار قادیان تشریف لائے اس تقریب پر قادیان کے ایک پبلک جلسہ میں انہوں نے کشمیریوں کے حقوق و مطالبات پر تقریر بھی کی تھی۔ مشہور احمدی شاعر جناب حسن رہتاسی صاحب نے اس استقبالیہ تقریب کے لئے شیر آمد کے قافیہ پر لکھی ہوئی ایک فارسی نظم لکھی جو خواجہ عبدالغفار صاحب ڈار نے جو ان دنوں جامعہ احمدیہ میں تعلیم پارہے تھے) پڑھ کر سنائی جناب چوہدری ظہور احمد صاحب کا بیان ہے کہ شیخ محمد عبداللہ صاحب میری یادداشت کے مطابق دو دفعہ قادیان آئے دونوں دفعہ حضور کے مہمان تھے نواب صاحب کی کوٹھی پر ایک دفعہ حضور بوجہ بیماری مقیم تھے۔ اس لئے یہ بھی وہیں رہے ایک سفر میں حضور کے ملکیتی گاؤں راجپورہ بھی گئے"۔

۳۱۔ ملک فضل حسین صاحب کی شہادت کے مطابق عبدالقدیر خان صاحب بھی رہائی کے بعد قادیان آئے تھے۔

۳۲۔ بحوالہ الفضل ۱۹/ جون ۱۹۳۲ء صفحہ ۳ کالم ۲-۳۔

۳۳۔ الفضل ۱۲/ نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۸۔

۳۴۔ لاہور ۳۱/ مئی ۱۹۶۵ء صفحہ ۹ کالم ۴ (مفہوم)

۳۵۔ الفضل ۲۰/ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۔

۳۶۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اخبار اصلاح یکم ستمبر ۱۹۳۹ء تا ۲۲/ ستمبر ۱۹۳۹ء بعنوان "کشمیر تحریک کے ایک اسیر زنداں کی داستان زنداں"۔

۳۷۔ اخبار اصلاح سرینگر ۲۰/ جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۶ کالم ۱-۳۔

۳۸۔ قریشی محمد اسداللہ صاحب فاضل کاشمیری کے ایک غیر مطبوعہ مقالہ سے ماخوذ۔

۳۹۔ الفضل ۲۴/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۴ کالم ۱۔ اس درجہ محتاط رہنے کے باوجود جب بعض حلقوں کی طرف سے احمدی غیر احمدی کا سوال اٹھا دیا گیا تو حضور نے کشمیر کمیٹی کے مفاد کی خاطر چودھری ظفراللہ خاں صاحب، پیر اکبر علی صاحب فیروز پور، فضل کریم صاحب ایل ایل بی۔ چودھری محمد شریف صاحب وکیل منٹگمری، مولانا جلال الدین صاحب شمس اور ڈاکٹر عبدالحق صاحب کو بھی اس کا ممبر بننے کی دعوت دی اور کشمیر کمیٹی کے اجلاس لاہور میں دوسرے ممبروں کو اسکی اطلاع دیتے ہوئے وعدہ فرمایا کہ "اگر کمیٹی کو ان میں سے کسی صاحب پر اعتراض ہو تو میں ان سے استعفاء دلوا سکتا ہوں"۔

۴۰۔ جناب قریشی محمد اسداللہ صاحب فاضل کے ایک غیر مطبوعہ مقالہ سے ماخوذ۔

۴۱۔ بیرونی احمدیوں نے جس خلوص و استقلال سے اہل کشمیر کی مالی امداد کی اس کی رپورٹیں ۳۳-۱۹۳۱ء کے) الفضل، فاروق اور مصباح میں شائع شدہ ہیں۔

۴۲۔ الفضل ۲۷/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲۔

۴۳۔ اس کا بانی اور روح رواں جموں کا ایک نہالیڈر محمد اسمٰعیل تھا جو شہید ہو گیا۔ (لاہور ۲۶/ اپریل ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۳ کالم ۲)

۴۴۔ یہ مشین، سٹیشنری اور مطبوعات وغیرہ بھی کشمیر کمیٹی کی طرف سے خفیہ راستوں سے پہنچائی گئی تھی۔

۴۵۔ بیان جناب اللہ رکھا صاحب ساغر محررہ ۲۲/ دسمبر ۱۹۶۳ء (جناب قریشی محمد اسداللہ صاحب فاضل کشمیری کے ایک غیر مطبوعہ مقالہ سے ماخوذ)

۴۶۔ جناب میر عبدالعزیز صاحب ایڈیٹر اخبار انصاف راولپنڈی کا بیان ہے کہ چوہدری غلام عباس صاحب نے اپنی کتاب کشمکش کے مسودہ میں ایک عبارت یہ لکھی تھی کہ میں نے مذہب مولانا ابوالکلام آزاد سے سیکھا ہے اور سیاست مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب سے۔ اول الذکر سے میرا سیاسی اختلاف ہے اور ثانی الذکر سے مذہبی۔ مگر جب کتاب شائع ہوئی تو دوسری سطور کے علاوہ یہ حصہ بھی حذف کر دیا گیا۔ (لاہور ۲۸/ جون ۱۹۶۵ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲)

۴۷۔ بیان پروفیسر جناب محمد اسحق صاحب قریشی (قریشی محمد اسداللہ صاحب فاضل ایک غیر مطبوعہ مقالہ سے ماخوذ)

۴۸۔ خواجہ احمداللہ صاحب، جناب خواجہ غلام محی الدین صاحب قرہ کے والد اور غلام محمد صادق کے چچا اور خسر تھے۔

۴۹۔ اہل کشمیر کے دو اہم فرض۔ صفحہ ۱۔

۵۰۔ الموعود (لیکچر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) سالانہ جلسہ ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۵۹-۱۶۱۔

۵۱۔ الفضل ۶/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
۵۲۔ الفضل ۸/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۲۔
۵۳۔ بحوالہ الفضل مورخہ ۸/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۵۴۔ بحوالہ اخبار الفضل مورخہ ۱۱/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۲-۳۔
۵۵۔ ایک غیر مطبوعہ مضمون (مرقومہ سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) سے ماخوذ۔
۵۶۔ الفضل ۶/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۳ کالم ۱۔
۵۷۔ الفضل ۲۰/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۳-۴۔
۵۸۔ تفصیلات الفضل اگست۔ ستمبر ۱۹۳۱ء میں موجود ہیں۔
۵۹۔ الفضل ۲۷/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۶-۷۔
۶۰۔ اخبار کشمیری لاہور ۷/ ۱۴ ستمبر ۱۹۳۱ء۔
۶۱۔ الفضل مورخہ ۱۸/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۶۲۔ الفضل مورخہ ۱۸/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۶۳۔ یہ تصاویر کافی تعداد میں لی گئی تھیں۔ مگر افسوس ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں ان کا ایک حصہ تلف ہو گیا۔
۶۴۔ اصل خط خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہے۔
۶۵'۶۶۔ الفضل ۲۱/ فروری ۱۹۳۲ء و رپورٹ صدر انجمن احمدیہ سالانہ ۳۴-۱۹۳۳ء صفحہ ۱۹۰۔
۶۷۔ انقلاب یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۔
۶۸۔ بحوالہ الفضل ۲۴/ نومبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۴۔
۶۹۔ انقلاب ۲۰/ نومبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۳ بحوالہ الفضل ۲۶/ نومبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۰۔
۷۰۔ الفضل ۲۴/ نومبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۶۔
۷۱۔ الفضل ۲۷/ نومبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۔
۷۲۔ رپورٹ سالانہ (صدر انجمن احمدیہ) ۳۴-۱۹۳۳ء صفحہ ۱۹۰۔
۷۳۔ الفضل ۱۳/ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۔
۷۴۔ الفضل ۱۱/ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۲-۳۔
۷۵۔ اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۴/ نومبر ۱۹۵۴ء۔
۷۶۔ بحوالہ کتاب کشمکش صفحہ ۱۱۱ و صفحہ ۱۱۲۔ مصنف۔ چوہدری غلام عباس)
۷۷۔ انقلاب ۱۱/ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ۴۔
۷۸۔ انقلاب ۴/ اپریل ۱۹۳۲ء۔
۷۹۔ بحوالہ الفضل ۱۰/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۲۔
۸۰۔ اخبار انقلاب (لاہور) ۲۰/ اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ۶۔
۸۱۔ تحریک قادیان حصہ اول صفحہ ۲۴۲ (مولفہ مولانا سید حبیب صاحب مدیر سیاست) طبع اول ستمبر ۱۹۳۲ء۔
۸۲۔ جناب قریشی محمد اسد اللہ صاحب فاضل کشمیری کے غیر مطبوعہ مقالہ سے ماخوذ۔
۸۳۔ الفضل ۳/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۔
۸۴۔ چنانچہ ہری کشن کول صاحب ۲۲/ اگست ۱۹۳۱ء کو شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب کو ایک مکتوب میں (جو کشمیر کمیٹی کے ریکارڈ میں محفوظ ہے) واضح لفظوں میں لکھا۔ باقی موجودہ ایجی ٹیشن جو جوان لڑکے ہیں ان میں سے اکثر ریاست کی ملازمت سے بوجہ بد چلنی وغیرہ برخاست شدہ ہیں۔
۸۵۔ یہ اشتہار الفضل ۳/ ستمبر ۱۹۳۱ء میں بھی چھپ گیا تھا۔

۸۶- الفضل ۳/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۶ کالم ۱-۲-

۸۷- الفضل ۱۰/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ کالم ۲-

۸۸- ڈاکٹر محمد عالم صاحب کانگریس کے اہم مسلمان ممبر تھے- اپنے وعدہ کے مطابق انہوں نے کانگریسی لیڈروں کی حمایت حاصل کرنے کی جدوجہد کی- لیکن ان کی کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ کانگریس سے بدظن ہو گئے- اور کانگریس چھوڑ گئے اور بعد میں مسلمانوں کی طرف سے پنجاب اسمبلی کے لئے کھڑے ہوئے-

۸۹- بحوالہ مسئلہ کشمیر اور ہندو مہاسبھائی (مولفہ جناب ملک فضل حسین صاحب) صفحہ ۹۴-۹۵ طبع اول ستمبر ۳۲ء-

۹۰- حد یہ ہے کہ مولوی ظفر علی خان صاحب کے اخبار زمیندار نے لفظاً ملاپ کی تائید میں یہ بیان دیا کہ بظاہر ریاست میں امن کے آثار نظر آرہے تھے لیکن مصیبت یہ آپڑی کہ کشمیر کے فلاکت زدہ مسلمانوں کو روپیہ کی ضرورت تھی وہ روپیہ نہ انہیں جمعیت احرار دے سکتی تھی نہ کوئی دوسرا مسلمان- خلیفہ جی نے بات بگڑی دیکھ کر پھر اپنی ہمیانیوں کا منہ کھول دیا اور ہزارہا روپے کشمیری مسلمانوں کے پاس پہنچا دیئے اس طرح وہ آگ جسے مہاراجہ سرہری سنگھ کی آشتی پسندی اور سرسید مہر شاہ اور مسلمانان کشمیر کے دوسرے مخلص ہمدردوں نے بجھائی تھی پھر بھڑک اٹھی"-(زمیندار ۲۷/ نومبر ۱۹۳۱ء) بحوالہ الفضل ۳/ نومبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۳ کالم ۳- ملاپ کی ہمنوائی کا پس منظر کیا تھا اس پر حضرت ظفر الملت کے مندرجہ ذیل اشعار جو آپ نے مہاراجہ کشمیر کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے تھے- ؎

اے جواں سال مہاراجہ کہ بزم کشمیر گونجتی ہے ترے اخلاق کے افسانوں سے

اے کہ آراستہ ہے نامۂ عظمت تیرا بخت و دولت کے چمکتے ہوئے عنوانوں سے

ہے یہی میری تمنا کہ تشکر کی زباں نہ کبھی عہدہ برآ ہو تیرے احسانوں سے

چن کے لایا ہوں میں اخلاص و صداقت کے یہ پھول تیرے ہی لطف و نوازش کے گلستانوں سے

(زمیندار ۲۹/ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱ بحوالہ ظفر علی خاں کی گرفتاری صفحہ ۴۴ از حبیب الرحمن کابلی شائع کردہ ریفارم لیگ 'اسلام گلی وسن پورہ لاہور مطبوعہ مارچ ۱۹۳۷ء)

۹۱- بحوالہ مسئلہ کشمیر اور ہندو مہاسبھائی صفحہ ۸۶ تا ۱۱۹-

۹۲- بحوالہ مسئلہ کشمیر و ہندو مہاسبھائی صفحہ ۱۲۰-

۹۳- مجلس احرار اسلام ہند نے ان دنوں کشمیر میں وسیع پیمانے پر سینکڑوں مسلمان رضاکار حدود کشمیر میں بھجوائے تھے یہاں اسی جتھہ بندی کی طرف اشارہ ہے- اس اقدام سے تحریک آزادی کشمیر پر کیا اثر پڑا اس کا اندازہ اخبار سیاست کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے بآسانی لگ سکتا ہے- اخبار "سیاست" ۳- ستمبر ۱۹۳۲ء نے لکھا- اس جماعت احرار نے اہل الرائے مسلمانوں کے مشورہ کے خلاف کشمیر کو جتھے روانہ کئے جو آخر کار ناکام ہو کر ملت مرحومہ کی ذلت و رسوائی کا باعث ہوئے- پھر لکھا- جتھے بازی بے سود اور مضرت رساں ثابت ہوئی اس سے فائدہ کی بجائے الٹا نقصان پہنچا احرار کی جانب سے مسلمانان خطہ کو کوئی مالی امداد بھی نہ ملی ان کے جارحانہ اقدام کے باعث حکومت پنجاب و ہند بھی برگشتہ ہو گئی- (سیاست یکم مارچ ۱۹۳۲ء) یہ تو ہندوستان کے مسلم پریس کی رائے تھی- کشمیری مسلمانوں کا رد عمل بہت زیادہ شدید تھا چنانچہ کشمیری نمائندگان کے سیکرٹری مفتی جلال الدین صاحب نے اعلان کیا کہ میں بصد تاسف احرار کی سرگرمیوں کی مذمت پر مجبور ہوں- کیونکہ ان گمراہوں کے بے جا جوش و خروش نے ہماری زندگیوں کو تباہ و برباد کر کے عظیم الشان مصائب میں مبتلا کر دیا- (سیاست ۲۴/ نومبر ۱۹۳۲ء)

۹۴- یہ وفد جیسا کہ تار سے واضح ہے ۸/ ستمبر ۱۹۳۱ء کو سرینگر پہنچا مگر کسی خاص مصلحت سے چوہدری افضل حق صاحب نے تاریخ احرار کے صفحہ ۴۳ میں داخلہ کشمیر کا مہینہ اکتوبر ۱۹۳۱ء لکھ دیا ہے مگر صفحہ ۴۷ سے اصل حقیقت بالکل نمایاں ہو گئی ہے کیونکہ لکھا ہے کہ ستمبر ۱۹۳۱ء میں مکلیگن کالج سٹرائیک کے ہنگامہ کی اطلاع ہمیں سرینگر میں ملی تھی-

۹۵- تاریخ احرار صفحہ ۴۵-۴۶-

۹۶۔ حضور شریک اجلاس ہونے کے لئے ۱۱/ ستمبر ۱۹۳۱ء کو ۳ بجے کی گاڑی سے عازم سیالکوٹ ہوئے رستہ میں ڈیرہ بابا نانک' نارووال' چونڈہ اور سیالکوٹ اسٹیشن پر آپ کا شاندار استقبال کیا گیا سیالکوٹ میں آپ آغا حیدر صاحب رئیس کے مکان پر فروکش ہوئے اور کشمیر کمیٹی کے اجلاس میں شامل ہونے کے علاوہ جماعت احمدیہ سیالکوٹ اور لجنہ اماء اللہ کو بھی خطاب فرمایا۔ اور قلعہ سیالکوٹ پر معرکتہ الآراء تقریر بھی فرمائی اور حسب پروگرام ۱۵/ ستمبر ۱۹۳۱ء کو صبح ساڑھے چار بجے کے قریب بذریعہ موٹر روانہ ہو کر تین بجے شام واپس قادیان تشریف لے آئے۔ (الفضل ۱۵ و ۱۷/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ا و ۲)

۹۷۔ الفضل ۲۰/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۲۔

۹۸۔ الفضل ۲۹/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۴۔

۹۹۔ اخبار الامان (۱۹/ ستمبر ۱۹۳۱ء) نے لکھا۔ یہ تجاویز نہایت معقول ہیں اور کافی غور و تدبر کے بعد منظور کی گئی ہیں۔ ان تجاویز کے ذریعہ مہاراجہ کشمیر کو موقع دیا گیا ہے۔ کہ وہ ایک ماہ کے اندر مسلمانوں کے مطالبات پورے کردیں۔ ورنہ اس کے بعد مسلمان اپنی جدوجہد شروع کردیں گے نیز اس عرصہ میں مسلمانوں کے لئے ایک پروگرام بھی تجویز کردیا گیا ہے۔ کہ وہ اس پر عمل کر کے قربانیاں دینے کی تیاری کریں...... مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس پروگرام کے مطابق ہر جگہ تیاریاں شروع کردیں۔ (بحوالہ الفضل ۲۷/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۵ کالم ۳)

۱۰۰۔ ان حضرات کی شان میں جناب افضل حق صاحب مفکر احرار لکھتے ہیں یہ...... اپنی پگڑی پہلے ہی بغل میں دابے پھرتے تھے اور دوسروں کی اچھل جائے تو افسوس نہیں کرتے۔ (تاریخ احرار صفحہ ۱۴) طبقاتی جنگ احرار کے مزاج کے عین مطابق ہے۔ (تاریخ احرار صفحہ ۱۱۰)

ہم نے ابھی تخریبی کام سیکھا ہے۔ تخریب کے ساتھ ساتھ تعمیری ذہن کی ضرورت ہے۔ (تاریخ احرار صفحہ ۴۷)

۱۰۱۔ الفضل ۲۰/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۳۔ ۴۔ مشہور عالم اہلحدیث جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے لکھا۔ سیالکوٹ میں خلیفہ پر اتنے پتھر پڑے تھے کہ دو ٹرنک بھر کرلائے تھے۔ (اہلحدیث امرتسر ۷/ جنوری ۱۹۳۸ء صفحہ ۴)

۱۰۲۔ الفضل ۲۷/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ و ۲۹/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ میں یہ تفصیلات چھپ گئی تھیں۔

۱۰۳۔ الفضل ۲۹/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ا۔

۱۰۴۔ الفضل ۶/ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ا۔

۱۰۵۔ الفضل قادیان مورخہ ۲۷/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۳ و ۴۔

۱۰۶۔ الفضل ۲۷/ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۵ کالم ا۔ ۲۔

۱۰۷۔ بحوالہ الفضل ۱۰/ نومبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۱ کالم ا۔ ۳۔ اسی زمانہ میں پنجاب کے ۲۲ مشہور مسلمان زعماء (مثلاً ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب بیرسٹرایٹ لاء' سید محسن شاہ ایڈووکیٹ' مولوی غلام مرشد صاحب' مولوی غلام محی الدین صاحب سیکرٹری انجمن حمایت اسلام' پروفیسر سید عبدالقادر صاحب' خواجہ دل محمد صاحب ایم۔ اے) وغیرہ نے مسلمانوں سے ایک بیان میں اپیل کی کہ بعض مضبوط قرائن سے یہ اندیشہ پیدا ہو رہا ہے کہ حکام ریاست کشمیر مسلمانوں کی قوت کو توڑنے کے لئے یہ حربہ استعمال کرنے کے درپے ہیں کہ ان کے اندر فرقہ وارانہ سوال پیدا کریں...... مسئلہ کشمیر ایک مہتم بالشان اسلامی مسئلہ ہے کسی قسم کے فرقہ وارانہ خیالات کی وجہ سے اس کو کسی قسم کا ضعف پہنچانا اسلام کے ساتھ غداری کے مترادف ہے اور ہمیں امید واثق ہے کہ ریاست ہمارے اندر اس قسم کی کمزوری پیدا کرنے میں ناکام ہوگی اور اس کی طرف سے آخری حربہ کے بالمقابل بھی مسلمان اپنی اسلامی صلاحیت کا ثبوت دیں گے۔ (الفضل ۱۸/ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ا۔ ۲)

۱۰۸۔ یہ نام حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے ایک تار سے معین ہوتے ہیں۔ جو حضور نے مولوی محمد یوسف صاحب میرواعظ کے نام دیا تھا۔

۱۰۹۔ الفضل ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۴ کالم ۲۔

۱۱۰۔ لاہور ۳/ مئی ۱۹۶۵ء صفحہ ۸۔

۱۱۱۔ یہ میموریل جو آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے خوبصورت انگریزی پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا تھا مندرجہ ذیل نمائندگان نے پیش کیا۔ (۱) میرواعظ محمد یوسف صاحب (۲) میرواعظ احمد اللہ صاحب ہمدانی (۳) سعد الدین صاحب شال (۴) سید حسین شاہ صاحب جلالی

(۵) غلام احمد صاحب اشائی (۶) ٹھیکیدار مستری یعقوب علی صاحب (۷) شہاب الدین صاحب (۸) شیخ عبدالحمید صاحب ایڈووکیٹ (۹) چوہدری غلام عباس صاحب (۱۰) سردار گوہر رحمان صاحب (۱۱) شیخ محمد عبداللہ صاحب (شیر کشمیر)

۱۱۲- الفضل ۱۰/ نومبر ۱۹۳۱ء۔

۱۱۳- الموعود صفحہ ۱۶۱- ۱۶۲۔

۱۱۴- الموعود صفحہ ۱۷۰ (لیکچر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ۲۸/ دسمبر ۱۹۴۴ء)

۱۱۵- گڑھی حبیب اللہ میں شیخ محمد عبداللہ صاحب کی ملاقات کی طرف اشارہ ہے۔ ناقل۔

۱۱۶- الموعود صفحہ ۱۶۹ تا ۱۷۱۔

۱۱۷- (ملخص) اصل خط محفوظ ہے۔

۱۱۸- حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ایک غیر مطبوعہ مضمون سے ماخوذ ۱۹۵۱ء۔

۱۱۹- الفضل ۱۹/ نومبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۹-۱۰۔

۱۲۰- یہ مسجد ملکہ ہند نور جہاں بیگم نے تعمیر کرائی تھی۔ منشی محمد الدین صاحب فوق نے اپنی مشہور کتاب مکمل تاریخ کشمیر جلد دوم صفحہ ۱۹۵ (مطبوعہ ۱۹۱۰ء) پر اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ملکہ ہند نے خانقاہ معلی کے مقابلہ میں ایک سنگین مسجد بھی تیار کرنے کا حکم دیا۔ جو بعد میں بڑے عالی شان پیمانے پر تیار ہوئی اور اب تک موجود ہے اور سرکاری انباروں کا کام دیتی ہے۔

۱۲۱- الفضل ۳/ دسمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

۱۲۲- لاہور ہفت روزہ مورخہ ۱۰/ مئی ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۳۔

حصہ دوم۔ چوتھا باب (فصل اول)

"مڈلٹن کمیشن" اور "گلانسی کمیشن" میں جماعت احمدیہ کی خدمات' اہل کشمیر کے لئے مالی و جانی قربانیوں کی تحریک' وسیع پیمانے پر فسادات اور ان کی روک تھام' مظلومین کشمیر کے مقدمات کی پیروی میں احمدی وکلاء کے سنہری کارنامے' آل جموں و کشمیر پولٹیکل مسلم کانفرنس کی بنیاد' اخبار "اصلاح" کا اجراء اور کشمیر اسمبلی کا قیام

"مڈلٹن کمیشن" اور "گلانسی کمیشن"

(نومبر ۱۹۳۱ء سے لے کر ستمبر ۱۹۳۴ء تک)

مہاراجہ ہری سنگھ صاحب والی جموں و کشمیر کے تاریخی اعلان (مورخہ ۱۱/ نومبر ۱۹۳۱ء) سے جدوجہد آزادی کا ایک نیا محاذ شروع ہوا یعنی ریاست کے مقرر کردہ "مڈلٹن کمیشن" اور "گلانسی کمیشن" کے سامنے کار آمد اور مفید شہادتوں کا مرتب کرنا اور کشمیری مسلمانوں کو ایسے مشورے دینا جن سے وہ اپنا کیس موثر رنگ میں پیش کر سکیں۔

کمیشن میں کام کرنے والے مخلص کارکن یہ بہت بڑا معرکہ تھا جسے سر کرنے کے لئے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی طرف سے

سرینگر، جموں، پونچھ اور میرپور میں باقاعدہ دفاتر کھول دیئے سرینگر میں شیخ بشیر احمد صاحب بی اے۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ، چوہدری عصمت اللہ صاحب بی ایس سی۔ ایل ایل بی، مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے، صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔ اے، مولوی محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی، مولوی سید میرک شاہ صاحب اور چوہدری ظہور احمد صاحب کو دن رات کام کرنا پڑا۔ جس کا چرچا پنجاب کے مسلم پریس میں بھی ہوا۔ چنانچہ اخبار "انقلاب" نے لکھا۔

"کشمیر میں اس وقت دو کمیشن مصروف کار ہیں...... آل انڈیا کشمیر کمیٹی...... کی خدمات آئینی جدوجہد میں ایسی عظیم الشان ہیں کہ کوئی دوسری جماعت اس لحاظ سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی"۔ [۱]

اسی اخبار نے ایک اور اشاعت میں لکھا۔ "حقیقت یہ ہے کہ تحریک کشمیر کے سلسلے میں جو تعمیری کام اس کمیٹی نے انتہائی خلوص اور خاموشی سے انجام دیا ہے۔ اس کے شکریہ سے مسلمان کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے...... بحالت موجودہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے ایک مشہور عالم، دو وکیل، ایک گریجوایٹ اور ایک کلرک کو سرینگر میں اس کام پر مامور کر رکھا ہے کہ تحقیقاتی کمیشنوں کے سامنے مسلمانوں کا کیس تیار کریں اور ان کمیشنوں کی کارروائی پر نگرانی رکھیں ایک وکیل جموں میں مصروف کار ہے ایک میرپور بھیجا جا رہا ہے۔ دو اچھے وکیل گلانسی کمیشن کے ساتھ کام کرنے کے لئے بھیجے جا رہے ہیں۔ لیکن ان کا سفر خرچ اور مصارف قیام پر بھی کافی روپیہ خرچ ہو رہا ہے"۔ [۲]

"مڈلٹن کمیشن" کے سلسلہ میں شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی خدمات سے متاثر ہو کر شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب نے ۲۱/ دسمبر ۱۹۳۱ء کو سرینگر سے "الفضل" کے نام مندرجہ ذیل پیغام بھیجا۔

"شوپیاں کا مقدمہ قتل [۳] گزشتہ ہفتہ سے شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور نہایت قابلیت کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایک ملزم رہا کر دیا گیا ہے۔ شیخ بشیر احمد صاحب نے ہمارے مفاد کی خاطر جو قربانی کی ہے اس کے ہم بے حد ممنون ہیں آپ نے مڈلٹن تحقیقاتی کمیٹی کے سلسلہ میں بھی ہمیں قابل قدر امداد دی ہے ہم آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اس نے ایسا قابل قانون دان ہماری امداد کے لئے بھیجا"۔ [۴]

شیخ صاحب کے دوش بدوش مولوی عبدالرحیم صاحب درد کی جدوجہد بھی قابل تعریف تھی اور ان کا وجود اہل کشمیر کے لئے بہت غنیمت تھا۔ چنانچہ چوہدری ظہور احمد صاحب کا بیان ہے کہ گلینسی نے جس وقت کام شروع کیا مولانا عبدالرحیم صاحب درد سرینگر ہی میں تھے۔ ان کا دستور یہ تھا کہ روزانہ شام کو مسلم نمائندوں سے سارے دن کی کارروائی کے حالات سنتے، مشورے دیتے جاتے شہادتیں اور مواد مہیا کرنے کا کام بہت اہمیت رکھتا تھا...... یہ کام پوری ذمہ داری سے شیخ بشیر احمد صاحب

ایڈووکیٹ سرانجام دے رہے تھے۔

ایک روز ایک نمائندہ کمیشن سے مولانا درد صاحب نے فرمایا کہ وہ کمیشن کے اس طرح رکن ہیں۔ جیسے مسٹر گلینسی اگر مسٹر گلینسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کارروائی کی تمام فائل اپنے ساتھ گھر پر لے جائیں، مسٹر مڈلٹن اور ریاست کے دوسرے حکام سے مشورہ کریں۔ تو یہ حق آپ کو بھی حاصل ہے۔ اس لئے آپ آج مکمل فائل ہمارے پاس لائیں۔ تاکہ ہم ملاحظہ کے بعد آپ کو مزید مشورہ دے سکیں ہفتہ کی شام کو وہ فائل لے آئے اور راقم الحروف سے بیان کیا کہ وہ فائل مسٹر گلینسی کے علم کے بغیر اس کے اردلی سے اس شرط پر لے کر آئے ہیں کہ پیر کے روز دفتر کھلنے سے پہلے وہ اسے واپس کر دیں گے راقم الحروف نے اسی وقت اسے ٹائپ کرنا شروع کر دیا۔ ساری رات کام کرتا رہا۔ دوسرا دن (جو اتفاق سے اتوار کا دن تھا) کام کیا۔ اگلی رات نصف شب کے قریب میں نے ساری فائل کی چار نقلیں ٹائپ کر لیں تھیں۔ جو بعد میں بہت مفید ثابت ہوئیں۔ کیونکہ مسل میں جو نقائص رہ گئے تھے ان کا علم ہو گیا اور مسلم نمائندگان کو ضروری مواد مہیا کر کے ان کے ہاتھ مضبوط کر دیئے گئے اس ۳۴ گھنٹے کے عرصہ میں آرام اور نمازوں کا وقت غالباً چار گھنٹے سے زیادہ نہ ہو گا۔ نیند سے بچنے کے لئے کھانے سے پرہیز کیا۔ اور صرف قہوہ استعمال کیا۔ اب میں خود حیران ہوتا ہوں کہ ان دنوں اتنا کام کرنے پر بھی خاص کوفت محسوس نہ ہوئی تھی"۔ ۵

محترم درد صاحب اس دوران میں چند روز کے لئے قادیان تشریف لے گئے تو شیخ محمد عبداللہ صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں لکھا کہ "کیا کروں اکیلا ہوں..... جناب سے استدعا کی تھی کہ مولانا درد کو کم از کم دس دن کے لئے سرینگر بھیج دیجئے اور درد صاحب نے بھی فرمایا تھا مگر ابھی تک نہیں آئے۔ خدارا انہیں جلدی روانہ فرمائیں۔ ورنہ تمام کام بگڑ جائے گا۔

...... ہمیں اس وقت مختلف ہندوستانی ریاستوں کے انسداد گاؤ کشی کے قوانین کے حوالہ جات کی ازحد ضرورت ہے مجھے امید قوی ہے کہ جناب والا اس کے متعلق کوشش فرما کر ہمیں مطلوبہ حوالہ جات روانہ فرمائیں گے۔ جناب کو شاید کشمیری پنڈتوں کا کمیشن کا نقل بیان مل گیا ہو گا۔ ہمیں تبدیلی مذہب کے متعلق جناب کا تفصیلی جواب مطلوب ہے۔ براہ کرم تھوڑا بہت وقت نکال کر جناب اس پر تبصرہ فرمائیں۔ ہم نے ایک ایک مہینہ سے دفتر پتھر مسجد کے ساتھ قائم کیا ہے اور کام باقاعدہ چل رہا ہے جناب کو مؤدبانہ گڑھی حبیب اللہ والا وعدہ یاد دلانے کی جرات کرتا ہوں کہ اخراجات دفتر جو کہ شاید مبلغ۔/۲۳۸ روپے بنتے ہیں جناب والا ماہوار بھیجتے رہیں گے مجھے روپے کی ازحد ضرورت ہے۔ کاش مجھے سری نگر سے صرف دو ہفتہ کی مہلت ملتی۔ تاکہ میں دیہات کا دورہ کر کے چندہ جمع کرتا۔ مگر

جونہی میں ادھر ادھر جاتا ہوں کام تمام کا تمام بگڑ تا ہے۔ میں جناب سے التجا کروں گا کہ کم از کم اخراجات دفتر کا انتظام فرما کر میری طرف سے مولانا درد صاحب' مولانا غزنوی صاحب و دیگر کارکنان کی خدمت میں مودبانہ عرض السلام۔ میں ہوں جناب کا تابعدار دستخط شیخ محمد عبداللہ (بحروف انگریزی - ناقل) ۹

تبدیلی مذہب اور گاؤکشی سے متعلق قوانین کی فراہمی

اس خط کے پہنچنے پر کشمیر کمیٹی نے کلینسی کمیشن کے لئے مطلوبہ مواد مہیا کر کے بھجوا دیا اور بھوپال' رامپور' جے پور' حیدر آباد' میسور' بھرت پور' بیکانیر' پٹیالہ' بڑودہ' بہاولپور' مالیر کوٹلہ اور کپور تھلہ کے وزرائے اعظم سے خط و کتابت کی' اور ان کے قوانین وراثت حاصل کر کے شیخ محمد عبداللہ صاحب کو بھجوائے اور ریاستوں سے جواب آتے ہی مسٹر کلینسی کو لکھا کہ معلوم ہوا ہے ریاست کے بعض حکام سمجھتے ہیں کہ تبدیلی مذہب سے محرومی وراثت کا قانون تمام ہندوستانی ریاستوں میں موجود ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ ہم نے مختلف ریاستوں سے تحقیق کی ہے پرائم منسٹر بیکانیر اور پولیٹیکل سیکرٹری بڑودہ نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ ان کے یہاں یہ قانون منسوخ ہو چکا ہے (مراسلہ مورخہ ۵/ مارچ ۱۹۳۲ء) ان کے علاوہ جے پور' میسور وغیرہ سے بھی اس قانون کی تنسیخی کا جواب آیا۔ رامپور اور پٹیالہ سے مکتوب ملا کہ قانون وراثت سے متعلق فیصلے ہر فرقہ کے عقیدہ و قانون کے مطابق کئے جاتے ہیں تبدیلی پر محرومی وراثت کی کوئی دفعہ موجود نہیں۔

زعمائے کشمیر حضرت امام جماعت احمدیہ کی خدمت میں

جناب شیخ عبدالحمید صاحب ایڈووکیٹ جموں کا بیان ہے کہ "مسلم مطالبات کے سلسلہ میں یہ مشکل پیش آئی کہ جب ہم نے حکومت کشمیر سے مسجدیں واپس کرنے کا مطالبہ کیا۔ تو ہندوؤں نے قدیم مندر کی (جو مسجدوں میں تبدیل ہوئے ہیں) واپسی کا مطالبہ کیا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ہم نے مرزا بشیر الدین محمود احمد کی طرف رجوع کیا۔ آپ نے نمائندوں کو وزیر آباد بلایا۔ چنانچہ میں اور قاضی گوہر رحمان صاحب اور شیخ محمد عبداللہ صاحب اور مستری یعقوب علی صاحب آپ سے وزیر آباد آکر ملے۔ اور آپ کی ہدایات کے مطابق ہم نے یہ جواب جا کر کلینسی کے سامنے دیا کہ مساجد ہم حکومت کشمیر سے واپس مانگ رہے ہیں نہ کہ کسی فرقہ کے قبضہ سے اور ہندوؤں کا جو سوال ہے وہ ان مقامات کے متعلق ہے جو صدیوں سے ان بزرگوں کے مسلمان ہونے کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں چلے آتے ہیں ایسی جائیداد کو واپس لینے کے لئے جو کسی دوسرے فرقہ کے قبضہ میں ہو انہیں عدالت کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔۔۔۔۔۔۔ جب ہم نے یہ جواب پیش کیا تو فریق مخالف کا منہ بند ہو گیا"۔ ۷

گلانسی کمیشن کے سلسلہ میں چوہدری عصمت اللہ صاحب' صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز کی خدمات بھی یادگار رہیں گی۔ چوہدری عصمت اللہ صاحب مڈلٹن کمیشن میں بطور عینی شاہد پیش ہوئے اس کے بعد گلانسی کمیشن کے لئے مواد جمع کرنے میں شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے دست و بازو بن گئے۔ [۸] مسٹر گلینسی سے موخر الذکر دو اصحاب نے بار بار ملاقاتیں کیں۔ اور ان پر مسلم مطالبات کی معقولیت ہر رنگ میں واضح کرنے کی کوشش کی اور جن معاملات میں مسٹر گلینسی کو شرح صدر نہ تھا ان کو دلائل کے ذریعہ اپنا ہم خیال بنانے کی سعی و جدوجہد آخر وقت تک جاری رکھی ان مخلص اور مستعد کارکنوں کے علاوہ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب مالیہ اور لگان کی تخفیف سے متعلق مسلم مطالبات کو مدلل بنانے کے لئے راولپنڈی' جہلم' سیالکوٹ وغیرہ ملحقہ اضلاع میں تشریف لے گئے اور پٹواریوں اور قانون گوؤں وغیرہ کی مدد سے مالیہ سے متعلق ضروری اور اہم کوائف فراہم کئے جو کمیشن کے مسلمان ممبروں کی طرف سے پیش کئے گئے۔

کمیشن جموں میں

مڈلٹن اور گلانسی کمیشن سرینگر سے کام ختم کر کے وسط جنوری ۱۹۳۲ء میں سرینگر سے جموں پہنچا جہاں چوہدری عزیز احمد صاحب بی اے۔ ایل ایل بی نے اور مولوی غلام مصطفیٰ صاحب بیرسٹر گوجرانوالہ نے ینگ مینز ایسوسی ایشن کی طرف سے مڈلٹن کمیشن کے سامنے گواہوں کے بیانات دلائے۔ [۹] چوہدری محمد عظیم صاحب باجوہ اس خدمت میں چوہدری عزیز احمد صاحب کا ہاتھ بٹاتے تھے اور لفٹیننٹ محمد اسحٰق صاحب نے دفتری کام عمدگی سے سنبھالا چنانچہ چوہدری غلام عباس صاحب اپنی کتاب "کشمکش" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "میں سرینگر سے جموں پہنچ گیا تھا۔ وہاں مسلم ایسوسی ایشن مڈلٹن کمیشن کے روبرو اپنا کیس پیش کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے دو ایڈووکیٹ مقدمہ کی پیروی کے لئے جموں بھیجے جنہوں نے پوری دلچسپی اور انہماک سے دو ماہ تک یہ کام سرانجام دیا"۔ [۱۰]

جموں کے لیڈر سردار گوہر رحمان صاحب کے خطوط

ذیل میں جموں کی ینگ مینز ایسوسی ایشن کے مشہور لیڈر اور ڈکٹیٹر جناب سردار گوہر رحمان صاحب کے چند خطوط کا درج کرنا ضروری ہے ان خطوط سے اس عظیم الشان کام کی نوعیت و اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

(ا) 8.X11.31 مخدومی و معظمی جناب پریذیڈنٹ صاحب آل انڈیا کشمیر کمیٹی

السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔ مزاج شریف۔

چونکہ گلینسی کمیشن کی آمد آمد ہے۔ اور کمیشن مذکور کی آمد سے پہلے "مطالبات" کی کاپیاں تمام

قلمرو میں ارسال کرنی ضروری ہیں۔ لہٰذا از راہ کرم انگریزی مطالبات کا ترجمہ کرا کر کم از کم ۳۰۰۰ کاپیاں ایک ہفتہ کے اندر اندر ارسال فرما کر شکر گزار فرمائیں۔ کیونکہ دیہاتی لوگ ابھی تک اپنے مطالبات سے ہی ناواقف ہیں۔ خاکسار گوہر رحمان (نقل مطابق اصل)

(۲) جموں نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بخدمت محترم جناب حضرت صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ یہاں پہنچ کر حسب الحکم سب کچھ کر دیا گیا ہے۔ اور آئندہ بھی انشاء اللہ ایسا ہی ہوا کرے گا۔ ہمارے لئے ہر وقت دعا فرمایا کریں۔ کیونکہ ہم دشمنوں کے نرغے میں بے یار و مددگار ہیں۔ اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی حامی و مددگار نہیں۔

آج معلوم ہوا ہے کہ بیمہ آگیا ہے صبح وصول ہو جائے گا۔ اخراجات کی سخت تکلیف ہے علاوہ ازیں یہاں پر سخت تکالیف کا سامنا ہے۔ میں بالکل تنہا ہوں اور کوئی صاحب ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتے۔ صبح سے لے کر رات دس بارہ بجے تک کام کرنا پڑتا ہے۔ دفتر میں شیخ غلام قادر صاحب بالکل تنہا ہیں اور کام کی اس قدر کثرت ہے کہ انہیں اس قدر پریشانی ہو رہی ہے جو بیان سے باہر ہے۔ اس کے متعلق میں اس قدر عرض کروں گا۔ کہ ایک ٹرینڈ کلرک ایک دو ماہ کے لئے اور ایک ٹائپ کا اگر انتظام فرما دیں۔ تو ہمیں کچھ سہولت ہو سکتی ہے اس وقت تک نہ ہی گلینسی کمیشن اور نہ ہی مڈلٹن کمیشن کے لئے کوئی تیاری ہو سکی ہے۔ باہر دورہ کرنے کے لئے آدمی نہیں ملتے یہاں کے تمام امورات ادھورے پڑے ہیں۔ اس لئے جناب بہت جلد کوئی مستقل انتظام فرما کر شکر گزار فرمائیں۔

وکلاء صاحبان میں سے کوئی صاحب اس وقت تک تشریف نہیں لائے۔ مقدمات کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہے اگر شروع میں جرح نہ ہوئی تو بعد میں ہمیں مزید جرح کا موقعہ نہیں مل سکتا۔ اس لئے مودبانہ عرض ہے کہ جہاں تک جلد ممکن ہو سکے وکلاء کا انتظام فرمائیں۔ یہاں پر وہی وکیل پیش ہو سکتے ہیں جو ایڈووکیٹ ہوں اس لئے اس کا ضرور خیال رکھیں۔ چوہدری عزیز احمد صاحب کو بحیثیت مختار پیش ہونے کی اجازت ملی ہے...... والسلام خاکسار گوہر رحمان"۔ (نقل مطابق اصل)

(۳) ۲۰/۱۲/۳۱ جموں بخدمت محترم جناب حضرت صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ امید کہ جناب بخیریت ہوں گے۔ جلسہ کی وجہ سے مصروفیت زیادہ ہو گی۔ یہاں کے حالات دن بدن پیچیدہ ہو رہے ہیں۔ اشتہارات جاری کرنے کے بعد اس وقت تک صرف میرپور میں پریذیڈنٹ صاحب شکایات کی فراہمی کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ شکایات اس وقت تک بہت کم بھیجی گئی ہیں۔ اور وقت بہت کم ہے۔ میں نے جناب سے عرض کیا تھا۔ کہ ان اخراجات

کے لئے کم از کم چار صد روپیہ کی ضرورت ہے۔ لیکن کوئی توجہ نہیں فرمائی گئی جس قدر ممکن ہو سکے روپیہ ارسال فرمائیں۔ مڈلٹن کمیشن کا کام شروع کر دیا گیا ہے، ور محمد اسحاق صاحب خوب محنت سے کام کر رہے ہیں۔ کرمس میں تمام کام ختم کر لیا جائے گا۔ بشرطیکہ یہ تمام احباب یہاں پر رہیں اس لئے جناب میر صاحب وغیرہ کو کرمس میں یہیں رہنے کے لئے حکم دیں تاکہ تمام بیانات مکمل کر لئے جائیں۔ اگر کام ہلکا ہو گیا تو ایک دن کے لئے جلسہ پر چلے جائیں گے۔ گلانسی کمیشن کے لئے تاحال کوئی مواد فراہم نہیں ہوا۔ وہ تمام بیانات کشمیر طلب کر رہے ہیں۔ اس لئے آج ان کو لکھ دیا ہے کہ بیانات ان کے آنے پر یہاں پیش کئے جائیں گے کیونکہ ہندو شہادتوں کو ورغلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مسٹر عبداللہ کا تار سرینگر سے آیا تھا۔ جو نوٹ وزیر آباد سے تیار کئے گئے تھے ان کے متعلق ریزولیوشن پاس ہو چکے ہیں۔ اب صرف گائے کشی کے سزا کی تخفیف پر بحث شروع ہے...... شہاب الدین کو سپوکس مین مقرر کیا ہے...... دعا کریں اللہ تعالیٰ ایسے نازک وقت میں ہماری امداد فرمائے۔ ..... چوہدری عزیز احمد صاحب کو میرپور بھیجا ہوا ہے جناب کے پاس ایک اور وکیل نے یہاں آنے کی درخواست کی ہوئی ہے مہربانی کر کے انہیں فوراً روانہ فرمائیں۔ تاکہ عزیز احمد صاحب کو مڈلٹن کمیشن کی تیاری کے لئے واپس بلایا جاسکے۔ کیونکہ وہ اس سے اچھی طرح واقف ہیں اس وقت ضرورت صرف ایک ایسے قابل اور محنتی کارکن کی ہے جو کمیشن کے کام سے اچھی واقفیت رکھتا ہو۔ کیونکہ ہم سب بالکل ناواقف ہیں۔ اور گلانسی کمیشن کی تیاری میں سخت پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ یہ امر جناب کی فوری توجہ کا محتاج ہے۔ روپیہ کی اشد ضرورت ہے۔ آخر میں یہ عرض ہے کہ ہم سب جناب کی دعا کے بھی محتاج ہیں۔ ہماری کامیابی کے لئے ہر وقت دعا فرمایا کریں۔ درد صاحب ابھی تک یہاں نہیں پہنچے کیا کشمیر چلے گئے ہیں۔ احباب آپ سے آداب کرتے ہیں۔ خاکسار گوہر رحمان جموں (نقل مطابق اصل)

ملک فضل حسین صاحب کی دو تصانیف

ان کمیشنوں میں تصنیفی لحاظ سے جس چیز نے بہت مدد کی وہ ملک فضل حسین صاحب کی تالیف "مسلمانان کشمیر اور ڈوگرہ راج" تھی۔ جو ۳۰/ دسمبر ۱۹۳۱ء کو شائع ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ذاتی طور پر ڈیڑھ سو نسخے اس کے خرید فرمائے اور حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کو مظفر آباد روانہ فرمایا تا وہ سربر آوردہ مسلمانوں میں اسے مفت تقسیم کر دیں چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اس کتاب کے کئی ابواب کا انگریزی ترجمہ شیخ محمد عبداللہ صاحب کی خواہش پر گلینسی کمیشن کے سامنے رکھا گیا۔ [۱۱]

اس کتاب نے مسلمانان کشمیر کے مطالبات کی معقولیت واضح کر دی اور زعمائے کشمیر نے اس کا

بہت شکریہ ادا کیا۔ چنانچہ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب نے تحریر فرمایا کہ "میری رائے ہے کہ قابل مصنف نے بہت محنت سے کام کیا ہے۔ اور کشمیر کے مسلمانوں کی نسبت درد دل رکھنے والے تمام حضرات کو چاہئے کہ وہ اس رسالہ کا ضرور مطالعہ کریں۔ مسلمانان ریاست کو بھی چاہئے کہ گھر گھر میں اس کتاب کو منگوائیں اور اپنے اصل حالات اور دشمنوں کی چالوں سے واقف رہیں اور اگر وہ آئندہ دنیا میں ایک باوقار قوم کی مانند رہنا چاہتے ہیں"۔

مولوی سید میرک شاہ صاحب فاضل دیوبند پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور نے لکھا۔ اس کتاب کی ممتاز ترین خوبی یہ ہے کہ غیر جانبدار شاہدوں کی شہادت اور صحیح اعداد و شمار نیز واقعات کی روشنی میں مسلمانان کشمیر یا بالفاظ دیگر رعایائے کشمیر کی وہ تباہی و بربادی دکھادی گئی ہے جو ڈوگرہ حکومت کے عہد میں کشمیریوں کو پیش آئی...... اس موضوع پر روشنی ڈالنے کے لئے میرے خیال میں اب تک کوئی کتاب اس سے بہتر نہیں لکھی گئی"۔

جناب اللہ رکھا صاحب ساغر لیڈر جموں نے تحریر فرمایا۔ "میرے خیال میں رسالہ سلیقہ سے مرتب ہوا ہے مصنف کی عرقریزی قابل داد ہے"۔

شیخ غلام قادر صاحب جنرل سیکرٹری ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن جموں نے یہ رائے دی۔ "یہ اپنی نوعیت کا سب سے پہلا رسالہ ہے اس کے مصنف نے مہا سبھائی ہندوؤں کی خفیہ سازشوں کا تمام تار و پود کھول کر رکھ دیا ہے۔ جو مسلمانان کشمیر کو ایک مدت دراز سے سختی کے ساتھ کچل رہا تھا حوالہ جات سے ہندوؤں کی سازشوں کے اثبات میں جو محنت مصنف نے کی ہے قابل داد ہے ریاست کے محکمانہ گوشوارے جن میں ملازمتوں کا تناسب دکھایا گیا ہے۔ اور وہ مثالیں جن سے حکام کے کورانہ تعصبات کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ سراسر حقیقت پر مبنی ہیں"۔

سید ولایت شاہ صاحب مفتی تحصیل راجوری نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا کہ "میرے خیال میں یہ کتاب واقعات کشمیر کے لحاظ سے مشاہدات عینی کا عین ترجمہ ہے۔ اور مصنف صاحب نے جس خلوص سے محنت کر کے یہ کتاب لکھی ہے تہ دل سے اہل خطہ کیا جملہ مومنین کو مشکور ہونا عین انصاف ہے"۔

۱۲

ملک فضل حسین صاحب نے مسلمانان کشمیر کے ڈوگرہ راج کے بعد ستمبر ۱۹۳۲ء میں "مسئلہ کشمیر اور ہندو مہا سبھائی" کے نام سے دوسری کتاب شائع کی جس میں تحریک حریت کشمیر کے خلاف مہا سبھائی پراپیگنڈا کی خوب قلعی کھولی اور ثابت کر دکھایا کہ ویدوں میں تبدیلی مذہب پر ضبطی جائیداد کا کوئی قانون موجود نہیں، باقی رہی منو سمرتی تو اس کے قانون وقتی ہیں اور خود ہندوؤں نے بلکہ ریاست

کشمیر نے بھی اس کے متعدد قانون عملاً منسوخ اور کالعدم کر رکھے ہیں۔ بلکہ کشمیری پنڈت منو کے خلاف مطالبات کر رہے ہیں۔ ان کتابوں کی قوت و ہیبت کا حکام ریاست پر یہ اثر تھا کہ انہوں نے یہ دونوں کتابیں ضبط کرلیں۔ اور ہدایت جاری کردی کہ جس شخص کے پاس ان کا کوئی نسخہ پایا جائے گا اسے چھ ماہ قید اور سو روپیہ جرمانہ کی سزا دی جائے گی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی نظر ثانی گلانسی کمیشن کے مسودہ اصلاحات پر

گلانسی کمیشن کا کام اختتام پذیر ہوا۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مسلم مطالبات کے تحفظ کے لئے آخری کوشش یہ فرمائی کہ کمیشن کے مسودہ اصلاحات پر احتیاطاً خود بھی نظر ثانی کر کے مسلم زعماء کو مفید مشورے دیئے۔ چنانچہ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ "حضور نے مجھے ہدایت فرمائی کہ اصلاحات کے مسودے میں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسی شقیں شامل کردی جائیں جن سے کشمیری مسلمانوں کے حقوق کو نقصان پہنچے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان ممبروں کے دستخط ہونے سے پہلے وہ مسودہ اصلاحات حضور کی نظر سے گزر جائے۔ یہ کام بہت مشکل تھا۔ کیونکہ مجھے معلوم ہوا کہ مسٹر گلینسی اور ان کی بیوی مسودہ اصلاحات خود ٹائپ کرتے ہیں اور اپنی صندوقچی میں اسے مقفل رکھتے ہیں۔ ممبران کو بلا کر تبادلہ خیال کرتے ہیں ان سے اپنے سامنے ہی دستخط کروائیں گے۔ اور رپورٹ بالا بالا بھیج دیں گے۔ ان کا یہ طریق عمل میرے لئے مایوس کن تھا۔ لیکن سیدھی سادی تدبیر سے بغیر اس کے کہ سرقہ کی صورت ہو۔ تیار کردہ رپورٹ جس پر دستخط ہونے تھے آگئی۔ راتوں رات وہ ٹائپ کروائی اور میں وہ لے کر قادیان پہنچ گیا۔ حضور نے اس میں اصلاحات فرمائیں اور تیسرے دن میں اور درد صاحب مرحوم دونوں مسودہ کو جموں لے آئے اور مسٹر عباس اور مسٹر اشائی کو ضروری مشورہ دیا گیا۔ اور یہ ممبر بہت ہی ممنون ہوئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو کشمیریوں کی بہبود کا اتنا خیال تھا کہ حضور نے اصلاح شدہ مسودے کی دو کاپیاں ٹائپ کروائیں۔ ایک ایک کاپی دونوں کو دے دی گئی۔ کہ ہم میں سے اگر ایک گرفتار ہو جائے تو دوسرا مسلمان ممبران کمیشن کو پہنچا دے"۔

مڈلٹن کمیشن کی رپورٹیں

"مڈلٹن کمیشن" اور "گلانسی کمیشن" سے متعلق جماعت احمدیہ کی عظیم الشان خدمات کا تذکرہ کرنے کے بعد اب ہم "مڈلٹن کمیشن" کی رپورٹ کی طرف آتے ہیں۔

ابتداءً مڈلٹن کمیشن کا خلاصہ ایسوسی ایٹڈ پریس نے شائع کیا تھا۔ جسے دیکھ کر مسلمانان کشمیر اور کشمیر

کمیٹی کو بہت افسوس ہوا۔ کیونکہ ڈوگرہ مظالم کے متعلق رپورٹ سراسر غیر منصفانہ اور اس شہادت کے بالکل خلاف تھی جو کمیشن کے روبرو پیش کی گئی۔ اس بناء پر کشمیر کمیٹی نے حکومت کشمیر سے مطالبہ کیا کہ وہ مڈلٹن رپورٹ کی مکمل نقل مع شہادتوں کے کمیٹی کو مہیا کرے۔ نیز مطالبہ کیا کہ پوری رپورٹ بلا تاخیر شائع کی جائے۔ چنانچہ جب بعد کو اصل رپورٹ منظر عام پر آئی تو معلوم ہوا کہ اخبارات کا خلاصہ سخت گمراہ کن اور خلاف اصل تھا۔ اور گو مسلمانوں سے پورا پورا انصاف نہیں کیا گیا تھا۔ مگر وہ ایسی بری بھی نہیں تھی جیسی کہ خلاصہ سے معلوم ہوتی تھی۔ اور اس میں فسادات کی ذمہ داری ریاست کے سول اور فوجی افسروں پر ڈالی گئی تھی [۱۳] مگر چونکہ رپورٹ کے خلاصہ نے مسلمانان کشمیر میں سخت اضطراب و تشویش کی لہر دوڑادی تھی۔ لہذا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اہل کشمیر کے نام مطبوعہ خط لکھا جس میں اس رپورٹ پر انتقاد کرتے ہوئے فرمایا۔ "بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اب ہمیں گلینسی کمیشن پر کیا اعتبار رہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گلینسی کمیشن سے بھی خطرہ ہے۔ جس طرح مڈلٹن کمیشن میں خطرہ تھا۔ لیکن اگر اس کمیشن نے بھی ہماری امیدوں کے خلاف فیصلہ کیا۔ تو ہمارا کیا نقصان ہو گا۔ کیا انگریز کے منہ سے نکلی ہوئی بات ہمارے مذہب کی جزو ہے۔ اگر مسٹر گلینسی نے مسٹر مڈلٹن والا طریق اختیار کیا تو ہم مڈلٹن رپورٹ کی طرح اس کی غلطیوں کا بھی پردہ فاش کریں گے۔ اور اگر اس میں مسلمانوں کے حق میں کوئی سفارش کی گئی تو یقیناً اس سے ہم کو فائدہ پہنچے گا"۔ [۱۴]

گلانسی کمیشن کی رپورٹ اور مسلمانان کشمیر کے حقوق و مطالبات پر مہر تصدیق

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے یہ الفاظ صحیح ثابت ہوئے اور گلانسی کمیشن نے مسلمانوں کے اکثر حقوق و مطالبات کی سفارش کر دی۔ اور ان کی معقولیت پر اس طرح مہر تصدیق ثبت کر دی کہ ہندو پریس نے احتجاجاً لکھا۔ "کشمیر کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے۔ [۱۵] ۲۲/ مارچ ۱۹۳۲ء کو کمیشن کی رپورٹ مکمل ہوئی اور مہاراجہ صاحب نے ۱۰/ اپریل ۱۹۳۲ء کو رپورٹ کی سفارشات منظور کرنے کے احکام جاری کر دیئے۔ اور اس طرح حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی قیادت میں صرف چند ماہ کی آئینی جدوجہد سے اہل کشمیر کو اکثر و بیشتر وہ حقوق قانوناً حاصل ہو گئے جو سکھوں کے عہد حکومت سے چھن گئے تھے۔ اور جن کی خاطر اندرون کشمیر اور بیرون ریاست دونوں جگہ ایک لمبے عرصہ سے کوششیں جاری تھیں۔

چنانچہ گلانسی کمیشن کے نتیجہ میں خانقاہ "سوختہ"۔ خانقاہ شاہدرہ، زیارت مدنی صاحب، خانقاہ بلبل شاہ، خانقاہ داراشکوہ، شاہی باغ مسجد، خانقاہ صوفی شاہ، عیدگاہ سرینگر وغیرہ مساجد و مقابر اور مقدس مقامات جو مدت سے ڈوگرہ حکومت کے قبضہ میں تھے۔ مسلمانوں کو واپس کر دیئے گئے اور آئندہ کے

لئے مہاراجہ نے یہ اعلان کیا کہ اس نوع کی تمام مقدس عمارتیں مسلمانوں کے سپرد کردی جائیں اور اگر ان پر قابض لوگوں کو معاوضہ دینے کا عدالتی فیصلہ ہو تو ریاست اسے معاوضہ ادا کرے۔ اور نئی مساجد بنانے کی درخواست پر بھی ہمدردانہ غور کیا جائے۔

مہاراجہ صاحب کی طرف سے یہ بھی اعلان کیا گیا کہ ہر قوم کو ریاست میں کامل مذہبی آزادی ہے اور اگر کوئی شخص اذان میں مداخلت کرے تو اسے سزا دی جائے۔ یا کسی کو اس کی تبدیلی مذہب کی بناء پر ہراساں اور خوفزدہ کیا جائے۔ تو اس کی گوشمالی کی جائے۔ خواہ وہ پولیس ہو یا کوئی اور سرکاری عہدیدار ہو یا رعایا میں سے کوئی شخص!!

تعلیم کے متعلق کمیشن کی سفارشات منظور کرتے ہوئے ابتدائی تعلیم کی توسیع' عربی کے اساتذہ کی تعداد' اسلامی وظائف کی مقدار اور محکمہ تعلیم کے مسلمان انسپکٹروں میں اضافہ کے احکام دیئے اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے ایک خاص انسپکٹر کے تقرر کا فیصلہ کیا۔

مسلمانوں کا ایک نہایت اہم مطالبہ یہ تھا کہ زمینداروں کو حقوق مالکانہ دیئے جائیں۔ جو تسلیم کر لیا گیا۔ اور جموں' سانبہ' اکھنور' کھٹولہ' جسمر گڑھ' میرپور اور بھمبر کی تحصیلوں سے کاہ چرائی کا ٹیکس عارضی طور پر اڑا دیا گیا۔ دھاروں میں جو مزید ٹیکس وصول کیا جاتا تھا وہ بھی اڑا دیا گیا۔ اخروٹ کے درخت کاٹنے پر پابندی بھی ختم کر دی گئی' محکمہ جنگلات' پولیس اور مال وغیرہ میں بھی نئی اصلاحات جاری کی گئیں اور بکروالوں پر ٹیکس میں تخفیف کر دی گئی۔

آزادی تقریر و تحریر سے متعلق اعلان کیا کہ ریاست میں جلد از جلد وہی قانون رائج ہو۔ جو برطانوی ہند میں رائج ہے۔ مالیہ کی شرح برطانوی علاقہ کے مطابق کرنے کے مطالبہ کی معقولیت تسلیم کر لی گئی ریاست کے افسروں اور مہاراجہ کو رائے عامہ سے آگاہ کرنے اور ریاست کی قانون سازی اور حکام کے اعمال پر تنقید کرنے اور رعایا کو شامل کرنے کے لئے مسٹر گلانسی کی زیر صدارت اصلاحاتی کانفرنس نے ریاست میں آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کی سفارش کی۔ چنانچہ اس کی عملی تشکیل کے لئے مہاراجہ نے ایک فرنچائز کمیٹی قائم کردی [۱۲] اور ۱۹۳۴ء میں اسمبلی کا قیام ہوا۔

اس کے علاوہ بیگار' جنگلات' رکھ' کسٹم' دھڑت' محکمہ تعمیرات عامہ' میونسپلٹی' محکمہ طبی' ذبیحہ' شادی صغرسنی سے متعلق مراعات کا اعلان کیا گیا۔ اور ریاستی مطابع کو برطانوی ہند کے مطابق بنانے کے لئے ایک نیا ترمیم شدہ قانون جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور اس بارے میں احکام بھی جاری کر دیئے گئے۔

حضرت امام جماعت احمدیہ کی طرف سے گلانسی اور زعماء کشمیر کو مبارکباد

حضرت امام جماعت احمدیہ نے گلانسی کمیشن کی سفارشات اور مہاراجہ صاحب کے فیصلہ جات پر مفصل تبصرہ شائع فرمایا۔ اس تبصرہ میں [۱۷] حضور نے جہاں مسٹر گلینسی کو مبارک باد دی وہاں گلینسی کمیشن کے مسلمان ممبروں یعنی چوہدری غلام عباس صاحب اور خواجہ غلام احمد صاحب اشائی کی خدمات کو بہت سراہا اور گلینسی رپورٹ کے فیصلہ ملکیت اراضی پر خاص طور پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ کہ "گو بظاہر یہ صرف ایک اصلاحی تغیر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن چند دنوں کے بعد اس کے عظیم الشان نتائج کو لوگ محسوس کریں گے۔ اور یہ امر کشمیر کی آزادی کی پہلی بنیاد ہے اور اس کی وجہ سے اہل کشمیر پر زندگی کا نیا دور شروع ہوگا۔ مجھے اس تغیر پر دوہری خوشی ہے کیونکہ اس مطالبہ کا خیال سب سے پہلے میں نے پیدا کیا تھا اور زور دے کر اس کی اہمیت کو منوایا تھا بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ مطالبہ مانا نہیں جاسکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے کہ آخر یہ مطالبہ تسلیم کر لیا گیا"۔ [۱۸] مگر ساتھ ہی یہ وضاحت فرمائی کہ "ابھی ہمارا بہت سا کام پڑا ہے اور اسے پورا کئے بغیر ہم دم نہیں لے سکتے۔ نیز ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ صرف قانون سے ہم خوش نہیں ہو سکتے کیونکہ قانون کا غلط استعمال اچھے قانون کو بھی خراب کر دیتا ہے پس دیکھنا یہ ہے کہ فیصلہ جات پر مہاراجہ کی حکومت عمل کس طرح کرتی ہے"۔ [۱۹]

سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کا دورہ کشمیر

حضور نے صرف اس اعلان پر ہی اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ جلد ہی سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو کشمیر میں بھجوایا۔ کہ اندرون ریاست میں جاکر معلوم کریں۔ کہ گلانسی سفارشات پر کہاں تک عمل ہوا ہے چنانچہ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "میں نے گاندربل کے قومی کارکن مسٹر غلام قادر کو ساتھ لیا اور کشمیر ٹورسٹ گائیڈ کی مدد سے دور دراز علاقوں میں گیا۔ سون مرگ۔ بال تل' بالتستان' درازہابت وادی (ریچھ والی وادی) شیطان کنڈ' تراگربل' بانڈی پورہ' سوپور' بارہ مولا وغیرہ علاقوں کا دورہ کرتا ہوا۔ دو تین ماہ بعد سرینگر پہنچا۔...... گھوڑے کی سواری سے پنڈلی کے بال جھڑ چکے تھے۔ جو اب تک صاف ہیں سر اور داڑھی کے بالوں میں سفیدی شروع ہو گئی تھی ان سفروں میں مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ منظور کردہ اصلاحات نافذ ہیں۔ بکروال وغیرہ قبائل نے ...... میرا ہر جگہ خوشی سے استقبال کیا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو دعائیں دیں کہ ان کے کاہ چرائی کے ٹیکس کم ہوئے۔ اس سفر کے اثناء میں بعض وقت مجھے ریچھوں کی غاروں میں رات گزارنا پڑی۔ ریچھ موسم گرما میں برفانی چوٹیوں پر چلے جاتے ہیں اور غاریں خالی ہوتی ہیں۔ موسم کی

خرابی اور بارش کی وجہ سے ہمیں مجبوراً راستے میں ان ہی غاروں میں سے ایک غار میں رات ٹھہرنا پڑا"۔

گلانسی کمیشن کے تعلق میں فصل کے اختتام پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے ایک اہم واقعہ کا درج کرنا ضروری ہے۔ حضور فرماتے ہیں "گورنمنٹ آف انڈیا نے ایک والئی ریاست کو اسی غرض کے لئے مقرر کیا۔ کہ کس طرح اس جھگڑے کا وہ فیصلہ کروا دیں۔ انہوں نے میری طرف آدمی بھیجے اور کہا کہ جب تک آپ دخل نہیں دیں گے یہ معاملہ کسی طرح ختم نہیں ہو گا۔ میں نے کہا مجھے تو دخل دینے میں کوئی اعتراض نہیں۔ میری تو اپنی خواہش ہے کہ یہ جھگڑا دور ہو جائے۔ آخر ان کا پیغام آیا کہ آپ دہلی آئیں۔ میں دہلی گیا۔ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب بھی میرے ساتھ تھے۔ دو دفعہ ہم نے کشمیر کے متعلق سکیم تیار کی۔ اور آخر گورنمنٹ آف انڈیا کے ساتھ فیصلہ ہوا کہ ان ان شرائط پر صلح ہو جانی چاہئے۔ اس وقت کشمیر میں بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ اور مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ اگر ہم نے فیصلہ میں دیر کی تو تمام کریڈٹ جماعت احمدیہ کو حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ پیشتر اس کے کہ ہم اپنی تجاویز کے مطابق تمام فیصلے کروا لیتے مسلمانوں نے ان سے بہت کم مطالبات پر دستخط کر دیئے حالانکہ ان سے بہت زیادہ حقوق کا ہم گورنمنٹ آف انڈیا کے ذریعہ فیصلہ کروا چکے تھے"۔ [۲۰]

(فصل دوم)

حضرت امام جماعت احمدیہ کی طرف سے اہل کشمیر کے لئے مالی و جانی قربانیوں کی پرزور تحریک اور اہل کشمیر سے ایک اہم وعدہ

آل انڈیا کشمیر کمیٹی اگرچہ اصولاً مسلمانان ہند کا ایک ملک گیر ادارہ تھا۔ مگر اس کی مالی اور دوسری عملی ذمہ داریاں سب سے زیادہ جماعت نے پوری کرنا تھیں۔ اس لئے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے نہایت اولوالعزمی کے ساتھ سالانہ جلسہ ۱۹۳۱ء پر واضح اعلان فرمایا کہ۔

"میں نے اپنے نفس سے اقرار کیا ہے۔ اور طریق بھی یہی ہے کہ مومن جب کوئی کام شروع کرے۔ تو اسے ادھورا نہ چھوڑے۔ میں نے کشمیر کے مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے کہ جب تک کامیابی حاصل نہ ہو جائے خواہ سو سال لگیں۔ ہماری جماعت ان کی مدد کرتی رہے گی۔ اور آج میں اعلان کرتا ہوں کہ کل پرسوں اترسوں سال دو سال سو دو سو سال جب تک کام ختم نہ ہو جائے ہماری جماعت کام کرتی رہے گی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک حبشی غلام نے ایک قوم سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ فلاں فلاں رعایتیں تمہیں دی جائیں گی جب اسلامی فوج گئی۔ تو اس قوم نے کہا کہ ہم سے تو یہ معاہدہ ہے۔ فوج کے افسر اعلیٰ نے اس معاہدہ کو تسلیم کرنے سے لیت و لعل کی تو بات حضرت عمرؓ کے پاس گئی انہوں نے فرمایا۔ مسلمانوں کی بات جھوٹی نہ ہونی چاہئے۔ خواہ غلام ہی کی ہو۔ مگر یہ غلام کا نہیں جماعت کے امام کا وعدہ ہے پس ہماری جماعت کو مسلمانان کشمیر کی امداد جاری رکھنی چاہئے۔ جب تک کہ ان کو اپنے حقوق حاصل نہ ہو جائیں۔ خواہ اس کے لئے کتنا عرصہ لگے۔ اور خواہ مالی اور خواہ کسی وقت جانی قربانیاں بھی کرنی پڑیں۔ ہم نے یہ کام مظلوم مسلمانوں کی امداد کے لئے شروع کیا ہے۔ مگر بعض لوگوں نے اس میں کامیابی دیکھ کر یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ ہم نے تبلیغ احمدیت کے لئے یہ کام شروع کیا ہے اس کام کی وجہ سے اگر اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں ہماری محبت ڈالے تو ہم خدا تعالیٰ کے اس انعام سے انکار نہیں کر سکتے۔ مگر اسے ہم تبلیغ احمدیت کا آلہ نہیں بنا سکتے۔ اس کام کو چونکہ ہماری جماعت نے ابتغاءً لوجہ اللہ شروع کیا ہے۔ تاکہ ایک مظلوم قوم آزاد ہو۔ اس لئے کسی اپنے نفوذ

کا ذریعہ نہیں بنانا چاہئے"۔ [۲۱]

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے احمدیوں میں یوں زبردست جذبہ اور روح پھونکنے کے بعد خاص آزادی کشمیر سے متعلق پانچ خطبے ارشاد فرمائے۔ چنانچہ ۲۲/ جنوری ۱۹۳۲ء کے خطبہ جمعہ میں بعض رویاء و کشوف کی بناء پر فرمایا۔

"کشمیر کے مسلمان یقیناً غلام ہیں اور ان کی حالت دیکھنے کے بعد جو یہ کہتا ہے کہ ان کو کسی قسم کے انسانی حقوق حاصل ہیں۔ وہ یا تو پاگل ہے۔ اور یا اول درجہ کا جھوٹا اور مکار۔ ان لوگوں کو خدا تعالیٰ نے بہترین دماغ دیئے ہیں اور ان کے ملک کو دنیا کی جنت بنایا ہے۔ مگر ظالموں نے بہترین دماغوں کو جانوروں سے بد تر اور انسانی ہاتھوں نے اس بہشت کو دوزخ بنا دیا ہے لیکن خدا تعالیٰ کی غیرت نہیں چاہتی کہ خوبصورت پھول کو کانٹا بنا دیا جائے۔ اس لئے وہ اب چاہتا ہے کہ جسے اس نے پھول بنایا ہے وہ پھول ہی رہے۔ اور کوئی ریاست اور حکومت اسے کانٹا نہیں بنا سکتی۔ روپیہ چالاکی، مخفی تدبیریں اور پراپیگنڈا کسی ذریعہ سے بھی اسے کانٹا نہیں بنایا جا سکتا۔ چونکہ خدا تعالیٰ کا منشاء یہ ہے اس لئے کشمیر ضرور آزاد ہو گا۔ اور اس کے رہنے والوں کو ضرور ترقی کا موقع دیا جائے گا۔ اگر تم اس میں حصہ لوگے تو گو بظاہر اس بڑھیا کی مثال ہوگی۔ جس کے متعلق یہ قصہ مشہور ہے کہ وہ سوت کی انٹی لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے گئی تھی۔ لیکن ساتھ ہی یہ مت خیال کرو تمہارا حصہ بہت تھوڑا ہے ممکن ہے ہمارا پیسہ یا دھیلہ یا دمڑی ہی اس کی آزادی کا موجب ہو جائے۔ اور اگرچہ دنیا کی نظر میں اس کی کچھ حقیقت نہ ہو مگر خدا تعالیٰ کے علم میں یہ بات ہو کہ اگر وہ دمڑی خرچ نہ کی جاتی تو یہ ملک آزاد نہ ہو سکتا۔ دوسری چیز دعا ہے۔ میں دوستوں کو تحریک کرتا ہوں کہ رمضان کی دعاؤں میں کشمیر کی آزادی کو بھی شامل رکھیں۔ اگر ہمارے پاس ریاست کے مقابلہ میں روپیہ نہیں۔ آدمی نہیں۔ فوجیں نہیں اور دوسرے دنیوی اسباب نہیں تو کچھ پروا نہیں کیونکہ ہمارے پاس وہ ہتھیار ہے جو دنیا کے سارے بادشاہوں کے پاس نہیں اور جس سے تمام حکومتوں کی متحدہ طاقتوں کو بھی شکست دی جا سکتی ہے۔ اور وہ دعا ہے"۔ [۲۲]

اس خطبہ کے بعد حضور نے ۵/ فروری ۱۹۳۲ء کو مسلمانان کشمیر کے لئے ایک پائی فی روپیہ چندہ دینے کی اہم تحریک فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

"تیس لاکھ انسانوں کی قوم سینکڑوں سال سے ظلم و استبداد کے نیچے چلی آتی ہے۔ پھر وہ ہماری تحقیق کے مطابق بنی اسرائیل میں سے ہے۔ وہی بنی اسرائیل جنہیں خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کے ذریعہ فرعون کے مظالم سے نجات دلائی تھی۔ اور کوئی تعجب نہیں کہ وہ پھر

اس فرعونی حکومت سے ان غریبوں کو بھی بچانا چاہتا ہو۔ اس لئے اس معاملہ میں ہماری مدد اس کی خوشنودی کا موجب ہوگی جماعت کے دوستوں کو چاہئے کہ اس موقعہ سے محروم نہ رہیں۔ اور اس معاملہ میں یہ کبھی خیال نہیں کرنا چاہئے۔ کہ وہ لوگ ہماری جماعت سے تعلق نہیں رکھتے ہمیں ان کی امداد کی کیا ضرورت ہے جس طرح خدا تعالیٰ کا احسان اپنے پرائے میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ اسی طرح مومن کے احسان میں بھی کوئی اس قسم کی تمیز نہ ہونی چاہئے۔....اور ان بے چاروں کی تو ایسی مظلومی کی حالت ہے کہ اگر وہ مسلمان بھی نہ ہوتے تب بھی ان کی مدد واجب تھی "۔ [۲۳]

مظلومین کشمیر کی امداد کے سلسلہ میں حضور نے تیسرا خطبہ ۱۲/ فروری ۱۹۳۲ء [۲۴] کو چوتھا خطبہ ۱۹/ فروری ۱۹۳۲ء [۲۵] کو اور پانچواں خطبہ ۲۶/ اگست ۱۹۳۲ء [۲۶] کو ارشاد فرمایا۔ اور جماعت سے تحریک آزادی کے لئے قربانیوں کا مطالبہ کیا اور یہ حضور کی قوت قدسی ہی کا نتیجہ تھا کہ جماعت کے ہر طبقہ نے اس مطالبہ پر نہایت اخلاص و فدائیت سے لبیک کہا۔ اور ان میں عمل و جد و جہد کی نئی روح پیدا ہو گئی۔

(فصل سوم)

فسادات اور ان کی روک تھام' زعماء کشمیر کی رہائی کے لئے کامیاب جدوجہد اور مجرموں کی سزایابی

۱۹۳۲ء کا آغاز ظالمانہ آرڈی نینس کے نفاذ' میرپور' جموں' راجوری' ہندواڑہ' بارہ مولا' سوپور' بھمبر' کوٹلی اور پونچھ میں ڈوگرہ حکومت کے شرمناک مظالم' مفتی ضیاء الدین صاحب کی جلاوطنی [27] شیخ محمد عبداللہ صاحب اور دوسرے زعماء کشمیر [28] اور صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔ اے کے اخراج ریاست سے ہوا۔ جبر و تشدد کے اس نئے دور کا سبب یہ ہوا کہ جموں میں امن کی بحالی کے لئے جو انگریزی فوج متعین کی گئی تھی۔ وہ مسلمانان جموں کی سرتوڑ کوشش کے باوجود ۲۱/ دسمبر ۱۹۳۱ء کو ریاست کشمیر کے زور دینے پر واپس بلالی گئی اور جموں کے نہتے مسلمان پھر ریاستی حکام کے رحم و کرم پر چھوڑ دیئے گئے۔ ادھر جموں میں کشیدگی انتہاء تک پہنچی ادھر میرپور میں یہ ظلم و ستم ہوا کہ انسپکٹر جنرل پولیس' گورنر جموں اور وزیر وزارت نے فوج اور پولیس کی معیت میں عدم ادائیگی مالیہ [29] کے سلسلہ میں میرپور کے ایک گاؤں (کھڑی) میں چھاپہ مارا۔ عورتوں کے زیورات اور دیگر چیزوں کے علاوہ مویشی بھی قرق کرلئے مگر زمینداروں نے کوئی مزاحمت نہ کی حکام تمام مال مویشی اور سامان لے کر جب روانہ ہونے لگے۔ تو زمینداروں نے رسیدیں طلب کیں لیکن حکام نے قطعی انکار کر دیا۔ اس پر زمیندار نہایت بے دست وپائی اور عجز کے ساتھ مویشیوں کے سامنے لیٹ گئے۔ اور رسیدات کا مطالبہ کرنے لگے انسپکٹر جنرل پولیس نے پولیس کو لاٹھی چارج کا حکم دیا۔ مگر مسلمان پھر بھی لیٹے رہے۔ آخر گولی چلادی گئی۔ جس سے پانچ مسلمان شہید اور ۲۵ مجروح ہوئے۔ [30]

اس دہشت انگیزی کے بعد مظالم کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا۔ اور چند ماہ میں علاقہ میرپور کے ہزاروں مسلمان جن میں مرد' عورتیں بچے سب شامل تھے۔ تباہ حال ہو کر انگریزی علاقہ میں آگئے اور تین ہزار کے قریب تو صرف جہلم میں پناہ گزین ہوئے۔ [31] ان واقعات کی بازگشت جموں میں یہ ہوئی کہ ۱۱/ جنوری ۱۹۳۲ء کو جموں کے ہندوؤں نے مہاراجہ کشمیر اور اس کے وزیراعظم اور دوسرے

سرکاری افسروں سے ملنے کے بعد سازش کی کہ جموں کے مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے ان کے مکانات کو لوٹا اور جلا دیا جائے اور اس غرض کے لئے مسلح دیہاتی راجپوتوں کو اجرت پر منگوانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس سازش کا علم ہوتے ہی مسلم ایسوسی ایشن جموں نے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کو تار دیا کہ وہ مہربانی فرما کر احتیاطی انتظامات کرانے کی کوشش فرمائیں۔ مسلمان سخت مضطرب ہیں"۔ [۳۲]

سول نافرمانی کی تحریک

ان مخدوش حالات میں مسلمانوں کی طرف سے ذرہ برابر غیر قانونی حرکت بارودی ماحول کو شعلہ دکھانے کے مترادف تھی۔ لیکن افسوس وقت کی نزاکت کے سراسر خلاف اور ریاست کے ذمہ دار مسلمان نمائندوں کی اجازت کے بغیر میرپور میں عدم ادائے مالیہ کی تحریک جاری کر دی گئی اور سول نافرمانی کا پروگرام بنا لیا گیا۔ جس کا خمیازہ پورے صوبہ جموں بلکہ پوری ریاست کے مسلمانوں کو بھگتنا پڑا۔ جگہ جگہ مسلمانوں کا خون بہایا گیا اور شیخ محمد عبداللہ اور دوسرے نامور لیڈر گرفتار کر لئے گئے اس سلسلہ میں جناب چوہدری غلام عباس صاحب اپنی کتاب "کشمکش" میں تحریر فرماتے ہیں۔ "چند نوجوان احرار [۳۳] کے حامی تھے انہوں نے مسلم ایسوسی ایشن پر دباؤ ڈالا کہ ریاست کے مسلمان احرار کی رفاقت سے کام کریں۔ جماعت احرار کے لیڈروں اور بزرگوں سے جموں اور کشمیر کے مسلمانوں کو شدید اختلافات تھے۔ یہ تحریک انہوں نے ہماری شدید مخالفت کے باوجود ایسے حالات میں شروع کی جو اسلامیان ریاست کی اس وقت کی سیاسی فضا کے لئے سازگار نہ تھی کمیشن کے فیصلہ کی طرف ہندوستان اور ریاست کے مسلمانوں کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں اور ہر معقول آدمی اس وقت کسی غیر آئینی کارروائی کو مفاد ملت کے خلاف ایک تخریبی حرکت تصور کرتا تھا۔ میری غیر حاضری میں مسلم ایسوسی ایشن کا کام ساغر صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے جماعت احرار کی تحریک کے ردعمل کے لئے انفرادی سول نافرمانی کی۔ اور پچاس کے قریب نوجوانوں کے ہمراہ قید ہو گئے انہی دنوں میرپور میں تحریک عدم ادائے مالیہ کسی طے شدہ پروگرام اور مسلم نمائندگان ریاست سے مشورہ کئے بغیر شروع کر دی گئی"۔ [۳۴]

اخبار "سیاست" یکم مارچ ۱۹۳۲ء نے لکھا۔ "کشمیر جنت نظیر میں ہندو کارپردازان حکومت کشمیر کی نااہلی اور مکر و تعصب کے سبب اسلامیان خطہ پر جو قیامت برپا ہوئی ...... اسلامیان ہند کو ان زہرہ شگاف تکالیف نے تڑپا دیا۔ اور دیوانہ وار وہ ان کی مدد و اعانت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی اسی غرض کے لئے مرتب ہوئی' قرار پایا کہ...... اسلامیان خطہ کو جن میں انتہائی حالت پر پہنچ کر احساس خودداری پیدا ہوا ہے ہر ممکن اور جائز طریق سے مدد دی جائے انہیں حصول مقصد کے لئے بہترین طریق کار سمجھایا جائے اور ان کو مالی امداد دی جائے کیونکہ بوجہ ان کی بے انتہا مفلوک الحالی

کے سب سے زیادہ انہیں مالی مدد کی ضرورت تھی۔ یہ ایک ایسا پروگرام تھا۔ کہ اس پر متحدانہ طریق پر عمل ہوتا تو اسلامیان کشمیر کو بے انتہاء فوائد مرتب ہوتے لیکن سوء تقدیر سے احرار کی افتراق انگیزی کے باعث اس پر اس طرح عمل نہ ہو سکا۔ جس طرح کہ ہونا چاہئے تھا۔ تاہم کشمیر کمیٹی نے مخالف حالات کی موجودگی میں جو کیا اور جو کر رہی ہے کسی آئندہ وقت میں جبکہ حالات کلیتہ پر سکون ہو جائیں گے روشن ہو جائے گی۔ اور مسلمان دیکھ لیں گے کہ حق بجانب کون تھا۔ اتنا تو اس وقت بھی ظاہر ہو گیا۔ کہ دو تین مرتبہ کھیل بن بن کر بگڑ گیا...... جتھے بازی بے سود اور مضرت رساں ثابت ہوئی اس سے فائدہ کی بجائے الٹا نقصان پہنچا۔ احرار کی جانب سے مسلمانان خطہ کو کوئی مالی امداد بھی نہ ملی ان کے جارحانہ اقدام کے باعث حکومت پنجاب و ہند بھی برگشتہ ہو گئی جس کا اثر ان تحقیقاتی کمشنوں پر پڑا۔ جو بڑے پُرزور مطالبات اور بڑی جدوجہد کوشش سے مقرر کرائی گئیں اور اسلامیان کشمیر کی حالت بد سے بدتر ہو گئی"۔ [۲۵]

شیخ محمد عبداللہ صاحب اور دوسرے زعماء کشمیر کی گرفتاری پر احتجاج اور ان کی رہائی

۲۷/ جنوری ۱۹۳۲ء کو سرینگر سے شیخ محمد عبداللہ صاحب اور ان کے رفقاء کی گرفتاری اور مفتی ضیاء الدین صاحب کے جبریہ اخراج کی خبر قادیان پہنچی تو حضور نے فوراً مہاراجہ کشمیر کو تار دیا کہ "اطلاع موصول ہوئی ہے کہ مسٹر عبداللہ کو سرینگر میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ صرف وہی ایسا آدمی تھا جس کے مشورے ریاست میں قیام امن کا موجب رہے ہیں۔ اور اس کی گرفتاری سے واضح ہوتا ہے کہ ریاستی حکام امن کے خواہش مند نہیں بلکہ بدامنی چاہتے ہیں۔

میں یور ہائی نس سے آخری بار التماس کرتا ہوں کہ مہربانی فرما کر حکام کو اس تشدد اور سختی سے روک دیں۔ ورنہ باوجود ہماری انتہائی کوشش کے مجھے خطرہ ہے کہ خواہ کتنے بھی آرڈیننس جاری کئے جائیں امن قائم نہ ہو سکے گا۔ اور اس کی تمام تر ذمہ داری ریاست پر ہو گی"۔ [۲۶]

ساتھ ہی وائسرائے ہند کے نام بھی تار دیا کہ "ہماری مصالحانہ مساعی کے باوجود ریاستی حکام مسلمانوں پر انتہائی تشدد میں مصروف رہے اور جلسوں کی ممانعت پانچ افراد سے زیادہ کے اجتماع کی ممانعت وغیرہ کے لئے ان مقامات پر بھی آرڈیننس جاری کر دیئے گئے جہاں بالکل امن و امان تھا اب خبر آئی ہے کہ مفتی ضیاء الدین صاحب کو جبراً حدود ریاست سے نکال دیا گیا ہے اور مسٹر عبداللہ کو ان کے رفقاء سمیت گرفتار کر لیا گیا ہے۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ریاستی حکام خود ہی فتنہ انگیزی کرنا چاہتے ہیں تا حکومت برطانیہ کی ہمدردی حاصل کر سکیں اور مسلمانوں کو برباد کرنے کے لئے بہانہ

بتا سکیں۔

اس لئے میں ایک بار پھر یور ایکسی لینسی سے اپیل کرتا ہوں کہ فوری مداخلت کر کے حالات کو بدتر صورت اختیار کرنے سے بچالیں۔ اگر یور ایکسی لینسی کے لئے اس میں مداخلت ممکن نہ ہو تو مہربانی فرما کر مجھے اطلاع کرا دیں۔ تا میں مسلمانان کشمیر کو اطلاع دے سکوں کہ اب ان کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ یا تو جدوجہد میں ہی اپنے آپ کو فنا کر دیں اور یا دائمی غلامی پر رضامند ہو جائیں"۔

۲۷

ریاست کشمیر کا مقابلہ کرنے کے لئے نیا پروگرام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے وائسرائے صاحب اور مہاراجہ صاحب کو توجہ دلانے کے علاوہ مولوی عبدالرحیم صاحب درد اور ان کے دوسرے رفقاء کے نام ۲۷/ جنوری ۱۹۳۲ء کو بذریعہ مکتوب مندرجہ ذیل ہدایات بھیجیں۔

"مسٹر عبداللہ قید کر لئے گئے ہیں اور مفتی ضیاء الدین صاحب نکال دیئے گئے ہیں۔ ان حالات میں ریاست کا منشاء صاف ظاہر ہے کہ وہ کشمیر کمیٹی کے کام کو کچلنا چاہتی ہے اور ایک دفعہ تحریک کا خاتمہ کرنا چاہتی ہے۔ اس صورت میں ریاست سے تعاون یا اس کی امداد خود اپنے سے دشمنی ہے میرے نزدیک اب وقت ہے کہ پوری طرح ریاست سے مقابلہ کیا جائے۔ میں نے اس کے لئے تیاری شروع کر دی ہے۔ افسوس کہ احرار کی تحریک نے اس کام کو خراب کر دیا۔ اور جو اثر ہم نے پیدا کیا تھا اسے تباہ کر دیا۔ اب نئے سرے سے کوشش کی ضرورت ہوگی۔ مگر مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ ہم فتح پائیں گے اب اگر آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ گفتگو کے نتیجہ میں مسٹر عبداللہ اور دوسرے قیدی رہا ہو سکتے ہیں تو گفتگو کو جاری رکھیں ورنہ گفتگو کو بند کر دیں۔ اور واپس آکر مقابلہ کا پروگرام تیار کرنے میں میری مدد کریں اور پھر اس کے پورا کرنے میں۔ اب ضرورت ہے کہ سب پریس یکدم ایک آواز اٹھائے اور حکومت ہند پر پورا زور دیا جائے۔

ہاں واپس آنے سے پہلے ایک دفعہ ریذیڈنٹ اور مسٹر گلینسی سے مل کر ان کی امداد حاصل کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔ اگر ان کی معرفت بھی کچھ نہ ہو سکے تو پھر ہمارا فرض ہے کہ پورا زور لگا کر ریاست کی شرارت کو کچلا جائے۔ آتے ہوئے خود ریاست میں جہاں تک ہو سکے نظام قائم کرتے آئیں۔ اور اندر کے کام کے متعلق بھی مشورہ کرتے آئیں۔ احرار کے پروگرام سے بہر حال ہمارا اتفاق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اپنے اصول پر سب داغ بیل ڈالی جائے"۔

طبی وفد حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس انتہائی تشویشناک ماحول میں سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ڈاکٹر محمد شاہ نواز صاحب ایم بی بی ایس کی قیادت میں ایک طبی وفد بھجوایا۔ وفد پہلے انسپکٹر جنرل پولیس مسٹر لاتھر سے ملا۔ "صاحب بہادر" نے دوران گفتگو میں کہا کہ میں مسلمانوں سے تنگ آگیا ہوں اور میں بغیر مالیہ لئے واپس نہ جاؤں گا اور اس کے لئے انتہائی تدابیر اختیار کرنے پر آمادہ ہوں۔ وفد نے اس ملاقات کے بعد سول ہسپتال میرپور میں مجروحین کا معائنہ کیا اور پھر جہلم میں آیا اور ان مجروحین کا مشاہدہ کیا جو سول ہسپتال جہلم میں زیر علاج تھے [۲۸] اور واپس آکر مفصل رپورٹ حضور کی خدمت میں پیش کر دی۔

سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کی ملاقات مسٹر لاتھر سے حضور نے طبی وفد بھجوانے کے ساتھ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو تحقیق حالات کے لئے روانہ فرمایا۔ [۲۹]

فسادات جموں کے بعد حضرت شاہ صاحب واقعات کی تحقیق کے سلسلہ میں مسٹر لاتھر کے پاس پہنچے جو اس وقت میرپور میں تھے۔ آپ نے مسلمانوں پر کئے جانے والے مظالم اور ان کی تشویش اور بے چینی کے اسباب وضاحت سے بتائے۔ مسٹر لاتھر انسپکٹر جنرل پولیس نے کہا کہ موجودہ حالات نے مجھے تکمیل معاہدہ کی مہلت ہی نہیں دی۔ مسٹر لاتھر نے وزیر اعظم ہری کشن کول کا ایک تار بھی دکھایا جس کا مفہوم یہ تھا کہ زمیندار پہلے مالیہ ادا کریں اس کے بعد تحقیقات کرائی جائے گی۔ اگر ضروری ہوا تو مناسب تدابیر اختیار کی جائیں گی۔ [۳۰]

وزیر اعظم ہری کشن کول صاحب کی برطرفی شاہ صاحب کی تحقیقات سے چونکہ یہ بات کھل کر سامنے آگئی تھی کہ گزشتہ فسادات کے بھڑکنے اور زعمائے کشمیر کی گرفتاری اور کشمیر کمیٹی کے نامور کارکنوں کے اخراج کی ذمہ داری وزیر اعظم ہری کشن کول پر عائد ہوتی ہے۔ اس لئے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی کوشش تھی کہ انہیں عہدہ وزارت سے موقوف کرا دیا جائے۔ چنانچہ آخر فروری ۱۹۳۲ء میں ان کی بجائے مسٹر کالون وزیر اعظم مقرر کر دیئے گئے اور ریاستی مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

ہری کشن کول صاحب سے متعلق اہم واقعات سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے "الموعود" میں کشن کول صاحب سے متعلق واقعات بیان فرمائے ہیں جو حضور ہی کے قلم سے درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

"آخر سر ہری کشن کول نے مجبور ہو کر مجھے لکھا کہ آپ اپنے چیف سیکرٹری کو بھیج دیں۔ مہاراجہ صاحب کہتے ہیں میں خود ان سے بات کر کے ان معاملات کا فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے چوہدری فتح محمد صاحب سیال کو بھیج دیا مگر ساتھ ہی انہیں کہہ دیا کہ یہ پرائم منسٹر کی کوئی چال نہ ہو۔ تیسرے دن ان کا تار پہنچا کہ میں یہاں تین دن سے بیٹھا ہوا ہوں مگر مہاراجہ صاحب ملاقات میں لیت ولعل کر رہے ہیں۔ میں نے کہا آپ ان پر حجت تمام کر کے واپس آجائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ پھر ملاقات کی کوشش کی مگر جب انہیں کامیابی نہ ہوئی تو وہ میری ہدایت کے ماتحت واپس آگئے۔

چوہدری صاحب کے واپس آنے کے بعد سر ہری کشن کول کا خط آیا۔ کہ مہاراجہ صاحب ملنا تو چاہتے تھے مگر وہ کہتے تھے کہ مرزا صاحب خود آتے تو میں ان سے ملاقات بھی کرتا۔ ان کے سیکرٹری سے ملاقات کرنے میں تو میری ہتک ہے۔ اتفاق کی بات ہے۔ اس کے چند دن بعد ہی میں لاہور گیا۔ تو سر ہری کشن کول مجھ سے ملنے کے لئے آئے۔ میں نے ان سے کہا کہ مہاراجہ صاحب خود آتے تو میں ان سے ملاقات بھی کرتا۔ آپ تو ان کے سیکرٹری ہیں اور آپ سے ملنے میں میری ہتک ہے۔ میرا یہ جواب سنکر وہ سخت گھبرایا میں نے کہا پہلے تو میں تم سے ملتا رہا ہوں۔ کیونکہ مجھے پتہ نہیں تھا کہ سیکرٹری کے ساتھ ملنے سے انسان کی ہتک ہو جاتی ہے۔ لیکن اب مجھے معلوم ہوا کہ اگر سیکرٹری سے ملاقات کی جائے تو ہتک ہو جاتی ہے۔ اس لئے میں اب تم سے نہیں مل سکتا۔ گویا خدا نے فوری طور پر مجھے ان سے بدلہ لینے کا موقع عطا فرما دیا۔

آخر اسی دوران میں ایک دن سر سکندر حیات خاں صاحب نے مجھے کہلا بھیجا کہ اگر کشمیر کمیٹی اور احرار میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو حکومت کسی نہ کسی رنگ میں فیصلہ کر دے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس بارہ میں دونوں میں تبادلہ خیالات ہو جائے۔ کیا آپ ایسی مجلس میں شریک ہو سکتے ہیں۔ میں نے کہا مجھے شریک ہونے میں کوئی عذر نہیں۔ چنانچہ یہ میٹنگ سر سکندر حیات خاں کی کوٹھی پر لاہور میں ہوئی اور میں بھی اس میں شامل ہوا۔ چوہدری افضل حق صاحب بھی وہیں تھے۔ باتوں باتوں میں وہ جوش میں آگئے اور میرے متعلق کہنے لگے کہ انہوں نے الیکشن میں میری مدد نہیں کی اور اب تو ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ احمدیہ جماعت کو کچل کر رکھ دیں۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اگر جماعت احمدیہ کسی انسان کے ہاتھ سے کچلی جا سکتی تو کبھی کی کچلی جا چکی ہوتی اور اب بھی اگر کوئی انسان اسے کچل سکتا ہے تو یقیناً یہ رہنے کے قابل نہیں ہے۔ پھر میں نے کہا یہ بھی درست نہیں کہ میں نے الیکشن میں آپ کی مدد نہیں کی ایک الیکشن میں میں نے آپ کی مخالفت کی ہے۔ اور ایک الیکشن میں آپ کی مدد کی ہے۔ سر سکندر حیات خاں بھی کہنے لگے۔ افضل حق تم بات بھول گئے ہو۔ انہوں نے ایک الیکشن میں تمہاری مدد کی تھی صرف

ایک الیکشن میں انہوں نے تمہاری مخالفت کی ہے۔ وہ کہنے لگے۔ میری بڑی ہتک ہوئی ہے اور اب تو میں نے احمدیت کو کچل کر رکھ دینا ہے۔

جب اس طرح کوئی فیصلہ نہ ہوا تو گورنمنٹ آف انڈیا نے ایک والئ ریاست کو اس غرض کے لئے مقرر کیا کہ کسی طرح اس جھگڑے کا وہ فیصلہ کروا دیں انہوں نے میری طرف آدمی بھیجے اور کہا کہ جب تک آپ دخل نہیں دیں گے یہ معاملہ کسی طرح ختم نہیں ہو گا۔ میں نے کہا۔ مجھے تو دخل دینے میں کوئی اعتراض نہیں۔ میری تو اپنی خواہش ہے کہ یہ جھگڑا دور ہو جائے۔ آخر ان کا پیغام آیا کہ آپ دہلی آئیں۔ میں دہلی گیا۔ چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب بھی میرے ساتھ تھے۔ دو دفعہ ہم نے کشمیر کے متعلق سکیم تیار کی اور آخر گورنمنٹ آف انڈیا کے ساتھ فیصلہ ہوا کہ ان ان شرائط پر صلح ہو جانی چاہئے۔ اس وقت کشمیر میں بھی یہ خبر پہنچ گئی اور مسلمانوں نے سمجھا کہ اگر ہم نے فیصلہ میں دیر کی تو تمام کریڈٹ جماعت احمدیہ کو حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ پیشتر اس کے کہ ہم اپنی تجاویز کے مطابق تمام فیصلے کروا لیتے۔ مسلمانوں نے ان سے بہت کم مطالبات پر دستخط کر دیئے۔ حالانکہ ان سے بہت زیادہ حقوق کا ہم گورنمنٹ آف انڈیا کے ذریعہ فیصلہ کروا چکے تھے۔

غرض کشمیر کے مسلمانوں کی آزادی کا تمام کام میرے ذریعہ سے ہوا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پیشگوئی کو پورا کرنے والا بنایا کہ مصلح موعود اسیروں کا رستگار ہو گا۔

ان ہی ایام میں آخری دفعہ جب میں لاہور گیا تو سرہری کشن کول بھی وہاں آئے ہوئے تھے۔ ان کا میرے نام پیغام آیا کہ اپنے آدمی بھیج دیں۔ تا کہ شرائط کا ان کے ساتھ تصفیہ ہو جائے۔ میں نے کہلا بھیجا کہ تصفیہ ان ان شرائط پر ہو گا۔ اگر مان لو تو صلح ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ وہ کہنے لگے یہ شرائط تو بہت سخت ہیں۔ اگر ان کو تسلیم کر لیا گیا تو ہماری قوم بگڑ جائے گی۔ میں نے کہا یہ تمہاری مرضی ہے چاہو تو صلح کر لو اور چاہو تو نہ کرو۔ درد صاحب اس کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے۔ آخر رات کے گیارہ بجے اس نے کہہ دیا کہ ان شرائط پر صلح نہیں ہو سکتی۔ مجھے درد صاحب نے یہ بات پہنچائی تو میں نے ان سے کہا آپ سرہری کشن کول سے جا کر کہہ دیں کہ اگر ان شرائط پر وہ صلح کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو پھر وہ بھی وزیر نہیں رہ سکتے۔ درد صاحب نے یہ بات اسے کہی تو وہ کہنے لگا میں تجربہ کار ہوں میں ایسے بلف (BLUFF) سے نہیں ڈرا کرتا۔ میں نے درد صاحب سے کہا آپ ان سے دریافت کریں اور پوچھیں کہ کرنل ہکسر جموں گیا ہے یا نہیں اگر وہ جموں گیا ہے اور مہاراجہ صاحب سے ملا ہے تو آپ یہ بتائیں کہ کیا مہاراجہ صاحب نے آپ کو وہ باتیں بتائیں ہیں۔ اگر نہیں بتائیں حالانکہ مہاراجہ آپ کو اپنا باپ کہا کرتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کو الگ کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ میں آپ کو بتا دیتا

چاہتا ہوں کہ اب آپ کا زمانہ گزر چکا ہے۔ اب آپ وزیر اعظم نہیں رہ سکتے۔ مہاراجہ صاحب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ آپ کو الگ کر دیا جائے اور کالون صاحب کو وزیر اعظم بنا دیا جائے۔ یہ سنتے ہی اس کا رنگ فق ہو گیا۔ اور کہنے لگا بات تو ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ پھر اسی وقت اس نے اپنا موٹر تیار کیا۔ اور ورود صاحب سے کہا کہ آپ ان سے اجازت لے کر آئیں اور میرے ساتھ چلیں جو شرائط بھی آپ لکھیں گے میں ان پر دستخط کرنے کے لئے تیار ہوں۔ انہوں نے کہا اب دستخط کرنے کا وقت نہیں رہا۔ کل صبح تم پرائم منسٹر ہو گے ہی نہیں اس کو ایسا فکر ہوا کہ وہ اسی وقت راتوں رات موٹر پر جموں گیا۔ مگر جب صبح ہوئی تو مہاراجہ نے اسے کہہ دیا کہ تمہیں وزارت سے الگ کیا جاتا ہے۔

غرض کشمیر کے لوگوں کو جو کچھ ملا وہ میری جدوجہد کے نتیجہ میں ملا اور واقع یہ ہے کہ اگر کشمیر کے لوگ جلدی نہ کرتے تو گورنمنٹ آف انڈیا کی معرفت جو سمجھوتہ ہوتا۔ اس میں انہیں زیادہ حقوق مل جاتے اور گائے کا سوال بھی حل ہو جاتا۔

میں نے ان واقعات کے بیان کرنے میں بہت سی باتیں چھوڑ دیں اور بعض والیان ریاست کا نام بھی نہیں لیا اگر میں آخری مرحلہ کی تفصیل بیان کروں تو شاید بعض والیان ریاست اسے اپنی ہتک خیال کریں مگر چونکہ یہ واقعہ اب گزر چکا ہے اس لئے اس کی تفصیل میں پڑنے کی ضرورت نہیں"۔ [61]

مہاجرین علاقہ میرپور کے خوردونوش اور بازیابی کیلئے جدوجہد

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ علاقہ کھڑی کے ہزاروں مظلوم مسلمان ریاستی حکام کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو کر علاقہ انگریزی خصوصاً جہلم میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کے قریباً پچاسی گاؤں تھے جو بالکل ویران و برباد ہو گئے حتیٰ کہ یہ بے کس لوگ مال مویشی اور پکی ہوئی فصلیں تک چھوڑ کر چلے آئے۔ [62] اس پر حضور نے سید ولی اللہ شاہ صاحب کو اصلاح احوال کے لئے روانہ فرمایا۔

حضرت شاہ صاحب کا بیان ہے کہ "میں نے مسٹر سالسبری کو بذریعہ تار اطلاع کی کہ میں جہلم آرہا ہوں اور راجہ محمد اکبر کی کوٹھی پر ٹھہروں گا۔ اگر آپ وہاں تشریف لے آئیں تو مہاجرین کی واپسی کی تدبیر سوچیں...... چنانچہ مسٹر سالسبری جہلم آئے اور میں نے ان سے گفتگو کی اور شرط یہ کی کہ میری موجودگی میں مظلومین کی فریاد سنی جائے۔ اور تحقیق کی جائے چنانچہ علی وال کا بنگلہ اس غرض کے لئے مقرر ہوا۔ اور میں نے یہ شرط کی کہ کوئی پولیس بوقت تحقیق موجود نہ رہے۔ چنانچہ مولوی ظہور الحسن صاحب فاضل جہلمی یکے بعد دیگرے مظلومین کو لاری میں لاتے اور ایک ہفتہ تک واقعات کی چھان بین

ہوتی رہی۔ میں نے اپنے کلرک کو سمجھا دیا تھا کہ ایک طرف بیٹھ کر وہ واقعات ایسے طور سے نوٹ کرلے کہ کسی کو معلوم نہ ہو۔ چنانچہ مسٹر سالسبری کو بہت حد تک تسلی ہوئی اور انہیں یقین ہو گیا کہ اس علاقہ کے لوگ واقعی مظلوم ہیں۔ جس کی تمام تر ذمہ داری رام چند ڈی۔ آئی۔ جی اور ڈوگرہ سپرنٹنڈنٹ پر ہے جس کا نام غالباً رام رتن تھا۔ میں نے مہاجرین کو تسلی دی اور انہیں واپس کیا۔ دو ہفتہ تک جہلم کے مسلمانوں نے جن میں جماعت احمدیہ جہلم بھی تھی۔ مظلوم مہاجرین کی کھلے دل سے مدد کی۔ رپورٹ مرتب کر کے میں نے جموں آکر وزیر اعظم مسٹر کالون کے سامنے پیش کی۔ انہوں نے یہ رپورٹ انسپکٹر جنرل پولیس مسٹر لاتھر کو بھیجی اور جب یہ رپورٹ ان کو دی گئی تو میں ان کے پاس ہی تھا۔ اور محمد یوسف صاحب سابق لیفٹیننٹ (پسر مولوی قطب الدین ؓ) اپنی وردی میں ملبوس میری کرسی کے پیچھے کھڑے تھے۔ ان سے ایک عجیب حرکت صادر ہوئی۔ اگر کوئی مکھی میری طرف آتی تو اسے دور کرتے اور ایک دفعہ جھک کر میرے بوٹ سے بھی مٹی صاف کی۔ بعد میں میں نے پوچھا آپ نے یہ کیا حرکت کی مجھے سخت شرم محسوس ہو رہی تھی۔ کہنے لگے یہ اس لئے کیا تا آئی جی پولیس کو آپ کے مقام کا علم ہو۔ اسی روح تواضع و بے نفسی کے ساتھ ہمارے کارکن محاذ کشمیر میں کام کرتے رہے۔ مولوی ظہور الحسن صاحب نے بہت محنت سے کام کیا۔ اور اسی طرح دوسروں نے بھی جب مسٹر لاتھر میری رپورٹ پڑھ چکے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں پنجاب واپس جا رہا ہوں میں نے کہا۔ آج جانے کا ارادہ ہے۔ کہنے لگے نہیں آپ ٹھہر جائیں۔ پرائم منسٹر میں اور مسٹر جارڈین آج رات سیالکوٹ جا رہے ہیں۔ مسٹر سٹیمر ریذیڈنٹ جموں و کشمیر کے ساتھ مشورہ کرنا ہے اور مسٹر سالسبری کو بذریعہ تار بلوایا گیا ہے۔ کل نتیجہ سن کر جائیں چنانچہ دوسرے دن صبح میں ان کے ہاں گیا اور انہوں نے بتایا کہ سالسبری کو پنجاب واپس بھیجنے کا فیصلہ ہوا اور رام چند ڈی آئی جی کی جبری ریٹائرمنٹ کا۔ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کو اطلاع دی اور دوسرے دن اخباروں میں بھی شائع ہو گیا"۔

مظلومین پونچھ کی امداد کیلئے سید ولی اللہ شاہ صاحب کی مساعی جمیلہ

میرپور کے مسلمانوں کی امدادی مہم مکمل ہو جانے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالٰی نے شاہ صاحب کو مظلومین پونچھ کی فریاد رسی کے لئے بھیجا۔ حضرت شاہ صاحب اس واقعہ کی تفصیل میں بیان فرماتے ہیں۔ "علاقہ پونچھ میں جگہ جگہ فسادات ہوئے۔ ڈوگروں نے مسلمانوں پر ظلم توڑے اور ان کے بڑے بڑے آدمیوں کو قید میں ڈالا۔ علاقہ مینڈھیر اور علاقہ سرن وغیرہ پر ڈیڑھ سے دو لاکھ جرمانے ڈالے گئے۔ اور جرمانوں کو وصول کرنے کے لئے مسلمانوں پر سختیاں کی گئیں۔ الزام یہ تھا کہ ان لوگوں نے بغاوت کی ہے۔ اور ہندوؤں

کے مکانات جلائے ہیں۔ تھکیالا پڑاوا کے مسلمان رؤساء بھی قید میں تھے۔ سردار فتح محمد خان (کریلہ) روپوش تھے ان کے خلاف اور ان کے ساتھیوں کے خلاف پھانسی کے احکام عدالت سے جاری ہو چکے تھے۔ اور ان کے والد اور رشتہ دار سب قید و بند میں تھے۔ چوہدری عزیز احمد صاحب باجوہ ایڈووکیٹ وغیرہ احمدی وکلاء ان کے مقدمات کی پیروی کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اور میں ان مظلوموں کی مدد کے لئے بھیجا گیا۔ سب سے پہلے میں نے آنجہانی راجہ پونچھ (سکھ دیو) سے ملاقات کی...... راجہ صاحب نے مجھے اجازت دی کہ میں خود فسادات کے مواقع دیکھوں اور حالات کی تحقیقات کروں۔ یہی میرا مقصد اس ملاقات سے تھا اور انہوں نے وزیر صاحب کو حکم دیا۔ وہ کورنش بجالائے۔...... آخر فیصلہ یہ ہوا کہ میں اگلی صبح سفر پر روانہ ہوں اور وہ اس بارے میں متعلقہ علاقہ جات کے افسران کو پروانہ بھیج دیں گے کہ میرے لئے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ اور مجھے کہا کہ روانہ ہونے سے پہلے ان سے ملوں۔ میں نے اس کے لئے ان سے مدد نہیں مانگی تھی۔ بلکہ چاہتا تھا کہ تنہا فساد زدہ علاقوں کا دورہ کروں۔ دوسری صبح جب ان کے ہاں گیا تو معلوم ہوا کہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور نو دس بجے جاگتے ہیں میں یہ جانتا تھا اس لئے عمداً صبح سویرے کا سفر اختیار کیا...... یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہوا کہ ایک ہی ہفتہ میں علاقہ تھکیالہ پڑاوا، مینڈھیرا اور سرن کا دورہ مکمل کر لیا۔ اور یہی علاقے فساد زدہ تھے۔ تھکیالہ پڑاوا کا سفر بہت ہی تھکا دینے والا تھا۔ راستے میں کہیں کھانے کے لئے کچھ نہ ملا۔ پہاڑی پر پگڈنڈیوں کا راستہ تھا۔ رات تاریک تھی گھوڑے تھے مگر ان پر سفر محفوظ نہ تھا۔ اور چڑھائی کی وجہ سے تکلیف دہ اور رات بارہ ایک بجے کے درمیان پیدل کریلا مقام پر پہنچا۔ جہاں جنگل میں سردار فتح محمد خان صاحب روپوش تھے۔ وہ مجھے رات ہی کو ملے اور میں نے انہیں مشورہ دیا کہ یہاں سے چلے جائیں۔ کیونکہ پھانسی کے احکام صادر ہو چکے ہیں۔ میں سرن سے پہاڑیوں اور ندیوں اور وادیوں کو عبور کرتا ہوا موسلا دھار بارش میں آدھی رات پونچھ پہنچا۔ راستے میں تین چار دفعہ کپڑے تبدیل کرنے پڑے۔ راستہ میں ندی تھی پندرہ بیس پونچھیوں کی مدد سے ندی عبور کی اور انہیں معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ ان کے جرمانے معاف کروانے اور ظالموں کو سزا دلانے کی غرض سے میرا یہ سفر ہے۔ دوسرے دن رپورٹ مرتب کی اور نقشہ جات مقامات فساد زدہ بھی تیار کئے۔ مسٹر جارڈین نے مجھے پیغام بھیجا کہ میں ان سے یہاں نہ ملوں بلکہ سرینگر میں ملوں اسی دن وہ تو سرینگر چلے گئے۔ میں قادیان آیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے سامنے رپورٹ پیش کی۔ آپ نے فرمایا کہ میرا پہلا اخلاقی فرض یہ ہے کہ رام رتن صاحب ایم اے وزیر پونچھ کو خط لکھوں اور ان کو اصلاح حال کا موقع دوں۔ اور اگر وہ اس موقع سے فائدہ نہ اٹھائیں تو پھر سرینگر جا کر حکام بالا کو صورت حال سے آگاہ کروں۔ چنانچہ میں نے انہیں مفصل خط لکھا۔ جو حضور نے ملاحظہ کیا۔

اور اس میں مناسب اصلاح فرمائی خط میں انہیں ہفتہ عشرہ کی مہلت دی گئی۔ دراصل میرے نزدیک بغاوت کو ہوا دینے اور ظلم کرنے والے یہ اور بڑو صاحب تھے۔ یہ دونوں بغاوت فرو کرنے کے بہانے داد لینا چاہتے تھے کہ بڑا تیر۔ را ہے۔ انہوں نے میرے خط کی پروانہ کی بلکہ میرے خلاف کارروائی کرنے کے لئے سرینگر پہنچے۔ میں بھی سرینگر پہنچ گیا۔....... چنانچہ سرینگر میں وزیراعظم مسٹر کالون سے ملا۔ اور رپورٹ پیش کی۔ اور اس کی کاپی مسٹر جارڈین پولیٹیکل وزیر کو بھی دی۔ اور صورت حال سے انہیں پوری طرح آگاہ کیا۔ دونوں انگریز افسر میری رپورٹ سے پورے طور پر مطمئن اور متفق تھے دوسرے یا تیسرے دن مجھے اطلاع ملی۔ کہ محترم وزیر صاحب پونچھ ملازمت سے علیحدہ کئے گئے ہیں۔ اور بڑو صاحب ریاست بدر!

پنڈت بلکاک وزیر اسلام آباد..... کے ظلموں کی داستان لمبی ہے لیکن سب سے بڑھ کر ظلم انہوں نے یہ کیا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی، شیخ محمد عبداللہ میرے اور درد صاحب مرحوم وغیرہ کے جعلی دستخطوں سے چٹھیاں لکھوائیں۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ہم مہاراجہ کشمیر کو علیحدہ کرنے کی سازش میں ہیں اور مسٹر پیل آئی جی پولیس نے جب مجھے ریاست سے واپس جانے کے لئے کہا تو یہ بھی دھمکی دی کہ وہ ہماری سازش کو بر سرعام لانے والے ہیں اور ہمارے خلاف سخت کارروائی ہوگی۔ میں نے مسکراتے ہوئے ان کی اس دھمکی کو قبول کیا اور کہا کہ وہ وقت بھی آئے گا کہ آپ ان الفاظ کے دہرانے سے شرم محسوس کریں گے چنانچہ انہوں نے پنجاب سی آئی ڈی کی مدد سے اس جعلی خط و کتابت کی تحقیق کی۔ اور ثابت ہوا کہ ان تمام چٹھیوں میں سے صرف ایک چٹھی کے دستخط اصلی ہیں۔ یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی چٹھی کے۔ جو بحیثیت صدر کشمیر کمیٹی شیخ محمد عبداللہ کو لکھی گئی اور اس کا یہ مضمون تھا کہ مہاراجہ کشمیر کو بالکل مستثنیٰ رکھا جائے۔ کیونکہ مظالم کے ذمہ دار حکام ریاست ہیں یا ناقص قانون نہ کہ مہاراجہ صاحب۔ ان کی اصلاح ہونی چاہئے۔ اس پر پنڈت بلکاک کی علیحدگی کا فیصلہ ہوا۔ یہ مسل پہلے مسٹر جارڈین کے دفتر میں غائب ہو گئی تھی۔ لیکن وہ جلد ہی واپس قبضے میں لے لی گئی۔ انہوں نے مجھے وہ فائل بھی دکھائی...... میں نے انہیں پنڈت بلکاک کے خلاف کارروائی پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی یاددہانی کی۔ اور مجھے فائل کی گمشدگی کی تفصیل بھی بتائی۔........ یہ واقعات اختصار سے میں نے اس لئے بیان کئے ہیں تا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی نگرانی کے تحت ان کے بھیجے ہوئے کارکنان کے کام کی نوعیت معلوم ہو اور یہ کہ مظلومانان کشمیر کی کس طرح دادرسی کی گئی۔ چنانچہ علاقہ سرن اور مینڈھر کے جرمانے معاف ہوئے اور میری دوسری ملاقات میں مہاراجہ صاحب پونچھ نے میرے سامنے قید اور پھانسی کی سزاؤں کے احکام منسوخ کرنے کا فیصلہ کیا۔ قید و بند میں پڑے ہوئے مسلمان

سرداروں کی رہائی ہوئی۔ اور اسیروں کو رہائی دلائے گا سے متعلقہ نوشتہ پورا ہوا۔ اور آخر ہماری کوشش سے سردار فتح محمد خان صاحب جو موت کے ڈر سے بھاگے پھرتے تھے۔ وہ اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تختہ دار پر کھینچے جانے والے انسان کے لئے کتنی بڑی خوشی ہے اور ستم رسیدہ لوگوں کی رہائی اور آزادی کتنی بڑی خدمت ہے جو حضور کے ہاتھوں سے ادا ہوئی"۔ [63]

سید ولی اللہ شاہ صاحب کی خدمات پر شکریہ

اخبار "انقلاب" ۸/ ستمبر ۱۹۳۲ء میں لکھا ہے۔ سید ولی اللہ شاہ صاحب......

بحیثیت نمائندہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی لار، دراس، تیلی گریز کا دورہ کرتے ہوئے ۹/ اگست کو براہ تراگبل بوقت ظہر وارد ہوئے........ ہم باشندگان بانڈی پورہ جناب پریذیڈنٹ صاحب آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ حضور ممدوح اور ان کے کارکن جو کوشش ہماری گری ہوئی حالت کے سنوارنے کے لئے کرتے ہیں اس کے شکریہ سے عہدہ بر آ ہونا ہمارے لئے ناممکن ہے"۔ [64]

وزیراعظم کشمیر سے کشمیر کمیٹی کے وفد کی ملاقات

جب ہری کشن کول کی برطرفی کے بعد مسٹر کالون وزیراعظم بنے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۲۳/ اپریل ۱۹۳۲ء کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا ایک وفد ان کے پاس بھجوایا۔ [65] جس نے نئے آرڈی نینسوں کی منسوخی اور شیخ محمد عبداللہ صاحب اور دوسرے سیاسی قیدیوں کی رہائی پر تبادلہ خیالات کیا۔ [66]

اہل کشمیر سے خطاب

اس کے چند روز بعد حضور نے اہل کشمیر کو توجہ دلائی۔

"ہر قوم جو زندہ رہنا چاہتی ہو اس کا فرض ہے کہ اپنے لیڈروں اور کارکنوں سے وفاداری کا معاملہ کرے اور اگر کوئی کارکن قید رہیں اور لوگ تسلی سے بیٹھ جائیں تو یہ امر یقیناً خطرناک قسم کی بے وفائی ہوگا۔ مسلمانان جموں و کشمیر کو یاد رکھنا چاہئے کہ گو وہ بہت سے ظلموں کے تلے دبے چلے آتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کی حالت یتیموں والی نہ تھی کیونکہ جب تک ان کے لئے جان دینے والے لوگ موجود تھے۔ وہ یتیم نہ تھے۔ لیکن اگر وہ آرام ملنے پر اپنے قومی کارکنوں کو بھول جائیں گے تو یقیناً آئندہ کسی کو ان کے لئے قربانی کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ اور اس وقت یقیناً وہ یتیم ہو جائیں گے۔ پس انہیں اس نکتہ کو یاد رکھنا چاہئے اور ملک کی خاطر قربانی کرنے والوں کے آرام کو اپنے آرام پر مقدم رکھنا چاہئے۔ پس ان کا یہ فرض ہے کہ جب تک مسٹر عبداللہ، قاضی گوہر رحمان اور ان کے ساتھی آزاد نہ ہوں وہ چین سے نہ بیٹھیں اور میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس کام میں ان کی ہر ممکن امداد کروں گا۔

اور اب بھی اس غرض کو پورا کرنے کے لئے کوشش کر رہا ہوں مشکلات ہیں لیکن مسلمانوں کو مشکلات سے نہیں ڈرنا چاہئے"۔ [۲۷]

اس پیغام پر اخبار "انقلاب" (۶/ مئی ۱۹۳۲ء) نے لکھا۔ "ہمیں کشمیر کمیٹی کی قابل تحسین خدمات کا تہ دل سے اعتراف ہے اس کمیٹی نے مسلمانان کشمیر کے حقوق کی حمایت اور مظلومین کی مالی اور قانونی امداد میں جس حیرت انگیز سرگرمی عمل اور روح ایثار کا ثبوت دیا ہے وہ محتاج بیان نہیں اور مسلمانوں کو تہ دل سے اس کی شاندار خدمات کا اعتراف کرنا چاہئے ہمیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ سیاسی قیدیوں کے مسئلہ میں بھی آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے کارکن بالکل "انقلاب" کے ہم خیال ہیں اس کمیٹی کے صدر محترم اور سیکرٹری نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے کہ بحالات موجودہ سب سے زیادہ ضروری کام یہی ہے کہ کشمیر کے سیاسی قیدی فی الفور رہا کر دیئے جائیں"۔

آخر کشمیر کمیٹی کی کوششیں بار آور ہوئیں اور ۹/ مئی ۱۹۳۲ء [۲۸] کو مسٹر یوسف خان صاحب (علیگ) نذیر احمد صاحب 'عبدالقدوس صاحب' غلام محمد صاحب (بخشی) اور ۵/ جون ۱۹۳۲ء کو شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب دوسرے ۳۵ رفقاء سمیت رہا کر دیئے گئے۔ [۲۹]

شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب نے رہا ہوتے ہی پہلا اہم کام یہ کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں درج ذیل مکتوب تحریر فرمایا۔

S.M. ABDULLAH M.S.c (ALIG) SRINAGAR

مکرم و معظم جناب حضرت میاں صاحب! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ سب سے پہلے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ میں تہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کروں اس بے لوث اور بے غرضانہ کوشش اور جدوجہد کے لئے جو آپ نے کشمیر کے درماندہ مسلمانوں کے لئے کی پھر آپ نے جس استقلال اور محنت کے ساتھ مسئلہ کشمیر کو لیا۔ اور میری غیر موجودگی میں جس قابلیت کے ساتھ ہمارے ملک کے سیاسی احساس کو قائم اور زندہ رکھا۔ مجھے امید رکھنی چاہئے کہ آپ نے جس ارادہ اور عزم کے ساتھ مسلمانان کشمیر کے حقوق کے حصول کے لئے جدوجہد فرمائی ہے۔ آئندہ بھی اسے زیادہ کوشش اور توجہ سے جاری رکھیں گے اور اس وقت تک اپنی مفید کوششوں کو بند نہ کریں گے جب تک کہ ہمارے تمام مطالبات صحیح معنوں میں ہمیں حاصل نہ ہو جائیں"۔...... آخر میں پھر آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس عریضہ کو ختم کرتا ہوں۔ میں ہوں۔ آپ کا تابعدار شیخ محمد عبداللہ

سید ولی اللہ شاہ صاحب کی جدوجہد اور مجرموں کی سزایابی

شیخ محمد عبداللہ صاحب کی رہائی کے

بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ریاست کے ظالم اور بدنہاد حکام کی سرکوبی کی طرف توجہ فرمائی اور اس کام کے لئے حضور نے سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو منتخب فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب نے انتہائی نامساعد حالات کے باوجود اپنا فرض اس خوبی ' تدبر ' ذہانت اور معاملہ فہمی سے ادا کیا کہ ظالم افسر کیفر کردار تک پہنچ گئے۔

اس اجمال کی تفصیل حضرت شاہ صاحب نے اپنے قلم سے جو تحریر فرمائی ہے وہ درج ذیل ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔ "طویل جدوجہد کی اثناء میں جو ۱۹۳۱ء میں شروع ہوئی اور ۱۹۳۴ء کے آخر تک جاری رہی حکومت کشمیر کی طرف سے قدم قدم پر رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ دھمکیاں دی گئیں بلکہ گرفتاری کے وارنٹ تک جاری ہوئے۔ چوہدری عزیز احمد صاحب باجوہ بھی ان کارکنوں میں سے ایک تھے جن کی گرفتاری کے وارنٹ مسٹر سالسبری سپیشل آفیسر میرپور کے حکم سے صادر ہوئے۔ اور وہ لاہور میں آچھپے۔ انہوں نے میرپور میں کام کیا تھا۔ وہ دشوار گزار علاقے میں پیدل سفر کرکے مظلوموں کی مدد کو وہاں پہنچے جہاں چونی لال سب انسپکٹر نے نہایت ہی گندے ظلموں کا ارتکاب کیا تھا۔ اور رام چند ڈی آئی جی پولیس نے ظالموں کو پناہ دی۔ اور ہمارے کارکنوں کے خلاف جھوٹے مقدمے بنائے گئے اس قسم کے ظالم حکام کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے میں بھیجا گیا۔ اور اس کے لئے مجھے بھی جموں و کشمیر اور پونچھ میں دور و نزدیک علاقہ جات کے پیدل اور گھوڑے پر سفر کرنے پڑے تھے۔ ظالموں کی فہرستیں تیار کیں۔ مظلوموں کے بیانات سنے اور نقشے بنائے اور ہسٹری شیٹ تیار کی۔ اس اثناء میں ایک دن جبکہ میں ہاؤس بوٹ میں تھا۔ شیخ محمد عبداللہ صاحب عصر کے بعد آئے سر سے ننگے آواز میں گھبراہٹ تھی۔ بخشی غلام محمد صاحب ان کی حفاظت کے لئے پیچھے پیچھے تھے جو ہاؤس بوٹ کے باہر رہے۔ شیخ صاحب مجھ سے کہنے لگے۔ شاہ صاحب! ایک خطرناک خبر ہے۔ میں نے کہا مجھے معلوم ہے۔ کہنے لگے کیا؟ میں نے کہا مروانے کا انتظام ہو گیا ہے۔ وہ یہ سن کر حیران ہوئے اور کہا یہی خبر میں لایا ہوں مہاراجہ صاحب کے محل کے فلاں کارکن نے بتایا ہے کہ کانگڑہ اور دیلی سے چار آدمی بلائے گئے ہیں اور ان کے سپرد یہ کام ہوا ہے۔ کہ آپ کو اور مجھے مروا دیا جائے۔ میں نے کہا کہ اطلاع درست ہے۔ مجھ سے دریافت کیا۔ کہ آپ کو کس نے بتایا ہے۔ میں نے اپنا ذریعہ خبر رسانی بتانے سے معذرت کی (دراصل یہ ایک کھلا بیداری کی حالت میں مکاشفہ تھا۔ اور بلند آواز سے احتیاط کرنے کی ہدایت تھی اس لئے بتانے سے ہچکچایا) انہوں نے کہا کہ کیا تجویز ہے۔ میں نے کہا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو ابھی اطلاع دی جانی چاہئے۔ جو ایک آدمی کے ہاتھ بھیجنی مناسب ہے۔ چنانچہ چٹھی لکھی گئی کہ اگر ہم مارے گئے تو اس کی ذمہ داری مہاراجہ صاحب پر ہوگی۔ اور درخواست کی یہ چٹھی بینک میں محفوظ کر دی جائے۔ چنانچہ شیخ

صاحب موصوف نے بھی اپنی حفاظت کا انتظام کیا۔ اور میں اپنی بندوق اپنی رانوں میں لے کر سوتا۔ ہر جگہ جہاں میں گیا۔ اس حالت میں شب گزارتا۔ اور مشہور ہو گیا کہ میں مسلح سوتا ہوں۔ غرض ان پُرخطر حالات میں ہمیں کام کرنا پڑا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میری کارروائی کے نتیجہ میں مندرجہ ذیل افسر برخاست ہوئے یا وہ پنجاب واپس کر دیئے گئے۔ (۱) مسٹر سالسبری سپیشل آفیسر علاقہ میرپور۔ (۲) رام چند ڈی آئی جی (جبری پنشن) (۳) چونی لال سب انسپکٹر پولیس (سزائے قید) یہ جیل سے بھاگ گیا تھا۔ اور اسے دوبارہ گرفتار کرانے کے بعد سزا دلوائی گئی مسٹر لاتھر آئی جی پولیس سے میں نے کہا۔ یہ کام محمد دین صاحب سب انسپکٹر (احمدی) کے سپرد کیا جائے اور اس کی دوبارہ گرفتاری کا ذمہ میں لیتا ہوں۔ چنانچہ وہ گرفتار ہوا۔ اور اس نے سزا پائی۔ (۴) رام رتن کپور تھلوی ایم اے وزیر پونچھ یہ بھی وزارت سے علیحدہ کئے گئے۔ (۵) بڑو صاحب مجسٹریٹ درجہ اول پونچھ ملک صاحب کو ملک بدر کیا گیا اور قادیان حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے معافی مانگنے کے لئے آئے۔ اور روتے ہوئے پاؤں پر گر گئے۔ اس وقت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے اور درد صاحب حضور کے پاس بیٹھے تھے۔ (۶) پنڈت بلکاک وزیر وزارت اسلام آباد (جبری ریٹائرمنٹ)...... (۷) ایک انسپکٹر پولیس جس نے علاقہ دیری ناگ میں مظالم کئے تھے۔ اس کا چالان کرایا گیا۔ اور میری موجودگی میں اس کے خلاف مقدمہ چلا اور تحقیق کے بعد آخر اس نے سزا پائی"۔

(فصل چہارم)

مظلومین کشمیر کے مقدمات کی شاندار وکالت اور بے نظیر کامیابی

جماعت احمدیہ کے وہ وکلاء جو "مڈلٹن کمیشن" اور "گلانسی کمیشن" کے لئے قانونی محاذ پر نبرد آزما تھے خدا کے فضل و کرم سے شاندار طور پر کامیاب و کامران ہوئے مگران کے سامنے آئینی جنگ کے اس محاذ کے علاوہ مظلومین کشمیر کے مقدمات کی پیروی کا ایک ایسا زبردست معرکہ بھی درپیش تھا۔ جس کے ایک ایک مورچہ پر ان کو عدالتوں کے ساتھ دستوری جنگ کرنا پڑی۔

قبل اس کے کہ تحریک آزادی کے اس نہایت اہم حصہ پر ذرا تفصیلی روشنی ڈالی جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں اس کا ایک اجمالی خاکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے الفاظ میں درج کردیں حضور ۱۹۵۱ء کے ایک غیر مطبوعہ مضمون میں تحریر فرماتے ہیں۔

"۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء میں متواتر حکومت کشمیر نے مسلمانوں کو مختلف بہانوں سے گرفتار کرلیا ان گرفتاریوں کے نتیجہ میں بہت سے مقدمات دائر ہوئے جن میں بعض قتل کے تھے بعض ڈکیتی، بعض بغاوت، بعض بلوے کے تھے۔ یہ بیسیوں تھے اور سینکڑوں ملزم اس میں پیش ہوئے۔ ان لوگوں کے دفاع کے لئے آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے عموماً اور احمدیہ جماعت نے خصوصاً اپنے وکلاء کی خدمات پیش کیں۔ عملاً احمدیہ جماعت سے باہر صرف ایک صاحب یعنی غلام مصطفیٰ صاحب نائک بیرسٹر گوجرانوالہ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ جنہوں نے ایک مہینے کے قریب کام کیا۔ باقی تمام کے تمام وکلاء جو سب نوجوان احمدی تھے۔ اور اپنی عمر کے اس دور میں سے گزر رہے تھے کہ اگر ایک ماہ بھی اس کام میں حرج ہو جائے تو ساری عمر کی پریکٹس ضائع ہو جاتی ہے۔ ان کے نام اور کام کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ شیخ بشیر احمد صاحب وکیل جو اس وقت لاہور کے چوٹی کے سول سائڈ کے وکیل ہیں انہوں نے چار ماہ تک سرینگر میں کام کیا۔ اس کے علاوہ کچھ عرصہ انہوں نے میرپور میں بھی کام کیا۔

۲۔ چوہدری یوسف خاں اور چوہدری عصمت اللہ صاحب وکلاء نے میرپور میں کئی ماہ تک کام کیا۔

۳۔ شیخ محمد احمد صاحب وکیل جو ریاست کپور تھلہ میں سیشن جج اور ایڈووکیٹ جنرل بھی رہے ہیں انہوں نے سات ماہ تک سرینگر میں کام کیا۔
۴۔ چوہدری یوسف خان صاحب نے اڑھائی ماہ سرینگر میں کام کیا۔
۵۔ چوہدری عزیز احمد صاحب باجوہ نے پانچ ماہ تک پونچھ میں کام کیا۔
۶۔ قاضی عبدالحمید صاحب پلیڈر نے پونچھ میں چار ماہ تک کام کیا۔
۷۔ میر محمد بخش صاحب پلیڈر نے جو گوجرانوالہ میں کامیاب ترین وکلاء میں سے ہیں۔ جموں میں چھ ماہ تک کام کیا۔
۸۔ چوہدری اسد اللہ خان صاحب بار ایٹ لاء (برادر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب) نے بعض اپیلوں میں کام کیا۔
۹۔ قاضی عبدالحمید صاحب پلیڈر نے راجوری میں تین ماہ تک کام کیا۔
۱۰۔ میر محمد بخش صاحب نے نوشہرہ میں تین ماہ کام کیا۔

جو مقدمات ہوئے ان میں ۱۲۱۰۔ آدمیوں پر مقدمات چلائے گئے اور اندازاً ایک سو مقدمات تھے۔ ان وکلاء کی کوشش سے ان میں ۱۰۷۰ کے قریب بری ہو گئے اور ۱۴۰ کو بہت ہی معمولی سزائیں ہوئیں۔ حالانکہ مقدمات اکثر قتل اور ڈکیتی وغیرہ تھے...... ہمارے احمدی وکیل ڈیڑھ درجن کے قریب تھے جن میں سے نصف نے اپنے آپ کو پیش کیا اور بعض ایسے ہیں جو آج تک دوبارہ اپنی پریکٹس نہیں کر سکے"۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا الفاظ میں وکلاء کی جن بے لوث قربانیوں کا مختصراً تذکرہ فرمایا ہے اب ناموں کی اسی ترتیب سے ان پر ذرا تفصیلاً روشنی ڈالی جاتی ہے۔

شیخ بشیر احمد صاحب بی اے۔ ایل ایل بی۔ ایڈووکیٹ

جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ پہلے قانون دان ہیں جو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے قیام کے بعد خلیفۃ المسیح الثانی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے کشمیر میں تشریف لے گئے اور سرینگر، جموں اور میرپور میں نہایت سنگین مقدمات کی نہایت کامیاب پیروی کر کے مظلومین کشمیر کی قابل قدر امداد کی۔ اس دوران میں آپ کو دوبار حدود ریاست سے بھی نکال دیا گیا۔ مگر جلد ہی حکومت کشمیر کو اپنا نوٹس واپس لینا پڑا۔ اور آپ پھر قانونی خدمات بجالانے کے لئے تشریف لے گئے۔

آپ نے جن ملزمین کو رہا کرایا ان میں شوپیاں کیس بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ بات یہ ہوئی کہ

۱۹۳۰ء کے فسادات میں ایک سرکاری ملازم پنڈت (مادھو کول) موضع شوپیاں میں مارا گیا۔ جس پر شوپیاں کے بعض مسلمان الزام قتل میں پکڑے گئے اور ان کا مقدمہ قریباً چھ ماہ تک سشن جج صاحبان کے سپیشل بینچ میں چلتا رہا تھا۔ جس کے فیصلہ کے خلاف ہائیکورٹ میں اپیل دائر تھی۔ اس مقدمہ کی کامیاب پیروی شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ نے کی۔ چنانچہ اخبار "انقلاب" (۱۵/ اگست ۱۹۳۱ء) نے لکھا۔

"ملزمین کی طرف سے کشمیر کمیٹی کے قابل اور لائق وکیل شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ ہائیکورٹ لاہور پیش ہوئے۔ جنہوں نے نہایت قابلیت سے مقدمہ کی پیروی کی ٹریبونل نے واقعہ شوپیاں کو محض بلوہ قرار دیا تھا اور ملزمین کو سزائے قید دی گئی۔ ملزمین نے ہائیکورٹ کشمیر میں اپیل دائر کر رکھی تھی جس کی پیروی کے لئے جناب شیخ صاحب موصوف سرینگر تشریف لے آئے ہیں ہم جناب صدر محترم کشمیر کمیٹی کا اہالیان کشمیر کی طرف سے اس محنت و مشقت کے لئے شکریہ ادا کرتے ہیں"۔

محترم شیخ صاحب نے ہائیکورٹ کے سامنے اس غیر معمولی لیاقت و قابلیت سے وکالت کی کہ چند دن کے اندر کیس کے ایک ملزم کو رہا کر دیا گیا۔ جس پر شیخ محمد عبداللہ صاحب ۲۴/ دسمبر ۱۹۳۱ء کو الفضل کے نام شکریہ کا تار دیئے [۵۰] کے بعد دسمبر ۱۹۳۱ء کے آخر میں بنفس نفیس حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں حاضر ہوئے تا اسلامیان کشمیر کی طرف سے شیخ بشیر احمد صاحب اور کشمیر کمیٹی کے دوسرے مخلص کارکنوں کے کارہائے نمایاں کا شکریہ ادا کریں۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ شیخ بشیر احمد صاحب، مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی بھی تھے۔

شوپیاں کے علاوہ آپ نے "علی بیگ" (میرپور) کے مقدمہ کی بھی پیروی کی اور اس مقدمہ کے چوالیس ملزمان نے مندرجہ ذیل الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔ "سب سے بڑھ کر ہم آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ممنون ہیں جنہوں نے شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کو ہمارے مقدمہ کی بحث کے لئے ہماری درخواست کو قبول کرتے ہوئے بھیجا اور مسلسل ایک ہفتہ بحث کر کے انہوں نے ہماری نیابت کا حق ادا کر دیا"۔ [۵۱]

چوہدری محمد یوسف خان صاحب بی اے۔ ایل ایل بی

چوہدری محمد یوسف خان صاحب نے سرینگر اور میرپور میں نہایت اخلاص سے قانونی امداد بہم پہنچائی۔ آپ کو بھی ایک بار ریاست بدر کر دیا گیا تھا آپ کی خدمات کے تعلق میں دو اقتباسات بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ اخبار "سیاست" (۷/ ستمبر ۱۹۳۲ء) میں لکھا ہے کہ "صدر محترم آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی خدمت

میں مندرجہ ذیل تار موصول ہوا ہے۔ کہ ہم "ممنون ہیں کہ چوہدری یوسف خان پلیڈر کی محنت اور کوشش سے مقدمہ سرکار بنام شہاب الدین وغیرہ جس میں ۷۴ ملزم ڈاکہ کے الزام میں ماخوذ تھے اور اسی طرح مقدمہ سرکار بنام فقیر محمد وغیرہ جس میں ۹ ملزم ماخوذ تھے خارج کر دیئے گئے ہیں۔ مہربانی فرماکر ہماری طرف سے دلی شکریہ قبول فرمائیں"۔

۲۔ ملزمان "علی بیگ" (میرپور) کی طرف سے اخبار "انقلاب" (لاہور) ۱۱/ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں مندرجہ ذیل الفاظ میں چوہدری محمد یوسف خان صاحب کی مساعی جمیلہ کا شکریہ ادا کیا گیا۔

"چوہدری یوسف خان صاحب وکیل گورداسپور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی طرف سے نہایت قابلیت کے ساتھ مقدمہ کی پیروی کرتے رہے ہیں۔ اور صرف چار ماہ سے جدید کشمیر کمیٹی کی طرف سے ایک وکیل صاحب بھیجے گئے جو چوہدری صاحب موصوف کی امداد کرتے رہے۔ اور اصل امداد چوہدری صاحب موصوف کی طرف سے ہمیں ملی"۔

چوہدری عصمت اللہ صاحب وکیل

چوہدری عصمت اللہ صاحب ایڈووکیٹ لائلپور کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ جولائی ۱۹۳۱ء کے آغاز میں جبکہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا بھی قیام نہ ہوا تھا۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر سرینگر تشریف لے گئے۔ جہاں سے اکتوبر ۱۹۳۱ء میں واپس آکر دوبارہ نومبر ۱۹۳۱ء میں وارد کشمیر ہوئے اور تین ماہ تک قانونی امداد کا فریضہ ادا کیا۔ اور فروری ۱۹۳۲ء میں واپس لائلپور آگئے۔ لیکن پھر جلد ہی واپس ریاست کشمیر تشریف لے گئے۔ جہاں آپ دسمبر ۱۹۳۲ء تک بھمبر' نوشہرہ اور کوٹلی میں مظلومین کشمیر کے مقدمات میں قانونی امداد فرماتے رہے۔ آپ کی کوشش سے سمووال مقدمہ قتل کے تمام ملزم بری ہو گئے۔ [۵۲] اس کے علاوہ مسلمانان کوٹلی کے مقدمات کی پیروی میں آپ نے اور میر محمد بخش صاحب نے نہایت شاندار خدمات سرانجام دیں۔ جن کا اقرار انجمن اسلامیہ کوٹلی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا۔

"بارہا انجمن ہائے پنجاب اور ہندوستان کے مختلف اراکین کو امداد کے لئے پکارا گیا اور کہا گیا کہ خدا کے لئے ہماری امداد کریں۔ مگر افسوس کہ سوائے خاموشی کے کسی نے کوئی جواب نہ دیا آخر کشمیر کمیٹی سے درخواست کی گئی جس کے جواب میں دو وکیل صاحبان دھوپ میں جلتے ہوئے یہاں آپہنچے۔ اور سسکتے ہوئے بے کس مسلمانوں کی امداد شروع کر دی۔ مقدمات جو کہ اس جگہ کے مسلمانوں پر بنائے گئے ہیں تمام قتل کے ہیں۔ چوہدری عصمت اللہ صاحب وکیل بی اے۔ ایل ایل بی اور میر محمد بخش صاحب پلیڈر نے نہایت جانفشانی سے مقدمات کی پیروی کی۔ گواہ استغاثہ جو کہ چار ماہ سے پولیس کی زیر

حراست تھے۔ ان پر ایسی عمدہ جرح کی کہ مقدمہ کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ سلطانی گواہ پر پورے دو دن جرح ہوتی رہی۔ جس سے مقدمہ کی قلعی کھل گئی۔ باقی بیس گواہ بھی اسی طرح زمین و آسمان میں گھومتے ہوئے نظر آتے تھے۔ کشمیر کمیٹی کے اراکین کا ہم جس قدر شکریہ ادا کریں کم ہے۔ خاص کر محترم صدر صاحب کا جو کہ بڑی بزرگ ہستی ہیں۔ ان کے حسن اخلاق کی تمام علاقہ میں دھوم ہے مظلوم مسلمان جو کہ وقتاً فوقتاً ان کی خدمت میں اپنی تکالیف بیان کرنے کے لئے حاضر ہوتے رہے۔ آپ کے حسن اخلاق کے بے حد مداح ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ بھی صدر محترم اور اراکین کشمیر کمیٹی ہم بے کس مسلمانوں کی امداد فرماتے رہیں گے۔ اور اس کا اجر مالک حقیقی سے پائیں گے۔

ہم مظلوم مسلمانان کوٹلی مسلمانان ہند سے اپیل کرتے ہیں کہ تمام تفرقات کو بالائے طاق رکھ کر کشمیر کمیٹی کے مشورہ سے ہماری امداد کریں۔ ہم وکلاء صاحبان سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ آپ اپنی خدمات کشمیر کمیٹی کی معرفت پیش کریں۔ تاکہ ہم بے کسوں کو ظلم سے نجات ملے۔ (مسلمانان کوٹلی بذریعہ انجمن اسلامیہ کوٹلی)

شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ

جناب شیخ محمد احمد صاحب ۱۹۱۹ء میں بی اے آنرز پاس کرکے انگریزی کا ایم۔ اے کرنا چاہتے تھے۔ مگر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ کہ جماعت کو آئندہ وکلاء کی بہت ضرورت پیش آئے گی۔ اس لئے وکالت کا امتحان پاس کریں۔ چنانچہ آپ نے لاء کالج میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۲۱ء سے کپورتھلہ میں وکالت کا کام شروع کر دیا۔ اسی دوران میں تحریک آزادی کا آغاز ہوا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۷/ نومبر ۱۹۳۱ء کو لاہور سے آپ کو تار دیا کہ۔

"PROPOSE SENDING YOU KASHMIR, IF CAN,T START IMMIDIATELY KINDLY COME HERE FOR CONSULTATION . KHALIFATUL MASSIH ."

یعنی آپ کو کشمیر بھجوانے کی تجویز ہے اگر فوراً روانہ ہونا ممکن نہ ہو تو آپ یہاں بغرض مشورہ آجائیے۔ (خلیفۃ المسیح)

یہ تار ملتے ہی آپ پہلی گاڑی سے لاہور پہنچے۔ عند الملاقات حضور نے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کتنے مقدمات ہیں؟ آپ کے پاس اس وقت ڈیڑھ سو کے قریب مقدمات تھے جن کی فہرست آپ نے حضور کے سامنے رکھ دی۔ حضور نے فرمایا کہ ان مقدمات کو دوسروں کے سپرد کرنے کا انتظام کرو اور ہمیں تار دو۔ چنانچہ آپ واپس کپورتھلہ آگئے۔ اور چند دنوں میں یہ مقدمات اپنے دوست وکلاء کے سپرد کر کے حضور کی خدمت میں تار دیا کہ میں حاضر ہوں حضور نے جوابی تار دیا کہ بھمبر روانہ ہو جائیں وہاں کثیر مقدمات پیروی طلب ہیں چنانچہ آپ براستہ گجرات بھمبر پہنچ گئے۔

بھمبر پہنچ کر ایک عجیب دقت کا سامنا ہوا۔اور وہ یہ کہ ریاستی قانون کے لحاظ سے لازمی تھا کہ بیرون ریاست سے آنے والا وکیل ہر مقدمے کے لئے اجازت حاصل کرے دو روپیہ کے کاغذ پر درخواست دے اور بیس روپیہ فیس ادا کرے گویا اگر ایک معمولی سا مقدمہ بھی پیروی طلب ہو تو عدالت ابتدائی عدالت اپیل اول اور ہائیکورٹ تک ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے چھیاسٹھ روپے ادا کئے جائیں یہ صورت حال بہت سے اخراجات آل انڈیا کشمیر کمیٹی پر عائد کرنے والی تھی۔صاحب استطاعت مقدمہ والوں نے اس فیس کو ادا کرنا چاہا لیکن غریب لوگ اس کی طاقت نہ رکھتے تھے آپ کو یہ نظر آیا کہ اگر میں باحیثیت لوگوں کی پیروی فیس ادا کر کے شروع کردوں تو غرباء کو لازماً شکایت پیدا ہوگی کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی بھی غریبوں کی مدد نہیں کرتی۔اس مشکل کے پیش نظر اس قانون میں ترمیم کرانا ضروری تھا۔ اس لئے آپ بھمبر سے قادیان پہنچے اور رپورٹ پہنچادی۔جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے چوہدری اسد اللہ خاں صاحب بارایٹ لاء لاہور کو دوبارہ جموں بھجوایا۔نتیجہ یہ ہوا کہ چیف جسٹس کی سفارش پر اپریل ۱۹۳۲ء میں مہاراجہ نے بیرونی وکلاء پر عائد شدہ پابندیاں دور کردیں اور فیس کے لئے بھی قانون بنادیا کہ چیف جسٹس کو اختیار رہے کہ اگر وہ چاہے تو فیس معاف کر سکتا ہے۔[۵۲] اس ترمیم نے مقدمات کی پیروی کا دروازہ کھول دیا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ایڈووکیٹ کے متعلق مہاراجہ کی ترمیم و اجازت کے معاً بعد شیخ محمد احمد صاحب مظہر اور چوہدری یوسف خاں صاحب پلیڈر گورداسپور کو سرینگر روانہ فرمایا اور اپنی دعاؤں سے رخصت کرنے سے قبل اہم ہدایات دیں جو جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ کی یادداشت کے مطابق حسب ذیل تھیں۔

(۱) ہم نے ایک مظلوم قوم کی مدد کرنی ہے وکلاء کا قاعدہ ہے کہ وہ موکل کی لمبی بات نہیں سنا کرتے لیکن کشمیری مظلوم ہیں آپ کو تحمل سے ان کی باتیں سننا ہوں گی۔خواہ آپ ان باتوں کو غیر ضروری ہی سمجھیں۔

(۲) کسی شخص سے کوئی تحفہ یا امداد قبول نہ کریں۔بلکہ جو لوگ آپ کے پاس ملاقات کے لئے آئیں ان کی مناسب تواضع پر خود خرچ کریں کسی سے کوئی پیسہ نہ لیں۔

(۳) کشمیر میں جو سرکردہ لوگ اس مہم میں حصہ لے رہے ہیں ان کی طبیعتوں کا اندازہ بھی ہونا چاہئے اور اس کے مطابق ان سے معاملات کرنے چاہئیں۔

(۴) ہر شخص رازدار ہونے کی اہلیت نہیں رکھتا اس لئے حزم و احتیاط ضروری ہے۔

(۵) سرینگر پہنچتے ہی وہاں کے گورنر سے ملاقات کریں۔کیونکہ وہ مہم آزادی کشمیر کا معاند ہے اور اسے بہت سی غلط فہمیاں ہیں۔

(۶) اپنے کام کی رپورٹ ہمیں بھیجتے رہیں۔

یہ ہدایت لے کر آپ ۵۶ اور بعد ازاں چوہدری یوسف خان صاحب (پلیڈر گورداسپور) بھی سری نگر پہنچ گئے۔

سر دلال چیف جسٹس جموں و کشمیر ہائیکورٹ ان دنوں جموں میں تھے۔ اس لئے آپ (شیخ محمد احمد صاحب مظہر) نے پیروی مقدمات کے لئے اجازت کی درخواست پہلے ہی بذریعہ ڈاک جموں روانہ کر دی تھی۔ مگر سر دلال نے اجازت نہ دی۔ شیخ محمد عبداللہ صاحب اور ان کے رفقاء کار کے مشورہ سے آپ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور نے فرمایا۔ آپ سر دلال کی طبیعت کو نہیں جانتے۔ جو شخص نرمی سے پیش آئے اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں اور جو شخص سختی سے پیش آئے اس سے نہایت سخت سلوک کرتے ہیں ان کی طبیعت کو مد نظر رکھو خود جا کر ان سے ملو اور پیروی مقدمات کی اجازت نرمی اور انکسار سے طلب کرو چنانچہ شیخ صاحب نے حضور کی اس ہدایت کی پوری پوری تعمیل کی اور سر دلال نے منظوری کا حکم صادر کر دیا۔ اور آپ نے بلا روک ٹوک مقدمات کی پیروی شروع کر دی۔ اس کے بعد رجسٹرار ہائیکورٹ سے آپ کے ایسے مراسم ہو گئے کہ اس نے آپ سے کہہ دیا کہ جس وکیل کے لئے آپ کو اجازت لینا ہو مجھے کہہ دیا کیجئے۔ چنانچہ رجسٹرار مذکور کی وساطت سے اور وکلاء کے لئے بھی اجازت ملتی چلی گئی۔

(اخبار "سیاست" ۳۰/ ستمبر ۱۹۳۲ء میں مطبوعہ رپورٹ کے مطابق) عدالت ابتدائی اور عدالت ہائے اپیل کے لحاظ سے ۲۵ مقدمات قتل، بلوہ، ڈکیتی وغیرہ میں آپ کو پیروی کرنا پڑی جن میں ۱۸۰ مظلوم اور بے کس مسلمان ماخوذ تھے آپ کی مساعی سے ۱۲۲ صاف بری ہو گئے ۱۵ اپیل میں بری ہوئے اور کم و بیش ۲۸ کی سزائیں کم ہو گئیں۔ بارہ مولا کا مقدمہ جس میں چالیس معززین ملوث کئے گئے تھے حکومت نے از خود واپس لے لیا۔ یہ آخر جولائی ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے مقدمہ کی واپسی پر جناب قاضی عبدالغنی صاحب ریڈر اور دوسرے اکتیس اصحاب کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو سرینگر سے یہ تار موصول ہوا کہ بارہ مولا کا سب سے اہم مقدمہ حکومت نے واپس لے لیا ہے۔ ازراہ کرم اپنے وکیل صاحب کی کامیابی اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی انمول خدمات کا شکریہ اور مبارک باد منظور فرمائیں۔ (الفضل ۳۱/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۳) پرائیوٹ سیکرٹری صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے ۶/ اگست ۱۹۳۲ء کو یہ خط شیخ محمد احمد صاحب کو ملا کہ حضور نے مقدمہ بارہ مولا میں کامیابی پر مبارکباد دی"۔

آپ کو جس مقدمہ میں بے نظیر کامیابی ہوئی وہ تحصیل ہندواڑہ کا ایک کیس تھا اس علاقہ میں ایک

مقدمہ چار اشخاص پر قائم کیا گیا۔ الزام یہ تھا کہ فسادات کے ایام میں یہاں ایک حکومت قائم کی گئی۔ ان چار اشخاص میں سے ایک جج ہائیکورٹ' ایک مجسٹریٹ' ایک تحصیلدار اور ایک جیلر ہوا۔ اور ان چاروں نے اپنے اپنے عہدے کے لحاظ سے کام کیا۔ ملزموں کو جرمانے کئے یا انہیں قید کیا یا اور کارروائی جو ان کے منصب کے مطابق تھی کی گئی۔ "جیلر" اور "تحصیلدار" ہائیکورٹ میں بھی مجرم قرار پائے۔ باقی دو ملزم مولوی سیف اللہ شاہ صاحب اور مولوی سلیمان شاہ صاحب جیسے معزز اشخاص کا مقدمہ ابھی ہائیکورٹ میں چل رہا تھا۔ یہ دونوں اصحاب شیخ الحدیث جناب مولوی سید انور شاہ صاحب کشمیری پرنسپل مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے سگے بھائی تھے۔ اور اپنے علاقہ میں بڑے باا ثر تھے۔ اور ان کے ہزاروں مرید بیان ہوتے تھے۔ مقدمہ جو اپنی نوعیت میں پہلے ہی نہایت سنگین تھا آخری مرحلہ تک آپہنچا تھا یعنی اپیل نامنظور ہو چکی تھی اور ہائیکورٹ میں اپیل ثانی دائر ہو کر آخری موقعہ تھا اور سب سے بڑی مشکل یہ آپڑی تھی۔ کہ اس مقدمہ کی دو شاخیں تحصیلدار اور جیلر ہائیکورٹ تک مجرم قرار پا چکے تھے۔ اور استغاثہ کو یہ کہنے کا حق تھا کہ جب وہ دونوں شخص جو ان ملزمان کے حکم سے کارروائی کرتے تھے۔ آخری عدالت سے مجرم قرار پا چکے تھے۔ تو یہ دونوں لازماً مجرم ہیں یہ بڑا عقدہ لاینحل تھا لیکن خدا تعالیٰ کی شان یفعل اللہ ما یشاء ہے وہ چاہے تو بگڑی کو بنا دے اور یہی ہوا کہ یہ بگڑی اس کے فضل سے بن گئی جناب شیخ محمد احمد صاحب ایڈووکیٹ اس اجمال کی تفصیل پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں "قصہ یہ ہوا کہ مسل کے معائنہ کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ مجسٹریٹ جس نے عدالت ابتدائی میں اس مقدمہ کی سماعت کی اور سزا دی قانوناً مجاز نہ تھا۔ کہ اس مقدمہ کی سماعت کرتا مسل پر یہ بات موجود تھی کہ مجسٹریٹ مذکور نے بحیثیت اعلیٰ انتظامی افسر اس الزام کی اپنے طور پر تحقیقات کی تھی اور نمبرداروں کو موقوف کر دیا تھا کہ انہوں نے اپنے علاقہ میں ایسی متوازی حکومت کے جاری ہونے کے متعلق سرکار کو اطلاع کیوں نہیں دی؟ نمبرداروں کی اس طرح پر برطرفی کے بعد یہ مقدمہ سرکار بنام سیف اللہ شاہ و سلیمان شاہ حاکم مذکور ہی نے سنا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس بارہ میں اپنی قطعی رائے قائم کر چکا تھا۔ اور اس کے لئے مقدمہ کی سماعت ایک تحصیل حاصل تھی۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ مقدمہ سردلال کی پیشی میں آنے کی بجائے دوسرے جج کی پیشی میں لگ گیا۔ ہم نے بحث میں یہ عذر اٹھایا کہ سماعت مقدمہ از اول تا آخر غلط ہے۔ کیونکہ مجسٹریٹ اس مقدمہ کی سماعت کرنے کا مجاز نہ تھا۔ سرکاری وکیل نے جواب دیا کہ جج اور چیف جسٹس مجرم قرار دے چکا۔ ہمارا جواب یہ تھا کہ چیف جسٹس کے سامنے یہ بات نہیں پیش کی گئی کہ مجسٹریٹ نے خلاف قانون سماعت مقدمہ کی۔ یہ نقل فیصلہ موجود ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ عذر کسی نے نہیں اٹھایا۔ جج نے سرکاری وکیل سے اس بات کا جواب طلب کیا۔ جواب تو

دراصل کوئی ہو نہیں سکتا تھا۔ دونوں اپیلانٹ اسی وقت بری کر دیئے گئے اور انہوں نے عدالت سے نکلتے ہی آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر کے نام شکریے کا تار دیا"۔

شیخ صاحب کو ان دنوں راتوں کو بھی مسلسل کام کرنا پڑتا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کی صحت پر سخت ناگوار اثر پڑا۔ مگر آپ اپنی کوششوں میں برابر منہمک رہے۔ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب پر جناب شیخ صاحب کی جانفشانی، خلوص اور محنت کا اتنا اثر تھا کہ انہوں نے ۱۶/ جولائی ۱۹۳۲ء کو مولانا جلال الدین صاحب شمس اسسٹنٹ سیکرٹری کشمیر کمیٹی کو ایک خط میں لکھا۔ "محمد احمد صاحب وکیل کے متعلق ایک بات میں آپ سے عرض کر دوں آپ اس پر بھی توجہ کریں اور حضرت صاحب کی توجہ مبذول کریں۔ محمد احمد صاحب ایک قابل اور محنتی وکیل ہیں انہوں نے کشمیر کے مقدمات میں بڑی جانفشانی کے ساتھ کام کیا۔ مگر انہیں کشمیر کمیٹی کی طرف سے بہت قلیل فنڈ مہیا ہوتے ہیں میں اس کے لئے خاص سفارش کرتا ہوں۔ کہ آپ اس کے لئے کم از کم اتنی رقم تو بھیج دیں تاکہ وہ یہاں مقروض نہ ہوں"۔

۱۳/ ستمبر ۱۹۳۲ء کو پتھر مسجد سری نگر میں زیر صدارت سید حبیب صاحب ایڈیٹر "سیاست" ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں شیخ محمد احمد صاحب مظہر، شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ اور چوہدری محمد یوسف خاں صاحب بی۔ اے کے کارہائے نمایاں، بے لوث اور بیش قیمت قربانیوں کے لئے شکریہ ادا کیا گیا۔ ۵۵

۱۷/ نومبر ۱۹۳۲ء کو شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب نے شیخ محمد احمد صاحب ایڈووکیٹ، شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ، جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور بعض دوسرے اصحاب کے اعزاز میں چائے کی دعوت دی چائے نوشی کے بعد یہ سب اصحاب پتھر مسجد میں تشریف لے گئے۔ جہاں قریباً بیس ہزار مسلمان ان کے الوداعی جلسہ میں موجود تھے۔ اس جلسہ میں شیخ محمد احمد صاحب اور چوہدری محمد یوسف خان صاحب کی خدمات کو بہت سراہا گیا۔ چنانچہ مولوی عبداللہ صاحب وکیل نے شیخ محمد احمد صاحب مظہر کی نسبت چشم دید واقعہ بیان کیا۔ "شیخ صاحب موصوف نے نہایت ایمانداری سے اپنی جانفشانی کا ثبوت دیا۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ شیخ صاحب کے فرزند پنجاب میں بیمار ہو گئے اور انہوں نے مقدمات کو چھوڑ کر اپنے عزیز فرزند کی عیادت کے لئے پنجاب جانا مناسب نہ جانا۔ اور ذاتی معاملہ پر قومی مفاد کو ترجیح دے دی۔ اسی طرح ایک مرتبہ مالی مشکلات اور ضروریات کے لئے مجبور تھے۔ اور میں نے کشمیر کمیٹی سے مانگنے کے لئے کہا۔ مگر شیخ صاحب نے دلیرانہ جواب دے کر اپنے ایثار کا ثبوت پیش کیا اور فرمایا۔ میں کشمیر کمیٹی سے غریبوں اور قوم کا روپیہ لے کر صرف کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ میں چاہتا ہوں کہ سکونتی مکان فروخت کر کے گزارہ کر لوں۔ اس جلسہ کی پوری تفصیل اخبار "سیاست" ۳۰/ ستمبر

۱۹۳۲ء صفحہ ۶ پر شائع ہو گئی تھی۔

چیف جسٹس کشمیر کے نام میموریل

جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ کی خدمات جلیلہ کا تذکرہ کرنے کے بعد بالآخر آپ ہی کے قلم سے ایک اہم واقعہ درج کرنا ضروری ہے۔ یہ واقعہ شیخ محمد عبداللہ صاحب شیر کشمیر کے ذریعہ سے چیف جسٹس ہائیکورٹ کشمیر کے نام میموریل بھجوانے کا ہے۔ جس کے بعد خدا کے فضل سے مظلومین کشمیر کے مقدمات میں کامیابی کا دروازہ کھل گیا۔ آپ کا بیان ہے کہ

"چیف جسٹس سر دلال کی طبیعت پر یہ اثر تھا کہ مسلمان انسے ناانصاف جج تصور کرتے ہیں اور اس کے انصاف پر اعتماد نہیں رکھتے۔ بعض ایسے واقعات رونما ہو چکے تھے۔ جن کی وجہ سے سر دلال کی طبیعت میں تحریک آزادی کے متعلق ایک تکدر اور تنفر پیدا ہو چکا تھا۔ خصوصاً شیخ محمد عبداللہ صاحب کو وہ اپنا شدید مخالف تصور کرتے تھے۔ اور مقدمات میں شیخ صاحب کا نام آتے ہی چیں بجبیں ہو جاتے تھے۔ نچلی عدالتوں کو اس تکدر کا علم تھا۔ اس لئے وہ ایک حد تک بے خوف تھیں۔ یہ ایک ایسی صورت حال تھی۔ جو مقدمات کی کامیابی میں ایک ناقابل بیان سد راہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ یہ عقدہ جو بظاہر لاینحل نظر آتا تھا۔ اس کے حل کی خود بخود ایک تقریب پیدا ہو گئی۔ ؎

خود کنی و خود کنانی کار را　　خود دہی رونق تو ایں بازار را

یہ تقریب اس طرح پیش آئی کہ ایک دن شیخ محمد عبداللہ صاحب انگریز وزیر اعظم کشمیر مسٹر کالون نامی سے ملاقات کرنے گئے۔ اور انہوں نے کشمیریوں پر مظالم اور انکے حقوق کی تلفی کا ذکر کیا۔ وزیر اعظم نے کہا کہ بہرحال شورش بند ہونی چاہئے۔ اور امن قائم کیا جائے۔ خیر اس ملاقات کے بعد شیخ صاحب چنار باغ میں میرے ہاؤس بوٹ پر تشریف لائے۔ شیخ صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ مسٹر کالون کہتے ہیں کہ شورش بند ہونی چاہئے۔ اور امن قائم ہو جانا چاہئے۔ مجھے اس بات میں ایک بہت ہی بڑا نکتہ نظر آیا اور میں نے شیخ صاحب سے کہا کہ آپ کل تشریف لائیں۔ میں آپ کی طرف سے ایک میموریل لکھوں گا جو مسٹر کالون کو بھیجا جائے گا۔ اور آپ کی قوم کی اس میں بھلائی اور فائدہ ہے کہ وہ میموریل آپ کی طرف سے پیش ہو۔ میں نے شیخ صاحب کے اندر ایک بہت بڑی خوبی مشاہدہ کی۔ جس بات میں ان کی قوم کا بھلا ہو وہ اپنی رائے کو چھوڑ کر بھی اسے اختیار کر لیتے ہیں۔ خواہ بظاہر یہ بات ہو کہ اپنی رائے کو چھوڑنا ایک مشکل امر ہو لیکن شیخ صاحب کا خلوص بے نفسی پر مبنی تھا۔ میں نے ایک میموریل انگریزی زبان میں تیار کیا۔ جس میں امور ذیل پیش کئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ شورش بند ہو لیکن آپ کو وجوہات معلوم ہونی چاہئیں۔ جن کی وجہ سے

شورش جاری ہے اور جب تک ان وجوہات کا ازالہ نہ ہو۔ امن قائم نہیں ہو سکتا۔ ان وجوہات میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

(۱) تمام لوگوں میں یہ احساس ہے کہ آزادی کا مطالبہ کرنے پر حکومت نے نہتے لوگوں پر گولیاں چلائیں بہت سے لوگ جاں بحق ہو گئے بعض زخمی ہوئے کسی کی ٹانگ کاٹنی پڑی کسی کا ہاتھ کاٹنا پڑا کسی کو زخم ہوئے یہ زخمی لوگ مقدمات میں لپیٹے گئے۔ اور جب یہ لوگ لاریوں میں سوار ہو کر علاقوں کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور لوگ دیکھتے ہیں کہ کسی کا ہاتھ کٹا ہوا ہے اور کسی کی ٹانگ کٹی ہوئی ہے اور کوئی زخمی ہے اور باوجود اس کے عدالت کی طرف لے جایا جا رہا ہے تو لوگوں میں ایک ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ تو ملزمان کے متعلق زندہ باد کے نعرے لگتے ہیں۔

(۲) جب عدالتوں کے اندر مقامات کی پیروی ہوتی ہے۔ تو جو لوگ برسر عدالت ہیں وہ تحریک آزادی کے دشمن ہیں اور اس معاملہ کو اپنا ذاتی معاملہ سمجھتے ہیں۔ کسی بے گناہ کو بھی بری کرنا ایک پاپ سمجھتے ہیں۔ اسکے نتیجہ میں ہی انتہائی بے اعتمادی عدالتوں اور حکومت کے خلاف پیدا ہوتی ہے۔

(۳) نچلی عدالتیں ایسی ہیں کہ ان کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے۔

(۴) بعض مقدمات میں بعض بڑے بڑے شریف اور معزز لوگ ملوث کئے گئے ہیں۔ تاکہ ان کو سزا دے کر عام لوگوں کو عبرت دلائی جاسکے۔ کہ وہ تحریک آزادی سے کنارہ کش ہو جائیں۔ ورنہ ان کا بھی یہی حشر ہو گا۔ مثلاً بارہ مولا کے مقدمہ میں چالیس معزز اور ممتاز شہری لپیٹے گئے ہیں اور مقدمہ چل رہا ہے۔ اور خصوصاً تمام علاقے میں ہیجان اور اضطراب کا موجب ہے۔

(۵) نچلی عدالتیں طریق انصاف سے بہت حد تک محروم ہیں۔ اور شاید ہم ان حالات میں مقدمات کی پیروی سے دستکش ہو جاتے۔ لیکن ہمیں اس بات پر اعتماد ہے کہ بالآخر چیف جسٹس کے پاس پہنچ کر دادرسی اور انصاف اور قانون کی پناہ حاصل ہو جائے گی۔

یہ وہ امور ہیں جن کی طرف وزیر اعظم صاحب کو توجہ کرنی چاہئے اور ظلم اور استبداد کی روک تھام ہونی چاہئے۔ اور قانون کے تقاضے مقدمات میں پورے ہونے چاہئیں۔

دوسرے دن شیخ صاحب حسب وعدہ تشریف لائے۔ میں نے یہ میموریل انہیں سنایا۔ اور انہوں نے پسند فرمایا۔ چنانچہ یہ میموریل شیخ صاحب نے مسٹر کالون کو بھیج دیا۔ بعد اس کے معلوم ہوا کہ وزیر اعظم نے یہ میموریل چیف جسٹس کے پاس روانہ کیا کہ وہ اس بارے میں کیا کہتے ہیں اور ان کے ریمارک ان امور کے متعلق آنے چاہئیں۔

جب یہ میموریل چیف جسٹس صاحب کے پاس پہنچا۔ تو انہوں نے فوراً شیخ صاحب سے ملاقات کرنا چاہی۔ شیخ صاحب میرے پاس تشریف لائے کہ چیف جسٹس کی روبکار بغرض ملاقات مجھے پہنچی ہے اور میں نے شیخ صاحب سے مندرجہ ذیل گفتگو کی۔ چیف جسٹس کا یہ خیال کہ مسلمان انہیں بے انصاف سمجھتے ہیں دور ہونا چاہئے۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے جو چیف جسٹس کو تمام ہندوستان میں نیک نام اور انصاف پسند قرار دے چکا ہے اور تمام مسلمان ان کے ممنون ہیں۔ اور ان کی انصاف پسندی کے قائل ہیں۔ وہ امر یہ ہے کہ جب راجپال نے "رنگیلا رسول" کتاب لکھی اور اس پر مقدمہ قائم ہوا۔ اور سر دلیپ سنگھ نے بطور جج ہائیکورٹ یہ قرار دیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کا شاتم موجودہ قانون کی رو سے مجرم نہیں قرار پا سکتا۔ اور راجپال کو بری کر دیا۔ اور یہ بات سب کو معلوم ہے اس کے بعد اس قسم کے مقدمہ توہین رسولؐ کے الزام میں ایک شخص کالی چرن کے خلاف الہ آباد ہائیکورٹ کے دائر ہوا۔ اور جب یہ مقدمہ ہائیکورٹ میں پہنچا تو سر دلال جج تھے۔ ان کے سامنے سر دلیپ سنگھ کے فیصلہ کا حوالہ دیا گیا کہ شاتم رسولؐ مجرم نہیں ہوتا۔ جو سر دلال نے نہایت حقارت سے اس فیصلے کو غلط قرار دیتے ہوئے مجرم کو سزا دی اور قرار دیا کہ قانوناً شاتم رسولؐ بری نہیں ہو سکتا۔ اور یہ جرم ہے۔

دونوں ہائیکورٹوں کے فیصلے متضاد ہو گئے۔ اس پر گورنمنٹ نے تعزیرات ہند کی دفعہ متعلقہ میں ترمیم کی اور مذہبی پیشواؤں کی ہتک کو جرم قرار دیا۔

میں نے شیخ صاحب سے عرض کیا کہ اگر سر دلال پوچھیں تو آپ مندرجہ بالا دفعات کا ذکر کریں اور یہ کہ ہم تو کیا ہندوستان کے تمام مسلمان آپ کی انصاف پسندی کے قائل ہیں۔ اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ کشمیر میں بھی کوئی تعصب آپ کی موجودگی میں انصاف کی راہ میں حائل نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ شیخ صاحب جب سر دلال سے ملاقی ہوئے تو انہوں نے یہی سوال کیا کہ انہیں ناانصاف سمجھا جاتا رہا لیکن شیخ صاحب کے میموریل میں انہیں باانصاف ظاہر کیا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے جواباً شیخ صاحب کی طرف سے دلیپ سنگھ والا مقدمہ اور کالی چرن والا مقدمہ مذکور ہوئے جیسا کہ اوپر درج کیا گیا ہے۔ یہ سن کر سر دلال بہت ہی خوش ہوئے اور فرمانے لگے۔ کہ ہاں میں نے جو اس وقت فیصلہ کیا مسلمانوں کا بچہ بچہ اسے جانتا ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں چیف جسٹس ہوتا ہوا کشمیر میں پورا عدل و انصاف نہ کراؤں۔ جن جن مقدمات میں ناانصافی ہوئی ہے آپ بے شک کوائف مجھے بھیج دیں۔ حسب ضرورت اس میں دست اندازی کروں گا۔

اس ملاقات کے بعد شیخ صاحب میرے پاس تشریف لائے۔ اور انہوں نے ملاقات مندرجہ بالا کا ذکر فرمایا اور یہ کہ جن مقدمات میں ناانصافی ہوئی ہے ان پر نوٹ لکھا جائے۔ اور یہ کہ سر دلال بالکل

مطمئن ہو چکے ہیں اور ان کا تکدر دور ہو چکا ہے۔ خاکسار نے بعض مقدمات کے متعلق ایک یادداشت تیار کی جو سرڈلال کو بھیجی گئی۔ پہلا حکم سرڈلال نے اس بارے میں یہ صادر کیا کہ مقدمہ بارہ مولا جس میں چالیس معززین ملوث کئے گئے ہیں۔ فوراً واپس لیا جائے۔

یاد رہے کہ سرڈلال کشمیر کے چیف جسٹس بھی تھے اور جوڈیشل منسٹر بھی۔ اس لئے مقدمات کو واپس لینا یا ان میں دست اندازی کرنا ان کے اختیار میں تھا...... ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا صورت حال اس طرح پیدا ہوئی کہ حضرت صاحب نے سرڈلال کی طبیعت کا جو نفسیاتی تجزیہ کیا ہوا تھا اس کے مطابق وہ نرم پڑ گئے اس کے بعد ہوا کا رخ پلٹ گیا اور مقدمات کامیاب ہونے شروع ہوئے اور اکثر ایسا ہوا کہ ہائیکورٹ میں اپیل کرنے پر مقدمہ کامیاب ہوتا رہا۔ کیونکہ سرڈلال ایک مشہور باانصاف جج رہے ہیں۔ اور بطور جوڈیشنل کمشنر اودھ یا جج ہائیکورٹ الہ آباد ان کے فیصلوں میں سلامت اعتدال اور حقیقی انصاف پایا جاتا ہے۔ فمن شاء فلیر جع الیہ۔

مندرجہ بالا میموریل کی نقل خاکسار نے حضرت صاحب کی خدمت میں بھی روانہ کر دی۔ اور شیخ محمد عبداللہ صاحب بھی اس کے بعد لاہور میں حضرت صاحب سے ملاقی ہوئے۔ انہوں نے اس کا ذکر کیا۔ چنانچہ حضور نے اس کے بعد ۶/ اگست ۱۹۳۲ء کو مقدمہ بارہ مولا میں کامیابی پر مبارکباد دی اور فرمایا کہ آپ نے جو کیا بہت اچھا کیا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء"

چوہدری عزیز احمد صاحب بی اے۔ ایل ایل بی

چوہدری عزیز احمد صاحب نے بھمبر اور پونچھ میں قابل رشک خدمات سر انجام دیں آپ کے علاوہ پونچھ میں قاضی عبدالحمید صاحب نے بھی مقدمات کی پیروی کی۔ مسلمانان علاقہ تھکیالہ، پڑاوہ جاگیر پونچھ نے ان فاضل وکلاء کی خدمات کا شکریہ درج ذیل الفاظ میں ادا کیا۔ "ہم جملہ مسلمانان علاقہ تھکیالہ پڑاوہ جاگیر پونچھ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر محترم و جملہ کارپردازان کے تہ دل سے ممنون ہیں اس وقت تک جو معقول امداد ہمیں اس کمیٹی کی طرف سے پہنچی ہے۔ وہ بے حد مسرت بخش ہے قانونی مدد کے علاوہ مالی امداد سے بھی ہمیں کمیٹی نے فائدہ پہنچایا ہے۔ خود غرض لوگ اگر اس کمیٹی کے کارناموں میں بلاوجہ روڑے نہ اٹکاتے تو یقیناً اس وقت تک مسلمانان جموں و کشمیر و پونچھ منزل مقصود کو پہنچ گئے ہوتے۔ مگر باوجود رکاوٹوں کے کمیٹی نے مسلمانوں کے حقوق اور جان و مال کی بے حد حفاظت کی ہے۔ اور سرتوڑ کوشش کی ہے"۔ [۵۱]

قاضی عبدالحمید صاحب امرتسری

آپ نے پونچھ میں قریباً ۵ ماہ اور راجوری میں قریباً تین ماہ تک خدمات انجام دیں۔ پونچھ میں خاصی تعداد

مقدمات چل رہے تھے۔ اور قریباً سب سنگین نوعیت کے تھے۔ قتل ' آتش زنی ' ڈاکہ اور بلوہ وغیرہ ہر قسم کے مقدمات تھے۔ اور پولیس اور ہندوؤں نے محض سربر آوردہ ہونے کی وجہ سے علاقہ کے معزز ترین مسلمانوں کو جھوٹے مقدمات میں جکڑ دیا تھا۔ قاضی صاحب نے نہایت محنت اور قابلیت سے پیروی کی اور الا ماشاء اللہ سب مقدمات کے نتائج مسلمانوں کے حق میں بر آمد ہوئے۔ آپ کی خدمات کا سلسلہ مئی ۱۹۳۲ء سے دسمبر ۱۹۳۲ء تک جاری رہا۔ [۵۷]

میر محمد بخش صاحب ایڈووکیٹ

میر محمد بخش صاحب نے جموں ' کوٹلی اور نوشہرہ میں پیروی مقدمات کی۔ آپ جموں میں تشریف لے گئے تو اس وقت تک ریاست کی طرف سے بیرونی پلیڈرز کو وکالت کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے عدالت میں یہ سوال پیدا ہو گیا کہ میر صاحب پلیڈر ہیں اس لئے بطور وکیل پیش نہیں ہو سکتے۔ اس پر آپ نے ساری رات ریاستی قوانین کا مطالعہ کیا۔ اور اس نکتہ تک پہنچے کہ ریاستی قانون کے ماتحت کسی ملزم کا مختار خاص مقدمہ کی پیروی کر سکتا ہے۔ چنانچہ میر صاحب نے جیل سے تمام ملزمان کے خاص مختار نامے حاصل کر کے عدالت میں پیش کر دیئے۔ عدالت نے اعتراض کیا کہ جب غیر ریاستی پلیڈر پیش نہیں ہو سکتا تو غیر ریاستی مختار خاص کس طرح پیش ہو سکتا ہے؟ میر صاحب کا موقف یہ تھا کہ مختار صاحب کے لئے یہ شرط ریاستی قانون میں نہیں رکھی گئی۔ عدالت جموں کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔ ہائیکورٹ سے استصواب کیا گیا۔ ہائی کورٹ نے میر صاحب کے نقطہ نظر کی تائید کی اور اس طرح یہ قانونی روک بھی ہمیشہ کے لئے دور ہو گئی۔ [۵۸]

جموں میں مشہور مقدمہ سرکار بنام غلام چل رہا تھا۔ جس میں بارہ مسلمان قتل اور ڈاکہ کے الزام میں ماخوذ تھے میر صاحب نے خدا کے فضل سے اس قابلیت سے کیس پیش کیا۔ کہ تمام مسلمان بری کر دیئے گئے۔ [۵۹]

محترم میر محمد بخش صاحب نے اپنے آپ کو دو ماہ کے لئے وقف کیا تھا یہ عرصہ گزارنے پر انہوں نے صدر محترم کشمیر کمیٹی سے واپس جانے کی اجازت چاہی۔ اس کا علم ملزمین کو بھی ہو گیا۔ انہوں نے بھی جناب صدر کو بذریعہ تار گزارش کی کہ میر صاحب کو تا اختتام مقدمہ جموں ہی میں رہنے کا حکم دیا جائے۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی اور میر صاحب نے پورے چھ ماہ وہاں گزارے اور نہایت قابلیت سے یہ کام ختم کیا۔

جموں کے مشہور مقدمہ میں سترہ ملزم تھے۔ جن پر قتل ' ڈاکہ آتش زنی اور بلوہ وغیرہ کے مقدمات تھے۔ چھ ماہ بعد جب ساری کارروائی ختم ہوئی۔ تو میر محمد بخش صاحب نے بڑی قابلیت سے بحث کی۔ پہلے

دن چھ گھنٹے کی بحث کے نتیجہ میں دونوں جج صاحبان نے اس بات پر اتفاق کیا۔ کہ چار ملزموں کے خلاف الزام ثابت نہیں ہوا۔ دوسرے دن کی بحث کے اختتام پر مزید چار کے متعلق اس رائے کا اظہار کیا۔ اب صرف چار ملزم باقی رہ گئے تھے۔ اور بحث کا آخری دن تھا۔ عدالت کو مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ زائد وقت دینا پڑا۔ جج صاحبان نے میر صاحب کی قابلیت کی بہت تعریف کی اور شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے جس محنت اور دیانتداری سے اس کیس کی پیروی کی اس سے ان کو بھی بہت فائدہ پہنچا ہے۔ اور عدل و انصاف کرنے میں ان کو مدد ملی ہے۔ فیصلہ محفوظ رکھا گیا۔ خیال تھا کہ تمام ملزم بری کر دیئے جائیں گے کئی دن گزر گئے۔ فیصلہ نہ سنایا گیا۔ ایک روز میر صاحب مسلم جج کے پاس گئے۔ اور دیر کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ دونوں ججوں میں اس بات پر اتفاق ہوا کہ تیرہ ملزم بے گناہ ہیں ان کو بری کر دیا جائے۔ باقی چار کے متعلق اس حصہ میں اتفاق ہے کہ قتل وغیرہ کے الزام ثابت نہیں۔ لیکن ہندو جج کو اس بات پر اصرار ہے کہ اگر ہم نے سب کو بری کر دیا۔ تو ریاست کی بدنامی ہوگی۔ دنیا کہے گی کہ جھوٹے مقدمات کھڑے کئے گئے تھے۔ اور ریاست کا لاکھوں روپیہ خرچ ہو گیا ہے۔ آخر فیصلہ سنا دیا گیا تیرہ ملزم بالکل بری اور چار کو بلوہ کرنے کے جرم میں چھ چھ ماہ قید کی سزا ہوئی اور اس طرح چار ہندوؤں کو بھی اس جرم میں چھ چھ ماہ کی قید کی سزا سنا دی گئی۔

جن کی سزا ہوئی ان کی طرف سے ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی گئی۔ چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹر نے ہائی کورٹ میں پیروی کی جہاں ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ فریقین کو رہا کر دیا گیا اور اس طرح اس بہت بڑے مقدمے کا انجام بخیر ہوا۔ اور ریاست بھر میں کشمیر کمیٹی کے لئے تشکر و امتنان کی لہر دوڑ گئی"۔ [۶۰]

میر صاحب جموں میں کام کر رہے تھے۔ کہ گوجرانوالہ سے بچہ کی تشویشناک بیماری کا تار آیا مگر آپ نے مسلمانوں کے دفاع کو ترجیح دی اور گھر والوں کو لکھا کہ میرا جموں سے مقدمہ سے فارغ ہو کر آنا مشکل ہے میں ڈاکٹر بھی نہیں کہ اس کی مدد کر سکوں۔ ہاں دعا کر سکتا ہوں اور وہ جموں بیٹھے ہوئے بھی کرتا رہوں گا۔ ادھر میر صاحب نے یہ جواب دیا ادھر حسن اتفاق سے شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کشمیر سے گوجرانوالہ تشریف لائے۔ تو انہیں بچے کی بیماری کا علم ہوا۔ تو آپ نے فوراً خاطر خواہ طبی انتظام کر دیا۔ اور تھوڑے دنوں کے بعد بیماری سے افاقہ ہونا شروع ہو گیا۔ [۶۱]

آپ ۱۹/ مئی ۱۹۳۲ء کو چھ ماہ مسلسل جموں میں قانونی امداد کا فریضہ انجام دینے کے بعد نوشہرہ روانہ ہوئے تو مسلم ینگ مینز ایسوسی ایشن جموں نے نہ صرف اپنے خصوصی اجلاس میں آپ کا شکریہ ادا کیا۔ [۶۲] بلکہ اس کے جنرل سیکرٹری نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں لکھا۔

"جناب والا کی خدمت میں اس بات کا اظہار کرتا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے مظلوم و تباہ حال مسلمانان کشمیر کی کیسی فقید المثال اور شاندار خدمات انجام دی ہیں تحصیل حاصل ہے کیونکہ کشمیری مسلمانوں کا بچہ بچہ ان احسانات کے بارے میں جو آپ حضرات نے خالصتہً للہ ہم لوگوں پر کئے۔ اور کئے جا رہے ہیں قیامت تک سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔

آپ کے فرستادہ وکلاء نے جس تندہی جانفشانی اور ہمدردی سے مظلوموں کی دستگیری فرمائی اس کا شکریہ ادا کرنا بھی ہمارے امکان سے باہر ہے۔

مجھے ایسوسی ایشن کی طرف سے ہدایت ہوئی ہے کہ جناب میر محمد بخش صاحب پلیڈر کی بے نظیر خدمات کے لئے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا شکریہ ادا کروں"۔ [۶۳]

جموں کے بعد آپ نے کوٹلی اور نوشہرہ کے مظلوم مسلمانوں کی رہائی کے لئے دن رات ایک کر دیا۔ نوشہرہ سپیشل بینچ میں پندرہ مسلمانوں کے خلاف الزام قتل میں پانچ ماہ سے مقدمہ چل رہا تھا۔ میر صاحب نے نہایت قابلیت اور محنت سے پیروی کی جس کے نتیجہ میں تمام ملزم بری کر دیئے گئے۔ [۶۴] البتہ ریاست کی عزت بچانے کے لئے چار لیڈروں کو بلوہ کے جرم میں سو سو روپیہ جرمانہ کیا گیا اور تین چار کو معمولی سزا ہوئی۔ فیصلہ سننے کے لئے ہزاروں لوگ جمع تھے۔ انہوں نے اس فیصلہ پر بہت خوشی کا اظہار کرتے ہوئے نعرے بلند کئے اور کشمیر کمیٹی کے وکلاء کا شکریہ ادا کیا۔ ہائیکورٹ میں اپیل کا کام پھر چوہدری اسد اللہ خاں بیرسٹر لاہور کے سپرد ہوا۔ [۶۵]

چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹر ایٹ لاء۔ لاہور

جناب چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹر ایٹ لاء کی کوششوں سے بیرون ریاست سے آنے والے ایڈووکیٹ کے لئے فیس کی معافی کا جو حکم نامہ جاری ہوا اس کا ذکر گزر چکا ہے اس عظیم الشان خدمت کے علاوہ آپ جموں اور میرپور بھی تشریف لے گئے۔ چوہدری صاحب نے دونوں جگہ بہت محنت و خلوص سے قانونی خدمات انجام دیں۔ خصوصاً میرپور میں آپ نے وکالت کا حق ادا کر دیا۔ ان دنوں اس علاقہ میں فسادات جاری تھے اور مسلمان بے دریغ قتل کئے جا رہے تھے۔ میرپور میں مسلمان شہداء کی جو نعشیں پہنچتی تھیں۔ چوہدری صاحب اپنے سامنے ہر نعش کا معائنہ کراتے اور مقتولین کے ورثاء کو تسلی دیتے علاقہ کے لوگ چودھری صاحب کے جذبہ ہمدردی سے بہت متاثر و مداح تھے۔ [۶۶]

میرپور کے مقدمہ میں میر محمد بخش صاحب کی کوشش سے بہت سے مسلمان بری ہو گئے تھے مگر چھ کو سزا ہو گئی تھی۔ ہائیکورٹ میں اپیل کی گئی چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹر ایٹ لاء نے تین

گھنٹہ تک بحث کی جس کے نتیجہ میں پانچ مسلمان بالکل بری کر دیئے گئے اور ایک کی سزا میں تخفیف کر دی گئی۔ ۶۷

ریاستی حکام نے آپ کو بھی چوبیس گھنٹہ کے اندر اندر ریاست چھوڑ دینے کا حکم دیا تھا۔ چوہدری صاحب نے جواب دیا کہ میں نے کوئی غیر قانونی اقدام نہیں کیا۔ اس لئے میں ریاست سے باہر نہیں جاؤں گا۔ ہاں اگر حکام مجھے زبردستی اٹھا کر ریاست سے باہر چھوڑ آئیں۔ تو اور بات ہے یا پھر مجھ پر قانون کے ماتحت مقدمہ چلایا جائے۔ بالآخر ریاست کو نوٹس واپس لینے پر مجبور ہونا پڑا۔ ۶۸

وکلاء کی خدمات پر خراج تحسین

جماعت احمدیہ کے وکلاء نے تحریک آزادی کے سلسلہ میں جو سنہری کارنامے دکھائے ان کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ بھی اگرچہ اجمالی رنگ کی تفصیل تھی۔ مگر اس سے تحریک آزادی کشمیر کے ان مجاہدوں کی سرگرمیوں کا نقشہ جنگ مطالعہ کرنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ تاہم اس فصل کے اختتام پر کشمیر کے مسلم زعماء کے عمومی تاثرات کا درج کرنا ضروری ہے۔

جناب اللہ رکھا صاحب ساغر کا بیان

۱۔ جناب اللہ رکھا صاحب ساغر سابق مدیر "رہبر" سرینگر و "جاوید" جموں (جن کا شمار ریاست کے ممتاز سیاسی رہنماؤں میں ہوتا ہے) ایک بیان میں فرماتے ہیں۔ "ریاست کے اندر تو یہ ہو رہا تھا اور بیرون ریاست برطانوی ہند میں بھی پارہ کافی حد تک اونچا چڑھ چکا تھا۔ اپنے اپنے طور پر سب ہی کوشش کر رہے تھے کہ مسلمانان کشمیر کی ممکن حد تک مدد ہوتی رہے۔ لیکن اس سلسلے میں کشمیر کمیٹی کی حیثیت منفرد تھی۔ اس نے سائنٹیفک طور پر اس مہم کو بڑے منظم طریقے سے چلایا۔ پبلسٹی کو بہت فروغ دیا۔ حکومت ہند تک کئی یادداشتیں بھیجیں۔ متعدد وفود ارسال کئے اور سب سے بڑھ کر اندرون ریاست سے ایسا اچھا میل قائم کیا کہ لوگوں کو اس سے بڑی سہولت ملی۔ اطلاعات ہم لوگ فراہم کرتے۔ برطانوی ہند میں اس کو نشر کرنے کی ساری ذمہ داری کشمیر کمیٹی کی تھی۔ اور یہ رابطہ بڑا سہل اور آسان رکھا گیا۔ ہر جگہ سے اطلاعات بڑے سادہ طریقہ پر پہنچائی جاتیں کم خواندہ آدمی بھیجے جاتے۔ اور اس کی نوک پلک درست کرکے اور اس کو دل نشین اور موثر پیرایہ میں ڈھال لیا جاتا تھا۔ اور کشمیر کمیٹی کی کوئی ایجنسی انہیں نشر کر دیتی تھی۔ اس کے علاوہ روزمرہ کی ضروریات کے لئے مادی امداد بھی برابر پہنچتی رہتی تھی۔ مثلاً سائیکلو سٹائل کی مشین، سٹیشنری، مطبوعات وغیرہ کی سپلائی خفیہ راستوں سے باقاعدہ جاری رہتی تھی۔ چونکہ ریاست میں پکڑ دھکڑ عام ہو چکی تھی۔ اور تمام قابل ذکر لیڈر اور کارکن گرفتار کرلئے گئے تھے۔ بلکہ ان کے لواحقین تک کو بھی جو سیاسیات میں اپنے بڑھاپے یا کاروبار کی وجہ سے کم

ہی دخل دیتے تھے۔ ان کو بھی مختلف الزامات میں ماخوذ کر لیا تھا۔ اس لئے آئے دن ان کی قانونی امداد کی ضرورت پڑتی رہتی تھی۔ چونکہ مسلم وکلاء اول تو تھے ہی کم اور اگر اکا دکا کہیں تھا بھی تو وہ خود اسیر زندان تھا۔ اس لئے اس پہلو میں بھی بڑی مدد کی ضرورت تھی اور اس سلسلہ میں کشمیر کمیٹی نے جہاں مقامی طور پر قانونی امداد میسر آسکتی تھی اس کے مہیا کرنے کا بندوبست کیا۔ اور جہاں یہ ناممکن تھا وہاں لاہور سے وکلاء مہیا کئے گئے۔ اور ان کے اخراجات کمیٹی نے بھی برداشت کئے۔ اس کے سوا چھوٹے بڑے دوسرے کاموں کے لئے اخراجات کی کافی ضرورت ہوتی تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہنگامی قسم کے اخراجات تو مقامی طور پر بے شک پیدا ہو جاتے تھے لیکن دور رس اور مسلسل قسم کے اخراجات کے لئے کشمیر کمیٹی مالی امداد بھی کرتی تھی۔ میرا ذاتی نقطہ نظریہ ہے کہ کشمیر کمیٹی نے ۱۹۳۱ء میں جو مالی امداد تحریک کشمیر کی کی وہ لامحالہ بڑی ٹھوس اور وزن دار تھی اور پائیداری اور نتیجہ خیزی کے لحاظ سے بے مثل تھی۔ میں ان آدمیوں سے متفق نہیں ہوں۔ جو یہ سمجھتے تھے یا اگر نہیں سمجھتے تھے تو کہتے تھے کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے کشمیر کمیٹی کا ڈھونگ حکومت ہند کے ایماء پر کھڑا کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو علامہ اقبال جیسے انسان جس مجلس میں شامل ہوئے ہوں میں کبھی بھی نہیں سمجھ سکتا۔ کہ اس کا تعلق حکومت ہند سے ہو سکتا ہے۔ میرے مرشد کبھی بھی ایسی جماعت میں شامل نہ ہوتے۔ جس کے متعلق انہیں ایک فیصدی بھی شبہ ہوتا۔ کہ وہ حکومت ہند کی آلہ کار ہے دوسرے بہ حیثیت جموں اور کشمیر کا ایک باشندہ ہونے کے ہماری سب سے بڑی خواہش یہی تھی اور سب سے بڑا مفاد اس میں تھا کہ حکومت ہند کشمیر کے معاملات میں مداخلت کرے۔ کیونکہ حکمران کشمیر نے مسلمانان کشمیر کو بالکل مجبور و بے بس کر دیا تھا اور انصاف کے سارے دروازے ان پر بند کر دیئے گئے تھے۔ اور اس کا مداوا صرف یہی تھا کہ حکومت ہند جس کے پاس پر اومونٹ پاور تھی۔ وہی اس کا ازالہ کر سکتی تھی اور خود کانگریس نے چند دوسری ریاستوں میں اس چیز کے لئے حکومت ہند سے اپیل بھی کی تھی۔ کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ جو چیز دوسری ریاستوں کے عوام کو وہاں کے حکمرانوں کی بے اعتدالیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے طلب کی گئی وہی چیز اگر ہمارے لئے مطلوب ہوئی تو اسے برا کیوں کہا جائے"۔ [۶۹]

شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب کا بیان

۲۔ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب نے ایک مضمون میں لکھا۔

"گزشتہ سال جس وقت ہم پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے۔ اس وقت ہماری بے کسی اور بے چارگی کی جو حالت تھی۔ اس کا اقتضاء یہ تھا کہ ہم دنیا کی ہر اس چیز سے فائدہ حاصل کریں جو ہمارے لئے ذرہ بھر بھی مفید ہو سکتی ہو۔ پنجاب کے حساس مسلمانوں نے اخوت اسلام کے پیش نظر ہماری امداد کرنے کے

لئے ایک طرف کشمیر کمیٹی کی بنیاد ڈالی اور دوسری طرف مجلس احرار کی سرفروش جماعت کا رخ ہماری طرف پھیر دیا۔ ہماری گوناگوں ضروریات اس بات کی مقتضی تھیں کہ ہماری امداد سب سے زیادہ قانونی اور مالی شکل میں کی جائے۔ کیونکہ ہماری مقابل طاقت نے زیادہ تر ہماری ان ہی دو کمزوریوں کو ہمارے دبانے کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ تحریک کو دبانے کے لئے جو قتل و غارت عمل میں آئی۔ اس کے باعث سینکڑوں' بیوائیں اور یتیم اور ہزاروں بے خانماں اشخاص تحریک کی گردن پر بوجھ بن کر رہ گئے۔ جن کی مالی امداد کرنا تحریک کو فروغ دینے کے مترادف ہو گیا۔ اسی کے ساتھ ہزارہا مسلمانوں پر جعلی مقدمات دائر کر دیئے گئے۔ مسلم وکلاء کی جو حالت کشمیر میں ہے۔ وہ عیاں ہے پہلے تو ہیں ہی ناپید اور جو کہیں ایک آدھ ہے بھی تو اس کے لئے جرأت کے ساتھ سیاسی مقدمات کی پیروی کرنا ممکن نہیں۔ ان حالات میں ہمارے بیرونی معاونین کا فرض تھا کہ وہ ہماری ان دو سب سے بڑی ضرورتوں کو اچھی طرح سے محسوس کرتے اور اسی رنگ میں ہماری امداد کی طرف قدم اٹھاتے۔

اس معاملہ میں جہاں تک ممکن ہو سکا۔ کشمیر کمیٹی نے ہمارا ہاتھ بٹایا۔ مگر افسوس کہ لیڈران احرار نے اپنی توجہ کو ہمارے اس فوری اور صبر شکن درد کی طرف متوجہ نہ کیا۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی نگاہیں بہت رفیع مقاصد کی طرف لگی ہوئی تھیں اور وہ ہمارے لئے سیاسیات عالیہ کے انتہائی مدارج کو پا انداز کر دینا چاہتے تھے۔ مگر افسوس کہ درخت پر چڑھنے کے لئے جو قدرتی اصول تھا۔ اسے انہوں نے نظر انداز کر کے براہ راست پھننگ کو ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی"۔ [۷۵]

علاوہ ازیں شیخ صاحب نے اکتوبر ۱۹۳۳ء میں صفاکدل میں ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کیا تم اس جماعت کو "مردہ باد" کہتے ہو جس جماعت کے ہر فرد میں صحابیوں جیسا ایثار ہے اور آپس میں ایسی ہمدردی ہے جیسا کہ قرون اولیٰ والے مسلمانوں میں تھی کیا تم کو معلوم نہیں کہ یہاں کے اکثر پیرزادے یا اور دیگر طالب علم جب پنجاب میں طلب علم کے لئے جاتے ہیں۔ تو وہاں شہر شہر دربدر پھرتے ہیں جس وقت وہ قادیان پہنچ جاتے ہیں تو انہیں وہاں آرائش اور آرام ملتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ایک عالم یا گریجوایٹ بن کر وہاں سے نکلتا ہے وہ لوگ نرمی' اخلاق اور تہذیب میں مشہور ہیں۔

......جب میں قید بند کے زمانہ میں بالکل بے بس اور لاچار تھا میں نے یہاں کے وکلاء سے مدد مانگی انہوں نے صاف انکار کیا بلکہ دوگنا معاوضہ طلب کیا۔ پھر میں نے ہندوستان کے مسلمانوں سے درخواست کی وہاں سے بھی ناامیدی ہوئی۔ پھر اس جماعت کے امام سے میں نے امداد کی درخواست کی ......تو فوراً انہوں نے ہر رنگ میں ہماری مدد کی جس سے تم بے خبر نہیں ہو۔ جس وقت ان کے ایک وکیل کو گھر سے تار آیا کہ اس کے بچے بیمار ہیں تو وہ میرے پاس آیا میں نے انہیں جانے کے لئے مشورہ

دیا لیکن انہوں نے جواب دیا۔ اگر یہاں ایک مسلمان آزاد ہو جائے تو میں سمجھوں گا کہ میرے بچے صحت یاب ہو گئے۔ بعد میں اس کے بچے یہاں ہی آئے۔ تو...... کیا تم میں سے بہتوں نے نہیں دیکھا کہ وہ صاحب ایک ہاتھ سے بچوں کی مالش کرتے تھے اور ایک ہاتھ سے...... مسل کا مطالعہ کرتے تھے"۔ [41]

عتیق اللہ صاحب کشمیری کا بیان

۳۔ جناب عتیق اللہ صاحب کشمیری نے انقلاب ۲۰/ اپریل ۱۹۳۲ء میں لکھا۔ "آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے جس خلوص اور ہمدردی کے ساتھ مظلوم مسلمانان ریاست جموں و کشمیر کو مالی' جانی' قانونی امداد دی۔ اس کے لئے ہمارے جسم کا ذرہ ذرہ زبان سپاس ہے اور ہم لوگ اس کمیٹی کی بے لوث مالی امداد کے تازیست ممنون رہیں گے۔ اس کمیٹی نے شہدا کے پسماندگان کا خیال رکھا۔ یتامی و ایامی (بیوگان۔ ناقل) کی پرورش کی۔ محبوسین کے پسماندگان کو مالی امداد دی۔ ماخوذین کو قانونی امداد دی۔ کارکنوں کو گرانقدر مشورے دیئے جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر مظلومین کی امداد کی۔ ماخوذین کی اپلیں دائر کیں۔ اور ان کے مقدمات کی پیروی کی۔ قابل ترین قانونی مشیر بہم پہنچائے۔ ہندوستان اور بیرون ہند میں ہماری مظلومیت ظاہر کرنے کے لئے جان توڑ کوشش کی۔ ہماری آواز کو مقام بالا تک پہنچایا۔ ہماری تسلی اور تسکین کی خاطر اشتہارات اور ٹریکٹ شائع کئے۔ ہر وقت قابل اور موزوں والنٹیرز دیئے۔ دنیائے اسلام کو ہمارے حالات سے آگاہ کر کے ہمدردی پر آگاہ کیا۔ اخبارات کے ذریعہ سے ہماری مظلومیت کو ظاہر کیا گیا"۔ [42]

صاحب دین صاحب میرپور کا بیان

۴۔ صاحب دین صاحب میرپور نے اکتوبر ۱۹۳۳ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے نام مندرجہ ذیل خط لکھا۔ "مظلومان خطہ کشمیر خاص کر مجوران و مظلومان میرپور پر جو الطاف و اکرام..... معلیٰ القاب نے کئے ہر صاحب خرد و ہوش پر اظہر من الشمس ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ از ابتدائے تحریک تا حال زیر صدارت آنحضور مریدان باعقیدت مولوی ظہور الحسن' مسٹر محمد یوسف' عزیز احمد اور شیخ بشیر احمد صاحب جیسے لائق اشخاص کی بے لوث خدمات نے میرپور کیا بلکہ ریاست بھر کے بے کس و بے نوا انسانوں کے سفینہ حیات کو گرداب استبداد میں جور و تظلم کے تھپیڑوں سے بچا کر ساحل استراحت کی جانب لا رکھا۔ آنحضرت کے فیض عام اور احباب متذکرہ بالا کی خدمات کے نقش مسلمان میرپور کے صفحہ دل پر قیامت تک منقش رہیں گے۔ جن کا اعتراف تا حد علم ہر ایک موقعہ پر کرتے رہے اور کرتے رہیں گے"۔

(فصل پنجم)

برادران کشمیر کے نام
حضرت امام جماعت احمدیہ کے پیغامات

ذیل میں حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفتہ المسیح الثانی کے وہ اہم اور ولولہ انگیز پیغامات درج کئے جاتے ہیں جو حضور نے تحریک آزادی کے دوران ہر مہم پر وقتاً فوقتاً مسلمانان کشمیر کے نام دیئے اور جو پمفلٹ کی صورت میں شائع ہو کر ریاست جموں و کشمیر کے طول و عرض میں پہنچے اور نئے جوش اور نئے ولولہ اور نئی روح پیدا کرنے کا موجب بنے۔ یہ پیغامات حریت کشمیر کی مستند تاریخ ہیں۔ اور قیادت و فراست کی ایک حیرت انگیز مثال جن کی اہمیت و افادیت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جائے گی۔

اس جگہ یہ تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے کہ اس فصل میں حضور کے وہ پیغامات بھی شامل کر دیئے گئے ہیں جو کشمیر کمیٹی سے استعفاء کے بعد دیئے۔ علاوہ ازیں تحریک آزادی کشمیر سے متعلق غیر مطبوعہ مکتوب بھی۔ ان دستاویزات کا یکجائی مطالعہ تاریخ کشمیر پر قلم اٹھانے والے ہر مورخ کے لئے ازبس ضروری ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

برادران کشمیر کے نام پیغام

برادران! السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ:

ریاست کشمیر میں جو حالات پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کو پڑھ کر ہر مسلمان کا دل دکھ رہا ہے اور ہر اک شخص کا دل ہمدردی سے آپ کی طرف کھنچا جا رہا ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم لوگوں کی

طاقت میں جو کچھ بھی ہے اس سے دریغ نہیں کریں گے اور اگر آپ کو تکالیف سے بچانے کے لئے سو سال بھی کوشش کرنی پڑے تو انشاء اللہ وفاداری اور نیک نیتی سے اس کو جاری رکھیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم امید کرتے ہیں کہ صورت حالات جلد بہتر ہو جائے گی۔ کیونکہ ایسے سامان پیدا ہو رہے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ زبردست دوست ہمیں عنایت کر رہا ہے۔

برادران! اس موقعہ پر آپ کو ایک نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ظلم کی شدت کے وقت انسان آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ لیکن کامیابی کا گر صبر ہے۔ صبر انسان کی طاقت کو بڑھا دیتا ہے۔ اس کی قابلیت کو ترقی دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ رسول کریم ﷺ کو پہلے دن ہی فتح بخش سکتا تھا۔ لیکن اس نے تیرہ سال آپ کو اہل مکہ کے ظلموں تلے اسی وجہ سے رکھا کہ وہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں میں حکومت کرنے کی قابلیت پیدا ہو جائے اس میں شک نہیں کہ آپ مدتوں سے مظلوم ہیں لیکن حق یہ ہے کہ پہلے آپ کے دل میں آزادی کا خیال ہی پیدا نہ تھا۔ اس لئے اس وقت آپ کی خاموشی صبر نہ تھی بلکہ کمزوری تھی۔ صبر اسی حالت کا نام ہے کہ انسان کا دل مقابلہ کو چاہے لیکن پھر وہ اپنے آپ کو کسی اصول کے ماتحت روک لے یہ حالت انسان کی اعلیٰ درجہ کی تربیت کرتی ہے۔ اور اس میں بڑی قابلیتیں پیدا کر دیتی ہے اور اس کا موقعہ آپ کو ابھی ملا ہے۔

پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ خواہ کس قدر ظلم ہو۔ آپ لوگ اس کا جواب تشدد سے نہ دیں بلکہ صبر اور قربانی سے دیں اور اس وقت کو تنظیم اور ایثار اور قربانی سے خرچ کریں۔ تب اللہ تعالیٰ کا فضل آسمان سے بھی نازل ہو گا۔ یعنی اس کی براہ راست مدد بھی آپ کو حاصل ہو گی۔ اور زمین سے بھی ظاہر ہو گا۔ یعنی اس کے بندوں کے دل بھی آپ کی مدد اور ہمدردی کے جذبات سے لبریز ہو جائیں گے۔

دوسری بات میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ آپ لوگ قطعی طور پر صلح سے انکار کر دیں جب تک کہ آپ کے گرفتار شدہ لیڈر رہا نہ ہو جائیں۔ یہ مصلحت کے بھی خلاف ہو گا اور غداری بھی ہو گی۔ کہ آپ کے لئے قربانی کرنے والے جیل خانہ میں ہوں اور آپ ان سے بالا بالا صلح کر لیں۔ جس وقت تک ایک نمائندہ بھی قید میں ہو اس وقت تک صلح کی گفتگو نہیں ہونی چاہئے۔ جب سب آزاد ہو جائیں پھر سب مل کر اور مشورہ سے اور اتحاد سے اپنی قوم کی ضرورتوں کو مہاراجہ صاحب کے سامنے پیش کریں۔ تو میں امید کرتا ہوں کہ مہاراجہ صاحب جن پر میں اب تک بھی حسن ظن رکھتا ہوں۔ آپ لوگوں کی تکلیفوں کو دور کریں گے۔ اور آپ لوگوں کو موقع مل جائے گا کہ اپنے پیارے ملک کی ترقی کے لئے دل کی خواہش کے مطابق کام کر سکیں۔

آخر میں میں پھر سب مسلمانوں کی ہمدردی کا یقین دلاتے ہوئے اس بات کا وعدہ کرتا ہوں کہ

انشاء اللہ ہم لوگ اپنی طاقت کے مطابق آپ لوگوں کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہیں اور انشاء اللہ تیار رہیں گے اس کے لئے کام کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد

صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

برادران کشمیر کے نام دوسرا پیغام

برادران کشمیر! آپ لوگوں سے جو سلوک اس وقت ہو رہا ہے اسے سن کر ہر مسلمان کا کلیجہ منہ کو آرہا ہے۔ اور تمام ہندوستان میں غم و غصہ کی ایک لہر پھیل رہی ہے...... میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی پورا زور لگا رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ جلد اس کی کوششیں نتیجہ خیز ہوں گی اور اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کی مشکلات دور فرما کر بہتری کی صورت پیدا کر دے گا۔

برادران! اس وقت بعض خود پرست لوگ مہاراجہ صاحب کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی زبان بن رہے ہیں۔ اور ان تک جھوٹی رپورٹیں کر کر کے انہیں آپ لوگوں کے خلاف بھڑکا رہے ہیں۔ کہیں ایک باتصویر جھنڈے کو مشرکانہ طریق پر سلام کروایا جا رہا ہے اور کہیں ٹکٹکیوں پر کس کر بید لگائے جا رہے ہیں اور کہیں بانی اسلام ﷺ اور اسلام کو گالیاں دلوائی جا رہی ہیں لیکن یہ سب کچھ عارضی مصیبتیں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے کچھ عرصہ میں دور ہو جائیں گی۔ ایک طالب علم علم کے حصول کے لئے پندرہ سال رات دن محنت کرتا ہے۔ ایک نان پز اور ایک روٹی پکانے کے لئے تین دفعہ آگ میں جھکتا ہے۔ پھر آپ لوگ جو صدیوں کی تیار کردہ غلامی کی زنجیریں کاٹنے میں لگے ہوئے ہیں ان تکالیف کو جو آپ کو پیش آرہی ہیں کب خاطر میں لاسکتے ہیں۔ یہ تکلیفیں تو کچھ نہیں ان سے ہزاروں گنا تکالیف بھی اس کام میں پیش آئیں تو ان کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ ایک بات ضروری ہے کہ آپ لوگ اپنی طبائع میں جوش پیدا نہ ہونے دیں۔ اور اگر پبلک میں آپ کو بولنے کی اجازت نہیں تو اس وقت

اپنے گھروں میں ظلموں کی داستانیں بیان کریں۔ اور رات کو سونے سے پہلے اپنی بیویوں' بہنوں اور بچوں کو نصیحت کریں کہ غلامی کی زندگی سخت ذلت کی زندگی ہے انہیں اپنے باپ دادوں کی مصیبتوں کو یاد رکھنا چاہئے۔ اور ان غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یاد رکھیں کہ مظلومیت آخر کامیاب ہوتی ہے۔ اور بچپن میں کان میں ڈالی ہوئی باتیں پتھر کی لکیر کی طرح ثابت ہوتی ہیں۔ پس جن تقریروں سے آپ کو باہر روک دیا گیا ہے وہ تقریریں آپ میں سے ہر شخص رات کے وقت اپنے اپنے گھر میں گھر کی عورتوں اور بچوں کے سامنے کرے کہ اس سے سارے ملک کی تربیت بھی ہوتی چلی جائے گی اور باہر کی تقریروں کا جو مقصد تھا اس طرح اور بھی زیادہ عمدگی سے پورا ہوتا رہے گا۔ بلکہ میں تو کہوں گا کہ جو شخص اکیلا ہے اسے چاہئے کہ رات کو سونے سے پہلے خواہ اونچی آواز سے خواہ دل میں ایک دفعہ ان ظلموں کا ذکر کر لیا کرے۔ جو امن کے قیام کے نام سے گزشتہ دنوں میں کشمیر میں روا رکھے گئے ہیں۔

دوسری نصیحت میں یہ کرتا ہوں کہ آپ لوگ رات کو سونے سے پہلے سب گھر والوں کو جمع کر کے اپنے ان لیڈروں کی آزادی کے لئے جو اپنے کسی جرم کے بدلے میں نہیں۔ بلکہ صرف آپ لوگوں کو انصاف دلانے کے لئے جیل خانوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ رو رو کر دعائیں کریں تاکہ آپ کی دعائیں عرش عظیم کو ہلائیں اور وہ شہنشاہ جو سب بادشاہوں پر حکمران ہے آپ کی مصیبت کو دور کرنے کے لئے اپنے فرشتوں کو بھیجے۔ اصل میں تو زبردست بادشاہ بھی اللہ تعالیٰ کی مدد کے ہر وقت محتاج ہوتے ہیں لیکن مظلوم اور کمزور کا اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے۔ پس روز رات کو اپنے اپنے گھروں میں اسے پکاریں اور بچوں کو ساتھ شامل کریں تا ان کے دل میں بھی درد پیدا ہو۔ اور تا شاید ان معصوموں کی دعاؤں سے ہی اللہ تعالیٰ آپ کے مظلوم لیڈروں اور دوسرے قومی خادموں کو قید و بند کی تکلیف سے بچائے۔

اسی طرح وہ لیڈر جو ابھی تک آزاد ہیں۔ ان کے لئے بھی دعائیں کیا کریں۔ کہ خدا تعالیٰ ان پر بھی اپنا فضل کرے اور انہیں ان کی قومی خدمتوں کا بہت بڑا اجر دے آپ لوگ اگر سمجھیں تو اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے کہ دونوں میر واعظان کو اس نے قومی درد عطا فرمایا۔ اور وہ سب جھگڑے بھلا کر دوش بدوش ہر اک قسم کی تکلیف برداشت کر کے آپ لوگوں کے لئے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کا یہ اتحاد اور ان کی یہ قربانی ضائع نہیں جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ جہاں انہیں نیک بدلہ دے گا۔ وہاں اس قربانی کے بدلہ میں آپ لوگوں کو بھی کامیاب کرے گا۔

ہم لوگوں سے جس قدر ہو سکتا ہے۔ کام کر رہے ہیں میں نے بحیثیت صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی اب

پہلے سے بہت زیادہ کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ چاروں طرف آدمی مسلمانوں کو حالات سے آگاہ کرنے کے لئے بھجوا دیئے ہیں اور چندہ پر بھی آگے سے بہت زیادہ زور دینا شروع کر دیا ہے اور مجھے امید ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ہر قسم کی مالی اور جانی امداد آپ کو بہم پہنچاتے رہیں گے۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے تجویز کی ہے کہ پہلے اچھی طرح حکومت ہند پر تمام حجت کر دے۔ اور اس کے لئے حضور وائسرائے کو توجہ دلائی جا رہی ہے۔ چنانچہ پرائیوٹ سیکرٹری صاحب کے تار سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس وقت حکومت ہند اور ریاست میں تازہ مظالم کے متعلق خط و کتابت ہو رہی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اگر حکومت ہند فوراً دخل دینے کے لئے تیار نہ ہو تو ہم لوگ خود ایسی تدابیر اختیار کریں جن سے حکومت ہند اور ریاست آپ لوگوں کے مطالبات پر غور کرنے کے لئے مجبور ہو۔

ہر ایک کام میں تب ہی کامیابی ہوتی ہے جب پورے نظام سے کیا جائے۔ اس لئے تمام پہلوؤں کو سوچ کر قدم اٹھانا ضروری ہوتا ہے۔ پس میں آپ کو بھی یہ نصیحت کرتا ہوں کہ کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے ریاست کو خواہ مخواہ دخل دینے کا موقع ملے اور وہ بیرونی دنیا کو کہے کہ ہم تو مجبور ہو کر سختی کرتے ہیں۔ ورنہ ابتداء مسلمانوں کی طرف سے ہے۔ اب بھی وہ یہی کہتی ہے۔ چنانچہ ایک معزز صاحب نے مجھے خط لکھا ہے کہ میں گاندھی جی کے ساتھ جہاز میں تھا۔ میں نے انہیں کشمیر کے واقعات کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے کہا کہ میری یہ تحقیق ہے کہ سب شرارت مسلمانوں کی ہے۔ اور ریاست مظلوم ہے وہ صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے سختی سے گاندھی جی کو توجہ دلائی کہ اس قدر بڑے لیڈر ہو کر آپ اس قدر تعصب سے کام لیتے ہیں اور بغیر تحقیق کے مسلمانوں کو ظالم قرار دیتے ہیں تو اس پر انہوں نے کہا کہ میں بھی تم کو قسم دیتا ہوں کہ کشمیریوں کا مظلوم ہونا ثابت کرو۔ ورنہ تم کو میں سخت بددیانت سمجھوں گا۔ آپ لوگ دیکھ لیں کہ گاندھی جی جیسے انسان کو جنہیں ہردلعزیز بننے کا نہایت شوق ہے بعض حکام ریاست نے دھوکا دے کر اس قدر متعصب بنا دیا ہے تو دوسرے لوگوں کا کیا حال ہو گا۔ پس آپ کو چاہئے کہ اپنے مظلوم ہونے کی حالت کو بالکل نہ بدلیں بید بے شک تکلیف دہ ہیں قید بے شک ایک مصیبت ہے لیکن ان تکلیفوں سے بہت زیادہ رسول کریم ﷺ نے اور آپؐ کے صحابہ نے برداشت کی تھیں۔ ظلم کے پاؤں نہیں ہوتے ظلم بھی دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔ کانٹوں کے ساتھ ہی پھول ہوتے ہیں۔ گلاب کے درخت میں پہلے کانٹے لگتے ہیں پھر پھول آتا ہے پس ان کانٹوں کو صبر سے برداشت کرو۔ تا گلاب کا پھول آپ کو دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو۔ اس خط کے مضمون کو جہاں تک ہو سکے اپنے دوستوں تک پہنچاؤ۔ حتیٰ کہ کشمیر کا ہر مرد اور ہر عورت اور ہر بچہ اس کے مضمون سے آگاہ ہو جائے میں انشاء اللہ جلد ہی تیسرا خط آپ لوگوں کو لکھوں گا۔ خدا کرے اس خط

میں میں آپ لوگوں کو کوئی بشارت دے سکوں اور اس وقت تک آپ کے لیڈر آزاد ہو چکے ہوں۔

مرزا محمود احمد

صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی

۴۔اکتوبر ۱۹۳۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

برادران کشمیر کے نام تیسرا پیغام

برادران کشمیر! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

میرا دوسرا مطبوعہ خط آپ کو مل گیا ہو گا۔ مجھے خوشی ہے کہ چار تاریخ کی صبح کو جو میں نے لکھا تھا کہ جب میرا تیسرا خط آپ کو پہنچے گا تو انشاء اللہ آپ کے لیڈر آزاد ہو چکے ہوں گے وہ بات صحیح ثابت ہوئی۔ اور اب میں ایسے ہی وقت میں خط لکھ رہا ہوں جبکہ ہمارے بھائی آپ کے لیڈر آزاد ہو چکے۔ برادران یہ وقت آپ پر نہایت نازک ہے احتیاط کی سخت ضرورت ہے اور ذرہ سی لغزش خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے پس ان دنوں خاص طور پر اتحاد عمل اور خلوص نیت کی ضرورت ہے چنانچہ میں نے باوجود اس کے کہ احرار کی طرف سے ہمارے خلاف متواتر حملے ہوئے صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی حیثیت سے اس کی تمام شاخوں کو میں نے ہدایت کی ہے کہ وہ جس قسم کی امداد اپنے پروگرام کو قائم رکھتے ہوئے کر سکیں کر دیں جیسے مثلاً طبی امداد۔ پس کشمیر میں جہاں اصل جنگ ہو رہی ہے اتحاد کی زیادہ ضرورت ہے۔ دشمن ہمیشہ تفرقہ پیدا کر کے فائدہ اٹھایا کرتا ہے۔ اور یقیناً مسلمانوں کے بدخواہ احمدی غیر احمدی۔ سنی' شیعہ' وہابی' حنفی' دیوبندی اور بریلوی اس قسم کے اور سوال پیدا کر کے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا چاہیں گے لیکن یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں سیاسی معاملات میں آپس کا اتفاق نہایت ضروری ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتوں میں سے ہے پس آپ کو دشمنوں کے اس قسم کے فریبوں میں نہیں آنا چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے اپنی آزادی کے لئے پوری کوشش کریں۔ میں آپ سے بحیثیت صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی بھی اور بحیثیت امام جماعت احمدیہ ہونے کے بھی پورا وعدہ کرتا ہوں کہ ہم لوگ انشاء اللہ آپ کی ہر طرح مدد کریں گے اور کرتے چلے جائیں گے۔ یہاں تک کہ آپ کی تکالیف دور ہو جائیں۔ اور آپ کو آزادی کا سانس لینا مفید ہو اور خدا تعالیٰ آپ کو دشمنوں کے شر سے بچائے۔

میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کی کامیابی کے سامان پیدا ہو چکے ہیں لیکن میں آپ کو اس امر کے لئے ہوشیار بھی کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کی ترقی خود آپ کی قربانی پر منحصر ہے۔ جب تک آپ لوگ خود ایک لمبی قربانی کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ باوجود ریاست سے حقوق مل جانے کے آپ ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ لیکن اگر آپ اپنی اصلاح کرنے کے لئے تیار ہوں تو آل انڈیا کشمیر کمیٹی ہر طرح آپ کی امداد انشاء اللہ کرتی چلی جائے گی۔ اس وقت بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے انگلستان کی وزارت پر اور ہندوستان کی حکومت پر اس نے اس قدر اثر ڈالا ہے کہ ریاست کو فکر پڑ گئی ہے۔ اور وہ توجہ کرنے پر مجبور ہو گئی ہے اور آئندہ انشاء اللہ ہم کو اس سے بھی زیادہ امید ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ لوگ ریاست کے گوشہ گوشہ میں کمیٹیاں بنالیں گے۔ تاکہ آئندہ تعاون میں دقت نہ ہو۔ اور اپنے لیڈروں کی اطاعت کا مادہ پیدا کریں گے۔ تاکہ کامیابی میں روک نہ ہو۔

والسلام۔ خاکسار مرزا محمود احمد

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

کشمیر کے لیڈر مسٹر عبداللہ کی گرفتاری اور اہل کشمیر کا فرض

برادران کشمیر! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ:

گزشتہ کئی ماہ کے عرصہ میں میں خاموش رہا ہوں اور اپنا مطبوعہ خط آپ کے نام نہیں بھیج سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ لوگوں کے قابل فخر لیڈر مسٹر عبداللہ آزاد ہو کر آگئے تھے۔ اور آزادی کی جدوجہد کو نہایت خوبی اور قابلیت سے چلا رہے تھے۔ پس میں ضرورت نہیں سمجھتا تھا کہ اپنے مطبوعہ خطوں کا سلسلہ جاری رکھوں لیکن اب جبکہ ریاست نے پھر مسٹر عبداللہ اور دوسرے لیڈروں کو گرفتار کر لیا ہے۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے مطبوعہ خطوں کا سلسلہ پھر جاری کردوں۔ تاکہ آپ لوگوں کی کام کرنے کی روح زندہ رہے۔ اور مسٹر عبداللہ کی گرفتاری کی وجہ سے آپ میں پراگندگی اور سستی پیدا نہ ہو۔

اے عزیز بھائیو! ریاست کے بعض حکام ایک عرصہ سے کوشش کر رہے تھے کہ مسٹر عبداللہ کو

گرفتار کریں لیکن انہیں کوئی موقع نہیں ملتا تھا۔ چنانچہ مجھے معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ بعض لوگوں نے یہ کوشش کی کہ مسٹر عبداللہ جس جگہ ہوں وہاں لڑائی کروادی جائے۔ اور پھر مسٹر عبداللہ کو پکڑوادیا جائے کہ یہ بھی لڑائی میں شامل تھے۔ اسی طرح بعض خبیثوں نے یہ بھی کوشش کی کہ کسی ہندو فاحشہ عورت کو سکھا کر ان کے گھر پر بھیج دیں اور ان پر جبریہ بداخلاقی کا الزام لگا کر انہیں گرفتار کروا دیں۔ میں یہ نہیں جانتا کہ کسی ذمہ دار ریاستی افسر کا اس میں دخل تھا یا نہیں۔ لیکن یہ یقینی امر ہے کہ اس قسم کی کوششیں بعض لوگ کر رہے تھے لیکن چونکہ میں نے ان ارادوں کا ذمہ دار حلقوں میں افشاء کر دیا تھا۔ اس لئے وہ لوگ ڈر گئے اور ان ارادوں کے پورا کرنے سے باز رہے۔ آخر اب مفتی ضیاء الدین صاحب کی جلاوطنی کے موقع پر کہ یہ صاحب بھی ایک اعلیٰ درجہ کے مخلص قومی خادم ہیں ایک لغو بہانہ بنا کر مسٹر عبداللہ کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ مسٹر عبداللہ امن کے قیام کے لئے کوشاں تھے نہ کہ فساد پیدا کرنے کے لئے۔

عزیز بھائیو! چونکہ انسان حالات سے واقف ہو کر مخالف کے حملوں سے بچ جاتا ہے بلکہ مشہور ہے کہ دشمن کے منصوبوں سے واقف ہونا آدھی فتح ہوتی ہے۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ریاست کے حکام کن چالوں سے آپ کو پھنسانا اور آپ کے حقوق کو تلف کرنا چاہتے ہیں تا کہ آپ لوگ فریب میں نہ آئیں اور اپنے اعلیٰ درجہ کے کام کو کامیابی کے ساتھ فتح کر سکیں۔

آپ کو معلوم رہنا چاہئے کہ پچھلے مظالم کے وقت میں اور دوسرے ہمدردان کشمیر اس امر میں کامیاب ہو گئے تھے کہ حکومت ہند کی توجہ کو آپ لوگوں کی ناگفتہ بہ حالت کی طرف پھرا سکیں۔ اور اوپر کے دباؤ کی وجہ سے ریاست مجبور ہو گئی تھی کہ ظلم کا راستہ ترک کر کے انصاف کی طرف مائل ہو لیکن وہ حکام ریاست جن کا دلی منشاء یہ تھا کہ کسی طرح مسلمانوں کو حق نہ ملیں۔ انہوں نے یہ کوشش شروع کر دی کہ کسی اہل کشمیر کی طرف سے ایسے مطالبات پیش کرادیں۔ جو بالکل غیر معقول ہوں۔ یا ایسے فسادات کروادیں۔ جنہیں انگریز ناپسندیدہ سمجھیں وہ اس کا یہ فائدہ سمجھتے تھے۔ کہ اس طرح انگریزوں کی ہمدردی مسلمانوں سے ہٹ کر ریاست کے ساتھ ہو جائے گی۔ دوسری کوشش انہوں نے یہ کرنی شروع کر دی کہ فرقہ وارانہ سوال پیدا کر کے مسلمانوں کی طاقت کو کمزور کر دیں۔

پہلے مقصد کو پورا کرنے کے لئے انہوں نے بعض مسلمان ذمہ دار لوگوں کو انگریزوں سے لڑوانے کی کوشش کی۔ چنانچہ جب گلنسی کمیشن مقرر ہوا۔ تو باوجود اس کے کہ مسٹر عبداللہ اور ان کے ساتھی اس امر کا فیصلہ کر چکے تھے کہ جب تک کوئی خلاف بات ظاہر نہ ہو۔ وہ اس سے تعاون کریں گے اور میں نے بھی انہیں یہی مشورہ دیا تھا۔ ریاست کا ایک ایجنٹ جسے اسی قسم کے کاموں کے لئے باہر سے بلوایا گیا

تھا۔ مسٹر گلنسی سے ملا۔ اور انہیں اس نے کہا کہ مسلمان تم سے تعاون کرنا نہیں چاہتے اور اس طرح انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ مگر چونکہ مسلمان تعاون کرنے کے لئے تیار تھے اس کا علاج اس شخص نے یہ کیا کہ مسلمانوں سے کہا کہ مسٹر گلنسی تم سے ملنا نہیں چاہتے ہیں انہیں سمجھا کر منوا دیتا ہوں اور پھر مسٹر گلنسی کو یہ بتا کر میں نے بڑی محنت سے مسلمانوں کو منوایا ہے اپنے جرم پر پردہ ڈالا اور ساتھ ہی مسٹر گلنسی کی طبیعت میں شروع میں ہی مسلمان لیڈروں سے بغض پیدا کر دیا۔ چنانچہ مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم اے سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی جو کہ عرصہ سے آپ لوگوں کی خدمت کر رہے ہیں انہیں ایک رات گیارہ بجے بلا کر ریذیڈنٹ صاحب اور مسٹر گلنسی نے صبح کے تین بجے تک جو گفتگو کی۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ دونوں صاحبان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف زہر بھرنے کی پوری کوشش کی گئی تھی۔

اسی سلسلہ میں ایک کوشش یہ کی گئی کہ بعض اہالیان کشمیر سے جو در حقیقت ریاست کے بعض حکام سے ساز باز رکھتے ہیں۔ اور ان کی خفیہ چٹھیاں معتبر لوگوں نے دیکھی ہیں۔ یہ اعلان کروایا کہ وہ لوگ کشمیر کے لئے آزاد اسمبلی چاہتے ہیں۔ یہ امر کہ یہ لوگ بعض حکام ریاست کے سکھانے پر ایسا کر رہے تھے اس طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ ساتھ کے ساتھ کہے جاتے ہیں کہ وہ مہاراجہ صاحب کے اقتدار کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔ حالانکہ آزاد اسمبلی کے معنی ہی یہ ہیں کہ مہاراجہ صاحب کے کل اختیار لے کر اسمبلی کو دے دیئے جائیں۔ اور جب سب اختیار مہاراجہ صاحب سے لے لئے جائیں۔ تو پھر ان کا اقتدار کہاں باقی رہا۔ غرض یہ دونوں باتیں ایسی متضاد اور ایک دوسرے سے مخالف ہیں کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسمبلی کا مطالبہ خود حکام ریاست انگریزوں کو یہ بتانے کے لئے کہ اہل کشمیر کے مطالبات خلاف عقل اور باغیانہ ہیں کرواتے تھے۔ اصل میں یہ لوگ ریاست کے ایجنٹ تھے۔ تب ہی تو یہ کہتے تھے کہ ہم مہاراجہ صاحب کے اقتدار میں کوئی فرق نہیں لانا چاہتے۔ دوسرا ثبوت کہ یہ لوگ ریاست کی طرف سے اس کام پر مقرر ہوئے تھے یہ ہے کہ یہ لوگ ریاست کی موٹروں میں ریاست کے خرچ پر سفر کرتے رہے ہیں اور حکام ریاست نے تاریں دے دے کر انہیں بلوایا ہے اور ان کو اپنے کاموں پر بھجوایا ہے اب کیا کوئی شخص مان سکتا ہے کہ ایک طرف تو یہ لوگ کامل آزادی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ دوسری طرف ریاست جو مسلمانوں کو سردست کچھ بھی دینے کو تیار نہیں معلوم ہوتی۔ ان لوگوں سے دوستانہ برتاؤ کر رہی تھی اور مسٹر عبداللہ جیسے آدمی کو جن کے مطالبات نہایت معقول تھے اپنا دشمن قرار دے رہی تھی ریاست کا یہ سلوک صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ ریاست کے ایجنٹ تھے۔ اور مسٹر عبداللہ رعایا کے حقیقی خیر خواہ تھے۔

دوسرا کام یعنی مسلمانوں میں تفرقہ ڈلوانے کا کام بھی ریاست نے خود مسلمانوں سے لیا۔ اور انہی میں سے بعض لوگوں کو اس کام کے لئے کھڑا کیا کہ فرقہ بندی کا سوال اٹھائیں۔ حالانکہ فرقہ بندی مذہبی شے ہے اور کشمیر کی آزادی کا سوال مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہے کیا اگر ہندو اٹھ کر آج مسلمانوں کے مطالبات کی تصدیق کرنے لگیں۔ اور کہیں کہ ان حقوق کے ملنے سے ہمارا بھی فائدہ ہے تو کیا کوئی مسلمان ہے جو کہے گا کہ ہندوؤں کا ہم سے کیا تعلق؟ بلکہ ہر مسلمان شوق سے ان ہندوؤں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا۔ اور ہندوؤں کی امداد کو امداد غیبی سمجھے گا۔ یا مثلاً مہاراجہ صاحب اختیار دینے کو تیار ہوں تو کیا کوئی کہے گا کہ وہ ہندو ہیں ہم ان سے کچھ نہیں مانگتے یا جب سرینگر کے مظالم کے موقع پر بعض انگریزوں نے بعض مسلمانوں کو مار پیٹنے سے بچانے کے لئے کوشش کی تھی۔ تو کیا وہ مسلمان انہیں یہ کہتے تھے کہ ہم عیسائی کافر سے مدد نہیں لیتے ان ڈوگروں کو مارنے دو تم ہمیں نہ بچاؤ غرض یہ ایک بالکل خلاف عقل سوال تھا۔ اور اصل بات یہ تھی کہ ریاست کے حکام جانتے تھے کہ کشمیر کی آزادی کے لئے آئینی جدوجہد میں میرا بہت سا دخل ہے اور وہ اسی جدوجہد سے زیادہ خائف تھے۔ پس ریاست نے یہ کوشش شروع کی کہ مجھے تنگ کرے اور کشمیر کمیٹی سے استعفاء دینے پر مجبور کر دے۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی کہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ جو ایک ارادہ کر کے اس سے پیچھے ہٹ جائیں۔ مجھے اگر کشمیر کمیٹی سے استعفاء بھی دینا پڑتا۔ تو بھی میں اہل کشمیر کی مدد سے دست کش نہ ہوتا اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے امید ہے کہ اہل کشمیر کے آزاد ہونے تک مجھے ان کی خدمت کی برابر توفیق ملتی رہے گی۔ اے میرے رب تو ایسا ہی کر۔ اور مجھے اس مظلوم قوم کی مدد کرنے اور بے غرض اور بے نفس خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین اللھم آمین۔

اس تفرقہ ڈلوانے کے کام پر اس قدر زور دیا گیا کہ ریاست کے بعض حکام نے خود بلوا کر..... صاحب کو لاہور بھجوایا۔ جہاں انہوں نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ میں صدارت سے مستعفی ہو جاؤں۔ لیکن بعض معززین کا بیان ہے کہ جب انہوں نے...... صاحب سے پوچھا۔ کہ اگر موجودہ صدر استعفاء دے دیں تو کیا آپ مسٹر عبداللہ صاحب سے مل کر کام کرنے لگ جائیں گے۔ اور ان کی تائید کرنے لگیں گے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں میں ایسا پھر بھی نہیں کروں گا۔ اس پر ان معززین نے کہا کہ اگر صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے استعفاء کی غرض اتحاد پیدا کرنا ہے تو اتحاد تو اس صورت میں بھی نہ ہوا۔ پھر ہم خواہ مخواہ کیوں کوشش کریں کہ وہ استعفاء دیں۔

غرض یہ کہ ریاست کے بعض حکام نے پورا زور لگایا کہ مذہبی فرقہ بندی کا سوال اٹھا کر مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ لیکن مسٹر عبداللہ کی دور اندیشی اور اہل کشمیر کی وہ طبعی ذہانت جو انہیں اللہ تعالیٰ نے

عطا کر رکھی ہے ان کے منشاء کے راستہ میں روک بن گئی اور اہل کشمیر نے صاف کہہ دیا کہ وہ اس سیاسی سوال میں مذہبی تفرقہ پیدا نہیں ہونے دیں گے فالحمد للہ ثم الحمد للہ۔

ان حالات کے بیان کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ آپ لوگ پوری طرح ان کوششوں سے آگاہ رہیں جو ریاست آپ کے کام کو نقصان پہنچانے کے لئے کر رہی ہے۔ اور آئندہ بھی کرے گی۔ اور اس کے ایجنٹوں کے دھوکہ میں آکر غصہ کی حالت میں کوئی فساد نہ کر بیٹھیں یا فرقہ بندی کے سوال کو سیاسی مسائل میں داخل نہ کرلیں۔

اے بھائیو! اس میں کوئی شک نہیں کہ مسٹر عبد اللہ جیسے لیڈر کے بلاوجہ گرفتار کئے جانے پر جنہوں نے اپنی زندگی اپنے پیارے وطن اور اپنے پیارے وطنی بھائیوں کی خدمت کے لئے وقف کر چھوڑی تھی آپ لوگوں کو جس قدر بھی غصہ ہو کم ہے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ لوگوں میں سے اکثر اس جگہ خون بہانے کے لئے تیار ہیں۔ جہاں مسٹر عبد اللہ کا پسینہ گرے لیکن آپ لوگوں کو یہ بات نہیں بھلانی چاہئے کہ مسٹر عبد اللہ سے محبت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کے کام کو جاری رکھا جائے۔ پس آپ لوگ ریاست کے اس ظلم کا جواب جو انہوں نے مسٹر عبد اللہ صاحب، مفتی ضیاء الدین صاحب اور دیگر لیڈران کشمیر کو گرفتار یا جلاوطن کر کے کیا ہے یہ دیں کہ اس تحریک کو کامیاب کرنے کے لئے جو مسٹر عبد اللہ نے شروع کر رکھی تھی پہلے سے بھی زیادہ مستعد ہو جائیں۔ نیز جو مطالبات انہوں نے پیش کئے تھے۔ ان پر آپ لوگ اڑے رہیں اور جو شخص ان مطالبات کے خلاف کہے خواہ آپ کا ظاہر میں دوست بن کر یہی کہے کہ ان مطالبات سے زیادہ سخت مطالبات ہونے چاہئیں اس کی بات کو رد کر دیں۔ اور صاف کہہ دیں کہ مسٹر عبد اللہ کی پیٹھ پیچھے ہم کسی اور کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ مجھے اس نصیحت کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں خود ریاست کا اس میں فائدہ ہے کہ بعض لوگوں سے زیادہ سخت مطالبات پیش کرائے۔ کیونکہ اس سے ایک طرف مسٹر عبد اللہ کی لیڈری میں فرق آتا ہے۔ دوسری طرف انگریزوں کو بھڑکانے کا اسے موقع ملتا ہے۔ پس آپ نہ صرف اس خوشامدی سے ہوشیار رہیں۔ جو نقصان کا خوف دلا کر آزادی کی تحریک سے آپ لوگوں کو ہٹانا چاہے بلکہ اس دوست نما دشمن سے بھی ہوشیار رہیں جو بظاہر آپ کی خیر خواہی کا دعویٰ کر کے اور سبز باغ دکھا کر آپ کو آپ کے حقیقی لیڈر سے پھرانا چاہتا ہے۔ مجھے اس بات پر زور دینے کی اس لئے بھی ضرورت پیش آئی ہے کہ بعض لیڈر جو ظاہر میں جوشیلے نظر آتے ہیں مجھے ان کی نسبت یقینی طور پر معلوم ہے۔ کہ وہ ریاست سے روپیہ لیتے ہیں اور مسٹر عبد اللہ کا اثر گھٹانے کے لئے ریاست کی طرف سے مقرر ہیں۔

یہ امر بھی یاد رکھیں کہ کوئی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ پبلک کی ہمدردی اس کے ساتھ نہ ہو اور پبلک اس کی خاطر اپنی جان دینے کو تیار نہ ہو۔ عزت کی موت ذلت کی زندگی سے ہزار درجہ اچھی ہوتی ہے پس جہاں میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے نفسوں پر قابو رکھیں وہاں میں یہ نصیحت بھی کرتا ہوں کہ آپ کو اپنے نفسوں کو ملک اور قوم کے لئے قربانی کی خاطر تیار رکھنا چاہئے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ اپنے ملک کے فائدہ کے لئے اعتدال کا طریق اختیار کریں اور یہ بات اور ہے کہ آپ اس امر کے لئے تیار ہوں کہ اگر ملک کے لئے جان دینی پڑے گی تو خوشی سے جان دے دیں گے۔ یہ دونوں باتیں جدا جدا ہیں اور اپنی اپنی جگہ دونوں حق ہیں پس چونکہ بالکل ممکن ہے کہ ایسا وقت آجائے کہ بغیر اخلاق یا مذہب کو ہاتھ سے دینے کے آپ کو اپنے ملک کے لئے جان دینی پڑے اس لئے اس وقت کے لئے بھی آپ کو تیار رہنا چاہئے۔ اور اپنے اندر قربانی کی روح اور بہادری کا احساس پیدا کرنا چاہئے اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ ہر کشمیری کو آپ لوگ اس جنگ کے لئے تیار رکھیں جو اس وقت آزادی کے لئے آپ لوگ کر رہے ہیں قید ہونا صرف مسٹر عبد اللہ کا فرض نہیں۔ آپ لوگوں کا بھی فرض ہے۔ مسٹر عبد اللہ آسمان سے نہیں گرے ان کے بھی ماں باپ بھائی بند ہیں ان کا بھی ایک دل اور ایک جسم ہے جس طرح آپ کے قید ہونے پر آپ کے عزیزوں کو تکلیف پہنچ سکتی ہے اور جس طرح قید ہونے سے خود آپ لوگوں کے دل اور جسم کو بھی تکلیف پہنچتی ہے پس اس پر خوش نہ ہوں کہ آپ کا لیڈر آپ کے لئے قید میں ہے کیونکہ یہ غداری اور بے وفائی کی کمینہ مثال ہو گی۔ بلکہ اس امر کے لئے تیار رہیں کہ اگر موقع آئے تو آپ بھی اور آپ کے عزیز بھی بلکہ آپ کی عورتیں بھی قید ہونے کو تیار رہیں گی۔

یہ بھی مت خیال کریں کہ جب ہمیں امن کی تعلیم دی جاتی ہے تو ہمیں قید ہونے کا موقع کس طرح مل سکتا ہے کیونکہ مسٹر عبد اللہ کو بھی ریاست نے بلاوجہ اور بلا قصور گرفتار کیا ہے اور اسی دفعہ نہیں پہلے بھی اسی طرح بلاوجہ انہیں قید کرتی رہی ہے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ آپ کو بھی کسی وقت ریاست بلاوجہ قید کر لے۔ پس اپنے نفسوں کو تیار رکھیں۔ اور اپنی اولاد کو بھی سمجھاتے رہیں کہ ملک کی خاطر قید ہونا کوئی بری بات نہیں بلکہ عزت ہے۔

میں نے اپنے ایک پہلے خط میں لکھا تھا کہ مسٹر عبد اللہ اور دوسرے لیڈر جب تک آزاد نہ ہوں۔ آپ لوگ روزانہ ان کے لئے دعا کرتے رہا کریں۔ اور اپنی اولادوں کو بھی اس میں شامل کیا کریں۔ میں اس بات کی طرف پھر توجہ دلاتا ہوں کہ آج سے آپ لوگ متواتر رات کو سونے سے پہلے خدا تعالیٰ سے اپنے مذہب اور طریقہ کے مطابق مسٹر عبد اللہ کے لئے اور اہل کشمیر کو انسانی حقوق ملنے کے لئے دعا کیا کریں۔ نیز میں مساجد کے اماموں سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ وہ بھی ہر جمعہ کے دن تمام نمازیوں

سمیت مناسب موقع پر کشمیر کی آزادی اور مسٹر عبداللہ اور دیگر لیڈران کشمیر کی حفاظت اور رہائی کے لئے دعا کیا کریں اس کا فائدہ ایک تو یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آکر ان ظلموں کا خاتمہ جلد کر دے گی جو اہل کشمیر پر روا رکھے جاتے ہیں۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ ہر گھر میں اور بچوں تک بھی یہ تحریک پہنچ جائے گی۔ یاد رکھیں کہ ریاست یہ قانون تو بنا سکتی ہے کہ گزر گاہوں یا مساجد میں آپ کو اور آپ کے بچوں کو اور آپ کی عورتوں کو کوئی شخص ملک کے صحیح حالات نہ بتائے۔ لیکن کوئی ریاست خواہ کس قدر زبردست کیوں نہ ہو اس امر کا انتظام نہیں کر سکتی کہ ہر گھر میں اپنے سپاہی بٹھا دے۔ پس اگر قانون نے مجلسوں کا دروازہ آپ کے لئے بند کر دیا ہے۔ تو اپنے گھروں میں اپنی عورتوں اور بچوں کو بٹھا کر دعاؤں کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد چاہو اور اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کی قومی تربیت بھی کرو۔

اور بھی کئی باتیں ہیں جو میں کہنی چاہتا ہوں لیکن سردست میں اپنے اس خط کو اس بات پر ختم کرتا ہوں کہ اے اہل کشمیر آپ کو یہ امر ایک منٹ کے لئے بھی نہیں بھلانا چاہئے۔ کہ مسٹر عبداللہ جو آپ سے زیادہ ناز و نعم میں پلے ہوئے ہیں جو ظاہری تعلیم کی آخری ڈگری حاصل کر چکے ہیں اور جو اگر کسی مہذب ملک میں ہوتے اور کسی منصف حکومت سے ان کا واسطہ پڑتا تو کسی نہایت ہی اعلیٰ عہدہ پر ہوتے۔ آج قید خانہ کی تاریک کوٹھڑی میں بند ہیں۔ کسی اپنے جرم کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ اے اہل کشمیر آپ لوگ غلامی سے آزاد ہو جائیں۔ اور آپ کی اولادیں عزت کی زندگی بسر کریں۔ (باقی آئندہ)

خاکسار میرزا محمود احمد
صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی
قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب) ۲۷/۱/۳۲

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

اہل کشمیر کے دو اہم فرض

میرا دوسرا خط (سلسلہ دوم)

برادران کشمیر! السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ میرا پہلا خط آپ کو مل گیا ہے اور گورنر کشمیر نے اسے ضبط شدہ بھی قرار دے دیا ہے یہ ریاست کشمیر کی بد قسمتی ہے کہ اس میں گورنر جیسے

عہدہ پر جاہلوں اور نااہلوں کا تقرر ہوتا ہے اور مہاراجہ صاحب کی حکومت کے چلانے کے لئے ایسے لوگ مقرر ہوتے ہیں جو ان خطوط کو ضبط کرتے ہیں جن میں پرامن رہنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ افسوس کہ مہاراجہ صاحب ان امور سے ناواقف ہیں کہ ان کے بنائے ہوئے افسر خود ان کی حکومت کی جڑ پر تبر رکھ رہے ہیں اور ان کے ہاتھ سے کھا کر ان ہی کے ہاتھ کو کاٹ رہے ہیں ممکن ہے یہ لوگ دل سے خیال کرتے ہوں کہ مہاراجہ صاحب کی وفاداری کرتے ہیں لیکن مجھے تو شبہ ہے کہ یہ لوگ دل سے بھی مہاراجہ صاحب کے بدخواہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ امن کی تعلیم دینے والوں کی کوششوں کو کمزور کر کے ریاست میں بغاوت پھیلائیں۔ بہر حال اگر یہ لوگ مہاراجہ صاحب اور ریاست کے دشمن نہیں تو نہایت بے وقوف دوست ضرور ہیں۔

عزیز دوستو! جو میرے پہلے خط کا حشر ہوا وہی اس خط کا بھی ہو سکتا ہے اس لئے میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آئندہ آپ لوگ یہ احتیاط کیا کریں کہ میرا مطبوعہ خط ملتے ہی فوراً اسے پڑھ کر دوسروں تک پہنچا دیا کریں تاکہ ریاست کے ضبط کرنے سے پہلے وہ خط ہر اک کے ہاتھ میں پہنچ چکا ہو اور تاکہ ہر مسلمان اپنے فرض سے آگاہ ہو چکا ہو اور بہتر ہو گا کہ جس کے ہاتھ میں میرا خط پہنچے وہ اس کا مضمون ان مردوں عورتوں اور بچوں کو سنا دے جو پڑھنا نہیں جانتے اور اگر ہو سکے تو اس کی کئی نقلیں کر کے دوسرے گاؤں کے دوستوں کو بھجوا دے اگر پورا خط نقل نہ ہو سکے تو اس کا خلاصہ ہی لکھ کر دوسرے دوستوں کو اطلاع کر دے۔

ان ہدایات کے بعد میں آپ لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کو خط لکھنے کے علاوہ میں نے اپنے نائبوں کو انگلستان میں بھی تاریں دیں کہ وہ کشمیر کے مظالم کی طرف وہاں کے حکام کو توجہ دلائیں اور کشمیر کمیٹی کے سیکرٹری کو دہلی بھیجا تاکہ وہ حکومت ہند میں بھی آپ لوگوں کی تکالیف کو پیش کر کے داد خواہی کریں اور اسی طرح اپنے عزیز چوہدری ظفر اللہ خان صاحب ممبر راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کو بھی تار دی کہ وہ بھی حکام سے ملیں۔ چنانچہ یہ لوگ وائسرائے کے پرائیوٹ سیکرٹری اور دوسرے سیکرٹریوں اور حکام سے ملے اور انہیں صورت حالات سے آگاہ کیا۔ اسی طرح ولایت میں خان صاحب فرزند علی خان صاحب امام مسجد لنڈن نے میری ہدایت کے مطابق کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کو دہلی اور لنڈن دونوں جگہ اصل حقیقت سے آگاہی ہو گئی اور ولایت کے اخبارات نے بڑے زور سے یہ لکھنا شروع کر دیا کہ ریاست کا نظام پوری طرح بدل کر مسلمانوں کی داد خواہی کرنی چاہئے۔ اور حکومت ہند نے بھی اس طرف توجہ کرنی شروع کی چنانچہ تازہ اطلاعات مظہر ہیں کہ اگر وزیراعظم صاحب نے اپنا رویہ نہ بدلا تو شاید وہ چند دن میں اپنے عہدہ سے الگ کر دیئے جائیں گے۔ اور جلد ہی دوسرے افسروں

میں بھی مناسب تبدیلی ہو جائے گی۔ جس کے لئے میں میرپور کوٹلی راجوری اور بھمبر کے دوستوں کی خواہش کے مطابق کوشش کر رہا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ جلد کوئی آپ لوگوں کی بہتری کے سامان ہو جائیں گے میں نے ولایت پھر تار دی ہے کہ وہاں پہلے سے بھی زیادہ پراپیگنڈا کیا جائے۔ اور اصل حالات سے انگریزوں کو واقف کیا جائے۔ کیونکہ ریاست میں اس قدر ظلم ہوئے ہیں کہ اس انصاف پسند قوم کو اگر ان کا علم ہو گیا تو یقیناً ایک شور پڑ جائے گا۔ اور وہ حکومت پر بے انتہا زور دے گی میں نے اس سلسلہ میں ایک ولایتی خطوں کا سلسلہ بھی شروع کرنے کا ارادہ کیا ہے یعنی جس طرح میں آپ کو خط لکھتا ہوں اسی طرح ایک خط پارلیمنٹ کے ممبروں وزراء امراء اور ولایتی اخبارات کے ایڈیٹروں کے نام بھی لکھا کروں گا تاکہ انہیں بھی سب حالات کا علم ہوتا رہے اور ہندوؤں کے غلط پروپیگنڈا سے وہ واقف ہوتے رہیں مجھے امید ہے کہ میرے ایک دو خطوں سے وہاں شور پڑ جائے گا۔ اور فریب کی چادر جو ریاستی ہندوؤں نے بنی ہے تار تار ہو جائے گی۔

اس کے بعد میں آپ لوگوں کو پھر نصیحت کرتا ہوں کہ سول نافرمانی کا لفظ جو بدقسمتی سے بعض لوگوں نے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا اور جس کے سبب انگریزی حکومت نے دھوکہ کھا کر ریاست کو سختی کرنے کی اجازت دے دی تھی اسے بالکل ترک کر دیں اور ہر اک شخص کو سمجھائیں کہ غلط الفاظ استعمال کرنے سے بھی سخت نقصان ہوتا ہے وہ ایسے لفظوں کا استعمال ترک کر دیں اور ایسے طریقوں سے بچیں کہ جن کے ذریعہ سے انگریزی حکومت کو ریاستی حکام دھوکہ دے سکیں یاد رکھیں کہ آزادی یا تلوار کے زور سے حاصل ہو سکتی ہے یا انگریزوں کی امداد سے اور تلوار سے آزادی کا حصول آپ لوگوں کے لئے ناممکن ہے پس ایسے طریقے اختیار کرنے جن سے انگریزوں کی ہمدردی بھی جاتی رہے ہرگز عقلمندی کا شیوہ نہیں اس لفظ کے استعمال سے دیکھ لو کہ پہلے کس قدر نقصان ہوا ہے۔ صرف میرپور کے علاقہ میں چند نوجوانوں نے غلطی سے سول نافرمانی کا سوال اٹھایا۔ اور وہاں کے علاوہ تمام ریاست کشمیر پر ظلم کی انتہا ہو گئی۔ کارکن گرفتار ہو گئے عورتوں کی بے عزتی ہوئی اور بچے بلاوجہ پیٹے گئے۔ جس سول نافرمانی نے اب تک انگریزی علاقہ میں جہاں رعایا پہلے سے آزاد ہے کچھ نفع نہیں دیا۔ بلکہ مسٹر گاندھی اس کے بانی اب تک قید ہیں اور سب مسلمان اس کا تجربہ کر کے اس کی مخالفت کر رہے ہیں اس نے وہاں کیا نفع دینا ہے سوائے اس کے کہ مہذب دنیا اس کی وجہ سے مسلمانوں کو باغی کہنے لگے اور ریاست کا دلی منشاء پورا ہو ۔ اور اس کا کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں ابتدائی انسانی حقوق کے متعلق اگر کسی وقت سب لیڈروں کے مشورہ سے ریاست کے ظالمانہ اور خلاف شریعت احکام کے ماننے سے انکار کیا جائے تو وہ سول نافرمانی نہ ہو گی کیونکہ ابتدائی حقوق سے محروم کرنے والی حکومت

عرف عام میں خود باغی کہلاتی ہے ان احکام کے نہ ماننے والے لوگ باغی نہیں کہلاتے مگر اس کے متعلق میں تفصیل سے بعد میں لکھوں گا۔

اس وقت سب سے اہم بات جو کہنی چاہتا ہوں یہ ہے کہ گلنسی کمیشن اس وقت جلد جلد اپنا کام ختم کر رہا ہے اس کمیشن کی رپورٹ پر انگریزی حکومت کی آئندہ امداد کا بہت کچھ انحصار ہے میں خود بھی اس کمیشن کے سامنے پیش کرنے کو ایک بیان لکھ رہا ہوں لیکن آپ لوگوں کی کئی تکالیف ہوں گی جو مجھے معلوم نہیں اس لئے جس علاقہ میں میرا یہ خط پہنچے وہاں کے لوگوں کو چاہئے کہ اپنی شکایات اور ان کے ثبوت لکھ کر جلد سے جلد مفتی جلال الدین صاحب کو جو مسٹر عبداللہ صاحب کے جانشین ہیں۔ سرینگر بھجوا دیں تاکہ وہ کمیشن کے آگے ان شکایات کو رکھ سکیں۔ اس معاملہ میں سستی ہوئی تو بعد میں پچھتانا پڑے گا۔ کیونکہ ایسے کمیشن روز روز نہیں بیٹھا کرتے۔

مجھے معلوم ہے کہ بعض لوگ آپ لوگوں کو یہ کہتے ہیں کہ اس کمیشن سے تعاون کا کوئی فائدہ نہ ہو گا لیکن یاد رکھیں کہ آپ کے لیڈر شیخ عبداللہ صاحب اور دوسرے سب آپ کے خیر خواہوں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ اس کمیشن سے تعاون کیا جائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کمیشن سے تعاون مفید ہو گا پہلا فائدہ تو یہی ہے کہ اس کمیشن کی بدولت پریس اور تقریر اور انجمنوں کی آزادی کا سوال پیش ہو چکا ہے۔ اور تھوڑے دنوں میں اس کے متعلق کارروائی شروع ہو جائے گی اس کے علاوہ بھی امید ہے کہ اور بہت سے فوائد انشاء اللہ حاصل ہوں گے اور جن امور میں اس کمیشن کی رپورٹ نامکمل یا غلط ہوئی ہمارے لئے اس کے خلاف احتجاج کرنے کا پھر بھی راستہ کھلا ہے علاوہ ازیں اس وقت یہ کمیشن ایک طرح روک بن رہا ہے۔ جب انگریزی حکومت کو توجہ دلائی جاتی ہے تو اس کے ذمہ دار حکام کہتے ہیں کہ مہاراجہ صاحب ایک کمیشن بٹھا چکے ہیں پس اس کے فیصلہ کا انتظار کرنا چاہئے پس ہمارا فرض ہے کہ جہاں تک ہو سکے جلد اس کمیشن کا کام ختم کرائیں اور پوری کوشش کریں کہ اس کمیشن کی کارروائی اس رنگ میں تکمیل کو پہنچے کہ کمیشن مجبور ہو کہ کاغذات کی بناء پر مسلمانوں کے حق میں رپورٹ کرے۔

دوسرا ضروری امر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ریاست نے اس وقت پر امن لوگوں کے جلسے اور جلوس روک رکھے ہیں سول نافرمانی کے پروگرام والوں اور ہندوؤں کے جلسے اور جلوس کھلے ہیں جیسا کہ گزشتہ دنوں میں ...... کا جلوس نکلا اور اس میں احرار زندہ باد اور قادیانی مردہ باد کے نعرے لگائے گئے کسی کے مردہ باد کہنے سے ہم مر نہیں جاتے پس میں تو کہتا ہوں کہ اگر ہمیں مردہ باد کہہ کر کسی کا دل خوش ہوتا ہے تو چلو یہ بھی ایک ہماری خدمت ہے وہ اسی طرح اپنا دل خوش کر لیں ہم بھی خوش ہیں کہ

ہمارے ایک بھائی کا دل اس طرح خوش ہو گیا۔ مگر ایک سبق ہمیں ان جلسوں اور جلوسوں سے ملتا ہے اور وہ یہ کہ ریاست کا ان لوگوں کو جلسوں اور جلوس کی اجازت دینا صاف بتاتا ہے کہ ریاست کے لئے اس میں فائدے ہیں اور وہ فائدے میرے نزدیک دو ہیں۔ (۱) اول فائدہ یہ ہے کہ ریاست اس طرح حکومت انگریزی کو یہ بتانا چاہتی ہے کہ ریاست کے مسلمان باغی ہو گئے ہیں اور اس غرض کو پورا کرنے کے لئے وہ اپنے ایجنٹ مقرر کر رہی ہے۔ (۲) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح ریاست لوگوں پر یہ ظاہر کرنا چاہتی ہے کہ مسٹر عبد اللہ لیڈر کشمیر کی پارٹی کمزور اور تھوڑی ہے اور ان کے مخالف زور پر ہیں ریاست کے ہاتھ میں فوج ہے اور حکومت ہے۔ وہ ظلم کے ساتھ ایک ہی قانون کو دو طرح استعمال کر سکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل دی ہے اور ہم بغیر فساد پیدا کرنے کے اس کی اس تجویز کو رد کر سکتے ہیں اور وہ اس طرح کہ ریاست نے جلسوں سے تو آپ لوگوں کو روک دیا ہے لیکن وہ لباس پر تو کوئی پابندی نہیں لگا سکتی۔ اس لئے میرے نزدیک آپ لوگ لباس کے ذریعہ سے اپنے خیالات کو ظاہر کر سکتے ہیں اور وہ اس طرح کہ جس قدر لوگ مسٹر عبد اللہ کے ہم خیال ہیں اور امن پسندی کے ساتھ اپنے حق لینا چاہتے ہیں اور سول نافرمانی کے حامی نہیں ہیں وہ اس امر کے ظاہر کرنے کے لئے کہ مسٹر عبد اللہ اور دوسرے لیڈروں کی قید سے انہیں تکلیف ہے اور دوسرے اس امر کو ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ بہر حال پر امن ذریعہ سے اپنے حقوق طلب کریں گے اور ریاست کے حکام کے جوش دلانے کے باوجود اپنے طریق کو نہیں چھوڑیں گے اپنے بازو پر ایک سیاہ رنگ کا چھوٹا سا کپڑا باندھ لیں یا اپنے سینہ پر ایک سیاہ نشان لٹکا لیں۔ ایسے نشان سے بغیر ایک لفظ منہ سے نکالنے کے بغیر تقریر کرنے کے بغیر جلوس نکالنے کے آپ حکومت اور دوسرے لوگوں کو بتا سکیں گے کہ آپ مسٹر عبد اللہ کے ہم خیال ہیں اگر یہ تحریک ہر جگہ کے لیڈر کامیاب کر سکیں اور ملک کے ہر گوشہ میں ہر شخص خواہ مرد ہو خواہ عورت' خواہ بچہ اس سیاہ نشان کا حامل ہو۔ تو آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ بغیر جلسوں اور جلوس کے آپ لوگوں کی طرف سے اس امر کا اظہار ہوتا رہے گا کہ ایک طرف تو آپ لوگ مسٹر عبد اللہ کی قید پر احتجاج کرتے ہیں اور دوسری طرف ریاست کے ان ایجنٹوں کی پالیسی کے خلاف اظہار رائے کرتے ہیں۔ جو اندر سے تو ریاست سے ملے ہوئے ہیں اور بظاہر کامل آزادی کا مظاہرہ پیش کر کے تحریک کو کچلنا چاہتے ہیں۔ اگر مختلف علاقوں کے لیڈر اس تحریک کو جاری کریں تو آپ لوگ دیکھیں گے کہ تھوڑے ہی دنوں میں ریاست اور اس کے ایجنٹ مرعوب ہونے لگیں گے۔ اور ہر راہ چلتے آدمی کو معلوم ہو جائے گا کہ کشمیر کا بچہ بچہ شیر کشمیر اور دوسرے لیڈروں کے ساتھ ہے اور یہ کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ حقوق کا مطالبہ صرف چند لوگوں کی طرف سے ہے یا یہ کہ ریاست کشمیر کے لوگ فساد کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے دعویٰ میں

جھوٹے ہیں اس تحریک میں سب اہل کشمیر شامل ہیں اور وہ باغی نہیں بلکہ آئینی طور پر اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے والے ہیں اور یہ وہ حق ہے جس سے کوئی شخص کسی کو محروم نہیں کر سکتا۔

اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں ہیں جو میں اپنے اگلے خط میں ظاہر کروں گا۔ سردست میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ آپ لوگ جلد سے جلد ان امور کے متعلق کوشش کریں گے اور ایسے سامان پیدا کر دیں گے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری کوششیں بار آور ہوں اور آپ لوگوں کو آزادی کا سانس لینا نصیب ہو اور آپ کے لیڈر پھر آپ لوگوں میں آکر شامل ہوں اور آپ کی خدمت میں مشغول ہوں۔

والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد

صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی

نوٹ:(۱) جن صاحبان کو یہ خط پہنچے ان سے درخواست ہے کہ اس کے اثر کو وسیع کرنے کے لئے وہ اپنے دوسرے دوستوں اور واقفوں کے نام اور پتے جو دوسرے گاؤں کے ہوں میرے نام یا سیکرٹری کے نام بھجوا دیں تاکہ آئندہ خطوط اور بھی وسیع علاقوں میں پھیلائے جا سکیں۔

(۲) چونکہ میرا ارادہ ہے کہ میں باقاعدہ انگلستان کے لوگوں کو اور ہندوستان کے حکام کو ایک رسالہ کے ذریعہ سے حالات کشمیر سے واقف کرتا رہوں۔ میں ممنون ہوں گا کہ اگر اپنے علاقہ کے حالات سے اور حکام کے رویہ سے مجھے آپ لوگ اطلاع دیتے رہا کریں۔ واقعات بالکل سچے اور بیان حلفیہ ہونے چاہئیں۔ مرزا محمود احمد۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

اہل کشمیر کے نام تیسرا خط (سلسلہ دوم)

مڈلٹن کمیشن رپورٹ

برادران! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ گو اب تک مڈلٹن رپورٹ مکمل صورت میں

شائع نہیں ہوئی لیکن اس کا خلاصہ اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ اس خلاصہ کو دیکھ کر مسلمانوں میں سخت جوش اور غضب کی لہر دوڑ گئی ہے اور وہ محسوس کر رہے ہیں کہ ریاست کے ہندو افسروں کی طرح انگریزی افسروں نے بھی ان سے دھوکہ کیا ہے اور یہ کہ وہ آئندہ انگریزوں سے بھی کسی انصاف کی امید نہیں کر سکتے۔

گو اس قسم کی منافرت اور مایوسی کے جذبات میرے دل میں پیدا نہ ہوئے ہوں جو بعض دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوئے ہیں لیکن میں اس امر کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ میرے نزدیک ہر انصاف پسند انسان کے نزدیک یہ رپورٹ موجب حیرت ثابت ہوئی ہوگی۔ اور تو اور سول اینڈ ملٹری گزٹ اخبار تک اس رپورٹ کے متعلق شبہات کا اظہار کرتا ہے اور اس کے حیرت انگیز یک طرفہ فیصلہ کو ایسوسی ایٹڈ پریس کے خلاصہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے اصل رپورٹ کے شائع ہونے کی انتظار کا مشورہ دیتا ہے۔

وہ لوگ جو اس امید میں تھے کہ مڈلٹن کمیشن کی رپورٹ مسلمانوں کی مظلومیت کو روز روشن کی طرح ثابت کر دے گی بے شک اس وقت سخت مایوسی محسوس کرتے ہیں لیکن جن لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ نہ افراد اقوام کے قائم مقام ہوتے ہیں اور نہ قومی جنگیں آسانی سے ختم ہوا کرتی ہیں۔ وہ باوجود خلاف امید نتیجہ کے مایوس نہیں اگر مسلمان مظلوم ہیں جیسا کہ ہمارے نزدیک مظلوم ہیں تو ہزار مڈلٹن رپورٹ بھی ان کو ظالم نہیں بنا سکتی وہ مظاہرات جو برطانوی علاقہ کے مظاہرات کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن جن کو بجائے لاٹھیوں کے گولیوں سے پراگندہ کیا گیا۔ اور گولیاں بھی اس بے دردی سے چلائی گئیں کہ کثیر تعداد آدمیوں کی ان کا نشانہ بنی ایسا واقعہ نہیں ہیں۔ کہ مڈلٹن رپورٹ ان کی حقیقت پر پردہ ڈال سکے۔ اگر مڈلٹن رپورٹ کا کوئی اثر دنیا پر ہوگا۔ تو صرف یہ کہ لاکھوں آدمی جو اس سے پہلے برطانوی انصاف پر اعتماد رکھتے تھے۔ اب برطانوی قوم کو بھی ظالم اور جابر قرار دینے لگیں گے۔ پس میرے نزدیک مڈلٹن رپورٹ کا نہ ریاست کو فائدہ پہنچا ہے اور نہ مسلمانوں کو نقصان۔ بلکہ انگریزوں کو نقصان پہنچا ہے۔ پس نہ ہندوؤں کے لئے خوشی کا موقع ہے اور نہ مسلمانوں کے لئے گھبراہٹ کا۔ اگر کسی کے لئے گھبراہٹ کا موقعہ ہے۔ تو عقلمند اور سمجھدار انگریزوں کے لئے جو اس میں اپنے وقار پر ایک شدید ضرب محسوس کریں گے۔

مجھے یقین ہے کہ مسٹر مڈلٹن بددیانت نہیں۔ اور معاملہ وہ نہیں جو ریاست کے بعض اعلیٰ کارکن کئی ماہ سے بیان کر رہے تھے۔ یعنی یہ کہ انہوں نے مسٹر مڈلٹن کی رائے کو خرید لیا ہے کیونکہ گو میں مسٹر مڈلٹن کو ذاتی طور پر نہیں جانتا۔ لیکن ان کے جاننے والے سب مسلمان یہی کہتے ہیں کہ خواہ ہائیکورٹ

کے جج خریدے جا سکتے ہوں لیکن مسٹر مڈلٹن نہیں خریدے جا سکتے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ واقفوں کی رائے کو جو خود ہماری قوم کے فرد ہیں ہم نظرانداز کر دیں۔ پس میں یہ تو نہیں مان سکتا۔ کہ مسٹر مڈلٹن نے بددیانتی سے کام لیا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کی رائے یکطرفہ ہے اور ان کی طبیعت کا میلان ان کے فیصلہ سے پھوٹا پڑتا ہے۔

جب ایک کمیشن کے تقرر کی ہم کوشش کرتے ہیں۔ تو ہمیں اس امر کی توقع رکھنی چاہئے کہ ممکن ہے اس کا فیصلہ ہمارے خلاف ہو۔ ہزاروں مقدمات میں سچے جھوٹے ثابت ہو جاتے ہیں اور جھوٹے سچے ثابت ہو جاتے ہیں پس اگر صرف مڈلٹن کمیشن کا فیصلہ ہمارے خلاف ہوتا اور مسلمان اس پر ناراض ہوتے تو میں اسے بچپن کا فعل قرار دیتا اور باوجود اس فیصلہ سے اختلاف رکھنے کے اس پر ناراضگی کا اظہار نہ کرتا لیکن یہ فیصلہ اس رنگ میں لکھا گیا ہے۔ کہ صرف خلاف ہی فیصلہ نہیں ہے۔ بلکہ متعصبانہ رنگ رکھتا ہے چنانچہ ہر اک بات جو مسلمانوں کے منہ سے نکلی ہے اسے "خلاف عقل" بالبداہت باطل، کھلی کھلی دروغ بیانی قرار دیا گیا ہے اور جو کچھ ریاست کی طرف سے کہا گیا ہے۔ اسے معقول اور درست قرار دیا گیا ہے اور متعدد گواہوں کی گواہیوں کو اپنے ذاتی میلان پر قربان کر دیا گیا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں کی گواہی کو من حیث القوم ناقابل اعتبار قرار دے کر ایک ایسی قومی ہتک کی گئی ہے کہ اس کا خمیازہ اگر خطرناک سیاسی بے چینی کی صورت میں پیدا ہو تو برطانیہ کو سوائے اس بات کے کہنے کے چارہ نہ ہو گا کہ خدا مجھے میرے بے احتیاط فرزندوں سے بچائے۔

مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں اکثر انگریز دلوں میں خوب سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں پر ظلم ہوا ہے۔ پس اس رپورٹ کا مسلمانوں پر تو کیا اثر ہو گا۔ خود انگریزوں پر بھی اس کا کوئی اثر نہ ہو گا یہ اور بات ہے کہ بعض لوگ اپنے سیاسی فوائد کی وجہ سے اپنے دلی خیال کا اظہار نہ کریں۔

مجھے حیرت ہے کہ جب مسٹر مڈلٹن کے نزدیک سب کشمیری مسلمان جھوٹے ہیں۔ تو انہیں اس قدر عرصہ تک تحقیقات کی ضرورت کیا پیش آئی تھی۔ انہیں تو شروع میں ہی کہہ دینا چاہئے تھا کہ میں کسی مسلمان کی گواہی نہیں سنوں گا۔ اس قدر روپیہ اپنی ذات پر اور اپنے عملہ پر خرچ کروانے کے علاوہ انہوں نے مسلمانوں کا روپیہ بھی جنھوں نے دور دور سے گواہ منگوا کر پیش کئے تھے کیوں ضائع کرایا۔

مڈلٹن کمیشن رپورٹ پر اپنے خیالات ظاہر کرنے کے بعد اس امر پر بھی اظہار افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ اس رپورٹ کے شائع ہونے پر بعض لوگ اس طرح مایوس ہو گئے ہیں کہ گویا ان کے نزدیک مڈلٹن کمیشن ہی ہمارا معبود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کام کرنے کے کئی راستے تجویز کئے ہیں۔

اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان راستوں سے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کوشش کریں۔ اگر ان میں سے بعض بند نظر آئیں تو ہمیں مایوسی کی ضرورت نہیں ہم نے اگر ایک کوشش کی اور اس میں ہم ناکام رہے تو مایوسی کی کونسی بات ہے ہمیں پھر کوشش کرنی چاہئے۔ اور پھر کوشش کرنی چاہئے یہاں تک کہ ہم کامیاب ہو جائیں۔

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مڈلٹن کمشن خود مسلمانوں کی کوششوں کے نتیجہ میں مقرر ہوا تھا۔ کشمیر سے متواتر یہ آواز آرہی تھی۔ کہ آزاد کمیشن مقرر کرایا جائے۔ اور باہر کے مسلمانوں نے اس کی تائید کی۔ پس اس قسم کے نتائج سے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ مڈلٹن کمیشن پر نہ آپ کو کوئی ناقابل برداشت قربانی کرنی پڑی ہے اور نہ اس رپورٹ سے ہماری پہلی پوزیشن میں کوئی نقص واقع ہوا ہے اس کمیشن کا مطالبہ مسلمانوں کی طرف سے اس خیال سے تھا کہ اگر وہ انصاف پر مبنی ہوا تو مسلمانوں کی طرف غیر جانبدار لوگوں کی توجہ ہو جائے گی۔ اب اگر خلاف فیصلہ ہوا تو حالت وہیں کی وہیں آگئی جہاں پہلے تھی۔ پس نقصان کچھ نہیں ہوا۔ ہاں اگر فیصلہ درست ہوتا تو فائدہ ہو سکتا تھا۔ پس مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ قومی جنگوں میں اتار چڑھاؤ ہوتے رہتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ کے متعلق بھی آتا ہے کہ لڑائی ڈول کی طرح تھی۔ کبھی کسی کا ڈول کوئیں میں پڑتا اور کبھی کسی کا پس اگر فی الواقع مسلمانان کشمیر کا ارادہ آزادی حاصل کرنا ہے تو انہیں اپنے دل وسیع اور مضبوط کرنے چاہئیں۔ اور اپنی ہمتیں بلند اور اس قسم کی تکلیفوں اور ناکامیوں کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں کرنی چاہئے ورنہ وہ یاد رکھیں کہ بڑے کام چھوٹے حوصلوں سے نہیں ہوتے اور اگر ان کا منشاء صرف تکلیفوں سے بچنے کا ہے تو اس کا آسان علاج ہے کہ ہتھیار ڈال دیں۔ اس صورت میں کچھ دنوں تک یہ ظاہری ظلم بند ہو کر اسی سابقہ کند چھری سے ہندو افسر انہیں قربان کرنے لگیں گے۔ جس سے پہلے قربان کیا کرتے تھے۔ لیکن اس موت میں نہ کوئی شان ہو گی نہ مسلمانوں کی ان سے ہمدردی ہو گی۔ ہم لوگ آپ کے بلانے پر آئے ہیں اگر آپ لوگ خاموش ہونا چاہیں تو ہم بھی خاموش ہو جائیں گے مگر مجھے یقین ہے کہ مایوسی صرف چند لوگوں کا حصہ ہے مسلمانوں کی کثرت اپنے لئے اور اپنے بچوں کے لئے آزادی حاصل کرنے کے لئے جان و دل سے مستعد ہے اور یہی کثرت ہے جو آخر باوجود ہمت ہارنے والوں اور مایوس ہونے والوں کے انشاء اللہ کامیاب ہو کر رہے گی۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اب ہمیں گلنسی کمیشن پر کیا اعتبار رہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گلنسی کمیشن سے بھی خطرہ ہے جس طرح مڈلٹن کمیشن میں خطرہ تھا۔ لیکن اگر اس کمیشن نے بھی ہماری امیدوں کے خلاف فیصلہ کیا۔ تو ہمارا کیا نقصان ہو گا۔ کیا انگریز کے منہ سے نکلی ہوئی بات ہمارے مذہب

کا جزو ہے اگر مسٹر گلنسی نے مسٹر مڈلٹن والا طریق اختیار کیا تو ہم مڈلٹن رپورٹ کی طرح اس کی غلطیوں کا بھی پردہ فاش کریں گے۔ اور اگر اس میں مسلمانوں کے حق میں کوئی سفارش کی گئی۔ تو یقیناً اس سے ہم کو فائدہ پہنچے گا۔ بعض افسر اور بعض دوسرے لوگ بہت پہلے سے گلنسی رپورٹ کے متعلق بھی کہہ رہے ہیں کہ مسٹر گلنسی نے ان سے کہہ رکھا ہے کہ ان کا فیصلہ مسلمانوں کے خلاف ہو گا۔ اگر یہ سچ ہے تو بھی میرے نزدیک ہمیں اس سے مایوسی کی ضرورت نہیں۔ ہر ایک غیر منصفانہ رپورٹ جو انگریز کریں گے اس سے مسلمانوں کی ہمدردی کھو کر اپنی قوم کے لئے مشکلات پیدا کریں گے۔ پس ایسی رپورٹ سے ہمارا نقصان نہیں خود ان کا نقصان ہے ہمارے مطالبات پھر بھی قائم رہیں گے ہم نے اپنے حقوق کے متعلق کیا یہ تسلیم کیا ہے کہ جو کچھ انگریز کہہ دیں گے اسے ہم تسلیم کر لیں گے۔ اگر وہ معقول بات ہو گی تو ہم اسے مانیں گے۔ ورنہ کہیں گے کہ عطائے تو بلقائے تو۔

برادران! یاد رکھیں کہ یہ مایوسی کی لہر دو طرح سے چلائی جا رہی ہے۔ ایک ریاست کے ہندو افسروں کی طرف سے جو بعض انگریزوں کی غلطیاں گنوا کر مسلمانوں کو اس طرف لانا چاہتے ہیں کہ وہ خود ریاست کے ہندو افسروں سے فیصلہ چاہیں۔ حالانکہ جو کچھ ہندو افسروں نے سلوک کیا ہے وہ اس قدر پرانا نہیں کہ اسے مسلمان بھول جائیں۔ ایک شخص کے فیصلہ سے انگریزی طبیعت کا حال نہیں معلوم ہو سکتا نہ مسٹر مڈلٹن اور مسٹر گلنسی انگریزی حکومت کا نام ہے۔ لیکن ہندوؤں نے تو ریاست میں افراد کی حیثیت میں نہیں حکومت کی حیثیت میں مسلمانوں کو بے دردی سے کچلا ہے۔ پس جو کچھ ان سے ظاہر ہوا ہے کیا مسلمان اسے اس قدر جلد بھول جائیں گے؟ اب اس وقت بھی کہ مڈلٹن رپورٹ شائع ہو چکی ہے میرے پاس درخواستیں آ رہی ہیں کہ میرپور کی طرح دوسرے علاقوں میں بھی انگریزی مداخلت کی کوشش کی جائے۔ اگر انگریزوں اور ریاستی حکام میں فرق نہیں تو یہ کیوں ہو رہا ہے؟ یہ سخت بے وقوفی ہو گی کہ ہم ایک شخص سے یا ایک فعل سے ناراض ہو کر عقل کو ہی چھوڑ دیں اور اپنی موت کے سامان خود کرنے لگیں۔ پس مڈلٹن رپورٹ کی غلطی کا یہ نتیجہ نہیں نکلنا چاہئے کہ ہم ہندو حکام کے ہاتھ میں کھیلنے لگیں۔ ان باتوں میں آنے والے لوگوں کو چاہئے۔ کہ ان وسوسوں کے پیدا کرنے والوں سے دریافت کریں کہ فرض کرو کہ مڈلٹن صاحب کوئی رقم کھا گئے ہیں (جسے میں تسلیم نہیں کرتا) تو یہ بتاؤ وہ رقم کس نے کھلائی ہے۔ اور کس غرض سے؟ اگر ہندو حکام نے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے تو اس جھوٹ کو تسلیم کر کے بھی تو اصل دشمن وہی رشوت کھلانے والے ثابت ہوتے ہیں۔

دوسرے لوگ جو اس وقت مایوسی پیدا کر رہے ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو اس امر سے ڈرتے ہیں کہ کہیں دوسری مسلمان ریاستوں میں شورش نہ پیدا کی جائے یہ لوگ بھی سخت غلطی پر ہیں۔ اول تو کشمیر

اور مسلمان ریاستوں کے حالات یکساں نہیں دوسرے یہ بھی غلط ہے کہ ہندو مسلمانوں کے کشمیر کے معاملات میں دلچسپی لینے کی وجہ سے مسلمان ریاستوں کے خلاف شورش کریں گے وہ پہلے سے یہ کام کر رہے ہیں۔ مسلمان کشمیر کے متعلق دلچسپی لیں یا نہ لیں انہوں نے مسلم ریاستوں میں بغیر وجہ کے بھی ضرور شورش پیدا کرنی ہے۔ پس ہمیں ان لوگوں کی باتوں میں نہیں آنا چاہئے۔ اور استقلال سے کشمیر کی آزادی کے لئے کوشش کرتے رہنا چاہئے۔ اور ایک سبب پر توکل نہیں کرنا چاہئے ہر جائز وسیلہ جس سے کام کے ہونے کی امید ہو ہمیں اختیار کرنا چاہئے۔ اور اگر کسی کوشش کا نتیجہ حسب دلخواہ نہ نکلے تو ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ اس وقت سب سے بڑا آلہ آزادی کا سول نافرمانی سمجھا جاتا ہے پھر کیا یہ آلہ گزشتہ آٹھ سال میں کامیاب ہو گیا؟ اگر وہ آٹھ سال میں کامیاب نہیں ہوا۔ تو ہم نو ماہ میں اپنی کوششوں سے کیوں مایوس ہوں۔

یاد رکھیں کہ خدا تعالیٰ نے خود ہی ہمارے لئے ایک راستہ مقرر کر چھوڑا ہے۔ اور ہمیں درمیانی روکوں کی وجہ سے اس سے ادھر ادھر نہیں ہونا چاہئے۔ اور وہ توکل اور تبلیغ ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل پر یقین رکھنا اور انسانی فطرت پر یقین رکھنا کہ وہ زیادہ دیر تک دلیل کا مقابلہ نہیں کر سکتی یہی اصل کامیابیوں کی جڑ ہے۔ اور یہی کمزوروں کا حربہ ہے۔ جس سے وہ بغیر فوجوں کے جیت جاتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کو دیکھ لو۔ آپ باوجود انتہائی کوشش کر چکنے کے اپنے مخالفوں سے ناامید نہیں ہوئے کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر بھی یقین تھا اور آپ اس امر پر بھی یقین رکھتے تھے کہ انسانی فطرت زیادہ دیر تک معقولیت سے آنکھیں بند نہیں کر سکتی۔ آخر ایک دن وہی لوگ جو آپ کے دشمن تھے۔ آپ کے تابع فرمان ہو گئے۔ پس ہمارے آقا کا اسوہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ ہمیں کسی اور کی نقل کی ضرورت نہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ایک طرف ہر مسلمان کے دل میں خواہ وہ کشمیر کا ہو یا باہر کا کشمیر کے مسئلہ سے دلچسپی پیدا کریں۔ اور دوسری طرف ریاست کے حکام کو بھی اور انگریزوں کو بھی اپنے دعاوی کی معقولیت کا قائل کریں اور یہ نہ شبہ کریں کہ یہ لوگ ہماری بات نہیں مانیں گے۔ کیونکہ جب ہم اپنی طاقت پر خود شک کرنے لگ جائیں۔ تو ہماری بات کا دوسروں پر بھی اثر نہیں ہوتا ہمیں چاہئے کہ یقین رکھیں کہ ضرور ہماری بات اثر کرے گی۔ دیکھو مسمریزم کرنے والا ایک جاگتے شخص کو کہنے لگتا ہے کہ تم سو گئے تم سو گئے اور وہ سو جاتا ہے۔ پھر وہ اس سے جو کچھ چاہتا ہے منوالیتا ہے اگر وہ دوسرے سے جھوٹ منوالیتا ہے تو کیا ہم سچ نہ منوا سکیں گے؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ضرور ہے کہ ایک دن یا ریاست کے حکام ہماری بات مان لیں اور مسلمانوں کے حق دے دیں اور یا انگریز ہی ہماری بات مان لیں۔ اور ہمارے حق دلا دیں۔ اسی طرح اگر ہم ریاست اور اس کے باہر مسلمانوں کو بیدار

کرتے رہیں۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ دوسرے لوگ ہم سے مرعوب ہوں گے کیونکہ بیدار قوم کو کوئی نہیں دبا سکتا۔ غرض اگر دوسرے لوگ دیکھیں گے کہ کشمیر کے مسلمان اور دوسرے مسلمان اس امر پر تل گئے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے ان کے جائز حق حاصل کریں۔ تو جو لوگ دلیل سے ماننے والے نہیں وہ رعب سے مان لیں گے مگر رعب دھمکیوں سے اور مارنے سے نہیں پیدا ہوتا۔ بلکہ پختہ ارادہ اور اپنے کام کے لئے مستقل قربانی کے لئے تیار ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے مجھے یقین ہے کہ اگر یہ باتیں اہل کشمیر پیدا کر لیں تو نہ ریاست ان کے حق کو دبا سکتی ہے نہ انگریز اس میں اس کی مدد کر سکتے ہیں۔ کوئی حکومت اپنے سب ملک کو تباہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتی۔ اور کوئی توپ پختہ ارادہ کو زیر نہیں کر سکتی۔ پس ہمارا راستہ کھلا ہے اندرونی تنظیم اور اپنے معاملہ کو بار بار دلیل کے ساتھ پبلک میں لانا ان دونوں تدبیروں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور اثر کرے گی۔ یا تنظیم رعب پیدا کرے گی یا دلیل دل کو صاف کر دے گی۔ خواہ ریاست کے حکام کے دلوں کو خواہ انگریزوں کے دلوں کو۔ اور جس طرف سے بھی ہمیں حق مل جائے ہم اسے خوشی سے قبول کریں گے اور نہ ریاست سے گفتگو کا دروازہ بند کریں گے۔ نہ انگریزوں سے جو بھی ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا اس کی طرف ہم بھی دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے۔ اگر آج ریاست ہمارے بھائیوں کے حقوق دینے کو تیار ہو جائے تو ہم اس کے ساتھ مل کر انگریزوں سے کہیں گے کہ ہم لوگوں کی صلح ہو گئی ہے اب آپ لوگ یہاں سے تشریف لے جائیے۔ اور اگر انگریزوں کی معرفت ہمیں حق ملے گا تو ہم کہیں گے کہ ہمارے وطنی بھائیوں سے یہ غیر اچھے ہیں۔ جنہوں نے انصاف سے کام لیا۔ یہی اور صرف یہی عقلمندی کا طریق ہے۔ اور جو شخص غصہ میں اور درمیانی مشکلات سے ڈر کر اپنے لئے خود ایک دروازہ کو بند کر لیتا ہے وہ نادان ہے اور قوم کا دشمن ہے آج ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا حق ریاست سے ملے گا یا انگریزوں سے اور دلیل سے ملے گا یا قربانی کے رعب سے۔ پس ہم دونوں دروازوں کو کھلا رکھیں گے اور دونوں طریق کو اختیار کئے رہیں گے۔ یعنی انگریزوں اور ریاست دونوں سے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھیں گے اسی طرح علاوہ دلیل کے اپنی تنظیم کو مضبوط کرتے چلے جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے علم میں جس طرح ہماری کامیابی مقدر ہے۔ اسے قبول کر لیں گے۔ اور اس کی قضا پر خوش ہو جائیں گے۔

میں امید کرتا ہوں کہ میں نے حقیقت کو خوب واضح کر دیا ہے اور بیدار مغز اہل کشمیر مایوسی پیدا کرنے والے لوگوں کی باتوں میں نہیں آئیں گے۔ بلکہ ہمت اور استقلال سے اپنے کام میں مشغول رہیں گے۔ اور یہ سمجھ لیں گے کہ مڈلٹن رپورٹ ہماری قسمت کا فیصلہ نہیں وہ فیصلہ ہمارے مولا نے کرنا ہے۔ اور وہ ضرور اچھا ہی فیصلہ کرے گا۔ مڈلٹن کمیشن مختلف سامانوں میں سے ایک سامان تھا۔ اگر فی

الواقع وہ سامان مفید بھی ثابت نہیں ہوا (گو میرے نزدیک یہ فیصلہ بھی مفید ہو گا۔ اور بوجہ اپنے کھلے ہوئے تعصب کے شریف طبقہ کو اور بھی ہمارا ہمدرد بنادے گا) تو ہمیں نہ مایوسی کی کوئی وجہ ہے اور نہ اپنا طریق عمل بدلنے کی ہمارا اصل پروگرام اسی طرح قائم ہے اور ہم اس کے ذریعہ سے کامیاب ہونے کی کامل امید رکھتے ہیں۔ لیکن ہتھیلی پر سرسوں جماکر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق اور سچی قربانیوں اور تنظیم اور دلیل کے ذریعہ سے۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

خاکسار

میرزا محمود احمد

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

اہل کشمیر کے نام چوتھا خط (سلسلہ دوم)

برادران! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ:

میں نے اس امر کو دیکھ کر کہ حکام کشمیر بغیر اس امر کا خیال کئے کہ میرے خطوط ان کے فائدے کے ہیں یا نقصان کے خطوط کو ضبط کرتے رہے ہیں آئندہ خط لکھنے میں وقفہ ڈال دیا تھا لیکن جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے میں آپ لوگوں کے کام کے لئے دہلی گیا تھا۔ اور جموں بھی مناسب کوشش کرتا رہا ہوں سو الحمدللہ کہ سر راجہ ہری کشن کول صاحب تو ریاست کو چھوڑ گئے ہیں اور نیا انتظام امید ہے کہ مسلمانوں کے حق میں مفید ہو گا گو میرے نزدیک آدمیوں کی تبدیلی نہیں بلکہ قانون اور نیت کی تبدیلی سے رعایا کو فائدہ پہنچ سکتا ہے آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے جو کچھ کوششیں کی ہیں۔ اس کے نتیجہ میں مجھے امید ہے کہ بہت جلد اہل کشمیر کی اکثر تکالیف دور ہو جائیں گی۔ اور ان کی آئندہ ترقی کا سامان پیدا ہو جائے گا۔ یہ کس رنگ میں ہو گا اور کب ہو گا۔ اس سوال کا جواب دینے سے میں ابھی معذور ہوں ہاں...... آپ لوگ تسلی رکھیں کہ انشاء اللہ ایک ماہ یا اس کے قریب عرصہ میں ایسے امور ظاہر ہوں گے جو آپ لوگوں کے لئے خوشی کا موجب ہوں گے۔ اور آپ گزشتہ تکالیف کو بھول جائیں گے لیکن اصل کام اسی وقت سے شروع ہو گا۔ کیونکہ حق کا ملنا اور اس سے فائدہ اٹھانا الگ الگ امور ہیں اگر ریاست کشمیر کے مسلمانوں نے حقوق سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کی تو سب قربانی ضائع جائے گی۔

آپ لوگوں کو گزشتہ ایام میں سخت تکالیف کا سامنا ہوا ہے اور اب تک ہو رہا ہے۔ لیکن یہ امر آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ بڑے کاموں کے لئے بڑی قربانی کی ضرورت ہوتی ہے اگر میرا علم صحیح ہے اور آپ لوگوں کو جلد بہت سے حقوق ملنے والے ہیں۔ تو یہ کامیابی آپ کی ایسی ہوگی کہ اس کی نظیر ہندوستان میں اور کہیں نہیں ملتی۔ اور کامیابی کے مقابلہ میں تکالیف بہت کم رہ جائیں گی۔

مجھے افسوس ہے کہ پوری طرح میرے منشاء کے مطابق کام نہیں ہوا۔ ورنہ مجھے یقین ہے کہ اس قدر تکالیف بھی نہ ہوتیں۔ لیکن آپ لوگوں کو چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ حقوق دلاوے تو سب گزشتہ ظلموں کو بھول کر آئندہ ترقی کے سامان پیدا کرنے میں لگ جائیں۔ ورنہ اگر اس وقت گزشتہ بدلے لینے کی طرف آپ متوجہ ہوئے تو بدلہ تو نہ معلوم آپ لے سکیں یا نہ لے سکیں حقوق سے فائدہ اٹھانے سے آپ لوگ محروم رہ جائیں گے یاد رکھیں کہ مسلمان نہایت وسیع الحوصلہ ہوتا ہے۔

میں انشاء اللہ جس وقت خدا تعالیٰ نے آپ لوگوں کو کامیاب کیا۔ ایک ایسا پروگرام آپ لوگوں کے سامنے اور آپ کے ہندوستان کے خیر خواہوں کے سامنے رکھوں گا۔ جس پر چل کر مجھے امید ہے کہ آپ لوگ اپنے حقوق سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں گے۔ اور اپنی ہمسایہ قوموں سے بھی آپ کے تعلقات خوشگوار رہیں گے۔

میں اپنی طرف سے بھی یہ وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ ہر ممکن امداد آپ کی آئندہ ترقی کے لئے دیتا رہوں گا۔ **وما توفیقی الا باللہ۔**

والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

اہل جموں و کشمیر کی طرف میرا پانچواں خط (سلسلہ دوم)

برادران! میرے گزشتہ خط کے بعد بعض حالات میرے علم میں ایسے آئے ہیں کہ جن کی وجہ سے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ بعض امور کی تشریح جس قدر جلد ہو سکے کردوں۔

پہلی بات یہ ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جموں میں یہ بات مشہور کی جا رہی ہے کہ سر ظفر علی خان صاحب کو میں نے کوشش کر کے نکلوایا ہے اور میری غرض یہ ہے کہ چودھری ظفراللہ خان صاحب کو ان کی جگہ وزیر مقرر کرواؤں مجھے افسوس سے یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض ذمہ دار لیڈروں نے بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے اور عوام الناس میں بھی اس بات کا چرچا ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ جس اخلاص اور محبت سے میں نے اہل کشمیر کا کام کیا تھا اس کے بعد اس قسم کی بدظنیاں پیدا نہ ہو سکیں گی۔ لیکن افسوس کہ میرا یہ خیال غلط نکلا۔ اگر محض اختلاف رائے ہوتا تو میں بالکل پرواہ نہ کرتا۔ لیکن اس الزام میں میری نیت اور دیانت پر چونکہ حملہ کیا گیا ہے میں اس کا جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں لیکن پھر بھی نام نہ لوں گا تاکہ دوسروں کی بدنامی کا موجب نہ ہو۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ سر ظفر علی صاحب کے کشمیر پہنچنے کے معاً بعد بعض نمائندگان کشمیر نے مجھے ایسے واقعات لکھے جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ سر ظفر علی صاحب مسلمانوں سے اچھا سلوک نہیں کرتے اور ایک واقعہ میرواعظ یوسف شاہ صاحب کے ساتھ ان کے سلوک کا خاص طور پر بیان کیا گیا تھا اس پر میں نے ولایت تار دیئے اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ممبروں اور ہمدردوں نے وہاں کوشش کی اور بعض ذمہ دار حکام نے بتایا کہ احرار کی تحریک کے کمزور ہوتے ہی سر ہری کشن کول اور مرزا سر ظفر علی صاحب کو کشمیر سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ یہ غالباً اکتوبر کا واقعہ ہے اس واقعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ ان کے اخراج کی تحریک خود کشمیر سے ہوئی۔ اور اکتوبر میں اس کا فیصلہ بھی درحقیقت ہو چکا تھا۔ گو خاص حالات کی وجہ سے اس پر عمل بعد میں ہوا۔ پس اس کا الزام مجھ پر لگانا درست نہیں۔

باقی رہا یہ الزام کہ میں نے یہ کوشش عزیز مکرم چودھری ظفراللہ خان صاحب کو وزیر بنانے کے لئے کی ہے اس کا جواب میں یہی دے سکتا ہوں کہ چودھری ظفراللہ خان صاحب کا میرے دل میں بہت احترام ہے لیکن مجھے یہ معلوم بھی ہو جائے کہ وہ کشمیر کی وزارت کی خواہش رکھتے ہیں تو میری رائے ان کی نسبت بدل جائے کیونکہ میں ان کو اس سے بہت بڑے کاموں کا اہل سمجھتا ہوں پس اس وجہ سے اس عہدہ کو ان کی ترقی کا نہیں بلکہ ان کے تنزل کا موجب سمجھوں گا۔ علاوہ ازیں کشمیر کے وزیر کی تنخواہ غالباً تین ہزار کے قریب ہے لیکن چودھری ظفراللہ خان صاحب اس وقت بھی چار اور پانچ ہزار کے درمیان حکومت ہند سے وصول کر رہے ہیں۔ پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ زیادہ آمد والے کام سے ہٹا کر میں انہیں ایک تھوڑی تنخواہ والے کام پر لگنے کا مشورہ دوں خصوصاً جبکہ اس میں کوئی مزید ترقی اور مزید عزت کا بھی سوال نہیں۔ پس جن لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے ان کی عقل ویسی ہی ہے جیسی کہ اس فقیر کی جس نے ایک ڈپٹی کو خوش ہو کر دعا دی تھی کہ خدا تعالیٰ تجھے تھانہ دار بنائے۔ کاش وہ بدظنی

کر کے گنہگار نہ بنتے اور سمجھ سے کام لیتے اور سوچتے کہ عزیزم ظفراللہ خان صاحب وزارت کشمیر سے زیادہ اہم کام کر رہے ہیں۔ اور اس سے بہت زیادہ ترقی کے سامان ان کے لئے خدا تعالیٰ کے محض فضل سے میسر ہیں۔

دوسرا اعتراض مجھ پر یہ کیا گیا ہے کہ میں نے کوشش کر کے انگریزوں کو ریاست میں داخل کیا ہے...... انگریزوں کے داخلہ کا واقعہ بھی اس طرح ہے کہ جب کشمیر میں شورش زیادہ ہوئی اور مجھے یہ آوازیں آنی شروع ہوئیں کہ انگریز کشمیر میں گھس جائیں تو اچھا ہے تو میں نے اپنے ہاتھ سے ایک خط شیخ عبداللہ صاحب ایم۔ ایس۔ سی لیڈر کشمیر کو لکھا اور رجسٹری کر کے بھیجا۔ کہ انگریز افسروں کا آنا مفید نہیں مضر ہو گا۔ اس لئے آپ لوگ اس قسم کا مطالبہ ہرگز نہ کریں۔ اور یہی خیال میرا شروع سے ہے کیونکہ گو انگریز افسر بالعموم انصاف اور قواعد کی پابندی میں بہت سے ہندوستانیوں سے بڑھ کر ہوتا ہے لیکن انگریز انگریزی حکومت میں ہی مفید ہوتا ہے ریاستوں میں نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انگریزوں میں بوجہ ان کی اپنے قومی کیریکٹر کے اعلیٰ ہونے کے یہ نقص ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کی بات کو زیادہ مانتے ہیں انگریزی علاقہ میں یہ بات چنداں مضر نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہاں انگریزی طریق ایک عرصہ سے جاری ہے۔ اور نگرانی اس شدت سے ہوتی ہے کہ دیسی افسروں کو بھی قواعد کی پابندی اور محکمانہ دیانت کی عادت ہو گئی ہے ریاستوں میں یہ بات نہیں ہوتی پس وہاں کے جھوٹ سے جب انگریز کا اعتماد ملتا ہے تو بجائے ملک کو نفع پہنچنے کے نقصان پہنچتا ہے انگریز اسی وقت مفید ہوتے ہیں جب سب نظام انگریزی ہو اس نظام میں ان کی عادات بالکل پیوست ہو جاتی ہیں اور کام اچھا چلنے لگتا ہے پس اس خطرہ کی وجہ سے میرا ہمیشہ یہ خیال ہے کہ انگریزوں کے کشمیر میں چلے جانے پر ہندو افسر زیادہ ظلم کر سکیں گے کیونکہ وہ ظلم کر کے جھوٹی رپورٹ دیں گے اور انگریز افسر کو اگر دھوکہ لگ گیا۔ اور اس جھوٹ پر اس کے سامنے پردہ پڑ گیا تو حکومت ہند اس انگریز افسر کے مقابلہ میں کسی اور کی بات نہیں سنے گی۔ کیونکہ وہ سمجھے گی کہ ایک غیر جانبدار آدمی کا بیان زیادہ قابل اعتماد ہے اور اس سے ہمارے کام کو نقصان پہنچے گا یہ میرا خطرہ اب صحیح ثابت ہو رہا ہے چنانچہ مسلمانوں کی آواز حکومت ہند میں پہلی سی موثر نہیں رہی اور آئندہ کامیابی کے لئے ہمیں بہت زیادہ عقل اور بہت زیادہ علم اور آہستگی کی ضرورت ہے۔ غرض شیخ عبداللہ صاحب کے نام میرا خط اس امر کا شاہد ہے کہ انگریزوں کے لانے کی مجھے کوئی خواہش نہ تھی......

دوسری بات میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ بعض لوگوں نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ میں نے جو یہ اعلان کیا ہے کہ ایک دو ماہ میں کشمیر کے متعلق کوئی ایسا فیصلہ ہو جائے گا جو مسلمانوں کے حق میں مفید ہو گا یہ

فیصلہ کیا ہے اور کس حد تک مسلمانوں کے لئے مفید ہے میں ان دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے جو علم ہوا ہے وہ پانچ ذرائع سے ہے اور وہ سب ہی مخفی ہیں پس میں تفصیلات نہیں بتا سکتا۔ ہاں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ انشاء اللہ مسلمانوں کی حالت پہلے سے اچھی ہو جائے گی باقی سیاسی جدوجہد ایسی ہی ہوتی ہے کہ آج ایک طاقت کو انسان حاصل کرتا ہے کل دوسرا اقدام اٹھاتا ہے اہل کشمیر دوسری ریاستوں سے غیر معمولی طور پر آگے قدم نہیں اٹھا سکتے۔ ریاستوں کی آزادی ہندوستان کی طرح تدریجی ہو گی۔ لیکن ہوگی ضرور یہ ناممکن ہے کہ ریاستیں اب بھی پرانی چال پر چلتی جائیں زمانہ انہیں مجبور کر رہا ہے اور کرتا چلا جائے گا۔ پس یہ خیال غلط ہے کہ سب کچھ ایک وقت میں حاصل ہو جائے۔ جس طرح یہ خیال بھی غلط ہے کہ ریاستیں اپنی پرانی حالت پر قائم رہ سکیں گی۔

تیسری بات میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ گو آئینی کمیشن کی ترکیب قابل اعتراض ہے اس میں نہ مسلمانوں کی کافی تعداد ہے اور نہ مسلمانوں سے مشورہ کر کے ممبر مقرر کئے گئے ہیں پس یہ تو ہمارا فرض تھا کہ اس کے خلاف پروٹسٹ کریں لیکن پروٹسٹ کرنے کے بعد میرے نزدیک اس کا بائیکاٹ مسلمانوں کے لئے مفید نہیں اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ مسلمانوں کا پہلو کمزور ہو جائے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسمبلی کسی نہ کسی شکل میں دینے کا فیصلہ مہاراجہ صاحب کر چکے ہیں۔ اب سوال صرف تفصیلات کا ہے پس اگر مسلمان شامل نہ ہوئے تو کام تو رکے گا نہیں صرف نتیجہ یہ ہو گا کہ مسلمانوں کا مشورہ کمزور ہو گا۔ جو نقصان دہ ہو گا۔ گو میری رائے تو یہی ہے کہ پروٹسٹ کر کے اس میں مسلمان ممبر حصہ لیں۔ اور کوشش کریں کہ بہتر سے بہتر صورت اسمبلی کی بن سکے۔ کیونکہ گو اصول میرے نزدیک پہلے سے طے شدہ ہیں۔ اور اس پر کمیشن کا کوئی اثر نہیں ہو گا لیکن چھوٹی چھوٹی باتیں بھی اچھی باتوں کو زیادہ اچھا بنا دیتی ہیں یا اور خراب کر دیتی ہیں۔ پس اس موقعہ سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ جب ہم نے پروٹسٹ کر دیا تو دنیا پر یہ ظاہر ہو گیا کہ ہم اس بے انصافی کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہماری شمولیت قطعاً غلط فہمی نہیں پیدا کر سکتی کیونکہ سیاسی امور میں اس قسم کی شمولیت ہوتی ہی رہتی ہے اور لوگ اس کی حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں پس جو فائدہ آپ لوگ اس وقت اٹھا سکتے ہیں کمیشن میں شامل ہو کر اٹھا لیں جو نقص رہ جائے گا اسے انشاء اللہ آئندہ درست کرنے کی کوشش ہوتی رہے گی۔ اور ابھی تو اہل کشمیر کے سامنے اپنی تعلیم اور تربیت کا اس قدر کام ہے جو کئی سال تک ان کی توجہ کو اپنی طرف لئے رہے گا۔

چوتھی بات میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ کئی ہزار آدمی علاقہ کھڑی سے مقامی حکام کے ظلموں سے تنگ آکر جہلم میں آگئے ہیں۔ مجھے ان مصیبت زدوں سے ہمدردی ہے لیکن

میرے نزدیک فوراً نکل آنے کی بجائے بہتر ہو تا کہ پہلے ہم لوگوں کو کوشش کرنے دی جاتی۔ اب بھی میں ان بھائیوں کو یہی نصیحت کروں گا کہ وہ اس اپنے علاقہ میں چلے جائیں اور ہمیں اپنی بہتری کے لئے کوشش کرنے دیں اگر ہم سے کچھ نہ ہو سکا تو ہم خود ان سے کہہ دیں گے کہ اب آپ لوگوں کے لئے ملک چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ مگر پوری کوشش کئے بغیر اور حکومت کو اصلاح کا موقع دینے سے پہلے نکلنا زیادہ مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔

میں ایک دفعہ پھر برادران ریاست کشمیر کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے دوسرے ممبران کے پورے خیر خواہ ہیں اور انشاء اللہ جہاں تک ان کی طاقت میں ہے۔ وہ اس کام کو معقول اصول پر جاری رکھیں گے اور نہ میں اور نہ کوئی اور ممبر انشاء اللہ اس قسم کے اعتراضات سے بددل ہو گا۔ کیونکہ اگر ہم ایسا کریں تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ ہم میں سچا قومی درد نہیں۔ ہم انشاء اللہ آپ لوگوں کی تکلیفوں کو دور کرنے میں پوری سعی کریں گے اور کر رہے ہیں۔ چار تاریخ کو کمیٹی کی طرف سے ایک وفد ہز ایکسی لنسی وائسرائے کی خدمت میں کشمیر کے متعلق پیش ہونے والا ہے۔ وکلاء کے لئے بھی ہم اجازت طلب کر رہے ہیں اور جس حد تک ممکن ہو گا ہم لوگ انشاء اللہ ریلیف کا کام بھی کریں گے۔ ہاں آپ لوگوں سے ہم یہ خواہش ضرور رکھتے ہیں کہ ہمارے تجربہ سے جہاں تک ہو سکے فائدہ اٹھائیں اور ایسے رنگ میں کام کریں کہ غریبوں اور کمزوروں کا نقصان نہ ہو اور ملک تباہ نہ ہو بلکہ ترقی کرے۔

خاکسار مرزا محمود احمد

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

مسلمانان ریاست جموں و کشمیر کے نام میرا چھٹا خط (سلسلہ دوم)

برادران! میں اپنے پچھلے خط میں لکھ چکا ہوں کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی آپ لوگوں کی تکالیف کے متعلق پوری کوشش کر رہی ہے اور میں نے یہ ذکر بھی کیا تھا کہ ایک وفد چار تاریخ کو جناب وائسرائے صاحب کی خدمت میں پیش ہونے والا ہے جو آپ لوگوں کی تکالیف کے متعلق آپ سے تفصیلی گفتگو

کرے گا۔ یہ وفد چار تاریخ کو پیش ہوا۔ اور اس کے ممبر مندرجہ ذیل اصحاب تھے۔

(۱) نواب عبدالحفیظ صاحب ڈھاکہ (۲) خواجہ حسن نظامی صاحب (۳) مولانا شفیع داؤدی صاحب (۴) نواب صاحب کنجپورہ (۵) سید مسعود احمد شاہ صاحب بہار (۶) اے۔ ایچ غزنوی صاحب بنگال (۷) سید محسن شاہ صاحب (۸) خان بہادر رحیم بخش صاحب (۹) ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب لاہور (۱۰) سید حبیب صاحب (۱۱) ڈاکٹر شفاعت احمد صاحب یو۔ پی (۱۲) شیخ فضل حق صاحب بھیرہ (۱۳) کپتان شیر محمد صاحب دو میلی (۱۴) چودھری ظفراللہ خان صاحب (۱۵) مولوی عبدالرحیم صاحب درد۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کسی مجبوری کی وجہ سے وفد میں شامل نہ ہو سکے۔ وفد نے جو ایڈریس حضور وائسرائے کی خدمت میں پیش کیا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"کشمیر کی ریاست میں ایک لمبے عرصہ سے عملاً ہندوؤں کو ہی حکومت میں حصہ دیا جاتا ہے مسلمان بہت کم اور النادر کالمعدوم کی حیثیت میں ہیں۔ حالانکہ ان کی آبادی ستانوے فی صدی ہے نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو انتظامی اور قانونی دونوں شکنجوں میں اس طرح کس دیا گیا ہے کہ وہ ترقی نہیں کر سکتے۔ ایک لمبے عرصہ تک صبر کرنے کے بعد اب مسلمانوں میں بیداری پیدا ہوئی ہے اور انہوں نے بالکل جائز طور پر اپنے حقوق کا مطالبہ شروع کیا ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ حکومت ہند اس بارہ میں ان کی امداد کرے گی۔

اسی غرض کے پورا کرنے کے لئے جو کمیشن مقرر کیا گیا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس میں مسلمانوں کی نہ تو صحیح نمائندگی ہے اور نہ کافی نمائندگی ہے۔ اس کا تدارک ہونا چاہئے۔ مگر صرف اسی قدر اصلاح سے کام نہیں چلے گا چاہئے کہ کشمیر کے مسلم لیڈروں کو آزاد کر کے اس مشورہ میں شریک کیا جائے اور دوسرے سیاسی قیدیوں کو بھی رہا کر کے فضاء صاف کی جائے۔

موجودہ فسادات میں جو مقدمات چلائے جا رہے ہیں اس پر مسلمانوں میں بے چینی ہے ریاست کے افسر جن پر خود الزام ہے آزاد تحقیقات نہیں کر سکتے۔ اس لئے ریاست کے باہر سے قابل اعتماد جج بلوا کر مقدمات ان کے سامنے پیش کرنے چاہئیں۔

ہمیں مختلف ذرائع سے رپورٹیں ملی ہیں کہ بعض حکام نے سخت مظالم کئے ہیں اور فسادات کو اپنے بغض نکالنے کا ذریعہ بنا لیا ہے اور اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا ہے کہ کھڑی کے علاقہ سے ہزاروں آدمی نکل کر انگریزی علاقہ میں چلے آئے ہیں اس کا علاج ہونا چاہئے۔ جس کے لئے ہم یہ تجویز کرتے ہیں کہ فوراً وہاں سے ان افسروں کو جن کے خلاف مسلمانوں کو شکایت ہے تبدیل کر دیا جائے اور ایک آزاد تحقیقات ان کے افعال کے متعلق کرائی جائے اس بارہ میں خصوصیت سے کشمیر، کوٹلی، راجوری اور

تحصیل مینڈر پونچھ کے افسر قابل ذکر ہیں۔ ہم درخواست کرتے ہیں کہ کشمیر میں ہمیشہ سردیوں میں مسلمان گورنر اور مسلمان یا انگریز افسر پولیس رہنا چاہئے۔

مہاراجہ صاحب کی وزارت میں کم سے کم دو مسلمان وزراء جن پر مسلمانوں کو اعتبار ہو۔ ہونے چاہئیں۔ مسلمان موجودہ مسلمان وزیر کے خلاف سخت مشتعل ہیں کیونکہ وہ ہرگز مسلمانوں کے فوائد کی حفاظت نہیں کر سکتے۔

موجودہ فسادات کے متعلق جو مقدمات ہیں ان میں سے باہر سے مسلمان وکیلوں کو پیش ہونے کی اجازت ہونی چاہئے اور ان سے بائیس روپیہ کی خاص فیس نہیں لینی چاہئے۔ اس بارہ میں چیف جسٹس صاحب کشمیر نے سفارش کی ہے اور حکومت ہند کی سفارش مزید سہولت پیدا کر سکتی ہے۔

کشمیر میں قیدیوں کے ساتھ سلوک اچھا نہیں ہوتا اس کی اصلاح کی جائے اور آئندہ کے لئے ہر قوم میں سے کچھ معتمد علیہ غیر سرکاری آدمی مقرر کئے جائیں۔ جو جیل خانوں کا معائنہ کیا کریں۔ تاکہ اگر کوئی ظلم ہو رہا ہو تو اس کا علم ہو جائے۔ ہم یہ درخواست کرتے ہیں کہ آزاد تحقیقات جیل خانوں کے انتظام کے متعلق کروائی جائے اور قانون جیل خانہ کی بھی اصلاح کی جائے اور خوراک وغیرہ کا انتظام بھی بہتر کیا جائے۔

یہ ایڈریس چار تاریخ کو حضور وائسرائے کے پیش ہوا اور تمام ممبران کے اتفاق سے چوہدری ظفراللہ خان صاحب گفتگو کے لئے مقرر ہوئے ایک گھنٹہ تک وائسرائے صاحب سے جن کے ساتھ وزیر ریاست اور پرائیویٹ سیکرٹری بھی تھے گفتگو ہوئی۔ اور علاوہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب کے مناسب موقعوں پر دوسرے ممبران وفد نے بھی حضور وائسرائے کو مسلمانوں کی تکالیف اور صورت حالات سے آگاہ کیا۔

میرے پاس گفتگو کی تفصیلات آچکی ہیں لیکن چونکہ ایسی گفتگو پرائیویٹ سمجھی جاتی ہے میں اسے شائع نہیں کر سکتا۔ مگر اس قدر بتا دینا چاہتا ہوں کہ سب گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ حکومت ہند اور ریاست دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ اصلاح کی کافی گنجائش ہے اور دونوں آمادہ ہیں کہ اصلاح کی جائے تجاویز پر غور ہو رہا ہے اور امید ہے کہ جلد ترتیب وار مختلف تکالیف کا ازالہ شروع ہو جائے گا۔

پس ان حالات میں میں یہ دو نصیحتیں کروں گا۔ اول یہ کہ جس جس جگہ کوئی غیر آئینی کارروائی ہو رہی ہو اسے ترک کر دینا چاہئے۔ تاکہ اس پروگرام کے پورا کرنے میں روک پیدا نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم آئینی جدوجہد چھوڑ دیں آئینی کوششوں کو بہ سہولت اور پرامن ذرائع سے برابر جاری رکھنا چاہئے۔ یہاں تک کہ شیخ محمد عبداللہ صاحب' قاضی گوہر رحمٰن صاحب' مفتی جلال

الدین صاحب اور دوسرے قومی لیڈر اور قومی کارکن آزاد ہو کر ملک کی رہنمائی کر سکیں۔ جن لوگوں نے خود تکلیف اٹھا کر اپنی قوم کو بیدار کیا ہے خواہ وہ قید میں ہیں یا آزاد ہم ان کی قربانیوں کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔

ایک خوشخبری میں اور دیتا ہوں کہ اس وقت سب سے زیادہ تکلیف لوگوں کو مقدمات کی تھی کیونکہ باہر سے وکیل آنے کی اجازت نہ تھی۔ اور ریاستی وکلاء میں مسلمان بہت کم تھے اور ان میں سے تجربہ کار اور بھی کم تھے۔ میں نے چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹر برادر خورد چوہدری ظفراللہ خان صاحب بیرسٹر کو اس کام کے لئے جموں بھجوایا تھا۔ جنہوں نے آنریبل مسٹر دلال چیف جسٹس ریاست جموں و کشمیر سے گفتگو کی اور چیف جسٹس صاحب نے اجازت کی ضرورت کو تسلیم کر کے حکومت کے پاس اس قید کے اڑانے کی سفارش کی مہاراجہ صاحب نے عنایت فرما کر پہلے قانون میں تبدیلی کر دی ہے اور اب چیف جسٹس صاحب کی اجازت سے باہر کے وکلاء بغیر کسی خاص فیس ادا کرنے کے مقدمات میں پیش ہو سکیں گے اس سے امید ہے کہ وہ بے اطمینانی جو پیدا ہو رہی تھی دور ہو جائے گی۔ اور لوگوں کو ان الزامات کے دور کرنے کا کافی موقع مل جائے گا۔ جو بعض متعصب افسروں نے بلاوجہ ان پر لگا دیئے ہیں اور میں یقین دلاتا ہوں...... کہ اس غرض کے لئے قومی درد رکھنے والے وکلاء انشاء اللہ میسر آجائیں گے۔

میں امید کرتا ہوں کہ جلد بعض دوسری تکالیف کا بھی ازالہ ہو جائے گا۔ اور آپ لوگوں کو آرام کا سانس لینا میسر ہو گا۔ خدا کرے کہ میری یہ امید ٹھیک ہو۔

والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

مسلمانان ریاست جموں و کشمیر کے نام میرا ساتواں خط (سلسلہ دوم)

برادران! میں اپنے گزشتہ خطوں میں لکھ چکا ہوں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کے مطالبات کا ایک حصہ پورا ہونے والا ہے۔ چنانچہ اس وقت تک آپ لوگوں کو گلینسی کمیشن کی رپورٹ کا خلاصہ معلوم ہو چکا ہو گا۔ اس رپورٹ کے متعلق میں تفصیلاً لکھنا مناسب نہیں سمجھتا۔ کیونکہ گو مجھے اس کے مضمون سے پہلے سے آگاہی تھی بلکہ اس کے لکھے جانے سے بھی پہلے مجھے اس کے بعض مطالب سے آگاہی تھی۔ لیکن پھر بھی اس کی مطبوعہ شکل میں چونکہ میں نے اسے پوری طرح نہیں پڑھا اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے خاص اجلاس میں بھی اس پر غور نہیں ہوا۔ اس لئے اس پر تفصیلی رائے کا اظہار کرنا ابھی مناسب نہیں ہاں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ گو یہ رپورٹ میری خواہشات کو کلی طور پر پورا کرنے والی نہیں لیکن پھر بھی اس میں کافی مواد ایسا موجود ہے جس پر مسلمانوں کو بھی خوش ہونا چاہئے اور مہاراجہ صاحب بہادر کو بھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنی رعایا کے حقوق کی طرف توجہ کر کے اپنی نیک نفسی کا ثبوت دیا ہے اس طرح اس رپورٹ کے لکھنے پر مسٹر گلینسی بھی خاص مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اور ان کے ساتھ کام کرنے والے نمائندے بھی کہ انہوں نے رعایا کے حقوق ادا کرنے کی سفارشات کی ہیں خواہ وہ مسلمانوں کے مرض کا پورا علاج نہ بھی ہوں میں خصوصیت سے اپنے باہمت نوجوان چوہدری غلام عباس صاحب اور دیرینہ قومی کارکن خواجہ غلام احمد صاحب اشائی کو شکریہ کا مستحق سمجھتا ہوں کہ انہوں نے نہایت محنت اور تکلیف برداشت کر کے مسلمانوں کے نقطہ نگاہ کو پیش کرنے کی کوشش کی چودھری غلام عباس صاحب نے اس نیک کام میں اپنوں اور بیگانوں سے جو برا بھلا سنا ہے میں امید کرتا ہوں کہ ان کے دل پر اس کا کوئی اثر نہیں رہے گا۔ کیونکہ انہوں نے خلوص سے قومی خدمت کی ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی قربانی کو ضائع نہیں کرے گا۔ اگر موجودہ نسل ان کی قربانی کی داد نہ بھی دے تو بھی آئندہ نسلیں انہیں ضرور دعاؤں سے یاد کریں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں امید کرتا ہوں کہ دوسری گلینسی رپورٹ ایک نیا دروازہ سیاسی میدان کا مسلمانوں کے لئے کھول دے گی۔ اور گو وہ بھی یقیناً مسلمانوں کی پوری طور پر دادرسی کرنے والی نہ ہو گی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بھی ان کی زندگی کے نقطہ نگاہ کو بدلنے والی اور آئندہ منزل کی طرف ایک صحیح قدم ہاں مگر ایک چھوٹا قدم ہو گی۔

میں اس وقت نہ تو یہ کہتا ہوں کہ ہمیں ان رپورٹوں پر افسوس کرنا چاہئے کیونکہ ان میں یقیناً اچھے امور ہیں اور ایسی باتیں ہیں کہ اگر انہیں صحیح طور پر استعمال کیا جائے۔ تو یقیناً مسلمان آزادی حاصل کرنے کے قریب ہو جائیں گے اور نہ ہی یہ کہتا ہوں کہ ہمیں خوش ہونا چاہئے۔ کیونکہ ابھی ہمارا بہت سا کام پڑا ہے۔ اور اسے پورا کئے بغیر ہم دم نہیں لے سکتے نیز ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ صرف قانون

سے ہم خوش نہیں ہو سکتے کیونکہ قانون کا غلط استعمال اچھے قانون کو بھی خراب کر دیتا ہے پس دیکھنا یہ ہے کہ ان فیصلہ جات پر مہاراجہ صاحب کی حکومت عمل کس طرح کرتی ہے ہمیں امید ہے کہ اب جبکہ انگریز وزراء آگئے ہیں اور انہوں نے ایک حد تک حقیقت کو بھی سمجھ لیا ہے پہلے کی نسبت اچھی طرح ان اصلاحات پر عمل ہو گا۔ لیکن غیب کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اس لئے جب کہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ہم اس سے عاجزانہ طور پر دعا بھی کرتے ہیں کہ وہ ان رپورٹوں کے اچھے حصوں کو نافذ کرنے کی وزراء اور حکام کو مناسب توفیق بخشے۔ اللھم امین۔

مجھے یقین ہے کہ اگر مجھے صحیح طور پر اس تحریک کی رہنمائی کا موقع ملتا اور بعض امور ایسے پیدا نہ ہو جاتے کہ تفرقہ اور شقاق پیدا ہو جاتا تو نتائج اس سے بھی شاندار ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے آگے کوئی چارہ نہیں اور پھر ہم کہہ بھی کیا سکتے ہیں شاید جو کچھ ہوا اس میں ہمارا نفع ہو کیونکہ علم غیب تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔

مجھے سب سے زیادہ خوشی اس امر کی ہے کہ زمینوں کی ملکیت ریاست سے لے کر زمینداروں کو دے دی گئی ہے اگر سوچا جائے تو یہ کروڑوں روپیہ کا فائدہ ہے اور گو بظاہر یہ صرف ایک اصطلاحی تغیر معلوم ہوتا ہے لیکن چند دنوں کے بعد اس کے عظیم الشان نتائج کو لوگ محسوس کریں گے اور یہ امر کشمیر کی آزادی کی پہلی بنیاد ہے۔ اور اس کی وجہ سے اہل کشمیر پر زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو گا مجھے اس تغیر پر دوہری خوشی ہے کیونکہ اس مطالبہ کا خیال سب سے پہلے میں نے پیدا کیا تھا۔ اور زور دے کر اس کی اہمیت کو منوایا تھا بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ مطالبہ مانا نہیں جا سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے کہ آخر یہ مطالبہ تسلیم کر لیا گیا۔

اسی طرح پریس کی آزادی کے متعلق جدید قوانین کا وعدہ بھی ایک بہت بڑی کامیابی ہے شاملاتوں کی ناواجب تقسیم کا انسداد' اخروٹ کا درخت کاٹنے کی مکمل اور چنار کا مشروط آزادی لکڑی کے مہیا کرنے کے لئے سہولتیں بعض علاقوں میں کاہ چرائی کا ٹیکس معاف ہونا۔ تعلیم اور ملازمتوں میں سہولتیں۔ ہانجیوں کی مشکلات کا ازالہ اور ایسے ہی بہت سے امور ہیں کہ جن میں اصلاح ایک نہایت خوشکن امر ہے اور انشاء اللہ اس سے ریاست کشمیر کی رعایا کو بہت فائدہ پہنچے گا۔

بعض باتیں ابھی باقی ہیں۔ جیسے وزارت کے متعلق فیصلہ۔ انجمنوں اور تقریر کی آزادی۔ مالیہ کو صحیح اصول پر لانا۔ آرڈی نینسوں کو اڑانا۔ اور قیدیوں کی عام آزادی کا اعلان۔ مسلمان ہونے والوں کی جائیدادوں کی ضبطی جن کے متعلق فیصلہ یا نہیں ہوا یا ناقص ہوا ہے یا بالکل خلاف ہوا ہے۔ مجھے ان کا خیال ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ آخر ان امور میں بھی انشاء اللہ ہمیں کامیابی حاصل ہو گی۔

قیدیوں کی آزادی گو سیاسی حقوق سے تعلق نہیں رکھتی۔ لیکن ہر قوم جو زندہ رہنا چاہتی ہو اس کا فرض ہے کہ اپنے لیڈروں اور کارکنوں سے وفاداری کا معاملہ کرے اور اگر قومی کارکن قید رہیں اور لوگ تسلی سے بیٹھ جائیں تو یہ امر یقیناً خطرناک قسم کی بے وفائی ہو گا۔ مسلمانان جموں و کشمیر کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ گو وہ بہت سے ظلموں کے تلے دبے چلے آتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کی حالت یتیموں والی نہ تھی۔ کیونکہ جب تک ان کے لئے جان دینے والے لوگ موجود تھے وہ یتیم نہ تھے لیکن اگر وہ آرام ملنے پر اپنے قومی کارکنوں کو بھول جائیں گے تو یقیناً آئندہ کسی کو ان کے لئے قربانی کرنے کی جرأت نہ ہو گی۔ اور اس وقت وہ یقیناً یتیم ہو جائیں گے پس انہیں اس نکتہ کو یاد رکھنا چاہئے اور ملک کی خاطر قربانی کرنے والوں کے آرام کو اپنے آرام پر مقدم رکھنا چاہئے۔ پس ان کا یہ فرض ہے کہ جب تک مسٹر عبداللہ صاحب' قاضی گوہر الرحمٰن صاحب اور ان کے ساتھی آزاد نہ ہوں۔ وہ چین سے نہ بیٹھیں اور میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس کام میں میں ان کی ہر ممکن امداد کروں گا اور اب بھی اس غرض کے پورا کرنے کے لئے کوشش کر رہا ہوں مشکلات ہیں لیکن مسلمان کو مشکلات سے نہیں ڈرنا چاہئے۔

یہ بھی یاد رہے کہ بعض...... آئندہ اصلاحات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں اہل کشمیر اگر اس فریب میں آ گئے اور آئندہ کونسلوں میں مسٹر عبداللہ کے دشمن اور قومی تحریک کے مخالف ممبر ہو گئے تو سب محنت اکارت جائے گی اور مسٹر عبداللہ اور دوسرے قومی کارکنوں کی سخت ہتک ہو گی پس اس امر کے لئے آپ لوگ تیار رہیں کہ اگر خدانخواستہ قومی کارکنوں کو جلدی آزادی نہ ملی۔ اور ان کی آزادی سے پہلے اسمبلی کے انتخابات ہوئے (گو مجھے امید نہیں کہ ایسا ہو) تو ان کا فرض ہونا چاہئے کہ...... کے مقابلہ میں قومی کام سے ہمدردی رکھنے والوں کو امیدوار کر کے کھڑا کر دیں۔ اور یہ نہ کریں کہ کانگریس کی نقل میں بائیکاٹ کا سوال اٹھا دیں۔ بائیکاٹ سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ کیونکہ آخر کوئی نہ کوئی ممبر تو ہو ہی جائے گا۔ اور قومی خیر خواہوں کی جگہ قومی غداروں کو ممبر بننے کا موقعہ دینا ہرگز عقلمندی نہ کہلائے گا پس گو یہ ایک بہت طول امل ہے کہ قومی کارکنوں کی آزادی سے پہلے اسمبلی کا انتخاب ہو۔ لیکن چونکہ بعض قومی غدار اندر ہی اندر اس کی تیاریاں کر رہے ہیں اہل جموں و کشمیر کو ہوشیار کر دینا چاہتا ہوں اور ساتھ ہی خواجہ سعد الدین صاحب شال خواجہ غلام احمد صاحب اشائی اور دوسرے کارکنوں کو جن کی گزشتہ قومی خدمات کا انکار نہیں ہو سکتا۔ توجہ دلاتا ہوں کہ اب وقت ہے کہ وہ قومی تحریکات کو مضبوط کرنے کے لئے اختلاف چھوڑ دیں۔ میں ہمیشہ ان کا خیر خواہ رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ان کی گزشتہ خدمات قومی تحسین کا انعام حاصل کئے بغیر نہ رہیں۔ پس میں ان سے اور ان کے دوستوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ قومی کارکنوں کی خدمت میں آ کر شامل ہو جائیں۔ اور یقین

رکھیں کہ اس طریق کو اختیار کر کے انہیں ذلت نہیں بلکہ عزت حاصل ہوگی۔

ایک دو اور باتیں ہیں جن کا ذکر کر کے میں اس خط کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ گو اصلاحات کا اعلان ہو گیا ہے لیکن ظلم تو ابھی تک جاری ہے اس شبہ کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دوڑتے ہوئے گھوڑے کو یکدم نہیں روکا جا سکتا۔ طوفان بھی بیٹھتے ہوئے کچھ وقت لیتا ہے پس ظلم گو جاری ہے لیکن ایسے سامان ہو رہے ہیں کہ انشاء اللہ ظلموں کا بھی انسداد ہو جائے گا۔ میں ابھی تفصیل نہیں بیان کرنا چاہتا لیکن یہ میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر میرے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے عقل سے کام لیا گیا۔ تو تھوڑے سے عرصہ میں ظلم کے روکے جانے کے بھی سامان ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری بات میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ وکلاء کے متعلق جو اعلان میں نے کیا تھا اس میں بعض غلط فہمیوں سے کچھ الجھن پیدا ہو گئی ہے لیکن میں اس کے لئے کوشش کر رہا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہتری کی توقع رکھتا ہوں اور اگر لوگوں کو پوری طرح ڈیفنس کا موقع نہ دیا گیا تو میں انشاء اللہ اور ایسی تدابیر اختیار کروں گا کہ جن سے لوگوں کے اس اہم حق کی طرف حکومت کو توجہ ہو۔

تیسری بات میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ میں نے جو سیاہ نشان لگانے کا اعلان کیا تھا اس کے متعلق مجھے سرینگر سے شکایات موصول ہوئی تھیں کہ سیاہ نشان لگانے کو جرم قرار دیا گیا ہے اور اس نشان کے لگانے کے سبب سے بعض لوگوں کو گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلایا گیا ہے۔ میں نے اس کے متعلق حکومت کشمیر سے خط و کتابت کی ہے اور جو جواب وزیر اعظم کی طرف سے آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیونکہ ان کے جواب میں اس امر سے قطعاً انکار کیا گیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ نہ کسی شخص کو سیاہ نشان لگانے پر سزا دی گئی ہے اور نہ مقدمہ ہی چلایا گیا ہے۔ اگر یہ بیان درست ہے تو مجھے تعجب ہے کہ رپورٹ دینے والوں کو اتنا بڑا مغالطہ کیونکر لگ گیا۔ بہرحال یہ سوال حل ہو گیا ہے کہ سیاہ نشان لگانے کو ریاست کشمیر میں جرم نہیں قرار دیا گیا۔

میں اس خواہش کے اظہار پر اس خط کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس موسم گرما میں توفیق دے کہ خواہ چند دن کے لئے ہو کشمیر آ کر خود صورت حالات کا معائنہ کر سکوں اور اس ملک کے مرض کو بذات خود دیکھ کر اس کے علاج کی پہلے سے زیادہ تدبیر کرنے کی توفیق پاؤں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین

خاکسار مرزا محمود احمد
صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

برادران ریاست جموں و کشمیر کے نام میرا آٹھواں خط (سلسلہ دوم)

برادران! السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہٗ:....... میں سب سے پہلے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے گلینسی کمیشن کی رپورٹ کو کلی طور پر تسلیم نہیں کیا نہ ارتداد کے مسئلہ پر خاموشی کی ہے۔ نہ جدوجہد بند کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ میرے خط پر ایک نگاہ ڈالنے سے ثابت ہو سکتا ہے کہ میں گلینسی رپورٹ کو ناقص سمجھتا ہوں ارتداد کے مسئلہ کو اہم اور آئندہ جدوجہد کو ضروری بلکہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ خود مختار حکومتوں میں بھی آزادی کی جدوجہد کا جاری رہنا ضروری ہوتا ہے۔ جس دن یہ جدوجہد بند ہوا اسی دن سے غلامی کی روح قوم میں داخل ہونے لگتی ہے اور بظاہر آزاد نظر آنے والی قوم باطن میں غلامی کی زنجیروں میں جکڑی جاتی ہے۔

میں نے جو کچھ لکھا ہے یہ ہے کہ گلنسی رپورٹ میں بہت سے امور مسلمانوں کے فائدے کے ہیں اگر مسلمان ان سے فائدہ اٹھائیں تو بہت بڑا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور یہ کہ ارتداد کے مسئلہ کے متعلق اور دوسرے امور کے متعلق جو ناقص ہیں۔ ہم جدوجہد جاری رکھیں گے لیکن جو اچھا کام گلنسی کمیشن نے کیا ہے اس کے بارہ میں شکریہ ادا کرنا چاہئے اور اس کے ذریعہ سے جو طاقت ہمیں حاصل ہوئی ہے اس سے کام لے کر ترقی کی نئی راہیں نکالنی چاہئیں اور جدوجہد کو کامیاب بنانے کے لئے حالات کے مطابق اس کی صورت بدل دینی چاہئے۔ میں نے جو کچھ لکھا اس پر اب تک قائم ہوں میرے نزدیک کشمیر کے لوگوں کا اس میں فائدہ ہے۔ میں نے یہ کام لوگوں کی خوشنودی کے لئے نہیں کیا تھا کہ ان کے اعتراض سے ڈر جاؤں۔ میں نے بلاغرض یہ کام کیا ہے اور بلاغرض ہی اسے جاری رکھنا چاہتا ہوں۔ اگر میں لوگوں کے اعتراض سے ڈر کر اس بات کو چھوڑ دوں جو میرے نزدیک حق ہے تو میں یقیناً خود غرض ہوں گا۔ اور میرا سب پہلا کام برباد ہو جائے گا۔

وائسرائے صاحب کو خوش کرنا یا مہاراجہ صاحب کو خوش کرنا کوئی بری بات نہیں۔ میں مہاراجہ

صاحب سے کبھی نہیں ملا اور نہ اس وقت تک خواہش ہے جب تک کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کے متعلق دباؤ سے نہیں بلکہ دلی رغبت سے غور کرنے کو تیار نہیں۔ سر ہری کشن کول صاحب نے مجھے متواتر مہاراجہ صاحب سے ملنے کی دعوت دی لیکن میں نے نہیں مانا اور یہی اصرار کیا کہ مہاراجہ صاحب مسلمانوں کے حقوق کے متعلق میرے ساتھ گفتگو کرنا چاہیں تو مل سکتا ہوں ورنہ نہیں۔ یہ خط و کتابت میرے پاس محفوظ ہے۔ ان کی خوشنودی کی اس حد تک مجھے ضرورت ہے جس حد تک ہر انسان کی کیونکہ میں سب انسانوں کو اپنا بھائی سمجھتا ہوں اور کسی بھائی سے لڑنا پسند نہیں کرتا۔ باقی مجھے ان سے کوئی غرض نہیں۔ کیونکہ خاندانی لحاظ سے میں ایک ایسے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہوں کہ جس نے ایک ہزار سال تک دنیا کی تاریخ کو اپنے قبضہ میں رکھا ہے۔ اور وجاہت کے لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ جس قدر جان فدا کرنے والے لوگ میرے ماتحت ہیں ان کا ہزارواں حصہ بھی مہاراجہ صاحب کو حاصل نہیں۔ پس مہاراجہ صاحب تو کسی وقت میری مدد کے محتاج ہو سکتے ہیں۔ میں ان کی مدد کا محتاج خدا تعالیٰ کے فضل سے نہیں اور نہ انشاء اللہ ہوں گا...... یہ تو حکومت کے متعلق ہے۔ اب میں اہل کشمیر کو لیتا ہوں۔ میں اپنے ان بھائیوں سے بھی صاف کہہ دینا چاہتا ہوں۔ میرا ان سے تعلق اخلاقی ہے۔ جب تک وہ مظلوم ہیں میں اپنا پورا زور ان کی تائید میں خرچ کروں گا۔ لیکن اگر انہوں نے ایسا راہ اختیار کیا جو اخلاقاً درست نہ ہو گا۔ تو میں اس وقت یقیناً اسی کی تائید کروں گا۔ کہ جو حق پر ہو گا اور انہیں غلطی سے روکوں گا۔ میں نے جو کچھ کام کیا ہے وہ ان کے لئے نہیں اپنے مولیٰ کے لئے کیا ہے۔ پس میرا ان پر احسان نہیں۔ نہ میں ان سے کسی شکریہ کا طالب ہوں ہاں میں انہیں کے فائدہ کے لئے انہیں نصیحت کرتا ہوں کہ انسان کو ہر اچھی چیز کی خوبی تسلیم کرنی چاہئے۔ گلنسی کمیشن کی رپورٹ یقیناً بہت سی خوبیاں رکھتی ہے۔ اس میں یقیناً مسلمانوں کی بھلائی کا بہت سا سامان موجود ہے۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس سے ہماری حالت پہلے سے بدتر ہو جائے گی درست نہیں۔ اگر یہ درست ہے تو کیا یہ لوگ اس امر کا اعلان کرنے کو تیار ہیں کہ اس کمیشن کی سفارشات کو واپس لے لیا جائے...... ایک ضروری بات میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کی کامیابی کو دیکھ کر ہندوؤں نے بھی ایجی ٹیشن شروع کیا ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کو جو تھوڑے بہت حقوق ملے ہیں وہ بھی انہیں حاصل رہیں۔ اگر اس موقعہ پر مسلمانوں نے غفلت سے کام لیا تو ہندو یقیناً اپنا مدعا حاصل کر لیں گے۔ پس اس وقت ضرورت ہے کہ مسٹر عبداللہ کی عدم موجودگی میں ایک انجمن مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت میں بنائی جائے۔ اور وہ انجمن اپنی رائے سے حکومت کو اطلاع دیتی رہے۔ ینگ مین مسلم ایسوسی ایشن کے اصول پر اگر ایک انجمن تیار ہو تو یقیناً اس کے ذریعہ سے بہت سا کام کیا جا سکتا ہے۔ یہ مت خیال کریں کہ بغیر

اجازت کے انجمن نہیں بن سکتی۔ انجمنوں کی ممانعت کا کوئی قانون دنیا کی کوئی حکومت نہیں بنا سکتی۔ آخر ہندو انجمنیں بنا رہے ہیں آپ کی انجمن خفیہ نہ ہوگی' نہ باغیانہ' پھر حکومت اس بارہ میں کس طرح دخل دے گی۔ میں امید کرتا ہوں کہ نوجوان فوراً اس طرف قدم اٹھائیں گے۔ اور اس ضرورت کو پورا کریں گے۔ ورنہ سخت نقصان کا خطرہ ہے اور بعد میں پچھتائے کچھ نہ ہوگا۔

ایک ضروری امر جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ جب تک خود اہل کشمیر اپنے آپ کو منظم نہ کریں گے کچھ کام نہیں ہوگا۔ باہر کے لوگ کبھی کسی نظام کو سنبھال نہیں سکتے۔ پس ضرورت ہے ایسے والنیٹرُوں کی جو اپنی خدمات کو قومی کاموں کے لئے وقف کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ایسے لوگ اگر ایک ایک دو دو درجن بھی ہر شہر اور قصبہ میں مل جائیں تو ہندو ایجی ٹیشن کو بے اثر بنایا جاسکتا ہے۔

مجھے بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ حکومت مسٹر عبداللہ کی قید کو لمبا کرنے کی فکر میں ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ ہندو اس بارہ میں پورا زور لگائیں گے۔ لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ جہاں بعض حلقوں میں یہ خیال زیر غور ہے وہاں بعض حلقوں میں سیاسی قیدی چھوڑ کر اچھی فضا پیدا کرنے کا خیال بھی پیدا ہو رہا ہے۔ اور کیا تعجب ہے کہ دوسری تحریک پہلی پر غالب آجائے۔ پس ہمارا فرض یہی ہے کہ ہم ہوشیاری سے سب حالات کو دیکھیں۔ اور جس رنگ میں ہمارا فائدہ نظر آتا ہو اس کے مطابق کام کریں۔

بعض لوگوں کو وزارت کے متعلق بھی شکایات ہیں۔ میں اس کے متعلق بھی آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کی اصلاح کے متعلق بھی ہم کوشش کر رہے ہیں اور میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ جب تک ایک کام کرنے والی وزارت مقرر نہ ہوگی۔ ہم انشاء اللہ صبر نہیں کریں گے۔ اور ایسے آثار ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ انشاء اللہ اس امر میں ہمیں کامیابی ہوگی۔

میں نے گزشتہ خط میں لکھا تھا کہ میں کشمیر آنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ بعض دوستوں کو اس سے غلط فہمی ہوئی ہے میں قریب زمانہ میں وہاں آنے کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ میرا ارادہ یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہمارے قیدی بھائیوں کو آزاد کرے تو آئندہ تنظیم کے پروگرام پر مشورہ کرنے کے لئے وہاں آؤں۔ تاکہ جو فوائد گزشتہ سیاسی جنگ میں ہم نے حاصل کئے ہیں۔ ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو۔ والسلام۔

خاکسار مرزا محمود احمد

صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی ۲۷/۵/۳۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

جس مسلم کو یہ مضمون پہنچے وہ دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی ضرور پہنچا دے۔

حقیقت حال

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

میں نے ایک عرصہ سے اہل جموں و کشمیر کے نام اپنے خطوط کا سلسلہ بند کیا ہوا تھا اور یہ اس وجہ سے نہ تھا کہ مجھے اہل کشمیر سے ہمدردی نہ رہی تھی بلکہ اس کی وجوہ اور تھیں اور میرا ان وجوہ کی بناء پر خیال تھا کہ میری طرف سے سلسلہ خطوط کا جاری رہنا لیڈران کشمیر کے لئے مشکلات پیدا کرے گا۔ پس خود اہل کشمیر کے فائدہ کے لئے میں خاموش رہا......

اس کے بعد میں دوستوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں صدارت سے علیحدہ ہو کر امداد سے غافل نہیں رہا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں پس پردہ کوشش نہ کرتا رہتا۔ تو یقیناً موجودہ حالت سے بھی بدتر حالت ہوتی۔ لیکن حالات کی نزاکت کو دیکھ کر میں نے اس امداد کا اظہار نہیں کیا۔ کیونکہ اس میں نقصان کا خطرہ تھا۔

سب سے اول میں نے یہ کام کیا کہ مولوی عبدالرحیم صاحب درد جن کے نام اور کام سے کشمیر کا ہر عاقل بالغ واقف ہے انہیں انگلستان ہدایت بھجوائی کہ وہ انگلستان میں لوگوں کو کشمیر کے حالات سے واقف کریں تا اس سے لوگوں کو دلچسپی پیدا ہو۔ چنانچہ انہوں نے دو کام اس بارہ میں کئے۔

(۱) مختلف ذمہ دار لوگوں سے اور پریس سے مل کر کشمیر کے متعلق ہمدردی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ کئی اخبارات میں ہمدردانہ مضامین نکلے۔ جن میں سب سے زیادہ قابل ذکر ڈیلی ٹیلی گراف کا وہ مضمون ہے جس میں اس نے لکھا ہے کہ پہلے یہ بتایا جاتا تھا کہ کشمیر کے فسادات افسروں کی نالائقی کے سبب سے ہیں۔ لیکن اب تو انگریز افسر چلے گئے ہیں پھر بھی فساد ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ کوئی گہرا نقص ہے جس کے لئے اب ہمیں ایک اور کمیشن بٹھانا چاہئے۔ اور ان نقصوں کو دور کرنا چاہئے۔ اس پر درد

صاحب نے ایک تائیدی مضمون لکھا اور وہ اس اخبار میں چھپ گیا- یہ اخبار موجودہ حکمران جماعت کا اخبار ہے اور سب سے زیادہ اثر رکھتا ہے-

(۲) دوسرا کام انہوں نے یہ کیا کہ پارلیمنٹ میں کشمیر کے متعلق سوال کرائے اور ذمہ دار لوگوں سے ملاقاتیں کیں چنانچہ لیڈی ندرلینڈ کے اخراج کے متعلق پارلیمنٹ میں سوال کرایا گیا اور بعض سوال موجودہ حالات کشمیر کے متعلق کرائے گئے- ایک اشتہار کشمیر کے حالات کے متعلق بڑے بڑے لوگوں میں حال میں شائع کیا گیا ہے اور بہت سے پارلیمنٹ کے ممبروں نے امداد کا وعدہ کیا ہے- اور پارلیمنٹ میں سوال کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے- آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کشمیر کمیٹی کے معمولی ممبر ہونے کی حیثیت سے درد صاحب اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے تھے- اور جو کچھ وہ کر سکتے تھے اس سے انہوں نے دریغ نہیں کیا-

میں نے ہندوستان میں جو کام کیا وہ یہ ہے-

(۱) مقدمات میرپور کی پیروی جس پر ہزاروں روپیہ خرچ ہوا-

(۲) موجودہ فسادات میں جو گرفتاریاں ہوئی ہیں- ان کے متعلق بھی جدوجہد کی گئی ہے- چنانچہ مولوی عبداللہ صاحب سیالکوی کے رشتہ داروں کی تحریک پر ان کے لئے ایک لائق وکیل کا انتظام کیا گیا ہے- جو ان کے مقدمہ کی اپیل کرے گا-

(۳) بعض قیدیوں کی رہائی کے لئے کوشش کی گئی-

(۴) میرواعظ صاحب ہمدانی مجاورین خانقاہ میر مقبول شاہ صاحب اور دیگر بہت سے احباب کے متعلق جو ناواجب احکام جاری ہوئے تھے- ان کے منسوخ کرانے کی کوشش کی گئی- اور کی جارہی ہے- کچھ حصہ میں ہمیں کامیابی ہوئی ہے- بقیہ کے لئے کام ہو رہا ہے-

(۵) ہزایکسیلنسی وائسرائے بہادر کے پرائیویٹ سیکرٹری- اور پھر خود حضور وائسرائے کے پاس میں نے مفتی محمد صادق صاحب کو بھیج کر مظالم کشمیر کے دور کرنے کی طرف توجہ دلوائی- اور ہزایکسی لینسی کے کہنے پر مسٹر کالون سے بھی ہمارے آدمی ملے - وہ ضرور توجہ کریں گے- سید زین العابدین صاحب کو جموں دو دفعہ بھجوایا- اور ایک دفعہ دہلی- جہاں وہ مسٹر کالون- مسٹر وزارت حسین اور مسٹر پیل سے ملے اور موجودہ حالات کو بدلوانے کے لئے پوری سعی کی-

(۶) اس کے بعد میں نے عزیزم چودھری ظفراللہ خان صاحب سے کہا کہ وہ ہزایکسیلنسی وائسرائے سے ملاقات کے موقعہ پر کشمیر کے متعلق بھی تذکرہ کریں- چنانچہ انہوں نے ان امور کے متعلق وائسرائے ہند سے گفتگو کی-

(۷) جو لوگ جلاوطن کئے گئے ہیں۔ یا جن کو کشمیر میں ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ ان میں سے بعض کی مالی امداد بھی کی گئی۔

(۸) جب بھی لیڈران کشمیر نے خواہش کی انہیں مناسب مشورے دیئے گئے۔

غرض یہ کام ہے۔ جو گزشتہ ایام میں میں نے کیا ہے۔ اور آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کام معمولی کام نہیں۔ ہاں اگر نتیجہ اتنا شاندار نہیں نکلا۔ جس قدر کہ پہلے نکلا کرتا تھا۔ تو اس کے ذمہ دار آپ لوگ ہیں۔ میں نہیں۔ اول تو اس لئے کہ آپ نے یا آپ میں سے بعض نے سول نافرمانی جاری کر کے میرے ہاتھ باندھ دیئے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں سول نافرمانی کا سخت مخالف ہوں۔ میرے نزدیک سول نافرمانی اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے۔ جبکہ حکومت شرافت سے کام لے۔ جس دن حکومت کے افسر رعایا کی طرح قانون شکنی پر آمادہ ہو جائیں۔ اس دن رعایا کا سب زور ٹوٹ جاتا ہے۔ پس اول تو میرے نزدیک سول نافرمانی کامیابی کا ذریعہ ہی نہیں۔ دوسرے میرے نزدیک سول نافرمانی مذہباً اور اخلاقاً درست نہیں۔ کیونکہ اس سے قانون شکنی کی روح پیدا ہوتی ہے۔ اور جب یہ روح پیدا ہو جائے۔ تو خواہ اپنی ہی حکومت کیوں نہ ہو۔ وہ چل نہیں سکتی۔ تیسرے یہ کہ اگر سول نافرمانی کو مفید اور جائز بھی سمجھ لیا جائے۔ تب بھی میرے نزدیک کشمیر کے لوگ اس کے لئے تیار نہ تھے۔ سول نافرمانی کے لئے نہایت وسیع مخفی نظام اور کافی سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر جس وقت سول نافرمانی کا اعلان کیا گیا ہے اس وقت اہل کشمیر کو یہ باتیں میسر نہ تھیں۔ پس اگر سول نافرمانی کو مفید بھی سمجھ لیا جائے۔ تب بھی موجودہ حالات میں اس میں کامیابی ممکن نہ تھی۔ سول نافرمانی کے تجربے ہندوستان۔ آئرلینڈ۔ مصر اور فلسطین میں کئے گئے ہیں۔ لیکن ایک جگہ بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ ہندوستان میں مل والوں کی دولت اور گاندھی جی کی شخصیت اس کی تائید میں تھی۔ مصر میں سعد زغلول جیسے شخص کی روح کام کر رہی تھی۔ آئرلینڈ کو امریکہ جیسے دولت مند ملک کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اور دو سو سال کی تنظیم ڈی ولیرا کی امداد پر تھی۔ فلسطین کی جدوجہد عیسائی اور مسلمانوں کی مشترکہ تھی۔ گویا اصلی باشندے اور وہ باشندے جو وہاں قریب زمانہ میں حکومت کر چکے تھے۔ وہ مقابلہ پر آمادہ تھے۔ مگر بارہ سالہ جدوجہد کے بعد بھی ان لوگوں کو کچھ حاصل نہ ہوا۔ سوائے آئرلینڈ کے جس نے تجربہ کے بعد سول نافرمانی کو ترک کر دیا۔ اور کونسلوں میں داخل ہو کر ان پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ سو آئرلینڈ میں ڈی ولیرا آج تبدیلی اصول کی وجہ سے حکومت کر رہا ہے اور ہندوستان، فلسطین اور مصر میں سول نافرمانی کے مدوجزر کے بعد حالات پھر وہی کے وہی ہیں۔ اور اس کے شیدا و مولا پھر کونسلوں کی طرف رغبت کر رہے ہیں۔

غرض سول نافرمانی ایک مشتبہ ہتھیار ہے جو دشمن ہی کو نہیں کبھی اپنے آپ کو بھی ہلاک کر دیتا ہے

اور اس وقت تک اس کے ذریعہ سے کسی ملک میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ کامیابی یا قانونی تعاون سے ہوئی ہے جیسے کہ آئرلینڈ' ایران وغیرہ میں۔ یا لڑائی سے جیسے کہ جرمنی' اٹلی اور ٹرکی میں۔ پس اس مضر عمل کی موجودگی میں میں آپ کی کیا امداد کر سکتا تھا۔ برطانوی حکام کا ایک ہی جواب تھا۔ کہ جب یہ لوگ قانون توڑ رہے ہیں۔ تو حکام سوائے سزا دینے کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ مگر اس سے پہلے فسادات میں وہ یہ جواب نہیں دے سکتے تھے۔ اور نہیں دیتے تھے۔ کیونکہ اس وقت ہم انہیں کہتے تھے کہ باوجود اس کے کہ ملک قانون شکنی کے مخالف ہے۔ حکام خود قانون شکنی کر کے فساد پھیلا رہے ہیں۔ اور برطانوی حکام تحقیق کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔

دوسری دقت میرے راستہ میں وہی تھی کہ میں اب صدر نہ تھا۔ میں حکام کے کان میں تو بات ڈال سکتا تھا۔ مگر میں کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ مجھے اس کا اختیار نہ تھا۔ اور اس وجہ سے کسی بات کو میں انتہا تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اس کے سوا کہ نتیجہ میرے اختیار میں نہ تھا۔ میں نے پورے طور پر کوشش کی۔ اور اس میں کمی نہیں کی۔ ہاں اپنی کوشش کو شائع بھی نہیں کیا۔ کیونکہ ڈر تھا کہ اس وقت کے حالات کے ماتحت خود آپ کے لیڈر ہی حکومت کو تاریں دینے لگ جاتے کہ مجھے کشمیر کے متعلق کچھ کہنے کا حق نہیں اور فائدہ کی جگہ نقصان ہی ہوتا۔

میں یہ بھی یقین دلا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے کشمیر ایسوسی ایشن کو صاف کہدیا ہے کہ جو عہدہ دار بھی منتخب ہوں۔ میں اپنی پوری طاقت ان کی امداد کے لئے انشاء اللہ خرچ کروں گا۔ اور تبدیل شدہ حالات میں جو کچھ ہو سکتا ہے۔ اس سے مجھے دریغ نہ ہو گا۔

اس کے بعد میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایک کامیابی کے سرے پر پہنچے ہوئے کام میں روک پیدا ہو گئی ہے۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ اس میں کس کا قصور تھا۔ بہرحال موجودہ خرابی کو ہم نے دور کرنا ہے۔ اور اس کے لئے مندرجہ ذیل مشورہ ان لوگوں کو جو مجھ پر اعتبار رکھتے۔ اور میری امداد کی ضرورت سمجھتے ہیں دیتا ہوں۔

۱۔ کسی قسم کی قانون شکنی نہ کی جائے۔ بلکہ قانون کا پورا احترام کیا جائے۔ میں اس وقت اس اصل کی اخلاقی خوبیاں نہیں بیان کرنا چاہتا۔ صرف یہ کہتا ہوں کہ کم سے کم فائدہ اس کا یہ ہو گا۔ کہ قانون شکنی کا الزام لگا کر حکام کو ظلم کرنے کا موقعہ نہ ملے گا۔ اور آپ لوگ اس عرصہ میں منظم ہو سکیں گے۔ آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہر جنگ سے پہلے تنظیم ضروری ہے۔ مگر ابھی تو آپ لوگوں نے تنظیم کا کام ختم کیا شروع بھی نہیں کیا۔ پھر کتنا ظلم ہو گا۔ اگر آپ لوگ قومی طاقت کو ضائع کر لیں۔ آپ کی جانیں اور آپ کے مال قومی امانت ہیں۔ اس امانت کو بے موقعہ خرچ کرنا

اپنا ہی نقصان نہیں۔ قوم پر بھی ظلم ہے۔

۲۔ دوسرا مشورہ میرا یہ ہے کہ اگر حکام ظلم بھی کریں۔ تب بھی آپ لوگ اس کا جواب خود نہ دیں۔ بلکہ قانونی طور پر اس کے ازالہ کی کوشش کریں۔ قانونی کوشش لمبی ہوتی ہے۔ لیکن اس کا اثر بہت اعلیٰ پڑتا ہے۔ اور غیر کو بھی اس کا جواب دینے کی جرات نہیں پڑتی۔ آخر ایک لمبے تجربہ سے آپ معلوم کر چکے ہیں۔ کہ خود جواب دے کر بھی ظلم کا ازالہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ظالم کو ظلم کا اور موقعہ ملتا ہے۔ پس کیوں نہ صبر کے ساتھ کوشش کی جائے۔ اور ایک دفعہ ظالم حکام پر اس طرح حجت کر دی جائے۔ کہ پھر ان کے لئے منہ دکھانے کی صورت نہ رہے۔ بے شک آپ کا بہت کچھ نقصان ہوا ہے۔ لیکن آخر چوری سے' تجارتی نقصان سے' طوفان سے اور دیگر حوادث سے بھی تو نقصان ہو جاتا ہے۔ اگر قوم کی خاطر نقصان ہو گیا۔ تو کیوں آپ اس قدر پریشان ہوتے ہیں۔ در حقیقت یہ نقصان نقصان نہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ ایک تجارت ہے۔ صبر کے نتیجہ میں یہ نقصان آپ کو نفع سمیت واپس ملے گا۔ اور وہ دن دور نہیں کہ خدا تعالیٰ آپ کی مظلومیت کی فریاد کو سنے گا۔ اور ظالم زیر کئے جائیں گے۔ اور آپ کو غلبہ دیا جائے گا۔ ظلم پہلے کب کامیاب ہوا ہے۔ کہ اب کامیاب ہو گا۔ پس ظلم پر صبر کریں۔ یعنے اس کے جواب کے لئے خود ہاتھ نہ اٹھائیں۔ بلکہ قانون کے اندر رہ کر ظالم کو سزا دلانے کی کوشش کریں۔

۳۔ اور سب کاموں سے زیادہ تنظیم کی طرف توجہ کریں۔ جب تک آپ کے ملک میں تنظیم نہ ہو گی۔ کچھ نہ ہو سکے گا۔ منظم ملک پر ڈاکے نہیں ڈالے جا سکتے۔ پس آپ اپنے آپ کو منظم کریں۔ مگر تنظیم سے میری مراد یہ نہیں۔ کہ ہر جگہ ایک انجمن ہو۔ یہ امر بھی ضروری ہے۔ اور اب تک یہ کام بھی نہیں ہوا۔ لیکن میں تنظیم کے معنے اس سے زیادہ لیتا ہوں۔ تنظیم کے معنے میرے نزدیک یہ ہیں کہ ایک تو سارے ملک میں ہر فرد بشر کو قومی تحریک کا ہمدرد بنایا جائے۔ صرف جلسوں کا ہونا کافی نہیں۔ بلکہ ہر شخص کا ممبر ہونا اور ممبری کی علامت کا استعمال کرنا ضروری ہے۔ میں نے بارہا سیاہ بلا لگانے یا ایسا ہی کوئی اور نشان لگانے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ لیکن ابھی تک آپ لوگوں نے کوئی نشان قرار نہیں دیا۔ اور نہ اس پر عمل کیا ہے۔ حالانکہ جب تک حکومت کو یہ معلوم نہ ہو۔ کہ کس قدر لوگ قومی تحریک میں شامل ہیں۔ وہ مرعوب نہیں ہو سکتی.......

.......مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ شروع شروع میں جب میں نے کام شروع کیا تھا۔ آپ لوگ آج

سے زیادہ کمزور تھے۔ مگر صحیح ذرائع سے کام لے کر خدا تعالیٰ کی امداد سے بہت بڑی کامیابی حاصل ہو گئی۔ اب بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے حالات کو بدلا جا سکتا ہے۔ اور اگر آپ صحیح طریق اختیار کریں گے تو انشاء اللہ جلد حالات بدل جائیں گے۔ صرف ضرورت ہمت ' استقلال اور قانون کے اندر رہ کر کام کرتے ہوئے قربانی اور ایثار کی ہے۔ سو جس دن آپ لوگ پہلے کی طرح پھر کمر باندھ لیں گے۔ انشاء اللہ غم کے بادل پھٹ جائیں گے۔ اور خوشی کا سورج نکل آئے گا۔ مگر یاد رہے کہ قومی آزادی ایک دن میں نہیں ملتی۔ ہاں آزادی کی قسطیں صحیح جدوجہد سے یکے بعد دیگرے ملنی شروع ہو جاتی ہیں۔

۴۔ حکومت کی آپ لوگ پوری نگرانی رکھیں کہ گلینسی رپورٹ پر عمل ہوتا ہے یا نہیں۔ جہاں نقص معلوم ہو۔ فوراً اس کی اطلاع آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن کو یا مجھے دیں۔ ہم تحقیق کر کے انشاء اللہ حکومت پر دباؤ ڈالیں گے۔ کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گلینسی رپورٹ میں جو کچھ ملا ہے۔ وہ ہمارے مطالبات سے بہت کم ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اگر اس پر عمل ہو۔ تو مسلمانوں کی حالت موجودہ حالت سے اچھی ہو جاتی ہے۔ پس مطابق مثل یکے راگیر و دیگرے را دعویٰ بکن۔ جو ملا ہے اسے تو لینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور باقی مطالبات کے لئے جدوجہد کو جاری رکھنا چاہئے۔ یہی طریق احسن ہے۔ اور اس میں کامیابی کا راز ہے۔ حکومت موجودہ شورش سے فائدہ اٹھا کر گلینسی رپورٹ کو عملاً داخل دفتر کرنا چاہتی ہے۔ ہمارا کام ہے کہ ہوشیاری سے اس پر عمل کرائیں۔ اور اگر وہ عمل نہ کرے تو حکومت ہند اور حکومت انگلستان کے سامنے اس معاملہ کو پیش کریں۔ اگر باری باری ایک ایک مسئلہ کو لے کر زور دیا گیا۔ تو آپ دیکھیں گے کہ زور زیادہ پڑ سکے گا۔ اور کامیابی زیادہ یقینی ہوگی۔ سب امور کو اکٹھا پیش کرنے پر حکومت برطانیہ جواب دے دیتی ہے کہ آخر ان کاموں کے لئے وقت چاہئے۔ لیکن اگر ایک امر کو لے کر کشمیر اور باہر کی طاقت اس پر خرچ کر دی جائے۔ تو یقیناً کشمیر دربار معین صورت میں احکام جاری کرنے پر مجبور ہوگا۔ مثلاً سب سے پہلے ملازمتوں کے سوال کو لے لیا جائے۔ اس سوال کے حل ہو جانے سے آپ کو آدھی فتح حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ علاوہ مالی فائدہ کے حکومت میں ایک کافی تعداد ایسے لوگوں کی آجاتی ہے۔ جن کے دل آپ کی ہمدردی سے پر ہوں گے۔ اسی طرح ایک ایک کر کے مختلف مسائل کو لیا جائے تو یقیناً نہ تو حکومت مہلت کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اور نہ اسے اس چھوٹے سے امر کے لئے ساری اسلامی طاقت کا مقابلہ کرنے کی جرات ہو سکتی ہے۔

۵۔ اسمبلی بھلی یا بری جلد بننے والی ہے۔ بعض ساتھی بعض حکام سے مل کر کوشش کر رہے ہیں۔ کہ ووٹروں کی فہرست ایسی بنوائیں۔ کہ جس سے ان کی پارٹی کو طاقت حاصل ہو جائے۔ آپ کو چاہئے کہ اس کا تندہی اور عقلمندی سے مقابلہ کریں۔ اور اپنے ووٹروں کی لسٹ مکمل کروائیں۔ تاکہ اگر اسمبلی پر قبضہ کرنے کی تجویز ہو۔ جو میرے نزدیک ضروری ہے۔ تو آپ ایسا کر سکیں۔ ورنہ اگر کانفرنس نے اسمبلی پر قبضہ کرنے کا فیصلہ بھی کیا۔ تو ووٹروں کی فہرست کے نقائص کی وجہ سے آپ لوگ زیادہ ہو کر بھی کم نظر آئیں گے.......

۶۔ چھٹی بات آپ کے آئندہ پروگرام میں یہ ہونی چاہئے۔ کہ جن حکام نے قانون شکنی کر کے ظلم کیا ہے۔ ان کے خلاف کارروائی کریں۔ میرے نزدیک ہر جگہ تحقیقاتی کمیٹیاں مقرر ہو جانی چاہئیں۔ جو گواہیاں لے کر ظالم حکام کے خلاف مصالح جمع کریں۔ جب یہ مواد جمع ہو جائے۔ ہم انشاء اللہ لائق وکلاء سے مشورہ لے کر جہاں جہاں حکام پر مقدمات چلائے جا سکیں گے۔ مقدمات چلائیں گے۔ اگر اس طرح ہم بعض حکام کو سزا دلوانے میں کامیاب ہو گئے۔ تو ایک تو حکام کے ظلم کا ثبوت مل جائے گا۔ دوسرے آئندہ کے لئے حکام کو ظلم کرنے کی جرأت باقی نہ رہے گی۔

یہ تو میرے نزدیک آپ لوگوں کے لئے موجودہ حالات میں بہترین پروگرام ہے۔ جو کام ہمیں کرنا چاہئے۔ اور ہم انشاء اللہ اسے کریں گے۔ وہ یہ ہے۔

۱۔ باہمی جھگڑوں کی وجہ سے عوام اور خواص دونوں کو کشمیر کے معاملہ سے دلچسپی نہیں رہی۔ ہمارا سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ حکمت عملی سے اس طرف پھر لوگوں کی توجہ پھیری جائے۔ تا اس بارے میں مسلمانوں کی متفقہ آواز اٹھے۔

۲۔ سول نافرمانی کی وجہ سے حکومت کی ہمدردی جاتی رہی ہے۔ حالانکہ عوام میں سے اکثر و خاص میں سے بھی بعض اس تحریک کے مخالف تھے۔ پس چاہئے کہ حکومت کا نقطہ نگاہ پھر درست کیا جائے۔ گو یہ کام موجودہ حالات میں بہت مشکل ہے۔ لیکن مشکل کام بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اس طرف سے مایوس نہیں ہونا چاہئے اور میں خیال کرتا ہوں کہ صبر و استقلال سے کام لیتے ہوئے اگر صدر و دیگر عہدہ داران کشمیر ایسوسی ایشن نے جدوجہد کو جاری رکھا۔ تو وہ ضرور کامیاب ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۳۔ انگلستان و دیگر ممالک میں پھر اس مسئلہ کی طرف لوگوں کی توجہ کو پھرانا۔ اس کام کو میں بآسانی کر سکتا ہوں۔ اور انشاء اللہ پوری طرح ایسوسی ایشن سے تعاون کروں گا۔

۴۔ گلینسی رپورٹ کے خلاف جو باتیں ہوں۔ ان کو احسن طریق پر حکومت ہند اور حکومت برطانیہ

کے سامنے رکھنا۔ اس کام میں بھی ایسوسی ایشن نہایت مفید بلکہ کامیاب مدد دے سکتی ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ ایسا کرے گی۔

۵۔ چونکہ کانفرنس عملاً بند پڑی ہے۔ بعض طلباء جن کو کتابوں وغیرہ کی امداد دی جاتی تھی۔ حیران پھر رہے ہیں۔ اسی طرح اور کئی مستحقین بے سروسامانی کی حالت میں ہیں۔ ان کی مالی امداد کرنا۔ اس بارہ میں بھی ایسوسی ایشن اچھا کام کر سکتی ہے۔ اور انشاء اللہ کرے گی۔ سردست طلباء کی فوری ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے تین سو کی رقم اپنی طرف سے منظور کی ہے۔ جس سے مستحق طلباء کو امداد دی جائے گی۔ اس کے لئے مولوی عبدالاحد صاحب۔ مسٹر غلام نبی صاحب گلکار۔ مولوی عبداللہ صاحب وکیل۔ خواجہ صدر الدین صاحب اور میر مقبول شاہ صاحب کی سب کمیٹی میں تجویز کرتا ہوں۔ اگر ان میں سے کسی کو اس سب کمیٹی میں کام کرنا منظور نہ ہو۔ تو باقی ممبر مل کر کام کریں اور فوراً مستحق طلباء کی درخواستوں پر غور کرکے کتب وغیرہ کی امداد دیں۔ مولوی عبدالاحد صاحب ہمارے مبلغ ہیں اور سیاسی کاموں سے الگ رہتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ کام سیاسی نہیں۔ بلکہ تعلیمی اور تمدنی ہے۔ میں نے اس کمیٹی میں ان کو ممبر مقرر کیا ہے۔

آخر میں میں پھر آپ لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ قانون کے اندر رہ کر استقلال سے کام کریں۔ جس طرح رات ہمیشہ نہیں رہتی۔ آپ لوگوں کی تکالیف بھی ہمیشہ نہیں رہیں گی۔ آخر کامیابی کا دن چڑھے گا۔ اور وہ دن انہی کے لئے مبارک ہو گا۔ جنہوں نے اس وقت قومی کام کے لئے قربانیاں کی ہیں۔ دوسرے لوگوں کا مونہہ اس دن کالا ہو گا۔ اور اپنی شرمندگی اور ندامت کو چھپانے کا کوئی ذریعہ انہیں نہیں ملے گا۔ پس اے بھائیو! ہمت کرو اور صبر سے کام لو۔ اور استقلال سے قانون کے اندر رہتے ہوئے کام کرتے چلے جاؤ۔ کہ خدا تعالیٰ کی مدد ظالم کے ساتھ نہیں۔ بلکہ مظلوم کے ساتھ ہوتی ہے۔ اپنی بے بسی اور بے کسی کو نہ دیکھو۔ اپنے خدا کی طرف دیکھو۔ جو بے بسوں اور بے کسوں کا یار ہے۔ وہ خود آپ کے لئے لوگوں کے دلوں میں ہمدردی پیدا کر دے گا۔ اور غیب سے نصرت کے سامان پیدا ہو جائیں گے۔ جو بات آج ناممکن نظر آتی ہے کل کو ممکن ہی نہیں آسان نظر آئے گی۔ آج جسے آپ قربانی خیال کرتے ہیں۔ کل اسے کھیل سمجھیں گے۔ میرا آپ سے وعدہ ہے کہ میں آپ کی امداد انشاء اللہ کروں گا۔ اور میں اس وعدہ پر قائم ہوں۔ اور خدا تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میری اس امداد میں برکت دے گا۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

خاکسار میرزا محمود احمد

امام جماعت احمدیہ قادیان

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

برادران کشمیر کے نام سلسلہ چہارم کا مکتوب اول

برادران! السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ: مجھے افسوس ہے کہ میرے کشمیر کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دینے کے بعد اس قدر جلد آپ لوگوں پر پھر ایک دردناک مصیبت نازل ہو گئی ہے۔ اور جبکہ آپ اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے لگے تھے۔ مشکلات کا دروازہ از سر نو کھل گیا ہے۔

میں نے آپ لوگوں سے وعدہ کیا تھا کہ جب تک آپ لوگ مجھے اپنی مدد کے لئے بلائیں گے میں اپنی طاقت بھر آپ کی مدد کروں گا۔ اور یہ وعدہ مجھے خوب یاد ہے۔ اسی وعدہ کو یاد کرتے ہوئے میں نے میرواعظ صاحب ہمدانی کو تار دیا تھا۔ کہ میں اہل کشمیر کے لئے ہر ممکن کوشش کروں گا۔ اور کرنی شروع کر دی ہے۔

جو کچھ مختصراً میں نے اس تار میں لکھا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ میں نے ولایت بھی ہدایات بھجوا دی ہیں۔ کہ وہاں کے ذمہ دار لوگوں کو صحیح حالات سے آگاہ کر کے کشمیر کے حالات کی طرف متوجہ کیا جائے۔ اور خود ریاست کو بھی اس طرف توجہ دلائی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جب مسٹر کالون کو صحیح حالات سے واقف کیا جائے گا تو وہ اس ظلم کو جو ان کے نام پر کیا گیا ہے۔ ضرور دور کرنے کی کوشش کریں گے........

.......غرض یہ کہ میں انشاء اللہ آپ لوگوں کی امداد کے لئے ہر ممکن کوشش کروں گا۔ اور میں نے کام شروع بھی کر دیا ہے۔ لیکن آپ لوگوں کو بھی دیانتداری سے ایک فیصلہ کر لینا چاہئے۔ تاکہ آپ کے کام میں برکت ہو۔ اور میری کوششیں بھی کوئی نیک نتیجہ پیدا کریں۔ یہ مت خیال کریں کہ اب آپ لاوارث رہ گئے ہیں۔ اب بھی آپ کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اور انشاء اللہ اگر آپ صحیح رویہ اختیار کریں تو کامیاب ہوں گے۔ لیکن اگر آپ یہ چاہیں کہ بغیر صحیح رویہ اختیار کرنے کے آپ کامیاب ہوں تو یہ ناممکن ہے۔

آخر میں میں آپ کو پرامن رہنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ ہر فساد سے پرہیز کریں۔ اور مجھے کچھ دن کوشش کر لینے دیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر آپ لوگ میری نصیحت پر کاربند ہوں گے۔ تو جلد آپ کے لیڈر عزت سے باہر آجائیں گے۔ اور آپ آزادی کے اور قریب ہو جائیں گے۔ اور یہی آزادی

قیمتی آزادی ہے۔ ورنہ ذلت کے ساتھ قید سے رہائی کوئی آزادی نہیں۔ اس سے تو مرجانا بہتر ہے۔

والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد

امام جماعت احمدیہ

۱۸/ جون ۱۹۳۲ء

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم　نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

برادران جموں و کشمیر کے نام میرا دوسرا خط بسلسلہ چہارم

برادران! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ: میرا پہلا خط آپ کو مل چکا ہے۔ اور جوابات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام علاقہ پر اس نے ایک مفید اور نیک اثر پیدا کیا ہے۔ آج میں دوسرا خط آپ کی طرف لکھ رہا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ گزشتہ کی طرح آپ اس خط کے مضمون کو بھی غور سے پڑھیں گے۔ اور اس پر پوری طرح عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں آپ سے یہ بھی درخواست کرتا ہوں۔ کہ چونکہ ہر شخص تک یہ خطوط نہیں پہنچائے جاسکتے۔ جس کو یہ خط ملے وہ دوسرے پڑھے لکھے ہوئے لوگوں کو یہ خط پڑھادے۔ اور ان پڑھوں کو سنادے۔ اور جو دور ہیں ان تک پہنچادے۔ حتیٰ کہ ہر باشندہ ریاست جموں و کشمیر کو یہ خط مل جائے۔ یا اس کے مضمون سے وہ واقف ہو جائے۔

میرا کام۔ سب سے پہلے میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ گزشتہ ایام میں میرے سامنے یہ کام رہے ہیں۔ اول۔ شیخ محمد عبداللہ صاحب اور ان کے ساتھیوں کو جو نہایت ظالمانہ طور پر گرم جگہ پر قید کیا گیا تھا۔ اس کے خلاف کوشش اور ان کو کسی ٹھنڈے مقام پر تبدیل کروانا۔ دوم۔ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی آزادی کے لئے کوشش۔ سوم۔ گزشتہ دو ماہ سے جو افسران کشمیر کے عام رویہ میں تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ اور وہی پرانا استبداد نظر آرہا ہے اس کے خلاف کوشش۔

میں نے ان تین مقصدوں کے پورا کرنے کے لئے مندرجہ ذیل ذریعے اختیار کئے۔ اول میں نے سوچا کہ جب تک پبلک میں بیداری پیدا نہ کی جائے۔ اور ان کی محبت کو اپنے لیڈروں سے قائم نہ رکھا

جائے۔ اس وقت تک اندرونی دباؤ ریاست پر نہیں پڑ سکتا۔ اس کے لئے میں نے اپنا پہلا خط شائع کیا۔ اور کشمیر کے کام کے متعلق جو لوگ سرگرم ہیں انہیں ہدایت کی۔ کہ ریاست کے مختلف علاقوں میں بیداری پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میں بہت حد تک کامیابی ہوئی۔ اور میں اس بارہ میں صوبہ جاتی انجمنوں کا ممنون ہوں۔ کہ انہوں نے شیخ محمد عبداللہ صاحب سے اظہار وفاداری کر کے میرے ہاتھوں کو بہت مضبوط کر دیا۔

دوسری بات میں نے یہ سوچی۔ کہ ریاست کے حکام کو توجہ دلاؤں۔ تاکہ وہ زور اور طاقت کے استعمال کو چھوڑ کر تحمل اور دلیل کی طرف توجہ کریں۔ مگر افسوس کہ اس بارہ میں مسٹر کالون کا رویہ اتنا ہمدردانہ ثابت نہیں ہوا۔ جس قدر کہ مجھے ان سے امید تھی۔ مجھے ان پر اب تک حسن ظنی ہے۔ لیکن میرے نزدیک انگریز جس قدر انگریزی علاقہ میں مفید کام کر سکتے ہیں۔ ریاست میں نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ریاستوں میں دیانتدار کارکنوں کا ملنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ اور بغیر اچھے نائبوں کے انسان اچھا کام نہیں کر سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ انگریز بھی اس خیال میں مجھ سے متفق ہیں۔ کیونکہ اگر وہ ہندوستانیوں کو حکومت کا پورا اہل سمجھتے۔ تو ہندوستان کو آزادی دینے میں اس قدر پس و پیش کیوں کرتے۔

اس بارہ میں میں نے جو کچھ کیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ میں نے اس کام کے لئے سید زین العابدین صاحب کو مقرر کیا۔ کہ وہ مسٹر کالون اور مسٹر پیل سے جا کر ملیں۔ اور ان کے آگے تمام حالات رکھ کر انہیں موجودہ مظالم کے دور کرنے کی ترغیب دیں۔ ان کے ساتھ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کو میں نے اس لئے بھجوایا۔ تاکہ وہ شیخ محمد عبداللہ صاحب سے مل کر ان کی طرف سے قانونی طور پر کارروائی کریں اور اسی طرح گزشتہ فسادات میں جو میرواعظ صاحب ہمدانی اور ان کے معتقدوں کے خلاف بعض خلاف قانون کارروائیاں ہوئی ہیں یا مقدمات چلائے گئے ہیں۔ اس میں قانونی امداد دیں۔ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ مہذب دنیا کے معروف دستور کے خلاف گورنر نے ان دونوں صاحبوں کو فوراً ریاست سے نکلنے پر مجبور کیا۔ ۴۷ حکم کے الفاظ یہ تھے کہ آپ لوگوں کے گزشتہ اعمال سے یہ ثابت ہے کہ آپ سری نگر میں فساد کرانے کی نیت سے آئے ہیں۔ شیخ بشیر احمد صاحب تو وکیل ہیں۔ خود اپنی طرف سے ہائی کورٹ کو توجہ دلائیں گے مگر سید زین العابدین صاحب کے متعلق جو حکم دیا گیا تھا۔ اس کے متعلق میں نے حکام کو توجہ دلائی۔ تو مجھے یہ جواب دیا گیا ہے۔ کہ سید زین العابدین کی ہتک منظور نہ تھی بلکہ مطلب صرف یہ تھا کہ ان کے آنے سے لوگوں میں جوش پیدا نہ ہو۔ لیکن حکم کے الفاظ واضح ہیں۔ حکم میں صاف یہ لکھا ہے کہ "فساد کرانے کی نیت سے آپ آئے ہیں"۔ اور یہ کہ آپ کا گزشتہ طریق عمل اس بدنیتی کی تصدیق کرتا ہے۔ پس حکام بالا کا یہ کہنا۔ کہ ہمارا ہرگز یہ منشاء نہ تھا کہ شاہ

صاحب فساد کرانے کی نیت سے آئے ہیں صاف بتاتا ہے کہ ریاست کے بعض حکام انگریز افسروں کے احکام کی پوری تعمیل نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے پاس سے خلاف واقع باتیں شامل کر دیتے ہیں۔ ریاست کے حکام کے پاس حکومت کی طاقت ہے۔ اور میرے پاس دلیل کی طاقت۔ ریاست نے حکومت کا زور آزما لیا ہے۔ اور اب اگر ریاست نے اصلاح نہ کی۔ تو میں دلیل کا زور آزماؤں گا۔ میں ایک طرف گورنر کے الفاظ کی نقل کروں گا۔ اور دوسری طرف حکام بالا کی تشریح کو اور اسے چھاپ کر تمام ممبران پارلیمنٹ اور انگریزی اخبارات اور ذمہ دار افسران کے پاس بھیجوں گا۔ اور پوچھوں گا کہ کیا یہ طریق حکومت کامیاب ہو سکتا ہے؟ میں اس کے ساتھ انگریز افسروں کی وہ تحریرات درج کروں گا۔ جو انہوں نے سید زین العابدین کے نام ارسال کی ہیں۔ اور جن میں لکھا ہے کہ انہوں نے قیام امن میں ریاست کی پوری امداد کی ہے۔ پھر دنیا اس کو پڑھ کر خود اندازہ لگائے گی کہ گورنر کشمیر کا یہ حکم حکومت کے زور پر تھا یا کہ دلیل اور انصاف کے زور پر۔ وہ اس امر کا اندازہ لگالے گی کہ انگریز حکام کی منشاء کو ماتحت حکام کس طرح پورا کر رہے ہیں۔ اور ان کی آمد سے غریب مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچ رہا ہے؟ میرا ہمیشہ سے یقین ہے کہ دلیل تلوار سے زیادہ زبردست ہے اور باوجود حکومت کشمیر کی طاقت اور اس کے معاونوں کی قوت کے مجھے یقین ہے کہ جلد یا بدیر میری کمزوری کے باوجود مظلوم کی مدد کی کوشش اور انصاف کی تائید آخر کامیاب ہو کر رہے گی۔ یہ دنیا لاوارث نہیں۔ اس کے اوپر ایک زبردست خدا نگران ہے وہ ہمیشہ انصاف اور سچ کی امداد کرتا ہے اور وہ یقیناً اب بھی ان غیر منصفانہ افعال کو جیتنے نہیں دے گا۔

تیسری کوشش میں نے یہ کی کہ اپنے انگلستان کے نمائندہ کو تار دی کہ وہ وہاں وزراء اور امراء اور ممبران پارلیمنٹ اور پریس کے سامنے سب حالات رکھیں۔ اور انصاف کی طرف توجہ دلائیں۔ اس بارہ میں جو کام ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک ذی اثر دوست نے اس بارہ میں وزیر ہند سے ملاقات اور گفتگو کی ہے۔ پارلیمنٹ کے بعض ممبروں نے پارلیمنٹ میں سوال کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ اور بعض ذمہ دار امراء نے اس معاملہ کی طرف خود توجہ کرنے اور اس کی اہمیت کی طرف حکومت کو توجہ دلانے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ سو امید ہے کہ انشاء اللہ جلد انگلستان کے لوگوں کی توجہ اس سوال کی طرف ہو جائے گی اور ان کی توجہ کا نیک اثر ہندوستان میں بھی پیدا ہو گا۔

چوتھی کوشش میں نے اس بارہ میں یہ کی ہے کہ اپنے ایک نمائندہ کو شملہ بھجوا دیا ہے۔ تاکہ وہ وہاں کے ذی اثر لوگوں اور حکام کو مل کر معاملات کشمیر کی طرف توجہ دلائیں۔ جنہوں نے یہ کام شروع کر دیا ہے۔ اور امید ہے کہ جلد اس کے نیک نتائج نکلنے شروع ہو جائیں گے۔ لیکن چونکہ میں اب کشمیر کمیٹی کا صدر نہیں ہوں۔ اس لئے یقیناً اس کام میں میرے ہاتھ اور بھی مضبوط ہو جائیں گے۔ اگر کشمیر

کی ریاست کی مختلف انجمنیں ریزولیوشنوں کے ذریعہ سے اس امر کا فیصلہ کریں اور حکومت کو اطلاع دیں کہ میں ان کے حقوق کے لئے حکومت کو مخاطب کرنے کا حق رکھتا ہوں۔....... میں تو یہ چاہتا ہوں کہ جو لوگ مجھ سے امداد چاہتے ہیں میں حسب وعدہ ان کی امداد کروں۔ اور ان کی قومی آزادی اور ان کے حقیقی لیڈر شیخ محمد عبداللہ صاحب کی آزادی کے لئے کوشش کروں اور انہیں چاہئے کہ وہ اس طرح مجھے اپنی خدمت کا موقع دیں.......

موجودہ صورت حالات: اپنے کام کے اظہار کے بعد اب میں آپ لوگوں کو موجودہ صورت حال کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ آپ لوگ غالباً اس امر کو سمجھ چکے ہوں گے۔ کہ بعض افسران ریاست نے یہ دیکھ کر کہ ریاست کے بعض سابق افسران کے مظالم اس قدر طشت از بام ہو چکے ہیں کہ سیاسی عذرات کے ماتحت کشمیر کے حقیقی لیڈروں کو قید کرنا۔ ان کے لئے بالکل ناممکن ہے۔ قومی خدام کو فساد اور شورش کے الزام کے نیچے گرفتار کرنا شروع کر دیا ہے۔

میں اس امر کا یقین رکھتا ہوں کہ بعض افسران ریاست کی نیت درست نہیں اور اس یقین کی وجوہ یہ ہیں۔

۱۔ میرے ایک نمائندہ سے ریاست کے ایک ہندو وزیر نے گزشتہ سال یہ الفاظ کہے تھے۔ کہ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہم آپ کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمیں بھی پارٹیاں بنانی آتی ہیں اور ہم بھی ریاست میں آپ کے خلاف پارٹیاں بنوا سکتے ہیں۔ بعض لوگ جو شیخ محمد عبداللہ صاحب کے خلاف کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی نسبت یقینی طور پر ثابت ہے کہ وہ اس وزیر سے خاص تعلقات رکھتے ہیں۔

۲۔ باہمی مناقشات دیر سے شروع تھے۔ لیکن نہ حکومت نے ان پر سختی سے نوٹس لیا اور نہ شیخ محمد عبداللہ صاحب کو اس کا ذمہ دار بنایا۔ لیکن آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اس اجلاس کے بعد جس میں مسٹر مہتہ کے خلاف ریزولیوشن تھا۔ یکدم ریاست میں بھی ہل چل شروع ہو گئی۔ اور بعض ریاست کے افراد نے باہر آکر لوگوں کو اکسانا شروع کیا کہ کمیٹی کا احمدی صدر نہیں ہونا چاہئے اور ان ایجنٹوں میں سے ایک نے اپنے ایک ہم خیال لیڈر سے لاہور میں کہا کہ اگر آپ چاہیں۔ تو میں پندرہ سولہ ہزار فوراً مہیا کر سکتا ہوں۔ پھر اس نے کشمیر جا کر اپنے ایک دوست کو لکھا۔ کہ میں لاہور میں آگ لگا آیا ہوں۔ اب چاہئے کہ یہ آگ سلگتی رہے۔ اور بجھے نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسٹر مہتہ کے بعض ہوا خواہوں نے یہ کارروائی کی ہے۔ ورنہ واقعات کا یہ اجتماع کس طرح ہوا۔ آدمی وہی ہیں' حالات وہی ہیں' کام وہی ہیں۔ پھر نتائج کیوں مختلف نکلنے

لگے؟.........

......یہ سب واقعات اور ان کے علاوہ اور بہت سے واقعات بتاتے ہیں کہ حکومت میں ایک ایسا عنصر موجود ہے۔ جس کی اصل غرض یہ ہے کہ کسی طرح لوگوں کی ہمدردی کو شیخ محمد عبداللہ صاحب سے ہٹا کر دوسری پارٹی کی طرف کر دیا جائے۔ یا کم سے کم ان کی پارٹی کو کچل دیا جائے۔ مگر کیا نوجوانان کشمیر اس بے غرض خدمت کو بھول جائیں گے جو ان کے لیڈر شیخ محمد عبداللہ صاحب نے نہایت مخالف حالات میں کی ہے؟ میں امید کرتا ہوں کہ کشمیر کے تمام غیور باشندے اس سوال کا جواب یک زبان ہو کر یہی دیں گے کہ ہرگز نہیں۔

...... آپ لوگوں کو چاہئے کہ ہر قسم کے فساد سے بچیں۔ وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ کشمیر آزاد نہ ہو۔ فساد ڈلوانے کی پوری کوشش کریں گے۔ مگر آپ کا فرض ہے کہ قانون شکنی نہ کریں۔ اور صرف اپنے کام سے کام رکھیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ باوجود قانون کا احترام اور ادب کرنے کے فتح حاصل ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے۔ اور اگر آپ لوگ میری ہدایتوں پر عمل کریں تو مجھے یقین ہے کہ آپ کو بغیر کسی فساد کے کامیابی ہوگی۔ آپ پچھلے سال دیکھ چکے ہیں کہ میرے مشورے آپ کے لئے مفید ثابت ہوئے ہیں۔ اب پھر آپ لوگ تجربہ کر لیں۔ یہی راہ آپ کے لئے مفید ثابت ہوگی۔ کہ قانون نہ توڑیں اور غیر ضروری شور نہ مچائیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے ایسے راستے کھولے ہیں کہ وہ بغیر قانون شکنی کے اپنے حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر امن کی وہ طاقت رکھی ہے کہ شورش پسندی کو وہ طاقت ہرگز حاصل نہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ پہلے بھی ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ مگر میں آپ کو مزید ہوشیار کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگر آپ آپس میں لڑیں گے تو سب مسلمانوں کی ہمدردی آپ سے جاتی رہے گی۔ اور آپ اکیلے رہ جائیں گے۔ اور دشمنوں کا شکار ہو جائیں گے۔

آئندہ کے لئے دستور عمل: اب میں آپ کو آئندہ کام کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جب حکومت سختی پر اتر آئے تو انجمنیں کام نہیں دے سکتیں۔ پس جب تک شیخ صاحب باہر نکلیں نوجوانوں کا فرض ہے کہ قومی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے اپنی تنظیم کریں۔ اور اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ سرینگر جیسے شہر میں تو محلہ وار قومی خدمت کا درد رکھنے والے لوگ آپس میں سے ایک ایک شخص کو اپنا لیڈر بنا لیں۔ اس کا نام خواہ ڈکٹیٹر رکھیں یا کچھ اور مگر بہرحال محلہ وار ایک ایک لیڈر ہونا چاہئے۔ اور اس کے بعد محلوں کے لیڈر اپنے میں سے ایک لیڈر تجویز کر لیں۔ جو سارے شہر

کے حالات کا نگران رہے۔

جو چھوٹے شہر یا قصبات ہیں وہ اپنا ایک ایک لیڈر چن لیں۔ اس انتظام میں ہر ایک جماعت کو چاہئے کہ حلفیہ اس امر کا اقرار کرے کہ وہ اپنے لیڈروں کی تمام قومی امور میں فرمانبرداری کرے گی۔ میں یہ صرف اس خیال سے لکھ رہا ہوں۔ کہ شاید اس وقت تک اس قسم کا انتظام مکمل نہ ہوا ہو۔ لیکن اگر شیخ محمد عبداللہ صاحب جیل میں جانے سے پہلے ایسا انتظام کر چکے ہیں تو جس جس جگہ یہ انتظام موجود ہے وہاں اس قسم کے انتظام کی ضرورت نہیں۔ البتہ جہاں کوئی لیڈر مقرر نہیں ہو چکا وہاں مقرر کر لیا جائے۔ میرا جہاں تک علم ہے ابھی ریاست کا اکثر حصہ اس انتظام سے خالی ہے۔ میں اس سے پونچھ اور بعض دیگر علاقوں کو مستثنیٰ کرتا ہوں۔ کیونکہ وہاں کی انجمنیں اب تک نہایت منظم صورت میں کام کر رہی ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ انہیں کسی نئے انتظام کی ضرورت نہیں۔ لیکن سرینگر اور جموں کے شہروں سے باہر علاقہ کشمیر و جموں میں ابھی تک یہ انتظام مکمل نہیں۔ وہاں فوراً اس قسم کا انتظام ہو جانا چاہئے۔ یہ آپ لوگوں کے لئے مصیبت کا زمانہ ہے۔ اور ایسے زمانوں میں بغیر ایک لیڈر کے جس کی اطاعت سب لوگ کریں کام نہیں چلتا۔ اور جس طرح سارے ملک کو ایک لیڈر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح علاقوں اور شہروں اور گاؤں کو بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے میری پہلی نصیحت تو آپ لوگوں کو یہ ہے کہ جس جس جگہ کوئی ایسا شخص موجود نہیں کہ جس کی اطاعت کا آپ اقرار کر چکے ہیں اس اس جگہ فوراً ایک لیڈر منتخب کر کے کام کو منظم کرنے کی کوشش کریں۔ اگر کسی وقت وہ لیڈر قید ہو جائے یا کام چھوڑ دے یا فوت ہو جائے تو اسی وقت دوسرا آدمی اس کی جگہ مقرر کر دیا جائے۔ جہاں جہاں ایسے آدمی پہلے سے مقرر ہیں۔ یا جہاں پہلے مقرر نہیں تھے۔ اور اب مقرر کئے جائیں۔ انہیں چاہئے کہ مجھے اپنے ناموں اور پتوں سے اطلاع دیں تاکہ میں انہیں ضروری حالات سے آگاہ رکھوں۔ اور تاکہ ان کی جو امداد مجھ سے ممکن ہو اس کا سامان کروں۔

میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ اگر آپ کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔ تو جو لوگ اس قومی تحریک میں شامل ہونا چاہیں۔ ان سب سے حلفیہ اقرار لیا جائے کہ وہ ہر قسم کی شورش اور فساد سے بچیں گے۔ کیونکہ بغیر حلف کے لوگ وقت پر اپنے فرائض کو بھول جاتے ہیں۔ لیکن جب وہ قسم اٹھا لیں تو وہ قسم انہیں ان کے فرائض یاد دلاتی رہتی ہے۔ چاہئے کہ آپ کی مظلومیت ہمیشہ واضح رہے۔ جب تک آپ کی مظلومیت ثابت کی جاسکے گی اس وقت تک آپ غالب رہیں گے۔ جب یہ امر مشتبہ ہو جائے گا۔ اسی وقت لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور آپ کی تحریک کی ساری طاقت زائل ہو جائے گی۔

جو لوگ لیڈر مقرر ہوں یا پہلے سے مقرر ہیں انہیں چاہئے کہ کامیابی کے لئے مندرجہ ذیل طریق

اختیار کریں۔

۱۔ جب تک شیخ محمد عبداللہ صاحب قید سے آزاد نہ ہوں۔ اس وقت تک تمام لوگوں کو نصیحت کریں کہ روزانہ گھروں میں ان کی آزادی کے لئے دعا کریں۔ اس سے ہر گھر میں شیخ صاحب کا ذکر بھی تازہ رہے گا۔ اور بچوں' بوڑھوں' عورتوں' مردوں سب کو یہ یاد رہے گا کہ شیخ محمد عبداللہ صاحب کو آزاد کرانا ان کا فرض ہے۔ اس طرح یہ دعا خود ان کے اندر بھی زندگی قائم رکھے گی۔

۲۔ دوسرے ان کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ بغیر شور کرنے کے اپنے محلہ یا شہر کے لوگوں کو سیاسی حالات سے باخبر رکھیں۔ اور ان کے علاقہ میں جو ظلم ہوں۔ ان سے فوراً اپنے مرکزی انتظام کو اور مجھے خبر دیں۔ تاکہ اس کے متعلق مناسب کارروائی کی جاسکے۔

۳۔ چونکہ ان دنوں حکومت پر یہ اثر ڈالا جارہا ہے۔ کہ لوگ شیخ محمد عبداللہ کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اور چونکہ پبلک مظاہرے اس وقت مناسب نہیں ہیں۔ اس لئے اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کہ ملک کلی طور پر شیخ محمد عبداللہ صاحب کے ساتھ ہے۔ چاہئے کہ کوئی نشان ایسا مقرر کر لیا جائے۔ جس کو دیکھتے ہی ہر شخص یہ سمجھ لے کہ یہ لوگ شیخ محمد عبداللہ صاحب کے ساتھ ہیں۔ میرے خیال میں اگر ایک سیاہ نشان ہر ایک شخص اس وقت تک کہ شیخ محمد عبداللہ صاحب جیل سے نکلیں اپنے بازو پر باندھ لے تو یہ ایک عمدہ ذریعہ حکومت پر اس امر کے ظاہر کرنے کا ہوگا۔ کہ ملک سوائے چند ایک لوگوں کے کلی طور پر شیخ محمد عبداللہ صاحب کے ساتھ ہے۔ اسی طرح بغیر جلوس نکالنے کے ہر گلی اور کوچے میں چلتے ہوئے لوگ اس نشان کے ذریعہ سے حکومت پر واضح کر دیں گے کہ ہم شیخ محمد عبداللہ صاحب کو اپنا لیڈر سمجھتے ہیں اور چونکہ اس طرح فرداً فرداً اپنے خیال کے ظاہر کرنے میں کسی فساد کا خطرہ نہیں ہو سکتا۔ حکومت بھی اس میں دخل نہ دے سکے گی۔ اور ایک طرف تو ملک منظم ہوتا چلا جائے گا۔ اور دوسری طرف ملک کی رائے کا اظہار ایک پرامن طریق سے ہوتا رہے گا۔ مگر اس قسم کے انتظام کو بااثر بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ انتظام وسیع ترین پیمانہ پر کیا جائے۔ اور حتی الوسع شیخ صاحب کے ساتھ تعلق رکھنے والا کوئی فرد اس سے باہر نہ رہے۔

آخر میں پھر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ میں یہ مضمون لکھ ہی رہا تھا کہ مجھے بعض نہایت خوش کن خبریں ملی ہیں۔ جن سے میں سمجھتا ہوں کہ خدا کے فضل سے آپ لوگوں کی بہتری کے سامان پیدا ہو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے دکھوں کو جلد دور کرنے والا ہے۔ آپ

کو صرف تھوڑے سے حوصلہ کی ضرورت ہے اور اس امر کی ضرورت ہے۔ کہ ملک کے غداروں کے دھوکے میں نہ آئیں۔ میں پھر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جب تک آپ لوگوں میں سے کوئی حصہ بھی میری مدد کی ضرورت کو سمجھے گا۔ میں انشاء اللہ ہر ممکن مدد آپ لوگوں کی ترقی کے بارہ میں کرتا رہوں گا۔ والتوفیق من اللہ۔ واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔ والسلام۔

خاکسار مرزا بشیر الدین محمود احمد۔ قادیان

مورخہ ۱۱/ جولائی ۱۹۳۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

جس مسلم کو یہ مضمون پہنچے وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی ضرور پہنچاوے

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

کشمیر ایجی ٹیشن ۱۹۳۸ء کے متعلق چند خیالات

اصلاحات کشمیر سے جو میرا تعلق رہا ہے اس کے یاد کرانے کی مجھے ضرورت نہیں۔ اس جدوجہد میں جو خدمت کرنے کی مجھے اللہ تعالٰی نے توفیق دی اس کے بیان کرنے کی بھی میں ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ کیونکہ میرے نزدیک وہ بنیاد جو صرف ماضی پر رکھی جاتی ہے اس قدر مضبوط نہیں ہوتی۔ جس قدر وہ جو حال میں اپنی صداقت کا ثبوت رکھتی ہے۔ اس لئے میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے فلاں وقت کوئی کام کیا تھا۔ اس لئے میری بات سنو۔ بلکہ اہل کشمیر سے صرف یہ کہتا ہوں کہ میں اب جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر غور کریں اور اگر اس میں سے کوئی بات آپ کو مفید نظر آئے تو اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

جب میں نے کام شروع کیا تھا اس وقت کشمیر ایجی ٹیشن گو بظاہر فرقہ وارانہ تھا۔ مگر جو مطالبات پیش کئے جاتے تھے وہ فرقہ وارانہ نہ تھے۔ زمینوں کی واگزاری کا فائدہ صرف مسلمانوں کو نہ پہنچتا تھا۔ نہ پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی کا تعلق صرف مسلمانوں سے تھا۔ نہ حکومت کے مشوروں میں شراکت

میں مسلمانوں کو کوئی خاص فائدہ تھا۔ ملازمتوں کا سوال ایک ایسا سوال تھا جس میں مسلمانوں کے لئے کچھ زائد حقوق کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ لیکن اسی ۹۰ فی صدی آبادی کے لئے اس کے گم گشتہ حقوق میں سے صرف تھوڑے سے حق کا مطالبہ فرقہ وارانہ مطالبہ نہیں کہلا سکتا۔

اس تحریک کا نتیجہ کم نکلا یا زیادہ۔ مگر بہرحال کچھ نہ کچھ نکلا ضرور۔ اور کشمیر کے لوگ جو سب ریاستوں کے باشندوں میں سے کمزور سمجھے جاتے تھے اس ادنیٰ مقام سے ترقی کر کے ایک ایسے مقام پر کھڑے ہو گئے کہ اب وہ دوسری ریاستوں کے باشندوں کے سامنے شرمندہ نہیں ہو سکتے۔

میں نے جو کچھ اسلام سے سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا ایک سمجھوتہ سچائی پر مبنی ہونا چاہئے۔ یہ نہیں کہ ہم ظاہر میں کچھ کہیں اور باطن میں کچھ ارادہ کریں۔ ایسے ارادوں میں جن میں سچائی پر بناء نہیں ہوتی۔ کبھی حقیقی کامیابی نہیں ہوتی اور کم سے کم یہ نقص ضرور ہوتا ہے کہ آنے والی نسلیں خود اپنے باپ دادوں کو گالیاں دیتی ہیں اور وہ تاریخ میں عزت کے ساتھ یاد نہیں کئے جاتے۔ پس میرے نزدیک کسی سمجھوتے سے پہلے ایسے سب امور کا جو اختلافی ہوں مناسب تصفیہ ہو جانا چاہئے تا بعد میں غلط فہمی اور غلط فہمی سے اختلاف اور جھگڑا پیدا نہ ہو۔

اس اصل کے ماتحت جب میں نے اس تحریک کا مطالعہ کیا تو مجھے اخباری بیانات سے کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ آیا مسلم و غیر مسلم کے سیاسی سمجھوتے کی مشکلات کو پوری طرح سمجھ لیا گیا ہے یا نہیں اور مسلم و غیر مسلم کے حقوق کے متعلق جو شکایات ہیں ان کو دور کرنے کی تدبیر کر لی گئی ہے یا نہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قوموں کی جدوجہد دو غرضوں میں سے ایک کے لئے ہوتی ہے یا تو اس لئے کہ اس قوم نے کوئی پیغام دنیا تک پہنچانا ہوتا ہے۔ اس صورت میں وہ عواقب و نتائج کو نہیں دیکھا کرتی۔ نقصان ہو یا فائدہ وہ اپنا کام کئے جاتی ہے۔ جیسے اسلام کے نزول کے وقت غریب اور امیر سب نے قربانی کی اور اس کی پرواہ نہیں کی کہ کسے نقصان ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے۔ کیونکہ مادی نتیجہ مد نظر نہ تھا۔ بلکہ پیغام الٰہی کو دنیا تک پہنچانا مد نظر تھا۔ اس پیغام کے پہنچ جانے سے ان کا مقصد حاصل ہو جاتا تھا۔ خواہ دنیا میں انہیں کچھ بھی نہ ملتا۔ اور اس پیغام کے پہنچانے میں ناکامی کی صورت میں ان کو کوئی خوشی نہ تھی۔ خواہ ساری دنیا کی حکومت ان کو مل جاتی۔ یا پھر قومی جدوجہد اس لئے ہوتی ہے کہ کوئی قوم بعض دنیوی تکلیفوں کو دور کرنا چاہتی ہے وہ ہر قدم پر یہ دیکھنے پر مجبور ہوتی ہے کہ جن تکالیف کو دور کرنے کے لئے میں کھڑی ہوئی ہوں وہ اس جدوجہد سے دور ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس کی ہر ایک قربانی ایک مادی فائدے کے لئے ہوتی ہے۔ اور وہ اس مادی فائدے کے حصول کے لئے جدوجہد کرتی ہے۔ تمام سیاسی تحریکیں اس دوسری قسم کی جدوجہد سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور مادی فوائد کو ان میں نظرانداز

نہیں کیا جا سکتا۔ جب یہ امر ظاہر ہو گیا تو ہمیں سوچنا چاہئے کہ کشمیر کی تحریک کوئی مذہبی تحریک ہے یا سیاسی۔ اگر سیاسی ہے تو ہمیں غور کرنا چاہئے کہ وہ کون سے فوائد ہیں جن کے لئے اہل کشمیر کوشاں ہیں خصوصاً مسلمان؟

اس سوال کا جواب میں سمجھتا ہوں با آرام ہر کشمیری یہ دے گا کہ اس کی جدوجہد صرف اس لئے ہے کہ اس کی بآرام اور خوش زندگی کا سامان کشمیر میں نہیں ہے۔ نہ اس کی تعلیم کا اچھا انتظام ہے نہ اس کی زمینوں کی ترقی کے لئے کوشش کی جاتی ہے نہ اسے حریت ضمیر حاصل ہے نہ اس کی اس آبادی کے اچھے گزارہ کے لئے کوئی صورت ہے۔ جس کا گزارہ زمین پر نہیں بلکہ مزدوری اور صنعت و حرفت پر ہے اور نہ اس کی تجارتوں اور کارخانوں کی ترقی کے لئے ضرورت کے مطابق جدوجہد ہو رہی ہے۔ نہ اسے اپنے حق کے مطابق سرکاری ملازمتوں میں حصہ دیا جا رہا ہے۔ اور ان لوگوں میں سے جن کے ذریعہ سے حکومت تاجروں' ٹھیکہ داروں وغیرہ کو نفع پہنچایا کرتی ہے۔ اور نہ مجالس قانون ساز میں ان کی آواز کو سنا جاتا ہے۔ یہ مطالبات مسلمانان ریاست جموں و کشمیر کے ہیں۔ اور یہی مطالبات قریباً ہر افتادہ قوم کے ہوتے ہیں۔

یہ امر ظاہر ہے کہ وہی سکیم مسلمانان کشمیر کے لئے مفید ہو سکتی ہے جو اوپر کی اغراض کو پورا کرے۔ اور دوسری کوئی سکیم انہیں نفع نہیں دے سکتی پس میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نیا اتحاد جو مسلمانوں کے ایک طبقہ کا بعض دوسری اقوام سے ہوا ہے۔ کیا اس غرض کو پورا کرتا ہے؟

ہر ایک شخص جانتا ہے کہ مسلمانوں کو بہت بڑا نقصان ملازمتوں اور ٹھیکوں وغیرہ میں اور مجالس آئینی میں تناسب کے لحاظ سے حصہ نہ ملنے کی وجہ سے پہنچ رہا ہے اور یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ ان ملازمتوں پر سوائے چند ایک بڑے افسروں کے ریاست ہی کے باشندے قابض ہیں۔ جو غیر مسلم اقوام سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہی حال ٹھیکوں کا ہے۔ وہ بھی اکثر مقام میں غیر مسلم اصحاب کے ہاتھوں میں ہے۔ اسی طرح مجالس آئینی میں بھی مسلمانوں کا حق زیادہ تر ریاست کشمیر کے غیر مسلم باشندوں کے ہاتھ میں ہی ہے۔ ان حالات میں لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان اقوام نے اپنے حاصل کردہ منافع مسلمانوں کے حق میں چھوڑ دینے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اگر نہیں تو یہ سمجھوتہ کس کام آئے گا۔ اگر اس تمام جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مہاراجہ صاحب بہادر کے ہاتھ سے اختیار نکل کر رعایا کے پاس اس صورت میں آجاتے ہیں کہ نہایت قلیل اقلیت نے نصف یا نصف کے قریب نمائندگی پر قابض رہنا ہے اور اسی طرح ملازمتوں اور ٹھیکوں وغیرہ میں بھی اسے یہی حصہ ملنا ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ پندرہ فیصدی باشندے پچاس فی صدی آمد پر قابض رہیں۔ اور پچاسی فیصدی باشندے بھی پچاس فیصدی آمد

پر قابض رہیں۔ گویا ایک جماعت کے ہر فرد پر ۳/۱ ۳ فیصدی آمد خرچ ہو اور دوسری قوم کے ہر فرد پر ۷/۱ ۱۰ فیصدی آمد خرچ ہو یا دوسرے لفظوں میں ہمیشہ کے لئے کچھ مسلمان اتنا حصہ لیں جتنا کہ ایک غیر مسلم حصہ لے۔ یہ تقسیم تو بالبداہت باطل ہے۔

اگر سمجھوتہ اس اصول پر نہیں بلکہ اس اصول پر ہے کہ ہر قوم اپنے افراد اور لیاقت کے مطابق حصہ لے۔ خواہ مجالس آئین میں ہو خواہ ملازمتوں میں خواہ ٹھیکہ میں۔ گو اقلیت کو اس کے حق سے استمالت کے لئے کچھ زیادہ دے دیا جائے اور اس کے ساتھ یہ شرطیں ہوں کہ اقلیت کے مذہب اس کی تہذیب اور تمدن کی ہمیشہ حفاظت کی جائے گی۔ تو یہ ایک جائز اور درست اور منصفانہ معاہدہ ہو گا۔ مگر جہاں تک میں نے اخبارات سے پڑھا ہے ایسا کوئی معاہدہ مسلمانان کشمیر اور دیگر اقوام میں نہیں ہوا۔ اور نہ میں سمجھ سکا ہوں کہ موجودہ حالات میں وہ اقوام جو ملازمتوں اور ٹھیکوں اور دوسرے حقوق پر قابض ہیں وہ اس آسانی سے اپنے حاصل کردہ فوائد مسلمانوں کو واپس دینے کے لئے تیار ہو جائیں گی۔ اور اگر ایسا نہیں کیا گیا تو لازماً یہ اتحاد بعد میں جا کر فسادات کے بڑھ جانے کا موجب ہو گا۔ اگر کوئی کامیابی ہوئی اور مسلمانوں نے اپنے حقوق کا مطالبہ کیا تو غیر مسلم اقوام کہیں گی کی جدوجہد تو صرف اختیارات پبلک کے ہاتھ میں لانے کے لئے تھی۔ سو وہ آگئے ہیں۔ کسی قوم کو خاص حق دینے کے متعلق تو تھی ہی نہیں۔ ہم بھی کشمیری تم بھی کشمیری۔ ملازمت ہمارے پاس رہی تو کیا۔ تمہارے پاس رہی تو کیا۔ جو لوگ عہدوں پر ہیں وہ زیادہ لائق ہیں۔ اس لئے قوم کا کوئی سوال نہیں اٹھانا چاہئے۔ کہ اس میں ملک کا نقصان ہے اور اگر مسلمانوں کا زور چل گیا اور انہوں نے مسلمانوں کو ملازمتوں، ٹھیکوں وغیرہ میں زیادہ حصہ دینا شروع کیا تو دوسری اقوام کو رنج ہو گا اور وہ کہیں گی کہ پہلے ہم سے قربانی کروائی۔ اب ہمیں نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ اور ایک دوسرے پر بدظنی اور بدگمانی شروع ہو جائے گی اور فتنہ بڑھے گا گھٹے گا نہیں۔ اور اب تو صرف چند وزراء سے مقابلہ ہے پھر چند وزراء سے نہیں بلکہ لاکھوں آدمیوں پر مشتمل اقوام سے مقابلہ ہو گا۔ کیونکہ حقوق مل جانے کی صورت میں اس قوم کا زور ہو گا جو اس وقت ملازمتوں وغیرہ پر قائم ہے خواہ وہ تھوڑی ہو اور وہ قوم دست نگر ہو گی۔ جو ملازمتوں میں کم حصہ رکھتی ہے خواہ وہ زیادہ ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ چند وزراء کو قائل کر لینا آسان ہے۔ مگر ایسی جماعت کو قائل کرنا مشکل ہے جس کی پشت پر لاکھوں اور آدمی موجود ہوں کیونکہ گو وہ قلیل التعداد ہو حکومت اور جتھا مل کر اسے کثیر التعداد لوگوں پر غلبہ دے دیتا ہے اور سیاسی ماہروں کا قول ہے کہ نہ مقید بادشاہ کی حکومت ایسی خطرناک ہوتی ہے نہ غیر ملکی قوم کی۔ جس قدر خطرناک کہ وہ حکومت ہوتی ہے جس میں قلیل التعداد لیکن متحد قوم اکثریت پر حکمرانی کر رہی ہو۔ کیونکہ اس کا نقصان ملک کے اکثر حصہ کو پہنچتا ہے۔ لیکن اس

کا ازالہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی تاریخ کو دیکھ لو کہ ایسی حکومتیں ہمیشہ دیرپا رہی ہیں اور انہوں نے اکثریت کو بالکل تباہ کر دیا ہے۔ ہندوستان میں ہی اچھوت اقوام کو دیکھ لو کہ ایک زبردست اکثریت سے اب وہ اقلیت میں بدل گئی ہے۔ اور ان کے حالات جس قدر خراب ہیں وہ بھی ظاہر ہیں۔

پس میرے نزدیک بغیر ایک ایسے فیصلہ کے جسے پبلک پر ظاہر کر دیا جائے ایسا سمجھوتہ مفید نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نفع یا نقصان تو پبلک کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ممکن ہے غیر مسلم لیڈر مسلمانوں کو بعض حق دینے کے لئے تیار ہو جائیں لیکن ان کی قومیں تسلیم نہ کریں۔ پھر ایسے سمجھوتے سے کیا فائدہ۔ یا مسلمان لیڈر بعض حق چھوڑنے کا اقرار کرلیں۔ لیکن مسلمان پبلک اس کے لئے تیار نہ ہو اور ملک کی قربانیاں رائگاں جائیں اور فساد اور بھی بڑھ جائے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں کوئی سمجھوتہ مسلمانوں کے لئے مفید نہیں ہو سکتا جب تک وہ لاکھوں مسلمانوں کی بدحالی اور بے کاری کا علاج تجویز نہ کرتا ہو یعنی ان کی تعداد کے قریب قریب انہیں ملازمتوں اور ٹھیکوں وغیرہ میں حق نہ دلاتا ہو۔ جو سمجھوتہ اس امر کو مدنظر نہیں رکھتا وہ نہ کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ امن پیدا کر سکتا ہے۔ عوام لیڈروں کے لئے قربانی کرنے میں بے شک دلیر ہوتے ہیں لیکن جب ساری جنگ پیٹ کے لئے ہو اور پیٹ پھر بھی خالی کا خالی رہے تو عوام الناس زیادہ دیر تک صبر نہیں کر سکتے اور ان کے دلوں میں لیڈروں کے خلاف جذبہ نفرت پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ایسے فتنہ کا سدباب کر دینا شروع میں ہی مفید ہوتا ہے۔

یہ میرا مختصر مشورہ مسلمانان کشمیر کو ہے وہ اپنے مصالح کو خوب سمجھتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں میں تو اب کشمیر کمیٹی کا پریذیڈنٹ نہیں ہوں اور یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ آیا کشمیر کمیٹی کی رائے اس معاملہ میں کیا ہوگی۔ لیکن سابق تعلقات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے مشورہ دینا مناسب سمجھا۔

عقلمند وہی ہے جو پہلے سے انجام دیکھ لے۔ میرے سامنے سمجھوتہ نہیں نہ صحیح معلوم ہے کہ کن حالات میں اور کن سے وہ سمجھوتہ کیا گیا ہے۔ میں تو اخبارات میں شائع شدہ حالات کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ اس کا سمجھوتہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں ہوا ہے۔ اور اس کے مطابق اب دونوں قومیں مشترکہ قربانی پر تیار ہو رہی ہیں۔ پس میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ قربانی ایک مقدس شے ہے اور بہت بڑی ذمہ داریاں اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کو اچھی طرح سوچ لینا چاہئے کہ وہ کس امر کے لئے قربانی کرنے لگے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اس امر کو نباہنے کی طاقت رکھتے ہیں یا نہیں۔ اور کہیں ایسا تو نہیں کہ موجودہ سمجھوتہ بجائے پریشانیوں کے کم کرنے کے نئی پریشانیاں پیدا کر دے۔ انگریزی کی ایک مثل ہے کہ کڑاہی سے نکل کر آگ میں گرا۔ سو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ جدوجہد کا نتیجہ یہ

ہے کہ سب کڑاہی سے نکل آئیں گے یا یہ کہ بعض کڑاہی سے نکل کر باہر آ جائیں گے اور بعض آگ میں گر کر بھونے جائیں گے۔

میں اس موقعہ پر حکومت کو بھی یہ نصیحت کروں گا کہ پبلک کے مفاد کا خیال رکھنا حکومت کا اصل فرض ہے۔ اسے چاہئے کہ اپنے زور اور طاقت کو نہ دیکھے بلکہ اس کو دیکھے کہ خدا نے اسے یہ طاقت کیوں دی ہے؟ حاکم اور محکوم سب ایک ہی ملک کے رہنے والے ہیں۔ پس اگر وہ اپنی ہی رعایا کا سر کچلنے لگے تو یہ امر حکومت کی طاقت کے بڑھانے کا موجب نہیں ہو سکتا۔ جو ہاتھ دوسرے ہاتھ کو کاٹتا ہے وہ اپنی طاقت کا مظاہرہ نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی جڑ پر تبر رکھتا ہے۔ یہ اہالیان کشمیر ہی ہیں جو ہزہائی نس مہاراجہ کی عزت کا موجب ہیں ان کو اپنے ہم عصروں میں عزت اسی سبب سے ہے۔ کہ ان کی رعایا میں ۳۶ لاکھ افراد ہیں۔ اور اگر وہ افراد ذلیل ہیں تو یقیناً ان کی عزت اتنی بلند نہیں ہو سکتی جتنی بلند کہ اس صورت میں کہ وہ افراد معزز ہوں۔ پس ادنیٰ ترین کشمیری ریاست کشمیر کی شوکت کو بڑھانے والا ہے۔ اور وہ حکام جو اس کی عزت پر ہاتھ ڈالتے ہیں اس کی عزت پر نہیں بلکہ ریاست کی عزت پر ہاتھ ڈالتے ہیں۔ اس نازک موقعہ پر انہیں صبر اور تحمل سے کام لینا چاہئے۔ اور رعایا کے صحیح جذبات سے ہزہائی نس کو آگاہ رکھنا چاہئے کہ وفاداری کا یہی تقاضا ہے اور خیر خواہی کا یہی مطالبہ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہزہائی نس کو اپنی رعایا سے رحم اور انصاف کی اور حکام کو دیانتداری اور ہمدردی کی اور پبلک کو سمجھ اور عقل کی توفیق دے تاکہ کشمیر جو جنت نظیر کہلاتا ہے۔ جنت نہیں تو اپنے ان باغوں جیسا تو دلکش ہو جائے۔ جن کی سیر کرنے کے لئے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔

واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین۔

خاکسار میرزا محمود امام جماعت احمدیہ۔ قادیان

سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ
کے بعض نہایت اہم غیر مطبوعہ مکتوبات

مکتوب (۱) الفیض لاہور۔ ۲۵/ اکتوبر ۱۹۳۱ء۔

مکرمی درد و غزنوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ آپ لوگوں کے کام سے نہایت خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے۔ میں نے کل تار دیا تھا کہ بدھ تک کام بند کر دیں۔ جواب بھی مل گیا ہے۔ اس عرصہ میں احرار نے اعلان کیا ہے کہ جیون لال کی تار آئی ہے کہ میں آپ لوگوں سے ملنے کے لئے آ رہا

ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکام دو طرفہ چال چل رہے ہیں۔ میں نے صاف کہہ دیا ہے کہ معاملہ کو صاف کریں۔ واللہ اعلم کیا بات ہے۔ ابھی ان کا پیغام آیا ہے کہ یہ بات بھی غلط ہے کہ جیون لال وہاں سے چلے ہیں۔ وہ اب تک وہیں ہیں۔

کل کی تار کا موجب وزیر اعظم کی تار تھی کہ تقریریں رکوائیں۔ رات کو یہ سمجھوتہ ہوا تھا کہ میں جاؤں اور میری موجودگی میں نمائندوں سے ریاست فیصلہ کرے اور ابتدائی حقوق کا اعلان کرے۔ اور کمشن میں مناسب تبدیلی کرے۔ لیکن جب میں صبح اس غرض سے آدمی بھیجنے والا تھا تو وہ دوست جن کی معرفت کام ہو رہا تھا آئے اور خواہش ظاہر کی کہ مہاراجہ صاحب سردی سے تکلیف میں ہیں۔ وقت لمبا کر دیا جائے وہ جموں تشریف لے آئیں تو آسانی ہوگی۔ میں نے کہا کہ بغیر اس کے کہ حقوق کا اعلان ہو اور میعاد بڑھانے کو تیار نہیں۔ جموں ہمارے لئے مضر ہے کہ وہاں ہندوؤں کا زور ہے انہوں نے کہا کہ وہ کون سے امور ہیں جن کا اعلان ضروری ہے۔ میں نے وہ امور لکھوا دیئے اس پر انہوں نے کہا کہ اگر وہ نہ مانیں۔ میں نے جواب دیا کہ پھر ریاست سے مقابلہ ہو گا۔ اور کہا ہاں وہ تبدیلیاں پیش کریں تو بے شک میں غور کرنے کو تیار ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اگر مہاراجہ خود بلا کر نمائندوں سے کہیں کہ کچھ دن کی اور مہلت دے دو۔ میں نے کہا کہ اس میں ان کی فتح ہے۔ میں سفارش کروں گا کہ کچھ دن اور بڑھا دو باقی اپنی مصلحت وہ خود سمجھ سکتے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اگر یوں ہو کہ کچھ مہلت مل جائے اور اس عرصہ میں وقت مقرر ہو کر راجہ ہری کشن کول صاحب باہر آکر آپ سے ملیں۔ میں نے کہا کہ مجھے ان سے ملنے کا شوق نہیں۔ اصل سوال تو اہل کشمیر کے خوش ہونے کا ہے اگر وہ ساتھ ہوں اور خوش ہو جائیں تو مجھے کچھ اعتراض نہیں اس پر وہ تینوں تجویزیں لے کر گئے ہیں۔ لیکن جیون لال صاحب کی تار نے اور آپ کی تار نے شبہ ڈال دیا ہے اس لئے آپ لوگ بھی ہوشیار رہیں۔

گلنسی صاحب کے متعلق الگ ہدایات میں ذکر کروں گا۔ نہایت مخفی بات ہے۔ احرار باہر یہ مشہور کر رہے ہیں کہ قادیانی پروپیگنڈا کی وجہ سے ہمیں آنا پڑا۔ لیڈروں نے روپیہ کھا لیا ہے اور مصنوعی تاریں دلوا رہے ہیں کہ نمائندوں پر ہمیں اعتبار نہیں آپ لوگ اس سے بھی ہوشیار رہیں۔ خاکسار مرزا محمود احمد۔

(اوپر جن تجاویز کا ذکر آیا ہے۔ ان کا مسودہ حضور کے قلم سے درج ذیل کیا جاتا ہے)

عارضی معاہدہ کی شرائط

۱۔ میرپور، کوٹلی، راجوری، کشمیر و پونچھ وغیرہ کے فسادات کے متعلق ایک کمیشن جس میں ایک جج

مسلمان ایک ہندو اور ایک انگریز ہو مقرر کر دیا جائے۔ایسے جج ہوں جن پر فریقین کو اعتماد ہو۔

۲۔ ان علاقوں میں فوراً کم سے کم پچاس فیصدی افسر یعنی وزیر وزارت، سپرنٹنڈنٹ پولیس، انسپکٹران پولیس، مجسٹریٹ درجہ اول و دوم مسلمان مقرر کر دیئے جائیں اور موجودہ تمام افسر وہاں سے بدل دیئے جائیں۔گورنر کشمیر کو بھی وہاں سے فوراً بدل دیا جائے۔

۳۔ قانون، پریس اور ایسوسی ایشن انگریزی اصول پر فوراً جاری کر دئے جائیں، قانون، آزادی تقریر ابھی جاری ہو جائے۔ لیکن اگر اس کا اجراء دو تین ماہ کے لئے بعض قیود کے ماتحت ہو تو معقول قیود پر اعتراض نہ ہو گا۔

۳۔ ۷۵ معاملہ و کاہ چرائی و ٹیکس درختاں وغیرہ کے متعلق ایک کمشن مقرر کر کے مزید کمی کی جائے اور جہاں مناسب چراہ گاہیں نہیں وہاں کاہ چرائی کا ٹیکس بالکل اڑا دیا جائے جہاں چراگاہیں ہیں وہاں اس میں معقول تخفیف کی جائے۔

۴۔ معاملہ کے لگانے میں جو زیادتیاں اور بے قاعدگیاں ہوئی ہیں اور مسلمانوں پر زائد بوجھ ڈالا گیا ہے اس کی اصلاح کی جائے۔

۵۔ جن جن علاقوں کے لیڈر سول نافرمانی بند کرنے کا اعلان کریں اور جہاں لوگ معاملہ دینے لگ جائیں یا دے چکے ہوں وہاں سے آرڈیننس ہٹا دیا جائے۔ بعض افراد کے جرم قوم کی طرف منسوب نہ ہوں کثرت دیکھی جائے کہ کدھر ہے۔

۶۔ چونکہ مسلمانوں کو واقع میں روپیہ نہیں ملتا۔جن لوگوں کے پاس روپیہ نہیں معقول شرائط پر معاملہ کی ادائیگی کے لئے انہیں قرض دلوایا جائے۔ورنہ جب ان کے پاس ہو ہی نہ تو انہیں مجرم قرار نہ دیا جائے۔

۷۔ فیصلہ کر دیا جائے کہ دس سال کے عرصہ میں کم سے کم پچاس فیصدی افسر اور ماتحت عملہ قریباً مسلمانوں میں سے مقرر کیا جائے گا اور اس کے لئے ایسے قواعد تجویز ہو جائیں کہ اس فیصلہ پر عمل ہونا یقینی ہو جائے۔

۱۰۔ ۷۶ جو سیاسی قیدی اس سمجھوتہ پر دستخط کر دیں ان کو رہا کر دیا جائے اور جن ملزموں کے متعلق مسلمانوں کو شبہ ہو کہ ان کا اصل جرم سیاسی ہے صرف ظاہر میں کوئی اور الزام لگایا گیا ہے ان کے کیس پر غور کرنے کے لئے ایک ایسا جج جس پر مسلمانوں کو اعتماد ہو مقرر کیا جائے۔

۱۱۔ جو مستقل مطالبات ۱۹/ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو مسلمان نمائندوں کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں۔ان کے متعلق چھ ماہ کے اندر ریاست اپنا آخری فیصلہ شائع کر دے۔

مکتوب نمبر۲: مکرمی درد صاحب۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ ایک خط ابھی غزنوی صاحب کو لکھا ہے اس کے ضروری مطالب سے وہ آپ کو آگاہ کر دیں گے۔ جموں کے واقعات سخت قابل افسوس ہیں۔ بالا بالا کام سے سب کوشش کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہے اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ اگر اس طرح ایک جگہ کام شروع نہ کیا جاتا تو اس طرح بے دردی سے حملہ کرنے کی ریاست کے عمال کو جرأت نہ ہوتی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نظام کی پابندی کی توفیق دے۔

سیاہ نشان کے پروگرام کے متعلق اطلاع نہیں ملی۔ اس طرح کشمیر کے لوگوں کی حقیقی تعداد کا جو اس تحریک سے دلچسپی لیتی ہے خوب پتہ لگ جاتا اور دلوں میں ہر وقت آزادی کی لہر دوڑتی رہتی نہ معلوم ابھی تک عمل شروع ہوا یا نہیں۔ یہ پروگرام بہترین تعمیری پروگرام ہے اور ایک رنگ میں مردم شماری۔ کیونکہ ہر سیاہ نشان لگانے والا بغیر ایک لفظ بولنے کے اپنے مقصد کی تبلیغ بھی کرتا اور دوسرے ایک نظر سے معلوم ہو سکتا کہ کس حد تک لوگ ہمدردی رکھتے ہیں۔ گویا دل بھی مضبوط ہوتے۔ پروپیگنڈا ہوتا۔ اپنوں کو اپنے اثر کا علم ہوتا اور ریاست پر رعب پڑتا۔ اگر عمل نہیں ہوا تو اب توجہ دلائیں۔ ظاہری نشانات باطنی حالتوں پر خاص روشنی ڈالتے ہیں۔

کل آپ کی تار قانونی امداد کے متعلق ملی ہے۔ پہلے لکھ چکا ہوں کہ قانونی امداد تیار ہے۔ لیکن سوال تو یہ ہے۔ (۱) مقدمات کب شروع ہوں گے۔ (۲) کوشش ہو کہ ایک مجسٹریٹ متواتر سنے۔ (۳) کمشن کا اس وقت تک بائیکاٹ ہو جب تک پہلے کمشن کی رپورٹ رد نہ ہو اور نئے کمشن کو مسلمانوں کی مرضی کے مطابق نہ بنایا جائے۔ ورنہ دوسرا کمیشن بھی مضر ہو گا۔ اور جب تک مسلمانوں کی مظلومیت ثابت نہ ہو کانسٹی ٹیوشنل کمشن پر زور سفارش نہیں کر سکتا۔

اساسی کمیشن کا بھی اس وقت تک بائیکاٹ ہونا چاہئے جب تک اس کی ہیئت ترکیبی درست نہ ہو۔ پس بغیر ان امور کے تصفیہ کے آپ وکیل کیوں طلب کر رہے ہیں یہ سمجھ میں نہیں آیا بہرحال دوستوں کو یقین دلائیں کہ انشاء اللہ وکلاء پہنچ جائیں گے (آپ وزیراعظم سے مل کر یہ کوشش کریں کہ ایڈووکیٹ اور بیرسٹر کے بغیر بھی دوسرے وکلاء کو اجازت مل جائے۔ اس میں سہولت رہے گی)۔........

خاکسار مرزا محمود احمد

مکتوب نمبر۳: مکرمی و معظمی راجہ سرہری کشن صاحب کول۔ آپ کا خط مجھے ملا۔ اگر ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب جموں و کشمیر خیال فرماتے ہیں کہ میری ملاقات سے کوئی بہتر صورت پیدا ہو سکتی ہے

اور امن کے قیام میں مدد مل سکتی ہے تو مجھے ان کی ملاقات کے لئے کسی مناسب مقام پر آنے پر کوئی اعتراض نہیں۔ میں بڑی خوشی سے اس کام کو کروں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ریاست کا فائدہ مہاراجہ صاحب کے منشاء پر منحصر ہے۔ کیونکہ فائدہ تب ہی ہو سکتا ہے اگر مہاراجہ صاحب مجھ سے اس امر پر گفتگو کرنے کو تیار ہوں کہ مسلمانوں کے مطالبات میں سے کون سے ایسے امور ہیں جن کے متعلق خود مہاراجہ صاحب اعلان کر سکتے ہیں اور کون سے ایسے امور ہیں جن کا اصولی تصفیہ اس وقت ہو سکتا ہے لیکن ان کی تفصیلات کو گلنسی کمیشن کی رپورٹ تک ملتوی رکھنا ضروری ہے اور کون سے ایسے امور ہیں کہ جن کے لئے کلی طور پر گلنسی کمیشن کی رپورٹ کا انتظار کرنا چاہئے۔ اگر مہاراجہ صاحب اس قسم کی گفتگو کرنے پر تیار ہوں اور اس امر کو پسند فرمالیں کہ وہ کسی مناسب مقام پر جیسے چھاؤنی سیالکوٹ میں تشریف لے آئیں تو میں چند ممبران کشمیر کمیٹی کو ہمراہ لے کر وہاں آجاؤں گا تاکہ جو گفتگو ہو میں فوراً اس کے متعلق ممبروں سے گفتگو کرلوں اور فیصلہ بغیر ناواجب دیر کے ہو سکے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ایسا انتظام ہو گیا تو یقیناً ریاست اور مسلمانوں دونوں کے لئے مفید ہو گا۔ کیونکہ میرا یا میرے ساتھیوں کا ہرگز یہ منشاء نہیں کہ فساد پھیلے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی صورت پیدا ہو جائے۔ اس صورت میں ہم پوری طرح امن کے قیام کے لئے کوشش کریں گے۔

والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد

مکتوب نمبر ۴: مکرمی راجہ سر ہری کشن کول صاحب۔ آپ کا خط مورخہ ۳۱/ دسمبر ۱۹۳۱ء ملا۔ جس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ چونکہ مقدم چیز یہ ہے کہ ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب سے میری ملاقات کوئی مفید نتیجہ پیدا کرے۔ اس لئے سردست میں ملاقات کی جگہ کے سوال کو نظرانداز کرتا ہوں اور اصل سوال کو لیتا ہوں جو مسلمانوں کے حقوق کے تصفیہ کے متعلق ہے۔ اگر ان امور کے متعلق ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب ہمدردانہ طور پر غور فرمانا چاہیں تو میں انشاء اللہ پوری کوشش کروں گا کہ مناسب سمجھوتہ ہو کر ریاست میں امن قائم ہو جائے۔

مسلمانان کشمیر کے مطالبات کے جواب میں جو اعلان ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر نے ۱۲/ نومبر ۱۹۳۱ء کو فرمایا وہ بحیثیت مجموعی بہت قابل قدر تھا۔ اور اسی لئے مسلمانان کشمیر اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے اس کے متعلق قدردانی اور شکریہ کا اظہار کیا۔ مگر جیسا کہ آپ کو معلوم ہے جو مطالبات ریاست کے سامنے نمائندگان نے پیش کئے تھے ان میں نو امور ایسے تھے جن کے متعلق ان کا مطالبہ تھا کہ ان کا مناسب

فیصلہ فوراً کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے متعلق فوری فیصلہ کرنے میں کوئی روک نہیں۔ اور وہ ہرگز کسی قسم کے کمشن کے قیام کے محتاج نہیں ہیں۔ مگر میں افسوس کرتا ہوں کہ اب تک ان مطالبات کے متعلق کوئی کارروائی اس رنگ میں نہیں ہوئی کہ مسلمانوں کی تسلی کا موجب ہو۔

سب سے پہلا مطالبہ یہ تھا کہ جن حکام نے مسلمانوں کے مذہبی احساسات کو صدمہ پہنچایا ہے انہیں مناسب سزا دی جائے دلال کمیشن حالانکہ مسلمان اس پر خوش نہیں تسلیم کرتا ہے کہ ایک انسپکٹر پولیس نے خطبہ سے امام کو روک کر فساد کی آگ بھڑکائی لیکن اس وقت تک اسے کوئی سزا نہیں دی گئی اور نہ اس شخص کو جس نے قرآن کی ہتک کی تھی کوئی سزا دی گئی۔ اس کا ریٹائر ہونا طبعی وقت پر ہوا ہے اور وہ کوئی سزا نہیں۔

دوسرا مطالبہ جو مقدس مقامات کے متعلق تھا وہ ایک حد تک پورا ہو رہا ہے۔ لیکن اول تو ابھی بہت سے مقدس مقامات واگزار ہونا باقی ہیں۔ علاوہ ازیں جو مسجد واگزار کی گئی ہے۔ یعنی پتھر مسجد وہ ایسی خراب حالت میں ہے کہ مسلمانوں پر اس کی مرمت کا بوجھ ڈالنا ایک سزا ہو گا۔ اس کے متعلق ضروری ہے کہ مسجد کے گرد کا علاقہ بھی اگر اب تک واگزار نہیں ہوا۔ واگزار کیا جائے۔ نیز ریاست کو چاہئے کہ مسجد کی مرمت کے لئے بھی ایک معقول رقم دے تاکہ مسجد کے احترام اور تقدس کے مطابق اس کی واجبی مرمت کروائی جاسکے۔

تیسرا مطالبہ بھی مکمل طور پر پورا نہیں کیا گیا۔ کیونکہ بعض ایسے ملازم ہیں کہ جن کو گواہیاں دینے یا مسلمانوں کی ہمدردی کے جرم میں دور یا خراب مقامات پر تبدیل کر دیا گیا ہے اور ابھی تک انہیں اپنے مقامات پر واپس نہیں لایا گیا۔

چوتھا مطالبہ تازہ فسادات میں مقتولوں کے وارثوں اور زخمیوں کو معاوضہ اور گزارہ دینے کا تھا۔ جہاں تک مجھے بتایا گیا ہے اس کو بھی اب تک عملاً پورا نہیں کیا گیا اور اکثر غرباء اب تک فاقوں مر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ کام جس قدر جلد ہو تا خود ریاست کے حق میں مفید ہوتا اور رعایا کے دلوں میں محبت پیدا کرنے کا موجب۔

مطالبہ نمبر۵ کے متعلق بھی مناسب کارروائی نہیں ہوئی اور اب تک بعض سیاسی قیدی جیسے میاں عبدالقدیر قید ہیں۔ اگر ہز ہائنس ایسے قیدیوں کو چھوڑ دیں تو یقیناً اچھی فضا پیدا ہو جائے گی۔

مطالبہ نمبر۶ کے متعلق کمیشن بیٹھ چکا ہے اور اس کے لئے ہم ریاست کے ممنون ہیں۔

مطالبات نمبر سات آٹھ نو درحقیقت ایسے مطالبات ہیں کہ جن کا مسلمانوں کے حقیقی مفاد سے تعلق ہے۔ بلکہ سات اور نو کا ریاست کی تمام رعایا کو فائدہ پہنچتا ہے۔ ان میں سے نو کے سوا دوسرے

دونوں مطالبات کو ابھی عملاً پورا نہیں کیا گیا۔ حالانکہ ان کے فوری طور پر پورا ہونے میں کوئی مشکل نہ تھی۔ ریاست اور انگریزی علاقہ میں اس بارہ میں ایک سے حالات ہیں اور جو قانون انگریزی علاقہ میں ہے کوئی وجہ نہیں کہ ریاست میں وہ فوراً جاری نہ ہو سکے۔

مطالبہ نمبر ۷ کے متعلق سنا گیا ہے کہ مسٹر گلنسی رپورٹ کر چکے ہیں کہ پریس اور انجمنوں اور تقریر کی آزادی دی جائے۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو یہ امر اور بھی قابل افسوس ہے کہ اب تک اس کے متعلق فیصلہ نہ کر کے فضا کو خراب ہونے دیا گیا ہے۔

مطالبہ نمبر آٹھ بھی ایسا مطالبہ ہے کہ جس کے متعلق انگریزی حکومت کو جہاں ہندو آبادی کی اکثریت ہے ایک فیصلہ کر چکی ہے اگر اس قانون کو ریاست کشمیر میں کہ جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے جاری کر دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نظر نہیں آتا۔

مطالبہ نمبر نو کے متعلق ہزہائنس نے مہربانی فرما کر یہ اعلان کیا ہے کہ وہ آئندہ اپنی رعایا کو زیادہ سے زیادہ حکومت میں حصہ لینے کا موقعہ دیں گے۔ لیکن یہ الفاظ اصل مطالبہ پر حاوی نہیں۔ ہزہائنس کی رعایا کا مودبانہ مطالبہ یہ تھا کہ حکومت کے انتظام کی ترتیب ایسی ہو کہ آہستہ آہستہ حکومت نمائندہ ہو جائے۔ ہزہائنس مہاراجہ صاحب بہادر کے وعدہ کے الفاظ ایسے ہیں کہ اگر صرف ملازمتیں مسلمانوں کو زیادہ دے دی جائیں تو ان الفاظ کا مفہوم ایک گونہ پورا ہو جائے گا۔ حالانکہ اصل مطالبہ اور ہے۔ پس اگر اس امر کی تسلی دلا دی جائے کہ "INCREASING ASSOCIATION" سے مراد نمائندہ حکومت کے اصول پر حکومت کو قائم کرنا ہو گا۔ خواہ اس کی پہلی قسط آخری قسط کو پورا کرنے والی نہ ہو تو یہ امر یقیناً رعایا کی تسلی کا موجب ہو گا۔

مطالبات کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کرنے کے بعد میں یہ زائد کرنا چاہتا ہوں کہ بعض حالات ان مطالبات کے تیار ہونے کے بعد حوادث زمانہ کی وجہ سے یا ریاست کے بعض اعلانات کی وجہ سے نئے پیدا ہو گئے ہیں ان کے متعلق ہمدردانہ غور بھی ضروری ہے کیونکہ ان کے تصفیہ کے بغیر فساد کا مٹنا مشکل ہے۔

سب سے پہلا سوال زمینداروں کی اقتصادی حالت تباہ ہو جانا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ریاست جموں کی سرحد اس حکومت سے ملتی ہے جس نے اس زمانہ میں جمہوریت کا ایک نیا مفہوم پیدا کیا ہے اور اس سے تمام دنیا میں ہیجان پیدا ہو گیا ہے۔ زمینداروں کی موجودہ تباہی نے ان خیالات کو رائج کرنے میں بے انتہا مدد دی ہے۔ انگریزی حکومت نے باوجود قیام امن کی خاطر کثیر رقوم خرچ کرنے کے اس وقت زمینداروں کا بوجھ کم کرنے کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے۔ ریاست جموں نے بھی اپنے مالیہ میں

تخفیف کی ہے۔ لیکن وہ تخفیف بہت کم ہے۔ زمیندار پر جو بار ریاست میں اس وقت ہے وہ انگریزی علاقہ کے زمیندار کے بار سے بہت زیادہ ہے۔ حالانکہ جو قیمت انگریزی علاقہ کے زمیندار کو اپنی پیداوار پر ملتی ہے اس سے بہت کم ریاست کے زمیندار کو اپنی پیداوار پر ملتی ہے۔ پس ان حالات کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ اگر ریاست ایک سال کے لئے عارضی طور پر جب تک کہ گلنسی کمیشن کی رپورٹ پیش ہو کہ اس پر غور کیا جاسکے۔ ریاست کے زمینداروں کا بار تمام ٹیکسوں کو مد نظر رکھتے ہوئے انگریزی علاقہ کے بار کے مطابق کم کر دے تو نہ صرف یہ ایک انصاف کا کام ہو گا بلکہ اس سے رعایا اور راعی کے تعلقات کے درست ہونے میں یقیناً بہت کچھ مدد ملے گی:

دوسرا تغیر جو بعد کے حالات سے پیدا ہوا ہے وہ جموں اور میرپور کے سیاسی قیدیوں کا سوال ہے۔ جب گاندھی ارون پیکٹ ہوا تھا تو تمام سیاسی قیدی حکومت برطانیہ نے بغیر کوئی معاہدہ لینے کے چھوڑ دیئے تھے۔ ریاست نے رعایا سے صلح تو کی لیکن قیدیوں کو نہیں چھوڑا اس کی وجہ سے ان قیدیوں کے دوستوں اور ساتھیوں کا دباؤ لیڈروں پر پڑ رہا ہے اور تعاون کی کارروائی پوری طرح نہیں ہو سکتی۔ میرے نزدیک یقیناً ریاست کا اس میں فائدہ ہے کہ وہ ان قیدیوں کو چھوڑ دے۔ اگر وہ لوگ نئی فضا سے فائدہ نہ اٹھائیں تو انہیں پھر گرفتار کیا جاسکتا ہے۔ اور اس وقت یقیناً رعایا کا سمجھدار طبقہ ریاست کے ساتھ ہو گا۔

ایک نیا تغیر گلنسی کمیشن کے قیام کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اس کی موجودہ ترکیب سے مطمئن نہیں لیکن جو کچھ پہلے ہو چکا وہ تو خیر ہو چکا آئندہ ایک نئی کمیشن قانون اساسی کے متعلق مقرر کی جائے گی۔ اس کی ترکیب سے پہلے مسلمانوں کے احساسات کو معلوم کر کے ان کا خیال رکھ لینا ضروری امر ہے۔

دلال کمیشن کے مسلمان مخالف تھے لیکن دلال کمیشن کی رپورٹ کا جو حصہ مفید تھا اب تک اس پر بھی عمل نہیں ہوا۔ یعنی (۱) مسلمانوں کی ملازمتوں کے متعلق کوئی معین احکام جاری نہیں ہوئے۔ (۲) اس قسم کے غیر تعلیم یافتہ افسروں کو جن کے بے فائدہ ہونے کے متعلق کمیشن نے رائے ظاہر کی تھی اب تک ہٹایا نہیں گیا۔

یہ جملہ امور ایسے ہیں کہ جن پر گفتگو ہو کر کسی مفید نتیجہ کی امید ہو سکتی ہے اور اگر ہزہائنس ان کے متعلق تبادلہ خیال کا مجھے موقع دیں تو میں ہزہائنس کی ملاقات کو ایک مبارک بات سمجھوں گا جس سے لاکھوں آدمیوں کے فائدہ کی امید ہو گی۔ اور اگر کوئی مفید صورت نکلے تو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے سامنے اس (کا) [redacted] نتیجہ رکھ کر کوشش کروں گا کہ کوئی ایسی صورت نکلے جس سے جلد سے جلد امن

قائم ہو سکے۔ لیکن اگر ہزہائینس کسی مصلحت کی وجہ سے ان امور پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں تو محض ایک رسمی ملاقات باوجود اس ادب و احترام کے جو میرے دل میں ہزہائینس کا ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی۔

میں خط ختم کرنے سے پہلے یہ بات بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میرا یہ مطلب نہیں کہ ہر امر جس صورت میں نمائندوں نے پیش کیا ہے اسی صورت میں اس کے متعلق فیصلہ کیا جائے۔ وہ صرف ایک بنیاد ہے لیکن اگر کوئی ایسی راہ نکل آئے جو رعایا کے حقوق کی حفاظت کرتی ہو اور ساتھ ہی والئی ملک کے احساسات اور ریاست کے حقیقی مفاد بھی اس میں ملحوظ رہتے ہوں تو ایسے تصفیہ پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور میں ایسے تغیرات کو ملک سے منوانے میں ہر طرح ہزہائینس کی حکومت کی امداد کروں گا۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ ہزہائینس کو ایسا مشورہ دیں گے کہ کوئی راہ ملک میں قیام امن کی نکل آئے گی۔ ورنہ مجھے ڈر ہے کہ ایک لمبے عرصہ تک ایجی ٹیشن کے جاری رہنے کے بعد ایک طبقہ کو ایجی ٹیشن کی عادت ہی نہ پڑ جائے۔ جس کے بعد کوئی حق بھی ایسے لوگوں کو تسلی نہیں دے سکتا۔ یہ حالت ملک اور حکومت دونوں کے لئے نہایت خطرناک ہوتی ہے اور عظیم الشان انقلابات کے بغیر ایسی حالت نہیں بدلا کرتی۔ اللہ تعالیٰ ایسے ناگوار تغیرات سے مہاراجہ صاحب بہادر اور ان کی رعایا کو محفوظ رکھے۔

خاکسار

مرزا محمود احمد ۳۲/۱/۳۱

مکتوب نمبر۵: مکرمی ماسٹر محمد الدین صاحب۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ سید ولی اللہ شاہ صاحب بیمار ہیں اور درد صاحب وائسرائے کے ڈیپوٹیشن کے انتظام میں ہیں۔ یہ دونوں صاحب کشمیر کا کام کیا کرتے تھے اس لئے ایک ضروری امر کے لئے جس کا پیچھے ڈالنا مصلحت اور ضرورت کے خلاف ہے آپ کو تکلیف دیتا ہوں۔

...... کا علاقہ (نام پوری طرح حافظہ میں نہیں ہے) جموں کی ریاست کا حصہ ہے اور ٹھیکہ پر پونچھ کو ملا ہوا ہے اس علاقہ کے لوگوں کی حالت ریاست کشمیر سے بھی خراب ہے۔ پونچھ کے لوگوں کو جو آزادیاں ہیں مثلاً بعض اقوام کو کاہ چرائی معاف ہے اس سے یہ لوگ محروم ہیں کہ تم جموں کے باشندے ہو۔ جموں میں درختوں وغیرہ کے متعلق جو میرپور کی تحصیل کو آزادی ہے...... اس سے انہیں محروم رکھا جاتا ہے کہ تم پونچھ کے ماتحت ہو۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ پونچھ سے مال جموں میں لاتے وقت ریاست پونچھ ان سے کسٹمز وصول کرتی ہے۔ اور جب جموں میں آتے ہیں تو پھر درآمد کا ٹیکس انہیں دینا پڑتا ہے۔ اس طرح باہر سے لانے والے مال پر پہلے جموں والے اور پھر پونچھ والے کسٹمز لیتے ہیں حالانکہ یہ اصل میں جموں سے وابستہ ہیں اور کسٹم کی چوکیاں پونچھ میں ہونی چاہئے تھیں۔ جموں کے علاقہ میں مال لانے یا وہاں سے لے جانے پر کوئی ڈیوٹی نہیں ہونی چاہئے تھی۔

اس تکلیف سے گھبرا کر ان لوگوں نے پروٹسٹ کیا اور حسب قواعد میرپور جس کے ساتھ اصولاً یہ وابستہ ہیں۔ بعض درخت کاٹے اور بوجہ جموں ریاست کے باشندے ہونے کے ڈیوٹی دینے سے انکار کیا تو موجودہ شورش سے فائدہ اٹھا کر ان لوگوں کے فعل کو پونچھ کی حکومت نے سول نافرمانی قرار دیا۔ حالانکہ انہوں نے حکومت جموں کے جس کے یہ باشندے ہیں قانون نہیں توڑے۔ بلکہ ان پر اس کے مطابق عمل کیا۔ زیادہ سے زیادہ ان پر دیوانی نالشیں کر کے حکومت کو اپنا حق ثابت کرنا چاہئے تھا۔

پھر ان پر یہ ظلم ہے کہ یہ جموں کے باشندے ہیں وہیں ان کی رشتہ داریاں ہیں۔ لیکن باوجود جموں کے ساتھ وابستہ ہونے کے ان کے مقدمات پونچھ میں سنے جاتے ہیں۔ حالانکہ زمینداری اگر ٹھیکے پر دے دی جائے تو یہ کسی حکومت کو حق نہیں کہ اپنی رعایا کے سول حقوق کسی اور حکومت کو دیدے۔ یہ بیل گائے نہیں ہیں کہ ان سے ایسا سلوک روا رکھا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر کالون نے ان لوگوں کو مسٹر جارڈین کے پاس شکایات سنانے کو بھیجا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اس بناء پر کہ یہ علاقہ جموں میں نہیں پونچھ میں ہے حالانکہ حقیقتاً یہ جموں کا علاقہ ہے۔

آپ نے ان امور کو مسٹر کالون پر روشن کر کے یہ کوشش کرنی ہے کہ اس رد عمل کو دور کیا جائے۔ اگر پونچھ کو جموں نے امداد دینی ہے تو روپیہ دے لیں۔ یہ لوگ اپنے فروخت کئے جانے پر راضی نہیں۔ (۱) ان کے مقدمات جموں کورٹس میں ہوں۔ (۲) کسٹمز جموں اور اس کے علاقہ کے درمیان میں نہ ہوں بلکہ پونچھ کی کسٹمز کی چوکیاں ان کے علاقہ کے پرے پونچھ کے علاقہ میں ہوں انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے کہ پونچھ کے علاقہ سے ان کے علاقہ میں مال لانے یا وہاں لے جانے پر کسٹمز لی جائیں۔ (۳) اس وقت جو مقدمات خواہ مخواہ سول نافرمانی کے اٹھائے گئے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ پونچھ دربار اور جموں دربار میں جھگڑا ہے اور یہ لوگ جموں کے ساتھ ہیں۔ ان مقدمات کے سننے کے لئے عارضی طور پر جموں سے جج جائیں اور اپیل جموں کورٹ میں ہو۔ (۴) کوئی انگریز افسر مسٹر لاتھر یا مسٹر جارڈین یا اور کوئی افسر ریاست کا خواہ انگریز نہ ہو ان امور کی تحقیق کے لئے جائے اور علاقہ کے لوگوں کو سب حالات اور ثبوت اس کے پاس پیش کرنے کی اجازت ہو۔ سرسری کارروائی نہ ہو۔ (۵) اس وقت تک مقدمات کی

کارروائی ملتوی رہے۔

مسٹر کالون کے علاوہ ریذیڈنٹ سے بھی ملیں اور اسے یہ وجہ بتائیں کہ چونکہ یہ جھگڑا دو درباروں میں ہے جو دونوں آپ کے ماتحت ہیں اس لئے ہم آپ کے پاس آئے ہیں آپ ان واقعات کو دیکھ لیں کہ ناقابل برداشت ہیں۔ اس علاقہ میں گویا کوئی بھی حکومت نہیں۔ یہ اپنے حق کسی سے بھی مانگ نہیں سکتے۔ نہ ملازمتوں کا راستہ ان کے لئے پوری طرح کھلا ہے۔

کوشش کر کے مسٹر گلینسی کو بھی ملیں اور انہیں بھی سب حالات بتا کر مشورہ لیں۔ وہ آئندہ وزیر ریاست ہائے حکومت ہند میں ہونے والے ہیں۔

(۲) دوسرا امر ایک اور ہے اس کی تشریح کے لئے ایک خط بھجوا رہا ہوں اسے پڑھ لیں۔ اس کے متعلق بھی مسٹر کالون وزیر اعظم ریاست جموں اور ریزیڈنٹ کو ملیں۔ اس بارہ میں اول بد عنوانی ہوئی ہے۔ کہ جموں کی رعایا پر پونچھ والوں نے چھاپہ مارا ہے اور پھر انہیں پکڑ کر لے گئے ہیں۔

دوم۔ ان لوگوں نے ہندوؤں کو پناہ دی اور فساد کے وقت انہیں بچایا۔ لیکن الٹا ان پر ظلم کیا جا رہا ہے۔

کہیں کہ اس بارہ میں ہم بحیثیت جماعت پروٹسٹ کرتے ہیں ہمارا فرض ہے کہ اپنی جماعت کے لوگوں کی مدد کریں اور اگر اس قدر ظلم ریاست نے روا رکھا اور فوراً تحقیق کر کے شریروں کو سزا نہ دی تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ آئندہ ہماری جماعت بھی بجائے فسادات سے بچنے کے ان میں حصہ لے...... ظلم ہو رہا ہے اور ریاست کے اعلیٰ حکام کوئی خبر نہیں لیتے۔ اس بارہ میں بھی پریذیڈنٹ سے ذکر کریں۔

والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد۔

مکتوب نمبر ۶: مولوی جلال الدین صاحب۔ السلام علیکم۔ گوہر الرحمٰن صاحب کا جرمانہ اب تک ادا نہیں ہوا اس وجہ سے ان کی قید بڑھ جانے کا اندیشہ ہے اس کی طرف فوری توجہ کریں۔ قاضی صاحب کی مراد دو سو ہے ایک سو گھر کے لئے اور ایک سو جرمانہ کی معلوم ہوتی ہے۔ اس حساب سے روپیہ ارسال کر دیا جائے۔

مرزا محمود احمد

۲۵/۶/۳۲ خلیفۃ المسیح الثانی

(فصل ششم)

"آل جموں و کشمیر مسلم پولٹیکل کانفرنس" کی بنیاد

مسلم کانفرنس کے قیام کی تحریک

ریاست میں سیاسی انجمنوں پر پابندی تھی مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے تحریک آزادی کشمیر کی باگ ڈور سنبھالتے ہی مسلمانان کشمیر کی اندرونی تنظیم کی طرف پوری توجہات مبذول کردی تھیں اور جونہی ریاستی حالات میں کچھ سکون ہوا۔ اور (گلانسی کمیشن کی رپورٹ کے بعد) فضا سازگار ہوئی۔ آپ نے ایک مطبوعہ مکتوب [۴۸] (برادران کشمیر کے نام آٹھواں خط) میں اہل کشمیر کو خاص طور پر تحریک فرمائی کہ "ایک ضروری بات میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کی کامیابی کو دیکھ کر ہندوؤں نے بھی ایجی ٹیشن شروع کیا ہے۔ اور وہ نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کو جو تھوڑے بہت حقوق ملے ہیں۔ وہ بھی انہیں حاصل رہیں۔ اگر اس موقعہ پر مسلمانوں نے غفلت سے کام لیا۔ تو ہندو یقیناً اپنا مدعا حاصل کرلیں گے پس اس وقت ضرورت ہے کہ مسٹر عبداللہ کی عدم موجودگی میں ایک انجمن مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت میں بنائی جائے۔ اور وہ انجمن اپنی رائے سے حکومت کو اطلاع دیتی رہے۔ ینگ مین مسلم ایسوسی ایشن کے اصول پر اگر ایک انجمن تیار ہو تو یقیناً اس کے ذریعہ سے بہت سا کام کیا جاسکتا ہے۔ یہ مت خیال کریں کہ بغیر اجازت کے انجمن نہیں بن سکتی۔ انجمنوں کی ممانعت کا کوئی قانون دنیا کی کوئی حکومت نہیں بنا سکتی۔ آخر ہندو انجمنیں بنا رہے ہیں آپ کی انجمن نہ خفیہ ہوگی نہ باغیانہ۔ پھر حکومت اس بارہ میں کس طرح دخل دے گی۔ میں امید کرتا ہوں کہ نوجوان فوراً اس طرف قدم اٹھائیں گے اور اس ضرورت کو پورا کریں گے ورنہ سخت نقصان کا خطرہ ہے۔ اور بعد میں پچھتانے سے کچھ نہ ہوگا"۔

یہ زمانہ مسلمانان کشمیر کے لئے ہر لحاظ سے نہایت نازک زمانہ تھا چنانچہ جناب چوہدری غلام عباس صاحب کا اقرار ہے کہ "اس وقت تک مسلمانوں نے جو کچھ کیا تھا۔ وہ بے سروسامانی اور افراتفری کی حالت میں کیا تھا نہ مسلمانوں کا کوئی فنڈ (بیت المال) تھا اور نہ کوئی باقاعدہ ذریعہ آمدن کہ جس سے جماعتی اور قومی امور خوش اسلوبی اور بے فکری سے پورے ہو سکتے۔ قریباً قریباً تمام کارکن نوعمر تھے نہ ان کا کوئی ذاتی سرمایہ تھا اور نہ کوئی ذریعہ معاش"۔ [۴۹]

شیخ محمد عبداللہ صاحب کی ایک درخواست

اس ماحول میں "شیر کشمیر" شیخ محمد عبداللہ صاحب ایم۔ ایس سی مشورہ کرنے اور دوسرے کوائف ریاست بیان کرنے کے لئے لاہور میں حضور کی ملاقات کے لئے تشریف لائے اور واپس سرینگر پہنچ کر ۸/ جولائی ۱۹۳۲ء کو مندرجہ ذیل مکتوب حضور کے نام لکھا۔

S.M.ABDULLAH.M.S.c(ALIG) SRINAGAR ۸/ جولائی ۳۲ء

جناب حضرت میاں صاحب دام اقبالہ!

السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔ میں حضور کی نوازشات کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ آج میں لاہور ہوتے ہوئے جموں اور پھر کشمیر واپس جا رہا ہوں۔ جیسا کہ میں نے ظاہر کر دیا ہے کہ میں ستمبر کے پہلے ہفتے میں ایک پولٹیکل کانفرنس کشمیر میں بلوا رہا ہوں۔ اس کے بعد شملہ جانے کا خیال ہے جیسا کہ حضور کو بھی معلوم ہے اگر حضور اگست کے دوسرے ہفتہ میں کشمیر چند دن کے لئے تشریف لے آویں۔ تو کانفرنس کے کامیاب بنانے میں ہمیں بہت امداد مل سکتی ہے۔ بلکہ ضرورت بھی ہے کہ حضور ابھی سے مجھے شملہ جانے اور کانفرنس کے پروگرام کے متعلق تفصیلی ہدایات و تجاویز بھیج کر میری راہنمائی فرمادیں مشکور ہوں گا کانفرنس کی معین تاریخ کے متعلق میں حضور کو سرینگر سے مطلع کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ حضور آج سے کانفرنس کے کامیاب بنانے میں سعی فرمائیں گے۔

والسلام

آپ کا تابعدار

عبداللہ

سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور مولوی عبدالرحیم صاحب درد کے ہاتھوں کانفرنس کے انتظامات

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ خود تو تشریف نہ لے جاسکے۔ مگر آپ نے پہلے سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو کانفرنس کے انتظام میں مدد دینے کے لئے سرینگر بھجوا دیا اور کانفرنس کے پراپیگنڈا کے لئے میرپور، کوٹلی، کٹھوعہ، بھمبر، راجوری، ادھم پور اور ریاسی کو بھی نمائندہ کارکن روانہ کر دیئے۔ اور شیخ محمد عبداللہ صاحب کو لکھا کہ میں جہاں تک ہو سکے گا آپ کی مدد کروں گا۔ مسٹر عبداللہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ اس وقت کشمیر میں آپ سے بہتر کوئی اور مخلص کارکن نظر نہیں آتا۔ (مکتوب محررہ ۱۵/ ستمبر ۱۹۳۲ء)

حضرت شاہ صاحب سرینگر پہنچے یہاں پہنچتے ہی سب سے پہلی اور بہت بڑی مشکل یہ آن پڑی کہ

حکومت کشمیر نے کانفرنس کے انعقاد کی منظوری دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت شاہ صاحب مسٹر جارڈین (ریاست کے پولٹیکل منسٹر) سے ملے اور ان سے کہا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ کونسل نے شیخ محمد عبداللہ صاحب کی درخواست رد کر دی ہے اور انہیں کانفرنس قائم کرنے کی اجازت نہیں دی کہنے لگے یہ درست ہے۔ شاہ صاحب نے کہا تعجب ہے کہ آپ جیسے مشیر سیاسی کی موجودگی میں یہ فیصلہ ہوا ہو پوچھا کیوں اس میں کیا غلطی ہے آپ نے فرمایا۔ کونسل نے بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ یہ لوگ سیالکوٹ جائیں گے۔ اور وہاں کانفرنس قائم کریں گے۔ اور اس طرح یہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں چلے جائیں گے۔ جو غیر آئینی سرگرمیاں کریں گے کہنے لگے آپ کو یقین ہے کہ وہ ایسا کریں گے شاہ صاحب نے جواب دیا مجھے قطعی یقین ہے۔ ملاقات سے فارغ ہو کر آپ شیخ محمد عبداللہ صاحب کے پاس پہنچے جو ان دنوں بستر علالت پر پڑے ہوئے تھے۔ اور ان سے اور مولوی عبدالرحیم صاحب ایم۔ اے سے مشورہ کر کے شام کو پتھر مسجد میں ایک جلسہ کیا۔ جس میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع تھے۔ دو ایک تقاریر کے بعد شاہ صاحب نے نظام کی پابندی اور خدمت خلق وغیرہ پر اعتماد کرنے کی تلقین فرمائی۔ آخر میں عبدالرحیم صاحب ایم۔ اے (آف سرینگر) نے پبلک کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ حکومت نے انعقاد کانفرنس سے متعلق درخواست ٹھکرا دی ہے۔ اور ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ سیالکوٹ میں ایک آفس قائم کیا جائے۔ اور وہیں کانفرنس کی بنیاد ڈالی جائے۔ چاروں طرف سے آوازیں آئیں ضرور ایسا کیا جائے۔ دوسرے روز گورنر سردار عطر سنگھ صاحب [۸۰] نے کشمیر کمیٹی کے دفتر واقع چنار باغ میں شاہ صاحب کو بلانے کے لئے اپنی کار بھیجی۔ شاہ صاحب ان سے ملے تو انہوں نے کہا کہ کل شام آپ نے بہت عمدہ تقریر کی جو رات ہی کونسل میں پڑھی گئی ہے کونسل اس شرط پر کانفرنس کی اجازت دیتی ہے کہ آپ تحریری ذمہ داری لیں۔ کہ کوئی فساد نہیں ہو گا۔ چنانچہ مسودہ کی عبارت لکھی گئی اور شاہ صاحب نے اس پر دستخط کر دیئے اور کانفرنس کی زور شور سے تیاریاں شروع کر دی گئیں اور ریاست کے چاروں طرف سے نمائندگان کی آمد شروع ہو گئی اس دوران میں (کانفرنس سے دو ایک دن قبل) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد (مع چوہدری ظہور احمد صاحب) بھی تشریف لے گئے۔ اور شاہ صاحب سے مل کر انتظامات کی نگرانی کے علاوہ مسودہ آئین کانفرنس اور اس میں پیش ہونے والی قراردادوں کی تیاری اور نظر ثانی میں مدد دینے لگے۔

مسلم کانفرنس کا پہلا تاریخی اجلاس

آخر خدا کے فضل و کرم سے آل کشمیر مسلم کانفرنس کا پہلا تاریخی اجلاس پورے تزک و احتشام سے (۱۵/ اکتوبر تا ۱۹/ اکتوبر ۱۹۳۲ء) برابر پانچ روز تک جاری رہا۔ [۸۱] مقام اجتماع پتھر مسجد تھا جہاں پندرہ

فٹ بلند چوبی پلیٹ فارم تعمیر کیا گیا تھا۔ جو دو سو نمائندوں اور ایک سو زائرین اور ممبران استقبالیہ کمیٹی کے لئے کافی تھا۔ پنڈال میں لاؤڈ اسپیکر بھی نصب تھا۔ مسلمانان ریاست کا یہ عظیم اجتماع بڑا شاندار اور کامیاب رہا۔ جس میں شیخ محمد عبداللہ صاحب شیر کشمیر نے اپنا فاضلانہ خطبہ صدارت ۸۲ پڑھنے کے علاوہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل پیغام پڑھ کر سنایا۔

"سب سے پہلے میں اپنی طرف سے اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی طرف سے آل کشمیر مسلم کانفرنس کے مندوبین کو ان قربانیوں پر جو انہوں نے اور ان کے اہل وطن نے کی ہیں۔ اور اس کامیابی پر جو انہوں نے آزادی کی تازہ جدوجہد میں حاصل کی ہے۔ مبارکباد دیتا ہوں۔ مجھے اس بات کا فخر ہے کہ بحیثیت صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی مجھے ان کے ملک کی خدمت کرنے کی خوشی حاصل ہوئی ہے جو ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک خستہ حالت میں رہا ہے۔

برادران! میں آپ کی کامیابی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ کانفرنس کی کارروائی میں سچی حب الوطنی کے جذبہ کے ماتحت جرأت' میانہ روی' رواداری' تشکر دانائی اور تدبر کے ذریعہ آپ ایسے نتائج پر پہنچیں گے جو آپ کے ملک کی ترقی میں بہت ممد ہوں گے اور اسلام کی شان کو دوبالا کرنے والے ہوں گے۔

برادران! میرا آپ کے لئے یہی پیغام ہے کہ جب تک انسان اپنی قوم کے مفاد کے لئے ذاتیات کو فنا نہ کر دے وہ کامیاب خدمت نہیں کر سکتا۔ بلکہ نفاق اور اشتقاق پیدا کرتا ہے۔ پس اگر آپ کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو نفسانی خیالات کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دو۔ اور اپنے قلوب کو صاف کر کے قطعی فیصلہ کر دو کہ خالق ہدایت کے تحت آپ ہر چیز اپنے اس مقصد کے لئے قربان کر دیں گے جو آپ نے اپنے لئے مقرر کیا ہے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم یعنی مسلمانان ہندوستان آپ کے مقصد کے لئے جو کچھ ہماری طاقت میں ہے سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور خدا کے فضل سے آپ ضرور کامیاب ہوں گے۔ اور امیدوں سے بڑھ کر ہوں گے۔ اور آپ کا ملک موجودہ مصیبت سے نکل کر پھر جنت نشان ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو"۔ ۸۳

اجلاس میں خوشی اور مسرت کی اس وقت ایک زبردست لہر دوڑ گئی جب حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے یہ نہایت خوشکن اعلان کیا۔ کہ راجہ صاحب پونچھ نے مسلمانوں کے بہت سے مطالبات منظور کر لئے ہیں۔ یہ سنتے ہی جلسہ گاہ تالیوں اور "زین العابدین" زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا۔ اس موقعہ پر آپ نے مسلمانان پونچھ کی داستان مصیبت بیان کی اور انہیں دور کرنے کے لئے

حضرت امام جماعت احمدیہ کے نام شیخ محمد عبداللہ کے بے شمار خطوط میں سے چند خطوط جو کشمیر کی تاریخ جدوجہد آزادی میں بہت اہمیت رکھتے ہیں ۔

S. M. Abdullah,
M. Sc. (Alig.)

Phone No. 265

SRINAGAR 22nd Oct. 1932.

جناب محترم میاں صاحب دام اقبالہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

نہ میری زبان میں طاقت ہے ۔ اور نہ میرے قلم میں زور ۔ اور نہ میرے پاس وہ الفاظ ہیں جن سے کہ میں جناب کا اور جناب کے بھیجے ہوئے کارکن مولانا درد ۔ شیخ زین العابدین صاحب وغیرہ کا شکریہ ادا کرسکوں ۔ یقیناً جس کام کا بیڑا جو کہ آنجناب نے اٹھایا تھا ۔ اور مظلوم قوم کی بہتری کے لئے کیا ہے ۔ صرف خدا ہی اس کا بدلہ دے سکتا ہے ۔ میری عاجزانہ دعا ہے ۔ کہ خداوند کریم آنجناب کو زیادہ سے زیادہ طاقت دے ۔ تاکہ آنحضور کا وجود مسعود بنی نوع کے لئے مشعل راہ ہو ۔

شاید جناب مجھ سے ناراض ہوں ۔ جو میں نے جناب کے ارشاد گرامی کا جواب دینے میں تساہل سے کام لیا ۔ میں مانتا ہوں ۔ کہ یقیناً یہ میری گستاخی ہے ۔ مگر خدا کو حاضر ناظر جان کر جناب سے عرض کئے دیتا ہوں ۔ کہ میری گوناگون مصروفیتوں نے مجھے مجبور کر رکھا تھا ۔ ایک طرف جو شورش اور ایجی ٹیشن پائی ۔ ایک طرف ہندوؤں اور مسلمانوں کا افسوسناک فساد ۔ مالی مصروفیات ۔ دشمنوں سے جنگ ۔ کانفرنس کی تیاری وغیرہ وغیرہ ۔ ان سب باتوں نے مجھے ہر طرف سے گھیر رکھا تھا ۔ ویسے سب حالات جناب کو شیخ زین العابدین صاحب دیتے رہتے ہیں ۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے مجھے کامل یقین ہے ۔ کہ جناب مجھے معاف فرمائیں گے ۔ اور بزرگانہ اور کریمانہ صفات کو مدنظر رکھتے مجھے یقین کر لینا چاہئے ۔ کہ جناب اپنی بخشش جواب با صواب سے میری مصروفیتوں کو جلد از جلد رفع کر دیں گے ۔

حالات بالکل ٹھیک ہیں ۔ جناب درد صاحب اور شاہ صاحب دورہ کام میں مصروف ہیں ۔ جو کہ مسلم قومی کام میں مشغول ہونا چاہتے ہیں ۔ والدہ مولانا نے ان کو بھی کام کا شرف دیا ہے ۔ الحمد للہ ۔ درد صاحب ہمیشہ ہوشیار رہے ہیں و ہوا مول ہو گیا ہے بہت تیزی سے ۔ کانفرنس کشمیر دو روزہ ختم ہوگی ۔ بجائے تین دن کے کانفرنس برابر پانچ دن ہوتی رہی ۔ اور بڑی شان سے ۔ دستور اساسی نے بڑا وقت لیا ۔ شاید اور اگر ہم رضا کی بابت کام کی تکمیل ہو جاتی تو ۔ مگر ناکام رہی ۔ اور اجابت

الحمد للہ کہ جناب کا اسلام [illegible] بجلی [illegible] کا شکر ادا [illegible] ۔ [illegible] ہزار روپیہ [illegible] ہزار [illegible] ہیں ۔ [illegible]

[illegible] فرودگاہ کا انتظام بہت اچھا تھا ۔ الغرض جناب کی [illegible] نوازش [illegible] صاحب [illegible]

[illegible] تفصیل [illegible] جناب [illegible] حضور کو معلوم ہوگا ۔ میرا بھی خیال ہے ۔ جناب آئے تھے ۔ انشاء اللہ

[illegible] قدم بوسی حاصل کروں گا ۔ [illegible] خیال [illegible] کر رہے ہیں ۔ وہیں [illegible]

[illegible] ہوں ۔ [illegible] کہتے ہیں ۔ میرا [illegible] ہے ۔ مگر خدا و رسول [illegible] جانتا ہے ۔ [illegible]

[illegible] ہوں ۔ [illegible] ہے ۔ مجھے امید ہے جناب کی [illegible]

[illegible] شامل حال ہوں گی ۔ آخر مجھ [illegible] سمجھتے ہوں گے مجھے [illegible] حاصل ہونا چاہیے ۔ لیکن [illegible] مجبوری کی

وجہ سے جناب سے گستاخی کا مرتکب ہو جاؤں ۔ اور [illegible] گستاخی کی [illegible] کروں گا ۔ امید کرتا ہوں ۔ [illegible] جناب کا ارشاد [illegible]

جلدی میں [illegible] کر دیجیے ۔ [illegible] السلام [illegible] ۔ اور [illegible] صاحب [illegible] کی خدمت میں [illegible] ۔

نیازمند ناتواں

[illegible]

S. M. ABDULLAH,
M. Sc. (Alig.)

~~SRINAGAR~~ Jammu 10th [illegible] 1932

مکرمی مولانا درد صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

آج میں مخلصم ڈار کو آپ کے پاس بدیں وجہ روانہ
کر رہا ہوں۔ جو وہ جنابکو یاد دلاتے رہے۔ وہ ممبر شپ فارمز۔ رجسٹر [illegible]
رسید بک۔ دفتر فارمز۔ [illegible]۔ بنڈل کے متعلق انتظام مکمل ہو کر۔
باقی حالات وہ زبانی عرض کر دینگے۔ [illegible] صاحب [illegible] جموں میں ہیں۔ آپ
وقت مقرر کیجئے۔ جو کب ہم [illegible] آئینگے۔ میرا خیال ہے۔ ۹ دسمبر
[illegible] مکمل ہو جائیگا۔ تاکہ ہم کام کو شروع کر سکیں۔ باقی خیریت ہے۔
[illegible] کی طرف سے جناب حضرت صاحب کو [illegible] عرض سلام۔

[illegible]
شیخ محمد عبداللہ

S. M. ABDULLAH,
M. Sc. (Alig.)

SRINAGAR 193

مکرمی و معظمی جناب حضرت میاں صاحب

السلام علیکم و رحمت اللہ برکاتہ

سب سے پہلے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ میں تہ دل سے آپکا شکریہ ادا کروں۔ اُس بے لوث اور بے غرضانہ کوشش اور جد و جہد کیلئے جو آپ نے کشمیر کے درماندہ مسلمانوں کیلئے کی۔ پھر آپ نے جس استقلال اور محنت کے ساتھ مسئلۂ کشمیر کو لیا اور میری غیر موجودگی میں جس قابلیت کے ساتھ ہمارے ملک کے سیاسی احساس کو قایم اور زندہ رکھا۔ مجھے امید رکھنی چاہیئے کہ آپ نے جس ارادہ اور عزم کے ساتھ مسلمانانِ کشمیر کے حقوق کے حصول کیلئے جد و جہد فرمائی ہے آئندہ بھی اسے زیادہ کوشش اور توجہ سے جاری رکھینگے۔ اور اسوقت تک اپنی مفید کوششوں کو بند نہ کرینگے جب تک کہ ہمارے تمام مطالبات صحیح معنوں میں ہمیں حاصل نہ ہو جائیں۔

میں اسوقت مناسب خیال کرتا ہوں کہ مختصر طور پر وہ حالات عرض کروں جو میری اور دیگر کارکنوں کی گرفتاری کا باعث ہوئے ہیں۔ گذشتہ موسم سرما میں جب گلینسی کمیشن کا کام جاری تھا تو میں پوری طرح اسکے ساتھ تعاون کرتے ہوئے اسکے کام میں لگا ہوا تھا اور مسلمانوں کی مختلف شکایات بہم پہنچا رہا تھا۔ ملک کی فضا بالکل صاف اور پر امن تھی اور کسی قسم کی بد امنی کا خیال تک نہ تھا کہ اچانک بلا وجہ آرڈیننس کا نفاذ صوبہ کشمیر میں کر دیا گیا اور ساتھ ہی مفتی ضیاء الدین صاحب کو یہاں سے جلا وطنی کا حکم دیا گیا۔ اسطرح باوجود اسکے کہ حکومت نے اشتعال دلانے کی کوشش کی۔ لیکن پھر بھی میں نے مکمل امن رکھنا پسند کیا۔ میری گرفتاری ایک تو حکومت کی زبردستی تھی اور کسی حد تک میرے اپنے بعض کارکنوں کی کمزوری۔ میں اسوقت حکومت کی پالیسی کے متعلق ہی کچھ عرض کرونگا۔

صوبہ کشمیر میں سوپور کے تین نمائندوں کو بلاوجہ حکومت نے گرفتار کر لیا۔ اور جب میں نے انکی رہائی کی کوشش کرنی چاہی تو حکومت کی طرف سے جواب ملا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا اور نہ انکی اپیل ہو سکتی ہے۔ اسکے تھوڑا بعد ہی مفتی ضیاء الدین صاحب کو یہاں سے نکالا گیا میں نے زور دیا کہ اسطرح سے انہیں نہ نکالا جائے اور انکے لئے ہر طرح کی ضمانت پیش کی لیکن گورنر ٹھاکر کرتار سنگھ نے کسی بات کو نہ مانا۔ آخر بمشکل میں نے تین دن کی مہلت لی تاکہ میں خود مفتی صاحب کو اپنے ہمراہ جموں لیجاؤں۔ اس عرصہ میں میں نے حضور مہاراجہ بہادر اور پرائم منسٹر صاحب کو تار دیئے جنکا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اس دوران میں ایک رات گیارہ بجے کے قریب گورنر نے مجھے فون پر مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی سے ملا دیا۔ دوسرا دن جو مفتی صاحب کا آخری دن تھا اور حکومت کو کسی مظاہرہ کا خطرہ تھا۔ غزنوی صاحب جیون لعل کے ہاں سے فون پر باتیں کر رہے تھے جب میں نے یہاں کے حالات ان سے کہے تو انہوں نے یقین دلایا کہ وہ وزیر اعظم صاحب سے ملکر ریگولیشن کی واپسی۔ مفتی ضیاء الدین کے متعلق احکام کی واپسی اور نمائندگان سوپور کی رہائی کی کوشش میں کامیاب ہو جائینگے اور یہ بھی کہا کہ ان باتوں کے متعلق جواب لینے کے لئے میں جموں سے دوسرے دن مجھے گورنر صاحب کی کوٹھی سے فون پر ملوں۔ میں نے اسوقت یہ بھی پوچھا کہ مجھے مفتی ضیاء الدین صاحب کا جانیکا آخری دن ہو گیا ہے انکو بھی ساتھ لیتا آؤں۔ تو انہوں نے کہا کہ نہیں انکو ساتھ لانیکی ضرورت نہیں۔ اور پورا اطمینان دلایا کہ مفتی صاحب کے متعلق احکام واپس لے لئے جائینگے۔ بشرطیکہ وہ حکومت کے خلاف سخت تقاریر نہ کریں۔ میں نے انہیں اسکا اطمینان دلایا اور واپس آ گیا۔ دوسرے دن وقت مقررہ پر جب میں فون پر گیا تاکہ حالات سنوں اور معلوم کروں کہ وزیر اعظم کے ساتھ غزنوی صاحب نے کیا طے کیا ہے۔ تو گورنر صاحب نے بلاوجہ مجھے انتظار میں رکھا کبھی کہا کہ وزیر اعظم صاحب کپڑے پہن رہے ہیں اور کبھی کہا کہ چند منٹ انتظار کریں وزیر اعظم صاحب ابھی سوئے ہیں۔ غرض اس طرح مجھے دیر تک اپنے ہاں روکے رکھا اور میری غیر حاضری میں گورنر نے ہاؤس بوٹ کے باہر پولیس کا زبردست مظاہرہ کیا اور مفتی صاحب کو بغیر کسی [illegible]

سامان ساتھ لینے کی اجازت دے دی گئی۔ مجھے گورنر صاحب کی کوٹھی پر ہی الٹا
بیٹھ رہنا تو میں نے گورنر صاحب سے کہا کہ اب میرا یہاں رکنا بے سود ہے۔ اور میں واپس چلا آیا
واپس آ کر بیٹھا ہی تھا کہ پولیس افسر ہاؤس بوٹ میں داخل ہو گئے اور مجھے نوٹس
served کیا کہ میں کسی جلسہ یا جلوس میں شریک نہ ہوں۔ ایسے ہی نوٹس
مولانا میرک شاہ صاحب۔ مفتی جلال الدین صاحب اور مسٹر غلام محمد صاحب کو بھی دے دیئے گئے۔ آخر
ہم حیران ہوئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے جبکہ ہمیں قطعاً "کسی قانون کو توڑنے کا خیال نہ تھا
اور ملک کی فضا بھی بالکل صاف تھی۔

میں نے مولانا میرک شاہ صاحب سے عرض کیا کہ آپ
خانقاہ معلی کے بالائی طبقہ میں جا کر مذہبی رنگ میں وعظ کا انتظام کریں اور مناسب
طریق سے مفتی صاحب کے متعلق بھی لوگوں کو بتا دیں اور تاکید کریں کہ لوگ بالکل پرامن
رہیں۔ لیکن مولوی صاحب نے اس وقت ایسا کرنا نہ چاہا۔ لوگ کثرت سے خانقاہ معلی میں
مفتی صاحب کے متعلق سننے کے لئے جمع ہو گئے تھے اور خانقاہ معلی کے خادموں نے جو
اب تک ہمارے ساتھ تھے اس وقت بے رخی کرنی چاہی اور وہ اس طرح کہ خانقاہ معلی
کے بالائی طبقہ میں اس خوف سے کہ ہم آ کر کوئی وعظ یا لیکچر نہ کریں قفل لگا دیا
مجھے حیرت ہوئی کہ ایک طرف تو حکومت بے وجہ سختی پر اتر آئی ہے اور دوسری طرف وہ لوگ
جو ہمارے ساتھ تھے اب ہمارے راستہ میں روڑا اٹکانے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس طرح
کامیاب ہو گئے اور ہمارے لئے جگہ بند کر دی تو یہ ایک قسم کی ہماری جماعت کی توہین ہو گی۔
اور اس کا برا اثر ہم پر پڑے گا۔ آخر جب مولوی میرک شاہ صاحب نے وعظ کے لئے جانا پسند نہ
کیا اور حالات ایسے ہو گئے تو میں نے اپنی جماعت کے وقار کی خاطر وہاں جانا منظور کر لیا
تا کہ خود جا کر وعظ کروں۔ اور لوگوں کو پرامن رہنے کی تلقین کروں چنانچہ میرے وعظ کا یہی
موضوع تھا اور میں نے لوگوں کو یہی کہا کہ وہ بالکل پرامن رہیں۔ قانون کو بالکل نہ
توڑیں اور آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہیں۔ لیکن میری پرامن اور صلح جویانہ
پالیسی کو حکومت نے خلاف قانون قرار دیا اور مجھے واپسی پر پانچ دیگر کارکنوں کے
ساتھ گرفتار کر لیا۔ اور جب حکومت نے بلاوجہ گرفتاریوں کے سلسلہ کو

جاری رکھا۔ حتیٰ کہ تمام کارکنوں کو جیل میں ڈالدیا۔ اب جو رہائی ہوئی ہے وہ مہاراجہ کی ارسال کردہ شرائط کی بنا پر عمل میں آئی ہے۔ میں تو اسکے لئے بھی تیار نہ تھا اور جانے کسی شرط پر نکلنے کے غیر مشروط طور پر نکلنا مناسب خیال کرتا تھا۔ جیل کے اندر مشورہ کے لئے جب میں نے دیگر کارکنوں کو بلا کر مشورہ لیا تو سب کی رائے سوائے ایک فرد واحد کے یہی تھی کہ موجودہ حالات میں اس طرح نکلنا بہتر ہے۔ مجھے اُن سے اتفاق نہ تھا۔ لیکن جب وہ مجھ سے علیحدہ ہوئے تو مجھے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں نے ان شرائط پر دستخط کر لئے ہیں اور ایسا کرنے والوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اندریں حالات میرا یا کسی ایک شخص کا اڑ جانا مناسب نہ تھا [illegible] دوبارہ خواہش کی کہ شرائط کے الفاظ بدلے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ہم سب رہا کر دئے گئے۔ مگر وہ لوگ جن پر بلوہ یا حملہ بر ملازمین یا دیگر اسی قسم کے بغاوتی مقدمات میں سزا ہوئی ہے وہ تا حال جیل میں ہی پڑے ہیں اور کئی بلوہ یا لوٹ کے مقدمات ابھی جاری ہیں۔ میں یہاں کے حالات کا معائنہ کر رہا ہوں اور موجودہ حالات کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے وزیر اعظم صاحب نے [illegible] کہا تھا) دن مجھے دیا ہے۔ ان کی گفتگو کے بعد میں ان کے خیالات معلوم کر دونگا۔ ان سے جموں اور میرپور کے متعلق بھی دریافت کرونگا۔ حالات کے موافق ہونیکی صورت میں ان علاقہ جات کے قیدیوں سے بات چیت کرنے کے لئے جاؤنگا۔ اور اسکے بعد میرپور اسکا غرض سے جانیکا ارادہ رکھتا ہوں اور تمام حالات کو مکمل طور پر جانچ کر میں آپ سے ملونگا۔ اور آپکے یہاں تشریف لانیکے متعلق بھی مشورہ کرونگا۔

میرا خیال ہے کہ ایک اچھے اور اعلیٰ پیمانہ پر یہاں ایک کانفرنس منعقد کیجائے جو آئندہ لائحہ عمل کی راہ نمائی میں مدد دے۔ یہ مختصر طور پر عرض کر رہا ہوں مفصل ملاقات کے موقع پر عرض کرونگا۔ میں خیریت سے ہوں اور امید ہے کہ آپ بھی بعافیت ہونگے۔

آخر میں میں پھر آپکا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس عریضہ کو ختم کرتا ہوں۔

[illegible]

شیخ محمد عبداللہ

S. M. ABDULLAH,
M. Sc. (Alig.)

SRINAGAR [illegible] 193 .

جناب حضرت علامہ صاحب - دام اقبالہٗ

السلام علیکم - ورحمۃ اللہ
میں حضور کی نوازشات کا تہہ دل سے مشکور ہوں - ٹھیک یہی الامور ہوتے
میرے تحمل اور کوشش و ارشاد کا پابند ہوں - جیسا کہ میں نے ظاہر کر دیا ہے - کہ میں کشمیر کی
پہلے ہفتہ میں ... یہ مشکل کانفرنس کشمیر میں بلوا رہا ہوں - لیکن غالباً شملہ
جانے کا امکان ہے - جیسا کہ حضور کو معلوم ہے - اگر حضور اگست کے دوسرے ہفتہ
میں کشمیر تشریف لے آئیں - تو کانفرنس کو کامیاب بنانے
میں بہت امداد ملتی ہے - بلکہ ضرورت یہی ہے - کہ حضور ایک شب
مجھے شملہ جانے اور کانفرنس کے پروگرام کے متعلق تفصیلی ہدایات دے کر
ممکنہ میری راہنمائی فرمائیں - مشکور رہوں گا - کانفرنس کی معین تاریخ کے
متعلق میں حضور کو سری نگر سے مطلع کروں گا - مجھے امید ہے - کہ حضور کی
شرکت کانفرنس کو کامیاب بنانے میں سعی فرمائیں گے - والسلام

آپ کا تابعدار
عبداللہ

حضرت امام جماعت احمدیہ کے کشمیر کمیٹی سے استعفیٰ کے بعد حکومت کشمیر نے وسیع پیمانے پر گرفتاریاں شروع کر دیں۔

۷۸۶

سرینگر ۔ ۵ ستمبر ۳۳ء

محترم میاں صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کل شام کو میرا گرفتاری کا وارنٹ نکلے ہوئے ہیں۔ لیکن رات کو ہی گرفتار نہ ہو سکا۔ کیونکہ میں گھر میں نہیں تھا۔ یہ سب کچھ حقیقت ہے۔ کرتار سنگھ اور روپوش شدہ کا پتہ نہیں ہے۔ دیگر تمام حالات معلوم ہیں۔ جو ہر کسی روپوش شدہ اور دیگر احمدیت سے دشمنی کا سخت معلوم ہوا۔ ایسا ہی محترم آغا صاحب کو ناسمجھا سمجھ جو آپ خدارا دیکھیں کہ مظلوم کشمیریوں کو بچائیے۔ اور اپنے کارکن روانہ کریں۔ ورنہ روپوشی سے آدم محاسبہ گا۔ اور شہر سے سر دبا کر ڈالا جائے گا۔ بہر حال آپ سب کچھ جانتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ ایک وفادار دوست کو اس وقت کشمیر میں ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ فقط

والسلام

شیخ محمد عبداللہ

حضور کے استعفیٰ کے بعد غلام محمد بخشی اور غلام نبی گلکار کا جیل جانے سے پہلے حضور کی خدمت میں خط

بحضور حضرت امام جماعت احمدیہ قادیان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(ہم اس حیثیت سے کہ کشمیر کے مظلوم ہیں۔ اور ہمارا جرم صرف اسلام ہے۔ ہم حضور سے بحیثیت امام جماعت احمدیہ ہونے کے طالب امداد ہیں۔ حضور ہماری امداد فرما کر عنداللہ ماجور ہوں

گو ہمیں اس امر کا از حد صدمہ ہے کہ حضور نے اپنا دست شفقت بعض کم فہم احباب کی وجہ سے ہمارے سر پر سے اٹھا لیا۔ مگر آپ کی ذات سے ہمیں پورا یقین ہے کہ حضور اس آڑے وقت میں ہماری راہنمائی فرما کر ہمیں ممنون و مشکور فرماویں گے۔ نیز ہمارے ساتھ ہمیشہ دعا فرماویں۔ والسلام

خاکسار

Ghulam Nabi 31.5.33

31/5/33

161

حضرت امام جماعت احمدیہ کے نام چوہدری غلام عباس کا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از دفتر

جموں و کشمیر مسلم کانفرنس

بخدمت حضرت مسیح

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ و [illegible]

بندہ و مولوی عبدالمجید قریشی اڈیٹر پاسبان آج صاحب آنجناب کی خدمت میں حاضر ہو [illegible] ۱۹
ماتحت [illegible] اس امر سے [illegible] خدمت [illegible]
جارہے ہیں۔ آنجناب نے جو کچھ اس وقت تک مظلومان کشمیر کے لئے کیا ہے وہ
پوشیدہ نہیں اور کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ بندہ کو امید واثق ہے کہ آنجناب اپنی گذشتہ
روایات کے پیش نظر بے نظیر مظلوم مسلمانان کشمیر کی حمایت کے لئے کمربستہ ہو جائیں گے
کیونکہ حالت سخت نازک صورت اختیار کر رہی ہے۔ لہذا آنجناب کا ساتھی مسلم کا از حد
ضرورت ہے

بر کریمان کارہا دشوار نیست

غلام عباس

شیخ عبداللہ کا اعتراف کہ مجلس احرار سے انہیں کوئی امداد نہیں پہنچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔

سرینگر

برادران ملت اسلامیہ السلام علیکم و رحمۃ اللہ !

جن حالات میں سے کشمیر کے مسلمان اس وقت گذر رہے ہیں وہ آپ
کو پوشیدہ نہیں ہیں ۔ ان کے سیاسی حقوق کی حفاظت اور ان کی تمدنی اور تعلیمی مدد
نہ ہی ترقی کے لئے جد جہد ایک اہم فرض بن گیا ہے ۔ اندریں حالات
ہم جمہور مسلمانان کشمیر کے مسلمان بھائیوں سے پر زور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس نازک
موقعہ پر ہماری امداد فرماویں ۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے اس وقت اپنے قیمتی مشورہ
سے امداد کرنے کے علاوہ ہماری قانونی امداد بھی کی ہے اور مالی امداد
بھی ہمیں صرف انہیں سے پہنچی ہے ۔ اس لئے ہم برادران ملت سے
پر زور اپیل اور استدعا کرتے ہیں کہ وہ اس کے فنڈز کو مضبوط کرنے کی
طرف فوری توجہ فرماویں تا کہ مالی تنگی کی وجہ سے ضروری کاموں میں حرج
واقع نہ ہو ۔ مجلس احرار نے جو تکالیف جسمانی مظلومان کشمیر کی ہمدردی
میں برداشت کی ہیں ان کے ہم تہ دل سے مشکور ہیں مگر اس بات کا افسوس ہے کہ انہیں

[illegible] نہیں ہو سکتی کہ جماعت احرار کی طرف سے ہمیں مالی امداد
رسید بھیجی گئی جو اس وقت تک نہیں ہوئی

دستخط
شیخ محمد عبداللہ

INDIAN POSTS AND TELEGRAPHS DEPARTMENT

C.

NOTICE

This form must accompany any inquiry made respecting this Telegram.

Handed in at (Office of Origin)	Date	Hour	Minutes	Service Instructions	Words
Srinagar Kash	7	9	55		22

TO Secy Kashmir Committee Qadian

Recd. here at 13

Ahrar deputation arrived here staying in State Guests should be no separate your deputation hardly needed

Abdullah

N.B.—The name of the Sender, if telegraphed, is written after the text.

مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ کے نام شیخ محمد عبداللہ کا ایک کارڈ

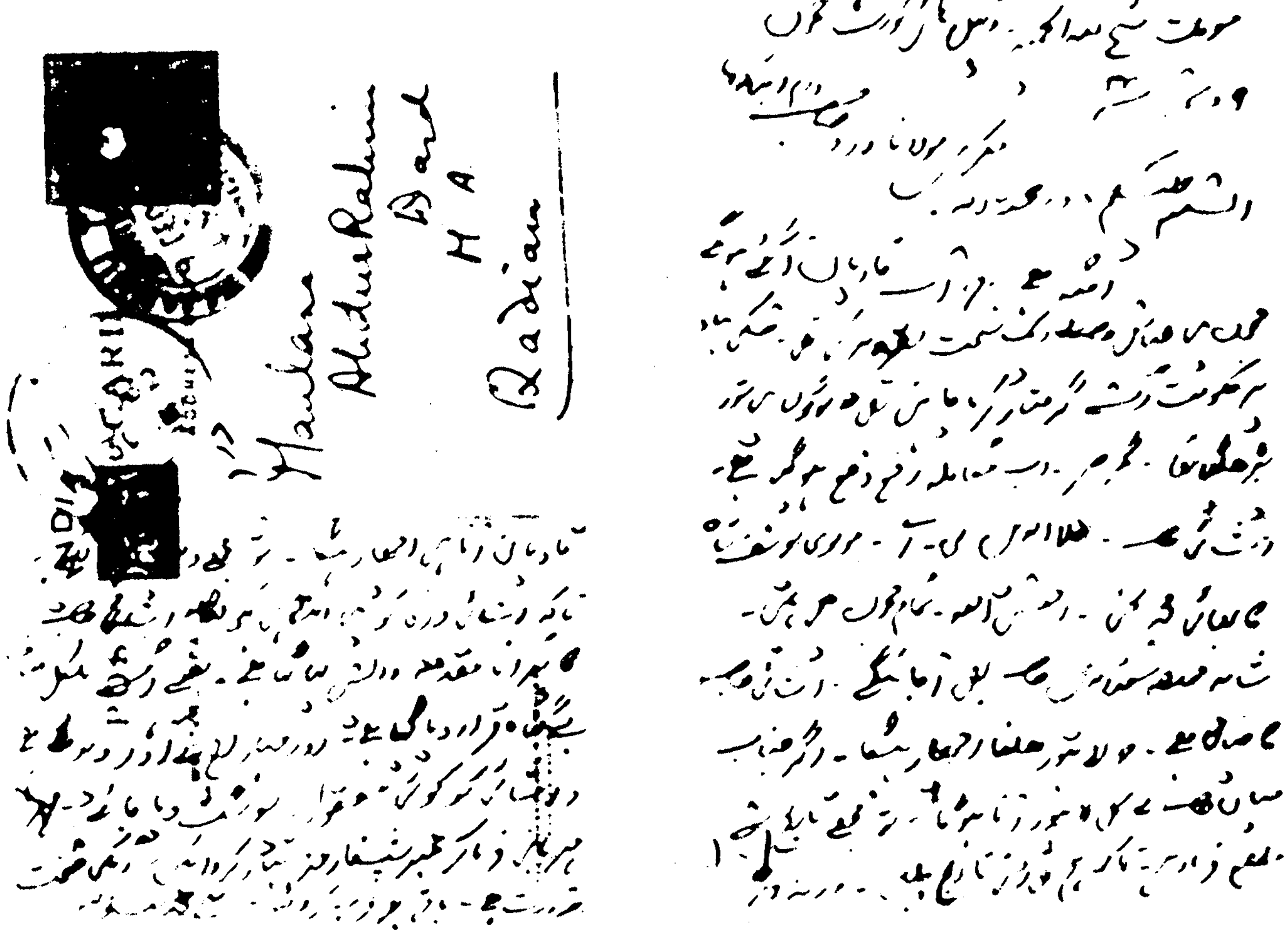

پنجاب کے سیاسی لیڈر جناب احمد یار خان دولتانہ کا حضرت امام جماعت احمدیہ کے نام خط

دولتانہ [illegible] ڈلہوزی

12.7.33

قبلہ و کعبہ [illegible] مدظلہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ

ادائے آداب کے بعد گزارش ہے

نوازش نامہ فیض [illegible] صدور

لاکر باعث سرفرازی بندہ ہوا

خداوند کریم کے فضل اور حضور

کی دعا سے عزیز ممتاز [illegible]

[illegible] میں اچھے نمبر [illegible]

ہوا اور تمام [illegible] میں [illegible]

[illegible]

7 [illegible] کو [illegible] جانے کا

[illegible]

[illegible] مستقیم پر چلنے کی توفیق

اور ہدایت دے

حضور نے جو کشمیر کے [illegible]

[illegible] فرمایا ہے

[illegible] کشمیر کی

اس وقت [illegible] نہیں ہو سکتا

جب کہ حضور کمیٹی میں [illegible]

[illegible] آنکھوں میں [illegible]

[illegible] اور [illegible]

[illegible]

کشمیر کے [illegible] حضور کی

بلند خودی اور اقبال کی دلی ہمتی ہے معلوم ہوا سب نے
نواب سر اکبر علی صاحب سے صاف کہہ دیا تھا کہ
[illegible] کردن خیال است کہ [illegible] بجائے [illegible]
میاں ڈاکٹر فضل حسین نے بھی یہ الفاظ سر اقبال کو کہلا
بھیجا کہ اس کے گرد و نواح سے مسلمانوں کے تعلقات کے
اب تک رتی بھر بھی فائدہ نہ ہوگا مگر وہ تیسرا قابل
عمل بات تو سمجھنے سے قاصر ہے میری رائے ناقص میں

[illegible]
یہ کام مجھے کے تم ہو لینا چاہیے
علم سے شعور کے [illegible]
اقبال سے نہ پہلے کچھ ہو سکا
اور نہ اب ہو سکے گا اسکے تعلق
[illegible] مسلمانوں [illegible] تکمیل
ہو گی
[illegible]

راجہ صاحب پونچھ سے اپنی سہ روزہ ملاقات کے حالات بیان کئے جو روزپانچ اور سات گھنٹہ تک جاری رہتی تھی۔ مسلمانان کشمیر نے شاہ صاحب پر پھول نچھاور کئے۔ شاہ صاحب نے اختتام تقریر میں نمائندوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے اختلافات ختم کر کے ایک متحدہ محاذ قائم کریں تا کامیاب ہوں۔

حضرت شاہ صاحب کے بعد مفتی ضیاء الدین صاحب نے کشمیر کمیٹی اور بالخصوص اس کے واجب الاحترام صدر (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) کی بیش قیمت خدمات کو خراج تحسین ادا کیا۔ ۸۴ مسلم کانفرنس کے اس پہلے اجلاس میں کانفرنس کا مفصل آئین و دستور مرتب کیا گیا۔ اور ریاست کے طول و عرض میں اس کی شاخوں کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے اغراض و مقاصد میں خاص طور پر مسلمانان کشمیر کے حقوق و سیاسی مفاد کا تحفظ شامل کیا گیا۔ اور ایک سو ارکان کی ایک جنرل کونسل اور پچاس ارکان کی مجلس عاملہ مرتب کی گئی اور مندرجہ ذیل حضرات بحیثیت عہدیدار منتخب کئے گئے۔

شیخ محمد عبد اللہ صاحب (صدر)، چوہدری غلام عباس صاحب (جنرل سیکرٹری)، میاں احمد یار صاحب مظفر آباد، مولوی عبد الرحیم صاحب سرینگر، شیخ عبد الحمید صاحب جموں (سینئر پریذیڈنٹ)، عبد الحکیم صاحب، غلام احمد صاحب۔ ۸۵ اس طرح مسلمانان کشمیر کی پہلی اور واحد نمائندہ تنظیم "آل کشمیر مسلم کانفرنس" کی بنیاد پڑی جس نے آئندہ چل کر تحریک آزادی کشمیر کو فروغ اور ترقی دینے میں عمدہ خدمات انجام دیں اس کے بل بوتے پر کشمیر اسمبلی کے لئے الیکشن لڑا گیا۔

شیخ محمد عبد اللہ صاحب کا مکتوب حضرت امام جماعت احمدیہ کے نام

شیر کشمیر شیخ محمد عبد اللہ صاحب نے کانفرنس کے پہلے اجلاس کے بخیر و خوبی ختم ہونے پر ۲۲/ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو مندرجہ ذیل مکتوب لکھا۔

S.M. ABDULLATH. M.S.c (ALIG)   SRINAGAR 22. OCT. 1932

جناب محترم میاں صاحب دام اقبالہ السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ نہ میری زبان میں طاقت ہے اور نہ میرے قلم میں زور اور نہ میرے پاس وہ الفاظ ہیں جن سے میں جناب کا اور جناب کے بھیجے ہوئے کارکن مولانا درد، سید زین العابدین صاحب وغیرہ کا شکریہ ادا کر سکوں۔ یقیناً اس عظیم الشان کام کا بدلہ جو کہ آنجناب نے ایک بے کس اور مظلوم قوم کی بہتری کے لئے کیا ہے۔ صرف خدائے لایزال سے ہی مل سکتا ہے۔ میری عاجزانہ دعا ہے کہ خداوند کریم آنجناب کو زیادہ زیادہ طاقت دے تاکہ آنحضور کا وجود مسعود بے کسوں کے لئے سہارا ہو۔

شاید جناب عاجز سے ناراض ہوں کہ میں نے جناب کے ارشادات گرامی کے جواب دینے میں

تساہل سے کام لیا۔ میں مانتا ہوں کہ یقیناً یہ صریح گستاخی ہے مگر خدا کو حاضر جان کر میں جناب سے عرض کئے دیتا ہوں کہ میری گوناگوں پریشانیوں نے مجھے مجبور کر رکھا تھا۔ ایک طرف......اس کی پارٹی۔ ایک طرف پنڈتوں اور مسلمانوں کا افسوسناک فساد' مالی پریشانی' اپنوں سے بیگانگی' کانفرنس کی تیاری وغیرہ وغیرہ۔ ان سب باتوں نے مجھے پریشان کر رکھا تھا۔ اس کی شہادت جناب کے پاس سید زین العابدین صاحب دے سکتے ہیں۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے مجھے کامل یقین ہے۔ کہ جناب مجھے معاف فرمائیں گے۔ اور بزرگانہ کریمانہ صفات کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے یقین کر لینا چاہئے کہ جناب کا تسلی بخش جواب باصواب میری پریشانیوں کو جلد از جلد رفع کر دے گا۔

حالات بالکل ٹھیک ہیں۔ جناب درد صاحب اور شاہ صاحب وغیرہ کام میں مصروف ہیں۔ جو لوگ قومی کام میں مخل ہونا چاہتے ہیں۔ اللہ میاں نے انہیں کافی سزا دی ہے۔ الحمدللہ۔ درد صاحب سے موٹر کا روپیہ بھی وصول ہو چکا ہے۔ بہت بہت شکریہ۔

کانفرنس بخیر و خوبی ختم ہوئی۔ بجائے تین دن کے کانفرنس برابر پانچ دن ہوتی رہی اور بڑی شان سے دستور اساسی نے بڑا وقت لیا...... اخراجات تقریباً آٹھ ہزار آئے ہیں۔ پنڈال میں ڈیڑھ ہزار روپیہ خرچہ آیا۔ لاؤڈ اسپیکر بجلی وغیرہ کا اچھا انتظام تھا۔ مختلف اطراف سے رضاکار آئے ہوئے تھے۔ فرودگاہ کا انتظام بہت اچھا تھا۔ الغرض جناب کی دعا سے کانفرنس نہایت کامیاب رہی مفصل کارروائی جناب درد صاحب نے آنحضور کو بھیج دی ہوگی۔ میرا بھی خیال ہے پنجاب آنے کا۔ انشاء اللہ شرف قدم بوسی حاصل کروں گا۔ احراری خیال کے چند افراد غلط پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ میں کشمیر کمیٹی کے ہاتھ کٹھ پتلی کا کھیل بنا ہوا ہوں کبھی کہتے ہیں کہ میرا عقیدہ بھی بدل گیا ہے مگر خداوند کریم بہتر جانتا ہے کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں اس لئے ہمیشہ ان کو ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ جناب کی دعائیں ہمیشہ میرے شامل حال ہوں گی۔ آخر مجھے اپنا بچہ سمجھتے ہوئے مجھے حق حاصل ہونا چاہئے کہ کبھی کبھی مجبوری کی وجہ سے جناب سے گستاخی کا بھی مرتکب ہو جاؤں اور پھر معافی بھی طلب کروں۔ امید کرتا ہوں کہ جناب کا ارشاد گرامی جلدی ہی میری تسلی کر دے گا۔ عبدالرحیم صاحب اور محمد یحییٰ صاحب رفیقی کی طرف سے مودبانہ عرض و سلام۔ جناب کا تابعدار شیخ محمد عبداللہ۔

مسلم کانفرنس کے دوسرے اجلاس

مسلمانان کشمیر کی یہ نمائندہ کانفرنس خالص مسلم تنظیم کی حیثیت سے ۱۹۳۸ء تک مصروف عمل رہی اور ۱۹۳۲ء کے بعد اس کا دوسرا سالانہ اجلاس ۱۵-۱۶-۱۷/ دسمبر ۱۹۳۳ء کو بمقام میرپور منعقد ہوا۔ تیسرا اجلاس سوپور میں ۱۱-۱۲-۱۳/ نومبر ۱۹۳۴ء کو ہوا جس میں جناب میاں احمد یار صاحب بی۔

اے ایل ایل بی صدر منتخب ہوئے۔ یہ اجلاس بہت کامیاب رہا۔ اور اس کے انتظامات کی تکمیل میں خواجہ غلام نبی صاحب گلکار نے بڑی محنت و جانفشانی سے کام لیا۔ مسلمانان سوپور نے ایک کھلے جلسہ میں یہ قرارداد پاس کی کہ "یہ اجلاس شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب پریذیڈنٹ مسلم کانفرنس کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ کہ انہوں نے مہربانی فرما کر کانفرنس کے اعلیٰ کارکن اور اپنے دست راست مسٹر غلام نبی صاحب گلکار کو سوپور کانفرنس کے انتظامات کے لئے بھیجا"۔ ۸۶

چوتھا اجلاس بمقام سرینگر اکتوبر ۱۹۳۵ء میں ہوا جس میں صدارت کے فرائض قوم نے جناب چوہدری غلام عباس صاحب کو تفویض کئے۔ خواجہ غلام نبی صاحب گلکار اس چوتھے اجلاس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر تھے۔ اور آپ ہی کے اہتمام میں چوہدری صاحب کا ایسا شاندار جلوس نکالا گیا جو مہاراجہ صاحب کے تزک و احتشام کی جھلک نمایاں رکھتا تھا۔ اور اس کے لئے وردیاں قادیان سے بن کر آئی تھیں۔ یہ جلوس پانچ کشتیوں میں نکالا گیا۔

پانچواں اجلاس ۱۴/ مئی ۱۹۳۷ء کو پونچھ میں منعقد ہوا۔ اور صدارت دوبارہ شیخ محمد عبداللہ صاحب کو سونپ دی گئی۔ ۸۷

مسلم کانفرنس کا سیاسی اثر

خدا تعالیٰ کے فضل اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے مسلم کانفرنس کی شاخیں ریاست کے طول و عرض میں قائم ہو گئیں اور مسلمان ایک ہی سلک میں پرو دیئے جانے لگے۔ اور اس تنظیم کی دھاک حکومت کشمیر اور کشمیر کے غیر مسلموں پر ایسی بیٹھ گئی کہ ایک موقع پر جبکہ اس تنظیم کی ورکنگ کمیٹی نے اپنا اجلاس راست اقدام کے لئے بچھوارہ (سرینگر) میں بلایا۔ تو وزیر اعظم مسٹر کالون فوراً دہلی سے روانہ ہو کر سرینگر پہنچ گئے اور مسلمانان کشمیر کے زعماء سے درخواست کی کہ وہ اجلاس کو ملتوی کریں وہ ان کے مطالبات ماننے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ ان کی درخواست پر اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔ اور اکثر مطالبات منظور کر لئے گئے۔ کرنل کالون نے احکام جاری کئے اور تمام کے تمام اسسٹنٹ سیکرٹری مسلمان مقرر ہوئے۔ اور کئی صوبائی آسامیاں بھی مسلمانوں کو دی گئیں۔ اور مسٹر وجاہت حسین صاحب منسٹر مقرر ہوئے۔ ۸۸

کانفرنسی لیڈروں کی طرف سے اتحاد کی اپیل

تحریک آزادی کشمیر کا پانچواں دور قیام کانفرنس پر ختم ہوتا ہے۔ جس سے مسلمانوں کو ایک متحدہ سیاسی پلیٹ فارم حاصل ہوا اور ان کی تنظیمی کوششیں نقطہ عروج تک پہنچ گئیں مگر افسوس اس کے ساتھ ہی مختلف اندرونی و بیرونی مخالف عناصر مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے

کے لئے پوری قوت سے سامنے آگئے اور انہوں نے فرقہ وارانہ سوال کھڑا کر دیا۔ اور تحریک کو نقصان پہنچانے کے لئے خود شیخ محمد عبداللہ صاحب کو احمدی مشہور کرنے لگے۔ غرضکہ مسلم کانفرنس کی کشتی اپنے آغاز ہی میں طوفان حوادث میں گھر گئی۔

یہ نازک صورت حال دیکھ کر ۲۷/ دسمبر ۱۹۳۲ء کو سرینگر میں مسلمانان کشمیر کا ایک عظیم الشان اجتماع منعقد ہوا جس میں شیر کشمیر شیخ عبداللہ صاحب نے اپنی تقریر میں اور دوسرے زعماء کشمیر نے اپنے پیغامات میں مسلمانوں کو متحد العمل ہونے کی پرزور اپیل کی۔ چنانچہ شیخ محمد عبداللہ صاحب نے فرمایا۔

"مسلمانو! آپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ آپ اپنے نفع و نقصان کا امتیاز کرتے ہوئے مفاد اسلامی کے تحفظ کے مسئلہ پر خود غور کریں اور دیکھیں کہ آیا موجودہ وقت میں سنی' شیعہ' اہل حدیث اور احمدی وغیرہ کا سوال اٹھانے میں وہ کہاں تک حق بجانب ہیں۔......(یہ سن کر لوگوں نے باآواز بلند کہا کہ گزشتہ پر آشوب دنوں میں جب مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا جا رہا تھا اس وقت حکومت کشمیر یا ڈوگرہ درندے یہ امتیاز کرتے تھے کہ فلاں شیعہ ہے یا سنی یا احمدی ہے یا اہل حدیث؟ بلکہ ان کے نیزوں اور گولی کا نشانہ بننے کے لئے صرف مسلمان ہونا کافی تھا)

شیخ صاحب نے اپنی تقریر کے بعد کانفرنس کے دیگر معزز نمائندگان کے پیغامات پڑھ کر سنائے چنانچہ سید حسین شاہ جلالی (اہل تشیع کے نمائندہ) نے اپنے پیغام میں کہا۔ "جب انتخاب نمائندگان ہوا تھا۔ تو ہم تمام نمائندگان نے اسے اپنا اصول بنا رکھا تھا۔ بلکہ ایک قسم کا حلف لیا تھا۔ کہ فرقہ وارانہ سوال کو کبھی عامتہ المسلمین میں نہیں اٹھانا چاہئے۔ اور تمام فرقوں کو خواہ وہ سنی ہوں یا شیعہ' اہل حدیث ہوں یا احمدی' مقلد ہوں یا غیر مقلد متحد اور متفق ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ اس تحریک میں اشتراک عمل کرنا چاہئے"۔

خواجہ غلام احمد صاحب اشائی نے پیغام دیا۔ "میں خود مرزائی نہیں ہوں اور نہ اہلحدیث مگر اس جدوجہد میں ہم فرقہ واری سے بالاتر ہو کر تمام اہل اسلام خواہ وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں متفق ہو کر کامیابی کی امید رکھتے تھے اس وقت کوئی تفرقہ کا فرقہ وارانہ سوال پیدا کرنا سخت مہلک ہے"۔

چوہدری غلام عباس صاحب نے پیغام دیا۔

"آپ صاحبان کو یہ جان لینا چاہئے۔ کہ اس وقت قوم کی زندگی اور موت کا سوال در پیش ہے۔ اور اگر ان حالات میں نمائندگان کی طرف سے ذرا ایسی لغزش بھی واقع ہوئی تو میں برملا یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ قوم کے خون ناحق کے ذمہ دار وہ ہوں گے۔ اس لئے میں نہایت ادب کے ساتھ

نمائندگان کی خدمت میں عرض پرداز ہوں کہ قوم کی خاطر باہمی کشمکش سے احتراز کریں۔ اور احمدیت اور حنفیت کے زہریلے پراپیگنڈے سے بچیں۔ موجودہ سوال قوم کا من حیث القوم سوال ہے اور نہ حکومت نے گولی چلانے گرفتاریاں عمل میں لانے اور تشدد کرتے وقت فرقہ وارانہ تمیز سے کام لیا"۔

۸۹

حواشی حصہ دوم۔ چوتھا باب

۱۔ انقلاب ۴/ دسمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۳۔
۲۔ اخبار انقلاب ۹/ دسمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۳۔
۳۔ اس مشہور مقدمہ کا ذکر آگے آرہا ہے (مولف)
۴۔ اخبار الفضل ۲۴/ دسمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۲۔
۵۔ رسالہ لاہور ۱۴/ جون ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۲۔
۶۔ سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ایک غیر مطبوعہ مضمون سے ماخوذ۔
۷۔ بیان شیخ عبدالحمید صاحب (۲۳/ اکتوبر ۱۹۶۳ء) جناب قریشی محمد اسد اللہ صاحب فاضل کشمیری مربی سلسلہ احمدیہ کے ایک غیر مطبوعہ مقالہ سے ماخوذ۔
۸۔ لاہور ۷/ جون ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۲۔۱۳۔
۹۔ اخبار سیاست (لاہور) ۴۔۷۔۹/ فروری ۱۹۳۲ء میں بھی اس کا مفصل تذکرہ ملتا ہے۔
۱۰۔ کشمکش صفحہ ۱۱۰۔
۱۱۔ الفضل ۳/ فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۴ کالم ۳۔
۱۲۔ الفضل ۳/ فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۴۔
۱۳۔ چنانچہ مڈلٹن نے لکھا۔ اگر حکام ضروری احتیاطی تدابیر اختیار کرتے اور مضبوطی سے صورت حالات کا مقابلہ کرتے تو معاملہ قابو سے باہر نہ ہو جاتا۔ پھر کہا محکمہ پولیس کی حالت بہت افسوس ناک ہے۔ ضرورت ہے کہ اس محکمہ کو نئے سرے سے باقاعدہ منظم کیا جائے۔ ریاستی فوج کی نسبت یہ رائے قائم کی کہ فساد کے وقت فوج فوراً موقع پر پہنچ گئی۔ جس نے مسلمانوں کو تو منتشر کر دیا۔ اور ہندوؤں کو کھلے بندوں چھوڑ دیا گیا۔ جنہوں نے جتھے بنا کر اکے دکے مسلمانوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا مسلمانوں کی دکانوں کو فوج کی موجودگی میں لوٹنا شروع کر دیا۔ ہندو مسلمانوں کو اس طرح تباہ و برباد کر رہے تھے لیکن فوجی سپاہی کھڑے دیکھتے رہے اگرچہ بعد میں فوج کو شہر کے مختلف حصوں میں تعینات کر دیا گیا لیکن ہندوؤں کی چیرہ دستیاں کئی دنوں تک بدستور جاری رہیں۔ (بحوالہ الفضل ۲۹/ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ۳۔۴)
۱۴۔ سلسلہ دوم کا تیسرا خط صفحہ ۴۔۵ اس خط کا مکمل متن دوسرے مطبوعہ خطوط کے ساتھ ضمیمہ میں شائع کر دیا گیا ہے۔
۱۵۔ ملاپ ۱۲/ اپریل ۱۹۳۲ء (بحوالہ الفضل ۱۷/ اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ۴)
۱۶۔ ارکان کمیٹی سر برجور دلال (صدر) مسٹر ایل۔ ڈبلیو جارڈین (نائب) خان بہادر عبدالقیوم (رکن) ٹھاکر کرتار سنگھ (رکن) مسٹر رام ناتھ شرما (سیکرٹری)
۱۷۔ متن کے لئے ملاحظہ ہو ضمیمہ (۱)
۱۸۔ الفضل کیم مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۳ کالم ۳۔
۱۹۔ الفضل کیم مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۳ کالم ۲۔
۲۰۔ الموعود (لیکچر سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ) صفحہ ۱۷۴۔
۲۱۔ بحوالہ الفضل قادیان مورخہ ۱۰/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۴ کالم ۱۔
۲۲۔ الفضل قادیان مورخہ ۳۱/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۷ کالم ۱۔

۲۳۔ الفضل ۱۴/ فروری ۱۹۳۲ء صفحہ ۷۔
۲۴۔ مطبوعہ الفضل یکم مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۸۔
۲۵۔ مطبوعہ الفضل ۲۵/ فروری ۱۹۳۲ء صفحہ ۵-۶۔
۲۶۔ مطبوعہ الفضل یکم ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۵ تا ۱۰۔
۲۷۔ مفتی ضیاء الدین صاحب نے ۱۹۳۴ء میں لاہور کے ایک پبلک جلسہ میں اپنی جلاوطنی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے بتایا۔ "جس وقت چند احراری لیڈروں کی انگیخت پر عامتہ المسلمین کے بیس پچیس ہزار افراد جیلوں میں پہنچ گئے تو احراری لیڈر کشمیر گئے اور اس وقت جبکہ ہزاروں مسلمانان پنجاب اور اہل کشمیر جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں سختیاں جھیل رہے تھے۔ احرار کے یہ لیڈر حکومت کشمیر کی شاندار موٹروں اور مزین ہاؤس بوٹوں میں کشمیر کے پر فضا مقامات کی سیر میں مشغول تھے انہی پر کیف ایام کے دوران میں اتفاق سے میری ملاقات ان میں سے ایک لیڈر سے ہوئی اور میں نے انہیں مسلمانان کشمیر کی حالت زار کے بعض واقعات کی طرف متوجہ کرتے ہوئے امداد کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے جواب دیا آپ یہ تمام واقعات قلمبند کر کے میرے حوالہ کر دیں میں ان تکالیف کا ازالہ کرانے کی سعی کروں گا۔ لیکن بھائیو۔ آہ افسوس میں کس منہ سے کہوں ان احراری بزرگ نے جن پر ایک اسلامی اور دینی بھائی سمجھتے ہوئے اور ایک اسلامی تحریک کا لیڈر جانتے ہوئے میں نے بھروسہ کیا تھا۔ میری دستخطی تحریر بجنسہ مسٹر کالون کے حوالے کر دی۔ جس کے طفیل آج میں اپنے وطن سے دور' اپنے عزیزوں سے الگ' اپنے بال بچوں سے جدا' غربت کی حالت میں دربدر مارا مارا پھر رہا ہوں"۔ (اخبار اصلاح ۲۷/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱)
۲۸۔ مسٹر یوسف خان صاحب علیگ' نذیر احمد صاحب' عبدالقدوس صاحب اور غلام محمد صاحب' عبدالرحیم ڈار (سوپور)' عبدالغنی صاحب گنائی (سوپور)' مولوی محمد یٰسین صاحب (سوپور)' قاضی عبدالغنی صاحب ڈکٹیٹر (بارہ مولا)'
۲۹۔ یاد رہے اس علاقہ میں اس قدر مالیہ لگا دیا گیا تھا جس کی ادائیگی کاشتکاروں کی طاقت سے باہر تھی اور مسلم و غیر مسلم زمیندار ریاست سے یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ موجودہ مالیہ ناقابل برداشت ہے۔ اسے کم کرکے ملحقہ انگریزی علاقہ کے اضلاع جہلم راولپنڈی وغیرہ کے برابر کر دیا جائے۔
۳۰۔ الفضل ۲۱/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۳-۴۔
۳۱۔ الفضل ۳/ اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۳۲۔ الفضل ۱۹/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۱ کالم ۲۔
۳۳۔ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب نے اخبار زمیندار میں لکھا۔ "مابہ الامتیاز کشمیر کمیٹی اور مجلس احرار کے درمیان یہ رہا کہ مجلس احرار نے بجائے مشیر بننے کے ہمیشہ ڈکٹیٹر بننے کی کوشش کی اور ہمارا بنیادی اصول یہی تھا کہ ہم بیرونی بھائیوں کی امداد اسی صورت میں لیں گے کہ اس کا تعلق صرف خیر خواہانہ مشوروں تک محدود ہو"۔ (بحوالہ الفضل ۳۱/ جولائی ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۰ کالم ۲)
۳۴۔ "کشمکش" صفحہ ۱۱۷۔
۳۵۔ بحوالہ الفضل ۶/ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ۹۔
۳۶۔ الفضل قادیان مورخہ ۳۱/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۳۷۔ اخبار الفضل قادیان مورخہ ۳۱/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۳۸۔ الفضل ۲۴/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۸۔
۳۹۔ الفضل ۱۷/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۴۰۔ الفضل ۲۶/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۴۔
۴۱۔ الموعود صفحہ ۱۷۲ تا ۱۷۶۔
۴۲۔ الفضل ۱۷/ اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۴۳۔ اس جلد میں حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب کے جس قدر بیانات بغیر حوالہ درج ہیں وہ سب آپ کے غیر مطبوعہ خود نوشت حالات سے ماخوذ ہیں جو مؤلف کتاب کے پاس محفوظ ہے۔

۴۴- انقلاب ۳/ ستمبر ۱۹۳۲ء-

۴۵- ارکان وفد مولوی عبد الرحیم صاحب درد' سید محسن شاہ صاحب' مولوی محمد یعقوب خان صاحب' مسٹر مجید ملک صاحب' مولوی سید میرک شاہ صاحب تھے اور نامہ نگار جناب چوہدری ظہور احمد صاحب-

۴۶- الفضل ۲۶/ اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ا-

۴۷- الفضل قادیان مورخہ یکم مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۴ کالم ا-

۴۸- الفضل ۱۲/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ا-

۴۹- الفضل ۹/ جون ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ۳-

۵۰- الفضل ۲۴/ دسمبر ۱۹۳۱ء (اس تار کا متن گزشتہ فصل میں درج ہو چکا ہے)

۵۱- انقلاب (لاہور) ۱۱/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۶-

۵۲- لاہور ۷/ جون ۱۹۶۵ء (بعنوان کشمیر کی کہانی) صفحہ ۱۳ کالم ا-

۵۳- الفضل ۲۴/ اپریل ۱۹۳۳ء-

۵۴- اس سفر میں بڑی مشکلات پیش آئیں چنانچہ شیخ محمد احمد صاحب مظہر کا بیان ہے۔ "ہم دونوں قادیان سے رخصت ہوئے اور ہم نے یہ تجویز کی کہ چونکہ ابھی تک کشمیر داخل ہونے میں روک ٹوک جاری ہے اس لئے یوسف خان صاحب لاہور ٹھہر جائیں اور خاکسار اکیلا پہلے سرینگر پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ میں راولپنڈی پہنچا۔ اور ڈاک کی لاری میں سوار ہو گیا...... کوہالہ پہنچنے پر ایک سخت مشکل پیش آئی۔ کوہالہ کے پل پر ایک مسلمان سب انسپکٹر پولیس تعینات تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا آپ کہاں جاتے ہیں؟ اور کون ہیں؟ میں نے کہا میں وکیل ہوں اور مسلمانوں کے مقدمات کی پیروی کے لئے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ سب انسپکٹر مذکور نے کہا آپ نہیں جاسکتے جانے کی اجازت نہیں۔ میں نے کہا کہ ہائیکورٹ کا قانون ترمیم ہو چکا ہے اور بیرونی وکلاء کو پیروی مقدمات کی اجازت مل چکی ہے۔ میرے پاس موکلوں کی تاریں موجود ہیں۔ چنانچہ ایک شخص فتح محمد کے مقدمہ کی پیروی کل ہی میں نے شروع کر دینی ہے۔ کیونکہ کل تاریخ مقدمہ ہے لیکن سب انسپکٹر مذکور بدستور مصر رہا کہ آپ نہیں جاسکتے میں نے کہا کہ پھر لکھ دو اور یہ آپ کی ذمہ داری ہوگی کہ کل کے مقدمات بلا پیروی رہ جائیں گے۔ اس پر سب انسپکٹر مذکور نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ مجھے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مظفر آباد کے روبرو پیش کرے گا۔ چنانچہ ہم دونوں اس لاری میں سوار ہو کر مظفر آباد ایک بجے دن کے قریب پہنچ گئے وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب دورے پر گئے ہوئے ہیں اس پر سب انسپکٹر نے کہا آپ یہاں ٹھہر جائیں کیونکہ کل تک وہ آجائیں گے۔ میں نے اس سے انکار کیا۔ کہ میں بہرحال کل مقدمات کی پیروی سے رک نہیں سکتا۔ یا آپ مجھے لکھ کر دیں۔ حیص بیص میں دو بج گئے لاری اور اس کے مسافر رکے رہے۔ یہ ڈومیل کا واقعہ ہے میں لاری میں سوار ہونا چاہوں تو سب انسپکٹر ڈرائیور کو لاری چلانے سے روک دے اس کے بعد میرے ذہن میں ایک تجویز آئی۔ اور میں نے کہا کہ سب انسپکٹر صاحب علیحدہ ہو کر میری بات سنیں میں انہیں علیحدہ ایک طرف لے گیا۔ اور میں نے حسب ذیل کلمات ان سے کہے چونکہ آپ مسلمان پولیس افسر ہیں اس لئے اپنی بے جا نیک نامی اور ترقی کے لئے مسلمانوں کے جائز کام میں بھی رکاوٹ ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ آپ کے افسر آپ سے خوش ہوں اور آپ کو ترقی ملے۔ اگر کوئی ہندو سب انسپکٹر ہوتا تو میرے کاغذات دیکھ کر ایک منٹ کے لئے مجھے نہ روکتا۔ لیکن آپ اپنی قوم کے دشمن ہیں۔ اور مسلمانوں کی جائز مدد بھی آپ کو منظور نہیں۔

جب میں نے یہ باتیں کہیں تو میں سچ کہتا ہوں کہ سب انسپکٹر پولیس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ اور وہ کہنے لگا کہ کیا مجھے آپ مسلمانوں کا ایسا دشمن سمجھتے ہیں؟ لوہا گرم ہو چکا تھا۔ میں نے شدت سے اپنی بات کو دہرایا اور کہا کہ آپ کے رویہ سے زیادہ مسلمانوں کی دشمنی کا آپ کے متعلق کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ یقیناً آپ مسلمانوں کے بدخواہ ہیں۔

اس پر سب انسپکٹر مذکور نے مجھے بتایا۔ یہ خیال غلط ہے میں سرینگر میں تعینات تھا۔ بلاوجہ مجھ پر شبہ کیا گیا کہ میں ایجی ٹیشن میں حصہ لے رہا ہوں۔ اور سزا کے طور پر مجھے سرینگر سے کوہالہ جیسی گرم جگہ تبدیل کر دیا گیا۔ مجھے خیال گزرا کہ مجھ پر یہ الزام نہ لگ جائے کہ میں نے باہر سے وکیل بلوا لیا ہے اس لئے میں نے یہ احتیاط کرنی چاہی کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی اجازت سے آپ سرینگر چلے

جائیں اچھا جو کچھ بھی ہو آپ جاسکتے ہیں۔
میں خدا کا شکر کرتا ہوا دو بجے کے قریب ڈومیل سے روانہ ہو گیا۔ میں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا تھا۔ لیکن اس خوشی نے بھوک کا احساس کم کر دیا اور مغرب کے قریب ہماری لاری بارہ مولا پہنچ گئی۔ چونکہ رات کو لاری نے بارہ مولا ٹھہرنا تھا اور صبح کو روانہ ہونا تھا۔ اس لئے مجھے یہ خیال آیا کہ سرینگر داخل ہوتے وقت بھی شاید کوئی دقت پیش آئے۔ مار گزیدہ از ریسماں مے ترسد۔ میں نے اپنے چند ہمراہیوں سے (جن میں ایک پروفیسر صاحب بھی تھے) مشورہ کیا کہ اگر ہم اس وقت روانہ ہو کر سرینگر پہنچ جائیں تو رات کی بے آرامی سے بچ جائیں گے وہ اس سے متفق ہوئے۔ ایک لاری والا منچلا تھا دگنا کرایہ لے کر پہنچانے پر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ ہم دگنا کرایہ دے کر رات کے بارہ بجے کے قریب سرینگر کی چونگی پر پہنچ گئے۔"

۵۵۔ الفضل ۱۸/ نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱ و سیاست ۱۶/ ستمبر ۱۹۳۲ء۔
۵۶۔ الفضل ۱۷/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۵۷۔ لاہور ۷/ جون ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۳ کالم ۲۔ کشمیر کی کہانی۔
۵۸۔ لاہور ۱۷/ مئی ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۴ کالم ۳۔ (کشمیر کی کہانی) از جناب چوہدری ظہور احمد صاحب۔
۵۹۔ الفضل ۲۶/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ ۲۔
۶۰۔ اخبار لاہور ۷/ جون ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۲۔ کشمیر کی کہانی از چوہدری ظہور احمد صاحب۔
۶۱۔ لاہور ۷/ جون ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۳۔
۶۲۔ الفضل ۲۹/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
۶۳۔ الفضل ۲۱/ جون ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۔
۶۴۔ الفضل ۲۶/ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۹ کالم ۳۔
۶۵۔ لاہور (لاہور) ۷/ جون ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۳ کالم ۳۔
۶۶۔ الفضل ۲۵/ فروری ۱۹۳۲ء صفحہ ۸ کالم ۲۔ ۳۔
۶۷۔ الفضل ۲۶/ جون ۱۹۳۲ء صفحہ ۱ کالم ۲۔
۶۸۔ لاہور ۷/ جون ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۲۔ ۱۳۔ کشمیر کی کہانی از جناب چوہدری ظہور احمد صاحب۔
۶۹۔ بیان جناب اللہ رکھا صاحب ساغر سابق ایڈیٹر رہبر کشمیر مورخہ ۶۳/۱۲/۲۲۔ قریشی محمد اسد اللہ صاحب فاضل کاشمیری کے ایک غیر مطبوعہ مقالہ سے ماخوذ۔
۷۰۔ الفضل ۳۱/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰ کالم ۱۔ ۲۔
۷۱۔ ماخوذ از مکتوب محمد امین صاحب قریشی (مورخہ ۲۴/ اکتوبر ۱۹۳۳ء سرینگر کشمیر)
۷۲۔ انقلاب ۲۰/ اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ۶۔ (عتیق اللہ کشمیری)
۷۳۔ اسی مشورہ کے مطابق آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی۔ (ناقل)
۷۴۔ میرے پاس اس امر کے باور کرنے کی کافی وجوہ ہیں کہ سید زین العابدین صاحب کے اخراج میں بعض نام نہاد لیڈروں کا ہاتھ ہے جنہوں نے اس امر سے ڈر کر کہ ان کے آنے سے حقیقت حال ظاہر ہو جائے گی بعض اپنے ہمدرد افسروں کے ذریعہ سے ان کے نکالنے کی کوشش کی تاکہ ان کے لئے راستہ کھلا رہے۔ منہ۔

۷۵۔ نقل مطابق اصل۔
۷۶۔ نقل مطابق اصل۔
۷۷۔ سہواً رہ گیا ہے۔ (ناقل)
۷۸۔ متن کے لئے ملاحظہ ہو ضمیمہ کتاب۔
۷۹۔ کشمکش صفحہ ۱۳۸۔

۸۰۔ حضرت شاہ صاحب کا قیام ان دنوں قاضی صلاح الدین صاحب پشاوری کی کوٹھی واقع گپکار میں تھا اور دن کے وقت آپ ہاؤس بوٹ چنار باغ میں آکر اپنے دفتر میں کام کرتے تھے شیخ بشیر احمد صاحب اور شیخ محمد احمد صاحب مظہر بھی اسی ہاؤس بوٹ میں رہائش پذیر تھے۔

۸۱۔ الفضل ۱۸/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۲۔۳ و ۲۵/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۱۔۲۔

۸۲۔ اس کا مکمل متن الفضل ۲۵/ اکتوبر ۱۹۳۲ء و ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں شائع شدہ ہے۔

۸۳۔ الفضل قادیان مورخہ ۲۵/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱ و ۲۔

۸۴۔ الفضل ۲۳/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

۸۵۔ الفضل ۲۵/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۲۔

۸۶۔ اخبار "اصلاح" (سرینگر) ۹/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۴۔ اخبار اصلاح ۲۰/ نومبر ۱۹۳۴ء میں اجلاس سوپور کی روداد کے ضمن میں لکھا ہے۔ آخر مسلمانوں کا یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر مشہور قومی کارکن مستری۔ این گلکار کی قیادت میں جلوس کی صورت میں مرتب ہوا جو اپنے محبوب رہنماؤں کو لئے مرکزی مقامات سے قومی ترانے گاتا ہوا دو بجے جلسہ گاہ میں پہنچا۔ (اصلاح ۲۰/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲)

۸۷۔ اخبار ہمدرد سرینگر ۳۱/ جولائی ۱۹۳۸ء۔

۸۸۔ اخبار اصلاح سرینگر ۱۹/ دسمبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۴ کالم ۲ (ایک غیر جانبدار مقالہ نگار کے قلم سے)

۸۹۔ انقلاب ۴/ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۳۔

پانچواں باب (فصل اول)

کشمیر کمیٹی کی صدارت سے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کا استعفیٰ، اس کا پس منظر، اور رد عمل، آل انڈیا ایسوسی ایشن کا قیام، اخبار "اصلاح" کا اجراء، کشمیر اسمبلی کا قیام، ۱۹۳۸ء کی کشمیر ایجی ٹیشن پر حضرت خلیفتہ المسیح کی راہنمائی نیشنل کانفرنس کے خلاف محاذ، مسلم کانفرنس کا احیاء، شاہی تحقیقاتی کمیشن میں بیانات تحریک "کشمیر چھوڑ دو"۔ آزاد کشمیر حکومت کی بنیاد، چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی ترجمانی اہل کشمیر کی طرف سے، اور فرقان بٹالین کے کارنامے

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کا صدارت سے استعفیٰ، اس کا پس منظر اور رد عمل

(تحریک آزادی کے چھٹے دور کا آغاز)

مسلم کانفرنس میں تشتت و افتراق مسلمانان کشمیر کی قومی زندگی کے لئے سخت مہلک تھا اور ہر مخلص مسلمان کی دلی تمنا تھی کہ کشمیری مسلمانوں کی صفوں میں یکجہتی قائم رہے تاکہ تحریک آزادی کشمیر کی منزل اور زیادہ قریب ہو جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے بھی شیخ محمد عبد اللہ صاحب کو ایک مکتوب لکھا کہ "مجھے یقین ہے کہ بزرگان کشمیر بہت جلد اپنے معاملات سلجھا سکیں گے اس بات کے لئے میں ہر لحظہ دست بدعا ہوں.... اور یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالٰی اپنے فضل و کرم سے آپ کی مساعی کو بار آور کر دیگا لیکن جو مختلف جماعتیں سنا ہے کہ بن گئی ہیں اور ان کا باہمی اختلاف آپ کے مقاصد کی تکمیل میں بہت بڑی رکاوٹ ہو گا ہم آہنگی ہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام سیاسی و تمدنی مشکلات کا علاج ہے ہندی مسلمان کے کام اب تک محض اس وجہ سے بگڑے رہے کہ یہ قوم ہم آہنگ نہ ہو سکی۔ اور اس کے افراد اور بالخصوص علماء اوروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے رہے بلکہ اس وقت ہیں"۔ ◘

بے شبہ یہ نہایت قیمتی نصیحت تھی مگر خود کشمیر کمیٹی کے بعض مقتدر اور معزز ممبر بالکل نظر انداز کر گئے اور خدا کے فضل و کرم سے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالٰی کی حیرت انگیز قیادت و صدارت کی بدولت ایک نہایت قلیل عرصہ کی جنگ کے بعد (جو قوموں کی زندگی میں ایک سانس کی بھی حیثیت نہیں رکھتا) نہ صرف ریاست بلکہ ایک طرح سے حکومت انگریزی نے بھی ہتھیار ڈال دیئے تھے اور کشمیر کا صدیوں کا غلام آنکھیں کھولکر آزادی کی ہوا کھانے لگا تھا اور قانوناً ابتدائی حقوق حاصل کرنے کے بعد ان سے عملاً استفادہ کرنے کی دوسری مہم کا آغاز ہو چکا تھا کہ عین اس وقت نیم سرکاری اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" (۴/ مئی ۱۹۳۳ء) میں یہ بیان شائع ہوا۔ کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے بعض ارکان نے ایک درخواست بھیجی ہے کہ آئندہ کشمیر کمیٹی کا صدر غیر قادیانی ہوا کرے۔ اس اخباری بیان کے علاوہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب، خان بہادر رحیم بخش صاحب، سید محسن شاہ صاحب وغیرہ لاہور کے گیارہ ارکان کے دستخطوں سے صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی (حضرت خلیفتہ المسیح الثانی) کی خدمت میں ایک مکتوب پہنچا جس میں لکھا تھا ہماری رائے میں پندرہ دن کے اندر اندر کمیٹی کا اجلاس عہدہ داران کے انتخاب کے لئے نہایت ضروری ہے اس کے چند روز بعد ۴/ مئی ۱۹۳۳ء دستخط کنندگان میں سے دو اصحاب کی طرف سے (جن میں پروفیسر سید عبد القادر صاحب بھی شامل تھے۔) جناب عبد الرشید صاحب تبسم (اسسٹنٹ ایڈیٹر اخبار سیاست لاہور) کے ذریعہ سے یہ پیغام ملا کہ انفرادی طور پر کشمیر کمیٹی کے کسی رکن کو اس کمیٹی کی تنظیم کے متعلق کوئی شکایت نہیں اوروں کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن ہم دونوں کا یقین ہی نہیں بلکہ ایمان ہے کہ اگر حضرت صاحب کے علاوہ کوئی اور صدر رہو تا تو کبھی یہ مہم سر نہ ہو سکتی اس تحریک میں احمدیہ جماعت نے جو قربانیاں کی ہیں

وہ دنیائے اسلام کبھی فراموش نہیں کر سکتی لیکن کچھ عرصہ سے درپردہ یہ کوشش جاری رہی ہے کہ کسی طرح موجودہ صدر کو علیحدہ کر دیا جائے۔ ہمیں ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس پروپیگنڈہ کا بانی کون ہے اور کس اصول پر یہ سوال اٹھایا گیا بہرکیف ہمیں اس وقت پتہ چلا ہے جب یہ پروپیگنڈہ کامیاب ہو چکا ہے ایک تحریر اس مضمون کی لکھی گئی ہے کہ کشمیر کمیٹی کا ایک خاص اجلاس منعقد کیا جائے جس میں عہدہ داروں کو دوبارہ منتخب کیا جائے یہ محض دھوکہ ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف صدارت ڈاکٹر اقبال ■ کے سپرد کرنا چاہتے ہیں اور خود اقبال کی بھی یہی خواہش ہے سیکرٹری وہی رہے گا جو پہلے ہے اس تحریر پر انفرادی طور پر ہر ایک رکن سے علیحدگی میں دستخط کرا لئے گئے ہیں اور تمام اراکین نے اس پر دستخط کر دیئے ہیں کہ واقعی عہدہ داروں کا انتخاب دوبارہ عمل میں آنا چاہئے صرف ہم دونوں یعنی عبدالقادر اور علم الدین سالک نے تاحال اس پر دستخط نہیں کئے لیکن ہمارا دستخط نہ کرنا آئینی لحاظ سے غلط ہے لہٰذا ہم دونوں بھی دستخط کر دیں گے..... سوائے اس کے چارہ نہیں ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ آپ کو کیا کرنا چاہئے سو آپ کی خدمت میں کوئی رائے پیش کرنا ایک بہت بڑی گستاخی کے مترادف ہے آپ بہترین مدبر ہیں تاہم یہ عرض کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ آپ..... ابھی اجلاس منعقد نہ ہونے دیں تھوڑے عرصہ تک بہت سے اراکین پہاڑ پر چلے جائیں گے اس عرصہ میں ہمیں بھی کوشش کا موقعہ مل جائے گا۔ اور ہم پھر اراکین کی اکثریت اپنی طرف کر لیں گے۔

مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ تجویز قبول نہ فرمائی اور ۷/ مئی ۱۹۳۳ء کو میسل ہوٹل لاہور میں ایک ہنگامی اجلاس بلوایا جس میں حسب ذیل ممبران شامل ہوئے ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب، ملک برکت علی صاحب، حاجی شمس الدین صاحب، سید محسن شاہ صاحب، خان بہادر حاجی رحیم بخش صاحب، مولوی عبدالمجید صاحب سالک، مولوی غلام مصطفےٰ صاحب، ڈاکٹر عبدالحق صاحب، سید عبدالقادر صاحب، پروفیسر علم الدین صاحب سالک۔ میاں فیروز الدین احمد صاحب۔ پیر اکبر علی صاحب۔ چوہدری اسد اللہ خان صاحب۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ چوہدری محمد شریف صاحب۔ مولوی عصمت اللہ صاحب اور شیخ نیاز علی صاحب اس اجلاس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل تحریر سنائی:۔

"مجھے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے تیرہ ممبروں کے دستخط سے ایک تحریر ملی ہے جس میں اس امر کی خواہش ظاہر کی گئی ہے کہ میں پندرہ دن کے اندر کشمیر کمیٹی کا ایک اجلاس اس غرض سے منعقد کروں کہ کمیٹی کے عہدہ داروں کا نیا انتخاب کیا جائے گو میں اپنے گذشتہ طریق عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ میں نے کبھی کسی ایک ممبر کی خواہش کو بھی کمیٹی کے بارہ میں پس پشت نہیں ڈالا اس قدر دستخطوں کی

ضرورت کو نہیں سمجھا لیکن ویسے میں ان ممبروں کی خواہش سے متفق ہوں۔ اور وہ ممبران جو کمیٹی کے اجلاسوں میں شریک ہوتے رہتے ہیں ان میں سے بعض کو شاید یاد ہو کہ میں نے گذشتہ سال ایک اجلاس کے موقعہ پر خود یہ خواہش ظاہر کی تھی۔ کہ اب ایک سال گذر چکا۔ اس کے عہدہ داروں کا نیا انتخاب ہو جانا چاہئے۔ لیکن ان ہی ممبروں میں سے جن کے دستخط مذکورہ بالا تحریر پر ثبت ہیں بعض نے یہ خیال ظاہر کیا تھا جس کی کسی دوسرے ممبر نے تردید نہیں کی تھی کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کوئی مستقل کمیٹی نہیں بلکہ ایک عارضی کام کے لئے تھوڑے عرصہ کے لئے اس کا قیام ہوا ہے اس لئے اس کے عہدہ داروں کا سالانہ انتخاب ضروری نہیں۔

غرض میں ان احباب کی خواہش سے متفق ہوں اور آئندہ انتخاب کے لئے راستہ صاف کرنے کی غرض سے اور اس امر کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ اب کشمیر کمیٹی کے کام کی نوعیت بہت کچھ بدل گئی ہے میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی صدارت سے مستعفی ہوتا ہوں میں اس موقعہ پر یہ بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ممبروں کا شکریہ ادا کروں۔ انہوں نے باوجود قسم قسم کے مشکلات کے حتی الوسع تعاون سے کام لیا۔ اور کئی مواقع پر میری خواہش کی بناء پر اپنی آراء کو ایک ایسے دائرہ میں محدود کر دیا جو اتحاد کے لئے ضروری تھا۔

اس بیان کے پڑھے جانے کے بعد حسب ذیل قرار دادیں پاس کی گئیں۔

۲۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا یہ جلسہ سول اینڈ ملٹری گزٹ" میں شائع شدہ بیان سے کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے متعدد ارکان نے ایک درخواست اس امر کی بھیجی ہے کہ آئندہ کمیٹی کا صدر غیر قادیانی ہوا کرے قطعی علیحدگی کا اظہار کرتا ہے نیز یہ جلسہ اپنا فرض سمجھتا ہے کہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے مسلمانان کشمیر کے لئے جو گراں بہا اور مخلصانہ خدمات انجام دی ہیں ان پر آپ کا دلی شکریہ ادا کرے۔

۳۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے بذات خود آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا استعفیٰ پیش کر دیا ہے کمیٹی افسوس کے ساتھ ان کا استعفیٰ قبول کرتی ہے۔

۴۔ یہ جلسہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قائم مقام صدر اور ملک برکت علی صاحب ایڈووکیٹ لاہور کو آئندہ انتخابات تک قائم مقام سیکرٹری مقرر کرتا ہے۔[۲]

استعفیٰ کا رد عمل کشمیر میں

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے مستعفی ہونے کے بعد پھر مسلمانان کشمیر جبر و تشدد کا تختہ مشق بننے لگے۔ اور حکومت کشمیر نے چند ہفتے بعد وسیع پیمانے پر گرفتاریاں شروع کر دیں اس دوران میں شیخ محمد عبد اللہ صاحب کو

اپنی گرفتاری کے احکام کی خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں مندرجہ ذیل مکتوب لکھا:۔

سرینگر ۳۱/ مئی ۳۳ء ۷۸۶

محترم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کل شام کو میری گرفتاری کے احکام نکلے ہوئے ہیں لیکن رات کو میں گرفتار نہ ہوسکا کیونکہ میں گھر پر نہ تھا یہ سب کچھ مہتہ کرتار سنگھ اور..... کی مہربانی ہے..... لہٰذا میں مختصراً عرض کرتا ہوں کہ آپ خدارا ایک بار پھر مظلوم کشمیریوں کو بچایئے۔ اور اپنے کارکن روانہ کریں... وائسرائے پر دباؤ ڈال دیجئے گا بہرحال آپ سب کچھ جانتے ہیں مجھے امید ہے کہ آپ ایک وفادار دوست کو امداد کے بغیر ہرگز نہیں چھوڑیں گے فقط آپ کا شیخ محمد عبداللہ"۔

مکتوب لکھنے کے معاً بعد شیخ صاحب اور ان کے دو رفقاء غلام محمد بخشی اور خواجہ غلام نبی صاحب گلکار گرفتار کر لئے گئے۔ ان زعماء نے جیل خانہ کی طرف جاتے ہوئے اپنے دستخطوں سے مندرجہ ذیل تحریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو لکھی جو مولوی عبدالاحد صاحب (ہزاروی) نے حضور کی خدمت میں پہنچادی۔

بحضور امام جماعت احمدیہ۔ قادیان

السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ۔ ہم اس حیثیت سے کہ کشمیر کے مظلوم ہیں اور ہمارا جرم صرف اسلام ہے ہم حضور سے بحیثیت امام جماعت احمدیہ ہونے کے طالب امداد ہیں۔ حضور ہماری امداد فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

گو ہمیں اس امر کا ازحد صدمہ ہے کہ حضور نے اپنا دست شفقت بعض کم فہم احباب کی وجہ سے ہمارے سر پر سے اٹھالیا۔ مگر آپ کی ذات سے ہمیں پوری امید ہے کہ حضور اس آڑے وقت میں ہماری راہنمائی فرما کر ہمیں ممنون و مشکور فرمادیں گے۔ اور ہمارے لئے ساتھ ہی دعا بھی فرمادیں۔ والسلام۔ مفصل حالات صوفی عبدالاحد صاحب تحریر کریں گے۔ جیل جاتے وقت عریضہ لکھا گیا۔ کسی بھی قسم کی غلطی ہو تو معافی کے خواستگار ہیں۔ خاکساران

Ghulam Mohammad Bukhshi 31.5.33

S.M. Abdullah 31.5.33. Ghulam Nabi. 31.5.33

شیخ عبداللہ صاحب کی گرفتاری کے چند روز بعد چودھری غلام عباس صاحب اور عبدالمجید صاحب قرشی قید کردیئے گئے اور ان کی طرف سے بھی حضور کی خدمت میں ایک درخواست موصول ہوئی جو

۷/جون ۱۹۳۳ء کو سپرد ڈاک کی گئی تھی اور اس کے لفافہ پر یہ پتہ درج تھا:۔
"بخدمت اقدس حضرت مرزا بشیر الدین صاحب محمود امیر جماعت احمدیہ قادیان ضلع گورداسپور" درخواست کے الفاظ یہ تھے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از دفتر جموں و کشمیر مسلم کانفرنس۔ بخدمت حضرت صاحب قبلہ!

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ مزاج شریف

بندہ معہ عبدالمجید قرشی ایڈیٹر "پاسبان" آج غالباً ایک نوٹس کے بعد جو نوٹیفیکیشن ایل ۱۹ کے ماتحت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی طرف سے ہمیں موصول ہوا ہے خلاف ورزی کر کے جیل میں جا رہے ہیں آنجناب نے جو کچھ اس وقت تک مظلومان کشمیر کے لئے کیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اور کسی تشریح کا محتاج نہیں بندہ کو امید واثق ہے کہ آنجناب اپنے گذشتہ ایثار کے پیش نظر پھر مظلوم مسلمانان کشمیر کی حمایت کے لئے کمربستہ ہو جائیں گے کیونکہ حالات سخت نازک صورت اختیار کر رہے ہیں اور آنجناب کی مساعی جمیلہ کی از حد ضرورت ہے "بر کریماں کارہا دشوار نیست" احقر غلام عباس۔ شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کے بعد نوجوان پارٹی میدان عمل میں آئی تو مسلمانان کشمیر کے ۹ ڈکٹیٹروں میں سے ۳ احمدی ڈکٹیٹر تحریک آزادی کا جھنڈا اٹھائے ہوئے آگے آئے اور گرفتار کر لئے گئے۔ [۴]

انہیں دنوں سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی ہدایت پر وزیر اعظم کشمیر (مسٹر کالون) سے ملاقات کرنے کے لئے سرینگر پہنچے۔ مگر گورنر کشمیر نے سرینگر میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی آپ کو واپس آجانا پڑا۔ [۵] حکومت کشمیر مسلمانوں کی آئینی امداد کا سلسلہ بھی بند کر دینا چاہتی تھی اس لئے اس نے شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کو بھی ریاست سے چلے جانے کا نوٹس جاری کر دیا نیز میرواعظ مولانا احمد اللہ صاحب ہمدانی جلا وطن کر دیئے گئے۔

یہ تو حکومت کشمیر کا ردعمل تھا جہاں تک مسلمانان کشمیر کا تعلق ہے ان کو صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے استعفیٰ سے از حد صدمہ ہوا۔ اور ان میں انتہائی بے چینی اور اضطراب کے آثار پیدا ہو گئے۔ اور ہر حصہ کشمیر کے معززین نے محضرنامے بھیجکر درخواست کی کہ آپ مسلمانان کشمیر کی پہلے کی طرح امداد فرماتے رہیں۔ [۶] چنانچہ جماعت احمدیہ کی طرف سے انہیں یقین دلایا گیا کہ حضرت امام جماعت احمدیہ اور دوسرے افراد جماعت اہل کشمیر کی ترقی و بہبود میں اپنے وعدہ کے مطابق ہمیشہ سرگرم عمل رہیں گے۔ جدید کشمیر کمیٹی کے ممبروں نے پنجاب میں یہ غلط فہمی پھیلا رکھی تھی کہ یہ احمدی وکلاء اور احمدی کارکن اس تحریک کو اپنی تبلیغ کے لئے آلہ کار بنا رہے تھے کشمیر کے مخلص مسلمانوں نے اس الزام کی پر

زور تردید کی اور اسے احسان فراموشی پر محمول کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔

میر احمد اللہ صاحب ہمدانی میر واعظ سرینگر

میر احمد اللہ صاحب ہمدانی میر واعظ کشمیر نے لکھا۔ اگرچہ میں قادیانیت سے دور ہوں مگر سیاسی مصالح کے لحاظ سے متحدہ محاذ بنانے کے حق میں ہوں کشمیر کمیٹی اور جناب کی انتھک کوشش ہمارے دلی شکریہ کی مستحق ہے جس کی ہر وقت کی امداد اور قیمتی مشوروں نے مشکلات کے حل کرنے میں آسانیاں پیدا کیں۔

وائس پریذیڈنٹ انجمن اسلامیہ کوٹلی نے لکھا۔ احرار کمیٹی نے مسلمانوں کو تحت لحد میں پہنچادیا۔ ہم مسلمانان ریاست آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے تہ دل سے مشکور ہیں کہ جنہوں نے اس نازک موقعہ پر جانی و مالی و دماغی امداد دے کر ہمیں مشکور کیا۔ اگر کشمیر کمیٹی کا وجود نہ ہوتا تو مسلمانان ریاست ہی معدوم ہو گئے ہوتے"۔ [۷]

مسلمانان سرینگر

سرینگر کے مسلمانوں نے اعلان کیا:۔

ا۔ ہم مسلمانان محلہ کلاش پورہ محلہ مخدوم منڈو اور محلہ بابا ندہ گنائی ... جناب مرزا محمود احمد صاحب نے جو خدمات مسلمانان کشمیر کے لئے فرمائیں ان کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ حضرت امام جماعت احمدیہ آئندہ بھی مسلمانان کشمیر کی اعانت پہلے سے بھی زیادہ فرمائیں گے۔ کیونکہ مسلمانان کشمیر کو ان کی ہمدردی اور مدد کی ہر وقت ضرورت ہے جملہ مسلمانان کشمیر کو جناب ممدوح پر بہت اعتماد اور بھروسہ ہے اور جناب ممدوح کے خلاف پراپیگنڈا کرنیوالے عنصر کو کشمیری مسلمان قومی غدار خیال کرتے ہیں.... جملہ مسلمانان محلہ جات بذریعہ پیر احسن شاہ صاحب سرینگر کشمیر۔ [۸]

مسلمانان جموں

مسلمانان جموں نے لکھا:۔ ہم جملہ اسلامی فرقہ جات اہل سنت والجماعت اہلحدیث نقشبندی و قادری اعلان کرتے ہیں کہ اکثر غداران قوم نے یہ غلط طور پر مشہور کیا۔ کہ وکلاء صاحبان مامورہ کشمیر کمیٹی نے ورثاء اہل مقدمات سے محنتانہ لیا اور یہ بھی غلط پروپیگنڈا کیا گیا۔ کہ جماعت احمدیہ نے کشمیر کی آڑ میں اپنی جماعت کی تبلیغ کی انہوں نے قطعاً کوئی تبلیغ نہ کی۔ بلکہ بنظر ہمدردی ہر گونہ امداد کی۔ اور سیاسی معاملات میں ہم کو اس تفریق کی ضرورت نہیں۔ کل مسلمان بھائی بھائی ہیں اور سیاسی میدان میں مکمل اتحاد ضروری ہے ہم جناب مرزا محمود احمد صاحب

امام جماعت احمدیہ کی اس کوشش اور تردد کے لئے جو انہوں نے سیاسی پہلو سے اہل کشمیر کے لئے فرمائی تہ دل سے مشکور ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ خواہ وہ صدارت کشمیر کمیٹی سے مستعفی ہو چکے ہیں پھر بھی بدستور اس کار خیر کو ذاتی کوشش سے سرانجام دے کر ثواب دارین حاصل کریں۔ [9] (اس درخواست پر جموں کے اکتیس معزز مسلمانوں کے دستخط تھے۔

مسلمانان علاقہ ساہنی (ریاست جموں)

علاقہ ساہنی (ریاست جموں) کے مقتدر مسلمانوں نے لکھا۔ گو جناب مصلحت وقتی کی بناء پر صدارت آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے مستعفی ہو گئے ہیں لیکن آپ کی سابقہ عنایات کا نقش ہمارے دلوں سے کبھی مٹ نہیں سکتا۔ بلکہ آئے دن تازہ ہوتا نظر آرہا ہے۔

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے وکلاء نے بدوران شورش ہمارے مقدمات میں جس محنت اور تندہی سے کام کیا ہے اس کا ہمارے دلوں پر گہرا اثر ہے جو کبھی مٹنے والا نہیں۔

یہ تبلیغ احمدیت کا جو الزام وکلاء پر لگایا جاتا ہے۔ اسے ہم نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوئے معترضوں کی لغو بیانی کو بہت بری طرح محسوس کرتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت جبکہ ہم سخت مصیبتوں کا شکار ہو رہے تھے۔ آپ ہی کا کام تھا کہ بغیر کسی ذاتی مفاد کے ہمارے مقدمات کی پیروی کے لئے اپنے وکلاء کو بھیج کر ہماری مدد کی۔ اور محنتانہ کے عوض خالی شکریہ پر ہی اکتفا کرتے رہے۔ اور ہمیں تمام تکالیف سے نجات دلانے کے لئے خود مصائب برداشت کرتے رہے۔ [10]

مسلمانان میرپور

صاحب دین صاحب نے مسلمانان میرپور کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا۔ مجھے یہ کامل یقین تھا کہ آنحضرت کی ذات اقدس اگر بدستور پریذیڈنٹ شپ کے عہدے پر فائز رہتی تو ہم مظلومان میرپور کی فلاح و بہبود کا موجب ہوتی مگر چند ایک ناعاقبت اندیشوں نے ایسا نہ ہونے دیا۔ جس کا نتیجہ لازمی طور پر برعکس نکلا علی بیگ اور سکھ چین پور کے مقدمات میں اسیران کو جو طویل و سنگین سزائیں دی گئی ہیں غالباً یہ اس امر کا روشن ثبوت ہے۔

سزاؤں کے متعلق جناب کے پاس اخبار پہنچ ہی چکے ہوں گے جناب کی خدمت اقدس میں اب میری یہی التجا (ہے) جس طرح پیشتر آنحضور نے فی سبیل اللہ خود غرضوں کی طعن و تشنیع کو نظر انداز کرتے ہوئے مظلوموں کی حمایت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اسی طرح اب بھی ان معصوم بچوں کی زاری پر جن کے باپ شاید ان سے ہمیشہ کے لئے چھن گئے ترس فرماتے ہوئے ان کی مدد کے لئے میدان عمل میں گامزن ہو کر مسلمانان میرپور کی املاک قلوب پر قابض ہو جائیں مجھے دنیا میں آنحضرت اور جماعت احمدیہ کے بجز کوئی اور شخصیت یا سوسائٹی نظر نہیں آتی جو بے سپر مسلم قوم کی معاون

ومدد گار ہو تمام باتونی لیڈران میرپور کو آپ جانتے ہیں اب موقع ہے کہ مسلمانان میرپور کے دلوں کو ہمیشہ کے لئے جیتا جائے..... مجھے پوری پوری توقع ہے کہ ضرور کوئی ایسا قدم اٹھایا جائے گا جو میرے اور میرے ہم خیالوں کے لئے باعث فخر ہو گا"..... آپ کا خادم بقلم خود صاحب الدین زرگر پنشنر میرپور"۔

مسلم ایسوسی ایشن پونچھ

(۱) مسلم ایسوسی ایشن پونچھ نے ایک عام اجلاس میں جو ۲۳/ جون ۱۹۳۳ء کو منعقد ہوا۔ قرارداد پاس کی کہ گذشتہ فسادات کے موقعہ پر جو احمدی وکلاء یہاں کام کرتے رہے ہیں۔ ان پر عائد کردہ سب الزامات قطعاً غلط اور جھوٹے ہیں۔ انہوں نے نہایت شرافت' نہایت دیانتداری اور انتہائی بے نفسی سے ہماری مدد کی۔ اور اس کے معاوضہ میں سوائے مخلصانہ شکریہ اور دلی دعاؤں کے کچھ وصول نہیں کیا۔ ہم متفقہ طور پر انسانیت کے ان محسنوں کے خلاف ایسے غیر شریفانہ پراپیگنڈا کی پورے زور کے ساتھ مذمت کرتے ہیں اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس پر اظہار ملامت کرتے ہیں۔

۲۔ ایسوسی ایشن ان احسانات اور نوازشات کی ممنون ہے جو کشمیر کمیٹی کے سابق صدر نے ازراہ مہربانی بروقت امداد کر کے نہایت فیاضانہ طور پر ہم پر کی ہیں اور آئندہ کے لئے بھی ان سے ہمدردانہ امداد کی توقع رکھتے ہیں کوئی جھوٹا پراپیگنڈا انہ ان کو بددل کر سکتا ہے اور نہ انہیں بددل ہونا چاہئے ہمیں تاحال ان کی مدد کی ضرورت ہے۔

۳۔ احمدی وکلاء چوہدری عزیز احمد صاحب اور قاضی عبدالحمید صاحب کی مخلصانہ خدمات کی ہم تہ دل سے قدر کرتے ہیں۔

۴۔ ہم مرزا بشیر الدین محمود احمد سابق صدر کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو ہماری درخواست پر پھر یہاں بھیج دیا۔ جن کی کوششیں ہمارے لئے بہت ہی مفید ثابت ہو رہی ہیں"۔ [۱۱]

مسلمانان تھکیالہ پڑاوہ

سرفراز خاں صاحب نمبردار تھکیالہ پونچھ رئیس کریلا نے لکھا حضور کے کمیٹی سے مستعفی ہونے پر ہر طرف شور برپا ہو رہا ہے لوگ حضور کے احسان سے تادم مرگ عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

مسلمانان تھکیالہ نے ۲۳/ مئی ۳۳ء کے ایک عظیم اجتماع میں مندرجہ ذیل ریزولیوشن پاس کیا کہ ہم آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی ڈیڑھ سالہ خدمات کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ کمیٹی نے اپنے وسیع ذرائع سے کام لے کر مسلمانان کشمیر کے مطالبات کی حمایت میں عالمگیر پراپیگنڈا کیا جس سے انگلستان

تک کے جرائد و عمائد بلکہ ارباب حکومت تک متاثر ہوئے اس نے سب سے اہم خدمات خود کشمیر میں سرانجام دیں شہداء اور مجروحین کی مالی امداد کی۔ کارکنوں کی تنظیم کی۔ ماخوذین کے لئے قابل اور ایثار پیشہ بیرسٹر بھیجے کشمیر کمیٹی کے صدر محترم صاحب کا استعفیٰ اہالیان کشمیر کے لئے انتہائی بدقسمتی ہے۔ ہم جناب مرزا صاحب سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے استعفیٰ پر نظر ثانی فرمادیں"۔

مسلمانان گلگت

مسلمانان گلگت نے حضور کی خدمت میں لکھا۔ بحضور عالی جناب حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

گزارش ہے کہ جملہ مسلمانان گلگت تحریک کشمیر میں حضور والا کو اپنا نمائندہ تسلیم کرتے ہوئے نہایت ہی عاجزی اور انکساری سے التجا کرتے ہیں کہ للہ حقوق طلبی میں مسلمانان کشمیر کو ہر ممکن امداد دیکر ممنون احسان بنایا جائے۔ (۲) اس وقت تک تحریک کشمیر میں جو امداد حضور والا دیتے رہے ہیں۔ اس کے لئے مسلمانان گلگت (کشمیر) کا بچہ بچہ حضور کا شکر گزار ہے خداوند تعالیٰ حضور کو اس احسان کے عوض جزائے خیر عطا فرمائے۔ [۱۲] (جملہ مسلمانان گلگت بذریعہ محمد اکبر خان)

مسلم پریس کا تبصرہ

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کے صدارت کمیٹی سے استعفیٰ پر اہل کشمیر پر کیا بیتی اس کا ذکر اوپر آچکا ہے اب یہ بتایا جاتا ہے کہ پنجاب کے مسلم پریس نے اس موقعہ پر کن خیالات کا اظہار کیا۔ جناب سید حبیب صاحب نے اپنے اخبار "سیاست" ۱۸/ مئی ۳۳ء میں لکھا۔

"لاہور کے بعض ارکان کشمیر کمیٹی میں یہ تحریک جاری تھی کہ کمیٹی مذکور کے عہدہ داروں کا جدید انتخاب ہو مجھ سے بھی اس تحریک کی تائید کے لئے کہا گیا اور میں نے بھی متعلقہ کاغذ پر دستخط کئے لیکن افسوس ہے کہ معلومہ حادثہ کی وجہ سے میں جلسہ میں موجود نہ تھا معلوم ہوا ہے کہ اس جلسہ میں مرزا صاحب کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مولانا چوہدری غلام رسول صاحب مہر نے بھی سیکرٹری کے عہدہ سے استعفیٰ داخل کر دیا۔ اور ان کی جگہ ملک برکت علی صاحب کا تقرر عمل میں آیا۔ میں خوش ہوں کہ ایسا ہوا۔ اس لئے میری دانست میں اپنی اعلیٰ قابلیت کے باوجود ڈاکٹر اقبال اور ملک برکت علی صاحب دونوں اس کام کو چلا نہیں سکیں گے۔ اور یوں دنیا پر واضح ہو جائے گا۔ کہ جس زمانہ میں کشمیر کی حالت نازک تھی اس زمانہ میں جن لوگوں نے اختلاف عقائد کے باوجود مرزا صاحب کو صدر منتخب کیا تھا۔ انہوں نے کام کی کامیابی کو زیر نگاہ رکھ کر بہترین انتخاب کیا تھا۔ اس وقت اگر اختلافات عقائد کی وجہ سے مرزا صاحب کو منتخب نہ کیا جاتا تو تحریک بالکل ناکام رہتی۔ اور امت مرحومہ کو سخت نقصان پہنچتا۔ میری رائے میں مرزا صاحب کی علیحدگی کمیٹی کی موت کا مترادف ہے مختصر یہ کہ

ہمارے انتخاب کی موزونیت اب دنیا پر واضح ہو جائے گی۔ والحمد للہ علیٰ ذالک "۔ [۱۳]

ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کا استعفیٰ اور اخبار "سیاست"

جناب سید حبیب صاحب ایڈیٹر سیاست کا اندازہ آئندہ واقعات نے بالکل صحیح ثابت کر دیا چنانچہ ڈاکٹر سر اقبال صاحب نے ۲۰/ جون ۱۹۳۳ء [۱۴] کو ایک بیان میں کشمیر کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا سید حبیب صاحب نے اس بیان اور استعفیٰ پر اخبار سیاست (۲۴/ جون ۱۹۳۳ء) میں مفصل تبصرہ شائع کیا جو بجنسہ درج ذیل ہے۔ سید صاحب نے لکھا:۔

"ڈاکٹر سر محمد اقبال نے جو مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے بعد آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر مقرر ہوئے تھے۔ عہدہ صدارت سے استعفیٰ دے دیا ہے آپ نے ایک بیان میں جو اخبارات کو برائے اشاعت دیا گیا ہے کشمیر کمیٹی کے قادیانی ممبروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ اپنے مذہبی پیشوا کے علاوہ کسی شخص یا جماعت کی وفاداری نہیں کر سکتے۔

آپ اپنے ایک بیان میں فرماتے ہیں۔ "پبلک کو یاد ہو گا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بنا کشمیر کے مسلمانوں کی فوری ضرورت کو مدنظر رکھ کر ڈالی گئی تھی اس وقت یہ خیال نہ تھا کہ اس کمیٹی کی عمر بہت لمبی ہو گی اس لئے اس کے لئے کوئی آئین وضع نہ کیا گیا تھا۔ بلکہ صدر کو مطلق العنان اختیارات دیئے گئے تھے جب کشمیر کے حالات کی وجہ سے کشمیر کمیٹی ایک مستقل جماعت بن گئی تو بہت سے ممبروں کو یہ خیال ہوا کہ اس کے لئے ایک باضابطہ آئین بنایا جائے اور اس کے عہدہ داروں کا از سر نو انتخاب کیا جائے اس خیال کو تقویت دینے والا یہ امر بھی تھا کہ بہت سے ممبر کشمیر کمیٹی کی بناوٹ اور اس کے کام سے غیر مطمئن تھے چنانچہ اس مقصد کے لئے کشمیر کمیٹی کا ایک اجلاس منعقد کیا گیا جس میں اس کے صدر نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا جو منظور کر لیا گیا۔

اس کے بعد گزشتہ اتوار کو کشمیر کمیٹی کا ایک اجلاس برکت علی محمڈن ہال میں منعقد ہوا۔ اور اس کے سامنے کشمیر کمیٹی کے آئین کا ایک مسودہ پیش کیا گیا۔ جس کی غرض یہ تھی کہ کشمیر کمیٹی کو صحیح معنوں میں نمائندہ جماعت بنا لیا جائے بعض ممبران اس مقصد کے مخالف تھے اور عہدوں کے مسئلے پر جو بحث ہوئی اس سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ صاحبان کشمیر کمیٹی کو برائے نام ایک جماعت رکھتے ہوئے اصل میں دو جماعتوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں چنانچہ میں نے اسی وقت اس رائے کا اظہار بھی کر دیا۔

بد قسمتی سے کشمیر کمیٹی میں بعض ایسے ممبر بھی ہیں جو اپنے مذہبی پیشوا کے علاوہ کسی اور کی اطاعت تسلیم نہیں کرتے یہ امر اس بیان سے ظاہر ہو گیا تھا جو ایک احمدی وکیل نے جو میرپور کے مقدمات میں پیروی کر رہا تھا۔ چند روز ہوئے اخبارات میں شائع کرایا تھا۔ اس نے اس امر کا اعتراف کیا تھا۔ کہ اس

نے یا اس کے ساتھیوں نے جو کچھ اب تک کیا تھا۔ وہ صرف اپنے مذہبی پیشوا کے حکم کی تعمیل میں کیا تھا۔ میں نے اس بیان کو احمدیوں کے عام نقطہ نگاہ کا اعلان خیال کیا تھا۔ اور مجھے اس وقت کشمیر کمیٹی کے مستقبل کے متعلق خطرات پیدا ہو گئے تھے۔...... جہاں تک کشمیر کمیٹی کی عام پالیسی کا تعلق ہے میرے علم میں ممبروں میں کوئی اختلاف نہیں ہے اگر پالیسی میں عام اختلاف ہو تو کمیٹی کے اندر یا کسی پارٹی کے بننے پر کوئی اعتراض نہیں رکھ سکتا لیکن کشمیر کمیٹی میں جو اختلاف رونما ہیں وہ ایسے وجوہات کی بناء پر ہیں جو میری رائے میں بالکل غیر متعلق ہیں مجھے یقین نہیں کہ کشمیر کمیٹی آئندہ سکون کے ساتھ کام کر سکے گی اور میں محسوس کرتا ہوں کہ تمام پارٹیوں کے مفاد میں یہی بات ہے کہ موجودہ کشمیر کمیٹی کو توڑ دیا جائے لیکن کشمیر کے مسلمانوں کو برطانوی ہند میں ایک کشمیر کمیٹی کی اعانت اور راہنمائی کی ضرورت ہے اگر برطانوی ہند کے مسلمان ان کی اعانت اور راہنمائی کرنا چاہیں تو وہ ایک پبلک جلسہ منعقد کر کے ایک نئی کشمیر کمیٹی کی بنیاد رکھ سکتے ہیں میں نے ان وجوہ کو جنہوں نے مجھے استعفیٰ دینے پر مجبور کیا بلا کم و کاست بیان کر دیا ہے میں امید کرتا ہوں کہ میری صاف گوئی سے کوئی شخص ناراض نہ ہو گا کیونکہ یہ صاف گوئی کسی سے عداوت کی بناء پر نہیں ہے"۔

۱۔ علامہ صاحب نے دانشمندی سے بیان نہیں کیا کہ جس روز شملہ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا بطور صدر انتخاب علامہ اقبال ہی کی تحریک پر عمل میں آیا تھا اور جن لوگوں نے ان کے عقائد کی وجہ سے ان کے انتخاب کو صحیح نہ سمجھا تھا۔ علامہ اقبال نے ان کے اندیشہ پر کمزوری کی پھبتی اڑائی تھی۔

۲۔ ممکن ہے کہ حضرت علامہ کا یہ خیال صحیح ہو کہ کشمیر کمیٹی کے قادیانی ارکان تدبر و دانشمندی کی تدابیر کی بجائے اپنے امام کی تائید کرتے ہیں لیکن جس اجلاس میں علامہ اقبال مستعفی ہوئے اس میں کوئی ایسا مظاہرہ نہیں ہوا البتہ اگر کسی نے مجالس کے بنیادی اصول و دستور کو مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے اشارے پر قربان کیا تو وہ خود علامہ اقبال تھے۔ جس کی تفصیل آگے چل کر بیان کی جائے گی۔

۳۔ جس جلسہ میں علامہ اقبال مستعفی ہوئے وہ ۱۸/ جون کو ہوا تھا اس جلسہ میں پہلی قرارداد اتفاق رائے سے منظور ہوئی تھی۔

۴۔ اس کے بعد آئین مجلس کا معاملہ پیش ہوا۔ پہلی دفعہ جو نام کے متعلق تھی بالاتفاق منظور ہوئی مقاصد کے دو حصے تھے دونوں لفظی ترمیم کے بعد اتفاق آراء سے پاس ہوئے۔ تیسری دفعہ میں خاکسار نے تین ترمیمیں پیش کیں۔ دو اتفاق رائے سے منظور ہوئیں۔ تیسری یہ تھی کہ ممبری کی درخواست پر کمیٹی کی منظوری حاصل کرنا لازمی ہو گی۔ یہ بہت بحث کے بعد ووٹ کے لئے پیش ہوئی۔ دس ووٹ اس

کے حق میں تھے اور پانچ مخالف لہٰذا میری ترمیم منظور ہو گئی۔

۵۔ علامہ اقبال اور مرزا محمود احمد صاحب امیر جماعت قادیان دونوں میرے خلاف تھے لہٰذا دونوں متحد ہو گئے مرزا صاحب نے میری ترمیم کے مقابلہ میں ترمیم پیش کی ہوئی تھی۔ جو میری ترمیم کے منظور ہو جانے کے بعد کسی قاعدہ کے رو سے پیش نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر علامہ اقبال نے اصول مجالس کو مرزا صاحب کی خاطر بالائے طاق رکھ دیا۔ اور ان کی ترمیم مجلس کے روبرو پیش کر دی اور علامہ اقبال اور مرزا صاحب کے مریدوں کے ووٹوں سے وہ منظور ہو گئی۔ گویا مرزا صاحب کی بے جا حمایت اگر کسی نے کی تو علامہ اقبال تھے۔

۶۔ اس کے بعد عہدیداروں کی تعداد زیر بحث آئی۔ صدر ایک بالاتفاق تجویز ہوا وائس پریذیڈنٹ دس تجویز کئے گئے تھے کثرت رائے یہ تھی کہ وائس پریذیڈنٹ بھی ایک ہی ہو۔ مگر علامہ اقبال مصر تھے کہ ایک سینئر وائس پریذیڈنٹ اور باقی صرف وائس پریذیڈنٹ کہلائیں۔ یہ بات منظور ہوئی اور قرار پایا کہ ایک سینئر پریذیڈنٹ ہوا کرے اور تین وائس پریذیڈنٹ۔ یہاں تک صلح و آشتی اور امن سے کارروائی ہوئی۔

۷۔ اس کے بعد تجویز کیا گیا تھا کہ ایک سیکرٹری ہوا کرے۔ اور ایک اسسٹنٹ سیکرٹری۔ کثرت رائے یہ تھی کہ سیکرٹری دو ہوں مگر دونوں سیکرٹری کہلائیں کسی کو اسسٹنٹ کہہ کر ذلیل نہ کیا جائے۔ اور نہ دوسروں کے ماتحت کیا جائے علامہ اقبال نے زور دیا کہ سیکرٹری اور اسسٹنٹ سیکرٹری کی تجویز منظور کی جائے مرزا صاحب نے بھی اس موقع پر علامہ اقبال کی خاطر تجویز کیا کہ دو جائنٹ سیکرٹری رکھے جائیں۔ دوسری طرف سے عرض کیا گیا کہ دلائل سن لئے جائیں مناسب یہ تھا کہ علامہ اقبال دلائل سن کر مسئلہ کو ووٹ پر چھوڑ دیتے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ اور کسی سے بات کئے بغیر اچانک یہ کہہ کر استعفیٰ دے دیا۔ کہ بعض ارکان کی روش ایسی ہے کہ میں آئندہ آپ کا صدر نہیں بن سکتا (حالانکہ یہ زیر بحث نہیں تھا کہ علامہ صاحب آئندہ صدر رہوں) اور میں عارضی صدارت بھی ترک کرتا ہوں"۔

آپ یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے سیکرٹری نے کہا آپ مستعفی ہوتے ہیں تو میں بھی استعفیٰ دیتا ہوں اور وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے لیکن آخر وکیل تھے۔ فوراً پلٹا کھایا اور کہنے لگے کہ صاحب صدر جلسہ منتشر کرتے ہیں اور حالانکہ صدر نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اور وہ مستعفی ہونے کے بعد شاید کر بھی نہیں سکتے تھے پیر اکبر علی صاحب نے اسی وقت کہدیا کہ صدر صاحب نے مستعفی ہونے سے پہلے جلسہ منتشر نہیں کیا اور اب وہ ایسا کر نہیں سکتے تھے۔ اس کے بعد افراتفری سی پیدا ہو گئی اور سب چل دیئے۔

۸۔ میری دانست میں علامہ اقبال کو غلط فہمی ہوئی کوئی شخص ان کی ذات یا صدارت کے خلاف

نہیں ہے لیکن یہ خواہ مخواہ ملک برکت علی کی حمایت کرتے ہیں... انہوں نے تہیہ کرلیا ہے کہ وہ ملک صاحب کی قسم کے لوگوں کو عملاً بتادیں گے کہ ان کی قوم کے حلقوں میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے کانگریسی حلقہ انہیں کمزور سمجھتا ہے یہ نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے لہذا سر اقبال کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ ملک صاحب کی حمایت سے ہاتھ اٹھائیں۔

۹۔ علامہ اقبال کی یہ تجویز فتنہ کی بنیاد ہے کہ مسلمان جلسہ کرکے کشمیر کمیٹی بنالیں۔ علامہ اقبال کے بغیر کشمیر کمیٹی نے کام کیا وہ اب بھی موجود ہے اور آئندہ بھی کام کرے گی۔

۱۰۔ حق یہ ہے کہ کشمیر کمیٹی کا کام علامہ اقبال اور برکت علی صاحب کے بس کا نہیں تھا۔ لہذا وہ بہانہ بنا کر بھاگ گئے ورنہ جس وقت وہ مستعفی ہوئے اس وقت نہ کوئی جھگڑا ہوا نہ تو تو میں میں ہوئی اور نہ کوئی اختلاف رائے ہی بہت زیادہ موجود تھا"۔ ۱۵

قدیم کشمیر کمیٹی کے خاتمہ کا اعلان اور جدید کشمیر کمیٹی کی تشکیل

ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے اپنے بیان میں کشمیر کمیٹی کے وجود وبقا کے لئے ایک پبلک جلسہ کی تجویز پیش کی تھی۔ جو ان کے رفقاء کی طرف سے ۲/ جولائی ۱۹۳۳ء کو لاہور میں منعقد کیا گیا اور اس میں قدیم کشمیر کمیٹی کے خاتمہ اور ایک جدید کمیٹی بنانے کا اعلان کیا گیا حالانکہ مدیر انقلاب کے الفاظ میں لاہور شہر کا کوئی نہایت ہی معمولی پبلک جلسہ نہ اس بات کا حقدار تھا کہ نئی کمیٹی بنا کر اسے آل انڈیا کشمیر کمیٹی قرار دیتا اور نہ اس امر کا مجاز تھا کہ پہلی کشمیر کمیٹی کو توڑ دیتا زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا تھا کہ کسی بننے والی کمیٹی پر اظہار اعتماد کر دیا جاتا اور پرانی کمیٹی پر بے اعتمادی کی قرارداد منظور کر دی جاتی اس حالت میں یہ سمجھا جاتا کہ لاہور شہر کے ان چند سو مسلمانوں کو جو ایک خاص تاریخ کو دہلی دروازے کے باہر جمع ہوئے تھے پرانی کمیٹی کے کام پر اعتماد نہیں اور بس لیکن وہ مسلمان اگر چند سو نہیں بلکہ چند ہزار بھی ہوتے تو سارے ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندگی ونیابت کا منصب سنبھال لینے کے حقدار نہ تھے۔ ۱۶

پنجاب کے مشہور مسلمان سیاسی لیڈر جناب احمد یار صاحب دولتانہ نے اس مرحلہ پر ۱۲/ جولائی ۱۹۳۳ء کو مندرجہ ذیل مکتوب لکھا:۔ دلنواز۔ ڈلہوزی ۳۳/ ۷/ ۱۲

قبلہ وکعبہ مخدومی معظمی محترم مدظلہ۔ وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ وادائے آداب کے بعد گزارش ہے نوازش نامہ فیض شمامہ شرف صدور لاکر باعث سربلندی بندہ ہوا خداوند کریم کے فضل اور حضور کی دعا سے عزیز ممتاز محمد خاں بی۔اے کے امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہوا۔ اور تاریخ میں آنرز میں پنجاب بھر میں دوم رہا۔ وہ انشاء اللہ ۷/ ستمبر کو آکسفورڈ جائے گا۔ دعا فرمائیں کہ

خداوند کریم اسے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق اور ہدایت دے۔

حسام الدین جو کشمیر سے آیا تھا اس نے لاہور میں روپیہ خرچ کیا اسے ایک دوست نے کہا کہ کشمیر کمیٹی کا اس وقت تک خاتمہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ حضور کمیٹی میں ہیں آپ کی ذات مہاراجہ کی آنکھوں میں مثل خار کھٹکتی تھی۔ اور درواقع جو کام گورنمنٹ آف انڈیا اور ریاست کشمیر نہ کر سکتے تھے وہ حضور کی بلند حوصلگی اور اقبال کی دوں ہمتی سے ہو گیا میں نے تو پیر اکبر علی صاحب سے صاف کہہ دیا تھا کہ۔

نکوئی بابداں کردن چناں است کہ بدکردن بجائے نیک مرداں

میاں سر فضل حسین نے بھی میری زبانی سر اقبال کو کہلا بھیجا کہ مسلمانوں کے نقصان کے علاوہ اسے ذاتی طور پر کوئی فائدہ نہ ہوگا مگر وہ شیر قالین ہے عملی بات تو سمجھنے سے قاصر ہے میری رائے ناقص میں تو حضور والا کو یہ کام پھر ہاتھ میں لینا چاہئے۔ ہم سب حضور کے جانثار خادم ہیں۔ اقبال سے نہ پہلے کچھ ہو سکا اور نہ اب ہو سکے گا اس کے متعلق جو احکام ہوں بسرو چشم تعمیل ہوگی۔

برادرم محمد عبداللہ کی بابت بھائی سکندر حیات نے گو کل چندے سے وعدہ لے لیا ہے میں پھر ان کو اور ڈاکٹر صاحب کو لکھ رہا ہوں میرے لئے دعائے خیر فرمائیں۔ اگر کسی خدمت کے قابل ہوں تو خادم ہوں۔ حضور کا جان نثار غلام۔ احمد یار دولتانہ

"جدید کشمیر کمیٹی" کا انجام

جدید کشمیر کمیٹی بڑے جوش و خروش سے ۲/ جولائی ۱۹۳۳ء کو معرض وجود میں آئی تھی۔ بالآخر مختصر سی مدت کے بعد ختم ہو گئی۔ اس کے زمانہ قیام میں اس نے اگر کوئی قابل ذکر کام کیا تو یہ کہ اس نے بعض وکلاء کو (جن میں بہار کے ایک وکیل مسٹر نعیم الحق بھی تھے) کو دو ایک مقدمات کی پیروی کے لئے ریاست کشمیر میں بھجوایا جو چند روز بحث کرنے کے بعد چلے آئے ڈاکٹر صاحب ایک اور مقدمہ میں بھی سید نعیم الحق صاحب کو بھجوانا چاہتے تھے کہ شیخ عبدالحمید صاحب (صدر آل کشمیر مسلم کانفرنس کی طرف سے انہیں اطلاع پہنچی کہ اس کی پیروی چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کریں گے اس پر ڈاکٹر صاحب نے ۹/ فروری ۱۹۳۴ء کو سید نعیم الحق صاحب کو اس سے مطلع کرتے ہوئے لکھا۔ "چوہدری ظفر اللہ خان کیونکر اور کس کی دعوت پر وہاں جا رہے ہیں مجھے معلوم نہیں شاید کشمیر کانفرنس کے بعض لوگ ابھی تک قادیانیوں سے خفیہ تعلقات رکھتے ہیں۔" [۱۷]

ڈاکٹر صاحب کے مشہور سوانح نویس جناب عبدالمجید صاحب سالک ذکر اقبال میں خط کا یہ حصہ درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں حالانکہ شیخ محمد عبداللہ (شیر کشمیر) اور دوسرے کارکنان کشمیر مرزا محمود احمد

صاحب اور ان کے بعض کارپردازوں کے ساتھ خفیہ نہیں بلکہ علانیہ روابط رکھتے تھے اور ان روابط کا کوئی تعلق عقائد احمدیت سے نہ تھا بلکہ ان کی بناء محض یہ تھی کہ مرزا صاحب کثیرالوسائل ہونے کی وجہ سے تحریک کشمیر کی امداد کئی پہلوؤں سے کر رہے تھے اور کارکنان کشمیر طبعاً ان کے ممنون تھے۔ چودھری ظفر اللہ خاں بھی یقیناً مرزا صاحب ہی کے اشارے سے مقدمے کی پیروی کے لئے گئے ہوں گے۔ [۱۸]

دو اہم بیانات

اس مقام پر جدید کشمیر کمیٹی کے آغاز و انجام سے متعلق دو ضروری بیانات کا درج کرنا ضروری ہے پہلا بیان جناب شیخ عبدالحمید صاحب ایڈووکیٹ سابق صدر آل کشمیر مسلم کانفرنس کا ہے اور دوسرا پروفیسر علم الدین صاحب سالک کا۔ یہ بیانات اصل واقعات تک پہنچنے میں کافی راہنمائی کرتے ہیں۔

جناب شیخ عبدالحمید صاحب [۱۹] ایڈووکیٹ جموں کا بیان ہے کہ میرے نزدیک دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ اس امر کا اظہار بلا خوف تردید کیا جائے کہ میاں بشیرالدین محمود صاحب امام جماعت احمدیہ اور ان کی تشکیل کردہ کشمیر کمیٹی اور ان کی جماعت کے افراد نے جو گراں بہا خدمات تحریک آزادی کشمیر کے سلسلہ میں انجام دیں۔ اس کا ہی یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانان ریاست اپنے حقوق حاصل کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ملازمتوں میں ان کی کمی پوری ہونی شروع ہوئی اسمبلی یعنی مجلس قانون ساز کا قیام عمل میں آیا۔ جس قدر مساجد و دیگر مقدس و متبرک مقامات سکھوں کے عہد سے ڈوگرہ حکومت کے زیر قبضہ و تصرف تھے سب واگزار ہو کر اہل اسلام کو مل گئے اور صوبہ کشمیر و میرپور جس کو ڈوگرہ حکمران اپنی ذاتی ملکیت اور زر خرید جانتے تھے اور زمینداروں سے حق مالکان وصول کرتے تھے بالآخر اس سے ان کو دست بردار ہونا پڑا۔ نہ صرف لوگوں کو حق ملکیت ہی مل گیا بلکہ رقم مالکانہ جو مالیہ اراضی میں تھی۔ وہ بھی منفی ہو گئی۔ جس سے مسلمانوں کو لاکھوں روپے سالانہ کی ادائیگی معاف ہو گئی اور جائیداد زرعی دیہی کے رہن و بیع وغیرہ پر جو پابندی عائد تھی دور ہو گئی یہ لوگ اپنی مقبوضہ جائیداد کے مالک کامل بن گئے پریس اور پلیٹ فارم کو بھی آزادی نصیب ہوئی تعصب مذہبی نے جب میاں بشیر الدین صاحب کو کشمیر کمیٹی کی صدارت سے علیحدگی پر مجبور کر دیا۔ تو ان کی جگہ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم و مغفور صدر چنے گئے علامہ مسلمانوں کے لحاظ سے بڑے محترم تھے مگر ان کے پاس ایسی کوئی منظم جماعت نہ تھی کہ جیسی جماعت احمدیہ میاں بشیرالدین صاحب کے تابع فرمان تھی اور نہ ہی علامہ کے پاس ایسا کوئی سرمایہ تھا کہ جس سے وہ ریاست کے اندر جماعت احمدیہ کی طرح اپنے خرچ پر دفاتر کھول دیتے۔ اس لئے ان کی صدارت کے ایام میں کوئی نمایاں کام نہ ہو سکا۔ کہاں میاں بشیرالدین محمود

کے حکم سے سر ظفر اللہ اور شیخ بشیر احمد و چودھری اسد اللہ وغیرہ وکلاء مقدمات کی پیروی کے لئے آتے رہے بلکہ مستقل طور پر بعض سرینگر، میرپور، نوشہرہ و جموں میں رہ کر کام کرتے رہے ان کے طعام و قیام وغیرہ کے تمام اخراجات بھی میاں صاحب بھیجتے رہے۔ ان کے مستعفی ہونے کے بعد نہ دفتر رہے نہ مستقل وکلاء ہی رہے ایک بار سرینگر کے ایک کیس میں جبکہ میں شیخ صاحب کی گرفتاری پر قائم مقام صدر مسلم کانفرنس تھا میرے لکھنے پر انہوں نے بہار کے وکیل سرکار انعام الحق صاحب [20] کو سرینگر میں بحث کرنے کے لئے روانہ فرمایا چند دن رہے اور ہائیکورٹ میں بحث فرما کر واپس چلے گئے"۔

جناب پروفیسر علم الدین صاحب سالک (پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور) کا بیان ہے:۔

"حکومت کشمیر کی طرف سے ایک با اثر پیر صاحب آئے دن کشمیر سے آکر لاہور کی مسجد غوثیہ میں فروکش رہتے تھے وہ یہاں کشمیر کمیٹی کے خلاف سازش کرتے رہتے تھے اس نے احرار نیشلسٹ مسلمانوں سے مل کر اور دیگر اپنے کام کے آدمیوں کی معرفت کشمیر کمیٹی کے ممبروں تک رازداری کے ساتھ رسائی حاصل کر کے تفرقہ و انتشار کا بیج بویا۔ اور ڈاکٹر محمد اقبال کو بھی بیچ میں گانٹھ لیا۔ اسی تفرقہ اندازی کا ہی نتیجہ تھا کہ فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکا کر احمدی اور غیر احمدی کا سوال بڑے زور سے اٹھایا گیا چنانچہ اندر ہی اندر یہ تحریک چلائی گئی کہ کشمیر کمیٹی کا صدر غیر قادیانی ہونا چاہئے تاکہ کمیٹی اطمینان کے ساتھ صحیح معنوں میں کام کر سکے۔ اس خفیہ تحریک کو اس طرح بروئے کار لایا گیا کہ کمیٹی کے ممبران سے یہ مطالبہ شروع کرایا گیا کہ کمیٹی کا نیا انتخاب ہونا چاہئے امام جماعت احمدیہ کو اس ساری کارروائی کا پتہ چل گیا۔ اور اسی دوران میں بعض ممبران کی طرف سے وہ بیان "سول اینڈ ملٹری گزٹ" میں شائع کرایا گیا جس کا حوالہ امام جماعت احمدیہ نے اپنے استعفیٰ میں دیا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ امام جماعت احمدیہ نے استعفیٰ دے دیا اور اس طرح حکومت کشمیر اور ہندو قوم کے راستہ سے بزعم ان کے وہ کانٹا دور ہو گیا جس نے ہمالیہ کے پہاڑوں سے لیکر انگلستان و امریکہ کے در و دیوار تک ان کے ناک میں دم کر رکھا تھا جس نے حکومت کشمیر کو صدیوں کے جبر و استبداد کے راستہ میں چٹان بن کر تھوڑے عرصہ میں ہی ایسا انقلاب پیدا کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں حکومت کشمیر مسلمانان کشمیر کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گئی تھی اور اسے عوام کو مطلوبہ حقوق دینے پڑے تھے۔

ادھر امام جماعت احمدیہ نے کشمیر کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا ادھر اندرون کشمیر جو کام چل رہا تھا اس میں یکایک تعطل پیدا ہو گیا۔ اور ایک عام بے چینی پھیل گئی کیونکہ وہاں پکڑ دھکڑ جاری تھی اور اس سلسلہ میں ان کی مالی اور قانونی امداد جو صدر کشمیر کمیٹی کی طرف سے جاری تھی بند ہو گئی اور نئے عہدیداران اندرون کشمیر کام کرنے والے سابق وکلاء اور کارکنوں کو نہ نئے انتخاب اور نئے

انتظام کی کوئی اطلاع بھیج سکے اور نہ ہی ان سابق کارکنوں کے خورد و نوش اور رہائش اور کام کے لئے کوئی بندوبست کر سکے اور نہ اپنی طرف سے متبادل مالی اور قانونی امداد کشمیر میں بھیج سکے جس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ سابق وکلاء اور کارکن کام سے واپس آنے پر مجبور ہو گئے۔ جب نئی کشمیر کمیٹی نے اپنی کمزوری محسوس کی تو اس کے عارضی سیکرٹری ملک برکت علی صاحب نے ایک بیان اخبارات میں شائع کرایا کہ شیخ بشیر احمد احمدی وکیل اور کارکنوں نے مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے استعفیٰ کے بعد کام کرنا چھوڑ دیا ہے اور یہ غلط فہمی بھی پھیلائی کہ مرزا صاحب نے وکلاء اور کارکنوں کی واپسی کی ہدایات بھجوا دی ہیں جب یہ بیان اخبارات میں شائع ہوا تو شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی طرف سے مفصل تردیدی بیان شائع ہوا جس میں انہوں نے واضح کیا کہ یہ درست ہے کہ میں نے کشمیر میں جو خدمات کیں اپنے مقدس امام کی اطاعت میں کیں مگر یہ بالکل غلط ہے کہ ہمارے مقدس امام نے مجھے یا دیگر کارکنان کو واپس آنے کی ہدایات بھیجی تھیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جب نئی کشمیر کمیٹی کی طرف سے ہمیں کوئی ہدایت موصول نہ ہوئی اور توجہ دلانے کے باوجود اس نے مکمل سکوت اختیار کر لیا۔ تو ہم نے ایک تار اپنے مقدس امام کو اپنے موجودہ کام کے بارے میں ہدایت طلب کرنے کی غرض سے بھیجا جس کا جواب آیا کہ ہم کام کو جاری رکھیں تاآنکہ نئے عہدیدار اپنے طریق کار کا فیصلہ نہ کر لیں۔ مقدمات کے ملزموں کو جب اندرون کشمیر نئے حالات کی اطلاع کر دی گئی تو انہوں نے نئی کشمیر کمیٹی اور علامہ اقبال کے نام خطوط اور تاریں بھیجیں لیکن وہ بے اعتنائی کی نذر ہو گئیں اور انہیں کوئی جواب نہ ملا شیخ بشیر احمد صاحب نے اپنے بیان میں یہ بھی واضح کیا تھا کہ جب میں واپس جانے پر مجبور ہوا۔ اور گوجرانوالہ پہنچا تو مجھے امام جماعت احمدیہ کی طرف سے یہ ہدایت موصول ہوئی کہ میں میرپور جاؤں مگر میں بوجہ لاہور میں ناگزیر۔ ذمہ داریوں کے تعمیل ارشاد سے قاصر رہا۔ یہ امر کہ میرے رفیق کار برادرم چوہدری یوسف خاں مقدمہ علی بیگ میں اب تک ملزمان کی طرف سے پیروی کر رہے ہیں اس الزام کے بطلان کے لئے کافی ہے کہ امام جماعت احمدیہ نے ہمیں مقدمات سے واپسی کا حکم دیا"۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ استعفیٰ کے بعد بھی باوجود اس کے کہ استعفاء میں مبینہ حالات کے تحت آپ نے واضح کر دیا تھا کہ استعفیٰ کے بعد کمیٹی سے میرا کسی طرح تعاون کرنا بھی درست نہ ہو گا) امام جماعت احمدیہ نے حتی المقدور نئی کشمیر کمیٹی سے تعاون کیا مگر نئی کشمیر کمیٹی کام نہ چلا سکی علامہ اقبال ایک اجلاس کے بعد ہی مستعفی ہو گئے اور کمیٹی کو توڑ دیا"۔ [۱۲]

فصل دوم

"کشمیر کمیٹی" کا احیا "آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن" کی شکل میں چونکہ کشمیر کمیٹی کے عارضی صدر صاحب مستعفی ہو چکے تھے اور عارضی سیکرٹری صاحب نے استعفیٰ دیئے بغیر ہی اپنے فرائض و واجبات کو اور جماعتی آداب و قواعد کو پس پشت ڈال کر نئی کمیٹی میں سیکرٹری شپ کا عہدہ قبول کر لیا تھا اس لئے پرانی کمیٹی عملاً معطل و مفلوج ہو کے رہ گئی لہذا چار ممبروں کے دستخطوں سے ایک گشتی مراسلہ مختلف ممبران کمیٹی کی خدمت میں بھیجا گیا کہ آیا ان حالات میں پرانی کمیٹی کو قائم رکھا جائے یا اسے توڑ دیا جائے کمیٹی کے کل تریسٹھ ممبر تھے جن میں سے گیارہ یا بارہ ممبر غیر جانبدار رہے باقی باون میں سے انیس نے اپنی رائے سے اطلاع نہ دی۔ اور ۳۲ ممبروں نے قدیم کشمیر کمیٹی پر اظہار اعتماد کیا۔ [۲۲] اور ۳ ستمبر ۱۹۳۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے زیر صدارت (لورینگ ہوٹل لاہور میں) فیصلہ کیا گیا کہ اتحاد اتفاق قائم رکھنے کے لئے ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب اور خان بہادر حاجی رحیم بخش صاحب کو علی الترتیب (قدیم) آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی صدارت اور سیکرٹری شپ کے عہدے پیش کئے جائیں اور نئے عہدیداروں کے تقرر کا آخری فیصلہ ہونے تک حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، مولانا سید حبیب صاحب، مولانا غلام رسول صاحب مہر، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور چوہدری غلام مصطفیٰ صاحب بیرسٹر گوجرانوالہ پر مشتمل ایک سب کمیٹی مقرر کر دی گئی اسی عرصہ میں چونکہ ڈاکٹر سر محمد اقبال اور خان بہادر رحیم بخش صاحب نے قدیم کشمیر کمیٹی میں شرکت سے صاف انکار کر دیا اس لئے ۲۵/ مارچ ۱۹۳۴ء کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اجلاس لاہور میں قرار پایا کہ زعمائے کشمیر سے استصواب کیا جائے کہ کشمیر کمیٹی جن اصولوں پر پہلے کام کرتی رہی ہے انہی اصولوں پر دوبارہ کام کرنا ان کے لئے مفید ہوگا یا نہیں؟ شیخ محمد عبداللہ صاحب (شیر کشمیر) [۲۳] شیخ عبدالحمید صاحب (ایڈووکیٹ جموں) مولوی محمد سعید صاحب (مسعودی) اور مفتی ضیاء الدین صاحب آف پونچھ نے بالاتفاق یہ کہا کہ جو جماعت ہماری امداد کے لئے ہاتھ بڑھائے گی ہم اس سے امداد لینے کو تیار ہیں اور خصوصاً موجودہ حالات میں ہمیں مدد کی سخت ضرورت ہے اور مدد کی نوعیت یہ بتائی کہ اول گورنمنٹ انڈیا پر زور ڈالا جائے دوسرے ہماری مالی اعانت کی جائے تیسرے فرنچائز رپورٹ میں جو حق نمائندگی مسلمانوں کو دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اس کے لئے کوشش کی جائے کہ کم از کم ساٹھ فیصدی مسلمانوں کو حق نیابت دیا جائے۔

چوتھے جو لوگ کشمیر سے نکال دیئے گئے ہیں ان کی واپسی کے لئے بھی کوشش کی جائے زعمائے کشمیر نے اس کے ساتھ یہ رائے بھی پیش کی کہ اندرون کشمیر کام کو منظم کرنے کے لئے کشمیر کمیٹی کا کوئی صدر منتخب کیا جانا ضروری ہے چنانچہ ۲۸ / مارچ ۱۹۳۴ء کو کمیٹی نے باقاعدہ کام شروع کر دیا اور محض اس لئے کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کی کشمیر کمیٹی میں امتیاز ہو سکے اس کمیٹی کا نام آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن تجویز کیا گیا سید حبیب صاحب مدیر سیاست اس ادارہ کے صدر اور منشی محمد الدین صاحب فوق اس کے سیکرٹری مقرر کئے گئے۔ [۲۴]

اس ایسوسی ایشن کا پہلا اجلاس ۱۴ اپریل ۱۹۳۴ء کو اور آخری ۱۵/ دسمبر ۱۹۳۷ کو منعقد ہوا۔ [۲۵] بالفاظ دیگر یہ ایسوسی ایشن قریباً پونے چار برس تک زعمائے کشمیر کی پشت پناہی کرتے ہوئے تحریک آزادی کشمیر کے لئے جدوجہد کرتی رہی اور حسب سابق اس تنظیم کی مالی ضروریات کا بار جماعت احمدیہ ہی نے اٹھایا اور ہر معاملہ میں اس کی پوری پوری سرپرستی کی۔

ایسوسی ایشن نے اپنے دور میں مظلومین کشمیر کی مالی اور قانونی امداد سیاسی قیدیوں کی رہائی اور جلاوطن [۲۶] کشمیریوں کی واپسی کے لئے گرانقدر مساعی کیں اس سلسلہ میں بعض واقعات کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

۱۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اپریل ۱۹۳۴ء میں ایک وفد کے ساتھ مسلمانان کشمیر کے لئے آئینی جدوجہد کی غرض سے جموں تشریف لے گئے۔

۲۔ چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹرایٹ لاء میر غلام حسین صاحب کلو خانیاری اور جناب محمد عبداللہ صاحب سیالکھی کے مقدمات کی پیروی کے لئے ۲۳ / مئی ۱۹۳۴ء کو سرینگر تشریف لے گئے آپ کو مولوی محمد عبداللہ صاحب کی نگرانی ہائی کورٹ میں داخل کرنا تھی۔ وہ داخل کر دی گئی اور سشن جج صاحب کی عدالت میں دو مقدمات کی اپیلیں تھیں جو میر کلو صاحب کے متعلق دائر تھیں ان مقدمات میں جناب چوہدری صاحب نے کورٹ فیس اپنے پاس سے حکومت کشمیر کو ادا کی۔ آپ نے میر غلام حسین صاحب کے مقدمہ میں عدالت میں ایسا قانونی نکتہ پیش کیا کہ وہ بری کر دیئے گئے۔ [۲۷]

۳۔ چوہدری صاحب موصوف نے اسی سفر میں مقدمات سے فارغ ہونے کے بعد ۲۶ / مئی ۱۹۳۴ء کو وزیر اعظم کشمیر کرنل کالون اور ہوم منسٹر وجاہت حسین صاحب سے ملاقات کی اور کشمیر کے تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی جلاوطنوں کی واپسی اور ضبط شدہ جائداد کی بحالی اور طلبہ کے داخلہ کالج اور سکول کے متعلق گفتگو فرمائی۔

۴۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالے بنصرہ العزیز نے کشمیری طلباء کی اعانت کے لئے

ساڑھے چار سو روپے کمیٹی برائے امداد طلباء سرینگر کو بھجوائے جس پر صدر الدین صاحب سیکرٹری کمیٹی برائے امداد طلباء سرینگر نے شکریہ ادا کیا۔ ۲۸

۵۔ سید صادق علی شاہ صاحب بھدرواہ کی جنہوں نے جدید کشمیر کمیٹی کے ممبروں سے ہمنوائی کی تھی ایسوسی ایشن کی طرف سے قانونی امداد کی گئی چنانچہ مولانا جلال الدین صاحب شمس نے ۲۳/ اگست ۱۹۳۴ء کو سید حبیب صاحب صدر ایسوسی ایشن کے نام ایک مکتوب بھی تحریر کیا۔ جس میں لکھا کہ ہم مظلوم کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ۶۔ سید مبیح صادق شاہ صاحب علاقہ کھڑی کے بہت بڑے گدی نشین تھے آپ کو نظر بند کر دیا گیا تھا شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور ان کے مقدمہ کی پیروی اور آخری قانونی کوشش کرنے کے لئے مئی ۱۹۳۵ء میں جموں تشریف لے گئے۔ ۲۹

حضرت امام جماعت احمدیہ کا شکریہ

۷۔ نور الدین صاحب ولد مفتی ضیاء الدین آف سرینگر کا بیان ہے کہ مس عیشی انچارج سوپور مشن نے مجھ پر دعویٰ کیا کہ میرے نابالغ بھائی شمس الدین اور میری ہمشیرہ عائشہ کی (جو اب بالغ ہو چکی ہے) وہ میرے والد صاحب مرحوم کی کسی وصیت کی رو سے گارڈین ہے حالانکہ قبل از وفات میرے والد صاحب اس وصیت کو منسوخ کر چکے تھے میں چونکہ بے یارومددگار تھا رشتہ داروں نے امداد سے انکار کیا۔ میں علماء گدی نشینوں اور لیڈروں کے پاس امداد کے لئے گیا لیکن کسی نے میری مدد نہ کی۔ اور عیسائیوں نے بذریعہ عدالت میرے چھوٹے بھائی پر قبضہ حاصل کر لیا۔ اس کے بعد عیسائیوں نے میری ہمشیرہ کے حصول کے لئے کوشش کی جب میں نے سب طرف سے اپنے آپ کو بے یارومددگار پایا تو میں نے اس کس مپرسی کی حالت میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کے حضور امداد کے لئے درخواست کی گو میں سنی ہوں اور جماعت احمدیہ کے خیالات و عقائد سے متفق نہیں لیکن انہوں نے بروقت امداد فرمائی اور بذریعہ ایڈیٹر صاحب "اصلاح" مقدمہ کا خرچہ ارسال فرمایا چنانچہ سمیع پال صاحب کو وکیل مقرر کیا گیا اور انہوں نے بھی اسلامی ہمدردی کو مدنظر رکھ کر کم خرچہ پر میرے مقدمہ کی پیروی منظور کر لی چنانچہ خدائے تعالیٰ کے فضل سے اس مقدمہ میں ہمیں کامیابی ہوئی عیسائیوں کی اپیل خارج ہو گئی۔ اس جگہ میں اسلامی تعلیم کے مطابق اپنے محسن امام جماعت احمدیہ کا شکریہ ادا کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ انہوں نے ایک بے بس اور مظلوم کی بروقت امداد فرمائی۔ ۳۰

میاں احمد یار صاحب وکیل صدر مسلم کانفرنس کا بیان

ایسوسی ایشن کے کاموں کا سلسلہ تو وسیع ہے مگر اس جگہ صرف انہیں چند واقعات پر اکتفا کیا جاتا ہے میاں احمد یار صاحب صدر مسلم کانفرنس نے اجلاس سوپور کی صدارتی تقریر میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

"جب تحریک حریت کی ابتدا ہوئی ہندوستان کے سربر آوردہ مسلمانوں نے شملہ میں ایک میٹنگ کرکے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بنیاد رکھی۔ اس انجمن نے مالی اور جانی رنگ میں قربانی دے کر ہماری مدد کی ہماری تکالیف سے دنیا کے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک آگاہ کیا یورپ اور امریکہ میں پروپیگنڈا کیا تحریک کے حامیوں مظلومین اور شہداء کے پسماندگان کو مدد دی اور ہر حالت میں بے لوث اور ہمدردانہ خدمات انجام دیں جب تحریک کشمیر اور سنجیدہ ہوگئی تو ہندوستان کے ہزارہا مسلمان جیلوں میں گئے اور جام شہادت پیا۔ اب آئینی رنگ میں کشمیر ایسوسی ایشن ہماری مدد کر رہی ہے۔ آل انڈیا کانفرنس نے تحریری رنگ میں مظلومین کشمیر کی امداد کی اس لئے یہ سب افراد اور جماعتیں دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔ [۳۱]

فہرست ممبران آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن

۱۔مولانا سید حبیب صاحب ایڈیٹر "سیاست"	لاہور	۲۔ایم محمد الدین صاحب فوق "ایڈیٹر کشمیری اخبار"	لاہور
۳۔مولانا غلام رسول صاحب مہر ایڈیٹر "انقلاب"	لاہور	۴۔ مولانا عبدالمجید صاحب سالک ایڈیٹر "انقلاب"	لاہور
۵۔مولانا محمد یعقوب صاحب ایڈیٹر "لائٹ"	لاہور	۶۔سید عبدالقادر صاحب ایم۔اے پروفیسر اسلامیہ کالج	لاہور
۷۔میاں علم الدین صاحب سالک پروفیسر اسلامیہ کالج	لاہور	۸۔شیخ نیاز علی صاحب ایڈووکیٹ	لاہور
۹۔چوہدری اسد اللہ خان صاحب بار ایٹ لاء	لاہور	۱۰۔ڈاکٹر عبدالحق صاحب ایم بی بی ایس	لاہور
۱۱۔چوہدری غلام مصطفٰے صاحب بار ایٹ لاء	گوجرانوالہ	۱۲۔ شیخ فضل الحق صاحب۔ ایم۔ایل اے پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی	بھیرہ
۱۳۔سید عبدالحفیظ صاحب	ڈھاکہ	۱۴۔ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب ایم۔ایل۔اے	ایبٹ آباد
۱۵۔ایس ایم عبداللہ صاحب نائب صدر میونسپلٹی	دہلی	۱۶۔خواجہ حسن نظامی صاحب	دہلی
۱۷۔مولانا مظہر الدین صاحب ایڈیٹر الامان	دہلی	۱۸۔شاہ مسعود احمد صاحب ایم۔ایل۔اے	دہلی
۱۹۔چوہدری محمد شریف صاحب بی۔اے۔ایل ایل بی ایڈووکیٹ	منٹگمری	۲۰۔پیر اکبر علی صاحب ایڈووکیٹ ایم۔ایل۔سی	فیروزپور

۲۱۔ ایم احمد عبدالستار صاحب آنریری جائنٹ سیکرٹری دی کلکتہ مجلس — کلکتہ

۲۲۔ مسٹر ایم ایس سہروردی بار ایٹ لاء — کلکتہ

۲۳۔ مولانا ابو ظفر وجیہ الدین صاحب — کلکتہ

۲۴۔ مولانا کرم علی شاہ صاحب — لکھنؤ

۲۵۔ سید ذاکر علی شاہ صاحب — لکھنؤ

۲۶۔ مولانا عقیل الرحمٰن صاحب ندوی — سہارنپور

۲۷۔ مولانا کشفی صاحب نظامی — رنگون

۲۸۔ جناب مولانا حسرت موہانی صاحب — کانپور

۲۹۔ جناب مشیر حسین صاحب قدوائی — لکھنؤ

۳۰۔ نواب ابراہیم علی خان صاحب۔ نواب آف کنج پورہ ایم ایل اے۔ — کرنال

۳۱۔ چوہدری عبدالمتین صاحب ایم ایل اے۔ — سلہٹ (آسام)

۳۲۔ مولانا محمد شفیع صاحب داؤدی ایم۔ ایل۔ اے۔ — پٹنہ

۳۳۔ ڈاکٹر سر شفاعت احمد خان صاحب — الہ آباد

۳۴۔ حاجی عبداللہ ہارون صاحب — کراچی

۳۵۔ مولانا محمد علی اللہ بخش صاحب سیکرٹری مسلم فیڈریشن — بمبئی

۳۶۔ ایم۔ اے۔ آرڈ نسکر — بمبئی

۳۷۔ مولانا ابو یوسف صاحب اصفہانی — شمالی بمبئی

۳۸۔ قاضی کبیر الدین صاحب — بمبئی

۳۹۔ مولانا میرک شاہ صاحب — مراد آباد

۴۰۔ خواجہ محمد شفیع صاحب — دہلی

۴۱۔ میاں سید جعفر شاہ صاحب — شاہ آباد

۴۲۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ — قادیان

۴۳۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب — قادیان

۴۴۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس — قادیان

۴۵۔ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ — لاہور

فصل سوم

اخبار "اصلاح" کا اجراء

۴/ اگست ۱۹۳۴ء کا دن تحریک آزادی کشمیر کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا کیونکہ اس دن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز [۲۲] کی خاص ہدایت سے مسلمانان کشمیر کے حقوق و مفادات کے تحفظ اور ترجمانی کے لئے سرینگر سے سہ روزہ اخبار "اصلاح" جاری کیا گیا۔ [۲۳] اس اخبار کے مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد تھے۔

(۱) مسلمانان کشمیر کی مذہبی 'اخلاقی' تمدنی اور سیاسی راہ نمائی اور بیداری (۲) مسلمانوں میں تعلیم و صنعت کی اشاعت و ترویج (۳) مسلم حقوق کی حفاظت (۴) قانون شکن تحریکات کا مقابلہ (۵) اتحاد واتفاق اور تنظیم (۶) بد رسومات کی اصلاح (۷) حکومت اور عوام کو مخلصانہ مشورے اور صحیح راہ نمائی۔

اخبار اصلاح اہل کشمیر کی نظر میں

اخبار اصلاح کے اجراء پر شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب مسٹر غلام محمد صاحب صادق بی۔اے ایل ایل۔ بی۔ خواجہ عبدالسمیع صاحب پال ایم۔اے۔ ایل ایل بی وکیل ہائیکورٹ جموں وکشمیر۔ مسٹر عبدالمجید صاحب قرشی مالک اخبار پاسبان (جموں) وغیرہ حضرات نے پر جوش خیر مقدم کیا اور پیغامات دیئے۔ [۲۴] اور منشی محمد الدین صاحب فوق مورخ کشمیر نے مدیر اصلاح کو مکتوب لکھا۔

"اصلاح جن نیک مقاصد کو لے کر عالم وجود میں آیا ہے ان کے لئے میرا دلی ہدیہ تبریک قبول فرمایئے۔ اصلاح کے دو پرچے میں نے دیکھے ہیں "اصلاح" کی اعتدال پسند پالیسی شاید سطحی خیال کے لوگوں کے لئے قابل قبول نہ ہو اور وہ ہنگامہ خیزیوں اور فرقہ بندیوں اور شعلہ افشانیوں ہی کو پسند کرتے ہوں۔ لیکن تھوڑے وقت میں بہت کچھ نشیب و فراز دیکھ چکنے کے بعد ایک جماعت اب ایسی بھی پیدا ہو رہی ہے بلکہ ہو چکی ہے جو ایک دوسرے کی پگڑیاں اتارنے اور باہمی فرقہ آرائیاں پیدا کرنے اور غیر ذمہ دارانہ مضامین لکھنے اور غیر آئینی روش پیدا کرنے والے اخبارات سے تنگ آچکی ہے اگر کارپردازان "اصلاح" نے عزم صمیم اور قلب سلیم سے کام لیا تو انشاء اللہ اس جماعت میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے گا اور یقین رکھئے ایسی ہی جماعتیں اور ایسے ہی اخبارات ملک کی صحیح ترجمانی اور صحیح خدمت کرسکتے ہیں۔ [۲۵]

اسلامی پریس نے بھی "اصلاح" جیسے اصلاحی پرچہ کی اشاعت پر بہت خوشی کا اظہار کیا چنانچہ

روزنامہ "رہبر دکن" نے ۲/ستمبر ۱۹۳۴ء کو مندرجہ ذیل نوٹ لکھا:-

"اس کا مقصد ملک کی پیدا شدہ نئی طاقتوں سے اس طرح کام لینا ہے کہ وہ ملک کے لئے مفید ثابت ہوں وہ چاہتا ہے کہ اس وقت اہل کشمیر میں جو بیداری پیدا ہو گئی ہے اس کو صحیح راستے پر آگے بڑھائے اور سارے ملک کے مختلف فرقوں میں صلح و آشتی کی اسپرٹ کو ترقی دے یہ مقاصد بہت اچھے ہیں اور اداریے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی باگ قابل ہاتھوں میں ہے۔ ۳۶

روزنامہ "طاقت" (سیالکوٹ) نے ۲۶/اگست ۱۹۳۴ء کے شمارہ میں اخبار اصلاح پر یہ تبصرہ کیا۔

"بغور مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ اخبار مسلم کشمیری قوم کا حقیقی مصلح ثابت ہو گا اصلاح رسومات اور تنظیم ملت کا لائحہ عمل اس نے ترتیب دیا ہے کشمیر کے غریب و مفلس مسلمانوں کی نجات اور ان کی بیداری و ترقی کے لئے اعلیٰ وانسب ۳۷ ہے اصلاح کی سرپرستی لازمی ہے مسلمانان جموں و کشمیر کو اس کی اشاعت میں ہر ممکن اضافہ کی کوشش کرنی چاہئے۔ ۳۸

یہ اخبار اگست ۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۷ء تک جاری رہا اور اس نے لگا تار تیرہ برس تک مسلمانوں کی تنظیم و اصلاح کو مضبوط بنانے ان کے سیاسی و سماجی مطالبات کو حکومت تک پہنچانے اور ہر اہم مرحلہ پر ان کی رہنمائی کرنے اور مسلم کشمیر کا نظریہ قائم کر کے اس کی ضروریات پر روشنی ڈالنے کا فرض اتنی جرأت اور بے خوفی سے ادا کیا کہ حکومت کشمیر نے اسے بلیک لسٹ کر دیا۔ جس پر آل جموں و کشمیر مسلم لیگ کا ایک اہم اجلاس زیر صدارت مسٹر اے۔ یو۔ رعنا (نمائندہ اخبار "جادید" سرینگر) بمقام امیرا کدل منعقد ہوا اور اس میں اخبار رہبر" "اصلاح" سرینگر کے بلیک لسٹ آنے پر اظہار افسوس کیا گیا اور حکومت کشمیر کی اس حرکت کو ملکی پریس کے لئے عموماً اور مسلم پریس کے لئے خصوصاً غیر منصفانہ اور متشددانہ کارروائی قرار دیا گیا۔ ۳۹

اخبار اصلاح کے مدلل اداریئے

اخبار اصلاح کو اپنے مدلل متین اور ٹھوس ادارتی مضامین کی وجہ سے بہت شہرت حاصل ہوئی اور اس نے مسائل حاضرہ میں مسلمانان کشمیر کی بروقت رہنمائی کر کے اہم خدمات انجام دیں۔ بطور نمونہ چند عنوانات ملاحظہ ہوں۔ مسلم کشمیر کی ضروریات ۴۰ (۸/اگست ۱۹۳۴ء) الیکشن اور مسلمان (۱۱/اگست ۱۹۳۴ء) مسلمان اور ملازمتیں (۱۶/اگست ۱۹۳۴ء) الیکشن اور ملت اسلامیہ کا فرض۔ (۳۱/اگست ۱۹۳۴ء) باہمی مناقشات بند کر دو (۷/ستمبر ۱۹۳۴ء) کشمیر میں اقتصادی بے چینی اور اس کا علاج (۱۸/ستمبر ۱۹۳۴ء) مسلمانان کشمیر کس طرح ترقی کر سکتے ہیں۔ (۲۵/ستمبر ۱۹۳۴ء) جموں و کشمیر مسلم پولیٹیکل کانفرنس (۲۲/اکتوبر ۱۹۳۴ء) برادران وطن مسلمانوں کی توہین کر رہے ہیں (۳۰/اکتوبر ۱۹۳۴ء)

جموں و کشمیر مسلم کانفرنس اور مسلمانوں کا فرض (۹/ نومبر ۱۹۳۴ء) کیا مسلمانان کشمیر نا قابل ہیں - ۱۱/ دسمبر ۱۹۳۴ء مدارس میں مذہبی تعلیم کا فقدان (۲۵/ دسمبر ۱۹۳۴ء) تحریک حریت کشمیر کا مستقبل (۱۸/ جنوری ۱۹۳۵ء) دور حاضرہ کی ضروریات (۲۵/ جنوری ۱۹۳۵ء) شادی بیاہ کے متعلق اسلامی اصول (یکم فروری ۱۹۳۵ء) تحریک حریت مسلم کانفرنس اور آزاد کانفرنس (۸/ فروری ۱۹۳۵ء) تحریک حریت کشمیر کی کامیابی کا راز اس کی استقامت میں مضمر ہے (۲۲/ مارچ ۱۹۳۵ء) اسلامیان کشمیر کی بے بسی ۲۳/ مئی ۱۹۳۵ء) ریاست میں علوم شرقیہ کی بے قدری اور مسلمانوں کی شدید حق تلفی (۷/ اگست ۱۹۳۵ء) کامیابی کے لئے قومی اتحاد پہلا زینہ ہے - (۶/ جنوری ۱۹۳۷ء) مسلمانو! مسلمانان سپین کی تباہی سے سبق حاصل کرو - (۱۳/ جولائی ۱۹۳۷ء) اپنی بہتری کے لئے کسانوں کا منظم ہونا ضروری ہے (۲۹/ اپریل ۱۹۳۸ء) ریاستوں میں تحریک آزادی اور ریاستی حکومتوں کا فرض [illegible] (۲۴/ جون ۱۹۳۸ء) تحریک حریت کشمیر - حکومت اور عوام کا فرض - (یکم اکتوبر ۱۹۳۸ء) رہنمایان قوم کی سب سے بڑی سیاسی غلطی مسلمانان کشمیر کی واحد ملی تنظیم [illegible] کا خاتمہ ۱۶/ جون ۱۹۳۹ء) "فیڈریشن اور مسلمان (۲۸/ جولائی ۱۹۳۹ء) برادران وطن کے عزائم اور مسلمانوں کا فرض (دسمبر ۱۹۳۹ء) [illegible] مسلمانوں کے تین اہم اور جائز [illegible] مطالبات (۲۵/ جولائی ۱۹۴۰ء) مسلمانان کشمیر کی مصائب کا واحد علاج (۲۲/ اگست ۱۹۴۰ء) کیا مسلمانوں پر ہندی ٹھونسنا جائز ہے (۱۰/ اپریل ۱۹۴۱ء) آزاد ہندوستان کی اقلیتیں اور ریاستہائے ہند (۹/ اپریل ۱۹۴۲ء) [illegible] پاکستان [illegible] (۲۵/ نومبر ۱۹۴۲ء) ہندو ریاست یا مسلم ریاست [illegible] (۱۶/ مارچ ۱۹۴۴ء) ریاستی وزراء اور ہماری شہری آزادی (۳۱/ جنوری ۱۹۴۶ء) اہل کشمیر کی حیات نو (۱۳/ جولائی ۱۹۴۶ء)

بہترین معتدل پالیسی صلح کل روش مضامین کی متانت و دلکشی ملک و ملت کی صحیح خدمت منصفانہ نمائندگی اور سلاست زبان اصلاح کی امتیازی خصوصیات تھیں جن پر اپنوں اور بیگانوں اعلیٰ و ادنیٰ غرضیکہ ہر خیال اور سوسائٹی کے لوگوں نے بارہا اظہار خوشنودی و مسرت کیا اس حقیقت کا اندازہ مندرجہ ذیل آراء سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

مورخ کشمیر منشی محمد الدین صاحب فوق اپنی کتاب تاریخ اقوام کشمیر جلد ۲ صفحہ ۲۸۵ پر لکھتے ہیں "یہ اخبار (اصلاح - ناقل)" ۱۹۳۴ء میں کشمیر ریلیف فنڈ قادیان کی طرف سے جاری کیا گیا کشمیر ریلیف کا صیغہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ قادیان کے زیر نگرانی کام کرتا ہے یہ اخبار مسلم حلقوں میں خاص طور پر پسندیدگی سے دیکھا اور پڑھا جاتا ہے اس میں بعض علمی سلسلہ ہائے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اس کی اشاعت کا دائرہ بہت وسیع ہے یہ اخبار گورنمنٹ آف انڈیا کی

لسٹ پر بھی ہے کشمیر کے اخبارات میں سے اس وقت یہی ایک اخبار اس لسٹ پر ہے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے نہایت دلیری سے اس میں آواز اٹھائی جاتی ہے اسی وجہ سے یہ آئنگر حکومت کے زمانہ میں کئی بار عتاب کا شکار ہوا۔

فتح محمد خان صاحب سابق ممبر کشمیر اسمبلی و منظور الحق صاحب جاگیردار پونچھ نے یہ بیان دیا کہ:-

"اخبار اصلاح" نے اپنی گزشتہ سات سالہ زندگی میں جسے اس کی آئندہ زندگی کا دیباچہ کہنا چاہئے وطن اور قوم کی مخلصانہ خدمات سرانجام دینے میں بھی کبھی بخل سے کام نہیں لیا اور اپنی ہردلعزیزی اور بااصول صحافت سے ہرگز انحراف نہیں کیا بلکہ ادارہ نے اخبار کو تجارتی منفعت اور ذاتی اغراض سے بالا رکھ کر حتی المقدور ملک اور قوم کی بے لوث خدمات سرانجام دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور اہل ملک کو ہمیشہ صحیح اور پاک رنگ میں اپنے قیمتی مشوروں اور رہنمائی سے متمتع کیا ہے"۔ [۴۸]

خواجہ غلام السیدین صاحب جب ریاست میں اہل کشمیر کی شاندار تعلیمی خدمات بجالانے کے بعد وزارت تعلیم سے ریٹائر ہوئے تو انہوں نے خواجہ عبدالغفار صاحب ڈار مدیر اصلاح کے نام مندرجہ ذیل مکتوب لکھا:- میرے قیام کشمیر کے دوران میں آپ نے تعلیمی معاملات میں جس خلوص اور بے غرضی کے ساتھ محکمہ تعلیم کے ساتھ تعاون کیا میں اس کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اگر اخبار نویسوں میں آپ کے اور مولوی عبدالواحد صاحب کی قسم کے چند اور اصحاب ہوتے تو غالباً اس ریاست کی بہتری کی کوششیں زیادہ بار آور ہوتیں۔ [۴۹]

"اخبار اصلاح" کی مقبولیت کا اس سے پتہ چلتا ہے سندھ کے ایک معزز چیئرمین نے ایڈیٹر اصلاح کو لکھا میں نے اخبار اصلاح کے چند پرچوں کا مطالعہ کیا آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اخبار اصلاح واقعی ان صفات کا حامل ہے جو ایک قومی اخبار کے لئے ضروری ہیں آپ کے اخبار کی مصالحانہ پالیسی مسلمانوں کے موجودہ تشتت میں آب بقا کا حکم رکھتی ہے میں کئی دفعہ کشمیر آیا ہوں اور اس خطہ میں بہت وقت گزارا ہے یہاں کا تمدن اور طرز معاشرت بہت حد تک قابل اصلاح ہے جس کا بیڑا آپ نے اٹھایا ہے اصلاح کے اصلاحی مضامین اس قابل ہیں کہ ان پر اہل کشمیر کو دل سے عمل کرنا چاہئے اسی طرح تجارتی مضامین کا مفید سلسلہ کشمیر ایسے ملک میں نہایت موزوں اور مفید ہے میں "اصلاح" کے طرز عمل سے بہت خوش ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس مفید اخبار کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی دے (شیخ عبدالرحیم و محمد اسمٰعیل سوداگران اسلحہ مہر (سندھ) [۵۰]

اخبار "اصلاح" کا عملہ یہ بلند پایہ اخبار محمد امین صاحب قریشی کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا۔ ۱۰/ ستمبر ۱۹۳۴ء سے مولوی غلام احمد صاحب میر مولوی فاضل اس کے مدیر اور قریشی صاحب مدیر معاون مقرر ہوئے ۱۵/ مارچ ۱۹۳۵ء سے دوبارہ قریشی صاحب مدیر کے فرائض بجالانے لگے۔ اپریل ۱۹۳۶ء میں جبکہ اخبار بند ہو چکا تھا چوہدری عبدالواحد صاحب نے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے زمام ادارت سنبھالی اور قریشی صاحب مدیر معاون بنائے گئے ۹/ دسمبر ۱۹۳۸ء سے خواجہ عبدالغفار صاحب ڈار مولوی فاضل اس کے ادارہ تحریر میں منسلک ہو گئے۔ اور چوہدری عبدالواحد صاحب مدیر اعلیٰ کی رفاقت میں مدیر "اصلاح" کے فرائض ادا کرنے لگے۔ اور محمد امین صاحب قریشی اور خواجہ غلام رسول صاحب کا گہرا اور پر خلوص تعاون بھی اسے حاصل رہا۔ ادارہ اصلاح ملت و قوم کی ترجمانی کا حق خوش اسلوبی سے ادا کر رہا تھا کہ ۱۹۴۷ء میں شورش اٹھ کھڑی ہوئی اور دونوں اصحاب کو سرینگر سے ہجرت کر کے پاکستان آجانا پڑا تحریک آزادی کشمیر کی آواز کو بلند سے بلند تر کرنے میں چوہدری عبدالواحد صاحب نے جو غیر معمولی جدوجہد کی ہے اس کا مفصل تذکرہ اپنے مقام پر آرہا ہے تاہم اس جگہ یہ بتانا مناسب ہو گا کہ مورخ کشمیر منشی محمد الدین صاحب فوق نے اپنی کتاب "تاریخ اقوام کشمیر" میں ادارہ اصلاح کا ایک گروپ فوٹو [۵۱] شائع کیا جس میں چوہدری عبدالواحد صاحب، خواجہ عبدالغفار صاحب ڈار، غلام محی الدین صاحب اور ایم عبدالرحمٰن صاحب موجود ہیں۔ فوق صاحب نے اس کتاب میں چوہدری صاحب کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:-

"اپریل ۱۹۳۶ء میں مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ قادیان نے آپ کو ایڈیٹر "اصلاح" مقرر کیا۔ جس وقت آپ ایڈیٹر مقرر ہوئے اخبار اصلاح کچھ عرصہ کے بعد بند ہو گیا تھا آپ کی محنت اور تگ و دو سے یہ اخبار ترقی کر کے کشمیر میں خاص حیثیت حاصل کر گیا آپ نے ریاست کشمیر کے مختلف حصوں اور دشوار ترین علاقوں کے پاپیادہ دورے کئے ہیں یہاں تک کہ لداخ جیسے دور دراز علاقہ میں پہنچے ہیں۔ آپ کو ریاست کے اخبار نویسوں میں خاص حیثیت حاصل ہے آپ مسلسل اڑھائی سال کشمیر جرنلسٹس ایسوسی ایشن کے پریذیڈنٹ رہے ہیں۔ [۵۲]

فصل چہارم

کشمیر کی پہلی اسمبلی کا قیام اور مسلم کانفرنس کی سو فیصدی کامیابی

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے وسط ۱۹۳۲ء میں جبکہ شیخ محمد عبد اللہ صاحب اور دوسرے زعماء کشمیر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے اہل کشمیر کو ہوشیار کیا کہ :-

"آپ لوگ تیار رہیں کہ اگر خدانخواستہ قومی کارکنوں کو جلدی آزادی نہ ملی اور ان کی آزادی سے پہلے اسمبلی کے انتخابات ہوئے (گو مجھے امید نہیں کہ ایسا ہو) تو ان کا فرض ہونا چاہئے کہ... قومی کام سے ہمدردی رکھنے والوں کو امیدوار کر کے کھڑا کر دیں۔ اور یہ نہ کریں کہ کانگریس کی نقل میں بائیکاٹ کا سوال اٹھا دیں۔ بائیکاٹ سے کچھ فائدہ نہ ہو گا کیونکہ آخر کوئی نہ کوئی ممبر تو ہو ہی جائیگا۔ اور قومی خیر خواہوں کی جگہ قومی غداروں کو ممبر بننے کا موقعہ دینا ہرگز عقلمندی نہ کہلائے گا۔ [۵۳]

مسلمانان ریاست کے لئے اسمبلی کا کوئی تجربہ نہیں تھا جس کے لئے پوری ٹریننگ کی ضرورت تھی لہٰذا ریاست ٹراونکور کے چیف سیکرٹری (کے۔ جارج بی۔ اے) سے خط و کتابت کر کے اسکی لیجسلیٹو اسمبلی اور میونسپلٹی کے مطبوعہ انتخابی اصول و قواعد منگوائے اور ان کی روشنی میں مسلم کانفرنس کے کارکنوں کو الیکشن کے لئے تیار کرنے کا انتظام شروع کر دیا۔

اسی اثناء میں شیخ عبد اللہ صاحب رہا ہو گئے مگر چونکہ بہت سے مسلمان قیدی [۵۴] جیل میں پڑے ہوئے تھے اس لئے وہ انتخاب کے بارے میں ریاست سے تعاون کرنے پر رضامند تھے لیکن حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے زور دیا کہ مسلم کانفرنس انتخاب میں ضرور حصہ لے۔ چنانچہ مسلم کانفرنس نے اپنے نمائندے کھڑے کر دیئے ۵ / ستمبر ۱۹۳۴ء کو امیدواران اسمبلی کے نتائج سنائے گئے۔ اور خدا کے فضل و کرم سے مسلم کانفرنس کو سو فیصدی کامیابی حاصل ہوئی۔ اور اس کے تمام نامزد ممبر جیت گئے کامیاب امیدواروں کے نام یہ ہیں :- مولوی محمد عبد اللہ صاحب وکیل۔ خواجہ علی محمد صاحب، خواجہ احمد اللہ صاحب شہداد۔ غلام محمد صاحب صادق۔ سید حسین شاہ صاحب جلالی۔ [۵۵، ۵۶]

شیخ محمد عبد اللہ صاحب کے اہم مکتوبات

مسلم کانفرنس کی مشکلات اور اس کی شاندار کامیابی کا صحیح موازنہ شیخ محمد عبد اللہ صاحب شیر کشمیر کے ان خطوط سے با آسانی ہو سکتا ہے۔ جو انہوں نے انتخابات اسمبلی کے دوران حضرت خلیفتہ

المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ اور مولانا جلال الدین صاحب شمس کے نام لکھے اس اہم خط و کتابت کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

پہلا مکتوب سرینگر کشمیر۔ ۸/ مئی ۱۹۳۴ء

ڈیئر بشیر احمد صاحب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ

امید ہے کہ میرا پہلا خط مل گیا ہوگا۔ اس کے بعد میں وزیر اعظم ' مشیر مال ' اور انسپکٹر جنرل پولیس سے ملا۔ مختصراً میں نے ان سے کہا کہ میں ذاتی طور پر موجودہ اسمبلی کی تین سال کے لئے آزمائش کرنی چاہتا ہوں اور خواہش میری یہی ہے کہ ملک کے بہترین نمائندے اسمبلی میں جائیں مگر حکومت کو بھی چاہئے کہ وہ فضاء کو سازگار بنائے تمام ایسے قوانین مثلاً ORDINANCES وغیرہ ضبطی جاگیرات ' رہائی قیدیان ' معافی تعزیری جرمانہ وغیرہ وغیرہ ان تمام سختیوں پر نظر ثانی کرے ورنہ میرے لئے تعاون کرنا مشکل ہوگا میں نے سول نافرمانی کو واپس لے لیا اور بغیر کسی شرط کے واپس لیا۔ یہ باتیں میں بطور شرائط کے پیش نہیں کرتا بلکہ ان کے بغیر میرا تعاون کرنا غداری کے مترادف ہوگا۔ دوم جن آدمیوں نے اسمبلی میں جانا ہے یا جو کہ اس کے متعلق پروپیگنڈا کر سکتے ہیں وہ سب قید خانہ میں ہیں۔ میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں۔ تمام حکام میرے نظریہ کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں لیکن عملاً ابھی کچھ ظہور میں نہیں آیا شاید اس لئے کہ مہاراجہ صاحب جموں میں تھے وہ بھی کل آگئے ہیں ٹھاکر کرتار سنگھ اور وجاہت حسین بھی سرینگر میں نہیں تھے باہر گئے تھے اس لئے درنگی ہوئی ورنہ ادھر یا ادھر فیصلہ ہوا ہوتا۔ امید ہے کہ چند دن کے اندر اندر فیصلہ کن بات طے ہوگی موجودہ وقت میں ہمارے پاس آدمی کوئی ایسا نہیں ہے جو کہ اسمبلی میں جا سکے۔ اگر حکومت سے فیصلہ ہو گیا تو امید ہے کہ توسیع میعاد ہو سکتی ہے اور حکومت ایسا کرنے پر آمادہ ہے غرض یہ ہے کہ اگر میں نے ابھی سے تعاون کا اعلان کر دیا پھر قیدیوں کا باہر آنا مشکل ہوگا۔ تعزیری جرمانہ کی واپسی کے لئے بھی میں کوشش کر رہا ہوں۔ میر مقبول کے لئے بھی کوشش ہو رہی ہے حضرت صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری سے مبلغ دو صد ۵۰ روپیہ بذریعہ تار منی آرڈر مل گئے ہیں شکریہ۔

جواب کا منتظر۔ شیخ محمد عبداللہ

دوسرا مکتوب بچھوارہ۔ سرینگر کشمیر۔ سوموار ۱۵/ مئی ۳۴ء

مکرمی جناب میاں صاحب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ

امید ہے کہ میرے خطوط آپ کو مل گئے ہونگے۔ مزید حالات یہ ہیں کہ حکومت نے مجھ کو اخیر وقت تک دھوکہ میں رکھا۔ اور میں نے جو جو باتیں پیش کردی تھیں۔ ان پر غور کرنے کا وعدہ کیا بہرحال جو حالات میرے پیش آئے ان کا ذکر میں نے ایک درخواست میں کردیا ہے جو کہ میں آپ کو لفافہ ہذا میں ارسال کرتا ہوں اور جو.... درخواست وزیراعظم کو میں نے بھیجدی ہے دیکھئے نتیجہ کیا برآمد ہوتا ہے ہم نے کوشش کی کہ اپنے آدمی ہر ایک علاقہ سے اسمبلی کے لئے کھڑے ہوں لیکن وقت کی تنگی نے اور حکومت کی دھوکہ دہی کی وجہ سے شاید تمام علاقوں سے اپنے خاص آدمی کھڑے نہ ہوئے ہوں۔ ابھی پورا معلوم نہیں سرینگر سے تو پانچ آدمی اپنے کھڑے کردیئے ہیں بارہ مولہ اسلام آباد' کولہ گام' پلوامہ سے بالترتیب شیخ محمد اکبر' محمد افضل بیگ۔ عبدالرحمٰن ڈار۔ خواجہ اکبر ڈار ہمارے آدمی ہیں سرینگر سے غلام محمد صادق۔ سید حسین شاہ جلالی۔ مولوی محمد عبداللہ وکیل۔ خواجہ علی محمد۔ خواجہ سعد اللہ صاحب شہداد کھڑے ہوئے ہیں۔ غلام نبی گلکار کو میں نے اس لئے روکا۔ کہ مخالف جماعت کا تمام زور صرف مسئلہ احمدیت پر ہوگا۔ اس لئے اگر ہم نے صرف مولوی عبداللہ صاحب وکیل کو کامیاب کردیا۔ تو یہ کافی شکست.... کو ہوگی۔ اگر غلام نبی صاحب بھی دوسرے وارڈ سے کھڑا ہوتا تو ہماری طاقت تقسیم ہو جاتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مخالف پارٹی کا مدمقابل صرف مولوی عبداللہ صاحب ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ غلام نبی صاحب کے مقابلہ میں خواجہ احمد اللہ صاحب شہداد تھے جو کہ جماعت اہلحدیث کے پریذیڈنٹ رہ چکے ہیں اور ایک اسکول بھی چلاتے تھے پیسہ والے بھی ہیں اور کافی رسوخ رکھتے ہیں۔ اگر غلام نبی کھڑا ہوتا تو ہمارے خلاف بہت شدید پروپیگنڈا ہوتا ہے... میں اس اصول کا پابند ہوں کہ سیاست میں عقیدہ کو کوئی دخل نہ ہونا چاہئے مگر میرے مدنظر کامیابی اور ناکامیابی کا سوال ہے۔ اور صرف انہی وجوہات کی بناء پر میں نے غلام نبی کو مشورہ دیا... کہ اس کو کھڑا نہیں ہونا چاہئے جہاں تک اصول کا سوال ہے مولوی محمد عبداللہ صاحب کا کامیاب ہونا کافی ہے.... میں نے غلام نبی صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے آپکو آزاد رکھے... حکومت کے اشارہ پر ہمارے آدمی کے مقابل ممبری کے لئے کھڑے ہوئے مگر ان کو کامیابی کی امید نہیں ہے الغرض اسمبلی کیا ہے میرے لئے ایک اور مصیبت کا سامان ہے آگے ہی مخالفت کیا کم تھی کہ اب اور اضافہ ہو رہا ہے بہرحال خدا مددگار ہے اور دوستوں کا حوصلہ۔ سب سے اہم مشکل میرے سامنے جو ہے وہ مالی مشکلات ہیں ایجی ٹیشن کیا رہی ہے میرے لئے قرضہ کی مصیبت ہر طرف سے بل پیش ہو رہے ہیں پیٹرول کا بل' کرایہ کا بل' عملہ کی تنخواہ کا بل' اور ہماری حالت یہ ہے کہ کھانے کو میسر نہیں ہوتا ہے لوگ ایسے بے حس ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ میں کام کروں مگر کیسے کام کروں اس کے متعلق خاموش شاید یہ ایجی ٹیشن اور تکالیف کا نتیجہ ہے اور شاید یہ اثر

آہستہ آہستہ دور ہو جائے گا اس وقت ضرورت ہے کہ آپ کسی صاحب کو کشمیر روانہ کریں۔ جو کہ مجھے مشورہ دے کہ ایسے حالات میں.... کام کس طرح چلایا جاسکتا ہے اگر آپ نے مہربانی نہ کی ہوتی اور تھوڑی بہت مالی امداد روانہ نہ کی ہوتی تو میں ابتک پریشانیوں کی وجہ سے میدان سے ہٹ گیا ہوتا۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ کسی صاحب کو آپ کے پاس روانہ کر سکوں جو کہ تمام حالات آپ کو پہنچائے گا اور آپ سے مشورہ حاصل کرے گا۔ میں بھی حالات کو بہتر بنانے کی سعی میں لگا ہوا ہوں۔ امید ہے کہ بزرگوں کی دعا سے خداوند کریم ہم لوگوں کو کامیاب کرے گا فقط آپ کا خیر اندیش شیخ محمد عبداللہ"

تیسرا مکتوب

"بچھوارہ۔ سرینگر۔ ۱۰/ ستمبر

مکرمی جناب شمس صاحب! السلام علیکم۔ آپ کا تار ملا شکریہ واقعی خداوند کریم نے فضل و کرم کیا اور کانفرنس کا وقار از سر نو قائم ہو گیا۔ مجھے سب سے زیادہ خوشی یہی ہے کہ کشمیر سے تمام ہمارے ہی آدمی کامیاب ہو گئے الحمد للہ۔ میری طرف سے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں عرض و تسلیم پہنچا دیجئے۔ مصروفیت کی وجہ سے میں اس سے قبل نہ لکھ سکا۔ شاہ صاحب معلوم نہیں کہاں چلے گئے ہیں پتہ نہیں ملتا۔ تتمہ سب خیریت ہے۔ آپ کا دوست شیخ محمد عبداللہ۔

قادیان میں مجلس کشامرہ کی بنیاد

۱۹۳۶ء میں "مجلس کشامرہ" کے نام سے ایک انجمن کا قیام ہوا جس کی غرض و غایت یہ تھی کہ ریاست جموں و کشمیر کے طلباء اور دیگر کشمیری احباب کے لئے (جو قادیان میں موجود تھے) فلاح و بہبود کی تجاویز کر کے ان پر عمل کیا جائے یہ مجلس کچھ عرصہ باقاعدہ کام کرتی رہی مگر بعض کارکنوں کے چلے جانے کے باعث معطل سی ہو گئی وسط ۱۹۴۶ء میں خواجہ غلام نبی صاحب گلکار کی تحریک پر اس کا احیاء ہوا اور اس کا نام "انجمن کشامرہ" رکھا گیا۔ [۵۸]

فصل پنجم

چوہدری عبدالواحد صاحب کی قومی وملی خدمات

اخبار "اصلاح" کے ضمن میں چوہدری عبدالواحد صاحب [۵۹] کا اجمالاً تذکرہ آچکا ہے اب ہم ذرا تفصیل سے بتاتے ہیں کہ اپریل ۱۹۳۶ء میں مدیر اعلیٰ بننے کے بعد انہوں نے کیسی شاندار خدمات انجام دیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالے بنصرہ العزیز نے آپ کو "اصلاح" کی ادارت سپرد کرتے ہوئے جو قیمتی نصائح فرمائیں ان میں ایک نصیحت یہ تھی کہ کشمیر کے طول وعرض میں مختلف علاقوں کا سفر کریں اور کشمیر کے لوگوں میں بیداری پیدا کرنے کے علاوہ ان کے حالات اخبار میں شائع کرائیں [۶۰]

چنانچہ آپ نے قیام کشمیر کے دوران ریاست کے چپہ چپہ کا (اکثر) پیدل سفر کر کے مسلمانان ریاست کے اندر ذہنی واسلامی انقلاب برپا کیا اور ان کی مشکلات کا تفصیل سے جائزہ لے کر ان کو اخبار "اصلاح" کے ذریعہ سے حکومت اور عوام دونوں تک پہنچایا۔ اس خدمت میں آپ کے رفقاء میں سے خواجہ عبدالغفار صاحب ڈار مولوی فاضل' محمد امین صاحب قریشی اور خواجہ غلام رسول صاحب [۶۱] بھی ۱۹۴۷ء کے آخر تک برابر شریک رہے۔ ان سب مجاہدوں کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرکاری ملازم جو عوام پر ظلم وتشدد کرنے کے خوگر تھے اخبار اصلاح سے لرزنے اور ان شکایات کے تدارک پر متوجہ ہونے لگے بہرکیف حضور کی اس قیمتی ہدایت کا اہل کشمیر کو بے حد فائدہ پہنچا اور ریاست بھر میں اس امتیازی خصوصیت کے باعث اخبار "اصلاح" کی دھوم مچ گئی۔

بعض دوستوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ ایک کامیاب صحافی ہونے کی حیثیت سے آپ کو پیدل چلنے کی بجائے بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے سفر کرنا چاہئے بلکہ سرینگر کے ایک اخبار کے مدیر نے کہا کہ جس رنگ میں آپ لوگ سفر کرتے ہیں یہ صحابہ اور مجاہدوں کے لئے تو درست تھا مگر ایک اخبار کے اڈیٹر کے لئے یہ ٹھیک نہیں اخبار کے مدیر کو تھوڑی سی مکاری بھی کرنی پڑتی ہے تب جاکر کام چل سکتا ہے چنانچہ انہوں نے بعض واقعات بھی بیان کئے اور کہا کہ وقار کے خیال سے آپ لوگ یہ طریق چھوڑ دیں مگر چوہدری صاحب نے اخبار "اصلاح" (۲۷ / جولائی ۱۹۴۲ء) میں خادم خلق کو کرسی نشینی زیب نہیں دیتی۔ کے عنوان سے نوٹ لکھا۔ کہ اگر ہم اس ساز وسامان سے سفر کریں تو ہم ان دور دراز علاقوں اور

دیہاتوں میں پہنچ نہیں سکتے۔ جہاں کے لوگ سب سے زیادہ ہماری مدد کے محتاج ہیں اگر ہم نے بھی وقار کا خیال رکھا۔ تو پھر ہمارے اور سرکاری افسروں... کے درمیان کوئی فرق نہیں رہے گا... میری ذاتی رائے یہ ہے یا تو انسان خدمت خلق کا کام اپنے ذمہ نہ لے اور اگر لے تو پھر اپنے آرام اور وقار کو اس میں حائل نہ ہونے دے مزید برآں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اگر اس قسم کے سامانوں کے ساتھ سفر کیا جائے تو غریب دیہاتی ڈرتے ہیں... اور صحیح حالات بتلانے سے گریز کرتے ہیں گزشتہ دنوں میں اپنے دورہ کے دوران میں جب ونگام (نزد بانڈی پورہ) پہنچا تو محترم خواجہ عبدالغنی صاحب ایک خواب بیان کر رہے تھے کہ مجھے اپنے آقا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ مصرع یاد آیا (منہ از بہر ما کرسی کہ ماموریم خدمت را) اپنے آقا کا فرمودہ یہ مصرعہ میں دل میں بار بار دہرا کر لذت لیتا رہا اس مصرعہ پر جس قدر زیادہ میں نے غور کیا اس نتیجہ پر پہنچا کہ جس نے خدمت کرنی ہو اسے آرام اور کرسی نشینی سے محبت نہیں ہونی چاہئے بلکہ اسے تمام لوازمات کو بالائے طاق رکھ کر خدمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر عوام کے کام کو سرانجام دینا چاہئے۔ [۶۲]

آپ بعض اوقات تیس پینتیس میل تک سفر کر لیا کرتے تھے کشمیر میں اکثر سفر کرنے کی وجہ سے اپنے بعض احباب میں مرد آہن کے نام سے یاد کئے جاتے تھے ۱۹۴۴ء میں جب (قائداعظم) محمد علی جناح سرینگر تشریف لے گئے تو انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ مجھے ایسے آدمی سے ملنا ہے جو ریاست کے ہر حصہ سے واقف ہو انہیں بتلایا گیا کہ ایک پنجابی نے تمام ریاست کا کئی بار سفر کیا ہے یہاں تک کہ گریز اور بلتستان وغیرہ علاقوں میں بھی پہنچا ہے قائداعظم (مسٹر محمد علی جناح) نے چوہدری صاحب کو بلوایا اور مختلف مقامات کے حالات دریافت کرتے رہے اور ان طول طویل سفروں کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں جماعت احمدیہ قادیان سے تعلق رکھتا ہوں اور حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ کی ہدایات کے مطابق کشمیریوں کی بہبود کے لئے میں نے یہ سفر کئے ہیں۔ اس پر قائداعظم بہت خوش ہوئے۔ [۶۳، ۶۴]

بالآخر اس سلسلہ میں کشمیر کے بعض مقتدر اصحاب اور عوامی حلقوں کی آراء و تاثرات درج کئے جاتے ہیں۔

محمد خلیل صاحب کچلو ممبر اسمبلی ضلع اودھم پور نے بیان دیا کہ "مجھے اس بات کا اظہار کرنے میں مسرت ہے کہ مولوی عبدالواحد صاحب مدیر اعلیٰ "اصلاح" جس جواں ہمتی اور بلند حوصلگی سے جموں و کشمیر کے دور افتادہ اور پہاڑی علاقوں کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ان مظلوموں اور مفلوک الحال انسانوں کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں یہ ان کا ہی حصہ ہے۔ آپ نے جن دشوار گزار راستوں اور

صعب انگیز اور ناموافق حالات میں ڈوڈہ ' بھدرواہ ' پونچھ ' کشتواڑ ' مڑوہ ' واڑوں کا پیدل سفر کر کے یہاں کے حالات کو حکومت کے کانوں تک پہنچایا ہے اس کے لئے میں اپنے تمام علاقہ کے لوگوں کی طرف سے مولوی صاحب موصوف کا شکریہ ادا کرتا ہوں"۔ ۶۵

سردار فتح محمد خاں صاحب ممبر کشمیر اسمبلی پونچھ نے ادارہ "اصلاح" کی ان گراں بہا اور بے لوث اور جرأت آموز خدمات کا اقرار کرتے ہوئے لکھا۔ آپ کے مدیر صاحب اعلیٰ کے موجودہ دورہ پونچھ کے حالات اخبار "اصلاح" میں پڑھے ان کی یہ محنت و جانفشانی قابل ستائش ہے کہ انہوں نے ہمارے علاقہ کے پہاڑی راستوں کے سفر کی صعوبتیں اٹھا کر ہمارے حالات اور جائز شکایات سے واقفیت حاصل کر کے ان کے ازالہ کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہے پونچھ کے علاقہ کا ہر فرد بشر جو معمولی سمجھ بھی رکھتا ہے۔ ان کے اس جذبہ خدمت خلق کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بلکہ ہر عقل سلیم رکھنے والے انسان کا سر تشکر و امتنان کے جذبات کے بوجھ سے جھک جاتا ہے جب وہ غور کرتا ہے کہ ایک ایڈیٹر جس کا کام صرف اپنے دفتر میں بیٹھ کر سمند قلم کی باگ اٹھانا ہوتا ہے۔ محض مخلوق خدا کی ہمدردی کے پیش نظر اپنے گھر سے باہر نکلتا ہے۔ اور شہر بہ شہر قریہ بہ قریہ پیدل چل کر پہنچتا ہے۔ اور لوگوں سے ان کے حالات دریافت کرتا ہے۔ کسی جگہ اسے بھوکا پیاسا رہنا پڑتا ہے۔ کہیں اسے بارش میں بھیگنا پڑتا ہے۔ اور کہیں دھوپ کی سختی اس کے ایثار و استقلال کا امتحان لیتی ہے۔ بھوک اور پیاس اسے تنگ نہیں کرتیں کیونکہ وہ ان سے مانوس ہو چکا ہے۔

یہ بیچارہ دن کو بڑے بڑے خوفناک جنگلوں اور بے آب و گیاہ وادیوں میں سے سفر کرتا ہے اور چوتھائی شب گزرے جب کسی غریب کسان یا گوجر کے مکان پر پہنچتا ہے۔ تو گھاس پھوس کے فرش پر بیٹھ کر اپنے افلاس زدہ بے کس میزبان سے اس کے ذاتی اور گردو پیش کے حالات دریافت کرتا ہے لسی کا ایک گلاس پی کر کہ وہی اس کے نادار مگر متواضع میزبان سے میسر آ سکا۔ یہ انتھک انسان اس علاقہ کے غریب دیہاتیوں کی داستان رنج و محن کا قلمی فوٹو صفحہ قرطاس پر کھینچنا شروع کرتا ہے اور ساتھ ہی بار بار حکومت کو اس کے خزانے بھرنے والے کی تکالیف کے سدباب کی طرف توجہ دلاتا جاتا ہے دعا ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کو اس سے بھی زیادہ خدمت خلق کی توفیق عطا فرمائے۔ (سردار فتح محمد خان ممبر کشمیر اسمبلی پونچھ) ۶۶

علاقہ بلتستان کے مسلمانوں نے مندرجہ ذیل الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔ "بخدمت جناب مولانا صاحب مدظلہ السلام علیکم۔ آپ نے اپنے دورہ اور اس کے بعد اپنے جریدہ کے ذریعہ اہل بلتستان کی جو گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں ان کے لئے اہل بلتستان ہمیشہ ہمیش کے لئے آپ کے ممنون ہو گئے

ہیں عوام میں آپ کی ان خدمات کا اعتراف کیا جاتا ہے یہ مفلوک الحال قوم آپ کی ہمدردیوں کا اور کیا صلہ دے سکتی ہے اہل بلتستان کی یہ زبردست خواہش ہے کہ آپ پھر امسال اس طرف تشریف لائیں اور اپنے پہلے دورہ اور اخباری مضامین کے نیک نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھیں"۔ ۶۷

کشمیر کے مسلم پریس کی تنظیم

کشمیر میں مسلمان اخبار نویسوں کی باہمی آویزش اور کشمکش کے باعث اخبار نویسوں کی انجمن کے عہدوں پر ہندو قابض تھے۔ چوہدری عبدالواحد صاحب نے سرینگر آکر مسلم پریس منظم کیا اور مسلمانوں کا بھی اس میں اثر و نفوذ شروع ہوا۔ چوہدری صاحب مسلسل پانچ سال تک پریس کانفرنس کے صدر رہے۔ ۶۸

کشمیر ایسوسی ایشن کو خراج تحسین

جموں و کشمیر مسلم پولیٹیکل کانفرنس ۱۹۳۴ء کے موقعہ پر شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب نے صدارتی تقریر کے دوران فرمایا۔

"جب تحریک حریت کی ابتداء ہوئی۔ ہندوستان کے سربرآوردہ مسلمانوں نے شملہ میں ایک میٹنگ کرکے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بنیاد رکھی۔ اس انجمن نے مالی اور جانی رنگ میں قربانی دے کر ہماری مدد کی۔ ہماری تکالیف سے دنیا کو مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک آگاہ کیا یورپ اور امریکہ میں پروپیگنڈا کیا۔ تحریک کے حامیوں' مظلومین اور شہداء کے پسماندگان کو مدد دی اور ہر حالت میں بے لوث اور ہمدردانہ خدمات انجام دیں۔ جب تحریک کشمیر اور سنجیدہ ہو گئی تو ہندوستان کے ہزارہا مسلمان جیلوں میں گئے اور جام شہادت پیا اب آئینی رنگ میں کشمیر ایسوسی ایشن ہماری مدد کر رہی ہے۔ آل انڈیا کانفرنس نے تحریری رنگ میں مظلومین کشمیر کی امداد کی اس لئے یہ سب افراد اور جماعتیں دلی شکریہ کے مستحق ہیں"۔

(اخبار "اصلاح" کشمیر ۲۳/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲-۳)

شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب کے قابل قدر ارشادات اور اسلامیان کشمیر کا فرض

سرینگر کے اخبار اصلاح (۴/ جولائی ۱۹۳۵ء) نے مندرجہ بالا عنوان کے تحت صفحہ اول پر حسب ذیل نوٹ سپرد اشاعت کیا۔ "شیخ صاحب نے ایک پوسٹر کا جواب دیتے ہوئے ۱۹/ جون کو مسلمانوں کے ایک عظیم الشان اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے جو کچھ کہا وہ اس قابل ہے کہ مسلمان اس کو اپنے دلوں پر لکھیں اور کوئی مسلم گھر ایسا نہ رہ جائے جس میں یہ الفاظ آویزاں نہ ہوں۔ تعلیم یافتہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ شیخ صاحب کے بیان کردہ اصول پر تمام مسلمانوں کو عمل پیرا ہونے کی تلقین کریں اگر جمہور مسلمان اسی ایک اصول پر کاربند ہو

جائیں تو ان کا کوئی زبردست سے زبردست دشمن بھی ان کو نیچا نہیں دکھا سکتا شیخ صاحب نے فرمایا۔

"کوئی بھی شخص جو اپنے آپ کو مسلمان کہلائے اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھتا ہو وہ مسلمان ہے اور کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کے مسلمان ہونے سے انکار کرے ہر وہ مسلمان جو اپنی قوم کے لئے خدمات پیش کرے گا۔ مسلم کانفرنس خوشی کے ساتھ قبول کرے گی۔

اگر کسی جماعت یا گروہ کا یہ مطالبہ ہو کہ احمدیوں کو کانفرنس یا قومی کاموں سے علیحدہ کیا جائے تو میری ان سے التماس ہے کہ خود ہی کانفرنس سے علیحدہ ہو جائیں کیونکہ مسلم کانفرنس کے اہل الرائے اصحاب کا قائم شدہ اصول یہی ہے کہ ہر ایک مسلمان بلا تمیز فرقہ بندی مسلم کانفرنس میں شامل اور قومی خدمات میں حصہ لینے کا حقدار ہے۔

جب تک میرا تعلق مسلم کانفرنس کے ساتھ ہے میں اس اصول پر سختی سے کاربند رہوں گا۔ میں حنفی 'اہلحدیث' سنی 'شیعہ' احمدی فرقوں کی کوئی تمیز نہیں کروں گا"۔

(فصل ششم)

۱۹۳۸ء کی ایجی ٹیشن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی رہنمائی اور مسلم کانفرنس کا احیاء

سرینگر میں مسلمانوں کے جلوس پر لاٹھی چارج

سرینگر کے ہندو اخبار "مارتنڈ" (جون ۱۹۳۷ء) نے ایک پنڈت صاحب کی تقریر کا خلاصہ شائع کیا جس میں یہ فقرات بھی تھے کہ گائے کو ہندو اسی احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں جس طرح مسلمان حضرت محمدؐ کو۔"[69] ان الفاظ پر مسلمانان سرینگر نے ۲۷/جون ۱۹۳۷ء کو میر واعظ محمد یوسف شاہ صاحب کی رہنمائی میں ایک احتجاجی جلوس نکالا۔ یہ جلوس جب نرپرستان [70] پہنچا تو پولیس کی بھاری جمعیت نے اس پر لاٹھی چارج کر دیا جس سے پانچ سو کے قریب اشخاص زخمی اور بعض قریب المرگ ہو گئے۔ علاوہ ازیں میر واعظ محمد یوسف شاہ صاحب اور بعض دوسرے سرکردہ مسلمان گرفتار کر لئے گئے۔ اور میر واعظ صاحب ہمدانی اور مولوی غلام نبی صاحب کی زبان بندی کر دی گئی۔[71] حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو حضور نے فی الفور بذریعہ تار کچھ رقم مجروحین و مظلومین کی امداد کے لئے بھجوا دی اور حکم دیا کہ آپ کے نمائندے مجروحین و مظلومین کے پاس اسے پہنچا دیں۔ چنانچہ خواجہ غلام نبی صاحب گلکار اور مولوی عبدالواحد صاحب مدیر اعلیٰ اخبار "اصلاح" نے احمدی نمائندوں کی حیثیت سے اسی روز شام کو مجروحین اور ان کے لواحقین سے ملاقات کر کے قولی و عملی رنگ میں اظہار ہمدردی کیا۔[72] اخبار "اصلاح" نے پولیس کے مظالم کی رپورٹ اور مہاشہ محمد عمر صاحب کے مضامین شائع کئے [73] جن میں ثابت کیا گیا تھا۔ کہ ویدوں کی رو سے گائے کا گوشت کھانا جائز ہے۔ ریاست میں ابھی تک گائے کے ذبیحہ پر دس سال قید بامشقت کی سزا دی جاتی تھی۔ اس لئے ان مضامین کی اشاعت بغاوت کے مترادف قرار دے کر اخبار "اصلاح" بلیک لسٹ کر دیا گیا۔[74]

اسی زمانہ میں سرینگر کے سناتنی اخبار "وکیل" نے تمام مسلم لیڈروں، مولویوں اور مذہبی

پیشواؤں کو پانچ سو روپیہ کا انعامی چیلنج دیا کہ قرآن مجید سے گائے کا ذبیحہ ثابت کر دکھائیں۔ جماعت احمدیہ سرینگر نے یہ چیلنج منظور کر لیا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حکم پر مہاشہ محمد عمر صاحب سرینگر پہنچ گئے مگر سناتنیوں نے انعامی چیلنج واپس لے لیا اور معافی مانگ لی۔ ۷۵

کشمیر ایجی ٹیشن کے متعلق چند خیالات

چوہدری غلام عباس صاحب اپنی کتاب "کشمکش" میں لکھتے ہیں کہ۔

"۱۹۳۵ء میں حضرت قائداعظم (مسٹر محمد علی جناح۔ ناقل) سرینگر تشریف لائے تھے مسلم کانفرنس کی جانب سے ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا تھا اس وقت صدر میں ہی تھا...... سپاسنامہ کے جواب میں حضرت قائداعظم نے فرمایا تھا کہ ریاست میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت کی وجہ سے مسلمانوں کے لیڈروں کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف غیر مسلموں کی تالیف قلوب کریں بلکہ ان کو سیاسی گاڑی کا ایک پہیہ سمجھ کر ساتھ چلائیں"۔ ۷۶ قائداعظم نے واقعی یہ مشورہ دیا یا نہیں اور دیا تھا تو کس رنگ میں؟ اس امر سے قطع نظر ہمیں یہ بتانا ہے کہ اس مشورہ کا ردعمل ۱۹۳۸ء میں یہ ہوا کہ برطانوی ہند میں نئی اصلاحات کے نفاذ کے کچھ عرصہ بعد کشمیر کے مسلمان لیڈر دوسرے اقلیتی نمائندوں کے ساتھ ایک سیاسی پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے اور اپنے مطالبات منوانے کے لئے ایجی ٹیشن شروع کر دی۔

سیاسیات کشمیر کے اس نازک موڑ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے "کشمیر ایجی ٹیشن ۱۹۳۸ء کے متعلق چند خیالات" کے عنوان سے ایک پمفلٹ شائع فرمایا۔ ۷۷ جس میں خداداد بصیرت کی روشنی میں مسلمان لیڈروں پر یہ واضح فرمایا کہ فریقین کی طرف سے باہمی حقوق کے واضح تصفیہ کے بغیر اس سمجھوتہ کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ اور اس کے تلخ نتائج ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ جموں کے اخبار "دیش سیوک" نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔ "مرزا محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کی طرف سے ایک پمفلٹ بعنوان "کشمیر ایجی ٹیشن ۱۹۳۸ء کے متعلق چند خیالات" شائع کیا گیا ہے۔ جس میں آپ نے ایجی ٹیشن موجودہ کے متعلق اظہار فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ تاوقتیکہ آپس میں دونوں قوموں کا حقوق کے متعلق کوئی معاہدہ نہ ہو جائے ایجی ٹیشن کو چلانا بالکل فضول ہے۔ بلکہ ایسی ایجی ٹیشن بعد میں فساد اور بدامنی کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے کوئی آپس میں معاہدہ ہونا لازمی ہے۔ تب ایک مقصد کے لئے قربانیاں سودمند ثابت ہو سکیں گی"۔ ۷۸

جماعت احمدیہ اور نیشنل کانفرنس

افسوس زعماء کشمیر نے کشمیری مسلمانوں کے اس محسن اعظم کی آواز پر کان دھرنے کی بجائے ۱۰/ جون ۱۹۳۹ء کو اپنی واحد نمائندہ جماعت مسلم کانفرنس "نیشنل کانفرنس" میں بدل دی۔ ۷۹ اس تبدیلی کے

جواز میں ایک طرف "معاہدہ مدینہ" اور "صلح حدیبیہ" پیش کی گئی اور دوسری طرف یہ نقطہ نگاہ رکھا گیا کہ "سیاسی دنیا میں مذاہب کو اس حد تک گھسیٹر دینا کہ وہ پھندا بن جائے صحیح طریق نہیں۔" اس ضمن میں جموں کے ایک مشہور مسلمان نے اپنی تقریر میں یہاں تک کہہ دیا کہ۔ "۱۹۳۱ء سے لے کر آج تک جو کچھ ہم نے کیا وہ صرف فرقہ وارانہ پلیٹ فارم سے کیا۔ اور وہ عام حالات میں مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی حقوق کی بہبودی کے لئے کیا۔ کیونکہ ریاست کی اسی فیصدی مسلمان آبادی نہایت مظلومانہ زندگی بسر کر رہی تھی۔ آٹھ سال کا یہ عرصہ اپنی تکلیفوں کے رفع کرنے پر محدود رہا۔ خدا کا فضل ہے کہ آٹھ یا نو سال میں ہم ان تکالیف کو دور کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں..... زمانہ کے ساتھ حالات و خیالات بدلتے رہتے ہیں۔ آٹھ سال قبل جو ہم نے سیاسی قبا پہنی تھی۔ وہ صرف پرانی ہی نہیں ہو گئی بلکہ پھٹ کر تار تار بھی ہو چکی ہے اب ہم ایسا جامہ پہنیں گے جو ہمارے لئے باعث فخر ہو اور دنیا کے سامنے بھی باعث فخر ہو"۔ [۸۰]

اخبار "اصلاح" نے اس موقعہ پر "رہنمایان قوم کی سب سے بڑی سیاسی غلطی" کے عنوان سے ایک زوردار اور موثر اداریہ لکھا جو مسلسل پانچ قسطوں میں شائع ہوا۔ [۸۱] اس اداریہ میں بالتفصیل بتایا گیا کہ صلح کی خاطر آنحضرت ﷺ یا صحابہ نے کبھی اپنی ملی تنظیم کا خاتمہ نہیں کیا اور نہ صلح کے لئے انفرادی تنظیم کو تباہ کرنا ضروری تھا۔ مگر عارضی ہیجان اور وقتی جوش میں ان گزارشات کی قدر نہ کی گئی۔ اور نیشنلسٹ مسلمان لیڈروں نے اس کانفرنس کو ہندوؤں میں مقبول بنانے کے لئے آل انڈیا نیشنل کانگریس سے اپنا تعلق قائم کرنا ضروری سمجھا اور دیانتداری اور خلوص کے ساتھ حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہو کر ذمہ دار حکومت کے قیام کی جدوجہد کرنے لگے۔ اس کے برعکس ریاستی ہندوؤں نے نیشنل کانفرنس میں شامل ہونے کی بجائے اپنی تنظیم کو مضبوط کرنا اور پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ نیز حکومت کشمیر مسلمانوں کے انتشار و افتراق سے فائدہ اٹھا کر ان کے حقوق بالکل پامال کرنے پر کمربستہ ہو گئی۔ اب مخلص رہنماؤں کی آنکھیں کھلیں اور وہ بھی ملت و قوم کے وجود و بقاء کو خطرہ میں دیکھ کر نیشنل کانفرنس سے مستعفی ہونے لگے۔ چنانچہ وہ لیڈر بھی جنہوں نے مسلم کانفرنس کے خاتمہ کی تائید میں یہ فرمایا تھا کہ ۱۹۳۱ء کی تحریک فرقہ وارانہ تھی اور اس کی قباب تار تار ہو چکی ہے۔ بالآخر ۱۹۴۰ء میں نیشنل کانفرنس سے علیحدہ ہو گئے اور بیان دیا کہ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی بجائے نیشنل تحریک بہت بڑی غلطی ثابت ہوئی ہے۔ غیر مسلموں کی حمایت حاصل کئے بغیر نئی انجمن نے بتدریج عوام اور مسلمانوں کا اعتماد بھی کھو دیا ہے۔ جس کا نتیجہ بربادی کی صورت میں ظاہر ہوا پولیٹیکل ترقی رک گئی ہے۔ دفتری حکومت کی جڑیں زمین میں بہت زیادہ مستحکم ہو چکی ہیں جنہیں جنبش دینا مشکل ہو گیا ہے

بین الاقوامی تعلقات زیادہ کشیدہ ہیں اور اس میدان میں جدید خطرناک سوالات پیدا ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ ان کو بھی جائز حقوق حاصل ہونے چاہئیں پامال ہو رہا ہے۔ان کی زبان، کلچر اور ہستی اس قدر معرض خطر میں ہیں جو پہلے کبھی نہ تھے۔ نیشنل کانفرنس نے کوئی ایسا اقدام نہیں کیا۔جس سے ان کی خواہش استطاعت ظاہر ہو"۔ [۸۲]

مسلمانان کشمیر کو کشمیری پنڈتوں کے عزائم سے چوکس اور ہوشیار کرنے کی مہم

۱۹۳۹ء میں ہندو اخبار "مارتنڈ" (سرینگر) نے حکومت کشمیر کے سامنے یہ مطالبات کئے کہ جو محکمہ جات لا اینڈ آرڈر سے تعلق رکھتے ہیں ان میں انہیں اس قدر نمائندگی مل جائے کہ اکثریت کی نمائندگی برائے نام رہ جائے اس کے علاوہ جہاں ہندو ۵ فیصدی ہوں وہاں ان کو آتشیں اسلحہ رکھنے کی اجازت دی جائے [۸۳] اخبار مذکور نے بعد کو یہ بھی اعلان کیا کہ کشمیری پنڈت ایک ایسا کھلاڑی ہے کہ وہ کسی چاتر سے چاتر شخص کو مہروں کی طرح استعمال کر سکتا ہے۔ یہ مطالبات و بیانات مسلمانان کشمیر کے لئے خطرہ کا الارم تھے۔مگر ریاستی مسلمان خواب غفلت میں سو رہے تھے ایسے نازک وقت میں ادارہ "اصلاح" نے برادران وطن کے عزائم اور مسلمانوں کا فرض" کے عنوان سے اکیس اقساط [۸۴] پر مشتمل ایک مدلل مضمون شائع کیا اور مسلمانان کشمیر کو بتایا کہ ہندو لوگ ہندوستان کی طرح ریاست کشمیر پر بھی ہندو راج کا جھنڈا لہرانا چاہتے ہیں۔ یہ سلسلہ مضامین بہت پسند کیا گیا۔ چنانچہ اخبار "ہدایت" (کشمیر) نے اپنے ۷ و ۳۱/ مئی ۱۹۳۹ء کے پرچوں میں اس کی سولہویں اور سترھویں قسط نقل کرتے ہوئے حسب ذیل تبصرہ کیا۔ "یہ مضامین نہایت ہی پر از معلومات اور مفید ثابت ہوئے اور انہیں ریاست کے گوشہ گوشہ میں نہایت ہی پسند کیا گیا"۔ (۷/ مئی ۱۹۴۰ء)

"اصلاح" سرینگر نے...... اسلام اور اہل اسلام کی ایک قابل قدر خدمت انجام دی ہے جس کا اعتراف ریاست کے کونے کونے میں مسلمانوں کے فہمیدہ طبقہ نے کھلے بندوں کیا"۔ (۳۱/ مئی ۱۹۴۰ء) [۸۵]

مسلم کانفرنس کا احیاء

یکم اکتوبر ۱۹۴۰ء کو منشی محمد الدین صاحب فوق کے زیر صدارت آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے ارکان خصوصی کا اجلاس ہوا۔ جس میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے احیاء کا فیصلہ کیا گیا۔ اور ساتھ ہی مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل انتظامیہ کمیٹی تشکیل کی گئی سردار گوہر رحمان صاحب جموں (صدر) خواجہ محمد یوسف صاحب قریشی مدیر "پیغام" سرینگر (سیکرٹری) سردار فتح محمد خان صاحب پونچھ ممبر کشمیر اسمبلی، مرزا عطاء اللہ خان صاحب

راجوری ممبر اسمبلی' غلام حیدر خان صاحب غوری (جموں مدیر "نوجوان") سید مرتضیٰ حسن شاہ صاحب جلالی سرینگر۔ جناب اللہ رکھا صاحب ساغر مدیر معاون "رہبر" سرینگر۔ ۸۱

جناب سردار گوہر رحمان صاحب کا بیان ہے کہ "جب مسلم کانفرنس کا احیاء عمل میں آیا تو جموں میں میرے ہاں کئی روز تک مولوی ظفر علی خان صاحب اور چوہدری عبدالواحد صاحب مدیر اعلیٰ "اصلاح" بھی مقیم رہے۔ انہی دنوں مولوی ظفر علی خان صاحب نے ایک بار مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "خدا کی قسم عبدالواحد ہے تو مرزائی مگر بہت نیک انسان ہے"۔

اس سلسلہ میں یہ بتانا ضروری ہے کہ ادارہ "اصلاح" نے مسلم کانفرنس کے احیاء کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا اور اس کے کالم کانفرنس کی سرگرمیوں کی اشاعت کے لئے گویا وقف ہو گئے۔

مسلم ویلفیئر ایسوسی ایشن کا قیام

حضرت امام جماعت احمدیہ کی ہدایت پر مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کے لئے ۱۹۴۴ء میں "آل جموں و کشمیر مسلم ویلفیئر ایسوسی ایشن" کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا۔ جس کے صدر خواجہ غلام محمد صاحب ٹھیکہ دار' جنرل سیکرٹری خواجہ غلام نبی صاحب گلکار اور آفس سیکرٹری خواجہ غلام رسول صاحب تھے۔ یہ ادارہ مسلمانوں کو متحد کرنے اور ان کی آواز حکومت تک پہنچانے کی کوشش کرتا رہا۔ ۸۸٬۸۷

(فصل ہفتم)

"شاہی تحقیقاتی کمیشن" اور "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک

شاہی تحقیقاتی کمیشن کے سامنے خواجہ غلام نبی صاحب گلکار، چوہدری عبدالواحد صاحب اور خواجہ عبدالرحمٰن صاحب ڈار کے بیانات

جون ۱۹۴۴ء میں حکومت کشمیر کی طرف سے سر گنگا ناتھ (چیف جسٹس کشمیر) کی زیر صدارت ایک شاہی تحقیقاتی کمیشن قائم کیا گیا۔ [۸۹] تا ریاست کا آئندہ آئین و نظام اس طرز پر ڈھالا جاسکے کہ ریاست کے مختلف فرقے یکساں طور پر زندگی کے مختلف شعبوں میں ترقی کر سکیں۔

اس کمیشن میں مسلمانان کشمیر کی نمائندگی خواجہ غلام نبی صاحب گلکار (جنرل سیکرٹری مسلم ویلفیئر ایسوسی ایشن)، چوہدری عبدالواحد صاحب (مدیر اعلیٰ "اصلاح" و امیر جماعت ہائے احمدیہ کشمیر) اور خواجہ عبدالرحمان صاحب ڈار (سرپنچ پنچایت ناسنور) نے کی۔ اور خصوصاً چوہدری عبدالواحد صاحب نے اپنے مفصل و مبسوط بیان میں ریاستی عوام کا صحیح نقشہ کھینچ کر رکھ دیا۔ جس پر مسلمانوں کے علاوہ بعض ہری جنوں اور سکھوں نے بھی آپ کو مبارکباد دی۔ [۹۰] اور مورخ کشمیر منشی محمد الدین صاحب فوق ایڈیٹر اخبار "کشمیری" نے لکھا۔

"چوہدری عبدالواحد صاحب کا بیان شاہی کمیشن میں ریاست کی آزادی اقتصادی اور ہر قسم کی کیفیت پر ایک بے لاگ تبصرہ ہے ایسا مفصل، جامع اور مفید بیان کسی اور نے کب دیا ہو گا"۔ [۹۱]

مولوی ناصر الدین عبداللہ صاحب کا بیان

۲۹/ جون ۱۹۴۴ء کو شاہی تحقیقاتی کمیشن کے سامنے جماعت احمدیہ کے مبلغ مولوی ناصر الدین عبداللہ صاحب، مولوی فاضل وید بھوشن کاویہ تیرتھ کی اہم شہادت ہوئی جس میں آپ نے وید منتروں اور سمرتیوں کے شلوکوں سے ثابت کیا کہ قدیم زمانہ کے آریہ گائے کی قربانی کیا کرتے تھے۔ اور نہ صرف اسے برا نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اسے باعث ثواب یقین کرتے تھے۔ آپ نے ویدوں

سے اس امر کا بھی ثبوت پیش کیا۔ کہ دھرم تبدیل کرنے پر کسی ہندو کو جائیداد سے محروم نہیں کرنا چاہئے۔ آپ کے وید منتر اور سمرتیوں کے شلوک سنسکرت میں پڑھنے سے حاضرین خاص طور پر متاثر ہوئے۔ [۹۲]

"کشمیر چھوڑدو"

مارچ ۱۹۴۶ء میں بیعنامہ امرتسر پر پوری ایک صدی ہو چکی تھی۔ لہٰذا شیخ محمد عبداللہ صاحب نے اپنے بعض دوستوں کے ساتھ مشورہ سے یہ آواز بلند کی کہ یہ معاہدہ منسوخ کر دیا جائے اس پر وہ اپنے بعض رفقاء سمیت ۲۱/ مئی ۱۹۴۶ء کو گرفتار کر لئے گئے [۹۳] اور سرینگر پر ملٹری راج قائم کر دیا گیا۔ نیز عوام کو (امیرا کدل کے سوا) باقی پلوں پر چلتے ہوئے جبرا ہاتھ اٹھوا کر چلایا گیا اور مہاراجہ صاحب کے حق میں نعرے لگائے گئے۔ [۹۴] حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالٰی بنصرہ العزیز نے ان مظلومان کشمیر سے اظہار ہمدردی کیا۔ مگر ساتھ ہی ایجی ٹیشن کرنے والوں کو نصیحت فرمائی کہ "موجودہ شورش میں ایک بہت بڑا نقص یہ ہے کہ اس کی ابتداء خود مہاراجہ صاحب اور ان کے خاندان کے خلاف الزامات لگانے سے کی گئی ہے"۔ دوسری طرف مہاراجہ صاحب کو بھی مشورہ دیا کہ وہ اپنی رعایا کی عزت قائم کریں اور ان پر ظلم کو روکیں کیونکہ بادشاہ وہی ہے جو اپنی رعایا کو بیٹوں کی طرح سمجھے۔ [۹۵]

حضور کے اس ارشاد کے مطابق اخبار "اصلاح" نے بھی جہاں تحریک اٹھانے والوں کو تہذیب و شائستگی اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی وہاں ملٹری راج کے مظالم پر زبردست احتجاج کیا اور لکھا۔ "یہ حکومت نہیں بلکہ اندھیر گردی ہے کہ اصل مجرم نہ مل سکا تو غیر مجرم کے گلے میں ہی پھندا ڈال دیا"۔ [۹۶]

علاوہ ازیں جماعت احمدیہ کشمیر نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ہدایات کے مطابق ایک حد تک اس تحریک میں دلچسپی لی اور چودھری عبدالواحد صاحب نے شیخ محمد عبداللہ صاحب کے مقدمہ کے واقعات اپنی کتاب "کشمیر چھوڑدو" میں لکھے۔ جسے پیر علی محمد صاحب کتب فروش حبہ کدل نے شائع کر دیا تھا۔ [۹۷]

(فصل ہشتم)

آزاد کشمیر حکومت کی بنیاد، مجاہدین کشمیر کے لئے اعانت کی اپیل، حضرت امام جماعت احمدیہ کی اقوام متحدہ سے متعلق ایک نصیحت، انجمن مہاجرین جموں و کشمیر اور مسلم کانفرنس کا قیام

تحریک آزادی کشمیر کا ساتواں دور ۴/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو شروع ہوا جبکہ "اسیروں کے رستگار" سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے مبارک ہاتھوں سے آزاد کشمیر حکومت کی بنیاد رکھی گئی۔ چنانچہ سردار گل احمد خاں صاحب کوثر سابق چیف پبلسٹی آفیسر جمہوریہ حکومت کشمیر کا بیان ہے کہ

"یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جوناگڑھ میں عارضی متوازی حکومت کا اعلان کیا گیا اور نواب جوناگڑھ کو معزول کیا گیا۔ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ نے دیکھا کہ یہی وقت کشمیریوں کی آزادی کا ہے تو آپ نے کشمیری لیڈروں اور ورکروں کو بلایا۔ میٹنگ میں فیصلہ ہوا کہ مفتی اعظم ضیاء الدین صاحب ضیاء کو عارضی جمہوریہ کشمیر کا صدر بنایا جائے۔ مگر انہوں نے انکار کیا اس کے بعد ایک اور نوجوان قادری صاحب کو کہا گیا۔ اس نے بھی انکار کیا۔ آخر میں قرعہ خواجہ غلام نبی صاحب گلکار انور صاحب کے نام پڑا۔ دو اکتوبر ۱۹۴۷ء کو گجرات میں ایک اور میٹنگ ہوئی جس میں غضنفر علی خاں وغیرہ سے مشورہ ہوا۔

بمشورہ ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتی پلیڈر مسودہ تیار کیا گیا۔ اس کی نقل بذریعہ ماسٹر امیر عالم صاحب کوٹلی اور چوہدری رحیم داد صاحب حال سب جج بھمبر آزاد کشمیر جناب مرزا صاحب کی خدمت میں لاہور بھیج دیا گیا۔ سیلاب کی وجہ سے راولپنڈی اور لاہور کی ریل بند تھی۔ مرزا صاحب نے خواجہ غلام نبی صاحب گلکار انور کو اپنے ذاتی ہوائی جہاز میں لاہور سے گوجرانوالہ بھیج دیا۔

۳/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو بمقام پیرس ہوٹل متصل ریلوے پل راولپنڈی کارکنوں کی کئی میٹنگیں ہوئیں۔ آخر مسودہ پاس ہو کر خواجہ غلام نبی [۹۸] گلکار انور کے ہاتھ سے لکھ کر انور۔ بانی صدر "عارضی جمہوریہ حکومت کشمیر" کے نام سے ہری سنگھ کی معزولی کا اعلان ہوا۔ خواجہ غلام نبی گلکار انور صاحب نے یہ تار راولپنڈی صدر تار گھر سے غالباً چالیس روپیہ دے کر دے دیا۔ یہ پریس ٹیلیگرام ہندوستان اور پاکستان کے اخبارات کے علاوہ اے پی آئی کو دیا گیا۔ راولپنڈی میں اس وقت اے پی پی کا کوئی نمائندہ نہیں تھا مسٹر بشارت "پاکستان ٹائمز" کے نمائندے تھے۔ اعلان کے بعد ۵/ تاریخ کو راقم الحروف [۹۹] خواجہ غلام نبی گلکار انور اور بشارت صاحب نے باجازت باقی ممبران کیبنٹ سردار محمد ابراہیم خان صاحب پرائم منسٹر عارضی جمہوریہ حکومت کشمیر کا بیان تیار کر کے شائع کر دیا گیا جو اخبارات میں چھپ گیا۔ خواجہ غلام نبی گلکار انور صاحب بانی صدر عارضی جمہوریہ حکومت کشمیر کے بیان میں یہ واضح کر دیا گیا کہ ۴/ اکتوبر ۱۹۴۷ء ایک بجے رات کے بعد ہری سنگھ کی معزولی کے ساتھ "عارضی جمہوریہ حکومت کشمیر" کا قیام بمقام مظفر آباد عمل میں لایا گیا۔ اور انور اس حکومت کا صدر ہے۔ ۴/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو بمقام پیرس ہوٹل راولپنڈی حسب ذیل وزیر اور عہدہ دار مقرر ہوئے چونکہ معاملہ عارضی تھا اور کسی کو کیا گمان تھا کہ یہ حقیقت بن کر رہے گا۔ مگر دل سے جو آواز نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

صدر "عارضی جمہوریہ حکومت کشمیر" خواجہ غلام نبی صاحب گلکار انور۔ پرائم منسٹر سردار محمد ابراہیم خاں صاحب بمشورہ مولوی غلام حیدر صاحب جنڈالوی (سردار ابراہیم خان صاحب میٹنگ میں موجود نہ تھے) وزیر مالیات سید نذیر حسین شاہ، وزیر دفاع۔ مولوی غلام حیدر جنڈالوی، چیف پبلسٹی آفیسر گل احمد خان کوثر (راقم الحروف)

میٹنگ میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ خواجہ انور صاحب کو سرینگر فوراً روانہ کر دیا جائے۔ اور انہیں مکمل اختیار دے دیا گیا کہ وہ جنہیں مناسب سمجھیں انڈر گراؤنڈ گورنمنٹ میں وزیر یا عہدیدار بنالیں۔ چنانچہ ریڈیو سے ۴-۵/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پے در پے "عارضی جمہوریہ حکومت کشمیر" کے قیام کا اعلان بمقام مظفر آباد ہوتا رہا۔ خواجہ انور بانی صدر ۶/ اکتوبر کو راولپنڈی سے روانہ ہوئے اسی روز انہیں مسٹر عبدالرحیم درانی دومیل پل کے پاس ملے تو انہیں ڈیفنس سیکرٹری مقرر کر کے کشمیر چھوڑنے کو کہا۔ خواجہ غلام دین صاحب وانی کو بھی مظفر آباد چھوڑنے کو کہا اور ان دونوں صاحبان کو فوری لاہور مرزا صاحب کے پاس جانے کو کہا گیا۔ ۴/ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں یہ فیصلہ بھی ہوا تھا۔ کہ وزیر مالیات سید نذیر حسین شاہ صاحب، وزیر دفاع مولوی غلام حیدر صاحب جنڈالوی، گل احمد خان کوثر "راقم الحروف" اور دیگر لیڈران تحریک جناب مرزا صاحب کی خدمت میں لاہور پہنچ جائیں گے اور مشورہ کریں گے

کیونکہ اس وقت حالت یہ تھی کہ مغربی پاکستان اور کشمیر کی آزادی دونوں خطرے میں نظر آرہی تھیں۔ اور عارضی حکومت کا اعلان اخبارات میں چھپ چکا تھا۔ مگر ان مذکورہ بالا آدمیوں کے سوا کسی کو علم نہ تھا کہ یہ اعلان کس نے کیا اور کیسے ہوا؟

خواجہ غلام نبی گلکار انور صاحب بانی صدر ۸ ؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کو شیخ محمد عبداللہ صاحب کے مکان واقع سورہ سرینگر پر ملے ۲½ گھنٹے باتیں ہوئیں۔ آخر میں یہ طے پایا کہ ان کے اور قائداعظم کے درمیان ملاقات کا بندوبست کر دیا جائے۔ ۷ ؍اکتوبر ۱۹۴۷ء سے لے کر ۲۲ ؍اکتوبر ۱۹۴۷ء تک گویا ۱۵ یوم کے عرصہ میں چھان بین کر کے حسب ذیل وزراء اور عہدیدار مقرر ہوئے۔ [۱۰۰] وزیر تعلیم مسٹر علیم (ڈاکٹر نذر الاسلام صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی) وزیر صحت و صفائی مسٹر لقمان (ڈاکٹر وزیر احمد صاحب قریشی مرحوم...... سابق ملحقہ آفیسر سرینگر) وزارت زراعت مسٹر فہیم (اندرون کشمیر ہیں) وزیر عدل و انصاف مسٹر انصاف (اندرون کشمیر ہیں) وزیر صنعت و حرفت مسٹر کار خانہ (اندرون کشمیر ہیں) گورنر کشمیر مسٹر شمس النہار (اندرون کشمیر ہیں) [۱۰۱] ڈائریکٹر ریشم خانہ مسٹر ریشم الدین۔ (اندرون کشمیر ہیں) ڈائریکٹر میڈیکل سروسز ڈاکٹر بشیر محمود صاحب وانی مرحوم آف پونچھ۔ چیف انجینئر مسٹر انعام (خلیفہ عبدالمنان صاحب) انسپکٹر جنرل پولیس مسٹر حکیم صاحب' ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس مسٹر سٹیم (محمد اکبر کیانی صاحب) سیکرٹری فار ٹرانسپورٹ مسٹر رحمت اللہ صاحب آف چراغ دین اینڈ سنز۔ ڈپٹی پبلسٹی آفیسر منور (خواجہ عبدالغفار صاحب ڈار) انڈر گراؤنڈ گورنمنٹ کی تشکیل کے بعد فوجی رضا کاروں کو منظم کرنے کے لئے مسٹر جون (اندرون کشمیر ہیں) کو کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا اور ہری سنگھ کی گرفتاری کی سکیم کی تعمیل پر غور ہوتا رہا اور سکیم کا بہت سا حصہ بھی پایہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ اس میں کپتان بدر الدین صاحب' کپتان جمال الدین صاحب' مرزا میاں عبدالرشید ایم۔ ایل۔ اے' سجادہ نشین درگاہ کنیا شریف اور بہت سے دوست تھے جو اندرون کشمیر میں مقیم ہیں۔ اس شعبہ کے اجلاس کارونیشن ہوٹل متصل لال چوک امیرا کدل ہوتے رہے"۔ [۱۰۲]

سردار گل احمد خان صاحب کے مندرجہ بالا بیان کی تائید و تصدیق متعدد ذرائع سے ہوتی ہے۔

۱۔ چنانچہ مسٹر ریڈی نے انہی دنوں پاکستان سے ہندوستان میں پہنچنے کے بعد "پاکستان کا بھانڈا چوراہے پر" نامی ایک کتابچہ شائع کیا۔ جس میں لکھا کہ "آزاد کشمیر کا قیام مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ کے دماغ کا نتیجہ ہے جس کا پروگرام انہوں نے رتن باغ لاہور میں بنایا تھا۔ ۴ ؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کو حکومت آزاد کشمیر کا قیام دراصل اس پروگرام کا ابتدائی اقدام تھا"۔ [۱۰۳]

۲۔ پروفیسر محمد اسحاق صاحب قریشی ایم۔ اے سابق قائم مقام جنرل سیکرٹری مسلم کانفرنس کا بیان ہے۔ "۲۱/ ستمبر ۱۹۴۷ء میں جب مجھے تین سال کے لئے ریاست بدر کر دیا گیا تو بمقام لاہور وزیر اعظم پاکستان خان لیاقت علی خان مرحوم نے ایک سیاسی میٹنگ میں مجھے کہا کہ میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے ساتھ رابطہ قائم کروں کیونکہ کشمیر کے کام کے سلسلے میں میرے سپرد بحیثیت جنرل سیکرٹری مسلم کانفرنس ایک ڈیوٹی لگی ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے حضرت صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ اور اس سلسلہ میں ان کے ساتھ ستمبر' اکتوبر' نومبر میں تین چار ملاقاتیں پریذیڈنٹ مسلم کانفرنس چودھری حمید اللہ خان کے ساتھ کیں۔ اور اس کے علاوہ تنہا ملاقاتیں بھی کیں۔ میں ذاتی علم کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ امام جماعت احمدیہ کشمیر کی آزادی کے سلسلہ میں بہت اہم رول ادا کر رہے تھے۔ اور حکومت پاکستان کے وزیر اعظم کی بالواسطہ یا بلاواسطہ اس سلسلہ میں انہیں حمایت حاصل تھی۔ اور حضرت صاحب جو کچھ کہہ رہے تھے حکومت کے علم کے ساتھ کہہ رہے تھے۔ میں متعدد بار حضرت میاں بشیر الدین محمود احمد سے ملا ہوں۔ اور کشمیر کو آزاد کرنے کے سلسلے میں جو تڑپ میں نے ان کے دل میں دیکھی ہے۔ وہ دنیا کے بڑے بڑے محب وطنوں میں ہی پائی جاتی ہے۔ اس موضوع پر میں نے ان کے ساتھ بڑی طویل ملاقاتیں کی ہیں اور میں نے ان جیسی صاف سوچ اور ان جیسا تدبر بہت کم مدبروں میں دیکھا۔ میرا جماعت احمدیہ سے کوئی تعلق نہیں لیکن میں نے میاں بشیر الدین صاحب کا ان جذبات کے لئے ہمیشہ احترام کیا ہے۔ میں نے اب تک حضرت مرزا صاحب جیسا عالی دماغ مدبر اور آزادی کشمیر میں مخلص کسی کو نہیں دیکھا۔

ستمبر۔ اکتوبر کو میری ملاقاتوں میں اور اہم سیاسی میٹنگوں میں یہ طے پایا کہ جہاد کشمیر کے آغاز سے پہلے ایک مفصل منشور تیار کر لیا جائے۔ جس کا اعلان جنگی بگل بجنے سے پہلے کر دیا جائے۔ یہ ایک قسم کا سیاسی منشور تھا جس میں جہاد کی غایت اور کشمیر کو فتح کرنے کے بعد نظم و نسق کی تشکیل اور اہل کشمیر کا حق خود ارادیت وغیرہ شامل تھے۔

یہ مسودہ فیض احمد فیض سابق ایڈیٹر پاکستان ٹائمز اور میں نے تیار کیا تھا۔ بعد میں یہ مسودہ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب کو دکھایا انہوں نے اس پر قومی نقطہ نظر سے بعض ترامیم کیں اس کے بعد یہ مسودہ ایک بڑی سیاسی کمیٹی نے منظور کر لیا اور اس کے اعلان کے لئے تاریخ اور وقت کے تعین کا کام اس کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ مگر بعد میں حالات خراب ہو جانے کی وجہ سے اس ترتیب سے جہاد کا کام نہیں ہوا۔ جس ترتیب سے اس منشور میں تجویز کیا گیا تھا"۔ [۱۰۲]

۳۔ مورخ کشمیر پریم ناتھ بزاز تاریخ جدوجہد حریت کشمیر

"HISTORY OF THE STRUGGLE FOR FREEDOM IN KASHMIR"

میں لکھتے ہیں۔ انور غلام نبی گلکار کے سوا کوئی اور نہ تھا جو مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے ایک ممبر اور تحریک آزادی کا ایک قدیم آزمودہ کار سپاہی ہے جس نے صوبائی انقلابی حکومت آف آزاد کشمیر کی سرکردگی کی۔ (ترجمہ) [۱۰۵]

پھر لکھتے ہیں۔ قبل اس کے کہ مسٹر گلکار مہاراجہ کشمیر کو دیکھ بھی سکتے۔۔ لڑائی پھوٹ پڑی اور صوبائی حکومت کے رئیس اپنے ہیڈ کوارٹرز کو واپس نہ آسکے اس کے بعد یہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ وہ (گلکار صاحب۔ ناقل) دسمبر ۱۹۴۷ء میں گرفتار کرلئے گئے اور ڈوگرہ حکومت کی طرف سے جیل خانہ میں بھیج دیئے گئے لیکن بغیر یہ علم دیئے کہ وہ آزاد حکومت کا پہلا صدر رہے مسٹر گلکار سرینگر میں مسٹر عبداللہ سے قید ہونے سے پہلے ملے اور ان کے ساتھ گفتگو کی۔ لیکن انہوں نے اس کی شناخت کو ظاہر نہ کیا۔ (ترجمہ) [۱۰۶]

۴۔ مغربی مورخ لارڈ برڈووڈ اپنی کتاب "دو قومیں اور کشمیر" میں تحریر کرتے ہیں۔ حکومت آزاد کشمیر کی بنیاد ۴؍ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پڑی تھی اور اس کے پہلے صدر خواجہ غلام نبی گلکار تھے اور سردار محمد ابراہیم خان اس حکومت کے پرائم منسٹر تھے جو خواجہ غلام نبی گلکار مظفر آباد سے اندرون کشمیر چلے گئے تو اس کے بعد ۲۴/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو زمام حکومت سردار محمد ابراہیم کے ہاتھ میں آگئی۔ (ترجمہ) [۱۰۷]

غازی کشمیر ڈاکٹر بشیر محمود دوانی شہید

جناب کلیم اختر صاحب لکھتے ہیں۔

"کشمیر کی ڈوگرہ حکومت اور مفاد پرست عناصر نے کشمیری مسلمانوں کے متعلق یہ تاثر پیدا کر رکھا تھا کہ کشمیری قوم بزدل اور اذیت پسند ہے اور ان کی بزدلی ہی ان کی محکومی اور غلامی کی سب سے بڑی وجہ ہے مگر تحریک آزادی کشمیر کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ کشمیری مسلمان ریاست کے کسی بھی حصہ کے مکیں کیوں نہ ہوں۔ ہر دور میں طاغوتی اور سامراجی قوتوں سے نبرد آزما رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے خون سے بے مثال قربانیوں اور جذبہ ایثار سے جدوجہد آزادی کو آگے ہی بڑھایا ہے۔

ڈاکٹر بشیر محمود دوانی شہید بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں حکومت آزاد کشمیر نے "غازی کشمیر" کے اعزاز سے نوازا اور ان کی قومی و ملی خدمات جلیلہ کا اعتراف کیا ہے۔

ڈاکٹر بشیر محمود کے والد ماجد کا نام ڈاکٹر محمد رمضان تھا۔ آپ اسلام آباد (کشمیر) کے رہنے والے

ایک نہایت متقی، پرہیز گار اور با اصول انسان تھے - خدمت خلق کا جذبہ ان کی شخصیت میں کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا تھا۔ جب کشمیر میں ہیضہ کی وبا پھوٹی تو انہوں نے شب و روز کام کیا اور مریضوں کی دیکھ بھال میں اس طرح مصروف رہے کہ خود اس موذی مرض کا شکار ہو گئے - اس وقت ڈاکٹر بشیر محمود کی عمر سات برس کی تھی - تعلیم حاصل کرنے کا جنون تھا مگر مالی مجبوریاں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں - چھوٹی کلاسیں تو کسی نہ کسی طور پاس کر لیں لیکن کالج کی پڑھائی بہت مہنگی تھی - اس کا علاج انہوں نے یہ کیا کہ ایک ہوٹل میں ملازمت کر لی - رات کو ہوٹل میں کام کرتے اور صبح کالج جاتے - آخر ان کی یہ محنت رنگ لائی اور وہ ڈاکٹر بن کر برطانوی ہند کی حکومت سے منسلک ہو گئے - طبیعت چونکہ حریت پسند تھی اس لئے فرنگیوں کی ملازمت ذہنی طور پر قبول نہ کی اور جب انہیں پتہ چلا کہ پونچھ میں ملیریا کی وبا پھوٹ پڑی ہے تو ملازمت کو لات مار کر پونچھ میں آن بسے اور خدمت اہل وطن میں لگ گئے - ان کے عمل کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں کی نگاہوں میں قدر و منزلت پیدا ہو گئی اور دور دراز سے لوگ علاج معالجے کے لئے آنے لگے -

ان کی مقبولیت اور شہرت غیر مسلموں کو ایک آنکھ نہ بھائی - نتیجہ یہ کہ ڈاکٹر صاحب کے ہم پیشہ لوگوں نے ان کے خلاف سازشیں شروع کر دیں - ڈاکٹر بشیر محمود کو اپنی قوم کی محکومی اور خفتہ بختی پر ہمیشہ ہی پریشانی رہی کیونکہ وہ جہاں ایک اچھے معالج تھے وہاں سیاسی معاملات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے - ان کی خطر پسند طبیعت ہر وقت کچھ کر گزرنے کی تاک میں رہتی - چنانچہ عمر کے ساتھ ساتھ ان کا جذبہ حریت بھی بڑھتا چلا گیا - جب وہ پونچھ کے دور افتادہ علاقوں میں مریضوں کو دیکھنے کے لئے جاتے تھے تو سیاسی بیداری کا کام بھی کرتے تھے - انہیں اکثر مریضوں کو دیکھنے کے لئے رات کے وقت گھنے جنگلوں میں سے گزرنا پڑتا تھا جہاں درندے ہوتے تھے - درندوں کے علاوہ لوگ کہتے تھے کہ وہاں جن بھوت بھی رہتے ہیں - لوگ ڈاکٹر صاحب سے اکثر کہا کرتے تھے کہ یہ جنگل "بھاری ہے" یعنی وہاں شر شرار ہوتے ہیں - ڈاکٹر بشیر محمود ہنس کر جواب دیا کرتے تھے - "آپ فکر نہ کریں میں خود شر شرار ہوں" -

ڈاکٹر بشیر محمود خوبرو انسان تھے - قد چھ فٹ نو انچ، سرخ و سپید رنگت، حاضر جواب، خوش گفتار اور صاحب کردار تھے - صوم و صلوٰۃ کے پابند اور عاشق رسولؐ تھے - ماہر تیراک اور اچھے اتھلیٹ تھے - ایک بار ایک مریض کو دیکھنے جا رہے تھے کہ راستے میں دریا طغیانی پر تھا - ساتھیوں نے دریا پار کرنے سے منع کیا مگر انہوں نے دریا میں چھلانگ لگا دی اور دریا پار کر گئے اور جاں بلب مریض کے لئے مسیحا ثابت ہوئے - حافظ یعقوب ہاشمی کا بیان ہے کہ واپسی پر جب وہ پانی سے شرابور لباس میں ایک محفل مشاعرہ میں شرکت کے لئے آئے تو ان سے تاخیر کی وجہ دریافت کی گئی - انہوں نے اپنے لباس کی

طرف اشارہ کر کے غالب کا یہ شعر ذرا سی تبدیلی کے ساتھ یوں پڑھا۔

ہوئے "جی" کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

ڈاکٹر بشیر محمود کو شعرو سخن سے خاص شغف تھا اور کبھی کبھار طبع آزمائی بھی کر لیتے تھے ایک طرحی مشاعرے میں جس میں طرح مصرع تھا۔

ان کھڑکیوں سے جھانک رہی ہے فضا مجھے

پر ایک شعر یوں کہا۔

آئی نہ راس پونچھ کی آب و ہوا مجھے
ان چوٹیوں سے جھانک رہی ہے قضا مجھے

ڈاکٹر مرحوم کے کردار کی بلندی کا یہ عالم تھا کہ پونچھ میں ان کے حریف ہندو ڈاکٹروں نے ایک سازش کی اور ڈاکٹر صاحب کے ہی کمپونڈر جمشید کے ہاتھ سے انہیں زہر پلا دیا۔ مگر ان کے صحت مند جسم میں زہر مہلک اثر نہ کر سکا۔ انہیں یہ بھی پتہ چل گیا کہ انہیں زہر جمشید نے دیا ہے انہوں نے جمشید کو معاف کر دیا اور اسے نیک راہ پر چلنے کی تلقین کی۔ اس واقعہ کے چند مہینوں بعد وہ پونچھ سے سرینگر میں منتقل ہو گئے اور میر اکدال چوک میں جسے اب لال چوک کہا جاتا ہے کارونیشن ہوٹل کی بلڈنگ میں "مسلم میڈیکل ہال" کے نام سے کلینک کھولا۔ یہ تشکیل پاکستان سے پہلے کی بات ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کو اسی کلینک میں دیکھا تھا۔ ان کی رہائش گاہ ہمارے محلہ مائی سوماں میں تھی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پر سیاسی سرگرمیوں کا زور ہوتا تھا۔ پنجاب مسلم ہوٹل سیاست دانوں کی آماجگاہ تھا اور نیشنل کانفرنس کے صف اول کے رہنما اسی چوک کے ہوٹلوں اور ریستورانوں میں محفلیں جماتے تھے۔ میر اکدل چوک میں پلیڈیم سینما کے ساتھ ڈاکٹر بشیر محمود کا کلینک نظریہ پاکستان کے شیدائیوں کا ایک مرکز تھا جہاں ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنے پاکستانی خیالات سے لوگوں کو آگاہ کرتے اور نظریہ پاکستان کی تبلیغ کرتے۔ نہ صرف تبلیغ کرتے بلکہ ان کا تعلق تحریک آزادی کشمیر کے ایک زمین دوز گروپ سے بھی قائم تھا۔ اس گروپ نے مہاراجہ ہری سنگھ کو گرفتار کرنے یا دسہرہ کے موقع پر ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کا تعلق موجودہ آزاد کشمیر میں ان لوگوں سے تھا جو مسلح جدوجہد پر عمل پیرا تھے۔ چنانچہ پاکستان مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے سالار میجر خورشید انور سے ان کا باقاعدہ رابطہ قائم تھا اور اس سلسلے میں مشہور کشمیری کارکن خواجہ اسد اللہ کاشمیری بھی سرینگر میں (۱۹۴۷ء) ان سے ملا تھا۔

سیاسی اعتبار سے ڈاکٹر بشیر محمود کی وفاداریاں خواجہ غلام نبی گلکار گروپ سے تھیں۔ چنانچہ جب

۴/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو خواجہ غلام نبی گلکار نے آزاد کشمیر حکومت کے قیام کا اعلان کیا تو اس میں کابینہ کے دیگر اراکین کے ناموں کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر بشیر محمود دوانی کا نام بطور ڈائریکٹر میڈیکل سروسز کے شامل تھا۔ ڈوگرہ حکومت کو ڈاکٹر بشیر محمود کے مخفی منصوبوں کا پتہ چل گیا اور ان کے کئی ایسے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا جو مقبوضہ کشمیر میں تھے مگر ڈاکٹر صاحب سرینگر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ حکومت نے ان کا سارا سامان ضبط کر کے نیلام کر دیا۔ ادھر آزاد کشمیر میں جنگ آزادی شروع ہو چکی تھی۔ انہوں نے محاذ جنگ پر طبی امداد کا سلسلہ جاری کیا۔ ڈسپنسریاں کھولیں اور ادویات کی ترسیل کا بندوبست کیا۔ وہ اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر اگلے مورچوں پر پہنچتے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے۔ ان کے ساتھیوں کا کہنا ہے کہ بعض اوقات انہیں سواری نہ ملتی تو وہ پیدل ہی چل پڑتے۔ انہوں نے اپنی جنگی خدمات کا نہ تو کوئی معاوضہ لیا اور نہ ہی تنخواہ۔

ان کے بیوی بچے راولپنڈی میں تھے۔ مگر وہ خود پونچھ کے محاذ پر سرگرم رہے۔ ان ایام میں انہوں نے اپنی اہلیہ محترمہ کو ایک خط میں لکھا۔

"پونچھ شہر فتح ہونے والا ہے۔ ہماری آزاد فوج بڑھ چڑھ کر لڑ رہی ہے میں پونچھ سے چند میل کے فاصلے پر شہر پہ نظریں جمائے منتظر ہوں اور ہاتھ میں ٹیلیفون لئے بیٹھا ہوں۔ جوں ہی شہر فتح ہونے کی خبر آئے گی میں گھوڑا دوڑا کر وہاں پہنچوں گا اور اپنے ہاتھ سے تیرہ ہندوستانیوں کو قتل کروں گا۔ جنہوں نے میرے خاندان کے تیرہ افراد کو شہید کیا ہے۔

مگر افسوس ڈاکٹر صاحب مرحوم کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی اور جنگ بندی نے پونچھ کی مکمل فتح میں رکاوٹ ڈال دی۔ سردار محمد ابراہیم خان کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر بشیر محمود ہوائی حملوں کی صورت میں بھی اپنا کام جاری رکھتے اور شہیدان وطن کی لاشوں کو محاذ جنگ سے اٹھا کر لاتے اور سپرد خاک کرتے۔

آزاد کشمیر حکومت کی تشکیل کے موقع پر آپ کو ڈائریکٹر ہیلتھ سروسز مقرر کیا گیا تھا۔ اس ہنگامی اور جنگی دور میں انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو کماحقہ سرانجام دیا مگر جوں ہی حالات اعتدال پر آئے حکومت پاکستان نے دیگر کلیدی اسامیوں کی طرح اس عہدے کے لئے بھی پاکستان سے ڈائریکٹر مقرر کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے نئے آفیسر کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور خود نہایت خاموشی سے ڈپٹی ڈائریکٹر کا عہدہ لے لیا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے اس جذبہ اور ایثار کو جنرل ہیڈ کوارٹر اور حکومت آزاد کشمیر نے بے حد سراہا اور غازی کشمیر کے خطاب سے نوازا۔

ڈاکٹر بشیر محمود قومی ضیاع کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ہر کام کی خود نگرانی کرتے تھے اور اگر کسی وقت کوئی ماتحت حاضر نہیں تو اس کا کام بھی خود ہی سرانجام دیتے۔ یہی خوبی ان کی وفات کا موجب بنی۔

وفات سے چند روز قبل وہ گلگت کے سرکاری دورے پر جانے کی تیاریاں کر رہے تھے اپنے ساتھ ادویات بھی لے جا رہے تھے۔ چنانچہ وہ ادویات کے گودام میں جب داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ سپرٹ کا ایک بیرل ٹوٹ گیا ہے اور سپرٹ فضا میں پھیل رہی ہے۔ دراصل اندر آگ لگی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب موم سے بیرل کو بند کرنے کی کوشش میں آگ کی لپیٹ میں آگئے۔ مگر وہاں سے بھاگنے کی بجائے گودام کی آگ بجھانے میں مصروف ہو گئے اور تن تنہا آگ پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن ان کا پورا جسم جل گیا۔ پھر بھی حوصلہ نہ ہارا اور جھلسے ہوئے اپنے گھر جو شہزادہ کوٹھی کے قریب تھا پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور بالآخر سی۔ ایم۔ ایچ راولپنڈی میں دو روز تک زندگی و موت کی کش مکش میں مبتلا رہنے کے بعد اپنی جان جاں آفرین کے سپرد کر دی۔

وفات کے وقت ان کی عمر ۳۶ برس تھی۔ ساتھیوں نے ان کی المناک وفات کو شہادت کا نام دیا ڈاکٹر صاحب کی وفات کے بعد ان کے اہل و عیال پر کیا گزری؟ یہ ایک حسرت ناک داستان ہے ان کا بیٹا نصیر محمود دوانی اس وقت دو برس کا تھا۔ اب عہد جوانی میں داخل ہو چکا ہے۔ اس کو اپنے نامور باپ کی طرح اپنی تعلیم و تدریس کے لئے بہت جدوجہد کرنی پڑی۔ وہ ہنوز ذریعہ معاش کے لئے سرگرداں ہے وہی قومی درد اس نوجوان کے دل میں موجزن ہے جو باپ کے دل میں تھا۔ چند سال پیشتر جب بھارتی طیارہ "گنگا" کے اغوا کے سلسلے میں حکومت نے چند کشمیری حریت پسندوں کو گرفتار کیا تو ان میں نصیر محمود دوانی بھی تھا"۔

(رسالہ "حکایت" لاہور دسمبر ۱۹۷۳ء صفحہ ۹۰ تا ۹۲)

کشمیر اور حیدر آباد کو فوری طور پر متوازی سطح پر حل کرنے کا بروقت مشورہ

مہاراجہ صاحب کشمیر نے ابھی ہندوستان سے الحاق کا اعلان نہیں کیا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو انکشاف فرمایا کہ "کشمیر مخفی سمجھوتہ ہندوستان سے کر چکا ہے۔ اور دنیا کو یہ دکھانے کے لئے کہ کشمیر نے جو فیصلہ کیا ہے ملک کی اکثریت کی رائے کے مطابق ہے۔ اس فیصلہ کو چھپایا جا رہا ہے اور یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کا کچھ حصہ توڑ کر ملک کی اکثریت سے بھی اعلان کروا دیا جائے کہ وہ انڈین یونین میں ملنا چاہتے ہیں"۔ [۱۰۸]

نیز تحریر فرمایا۔ "حیدر آباد اور کشمیر کے سوال متوازی ہیں۔ اور ایک کا فیصلہ دوسرے کے فیصلہ کے ساتھ بندھا ہوا ہے..... عقلی طور پر ان دونوں ریاستوں کے فیصلے دو اصول میں سے ایک پر مبنی ہو سکتے ہیں یا تو اس اصل پر کہ جدھر راجہ جانا چاہے اس کو اجازت ہو..... دوسرے اس اصل پر فیصلہ ہو

سکتا ہے کہ ملک کی اکثریت جس امر کا فیصلہ کرے اس طرف ریاست جا سکتی ہے۔ اگر اس اصل کو تسلیم کر لیا جائے تو کشمیر پاکستان کے ساتھ ملنے پر مجبور ہو گا۔ اور حیدر آباد ہندوستان کے ساتھ ملنے پر مجبور ہو گا۔ اگر ایسا ہوا تو پاکستان کو یہ فائدہ حاصل ہو گا کہ بتیس لاکھ مسلمان آبادی اس کی آبادی میں اور شامل ہو جائے گی۔ لکڑی کا بڑا ذخیرہ اس کو مل جائے گا بجلی کی پیداوار کے لئے آبشاروں سے مدد حاصل ہو جائے گی اور روس کے ساتھ اس کی سرحد کے مل جانے کی وجہ سے اسے سیاسی طور پر بڑی فوقیت حاصل ہو جائے گی...... پاکستان کا فائدہ اسی میں ہے کہ کشمیر اس کے ساتھ شامل ہو حیدر آباد کی حفاظت کرنی اس کے لئے مشکل ہے...... کشمیر کا لمبا ساحل پاکستان سے ملتا ہے۔ کشمیر کی معدنی اور نباتاتی دولت ان اشیاء پر مشتمل ہے جن کی پاکستان کو اپنی زندگی کے لئے اشد ضرورت ہے اور کشمیر کا ایک ساحل پاکستان کو چین اور روس کی سرحدوں سے ملا دیتا ہے یہ فوائد اتنے عظیم الشان ہیں کہ ان کو کسی صورت میں بھی چھوڑنا درست نہیں.......

پس ملک کے ہر اخبار ہر انجمن ہر سیاسی ادارے اور ہر ذمہ دار آدمی کو پاکستان کی حکومت پر متواتر زور دینا چاہئے کہ حیدر آباد کے فیصلہ سے پہلے پہلے کشمیر کا فیصلہ کروا لیا جائے۔ ورنہ حیدر آباد کے ہندوستان یونین سے مل جانے کے بعد کوئی دلیل ہمارے پاس کشمیر کو اپنے ساتھ شامل کرنے کے لئے باقی نہیں رہے گی۔ سوائے اس کے کہ کشمیر کے لوگ خود بغاوت کر کے آزادی حاصل کریں لیکن یہ کام بہت لمبا اور مشکل ہے اور اگر کشمیر گورنمنٹ ہندوستان یونین میں شامل ہو گئی۔ تو پھر یہ کام خطرناک بھی ہو جائے گا کیونکہ ہندوستان یونین اس صورت میں اپنی فوجیں کشمیر میں بھیج دے گی اور کشمیر کو فتح کرنے کا صرف یہی ذریعہ ہو گا کہ پاکستان اور ہندوستان یونین آپس میں جنگ کریں...... جو کام تھوڑی سی دور اندیشی اور تھوڑی سی عقلمندی سے اس وقت آسانی سے ہو سکتا ہے اسے تغافل اور سستی کی وجہ سے لٹکا دینا ہرگز عقلمندی نہیں کہلا سکتا۔ [109]

مجاہدین کشمیر کی اعانت کے لئے اپیل

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی شروع سے اس کوشش میں تھے کہ اہل ملک میں مجاہدین کشمیر کی موسمی ضروریات کو پورا کرنے کی طرف خاص توجہ پیدا ہو جائے۔ چنانچہ حضور نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس کے لئے مسلسل اپیلیں کیں اور پناہ گزینی کے عالم میں ہونے کے باوجود خود بھی اس کار خیر میں حصہ لیا۔ اور جماعت کو بھی اپنے ساتھ شامل کیا۔ [110]

اس سلسلہ میں حضور نے ۱۲/ نومبر ۱۹۴۷ء کو ملک میں کشمیر فنڈ کے قیام کی بھی تحریک کی اور فرمایا۔

"ہم تمام مسلمانوں کی توجہ اس طرف پھراتے ہیں کہ اس وقت بخل سے کام نہ لیں کیونکہ کشمیر کا

مستقبل پاکستان کے مستقبل سے وابستہ ہے آج اچھا کھانے اور اچھا پہننے کا سوال نہیں۔ پاکستان کے مسلمانوں کو خود فاقے رہ کر اور ننگے رہ کر بھی پاکستان کی مضبوطی کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں پاکستان کی مضبوطی کشمیر کی آزادی کے ساتھ وابستہ ہے"۔ [۱۱۱] اس کے علاوہ ملک کے طول و عرض میں مختلف اہم شہروں میں پبلک لیکچر دیئے۔ جن میں خاص طور پر مسئلہ کشمیر کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مسلمانوں کو مجاہدین کشمیر کی فراخ دلی سے امداد کرنے کی پرزور تحریک فرمائی اس ضمن میں حضور نے لاہور میں بھی ۲/ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ایک اہم لیکچر دیا جس کا خلاصہ اخبار "نظام" (لاہور) نے ۴/ دسمبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں بایں الفاظ شائع کیا۔

"مسئلہ کشمیر پاکستان کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ کشمیر کا ہندوستان میں جانے کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کو ہر سمت سے گھیر لیا جائے۔ اور اس کی طاقت کو ہمیشہ زیر رکھا جائے انہوں نے فرمایا کہ باشندگان پاکستان کو کشمیر کے جہاد حریت میں ہر قسم کی امداد کرنی چاہئے۔ مجاہدین کشمیر میں نہایت بہادرانہ جنگ لڑ رہے ہیں اور ان کو گرم کپڑوں کی فوری اشد ضرورت ہے جو ان کو فوراً پہنچائے جائیں"۔

اخبار "سفینہ" لاہور (۴/ دسمبر ۱۹۴۷ء) نے حضور کے یہ الفاظ شائع کئے۔ "پاکستان کے باشندوں کو کشمیر کی جنگ آزادی جیتنے کے لئے پوری پوری کوشش کرنی چاہئے اس میں پاکستان کی نوزائیدہ ریاست کے استحکام اور دفاع کا راز ہے کشمیر میں مجاہدین مشکل ترین حالات کے باوجود جنگ لڑ رہے ہیں۔ انہیں گرم کپڑوں کی اشد ضرورت ہے"۔

اخبار "زمیندار" (۴/ دسمبر ۱۹۴۷ء) نے اس تقریر کا ملخص یہ شائع کیا کہ "امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے ایک میٹنگ کو خطاب کرتے ہوئے باشندگان پاکستان سے اپیل کی کہ مجاہدین کشمیر کو جو پسماندہ عوام کی خاطر جنگ آزادی لڑ رہے ہیں۔ ہر قسم کی امداد دی جائے مجاہدین کی فتح سے پاکستان کی دفاعی لائن بہت مضبوط ہو جائے گی"۔

انجمن مہاجرین جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا قیام

حضرت خلیفۃ المسیح کی سرپرستی میں ۱۹۴۸ء میں "انجمن مہاجرین جموں و کشمیر مسلم کانفرنس" کا قیام ہوا۔ اس انجمن نے جس کے جملہ اخراجات کے کفیل حضور تھے اس دور میں کشمیر کے خستہ حال اور مصیبت زدہ پناہ گزینوں کی ہر ممکن خدمت کی۔ [۱۱۲]

فصل نہم

اہل کشمیر کی طرف سے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی سلامتی کونسل میں نمائندگی

کشمیر کے الحاق کا مسئلہ پہلے پہل جنوری ۱۹۴۸ء میں سکیورٹی کونسل کے سامنے پیش ہوا تھا حکومت بھارت اس یقین کے ساتھ سلامتی کونسل میں گئی تھی کہ پاکستان کو حملہ آور قرار دے دیا جائے گا۔ اور اس کے لئے پوری ریاست پر قبضہ جمانے کی راہ ہمیشہ کے لئے ہموار ہو جائے گی۔ مگر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے وزیر خارجہ پاکستان کی حیثیت سے اہل کشمیر کے حق ارادیت اور تحریک آزادی کشمیر کی اس قابلیت اور عمدگی سے نمائندگی کی کہ دنیا پر بھارتی موقف کی غیر معقولیت ہی نہیں اس کی جارحانہ روش بھی واضح ہو گئی۔

رسالہ "طلوع اسلام" کراچی مارچ ۱۹۴۸ء نے اپنے ادارتی نوٹ میں لکھا۔ پراپیگنڈا یعنی وہ فن شریف جس کی بنیاد اس دعوے پر ہے کہ جھوٹ کو سو مرتبہ دہرایئے وہ سچ بن کر دکھائی دے گا۔ اقوام مغرب کا سب سے بڑا موثر حربہ یہی ابلیسانہ فریب کاری ہے اور ان کے شاگردان رشید مملکت ہندیہ کے ارباب سیاست کے ترکش کا سب سے زیادہ کارگر تیر ہی دروغ بافانہ عیاری دجل وفریب اور کذب وفسوں سازی کے یہی وہ رسیوں کے سانپ تھے جن کی پٹاری یہ جادوگران عہد حاضر، سرخیل غداران عبداللہ کاشمیری کے سر پر رکھ کر اقوام متحدہ کی عدالت عالیہ میں بغرض نمائش پہنچے۔ اس جزم ویقین کے ساتھ کہ حق وباطل کی ان غوغا آرائیوں اور جھوٹ کی ان ملمع سازیوں کے نیچے دب کر رہ جائے گا اور وہ سرزمین کشمیر کی ڈگری لے کر فاتح ومنصور واپس لوٹیں گے۔

لیکن حسن اتفاق سے پاکستان کو ایک ایسا قابل وکیل مل گیا جس نے حق وصداقت پر مبنی دعوے کو اس انداز سے پیش کیا کہ اس کے دلائل وبراہین عصائے موسوی بن کر رسیوں کے ان تمام سانپوں کو نگل گئے اور ایک دنیا نے دیکھ لیا کہ ان الباطل کان زھوقا باطل بنا ہی اس لئے ہوتا ہے کہ حق کے مقابلہ میں میدان چھوڑ کے بھاگ جائے۔

ہم پاکستان کو اس عدیم النظیر کامیابی پر مستحق ہزار تبریک وتہنیت سمجھتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدائے برحق اسے حق وباطل کے ہر معرکہ میں کامیابی عطا کرے اور اس کے دشمن اس طرح خاسر ونامراد واپس لوٹا کریں کہ شریفوں کی مجلس میں پھر منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔

اس کے علاوہ پاکستانی پریس نے حضرت چوہدری صاحب کو جس والہانہ انداز میں خراج تحسین پیش کیا اس کے چند نمونے درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ چنانچہ اخبار "نوائے وقت" لاہور ۲۴ اگست ۱۹۴۸ء نے لکھا۔ ہندوستان نے کشمیر کا قضیہ یو۔این۔او میں پیش کر دیا چوہدری صاحب پھر نیویارک پہنچے۔ ۱۶ / فروری ۱۹۴۸ء کو آپ نے یو۔این۔او میں دنیا بھر کے چوٹی کے دماغوں کے سامنے اپنے ملک و ملت کی وکالت کرتے ہوئے مسلسل ساڑھے پانچ گھنٹے تقریر کی۔ ظفراللہ کی تقریر ٹھوس' دلائل اور حقائق سے لبریز تھی..... کشمیر کمیشن کا تقرر ظفراللہ کا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے مسلمان کبھی نہ بھولیں گے۔

۲۔ اخبار "سفینہ" (۲ جولائی ۱۹۴۹ء) نے تبصرہ کیا کہ:۔ سر محمد ظفراللہ خان نے مسئلہ کشمیر اس خوبی اور جانفشانی سے پیش کیا کہ انہوں نے اپنے حریف آئنگر کو شکست فاش دیدی اور میدان سیاست میں آنے کا نہیں چھوڑا۔ اکیس ہفتوں کے قلمی اور عقلی معرکوں کے بعد سر ظفراللہ اپنے وطن لوٹے... جس دن وادی کشمیر کا الحاق حکومت پاکستان سے اعلان کیا جائے گا تو سر ظفراللہ خان کی عزت اور شہرت اور بھی بڑھ جائے گی ان کی شخصیت حکومت پاکستان کی تاریخ میں درخشندہ ستارہ رہے گی۔

۳۔ اخبار "احسان" لاہور (۲۱/ فروری ۱۹۵۰ء) نے لکھا:۔ یہ امر ہر لحاظ سے باعث مسرت ہے کہ کشمیر کے مسئلہ پر ہندوستانی مقدمہ کے تاروپود بکھیر کر پاکستانی وزیر خارجہ نے ساری دنیا پر واضح کر دیا ہے کہ ہندوستان کا کشمیر سے کوئی تعلق نہیں اس کے برخلاف پاکستان کا کشمیر سے جغرافیائی اقتصادی مذہبی اور تمدنی اعتبار سے ہمیشہ کا قریب ترین تعلق ہے ویسے چھ گھنٹہ تقریر کرنا بھی دنیا کی سب سے بڑی انجمن میں کوئی آسان کام نہیں اس سے مقرر کی غیر معمولی قوت' تقریر اور محنت ہی کا اندازہ نہیں ہوتا۔ بلکہ خود مسئلہ زیر بحث کی صداقت بھی آشکارا ہوتی ہے کیونکہ معاملات کے واقف کار لوگ بخوبی جانتے ہیں جب تک موضوع میں جان نہ ہو محض لفظی جمع خرچ سے کام نہیں چلتا۔ چوہدری ظفراللہ خاں نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ٹھوس حقائق اور واقعات پیش کئے۔

۴۔ اخبار "تنظیم" پشاور (۳۰ جولائی ۱۹۵۰ء) نے لکھا۔ حضرت مرزا بشیر محمود نے اپنی جماعت کو مسلمانوں کے سواد اعظم سے وابستگی کے لئے خطبات و بیانات ارشاد فرمائے کشمیر کے سلسلہ میں آپ کی جدوجہد عیاں ہے آپ کے والد کے ایک بہت بڑے چہیتے مرید خاں سر محمد ظفراللہ خاں قادیانی نے جس قابلیت سے مجلس اقوام میں پاکستان... اور کشمیر کے مسائل پیش کئے ہیں وہ آتی دنیا کے لئے مشعل راہ اور تاریخ میں سنہری حروف سے نقش کرنے کے قابل ہیں۔

بھارتی پریس پر چوہدری صاحب کی تقریروں کا کیا ردعمل ہوا۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل

اقتباسات سے بآسانی لگ سکتا ہے:۔

۱۔ ہندوستان کے مشہور اخبار ”پرتاپ“ نے اپنی ۲۳ اگست ۱۹۵۰ء کی اشاعت میں واضح لفظوں میں اقرار کیا:۔ یو۔این۔او سے پاکستان کے خلاف فریاد کرنا ہمالیہ جیسی بڑی غلطی تھی ہم وہاں گئے تھے مستغیث بن کر اور لوٹے وہاں سے ملزم بن کر۔ دوسری غلطی اس وقت ہوئی جب ہم نے یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو اس کے کہنے پر جنگ بند کر دی۔ جنگ بند نہ کی ہوتی تو کشمیر کے سوال کا خود بخود حل ہو گیا ہوتا نہرو وزارت کا یہ عمل صحیح تھا کہ انہوں نے مہاراجہ کی درخواست پر اپنی فوجیں کشمیر کی رکھشا کے لئے بھیجیں اس کی یہ ذمہ داری لینا غلط تھا کہ جب ہم حملہ آوروں سے کشمیر کو پاک کر دیں گے تو ہم اس کے پرجا سے پوچھیں گے کہ تم ہمارے ساتھ رہنا چاہتے ہو یا پاکستان کے ساتھ؟ اس کا یہ عمل بھی غلط تھا کہ وہ یو۔این۔او کے پاس مستغیث بن کر گئی۔ آج تک ہم یو۔این۔او میں جانے کی سزا بھگت رہے ہیں۔

۲۔ سردار گوربخش سنگھ صاحب بی۔ایس سی نے اپنے رسالہ ”پریت لڑی“ (جون ۱۹۴۹ء) میں لکھا ”مونٹ بیٹن نے پنڈت نہرو کو تلقین کر کے کشمیر کا معاملہ متحدہ قوموں کی انجمن میں امریکہ بھجوا دیا۔ وہاں ہمیں لینے کے دینے پڑ گئے اور ہم اس دلدل سے نکل نہیں سکے“۔ [۱۱۳]

۳۔ ماسٹر تارا سنگھ صاحب نے اپنے رسالہ سنت سپاہی (ستمبر ۱۹۵۱ء) میں لکھا:۔ کشمیر کے معاملہ میں ان (ہندو لیڈروں) کی سیاست تباہی والی ہے اور انہوں نے یہ سوال متحدہ قوموں کی انجمن میں پیش کر کے ہمالیہ جتنی بڑی غلطی کی ہے“۔ [۱۱۴]

یو۔این۔او۔ پر اعتماد نہ کرنے کی نصیحت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالے نے ان دنوں جبکہ یو۔این۔او میں مسئلہ کشمیر پر بحث ابھی ابتدائی مرحلہ پر تھی۔ اس رائے کا اظہار فرمایا کہ سیکیورٹی کونسل اپنے دوسرے فیصلوں کی طرح کشمیر کا فیصلہ بھی حقائق اور واقعات کی روشنی میں تقاضائے انصاف کے مطابق نہیں کرے گی۔ بلکہ اس کا فیصلہ بین الاقوامی سیاست کے پیش نظر ہو گا۔ [۱۱۵] چنانچہ عملاً یہی ہوا کہ بڑی طاقتوں نے آزادانہ استصواب کی قرارداد منظور کر لینے کے باوجود یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو جنگ بند کرا کے مسئلہ کشمیر کو لمبے عرصہ کے لئے کھٹائی میں ڈال دیا تاہم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی کوشش سے پاس ہونیوالی (۱۳ اگست ۱۹۴۹ء کی) قرارداد آجتک قائم ہے۔ اور تحریک آزادی کشمیر کی آئینی و قانونی جدوجہد کا کام دے رہی ہے۔

فصل دہم

فرقان بٹالین کے کارہائے نمایاں

(از جون ۱۹۴۸ء تا جون ۱۹۵۰ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ستمبر ۱۹۴۷ء میں جماعت احمدیہ پاکستان کے نمائندوں کی ایک مجلس شوریٰ ہجرت قادیان کے بعد رتن باغ لاہور میں بلائی اور اس میں اعلان فرمایا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاد بالسیف کے التوا کا جو اعلان (ارشاد نبوی "یضع الحرب" کی تعمیل میں) فرمایا تھا اب اس کا زمانہ ختم ہو رہا ہے۔ اور جماعت کے افراد کو چاہئے کہ وہ جہاد بالسیف کے لئے تیاری کریں تا جب وقت جہاد آجائے تو سب اس میں شمولیت کے قابل ہوں۔ [۱۱۲]

احمدی کمپنی معرا جکے کے محاذ پر

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے جس زمانہ کی خبر دی تھی وہ جلد ہی آگیا جبکہ حکومت پاکستان کے بعض فوجی افسروں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے محاذ جموں کے لئے ایک پلاٹون بھجوانے کی خواہش کی جس پر حضور نے صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی کمان میں چالیس پچاس احمدی جوان بھجوائے جو ڈپٹی کمشنر صاحب سیالکوٹ کے ایماء پر جموں سرحد پر واقع گاؤں معرا جکے میں متعین کئے گئے۔ جہاں بھارتی فوج کی بمباری اور گولہ باری اکثر اوقات جاری رہتی تھی اور پے در پے ہوائی حملے ہوتے رہتے تھے کمپنی کے بہادر سپاہی دن کو اپنے دفاعی مورچوں میں ڈٹے رہتے اور رات کو پٹرولنگ کے ذریعہ سے دشمن کی سرگرمیوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ اس محاذ پر دو احمدی نوجوانوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ (۱) برکت علی صاحب آف داتہ زید کا ضلع سیالکوٹ (۲) اللہ رکھا صاحب جسو کے ضلع گجرات۔

فرقان بٹالین کا قیام

یہ کمپنی ابھی معرا جکے ہی میں نبرد آزما تھی کہ حکومت پاکستان کی طرف سے ایک رضاکار بٹالین کے قیام کا منشاء ظاہر ہوا۔ جس پر سیدنا المصلح الموعود نے جماعت احمدیہ میں شوق جہاد اور ذوق شہادت کی ایسی زبردست روح پھونک دی کہ احمدی جوان ملک کے چاروں طرف سے لبیک کہتے ہوئے رتن باغ لاہور میں پہنچنے شروع ہو گئے۔ اور جون ۱۹۴۸ء میں فرقان بٹالین معرض وجود میں آگئی اور معرا جکے میں متعین سپاہی اس بٹالین میں منتقل کر کے سرائے عالمگیر کے قریب سوہن گاؤں سے متصل بھجوا دیئے گئے جہاں نہر کے کنارے بٹالین کا

فوجی کیمپ قائم کیا گیا۔ حضور نے اس بٹالین میں رضاکار بھجوانے اور دوسرے ضروری انتظامات کرنے کا کام ایک کمیٹی کے سپرد فرمایا جو مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل تھی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (صدر) آپ فرقان بٹالین کے اشارات میں "فاتح الدین" سے موسوم ہوتے تھے۔ مولوی عبدالرحیم صاحب درد۔ (سیکرٹری) سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب (ناظر امور عامہ) مولوی عبدالمغنی خاں صاحب (ناظر دعوۃ و تبلیغ) اس کمیٹی کا دفتر ''قیام امن'' کے نام سے موسوم تھا۔

فرقان بٹالین کے دو سالہ مجاہدانہ کارنامے

فرقان بٹالین جون ۱۹۴۸ء سے جون ۱۹۵۰ء تک قائم رہی۔ جس کی قیادت کے فرائض شروع میں (کرنل) سردار محمد حیات صاحب قیصرانی نے بعد ازاں کرنل صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے انجام دیئے صاحبزادہ صاحب فرقان کی فوجی اصطلاح میں "کلید" کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ فرقان کیمپ اور محاذ جنگ دونوں کا انتظام براہ راست کلید کے ماتحت تھا فرقان کیمپ کا افسر "زبیر" اور محاذ جنگ کا امیر "عالم کباب" کہلاتا تھا۔

فرقان بٹالین کی تعداد' اسلحہ اور دیگر سامان کی مقدار پر منحصر تھی جسے جنرل ہیڈ کوارٹر نے منظور کرنا تھا۔ اور وہاں سے صرف ایک بٹالین کی منظوری تھی گو اس امر کا ساتھ ہی فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر اس فوج کا تین بٹالین تک اضافہ کیا جا سکے گا۔

فورس کی ٹریننگ اور اسلحہ بندی کے لئے صرف ایک ماہ کا عرصہ کافی سمجھا گیا۔ ٹریننگ پروگرام تیار کئے گئے اور رضاکاروں کو جلدی جلدی مثلاً ہتھیاروں کا استعمال۔ میدان جنگ کی سوجھ بوجھ (FIELD CRAFT) پٹرولنگ وغیرہ کی ٹریننگ دے دی گئی۔ بریگیڈیئر کے۔ ایم شیخ عموماً اس فورس کا معائنہ کرتے اور ہر بار اس کی ٹریننگ کی رفتار اور نوجوانوں کے شوق سے نہایت مطمئن ہو کر لوٹتے تھے۔ ۱۰ جولائی ۱۹۴۸ء کو بٹالین محاذ جنگ باغسر (بربط) کی طرف روانہ ہوئی زبردست بارشوں کی وجہ سے راستے معدوم ہو کر بہہ گئے تھے ان حالات میں آگے بڑھنا بلاوجہ خطرات مول لینے کے مترادف تھا اس لئے بٹالین نے رات کو سیکٹر ہیڈ کوارٹر پر قیام کیا۔ جو یہاں ہیڈ کوارٹر کے نام سے موسوم تھا آدھی رات کے بعد فضا توپ کے گولوں سے گونج اٹھی۔ اگلے روز اس امر کا انکشاف ہوا کہ ہندوستانیوں کو بٹالین کے آگے بڑھنے کی کسی طرح اطلاع مل گئی تھی۔ اور یہ گولہ باری انہیں کے آگے بڑھنے والے راستوں پر کی گئی تھی اس واقعہ سے ہر کمانڈر کو یقین ہو گیا کہ خبروں کے نکل جانے کے سلسلہ میں کڑے انتظامات کرنے چاہئیں تا ہندوستانیوں کو ہماری خبریں نہ مل سکیں۔ اگلی رات فرقان بٹالین نے اپنے مورچے سنبھال لئے اور بٹالین پانچ کمپنیوں میں تقسیم کر دی گئی۔ (۱) نصرت کمپنی (۲) برکت کمپنی

(۳) تنویر کمپنی (۴) شوکت کمپنی (۵) عظمت کمپنی.... صورت حال یہ تھی کہ ہندوستانی غیر مملوکہ علاقہ (NO MAN LAND) پر پورا تسلط جما چکے تھے اور ان کے شبانہ پٹرول فرقان بٹالین کے اگلے مورچوں تک بلا روک ٹوک پہنچتے تھے اور ان کے جاسوس ان مورچوں کے عقبی دیہات میں کثرت سے پھیلے ہوئے تھے اور مقامی باشندوں سے اہم خبریں ہندوستانیوں کو پہنچایا کرتے تھے فرقان فورس کے اپنی پوزیشن لے لینے پر ہندوستانی سپاہیوں نے مسلسل ہوائی اور بری حملے کئے تا نئی بٹالین کو پسپا کر دیا جائے فرقان بٹالین کے جوان اگرچہ آزمودہ کار نہ تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے ہندوستانی چوکیوں پر پے در پے حملے کئے اور ان کے جاسوسوں کا صفایا کر کے بھارتی سپاہیوں کو اپنے مورچوں میں محصور ہو جانے پر مجبور کر دیا۔

سیکٹر ہیڈ کوارٹر نے یہ خوشگوار تبدیلی دیکھتے ہوئے ہندوستانیوں کو ان کے محفوظ مقامات سے پیچھے دھکیلنے کے لئے ایک حملے کی تیاری شروع کر دی جس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستانیوں میں ہراس پیدا کر کے ان کے حوصلوں کو توڑ دیا جائے تاکہ ان کے لڑنے کا عزم ٹوٹ جائے اور جب وسیع حملہ شروع ہو اس وقت ہمارا کام زیادہ سہل ہو۔

فورس کے جوان نہ صرف وادی سعد آباد میں اپنی جنگی کارروائیاں آزادانہ کرتے تھے بلکہ وہ ہندوستانیوں کی حفاظتی چوکیوں کے عقب تک بھی چلے جایا کرتے تھے انہوں نے بھارتی سپاہیوں سے متعلق ضروری معلومات حاصل کر لیں۔ اب پوری فوج حملہ کے لئے بالکل تیار تھی۔ مگر افسوس یو این او کی مداخلت کے نتیجے میں جنگ بند کر دی گئی لہٰذا فرقان فورس نے بدلے ہوئے حالات میں اپنی ذمہ داریوں کا نئے سرے سے جائزہ لیا اور ہندوستانی خطہ دفاع کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر اپنی مضبوط چوکیوں کا سلسلہ قائم کرنا شروع کر دیا بھارتی سپاہیوں پر اس کا شدید ردعمل ہوا انہوں نے فورس کی چوکیوں پر توپوں اور ہوائی جہازوں سے زبردست بمباری شروع کر دی مگر ہندوستانی اپنی تعداد اور طاقت کی برتری کے باوجود اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس نہ لے سکے اور مجاہدوں نے وادی سعد آباد کو ہندوستانیوں پر بند کر دیا۔ اور اس ۵ میل لمبی ۲ میل چوڑی [۱۱۷] وادی پر قبضہ کر کے پاکستانی علاقہ میں شامل کر لیا۔ یہ وادی اس علاقہ کی زرخیز ترین وادی ہے جس میں اب سینکڑوں مہاجر خاندان بس رہے ہیں۔

فرقان بٹالین کے لئے نقل و حمل کے وسائل درد سر بنے ہوئے تھے مسلسل ہوائی حملوں کی وجہ سے تمام رسد رات کے وقت پہنچائی جاتی تھی اندھیری راتیں، بارش، کیچڑ، تنگ پگڈنڈیاں فوج کے لئے مشکلات کا باعث بن رہی تھیں اور اس وجہ سے اکثر اوقات جوانوں کو بروقت راشن نہ پہنچنے کی وجہ

سے قلیل مقدار پر ہی گذارہ کرنا پڑتا تھا۔ مگر اس ماحول میں بھی جوانوں کا حوصلہ ہمیشہ بلند رہا۔

میدان جنگ میں حضرت سیدنا المصلح الموعود (اور فوجی اشارات میں امین الملک) بھی تشریف لے گئے حضور کی تشریف آوری سے احمدی جوانوں میں نیا جوش نئی امنگ اور نیا ولولہ پیدا ہو گیا۔ اور ان کے حوصلے غیر معمولی طور پر بڑھ گئے۔ فرقان بٹالین کی مزید تفصیلات تو دور پاکستان کی تاریخ میں آئیں گی۔ یہاں صرف ایک چھوٹا سا واقعہ بتایا جاتا ہے۔ جس سے جوانوں کی اس روح کا پتہ چلتا ہے جس کے ساتھ انہوں نے جنگ کشمیر لڑی۔ جنگی پوزیشن لینے کے دو دن کے بعد ہمارے سپاہیوں کو ہراساں کرنے کے لئے ایک شب طاقتور پٹرول بھیجی گئی جس کے نتیجہ میں دونوں طرف سے گولیاں چلنی شروع ہو گئیں ہندوستانیوں نے فرقان فورس کے مورچوں پر شدید گولہ باری شروع کر دی اور فرقان کے سپاہی سمجھے کہ شاید حملہ شروع ہو گیا ہے ایک مختصر سی جھڑپ کے بعد ہندوستانی پسپا ہو گئے اور گولیاں چلنی بند ہو گئیں۔ اس کے بعد حسب معمول جب پڑتال کی گئی تو معلوم ہوا کہ ہسپتال سے ایک بیمار سپاہی غائب ہے یہ بھی پتہ چلا کہ جب گولیاں چل رہی تھیں تو وہ چپکے سے اپنے بستر سے اٹھ کر اندھیرے میں پہاڑی پر چڑھ گیا اور اپنے دستہ میں شامل ہو گیا۔ جہاں اس نے مشین گن کے سپاہی کے ساتھ ڈیوٹی ادا کی۔

اس مشقت کی وجہ سے اس کی طبیعت اور بھی خراب ہو گئی اگلے روز اسے جب کمان افسر کے سامنے جواب دہی کے لئے پیش کیا گیا تو اس نے اقبال جرم کر لیا' لیکن ساتھ ہی یہ بیان بھی دیا کہ جب اس کے سیکشن پر حملہ ہوا تو وہ یہ برداشت نہ کر سکا کہ اس کے ساتھیوں پر حملہ ہو چکا ہو اور وہ بستر میں پڑا رہے اسے گو اس "حرکت" پر تنبیہہ تو کی گئی لیکن جس جذبہ کے ساتھ اس نے یہ کارنامہ انجام دیا تھا وہ ایک قابل تحسین اثر اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔

فرقان بٹالین کے مجاہدوں پر ایک نظر

فرقان بٹالین کے مجاہد عام طور پر چار اقسام پر مشتمل تھے۔ اول پاکستانی فوج کے اعلیٰ افسر جس میں کرنل سردار محمد حیات صاحب قیصرانی سب سے ممتاز ہیں۔ محاذ جنگ میں بٹالین کے سب سے پہلے کمانڈر آپ ہی تھے۔ اور اس کے تنظیمی اور دفاعی کارناموں میں آپ کی مجاہدانہ کوششوں کا بھاری دخل ہے آپ کے علاوہ میجر وقیع الزمان صاحب (سیکنڈ ان کمانڈ) میجر حمید احمد صاحب کلیم۔ میجر عبدالحمید صاحب' میجر عبداللہ مہار صاحب اور کیپٹن نعمت اللہ صاحب شریف نے مختلف کمپنیوں کی خوش اسلوبی سے کمان کی۔ اور میجر وقیع الزمان صاحب فرقان کیمپ کے نوجوانوں کو ٹریننگ بھی دیتے رہے۔

دوم۔ مستقل عملہ جس میں معوا جکے میں کام کرنے والے مجاہد بھی شامل تھے۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس طبقہ کے مجاہدین ہی کی نسبت ارشاد فرمایا تھا۔ جو لوگ فوجی خدمت دے رہے ہیں۔ ان میں سے سوا سو کے قریب تو ایسے ہیں جن کو ہم کچھ گذارہ دیتے ہیں لیکن بہت کم درحقیقت یہ لوگ بڑے نیک ہیں بڑی قربانیاں کرنے والے ہیں۔ بڑے اخلاص کے ساتھ کام کرنے والے ہیں اور سالہا سال سے اس فرض کو ادا کر رہے ہیں اور پھر اپنے عہدوں کے لحاظ سے بعض پانچواں بعض چھٹا اور بعض ساتواں حصہ گزارہ لے رہے ہیں میں نے خود گورنمنٹ کی ایک رپورٹ دیکھی ہے جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ احمدی لوگ جو یہاں کام کر رہے ہیں وہ صرف نام کا گزارہ لے رہے ہیں اسی طرح مثلاً سپاہی ہیں ان میں سے بعض کو بیس بیس روپے مل رہے ہیں آفیسر جو کمانڈ کرتا ہے اسے سو روپے ملتے ہیں حالانکہ اگر وہ فوج میں ہوتا تو اسے ہزار روپیہ ملتا غرض انتہائی قربانی کے ساتھ یہ لوگ کام کر رہے ہیں اور پھر فوجی ٹریننگ میں بھی یہ لوگ کسی سے پیچھے نہیں چنانچہ فوجی افسروں کی رپورٹ ہے کہ ان لوگوں کو عام سپاہیوں سے کسی طرح کم نہیں قرار دیا جاسکتا یہ چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے لئے فخر کا بھی موجب ہیں"۔ ۱۱۸

سوم۔ بٹالین کا تیسرا طبقہ ان افسروں کا تھا جو رضاکار کی حیثیت سے جنگ کشمیر میں حصہ لے رہے تھے۔

چہارم۔ چوتھے نمبر پر (مگر تعداد کے لحاظ سے سب سے اول نمبر پر) ایثار پیشہ رضاکار تھے۔ جن کی مجموعی تعداد آخر میں قریباً تین ہزار تک پہنچ گئی تھی ان رضاکاروں میں خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے افراد مبلغین احمدیت' جامعہ احمدیہ' مدرسہ احمدیہ' تعلیم الاسلام ہائی سکول تعلیم الاسلام کالج کے اساتذہ و طلبہ' ڈاکٹر' زمیندار' دکاندار' کلرک' غرضیکہ ہر حلقہ کے احمدی شامل تھے۔

فرقان بٹالین کے شہداء

فرقان بٹالین کی تاریخ میں ان جانباز سپاہیوں اور قابل فخر رضاکاروں کا نام ہمیشہ یادگار رہے گا جنہوں نے اپنے مقدس فرض کی ادائیگی میں جام شہادت نوش کیا اور اپنے خون سے تحریک آزادی کشمیر کی آبیاری کی ان خوش قسمت شہداء کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ چوہدری نصیر احمد مرحوم ولد چوہدری عنایت اللہ مرحوم (چک ۳۵/s.b ضلع سرگودھا) طالب علم ایف ایس سی زراعتی کالج لائلپور (تاریخ شہادت ۱۲/ اگست ۱۹۴۸ء عمر ۱۸ سال بمقام بھمبر)

۲۔ چوہدری محمد اسلم مرحوم ولد چوہدری جہان خان صاحب مانگٹ اونچے تحصیل حافظ آباد (تاریخ

شہادت ۲۰/ اکتوبر ۱۹۴۸ء مقام شہادت باغسر)

۳- چوہدری منظور احمد مرحوم ولد چوہدری دین محمد صاحب چک ۹۳ ڈاکخانہ ہڑالہ آباد تحصیل فورٹ عباس (تاریخ شہادت ۷/ دسمبر ۱۹۴۸ء مقام شہادت باغسر)

۴- عبدالرزاق مرحوم ولد چوہدری محمد علی چک ۶۸ ٹھیکریوالہ ضلع لائلپور (تاریخ شہادت ۲۱/ دسمبر ۱۹۴۸ء) [۱۱۹]

۵- سخی جنگ مرحوم عرف منگا ولد امام بخش مرحوم موضع بھڑتانوالہ ضلع سیالکوٹ (تاریخ شہادت ۱۶۔۱۷/ جنوری ۱۹۴۹ء عمر ۳۸ سال مقام شہادت بھمبر)

۶- غلام یٰسین مرحوم ولد چوہدری غلام نبی صاحب ادرحمہ ضلع سرگودھا (تاریخ شہادت یکم فروری ۱۹۴۹ء مقام شہادت بھمبر)

۷- محمد خاں مرحوم ولد ابراہیم صاحب بھینی ضلع شیخوپورہ (تاریخ شہادت ۱۸/ مارچ ۱۹۴۹ء)

ان کے صاحبزادے مکرم مولوی مبارک احمد نجیب صاحب مخلص مربی سلسلہ ہیں۔ آجکل نظارت اشاعت میں اچھا علمی کام کر رہے ہیں۔ (الفضل انٹرنیشنل لنڈن مطبوعہ ۹ جولائی تا ۱۵ جولائی ۱۹۹۹ء)

۸- بشیر احمد ریاض مرحوم ولد دیوان صاحب مانسر کیمپ (تاریخ شہادت ۹/ اکتوبر ۱۹۴۹ء مقام شہادت باغسر)

۹- عبدالرحمٰن مرحوم ولد ولی محمد صاحب واہ کیمپ (تاریخ شہادت ۱۵/ جون ۱۹۵۰ء مقام شہادت فرقان کیمپ متصل سرائے عالمگیر)۔

؎ بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

فرقان بٹالین کی تقریب سبکدوشی

حکومت پاکستان نے فوری تصفیے اور اقوام متحدہ کے نمائندوں کے کام میں مکمل تعاون کے پیش نظر بالآخر فیصلہ کیا کہ تمام رضاکار سپاہیوں کو آزاد کشمیر کے محاذ سے واپس بلالیا جائے چنانچہ اس تعلق میں ۱۵/ جون ۱۹۵۰ء کو فرقان بٹالین کی سبکدوشی کے احکام جاری کئے گئے اور ۱۷/ جون ۱۹۵۰ء کو فرقان کیمپ (متصل سرائے عالمگیر) میں ایک خصوصی تقریب کے ذریعہ اس کی سبکدوشی عمل میں آئی [۱۲۰] پاکستانی فوج کے کمانڈر انچیف (جنرل ڈگلس گریسی) چونکہ باہر دورہ پر تھے اس لئے انہوں نے ایک خاص پیغام بھجوایا جسے پاکستانی فوج کے بریگیڈیر شیخ نے پریڈ کے معائنہ اور مارچ پاسٹ کے وقت سلامی لینے کے بعد پڑھ کر سنایا۔ اس موقعہ پر حکومت پاکستان اور آزاد کشمیر کے بعض اعلیٰ اور فوجی افسر بھی تشریف فرما تھے اس پیغام کی ڈرافٹنگ بریگیڈیئر کے ایم شیخ ہی نے کی تھی۔ [۱۲۱]

MESSAGE

FROM

GENERAL SIR DOUGLAS GRACEY

K.C.I.E., C.B.. C.B.E., M.C., COMMANDER-IN-CHIEF

TO

FURQAN BATTALION

Your offer to provide a volunteer force in the fight for liberation of Kashmir in June 1948 was gratefully accepted, and the Furqan Bn, came into being.

After a short period of training during the summer of 1948, you were soon ready to take your place in the field. In September 1948 you were placed under Commander MALF.

Your Bn was composed entirely of volunteers who came from all walks of life, young peasants, students, teachers, men in business; they were all embued with the spirit of service for Pakistan; you accepted no remuneration, and no publicity for the self sacrifice for which you all volunteered. Yours was a noble cause.

You impressed us all with your keenness to learn, and the enthusiasm you brought with you. You and your officers soon got over the many difficulties that face a yong unit.

In Kashmir you were allotted an important sector, and very soon you justified the reliance placed on you and your nobly acquitted yourself in battle against heavy enemy ground and air attacks, without losing a single inch of ground.

Your conduct bothe individual and collective and your discipline have been of a very high order.

As your mission is over and your Bn is under orders to disband, I wish to thank every one of you for the service you have rendered to your country. Khuda Hafiz!

Sd.
General
Commander in Chief.
Pakistan Army.

17th June, 1950

کمانڈر انچیف پاکستان کا پیغام

کمانڈر انچیف پاکستان کے انگریزی پیغام کا ترجمہ یہ ہے:۔

آپ کی بٹالین خاص رضا کار بٹالین تھی جس میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل تھے ان میں کسان بھی تھے اور مزدور پیشہ بھی' کاروباری لوگ بھی تھے اور نوجوان طلباء و اساتذہ بھی۔ وہ سب کے سب خدمت پاکستان کے جذبہ میں سرشار تھے آپ نے اس قربانی کے بدلے میں جس کے لئے آپ میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو بخوشی پیش کیا کسی قسم کے معاوضہ اور شہرت و نمود کی توقع نہ کی۔

آپ جس جوش اور ولولے کے ساتھ آئے اور اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری کے لئے تربیت حاصل کرنے میں جس ہمہ گیر اشتیاق کا اظہار کیا اس سے ہم سب بہت متاثر ہوئے ان تمام مشکل مراحل پر جو نئی پلٹن کو پیش آتے ہیں آپ کے افسروں نے بہت عبور حاصل کر لیا۔

کشمیر میں محاذ کا ایک اہم حصہ آپ کے سپرد کیا گیا اور آپ نے ان تمام توقعات کو پورا کر دکھایا جو اس ضمن میں آپ سے کی گئی تھیں۔ دشمن نے ہوا پر سے اور زمین پر سے آپ پر شدید حملے کئے لیکن آپ نے ثابت قدمی اور اولوالعزمی سے اس کا مقابلہ کیا اور ایک انچ زمین بھی اپنے قبضہ سے نہ جانے دی آپ کے انفرادی اور مجموعی اخلاق کا معیار بہت بلند تھا اور تنظیم کا جذبہ بھی انتہائی قابل تعریف!!

اب جبکہ آپ کا مشن مکمل ہو چکا ہے آپ کی بٹالین تخفیف میں لائی جارہی ہے میں اس قابل قدر خدمت کی بناء پر جو آپ نے اپنے وطن کی انجام دی ہے آپ میں سے ہر ایک کا شکریہ ادا کرتا ہوں خدا حافظ [۱۲۲]

مجاہدین کا پُرجوش استقبال

فرقان بٹالین کے جوان سبکدوشی کے بعد سرائے عالمگیر سے بذریعہ سپیشل ٹرین ۲۰/ جون ۱۹۵۰ء کو ساڑھے نو بجے ربوہ پہنچے اسٹیشن پر ان کا پُرجوش استقبال کیا گیا۔ اور کرنل صاحبزادہ مبارک احمد صاحب اور دوسرے تمام مجاہدوں کو پھولوں کے ہار پہنائے اور ان پر پھول نچھاور کئے گئے۔

بٹالین کے تمام مجاہد پلیٹ فارم پر ترتیب وار ایستادہ ہوئے ان کے ورد زبان وہی مسنون دعائیں تھی جو آنحضرت ﷺ جہاد سے واپسی کے وقت پڑھا کرتے تھے چنانچہ سب مجاہد با آواز بلند یہ دعا پڑھنے میں مصروف تھے ائبون تائبون حامدون لربنا ساجدون انہوں نے صحابہ کرامؓ کی اتباع میں نہایت جوش کے ساتھ یہ شعر بھی پڑھا۔

نحن الذین بایعوا محمدا   علی الجهاد ما بقینا ابدا

یعنی ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی ہے کہ آخر دم تک جہاد کرتے رہیں گے۔

"فاتح الدین" حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا خطاب اور ایک اہم اعلان

اسی روز شام کو ۶ بجے مجاہدین کے اعزاز میں ایک خاص تقریب منعقد کی گئی جس میں (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد پر اور حضور کی نیابت میں [۱۲۳]) حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب (ناظر اعلیٰ نے سلامی لی۔ مولوی عبد الرحیم صاحب درد نے کمانڈر انچیف پاکستان کا پیغام پڑھ کر سنایا ازاں بعد حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب فاتح الدین نے ایک مختصر لیکن پر معارف تقریر فرمائی جس میں فرقان بٹالین کی تاریخ، مجاہدین کے کارہائے نمایاں پر روشنی ڈالنے کے علاوہ خدائی تائید و نصرت کے ایمان افروز واقعات بھی بیان فرمائے جن سے نہ صرف بٹالین کے جوانوں نے بلکہ دوسرے لوگوں نے بھی یہ محسوس کیا کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے ان کی مدد اور حفاظت پر مامور ہیں چنانچہ مجاہدین بعض انتہائی شدید قسم کے خطرات میں سے محفوظ بچ نکلتے رہے اور بعض اوقات دشمن کے گولے اور بم نشانے پر لگنے کے باوجود کوئی گزند نہ پہنچا سکے حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنی تقریر کے آخر میں یہ اعلان فرمایا۔

"ہم نے کشمیر میں اپنے شہید چھوڑے ہیں جگہ جگہ ان کے خون کے دھبوں کے نشان چھوڑے ہیں ہمارے لئے کشمیر کی سرزمین اب مقدس جگہ بن چکی ہے ہمارا فرض ہے کہ جب تک ہم کشمیر کو پاکستان کا حصہ نہ بنالیں اپنی کوششوں میں کسی قسم کی کوتاہی نہ آنے دیں۔"

"اگرچہ کامیاب جدوجہد کے بعد فرقان کو سبکدوش کیا جارہا ہے لیکن جس جہاد کا ہم نے خدا سے وعدہ کیا ہے اس میں سبکدوشی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کا منشاء یہی معلوم ہوتا ہے کہ قربانیوں کا یہ دور چلتا جائے اور اس نیت کی ہر نئی قربانی سلسلہ کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرنے کا موجب ثابت ہوتی رہے .... اندریں حالات ہمارا فرض ہے کہ ہم ان قربانیوں کے لئے ہر وقت تیار رہیں تاوقت آنے پر ہم پیچھے رہنے والوں میں شمار نہ ہوں بلکہ اس طرح اپنی جانیں پیش کرتے چلے جائیں جس طرح ایک پروانہ دیوانہ وار آگے بڑھتا ہے اور شمع پر اپنی جان نچھاور کر دیتا ہے شمع کی لو اس کی ہستی کو ختم کر دیتی ہے لیکن ہمارا محبوب تو خدا تعالےٰ ہے اس کے راستے میں اگر ہم اپنی جانیں قربان کریں گے تو پھر وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے ہم پر اپنے انعامات کی بارش کرتا چلا جائے گا"۔ [۱۲۴]

فرقان بٹالین کے کارناموں پر غیروں کا خراج تحسین

فرقان بٹالین کے جانباز مجاہدوں کو غیراز جماعت

حلقوں کی طرف سے بھی خراج تحسین ادا کیا گیا چنانچہ حکیم احمد الدین صاحب صدر جماعت "المشائخ" سیالکوٹ نے اپنے رسالہ "قائد اعظم" بابت ماہ جنوری ۱۹۴۹ء میں لکھا:۔ "اس وقت تمام مسلم جماعتوں میں سے احمدیوں کی قادیانی جماعت نمبر اول پر جارہی ہے وہ قدیم سے منظم ہے نماز روزہ وغیرہ امور کی پابند ہے یہاں کے علاوہ ممالک غیر میں بھی اس کے مبلغ احمدیت کی تبلیغ میں کامیاب ہیں۔ قیام پاکستان کے لئے مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کے لئے اس کا ہاتھ بہت کام کرتا تھا جہاد کشمیر میں مجاہدین آزاد کشمیر کے دوش بدوش جس قدر احمدی جماعت نے خلوص اور درد دل سے حصہ لیا ہے اور قربانیاں کی ہیں ہمارے خیال میں مسلمانوں کی کسی دوسری جماعت نے ابھی تک ایسی جرأت اور پیش قدمی نہیں کی ہم ان تمام امور میں احمدی بزرگوں کے مداح اور مشکور ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ملک و ملت اور مذہب کی خدمت کرنیکی مزید توفیق بخشے"۔

اسی طرح گلزار احمد صاحب فدا ایڈیٹر اخبار "جہاد" سیالکوٹ نے اپنے اخبار مورخہ ۱۶/ جون ۱۹۵۰ء میں لکھا۔ "فرقان بٹالین نے مجاہدین کشمیر کے شانہ بشانہ ڈوگرہ فوجوں سے جنگ کی۔ اور اسلامیان کشمیر کے اختیار کردہ موقف کو مضبوط بنایا"۔

فرقان بٹالین کے نظم و نسق پر ایک طائرانہ نظر

بالآخر فرقان بٹالین کے نظم و نسق پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا ضروری ہے۔ فرقان بٹالین کی نصرت کمپنی کے کمانڈر کیپٹن عبد المنان صاحب دہلوی (تمغہ "خدمت پاکستان") تحریر فرماتے ہیں:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

فرقان فورس

کمانڈر:۔ کمانڈنگ آفیسر:۔ لیفٹیننٹ کرنل شیر ولی صاحب سردار بہادر (او۔ بی۔ آئی)

سیکنڈ ان کمان۔ میجر عبد الوہاب صاحبؓ۔

ایڈجوینٹ۔ میجر اسلم حیات صاحب۔ قریشی فیروز محی الدین صاحب۔ مولوی محمد صدیق صاحب فاضل۔

کوارٹر ماسٹر صاحب۔ لیفٹیننٹ چوہدری فیروز الدین صاحب امرتسری۔

میڈیکل آفیسر۔ کیپٹن ڈاکٹر قاضی عبد الرحمٰن صاحبؓ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی محاذ پر تشریف لے جا رہے ہیں

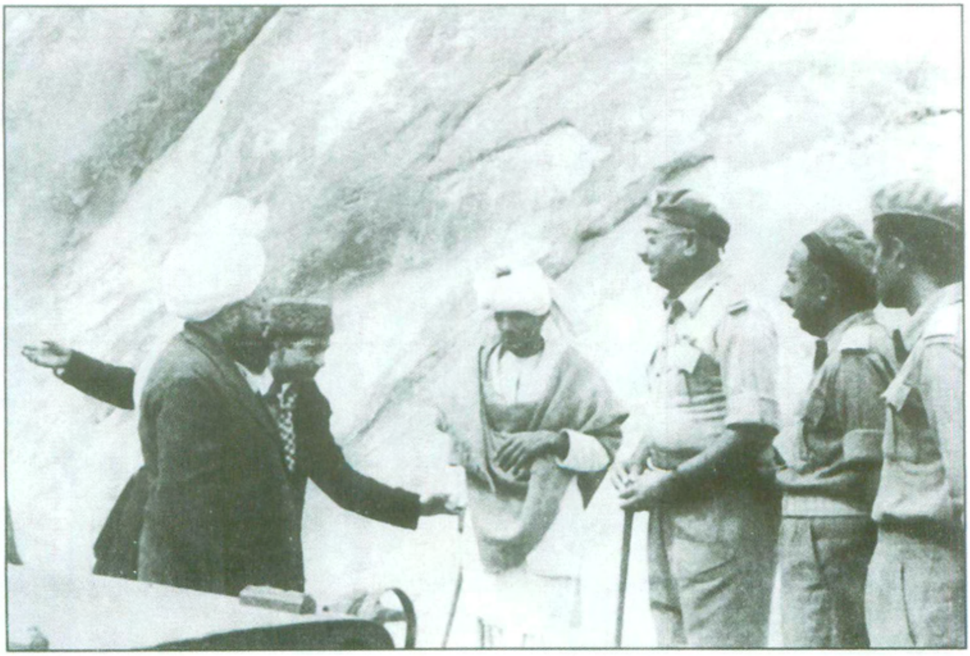

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی چند مجاہدین سے محوِ گفتگو

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی محاذ پر

''فاتح الدین'' حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب فرقان بٹالین کے فوجی افسروں کے ساتھ (17/جون 1950ء)

(کرسیوں پر دائیں سے بائیں) ۱۔ لیفٹیننٹ کرنل شیر ولی صاحب ۲۔ میجر جنرل احیاء الدین صاحب ۳۔ صاحبزادہ کرنل مرزا مبارک احمد صاحب ۴۔ بریگیڈیئر کے ایم شیخ صاحب ۵۔ فاتح الدین حضرت مرزا ناصر احمد صاحب ۶۔ کرنل محمد حیات صاحب قیصرانی ۷۔ میجر چوہدری مشتاق احمد صاحب ظہیر (کھڑے دائیں سے بائیں) ۱۔ لیفٹیننٹ شیر احمد خاں صاحب ۲۔ لیفٹیننٹ فیروز الدین صاحب امرتسری ۳۔ کیپٹن محمد صدیق صاحب فاضل ۴۔ کیپٹن مشتاق احمد صاحب ۵۔ میجر عبدالوہاب صاحب ۶۔ کیپٹن ڈاکٹر قاضی عبدالرحمٰن صاحب ۷۔ کیپٹن عبدالمنان صاحب دہلوی ۸۔ کیپٹن عطاء اللہ صاحب بنگوی ۹۔ لیفٹیننٹ عبداللطیف صاحب فاضل ۱۰۔ لیفٹیننٹ چوہدری عبدالمالک صاحب فاضل (پیچھے) جمعدار حفیظ احمد صاحب (نیچے بیٹھنے والے) ۱۔ میجر ملک محمد رفیق صاحب ۲۔ کیپٹن نور احمد صاحب ۳۔ کیپٹن فقیر محمد صاحب ۴۔ لیفٹیننٹ عبدالقدیر صاحب فاضل

فرقان بٹالین محاذ جنگ پر درمیان میں صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب

بریگیڈیئر کے۔ایم شیخ فرقان بٹالین کا معائنہ کر رہے ہیں

سرائے عالمگیر میں فرقان بٹالین کی سبکدوشی پر اختتامی تقریب 17 / جون 1950ء

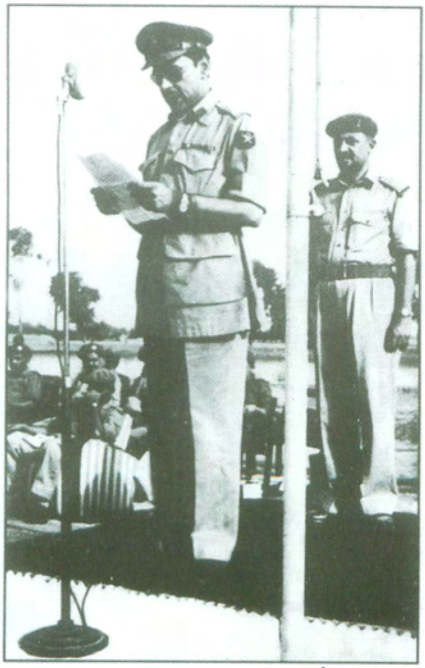

بریگیڈیئر کے۔ایم شیخ پاکستان کے کمانڈر انچیف کا پیغام سنا رہے ہیں
پیچھے کرنل صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کھڑے ہیں

حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ناظر اعلیٰ فرقان بٹالین کی ربوہ واپسی پر سلامی لے رہے ہیں 20/جون 1950ء

حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ناظر اعلیٰ سلامی کے موقع پر بٹالین کا معائنہ فرمارہے ہیں

کمانڈر انچیف جنرل سر ڈگلس گریسی کی طرف سے فرقان بٹالین کے نام پیغام

MESSAGE

FROM

GENERAL SIR DOUGLAS GRACEY,

K.C.I.E., C.B., C.B.E., M.C., COMMANDER - IN - CHIEF

TO

FURQAN BATTALION

—:o:—

YOUR offer to provide a volunteer force in the fight for liberation of Kashmir in June 1948 was gratefully accepted, and the Furqan Bn came into being.

After a short period of training during the summer of 1948, you were soon ready to take your place in the field. In September 1948 you were placed under Commander MALF.

Your Bn was composed entirely of volunteers who came from all walks of life, young peasants, students, teachers, men in business; they were all embued with the spirit of service for Pakistan; you accepted no remuneration, and no publicity for the self sacrifice for which you all volunteered. Yours was a noble cause.

You impressed us all with your keenness to learn, and the enthusiasm you brought with you. You and your officers soon got over the many difficulties that face a young unit.

In Kashmir you were allotted an important sector, and very soon you justified the reliance placed on you and you nobly acquitted yourself in battle against heavy enemy ground and air attacks, without losing a single inch of ground.

Your conduct both individual and collective and your discipline have been of a very high order.

As your mission is over and your Bn is under orders to disband, I wish to thank everyone of you for the service you have rendered to your country. Khuda Hafiz!

17th June, 1950.

General
Commander in Chief.
Pakistan Army.

فرقان بٹالین میں دوران جنگ خدمات سرانجام دینے والے مجاہدین کے لئے

بٹالین ٹریننگ آفیسر۔ لیفٹیننٹ شیر احمد خان صاحب۔
بٹالین فزیکل آفیسر۔ کیپٹن عبد السنان دہلوی۔

بٹالین ہیڈ کوارٹر: چوہدری اعجاز احمد صاحب کلرک (۱) عبد الواحد صاحب

ٹیلیفون انچارج۔ (۲) محمد اشرف صاحب (بعد میں ۶ پنجاب میں صوبیدار ہو گئے)

کمپنی کمانڈر: نصرت کمپنی عبد السنان دہلوی تمغہ خدمت پاکستان۔ سیکنڈ ان کمان لیفٹیننٹ (مولوی) عبد اللطیف صاحب پریمی

برکت کمپنی۔ کیپٹن نور احمد صاحب۔ سیکنڈ ان کمان۔ لیفٹیننٹ (مولوی) عبد المالک صاحب

شوکت کمپنی۔ کیپٹن مشتاق احمد صاحب۔ سیکنڈ ان کمان۔ لیفٹیننٹ مولوی عبد القدیر صاحب۔ معاون سیکنڈ ان کمان صوبیدار چوہدری محمد عبد اللہ صاحب۔

تنویر کمپنی۔ کیپٹن عطاء اللہ صاحب بنگہ۔ سیکنڈ ان کمان۔ مولوی سردار احمد صاحب۔

ہیڈ کوارٹر کمپنی۔ کیپٹن فقیر محمد خان صاحب۔

نوٹ :- مندرجہ بالا عہدیداروں کو GHQ راولپنڈی سے ان کے ناموں کے سامنے لکھے ہوئے رینک پہننے کی اجازت دی گئی تھی۔

پلاٹون کمانڈر۔ چوہدری عبد السلام صاحب۔ محمد اقبال صاحب۔ چوہدری عنایت اللہ صاحب۔ چوہدری محبوب احمد صاحب۔ محمد خان صاحب۔

حوالدار میجر اور حوالدار کوارٹر ماسٹر۔ مولوی خلیل الرحمٰن خان صاحب پشاوری۔ برکات احمد منگمری۔ بشیر احمد صاحب گجراتی۔ محمد شفیع صاحب زبیر۔ مولوی محمد یوسف راجوری۔

دیگر مجاہدین۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دیالگڑھی۔ مولوی محمد احمد صاحب جلیل۔ حافظ شفیق احمد صاحب مدرس حافظ کلاس۔ رانا ناصر احمد کاٹھگڑھی۔ چوہدری صالح محمد سندھی۔ حوالدار رانا ناصر احمد۔ بشیر احمد سندھی۔

۳ مارٹر ڈیٹچمنٹ کمانڈر۔ رانا محمد دین صاحب

اسسٹنٹ۔ رانا محمد دین صاحب

مجاہدین کی حجامت کے لئے۔ محمد رمضان صاحب خلوم مرحوم و گلزار احمد صاحب۔

ٹریننگ کشمیر محاذ جنگ پر آنے والے مجاہدین کو ان کے معینہ عرصہ قیام میں فوجی کرتب سے حتی الوسع پورے طور پر تربیت دے کر اس قابل بنادیا جاتا تھا جس سے وہ دشمن کی حدود میں داخل ہو کر پیٹرولنگ کرتے ہوئے خبریں حاصل کرلاتے تھے۔

مثلاً انہیں۔ ڈرل۔ پی ٹی۔ روڈ مارچ۔ رائفل ٹریننگ۔ سٹین گن۔ H.E.36 گرنیڈ۔ ۲مارٹر۔ ۳مارٹر۔ ویری لائٹ پسٹل۔ ریوالوار۔ برین گن فائرنگ کی مشق کے علاوہ دشمن پر فائرنگ بھی کروائی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ فیلڈ کرافٹ۔ ایئر کرافٹ۔ ٹرنچر۔ بینکر۔ نائٹ پریڈ۔ بینٹ فائٹنگ۔ ریکی۔ ڈیفنس۔ ود ڈرال۔ یونیفارم کا استعمال۔ ملٹری کے عہدوں کی پہچان وغیرہ وغیرہ۔ ٹریننگ دے کر اس قابل بنادیا جاتا تھا کہ مجاہد بخوبی پورے بھروسہ اور مستعدی و وثوق کے ساتھ دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکے۔

ہمارے کئی ایک مجاہد دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے زخمی ہونے کے علاوہ شہید بھی ہوئے۔ جن کی قبریں باکسر۔ سوکھا تلا بھمبر میں موجود احمدی مجاہد اسلام و فرقان بٹالین کی آج بھی علمبردار نظر آتی ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی تربتوں پر اپنی بے پایاں رحمتیں۔ برکتیں نازل فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات سے نوازے۔ (آمین)

مجاہد جب اپنا معینہ عرصہ مکمل کرنے کے بعد اپنے گھروں کو لوٹتے تو گھر جانے سے قبل ان کا باقاعدہ امتحان لے کر اس بات کی سند دی جاتی تھی کہ جو کچھ ٹریننگ کے دوران میں انہوں نے محاذ پر سیکھا ہے۔ واقعی یہ مجاہد اس سند اور شاباش کے مستحق ہیں۔

ساتھ کے ساتھ دینی مشاغل بھی لازمی حصہ تھے جنہیں نہایت عمدگی و احترام کے ساتھ باوقار طریق پر ادا کیا جاتا تھا۔ مثلاً نماز باجماعت۔ تلاوت قرآن پاک۔ درس و تدریس۔ تاریخ اسلام و مجاہدین اسلام کے کارہائے نمایاں۔ اسلامی روایات پر عمل پیرا ہونے کا پورا پورا انتظام ہونے کے علاوہ قرآن پاک ناظرہ و باترجمہ۔ نماز معہ ترجمہ سکھانے کا بھی انتظام کیا ہوا تھا اور یوں مجاہدین کو جہاد کی غرض و غایت سے پورے طور پر آگاہ کیا جاتا۔ جس سے پورے پورے اخلاص و محبت اور جوش و خروش کے ساتھ جذبہ حق کو قائم و دائم رکھنے کے لئے وہ خدا تعالیٰ کی حدود کی حفاظت میں اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کرتے ہوئے قوم کی عزت و ناموس اور ملک کی سرحدوں کی آخری سانس تک حفاظت کرنا اپنا اولین فرض سمجھتے اور کسی حالت میں بھی دشمن خدا و دشمن اسلام کے سامنے اپنے ہتھیار نہ گراتے اور اس طرح سے وقت آنے پر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کرتے ہوئے اس کے دربار میں اپنے آپ کو پیش کر دیتے اور اسلام کا پرچم ہر قیمت پر سربلند رکھتے۔

حضور کی محاذ پر آمد

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ جب محاذ کشمیر پر فرقان فورس کے مجاہدین سے مل کر ان کی حوصلہ افزائی کے لئے بنفس نفیس تشریف لائے تو اس وقت آپ کے ہمراہ اخباری نمائندوں کی ایک جماعت بھی تھی۔ حضور نے ظہر عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں۔ سب کے ساتھ بیٹھ کر دوپہر کا کھانا تناول فرمایا۔ اس موقعہ پر فوجی کرتب دکھائے جانے کا انتظام بھی کیا گیا تھا اور ایک رنگا رنگ تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں پاک آرمی کے بہت سے آفیسرز کے علاوہ بہت سے مختلف رینک کے عہدیدار اور سپاہی بھی مدعو کئے گئے تھے جنہوں نے احمدی مجاہدین کے نہایت عمدہ اور صاف ستھرے فوجی کارنامے دیکھے جن سے بہت ہی لطف اندوز ہو کر انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے۔

حضورؓ نے قرآن پاک اور حضور اکرم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں اصحاب رسول اللہ و مجاہدین اسلام کے سنہری فوجی کارناموں اور فتوحات کی روشنی میں مجاہدین و حاضرین کو اپنے نہایت قیمتی و بیش بہا نصائح سے سرفراز فرمایا۔ نیز فرمایا شیر ولی جناب آپ رہیں۔ صلوٰۃ خوف بھی سکھائیں۔

حضورؓ نے اپنے خطاب میں ان فوجی افسران سے دریافت فرمایا کہ اب آپ یہ فیصلہ کریں کہ آرمی اور ان مجاہدین کی تربیت میں کس کا کام بہتر ہے؟ اس پر انہوں نے بیک زبان ہو کر کہا کہ مجاہدین کی کارکردگی آرمی کے جوانوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس پر حضورؓ نے ان سے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تنخواہ لے کر دشمن کے مقابلے پر آئے ہیں اور یہ مجاہد جذبہ جہاد اسلام سے سرشار ہو کر دشمن کے مقابلہ پر آئے اور سینہ سپر ہیں۔

اس تقریب کے اختتام پر "نشان" یعنی بہترین انعام جو کہ انعامی جھنڈا تھا شوکت کمپنی کو دیا گیا جسے حضورؓ نے اپنے دست شفقت سے پلاٹون کمانڈر چوہدری عنایت اللہ صاحب کے ہاتھوں میں پکڑا دیا۔ تمام حاضرین نے بارک اللہ لک کی صدا بلند کی اور یوں یہ مبارک تقریب سعید اختتام پذیر ہوئی۔ الحمدللہ۔

جناب شیر ولی صاحب

جناب شیر ولی صاحب کے وقت میں جو اہم واقعات رونما ہوئے۔ ان میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں۔

آپ نے باگسر محاذ پر پہنچ کر احمدی مجاہدین کشمیر کی فوجی تربیت کے ساتھ ساتھ دینی تربیت واصلاح کی طرف بھی پوری توجہ مرکوز رکھی۔ آپ کے وقت میں ہر کمپنی کی حدود میں کمپنی کمانڈروں کی زیر نگرانی فوجی مشقیں کرانے کا باقاعدہ سلسلہ جاری ہوا۔ جناب شیر ولی صاحب نے باگسر سے سوکھے تلاؤ تک فرقان کا پہلا روڈ مارچ کروایا۔ آپ ہی کے وقت میں ڈاکٹر گراہم کے پاکستان آنے پر

آپ نے راتوں رات نومینز لینڈ کو عبور کر کے دشمن کے منہ کے سامنے دشمن سے چند سو گز پر آؤٹ پوسٹ کے قیام کا انتظام فرما کر صبح کی اذان دلوا دی۔ ایسی کارروائی دشمن بھی کر سکتا تھا مگر دشمن کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ وہ پہاڑ سے نیچے اتر کر ایسا کر سکے۔ جس وقت ڈاکٹر گراہم نے موقعہ کا معائنہ کیا اس وقت حدود کی نشان بندی کی برجی ہماری پوسٹ سے آگے لینے ریچھ پیاری کے قدموں میں نصب کر دی گئی۔ اور اس طرح سے ۱-۱/۲ ۲ میل چوڑی اور کئی میل لمبی ویلی جناب شیر ولی صاحب کی حسن بصیرت و جرأت مندی کے نتیجے میں آزاد کشمیر کی حدود کے قبضہ میں آگئی اس ویلی سے نکالے ہوئے درجنوں دیہات کے ہزارہا مسلم باشندے کئی سال تک پاکستان میں خانہ بدوشی کی زندگی گزارنے کے اپنے گھروں میں آکر آباد ہو گئے۔ بھمبر سے سوکھا تلاؤ باگسر باغ۔ قلعہ امر گڑھ کے پاس سے گزرتی ہوئی لکڑ منڈی تک پختہ سڑک تعمیر ہوئی۔ سڑک کے مکمل ہونے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی محاذ کشمیر پر تشریف فرما ہوئے۔ فرقان فورس نے آؤٹ پوسٹ پر اس وقت تک قبضہ جمائے رکھا تاوقتیکہ اس سے آزاد کشمیر فورس نے باقاعدہ پاکستان فوج کے کمانڈروں کے روبرو چارج نہ سنبھال لیا۔"

فصل یازدہم

جنوری ۱۹۴۹ء کی جنگ بندی کے بعد

سلامتی کونسل کے فیصلہ کی تعمیل میں یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو کشمیر کی جنگ بند کر دی گئی اور تحریک آزادی کا آٹھواں دور شروع ہوا۔ جو وسط ۱۹۶۵ء تک جاری رہا۔ اس درمیانی عرصہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مسئلہ کشمیر کو ملک میں زندہ اور تازہ رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

تحریک کشمیر کیلئے متحد العمل ہونیکی دردمندانہ تحریک

چنانچہ حضور ایدہ اللہ تعالےٰ نے ۱۶ / اپریل ۱۹۴۹ء کو مسلمانان پاکستان کو آزادی کشمیر کے لئے متحد العمل ہونے کی دردمندانہ تحریک کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ”مجھے خصوصیت سے یہ تڑپ ہے کہ کشمیر کے مسلمان آزاد ہوں اور اپنے دوسرے بھائیوں سے مل کر اسلام کی ترقی کی جدوجہد میں نمایاں کام کریں اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے میں تمام ان لوگوں سے جو کشمیر کے کام سے دلچسپی رکھتے ہیں اپیل کرتا ہوں کہ اب جبکہ یہ آزادی کی تحریک آخری ادوار میں سے گذر رہی ہے اپنی سب طاقت اسکی کامیابی کے حصول کے لئے لگادیں اور ایسی تمام باتوں کو ترک کردیں۔ جو اس مقصد کے حصول کے لئے روک ہو سکتی ہیں۔ [۱۲۵]

جماعت احمدیہ کو جہاد کیلئے تیار رہنے کی ہدایت

اگلے سال اپریل ۱۹۵۰ء میں مجلس شوریٰ کا انعقاد ہوا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جماعت احمدیہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

”میں جماعت کے دوستوں پر یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر تم اپنے ایمان کو سلامت لے جانا چاہتے ہو..... تو تمہیں یہ امر اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ جن امور کو اسلام نے ایمان کا اہم ترین حصہ قرار دیا ہے ان میں سے ایک جہاد بھی ہے بلکہ یہاں تک فرمایا ہے کہ جو شخص جہاد کے موقعہ پر پیٹھ دکھاتا ہے وہ جہنمی ہو جاتا ہے اور جہاد میں کوئی شخص حصہ ہی کس طرح لے سکتا ہے جب تک وہ فوجی فنون کو سیکھنے کے لئے نہیں جاتا ہے“۔ [۱۲۶]

پھر فرمایا۔ ”اگر قرآن نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے اور اگر احمدیت بھی سچی ہے تو لازماً اپنے ملک کی

عزت کی حفاظت کے لئے اس وقت جو موقعہ پیدا ہوا ہے اس میں تمہیں حصہ لینا پڑے گا کیونکہ یہ تغیر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ترقی کے لئے پیدا کیا ہے ہم نہیں جانتے کہ اسلام کی آئندہ ترقی کے لئے زیادہ قربانیاں ہم کو ہندوستان میں دینی ہونگی یا افریقہ میں لیکن فرض کرو کہ افریقہ میں پیش آتی ہیں تو وہاں کے احمدی ہمارا نمونہ دیکھیں گے۔ اگر ہم اس وقت اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لئے آگے بڑھیں گے تو ہم ان سے کہہ سکیں گے کہ ہمارے ملک اور ہماری قوم پر جب حملہ ہوا تو ہم نے اس کی حفاظت کے لئے اپنی جانوں کو قربان کر دیا یہ نمونہ ہے جس سے وہ سبق سیکھیں گے اور اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لئے آگے بڑھیں گے"۔ ۱۲۷

آزادی کشمیر کے لئے دعا

کتاب "شیر کشمیر" کے مؤلف جناب کلیم اختر صاحب نے ۳؍ دسمبر ۱۹۵۵ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تو حضور نے فرمایا :- میرا مسئلہ کشمیر سے گہرا تعلق ہے اور اس سانحہ کا زخم ابھی میرے دل پر قائم ہے میں ہر وقت کشمیریوں کی بے بسی پر خون کے آنسو روتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی رستگاری کے لئے دعا گو ہوں۔ ۱۲۸

مستقبل سے متعلق ایک آسمانی انکشاف

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۲۸؍ دسمبر ۱۹۵۶ء کو سالانہ جلسہ کے موقعہ پر خدائی تصرف والقاء کے تحت ایک عظیم الشان آسمانی انکشاف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"میں اپنی جماعت کو ایک تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج جب دعائیں ہوں گی تو کشمیر کے متعلق بھی دعائیں کریں۔ دوسرے میں ان کو یہ تسلی بھی دلانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سامان نرالے ہوتے ہیں میں جب پارٹیشن کے بعد آیا تھا تو اس وقت بھی میں نے تقریروں میں اشارہ کیا تھا..... اب نظر آرہا ہے کہ وہی باتیں جن کو میں نے ظاہر کیا تھا وہ پوری ہو رہی ہیں یعنی پاکستان کو جنوب اور مشرق کی طرف سے خطرہ ہے لیکن ایسے سامان پیدا ہو رہے ہیں کہ ہندوستان کو شمال اور مشرق کی طرف سے شدید خطرہ پیدا ہونے والا ہے اور وہ خطرہ ایسا ہو گا کہ باوجود طاقت اور قوت کے ہندوستان اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ اور روس کی ہمدردی بھی اس سے جاتی رہے گی سو دعائیں کرو اور یہ نہ سمجھو کہ ہماری گورنمنٹ کمزور ہے یا ہم کمزور ہیں خدا کی انگلی اشارے کر رہی ہے اور میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کرے گا کہ روس اور اس کے دوست ہندوستان سے الگ ہو جائیں گے... اور

اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کرے گا کہ امریکہ یہ محسوس کرے گا کہ اگر میں نے جلدی قدم نہ اٹھایا تو میرے قدم نہ اٹھانے کی وجہ سے روس اور اس کے دوست بیچ میں گھس آئیں گے پس مایوس نہ ہوں اور خدا تعالیٰ پر توکل کرو۔ اللہ تعالیٰ کچھ عرصہ کے اندر ایسے سامان پیدا کر دے گا آخر دیکھو یہودیوں نے تیرہ سو سال انتظار کیا اور پھر فلسطین میں آگئے مگر آپ لوگوں کو تیرہ سو سال انتظار نہیں کرنا پڑے گا ممکن ہے تیرہ بھی نہ کرنا پڑے ممکن ہے دس بھی نہ کرنا پڑے اور اللہ تعالیٰ اپنی برکتوں کے نمونے تمہیں دکھائے گا"۔ [۱۲۹]

اس آسمانی انکشاف کے بعد کس طرح تغیرات رونما ہوئے۔ اور احمدی نوجوانوں نے تحریک آزادی کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے کے لئے کیا کیا خدمات انجام دیں ان پر مستقبل کا مورخ ہی روشنی ڈال سکے گا۔

آزادی کشمیر کے لئے دعاؤں کی تحریک خاص

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۸/ فروری ۱۹۵۷ء کو آزادی کشمیر کے لئے دعاؤں کی ایک خاص تحریک فرمائی جس کا تذکرہ حضور ہی کے مبارک و مقدس الفاظ میں کرنا ضروری ہے اور اسی پر تحریک آزادی کشمیر کے ساتویں دور کی تاریخ کا اختتام ہوتا ہے حضور نے ارشاد فرمایا:۔

"ہماری جماعت کے دوستوں کو دعائیں کرنی چاہئیں کہ کشمیر کے قریباً نصف کروڑ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ اپنے منشاء کے مطابق فیصلہ کرنے اور اس پر کاربند رہنے کی توفیق دے اور ایسے سامان پیدا کرے کہ یہ لوگ جبری غلامی میں نہ رہیں۔ بلکہ اپنی مرضی سے جس ملک کے ساتھ چاہیں مل جائیں اور اگر کوئی تحریک اس بات میں روک بنتی ہو تو خدا تعالیٰ اسے کامیاب نہ کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہمارے اہل مملکت کو بھی ایسی سمجھ عطا فرمائے کہ وہ وقت پر ہوشیار ہو جائیں اور دیکھیں کہ کون شخص انہیں سیدھے رستہ سے ہٹا رہا ہے اور ہمیشہ وہ طریق اختیار کریں جو پاکستان کی عزت اور سرفرازی کا موجب ہو اور کشمیر کی عزت اور سرفرازی کا بھی موجب ہو.... چونکہ کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اس لئے کشمیر بھی ہمیں بہت پیارا ہے پھر کشمیر ہمیں اس لئے بھی پیارا ہے کہ وہاں قریباً ۸۰ ہزار احمدی ہیں اور بعض ایسے علاقے ہیں جن کی رائے کے مطابق کشمیر یا ہندوستان میں جا سکتا ہے یا پاکستان میں جا سکتا ہے ان میں احمدیوں کی اکثریت ہے.... پس ہمیں دعائیں کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کشمیری بھائیوں کی مدد کرے۔ آخر کشمیر وہ ہے جس میں مسیح اول دفن ہیں اور مسیح ثانی کی بڑی بھاری جماعت اس میں موجود ہے.... مسیح اول نہ ہندو تھے اور نہ عیسائی تھے اور مسیح ثانی بھی نہ ہندو تھے نہ عیسائی تھے

بلکہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے خادم تھے اور اسلام کی عزت ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں مبعوث کیا تھا پس جس ملک میں دو مسیحوں کا دخل ہے وہ ملک بہرحال مسلمانوں کا ہے اور مسلمانوں کو ہی ملنا چاہئے اس لئے.... ہمیں ہر وقت خدا تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے مستقبل کے متعلق خود فیصلہ کرنے کی توفیق بخشے اور جس طرح کہتے ہیں جہاں کی مٹی تھی وہیں آ لگی"۔ وہ جہاں کی مٹی ہیں وہیں آ لگیں اور ان کے رستہ میں کوئی منصوبہ اور کوئی سازش روک نہ بنے"۔ [۱۲۰]

سیدنا المصلح الموعود کا عہد اور دعائیہ کلمات

چنانچہ حضور کے ارشاد مبارک کی تعمیل میں پوری جماعت آج تک کشمیر کی آزادی کے لئے دعاؤں میں برابر مصروف ہے۔ اور سیدنا المصلح الموعود کا وجود مقدس تو ہمیشہ فتح کشمیر اور واپسی قادیان کے لئے مجسم گریہ و زاری رہا ہے۔ جس کی ایک جھلک اس عہد صمیم اور ان دعائیہ کلمات سے بخوبی نمایاں ہوتی ہے۔ جو حضور انور نے صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے نام اپنے ۶/ ستمبر ۱۹۶۵ء کے پیغام میں لکھوائے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا۔

"میں اپنی طرف سے اور جماعت احمدیہ کی طرف سے آپ کو دل و جان کے ساتھ مکمل تعاون اور مدد کا یقین دلاتا ہوں۔ اس نازک موقعہ پر ہم ہر مطلوبہ قربانی بجالانے کا عہد کرتے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے بے پایاں فضل کے نتیجہ میں اپنی خاص راہنمائی سے آپ کو نوازے اور ہم سب کو اپنے وطن عزیز کا دفاع کرنے کی طاقت و ہمت عطا فرمائے یہاں تک کہ اس کے فضل سے کلی طور پر فتح یاب ہوں اور ہمارے کشمیری بھائی آزادی سے ہمکنار ہوں۔ آمین"۔ [۱۲۱]

حواشی حصہ دوم (پانچواں باب)

۱۔ مکاتیب اقبال حصہ اول صفحہ ۲۹۶۔ (مکتوب ۱۲/ اکتوبر ۱۹۳۳ء) شائع کردہ شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور۔
۲۔ مجلس احرار اسلام کا رسالہ تبصرہ لاہور (اکتوبر ۱۹۶۵ء کی اشاعت میں) لکھتا ہے۔
"کشمیر کمیٹی کی بنیاد ۱۹۳۱ء میں چند اعتدال پسند لوگوں نے رکھی تھی میاں سر محمد شفیع، سر فضل حسین، میاں امیرالدین اور شاعر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال کے ساتھ قادیان کے خلیفہ بشیر الدین محمود بھی اس ادارہ میں شامل تھے اس کمیٹی کے انتخاب سے مرزا بشیر الدین محمود کو صدر اور عبد الرحیم درد (مرزائی) کو سیکرٹری منتخب کیا گیا..... حضرت امیر شریعت (جناب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری۔ ناقل) ڈاکٹر اقبال کو مرشد اور ڈاکٹر اقبال حضرت شاہ صاحب کو پیر جی کہا کرتے تھے۔ کشمیر کمیٹی کے سلسلہ میں ان دونوں کے درمیان چودھری افضل حق کی معیت میں کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ اور طے پایا کہ بشیر الدین محمود اور عبد الرحیم درد کو اگر ان کی موجودہ ذمہ داری سے نہ ہٹایا گیا۔ تو کشمیر کے ۳۲ لاکھ مظلوم مسلمان کفر وارتداد کا شکار ہو جائیں گے..... لہذا بہتر ہے کہ تحریک آزادی کشمیر کی باگ ڈور مجلس احرار کے سپرد کردی جائے"۔
۳۔ الفضل ۲۳/ مئی ۱۹۳۳ء صفحہ ۲۔
۴۔ الفضل ۱۳/ جولائی ۱۹۳۳ء صفحہ ۴۔
۵۔ الفضل ۱۶/ جولائی ۱۹۳۳ء صفحہ ۲۔
۶۔ الفضل ۱۳/ جولائی ۱۹۳۳ء۔
۷۔ اصل خط کشمیر کمیٹی کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔
۸۔ الفضل ۱۳/ اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۲۔
۹۔ الفضل ۱۳/ اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۳۔
۱۰۔ الفضل ۱۳/ اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۱۔
۱۱۔ الفضل ۲۷/ جون ۱۹۳۳ء صفحہ ۲۔
۱۲۔ الفضل ۱۷/ اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۱۳۔ بحوالہ الفضل ۲۸/ مئی ۱۹۳۳ء صفحہ ۸ کالم ۳۔
۱۴۔ الفضل ۲۵/ جون ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۲۔
۱۵۔ بحوالہ الفضل قادیان مورخہ ۲۹/ جون ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۰، ۱۱۔
۱۶۔ انقلاب ۱۰/ ستمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۷ بحوالہ الفضل ۱۹/ ستمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۷-۸۔
۱۷۔ مکاتیب اقبال حصہ اول صفحہ ۴۳۵۔
۱۸۔ ذکر اقبال صفحہ ۱۸۸ (مولفہ عبد المجید صاحب سالک)
۱۹۔ قریشی محمد اسد اللہ فاضل کاشمیری کے ایک غیر مطبوعہ مقالہ سے ماخوذ۔
۲۰۔ سہو ہے اصل نام ہے نعیم الحق۔
۲۱۔ جناب قریشی محمد اسد اللہ صاحب فاضل مربی سلسلہ احمدیہ کے غیر مطبوعہ مقالہ سے ماخوذ۔
۲۲۔ انقلاب ۱۹/ ستمبر ۱۹۳۳ء و ریکارڈ کشمیر کمیٹی۔
۲۳۔ شیخ محمد عبد اللہ صاحب کا خط۔ السلام علیکم۔ قبل بھی ایک عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں اب پھر التماس ہے کہ میری رائے ناقص میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کام برابر جاری رکھا جائے اور جو کمیٹی پہلے بنی تھی وہ برابر کام کرے یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ اس کی ہر سیاسی جماعت کی خود غرضی باہمی اتفاق کو نقصان پہنچا کر ساری قوم کو نقصان پہنچانے کے لئے اور نیز اس انجمن کو

ختم کر دینے کے لئے اسباب پیدا کر دیتی ہے۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو ضرور کام کرنا چاہئے۔ بابت انتخاب عہدیداران میری رائے میں مسٹر غلام رسول مہر کو سیکرٹری مقرر کیا جائے اور عہدہ صدارت کے لئے میں اپنی رائے..... مسٹر غلام رسول مہر کے حق میں دیتا ہوں جس کو وہ اپنی رائے دیں۔ میری رائے بھی اس کے ساتھ گنی جائے مجھ کو افسوس ہے کہ میرے مشاغل قطعی مانع ہیں کہ جلسہ میں شرکت کر سکوں"۔

۲۴۔ الفضل ۵/ اپریل ۱۹۳۴ء۔

۲۵۔ درمیانی اجلاسوں کی تاریخیں ۳۱/ مئی ۱۹۳۴ء۔ ۷/ اکتوبر ۱۹۳۴ء۔ ۱۴/ اپریل ۱۹۳۵ء۔ ۲۹/ اپریل ۱۹۳۶ء۔ ۲۵/ اپریل ۱۹۳۷ء۔ ایسوسی ایشن کے سب اجلاس لاہور میں ہوئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بھی گاہے بگاہے ان اجلاسوں میں شمولیت فرماتے رہے۔ سید حبیب صاحب نے ایک موقعہ پر مولانا جلال الدین صاحب شمس کو جو اسسٹنٹ سیکرٹری ایسوسی ایشن تھے بھی اپنا قائم مقام تجویز فرمایا۔ نیز عبدالرشید صاحب تبسم کو قائم مقام سیکرٹری کے فرائض انجام دینے کا موقعہ ملا۔

۲۶۔ مثلاً مفتی ضیاء الدین صاحب ضیاء' مولوی احمد اللہ صاحب ہمدانی میرواعظ' صدرالدین صاحب پونچھ۔ بیگ عبداللہ صاحب' سید مقبول صاحب بیہقی' مسٹر ایوب صاحب' مولوی محمد سعید صاحب' سید غلام محی الدین صاحب' مولوی غلام مصطفیٰ صاحب (الفضل ۱۴/ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۹) اخبار اصلاح میں مولوی احمد اللہ صاحب ہمدانی کی نسبت لکھا ہے۔ ۱۹۳۴ء میں جب نوجوانوں نے ایجی ٹیشن کی تو مولوی صاحب کفن پہن کر آ گئے..... اس پر حکومت نے آپ کو جلاوطن کر دیا سخت گرمیوں کے ایام میں آپ کو لاہور جانا پڑا۔ آپ کو سخت تکلیف ہوئی اس زمانہ میں حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ نے آپ کی ہر طرح مدد کی۔ (اصلاح ۷ ۲/ جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۶)

۲۷۔ اخبار اصلاح سرینگر ۱۸/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۵۔

۲۸۔ الفضل ۱۴/ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۹ کالم ۳۔

۲۹۔ اصلاح سرینگر ۲۳/ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۔

۳۰۔ اخبار اصلاح سرینگر ۱۱/ اکتوبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۴ کالم ۱۔

۳۱۔ اخبار اصلاح ۲۳/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲۔۳۔

۳۲۔ اخبار کے پہلے پرچہ کا اداریہ بھی حضور ہی نے رقم فرمایا۔

۳۳۔ آخر ۱۹۳۵ء میں یہ ہفت روزہ بنا دیا گیا۔

۳۴۔ اصلاح کے پہلے پرچہ میں یہ پیغامات شائع شدہ ہیں۔

۳۵۔ اخبار اصلاح ۱۶/ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۱۔۲۔

۳۶۔ بحوالہ اخبار اصلاح سرینگر ۱۰/ ستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۷ کالم ۳۔

۳۷۔ نقل مطابق اصل۔

۳۸۔ بحوالہ اخبار اصلاح سرینگر ۱۰/ ستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۸۔

۳۹۔ اخبار اصلاح سرینگر ۱۵/ اگست ۱۹۴۰ء صفحہ ۵ کالم ۳۔

۴۰۔ یہ اداریہ جو مسلسل کئی اشاعتوں میں جاری رہا مندرجہ ذیل الفاظ سے شروع ہوا۔ کشمیر ایک خالص اسلامی علاقہ ہے۔ الخ۔

۴۱۔ اداریہ کے آخری الفاظ یہ تھے ریاستی باشندے برطانوی ہند کے پہلو بہ پہلو رہتے ہیں ایسی حالت میں یہ ناممکن ہے کہ وہ برطانوی ہند کی تحریک حریت سے متاثر نہ ہوں۔ ایسی صورت میں حالات کا اقتضاء اور دانشمندی یہی ہے کہ ریاستی حکومتیں زیادہ سے زیادہ اختیارات عوام کے نمائندوں کے سپرد کریں اور کم از کم صوبجاتی خود مختاری کے پیمانہ پر اپنی اپنی ریاستی حکومتوں کو لے آئیں۔

۴۲۔ یعنی مسلم کانفرنس جسے ۱۹۳۹ء میں نیشنل کانفرنس میں تبدیل کر دیا گیا۔

۴۳۔ ۲۱ اقساط میں شائع ہوا۔

۴۴۔ (۱) تبدیلی مذہب کی بناء پر ضبطی جائداد کے قانون کی تنسیخ۔ (۲) گئو کشی کی سزا میں تخفیف۔ (۳) ملازمتوں میں مسلم تناسب کے مطابق حصہ۔

۴۵۔ اس اداریہ کا خلاصہ یہ تھا کہ جس طرح برطانوی ہند کے رہنے والے آزادی کا حق رکھتے ہیں۔ ریاستی باشندوں کو بھی وہی حق حاصل ہونا چاہئے۔
۴۶۔ مطالبہ پاکستان کی تائید میں۔
۴۷۔ بتایا ہے کہ ریاست کشمیر کی نسبت مسلمان یہ تخیل قبول نہیں کر سکتے کہ یہ ہندو ریاست ہے۔
۴۸۔ اخبار اصلاح ۱۳/ مارچ ۱۹۴۱ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۴۹۔ اخبار اصلاح ۱۵/ فروری ۱۹۴۵ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۵۰۔ اخبار اصلاح سرینگر ۲/ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱ کالم ۲۔
۵۱۔ ملاحظہ ہو تاریخ اقوام کشمیر جلد دوم صفحہ ۱۸۵۔
۵۲۔ تاریخ اقوام کشمیر جلد ۲ صفحہ ۲۸۵۔
۵۳۔ مسلمانان ریاست جموں و کشمیر کے نام میرا ساتواں خط (از سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) صفحہ ۳۔
۵۴۔ ریاست کے وزراء نے یقین دلایا کہ اگر شیخ محمد عبداللہ صاحب سول نافرمانی کی تحریک واپس لے لیں تو سیاسی قیدی آزاد کر دیئے جائیں گے۔ مگر اس وعدہ کے باوجود ریاست نے ایفاء عہد نہ کیا تو اخبار اصلاح نے ۲۳/ اگست ۱۹۳۴ء کو حکومت سے دردمندانہ گزارش کی کہ سول نافرمانی کے قیدی رہا کر دیئے جائیں۔ (اصلاح ۲۳/ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۳)
۵۵۔ اخبار اصلاح ۷/ ستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۷ کالم ۱ و صفحہ ۸ کالم ۳۔
۵۶۔ ۱۹۳۷ء میں میونسپل کمیٹی کے انتخابات ہوئے تو جماعت احمدیہ کشمیر نے مسلم کانفرنس کے نمائندوں کے حق میں ووٹ ڈالے اور خدا کے فضل سے اس بار بھی اس کے سب نمائندے منتخب ہو گئے۔ جن کے نام یہ ہیں احسن اللہ صاحب مینجر آرمی ایجنسی۔ غلام محمد صاحب ڈار۔ مولوی محمد سعید صاحب مسعودی ایڈیٹر ہمدرد۔ میر غلام حسین صاحب گیلانی۔ خواجہ عبدالاحد صاحب برزہ۔ میر مقبول شاہ صاحب سجادہ نشین قادریہ۔ غلام رسول صاحب ڈیرا۔ سید غلام مرتضیٰ صاحب جلالی (اخبار اصلاح سرینگر ۶/ جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ ۳۔ ایضاً ۱۳/ جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۲)
۵۷۔ یعنی دو سو روپیہ۔ ناقل۔
۵۸۔ اصلاح ۱۶/ مئی ۱۹۴۶ء صفحہ ۷۔
۵۹۔ محترم چوہدری صاحب ۱۵/ اپریل ۱۹۰۳ء کو میانوال ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد منشی احمد بخش صاحب ملازمت کے سلسلہ میں خانقاہ ڈوگراں (ضلع شیخوپورہ) میں چلے آئے تھے۔ اسی قصبہ میں مولوی صاحب نے آٹھویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ سالانہ جلسہ ۱۹۱۷ء پر پہلی بار اپنے والدین کے ساتھ قادیان تشریف لائے اور تعلیم الاسلام ہائی سکول میں داخلہ لیا۔ ۱۹۲۷ء جے وی کا امتحان پاس کر کے مدرسہ احمدیہ قادیان میں انگلش ٹیچر مقرر کئے گئے اور تعلیم کے ساتھ سکاؤٹنگ کا کام بھی آپ کے سپرد ہوا۔ سالانہ ٹورنامنٹ کے موقعہ پر سکاؤٹ جو کھیلیں دکھاتے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ان کا ملاحظہ کرتے اور اظہار پسندیدگی فرماتے۔ مدرسہ احمدیہ کے سکاؤٹوں نے آپ ہی کی نگرانی میں سالانہ جلسہ ۱۹۲۷ء کے پنڈال کی توسیع میں حصہ لیا۔ جس پر حضور نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۴ء تک دہلی میں بطور ٹیچر کام کرتے رہے۔ ۱۹۳۵ء میں ضلع سہارن پور میں محکمہ سکاؤٹنگ کے افسر رہے اپریل ۱۹۳۶ میں مدیر اصلاح مقرر کئے گئے ۱۹۴۷ء تک کامیابی سے یہ خدمت انجام دیئے نیز الفضل کی مینجری کے فرائض ادا کرنے کے بعد قائد آباد سے متصل علاقہ تھل کے چک ۸ ایم۔ بی (تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا) مستقل بود و باش اختیار کر لی۔ بالآخر ۸/ جولائی ۱۹۶۴ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ (اصلاح ۲۹/ اگست ۱۹۴۰ء و الفضل ۱۸/ جولائی ۱۹۶۴ء)
۶۰۔ الفضل ۱۸/ جولائی ۱۹۶۴ء صفحہ ۵ کالم ۳۔
۶۱۔ بعض دوروں میں خواجہ غلام نبی صاحب گلکار بھی ہمسفر رہے (اخبار اصلاح سرینگر ۱۵/ جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۲)
۶۲۔ اخبار اصلاح ۲/ جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۲۔
۶۳۔ الفضل ۱۸/ جولائی ۱۹۶۴ء صفحہ ۵ کالم ۴۔

۶۴۔ اخبار اصلاح سرینگر ۱۳/ جون ۱۹۴۴ء صفحہ ا سے معلوم ہوتا ہے کہ چوہدری صاحب نے کشمیر پریس کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے دوسرے صحافیوں کے ساتھ ۲۳/ مئی ۱۹۴۴ء کو ملاقات کی تھی۔ اس ملاقات میں قائداعظم نے مسلمانوں کو بلاامتیاز فرقہ ایک پلیٹ فارم پر اور ایک جھنڈے تلے جمع ہونے کی تلقین فرمائی۔

۶۵۔ اخبار اصلاح ۱۳/ نومبر ۱۹۴۰ء صفحہ ا۔

۶۶۔ اخبار اصلاح ۶/ مارچ ۱۹۴۱ء صفحہ ا کالم ۱-۲۔

۶۷۔ اخبار اصلاح ۲/ جون ۱۹۴۴ء صفحہ ا۔

۶۸۔ الفضل ۱۸/ جولائی ۱۹۶۴ء صفحہ ۷ کالم ا۔

۶۹۔ بحوالہ اصلاح سرینگر ۱۵/ جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۳ کالم ۳۔

۷۰۔ زرپرستان کے علاقہ میں کشمیری پنڈتوں کی آبادی زیادہ تھی۔

۷۱۔ اخبار اصلاح سرینگر ۲۹/ جون ۱۹۳۷ء صفحہ ا۔

۷۲۔ اخبار اصلاح سرینگر ۱۳/ جولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۶ کالم ۳ و اخبار اصلاح سرینگر ۲۹/ جون ۱۹۳۷ء۔

۷۳۔ اخبار الفضل قادیان نے بھی احتجاج کیا تھا۔

۷۴۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ستمبر ۱۹۳۷ء میں مولوی عبدالرحیم صاحب نیر (سابق مبلغ انگلستان و افریقہ) کو سرینگر بھجوایا۔ حضرت نیر صاحب نے وہاں پہنچ کر کشمیر کے گورنر، وزیراعظم، وزیر مال، سیکرٹری سیاسیات سے مفصل ملاقاتیں کیں۔ اور ان پر مسئلہ گاؤکشی کی حقیقت واضح کی اور ینگ مین سناتن دھرم ایسوسی ایشن کے پریذیڈنٹ و سیکرٹری اور ایڈیٹر مارتنڈ۔ ایڈیٹر ہمدرد وغیرہ سے بھی ملے۔

۷۵۔ الفضل ۱۸/ جولائی ۱۹۶۴ء صفحہ ۵-۷۔

۷۶۔ کشمکش صفحہ ۲۱۴-۲۱۵۔

۷۷۔ مکمل پمفلٹ ضمیمہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔

۷۸۔ دیش سیوک ۲۰/ ستمبر ۱۹۳۸ء۔

۷۹۔ یہ فیصلہ مسلم کانفرنس کے آخری اجلاسوں میں پتھر مسجد میں کیا گیا۔ یعنی عین اس جگہ جہاں سات سال قبل اس اسلامی ادارہ کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ چوہدری حمید اللہ خاں صاحب، مولوی رفیع الدین صاحب اور غلام حیدر خان صاحب غوری اور عبدالستار صاحب پریذیڈنٹ انجمن شیر گوجراں سرینگر نے اس قرارداد کی مخالفت کی مگر بھاری اکثریت نے نیشنل کانفرنس کے حق میں فیصلہ دیا۔

۸۰۔ اخبار اصلاح (سرینگر) ۱۶/ جون ۱۹۳۹ء صفحہ ۵ کالم ۲۔

۸۱۔ اخبار اصلاح سرینگر ۱۶/ جون ۱۹۳۹ء تا ۲۱/ جولائی ۱۹۳۹ء۔

۸۲۔ اخبار اصلاح ۶/ فروری ۱۹۴۱ء صفحہ ۳ کالم ا (بیان جناب چوہدری غلام عباس صاحب)

۸۳۔ اخبار مارتنڈ ۷/ مئی ۱۹۳۹ء بحوالہ اخبار اصلاح سرینگر ۲/ مئی ۱۹۴۰ء۔

۸۴۔ ملاحظہ ہو اخبار اصلاح سرینگر ۲۵/ دسمبر ۱۹۳۹ء تا ۲۰/ جون ۱۹۴۰ء۔

۸۵۔ بحوالہ اخبار اصلاح ۲۶/ جون ۱۹۴۰ء صفحہ ا کالم ا۔

۸۶۔ اخبار اصلاح ۱۰/ اکتوبر ۱۹۴۰ء صفحہ ا و ۱۲۔

۸۷۔ اخبار اصلاح ۲۱/ ستمبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۲۔

۸۸۔ وسط ۱۹۴۴ء میں مسٹر محمد علی جناح صاحب (قائداعظم) کشمیر میں قیام پذیر تھے ایسوسی ایشن کا ایک وفد جو خواجہ غلام نبی صاحب گلکار اور خواجہ عبدالغفار صاحب ڈار مولوی فاضل مدیر اصلاح پر مشتمل تھا ۱۹/ مئی ۱۹۴۴ء کو آپ کی قیام گاہ پر ملا۔ اور سیاسیات کشمیر پر گفتگو کی۔ خواجہ غلام نبی صاحب گلکار کے بیان کے مطابق دوسرے روز چوہدری غلام عباس خان صاحب اور مسلم کانفرنس کے دوسرے کارکنوں نے بتایا کہ قائداعظم آپ (یعنی خواجہ گلکار صاحب) کی بہت تعریف کرتے تھے اور ان کی نظر کشمیر

کی لیڈر شپ کے لئے آپ پر لگی ہوئی ہے۔

۸۹۔ اصلاح (سرینگر) ۱۳/ جون ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔

۹۰۔ اصلاح ۱۳/ جون ۱۹۴۴ء صفحہ ۶ کالم ۴۔

۹۱۔ اخبار اصلاح سرینگر ۲۵/ جولائی ۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

۹۲۔ اخبار اصلاح ۶/ جولائی ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔

۹۳۔ اصلاح (سرینگر) ۲۳/ مئی ۱۹۴۶ء صفحہ ۴۔

۹۴۔ اصلاح ۳۰/ مئی ۱۹۴۶ء صفحہ ۳۔

۹۵۔ الفضل ۲۴/ جون ۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴۔

۹۶۔ اخبار اصلاح ۳۰/ مئی ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ کالم ۴۔

۹۷۔ اخبار الفضل ۱۸/ جولائی ۱۹۶۴ء صفحہ ۷ کالم ۲۔

۹۸۔ جناب عبد الوحید قاسمی صاحب اسلام آباد تحریر کرتے ہیں کہ ۴/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو خواجہ غلام نبی گل کار آزاد کشمیر حکومت کے پہلے صدر بنے۔ (اخبار لولاک فیصل آباد ۱۵/ جنوری ۱۹۸۸ء صفحہ ۱۳)

۹۹۔ یعنی گلی احمد صاحب کوثر مدیر اخبار ہمارا کشمیر (مظفر آباد)

۱۰۰۔ اصلی نام مصلحتاً پوشیدہ رکھے گئے اور ان کی بجائے ان کے متبادل نام رکھے گئے تھے۔ تاکہ ان کو کام کرنے میں آسانی ہو۔ (مولف)

۱۰۱۔ خواجہ غلام محمد خان مرحوم المعروف عدم تشدد۔

۱۰۲۔ روزنامہ ہمارا کشمیر مظفر آباد مورخہ ۴/ اکتوبر ۱۹۵۳ء (ایڈیٹر گل احمد خاں صاحب کوثر)

۱۰۳۔ میری یادداشت کا ایک ورق از منور کاشمیری خواجہ عبد الغفار صاحب ڈار۔ محررہ دسمبر ۱۹۶۳ء۔

۱۰۴۔ بیان محررہ ۸/ اکتوبر ۱۹۶۳ء (قریشی محمد اسد اللہ صاحب فاضل کے ایک غیر مطبوعہ مقالہ سے ماخوذ)

۱۰۵۔ صفحہ ۶۲۱۔

۱۰۶۔ THE KASHMIR OF SHEIKH MUHAMMED ABDULLAH P.317 (BYC. BILQEES TASEER
ناشر فیروز سنز لاہور ۱۹۸۶ء۔

۱۰۷۔ دو قومیں اور کشمیر (مصنفہ لارڈ برڈوڈ) صفحہ الخص طبع اول ۱۹۵۶ء بحوالہ معمار آزادی کشمیر صفحہ ۴۶-۴۷ (از جناب قریشی محمد اسد اللہ صاحب فاضل کاشمیری)

۱۰۸۔ الفضل ۱۹/ اکتوبر ۱۹۴۷ء (یہ اداریہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے قلم کا لکھا ہوا ہے)

۱۰۹۔ الفضل ۱۹/ اکتوبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱-۲۔

۱۱۰۔ خان محمد رفیق صاحب مہاجر کشمیر مقیم سیالکوٹ اپنے کتابچہ سیاسیات کشمیر پر ایک نظر میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور میاں افتخار الدین صاحب ممدوٹ دلی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے حکومت کو (کشمیری مہاجرین کی آباد کاری۔ ناقل) پر مائل و قائل کیا۔ صفحہ ۱۶ پبلشرز ایم ایم شیخ اینڈ برادر زچوک پوربیاں سیالکوٹ۔ ممتاز برقی پریس شہر سیالکوٹ۔

۱۱۱۔ الفضل ۱۲/ نومبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۳ (یہ اداریہ حضور کے قلم سے لکھا ہوا ہے)

۱۱۲۔ اس انجمن کے عہدیدار اور مشہور ممبر حسب ذیل ہیں۔ خان محمد رفیق خان صاحب (صدر)' خواجہ علی محمد صاحب بابا (نائب صدر) ڈاکٹر نیاز صاحب (جنرل سیکرٹری)' میر عبد المنان صاحب ایم۔ اے ایل ایل بی (نائب سیکرٹری)' خواجہ عبد الغفار صاحب ڈار (آفس سیکرٹری و سیکرٹری مال)' خواجہ غلام نبی صاحب گلکار' راجہ زبردست خان صاحب مرحوم' محمد ایوب صاحب صابر' مولوی عبد الرحیم صاحب' چوہدری کریم بخش صاحب جنجوعہ' غلام قادر صاحب سوپوری' خواجہ منظور الحق صاحب ڈار' ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب' شیخ عبد الحی صاحب ایڈووکیٹ مظفر آباد' مفتی ضیاء الدین صاحب ضیاء' قاضی حفیظ اللہ صاحب سالب' خواجہ عبد العزیز صاحب ڈار' چوہدری اللہ رکھا صاحب' چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب ایڈووکیٹ' چوہدری احمد خان صاحب۔

۱۱۳' ۱۱۴ بحوالہ ہندو سامراج اور کشمیر صفحہ ۱۶-۱۷ (مولفہ جناب گیانی عباد اللہ صاحب مینجر الفضل ربوہ۔

۱۱۵۔ اخبار رہنما راولپنڈی ۱۵/ اپریل ۱۹۴۸ء۔

۱۱۶۔ احمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۹۸۱-۹۸۲ (مولفہ ملک عبدالرحمن صاحب خادم گجراتی ﷺ بار ششم مطبوعہ دسمبر ۱۹۵۲ء)

۱۱۷۔ جنگ بندی کے بعد ہندوستانی فوجی افسروں نے بین الاقوامی افسروں کے ساتھ مل کر خط متارکہ کی نشاندہی کے وقت میں وادی کے حصول کی کوشش کی۔ لیکن اس موقعہ پر بھی فرقان بٹالین کے افسران نے اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے وادی کے اگلے کناروں پر دشمن کی مقبوضہ پہاڑی کے دامن میں اپنی پوسٹ قائم کرلی اور اس پوسٹ کے آگے نشاندہی کے موقف پر قائم رہے اور اس طرح ہندو فوج کے افسران کی خواہش کو پورا نہ ہونے دیا۔ چنانچہ بین الاقوامی افسروں کو دو ہفتہ کے لئے یہ کام ملتوی رکھنا پڑا۔ آخر فرقان بٹالین ہی کو فتح ہوئی اور خطہ متارکہ کا نشان وادی کے آخری کنارہ سے ۱۵۰ گز تک دشمن کے علاقہ میں لگایا گیا۔

۱۱۸۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۲-۱۳ (شائع کردہ میاں محمد یوسف صاحب سیکرٹری مجلس مشاورت)

۱۱۹۔ یہاں ان مجاہدوں کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے جو اپنے فرائض بجالاتے ہوئے حوادث کا شکار ہو کر عمر بھر کے لئے بیکار ہو گئے۔ (۱) محمد اسمٰعیل صاحب ولد اللہ دتہ صاحب چک نمبر ۵۶۵ تحصیل جڑانوالہ ضلع لائلپور۔ (۲) محمد سلیمان صاحب گوالمنڈی لاہور۔ (۳) محمد خورشید صاحب ولد محمد دین صاحب گیانی۔ (۴) محمد حسین صاحب ولد نور محمد صاحب چک شیر کا نمبر ۲۷۸ ج۔ب ضلع لائلپور۔ (۵) بشیر احمد صاحب سندھی۔

۱۲۰۔ پاکستانی افواج کے افسران فرقان بٹالین کے سیکٹر کا مختلف اوقات میں معائنہ فرماتے رہے اور زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کے جذبہ قربانی کو دیکھ کر نہایت اچھا اثر لیتے رہے صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صاحب (جو اس وقت پاکستانی افواج کے ایڈجوٹنٹ جنرل تھے) نے بھی اس بٹالین کا معائنہ فرمایا۔

۱۲۱۔ یہ بات سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے ۲۳/ مارچ ۱۹۸۱ء کو ایک ملاقات کے دوران مولف کتاب ہذا کو خود بتلائی اور فرمایا کہ برگیڈیئر کے ایم شیخ کو فرقان کی عظیم الشان خدمات کا ذاتی طور پر علم تھا اور وہ اس کے غایت درجہ معترف اور متاثر تھے۔

۱۲۲۔ یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ حکومت پاکستان نے فرقان بٹالین کے ان ۹۱۷ مجاہدوں کو تمغات دفاع دیئے ہیں جو ۱۹۴۹ء کی جنگ سے پیشتر کسی وقت ۹۵ روز تک اس بٹالین میں خدمات بجالاتے رہے۔

۱۲۳۔ حضور ان دنوں کوئٹہ میں تشریف فرما تھے۔

۱۲۴۔ الفضل ۲۳/ جون ۱۹۵۰ء صفحہ ۸۔

۱۲۵۔ الفضل ۱۷/ مئی ۱۹۴۹ء صفحہ ۸۔

۱۲۶۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۴۔

۱۲۷۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۰ء صفحہ ۲۰۔

۱۲۸۔ شیر کشمیر صفحہ ۱۲۹۔

۱۲۹۔ الفضل ۱۵/ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۳-۴۔

۱۳۰۔ الفضل ۲۳/ فروری ۱۹۵۷ء صفحہ ۳ کالم ۲-۴۔

۱۳۱۔ الفضل ۸/ ستمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

مرزا صاحب نے آڑے وقت میں مسلمانوں کی صحیح راہنمائی فرمائی

کتاب تاریخ احمدیت جلد پنجم کشمیر کی تحریک آزادی کا بہترین مرقع ہے

(ہفت روزہ انصاف (۲۱-اپریل ۱۹۶۶) نے تاریخ احمدیت جلد ششم (طبع اول) پر حسب ذیل تبصرہ کیا)

"جماعت احمدیہ کے تیسرے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود احمد جو پچھلے سال وفات پا گئے- مذہبی رہنما ہونے کے علاوہ عظیم سیاست دان بھی تھے- چنانچہ چوہدری غلام عباس خان سابق صدر جموں و کشمیر مسلم کانفرنس نے اپنی خود نوشتہ سوانح حیات کے ایک باب میں لکھا تھا کہ میں نے مذہب مولانا ابوالکلام آزاد سے سیکھا جن سے میرا سیاسی اختلاف ہے اور میں نے سیاست مرزا بشیر الدین محمود احمد سے سیکھی جن سے میرا مذہبی اختلاف ہے- تاریخ احمدیت جلد پنجم کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس جماعت کی مذہبی سرگرمیوں کی تفصیل ہوگی لیکن اس کے اوراق الٹنے سے پتہ لگتا ہے کہ یہ مسلمانان غیر منقسم ہند اور پھر اسلامیان جموں و کشمیر کی تحریک آزادی کا بہترین مرقع ہے- مرزا صاحب نے آڑے وقت میں جب کہ بہت سے مسلمان لیڈروں کی آنکھیں کانگریس کے خوشنما بہروپ سے چکا چوند ہوتی تھیں- مسلمانان ہند کی صحیح رہنمائی اور ترجمانی کی- اور ان کو ہندوؤں کی نیت اور عزائم سے بروقت آگاہ کیا- اس کے بعد آپ نے تحریک آزادی کشمیر کی ۱۹۳۱ء سے قبل ہی داغ بیل ڈال دی- اس کتاب کا مطالعہ سیاسیات کشمیر کے ہر طالب علم کے لئے انتہائی ضروری ہے- اس کے مطالعہ سے بہت ہی دلچسپ اور اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں- مثال کے طور پر ۱۹۳۵ء میں جب چوہدری عباس کو مسلم کانفرنس کا صدر بنایا گیا اور ان کا فقید المثال دریائی جلوس نکالا گیا تو مجلس استقبالیہ کے صدر خواجہ غلام نبی گلکار حال انور تھے اور رضا کاروں کی وردیاں قادیان سے بن کر آئی تھیں- ۱۹۳۲ء میں شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے گڑھی حبیب اللہ حال پاکستان میں مرزا صاحب موصوف سے ملاقات کرنی تھی تو شیخ صاحب کو یار لوگوں نے کار میں لٹا کر اوپر کپڑے ڈال کر ریاست کی حدود سے باہر سمگل کیا- کتاب میں علامہ اقبال مرحوم، شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ، سردار گوہر رحمان عبدالمجید قرشی اور چوہدری

غلام عباس وغیرہ زعماء کے بعض تاریخی اور علمی اہمیت کے خطوط بھی شامل ہیں۔ بعض تاریخی فوٹو گراف بھی دیئے گئے ہیں۔ غرضیکہ یہ کتاب کشمیر کی تحریک آزادی سے متعلق معلومات کا ایک بیش بہا خزینہ ہے اور ان معلومات کے بغیر کشمیر کی سیاسی تاریخ کا کوئی بھی طالب علم اپنے علم ...... کو مکمل نہیں قرار دے سکتا۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد آزاد کشمیر حکومت کی ابتدائی تشکیل میں بھی مرزا صاحب کا ہاتھ تھا۔ جس کی تصدیق پروفیسر محمد اسحاق قریشی کے ایک بیان سے ہوتی ہے جو اس کتاب میں چھپا ہے۔ قریشی صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے چوہدری حمید اللہ خان مرحوم سابق صدر مسلم کانفرنس کی معیت میں معاملات کشمیر کے بارے میں ۱۹۴۷ء میں مرحوم لیاقت علی خان سے ملاقاتیں کیں تو انہوں نے ہمیں مرزا صاحب سے ملنے کا مشورہ دیا۔ فرقان بٹالین جس نے ۴۸-۱۹۴۷ء کی جنگ آزادی میں جو نمایاں کارنامے سرانجام دیئے ان کا بھی ذکر ہے اور اس کی توصیف میں اس وقت کے پاکستان آرمی کے کمانڈر انچیف جنرل گریسی کا ایک توصیفی خط بھی شائع ہوا ہے۔“

(بحوالہ الفضل ۳۰۔اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ ۵)

اشاریہ

جلد۵

مرتبہ:۔ ریاض محمود باجوہ شاہد

اسماء:۔ .... صفحہ 1

مقامات :۔ .... صفحہ 21

کتابیات :۔ .... صفحہ 28

اسماء

آ

حضرت آدم علیہ السلام ۲۹۵

آر۔ای ہالینڈ ۲۱۵

آرتھر فروم، سر ۷

آرنلڈ، پروفیسر ۳۵۱

آزاد سبحانی، مولوی ۸۲، ۱۱۷

آصفہ مسعودہ بیگم ۱۶۲

آغا خاں، سر ۸۰، ۸۲، ۱۱۷، ۲۲۶، ۲۳۰، ۲۵۰، ۲۶۲

آفتاب احمد خاں ۳۷۱

آکھ، راجہ ۳۴۸

آئنگر، مسٹر ۱۹۲، ۶۹۷

حضرت ابراہیم علیہ السلام ۳۳۷

ابراہیم رحمت اللہ، سر ۱۱۷

ابراہیم علی خان، نواب۔کنج پورہ ۴۱۵، ۴۵۴، ۴۶۸، ۵۸۵

ابراہیم مالاباری، مولوی ۲۹۵

ابن سعود، سلطان ۱۲۶

ابوالاثر حفیظ جالندھری ۳۵، ۱۳۹

ابوالبشارت عبدالغفور ۳۴، ۲۴۴، ۲۴۵، ۳۰۹، ۳۱۸، ۳۶۰

ابوالحسن قدسی، سید ۲۰، ۱۰۸، ۳۲۳

ابوالعطاء جالندھری، مولانا ۲۰، ۲۷، ۳۴، ۱۰۱تا۱۰۳، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۲۸، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۶۴تا۱۶۷، ۱۷۱، ۱۸۰، ۱۸۱، ۲۴۳تا۲۴۶، ۲۸۶، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۶۰، ۴۳۸

ابوالکلام آزاد، مولانا ۶، ۶۵، ۶۶، ۸۰، ۱۱۰، ۱۶۰، ۴۵۴، ۴۷۶، ۴۹۹

ابوالمنیر نورالحق، مولوی ۲۶

ابوالہاشم خاں، چوہدری ۱۹۰

ابوبکر ایوب سماٹری ۲۵، ۲۴۲، ۲۴۳، ۳۱۴

ابوبکر بگنڈا ۱۶۴

ابوسعید احمدی ۵۲

ابوطاہر محمود احمد، حکیم ۸۲، ۳۱۲

ابوعامر اقبال احمد انصاری ۲۲۰

اجل سنگھ، سردار ۲۲۳

اجمل خاں، حکیم ۳۶۲

احداللہ، مولوی۔ناستور ۳۸۴، ۴۲۳

احسان اللہ خاں تاجور ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۶، ۲۸۷

احسن اللہ ۷۱۹

احسن شاہ، پیر ۶۴۷

احمد اللہ، خواجہ۔سرینگر ۴۷۳، ۶۶۹

احمد اللہ ہمدانی، میر واعظ ۳۸۸، ۴۰۱، ۴۰۲، ۵۰۲، ۵۹۶، ۶۰۵، ۶۲۶، ۶۴۷، ۶۷۸

احمد الدین، حکیم ۷۰۸

احمد الدین گکھڑوی ۲۴۴، ۳۱۸

احمد اندرابی، سید ۳۵۰

احمد بھائی، سیٹھ ۱۸۱

احمد بخش، منشی ۷۱۹

احمد حسین، ملک۔نیروبی ۹۹

احمد خاں نسیم ۲۵

احمد دین بی۔اے پلیڈر ۳۷۰، ۴۲۲

احمد شاہ ایم۔اے ۴۲۴

احمد شفیع، مرزا ۲۰

احمد علی، سید ۲۶

احمد علی امرتسری، مرزا ۳۵

احمد قریشی، شیخ ۳۵۰

احمد کشمیری، ملا ۳۵۱

احمد نورالدین سماٹری ۲۵

احمد نورالدین ۱۶۴

احمد یار، میاں ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۶۲

احمد یار دولتانہ ۶۵۴، ۶۵۵

ادریس داتو سماٹری ۱۶۴

ادھم، باباحاجی ۳۵۱

ارادت حسین اوریتوی، سید ۳۰۹

ارجمند خاں، مولوی ۲۰، ۲۳، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۴

ارون رابرٹس، لارڈ ۷، ۱۹۳، ۱۹۴، ۲۰۵، ۲۱۳، ۲۶۹، ۲۷۰

اسٹین، مسٹر ۳۳۴

اسد اللہ خاں، چوہدری ۱۸۹، ۲۵۱، ۲۵۸، ۴۳۸، ۵۳۶، ۵۴۰، ۵۴۹تا۵۵۱، ۵۸۷، ۶۴۳، ۶۵۷، ۶۶۰

اسد اللہ سہارنپوری ۲۴۴

اسد اللہ کاشمیری، خواجہ ۶۹۱

اسلم حیات، میجر ۷۰۸

اسماعیل آدم، سیٹھ۔بمبئی ۱۸۱، ۱۸۲

اسماء ممبران آل انڈیا کشمیر کمیٹی ۴۱۹تا۴۲۱

اسماء ممبران آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن ۶۶۲، ۶۶۳

اعجاز احمد بنگالی، سید ۲۶
اعجاز حسین، بابو ۸۲، ۱۲۸
اعظم یار جنگ، نواب ۳۶۲
افتخار الدین ممدوٹ، میاں ۷۱
افضال احمد، مولوی ۳۱۰
افضل حق، چوہدری ۶۶، ۱۵۷تا۱۵۹، ۱۷۴، ۴۳۲، ۴۸۲، ۴۹۸، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۲۵، ۷۱۷
اقبال احمد، چوہدری ۲۵۸
اکبر ڈار، خواجہ ۶۷۱
اکبر علی، مولوی ۱۲۸
اکبر علی وکیل، پیر ۱۴، ۸۱، ۴۹۹، ۶۴۳، ۶۵۵
البرٹ هیما، پروفیسر ۳۴۳
الطاف حسین حالی ۹۵، ۴۲۲
الف دین وکیل، خواجہ ۴۲۲
الفنسٹن ۳۲۹
اللہ بخش تسنیم، میر ۳۱۸
اللہ داد احمدی، بابو ۳۱۸
اللہ رکھا۔جسوکے ۶۹۹
اللہ رکھا ساغر ۴۱۶، ۴۳۸، ۴۴۳، ۵۱۱، ۵۲۱، ۵۵۱، ۶۸۲
الہ دین ابراہیم، سیٹھ ۹۶
امام الدین، مولوی ۲۵
امام الدین، منشی ۸۸، ۳۱۹
امام الدین قریشی، ڈاکٹر ۴۳۸
امام دین، نواب ۳۹۴، ۳۹۵
امان اللہ خاں، امیر ۱۲۵، ۱۲۶
امۃ الباری، صاحبزادی ۹۷
امۃ الحفیظ بیگم، نواب ۴۲، ۲۸۵
امۃ الحفیظ بیگم اہلیہ ڈاکٹر گوہر الدین ۱۱۰
امۃ الحی بنت حافظ روشن علی صاحب ۱۱۰
امۃ الحی حرم مصلح موعود ۹۷
امۃ الرشید بیگم ۳۲۱
امۃ السلام بیگم ۱۶۳، ۲۸۵، ۲۹۹
امۃ العزیز بیگم ۳۲۱
امۃ القیوم بیگم ۳۲۱
امۃ النصیر بیگم ۱۶۲
امجد علی، حاجی حکیم ۱۲۹، ۱۳۷
ام داؤد صالحہ بی ۹۷
امداد علی شاہ، خواجہ ۴۴۱
امر سنگھ ۳۹۵
ام رفیع، سیدہ ۲۸، ۹۷، ۱۶۲، ۱۶۳، ۲۷۳، ۲۹۹
امرناتھ چوپڑہ، لالہ ۳۵، ۳۷
امیر احمد خاں، سردار ۸
امیر الدین، میاں ۷۱۷
امیر حسین، قاضی سید ۱۰۷، ۲۳۹، ۲۵۳
امیر عالم، ماسٹر۔کوٹلی ۴۴۱، ۶۸۵
امیر مینائی ۱۷۵
انڈرسن، مسٹر ۵۱
اندرمن، منشی ۲۷۱
انصاری، ڈاکٹر مختار احمد ۶، ۸۰، ۱۱۰
انت پرشاد، بابو ۳۶، ۱۱۲
انوار حسین خاں آف ہردوئی ۸۵
انور شاہ کاشمیری ۱۵۹
انورول، پروفیسر ۱۱۰، ۵۴۲
اوصاف علی خاں، جنرل ۸، ۱۲۹
اے۔ایچ غزنوی ۲۱۸، ۲۲۶، ۵۸۵
ایچ ڈبلیو بی مانرو، ڈاکٹر ۳۵، ۳۷، ۴۲
ایچ۔سی کمار، پروفیسر ۱۳۸
ایس ایم عبداللہ، خاں ۳۰۷
ایس چین ۱۱۳
ایس جے ہردیال ناگ ۳۵
ایس کے بھٹہ چارجی ۳۵
اے۔کے غزنوی ۸۲، ۱۱۷
ایگل لاج، وائسرائے ۲۶۰
ای گیٹ، سر ۲۱۵
ایلبین بیزجی، سر ۳۸۰تا۳۸۴، ۳۸۹، ۴۲۴
ایلپن، کرنل آر۔وی۔کے ۴۶۲
ایم۔اے ، ڈاکٹر ۳۴۷
ایمرسن، مسٹر ۴۵۱
ایمری، ایل۔ایم ۲۱۸
ایم عبدالرحمان ۶۶۸
اینی، مسٹر ۶۴
ایوب شاہ۔مردان ۲۴۷

ب

بابد ۳۴۳
باٹ، کرنل ۱۵۰
باسودیو ۳۳۵

بپن چندر پال، بابو ۳۵، ۳۷
بخت نصر ۳۳۶
بدرالدین، حافظ ۳۲۴
بدرالدین، کیپٹن ۶۸۷
بدہن رانجھن لاہری ۳۵
برجوردو لال، سر ۵۴۱، ۵۴۵تا ۵۴۷، ۵۸۷، ۶۳۶
برڈوڈ، لارڈ ۶۸۹
برکات احمد ۷۰۹
برکت اللہ ایم۔اے ۳۶۵
برکت علی۔شہید ۶۹۹
برکت علی، چوہدری ۱۱۲
برکت علی خاں۔شملہ ۱۲۹
برکت علی، ملک ۴۳۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۵۰، ۶۵۴، ۶۵۸
برکت علی خاں، چوہدری۔گڑھ شنکر ۴۳۶
برکت علی لائق ۱۱۰، ۱۸۹، ۲۷۴
برلس ۲۲۴
برنیئر، ڈاکٹر ۳۳۷، ۳۵۲
بروس، مسٹر ۳۴۷
بروکن ھیڈ، مسٹر ۶۴
برہم، حکیم۔گورکھپور ۱۱۰، ۱۶۲
برو، مسٹر ۵۳۰، ۵۳۴
برودہ، مسٹر ۵۰۷
بشارت، مسٹر ۶۸۶
بشارت احمد امروہی ۲۷
بشارت احمد بشیر ۲۷

بشیر احمد ۲۲۱
بشیر احمد سندھی ۷۰۹
بشیر احمد گجراتی ۷۰۹
بشیر احمد امیر و مبلغ کلکتہ ۱۰۸، ۴۲۸
بشیر احمد، میاں۔لاہور ۵۳
بشیر احمد ایڈووکیٹ، شیخ ۳۴، ۲۷۸، ۴۳۷، ۴۳۸، ۵۰۵، ۵۳۵تا ۵۳۷، ۵۴۳، ۵۴۹، ۵۵۴، ۶۰۵، ۶۴۰، ۶۴۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۶۱
بشیر احمد ایم۔اے، صاحبزادہ مرزا ۸، ۱۱، ۱۸، ۴۹، ۵۰، ۸۷، ۸۹، ۹۲، ۱۰۹، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۸۹، ۲۱۴، ۲۴۲، ۲۷۶، ۲۹۹، ۳۲۰، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۷، ۵۳۴
بشیر احمد ریاض شہید ۷۰۴
بشیر الدین محمود احمد، صاحبزادہ مرزا۔خلیفۃ المسیح الثانی صفحہ ۱ تا آخر
بشیر الدین، حافظ مولوی ۲۷
بشیر علی، شیخ۔جہلم ۴۸
بشیر محمود دانی، ڈاکٹر ۶۸۷، ۶۸۹تا ۶۹۳
بکسر، کرنل ۵۲۶
بگواتیا ۳۴۳
بیگم شاہنواز ۲۴۶
بلال شاہ ۳۴۹
بلدیو سہائے، بابو ۳۵
بلکاک، پنڈت ۵۳۰، ۵۳۴
بلیکی، مسٹر ۳۳۶
بدرانائیکا ۲۹۸
بنکا چندر سین، بابو ۳۵

بہاری لال انند، لالہ ۳۵، ۳۷
بہاء الدین گنج بخش، شیخ ۳۵۱
بہشت بی بی صاحبہ ۱۶۷
بیکانیر، مسٹر ۵۰۷
بھگت رام، لالہ ۴۴، ۱۲۲
بھوپال سنگھ ایم۔اے ۲۵۹
بھوپندر ناتھ متر ۲۲۳

پ

پارس داس، لالہ ۳۵، ۴۴، ۱۲۹
پرتاب سنگھ ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۶۱، ۳۶۹، ۳۷۵، ۳۷۷، ۳۹۵
پردھان، مسٹر ۶۴
پرمانند، بھائی ۱۴۸، ۳۳۰
پریم ناتھ بزاز، پنڈت ۴۰۲، ۴۷۶
پطرس ۳۶۵
پورن کرن، راجہ ۳۳۱
پولوس ۳۴۲
پی۔ایچ دیدیکے ۲۹۸
پیٹرس جیروس ۳۵۲، ۳۵۳
پیٹرسن، آنریبل ۲۱۷
پی سی رائے، سر ۳۵، ۴۲
پی کے سین ۳۵
پیل، مسٹر ۵۹۶، ۶۰۵
پی مینن، راؤ بہادر وی ۳۵۲

ت

تاج الدین، شیخ ۱۰۰
تاج الدین تاج ۳۷۰

تاج محمد خاں ۸
تارا سنگھ، سردار ۱۴۸
تصدق احمد خاں شروانی ۶۵، ۱۱۶، ۱۳۰
تقی الدین، ڈاکٹر خلیفہ ۱۲۴
تمیز الدین، مولوی ۷۵
تیج بہادر سپرو، سر ۶۴، ۸۰، ۲۲۳، ۴۷۶
تھامس والکر آرنلڈ، سر ۲۳۴
تھوما۔ حواری ۳۶۵

ٹ

ٹکہ فتح جنگ، سردار ۵۱
ٹمپل وڈ، لارڈ ۲۵۰
ٹوس، بریگیڈیئر جنرل ۵۳
ٹیلر، ڈبلیو کوک ۳۲۹
ٹھاکر دت شرما، پنڈت ۱۳۸

ث

ثاقب میرزا خانی، نواب ۱۷۲
ثناء اللہ امرتسری ۶۷، ۱۰۳، ۱۱۰، ۱۳۱، ۱۴۳، ۱۵۹، ۳۳۵، ۵۰۲

ج

جان بازولی، سید ۳۵۱
جان کر، سر ۲۱۶
جان گنفر، مسٹر ۱۶۱، ۱۷۵
جارج فارسٹر ۳۳۷
جارڈین، ایل ڈبلیو ۵۲۸ تا ۵۳۰، ۶۲۵، ۶۲۹، ۶۳۶
جسونت سنگھ ۱۱۲
جگدمبا پرشاد لکھنوی ۱۰۱
جگن ناتھ، لالہ ۱۳۸
جلال الدین۔ پلوامہ ۴۴۰
جلال الدین، مفتی ۵۰۱، ۵۷۰، ۵۸۶
جلال الدین، ملا ۳۵۱
جلال الدین، میاں ۳۷۰
جلال الدین شمس ۱۰۰، ۱۳۵، ۱۷۲، ۳۱۰، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۴۰، ۳۶۲، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۹۹، ۶۲۶، ۶۴۳، ۶۶۱، ۶۷۰، ۷۱۸
جلال الدین قمر ۲۷
جمال احمد، حافظ ۱۶۳
جمال الدین، سید ۳۵۰
جمال الدین، کیپٹن ۶۸۷
جمال الدین۔ گاگرن ۴۲۳
جمال الدین علائی، سید ۳۵۰
جمال جانسن۔ سالٹ پانڈ ۳۱۳
جمشید، سلطان ۳۵۰
جمشید، کمپونڈر ۶۹۱
جمشید علی خاں، حکیم ۴۸
جنگ سنگھ، کرنل ۳۷۷
جواہر لال نہرو ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۹۲، ۲۵۲، ۴۲۳، ۶۹۸
جوشوا پوڈرو ۳۳۲
جوشی، مسٹر ۶۴
جوگندر سنگھ، سردار ۱۴۸
جوند سنگھ، سردار ۱۱۲
جہانگیر، بادشاہ ۳۵۲
جہم بن سامہ شامی ۳۴۹
جیاکار، مسٹر ۶۴
جیالال وانچو ۴۲۳
جے اندر، راجہ ۳۴۳
جی ایس کھپارڈے، سر ۳۶
جی ایم صادق ۴۳۸
جے سنگھ، راجہ ۳۲۹
جفری ڈی مانٹ مورنسی، سر ۱۲۴، ۱۲۸
جے کار ۲۲۳
جیکر، مسٹر ۸۰
جیمز آر۔ انز، سر ۲۱۶
جیمز واکر، سر ۲۱۶
جیون بٹ امرتسری، میاں ۲۳۹
جیون لعل، مسٹر ۴۴۷، ۴۹۰، ۴۹۱، ۶۱۶

چ

چارلس ولٹن ۴۵۱
چراغ الدین، شیخ ۶۰
چراغ الدین، مولوی ۲۵
چراغ حسن حسرت ۳۸۰
چراغ دین، مولوی ۱۸۲، ۳۱۰
چراغ دین، میاں۔ لاہور ۱۲۰
چراغ دین ولد صدر الدین ۸۶
چراغ علی، حکیم ۲۳۹
چراغ علی، مولوی ۳۶۲
چرچل، سر ونسٹن ۱۵۲، ۲۲۹
چرنجی لال پریم، مہاشہ ۱۰۲

چونی لال ۵۳۳، ۵۳۴
چھاگلہ، مسٹر ۸۰، ۱۱۷
چھوٹو رام، رائے ۷

ح۔خ

حبیب، سید ۳۵، ۱۳۸، ۲۲۹، ۳۶۲، ۴۱۶،
۴۳۳، ۴۷۴، ۵۴۳، ۵۸۵، ۶۵۰، ۶۵۱،
۶۵۹ تا ۶۶۱، ۷۱۸
حبیب الرحمان خاں شروانی ۱۱۰
حبیب الرحمٰن کپورتھلوی، منشی
۲۳۹
حبیب الرحمان لدھیانوی ۶۶۰،
۱۵۸، ۱۵۹
حبیب اللہ۔ بچہ سقہ ۱۲۵، ۱۲۶
حبیب اللہ، خواجہ ۲۱۲
حبیب اللہ، میر ۴۲۲
حبیب اللہ امرتسری، حافظ ۲۴۴
حبیب اللہ خاں، پروفیسر ۹
حبیب اللہ لون، مولوی ۴۲۲
حسام الدین، شیخ ۱۵۸
حسام الدین کشمیری، سید ۶۵۵، ۶۵۷
حسرت موہانی ۱۱۷، ۴۳۲
حسن، امام ۳۴۴
حسن، میر سید ۳۵۱
حسن دین ڈار، شیخ ۳۶۷
حسن شاہ، خواجہ ۳۷۷
حسن نظامی دہلوی، خواجہ ۳۵، ۱۱۰، ۱۲۹،
۱۳۶، ۱۳۸، ۲۴۷، ۲۷۵، ۳۹۶، ۴۰۱،
۴۱۳ تا ۴۱۸، ۴۲۸، ۴۳۲، ۴۵۳، ۴۵۴،
۴۶۰، ۴۶۸، ۴۷۳، ۴۸۷، ۴۹۷، ۵۰۰،
۴۲۸، ۵۸۵
حسین، میر سید ۳۵۱
حسین احمد مدنی ۱۶۰
حسین سمنائی، میر ۳۵۰
حسین شاہ جلالی، آغا سید ۳۸۳، ۴۰۲،
۵۰۲، ۶۳۴، ۶۶۹، ۶۷۱
حسین شاہ ذیلدار ۳۷۷
حسین تقی رضوی، سید ۳۵۱
حشمت اللہ خاں، ڈاکٹر ۱۲۰، ۱۳۹،
۱۴۲، ۱۶۹، ۱۷۱، ۲۳۹، ۴۲۸، ۴۳۷
حق نواز، میاں ۵۱
حمید احمد کلیم، میجر ۷۰۲
حمید اللہ، شیخ ۳۱۰
حمید اللہ خاں، چوہدری ۷۲۰
حمید اللہ خاں، نواب مولوی ۳۷۱
حیات خاں، سردار ۷
حیدر، آغا۔ سیالکوٹ ۵۰۲
خان میر افغان ۲۵۷
خلیق الزماں، چوہدری ۶۵، ۱۱۷
خلیل احمد مونگھیری، حکیم ۸۲، ۱۲۹
خلیل الرحمان، مولوی ۳۱۰
خلیل الرحمٰن آف بجبیڑی ۴۲۳، ۴۴۱
خلیل الرحمان خاں پشاوری ۷۰۹
خورشید انور، میجر ۶۹۱
خورشید احمد شاد ۲۷
خوشی محمد، چوہدری ۳۷۷
خیر، مولوی ۳۰۰
خیر دین، مولوی۔ نارووال ۲۴۴

د۔ڈ۔ذ۔ر۔ز

دانشمند خاں، منشی ۴۴۱
داؤد احمد، مرزا ۲۵۸
داؤد صالح بھائی ۸۲، ۱۱۷
داؤد احمد غزنوی، مولوی ۵۸
دربھوردھن ۳۳۵
درد، خواجہ میر ۲۵۸
دل محمد ایم۔ اے، خواجہ ۵۰۲
دلیپ سنگھ، سر ۵۴۶
دنی چند، لالہ ۳۵، ۱۱۰
دولت احمد خاں ۷۱، ۷۸، ۱۲۶
دھرم بھکشو، پنڈت ۱۰۱، ۱۰۲، ۲۴۳
دھیان سنگھ، مہاراجہ ۳۹۵
دیا کرن، راجہ ۳۳۱
دیانند، پنڈت ۲۷۱
دین محمد، منشی ۳۳۱
دین محمد ایڈووکیٹ، شیخ ۲۷۸، ۳۶۲،
۴۰۱
دیوان چمن لال ۴۶۳، ۴۶۴،
ڈارلنگ، لارڈ ۲۱۶
ڈبلیو۔ پی بارٹن، مسٹر ۲۱۵
ڈگلس گریسی، جنرل ۷۰۴، ۷۰۵
ذاکر حسین خاں، ڈاکٹر ۱۱۷
ذکاء اللہ خاں، چوہدری۔ جہلم ۴۸
ذوالفقار علی خاں، مولانا ۸، ۱۰۹، ۱۱۰،
۱۳۸، ۱۵۵، ۱۷۲، ۲۱۱
ذوالفقار علی خاں، نواب سر ۱۱۷، ۲۲۵،
۴۱۵، ۴۱۶، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۶۸

ذوالقدر جنگ، نواب ۳۵
ذینی دہلان۔ ساٹرا ۲۵،۱۶۴
رابرٹس، اے اے لین ۷،۵۱
رابرٹ گریور ۳۴۲
راجپال ۱۳۱،۱۵۳،۱۷۰،۵۴۶
راج محمد، چوہدری ۴۴۱
راجہ، مسٹر ۷
رام چند۔ پولیس افسر ۵۲۸،۵۳۳، ۵۳۴
رام چندرجی، راجہ ۳۳۲
رام چندردہلوی ۱۶۵،۳۱۷
رام چند مچندہ، لالہ ۱۳۸،۲۹۹
رام رتن پولیس افسر ۵۲۸
رام رتن، وزیر پونچھ ۵۲۹،۵۳۴
رام سنگھ ۳۹۵
رام ناتھ شرما ۶۳۶
رجب دین، خلیفہ ۳۶۲
رچرڈ ٹمپل ۳۶۲
رحمت اللہ مسٹر ۶۸۷
رحمت اللہ شاکر، شیخ ۱۰۹
رحمت علی، مولوی ۱۶۳،۱۶۴، ۲۴۱ تا ۲۴۳،۳۱۳
رحیم بخش بی۔ اے، خواجہ ۳۷۰
رحیم بخش، شیخ ۳۱۶،۴۵۳،۴۵۴، ۵۸۵،۶۴۲،۶۴۳،۶۵۹
رحیم داد، چوہدری ۶۸۵
رشید احمد، مرزا ۹۳
رشید احمد، قریشی۔ میرٹھ ۱۱۴
رشید احمد چغتائی ۲۶
رشید نیاز ۱۷۵
رضا علی، سید ۱۱۷
رضیہ صاحبہ ۱۱۰
رفیع احمد، مرزا ۲۸
رفیع الدین، مولوی ۷۲۰
رفیع احمد، میاں ۵۳
رکن الدین، سید ۳۵۰
رمضان علی، مولوی ۲۶
رموزی، ملا ۱۳۸
رنبیر سنگھ، مہاراجہ ۳۵۶،۳۵۷، ۳۶۹
رنجیت سنگھ، مہاراجہ ۳۹۴
روشن دین، بابو ۹،۱۱۴،۱۶۱، ۱۷۵
روشن دین، مولوی ۲۶
روشن علی، حافظ ۹،۱۹،۲۰،۲۲، ۳۴،۱۰۷،۱۴۳ تا ۱۴۵،۱۶۱،۱۷۲، ۳۵۹،۳۶۰
رومیش چندردت، بابو ۳۳۰
رئیس احمد جعفری ۷۷،۷۹، ۳۲۳
ریاض خیرآبادی ۱۳۸
ریڈنگ، لارڈ ۳۷۷
ریڈی، مسٹر ۶۸۷
رینچن، راجہ ۳۴۹
زین الدین، بابا ۳۵۱
زین العابدین، سلطان ۳۵۱
زین العابدین ولی اللہ شاہ، سید ۱۸، ۳۴،۱۲۱،۱۹۰، ۲۴۶،۲۵۶،۳۵۸،۴۳۱،۴۳۳ تا ۴۳۸، ۴۹۸،۵۰۸،۵۱۲،۵۱۵،۵۲۴،۵۲۷، ۵۲۸،۵۳۱ تا ۵۳۴،۵۴۰،۵۹۶،۶۰۵، ۶۲۴،۶۲۸،۶۳۱،۶۳۲،۶۳۷،۶۳۹، ۶۴۶،۶۴۹،۶۶۰،۷۰۰

س۔ ش

سالسبری، مسٹر ۵۲۷،۵۲۸، ۵۳۳،۵۳۴
سائمن، سرجان ۴
سبط حسن، شمس العلماء ۳۵
سبھاش چندربوس ۶۴
ست دیو، پنڈت ۱۶۵
ستیہ پال، ڈاکٹر ۱۹۲
ستیہ دیو اپدیشک ۱۰۲
سٹیفن گراہم ۳۴۷
سدرلینڈ ۴۱۰
سڈنہم، لارڈ ۲۱۷
سجاد حسین بی۔ اے، خواجہ ۳۵،۹۵
سخی جنگ شہید ۷۰۴
سراج الحسن سراج لکھنوی ۲۱۳
سراج الحق نعمانی، پیر ۳۴
سراج الدین، میاں ۹۶
سراج الدین احمد خاں سائل، نواب ۳۰۰
سراج دین، مولوی ۱۲۶
سردار احمد، مولوی ۷۰۹
سردار شاہ، سید ۴۴۱
سردار محمد، مولوی ۲۴۴
سرداری لعل، لالہ ۱۱۲

سرفراز خاں نمبردار ۶۴۹
سعد الدین شال، خواجہ ۳۷۷،۴۰۲، ۵۰۲،۵۹۰
سعد اللہ شہداد، خواجہ ۶۷۱
سکندر، سلطان ۳۵۰،۳۵۱
سکندر حیات خاں، سر ۷،۳۴۹، ۴۳۷،۵۲۵،۶۵۵
سکھ دیو ۵۲۹
سکینۃ النساء بیگم ۱۱۰
سلطان احمد، مرزا ۳،۹۲،۹۳، ۱۱۷،۲۳۷تا۲۳۹،۲۸۶،۲۹۲
سلطان احمد ذیلدار، چوہدری ۸
سلطان محمود، مولوی ۲۴۴
سلیط بن عبداللہ ۳۴۹
سلیم اللہ خاں، نواب ۳۶۲،۴۲۲
سلیم اللہ، صوبیدار میجر ۲۴۷
حضرت سلیمان علیہ السلام ۳۳۶
سلیمان، ڈاکٹر۔ سیلون ۲۹۷
سلیمان، شیخ ۳۵۰
سلیمان پھلواری، شاہ ۳۵
سلیم بیگ، مرزا ۲۴۲
سمیع پال وکیل ۶۶۱
سنت سنگھ ۲۸۱
سندر سین، راجہ ۳۳۱
سندھی متی ۳۴۳،۳۴۵
سہدیو، راجہ ۳۳۲
سی۔ آر داس ۱۱۱
سید احمد، مولوی فاضل ۲۵۷
سید احمد۔ فزیکل انسٹرکٹر ۱۰۸

سید احمد خاں، سر ۴۲۲
سیف الرحمان، صاحبزادہ ۱۰۷
سیف اللہ شاہ، مولوی ۵۴۲
سیموئل ہور، سر ۲۲۸
سین، مسٹر ۱۹۲
شارپ، مسٹر ۳۷۵
شاستری ۲۲۳
شالباہن، راجہ ۳۴۲،۳۴۴، ۳۴۵،۳۶۵
شانتی سروپ، پنڈت ۲۴۳
شاہ جہاں بی بی ۱۶۱
شاہ محمد ۸۶
شاہ میر ۳۴۹،۳۵۰
شاہنواز، میاں ۵۳
شبلی نعمانی، علامہ ۲۶۱،۴۲۲
شجاع الدین، خلیفہ ۱۲۴،۵۰۲
شرف الدین ۸۲،۱۱۷
شریف احمد، صاحبزادہ مرزا ۷،۸، ۴۳،۹۲،۹۵،۱۷۲،۱۹۳،۲۴۰،۲۴۶، ۲۵۷،۳۷۲،۷۰۷
شریف احمد امینی ۲۶
شریف حسین۔ شریف مکہ ۱۲۶
شعیب قریشی، مسٹر ۶۴،۱۱۵، ۴۳۴
شفاعت احمد، ڈاکٹر ۵۱،۸۲،۱۱۷، ۲۲۶،۲۳۰،۲۳۲،۵۸۵
شفیع احمد دہلوی، ڈاکٹر ۳۴،۴۶۵
شفیع داؤدی، مولوی ۸۲،۱۱۷، ۲۵۱،۴۳۲،۴۵۸،۵۸۵

شفیق احمد، حافظ ۷۰۹
شمس الحسن، سید ۴۳۶
شمس الدین، بابو ۲۵۸
شمس الدین، حاجی امیر ۳۶۷،۳۷۰، ۶۴۳
شمس الدین، حاجی امیر ۳۵۰
شمس الدین ابن مفتی ضیاء الدین ۶۶۱
شمس الدین اندرابی، علامہ سید ۳۵۱
شمس الدین عراقی، میر ۳۵۱
شنکر داس، پنڈت ۲۹۸
شنکرن نائر، سر ۷
شورش کاشمیری ۱۷۴
شوکت علی خاں، مولانا ۷۷،۸۳، ۲۰۹،۲۴۰،۳۱۱،۴۵۸
شہاب الدین، سر چوہدری ۵۲
شہاب الدین، سلطان ۳۵۰
شہاب الدین، منشی ۴۰۲
شہامت خاں ۱۶۱،۱۷۵
شیر احمد خاں، جمعدار ۲۵۸،۷۰۹
شیر علی، مولانا ۹۲،۱۰۹،۱۴۳،۱۴۴،۲۱۳، ۲۴۹،۳۲۰،۳۴۰
شیر محمد، بابا۔ سنگھ ۱۶۱
شیر محمد، کپتان ۵۸۵
شیر محمد، میاں۔ یکہ بان ۱۷۵
شیر ولی، کیپٹن ۲۵۸،۷۰۸،۷۱۱،۷۱۲

ص۔ض

صاحبدین میرپوری ۵۵۴،۶۴۸، ۶۴۹

صادق حسن امرتسری، شیخ ۴۰۱
صادق علی شاہ، سید ۲۶۱
صالح محمد، صوفی۔ قصور ۶۰، ۶۲، ۱۱۴
صالح محمد سندھی، چوہدری ۷۰۹
صبح صادق شاہ، سید ۲۶۱
صبغۃ اللہ۔ فرنگی محل ۳۵
صبیحہ بیگم اہلیہ مرزا انور احمد ۲۴۰
صدرالدین ۲۶۱
صدرالدین، خواجہ ۳۷۱، ۴۴۱، ۶۰۲
صدرالدین، مخدوم۔ ملتان ۳۵
صدرالدین، مولوی ۲۶، ۱۱۰، ۴۲۴
صدر یار جنگ، نواب ۳۵
صفدر علی۔ جموں ۳۸۹
صفی لکھنوی ۱۳۸
صلاح الدین احمد ۳۱۹
صلاح الدین ایم۔اے، ملک ۲۰، ۲۵، ۱۷۲
صلاح الدین پشاوری، قاضی ۶۴۰
ضمیر حسن خاں دل، حکیم مولوی ۱۳۸
ضیاء الدین، ڈاکٹر ۱۱۷، ۲۱۸، ۴۳۲
ضیاء الدین ضیاء، مفتی ۳۰۰، ۴۰۱، ۴۳۸، ۴۷۳، ۴۷۴، ۵۲۰، ۵۲۲، ۵۶۲، ۶۳۱، ۶۳۶، ۶۵۹، ۶۸۵

ط ـ ظ

طاہر احمد، مرزا۔ خلیفۃ المسیح الرابع ۹۷
طاہر سہروردی، مخدوم خواجہ ۳۵۱
طالب مہدی خاں، میجر نواب ۴۷
ظفر الاسلام، مولوی ۶۰
ظفر علی، سر مرزا ۵۸۱
ظفر علی خاں، مولانا ۶، ۶۷، ۱۰۴، ۱۱۷، ۱۳۷، ۱۶۰، ۱۷۱، ۱۷۴، ۴۳۳، ۵۰۱، ۶۸۲
ظفر محمد ظفر، مولوی ۲۰، ۲۴، ۲۴۷، ۳۱۰
ظل الرحمان بنگالی ۳۴، ۱۶۷، ۳۱۰، ۳۱۸
ظل حسین، خاں بہادر ۲۷۴
ظہور احمد، چوہدری ۱۱۲۲، ۱۴۹، ۳۷۶، ۳۸۰، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۲۸، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۸۸، ۴۹۶، ۴۹۹، ۵۰۵، ۶۲۹، ۶۳۸
ظہور الحسن، مولوی ۴۳۵، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۵۴
ظہور حسین، مجاہد بخارا ۶۰، ۱۰۲، ۱۶۶، ۳۰۹، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۴

ع ـ غ

عاشق حسین بٹالوی ۲۳۰، ۲۴۸
عالم، ڈاکٹر ۱۳۰
عائشہ بنت مفتی ضیاء الدین ۲۶۱
عائشہ صدیقہ ۱۰، ۲۴۱
عباد اللہ امرتسری، ڈاکٹر ۲۳۹
عباس احمد، چوہدری ۴۸۸
عبدالاحد خاں افغان ۲۵۷، ۳۱۰، ۶۲۵
عبدالاحد برزہ، خواجہ ۷۱۹
عبدالاحد کشمیری، مولوی ۳۶۰، ۳۸۴، ۴۴۸، ۶۰۲
عبدالجبار۔ رشی نگر ۳۷۳
عبدالجبار، مولوی۔ ناسنور ۴۲۳
عبدالحفیظ، نواب۔ ڈھاکہ ۵۸۵
عبدالحق، پادری ۱۰۱، ۳۱۸
عبدالحق، ڈاکٹر ۴۹۹، ۶۴۳
عبدالحق ایڈووکیٹ، مرزا ۳۴، ۱۱۴، ۱۲۲، ۱۸۹
عبدالحق، مولوی۔ بابائے اردو ۲۶۱
عبدالحکیم ۲۳۱
عبدالحکیم، خلیفہ ۳۶۲
عبدالحکیم جان۔ نیروبی ۹۹
عبدالحمید، مولوی ۱۰۹
عبدالحمید، میجر ۷۰۲
عبدالحمید، میجر ۷۰۲
عبدالحمید ایڈووکیٹ، شیخ ۳۹۱، ۵۰۳، ۵۰۷، ۶۳۱، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۹
عبدالحمید امرتسری، قاضی ۵۳۶، ۵۴۷ تا ۵۴۹
عبدالحمید شملوی، بابو ۱۱۴
عبدالحمید ظفر، مولوی ۴۳۲
عبدالحنان ہزاروی ۳۱۴
عبدالحئی، حکیم۔ سرینگر ۴۷۳
عبدالحئی عارف، ڈاکٹر ۳۱۰
عبدالخالق، مولوی ۲۶
عبدالرحمٰن، حکیم ۴۴۱
عبدالرحمان، غازی ۳۰

عبدالرحمٰن، کیپٹن ڈاکٹر قاضی ۷۰۸
عبدالرحمان، مستری ۴۸
عبدالرحمان، مولوی ۱۰۷
عبدالرحمان، مولوی۔ اندورہ
۳۷۴، ۴۲۳
عبدالرحمان، میاں۔ جموں ۴۴۱
عبدالرحمان، میر ۴۲۳
عبدالرحمان انور بوتالوی ۲۵، ۱۸۲، ۳۰۹
عبدالرحمان جٹ ۲۰، ۶۰، ۱۱۲،
۱۱۴، ۱۸۵
عبدالرحمان خادم، ملک ۳۴،
۱۰۱ تا ۱۰۳، ۱۱۴، ۱۲۲، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۷۲،
۲۴۳، ۲۴۵، ۳۶۰، ۶۸۵
عبدالرحمان ڈار، خواجہ ۳۷۸، ۳۷۹،
۳۸۶، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۴۱، ۶۷۱، ۶۸۳
عبدالرحمان شاہد سیلونی ۲۹۶
عبدالرحمان شہید ولد ولی محمد ۷۰۴
عبدالرحمان فریدکوٹی ۴۴۵
عبدالرحمان قادیانی، بھائی ۸۵، ۹۸،
۴۳۵، ۴۴۰
عبدالرحمان مبشر ۲۶
عبدالرحمان مصری، شیخ ۱۸، ۶۰،
۱۸۹، ۲۷۴
عبدالرحمان ہارڈی ۲۵۱
عبدالرحیم، خلیفہ ۳۸۰، ۳۸۱،
۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۴
عبدالرحیم، سر ۴
عبدالرحیم، شیخ ۳۱۰
عبدالرحیم، مولوی ۲۴۴، ۲۴۵،
۳۱۷
عبدالرحیم ایڈووکیٹ، مولوی ۴۰۳،
۴۰۵، ۴۲۳، ۴۳۸، ۴۴۰، ۶۲۹ تا ۶۳۲
عبدالرحیم درانی ۶۸۶
عبدالرحیم درد ۱۸، ۹۲، ۱۰۰، ۱۰۸، ۱۳۹،
۱۴۲، ۱۸۰، ۱۸۹، ۱۹۰، ۲۰۰، ۲۱۴، ۲۴۹،
۳۲۰، ۳۸۶، ۴۱۹، ۴۲۸، ۴۳۴ تا ۴۳۶،
۴۴۶، ۴۴۸، ۴۵۵، ۴۶۲، ۴۶۷، ۴۸۳،
۴۸۸ تا ۴۹۱، ۵۰۵ تا ۵۰۷، ۵۱۲، ۵۲۳،
۵۲۶، ۵۲۷، ۵۳۰، ۵۳۴، ۵۳۷، ۵۸۵،
۶۱۶، ۶۲۴، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۲، ۶۳۸، ۷۰۰،
۷۰۷، ۷۱۷
عبدالرحیم دہلوی، ڈاکٹر ۳۱۹
عبدالرحیم سوداگر۔ سندھ ۶۶۷
عبدالرحیم شاہ، مولوی ۱۶۵، ۳۱۸
عبدالرحیم شاہ، سید۔ بھگلہ ۳۱۵ تا ۳۱۷
عبدالرحیم خاں عادل ۳۲۳
عبدالرحیم عارف ۲۵
عبدالرحیم قادیانی، بھائی ۱۰۹
عبدالرحیم نیر ۱۰، ۳۴، ۹۶، ۹۹، ۱۶۲،
۱۷۱، ۳۱۰، ۳۵۹، ۷۲۰
عبدالرزاق۔ رشی نگر ۳۷۳
عبدالرزاق، خواجہ ۴۷۳
عبدالرزاق شہید ولد علی محمد ۷۰۴
عبدالرشید، شیخ ۱۸۶
عبدالرشید، مرزا میاں ۶۸۷
عبدالرشید بیہقی، میر ۳۵۱
عبدالرشید تبسم۔ اسسٹنٹ ایڈیٹر اخبار
"سیاست" ۶۴۲، ۷۱۸
عبدالستار۔ سرینگر ۷۲۰
عبدالسلام، چوہدری ۲۵۸، ۷۰۹
عبدالسلام، میر۔ سیالکوٹ ۹، ۴۸۳
عبدالسلام شملوی، حافظ ۶۲، ۱۱۴
عبدالسلام کاٹھگڑھی، چوہدری ۹،
۳۰۹
عبدالسلام عمر، میاں ۲۸، ۹۸، ۱۰۱
عبدالسمیع پال، خواجہ ۶۶۴
عبدالشکور لکھنوی ۱۶۶
عبدالعزیز، حکیم ۱۰۲
عبدالعزیز، خاں بہادر ڈاکٹر ۷۴
عبدالعزیز، میر ۴۹۹
عبدالعزیز پشاوری ۸۲
عبدالعزیز ڈار، مولوی ۳۸۴، ۴۲۳،
۴۲۴
عبدالعزیز ملتانی ۳۰۱
عبدالغفار خاں ۴۴۸
عبدالغفار ڈار ۲۶، ۳۸۴، ۴۲۳، ۴۹۹،
۶۶۷، ۶۶۸، ۶۷۳، ۶۸۷، ۷۲۰
عبدالغفور، شیخ ۱۱
عبدالغفور، صوبیدار ۲۵۸
عبدالغفور جالندھری ۲۵، ۶۰
عبدالغفور شاہ، سید ۴۷۳
عبدالغنی۔ پلوامہ ۴۴۱
عبدالغنی، خواجہ۔ بانڈی پورہ ۴۴۱، ۶۷۴
عبدالغنی، قاضی ۵۴۱
عبدالغنی ننگرو ۳۸۷
عبدالقادر، سر شیخ ۳۷، ۴۲، ۱۴۴،
۱۲۵، ۲۰۳، ۲۲۰، ۲۵۹

عبدالقادر، مولانا شیخ ۲۵، ۴۹، ۶۲،
۱۱۳، ۱۶۹،
عبدالقادر ایم۔اے، پروفیسر۔کلکتہ
۳۵، ۳۶، ۱۲۷
عبدالقادر، پروفیسر سید ۱۵۵، ۴۳۲،
۵۰۲، ۶۴۲، ۶۴۳
عبدالقادر بی۔اے، پنڈت ۴۸
عبدالقادر دہلوی، مولوی ۳۱۹
عبدالقادر ڈار، خواجہ ۴۲۲
عبدالقدوس مخدومی۔سرینگر ۴۴۰، ۵۳۲
عبدالقدوس ہاشمی ندوی، سید ۲۶۶
عبدالقدیر، مولوی ۷۰۹
عبدالقدیر خاں امروہی ۴۰۲، ۴۰۳،
۴۰۵، ۴۰۶، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۹۹
عبدالقدیر نیاز، صوفی ۵۴، ۱۰۰،
۴۳۵، ۴۳۸، ۵۰۵، ۵۰۸، ۵۲۰
عبدالقیوم، صاحبزادہ سر ۴۱۶،
۴۳۳، ۶۳۶
عبدالکریم، مولوی ۳۱۸
عبدالکریم، مولوی۔حلالپوری ۲۵۸
عبدالکریم سیالکوٹی ۱۰۷، ۱۴۳،
۱۷۲، ۳۶۲
عبداللطیف، صاحبزادہ۔ٹوپی ۳۱۰،
۴۱۶
عبداللطیف احمدی، سید ۱۶۵
عبداللطیف پریمی ۷۰۹
عبداللہ، مولوی۔چونڈہ ۳۲۴
عبداللہ، مولوی۔نارووال ۴۴۳
عبداللہ الہ دین، سیٹھ ۱۵، ۹۶، ۱۸۲

عبداللہ بریلوی، مسٹر ۱۱۷
عبداللہ خاں، چوہدری ۲۰۰، ۲۲۱
عبداللہ سکاٹ ۲۷۷
عبداللہ مالاباری ۱۷۲، ۲۹۵،
۲۹۶
عبداللہ مہار، میجر ۷۰۲
عبداللہ وکیل، مولوی ۳۸۸، ۴۰۲،
۴۰۳، ۴۰۶، ۴۲۳ تا ۴۲۵، ۴۳۸، ۴۴۰،
۵۴۳، ۶۰۲، ۶۶۹، ۶۷۱
عبداللہ ہارون، حاجی ۸۲، ۱۱۷،
۲۱۸، ۴۳۲، ۴۵۸
عبدالماجد بھاگلپوری ۲۸
عبدالماجد بدایونی ۸۲، ۱۱۷
عبدالماجد دریابادی ۱۸
عبدالمالک، مولوی ۷۰۹
عبدالمالک خاں، مولوی ۲۶
عبدالمتین، چوہدری۔ڈھاکہ ۴۳۲
عبدالمجید ۲۹۶
عبدالمجید سالک ۶، ۸۲، ۱۱۷،
۱۵۵، ۱۷۰، ۲۱۳، ۲۳۶، ۲۴۷، ۳۳۳،
۴۳۴، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۵۵
عبدالمجید قرشی ۳۵، ۱۵۵، ۴۳۸،
۶۴۵، ۶۴۶، ۶۶۴
عبدالمجید خاں لدھیانوی، صاحبزادہ ۹۶
عبدالمغنی خاں، مولوی ۸۸، ۹۲، ۱۱۹،
۲۷۲، ۴۳۳، ۷۰۰
عبدالمنان، خلیفہ ۶۸۷
عبدالمنان دہلوی، صوبیدار ۲۵۸، ۷۰۸،
۷۰۹

عبدالمنان عمر، مولوی ۱۶۹
عبدالواحد ۷۰۹
عبدالواحد، چوہدری ۶۶۸،
۶۷۳ تا ۶۷۶، ۶۸۲ تا ۶۸۴، ۷۱۹
عبدالواحد، حکیم ۳۱۰
عبدالواحد، شیخ مولوی ۲۵
عبدالواحد، مولوی۔ناسنور ۲۵، ۳۱۰،
۳۶۰، ۴۴۰
عبدالواحد، مولوی (غیر احمدی) ۳۲۴
عبدالواحد ساٹری ۲۵
عبدالوحید قاسمی ۷۲۱
عبدالوہاب، میجر ۷۰۸
عبیداللہ بسمل، مولانا حکیم ۱۰۱
عتیق اللہ، مفتی۔پونچھ ۴۳۸، ۴۷۴
عتیق اللہ شہید اندرابی ۳۵۰، ۵۵۴
عثمان گنائی، بابا ۳۵۱
عزیز احمد، مرزا ۲۴۰
عزیز احمد، ملک۔راولپنڈی ۹۷
عزیز احمد باجوہ ایڈووکیٹ ۵۰۸ تا ۵۱۰،
۵۲۹، ۵۳۳، ۵۳۶، ۵۴۷، ۵۵۴، ۶۴۹
عزیز اللہ، سید ۳۵۰
عصمت اللہ، مولوی ۲۴۵
عصمت اللہ وکیل، چوہدری ۱۱۴، ۲۸۴،
۳۲۱، ۴۱۳، ۴۲۴، ۴۳۳، ۴۵۸، ۴۷۰،
۴۷۷، ۴۸۵، ۴۸۸، ۵۰۵، ۵۰۸، ۵۳۵،
۵۳۸، ۶۴۳
عطاء الرحمان طالب ۲۰، ۲۵
عطاء اللہ امرتسری ۳۲۴
عطاء اللہ، کیپٹن۔بنگہ ۷۰۹

عطاء اللہ خاں، راجہ۔ پاڑی پورہ ۴۲۲
عطاء اللہ خاں، مرزا ۶۸۱
عطاء اللہ شاہ بخاری، سید ۶۶، ۱۵۸، ۱۶۰، ۲۸۳، ۷۱۷
عطاء محمد، شیخ ۳۷۱
عطاء محمد، مولوی ۱۱۲
عطر سنگھ، سردار ۴۹۸
علم الدین، غازی ۱۳۱، ۱۵۲، ۱۵۳
علم الدین سالک، پروفیسر ۴۳۲، ۴۴۳، ۶۵۶، ۶۵۷
علی ہمدانی، سید ۳۵۰
علی، نواب ۳۰۷
علی آشفتہ لکھنوی ۱۳۸، ۲۱۳
علی احمد جان ۱۲۶
علی امام، سر ۶۴، ۸۰، ۱۱۵
علی بخاری، میر ۳۵۱
علی ریشم خانہ، حکیم ۳۸۹
علی شاہ، خواجہ ۳۸۹
علی شاہ، سید۔ رنگون ۱۶۶
علی شاہ، سلطان ۳۵۱
علی محمد، پیر ۶۸۴
علی محمد، خواجہ ۶۶۹، ۶۷۱
علی محمد اجمیری، مولوی ۲۰، ۶۰، ۱۰۲، ۳۱۰
علی محمد، الحاج سیٹھ ۱۵، ۱۶
علی محمد بی۔اے۔بی ٹی ۲۰، ۱۱۲
علی محمد خاں، سر ۷۷، ۸۰
علی محمد، ملک راجہ ۲۰۰
علی نقوی صفی لکھنوی، سید ۳۰۰
علی میاں شاہجہانپوری، حافظ سید ۲۳۹
عمر ابن الخطابؓ ۵۱۷
عمر بخش، شیخ ۴۸
عمر بن عبد العزیز ۳۴۹
عمر حیات ٹوانہ، نواب سر ۳۵
عمر دین، بابو ۱۱۹
عمر دین، ڈاکٹر ۹۹
عنایت اللہ ۷۰۹
عنایت اللہ خاں ۱۲۶
عنایت اللہ خلیل، مولوی ۲۶
عنایت علی شاہ، سید ۳۱۹
حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۹۰، ۳۴۰ تا ۳۴۸، ۳۶۴، ۳۶۵
غضنفر علی خاں، راجہ ۱۲۹، ۲۰۸، ۶۸۵
غلام احمد، پیر ۳۸۹
غلام احمد اختر ۱۷۲
غلام احمد بدوملہوی ۲۰، ۴۴، ۶۰، ۱۰۱، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۷۱، ۲۴۳، ۳۱۰
غلام احمد خاں ایڈووکیٹ ۱۰۲
غلام احمد عشائی ۳۸۹، ۴۰۲، ۴۲۵، ۵۰۳، ۵۱۲، ۵۱۵، ۵۸۸، ۵۹۰، ۶۳۱، ۶۳۴
غلام احمد فرخ ۲۶
غلام احمد قادیانی، حضرت مرزا۔ مسیح موعود ۴۵، ۹۴، ۹۵، ۱۰۹، ۱۴۳، ۱۶۲، ۲۳۶، ۲۷۱، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۷
غلام احمد کشفی ۴۲۱، ۴۸۲
غلام احمد کلو، شیخ ۴۳۸
غلام احمد لون۔ ناسنور ۴۲۲
غلام احمد میر ۶۶۸
غلام احمد واعظ ۱۲۸
غلام احمد ہمدانی ۴۲۴
غلام الثقلین، خواجہ ۴۲۲
غلام السیدین، خواجہ ۶۶۷
غلام باری سیف ۲۷
غلام بھیک، میر ۱۰۵
غلام حسن ولد حبیب اللہ ۳۸۷
غلام حسین، چوہدری ۱۸۹
غلام حسین، چوہدری۔ کرنال ۱۴
غلام حسین ایاز، مولوی ۲۴
غلام حسین سفید پوش ۸
غلام حسین کلو، میر ۶۶۰
غلام حسین گیلانی، میر ۷۱۹
غلام حسین لاہوری ۱۷۵
غلام حسین لدھیانوی ۱۲۰
غلام حیدر، آغا ۴۵۸
غلام حیدر، راجہ۔ پاڑی پورہ ۴۲۲
غلام حیدر جنڈ الوی ۶۸۶
غلام حیدر چشتی ۳۵۶
غلام حیدر خاں غوری ۶۸۲، ۷۲۰
غلام دین وانی، خواجہ ۶۸۶
غلام رسول، پیر ۳۸۹
غلام رسول، خواجہ ۴۴۱، ۴۹۸، ۶۶۸، ۶۷۳، ۶۸۲
غلام رسول راجیکی ۴۴، ۱۰۲، ۱۲۸، ۱۷۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۵۶، ۳۰۹، ۳۲۴،

۳۶۰
غلام رسول شوق، ملک ۱۸۹، ۱۹۰
غلام رسول شیخ ۴۲۳
غلام رسول محدث ۲۴۴
غلام رسول مہر ۱۱۷، ۲۵۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۶۱، ۶۵۹، ۷۱۸
غلام رسول وڈیرا ۷۱۹
غلام صادق، خان بہادر شیخ ۳۷۱
غلام عباس، چوہدری ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۸۹، ۳۹۱، ۴۱۰، ۴۲۴، ۴۲۷، ۴۳۸، ۴۶۳، ۴۹۹، ۵۰۳، ۵۰۸، ۵۱۲، ۵۱۵، ۵۲۱، ۵۸۸، ۶۲۷، ۶۳۱، ۶۳۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۷۹، ۷۲۰
غلام علی، حکیم۔ سرینگر ۴۷۳
غلام علی شاہ، مولوی ۱۶۵
غلام علی واسطی بلگرامی ۲۹۵
غلام فرید ایم۔ اے، ملک ۳، ۷۳، ۷۴، ۱۰۰، ۱۰۹، ۱۱۷، ۴۱۷، ۴۳۳
غلام قادر، خواجہ ۴۳۸، ۴۹۶، ۵۱۵
غلام قادر، شیخ۔ جموں ۴۳۸، ۴۷۱، ۵۰۹، ۵۱۱
غلام محمد، بخشی ۴۹۶، ۵۳۲، ۵۳۳، ۶۴۵
غلام محمد۔ ترال ۴۷۳
غلام محمد، حافظ صوفی ۹۸، ۱۲۰، ۱۲۸، ۲۹۵
غلام محمد، کپتان۔ دوالمیال ۸
غلام محمد، میر۔ گاگرن ۴۲۳
غلام محمد۔ ناستور ۴۲۲

غلام محمد بانڈے ۴۴۱
غلام محمد بی۔ اے ۴۷۳
غلام محمد خادم۔ جموں ۴۴۱
غلام محمد، خواجہ۔ سرینگر ۴۷۳، ۶۸۲
غلام محمد ڈار ۴۲۳، ۷۱۹
غلام محمد صادق ۴۹۶، ۶۶۴، ۶۶۹، ۶۷۱
غلام محمد گلکار، خواجہ ۳۸۹
غلام محمد وکیل ۴۰۶
غلام محی الدین، خواجہ ۳۶۷، ۴۲۸، ۶۶۸
غلام محی الدین، ڈاکٹر صوفی ۳۲۹، ۳۳۷
غلام محی الدین، مولوی ۵۰۲
غلام محی الدین شاہ ۳۸۴
غلام محی الدین قرہ ۴۳۸، ۴۹۶
غلام محی الدین قصوری ۱۲۵
غلام مرتضیٰ جلالی، سید ۷۱۹
غلام مرتضیٰ صاحب، مرزا۔ قادیان ۳۹۴
غلام مرشد، مولوی ۵۰۲
غلام مسیح، پادری ۱۳۸
غلام مصطفیٰ بیرسٹر، مولوی ۵۰۸، ۵۳۵، ۶۴۳، ۶۵۹
غلام نبی، خواجہ ۹۸، ۱۰۹، ۱۲۰، ۱۷۱، ۳۶۲، ۴۱۳
غلام نبی، خواجہ۔ شال مرچنٹ سرینگر ۴۷۳
غلام نبی رفیقی۔ سرینگر ۴۴۰، ۶۷۸
غلام نبی گلکار، خواجہ ۳۷۱، ۳۸۸، ۳۸۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۲۴ تا ۴۲۸، ۴۴۰، ۶۰۲، ۶۳۳، ۶۴۰، ۶۴۵، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۵ تا ۶۹۲، ۷۱۹، ۷۲۰

ف

فاروق احمد، مرزا ۲۴۰
فاضل بھائی، سیٹھ۔ سکندر آباد ۲۷۲
فاطمہ بیگم ۱۱۰
فتح محمد، حافظ ۱۰۸
فتح محمد، شیخ ۴۲۲
فتح محمد جالندھری ۲۲۱
فتح محمد خاں، سردار ۶۶۷، ۶۷۵، ۶۸۱
فتح محمد سیال، چوہدری ۳، ۷، ۸، ۳۲، ۳۳، ۴۳، ۵۶، ۹۸، ۱۱۲، ۲۵۶، ۳۲۰، ۴۱۳، ۴۳۵، ۴۵۷، ۵۲۵
فتح محمد کریلوی۔ کوٹلی ۴۳۸، ۵۲۹، ۵۳۱
فخر الدین، سید ۳۵۰
فرانسس ینگ ہزبینڈ، سر ۳۳۷
فرزند علی خاں، خان ۱۰۰، ۱۲۱، ۲۴۱، ۲۵۱، ۴۳۷، ۴۶۱، ۴۶۲، ۵۶۸
فرید الدین قادری، شاہ ۳۵۱
فریڈرک، مسٹر۔ جرمن سیاح ۲۳۱
فشر۔ آر۔ ای، میجر ۲۱۶
فضل ابراہیم رحمت اللہ ۸۰
فضل احمد، چوہدری ۱۸۹
فضل احمد صدیقی ایم۔ اے ۳۵۳
فضل الرحمان، حافظ ۱۶۶
فضل الرحمان، حکیم ۱۶۴، ۱۷۸،

۱۷۹،۲۳۱،۴۳۵
فضل الرحمان نعیم ۱۱۳
فضل الٰہی، مولوی ۱۰۷
فضل الدین پلیڈر، مولوی ۹۸،۱۶۳
فضل حسین، سر میاں ۲۲۶ تا ۲۲۸،
۴۱۵،۴۱۶،۴۵۱،۶۵۵،۷۱۷
فضل حسین، مولوی حکیم سید ۲۰۳
فضل حسین، ملک ۴۳،۹۹،۱۱۱،
۱۱۲،۲۲۵،۲۴۶،۴۲۲،۴۳۳،۴۹۹،۵۱۰،
۵۱۱
فضل حق، شیخ۔ بھیرہ ۵۸۵
فضل علی، بابو ۲۴۷
فضل علی لکھنوی، مولوی ۲۴۳
فضل کریم۔ احمدی وکیل ۷۳،۴۹۹
فضل محمد ہرسیاں والے، میاں ۳۱۹
فقیر اللہ، ڈپٹی ۳۱۸
فقیر اللہ، ماسٹر ۶۲،۱۱۴
فقیر سالک ہمدانی ۴۷۳
فقیر علی بابو [illegible]
فقیر محمد۔ کورٹ انسپکٹر ۷۷،۱۱۴
فقیر محمد بھٹی۔ نا سنور ۴۲۲
فقیر محمد خاں، کیپٹن ۷۰۹
فیروز، سید ۳۵۰
فیروز الدین، چوہدری۔ جہلم ۴۸
فیروز الدین، میاں ۳۷۱،۶۴۳
فیروز الدین امرتسری ۷۰۸
فیروز الدین ایڈووکیٹ، خواجہ ۳۷۱
فیروز خاں نون، ملک ۲۰۸،۲۰۹
فیروز شاہ ۲۴۷

فیروز محی الدین قریشی ۷۰۸
فیض احمد، میاں ۳۷۹،۴۴۱
فیض احمد فیض ۶۸۸

ق

قاسم الدین، بابو ۱۰۰۹
قاسم علی، میر ۳۴،۹۲،۱۰۲،۱۸۵
قاسم علی رامپوری، منشی ۱۱۰
قدرت اللہ، مرزا۔ لاہور ۸۶
قدرت اللہ، حافظ مولوی ۲۶
قدرت اللہ سنوری، منشی ۱۱۴
قطب الدین، سلطان ۳۵۰
قطب الدین شرق، مولوی ۴۳۱
قطب العالم ۳۵۰
قمر الدین، مولوی [illegible]
قمر الدین وکیل ۴۰۳،۴۰۶

ک۔ گ

کارنیلیس، مسٹر ۵۳
کالون، مسٹر ۵۲۳،۵۲۷،۵۲۹،۵۳۰،
۵۳۱،۵۴۴،۵۴۵،۵۹۶،۶۰۳،۶۰۵،
۶۲۵،۶۲۶،۶۳۳،۶۶۰
کالی چرن، پنڈت ۱۰۲،۱۰۳،
۵۴۶
کبیر، مولانا ۳۵۱
کبیر علی ہمدانی ۳۵۰
کچلو، ڈاکٹر سیف الدین ۸۰،۱۱۰،۱۱۶،
۱۱۷
کرتار سنگھ، گیانی ۴۳

کرتار سنگھ، مہتہ ۴۴۱،۶۰۷،
۶۳۶،۶۳۵،۶۷۰
کرشن پرشاد، سر ۳۶
کرم الٰہی امرتسری، ڈاکٹر ۹۶
کرم داد، سردار ۲۵۸،۳۱۹
کرم داد، مولوی۔ دوالمیال ۳۴
کرم دین بھیں، مولوی ۱۰۲،۱۰۳
کریم بخش، شیخ۔ کوئٹہ ۱۹۹
کریم بخش، میاں ۳۶۷،۳۷۰
کریمر، پادری ڈاکٹر ۱۵۴
کریو، لارڈ ۲۱۵
کشپ رشی ۳۳۱
کفایت اللہ، مولانا ۴۰،۸۲،۱۱۲،
۱۱۵،۱۱۷
کک، جنرل ۵۱
کلمن، پنڈت ۳۴۵
کلیم اختر ۶۸۹،۷۱۴
کمال الدین، خواجہ ۱۰۵،۱۴۲،
۳۶۲
کمال الدین اندرابی، سید ۳۵۰
کننور، مسٹر ۷۵
کنفلک ۳۳۴
کننگھم، مسٹر ۱۹۵
کے۔ ایم شیخ، بریگیڈیئر ۷۰۰،۷۰۴،
۷۲۲
کیمل سائے ۶۰[illegible]
کے سیت مری راؤ ۳۶
کیموروف ۲۱۴
کھڑک سنگھ، سردار ۱۱۰

گاندھی جی، مہاتما ۶۶، ۷۲، ۱۱۰، ۱۵۶، ۱۹۱، ۲۱۰، ۲۴۸، ۲۵۲، ۲۷۰، ۲۸۳، ۲۸۴، ۳۸۳، ۵۵۹
گراہم، ڈاکٹر ۷۱۱، ۷۱۲
گرائرایم۔اے ۹۹
گردھاری لال، لالہ ۳۵
گریگری، سی۔آر ۳۶۴
گریہم بوور، سر ۲۱۵
گستاو لی بان، ڈاکٹر ۳۲۷، ۳۲۹
گلاب سنگھ، مہاراجہ ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۶۹، ۳۹۵
گل احمد خاں کوثر ۶۸۵ تا ۶۸۷
گلزار احمد ۷۰۹
گلزار احمد فدا ۷۰۸
گلینسی، مسٹر ۴۳۷، ۴۹۱ تا ۴۹۳، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۸، ۵۱۳، ۵۱۵، ۵۲۴، ۵۶۳، ۵۷۶، ۵۸۸، ۶۲۲، ۶۲۶
گنگا ناتھ، سر ۶۸۳
گوپا نند، راجہ ۳۴۷، ۳۴۸
گوتم بدھ ۳۴۳
گوربخش سنگھ، سردار ۶۹۸
گوکل چند ۶۵۵
گوہر رحمان، سردار ۳۸۹، ۳۹۱، ۴۱۰، ۴۳۸، ۵۰۳، ۵۰۷ تا ۵۱۰، ۵۳۱، ۵۸۶، ۵۹۰، ۶۲۶، ۶۸۱
گیانیندر دیو شرما، پنڈت ۱۱۲

ل

لاتھر، مسٹر ۵۲۴، ۵۲۸، ۵۳۴، ۶۲۵
لاجپت رائے، لالہ ۱۰۴، ۱۰۶
لال دین قیصر، ملک ۱۵۵
لال شاہ، مولوی سید ۱۶۵
لچھمن ۳۳۲
لچھمن نرائن سہنا، منشی ۱۳۸، ۲۱۳
للتادت، راجہ ۳۳۲
للت موہن، بابو ۳۵
لنلتھگو، لارڈ ۲۲۹
لیاقت علی خاں، نوابزادہ ۱۱۷
لیٹیمر، مسٹر ۴۹۱، ۴۹۲

م

مادھوکول، پنڈت ۵۳۷
مانٹیگو، مسٹر۔وزیر ہند ۱۵۵
ماوس گوائر، سر ۲۲۹
مبارک احمد، حافظ ۲۰، ۱۰۸، ۳۱۷
مبارک احمد، شیخ ۲۵، ۴۳۸، ۴۹۸
مبارک احمد، مرزا ۲۶، ۳۲۱، ۷۰۰، ۷۰۶
مبارک احمد، ملک ۲۷
مبارک احمد ڈار ۴۲۳
مبارکہ بیگم، سیدہ نواب ۴۳، ۲۸۵
مجید ملک، مسٹر ۶۳۸
محبوب احمد، چوہدری ۷۰۹
محبوب شاہ ۴۴۴
محبوب عالم، منشی ۱۰۹
محبوب عالم خالد، شیخ ۲۰، ۲۵، ۱۰۸
محسن الملک، نواب ۴۲۲
محسن شاہ ایڈووکیٹ، سید ۱۲۴، ۲۰۳، ۳۷۱، ۳۹۶، ۳۹۷، ۴۰۱، ۴۰۳، ۴۱۶، ۴۳۲، ۴۵۸، ۵۰۲، ۵۸۵، ۶۳۸، ۶۴۲، ۶۴۳
حضرت محمد ﷺ ۲۹ تا ۳۲، ۳۶ تا ۴۸، ۸۳، ۱۱۰، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳۸، ۲۴۱، ۳۴۳، ۵۷۷، ۶۷۸
محمد، بابو شیخ ۵۱
محمد، حاجی ۳۵۰
محمد، حافظ۔میرپور ۴۳۸
محمد، مولوی۔مزنگ لاہور ۱۶۱، ۱۷۵
محمد ابراہیم، مولوی ۶۰
محمد ابراہیم اندرابی، سید ۳۵۰
محمد ابراہیم بقاپوری ۳۰۹
محمد ابراہیم بی۔اے، ماسٹر ۱۸۴
محمد ابراہیم خاں، سردار ۶۸۶، ۶۸۹، ۶۹۲
محمد ابراہیم سیالکوٹی میر ۴۳۲
محمد ابراہیم قادیانی ۲۴
محمد احسان، ڈاکٹر ۲۰۰
محمد احسن، مولوی ۱۶۵
محمد احمد ثاقب ۲۶
محمد احمد جلیل. ۲۵، ۷۰۹
محمد احمد مظہر ایڈووکیٹ، شیخ ۱۱۰، ۱۶۳، ۶، ۵۳، ۵۳۹ تا ۵۴۴، ۶۳۸ تا ۶۴۰
محمد اسحاق، سید میر ۱۸، ۲۰، ۲۲، ۲۳، ۹۵، ۹۷، ۱۰۲، ۱۰۷، ۱۱۹، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۹، ۱۷۱، ۱۸۲، ۱۸۹، ۱۹۰، ۲۴۶، ۲۷۶
محمد اسحاق، صوفی ۲۷

محمد اسحاق لطیف ۴۳۵،۵۰۸،
۵۱۰
محمد اسحاق، ملک ۴۹۷
محمد اسحاق قریشی، پروفیسر ۴۴۴،۴۹۹،
۶۸۸
محمد اسماعیل، خواجہ۔شوپیاں ۳۸۴،۴۴۱
محمد اسماعیل، سید ۲۷۶
محمد اسماعیل، سید میر ۴۳،۱۰۹،
۱۳۸،۱۸۹،۲۹۹
محمد اسماعیل۔شہید جموں ۴۹۹
محمد اسماعیل بیگ، سر مرزا ۲۱۸
محمد اسماعیل پانی پتی ۱۰۱
محمد اسماعیل خاں، نواب ۱۱۷
. محمد اسماعیل دیال گڑھی ۲۶،۷۰۹
محمد اسماعیل سوداگر۔سندھ ۶۶۷
محمد اسماعیل غزنوی ۴۱۶،۴۳۲،
۴۵۳،۴۵۴،۴۹۰،۵۰۵،۵۰۷،۵۳۷،
۶۱۶،۶۱۹
محمد اسماعیل منیر ۲۹۶،۲۹۷
محمد اسماعیل حلالپوری ۲۰،۱۰۷،
۱۳۹،۱۴۲،۱۷۲،۴۳۹،۴۴۸
محمد اسماعیل یادگیری ۲۹
محمد اسد اللہ، قریشی ۳۳۰
محمد اسلم، قاضی پروفیسر ۱۸۹،۱۹۰
محمد اسلم شہید۔مانگٹ اونچے ۷۰۳
محمد اشرف، صوبیدار ۷۰۹
محمد اشرف، مرزا۔محاسب ۲۷۲
محمد اعظم، خواجہ ۳۵۱
محمد اعظم خاں، نواب خواجہ ۳۷۱

محمد افضل، سید ۱۷۱،۳۵۰
محمد افضل، قریشی ۲۶
محمد افضل بیگ ۶۷۱
محمد اقبال۔کمانڈر فرقان بٹالین ۷۰۹
محمد اقبال، ڈاکٹر سر ۶،۶۷،۸۲،
۱۱۶،۱۱۷،۱۲۹،۱۳۸،۲۰۶،۲۱۸،۲۲۵،
۲۲۸تا۲۵۱،۳۶۲،۳۷۰،۴۱۵تا۴۱۸،
۴۲۲،۴۳۲،۴۵۳،۴۵۴،۴۵۸،۴۶۱،
۴۶۲،۴۶۸،۴۹۸،۵۵۲،۵۸۵،
۶۴۲تا۶۴۴،۶۵۰تا۶۶۰،۷۱۷
محمد اقبال حسین، سید ۱۱۴
محمد اکبر، راجہ۔جہلم ۵۲۷
محمد اکبر، شیخ ۶۷۱
محمد اکبر آفریدی ۱۷۶
محمد اکبر خاں۔گلگت ۶۵۰
محمد اکبر کیانی ۶۸۷
محمد اکرم خاں، مولوی ۴۸
محمد الدین، ماسٹر ۶۲۴
محمد الدین، منشی۔سابق مختار عام ۸۸،
۱۱۲،۱۱۹
محمد الدین فوق، منشی ۳۳۰تا۳۳۲،
۳۶۳،۳۷۱،۳۷۴،۴۲۲،۶۶۰،۶۶۴،
۶۶۶،۶۸۱،۶۸۳
محمد المغربی الطرابلسی، شیخ ۱۰۰
محمد امیر، بابو ۶۰
محمد امین، خواجہ ۲۵۸
محمد امین، خواجہ ۲۵۸
محمد امین، سرینگر ۴۴۰
محمد امین، قریشی ۴۴۱،۶۶۸،

۶۷۳
محمد امین، مولوی۔بھمبر ۴۲۸
محمد امین، مولوی ۱۰۲،۲۴۵،
۳۱۷
محمد امین اویسی، میر سید ۳۵۱
محمد امین زبیری ۶۵
محمد امین شاہ ۴۷۱
محمد اندرابی، سید ۳۵۰
محمد ایوب خاں، فیلڈ مارشل ۷۱۶،۷۲۲
محمد ایوب صابر ۴۲۳،۴۴۰
محمد بخش ایڈووکیٹ، میر ۴۷۵،۵۳۶،
۵۳۸،۵۴۸تا۵۵۰
محمد بخش مسلم، مولوی ۳۵،۲۹۹
محمد بشیر، سید۔پھگلہ ۳۱۷
محمد بن قاسم ۳۴۹
محمد بیضاڈوبری، امام ۹۶
محمد جی ہزاروی، مولوی ۲۰
محمد حسن آسان، ماسٹر ۹۸،۱۰۱
محمد حسن موسیٰ خاں، صوفی ۱۰۰
محمد حسین، حافظ ۳۲۴
محمد حسین، شیخ ۴۸
محمد حسین، ملک ۹۹
محمد حسین، مولوی۔احمدی ۳۰۹،۳۶۰
محمد حسین باجوہ، چوہدری ۱۶۷
محمد حسین بی کام ۴۹۷
محمد حسین چیمہ، کیپٹن ۲۵۸
محمد حسین شاہ، ڈاکٹر سید ۱۲۶
محمد حسین کولوتارڑوی ۲۴۵،۳۱۷،
۳۲۴

محمد حفیظ بقاپوری ۲۶

محمد حمزہ، شیخ ۳۵۱

محمد حنیف، قریشی ۳۴

محمد حنیف ندوی ۳۲۴

محمد حیات، مرزا ۲۵۸

محمد حیات خاں ۱۴۹

محمد حیات قیصرانی، سردار ۷۰۰، ۷۰۲

محمد خاں شہید، بھینی ۷۰۴، ۷۰۹

محمد خاں زمان خاں، سرمیجر ۴۷۴

محمد خلیل الرحمان بھیروی ۱۰۷

محمد خلیل کچلو ۶۷۴

محمد دہلوی، مرزا ۱۱۷

محمد دین، ڈاکٹر ۲۰۰

محمد دین، رانا ۷۰۹

محمد دین، ملک ۵۳۴

محمد دین، مولوی ۱۸، ۱۰۶، ۱۱۸، ۱۸۹، ۳۱۷، ۴۳۵

محمد دین، میاں۔ تاجر جموں ۴۲۲

محمد دین باجوہ، نواب ۹۵، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۶،

محمد رشید، بابو ۳۱۹

محمد رفیق، خاں ۷۲۱

محمد رفیق، شیخ ۳۶۷

محمد رفیق، ملک ۲۵۸

محمد رمضان، حافظ مولوی ۲۶، ۳۱۹

محمد رمضان، خواجہ۔ رشی نگر ۴۴۱

محمد رمضان، ڈاکٹر ۶۹۰

محمد رمضان خادم ۷۰۹

محمد زہدی، مولوی ۲۷

محمد سرور شاہ، سید ۱۸، ۲۳، ۲۴، ۲۷، ۳۴، ۶۰، ۹۲، ۹۵، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۴، ۱۷۲، ۲۵۳، ۳۶۲

محمد سعید، مولوی۔ ایڈیٹر ''ہمدرد'' ۴۰۵، ۴۲۵، ۴۲۶

محمد سعید مسعودی ۶۵۹، ۷۱۹

محمد سکندر، خواجہ ۳۸۸

محمد سلیم، مولوی ۲۵، ۱۶۹، ۳۱۸، ۴۴۷

محمد شاہنواز، ڈاکٹر ۱۷۱، ۴۲۷، ۴۷۰، ۵۲۴

محمد شریف، چوہدری۔ مبلغ فلسطین ۲۵، ۲۵۶، ۰۶

محمد شریف، سید۔ گھڑیالہ ۲۹۲

محمد شریف، مولوی ۱۵۵

محمد شریف، میاں۔ رئیس لاہور ۱۲۰

محمد شریف باجوہ، چوہدری ۱۶۷، ۱۸۹، ۴۹۹، ۶۴۳

محمد شفیع، حافظ مولوی ۱۰۲

محمد شفیع، ڈاکٹر ۲۰۰

محمد شفیع، سر ۶، ۶۷، ۸۰، ۸۲، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۷۰، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۳۰، ۲۴۷، ۴، ۷۱۷

محمد شفیع، شیخ۔ پلیڈر جہلم ۴۸

محمد شفیع، مرزا ۲۷۶

محمد شفیع اسلم، ماسٹر ۳۴

محمد شفیع داؤدی ۱۲۹، ۲۱۰

محمد شفیع زبیر ۷۰۹

محمد شفیع سنکھتروی ۲۴۵

محمد شفیق، قاضی ۸

محمد صادق، مفتی ۷، ۸، ۳۴، ۵۱، ۷۱، ۷۸، ۸۱ تا ۸۳، ۸۸، ۱۰۹، ۱۲۶، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۸۵، ۱۹۳، ۲۰۳، ۲۴۹، ۳۴۰، ۴۲۴، ۴۳۴، ۴۳۵، ۵۹۶

محمد صادق چغتائی، مولوی ۲۵، ۳۴، ۱۶۹، ۱۸۲، ۲۲۱، ۳۵۹

محمد صالح خاں شیروانی ۴۵۸

محمد صدیق، چوہدری۔ لائبریرین ۲۶، ۴۵۸، ۷۰۸

محمد صدیق امرتسری ۲۶

محمد طاہر اندرابی، سید ۳۵۰

محمد طیب، مولوی ۴۵۸

محمد ظفر اللہ خاں، سر چوہدری ۷، ۸، ۳۴، ۸۲، ۹۸، ۱۱۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۴۸، ۱۹۰، ۲۰۷، ۲۲۱ تا ۲۳۰، ۲۴۱، ۲۵۰، ۲۵۵، ۲۸۷، ۳۰۱، ۳۰۹، ۳۲۲، ۴۵۱، ۴۶۲ تا ۴۶۴، ۴۹۹، ۵۱۶، ۵۲۶، ۵۶۸، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۵ تا ۵۸۷، ۵۹۶، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۹۶ تا ۶۹۸

محمد ظہور الدین اکمل ۱۰۹

محمد عالم، ڈاکٹر ۵۰۱

محمد عالی بلخی، سید ۳۵۱

محمد عبداللہ ۶۵۵

محمد عبداللہ، ڈاکٹر ۱۰۸

محمد عبداللہ، شیخ ۳۸۷ تا ۳۸۹، ۴۰۱ تا ۴۰۳، ۴۰۵، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۲۳، ۴۲۵، ۴۲۸، ۴۳۳، ۴۳۲، ۴۳۵ تا ۴۵۰، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۸۲، ۴۸۵، ۴۸۸، ۴۹۹، ۵۰۲،

۵۰۶، ۵۰۷، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۲۰تا۵۲۳،
۵۳۰تا۵۳۳، ۵۳۷، ۵۴۱، ۵۴۳، ۵۴۴،
۵۴۷، ۵۵۲، ۵۵۴، ۵۶۱تا۵۶۷، ۵۷۰،
۵۷۱، ۵۸۲، ۵۸۶، ۵۹۰، ۵۹۳، ۵۹۴،
۶۰۴تا۶۱۰، ۶۲۷تا۶۳۶، ۶۴۲، ۶۴۴تا
۶۴۶، ۶۵۵، ۶۵۹، ۶۶۴، ۶۶۹، ۶۷۰،
۶۷۲، ۶۸۴، ۶۸۷، ۶۸۹، ۷۱۴

محمد عبداللہ، صوبیدار چوہدری
۷۰۹

محمد عبداللہ، قاضی ۱۰۶، ۴۳۶،
۴۹۷،

محمد عبداللہ، مولانا ۱۰۵

محمد عبداللہ بوتالوی ۲۷۲، ۳۱۵

محمد عبداللہ خاں، نواب ۹۲، ۹۵

محمد عبداللہ سیاکھوی ۵۹۶، ۶۶۰

محمد عبداللہ شاہ، مولوی۔ تاسنور ۴۲۳

محمد عثمان، مولوی ۲۷

محمد عثمان، بابو قریشی ۱۱۸

محمد عثمان بٹ۔ ترال ۴۷۳

محمد عثمان یعقوب، سیٹھ ۹۹

محمد عرفان، مولوی ۱۱۷

محمد عظیم باجوہ، چوہدری ۴۳۵، ۵۰۸

محمد علی، قاضی۔ نوشہرہ ۱۸۶

محمد علی ایم۔ اے۔ تاجر بمبئی ۱۰۵

محمد علی ایم۔ اے ۲۰، ۴۶، ۹۴،
۱۱۰، ۱۱۲

محمد علی بدوملہوی ۳۲۴

محمد علی جناح۔ قائداعظم ۴، ۶، ۶۹،
۸۰تا۸۳، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۷۰، ۲۲۳،
۲۳۰، ۲۴۸، ۲۵۰، ۶۷۴، ۶۷۹، ۷۲۰

محمد علی جوہر، مولانا ۴، ۶، ۹، ۱۸،
۶۵، ۷۷تا۸۲، ۱۱۷، ۱۷۰، ۱۷۴، ۳۱۱

محمد علی خاں، نواب ۸، ۸۸،
۱۴۴، ۱۶۲

محمد علی خاں افریقی، ڈاکٹر ۲۰۱

محمد علی نوشہروی، قاضی ۲۷۸تا۲۸۱

محمد عمر، مہاشہ ۲۵، ۴۳، ۱۰۲، ۳۰۹، ۳۲۴،
۳۶۰، ۴۳۸، ۶۷۸، ۶۷۹

محمد عمر ڈار، حاجی۔ تاسنور ۳۷۴، ۳۷۸

محمد عنایت اندرابی، سید ۳۵۰

محمد فاضل۔ راولپنڈی ۲۷۲

محمد قریشی، شیخ ۳۵۰

محمد کاظم، سید ۳۵۰

محمد کاظم علی شائق، سید ۳۰۰

محمد کمال، مولانا ۳۵۱

محمد لطیف، سید ۱۶۶

محمد مبارک، مولوی ۳۱۰

محمد مدنی، سید ۳۵۱

محمد منظور سنبلی۔ مرآدآبادی۔ ۱۶۶

محمد منور، مولوی ۲۷

محمد منیر، ڈاکٹر ۴۷۰

محمد میرک اندرابی، سید ۳۵۰

محمد میرو، ملا ۳۰۹، ۳۲۹

محمد ناصر شاہ سرور ۴۴۱

محمد نذیر ملتانی، قریشی ۲۵، ۳۴، ۳۶۰

محمد نذیر لائلپوری، قاضی ۲۰، ۳۴، ۱۰۹

محمد ہادی عزیز، مرزا ۱۳۸

محمد ہاشم بخاری، سید ۲۵۳

محمد ہمدانی، میر سید ۳۵۰

محمد یار عارف ۲۰، ۳۴، ۶۰، ۱۰۱، ۱۰۲،
۲۴۴، ۲۴۵، ۳۱۳، ۳۱۷، ۳۱۸

محمد یعقوب، منشی ۲۴۶

محمد یعقوب، سر مولوی ۸۲، ۱۱۷،
۱۳۸، ۲۰۹، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۲۲

محمد یعقوب خاں، مولوی ۹۸، ۴۸۸،
۴۸۹، ۶۳۸

محمد یعقوب طاہر، مولوی ۳۴، ۱۲۰

محمد یوسف، حافظ قاری ۱۰۷

محمد یوسف، شیخ ۱۴۹

محمد یوسف، قاضی ۱۰۹، ۳۴۰

محمد یوسف، میاں۔ پشاور ۱۶۳

محمد یوسف، میر واعظ ۵۰۲، ۶۷۸

محمد یوسف، نواب ۱۱۷، ۲۰۹

محمد یوسف ابن مولوی قطب الدین صاحب
۵۲۸

محمد یوسف امرتسری ۳۱۸

محمد یوسف خاں وکیل۔ صفاکدل
۴۰۲، ۴۰۴، ۴۳۸

محمد یوسف راجوری ۷۰۹

محمد یوسف شاہ، سید مولوی ۳۶۰

محمد یوسف قریشی، خواجہ ۶۸۱

محمد یوسف گلگتی ۴۴۱

محمود، حاجی ۱۶۳

محمود، ڈاکٹر سید ۱۱۷، ۱۵۸

محمود احمد عرفانی، شیخ ۳۴، ۲۴۲

محمود احمد ناصر، سید میر ۲۸

محمود اللہ شاہ، سید ۱۴۹

سودسہروردی ۱۱۷،۳۵
محمودہ بیگم ۱۲۱
محی الدین۔ بانڈی پودہ ۳۸۴
محی الدین ابن عربی ۱۱۱،۳۶
محی الدین قصوری ۱۰۵
محی الدین قمر قمرازی ۴۴۱
مختار احمد شاہجہانپوری، حافظ سید ۳۴،
۲۵۳،۱۷۵،۱۳۸،۱۱۸
مدثر شاہ، میر ۳۱۷،۱۶۶،۱۲۲
مڈلٹن، مسٹر ۵۱۳،۵۰۸،۵۰۲،
۶۳۶،۵۷۶،۵۷۴،۵۷۳
مراد، سید ۳۵۰
مرتضیٰ حسن شاہ جلالی، سید ۶۸۲
مروین، مسٹر ۵۱
مرید احمد، مولوی ۳۱۸،۳۱۰
حضرت مریم علیہ السلام ۳۶۵،۳۴۰
مریم بیگم، حضرت سیدہ (ام طاہر) ۴۵۷
مریم بیگم اہلیہ حضرت حافظ روشن علی ۱۰۰
مسعود احمد، مولوی ۲۴۵
مسعود احمد، سید میر ۲۸
مسعود احمد شاہ، سید ۵۸۵
مشتاق احمد، کیپٹن ۷۰۹
مشتاق احمد فاروقی ایڈووکیٹ ۴۲۵
مشرف حسین دہلوی ۵۱،۱۱
مشیر حسین قدوائی ۴۳۲
مصباح الدین، سردار ۱۰۸،۶۰،۲۰
مصباح الدین الحابودی ۲۱۳
مصطفیٰ کمال پاشا ۱۷۴
مطیع الرحمان بنگالی، صوفی ۱۰۰

مظفر احمد، مرزا ۵۰
مظہر علی اظہر ۴۳۲،۱۵۸
معراج دین، سید۔ نیروبی ۹۹
معراج دین اوورسیئر ۸۹
معین الدین، سید ۳۵
مقبول شاہ، سید۔ خانیاری ۶۰۲،۴۳۸،
۷۱۹
مکھراج، پروفیسر ۹۵
مکھن سنگھ، سردار ۵۱
مکھا رینا بھوش، بابو ۳۵
ممتاز محمد خاں دولتانہ ۶۵۴
منصور احمد ایڈیٹر "ادبی دنیا" لاہور ۳۱۹
منظور احمد شہید ولد دین محمد، چوہدری
۷۰۴
منظور الحق جاگیردار۔ پونچھ ۶۶۷
منگل سنگھ، سردار ۶۴
منور احمد، مرزا۔ شہید امریکہ ۴۶
منور احمد، ڈاکٹر مرزا ۳۲۱
منیر الحصنی، السید ۱۰۰
موتی لال نہرو، پنڈت ۷۸،۶۴،
۱۹۲،۱۱۵،۸۱
مولا بخش، حضرت صوفی ۹۶
مونٹ بیٹن، لارڈ ۴۹۸
مہربان علی، نواب ۱۶۶
مہر چند، پنڈت ۱۱۴
مہر شاہ گولڑوی، پیر ۱۵۹
میتھیو آرنلڈ ۲۶۰
میر خاں، خان ۴۳۷
میرک شاہ، مولوی ۴۳۲،۴۱۶،

۶۳۸،۵۱۱،۵۰۵،۴۵۸،۴۳۸
میسٹن، لارڈ ۲۱۴
میکناٹن ۳۵۱
میلکم ہیلی، سر ۲۱۵

ن

نادری، ملا ۳۵۱،۳۴۷
ناصر احمد، مرزا۔ خلیفۃ المسیح الثالث ۲۰،
۳۲۱،۲۸۵،۱۹۲،۱۴۲،۱۱۹،۲۸،۲۷،۲۴،
۷۰۷،۷۰۰
ناصر احمد کاٹھگوی، رانا ۷۰۹
ناصر الدین عبداللہ، مولوی ۶۸۳،۲۴،۲۰
ناصرہ بیگم صاحبہ ۲۷۳،۲۹۹،
۳۲۱
نانک، بابا ۱۸۰
نائٹ، ای۔ ایف ۳۵۷
نائیڈو ۲۰۵
نحاس پاشا ۱۷۴
حضرت نحمیاہ علیہ السلام ۳۳۶
نریندر، راجہ ۳۳۱
نذر الاسلام، ڈاکٹر ۶۸۷
نذر حسین، سردار ۳۱۹،۲۵۸
نذر محمد، ڈاکٹر۔ جہلم ۲۸
نذیر احمد، چوہدری ۱۱۴،۶۲
نذیر احمد، خواجہ۔ لاہور ۳۴۰
نذیر احمد باجوہ، چوہدری ۴۳۵
نذیر احمد بھاگلپوری، میاں ۴۳۷
نذیر احمد دہلوی ۲۶۱
نذیر احمد مبشر ۲۵

نذیر احمد علی ۱۶۴
نذیر حسین شاہ، سید ۶۸۶
نسیم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر سید محمد حسین ۱۱۰
نصرت جنگ، خواجہ نواب ۳۶۷
نصرت جہاں بیگم، سیدہ ۲۸۵، ۲۸۶، ۴۹۷
نصیر احمد ولد عنایت اللہ، چوہدری ۷۰۳
نصیر الدین احمد، شیخ ۴۷
نصیر محمود دوانی ۶۹۳
نصیرہ بیگم، سیدہ ۴۳۱
نظام الدین، مستری۔ سیالکوٹ ۹
نظام الدین، میاں ۳۷۰
نظام الدین، مولوی ۳۶۰، ۴۱۳
نظام الدین اولیاء ۲۷۴
نظام الدین مستو ۳۸۹
نعمت اللہ خاں، چوہدری ۱۴
نعمت اللہ شریف ۷۰۲
نعمت اللہ کشمیری، شاہ ۳۵۱
نعمت خاں، چوہدری ۱۲۸
نعیم الحق وکیل، سید۔ بہار ۶۵۵، ۶۵۷
نقودیس، حکیم ۳۳۰، ۳۳۱
نکولس ناٹووچ ۳۳۶
نواب خاں، چوہدری ۳۶۰
نواب دین، ماسٹر ۱۸
نواب دین، منشی ۴۲۷
نور احمد، شیخ ۹۶
نور احمد، کیپٹن ۷۰۹
نور احمد، مولوی۔ ناسنور ۴۲۳
نور احمد لدھیانوی، حافظ ۹۶
نور احمد منیر، شیخ ۲۶
نور الحق، مولوی ۴۱۶
نور الحق انور ۲۶
نور الدین، حضرت الحاج حکیم مولانا۔ خلیفۃ المسیح ۹، ۱۴۳، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۹۵
نور الدین جلال آبادی، حکیم ۳۲۴
نور الدین جمونی، خلیفہ ۴۲۲، ۴۳۱
نور الدین دانی، خواجہ ۴۳۱
نور الدین قاری ۴۰۸، ۴۳۱، ۶۶۱
نور الدین ولی، شیخ ۳۵۱
نور جہاں بیگم، ملکہ ہند ۵۰۳
نور حسین گرجاکھی، مولوی ۱۰۱، ۱۰۲، ۲۳۴، ۲۴۵
نور شاہ، خواجہ ۳۷۷
نور محمد، حافظ۔ جہلم ۴۸
نیاز علی، شیخ ۱۲۵، ۴۳۲، ۶۴۳
نیر الجرد بھا چکراورتی ۳۵
نیک محمد خاں غزنوی ۲۵۷

و ـ ہ

واحد حسین، گیانی ۳۱۰، ۳۱۷، ۳۲۴، ۳۶۰
والٹر لارنس، سر ۳۳۷
وجاہت حسین ۶۳۳، ۶۶۰، ۶۷۰
وحید الدین، فقیر سید ۲۸۸
ورڈس ورتھ ۲۶۰
وزارت حسین ۵۹۶
وزیر احمد قریشی، ڈاکٹر ۶۸۷
وسیم احمد، صاحبزادہ مرزا ۲۸
وقیع الزمان، میجر ۷۰۲
وکٹوریہ، ملکہ ۱۵۲
ولایت شاہ، سید ۳۱۹، ۴۳۸، ۵۱۱
ولنگڈن، لارڈ ۴۱۱، ۴۵۲
ولی اللہ۔ شاہ ہمدان ۳۳۷
ولیداد خاں، مولوی۔ شہید افغانستان ۲۵
ولید بن عبد المالک ۳۴۹
ولیم ایم لینگر ۳۳۶
ولی محمد، بابو ۱۱۹
ولی محمد ڈار، خواجہ ۴۴۱
ولیم مورکرافٹ ۳۵۳
ونسینٹ، اے۔ سمتھ ایم۔ اے ۳۳۰، ۳۳۴
ویکفیلڈ، مسٹر ۳۸۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۴۰۱، ۴۰۶، ۴۲۰، ۴۴۳
ہاجرہ بیگم اہلیہ خواجہ غلام نبی ۱۱۰
ہاورڈ بری، کرنل ۴۶۲
ہدایت اللہ، بابا ۱۶۱
ہدایت حسین کانپوری ۸۲، ۱۱۷
ہربلاس شاردا، مسٹر ۱۵۰
ہری سنگھ، سر ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۹۵، ۴۲۷، ۴۸۷، ۴۹۵، ۵۰۱، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۹۱
ہری کشن کول، سر ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۸۲، ۴۹۰، ۵۰۰، ۵۲۴، ۵۲۶، ۵۳۱

۵۷۹، ۵۸۱، ۵۹۳، ۶۱۹، ۶۲۰

ہف، ایم۔اے ۳۶۵

ہنری کار ایم۔اے ۹۹

ہوشک ۳۳۵

ہون اوطر، سر ۲۱۵

ہیرالال، منشی ۳۳۰

ہیگل ۲۶۰

ہیلشم، لارڈ ۲۱۷

ہیوبرٹ کار، سر ۲۲۳

ہیون سانگ۔چینی سیاح ۳۳۴

ی

یحی خاں، خان ۴۳۷

یسٹیر، مسٹر ۵۲۸

یعقوب بیگ، ڈاکٹر مرزا ۴۴۱، ۵۸۵، ۶۴۳، ۶۵۹

یعقوب علی، ٹھیکیدار ۳۶۰، ۳۷۹، ۳۸۲، ۳۸۹، ۳۹۱، ۴۱۰، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۳۸، ۴۴۱، ۴۸۸، ۵۰۳، ۵۰۷

یعقوب علی عرفانی، شیخ ۹۲، ۱۰۹، ۱۲۰، ۱۴۹، ۱۵۶، ۱۷۵، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۳۶

یعقوب ہاشمی، حافظ ۶۹۰

یوحنا، پادری ۳۱۷

یوسف خاں علیگ ۵۳۳، ۵۳۵تا ۵۳۸، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۳، ۵۵۴

یوسف شاہ، خان بہادر خواجہ ۳۷۱

یوسف شاہ، میر واعظ ۴۰۱

یوسف شاہ کاشمیری، سید ۲۴۷

یوسف علی، شیخ ۵۱، ۴۱۷، ۴۲۸، ۴۳۷

مقامات

ا

آرہ ۲۴۵

آسٹریلیا ۳۶

آگرہ ۲۳۳،۲۶۴،۲۷۰

اجمیر ۹،۱۵۰

ارونی ۴۳۹

اڑیسہ ۷۶،۴۵۸

استنبول ۲۴۲

اسلام آباد (کشمیر) ۴۳۹،۶۷۱، ۶۸۹

افریقہ ۴۷،۱۷۹،۳۵۷

افغانستان ۱۲۴تا۱۲۷،۱۷۴،۳۲۳، ۳۳۶،۳۴۰،۳۶۱

اکھنور ۴۳۹،۵۱۴

اکھوڑہ ۷۴

الہ آباد ۲۰۶،۲۶۴،۵۴۶

امرال ۱۰۲

امراوتی ۳۶،۳۹

امرتسر ۳۹،۴۱،۶۳،۹۰تا۹۲،۱۰۲، ۱۱۹،۱۷۴،۱۸۶،۱۹۹،۳۰۹،۳۷۱

امریکہ ۴۷،۱۰۰،۱۶۱،۲۱۷،۲۳۲، ۴۶۱،۷۱۵

امیراکدل ۶۶۵،۶۹۱

انبالہ ۳۵،۱۳۷،۳۰۹

انچولی ۱۶۶

اندورہ ۳۷۴،۴۳۹

انگلستان ۴،۵،۱۹،۵۳،۶۳،۷۲، ۱۰۰،۱۵۲،۱۹۲،۱۹۵،۲۱۴،۳۸۷، ۵۹۵،۶۰۶

اودھ ۲۶۹

اودھم پور ۳۵۹،،۴۳۹،۶۲۸

اوکاڑہ ۲۰۲

ایبٹ آباد ۶۳،۳۱۷

ایڈنبرا (سکاٹ لینڈ) ۲۳۳

ایران ۳۶،۶۶،۱۷۴،۳۵۱

ایشیا ۳۴۶

ایکرافول ۱۶۴

ب

بارامولا ۳۳۴،۴۳۹،۵۱۵،۵۲۰، ۵۴۵،۶۷۱

باغ ۴۴۰

باکسر ۷۱۱

بالاکوٹ ۳۱۰،۳۱۴،۳۱۵

بال تل ۵۱۵

بلتستان ۵۱۵،۶۷۵،۶۷۶

بالسو ۴۳۹

بانڈی پور ۴۳۹،۴۵۸،۵۱۵،۵۳۱

بانکی پور ۳۵

بٹالہ ۸۵،۸۷تا۸۹،۹۲،۱۱۹، ۱۲۵،۱۸۵،۱۸۶،۲۴۵، ۲۷۸،۲۸۴،۳۱۸

بٹاویا ۳۱۴

بچھوارہ ۴۴۸

بخارا ۳۵۱

بدوملہی ۳۱۷

برطانیہ ۲۱۶،۲۱۸،۲۲۰،۲۲۶،۲۲۸، ۲۲۹،۲۴۱،۲۶۹،۲۷۰،۳۳۶،۴۶۱، ۴۶۲،۴۶۴

برلن ۲۴۲

[illegible] ۲۹۷

برہمن بڑیہ ۳۵،۷۴

بڑودہ ۵۰۷

بسراواں ۸۶،۸۹،۳۱۷

بلخ ۳۵۱

بلوچستان ۶۸،۷۶،۲۰۸،۳۵۸

بمبئی ۶،۱۸۱،۲۲۷،۴۵۸

بنارس ۲۴

بنگال ۵،۳تا۷۵،۸۲،۱۵۵، ۲۰۸،۲۲۷، ۲۶۷،۲۶۹،۳۱۰،۳۱۲،۳۵۸،۴۵۸

بنگلور ۳۶،۴۵۸

بنگہ ۹،۲۵۶

بوٹاری ۸۷،۱۱۸

بورینو ۲۹۷

بورے جال ۴۳۹

بوسن ۳۱۸

بوگر ۳۱۳

بوگرہ ۷۴

بونجوہ ۶۷۵

بوئے پلی ۱۶۳

بہار ۷۵،۷۶،۸۲،۲۶۴،۴۵۸

بہاولپور ۵۰۷

بہاؤنگر کاٹھیاواڑ ۳۶،۳۹

بہری کدل ۴۰۹

بیٹ ۲۵۶

بیج بیاڑہ ۴۳۹

بیکانیر ۵۰۷

بھابڑا ۴۳۹
بھاگلپور ۳۶
بھدرک ۹
بھدرواہ ۴۳۹، ۶۷۵
بھڈیار ۲۴۴
بھرت پور ۵۰۷
بھمبر ۳۳۱، ۳۵۶، ۳۶۰، ۴۳۹، ۵۱۴، ۵۲۰، ۵۳۸، ۵۴۰، ۵۶۹، ۶۲۸
بھوپال ۲۶۴، ۳۷۸، ۵۰۷
بھیرہ ۶۳
بھینی میلواں ۲۵۶، ۳۱۸

پ

پاڈانگ ۲۴۲
پاک پٹن ۱۰۲
پاکستان ۶۹۵، ۶۹۹، ۷۱۴، ۷۲۳
پالنی ۲۹۷
پانڈرا ۲۹۶
پانی پت ۳۹
پٹنہ ۴۱، ۷۵، ۷۷، ۱۷۴، ۴۵۸
پٹیالہ ۵۰۷
پٹھانکوٹ ۱۰۲
پٹھاناں تیر ۴۳۹
پھڑا ۴۳۹
پشاور ۴۱، ۱۳۷، ۱۶۳، ۱۹۶، ۲۰۴
پکھلی ۳۳۱
پلوامہ ۴۳۹، ۶۷۱
پنجاب ۵، ۷، ۱۵۵، ۱۶۱، ۱۹۳، ۱۹۶، ۲۰۸، ۲۶۴، ۲۹۲، ۳۳۱، ۳۴۰، ۳۵۴، ۳۶۹، ۳۸۹، ۴۵۱، ۴۸۱، ۵۳۸، ۵۳۴
پنجیڑی ۴۳۹
پوسولاوا ۲۹۶
پولی ۴۳۹
پونا ۴۵۸
پونچھ ۳۵۶، ۳۶۰، ۳۹۳، ۴۳۹، ۵۰۵، ۵۲۰، ۵۲۸، ۵۳۳، ۵۳۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۸۶، ۶۱۷، ۶۲۴، ۶۳۰، ۶۳۳، ۶۴۹، ۶۷۵، ۶۹۰، ۶۹۱
پہلگام ۳۷۲
پیکنگ ۱۶۴
پھگلہ ۳۱۴ تا ۳۱۷

ت۔ٹ

تاری گام ۴۳۹
تبت ۳۳۹
تراگربل ۵۱۵، ۵۳۱
ترال ۴۳۹
ترکستان ۳۳۹
ترگڑی ۱۶۶
ترکی ۱۷۴
تکوڑی عنایت خاں ۱۶۷
تلیل ۵۳۱
ٹھکیالہ پڑاوا ۵۲۹، ۵۴۷، ۶۴۹
ٹاٹانگر ۷۴، ۷۵
ٹائیں ۴۳۹
ٹوپی ۳۱۰

ج

جاپان ۳۳۳
جاگیر چینی ۴۳۹
جالندھر ۲۰۴، ۳۰۹
جاوا ۱۵۴، ۳۱۳، ۳۶۱
جتوئی ۲۴۴
جڑانوالہ ۲۰۰
جلپا گوری ۷۴، ۷۵
جمشید پور ۷۴
جموں ۱۴۲، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۶۰، ۳۶۹، ۳۷۸ تا ۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۹، ۳۹۱ تا ۳۹۳، ۳۹۵، ۴۳۹، ۴۴۴ تا ۴۴۶، ۴۵۱، ۴۵۴، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۷۰، ۴۷۵، ۴۸۲، ۵۰۵، ۵۰۸، ۵۱۴، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۴، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۳۳، ۵۳۶، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۷ تا ۵۵۰، ۵۵۵، ۵۷۹، ۵۸۰، ۶۲۲، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۴۷
جنجہ ۳۶
جنوبی افریقہ ۲۱۶
جنوبی ہند ۲۹۷
جوڑیاں ۴۳۹
جہلم ۶۳، ۳۱۷، ۳۲۷، ۳۷۱، ۵۲۴، ۵۲۷، ۵۸۳
جے پور ۵۰۷
جیم گڑھ ۵۱۴
جھجر ۲۶۹

چ

چاٹگام ۷۴
چارکوٹ ۴۳۹
چاندپور ۳۵
چپو ۳۱۳
چک ایمرچ ۴۳۹
چک ۵۶۵ (فیصل آباد) ۱۶۷
چکوال ۶۳
چندر کے گھوٹے ۲۴۵
چنگا بنگیال ۹۴
چونڈہ ۵۰۲
چوہڑ کانہ (فاروق آباد) ۲۰۲
چیل ۲۳۱، ۲۳۳، ۳۴۹
چھمبی ۱۶۵
چھیدرو ۴۳۹

ح۔خ

حصار ۲۱۱
حیدرآباد دکن ۳۶، ۳۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۲۳۲، ۲۴۳، ۲۶۴، ۳۱۰، ۴۵۸، ۵۰۷، ۶۹۴
حیفا ۳۶، ۱۰۰، ۳۱۳
خراسان ۳۵۱

د۔ڈ

داڑوں ۶۷۵
دتیال ۴۳۹
دراز ہاپت ۵۱۵
دراس ۵۳۱
درہ شیر خاں ۴۴۰
دمشق ۳۶، ۳۴۲
دہلی ۶، ۱۸، ۳۵، ۴۰، ۴۰، ۵۱، ۶۳، ۸۱، ۸۲، ۸۴، ۱۱۲،، ۱۲۸، ۱۳۰، ۲۰۴، ۲۰۷، ۲۳۳، ۲۵۸، ۲۶۴، ۲۷۴، ۳۰۷، ۳۰۹، ۴۳۶، ۴۵۸، ۴۹۸، ۵۱۶، ۵۲۶
دیناچڑ ۱۶۳
دینانگر ۱۰۱، ۱۶۵
دھرگ میانہ ۳۹، ۳۱۷
دھرم کوٹ بگہ ۳۹
دھوڑیاں ۴۳۹
ڈجکوٹ ۱۰۲
ڈگری ۳۱۸
ڈلہوزی ۴۹، ۵۰
ڈنڈوت ۱۶۵
ڈوڈہ ۶۷۵
ڈومہ کدل ۴۰۹
ڈیرہ اسماعیل خاں ۳۱۰
ڈیرہ دون ۲۷۴
ڈیرہ غازیخاں ۶۳، ۴۵۸
ڈیرہ بابا نانک ۵۰۲
ڈھاکہ ۲۱۱، ۲۱۲
ڈھگوار ۳۰۹
ڈھرانہ ۴۳۹

ر۔ز

راجپورہ ۴۹۹
راجوری ۳۳۱، ۳۵۶، ۳۷۴، ۴۳۹، ۵۲۰، ۵۳۶، ۵۶۹، ۵۸۵، ۶۱۷، ۶۲۸
رامپور ۲۱۱، ۲۶۴، ۵۰۷
راولپنڈی ۶۳، ۲۰۴،، ۳۰۹، ۳۷۱، ۴۳۶، ۴۴۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۹۴۔
رائے کوٹ ۱۰۱
ربوہ ۱۷۳
رتیال ۴۳۹
رشی نگر ۳۷۳، ۳۷۸، ۴۳۹
رنگپور ۳۵، ۷۴، ۳۱۸
رنگپورہ ۷۴
رنگون ۱۶۶، ۴۵۸
روس ۷۱۴
روم ۲۷۰
ریاسی ۴۳۹، ۶۲۸
زوروما نلو ۴۳۹
زینت پورہ ۴۳۹

س

ساج ۴۳۹
سالٹ پانڈ ۲۱۳
سال خلہ ۴۳۹
ساندھن ۳۱۰
سانیہ ۵۱۴
سپین ۳۶، ۳۷۱
سرحد ۵، ۶۸، ۷۶، ۱۹۵، ۲۰۸، ۳۱۰
سرن ۴۳۹، ۵۲۹
سری گوبند پور ۳۱۸
سرینگر ۱۴۲، ۱۴۴، ۱۶۶، ۲۳۶، ۳۲۷، ۳۴۴، ۳۴۷، ۳۵۷، ۳۷۲، ۳۷۶،

۳۷۸، ۳۸۷ تا ۴۱۳، ۴۳۹ تا ۴۴۸، ۴۶۰،
۴۷۳، ۴۸۲، ۴۸۵ تا ۵۰۸، ۵۲۹، ۵۳۰،
۵۳۵ تا ۵۴۱، ۵۶۴، ۶۲۸، ۶۳۸، ۶۴۷،
۶۵۷، ۶۷۸، ۶۹۱، ۶۹۲

سکندر آباد ۱۸۲

سلواہ ۴۳۹

سماٹرا ۳۶، ۹۹، ۱۶۳، ۲۴۲،
۴۶۱، ۳۱۳

سمانی ۶۴۸

سنتوکداس ۶۳

سندمت نگر ۳۳۱

سندھ ۷۶، ۲۰۸، ۲۲۷، ۲۶۹، ۳۱۰

سوپور ۴۴۱، ۴۳۹،، ۵۱۵، ۵۲۰،
۶۳۳، ۶۴۱

سوناگلی ۴۳۹

سون مرگ ۵۱۵

سوہن ۶۹۹

سہارنپور ۹

سیالکوٹ ۹، ۱۰، ۶۳، ۲۲۱، ۳۰۹،
۳۷۱، ۴۳۶، ۴۶۵، ۴۶۷، ۴۶۹، ۴۸۰،
۴۸۳، ۴۸۵، ۴۹۸، ۵۰۲، ۵۲۸

سید پور (بنگال) ۳۵

سیرالیون ۱۶۴

سیکھواں ۹

سیلون ۳۶، ۲۹۵ تا ۲۹۸

ش

شام ۵۳، ۱۰۰، ۲۴۲، ۲۷۰،
۳۱۴، ۴۶۱

شاہجہانپور ۱۶۳

شکرگڑھ ۵۱

شملہ ۱۶۷، ۲۰۳، ۲۰۷، ۲۰۸،
۴۱۵، ۴۳۶، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۵۲، ۴۵۷،
۴۹۸

شوپیاں ۳۷۳، ۳۷۴، ۴۳۹،
۴۵۸، ۴۸۵، ۵۳۶، ۵۳۷

شورت ۴۳۹

شیخوپورہ ۱۰۱

شیردروں ۳۳۲

شیطان کنڈ ۵۱۵

ص

صفاکدل ۴۰۲، ۴۰۳

ع

عراق ۳۶، ۳۴۰

عرب ۳۶

علی بیگ ۵۳۷، ۵۳۸

علی پور ۹

علی گڑھ ۴۵۸

ف

فارس ۳۴۰

فتح کدل ۳۸۸، ۳۸۹

فلسطین ۱۰۰، ۱۰۹ تا ۱۱۱، ۲۱۳، ۲۲۶،
۲۴۴، ۲۷۰، ۳۱۴، ۳۱۷، ۳۳۶، ۳۴۶

فیروزپور ۶۳

فیض آباد ۱۳۷

فیض اللہ چک ۹، ۶۳

ق

قادیان ۳، ۹، ۱۰، ۱۸، ۴۲،
۶۰، ۶۳، ۸۵ تا ۹۵، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۳۹، ۱۴۷،
۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۸، ۱۶۳، ۱۷۲، ۱۷۵، ۱۸۰،
۱۸۵، ۱۹۶، ۲۰۱، ۲۱۰، ۲۱۳، ۲۳۱ تا ۲۴۳،
۲۵۶، ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۸۰، ۳۱۲، ۳۱۳،
۳۷۳، ۳۸۴، ۴۱۵، ۴۳۸، ۴۵۷، ۴۵۹،
۴۸۵، ۴۹۹، ۵۲۳، ۵۲۹، ۵۳۴، ۵۴۰،
۶۳۳، ۶۷۲، ۶۹۹

قاہرہ ۲۴۲

قسطنطنیہ ۲۲۶

قلم پورہ ۴۳۹

ک

کابل ۹۵، ۲۸۰، ۳۳۴، ۳۴۹

کانگڑہ ۹

کاغان ۳۳۱

کاکورہ ۷۴

کالشیما ۱۶۷

کالی ۹۹

کانپور ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۷۰

کانسپور ۳۳۴

کاہنوواں ۳۱۸

کبابیر ۳۱۳

کپورتھلہ ۱۷۹، ۱۸۰، ۵۰۷،
۵۳۶، ۵۳۹، ۵۴۰

کتھوالی ۹، ۶۳

کٹک ۱ ۳۷۴
کٹھوعہ ۴۳۹، ۶۲۸
کراچی ۶۳، ۲۲۱
کرناٹک ۲۶۹
کرناہ ۴۳۹، ۴۵۸
کرولیاں ۲۴۵
کریلا ۵۲۹
کریم پور ۲۴۴
کشتواڑ ۳۵۶، ۴۳۹، ۶۷۵
کشمیر ۱۴۱، ۲۲۵، ۲۳۶، ۲۵۵، ۳۱۰ تا ۷۱۶
کلابن ۴۳۹
کلکتہ ۶، ۳۵، ۳۷، ۷۴، ۷۵، ۷۸، ۸۲، ۱۲۶، ۱۵۶، ۳۱۲، ۴۵۸
کندپورہ ۴۳۹
کنشک پور ۳۳۴
کوٹ باجوہ ۲۴۴
کوٹ کپورہ ۲۴۵
کوٹلی ۳۶۰، ۳۹۰، ۴۳۹، ۵۲۰، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۸، ۵۵۰، ۵۶۹، ۵۸۵، ۶۱۷، ۶۲۸
کوریل ۴۳۹
کوسمہ ۲۵۲
کولگام ۴۳۹، ۶۷۱
کولمبو ۲۹۶
کوہاٹ ۶۳
کوہالہ ۶۳۸
کوئٹہ ۱۹۹
کیمبل پور ۶۳
کیمپولا ۲۹۶
کینیاں ۴۴۰
کھاریاں ۳۹
کھٹولہ ۵۱۴

گ

گاگرن ۴۳۹
گاندربل ۵۱۵
گجرات ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۲۴۳، ۳۷۱
گرسائی ۴۴۰
گریز ۵۳۱
گڑھی حبیب اللہ ۴۳۶، ۴۴۶، ۷۲۳
گلگت ۳۲۷، ۳۵۷، ۴۴۰، ۶۵۰
گلمرگ ۴۵۸
گلہ مہاراں ۲۴۴
گوجرانوالہ ۶۳، ۹۱، ۱۰۲، ۲۰۲، ۲۸۹، ۲۹۰، ۳۷۱، ۵۴۹، ۶۸۵
گورداسپور ۳۹، ۱۱۸، ۲۸۰، ۵۴۰، ۵۴۱
گولڈ کوسٹ ۳۶، ۹۹
گوئی ۴۳۹
گیا ۴۵۸
گھٹیالیاں ۹، ۶۳
گھرینڈا ۱۰۱
گھڑیالہ ۲۹۲
گھنڈی ۴۳۹

ل

لار ۵۳۱
لالہ موسیٰ ۶۳، ۱۶۶
لاہور ۷، ۲۸، ۳۵، ۳۷، ۳۹، ۴۱، ۶۳، ۹۱، ۱۱۹، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۳۷، ۱۵۰، ۱۵۶، ۱۹۶، ۲۰۱، ۲۰۴، ۲۲۵، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۹، ۳۷۱، ۴۱۵، ۴۳۶، ۴۵۸، ۴۹۸، ۵۳۳، ۵۴۰، ۵۵۲، ۶۰۷، ۶۵۷، ۶۸۵
لائل پور (فیصل آباد) ۲۰۲، ۲۴۵، ۳۱۰
لداخ ۲۳۱، ۳۲۷، ۳۴۶، ۴۴۰
لدرون ۴۳۹، ۴۴۰
لدھیانہ ۶۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۳۸۵
لکھنو ۴۱، ۲۶۴، ۳۱۰، ۴۵۸
لنڈن ۳۶، ۶۳، ۲۲۲ تا ۲۲۹، ۲۳۴، ۳۱۱، ۴۸۷
لیگوس ۹۹
لیہ ۳۴۶

م

مارسیلز ۲۲۵
ماریشس ۳۶، ۶۳، ۹۵، ۱۶۳، ۲۹۵
ماڑی بچیاں ۱۰۲
مالابار ۹۵، ۱۱۹، ۲۹۶، ۴۵۸
مالدہ ۷۴
مالیرکوٹلہ ۲۷۴، ۵۰۷
مانسہرہ ۳۱۷

ماگرول ۱۸۰
مٹورونا ۲۹۶
محبوب نگر ۶۳، ۱۶۳
محمود آباد۔ سرینگر ۱۴۴
مدراس ۳۵، ۴۱
مدرسہ چشمہ ۳۴۳
مراکش ۱۷۹
مردان ۳۹
مری ۱۶۶
مژدہ ۶۷۵
مصر ۵۳، ۱۷۴، ۲۲۲، ۳۶۱
مظفرآباد ۴۳۹، ۶۸۶
مظفرگڑھ ۲۰۰
معراجکے ۶۹۹، ۷۰۳
ملائیشیا ۲۹۷
ملایا ۲۹۷
ملتان ۶۳، ۱۲۷، ۲۰۴، ۳۱۰
ممباسہ ۳۶
منگھری ۱۹۴، ۲۰۲
منڈوجن ۴۳۹
منصوری ۲۷۳، ۲۷۴
مومیونوال ۱۰۲
مونگھیر ۳۹
موہریاں ۴۳۹
مہاراج گنج ۴۰۹
میانونو ۱۶۵
مکہ ۳۵۶، ۴۳۹، ۵۰۵،
۵۰۹، ۵۱۴، ۵۲۰، ۵۲۴، ۵۲۷، ۵۳۳،
۵۳۵، ۵۳۹، ۵۵۰، ۵۵۴، ۵۶۹، ۶۱۷،
۶۲۳، ۶۳۲، ۶۳۸، ۶۵۱
میرٹھ ۹، ۶۳، ۲۲۳
میرزاپور ۲۷۰
میسور ۲۶۹، ۵۰۷
میلسی ۶۳
میمو ۱۱۹، ۱۶۵
مین پوری ۳۱۰
مینڈھیر ۵۲۹

ن

ناروول ۴۴۴، ۵۰۲
ناڑ ۴۳۹
ناسنور ۴۷۴، ۴۳۹
ناگڑیاں ۱۷۴
نائیجیریا ۳۶، ۹۹، ۱۶۴
نگیال ۴۳۹
نندگام ۴۳۹
نواں پنڈ ۸۶، ۸۹
نواں شہر ۲۰۲
نواکدل ۴۰۸
نوشہرہ ۶۳، ۵۳۶، ۵۳۸،
۵۴۸ تا ۵۵۰
نون متی ۴۳۹
نیروبی ۹۹
نیگومبو ۲۹۶، ۲۹۷
نیویارک ۲۳۳

و

وٹو ۴۳۹
وچارناگ ۴۰۷، ۴۰۹
وزیرآباد ۴۳۶، ۵۰۷
وسط ایشیا ۶۶
ونجواں ۹
ویری ناگ ۴۳۹، ۵۴۴
ویسور ۲۵۷
ویمبلے ۲۲۲
وین ۳۴۴، ۳۴۴

ہ

ہاری پاری گام ۴۳۹
ہاڑی مڑوٹ ۴۴۰
ہالنہ ۳۱۸
ہالینڈ ۱۵۴
ہانجی پورہ ۴۳۹
ہپچی مرگ ۴۳۹
ہریال ۱۰۲
ہڑانہ ۴۳۹
ہنگ پور ۳۴۴
ہمس ۳۴۶
ہموسان ۴۳۹
ہندواڑہ ۴۳۹، ۵۲۰، ۵۴۱
ہندوستان ۳، ۴ تا ۶، ۱۶، ۱۹، ۳۰، ۳۶ تا ۴۱
۵۷، ۶۳، ۶۴، ۶۷، ۶۸، ۷۰، ۱۵۲، ۱۵۴،
۱۶۲، ۱۶۹، ۱۹۲، ۱۹۵، ۲۰۵، ۲۰۸، ۲۱۳،
۲۱۴، ۲۱۶ تا ۲۱۸، ۲۲۶ تا ۲۳۱، ۲۵۸،
۲۶۹ تا ۲۷۲، ۲۸۳، ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۰۹،
۳۱۱، ۳۳۰، ۳۳۳، ۳۴۲، ۳۴۶، ۳۵۶،
۳۶۱، ۳۸۲، ۴۳۱، ۴۳۵، ۴۵۳، ۴۵۷،

۴۶۲، ۴۶۹، ۴۸۱، ۵۸۳، ۶۹۴، ۷۱۴

ی

یازی پورہ ۱۴۲، ۴۳۹

یروشلم ۲۲۶، ۲۳۱، ۲۴۲

یو-پی ۳۱۰، ۳۵۴

یورپ ۴۷، ۵۳، ۱۵۸، ۲۳۱، ۲۳۲

کتابیات

حدیث

فتح الباری ۱۱۳
کنز العمال ۳۶۵

کتب حضرت مسیح موعودؑ

اسلامی اصول کی فلاسفی ۲۹۷، ۲۹۸
براہین احمدیہ ۹۵
تریاق القلوب ۱۱۸
تذکرہ ۱۱۸
مسیح ہندوستان میں ۳۶۴، ۳۶۵
مکتوبات احمدیہ ۱۶۴

کتب خلفاء سلسلہ

اسلام میں اختلافات کا آغاز ۱۱۲
اصل طبی بیاض (حصہ اول) ۱۰۱
الموعود ۴۲۸، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۳، ۵۲۴، ۶۳۶، ۶۳۷
تحفہ لارڈ ارون ۲۶۹۔۲۷۰
فضائل القرآن ۹۵، ۱۲۰
مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت ۶، ۱۰۴
مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ ۷۱، ۱۱۵، ۱۱۷
ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسئلہ کا حل ۱۷۷، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۲۰

کتب مصنفین سلسلہ

احسانات مسیح موعود ۱۰۱
احمدیہ پاکٹ بک ۷۲۲
اسلام کا خلاصہ ۲۹۷
اسلامی قاعدہ ۲۹۷
اصحاب احمد ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۴، ۱۱۹، ۱۷۲
اگر مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوا ۳۶۶
الصلح خیر ۹۳، ۱۲۰
انجیل مرقس کا آخری ورق ۳۶۴
بخار دل ۱۰۱
برگزیدہ رسول غیروں میں مقبول ۱۰۱
بشارات رحمانیہ حصہ اول ۱۰۶
تجلیات رحمانیہ ۳۱۴
تحفۃ النصاریٰ (حصہ اول) ۱۶۴
تحقیق در بارہ قبر مسیح ۳۶۴
تفہیمات ربانیہ ۲۴۵، ۲۴۶
حضرت مریم کا سفر کشمیر ۳۶۴
حیات المسیح و وفاتہ ۳۶۴
حیات بشیر ۴۹، ۱۱۳
درود شریف ۱۰۱
دنیا کا ہادی اعظم غیروں کی نظر میں ۱۱۱، ۱۱۲
ربوہ ۱۷۶
سلسلہ احمدیہ ۸۷
سیرت مسیح موعودؑ (از عرفانی صاحب) ۱۰۱
شری نش کلنک درشن یا ظہور کلکی اوتار ۲۵۲
قول سدید ۱۰۱
کشمیر کے حالات ۳۶۷، ۴۲۷
مجلس تعلیم ۲۴۸
مرکز احمدیت قادیان ۱۱۸
مسلمانان کشمیر اور ڈوگرہ راج ۳۱۴
مسئلہ کشمیر اور ہندو مہاسبھائی ۳۶۷، ۳۶۸، ۴۲۴، ۵۰۱، ۵۱۱
مسیح بلاد شرقیہ میں ۳۶۶
مسیح کشمیر میں ۳۶۵
معمار آزادی کشمیر ۴۲۴، ۴۲۶
نبیوں کا چاند ۱۱۳
نور ہدایت ۱۰۱
نیر صداقت ۱۰۱
ہندو راج کے منصوبے ۲۴۵، ۲۴۶، ۳۶۸

کتب غیر مبائعین

تناقضات مابین اقوال حضرت صاحب و میاں صاحب ۱۳۲
دعوت عمل ۴۶

سیرت و تاریخ

آب کوثر ۳۶۶
آتش چنار ۴۲۸
اقبال کے آخری دو سال ۲۴۸، ۲۵۰، ۲۵۲
اکمال الدین فی اثبات الغیبۃ و کشف الحیرۃ ۳۶۵
انجمن ۲۹۲
ان سائڈ کشمیر ۴۰۲، ۴۲۷، ۴۹۶
اولڈن برگ ۳۴۳
پاکستان کا بھانڈا چوراہے پر ۶۸۷

تاریخ اشاعت اسلام ۳۶۶، ۳۶۷

تاریخ اقوام عالم ۳۶۳

تاریخ اقوام کشمیر ۳۶۳، ۳۶۷، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۶، ۶۶۸، ۷۱۲

تاریخ بائبل ۳۶۴

تاریخ جدوجہد حریت کشمیر ۶۸۹

تاریخ سیالکوٹ ۱۷۵

تاریخ قدیم ۳۴۲

تاریخ کلیسا ۳۶۴

تاریخ ہند ۳۲۹

تاریخ ہندو پاک ۳۶۳

تحریک آزادی ۱۱۵، ۱۱۶

تمدن ہند ۳۶۳

تمدن عرب ۳۶۶

جیزس ان ہیون آن ارتھ (Jesus in heaven on Earth) ۳۶۴، ۳۶۶

چچ نامہ ۳۴۹، ۳۶۶

حیات محمد علی جناح ۱۱۵، ۱۱۷

ختائی نامہ ۳۶۶

خدا کی سلطنت ۳۶۶

خطبات ابوالکلام آزاد ۱۱۵

خونابہ کشمیر ۳۵۳، ۳۶۷

دو قومیں اور کشمیر ۶۸۹، ۷۲۱

دی انٹیگریشن آف دی انڈین سٹیٹس (The integration of the india states) ۳۵۲

دی ان نون لائف آف جیزس کرائسٹ (The unknown life of jesus christ) ۳۳۶

دی پریچنگ آف اسلام ۲۳۴

دی کشمیر آف شیخ محمد عبداللہ ۷۲۱

دی کیس آف دی مسلم ۱۱۵

ذکر اقبال ۸۲، ۱۰۴، ۱۱۶، ۱۱۸، ۲۵۰، ۳۶۷، ۷۱۲

راج ترنگنی ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۶۳

رتنا گر ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۶۳

روزگار فقیر ۳۶۴، ۴۲۲

روسین پلگرمز آف یروشلم ۳۴۷

زاد المعاد ۱۱۳

سراج الملوک ۳۶۴

سرگزشت ۱۰۵، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۷۰، ۱۷۳، ۱۷۴، ۲۴۷، ۴۲۶، ۴۹۷

سلطنت مغلیہ میں سیر و سیاحت ۳۳۷

سوانح سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۱۱۶، ۱۷۴

سیاست کشمیر پر ایک نظر ۴۹۸، ۷۲۱

سیاست ملیہ ۱۱۵

سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۱۷۴

سیرت النبیؐ از علامہ شبلیؒ ۱۱۳

سیرت محمد علی ۱۱۶، ۱۱۷، ۳۲۳

سیکرڈ آف دی ایسٹ ۳۶۵

شاہنامہ اسلام ۱۳۹

شباب کشمیر ۳۶۷

شیر کشمیر ۳۶۷، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۶، ۴۲۷، ۷۱۴، ۷۲۲

صحیفہ زریں ۳۶۷

طبری ۳۶۵

طبقات کبیر ۳۴۴، ۳۶۵

عرب دنیا ۳۶۳

فغان کشمیر ۴۲۲، ۴۲۳

قدیم تاریخ ہند ۳۶۳، ۳۶۴

کاشمیر ۳۶۷

کامیاب زندگی کا تصور ۱۱۰

کشمکش ۳۶۸، ۴۲۴، ۴۲۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۸، ۵۲۱، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۹، ۶۷۹، ۷۲۰

کشمیر اور جونا گڑھ کی کہانی ۳۶۷

کشمیر کی تحریک آزادی ۳۶۸

گاندھی ایز آئی نو ہم ۴۹۷

مختصر تاریخ بائبل ۳۳۶

مختصر تاریخ جموں وریاستہائے مفتوحہ مہاراجہ گلاب سنگھ بہادر ۳۶۳

مختصر تاریخ کشمیر ۳۶۷، ۴۲۳

مسلمانان ہند کی حیات سیاسی ۷۸، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۱۷، ۱۱۸، ۲۴۸

مسلمانان کشمیر اور ڈوگرہ راج ۵۱۰

مسلم ثقافت ہندوستان میں ۳۶۶

مقدمہ تاریخ ہند قدیم ۳۶۳، ۳۶۴

معجم البلدان ۱۱۳

مکاتیب اقبال (حصہ اول) ۷۱۷

مکاتیب سفر از بنگال تا انگلستان ۳۳۷

مکمل تاریخ کشمیر ۳۳۱، ۳۶۳، ۳۶۶، ۳۶۷، ۵۰۳

مولانا محمد علی بحیثیت تاریخ اور تاریخ ساز ۱۷۰

میخانہ درد ۳۱۹

میری زندگی (از نہرو) ۲۵۲

نائن ٹربلڈ ہیرز ۲۵۰

نہرو رپورٹ ۶۳ تا ۸۲، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۹

ہندو سامراج اور کشمیر ۷۲۱

ہنگامہ کشمیر ۳۶۷

یادگار دربار تاجپوشی ۳۲۱

یسوع روم میں ۳۴۲

عربی لغت

مفردات امام راغب ۱۰۷

لسان العرب ۳۶۴

تسہیل العربیہ ۱۰۷

انسائیکلوپیڈیا

اسلامی سائیکلوپیڈیا ۱۰۹

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۲۳۳، ۳۲۸، ۳۴۴

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم ۳۶۴

بین الاقوامی معلومات اور حالات حاضرہ ۳۶۳

کتب مخالفین سلسلہ

ارمغان قادیان ۴۹۷

تاریخ احرار ۱۱۶، ۱۵۹، ۱۷۴، ۵۰۱، ۵۰۲

تحریک قادیان (حصہ اول) ۵۰۰

تعلیمات مرزا ۳۱۴

خطبات احرار ۱۷۴

فیصلہ مرزا ۳۱۴

ہندو سکھ لٹریچر

آریہ پتھک لیکھرام ۳۱۹

بھوشیہ مہاپران ۳۴۴، ۳۴۶، ۳۶۵

رنگیلا رسول ۲۹، ۱۳۱، ۵۴۶

ستیارتھ پرکاش ۱۶۵

ورتمان ۲۹

اخبارات و رسائل

اخبار آریہ ویر۔ لاہور ۲۷۱، ۳۴۲

اخبار آزاد۔ لاہور ۱۱۶، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۷۴، ۱۷۵

اخبار آفتاب۔ بمبئی ۲۳۰

رسالہ آواز حق۔ مظفر آباد ۴۲۵، ۴۲۶

اخبار احسان۔ لاہور ۱۰۸، ۶۹۷

رسالہ ادبی دنیا۔ لاہور ۲۵۹ تا ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۸۶

اخبار اردو اخبار ناگپور ۳۹، ۱۱۱

اخبار سلطمین۔ کلکتہ ۷۵، ۳۸۱، ۴۲۴

اخبار اسلامی دنیا۔ قاہرہ ۳۳۲

اخبار اصلاح۔ سرینگر ۲۵۲، ۳۸۸، ۴۱۰، ۴۲۵، ۴۲۷، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۶۴ تا ۶۶۸، ۶۷۳، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۸، ۶۸۰ تا ۶۸۴، ۷۱۸ تا ۷۲۱

اخبار اکالی۔ امرتسر ۱۷۲

اخبار الاستقلال۔ ارجنٹائن ۱۰۸

اخبار الامان۔ دہلی ۱۴۸، ۳۰۷، ۵۰۲

اخبار الانصار ۴۰

اخبار الجمعیت۔ دہلی ۴۰، ۱۴۸

اخبار الخلیل۔ دہلی ۳۰۸

اخبار الضیاء۔ نہر بھائی ۱۰۸

رسالہ الفرقان (فضل عمر نمبر) ۱۸۲

اخبار الفضل (سیرت نمبر) ۳۳، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۳۹، ۲۱۳

اخبار الفضل۔ قادیان ۲۶۷، ۲۸۱، ۲۹۹، ۳۷۰، ۳۸۵، ۳۹۲، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۹، ۴۳۳، ۴۶۵، ۴۶۷، ۴۷۰

اخبار ام القریٰ۔ مکہ مکرمہ ۱۰۸

اخبار انصاف۔ راولپنڈی ۴۲۵، ۷۲۳

اخبار انقلاب۔ لاہور ۶، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۱۲، ۱۳۷، ۱۴۸، ۱۷۳، ۱۹۶، ۲۰۹، ۲۱۸، ۲۲۸، ۳۰۷، ۳۷۰، ۳۸۲ تا ۳۸۴، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۹، ۴۴۴، ۴۳۵، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۷۱ تا ۴۷۴، ۴۹۸، ۵۰۰، ۵۰۵، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۵۴، ۶۳۶، ۶۳۸ تا ۶۴۰، ۷۱۷

اخبار اہل حدیث۔ امرتسر ۱۰۴، ۱۱۶، ۱۴۳، ۱۴۸، ۱۷۰، ۵۰۲

اخبار پارس۔ لاہور ۱۷۳

اخبار پرتاپ۔ لاہور ۱۰۸، ۳۱۱، ۶۹۸

رسالہ پریت لڑی ۶۹۸

رسالہ پنجاب ریویو ۳۵۷

اخبار پیشوا۔ دہلی ۴۰، ۱۱۱

اخبار پیغام صلح ۳۴، ۵۶،
۵۷، ۱۰۸، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۲۱، ۱۴۳، ۱۴۸، ۴۳۳

اخبار پیغام عمل۔ فیروز پور ۱۳۵

اخبار تازیانہ۔ لاہور ۱۴۸

رسالہ تبصرہ۔ لاہور ۷۱۶

رسالہ تشحیذ الاذہان۔ ربوہ ۱۸۴

میگزین تعلیم الاسلام ۴۴۷

میگزین تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان
۱۰۸، ۱۸۳، ۱۸۴

اخبار تعمیر۔ فیض آباد ۱۴۷

اخبار تنظیم۔ امرتسر ۱۰۵،۸

اخبار تنظیم۔ پشاور ۶۹۷

اخبار توحید۔ کراچی ۱۱۱

اخبار تیج۔ دہلی ۱۰۵، ۱۷۰،
۲۳۰

رسالہ تھودن۔ سیلون ۲۹۵، ۲۹۶

اخبار ٹائمز آف انڈیا ۱۱۳

اخبار ٹریبیون۔ لاہور ۱۹۹ تا ۲۰۳

رسالہ جامعہ احمدیہ ۱۸۲ تا ۱۸۴

رسالہ جامعہ احمدیہ (سالنامہ) ۱۰۷،
۱۱۹، ۱۴۷

اخبار جسٹس۔ مدراس ۳۵

اخبار جواب مباہلہ ۱۴۶

اخبار چودھویں صدی۔ راولپنڈی
۳۵۸، ۳۷۰، ۴۲۲

اخبار حق۔ ۱۱۱

اخبار حقیقت۔ لکھنو ۱۱۱، ۱۱۲،
۱۳۷، ۱۴۸

رسالہ حکایت۔ لاہور ۲۹۳

رسالہ حمایت اسلام۔ لاہور ۲۸۷

اخبار خادم المومنین ۱۱۱

اخبار خاور۔ لاہور ۲۰۷، ۴۳۹

اخبار خلافت۔ بمبئی ۱۰۴

اخبار دور جدید۔ لاہور ۱۴۸، ۱۴۹،
۲۲۸

اخبار دی امرت بازار پترکا۔ کلکتہ ۱۱۱،
۱۱۲

اخبار دی انگلش مین ۷۵، ۱۱۱، ۱۱۲

اخبار دیش سیوک۔ جموں ۶۷۹، ۶۸۰

اخبار دی میسنجر۔ سیلون ۲۹۵، ۲۹۷

اخبار ڈیلی ٹیلیگراف۔ لنڈن ۴۶۱

اخبار ڈیلی ٹیلی گراف۔ انگلستان
۵۹۵

اخبار ڈیلی نیوز۔ شکاگو ۱۳۷

اخبار رشی۔ امرتسر ۱۷۰

اخبار راہنما۔ راولپنڈی ۷۴۲

ریاست۔ دہلی ۱۰۸، ۱۷۲

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (انگریزی)
۱۱۲

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اردو)
۱۰۸، ۴۳۳

رسالہ زمانہ۔ کانپور ۳۶۳

اخبار زمیندار۔ لاہور ۳۴، ۴۰، ۵۶،
۱۱۶، ۱۳۷، ۱۴۸، ۱۵۹، ۱۷۴، ۴۳۰، ۴۳۳،
۶۴۷، ۶۹۵،

اخبار سچ۔ لکھنو ۱۸

اخبار سرمور گزٹ ۳۵۸

اخبار سفینہ۔ لاہور ۶۹۵، ۶۹۷

اخبار سلطان۔ کلکتہ ۴۷، ۷۱

اخبار سلطنت۔ دہلی ۴۶۵، ۴۶۹

اخبار سنڈے ٹائمز۔ لنڈن ۴۶۱

سن رائز۔ لاہور ۳۷۰، ۳۹۲،
۴۳۳، ۴۳۴

اخبار سوشل ریفارمر۔ بمبئی ۴۳۴

اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ۔ لاہور
۷، ۱۰۸، ۱۱۶، ۵۷۴، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۵۷

اخبار سیاست۔ لاہور ۱۱۲، ۱۳۷،
۱۳۹، ۱۳۹، ۴۹۶، ۱۹۷، ۲۱۹، ۲۲۹، ۳۷۰،
۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۶، ۳۹۷، ۴۳۳، ۴۷۴،
۵۰۱، ۵۲۱، ۵۴۷، ۵۴۱، ۵۴۳، ۶۳۶،
۶۵۰، ۶۵۱

اخبار سیاست جدید۔ کانپور ۲۸۸، ۴۴۳

اخبار شہاب۔ راولپنڈی ۱۴۸

اخبار شہباز۔ لاہور ۲۲۸

اخبار صحیفہ۔ حیدرآباد دکن ۱۳۷، ۲۸۴

اخبار صدق جدید۔ لکھنو ۱۸

اخبار طاقت۔ سیالکوٹ ۶۶۵

رسالہ طلوع اسلام۔ کراچی ۶۹۶

اخبار عادل۔ دہلی ۳۲۰

اخبار فاروق۔ قادیان ۱۰۹، ۱۲۲،
۳۷۰، ۴۹۷، ۴۹۹

رسالہ فرقان۔ قادیان ۱۰۵، ۱۰۸

رسالہ قائداعظم۔ سیالکوٹ ۷۰۸

اخبار قدیم۔ گیا جنوبی ہند ۲۶۶

اخبار کشمیر میگزین ۳۷۰

اخبار کشمیری گزٹ۔ لاہور ۳۸، ۱۱۱،
۱۳۷، ۱۳۹
رسالہ کشمیری اخبار ۳۷۰، ۳۹۲
اخبار کشمیری۔ لاہور ۴۷۶، ۵۰۰
اخبار کیپ ٹائمز۔ جنوبی افریقہ ۲۱۶
اخبار گوروگھنٹال۔ لاہور ۱۷۲
رسالہ لاہور ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۸، ۴۹۷،
۴۹۹، ۵۰۲، ۶۳۶، ۶۳۸، ۶۳۹
رسالہ لولاک (فیصل آباد) ۷۲۱
اخبار لائٹ۔ لاہور ۲۰۳
اخبار مارتنڈ۔ سرینگر ۶۷۸، ۶۸۱،
۷۲۰
اخبار مارننگ پوسٹ۔ لندن ۴۶۱
اخبار مباہلہ ۱۴۶، ۱۷۲، ۱۸۵، ۱۸۶
اخبار محسن۔ ملتان ۱۳۵، ۱۳۷
اخبار مخبر۔ اودھ ۳۷، ۱۱۱
اخبار مدینہ۔ بجنور ۱۳۷، ۱۴۸،
۱۷۴
اخبار مسلم آواز۔ کراچی ۲۳۰
اخبار مسلم آؤٹ لک ۵۸، ۱۴۸،
۳۷۰، ۳۹۱، ۳۹۲
اخبار مسلم راجپوت ۱۳۶
رسالہ مسلم ورلڈ ۱۵۴، ۱۷۳
اخبار مشرق۔ گورکھپور ۳۶، ۱۱۰، ۱۱۱،
۱۳۶، ۱۶۲، ۱۷۱، ۱۷۵
رسالہ مصباح۔ قادیان ۱۰۵، ۴۹۷،
۴۹۹
رسالہ معارف۔ اعظم گڑھ ۱۰۸
اخبار ملاپ۔ لاہور ۶، ۱۷۲، ۳۲۲،
۳۶۱، ۳۸۶، ۴۱۱، ۴۸۰ تا ۴۸۲، ۶۳۶
اخبار ملت۔ لاہور ۱۰۶
اخبار منادی۔ دہلی ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۳۵،
۱۳۹، ۱۴۸، ۳۲۰، ۴۳۴
اخبار مونس۔ اٹاوہ ۱۴۸
اخبار نصرت۔ لاہور ۳۶۳، ۳۶۷
اخبار نظام۔ لاہور ۶۹۵
رسالہ نقوش ۳۶۳، ۴۲۵
اخبار نوائے کشمیر۔ کوٹلی ۴۲۳
اخبار نوائے وقت۔ لاہور ۶۹۷
اخبار نور۔ قادیان ۴۹۷
رسالہ نیرنگ خیال۔ لاہور ۱۰۸
اخبار نیئر ایسٹ۔ لندن ۴۶۱
اخبار وکیل۔ امرتسر ۱۱۱، ۱۴۸
اخبار وکیل۔ سرینگر ۶۷۸
اخبار ہدایت۔ کشمیر ۶۸۱
اخبار ہمارا کشمیر۔ مظفر آباد ۴۲۵ تا ۴۲۷،
۴۶۲، ۷۲۱
رسالہ ہمایوں۔ لاہور ۱۰۸
اخبار ہمت۔ لکھنو ۱۳۷، ۱۴۸،
۱۷۱، ۲۱۹، ۴۳۴
اخبار ہمدرد۔ سرینگر ۶۴۰
اخبار ہمدم۔ لکھنو ۱۱۱، ۱۱۶، ۱۳۷
اخبار ینگ انڈیا ۴۹۷

تاریخِ احمدیّت

جلد ششم

۱۹۳۲ء سے لے کر ۱۹۳۴ء تک کے
پر فتن اور المناک دورِ ابتلاء کا مفصل جائزہ

مؤلّفہ

دوست محمد شاہد

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد ششم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 81-7912-113-5

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-6 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt.Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 81-7912-113-5

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایاپلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جابجاپڑھنے کوملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے موٴرخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کوگذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یادرکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یادرکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہوگیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنّفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کرکے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۷ کو جلد نمبر ۶ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر واشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد ششم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر واشاعت قادیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
وعلی عبدہ المسیح الموعود

تاریخ احمدیت کی ساتویں جلد[1]

(رقم فرمودہ مکرم و محترم چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب)

یہ امر خوشی کا موجب ہے کہ ادارۃ المصنفین کی طرف سے تاریخ احمدیت کی ساتویں جلد تیار ہو کر احباب کے ہاتھوں میں آرہی ہے۔ سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا باون سالہ دور قیادت ایسا عظیم الشان اور خدا تعالیٰ کی نصرتوں سے بھرپور ہے کہ انسانی روح اور زبان خدا تعالیٰ کی حمد کے ترانے گانے لگتی ہے کجا وہ وقت کہ خلافت ثانیہ کا مبارک دور خلافت شروع ہوا۔ اور بعض لوگوں نے یہ تعلیاں شروع کر دیں کہ اب یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ لیکن باون سالہ قیادت کے دوران اللہ تعالیٰ نے جس طرح آسمان سے نصرت کی۔ اور قدم قدم پر نشانات کا ظہور ہوا وہ احمدیت کی سچائی کا ایک زبردست ثبوت ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے مبارک زمانہ میں دنیا کے ہر کونے اور ہر ملک میں احمدیت کی مضبوط جماعتیں قائم ہو گئیں۔ اور احمدیت کا درخت ایسا تناور ہو گیا کہ ہر ملک کے پرندے اس پر نشیمن بنا کر آرام کرنے لگے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے کے پورا ہونے کا وقت آگیا۔

اس عرصہ میں مخالفت کی آندھیاں آئیں' ابتلاؤں کے طوفان آئے اور مخالفوں نے چاہا کہ وہ خدا تعالیٰ کے لگائے ہوئے پودہ کو ختم کر دیں لیکن سب کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اور ان مخالفتوں کے نتیجہ میں احمدیت اور تیزی سے ترقی کرنے لگی۔

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند زیر آں گنج کرم بنہادہ اند

نوجوانان احمدیت کا فرض ہے کہ وہ سلسلہ کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے اور قربانیوں کے معیار کو قائم کرنے کی پوری سعی کریں یہ خدا کی تقدیر ہے اور یہ خدا کا نوشتہ ہے

---

[1] نوٹ :۔ "تاریخ احمدیت" کے سیٹ اور موجودہ ایڈیشن کے اعتبار سے حضرت چودھری محمد ظفراللہ خاں صاحب کا یہ پیش لفظ زیر نظر جلد ۶ ہی سے متعلق ہے۔ (مؤلف)

کہ احمدیت غالب ہوگی اور دنیا پر ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی دین اور سب قومیں اسلام کے چشمہ سے سیراب ہوں گی اور قرآن کی تعلیم پر عمل کرنے سے ہی تسکین قلب حاصل کریں گے پس مبارک ہے وہ شخص جو اپنے من' تن' دھن کو قربان کرنے کے لئے ہر دم تیار رہتا ہے کیونکہ اسلام کا احیاء ہم سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قربان ہونا طلب کرتا ہے۔

پس عزیزو! اٹھو۔ کمر ہمت باندھو اور جس طرح خلافت ثانیہ میں آنے والے احباب نے قربانیوں کا بے نظیر نمونہ دکھایا۔ اسی طرح خلافت ثالثہ میں تم بھی آگے بڑھو۔ تا اسلام کا جھنڈا سب دنیا پر لہرانے لگے۔ آمین۔

والسلام

(دستخط) ظفراللہ خان۔ ازلاہور

۱۸-۱-۶۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم
وعلی عبدہ المسیح الموعود

تاریخ احمدیت جلد ہفتم [1]

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے خلافت ثانیہ کے بابرکت دور کی تاریخ کی تیسری جلد احباب کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے یہ جلد دو ابواب میں ہے اور ۱۹۳۲ء سے لے کر ۱۹۳۵ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے تاریخ کے پہلے باب میں علاوہ دوسرے اہم واقعات کے مقدمہ بہاول پور اور مشرقی افریقہ میں احمدیت کا بیج بوئے جانے اور پھر باوجود مخالفت کی آندھیوں کے اس کے بڑھنے اور تناور درخت بننے کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں جماعت پر آنے والے ابتلائی دور کا مفصل ذکر کیا گیا ہے جب کہ احرار نے جماعت کی مخالفت کرتے ہوئے یہ تعلّی کی تھی کہ وہ جماعت احمدیہ کو ختم کردیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدوں کے مطابق احرار کے سب منصوبوں کو خاک میں ملادیا اور جماعت احمدیہ پہلے سے بھی زیادہ شان و شوکت کے ساتھ ترقی کرنے لگی۔ احرار کی مخالفت کے نتیجہ میں جو انعامات کے دروازے اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کے لئے کھولے۔ ان کا ذکر انشاء اللہ مفصل اگلی جلد میں آئے گا۔ سیدنا حضرت مصلح الموعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو خدائی وعدے کئے گئے تھے ان میں سے دو وعدے یہ تھے کہ قومیں آپ سے برکت پائیں گی اور خدا کا سایہ آپ کے سر پر ہوگا۔ ان ہر دو امور کی تصدیق بہانگ دہل اس جلد کے واقعات کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس جلد کو قبول فرمائے اور مصنف مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو صحت و سلامتی کے ساتھ باقی حصوں کو جلد مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) اور ان کی محنت کو نوازے۔ **وما توفیقنا الا باللہ العظیم۔**

سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے کتاب کے ابتدائی حصہ کو از راہ شفقت ملاحظہ فرمایا اور دعا فرمائی۔ حضرت مسیح موعودؑ کے قدیم صحابی حضرت حافظ سید مختار احمد

---

[1] نوٹ :۔ موجودہ ایڈیشن کے اعتبار سے یہ الفاظ زیر نظر جلد ۶ کا تعارف ہیں۔

صاحب شاہجہان پوری نے باوجود علالت طبع اور کمزوری کے اول سے آخر تک کتاب کے مسودہ کو سنا اور مناسب اصلاح فرمائی اسی طرح خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس رضی اللہ عنہ نے مقدمہ بہاول پور کے حالات پر نظر ثانی فرمائی۔ ان بزرگوں کے علاوہ درج ذیل محترم اصحاب نے بھی اپنے قیمتی وقت کو صرف کر کے جستہ جستہ مقامات پر نہایت محنت سے نظر ثانی فرمائی۔

۱۔ مکرم شیخ بشیر احمد صاحب سینئر ایڈووکیٹ سابق جج ہائی کورٹ وصدر ادارۃ المصنفین۔

۲۔ مکرم شیخ مبارک احمد صاحب سابق رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ۔

۳۔ مکرم چوہدری عنایت اللہ صاحب مجاہد مشرقی افریقہ۔

۴۔ مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ ربوہ۔

۵۔ مکرم قریشی ضیاء الدین صاحب بی اے ایل ایل بی' ایڈووکیٹ ہائیکورٹ لاہور۔

۶۔ مکرم چوہدری صلاح الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مشیر قانونی (صدر انجمن احمدیہ ربوہ)

ان کے علاوہ مکرم سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدر آبادی نے شروع سے آخر تک مضمون ملاحظہ فرما کر قیمتی مشورے دیئے۔ فجزاهم الله

خاکسار کو بھی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی کہ شروع سے آخر تک اس کتاب کے مسودہ کو اس لحاظ سے دیکھا کہ کتاب کا ہر گوشہ مکمل نظر آئے۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک

اس جلد میں بعض نایاب تصاویر لگائی جا رہی ہیں۔ یہ تصاویر مندرجہ ذیل اصحاب نے مہیا کی ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا ابو العطاء صاحب فاضل

۲۔ مکرم حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ قادیان

۳۔ مکرم جناب ناظر صاحب خدمت درویشان (سید میر داؤد احمد صاحب)

۴۔ جناب مختار احمد صاحب ہاشمی

۵۔ مکرم چوہدری سردار احمد صاحب فاضل لندن

۶۔ مکرم حافظ عبد السلام صاحب وکیل المال تحریک جدید

۷۔ مکرم شیخ عبد الحمید صاحب کارکن صدر انجمن احمدیہ ربوہ

اسی طرح جلد کے لئے مکرم مولانا عبد الرحمٰن صاحب انور فاضل پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح اور محترم سید اعجاز احمد صاحب انسپکٹر بیت المال صدر انجمن نے نہایت قیمتی مواد مہیا فرمایا۔ حوالہ جات کے مقابلہ کرنے میں عزیزم مکرم محمد یوسف صاحب سلیم ایم اے شاہد نے نہایت محنت اور عرق ریزی سے کام کیا۔ اسی طرح مکرم مولانا محمد صدیق صاحب فاضل ایم اے انچارج خلافت لائبریری اور

آپ کے دونوں ساتھی راجہ محمد یعقوب صاحب اور ملک محمد اکرم صاحب مضمون کی تیاری کے لئے کتب کی فراہمی میں خصوصی تعاون فرماتے رہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ۔

تنگی وقت کے باوجود مکرم سید محمد باقر صاحب خوشنویس نے نہایت محنت سے کتابت کی اور مکرم شیخ خورشید احمد صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل نے پروفوں کے پڑھنے میں نہایت جدوجہد سے کام لیا۔ مکرم قاضی منیر احمد صاحب اور لطیف احمد صاحب کارکن ادارہ نے دن رات ایک کرکے اس کو چھپوانے کی سعی کی۔

ادارۃ المصنفین تمام ان اصحاب کا جنہوں نے اس جلد کی تیاری میں کسی نہ کسی رنگ میں مدد کی ہے دلی شکریہ ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان سب کی محنت کو نوازے اور اپنے فضلوں کا وارث کرے۔ (آمین)

ابوالمنیر نورالحق
مینجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین ربوہ

۱۷/جنوری ۱۹۶۷ء

فہرست

تاریخ احمدیت جلد ۶

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
باب اول		کارکنان سلسلہ کے نئے دور کا افتتاح	۲۸
(فصل اول)		وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل میں چوہدری	
خلافت ثانیہ کا انیسواں سال		محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا تقرر	۳۱
(جنوری ۱۹۳۲ء تا دسمبر ۱۹۳۲ء)		اخبار ''سیاست'' کا اہم نوٹ	۳۳
1932ء کے ماحول پر ایک سرسری نظر	۱	چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا پنجاب کونسل	
جماعت احمدیہ کی خصوصی شان	۲	میں بلا مقابلہ انتخاب	۳۳
مصری پریس میں جماعت کی خدمات اسلامیہ کا ذکر	۴	پونڈری (ضلع کرنال) کے مسلمانوں کی امداد	۳۵
1932ء کا ایک اہم واقعہ	۷	(فصل دوم)	
یوم التبلیغ کا آغاز	۹	مقدمہ بہاولپور	۳۶
سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے تاثرات	۱۲	دربار معلی کی کارروائی	۳۸
تحریک مصالحت اور اس کا اثر	۱۸	ڈسٹرکٹ جج صاحب کا رویہ	۳۹
قادیان میں یوم سرحد	۱۹	علمائے دیوبند کی شہادتیں	۳۹
امیر جماعت احمدیہ بنگال کے متعلق فیصلہ	۲۰	مولانا جلال الدین صاحب شمس کا بیان	۴۲
1932ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے سفر	۲۱	مولوی عبداللطیف صاحب فاضل دیوبند کی	
راؤنڈ ٹیبل کانفرنس اور مسلمان	۲۲	چشم دید شہادت	۴۳
مسلم اخبار ''انقلاب'' (لاہور) کی ضمانت	۲۴	مولانا غلام احمد صاحب بدوملہی کا بیان	۴۴
قادیان میں مکان بنانے کی تحریک	۲۵	مختاران مدعیہ کا رویہ	۴۵
دارالحمد کی تاسیس اور بعض دوسری مقدس عمارتیں	۲۶	عدالت کے اختیار سماعت کا سوال	۴۸
جماعت احمدیہ کی شاندار مالی قربانی	۲۷	مدعا علیہ کی وفات کے بعد عدالت کا فیصلہ	۴۸

عنوان	صفحہ
''شرع شریف'' کی روشنی میں عدالتی فیصلہ اور ''ختم نبوت''	۴۹
فاضل جج اور ''تعریف نبوت''	۵۰
حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف کی شہادت	۵۲
فاضل جج کی ''شانِ تحقیق''	۵۳
آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں انتشار اور حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی اپیل	۵۵
آل سکھ پارٹیز کانفرنس کی قرارداد اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اہم بیان	۵۶
فصل سوم	
ہندوستان کا سیاسی فتنہ اور حضرت امام جماعت احمدیہ کی راہنمائی	۵۸
احمدیہ کور	۶۲
اچھوت اقوام کی حفاظت کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی اپیل	۶۷
حادثہ بڈھلاڈا (ضلع حصار) اور جماعت احمدیہ کی خدمات جلیلہ	۶۸
مسلمانان الور کی امداد	۷۵
فصل چہارم	
جلسہ سیرت النبیؐ لکھنؤ کے خلاف ہنگامہ آرائی	۷۷
اراضی سندھ کی خرید	۷۹
جامعہ احمدیہ کا تبلیغی و تعلیمی وفد	۸۱
سالانہ جلسہ پر ایک قرارداد	۸۳
اخبار ''الفضل'' میں مسلمانان ہند کی تائید میں مسلسل مضامین	۸۳
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۸۴
فصل پنجم	
(1932ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات)	
خاندان مسیح موعودؑ میں ترقی	۸۷
میاں عبدالرحیم خان کا نکاح	//
سر محمد شفیع کا انتقال	//
جلسہ تقسیم انعامات	//
مجالس ''ذکر حبیب''	۸۸
سناتن دھرم سبھا لاہور کی مذہبی کانفرنس	//
قادیان میں السنہ مشرقیہ کے امتحانات کا سنٹر	//
قادیان کے دفاتر میں ٹیلی فون	//
بیرونی مشنوں کے بعض ضروری واقعات	۸۹
1932ء کی نئی مطبوعات	۹۰
اندرون ملک کے مشہور مناظرے	۹۱
نومبائعین	۹۴
فصل ششم	
خلافت ثانیہ کا بیسواں سال	
(جنوری 1933ء تا دسمبر 1933ء)	
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہوائی جہاز میں پہلی بار پرواز	۹۵

عنوان	صفحہ
اچھوتوں سے متعلق جماعت کی مخلصانہ مساعی	//
چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی سفر ولایت سے واپسی	۹۶
ایک ناگوار واقعہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا فیصلہ	۹۹
چینی اور جاپانی مسلمانوں کے لئے جاپانی حکومت سے خط وکتابت	۱۰۱
''بیت النصرت'' کی بنیاد	//
مرکز میں صیغہ نشر واشاعت کا قیام	//
مسجد فضل لنڈن میں قائد اعظم محمد علی جناح کی تقریر	۱۰۲
حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب دردؓ کی خودنوشت مختصر سوانح حیات سے ایک اقتباس	۱۰۳
پریس میں قائد اعظم کی تقریر کا چرچا	۱۰۴
''ہندوستان کو فریب''	۱۰۵
بوہرہ جماعت کے قومی مفاد کا تحفظ	//
حضرت سارہ بیگم صاحبہؓ کا حادثہ ارتحال	۱۰۶
ایک مقدمہ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح کی شہادت	۱۱۱
احمدیہ فیلوشپ آف یوتھ	۱۱۲
ایک ایرانی کے سوالات اور ان کے جوابات	//
مسلم تنظیموں کی مالی امداد اور ہندوؤں کی برہمی	۱۱۳
فصل ہفتم	
چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی لنڈن میں مذہبی وسیاسی خدمات	۱۱۶
اردو سیکھنے کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کی کتب پڑھنے کی تحریک	۱۱۷
اتحاد مذاہب کانفرنس شکاگو کے لئے افتتاحی پیغام	۱۱۸
چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا پہلا سفر امریکہ	۱۱۹
فصل سوم	
صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب کا سفر ولایت	۱۲۱
حضرت مسیح موعودؑ کی نظموں کا ریکارڈ	۱۲۳
آل بنگال احمدیہ کانفرنس	//
سرزمین کابل میں ایک نہایت اہم نشان کا ظہور	۱۲۴
چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی سفر انگلستان وامریکہ سے واپسی اور شاندار استقبال	۱۲۵
علم طب کی سرپرستی	۱۲۷
اخبار ''الفضل'' کی اسلامی خدمات	۱۲۸
سالانہ جلسہ 1933ء	۱۳۰
بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیوں پر سیدنا خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا تبصرہ	//
بعض مخلص احمدی نوجوانوں اور نئے مبلغوں کا ذکر	۱۳۲
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۱۳۳
فصل نہم	
1933ء کے بعض متفرق مگر نہایت اہم واقعات	۱۳۵
دوئی مساجد	//
انسداد بیکاری	//
کوٹلی ضلع گجرات میں مباہلہ	۱۳۶

عنوان	صفحہ
بیرونی مشنوں کے بعض اہم واقعات	″
مبلغین کی آمد و روانگی	۱۳۹
اندرون ملک کے مشہور مناظرے	۱۴۰
نئی مطبوعات	۱۴۳
فصل دھم	
خلافت ثانیہ کا اکیسواں سال	
(جنوری 1934ء تا دسمبر 1934ء)	
تحریک سالکین	۱۴۵
الحکم کا دوبارہ اجراء	۱۴۷
1934ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے اہم سفر	۱۴۸
کالی کٹ (مالابار) کے احمدیوں پر دردناک مظالم	۱۵۰
سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات و کشوف کی جمع و تدوین کا مرکزی انتظام	۱۵۳
تحریک قرضہ اور مسلم پریس	۱۵۴
پنجاب ہائی کورٹ کا چیف جسٹس اور جماعت احمدیہ	۱۵۶
ہائیڈروالیکٹرک برانچ میں مسلمانوں کی حق تلفی	۱۵۷
مباحثات کی نسبت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا فیصلہ	۱۵۸
مسلم حقوق کے تحفظ کا اہم مسئلہ اور وائسرائے ہند کی خدمت میں احمدیہ وفد	۱۵۹
مسلمانان اجودھیا پر ہندوؤں کے مظالم	۱۶۱
فصل یازدھم	
''بیت فضل'' لائلپور کی تعمیر اور افتتاح	۱۶۴
سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی قادیان سے روانگی	″
افتتاح بیت فضل	۱۶۵
جماعت احمدیہ لائل پور کا جلسہ	۱۶۷
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی معرکۃ الآراء تقریریں	۱۶۸
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جڑانوالہ اور احمد پور میں	۱۶۹
قادیان میں ورود مسعود	″
جلسہ کے بعض ضروری کوائف	۱۷۰
جماعت لائل پور تبلیغ کے نئے دور میں	″
سفر لائل پور کے تاثرات سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زبان مبارک سے	۱۷۱
خدا تعالیٰ کا ایک نشان۔ ہندوستان کے شمال مشرق میں تباہ کن زلزلہ	۱۷۴
حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا رسالہ	۱۷۵
مصیبت زدگان کی مرکزی امداد	۱۷۶
احمدیان بہار کی خدائی حفاظت	″
سکھوں کا اشتعال انگیز اجتماع	۱۷۷
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے سردار کھڑک سنگھ اور ان کے ہمراہیوں کو دعوت حق	۱۷۸
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے لاہور میں شاندار لیکچر	۱۸۰
خاندان حضرت مسیح موعودؑ کو اشاعت اسلام کی زبردست تحریک	۱۸۲
حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب	

عنوان	صفحہ
ایدہ اللہ تعالیٰ کی شادی	۱۸۴
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اپنے عقائد پر حلفیہ بیان	۱۸۶
فصل دوازدھم	
حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کا سفر ولایت	۱۸۷
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی روح پرور نصائح	//
قادیان سے روانگی	۱۸۸
حضرت سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہ کی دعائیہ نظم	۱۹۰
بمبئی سے سویز تک	۱۹۱
سویز سے لنڈن تک	۱۹۲
صاحبزادگان کے اعزاز میں جلسہ	۱۹۳
مرکزی کارکنوں کی نسبت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اہم فرمان	۱۹۴
ایگزیکٹو کونسل کے ممبر کی حیثیت سے چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا تقرر	//
اخبار ''زمیندار'' کی روش کے خلاف بعض مسلم اخبارات کا زبردست احتجاج	۱۹۶
اردو کے بعض مایہ ناز ادیبوں اور صحافیوں کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے خصوصی تعلق اور مکتوبات	۲۰۶
مولانا شوکت علی	۲۰۸
سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی ایم اے	//
علامہ احسان اللہ تاجور	۲۰۹

عنوان	صفحہ
علامہ منشی عاشق حسین صاحب سیماب اکبر آبادی	۲۱۰
مولانا سید حبیب صاحب مدیر ''سیاست''	//
منشی محمد عمر شوکت تھانوی	۲۱۱
مولانا عبدالمجید سالک	//
مولانا صلاح الدین احمد	۲۱۲
خان بہادر میرزا عبدالرحمٰن چغتائی	//
اردو ادیبوں کے خطوط کے چربے	۲۱۳
حضرت میر مہدی حسین صاحب کا سفر ایران اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زریں ہدایات	۲۲۶
تحریک احمدیت کے ذریعہ سے پادریوں کی شکست فاش کا اعتراف	۲۳۰
جلیل القدر صحابہ اور بعض دوسرے بزرگوں کا وصال	۲۳۱
فصل سیزدھم	
دارالتبلیغ مشرقی افریقہ کا قیام۔ مشرقی افریقہ کا اسلامی عہد اقتدار	۲۳۴
عیسائی مشنوں کی یورش	//
مشرقی افریقہ میں اشاعت احمدیت کی ابتدائی تاریخ	۲۳۶
کلنڈنی بندرگاہ (مشرقی افریقہ) میں مقیم اولین صحابی	۲۳۸
مشرقی افریقہ کے قدیم صحابہ کی ایک فہرست	۲۴۰
نیروبی میں احمدیہ پریس کا قیام	۲۴۴
اخبار ''الھدیٰ'' کا اجراء	۲۴۵
انجمن جماعت اسلام نیروبی کی طرف سے ردعمل	//

عنوان	صفحہ
مستقل مشن کا قیام	//
نیروبی میں کامیاب مناظرہ	۲۴۶
احمدیوں پر حملہ	//
جمالی اور جلالی نشان	۲۴۷
رسالہ ''ماپینزی یا منگو'' کا اجراء	۲۴۸
احمدیہ مسلم سکول ٹبورا (ٹانگانیکا)	۲۴۹
تبلیغ اسلام کے دوسرے ذرائع	//
نیروبی میں مخالفت کا نیا دور	۲۵۰
ٹبورا میں مقدمات	۲۵۱
احمدیہ بیت الذکر ٹبورا	۲۵۲
مشرقی افریقہ کے لئے نئے مجاہدین کی روانگی	۲۵۵
جماعت ہائے مشرقی افریقہ کی سالانہ کانفرنس	۲۵۷
ٹبورا کے پادریوں کا مقابلہ	//
سواحیلی ترجمہ قرآن	۲۵۸
کسموں میں بیت الذکر کی تعمیر	۲۵۹
شیخ امری عبیدی صاحب کی اسلامی خدمات	۲۶۰
بیت الذکر دارالسلام کی تعمیر	۲۶۱
مسلمانان مشرقی افریقہ کی تعلیمی ترقی کیلئے جدوجہد	۲۶۲
اخبار ''ایسٹ افریقن ٹائمز''	//
جنجہ (یوگنڈا) میں بیت الذکر اور مشن ہاؤس کی تعمیر	۲۶۳
ممباسہ میں بیت الذکر کی تعمیر	//
ڈاکٹر بلی گراہم کو روحانی مقابلہ کا چیلنج	۲۶۴
مسیحی مورخین و محققین کا اعتراف	۲۶۵
کمپالہ (یوگنڈا) میں بیت محمود کی تعمیر	۲۶۷
مشرقی افریقہ کے نظام تبلیغ میں تبدیلی	//
اسلامی لٹریچر کی اشاعت	۲۶۸
احمدیہ مشرقی افریقہ مشن دوسروں کی نظر میں	۲۷۰
فصل چہاردہم	
(1934ء کے متفرق مگر اہم واقعات)	
صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کی شادی	۲۷۷
ایرانی ساح قادیان میں	//
چوہدری علی بخش صاحب کا انتقال	۲۷۸
سناتن دھرم سبھا فیروز پور شہر	//
یونیورسٹی کمیشن کے لئے میمورنڈم	//
دی ''سٹار ہوزری ورکس'' قادیان کا افتتاح	//
بیرونی مشنوں کے بعض اہم واقعات	۲۷۹
نئی مطبوعات	۲۸۰
اندرون ملک کے مشہور مناظرے	۲۸۰
بعض ممتاز نومبایعین	۲۸۷
حواشی	۲۸۹
باب دوم	
فصل اوّل	
(احرار اور حکومت انگریزی کی طرف سے منظم مخالفت)	
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا قبل از وقت انتباہ	۳۱۶
ہندو راج کے منصوبے اور ''متحدہ قومیت'' کا فتنہ	۳۱۷
1857ء میں مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں	

عنوان	صفحہ
کی سازش	//
مغلیہ تاجدار بہادر شاہ ظفر کا حلفیہ بیان	۳۱۸
ہندو تلنگوں کی یورش کا بادشاہ اور شاہی ملازموں پر اثر	۳۲۱
سرسید احمد خاں بانی علی گڑھ تحریک کی مفصل رائے	۳۲۲
علماء اہلحدیث اور سانحہ 1857ء	۳۲۴
خلیفۃ المسلمین ترکی اور سانحہ 1857ء	۳۲۵
مسلمانوں کا دردناک حشر	۳۲۶
ہندو تنگ ظرفی کے متعلق مولانا ابوالکلام اور بعض احراری لیڈروں کی رائے	۳۲۷
مسلمانوں کو ابدی غلام بنالینے کے منصوبے	۳۳۰
کانگریس کی طرف سے ''قومیت متحدہ'' کا پرچار اور اس کا مقصد	۳۳۱
مسلم قوم کا تخیل اور پنڈت جواہر لال نہرو	۳۳۲
''قومیت متحدہ'' کیلئے جمعیۃ العلماء ہند کا فتویٰ	۳۳۳
مولانا ابوالکلام صاحب آزاد ''راشٹر پتی'' اور ''قومیت متحدہ''	//
فصل دوم	
قومیت متحدہ	۳۳۵
احراری زعماء کی طرف سے ''قومیت متحدہ'' کے دلائل	۳۳۶
کانگریس کے نظریات کی حیرت انگیز ترجمانی	۳۳۸
پنڈت نہرو کے پروگرام کی تعمیل	۳۴۰
کانگریس کی طرف سے مالی امداد اور اسکے نتائج	۳۴۱
امیر شریعت احرار کی نظر میں مسلم اکثریت	۳۴۳
آزادی کا تحفہ پنڈت نہرو جی کی خدمت میں پیش کردینے کا لرزہ خیز اعلان	۳۴۴
فصل سوم	
(کانگریس کی ''قومیت متحدہ'' کے خلاف جماعت احمدیہ کی مذہبی طاقت)	
کانگریس کی ''قومیت متحدہ'' کے خلاف سیاسی طاقت ''مسلم لیگ'' اور مذہبی طاقت (جماعت احمدیہ)	۳۴۵
حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت کا مسلسل جہاد	۳۴۸
جماعت احمدیہ کی تنظیم اور مرکزیت کو تباہ کرنے کا منصوبہ	۳۵۲
فصل چہارم	
(تحریک کشمیر اور احرار ہند)	
تحریک کشمیر میں جماعت احمدیہ کی مخالفت	۳۳۵
تحریک آزادی کو تباہ کرنے کے لئے اقدامات	۳۵۶
مفکر احرار چوہدری افضل حق صاحب کا اعتراف	۳۶۱
تحریک کشمیر کی تخریب کے بعد پھر کانگریس کی تحریک میں	۳۶۵
فصل پنجم	
(جماعت احمدیہ کے خلاف سیاسی جنگ کا اعلان اور اس کے ہتھیار)	
پہلا ''اینٹی قادیان ڈے'' احرار کا اعلان کہ احمدیوں	

عنوان	صفحہ
کے خلاف ہماری جنگ مذہبی نہیں سیاسی ہے۔	۳۶۹
قتل کے منصوبے	۳۷۳
احمدیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کا مطالبہ	۳۷۵
فصل ششم	
(انگریزی حکومت کی طرف سے جماعت کی مخالفت)	
جماعت احمدیہ اور انگریزی حکومت	۳۸۹
مسٹر اوبرائن کا نظریہ	۳۹۲
احمدیوں کے سیاسیات میں حصہ لینے کا چرچا	۳۹۳
فصل ہفتم	
احرار کا حکومت پنجاب سے گٹھ جوڑ اور اس بارہ	
میں چند اہم اعترافات	۳۹۸
سر سکندر اور گورنر ایمرسن	۴۰۴
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے الفاظ میں	
مخالفت کے نئے دور کا پسِ منظر	۴۰۷
فصل ہشتم	
(قادیان میں احرار اور حکومت کی اشتعال انگیز سرگرمیاں)	
قادیان میں مجلس احرار کے دفتر کا قیام	۴۱۷
پنجاب کے بعض سرکردہ علما کی طرف سے احرار	
کی حوصلہ افزائی	۴۱۹
فتنہ کی روک تھام کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل	۴۲۰
جماعت احمدیہ کو نہایت اہم اور قیمتی ہدایات	۴۲۲
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ڈاک پر سنسر شپ	۴۲۷
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے لفظ لفظ پر حکومت	
کی نظر	۴۲۸
سر سکندر حیات خاں صاحب کا مشورہ	۴۲۹
اخبار ''زمیندار'' اور ''احسان'' کی ضمانت طلبی	//
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زبان مبارک سے حکومت	
کی چیرہ دستیوں کے بعض ضروری واقعات کا ذکر	۴۳۱
فصل نہم	
(قادیان میں ''احراری تبلیغ کانفرنس'' اور	
حکومت پنجاب کا ظالمانہ حکم)	۴۵۴
شعبہ خاص کا قیام	//
مرکزی پریس کی خاموشی	۴۵۵
مولوی فرزند علی صاحبؓ کی کمشنر صاحب	
لاہور ڈویژن سے ملاقات	//
مرزا معراج الدین صاحب سپرنٹنڈنٹ	
سی آئی ڈی لاہور کی ملاقات	۴۵۷
افسران حکومت کو ایک خصوصی اطلاع	۴۵۹
حکومت پنجاب کا ظالمانہ حکم	//
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا باطل شکن جواب	۴۶۱
''احرار تبلیغ کانفرنس'' کیلئے پولیس کی بھاری جمعیت	//
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے	
صبر و تحمل کی تلقین	۴۶۲
احرار کی تبلیغ کانفرنس پر ایک نظر	۴۶۴
اخبار ''سیاست'' اور تبلیغی کانفرنس	۴۶۸
احمدیوں کی طرف سے صبر و تحمل کا بے مثال مظاہر	۴۶۹

عنوان	صفحہ
''تبلیغ کانفرنس'' پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا	
حقیقت افروز تبصرہ	//
مجسٹریٹوں کی مجرمانہ خاموشی	۴۷۱
حکومت پنجاب کے غیر منصفانہ نوٹس کے	
خلاف حضرت خلیفۃ المسیح کا زبردست احتجاج	۴۷۳
حکومت کے افسروں کا ہتک آمیز رویہ	۴۷۷
سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا ایک مکتوب	
میاں فضل حسین صاحب کے نام	۴۷۹
حکومت پنجاب اور گورنر کی طرف سے غلطی کا اعتراف	۴۸۱
نئے ڈپٹی کمشنر کی جدوجہد مصالحت	۴۸۲
حکومت پنجاب کی جارحانہ پالیسی میں شدت	//
فصل دھم	
دردناک مظالم کا نیا دور	۴۸۴
دلآزار لٹریچر کی اشاعت	//
انگریزی حکومت کو سیدنا حضرت	
خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا زبردست انتباہ	//
متعصب ہندو سپرنٹنڈنٹ پولیس کا تقرر	۴۸۵
آل انڈیا نیشنل لیگ کا قیام	//
قادیان میں دفعہ 144 کا نفاذ	۴۸۶
پرائیویٹ مجلس میں پولیس کی بے جا مداخلت	۴۸۷
ایک اشتعال انگیز پوسٹر	//
دفعہ 144 کی توسیع کے لئے ناجائز کوشش	۴۸۸
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے صبر کی	

عنوان	صفحہ
دردمندانہ اپیل	۴۸۸
احمدیوں کا منظم بائیکاٹ	۴۸۹
نہتے احمدیوں کو گرفتار کرانے کی کوشش	//
بے ہودہ افواہیں	//
ارتداد کی جھوٹی خبریں	//
جماعت احمدیہ کی تباہی کی پیشگوئیاں	۴۹۰
مصائب جھیلنے والی بعض جماعتوں اور افراد کا	
خصوصی تذکرہ	//
احراریوں کو اشاعت اسلام کے لئے مالی و جانی	
قربانیوں کا چیلنج	۴۹۲
(''عطاء اللہ شاہ بخاری'' کے نام پر) جماعت	
احمدیہ پر مقدمہ	۴۹۳
حکومت پنجاب کا خفیہ سرکلر	۴۹۵
مجلس مشاورت 1935ء میں فتنہ انگیزی	۴۹۶
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے	
دشمنوں کی ناکامی کی حیرت انگیز پیشگوئی	//
لارڈ ولنگڈن سے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ	
خان صاحب کی ملاقات	۴۹۸
جماعت احمدیہ کی عیدگاہ میں بے جا مداخلت	//
حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ پر	
قاتلانہ حملہ	۵۰۰
قادیان میں فساد کرانے کیلئے شرمناک سازش	۵۰۱

عنوان	صفحہ
فصل یازدهم	
حادثہ شہید گنج اور احرار کا عبرتناک انجام	۵۰۴
مولوی مظہر علی صاحب اظہر کے دواہم خطوط	۵۰۶
حکومت اور مجلس احرار	۵۰۸
مجلس احرار اور ہندو	۵۰۹
مجلس احرار اور مسلم عوام	۵۱۰
مجلس احرار اور مولوی ظفر علی خاں صاحب	۵۱۲
حضرت امام جماعت احمدیہ کو مولوی ظفر علی خاں صاحب کا خراج تحسین	۵۱۳
مجلس احرار اور مسلم پریس	۵۱۳
مجلس احرار اور مسلمان مورخ	۵۲۱
مجلس احرار اور احراری لیڈر	۵۲۳
مسلم لیگ سے قطع تعلق	۵۲۴
مجلس احرار سے سر سکندر پارٹی کا سلوک	۵۲۶
انتخابات 1937ء میں شکست فاش	//
کانگریس کے ہاتھوں بے آبروئی	۵۲۸
احرار کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی	۵۲۹
حواشی	۵۳۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
و علی عبدہ المسیح الموعود

پہلا باب (فصل اول)

اشاعت احمدیت کی پر زور تحریک اور "یوم التبلیغ" کے آغاز سے لے کر دار التبلیغ مشرقی افریقہ کے قیام تک

خلافت ثانیہ کا انیسواں سال

(جنوری ۱۹۳۲ء تا دسمبر ۱۹۳۲ء بمطابق شعبان ۱۳۵۰ھ تا شوال ۱۳۵۱ھ)

۱۹۳۲ء کے ماحول پر ایک سرسری نظر

جماعت احمدیہ کی علمی و تبلیغی اور اخلاقی و روحانی تاریخ جو ابتداء سے لے کر ۱۹۳۱ء تک کے عمومی کوائف اور تحریک آزادی کشمیر کے مفصل حالات و وقائع پر مشتمل تھی۔ قبل ازیں پانچ حصوں میں محفوظ ہو چکی' اور اب ہم خدا تعالیٰ کے فضل و رحم کے ساتھ پیش نظر چھٹی جلد سے ۱۹۳۲ء کے واقعات کا آغاز کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ **وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم۔**

اس دور کی تاریخ پر قلم اٹھانے سے پیشتر یہ بتا دینا نہایت ضروری ہے کہ خلافت ثانیہ کے ابتداء میں تحریک احمدیت کو جو عظیم الشان ترقیات و فتوحات نصیب ہوئیں وہ ۳۱-۱۹۳۲ء میں زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آگئیں۔ اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کی بے مثال راہ نمائی نے سلسلہ احمدیہ کو اٹھارہ برس کے اندر اندر اپنوں اور غیروں کی بے انتہا مخالفانہ سرگرمیوں کے باوجود ---- رفعت و عظمت کے ایسے بلند مقام پر لا کھڑا کیا کہ نہ صرف برصغیر کے مختلف طبقے اس مختصری جماعت کے غیر معمولی اثر و نفوذ اور کامیابی کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔ بلکہ دنیائے اسلام کے بعض ممالک میں بھی اس کے تبلیغی کارناموں اور اس کی مجاہدانہ کوششوں اور تنظیمی صلاحیتوں پر اظہار تحسین کیا جانے لگا۔

مسلمانان ہند کی قابل رحم حالت

یہ زمانہ مسلمانان ہند کے لئے گوناگوں مصائب سے لبریز تھا۔ کشمیر اور صوبہ سرحد میں مسلمانوں پر جبر و تشدد کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے اس کے ساتھ ہی کرنال' حصار اور ریاست الور کے مسلمانوں کو سخت دق کیا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ پنجاب مسلم اکثریت کا صوبہ ہونے کے باوجود ہندوؤں اور سکھوں کی سازشوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اب سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ (قائداعظم) محمد علی جناح کے انگلستان چلے جانے اور وہاں بود و باش اختیار کر لینے کے بعد مسلمانان ہند کا سیاسی قافلہ انتشار' تشتت اور پراگندگی کا شکار ہو رہا تھا اور مسلمان لامرکزیت اور فقدان قیادت کے نتیجہ میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہو چکے تھے۔ چنانچہ "تازیانہ ریویو" (۳۰/نومبر ۱۹۳۲ء) نے اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ:

"مسلمان کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتے تاوقتیکہ ان میں کوئی لیڈر پیدا نہ ہو گا۔ گاندھی نہ ہو تو مالوی ہی ہو اور اگر وہ نہ ہو تو پرمانند ہی سہی۔ لیکن یہاں تو ہندو لیڈروں کے مقابلہ میں ہم کسی ایک مسلمان کو بھی پیش نہیں کر سکتے"۔

جماعت احمدیہ کی خصوصی شان اپنوں اور غیروں کی نظر میں

بایں ہمہ مایوسی اور ناامیدی کے اس دردناک ماحول میں نظریں بیتابانہ اور مضطربانہ طور پر قادیان کی طرف اٹھتی تھیں اور وہاں روشنی کی ایک امید افزا کرن موجود پاتی تھیں۔ چنانچہ ذیل میں بعض اہم آراء و افکار درج کی جاتی ہیں جن سے جماعت احمدیہ کی اس خصوصی شان کا اندازہ کرنے میں آسانی ہو گی۔

۱۔ مراد آباد کے ایک مشہور مسلمان مصنف جناب اشفاق حسین صاحب مختار (سابق میونسپل کمشنر مراد آباد) نے اپنے ایک کتابچہ "خون کے آنسو" میں لکھا۔

"(جماعت اور بھیڑ کا فرق احمدی جماعت ہیں) ہم سات کروڑ تو ہیں لیکن ہم سات کروڑ آدمیوں کی بھیڑ ہیں۔ ہم اپنے آپ کو جماعت نہیں کہہ سکتے۔ البتہ احمدی صاحبان اپنے آپ کو جماعت کہہ سکتے ہیں کیونکہ ان کی تنظیم اچھی ہے .... مشہور عربی مقولہ ہے ید اللہ علی الجماعۃ۔ یعنی اللہ کا ہاتھ جماعت کے اوپر ہوتا ہے یعنی اللہ ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو تنظیم کر کے اپنی جماعت بنا لیتے ہیں۔ خدا بھیڑ کی مدد نہیں کرتا۔ چونکہ ہم بھیڑ ہیں اس لئے خدا نے اپنا مددگار ہاتھ ہمارے اوپر سے اٹھا لیا۔ تنظیم اگر ہو تو تھوڑی سی جماعت بھی دنیا میں تہلکہ ڈال دیتی ہے اور اگر تنظیم نہ ہو تو سات کروڑ تو کیا بلکہ ستر کروڑ بھی ذلت کی زندگی بسر کرتے ہیں" [1]

۲- ایک کانگریسی لیڈر پنڈت نانک چند صاحب نے گول میز کانفرنس میں کہا کہ۔
"مسلمان جاہل پسماندہ اور ناکافی تعلیم یافتہ ہیں اور ان کو کنٹرول کرنا آسان نہیں۔ دنیا کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ حکومت کی باگ ڈور ناخواندہ فرقہ کے ہاتھ میں دی جانے لگی ہے"۔
اس بیان پر آل انڈیا خلافت کمیٹی کے ترجمان "خلافت" (بمبئی) ۲ نے ایک جوابی نوٹ سپرد قلم کیا۔ جس میں لکھا کہ۔
"اگر قادیان جیسے قصبہ کا تانگہ والا خالصہ اور دیانند کالج کے گریجوئیٹوں کو بند نہ کردے۔ تو ہمارا ذمہ۔ پھر مسلمان کبھی صوبہ کی آزادی طلب نہیں کریں گے"۔
یہ الفاظ ظاہر کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کے مرکز قادیان کو ایسی فضیلت اور علمی شان عطا فرمائی ہے کہ اس مقدس مقام کا بچہ بچہ اپنے علم اور قابلیت میں دنیا کے بڑے بڑے تعلیم یافتہ اشخاص پر بھاری ہے نیز یہ کہ قادیان کی سرزمین نے ایسے زبردست دماغ پیدا کئے ہیں جو حجت اور برہان کی رو سے بڑے بڑے مخالفین اسلام کا ناطقہ بند کر کے ان کا اثر بخوبی زائل کر سکتے ہیں۔

۳- جمعیتہ العلماء ہند کے آرگن "الجمعیتہ" (دہلی) نے جماعت احمدیہ کی تنظیم اور اس کے سالانہ جلسہ کی اہمیت کی نسبت مندرجہ ذیل بیان شائع کیا۔
"قادیانیوں کی کامیابی کا راز صرف ایک بات میں مضمر ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ بہت منظم ہیں۔ ان کے یہاں مختلف امور کے لئے مختلف شعبے قائم ہیں جن میں تنخواہ دار اور مستقل سٹاف کام کرتا ہے۔ مریدین کے چندوں کا اگرچہ کافی حصہ غیر متعلقہ مدات میں بھی صرف ہوتا ہے لیکن پھر بھی قادیانی پراپیگنڈا کے لئے کافی سرمایہ موجود رہتا ہے ظاہر ہے کہ موجودہ زمانہ میں سرمایہ اور تنظیم کے بغیر کوئی کام ممکن نہیں۔ اور یہ دونوں چیزیں قادیانیوں کو میسر ہیں۔ علاوہ مرکزی سٹاف کے جو قادیان میں ہے ہر اس مقام پر جہاں دو چار قادیانی بھی ہیں ایک الگ جماعت قائم ہے۔ جو مرکزی جماعت کے زیر نگرانی ہے۔ اس طرح سے ہر ایک قادیانی اپنے مرکز سے وابستہ ہے۔ اخبار اور سالانہ جلسہ سے اس تنظیم کی اور بھی تکمیل ہو جاتی ہے گویا قادیانیوں کا سالانہ جلسہ بسلسلہ تنظیم وہ کام کر رہا ہے جو مسلمانوں کے یہاں حج بیت اللہ سے ہونا چاہئے۔ اب اس قادیانی تنظیم کے مقابلہ میں مسلمانوں کی حالت دیکھی جائے تو نہایت پراگندہ اور غیر منظم ہے"۔ ۳

۴- جماعت احمدیہ کے مشہور معاند اخبار "زمیندار" کے ایڈیٹر جناب مولوی ظفر علی خان صاحب

نے جماعت احمدیہ کی ترقی اور عروج واقبال کا اقرار کرتے ہوئے لکھا۔

"یہ ایک تناور درخت ہو چلا ہے اس کی شاخیں ایک طرف چین میں اور دوسری طرف یورپ میں پھیلتی ہوئی نظر آتی ہیں"۔

نیز لکھا۔

"آج میری حیرت زدہ نگاہیں بکثرت دیکھ رہی ہیں کہ بڑے بڑے گریجوئیٹ اور وکیل اور پروفیسر اور ڈاکٹر جو کونٹ اور ڈیکارٹ اور ہیگل کے فلسفہ تک کو خاطر میں نہیں لاتے تھے غلام احمد قادیانی کے خرافات واہیہ پر اندھا دھند آنکھیں بند کرکے ایمان لے آئے ہیں"۔ [۴]

یہ تو برطانوی ہند کے بعض مسلم زعماء کے تاثرات ہیں جو بطور نمونہ اوپر درج کئے گئے ہیں۔ اب برصغیر کے غیر مسلم پریس کا نقطہ خیال ملاحظہ ہو۔ آریہ سماجی اخبار "پرکاش" [۵] لاہور نے تبلیغ احمدیت کا ذکر کرتے ہوئے اپنی ۳/ جنوری ۱۹۳۲ء کی اشاعت میں لکھا۔

"ان کے پلیٹ فارم کی مضبوطی کی تو یہ حالت ہے کہ ہر ایک احمدی سے یہ آشا [۶] کی جاتی ہے کہ مرکز سے حکم پاتے ہی وہ باقاعدہ واعظ کا کام کرنے پر تیار ہوگا۔ ورنہ معمولی طور پر تو جو بھی احمدی جس اوستھا [۷] میں ہے وہ واعظ کا کام کرتا ہے لیکن اس کا پریس مضبوطی میں آریہ سماج کے مقابلہ میں حیرت انگیز ہے ایک قادیان کو لو وہاں سے نصف درجن اخبارات سے کم نہیں نکلتے جن میں دو انگریزی ہیں اور اردو پتروں میں سے ایک ہفتہ میں تین بار شائع ہوتا ہے۔ عجب نہیں کہ اسے جلد روزانہ کر دیا جائے۔ [۸] احمدی پریس کا جال سارے ہندوستان میں ہی نہیں۔ باہر نو آبادیوں اور مغربی ممالک تک بچھا ہوا ہے۔ ہر جگہ سے احمدی اخبار اور رسالے نکلتے ہیں۔ اس اوستھا میں احمدیت کی تبلیغ کامیاب ہو تو تعجب ہی کیا ہے یہ سارے اخبار پچپن ہزار احمدیوں کے سر پر چل رہے ہیں۔ یہ احمدی تبلیغ کے سوائے کوئی اور کام نہیں کرتے اس لئے احمدیت سے باہر ان کی اشاعت کی کوئی توقع نہیں پچپن ہزار احمدی ہی ہیں جو اپنی کمائی کے حصہ سے انہیں زندہ رکھ رہے ہیں اور کس لئے زندہ رکھ رہے ہیں؟ احمدیت کے پرچار کے لئے۔ آریوں کی سنکھیا [۹] ماتری [۱۰] بھارت میں ہی دس لاکھ سے کیا کم ہوگی لیکن آریہ سماج کے پریس کی حالت کو دیکھ کر ہر ایک آریہ کا سر مارے ندامت کے جھک جانا چاہئے"۔

مصری پریس میں جماعت احمدیہ کی خدمات اسلامیہ کی بازگشت

ہندوستان سے باہر جس مسلمان ملک میں پہلی بار جماعت احمدیہ کی حیرت انگیز کامیابی اور قابل تقلید اسلامی خدمات کا کھلا کھلا

اقرار کیا گیا وہ مصر تھا۔ چنانچہ قاہرہ کے اخبار "الفتح" (۲۰/ جمادی الاخر ۱۳۵۱ھ مطابق ۲۲/ اکتوبر ۱۹۳۲ء) نے جماعت احمدیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

"نظرت فاذا حركتهم امر مدهش فانهم رفعوا اصواتهم و اجروا اقلامهم باللغات المختلفة وايدوا دعوتهم ببذل المال فى المشرقين والمغربين فى مختلف الاقطار والشعوب ونظموا جمعياتهم وصدقوا الحملة حتى استفحل امرهم وصارت لهم مراكز دعاية فى اسيا و اروبا و امريكا و افريقية تساوى علما و عملا جمعيات النصارٰى واما فى التاثير والنجاح فلا مناسبة بينهم و بين النصارٰى فالقاديانيون اعظم نجاحا لما معهم من حقائق الاسلام وحكمه"۔

ترجمہ: میں نے دیکھا ہے کہ قادیانی تحریک ایک حیرت انگیز چیز ہے قادیانیوں نے تقریری اور تحریری طور پر مختلف زبانوں میں اپنی آواز بلند کی ہے۔ نئی اور پرانی دنیا کے مشرق و مغرب میں مختلف ملکوں اور قوموں میں بذل مال کے ذریعہ اپنی تبلیغ کو تقویت پہنچائی ہے۔ انجمنیں اور جمعیتیں مرتب کر کے زبردست حملہ کیا ہے یہاں تک کہ ان کا معاملہ عظیم الشان ہو گیا۔ اور ایشیا' یورپ' امریکہ اور افریقہ میں ان کے تبلیغی مرکز قائم ہو گئے۔ جو ہر طرح سے علمی اور عملی طور پر عیسائیوں کے مشنوں کے ہم پلہ لیکن تاثیر اور کامیابی کی رو سے ان میں اور مسیحیوں میں کچھ نسبت نہیں۔ کیونکہ قادیانی اسلامی حقائق اور حکمتوں کی وجہ سے عیسائیوں سے بدرجہا زیادہ کامیاب ہیں۔ پھر لکھا۔ "ولا ينقضى عجبى من هولاء الرجال الذين بلغوا فى علو الهمم والعلوم الكونية مبلغا مالم تبلغه حتى الان اية فرقة اسلامية كيف انخدعوا بما اخترعه غلام احمد القاديانى من الحيل والمخارق"۔

یعنی میرے تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہتی جبکہ میں ان لوگوں (جماعت احمدیہ کے افراد) کو جو علو ہمت اور علوم جدیدہ میں اس درجہ ترقی کر گئے ہیں کہ آج تک کوئی اسلامی فرقہ وہاں تک نہیں پہنچا دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ مرزا غلام احمد قادیانی کے ایجاد کردہ حیلہ و فریب سے کس طرح دھوکہ کھا گئے ہیں۔ پھر لکھا ہے:۔

"والذى يرى اعمالهم المدهشة ويقدر الامور حق قدرها لا يملك نفسه من الدهشة و الاعجاب بجهاد هذه الفرقة القليلة التى عملت مالم تستطعه مئات الملايين من المسلمين وقد جعلوا جهادهم هذا ونجاحهم اكبر معجزة تدل على صدق مايزعمون۔ وساعدهم على ذلك موت غيرهم ممن ينتسب الى الاسلام"۔

ترجمہ: جو شخص معاملہ فہم ہو اور ان لوگوں کے حیرت انگیز کارناموں کو دیکھے۔ وہ یقیناً اس چھوٹی سی جماعت کے جہاد کو دیکھ کر حیران اور انگشت بدنداں رہ جائے گا۔ اس جماعت نے وہ کام کیا ہے جس کو کروڑوں مسلمان نہ کر سکے۔ ان لوگوں نے اپنے جہاد اور کامیابی کو اپنے دعویٰ کی صداقت پر سب سے بڑا معجزہ قرار دیا ہے۔ ان کے اس بیان کو ان لوگوں کی موت نے تقویت پہنچائی ہے جو ان کے علاوہ اسلام کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

آخر میں (حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ؓ 'احمدیت کے بیرونی مشنوں' ریویو آف ریلیجنز انگریزی و اردو کے ذکر کے بعد) لکھا۔

"افلا یجب علی المسلمین والحال هذه ان یزیلوا عن اذهان اهل اوربا وامریکا تلک العقائد الفاسدة التی یعتقد ونها فی دینهم و نبیهم هذا فرض علی امراء المسلمین و علماء هم و اغنیاء هم و فقراء هم ایضا فمن ذالذی یقوم الیوم بتبدید تلک الاوهام؟ لا احداً القادیانیون و حدهم هم الذین یبذلون فی ذٰلک الاموال والانفس ولو قام المصلحون یصیحون حتی تبح اصواتهم و یکتبون حتی تنکسر اقلامهم ماجمعوا من الاموال والرجال فی جمیع الاقطار الاسلامیة عشر ما تبذلها هذه الشرذمة القلیلة"۔

ترجمہ: کیا ان حالات میں مسلمانوں پر واجب نہیں کہ اہل یورپ و امریکہ کے ذہنوں سے وہ فاسد خیالات دور کریں جو وہ اسلام اور آنحضرت ﷺ کے متعلق رکھتے ہیں۔ یقیناً واجب ہے اور یہ مسلمانوں کے سلاطین' علماء' اغنیاء اور فقراء کا فرض ہے۔ مگر کون ہے جو ان اوہام کو دور کرنے کے لئے جدوجہد کر رہا ہو؟ ہرگز کوئی نہیں۔ صرف اکیلے احمدی ہیں جو اپنے اموال اور جانوں کو اس راہ میں خرچ کر رہے ہیں ہاں اگر مسلمانوں کے زعماء اور مصلحین کھڑے بھی ہوں اور چلاتے چلاتے ان کی آواز بھرا جائے اور لکھتے لکھتے ان کے قلم ٹوٹ جائیں تب بھی وہ تمام اسلامی دنیا سے مال اور کارناموں کے لحاظ سے اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کر سکتے جس قدر یہ چھوٹی سی جماعت خرچ کر رہی ہے۔ [11]

اسی طرح جامعہ از ہر کے ماہوار رسالہ "نور الاسلام" نے بھی انہیں دنوں لکھا کہ۔

" للقادیانیة حرکة نشیطة فی الدعوة الی نحلتهم ولما کانوا یقیمون هذه النحلة علی شیٍٔ من تعالیم الاسلام امکنهم ان یدعوا انهم دعاة الاسلام ...... بعثوا بدعاتهم الی سوریة و فلسطین و مصر و جدة والعراق و غیرها من البلاد الاسلامیة.... کثیرا ما وردتنا رسائل من البلاد العربیة و غیرها کامریکا یسال محرروها عن

اصل هذه النحلة و مبلغ صلتها بالا سلام"۔

ترجمہ: قادیانی لوگ اپنے مذہب کی طرف دعوت دینے میں مستعدی اور نشاط سے کام کر رہے ہیں اور چونکہ وہ اپنے دین کی بنیاد بعض اسلامی تعلیمات پر رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کو موقعہ مل گیا کہ اسلام کے مبلغ ہونے کا دعویٰ کریں انہوں نے اپنے مبلغ شام' فلسطین' مصر' جدہ' عراق اور دوسرے بلاد اسلامیہ کی طرف بھیجے ہیں۔ کئی مرتبہ ہمارے پاس بلاد عربیہ اور امریکہ سے خطوط آتے ہیں جن کے لکھنے والوں نے دریافت کیا ہے کہ اس جماعت اور دین کی حقیقت کیا ہے اور ان کا اسلام سے کس قدر تعلق ہے"۔ [۱۲]

۱۹۳۲ء کے ماحول کا دوسرا رخ

۱۹۳۲ء کے ماحول کو سمجھنے کے لئے اوپر کی تحریرات کا مطالعہ مفید ہے مگر یہ حقیقی صورت حال کا صرف ایک پہلو ہے دوسرا پہلو اور رخ جس کا جاننا اس دور کی مذہبی اور سیاسی فضاء کا جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے یہ ہے کہ یہی وہ سال ہے جس میں بعض مخالفین حق نے جماعت احمدیہ کی بڑھتی ہوئی ترقی کو روکنے بلکہ اسے صفحہ ہستی سے بالکل محو کر دینے کی دھمکی دی۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے تمام مخالف احمدیت طاقتیں میدان مخالفت میں اتر پڑیں۔ حتیٰ کہ صوبہ پنجاب میں برسراقتدار انگریزی حکومت کی پوری سرکاری مشینری حضرت خلیفتہ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اور جماعت احمدیہ کے خلاف حرکت میں آگئی اور سراسر ناروا' ناشائستہ اور ناجائز حربوں سے حملہ آوروں کی پشت پناہی کرنے لگی۔ احمدیت کے خلاف اپنی نوعیت کی اس پہلی منظم اور ہمہ گیر مخالفت کے اسباب و علل کیا تھے؟ اور حکومت کے افسروں نے اس میں سرگرم حصہ کیوں لیا؟ اور انگریزی حکام کی نگاہ میں جماعت احمدیہ جیسی خادم دین اور خادم ملک جماعت کے کون کون سے مفروضہ "جرائم" تھے جن کی پاداش میں اسے مسلسل کئی برس تک نہایت درجہ المناک حالات اور لرزا دینے والے مصائب و مشکلات سے دوچار ہونا پڑا؟ دور ابتلا کی یہ جملہ تفصیلات دوسرے باب میں آرہی ہیں جہاں ۱۹۳۴ء کی قادیان احرار کانفرنس کے پس منظر اور اس کے اثرات و نتائج پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن چونکہ مندرجہ بالا الٹی میٹم کا تعلق ایک ایسے واقعہ سے ہے جو ۱۹۳۲ء [۱۳] میں پیش آیا اس لئے اس مقام پر جبکہ ہم اس سال کے تفصیلی واقعات درج کرنے سے پہلے اس کا اجمالی تعارف کرا رہے ہیں اس واقعہ کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۹۳۲ء کا ایک واقعہ

سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ۔

"بعض مسلمان کہلانے والوں نے محسوس کیا کہ جماعت احمدیہ اس مقام پر پہنچ گئی ہے کہ اگر اس

سے آگے بڑھ گئی تو اس کا مٹانا اور اس کا مقابلہ کرنا مشکل ہو جائے گا اس لئے انہوں نے تنظیم کر کے اور ایسے لوگوں کی مدد لے کر جو بظاہر ہمارے دوست بنے ہوئے تھے مگر اندرونی طور پر دشمن تھے ہمارے خلاف اڈا قائم کر لیا اور ایسی تنظیم کی جس کی غرض احمدیت کو کچل دینا ہے۔ ۱۹۳۲ء میں تحریک کشمیر کے دوران میں ایک دن سر سکندر حیات خان صاحب نے مجھے کہلا بھیجا کہ اگر کشمیر کمیٹی اور احرار میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو حکومت کسی نہ کسی رنگ میں فیصلہ کر دے گی اس بارے میں دونوں کا تبادلہ خیال چاہتا ہوں کیا آپ شریک ہو سکتے ہیں میں اس وقت لاہور میں ہی تھا۔ میں نے کہا مجھے شریک ہونے میں کوئی عذر نہیں۔ میٹنگ سر سکندر حیات خان صاحب کی کوٹھی پر ہوئی اور میں اس میں شریک ہوا۔ چودھری افضل حق صاحب بھی وہیں تھے باتوں باتوں میں وہ جوش میں آگئے اور کہنے لگے ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ احمدی جماعت کو کچل کر رکھ دیں میں نے اس پر مسکرا کر کہا۔ اگر جماعت احمدیہ کسی انسان کے ہاتھ سے کچلی جا سکتی تو کبھی کی کچلی جا چکی ہوتی اور اب بھی اگر کوئی انسان اسے کچل سکتا ہے تو یقیناً وہ رہنے کے قابل نہیں ہے یہ پہلی کوشش تھی۔ پھر احرار نے جماعت احمدیہ کو کچلنے کی مزید کوشش شروع کی اور یہ عجیب بات ہے کہ وہی احرار جو اپنی دوسری تحریکات کے لئے جب کوشش کرتے تو انہیں روپیہ نہیں ملتا تھا انہوں نے جب جماعت احمدیہ کے خلاف کوشش شروع کی تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لئے بہت بڑے خزانہ کا دروازہ کھول دیا گیا ہے"۔ [۱۴]

اس واقعہ کا ذکر حضور نے سب سے پہلے ۲۹/ جولائی ۱۹۳۲ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا تھا۔ چنانچہ حضور نے بتایا کہ۔

"ابھی تھوڑے دنوں کا واقعہ ہے کہ احرار کے لیڈروں میں سے ایک لیڈر نے جو اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتے تھے ایک مجلس میں جو صلح کے لئے منعقد ہوئی تھی کہہ دیا کہ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم احمدیوں کو کچل ڈالیں گے۔ اب انسانی لحاظ سے ہم ان سے کہہ سکتے تھے کہ ہم تم کو کچل ڈالیں گے اور اگر زیادہ نرمی اختیار کرتے تو کہہ دیتے کہ کچل کر تو دیکھو۔ تیسری حالت ڈر جانا تھی کہ نامعلوم کیا ہو گا خدا جانے وہ کیا کر دیں گے وہ اتنی بڑی تعداد میں ہیں اور ہم قلیل ہیں لیکن صحیح بات وہی ہے جو میں نے کہہ دی۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر یہ بندوں کی تحریک ہے تو ضرور کچلی جائے گی اور اگر خدا کی تحریک ہے تو ہم کو کیا ڈر ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا"۔ [۱۵]

خود چوہدری افضل حق صاحب "مفکر احرار" نے "تاریخ احرار" (صفحہ ۷۵ و ۷۶) میں یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے صاف لفظوں میں اعتراف کیا۔

"میں نے کہا مرزا صاحب! کوئی الیکشن نہیں گزرا جس میں مرزائیوں نے میرے خلاف ایڑی چوٹی

کا زور نہ لگایا ہو...... ہمارا بھی خدا کے فضل سے فیصلہ یہی ہے کہ اس جماعت کو مٹا کر چھوڑیں گے"۔

اسی زمانہ میں سید محمد انور شاہ صاحب' شیخ الحدیث دار العلوم دیو بند نے بھی لاہور کے ایک عام جلسہ میں یہ دھمکی دی کہ میں مرزائیوں کو تباہ کر کے دم لوں گا۔ [۱۶]

یہ ہے ۱۹۳۲ء کا گردو پیش جس میں جماعت احمدیہ کے جری قائد اور مقدس امام حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ؓ نے ایک نئے جوش نئی قوت اور نئے ولولے کے ساتھ کاروان احمدیت کی قیادت و سیادت کا بیڑہ اٹھایا اور پھر خدا کے فضل' نیم شبی دعاؤں' حق و معرفت سے لبریز کلمات و خطبات اور بروقت اور مناسب تدابیر اور دوسرے روحانی و مادی ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے جماعت کو ایک ایسی مضبوط اور مستحکم چٹان تک پہنچا دیا کہ نہ صرف یہ کہ آئندہ جو طوفان بھی اٹھا اس کے کناروں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ بلکہ اس کے نتیجہ میں ہر بار جماعت احمدیہ کو پہلے سے زیادہ قوت و شوکت نصیب ہوتی چلی گئی جیسا کہ آئندہ کے صفحات سے معلوم ہو گا۔

پیغام احمدیت پہنچانے کی زبردست تحریک اور یوم التبلیغ کا آغاز

خدائی سلسلوں کے زندہ رہنے اور ترقی کرنے کا واحد ذریعہ تبلیغ ہے یعنی نرمی' اخلاق اور دعاؤں پر زور دے کر حق و صداقت کی اشاعت کرنا جیسا کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "الوصیتہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

"خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔ سو تم اس مقصد کی پیروی کرو۔ مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے"۔ [۱۷]

سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ خصوصاً پچھلے کئی سالوں سے جماعت کو اس کی تبلیغی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلا رہے تھے اور گو اس کا نتیجہ بھی نہایت خوش کن نکل رہا تھا۔ اور خدا کے فضل سے جماعت سرعت سے ترقی بھی کر رہی تھی مگر چونکہ یہ ترقی نسبتی تھی اور ابھی جماعت کے بہت سے احباب حقیقی طور پر تبلیغ کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے اس لئے حضور نے ۱۹۳۲ء کے آغاز میں ہی جماعت کو نہایت جوش سے تبلیغ کرنے کی تحریک فرمائی۔ چنانچہ ۸/ جنوری ۱۹۳۲ء کو خطبہ جمعہ کے دوران ارشاد فرمایا کہ۔

"ضروری ہے کہ ہم پہلے سے بھی زیادہ جوش اور اخلاص کے ساتھ کام کریں۔ کیونکہ جب تک ہر سال لاکھوں آدمی ہماری جماعت میں شامل نہ ہوں گے۔ اس وقت تک ہم پورے طور پر ترقی نہیں کر

سکیں گے۔ بالعموم پہلی صدی ہی ایسی ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ جماعت دنیا میں وسیع طور پر پھیل جاتی ہے اور ہم یہ ترقی حاصل نہیں کر سکتے جب تک لاکھوں آدمی ہر سال ہماری جماعت میں شامل نہ ہوں اور اگر ہم نے پہلی صدی میں ہی اپنی جماعت کو دنیا پر غالب نہ کیا تو پھر اور کونسا وقت ہو گا جب ہم تبلیغ کا کام کریں گے جبکہ پہلی صدی ہی اپنے ساتھ عظیم الشان برکات رکھتی ہے اور پہلی صدی میں ہی تعلیم اور تربیت کا بہترین سامان مہیا ہوتا ہے۔ اگر ہم پہلی صدی میں تبلیغ کی طرف سے کوتاہی کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ایک طرف تو ہماری ترقی کو ناقابل تلافی صدمہ پہنچے گا اور دوسری طرف ہماری جماعت کی تربیت میں بھی نقص آجائے گا کیونکہ تبلیغی زمانہ میں اگرچہ جماعت خود تربیت کی طرف پوری طرح توجہ نہیں کر سکتی مگر دشمنوں کی طرف سے متواتر مظالم ہوتے ہیں اور وہ الٰہی سلسلہ میں داخل ہونے والوں کو مختلف قسم کی اذیتیں اور دکھ پہنچاتے ہیں اس لئے ان کے ظلم و ستم اور جبر و تشدد کی وجہ سے خود بخود لوگوں کی اخلاقی اور روحانی تربیت ہوتی چلی جاتی ہے۔

پس الٰہی سلسلہ کی پہلی صدی میں تبلیغ کا کام تو دوستوں کے سپرد ہوتا ہے اور تربیت کا کام دشمنوں کے سپرد۔ مگر بعد کی صدیوں میں چونکہ دشمن کم ہو جاتے ہیں اور دشمنوں کے شدائد کی کمی کی وجہ سے تربیت میں نقص آجاتا ہے اس لئے اس وقت بہت سے جھگڑے پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ پس اگر ہم اس وقت تبلیغ میں سستی ظاہر کرتے ہیں تو یہ سستی تربیت پر بھی برا اثر ڈالتی ہے اور جماعت اگر تعداد کے لحاظ سے کم ہوتی ہے تو دوسری طرف اس کی تربیت میں بھی کمی آجاتی ہے کیونکہ جب تبلیغ سرد پڑ جائے گی اس وقت تربیت بھی سرد پڑ جائے گی یہی وجہ ہے کہ دشمنوں کے مظالم دکھ اور تکالیف مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور یہ تکالیف ہی ایسی چیز ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی نصرت لاکر مومن کو اللہ تعالیٰ کا عینی مشاہدہ کرا دیتی ہیں۔ تب وہ ایمان حاصل ہوتا ہے جو خطرے سے بچاتا اور تمام لغزشوں سے انسان کو محفوظ رکھتا ہے۔

پس میں تبلیغ کے لئے اگرچہ پہلے بھی کئی بار احباب کو توجہ دلا چکا ہوں مگر اب پھر توجہ دلاتا ہوں اور دوستوں کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ اپنی سستی کو دور کریں اور اس جوش سے تبلیغ کا کام کریں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر سال لاکھوں آدمی سلسلہ میں داخل ہونے شروع ہو جائیں"۔ [۱۸]

اس ولولہ انگیز خطبہ کے بعد حضور نے ملک میں تبلیغ احمدیت کا ایک عام رجحان اور حرکت پیدا کرنے کے لئے اس سال کی مجلس مشاورت (منعقدہ مارچ ۱۹۳۲ء) میں یہ فیصلہ بھی فرمایا کہ جماعت سال میں دو دفعہ "یوم التبلیغ" منائے۔ ایک "یوم التبلیغ" غیر احمدی مسلمانوں کے لئے مخصوص ہو اور دوسرا غیر مسلموں خصوصاً ہندو اصحاب کے لئے۔ نیز یہ ہدایت فرمائی کہ نظارت دعوۃ و تبلیغ ایسے قواعد

بنائے کہ ہر احمدی اس دن تبلیغ میں مشغول ہو سکے اور اس غرض کے لئے باقاعدہ ایک سکیم بنائی جائے۔ فہرستیں تیار کی جائیں اور اس کے ماتحت احمدی مردوں اور احمدی خواتین غرضکہ تمام افراد جماعت کی نگرانی کی جائے کہ اس میں کہاں تک حصہ لیا گیا ہے۔ [19]

پہلا یوم التبلیغ چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق جماعت احمدیہ نے ملک بھر میں سب سے پہلا یوم التبلیغ ۸/اکتوبر ۱۹۳۲ء کو پورے جوش و خروش اور والہانہ اور فدائیانہ ذوق و شوق سے منایا۔ [20] اور مخالفین احمدیت کی شرانگیزیوں کے باوجود اس کے نہایت شاندار نتائج بر آمد ہوئے جن کی تفصیل سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ؓ کے مبارک الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے۔ حضور نے فرمایا۔

"جس غرض کو پورا کرنے کے لئے یہ دن مقرر کیا گیا تھا اس وقت تک جس حد تک نتائج میرے سامنے آئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بہت حد تک پوری ہو چکی ہے اور مخالفوں کی مخالفت ہمارے رستہ میں روک بننے کی بجائے کھاد کا موجب ہوئی ہے۔ بعض دوستوں نے لکھا اور بعض نے بیان کیا ہے کہ جن لوگوں کے پاس جا کر ہم نے دس پندرہ منٹ صرف اپنی آمد کی غرض بتانے میں صرف کرنے تھے انہوں نے دیکھتے ہی کہہ دیا۔ اچھا آپ آج ہمیں تبلیغ کرنے کے لئے آئے ہیں ہم تو پہلے ہی سمجھتے تھے کہ آپ نے ہمیں چھوڑنا نہیں۔ اچھا آیئے سنایئے گویا اس مخالفت سے وہ ہزاروں لاکھوں آدمی جن تک ہماری آواز پہنچنا مشکل تھی یا جن کے گھروں پر جا کر دس پندرہ منٹ اپنی آمد کی غرض سمجھانے میں ہمیں صرف کرنے پڑتے انہیں مخالفوں کی آواز نے پہلے ہی تیار کر دیا۔ "زمیندار"۔ "حریت" اور مولوی ثناء اللہ صاحب وغیرہ معاندین نے انہیں بتا دیا کہ فلاں تاریخ کو احمدی تمہارے پاس آئیں گے ان کے پاس وقت چونکہ تھوڑا ہے اس لئے اسے ضائع نہ کرنا ان کی آمد کی غرض ہم تمہیں بتائے دیتے ہیں اور اس طرح وہ ہزار ہا گھنٹے جو احمدیوں کے اپنے آنے کی تمہید میں ضائع ہونے تھے بچ گئے۔ پھر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے مختلف طبائع پیدا کی ہیں کہ انہیں جس کام سے روکا جائے وہ کہتے ہیں اسے ضرور کریں گے اور مسلمانوں میں بھی ایسی طبائع کے لاکھوں آدمی ہوں گے۔ اس لئے مخالفوں کی طرف سے بار بار یہ تاکید ہونے پر کہ احمدیوں کی بات نہ سننا انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ ضرور سنیں گے۔ پھر کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ مخالفت کا جتنا شور بلند ہو اتنی ہی زیادہ بیداری ان کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اپنے علماء کی مخالفت تو نہیں کرتے۔ مگر تماشہ دیکھنے کے شائق ضرور ہوتے ہیں وہ اسے ایک تماشہ سمجھتے ہیں اور گو قریب نہیں آتے مگر دور سے جھانکتے رہتے ہیں ایسے لوگ بھی بالآخر قابو آجایا کرتے ہیں کیونکہ اگر تماشہ دلچسپ ہو تو دور سے جھانکنے والے آہستہ آہستہ قریب

آجاتے ہیں اور کسی چیز کے خوشگوار نتائج دیکھ کر کسی نہ کسی بہانہ سے اس کے پاس پہنچ جاتے ہیں...... بہرحال مخالفوں کی مخالفت نے بھی ہمیں فائدہ ہی پہنچایا ہے اور میں سمجھتا ہوں اگر یہ نہ ہوتی تو شاید ہماری تبلیغ اس سے آدھی بھی نہ ہو سکتی جتنی کہ اب ہوئی ہے اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ بعض احمدیوں نے جو شاید عام حالات میں سستی دکھاتے جب سنا کہ مخالف کہہ رہے ہیں کہ وہ ہماری باتوں کو نہیں سننے دیں گے تو ان کے دل میں بھی جوش پیدا ہوا کہ ہم بھی تبلیغ کریں گے جماعت میں بیداری اور دوسروں میں دلچسپی پیدا ہوئی اس کے نتیجہ میں بیعتیں بھی ہوئیں اور بہت سے لوگوں نے بیعت کی مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت بیعت اپنی ذات میں مقصود نہ تھی بلکہ اس کے اصل نتائج دو چار ماہ تک انشاء اللہ تعالیٰ نکلیں گے۔ اس سے ایک طرف تو جماعت میں اور بیداری ہوگی اور زیادہ تبلیغ کا شوق بڑھے گا۔ اگر کسی کو مخالفوں کے سامنے ندامت اٹھانی پڑی ہے تو وہ آئندہ کے لئے مطالعہ کر کے اپنی قابلیت بڑھائے گا اور جنہیں کامیابی ہوئی ان کے حوصلے بڑھ گئے ہیں وہ اور زیادہ جوش سے کام کریں گے۔ غرضیکہ بہت سے فوائد ہوں گے اور کچھ تازہ بتازہ پھل بھی مل گئے ہیں۔ اس سے جماعت میں ایک عام احساس پیدا ہو گیا ہے کہ ہم سے پہلے سستی ہوئی ہے اور آئندہ زیادہ توجہ سے وہ کام کریں گے بعض نے وعدہ کیا ہے کہ وہ باقاعدہ ٹریکٹ شائع کیا کریں گے۔ غیر احمدیوں کی طرف سے ہمارے مبلغوں کو جو جواب ملے وہ بھی بعض صورتوں میں حوصلہ افزا ہیں۔ کئی لوگوں نے انہیں آتے دیکھ کر کہا کہ ہم پہلے ہی انتظار میں تھے اور دروازے کھول کر آپ کی آمد کے منتظر بیٹھے تھے بعض جگہ لطائف بھی ہوئے ایک جگہ ایک مولوی صاحب نے لوگوں سے کہا کہ اپنے دروازے بند رکھو تا کوئی احمدی تمہارے ہاں نہ آسکے۔ لوگوں نے تو کیا بند کرنے تھے البتہ وہ خود دروازہ بند کر کے بیٹھا رہا اور جو بھی آکر اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا وہ یہ سمجھ کر کوئی احمدی آیا ہے اندر سے گالیاں دینے لگ جاتا۔ آخر ایک احمدی جو وہاں مدرس ہیں اس کے مکان پر گئے اور اسے آواز دی اس نے آواز پہچان کر کہا کہ معاف کرنا آج تو تمام دن آپ کے احمدیوں نے ستا مارا ہے میں سمجھا ہوں ایک چوک ہوئی ہماری لاہور کی جماعت کے دوستوں کو چاہئے تھا کہ سب سے پہلے تبلیغی وفد "زمیندار" اور "حریت" کے دفتر بھیجتے۔ دوست صبح ہی صبح ان کے ہاں پہنچ جاتے اور کہتے ہم اس لئے آئے ہیں کہ آپ نے آج ہمارے خلاف جلسہ کر کے تقریریں کرنی ہیں پہلے آپ ہمارے خیالات سن لیں اور ان میں جو بات آپ کو قابل اعتراض نظر آئے اس پر بے شک اعتراض کریں لاہور کے دوستوں کو چاہئے تھا کہ پہلے تبلیغ ان ہی لوگوں سے شروع کرتے۔

جیسا کہ میں نے ڈلہوزی کے ایک خطبہ میں بیان کیا تھا تبلیغ کے لئے تھوڑی سی دیوانگی بھی ضروری

ہے کوئی نبی دنیا میں ایسا نہیں آیا جسے دیوانہ نہ کہا گیا ہو اور جب ہم نے ان کا ورثہ پایا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں دیوانہ نہ کہا جائے۔ دیوانگی ہی دراصل حقیقی فرزانگی عطا کرتی ہے اور جنون ہی اللہ تعالیٰ کی محبت کو کھینچتا ہے یہ ایک قسم کی دیوانگی ہی ہے کہ ایسے شدید دشمنوں کے پاس انسان تبلیغ کے لئے جائے جو ممکن ہے ماریں یا کوئی جھوٹا مقدمہ ہی بنا دیں۔ مگر بہرحال یہ دیوانگی ایسی ہوتی ہے کہ دوسروں کے دلوں میں بھی بیداری پیدا کرتی ہے بعض جگہ دوسرے لوگوں سے بھی دیوانگی ہوئی جو ہمارے لئے فائدہ کا موجب بن گئی۔ ایک جگہ ہمارے آدمی گئے تو ان میں سے ایک نے اس مکان میں جہاں وہ جاکر بیٹھے باہر سے کنڈی لگا دی تا دوسرے لوگ آکر ان کی باتوں کو نہ سن سکیں۔ لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ان کے اپنے پانچ سات آدمی جو وہاں پہلے موجود تھے ان کو خوب تبلیغ کی گئی۔ کنڈی باہر سے لگی رہی اور وہ مجبوراً بیٹھے سنتے رہے۔ میں سمجھتا ہوں اس وقت کی تبلیغ بھی زیادہ موثر ہوئی ہوگی۔ اگر ہمارے آدمی کی طرف سے کنڈی لگائی جاتی تو ان پر اور قسم کا اثر ہوتا وہ اسے شرارت پر محمول کرتے اور بھڑک جاتے لیکن جب ان کے اپنے آدمی کی طرف سے ایسا ہوا تو ہمارے مبلغین پر غصہ نہیں ہو سکتے تھے بلکہ ان سے گونہ ہمدردی پیدا ہوئی ہوگی تو کچھ دیوانگی ہم سے بھی ہونی چاہئے تھی اور وہ یہ کہ شدید مخالفوں کے گھروں میں جاتے۔ مثلاً مولوی ظفر علی۔ مولوی ثناء اللہ۔ مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ اور ایسے مخالفوں کے مکانوں پر پہنچ کر انہیں تبلیغ کرتے لیکن بہرحال اس سے جو نتائج نکلے ہیں وہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ بہت ہی مفید چیز ہے"۔ [21]

دوسرا یوم التبلیغ

دوسرا یوم التبلیغ جو غیر مسلموں کے لئے مقرر کیا گیا تھا بڑی شان و شوکت سے اگلے سال ۵/ مارچ ۱۹۳۳ء کو منایا گیا اور احمدیوںؓ نے ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں اور اچھوتوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے پورا دن وقف کیا۔ قادیان میں اس تقریب پر صبح سوا آٹھ بجے کے قریب حضور نے تبلیغ پر جانے والوں کو بیش قیمت ہدایات دیں۔ [22] اور دعا سے رخصت کیا۔ قادیان کے چھوٹے بڑے اصحاب کے قریباً ساٹھ وفود قادیان کے گردونواح کے دس میل کے حلقہ میں تمام دن مصروف تبلیغ رہے۔ اس کے علاوہ قادیان کے مقامی غیر مسلموں کے گھروں اور دکانوں میں جاکر آنحضرت ﷺ کا پیغام پہنچایا اور ایک تبلیغی پوسٹر اور ۱۵-۱۶ مختلف تبلیغی ٹریکٹ قادیان اور بیرونجات کے لکھے پڑھے لوگوں میں تقسیم کئے گئے۔ چھوٹے بچوں کا ایک جلوس نکالا گیا۔ دوپہر کے وقت لوکل کمیٹی کی طرف سے قادیان کے دو سو اچھوتوں کو ہائی سکول کے ہال میں دعوت طعام دی گئی [23] جس میں حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادیؓ، میاں عبدالسلام صاحب عمر مرحوم اور مولوی محمد سلیم صاحب فاضل نے تقریریں کیں۔ شام کے وقت چالیس کے قریب ہندو اور سکھ

معززین قادیان کو قصر خلافت میں پھلوں کی پارٹی دی گئی جس میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے نہایت لطیف پیرایہ میں صداقت اسلام معلوم کرنے کا یہ طریق بتایا کہ۔

"وہ سچے دل سے دعا کریں اور سارے خیالات دل سے نکال کر خدا کے آگے جھکیں اور کہیں۔ ہم ہر طرف سے منقطع ہو کر تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ ہمیں ہدایت عطا کر۔ اگر اب بھی ہماری دعا نہ سنی گئی تو ذمہ داری ہم پر نہ ہوگی"۔

اس تقریر سے مقامی غیر مسلم بہت متاثر ہوئے اور لالہ دولت رام ممبر سال ٹاؤن کمیٹی نے ہنود اور اہل شہر کی طرف سے اس تقریب کے انعقاد پر شکریہ بھی ادا کیا اور مبارک باد بھی پیش کی۔ ۲۴؍۲۵

قادیان کی مستورات نے بھی یوم التبلیغ میں سرگرم حصہ لیا اور ہندو سکھ عورتوں کے علاوہ خاکروب عورتوں کے گھروں میں جا کر تبلیغ اسلام کی۔ بعض خواتین نواحی دیہات میں بھی گئیں۔ ۲۶

امرتسر میں غیر احمدی علماء نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ احمدیوں کو غیر مسلموں میں تبلیغ نہیں کرنے دیں گے اس مقصد کے لئے احمدیت کے خلاف متواتر دو ہفتے تک جلسے کئے گئے۔ ایک مقامی انجمن "تبلیغ اسلام" نے اشتہارات شائع کئے اور ہندوؤں کو اکسایا گیا کہ احمدیوں کی بات نہ سنو کیونکہ ہم ان کو اسلام سے خارج کر چکے ہیں۔ یہ (احمدی) ۵/مارچ کو تمہارے گھروں پر ہلہ بولیں گے اور فساد کریں گے۔ ہم مسلمان ذمہ دار نہیں ہوں گے مگر اس زبردست مخالفت کے باوجود امرتسر کے احمدیوں نے باقاعدہ تنظیم کے ساتھ الگ الگ گروپ ترتیب دے کر غیر مسلم ایڈیٹروں، مضمون نگاروں، مذہبی پیشواؤں، وکیلوں، ڈاکٹروں، افسروں یا اعلیٰ حکام غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔

اس موقعہ پر مقامی جماعت نے پانچ ہزار کی تعداد میں (انگریزی، ہندی، گورمکھی کے) اشتہارات ٹریکٹ اور پمفلٹ اور ہینڈبل تقسیم کئے۔ غیر مسلم حضرات بڑی خوش دلی اور محبت و تکریم سے پیش آئے اور تبلیغی لٹریچر بڑی مسرت اور قدردانی سے قبول کیا۔ پنڈت کرتار سنگھ فلاسفر (ہندی گورمکھی، سنسکرت اور انگریزی کے فاضل) نے کہا کہ میں مسلمانوں کو ڈاکو سمجھتا تھا مگر حضرت مرزا صاحب کی کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے ترجمہ "دی ٹیچنگ آف اسلام" نے میرے خیالات کی کایا پلٹ دی ہے۔ اب مجھے اسلام آنحضرت (ﷺ) اور احمدی جماعت سے بڑی عقیدت ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب کو ایک بہت بڑا بزرگ رشی مانتا ہوں اور کہا ہم نے تو حضرت مرزا صاحبؑ کے طفیل اسلام کا صحیح فوٹو دیکھا ہے۔

کبیر پنتھیوں کے استھان میں جب اسلام کی خوبیوں اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کا ذکر کیا گیا۔ تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ زندگی بھر میں آج پہلی دفعہ اسلام کی سچی تعلیم ہمارے

سامنے پیش کی گئی ہے۔ غیر احمدی علماء اور مساجد کے درویش بازاروں میں برملا گالیاں دیتے اور احمدیوں کے مکانوں اور دکانوں کے آگے سیاپا کرتے اور دل آزار نعرے لگاتے ہوئے کوشش کرتے کہ کسی طرح فساد ہو جائے۔ مگر احمدیوں نے ان کو قطعاً لائق التفات ہی نہ سمجھا اور صبر و تحمل سے پورا دن تبلیغ میں مصروف رہے۔ ۲۷

حد یہ ہے کہ جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اپنے اخبار "اہلحدیث" (۱۰/ مارچ ۱۹۳۳ء) میں فخریہ انداز سے لکھا۔

"امرتسر میں پانچ مارچ کا دن دیکھنے کے قابل تھا۔ بجائے اس کے کہ مرزائی ہندوؤں کو تبلیغ کرتے۔ طلباء عربی مرزائیوں کو تلاش کر کر کے بازاروں، گلیوں اور ان کے گھروں میں پکڑ کر تبلیغ حق کا حق ادا کرتے تھے"۔

گویا بالفاظ مولوی صاحب یہ طریق اس لئے اختیار کیا گیا کہ احمدی ہندوؤں کو تبلیغ اسلام نہ کر سکیں۔ ورنہ خاص اس دن جو احمدیوں نے خالصتہ غیر مسلموں میں تبلیغ کے لئے وقف کیا تھا احمدیوں کو تلاش کر کے اور پکڑ کر "تبلیغ" کرنے کے کیا معنی ہو سکتے تھے۔

آگرہ میں جماعت احمدیہ کے ایک وفد نے اچھوتوں کے لیڈر بابو کھیم چند صاحب سابق ایم ایل سی سے ساڑھے چار گھنٹے تک تبادلہ خیالات کیا۔ بابو صاحب نے اقرار کیا کہ ان کی قومی ترقی کا راز قبول اسلام میں مضمر ہے۔

جماعت احمدیہ شملہ اور دہلی کے متفقہ فیصلہ کے مطابق جماعت شملہ نے نئی دہلی کا علاقہ تبلیغ کے لئے مخصوص کیا اور گورنمنٹ آف انڈیا کے تقریباً تمام اسٹاف اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ کے تقریباً تمام ہندو ممبروں کو اردو اور انگریزی ٹریکٹ بھجوائے۔ دو سو بنگالی اور مدراسی ہندو خصوصیت سے زیر تبلیغ رہے انگریزی ٹریکٹ وائسرائے چیف کمشنر دہلی اور ڈپٹی کمشنر دہلی کو بھی بھیجے گئے۔ (حجتہ اللہ) حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ آف مالیر کوٹلہ نے کپورتھلہ کے سکھ رؤساء کو اردو اور انگریزی لٹریچر دیا۔

پشاور میں غیر مسلموں کا ردعمل بہت خوش کن تھا۔ چنانچہ انہوں نے بعض احمدیوں کو اپنی سماجوں میں تقریر کی اجازت دی۔ شاہ جہانپور میں ہندوؤں نے اسلام کا پیغام نہ صرف محبت اور توجہ سے سنا بلکہ یہ معلوم کر کے کہ احمدیوں نے محض ان کی بھلائی کے لئے آج اپنے کام کاج کو چھوڑ دیا ہے دھن باد کہا۔ ۲۸

لائل پور میں قریباً ایک ہزار غیر مسلم اسلام سے روشناس کئے گئے۔ بہاول پور میں علمائے سلسلہ

کے ایک وفد نے آریہ سماج مندر میں جاکر بہت سے ہندوؤں کے سامنے اسلام کی خوبیوں پر روشنی ڈالی۔ ڈیرہ بابانانک میں سکھوں کا بھاری میلہ تھا جہاں احمدی سارا دن ہندوؤں اور سکھوں میں حق کا پرچار کرتے رہے۔ [۲۹]

اڑیسہ کے گاؤں سرلونیاں میں صرف دو ہی احمدی تھے جو تمام دن مصروف تبلیغ رہے۔ ایک معزز ہندو نے اعلان کیا کہ جماعت احمدیہ کے پیش کردہ اسلام کو میں تسلیم کرتا ہوں۔ اڑیسہ زبان کا ایک ٹریکٹ بھی تقسیم کیا گیا۔

بھیرہ کی ہندوؤں کی آبادی میں اس روز چھ کامیاب لیکچرز دیئے گئے۔ ایک مسلمان نے شرارت کرنا چاہی مگر خود ہندوؤں نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔

میرٹھ کے لال کرتی بازار میں صرف ایک ہی احمدی تھا۔ جس نے آریہ سماج مندر اور سناتن دھرم مندر پر تبلیغی پوسٹر وغیرہ لگادیئے اور غیر مسلموں کے مکانوں اور دکانوں پر جاکر تبلیغ اسلام کی۔

لاہور میں "عشرہ کاملہ" اور "احمدیہ فیلوشپ آف یوتھ" کے ممبروں نے قریباً چار ہزار (اردو) ٹریکٹ تقسیم کئے اور ایک خوبصورت ٹریکٹ انگریزی میں بھی شائع کیا اور قریباً آٹھ ہزار غیر مسلموں تک خدا کا کلام پہنچایا گیا۔ اس موقعہ کے لئے چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے نہایت عمدہ کاغذ اور موزوں سائز پر ایک دو ورقہ شائع کرکے غیر مسلموں میں تقسیم کرایا۔ [۳۰]

ان شہروں کے علاوہ جن کا ذکر بطور نمونہ یہاں کیا گیا ہے۔ ہندوستان کے ہر ایسے مقام پر جہاں احمدی موجود تھے وہاں یہ دن بڑے جوش و خروش سے منایا گیا۔ اور جماعت احمدیہ کی بدولت ملک کے ہر غیر مسلم طبقے تک اسلام کی آواز پہنچی اور ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے تاثرات

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس کامیاب کوشش کا تذکرہ کرتے ہوئے ۱۰/ مارچ ۱۹۳۳ء کو فرمایا۔

"اس ہفتہ میں ہمارے دوسرے یوم التبلیغ کی تاریخ تھی اور جو رپورٹیں باہر سے آئی ہیں اور جو کام اس جگہ ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریک بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت کچھ برکت کے سامان اپنے اندر رکھتی ہے اور اس کے نتیجہ میں دنیا کی اصلاح کی بہت کچھ امید کی جاسکتی ہے"۔ [۳۱]

"ہمارا یہ یوم التبلیغ کیا تھا وہ جری اللہ فی حلل الانبیاء کی پیشگوئی کو پورا کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔ اس ذریعہ سے جتنے لوگوں کو ہم اسلام میں داخل کریں گے۔ اتنے ہی زیادہ اس پیشگوئی کو پورا کرنے والے ہوں گے۔ ابھی مجھے ساری رپورٹیں نہیں ملیں۔ مگر جو ملی ہیں وہ بہت خوشکن ہیں۔ غیر احمدیوں نے

ہماری مخالفت کی اور مقابلے پر آمادہ ہو گئے مگر ہندوؤں نے جس محبت اور شرافت سے باتیں سنیں اور جس روح کا اظہار کیا اس کا دسواں حصہ بھی مسلمانوں نے اس موقعہ پر نیز پچھلے یوم تبلیغ کے موقع پر نہیں کیا تھا سوائے شاذ کے ہر جگہ ہندوؤں نے احمدیوں کا تپاک کے ساتھ استقبال کیا خوشی کے ساتھ بٹھایا اور محبت کے ساتھ باتیں سنیں۔ قادیان کے ایک دوست جو تبلیغ کے لئے باہر گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے سنایا کہ انہیں ایک ہندو نے جو موٹر میں بیٹھے تھے اپنے ساتھ بٹھالیا کہ اپنی باتیں سناؤ اور ساتھ لے جا کر ان کی باتیں سنتے رہے۔ پھر قادیان کے قریب آکر انہیں اتار دیا۔ امرتسر میں ہمارے دوست ایک سکھ عالم کے پاس گئے تو انہوں نے نہایت تکریم کے ساتھ بٹھایا اور اس امر پر افسوس کیا کہ آپ تبلیغ تو ہم لوگوں کو کرتے ہیں۔ اور ان مولویوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ آپ کی خواہ مخواہ مخالفت کر رہے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں اسلام کا سخت مخالف تھا اور رسول کریم (ﷺ) کو ڈاکو سمجھتا تھا مگر مرزا صاحب کی کتب کے مطالعہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ میں سخت غلطی پر تھا اور اس دن سے میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں خدا جانے ان مولویوں کو کیا ہو گیا اور یہ آپ لوگوں کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ میرے دل میں اگر اسلام کی عزت ہے تو محض مرزا صاحب کے طفیل ہے اس میں شبہ نہیں کہ غیر احمدیوں میں بھی مخالفت کرنے والے بہت محدود ہیں اور عام تعلیم یافتہ طبقہ جیسا کہ اخبارات وغیرہ سے پتہ لگتا ہے ان کی اس حرکت کو برا سمجھتا ہے اور یہ خوشکن تبدیلی ہے مگر ہندوؤں کی بیداری مسلمانوں سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ بعض جگہ مسلمانوں نے ہمارے دوستوں کو گالیاں دیں اور کہا کہ یہاں سے نکل جاؤ۔ لیکن ہندوؤں نے ان کو بد زبانی سے روکا اور کہا یہ تو ہمیں تبلیغ کرتے ہیں تم کیوں منع کرتے ہو۔ پھر ان کو بٹھایا اور ان کی باتیں سنیں لیکن غیر احمدیوں نے بعض جگہ احمدیوں کے مکانوں اور دکانوں پر جا کر سیاپے کئے۔ گالیاں دیں اور یہ نہ سوچا کہ ان باتوں سے بھلا کیا بنتا ہے یہ تو جھوٹے اور شکست خوردہ ہونے کی علامات ہیں جب کوئی شکست کھاتا ہے تو گالیوں پر اتر آتا ہے لیکن جو غالب ہوتا ہے وہ گالی نہیں دیتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایک تھپڑ مار کے مخالف کے دانت باہر نکال دوں گا...... بہرحال ان دونوں ایام التبلیغ سے ہمیں علم ہو گیا ہے کہ دنیا میں شریف انسانوں کی کمی نہیں پہلے یوم التبلیغ پر یہ معلوم ہوا تھا کہ مسلمانوں میں شرفاء کی کمی نہیں اور دوسرے سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ہندوؤں میں ذاتی شرافت رکھنے والے لوگ مسلمانوں سے بھی زیادہ ہیں...... ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ اگر ہماری تبلیغی مساعی جاری رہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا الہام جری اللہ فی حلل الانبیاء اپنے مادی رنگ میں بھی بہت جلد پورا ہو جائے گا یعنی ہر مذہب کے لوگ سلسلہ میں داخل ہو جائیں گے۔

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اس کے لئے صرف تبلیغ کی ضرورت نہیں اس کے لئے صرف ایک دن کی تبلیغ کافی نہیں بلکہ مستقل تبلیغ اور ساتھ ہی دعاؤں کی ضرورت ہے"۔ [۲۲]

تحریک مصالحت اور اس کا اثر

تبلیغی نظام چونکہ جماعت مومنین کے باہمی اتفاق و اتحاد اور جذبہ اخوت کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضورؓ نے تبلیغ پر زور دینے کے ساتھ ۸/ جنوری کے خطبہ جمعہ ہی میں جماعت سے اس خواہش کا بھی اظہار فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ہم اس نئے سال کو اس غرض کے لئے وقف کر دیں کہ جماعت سے تمام لڑائیاں جھگڑے تفرقے اور عناد اللہ تعالیٰ کے فضل سے مٹا دیں۔ اس سلسلہ میں احباب جماعت کو یہ خاص ہدایت بھی فرمائی کہ جو شخص اپنے دوسرے بھائی سے کسی وجہ سے نہیں بولتا۔ یا اس سے عداوت اور بغض رکھتا ہے وہ فوراً اپنے بھائی کے پاس جائے اور اس سے خلوص دل کے ساتھ صلح کرلے اور آئندہ کے لئے کوشش کرے کہ آپس میں کوئی لڑائی اور جھگڑا نہ ہو۔ [۲۳]

حضرت امیر المومنین کے اس خطبہ کا جماعت پر حیرت انگیز اثر ہوا اور جماعت کے دوستوں نے اپنی رنجشوں اور کدورتوں کو حضور کے اشارہ پر چھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ لوگوں نے مالی نقصان گوارا کرکے خطبہ سنتے یا پڑھتے ہی صلح کرلی۔ مستثنیات تو ہر معاملہ میں چلتی ہیں۔ تاہم شاذ و نادر ہی کوئی ایک شخص ہو گا جو اس سعادت سے بکلی محروم رہا ہو۔ [۲۴]

امیر المومنینؓ کی قیمتی نصیحت

جماعت میں صلح و آشتی کا یہ خوشکن نظارہ دیکھ کر حضورؓ نے ۲۹/ جنوری ۱۹۳۲ء کے خطبہ جمعہ میں نہایت خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ مگر ساتھ ہی نصیحت فرمائی۔

"میں نے یہ نصیحت کی تھی کہ لوگ اپنے دلوں کو دوسروں کی نسبت صاف کرلیں اور خواہ وہ مظلوم ہی کیوں نہ ہوں صلح کرلیں۔ میری یہ نصیحت نامکمل رہے گی اور فتنوں کا سدباب پوری طرح نہیں ہو گا جب تک میں اس کا دوسرا حصہ بھی بیان نہ کروں اور وہ یہ ہے کہ نہ صرف دوسروں کے متعلق ہر قسم کی کدورت سے اپنے دلوں کو صاف کرو بلکہ اس امر کو بھی مدنظر رکھو کہ کسی مظلوم کا معافی مانگ لینا ایسی بات نہیں جو تمہارے لئے خوشی کا موجب ہو سکے بلکہ خوشی صرف اسی کے لئے ہے جس نے معافی مانگی اور تمہیں خوشی اس وقت حاصل ہو گی جب تم اپنے خدا کو حاضر ناظر جانتے ہوئے اگر دوسروں کے حقوق کو تم نے غصب کیا ہوا ہے تو وہ حقوق ادا کر دو۔ اور اگر تم پر کسی کا مالی یا جانی یا اخلاقاً حق ہے تو وہ اسے دے دو۔ ورنہ اگر تم دوسروں کے حقوق ادا نہیں کرتے تو خواہ دوسرا شخص تم سے ہزار معافی مانگے اس کا درجہ تو بڑھتا جائے گا لیکن تمہارا جرم اور گناہ بھی ساتھ ہی ساتھ بڑھتا جائے

گا کیونکہ وہ شخص میرے کہنے پر تمہارے پاس گیا۔ اور اس نے مظلوم ہونے کے باوجود تم سے معافی مانگی۔ مگر تم نے باوجود ظالم ہونے کے اور باوجود اس کے معافی مانگ لینے کے اس کے حقوق کی ادائیگی کا خیال نہ کیا۔ اور تم نے اپنے دل میں یہ سمجھ لیا کہ وہ نیچا ہو گیا پس اپنے نفوس کو اس غرور میں مبتلا نہ ہونے دو کہ ہم نے دوسرے کو نیچا دکھا دیا کیونکہ وہ معافی مانگ کر نیچا نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اونچا ہو گیا۔ کیونکہ اس نے خدا کی فرمانبرداری کی اور خلیفہ وقت کی بات مانی مگر تم جو اس وقت اپنے آپ کو اونچا سمجھ رہے ہو دراصل نیچے گر گئے جس طرح انسان جتنا اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں جھکتا ہے اتنا ہی اس کا درجہ بلند ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ حدیثوں میں آتا ہے جو شخص خدا کے لئے نیچے جھکتا ہے۔ خدا اس کو اوپر اٹھاتا ہے یہاں تک کہ اسے ساتویں آسمان پر لے جاتا ہے اسی طرح جو شخص اپنے بھائی سے معافی مانگتا ہے وہ نیچے نہیں گرتا بلکہ اس کا درجہ بلند ہوتا اور خدا کے حضور بہت بلند ہو جاتا ہے"۔ [۳۵]

دوبارہ تحریک اور زبردست انتباہ

کچھ عرصہ بعد جبکہ جماعتی مخالفت زوروں پر تھی جماعت کے ایک طبقہ میں اندرونی مناقشات نے پھر سر اٹھایا۔ اور اس تحریک کے اثرات زائل ہوتے نظر آئے تو مقدس امامؓ نے ۲۶/ مئی ۱۹۳۵ء کو پھر توجہ دلائی کہ۔

"کوئی احمق ہی اس وقت اپنے بھائی سے لڑ سکتا ہے۔ جب کوئی دشمن اس کے گھر پر حملہ آور ہو ایسے نازک وقت میں اپنے بھائی کی گردن پکڑنے والا یا تو پاگل ہو سکتا ہے یا منافق۔ ایسے شخص کے متعلق کسی مزید غور کی ضرورت نہیں وہ یقیناً یا تو پاگل ہے اور یا منافق اس لئے آج چھ ماہ کے بعد میں پھر ان لوگوں سے جنہوں نے اس عرصہ میں کوئی جھگڑا کیا ہو۔ کہتا ہوں کہ وہ توبہ کریں توبہ کریں۔ ورنہ خدا کے رجسٹر سے ان کا نام کاٹ دیا جائے گا اور وہ تباہ ہو جائیں گے منہ کی احمدیت انہیں ہرگز ہرگز نہیں بچا سکے گی۔ ایسے لوگ خدا کے دشمن ہیں۔ رسولؐ کے دشمن ہیں۔ قرآن کے دشمن ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دشمن ہیں۔ ایسے لوگ خون آلود گندے چیتھڑے کی طرح ہیں جو پھینک دیئے جانے کے قابل ہیں۔ اس لئے ہر وہ شخص جس نے اپنے بھائی سے جنگ کی ہوئی ہے میں اس سے کہتا ہوں کہ پیشتر اس کے کہ خدا کا غضب اس پر نازل ہو وہ ہمیشہ کے لئے صلح کر لے اور پھر کبھی بھی نہ لڑے"۔ [۳۶]

قادیان میں یوم سرحد

صوبہ سرحد کے سرخ پوش مسلمانوں پر حکومت کی سخت گیر پالیسی اور تشدد نے ایک قیامت سی بپا کر دی تھی اس ظلم و ستم کے خلاف احتجاج کے طور پر (آل انڈیا مسلم کانفرنس دہلی کے فیصلہ کے مطابق) ۵/ فروری ۱۹۳۲ء کو ملک کے دوسرے

شہروں کی طرح قادیان میں بھی یوم سرحد کے سلسلہ میں ایک عام جلسہ منعقد کیا گیا اور مصیبت زدگان سے ہمدردی کا اظہار کرنے اور حکومت سے اس کا ازالہ کرنے کی قرارداد متفقہ طور پر پاس کی گئی۔ ۳۷

جلسہ سے قبل سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی خطبہ جمعہ میں مظالم سرحد کا ذکر کیا اور ارشاد فرمایا کہ "صوبہ سرحد میں معلوم ہوا ہے کہ بعض افسروں نے بہت زیادتیاں کی ہیں...... ہمارے خیال کے مطابق سرخ پوش تحریک جائز نہیں مگر پھر بھی وہاں کے مظلوموں کے ساتھ ہمیں ہمدردی ہے...... مجھے امید ہے کہ ان حالات کا علم ہونے کے بعد حکومت ان کے ازالہ کی کوشش کرے گی اور ہر وہ مسلمان جو ان کی کسی نہ کسی طرح مدد کر سکتا ہو اس سے دریغ نہ کرے گا۔ میں اپنے سرحدی بھائیوں سے بھی درخواست کروں گا کہ وہ ایسی حرکات نہ کریں جن سے امن میں خلل واقع ہو اس وقت وہاں ریفارم سکیم نافذ کی جارہی ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس وقت وہاں پر امن فضا کی ضرورت ہے"۔ ۳۸

فیصلہ متعلق امیر جماعت احمدیہ بنگال

حضرت چودھری ابوالہاشم خاں صاحبؓ جنرل سیکرٹری صوبہ بنگال نے امیر سے اختلاف کی بناء پر اپنے کام سے استعفاء دے دیا تھا جس پر حضورؓ نے صوبہ بنگال کے دوستوں سے مشورہ کیا اور دریافت فرمایا کہ مرکز کہاں ہو۔ اور بنگال کا امیر کیسے مقرر کیا جائے؟ جوابات سے معلوم ہوا کہ اہل بنگال پر ابھی منصب امارت کی حقیقت پوری طرح واضح نہیں لہٰذا حضور نے ایک مفصل مضمون لکھا جس میں بڑی وضاحت سے بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی تحریرات اور ہدایات کے مطابق ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ کا مالی کام براہ راست ایک شخص کے ہاتھ میں نہ ہو بلکہ حضرت اقدس ایک انجمن کے ذریعہ سے ایک ایگزیکٹو باڈی (EXCUTIVE BODY) کے قیام کو ضروری قرار دیتے ہیں جو آپ کے نزدیک تمام دنیا کی احمدی جماعتوں کے لئے نقطہ مرکزی ہے اور جس کا ابدی مرکز قادیان ہے دوسری طرف حضور اس جماعت کی ترقی خلافت سے وابستگی کے ساتھ مشروط رکھتے ہیں۔ تیسری طرف اسلام سے ثابت ہے کہ کوئی خلافت بغیر مشورہ کے نہیں چل سکتی۔ ان تینوں امور کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف ایک ہی نظام ہے جو صوبہ جات میں قائم کیا جا سکتا ہے اور ایسا نظام وہی ہو سکتا ہے جس میں ایک امیر ہو جو خلیفہ وقت کا نائب ہو۔

غرض حضورؓ نے ثابت کیا کہ بہترین نظام امارت کا نظام ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے مقامی انتظام اور مرکز کی ضرورتیں دونوں پوری ہوتی رہتی ہیں۔ مگر امیر کے لئے ہرگز یہ شرط نہیں کہ اسی ملک کا باشندہ ہو اسلام کے شروع زمانہ میں نوے فیصدی امراء مرکز کے نامزد ہوتے تھے اور اب بھی

ضرورت پر ایسا کیا جا سکتا ہے امیر پبلک کا نمائندہ نہیں ہے بلکہ خلیفہ وقت کا نمائندہ ہے اس لئے خواہ لوگ کتنا بھی اصرار کریں یہ عہدہ درحقیقت خلیفہ وقت کا اعتماد رکھنے والے شخص کو مل سکتا ہے اور اس میں یہی حکمت ہے کہ اسلامی نظام اتحاد عالم پر مبنی ہے نہ کہ قومیت پر۔

نظام امارت پر روشنی ڈالنے کے بعد حضور نے تحریر فرمایا۔

"احمدی یاد رکھیں یہ اصول ہیں جن پر سلسلہ کا آئندہ نظام چلایا جائے گا۔ اور سب صوبوں اور ملکوں کے احمدیوں کو یاد رکھنا چاہئے تاکہ وہ دھوکہ نہ کھائیں اور انہیں کوئی دوسرا شخص دھوکا نہ دے سکے"۔ [۳۹]

جہاں تک امارت بنگال کا تعلق تھا حضور نے فیصلہ فرمایا کہ "حکیم ابو طاہر صاحب جنہوں نے اپنے گزشتہ رویہ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ امارت کے منصب کو خوب سمجھتے ہیں انہیں علاوہ کلکتہ کا مقامی امیر ہونے کے تمام بنگال کا بھی امیر مقرر کرتا ہوں چونکہ صوبہ کے کام کیلئے وہ صرف کلکتہ کے احباب کے مشورہ پر انحصار نہیں کر سکتے اس لئے میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ امیر صوبہ کی ایک مجلس شوریٰ ہو جس میں صوبہ کے تمام مقامی امراء شامل ہوں اور علاوہ اس کے مبلغین سلسلہ بھی اس کے ممبر ہوں۔ علاوہ ان کے اگر کسی شخص کو خاص طور پر مرکز کی طرف سے اس غرض کیلئے چنا جائے یا صوبہ کی انجمنیں اپنے سالانہ اجتماع میں بعض لوگوں کو خاص طور پر اس کام کیلئے تجویز کریں تو ان لوگوں کو بھی اس مجلس کا ممبر سمجھا جائے۔ سردست علاوہ امراء اور مبلغین کے چودھری ابوالہاشم خان صاحب' مولوی مبارک علی صاحب اور پروفیسر عبدالقادر صاحب کو اس مجلس کا ممبر مقرر کرتا ہوں"۔ [۴۰]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے سفر (۱۹۳۲ء میں)

اس سال حضورؓ نے لاہور' دہلی' ڈیرہ دون' راولپنڈی' شملہ اور ڈلہوزی کے سفر اختیار کئے۔

سفر لاہور: ۱۳/ فروری' ۹/ مارچ' ۹/ مئی اور ۵/ جولائی ۱۹۳۲ء کی تاریخوں میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے لاہور میں اجلاس منعقد ہوئے۔ حضور نے لاہور جا کر ان سب اجلاسوں کی صدارت فرمائی۔ علاوہ ازیں آپ مسلمانوں کے مفاد سے متعلق ایک اہم مشورہ کے لئے ۲۹/ جنوری ۱۹۳۲ء کو بھی تشریف لے گئے۔ ۲۳/ اگست ۱۹۳۲ء کو سردار سکندر حیات خاں قائم مقام گورنر پنجاب کو دی جانے والی پارٹی میں شمولیت کے لئے بھی لاہور جانا پڑا۔ [۴۱]

سفر دہلی: ۲ و ۴/ مارچ ۱۹۳۲ء کو دہلی میں کشمیر کمیٹی کے اجلاس تھے۔ جن میں شمولیت کے لئے حضور یکم مارچ کو دہلی تشریف لے گئے۔ [۴۲] اور چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی کوٹھی پر انا

وائسرائیگل لاج میں قیام فرمایا۔ ۴۳ یہاں حضور نے کمیٹی کے اجلاسوں میں شرکت کے علاوہ ۶/ مارچ ۱۹۳۲ء کو (رتالکٹورہ پارک میں) خان صاحب منشی برکت علی خان صاحبؓ مرحوم کے اعزاز میں دی جانے والی جماعت احمدیہ دہلی و شملہ کی مشترکہ الوداعی پارٹی میں تقریر فرمائی اور اپنے مبارک ہاتھوں سے خان صاحب کو جماعت شملہ کی طرف سے قرآن پاک کا ایک نسخہ بطور تحفہ عطا فرمایا۔ اس تقریب پر حضور کی معیت میں مجمع کا فوٹو بھی لیا گیا جو اس کتاب میں موجود اور اس سفر کی یادگار ہے۔ ۴۴ چند روزہ قیام کے بعد حضور ۱۴/ مارچ ۱۹۳۲ء کو دہلی سے قادیان پہنچ گئے۔ ۴۵

سفر ڈیرہ دون: یکم مئی ۱۹۳۲ء کو حضور تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے (مع حرم اول حضرت سیدہ ام ناصرؓ اور صاحبزادگان) ڈیرہ دون تشریف لے گئے۔ ۴۶ اور قریباً ایک ہفتہ تشریف فرما ہونے کے بعد ڈیرہ دون سے لاہور آئے اور کشمیر کمیٹی کے ایک اجلاس کی صدارت کے فرائض انجام دینے کے بعد ۱۲/ مئی ۱۹۳۲ء کو وارد قادیان ہوئے۔ ۴۷ ڈیرہ دون میں قیام کے دوران ۴/ مئی ۱۹۳۲ء کو شہر کے بعض رؤسا، مسلم تنظیم کمیٹی کے صدر اور سیکرٹری حضور کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوئے دیر تک گفتگو ہوتی رہی جس کا اکثر و بیشتر حصہ تحریک کشمیر ہی سے متعلق تھا۔ ۴۸

سفر راولپنڈی: سیدنا ۲۰/ جون ۱۹۳۲ء کو آنکھوں کا معائنہ کرانے کے لئے راولپنڈی تشریف لے گئے۔ ۴۹ اور ۴/ جولائی کی صبح کو واپس لاہور پہنچے۔ ۵۰ اور حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ای۔اے۔سی کی کوٹھی پر مقیم ہوئے۔ قیام لاہور کے عرصہ میں حضور بہت مصروف رہے۔ ایک دفعہ رات کے ۲ بجے تک ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ۷/ جولائی ۱۹۳۲ء کی شام کو واپس قادیان میں تشریف لے آئے۔ ۵۱

سفر ڈلہوزی و شملہ ۹/ جولائی ۱۹۳۲ء کو حضور ڈلہوزی کے لئے روانہ ہوئے۔ ۵۲ جہاں سے ۱۴/ جولائی کو قادیان آگئے اور اسی دن عازم شملہ ہوئے۔ ۵۳ ۱۸/ جولائی کو شملہ سے واپس آکر آپ ۲۰/ جولائی کو دوبارہ ڈلہوزی تشریف لے گئے۔ ۵۴ اور ۱۸/ اگست ۱۹۳۲ء کو قادیان میں رونق افروز ہوئے۔ ۵۵

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس اور مسلمان

۲۲/ فروری ۱۹۳۲ء سے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کی ایک سب کمیٹی وائسرائے ہند کی صدارت میں جاری تھی جس میں فرقہ وارانہ مسائل کے تصفیہ اور اساسی حقوق اور برطانوی ہند اور ریاستوں کی مذہبی آزادی سے متعلق اہم امور زیر غور تھے اس موقعہ پر مسلمانان ہند دو حصوں میں بٹ گئے۔ مسلمانوں کے ایک طبقہ کا خیال تھا کہ جب تک ہمارے حقوق کا فیصلہ نہیں ہوتا ہمیں اس کا بائیکاٹ کرنا چاہئے دوسرا گروہ

کمیٹی کا پر جوش حامی تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے "راؤنڈ ٹیبل کانفرنس اور مسلمان" کے عنوان سے ایک مفصل و مدلل مضمون میں مسلمانوں کو رائے دی کہ۔

"میں ان دونوں گروہوں کو نیک نیت اور مسلمانوں کا خیر خواہ سمجھتا ہوں لیکن میرے نزدیک یہ دونوں گروہ غلطی پر ہیں اور اس نازک موقعہ پر ہمیں اس سے زیادہ غور و فکر کی ضرورت ہے۔ جس قدر کہ اس وقت مسلمان کر رہے ہیں۔

ہمیں اس امر کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کی تاریخ قریب میں مسلمانوں کے حقوق طے کرنے کا موقعہ دوبارہ نہیں آئے گا اور یہ کہ اگر ہم آج غلطی کر بیٹھے تو ہمیں اور ہماری اولادوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اور گو ہم اپنے آپ کو قربان کرنے کو تیار ہوں۔ ہمیں کوئی حق حاصل نہیں کہ اپنی اولادوں کو قربان کر کے غلامی کے طوقوں میں جکڑ دیں۔ یقیناً اس سے زیادہ بد قسمت انسان ملنا مشکل ہو گا جس کی اپنی اولاد یا جس کے آباء کی اولاد اس پر لعنت کرے اور اسے اپنی ذلت کا موجب قرار دے۔

مسلمانان ہند کے حقوق کی اہمیت: ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا سوال دو چار ہزار آدمیوں کا سوال نہیں بلکہ آٹھ نو کروڑ آدمیوں کا سوال ہے اور پھر ہندوستان کے مسلمانوں کا سوال نہیں بلکہ کل دنیا کے مسلمانوں کا سوال ہے۔ کیونکہ اس وقت دنیا کے مسلمانوں میں سے سب سے زیادہ بیداری ہندوستان کے مسلمانوں میں ہی ہے اور ان کی موت سے عالم اسلام کی سیاسی موت اور ان کی زندگی سے عالم اسلام کی سیاسی زندگی وابستہ ہے۔ کیا اس قدر عظیم الشان ذمہ داری کی طرف سے ہم لاپرواہی کر سکتے ہیں۔ اسلام تو کیا اگر ہم میں انسانیت کا ایک خفیف سا اثر بھی باقی ہے تو ہم ایسا نہیں کر سکتے۔

صحیح طریق عمل: اس تمہید کے بعد میں اپنا خیال ظاہر کرتا ہوں۔ میرے نزدیک ہمیں ہر اک مخالفت پر بائیکاٹ کا حربہ نہیں اختیار کرنا چاہئے کیونکہ بائیکاٹ جب کہ صرف تبادلہ خیال تک محدود ہو۔ صرف ذہنی نشوونما کو روکنے کا ہی موجب ہوتا ہے اس سے زیادہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ میرے نزدیک صحیح طریق عمل یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے مقصود کے حصول کو تو اصل قرار دیں اور جائز ذرائع کو فرع۔ پس جو جائز ذریعہ ہمیں حاصل ہو ہم اسے استعمال کر لیں اور ذریعہ کو مقصد کا قائم مقام بنا کر اپنی سب توجہ اس کی طرف نہ لگا دیں۔ ایک وکیل اگر دیکھے کہ اس کے موکل کو اس کے نقطہ نگاہ کے سوا اور کوئی نقطہ نگاہ فائدہ پہنچا سکتا ہے تو اسے اس کے اختیار کرنے میں دریغ نہیں ہونا چاہئے۔ پس ہمیں اس امر پر زیادہ بحث نہیں کرنی چاہئے کہ ہم نے کون سا ذریعہ حصول مراد کے لئے آج سے پہلے پسند کیا

تھا بلکہ اس پر بحث کرنی چاہئے کہ ہمارے مدعا کے حاصل کرنے کے لئے کونسا ذریعہ مفید ہو سکتا ہے۔ اور کسی جائز راستہ کو اپنے لئے بند نہیں کرنا چاہئے۔ اس اصل کو تسلیم کرتے ہوئے اگر راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کی سب کمیٹیوں کی شرکت ہمارے لئے مفید ہو تو ہمیں اس سے دریغ نہیں ہونا چاہئے اور اگر مضر ہو تو حتی الوسع ہمیں اس سے بچنا چاہئے"۔ ۵۶

مسلم اخبار "انقلاب" (لاہور) کی ضمانت اور گورنر پنجاب کے نام مکتوب

فروری ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے کہ حکومت پنجاب نے پریس آرڈیننس کے تحت "انقلاب" اور اس کے پریس سے اڑھائی اڑھائی ہزار کی ضمانتیں طلب کیں۔ اور وجہ یہ بتائی کہ کشمیر کے متعلق بعض غیر صحیح واقعات شائع کئے گئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ہندو اخبار "ملاپ" اور اس کے پریس سے تین تین ہزار کی اور اخبار "کیسری" اور اس کے پریس سے دو دو ہزار کی ضمانتیں طلب کیں۔

سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کشمیر کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے لئے دہلی میں فروکش تھے کہ اخبارات سے اس خبر کا علم ہوا۔ ہندوستان کا مسلم پریس پہلے ہی ہندوؤں کے مقابل کمزور تھا اور بعض اخبار محض مشکلات کی تاب نہ لا کر بند ہو چکے تھے اس صورت حال سے حضور از حد مشوش ہوئے اور آپؓ نے دہلی ہی سے گورنر پنجاب کے نام مندرجہ ذیل مکتوب لکھا۔

"جناب من! میں آج ایک ایسے امر کے متعلق جناب کو توجہ دلانی چاہتا ہوں جو گو قانون کے محدود دائرہ میں تو درست ہے لیکن مصلحت وقت اور حکومت کے فوائد کے بالکل برخلاف ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ جناب کا سا دور اندیش رئیس صوبہ ضرور نظر ثانی فرما کر اس کا تدارک کرے گا۔

وہ امر یہ ہے کہ حکومت نے "انقلاب" کی اور اس کے پریس کی اڑھائی اڑھائی ہزار کی ضمانت طلب کی ہے چونکہ پریس بھی مالکان "انقلاب" کا ہے اس لئے گویا پانچ ہزار روپیہ کی ضمانت طلب کی گئی ہے۔ جناب اس امر سے یقیناً واقف ہوں گے کہ ہندوستانی پریس خصوصاً اسلامی پریس سرمایہ کے لحاظ سے بہت گری ہوئی حالت میں ہے اور کئی ایسے اخبار ہیں کہ جن کا کل سرمایہ بھی پانچ ہزار نہیں اس صورت میں یہ ضمانت اخبار کے بند کر دینے کے مترادف ہے۔

جناب سے یہ امر بھی مخفی نہ ہو گا کہ "انقلاب" نے کانگریس کا مقابلہ کرنے میں اس قدر کام کیا ہے جو اپنے اثر کے لحاظ سے نہایت شاندار اور قابل قدر ہے۔ "انقلاب" ہی تھا جس کے مضامین کی وجہ سے مسلمانوں کا نوجوان طبقہ کانگریس سے الگ رہا اور یہ خدمت اس قابل تھی کہ حکومت اسے شکریہ کی نگاہ سے دیکھتی۔ لیکن قدر کے سوال کو الگ بھی کر دیا جائے تو اس ضمانت کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اخبار

بند کر دیا جائے گا اور ہزارہا مسلمان نوجوان اپنی سیاسی ضرورتوں کے لئے ہندو اخبار خریدنے پر مجبور ہوں گے اور چند ماہ میں ایک ایسی مکدر فضا پیدا ہو جائے گی جس کا سنبھالنا بہت سا خرچ اور وقت چاہے گا۔ یہ خیال کرنا کہ مسلمان تعلیم یافتہ طبقہ اخبار پڑھنا بند کر دے گا خلاف عقل ہے وہ اخبار ضرور پڑھے گا۔ اور "انقلاب" کے بند ہونے کی صورت میں ہندو اخبارات جو کانگریسی پراپیگنڈا سے پر ہیں پڑھے گا۔ پس یہ ضمانت خود حکومت کے خلاف اثر پیدا کر دے گی۔

یہ امر بھی سوچنے کے قابل ہے کہ "احرار" بھی بند ہو گیا ہے "زمیندار" بھی نازک حالت میں ہے یہ اخبار خواہ کیسے بھی ہوں اسلامی اخبار کہلاتے تھے اگر "انقلاب" بھی بند ہو گیا تو مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گا کہ حکومت اسلامی پریس کو نقصان پہنچانا چاہتی ہے۔ یہ خیال خواہ صداقت سے کتنا بھی دور ہو پیدا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کا اس وقت روکنا حکومت کے لئے نہایت ضروری ہے۔

گو میں نے وہ مضمون نہیں دیکھا جس کی بناء پر انقلاب سے ضمانت لی گئی ہے لیکن میں اس امر کو فرض کرتے ہوئے کہ وہ مضمون نہایت سخت تھا سمجھتا ہوں کہ جبکہ حکومت کے تسلیم کردہ بیانات کے مطابق یہ امر ثابت ہے کہ ہندو پریس نے بھی سخت جھوٹی اور اشتعال انگیز خبریں مسلمانوں کے خلاف پھیلائی ہیں اس قابل ضرور ہے کہ اس کے خلاف یکدم انتہائی کارروائی نہ کی جائے۔

میں امید کرتا ہوں کہ جناب مذکورہ حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اور خصوصاً احرار کی نئی کوششوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جو وہ برطانوی حکومت کے خلاف شروع کرنے والے ہیں۔ اس فیصلہ پر نظر ثانی فرمائیں گے۔ میرے نزدیک تو اخبار کی یہ معذرت کہ افسوس ہے اس نے ایک غیر مصدقہ خبر شائع کر دی کافی ہونی چاہئے لیکن اگر ضمانت بھی ضروری سمجھی جائے تو پانچ سو روپیہ کی ضمانت موجودہ حالات میں بہت ہے۔

میں اس وقت کشمیر کے قضیہ ہی کے متعلق دہلی آیا ہوا ہوں۔ ہز ایکسی لینسی دی وائسرائے کی مہربانی سے امید کی جاتی ہے کہ کوئی امن کی صورت جلد پیدا ہو جائے اس صورت میں یہ قضیہ بالکل ہی ختم ہو جائے گا۔ اور وہ غیر ضروری پریشانی جو پنجاب کو ملحق صوبہ ہونے کی وجہ سے اٹھانی پڑی دور ہو جائے گی"۔

قادیان میں مکان بنانے کی تحریک اور محلہ دارالانوار کی بنیاد

احمدیت کی ترقی کے آثار کے ساتھ جماعتی مشکلات بھی بڑھ رہی تھیں جن کا مقابلہ کرنے کے لئے قادیان کی ترقی و توسیع کی طرف

توجہ کرنا ضروری تھا کیونکہ قادیان جماعت احمدیہ کا مرکز تھا اور اس پر دشمن کی نظر تھی۔ بناء بریں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سالانہ جلسہ ۱۹۳۱ء پر جماعت کو تحریک فرمائی کہ وہ قادیان میں مکان بنائیں تا قادیان کو وسعت حاصل ہو اور اس مقام کی ظاہری عظمت بھی قائم ہو۔ نیز بتایا کہ اس کے لئے میں نے بھی ایک سکیم بنائی ہے اور خطوط کے ذریعہ شائع کی گئی ہے جو یہ ہے کہ ایک حصہ پچیس روپے ماہوار کا رکھا گیا ہے کل حصے ایک سو بیس رکھے گئے ہیں ایک شخص ایک یا زیادہ حصے لے سکتا ہے اس طرح جو روپیہ جمع ہو وہ قرعہ ڈال کر ہر مہینے میں ایک دوست کو دے دیا جائے جو مکان بنا لے اس طرح ایک سو بیس حصوں کے مکان نئے اور اچھے بن جائیں گے...... پہلے ڈیڑھ سال تک کوئی قرعہ نہیں ڈالا جائے گا تاکہ اس طرح جو رقم جمع ہو اس سے زمین خرید لی جائے اس کے بعد ہر مہینے قرعہ ڈالا جائے گا اور جس کے نام نکلے گا اس سے یہ شرط ہوگی کہ روپیہ مکان بنانے پر ہی خرچ کیا جائے"۔ [۵۷]

دار الحمد کی تاسیس

حضور کی اس تحریک پر متعدد مخلصین جماعت [۵۸] نے لبیک کہا اور اس سکیم کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک پیشگوئی پوری کرنے کے لئے قادیان کی پرانی آبادی کے مشرق کی طرف ایک نیا محلہ "دار الانوار" کے نام سے آباد کیا گیا۔ جس کی بنیاد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۴/ اپریل ۱۹۳۲ء کو رکھی۔ [۵۹] اور ۲۵/ اپریل ۱۹۳۲ء کو اپنی کوٹھی "دار الحمد" کی بنیادی اینٹ رکھی جو اس نئے محلہ کی پہلی عمارت تھی۔ حضورؓ نے اس روز صبح آٹھ بجے کے قریب اس محلہ کی طرف تشریف لے جاتے ہوئے پہلے مولوی عبد المغنی خان صاحب ناظر بیت المال کے مکان کی بنیاد رکھی اور مجمع سمیت دعا کی بعد ازاں اپنے تجویز کردہ مقام پر جا کر پہلے جنوب کی طرف پانچ اینٹیں بطور بنیاد رکھیں۔ پھر شمال مغرب کی طرف ایک اینٹ خود رکھی اور چار اینٹیں حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ، حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ، حضرت سید ناصر شاہ صاحبؓ اور حضرت پیر افتخار احمد صاحبؓ سے علی الترتیب رکھوائیں۔ اسی طرح شمال مشرق کی جانب ایک اینٹ خود رکھی اور چار حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ، حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیالؓ، حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؓ اور حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ سے رکھوائیں۔ پھر دعا کی اس جگہ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر دار الانوار کمیٹی کے سیکرٹری حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد ایم۔ اے کی کوٹھی بننے والی تھی۔ حضور نے اس کا سنگ بنیاد بھی رکھا اور دعا کی۔ واپسی کے بعد ۹ بجے کے قریب صدر انجمن احمدیہ کے نئے دفاتر کا افتتاح فرمایا جو مسجد اقصیٰ سے متصل عمارت میں چند روز ہوئے منتقل ہوئے تھے۔ [۶۰] دار الحمد کی عمارت دسمبر ۱۹۳۲ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی [۶۱] اور ۱۵/ جنوری ۱۹۳۳ء کو حضور نے بطور افتتاح ایک سو روپیہ غرباء میں پارچات تقسیم کرنے کے لئے عطا فرمایا [۶۲] نیز

۲۹/ جنوری ۱۹۳۳ء کو حضور کی طرف سے وسیع پیمانہ پر ایک دعوت اس نئی کوٹھی میں دی گئی جس میں قریباً آٹھ سو افراد (مرد و زن) شامل ہوئے۔ ۶۳ علاوہ ازیں حضور نے ۲۷/ دسمبر ۱۹۳۲ء کو احباب جلسہ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہ اس نئے مکان کے بابرکت ہونے کے لئے دعا کریں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

"میں نے قرض لے کر ایک مکان بنوایا ہے کیونکہ اب ہمارے گھر میں اتنی تنگی ہے کہ ایک ایک کمرہ میں جیل کی اتنی جگہ کے مقابلہ میں دو گنے افراد رہتے ہیں...... مجھے مکان بنوانے سے ہمیشہ ڈر آتا ہے جو مکان بنوایا گیا ہے اس کے متعلق بھی میرے دل پر بوجھ ہے اس لئے دوستوں سے خواہش کرتا ہوں کہ دعا کریں خدا تعالیٰ اس مکان کو بابرکت کرے۔ میں تو اس میں رہنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتا میرے لئے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا مکان ہی بہترین ہے مگر جو اس میں جا کر رہے اس کے لئے دعا کی جائے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکات سے اسے حصہ ملے"۔ ۶۴

غرضکہ تضرعانہ دعاؤں کے ساتھ دارالانوار کی بناء پڑی اور دراصل انہیں دعاؤں کا اثر تھا کہ چند سالوں کے اندر اندر قادیان کا یہ مشرقی علاقہ آباد ہو گیا اور ہر طرف خوبصورت اور عالی شان عمارتیں بن گئیں۔ ۶۵

بعض دوسری مقدس عمارتیں

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی کوٹھی "بیت النصرت" (جو حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے کمال مادرانہ شفقت سے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ کو تحفۃً دے کر دلی محبت کے اظہار سے ان کی عزت افزائی فرمائی) اور چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی کوٹھی "بیت الظفر" جن کی بنیاد حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے دست مبارک سے بالترتیب ۲۳/ فروری ۱۹۳۳ء ۶۶ اور ۱۲/ اپریل ۱۹۳۴ء کو رکھی گئی اسی محلہ میں تعمیر ہوئیں۔ اسی طرح گیسٹ ہاؤس اور دفتر خدام الاحمدیہ مرکزیہ بھی یہیں بنے۔

جماعت احمدیہ کی شاندار مالی قربانی

۳۲-۱۹۳۱ء کا مالی سال جماعت احمدیہ کے لئے بڑی تنگی کا سال تھا جس میں قریباً اڑتالیس ہزار قرض تھا جو اکتوبر ۱۹۳۱ء میں بہتر ہزار کے قریب جا پہنچا اس کے علاوہ کچھ اور قرضے بھی تھے جس پر حضور نے جماعت کو تحریک فرمائی کہ ایسی کوشش کی جائے کہ پچھلا قرضہ بے باق ہو جائے۔ چنانچہ جماعت نے تین ماہ کے اندر اندر چندہ خاص کے سمیت قریباً پونے دو لاکھ روپیہ اپنے مقدس آقا کے حضور پیش کر دیئے جس پر سیدنا نے ۱۳/ مئی ۱۹۳۲ء کو اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا۔

"آج میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے اظہار اور تحدیث نعمت کے طور پر یہ اعلان کرنے کے قابل ہوا

ہوں کہ جبکہ پچھلے مالی سال کے شروع میں ۸۰۰۰ کے بلوں کے علاوہ اور بھی قرض تھا۔ یہ سال جب ختم ہوا تو بجائے قرضہ کے قریباً ڈیڑھ ہزار انجمن کے خزانہ میں جمع تھا گویا جماعت نے پونے دو لاکھ کی رقم جمع کرنی تھی اور ایسی حالت میں جمع کرنی تھی کہ بیشتر حصہ مالی لحاظ سے مفلوج ہو رہا تھا۔ حتیٰ کہ بڑی بڑی حکومتیں قرضے لینے پر مجبور ہو رہی تھیں"۔ ۶۷

کارکنان سلسلہ کے نئے دور کا افتتاح

حضرت میرزا محمد اشرف صاحبؓ بلانوی یکم جنوری ۱۹۰۷ء سے صدر انجمن احمدیہ قادیان سے وابستہ ہوئے اور ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۲ء تک آڈیٹر اور ۱۹۲۲ء سے ریٹائرڈ ہونے تک محاسب کے عہدوں پر فائز رہے۔ اس دوران میں آپ نے حسابی معاملات میں غیر معمولی مہارت سے صدر انجمن احمدیہ کے مالی نظام کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی ہر ممکن صورت اختیار کی۔ آپ ہی کی تجویز سے انجمن میں پراویڈنٹ فنڈ کا سلسلہ شروع ہوا جس کے سرمایہ سے جماعت کے لئے نئی آمد ہونے لگی۔ اور اسی سے مسجد اقصیٰ سے متصل وہ عظیم الشان مکان خرید اگیا۔ جس میں بعد کو صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر منتقل کئے گئے۔ ۶۸

ان خدمات کی بناء پر ۱۴/ مئی ۱۹۳۲ء کو ان کے اعزاز میں ایک الوداعی پارٹی دی گئی۔ جس میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے الٰہی سلسلہ کے اوائل میں کام کرنے والوں کے بلند مقام اور میرزا محمد اشرف صاحبؓ کی خدمات کو سراہتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"آج کی تقریب جس کے لئے ہم سب یہاں جمع ہوئے ہیں اس لحاظ سے ایک نئے دور کا افتتاح ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے ابتدائی ایام سے ایک نظام کے ماتحت سلسلہ کا کام کیا ان میں سے کچھ لوگ ایام کارکردگی کو پورا کر کے سبکدوش ہو رہے ہیں۔ پہلا دور ان لوگوں کا تھا جنہوں نے ابتدائی ایام میں انفرادی جدوجہد میں حصہ لیا اور ایک ایک کر کے ہم سے جدا ہوتے گئے۔ اب یہ نیا دور شروع ہوا ہے ...... اس وقت ہمارا نظام اگرچہ بہت قلیل اور محدود ہے لیکن ایک وقت آئے گا جب دنیا کی ترقی کا انحصار اس پر ہوگا اور روحانی ترقیات کی طرح مادی ترقیات بھی احمدیت کے قبضہ میں ہوں گی۔ جس طرح بنک آف انگلینڈ میں ذرا سی کمزوری پیدا ہونے سے حکومتیں بدل جاتی ہیں۔ وزارتیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ایکس چینج میں تغیر ہو جاتا ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ اسی طرح بلکہ اس سے بہت زیادہ تغیرات ہوں گے جب سلسلہ احمدیہ کے بیت المال میں کسی قسم کا تغیر رونما ہو گا۔ بنک آف انگلینڈ کا اثر تو صرف ایک ملک پر ہے لیکن یہ دنیا کی ساری حکومتوں پر اثر انداز ہو گا۔ اور اس وقت یہاں کے کارکنوں کا دنیوی معیار بھی اس قدر بلند ہو گا کہ حکومتوں کی وزارتوں کی ان کے سامنے کچھ حقیقت

نہیں۔ یہ چیزیں ایک ایسے مستقبل کو پیش کر رہی ہے جسے مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں اپنے احباب کی خدمات کی قیمت کا اندازہ کرنا چاہئے۔ دراصل ان کی خدمات کی قیمت وہ چند روپے نہیں جو بطور مشاہرہ دیئے جاتے ہیں بلکہ جماعت کا آئندہ شاندار مستقبل ہے اور اس کا اندازہ خدا تعالیٰ ہی لگا سکتا ہے بندہ نہیں لگا سکتا۔ اور جب یہ وقت آیا اس وقت ان کی خدمات کا اندازہ ہو سکے گا اور ان میں سے ہر ایک کام کرنے والا خواہ وہ چپڑاسی ہو یا ناظر الا ماشاء اللہ اس عظیم الشان عمارت کی تعمیر میں حصہ لے رہا ہے بظاہر تو یہی نظر آ رہا ہے کہ انتہائی ترقی کے مدارج ہم میں سے کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس دنیا کے تغیرات جو مومن سے تعلق رکھتے ہیں اسے بتائے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ حدیثوں میں آتا ہے کہ جو کوئی اس کی قبر پر جاتا ہے اس کا بھی اسے علم ہو جاتا ہے اگرچہ اس کے کان آنے والوں کے پاؤں کی آہٹ نہیں سنتے لیکن اللہ تعالیٰ اسے اس کا علم ضرور دے دیتا ہے اس لئے جب وہ تغیرات پیدا ہوں گے تو ان میں حصہ لینے والوں کو اس کا علم ہو گا۔ اور گو وہ اس دنیا میں نہیں ہوں گا مگر پھر بھی سلسلہ کی ترقیات کو معلوم کر کے ان کی روح خوشی اور مسرت سے بھر جائے گی اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرے گی کہ اس نے مجھے بھی اپنے جسم کو اس میں استعمال کرنے کا موقعہ اور توفیق عطا فرمائی تھی۔ ہمارا نقطہ نگاہ مالی نتائج پر نہیں جو کارکنوں کو خدمات کے بدلہ میں ملتے ہیں بلکہ ان تغیرات پر ہے۔ جس کا اندازہ سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔

جنت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہاں دودھ کی نہریں ہوں گی باغات ہوں گے مگر پھر بھی رسول کریم ﷺ نے فرمایا **لا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر** حالانکہ قرآن پاک جنت کے نقشوں سے بھرا پڑا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے الہامات میں سلسلہ احمدیہ کی ترقیات کا نقشہ ہے اور آپ نے تفسیریں بھی کی ہیں۔ لیکن وہ ساری قبل از وقت ہیں اور الفاظ وہ نقشہ کھینچ ہی نہیں سکتے جو آنے والا ہے۔ اگرچہ ہم یہ مانتے ہیں کہ بڑے بڑے بادشاہ یہاں آئیں گے لیکن اس کا قیاس نہیں کر سکتے کہ کس طرح ان کی گردنیں احمدیت کے ہاتھ میں دے دی جائیں گی۔ گویا جزئیات کو ہم نہیں سمجھ سکتے اور وہ جذبات ہم اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتے جو اس وقت ہوں گے۔

پس جو بھی سلسلہ کے کاموں میں حصہ لیتا ہے وہ دراصل ایک عظیم الشان عمارت کی تعمیر میں کام کر رہا ہے اور اس کی مثال اس مونگے کی طرح ہے جو جزیرہ بناتے ہی اپنی جان ضائع کر دیتا ہے۔ کورل آئی لینڈ کی تیاری میں ایک مونگا اپنی جان قربان کر دیتا ہے لیکن اسے کیا پتہ ہوتا ہے کہ اس کی قربانی کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے اس کی جان ضائع ہونے سے جزیرہ تیار ہوتا ہے۔ جس میں انسان بستے اور خدا تعالیٰ کے

فضلوں کے وارث یا اس کے غضب کے مورد ہوتے ہیں۔ لیکن مونگے کو اس کا کوئی علم نہیں ہوتا کہ وہ ایک نئی دنیا پیدا کر رہا ہے اور اس طرح وہ خدا تعالیٰ کا بروز ہو جاتا ہے۔ انبیاء بھی خدا تعالیٰ کے بروز ہوتے ہیں......

میرزا محمد اشرف نے بھی اس نظام میں کام کیا ہے اور اس میں کام کرنے والوں کی یہ ترقی نہیں کہ وہ مثلاً تیس روپیہ تنخواہ سے شروع ہو کر سو روپیہ پر پہنچ جائیں۔ یہ بھی بے شک ترقی ہے لیکن اصل چیز کے مقابلہ میں یہ بالکل ہیچ ہے۔ ہر کارکن خواہ وہ اپنی حیثیت کو سمجھے یا نہ سمجھے بہرحال اگر اس نے اخلاص سے کام کیا ہے تو وہ اس عظیم الشان عمارت میں بمنزلہ بنیاد کے ہے جس کی عظمت کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ بعض لوگ اپنی کم علمی کے باعث اس سے بھی محروم ہوتے ہیں کہ وہ کسی چیز کا اس قدر بھی اندازہ کر سکیں جس قدر بیان کی جا چکی ہے اور اس لئے بعض لوگ اس عظمت کو بھی محسوس نہیں کر سکتے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی کتابوں میں بیان کی گئی ہے۔ جنت کا جو نقشہ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے اس کا کسی قدر اندازہ وہ دشمن تو کر سکتا ہے جس نے شالامار باغ اور دوسرے فرحت افزا باغات دیکھے ہیں لیکن عرب کا وہ وحشی جس کا باغ کھجور کے دو درختوں سے زیادہ نہیں ہوتا وہ اس کا اندازہ بھی کرنے لگے تو زیادہ سے زیادہ پانچ دس کھجوروں کے درخت پر جا کر اس کا تخیل ختم ہو جائے گا اسی طرح بعض لوگ باوجود بنیاد کی اینٹ ہونے کے ظاہری علوم سے بے بہرہ ہونے کے باعث محسوس نہیں کر سکتے۔ کہ ان کی خدمات کے کیا نتائج نکلنے والے ہیں وہ اس کام کی عظمت کو سمجھتے نہیں یا سمجھ سکتے نہیں کہ وہ کتنے عظیم الشان کام میں لگے ہوئے ہیں اور اس کے اس دنیا میں اور اگلے جہان میں کس قدر زبردست نتائج نکلنے والے ہیں۔ لیکن بہرحال نہ جاننے سے کام کی عظمت میں فرق نہیں آسکتا۔

میرزا محمد اشرف صاحب کو میں نے دیکھا ہے اور ان کی یہ بات مجھے ہمیشہ پسند آئی کہ وہ اس طرح کام کرتے رہے ہیں جس طرح ایک عورت اپنے گھر میں کام کرتی ہے وہ جانتی ہے کہ اس کے پاس کتنا سرمایہ ہے اور وہ اس سے کس طرح بہتر سے بہتر کام لے سکتی ہے اور کوشش کرتی ہے کہ قلیل سے قلیل رقم میں ہی سب کام نپٹالوں۔ ان کے اندر ہمیشہ یہی روح کام کرتی رہی ہے کہ سلسلہ کا صیغہ مالیات مضبوط چٹان کی طرح ہو اور چونکہ میرے اپنے خیالات کی روح بھی اسی طرف ہے اس لئے مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی تھی اور ہمیشہ اطمینان رہتا تھا کہ مالیات کی باگ ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے جو اسے صحیح طریق پر چلا رہا ہے انسان سے غلطیاں ہوتی ہیں اور ممکن ہے ان سے بھی ہوتی ہوں لیکن ایسے شخص کے کاموں میں جو درد رکھتا ہے اور جو اس روح کے ساتھ کام کرتا ہے اس کی غلطیوں کے باوجود نتائج

اچھے نکلیں گے اگر تمام کارکن اس روح کے ساتھ کام کریں تو بہت جلد ترقی ہو سکتی ہے"۔ [۶۹]

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا تقرر وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل میں

آنریبل میاں سر فضل حسین صاحب وسط ماہ جون ۱۹۳۲ء میں خرابی صحت کے باعث رخصت پر جا رہے تھے حکومت نے ان کی جگہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل کے عارضی رکن کی حیثیت سے نامزد کر دیا اور آپ محکمہ تعلیم و صحت و اراضیات کے انچارج مقرر کر دیئے گئے۔ [۷۰]

اس انتخاب پر ملک کے متین و سنجیدہ حلقوں نے بہت خوشی اور مسرت کا اظہار کیا اور چوہدری صاحب کی قابلیت اور لیاقت کا اقرار کیا۔ چنانچہ پیسہ اخبار ۱۹/ مئی ۱۹۳۲ء نے لکھا۔

"چوہدری ظفر اللہ خان صاحب رکن گول میز کانفرنس جو مقدمہ سازش دہلی میں سرکاری وکیل کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ سر فضل حسین کی جگہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے قائم مقام ممبر ہوں گے آپ پہلے پہل سر شہاب الدین کے قانونی رسالہ انڈین کیسز کے اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے۔ آپ نے انہیں قانونی پریکٹس کا مشورہ دیا۔ جس میں آپ کو کافی کامیابی اور شہرت حاصل ہوئی یہی وجہ تھی کہ آپ مقدمہ سازش دہلی میں سرکاری وکیل مقرر ہوئے اور گول میز کانفرنس کے رکن بھی مقرر کئے گئے گول میز کانفرنس میں آپ کی تقریریں خاص طور سے جاذب تھیں مسلمانوں کو ان کے ذاتی عقیدہ سے خواہ کتنا ہی اختلاف ہو مگر ان کی قابلیت اور لیاقت کا زمانہ قائل ہے امید ہے کہ سر فضل حسین کی جگہ آپ ایگزیٹو کونسل کی رکنیت کے فرائض بوجہ احسن ادا کریں گے اور عام مسلمانوں کے تحفظ حقوق کا کماحقہ خیال رکھیں گے"۔ [۷۱]

ہندو پریس کی شدید مخالفت

اسلامی پریس کے مقابل ہندو پریس نے جس میں "پرکاش" اور "ٹریبون" پیش پیش تھے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے تقرر کی زبردست مخالفت کی۔ بلکہ مسلمانوں کو مشتعل کیا کہ انہوں نے خاموشی سے اس نامزدگی کو کیوں برداشت کر لیا جبکہ چوہدری صاحب سرے سے مسلمان ہی نہیں ہیں۔ چنانچہ "پرکاش" (۲۹/ مئی ۱۹۳۲ء) نے لکھا۔

"مسلمان اپنا حق سمجھتے ہیں کہ جس عہدے پر ایک بار کوئی مسلمان تعینات ہو جائے پھر اس پر کوئی اور مقرر نہیں کیا جانا چاہئے۔ وہ مسلمانوں کا موروثی حق ہو چکا ہے عام طور پر مسلمانوں کی جگہ مسلمان مقرر ہوتے ہیں لیکن اگر کسی حالت میں اس قاعدہ کی خلاف ورزی ہو جائے تو مسلمان اس کے خلاف آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں لیکن حیرت کی بات ہے کہ سر فضل حسین کی رخصت پر جانے کی حالت میں

وائسرائے ہند کی کونسل کی ممبری کا عہدہ مسلمان کی بجائے قادیانی کو دیا گیا ہے اور کسی مسلمان نے چوں تک نہیں کی"۔ [۴۷]

دراصل ہندوؤں کی اول یہ کوشش ہوتی تھی کہ کسی سرکاری عہدہ پر کوئی مسلمان مقرر ہی نہ ہو لیکن جب اس میں انہیں کامیابی کی صورت نظر نہ آتی تو وہ چاہتے کہ کوئی اعلیٰ عہدہ کسی قابل مسلمان کو نہ دیا جائے بلکہ ایسے شخص کے سپرد ہو جو ان کی چالبازیوں سے آگاہ نہ ہو سکے اور نہ ان کا توڑ کر سکے۔ چوہدری صاحب کے معاملہ میں چونکہ اس وقت تک خصوصاً گول میز کانفرنس میں انہیں سخت ناکامی ہوئی تھی اسی بناء پر وہ یہ لکھ رہے تھے کہ "چونکہ ظفر اللہ خان فرقہ پرستی میں کسی بھی فرقہ پرست مسلمان سے پیچھے نہیں"۔ فرقہ پرستی سے ہندوؤں کی مراد مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت ہوتی تھی۔ .... پنڈت نہرو نے چوہدری صاحب اور دوسرے مسلمان لیڈروں کی نسبت اپنی کتاب "میری کہانی" میں یہاں تک لکھا تھا۔ "وطن پرستی کی مخالفت اور رجعت پسندی کی غیر معمولی نمائش گول میز کانفرنس میں ہوئی۔ برطانوی حکومت نے چن چن کر صرف فرقہ پرست مسلمانوں کو نامزد کرنے پر اصرار کیا تھا اور یہ لوگ آغا خاں کی قیادت میں بڑے بڑے رجعت پسندوں سے جا کر مل گئے جو نہ صرف ہندوستان کے بلکہ تمام ترقی پسندوں کے نقطہ نظر سے برطانیہ کی سیاسی زندگی میں سب سے خطرناک عناصر سمجھے جاتے ہیں"۔ [۴۸]

ان حالات میں چونکہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب جیسی شخصیت کا تقرر جو پنڈت جواہر لال صاحب نہرو اور دوسرے کانگرسی ہندوؤں کی نگاہ میں کٹر "فرقہ پرست" تھا کانگرسی عزائم کے لئے ایک عظیم خطرہ اور ایک عظیم چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا اس لئے کانگریس کے ہوشیار سیاستدانوں نے "قادیانی" اور "غیر قادیانی" کا سوال اٹھا کر مسلمانوں کو الجھانے اور ان کی صفوں میں انتشار اور فتنہ برپا کرنے کا فیصلہ کر لیا جس کا پہلی بار افشاء "پرکاش" ہی نے کیا اور اس کو عملی جامہ پہنچانے کا بیڑہ کانگریس کے آلہ کار اور رہنما مولویوں نے اٹھایا جیسا کہ آئندہ کے حالات سے پتہ چلے گا۔

مخالفت کا حقیقی سبب

حقیقت یہ ہے کہ ہندو پریس پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی تھی کہ جماعت احمدیہ مسلمانوں کے سیاسی اور ملکی حقوق کی حفاظت کے لئے میدان عمل میں آچکی ہے اور اب ہندوؤں کے لئے مسلمانوں کے حقوق غصب کرنا اتنا آسان نہیں رہا جتنا پہلے تھا اسی وجہ سے وہ بات بات میں جماعت احمدیہ کی مخالفت کرنے اور مسلمانوں میں فرقہ وارانہ فتنہ پیدا کرنے پر اتر آئے تھے اور خصوصاً چوہدری صاحب کے عارضی تقرر پر جبکہ مسلمانوں کے خیر مقدم نے انہیں محسوس کرا دیا تھا کہ چوہدری صاحب پر مسلمان اعتماد رکھتے ہیں اور انہیں اس اعزاز کا

ہر طرح اہل پاتے ہیں ہندوؤں کے انتقامی جذبات میں تلاطم برپا کر دیا اور وہ خم ٹھونک کر سامنے آگئے۔

اخبار "سیاست" کا اہم نوٹ

ہندو اخبار "ٹریبیون" نے (جس نے ایک بار حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی وفات کی مفتریانہ خبر شائع کی تھی) اس موقعہ پر ہندو قوم کے اندرونی خیالات و افکار کی عکاسی کرتے ہوئے چوہدری صاحب کے خلاف بہت زہر اگلا اور ان کی مسلمہ قابلیت و لیاقت پر بھی خوب دل کھول کر حملے کئے۔ جس کے جواب میں شمالی ہند کے مشہور مسلمان اخبار "سیاست" (۲۵/ مئی ۱۹۳۲ء) نے مندرجہ ذیل نوٹ شائع کیا۔

"چوہدری ظفر اللہ خان صاحب اور ہندو: اس پر کہ جناب چوہدری ظفر اللہ خان صاحب بیرسٹرایٹ لاء ایم۔ ایل۔ سی نے آنریبل میاں سر فضل حسین کی جگہ رکنیت تعلیمات کا عہدہ منظور فرمالیا ہے ہندو سیاسی حلقے بے انتہاء مضطرب ہیں اور تو اور "ٹریبیون" ایسے اخبار نے فرقہ واریت میں ڈوبا ہوا شذرہ حوالہ قرطاس کیا اور محض اس جرم پر کہ چوہدری صاحب مسلم مطالبات کے زبردست حامی اور موید ہیں ان کی لیاقت و قابلیت سے بھی انکار کیا بلکہ یہاں تک لکھ مارا کہ بحیثیت قانونی پیشہ بھی آپ گوئے سبقت نہیں لے جاسکتے غضب کی بات ہے کہ تعصب اس درجہ انسان کو اندھا کر دے کہ محض کسی شخص کے کانگریس سے اختلاف رکھنے کے باعث اسے ہر جلیل القدر عہدہ کا نااہل قرار دیا جائے۔ سیدھی بات ان میں سے کوئی نہیں کہتا اور رانٹ کی سنٹ اڑاتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ فرقہ واریت حصول عہدہ کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتی اس لئے ان کے مطالبہ کا صاف مقصد یہ ہے کہ ایسے مسلمان کو کیوں رکنیت کا جلیل القدر عہدہ دے دیا جاتا ہے جو مسلمانوں کی غالب ترین اکثریت کا ہم خیال ہو کیونکہ اسے وہ اپنے ڈھب پر نہ لگا سکیں گے اور ان کا بہت بڑا مقصد فوت ہو جائے گا۔ یہ چیخ پکار اسی لئے ہے ورنہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب ہر طرح اس عہدہ کے اہل ہیں ہم انہیں مبارکباد پیش کرتے ہیں"۔ [۴۷]

چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا پنجاب کونسل میں بلامقابلہ انتخاب

چوہدری صاحب وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل میں قائم مقام ممبر ہو جانے کی وجہ سے پنجاب کونسل کی نشست سے دستبردار ہو گئے تھے اس تقرر کے اختتام پر آپ سابقہ نشست حاصل کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو ہندوؤں کی خواہشات کے عین مطابق اخبار "زمیندار" اور "حریت" نے محض اس بناء پر کہ آپ احمدی ہیں آپ کی مخالفت شروع کر دی۔ چنانچہ اخبار "زمیندار" (۴/ اکتوبر ۱۹۳۲ء) نے لکھا۔

"ہم مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا ان کی غیرت برداشت کر سکتی ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں

کونسل میں بلامقابلہ منتخب ہو جائیں۔ کیا پنجاب میں ایک فقط چوہدری ظفر اللہ خاں ہی بلامقابلہ منتخب ہونے کے لئے رہ گئے ہیں آخر اسلامیان پنجاب اپنے آزمودہ کار خدام کو کیوں نظرانداز کئے بیٹھے ہیں۔ کیا ملک برکت علی' خواجہ عبدالرحمٰن غازی' مولانا مظہر علی اظہر کا کونسل کی نشستوں پر حق نہیں ہے؟ ہم تو چاہتے ہیں کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کے حلقہ انتخاب سے کوئی نائی یا مراثی اٹھے اور انہیں میدان مقابلہ میں ایسی شکست دے کہ قادیانی جیتے جی یاد رکھیں اور ازبسکہ اسلام میں کامل مسلوات ہے اس لئے ہر کلمہ گو مسلمان پر فرض ہو گا کہ وہ چوہدری ظفر اللہ خاں کے حریف کی پوری پوری اعانت کرے"۔ [۷۵]

اس کے بعد اپنی ۷/ اکتوبر ۱۹۳۲ء کی اشاعت میں لکھا۔

"چوہدری ظفر اللہ خاں نے کونسل میں بلامقابلہ انتخاب کی جو توقعات قائم کر رکھی تھیں ان پر "زمیندار" کے پروپیگنڈے کا بے حد اثر ہوا ہے۔ معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے۔ چوہدری ظفر اللہ خاں نے کونسل کی رکنیت کے لئے کھڑے ہونے کے فیصلہ کو سردست معرض التوا میں ڈال دیا ہے۔ معتبر حلقوں میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جماعت احرار کا کوئی رکن چوہدری ظفر اللہ خاں کے حلقہ انتخاب سے کھڑا ہو گا"۔ [۷۶]

"زمیندار" کے اس پراپیگنڈا کے علاوہ احراری ذہنیت رکھنے والے اصحاب کی طرف سے ہر رنگ میں کوشش کی گئی کہ اول تو جناب چوہدری صاحب اپنے حلقہ سے منتخب ہی نہ ہو سکیں یا کم از کم بلامقابلہ منتخب نہ ہو سکیں۔ کسی نہ کسی کو ضرور کھڑا کر دیا جائے لیکن حلقہ سیالکوٹ میں کسی اور شخص کو مقابلہ میں کھڑے ہونے کی جرات نہ ہو سکی اور آپ خدا کے فضل و رحم سے بلامقابلہ منتخب ہو گئے جس پر اخبار "سیاست" ۲۶/ اکتوبر ۱۹۳۲ء نے بعنوان "چوہدری ظفر اللہ خاں کی ہر دلعزیزی و غیر جنبہ داری" کے عنوان سے لکھا۔

"سب نے بیک زبان آپ کی حسن کارگزاری' کمال سیاسی قابلیت اور غیر جنبہ داری کا اعتراف کیا اور آپ کو اپنی نمائندگی کے لئے بہترین شخص قرار دیا۔ واقعی چوہدری صاحب موصوف اس قابل ہیں کہ ان پر اس درجہ اعتماد و اعتبار کیا جائے۔ آپ نے کونسل میں گراں بہا کام کرنے کے علاوہ اہم ترین مواقع پر مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا کماحقہ حق ادا کیا۔ لہٰذا ہم بہ طمانیت تمام جناب چوہدری صاحب کو آپ کی اس شاندار کامیابی پر کہ علی الرغم حسود کوئی شخص آپ کے مقابلہ کے لئے میدان عمل میں نہیں اترا اور آپ کو صحیح معنی میں رائے دہندگان نے منتخب کیا۔ مبارکباد دیتے ہیں"۔ [۷۷]

پونڈری (ضلع کرنال) کے مسلمانوں کی امداد

ضلع کرنال کے ایک قصبہ پونڈری پورہ کے مسلمان ۲/ جون ۱۹۳۲ء کو مذبح تعمیر کر رہے تھے کہ ہندوؤں کے ایک بہت بڑے مسلح مجمع نے تعمیر مذبح کی پاداش میں نہتے مسلمانوں پر حملہ کر کے تین مسلمانوں کو شہید اور تیس کے قریب کو سخت زخمی کر دیا۔ [78] جس پر حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے ڈلہوزی سے بذریعہ تار حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ کو مسلمانوں کی امداد اور اصل واقعات کی تحقیق کے لئے بھجوایا۔ [79] جنہوں نے علاقہ کا دورہ کیا اور صحیح حالات معلوم کر کے افسران بالا کو توجہ دلائی نیز اخبارات کے ذریعہ سے پبلک کو علاقہ کے مظلوم مسلمانوں کی مظلومیت کے صحیح حالات سے آگاہ کیا۔ چونکہ ہندو اخبارات نے اصل واقعات پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ مسلمانوں پر ہندوؤں نے قاتلانہ حملہ نہیں کیا بلکہ مسلمان آپس میں کٹ مرے ہیں اس لئے اخبار "الفضل" نے ۱۴/ جون ۱۹۳۲ء کو ایک نوٹ لکھا جس میں اسے ہندوؤں کی گہری سازش قرار دیتے ہوئے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ پونڈری کے ستم رسیدہ اور تباہ حال مسلمانوں کی دادرسی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ [80]

اس نوٹ کی اشاعت کے دو تین ہفتہ بعد یہ خبر ملی کہ اس قصبہ میں پولیس کی تعزیری چوکی قائم کی جانے والی ہے اور اس کا خرچ وہاں کے اور مضافات کے باشندوں پر ڈالا جائے گا۔ چونکہ خطرہ تھا کہ یہ ٹیکس بے گناہ اور مظلوم مسلمانوں پر بھی عائد کر دیا جائے۔ اس لئے قصبہ کے مسلمانوں نے ڈپٹی کمشنر کرنال کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ ہندوؤں کی قانون شکنی کے باعث تعزیری چوکی کا ٹیکس مسلم آبادی پر نہیں پڑنا چاہئے۔

جب وہاں ہندوؤں کے خلاف مقدمہ چلا۔ تو وہاں کے مسلمانوں نے حضورؓ کی خدمت میں درخواست کی کہ ان کی قانونی مدد کی جائے چنانچہ حضورؓ کے ارشاد کے ماتحت جناب مرزا عبدالحق صاحب پلیڈر گورداسپور وہاں بھجوائے گئے۔ جنہوں نے تقریباً ایک ماہ رہ کر نہایت محنت سے مقدمہ کی پیروی کی۔ جس کے نتیجہ میں ۲۴ کے قریب ملزموں کو سخت سزائیں ہوئیں۔ [81] مسلمانان حصار نے مرزا عبدالحق صاحب احمدی وکیل گورداسپور کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا۔ جنہوں نے بلا فیس عدالت ابتدا ہر [illegible] پیروی کی تھی۔ [82]

پہلا باب (فصل دوم)

مقدمہ بہاولپور

اس زمانے میں مخالفین احمدیت اور احمدیوں میں مقدمات کا سلسلہ جاری تھا۔ مثلاً مقدمہ شاہجہانپور (یو۔پی) برہمن بڑیہ (بنگال) اور بن باجوہ (ضلع سیالکوٹ) کے امراء جماعت کے مقدمات۔ مگر سب سے زیادہ تکلیف دہ مقدمہ بہاولپور میں دائر تھا جس نے بعد کو قومی مقدمہ کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ احمد پور شرقیہ کے ایک شخص الٰہی بخش صاحب نے اپنی بیٹی مسمات غلام فاطمہ کا نکاح عبدالرزاق صاحب (ساکن موضع مہند تحصیل احمد پور شرقیہ) سے کیا۔ عبدالرزاق صاحب احمدی ہو گئے تو الٰہی بخش صاحب نے علماء کی انگیخت سے ۲۴/ جولائی ۱۹۲۶ء کو ریاست بہاول پور میں تنسیخ نکاح کا مقدمہ دائر کردیا۔ کہ مدعیہ اب تک نابالغ رہی ہے اب عرصہ دو سال سے بالغ ہوئی ہے مدعاعلیہ ناکح مدعیہ نے مذہب اہلسنت والجماعت ترک کرکے قادیانی مرزائی مذہب اختیار کرلیا ہے اور اس وجہ سے وہ مرتد ہو گیا ہے اس کے مرتد ہو جانے کے باعث مدعیہ اب اس کی منکوحہ نہیں رہی۔ ۸۳

ڈسٹرکٹ عدالت سے مقدمہ خارج

ڈسٹرکٹ جج نے سماعت کے بعد ۲۱/ نومبر ۱۹۲۸ء کو یہ دعویٰ اس بناء پر خارج کردیا کہ عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاولپور سے اسی قسم کے ایک مقدمہ بعنوان مسماۃ جندوڈی بنام کریم بخش میں باتباع فیصلہ جات عدالتہائے اعلیٰ مدراس ۸۴ پٹنہ و پنجاب یہ قرار دیا جاچکا ہے کہ احمدی مسلمانوں کا ایک فرقہ ہیں نہ کہ اسلام سے باہر اور رکہ احمدی مذہب اختیار کرنے سے کسی سنی عورت کا نکاح اس شخص کے ساتھ جو اس مذہب کو قبول کرے فسخ نہیں ہو جاتا اور رکہ مدعیہ کی طرف سے ان فیصلہ جات کے خلاف کوئی سند پیش نہیں کی گئی۔ ڈسٹرکٹ جج کا یہ حکم عدالت عالیہ چیف کورٹ میں بھی بحال رہا۔ ۸۵

دربار معلیٰ میں اپیل

فریق ثانی نے اس فیصلہ کے خلاف ریاست بہاولپور کی آخر عدالت "دربار معلیٰ" میں اپیل ثانی دائر کردی۔ اس دربار کی ان دنوں ہیئت ترکیبی یہ تھی۔

۱۔ وزیر اعلیٰ ۲۔ وزیر حضوری ۳۔ وزیر مال (ایک انگریز سی۔ ایچ ٹونشن) ۴۔ ہوم ممبر۔

اب جو ریاست بہاولپور کے دربار معلیٰ میں یہ مقدمہ پہنچا تو وزیر اعلیٰ صاحب نے پہلی پیشی میں حکم دیا کہ ریاست کے مفتی (مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ عباسی) تنسیخ نکاح کے دلائل پیش کریں یہ مفتی صاحب اپنے وعظوں اور خطبوں میں احمدیوں کے خلاف لوگوں کو اشتعال دلانے میں خاص شہرت رکھتے تھے۔

دربار معلیٰ کا رویہ

دربار معلیٰ کی اس تجویز پر مدعاعلیہ نے درخواست دی کہ اسے بھی کسی عالم دین کو عدالت میں پیش کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ تا عدالت فریقین کے علماء کے دلائل سن کر صحیح نتیجہ پر پہنچ سکے۔ جناب وزیر اعلیٰ صاحب نے اس سے انکار کر دیا۔ مگر خاص جدوجہد کے بعد مثل مقدمہ پر کئی مواقع پر انہیں یہ نوٹ کرنا پڑا کہ احمدی فریق بھی اپنا عالم پیش کر سکتا ہے۔ لیکن باوجود اس نوٹ کے جب مدعاعلیہ نے اس سلسلہ میں مولوی فضل الدین صاحب کے پیش ہونے کی باقاعدہ درخواست دی تو وہ واپس کر دی گئی۔ تاہم قادیان سے جماعت کے ایک اور عالم مولانا غلام احمد صاحب بدوملہی مولوی فاضل بھیج دیئے گئے۔ ۲۱/ جنوری ۱۹۳۲ء کو "دربار معلیٰ" میں پیشی تھی فریقین مقدمہ کو بلانے سے قبل قریباً پون گھنٹہ تک وزیر اعلیٰ اور مفتی صاحب میں گفتگو ہوتی رہی۔ پھر مدعاعلیہ کو بلا کر وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ تم مفتی صاحب پر اعتراض کرو مدعاعلیہ نے کہا کہ میں بھی اپنی طرف سے کوئی عالم پیش کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے تو وزیر اعلیٰ صاحب نے اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ مگر پھر اس کی اجازت دے دی۔ اس پر جب مولوی صاحب موصوف پیش ہوئے۔ تو وزیر اعلیٰ صاحب نے ان سے بھی یہی کہا کہ مفتی صاحب پر اعتراض کرو۔ مولوی صاحب نے کہا۔ مفتی صاحب کا بیان میرے سامنے نہیں۔ میں کس طرح اعتراض کر سکتا ہوں؟ وزیر اعلیٰ صاحب نے مفتی صاحب کی خود ہی ترجمانی کرتے ہوئے کہا۔ مفتی صاحب کہتے ہیں کہ اب جو شخص کسی نبی کے آنے کا قائل ہو وہ کافر ہے۔ اس پر اعتراض کرو۔ مولوی صاحب نے اس پر مفتی صاحب سے پوچھا۔ کیا وہ اولیاء ابدال اور صوفیاء جو مانتے آئے ہیں کہ نبوت جاری ہے وہ سب کافر تھے؟ اس پر بجائے اس کے کہ مفتی صاحب کوئی جواب دیتے وزیر اعلیٰ صاحب نے کہا کہ یہ طے ہو چکا ہے کہ قرآن سے بات پیش کی جائے گی سلف صالحین کا ذکر نہ ہو گا۔ مولانا غلام احمد صاحب نے کہا بہت اچھا۔ مفتی صاحب بتائیں قرآن کریم میں کہاں لکھا ہے کہ جو کسی نبی کی آمد کا قائل ہو وہ کافر ہے؟ اس پر وزیر اعلیٰ صاحب نے پھر دخل دے کر کہا یہ سوال نہیں بلکہ کسی آیت سے ثابت کرو کہ نبی آسکتا ہے۔ مولوی صاحب نے تین آیات قرآنی پیش کیں۔ مگر تینوں آیتوں کے متعلق وزیر اعلیٰ صاحب انکار کا سر ہلاتے رہے اور جب مولوی صاحب آیات کی تشریح کرنے لگتے تو انہیں روک دیتے۔ آخر مولوی صاحب نے کہا۔ مفتی صاحب!

قرآن میں نبوت کے بند ہونے کا کوئی ثبوت ہے؟ اس کا جواب بھی وزیر اعلیٰ صاحب نے خود ہی دیا۔ اور وہ یہ کہ ہم سن چکے ہیں۔ مولوی صاحب نے جب کہا کہ مجھے بھی سن لینے دیا جائے تو ایک آیت پیش کی گئی۔ لیکن جب مولوی صاحب اس کا صحیح مطلب بیان کرنے لگے تو کہہ دیا اب بس کرو اور چلے جاؤ۔ ۸۶

دربار معلیٰ کی کارروائی

قصہ کوتاہ دربار معلیٰ نے ہائی کورٹوں کے فیصلوں کو مسترد کرتے ہوئے اپنی ریاست کے شیخ الجامعہ مولوی غلام محمد صاحب کو بطور گواہ عدالت طلب کیا اور ان کا یہ بیان درج کیا کہ "اگر کسی شخص کا قادیانی عقائد کے مطابق یہ ایمان ہو کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی آیا ہے اور اس پر وحی نازل ہوئی تو ایسا شخص چونکہ ختم النبوۃ حضرت رسول کریم ﷺ کا منکر ہے اور ختم النبوۃ اسلام کی ضروریات میں سے ہے لہٰذا وہ کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے"۔ اس بیان پر دربار نے یہ رائے ظاہر کی کہ "مولوی صاحب موصوف نے بطور دلائل کئی ایک آیات قرآن شریف پیش کیں۔ جن میں اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا"۔

پھر مقدمہ کو مزید "تحقیقات کا محتاج" قرار دیتے ہوئے لکھا کہ مدعا علیہ کو بھی موقع دینا چاہئے۔ کہ شیخ الجامعہ کے بالمقابل اپنے دلائل پیش کرے اس لئے ہم مزید تحقیقات کے لئے یہ مقدمہ پھر عدالت صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاولپور میں بھیجتے ہیں اور ہدایت کرتے ہیں کہ یہ مقدمہ بروئے شرع شریف فیصلہ کیا جائے"۔ ۸۷

مقدمہ دوبارہ ڈسٹرکٹ عدالت میں

ڈسٹرکٹ جج صاحب اپنے گزشتہ فیصلہ میں صاف لکھ چکے ہیں کہ موجودہ فیصلہ قوانین و آئین کی روشنی میں ہے اگر شریعت کے نقطہ نگاہ سے مقدمہ پر نظر ڈالی جاتی تو ہمارا فیصلہ مختلف ہوتا۔ اس بناء پر مدعا علیہ کے مختار مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ نے عدالت عالیہ کو لکھا کہ جو عدالت پہلے اپنی رائے کا اظہار کر چکی ہے اس میں دوبارہ اسے پیش کرنا صحیح نہیں۔ مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ بہرکیف اس مرحلہ پر یہ مقدمہ ایک نئے دور میں داخل ہو گیا اور فریقین کی طرف سے اس کے لئے زور شور سے تیاریاں شروع کر دی گئیں جیسا کہ "فیصلہ مقدمہ بہاولپور" میں لکھا ہے کہ۔

"واپسی پر اس مقدمہ میں فریقین کے ہم مذہب اور ہم خیال اشخاص کی فرقہ بندی شروع ہو گئی اور تقریباً تمام ہندوستان میں اس کے متعلق ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ اور طرفین سے ان کی جماعت کے بڑے بڑے علماء بطور مختاران فریقین و بطور گواہان پیش ہونے لگے ان کے اس طرح میدان میں آنے

سے قدرتاً یہ سوال عوام کے لئے جاذب توجہ بن گیا اور پبلک کو اس میں ایک خاص دلچسپی پیدا ہو گئی اور ہر تاریخ سماعت پر لوگ جوق در جوق کمرہ عدالت میں آنے لگے۔ چنانچہ عوام کی اس دلچسپی اور مذہبی جوش کو مد نظر رکھتے ہوئے حفظ امن قائم رکھنے کی خاطر پولیس کی امداد کی ضرورت محسوس کی گئی اور عدالت ہذا کی تحریک پر صاحب بہادر کمشنر پولیس کی طرف سے ہر تاریخ پیشی پر پولیس کا خاطر خواہ انتظام کیا جاتا رہا"۔ ۸۸

ڈسٹرکٹ جج صاحب کا رویہ

۲۱/ جون ۱۹۳۲ء کو ڈسٹرکٹ جج بہاولپور (منشی محمد اکبر خان صاحب بی۔ اے ایل ایل۔ بی) نے سماعت شروع کی۔ عدالت نے شیخ الجامعہ کو وہ کچھ دہرانے کے لئے بلایا۔ جو انہوں نے دربار معلیٰ میں کہا تھا اور دو سو کے قریب ان کے ہم خیالوں کو عدالت میں جگہ دے دی گئی۔ لیکن احمدیوں میں اس سے سوائے مدعا علیہ کے باوجود درخواست کرنے کے کسی احمدی کو اندر نہ آنے دیا گیا۔ شیخ الجامعہ نے متواتر تین گھنٹے بیان جاری رکھا۔ بیان کیا تھا بانی جماعت احمدیہ پر سب و شتم کی بوچھاڑ تھی۔ غلط اور بے بنیاد الزامات کا مجموعہ تھا۔ فاضل جج ساتھ ساتھ ہر بات کی تائید کرتے جاتے اور شیخ الجامعہ جو بات بھی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے پیش کرتے اس کے متعلق کہہ دیتے۔ واقعی یہ صریح کفر ہے۔ ایک دفعہ جج صاحب نے مدعا علیہ سے یہ بھی کہا کہ شیخ الجامعہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو یا باہر نکل جا۔ نیز یہ کہ تجھے ان باتوں کو ماننا پڑے گا جو شیخ الجامعہ نے بیان کی ہیں جب مدعا علیہ نے اس سے انکار کیا تو کہہ دیا یہ باتیں صحیح ہیں اور تجھے ماننی پڑیں گی۔ بالآخر شیخ الجامعہ کے طول طویل بیان کی نقل لے کر جرح کرنے کی ہدایت کی۔ نقل لینے پر چونکہ تیس روپے کے قریب خرچ کرنا پڑتا تھا اس لئے مدعا علیہ نے اپنی غربت کا عذر پیش کیا۔ اس پر کہہ دیا گیا پھر مقدمہ کا فیصلہ تمہارے خلاف کر دیا جائے گا۔

عدالت کا یہ رویہ دیکھ کر مدعا علیہ نے انتقال مقدمہ کی درخواست دے دی جو رکھ لی گئی اور کہہ دیا گیا جو کچھ کرنا ہو کر لو۔ اور ۱۴/ جولائی کی تاریخ پیشی مقرر کی گئی۔ اجلاس کے اختتام پر جج صاحب نے پھر کہا کہ کل آکر نقل کی درخواست دے دو اور ۱۴/ جولائی ۱۹۳۲ء کو جرح پیش کرو۔ کوئی زیادہ موقعہ نہ دیا جائے گا۔ قادیان سے دو مولویوں کو شہادت کے لئے خود منگاؤ۔ لیکن تمہارے علماء کو شیخ الجامعہ کے بیان پر جرح کرنے کا کوئی حق نہ ہو گا اس کے بعد مدعا علیہ کو باہر نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ ۸۹

علمائے دیوبند کی شہادتیں اور ان پر جرح

ڈسٹرکٹ عدالت نے فریقین کی شہادتوں کے لئے ۲۰ تا ۲۳/ اگست ۱۹۳۲ء کی تاریخیں مقرر کی تھیں۔ مدعیہ کی طرف سے مولوی سید محمد انور شاہ صاحب سابق صدر المدرسین دیوبند'

مولوی محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند' مولوی سید محمد مرتضیٰ حسن صاحب دربھنگی ناظم تعلیمات دیوبند اور مولوی نجم الدین صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور کی شہادتیں ہوئیں اور مدعا علیہ کی طرف سے علامہ جلال الدین صاحب شمسؓ' مولانا غلام احمد صاحب مولوی فاضل' مولوی عبدالاحد صاحب اور چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹر پیش ہوئے۔ جج صاحب نے چوہدری اسد اللہ خان صاحب کو بیرسٹر ہونے کی وجہ سے مختار ہونا منظور نہ کیا لہذا مولانا شمس صاحبؓ اور مولانا غلام احمد صاحب بدوملہی مدعا علیہ کی طرف سے مختار ہوئے جو ابتدائی پیشیوں تک مختار رہے ازاں بعد جب یہ حضرات بطور گواہ پیش ہونے لگے تو ان کی بجائے شیخ مبارک احمد صاحب فاضل اور مولوی عبداللہ صاحب اعجاز کو یہ خدمت سپرد ہوئی جسے انہوں نے آخر تک نہایت خوش اسلوبی سے نبھایا۔ عدالت کی کارروائی شروع ہونے پر مدعا علیہ کی طرف سے زور دیا گیا کہ جب مقدمہ کا فیصلہ شریعت کے مطابق ہونا ہے تو شریعت کی رو سے ہی شہادتیں بھی لی جائیں۔ پہلے ایک شہادت مدعیہ کی طرف سے ہو اور اس کے مقابل دوسری مدعا علیہ کی طرف سے۔ جج صاحب نے اسے منظور بھی کر لیا۔ مگر فریق مخالف نے جب اصرار کیا کہ پہلے ضروری ہے کہ ہماری تمام شہادتیں ختم ہو جائیں تو جج صاحب نے آخری فیصلہ یہ دیا کہ شہادتیں ضابطہ دیوانی کے ماتحت لی جائیں گی۔ گویا پہلے قدم پر ہی شریعت کو جواب دے دیا گیا۔ [۹۰]

سب سے پہلے مفتی محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند کی شہادت ہوئی۔ جس پر مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ نے لاجواب جرح کی۔ [۹۱]

دوسری شہادت مولوی سید مرتضیٰ حسن صاحب دربھنگی کی ہوئی جو ۲۳/ اگست سے شروع ہو کر ۲۴/ اگست کو ختم ہوئی۔ مولوی صاحب نے اپنی شہادت کے آغاز میں کہا کہ مرزائیوں کا ارتداد اور کفر ایسا واضح اور صریح ہے کہ اس میں کسی ایچ پیچ کی ضرورت ہی نہیں بلکہ ایسے دلائل سے ثابت ہے کہ مطلقاً اس پر جرح نہیں ہو سکتی خواہ مخواہ کوئی جرح میں وقت ضائع کرے تو اور بات ہے۔ [۹۲]

آخر انہوں نے ایک طول طویل بیان دیا۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف بیس وجوہ کفر پیش کئے۔ ۲۴/ اگست کو جبکہ مولوی سید مرتضیٰ حسن خان صاحب کے بیان پر جرح ہونی تھی عوام بہت خوش نظر آتے تھے۔ لیکن جب مولانا غلام احمد صاحب بدوملہی نے (جنہیں ان دنوں مجاہد کے نام سے پکارا جاتا تھا) جرح کر کے ابتداء میں دو چار سوالات کئے تو مجلس کا رنگ ہی بدل گیا۔ اور تمام کمرہ عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ [۹۳]

تیسری شہادت مولوی سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری شیخ الحدیث دیوبند کی تھی۔ جو ۲۵/ اگست

سے شروع ہو کر ۲۷/ اگست کو ختم ہوئی۔ مخالفین کو اپنے علامہ شیخ الحدیث پر بہت ناز تھا۔ اور ان کے مداحوں کا خیال تھا کہ شیخ الحدیث کی شہادت احمدیت کے لئے خطرناک حربہ ثابت ہو گی۔ ان کا شہرہ سن کر پہلے دن تمام سرکاری حکام اور معززین شہر حاضر عدالت ہوئے۔ تا شیخ الحدیث کا بیان اور اس پر جرح سنیں۔ عدالت کا کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ شہادت ختم ہونے پر مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ نے اپنی باطل شکن جرح شروع کی تو شیخ الحدیث کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ علمی کم مائیگی کا یہ عالم ہوا کہ تورات کی مشہور آیت "خداوند سینا سے آیا اور فاران سے طلوع ہوا" کو انجیل کی آیت بتلایا۔ کئی بار پوچھنے پر فرمایا۔ کتاب الفصل میں ایسا ہی لکھا ہے۔ مجھے اس سے زیادہ کچھ علم نہیں۔ اسی طرح ایک مشہور حدیث جس میں حضور سید الانبیاء ﷺ نے اسلام کے پانچ ارکان بیان فرمائے ہیں (یعنی بنی الاسلام علی خمس) شیخ الحدیث زبانی نہ پڑھ سکے حدیث کی کتاب لانے کے لئے اپنے ایک شاگرد کو اشارہ کیا اور سر نیچا کئے فرمایا اس وقت یہ حدیث میرے ذہن سے اتر گئی ہے اور الفاظ حدیث اچھی طرح یاد نہیں رہے۔ آخر مولانا شمسؓ صاحب نے پوری حدیث زبانی پڑھ دی۔ جس کی صحت کا شیخ الحدیث نے کھلی عدالت میں اقرار کیا۔ ۹۴

غرضکہ مولانا شمس صاحبؓ کی جرح نے شیخ الحدیث کی علمی حقیقت کھول دی اور وہ بالآخر نہایت گھبراہٹ کے عالم میں کمرہ عدالت سے باہر تشریف لے گئے۔ ۹۵

جرح کے دوران کا ایک اہم واقعہ

ہم یہاں یہ ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جرح کے دوران ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا۔ کہ مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ نے ایک حدیث سنانا چاہی۔ مگر مخالف علماء نے شور مچا دیا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی توہین ہوتی ہے اس پر عدالت نے بھی حکم دیا کہ یہ حدیث چھوڑ دیں کوئی اور مثال پیش کریں اس پر مولانا شمس صاحبؓ نے کیا جواب دیا اور عدالت کی جانبداری کی وجہ سے کس طرح جرح ترک کرنا پڑی۔ اس کی تفصیل "الفضل" کے نامہ نگار کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

"جج۔ آپ اس حدیث کو چھوڑ دیں کوئی اور مثال پیش کریں۔ شمس۔ کیوں چھوڑ دیا جائے۔ جس پاک شخصیت کے متعلق بحث ہے اسی کی مثال دی جائے گی اور شاہد کی شہادت کو توڑنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مسلمات سے مثال پیش کی جائے۔ جج۔ اس سوال کا تعلق کیا ہے؟ شمس۔ جب ایک بات ایک شخص کے لئے وجہ تکفیر ٹھہرائی جاتی ہے تو وہی بات جب دوسرا کہے تو کیوں وجہ تکفیر نہ قرار دی جائے۔ اگر وہ واقعۃً وجہ توہین ہے۔ مولویان دیوبند۔ نہیں۔ اس سے مسلمانوں کو طیش آتا ہے

اور ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ جج۔ آپ عام پبلک کا خیال رکھیں اور ایسی بات نہ کریں جس سے لوگوں کو طیش آئے۔ شمس۔ میں اس حدیث کو اپنی تائید میں ضرور پیش کروں گا۔ طیش کی کوئی وجہ نہیں ہمیں روزانہ یہاں کافر مرتد کہا جاتا ہے اور مسجدوں کے دروازوں پر گندے اور گالیوں سے پر اشتہار لگائے جاتے ہیں اور ہمارے مقدس امام کو برا کہا جاتا ہے۔ کیا ہمیں طیش نہیں آتا؟ لیکن رسول اللہ ﷺ کی حدیث پیش کرنے پر ان مولویوں کو طیش آتا ہے یہ عدالت کا کمرہ ہے کوئی مسجد یا درسگاہ نہیں یہاں شاہد کی شہادت پر جرح ہو رہی ہے جسے طیش آتا ہے وہ یہاں سے چلا جائے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ جرح کے سوال کو جو گواہ کی شہادت کو کمزور کرتا ہے چھوڑ دیا جائے۔ جج۔ میں اس سوال کو روکتا ہوں۔ شمس۔ جب آپ ہماری جرح کو اس طرح روکتے ہیں تو میں جرح بند کرتا ہوں (یہ کہہ کر مولانا شمسؓ صاحب کرسی پر بیٹھ گئے اور عدالت میں دو تین منٹ تک سناٹا چھا گیا) پھر مجسٹریٹ صاحب نے مولوی انور شاہ صاحب کے مختار سے کہا آپ جو سوالات توضیح کے لئے شاہد سے کرنا چاہتے ہیں کریں۔ اس نے سوال کیا اور انور شاہ صاحب نے جواب دینا شروع کیا۔ جج صاحب لکھنے لگے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد جج صاحب نے شمس صاحب سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ نے مقدمہ کی پیروی چھوڑ دی ہے؟ شمسؓ۔ میں نے مقدمہ کی پیروی نہیں چھوڑی جرح چھوڑ دی ہے کیونکہ عدالت ہماری جرح نہیں سننا چاہتی۔ شاہد جو اس وقت کہہ رہا ہے میں اسے لکھ رہا ہوں"۔ [۹۶]

۵/ نومبر ۱۹۳۲ء کو مقدمہ کی دوبارہ سماعت شروع ہوئی۔ قبل ازیں احمدیوں سے عدالت میں انتہائی غیر منصفانہ اور غیر مساویانہ سلوک ہوتا تھا۔ اور سٹیج پر غیر احمدی رؤساء کو بھی جج کے ساتھ کرسی ملتی تھی۔ مگر جب اس جنبہ داری کا بہت چرچا ہوا تو عدالت میں سٹیج کے ساتھ اینٹوں کا ایک کٹہرا بنا دیا گیا۔

مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کا بیان اور اس پر جرح

۷/ نومبر ۱۹۳۲ء کو مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کا معرکتہ الاراء بیان شروع ہوا۔ [۹۷] جو کئی دنوں تک جاری رہا۔ یہ بیان ایک رسالہ کی صورت میں "مقدمہ بہاولپور" کے نام سے دسمبر ۱۹۳۲ء میں شائع کر دیا گیا تھا جو غیر احمدی علماء کے پاس پہنچ چکا تھا۔ چونکہ دیوبند کے مایہ ناز علماء کو گزشتہ جرح میں مولانا شمس صاحبؓ کے ہاتھوں عبرتناک شکست ہوئی تھی۔ اس لئے ان اصحاب نے اس کا انتقام لینے کے لئے دہلی' دیوبند' اور لکھنؤ وغیرہ مقامات کا دورہ کیا اور مسلسل ساڑھے تین ماہ تک اس بیان پر جرح تیار کرتے رہے۔ [۹۸] مگر اس درجہ تیاری کے باوجود جب یکم مارچ ۱۹۳۳ء کو مقدمہ کی کارروائی پھر شروع ہوئی۔ [۹۹] اور انہیں بیان پر جرح کا موقع ملا۔ تو خدا کے فضل و کرم سے کس طرح انہیں منہ کی کھانا پڑی۔ اس کا اندازہ مولانا کے ان

جوابات سے بآسانی ہو سکتا ہے جو انہی دنوں الفضل میں شائع کر دیئے گئے تھے۔ [۱۰۰]

مولوی عبداللطیف صاحب فاضل دیوبند کی چشمدید شہادت

مولوی عبداللطیف

صاحب فاضل دیوبند کا بیان ہے کہ "۳۳-۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے جب کہ ریاست بہاولپور میں مقدمہ تنسیخ نکاح کے دوران احمدیوں اور دیوبندیوں کے مابین ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں بحث ہو رہی تھی۔ میں بھی یہ بحث سننے کے لئے آیا تھا۔ چونکہ دیر ہو جانے کے باعث میں پیدل تیز تیز جا رہا تھا کہ اچانک پیچھے سے ایک ٹانگہ آ پہنچا جس میں دیوبندی احباب جو میرے پرانے واقف کار اور بعض کلاس فیلو بھی تھے اس میں سوار تھے۔ مواد بحث کے لئے کچھ ارادی کتب لئے وہ بھی ادھر جا رہے تھے چونکہ سلسلہ احمدیہ میں مجھے داخل ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا ان دوستوں کو میرے احمدی ہونے کا علم نہیں تھا۔ مجھے پیدل جاتے دیکھ کر ٹانگہ کھڑا کیا۔ اور مجھ سے پوچھنے پر جب انہیں معلوم ہوا کہ میں بھی ادھر ہی جا رہا ہوں مجھے سوار کر کے ٹانگہ دوڑا کر احاطہ عدالت تک پہنچے۔

جب ہم کمرہ عدالت تک پہنچے تو میں نے اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کا عجیب نظارہ دیکھا۔ کمرہ عدالت میں داخلہ کا دروازہ جو شرقی طرف تھا دیکھا کہ اس کے دائیں طرف احمدیوں کی نشست گاہ ہے اور بائیں طرف احمدیوں کے مقابل فریق ثانی کی۔ داخل ہو کر جب میں داہنی طرف جانے لگا تو دیوبندی دوست میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف لے جانے لگے اور میرے دوسری جانب اصرار کرنے پر کہنے لگے کہ وہ تو مرزائیوں کی جگہ ہے۔ تب میں نے انہیں کہا انا من اصحاب الیمین کہ میں اصحاب الیمین میں شامل ہوں۔ اتفاق دیکھئے نشست گاہ کی ہیئت کذائیہ کی تجویز خود انہیں غیر احمدیوں کے منصوبے سے ہوئی تھی۔ انہوں نے شائد اپنے نقطہ نگاہ سے احمدیوں کو بائیں طرف جگہ دی تھی اور دائیں جانب اپنے لئے منتخب کی تھی۔ کیونکہ عدالت کی جگہ جو مغربی جانب تھی اور جج جو قبلہ کو پیٹھ دے کر بیٹھتا تھا۔ اس کی داہنی طرف کو انہوں نے اپنے لئے باعث فخر اور نیک فال شمار کیا اور احمدیوں کو جج کی بائیں جانب جگہ دے کر گویا اپنے خیال میں ان کی تذلیل کی۔ مگر قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے۔ بوجہ حق سے محجوب ہونے کے ان کے دماغ ایسے کند ہو گئے کہ یہ نہ سوچا کہ یہ ہیئت تو قبلہ کو پیٹھ دینے کی وجہ سے ہے حالانکہ مومن کو تو یہ حکم ہے۔

حیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہٗ۔

عہد حاضر میں بھی جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اجتماع و اتحاد کیلئے ایک امام اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک روحانی مرکز قرار دیا تو اس کی طرف بھی ان میں سے اکثر نے رخ نہ کیا۔ بلکہ پیٹھ ہی

دی۔ جب میں اندر داخل ہوا تو دیکھا محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس کی تقریر ہو رہی تھی اور کمرہ میں ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سامعین ہمہ تن نغمہ سروش کے خمار میں مست تھے۔ جج بھی کرسی عدالت پر محویت کے عالم میں قلم ہاتھ میں تھامے منہ کے قریب لئے محو سماع نظر آیا۔ میں چونکہ احمدیت کے لحاظ سے حدیث العہد تھا۔ (میری بیعت ۱۹۲۷ء کی ہے اس سے پہلے میں نے کسی احمدی کو اپنے مدمقابل کے سامنے تقریر کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان کی تقریر کچھ ایسے رنگ میں تھی جس کا نقشہ قرآن مجید کی ان آیات میں کھینچا گیا ہے۔ جہاں مجاہدین اسلام کے کارناموں کے تذکرے بیان کئے ہیں اور جن میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے دور کی بھی پیشگوئی ہے۔

النازعات غرقا والناشطات نشطا والسابحات سبحا۔

میں نے دیکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فوج کا یہ جانباز سپاہی پورے زور و قوت کے ساتھ دلائل حقہ اور براہین قاطعہ کے پیہم واروں سے مولویوں کے عقائد باطلہ اور ان کے خود تراشیدہ مسائل کی دھجیاں اڑانے میں مستغرق ہے اور ایک ہوشیار ڈاکٹر کی طرح اپنے فن سرجری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان اغلوطات کا اپریشن ایسے عمدہ طریق سے کر رہا ہے۔ اور تنقیحی امور کی تنقید کرتے ہوئے ان عقائد فاسدہ کے پر عفونت مواد خبیثہ کو ایک ایک کر کے ایسے طور پر نکال رہا ہے۔ جیسے لائق سول سرجن کامیاب اپریشن کی صورت میں مریض کے جسم سے تمام غلیظ اور زہریلے مواد نکال کر باہر پھینک دیتا ہے۔ اور کام ایسے پر سکون کیف اور نشاط طبع سے ہو رہا ہے کہ گفتگو میں کسی قسم کی تلخی آنے نہیں پاتی۔ جیسا کہ عموماً مولویوں کی گفتگو میں ہوتی ہے۔ بلکہ نہایت ٹھنڈے دل سے حاضرین بھی نشاط و سرور سے سن رہے ہیں۔ یہ شہسوار میدان تقریر میں اپنے اشہب بیان کو ایسے طور پر چلا رہا تھا۔ گویا اسپ تیز رفتار ہوا میں تیر رہا ہے۔ ("مضامین لطیفہ" صفحہ ۱۸۱ تا ۱۸۴ مرتبہ مولانا عبد اللطیف صاحب۔ مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

مولانا غلام احمد صاحب بدوملہی کا بیان

۱۳/ مارچ ۱۹۳۳ء کو مولانا غلام احمد صاحب بدوملہی کا مدلل بیان شروع ہوا۔ بیان کے شروع ہوتے ہی فریق ثانی نے یہ سوال اٹھایا کہ مرزا صاحب کے ساتھ علیہ الصلوۃ والسلام کے الفاظ کیوں استعمال کئے جاتے ہیں؟ جج صاحب نے بھی ایک حد تک اس کی تائید کی۔ مگر جب مولوی صاحب نے کہا کہ اگر جج کوئی ہندو ہو اور رنگیلا رسول کا لکھنے والا کسی مسلمان گواہ کے متعلق اصرار کرے کہ محمد ﷺ کے ساتھ مت کہو تو کیا جج قانوناً مجاز ہے کہ نہ لکھے یا اس گواہ کو روک دے۔ اگر ایسا نہیں تو ہمیں کیوں روکا جاتا ہے۔ اس نکتہ پر جج نے مجبوراً اپنی رائے بدل لی۔ مولوی صاحب کا اصل بیان ۲۴۰

صفحات پر مشتمل تھا۔ مگر عدالت کے سامنے صرف ۴۹ صفحات میں لکھوایا گیا۔ [۱۰۱] یہ مکمل بیان بعد کو "اظہار الحق" [۱۰۲] کے نام سے شائع کر دیا گیا تھا۔ جسے مولانا بدوملہی صاحب نے نہایت محنت و کاوش سے لکھا تھا اور اس کی ترتیب میں حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری نے گرانقدر تعاون فرمایا۔ اور راہنمائی کی اور ہر مرحلہ پر اپنے قیمتی اور مفید مشوروں سے نوازا۔

۳۱/ دسمبر ۱۹۳۳ء کو مقدمہ کی پیروی کے لئے مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ، مولانا شیخ مبارک احمد صاحب اور مولانا شیخ عبدالقادر صاحب فاضل بہاولپور تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ قیام کے بعد واپس مرکز میں آ گئے۔ ۳/ مارچ ۱۹۳۴ء کو تاریخ پیشی تھی جس میں شمولیت کے لئے مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ اور حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب تشریف لے گئے۔ [۱۰۳] اور مولانا شمس صاحبؓ نے مارچ کے پہلے ہفتہ میں مدعا علیہ کی طرف سے بحث مکمل کر لی۔

مختاران مدعیہ کا رویہ

مختاران مدعیہ [۱۰۴] کی طرف سے خلل اندازی کا سلسلہ ابتداء ہی سے جاری تھا۔ جو بڑی روک کا موجب بنا۔ قدم قدم پر طفلانہ ضدوں اور خفیف حرکتوں کا مظاہرہ ہوتا رہا۔ جس سے بہت وقت ضائع ہوا۔ تاہم مولانا شمس صاحب ۶/ مارچ کو بفضل تعالیٰ خاتمہ بحث تک جا پہنچے۔

مختاران مدعیہ نے دوران بحث میں اشتعال دلانے کا بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اور یہ آخری بحث بھی اس سے خالی نہ رہی۔ جب مختاران مدعیہ کا اپنے اقوال سے انحراف حد سے گزر گیا۔ تو مولانا شمس صاحب نے عدالت کو توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ یہ تو ایسی صورت اختیار کی گئی ہے کہ گویا خدا کے وجود کا یقین ہی نہیں ہے تو مختار مدعیہ بگڑ گئے کہ ہماری ہتک کی گئی ہے۔ اور گویا ہوئے کہ ہمارا یہاں کھڑا ہونا بے کار ہے اور یہ کہہ کر آپ بنچ پر اپنے معاونین کے پاس جا بیٹھے۔ مگر پھر اٹھے اور اپنے ایک ہم خیال مولوی صاحب کو جو عدالت کے کٹہرے کے پاس کھڑے بحث سن رہے تھے پکڑ کر گھسیٹنے لگے کہ چلے آؤ یہاں کھڑے ہونا فضول ہے اور ہٹا کر بنچ پر لے آئے۔ پھر باہر نکل گئے۔ آخر دس منٹ کے بعد پھر خود ہی واپس آ گئے اور بنچ پر بیٹھ گئے۔ پھر بنچ سے اٹھے اور اپنی مقررہ جگہ پر کھڑے ہو گئے اور بدستور الجھنے اور تقریر بحث میں خلل ڈالنے لگے۔ دیکھنے والے حیران تھے کہ آپ گئے کیوں تھے اور گئے تھے تو پھر خود ہی واپس کیوں تشریف لے آئے؟" [۱۰۵]

۷/ مارچ ۱۹۳۴ء کو مولانا شمس صاحبؓ نے جوابی بحث شروع کی۔ [۱۰۶]

۲۸/ اپریل سے پھر مقدمہ کی پیشی شروع ہوئی۔ تو مختار مدعیہ کی طرف سے جواب شروع کیا گیا جو غیر متعلق باتوں کا مجموعہ تھا جن سے مختار مدعیہ کا مقصود جواب کی بجائے صرف بحث کو بے جا طوالت دینا

اور الجھاتا تھا- عدالت ہر روز اسے اس امر کی طرف توجہ دلاتی تھی- کہ اس بے موقعہ اور بے وجہ تطویل کا کیا فائدہ؟ جواب مدعاعلیہ کے رد میں جو کہنا ہو کہو- ۱۰۷

مختار مدعیہ اور مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ

مختار مدعیہ کی اس بحث کی نوعیت کیا تھی اس کا اندازہ لگانے کے لئے حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کے قلم سے مقدمہ کے اس حصہ کی بعض باتیں بطور نمونہ درج کی جاتی ہیں-

بحث کی کیفیت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے بہاولپور سے لکھا- "روزانہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن سے مختار مدعیہ کی خیانت اور جہالت ٹپکتی ہے جن پر عدالت کو توجہ دلائی جاتی ہے- ان میں سے چند باتیں بطور نمونہ پیش کرتا ہوں- مختار مدعیہ- (عدالت کے توجہ دلانے پر کہ بے جا تکرار کو چھوڑ) مختار مدعاعلیہ نے بھی اپنی بحث میں بے جا تکرار کی ہے- شمس- بالکل غلط ہے کوئی ایک ہی مثال پیش کرو- مختار مدعیہ- خاتم النّبیّن کے معنی ایک جگہ تو لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کے عنوان کے ماتحت بیان کئے ہیں اور پھر اسی تفصیل کے ساتھ مسئلہ ختم نبوت کے ماتحت بھی- شمس- اگر ایسا نہ ہوا تو پھر؟ مختار مدعیہ- میں جھوٹا ہوں گا- شمس- نکالو بحث- (انہوں نے بحث نکالی وہاں میں نے صرف حوالہ دیا ہوا تھا کہ چونکہ خاتم النّبیّن کے معنی پر مفصل بحث گواہان مدعاعلیہ اپنے بیان میں کر چکے ہیں اس لئے یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں) شمس- (مختار مدعیہ کو مخاطب کر کے) اب تو تمہارے جھوٹے ہونے میں کوئی شک نہیں- مختار مدعیہ- (عدالت سے مخاطب ہو کر) دیکھو حضور والا! مجھے جھوٹا کہتے ہیں- شمس- انہوں نے خود کہا تھا کہ اگر تکرار ثابت نہ ہو تو میں جھوٹا اور ظاہر ہے کہ تکرار ثابت نہیں ہوئی اس لئے یہ اقراری جھوٹے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں- عدالت نے مختار مدعیہ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا-

(۲) شق القمر کے خسوف ہونے پر میں نے ایک روایت "روح المعانی" سے لکھی تھی جس کے جواب میں مختار مدعیہ نے کہا کہ صاحب روح المعانی پر افترا کر کے اس کی طرف یہ عقیدہ منسوب کر دیا کہ وہ بھی شق القمر کو ایک قسم کا خسوف سمجھتے تھے- شمس- (عدالت کو توجہ دلا کر) یہ میرے جواب سے دکھائیں کہ میں نے کہاں مولف روح المعانی کی طرف یہ عقیدہ منسوب کیا ہے؟ مختار مدعیہ- ابھی دکھاتے ہیں- شمس- دکھاؤ (جب بحث نکالی تو اس میں مولف "روح المعانی" کی طرف یہ عقیدہ منسوب نہیں کیا گیا تھا بلکہ یہ لکھا تھا کہ "روح المعانی" میں ایک روایت موجود ہے جس میں وہی لکھا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں) مختار مدعیہ- دیکھو یہ عبارت بتاتی ہے کہ مولف "روح

المعانی" کا یہ عقیدہ ہے۔ شمس۔ اس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ یہ ان کا عقیدہ ہے یہاں تو اس میں ایک روایت کے موجود ہونے کا ذکر ہے۔ عدالت۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ مولف "روح المعانی" کا عقیدہ ہے۔

(۳) قیامت و حشر پر بحث کرتے ہوئے مختار مدعیہ نے ایک آیت **وما هم منها بخارجين** پڑھی۔ شمس۔ یہ آیت کس پارہ میں ہے؟ مختار مدعیہ۔ (عدالت سے مخاطب ہو کر) ان کے لئے جواب کا موقعہ نہیں یہ کیوں ایسے طور پر دریافت کرتے ہیں؟ شمس۔ کیا تمہارا یہ منشاء ہے کہ قرآن مجید کی طرف بھی اپنی طرف سے آیات منسوب کرتے چلے جاؤ۔...... مختار مدعیہ کے ساتھی بولے کہ خارجین والی آیت قرآن میں ہے۔ شمس۔ **وما هم منها بمخرجين** ہے یا **وما هم بخارجين من النار** ہے "**وماهم منها بخارجين**" تو کہیں نہیں۔

(۴) وحی کی بحث کرتے ہوئے مختار مدعیہ نے کہا کہ آیت **رفيع الدرجات ذوالعرش يلقى الروح من امره** میں مذکورہ صفات خداوندی انتخاب کے ساتھ متعلق ہے نہ یہ کہ وحی ہو گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کفار کا اعتراض بھی نقل کیا ہے۔ **أأنزل عليه الذكر من بيننا**۔ شمس۔ یہ آیت کس سورۃ میں آئی ہے حوالہ دیں؟ مختار مدعیہ۔ (ادھر ادھر جھانک کر) یہاں حافظ صاحب بیٹھے تھے۔

حافظ صاحب۔ (سوچنے کے بعد) سورۃ قمر کی آیت ہے۔ شمس۔ کیا یہ آنحضرت ﷺ کے حق میں ہے؟ مختار مدعیہ۔ (عدالت سے مخاطب ہو کر) یہ ان کے جواب دینے کا موقعہ نہیں۔

شمس۔ جواب نہ دینے کے موقعہ کے یہ معنی نہیں کہ ہم توجہ بھی نہ دلائیں۔ اور تم جو چاہو قرآن مجید کی آیات کو محرف و مبدل کر کے پیش کرتے جاؤ۔ دیکھو یہ آیت سورۃ قمر میں ہے حضرت صالحؑ کی قوم ثمود کا قول ہے اور تم کفار مکہ کا بتا رہے ہو۔

(۵) خاتم النبیین کے معانی بتانے کے لئے مختار مدعیہ نے ایک حوالہ حضرت ملا علی قاری کا پیش کیا تھا اس میں لا نبی بعدی کے معنی صاف طور پر یہ لکھے ہیں کہ **اى لا يحدث بعده نبى** کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہو گا۔ نہ یہ کہ پرانا بھی نہیں آسکتا۔ شمس۔ (عدالت سے مخاطب ہو کر) مختار مدعیہ نے اس میں بھی صریح خیانت سے کام لیا ہے کیا اس کے ساتھ ہی یہ نہیں لکھا کہ "**ينسخ شرعه**" کے ایسا نبی نہ ہو گا جو آپؐ کی شریعت کو منسوخ کرے اس کو چھوڑ دیا اور پہلا حصہ لے لیا۔ کس قدر خیانت ہے۔ مختار مدعیہ۔ یہ ان کے جواب دینے کا وقت نہیں ہے۔ شمس۔ لیکن میں عدالت کو آپ کی خیانت پر توجہ دلا سکتا ہوں"۔ ۱۰۸

عدالت کے اختیار سماعت کا سوال

دوران سماعت مقدمہ مدعاعلیہ نے مدعیہ اور اس کے والد مولوی الٰہی بخش صاحب کے خلاف ۲۳/ اگست ۱۹۳۲ء کو عدالت سب جج صاحب درجہ دوم ملتان میں دعوئ اعادہ حقوق زوجین دائر کر کے عدالت موصوف سے ان ہر دو کے خلاف ۱۷/ جون ۱۹۳۴ء کو ڈگری یکطرفہ حاصل کرلی اور عدالت بہاولپور کے سامنے یہ اہم قانونی عذر پیش کیا کہ عدالت کو اس مقدمہ کے بارے میں اختیار سماعت حاصل نہیں کیونکہ بناء دعوئ حدود ریاست بہاولپور میں پیدا نہیں ہوئی اور نہ مدعاعلیہ کی رہائش عارضی یا مستقل ریاست بہاولپور کے اندر رہوئی ہے۔ دوسرا عدالت برطانیہ سے مدعاعلیہ کے حق میں ڈگری استقرار حق زوجیت برخلاف مدعیہ اور اس کے والد الٰہی بخش کے صادر ہو چکی ہے اس لئے بروئے دفعہ ۱۱ ضابطہ دیوانی عدالت ہذا کو اس کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ دفعات ۱۳۔ ۱۴ ضابطہ دیوانی کے بموجب ڈگری قطعی ہو چکی ہے۔ اور اس کے صادر ہونے کے بعد مقدمہ زیر سماعت ڈسٹرکٹ عدالت بہاولپور میں نہیں چل سکتا۔

اختیار سماعت کے اس اہم سوال پر ۸/ نومبر ۱۹۳۳ء کو عدالت نے تنقیحات ایزاد کیں۔ ۱۲/ جنوری ۱۹۳۴ء کو مدعاعلیہ نے درخواست دی کہ یہ امر بھی زیر تنقیح لایا جائے۔ کہ کیا مدعاعلیہ کی وطنیت ریاست بہاولپور میں واقع ہے مگر ڈسٹرکٹ عدالت نے اسے محض اس بناء پر مسترد کر دیا کہ مدعاعلیہ کی طرف سے اس قسم کا عذر پہلے نہیں اٹھایا گیا۔ [۱۰۹]

مدعاعلیہ نے یکم مارچ ۱۹۳۳ء کو یہ تنقیح قائم کی کہ مدعیہ بوقت ارجاع نالش نابالغ تھی۔ جو ۲۹/ مارچ ۱۹۳۳ء کو خارج کر دی گئی۔ [۱۱۰]

مدعاعلیہ کی وفات کے بعد عدالت کا فیصلہ

مقدمہ کی اس لمبی کارروائی کے خاتمہ کے بعد جبکہ مقدمہ ابھی زیر غور تھا مظلوم احمدی عبدالرزاق صاحب جو ۱۹۲۶ء سے اس مقدمہ میں الجھائے گئے تھے وفات پا گئے۔ جس پر عدالت میں درخواست دی گئی کہ مدعاعلیہ کی موت واقع ہونے کے سبب اب کارروائی ختم کر دی جائے لیکن عدالت چونکہ ریاستی حکام اور اپنے مفتی صاحب کے پوری طرح زیر اثر تھی اس لئے اس نے یہ درخواست بھی رد کر دی اور فاضل جج نے ۷/ فروری ۱۹۳۵ء مطابق ۳/ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ کو ایک طویل فیصلہ سنایا جس میں وہی کچھ بیان کیا جس کی اس عدالت کے عملی رویہ سے توقع تھی۔ یعنی لکھا۔

"مدعیہ کی طرف سے ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کاذب مدعی نبوت ہیں اس لئے مدعاعلیہ بھی مرزا صاحب کو نبی تسلیم کرنے سے مرتد قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا ابتدائی تنقیحات جو ۴/ نومبر ۱۹۲۶ء کو

عدالت منصفی احمد پور شرقیہ سے وضع کی گئی تھی بحق مدعیہ ثابت قرار دی جا کر یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعا علیہ قادیانی عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے...... لہٰذا ڈگری بدیں مضمون بحق مدعیہ صادر کی جاتی ہے کہ وہ تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے اس کی زوجہ نہیں رہی۔ مدعیہ خرچہ مقدمہ ازاں مدعا علیہ لینے کی حقدار ہوگی"۔ [۱۱۱]

"شرع شریف" کی روشنی میں عدالتی فیصلہ اور "ختم نبوت"

فاضل جج نے اپنے طویل فیصلہ میں اپنے ہم مشرب علماء کی تائید و تصدیق میں "شرع شریف" کی روشنی میں جو شرعی محاکمہ فرمایا اس کی بنیاد محض ختم نبوت کے ان معنٰی پر رکھی جو عدالت میں پیش ہونے والے غیر احمدی علماء نے بیان کئے تھے اور جن کی حقیقت احمدی علماء نے اپنے واضح بیانات میں قرآن و حدیث اور اقوال آئمہ سے روز روشن کی طرح واضح کر دی تھی۔ مگر فاضل جج نے انہی علماء کے بیانات کو جن کو مسلمانوں کے بعض فرقے دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے تھے صحیح قرار دیا۔

چنانچہ فاضل جج کے بیان کے مطابق "مدعا علیہ کی طرف سے لغت اور عربی زبان کے محاورات سے یہ دکھلایا گیا۔ کہ لفظ خاتم جب تا کی زبر سے پڑھا جائے تو انگوٹھی یا مہر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اگر زیر سے پڑھا جائے تو اس کے معنی ختم کرنے والا دوسرا مہر لگانے والا ہوتے ہیں اور "خاتم" کا لفظ کمال کے معنوں میں بکثرت استعمال ہوتا ہے اور کہ خاتم کے اصل معنی آخر کے نہیں ہیں اگر آخر کے معنی بھی لئے جائیں تو پھر لازم معنی کہلائیں گے نہ اصل معنے اور جب اصل معنے لئے جا سکتے ہیں تو لازم معنی کیوں لئے جائیں خاتم اگر کہیں آخر کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے تو لازم معنے لے کر کیا جاتا ہے اور جبکہ قرآن مجید میں کوئی ایسا صریح قرینہ موجود نہیں جو لازم معنے لینے پر ہی دلالت کرے تو اس کے باقی سب معنے چھوڑ کر صرف آخر کے معنے میں لینا کسی طرح صحیح نہیں"۔ [۱۱۲]

اس پر فاضل جج نے یہ فیصلہ صادر فرمایا۔ "لیکن مقدمہ ہٰذا میں سوال زیر بحث عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے الفاظ کے معنے یا مراد سے تعلق نہیں رکھتا دیکھنا یہ ہے کہ عقیدہ کس معنی پر قائم ہوا۔ جب مدعا علیہ کے نزدیک خاتم کے معنے (نقل مطابق اصل) آخر کے ہو سکتے ہیں اور عقیدہ بھی تیرہ سو سال تک اس پر قائم رہا ہے تو اب ان الفاظ پر بحث کرنا کہ ان کے معنی آخر کے نہیں بلکہ مہر کے ہیں سوائے ایک علمی دلچسپی کے اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا"۔ [۱۱۳]

اب خاتم کے معنی مہر کو محض ایک "علمی دلچسپی" قرار دینے والے فاضل جج کے فیصلہ کا یہ حصہ ملاحظہ ہو۔

"اس میں شک نہیں کہ خاتم کے معنے مہر دیگر علماء نے بھی کئے ہیں اور حال ہی میں قرآن مجید کا جو ترجمہ مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی کا شائع ہوا ہے اس میں بھی خاتم کے معنے مہر درج ہے اور خاتم النّبیّن کے معنٰی انہوں نے یہ لکھے ہیں کہ مہر ہیں تمام نبیوں پر اور میری رائے میں سیاق و سباق عبارت سے یہی معنی درست معلوم ہوتے ہیں"۔ [۱۱۴]

فاضل جج نے مولوی محمود الحسن صاحب کے جس ترجمہ قرآن کی تائید کی ہے اس کے حاشیہ میں "نبیوں ں کی مہر" کا مفہوم یہ بتایا گیا تھا کہ۔

"جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب و کمالات کا سلسلہ بھی روح محمدی ﷺ پر ختم ہوتا ہے بدیں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ آپ رتبی اور زمانی ہر حیثیت سے خاتم النّبیّن ہیں۔ اور جن کو نبوت ملی ہے آپؐ ہی کی مہر لگ کر ملی ہے"۔ [۱۱۵]

بنابریں فاضل جج کے لئے یہ نکتہ سمجھنا چنداں مشکل نہ تھا کہ جب آنحضرت ﷺ ہی کی مہر لگ کر سب نبیوں کو نبوت ملی ہے تو وہ شخص کیسے مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جا سکتا ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ "اللہ جل شانہ' نے آنحضرت ﷺ کو صاحب خاتم بنایا یعنی آپؐ کو افاضہ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی اسی وجہ سے آپؐ کا نام خاتم النّبیّن ٹھہرا۔ یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے"۔ [۱۱۶]

فاضل جج اور "تعریف نبوت"

پھر ختم نبوت کی وضاحت کے لئے تعریف نبوت کا سمجھنا ضروری تھا فاضل جج نے اپنے محاکمہ میں تسلیم کیا کہ "موجودہ زمانہ میں بہت سے مسلمان نبی کی حقیقت سے بھی ناآشنا ہیں"۔ [۱۱۷] نیز لکھا کہ "مدعیہ کی طرف سے بھی نبی کی کوئی تعریف بیان نہیں کی گئی۔ صرف یہ کہا گیا ہے کہ نبوت ایک عہدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے برگزیدہ بندوں کو عطا کیا جاتا رہا ہے اور نبی اور رسول میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور نبی کے لئے لازمی نہیں کہ وہ رسول بھی ہو فریق ثانی نے بحوالہ نبراس صفحہ ۸۹ بیان کیا ہے کہ رسول ایک انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ احکام شریعت کی تبلیغ کے لئے بھیجتا ہے بخلاف نبی کے کہ وہ عام ہے کتاب لائے یا نہ لائے رسول کے لئے کتاب کا لانا شرط ہے اسی طرح رسول کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے کہ جو صاحب کتاب ہو یا شریعت سابقہ کے بعض احکام کو منسوخ کرے"۔ [۱۱۸]

ان تعریفوں کو تشنہ قرار دیتے ہوئے انہوں نے اپنے طور پر مطالعہ شروع کیا تو انہیں ۔ ایک اور

تعریف کا علم ہوا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"یہ تعریفیں چونکہ اس حقیقت کے اظہار کے لئے کافی نہ تھیں اس لئے میں اس جستجو میں رہا کہ نبی یا رسول کی کوئی ایسی تعریف مل جائے جو تصریحات قرآن کی رو سے تمام لوازم نبوت پر حاوی ہو اس سلسلہ میں مجھے مولانا محمود علی صاحب پروفیسر رندھیر کالج کی کتاب "دین و آئین" دیکھنے کا موقعہ ملا انہوں نے معترضین کے خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے نبوت کی حقیقت یہ بیان کی کہ جس شخص کے دل میں کوئی نیک تجویز بغیر ظاہری وسائل اور نور کے پیدا ہو ایسا شخص پیغمبر کہلاتا ہے اور اس کے خیالات کو وحی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ تعریف بھی مجھے دلچسپ معلوم نہ ہوئی"۔ [۱۱۹]

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مدعیہ کی طرف سے پیش ہونے والے "مستند مشاہیر علماء ہند" اور مولانا محمود علی جیسے روشن خیال پروفیسر جب تسلی نہ کرا سکے تو فاضل جج نے آخر یہ بنیادی مسئلہ "شرع شریف" کے مطابق کس طرح حل فرمایا؟ سو جواب یہ ہے کہ صرف اور صرف ادارہ طلوع اسلام کے علمبردار چوہدری غلام احمد صاحب پرویز کی تحریر سے جن کو آج برصغیر کے بہت سے مسلم علماء سرے سے مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ چنانچہ فاضل جج کا بیان ہے۔

"آخر کار ایک رسالہ میں ایک مضمون بعنوان میکانیکی اسلام از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز میری نظر سے گزرا۔ اس میں انہوں نے مذہب اسلام کے متعلق آج کل کے روشن ضمیر طبقہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے اور پھر خود ہی اس کے حقائق بیان کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں نبوت کی جو حقیقت انہوں نے بیان کی ہے میری رائے میں اس سے بہتر اور کوئی بیان نہیں کی جا سکتی۔ اور میرے خیال میں فریقین میں سے کسی کو اس پر انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں ان کے الفاظ میں ہی اس حقیقت کو بیان کرتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں کہ آج کل کے معقولیت پسندوں کی جماعت کے نزدیک رسول کا تصور یہ ہے کہ وہ ایک سیاسی لیڈر اور ایک مصلح قوم ہوتا ہے جو اپنی قوم کی نکبت اور زبوں حالی سے متاثر ہو کر انہیں فلاح و بہبود کی طرف بلاتا ہے اور تھوڑے ہی دنوں میں انکے اندر انضباط و ایثار کی روح پھونک کر زمین کے بہترین خطوں کا ان کو مالک بنا دیتا ہے۔ الخ" [۱۲۰]

یہ تعریف کہاں تک لوازم نبوت پر حاوی ہے اس کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مقصود صرف اس قدر بتانا ہے کہ دربار معلّیٰ کا مقرر کردہ جج جو "شرع شریف" کی روشنی میں نبوت کا انقطاع یا تسلسل کا "فیصلہ" کرنے کے لئے قلم اٹھاتا ہے اس کا ذہن خود نبوت کی تعریف کے بارہ میں متشکک اور متذبذب ہے اور اپنی نگاہ میں جس تعریف کو "بہترین" قرار دیتا ہے نہ صرف اس کا تصریحات قرآنی سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ایک طرف اس سے تمام انبیاء سیاسی لیڈروں کی صف میں کھڑے کر

دیئے گئے ہیں تو دوسری طرف اس کے نتیجہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام اور دوسرے بہت سے جلیل القدر پیغمبر جنہوں نے اپنی زندگی میں اپنی قوم کو زمین کے بہترین خطوں کا مالک نہیں بنایا۔ اور ہمیشہ غیر ملکی حکومت کی سیاسی اعانت کرتے رہے دائرہ انبیاء سے خارج قرار پاتے ہیں۔

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف کی شہادت اور اس کی حکمت

افسوس ہے کہ یہ فیصلہ ایک ایسی سرزمین میں کیا گیا جہاں حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف جیسے بزرگ کامل گزرے ہیں جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت صاف لفظوں میں فرمایا تھا کہ۔

"فرمودند کہ ہمہ اوقات مرزا صاحب۔ عبادت خدا عزوجل میگذرند یا نماز میخوانند یا تلاوت قرآن میکنند یا دیگر شغل اشغال ے نماید۔ و بر حمایت دین اسلام چناں کمر ہمت بستہ کہ ملکہ زمان لنڈن رانیز دعوت دین محمدیؐ کردہ است و بادشاہ روس و فرانس وغیرہما راہم دعوت اسلام نمودہ است و ہمہ سعی و کوشش او دراین است کہ عقیدہ تثلیث و صلیب راکہ سراسر کفر است بگذارند۔ و توحید خداوند تعالیٰ بگروند و علمائے وقت را بہ بینید کہ دیگر گروہ مذاہب باطلہ راگزاشتہ صرف درپے ایں چنیں نیک مرد کہ اہلسنت و جماعت است و بر صراط مستقیم است و راہ ہدایت ے نماید افتادہ اند و بروئے حکم تکفیرے سازند۔ کلام عربی او بہ بینید کہ از طاقت بشریہ خارج است و تمام کلام او از معارف و حقائق و ہدایت است و از عقائد اہلسنت و جماعت و ضروریات دین ہرگز منکر نیست"۔[۱۲۱]

ترجمہ: حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ (حضرت) مرزا صاحب تمام اوقات خدا تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے ہیں یا نماز پڑھتے ہیں یا تلاوت قرآن شریف کیا کرتے ہیں یا اور شغل و اشغال کیا کرتے ہیں اور حمایت دین اسلام پر ایسے کمربستہ ہیں کہ ملکہ زمان لنڈن کو بھی دین محمدیؐ کی دعوت دی ہے اور بادشاہان روس و فرانس وغیرہم کو بھی دعوت اسلام دی ہے اور ان کی تمام سعی اور کوشش اس میں ہے کہ لوگ عقیدہ تثلیث و صلیب چھوڑ کر جو کفر ہے خدا تعالیٰ کی توحید کو مان لیں اور علماء وقت کو دیکھو کہ تمام مذاہب باطلہ کے گروہ کو چھوڑ کر صرف ایسے شخص کے درپے ہو گئے ہیں جو اہل سنت و جماعت میں سے ہے اور صراط مستقیم پر قائم ہے اور راہ ہدایت دکھلاتا ہے اور اس پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں اس کا عربی کلام دیکھو کہ طاقت بشری سے بالا ہے اور اس کا تمام کلام معارف و حقائق و ہدایت سے پر ہے اور وہ عقائد اہلسنت و جماعت و ضروریات دین سے ہرگز منکر نہیں ہے۔

یہ پاک شہادت اس محترم انسان کی ہے جس کی بزرگی اور تقدس کا ایک جہان قائل و معترف ہے اور ریاست بہاولپور کا ایک بڑا حصہ اس کا معتقد و مرید ہے اور وہ اعلیٰ حضرت نواب صاحب بہاولپور

کے پیر تھے۔ ان کی شہادت حقہ کے محفوظ رہنے میں (جیسا کہ مولانا شمس صاحبؓ نے اپنے بیان کے آخر میں فرمایا) اللہ تعالیٰ کی یہی حکمت تھی کہ ایک دن اس ریاست کی عدالت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کفر و اسلام کا مسئلہ پیش ہونا تھا اس لئے پہلے سے خدا تعالیٰ نے اپنے فرستادہ کی تائید کے لئے یہ سامان پیدا کر دیا کہ اعلیٰ حضرت نواب صاحب بہاولپور کے مقدس پیر کی شہادت جو ہزاروں شہادتوں سے بڑھ کر ہے ان کے سچے مسلمان ہونے پر پیش کی جا سکے۔ اور گواہوں نے جو وجہ تکفیر پیش کرنی تھی کہ وہ ضروریات دین کے منکر ہیں وہی الفاظ خدا تعالیٰ نے حضرت خواجہ صاحب کے منہ سے نکلوائے کہ وہ ضروریات دین کے ہرگز منکر نہیں ہیں۔

فاضل جج کی "شان تحقیق"

فاضل جج کی "شان تحقیق" اور "قوت فیصلہ" کی یہ حیرت انگیز مثال ہے کہ انہوں نے مدعیہ کی طرف سے حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ جیسی بلند پایہ شخصیت کے اس فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی بجائے اس سے انحراف کے لئے عذر یہ تراشا کہ "مرزا صاحب کی ایک تحریر سے جو آپ کی کتاب "انجام آتھم" صفحہ ۶۹ پر درج ہے پایا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب بھی بعد میں مرزا صاحب کے مکفر اور مکذب ہو گئے تھے"۔ [۱۲۲] حالانکہ اسی "انجام آتھم" کے آخر میں حضرت خواجہ غلام فرید صاحب آف چاچڑاں کا مندرجہ ذیل خط بھی موجود ہے جو دعوت مباہلہ کے جواب میں انہوں نے نہایت محبت و عقیدت سے لکھا۔

من فقیر باب اللہ غلام فرید سجادہ نشین الی جناب میرزا غلام احمد صاحب قادیانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب الارباب۔ والصلوٰۃ علیٰ رسولہ الشفیع بیوم الحساب و علیٰ اٰلہٖ والاصحاب والسلام علیکم و علیٰ من اجتھد و اصاب۔ اما بعد قد ارسلت الی الکتاب وبہ دعوت الی المباھلۃ و طالبت بالجواب وانی ان کنت عدیم الفرصۃ ولکن رایت جزء ہ من حسن الخطاب۔ وسوق العتاب۔ اعلم یا اعزا الاحباب۔ انی من بدو حالک واقف علی مقام تعظیمک لنیل الثواب وما جرت علی لسانی کلمۃ فی حقک الا با التبجیل و رعایۃ الاداب۔ والان اطلع لک بانی معترف بصلاح حالک بلا ارتیاب۔ وموقن بانک من عباد اللہ الصالحین وفی سعیک المشکور مثاب۔ واوتیت الفضل من الملک الوھاب ولک ان تسئل من اللہ تعالیٰ خیر عاقبتی وادعو لکم حسن ماب۔ ولو لا خوف الاطناب لازددت فی الخطاب۔ والسلام علیٰ من سلک سبیل الصواب۔ فقط

۲۷/ رجب ۱۳۱۴ھ [۱۲۳] من مقام چاچڑاں"۔ (مہر)

ترجمہ: اس کا یہ ہے۔ تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو رب الارباب ہے اور درود اس رسول مقبولؐ پر جو یوم الحساب کا شفیع ہے اور نیز اس کی آل اور اصحاب پر اور تم پر سلام اور ہر یک پر جو راہ صواب میں کوشش کرنے والا ہو اس کے بعد واضح ہو کہ مجھے آپ کی وہ کتاب پہنچی جس میں مباہلہ کے لئے جواب طلب کیا گیا ہے اور اگر چہ میں عدیم الفرصت تھا۔ تاہم میں نے اس کتاب کی ایک جز کو جو حسن خطاب اور طریق عتاب پر مشتمل تھی پڑھی ہے۔ سوائے ہر یک حبیب سے عزیز تر! تجھے معلوم ہو کہ میں ابتداء سے تیرے لئے تعظیم کرنے کے مقام پر کھڑا ہوں تا مجھے ثواب حاصل ہو۔ اور کبھی میری زبان پر بجز تعظیم اور تکریم اور رعایت آداب کے تیرے حق میں کوئی کلمہ جاری نہیں ہوا۔ اور اب میں مطلع کرتا ہوں کہ میں بلاشبہ تیرے نیک حال کا معترف ہوں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ تو خدا کے صالح بندوں میں سے ہے اور تیری سعی عند اللہ قابل شکر ہے جس کا اجر ملے گا۔ اور خدائے بخشندہ بادشاہ کا تیرے پر فضل ہے میرے لئے عاقبت بالخیر کی دعا کر اور میں آپ کے لئے انجام خیر و خوبی کی دعا کرتا ہوں۔ اگر مجھے طول کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں زیادہ لکھتا۔ والسلام علیٰ من سلک سبیل الصواب۔ من مقام چاچڑاں۔ [۱۲۴]

اس خط کا ذکر بھی مولانا شمس صاحبؓ کے بیان میں وضاحت سے کر دیا گیا تھا بلکہ یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ اعلیٰ حضرت نواب صاحب بہاولپور کی پھوپھی صاحبہ خان عبد الغفور خاں صاحب آف ٹوپی سے شادی شدہ ہیں وہ خود غیر احمدی ہیں مگر ان کے خاوند احمدی ہیں۔

مقدمہ بہاولپور کے حالات و واقعات پر روشنی ڈالنے کے بعد بالآخر یہ بتانا ضروری ہے کہ اس مقدمہ میں حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ اور مولانا غلام احمد صاحب کے بیانات کی تیاری میں حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری نے از حد محنت و کاوش فرمائی اور معاونت کا حق ادا کر دیا۔ اس سلسلہ میں آپ بہاولپور بھی تشریف لے گئے (جیسا کہ ذکر آچکا ہے) اسی طرح مولانا شیخ مبارک احمد صاحب، مولانا شیخ عبد القادر صاحبؓ اور چوہدری محمد شریف صاحب فاضل جو جامعہ احمدیہ سے نئے نئے فارغ التحصیل ہوئے تھے لگاتار ایک ماہ تک بطور معاون مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کے ساتھ مصروف عمل رہے۔

جہاں تک قانونی امداد و راہ نمائی کا تعلق ہے چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹرایٹ لاء کی خدمات ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ [۱۲۵] چوہدری صاحب موصوف حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خصوصی ہدایت پر مقدمہ کی کارروائی میں آخر تک شامل رہے اور اپنے بیش قیمت مشوروں سے بہت مدد

پہنچائی۔

صوفی عبد الغفور صاحب پراچہ ان دنوں ریاست بہاولپور کے پبلسٹی آفیسر تھے اور بہاولپور میں ہی مقیم تھے سلسلہ کے تمام بزرگ اور مبلغین جو مرکز سے مقدمات کی پیروی کے لئے وہاں تشریف لے جاتے تھے ہمیشہ انہیں کے ہاں قیام پذیر ہوتے اس طرح صوفی صاحب تین چار سال تک مسلسل نہایت خندہ پیشانی سے مہمان نوازی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں انتشار اور حضرت خلیفتہ المسیحؓ کی اپیل

ایک ایسے نازک وقت میں جبکہ سیاسی حقوق اور مفاد کے لحاظ سے ہندوستان کے مسلمان امید و بیم کی کشمکش میں مبتلا تھے وسط ۱۹۳۲ء میں یہ افسوسناک واقعہ پیش آیا کہ مشہور مسلمان لیڈر مولانا شفیع صاحب داؤدی نے آل انڈیا مسلم کانفرنس کی سیکرٹری شپ سے کسی بناء پر استعفیٰ دے دیا اور مسلمانان ہند کی اس واحد سیاسی نمائندہ جماعت میں زبردست اختلاف رونما ہو گیا۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اس نازک موقعہ پر مولانا محمد شفیع صاحب داؤدی کو تو یہ مشورہ دیا کہ وہ استعفیٰ واپس لے لیں۔ اور مسلمان لیڈروں سے اپیل کی کہ وہ کوئی نئی پارٹی بنانے سے احتراز کریں۔

حضورؓ کے اس بیان کا مکمل متن حسب ذیل ہے۔

"مسلم کیمپ میں پھوٹ پڑ جانا نہایت درجہ افسوسناک ہے اور مسلم مفاد کے لئے بے حد ضرر رساں ہے میری رائے میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کا مجوزہ جلسہ جو ۳/ جولائی کو منعقد ہونے والا تھا اس کو ملتوی کر دینے کی ضرورت نہ تھی۔ بہتر ہوتا کہ جلسہ کر لیا جاتا۔ اور اس میں طے شدہ مسلم پروگرام کے متعلق التواء کا فیصلہ کیا جاتا۔ اگر اکثریت اس کے حق میں ہوتی تو جلسہ ملتوی کر دیا جاتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ صدر نے التوا کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ آپ نے صرف اس خواہش کا اظہار کیا لہٰذا کوئی وجہ نہ تھی کہ مولانا شفیع داؤدی استعفیٰ دے دیتے۔ مسلمانوں کے لئے بے حد نازک موقعہ ہے لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ بجائے اس کہ کوئی نئی پارٹی بنا کر مسلم مفاد کو نقصان پہنچایا جائے۔ متحد ہو کر کام کریں۔ میں مولانا محمد شفیع داؤدی سے مخلصانہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنا استعفیٰ واپس لے لیں۔ اور اگر وہ بورڈ کا جلسہ منعقد کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ اپنے دلائل کانفرنس میں پیش کریں۔ اس صورت میں انہیں اختیار دیا جائے لیکن اس سے باہر کام کرنا درست نہیں۔ میرا خیال ہے کہ مسلمان اپنے جمود کی وجہ سے نقصان اٹھا رہے ہیں۔ اگر ہمارے مسلم نوجوان دیکھیں گے کہ

ہمارے لیڈر معمولی معمولی بات پر آپس میں جھگڑ رہے ہیں تو وہ باغی ہو جائیں گے اور ناتجربہ کار نوجوان کانگریس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گے اور مسلم مفاد کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا اور مسلم رہنما بندوں اور خدا کے سامنے ذمہ دار ہوں گے۔ نوجوانوں میں بے چینی بڑھ رہی ہے۔ اور قبل اس کے کہ معاملہ بڑھے اس کا انسداد لازمی ہے"۔ [۱۲۶]

اس جگہ یہ بتانا ضروری ہے کہ اس دور میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کے علاوہ آل انڈیا مسلم لیگ، آل انڈیا مسلم یوتھ لیگ اور دوسری تمام مسلمہ سیاسی انجمنوں سے جماعت احمدیہ کے روابط تھے اور ان کے اجلاس میں جماعت کا کوئی نہ کوئی مرکزی نمائندہ ضرور شامل ہوتا تھا۔ [۱۲۷]

آل سکھ پارٹیز کانفرنس کی قرارداد اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اہم بیان

ان دنوں ہندوؤں نے پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں بدلنے لے لئے سکھوں کو اپنا آلہ کار بنا رکھا تھا۔ اور ہندو پریس سکھوں کی تعریفیں کر کے ان کو مسلمانوں کے خلاف فتنہ انگیزی کے لئے مسلسل اکسا رہا تھا اسی کا اثر تھا کہ ۲۴/ جولائی ۱۹۳۲ء کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سمادھ پر سکھوں کی ایک کانفرنس آئندہ دستور اساسی میں سکھوں کی پوزیشن واضح کرنے کے لئے منعقد ہوئی جس میں یہ ریزولیوشن پاس کیا گیا کہ پنجاب میں مسلمانوں کو فرقہ وارانہ آئینی اکثریت نہ دی جائے اور یہ کہ پنجاب کونسل میں سکھوں کو ۳۰ فیصدی نشستیں دی جائیں۔ اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ کہا گیا کہ سکھ اس فیصلے کے خلاف کوئی بات منظور نہ کریں گے نیز ایک کمیٹی بنائی گئی جو سکھوں کے مطالبات پورے نہ ہونے کی صورت میں حکومت کے خلاف اقدام کرے۔ [۱۲۸]

اس نازک موقعہ پر جب کہ سکھوں کی اس قرارداد نے ملکی فضا بہت مکدر کر دی تھی اور مسلمانوں کے قومی مطالبات کو نقصان پہنچنے کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مسلمانوں کو سکھوں کے چیلنج کا جواب دینے کے لئے ایک پنجاب مسلم کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پیش کی۔ چنانچہ حضورؓ نے فرمایا۔

"میں آل پارٹیز سکھ کانفرنس کی قرارداد کے لب ولہجہ پر سخت حیران ہوں۔ میں نے سکھوں اور مسلمانوں کے اتحاد کی ہمیشہ تلقین کی ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ بحالات موجودہ کوئی مسلمان بھی سکھوں کے چیلنج کو قبول کرنے سے انکار کرے گا۔ میں سکھ راہنماؤں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی پوزیشن پر اچھی طرح سے غور کر لیں۔ میرا خیال ہے کہ مرکز میں مسلمانوں کی پوزیشن پنجاب میں سکھوں اور ہندوؤں کے مقابلہ میں بدرجہا بدتر ہے۔ انہیں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ دھمکیوں

سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ اس قسم کی دھمکیاں ہر پارٹی کی طرف سے بآسانی دی جاسکتی ہیں۔

میں اس موقع پر یہ مشورہ دیتا ہوں کہ ایک پنجاب مسلم کانفرنس منعقد کی جائے جس میں تمام اضلاع اور تمام طبقات کے سیاسی و مذہبی نمائندے شامل ہوں اور پھر موجودہ حالات پر غور کرنے کے بعد اپنے آخری اور قطعی فیصلے کو حکومت تک پہنچادیا جائے تاکہ اسلامی مطالبات ہماری خاموشی کے باعث حکومت کی تغافل کی نذر نہ ہو جائیں۔ دنیا کو یہ معلوم ہو جانا چاہئے کہ مسلمان کسی طبقہ کی دھمکی سے مرعوب ہونے کے لئے ہرگز ہرگز تیار نہیں"۔ [۱۲۹]

پہلا باب (فصل سوم)

ہندوستان کا سیاسی فتنہ اور حضرت امام جماعت احمدیہ کی راہنمائی

آل انڈیا نیشنل کانگریس نے (مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچانے اور انگریزی حکومت کے بعد تنہا اقتدار سنبھالنے کی غرض سے) ۱۹۳۰ء میں سول نافرمانی کا جو پروگرام جاری کر رکھا تھا۔ [۱۲۰] اس نے ۱۹۳۲ء میں خطرناک صورت اختیار کرلی اور شورش' بدامنی' انارکزم اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے قیام امن کے لئے متواتر خطبے دیئے اور جماعت احمدیہ کو مسلمانان ہند کے قومی حقوق کی حفاظت و حصول میں ہر ممکن قربانی پیش کرنے کی ہدایت فرمائی چنانچہ حضورؓ نے ارشاد فرمایا۔

"اس وقت یہاں بہت سے فتنے ہیں ایک تو مسلمانوں کی حق تلفی کا سوال ہے اور دوسرے حکومت کے خلاف شورش۔ اس حکومت کو خواہ غاصبانہ ظالمانہ یا غیر ملکی کہہ لو۔ لیکن بہرحال ملک کا انتظام اس کے ہاتھ میں ہے اسے ایسے طور پر تباہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جس سے ملک کے اخلاق بگڑ جائیں اور عام بدامنی شروع ہو جائے اور یہ ایسی باتیں ہیں۔ جن سے ملک کا کوئی حقیقی خیر خواہ آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔

ان دونوں فتنوں کا مسلمانوں کو ہوشیاری سے مقابلہ کرنا چاہئے...... ملک میں قیام امن خدا تعالیٰ کا حکم ہے پس اگر انگریز خود امن نہ بھی قائم کریں۔ جب بھی ہمیں چاہئے کہ اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر بھی اسے قائم کریں۔ اور یہ انگریز کے لئے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم کے لئے اور اپنی اولادوں کو بداخلاقی سے بچانے کے لئے ہے اگر کسی وجہ سے ہم اس فرض سے دستکش ہو جائیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ نادانی کی وجہ سے ہم اپنی اولادوں کو بگاڑتے ہیں۔ اور اس میں انگریز کا نہیں ہمارا اپنا نقصان ہے...... جائز حقوق حاصل کرنے کے لئے ناجائز ذرائع اختیار کرنا کسی صورت میں بھی مناسب نہیں۔ جو قوم جائز ذرائع سے جدوجہد کرتی ہے اور صداقت کے ساتھ اپنے مطالبات منوانا چاہتی ہے ساری دنیا کی حکومتیں مل کر بھی اسے محروم نہیں رکھ سکتیں جو حکومت رعایا کے بیدار جذبات کا لحاظ نہیں کرتی اور اسے خوش رکھنے کی کوشش نہیں کرتی وہ خود بخود تباہ ہو جائے گی اس لئے گھبراہٹ کی کوئی بات نہیں پکٹنگ اور سول نافرمانی وغیرہ تحریکات کا پورے زور کے ساتھ مقابلہ کرو..... کسی سے مت ڈرو یاد رکھو کہ جو انسان سے ڈرتا ہے وہ مشرک ہے..... پس یاد رکھو جس دن تک تم انگریز۔ کانگریس یا

دوسرے مخالفین سے خواہ کس قدر زبردست کیوں نہ ہوں ڈرتے رہو گے اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے۔ بلکہ مشرک رہو گے اور تمہارا ٹھکانہ جنت نہیں جہنم میں ہو گا لیکن جس دن تمہارے دلوں سے فوج، پولیس، مالدار لوگوں اور دوسرے فتنہ انگیز مفسد طبقات کا ڈر اور خوف نکل گیا اور جس دن تم اکیلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کو خوش نصیبی اور موت کو راحت کا پیغام سمجھنے لگے اور نفس کی حفاظت صرف حکم الٰہی کی تعمیل میں کرنے لگ گئے اس دن اور صرف اس دن تم ایمان کے رستہ پر چلنے والے ہو گے"۔

"اس کے علاوہ مسلمانوں کے حقوق کے حصول کا سوال ہے۔ جہاں ہمارا یہ فرض ہے کہ قیام امن کے لئے حکومت کو مدد دیں...... وہاں یہ بھی فرض ہے کہ مسلمانوں کی بھی خدمت کریں جو اس وقت ذلیل ہو رہے ہیں اور حصول حقوق کے لئے ہر قربانی کرنے پر آمادہ ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے فتنہ کو دور کرنے کے لئے راستے رکھے ہیں اور ایسے راستے موجود ہیں کہ بغیر قانون شکنی کے ظالم سے ظالم انسان سے بھی اپنا حق انسان لے سکے بعض قانون ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انہیں نہ مانا جائے مثلاً کوئی حکومت اگر یہ کہے کہ نماز نہ پڑھو تو ہم ہرگز تسلیم نہیں کریں گے..... مکہ والے رسول کریم ﷺ کو عبادت الٰہی سے روکتے تھے۔ اگرچہ آپ اُن کا مقابلہ نہ کرتے لیکن نمازیں برابر پڑھتے تھے اسی طرح تبلیغ ہے اگر حکومت اس سے روکے تو اگرچہ اس کے مقابل پر ہم تلوار نہیں اٹھائیں گے لیکن تبلیغ ضرور کرتے رہیں گے اور ایسے احکام اگر انگریزی حکومت دے تو ہم ضرور اس کی نافرمانی کریں گے لیکن یہاں کوئی ایسا قانون نہیں کہ سول نافرمانی کو جائز سمجھا جا سکے...... ہندوستان کے لئے حقوق طلبی میں ہم کسی سے پیچھے نہیں اگر جائز طور پر حکومت کا مقابلہ کیا جائے تو ہم گاندھی جی کے دوش بدوش کام کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن ناجائز طریق اگر ہمارا بھائی بھی اختیار کرے تو ہم اسے صاف کہہ دیں گے کہ تم بے شک ہمارے بھائی ہو لیکن اس معاملہ میں ہم تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے۔ پس اس امتیاز کو سمجھو اور دونوں فتنوں کا دلیری کے ساتھ مقابلہ کرو...... جس جس رنگ میں کوئی ملک و قوم کی خدمت کر سکے ضرور کرے مثلاً سرکاری ملازم جلسوں وغیرہ میں شامل نہیں ہو سکتے ان کے لئے خدمت کا یہی طریق ہے کہ وہ حکومت کے ذمہ دار ارکان کے سامنے صحیح واقعات رکھ دیا کریں۔ خواہ وہ حالات حکومت کے خلاف ہوں یا پبلک کے۔ میں نے دیکھا ہے پولیس والے جھوٹی رپورٹیں کرتے رہتے ہیں۔ یہ حکومت سے دشمنی ہے چاہئے کہ جو صحیح بات ہو پیش کر دی جائے۔ اس سے کوئی حاکم ناراض نہیں ہو سکتا بلکہ انصاف والا افسر تو اس کی قدر کرے گا۔ باقی لوگ جو ملازم نہیں وہ جائز حقوق کے حصول کے لئے کوشش کریں۔ لیکن ساتھ ہی کانگریس اور انارکسٹوں کا مقابلہ بھی بغیر کسی ڈر اور

لالچ کے کریں اور مسلمانوں کے حقوق حاصل ہونے کے لئے جو خدمت ان سے ہو سکے کرتے رہیں لیکن اس قدر احتیاط ضرور کی جائے کہ جس کام میں ہم شریک ہوں بہ حیثیت جماعت ہوں انفرادی طور پر نہیں اور مالی امداد بھی اسی طرح دی جائے"۔ [۱۳۱]

اس ضمن میں حضورؓ نے احمدیوں کو خاص طور پر اس طرف بھی توجہ دلائی کہ:

"ایک طرف میں کانگریس کو دیکھتا ہوں کہ اس کے اصول اتنے خطرناک اور فساد پیدا کرنے والے ہیں کہ اگر ہم انہیں مان لیں تو بجائے دنیا میں امن قائم ہونے کے فتنہ و فساد پھیل جائے دوسری طرف میں ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو گورنمنٹ کے خیر خواہ کہلاتے ہیں کہ وہ حد درجہ کے لالچی دنیادار خود غرض اور قوم فروش ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ میں کسی قوم کے تمام افراد کو ایسا نہیں سمجھتا۔ اس کے مقابلہ میں کانگریس کے ایک طبقہ کو دیکھتا ہوں کہ اس میں ایثار قربانی اور سچا اخلاص پایا جاتا ہے۔ بے شک کانگریسیوں کے اصول سے مجھے اختلاف ہے لیکن اگر میرے سامنے ذاتی دوستی کا سوال ہو تو میں ایک کانگریسی کو گورنمنٹ کے خوشامدی پر ترجیح دوں گا......... ایک طرف ہمارے اندر ایسا ایثار قربانی اور ملکی محبت کا مادہ ہونا چاہئے جو کانگریسیوں سے بھی بڑھ کر ہو اور دوسری طرف ہمارے اصول وفاداری ایسے پختہ بنیادوں پر قائم ہوں کہ وہ ہر قسم کے خوشامدی لوگوں کے اصول سے بلند ہوں۔ ہمیں گورنمنٹ کے ان خوشامدیوں سے شدید نفرت ہونی چاہئے اور ہمیں کانگریس کے اصول سے بھی شدید نفرت ہونی چاہئے ہمارا معیار اس قدر بلند ہونا چاہئے۔ کہ ہم کسی خدمت کے بدلہ کسی معاوضہ کے طلبگار نہ ہوں اور اپنے ملک کو بدامنی سے بچانے کے لئے کانگرسیوں سے بڑھ کر ایثار اور قربانی سے کام کریں"۔

"میں اگر کانگریسیوں کے مقابلہ کے لئے کہتا ہوں تو کانگریسی اصول کے لحاظ سے ورنہ دوستی کے لحاظ سے میں انہیں بہت بہتر سمجھتا ہوں اور ان کی ذات سے دشمنی رکھنا غلطی سمجھتا ہوں۔ نہ انگریز ہمارے سگے بھائی ہیں۔ نہ کانگریسی سوتیلے بھائی۔ دونوں ہمارے بھائی ہیں......... اور میرے دل میں ہر قوم کے اچھے لوگوں کی عزت ہے چاہے وہ مسلمان ہوں یا ہندو یا انگریز۔ ہاں جو لوگ غلط طریق اختیار کریں۔ ہم ایسے لوگوں کے اس طریق کو برا کہیں گے۔ پس ہمارا کام یہ ہونا چاہئے کہ ہم پیار محبت اور استقلال کے ساتھ ان خلاف آئین تحریکوں کا مقابلہ کریں۔ میں اپنی جماعت کے تمام افراد کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ جہاں کہیں ہوں انارکسٹوں کی تحریک کی نگرانی رکھیں اور یہ کبھی خیال نہ کریں کہ اس کے بدلہ میں گورنمنٹ سے انہیں کیا ملے گا۔ میں تو جب کسی کے منہ سے ایسی بات سنتا ہوں مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ میری کمر ٹوٹ گئی دراصل یہ ہمارا اپنا کام ہے گورنمنٹ نے ملک سے فتنہ و فساد کو

روکنے کے ذمہ داری خود اپنے اوپر لی ہے اور ہم پر فتنہ و فساد کے روکنے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ڈالی ہے"۔ ۱۳۲

صوفی عبد القدیر صاحب نیاز کا سفر بنگال

دہشت پسندوں اور انارکسٹوں کا ایک بہت بڑا اور مضبوط مرکز بنگال تھا۔ لہٰذا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بنگالی مسلمانوں کو اس خوفناک تحریک سے الگ رکھنے اور انہیں سیاست اسلامیہ کے قومی پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے دسمبر ۱۹۳۲ء میں صوفی عبد القدیر صاحب نیاز کو بھجوایا۔ صوفی صاحب نے حضور کی ہدایات کے ماتحت اگست ۱۹۳۳ء تک کام کیا۔ آپ کے مشن میں بعض خاص امور یہ تھے۔

۱۔ بنگالی مسلمانوں کو اردو کے ساتھ مانوس کرنے کی کوشش کی جائے کیونکہ اہل بنگال کو اردو کے مقابل بنگالی زبان سے تعصب کی حد تک پہنچی ہوئی غالیانہ محبت تھی جس کی تلخی اور شدت کو کم کرنا حضور کی دانست میں اس خطے کے مسلمانوں کے سیاسی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے ضروری اور لازمی تھا۔ ۱۳۳

۲۔ مسلمانوں میں سیاسی بیداری اور شعور پیدا کیا جائے۔ مسلمان ملازمین کی حق تلفی کا ازالہ کیا جائے اور مسلمانوں کو خاص ملازمتیں دلوانے میں مدد دی جائے۔

۳۔ ان تمام تحریکوں کا مقابلہ جو ملکی امن برباد کرنے والی ہوں جس کی بعض صورتیں یہ ہو سکتی تھیں۔

(الف) قیام امن کے لئے ان لوگوں سے کام لیا جائے جن کا ابتداء ہی سے حکومت سے کوئی علاقہ نہیں۔

(ب) ایک مسلم کور کی تشکیل کی جائے جس کا کام فوجی ٹریننگ، میلوں اور جلسوں اور کھیلوں کا انتظام ہو۔ اسی طرح بچوں کی بازیابی اور آگ بجھانے کی خدمت بھی اس کے سپرد ہو۔ کور کے ہر ممبر کو کوئی پیشہ سکھانے کی کوشش کی جائے اور شادی بیاہ، میلہ، ولادت اور عید الاضحیہ اور تنخواہ کی ترقی کے مواقع پر فنڈ جمع کیا جایا کرے۔

(ج) انارکزم کا مقابلہ کرنے والوں کو ابھارا جائے۔

(د) معین انارکسٹوں کے دوستوں میں سے ممبروں کی تلاش کی جائے۔

(ھ) سکول کے امتحانوں کے پرچے دیکھے جائیں کہ آیا استاد لیاقت پر نمبر دیتے ہیں یا باغیانہ خیالات کی بناء پر۔

(و) دیکھا جائے کہ کون کون سے استادوں کے گھروں پر طالب علم جاتے ہیں وہ استاد اکثر باغیانہ خیالات کے محرک ہوں گے۔

(ز) انارکسٹوں یا ان کے مداحوں کے خیالات کو بحث مباحثہ کے ذریعہ سے معلوم کرکے ان کے اعتراضوں اور ان کی دلیلوں کو جمع کیا جائے تاکہ ان کا رد ہمفلٹوں یا لیکچروں کے ذریعہ سے کیا جائے۔

(ح) مذہب کی طرف توجہ دلاکر بھی اس کامقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

۴- چٹاگانگ میں زیادہ سے زیادہ مسلمان عہدیداروں کو جمع کرنا۔

۵- مندرجہ بالا کام پہلے ایک ضلع میں شروع کیا جائے۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی اس تفصیلی سکیم کے پیچھے کیا روح کار فرما تھی اس کا اندازہ حضور کے ایک مکتوب (مورخہ ۱۳/ جولائی ۱۹۳۳ء) سے بآسانی لگ سکتا ہے جو حضور نے صوفی صاحب کو ان کی مفصل رپورٹوں پر تحریر کیا تھا فرمایا۔

"کام کے متعلق میری یہ ہدایت تھی کہ آپ بڑے آدمیوں کو چھوڑ دیں ان سے صرف اتنا تعلق رکھیں کہ وہ آپ کے کام میں روک نہ بنیں لیکن آپ کی رپورٹوں سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جگہ پر آپ مسلمان لیڈروں سے زیادہ ملتے اور ان کی امداد کے خواہش مند رہتے ہیں مگر ہر جگہ پر آپ کے تجربے سے ہی ثابت ہوا کہ مسلمان لیڈر بالکل مردہ ہیں ان میں زندگی کی روح باقی نہیں اور احمدیت سے ان کو اس حد تک تعصب ہے کہ وہ بنگالی مسلمانوں کی تباہی کو خوشی سے برداشت کرنے کو تیار ہیں لیکن اس امر کے لئے تیار نہیں کہ احمدی ان کی مدد کریں یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اگر بنگال کے مسلمان جلد بیدار نہ ہوئے تو ان کی حالت ریاستی مسلمانوں سے بھی بدتر ہو جائے گی۔ جب اتنی بڑی قیامت مسلمانوں کے سامنے نظر آتی ہے تو ہم صرف لیڈروں کا منہ تکتے ہوئے خاموش بیٹھے نہیں رہ سکتے"۔

احمدیہ کور ہندوستان میں حالات جس سرعت سے تغیر پذیر ہو رہے تھے ان کا تقاضا تھا کہ مسلمانوں کی بہبود، خدمت خلق اور احمدی نوجوانوں میں تنظیمی روح پھونکنے کے لئے ہر قسم کے آئینی ذرائع بروئے کار لاتے ہوئے کوئی موثر نظام عمل تجویز کریں تا بدلے ہوئے حالات میں ملک و قوم کی بہتر خدمت کر سکیں۔ اس اہم قومی ضرورت کے ماتحت پیر اکبر علی صاحبؓ نے مشاورت ۱۹۳۲ء (منعقدہ ۲۵ تا ۲۷/ مارچ) میں یہ تجویز پیش کی کہ ایک احمدیہ والنٹیر کور بنائی جائے۔ اور کوشش کی جائے کہ احمدی نوجوان اس کور میں داخل ہوں اس تحریک کو کلی طور پر منظم کیا جائے اور جلسوں کے انتظام اور دیگر رفاہ عام کے کاموں میں ان سے مدد لی جایا کرے اس کور کا فائدہ یہ ہو گا کہ بچوں میں فوجی

سپرٹ پیدا ہونی شروع ہو جائے گی۔ جلسوں اور رفاہ عام کے کاموں میں تنظیم سے نوجوان کام کریں گے۔ اور اس سے بہت فائدہ ہو گا۔ [۱۲۴]

نمائندگان جماعت کی بحث و تمحیص اور استصواب رائے کے بعد حضورؓ نے احمدیہ کور بنانے کی اجازت دے دی اور اس کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ میں فیصلہ صادر فرمایا۔

"میں اس تجویز کو اتفاق رائے کے مطابق منظور کرتا ہوا بعض خیالات ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس تجویز کو ہم دو نقطہ نگاہ سے دیکھ سکتے ہیں ایک وقتی اور سیاسی حالات کے ماتحت اور یہ بہت محدود نقطہ نگاہ ہے کیونکہ وقتی اور سیاسی حالات بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن جب یہ حالات پیدا ہوں۔ تو ان کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ ایسے حالات ہیں جن کو کسی صورت میں نظرانداز نہیں کر سکتے اور وہ مستقل تربیت کی ضرورت ہے جس سے کبھی کوئی جماعت مستغنی نہیں ہو سکتی نیک خاندانوں میں شریر اور شریر خاندانوں میں نیک لوگ پیدا ہو جاتے ہیں نوجوانوں کو خطرہ میں پڑنے سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی صحیح طور پر تربیت کی جائے۔ مگر اس میں دقت یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں جوش ہوتا ہے کہ نوجوانوں کی تربیت کریں ان کے سامنے نہ لڑکے ہوتے ہیں اور نہ لڑکوں کے جرائم۔ نہ لڑکوں کی نیکیاں ہوتی ہیں اور نہ ان کی غلطیاں۔ ایک جماعت کا مقامی امیر اپنی جماعت کے لڑکوں کی تربیت کر سکتا ہے مگر لڑکوں کی برائیاں اور نقائص اس کے سامنے نہیں آتے۔ اگر ہر جگہ والنٹیر کور بنالیں (اور یہ کام ایک ماہ یا ایک سال میں نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے ایک لمبے عرصہ اور مسلسل کوشش کی ضرورت ہے) تو اس سے یہ فائدہ ہو سکتا ہے کہ ایک وقت میں جماعت کی تربیت کی طرف نگاہ رکھنے والے آدمیوں کے سامنے سارے نوجوان آجایا کریں گے اور وہ ان کو نصائح کر سکیں گے۔ مذہبی اور اخلاقی وعظ کیا جا سکے گا۔ گویا اس طرح تربیت اور نصائح کرنے کے مواقع زیادہ ملنے لگ جائیں گے۔ اس کے علاوہ ایک دوسرے کے ذریعہ نگرانی بھی کرائی جا سکے گی۔ جب کسی لڑکے کے متعلق شکایت ہو کہ اس میں یہ نقص ہے تو کور کے افسر کے ذریعہ اس کی اصلاح آسانی سے کرائی جا سکتی ہے کیونکہ وہ اپنے ماتحت لڑکے کی نگرانی کر سکتا ہے اور دوسرے لڑکوں کے ذریعہ نگرانی کرا سکتا ہے۔ عام طور پر یہ نگرانی اس لئے نہیں کی جا سکتی کہ اپنے طور پر جب ایک لڑکا دوسرے لڑکے کو دوست بنائے گا تو اپنے ہی رنگ کے لڑکے کو بنائے گا۔ یعنی بدمعاش لڑکا بدمعاش کو ہی دوست بنائے گا لیکن کور میں اس کے اختیار میں نہ ہو گا کہ جس سے چاہے دوستی کرے۔ بلکہ کور کا افسر جسے چاہے گا۔ اس کا ساتھی مقرر کر دے گا اور اس طرح آوارہ لڑکوں کو شریف لڑکوں کے سپرد کر کے ان کی نگرانی

اور اصلاح کرائی جاسکتی ہے پھر لڑکوں میں آوارگی کی وجہ بے کاری اور کوئی شغل نہ ہونا بھی ہوتی ہے لیکن کوریں بنا کر جب انہیں ایک کام میں مشغول کر دیا جائے گا۔ تو وہ آوارگی سے بچ جائیں گے اور اچھے کاموں میں انہیں لگا کر ان کے اوقات کو مفید بنایا جاسکتا ہے اور جب وہ نیکی کا کام کریں گے تو ان کے دل میں امنگ اور خوشی پیدا ہوگی۔ نیکی کے کاموں کی طرف توجہ ہوگی۔ ان کے کرنے میں فخر اور خوشی کی روح پیدا ہو جائے گی۔ اس طرح دینی کاموں میں بھی ان سے مدد لی جاسکتی ہے اور ان کی حیثیت کے مطابق ان کو قومی کاموں میں حصہ لینے کا موقعہ دے کر ان میں قومی کام کرنے کی روح پیدا کی جاسکتی ہے جس کا اثر ان کی آئندہ زندگی پر پڑے گا۔ روحانیت ہر شخص کو ہی خود بخود حاصل نہیں ہو جاتی بلکہ بہت لوگوں کو تربیت کے ذریعہ ہی حاصل ہوتی ہے۔ دماغ میں شیطانی اور روحانی جنگ جاری رہتی ہے آخر میں جس کا غلبہ ہو جائے انسان ویسا ہی بن جاتا ہے لیکن ایک حصہ تربیت کے متعلق ہے اس کے ذریعہ انسان شیطانی غلبہ سے بچ سکتا ہے۔

پھر عارضی ضرورتوں کی وجہ سے بھی اس قسم کے انتظام کی ضرورت ہے۔ بدقسمتی سے ملک میں یہ احساس پیدا کیا جارہا ہے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ یہ روح نہایت گندی ہے مگر پیدا ہو گئی ہے۔ میں گزشتہ سال جب سیالکوٹ گیا تو وہاں ایک جلسہ میں ہم پر پتھر برسائے گئے اور سوا گھنٹہ تک برسائے گئے۔ ہماری جماعت نے ان پتھروں کا کامیاب مقابلہ کیا۔ تاہم معلوم ہوا کہ ابھی اور زیادہ تربیت کی ضرورت ہے اگر مکمل تربیت ہو تو ہماری جماعت کے لوگ زیادہ عمدگی سے کام کر سکتے ہیں۔ ایسے حالات میں چونکہ مخالف اس طرح بھی ہمیں نقصان پہنچانا چاہتا ہے اس لئے ایسے انتظام کی ضرورت ہے اور ہم خدا کے فضل سے ایسے منظم والنٹیر کور بنا سکتے ہیں کہ ہم سے سو سو گنی تعداد رکھنے والے لوگ بھی ویسے نہیں بنا سکتے۔ پس ہمیں اس قسم کا انتظام کرنا چاہئے۔ اور یہی ضروری نہیں کہ اپنے جلسوں کا ہی انتظام کیا جائے بلکہ ایک آریہ بھی اگر تقریر کر رہا ہو اور کوئی اس میں دخل انداز ہو تو کور کے والنٹیر کا فرض ہوگا کہ اسے روکیں"۔ [۱۳۵]

یہ تھے وہ اہم اغراض و مقاصد جن کے پیش نظر احمدیہ کور کا قیام عمل میں لایا گیا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے کور کی سرپرستی منظور کر لی اور اس کا ناظم و افسر حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ اور اس کے نوجوانوں کا نام "عباد اللہ" تجویز کیا گیا۔ صدر انجمن احمدیہ نے فیصلہ کیا کہ انجمن کے تمام کارکن والنٹیر کور کے ممبر ہوں گے۔ اور مہینہ میں کم از کم ایک دن اپنے فرائض منصبی کور کی وردی میں ادا کریں گے۔ ایسے کارکن جن کی عمر ۳۵ سال سے زائد ہو انہیں اجازت دی گئی۔ کہ وہ تمام پریڈوں میں شامل نہ ہوں بلکہ صرف ہفتہ میں معائنہ سامان کی پریڈ

میں شامل ہوا کریں۔ بیرونی جماعتوں کے امراء اور پریذیڈنٹوں کو بحیثیت عہدہ مقامی کور کا افسر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ اور سیکرٹری اور دیگر عہدیدار بلالحاظ عمر کور کے ممبر قرار پائے۔[۱۲۶]

۳/ جولائی ۱۹۳۲ء کو احمدیہ کور اور اس کی پہلی ٹریننگ کلاس کے انعقاد کی نسبت مشاورتی کمیٹی ہوئی جس میں درج ذیل فیصلے ہوئے۔

قادیان کے مدارس کے طلباء کی نسبت قرار پایا کہ کلاس میں شامل ہونے والوں کو تمام ریکروٹی کورس ختم کرایا جائے۔ نیز کوشش کی جائے کہ رائفل کلب کا لائسنس مل جائے تو چاند ماری بھی سکھائی جاسکے۔

ہیئت نظام: بیرونی جماعتوں میں احمدیہ کور کے قیام کے متعلق مندرجہ ذیل باتوں کا فیصلہ ہوا۔

۱۔ احمدیہ کور کا دستہ (SECTION) سات آدمیوں کا ہوگا۔ ایک سربراہ دستہ اور چھ والنٹیر۔

۲۔ چار دستوں کو ملا کر ایک پلاٹون یا گروپ بنایا جائے اور پھر چار پلاٹون ملا کر ایک کمپنی ہوگی۔

۳۔ چونکہ ہماری جماعت کے افراد تھوڑی تھوڑی تعداد میں مختلف مقامات میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور کسی ایک جگہ شاید ہی کمپنی بن سکے۔ اس لئے فیصلہ ہوا کہ حسب تعداد جماعت دستے یا پلاٹون اور کمپنیاں قائم کی جائیں اور پھر قریب قریب کے دستوں اور پلاٹونوں کو ملا کر کمپنیاں بنا دی جائیں۔

ٹریننگ: کور کے والنٹیرز کی سکھلائی کے متعلق حسب ذیل تجویز ہوئی۔

(۱) مارچ اور ڈبل مارچ افسر کی نگرانی کے ماتحت ہفتہ میں ایک بار (۲) لاٹھی فائٹنگ اور گتکا ہفتہ میں دو دفعہ (۳) معائنہ سامان اور پی۔ ٹی ہفتہ میں ایک دفعہ (۴) باقاعدہ فوجی نظام کے طرز پر پہرا مہینہ میں ایک دفعہ (۵) اپنی پلٹون میں مل کر کام کرنا مہینہ میں ایک دفعہ (۶) کمپنی میں کام کرنا سال میں ایک دفعہ (۷) تمام کور کی ریلی سال میں ایک دفعہ۔

والنٹیرز کو تحریک کی جائے کہ وہ غلیل (اور اگر اجازت ہو تو تیر کمان اور تلوار بھی) رکھیں۔ یہ صرف تحریک ہوگی لازمی امر نہ ہوگا۔

سامان: (۱) ایک سوٹی پانچ فٹ ۷ انچ لمبی (۲) رسی ۳/۱ انچ موٹی ۱۵ فٹ لمبی (۳) سکاوٹ چاقو (۴) قرآن شریف (۵) کشتی نوح۔

وردی: (۱) پولیس ٹائپ جوتی یا بوٹ (۲) جراب (۳) نکر خاکی (۴) قمیص خاکی (۵) پگڑی خاکی۔ قمیص نصف آستین کی ہوگی جس کا کالر سبز ہوگا۔ نیز آستین کا کنارہ سبز۔ آنے والے اصحاب یہ وردی خود بنوا کر نہ لائیں بلکہ یہاں بنوائی جانی چاہئے گی۔ تاکہ ایک طرز کی بن سکے اور پھر احباب اپنے اپنے مقامات

پر جا کر اس کے مطابق بنوائیں۔

عہد: والنٹیر کور کے لئے یہ اقرار ہوگا "میں خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اقرار کرتا ہوں کہ (۱) جو فرائض خدا اس کے رسول اور خلیفہ وقت کی طرف سے مجھ پر عاید ہیں۔ میں تا مقدور انہیں سر انجام دینے کی کوشش کروں گا۔ (۲) ملک میں نہ صرف خود امن سے رہوں گا بلکہ حتی الوسع دوسروں کو بھی اس کی تحریک کروں گا اور بغاوت و بدامنی کا ہمیشہ مقابلہ کروں گا۔ (۳) باہمی مقدمات تنازعات اور فسادات سے ہمیشہ اجتناب کروں گا۔ (۴) مسلمانوں سے خصوصاً اور دیگر بنی نوع انسان سے عموماً ہمدردی کروں گا۔ (۵) احمدیہ والنٹیر کور کے قواعد و ضوابط کی ہمیشہ پابندی کروں گا"۔ [۱۳۷]

حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کی نگرانی میں یکم ستمبر ۱۹۳۲ء کو صبح سات بجے تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی گراؤنڈ میں احمدیہ کور ٹریننگ کلاس کا آغاز ہوا۔ جس میں بہت سے مقامی نوجوانوں کے علاوہ بیرونی جماعتوں سے بھی تیس کے قریب نوجوان شریک ہوئے۔ [۱۳۸] یہ کلاس ۳۰/ ستمبر ۱۹۳۲ء کو ختم ہوئی۔ [۱۳۹] یکم اکتوبر کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ڈلہوزی سے تشریف لائے تو کور نے حضور کا فوجی طریق پر شاندار استقبال کیا۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کی خصوصی توجہ کی بدولت ٹریننگ کا یہ پہلا عملی مظاہرہ اس قدر عمدہ اور خوش کن تھا کہ کور کا کام دیکھ کر خیال بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ یہ ایک ماہ کی سکھلائی کا نتیجہ ہے۔ احمدیہ کور کے نوجوان اس وقت خوشنما وردیوں میں ملبوس اپنا سبز رنگ کے کپڑے کا خاص جھنڈا لئے ہوئے تھے۔ جھنڈے کے درمیان منارۃ المسیح دائیں طرف اللہ اکبر اور بائیں طرف عباد اللہ کے الفاظ لکھے ہوئے تھے جو والنٹیر کا اصل نام تھا۔ [۱۴۰] ایک قابل ذکر بات یہ تھی کہ قواعد سے متعلق تمام احکام انگریزی کی بجائے اردو میں دیئے جاتے تھے۔ انگریزی کے فوجی الفاظ کا اردو جامہ پہنانے کا کام بھی حضرت صاحبزادہ صاحبؓ ہی نے سرانجام دیا۔ [۱۴۱] اور "احمدیہ کور" کے نام سے اردو احکام کا ایک کتابچہ بھی بعد کو شائع فرمادیا۔

احمدیہ کور کے تنظیمی اصول و مقاصد یعنی قیام امن، مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت اور بنی نوع انسان کی عمومی فلاح و بہبود وغیرہ بالکل واضح تھے۔ مگر ہندو پریس نے اسے ایک خفیہ انقلابی تحریک سے تعبیر کیا۔ چنانچہ اخبار "ملاپ" (لاہور) نے ۱۰/ جون ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں لکھا۔

"گورنمنٹ کو بھی اور عوام کو بھی احمدیوں کی فوج کی طرف ضرور متوجہ ہونا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ یہ فوجی تیاریاں بظاہر چاہے کچھ کہیں لیکن اپنے اندر اصلی غرض و غایت کیا رکھتی ہیں"۔ [۱۴۲]

ہندوؤں کے اس پروپیگنڈا کو مجلس احرار اسلام نے خوب ہوا دی۔ اور اسے حکومت کو جماعت احمدیہ کے خلاف ابھارنے کے لئے ایک کامیاب حربہ کے طور پر استعمال کیا۔

اچھوت اقوام کی حفاظت کے لئے حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی اپیل

گاندھی جی نے بڑودہ جیل سے سر سیموئیل ہور وزیر ہند کے نام ۱۱/ مارچ ۱۹۳۲ء اور مسٹر میکڈانلڈ وزیر اعظم برطانیہ کے نام ۱۸/ اگست ۱۹۳۲ء کو خط لکھا کہ میں نے گول میز کانفرنس میں کہہ دیا تھا کہ میں زندگی بھر اچھوتوں کو جداگانہ نیابت نہ حاصل ہونے دوں گا۔ چونکہ حکومت نے "کیمونل ایوارڈ" کے ذریعہ اپنے طریق کار کا اعلان کر کے اچھوتوں کے لئے جداگانہ انتخاب تجویز کیا ہے اس لئے میں ملک معظم کی حکومت کو مطلع کرتا ہوں کہ میں ۲۰/ ستمبر ۱۹۳۲ء سے زندگی کے آخری سانس تک برت رکھوں گا صرف پانی پیوں گا۔ اور اسی طرح جان دے دوں گا۔ میری جیل سے رہائی بھی اس پر اثر انداز نہیں ہو سکے گی۔ [۱۶۳] وزیر اعظم نے جواب دیا کہ گورنمنٹ کا فیصلہ قائم ہے اور صرف ہندوستان کے مختلف فرقوں کے درمیان سمجھوتہ ہی اس کی جگہ لے سکتا ہے۔

دراصل اچھوت اقوام کو ہندوؤں میں جذب کرنے کا یہ ایک نیا حربہ تھا جسے اچھوت اقوام کے مسلمہ لیڈر ڈاکٹر امید کرنے "سیاسی کرتب" سے موسوم کیا۔ اور اعلان کیا کہ میں جداگانہ انتخاب کسی قیمت پر بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ [۱۶۴] اسی طرح مسٹر آر۔ ایل بسواس (جنرل سیکرٹری آل انڈیا اچھوت فیڈریشن) نے بیان دیا کہ گاندھی جی کا مرن برت ہرگز جائز نہیں۔ جب ہندوؤں نے خود اپنی قوم کو ذات پات کے صدہا امتیازات میں تقسیم کر رکھا ہے تو حکومت کو ہندو قوم کے انتشار کا ذمہ دار گردانا سراسر بے سروپا اور بے معنی ہے۔ [۱۶۵] علاوہ ازیں اچھوتوں نے اپنے ہزاروں کے اجتماع میں قرارداد منظور کی کہ گاندھی جی کی فاقہ کشی کے ذریعہ مرجانے کی دھمکی اچھوتوں کو فریب دینے کے لئے ایک سیاسی حربہ ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ ہمیں ابدالاباد تک ہندوؤں کی اونچی جاتیوں کا زرخرید غلام بنا دیا جائے۔ [۱۶۶]

سر محمد اقبال نے مرن برت کی نسبت کہا کہ فاقہ کشی کی موت نامردی کی علامت ہے اگر مجھے یہی صورت پیش آتی تو بجائے حکومت کو دھمکی دینے کے اپنی قوم کو مجبور کرتا کہ فلاں تاریخ تک اچھوتوں کے ساتھ مذہبی اور معاشرتی مساوات شروع کر دو ورنہ جان دے دوں گا۔ [۱۶۷]

سر محمد یعقوب نے کہا کہ اعلیٰ ذات کے ہندو اگر گاندھی جی کی جان بچانا چاہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ مندروں کے دروازے اچھوتوں کے لئے کھول دیں۔ [۱۶۸]

ہندوؤں نے مرن برت کے خلاف یہ ہیجان پایا تو بمبئی میں ہندوؤں اور اچھوت لیڈروں کی کانفرنس منعقد کرنے کا اہتمام کیا۔ ڈاکٹر امید کرنے کانفرنس کے پہلے روز ۱۹/ ستمبر ۱۹۳۲ء کو تقریر کی کہ

اگرچہ فرقہ وارانہ فیصلہ کے بعد اچھوتوں کے جداگانہ نیابت کے سوال پر کسی قسم کی بحث نہیں ہو سکتی تاہم میں مسٹر گاندھی سے گفت و شنید کرنے کے لئے تیار ہوں جب میں نے لنڈن میں مطالبہ کیا تھا کہ اچھوتوں کے لئے آئینی طور پر جداگانہ نیابت دے دی جائے۔ تو مسٹر گاندھی میرے سب سے بڑے مخالف تھے لہٰذا اب مسٹر گاندھی کا یہ فرض ہے کہ وہ یہ بتائیں کہ وہ اچھوتوں کو کیا کچھ دینے کے لئے تیار ہیں۔ [۱۴۹]

عین اسی روز جبکہ اچھوت لیڈر نے مندرجہ بالا اعلان کیا۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی طرف سے یہ بیان بذریعہ تار جاری کیا گیا کہ "گاندھی جی کے اعلان پر ہندو جو جذباتی اپلیں کر رہے ہیں اگر اچھوت ان سے متاثر ہو گئے تو اس کا انجام ان کی کامل تباہی ہو گا یہ مسائل چند مندروں کے دروازے اچھوتوں پر کھول دینے سے حل نہیں ہو سکتے۔ اس سے تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ابھی تک ہندو فی الواقعہ انہیں ناپاک سمجھتے ہیں۔ بمبئی کے ہندو دھمکیاں دے رہے ہیں کہ اگر اچھوت ہمارے ساتھ متفق نہ ہوئے تو انہیں پچھتانا پڑے گا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی ذہنیت میں تاحال کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ وہ ادنیٰ اقوام کے خیالات اور نقطہ ہائے نگاہ میں بنوک شمشیر تبدیلی کرانا چاہتے ہیں میرے خیال میں ہندوؤں کو تمام اپلیں صرف گاندھی جی سے کرنی چاہئیں۔ جو خودکشی کا اقدام کر کے نہ صرف ہندو لاء کی نافرمانی اور اپنی اہنسا کی تعلیم کی خلاف ورزی کر رہے ہیں بلکہ تمام مذاہب کے قوانین کو بھی توڑ رہے ہیں ان کے فیصلہ کے صرف یہ معنی ہیں کہ اب انہیں خدا پر بھروسہ نہیں اور اس قدر مایوس ہو چکے ہیں کہ دنیا میں رہنا نہیں چاہتے۔

اچھوت اقوام کے لئے یہ سخت نازک موقعہ ہے وہ اپنی خواہشات کو دوسروں کے لئے قربان کرنے کے عادی ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ اپنی تاریخ کے اس نازک ترین موقعہ پر بھی وہ جذبات اور دلائل میں تمیز نہ کر سکیں گے"۔ [۱۵۰]

حضرت اقدسؓ نے اپنے بیان میں جس خدشہ کا اظہار فرمایا تھا وہ صحیح ثابت ہوا چنانچہ پونا میں ۲۴ / ستمبر کو ہندو لیڈروں نے ڈاکٹر امبید کر کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا۔ جو برطانیہ کے وزیراعظم نے منظور کر لیا اور گاندھی جی نے فاقہ کشی ترک کر دی۔

حادثہ بڈھلاڈا (ضلع حصار) اور جماعت احمدیہ کی خدمات جلیلہ

مشرقی پنجاب کے اضلاع حصار، رہتک، کرنال اور گوڑگاؤں میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اس لئے ہندو اکثریت ان کو تباہ کرنے کے لئے اندر ہی اندر خوفناک تیاریوں میں مصروف تھی۔ ہندوؤں کی اس خفیہ سازش کا پہلا نشانہ پونڈری

کے مسلمان بنے اس کے بعد انہوں نے ۱۱/ اکتوبر ۱۹۳۲ء کی رات کو بڈھلاڈا (ضلع حصار) کے مسلمانوں پر بھی یورش کر دی۔ اور چند منٹوں میں سولہ مسلمان مرد عورتیں اور بچے گولیوں کا شکار ہوئے جن میں سے سات شہید اور نو زخمی ہو گئے۔ عین اسی وقت جبکہ بڈھلاڈا کے مسلمانوں کو بہیمانہ طور پر ختم کیا جا رہا تھا بندوقوں سے مسلح ہندوؤں نے تلونڈی کے آٹھ مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ [151]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ان خونچکاں واقعات کی اطلاع اور مسلمانان بڈھلاڈا کی درخواست پر صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔اے کو تحقیقات کے لئے بھجوایا۔ جنہوں نے ایک مبصر کی حیثیت سے نہایت محنت و عرقریزی کے ساتھ پیش آمدہ حالات کی چھان بین کی اور اس سازش کو پایہ ثبوت تک پہنچا دیا۔ جو ایک عرصہ سے ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف نہایت منظم طور پر کر رکھی تھی۔ [152] صوفی صاحب کی مکمل تحقیقات الفضل ۲۷/ نومبر ۱۹۳۲ء (صفحہ ۷-۱۰) میں شائع کر دی گئی جس سے مسلمانان پنجاب کو پہلی بار صحیح اور مکمل واقعات کا علم ہوا۔ صوفی صاحب نے اپنے قیام کے دوران میں ایک اہم کام یہ بھی کیا کہ وہاں مسلمانوں کی تنظیم کے لئے ایک مسلم ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی۔ جس کے صدر اور سیکرٹری بڈھلاڈا کے بعض اہل علم مسلمانوں کو مقرر کیا۔

صوفی صاحب کے بعد مرکز کی طرف سے بعض اور اصحاب بھی بھجوائے گئے۔ اور بالآخر چوہدری مظفرالدین صاحب بی۔اے بنگالی روانہ کئے گئے جنہوں نے اس علاقہ میں قریباً ایک سال تک قیام کیا۔ افسروں سے ملاقات اور خط و کتابت کر کے مسلمانوں کی مدد کی اور اصل واقعات منظر عام پر لانے کے لئے متعدد مضامین لکھے۔ چوہدری مظفرالدین صاحب نے مسلمانان حصار کی تنظیم میں بھی دلچسپی لی اور ان کی اقتصادی بہبود کے لئے بھی کوشش کرتے رہے اور جہاں ان کے جانے سے قبل بڈھلاڈا میں مسلمانوں کی خورد و نوش کی ایک دکان بھی موجود نہ تھی۔ وہاں ان کی تحریک پر پانچ چھ دکانیں کھل گئیں اور وہ مسلمان جو دہشت زدہ ہو گئے تھے اور ہندوؤں کی چیرہ دستیوں سے سہمے ہوئے تھے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے لگے۔ [153] اور وہ ہندو اور سکھ افسر جو اس فتنہ کے پشت پناہ تھے تبدیل کر دیئے گئے۔ قبل ازیں ہندو افسر حصار کے مسلم طبقہ کے خلاف کس درجہ انتقامی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ اس کا اندازہ حصار کے معزز غیر احمدی مسلمانوں کی مندرجہ ذیل چٹھی سے بآسانی لگ سکتا ہے۔ جو انہوں نے ۲۶/ جون ۱۹۳۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں بھجوائی اور جس پر حضور کی ہدایت کے مطابق احمدی نمائندہ نے حکومت پر مسلمانوں کا معاملہ ایسے طریق پر واضح کیا کہ اسے ظالم افسروں کے خلاف موثر اقدام کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا۔

۲۶/۶/۳۳۔ جان محمد آنریری سیکرٹری زمیندارہ بنک حصار
بنام سیدنا بحضور حضرت خلیفہ صاحب ایدہ اللہ بنصرہ العزیز۔

السلام علیکم۔ عرض ہے کہ مسلمانان ضلع حصار کی دکھ بھری داستان کا ایک نیا واقعہ حضور کے پیش کر کے امیدوار ہوں کہ...... توجہ فرما کر حضور عالی فوری امداد فرمادیں گے۔ قبل ازیں واقعہ بڈھلاڈا کی نسبت حضور کی خدمت عالی میں عرض کیا گیا تھا۔ جس پر جماعت احمدیہ کی جانب سے اس کی...... پوری پوری امداد ہوئی جس کی نسبت ضلع ہذا کی مسلم آبادی مشکور و ممنون ہے۔

حضور کو معلوم ہو گا کہ ہندو مہا سبھا کی سفاکانہ تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہندوؤں نے انبالہ ڈویژن خصوصاً ضلع حصار کو اپنی آماجگاہ بنایا ہوا ہے۔ انبالہ۔ رہتک۔ کرنال وغیرہ دیگر اضلاع ڈویژن ہذا کے مسلمان اسی ضلع کے جاندار اور سمجھدار ہیں اس لئے ہندو جنون کے پیروؤں نے اب اپنی تمام توجہات ضلع حصار پر ڈال دی ہے نیز اسی جگہ اعلیٰ ہندو افسران اندریں بارہ ان کی کھلم کھلا امداد و معاونت کر رہے ہیں۔ اور...... ان مسلمانوں کو نفاق کے ذریعہ لڑا لڑا کر ان کو تباہ و برباد کیا جا رہا ہے۔

غرض کہ مسلمانان ضلع کی ہر طرح سے خراب و خستہ حالت کے سامان مہیا کر دیئے گئے ہیں جس کی وجہ سے یہاں کی مسلم آبادی کی حالت وہی ہے جو بنی اسرائیل کی حضرت موسیٰؑ کی بعثت سے قبل فرعون کے زمانہ میں تھی یا مسلم آبادی کشمیر کی آج سے چند روز پہلے۔ ان خطرناک۔ برباد کن حالات کی موجودگی میں یہاں کے مسلمانوں کی حالت قابل رحم ہے۔ جس پر میرے چند احباب و مسلم پبلک کی جانب سے ہدایت ہوئی ہے کہ حضور کی خدمت میں عرض کیا جاوے کہ اندریں بارہ توجہ فرما کر ہماری فوری امداد فرمائی جاوے۔ دستخط جان محمد صاحب' مولوی محمد شریف صاحب بی۔ اے ایل ایل۔ بی وکیل حصار۔ خان عزیز الحسن خاں صاحب حمزائی بی۔ اے ایل ایل۔ بی وکیل"۔ ۱۵۶

چوہدری مظفر الدین صاحب کا بیان

حادثہ بڈھلاڈا سے متعلق ------ واقعات کا ایک اجمالی خاکہ قارئین کے سامنے رکھنے کے بعد اب ہم چوہدری مظفر الدین صاحب بی۔ اے کا ایک بیان درج کرتے ہیں۔ جس میں اس اہم واقعہ کی بعض تفصیلات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"بڈھ لاڈا ایک مشہور منڈی ضلع حصار میں ہے جہاں مذبح تھا جس سے تمام پنجاب کے ملٹری کنٹونمنٹ میں گائے کا گوشت سپلائی ہوتا تھا۔ ہندوؤں نے سازش کی کہ مسلمان قصابوں کے بعض لیڈروں کو ختم کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے ڈاکوؤں کے ایک گروہ سے ساز باز کر کے ان کے تین

سرغنوں کو اس کام کے لئے تیار کر لیا اور ایک روز تین آدمی بندوقوں سے مسلح ہو کر مسجد قصاباں موضع بڈھلاڈا میں پہنچے اور جو مسلمان بھی ملا اسے گولی مار دی۔ اس طرح تقریباً سولہ مسلمانوں کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا گیا۔ جن میں سے سات جاں بحق ہو گئے اور جو زندہ بچے ان میں سے بعض ہمیشہ کے لئے بے کار ہو گئے۔

اس واقعہ سے مسلمان اتنے ڈر گئے کہ کئی روز تک گھروں میں بند رہے اور ان میں سے بعض چوری چھپے حصار اور لاہور پہنچے اور حصار کے افسروں اور لاہور کے اخبار والوں کو اس واقعہ کے بارے میں مطلع کیا اور یہ بھی بتایا کہ مسلمانوں نے اس سازش کے بارے میں اگرچہ قبل از وقت حصار کے ہندو ڈپٹی کمشنر اور سکھ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو باقاعدہ اطلاع دی تھی۔ لیکن انہوں نے اس بارہ میں کوئی قدم نہ اٹھایا۔ اخباروں میں حادثہ بڈھلاڈا کی خبریں شائع ہوئیں تو ڈپٹی کمشنر کے حکم پر بڈھلاڈا کے مسلمان محلہ میں تعزیری چوکی بٹھادی گئی اور پولیس کے اخراجات بھی مسلمانوں پر ڈالے گئے۔ جس پر حصار کے بے کس مسلمان پنجاب کے مسلمان لیڈروں کے پاس پہنچے اور دادرسی کی کوشش کی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا آخر بڈھلاڈا کے دو ایک ہوشیار اور صاحب علم اصحاب نے ایک روز مسجد میں سب کو اکٹھا کر کے کہا کہ اگر زندگی چاہتے ہو۔ تو جو کچھ ہم کہیں گے اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ انہوں نے کہا کیا کرنا ہے۔ انہوں نے جواب دیا ہم ایسے لیڈر کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں جس کے متعلق ہمیں یقین ہے کہ وہ ہمارا ہاتھ بھی بٹائے گا اور ہمیں کامیابی بھی ہو گی۔ اس کے بعد خطیب مسجد اور دوسرے عالموں کو مخاطب کر کے یہ قسم لی کہ کوئی مذہبی اختلاف پیدا نہیں کرے گا۔ سب حاضرین نے اس کا اقرار کیا جس پر انہوں نے حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں بذریعہ تار اپنی دادرسی کے لئے درخواست کی حضور نے از راہ کرم مکرم جناب صوفی عبدالقدیر صاحب کو بھیجا۔ جنہوں نے وہاں جا کر حالات کا جائزہ لیا۔ اور حضور کی خدمت میں رپورٹ پیش کی۔ اس اثناء میں ہندوؤں نے اصل واقعہ دبا دیا۔ اور محض ایک ڈاکو کی رپورٹ کر کے آخری تحقیقات مکمل کر دی۔ جماعت احمدیہ کی کوشش سے افسران بالا تک معاملہ پہنچایا گیا۔ تو یہ جواب ملا کہ مسلمان اپنا کیس خود ہی صحیح رنگ میں پیش نہیں کر سکے۔ اس ضمن میں یہ بھی قابل ذکر بات ہے کہ صوفی صاحب بڈھلاڈا میں ایک مسلم ایسوسی ایشن قائم کر آئے تھے اور انہیں یہ ہدایت دے آئے تھے کہ آئندہ جو کام کیا جائے وہ ایسوسی ایشن کے نام سے کیا جائے۔ اس ایسوسی ایشن کے صدر نے یکے بعد دیگرے مختلف خطوط اور تار بھجوانے شروع کر دیئے جس پر حضور نے ہدایت دی کہ خاکسار (مظفرالدین) کو بڈھلاڈا بھجوایا جائے چنانچہ حضرت اقدس سے ہدایات حاصل کرنے کے بعد عید الفطر کے دوسرے روز آدھی رات کو

بڈھلاڈا پہنچ گیا اور منڈی کی مسجد میں (جو ہندو آبادی سے گھری ہوئی تھی اور پر خطر جگہ پر تھی) قیام کر لیا اس کے بعد صورت حالات کا جائزہ لیا اور حصار جا کر مسٹر حمزائی' چوہدری محمد شریف صاحب وکیل۔ مسٹر جلال الدین صاحب بیرسٹر اور مسٹر راجہ حسن اختر آئی۔ ایس۔ سی سے ملاقات کی ان لوگوں نے بتایا کہ کیس خراب ہو گیا ہے اور معاملہ دبا دیا گیا ہے لیکن خدا کے فضل سے جلد ہی مسلمانوں کو ہمت دلانے کی کوشش میں میرے لئے پہلا موقعہ پیدا ہو گیا۔ اور وہ یہ کہ زیر دفعہ ۱۰۷ بہت سے مسلمان اور چند ہندوؤں کے خلاف مقدمہ قائم کیا گیا تھا۔ اور یہ کیس مسٹر حسن اختر ہی کے پاس تھا۔ اور ان ہی کی عدالت میں زیر سماعت تھا۔ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور ایدہ اللہ کی دعاؤں کی برکت سے راجہ حسن اختر صاحب مقدمہ کی سماعت بڈھ لاڈا کے ڈاک بنگلہ میں کرنے کے لئے رضامند ہو گئے۔ سماعت کے دن ہندوؤں کی طرف سے ایک بیرسٹر اور ایک وکیل آئے اور مسلمانوں کی طرف سے کوئی بھی پیش نہ ہوا۔ صرف صدر صاحب مسلم ایسو سی ایشن نے درخواستیں لکھیں اور ہر ایک کی ضمانت کے لئے اپنے میں سے کوئی نہ کوئی آدمی کھڑا کر دیا۔ مسلمانوں کی سب ضمانتیں راجہ صاحب نے منظور کر لیں اور کسی پر اعتراض نہ کیا۔ اس کارروائی کا اثر مسلمانوں پر بہت ہی اچھا پڑا۔ اس کے بعد کچھ مضامین میں نے انگریزی میں لکھ کر لاہور کے اخبارات کو بھجوائے جو "ایسٹرن ٹائمز" اور اخبار "سیاست" اور دیگر اخبارات میں شائع ہوئے۔ قادیان سے بھی برابر کوششیں جاری رہیں۔ اور مناسب کارروائی اس ضمن میں ہوتی رہی اور تھوڑے ہی دنوں کے اندر سکھ سپرنٹنڈنٹ پولیس کی تبدیلی ہو گئی اور اس کی جگہ ایک یوروپین ایس پی حصار میں آگیا۔ جس سے میری ملاقات ہی بڈھلاڈا کی تعزیری چوکی کے بارے میں ہوئی میں نے کہا کہ مسلمانوں پر ہی ظلم ہو اور ان پر ہی یہ پولیس بٹھائی جائے اور پھر اخراجات بھی انہیں سے وصول کئے جائیں یہ بہت بڑی زیادتی ہے۔ چنانچہ ایس۔ پی کی تحقیقات کے بعد یہ پولیس وہاں سے ہٹالی گئی۔ مسلمان محلہ میں بہت خوشی منائی گئی اور ان کے حوصلے بلند ہو گئے۔

اس کے کچھ عرصہ بعد جب فضا خوشگوار معلوم ہوئی میں نے گتکا اور کبڈی کی تحریک کی اس پر مسلمان محلہ کے نزدیک کھلے میدان میں یہ دونوں کھیل شروع ہو گئے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف افسران بالا کو رپورٹ کر دی اور پولیس کے ذریعہ خفیہ تحقیقات شروع ہو گئی لیکن ثابت نہ ہو سکا کہ یہ کسی تنظیم کی طرف سے باقاعدہ تحریک ہے۔ پھر میں نے مسلمانوں کو حوصلہ دلا کر دکانیں کھولنے کی بھی تحریک کی جو کامیاب ہوئی۔ بڈھ لاڈا میں چونکہ کوئی احمدی نہ تھا۔ اس لئے میں ہر جمعہ مانسہ جایا کرتا تھا جہاں مسٹر محمد علی صاحب بی۔ اے' ایل ایل۔ بی کے مکان پر نماز جمعہ ہوتی تھی۔ اسی جگہ میری پٹیالہ اسٹیٹ کے ایک مخلص احمدی پولیس انسپکٹر سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے بڈھ لاڈا کے

مسلمانوں کی مدد کرنے کے لئے عرض کی اور اس کا طریق یہ بتایا کہ پٹیالہ میں بہت سے ڈاکو پناہ گزین ہیں آپ کوشش کر کے کوئی ایک ڈاکو پکڑ والیں اور اس کے ذریعہ سے بڈھ لاڈا میں واردات کرنے والے ڈاکوؤں کا سراغ لگائیں۔ خدا کی شان چند ماہ بعد ایک ڈاکو ان کے ہاتھ آ گیا جس سے واردات کرنے والے تینوں ڈاکوؤں کے ٹھکانوں کا پتہ چل گیا چنانچہ مناسب وقت پر تینوں گرفتار کر لئے گئے ایک ڈاکو جوان کا سردار تھا۔ گولی لگنے سے مر گیا۔ باقی دو زخمی حالت میں پکڑ لئے گئے اور جنگل میں ان سے بہت سا اسلحہ اور گولیاں وغیرہ برآمد ہوئیں۔ اس طرح بڈھ لاڈا کیس جو پہلے عملاً ختم ہو چکا تھا۔ پھر دوبارہ زندہ ہو گیا۔

مختصر یہ کہ عدالت میں دونوں کو موت کی سزا ہوئی۔ میں سپرنٹنڈنٹ سے ملا اور سازش کرنے والے ہندوؤں پر مقدمہ چلانے کی درخواست کی انہوں نے پنجاب کے قانون دانوں سے مشورہ کیا جنہوں نے تمام رپورٹ ملاحظہ کرنے کے بعد اگرچہ تسلیم کیا کہ یہ سازش ہے لیکن کہا کہ مقدمہ سازش چلانے کے لئے ثبوت کافی نہیں اس لئے کوشش یہ کی جائے کہ سازش کو تسلیم کیا جائے لیکن ضروری ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ ملتوی کر دیا جائے اور ملزموں کے خلاف قتل کا مقدمہ چلا کر سزا دلوائی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اس عرصہ میں یعنی بڈھ لاڈا کی رہائش کے چھ سات مہینہ کے بعد حصار شہر کے نزدیک ایک گاؤں میں اسی طرح فساد ہو گیا جس طرح بڈھ لاڈا میں ہوا تھا اور بہت سے مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ میں حصار پہنچا اور واقعہ کے صحیح حالات معلوم کئے اور ایک مفصل مضمون اخبارات کے لئے لکھا یہ مضمون انگریزی اور اردو اخبارات میں چھپا۔ اس مضمون میں علاوہ واقعہ بیان کرنے کے میں نے یہ بھی ثابت کیا کہ وہاں ایک متوازی گورنمنٹ قائم ہے جو ڈپٹی کمشنر کے علم میں ہے۔ ڈپٹی کمشنر نے اس کا اثر زائل کرنے کے لئے ڈسٹرکٹ مسلم ایسوسی ایشن کا ایک اجلاس بلایا اور کوشش کی کہ یہ ریزولیوشن پاس کروا لیا جائے کہ حصار میں بالکل امن و امان ہے بڈھلاڈا مسلم ایسوسی ایشن کے صدر نے مجھے تار دیا میں رہتک سے حصار پہنچا اور شائع شدہ مضمون کے حق میں ایک مناسب ریزولیوشن تیار کیا جو اجلاس میں پاس ہو گیا۔ یہ ریزولیوشن اخبارات میں شائع ہوا اور افسران بالا کے علاوہ گورنر صاحب کو بھی اس کی ایک کاپی بھیجی گئی۔ گورنر صاحب نے ڈپٹی کمشنر کو لکھا کہ میں حصار آ رہا ہوں لیکن کوئی ایڈریس قبول نہیں کروں گا البتہ میمورنڈم دیا جا سکتا ہے چنانچہ میں نے مسلم ایسوسی ایشن کے ممبران سے مل کر ایک میمورنڈم تیار کیا اب اس کے چھپوانے کا مسئلہ پیش ہوا۔ وقت بہت کم تھا۔ اور حصار میں کوئی پریس بھی نہ تھا اس لئے ایسوسی ایشن کے سیکرٹری اور دوسرے ارکان نے مجھ سے درخواست کی

کہ میں خود یہ کام سرانجام دوں۔ چنانچہ میں فوراً دہلی روانہ ہو گیا۔ امیر جماعت احمدیہ دہلی کے تعاون اور کوشش سے بارہ گھنٹے کے اندر اندر یہ میمورنڈم چھپ گیا جسے لے کر میں گورنر صاحب کے آنے سے پہلے حصار پہنچ گیا۔ چونکہ اخبارات کو اس میمورنڈم کی نقول میں نے بھجوا دی تھیں اس لئے گورنر صاحب کو میمورنڈم پیش کرنے کے ساتھ ہی اخبارات کو تار دے دیئے گئے چنانچہ دوسرے ہی دن یہ بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ اخبارات میں چھپ گیا۔ گورنر صاحب نے انٹرویو کے لئے ایسوسی ایشن کے بعض ارکان کو موقع دیا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے ان ارکان پر اپنا اثر ڈالنے کے لئے بعض پابندیاں عائد کر دیں کہ آپ بڈھلاڈا کیس کا ذکر نہ کریں۔ مگر گورنر صاحب نے خود ہی اس کی نسبت ممبران سے دریافت کیا تو ممبران نے گورنر صاحب کو صحیح صحیح حالات سے آگاہ کر دیا۔ گورنر صاحب کی روانگی کے بعد واقعات سے معلوم ہوا کہ وہ ڈپٹی کمشنر وغیرہ کے خلاف اثر لے کر گئے ہیں۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر نے اپنی پوزیشن بچانے کے لئے افسران بالا سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس پر حضورؓ کی طرف سے مجھے ہدایت ہوئی کہ میں شملہ جا کر خان صاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ کو سارے حالات سے آگاہ کروں چنانچہ میں شملہ پہنچا اور خان صاحب موصوف سے ملا۔ انہوں نے مناسب طور پر کوشش کی کہ ڈپٹی کمشنر وغیرہ کے خلاف گورنر صاحب کا اثر قائم رہے نتیجہ یہ ہوا کہ ڈپٹی کمشنر اور سول سرجن دونوں تبدیل ہو گئے سپرنٹنڈنٹ پولیس تو پہلے ہی تبدیل ہو چکا تھا۔ اس طرح حضور رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے مسلمانوں کو اس اذیت ناک ماحول سے چھٹکارا ملا۔ میں وہاں تقریباً ایک سال تک رہا اس عرصہ کے دوران میرا اور مجھ سے پیشتر آنے والے احمدی احباب کا سارا خرچہ جماعت احمدیہ ہی نے اٹھایا۔ وہاں کے مقامی مسلمانوں پر اس کا کوئی بوجھ نہیں ڈالا گیا۔

بڈھلاڈا کیس کے ضمن میں مجھے انبالہ میں (جو اس وقت ڈویژنل ہیڈ کوارٹر تھا) بھی جانے کا موقعہ ملا اور میں نے کمشنر صاحب۔ ڈی۔ آئی۔ جی اور دیگر افسران اور معززین سے ملاقات کر کے بڈھلاڈا اور حصار ڈسٹرکٹ کے مقامات کے مسلمانوں کی ابتر حالت ان پر واضح کی۔ اسی غرض کے لئے مشہور ایڈووکیٹ اور مسلمانوں کے لیڈر سید غلام بھیک صاحب نیرنگ سے بھی میری ملاقات ہوئی۔ جب میں نے ان سے ملنے کے لئے تعارفی کارڈ بھیجا انہوں نے مجھے فوراً بلا لیا اور بڑے تعریفی کلمات کے ساتھ جماعت احمدیہ کے کارناموں کا ذکر کیا۔ بڈھلاڈا کیس کے بارہ میں جو حالات میرے ذریعہ سے اخبارات میں آتے رہے تھے ان سے وہ باخبر تھے علاوہ ازیں بعض اور لوگوں سے میری کارگزاری کے بارہ میں ان کو کچھ علم ہو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کام کو بہت سراہا اور تعریف کی"۔ [۱۵۵]

مسلمانان الور کی امداد ریاست الور کے بہت سے مسلمان ریاستی مظالم کی تاب نہ لا کر جے پور، اجمیر شریف، بھرت پور اور ضلع گوڑگاؤں اور دہلی وغیرہ مقامات میں آگئے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو جب ان کے حالات کا علم ہوا۔ تو مظلوموں کی اعانت کے لئے سید غلام بھیک صاحب نیرنگ ایڈووکیٹ ہائیکورٹ لاہور و جنرل سیکرٹری سنٹرل جماعت تبلیغ الاسلام کو دو سو روپے ارسال فرمائے۔

اسی طرح مرکز کی طرف سے افسران بالا سے خط و کتابت کی گئی۔ افسروں نے نہایت ہمدردی سے غور کیا اور ریاست کے متعلق حکام کو ہدایت کی کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات کا پورے طور پر خیال رکھیں اور ان کی شکایات کا تدارک کریں۔ [١٥٦] اس کے شکریہ میں نیرنگ صاحب نے انبالہ شہر سے ۲۲/ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو حضورؓ کی خدمت میں مندرجہ ذیل خط لکھا۔

"انبالہ شہر ۳۲/۱۰/۲۲

عالی جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ قادیان

مکرم و محترم و علیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ مزاج گرامی! نوازش نامہ (بلا تاریخ) نوشتہ از مقام ڈلہوزی باعث مسرت ہوا۔ اس کے بعد لائیڈز بنک لاہور نے آپ کے حکم کے مطابق مبلغ دو صد روپے کا ڈرافٹ بنام امپیریل بنک انبالہ بھیجا۔ میں چونکہ سفر میں تھا اس لئے نوازش نامہ کے جواب اور ڈرافٹ مذکور کی رقم کی وصولی آج تک ملتوی رہی۔ آج بنک سے رقم وصول ہو گئی اور لائیڈز بنک کو بھی ڈرافٹ کی وصولی کی اطلاع دی گئی جناب کے عطیہ کی رسید ضابطہ ملفوف ہے۔ جزاکم اللہ فی الدارین احسن الجزاء۔

مجھ کو معلوم ہے کہ بحالات موجودہ آپ امداد مہاجرین الور کے لئے خاطر خواہ رقم بھیجنے میں خاص دقت محسوس فرماتے ہیں مگر درحقیقت جو رقم آپ نے بھیجی وہ بجائے خود معقول ہے اور آپ کی اس ہمدردی کا ایک بین ثبوت جو آپ کو مظلوم مسلمانان الور سے ہے۔ ان لوگوں کی ہجرت کے بارہ میں جو خیالات آپ نے ظاہر فرمائے وہ بالکل درست ہیں درحقیقت ان لوگوں نے ایک حالت ناچاری و مایوسی میں بلا مشورہ مسلمانان بیرون ریاست یکایک ہجرت کی۔ اگر مشورے کا موقعہ ملتا تو یا تو ان کو روکا جاتا ورنہ ان کے لئے پہلے سے معقول انتظام ہوتا وہ بھی جانتے کہ ہم نے کہاں جانا ہے اور ہم بھی جانتے کہ ان کے واسطے کیا انتظام ہے یہ لوگ محض سراسیمگی کے عالم میں جے پور۔ اجمیر شریف۔ بھرت پور۔ آگے ضلع گوڑگاؤں دہلی وغیرہ مقامات میں جہاں جہاں جس کے سینگ سمائے چلے گئے اور مجھ کو تو یکایک

بمقام شملہ پے در پے تین تار پہنچے ان سے یہ واقعہ معلوم ہوا۔ اس وقت دو باتیں کی گئیں جو چلے آئے تھے۔ ان کے لئے قیام و طعام کی فکر کی گئی اور ان کو سمجھایا گیا کہ اب چلے آئے ہو تو کچھ غربت برداشت کرو۔ کیونکہ اگر اسی طرح بے ترتیب اور بے تصفیہ نزاع واپس جاؤ گے تو پہلے سے زیادہ ذلت و نقصان اٹھاؤ گے اور جو ابھی نہیں آئے تھے ان کو روکا گیا۔

وائسرائے صاحب کے ہاں وفد کی پیشی کے وقت یہ توقع تھی کہ پولٹیکل سیکرٹری ضرور موجود ہو گا چودھری ظفر اللہ خان صاحب نے جن کو وفد کشمیر کا تجربہ تھا یہی بتایا۔ مگر جب وفد پیش ہوا تو دیکھا کہ وائسرائے صاحب کے ساتھ صرف پرائیویٹ سیکرٹری ہے تاہم ہم نے وائسرائے صاحب سے درخواست کی کہ تمام مواد پولٹیکل سیکرٹری ہم سے لیں اور وائسرائے صاحب کے لئے نوٹ تیار کریں۔ چنانچہ یہ درخواست منظور کی گئی اور اس کے مطابق ۱۳/ اکتوبر کو میں مسٹر گلینسی سے بمقام شملہ ملا اور سوا گھنٹہ تک ان سے مکالمہ ہوتا رہا۔ ان کو بہت سا مواد دیا گیا۔ اور جہاں تک ہو سکا ان کے شکوک کو رفع کرنے کی کوشش کی گئی۔ تاحال یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا نوٹ لکھا۔ ۱۷/ اکتوبر کو سر محمد اقبال نے وائسرائے کو تار بھی دیا کہ پولیٹکل سیکرٹری کو ۱۳/ اکتوبر کو مواد دیا جا چکا ہے اب جلد فیصلہ ہونا چاہئے۔ تاحال کوئی نتیجہ معلوم نہیں ہوا مگر مختلف واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ الورراج بہت سراسیمہ اور مضطرب ہے میں آپ کی نوازش کا مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ زیادہ نیاز۔ والسلام

بندہ غلام بھیک نیرنگ بی۔ اے' ایل ایل۔ بی ایڈووکیٹ ہائیکورٹ لاہور و جنرل سیکرٹری سینٹرل۔ جماعت تبلیغ الاسلام۔ ۱۵۷

پہلا باب (فصل چہارم)

جلسہ سیرت النبیؐ لکھنؤ کے خلاف ہنگامہ آرائی

جماعت احمدیہ کے زیر اہتمام ۶/ نومبر ۱۹۳۲ء کو ہندوستان بھر میں سیرت النبیؐ کے کامیاب جلسے ہوئے مگر لکھنؤ میں اس کے خلاف احراری خیال کے علماء اور ان کے زیر اثر مسلمانوں کی طرف سے افسوسناک مظاہرہ ہوا جسے لکھنؤ کے مسلم پریس نے سخت حقارت سے دیکھا۔ اس ضمن میں روزنامہ "حقیقت" اور روزنامہ "ہمدم" اور روزنامہ "اودھ" لکھنؤ کے اقتباسات درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ روزنامہ "حقیقت" نے لکھا۔ "پرسوں شب کو امین الدولہ پارک میں جبکہ سیرۃ النبیؐ کا جلسہ ہو رہا تھا تو عین اس وقت جبکہ کلام پاک کی تلاوت کے وقت ہر عقیدت مند مسلمان ادب و تعظیم کے ساتھ قرآن پاک سن رہا تھا امین الدولہ پارک کے باہر کچھ مسلمان سخت شور و ہنگامہ کے ساتھ مسلمانوں کو ہدایت کر رہے تھے کہ وہ جلسہ سے اٹھ کر چلے آئیں اور اس قدر شور و شر مچایا جا رہا تھا کہ قاری کی آواز کو سننا مشکل ہو گیا۔ یہ کس قدر افسوسناک اور قابل عبرت ہے کہ ایک ایسے جلسہ کو جو رسول عربیؐ کی یادگار منانے کے لئے منعقد ہو رہا ہو، خواہ وہ کسی جماعت کی طرف سے ہو اس کے خلاف اس حد تک نفسانیت سے کام لیا جائے کہ رسول اللہؐ کا ذکر سننے سے لوگوں کو روکا جائے۔ احمدی حضرات کے عقائد جو کچھ بھی ہوں لیکن جب یہ جلسہ خالص سیرۃؐ کا جلسہ تھا اور یہ طے شدہ تھا کہ اس میں اشارۃً و کنایۃً بھی احمدی عقائد کا کوئی ذکر نہ ہو گا۔ تو پھر کیا بانی اسلام علیہ التحیتہ والسلام کی صریح توہین نہیں ہے کہ اس جلسہ میں شرکت سے مسلمانوں کو روکا جائے اور شور مچا کر آنحضرتؐ کی سیرت پاکؐ کا ذکر سننے سے لوگوں کو روکا جائے۔ سب سے زیادہ افسوسناک یہ ہے کہ حرکت خود مسلمانوں کی طرف سے سرزد ہوئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون"۔ ۱۵۸

۲۔ روزنامہ "اودھ" نے لکھا۔

"اس مرتبہ بھی سالہائے گزشتہ کی طرح احمدیہ جماعت کی طرف سے بانی اسلام ﷺ کی حیات مبارک کے قابل تقلید واقعات ایک مشترکہ پلیٹ فارم سے پبلک تک پہنچانے کی مبارک غرض سے ۶/ نومبر کو جلسہ سیرۃ النبی ﷺ منعقد کیا گیا لیکن ہم کو یہ دیکھ کر انتہائی

تعجب ہوا کہ اس مرتبہ بعض ان ہی مسلم علماء نے اس جلسہ سے اپنے قولی و عملی اختلاف کا اظہار کیا جو سالہائے گزشتہ اس مبارک جلسہ کے سلسلہ میں پیش پیش نظر آتے تھے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مذہبی حیثیت سے ایک سال قبل اس جلسہ کی شرکت کیونکر جائز تھی اور ایک سال بعد کیونکر حرام ہو گئی۔ بہرحال اس جلسہ کے مقاطعہ کے لئے جو اعتراضات پبلک تک پہنچائے جا رہے تھے وہ یہ تھے کہ اس جلسہ کے بانی قادیانی ہیں۔ یہ دراصل کوئی اعتراض نہیں بلکہ اظہار واقعہ ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ببانگ دہل یہ الفاظ بھی سنے گئے کہ لکھنؤ کے تمام علماء نے متفقہ طور پر اس جلسہ کا بائیکاٹ کیا ہے لہٰذا کوئی مسلمان اس میں شریک نہ ہو۔ کوئی وجہ کوئی دلیل اور کوئی سبب بیان نہیں کیا جا رہا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلسہ میں جوق در جوق ہندو اور مسلمان سب شریک ہوئے۔ گو کہ ان کو جلسہ گاہ کے ہر دروازہ پر مذموم قسم کی پکٹنگ کے ذریعہ روکنے کی بھی کوشش کی گئی اور غلط فہمیاں بھی پیدا کرائی گئیں۔ مثلاً تمام علماء اس جلسہ کے مقصد کو مسلمانوں کے لئے مضرت رساں سمجھتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے منشی محمود علی صاحب صدر منتخب نے استعفاء بھی دے دیا وغیرہ وغیرہ لیکن ایک طرف سے شائقین جلسہ کا ہجوم تھا دوسری طرف وہ لوگ بھی جلسہ کی شرکت کے لئے مجبور ہو رہے تھے جن کی سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ ایک خالص مذہبی تقریب مذہب کے لئے کس طرح مضرت رساں ہو سکتی ہے۔ بہرحال ہم کو اس اختلاف پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اختلاف کی جو صورت اختیار کی گئی مثلاً شرکائے جلسہ پر آوازے کسنا۔ زنانہ نشست میں پتھربازی کرنا اور جلسہ کے باہر سڑک پر غنڈوں کی طرح غل مچانا وغیرہ یہ ہمارے نزدیک نہ صرف قابل اعتراض ہے بلکہ انتہائی شرمناک ہے جس سے خود مخالفوں کی پوزیشن پر برا اثر پڑتا ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ باوجود اس کے جلسہ کامیاب ہوا۔ اور یہ تمام مضحکہ خیز کوششیں ناکام ہونے کے علاوہ اور کچھ نہ ہو سکیں۔ پھر سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہوئی کہ جلسہ کے اختتام پر تمام حاضرین جلسہ یہی کہتے ہوئے اٹھے کہ اس جلسہ کی مخالفت اب تک ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ اور جو اعتراضات مخالفین جلسہ اٹھا رہے تھے ان میں سے ہم نے ایک کو بھی صحیح نہیں پایا۔ اس موقع پر ہم بانیان جلسہ کو مبارکباد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جنہوں نے نہایت سکون کے ساتھ اس تمام مضحکہ خیز مخالفت کا مقابلہ کیا اور اپنی طرف سے مدافعانہ کوئی کارروائی نہ ہونے دی یہاں تک کہ مخالف اپنی ناکامی سے خود ہی تھک گئے"۔ [۱۵۹]

۳۔ روزنامہ "ہمدم" نے لکھا۔

"ہمارے موجودہ علماء کی حد سے گری ہوئی حالت کا سدھار خدا ہی ہے جو ہو سکے۔ سیرت پاک کی مقدس مجلس میں مولوی وزیر حسن صاحب اور مولوی فتح اللہ صاحب کی ایمان سوختہ پارٹی نے جو انسانیت سوز مظاہرہ کیا وہ ہمارے لئے انتہائی ندامت کا سبب تھا۔ ادھر تو ذکر رسولؐ ہو رہا ہے اور ایک ہندو مداح رسولؐ فرما رہے تھے کہ مجھے ڈاکٹروں نے بولنے سے منع کیا ہے کیونکہ میں بیمار ہوں لیکن جس مجلس میں حضرت رسول مقبول ﷺ کا ذکر پاک ہو میں اس میں شریک ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آپ نے حضرتؐ کی سیرت پر ایک محبت سے ڈوبی ہوئی تقریر بھی کی اور ادھر چار طرف ننگ اسلام پارٹیاں جو انسانیت کش حرکات کر رہی تھیں۔ وہ شہدا پن کی انتہائی ڈگری سے کئی ہزار گنا بڑھ گئی تھیں۔ آہ خواتین کی نشست گاہ پر بری طرح ڈھیلے برسائے گئے حاضرین جلسہ پر گالیوں کی بوچھاڑ کی گئی وہ وہ حرکات کی گئیں جن سے شیطنت بھی پناہ مانگتی تھی۔ پروپیگنڈا یہ تھا کہ قادیانیوں کا جلسہ ہے۔ حکیم خواجہ شمس الدین صاحب کی تقریر ہو رہی تھی۔ میں نے ایک صاحب سے پوچھا کہ مولانا کی تعریف کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک شیداء رسولؐ حنفی تقریر کر رہا ہے۔ شروع سے لے کر آخر تک کہیں قادیانیت کا نام تک بھی نہیں سنا۔ میں خود قادیانی عقائد سے شدید اختلاف رکھتا ہوں۔ لیکن یہاں تو قادیانیت سے کچھ واسطہ ہی نہ تھا۔ حضرت آقاء نامدار محمدؐ عربی کی سیرت پر قادیانی' حنفی' ہندو وغیرہ تقریریں کر رہے تھے جو ہمارے لئے انتہائی مسرت کا باعث تھیں پارک میں جو محفل میلاد ہوتی ہے اس میں ہمیں خوب علم ہے کہ قادیانی حضرات برسوں سے شرکت کرتے ہیں انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ جلسہ غیر احمدی مسلمانوں کا ہے بہرکیف خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ غیب سے مسلمانوں کی اصلاح کے سامان کر دے ورنہ ان علماء نے تو مسلمانوں کو کہیں کا بھی نہیں رکھا۔ (سید اعجاز حسین رضوی)" [۱۶۰]

اراضی سندھ کی خرید

اب سلسلہ کی ضروریات ایسی صورت اختیار کر چکی تھیں کہ اسلام و احمدیت کی اشاعت کے لئے ایک مستقل فنڈ جاری کرنا ضروری تھا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں بھی بعض جائدادیں اسلامی کاموں کے لئے وقف کر دی گئی تھیں اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کیا گیا۔ حضرت فضل عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ۱۹۳۲ء میں ریزرو فنڈ کی مستقل بنیاد رکھی اور سندھ میں زمینیں خرید فرمائیں یہ پانچ لاکھ کا سودا تھا۔ جو بیس سال میں ادا کرنا تھا۔ [۱۶۱] صدر انجمن احمدیہ کی سالانہ مطبوعہ رپورٹ (یکم مئی ۱۹۳۲ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۲) سے اراضی سندھ کی خرید کے ابتدائی حالات پر روشنی پڑتی ہے

چنانچہ لکھا ہے۔

"ایک سال چھ ماہ کی متواتر کوشش سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کامیابی عطا فرمائی اور سندھ میں حضور کی خواہش کے مطابق پانچ ہزار ایکڑ زمین مل گئی۔ اس میں انجمن کا حصہ ۲۸۶۰ ایکڑ کا ہے۔ انتظامی لحاظ سے انجمن کا اس میں اسی قدر دخل ہے جس قدر کہ یک حصہ دار کا ہو سکتا ہے مگر چونکہ انجمن کا سب حصہ داروں سے بڑا حصہ ہے اس لئے ناظر صاحب اعلیٰ اس کمیٹی مذکور یعنی سنڈیکیٹ کے ممبر ہیں اور اس ذریعہ سے مشترکہ جائداد کے نظم و نسق میں انجمن کا خاص دخل ہے پس اس لحاظ سے ایک حد تک انجمن کے مفاد پر انجمن کے قائم مقام یعنی ناظر صاحب اعلیٰ ہر وقت نظر رکھتے ہیں اور اس کاروبار کے عنوان انشاء اللہ امید افزاء ہیں۔

چونکہ پانچ ہزار ایکڑ اچھی زمین کا ایک جگہ پر ملنا مشکل تھا۔ اس لئے دو مقامات پر اچھی اچھی زمین منتخب کی گئی جس کی تلاش میں سنڈیکیٹ نے بہت سا مال اور وقت صرف کر کے اسے حاصل کیا۔ اور اس انتخاب میں خان صاحب محمد عبداللہ خان صاحب خلف الرشید نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ خاص شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے سندھ کے متفرق علاقوں میں پھر پھر کر اسے تلاش کیا۔ جزاھم اللہ خیرا۔ ان ہر دو مقامات میں ۱۰۔۱۱ میل کا آپس میں فاصلہ ہے۔

ایک کا نام احمد آباد اسٹیٹ اور دوسرے کا محمود آباد اسٹیٹ رکھا گیا۔ اول الذکر میں ۴/ نومبر ۱۹۳۲ء کو پانی ملا تھا۔ جہاں بوجہ تنگی وقت صرف ۵۷۵ ایکڑ زمین میں فصل ربیع بویا جاسکا۔ جس کی آمد اندازاً ۸۔۹ ہزار ہوئی۔ اور دوسرے رقبہ میں چونکہ پانی ربیع گزشتہ ۱۹۳۲ء کے موقعہ پر نہیں ملا تھا۔ بلکہ ابھی تک بھی پانی کی مقدار ضرورت سے کم ہے اس لئے وہ گزشتہ سرما ۳۲۔۱۹۳۳ء میں خالی رہا۔ البتہ موسم خریف میں تین چار سو ایکڑ کپاس اور باجرہ بویا گیا۔ اور اس طرح احمد آباد اور محمود آباد میں بفضلہ تعالیٰ اندازاً ایک ہزار ایکڑ کپاس و باجرہ فصل خریف سن رواں میں ہوئی۔ جس سے امید ہے کہ انشاء اللہ اندازاً تیس ہزار روپیہ سنڈیکیٹ کو آمد ہو جائے گی اور آئندہ ربیع بارہ تیرہ سو ایکڑ کاشت ہو چکی ہے۔

۲۔ فروخت جائداد: اراضیات سندھ کے خرید کرنے کے لئے انجمن کے خزانہ پر کوئی بوجھ نہیں پڑا۔ بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کے متعلق تجویز فرمایا کہ انجمن کی بیرونی متفرق جائدادیں جو مختلف جگہوں پر واقع ہیں یا قادیان کے گرد و نواح کی بکھری ہوئی جائدادوں کو فروخت کر کے روپیہ مہیا کیا جاوے اور اس سے سندھ کی زمین خرید کی جائے چنانچہ اس وقت تک ۲۳ ہزار روپیہ کی جائیدادیں فروخت ہو کر سندھ کی اراضیات کے سلسلہ میں روپیہ بھجوایا جا

چکا ہے اور اس کے علاوہ کچھ قرضہ بھی بیرونی جماعتوں اور بعض احباب سے لیا گیا تھا جو سب مل ملا کر قریباً چالیس ہزار روپیہ ۲۵۶۰ ایکڑ پر انجمن کی طرف سے خرچ ہو چکا ہے جس میں قسط اول اور اخراجات آبادی اور انتظامی شامل ہیں مگر خزانہ انجمن سے کوئی روپیہ نہیں لیا گیا"۔ ۱۶۲

جامعہ احمدیہ کا تبلیغی و تعلیمی وفد

۲۶/ نومبر ۱۹۳۲ء ۱۶۳ کو مولوی ارجمند خان صاحب کی قیادت میں انتیس افراد پر مشتمل جامعہ احمدیہ کا ایک وفد قادیان سے روانہ ہوا۔ اور ۹/ دسمبر ۱۹۳۲ء کو واپس مرکز میں پہنچا۔ ۱۶۴ اس دورہ کے اصل محرک مولوی ظہور الحسن صاحب مولوی فاضل تھے۔

یہ وفد جامعہ کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا وفد تھا جس نے قادیان سے چل کر جالندھر' پھلور' لدھیانہ' انبالہ شہر' دہلی' علی گڑھ اور میرٹھ سے ہوتے ہوئے دیوبند اور سہارنپور تک کا ایک لمبا سفر طے کیا۔ اور اس وفد کی ایک عجیب خصوصیت یہ تھی کہ اس کے ارکان دن کو کھیلوں کے میچ میں داد تحسین حاصل کرتے اور رات کو اپنی پر جوش اور معلومات افزاء تقریروں سے لوگوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتے تھے کہ سبز عمامے پہننے والے قادیان کے عالم بھی عجیب قسم کے ہیں کہ کھیل اور لیکچر ہر دو فنون میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ ۱۶۵ وفد جہاں جہاں پہنچا اس کا گرمجوشی سے استقبال کیا گیا اور ہر جگہ اپنی تبلیغی و تفریحی صلاحیتوں سے دھوم مچا دی۔

جالندھر چھاؤنی میں وفد نے جلسہ منعقد کرنے کے علاوہ گورنمنٹ ہائی سکول کو ہاکی کے میچ میں تین گول سے شکست دی۔ ۱۶۶

پھلور میں پولیس ٹریننگ سکول کے ساتھ میچ ہوا۔ جس میں ارکان وفد نے کھیل کا اس قدر شاندار مظاہرہ کیا کہ بار بار نعرہ ہائے تحسین بلند ہوتے تھے دوسرے ہاف میں جامعہ نے گول کر دیا جس کے بعد کھیل بے حد تیز ہو گئی اور عین اس وقت جبکہ پانچ منٹ باقی تھے پولیس نے گول اتار دیا۔ وہاں کے لوگوں کا بیان تھا کہ اس قدر دلچسپ میچ پھلور میں پہلے کبھی نہیں ہوا۔ میچ کی قابل ذکر بات یہ تھی کہ کھیل کے دوران میں جامعہ کے وفد کی طرف سے ٹیم کو WELLDONE کی بجائے حبذا کہا جاتا تھا۔ چند منٹ بعد تمام ٹریننگ پولیس کلب حتیٰ کہ دو یورپین آفیسروں نے بھی یہی لفظ استعمال کرنا شروع کر دیا۔

لدھیانہ میں جلسہ بھی ہوا اور پولیس کلب کے ساتھ میچ بھی۔ جس میں جامعہ نے پولیس ٹیم کو ایک گول سے ہرا دیا۔

انبالہ میں لوگوں کو وفد دیکھ کر حیرانی پیدا ہوئی ایک شخص کو جب معلوم ہوا کہ یہ لوگ قادیان سے آئے ہیں تو کہنے لگے کہ تبھی ان کے چہروں سے نور اور نیکی کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ یہاں بھی جلسہ

کے علاوہ جامعہ کا انبالہ کی مشہور کلب ایل ایل - بی سے ہاکی کا زبردست مقابلہ ہوا۔ جس میں کامیابی کا سہرا جامعہ کی ٹیم کے سر رہا۔ [۱۶۷]

علی گڑھ میں وفد کی سرگرمیاں زیادہ تر مسلم یونیورسٹی کے شعبہ جات کو دیکھنے اور ایک انگریزی مباحثہ سننے تک محدود رہیں۔ [۱۶۸] علی گڑھ کالج میں ان دنوں ایک اردو مباحثہ بھی منعقد ہو رہا تھا جس میں جامعہ احمدیہ کی طرف سے شیخ مبارک احمد صاحب فاضل اور مولوی محمد سلیم صاحب فاضل کی شمولیت کا فیصلہ ہو چکا تھا مگر چونکہ اصل قرارداد کے الفاظ قرآنی تعلیم کے خلاف تھے اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہدایت پر یہ فیصلہ منسوخ کر دیا گیا۔

دہلی میں جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں طلبائے جامعہ نے مختلف مضامین پر تقریریں کیں نیز دہلی کے مختلف حلقوں سے متعارف ہونے کے لئے ارکان کی متعدد پارٹیاں ترتیب دی گئیں جنہوں نے اپنا مفوضہ کام نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا۔

میرٹھ میں بھی اخذ معلومات کا یہ سلسلہ جاری رہا اور عربی درسگاہوں' مذہبی انجمنوں اور اخبارات کے دفتروں کی طرف پارٹیاں بھجوائی گئیں۔ یہاں وفد نے دو میچ کھیلے۔ ایک سناتن دھرم ہائی سکول سے دوسرا یونین کلب میرٹھ سے دونوں میں شاندار کامیابی حاصل کی۔ لوگوں کو جب بتایا گیا کہ یہی لوگ رات کو لیکچر بھی دیں گے تو وہ بہت حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ مسلمانوں کے مولوی تو حجروں میں بند رہنے کو اسلام سمجھتے ہیں مگر قادیان نے ایسے علماء پیدا کئے ہیں جو دینوی امور میں بھی دسترس رکھتے ہیں۔ [۱۶۹]

غرضکہ وفد کا یہ تبلیغی و تعلیمی اور معلوماتی [۱۷۰] سفر ہر لحاظ سے کامیاب رہا اور احمدی جماعتوں میں حرکت پیدا کرنے اور غیروں میں احمدیت کے اثر و نفوذ کا ایک موثر ذریعہ ثابت ہوا۔ ارکان وفد حسب ذیل تھے۔

مولوی ارجمند خان صاحب۔ مولوی علی محمد صاحب اجمیری' شیخ مبارک احمد صاحب' صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب' مولوی محمد سلیم صاحب' شیخ عبدالقادر صاحب' مولوی احمد خاں صاحب نسیم' مولوی ظہور الحسن صاحب' سید احمد صاحب' مولوی نذر احمد صاحب' مولوی صالح محمد صاحب' مولوی نذیر احمد صاحب مبشر' ملک محمد عبداللہ صاحب' چوہدری محمد شریف صاحب' مرزا عبدالرحمٰن صاحب' مولوی محمد احمد صاحب جلیل' عطاء الرحمٰن صاحب سارچوری' محمد نور صاحب کابلی' عطاء اللہ صاحب (ابن اللہ بخش صاحب)' عطاء اللہ صاحب بنگہ' چوہدری نذیر احمد صاحب باجوہ' مولوی نور الٰہی صاحب' مولوی ولی داد خان صاحب' حافظ بشیر احمد صاحب' مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری' مولوی

عبد الرحمٰن صاحب پشاوری' حافظ عبد الغفور صاحب جالندھری' عبد الرحیم صاحب۔ (ایک نام کا تعین نہیں ہو سکا)

سالانہ جلسہ پر ایک قرارداد

الہ آباد میں وسط دسمبر ۱۹۳۲ء میں ایک اتحاد کانفرنس ہوئی جس میں مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کے مطالبات کے خلاف بعض نہایت ضرر رساں تجاویز پاس کی گئیں۔ لہٰذا جماعت احمدیہ کے سالانہ جلسہ ۱۹۳۲ء کے تیسرے دن (۲۸/ دسمبر کو) یہ قرارداد پاس کی گئی کہ "مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کے مطالبات مسلمانوں کے لئے بہت مفید اور ضروری ہیں اور اس کے خلاف یونٹی کانفرنس الہ آباد کی تجاویز مسلمانوں کے مفاد کے لئے ضرر رساں اور نقصان دہ ہیں۔ پس ہم حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ مسلم کانفرنس کے پیش کردہ مطالبات کو ہی صحیح مطالبات سمجھے ہم مسلم کانفرنس کے مطالبات کی تائید میں ہر اک قسم کی امداد کا وعدہ کرتے ہیں"۔ [۱۸۱]

اخبار "الفضل" میں مسلمانان ہند کی تائید میں مسلسل مضامین

اس سال اخبار "الفضل" نے مسلمانان ہند کی ترقی و بہبود کے لئے مسلسل آواز اٹھائی اور ان کے خلاف ملک میں اٹھنے والے ہر فتنہ کے خلاف بڑے پر زور طریق سے اور بڑی جرات کے ساتھ قلم اٹھایا۔ حقوق اسلامی کی حفاظت و سیانت کی ان عظیم الشان خدمات کا اندازہ "الفضل" کے مندرجہ ذیل مضامین کے عنوانوں سے بآسانی لگ سکتا ہے (مسلمانان کشمیر کی نسبت الفضل کے موثر مضامین اس کے علاوہ ہیں) "صوبہ سرحد میں مسلم کانفرنس کا وفد"۔ "مسلمانوں کو حصول حقوق کے لئے کیا کرنا چاہئے"۔ "مسلمانان بنگال کی امداد کی ضرورت"۔ "کشمیر کے مقابل میں حیدر آباد اور بھوپال کا طریق عمل"۔ "مسلمانوں کے حقوق سے حکومت کی بے التفاتی"۔ "ریاست جے پور اور جودھپور کے مسلمانوں کی حالت زار"۔ "فرقہ وار مسئلہ کے تصفیہ کا مطالبہ"۔ "محکمہ ریلوے میں مسلمانوں کی شدید حق تلفی"۔ "انقلاب ہرگز بند نہیں ہونا چاہئے"۔ "آل انڈیا مسلم کانفرنس کی اہم قرارداد"۔ "مسلمانان پنجاب کے لئے پچاس فیصدی ملازمتیں"۔ "مسلمانوں کی ضروری تنظیم"۔ "حاجیوں کی تکالیف کے انسداد کا معاملہ"۔ "بی۔ اے کے نصاب سے اسلامی تاریخ کا اخراج"۔ "آل انڈیا مسلم کانفرنس میں افسوسناک اختلاف"۔ "مسلمانوں کے حقوق کے خلاف ہندوؤں کی حکومت کو دھمکیاں"۔ "مسلمانان یونڈری سے تعزیری ٹیکس نہ لیا جائے"۔ "سکھوں کا اعلان جنگ"۔ "سکھوں کی دھمکیاں اور حکومت کا فرض"۔ "مسلمانوں کی مخالفت میں ہندوستان کو آئینی ترقی سے محروم رکھنے کی کوشش"۔ "ہندو ریاستوں میں

مسلم عناصر کو کچلنے کی تلقین"۔ "مسلمانان الور کے ناقابل برداشت مصائب"۔ "مسلمانوں کے خلاف بلاوجہ شور و شر"۔ "مسلمان اچھوتوں کو فراموش نہ کریں"۔ "حکومت اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کی تیاریاں"۔ "مسلمانان پنجاب کے نیابتی حقوق کے خلاف شورش انگیزی کا نتیجہ"۔ "سکھوں کا فائدہ ہندوؤں کا آلہ کار بننے میں نہیں مسلمانوں کے ساتھ متحد ہونے میں ہے"۔ "ہندوستان کی آزادی کے لئے مسلمانوں کی جدوجہد"۔ "اسلام کا جھنڈا نہ صرف گنگا پر بلکہ ساری دنیا پر لہرائے گا"۔ "حکومت کو عجلت کی بجائے تدبر اور احتیاط سے کام لینا چاہئے"۔ "مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کی جنگی تیاریاں"۔ "بڈھلاڈا ضلع حصار کے مسلمانوں پر اندھا دھند قاتلانہ یورش"۔ "کیا حکومت مسلمانوں کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ کرے گی"۔ "ہندو مسلم سمجھوتہ سے ہندوؤں کا گریز"۔ "مسلمانوں کے خلاف ڈاکٹر نارنگ کا اظہار غیظ و غضب"۔ "بڈھلاڈا کے حادثہ نے ہندوؤں کی خطرناک سازش کو بے نقاب کر دیا"۔ "مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کی افسوسناک کوشش"۔ "فرقہ وارانہ منافرت کو مٹانے کے لئے تاریخی کتب میں اصلاح کی ضرورت"

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

اس سال مندرجہ ذیل صحابہ کبار نے رحلت فرمائی۔

۱۔ حضرت حکیم محمد حسین صاحب قریشی موجد مفرح عنبری (تاریخ وفات ۱۸/۱۷ اپریل ۱۹۳۲ء) [۱۶۲] حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے ان کی نسبت اپنے زمانہ خلافت سے قبل الفضل میں تحریر فرمایا۔ "حکیم صاحب حضرت مسیح موعودؑ کے پرانے مخلصین میں سے ہیں اور ان چند لوگوں میں سے ہیں کہ جن کو حضرت بے تکلفی سے کام بتادیا کرتے تھے۔ چنانچہ اکثر کام جو لاہور کے متعلق ہوتے تھے۔ ان کی نسبت حضرت صاحب حکیم صاحب کو ہی لکھا کرتے تھے اور اس طرح آپ کو حضرت صاحب کی دعاؤں سے فائدہ اٹھانے کا خاص موقعہ ملتا تھا۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے سلسلہ کے لئے ایک خاص جوش دیا ہے"۔ [۱۶۳]

۲۔ حضرت مولوی سید غلام محمد صاحب مہاجر افغانستان (تاریخ وفات ۲۸/ جولائی ۱۹۳۲ء) [۱۶۴]

۳۔ حضرت مولانا عبدالستار صاحبؓ افغان المعروف بزرگ صاحب (تاریخ وفات ۱۸/ اکتوبر ۱۹۳۲ء) [۱۶۵]

سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے ان کی وفات پر ایک مفصل خطبہ دیا جس میں آپ کے مقام ایمان و اخلاص پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور مولوی صاحب کا بہت بڑا درجہ تھا۔ ان کی وفات سے دو

اڑھائی مہینے پہلے کی بات ہے میں نے ڈلہوزی میں ایک رؤیا دیکھا کہ کوئی شخص نہایت گھبرائے ہوئے الفاظ میں کہتا ہے دوڑو دوڑو قادیان، میں ایک ایسا شخص فوت ہوا ہے جس کے فوت ہونے سے آسمان اور زمین ہل گئے ہیں۔ جب میری نظر اٹھی تو میں نے دیکھا کہ واقعی آسمان ہل رہا ہے اور مکان بھی ہل رہے ہیں۔ گویا ایک زلزلہ آیا ہے۔۔۔۔۔۔ اور اب جبکہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ رؤیا انہی کے متعلق تھی جو پوری ہو گئی۔ جب کوئی شخص ایسا فوت ہوتا ہے جو مقبول الٰہی ہو۔ تو اس کی وفات کا زمین و آسمان پر اثر ضرور ہوتا ہے۔۔۔۔ میں تاریخ میں جماعت کے ایک نیک اور اچھے شخص کے نمونہ کو قائم کرنے کے لئے یہ خطبہ کہہ رہا ہوں۔۔۔۔۔۔ غرض جہاں میں چاہتا ہوں کہ تاریخ میں ان مخلص اور خدا رسیدہ لوگوں کے نام رہ جائیں وہاں میں نوجوان احمدیوں اور نئے احمدی بننے والوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اسی قسم کا اخلاص اور ایمان پیدا کریں اور انہیں اللہ تعالیٰ سے ایسا یقین، معرفت اور توکل حاصل ہو کہ اللہ تعالیٰ ان سے براہ راست ہمکلام ہو اور وہ اس مقام پر کھڑے ہوں کہ ان کی وفات آسمان اور زمین کو ہلا دینے کا موجب ہو جائے وہ بھی کیا انسان ہے جو دنیا میں آیا اور چند سال رہ کر یوں مر گیا۔ جیسے مکھی مر جاتی ہے"۔ ۱۷۶

۴۔ حضرت مولوی فضل دین صاحب ساکن کھاریاں جو عالم باعمل اور ۳۱۳۔ اصحاب کبار میں شامل تھے ۱۴/ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو رحلت فرما گئے۔ ۱۷۷

۵۔ نانی اماں حضرت سیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ (تاریخ وفات ۲۴/ ۲۳ نومبر ۱۹۳۲ء)

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ سول سرجن نے ایک مفصل مضمون میں ان کے حالات زندگی شائع کئے تھے جن میں تحریر فرمایا۔ "والدہ صاحبہ کی شادی قریباً ۱۲۔ ۱۳ سال کی عمر میں حضرت والد صاحب کے ساتھ ہو گئی تھی۔۔۔۔۔ مجھے یاد ہے کہ وہ ہجرت کر کے قادیان ۱۸۹۴ء میں آئی تھیں اور پھر یہیں رہیں۔ مگر اس سے پہلے ہمیشہ وقتاً فوقتاً ہمارے والد صاحب ان کو قادیان اپنے ہمراہ لایا کرتے تھے یا کبھی ان کو چھوڑ جاتے پھر دوسرے پھیرے میں لے جاتے سب سے پہلے وہ قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے والد بزرگوار کی زندگی میں آئی تھیں جب میر صاحب نہر پر سب اوورسیر تھے اور کئی ماہ قادیان میں ٹھہری تھیں اور جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے دہلی میں حضرت ام المومنینؓ کے لئے پیغام بھیجا تو میر صاحب کو انہوں نے بھی مشورہ دیا تھا کہ دیگر برادری کے لڑکوں کی نسبت تو غلام احمد (علیہ الصلوۃ والسلام) ہی اچھا ہے چنانچہ وہ نکاح ظہور میں آ گیا"۔ ۱۷۸

۶۔ خواجہ کمال الدین صاحب بانی ووکنگ مشن انگلستان (تاریخ وفات ۲۷/۲۸ دسمبر ۱۹۳۲ء) ان کی وفات کی خبر سالانہ جلسہ ۱۹۳۲ء کے دوران سنی گئی جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنی تقریر میں خواجہ صاحب مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہوئے فرمایا۔

"اگرچہ خواجہ صاحب نے میری بہت مخالفتیں کیں لیکن انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت خدمات بھی کی ہیں اس وجہ سے ان کی موت کی خبر سنتے ہی میں نے کہہ دیا کہ انہوں نے میری جتنی مخالفت کی وہ میں نے سب معاف کی۔ خدا تعالیٰ بھی ان کو معاف کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن بندوں کو خدا تعالیٰ کھینچ کر اپنے مامورین کے پاس لاتا ہے ان میں ہو سکتا ہے کہ غلطیاں بھی ہوں لیکن خوبیاں بھی ہوتی ہیں۔ ہمیں ان خوبیوں کی قدر کرنی چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں خلافت کا انکار بڑی خطا ہے خدا تعالیٰ نے اسے بڑا گناہ قرار دیا ہے مگر ہمارا جہاں تک تعلق ہے۔ ہمیں معاف کرنا چاہئے خدا تعالیٰ کے نزدیک اگر ایسے شخص کی نیکیاں بڑھی ہوئی ہوں گی۔ تو وہ اس سے بہتر سلوک کرے گا"۔ [۱۷۹]

زمرہ اصحاب مسیح موعودؑ کے ان مقدسین کے علاوہ حافظ سلطان حامد صاحب جو مدرسہ احمدیہ میں طلباء کو قرآن مجید حفظ کراتے تھے۔ اور سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کے استاد ہونے کا شرف رکھتے تھے ۲۷/ اپریل ۱۹۳۲ء کو انتقال کر گئے۔ [۱۸۰]

اسی طرح چودھری شمشاد علی خان صاحب آئی سی ایس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پورنیا نے ۱۶/ جنوری ۱۹۳۲ء کو ایک حادثہ سے وفات پائی۔ حکومت بہار کے سرکاری اعلان اور دوسری اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم اس روز شام ۷ بجے شکار سے جب کیمپ میں واپس پہنچے تو ایک شخص کے ہاتھ سے ان کی رائفل اتفاقاً چل گئی گولی بائیں پھیپھڑے میں لگی۔ اور آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ [۱۸۱] چوہدری صاحب موصوف حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے ہم مکتب اور چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے خسر تھے۔ مرزا احمد بیگ صاحب انکم ٹیکس آفیسر سیالکوٹ کی تبلیغ سے قبول حق کی توفیق ملی۔ باقاعدہ بیعت ۱۱-۱۹۱۰ء میں کی تھی۔ [۱۸۲]

پہلا باب (فصل پنجم)

۱۹۳۲ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندان مسیح موعودؑ میں ترقی ۲۳-۲۴/ مارچ ۱۹۳۲ء کی درمیانی شب کو حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کے حرم رابع حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہ کے بطن سے مرزا حنیف احمد صاحب پیدا ہوئے۔ ۱۸۳

میاں عبدالرحیم خاں کا نکاح ۱۱/ نومبر ۱۹۳۲ء کو میاں محمد عبدالرحیم خان صاحب (ابن حضرت نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ) کا نکاح نواب زادہ جعفر علی خان صاحب برادر خورد ہزہائی نس نواب صاحب مالیر کوٹلہ کی دختر نیک اختر قدسیہ بیگم صاحبہ سے پڑھا گیا۔ ۱۸۴ ۲۹/ نومبر ۱۹۳۴ء کو تقریب رخصتانہ عمل میں آئی۔ ۱۸۵

سر محمد شفیع صاحب کا انتقال شمالی ہند کے مشہور مسلم لیڈر اور پنجاب مسلم لیگ کے سابق صدر سر محمد شفیع ۷/ جنوری ۱۹۳۲ء کو لاہور میں انتقال کر گئے تھے اس اندوہناک قومی حادثہ پر حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی طرف سے ناظر صاحب امور خارجہ قادیان نے ان کے بیٹے میاں محمد رفیع صاحب کو حسب ذیل تار ارسال کیا۔

"حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ آپ کے والد ماجد کی اندوہناک وفات پر دلی ہمدردی کا اظہار کروں۔ مسلمان اپنے حقوق کے ایک زبردست نگران اور ہندوستان ایک اعلیٰ درجہ کے مدبر کی خدمات سے ایسے وقت میں محروم ہو گیا ہے۔ جبکہ اس کی سخت ضرورت تھی"۔ ۱۸۶

جلسہ تقسیم انعامات ۲۱/ جنوری ۱۹۳۲ء کو تعلیم الاسلام ہائی سکول کا جلسہ تقسیم انعامات منعقد ہوا۔ جس میں حضورؓ نے بھی شرکت فرمائی۔ اور تعلیم الاسلام اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کو قیمتی ہدایات سے نوازتے ہوئے تلقین فرمائی کہ انعام حاصل کرنے کے لئے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہئے۔ ۱۸۷ اس سال پہلی بار طلبہ مدرسہ کا ایک خاص امتحان دینیات کا لیا گیا امتحان کے پرچے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے اور حضرت میر سید محمد اسحٰق صاحب نے بنائے اور ان کو حضرت ملک غلام فرید صاحب ایم اے، ڈاکٹر سید عنایت اللہ شاہ صاحب اور حضرت مولوی محمد حسن

صاحب نے ملاحظہ فرمایا۔ جو طلبہ اس امتحان میں اول رہے ان کے نام مع حاصل کردہ انعام کے درج ذیل ہیں۔

۱۔	جماعت دہم۔ عطاء الرحمٰن صاحب (حال امیر جماعت احمدیہ ساہیوال)	طلائی تمغہ
۲۔	جماعت نہم۔ محمد ہاشم صاحب۔	نقرئی تمغہ
۳۔	جماعت ہشتم۔ سردار محمد صاحب۔	نقرئی تمغہ
۴۔	جماعت ہفتم۔ غلام حسین صاحب۔	سیرت خاتم النبیین ہر دو حصص
۵۔	جماعت ششم۔ محمد دین صاحب۔	سیرت خاتم النبیین ہر دو حصص

مجالس "ذکر حبیب ؑ"

کچھ عرصہ سے سردار مصباح الدین صاحب سابق مبلغ انگلستان نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات زندگی حضورؑ ہی کے صحابہ سے سنانے کا انتظام کر رکھا تھا اسی سلسلہ میں انہوں نے ۲۰/۲۱ اپریل کی درمیانی شب کو قادیان کے تمام حاضر الوقت صحابہ کو جن کی تعداد تین سو تھی مسجد اقصیٰ میں دعوت طعام دی۔ کھانے کے بعد گیارہ صحابہ نے حضور علیہ السلام کی زندگی کا ایک ایک چشم دید واقعہ بیان کر کے حاضرین کے ایمان کو تازہ کیا۔ ۱۸۸

سناتن دھرم سبھا لاہور کی مذہبی کانفرنس

لاہور کی سناتن دھرم سبھا نے اپنے سالانہ جلسہ پر ۲۴/ مئی ۱۹۳۲ء کو ایک مذہبی کانفرنس منعقد کی جس میں حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ نے "کیا مذہب ملکی ترقی میں رکاوٹ ہے؟" کے موضوع پر ایک مختصر مگر موثر مضمون پڑھا۔ ۱۸۹

قادیان میں السنہ مشرقیہ کے امتحانات کا سنٹر

اس سال قادیان میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے السنہ مشرقیہ کے امتحانات کا بھی سنٹر مقرر کر دیا گیا۔ ۱۹۰

قادیان کے دفاتر میں ٹیلی فون

جولائی ۱۹۳۲ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ، ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ، ناظر صاحب اعلیٰ، ناظر صاحب بیت المال اور ایڈیٹر صاحب الفضل کے دفاتر میں ٹیلی فون لگا۔ ۱۹۱

واعظ مقامی کا تقرر

قبل ازیں قادیان میں آنے والے مہمانوں اور مقامی جماعت کی تربیت کا کوئی تسلی بخش مرکزی انتظام نہیں تھا۔ یکم نومبر ۱۹۳۲ء سے "واعظ مقامی" کی ایک اسامی منظور کی گئی اور حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوریؓ قادیان کے پہلے واعظ مقامی

مقرر کئے گئے۔ آپ کے فرائض مختصراً یہ تھے۔

(۱) مہمانوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام (۲) درس کا انتظام (۳) غیر معروف مہمانوں کے حالات کا پتہ لگانا اور مشتبہ لوگوں کی نگرانی کرنا (۴) نئے آنے والے مہاجرین کو ہجرت کی غرض و غایت سے آگاہ کرنا۔ (۵) مقامی عہدیداروں کے توسط سے مقامی احمدیوں کی عام تربیت کی نگرانی کرنا۔ [۱۹۲]

حضرت مولوی صاحبؓ ایک لمبے عرصہ تک واعظ مقامی کے فرائض نہایت ذمہ داری اور اخلاص سے سرانجام دیتے رہے۔ جس کا تفصیلی ذکر صدر انجمن احمدیہ کی رپورٹوں سے ملتا ہے۔

بیرونی مشنوں کے بعض ضروری واقعات

فلسطین مشن: مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری نے مارچ ۱۹۳۲ء سے ایک سہ ماہی رسالہ "البشارۃ اسلامیۃ" جاری کیا۔ [۱۹۳] اخبار "الفلسطین" "الاقدام" اور "الصراط المستقیم" نے اس کے اجراء پر عمدہ تبصرے کئے۔ چنانچہ "الصراط المستقیم" (۱۰/ مارچ ۱۹۳۲ء) نے لکھا کہ احمدیہ عقائد نصرانیت پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتے ہیں اور احمدی مسیحیت اور یہودیت پر دوسرے تمام لوگوں سے اشد ہیں۔

مولانا ابو العطاء صاحب کا غیر احمدی عالم شیخ احمد قصاب سے کامیاب مباحثہ ہوا اور وہ وقت ختم ہونے سے پہلے ہی چل دیئے۔ [۱۹۴] علاوہ ازیں بغداد کے مشہور پادری الانستاس الکرملی سے اگست میں تبادلہ خیالات ہوا۔ مگر پادری صاحب نے آخر گفتگو سے انکار کر دیا۔ [۱۹۵]

گولڈ کوسٹ مشن: شمالی علاقہ میں تبلیغ اسلام سے متعلق مقامی افسر نے بعض قیود لگا دی تھیں اس سال کے شروع میں چیف کمشنر نے یہ پابندیاں اٹھا دیں۔ اشانٹی میں مولوی نذیر احمد صاحب مبشر نے دورہ کیا اور ایک ذی اثر شخص الحاج عیسیٰ اپنے ۵۶ مریدوں سمیت سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ [۱۹۶]

نیا سالینڈ: ۸/ فروری ۱۹۳۲ء کو مسلمانان نیا سالینڈ کا ایک وفد گورنمنٹ ہاؤس زومبا میں گورنر صاحب کے سامنے پیش ہوا جس کی قیادت ایک احمدی مسٹر عبد الحکیم جان نے کی۔ اور مسلمانوں کے مطالبات پیش کئے۔ اس جدوجہد پر انجمن حمایت اسلام زومبا (نیا سالینڈ) نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور لکھا جماعت احمدیہ بھی شکریہ کی مستحق ہے جس کے ایک ممبر نے عین موقعہ پر ہماری راہ نمائی کی اور اپنی آمد سے لے کر اس وقت تک مسلم مفاد کی خاطر کئی ایک بہترین کام کئے۔ [۱۹۷]

امریکہ مشن: اسی دن جبکہ نیا سالینڈ کا مندرجہ بالا وفد پیش ہوا تھا۔ امریکہ میں شام کے وقت

مبلغ امریکہ صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی نے ایک کالج میں ہندوستانی سیاسیات پر تقریر کی اور مسلمانوں کے حقوق و مطالبات کی تشریح کی۔ [۱۹۸] اس کے بعد نیویارک اور اس کے نواح میں انہوں نے بذریعہ لیکچر یہ سلسلہ جاری رکھا۔ [۱۹۹] ۵/ جون کو صوفی صاحب کی شکاگو کی اعلیٰ سوسائٹی PEOPLE COMMNITY CHURCH میں تقریر ہوئی۔ خاتمہ پر صدر جلسہ نے کہا۔ میری تمام زندگی میں جو سب سے زیادہ تعجب انگیز معلومات کا اضافہ ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس تقریر سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسلام ایسا خوبصورت مذہب ہے"۔ [۲۰۰] ۱۳/ جون کو ڈی ٹرائٹ میں FELLOW SHIP OF FAITH کے زیر اہتمام ایک کانفرنس میں آپ کی تقریر ہوئی۔ ہندوستانی۔ عرب اور ترک مسلمانوں نے کہا کہ آپ نے آج اسلام کی لاج رکھ لی ہے۔ [۲۰۱] اس سال سٹوبین ہال' نیگس ٹاؤن' کلیولینڈ اور ہوم سٹیڈ میں نئی جماعتیں قائم ہوئیں۔ [۲۰۲]

ایران مشن مرزا برکت علی صاحب آنریری مبلغ نے دار خونین کے ایک پرائیویٹ مکان میں جہاں ایرانی اور عرب اور ہندوستانی موجود تھے وفات مسیح پر چار گھنٹے تک تقریر کی۔ جس کا بہت چرچا ہوا۔ [۲۰۳]

جاوا مشن مولوی رحمت علی صاحب نے جاوا کے مشہور لیڈر چکرو فنو سے ملاقات کی اور پیغام حق پہنچایا اور انگریزی لٹریچر بھی پیش کیا۔ [۲۰۴]

سماٹرا مشن مولوی محمد صادق صاحب کوپتہ راجہ میں تشریف لے گئے مگران کو پولیس نے لیکچر دینے اور مباحثہ کرنے سے روک دیا۔ شہر سگلی میں لوگوں نے سخت مخالفت کی اور انہیں پولیس کے حکم سے شہر چھوڑنا پڑا۔ [۲۰۵]

زنجبار ڈاکٹر محمد شاہ نواز خان صاحب وغیرہ کی کوشش سے ۱۲/ مئی ۱۹۳۲ء کو انجمن احمدیہ زنجبار کی بنیاد رکھی گئی۔ احمدی وفد نے ۷/ جون ۱۹۳۲ء کو ریذیڈنٹ زنجبار سے اور ۱۱/ جون کو سلطان المعظم خلیفہ بن حارب سلطان زنجبار سے ملاقات کی اور سلسلہ احمدیہ سے متعارف کیا۔ [۲۰۶]

۱۹۳۲ء کی نئی مطبوعات اس سال مندرجہ ذیل اہم کتب شائع ہوئیں اور سلسلہ کے لٹریچر میں نہایت قیمتی اضافہ کا موجب بنیں۔

۱۔ "رہنمائے تبلیغ" (مولفہ سید طفیل محمد شاہ صاحب پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ کھیوہ سالار والا ضلع لائلپور) تقریباً ساڑھے تین سو صفحات کی یہ کتاب سوال و جواب کی طرز پر لکھی گئی تھی اور بہتوں کی ہدایت کا موجب بنی۔

۲۔ مقدمہ بہاولپور: حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس" کا وہ بیان جو آپ نے ایک احمدی

کے خلاف مقدمہ تنسیخ نکاح میں بطور گواہ مدعا علیہ عدالت بہاولپور میں دیا۔ [۲۰۷]

۳۔ تفہیمات الٰہیہ: (مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری کی تصنیف) اس کتاب میں مولانا صاحب نے نئے اسلوب و انداز میں غیر مسلموں کے ان اعتراضوں کے جوابات تحریر فرمائے جو سورہ فاتحہ کی نسبت عام طور پر کئے جاتے تھے۔

۴۔ اسلام کی پہلی کتاب: چوہدری محمد شریف صاحب فاضل نے ۱۹۳۲ء و ۱۹۳۶ء میں احمدی بچوں کے لئے نہایت سادہ اور آسان زبان میں ایک سلسلہ کتب جاری کیا جو پانچ حصوں میں شائع کیا گیا جسے بزرگان سلسلہ نے بہت پسند فرمایا۔

۵۔ "تحقیق واقعات کربلا"۔ (تالیف حضرت منشی خادم حسین صاحب خادم بھیروی) سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس کتاب کی نسبت سالانہ جلسہ ۱۹۳۲ء میں فرمایا۔

"بہت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ خادم صاحب کا طرز تحریر ایسا ہے کہ شیعہ کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے سخت لکھا۔ بلکہ اعتراف کرتے ہیں کہ ان کا کلام بہت نرم اور میٹھا ہوتا ہے وہ جو کچھ لکھتے ہیں احمدیت کی روشنی میں لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں"۔ [۲۰۸]

۶۔ مکمل تبلیغی پاکٹ بک: ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم گجراتیؓ کی شاندار تصنیف جسے تبلیغی انسائیکلوپیڈیا کہنا چاہئے۔

اندرون ملک کے مشہور مناظرے

تبلیغ پر زور دینے کی وجہ سے اس سال ملک میں کثرت سے مناظرے ہوئے جن میں سے سولہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ مباحثہ مجوکہ: مجوکہ ضلع سرگودھا میں ۱۸-۱۹-۲۰/ فروری ۱۹۳۲ء کو مباحثہ ہوا۔ جس میں حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری۔ مولوی علی محمد صاحب اجمیری اور مولوی عبد الاحد صاحب احمدی مناظر شامل ہوئے۔ مباحثہ کے اختتام پر ۵۲ افراد نے بیعت کرلی غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی محمد مسعود الہڑوی اور مولوی محمد حسین صاحب کولوتارڑوی وغیرہ دس علماء شریک بحث تھے۔ [۲۰۹]

۲۔ مباحثہ ڈیرہ چک نمبر ۲۹ (ضلع شیخوپورہ) ۲۵-۲۶/ فروری ۱۹۳۲ء کو یہاں ملک عبد الرحمٰن صاحب خادمؓ نے مسئلہ وفات مسیحؑ و صداقت مسیح موعودؑ پر مباحثہ کیا غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی محمد حسین صاحب گوندلانوالہ۔ مولوی محمد مسلم صاحب اور مولوی نور شاہ صاحب مناظر تھے۔ وقت مناظرہ ابھی باقی تھا کہ غیر احمدی علماء میدان مناظرہ سے چل دیئے۔ اس مناظرہ میں

تین اشخاص داخل سلسلہ ہوئے۔ ۲۱۰

۳۔ مباحثہ آنبہ (ضلع شیخوپورہ) آنبہ میں ملک عبدالرحمٰن خادمؓ اور مولوی محمد سلیم صاحب نے ۲۷۔۲۸ اور ۲۹/ فروری کو مولوی محمد حسین صاحب پنڈی بہاء الدین، حافظ احمد الدین صاحب گکھڑوی، اور مولوی نور حسین صاحب گرجاکھی سے چار مناظرے کئے۔ پہلے مناظرہ میں خود غیر احمدیوں نے اپنے مناظر صاحب کو وقت ختم ہونے سے پہلے ہی بٹھا دیا۔ دوسرے مناظرے میں ایک معزز سکھ سردار نے غیر احمدیوں سے کہا کہ آپ کے مناظر کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکے۔ ۲۱۱

۴۔ مباحثہ لاہور: یہ نہایت کامیاب مناظرہ تھا۔ جو ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ نے ۲۔۳/ مارچ ۱۹۳۲ء کو پہلے پادری ٹھاکرداس صاحب ایم۔اے پھر پادری سلطان محمد پال ایڈیٹر "نور افشاں" سے کیا۔ تمام حاضرین جن میں غیر مسلم بھی شامل تھے خادم صاحب کے دلائل سے حد درجہ متاثر ہوئے۔ اور غیر احمدی اصحاب تو اس درجہ خوش تھے کہ بے اختیار نعرہ تکبیر بلند کرتے تھے۔ ۲۱۲

۵۔ مباحثہ روپڑ (ضلع انبالہ) یہاں ۲۰۔۲۱/ مارچ ۱۹۳۲ء کو ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ اور مولوی محمد سلیم صاحب کا غیر احمدی عالم مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی اور مولوی احمد دین صاحب کے ساتھ مناظرہ ہوا۔ ایک شخص نے اسی وقت اعلان بیعت کر دیا۔ ۲۱۳

۶۔ مباحثہ سیدو باغ (سندھ) ۲۶۔۲۷/ مارچ ۱۹۳۲ء کو شیخ مبارک احمد صاحب فاضل اور مولوی محمد سلیم صاحب فاضل نے وفات مسیح اور صدق مسیح موعودؑ پر مناظرے کئے غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی محمد حسین صاحب کولوتارڑوی پیش ہوئے مناظرہ کے بعد ایک صاحب داخل سلسلہ احمدیہ ہوئے۔ ۲۱۴

۷۔ مباحثہ وزیر آباد: یہاں مولوی محمد سلیم صاحب کا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری سے ۱۰/ اپریل کو مباحثہ ہوا۔ مناظرہ میں اہلحدیث نے یہ عجیب شرط رکھی کہ ان کے لئے کسی اپنے امام کا قول بھی حجت و سند نہیں ہے اس لئے وہ پیش نہ کیا جائے مولوی محمد سلیم صاحب نے قرآن مجید سے معیار صداقت پیش کر کے صداقت مسیح موعودؑ کا ثبوت دیا مگر مولوی ثناء اللہ صاحب نے کسی دلیل کو چھونے کی بھی جرات نہ کی مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر "زمیندار" خلاف اصول اپنے مناظر کی تائید کے لئے کھڑے ہوئے تو ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ نے ان کی تقریر کا دندان شکن جواب دیا۔ مباحثہ کے آخر میں اہلحدیث نے دلائل کی تاب نہ لا کر شور مچا

دیا۔ [۲۱۵]

۸۔ مباحثہ شہباز پور (بنگال) ۲۱/ مئی کو اس جگہ صداقت احمدیت اور نبوت مسیح موعودؑ پر مناظرہ ہوا۔ احمدیوں کی طرف سے مولوی سید سعید احمد صاحب نے بحث کی۔ صدر مولوی تمیزالدین صاحب تھے جنہوں نے صرف ۱۰ منٹ تک احمدی مناظر کو اور دو گھنٹے تک غیر احمدی مناظر مولوی حسن الدین صاحب کو بولنے کی اجازت دی۔ غیر احمدی مناظر بالآخر جماعت احمدیہ کے خلاف فتویٰ کفر دینے اور از خود مناظرہ ختم کر کے جانے لگے۔ لیکن سامعین نے ان کو مجبور کر کے بٹھادیا۔ اس کے بعد مولوی سید سعید احمد صاحب نے فریق ثانی کا مدلل جواب دیا۔ [۲۱۶]

۹۔ مباحثہ خانیوال (ضلع ملتان) جون ۱۹۳۲ء میں اس جگہ ایک کامیاب مناظرہ ہوا جس میں مرکز سے حافظ مبارک احمد صاحب' مولوی احمد خاں صاحب اور مولوی عبدالاحد صاحب نے شرکت کی پبلک اس سے بے حد متاثر ہوئی۔ اور ایک معزز غیر احمدی نے احمدی مبلغین کو دعوت طعام دی۔ [۲۱۷]

۱۰۔ مباحثہ اجنالہ: سید احمد علی صاحب اور مولوی محمد نذیر صاحب فاضل ملتانی نے ۲۳/ جون کو اجنالہ میں علمائے اہلحدیث مولوی عبدالقادر صاحب اور حافظ احمد دین صاحب سے مناظرہ کیا۔ غیر مسلم پبلک اہلحدیث مناظر کی بدزبانی کی بہت شاکی تھی۔ جس پر غیر احمدی صدر صاحب کو معذرت کرنا پڑی۔ [۲۱۸]

۱۱۔ مباحثہ شاہ مسکین (ضلع شیخوپورہ) ۳۔۴/ جولائی ۱۹۳۲ء کو ایک کامیاب مناظرہ ہوا۔ جس میں احمدیوں کی طرف سے مولوی محمد سلیم صاحب اور شیخ مبارک احمد صاحب مناظر تھے۔ [۲۱۹]

۱۲۔ مناظرہ گنج مغلپورہ: ۱۷/ جولائی ۱۹۳۲ء کو موضع گنج متصل لاہور میں جماعت احمدیہ اور اہلحدیث کے درمیان ایک فیصلہ کن مناظرہ ہوا۔ ختم نبوت کے مسئلہ پر جماعت احمدیہ کی طرف سے مولوی محمد سلیم صاحب اور اہلحدیث کی طرف سے مولوی نور حسین صاحب گرجاکھی مناظر تھے۔ حیات و وفات مسیحؑ اور صداقت مسیح موعودؑ کے موضوع پر ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ نے جماعت احمدیہ کی جانب سے مناظرہ کیا اور اہلحدیث کی طرف سے پہلے مولوی احمد دین صاحب پھر مولوی عبدالرحیم شاہ صاحب پیش ہوئے دوسرے اور تیسرے مناظرے کے درمیان غیر اہلحدیث نے میدان مناظرہ میں ہی اپنا جلسہ کر کے مولوی ثناء اللہ صاحب امرت سری کی تقریر شروع کرادی۔ مگر پھر فیصلہ ہوا کہ جماعت احمدیہ کی طرف سے تقریر ہو جس پر بعد کو سوالات و جوابات ہوں چنانچہ ابتداء حافظ مبارک احمد صاحب اور مولوی ثناء اللہ صاحب

کی تقریریں ہوئیں اس کے بعد ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ کھڑے ہوئے تو فریق ثانی نماز عصر کا بہانہ کرکے چلا گیا۔ اس مناظرہ کے نتیجہ میں تین اشخاص سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ [۲۲۰]

۱۳۔ مباحثہ بمبو (تحصیل شکر گڑھ) ۳۱/ جولائی کو جماعت احمدیہ اور اہلحدیث کا مناظرہ ہوا۔ احمدی مناظر حافظ مبارک احمد صاحب اور مناظر اہلحدیث حافظ احمد دین صاحب گکھڑوی اور عبدالرحیم شاہ صاحب وغیرہ تھے۔ پبلک نے اقرار کیا کہ احمدی مبلغ نے اپنے دلائل نہایت سنجیدگی سے بیان کئے ہیں۔ [۲۲۱]

۱۴۔ مباحثہ بھیرہ (ضلع شاہ پور) جماعت احمدیہ اور بریلویوں کے درمیان ۱۶/ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۲ء کو تین مناظرے ہوئے جماعت احمدیہ کی طرف سے پہلے اور دوسرے مناظرہ میں مولوی محمد سلیم صاحب اور تیسرے میں ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ نے حصہ لیا۔ غیر احمدی مناظر مولوی محمد حسین صاحب کولو تارڑوی تھے۔ تیسرا مناظرہ بڑے معرکے کا تھا۔ جس کے نتیجہ میں بھیرہ اور اس کے مضافات میں ایک ہلچل سی مچ گئی اور پانچ نفوس سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ [۲۲۲]

۱۵۔ مباحثہ گوبند پورہ: ۲۰-۲۱/ نومبر کو مولوی محمد سلیم صاحب نے یہاں غیر احمدی عالم مولوی محمد ادریس صاحب سے مناظرہ کیا۔ ہندو پبلک نے خصوصیت سے جماعت احمدیہ کے دلائل کی معقولیت تسلیم کی۔ [۲۲۳]

۱۶۔ مباحثہ جہلم: جہلم کا یہ مشہور مباحثہ الوہیت مسیح اور صداقت مسیح موعودؑ کے موضوع پر ۱۲ سے ۱۵/ دسمبر تک جاری رہا۔ احمدی مناظر مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ تھے اور عیسائی مناظر پادری عبدالحق صاحب مناظرہ جہلم کے گرجا گھر میں ہوا۔ فریقین کے کل ۲۲ پرچے ہوئے یہ مناظرہ شائع شدہ ہے جس کے پڑھنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے احمدیت کو عیسائیت پر کتنی بین فتح دی۔ [۲۲۴]

نو مبایعین

اس سال سینکڑوں [۲۲۵] احباب حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔ بیعت کرنے والوں میں مرزا محمد اسحٰق بیگ صاحب آف پٹی بھی تھے جو مرزا احمد بیگ صاحب ہوشیارپوری کے نواسے اور محمدی بیگم صاحبہ کے بیٹے ہیں۔ مرزا صاحب موصوف نے انہیں دنوں قبول احمدیت پر ایک مفصل بیان [۲۲۶] میں زوردار الفاظ سے اعلان کیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی متعلقہ مرزا احمد بیگ صاحب روز روشن کی طرح پوری ہو چکی ہے اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں یہ وہی مسیح موعود ہے جن کی نسبت نبی کریم ﷺ نے پیشگوئی فرمائی تھی۔

پہلا باب (فصل ششم)

خلافت ثانیہ کا بیسواں سال

(جنوری ۱۹۳۳ء تا دسمبر ۱۹۳۳ء بمطابق رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ تا رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہوائی جہاز میں پہلی بار پرواز

۱۹۳۳ء کا آغاز حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور حضور کے برادران کی ہوائی جہاز میں پہلی بار پرواز کے واقعہ سے ہوتا ہے۔

ہندوستان کے مشہور ہوا باز مسٹر چاولہ ۳۰/ دسمبر ۱۹۳۲ء کو ۷ بجے شام کے قریب اپنے ہوائی جہاز پر لاہور سے آئے اور قادیان کے اسٹیشن کے پاس کھلے میدان میں اترے اور حضور سے جہاز دیکھنے کی درخواست کی چنانچہ حضور یکم جنوری ۱۹۳۳ء کو گیارہ بجے کے قریب تشریف لے گئے۔ قادیان میں ہوائی جہاز کے آنے کا یہ پہلا موقعہ تھا۔ اس لئے قادیان اور اس کے مضافات سے بکثرت لوگ جمع تھے۔ جہاز نے تین دفعہ پرواز کی۔ پہلی بار حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے اور سیدہ ناصرہ بیگم صاحبہ [۲۲۷] سوار ہوئے اور دوسری دفعہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ اور سیدہ امتہ القیوم صاحبہ۔ [۲۲۸] تیسری بار حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ۔ جہاز اللہ اکبر کے نعروں میں زمین سے بلند ہوا اور آدھ گھنٹہ کے قریب چار ہزار فٹ کی بلندی پر اڑنے اور دریائے بیاس تک چکر لگانے کے بعد زمین پر اترا۔

یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب ہو گا کہ کئی اصحاب کو ہوائی جہاز کے سفر سے تشویش بھی ہوئی اور بعض مخلصین نے تو حضور کی خدمت میں اس کا اظہار بھی کر دیا۔ مگر حضور نے ان کو تسلی دی لیکن جب جہاز کی تیسری اڑان کے دوران پہلی دو پروازوں کی نسبت زیادہ وقت گزرنے لگا اور جہاز کہیں دکھائی نہ دیا تو گھبراہٹ اور اضطراب کی لہر دوڑ گئی اس اثناء میں جونہی جہاز نظر آیا لوگوں نے فرط مسرت سے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ [۲۲۹]

اچھوتوں سے متعلق جماعت احمدیہ کی مخلصانہ مساعی اور ہندوؤں کی مخالفت

جماعت احمدیہ نے اچھوتوں میں تبلیغ اسلام کی جو مہم جاری کر رکھی تھی اس نے ہندوؤں کو بہت برانگیختہ کر رکھا تھا اور اب انہوں نے

کھلم کھلا جماعت احمدیہ کی مخالفت شروع کردی۔ ہندوؤں کے جذبات کی تلخی کتنی شدت اختیار کر چکی تھی اس کا نمونہ اخبار "آریہ گزٹ" ۷/ جنوری ۱۹۳۳ء کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ملتا ہے۔

"ان کے (احمدیوں کے۔ ناقل) زیر نظر دو مقصد ہیں اول ہندوؤں کو نقصان پہنچانا۔ احمدی جماعت ایک تبلیغی جماعت ہے اور مسلمانوں میں جو تبلیغی بیداری پائی جاتی ہے وہ موجودہ زمانہ میں بہت حد تک احمدیوں کی جدوجہد کا نتیجہ ہے احمدی جماعت ہندوؤں کی بہت سخت دشمن ہے اور ہر ممکن طریقہ سے ہندو قوم کو نقصان پہنچانے میں کوشاں رہتی ہے اور اس طریقہ سے بھی وہ ہندوؤں کو نقصان پہنچانے میں کامیابی کی امید رکھتے ہیں۔ دوسرا مقصد ان کے زیر نظر یہ ہے کہ احمدیوں کی تعداد بڑھائی جائے اس وقت ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے دوسرے مسلمان ان کے بہت مخالف ہیں۔ اور ان میں نئے شامل ہونے والے بہت کم ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اچھوتوں کو احمدی بنا کر مردم شماری میں ان کی تعداد بڑھائی جائے اور پنجاب میں سیاسی اقتدار حاصل کیا جائے اس وقت باوجود تھوڑے ہونے کے احمدی لوگ میدان سیاست میں کافی اثر رکھتے ہیں جس کی بڑی وجہ ان کی تنظیم اور اپنے خلیفہ کی اطاعت کرنا ہے کونسل کے تمام مسلمان ممبران ان کے ووٹوں کی ضرورت محسوس کرکے ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرسکتے اور جب اچھوتوں کو ساتھ ملا کر ان کی تعداد میں کافی اضافہ ہو جائے گا۔ تو آسانی سے خیال کیا جاسکتا ہے کہ ان کا سیاسی اثر کس قدر زیادہ ہو جائے گا۔ بلکہ مجھے تو یہ نظر آرہا ہے کہ اگر جداگانہ انتخاب قائم رہا تو زمانہ مستقبل میں پنجاب پر دراصل خلیفہ قادیان کی حکومت ہوگی"۔

[230]

چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی سفر ولایت سے واپسی

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب تیسری گول میز کانفرنس میں مسلمانان ہند کی سیاسی نیابت کے اہم فرائض ادا کرنے کے بعد ۱۹/ جنوری ۱۹۳۳ء کو لنڈن سے وارد بمبئی ہوئے۔ بندرگاہ پر احمدیوں کے علاوہ بعض مشہور مسلمان شخصیتوں [231] نے بھی آپ کا پرتپاک استقبال کیا۔ بوہرہ جماعت کے پیشوا ملا سیف الدین طاہر صاحب سے ملاقات کرنے کے بعد آپ فرنٹیر میل میں دہلی روانہ ہو گئے۔ [232] دہلی میں ایک دن قیام فرمانے کے بعد ۲۲/ جنوری ۱۹۳۳ء کو ۱۲ بجے کی گاڑی سے سیدھے قادیان تشریف لائے۔ اسٹیشن پر خیر مقدم کرنے والوں کا ایک بہت بڑا ہجوم موجود تھا۔ خود حضرت خلیفہ ثانیؓ بھی رونق افروز تھے۔ آپ معانقہ و مصافحہ کے بعد حضور کی معیت میں بذریعہ موٹر مسجد مبارک آئے اور نفل پڑھنے کے بعد بہشتی مقبرہ میں دعا کے لئے تشریف لے گئے۔ واپسی پر حضرت امیر المومنینؓ کے ہاں کھانا تناول فرمایا اور تین بجے کی گاڑی میں لاہور کی

طرف روانہ ہوگئے۔ [۲۲۳]

لاہور اسٹیشن پر بھی مسلمانان پنجاب کے نہایت معزز اور سرکردہ اصحاب و عمائد استقبال کے لئے موجود تھے۔

چوہدری صاحب کی واپسی اور استقبال کے سلسلہ میں ہندو اخبار "ملاپ" (لاہور) نے ۲۵-۲۶/ جنوری ۱۹۳۳ء کے پرچوں میں مندرجہ ذیل دو نوٹ شائع کئے۔ پہلا نوٹ ادارہ "ملاپ" کے ایک رکن کا تھا اور دوسرا اس کے مالک لالہ خوشحال چند صاحب کا۔

پہلا نوٹ: "پلیٹ فارم ۹ نمبر پر ایک اور ہی نقشہ نظر آیا۔ جدھر دیکھو ترکی ٹوپیوں والے ہار ہاتھوں میں لئے پھر رہے ہیں۔ اتنے میں ایک سانولی صورت لمبا چوڑا شخص ایک لبادہ پہنے نظر آیا۔ صحیح طور پر لکھا جائے تو یہ کہنا ہو گا کہ شوخ رنگ کا ایک لبادہ چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔ نزدیک پہنچے تو دیکھا کہ پنجاب کونسل کے جلیل القدر صدر چودھری سر شہاب الدین چلے آرہے ہیں۔ چند منٹ کے بعد فاصلہ پر ایک اور صاحب نظر پڑے غنی سمجھا شاہ ایڈورڈ ہفتم نے دوبارہ جنم لے لیا ہے اور لیا بھی غلام آباد ہندوستان میں لیکن یہاں بھی دھوکا ہوا۔ لاہور ہائی کورٹ کے جج سر عبد القادر تھے۔ اتنے میں نہایت اعلیٰ قسم کا تمباکو سلگنے کی خوشبو آئی۔ منہ پھیر کر دیکھا تو سامنے ایک وجیہہ جوان چلے آرہے تھے۔ سر پر زرکار کلاہ جس پر ایک سفید ململ کی پگڑی لیکن اس پر ایک امتیازی طرہ عنفوان جوانی میں متانت پیدا کر رہا تھا۔ پاؤں میں پیٹنٹ لیدر کی بڑھیا پمپ شو اور بدن پر ایک چسٹر جس کے بٹن کھلے ہوئے تھے سمجھا کوئی بڑے رئیس زادے ہیں لیکن ایک منٹ کے اندر اندر ہی نووارد کے اردگرد ایک ہجوم ہو گیا۔ آپ سب سے مصافحہ کرتے جاتے اور مسکراتے جاتے تھے قریب پہنچ کر دیکھا تو معلوم ہوا نووارد حضرت سردار سکندر حیات خاں ریونیو ممبر گورنمنٹ پنجاب ہیں وہی سکندر حیات خان صاحب جو حال ہی میں قائم مقام گورنر رہ چکے ہیں۔ میں حیران تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے سردار سکندر حیات اور یہ سادگی اور یہ بے تکلفی۔ ہر کہ و مہ سے اس طرح مصافحہ کر رہے ہیں گویا ساری عمر کسی بڑے عہدہ کی جھلک نہیں دیکھی چہ جائیکہ گورنری کی گدی پر براجمان رہ چکے ہیں۔ مجھے معاً اپنی قوم کے بڑے آدمیوں کا خیال آگیا۔ ان سے ملنا کتنا دشوار ہے اور پھر مل کر طبیعت پر کتنا بوجھ معلوم ہوتا ہے۔ کیا ہندو بھی کبھی اس اخلاص کا نمونہ پیش کر سکیں گے۔ جو مسلمانوں کی ایک قومی خصوصیت ہے۔

یہ سب صاحبان چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کے استقبال کے لئے جمع ہوئے تھے۔ چوہدری صاحب لنڈن سے آرہے تھے مگر گاڑی گورداسپور سے آرہی تھی۔ حیرت ہوئی کہ آخر گورداسپور کی گاڑی میں آنے کا کیا مطلب؟ معلوم ہوا کہ آپ پنجاب میں قدم رکھنے کے بعد اپنے خویش و اقارب کو

ملنے سے پہلے اپنے پیرو مرشد خلیفہ قادیان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے قادیان تشریف لے گئے تھے۔ مجھے اس سے مطلب نہیں کہ چوہدری صاحب احمدی ہیں یا حنفی یا وہابی۔ اس کے سامنے تو صرف ایک سوال تھا اور وہ یہ کہ مسلمان اپنے مذہب کا کتنا پابند ہے۔ بخلاف اس کے پڑھے لکھے ہندو نوجوان مذہب کا مذاق اڑانا سب سے بڑی سعادت خیال کرتے ہیں"۔

دوسرا نوٹ: "جو ہندو لیڈر شکایت کرتے ہیں کہ ان کی بات سننے والا کوئی نہیں۔ گورنمنٹ کے ہاں ان کی سنی نہیں جاتی۔ اور ہندو پبلک ان کی آواز پر عمل نہیں کرتی۔ انہیں دیکھنا چاہئے کہ اس کی تہہ میں کونسی وجوہات کام کر رہی ہیں۔ دوسری باتوں کے علاوہ ایک بات جو ہندو لیڈروں کو کمزور بنا رہی ہے وہ دھارمک پہلو میں ان کی لاپروائی ہے جتنا بڑا ہندو لیڈر ہو گا اتنا ہی زیادہ ناستک بننے کی کوشش کرے گا جوں جوں اس کا درجہ بڑھتا جائے گا۔ وہ ویدوں کو جواب دیتا جائے گا۔ شاستروں کو جواب دیتا جائے گا اور آخری منزل پر پہنچ کر شاید ایشور کو بھی جواب دینا مناسب سمجھ لیا جائے۔ اس سے بڑھ کر قابل افسوس بات یہ ہے کہ ان باتوں کو فراخدلی اور آزاد خیالی کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ سوسائٹی اور جاتی کے پرخچے اڑا دینے والے جتنے کام ہیں ان کو کرنا فخر خیال کیا جاتا ہے ویدوں کو الہامی ماننا سدھانتوں پر چٹان کی طرح کھڑے رہنا دقیانوسی سپرٹ سمجھی جاتی ہے اور اسے تنگدلی کا اور غلامانہ ذہنیت کا نام دیا جاتا ہے۔ مجھے ہندو جاتی کے انتشار کی سب سے بڑی وجہ یہی نظر آتی ہے۔ بتلاؤ تو سہی ہندوؤں کے لئے کوئی مرکز چھوڑا بھی گیا ہے جس کے اردگرد جمع ہوں یا آزاد خیالی یا مادر پدر آزادی کے طوفان میں سب کچھ غرق کر دیا گیا ہے کتنے ہی ہندو لیڈر گول میز کانفرنس میں شامل ہونے کے لئے لنڈن پہنچے لیکن کسی کے متعلق یہ سننے میں نہیں آیا کہ کوئی شخص وید کا پستک ساتھ لے گیا ہو اور اسے تختہ جہاز پر یا لنڈن کے ہوٹلوں میں وید منتر پڑھتے ہوئے دیکھا یا سنا گیا ہو۔ اس کے برعکس مسلم لیڈروں کو لے لیجئے۔ قریباً ہر ایک مسلمان لیڈر کے پاس قرآن موجود تھا اور وہ ہر روز اس کا مطالعہ کرتے تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر ہندو لیڈر واپس آئے اور اپنی اپنی کوٹھیوں میں چلے گئے لیکن ہندو لیڈروں کے لئے چودھری ظفر اللہ خان صاحب نے ایک شمع ہدایت دکھلائی ہے اور ہندو لیڈروں کو بتلایا ہے کہ قوت ایمان اور اپنے مذہب کی محبت ہی اونچا اور بلند کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب ۱۹/ جنوری کو جہاز سے اترے اور ایک دن دہلی رہ کر وہاں سے سیدھے ۲۲/ جنوری کو قادیان جا پہنچے اس کے متعلق جو روئداد "الفضل" نے لکھی وہ یہ ہے کہ:

"احمدیہ چوک میں موٹر سے اتر کر مسجد مبارک میں نفل پڑھے۔ پھر مقبرہ بہشتی میں دعا کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپسی پر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ہاں کھانا کھایا

اور تین بجے کی گاڑی سے لاہور تشریف لے گئے"۔

گویا چودھری صاحب نے لنڈن سے واپسی پر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے "دارالامان" پہنچے اور وہاں مسجد میں پہنچ کر اپنا فرض ادا کیا۔ اسے کہتے ہیں قوت ایمان اور یہی چیز ہے جو مسلمانوں کو سنگٹھت کر رہی ہے لیکن ہندوؤں میں جیسے ان کے لیڈر ویسے یہ خود۔ نہ لیڈروں کو دھرم کا خیال ہے نہ عوام کو۔ ذرا کوئی ہندو پالیٹکس کی طرف جھکتا ہے تو وہ سب سے پہلے دھرم اور دھارمک عقیدوں کے خلاف جہاد کرنا اپنا فرض سمجھ لیتا ہے چاہے کوئی کانگرسی ہو یا غیر کانگرسی۔ ہندو بھائی ہو یا قوم پرست، ہر ایک ہندو اور ہندو لیڈر کو مسلم لیڈروں میں سے کسی نے نہیں تو چودھری ظفر اللہ خاں صاحب نے جو مثال پیدا کی اسے دیکھ کر یقیناً ہر ہندو لیڈر شرمندہ ہو رہا ہو گا"۔ [۲۲۲]

ایک ناگوار واقعہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا فیصلہ

مولوی عبدالرحیم صاحب دردؓ ۲/ فروری ۱۹۳۳ء کو بغرض تبلیغ انگلستان روانہ ہونے والے تھے۔ روانگی کے وقت بعض مقامی طلباء و اساتذہ نے بعض دفتری امور کی بناء پر آپ کے خلاف ایسا رویہ اختیار کیا جو سلسلہ احمدیہ کی روایات اور اسلامی تعلیم کے سراسر منافی تھا۔

حضرت امیر المومنینؓ کو دوسرے دن اس مظاہرہ کی اطلاع پہنچی تو حضور نے ایک طرف تو حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحبؓ پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ بمبئی کو تار بھیجا کہ جب مولوی صاحب جہاز پر سوار ہوں تو ان کے گلے میں پھولوں کا ایک ہار حضور کی طرف سے اور چار ہار اطراف عالم میں پھیلے ہوئے احمدیوں کی طرف سے ڈالے جائیں۔ دوسری طرف حضورؓ نے ۳/ فروری کو ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر فرمایا۔ جس میں قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔ اے، حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ، حضرت چوہدری فتح محمد صاحبؓ سیال ایم اے ناظر اعلیٰ اور حضرت مفتی محمدؐ صادق صاحبؓ کو بطور مشیر شامل فرمایا اور اپنی نگرانی میں ۴/ فروری سے ۱۶/ فروری تک مصروف تحقیقات رہے۔

تحقیقات کے دوران حضور انور کی شفقت و ذرہ نوازی کے عجیب نظارے دیکھنے میں آئے۔ حضورؓ ان دنوں ناسازی طبع کے باوجود ایک ایسے معاملہ کی تحقیقات میں مصروف تھے جس کی وجہ سے حضور کو سخت صدمہ تھا مگر اس کے باوجود حضور کو ان لوگوں کے آرام اور تواضع کا خیال دامنگیر تھا جو تحقیقات کے لئے بلائے جاتے تھے۔ حضور بار بار ان کو احترام کے ساتھ بٹھاتے اور ان کو آرام پہنچانے کے لئے انگیٹھی بھی رکھوا دیتے اور جب کھانے یا چائے کا وقت آتا تو جو لوگ اس وقت تحقیق کے لئے مدعو ہوتے ان کو بھی اپنے ساتھ کھانا کھانے یا چائے پینے کا شرف عطا فرماتے۔ اسی قسم کے ایک موقعہ پر

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے منہ سے نکل گیا کہ اس عدالت کی عجیب شان ہے جس میں صدر عدالت' ان کے مشیر اور ملزم ایک ہی میز پر ایک ہی قسم کے برتنوں اور ایک ہی قسم کی اشیاء کا ناشتہ کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں زیر الزام اشخاص قدرتاً جھینپتے اور شرماتے۔ اس وقت قمرالانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے میزبانی کے فرائض ادا فرماتے اور اپنے ہاتھ سے اشیاء اٹھا اٹھا کر ان کے آگے رکھتے۔

حاصل کلام یہ کہ جب معاملہ کے ایک حصہ کی تحقیقات پایہ تکمیل کو پہنچی۔ تو ۱۰/ فروری کو خطبہ جمعہ میں حضور نے یہ اعلان فرمایا کہ بات اس سے بھی زیادہ اہم اور افسوسناک تھی جس قدر کہ مجھے پہلے خطبہ کے وقت نظر آتی تھی۔ اور باوجود رحم کے ایک شدید جذبہ کے جو ایک باپ کو اپنے بچہ کے متعلق پیدا ہوتا ہے۔ میں اس فیصلہ پر مجبور ہوا ہوں کہ بعض ایسے لوگ اساتذہ میں سے بھی ہیں کہ جن کے فعل کی برائی حد سے بڑھی ہوئی ہے اور انہوں نے اپنے افعال سے اپنے آپ کو اس مقام پر کھڑا کر دیا ہے کہ ان کے معاملہ پر غور کیا جائے اور اگر اللہ تعالیٰ ان کے لئے عفو کے سامان پیدا نہ کرے تو انہیں ان کے اعمال کے مطابق سزا دی جائے اس وضاحت کے بعد حضور نے اس مظاہرہ میں نمایاں حصہ لینے والوں کی نسبت حکم دیا کہ ان کے ساتھ کوئی احمدی اطلاع ثانی تک کوئی کلام نہ کرے۔ چنانچہ ۱۰/ فروری سے لے کر ۱۸/ فروری تک جبکہ حضور کی طرف سے معافی کا اعلان نہ ہو گیا ان کے ساتھ کسی نے کلام نہ کیا اور ان لوگوں نے بھی یہ ایام نہایت تضرع و زاری میں گزارے اور شب و روز توبہ و استغفار میں مصروف رہے اور روزہ رکھ کر خدا تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری سے دعائیں کرتے رہے۔

جب ہر لحاظ سے تحقیقات مکمل ہو گئی تو حضور کے حکم پر ۱۸/ فروری ۱۹۳۴ء کو صبح ساڑھے دس بجے تک سب لوگ مسجد اقصیٰ میں جمع ہوئے اور حضور نے اپنا فیصلہ سنایا جس جس شخص نے کوئی نازیبا حرکت کی تھی اس کا ذکر بھی کیا۔ اور فرمایا کہ اگر ان ایام میں ایسے لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو چکا ہو اور سچی ندامت بھی پیدا ہو چکی ہو۔ تو وہ کھڑے ہو کر اس کا اظہار کر دیں۔ اور خدا تعالیٰ' خلیفہ وقت اور جماعت سے معافی مانگیں نیز آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کا اقرار کریں تو انہیں معافی دے دی جائے گی۔ اس پر متعلقہ اصحاب باری باری اٹھے اور رو رو کر انشراح صدر سے معافی مانگی اور اپنے افعال پر ندامت کا اظہار کیا۔ جس پر حضور نے ان کو معاف فرما دیا البتہ بعض طلباء و اساتذہ کی معافی بعض شرائط کے ساتھ مشروط کر دی۔

عفو و معافی کا یہ عجیب نظارہ تھا جس میں اپنے مشفق آقا اور رحیم و کریم امام کی زبان مبارک سے محبت و شفقت سے لبریز فیصلہ سن کر ہر آنکھ پر نم ہو گئی۔ خوشی اور مسرت کے آنسو نکل پڑے۔ اور ہر دل

نے محسوس کیا کہ خلافت کا وجود ہر قصوروار اور خطاکار کے لئے آیہ رحمت ہے بشرطیکہ اسے اپنی غلطی پر حقیقی ندامت اور پشیمانی ہو۔ ۲۲۵

چینی اور جاپانی مسلمانوں کیلئے جاپانی حکومت سے خط و کتابت

حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے جاپانی قونصل جنرل کو ایک خط لکھا تھا جس میں جاپانی و چینی مسلمانوں کے خلاف حکومت کے رویہ پر تشویش کا اظہار کیا۔ جاپانی قونصل جنرل نے جواب بھیجا کہ "میں آپ کو بخوشی اطلاع دیتا ہوں کہ حکومت جاپان کو مسلمانوں کے خلاف ہرگز کوئی تعصب نہیں ہے جاپان میں اہل اسلام کو اپنے مذہب اور قومی تہذیب و تمدن کے لحاظ سے پوری آزادی ہے"۔ نیز لکھا کہ:

"جاپان کا ہرگز کوئی ارادہ نہیں کہ اہل چین کے ساتھ جنگ کرے...... چین میں مسلم آبادی بہت غربی جانب ہے اور موجودہ چینی جاپانی لڑائی کا اس حصہ ملک پر کوئی اثر نہیں جن چینیوں سے اس وقت جاپان کی لڑائی ہے وہ چین کے قوم پرست ہیں جو کمیونل ۲۲۶ خیالات کے زیر اثر ہیں چین کے مسلمان ان خیالات میں ان کے ساتھ متحد نہیں"۔ ۲۲۷

"بیت النصرت" کی بنیاد

۲۳/ فروری ۱۹۳۳ء کو حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے اپنے دست مبارک سے حضرت ام المومنینؓ کی کوٹھی "بیت النصرت" کا سنگ بنیاد رکھا۔ ۲۲۸ جیسا کہ قبل ازیں ذکر آچکا ہے حضرت ام المومنینؓ نے یہ کوٹھی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے لئے بنوائی تھی جن سے آپ کو از حد محبت تھی۔ چنانچہ مولوی سید بشارت احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ حیدر آباد دکن کی اہلیہ محترمہ کا بیان ہے کہ یوں تو خاندان کے بنیادی فرد ہونے کی حیثیت میں آپ ہر فرد خاندان سے محبت و الفت سے پیش آتی ہیں لیکن حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اپنے بڑے پوتے سے خاص الفت ہے۔ ایک مرتبہ عاجزہ کو حضرت صاحبزادہ صاحب کا مکان لے جاکر بتلایا جو آپ نے بنوایا تھا آپ نے اس مکان کے بالائی حصہ میں بیت الدعاد کھا کر فرمایا کہ میں نے تبرکاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے مکان کی ایک اینٹ اس کوٹھی کے بالائی حصہ میں لگوادی ہے۔ آپ کا یہ جذبہ عقیدت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی ہزار دلیلوں سے بڑھ کر ایک دلیل ہے۔ ۲۲۹

مرکز میں صیغہ نشرواشاعت کا قیام

مجلس مشاورت ۱۹۳۳ء میں ایک اہم فیصلہ یہ ہوا کہ نظارت دعوۃ و تبلیغ کے ماتحت ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا جائے جس کا مقصد مقامی ضرورتوں کے مطابق اشتہارات اور ہینڈ بلز کی اشاعت کا انتظام ہو۔ اس

فیصلہ کے مطابق صیغہ نشرو اشاعت کی بنیاد پڑی۔ جو آج تک جاری ہے اور بہت مفید تبلیغی خدمات بجا لا رہا ہے۔

مسجد فضل لنڈن میں قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر

اپریل ۱۹۳۳ء میں عید الاضحیہ کے موقع پر مسجد احمدیہ لنڈن میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں دو سو کے قریب مشہور شخصیتیں مدعو تھیں۔ [۲۲۰]

اس موقعہ پر حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد کی تحریک پر قائداعظم محمد علی جناح نے "ہندوستان کے مستقبل" پر سر سٹیوارٹ سنڈیمین ایم۔ اے (SIR. STEWART SANDAMAN) کی صدارت میں تقریر کی جس میں آپ نے بتایا کہ ہندوستان اب بہت جلد جلد ترقی کرے گا۔ نیز یہ کہ قرطاس ابیض کی تجاویز ہندوستان کو مطمئن نہیں کر سکتیں انہیں کامل خود مختاری ملنی چاہئے۔ صدر جلسہ نے مسٹر جناح کے خیالات سے اختلاف کیا۔ مگر درد صاحب نے ہردو اصحاب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے دونوں قسم کے خیالات سن لئے ہیں اب ہمیں غور کر کے صحیح نتیجہ اخذ کرنا چاہئے۔ [۲۲۱]

قائداعظم نے اپنی تقریر کا آغاز ان الفاظ سے کیا۔

THE ELOQUENT PERSUATION OF THE IMAM LEFT ME NO ESCAPE [۲۲۲]

"امام صاحب کی فصیح و بلیغ ترغیب نے میرے لئے کوئی راہ بچنے کی نہیں چھوڑی"۔ قائداعظم کی یہ تقریر برطانوی اور ہندوستانی پریس کی خاص توجہ کا موجب بنی اور "دی ایوننگ سٹینڈرڈ" (لنڈن)، "ہندو" (مدراس)، "دی سٹیٹسمین" (کلکتہ)، "مدراس میل" (مدراس)، (پایونیر) (الہ آباد)، "ویسٹ افریقہ" (افریقہ)، "اجپشن گزٹ" (اسکندریہ) وغیرہ اخبار نے اس کی خبر شائع کی۔ [۲۲۳] مگر ساتھ ہی یہ چہ میگوئیاں بھی ہونے لگیں کہ ایک مذہبی جماعت کے مرکز میں سیاسی لیکچر کی وجہ کیا ہے؟

دراصل بات یہ تھی کہ قائداعظم محمد علی جناح پہلی گول میز کانفرنس کے بعد اصلاح احوال کے لئے سخت مایوسی کا شکار ہو کر مستقل فیصلہ کر چکے تھے کہ اب وہ واپس ہندوستان نہ جائیں گے بلکہ حیات مستعار کے بقیہ سال انگلستان میں ہی بسر کر دیں گے چنانچہ خود لکھتے ہیں۔

"اب میں مایوس ہو چکا تھا مسلمان بے سہارا اور ڈانواڈول ہو رہے تھے کبھی حکومت کے یار وفاداران کی رہنمائی کے لئے میدان میں آموجود ہوتے تھے۔ کبھی کانگرس کے نیازمندان خصوصی ان کی قیادت کا فرض ادا کرنے لگے تھے۔ مجھے اب ایسا محسوس ہونے لگا کہ میں ہندوستان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا نہ ہندو ذہنیت میں کوئی خوشگوار تبدیلی کر سکتا ہوں نہ مسلمانوں کی آنکھیں کھول سکتا ہوں۔ آخر میں نے لندن میں ہی بودوباش کا فیصلہ کر لیا"۔ [۲۲۴]

اس ناموافق صورت حال کے باوجود حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کا دلی منشاء اور قلبی خواہش تھی۔

کہ ان کو پھر سے سیاسیات ہند میں حصہ لینے کے لئے آمادہ کیا جائے۔ اس کام کے لئے حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب دردؓ کو منتخب فرمایا۔ چنانچہ آپ نے مارچ ۱۹۳۳ء میں انگلستان پہنچ کر حضور کی ہدایت و منشاء کے مطابق قائداعظم محمد علی جناح سے رابطہ [۲۲۵] قائم کر لیا تھا اور قائداعظم کا مسجد پٹنی میں آکر لیکچر دینا اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔

چنانچہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؓ کا بیان ہے کہ۔

"یہ بھی حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ قائداعظم نے انگلستان سے ہندوستان واپس آکر مسلمانوں کی سیاسی قیادت سنبھالی اس طرح بالآخر ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔ جب میں ۱۹۳۳ء میں امام مسجد لندن کے طور پر انگلستان پہنچا تو اس وقت قائداعظم انگلستان میں ہی سکونت رکھتے تھے وہاں میں نے ان سے تفصیلی ملاقات کی اور انہیں ہندوستان واپس آکر سیاسی لحاظ سے مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے پر آمادہ کیا۔ مسٹر جناح سے میری یہ ملاقات تین چار گھنٹے تک جاری رہی میں نے انہیں آمادہ کر لیا کہ اگر اس آڑے وقت میں جب کہ مسلمانوں کی راہنمائی کرنے والا اور کوئی نہیں ہے انہوں نے ان کی پھنسی ہوئی کشتی کو پار لگانے کی کوشش نہ کی تو اس قسم کی علیحدگی قوم کے ساتھ بے وفائی کے مترادف ہو گی۔ چنانچہ اس تفصیلی گفتگو کے بعد آپ مسجد احمدیہ لندن میں تشریف لائے اور وہاں باقاعدہ ایک تقریر کی جس میں ہندوستان کے مستقبل کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اس کے بعد قائداعظم انگلستان کو خیرباد کہہ کر ہندوستان واپس آئے [۲۲۶] اور اس طرح چند سال کی جدوجہد کے بعد پاکستان معرض وجود میں آیا"۔ [۲۲۷]

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؓ کی خودنوشت مختصر سوانح حیات سے ایک اقتباس

(انگریزی سے ترجمہ)

(مولانا عبدالرحیم صاحب درد اپنی خودنوشت مختصر سوانح (انگریزی) میں اس امر کی مزید تفصیلات پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں :)

"قائداعظم محمد علی جناح نے ۱۹۳۸ء میں بمقام علی گڑھ ایک تقریر کے دوران فرمایا کہ گول میز کانفرنس کے اجلاسوں میں مجھے اپنی زندگی کے سب سے بڑے صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ جونہی خطرہ کے آثار نمایاں ہوئے۔ ہندوئیت دل و دماغ کے اعتبار سے اس طرح نمایاں ہوئی کہ اتحاد کا امکان ہی

ختم ہو گیا۔ اب میں مایوس ہو چکا تھا مسلمان بے سہارا اور ڈانوا ڈول ہو رہے تھے کبھی حکومت کے یار وفاداران کی راہنمائی کے لئے میدان میں آموجود ہوتے تھے کبھی کانگریس کے نیاز مندان خصوصی ان کی قیادت کا فرض ادا کرنے لگتے تھے۔ جب کبھی مسلمانوں کو منظم کرنے کی کوشش کی گئی۔ ایک طرف ٹوڈیوں اور پٹھوؤں نے اور دوسری طرف کانگریس میں شامل غداروں نے یہ کوششیں ناکام بنادیں۔ اس لئے مجھے محسوس ہونے لگا کہ ان حالات میں نہ تو میں ہندوستان کی خدمت کر سکتا ہوں۔ نہ ہندو ذہنیت کو بدل سکتا ہوں اور نہ مسلمانوں کو ان کی نازک حالت سے خبردار کر سکتا ہوں میں اس حد تک مایوس ہو گیا اور میرے قلق کا یہ عالم تھا کہ میں نے انگلستان میں رہائش اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا یہ اقدام اس وجہ سے نہیں کیا گیا کہ میرے دل میں ہندوستان کے ساتھ محبت نہ رہی تھی بلکہ اس کی وجہ اصلاح احوال سے میری عاجزی تھی۔ "جناح"۔ مصنفہ ہاکٹر بولیتھو لنڈن ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۰۰۔

(JINNAH BY HOCTER, BOLITTO, LONDON- 1954, PAGE 100)

مندرجہ بالا بیان کے مطابق قائداعظم محمد علی جناح نے لنڈن (ویسٹ ہیتھ ہاؤس ہیمپ سٹیڈ) (WEST HEATH, HOUSE, HAMPSTEAD) میں رہائش اختیار کر لی اور وکالت شروع کر دی۔

میں نے قائداعظم سے مارچ ۱۹۳۳ء میں ان کے دفتر واقع (KING,S BENCH WALU LONDON) میں ملاقات کی اور تین گھنٹوں کی بحث و تمحیص کے بعد انہیں اس بات پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ مسلمانان ہند کی خدمت کے لئے وہ پھر پبلک میں آئیں۔ قائداعظم میری درخواست پر "ہندوستان کا مستقبل" کے موضوع پر تقریر کرنے کے لئے رضامند ہو گئے۔ اور میں نے ۶۳ میلروز روڈ لنڈن میں تقریر کے لئے انتظامات کروا دیئے۔"

اخبار "مدراس میل" نے لکھا۔

پریس میں تقریر کا چرچا

ہندوستان کے مسلمان راہنما ایم۔ اے جناح نے امام درد کی دعوت پر تقریر کی جس کا موضوع تھا "ہندوستان کا مستقبل"۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہندوستان سماجی' اقتصادی اور سیاسی طور پر ترقی کر رہا ہے اور ملک میں ایک نئی سیاسی زندگی ابھر رہی ہے۔ لیکن تاوقتیکہ ایک معقول حد تک سیلف گورنمنٹ نہ دی جائے اطمینان یا امن کی امید رکھنا عبث ہے حالات یہ صورت اختیار کر گئے ہیں کہ انگریزی راج یا سلطنت برطانیہ کے اندر رہتے ہوئے ہندوستانی راج میں سے ایک کو اختیار کرنے کا مسئلہ پیدا ہو چکا ہے۔

"ہندوستان کو فریب" قرطاس ابیض کی تجاویز کو انہوں نے آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف قرار دیا اور فرمایا کہ انگریزوں کے لئے حقیقی تحفظ تو ہندوستانیوں کی نیک رائے میں ہے۔ قرطاس ابیض کی تجاویز تحفظ کے طور پر کار آمد نہیں ہو سکتیں کیونکہ اس کے ماتحت ہندوستان کا مستقبل درخشندہ نہیں ہو سکتا ہندوستان تو انصاف پر مبنی اور حتمی فیصلہ کا خواہش مند ہے جو حقیقی معنوں میں سیلف گورنمنٹ حاصل ہونے سے ہو سکتا ہے تا معقولیت پسند راہنما اعتدال پسند رائے عامہ کو اپنے گرد جمع کر کے دستور چلا سکیں۔ (ترجمہ "اخبار مدراس میل" ۷/اپریل ۱۹۳۳ء) اخبار "سنڈے ٹائمز" نے لکھا ہے:

"ومبلڈن۔ میلروز روڈ پر واقع چھوٹی سی مسجد کی گراؤنڈ میں ایک بڑے مجمع سے مشہور ہندوستانی مسلمان راہنما نے خطاب کیا۔ تقریر کا موضوع تھا۔ "ہندوستان کا مستقبل" سر نیئر نے سٹیوارٹ سنڈیمان SIR NAIRNE STEWART SANDEMAN نے صدارت کے فرائض سرانجام دیئے۔ ایک خاصی تعداد میں غیر مسلم بھی موجود تھے۔

مسٹر محمد علی جناح نے ایک قوم پرست (NATIONLIST) کے نقطہ نگاہ کے مطابق قرطاس ابیض اور اس میں مندرج تحفظات پر سخت تنقید کی۔ لیکن صاحب صدر نے اپنے جواب میں چرچل کے رویہ کو اپنایا اور اس کے نتیجہ میں سامعین میں سے بعض مسلمان طلباء نے مداخلت کی اور آوازے کسے۔ لیکن بالآخر امام مسجد لنڈن نے انہیں خاموش کروا دیا"۔ (ترجمہ "اخبار سنڈے ٹائمز" ۹/اپریل ۱۹۳۳ء) یہ خبر اخبار "دی سول اینڈ ملٹری گزٹ" (لاہور) ۸/اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ا میں بھی شائع ہوئی۔ (ناقل)

اس تقریر نے انگلستان اور ہندوستان دونوں ممالک میں زبردست تہلکہ مچا دیا۔ جس کے بعد نواب زادہ لیاقت علی خاں اور ان کی بیگم قائد اعظم کی خدمت میں جولائی ۱۹۳۳ء میں حاضر ہوئے اور ہندوستان واپس آنے کی درخواست کی۔ آخر آپ ہندوستان واپس تشریف لائے۔ اور پاکستان کے حصول تک مسلمانوں کی کامیاب قیادت فرمائی۔

بوہرہ جماعت کے قومی مفاد کا تحفظ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو مسلمانوں کے ہر مذہبی فرقہ سے محبت تھی اور آپ ان کے قومی مفاد کی حفاظت کے لئے ہر وقت کمربستہ رہتے تھے اس ضمن میں بوہرہ کمیونٹی کے امام سے بھی حضور کے مراسم و روابط تھے۔ انہی دنوں بوہروں میں باہمی چپقلش پیدا ہوئی۔ جس کو ختم کرنے اور ان کی مرکزیت برقرار رکھنے کے لئے حضور نے کیا اقدام فرمایا؟ اس کا ہلکا سا تصور حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے

مندرجہ ذیل مکتوب سے کیا جاسکے گا جو انہوں نے دہلی سے ۱۳/ اپریل ۱۹۳۳ء کو حضرت امیر المومنین کی خدمت میں بھجوایا۔ حضرت مفتی صاحبؓ نے لکھا۔

بوہرہ کمیونٹی کے متعلق حضور کا تار ملا تھا اور سیٹھ اللہ بخش صاحب بھی اسمبلی میں گئے تھے علیگ صاحب سے میں نے ان کے متعلق ذکر کیا تھا وہ کہتے تھے گورنمنٹ نے ایک کمیٹی بنائی تھی جس سے تحقیقات کر کے معلوم ہوا ہے کہ اس کمیونٹی کی میجارٹی یہ چاہتی ہے کہ وقف ایک آدمی کے ہاتھ نہ رہے میں نے کہا یہ مذہبی معاملہ ہے اور ابتداء وقف کرنے والوں کا مقصد یہی تھا کہ امام جماعت کے اختیار میں سب کچھ رہے اس مقصد کے مطابق جیسا ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے اب اس کے خلاف گورنمنٹ کو مداخلت کرنا مناسب نہ ہوگا۔ علیگ صاحب نے کہا گورنمنٹ تو مداخلت کرنا نہیں چاہتی اور یہ معاملہ متعلق بمبئی گورنمنٹ ہے ہم تو اس میں کچھ DIRECTIONS [۲۷۸] نہیں کرتے مگر میں اس بات کا خیال رکھوں گا کہ آپ ان کے امام کو SUPPORT [۲۷۹] کرتے ہیں۔ [۲۵۰]

حضرت سارہ بیگم صاحبہؓ کا حادثہ ارتحال

۱۳/ مئی ۱۹۳۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی حرم (اور حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوریؓ کی دختر) حضرت سارہ بیگم صاحبہؓ کا قادیان میں انتقال ہو گیا۔ حضور کو راولپنڈی میں اس الم انگیز واقعہ کی اطلاع ملی اور حضور نے حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ امیر مقامی کو تار دیا کہ جنازہ میں خود آکر پڑھاؤں گا۔ چنانچہ حضور اگلے روز ۱۴/ مئی کو پونے نو بجے قادیان تشریف لے آئے۔ اور اسی دن سوا بارہ بجے کے قریب حضرت مسیح موعودؑ کے باغ میں ایک جم غفیر کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ۔ حضرت حافظ صاجزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور مرحومہ کے بھائیوں نے میت کو لحد میں اتارا اور آپ بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص میں حضرت سیدہ امتہ الحی صاحبہؓ کے پہلو میں سپرد خاک کر دی گئیں۔ [۲۵۱]

سیدنا حضرت امیر المومنینؓ نے حضرت سارہ بیگم صاحبہؓ کے نیک اذکار قائم رکھنے اور دوسری احمدی خواتین کو مرحومہ کی طرح محض رضاء الٰہی اور خدمت سلسلہ کی خاطر تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب و تحریص دلانے کی غرض سے "میری سارہ" کے عنوان سے مفصل مضمون لکھا جس میں مرحومہ سے نکاح کی وجوہ اور ان کی فنائیت، قابلیت اور اخلاق پر روشنی ڈالی چنانچہ تحریر فرمایا۔

"غالباً ۱۹۲۴ء کا شروع تھا یا ۱۹۲۳ء تھا۔ جب برادرم پروفیسر عبدالقادر صاحب ایم۔ اے قادیان تشریف لائے ہوئے تھے وہ کچھ بیمار ہوئے اور ان کے لئے ہومیوپیتھک دوا لینے کے لئے ان کی چھوٹی ہمشیرہ میرے پاس آئیں انہوں نے اپنے بھائی کی بیماری کے متعلق کچھ اس فلسفیانہ رنگ میں مجھ سے

گفتگو کی کہ میرے دل پر اس کا ایک گہرا نقش پڑا۔ جب وہ دوالے کر چلی گئیں۔ میں اوپر دوسرے گھر کی طرف گیا۔ جس میں میری مرحومہ بیوی رہا کرتی تھیں۔ وہاں کچھ مذہبی تذکرہ ہوا اور ایک برقع میں سے ایک سنجیدہ آواز نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی ڈائری کا حوالہ دیا کہ آپؑ اس موقعہ پر اس طرح فرماتے ہیں۔ یہ آواز پروفیسر صاحب کی ہمشیرہ ہی کی تھی اور حوالہ ایسا برجستہ تھا کہ میں دنگ رہ گیا۔ میری حیرت کو دیکھ کر امتہ الحی مرحومہ نے کہا۔ انہیں حضرت صاحبؑ کی ڈائریوں اور کتب کے حوالے بہت یاد ہیں اور حضرت مسیح موعود (علیہ السلام) کے فارسی شعر بھی۔ یہ کہتی ہیں کہ میں نے الحکم اور بدر میں سے اکثر ڈائریاں پڑھی ہیں اور مجھے یاد ہیں۔ میرے دل نے کہا۔ یہ بچی ایک دن خدا تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ کے لئے مفید وجود بنے گی۔ میں وہاں سے چلا گیا اور وہ بات بھول گئی۔ جب امتہ الحی مرحومہ کی وفات کے بعد مجھے سلسلہ کی مستورات کی تعلیم کی نسبت فکر پیدا ہوئی تو مجھے اس بچی کا خیال آیا۔ اتفاق سے اس کے والد ماجد مولانا عبد الماجد صاحب بھاگلپوری جلسہ پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے اس کا ذکر کیا۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کو میں نے لڑکی کی صحت کے متعلق رپورٹ کرنے کو بھیجا اور انہوں نے رپورٹ کی کہ صحت اچھی ہے کچھ فکر کی بات نہیں ان کی اس رپورٹ پر میں نے جو خط مولوی صاحب کو لکھا اس کا ایک فقرہ حسب ذیل ہے۔

"ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب آج واپس تشریف لے آئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سارہ سلمہا اللہ تعالیٰ کی صحت ایسی نہیں جس سے کچھ خدشہ ہو۔ چونکہ فیصلہ کی بناء طبی مشورہ پر رکھی گئی تھی۔ اور طبی مشورہ موافق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر مندرجہ ذیل امور میں آپ کی رائے اثبات میں ہو اور سارہ سلمہا اللہ تعالیٰ بھی ایسی ہی رائے رکھتی ہوں تو ان کا نکاح مجھ سے کر دیا جائے"۔

اس خط کی نقل میں نے رکھی ہوئی تھی اتفاقاً آج سارہ بیگم مرحومہ کا پہلا خط تلاش کرنے لگا تو ساتھ ہی اس خط کی نقل بھی مل گئی۔ غرض یہ خط میں نے لکھا اور مولوی صاحب موصوف نے جو کچھ میں نے لکھا تھا اسے بخوشی قبول کیا۔ اور ہمارا نکاح ہو گیا۔

سارہ جو بھاگلپور کے ایک نہایت معزز اور علمی خاندان میں پیدا ہوئی تھی ۱۹۲۵ء میں اس سال کی مجلس شوریٰ کے موقعہ پر میرے نکاح میں آگئیں ان کا خطبہ نکاح خود میں نے پڑھا اور اس طرح ایک مردہ سنت پھر قائم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی لاکھوں برکتیں ہوں مولوی عبد الماجد صاحب پر جنہوں نے ہر طرح کی تکالیف کو دیکھتے ہوئے ایک بے نظیر اخلاص کا ثبوت دیا اور میرے ارادوں کو پورا کرنے کے لئے مجھے ایک ہتھیار مہیا کر دیا۔

مرحومہ امتہ الحی کی وفات سے جو ایک قومی نقصان مجھے نظر آتا تھا اس کی ذہنی اذیت نے مجھے اس بات کے لئے بے تاب کر دیا کہ سارہ کے قادیان آنے سے پہلے ہی انہیں ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاؤں۔ چنانچہ میں نے انہیں ایک خط لکھا جس میں بالاجمال آنے والی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ اور امید ظاہر کی کہ وہ میرے لئے مشکلات کا نہیں بلکہ راحت کا موجب بنیں گی خط کے جواب میں کچھ دیر ہو گئی تو میں نے ایک اور خط لکھا۔ اس کا جو جواب آیا وہ میں نے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ آج کہ مرحومہ اس دنیا سے اٹھ گئی ہیں۔ آج کہ ہمارے تعلقات سفلی زندگی کے اثرات سے پاک ہو کر بالکل اور نوعیت کے ہو گئے ہیں۔ آج کہ نہ ان کے لئے اس خط کے ظاہر ہونے میں کوئی شرم ہے اور نہ میرے لئے۔ میں اس خط کو مرنے والی کی نیک یاد کو تازہ رکھنے کے لئے درج کرتا ہوں۔ جب یہ خط مجھے ملا۔ اس وقت میری آنکھیں پرنم تھیں اور آج بھی کہ وہ خط میری آنکھوں کے سامنے اس نہ واپس لوٹ سکنے والے زمانہ کو سامنے لا رہا ہے۔ میری آنکھیں اشکوں سے پُر ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی اور مرحومہ پر بھی رحم فرمائے۔ کہ اگر ہم گندے ہیں تو بھی اس کے ہیں اور نیک ہیں تو بھی اس کے ہیں وہ خط یہ ہے۔

۲۴/اپریل ۲۵ء از احمدیہ ہاؤس بھاگلپور۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

میرے واجب الاطاعت خاوند۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔

عید کی نماز کے معا بعد آپ کا نامہ ملا۔ دریافت حالات سے خوشی ہوئی۔ امید ہے کہ میرا دوسرا خط بھی حضور کی خدمت میں پہنچا ہو گا۔ حیران ہوں کہ کیا جواب تحریر کروں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے مجھ کو ہر طرح سے آپ کی منشاء اور مرضی کے مطابق بنا کر عملاً اس کا بہترین جواب بننے کی توفیق بخشے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے بہ حیثیت آپ کی بیوی ہونے کے اپنے عظیم الشان فرائض کی ادائیگی کی ہمت و طاقت عطا فرمائے۔ اور ہر ایک تنگی و ترُشی کو اس راہ میں برداشت کرنے کی توفیق دے۔

میں اپنے رب سے دعا کرتی ہوں کہ وہ میری ہمت و طاقت و علم و ایمان و ایقان و صحت میں بیش از پیش برکت عطا فرما کر مجھے اس مقصد عالی کے حصول میں کامیاب فرمائے۔ میں اپنی زندگی کا مسلک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل فرمان کے مطابق بنانے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرا معین و مددگار ہو۔

بر آستان آنکہ ز خود رفت بہریار چوں خاک شو و مرضی یارے دراں بجو

دعا کرتی ہوں اور کروں گی آپ کے لئے خصوصاً۔ اللہ تعالیٰ میری زبان میں اثر و قوت عطا فرمائے۔

آپ کے خط میں اپنے نام کو مشدد دیکھ کر پہلے متعجب ہوئی۔ لفافہ کے اوپر کی عبارت نے اس کے مفہوم کو سمجھنے کی طرف توجہ دلائی کیونکہ میں اس سے ناواقف تھی۔ اردو فارسی لغتوں میں دیکھا لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ آخر منتہی الادب میں دیکھا۔ اس میں اس کے معنے لکھے تھے "زن شادماں کن"۔ اس انکشاف حقیقت سے مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فی الواقعہ اسم بامسمّٰی بنائے۔ میری طبیعت نسبتاً اچھی ہے کامل صحت کے لئے دعا کی ضرورت ہے۔ راقمہ۔ آپ کی سارہ"۔

ان دوستوں کے لئے جو میری طرح فارسی کا علم کم رکھتے ہیں یا بالکل ہی نہیں رکھتے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شعر کا ترجمہ کر دیتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر تو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا چاہتا ہے تو ایسے شخص کی تلاش کر جو خدا تعالیٰ کے لئے اپنے نفس کو کھو چکا ہو اور پھر اس کے دروازہ پر مٹی کی طرح بے خواہش ہو کر گر جا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کر۔

آہ مرحومہ نے اس وقت جب وہ اپنے نئے گھر میں آئی بھی نہ تھی جو کچھ کہا تھا اسے لفظاً لفظاً پورا کر دکھایا۔ اس کی زندگی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا شعر کی مصداق ہو کر رہ گئی۔ وہ اس عقیدت سے آئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دروازہ پر جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے نفس کو کھو دیا تھا گر جائے اور پھر اپنے پیدا کرنے والے کی رضا کی تلاش میں اس دروازہ کی مٹی ہو کر رہ جائے۔ ہمیشہ کے لئے اپنے وجود کو کھو دے۔ ایک مشت خاک ہو جس میں کوئی جان نہ ہو۔ خواہ اسے اٹھا کر پھینک دو خواہ اسے مقدس سمجھ کر تبرک کی طرح رکھ لو۔

بخدا اس نے جو کہا تھا وہ پورا کر دیا۔ زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔ وہ حقیقی معنوں میں حضرت مسیح موعودؑ کے قدموں میں خاک ہوئی پڑی ہے وہ ہمیشہ کے لئے اس آستان پر گر چکی ہے تا خدا تعالیٰ کی رضا اسے حاصل ہو۔ اے راحم خدا! تو اس گری ہوئی کو اٹھا لے۔ تو اس پر پوری طرح راضی ہو جا۔ آمین"۔

حضرت سارہ بیگمؓ کی اولاد نے اپنی پیاری والدہ کی وفات پر صبر و شکر کا جو شاندار نمونہ دکھایا۔ حضورؓ نے اس مضمون میں خاص طور پر اس کا ذکر فرماتے ہوئے لکھا۔

"ان کے پانچ بچے ہوئے۔ دو ایام حمل میں ہی ضائع ہو گئے اور تین خدا تعالیٰ کے فضل سے زندہ ہیں۔ بڑے کا نام رفیع احمد ہے۔ درمیانی لڑکی ہے اس کا نام امتہ النصیر ہے چھوٹے بچے کا نام حنیف احمد ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بامسمّٰی بنائے۔ اور اس قسم کے نیک اعمال کی توفیق دے کہ اپنی ماں کے لئے نیک

یادگار چھوڑیں اور ان کے نیک کاموں کی وجہ سے ان کی ماں کا درجہ بلند ہوتا رہے۔ یہ بچے اپنی ماں کی طرح نہایت صابر ہیں۔ حنیف احمد سلمہ اللہ تعالیٰ تو ابھی چھوٹا ہے وہ چونکہ صرف ڈیڑھ ماہ کا تھا کہ ان کی پڑھائی کی وجہ سے ماں سے جدا کر دیا گیا۔ اور ننھیال بھجوا دیا گیا۔ وہاں سے ماں کی وفات سے صرف تین دن پہلے آیا۔ وہ گویا اپنی ماں سے بالکل ناواقف ہے اور ابھی اس کی عمر بھی ایک سال سے دو تین ماہ اوپر ہے اس لئے اسے تو ماں کی موت یا زندگی کی کوئی حس ہی نہیں لیکن رفیع احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کہ وہ بھی اپنی ننھیال گیا ہوا تھا اور والدہ کی وفات سے صرف تین دن پہلے واپس آیا۔ اس کی عمر چھ سال سے کچھ اوپر ہے اس کی نسبت راولپنڈی سے واپسی پر مجھے معلوم ہوا کہ جوں ہی ان کی والدہ فوت ہوئی وہ اپنی بہن امتہ النصیر کو جو والدہ کے پاس رہنے کے سبب سے سب سے زیادہ والدہ سے مانوس تھی۔ ایک طرف لے گیا اور ایک دروازہ کے پیچھے کھڑے ہو کر دیر تک اسے کچھ سمجھاتا رہا۔ اس کے بعد جب مرحومہ کو غسل دے کر چارپائی پر لٹا دیا گیا۔ تو ایک پھولوں کا ہار لے کر آیا اور پہلے والدہ کے ماتھے پر بوسہ دیا اور پھر ہار گلے میں ڈال کر اپنے آنسوؤں کو بزور روکتا ہوا اپنے منہ کو ایک طرف کر کے تاکہ اس کے جذبات کو کوئی دیکھ نہ لے دوسرے کمرہ میں چلا گیا۔ اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ وہ ایک چھ برس کا بچہ ہے یہ عمل ایک غیر معمولی عمل ہے ایک حیرت انگیز صبر کا مظاہرہ ہے جب میں واپس آیا اور میں نے رفیع احمد کو بلوایا تو میں نے دیکھا کہ وہ میری آنکھوں سے آنکھیں نہیں ملاتا تھا اور اپنے جذبات کو پورے طور پر دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ڈرتا تھا کہ اگر میری آنکھوں سے اس کی آنکھیں ملیں تو اپنے آنسو نہیں روک سکے گا۔ شاید وہ کہیں چھپ کر رو دیا ہو تو رو دیا ہو۔ میں نے اسے روتے ہوئے نہیں دیکھا......

یہ تو رفیع احمد کا حال تھا۔ امتہ النصیر جو تین ساڑھے تین سال کی عمر کی بچی ہے اور ہر وقت اپنی ماں کے پاس رہنے کے سبب سے بہت زیادہ اس سے مانوس تھی۔ اپنے بھائی کے سمجھانے کے بعد وہ خاموش سی ہو گئی۔ جیسے کوئی حیران ہوتا ہے۔ وہ موت سے ناواقف تھی وہ موت کو صرف دوسروں سے سن کر سمجھ سکتی تھی نہ معلوم اس کے بھائی نے اسے کیا سمجھایا کہ وہ نہ روئی نہ چیخی نہ چلائی۔ وہ خاموش پھرتی رہی اور جب سارہ بیگم کی نعش کو چارپائی پر رکھا گیا اور جماعت کی مستورات جو جمع ہو گئی تھیں رونے لگیں تو کہنے لگی۔ میری امی اتو سو رہی ہیں۔ یہ کیوں روتی ہیں۔ میری امی جب جاگیں گی۔ تو میں ان سے کہوں گی آپ سوئی تھیں اور عورتیں آپ کے سرہانے بیٹھ کر روتی تھیں۔

جب میں سفر سے واپس آیا اور امتہ النصیر کو پیار کیا تو اس کی آنکھیں پرنم تھیں لیکن وہ روئی نہیں۔ اس دن تک میں نے کبھی اسے گلے نہیں لگایا تھا۔ اس دن پہلی دفعہ میں نے اسے گلے لگا کر پیار کیا

مگر وہ پھر بھی نہیں روئی۔ حتیٰ کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اسے نہیں معلوم کہ موت کیا چیز ہے؟ مگر نہیں یہ میری غلطی تھی۔ یہ لڑکی مجھے ایک اور سبق دے رہی تھی۔ سارہ بیگم دارالانوار کے نئے مکان میں فوت ہوئیں۔ جب ہم اپنے اصلی گھر دارالمسیح میں واپس آئے تو معلوم ہوا اس کے پاؤں میں بوٹ نہیں ایک شخص کو بوٹ لانے کے لئے کہا گیا۔ وہ بوٹ لے کر دکھانے کے لئے لایا تو میں نے امتہ النصیر سے کہا۔ تم پسند کرلو۔ جو بوٹ تمہیں پسند ہو وہ لے لو۔ وہ دو قدم تو بے دھیان چلی گئی۔ پھر یکدم رکی اور ایک عجیب حیرت ناک چہرہ سے ایک دفعہ اس نے میری طرف دیکھا اور ایک دفعہ اپنی بڑی والدہ کی طرف۔ جس کا یہ مفہوم تھا کہ تم تو کہتے ہو جو بوٹ پسند ہو لے لو۔ مگر میری ماں تو فوت ہو چکی ہے مجھے بوٹ لے کر کون دے گا۔ میں اس امر کے بیان کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتا کہ وفور جذبات سے اس وقت مجھے یقین تھا کہ اگر میں نے بات کی یا وہاں ٹھہرا رہا تو آنسو میری آنکھوں سے ٹپک پڑیں گے۔ اس لئے میں نے فوراً منہ پھیر لیا اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے چل دیا کہ بوٹ اپنی امی جان کے پاس لے جاؤ۔

ہمارے گھر میں سب بچے اپنی ماؤں کو خالی امی اور میری بڑی بیوی کو امی جان کہتے ہیں۔ میں نے جاتے ہوئے مڑ کر دیکھا تو امتہ النصیر اپنے جذبات پر قابو پا چکی تھی۔ وہ نہایت استقلال سے بوٹ اٹھائے اپنی امی جان کی طرف جا رہی تھی۔ بعد کے حالات نے اس امر کی تصدیق کر دی کہ وہ اپنی والدہ کی وفات کے حادثہ کو باوجود چھوٹی عمر کے خوب سمجھتی ہے۔ چنانچہ اس کے ایک بھائی نے اُسے دق کیا اور پھر اپنے ظلم کو اور زیادہ سنگین بنانے اور اس کے دل کو دکھانے کی نیت سے اسے کہا کہ تم میرے اس چھیڑنے کی شکایت اپنی امی سے کردو گی۔ اس نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا کہ نہیں بھائی۔ میں اپنی امی سے شکایت نہیں کر سکتی۔ "خدا کی قسم (خدا کی قسم) میری امی تو اللہ میاں کے پاس چلی گئی ہیں وہ تو اب کبھی واپس نہیں آئیں گی"۔ یہ گفتگو مجھے گھر کے ایک اور بچے نے سنائی اور مجھے یقین ہو گیا کہ امتہ النصیر موت کی حقیقت کو جانتی ہے اس کا فعل صابرانہ فعل ہے اور وہ اپنی ماں کی سچی یادگار ہے وہ حقیقت کو جانتے ہوئے اپنے دل پر قابو پائے ہوئے ہے"۔ ۲۵۲

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی شہادت ایک مقدمہ میں

مرزا اکرم بیگ اور ان کی والدہ سردار بیگم صاحبہ (بیوہ مرزا افضل بیگ صاحب) نے ۱۹۲۰ء میں اپنی پوری جائداد واقع قادیان حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور حضرت مسیح موعودؑ کے دوسرے صاحبزادگان کے نام ایک لاکھ ۴۸ ہزار روپیہ پر فروخت کردی تھی جس میں سے بعد کو بہت سے احباب جماعت نے حصے خرید کئے تھے۔ ایک معتدبہ حصہ پر لاکھوں روپے

کی عمارات بن چکی تھیں۔ گیارہ سال کے بعد ۱۹۳۱ء میں مرزا اکرم بیگ صاحب اور ان کی والدہ نے مرزا اعظم بیگ پسر مرزا اکرم بیگ صاحب سے استقرار حق کا دعویٰ سینئر سب جج صاحب گورداسپور کی عدالت میں دائر کرا دیا۔ جو ڈھائی سال تک چلتا رہا۔ آخر ۱۴/ نومبر ۱۹۳۳ء کو دعویٰ خارج ہو گیا۔ [۲۵۳]

اس مقدمہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے علاوہ ۲۵/ مئی ۱۹۳۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی شہادت بھی ہوئی۔ اس موقعہ پر چوہدری اسد اللہ خاں صاحب بیرسٹر لاہور اور شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ گوجرانوالہ بھی موجود تھے۔ [۲۵۴]

احمدیہ فیلوشپ آف یوتھ

وسط ۱۹۳۲ء میں لاہور کے احمدی نوجوانوں نے "ینگ مین احمدیہ ایسوسی ایشن" کے نام سے ایک تبلیغی انجمن قائم کی جس کے پریذیڈنٹ سید محمود احمد صاحب بی۔اے اور سیکرٹری چوہدرری بشیر احمد صاحب صادق مقرر کیے گئے۔ [۲۵۵] یہ انجمن جلسوں کے علاوہ ہر ماہ ایک تبلیغی ٹریکٹ بھی شائع کرتی تھی۔ [۲۵۶] چند ماہ بعد اس کا نام "احمدیہ فیلوشپ آف یوتھ" کر دیا گیا اور ۳۴-۱۹۳۳ء کے لئے مندرجہ ذیل عہدیدار تجویز کئے گئے۔ (پریذیڈنٹ) ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم بی۔اے (سیکرٹری) محمد ابراہیم صاحب ناصر (اسسٹنٹ سیکرٹری) قاضی محمود صادق صاحب (فنانشل سیکرٹری) عطاء اللہ خان صاحب۔ ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم انجمن کے قیام ہی سے اس کے سرگرم اور پرجوش ممبر بلکہ روح رواں تھے اس کے بعد ہر سال انجمن کا نیا انتخاب ہوتا رہا۔

"احمدیہ فیلوشپ آف یوتھ" کے ممبروں کا دائرہ آہستہ آہستہ وسیع ہوتا گیا اور لاہور سے باہر بھی اس کی شاخیں قائم ہو گئیں۔ انجمن کی قابل تعریف تبلیغی سرگرمیوں کی بناء پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خاص طور پر اپنے قلم سے ایک قیمتی مضمون "پکارنے والے کی آواز" بھی اسے عطا فرمایا۔ جو اردو اور انگریزی میں ۱۹۳۳ء کے "یوم التبلیغ" پر شائع کیا گیا۔ [۲۵۷] اسی طرح مصری فتنہ کے زمانہ میں انجمن کی طرف سے "محمود کی آمین" بکثرت شائع کی گئی۔ [۲۵۸] اور وسط ۱۹۳۸ء میں اس کے ماتحت ایک مذہبی کانفرنس کا بھی انعقاد ہوا۔ [۲۵۹] غرضکہ تحریک خدام الاحمدیہ کے قیام سے قبل اس انجمن کو نظارت دعوۃ و تبلیغ کے زیر ہدایات تبلیغی خدمات انجام دینے کا موقعہ ملا۔

ایک ایرانی کے سوالات اور ان کے جوابات

وسط ۱۹۳۳ء میں ایک ایرانی بزرگ مہر صاحب کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت اقدس میں چار سوالات پہنچے جن کا تعلق پیدائش عالم، مذہبی خیال کے ارتقاء، الہام کی حقیقت اور تکمیل دین سے تھا۔ حضور پر نور نے ان سب سوالات کا مسکت جواب دینے کے بعد

آخر میں ان کو جماعت احمدیہ کے شاندار مستقبل کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا۔

"ہماری جماعت پھر مسلمانوں کو تیرہ سو سال پیچھے لے جارہی ہے۔ ہم دنیا کی گرد کے برابر بھی نہیں لیکن خدا کے فضل سے فتح ہماری ہے۔ ایک سمجھدار انسان بڑ کے درخت کی تازہ نکلنے والی کونپل کو نہیں دیکھا کرتا۔ بلکہ وہ اس کی سبزی اور شادابی سے اس کے آئندہ بننے والے تنے کو دیکھتا ہے۔ اگر بزرگ مہر صاحب دور اندیشی کی عینک لگا کر ہماری حقیقت کو دیکھیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ احمدیت کی اس چھوٹی سی کونپل میں وہ طاقت موجود ہے کہ ایک تھوڑے سے عرصہ میں وہ ایک ایسے تناور درخت کے پیدا کرنے کے قابل ہوگی۔ جس کے سائے میں بیٹھنے کے لئے دنیا مجبور ہوگی"۔ [۲۶۰]

مسلم تنظیموں کی مالی امداد اور ہندوؤں کی برہمی

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے ایک بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب خود آل انڈیا مسلم پارٹیز کانفرنس کے صدر ہیں اور اس حیثیت میں انہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جس باڈی کے وہ صدر ہیں اس کے کام کو کامیاب بنانے کے لئے سب سے زیادہ مالی امداد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے دی ہے یعنی ۱۹۳۰ء سے اس وقت تک آپ اس مجلس کے لئے تین ہزار کے قریب روپیہ دے چکے ہیں اگر احمدی دوسروں کے ماتحت کام کرنا ناپسند کرتے تو اس قدر مالی امداد جو دوسرے مسلمانوں کی امداد کے غالباً برابر ہوگی وہ اس انجمن کو کیوں دیتے جس کے صدر سر محمد اقبال صاحب ہیں۔ مسلم لیگ کے رجسٹرات سے بھی یہ امر ثابت ہو سکتا ہے کہ اس کی امداد میں بہت بڑا حصہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ حالانکہ اس مجلس کے صدر بھی سوائے ان چند ایام کے جن میں چودھری ظفر اللہ خان صاحب صدر ہوئے ایسے احباب ہوتے رہے ہیں جو جماعت احمدیہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے"۔ [۲۶۱]

ہندوؤں کے اخبار "پرتاپ" کو جماعت احمدیہ کی مالی امداد (جو مسلمانوں کی سیاسی انجمنوں کو اسلامی اغراض کے تحت دی گئی تھی) بہت ناگوار گزری اور اس نے مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ پر یہ الزام عائد کر دیا کہ اسی امداد کی وجہ سے ان جماعتوں نے "وطن کشی" پر کمر باندھ رکھی ہے چنانچہ اس نے ۳۰/ جون ۱۹۳۳ء کو لکھا۔

"مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ نے جو روش اختیار کر رکھی ہے اس کے لئے احمدی جماعت کا روپیہ ذمہ دار ہے مسلم کانفرنس کا جنم ہی بطور ایک ٹوڈی جماعت کے ہوا اور کچھ عرصہ سے مسلم لیگ بھی ٹوڈیت میں اس کے دوش بدوش چل رہی ہے..... کسی وقت تو تعجب ہوتا تھا لیکن اب نہیں رہا کہ ان

جماعتوں نے وطن کشی پر کیوں کمر باندھ رکھی ہے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ انہیں اسی مالی امداد کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے جو انہیں جماعت احمدیہ کی طرف سے ملتی رہی ہے۔

دراصل مسلمانوں کا سیاسی اتحاد ہندوؤں کی نگاہ میں خار کی طرح کھٹک رہا تھا اور اس میں رخنہ اندازی کے لئے وہ مختلف سیاسی چالیں چل رہے تھے۔ چنانچہ "پرتاپ" نے مندرجہ بالا نوٹ میں یہاں تک لکھا کہ۔

"مسلمانوں اور احمدیوں کا ایک دوسرے کو کافر کہنا محض دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ دونوں اپنے پولٹیکل اغراض مشترکہ سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مسلمان ہندوؤں کو بھی کافر کہتے ہیں اور احمدیوں کو بھی۔ لیکن ہندو کافر کے ساتھ وہ تعاون گوارا نہیں کر سکتے اور احمدی کافر کے ساتھ خوب گھل مل کر رہتے ہیں۔ احمدی بھی مسلمانوں کو اسی حد تک کافر سمجھتے ہیں کہ وہ کسی مسلم امام کے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار نہیں اور نہ ہی کسی احمدی کو غیر احمدی سے رشتہ ناطہ کرنے کی اجازت ہے۔ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جبکہ احمدیوں کو اس لئے سزا دی گئی کہ انہوں نے غیر احمدیوں کے ساتھ تعلق پیدا کیا۔ اگر باوجود اس کے احمدی اور غیر احمدی کسی مسلم انجمن میں شامل ہو سکتے ہیں تو یقیناً ان کی پوزیشن دوسروں کی نظر میں مضحکہ خیز ہو جاتی ہے یہ عجیب بات ہے کہ مذہبی اغراض کے لئے ایک شخص کافر ہو اور پولٹیکل اغراض کے لئے وہی شخص مومن بن جائے"۔ [۲۶۲] اخبار "الفضل" نے "پرتاپ" کی اس روش پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ۔

"ہندوؤں کے نزدیک مسلمانوں کا اپنے پولٹیکل اغراض کو مشترکہ سمجھنا اور احمدی و غیر احمدی کا کسی مسلم انجمن میں شامل ہونا تو "مضحکہ خیز" پوزیشن ہے لیکن ہندو فرقوں میں مذہبی لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق ہونے کے باوجود ان کا سیاسیات میں اتحاد عین معقولیت ہے۔ حتیٰ کہ اچھوت اقوام جنہیں ہندو بدترین مخلوق سمجھتے ہیں اور ان سے نہایت ہی شرمناک سلوک کرتے چلے آرہے ہیں ان کو بھی اپنے ساتھ شریک کرنا معقولیت پر مبنی قرار دیتے ہیں اگر احمدی و غیر احمدی کو عقائد کے اختلاف کی وجہ سے سیاسی اغراض مشترکہ میں متحد نہیں ہونا چاہئے۔ اور اس طرح بالفاظ "پرتاپ" ان کی پوزیشن دوسروں کی نظروں میں مضحکہ خیز ہو جاتی ہے تو پھر ہندو مذہبی لحاظ سے آپس میں بعد المشرقین رکھتے ہوئے سیاسیات میں کیوں متحد ہیں۔ اور کیوں انہیں اپنی پوزیشن مضحکہ خیز نظر نہیں آتی؟ اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ اور بھی ہو سکتی ہے کہ ہندو مسلمانوں کو پراگندہ اور منتشر دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن آپس میں زیادہ سے زیادہ اتحاد قائم کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے الگ تھلگ کر کے تباہی کے گھاٹ اتار سکیں۔ مسلمانوں نے اگر ہندوؤں کی اس چال کو نہ سمجھا اور باوجود یہ جاننے کے نہ

سمجھا کہ سیاسیات کا مذہبی عقائد کے ساتھ تعلق نہیں تو اس کا نتیجہ وہی ہو گا۔ جو ایک منظم اور متحد قوم کے مقابلہ میں پراگندہ حال قوم کا ہوا کرتا ہے اور یہی ہندو چاہتے ہیں"۔ [۲۶۳]

پہلا باب (فصل ہفتم)

چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی لنڈن میں مذہبی و سیاسی خدمات

چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب ہندوستان کے آئندہ نظام ملکی و آئین اساسی کو ترتیب دینے کے لئے دوسرے مسلم زعماء ہند کے ساتھ اس سال بھی لنڈن تشریف لے گئے۔ اور قریباً تین ماہ تک گول میز کانفرنس کی کمیٹیوں میں شرکت فرما کر مفاد اسلامی کو تقویت پہنچاتے رہے۔ نیز مسلمانان فلسطین کی حمایت کے لئے کئی مرتبہ وزیر ہند اور وزیر نو آبادیات اور دیگر افسروں سے ملاقات کی۔ ان سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ آپ حسب معمول مسجد فضل لنڈن میں تشریف لاتے اور لیکچر دیتے رہے۔ اور جہاں بھی موقعہ ملا اسلام کی تبلیغ میں حصہ لیا۔

جولائی ۱۹۳۳ء میں نیشنل لیگ (لندن) کے زیر انتظام ہندوستان کے مسلم مندوبین کے لیکچر ہوئے چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے اس جلسہ میں اسلامی نظریات کی برتری پر نہایت کامیاب لیکچر دیا جس پر یافاء (فلسطین) کے ایک اخبار "الجامعۃ الاسلامیہ" نے ۱۲/ جولائی ۱۹۳۳ء کے پرچہ میں "الاسلام فی البرلمان الانکلیزی" کے عنوان سے مفصل نوٹ لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"حال ہی میں انگریزی پارلیمنٹ کے ایک حصہ میں بعض ان مسلمان اصحاب کے لیکچر ہوئے جو ہندوستان سے جائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے مباحث میں شریک ہونے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ یہ جائنٹ سلیکٹ کمیٹی ہندوستان کی آئندہ آئین اساسی کو ترتیب دینے اور نظام حکومت کا ڈھانچہ تیار کرنے کے لئے سرگرم عمل ہے۔ اس جلسہ میں غیر معمولی طور پر لارڈز۔ ہاؤس آف کامنز کے ممبران اور بعض دیگر معززین نے شمولیت کی۔ لارڈ ڈربی جو آج سے کئی سال پیشتر ہندوستان کے افسر رہ چکے ہیں صدر جلسہ تھے سب سے پہلے سر آغا خان نے اور بعد ازاں ڈاکٹر شفاعت احمد خاں' سر محمد یعقوب اور السید ظفر اللہ خاں نے تقاریر کیں۔ ان تمام کے خطبات کا موضوع یہ تھا کہ اسلام ان مشکلات کا کیا حل پیش کرتا ہے جو موجودہ دور میں رونما ہو رہی ہیں۔ لیکچر تو سب نے دیئے مگر حق یہ ہے کہ السید ظفر اللہ خاں جو حکومت ہند کے وزیر تعلیم رہ چکے ہیں انہوں نے اپنے اصل موضوع پر نہایت خوبی اور سلاست کے ساتھ تقریر فرمائی۔ اور انہی کی ایک تقریر ایسی تھی جس میں مقررہ موضوع پر نہایت عالمانہ انداز میں بحث تھی۔ آپ نے اپنی تقریر سے یورپین اور مسلمان دونوں طبقوں کو محفوظ کیا۔ السید ظفر اللہ خاں

صاحب نے اپنی تقریر میں موجودہ اقتصادی بدحالی پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اقتصادیات کے متعلق جو اسلام نے نظریہ پیش کیا ہے وہ مغربی ماہرین اقتصادیات کے نقطہ نگاہ سے بالکل مغائر ہے کیونکہ اسلام کاملاً کسی ایک شخص کو تمام اموال کا مالک نہیں سمجھتا بلکہ وہ اموال میں تمام لوگوں کو شریک سمجھتا اور ان کا حق اپنے اموال میں سے دینے کی تاکید کرتا ہے اور اغنیاء کو تاکید کرتا ہے کہ وہ فقراء کا خیال رکھیں۔ آپ نے اس حصہ مضمون کے لئے آیت کریمہ فی اموالھم حق للسائل و المحروم سے استدلال کیا۔

خاتمہ تقریر پر آپ نے نہایت صراحت سے یہ امر بیان کیا کہ مغرب کو اقتصادی نظام میں جو پیچیدگیاں اور مشکلات درپیش ہیں ان کا بجز اس کے کوئی حل نہیں کہ وہ اسلامی اصول کو خضر راہ بنائے جو بے شمار حکمتوں اور مصالح پر مبنی ہیں اور جن پر عمل کرنے سے ہمیشہ کامیابی ہوتی ہے"۔

اردو سیکھنے کیلئے حضرت مسیح موعودؑ کی کتب پڑھنے کی تحریک

۲۳/ جولائی ۱۹۳۳ء کو طلباء جامعہ احمدیہ و مدرسہ احمدیہ نے مولوی نذیر احمد صاحب مبشر مبلغ افریقہ کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ اس موقعہ پر سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے دوبارہ تحریک فرمائی کہ احمدی طلبہ کو اردو سیکھنے کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کی کتب پڑھنی چاہئیں اس تعلق میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔

"جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے دینی امور میں اصلاح کی ہے وہاں اردو زبان میں بھی بہت بڑی اصلاح کی ہے چنانچہ ایک شخص [۲۱۴] نے لنڈن یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے "انگریزی لٹریچر کا اردو لٹریچر پر اثر" کے عنوان سے ایک مقالہ [۲۱۵] لکھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ آپ کی تحریروں نے زبان اردو پر خاص اثر ڈالا ہے"۔

"اب اردو کے حامل احمدی ہوں گے یا یہ کہ اردو کے حامل احمدی ہو جائیں گے...... زمانہ خود اردو کو اس طرف لے جا رہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ اردو کے سمجھے جائیں گے پس ہمارے طلباء کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی کتب نمونہ اور ماڈل ہونی چاہئیں خصوصاً آخری زمانہ کی کتابیں ان کی روانی اور سلاست پہلے کی نسبت بہت بڑھی ہوئی ہے ان کی اردو نمونہ کے طور پر ہے اور وہی اردو دنیا میں قائم رہے گی"۔[۲۱۶]

یہاں ضمناً یہ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دسمبر ۱۹۱۳ء میں "آل انڈیا محمڈن اینگلو اورنٹیل ایجوکیشنل کانفرنس" کا ستائیسواں اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں خواجہ غلام الثقلین (۱۸۷۱ء - ۱۹۱۵ء)

نے خطبہ صدارت میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جنہوں نے اردو کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو ان لوگوں کی صف میں شمار کیا جن کو آج اردو زبان میں بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔ مثلاً پروفیسر آزاد' مولانا حالی' سرسید احمد خاں' داغ دہلوی' امیر مینائی' جلال لکھنوی' پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ (ملاحظہ ہو رپورٹ اجلاس مذکورہ صفحہ ۷۶) پھر اسی رپورٹ کے صفحہ ۲۷ پر پنجاب کے انشاء پردازوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو اردو زبان کے اعلیٰ اور بلند پایہ انشاء پردازوں میں شمار کیا گیا۔ [۲۸۷]

اتحاد مذاہب کانفرنس شکاگو کے لئے افتتاحی پیغام

شکاگو کی عالمی جمعیتہ مذاہب (WORLD FELLOWSHIP OF FAITHS) کے وائس پریذیڈنٹ ریبن سٹیفنز وائز کی طرف سے حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں یہ درخواست موصول ہوئی کہ شکاگو میں (۲۷/ اگست تا ۱۷/ ستمبر ۱۹۳۳ء) دوسری عالمی مذہبی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے جس میں خود شرکت فرما کر منتظمین کی عزت افزائی کریں یا اپنی طرف سے دو ایک نمائندے ہی مقرر فرما دیں جو اس میں شامل ہوں اس پر حضور نے صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالیؓ اور میاں محمد یوسف صاحب کو جو امریکہ کے مبلغ تھے۔ کانفرنس میں شرکت کا ارشاد فرمایا۔ نیز منتظمین کانفرنس کی درخواست پر حسب ذیل پیغام ۲۲/ اگست ۱۹۳۳ء کو بذریعہ تار ارسال فرمایا۔

"مجھے ورلڈ فیلو شپ آف فیتھ کے مقاصد سے بے انتہا دلچسپی ہے کیونکہ اس کے مقصد میں میں اس اعلان کی تکمیل دیکھتا ہوں جو تیرہ سو سال پہلے قرآن کریم نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ یعنی کوئی قوم نہیں جس میں نبی نہ گزرا ہو اور یہ کہ محض بدی کبھی دنیا میں قائم نہیں رہ سکتی وہ مذاہب جو سینکڑوں ہزاروں سال تک علی الاعلان اپنی تعلیم پیش کرتے رہے ہیں۔ اور لاکھوں آدمیوں سے والہانہ فرمانبرداری کراتے رہے ہیں ممکن ہی نہیں کہ کسی گندے سرچشمہ سے نکلے ہوں یا اپنا سب حسن کھو چکے ہوں۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں جن کا یہ عقیدہ ہو کہ ہر راستہ پر چل کر خدا مل سکتا ہے۔ لیکن میں یقین رکھتا ہوں کہ روشنی کے مینار تک پہنچانے کے لئے روشن سڑکوں کی بھی ضرورت ہے۔ جو شخص سڑکوں کو اندھیرا کرتا ہے۔ وہ مینار کو بھی ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس جو شخص دوسرے مذاہب کی عیب جوئی میں اپنے مذہب کی فتح دیکھتا ہے وہ نادان ہے اگر خدا تعالیٰ کا نور ہر قوم اور ہر ملک میں کسی نہ کسی صورت میں موجود نہیں تو لوگ بینائی کھو بیٹھیں گے اور جب بینائی جاتی رہے تو نور کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ پس جو جماعت لوگوں کو اس صداقت سے آگاہ رکھنے کی کوشش کرتی ہے کہ ہر

مذہب میں خوبیاں موجود ہیں وہ صداقت کا جھنڈا کھڑا رکھنے کے لئے ایک بہت بڑی خدمت کرتی ہے اور اس وجہ سے ورلڈ فیلوشپ آف فیتھس میرے نزدیک دنیا کی ایک اہم ترین خدمت کر رہی ہے اور ضرورت ہے کہ اس کی کوششوں کو دنیا کے ہر حصہ میں وسیع کیا جائے۔ میں امام جماعت احمدیہ ہونے کی حیثیت میں انہیں اس کام کے لئے ہر ممکن امداد دینے کا وعدہ کرتا ہوں اور انہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس وقت خدا تعالیٰ کا ارادہ بھی ان کی کوششوں کی تائید میں ہے آسمان کے فرشتے صلح کی قرناء پھونک رہے ہیں۔ جو آج اس آواز کو نہیں سنتا وہ کل سنے گا۔ اور جو کل نہیں سنتا وہ پرسوں سنے گا مگر سنے گا ضرور۔ پس مبارک ہیں وہ جو پہلی ہی آواز پر جنگی ہتھیار زمین میں دفن کر دیتے ہیں اور صلح کا ہاتھ اپنے بھائیوں کی طرف بڑھاتے ہیں۔ کیونکہ انہی کے ہاتھ پر خدا کا ہاتھ ہوگا اور وہی آسمانی بادشاہت کے وارث ہوں گا"۔ [۲۶۸]

صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی مرحوم نے حضور کے نمائندہ کی حیثیت سے یہ پیغام سنایا۔ جس سے سامعین بہت متاثر ہوئے کئی لوگوں نے برملا تسلیم کیا کہ یہ سب سے اعلیٰ مضمون ہے۔ [۲۶۹] علاوہ ازیں بشپ فرانسس میکونل صدر کانفرنس نے حضور کی خدمت میں شکریہ کا خط لکھا کہ "آپ کا پیغام جو بحری تار کے ذریعہ موصول ہوا۔ عظیم الشان اجتماع میں ۲۷ / اگست بروز اتوار بعد دوپہر جلسہ کے افتتاح کے موقعہ پر جو کہ ہمارے جلسہ کے انتہائی عروج کا وقت تھا پڑھا گیا۔ تمام سامعین نے آپ کے پاک اور پاکیزگی بخشنے والے الفاظ کو نہایت پسند کیا"۔ [۲۷۰] (ترجمہ)

چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا پہلا سفر امریکہ

۲۹ / اگست ۱۹۳۳ء سے ۷ / ستمبر ۱۹۳۳ء تک کے ایام احمدیہ مسلم مشن امریکہ کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے کیونکہ ان ایام میں چودھری ظفر اللہ خان صاحب پہلی بار لندن سے امریکہ تشریف لے گئے۔ آپ کا یہ مبارک سفر بظاہر سیاسی نوعیت کا تھا۔ مگر اس کے دوران آپ نے شکاگو میں خدمت دین کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ چنانچہ آپ نے تین پبلک جلسوں کو خطاب فرمایا۔ اتحاد مذاہب عالم کے جلسہ میں بھی اسلام پر لیکچر دیا۔ دو تقاریر شکاگو مشن میں کیں۔ ان باقاعدہ تقریروں کے علاوہ شبانہ روز ملاقاتوں میں آپ اسلام سے دلچسپی رکھنے والوں کو پیغام ہدایت دیتے رہے اور ہفتہ بھر تبلیغ اسلام کا غلغلہ رہا جن لوگوں کو چوہدری صاحب کی پر معارف تقاریر سننے یا ملاقات کرنے کا موقعہ ملا۔ وہ دل و جان سے آپ کے والہ و شیدا اور آپ کے اخلاق فاضلہ، تبحر علمی اور روحانی جاذبیت سے سچ مچ مسحور ہو گئے۔ [۲۷۱]

چودھری صاحب کے اس پہلے سفر امریکہ کا ایک بھاری فائدہ یہ بھی ہوا کہ ان کی ملاقات سے

نومسلموں کے ایمان میں زیادتی اور تقویت ہوئی۔ اسی طرح وہ لوگ جو عرصہ سے زیر تبلیغ تھے اور اسلام کے متعلق احترام و اخلاص رکھتے تھے۔ وہ اور بھی قریب آگئے۔ سب سے اہم بات یہ ہوئی کہ چودھری صاحب جیسی شخصیت نے احمدیہ مشن امریکہ کا بذات خود معائنہ فرمایا اور مرکز کو احمدیہ مشن کی مشکلات سے باخبر کیا۔ [۲۷۲]

پہلا باب (فصل ہشتم)

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب کا سفر ولایت

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب (خلف قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ) ۳۰/ اگست ۱۹۳۳ء کو قادیان سے بغرض تعلیم انگلستان کے لئے روانہ ہوئے۔ [۲۷۳]

تاریخ احمدیت میں چونکہ یہ پہلا موقعہ تھا جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک پوتا بیرونی ممالک میں تعلیم کی خاطر جا رہا تھا اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور حضرت قمر الانبیاءؓ نے صاحبزادہ صاحب کی روانگی پر اپنے قلم سے ان کو اہم ہدایات تحریر کر کے عطا فرمائیں۔ حضورؓ کے ارشادات کا ملخص یہ تھا۔

۱۔ آپ کو لوگ اس نگاہ سے دیکھیں گے کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پوتے ہیں پس ہمیشہ اس امر کا خیال رکھیں کہ آپ کے ہاتھ میں اپنی عزت کی حفاظت کا ہی کام نہیں ہے بلکہ سلسلہ کی عزت بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی عزت کی حفاظت کی بھی ذمہ داری ہے۔

۲۔ ہماری جماعت کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کی مادیت کا مقابلہ کرنے کے لئے کھڑا کیا ہے پس آپ کو دعاؤں پر خاص زور دینا چاہئے۔

۳۔ ہمیشہ کوشش کریں کہ نمازوں میں باقاعدگی ہو۔ نمازیں وقت پر ادا ہوں اور اگر ہو سکے تو باجماعت ادا ہوں۔

۴۔ قرآن شریف کا سمجھ کر مطالعہ کرتے رہیں کہ اس میں سب نور اور ہدایت ہے۔ اگر غور سے پڑھیں گے تو معلوم ہوگا کہ یورپ باوجود ترقی کے اس مقابلہ میں ابھی تاریکی میں پڑا ہوا ہے۔

۵۔ ہر ممکن کوشش احمدیوں سے ملتے رہنے کی کرتے رہیں۔ خصوصاً مسجد میں آنے کی۔

۶۔ ہمیشہ اچھے دوستوں سے تعلق پیدا کریں اور اپنے حلقہ میں تبلیغ اسلام کرتے رہیں اور اچھے نوجوانوں کو انگریز ہوں یا ہندوستانی مسجد میں لے جانے کی کوشش کریں کہ اس سے دل کو نور حاصل ہوتا ہے۔

۷۔ مقامی مبلغ وہاں کا امام اور امیر ہے اس کی پوری فرمانبرداری کرنی چاہئے۔

۸۔ وہاں عورتوں کی وبا کثرت سے ہے اس سے بچنا تو مشکل ہے کیونکہ وہ ہر مجلس میں موجود ہوتی ہیں لیکن جوان عورتوں سے الگ رہنے یا ان کے ساتھ سیر وغیرہ پر جانے سے احتراز کرنا چاہئے۔

۹۔ کھانے میں حلال حرام کا خاص خیال رکھیں اور شکل میں ڈاڑھی کا۔

۱۰۔ جہاز اس مقدس سرزمین کے پاس سے گزرے گا جس سے ہمیں نور ملا ہے اور جہاں ہمارا سب سے پیارا مدفون ہے دونوں جگہ سے جہاز کے گزرنے کا علم جہاز کے افسروں سے ہو سکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اس جگہ اس سرزمین کو دیکھ کر دعائیں کریں۔ تا اللہ تعالیٰ کا فضل نازل ہو ایک جگہ تسبیح و تحمید اور دوسری جگہ درود پڑھیں کہ اس احسان عظیم کا جو ہم پر ہوا ہے اعتراف ہو۔ ان شکرتم لازیدنکم۔ ۲۷۴

حضرت قمرالانبیاءؓ کی تحریر فرمودہ نصائح کا ایک حصہ تو وہ تھا جن کی طرف حضرت امیرالمومنینؓ نے بھی اپنے مخصوص انداز میں توجہ دلائی تھی مگر ایک اہم حصہ ایسا تھا جس میں بعض اور مفید باتوں پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ مثلاً آپ نے فرمایا۔

۱۔ "لباس گردوپیش کے حالات اور ملک کی آب و ہوا پر منحصر ہے مگر انگریزی لباس میں ایک چیز ایسی ہے جسے حدیثوں میں دجال کی نشانی قرار دیا ہے۔ اور اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اسے ناپسند فرماتے تھے اور وہ انگریزی ٹوپی ہے۔ لہٰذا اس کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اس کے سوا میں لباس کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا تمہیں آزادی ہے مگر یہ ضرور کہوں گا کہ کسی چیز کو محض غلامانہ تقلید کے طور پر اختیار نہ کرنا"۔

۲۔ "انسان کی ساری ترقی کا راز محنت میں ہے مگر محنت صحیح طریق پر ہونی چاہئے اور ہر کام کے لئے صحیح طریق جدا جدا ہے پس سب سے پہلے تمہیں واقف کار اور معتبر ذرائع سے یہ معلوم کرنا چاہئے کہ اس لائن کے لئے تیاری کا صحیح طریق کون سا ہے؟ اور اس کے بعد پوری محنت کے ساتھ اس میں لگ جانا چاہئے۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ مقابلہ کے امتحان کے لئے مخصوص طور پر کوئی یونیورسٹی کی تعلیم نہیں ہوتی۔ بلکہ سارا دارومدار طالب علم کی اپنی کوشش پر ہوتا ہے البتہ ولایت میں بعض پرائیویٹ درسگاہیں ایسی ہیں جو طالب علموں کو اس کے لئے تیاری کراتی ہیں ان سے بھی فائدہ اٹھانا چاہئے علاوہ ازیں تمہیں چاہئے کہ جاتے ہی برٹش میوزیم کے ممبر بن جاؤ جس میں دنیا بھر کی بہترین کتب کا ذخیرہ موجود رہتا ہے۔ اس لائبریری سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے اور گزشتہ سالوں کے پرچے دیکھ کر امتحان کے معیار اور طریق کا بھی پتہ لگانا چاہئے"۔

۳۔ حضرت صاحب کو باقاعدہ اپنے حالات سے اطلاع دیتے رہو اور دعا کی تحریک کرتے رہو۔ اسی

طرح حضرت والدہ صاحبہ ام المومنینؓ کو بھی دعا کے واسطے لکھتے رہو۔ گاہے گاہے سلسلہ کے دوسرے بزرگوں کو بھی دعا کے لئے لکھتے رہو۔ ڈاک کے خرچ کی کفایت اسی رنگ میں ہو سکتی ہے کہ ایک ہی لفافہ میں کئی لفافے بند کر کے بھجوا دیئے جائیں"۔ ۲۷۵

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب ۱۶/ ستمبر ۱۹۳۳ء کی شام کو انگلستان پہنچے۔ ۲۷۶ آپ کے قیام لنڈن سے چند ماہ بعد ۱۵/ نومبر ۱۹۳۳ء کو صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب (ابن حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ) بھی حصول تعلیم کے لئے ولایت تشریف لے گئے۔ ۲۷۷

حضرت مسیح موعودؑ کی نظموں کا ریکارڈ

ستمبر ۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے کی "دی گراموفون کمپنی لیٹڈ بمبئی" نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی بعض نظمیں نہایت نازیبا طریقہ پر گراموفون میں ریکارڈ کیں۔ اور وہ کلام جو لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی خشیت پیدا کرنے کے لئے لکھا گیا تھا۔ ڈھولک اور باجہ کے ساتھ گا کر کھیل کے رنگ میں پیش کیا گیا۔ ۲۷۸

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۵/ ستمبر ۱۹۳۳ء ۲۷۹ کے خطبہ جمعہ میں اس حرکت پر سخت نقد کیا ازاں بعد احمدی جماعتوں کی طرف سے بھی صدائے احتجاج بلند کی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ کمپنی نے خود ہی یہ ریکارڈ تلف کرا دیئے۔

آل بنگال احمدیہ کانفرنس

۲۹- ۳۰/ ستمبر و یکم اکتوبر ۱۹۳۳ء کو بنگال احمدیہ کانفرنس کا سترھواں سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ جس کی صدارت کے لئے حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ قادیان سے تشریف لے گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس موقعہ پر احمدیان بنگال کے نام ایک مختصر مگر جوش انگیز اور ولولہ خیز پیغام بھجوایا جس میں خاص طور پر یہ ارشاد فرمایا کہ۔

"آپ لوگ یاد رکھیں کہ ہر خلیفہ کا مذہبی فرض ہو گا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وصیت کے مطابق امامت کو خلافت کے نقطہ پر اور تفصیلی انتظام کو صدر انجمن احمدیہ کے نقطہ پر قائم رکھے اور کسی ایسے خیال کو جو اس کے خلاف ہو چلنے نہ دے ہر قربانی جو خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو اس مقصد کے حصول کے لئے معمولی سمجھی جائے گی۔ پس ہر ایک بھی خواہ سلسلہ کو اور ہر اس شخص کو جو روحانی موت اپنے لئے پسند نہیں کرتا میں نصیحت کرتا ہوں کہ اگر ایسا کوئی خیال اس کے دل میں ہے تو اسے اپنے دل سے نکال دے ورنہ یہ اس کی اپنے ساتھ بھی غداری ہو گی۔ اور اپنی قوم کے ساتھ بھی غداری ہو گی"۔ ۲۸۰

حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہدایت پر برہمن بڑیہ سے واپس آتے ہوئے کلکتہ سے قادیان تک کی تمام بڑی جماعتوں کا دورہ بھی فرمایا۔

سرزمین کابل میں ایک نہایت اہم نشان کا ظہور

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو ۳/ مئی ۱۹۰۵ء کو الہام ہوا۔ "آہ نادر شاہ کہاں گیا"۔ [281] یہ عظیم الشان پیشگوئی (اٹھائیس برس بعد) اس سال ۸/ نومبر ۱۹۳۳ء کو لفظاً لفظاً پوری ہو گئی۔ جبکہ والئ افغانستان نادر شاہ دن کے تین بجے ایک طالب علم کے ہاتھوں نہایت بے دردی سے قتل کر دیئے گئے۔

اس دردناک حادثہ قتل کی اطلاع پہنچنے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے اظہار افسوس اور دلی ہمدردی کا تار جلالت مآب محمد ظاہر شاہ شاہ کابل کو دیا گیا۔ جس میں یہ امید بھی ظاہر کی کہ شاہ معظم اپنے والد ذی شان کے نیک کام کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھیں گے۔ [282]

حکومت افغانستان کی طرف سے اس کے جواب میں مندرجہ ذیل مکتوب موصول ہوا۔

"ہز میجسٹی شاہ افغانستان آپ کے ان دلی جذبات ہمدردی کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جن کا اظہار آپ نے اپنی طرف سے نیز اپنی جماعت کی طرف سے اعلیٰ حضرت مرحوم کی دردناک وفات پر فرمایا ہے"۔ [283]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس پیغام تعزیت کے علاوہ "سرزمین کابل میں ایک تازہ نشان کا ظہور" کے عنوان سے ایک مفصل مضمون بھی تحریر فرمایا۔ جو الفضل (۲۳/ نومبر ۱۹۳۳ء) کے بعد اردو اور سندھی میں پمفلٹ کی صورت میں بکثرت شائع کیا گیا۔

اس مضمون میں حضور نے تفصیل سے بتایا کہ کس طرح نادر خاں انتہائی کس مپرسی اور بے سرو سامانی اور بالکل مخالف حالات میں مسند حکومت پر بیٹھے پھر الہام کے مطابق نادر خاں سے نادر شاہ بنے اور پھر اچانک حادثہ سے وفات پا گئے اس ضمن میں اس اہم پہلو کی طرف بھی توجہ دلائی کہ "اس پیشگوئی سے یہ بات معلوم ہوتی تھی کہ جس وقت نادر شاہ صاحب کی وفات ہو گی۔ اس وقت ملک کو ان کی اشد ضرورت ہو گی۔ واقعات سے یہ امر بھی ثابت ہوتا ہے چنانچہ بڑا ثبوت اس امر کا یہ ہے کہ شاہ موصوف کی وفات سے چند دن پہلے ڈاکٹر محمد اقبال صاحب افغانستان سے واپس آئے تو انہوں نے اخبارات میں یہ امر شائع کرایا کہ اگر دس سال بھی نادر شاہ صاحب کو اور مل گئے تو افغانستان کی حالت درست ہو جائے گی اور وہ ترقی کی چوٹی پر پہنچ جائے گا اس اعلان کے دوسرے دن وہ مارے گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب واقف لوگ اس امر کو محسوس کرتے تھے کہ نادر شاہ صاحب کی زندگی کی

ابھی ملک کو بہت ضرورت ہے لیکن پیشگوئی کے مطابق اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء نہ تھا کہ وہ اس وقت تک رہتے"۔ ۲۸۴

محلہ دارالسعۃ پچھلے سال قادیان میں محلہ دارالانوار کی بنیاد رکھی گئی تھی اس سال حضرت سیدنا امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۹/ نومبر ۱۹۳۳ء کو ریلوے لائن کے مشرقی جانب ایک نئے محلہ دارالسعۃ کا سنگ بنیاد رکھا۔ ۲۸۵

چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی سفر انگلستان و امریکہ سے واپسی اور شاندار استقبال چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب انگلستان میں مسلمانان ہند کی بالخصوص اور اہل ہند کی بالعموم سنہری خدمات سرانجام دینے کے بعد دسمبر ۱۹۳۳ء کے دوسرے ہفتہ میں واپس ہندوستان تشریف لائے تو مسلمانان ہند نے ان کا شاندار استقبال کیا اور مسلمان لیڈروں کی طرف سے آپ کو سنہری ہار پہنائے گئے چنانچہ اس ضمن میں دہلی اور لاہور کے بعض مسلم اخبارات کے تین نوٹ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ اخبار "عادل" ۱۳/ دسمبر ۱۹۳۳ء نے لکھا۔

۹/ دسمبر (دہلی) آج رات کو ساڑھے نو بجے فرنٹیر میل سے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب راؤنڈ ٹیبل کانفرنس سے واپس تشریف لائے۔ دہلی اسٹیشن پر مسلمانوں کا ایک جم غفیر استقبال کے لئے موجود تھا جن میں حسب ذیل اصحاب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ آنریبل میاں سر فضل حسین صاحب ممبر گورنمنٹ ہند۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب سی۔ آئی۔ ای ممبر اسمبلی۔ محمد یامین خان صاحب ممبر اسمبلی۔ کنور اسمٰعیل خان صاحب ممبر اسمبلی۔ مولانا شفیع داؤدی صاحب ممبر اسمبلی۔ خان صاحب ایس۔ ایم عبداللہ صاحب۔ خان صاحب حاجی رشید احمد صاحب۔ خان صاحب حافظ محمد صدیق صاحب ملتانی۔ مسٹر صالح حیدری انڈر سیکرٹری زراعت۔ اشتیاق احمد صاحب چشتی۔ مسٹر نادر شاہ۔ مفتی شوکت علی صاحب فہمی ایڈیٹر عادل۔ محمد انوار صاحب ہاشمی اڈیٹر اسلامی دنیا۔ ڈاکٹر شفیع احمد صاحب ایڈیٹر روزانہ اخبار سلطنت۔ ضیاء الدین صاحب ایڈیٹر الخلیل۔ حافظ حکیم سید محمد ہلال صاحب۔ پیرزادہ درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحب۔ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب۔ خان بہادر حافظ عبدالحکیم صاحب۔ میر منشی کمانڈر انچیف خان صاحب۔ میر نواب علی صاحب۔ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب نے ممبران اسمبلی کی طرف سے اور حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے دہلی کے مسلمانوں کی طرف سے سنہری ہار

پہنائے"۔ ۲۸۶

۲۔ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے روزنامہ "عادل" ۱۳/ دسمبر ۱۹۳۳ء کے صفحہ اول پر مسلم سیاست کی دو آنکھیں "میاں سر فضل حسین اور چوہدری ظفر اللہ خان" کے دوہرے عنوان سے تحریر فرمایا۔

"اگر خدا نے ہندو قوم کو گاندھی اور جواہر لال اور مالوی جیسے مخلص اور لائق لیڈر دیئے ہیں تو مسلمانوں کو بھی میاں سر فضل حسین اور چوہدری ظفر اللہ جیسے سراپا اخلاص اور لیاقت سے بھرپور لیڈر عطا فرمائے ہیں۔ یہ دونوں مسلمانوں کی سیاست کی دو آنکھیں ہیں بلکہ دو سانس ہیں جو بظاہر دو مگر درحقیقت ایک ہی ہیں اور مسلمان قوم ان دونوں کے وجود پر فخر کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہے کہ اس نے اس قحط الرجال میں ایسے رہنما اس کو دیئے ہیں۔ جو حریفوں میں بھی بے مثل مانے جاتے ہیں۔

میاں سر فضل حسین نے ہندوستان میں اور چوہدری ظفر اللہ نے انگلستان میں مسلمانوں کی بے کس قوم کی جو سیاسی خدمات انجام دی ہیں ان کو موجودہ مسلمانان ہند اور ان کی آئندہ نسلیں ہمیشہ یاد رکھیں گی۔ آج چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب اپنی مسلمان قوم کی خدمات انجام دے کر انگلستان سے واپس آئے ہیں۔ اور پایہ تخت دہلی کے مسلمان تمام مسلمانان ہند کی طرف سے اپنی آنکھوں کا فرش ان کے راستہ میں بچھاتے ہیں۔ حسن نظامی ۹/ دسمبر ۱۹۳۳ء ۲۸۷

۳۔ اخبار "سیاست" لاہور نے ۱۳/ دسمبر ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں لکھا۔

"ہم بہ مسرت تمام چودھری ظفر اللہ خان صاحب اور ڈاکٹر شفاعت احمد خان صاحب کو ولایت سے مع الخیر واپس تشریف لانے پر مبارکباد عرض کرتے اور ان کی قوم اور ان کے ملک کی طرف سے ان کا خیر مقدم کرتے ہیں حقیقت یہ ہے اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ حکومت ہند نے اگرچہ مسلمانوں کو پارلیمنٹ کی ہندوستان کے متعلق مجلس منتخبہ مشترکہ کے لئے نمائندے چننے کا حق نہیں دیا۔ تاہم اس نے خود ایسے مسلمان چنے جنہوں نے مسلمانوں کی نمائندگی کا حق کماحقہ ادا کیا۔ تمام مسلم نمائندے جس اتحاد و یگانگت سے کام کرتے رہے ہیں وہ مسلمانوں کی کامیابی کا بہت بڑی حد تک ذمہ دار ہے اور یوں ہر مسلمان رکن مجلس وغیرہ ہمارے دلی شکریہ کا مستحق ہے۔ لیکن ان نمائندوں میں سے چودھری ظفر اللہ خاں اور ڈاکٹر شفاعت احمد خاں نے جس قابلیت اور صفائی سے مسلمانوں کے نقطہ نگاہ کو پیش کیا اور جس طرح دلائل سے ہمارے مطالبات کی صداقت کو واضح کیا۔ وہ انہی کا حصہ تھا۔ اور ہم ان کا شکریہ ادا

کرتے ہوئے انہیں ان کی کامیابی اور مع الخیر مراجعت پر مبارکباد و خوش آمدید عرض کرتے ہیں"۔ ۲۸۸

علم طب کی سرپرستی

قادیان نے ہمیشہ فن طب کی سرپرستی کی ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خاندانی روایات کے مطابق طب میں گہرا شغف تھا اور خدا تعالٰی کی طرف سے شفاء کا اعجازی نشان تو اتنی کثرت اور تواتر سے حضور کے ہاتھ پر ظاہر ہوا کہ ایک جہان انگشت بدنداں رہ گیا۔ اسی طرح حضرت خلیفتہ المسیح اولؓ انیسویں صدی کی دنیائے طب میں مسلمہ شخصیت تھے جن کی طبابت اور حکمت کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیلا ہوا تھا لہذا جب آپ قادیان میں ہجرت کر کے آگئے تو قادیان طبابت کا بھی مرکز بن گیا۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو طب خاندانی ورثہ میں ملی اور حضرت خلیفتہ المسیح الاولؓ کی شاگردی نے اسے چار چاند لگا دیئے۔ اور آپ کے عہد خلافت میں فن طب نے بہت فروغ پایا۔

اسی حقیقت کے پیش نظر پنجاب کے مشہور حکیم حاذق سید علی احمد صاحب نیر واسطی (لاہور) نے اس سال حضور کی خدمت میں مندرجہ ذیل مراسلہ بھیجا۔

از دفتر دیسی دواخانہ چونا منڈی لاہور زیر سرپرستی حکیم سید علی احمد صاحب نیر واسطی جناب المکرم! تسلیم و نیاز

مجھ سے زیادہ جناب پر یہ حقیقت روشن ہے کہ کسی قوم کی تاریخ اسی وقت زندہ رہ سکتی ہے جبکہ اس کے علوم و فنون کا تحفظ کیا جائے مسلمان اگر دنیا میں زندہ رہنا چاہتے ہیں تو یقیناً انہیں اپنے علوم و فنون کی جانب اعتنا کرنا پڑے گا۔ انہیں اپنے علم کلام، علم معانی، منطق، فلسفہ اور اس ضمن میں اپنے علم طب پر خصوصی توجہ مبذول کرنی ہوگی۔

قادیان نے ہمیشہ سے علم طب کی سرپرستی کی ہے۔ خود مرزا صاحب ایک بہت بڑے فاضل جید اور حاذق طبیب تھے۔ حکیم نور الدین صاحب بھیروی کا مرتبہ اطبائے کاملین کی صف اول میں خصوصاً بہت بلند ہے ان کے مجربات کے نسخوں اور ان نسخوں کی ترکیبوں کو دیکھ کر جالینوس اور شیخ کے عہد کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔

ان حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کی ذات گرامی سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس فن عزیز کی سرپرستی کے لئے اب عملی قدم بڑھائیں۔

لکھنا بہت کچھ تھا لیکن سردست ان چند سطور پر اکتفا کیا گیا۔

سردار محمد خاں

بحکم حکیم علی احمد صاحب نیرواسطی

اس خط کا حضور ؓ نے اپنے قلم سے مندرجہ ذیل جواب دیا۔

"آپ کا خط ملا۔ حسب توفیق اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب ہی کاموں کی طرف توجہ کا ارادہ رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ ارادوں کا پورا کرنے والا ہے۔ سب کام روپیہ چاہتے ہیں اور روپیہ ان ابتدائی ضرورتوں کو جن کے لئے سلسلہ کا قیام ہے بہ مشکل پورا ہوتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو طب کا خاص خیال تھا مجھے جو علم علاوہ قرآن کریم اور حدیث کے حکماء سے پڑھوایا وہ طب تھا فرماتے تھے یہ ہمارا خاندانی شغل ہے چنانچہ دو تین ابتدائی کتب حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ سے طب کی میں نے پڑھیں پھر دوسرے کاموں میں لگ گیا ارادہ ہے کہ اپنے ایک بچے کو علم طب ایسے اصول پر پڑھواؤں کہ طب کا صحیح حصہ قائم رکھا جائے آپ کی رائے کا معلوم کرنا موجب خوشی ہو گا"۔

اخبار "الفضل" کی اسلامی خدمات

اخبار "الفضل" نے اپنی مستقل پالیسی کے مطابق ۱۹۳۳ء میں بھی مسلمانوں کے اہم مسائل اور ان کے قومی مفاد میں گہری دلچسپی لی۔ اس ضمن میں چند اہم معاملات کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

السنہ شرقیہ کا تحفظ: یہ افواہ مشہور ہوئی کہ اورینٹل کالج لاہور اور السنہ شرقیہ کی حیثیت اور وقعت کم کرنے کی تجاویز پنجاب یونیورسٹی کے تحقیقاتی کمشن کے زیر غور ہیں۔ اخبار الفضل نے اس پر لکھا کہ "مسلمان قطعاً برداشت نہیں کریں گے کہ وہ زبانیں جو ان کی تہذیب' ان کے تمدن' ان کی شاندار روایات' ان کے اسلاف کے بے مثال کارناموں اور ان کے علوم کی حامل ہونے کے علاوہ ان کے مذاہب کو بھی محفوظ کئے ہوئے ہیں انہیں ایسے صوبہ میں جہاں تمام دوسری اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے نذر تغافل ہونے دیں"۔ [۲۸۹]

مملکت آصفیہ اور مسئلہ برار: مملکت آصفیہ اور حکومت برطانیہ کے مابین مسئلہ برار مدتوں زیر بحث چلا آرہا تھا۔ اخباری اطلاعات سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت والی دکن اور ان کے لائق و جہاندیدہ وزیر اعظم سر اکبر حیدری اور ان کے رفقاء کار کی کوشش سے ایک باقاعدہ معاہدہ ہو رہا ہے جس کی رو سے برار کا علاقہ شہریار دکن کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اخبار "الفضل" نے اس پر بہت خوشی کا اظہار کیا۔ اور اس تصفیہ کو مملکت دکن اور اہل برار دونوں کے لئے بابرکت قرار دیا اور اہل برار کو مشورہ دیا کہ انہیں ایسے لوگوں کی باتوں کو کوئی وقعت نہیں دینی چاہئے۔ جو سودیشی حکومت کے نعرے بلند کرتے ہیں مگر نہیں چاہتے کہ سب سے بڑے ہندوستانی فرمانروا کو اپنا علاقہ واپس مل جائے۔ [۲۹۰]

مسلمان افسر کی برطرفی پر احتجاج: سرحد کے ایک اعلیٰ مسلمان افسر (شیخ تاج محمد صاحب

کنٹرولر آف اکونٹس) برطرف کر دیئے گئے۔ اس پر "الفضل" نے سخت احتجاج کیا اور لکھا کہ اگر یہ فیصلہ واپس نہ لیا گیا تو مسلمان یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ ۹۵ فیصد مسلمان آبادی والے صوبہ کے اعلیٰ مسلمان افسر بھی بآسانی غیر مسلموں کی سازش کا شکار بنائے جاسکتے ہیں۔ [۲۹۱]

ہندوؤں کے حملہ کی مذمت: عید الاضحیہ کی تقریب پر حکومت کے وسیع انتظامات کے باوجود ہندوؤں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا تھا اس ظالمانہ روش پر اظہار افسوس کرنے کی بجائے اخبار "ملاپ" (۲/ اپریل ۱۹۳۳ء) نے لکھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو عید کی قربانی ہی بند کر دینی چاہئے۔ "الفضل" نے اس ذہنیت پر رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔ کاش ہندوؤں میں رواداری کا مادہ ہوتا کہ وہ اقلیتوں کو حقوق نہیں بلکہ مراعات دے کر اپنا اعتماد جمالیتے۔ [۲۹۲]

ریاست بہاولپور کے خلاف ہندو شورش: ہندوؤں نے تحریک آزادی کشمیر کے ردعمل کے طور پر ریاست بہاولپور کے خلاف شورش برپا کر رکھی تھی جس کی حقیقت اخبار الفضل نے واضح کی۔ [۲۹۳]

اتحاد المسلمین کی جدوجہد: صدر خلافت کمیٹی نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ "مسلمانوں کی نجات ان کی اپنی تنظیم میں مضمر ہے لہذا مسلمانوں کو اپنے تمام اختلافات دفن کر کے متحد طور پر کام کرنا چاہئے"۔ الفضل نے اس مشورہ کا پر جوش خیر مقدم کیا۔ [۲۹۴]

مسلم لیگ میں یکجہتی کے لئے کوشش: قائد اعظم محمد علی جناح کے قیام لنڈن کے دوران مسلم لیگ کو بہت نقصان پہنچ رہا تھا اور یہ تنظیم اندرونی الجھنوں کا شکار بن کر عضو معطل بن رہی تھی۔ اخبار "الفضل" نے اس نازک مرحلہ پر مسلمانان ہند کو توجہ دلائی کہ آل انڈیا مسلم لیگ ہی ہماری سب سے پہلی سیاسی انجمن ہے جس نے نہ صرف مسلمانوں کے سیاسی اور ملکی حقوق کی حفاظت کی بلکہ ان میں سیاسی شعور پیدا کرنے کے لئے گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ لہذا آج جبکہ مخالف طاقتیں نہایت منظم طریق سے مسلمانوں کو کچلنے کے لئے برسرپیکار ہیں یہ طریق نہ صرف ارکان مسلم لیگ کی شان کے شایاں نہیں بلکہ مسلمانوں کے لئے سخت نقصان رساں اور ان کے سیاسی حقوق کو تباہ کرنے والا ہے۔ [۲۹۵]

ریاست مانگرول کی تائید: مانگرول کاٹھیاواڑ میں ایک چھوٹی سی مسلمان ریاست تھی۔ ہندو ذبیحہ گائے کا سوال اٹھا کر اس میں فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور آریہ اخبار نواب صاحب مانگرول کے خلاف پراپیگنڈا کر رہے تھے جس کے خلاف اخبار الفضل نے آواز بلند کی۔ [۲۹۶]

سیو اسنگھی تنظیم کی مخالفت: اجمیر میں ہندوؤں کا ایک بہت بڑا اجتماع ہوا۔ جس میں

مسلمانوں کے خلاف جدید محاذ جنگ قائم کرتے ہوئے سیوا سنگھ کے نام سے رضا کاروں کی ایک فوج تیار کرنے اور مسلمانوں کو جلد سے جلد شدھ کر کے ہندو بنانے کا فیصلہ کیا۔ اخبار "الفضل" نے مسلمانوں کو ہندوؤں کے ان ناپاک عزائم سے خبردار کرنے کے لئے ایک مفصل شذرہ سپرد قلم کیا۔ ۲۹۷

سالانہ جلسہ ۱۹۳۳ء

اس سال کا سالانہ جلسہ رمضان المبارک کے مہینہ میں آیا۔ جس کی وجہ سے بعض نئی قسم کی دقتیں پیش آئیں مگر ان پر قابو پا لیا گیا۔ اور سخت سردی کے باوجود منتظمین اور کارکن سخت مشقت اٹھا کر روزہ داروں کے لئے افطار اور سحری کے وقت کھانا پہنچاتے رہے۔

جلسہ سے قبل حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ارشاد فرمایا کہ روزہ دار ہونے کی وجہ سے بلند آواز سے تقریر نہ کر سکوں گا۔ اس لئے سردست اس جلسہ کے لئے آلہ نشر الصوت کرایہ پر منگوانے کا انتظام کیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں صوفی محمد ابراہیم صاحب بی۔ ایس۔ سی لاہور بھجوائے گئے مگر جب انہوں نے بذریعہ تار اطلاع دی کہ PAR کمپنی والے تین دن کے لئے پانچ سو روپیہ کرایہ لاؤڈ سپیکر کا طلب کرتے ہیں نیز پتہ چلا کہ اچھا مائیکروفون ان دنوں لاہور میں دستیاب نہیں ہو سکتا۔ لہذا حضور نے اس سال لاؤڈ سپیکر کرایہ پر منگوانے کی اجازت نہ دی اور فرمایا مستقل انتظام کے لئے غور کیا جائے۔ ۲۹۸ تاہم اس دقت کے باوجود حضورؓ نے حسب دستور سالانہ جلسہ پر تین بار خطاب فرمایا۔ آخری تقریر جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی وحی سے متعلق تھی نہایت پر معارف اور بے حد ایمان افروز تھی یہ تقریر تین بجے سے سوا پانچ بجے تک جاری رہی۔ ۲۹۹

اس جلسہ پر ۲۸/ دسمبر کی رات تک بیعت کرنے والوں کی تعداد ۳۶۴ شمار کی گئی جن میں معزز تعلیم یافتہ اور بارسوخ غیر احمدی اصحاب کے علاوہ بعض غیر مبایعین بھی شامل تھے۔ ۳۰۰

بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیوں پر سیدنا خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا تبصرہ

۱۹۳۳ء میں جماعت احمدیہ کے بلاد غیر میں پانچ مستقل مشن قائم تھے ۱۔ امریکہ ۲۔ جاوا ۳۔ انگلستان ۴۔ شام و مصر ۵۔ مغربی افریقہ۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سالانہ جلسہ ۱۹۳۳ء کے موقعہ پر ان کی تبلیغی سرگرمیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"سال حال میں تبلیغ کے عملی نتائج بھی اچھے نکلے ہیں امریکہ میں کئی نئی جماعتیں قائم ہوئی ہیں سات آٹھ نئی جماعتیں بنی ہیں اسی طرح جاوا میں بہت کامیابی حاصل ہو رہی ہے یہ برکتیں اللہ تعالیٰ کی

طرف سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔ مولوی رحمت علی صاحب طالب علمی کے زمانہ اور اب بھی اتنے سادہ ہیں کہ لوگ عام طور پر ان کی باتوں پر ہنس پڑتے ہیں...... غرض وہ بہت سادہ ہیں مگر وہ جہاں جہاں بھی گئے وہاں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا اور لوگ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ ان کا مقابلہ ان کے علماء نہیں کر سکتے' کچھ عرصہ ہوا یہاں ڈچ قونصل مجھے ملنے کے لئے آیا۔ اس نے بھی مجھ سے ذکر کیا کہ مولوی رحمت علی بہت بڑا عالم ہے وہاں کا ایک پادری یہاں آیا۔ اس نے بھی یہی کہا۔ بات اصل یہ ہے کہ مولوی رحمت علی صاحب اپنے آپ کو بیچ سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتے ہیں اور پھر اس کی راہ میں کام کرتے ہیں اس پر خدا تعالیٰ اپنی خاص برکتیں نازل کرتا اور ہر موقعہ پر ان کو کامیابی عطا کرتا ہے انہوں نے پہلے سماٹرا میں ایک بہت بڑی جماعت قائم کی۔ اب وہ جاوا بھیجے گئے یہ تعلیم یافتہ علاقہ ہے۔ مولوی صاحب اگرچہ اس علاقہ کی زبان سے ناواقف تھے مگر باوجود اس کے گزشتہ تین ماہ کے اندر انہوں نے تین زبردست مباحثے کئے ہیں ان کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دو جگہ بڑی زبردست جماعتیں قائم ہو گئی ہیں یہاں ہندوستان میں ایک مبلغ دو دو سال تک تبلیغ کرتا رہتا ہے تو ایک دو احمدی ہوتے ہیں مگر وہاں بوگرا اور بٹاویہ دو مقامات میں تھوڑے عرصہ میں بڑی بڑی جماعتیں پیدا ہو گئیں جن کی تعداد دو دو اڑھائی اڑھائی سو افراد کے قریب ہے اور وہ لوگ تعلیم یافتہ ہیں۔ مگر مولوی رحمت علی صاحب جب آئیں گے تو پھر بھی ویسے ہی سادہ ہوں گے جیسے پہلے تھے۔ ان کے مباحثات کا ذکر جب غیر احمدی اخبارات میں چھپتا ہے تو بہت تعریف کی جاتی ہے وہ لکھتے ہیں مولوی رحمت علی صاحب مباحثہ میں اس طرح بولتے ہیں جس طرح آسمان سے گرج کی آواز آتی ہے ان کے مقابلہ میں ہمارے بیس بیس اور تیس تیس مولوی تھراتے اور کانپتے ہیں۔ وہ اخبارات مولوی رحمت علی صاحب کا اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ گویا وہ جماعت احمدیہ کے تمام علماء کا نچوڑ ہیں۔ یہ اسی اخلاص اور بے نفسی کا نتیجہ ہے جس سے مولوی صاحب کام کرتے ہیں۔ مجھے یہ پڑھ کر حیرت ہوئی کہ ایک غیر احمدی اخبار نے لکھا ایک مباحثہ میں بیس سے زیادہ مولوی مقابلہ پر تھے۔ مگر وہ مولوی صاحب سے کانپتے تھے اور ڈرتے تھے۔ جاوا اور سماٹرا کے علاوہ اور جزائر میں بھی جماعتیں قائم ہوئی ہیں۔

امریکہ میں تبلیغ کا جو کام ہو رہا ہے اس کی تفصیل میں نہیں بیان کرتا۔ چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب خود دیکھ آئے ہیں اور انہوں نے اس کے متعلق تقریر بھی کی ہے وہ اس کام سے بہت ہی متاثر ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ صوفی مطیع الرحمٰن صاحب کو اسلامی لٹریچر اور اسلامی مسائل کے متعلق یہ درجہ حاصل ہے کہ اسلامی لٹریچر کے بڑے بڑے ماہرین ان کے سامنے کوئی بات پیش کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ صوفی صاحب اسے غلط نہ قرار دے دیں۔

انگلستان میں اس سال مبلغین کی تبدیلی ہوئی ہے اس وجہ سے مولوی عبدالرحیم صاحب درد کام کو سنبھال رہے ہیں۔میں نے انہیں اب کے ہدایت کی تھی کہ علمی طبقہ میں کام کریں۔اس کے لئے وہ کوشش کر رہے ہیں چنانچہ پادریوں کے ایک کلب میں انہوں نے تقریر کی جس کا اچھا اثر ہوا امید ہے کہ وہاں بھی علمی طبقہ پر احمدی مبلغین کا سکہ بیٹھ جائے گا۔مولوی اللہ دتہ صاحب ۳۰۱ شام اور مصر میں اچھا کام کر رہے ہیں وہاں احمدیت کی شدید مخالفت ہو رہی ہے۔بعض احمدیوں کو پیٹا بھی گیا ہے۔حکومت بھی خلاف ہے۔حیفہ میں ایک بہت بڑی جماعت قائم ہے جس کے بہت سے افراد مولوی جلال الدین صاحب شمس کے وقت کے ہیں مگر مولوی اللہ دتہ صاحب کام کو خوب پھیلا رہے ہیں۔

افریقہ کے مبلغ حکیم فضل الرحمٰن صاحب بڑی محنت سے کام کر رہے ہیں وہاں بیس ہزار کی جماعت قائم ہو چکی ہے احمدیوں کے چھ سکول ہیں۔وہاں کے احمدیوں میں سے ہی کئی ایک بطور مبلغ کام کرتے ہیں"۔ ۳۰۲

بعض مخلص احمدی نوجوانوں اور نئے مبلغوں کا ذکر

۳۳-۱۹۳۲ء کو تاریخی نقطہ نگاہ سے یہ بھاری خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں جماعت احمدیہ کے بعض ایسے مخلص نوجوان آگے آئے جنہوں نے آئندہ چل کر سلسلہ کی شاندار خدمات سرانجام دیں اور جن کا نام بنام ذکر کرتے ہوئے حضرت خلیفتہ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے سالانہ جلسہ ۱۹۳۳ء پر ارشاد فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کے فضل سے پنجاب میں ایک نئی روح پیدا ہو رہی ہے کچھ عرصہ پہلے مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔لیکن دو سال سے بیداری پائی جاتی ہے۔اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اچھے مخلص نوجوان پیدا ہو رہے ہیں۔ان میں سے بعض کے نام آج میں لے دیتا ہوں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت پر کہ آپ بھی مخلصین کا نام لے کر ذکر کر دیا کرتے تھے پھر اس لئے بھی کہ جن کے نام لئے جائیں ان میں غیرت پیدا ہو جائے کہ اس عزت کو قائم رکھنا ہے۔کئی مخلص نوجوان ہیں جن میں سے بعض کے لئے ان کی سرگرمیوں کے متعلق حد بندیوں کی ضرورت ہے اور بعض کے لئے قوت عملیہ کے بڑھانے کی ضرورت۔ان میں سے ایک تو......چودھری فقیر محمد خان صاحب ہیں یہ نسبتاً پرانے احمدی ہیں اور نوجوانوں کے لئے اچھا نمونہ ہیں۔ایک چوہدری اعظم علی صاحب ہیں یہ نئے جماعت میں داخل ہوئے ہیں انہوں نے اخلاص کا نہایت اچھا نمونہ دکھلایا ہے وہ شیعوں میں سے آئے ہیں لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے اخلاص کا قابل تعریف نمونہ پیش کیا ہے اور میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ اور نئے آنے والے کیوں نہ ان کی طرح دین میں ترقی کر سکیں۔بیعت کرنے کے چھ ماہ بعد جب میں نے ان کی

شکل دیکھی تو میں انہیں پہچان نہ سکا۔ کیونکہ ان کی شکل سے ایسا اخلاص اور ایسی دینداری ظاہر ہوتی تھی گویا کہ وہ پرانے احمدی ہیں۔ اسی طرح چودھری محمد شریف صاحب وکیل، مرزا عبدالحق صاحب وکیل، میاں عطاء اللہ صاحب وکیل، چودھری عبداللہ خان صاحب برادر چودھری ظفر اللہ خاں صاحب، قاضی پروفیسر محمد اسلم صاحب، ڈاکٹر محمد منیر صاحب، عبدالرحمٰن صاحب خادم بشرطیکہ نفس پر قابو رکھیں۔ چودھری خلیل الرحمٰن صاحب بنگالی اور اسی طرح اور کئی نوجوان ہیں جن کے اندر سلسلہ کی خدمت اور روحانی ترقی کا جوش ہے۔ بعض نسلی احمدی ہیں بعض نئے احمدی ہیں۔ اور ان نوجوانوں کی حالت دوسرے نوجوانوں کے لئے نیک نمونہ بن سکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان لوگوں نے صحیح طریق پر ترقی جاری رکھی تو رؤیا اور کشوف سے بھی حصہ پاسکیں گے۔ تمام احمدیوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ ان کی اولاد میں روحانیت پائی جائے۔ اور ہمارے نوجوان روحانیت کا اعلیٰ نمونہ پیش کریں کہ اصلی چیز یہی ہے ورنہ عملی بحثوں نے مولویوں کو کوئی فائدہ نہیں دیا۔ اور نہ یہ بحثیں ہمیں کوئی فائدہ دے سکتی ہیں۔

نئے مبلغ جو پیدا ہو رہے ہیں ان میں بھی اچھے نوجوان نکل رہے ہیں۔ مولوی محمد سلیم صاحب ایک اچھے مبلغ ہیں۔ مولوی (شیخ) مبارک احمد صاحب کی قابلیت اس سے پہلے معلوم نہ تھی۔ اب ظاہر ہو رہی ہے ہماری جماعت میں ایک صاحب [۳۰۳] تھے جو اب فوت ہو چکے ہیں۔ وہ مبلغین کے متعلق نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ حافظ روشن علی صاحب مرحوم کے متعلق بھی نکتہ چینی کر دیتے تھے۔ اب کے وہ مجھ سے ملنے کے لئے پالم پور گئے۔ تو کہنے لگا میں نے اپنی جماعت میں مبارک احمد ایک مبلغ دیکھا ہے جو بہت قابل ہے میں نے کہا شکر ہے آپ کو ایک قابل مبلغ تو مل گیا۔ ایک اور مبلغ شیخ عبدالقادر صاحب ہیں۔ وہ ہندوؤں میں سے آئے ہیں اور اب مسلمانوں کے مولوی ہیں۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ ان کی تحریر کا رنگ اچھا ہے۔ غرض نئے مبلغ نکل رہے ہیں اور اچھے اچھے نکل رہے ہیں۔ امید ہے کہ جماعت کو مبلغوں کے نہ ملنے کی جو شکایتیں رہتی ہیں وہ کسی حد تک دور ہو جائیں گی۔ گو ان کا کلیتہ دور ہونا مشکل ہے کیونکہ ابھی مبلغ اس قدر نہیں ہیں کہ ہر جماعت کی شکایت دور کی جاسکے۔ [۳۰۴]

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

۱۹۳۳ء میں وفات پانے والے بعض جلیل القدر صحابہ کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حضرت چوہدری محمد حسین صاحب امیر جماعت احمدیہ سیالکوٹ (تاریخ وفات یکم مارچ ۱۹۳۳ء) [۳۰۵]

۲- حضرت مولوی محمد علی صاحب مہاجر بدوملہویؓ (تاریخ وفات ۳۰/اپریل ۱۹۳۳ء) [۲۰۶]

۳- حضرت حافظ محمد حسین صاحب قریشیؓ (تاریخ وفات ۱۹/ستمبر ۱۹۳۳ء) [۲۰۷]

۴- حضرت منشی خادم حسین صاحب بھیرویؓ (تاریخ وفات نومبر ۱۹۳۳ء) [۲۰۸]

۵- حضرت قاضی محبوب عالم صاحبؓ امرت سری خلف اکبر حضرت ڈاکٹر کرم الٰہی صاحبؓ (تاریخ وفات ۱۲/مئی ۱۹۳۳ء) [۲۰۹]

۶- صحابیات میں سے اس سال والدہ ماجدہ حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی جنوری ۱۹۳۳ء میں وفات ہوئی۔ [۲۱۰] سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کی نسبت فرمایا۔ "وہ ایک نہایت مخلص اور نیک خاتون تھیں اگر انہیں ولیہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا ایمان میں ان کو قدم صدق حاصل تھا ایسی بے شر اور نیک عورتیں اس زمانہ میں کم ہی دیکھی جاتی ہیں"۔ [۲۱۱]

پہلا باب (فصل نہم)

۱۹۳۳ء کے بعض متفرق مگر نہایت اہم واقعات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی عیادت

مولوی میاں عبدالمنان صاحب عمر (خلف حضرت خلیفۃ المسیح الاول) ۱۹۳۳ء کے شروع میں سخت بیمار ہو گئے۔ ۱۵/ جنوری کو خون کی قے بھی آئی یہ اطلاع ملنے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بہ نفس نفیس عیادت کے لئے تشریف لے گئے اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کا قریباً سارا خاندان بھی۔ حضرت امیر المومنینؓ کے حکم پر مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ ادویہ اور ڈاکٹر لانے کے لئے لاہور گئے اور راتوں رات ڈاکٹر عبدالحق صاحب اسسٹنٹ سرجن کو ساتھ لے آئے۔ [۲۱۲] اس کے بعد میاں صاحب موصوف کو افاقہ ہونا شروع ہوا اور آپ جلد صحت یاب ہو گئے۔

دو نئی مساجد

اس سال ملک میں دو نئی احمدیہ مسجدوں کی تعمیر ہوئی۔ (۱) مسجد انبالہ (تاریخ بنیاد ۲۵/ مارچ ۱۹۳۳ء) [۲۱۳]

۲۔ مسجد بھدرک اڑیسہ (تاریخ بنیاد ۱۶/ جون ۱۹۳۳ء) [۲۱۴]

مسجد انبالہ اس زمین میں بنائی گئی جو مقامی جماعت کے امیر بابو عبدالرحمٰن صاحب نے اپنے مکان کے لئے مخصوص کر رکھی تھی۔ اور اس کا نقشہ بھی تیار ہو چکا تھا۔ حاجی میراں بخش صاحب نے زر کثیر صرف کر کے یہاں مسجد تعمیر کرائی جس کا افتتاح ۳۰/ جولائی ۱۹۳۳ء کو ہوا۔ [۲۱۵]

مسجد بھدرک مولوی نور محمد صاحب انسپکٹر ریلوے پولیس (خوردہ روڈ اڑیسہ) کی ذاتی کوشش اور اخراجات سے تیار ہوئی اور ۲۶/ دسمبر ۱۹۳۳ء کو اس کا افتتاح ہوا۔ تعمیر مسجد کے خلاف غیر احمدیوں نے پورا زور صرف کیا اور قانونی چارہ جوئی بھی کی مگر ناکام رہے۔ [۲۱۶]

انسداد بیکاری

۱۹۳۳ء کی مجلس مشاورت میں بیکاری کے انسداد کی نسبت علاوہ دوسری تجاویز کے یہ فیصلہ بھی ہوا کہ قادیان میں ایک ہفتہ وار بازار کا انتظام کیا جائے چنانچہ ۱۹۳۴ء کے وسط میں "سب کمیٹی انسداد بیکاری" کے زیر انتظام ریتی چھلہ (قادیان) میں ہر جمعہ کے روز بازار لگایا جانا شروع ہوا۔ [۲۱۷]

کوٹلی ضلع گجرات میں مباہلہ

۲۸/ اگست ۱۹۳۳ء کو موضع کوٹلی (ضلع گجرات) میں احمدیوں اور غیراحمدیوں کا مباہلہ ہوا۔ دونوں طرف سے اکیس اکیس افراد نے شرکت کی خدا تعالیٰ کے فضل سے تمام احمدی افراد آخر سال تک بخیریت و عافیت رہے مگر غیراحمدی مباہلین میں سے دو (شرف دین اور احمد نامی) موت کا شکار ہوئے۔ ایک اور شخص (پیر بخش) بھی جو اگرچہ مباہلین کی فہرست میں نہیں تھا مگر دعا میں شامل ہو گیا تھا اور سخت مخالف تھا مر گیا اسی طرح ایک غیراحمدی مباہل کی بیوی لقمہ اجل ہو گئی اور ایک پر فالج گرا۔ ایک کا لڑکا مرا اور دوسرے کا پوتا۔ یہ گویا آسمانی فیصلہ تھا جو خدائی عدالت سے احمدیت کے حق میں صادر ہوا۔ [۳۱۸]

بیرونی مشنوں کے بعض اہم واقعات

جاوا مشن: جاوا میں اس سال دو معرکۃ الاراء مباحثے ہوئے۔ پہلا مناظرہ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵/ اپریل کو بمقام بنڈنگ ہوا۔ جس میں پہلے مولوی رحمت علی صاحب نے مقامی انجمن "پمبیلا اسلام" [۳۱۹] (PEMBELA ISLAM) کے مناظر حسن صاحب بنڈوم کو شکست فاش دی۔ غیراحمدی مناظر گھر سے سوالات لکھ کر لایا تھا مگر مولوی رحمت علی صاحب فی البدیہہ جواب دے رہے تھے جس کا اثر یہ ہوا کہ حاضرین احمدیوں کے تبحر علمی کے قائل ہو گئے اور کھلے بندوں اقرار کرنے لگے کہ ہمارا مناظر ہرگز اصل موضوع کی طرف نہیں آیا۔ احمدی مناظر نے نہایت معقول اور مسکت جواب دیئے ہیں دوسرے دن مولوی ابوبکر صاحب سماٹری مناظر تھے جن کے زبردست دلائل کی تاب نہ لا کر غیراحمدی مناظر گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگا کہ "اے خدا! میں کس سے مدد لوں"۔ صدر مباحثہ نے کہا۔ "اس وقت تمہاری کوئی بھی مدد نہیں کرے گا"۔ غیراحمدی مناظر پہلے دو دن غیر متعلق سوالات کر کے پبلک میں بہت ندامت اٹھا چکا تھا۔ اس لئے تیسرے دن اس نے اصل موضوع "وفات مسیح" پر گفتگو کرنا شروع کی۔ مگر جب اس کے اعتراضوں کا پہلی بار ہی تسلی بخش جواب دے دیا گیا تو وہ بے بس ہو کے رہ گیا۔

اس مناظرہ میں خاص پابندیوں اور شرطوں کے باوجود ایک ہزار اصحاب شامل ہوئے جن میں جاوا، سماٹرا، سنگاپور، بورنیو کے نمائندے بھی تھے۔ اور اخباروں کے نامہ نگار اور حکومت کے افسر بھی! سماٹرا اور جاوا کے مشہور عالم ڈاکٹر حاجی عبداللہ احمد صاحب اور احمد سورکاتی [۳۲۰] بھی مناظرہ سننے کے لئے تشریف لائے غرضکہ اس مناظرہ میں احمدیت کو شاندار فتح نصیب ہوئی۔ اور احمدیت کا چرچا جزائر شرق الہند کے اکناف و اطراف میں پھیل گیا۔

مناظرے کے بعد مولوی رحمت علی صاحبؓ نے صدر جلسہ سے کہا کہ اب آپ ہمارے پاس

بٹاویہ میں تشریف لائیں تمام اخراجات کے ہم ذمہ دار ہوں گے جیسا کہ اب انجمن حمایت اسلام نے اس کا خرچ برداشت کیا۔ چنانچہ طے پایا کہ دوسرا مناظرہ ماہ ستمبر میں کیا جائے۔ [٢٢٦]

باہمی تصفیہ کے مطابق بٹاویہ میں ایک اور عظیم الشان مناظرہ ہوا جس میں احمدیت کو ایسی نمایاں کامیابی ہوئی کہ بعض غیر احمدی مقتدر لیڈروں اور مشہور ایڈیٹروں نے برملا اس کا اقرار کیا۔ چنانچہ ایک غیر احمدی لیڈر نے مناظرہ کے اختتام پر مندرجہ ذیل اعلان کیا۔

"میں ہر دو مناظروں میں موجود رہا ہوں اور فریقین کے دلائل کا موازنہ کر کے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہمارے مناظرین کے پاس نہ تو وہ دلائل ہیں جو صحیح معنوں میں احمدیوں کے دلائل کا جواب ہوں۔ اور نہ وہ کشش اور جذب ہے جس سے احمدی مناظر پبلک کے قلوب کو اپنی طرف کھینچتے ہیں ان کے دلائل عقل انسانی کو اپنی طرف مائل کرتے اور انسانی فطرت کی گہرائیوں تک کو اپیل کرتے ہیں۔ اور اگر دو تین مناظرے اور ہوئے تو مجھے خطرہ ہے کہ ان جزائر کا ایک معتدبہ حصہ احمدیت کا حلقہ بگوش ہو جائے گا۔ پس میری رائے میں ہمیں چاہئے کہ ہم آئندہ کسی احمدی سے مناظرہ نہ کریں اور نہ علیحدگی میں ان سے تبادلہ خیالات کریں کیونکہ ہر دو صورتوں میں ہمارا ہی نقصان ہے۔ روپیہ ہمارا خرچ ہوتا ہے وقت ہمارا خرچ ہوتا ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آج فلاں جگہ دس احمدی ہو گئے آج فلاں جگہ بیس احمدی بن گئے"۔

اس مناظرہ میں بھی جماعت احمدیہ کی طرف سے مولوی رحمت علی صاحب اور مولوی ابو بکر ایوب صاحب سماٹری پیش ہوئے۔ مولوی رحمت علی صاحبؓ نے "وفات مسیحؑ" پر سیر کن بحث کی چنانچہ جاوا کے ایک مشہور اور کہنہ مشق ایڈیٹر نے لکھا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ احمدی مناظر نے متعدد آیات قرآنیہ اور احادیث سے نہایت ہی موثر اور دلکش پیرائے میں یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچا دیا کہ واقعی حضرت مسیح ناصری علیہ السلام وفات پا گئے۔ ہمارے مناظر نے اپنی طرف سے حیات مسیح کے اثبات میں پورا زور لگایا مگر حقیقت یہ ہے کہ احمدی مناظر کے دلائل سننے کے بعد گو ہمارا اعتقاد تو اب بھی یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ زندہ آسمان پر موجود ہیں لیکن عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی کہ کس طرح ایک انسان دو ہزار سال بے کھائے پیئے آسمان پر زندہ رہ سکتا ہے"۔

مولوی ابو بکر ایوب صاحب کی قابلیت اور وسعت معلومات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دوسرے ہی دن کئی اخباروں نے کالم کے کالم مولانا کی تعریف اور مناظرہ کی سرگزشت میں صرف کئے چنانچہ مذکورہ ایڈیٹر نے لکھا۔

"آج کی رات پہلے تجربہ کی بناء پر میں وقت مقررہ سے بہت پہلے ہال میں پہنچ گیا۔ مگر یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ احمدیوں کی طرف سے ایک گورے رنگ کا نوجوان (جس کے متعلق مشہور ہے کہ پنجاب یونیورسٹی کا سند یافتہ ہے) کھڑا ہوا۔ نہایت سلاست اور روانی سے ایک ایسے انوکھے اور مشکل مضمون پر تقریر کر رہا ہے کہ جو ہم نے زندگی بھر کبھی نہیں سنا۔ اور باوجود اس بات کے کہ کثیر مجمع اس کے خیالات کا مخالف ہے مگر وہ ایسے موثر اور دلنشین پیرائے میں کلام کر رہا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے گویا لوگوں کے سروں پر جانور بیٹھے ہیں اور انہیں خطرہ ہے کہ ذرا ہلے تو اڑ جائیں گے۔ بلکہ بعض کو تو یہاں تک کہتے سنا کہ اس قسم کی تقریر ان جزائر میں پہلے کبھی نہیں سنی گئی"۔

مختصر یہ کہ اس مناظرہ میں بھی حق و صداقت کو بے نظیر کامیابی حاصل ہوئی۔ ۲۲۲ بالآخر یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ ان مناظروں میں مولانا محمد صادق صاحب مبلغ سماٹرا بھی شامل تھے اور انہوں نے مباحثات کی تیاری اور حوالہ جات کی فراہمی میں ہر ممکن اعانت فرمائی۔

مصر و فلسطین مشن: ان دنوں اس مشن کے انچارج مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری تھے جنہوں نے ممالک عرب میں تبلیغ اسلام و احمدیت کی کوششیں اس سال پہلے سے زیادہ تیز کر دیں اور مناظروں اور مباحثوں کے ذریعہ سے خاص طور پر احمدیت کا سکہ بٹھا دیا۔ سب سے نمایاں مناظرہ امریکن مشن قاہرہ کے انچارج ڈاکٹر فیلبس سے ہوا۔ یہ مناظرہ تین مضامین پر تھا اور اللہ تعالیٰ نے تینوں میں ہی اسلام کو فتح بخشی۔ تیسرے مضمون میں ڈاکٹر فیلبس اپنے ساتھ دو اور پادری (پادری کامل منصور اور پادری ایلڈر) بھی لائے تھے مگر حق و صداقت کے سامنے دم مارنے کی کسے مجال تھی۔ اختتام پر ایک ازہری عالم نے کہا بخدا اگر تمام علماء ازہر مل کر بھی ایسا مناظرہ کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں۔ پادری کامل منصور نے جاتے وقت اقرار کیا کہ احمدی مناظر نے مسیحیت سے متعلق ہم سے زیادہ مطالعہ کیا ہے۔ بلکہ دوسرے مناظرے کے بعد خود ڈاکٹر فیلبس نے اعتراف کیا کہ "قد فشلت الیوم" میں آج ہار گیا۔ ۲۲۳ یہ شہرہ آفاق مناظرہ "مباحثہ مصر" کے نام سے اردو اور انگریزی میں شائع شدہ ہے۔

فلسطین کی پہلی مسجد "سیدنا محمود" جس کا بنیادی پتھر ۳/ اپریل ۱۹۳۱ء کو علامہ مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ نے رکھا تھا۔ ۳/ دسمبر ۱۹۳۳ء کو اس کا افتتاح مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری نے فرمایا۔ ۲۲۴

امریکہ مشن: جاوا اور مصر و فلسطین کے علاوہ امریکہ میں بھی مناظرات کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں ۱۹۳۳ء کا مشہور مناظرہ گراؤنڈ ریپڈس میں ہوا۔ جس میں مبلغ اسلام صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالیؓ نے دو روز تک ایک پادری سے بحث کر کے اسلام کی حقانیت اور سچائی کا ڈنکا بجا دیا۔ چنانچہ نیویارک

کے عربی جریدہ "البیان" نے اپنی ۶/ مئی ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں "امریکہ میں اسلام" کے عنوان کے تحت لکھا۔

"معزز و محترم مولانا صوفی مطیع الرحمٰن صاحب جو ہندوستان کی جماعت احمدیہ کی طرف سے شمالی امریکہ میں دین اسلام کے مبلغ ہیں گراؤنڈ ریپڈس میں تشریف لائے مقامی مسلمانوں نے آپ کا شاندار استقبال کیا۔ آپ اگرچہ یہاں صرف چند دن قیام پذیر رہے مگر ان دنوں میں آپ دعوت اسلامی کی نشرو اشاعت کے لئے سرگرم عمل رہے آپ نے مسلمانوں اور امریکنوں کے بہت سے اجتماعات میں خطبات پڑھے سننے والوں پر آپ کے وعظ و تذکیہ نے نہایت گہرا اثر کیا یہ سب کچھ آپ کے تبحر علمی، وسعت معلومات اور کثرت مطالعہ کا نتیجہ ہے .... ان دنوں مولانا موصوف اور ایک عیسائی امریکن مبلغ کے درمیان پانچ گھنٹے تک ایک مناظرہ بھی ہوا۔ جس میں الاستاذ صوفی مطیع الرحمٰن صاحب اپنے حجج قاہرہ اور دلائل باہرہ کے رو سے نمایاں طور پر کامیاب رہے۔ فریق مخالف آپ کے دلائل کا قطعاً رد نہ کرسکا"۔ ۳۲۵

مبلغین کی آمد و روانگی

اس سال مرکز سے حضرت مولوی عبدالرحیم صاحبؓ درد اور مولوی حکیم فضل الرحمٰن صاحبؓ ۲/ فروری ۱۹۳۳ء کو بالترتیب انگلستان اور مغربی افریقہ میں تبلیغ کے لئے روانہ ہوئے۔ ۳۲۶

حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب دردؓ نے ۱۲/ مارچ ۱۹۳۳ء ۳۲۷ کو امام مسجد لنڈن حضرت خان صاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ سے مشن کا چارج لیا۔ خان صاحب اسی تاریخ سے آسٹریا کے راستہ عازم ہند ہو گئے۔ اور ۱۰/ اپریل ۱۹۳۳ء کو قادیان تشریف لے آئے۔ ۳۲۸ سول اینڈ ملٹری گزٹ (۲۰/ مارچ ۱۹۳۳ء) نے اس تبادلہ پر لکھا۔

"ہمیں ہندوستان میں لنڈن مسلم مشن کے کام سے ہمیشہ بہت دلچسپی رہی ہے گزشتہ چند سالوں سے پٹنی میں واقع عظیم الشان مسجد تبلیغ اسلام کا مرکز بنی ہوئی ہے جس کی اہمیت کا یہ ایک بین ثبوت ہے کہ اس کے موجودہ امام خان صاحب مولانا فرزند علی صاحب کی روانگی اور ان کے بعد مقرر ہونے والے امام مولانا عبدالرحیم صاحب درد کے وہاں پہنچنے کی خبر رپوٹر نے ایک خاص کیبل گرام کے ذریعہ دی ہے اگرچہ مولانا فرزند علی صاحب سے ہمیں ذاتی طور پر واقفیت حاصل نہیں ہے لیکن وہ لوگ جو ان کی امامت کے زمانہ میں مسجد پٹنی میں گئے ہیں ان کا بیان ہے کہ آپ ایک عالم اور متقی انسان ہیں اور یہ تو مشہور عام بات ہے کہ انہوں نے اپنا اثر و رسوخ اس جماعت کے دوسرے مبلغین کی طرح جس کے ساتھ ان کا تعلق ہے ہمیشہ صحیح طور پر استعمال کیا ہے آپ ان مسلمان نوجوانوں کو جو انگلینڈ میں زیر تعلیم

ہیں ان خطرناک اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے جو زبان زد خلائق ہیں ہمیشہ کوشاں رہے ہیں۔ مولوی عبدالرحیم صاحب درد جوان کی جگہ گئے ہیں پنجاب میں ایک مشہور ہستی ہیں۔ اور ان کی اعلیٰ خدمات کا اعتراف انہی کالموں میں تھوڑا ہی عرصہ ہوا کیا جا چکا ہے"۔ [۳۲۹]

محترم حکیم فضل الرحمٰن صاحبؓ جو حضرت درد صاحب کے ساتھ قادیان سے روانہ ہوئے تھے۔ ۴/ اپریل ۱۹۳۳ء [۳۳۰] کو گولڈ کوسٹ میں وارد ہوئے اور ۱۲/ اپریل ۱۹۳۳ء کو مولوی نذیر احمد صاحب مبشر ان کو چارج دے کر ۱۱/ مئی ۱۹۳۳ء [۳۳۱] کو بمبئی پہنچے اور ۱۵/ مئی ۱۹۳۳ء کو دارالامان میں تشریف لائے۔ [۳۳۲]

اندرون ملک کے مشہور مناظرے

اس سال کے بعض مشہور مناظرے یہ ہیں۔

مباحثہ مٹاری (سندھ) (۳۰/ جنوری تا ۲/ فروری ۱۹۳۳ء) حافظ مبارک احمد صاحب جماعت احمدیہ کی طرف سے مناظر تھے اور مولوی عبدالحق صاحب غیر احمدیوں کی طرف سے۔ آخری دن ابھی فریقین نے ایک ایک تقریر ہی کی تھی کہ بہت بڑا ہجوم حافظ صاحب اور ایک احمدی پر (جو اس وقت موجود تھے) ٹوٹ پڑا اور دونوں کو سخت زدوکوب کیا۔ آخر جب شرفا حملہ آوروں پر غالب آگئے اور حافظ صاحب کو بھی ہوش آیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کے مولوی صاحبان کہاں ہیں اس پر بتایا گیا کہ وہ بھاگ گئے ہیں۔ آخر حافظ صاحب نے دعا کی کہ الٰہی تو ان لوگوں کو ہدایت دے ہمیں ان سے کوئی شکایت نہیں ان لوگوں نے جو کچھ کیا ہے وہ بے سمجھی میں کیا ہے۔ [۳۳۳]

مباحثہ شامپور: (ضلع رنگ پور بنگال) (۸/ فروری ۱۹۳۳ء) یہاں مولوی ظل الرحمٰن صاحب احمدی مناظر نے صبح سات بجے سے چھ بجے شام تک مختلف غیر احمدی علماء سے مباحثہ کیا۔ مناظرہ کے معاً بعد ایک معزز نوجوان داخل سلسلہ احمدیہ ہوئے۔ [۳۳۴]

مناظرہ مانانوالہ: (مارچ/ فروری ۱۹۳۳ء) یہ مناظرہ مولوی دل محمد صاحب مبلغ سلسلہ نے کیا۔ اور غیر احمدی عالم کو تینوں عنوانوں پر جو مقرر تھے بحث کر کے لاجواب کر دیا۔ غیر احمدی بلکہ غیر مسلم بھی احمدی مناظر کے دلائل سے متاثر ہوئے اور علی الاعلان احمدیت کے غلبہ کا اقرار کیا۔ [۳۳۵]

مباحثہ نور محل: (۲/ مارچ تا ۴/ مارچ ۱۹۳۳ء) احمدی مبلغ مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل نے آریوں کے مناظر سوامی اور انند سے "موجودہ وید الہامی کتاب ہے" کے موضوع پر مباحثہ کیا اور جب ویدوں سے بعض الزامی جوابات پیش کئے تو آریوں میں کھلبلی سی مچ گئی۔ [۳۳۶]

مناظرہ پاک پٹن: (۴/ مارچ ۱۹۳۳ء) سجادہ نشین صاحب کے مکان پر چوہدری غلام احمد

صاحب مرحوم امیر جماعت پاک پٹن نے پنڈت چرنجی لال پریم سے مناظرہ کر کے پنڈت جی سے منوا لیا کہ لیکھرام سے متعلق پیشگوئی وقت پر پوری ہوئی۔ [۲۲۷]

مباحثہ سرائیل: (بنگال) (۱۲/ مارچ ۱۹۳۳ء) ایک غیر احمدی عالم سے مولوی سید سعید احمد صاحب نے "صداقت مسیح موعود" کے مسئلہ پر ایک کامیاب مناظرہ کیا۔ [۲۲۸]

مناظرہ تاریگام کشمیر: (اندازاً مئی / اپریل ۱۹۳۳ء) مولوی عبدالواحد صاحب اور مولوی عبدالاحد صاحب داتوی احمدی مباحث تھے۔ اور غیر احمدیوں کی طرف سے مشہور فاضل دیوبند مولوی محمود شاہ صاحب شامل ہوئے۔ غیر احمدیوں کے پریذیڈنٹ نے تسلیم کیا کہ ہمارے مولوی صاحب سوالوں کے جواب نہیں دے سکے۔ نیز کہا کہ ان کو غصہ بہت آتا ہے اور گالیوں پر اتر آتے ہیں اس پر محمود شاہ صاحب کے بعد مولوی ابراہیم صاحب کھڑے کئے گئے انہوں نے دلائل کا جواب اشتعال انگیزی سے دیا جسے تعلیم یافتہ طبقہ نے نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ [۲۲۹]

مناظرہ وزیر آباد: (اپریل ۱۹۳۳ء) مولوی عبدالغفور صاحب فاضلؓ نے لال حسین صاحب [۲۳۰] سے مناظرہ کیا۔ شرفاء نے احمدی مناظر کے دلائل کی معقولیت کا اقرار کیا۔ [۲۳۱]

مناظرہ سیالکوٹ: (اندازاً جون ۱۹۳۳ء) یہ نہایت کامیاب مناظرہ تھا جو احمدیوں اور اہل حدیثوں میں ہوا۔ احمدی مناظر ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ اور مولوی محمد سلیم صاحب تھے اور فریق ثانی کی طرف سے مولوی احمد دین صاحب گکھڑوی، لال حسین صاحب اختر اور مولوی محمد ابراہیم صاحب شریک بحث ہوئے مناظرہ کے خاتمہ پر چار اصحاب نے بیعت کی۔ [۲۳۲]

مناظرہ لدھیانہ: (اندازاً جولائی ۱۹۳۳ء) محلّہ قاضیاں میں شیخ مبارک احمد صاحب فاضل اور بابو عبدالحمید صاحب آرنسل کلرک فیروزپور کا مناظرہ ہوا۔ غیر احمدی مناظر دلائل سے بالکل لاجواب ہو گئے۔ [۲۳۳]

مناظرہ غازی آباد: (ماہ جولائی ۱۹۳۳ء) "کیا ویدوں کا خدا خدا ہے"۔ اور "کیا ویدک تعلیم عالمگیر ہے" ان دو مضامین پر حضرت ماسٹر محمد حسن خان صاحب آسان دہلویؓ نے سناتنیوں سے مناظرہ کیا۔ جس کا پبلک پر بہت اچھا اثر ہوا۔ [۲۳۴]

مناظرہ بالیسر: (۱۸/ جولائی ۱۹۳۳ء) بالیسر کے غیر احمدی مسلمانوں کو علم ہوا کہ لاہور سے ایک پادری (عبدالسبحان صاحب پروفیسر) آ رہے ہیں تو انہوں نے قادیان اطلاع دی جس پر مولوی عبدالسلام صاحب احمدی سنگڑوی بھجوائے گئے جنہوں نے مناظرہ کے آغاز میں دو تین ایسے مدلل اعتراض کئے کہ پادری صاحب بے بس ہو کر کہنے لگے کہ اے سنی بھائیو! آپ لوگ ایک مرزائی کو پیش

کرتے ہیں حالانکہ مرزائیوں کو علماء نے متفقہ طور پر کفر کا فتویٰ دیا ہے اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھنے والے مسلمان یہ چال سمجھ گئے اور انہوں نے کہا اس وقت وہ اسلام کی نمائندگی کر رہے ہیں یہ سن کر پادری صاحب نے معافی مانگ لی۔ ۳۴۵

مناظرہ بنارس: (۲۰/ اگست ۱۹۳۳ء) مولوی عبدالمجید صاحب بی۔ اے مولوی فاضل نے ایک غیر احمدی عالم مولوی محمد یوسف صاحب سے تین مشہور اختلافی مسائل پر مباحثہ کیا۔ جس میں جماعت کو نمایاں غلبہ حاصل ہوا۔ ۳۴۶

مناظرہ شملہ: (۲۷/ اگست ۱۹۳۳ء) علامہ مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ نے "وفات مسیحؑ" کے موضوع پر اور "ختم نبوت" اور "صداقت مسیح موعود" کے موضوع پر مولوی محمد سلیم صاحب فاضل نے غیر احمدی علماء سے مناظرہ کیا۔ احمدی مقررین کی تقریریں نہایت موثر اور طرز استدلال نہایت عام فہم تھا جس سے حاضرین بہت متاثر ہوئے۔ ۳۴۷

مناظرہ پونچھ: ۲۷/ اگست ۱۹۳۳ء) احمدی مبلغ مولوی محمد حسین صاحب نے غیر احمدی عالم کرم دین سے مبادلہ خیالات کیا۔ غیر احمدیوں نے اقرار کیا کہ ہمارے عالم حیات مسیح کی کوئی معقول دلیل پیش نہیں کر سکے نیز کہا کہ ایک وقت آئے گا کہ آخر سب احمدی ہو جائیں گے۔ ۳۴۸

مناظرہ مدرسہ چٹھہ (تحصیل وزیر آباد) (ستمبر ۱۹۳۳ء) مولوی دل محمد صاحب مولوی فاضل نے مولوی محمد نذیر صاحب عالم اہلسنت والجماعت سے تینوں مشہور متنازعہ مسائل پر مناظرہ کیا۔ غیر احمدیوں کا تاثر یہ تھا کہ ان کے مولوی صاحب نے کسی دلیل کا جواب نہیں دیا۔ ۳۴۹

مناظرہ بنگلور (۱۹/ ستمبر ۱۹۳۳ء) یہ مناظرہ عثمانیہ تھیٹر بنگلور شہر میں منعقد ہوا۔ جس میں ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ کی ختم نبوت پر تقریر اور عالمانہ و فاضلانہ بحث نہایت درجہ موثر تھی۔ حنفیوں نے پہلے دن کے مناظرہ کا اثر دیکھ کر دوسرے دن کا مناظرہ جبراً روک دیا۔ ۳۵۰

مناظرہ بنگہ (ضلع جالندھر) (۲۸/ تا ۳۰/ اکتوبر ۱۹۳۳ء) یہ اس سال کا نہایت اہم مناظرہ تھا جس میں جماعت احمدیہ کو نمایاں فتح ہوئی۔ احمدی مناظر یہ تھے۔ علامہ مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ۔ مولوی علی محمد صاحب اجمیری، مولوی محمد سلیم صاحب فاضل۔ فریق مخالف کی طرف سے مولوی محمد حسین صاحب کولوتارڑوی اور مولوی محمد صاحب عریبک ٹیچر رائے کوٹ نے بحث کی۔ اختتام جلسہ پر چار نفوس نے احمدی ہونے کا اعلان کیا۔ فریق مخالف نے بھی تین آدمی کھڑے کئے۔ جنہوں نے کمال سادگی سے اعلان کیا کہ ہم پہلے مرزائی تھے اب احمدی ہوتے ہیں۔ اس پر بے اختیار چاروں طرف سے قہقہے بلند ہوئے۔ بنگہ میں غیر احمدیوں کے ساتھ یہ پہلا مناظرہ تھا جس کے علاوہ دوآبہ میں غیر معمولی

شہرت ہوئی۔ [۳۵۱]

مباحثہ بٹالہ: (۱۷/ دسمبر ۱۹۳۳ء) یہ مباحثہ "صداقت مسیح موعود" اور "امکان نبوت" پر تھا جماعت احمدیہ کی طرف سے پہلے مضمون کے لئے مولوی عبدالغفور صاحب فاضلؓ اور دوسرے مضمون کے لئے ملک عبدالرحمٰن صاحبؓ خادم پیش ہوئے۔ مناظر اہل حدیث مولوی محمد یوسف صاحب درشت کلامی اور بدتہذیبی کے علاوہ اپنی ہمہ دانی اور منطق پر بہت اتراتے تھے۔ مگر خادم صاحبؓ نے دس منٹ تک ایسی زبردست تقریر کی کہ وہ آخر تک سراسیمہ رہے اگرچہ مخالفوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ اس مناظرہ میں کوئی شخص نہ جائے اور کہ مناظرہ میں شامل ہونے والا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو کر مرزائی ہو جائے گا۔ مگر ہزار ہا غیر احمدی مناظرہ میں شامل ہوئے اور نہایت دلچسپی سے آخر تک موجود رہے۔ [۳۵۲]

مناظرہ اٹاوہ: (شروع نومبر ۱۹۳۳ء) مولوی محمد نذیر صاحب فاضل ملتانی نے علمائے اہل حدیث (مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مولوی محمد یوسف صاحب) سے تینوں مخصوص مسائل پر مناظرہ کیا۔ غیر احمدیوں اور غیر مسلموں نے رائے دی کہ احمدی مناظر کے دلائل کا جواب مناظر اہل حدیث نہ دے سکے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اہل حدیثوں نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ آخر میں ایک مصنوعی احمدی تیار کر کے احمدیت سے تائب ہونے کا اعلان کرایا جائے مگر جس شخص نے اس اعلان کا وعدہ کیا تھا اس نے از خود ظاہر کیا کہ احمدی مناظر کے پیش کردہ دلائل اور اہل حدیث کی جانب سے جواب نہ دیئے جانے پر جو اثر پبلک پر اور مجھ پر ہوا تھا اس کے سبب مجھے اس قسم کے اعلان کی جرات نہ ہو سکی۔ [۳۵۳]

نئی مطبوعات

۱۹۳۳ء میں علماء سلسلہ کی طرف سے مندرجہ ذیل کتب شائع کی گئیں۔

(۱) "اچھوتوں کی درد بھری کہانیاں"۔ (۲) "اچھوتوں کی حالت زار"۔ (مہاشہ ملک فضل حسین صاحب کی قابل قدر تالیفات جن میں ایک مظلوم مخلوق کی قابل تعریف خدمت کی گئی تھی) [۳۵۴]

(۳) "تسہیل العربیہ" (عربی اردو لغت جسے حضرت مولانا محمد جی صاحب اور چودھری غلام محمد صاحب بی۔اے نے نہایت محنت سے تیار کیا۔)

(۴) "برق احمدیت" (لال حسین صاحب اختر کی کتاب "ترک مرزائیت" کا جواب جو آغا عبدالعزیز صاحب فاروقی نے شائع کیا)

(۵) "صرف و نحو جدید فیض" (ابو اکمل حضرت مولانا امام الدین صاحب فیضؓ کے تعلیمی

تجربات کانچوڑ)

(۶) "اظہار الحق" ۲۵۵ (مولانا غلام احمد صاحب فاضل بدوملہی کا مقدمہ بہاولپور سے متعلق مفصل اہم بیان جس کا خلاصہ عدالت میں پیش کیا گیا)

(۷) رسالہ "درود شریف" (حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؓ حلال پوری کی تالیف جس میں آپ نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کی برکات درود شریف سے متعلق ایمان افروز تحریرات یکجا صورت میں شائع کردیں)

پہلا باب (فصل دہم)

خلافت ثانیہ کا اکیسواں سال

(جنوری ۱۹۳۴ء تا دسمبر ۱۹۳۴ء بمطابق رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ تا رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ)

۱۹۳۴ء کے اہم ترین واقعات میں سے احرار کانفرنس قادیان کا انعقاد اور تحریک جدید جیسی عظیم الشان تحریک کا قیام ہے۔ اول الذکر واقعہ مخالفین احمدیت کی منظم یورش پر منتج ہوا۔ اور ثانی الذکر سے اسلام و احمدیت کی عالمگیر روحانی فتح و نصرت کی مضبوط بنیاد رکھی گئی۔ ایک طرف ارضی دماغوں کے منصوبوں اور مادی تدبیروں کا اجتماع ہوا۔ تو دوسری طرف خدائے ذوالجلال کی آسمانی سکیم کا نفاذ عمل میں آیا۔

اس جنگ میں کون جیتا اور کسے عبرتناک شکست ہوئی اس کی تفصیلات ہم چونکہ دوسرے اور تیسرے باب میں بیان کر رہے ہیں۔ اس لئے یہاں فقط ۱۹۳۴ء کے دیگر واقعات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

تحریک سالکین

حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے احمدیوں کی تربیت و اصلاح کی غرض سے ۱۹۳۴ء کے ابتداء میں ایک نہایت اہم تحریک۔ تحریک سالکین کے نام سے جاری فرمائی۔ یہ تحریک تین سال کے لئے تھی اس کے مقاصد حضور کے الفاظ میں یہ تھے۔

"تربیت دو قسم کی ہوتی ہے ایک تربیت ابدال یا تبدیلی سے ہوتی ہے اور ایک تربیت سلوک سے ہوتی ہے۔ صوفیاء نے ان دونوں طریق کو تسلیم کیا ہے تبدیلی یہ ہے کہ انسان کے اندر کسی اہم حادثہ سے فوراً ایک تبدیلی پیدا ہو جائے اور سلوک یہ ہے کہ مجاہدہ اور بحث سے آہستہ آہستہ تبدیلی پیدا ہو۔ یورپ والے بھی ان کو تسلیم کرتے ہیں اور فوری تبدیلی کو کنورشن (CONVERSION) کہتے ہیں صوفیاء کنورشن کو ہی ابدال کہتے ہیں۔ ابدال کی مثال یہ ہے کہ لکھا ہے ایک شخص ہمیشہ برے کاموں میں مبتلا رہتا تھا۔ اسے بہت سمجھایا گیا۔ مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ ایک دفعہ کوئی شخص گلی میں سے گزرتا ہوا یہ آیت پڑھ رہا تھا الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ ۲۵۶ (الحدید : ۱۷)

کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ مومن کے دل میں خشیت اللہ پیدا ہو؟ اس وقت وہ شخص ناچ اور رنگ رلیوں میں مصروف تھا یہ آیت سنتے ہی چیخیں مار کر رونے لگ گیا۔ سارا قرآن سن کر اس پر اثر نہ ہوتا تھا لیکن یہ آیت سن کر اس کی حالت بدل گئی یہ اصلاح کنورشن کہلاتی ہے۔ ایک سلوک ہوتا ہے۔ یعنی انسان اپنی اصلاح کی آہستہ آہستہ کوشش کرتا ہے وہ ذکر الٰہی کرتا ہے مگر کبھی اس سے غلطی بھی ہو جاتی ہے اس پر وہ توبہ کرتا ہے اور دوسروں سے دعائیں کراتا ہے اور اس طرح اپنی اصلاح میں لگا رہتا ہے لیکن کبھی یہ دونوں باتیں ایک ہی انسان میں پائی جاتی ہیں جماعت احمدیہ میں جو شخص داخل ہوتا ہے اس پر یہ دونوں حالتیں آتی ہیں جب کوئی پہلے پہل داخل ہوتا ہے تو وہ ابدال میں شامل ہوتا ہے ایک عظیم الشان تغیر اس پر آتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام ہے یدعون لک ابدال الشام۔ ۳۵۷ شام کے ابدال تیرے لئے دعائیں کرتے ہیں گو اس جگہ ابدال شام کا ذکر ہے لیکن ہم اس سے نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ احمدیت میں سچے دل سے داخل ہونے والے ابدال میں شامل ہوتے ہیں۔ یعنی شخصیت کو بدلنے والی ایک فوری تبدیلی ان میں پیدا ہوتی ہے جیسا کہ اس لفظ کے معنوں سے ثابت ہے۔ بدل عوض کو کہتے ہیں اور تغیر کو بھی۔ مراد یہ ہوتی ہے کہ پہلے وجود کی جگہ ایک نیا وجود اس شخص کو ملتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بعض لوگ پورے ابدال بن جاتے ہیں اور بعض ناقص یعنی کچھ حصہ ان کا سلوک کا محتاج رہ جاتا ہے اور ان لوگوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ مجاہدات سے اپنے بقیہ نقصوں کو دور کریں اس قسم کے نقصوں کو دور کرنے کے لئے وعظ اور نصیحت کی جاتی ہے مگر خالی وعظ سے یہ کام نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک مستقل نگرانی کی حاجت باقی رہتی ہے۔ ۳۵۸

سالکین کے لئے ضروری ہدایات

حضور نے ۱۹۳۴ء کے اوائل میں تحریک سالکین کی نسبت متعدد خطبات دیئے جن میں سالکین کو پانچ بنیادی ہدایات دیں جو یہ تھیں۔

اول یہ کہ بجائے اپنے کسی بھائی کو بدنام کرنے کے پہلے عام رنگ میں نصیحت کی جائے کہ وہ لوگ جنہیں کہیں سے روپیہ آنے کی امید نہ ہو۔ وہ قرض نہ لیا کریں۔ دوم روپیہ دینے والوں کو نصیحت کریں کہ ایسے لوگوں کو قرض دینے سے اجتناب کیا کریں۔ سوم یہ کہ دھوکہ باز کا فریب جماعت میں ظاہر کریں۔ تا لوگ اس سے بچ کر رہیں۔ ۳۵۹

چہارم احباب اپنے اپنے نقائص کا پتہ لگائیں اور ان کی اصلاح کریں۔ اس سلسلہ میں اپنے نفس کا محاسبہ کیا جائے۔ دوسرے اس امر پر غور کیا جائے کہ غیر اس کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ ۳۶۰ پنجم رب العالمین کی صفت کے ماتحت تو کام ہوتے ہی رہتے ہیں۔ رحمانیت کی صفت کے ماتحت بھی نیکیاں کریں

اور اس نیت سے کریں کہ دین کو تقویت ہو [۲۶۱] یہ گویا پانچ ستون تھے جن پر تحریک سالکین کی بنیاد رکھی گئی۔

اس مبارک تحریک میں بہت سے مخلصین جماعت نے اپنے نام پیش کئے جن میں سے بعض اصحاب کے نام یہ تھے۔ چودھری ظفر اللہ خان صاحب۔ شیخ اعجاز احمد صاحب سب جج۔ سید لال شاہ صاحب امیر جماعت احمدیہ آنبہ ضلع شیخوپورہ۔ ماسٹر برکت علی صاحب فائق لدھیانہ۔ چوہدری محمد شریف صاحب وکیل منٹگمری۔ ماسٹر مسیح الدین صاحب پشاور۔ حافظ عبدالسلام صاحب امیر جماعت احمدیہ شملہ۔ ملک صلاح الدین صاحب قادیان۔ حافظ بشیر احمد صاحب جالندھری جامعہ احمدیہ قادیان۔ قاضی عبدالرحمٰن صاحب دوالمیال ضلع جہلم۔ [۲۶۲] چوہدری فضل احمد صاحب اے ڈی آئی آف سکولز گجرات۔ ماسٹر محمد ابراہیم صاحب ننکانہ صاحب۔ چوہدری غلام محمد صاحب پوہلہ مہاراں۔ بابو شمس الدین خان صاحب۔ پولٹیکل کلرک لنڈی کوتل۔ مرزا احمد بیگ صاحب انکم ٹیکس افسر گجرات۔ بابو احمد جان صاحب کوئٹہ۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور بوتالوی۔ بابا حسن محمد صاحب (والد مولوی رحمت علی صاحب) حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد۔ صوفی غلام محمد صاحب سابق مبلغ ماریشس۔ ڈاکٹر بدرالدین صاحب مگاڈی (افریقہ) ڈاکٹر محمد شاہ نواز صاحب۔ چوہدری عبداللہ خان صاحب ایگزیکٹو آفیسر قصور۔ چودھری ابوالہاشم خان صاحب ڈھاکہ۔ [۲۶۳]

الحکم کا دوبارہ اجراء اور حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کا اظہار مسرت

سلسلہ احمدیہ کا سب سے پہلا اخبار "الحکم" ایک عرصہ سے بند ہو چکا تھا حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کبیرؓ ۱۹۲۵ء کی پہلی ششماہی میں یورپ اور بلاد اسلامیہ کی سیاحت کے لئے تشریف لے گئے اور حج بیت اللہ سے مشرف ہو کر ۱۹۲۷ء میں واپس آئے اور کچھ مدت مرکز میں رہنے کے بعد ۱۹۳۰ء میں بمبئی چلے گئے اور وہاں ۱۹۳۱ء سے "سالار" کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری کر دیا۔ لیکن الحکم کے احیاء کا خیال آپ کو دوبارہ قادیان لے آیا۔ اور آپ نے ۱۴/ جنوری ۱۹۳۴ء سے دوبارہ الحکم نکالنا شروع کر دیا۔ اور آپ کے فرزند شیخ محمود احمد صاحبؓ عرفانی جو قاہرہ میں "اسلامی دنیا" کی کامیاب ادارت کرتے رہے تھے اس دور جدید کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ [۲۶۴]

حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کو الحکم کے دوبارہ اجراء پر بہت خوشی ہوئی اور حضور نے اپنے قلم سے حضرت شیخ صاحب کے نام مندرجہ ذیل مکتوب مبارک لکھا۔

"مکرمی شیخ صاحب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ پھر الحکم جاری کرنے لگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ برکت دے اور اس ارادہ کی تکمیل کے سامان پیدا کر دے۔

الحکم سلسلہ کا سب سے پہلا اخبار ہے اور جو موقع خدمت کا اسے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آخری زمانہ میں اسے اور بدر کو ملا ہے وہ کروڑوں روپیہ خرچ کر کے بھی اور کسی اخبار کو نہیں مل سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ الحکم اپنی ظاہری صورت میں زندہ رہے یا نہ رہے لیکن اس کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ ہے سلسلہ کا کوئی مہتم بالشان کام اس کا ذکر کئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ تاریخ سلسلہ کا حامل ہے۔ لیکن دل یہی چاہتا ہے کہ "الحکم" جس کا نام ہی بتا رہا ہے کہ ابتدائے ایام سے سلسلہ کے افراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کیا درجہ سمجھتے تھے۔ اپنی ظاہری صورت میں بھی زندہ رہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی نسل کو اس خدمت کی ہمیشہ توفیق دیتا رہے۔ اللھم آمین۔

خاکسار میرزا محمود احمد [۲۶۵]

۱۹۳۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے اہم سفر

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو اس سال کئی بار لاہور۔ تین دفعہ فیروزپور اور ایک بار گوجرانوالہ تشریف لے جانا پڑا۔ ان سفروں کے مختصر حالات و کوائف درج ذیل ہیں۔

(۱) حضور ۱۸/ جنوری کو قادیان سے روانہ ہو کر لاہور تشریف لائے۔ [۲۶۶] اور یہاں سے چل کر فیروزپور اور قصور میں قیام پذیر ہونے کے بعد ۲۸/ جنوری ۱۹۳۴ء کو وارد قادیان ہوئے۔ [۲۶۷] حضور نے اس سفر کے دوران ۲۵/ جنوری ۱۹۳۴ء کو بمقام قصور "احمدیت کے اصول" کے موضوع پر ایک معرکتہ الاراء تقریر فرمائی جس کا مکمل متن الفضل میں بھی شائع ہو گیا تھا۔ [۲۶۸] ازاں بعد حضور کو ۲۴/ فروری ۱۹۳۴ء سے لے کر یکم مارچ ۱۹۳۴ء تک دوبارہ لاہور اور فیروزپور کا سفر اختیار کرنا پڑا

(۲) صاحبزادی امتہ الرشید صاحبہ کی علالت کے سلسلہ میں حضور ۱۸/ اپریل ۱۹۳۴ء کو گوجرانوالہ تشریف لے گئے اور گوجرانوالہ اور لاہور میں قیام پذیر رہنے کے بعد ۲۳/ اپریل ۱۹۳۴ء کو قادیان میں رونق افروز ہوئے۔ [۲۶۹] صاحبزادی صاحبہ کی عیادت کے سلسلہ میں بار بار آپ کو لاہور آنا پڑا۔

(۳) لاہور میں بعض علمی لیکچروں کا پروگرام تھا جس میں شمولیت کے لئے حضور ۲۸/ مئی ۱۹۳۴ء کو قادیان سے لاہور تشریف لائے۔ قیام لاہور کے دوران حضور کے دو شاندار لیکچر ہوئے جن کا انتظام پنجاب لٹریری لیگ نے کیا۔

پہلا لیکچر: "عربی زبان کا مقام السنہ عالم میں" کے موضوع پر ڈاکٹر برکت علی صاحب قریشی ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی پرنسپل اسلامیہ کالج کی صدارت میں ۳۱/ مئی کو وائی ایم۔ سی۔ اے ہال میں ہوا۔ جو ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب جاری رہا۔ اور بہت مقبول ہوا۔ ہال کی وسعت سے بہت زیادہ ٹکٹ جاری کرنے کے باوجود بہت سے لوگوں کو جگہ کی تنگی کی وجہ سے لیکچر سننے کا موقعہ نہ مل سکا۔ ۳۷۰ اختتام پر جناب صدر صاحب نے شکریہ ادا کرنے کے بعد حاضرین کو لیکچر سے فائدہ اٹھانے کی طرف توجہ دلائی اور خواہش ظاہر کی کہ ایسے علمی مضامین پھر بھی سننے کا موقعہ ملے۔ صدارتی خطاب کے بعد لالہ کنور سین صاحب سابق چیف جج کشمیر نے انگریزی زبان میں ایک تقریر کی۔ جس کا مفہوم یہ تھا کہ آج قابل لیکچرار نے زبان عربی کی فضیلت پر جو دلچسپ اور معرکتہ الاراء تقریر کی ہے اسے سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور اس لحاظ سے بھی خوشی ہے کہ ذاتی طور پر میرے آپ سے تعلقات ہیں چنانچہ آپ کے والد ماجد سے میرے والد صاحب (لالہ بھیم سین صاحب) نے عربی زبان سیکھی تھی جب میں لیکچر سننے کے لئے آیا۔ اس وقت میں نے خیال کیا تھا کہ مضمون اس رنگ میں بیان کیا جائے گا جس طرح پرانی طرز کے لوگ بیان کیا کرتے ہیں۔ مگر جو لیکچر دیا گیا۔ وہ نہایت ہی عالمانہ اور فلسفیانہ شان اپنے اندر رکھتا ہے میں جناب مرزا صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے ان کے لیکچر کے ایک ایک حرف کو پوری توجہ اور کامل غور کے ساتھ سنا ہے اور میں نے اس سے بہت ہی حظ اٹھایا اور فائدہ حاصل کیا ہے مجھے امید ہے کہ اس لیکچر کا اثر مدتوں میرے دل پر رہے گا۔ اور میں یہ بھی امید کرتا ہوں کہ جن دوسرے احباب نے یہ مضمون سنا ہے وہ بھی تادیر اس کا اثر اپنے دلوں میں محسوس کریں گے۔ باقی زبان کے متعلق چونکہ نظریوں میں اختلاف ہے اور سنسکرت زبان بھی بہت سے قواعد پر مبنی ہے اس لئے عربی اور سنسکرت کا مقابلہ کرنے میں میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اور ایک دفعہ پھر قابل لیکچرار کے بیش قیمت لیکچر کا دلی اخلاص سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ۳۷۱

دوسرا لیکچر ۲/ جون ۱۹۳۴ء کو ڈاکٹر ایس۔ کے دتا پرنسپل فورمین کرسچن کالج کی صدارت میں ٹاؤن ہال میں ہوا۔ حضور کا یہ لیکچر "کیا انسان مذہب کا محتاج نہیں"۔ کے عنوان پر تھا جو قریباً دو گھنٹہ تک جاری رہا۔ سامعین میں کالجوں کے پروفیسر' وکلاء اور طلباء خاص طور پر شامل تھے۔ لیگ کی طرف سے حضور کو پھولوں کا ہار پہنایا گیا۔ صدر جلسہ نے اپنی افتتاحی تقریر میں سامعین کو متوجہ کیا کہ وہ ایسی عظیم الشان شخصیت کا لیکچر بہت توجہ سے سنیں اور آخر میں لیکچر کی بہت تعریف کی اور خواہش ظاہر کی کہ پھر بھی لاہور کی پبلک کو آپ کے قیمتی خیالات سننے کا موقعہ میسر آئے۔ ۳۷۲

ان کامیاب تقاریر کے علاوہ حضور نے ۳۱/ مئی ۱۹۳۴ء کو آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن کے ایک

اجلاس میں بھی شرکت فرمائی۔ [۷۳] اور ۷/ جون ۱۹۳۴ء کو واپس قادیان تشریف لے آئے۔ [۷۴]

(۵) حضور ۱۶/ اکتوبر ۱۹۳۴ء [۷۵] کو قادیان سے فیروز پور تشریف لے گئے اور مختصر سے قیام کے بعد دوسرے روز ہی واپس قادیان پہنچ گئے۔ [۷۶]

کالی کٹ (مالابار) کے احمدیوں پر دردناک مظالم

یوں تو کالی کٹ کے احمدی عرصہ سے مظالم کا تختہ مشق بنائے جا رہے تھے۔ مگر ۲۹/ جنوری ۱۹۳۴ء کی شام کو جبکہ ایک احمدی بھائی کی تجہیز و تکفین کا مرحلہ پیش آیا مخالفین کی شرارتیں انتہا تک پہنچ گئیں اور وہ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے اور فوت شدہ احمدی کے مکان پر گالیوں دھمکیوں اور شور و شر سے ایسا طوفان مچادیا کہ گنتی کے چند احمدیوں کے لئے مکان سے باہر نکلنا یا اندر جانا مشکل ہو گیا۔ رات کے آٹھ بجے کے قریب ایک شخص کو بڑی مشکل سے قبرستان میں بھیجا گیا۔ مگر وہاں بھی ہزاروں لوگ لاٹھیاں لے کر جمع تھے اور انہوں نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ اس احمدی کو کسی صورت میں بھی قبرستان میں دفن نہ ہونے دیں گے حالانکہ وہ قبرستان تمام مسلمانوں کے لئے میونسپلٹی کی طرف سے وقف تھا۔ اور اس میں دفن کرنے سے روکنے کا کسی کو قطعاً حق نہیں تھا۔ بے کس احمدیوں نے مخالفین کو اس طرح فساد پر آمادہ دیکھ کر ذمہ دار حکام کی طرف رجوع کرنے کا فیصلہ کیا لیکن انہیں معلوم ہوا کہ کلکٹر صاحب دورہ پر ہیں آخر ان سے تار کے ذریعہ سے مداخلت کرنے کی درخواست کی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ احمدی رات بھر اسی مکان میں بند رہے۔

دوسرے دن صبح کو احمدیوں نے ڈویژنل افسر کو درخواست دی۔ اور صورت حال سے آگاہ کیا اس پر انہوں نے پولیس کو ہدایت کی کہ تمام رکاوٹیں دور کر کے نعش کے دفن کرانے کا انتظام کریں۔ لیکن بعد میں انہوں نے مخالف سرغنوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے میت کو اس قبرستان میں دفن کرنے سے روک دیا اور بالآخر شام کے قریب ایک ایسی جگہ پر جو شہر سے بہت دور تھی اور جہاں دو تین فٹ کھودنے سے پانی نکل آتا تھا احمدیوں کو اپنے بھائی کے دفن کرنے پر مجبور کیا گیا۔ احمدیوں نے جگہ کی غیر موزونیت کے متعلق بار بار کہا مگر سرکاری افسروں نے یہی کہا کہ اس وقت لاش کو دفن کرو اور بعد میں کچھ کہنا ہو تو رپورٹ کرو۔

چونکہ میت پر ۲۴ گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ اس لئے احمدی رات کو ساڑھے دس بجے میت اٹھانے پر مجبور ہو گئے اس وقت احمدیوں کی تعداد صرف اٹھارہ اور شرارت پسندوں کا مجمع کم از کم دس ہزار کا تھا۔ اگرچہ بعض پولیس والے بھی موجود تھے۔ مگر مخالف گالیاں دیتے' آوازیں کستے اور شور

مچاتے ساتھ جارہے تھے۔اور وہ فتنہ انگیز اور شورش پسند موپلاؤں کے اتنے بڑے ہجوم کے مقابلہ میں کچھ نہ کرسکے پھر جنازہ بھاری تھا دوسرے اٹھانے کے لئے ایک بھاری لکڑی کے پلنگ کے سوا کوئی چیز میسر نہ تھی۔ تیسرے اٹھانے والے چند کمزور نوجوان تھے جو بار بار اٹھاتے اور اتارتے ہوئے آدھی رات کے وقت ایک نہایت دور مقام پر ایسی حالت میں جنازہ لئے جارہے تھے جب کہ دس ہزار شوریدہ سر آدمیوں کا ہجوم انہیں گھیرے ہوئے ہر طرف سے گالیوں کی بوچھاڑ کرتا' تمسخر اڑاتا' تالیاں بجاتا اور ان پر مٹی اور کنکر پھینکتا جارہا تھا۔

آخر غریب و ناتواں احمدی افتاں و خیزاں اس مقام پر پہنچے جو حکام نے قبر کے لئے تجویز کیا تھا انہوں نے خود قبر کھودی اور اپنے بھائی کو دفن کرکے پھر پہلے کی طرح مخالفین کی حیا سوز حرکات اور انسانیت سے دور افعال سے دوچار ہوتے ہوئے واپس لوٹے۔ قبر کھودتے اور دفن کرتے وقت جو جو تکلیفیں احمدیوں کو برداشت کرنا پڑیں۔اور واپسی پر جو سختیاں جھیلیں ان کی تفصیل اور بھی دردناک تھی۔

اس واقعہ کے بعد کچھ عرصہ تک صورت حال یہ ہوگئی کہ عوام نے احمدیوں کے خلاف پورے شہر میں سخت اشتعال دلا کر ان کا عام سڑکوں پر چلنا مشکل کردیا اور بعض احمدیوں کے بیوی بچے ان سے زبردستی علیحدہ کردیئے گئے۔ مگر ان تمام مخدوش حالات میں کالی کٹ کے احمدی اپنی کسم پرسی' بے سروسامانی اور بے بضاعتی کے باوجود خدا تعالیٰ کے فضل سے دین کی راہ میں ہر مشکل کے سامنے دیوانہ وار کھڑے رہے اور اس کی دی ہوئی توفیق سے کوہ استقلال ثابت ہوئے اور کوئی دکھ اور کوئی فتنہ ان کے پاؤں میں لغزش پیدا نہ کرسکا۔ ۲۷۷

اس دردانگیز حادثہ کی تفصیلات جب الفضل کے ذریعہ سے جماعت کے سامنے آئیں تو احمدیوں کو بے حد دکھ ہوا اور انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ اس خطہ کے مظلوم احمدیوں کی فریاد رسی کرے۔ آخر کالی کٹ کی میونسپل کمیٹی نے یہ ریزولیوشن پاس کردیا کہ "کنم پرمبا" قبرستان کا ایک حصہ احمدیوں کے لئے مخصوص کردیا جائے۔ یہ قرارداد ڈاکٹر چندو نے پیش کی مسٹر اچھوتھان نے اس کی تائید اور مسٹر سندرا آئر نے تائید مزید کی۔ مگر موپلوں کے مسلمان نمائندے مسٹر محمد عبدالرحمٰن واک آؤٹ کرکے ہال سے باہر چلے گئے۔ تاہم یہ قرارداد کثرت رائے سے پاس ہوگئی۔ ۲۷۸

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ جب ان انسانیت سوز افعال کی اطلاع حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں پہنچی تو آپ نے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؓ نیر کو جو ان دنوں حیدرآباد (دکن) میں بطور مبلغ متعین تھے حکم فرمایا کہ وہ سیٹھ محمد اعظم صاحب کو ساتھ لے کر فوراً کالی کٹ (مالابار) پہنچ جائیں اور حضور کی طرف سے احمدی احباب سے اظہار ہمدردی کریں نیز یہ ارشاد ہوا کہ ارباب حل و

عقد سے حل کرا ایسا انتظام کروادیں کہ آئندہ اس قسم کے افسوسناک حالات اور واقعات کا اعادہ نہ ہو۔ چنانچہ اس حکم پر حضرت مولانا عبد الرحیم صاحبؓ نیر اور سیٹھ محمد اعظم صاحب ۱۰/ مارچ ۱۹۳۴ء [۲۷۹] کو کالی کٹ پہنچ گئے ان حضرات کا مالابار میں ورود مالابار کی جماعت کے لئے بڑی ڈھارس اور اطمینان کا موجب ہوا۔ سارے حالات کا جائزہ لینے کے بعد ان اصحاب نے سیکرٹری جماعت احمدیہ کالی کٹ کے ساتھ کلکٹر ضلع مالابار سے (جو انگریز تھا) ملاقات کی اور اس سے فوت شدہ احمدی کی تدفین کے سلسلہ میں جو افسوسناک واقعات پیش آئے تھے۔ اور جن وحشیانہ افعال کا ارتکاب غیر احمدیوں کی طرف سے کیا گیا تھا ان کا ذکر کیا۔ اور ان واقعات کے پیش نظر کلکٹر سے مطالبہ کیا گیا کہ حکومت کی جانب سے ایسا انتظام کیا جائے کہ آئندہ فوت ہونے والے احمدیوں کی تدفین میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو۔ کلکٹر نے ساری باتیں توجہ سے سنیں اور ہمدردی کا اظہار بھی کیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مالاباری مسلمانوں (موپلے) کے شدید تعصب (FANATISM) اور ان لوگوں کی معروف ہنگامہ آرائی کے پیش نظر حکومت اس معاملہ میں الجھ کر اپنے لئے ایک نیا درد سر مول لینا نہیں چاہتی اس پر حضرت مولانا نیرؓ نے یہ تجویز پیش کی کہ احمدیوں کو قبرستان کے لئے علیحدہ زمین دی جائے تو وہ اس پر متفق نہ ہو سکا اور جواب دیا کہ حکومت مسلمانوں کے قبرستان کے لئے ایک وسیع زمین دے چکی ہے اب وہ فرقہ وارانہ اساس پر علیحدہ قبرستان کے لئے جگہ دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ بہر حال کافی گفتگو اس موضوع پر ہوئی اور کلکٹر کو حکومت کی اس ذمہ داری کی طرف متوجہ کیا گیا جو شہریوں کی بنیادی ضروریات اور ان کے تحفظ کے تعلق سے ہے لیکن وہ باوجود اظہار ہمدردی کے کسی عملی اقدام کے لئے تیار نہ تھا۔ ان حالات میں حضرت مولانا نیرؓ نے جماعت کالی کٹ کے سیکرٹری سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ نے سن لیا ہے کہ آپ کے کلکٹر آپ کی کسی قسم کی مدد کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ ان حالات میں میں آپ کو ہدایت کرتا ہوں کہ جب کبھی کوئی احمدی فوت ہو۔ تو آپ لوگ حکومت کے لئے "لاء اینڈ آرڈر" کا مسئلہ کھڑا نہ کریں۔ بلکہ بعد نماز جنازہ اس احمدی کی میت کو خاموشی کے ساتھ کسی ٹرک میں لے جا کر کلکٹر کی کوٹھی پر پہنچا دیں۔ کلکٹر جس طرح مناسب خیال کریں گے اس کی تدفین کا انتظام کردیں گے۔ حضرت مولانا کے اس ارشاد پر کلکٹر بڑا پریشان ہوا۔ اور بے ساختہ کہا کہ "نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے"۔ مولانا نے جواب میں فرمایا کہ ایسا ہی ہو گا۔ اگر غیر احمدی اپنی تعداد کے بل بوتے پر ہمارے مردوں کو قبرستان میں دفن ہونے میں مزاحم ہیں اور حکومت اپنی سنہری اور روپہلی مصلحتوں کی بنا پر ہمارے حق کو دلوانے اور مدد کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو اس صورت میں اس کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ مزید کچھ گفتگو کے بعد کلکٹر نے کہا کہ وہ اس سارے معاملہ کو مناسب فیصلہ کے لئے میونسپلٹی کو جس کے زیر انتظام قبرستان ہیں

ہدایت کرے گا۔

چنانچہ اس ہدایت کے ساتھ کہ اس معاملہ کا فوری تصفیہ کیا جائے۔ کلکٹر نے میونسپلٹی کو حکم دیا۔ حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب نیرؓ اور سیٹھ محمد اعظم صاحب نے میونسپلٹی کے باا ثر ممبران سے ملاقاتیں کیں۔ اور سارے معاملے کو سمجھایا اور ان کی اخلاقی ذمہ داری سے ان کو آگاہ کیا۔ بالآخر جب یہ معاملہ میونسپلٹی کے اجلاس میں آخری فیصلے کے لئے پیش ہوا تو مسلمان ممبروں کی شدید مخالفت کے باوجود غالب اکثریت کے ساتھ یہ فیصلہ ہوا کہ قبرستان کی زمین میونسپلٹی کی ملکیت ہے جو مسلمانوں کو ان کے مردوں کی تدفین وغیرہ کے لئے دی گئی ہے اور اس میں مردہ شخص جو خود کو مسلمان کہتا رہا ہو وہ اس میں بعد وفات دفن ہو سکتا ہے۔

میونسپلٹی کے اس فیصلہ کے خلاف غیر احمدی مسلمانوں کا ایک وفد کلکٹر سے ملا لیکن کلکٹر اس فیصلہ کو بدلنے کے لئے راضی نہ ہوا۔ غیر احمدیوں کا ادعا یہ تھا کہ مسلمانوں کے قبرستان میں احمدیوں کی تدفین سے ان کے اپنے مردے نجس ہو جائیں گے اس پر کلکٹر نے ارکان وفد سے پوچھا کہ کیا قبرستان کی زمین تقسیم کر کے اس کا ایک حصہ احمدیوں کے لئے مختص کر دیا جائے؟ لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ اور بالآخر یہ تصفیہ ہوا کہ کسی دوسری جگہ احمدیوں کے قبرستان کے لئے حکومت زمین مہیا کرے اور اس کی قیمت غیر احمدی مسلمان ادا کریں۔ چنانچہ احمدیوں کو قبرستان کے لئے جگہ مل گئی۔ متنازعہ قبرستان پرانی آبادی کے متصلہ علاقہ میں واقع ہے جہاں پہنچنے کے لئے گنجان آبادی اور تنگ و تاریک گلی کوچوں سے گزرنا پڑتا ہے لیکن اب جو جگہ احمدیوں کو قبرستان کے لئے دی گئی ہے وہ نئی آبادی سے متصل زمین ہے اور اس نئی آبادی میں پڑھے لکھے اور خوشحال لوگ رہتے ہیں اور سڑکیں بھی کشادہ ہیں۔ اور جنازے کے وہاں تدفین کے لئے لے جانے میں راستہ میں فتنہ و فساد کا بہت کم اندیشہ رہتا ہے۔

تدفین کے سلسلہ میں جو دشواریاں تھیں ان کے پیش نظر بعض لوگ قبول احمدیت میں متذبذب تھے اور بعض کمزور احمدی بھی پریشان تھے لیکن احمدیوں کے لئے قبرستان کا انتظام ہو جانے کے بعد تذبذب اور پریشانی کی کوئی بات باقی نہیں رہی اس سے احمدیوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور غیر احمدیوں میں باوجود اپنی بے پناہ اکثریت اور اثر و رسوخ کے اس ناکامی پر بڑی مایوسی ہوئی۔ حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب نیرؓ اور سیٹھ صاحب موصوف ۱۹/ مارچ ۱۹۳۴ء کو واپس تشریف لے آئے۔ [۲۸۰]

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات و کشوف کی جمع و تدوین کا مرکزی انتظام

۱۹۳۳ء میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے حضرت اقدس مسیح موعود مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات اور کشوف و رؤیا کی

جمع و تدوین کے لئے ایک سب کمیٹی تجویز فرمائی جس میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور بعض دوسرے جلیل القدر بزرگ شامل تھے اس کمیٹی نے باہمی مشورہ کے بعد ضروری اصول طے کئے [۲۸۱] اور فروری ۱۹۳۴ء [۲۸۲] سے جمع و ترتیب کا عملی کام شروع ہوا۔ جس میں حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؓ فاضل پروفیسر جامعہ احمدیہ اور مولانا شیخ عبد القادر صاحبؓ فاضل مبلغ سلسلہ احمدیہ اور مولوی عبد الرشید صاحب فاضل زیروی نے نمایاں کام کیا۔ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؓ اس کام کے اصل انچارج اور ذمہ دار تھے اور مولانا شیخ عبد القادر صاحبؓ فاضل ان کے دست راست اور مولوی عبد الرشید صاحب نے بعد کو تالیف کے بقیہ مراحل سرانجام دینے اور کاپیوں اور پروفوں کے دیکھنے میں نہایت محنت اور دیدہ ریزی کی۔

اس مقدس مجموعہ کا نام حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے "تذکرہ" تجویز فرمایا۔ جو دسمبر ۱۹۳۵ء میں عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ شائع ہو گیا۔

اس کے بعد اکتوبر ۱۹۵۶ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن چھپا۔ جس کی تیاری کا سارا کام مولوی عبد اللطیف صاحب فاضل دیو بند بہاولپوری کی مساعی کا رہین منت تھا جو صیغہ تالیف و تصنیف اور "الشرکتہ الاسلامیہ لمیٹڈ" کے زیر انتظام عرصہ دو سال میں پایہ تکمیل تک پہنچا۔ اس غرض کے لئے آپ کو سلسلہ کے لٹریچر کا از سر نو وسیع اور گہرا مطالعہ کرنا پڑا۔ بعد ازاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہدایت پر علامہ جلال الدین صاحب شمسؓ نے پورے مسودہ پر نظر ثانی فرمائی۔

تذکرہ کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کے بعد مولوی عبد اللطیف صاحب بہاولپوری نے کمال محنت سے اس کی کلید بھی مرتب کر دی جو دسمبر ۱۹۵۷ء میں "مفتاح التذکرہ" کے نام سے شائع کر دی گئی۔

تحریک قرضہ اور مسلم پریس

سلسلہ کی ضروریات کے پیش نظر فروری ۱۹۳۴ء میں مرکزی ادارہ نظارت امور عامہ کی طرف سے ساٹھ ہزار روپیہ قرض کی ایک تحریک کی گئی کہ مخلصین جماعت کم از کم ایک ایک سو روپیہ اس کار خیر میں دیں۔ [۲۸۳] یہ تحریک غیر معمولی طور پر کامیاب ہوئی۔ اور ساٹھ ہزار کی بجائے پچھتر ہزار روپیہ اس میں جمع ہو گیا۔ [۲۸۴] جو معیاد کے اندر واپس بھی کر دیا گیا اس تحریک کی کامیابی کا سہرا ناظر امور عامہ خان صاحب فرزند علی صاحبؓ کے سر تھا۔ جس پر نہ صرف حضرت امیر المومنینؓ نے بہت خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ بلکہ ایثار پیشہ احمدیوں کے اس جذبہ اخلاص کو مسلم پریس نے بھی بہت سراہا۔ چنانچہ لکھنؤ کے روزنامہ "حقیقت" (۲۵/ مئی ۱۹۳۴ء) نے لکھا۔

"یہ واقعہ ہے کہ اس وقت ہندوستان کی تمام اسلامی جماعتوں میں سب سے زیادہ منظم اور سرگرم عمل احمدی جماعت ہے جس نے دنیا کے گوشہ گوشہ میں اپنے تبلیغی مشن قائم کر دیئے ہیں حالانکہ اس جماعت کی تعداد چند لاکھ سے زیادہ نہیں ہے اور اس میں غرباء و متوسط الحال لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے باوجود اس کے حال میں اس کے دفتر قادیان سے سلسلہ کی ضروریات کے لئے ساٹھ ہزار روپیہ قرضہ جمع کرنے کی اپیل کی گئی چنانچہ دو ماہ کے اندر ہی یہ رقم فراہم ہو گئی۔ لیکن اگر کسی غیر احمدی جماعت کی طرف سے اتنی ہی رقم کے لئے اپیل کی جاتی تو وہ چھ ماہ میں کیا سال بھر میں جمع نہ ہو سکتی تھی۔ خواہ وہ ضرورت کتنی ہی شدید ہوتی۔ چنانچہ مثلاً امارت شرعیہ بہار کے زلزلہ فنڈ ہی کو دیکھ لیجئے۔ کہ چار ماہ میں صدہا اپیلوں اور التجاؤں کے باوجود اب تک چالیس ہزار بھی فراہم نہیں ہو سکا کاش احمدی جماعت کے اس ایثار سے عام مسلمان سبق لیں۔ اور قومی ضروریات کے لئے ایک بیت المال قائم کر کے اپنی بیداری اور زندگی کا ثبوت دیں"۔ ۲۸۵

اسی طرح لکھنؤ کے مشہور شیعہ ترجمان "سرفراز" (یکم جون ۱۹۳۴ء) نے لکھا۔

"مذہبی حیثیت سے ہمیں قادیانیوں سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو۔ لیکن ہم ان کے اس جوش قومی و مذہبی کی قدر کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جو ان کی طرف سے اپنے جماعتی مفاد کو تقویت دینے کے لئے آئے دن ظہور پذیر ہوتا رہتا ہے۔ ابھی حال ہی میں سلسلہ احمدیہ کی ضروریات کے لئے ساٹھ ہزار روپیہ قرض کی تحریک کی گئی تھی۔ ناظر امور عامہ قادیان کا بیان جو الفضل قادیان مورخہ ۲۹/ مئی ۱۹۳۴ء میں شائع کیا گیا ہے بتایا ہے کہ "اگر اس فنڈ کے بند کر دینے کا اعلان نہ کر دیا جاتا تو اس سلسلہ میں ایک لاکھ روپیہ جمع ہو جانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اب بھی اس تحریک کے ان وعدوں کو ملا کر جن کی چند روز میں وصولی یقینی ہے یہ رقم پچھتر ہزار تک پہنچ چکی ہے"۔

یہ واضح رہے کہ چندے یا قرض کی یہ تحریک ایسی تحریک نہیں ہے جو کئی برس کے بعد اٹھائی گئی ہو۔ اور اس کے لئے کوئی خاص جدوجہد عمل میں آئی ہو بلکہ اس جماعت کی طرف سے آئے دن اپنے جماعتی مفاد کے لئے چندے ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس وقت تک چار ہزار کے قریب ایسی وصیتیں ہو چکی ہیں جن میں وصیت کنندگان نے اپنی جائداد کا بڑا حصہ اپنے جماعتی، قومی اور مذہبی کاموں کے لئے وقف کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ قادیانیوں کی مجموعی تعداد ہندوستان کے شیعوں سے بہت کم ہے لیکن جذبہ عمل میں یہ مٹھی بھر قادیانی دو کروڑ شیعوں سے کہیں زیادہ نظر آتے ہیں سینکڑوں مکانات پچاسوں اراضیات جماعت قادیانی کے پاس موجود ہیں۔ برخلاف اس کے ہم شیعوں کی یہ حالت ہے کہ ہماری واحد نمائندہ

جماعت آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے پاس دفاتر کے لئے بھی کوئی اس کا ذاتی مکان نہیں ہے اور اس مد کرایہ میں اسے گزشتہ چھ سات سال کے اندر پانچ چھ ہزار روپیہ دینے پڑے۔ اتنی رقم میں دفتر کانفرنس اور ادارات متعلقہ کے لئے ایک خاص عمارت بن سکتی یا خریدی جاسکتی تھی لیکن سرمایہ کے سوال نے اب تک اس تحریک کو بار آور نہ ہونے دیا۔

کیا شیعہ جماعت میں ایسے سرمایہ دار موجود نہیں کہ وہ پانچ سات ہزار چندہ نہیں تو قرض حسنہ ہی دے کر دفتر آل انڈیا شیعہ کانفرنس کو کرایہ مکان کے مستقل بار سے محفوظ کردیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو ہمیں اپنے قومی ادارات کی حالت زار پر ایک آہ سرد بھر کر خاموش ہو جانا چاہئے۔ اور یہ طے کرلینا چاہئے کہ ہمارے دست شل میں یہ صلاحیت نہیں کہ ہم کسی بار کو اٹھا سکیں۔ کاش کہ قادیانی جماعت کا جذبہ عمل ہماری سوئی ہوئی قوم کے لئے سبق آموز اور ہمت آفرین ہو اور ہم بھی وقت کی اہم ضروریات کی طرف متوجہ ہو سکیں"۔ ۲۸۶

پنجاب ہائی کورٹ کا چیف جسٹس اور جماعت احمدیہ

حکومت ہند نے سرشادی لال کی جگہ ان کے ریٹائر ہونے پر الہ آباد ہائی کورٹ کے جج مسٹر جان ڈگلس ینگ بیرسٹرایٹ لاء کو پنجاب ہائی کورٹ کا چیف جسٹس بنادیا۔ اس فیصلہ پر اخبار "الفضل" نے ایک زوردار شذرہ لکھا۔ جس میں مسلمانوں کی حق تلفی اور حکومت کے دل شکن رویہ پر اظہار افسوس کرتے ہوئے حکومت کو توجہ دلائی کہ "پنجاب میں ایسے قابل مسلمان قانون دان موجود ہیں جن کی قانونی قابلیت حکومت سے پوشیدہ نہیں اور وہ ان کی قابلیت کا کئی بار تجربہ بھی کرچکی ہے...... لیکن چیف ججی کے متعلق اس نے یہی مناسب سمجھا کہ مسلمان قانون دانوں کو نظرانداز کرکے یہ منصب ایک انگریز کے سپرد کیا جائے۔ کہا گیا ہے کہ حکومت کے لئے اس بارے میں یہ مشکل درپیش تھی کہ پنجاب ہائی کورٹ میں کوئی مسلمان سینئر جج نہیں تھا اور یہ اس کے لئے ناممکن تھا کہ وہ کسی مسلمان بیرسٹر کو خواہ وہ خاص قابلیت کا ہی مالک کیوں نہ ہو چیف جج مقرر کردیتی اس کے متعلق اول تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح پنجاب ہائی کورٹ کے ججوں کو چھوڑ کر باہر سے ایک انگریز چیف جسٹس لایا گیا۔ اسی طرح کسی مسلمان کو بھی یہ منصب دیا جاسکتا تھا علاوہ ازیں اس سے یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہئے کہ اگر آج پنجاب ہائیکورٹ کے ججوں میں کوئی مسلمان سینئر جج موجود نہیں تو اس کی ذمہ داری انہی ارباب اقتدار پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے پندرہ برس کے طویل عرصہ میں پنجاب کے کسی ایک قابل مسلمان کو بھی مستقل جج نہ بننے دیا۔ حالانکہ پنجاب میں نہایت اعلیٰ قابلیت کے مسلمان قانون دان موجود تھے۔ جب مسلمان قانون دان کے متعلق یہ صریح بے انصافی روا رکھی

گئی تو اس کا تدارک اسی صورت میں ممکن تھا کہ حکومت کسی مسلمان بیرسٹر کو جس کی قابلیت دوسروں کے مقابلہ میں خاص درجہ رکھتی۔ چیف جج بنا دیتی اور اس طرح مسلمانان پنجاب کی دیرینہ اور جائز آرزو پوری کر کے ان کے دل مٹھی میں لے لیتی لیکن افسوس کہ حکومت نے اس کی پروانہ کی اس نے جہاں مسلمانوں کے لئے بہت بڑی شکایت پیدا کر دی وہاں ہندوؤں کو موقعہ دے دیا کہ مسلمانوں کے سینے طعن و تشنیع کے تیروں سے چھلنی کر سکیں"۔ [۳۸۷]

ہائیڈرو الیکٹرک برانچ میں مسلمانوں کی حق تلفی کے خلاف آواز

قریباً تمام کلیدی آسامیوں پر ہندو قابض تھے اس لئے مسلمانوں کے حقوق نہایت بے دردی سے پامال کئے جا رہے تھے حتیٰ کہ مسلم اکثریت کے صوبہ پنجاب میں بھی ان کے ساتھ صریح بے انصافی کا سلوک کیا جاتا تھا۔

شہروں میں نئی نئی بجلی پہنچی تھی۔ لیکن چونکہ ہائیڈرو الیکٹرک کا شعبہ (لوکل سیلف گورنمنٹ کے ہندو وزیر) ڈاکٹر گوکل چند صاحب نارنگ کے ماتحت تھا اس لئے اس صیغہ میں بھی مسلمان اکثریت کو جائز اور واجبی حقوق سے محروم رکھا جا رہا تھا۔ مسلمانوں نے اس رویہ پر نکتہ چینی کی تو ہندو پریس نے ڈاکٹر نارنگ کی حمایت کی اور مسلمانوں کی نسبت اس بے بنیاد خیال کا اظہار کیا کہ

"ان کے سامنے تو ایک ہی وہم ہے کہ ہر محکمہ' ہر شعبہ' ہر صیغہ میں سوائے مسلمانوں کے اور کوئی نظر نہیں آنا چاہئے۔ مسلمان چاہے انجینرنگ جانتے ہوں یا نہ وہ بجلی کے کام سے واقف ہوں' یا ناواقف انہیں علم و ہنر کی دولت ملی ہو یا وہ اس پہلو میں خالص مفلس و قلاش ہی ہوں۔ لیکن ہر ذمہ دار عہدہ پر مسلمان ہی رکھے جانے چاہئیں اور مسلمانوں کی آبادی کی اوسط سے انہیں ملازمت مل جانی چاہئے چاہے موچی دروازہ کے گامے اور ماجے ہی بھرتی کرنے پڑیں"۔ [۳۸۸]

اخبار "الفضل" (۱۱/ مارچ ۱۹۳۴ء کے پرچہ میں) ہندو پریس کی اس افسوسناک ذہنیت کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ ہائیڈرو الیکٹرک برانچ میں ان کے حقوق تلف کئے جانے کی یہ ایک مثال ہے اور اس قسم کی اور بے شمار مثالیں موجود ہیں مگر ان کے جواز کے لئے یہ کہنا کافی سمجھا جاتا ہے کہ مسلمان نااہل اور ناقابل ہیں اگر حالات یہی رہے تو ناممکن ہے کہ مسلمان کبھی ان محکموں میں کام کرنے کے قابل سمجھے جائیں۔ لہذا انہیں چاہئے کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے پر زور جدوجہد کریں اور اس وقت تک دم نہ لیں جب تک اس صیغہ کی ہر چھوٹی بڑی لائن میں مسلمان ملازمین کی تعداد اتنی نہ ہو جائے جتنی ان کی آبادی کے تناسب سے ہونی لازمی ہے۔ [۳۸۹]

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا فیصلہ مباحثات کی نسبت

اس زمانہ میں مباحثات و مناظرات کثرت سے ہوتے تھے اور خصوصاً پچھلے چند سالوں سے ان کی تعداد نسبتاً بہت زیادہ ہو گئی تھی چنانچہ ۱۹۳۳ء میں ۱۷۸ مناظرے ہوئے۔ [۲۴۰] اس بڑھتی ہوئی رو سے گو سلسلہ احمدیہ کی تبلیغ کا دائرہ بھی وسیع ہوا مگر ساتھ ہی کئی قسم کی پیچیدگیاں اور مشکلات بھی پیدا ہو گئیں مخالف مباحثات میں سخت بدزبانی اور دریدہ دہنی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر حملہ کرتے تھے جس کے جواب میں احمدی مناظر کے لئے دو ہی صورتیں تھیں یا تو خاموش رہے یا ترکی بہ ترکی جواب دے اور مخالفین کی طرح بد زبانی پر اتر آئے ظاہر ہے کہ یہ دونوں طریق جماعت کے لئے نقصان رساں تھے اس لئے نظارت دعوت و تبلیغ کی طرف سے مجلس مشاورت ۱۹۳۴ء میں یہ معاملہ پیش کیا گیا جس پر کافی بحث و تمحیص کے بعد کثرت رائے نے یہ تجویز کی کہ۔

"حتی الوسع پبلک مباحثات سے اجتناب کیا جائے اور انفرادی تبلیغ اور تقاریر پر زور دیا جائے۔ اگر مخالفین کی طرف سے مباحثہ کا چیلنج ملے اور مباحثہ نہ کرنے کی صورت میں یہ اثر پڑتا ہو کہ گویا ہماری طرف سے فرار ہے تو بہتر ہے کہ مباحثہ تحریری ہو اور تحریر مجلس مناظرہ میں پڑھ کر سنائی جائے استثنائی حالات میں جہاں اس امر کا اطمینان ہو کہ فریق مخالف بدتہذیبی اور امن شکنی نہ کرے گا۔ تقریری مباحثہ بھی کیا جا سکتا ہے لیکن دونوں صورتوں میں ان مباحثات کے لئے ناظر دعوۃ و تبلیغ کی اجازت قبل از تصفیہ شرائط و تعین مباحثہ ضروری ہو گی۔ اس کے سوا کہ مقامی جماعت مناظرہ کا اپنے طور پر انتظام کرے یا مرکزی مبلغ موجود ہو اور اپنے دورے کے پروگرام کو توڑے بغیر مباحثہ کر سکتا ہو' مباحثہ کی ضرورت سے متعلق مقامی جماعت سے متفق ہو"۔ [۲۴۱]

اس پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مباحثات کو پسند نہیں کیا بلکہ ایسی چیز قرار دی ہے جیسے جنگ کی مثال ہے دوسرا حملہ کرے تو اجازت ہے کہ مقابلہ کریں۔ اور وہ بھی اجازت ہے حکم نہیں۔ رسول کریم ﷺ کے ابتدائی وقت میں دشمن حملہ کرتے تو جنگ سے گریز کیا جاتا۔ یہاں تک کہ ایک وقت آگیا جب مقابلہ ضروری ہو گیا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مباحثات کو ناپسند کیا ہے مگر پھر بھی آپؑ کے زمانہ میں مباحثات ہوئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقام کے لحاظ سے خدا تعالیٰ نے آپ کو مباحثات کرنے سے روک دیا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ جماعت میں ایسے بالغ عاقل افراد مذہبی لحاظ سے پیدا ہو گئے ہیں جو یہ بوجھ اٹھا

سکیں۔ ہماری یہ تجویز اسی روح کو تازہ کرنے والی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیدا کی کہ مباحثات سے حتی الامکان بچنا چاہئے۔ اور انفرادی تبلیغ اور تقاریر پر زور دیا جائے۔ اگر مخالفین کی طرف سے مباحثہ کا چیلنج ملے اور مباحثہ نہ کرنے کی صورت میں یہ اثر پڑتا ہو کہ گویا ہماری طرف سے فرار ہے تو بہتر ہے کہ مباحثہ تحریری ہو"۔ میں اسے منظور کرتا ہوں۔

دوسرا حصہ جو یہ ہے کہ مبلغ موجود ہو یا مقامی لوگ مباحثہ کر سکیں۔ تو مرکز سے اجازت لینے کی ضرورت نہ ہو۔ اس میں بعض خطرات باقی رہ جاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایسا شخص مباحثہ کر لیتا ہے کہ وہ جو تحریر دے وہ کمزور ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جب وہ شائع ہو گی تو لوگوں پر یہ اثر پڑے گا کہ احمدی جواب نہیں دے سکے۔ بعض باتیں ایسی ہیں کہ سب احمدی حقیقی طور پر انہیں سمجھتے نہیں حالانکہ ہم بار بار توجہ دلاتے رہتے ہیں...... اس وجہ سے میں تقریری مباحثات کو ترجیح دوں گا جہاں مقامی مناظر پیش ہو۔ یعنی وہ تقریری مناظرہ کرے۔ تحریری نہ کرے اور اگر تحریری کرے تو انفرادی طور پر کرے۔ جماعت کی طرف سے پیش نہ ہو۔ یعنی جہاں مرکزی مبلغ مناظرہ کرے وہاں تحریری مناظرہ کو ترجیح دی جائے۔ اور جہاں مقامی مناظر پیش ہو وہاں تقریری کو۔ مرکزی مناظرہ کی صورت میں تمام ذمہ داری مرکزی مناظر کی سمجھی جائے گی اور اس کا یہ کہنا کافی نہ ہو گا کہ مجھے جماعت کی طرف سے مناظرہ کے لئے مجبور کیا گیا تھا"۔ [۲۹۲]

وائسرائے ہند کی خدمت میں احمدیہ وفد اور مسلم حقوق کے تحفظ کا اہم مسئلہ

۲۶/ مارچ ۱۹۳۴ء کو نمائندگان جماعت احمدیہ کے ایک وفد نے دہلی میں وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن سے ملاقات کی اور ان کی خدمت میں ایک ایڈریس پڑھا جس میں خاص طور پر ان سے درخواست کی کہ مستقبل میں ہندوستان کے نظام حکومت میں مسلمانوں کے حقوق کا خیال رکھا جائے۔

چنانچہ وفد نے کہا۔ ایک ایسی حکومت جس کے ماتحت ہر ملت و مذہب کے لوگ ہوں کسی خاص جماعت سے اپنے آپ کو وابستہ نہیں کر سکتی۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اگر ایک قوم اپنے جائز حقوق سے محروم ہو خواہ اس محرومی میں اس کی اپنی کوتاہی کا ہی کیوں نہ دخل ہو وہ ایک حد تک مدد اور سہارے کی محتاج ہوتی ہے اور مسلمانوں کی یہی حالت ہے۔ حکومت مغلیہ کی تباہی کے بعد مسلمانوں پر دیر تک ایک سکتہ کا سا عالم رہا اور شاید یہ کہنا بھی بے جا نہ ہو گا بلکہ لارڈ کرزن جیسے واقف گورنر جنرل کی اس خیال کو تصدیق حاصل ہے کہ حکومت بھی اپنا پیش رو ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کو ابتداء میں شک کی نگاہ سے دیکھتی رہی۔ لیکن جب کوئی شک پیدا ہو جائے تو وہ آہستہ آہستہ ہی دور ہوتا ہے

پس اس شک کے عرصہ میں دوسری اقوام نے خاص ترقی کرلی اور مسلمان پیچھے رہ گئے۔ تعلیم میں بھی' سرکاری ملازمتوں میں بھی' اور سیاسی میدان میں بھی۔ اب جبکہ وہ شکوک دور ہو چکے ہیں۔ اور دونوں قومیں جن پر دنیا کے آئندہ امن کا انحصار ہے۔ ایک دوسرے کی طرف صلح اور محبت کا ہاتھ بڑھا رہی ہیں اس امر کی خواہش بے جا نہ ہو گی کہ گزشتہ کوتاہی کو دور کرنے کے لئے صحیح اور موثر قدم اٹھایا جائے۔

وفد نے مزید کہا۔ سرحد جو ہمیشہ ہندوستان کے دروازہ پر کندھا دیئے کھڑا رہا ہے۔ اسلامی بنگال جو مقدور بھر ٹیررازم کا مقابلہ کر رہا ہے۔ اسلامی پنجاب جو برطانوی مشکلات کے وقت اپنے جگر گوشوں کو برطانیہ کی خدمت کے لئے نکال کر پھینکتا رہا ہے اور وہ دوسرے صوبوں کے مسلمان جو تعلیم یافتہ منظم اور آگے نکلی ہوئی قوموں کے درمیان پراگندہ طور پر پڑے ہوئے ہیں اس وقت برطانوی انصاف ہی کے نہیں بلکہ اس کی ہمدردی کے خواہشمند اور مستحق ہیں۔ جناب اور جناب کی حکومت نے ان کے لئے بہت کچھ کیا ہے لیکن ابھی بہت کچھ باقی ہے اور ہم یہ امید ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا آئندہ سیاسی نظام میں اور ان کی اقتصادی حالت کا حکومت کے ماتحت سرکاری ملازمتوں میں اور نئی مالی تجاویز کے اجراء کے وقت خاص خیال رکھا جائے۔ ۲۹۳

یہ وفد ۲۲ ممبروں پر مشتمل تھا جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) لیفٹیننٹ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب۔ (۲) چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب بی اے۔ ایل ایل بی بیرسٹرایٹ لاء لاہور۔ (۳) کرنل اوصاف علی خان صاحب سی۔ آئی۔ ای مالیر کوٹلہ۔ (۴) سردار بہادر کیپٹن غلام محمد خان صاحب دوالمیال ضلع جہلم۔ (۵) صوبیدار فتح محمد خان صاحب دوالمیال ضلع جہلم۔ (۶) لیفٹیننٹ تاج محمد خان صاحب نوشہرہ ضلع پشاور۔ (۷) خان بہادر شیخ محمد حسین صاحب ریٹائرڈ سینئر سب جج علی گڑھ۔ (۸) خان بہادر چوہدری نعمت اللہ خان صاحب آنریری مجسٹریٹ مدار ضلع جالندھر۔ (۹) حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب سکندر آباد۔ حیدر آباد دکن۔ (۱۰) حکیم ابو طاہر محمود احمد صاحب رئیس کلکتہ۔ (۱۱) حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔ (۱۲) صاحبزادہ محمد طیب صاحب بنوں۔ (۱۳) قاضی محمد شفیق صاحب ایم۔ اے ایل ایل۔ بی وکیل چارسدہ پشاور۔ (۱۴) سید ارتضیٰ علی صاحب تاجر لکھنؤ۔ (۱۵) بابو اعجاز حسین صاحب دہلی۔ (۱۶) میاں محمد ابراہیم صاحب تاجر چرم کان پور۔ (۱۷) حضرت مولوی عبدالماجد صاحب پروفیسر جوبلی کالج بھاگلپور۔ (۱۸) ملک عبدالرحمٰن صاحب قصور (۱۹) حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے ناظر اعلیٰ۔ (۲۰) حضرت خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب ناظر امور عامہ۔ (۲۱) حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوۃ و

تبلیغ۔(۲۲) حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب ناظر امور خارجہ۔ [۳۹۴]

مسلمانان اجودھیا پر ہندوؤں کے مظالم

۲۶/ مارچ ۱۹۳۴ء کو عید الاضحیہ کی تقریب منائی گئی۔ یہ ایک مذہبی تہوار تھا مگر ہندوؤں نے اس موقعہ پر کئی مقامات میں مسلمانوں میں "گئو ہتیا" کی آڑ لے کر حملہ کر دیا۔ اس شرارت کا سب سے زیادہ خمیازہ اجودھیا کے مسلمانوں کو بھگتنا پڑا۔ جہاں تین مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ آٹھ مجروح ہوئے اور ۱۸/ مسلمانوں کے مکانات جلا دیئے گئے۔

اخبار "الفضل" نے اس فتنہ انگیزی کے خلاف دو پر زور اداریے لکھے۔ [۳۹۵]

پہلا باب (فصل یازدہم)

مسجد "فضل" لائلپور کی تعمیر اور حضرت امیرالمومنین کا افتتاح

لائلپور صوبہ کی نئی آبادی کا مرکز اور اپنے زراعتی یونیورسٹی اور کارخانوں کے باعث ایشیا بھر میں مشہور ہے اس شہر کے مقامی اور باہر سے آنے والے احمدی مدت سے ایک تکلیف دہ ماحول میں سے گزر رہے تھے وجہ یہ کہ یہاں کوئی احمدیہ مسجد نہیں تھی اور احمدی چنیوٹ بازار کے دو چوباروں میں نمازیں ادا کیا کرتے تھے آخر دوڑ دھوپ کرکے ڈگلس پورہ (متصل مین بازار) میں حصول زمین کے لئے درخواست دی گئی مگر غیر احمدی مسلمانوں نے مخالفت کی کہ یہ ہمارا محلہ ہے یہاں مسجد نہیں ہونی چاہئے لہٰذا یہ جگہ حاصل نہ ہو سکی اور مسجد کی بجائے یہاں مندر بن گیا۔ اب دوبارہ جدوجہد شروع کرنا پڑی اور نزد والے اڈہ کے نزدیک دو کنال کا ایک قطعہ تلاش کیا گیا۔ بعض دوستوں نے رائے دی کہ اس جگہ مسجد بنانے سے خرچ بہت زیادہ اٹھے گا جو ہماری طاقت سے باہر ہے اس پر ایک کنال کے لئے درخواست دی گئی لیکن حکومت نے ہندوؤں کی دلجوئی کرتے ہوئے وہ زمین دینے سے انکار کر دیا۔ [۲۹۱]

ان پے در پے روکاوٹوں کے باوجود جماعت احمدیہ لائل پور نے اپنی کوششیں برابر جاری رکھیں اور بالآخر آٹھ سال کی متواتر جدوجہد کے بعد گول منشی محلہ بھوانہ بازار اور امین پور بازار کے درمیان ایک قطعہ زمین کے لئے درخواست دی۔ یہاں اس وقت میونسپلٹی کی طرف سے جستی چادروں سے بیت الخلاء بنے ہوئے تھے اور ہر طرف تعفن اور بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ میونسپلٹی نے مسجد کی تعمیر کے لئے متفقہ طور پر ریزولیوشن پاس کر دیا مگر جب ڈپٹی کمشنر صاحب نے متعلقہ کاغذات کمشنری میں بھیج دیئے تو مخالف علماء نے عوام میں سخت اشتعال پیدا کر دیا بلکہ بعض روایات کے مطابق مسجد جامع میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اگر یہاں احمدیوں کی مسجد بنائی گئی تو خون کی ندیاں بہادی جائیں گی۔ بلکہ تین اشخاص نے خاص طور پر وعدہ کیا کہ ہم اپنی جانیں قربان کر دیں گے مگر احمدیوں کی مسجد نہیں بننے دیں گے۔ [۲۹۲] البتہ لائلپور کے علمائے اہل حدیث نے مخالفت میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ چنانچہ مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل کا بیان ہے کہ مجھ سے لائلپور کے اہل حدیث مولوی محمد حسین صاحب نے خود ذکر کیا کہ ہم لوگوں نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرت سری سے فتویٰ پوچھا۔ تو انہوں نے ہمیں جواب دیا کہ اہل حدیث کو احمدیوں کی مسجد بننے میں روک نہیں بننا چاہئے۔ مگر چونکہ مسلمانوں کے دوسرے فرقوں میں ان کے

مولوی صاحبان نے سخت اشتعال اور منافرت پیدا کردی تھی اس لئے انہوں نے میونسپلٹی میں ایک محضر نامہ پیش کیا جس پر میونسپلٹی نے اپنا پہلا ریزولیوشن منسوخ کردیا اور مخالفین کی طرف سے گورنر تک کو تار دیئے گئے مگر اس مخالفت نے جماعت کے دلوں میں ایک عجیب کیفیت پیدا کردی۔ اور وہ انابت الی اللہ کے سچے جذبے کے ساتھ خشوع و خضوع سے دعاؤں میں لگ گئے رات کے وقت بعض احمدی خفیہ طور پر اس مقام پر آتے اور نوافل پڑھتے۔ انہوں نے اپنے پیارے آقا خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں بھی دعا کے لئے درخواستیں کیں۔ ایک رات جماعت لائل پور کے پریذیڈنٹ شیخ محمد محسن صاحب نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان پر انّا فتحنا لک فتحاً مبیناً کے الفاظ جاری کرکے قبل از وقت کامیابی کی بشارت دے دی۔ بالآخر خدا کے فضل اور اس کی بشارت کے مطابق جماعت کی کوششیں بارآور ہوئیں اور زمین کی منظوری ہوگئی اور اس کا قبضہ مل گیا۔ [۲۴۸] جماعت کے دل میں مسجد کی تعمیر کا پہلے ہی زبردست جذبہ موجزن تھا اب جو غیر معمولی حالات میں حصول زمین میں کامیابی ہوئی تو اس کے اندر اور زیادہ جوش پیدا ہوگیا اور اس ایک سال کے اندر اندر اس مقام پر ایک عظیم الشان مسجد تیار کرنے کی توفیق مل گئی۔

اس مسجد کی تعمیر میں یوں تو لائل پور کے سب احمدیوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مالی قربانیاں کیں۔ مگر بعض مخلصین نے جن میں شیخ محمدؐ احب مرحوم پریذیڈنٹ لائل پور سرفہرست ہیں اس موقعہ پر انتہائی اخلاص کا ثبوت دیا۔ شیخ محمد محسن صاحب نے بیش قیمت مالی امداد کے علاوہ مہتمم تعمیر کے فرائض بھی سرانجام دیئے اور اپنی اہلیہ (محترمہ اللہ جوائی صاحبہ مرحومہ) کی وصیت پر ان کی یادگار کے طور پر مسجد کے ساتھ ایک کنواں تعمیر کرایا اسی طرح مسجد میں بجلی کی فٹنگ کا تمام خرچ اپنی جیب خاص سے ادا کیا اور زندگی بھر مسجد کی روشنی کا پورا خرچ خود ہی برداشت کرتے رہے بلکہ ان کی وفات کے بعد اب تک ان کی دوسری بیگم محترمہ محمودہ صاحبہ (ہمشیرہ شیخ بشیر احمد صاحب سابق جج ہائی کورٹ لاہور) ادا کر رہی ہیں۔

شیخ محمد محسن صاحب کے بھائی شیخ مولا بخش صاحب (غیر مبائع) نے بھی اس کار خیر میں حصہ لیا۔ چندہ کی وصولی کے لئے شیخ محمد محسن صاحب، شیخ مولا بخش صاحب قریشی محمد حنیف صاحب سائیکل سیاح، ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب بی اے۔ بی ٹی اور شیخ محمد یوسف صاحب نے دورہ کیا۔ چوہدری عطا محمد صاحب نائب تحصیلدار نے مسجد کی تعمیر کے لئے بطور عمومی کارکن اور شیخ بابو ولایت محمد صاحب نے انجینئر کی حیثیت سے قابل رشک خدمات سرانجام دیں۔ اخوند افضل خاں صاحب آف ڈیرہ غازی خاں نے بھی اس مسجد کی تیاری کے لئے بہت امداد کی۔ [۲۴۹] علاوہ ازیں مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل نے (جو

ان دنوں مسلم ہائی سکول لائلپور میں عربی ٹیچر اور مقامی جماعت کے نائب مہتمم تبلیغ اور خطیب و امام الصلوۃ تھے) اپنے وعظ و تلقین سے جماعت لائلپور میں ایک زبردست روح پھونک دی اور احباب تعمیر مسجد کے لئے ایثار و اخلاص کے جذبات سے لبریز اور ہر قربانی پر آمادہ ہو گئے۔

افتتاح کے لئے سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی منظوری اور اس کا پس منظر

مسجد کی شاندار عمارت پایہ تکمیل کو پہنچی تو جماعت لائلپور نے حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں اس کے افتتاح کرنے کی درخواست پیش کی۔ [۲۰۰] جو حضور نے قبول فرمائی اور ۷/ اپریل ۱۹۳۴ء مطابق ۲۲/ ذوالحجہ ۱۳۵۲ھ کا مبارک دن اس کے لئے مقرر فرمایا۔ حضور کی طبیعت ان دنوں علیل تھی اور ڈاکٹری مشورہ یہ تھا کہ یہ سفر ملتوی کر دیا جائے مگر حضور نے یہ التوا منظور نہ فرمایا جس کی اصلی وجہ حضور کے مقدس الفاظ ہی میں بیان کرنا موجب برکت ہے۔ حضور نے فرمایا۔

"میں سمجھا کہ یہ خاص طور پر دینی کام ہے لائل پور نو آبادی کا مرکز ہے اور اس لحاظ سے گویا نئی دنیا ہے چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا ایک کشف بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک نئی دنیا بنانے آئے تھے۔ اس لئے میں نے خیال کیا کہ جو نئی دنیا بسی ہے وہاں جاؤں۔ تا وہ کشف ایک رنگ میں پورا ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے رؤیا میں دیکھا تھا کہ آپؑ نے نیا آسمان اور نئی زمین بنائی ہے اس کے حقیقی معنے تو یہی ہیں کہ ساری دنیا میں آپ کے ذریعہ ایک نئی روح پھونکی جائے گی۔ مگر جزوی معنی یہ بھی ہیں کہ جو نئی دنیا بسی ہے وہاں کے لوگوں میں سچا ایمان پیدا کر دیا جائے۔ پس اس قسم کی خواہشات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس علاقہ میں بھی احمدیت کو مضبوط کر دے تا ظاہری آبادی کی طرح یہاں باطنی آبادی بھی ہو جائے۔ میں یہاں آنے پر آمادہ ہو گیا"۔ [۲۰۱]

سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی قادیان سے روانگی

حضور پروگرام کے مطابق ۷/ اپریل کی صبح قادیان سے موٹر میں روانہ ہوئے صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب' صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب' صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب' حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب' حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب اور مولوی قمرالدین صاحب اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری بھی حضور کے ہمراہ تھے۔

حضور ۹ بجے لاہور سے لائل پور کی گاڑی میں سوار ہوئے جہاں لائلپور جانے کے لئے قادیان کے متعدد احباب پہلے ہی لاہور پہنچ چکے تھے اور لاہور کے بھی کئی دوست شریک قافلہ ہو گئے [۲۰۲]

راستہ میں بھی بعض اسٹیشنوں پر احمدی دوست شامل ہوتے رہے۔

حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی لائل پور میں تشریف آوری

گاڑی سوا بجے لائل پور پہنچی۔ پلیٹ فارم پر اور اسٹیشن سے باہر حضور کا استقبال کرنے کے لئے ایک بڑا ہجوم امڈ آیا تھا۔ احمدیوں کا ایسا شاندار اجتماع قادیان کے سالانہ جلسہ کے سوا کسی اور احمدیہ جماعت کے جلسہ پر دیکھنے میں نہیں آیا تھا استقبال کرنے والوں میں احمدی، غیر احمدی، ہندو اور سکھ وغیرہ سب اقوام کے لوگ موجود تھے جن میں سرکاری عہدیدار، وکلا، بیرسٹر، مقامی شرفاء و معززین میونسپل کمشنر وغیرہ شریک تھے گاڑی سے اترنے کے بعد حضور کے گلے میں پھولوں کے بکثرت ہار ڈالے گئے اور جب ان کا بوجھ بہت ہو گیا۔ تو لوگوں نے فرط عقیدت سے پھول برسانے شروع کر دیئے لوگ اسٹیشن سے باہر دو رویہ کھڑے تھے اور احمدی والنٹیر انتظام قائم کئے ہوئے تھے۔ پولیس کا قابل تعریف انتظام تھا اور خود سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس بھی موجود تھے۔ حضور نعرہ ہائے تکبیر کے درمیان پلیٹ فارم سے باہر تشریف لائے اور موٹر میں سوار ہو کر شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ موٹر کے آگے احمدیہ والنٹیر ز کور کے نوجوان جھنڈے اٹھائے جا رہے تھے۔

افتتاح مسجد

حضور سیدھے مسجد احمدیہ میں تشریف لے گئے اور بطور افتتاح دو نوافل جہری قرأت سے پڑھائے۔ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کی ہر آیت کا تین مرتبہ تکرار کیا اور ہر بار حضور کی آواز میں ایک خاص قسم کا جوش اور جذب تھا۔ نمازیوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ ایک دوسرے کی پیٹھ پر سجدے کئے گئے۔ اور نمازیوں پر اس قدر رقت طاری تھی کہ بے اختیار چیخیں نکل رہی تھیں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعائیں کی گئیں۔

جماعت ہائے احمدیہ ضلع لائل پور کا ایڈریس

نماز سے فارغ ہو کر حضور کرسی پر رونق افروز ہوئے اور مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل نے ضلع لائل پور کی احمدی جماعتوں کی طرف سے حضور کی خدمت میں ایڈریس پڑھا۔ [۲۰۳] جس کی سنہری حروف میں طبع شدہ ایک کاپی مخمل کے نہایت خوبصورت کیس میں رکھ کر حضور کی خدمت میں پیش کی گئی۔ یہ ایڈریس چھاپ کر تقسیم کر دیا گیا تھا۔ قاضی صاحب پر بھی اس وقت ایک خاص کیفیت طاری تھی اور وہ ایڈیٹر صاحب "الحکم" حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کے الفاظ میں پیکر محویت بنے ہوئے تھے۔ اور حضور کی تشریف آوری نے ان میں اور باقی تمام افراد جماعت میں ایک نیا رنگ پیدا کر دیا تھا۔ [۲۰۴]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے جواب

ایڈریس کے جواب میں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے پر معارف خطاب فرمایا۔ ایڈریس میں مسجد کی تعمیر کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا زندہ نشان قرار دیتے ہوئے چونکہ مخالفین سلسلہ کی مخالفانہ روش کا بھی تذکرہ کیا گیا تھا اس لئے حضور نے اپنی تقریر کے ابتدا ہی میں ارشاد فرمایا۔

"جہاں میں ایڈریس دینے والوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں وہاں ایک امر کے متعلق اظہار افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایشیائی لوگوں میں عام رواج ہے کہ وہ اپنے کاموں کی بنیاد کچھ نہ کچھ جذبات پر رکھتے ہیں یورپین لوگوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ ان کے تمام کاموں میں تجارتی رنگ ہوتا ہے۔ ایشیائی ممالک کا اگر کوئی بادشاہ تخت پر بیٹھے تو وہ قیدیوں کو آزاد کرے گا۔ قاتلوں کو معاف کرے گا۔ ملازموں کو چھٹیاں دے گا۔ اور انعام و اکرام تقسیم کرے گا لیکن یورپ میں اگر کوئی بادشاہ تخت پر بیٹھے تو کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ غرض ہماری دنیا جذباتی دنیا ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے کہ بعض حالات میں مفید ہوتی ہے اور میں سمجھتا ہوں اس موقعہ پر جبکہ خدا تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی کہ آپ لوگ اس کے نام پر ایک گھر بنائیں۔ بعض "لوگوں" کا جو شکوہ کیا گیا ہے وہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ انہوں نے مخالفت کی ہوگی مگر یہ سمجھ کر کہ اس طرح وہ دین کی کوئی خدمت کر رہے ہیں انہوں نے مخالفت کی لیکن اب جب خدا تعالیٰ نے آپ کو کامیابی عطا کی۔ تو چاہئے تھا کہ خدمت کرنے والوں کا شکریہ ادا کرتے مگر مخالفت کرنے والوں کا ذکر چھوڑ دیتے اور دلوں میں ان کے لئے دعا کرتے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب کرے۔ ایڈریس کے اس حصہ نے مجھے تکلیف دی ہے۔ خوشی کے موقعہ پر ایشیائی بادشاہ قیدیوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور مخالفت کرنے والے لوگ تو آپ کے قیدی نہ تھے ان کا ذکر چھوڑ دینے میں آپ کا کوئی حرج نہیں ہوتا تھا"۔ ۲۰۵

اس ارشاد کے بعد حضور نے اختصار کے ساتھ دوستوں کو مسجد بنانے کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا۔

"مساجد اپنے ساتھ بعض ذمہ داریاں رکھتی ہیں۔ مسجد خدا کا گھر ہے اور جو شخص مسجد بنانے کے بعد یہ کہتا ہے کہ اسے ہم نے بنایا۔ اور یہ ہماری ہے وہ گویا خدا کے گھر کو اپنا گھر قرار دیتا ہے دنیا میں اگر کوئی شخص کسی معمولی آدمی کے گھر کو بھی کہے کہ یہ میرا ہے تو وہ مجرم سمجھا جاتا ہے اس سے اندازہ کر لو کہ جو شخص خدا کے نام پر ایک گھر بنائے اور پھر اسے اپنا قرار دے وہ کتنی بڑی سزا کا مستحق ہو گا پس لائل پور کا ہر احمدی فرد یہ سمجھے کہ یہ خدا کا گھر ہے اگر یہ خدا کا گھر نہیں ہے تو مسجد نہیں ہو سکتی۔ اور اگر

خدا کا گھر ہے تو آج سے آپ لوگوں میں سے کوئی شخص ایک ساعت کے لئے بھی یہ خیال نہ کرے کہ یہ ان کی ہے جس وقت میں نے دو رکعتیں پڑھ کر اس کا افتتاح کیا اس کے بعد کسی کو اب یہ حق نہیں کہ اسے اپنی قرار دے اور کسی کو اس میں عبادت کرنے سے روکے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص ایک ہندو یا عیسائی کو بھی روکے گا تو وہ خدا کا فوجداری مجرم ہو گا"۔ ۲۰۶

حضرت امیرالمومنین قیام گاہ میں

اس ایمان افروز خطاب کے بعد ۲۰۷ حضور شیخ عبدالرزاق صاحب بیرسٹر کی کوٹھی (واقع سرکلر روڈ متصل کچہری) میں تشریف لے آئے۔ جہاں حضور کے قیام کا انتظام کیا گیا تھا۔ شیخ صاحب موصوف اپنی اس خوش نصیبی پر اس روز بہت شاداں و نازاں تھے کہ خدا تعالیٰ کے عالی مقام خلیفہ موعود کی میزبانی کا شرف انہیں حاصل ہو رہا ہے۔ آپ نے ایسے اخلاص و محبت سے اپنے فرائض ادا کئے کہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے الحکم میں لکھا۔ "شیخ صاحب نے اس موقعہ پر مہمان نوازی کا جو نمونہ دکھایا ہے وہ صد ہزار تحسین کے قابل اور واجب التقلید ہے۔ آپ بہ نفس نفیس اور آپ کے گھر والے اور ملازم سب کے سب ہر وقت مہمانوں کی خدمت میں کمربستہ تھے شیخ صاحب کی اس مہمان نوازی کا اثر ہر شخص کے دل پر ہے وہ خود آرام کے خوگر اور ناز و نعمت میں پلے ہوئے ہیں مگر اس موقعہ پر معمولی سے معمولی خدمت کو بھی انشراح صدر سے بجالاتے تھے یہ ان کے اخلاص اور ایمان کا ثمرہ تھا"۔ ۲۰۸

جماعت احمدیہ لائل پور کا جلسہ

حضور کی تقریر کے بعد تمام لوگ جلسہ گاہ کی طرف چلے گئے جو مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل کے زیر انتظام میونسپل باغات میں نہایت شاندار خوبصورت شامیانوں اور قناتوں سے بنائی گئی تھی۔ اور ایک باقاعدہ سٹیج سالانہ جلسہ کے نمونہ پر تعمیر کیا گیا تھا۔ جلسہ میں سلسلہ کے مبلغین میں سے مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل گیانی واحد حسین صاحب (سابق شیر سنگھ) اور حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ نے مختلف موضوعات پر تقریریں کیں اور جلسہ نماز مغرب کے لئے برخاست ہوا۔

حضرت اقدس جلسہ گاہ میں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جلسہ گاہ میں نماز مغرب و عشاء جمع کر کے پڑھائیں پھر سٹیج پر رونق افروز ہوئے اور تمام احباب کو مصافحہ کا موقعہ بخشا۔ مصافحہ کرنے والے باقاعدہ ایک انتظام کے ماتحت ایک راستہ سے آتے اور دوسرے سے جاتے تھے اس حسن انتظام پر حضور نے خوشنودی کا اظہار فرمایا اور یہاں سے فارغ ہو کر شیخ عبدالرزاق صاحب بیرسٹر کی کوٹھی میں واپس تشریف لے گئے حضور کی واپسی کے بعد علامہ

مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ مجاہد فلسطین نے بلاد اسلامیہ میں جماعت احمدیہ کی خدمات پر تقریر فرمائی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی معرکتہ الآراء تقریریں

اگلے روز ۸/ اپریل کو مولانا شیخ مبارک احمد صاحب اور مولانا محمد سلیم صاحب نے ½۱۲ بجے تک تقاریر کیں۔ پھر حضور نے وہیں تشریف لا کر ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں اور ½۲ بجے کے قریب جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ حضرت صوفی حافظ غلام محمد صاحبؓ بی۔اے سابق مبلغ ماریشس نے تلاوت قرآن کریم کی اور حکیم سراج الدین صاحب لاہوری نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظم پڑھی پونے تین بجے کے قریب حضور تقریر کے لئے کھڑے ہوئے حضور نے اپنی تقریر میں تحقیق حق سے متعلق بعض اہم ضروری ہدایات دینے کے بعد وفات مسیح ناصری علیہ السلام اور صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے موضوع پر ایسی دلچسپ موثر اور جامع تقریر فرمائی کہ لوگوں پر وجد کی حالت طاری ہو گئی۔ مجمع میں ہر خیال اور ہر مذہب و ملّت کے لوگ شریک تھے پانچ بجے چونکہ ایک ٹی پارٹی کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس لئے حضور نے فرمایا کہ بقیہ تقریر میں رات کو نو بجے کے بعد کروں گا۔ اس کے بعد حضور ٹی پارٹی میں تشریف لے گئے جو جماعت احمدیہ لائل پور کی طرف سے حضور کی آمد کی خوشی میں دی گئی تھی اور جس میں شہر کے معزز و ممتاز سرکاری اور غیر سرکاری اصحاب بکثرت مدعو تھے۔ اکل و شرب کا یہ انتظام نہایت عمدہ تھا۔ پارٹی کے اختتام پر حضور نے مختصر سی تقریر فرمائی جس میں بتایا کہ بین الملی اتحاد کی بنیاد کیا ہو سکتی ہے؟

حضور ۹ بجے کے قریب پارٹی سے فارغ ہو کر دوبارہ جلسہ گاہ میں تشریف لائے اور نمازیں جمع کر کے پڑھائیں اس کے بعد حافظ مسعود احمد صاحب (ابن بھائی محمود احمد صاحب قادیانی) نے تلاوت کی اور ایک مقامی دوست میاں غریب الدین صاحب نے نظم پڑھی پھر پونے دس بجے حضور کی پر معارف تقریر شروع ہوئی جو رات کے بارہ بجے ان دعائیہ الفاظ پر ختم ہوئی۔ [209]

"دعا کرتا ہوں کہ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ سچے رستہ پر چلنے' قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ہمارے اختلافات کو دور کر کے ہندو' عیسائی' سکھ غرضیکہ سب کو ہدایت دے کر دین واحد پر جمع کر دے تا وہ سب محمد رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر ایک ہو جائیں۔ اے میرے قادر و توانا خدا! میں تیرے حضور یہ درخواست کرتا ہوں۔ کوئی عیسائی ہو یا ہندو و سکھ سب تیرے بندے ہیں پس اپنے بندوں کو گمراہ ہونے سے بچا لے تیری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے دوزخ کے دروازے بند کر کے جنت کے دروازے کھول دے۔ اللّٰھم آمین"۔ [210]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جڑانوالہ میں

حضور انور ۹/ اپریل کی صبح کو آٹھ بجے کے قریب لائل پور سے روانہ ہوئے۔ جڑانوالہ میں ان دنوں جماعت کے ایک پرجوش اور مخلص دوست ڈاکٹر محمد شفیع صاحب بطور ویٹرنری اسسٹنٹ متعین تھے جنہوں نے ایک روز قبل حضور سے چند منٹ ٹھہرنے کی درخواست کی تھی جسے حضور نے شرف قبولیت بخشا چنانچہ حضور ۹ بجے کے قریب جڑانوالہ میں ان کے ہاں رونق افروز ہوئے اس وقت تیس کے قریب خدام حضور کے ساتھ تھے باوجودیکہ ان کو وقت بہت کم ملا تھا انہوں نے پر تکلف ناشتہ پیش کیا۔ [۲۱۱، ۲۱۲]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ احمد پور میں

جڑانوالہ سے روانہ ہو کر حضور ملک غلام محمد صاحب آف لاہور کی درخواست پر ان کے گاؤں احمد پور تشریف لے گئے اور ملک صاحب کے مکان میں وہاں کے احمدیوں کو شرف زیارت بخشا اور بعض مستورات نے بیعت کی۔ یہاں حضور نے جماعت کی مسجد میں دو رکعت نماز بھی پڑھائی۔ اور پھر پنجابی زبان میں چند نصائح بھی فرمائیں۔ جن کا لب لباب یہ تھا کہ اپنی زندگی کی حقیقی غرض و غایت کو مد نظر رکھتے ہوئے دین کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ احمد پور کی ایک غریب اور عمر رسیدہ خاتون نے حضور کی لائل پور میں تشریف آوری کی خبر سن کر اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ قادیان جلسہ سالانہ پر تو میں نہیں جا سکتی مجھے لائل پور ہی لے چلو تا میں حضرت صاحب کی زیارت کر سکوں۔ بیٹے نے قریب کے ایک گاؤں ڈبری والا کے احمدیوں سے جا کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ لائل پور میں مستورات کے لئے کوئی انتظام نہیں ہو گا۔ بیٹا اپنی والدہ کو یہ بتا کر خود لائل پور روانہ ہو گیا۔ ابھی وہ گھر سے باہر نکلا ہی تھا کہ وہ بوڑھی خاتون سجدہ میں گر پڑیں اور یہ دعا کرنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ حضور کی زیارت کا کوئی سامان پیدا کر دے۔ چنانچہ جب حضور اس گاؤں میں تشریف لائے تو اس مخلص خاتون نے بھی زیارت کی اور بہت خوش ہوئی۔ [۲۱۳]

قادیان میں ورود مسعود

یہاں سے فراغت کے بعد حضور لاہور کی طرف روانہ ہوئے اور اسی روز (۹/ اپریل کو) شام کے قریب واپس قادیان پہنچ گئے۔ [۲۱۴]

اس طرح حضور کا یہ سفر جو افتتاح مسجد کے لحاظ سے سفر انگلستان کے بعد اپنی نوعیت کا دوسرا سفر تھا نہایت کامیابی سے ختم ہوا۔

جلسہ کے بعض ضروری کوائف

جلسہ سے چند روز قبل پیر جماعت علی شاہ صاحب تین دن وہاں رہے کہتے ہیں کہ انہوں نے لوگوں سے حلف لئے کہ احمدیوں کے جلسہ میں شامل نہ ہوں گے۔ احمدیوں کے خلاف نفرت انگیز فتووں کی اشاعت کی گئی۔ جلسہ گاہ کے حصول میں مشکلات پیدا کی گئیں۔ خیموں کے تاجروں کو دھمکیاں دی گئیں کہ اگر تم نے شامیانے وغیرہ دیئے تو وہ جلا دیئے جائیں گے۔ جلسہ سے ایک رات پہلے نہر کے نالے کو کاٹ کر اس قطعہ کو جہاں جلسہ گاہ تیار کی گئی تھی دلدل کر دینے کی کوشش کی گئی۔ مولوی ظفر علی خان صاحب اور بعض دوسرے مخالفین بذریعہ تار بلائے گئے جنہوں نے جماعت احمدیہ کے خلاف سخت زہر اگلا اور غیر مبائع اصحاب نے مولوی محمد علی صاحب امیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے لکھے ہوئے ٹریکٹ بھی تقسیم کئے۔

لیکن ان تمام معاندانہ کوششوں اور اشتعال انگیزیوں کے باوجود جلسہ ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔ حاضرین کی تعداد کا اندازہ چھ ہزار سے کسی طرح کم نہیں تھا اور حضور کی تقریروں کے وقت تو اس میں اور بھی اضافہ ہو جاتا تھا۔ احمدی احباب بھی تمام نواحی دیہات اور ارد گرد کے اضلاع سے بکثرت شامل ہوئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس موقعہ پر ڈیڑھ سو کے قریب افراد بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ ۲۱۵

جماعت لائل پور تبلیغ کے نئے دور میں

اس جلسہ سے لائل پور میں تبلیغ کا ایک نیا دروازہ کھل گیا تھا جس سے فائدہ اٹھانے کے لئے مرکز کی طرف سے حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ کو کچھ عرصہ لائل پور ٹھہرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے قیام کے دوران احمدیت کی خوب تبلیغ کی اور غیر احمدی علماء پر احمدیت کی دھاک بٹھا دی۔ یہاں ایک دیوبندی فاضل مولوی محمد مسلم صاحب نے سورہ فاتحہ کی ایک مختصر سی تفسیر لکھی تھی جس کا متن اردو میں تھا اور حاشیہ عربی میں۔ انہوں نے حضرت مولانا راجیکیؓ کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا۔ دوپہر کا وقت تھا جونہی یہ چیلنج آپ کی خدمت میں پہنچا آپ اسی وقت قلم دوات لے کر بیٹھ گئے اور دوسرے دن بارہ بجے تک فلسکیپ سائز کے ساٹھ صفحات پر فصیح و بلیغ عربی میں صرف بسم اللہ کی تفسیر لکھی اور مولوی محمد مسلم صاحب کو پیغام بھیجا کہ اب آپ تین علماء مقرر کریں جو ہم دونوں کی تفسیر پڑھ کر حلفیہ بیان دیں کہ کس کی تفسیر زبان دانی اور حقائق و معارف کے لحاظ سے اعلیٰ پایہ کی ہے اس پر مولوی محمد مسلم بالکل مبہوت رہ گئے۔ ۲۱۶

اس زمانہ میں شیخ مبارک احمد صاحب فاضل اور شیخ مولانا عبدالقادر صاحبؓ فاضل بھی لائل پور

میں رہے اور حضرت مولانا راجیکیؓ کی صحبت میں تبلیغی میدان کے لئے عملی تربیت حاصل کی اور اس طرح لائل پور کو روحانی و تبلیغی اعتبار سے ایک رنگ میں تربیتی مرکز کی سی حیثیت بھی حاصل ہو گئی۔ ۲۱۷

مسجد فضل لائل پور کے لئے کتبہ

اس مسجد کا نام حضور نے مسجد فضل تجویز فرمایا تھا اور اس کے لئے اپنے قلم مبارک سے کتبہ کے مندرجہ ذیل الفاظ تحریر فرمائے تھے۔ جو تاریخی یادگار کے طور پر آج تک دیوار مسجد پر کندہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

الٰہی! اس مسجد کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے تقویٰ پر ہو۔ اور اس میں نمازیں پڑھنے والے ہمیشہ تیری رضا کو دوسری سب چیزوں پر مقدم رکھیں۔ میں تیرے فضل سے امید رکھتے ہوئے اس مسجد کا نام مسجد فضل رکھتا ہوں۔

اے میرے رب! میری اس امید کو پورا کر اور اس مسجد کو اپنے فضل کا مقام بنا۔ اس سے تعلق رکھنے والوں اور اس میں نمازوں کی مداومت کرنے والوں کو اپنے بڑھنے والے فضل سے حصہ دیتا رہ اور اسے اپنے دین کی اشاعت کا اس علاقہ کے لئے مرکز بنا۔ اللّٰھم آمین۔

میرزا بشیر الدین محمود احمد ۲۱۸

۲۲/ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۷/ اپریل ۱۹۳۴ء بروز افتتاح

سفر لائل پور کے تاثرات سیدنا حضرت امیر المومنینؓ کی زبان مبارک سے

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے لائل پور سے واپسی پر اس سفر کے تاثرات ان الفاظ میں بیان فرمائے۔

"مجھے اپنی خلافت کے ایام میں پہلی مرتبہ اس قسم کا سفر درپیش ہوا۔ جیسا کہ گزشتہ ہفتہ میں لائلپور کا پیش آیا تھا اور میں اس سفر سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جہاں ایک طرف مخالفت زوروں پر ہے...... وہاں لوگ ہماری باتیں سننے پر آمادہ بھی ہیں اور وہ خواہش رکھتے ہیں کہ کوئی انہیں سلسلہ کے حالات سے واقف کرے۔

میرے لائل پور جانے کے موقعہ پر ہر رنگ میں مخالفین کے رؤساء نے کوششیں کیں کہ کسی طرح لوگ اس طرف توجہ نہ کریں۔ مگر باوجود اس کے کہ وہاں کی مقامی جماعت نہایت قلیل ہے اور

شاید چالیس مردوں سے زیادہ نہیں کیونکہ ساری مردم شماری عورتوں اور بچوں سمیت جو مجھے بتائی گئی وہ دو سو کے قریب ہے۔ پس مرد تیس پینتیس یا زیادہ سے زیادہ پچاس ہوں گے اور چالیس ہزار کی آبادی والے شہر میں یہ تعداد بہت ہی قلیل ہے پھر سوائے دو تین کے باقی لوگ غریب طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں مگر باوجود ان تمام حالات کے لوگوں نے اس مخالفت کی پروا نہیں کی جو مخالفین کی طرف سے کی گئی تھی۔ عام طور پر جلسوں کی حاضری تین ہزار سے چھ ہزار تک سمجھی جاتی تھی۔ اور مجھے قادیان سے باہر کسی جگہ اس بات کے دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا کہ کھلے میدان میں اس طرح وسعت سے آدمی پھیلے ہوئے ہوں جیسا کہ قادیان میں سالانہ جلسہ کے موقعہ پر پھیلے ہوتے ہیں۔ گیلریوں کو چھوڑ کر جو زائد ہوتی ہیں۔ یہاں جس قدر جلسہ گاہ کا حصہ ہوتا ہے اس کے قریب قریب ہی لائل پور کی جلسہ گاہ تھی اور پھر تمام آدمیوں سے بھری ہوئی تھی۔ مگر سوال یہ نہیں کہ آدمیوں سے جلسہ گاہ بھری ہوئی تھی بلکہ قابل غور امر یہ ہے کہ سخت مخالفت کے باوجود یہاں تک کہ مخالف علماء کی طرف سے یہ فتوے دیئے جانے کے باوجود کہ احمدیوں سے ملنے پر نکاح ٹوٹ جائے گا ہر طبقہ کے لوگ آئے۔ معززین میں سے بھی اور عوام الناس میں سے بھی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالف جو کوششیں ہمارے خلاف کر رہے ہیں اگر ایک طرف ان سے ہمارے لئے بعض مشکلات پیدا ہو رہی ہیں تو دوسری طرف ان کی مخالفت ہمارے تبلیغی راستے میں روک نہیں ہو رہی بلکہ لوگوں کی توجہ پھرانے کا باعث بن رہی ہے۔

مجھے ایک شخص نے لائل پور میں بیعت کرتے وقت عجیب واقعہ سنایا۔ وہاں قریباً ایک سو چالیس افراد نے بیعت کی ہے اور جو بیعت کرتا۔ میں اس سے متفرق حالات بھی دریافت کرتا۔ تا مجھے معلوم ہو کہ یہ کس ضلع کا ہے اور اب آئندہ ہماری تبلیغی سرگرمیاں کس ضلع میں زیادہ نمایاں تغیر پیدا کر سکیں گی اور کس جگہ کی جماعتیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترقی کریں گی ضمنی طور پر میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ضلع وار بیعت کے لحاظ سے ضلع شیخوپورہ کے بیعت کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی اس کے بعد لائل پور اور پھر سرگودھا وغیرہ اضلاع کے لوگوں نے بیعت کی۔ ایک شخص نے جو سرگودھا کے ضلع کے تھے اور لائل پور میں کسی ای اے سی کے لڑکوں کو پڑھاتے تھے۔ جب انہوں نے بیعت کی تو میں نے ان سے پوچھا۔ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ میں ضلع سرگودھا کا ہوں پھر میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو سلسلہ احمدیہ کی طرف کس طرح توجہ ہوئی؟ انہوں نے کہا کہ میں لائل پور میں نوکر تھا یا کہا کہ میں نوکر ہوں۔ اسی دوران میں مجھے ایک اشتہار ملا۔ جو یہاں کی کسی مسجد کے امام کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ اس میں جماعت احمدیہ کے خلاف بہت سی باتیں لکھی تھیں وہ کہنے لگے مجھے اشتہار پڑھ کر سخت غصہ آیا کہ ایک طرف تو یہ احمدی اپنی نیکی اور اسلامی ہمدردی کا دعویٰ کرتے

ہیں اور دوسری طرف اسلام کی اتنی ہتک کرتے ہیں کہ امامت اور نبوت کے مدعی بنتے ہیں۔ کہتے ہیں اسی غصہ کے جوش میں ایک احمدی کے ہاں گیا اور اس سے کہا کہ آپ لوگ اندر سے اور ہیں اور باہر سے اور۔ منہ سے تو اسلامی ہمدردی کے دعوے کرتے ہیں اور حالت یہ ہے کہ آپ کے مرزا صاحبؑ مستقل نبوت کے مدعی ہیں۔ انہوں نے بڑی نرمی سے کہا کہ ذرا بیٹھ جائیے اور پھر ایک ایک اعتراض لے کر انہوں نے مجھے حوالے کتابوں سے دکھانے شروع کئے جو بھی وہ حوالہ نکالیں۔ اصل عبارت میں کچھ اور ہوتا اور اشتہار میں کچھ اور۔ اس طرح دو دن وہ مجھے سمجھاتے رہے۔ جب میں اچھی طرح سمجھ گیا۔ تو پھر مجھے اس مولوی صاحب پر غصہ آیا جس نے اشتہار شائع کیا تھا۔ میں اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ آپ لوگ ہمارے عجیب راہنما ہیں۔ اشتہار میں لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب فلاں فلاں عقیدہ رکھتے تھے۔ حالانکہ اصل کتابیں میں نے دیکھی ہیں وہاں کچھ اور ہی لکھا ہے۔ مولوی صاحب میری بات سنتے ہی ناراض ہو گئے اور کہنے لگے تم کسی احمدی کے پاس گئے ہی کیوں تھے۔ میں نے کہا تم یہ بتاؤ تم نے جھوٹ کیوں بولا۔ آخر وہ مولوی صاحب مجھ سے سخت ناراض ہو گئے اور میں سمجھا کہ اب مجھے تحقیق کرنی چاہئے پندرہ بیس دن تحقیق کی تو حق مجھ پر کھل گیا اور میں بیعت کے لئے تیار ہو گیا۔

دیکھو یہ مخالفت ہی تھی جو انہیں ادھر لانے کا ذریعہ بنی۔ کیونکہ ان کے احمدی بنانے کا ذریعہ ہم نہیں تھے بلکہ غیر احمدی امام مسجد صاحب ذریعہ بنے۔ تو کئی دفعہ مخالفتیں فائدہ بخش ہو جاتی ہیں۔ میں نے اس سفر سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ باوجود مخالفت کے خدا تعالیٰ کا یہ فضل بھی ہو رہا ہے کہ اس مخالفت کی وجہ سے لوگوں کی توجہ احمدیت کی طرف پھر رہی ہے۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اتنی بیعت ایک دن کے لیکچر کا نتیجہ تھی۔ بلکہ ان لوگوں کو پہلے سے تبلیغ ہو چکی تھی۔ لیکن وہ تین ہزار سے چھ ہزار لوگ جو جلسوں میں شامل ہوتے رہے ان کے دلوں میں بھی ایک بیج بویا گیا ہے جو آج نہیں تو کل اور اس مہینہ میں نہیں تو اگلے مہینہ میں پھوٹے گا۔ جب باوجود نکاح ٹوٹ جانے کی دھمکی دیئے جانے کے وہ شوق سے ہمارے جلسوں میں آئے تو اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کے دلوں میں ہدایت کی تڑپ ہے جو کسی دن اپنا رنگ لائے گی۔ سب سے زیادہ ڈر لوگوں کو نکاح ٹوٹنے کا ہوتا ہے اور یہی مولویوں کا آخری ہتھیار ہے جس سے وہ کام لیا کرتے ہیں۔

...... غرض نکاحوں کا سوال ایک اہم سوال ہوتا ہے اور لوگوں کے لئے اس قسم کے فتویٰ کے بعد جلسوں میں شامل ہونا مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ عام طور پر عورتیں کمزور ہوتی ہیں اور وہ خیال کر لیتی ہیں کہ اگر ہمارے مرد فتویٰ کی زد میں آ گئے تو اس کے بعد ہمارا اپنے گھر میں رہنا بدکاری سمجھا جائے گا۔ مگر اس قسم کے فتووں کے باوجود کثرت سے لوگ آئے جو علامت ہے اس بات کی کہ جو فتنہ اور شورش

ہمارے خلاف پیدا کی جا رہی ہے وہ گو بعض لحاظ سے ہمارے لئے مضر ہو مگر تبلیغی دروازہ خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے بند نہیں ہونے دیا۔

میں نے یہ بھی دیکھا کہ اس موقعہ پر ہماری جماعت کو مختلف جماعتوں کی طرف سے مدد ملی جہاں غیر احمدی شرفاء نے تعاون کیا وہاں بعض ذمہ دار افسران کا رویہ بھی بہت ہمدردانہ رہا سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس جو ہندوستانی مسلمان ہیں۔ ان کا رویہ نہایت ہی قابل تعریف تھا۔ وہ ٹی پارٹی کے موقعہ پر مجھے بھی ملے۔ ان کا طریق عمل ایسا اعلیٰ تھا جس میں قطعاً تعصب کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا تھا۔ مگر شائد افسروں کے متعلق کوئی کہے کہ دیانتدار افسر انصاف کے لئے کوشش کیا ہی کرتے ہیں۔ اس لئے میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ دوسرے لوگوں میں بھی ہمدردی اور تعاون کا پہلو نمایاں طور پر پایا جاتا تھا۔ بعض میونسپل کمیٹی کے افسروں نے کوشش کر کے ہمارے لئے مفت چیزیں مہیا کیں چنانچہ میز اور کرسیوں کے گڈے بھروا کر مفت ہمارے جلسہ گاہ میں بھیج دیئے۔ اسی طرح ایک سکھ صاحب کے سائبان تھے۔ انہوں نے نصف کرایہ لیا۔ حالانکہ ان کو یہ دھمکی دی گئی تھی کہ ہم سائبانوں کو جلا دیں گے۔ وہ سامان ۱۵-۱۶ ہزار کی مالیت کا تھا۔ اور ایک تاجر کے لئے اس سے زیادہ خطرہ کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ سامان کو تلف کر دینے کی اسے دھمکی دی جائے مگر باوجود اس کے انہوں نے نصف کرایہ وصول کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے شریف طبقہ ہمارے متعلق اپنے دلوں میں ہمدردی کے جذبات موجزن پاتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ جاہلوں کی مخالفت ذاتی اغراض کی بناء پر ہے حقیقتاً یہ سلسلہ ملک و ملت کا خادم ہے لیکن جہاں اس نتیجہ کے نکالنے سے ہمیں خوشی ہوتی ہے۔ وہاں ایک بہت بڑی ذمہ داری بھی ہم پر عائد ہوتی ہے"۔ [۲۲۹]

ہندوستان کے شمال مشرق کا تباہ کن زلزلہ خدا کے زبردست نشانوں میں سے ایک نشان

۲۰/ اپریل ۱۹۰۷ء کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو ہندوستان کے شمال مشرق میں آنے والے ایک تباہ کن زلزلہ کا نظارہ دکھایا گیا۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں۔

"رؤیا میں دیکھا کہ بشیر احمد کھڑا ہے وہ ہاتھ سے شمال مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ زلزلہ اس طرف چلا گیا"۔ [۲۳۰]

چنانچہ اس پیشگوئی کے عین مطابق ۱۵/ جنوری ۱۹۳۴ء کو ایک قیامت خیز زلزلہ آیا جس نے بنگال سے لے کر پنجاب تک تباہی مچا دی بے شمار عمارتیں گر گئیں زلزلہ سے زمین پھٹ گئی طغیانی سے آبادیاں غرق ہو گئیں اور بیس ہزار انسانوں کی جانیں ضائع ہو گئیں۔ زلزلہ کی ہلاکت آفرینیوں کا اثر

اتنا وسیع تھا کہ ہر طرف شور محشر بپا ہو گیا جس کی کسی حد تک تفصیل اس زمانے کے اخبارات مثلاً "الجمعیۃ" (دہلی) "مدینہ" (بجنور) اخبار "حقیقت" (لکھنؤ) "سرچ لائٹ" (پٹنہ) "اتحاد" (پٹنہ) (سرفراز) "لکھنؤ" "اہل حدیث" (امرتسر) "سیاست" (لاہور) "زمیندار" (لاہور) "انقلاب" (لاہور) "سول اینڈ ملٹری گزٹ" (لاہور) (سٹیٹسمین) "ملاپ" (لاہور) "پرتاپ" لاہور اور "پرکاش" (لاہور) میں مل سکتی ہے۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا رسالہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رؤیا میں چونکہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے اشارہ کرنے کا ذکر موجود تھا اور خدائی تصرف کے تحت سب سے پہلے ان ہی کا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ یہ وہی موعودہ زلزلہ ہے اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ان سے فرمایا۔ کہ وہ اس تازہ نشان پر مفصل رسالہ لکھیں کیونکہ انہی کے مونہہ سے یہ الفاظ نکلوائے گئے ہیں۔ [۲۲۱] چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے "ایک اور تازہ نشان" کے عنوان سے ایک اہم رسالہ تصنیف فرمایا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دوسرے الہامات و کشوف کی روشنی میں اس زلزلہ کی پانچ ایسی واضح علامتیں بیان کیں جن سے اہل علم پر پوری طرح کھل گیا کہ یہ زلزلہ خدا کے زبردست نشانوں میں سے ایک تازہ نشان ہے۔ [۲۲۲]

حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس رسالہ کے آخر میں مصیبت زدگان سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے نہایت پر خلوص اور محبت سے لبریز الفاظ میں لکھا۔

"ہم دنیا کی مصیبت پر خوش نہیں ہیں اور خدا جانتا ہے کہ اس زلزلہ کی تباہ کاری پر ہمارے دلوں میں ہمدردی اور مواخات کے کیا کیا جذبات اٹھتے ہیں ہم ہر اس شخص سے دلی ہمدردی رکھتے ہیں جسے اس زلزلہ میں کسی قسم کا نقصان پہنچا ہے ہم ہر مالک مکان کے ساتھ اس کے مکان کے گرنے پر۔ ہر باپ کے ساتھ اس کے بیٹے کے مرنے پر ہر خاوند کے ساتھ اس کی بیوی کے فوت ہونے پر۔ ہر بھائی کے ساتھ اس کے بھائی کے جدا ہونے پر۔ ہر بیٹے کے ساتھ اس کے باپ کے رخصت ہونے پر۔ ہر بیوی کے ساتھ اس کے خاوند کے گزر جانے پر۔ ہر دوست کے ساتھ اس کے دوست کے بچھڑنے پر سچی اور مخلصانہ ہمدردی رکھتے ہیں۔ اور دوسروں سے بڑھ کر اپنی ہمدردی کا عملی ثبوت دینے کے لئے تیار ہیں۔ اور اسے اپنا فرض سمجھتے ہیں مگر اس سے بھی بڑھ کر ہمارا یہ فرض ہے کہ جب خدائے ذوالجلال کا کوئی نشان پورا ہوتا دیکھیں تو اسے دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اور لوگوں کو بتائیں کہ خدا کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں اس طرح پوری ہوا کرتی ہیں۔ تاکہ وہ خدا کو پہچانیں اور اس کے بھیجے ہوئے ماموروں مرسل کو

شناخت کریں اور خدا سے جنگ کرنے کی بجائے اس کی رحمت کے پروں کے نیچے آجائیں"۔ [۲۲۳]

مصیبت زدگان کی مرکزی امداد

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲/ فروری ۱۹۳۴ء کے خطبہ جمعہ میں جماعت احمدیہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ زلزلہ کے مصیبت زدگان کی بلا امتیاز مذہب و ملت امداد کریں۔ [۲۲۴] مرکز کی طرف سے مولانا غلام احمد صاحب فاضل بدوملہی اظہار ہمدردی اور تفصیلات مہیا کرنے کے لئے بہار بھجوائے گئے۔ [۲۲۵] اور مئی ۱۹۳۴ء میں تیرہ سو روپیہ کی رقم حضرت مولانا عبدالماجد صاحبؓ امیر جماعت احمدیہ بھاگلپور کو روانہ کی گئی۔ علاوہ ازیں ایک ہزار روپیہ ریلیف فنڈ میں دیا گیا۔ [۲۲۶]

احمدیان بہار کی خدائی حفاظت

اس قیامت خیز زلزلہ میں خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے صوبہ بہار کے احمدیوں کی جانیں معجزانہ رنگ میں محفوظ رہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالماجد صاحبؓ بھاگلپوری امیر صوبہ بہار نے ۲۲/ فروری ۱۹۳۴ء کو زلزلہ کے چشم دید حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا۔

"میرا مکان بھاگلپور کا چاروں طرف سے مسقف ہے اور درمیان میں صحن دس گیارہ ہاتھ مربع ہے۔ زلزلہ کے وقت چاروں جانب کے مکان میں سخت جنبش ہوئی اور بظاہر کوئی امید کسی کے بچنے کی نہ تھی اس وقت ہم سب لوگ مع (صاجزادہ مرزا) حنیف احمد سلمہ 'سربسجود ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے۔ خدا تعالیٰ نے فضل کیا اور سب کی جانیں بچ گئیں۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ شہر کے کسی اور احمدی کو بھی خدا کے فضل سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔

مونگیر کے احمدی بھی عجیب و غریب طریقہ سے بچے۔ سید وزارت حسین صاحب راجہ صاحب کے ملازم ہیں راجہ صاحب کے پاس ان کے مکان میں بیٹھے تھے کہ زلزلہ محسوس ہوا۔ دونوں باہر کو بھاگے اور خدا کے فضل سے بچ گئے۔ راجہ صاحب کا محل اور وزارت حسین صاحب کا کمرہ جس میں وہ رہتے تھے بالکل مسمار ہو گیا اور تمام مال و اسباب اس میں دب گیا مولوی عبدالباقی صاحب مولوی علی احمد صاحب کے بھتیجے مونگیر میں ملازم ہیں ان کا مکان دو منزلہ تھا۔ نماز ظہر پڑھ کر قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ زلزلہ محسوس ہوا۔ نیچے سے کسی نے پکارا کہ بھاگو وہ اسی حالت میں زینہ سے اترے اور نیچے پہنچے ہی تھے کہ سارا مکان بیٹھ گیا۔ ان کا بھی کوئی مال و اسباب نہیں نکل سکا۔ حکیم خلیل احمد صاحب کے بال بچے رام پور میں تھے اور حکیم صاحب گھر میں اکیلے تھے مکان سے باہر نکل آئے اور مکان زمین بوس ہو گیا۔ دو بھائی سید عبدالغفار صاحب و سید محمد حنیف صاحب کی دکانیں بازار میں تھیں۔ وہ اپنے مکان سے تو نکل گئے مگر دوسرے مکان کی دیوار کے نیچے دونوں بھائی دب گئے سید محمد حنیف صاحب تو شہید

ہو گئے اور سید عبد الغفار صاحب کئی گھنٹہ کے بعد زندہ نکالے گئے جس مکان کی دیوار ان پر گری وہ کسی روئی کے تاجر کا تھا۔ روئی یا سوت کا ایک گٹھا ان کے اوپر پہلے گرا پھر دیوار آپڑی انہیں سانس لینے کا موقعہ اسی گٹھے کی وجہ سے مل گیا۔ ان کا بیان ہے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی الہامی دعا رب کل شیء خادمک رب فاحفظنی وانصرنی وارحمنی [۲۲۷] پڑھتا رہا۔

سید وزارت حسین صاحب کے دو بھتیجے اور داماد اور ایک لڑکا مظفر پور میں تھے۔ وہ لوگ بھی محض قدرت الٰہی سے بچ گئے۔ عورتیں عید کے لئے کچھ دن پہلے اورین اپنے گاؤں میں چلی گئی تھیں اور لوگ مکان سے نکل بھاگے اور بچ گئے۔ لڑکا دو منزلہ پر تھا مکان گر گیا اور کئی ہزار کا زیور۔ نقدی اور سامان دب گیا۔ لوگ کسی طرح چوتھے دن اورین پہنچ گئے۔ ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب مرحوم کے فرزند محمد اسمٰعیل صاحب بھی مظفر پور میں تھے وہ بھی محفوظ رہے۔ الغرض سوائے ایک احمدی کے بہار میں کوئی احمدی زلزلہ کے حادثہ میں فوت نہیں ہوا۔ [۲۲۸]

عجیب بات یہ ہے کہ اس ہیبت ناک زلزلہ کے آنے سے پہلے حکیم خلیل احمد صاحب مونگیری اور ان کی اہلیہ صاحبہ، سید وزارت حسین صاحب، بھائی منظور عالم صاحب، بھائی شمس الہدیٰ صاحب وغیرہ بہاری احمدیوں کو منذر خوابیں آئیں اور حکیم خلیل احمد صاحب کو تو صاف دکھایا گیا کہ بہت بڑا زلزلہ آیا ہے اور سخت بدحواسی پھیلی ہوئی ہے۔ [۲۲۹]

سکھوں کا اشتعال انگیز اجتماع

۲۶-۲۷-۲۸/ مئی ۱۹۳۴ء کو سکھوں کا قادیان سے قریباً میل سوا میل مشرق کی طرف موضع بسرا کے قریب بوہڑی صاحب میں ایک بہت بڑا اجتماع ہوا۔ جس میں سردار کھڑک سنگھ صاحب [۲۳۰] خاص طور پر شامل تھے جنہوں نے جماعت احمدیہ کے خلاف اشتعال انگیز اور دل آزار تقریریں کیں۔ چنانچہ سردار صاحب نے مذبح قادیان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ احمدی قادیان میں سکھوں پر سخت ظلم کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ گورنمنٹ انہیں شہ دیتی ہے اس لئے انگریزوں کو اگر سیدھا کر دیا جائے تو احمدی خود بخود سیدھے ہو جائیں گے۔ نیز کہا احمدی اگر باز نہ آئے تو قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی۔ اسی طرح ایک اور سکھ لیڈر نے دھمکی دی کہ قادیان کی اینٹیں سمندر میں پھینک دی جائیں گی۔ سکھوں کے اس جلسہ میں ایک احراری مولوی (عنایت اللہ صاحب) نے سکھوں کو اشتعال دلایا کہ سکھ بڑے بے غیرت ہیں کہ احمدی ان کے گورو کو مسلمان کہتے ہیں اور پھر بھی ان کو غیرت نہیں آتی۔ [۲۳۱]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے سردار کھڑک سنگھ اور ان کے ہمراہیوں کو دعوت حق

۲۷/ مئی کو یہ دلآزار تقریریں کی گئیں اور اسی روز حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں ان کی مفصل ڈائری پہنچ گئی۔ جس پر حضور نے ایک اہم مضمون رقم فرمایا۔ جو راتوں رات چھپوا کر ۲۸/ مئی کو سکھوں کے جلسہ میں بکثرت تقسیم کیا گیا اور بعد کو اس کا گورمکھی ترجمہ بھی![۲۲۲]

سیدنا حضرت امیر المومنینؓ نے اپنے اس مضمون میں خاص طور پر گزشتہ واقعات کی روشنی میں اس غلط فہمی کا پوری طرح ازالہ کیا کہ احمدی سکھوں پر ظلم کرتے ہیں چنانچہ حضور نے سردار کھڑک سنگھ صاحب اور ان کے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

"میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کی تحقیق بالکل غلط ہے۔ احمدی سکھوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتے بلکہ انہیں اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور اگر آپ اس علاقہ کے سکھوں سے فرداً فرداً قسم دے کر جسے پنجابی میں ددھ پت کی قسم کہتے ہیں پوچھیں تو ان میں سے ۹۹ فیصدی آپ کو یہ بتائیں گے کہ میں اور میرا خاندان اور میرے ساتھ تعلق رکھنے والے ہمیشہ سکھوں سے محبت کا برتاؤ کرتے چلے آئے ہیں اور جو کوئی مصیبت زدہ ہمارے پاس آیا ہے ہم نے اس کی مدد کی ہے بالکل ممکن ہے کہ بعض نادان احمدیوں نے بعض سکھوں سے ناواجب سلوک کیا ہو لیکن ان سے پوچھیں کہ جب کبھی میرے پاس ایسی رپورٹ ہوئی۔ اور میں نے احمدی کو خطاوار پایا میں نے اسے سزا دی یا نہیں دی۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ایک احمدی نے اپنی کتاب میں حضرت باوا صاحبؒ کے متعلق کچھ الفاظ سوء ادبی کے لکھ دیئے تھے میرے پاس سکھوں کا وفد آیا۔ تو میں نے نہ صرف یہ کہ اس احمدی کو سخت سرزنش کی بلکہ اس کی کتاب کو ضبط کر لیا اور وہ صفحات تلف کروائے جو سکھ صاحبان کے لئے دل آزار تھے۔ اردگرد کے سکھوں کو آپ قسم دے کر پوچھیں کہ کیا یہ سچ نہیں کہ ان کی خاطر پندرہ سال تک میں نے قادیان میں مذبح نہیں بننے دیا اور اب بھی مذبح صرف چند نادانوں کی نادانی کی وجہ سے بنا ہے ورنہ میں نے ہندو اور سکھ رؤساء کو یقین دلایا تھا کہ اگر وہ مجھ پر چھوڑ دیں تو ان کے احساسات کا پورا خیال رکھا جائے گا لیکن افسوس کہ مفسدہ پرداز لوگوں نے مجھ پر اعتبار نہ کیا اور دھمکیاں دینی شروع کر دیں جن کی وجہ سے مجھے اپنا قدم بیچ میں سے ہٹانا پڑا۔

سردار صاحب! یہاں کے سکھوں کو قسم دے کر پوچھیں کہ ان کی درخواست پر میں نے اپنے سکول میں ان کے لئے خاص انتظام کیا یا نہیں۔ اور اس وقت جب وہ مجھ سے لڑ رہے تھے آریوں کی طرف سے تکلیف پہنچنے پر میں نے ماضی کو بھلا کر پھر ان کے بچوں کے لئے ان کے حسب دل خواہ تعلیم کا

انتظام کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے یا نہیں؟

ہاں انہیں قسم دے کر پوچھئے کہ انفلوائنزا کے دنوں میں جبکہ میں اور میرے گھر کے سب لوگ تکلیف میں مبتلا تھے قادیان کا ہر گھر مریضوں کی چیخ و پکار سے ایک میدان جنگ کا نقشہ پیش کر رہا تھا اس وقت اپنے پاس سے دوائیں دے کر اور اطباء اور ڈاکٹروں کو فارغ کر کے ان کے علاج کے لئے چھ چھ سات سات میل تک باہر بھجوایا یا نہیں اور یہ بھی ان سے پوچھئے کہ کوئی ایسے سکھ طالب علم انہیں معلوم ہیں یا نہیں جن کی تعلیم کے لئے میں نے مدد کی اور کوئی ایسے سکھ خاندان ہیں یا نہیں جنہوں نے اپنی مشکلات میں میری طرف رجوع کیا اور میں نے ہر ایک طرح ان کی امداد کی۔ دور کیوں جاتے ہیں اسی علاقہ کے رئیس خاندان سے جہاں آپ کا جلسہ ہو رہا ہے پوچھیں کہ بعض سکھ خاندانوں کے اختلاف کے وقت میں نے انہیں تباہی سے بچانے کے لئے باہمی سمجھوتے کرائے یا نہیں ان کی خاندانی وجاہتوں کے خطرہ میں پڑنے کے وقت ان کا پوری طرح ساتھ دیا یا نہیں"۔ [۲۲۳]

سکھ لیڈروں نے اپنے غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے جو بلند بانگ دعاوی کئے تھے ان کی نسبت نہایت محبت بھرے الفاظ میں توجہ دلائی۔

فرمایا۔"سردار صاحب! میں اس بارہ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ آپ نے یہ فقرہ کہنے میں تقویٰ سے کام نہیں لیا۔ اینٹ سے اینٹ بجانا خدا تعالیٰ کا کام ہے بندوں کا کام نہیں۔ منہ سے دعویٰ کرنے پر تو کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ اگر میں بھی آپ ہی کی طرح جوش میں آنے والا ہوتا تو شاید میں بھی آپ کے اس دعویٰ کو سن کر یہ کہہ دیتا کہ میں بھی آپ کے مقدس مقامات کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل سے تقویٰ عطا فرمایا ہے۔ جب میں نے آپ کا یہ دعویٰ سنا تو بجائے کوئی ایسا فقرہ کہنے کے مجھے آپ پر رحم آیا اور میں نے کہا کہ میرے اس بھائی کو اگر خدا تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی تو کبھی یہ ایسا دعویٰ نہ کرتا۔ جس شخص کو اپنی زندگی کے ایک منٹ پر اختیار نہ ہو اس کا یہ کہنا کہ وہ فلاں جگہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ ایک قابل رحم امر نہیں تو اور کیا ہے۔

سردار صاحب! جب آپ کے گورو صاحب ظاہر ہوئے تھے تو وہ بھی ظاہر حالت میں کمزور تھے اور اس وقت کے طاقتور لوگ بھی آپ کی طرح یہ کہا کرتے تھے کہ ہم چاہیں تو ان کو یوں نقصان پہنچا دیں یوں ذلیل کر دیں۔ مگر آپ کو معلوم ہی ہے کہ وہ غریب ماں باپ کا بیٹا کس طرح خدا تعالیٰ کی حفاظت میں رات اور دن ترقی کرتا چلا گیا اور اس کے گھر کی اینٹ سے اینٹ بجانے والوں کے اپنے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ دیکھو مغل ہمارے مقابلہ میں کس طرح تباہ ہو گئے۔ میں اس امر کو صحیح مان لیتا ہوں۔ مگر پوچھتا ہوں کہ آخر وہ کیوں تباہ ہو گئے؟ کیا سردار کھڑک سنگھ کی

بہادری سے یا اللہ تعالیٰ کی مدد سے؟ اگر آپ کی بہادری سے ایسا ہوا تھا تو انگریزوں کے مقابلہ میں آپ کی تلواریں کیوں ٹوٹ گئی تھیں۔ یاد رکھیں کہ خدا تعالیٰ کی یہی سنت ہے کہ وہ کبھی کسی قوم کو بڑھاتا ہے کبھی کسی قوم کو۔ کبھی مغلوں کی تلواروں کے آگے پنجاب کے سورماؤں کے باپ دادا اور ہندوستان کے راجے بھیڑوں اور بکریوں کی طرح بھاگتے پھرتے تھے پھر وہ وقت آیا کہ مرہٹوں اور سکھوں جیسی چھوٹی چھوٹی قوموں نے ان کے چھکے چھڑا دیئے۔ پھر وہی مرہٹے احمد شاہ ابدالی کے سامنے پیٹھ دکھا کر ایسے بھاگے کہ سینکڑوں میل تک ان کا پتہ نہ تھا اور وہی سکھ انگریزی فوجوں سے اس قدر خائف ہوئے کہ توپیں تک چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ پس سوال بہادری کا نہیں۔ سوال خدا تعالیٰ کی دین کا ہے۔ منہ کے دعوے نجات نہیں دیتے۔ خدا تعالیٰ کا خوف انسان کو عزت دیتا ہے پس جس جگہ کو خدا تعالیٰ بڑھانا چاہتا ہے اس کے متعلق ایسے دعوے کر کے جن کا کوئی بھی فائدہ نہیں اپنی عاقبت نہ بگاڑیں۔ ہوتا وہی ہے جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے اس وقت اپنا نور قادیان میں اتارا ہے۔ پس خدا کا خوف کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی آواز کو سنیں اور ٹھنڈے دل اور نیک ارادوں سے اس بات کو سنیں جسے ایک شخص نے خدا تعالیٰ کی طرف سے پا کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ دنیا چند روزہ ہے نہ پہلے کوئی رہا نہ اب رہے گا۔ نہ آپ رہیں گے نہ میں رہوں گا۔ نہ آپ کے سامعین رہیں گے۔ ہم سب کوئی آگے کوئی پیچھے خدا تعالیٰ کے سامنے جانے والے ہیں پس عاقبت کی فکر کیجئے اور ایسے الفاظ منہ سے نہ نکالئے جو خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخی کا موجب ہیں"۔ [۲۲۴]

جب یہ اشتہار سردار کھڑک سنگھ صاحب تک پہنچا تو انہوں نے دوسرے ہی دن جلسہ گاہ میں سٹیج پر کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا کہ تم نے مجھے سخت ذلیل کرایا ہے کیونکہ جو باتیں تم نے مجھے بتائی تھیں وہ اور تھیں اور جو باتیں اس اشتہار میں لکھی ہیں وہ بالکل اور ہیں۔ [۲۲۵]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا لاہور میں شاندار لیکچر

سیدنا حضرت مصلح موعود نے پنجاب لٹریری لیگ کی تحریک پر جس کے عمائد پنجاب یونیورسٹی سے تعلق رکھتے تھے لاہور میں دو لیکچر دینے منظور فرمائے تھے۔ اس کے مطابق حضور کا پہلا لیکچر "عربی زبان کا مقام السنہ عالم میں" کے موضوع پر ۳۱/ مئی ۱۹۳۴ء کو وائی۔ ایم۔ سی اے کے ہال واقعہ مال روڈ پر ٹھیک ۱/۲ ۸ بجے شب زیر صدارت جناب ڈاکٹر برکت علی صاحب قریشی ایم۔ اے پی ایچ ڈی پرنسپل اسلامیہ کالج ہوا۔ سامعین سات بجے سے ہی آنے شروع ہو گئے اور لیکچر کے شروع ہونے تک ہال اپنی گنجائش سے دوگنا بھر گیا۔ اور بعد میں آنے والوں کو جگہ کی قلت کی وجہ سے واپس جانا پڑا۔ حضورؓ کا لیکچر

ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا۔ جسے سامعین نے ہمہ تن گوش ہو کر سنا۔ اختتام پر جناب صدر نے شکریہ ادا کرنے کے بعد حاضرین کو لیکچر سے فائدہ اٹھانے کی طرف توجہ دلائی اور خواہش ظاہر کی کہ ایسے علمی مضامین پھر بھی سننے کا موقعہ ملے۔ سامعین میں علمی طبقہ کے ہر خیال کے اصحاب شامل تھے۔ احمدی دوست بھی کافی تعداد میں شریک ہوئے اور بعض دوست باہر کی جماعتوں سے خصوصاً دارالامان کے احباب و بزرگان بھی شامل ہوئے۔ جناب لالہ کنور حسین صاحب سابق چیف جج کشمیر جو جناب لالہ بھیم سین صاحب کے فرزند ارجمند ہیں۔ انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی تقریر اور صاحب صدر کے شکریہ کے بعد خاص طور پر شکر گزاری کے جذبات سے لبریز انگریزی میں ایک موثر تقریر فرمائی جس کا مفہوم یہ تھا کہ آج قابل لیکچرار نے زبان عربی کی فضیلت پر جو دلچسپ اور معرکۃ الاراء تقریر کی ہے۔ اسے سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اور اس لحاظ سے بھی مجھے خوشی ہے کہ ذاتی طور پر میرے آپ سے تعلقات ہیں۔ چنانچہ ان کے والد ماجد سے میرے والد صاحب نے عربی زبان سیکھی تھی۔ جب میں لیکچر سننے کے لئے آیا۔ اس وقت میں نے خیال کیا تھا۔ کہ مضمون اس رنگ میں بیان کیا جائے گا۔ جس طرح پرانی طرز کے لوگ بیان کیا کرتے ہیں۔ مشہور ہے کہ کسی عرب سے ایک دفعہ زبان عربی کی فضیلت کی وجہ دریافت کی گئی تو اس نے کہا کہ اسے تین وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے کہ میں عرب کا رہنے والا ہوں دوسرے اس لئے کہ قرآن مجید کی زبان ہے تیسرے اس لئے کہ جنت میں بھی عربی بولی جائے گی۔ میں سمجھتا تھا کہ شاید اس قسم کی باتیں زبان عربی کی فضیلت میں پیش کی جائیں گی۔ مگر جو لیکچر دیا گیا وہ نہایت ہی عالمانہ اور فلسفیانہ شان اپنے اندر رکھتا ہے۔ میں جناب مرزا صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے ان کے لیکچر کے ایک ایک حرف کو پوری توجہ اور کامل غور کے ساتھ سنا ہے اور میں نے اس سے بہت ہی حظ اٹھایا اور فائدہ حاصل کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس لیکچر کا اثر مدتوں میرے دل پر رہے گا میں یہ بھی امید کرتا ہوں کہ جن دوسرے احباب نے اس مضمون کو سنا ہے وہ بھی تادیر اس کا اثر اپنے دلوں میں محسوس کریں گے۔ باقی زبان کے متعلق چونکہ نظریوں میں اختلاف ہے اور سنسکرت زبان بھی بہت سے قواعد پر مبنی ہے۔ اس لئے عربی اور سنسکرت کا مقابلہ کرنے میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اور ایک دفعہ پھر قابل لیکچرار کے بیش قیمت لیکچر کا دلی اخلاص سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دوسرا لیکچر اسی لیگ کے زیر انتظام ٹاؤن ہال میں ۲/ جون کو ہوا۔ یہ ہال پہلے ہال سے وسیع تھا اور اس میں ایک ہزار سامعین کے لئے گنجائش تھی۔ پہلے لیکچر کی طرح اس لیکچر کا داخلہ بھی بذریعہ ٹکٹ تھا۔ ٹکٹ کی قیمت ۲ تھی۔ اس دفعہ جماعت احمدیہ لاہور کو ہدایت کی گئی تھی کہ جب تک دوسروں کو جگہ نہ مل جائے۔ وہ ہال میں نہ جائیں۔ چنانچہ جب دوسرے دوست اچھی طرح بیٹھ گئے تب جماعت لاہور کو

داخل کیا گیا۔ اس طرح دوسرے احباب کو اچھی طرح جگہ مل گئی۔ استقبال' پانی' روشنی اور ہوا کا کافی انتظام تھا اور کسی کو کسی قسم کی شکایت کا موقعہ نہیں ملا۔ ہر ایک شخص کو اس کے حسب دل خواہ جگہ دی گئی۔ حضورؓ کا لیکچر قریباً دو گھنٹہ تک جاری رہا۔ لیکچر "کیا انسان مذہب کا محتاج نہیں" کے موضوع پر تھا۔ سامعین میں معزز طبقہ کے لوگ خصوصاً کالجوں کے پروفیسر وکلاء' لاہور کے پرانے خاندانوں کے افراد اور طلباء شامل تھے۔ اور ہر مذہب کے آدمی پائے جاتے تھے۔ ہندو مسلمان عیسائی اور سکھ مسلمانوں میں بھی قریباً ہر قسم کے خیالات کے اصحاب شامل تھے۔ اور آخر وقت تک نہایت اطمینان اور سکون سے سنتے رہے۔ لیگ کی طرف سے پھولوں کا ہار حضورؓ کو پہنایا گیا۔ صدر جلسہ ڈاکٹر ایس کے دتا پرنسپل فورمین کرسچن کالج نے افتتاحی تقریر میں سامعین کو متوجہ کیا کہ وہ ایسی بڑی شخصیت کے لیکچر کو توجہ سے سنیں اور آخر میں لیکچر کی بہت تعریف کی اور خواہش ظاہر کی کہ پھر بھی لاہور کی پبلک کو آپ کے قیمتی خیالات کے سننے کا موقعہ میسر آئے۔ جناب شیخ عبدالکریم صاحب ایڈووکیٹ لاہور نے حضور کا نہایت پر تعریف الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔ [۲۲۶]

خاندان حضرت مسیح موعودؑ کو اشاعت اسلام کی زبردست تحریک

حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے ۲/ جولائی ۱۹۳۴ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کے نکاح کا اعلان فرمایا۔ اس پر مسرت تقریب پر حضور نے ایک نہایت ایمان افروز خطبہ ارشاد فرمایا جس میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے افراد خاندان کو خصوصاً اور جماعت احمدیہ کو عموماً ان کی حفاظت اسلام سے متعلق اہم ذمہ داریوں کی نسبت پر زور طریق پر توجہ دلائی۔ چنانچہ حضور نے فرمایا۔

"رسول کریم ﷺ نے امت محمدیہ کی تباہی کے وقت امید ظاہر کی ہے کہ لناله رجال من فارس اور یقین ظاہر کیا کہ اس فارسی النسل موعود کی اولاد دنیا کے لالچوں' حرصوں اور ترقیات کو چھوڑ کر صرف ایک کام کے لئے اپنے آپ کو وقف کردے گی اور وہ کام یہ ہے کہ دنیا میں اسلام کا جھنڈا بلند کیا جائے۔ ایمان کو ثریا سے واپس لایا جائے اور مخلوق کو آستانہ خدا پر گرایا جائے۔ یہ امید ہے کہ جو خدا کے رسول نے کی اب میں ان پر چھوڑتا ہوں کہ وہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ خواہ میری اولاد ہو یا میرے بھائیوں کی۔ وہ اپنے دلوں میں غور کرکے اپنی فطرتوں سے دریافت کریں کہ اس آواز کے بعد ان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ ...... آج دین کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

فرماتے ہیں۔

بیکسے شد دین احمد ہیچ خویش و یار نیست ہر کسے در کار خود با دین احمد کار نیست

اسی طرح فرماتے ہیں۔

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواج یزید دین حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین

ان حالات میں ان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور ان کے دلوں میں کس قسم کے احساسات ہونے چاہئیں۔ یہ ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق خود سمجھ سکتا ہے۔

میں جانتا ہوں کہ جب ایک کمزور انسان کسی کو بلندی پر گامزن دیکھتا ہے جب ایک دولتمند کی دولت اور عہدہ دار کے عہدہ پر نظر ڈالتا ہے تو اس کے دل میں لالچ آتا ہے اور وہ کہہ اٹھتا ہے کہ میں بھی کیوں ایسا ہی نہ بنوں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ بے شک ایسا ہوتا ہے مگر یہ ساری چیزیں اس وقت بھی تھیں جب ہوازن کے سامنے صحابہ صف آراء تھے۔ ان کے سامنے بھی ان کے بیوی بچے تھے۔ ان کے سامنے بھی یہ بات تھی کہ اگر وہ ہوازن کے تیراندازوں کے سامنے ہوئے تو ان کے سینے چھلنی ہو جائیں گے اور وہ چند منٹوں میں ہی خاک و خون میں لوٹیں گے مگر ان تمام امور کے باوجود انہوں نے رسول کریم ﷺ کی آواز پر اپنی بیویوں اور بچوں کو بھلا دیا۔ اور ایک ہی مقصد اپنے سامنے رکھا کہ جس طرف خدا کا رسولؐ بلاتا ہے اسی طرف جائیں۔

آج دجالی فتنہ جس رنگ میں دنیا پر غالب ہے اس کی تصویر کھینچنے کی مجھے ضرورت نہیں کوئی چیز آج اسلام کی باقی نہیں نہ تمدنی احکام قائم ہیں اور نہ شخصی احکام قائم ہیں ہر چیز میں آج تبدیلی کر دی گئی ہے پس جب تک اسے مٹانے کے لئے ہمارے اندر دیوانگی نہ ہو گی جب تک ہمیں اس تہذیب مغربی سے بغض نہ ہو گا اتنا بغض کے اس سے بڑھ کر ہمیں کسی اور چیز سے بغض نہ ہو اس وقت تک ہم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہم میں سے جو بھی شخص مغربی تہذیب کا دلدادہ ہے جو بھی اس تہذیب سے متاثر ہے۔ وہ روحانی میدان کا اہل نہیں۔ جس تہذیب نے ہمارے مقدس آقا کی تصویر کو دنیا کے سامنے برے رنگ میں پیش کیا ہے۔ جس تہذیب نے اسلامی تمدن کی شکل کو بدل دیا۔ جب تک اس کی ایک ایک اینٹ کو ریزہ ریزہ نہ کر دیں کبھی چین اور اطمینان کی نیند سو نہیں سکتے وہ لوگ جو یورپ کی نقالی کرتے ہیں جو مغربیت کی رو میں بہتے چلے جاتے ہیں۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہمارے تن بدن میں تو ان کی ہر چیز کو دیکھ کر آگ لگ جانی چاہئے۔ کیونکہ ہم اور مغربیت ایک جگہ نہیں جمع ہو سکتے۔ یا ہم زندہ رہیں گے یا مغربیت زندہ رہے گی۔

یہ مت خیال کرو کہ ہم تو انگریزوں کے دوست ہیں پھر مغربیت کے متعلق میں ایسے خیال کیوں

رکھتا ہوں کیونکہ انگریز اور مغربیت میں فرق ہے۔ انگریز انسان ہیں اور ویسے ہی انسان ہیں جیسے کہ ہم اور اس لحاظ سے انگریز ہدایت پا سکتے ہیں لیکن مغربیت ہدایت نہیں پا سکتی۔ وہ شیطان کا ہتھیار ہے اور جب تک اسے توڑا نہیں جائے گا۔ دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے اگر کوئی شخص مغربیت کی نقل کا ذرہ بھی مادہ اپنے اندر رکھتا ہے تو وہ مسیح موعودؑ کا حقیقی بیٹا نہیں کہلا سکتا کیونکہ اس نے اس آواز کو نہیں سنا۔ جسے پھیلانے کے لئے مسیح موعودؑ مبعوث ہوئے۔ پس میں وضاحت سے ان کو یہ پیغام پہنچاتا اور وضاحت سے ہر ایک کو ہوشیار کرتا ہوں کہ میں ہر ایسے خیال اور ہر ایسے شخص سے بے زار ہوں۔ جس کے دل میں مغربیت کی نقل کا ذرہ بھی مادہ پایا جاتا ہے۔ اور جو دین کی خدمت کرنے کے لئے تیار نہیں خواہ وہ میرا بیٹا ہو یا میرے کسی عزیز کا۔ میں نے ہمیشہ یہ دعا کی ہے اور متواتر کی ہے کہ اگر میرے لئے وہ اولاد مقدر نہیں جو دین کی خدمت کرنے والی ہو تو مجھے اولاد کی ضرورت نہیں اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اسی دعا کی آخر تک توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے سامنے ایک عظیم الشان کام ہے اتنا عظیم الشان کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ ہمارے سامنے ایک فتنہ ہے اتنا بڑا فتنہ کہ اس کے برابر دنیا میں اور کوئی فتنہ نہیں اگر ہم اس کام کی سرانجام دہی کے لئے کھڑے نہیں ہو جاتے اور اس فتنہ کے مقابلہ کی ضرورت اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے تو میں نہیں سمجھ سکتا۔ ہم دنیا میں ذرہ سی عزت کے بھی مستحق ہو سکتے ہیں۔

اس وقت اسلام کے مقابل پر بیسیوں جھنڈے بلند ہیں جب تک وہ تمام جھنڈے سرنگوں نہیں ہو جاتے جب تک تثلیث کا جھنڈا سرنگوں نہیں ہو جاتا۔ جب تک بت پرستی کا جھنڈا سرنگوں نہیں ہو جاتا۔ جب تک اسلام کے سوا باقی تمام جھنڈے سرنگوں نہیں ہو جاتے جب تک سب دنیا میں تکبیر کے نعرے بلند نہیں ہو جاتے ہم کبھی اپنے فرائض کو پورا کرنے والے سمجھے نہیں جا سکتے یہ وہ چیز ہے جس کو میں آج پیش کرتا ہوں اور اگرچہ میں پہلے بھی اسے پیش کرتا رہا ہوں لیکن کچھ دنوں سے ایک طاقت مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں واضح طور پر یہ بات پیش کر دوں"۔ [۲۲۷]

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کی شادی

جیسا کہ اوپر اشارۃً ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲؍ جولائی ۱۹۳۴ء کو اپنے فرزند اکبر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کا نکاح صاحبزادی منصورہ بیگم صاحبہ دختر نیک اختر حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کے ساتھ پڑھا۔ نکاح کے قریباً ایک ماہ بعد حضرت صاحبزادہ صاحب کی تقریب شادی عمل میں آئی۔

چنانچہ ۴/ اگست ۱۹۳۴ء کو آپ کی برات مالیر کوٹلہ گئی۔ جو حضرت ام المومنینؓ۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ۔ حضرت سیدہ ام ناصرؓ (حرم اول حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ) حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحبؓ اور صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب پر مشتمل تھی۔ اگلے روز ۵/ اگست ۱۹۳۴ء کو سیدنا حضرت امیر المومنینؓ خود بھی کار میں مالیر کوٹلہ تشریف لے گئے۔ [۲۲۸]

یہ برات اسی روز ۳ بجے بعد دوپہر لدھیانہ پہنچی جہاں احباب نے استقبال کیا اور پھولوں کے ہار پہنائے۔ پونے پانچ گاڑی مالیر کوٹلہ روانہ ہوئی۔ [۲۲۹] اور ایک روزہ قیام کے بعد ۶/ اگست کو بارہ بجے کی گاڑی میں بروز دو شنبہ واپس قادیان پہنچی۔ حضور انورؓ جو رخصتانہ کے مبارک موقع میں شمولیت کے لئے مالیر کوٹلہ تشریف لے گئے تھے اسی روز گیارہ بجے کے قریب دارالامان میں رونق افروز ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد اسٹیشن پر تشریف لے گئے جہاں بہت بڑا ہجوم برات کے پر خلوص خیر مقدم کے لئے موجود تھا مسجد مبارک سے لے کر قادیان کے اسٹیشن تک دو رویہ رنگ دار جھنڈیاں لہرا رہی تھیں کئی جگہ اعزازی دروازے نصب تھے اور مختلف مقامات پر موزوں اشعار اور دعائیہ کلمات کے قطعات آویزاں تھے۔

گاڑی کی آمد سے قبل اسٹیشن پر مردوں، عورتوں اور بچوں کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ جس پر نظر ڈالنے سے ہر طرف خوشی و مسرت کا سماں نظر آتا تھا جب گاڑی پلیٹ فارم پر پہنچی تو مجمع نے نعرہ ہائے تکبیر۔ غلام احمد کی جے۔ حضرت خلیفتہ المسیح زندہ باد۔ مرزا ناصر احمد زندہ باد۔ اھلا و سھلا و مرحبا کے نعروں سے جذبات مسرت کا اظہار کیا۔ حضرت امیر المومنین نے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو گاڑی سے اترتے ہی مبارک باد دی اور پھولوں کا ہار پہنایا۔ حضور کے گلے میں بھی پھولوں کے ہار ڈالے گئے اور مبارکبادیں عرض کی گئیں۔

اس کے بعد حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ معزز براتی اور دولہا دلہن تینوں موٹروں میں سوار ہوئے۔ موٹریں شاندار جلوس میں آہستہ آہستہ روانہ ہوئیں۔ اہل جلوس خوش الحانی کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وہ دعائیہ اشعار پڑھتے رہے جو آپ نے اپنی ذریت طیبہ سے متعلق فرمائے تھے۔ جلوس جب احمدیہ چوک تک پہنچا تو حضرت اقدس نے مسجد مبارک میں کھڑے ہو کر دعا کی جس میں تمام مجمع شریک ہوا۔ [۲۳۰]

۸/ اگست ۱۹۳۴ء کو بعد نماز مغرب حضرت خلیفتہ المسیح کی طرف سے "دار الحمد" میں نہایت وسیع پیمانہ پر دعوت ولیمہ دی گئی جس میں قادیان میں مقیم صحابہ حضرت مسیح موعودؑ۔ کارکنان صدر

انجمن احمدیہ مختلف محلوں کے احباب ' مضافات کے احمدی دوست اور قادیان کے غیر احمدی اصحاب شامل ہوئے - بیواؤں اور یتیموں کو گھروں میں کھانا پہنچایا گیا - الفضل کی رپورٹ کے مطابق اندازاً دو ہزار افراد نے کھانا کھایا - قادیان کے ہندوؤں میں اس خوشی کی تقریب میں شیرینی تقسیم کی گئی - جو اصحاب اس دن شامل دعوت نہ ہو سکے وہ ۹ / اگست کو دوپہر کے وقت مسجد اقصیٰ میں بلائے گئے مستورات کی ضیافت کا انتظام ۱۰ / اگست کو کیا گیا - [۴۴۱]

اس بابرکت تقریب پر مقامی سکولوں اور صدر انجمن کے دفتروں میں تعطیل عام رہی اور احمدی شعراء میں سے حضرت مولوی عبید اللہ صاحب بسمل ؓ - حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل ؓ - حضرت ابو عبید اللہ حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی ؓ - حضرت مولانا صوفی غلام رسول صاحب راجیکی ؓ نیز رحمت اللہ صاحب شاکر نے فارسی ' اردو اور پنجابی زبان میں دعائیہ نظمیں کہیں اور سہرے لکھے جو الفضل میں شائع ہوئے -

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کا اپنے عقائد پر حلفیہ بیان

ایک صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ سے مطالبہ کیا کہ اپنے عقائد پر حلفیہ بیان دیں جس پر حضور نے حلفیہ اور موکد بعذاب بیان لکھا - جو الفضل ۴ / ستمبر ۱۹۳۴ء کے صفحہ ۵ پر شائع ہوا - یہ بیان مندرجہ ذیل الفاظ سے شروع ہوتا ہے -

" میں مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ ساکن قادیان ولد مرزا غلام احمد صاحب مدعی ماموریت اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اور جس کی جھوٹی قسم کھانا انسان کو روحانی اور جسمانی ہلاکت میں ڈال دیتا ہے اور ناقابل برداشت عذابوں میں مبتلا کرتا ہے کہتا ہوں کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب میرے یقین اور ایمان کے مطابق بلا شک و شبہ مسیح موعود اور مہدی مسعود تھے اور آنحضرت ﷺ سے مستفیض ہو کر مقام نبوت پر فائز ہوئے تھے اگر میں اس دعویٰ میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالیٰ کا وہ وعید جو جھوٹوں کے لئے مقرر ہے مجھ پر نازل ہو " - [۴۴۲]

پہلا باب (فصل دوازدہم)

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کا سفر ولایت

اس سال کے نہایت درجہ اہم واقعات میں سے حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کا سفر انگلستان ہے۔ جو محض خدمت دین اور خالصۃً اعلائے کلمہ اسلام کی غرض سے کیا گیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی روح پرور نصائح

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے دست مبارک سے جو قیمتی ہدایات اور روح پرور نصائح اس موقعہ پر آپ کو لکھ کر دیں۔ وہ پورے تیس [۲۲۳] صفحوں پر مشتمل تھیں اور ان میں پہلی ہدایت کے طور پر بڑی وضاحت و تصریح کے ساتھ اس سفر کے حقیقی مقصد پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ چنانچہ حضور نے ارشاد فرمایا۔

"سب علم قرآن کریم میں ہی ہے اور اس کی کنجی محبت الٰہی ہے جو خدا تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اسے قرآن کریم کا علم دیا جاتا ہے اور جو اس کے قبضہ میں اپنے آپ کو دے دیتا ہے وہ اس کے عرفان کے دودھ سے خود پرورش کرتا ہے۔ پس میں تم کو انگلستان کسی علم کے سیکھنے کے لئے نہیں بھجوا رہا کہ جو کچھ علم کہلانے کا مستحق ہے وہ قرآن کریم میں موجود ہے۔

اور جو قرآن کریم میں نہیں وہ علم نہیں جہالت ہے۔ میں مبالغہ سے کام نہیں لے رہا میں کلام کو چست فقرات سے مزین نہیں کر رہا۔ بلکہ یہ ایک حقیقت ہے یہ ایک مشاہدہ ہے اور اس کے لئے ہر قسم کی قسم اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ میرے کلام میں نقص کا احتمال تو ہو سکتا ہے لیکن مبالغہ کا نہیں۔ **واللہ علی ما اقول شہید**۔

میں تم کو انگلستان بھجوا رہا ہوں اس غرض سے جس غرض سے رسول کریم ﷺ اپنے صحابہ کو فتح مکہ سے پہلے مکہ بھجوایا کرتے تھے میں اس لئے بھجوا رہا ہوں کہ تم مغرب کے نقطہ نگاہ کو سمجھو۔ تم اس زہر کی گہرائی کو معلوم کرو۔ جو انسان کے روحانی جسم کو ہلاک کر رہا ہے تم ان ہتھیاروں سے واقف اور آگاہ ہو جاؤ جن کو دجال اسلام کے خلاف استعمال کر رہا ہے غرض تمہارا کام یہ ہے کہ تم اسلام کی خدمت کے لئے اور دجالی فتنہ کی پامالی کے لئے سامان جمع کرو یہ مت خیال کرو کہ وہاں سے تم کچھ

حاصل کر سکتے ہو۔ وہاں کی ہر چیز آسانی سے یہاں مل سکتی ہے تم کو میں اس لئے وہاں بھجوا رہا ہوں کہ تم وہاں کے لوگوں کو کچھ سکھاؤ۔ اگر تم کوئی اچھی بات ان میں دیکھو تو وہ تم کو مرعوب نہ کرے کیونکہ اگر وہ مسلمانوں میں موجود نہیں تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ وہ اسلام میں موجود نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسے بھلا دیا ہے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ **کلمة الحکمة ضالة المؤمن اخذ ھا حیث وجد ھا۔** آپؐ کے اس قول میں (فداہ نفسی و روحی) اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کے باہر کوئی اچھی شے نہیں اگر کوئی ایسی شئی نظر آئے تو یا تو ہمارا خیال غلط ہو گا اور وہ شے اچھی نہیں بلکہ بری ہو گی یا پھر اگر وہ اچھی چیز ہو گی تو وہ ضرور قرآن کریم سے ہی لی ہوئی ہو گی اور مومن ہی کی گم گشتہ متاع ہو گی۔ جو کچھ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ میں اس کا ایک زندہ ثبوت ہوں۔ میں گواہ ہوں راستبازوں کے بادشاہ کی بات کی صداقت کا۔ پس ایسا نہ ہو کہ تم یورپ سے مرعوب ہو۔ خدا تعالیٰ نے جو ہمیں خزانہ دیا ہے وہ یورپ کے پاس نہیں اور جو ہمیں طاقت دی ہے وہ اسے حاصل نہیں۔ تم ایک اسلام کے سپاہی کی طرح جاؤ اور وہ سب کچھ اکٹھا کرو جو اسلام کی خدمت کے لئے مفید ہو اور اس سب کچھ کو لغو سمجھ کر چھوڑ دو جو اسلام کے خلاف ہے کیونکہ وہ ہرگز کوئی قیمت نہیں رکھتا۔ تم اسے زہر سمجھ کر اس کی شدت کا مطالعہ کرو لیکن اسے کھاؤ نہیں کہ زہر کھانے والا انسان اپنے آپ کو خود ہلاک کرتا ہے اور لوگوں کی ہنسی اور تمسخر کا مستحق ہوتا ہے۔ [۲۲۴]

آخر میں حضور نے اپنی ہدایات اور نصیحتوں کا خلاصہ ان الفاظ میں تحریر فرمایا۔

"پھر سب نصیحتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے بنو خدا کے...... ہم سب فانی ہیں اور وہی زندہ اور حاصل کرنے کے قابل ہے اس کا چہرہ دنیا کو دکھانے کی کوشش کرو۔ اپنی زندگی کو اسی کے لئے کر دو ہر سانس اسی کے لئے ہو وہی مقصود ہو' وہی مطلوب ہو' وہی محبوب ہو۔ جب تک اس کا نام دنیا میں روشن نہ ہو تم کو آرام نہ آئے تم چین سے نہ بیٹھو"۔ [۲۲۵]

سفر انگلستان کی غرض و غایت خود سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفتہ المسیح الثانیؓ کے الفاظ مبارک میں بیان کرنے کے بعد اب ہم اس بابرکت سفر کے واقعات کی طرف آتے ہیں۔

قادیان سے روانگی

۶/ ستمبر ۱۹۲۴ء کا دن حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا سعید احمد صاحبؒ (ابن حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب) کی روانگی کے لئے مقرر تھا۔ سہ پہر کے تین بجے کے بعد گاڑی کو قادیان کے اسٹیشن سے چلنا تھا۔ قادیان کے احباب۔ بوڑھے۔ جوان۔ بچے اور مستورات ظہر کی نماز کے بعد ہی اسٹیشن کی طرف کھنچے چلے جا رہے تھے۔ احمدی دکانداروں نے اس تقریب الوداع میں شامل ہونے کے لئے دکانیں بند کر دی

تھیں۔ اسٹیشن پر بہت بڑا اجتماع تھا جو چلچلاتی دھوپ میں کھڑا تھا۔ خاندان مسیح موعودؑ کے افراد نیز حضرت ام المومنینؓ اور حضرت اقدس خلیفتہ المسیحؓ بنفس نفیس اپنے پیارے لخت جگر اور اپنے دوسرے عزیز کو خدا حافظ کہنے کے لئے موجود تھے۔

صاحبزادگان نے جن کے سینے ہاروں سے مزین تھے اسٹیشن کے بیرونی برآمدے میں سینکڑوں افراد سے مصافحہ کیا اور بعض بعض سے معانقہ بھی۔

گاڑی روانہ ہونے سے پندرہ منٹ پہلے حضور نے دونوں صاحبزادوں کو پاس کھڑا کرکے ایک لمبی دعا فرمائی دعا میں اکثر لوگوں کی آنکھیں پرنم تھیں خود حضرت خلیفتہ المسیحؓ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں۔

دعا کے بعد حضور نے اپنے فرزند دلبند کو اپنے سینہ سے لگایا اور پہلے دائیں طرف اور پھر بائیں طرف معانقہ فرمایا۔ معانقہ کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب نے حضور کے دست مبارک کو چوما۔ اس کے بعد حضور نے صاحبزادہ مرزا سعید احمد صاحب سے معانقہ فرمایا۔ اور میرزا سعید احمد صاحب نے بھی حضور کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ گاڑی اللہ اکبر کے نعروں کے درمیان روانہ ہوئی تو بہت سے احباب فرط اشتیاق سے گاڑی کے ساتھ ساتھ دور تک دوڑتے چلے گئے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ، حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔اے، حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی، میرزا گل محمد صاحب رئیس اور دوسرے بہت سے دوست مشایعت کے لئے امرت سر تک تشریف لے گئے۔ [۲۲۶]

امرت سر سے لدھیانہ تک

امرتسر سے صاحبزادگان "فرنٹیر میل" میں عازم بمبئی ہوئے۔ لدھیانہ میں قریباً آدھی رات کے وقت گاڑی پہنچی اسٹیشن پر احباب لدھیانہ کے علاوہ مالیر کوٹلہ سے حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ (مع نواب مسعود احمد خان صاحب) بھی تشریف لائی ہوئی تھیں اور ویٹنگ روم میں موجود تھیں۔ گاڑی کے پہنچتے ہی سید محمد عبدالرحیم صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ لدھیانہ نے معانقہ کیا اور ہار پہنائے۔ اسی طرح حضرت سیدہ موصوفہ نے بھی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا سعید احمد صاحب کے گلے میں ہار ڈالے۔ [۲۲۷] اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے صحابی حضرت سید عنات علی شاہ صاحبؓ نے مجمع سمیت دعا فرمائی۔ اور سب نے نیک تمناؤں کے ساتھ اپنے محبوب امام کے جگر گوشہ اور حضرت مرزا عزیز احمد صاحب کے چشم و چراغ کو خدا حافظ کہا۔ [۲۲۸]

حضرت سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہ کی دعائیہ نظم

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کو لدھیانہ اسٹیشن پر چند اہم نصائح اور ایک دعائیہ نظم لکھ کر عنایت فرمائی اس پاکیزہ اور موثر نظم کے اشعار درج ذیل ہیں۔

جاتے ہو مری جان خدا حافظ و ناصر — اللہ نگہبان۔ خدا حافظ و ناصر
ہر گام پہ ہمراہ رہے نصرت باری — ہر لحہ و ہر آن۔ خدا حافظ و ناصر
والی بنو امصار علوم دو جہاں کے — اے "یوسف کنعان" خدا حافظ و ناصر
ہر علم سے حاصل کرو عرفان الٰہی — بڑھتا رہے ایمان۔ خدا حافظ و ناصر
پہرہ ہو فرشتوں کا قریب آنے نہ پائے — ڈرتا رہے شیطان۔ خدا حافظ و ناصر
ہر بحر کے غواص بنو لیک بہ ایں شرط — بھیگے نہیں دامان۔ خدا حافظ و ناصر
سر پاک ہو اغیار سے، دل پاک نظر پاک — اے بندہ سبحان۔ خدا حافظ و ناصر
محبوب حقیقی کی "امانت" سے خبردار — اے حافظ قرآن۔ خدا حافظ و ناصر [۲۴۹]

لدھیانہ سے بمبئی تک

فرنٹیئر میل دوسرے دن ۷/ ستمبر بروز جمعہ، صبح کے وقت دہلی پہنچی۔ جہاں علی گڑھ بریلی اور شاہ جہانپور تک کے احباب ملاقات کے لئے حاضر تھے گاڑی قریباً ایک گھنٹہ تک ٹھہری۔ روانگی سے قبل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے احباب جماعت سمیت دعا فرمائی۔ [۲۵۰] ۸/ ستمبر کی صبح کو یہ مقدس قافلہ "بیلارڈ پیئر" (بمبئی کی بندرگاہ کا ایک پلیٹ فارم) [۲۵۱] پہنچا۔ جہاں رنپورہ جہاز پہلے سے لنگر انداز تھا۔ بمبئی کی جماعت نے اخلاص و محبت کے ساتھ استقبال کیا۔ استقبال کرنے والوں میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی الکبیرؓ اور سید رسول شاہ صاحب کلیانی بھی تھے۔ صاحبزادگان نے حضرت سیٹھ اسماعیل آدم صاحبؓ کے ہاں ناشتہ کیا۔ اس وقت حضرت عرفانی الکبیرؓ بھی ساتھ تھے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب سے احمدی احباب نے سمندر پار جانا شروع کیا تھا حضرت سیٹھ صاحبؓ مہمان نوازی کے فرائض بجالا رہے تھے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جب حج اور مصر کے سفر پر تشریف لے گئے تو آپ کو شرف میزبانی عطا ہوا۔ پھر اس سفر میں حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ بھی آپ کے یہاں مہمان رہے۔ آپ کے بعد حضرت مرزا سلطان احمد صاحبؓ بھی (یعنی صاحبزادہ مرزا سعید احمد صاحب کے دادا) مہمان رہ چکے تھے اور اسی طرح باہر سے آنے جانے والے مبلغین کی خاطر و تواضع کا سلسلہ اب تک برابر جاری تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے حضرت سیٹھ صاحبؓ کو بذریعہ تار اطلاع دی تھی کہ روانگی کے وقت پھلوں کی دو ٹوکریاں صاحبزادگان کو دی جائیں۔ چنانچہ سیٹھ صاحب نے نہایت عمدہ پھلوں کی ٹوکریاں تیار کیں اور پیش کردیں۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ انہوں نے ایک رؤیا میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لائے ہیں اور حضور نے تین سو روپیہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے سیٹھ صاحب نے اپنی میز میں دیکھا تو وہاں صرف تیس روپے تھے جو آپ نے میز پر رکھ دیئے اس کے بعد آپ کی آنکھ کھل گئی عجیب بات یہ ہوئی کہ اس تقریب پر ان کے پورے تیس روپے خرچ ہوئے۔ اور آپ کو بہت خوشی ہوئی کہ خدا تعالیٰ کے حضور آپ کے تیس روپے تین سو کے برابر ہیں۔

بمبئی سے سویز تک

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب اور مرزا سعید احمد صاحب ناشتہ کر چکے تو حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحبؓ اور حضرت عرفانی کبیرؓ ان کے ہمراہ تختہ جہاز تک آگئے اور ان کو ہار پہنائے اور نہایت رقت بھری دعاؤں سے رخصت کیا۔ جب تک جہاز نظر آتا رہا۔ حضرت سیٹھ صاحب اور دوسرے احباب جماعت کھڑے رہے اور دعائیں کرتے رہے یوسف علی صاحب عرفانی نے الوداع کے وقت کئی فوٹو لئے خود حضرت صاحبزادہ صاحب نے بھی تختہ جہاز پر موجود احباب کا فوٹو لیا۔ ۲۵۲

جہاز بمبئی سے چل کر نویں روز ۱۶/ ستمبر ۱۹۳۴ء کو نو بجے سویز میں لنگر انداز ہوا جہاں مولانا ابو العطاء صاحب مبلغ فلسطین و مصر اور احمد آفندی محمودی ذہنی نے خیر مقدم کیا اور یہ چاروں حضرات موٹر میں بارہ بجے قاہرہ پہنچے اور عجائب گھر دیکھنے کے بعد ڈیڑھ بجے کے قریب دار التبلیغ میں گئے ظہر و عصر کی نماز اور کھانے سے فراغت کے بعد مصر کے آثار قدیمہ میں سے اہرامات اور ابو الہول کی تمثال دیکھنے گئے۔ السید محی الدین آفندی الحصنی نے حضرت صاحبزادہ صاحب کے اعزاز میں ایک ٹی پارٹی کا انتظام اپنے مکان پر کر رکھا تھا۔ جہاں بعض شیعہ' اہل حدیث' حنفی اور مسیحی و بہائی دوستوں کے علاوہ جماعت احمدیہ قاہرہ کے تمام احباب موجود تھے۔ اس دعوت اور حضرت صاحبزادہ صاحب کی آمد کا ذکر قاہرہ کے اخبار "المقطم" نے بھی کیا۔ سوا چار بجے کے قریب تعارف اور مختصر گفتگو کے بعد جس میں سب حاضرین نے حضرت صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں خوش آمدید کہا اور چائے پیش کی۔ پھر مجمع کا فوٹو لیا گیا یہ فوٹو اخبار "المقطم" میں بھی شائع ہوا۔ اور اس کتاب میں بھی موجود ہے۔ فوٹو لینے کے بعد مصر کے مشہور ترین عالم الشیخ محمد عبدہ کے ایک شاگرد الشیخ علی الازہری اور ایک نوجوان تاجر السید ابراہیم نامی سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے اور مولانا ابو العطاء صاحب نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی مستقل اجازت کے مطابق بیعت لی۔

مولانا ابوالعطاء صاحب نے جماعت احمدیہ قاہرہ کی طرف سے حضرت صاحبزادہ صاحب کا شکریہ ادا کیا اور آئندہ سفر کے لئے الوداع کہا پھر حضرت صاحبزادہ صاحب نے مختصر مگر پر معز تقریر فرمائی اور دعا پر یہ اجتماع ختم ہوا اور دوست اسٹیشن پر الوداع کہنے کے لئے روانہ ہوئے ٹھیک چھ بجے گاڑی روانہ ہوئی اور تمام دوست مصافحہ کے بعد پلیٹ فارم پر کھڑے دعا کرتے رہے گاڑی ساڑھے دس بجے پورٹ سعید پہنچی۔ ڈھائی بجے رات مولانا ابوالعطاء صاحب' حضرت صاحبزادہ صاحب اور مرزا سعید احمد صاحب کو جہاز پر الوداع کہہ کر واپس روانہ ہوئے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنی نہایت ہی مختصر سی فرصت میں نہایت گہرا اثر احباب کے دلوں پر چھوڑا۔ سادہ زندگی اور محبت سے بھرے ہوئے اخلاق کا ایک پاکیزہ اور مقدس نمونہ آپ میں نظر آتا تھا۔ ۲۵۲

سویز سے لنڈن تک

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے عرشہ جہاز سے ایک خط ہوائی ڈاک کے ذریعہ سے مولانا عبدالرحیم صاحب درد مبلغ لنڈن کو ارسال فرمایا کہ ہم ۲۲/ ستمبر ۱۹۳۴ء کو لنڈن پہنچیں گے اس اطلاع کے مطابق ۲۲/ ستمبر کو ڈیڑھ بجے دوپہر جہاز ساحل انگلستان پر پہنچا۔ اس وقت سمندر میں خفیف سا تلاطم تھا بادل اور ہوا کی وجہ سے کچھ سردی بھی تھی اس لئے صاحبزادگان کمرہ کے اندر ہی تشریف فرما تھے انہوں نے کنارہ پر قدم رکھا ہی تھا کہ مولانا عبدالرحیم صاحب درد۔ صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب۔ صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب اور مشہور نو مسلم انگریز بھائی مسٹر مبارک احمد صاحب فیولنگ نے خوش آمدید کہا اور معانقہ و مصافحہ کیا اور کسٹم ہاؤس سے نکل کر گاڑی میں بیٹھے۔ گاڑی لنڈن کے ریلوے اسٹیشن وکٹوریہ پر پہنچی تو بارش ہو رہی تھی۔ اسٹیشن پر چودھری محمد ظفراللہ خاں صاحب' مولوی محمد یار صاحب عارف اور کئی اور دوست موجود تھے چودھری صاحب موصوف نے حضرت اقدس کو تار دے دیا کہ صاحبزادگان خدا کے فضل سے بخیریت پہنچ گئے ہیں۔ دونوں کے گلے میں ہار ڈالے گئے اور مسٹر عبداللہ رائن کی کار میں بیٹھ کر سوا چار بجے مسجد میں پہنچ گئے۔

حضرت ام ناصرؓ (حرم اول سیدنا خلیفۃ المسیح الثانیؓ) نے کمال شفقت و نوازش سے اپنے پیارے بیٹے اور مرزا منصور احمد صاحب کے نکاح پر تقسیم ہونے والے چھوہاروں کا ایک لفافہ مولانا درد صاحب کے لئے دیا تھا۔ جو ان کو پہنچا دیا گیا چھوہارے نہ صرف مولانا درد صاحب نے خود کھائے بلکہ تمام موجود دوستوں کو کھلائے اور سب نے دعائیں دیں کہ ہزاروں میل کے فاصلہ پر دور افتادہ خدام کو بھی نکاح کی تقریب میں شامل فرمالیا۔

اسی طرح حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحبؓ نے حضرت عرفانی الکبیرؓ کی تحریک پر دو مصلے مسٹر مبارک احمد صاحب فیولنگ اور مسٹر بلال نٹل (دو نو مسلموں) کے لئے بھجوائے تھے جو انہیں دے دیئے گئے مصلے دیکھ کر ان مخلص بھائیوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

صاحبزادگان کے اعزاز میں جلسہ

اگلے دن اتوار کو ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں چودھری ظفر اللہ خان صاحب نے تقریر فرمائی کہ اب خدا کے فضل سے ولایت میں خاندان مسیح موعودؑ کے چار ممبر ہو گئے ہیں اور یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کی لنڈن مشن میں کوئی نظیر نہیں تھی۔ چودھری صاحب کی تقریر نہایت فصیح اور پر اثر تھی۔ اس تقریر کے بعد حضرت مرزا ناصر احمد صاحب اور مرزا سعید احمد صاحب نے مختصر سی تقریریں فرمائیں اور چند الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔ علاوہ ازیں صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب اور مولوی محمد یار صاحب عارف مولوی فاضل نے بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

اس تقریب پر حضرت مولانا درد صاحبؓ نے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے بچپن، حفظ قرآن، تعلیم مدرسہ احمدیہ، انگریزی تعلیم اور وقف زندگی کے حالات سنائے اور کہا۔ لاکھوں اور کروڑوں بچے دنیا میں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر ایسا بچہ جس کے متعلق خالق دو جہان نے پہلے سے اطلاع دی ہو صدیوں کے بعد دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔ انا نبشرک بغلام نافلۃ لک کی پیشگوئی میں سمجھتا ہوں (حضرت) مرزا ناصر احمد صاحب کی ذات میں ہی پوری ہوئی ہے پھر انہیں ایک ایسا امتیاز حاصل ہے جو دوسرے بچوں میں اس رنگ میں نہیں پایا جاتا۔ وہ یہ کہ ان کی تربیت براہ راست ایک ایسی ماں نے کی جو ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ زمانہ گزر جائے گا آنے والی نسلیں اسلام کی عظیم الشان فتوحات کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گی۔ مشرق و مغرب میں اسلام کا علم بلند ہو گا۔ دنیا اپنے تمام جمال و جلال کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے غلاموں کی غلام ہو گی۔ لیکن سب کے دل اس حسرت سے پر ہوں گے کہ کاش وہ اس زمانہ کو پاتے اور حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاؤں کی خاک چومتے۔ مگر انہیں یہ عزت نصیب نہ ہو سکے گی۔ حضرت مرزا ناصر صاحب کی پرورش اسی آغوش محبت میں ہوئی ہے جہاں سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ جیسا اولوالعزم خلیفہ پیدا ہوا۔ الخ۔ ۴۵۴

حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کا اہم فرمان مرکزی کارکنوں کی نسبت

اس عظیم الشان منصب و مقام کے باوجود جو اللہ تعالیٰ نے خلعت خلافت پہنا کر حضرت خلیفتہ المسیح کو عطا فرمایا تھا۔ حضور کی فروتنی، ملنساری اور کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص سے ہمیشہ کھڑے ہو کر ملاقات فرماتے اور اپنے ساتھ جگہ دیتے اور محبت اور تپاک سے بٹھاتے تھے۔ حضرت اقدس یہی روح سلسلہ کے مرکزی کارکنوں میں کام کرتی دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ حضور نے اسی مقصد کے پیش نظر ناظر صاحب اعلیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اہم فرمان جاری فرمایا۔

"آپ کو اور دیگر ناظروں اور عہدیداروں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جب کوئی شخص ملنے یا کام کے لئے آئے۔ ہر کارکن کا فرض ہے کہ وہ کھڑا ہو کر اسے ملے۔ خواہ کام والا چوہڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والا سزا کا مستوجب سمجھا جائے گا۔ نیز سب ناظروں اور نائب ناظروں کا فرض ہو گا کہ وہ جب بازاروں۔ گلیوں سے گزریں تو حتی الوسع سلام میں تقدم کریں"۔

حضور کا ارشاد بیرونی احباب کی اطلاع کے لئے الفضل (۶/ ستمبر ۱۹۳۴ء) میں بھی شائع کر دیا گیا۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا تقرر ایگزیکٹو کونسل کے ممبر کی حیثیت سے

۲۳/ جولائی ۱۹۳۴ء کو وزیر ہند کی طرف سے مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر کی حیثیت سے لئے جانے کی پیش کش ہوئی۔ مکرم چوہدری صاحب نے جواباً کہا کہ مجھے تو آپ کی پیش کش منظور ہے لیکن ممکن ہے ملک کے بعض لوگوں کی طرف سے مخالفت ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں ہمیں تو لائق اور قابل آدمی چاہئے چنانچہ آپ کی تقرری کے متعلق بعد میں اعلان ہو گیا۔

حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی تقرری اور اخبار "زمیندار"

چوہدری ظفر اللہ خان صاحب ابھی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر مقرر نہیں ہوئے تھے کہ اخبار "زمیندار" نے وائسرائے ہند کے نام مندرجہ ذیل مکتوب مفتوح شائع کیا۔

"مکتوب مفتوح بنام نائب السلطنت کشور ہند"

........جناب والا کی مجلس وزراء جس کے مشورہ پر نظم و نسق سلطنت کا دارومدار ہے۔ چھ ارکان سے مرکب ہے جن میں سے تین ہندوستانی ہیں اور تین انگریز۔ ان تین ہندوستانیوں میں ایک مسلمان

ہونا لازمی ہے یہ مسلمان وزیر اس وقت سر فضل حسین ہیں جن کے عہدہ کی معیاد عنقریب منقضی ہونے والی ہے۔ خیال ہو سکتا تھا کہ جناب والا سر فضل حسین کی جانشینی کے لئے آزمودہ کار اور سربر آوردہ مسلمانوں میں سے جن کی ہندوستان میں کمی نہیں کسی معتمد علیہ شخص کو نامزد فرمائیں گے۔ لیکن یہ گرم افواہ سن کر مسلمانوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ سر فضل حسین کے خدمت سے سبکدوش ہونے پر ان کا قلمدان وزارت چودھری ظفراللہ خاں قادیانی کے سپرد کیا جائے گا جو تمام مسلمانوں کو اپنے پختہ عقیدہ کی بناء پر دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اور اس لئے ہندوستان کے مسلمان ان کو ابداً اپنا نمائندہ تسلیم نہیں کر سکتے۔ [۴۵۵]

"چوہدری ظفراللہ خاں کا نام بے شک مسلمانوں کا سا ہے اور شاید اس کی آڑ لے کر جناب والا کو اور سر سیموئیل ہور وزیر ہند کو بعض اشخاص نے اپنی ذاتی اغراض کی خاطر یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ چودھری ظفراللہ خاں اسلامیان ہند کے ایک بہت بڑے لیڈر ہیں جن کی ذات پر ہر چھوٹے بڑے کو پورا پورا اعتماد ہے لیکن اگر جناب اپنی امپریل مصروفیتوں سے کچھ وقت نکال کر ہندوستانی مسلمانوں کے اساسی معتقدات اور ان کے عمیق حسیات کے مطالعہ کی زحمت گوارا فرمائیں تو جناب پر یہ حقیقت آفتاب عالمتاب کی طرح روشن ہو جائے گی کہ جو کچھ جناب کو یا وزیر ہند کو بتایا گیا ہے اس کی قطعاً کوئی اصلیت نہیں"۔

"طول و عرض ہند میں جو بے شمار احتجاجی جلسے سر فضل حسین کی جانشینی کے سلسلہ میں ہو رہے ہیں ان کا علم جناب والا کو ہر روز ہو رہا ہو گا۔ امید ہے کہ جناب والا مسلمانان ہند کی رائے عامہ سے بے نیازی نہ برتیں گے اور اگر حقیقت میں یہ تجویز جناب کے زیر غور ہے کہ سر فضل حسین کی جگہ چودھری ظفراللہ خاں قادیانی کو مقرر کیا جائے تو اس پر نظر ثانی فرمائی جائے گی اور کسی ایسے جلیل القدر مسلمان کو یہ منصب رفیع سپرد کیا جائے گا جو مسلمانان ہند کے اعتماد کا اہل ہو"۔

"آخر میں صرف یہ نکتہ جناب کے گوش گزار کرنا اور باقی رہ گیا ہے کہ یہ مکتوب کسی فرقہ مندانہ نیت سے سپرد قلم نہیں کیا گیا۔ شاید جناب والا کو یہ سمجھانے کی کوشش کی جائے کہ قادیانیت بھی اسلام ہی کا ایک فرقہ ہے اور دوسرے فرقوں کے مسلمان محض تعصب اور ہٹ دھرمی سے اس کی مخالفت پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں جس کا حکومت پر کوئی اثر نہ ہونا چاہئے۔ یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے مسلمانوں میں کئی ایسی جماعتیں موجود ہیں جو بعض مسائل میں ایک دوسرے سے شدید اختلاف رکھتی ہیں لیکن ان اختلافات کے باوجود دنیائے اسلام نے ان کو تمام وہ حقوق بخش رکھے ہیں جو ایک مسلمان کو حاصل ہونے چاہئیں۔ سر علی امام مرحوم شیعہ تھے اور ظاہر ہے کہ مسلمانان ہند کی اکثریت شیعی مسلک نہیں

رکھتی۔ لیکن مسلمانان ہند نے انہیں اپنی نمائندگی کا پورا پورا اہل سمجھا اور وہ اسی حیثیت سے مجلس وزراء کی رکنیت پر فائز ہوئے۔ ہزہائینس آغا خاں کے عقائد مسلمانان ہند کے سواد اعظم کے معتقدات سے مختلف ہیں۔ بایں ہمہ وہ سیاسیات میں اپنی سمجھ کے مطابق ان کی نمائندگی کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں اور مسلمانوں نے کبھی ان کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں قرار دیا۔ چوہدری ظفر اللہ خاں کی نمائندگی کے خلاف اگر مسلمان ہمہ گیر صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قادیانی ہیں اور قادیانیت ہرگز اسلام کا کوئی فرقہ نہیں بلکہ بالکل علیحدہ مذہب ہے جس سے سارے مسلمان بے زار ہیں"۔ ۲۵۱

اخبار "زمیندار" کی روش کے خلاف بعض مسلم اخبارات کا زبردست احتجاج

اخبار "زمیندار" کی اس افسوسناک روش پر بعض مسلم اخبارات نے زبردست احتجاج کیا اور اس پالیسی کو مفاد اسلامی کے لئے ضرر رساں اور نقصان دہ قرار دیا۔

اخبار "ستارہ سندھ" کا اداریہ

چنانچہ سندھ کے روزنامہ "ستارہ سندھ" ۲۵۲ نے اپنے ۳۱/ اگست ۱۹۳۴ء کے پرچہ میں ایک ادارتی نوٹ لکھا جس کا اردو ترجمہ یہ ہے۔ ستارہ سندھ نے لکھا۔

"اس وقت مسلمانان ہند کے لیڈروں میں چودھری ظفر اللہ خاں صاحب ایک بڑے پایہ کے لیڈر ہیں۔ گزشتہ چند سالوں میں انہوں نے مسلمان قوم کی اتنی بڑی خدمات کی ہیں کہ وہ جناب سر آغا خاں کے دوش بدوش کھڑے ہو سکتے ہیں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس اور جائنٹ کمیٹی کے موقعوں پر انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کا کیس ایسی قابلیت کے ساتھ پیش کیا کہ اس پر سارے انگلستان کے مدبر انگشت بدنداں رہ گئے۔

سیکرٹری آف سٹیٹ ہند نے چودھری صاحب ممدوح کی قابلیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کو مبارکباد دی اور کہا کہ "آپ کا مستقبل نہایت درخشندہ" نظر آتا ہے"۔

راؤنڈ ٹیبل کے مختلف اجلاسوں میں ہندوستان کی سب قوموں کے بہترین دماغ رکھنے والے لیڈر موجود تھے اور جو کچھ انہوں نے وہاں کام کیا۔ وہ آج بھی کارروائی کی کتابوں میں موجود ہے اگر کوئی صاحب بنظر غائر ان کتب کا ملاحظہ فرمائیں تو ان کو چودھری صاحب کا پلہ بھاری نظر آئے گا۔

اب عنقریب سر فضل حسین صاحب کی جگہ وائسرائے ہند کی مجلس منتظمہ کی ممبری کی ایک جگہ مسلمانوں کے لئے خالی ہوگی۔ پنجاب کے اخبار "زمیندار" کی پارٹی نے چودھری صاحب کے برخلاف

ذاتی کاوشوں کی وجہ سے سخت طوفان بے تمیزی شروع کر رکھا ہے اور بعض خانہ ساز انجمنوں کی طرف سے ریزولیوشن پاس کرا کے وائسرائے ہند کی طرف بھیجے جاتے ہیں۔ جن کے ذریعہ وائسرائے ہند سے درخواست کی جاتی ہے کہ چودھری صاحب کو ایگزیکٹو کونسل کی ممبری پر مقرر نہ کیا جائے۔ بد تمیزی اور معاملہ نافہمی کی اس لہر کو "زمیندار" پارٹی نے سندھ تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ جیسا کہ ایک تازہ اشاعت میں "زمیندار" نے لکھا ہے کہ میرپور خاص سندھ میں ایک جلسہ چودھری صاحب کے برخلاف ہوا ہے لیکن جہاں تک ہم کو معلوم ہے ایسی کوئی بھی میٹنگ میرپور خاص بلکہ سندھ کے کسی بھی حصہ میں نہیں ہوئی اور جو رپورٹ اخبار میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں میٹنگ کے متعلق کوئی بھی تفصیل نہیں دی گئی کہ وہ کس جگہ اور کس کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ کتنے اشخاص اس میں شامل ہوئے اور اس تجویز کی تحریک اور تائید کن اصحاب نے کی۔ اس کے علاوہ اگر یہ میٹنگ سندھ میں منعقد ہوتی تو لازمی طور پر پہلے اس کی کارروائی سندھ کے کسی اخبار میں چھپتی۔

بہرحال خدا کے فضل سے سندھ کے مسلمان ابھی تک اس قدر ناعاقبت اندیش نہیں ہوئے کہ وہ پنجابی بھائیوں کی ایک خاص پارٹی کی ایسی حالت میں تائید کریں۔ خصوصاً جبکہ وہ لوگ محض پارٹی بازی اور ذاتی کاوشوں کی بناء پر ایک مقتدر اور نہایت کار آمد لیڈر کی مخالفت کر رہی ہے۔

چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کے خلاف صرف ایک بات پیش کی جاتی ہے اور وہ یہ کہ وہ قادیانی جماعت کے ایک فرد ہیں لیکن مسلمانوں کی کسی خاص جماعت سے کسی شخص کا تعلق رکھنا اس کو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بننے سے روک نہیں سکتا۔ بشرطیکہ اس میں دوسری قابلیتیں اور مسلمان قوم کے لئے ہمدردی موجود ہو اگر مذہبی اعتقادات اور فرقہ بندی کی رو سے ایسی ذمہ داری کے منصب تقسیم کئے جانے لگے تو یہ مسلمانوں کی انتہائی بدقسمتی ہوگی کیونکہ مسلمان قوم کے ۷۲ فرقے ہی اٹھ کھڑے ہوں گے اور ایک فرقہ تمام دوسرے فرقوں کی مخالفت کرے گا اور نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں نکلے گا کہ مسلمان آپس میں لڑتے رہیں گے اور فائدہ دوسری قومیں اٹھائیں گی۔

چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی مذہبیت کا توازن دوسرے لیڈروں کی مذہبیت سے کرنا نامناسب ہوگا کیونکہ ایسا کرنے سے کئی ایک مقتدر مسلمان لیڈروں کے متعلق بھی بعض ناگوار باتیں کرنی پڑیں گی۔ پس اس بحث کو یہاں ہی ختم کرتے ہوئے ہم سندھ کے مسلمانوں کی طرف سے ہندوستان کے وائسرائے کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ سر فضل حسین کی جگہ چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کا تقرر ہندوستان کے عام مسلمانوں کے لئے پسندیدگی کا باعث ہوگا"۔ [۲۵۸]

اخبار "قومیت" اردو کا آرٹیکل

اخبار "قومیت" لاہور نے "آنریبل میاں سر فضل حسین صاحب کی جانشینی کا مسئلہ۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب کا لغو اور بے ہودہ پروپیگنڈا" کے عنوانوں سے ۱۰/ ستمبر ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں مندرجہ ذیل نوٹ لکھا۔

"وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل سے میاں سر فضل حسین صاحب عنقریب ریٹائر ہو رہے ہیں اور سرکاری حلقوں میں یہ خبر بڑے وثوق سے بیان کی جاتی ہے کہ ان کی جگہ حکومت چودھری ظفر اللہ خاں بیرسٹرایٹ لاء کا تقرر عمل میں لانے والی ہے جو موجودہ حالت میں ان کے نزدیک ہر طرح سے قابل و موزون ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ میاں صاحب موصوف کی رائے بھی چودھری صاحب ہی کے حق میں ہے مسلمانان ہند کے سمجھدار طبقہ نے بحیثیت مجموعی حکومت کے اس ارادہ کو بنظر استحسان دیکھا ہے لیکن مولوی ظفر علی خاں ہیں کہ وہ اپنی دیرینہ ذاتی عداوت کی وجہ سے جو فرقہ احمدیہ سے ہے اس معاملہ کو بلاوجہ مذہبی عقائد کا رنگ دے کر نہایت لغو اور شرمناک پروپیگنڈا سے "زمیندار" کے کالم کے کالم سیاہ کر رہے ہیں۔ ایک طرف مولوی صاحب اپنی مخالفت کی وجہ یہ پیش کرتے ہیں کہ چونکہ چودھری ظفر اللہ خاں قادیانی عقیدہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کا تقرر مولوی صاحب کی سمجھ کے مطابق صحیح نہیں لیکن دوسری طرف مسلمانوں کے ذمہ دار لیڈروں اور ان کی سب سے بڑی جماعتوں آل انڈیا مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ نے اس تقرر کو موزوں قرار دیتے ہوئے چودھری صاحب پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے مولوی ظفر علی خان کا اپنی وجہ مخالفت میں یہ دلیل پیش کرنا کہ چودھری صاحب قادیانی ہیں اور اس لئے وہ وائسرائے کے ایگزیکٹو کونسل کے ممبر نہیں ہو سکتے۔ نہایت بے معنی اور لغو ہے اور اس سے مولوی صاحب کی ذاتی پرخاش کے سوا اور کچھ بھی مترشح نہیں ہوتا۔ تعجب ہے کہ مولوی صاحب نے دلیل مذکور پیش کرتے وقت اتنا بھی نہیں سوچا کہ ایگزیکٹو کونسلر کے فرائض منصبی میں آخر وہ کونسی شق ہے جس کے مطابق چودھری صاحب موصوف قادیانی عقائد کے پیروؤں کو فائدہ اور غیر قادیانیوں کو نقصان پہنچا سکیں گے؟ کیا ایگزیکٹو کونسلر کو مسلمانوں کے امور شرعیہ میں کسی وقت مخل ہونے کا حق حاصل ہے جو مولوی صاحب کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ چودھری صاحب زمام ایگزیکٹو کونسلری ہاتھ میں لیتے ہی سوائے قادیانی عقیدہ کے دیگر تمام عقیدوں کو سرزمین ہند سے مٹا دیں گے۔ کیا مولوی صاحب زمانہ ماسبق کی کوئی ایسی نظیر پیش کر سکتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہو کہ جس عقیدہ اور مذہب کا شخص ایگزیکٹو کونسلری پر فائز ہوا اس نے اپنے ہم عقیدہ والوں کے سوا باقی تمام کے دائرہ حیات کو تنگ کر دیا تھا اور حکومت نے اس کے ایسے فعل پر اپنی منظوری ثبت کر

دی ہو۔ کیا مولوی صاحب کوئی ایسی مثال دے سکتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہو کہ فلاں موقعہ پر جب چودھری ظفر اللہ خان مسلمانوں کی ترجمانی کے لئے سرکاری یا غیر سرکاری طور پر منتخب کئے گئے تو انہوں نے صرف اپنے ہم عقیدہ والوں ہی کی ترجمانی کی ہو؟ کیا مولوی صاحب یہ بتا سکتے ہیں کہ گزشتہ ایام میں جب چودھری صاحب عارضی طور پر ایگزیکٹو کونسلر مقرر ہوئے تو انہوں نے کوئی ایسا کام کیا جس سے غیر قادیانیوں کو نقصان پہنچا ہو؟ پس جب ان تمام باتوں کا مولوی صاحب کے پاس کوئی معقول جواب نہیں اور یقیناً نہیں ہے جو حقیقت میں مخالفت کا جواز ہو سکتی ہے تو پھر مسلمان مولوی صاحب کی مخالفت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے اور جو کسی حالت میں بھی قومی و ملی نظریہ کے مطابق مناسب نہیں بلکہ ذاتیات کی بدترین تنگ نظری کا مظاہرہ ہے۔ ۴۵۹

مزید برآں ہر مسلمان جس نے مولوی صاحب کی زندگی کا عمیق نظروں سے مطالعہ کیا ہے وہ خوب سمجھتا ہے کہ اس شخص کی متلون مزاجی اور قدم قدم پر متضاد حکمت عملی نے مسلم قوم کو بحیثیت مجموعی سخت نقصان پہنچایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمانوں کی کسی اہم ذمہ دار سیاسی نمائندہ جماعت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ قوم کے تمام ذمہ دار نمائندے ان کی رائے سے شدید اختلاف رکھتے ہیں اور انہوں نے کبھی بھی کسی معاملہ میں نہ ان کی رائے طلب کی ہے اور نہ ہی ان کے نظریہ کو قومی و ملی مفاد کے لئے بہتر قرار دیا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ چودھری ظفر اللہ خاں ایک فرقہ احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں جس طرح دوسرے مسلمان کسی نہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ مختلف اسلامی فرقوں کا ایک دوسرے سے شدید اختلاف ہے اور علماء آئے دن ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے رہتے ہیں۔ مولوی ظفر علی خاں کو معلوم ہوگا کہ ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے کہ اہلحدیثوں نے گورنمنٹ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ یا تو ہمیں علیحدہ نیابت دی جائے یا مخلوط انتخاب ہو کیونکہ وہ اپنا نمائندہ ایک غیر مسلم کو بنا سکتے ہیں لیکن حنفی مسلمان کو بدعتی اور مشرک سمجھتے ہیں۔ اسی طرح سے شیعہ حضرات کا مطالبہ بھی ایک سے زائد مرتبہ اسی قسم کا ہو چکا ہے لیکن آج تک اس فرقہ کی طرف سے جس کو مولوی ظفر علی خاں اپنی نظر میں مسلمان ہی نہیں سمجھتے کبھی ایسا مطالبہ نہیں ہوا بلکہ اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جب کبھی بھی کوئی معاملہ اسلامی مفاد عامہ کے متعلق دنیا کے سامنے آیا اس فرقہ کے مسلمانوں نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر اتحاد کا ثبوت دیا ہے۔

چودھری ظفر اللہ خان صاحب کی ذات کو ہی لے لیجئے ۱۹۲۷ء میں چودھری صاحب موصوف ڈاکٹر شفاعت احمد خان صاحب کے ساتھ لنڈن گئے اور انہوں نے خاص طور پر وزیر ہند اور دیگر برطانوی مدبرین پر ہندوستان میں مسلمانوں کی حق تلفی واضح کی۔ سائمن کمیشن، گول میز کانفرنس اور جائنٹ

پارلیمنٹری کمیٹی کے اجلاسوں میں ان کی شمولیت سے مسلمانوں کو خاص فائدہ پہنچا۔ آپ جداگانہ انتخاب کے خاص حامی ہیں۔ مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کے ہمیشہ ہمنوا رہے ہیں۔ ان کی قابلیت اور سیاسی فہم و فراست مسلمہ ہے۔ ان کا سیاسی مطمح وہی ہے جو مسلمانوں کے تمام ذمہ دار نمائندوں کا ہے۔ حال ہی میں وزیر ہند سر سیموئیل ہور نے ان کی مدبرانہ حکمت عملی اور قابلیت کا بجا طور پر اعتراف کیا ہے علاوہ ازیں گزشتہ ایام میں چوہدری صاحب موصوف عارضی طور پر ایگزیکٹو کونسلری کے فرائض بوجہ احسن سرانجام دے چکے ہیں۔ ان حالات میں اگر گورنمنٹ کی نظر میں میاں سر فضل حسین صاحب کے صحیح اور موزوں جانشین چودھری صاحب ہی ہو سکتے ہیں تو مولوی ظفر علی خاں کا بے ہودہ پروپیگنڈا کر کے مسلمانوں کی قوم کو گمراہ کرنا بدترین اخلاقی جرم ہے۔ مولوی ظفر علی خاں جو ہمیشہ جمہور کے نظریہ سے اختلاف رکھ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنانے کے عادی ہیں اگر ان کی اس دلیل پر کہ چوھدری صاحب موصوف قادیانی ہیں حکومت کسی عہدہ کی تقرری کے لئے عقیدہ کا معیار مقرر کر دے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ قابل اور موزوں اشخاص کا انتخاب نہ ہو سکے گا۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ میاں سر فضل حسین صاحب حنفی عقیدہ سے تعلق رکھتے ہیں اور جب ان کی تقرری پر مسلمانوں کی غیر حنفی جماعتوں نے اعتراض نہ کیا تھا تو اب چوہدری صاحب کی تقرری پر مولوی ظفر علی خاں کا یہ اعتراض کرنا کہ وہ قادیانی ہیں کسی حالت میں بھی جائز اور مستحسن نہیں ہو سکتا ماسوا اس کے کہ مولوی صاحب نے حسب عادت مسلمانوں میں جو آگے ہی افتراق اور تفریق کی بدولت اپنی طاقت کو زائل کر کے چہار اطراف سے تنزل و ادبار میں گھر چکے ہیں، مزید افتراق و تفریق کا فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ تباہ حالی کا اگر کوئی باعث ہوا ہے تو وہ ان کی اپنی ہی فرقہ بندی اور تفریق و تقسیم ہے۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں کیا زمانہ میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

پس مسلمانوں کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ مولوی صاحب کی فتنہ پردازی پر نفرت و حقارت کا اظہار کرتے ہوئے اور نہیں تو کم از کم اپنے سیاسی حقوق و مفاد ہی کے استحکام کی خاطر ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو جایا کریں۔ تا اغیار کی گہری سازشوں کا بخوبی مقابلہ ہو سکے"۔ [۶۶۰]

اخبار "عزیز ہند" کا اداریہ

اخبار "عزیز ہند" جھانسی کے ایڈیٹر خان صاحب محمد رفیق صاحب نے اپنے ۲۸/ ستمبر کے اخبار میں لکھا کہ۔

"پچھلے مہینہ ڈیڑھ مہینہ سے اخبارات میں اس بات پر بڑے زور شور کے ساتھ بحث ہو رہی ہے کہ سر فضل حسین کا جو کہ عنقریب ریٹائر ہو رہے ہیں جانشین کون ہے؟ باخبر حلقوں میں اس امر کا یقین

ہے کہ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء اس عہدہ پر ممتاز کئے جائیں گے مسلمانوں میں بد نصیبی سے یہ عادت ہو گئی ہے کہ کسی ہونہار آدمی کو بڑھتا ہوا دیکھ نہیں سکتے اور اپنے ہم قوم کی ترقی کو ہمیشہ روکنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ یہی قصہ اس وقت بھی درپیش ہے اور چند مسلمانوں نے یہ بانگ بے ہنگام اٹھائی ہے کہ ظفر اللہ خاں صاحب احمدی ہیں اس لئے مسلمانوں کے قائم مقام نہیں سمجھے جاسکتے۔

اس سے زیادہ لغو اور احمقانہ تحریک آج تک ہم نے نہیں سنی اس عہدے پر شیعہ' سنی پابند مذہب اور لامذہب سب ہی رہ چکے ہیں اس وقت کسی نے بھی شکایت نہیں کی۔ اب چونکہ بعض خود مطلب امیدوار اپنے فائدہ کی غرض سے کوشاں ہیں اور چند بے عقل مسلمانوں کو آمادہ کرکے ظفر اللہ خاں صاحب کے خلاف شور و غل مچانا چاہتے ہیں۔ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کی قابلیت معاملہ فہمی اور اسلامی ہمدردی روز روشن کی طرح مشہور ہے اور یہ امر کہ میاں سر فضل حسین صاحب ان کے حامی ہیں اس بات کی ضمانت ہے کہ ان سے زیادہ کوئی مسلمانوں کا ہمدرد نہیں ہو سکتا انگلستان میں ظفر اللہ خان صاحب نے جو خدمات انجام دی ہیں ان کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں مسلمانوں کو جو کچھ ملا ہے یہ سب ظفر اللہ خان' ڈاکٹر شفاعت احمد خاں اور حافظ ہدایت حسین کی بدولت ہے۔ ایسے شخص کی مخالفت انتہائی احسان فراموشی ہے اور ہر سمجھدار مسلمان جس قدر اس احسان فراموشی کی مخالفت کرے کم ہے۔

یہ یاد رہے کہ گو اس بانگ بے ہنگام سے ظفر اللہ خان صاحب کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچ سکتا لیکن غیر قوموں کو مسلمان پر ہنسی کا موقع مل جائے گا اور خود ظفر اللہ خاں کے دل میں اس کا ضرور افسوس ہو گا کہ جس قوم کی انہوں نے اس قدر جاں نثاری کے ساتھ خدمت کی اسی کے چند افراد ایسی احسان فراموشی کر رہے ہیں۔

ہم بھی نہایت ادب کے ساتھ ہز ایکسی لینسی لارڈ ولنگڈن اور سر سیموئیل ہور سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ایسی بے اصل مخالفت کی پروانہ کریں اور چودھری ظفر اللہ خان صاحب کے تقرر کا جلد اعلان فرمادیں ان سے بہتر سر فضل حسین صاحب کا کوئی جانشین نہیں ہو سکتا"۔ [۲۶۱]

اخبار "سیاست" کا ایک مضمون

خواجہ غلام السبطین صاحب بی۔ اے مینجنگ ڈائرکٹر دواخانہ دہلی نے اخبار "سیاست" ۲/ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں لکھا۔

چودھری ظفر اللہ خان صاحب کی سیاسی زندگی پر نظر ڈالی جاتی ہے تو کوئی بات ایسی نظر نہیں آتی کہ انہوں نے جمہور مسلمانان ہندوستان کی مسلمہ پالیسی کے خلاف کوئی بات کی ہو یا انہوں نے مسلمانوں

کے سیاسی مفاد کو نقصان پہنچایا۔ حکومت اپنے مصالح یا سرکاری عہدوں کی تقسیم مسلمان فرقوں کی آپس کی مذہبی رقابت یا عداوت کے ماتحت نہیں کر سکتی جبکہ ان سب فرقوں کا مطمح نظر ایک ہو اور کسی سیاسی معاملہ میں ان کا آپس میں تصادم نہ ہو تا ہو مجھ کو چودھری ظفر اللہ خاں صاحب سے کوئی خاص ہمدردی نہیں ہے نہ ان کے مذہبی عقائد سے مجھ کو اتفاق ہے کیونکہ وہ ایک مرزائی ہیں اور میں شیعہ ہوں۔ مذہبی عقائد کے لحاظ سے مجھ میں اور ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے لیکن میں اصولاً اس رائے سے اختلاف رکھتا ہوں کہ کسی شخص کے تقرر کے خلاف محض اس بناء پر احتجاج کیا جائے کہ وہ ہمارے فرقہ سے نہیں۔ حالانکہ سیاسی لحاظ سے وہ ہمارا ہمنوا ہے اور ایک سے زیادہ موقعوں پر وہ مسلمانوں کے حقوق کی ترجمانی کر چکا ہے اس قسم کی مخالفتوں کا اس کے سوا کوئی نتیجہ نہیں ہے کہ ہم اپنی کمزوری دوسروں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں اور ان کو اپنے اوپر شیر کرتے ہیں"۔ [۲۶۲]

اخبار "سیاست" کا اہم اداریہ

مولانا سید حبیب صاحب ایڈیٹر اخبار "سیاست" نے ۱۹/ اکتوبر ۱۹۳۴ء کے پرچہ میں لکھا۔

میں اور میرے ہم خیال جو کچھ کہتے ہیں وہ نہایت سادی بات ہے ہم کہتے ہیں کہ گول میز کانفرنس میں آغا خان کی طرح کے جو لوگ اسلام کے لئے مفید ثابت ہوئے وہ صحیح العقیدہ نہیں ہیں لیکن اختلاف عقیدہ کے باعث ان کی خدمات سے منہ موڑ لینا اور ان کی جگہ لینے کے لئے کوئی قابل آدمی پیش نہ کرنا ملت کے مفاد کو کند چھری سے ذبح کرنے کے مصداق ہے اسمبلی اور کونسلوں میں جو مسلمان بزرگوار ملت کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ ان کو اگر عقائد کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو ان میں سے ایک فیصدی بھی ایسے نہ نکلیں گے جو اس لحاظ سے قابل قبول ہوں۔ نیز اس اصول کو قبول کر لینے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جس مسلمان کو بھی ایسا اثر و رسوخ حاصل ہو گا جو ملت کے لئے مفید ہو سکے وہ لازماً عقیدۃً کسی ایک گروہ ملت سے متعلق ہو گا۔ لہٰذا ۷۲ آراء اس کے خلاف بلند ہوں گی اور یوں مسلمانوں میں سے کسی لیڈر کے بارسوخ و مفید ہونے کا تمام امکان مٹ جائے گا اور مسلمانوں میں عقیدوں کی جو جنگ موجود ہے وہ مساجد کو برباد کرنے کے بعد اب سیاسیات کے میدان کو بھی آلودہ کر کے خراب کر دے گی۔ پس عقیدہ کی بناء پر ظفر اللہ خاں یا کسی دوسرے مسلمان کی مخالفت کرنا پرلے درجہ کی نادانی ہے۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ ظفر اللہ خاں کسی عہدہ کے امیدوار نہیں ہیں ہاں ان کو اگر کوئی منصب ملا اور انہوں نے سمجھا کہ وہ اس منصب کو قبول کر کے مسلمانوں کی خدمت کر سکیں گے تو وہ اس کو قبول کر لیں گے۔ ان حالات میں ایسے صاحب ایثار کی مخالفت کرنا پرلے درجہ کی اندوہناک جسارت ہے جو مفاد ملت کے لئے بے حد مضر ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ چودھری ظفر اللہ خاں اس قابل نہیں کہ وہ سر فضل حسین کے جانشین ہوں یا ان کو تجربہ کافی نہیں ہے یا دوسرے امیدواروں سے افضل نہیں۔ تو یہ طریق مخالفت جائز ہو گا لیکن عقیدہ کی بناء پر ان کی مخالفت کرنا پرلے درجہ کی غلطی ہے جس کا ارتکاب چودھری صاحب سے کہیں زیادہ ملت کے لئے خوفناک ثابت ہو گا۔

چودھری صاحب بارہا مسلمانوں کی طرف سے پنجاب کونسل میں نمائندہ بن کر آئے۔ ایک دفعہ ان کو یہ اعزاز بلامقابلہ نصیب ہوا۔ کونسل کے اندر مسلمانوں کے عام مفاد کی نمائندگی کرتے رہے سائمن کمیشن میں انہوں نے مسلم نمائندہ کی حیثیت سے کام کیا۔ یہ سر فضل حسین کی جگہ پر عارضی طور پر مقرر ہوئے اور گول میز کانفرنس میں مسلم نمائندہ کی حیثیت سے لئے گئے۔ ان تمام مواقع پر کوئی آواز ان کے خلاف بلند نہیں ہوئی لہٰذا اب ان کے خلاف اس آواز کا بلند ہونا صاف بتا رہا ہے کہ ع۔ کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں۔ لیکن معاملہ کے اس پہلو کے متعلق فی الحال زیادہ عرض کرنا مناسب نہیں..... چودھری صاحب نے جہاں جہاں بھی مسلمانوں کی خدمت کی وہاں ہمیشہ مفاد ملت کا خیال رکھا کسی موقعہ پر ان کے کسی بدترین دشمن کو بھی یہ کہنے کی جرات نہیں ہوئی کہ انہوں نے قادیانیت کو مفاد اسلام پر ترجیح دی۔ انہوں نے لنڈن میں اپنا اور مسلمانوں کا نام روشن کیا۔ سر آغا خاں اور دوسرے مسلمان ان کی قابلیت' محنت' جانفشانی اور مفاد اسلام کے لئے ان کی عرق ریزی کے مداح رہے لہٰذا عقیدہ کی بناء پر اس وقت ان کی مخالفت کرنا پرلے درجے کی احسان ناشناسی ہے جو اسلام کو کبھی گوارا نہیں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ چودھری صاحب کا اصول یہ ہے کہ وہ کسی منصب یا عہدہ کے لئے حکومت کے سامنے دست سوال دراز نہ کریں گے اس لئے کسی شخص کو یہ جرات نہیں ہو سکی کہ وہ ان کو کسی منصب کا امیدوار سمجھ کر ان کی تائید کرے۔ لیکن میں بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ گزشتہ خدمات' قابلیت' محنت' مفاد اسلام کے لئے عرقریزی اور مسلم مطالبات کی دیانتدارانہ تائید کے لحاظ سے چودھری صاحب بفضلہ تعالیٰ سر میاں فضل حسین صاحب کے جانشین ہونے کے اہل ہیں اور اگرچہ ۸ کروڑ مسلمانان ہند میں اور لوگ بھی اس اہلیت کے مالک ہیں تاہم اگر حکومت نے انتخاب کا قرعہ فال چودھری صاحب کے نام پر نکالا تو ۸ کروڑ مسلمانان ہند کی ۹ء۹۹ فیصدی تعداد کو مسرت ہو گی"۔ [۲۶۲]

رسالہ "شاہکار" کا شذرہ

مندرجہ بالا بیانات چودھری صاحب کے تقرر سے پہلے کے ہیں اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ سرکاری اعلان کے بعد مسلمانوں کے سنجیدہ باوقار اور محب قوم طبقہ نے کس رائے کا اظہار کیا۔ اس ضمن میں بطور مثال پروفیسر احسان اللہ خاں صاحب تاجور نجیب آبادی کا ایک بیان ملاحظہ ہو جو انہوں نے اپنے مشہور رسالہ "شاہکار" اپریل

۱۹۳۵ء میں شائع کیا تھا۔

علامہ تاجور نے لکھا۔

"احمدی ہے یا غیر احمدی! مسلمان ہے یا کافر مجھے اس سے بحث نہیں کیونکہ میں مفتی مذہب کی حیثیت نہیں رکھتا۔ البتہ بحیثیت ایک انسان کے میں نے ظفر اللہ خاں کو ایک قابل قدر انسان پایا ہے کم و بیش اٹھارہ سال سے میں اسے جاننے کی طرح جانتا ہوں۔ مجھے ایماندارانہ اعتراف ہے کہ میں نے ظفر اللہ خاں میں انسانیت کی بہت سی خوبیاں دیکھی ہیں۔ میرے مذہبی خیالات احمدی عقائد سے بہت مختلف ہیں میں احمدی نہیں ہوں۔ دیوبند کی جامعہ اسلامیہ میرا گہوارا تربیت ہے دیوبند اور قادیان میں جس قدر بعد مسافت حائل ہے اس سے زیادہ ان مقامات کی مذہبی جماعتوں میں اختلاف عقائد ہے لیکن کسی سے عقیدہ کا اختلاف رکھنے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس کی ذاتی خوبیوں کا بھی انکار کر دیا جائے میں ایک غیر احمدی ہونے کے باوجود چودھری ظفر اللہ خاں کی ممتاز صفات سے انکار نہیں کر سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس نے احمدی ہونے کا بہت نقصان اٹھایا ہے ورنہ ظفر اللہ خاں ایسی گراں مایہ شخصیت کا مالک ہے جس پر کوئی قوم کوئی ملک اور کسی ملک کی آئندہ نسلیں فخر کر سکتی ہیں سیموئیل ہور کا یہ کہہ دینا معمولی سی بات نہیں کہ "آج تک انگلستان میں جتنے بھی ہندوستانی آئے ہیں ظفر اللہ خان اپنی قابلیت میں ان سب سے ممتاز ہے"۔

گول میز کانفرنس کی کارکن کمیٹیوں میں ظفر اللہ خاں کی قانونی قابلیت نکتہ دانی اور آئین سازی کے جوہر دیکھ کر رائٹ آنریبل سری نواس شاستری جیسے جوہر شناس کا یہ کہنا بے انتہا اہمیت رکھتا ہے کہ "اگر آپ برا نہ مانیں تو عرض کروں کہ آپ کے کمال قابلیت کو دیکھ کر میرے دل میں آپ کی محبت پیدا ہو گئی ہے"۔

مولانا ابوالکلام صاحب کے استفسار پر مسز سروجنی نیڈو کا یہ ارشاد بھی کچھ معنی رکھتا ہے کہ "گول میز کانفرنس میں ہندوستان کے کیس کو سب سے بہتر طریقے پر چوہدری ظفر اللہ خاں نے پیش کیا اور ان کے بعد سوامی مدلیار نے"۔

عجیب واقعہ ہے کہ غیر مسلم طبقوں میں چودھری ظفر اللہ خاں متعصب سمجھے جاتے ہیں لیکن جو لوگ ان کے خیالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ظفر اللہ خاں اور تعصب ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے البتہ وہ مسلمانوں کے حقوق کو غصب ہوتا نہیں دیکھ سکتے اور بالکل اسی طرح دوسروں کے حقوق کا فراخدلانہ اعتراف اور ان میں عدم مداخلت کو بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ ظفر اللہ خاں کے منہ سے میں نے کبھی غیر معقول بات نہیں سنی وہ نہایت ذہین، فطین اور متین ہونے کے ساتھ ہی اعلیٰ درجہ کی

معقولیت پسند بھی ہیں مجھے ان کی کوئی خوشامد نہیں لیکن ان کی انسانیت اور خدا پرستی کا میں دل سے معترف ہوں"۔ [۲۶۴]

اخبار "ڈیلی گزٹ" کراچی کا مضمون

اخبار "ڈیلی گزٹ" کراچی (۴/ مئی ۱۹۳۵ء) نے لکھا۔ "آنریبل چودھری ظفراللہ خاں صاحب کے چارج لینے سے پہلے اور بعد مسلمانوں کے سرکاری اور غیر سرکاری حلقوں میں اس خطرناک مخالفت کے اثرات زیر بحث ہیں جو پنجاب کے بعض غیر ذمہ دار مسلمانوں کی طرف سے آپ کے تقرر کے خلاف کی جارہی ہے اور ان کی طرف سے اب یہ تجویز ہے کہ احرار اور ان کی قسم کے دوسرے مسلمانوں کو مسلم سرکردہ لیڈر یہ امر اچھی طرح ذہن نشین کرا دیں کہ جناب چوہدری صاحب مسلمانوں کے اسی قسم کے صحیح نمائندے ہیں جس طرح کوئی اور مسلم لیڈر ہو سکتا ہے نیز یہ کہ وہ ان لوگوں کو ان بد نتائج سے متنبہ کریں جو انہیں اس مسلم ممبر کی مخالفت کے سلسلہ کو جاری رکھنے سے بحیثیت قوم برداشت کرنے پڑیں گے۔

ایسے سرکاری اور غیر سرکاری مسلم لیڈر اس امر کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتے کہ جناب چوہدری صاحب کی محض اس وجہ سے مخالفت کی جائے کہ وہ نہ سنی ہیں اور نہ ہی شیعہ اور کہ وہ ایک ایسے فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں جس کی تعداد نسبتاً بہت کم ہے اور یہ کہ چونکہ مسلمانوں کا کثیر حصہ احمدی نہیں اس لئے وہ مسلمانوں کے نمائندے تصور نہیں کئے جا سکتے۔ حالانکہ سرکردہ لیڈروں کے نزدیک چودھری صاحب ویسے ہی مسلمان ہیں جس طرح کوئی دوسرا مسلمان ہو سکتا ہے۔ گویا یہ لوگ چودھری صاحب کے خلاف ایسے کمینہ حملوں کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور وہ احرار اور دیگر مخالفین کی توجہ ان عظیم الشان خدمات کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں جو چودھری صاحب موصوف گول میز کانفرنس میں مسلم قوم کی خاطر بجا لائے اور انہوں نے ہزہائی نس سر آغا خان جیسی جلیل القدر شخصیت سے خراج تحسین حاصل کیا۔

جناب چوہدری صاحب کے حامیوں [۲۶۵] کے لئے جو بات سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب تک چوہدری صاحب پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے ممبر رہ کر ایک اہم مسلم حصہ کی نمائندگی کرتے رہے اس وقت تک ان لوگوں میں سے جو آج کل ان کے خلاف شورش برپا کر رہے ہیں کسی ایک نے بھی آپ پر کبھی کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا اور یہ لوگ انہیں اپنے صوبہ میں باقاعدہ مسلم نمائندہ قرار دیتے رہے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ چند مہینوں میں پنجاب کے اردو اخبارات میں احرار نے اس بناء پر

مخالفت شروع کر رکھی ہے کہ چودھری صاحب اپنے ماتحت محکموں میں ملازم بھرتی کرتے ہوئے ایسے مسلمانوں کو ترجیح دیا کریں گے جو جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتے ہوں شملہ کے مسلمان افسر احرار کی ایسی ناپسندیدہ حرکات کو نہایت بری نظر سے دیکھتے ہیں اور وہ اس امر کو باور نہیں کر سکتے کہ چودھری صاحب جنہوں نے کبھی احمدیوں اور غیر احمدیوں میں تفریق نہیں کی اب ایسے فعل کے مرتکب ہوں۔

جہاں چودھری ظفر اللہ خاں صاحب اس تمام مخالفت کو جو پنجاب میں ان کے خلاف تحریراً یا تقریراً کی جارہی ہے اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں وہاں مسلمانوں کا ایک بہت بڑا تعلیم یافتہ طبقہ اس امر کو محسوس کر رہا ہے کہ احرار اور ان کے ہمنواؤں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرادی جائے کہ باوجود ان کی اندھا دھند مخالفت کے چودھری صاحب موصوف پر اکثریت کا اعتماد ہے اور وہ انہیں وائسرائے کی کونسل میں مسلمانوں کا حقیقی نمائندہ سمجھتے ہیں"۔ [۲۶۶]

اردو کے بعض مایہ ناز ادیبوں اور صحافیوں کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے خصوصی تعلق

مسلمان ایک فاتح کی حیثیت سے اس برصغیر میں فارسی زبان ساتھ لائے تھے پھر یہاں کے رہنے سہنے اور اختلاط و ارتباط سے خود بخود اردو زبان بن گئی جس کی تعمیر و ارتقاء میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا برابر کا حصہ تھا۔ مگر افسوس ہندو مسلم اتحاد کی اس بہترین یادگار کے بارے میں کانگریسی لیڈر گاندھی جی نے کہا۔

"اردو مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے قرآنی حروف میں لکھی جاتی ہے مسلمان بادشاہوں نے اسے اپنے زمانہ حکومت میں بنایا اور پھیلایا تھا"۔ [۲۶۷]

یہ نظریہ تنہا گاندھی جی کا نہیں تھا بلکہ کانگریس کے اکثر متعصب لیڈر در پردہ اسی کے حامی تھے یہی وجہ ہے کہ جب بعد کو کانگریسی وزارتوں کا قیام عمل میں آیا تو کانگریس نے باقاعدہ ایک مستقل محاذ اردو کے خلاف قائم کر لیا اور گاندھی جی کی اختراع کی ہوئی "ہندوستانی" زبان کو فروغ دینے کے لئے زبردست مہم چلائی گئی۔ اور اس کے لئے سرکاری سطح پر بھی کوششیں کی گئیں۔

غرض ملک میں یہ ایک لسانی کشمکش تھی جو سیاسی حقوق کی جنگ کے متوازی جاری تھی اور ہندو عناصر اس کوشش میں مصروف تھے کہ مسلمانوں کو ایک ایسی زبان سے محروم کر دیں جو ملکی تہذیب و تمدن کی آئینہ دار ہونے کے علاوہ ان کی مذہبی اور اخلاقی روایات کی بھی امین اور محافظ ہے۔

جیسا کہ "تاریخ احمدیت" کے گزشتہ واقعات سے واضح ہے اس معاملہ میں جماعت احمدیہ کی ہمدردی شروع ہی سے اردو کے ساتھ تھی کیونکہ اس کا مذہبی لٹریچر زیادہ تر اسی زبان میں تھا اور خود

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس نظریہ کا اظہار فرمایا تھا کہ اردو زبان اس زمانہ میں تکمیل اشاعت اسلام کا بہترین ذریعہ ثابت ہونے والی ہے چنانچہ حضورؑ نے اپنی کتاب "تحفہ گولڑویہ" میں تحریر فرمایا۔

"حسب منطوق آیت قل یا یھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ آنحضرت ﷺ کے دوسرے بعث کی ضرورت ہوئی اور ان تمام خادموں نے جو ریل اور تار اور اگن بوٹ اور مطابع اور احسن انتظام ڈاک اور باہمی زبانوں کا علم اور خاص کر ملک ہند میں اردو نے جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک زبان مشترک ہو گئی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بزبان حال درخواست کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم تمام خدام حاضر ہیں اور فرض اشاعت پورا کرنے کے لئے بدل و جان سرگرم ہیں۔ آپ تشریف لائیے اور اس اپنے فرض کو پورا کیجئے کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ میں تمام کافہ ناس کے لئے آیا ہوں اور اب یہ وہ وقت ہے کہ آپ ان تمام قوموں کو جو زمین پر رہتی ہیں قرآنی تبلیغ کر سکتے ہیں اور اشاعت کو کمال تک پہنچا سکتے ہیں اور اتمام حجت کے لئے تمام لوگوں میں دلائل حقانیت پھیلا سکتے ہیں"۔ [۲۱۸]

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو یقین کامل تھا کہ "چونکہ اس زمانہ کے مامور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر عربی کے بعد اردو میں الہام زیادہ کثرت سے ہوا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس آیت (وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ الخ ہود ناقل) کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ آئندہ زبان ہندوستان کی اردو ہو گی اور دوسری کوئی زبان اس کے مقابل پر نہیں ٹھہر سکے گی"۔ [۲۱۹]

اردو زبان سے اس والہانہ تعلق اور گہرے ربط ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو اردو کی خدمت کرنے والوں سے بہت محبت تھی۔ دوسری جانب ملک کے ادبی حلقوں میں بھی آپ خاص وقعت و عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور بلند پایہ اردو ادیب اور صحافی آپ سے مراسلت کرنا اور ملاقات کرنا اپنے لئے موجب فخر سمجھتے تھے چنانچہ مولانا شوکت علی' مولانا محمد علی جوہر' شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی' مولانا سید حبیب مدیر "سیاست"' مولانا غلام رسول صاحب مہر' مولانا عبدالمجید سالک مدیر انقلاب' سید عبدالقادر صاحب ایم۔اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور' علامہ احسان اللہ خاں تاجور' سید عبدالقدوس صاحب ہاشمی ندوی ایم۔اے مدیر رسالہ "ندیم" گیا' علامہ منشی عاشق حسین'..... سیماب اکبر آبادی' جناب منشی محمد عمر شوکت تھانوی' مرزا فرحت اللہ بیگ' منشی محمد الدین فوق مورخ کشمیر' انیس احمد عباسی ایڈیٹر "حقیقت" لکھنؤ' حکیم محمد یوسف حسن ایڈیٹر "نیرنگ خیال" لاہور' مولانا صلاح الدین احمد صاحب (مدیر ادبی دنیا) وقار انبالوی' خان بہادر میرزا عبدالرحمٰن چغتائی' سید ابو ظفر نازش رضوی سے آپ کے مراسم بھی تھے اور خط و کتابت بھی۔ اور ان

میں سے اکثر اصحاب کو قادیان میں آنے اور آپ سے شرف ملاقات حاصل کرنے کا فخر بھی حاصل تھا۔ ذیل میں بطور نمونہ ہم اردو کے بعض نامور ادیبوں کے چند خطوط درج کرتے ہیں جو انہوں نے حضور کی خدمت میں لکھے جن سے یہ اندازہ کرنے میں آسانی ہو گی کہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی اردو نوازی کی بدولت قادیان کی بستی ادیبوں کی توجہ کا بھی مرکز بنتی جا رہی تھی۔

مولانا شوکت علی کا مکتوب مورخہ ۱۶/ جولائی ۱۹۳۰ء

شملہ ۱۹۳۰ء/ ۷/ ۱۶

مخدومی و مکرمی جناب حضرت صاحب! السلام علیکم

اس شب کو مکان پر پہنچ کر جناب کا خط اور اس میں -/۲۵۰ کے نوٹ ملے۔ مجھ پر اس کا بے انتہا اثر ہوا۔ خاص کر اس وجہ سے کہ اعتراض کرنے والے تو بہت ہوتے ہیں اور ہمت بڑھانے والے کم۔ میں اس رقم کو نہایت درجہ شکریہ کے ساتھ قبول کرتا ہوں اور ہمارے سب شرکاء کار بھی ضرور مشکور ہوں گے اور خوش بھی۔ جمعیت خلافت میرے سفر کے مصارف کی کفیل ہے اس کو اس امداد سے سہولت ہو گی۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ آپ کا نیاز مند

شوکت علی خادم کعبہ۔

سید عبد القدوس ہاشمی ندوی ایم اے کا مکتوب

دفتر رسالہ "ندیم" گیا

مورخہ ۹ ماہ اپریل ۱۹۳۱ء

محترم و معظم ادام اللہ سرورکم سلام و رحمت

میں جناب سے پہلی بار شرف مخاطبت حاصل کرتا ہوں۔ امید کہ جناب والا شرف باریابی سے مشرف فرمائیں گے۔ میں نے جناب کی اسکیم رسالہ "ادبی دنیا" کے مارچ نمبر میں دیکھی۔ اردو [۲۷۰] رسالہ کیونکر زبان کی خدمت کر سکتے ہیں؟ اس سکیم کو میں نے کئی بار پڑھا مجھے یہ تحریک بہت پسند آئی۔

جناب والا کو غالباً معلوم ہو گا کہ بہار سے اس وقت اردو کا کوئی رسالہ نہیں جاری ہے۔ گیا میں چند باذوق اور دولت مند تاجروں [۲۷۱] نے ایک لمیٹڈ سرمایہ سے ادبی رسالہ جاری کرنے والے ہیں۔ رسالہ کا نام "ندیم" ہو گا۔ ۷۲ صفحہ پر ہر ماہ نکلا کرے گا۔ مئی ۱۹۳۱ء میں اس کا پہلا پرچہ حاضر خدمت ہو گا۔

مجھے اس رسالہ کی ادارت کے لئے بلایا گیا۔ میں جناب والا کی اسکیم کو بروئے کار لانا چاہتا ہوں اور میں انشاء اللہ ابتدائی دقتیں برداشت کرلوں گا۔ میں حضور کا بہت شکر گزار اگر اس بارے میں مجھے اور گرانقدر مشورہ اور طریق کار کی فہمائش سے سرفراز فرمایا جائے۔ میں عریضہ کے جواب کا انتظار کروں گا۔ والسلام

عریضہ ادب۔ سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی (ایم۔اے)

مدیر رسالہ "ندیم" گیا۔

علامہ احسان اللہ خاں تاجور کا مکتوب مورخہ ۹/ اکتوبر ۱۹۳۴ء

حامداً ومصلیاً

محترمی قبلہ جناب میاں صاحب دام بالمجد والعلی۔

سلام مسنون! اپنی گراں مایہ مصروفیتوں میں دراندازہونے کی اجازت مرحمت فرمایئے۔ گزارش یہ ہے کہ ادبی دنیا تو لاہور کی سازشی فضا کے سرصدقے ہوگیا۔ خیال تھا کہ اب اردو مجھ پر رحم کرے گی مگر حالات کے استبداد نے ایک جدید علمی رسالے کی اشاعت پر مجبور کیا ہے اس رسالے کا پہلا نمبر زیر ترتیب ہے "علمی دنیا" اس کا نام ہوگا میں چاہتا ہوں کہ جناب کوئی مضمون اس نمبر کے لئے عنایت فرما دیں تو تبرکاً شائع کردوں۔ میں نے اس رسالے میں ایک مستقل سرخی بزم تحقیق کی رکھی ہے اس عنوان کے تحت اردو زبان وادب کے متعلق بحث طلب مسائل پر اہل الرائے سے استصواب رائے کیا جائے گا۔ پہلا سوال جو پہلے نمبر میں زیر بحث آئے گا یہ ہے۔

سوال جدید تہذیب کے ساتھ جو نئے الفاظ و محاورات غیر ملکی و ملکی زبانوں کے معاشرت میں استعمال ہو رہے ہیں اردو عبارات میں ان کے استعمال کا معیار کیا ہے؟ اور جدید الفاظ کی تذکیر و تانیث کن اصول پر ہونی چاہئے؟ اس سوال پر روشنی ڈالنے کی زحمت گوارا فرمائیں تو بحث میں وقعت پیدا ہو جائے گی۔ جناب ہی کی تحریک وہدایت پر یہ سرخی قائم کی گئی ہے۔

خدا کرے جناب کی صحت و فرصت میری گزارش کی پذیرائی میں حائل نہ ہو جائے۔ حد ادب

والسلام

تاجور۔ دفتر اخبار "پریم" محلہ مزنگ لاہور

سید نا نے اپنے قلم سے اس خط پر اپنے دفتر کو ہدایت فرمائی کہ

"محفوظ۔ لکھیں اللہ تعالیٰ کامیاب کرے۔ میں ضرور مضمون لکھ دوں گا۔ بشرطیکہ پچیس اکتوبر کے بعد چاہئے ہو کیونکہ اس وقت مجھے بالکل فرصت ہوگی۔ اطلاع ملنے پر لکھنا شروع کردوں گا انشاء اللہ"

علامہ منشی عاشق حسین صاحب سیماب اکبر آبادی کا مکتوب۔ مورخہ ۸/ مئی ۱۹۳۵ء

حضور محترم! السلام علیکم

یہ تو آپ کو یاد ہو گا کہ میں ایک سال سے اذن حاضری طلب کر رہا ہوں۔ اور یہ مجھے یاد ہے کہ میری تمنا ہر مرتبہ ٹھکرادی گئی ہے جس کا کچھ نہ کچھ سبب ضرور تھا۔ پیمانہ 'تاج اور شاعر کے ذریعے میں آپ سے متعارف ہو چکا ہوں اور اب اتنا بیگانہ نہیں رہا ہوں کہ آپ میری شخصیت نہ سمجھ سکیں بار بار اجازت حاضری طلب کرنے کا مدعا بجز اس کے کچھ نہیں کہ ادبی پیرائے میں آپ کی کوئی خدمت کر سکوں اور آپ سے استعانت کر کے آگرہ کے ادبی سکول کی بقاء و احیاء کا انتظام کروں۔ آج ایک عرصہ کے بعد یہ عریضہ پھر ارسال خدمت کر رہا ہوں اس امید کے ساتھ کہ حضور والا آخر مئی تک کوئی تاریخ میری حاضری کے لئے مقرر فرما کر مجھے اطلاع دیں گے میں اس عنایت کے لئے آپ کا ہمیشہ ممنون و شاکر رہوں گا۔

طالب جواب عقید تمند

سیماب اکبر آبادی

حضور نے اس خط پر یہ نوٹ دیا۔ "لکھیں ہر دفعہ ہی ایسا اتفاق ہوا کہ میں یا بیمار تھا یا باہر۔ اب بھی ایسا ہوا۔ ڈلہوزی سے آکر سات ماہ قادیان رہا اس عرصہ میں آپ کا خط نہیں آیا۔ اب میں اس خط کو محفوظ رکھوں گا اور قادیان میں قیام کے وقت کی فوراً آپ کو اطلاع کر دوں گا تاکہ آپ تشریف لا سکیں۔ گو ادبی ادارہ میں میں سمجھ نہیں سکا کہ کس طرح مفید ہو سکتا ہوں۔ مگر بہرحال آپ کی ملاقات سے مجھے خوشی ہوگی"۔

مولانا سید حبیب صاحب مدیر "سیاست" کے مکتوبات

(۱) مخدومی الاکرم سلام علیکم مبتسم

آپ کو مبارک ہو میں آج آزاد کر دیا گیا ہوں البتہ مزید کام کرنے کی صورت میں تنبیہہ بھی کر دی گئی ہے آپ کے احسانات کے بار گراں سے سبکدوش ہونا خارج از امکان ہے تشکر سے میرا دل لبریز ہے دعائیں کرتا ہوں چاہتا ہوں کہ آپ سے جلد ملوں۔ فرمائیں کیا حکم ہے۔

والسلام

آپ کا حبیب

(محررہ ۲۱/ ستمبر ۱۹۳۵ء)

۲- مخدوم محترم سلام علیکم طبتم - بعض احباب کی رائے ہے کہ سیاست کے منسلکہ مقالات کے نشان زدہ حصص کا ترجمہ اگر ڈیلی ہیرلڈ جیسے صحائف برطانیہ میں شائع ہو تو خوب ہو مجھے آپ کے سوا اور کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا۔ اگر ممکن اور مناسب ہو تو یہ کام کر دیں - ورنہ کاغذات ملفوفہ واپس کر دیں - والسلام

آپ کا حبیب

(محررہ ۱۵/ مئی ۱۹۳۶ء)

۳- محسن بندہ - السلام علیکم - میں جناب والا کی قدم بوسی کا متمنی ہوں - اطلاع دے کر مرہون منت فرمائیں کہ آں محترم مجھے کس روز کہاں مل سکیں گے احسان ہو گا - والسلام آپ کا حبیب - (محررہ ۲۴/ دسمبر ۱۹۳۷ء)

منشی محمد عمر شوکت تھانوی کا مکتوب مورخہ (۱۱/ اگست ۱۹۳۷ء)

"حضرت سیدی مولائی! السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ - آج برادر محترم مولوی محمد عثمان صاحب احمدی کے توسل سے مبلغ یکصد روپیہ جو آنحضور کا عطیہ ہے وصول پایا - اس شفقت بزرگانہ کا اگر میں مستحق ہوں تو شکریہ ایک مہمل سی رسم ہے اور اگر مستحق نہیں ہوں تو شکریہ سوائے تصنع کے اور کیا ہو سکتا ہے بہر حال میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ بزرگی اور خوردی کے یہی تعلقات ہو سکتے ہیں جو آنحضور اور اس کفش بردار کے درمیان ہیں - بیٹا باپ کی سرپرستی کا شکریہ ادا نہیں کرتا - لہذا میں بھی شکریہ کو درمیان میں لا کر بے گانگی کو اس طرح نشوونما دینا نہیں چاہتا - البتہ یہ جانتا ہوں کہ کوئی خرید رہا ہے اور کوئی بک رہا ہے مجھ جنس ارزاں کی آپ نے قیمت بڑھائی تو یہ بھی کہنے دیجئے کہ ع - نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

کفش برادر

شوکت تھانوی ۱۱/ اگست ۱۹۳۷ء"

مولانا عبد المجید سالک کا مکتوب مورخہ ۲۰/ اپریل ۱۹۳۸ء

"محترمی حضرت قبلہ - السلام علیکم و رحمتہ اللہ

جتنی ساعتیں میں نے قادیان میں گزاریں - آپ کی برکت سے بے حد مسرت و اطمینان سے بسر ہوئیں - مولوی عبد الوہاب عمر - عبد العزیز خاں صاحب - شاکر صاحب نے میری مدارات میں کوئی دقیقہ

اٹھانہ رکھا۔ افسوس ہے کہ میں بوقت رخصت آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ آپ مجلس شوریٰ میں مصروف تھے۔

مہر صاحب کی طرف سے سلام مسنون۔ عبدالمجید سالک

مولانا صلاح الدین احمد کا مکتوب

"محترمی و مکرمی ملک صاحب [۲۷۲] السلام علیکم

ہارن بذریعہ ریلوے پارسل ارسال کر دیا گیا ہے۔ بلٹی ملفوف ہے۔ خدا کرے کہ آپ کو وقت پر مل جائے۔

میں اور میرے رفیق عاشق حسین صاحب [۲۷۳] آپ کے محبت بھرے سلوک اور قادیان میں اپنے مختصر لیکن نہایت خوش آئند قیام کی یاد کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

قبلہ حضرت میاں صاحب نے جس توجہ سے ہماری گزارشات کو سنا اور جس ایثار سے کام لے کر اپنے اوقات گرامی کا ایک معقول حصہ ہمیں باریاب فرمانے میں صرف کیا۔ ہم ان نوازشات کی یاد اپنے دلوں میں ہمیشہ تازہ پائیں گے حضرت صاحب کی خدمت میں ہمارا سلام نیاز پہنچا دیجئے۔

عبدالرحمٰن صاحب کی خدمت میں سلام علیکم۔

خاکسار صلاح الدین احمد"۔

خان بہادر میرزا عبدالرحمٰن چغتائی کا مکتوب

"محترم معظم قبلہ حضرت میاں صاحب
بہادر بزرگوار

السلام علیکم۔ آپ کی خدمت اقدس میں یہ میرا تیسرا خط ہے اور یہ خط محض اس لئے لکھ رہا ہوں کہ اگر کوئی گستاخی ہو گئی ہو تو معافی چاہوں۔ میری نیت نہایت نیک تھی اور لکھنے کی جرات عقیدت و احترام تھا۔ آپ جیسے وسیع الاخلاق اور روشن خیال انسان سے ایسی امید نہ کی جائے تو کہاں رسائی ہو۔

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔

آپ کا نیازمند۔ والسلام
عبدالرحمٰن چغتائی لاہور"۔

اردو ادیبوں کے خطوط کے چربے

(۱)

شملہ 16.6.35

مخدومی و مکرمی جناب حضرت صاحب

السلام علیکم پرسوں شب کو مکان پر

پہونچکر جناب کا خط اور روپیہ 250/ کے

نوٹ ملے ۔ مجھے اوسکا شبہ رہتا

اثر ہے اخاص کر ... کہ روپیہ خرچ

کرنے والے تو بہت ہوتے ہیں اس

اور بہت ہمارے ملنے والے ہیں ۔ لیکن اس قسم کی

نہایت درجہ تکلف کے ساتھ ...

شکر گذار ہوں اور ہمارے سب شہر کے لوگ
بھی ضرور مشکور رہیں گے اور خوش ہیں ۔
جمعیت خدمت میرے سوا
مصارف کی کفیل آپ ہیں ۔ اور یہ بھی اس زمانہ کے
لیے بھی بہت بڑی مدد ہے ۔ خدا آپ کو خوش
رکھے
[illegible] آپ کا خادم [illegible]

(۲)

مکرم و معظم ادام اللہ سرورکم

سلام و رحمت ۔

میں جناب سے پہلی بار شرف مخاطبت حاصل کرتا ہوں ۔ اگرچہ جناب والا شرف باریابی سے

سرفراز فرمائیں گے۔ میں نے جناب کی اسکیم رسالہ "ادبی دنیا" کے مارچ نمبر میں دیکھی - اردو رسالہ کیونکر زبان کی خدمت کر سکتے ہیں؟ اس اسکیم کو میں نے کئی بار پڑھا - مجھے یہ تحریک بہت پسند آئی -

جناب والا کو غالباً معلوم ہوگا - کہ بہار میں اسوقت اردو کا کوئی رسالہ نہیں جاری ہے گیا میں چند باذوق اور دولتمند تاجروں نے ایک لمیٹڈ سرمایہ سے ادبی رسالہ جاری کرنے والے ہیں - رسالہ کا نام "ندیم" ہوگا - ۷۲ صفحہ پر ہر ماہ نکلا کریگا - مئی ۱۹۴۱ء میں اسکا پہلا پرچہ پیش خدمت ہوگا -

مجھے اسکی ایڈیٹری کیلئے بلایا گیا - میں جناب والا کی اسکیم کو بروئے کار لانا چاہتا ہوں - اور میں انشاء اللہ ابتدائی دقتیں برداشت کر لونگا - میں حضور کا بہت شکر گزار ہونگا اگر اس بارہ میں مجھے اور گرانقدر مشوروں اور ہدایات کے نہایت جلد سرفراز فرمایا جائے - میں عریضہ کے جواب کا انتظار کرونگا -

والسلام

عریضہ ادب

سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی (ایم اے)
مدیر رسالہ "ندیم" گیا

(۳)

حامداً و مصلیاً

محترمی قبلہ جناب گیانی صاحب دام بالمجد والعلی۔

سلام مسنون۔ اپنی گراں مایہ مصروفیتوں سے دراندازی ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیے!

گزارش یہ ہے کہ ادبی دنیا تو لاہور کی سازش قضا کے سرنگوں ہو گیا۔ خیال تھا کہ اب ادب مجبور پر رحم کرے گی مگر حالات کے ارشاد نے ایک جدید علمی رسالے کی اشاعت پر مجبور کیا ہے۔ اس رسالے کا پہلا نمبر زیر ترتیب ہے۔ علمی دنیا اس کا نام ہو گا۔ میں چاہتا ہوں کہ جناب کوئی مضمون اس نمبر کے لئے عنایت فرماویں تو بہتر ہو۔ ساتھ ہی اردو میں اس رسالے میں ایک مستقل کالم بزم تحقیق کی مجلس رہے

اسی عنوان کے تحت اردو زبان وادب کے متعلق بحث طلب
مسائل پر اہل الرائے سے استصواب رائے کیا جائے گا۔
پہلا سوال جو پہلے نمبر پر زیر بحث آئے گا یہ ہے یہ سوال ۔ جدید
تہذیب کے ساتھ جو نئے نئے الفاظ و محاورات غیر ملکی و ملکی زبانوں کے مؤثرات
میں استعمال ہو رہے ہیں اردو اخبارات میں ان کے استعمال کا
معیار کیا ہو یعنی الفاظ کی تذکیر و تانیث کی اصل غرض و غایت۔ اس سوال کا معقول
کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں زیر بحث میں وسعت
پیدا ہو جائے گا جناب ہی کی تحریک و ہدایت پر یہ سلسلہ قائم کیا گیا ہے
خدا کرے جناب کی ہمت و فرصت رہی اور اس کے نمبر دو
میں شامل نہیں ہو سکے ۔

حمد ادب

دفتر اخبار ... محلہ فرنگی لاہور ... خادم ... جواب

(۴)

حضور محترم - السلام علیکم

یہ تو آپ کو یاد ہوگا کہ میں ایک سال سے زائد حاضری طلب کر رہا ہوں - اور یہ بھی یاد ہوگا کہ میری تمنا عرض ملتوی کر دی گئی ہے - جس کا کچھ نہ کچھ سبب ضرور رہا ہوگا - لیکن آج - اور شاعری کے ذریعے میں آپ سے متعارف ہو چکا ہوں - اور اب شاید آپ بیگانہ نہیں رہ سکتے کہ آپ میری شخصیت نہ سمجھ سکیں - بار بار اجازت حاضری طلب کرنے کا مدعا بجز اس کے کچھ نہیں کہ ادبی پیرایہ میں بھی آپ کی کوئی خدمت کر سکوں - اور آپ سے استعانت کروں "آپ کو ادبی اکمل" کی تیاری کا انتظام کروں - آج ایک عرصہ کے بعد یہ عریضہ بھی ارسال خدمت کر رہا ہوں اس امید پر کہ حضور والا آخر ستمبر تک کوئی تاریخ میری حاضری کے لئے مقرر فرما کر مجھے اطلاع دیں گے - میں اس عنایت کے لئے آپ کا ہمیشہ ممنون و شاکر رہوں گا۔

طالب جواب - عقیدتمند

سیماب اکبر آبادی

(ھ)

مخدومی و مکرم حضرت خلیفۃ المسیح

آپ کو مبارک ہو۔ میں آج آزاد کر دیا گیا ہوں۔

البتہ مزید کام کرنے کی صورت میں تنبیہ بھی کر دی گئی ہے۔

آپ کے احسانات کے بارِ گراں سے سبکدوش ہونا

ہمارے لئے ناممکن ہے۔ تشکر سے پُر دل سے بہترین دعائیں کرتا ہوں

دعا کیجئے کہ آپ سے جلد ملوں [illegible]

فقط

آپ کا

بیٹا

(۶)

مخدوم مکرم السلام علیکم۔

بعض صحابہ کی ہسٹریاں بہ سلسلہ ریسرچ منسلکہ ارسال ہیں

نیز ان کی زردہ حصص کا ترجمہ اگر ڈیلی ہیرالڈ جیسے صحائف میں چھپ جائے

سیریز کے طور پر ہو تو خوب ہو۔ مجھے آپ کے سوا اور کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا

اگر ممکن اور مناسب ہو تو یہ کام کر دیں ورنہ کاغذات مطبوعہ

واپس کر دیں۔

مسیح

آپ کا

حبیب

(۷)

محترمی السلام علیکم۔

میں خوب واللہ کی قدم بوسی کا متمنی ہوں۔ الحمد للہ دیکھ

مہربانی فرمائیں کہ آپ کا خط مجھے بھیجا اور آپ کا شکریہ

آپ کا

ان شاء اللہ ۔ مسیح

حبیب

(۸)

حضرت سیدی و سندی السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آج برادر محترم مولوی محمد عثمان صاحب احمدی
کے توسل سے مبلغ یکصد روپیہ جو آنحضور نے عطیہ دیے وصول پایا۔ آپ کی
شفقت بزرگانہ ہے اگر میں مستحق ہوں تو شکریہ ایک مہمل سی رسم ہے
اور اگر مستحق نہیں ہوں تو شکریہ سوائے تصنع کے اور کیا ہو سکتا ہے
بہرحال میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ بزرگی اور خوردی کے یہی تعلقات ہو سکتے
ہیں جو آنحضور اور اس کفش بردار کے درمیان ہیں بیٹے باپ
کی سرپرستی کا شکریہ ادا نہیں کرتا لہذا میں بھی شکریہ کو درمیان
لاکر بیگانگی کو اس طرح فتنہ رنگ دینا نہیں چاہتا البتہ یہ جانتا
ہوں کہ - کوئی خرید رہا ہے اور کوئی بک رہا ہے۔ یہ جنس
ارزاں کی اپنی قیمت بڑھائی تو یہ بھی کچھ تعجب کی ہے۔
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

کفش بردار
ذرۂ تمنائی
۱۰۔ اگست ۳۶ء

(۹)

محترمی حضرت صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

جتنی ساعتیں میں نے قادیان میں گزاریں۔ آپ کی برکت سے بے حد مسرت واطمینان سے بسر ہوئیں۔ مولوی عبدالوہاب عمر عبدالعزیز خان صاحب۔ شاکر صاحب نے میری خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ افسوس ہے کہ میں بوقت رخصت آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔ اسلئے کہ آپ مجلس شوریٰ میں مصروف تھے۔

مہر صاحب کی طرف سے سلام مسنون۔

عبدالمجید سالک

محترمی و مکرمی ملک صاحب ۔ السلام علیکم ۔

ہارون بذریعہ ریلوے پارسل ارسال کر دیا گیا ہے بلٹی ملفوف ہے ۔ خدا کرے آپ کو وقت پر مل جائے ۔

میں اور میرے رفیق عاشق حسین صاحب آپ کے محبت کے سلوک اور قادیان میں اپنے مختصر قیام کے نہایت خوش آئند ایام کی یاد کبھی فراموش نہیں کر سکتے ۔

قبلہ حضرت میاں صاحب نے جس توجہ سے ہماری گذارشات کو سنا اور جس ایثار سے کام لیکر اپنے اوقات گرامی ایک معقول حصہ ہمیں باریاب فرمانے میں صرف کیا ہم ان نوازشات کی یاد اپنے دلوں میں ہمیشہ تازہ پائیں گے

حضرت صاحب کی خدمت میں ہمارا السلام نیاز پہنچا دیجئے

عبدالرحمٰن صاحب کی خدمت میں السلام علیکم ۔

خاکسار

[illegible]

چابک سواران لاہور

محترم مخدوم قبلہ حضور جناب ملک صاحب بہادر بزرگوار

السلام علیکم ۔ آپ کی خدمت اقدس میں یہ

التماس ہے ۔ اور یہ خط محض اس لئے لکھ

رہا ہوں ۔ کہ اگر مجھ سے گستاخی ہوگئی ہو تو معافی

چاہتا ہوں ۔ جس کی نیت نہایت نیک تھی

اور کسی نے کا جواز حسب عقیدت اور احترام ممکن

آپ جیسے وسیع الاخلاق اور دردمند

فیاض انسان سے اپنی امید کا جواب تو کہاں

رسائی ہو

آپ کی ذریت سے ہوں گے

اپنے ہی

آپ کا نیاز مند والسلام

عبدالحسن خان

حضرت میر مہدی حسین صاحب کا سفر ایران اور حضرت امیر المومنینؓ کی زریں ہدایات

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے صحابی حضرت میر مہدی حسین صاحبؓ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو آنریری مبلغ کی حیثیت سے ایران تشریف لے گئے اس موقعہ پر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے قلم سے انہیں مندرجہ ذیل ہدایات لکھ کر عطا فرمائیں۔ جو ہر مبلغ اسلام کے لئے شمع ہدایت ہیں۔

"مکرمی سید مہدی حسین صاحب۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

آپ نے ایران جانے کا ارادہ کیا ہے اللہ تعالیٰ اس ارادہ کو پورا فرما کر اس کے نیک نتائج پیدا کرے۔ اس موقعہ پر میں چند امور کی طرف آپ کو توجہ دلاتا ہوں۔

۱۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت پائی ہے اور اس لئے آپ اچھی طرح واقف ہیں کہ ہمارے کام خدا تعالیٰ کے فضل سے ہیں اور صرف اس کی مدد ہمارے کام بنا سکتی ہے۔ پس تبلیغ سے زیادہ ہمارا زور دعاؤں پر ہونا چاہئے۔

۲۔ بہترین تبلیغ اچھا نمونہ ہے جب خدا تعالیٰ کسی سے کام لینا چاہتا ہے تو اس کے عمل میں برکت دیتا ہے اور لوگ اس کے نور سے خود بخود مرعوب ہونے لگتے ہیں۔

۳۔ تبلیغ میں ہمیشہ نرمی اور استقلال کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ ایک طرف تو دوسروں کے احساسات کا پورا پاس ہو ان کی محبت ہر لفظ سے ظاہر ہوتی ہو۔ لیکن دوسری طرف سچائی کے بیان کرنے میں بالکل بے خوفی کا اظہار ہو۔

۴۔ حضرت مسیح ناصریؑ نے ایک بہت اچھی نصیحت فرمائی ہے کہ جس جگہ کجی دیکھو اس قصبہ کی خاک تک جھاڑ کر چلے جاؤ۔ بعض لوگ حق کو قبول کرنے میں سابق ہوتے ہیں۔ ہمیشہ ایسے آدمیوں کی تلاش میں رہنا چاہئے اور ضدی لوگوں کو بعد میں آنے والوں کے لئے چھوڑ دینا چاہئے۔

۵۔ جماعت آبادان اور دوسری جماعتوں سے وقتاً فوقتاً مشورہ لیتے رہا کریں کہ مشورہ کے کام میں برکت ہوتی ہے۔

۶۔ اپنے حالات سے ہر مرحلہ پر اطلاع دیتے رہیں کہ اس طرح دعا کی بھی تحریک ہوتی ہے اور دل کو بھی تسلی رہتی ہے۔ جب کوئی دوست باہر جاتا ہے تو ہزاروں مخلصوں کے دل اس کی فکر میں اندر ہی اندر گھلے جاتے ہیں۔ سچے مومن ایک دوسرے کے اعضاء ہوتے ہیں اور جب کوئی

عضو الگ ہو تو ضرور تکلیف ہوتی ہے۔ پس جب تک خبر رسانی کے ذریعہ سے اطلاع حالات رہے دل تسلی پاتے رہتے ہیں۔ ورنہ تکلیف پاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کے ارادہ میں برکت دے۔ والسلام

خاکسار

مرزا محمود احمد

مکرر یاد رہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حکومت وقت کی فرمانبرداری کا حکم دیا ہے ایران میں آپ اس حکومت کے تابع ہوں گے۔ پس حکومت کے قانون کی پابندی کا خیال رہے۔

خاکسار مرزا محمود احمد

مکتوب مبارک سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ
بنام حضرت میر مہدی حسین صاحبؓ

مکرمی سید مہدی حسین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - آپ نے ایران جانے کا ارادہ کیا ہے

اللہ تعالیٰ اس ارادہ کو پورا فرمائے اور نیک نتائج پیدا کرے

اس موقعہ پر کچھ ضروری امور کی طرف آپکو توجہ دلاتا ہوں

ا۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت پائی ہے اور

لیکن آپ سب اچھی طرح واقف ہیں کہ ہمارے کام خدا تعالیٰ کے فضل سے ہیں
اور غرض اسلام اور ہمارے کام بنا سکتا ہے سو تبلیغ سے زیادہ
سارا زور دعاؤں پر ہونا چاہیئے

۲۔ بہترین تبلیغ ایک نمونہ ہے جب خدا تعالیٰ کسی سے کام
لینا چاہتا ہے تو اسکے عمل میں برکت دیتا ہے اور لوگ اسکے نمونہ
خود بخود محسوس ہونے لگتے ہیں

۳۔ تبلیغ میں ہمیشہ نرمی اور استقلال کو مد نظر رکھنا چاہیئے
ایک طرف تو دوسرے کے احساسات کا پورا پاس ہونا چاہیئے
کہ سب ہر لفظ سے ظاہر ہوتا ہو لیکن دوسری طرف سچائی کے
بیان کرنے میں بالکل بے خوفی کا اظہار ہو

۴ - حضرت مسیح ناصری نے ایک بہت اچھی نصیحت فرمائی ہے

کہ جس جگہ کبھی دیکھو اس قصبہ کی خاک تک جھاڑ کر چلے جاؤ۔

بعض لوگ حق کو قبول کرنے میں سابق ہوتے ہیں ہمیشہ ایسے

آدمیوں کی تلاش میں رہنا چاہئے اور عمدہ لوگوں کو بعد میں آنے

والوں سے مقدم کر دیا جائے

۵ - جماعت آبادان اور دیگر جماعتوں کے نمائندوں سے

مشورہ لیتے رہا کریں کیونکہ مشورہ کے کاموں میں برکت ہوتی ہے

۶ - اپنے حالات سے سرسری طور پر اطلاع دیتے رہیں

کہ اس طرح دعا کی بھی تحریک ہوتی ہے اور دلوں کو بھی تسلی

رہتی ہے جب کوئی دوست باہر جاتا ہے تو ہزاروں مخلصوں

دل اس کا فکر میں اندر ہی اندر گھلا جاتا ہے ۔ سچے مومن ایک

دوسرے کے اعضاء ہوتے ہیں۔ جب کوئی عضو الگ ہو تو دوسرے

تکلیف ہوتی ہے۔ پس جب تک خبر رسانی کا ذریعہ ہے اطلاع دلاتے

رہے دل تسلی پاتے رہتے ہیں ورنہ تکلیف پاتے ہیں

اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کے ارادوں میں برکت دے والسلام

خاکسار

مرزا محمود احمد

مکرر - یاد رہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حکومت وقت کا

فرمانبرداری کا حکم دیا ہے ایران میں آپ اس حکومت کا تابع ہو کر رہیں پس حکومت

کا قانون کا پابندی کا خیال رہے خاکسار

مرزا محمود احمد

سید عبد الباسط صاحب (ابن سید میر مہدی حسین صاحب) اس تبلیغی سفر کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "حضرت والد صاحب قبلہ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں برائے اعلائے کلمتہ اللہ ایران کے لئے روانہ ہوئے۔ پاسپورٹ وغیرہ بنوا چکنے کے بعد خدا تعالیٰ نے کرائے وغیرہ کے سامان بھی خود ہی پیدا کر دیئے قادیان سے ظہر کی نماز مسجد مبارک میں ادا کرنے کے بعد ساڑھے تین بجے کی گاڑی سے لاہور کے لئے روانہ ہوئے بٹالہ میں گاڑی تبدیل کرنی پڑی اور رات لاہور بڑے بھائی محترم سید عبد الغفور صاحب عطاء کے پاس پہنچ گئے۔ دوسرے دن آپ کراچی کے لئے روانہ ہوئے۔ کراچی جاکر معلوم ہوا کہ پاسپورٹ میں کچھ نقص رہ گیا ہے۔ مزید تصاویر بھجوانے کے لئے آپ نے مجھے قادیان خط لکھا۔ مگر اسی اثناء میں آپ کے ہاتھ پر اگزیما کی قسم کی پھنسیاں نکل آئیں۔ جن کے علاج کے لئے آپ کو قریباً ایک ماہ کراچی قیام کرنا پڑا۔ کراچی سے آپ ایران کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ نے بتایا کہ جب آپ ایران کی بندر گاہ آباد ان پر اترے تو وہاں احمدی احباب استقبال کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان سے تحریک جدید کے اعلان کی اطلاع ملی۔ یہ پہلا اعلان تھا۔ آپ کے پاس اس وقت صرف ۴۹/- روپے باقی تھے۔ وہ سب کے سب آپ نے سیکرٹری مال کو دے دیئے کہ آپ کی طرف سے تحریک جدید کے لئے حضور خلیفتہ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیئے جائیں۔

آپ وہاں احمدی احباب کے ساتھ رہے۔ مگر آپ کی تبلیغ کو دوسرے لوگ پسند نہ کرتے تھے اور جماعت کے دوستوں پر زور دیتے تھے کہ تبلیغ بند کی جائے۔ چنانچہ مقامی احباب نے مرکز میں بھی لکھا اور آپ کی واپسی کے احکامات منگوا لئے۔ آپ نے مقامی احباب سے کہہ دیا کہ آپ مجھے یہاں سے واپس بھجوا رہے ہیں میں واپس جاکر دوبارہ آزادانہ طور پر آنے کی کوشش کروں گا۔ مگر اس عرصہ میں آپ کی نظر بہت ہی کمزور ہو چکی تھی اور سہارے کے سوا چلنا مشکل ہو گیا تھا۔ قادیان واپس آکر جب حضرت امیر المومنینؓ کی خدمت میں اجازت کے لئے حاضر ہوئے تو حضور نے آنکھوں کے علاج کی ہدایت فرمائی چنانچہ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ ریٹائرڈ سول سرجن نے حضرت میر محمد اسحٰق صاحب ناظر ضیافت اور حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہ جہانپوری کی مدد سے آپ کو نور ہسپتال میں لے جاکر آنکھوں کا کامیاب اپریشن کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے بینائی واپس کر دی تو پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضور کے ارشاد کی تعمیل ہو چکی ہے۔ آنکھوں کا علاج ہو چکا ہے۔ اب ایران جانے کی اجازت دیں مگر حضور رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں قادیان میں موجود رہیں۔ چنانچہ حضور نے قادیان میں ہی قیام کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اس طرح آپ دوبارہ ایران تشریف نہ لے جاسکے۔

پرانے کاغذات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ۱۲/ مئی ۱۹۳۵ء کو کراچی واپس پہنچ گئے اور دو ایک دن کراچی میں قیام کرنے کے بعد آپ لاہور ہوتے ہوئے قادیان تشریف لے آئے تھے۔ اس طرح آپ کی واپسی مئی ۱۹۳۵ء کے آخری ہفتہ میں قادیان میں ثابت ہوتی ہے۔

ایران میں قیام کے زمانہ کے حالات آپ نے ہمیں بہت کم سنائے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کا بڑا موقعہ دیا۔ مختلف گورنروں اور بڑے بڑے حکام سے بے دھڑک ملتا تھا اور ان کے بچوں کو قرآن کریم پڑھاتا تھا چونکہ آپ احمدیت قبول کرنے سے قبل شیعہ مذہب میں تھے اس لئے آپ کو مرثیے بھی بہت سے حفظ تھے اور آواز بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے بلند اور سریلی تھی اسی طرح بڑی روانی سے فارسی زبان میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے میل ملاقات میں آپ کو بڑی سہولت ہوتی تھی"۔ [illegible]

تحریک احمدیت کے ذریعہ سے پادریوں کی شکست فاش کا اعتراف

اس سال دہلی سے برصغیر کے مشہور تاجر کتب مولوی نور محمد صاحب نقشبندی قادری چشتی مالک کارخانہ تجارت کتب دہلی نے حضرت شاہ رفیع الدین رحمتہ اللہ علیہ اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے دو ترجموں والا "معجز نما کلاں قرآن شریف" شائع کیا۔ جس کے دیباچہ مین تسلیم کیا کہ بانی جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دے دی اور ہندوستان کو عیسائی بنانے کی سازش عقیدہ وفات مسیحؑ کے ذریعہ سے بالکل ناکام بنادی چنانچہ انہوں نے لکھا۔

"اسی زمانہ میں پادری لفرائے پادریوں کی ایک بڑی جماعت لے کر اور حلف اٹھا کر ولایت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنالوں گا۔ ولایت کے انگریزوں سے روپیہ کی بہت بڑی مدد اور آئندہ کی مدد کے مسلسل وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا تلاطم برپا کیا اسلام کی سیرت و احکام پر جو اس کا حملہ ہوا تو وہ ناکام ثابت ہوا کیونکہ احکام اسلام و سیرت رسول ﷺ اور احکام انبیاء بنی اسرائیل اور ان کی سیرت جن پر اس کا ایمان تھا یکساں تھے پس الزامی و نقلی و عقلی جوابوں سے ہار گیا۔ مگر حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر بجسم خاکی زندہ موجود ہونے اور دوسرے انبیاء کے زمین میں مدفون ہونے کا حملہ عوام کے لئے اس کے خیال میں کارگر ہوا۔ تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہو گئے اور لیفرائے اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰؑ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح سے فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں اور جس عیسیٰؑ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں۔ پس اگر تم

سعادت مند ہو تو مجھ کو قبول کر لو۔ اس ترکیب سے اس نے لفرائے کو اس قدر تنگ کیا کہ اس کو اپنا پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا اور اس ترکیب سے اس نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دے دی"۔ [775]

افسوس ۱۹۳۴ء کے بعد "معجز نما کلاں قرآن شریف" کے دیباچہ سے وہ پورا باب جس میں مندرجہ بالا عبارت درج تھی بالکل حذف کر دیا گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جلیل القدر صحابہ اور بعض دوسرے بزرگوں کا وصال

اس فصل کے خاتمہ پر اب ان بزرگوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو ۱۹۳۴ء میں داغ مفارقت دے گئے۔

۱۔ محی الدین صاحب مالاباری (مالابار کے سب سے پہلے احمدی) حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۵/ جنوری ۱۹۳۴ء کو ان کی نماز جنازہ سے قبل فرمایا۔ "پرانے احمدی تھے مالابار میں احمدیت ان کے ذریعہ ہی قائم ہوئی ہے ان کے بچے بھی یہیں پڑھے جن میں سے ایک کی تو زندگی وقف ہے اور گو دوسرے دنیوی کام کرتے ہیں مگر مخلص نوجوان ہیں"۔ [776]

۲۔ عبدالکریم صاحبؓ آف یادگیر (حیدر آباد دکن) ۵/ جنوری ہی کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ان کی نسبت فرمایا۔ "دوسرا جنازہ عبدالکریم صاحب کا ہے۔ عام قانون کے ماتحت میں ان ہی کا جنازہ پڑھتا ہوں جو یا تو جماعت کے خاص کارکن ہوں یا پرانے احمدی اور حضرت مسیح موعودؑ کے وقت خدمات کر چکے ہوں یا جن کا جنازہ پڑھنے والا کوئی احمدی نہ ہو لیکن ان صاحب کا اس لئے پڑھ رہا ہوں کہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا زندہ معجزہ تھے۔ یہ وہی صاحب ہیں جن کو باؤلے کتے نے کاٹا اور کسولی سے علاج کرانے کے بعد حملہ ہونے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا سے شفایاب ہوئے۔ [777]

۳۔ اسی روز حضور نے چودھری غلام حسین صاحبؓ کی نماز جنازہ بھی پڑھائی اور فرمایا "آپ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں احمدی ہوئے۔ بہت مخلص تھے مگر بعد میں غیر مبائع ہو گئے تھے۔

آخری عمر میں ان کو توجہ ہوئی تھی اور مجھے لکھا تھا کہ دعا کریں۔ اگر آپ کی بیعت ہی میں ہدایت ہے تو اللہ تعالیٰ میرے نصیب کرے اور مجھ پر حق کھول دے۔ کتابیں پڑھتے اور تحقیقات کر رہے تھے کہ فوت ہو گئے ...... ایسے غیر مبائع جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں خدمت کی ہے اگر اب انہوں نے ہتک نہ کی ہو تو ہمارا فرض ہے کہ حضور کی طرف

سے ان کی خدمت کا آخری بدلہ جنازہ پڑھ کر دیں۔ اس پر کئی لوگ مجھ پر ناراض بھی ہوئے ہیں۔ مگر اس بارے میں میرا نفس اس قدر مطمئن ہے کہ میں کسی کی ناراضگی کی پروا نہیں کرتا۔ میں سمجھتا ہوں ہمارے دل بغض سے پاک ہونے چاہئیں۔ زندگی میں ہم ان سے دلائل سے لڑیں گے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ سے یہی کہیں گے کہ یہ تیرے مسیح پر ایمان لائے تھے۔ ہمیں جو تکلیف ان سے پہنچی ہے وہ معاف کرتے اور تیرے حضور ان کے لئے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں۔ خواجہ کمال الدین صاحب کی وفات پر بھی میں نے ایسا کیا تھا۔ خلافت کا انکار تو اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر ان کی وفات کی خبر سنتے ہی میں نے ان کے لئے دعا کی اور کہا کہ میں اپنی تکالیف معاف کرتا ہوں اللہ تعالیٰ بھی انہیں معاف کر دے۔ مرنے کے بعد ایسی بات کو دل میں رکھنا بہت ہی ادنیٰ سمجھتا ہوں"۔ [۲۷۸]

۴۔ اسی سال حضرت مولوی جلال الدین صاحبؓ مبلغ ملکانہ کی وفات ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۸/ جون ۱۹۳۴ء کے خطبہ جمعہ میں خاص طور پر ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"مولوی جلال الدین صاحبؓ جو کھریپڑ ضلع فیروز پور کے رہنے والے تھے اور ملکانوں میں تبلیغ کے لئے مین پوری رہتے تھے۔ فوت ہو گئے ہیں وہ پرانے اور نہایت مخلص احمدی تھے۔ میں دیر سے انہیں جانتا ہوں۔ یہ تو میں [۲۷۹] نہیں کہہ سکتا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ میں آئے یا بعد لیکن حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے میرے ان سے تعلقات تھے میرا ۲۷ سالہ تجربہ ہے کہ میں نے ان کے چہرہ پر کبھی اصامت کے آثار نہیں دیکھے۔ ہمیشہ خوش نظر آتے کئی دفعہ وہ اپنے معاملات پیش کرتے اور انہیں ایسا مشورہ دینا پڑتا جو ان کے خاندان کے خلاف ہوتا مگر وہ ہمیشہ خندہ پیشانی سے سنتے اور ہنستے ہوئے کہتے کہ اچھا یہ بات ہے اور کبھی کسی بات پر برا نہ مناتے انہیں تبلیغ کا جنون تھا۔ مین پوری سے جو احمدی آتے بلکہ بعض اوقات وہاں سے غیر احمدی بھی آتے وہ بتاتے کہ ان کے تقویٰ و طہارت کا اس علاقہ میں گہرا اثر ہے۔ جس طرح ان کی وفات ہوئی۔ وہ بھی اپنے اندر شہادت کا رنگ رکھتی ہے۔ سخت گرمی کے دن ہیں وہ ایک جگہ تبلیغ کے لئے گئے اور یہ گوارا نہ کیا کہ تمام دن وہیں گزاریں۔ لوگوں نے بھی کہا کہ گرمی بہت ہے یہیں ٹھہر جائیں لیکن انہوں نے جواب دیا کہ نہیں دوسری جگہ جا کر بھی تبلیغ کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ چلے گئے اور رستہ میں سن سٹروک جسے ضربتہ الشمس کہتے ہیں ہو گیا اور بے ہوشی میں کسی گوردوارے کے سامنے جا گرے اور فوت ہو گئے۔ لوگوں نے

پولیس والوں کو بلایا۔ وہ بھی آپ کو پہچانتے تھے تو یہ موت بھی شہادت کی موت ہے"۔ [۴۸۰]

ان بزرگ ہستیوں کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہؓ کی وفات بھی اسی سال ہوئی۔ حضرت بابو عزیز الدین صاحب سیالکوٹیؓ [۴۸۱] (تاریخ وفات ۹/ مئی ۱۹۳۴ء)۔ حضرت حکیم محمد عبداللہ صاحبؓ ماچھیواڑہ ضلع لدھیانہ [۴۸۲] (؟) حضرت مستری قطب الدین صاحبؓ بھیروی [۴۸۳]۔ حضرت ملک نور الدین صاحبؓ [۴۸۴] (تاریخ وفات ۳۱/ اکتوبر ۱۹۳۴ء)۔ حضرت حکیم محمد الدین صاحبؓ آف گوجرانوالہ (تاریخ وفات ۱۰/ نومبر ۱۹۳۴ء) [۴۸۵] حضرت صوفی کرم الٰہی صاحب آف لاہور (تاریخ وفات ۱۶/ دسمبر ۱۹۳۴ء) حضرت صوفی صاحب کا نام ضمیمہ "انجام آتھم" کی فہرست ۳۱۳ اصحاب کبار میں ۲۹۰ نمبر پر درج ہے۔

خواتین میں سے حضرت خان بہادر نواب محمد الدین صاحب (ممبر کونسل آف سٹیٹ و ریونیو ممبر ریاست جے پور) کی اہلیہ [۴۸۶] حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال کی اہلیہ [۴۸۷] اور سیٹھ محمد سعید صاحب عرب کی اہلیہ [۴۸۸] بھی اسی سال وفات پا گئیں۔ موخر الذکر حضرت علامہ مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کی بیٹی تھیں۔

پہلا باب (فصل سیزدھم)

دارالتبلیغ مشرقی افریقہ کا قیام

مشرقی افریقہ کا اسلامی عہد اقتدار حصول آزادی سے قبل (جو پچھلے چند سالوں میں ہوئی) برطانوی مشرقی افریقہ چار علاقوں پر مشتمل تھا۔

۱۔ کینیا کالونی ۲۔ یوگنڈا ۳۔ ٹانگانیکا ۴۔ زنجبار [289]

یوں تو زمانہ قدیم سے عرب کا مشرقی افریقہ کے ساحلی علاقوں سے تجارتی تعلق رہا ہے۔ لیکن ظہور اسلام کے بعد پہلے سے زیادہ تعداد میں عربوں نے یہاں آنا شروع کیا۔ اب ان کے پیش نظر تجارت کے ساتھ تبلیغ اسلام بھی تھی۔ اس کے علاوہ خلیج فارس سے ملحق ملکوں کے مسلمان باشندوں نے بھی حسب سابق اپنی آمد جاری رکھی اور چھوٹے چھوٹے جزیروں میں مستقل طور پر اپنی تجارتی کوٹھیاں اور آبادیاں قائم کرلیں اور وہ سمندر کے کنارے بعض قصبات میں آباد ہوگئے۔ انہوں نے اصل باشندوں کی (جو سیام فام اور BANTU نسل سے تھے) عورتوں سے شادیاں کرنا شروع کردیں۔ ان سے جو بچے پیدا ہوئے انہیں سواحیلی کہا جانے لگا۔ اس عرصہ میں اہل عرب و فارس نے جن کی اکثریت شافعی مسلک کی تھی۔ پورے طور پر فروغ حاصل کرلیا اور افریقہ کے مشرقی ساحل سے لے کر جنوب تک ان کا تسلط قائم ہوگیا جو چار پانچ سو سال تک رہا اور آج بھی ان کے عہد اقتدار کے اثرات پرانے کھنڈروں' عمارتوں اور اصل باشندوں کے لباس اور ان کی زبان سے ظاہر ہیں۔

عیسائی مشنوں کی یورش چار پانچ صدیوں کا زمانہ کوئی معمولی عرصہ نہیں۔ اگر اس مدت دراز میں اشاعت اسلام کی منظم جدوجہد کی جاتی تو پورا مشرقی افریقہ مسلمان ہوتا اور عیسائیوں کو یہاں قدم رکھنے کی جرات نہ ہوتی۔ مگر اس زمانے کے مسلمانوں نے تبلیغی جہاد سے بے اعتنائی برتی اور مشرقی افریقہ کی وسیع اسلامی حکومت سمٹ کر زنجبار کی مختصر سی برائے نام ریاست میں محدود ہوگئی اور ہر جگہ عیسائی پادریوں نے اپنا وسیع جال پھیلا دیا۔

چنانچہ ۱۸۴۰ء میں مسلم اکثریت کے علاقہ میں عیسائی مشن قائم ہوا۔ جس نے افریقہ کے اصل

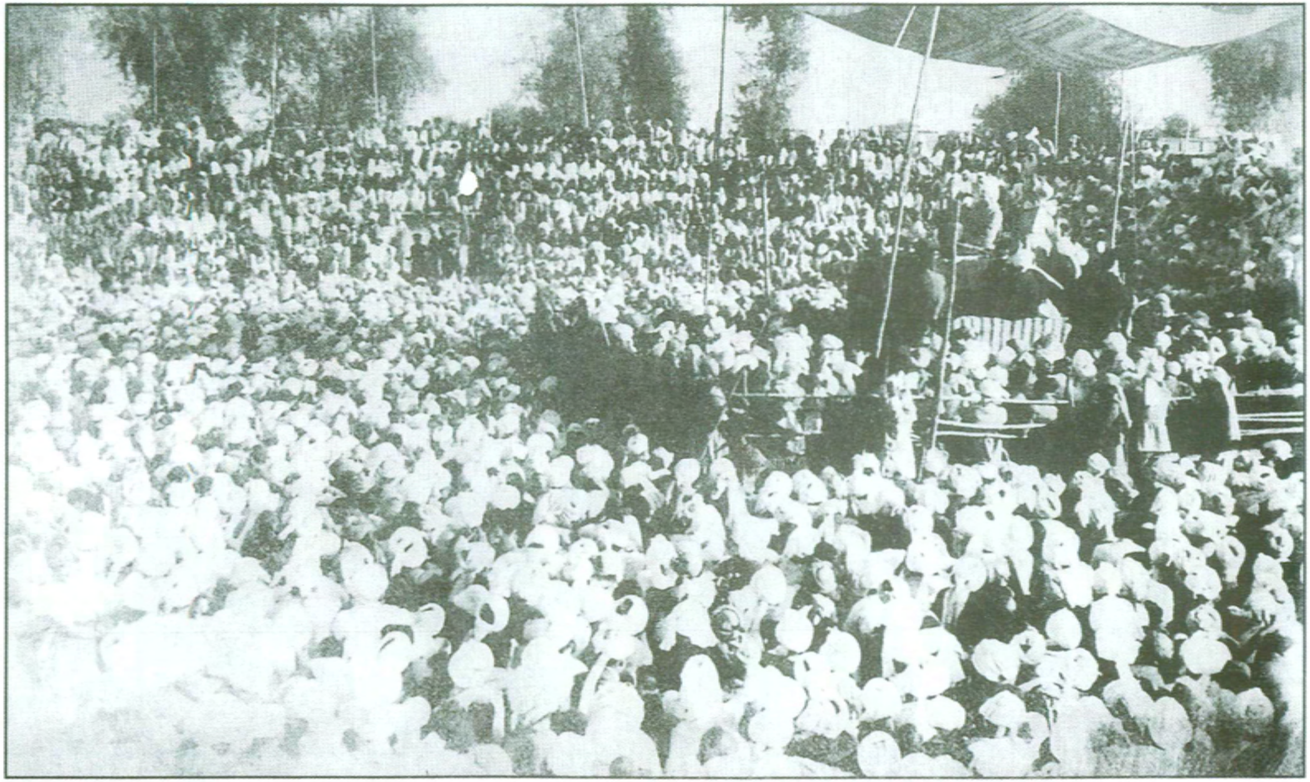

سالانہ جلسہ قادیان کا ایک روح پرور منظر

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ لدھیانہ اسٹیشن پر (۱۴؍مارچ ۱۹۳۲ء)

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ جماعت دہلی وشملہ کی ایک الوداعی پارٹی میں

(بمقام رتالکٹور پارک دہلی ۶ / مارچ ۱۹۳۲ء)

جامعہ احمدیہ کے تبلیغی وفد کے بعض ارکان حضرت علامہ میر محمد اسحاق صاحبؓ اور حضرت علامہ مولانا سید سرور شاہ صاحبؓ کے ساتھ

احمدیہ فیلوشپ آف یوتھ لاہور کے ممبران (۱۹۳۲ءتا۱۹۳۳ء)

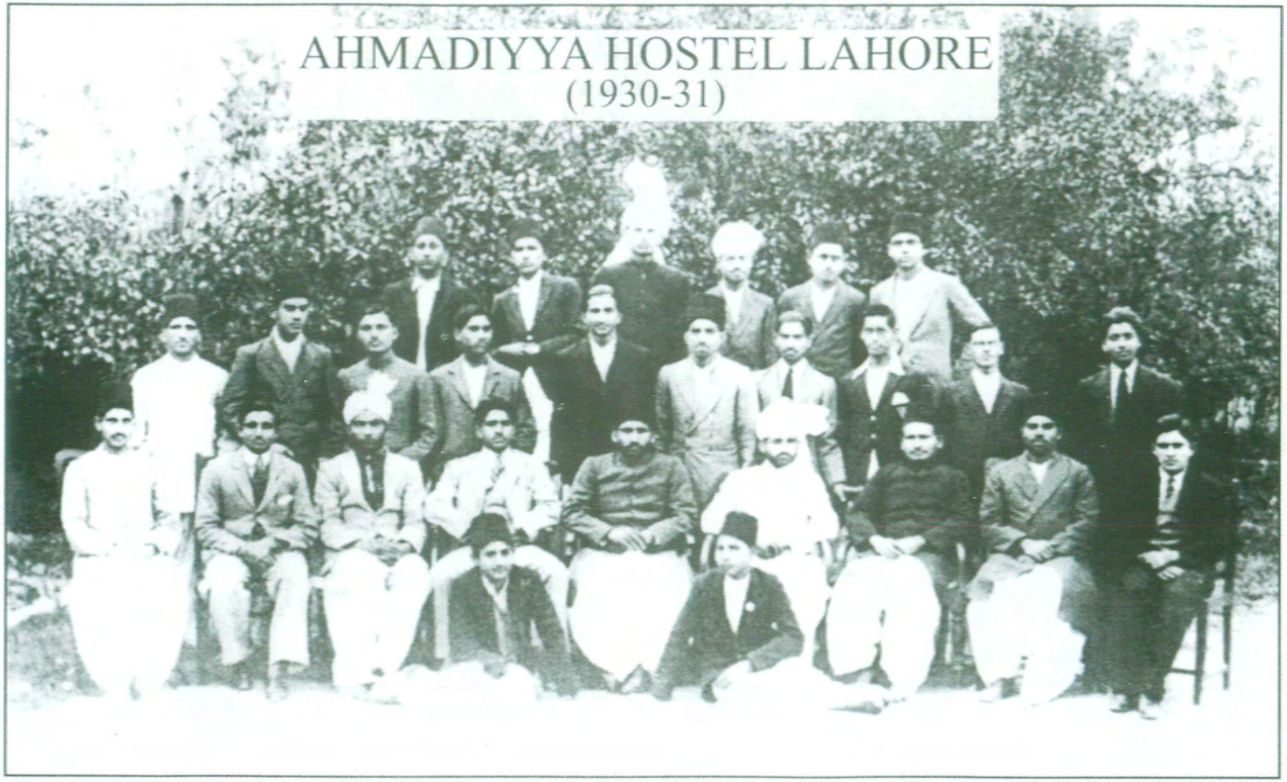

(دائیں سے بائیں) کھڑے ہوئے۔ پہلی قطار۔ میجر غلام احمد صاحب (ماڈل ٹاؤن لاہور) صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب۔ علی محمد اجمیری صاحب۔ چوہدری عبدالمالک صاحب (چھور چک)۔ محمد یوسف صاحب۔ سید اقبال صاحب (کینیا والے)

درمیانی قطار۔ غلام احمد صاحب برادر اصغر صوفی غلام احمد صاحب۔ صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب۔ صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب۔ سعید ملک صاحب (بعد میں سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ قادیان رہے) صاحبزادہ مرزا سعید احمد صاحب ولد حضرت مرزا عزیز احمد صاحب۔ مولوی عبدالوہاب عمر صاحب ولد حضرت خلیفہ اولؓ۔ محمد نواز صاحب۔ عبدالرحمٰن صاحب۔ چوہدری عبدالواحد صاحب (بعد میں نائب ناظر اصلاح وارشاد رہے) افتخار احمد صاحب (بیرسٹر بٹالوی)۔

کرسیوں پر۔ صوفی یعقوب صاحب۔ چوہدری سردار خاں صاحب۔ ملک عبدالرحمٰن خادم صاحب۔ غفور الحق خاں صاحب (کوئٹہ والے) حضرت صوفی غلام محمد صاحب (سپرنٹنڈنٹ)۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب (میڈیکل انچارج) ماسٹر نذیر خاں صاحب۔ مولوی عبدالسلام عمر صاحب ابن حضرت خلیفہ اولؓ۔ ضیاء اللہ صاحب برادر کرنل عطاء اللہ صاحب۔

سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب جماعت احمدیہ قاہرہ کے درمیان

مولانا رحمت علی صاحب جماعت احمدیہ انڈونیشیا کے ساتھ (۱۹۳۳ء)

مولانا رحمت علی صاحب ایک تفریحی پارٹی کے موقع پر جماعت احمدیہ انڈونیشیا کے ساتھ (۱۹۳۳ء)

ایک گروپ فوٹو۔ ممباسہ مشرقی افریقہ

حضرت پیر برکت علی صاحبؓ برادر حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ (دائیں سے بائیں کرسی نمبر ۲ پر) حضرت خواجہ احمد صاحب متوطن ضلع گجرات (کرسی نمبر ۴ پر)

کھڑے ہونے والوں میں نمبر ۳۔ حضرت ڈاکٹر رحمت علی صاحبؓ برادر اکبر حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ آل انڈیا نیشنل لیگ والنٹیئرز کور قادیان کی ایک یونٹ کا معائنہ فرمارہے ہیں۔ (۲۳؍نومبر ۱۹۳۵ء)

آل انڈیا نیشنل لیگ کور کا قادیان میں ایک جلوس

باشندوں میں پورے زور کے ساتھ کام شروع کر دیا۔ تعلیمی و طبی ادارے اور یتیم خانے قائم کئے اور خدمت خلق کے مختلف قسم کے کام سرانجام دینے کے علاوہ تبلیغ کے ذریعہ سے اس طرح عیسائیت کی اشاعت کی کہ بیسویں صدی کے پہلے اڑتیس انتالیس برسوں میں پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک کی اٹھارہ سوسائٹیوں کی زبردست جدوجہد کے نتیجہ میں افریقن آبادی کا دسواں حصہ عیسائیت کی آغوش میں چلا گیا اور جہاں مسلمانوں کی کثرت تھی یا ہے وہاں اردگرد کے علاقہ میں عیسائی مشن نے سکول وغیرہ کھول کر یہ کوشش کی کہ کینیا کالونی کے جس تھوڑے سے حصہ میں اسلام ہے وہاں سے بھی وہ رخصت کر دیا جائے۔ چنانچہ ۳۹۔ ۱۹۳۸ء کے قریب عیسائیوں نے "A NEW DAY IN KENYA" کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں لکھا۔

"THE FACT THAT MOHAMMEDANISM IN KENYA HAS BEEN LARGELY DECADENT AND APETHETIC IS NO REASON WHY THOSE PROFESSING IT SHOULD BE NEGLECTED."

(صفحہ ۱۳۲ از زیر عنوان THE MUSLEM PROBLEM)

یعنی یہ حقیقت کہ مذہب اسلام کینیا میں بہت حد تک زوال پذیر ہو رہا ہے اس امر کی وجہ نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگ جو اپنے تئیں اسلام کی طرف منسوب کر رہے ہیں نظرانداز کر دیئے جائیں اور انہیں عیسائیت کی تبلیغ نہ کی جائے۔ نیز لکھا۔

ISLAM IS TODAY AT THE CROSSROAD. BUT WILL THE CHRISTIAN CHURCH SEIZE THE OPPORTUNITY?" P. 133

یعنی اسلام تو اب دم توڑ رہا ہے لیکن کیا عیسائیت اس موقعہ سے فائدہ اٹھائے گی اور اسے بھی پورے طور پر اپنے قبضہ میں کرے گی؟

زنجبار جو مشرقی افریقہ کی اسلامی سلطنت کا مرکز رہا ہے سب سے زیادہ عیسائیت کے نرغہ میں گھر گیا اور نوبت یہاں تک آپہنچی کہ اسلام کے خلاف سب سے زیادہ لٹریچر یہیں سے شائع ہونے لگا۔ حتیٰ کہ یہاں سے سواحیلی میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی شائع کیا گیا۔ جس سے اسلام کے خلاف غلط فہمیوں کا وسیع دروازہ کھل گیا۔ زنجبار میں یونیورسٹیز مشن نے ہیڈ کوارٹر قائم کر لیا اور اس کے زیر انتظام بہت بڑا سکول پریس اور کتب خانہ کھل گیا۔ یہاں سواحیلی اور عرب باشندوں میں اگرچہ عیسائیت نہیں پھیلی۔ لیکن ان کے تمدن و تہذیب کو مغربیت کا جامہ پہنا کر انہیں ذلیل بنا دیا گیا۔

یوگنڈا میں عیسائی مشنریوں نے اپنا کام ۱۸۶۲ء میں شروع کیا اور پچھتر سال کے اندر اندر عیسائیوں نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ حد یہ ہے کہ مسلمانوں نے جو صدیوں تک حکمران رہے پادریوں کو تو ہر قسم کے آرام پہنچائے اور سہولتیں مہیا کیں لیکن خود تبلیغ اسلام کے لئے کوئی خاص جدوجہد نہ کی اس

پر مصیبت یہ کہ عربوں نے غلاموں کی تجارت سے بہت برا اثر ڈالا۔ کہتے ہیں کہ KING MUTESA I نے ایک بار عربوں اور عیسائی پادریوں کو اپنے دربار میں بلایا۔ یہ شخص لامذہب تھا لیکن اسلام کی طرف مائل تھا اس کے کسی سوال پر عربوں نے کہا کہ انسانوں کو پکڑنا اور فروخت کرنا جائز ہے مگر پادریوں نے اسی سوال کا یہ جواب دیا کہ ہم تمام انسان خدا کے بیٹے ہیں اور وہ ہم سب کا باپ ہے یہ بات سن کر بادشاہ اپنے درباریوں سمیت اسلام سے بدظن ہو گیا اور اس کے وزیر عیسائی ہو گئے ازاں بعد ملک میں عیسائی حکومت قائم ہو گئی چنانچہ SIR DAUDICH WA جو ۱۹۳۸ء میں تخت حکومت پر متمکن تھا عیسائی تھا۔

سب سے بڑی مشکل یہ پیش آئی کہ اس علاقہ میں جو تھوڑے بہت مسلمان رہ گئے وہ بھی یہ سمجھنے لگے کہ جب عربوں نے غلاموں کی تجارت کی تو اسلام اس کی اجازت دیتا ہو گا۔ اس طرح اسلام اور غلامی مترادف الفاظ بن گئے۔ جو آئندہ چل کر اشاعت اسلام کی کوشش میں بری طرح رخنہ انداز ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

ٹانگانیکا ایک بہت بڑا علاقہ ہے جو پہلی جنگ عظیم کے بعد انگریزوں کے قبضہ میں آگیا اور پھر اس میں عیسائی مشنوں کا دباؤ یہاں تک بڑھ گیا کہ (۱۹۳۸ء تک) بائیس رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مشن مختلف ممالک کی طرف سے قائم ہو چکے تھے جن کے ماتحت ۲۴۵ اہم مراکز تھے اور بارہ سو غیر ملکی مشنری کام کر رہے تھے ان مشنوں کے قریباً پانچ ہزار مختلف قسم کے سکول کھل چکے تھے۔ ہسپتال اور ڈسپنسریاں مزید بر آں تھیں۔ مسیحیت کے فروغ و اشاعت کے لئے کئی رسائل و اخبارات شائع ہوتے تھے اور ٹانگانیکا کی مختلف ۲۳ زبانوں میں عیسائیت کا لٹریچر شائع ہو چکا تھا۔ اس تمام جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ ساڑھے تین لاکھ کے قریب افریقن عیسائیت میں داخل ہو گئے۔ [۶۴۰]

مشرقی افریقہ میں اشاعت احمدیت کی ابتدائی تاریخ

شروع ۱۸۹۶ء کا واقعہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دو صحابی حضرت منشی محمد افضل صاحبؓ اور حضرت میاں عبداللہ صاحبؓ نو مسلم یوگنڈا ریلوے میں بھرتی ہو کر کینیا کالونی کی بندرگاہ ممباسہ میں پہنچے۔ یہ سب سے پہلے احمدی تھے جنہوں نے مشرقی افریقہ کے ساحل پر قدم رکھا۔ اسی سال تھوڑے تھوڑے وقفہ سے حضرت ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خاں صاحبؓ گوڑیانوی (ملٹری میں) شیخ محمد بخش صاحبؓ ساکن کڑیانوالہ [۶۴۱] ضلع گجرات (بعدہ ہیڈ جمعداری) حضرت شیخ نور احمد صاحبؓ جالندھری اور حضرت شیخ حامد علی صاحبؓ ساکن تھہ غلام نبی متصل قادیان۔ حضرت حافظ محمد اسحٰق صاحبؓ اور ان کے بھائی میاں قطب الدین صاحب ساکن بھیرہ

بھی یوگنڈا ریلوے کے ملازم کی حیثیت سے وارد ممباسہ ہوئے۔ اور مشرقی افریقہ میں پہلی احمدیہ جماعت کی داغ بیل پڑی۔

۱۸۹۶ء میں تشریف لے جانے والے صحابہ میں سے حضرت حافظ محمد اسحٰق صاحبؓ اور شیخ حامد علی صاحبؓ کو آب وہوا کی ناموافقت یا بعض دوسرے ضروری اور نجی امور کی وجہ سے جلد واپس آنا پڑا۔ لیکن ڈاکٹر محمد اسماعیل خان صاحب گوڑیانوی تین سال تک ملٹری میں رہے اور بڑی متانت اور حکمت کے ساتھ اپنے حلقہ میں اسلام اور احمدیت کی تبلیغ کرتے رہے۔ فوج کے اکثر مسلمانوں نے ڈاکٹر صاحبؓ سے قرآن مجید پڑھا اور اپنا دینی علم بڑھایا۔ بعضوں کو حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کی خوابیں آئیں اور وہ بیعت سے مشرف ہوئے۔ جن میں سے بابو عمرالدین صاحب بھی تھے جنہوں نے ۷/ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو کلنڈینی میں انتقال کیا۔ [۴۹۲] حضرت ڈاکٹر صاحب کے فیض صحبت سے ان کے ساتھ کام کرنے والے پانچ مسلمان ڈاکٹروں کو بھی شناخت حق کی توفیق ملی۔ اس ضمن میں اخبار الحکم ۲۹/ اکتوبر ۱۸۹۸ء میں مندرجہ ذیل خط درج ہے۔

یہاں ممباسہ اور مشرقی افریقہ کے گرد ونواح میں ایک شخص مبارک نامی بگڑا ہوا باغی سردار تھا یہ شخص سلطان زنجبار کے مشیروں میں سے تھا۔ مگر جب سلطان نے سلطنت برطانیہ سے کچھ عہد و پیمان کر کے جزیرہ ممباسہ جس میں بیٹھے ہم مضمون لکھ رہے ہیں کچھ عرصہ کے لئے انتظام ملکی وغیرہ کی خاطر صاحبان انگریزی کو دے دیا تو یہ شخص مبارک سلطان کا سخت دشمن ہو گیا اور ہر طرح اور ہر طرف سے سلطان زنجبار کو تنگ کرنا شروع کر دیا .... اس کے ہوتے ہوئے صاحبان انگریز کس طرح چین سے اسی جزیرے میں نڈر بیٹھ سکتے تھے .... اس کی سرکوبی کے لئے (ایک فوجی کمپنی) [۴۹۳] یہاں آئی تھی ...... یہ فوج اس شخص مبارک سے .... جنگلوں میں لڑی اور آخر کار ...... ایک ایسے جنگل میں جا پڑی جہاں پانی کا نشان نہ ملتا تھا اور پانی کے نہ ملنے کی وجہ سے اس پر سخت مصیبت طاری ہوئی مگر اسی اثناء میں انہیں ایک باغیچہ ناریل کا مل گیا۔ جس سے انہوں نے اپنی بلب جانوں کو بچالیا۔ مبارک ان کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور آخر کار جنگلوں میں بھاگ کر اپنے کئے کی پاداش بھوگ رہا ہے۔

اس فوج میں علاوہ مسلمان سپاہیوں کے ۶ ہاسپٹل اسسٹنٹ تھے جس میں سے ایک ہمارے حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ایدہ اللہ بنصرہ کے مخلص مرید ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خان صاحب گوڑیانی تھے اور دوسرے پانچ صاحبان اول اول عدم واقفیت کی وجہ سے ہمارے مشن کی مخالفت کرتے رہے۔ مگر آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کے سینوں کو حق کی شناخت کے لئے کھولا اور ہر ایک نے نیاز نامہ حضرت اقدس کی خدمت میں مخلصانہ روانہ کیا۔ [۴۹۴]

اس کامیابی پر فوج کے بعض مسلمان افسروں نے یہ الزام لگایا کہ ڈاکٹر صاحب گورنمنٹ برطانیہ کے خلاف اشتعال پھیلا رہے ہیں مگر جب اس کی رپورٹ کپتان تک گئی تو یہ بات غلط نکلی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کو مضافات ممباسہ کے علاوہ مشرقی افریقہ کی دوسری بندرگاہوں پر بھی جانا پڑا اور انہوں نے ہر جگہ سلسلہ احمدیہ کی تبلیغ کی۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؓ تین سال کے بعد اپنے وطن تشریف لے آئے مگر حضرت منشی محمد افضل صاحبؓ اور حضرت شیخ نور احمد صاحبؓ [495] برابر پانچ برس تک مخالفت کے باوجود اشاعت احمدیت میں مصروف رہے ان بزرگوں کے ذریعہ سے جو لوگ حلقہ بگوش احمدیت ہوئے ان میں سب سے نمایاں اور ممتاز فرد حضرت ڈاکٹر رحمت علی صاحب (آف رنمل ضلع گجرات) تھے۔ جنہوں نے قبول حق کے بعد اپنے اندر مثالی تبدیلی پیدا کی۔ احمدی ہونے کے بعد ان کی بہت مخالفت ہوئی مگر ان کے نیک نمونہ نے نہ صرف اپنے حقیقی بھائی حضرت علامہ حافظ روشن علی صاحبؓ اور حضرت پیر برکت علی صاحبؓ کو سلسلہ احمدیہ سے منسلک کر دیا۔ [496] بلکہ سیٹھ فتح دین صاحبؓ جہلمی۔ ڈاکٹر سلطان علی صاحبؓ اور ڈاکٹر عبداللہ صاحبؓ [497] (احمدی) آف گجرات اور کئی اور اصحاب آپ کے اثر سے حلقہ بگوش احمدیت ہو گئے اور پھر ان کے ذریعہ سے احمدیت کا نور پھیلنا شروع ہوا۔ چنانچہ ڈاکٹر عبداللہ صاحب (احمدی) کی تبلیغ سے میرو (MERU) میں جو نیروبی سے دو سو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے قاسم منگیا نامی ایک میمن اپنے خاندان سمیت داخل سلسلہ ہوئے پھر رفتہ رفتہ مخلصین کی ایک جماعت پیدا ہو گئی جن میں سیٹھ عثمان یعقوب صاحب اور ان کے بڑے بھائی حاجی ایوب صاحب اور سیٹھ نور احمد صاحب، حاجی ابراہیم صاحب اور حاجی ایوب صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ [498]

حضرت ڈاکٹر رحمت علی صاحب ممباسہ کے کلنڈینی (KILINDINI) ہسپتال میں کام کرتے تھے۔ یہ ہسپتال ان دنوں مشرقی افریقہ میں اشاعت احمدیت کا ایک مرکز بن گیا تھا جہاں جماعت کے باقاعدہ ہفتہ وار اجلاس ہوتے۔ قرآن مجید اور کتب حضرت مسیح موعود کا درس دیا جاتا اور مسئلہ حیات و وفات مسیحؑ پر تقاریر کی جاتیں۔ [499]

حضرت ڈاکٹر رحمت علی صاحبؓ ۱۹۰۱ء کے شروع میں واپس ہندوستان تشریف لائے اور پھر سومالی لینڈ گئے۔ جہاں آپ فوجی خدمات بجا لا رہے تھے کہ اٹھائیس برس کی عمر میں شہید کر دیئے گئے۔ [500] (تاریخ شہادت ۱۰/ جنوری ۱۹۰۴ء) [501]

کلنڈنی بندرگاہ (مشرقی افریقہ) میں مقیم اولین صحابی

بابو محمد افضل صاحب نے الحکم ۱۹/ اپریل ۱۸۹۹ء صفحہ

۵ پر حسب ذیل اعلان شائع کیا جس سے مشرقی افریقہ کے اولین صحابہ کے مبارک ناموں کی تفصیل کا بھی علم ہوتا ہے۔

جماعت افریقہ کی طرف سے اپنی جماعت میں سے افریقہ آنے والے اصحاب کے لئے ضروری نوٹس

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

چونکہ بعض احباب اپنی جماعت و سلسلہ ملازمت میں یہاں ایسی صورت میں پہنچے کہ کلنڈنی بندرگاہ پر جہاں کہ ہر ایک گروہ ملازمین آمدہ از ہند ۳ دن ضرور قیام کیا کرتا ہے۔ اگرچہ حضرت اقدس کے خادمین مستقل طور پر خدمات یوگنڈا ریلوے پر متعین ہیں مگر تاہم عدم واقفیت کی وجہ سے نووارد احباب ان سے ملاقات نہ کر سکے اور جب وہ اپنی اپنی جگہ پر تبدیل ہو کر لائن پر چلے گئے تو پیچھے سے ان کو اس بات کا علم ہوا کہ ہمارے بھائی کلنڈنی میں بھی ہیں اور اس طرح سے ہم لوگوں کو جو بندرگاہ پر رہنے کی وجہ سے ان اصحاب کی زیارت کے اول حقدار تھے۔ ایک ایک اور دو دو ماہ کے بعد ان سے ملاقات نصیب ہوئی۔ لہٰذا آئندہ کی سہولت کے خیال سے ذیل میں ہم ایک فہرست اپنے تمام ممبران جماعت افریقہ کی درج کر دیتے ہیں تاکہ ہر ایک نووارد بھائی آتے ہی کسی ممبر جماعت سے مل کر ان تمام تکالیف سے امن میں رہے جو کہ اجنبیت کی حالت میں ایک مسافر کو پیش آسکتی ہیں۔ اور نیز بندرگاہ پر رہنے والے بھائیوں کو زیادہ انتظار اپنے نووارد بھائیوں کی زیارت کا نہ کرنا پڑے حضرت اقدس کے ان خادمین کی فہرست جو کہ کلنڈنی بندرگاہ پر مستقل طور پر مقیم ہیں۔

۱۔ سید کرم حسین صاحب انچارج کول اشو کلرک کلنڈنی بندرگاہ یہ ہمارے بھائی ہمیشہ بندرگاہ کے کنارے پر ہی رہتے ہیں۔

۲۔ بابو رحمت علی صاحب سپل اسسٹنٹ کلنڈنی ہسپتال۔ ساکن ڈنمل ضلع گجرات۔

۳۔ سیٹھ احمد دین صاحب قصاب کلنڈنی بازار۔ ساکن جادہ ضلع جہلم۔

۴۔ خاکسار راقم الحروف محمد افضل کلنڈنی بازار ساکن قا

جماعت احمدیہ افریقہ کے کل باقی ممبران کی فہرست۔

۵۔ ہیڈ جمعدار صاحب محمد بخش ساکن کڑیانوالہ۔ کنسٹرکشن نمبر ۱۔ ڈویژن۔

۶۔ خواجہ احمد صاحب وارڈمین کلنڈنی یوروپین ہاسپٹل۔ ساکن گجرات۔

۷۔ عظیم شاہ صاحب باورچی کلنڈنی یوروپین ہاسپٹل۔ داسوہہ۔

۸۔ حافظ الٰہی بخش صاحب وارڈمین کلنڈنی یوروپین ہاسپٹل۔ سیالکوٹ۔

۹۔ میاں دین محمد صاحب مزدور کلنڈنی یوروپین ہاسپٹل۔ گوجرانوالہ۔
۱۰۔ شیخ فضل کریم صاحب عطاء جمعدار کلنڈنی یوروپین ہاسپٹل۔ سیالکوٹ۔
۱۱۔ سید محمد شاہ صاحب کلرک ٹیلیفون کلنڈنی بندرگاہ ضلع جالندھر
۱۲۔ میاں بھولا ٹھیکیدار مینٹیننس ڈویژن ساکن جادہ ضلع جہلم۔
۱۳۔ میاں محمد ابراہیم اینڈ کو ٹھیکیدار مینٹیننس ڈویژن۔ پسرور ضلع سیالکوٹ
۱۴۔ حافظ محمد صاحب مینٹیننس ڈویژن۔ ساکن کوٹلہ ریمہ جہلم
۱۵۔ مستری نبی بخش صاحب سب انسپکٹر۔ کوٹ جادہ
۱۶۔ شیخ نور احمد صاحب ٹائم کیپر۔ جالندھر
۱۷۔ بابو محمد الدین صاحب ویٹرنری اسسٹنٹ محکمہ ریلوے ٹرانسپورٹ۔ ساکن بٹالہ
۱۸۔ میاں محمد نادر خاں صاحب تھانہ دار سٹیشن کمینڈو۔ ضلع جہلم
۱۹۔ میاں محمد اسماعیل ٹائم کیپر پلیٹ لے انگ کڑیانوالہ۔
۲۰۔ میاں جواہر زرگر کلنڈنی بازار جہلم۔
۲۱۔ شیخ عنایت اللہ صاحب سٹور کیپر کلرک ہیڈ ڈویژن۔ لاہور۔
۲۲۔ حافظ محمد الیاس صاحب قاری فیض پوریہ جمعدار۔ فیض پور۔
۲۳۔ بابو رستم علی صاحب راشن سٹور کیپر کمینڈو۔ جالندھر۔

(راقم محمد افضل از کلنڈنی بلند ممباسہ۔ لائن سیٹھ احمد الدین صاحب قصاب ۶/ فروری ۱۸۹۹)
(الحکم ۱۹/ اپریل ۱۸۹۹ء صفحہ ۵)

مشرقی افریقہ کے قدیم صحابہ کی ایک فہرست مشرقی افریقہ میں تشریف لے جانے والے صحابہ کی تبلیغ سے احمدیت ترقی کرنے لگی اور پانچ سال کے عرصہ میں ۱۸۹۶ء سے لے کر ۱۹۰۱ء تک احمدیوں کی تعداد پچاس سے زیادہ ہو گئی جن کی فہرست الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴ میں شائع شدہ ہے اور وہ یہ ہے۔

تفصیل بیعت کنندگان جنہوں نے افریقہ میں حضرت اقدسؑ سے بیعت کی۔

۱۔ڈاکٹر رحمت علی صاحب ضلع گجرات
۲۔ ٹھیکیدار محمد ابراہیم صاحب پسرور
۳۔فرزند علی صاحب سوداگر پسرور
۴۔سیٹھ احمد دین صاحب جہلم
۵۔میاں جواہر صاحب زرگر جہلم
۶۔میاں اللہ دتہ صاحب زرگر جہلم
۷۔محمد عالم صاحب کلرک سٹور جہلم
۸۔میاں بھولا صاحب
۹۔نبی بخش صاحب مستری جادہ۔ جہلم
۱۰۔غلام محمد صاحب ٹھیکیدار جہلم۔
۱۱۔حافظ محمد صاحب ٹھیکیدار جہلم
۱۲۔محمد حفیظ صاحب ٹھیکیدار جہلم
۱۳۔سید محمد صاحب کلرک اسٹور۔
۱۴۔ بابو غلام غوث شاہ صاحب ویٹرنری اسسٹنٹ یوگنڈا ریلوے۔
۱۵۔بابو محمد عبد القادر صاحب اسٹیشن ماسٹر
۱۶۔منشی امیر خان صاحب ہسپتال ریلوے۔
۱۷۔بابو محمد الدین صاحب مرحوم ویٹرنری اسسٹنٹ از جالندھر
۱۸۔ بابو مولا بخش صاحب ویٹرنری اسسٹنٹ از جالندھر
۱۹۔بابو سلطان علی شاہ صاحب کمپونڈر
۲۰۔بابو احمد صاحب کمپونڈر
۲۱۔خواجہ احمد صاحب داروغہ ضلع گجرات
۲۲۔غلام قادر صاحب ڈریسر۔ گجرات
۲۳۔فتح دین صاحب جمعدار گجرات
۲۴۔عظیم شاہ صاحب باورچی ہسپتال
۲۵۔منشی علی محمد صاحب
۲۶۔محمد اسمٰعیل صاحب ساکن کڑیانوالہ گجرات
۲۷۔برکت علی صاحب نوشاہی گجرات
۲۸۔دولت علی صاحب نوشاہی گجرات
۲۹۔عبد اللہ صاحب کمپونڈر گجرات
۳۰۔بابو غلام نبی صاحب اوورسیر ہوشیار پور
۳۱۔رحیم بخش صاحب مستری گجرات
۳۲۔عبد العزیز صاحب جمعدار گجرات
۳۳۔جان محمد صاحب ڈریسر گجرات
۳۴۔مولوی فضل الرحمٰن صاحب کمپونڈر گجرات
۳۵۔نادر خاں صاحب ڈپٹی انسپکٹر
۳۶۔بابو علی اظفر صاحب کمپونڈر امرتسر
۳۷۔بابو مظہر علی صاحب کلرک امرتسر
۳۸۔بابو فیض علی صاحب کمپونڈر امرتسر
۳۹۔ سید کرم حسین صاحب کلرک ساکن لاہور بھونڈ پورہ
۴۰۔علی احمد شاہ صاحب لاہور
۴۱۔غلام حیدر صاحب سوداگر لاہور
۴۲۔غلام علی صاحب گھڑی ساز لاہور
۴۳۔بابو اللہ داد خان صاحب گارڈ۔ لاہور
۴۴۔بابو محمد عالم صاحب سگنیلر لاہور
۴۵۔مستری کریم بخش صاحب ٹھیکیدار لاہور
۴۶۔عالم شیر صاحب سپاہی گنجٹ
۴۷۔عظیم خاں صاحب دفتر یوگنڈا ریلوے دہلی
۴۸۔حسن دین صاحب فائرمین لاہور

فہرست دیگر ممبران جماعت جو کہ ہند میں بیعت کر کے افریقہ میں آئے۔

۱۔ محمد افضل صاحب ٹھیکیدار۔ لاہور
۲۔ محمد بخش صاحب۔ کڑیانوالہ
۳۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خان صاحب۔ گوڑیانی
۴۔ شیخ نور احمد صاحب ٹائم کیپر حال کلرک ہسپتال جالندھر
۵۔ شیخ حامد علی صاحب جمعدار۔ قادیان
۶۔ برادر شیخ حامد علی صاحب جمعدار۔ قادیان
۷۔ حافظ محمد اسحاق صاحب اوورسیر۔ بھیرہ
۸۔ قطب الدین صاحب مستری۔ بھیرہ
۹۔ بابو نبی بخش صاحب کلرک اکونٹنٹ آفس۔ لاہور
۱۰۔ بابو عبدالرحمٰن صاحب کلرک لوکو آفس لاہور
۱۱۔ چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب جمعدار جھانزا والہ سیالکوٹ
۱۲۔ غلام محمد صاحب کمپونڈر۔ جالندھر۔ [۵۰۲]

۱۹۰۱ء کے بعد بھی ہندوستان سے صحابہ کے جانے اور افریقہ میں بھی بیعت کرنے والوں کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ حضرت سید غلام حسین صاحبؓ [۵۰۳] اور بھائی نظام الدین صاحب جہلمی [۵۰۴] اور حضرت مولوی فخرالدین صاحب گھوگھیاٹ [۵۰۵] اسی زمانہ میں افریقہ تشریف لے گئے اور پیغام حق پہنچاتے رہے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے عہد مبارک میں بیرونی ممالک کے لحاظ سے مشرقی افریقہ کی احمدیہ جماعت سب سے پہلی اور سب سے بڑی جماعت تھی جس نے شروع ہی سے سلسلہ کی مالی قربانیوں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔

چنانچہ حضرت بابو محمد افضل صاحبؓ نے "الحکم" ۱۰/ اپریل ۱۹۰۱ء میں لکھا۔

"آج تک تخمیناً چھ ہزار سے زیادہ روپیہ افریقہ کی جماعت کی طرف سے اشاعت سلسلہ محکم تعلیم عمارات و فنڈ مساکین وغیرہ میں مختلف طور پر قادیان کی طرف روانہ کیا جا چکا ہے اس میں وہ اخراجات شامل نہیں ہیں جو کہ خاص افریقہ میں اشاعت سلسلہ کے متعلق کئے گئے ہیں۔ افسوس ہے کہ کوئی باقاعدہ رجسٹر نہیں رکھا گیا جس میں پورے طور پر تعداد روپیہ اور دیگر کارروائی سلسلہ کی رکھی جاتی مگر انشاء اللہ آئندہ اس کا پورا پورا انتظام کیا جائے گا۔

اس مذکورہ بالا رقم میں بھاری بھاری رقمیں ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خان صاحب، ڈاکٹر رحمت علی

صاحب۔ سیٹھ احمد الدین صاحب اور محمد ابراہیم و محمد افضل ٹھیکیداران کی ہیں۔ جناب بابو نور احمد صاحب نے باوجود جمعداری کے عہدہ پر ہونے کے اور ۳۰ روپے تنخواہ پانے کے اپنی تین سالہ ملازمت میں چار سو روپیہ روانہ کیا۔

اور ایک صاحب میاں مصاحب دین کمپونڈر نے جو کہ ابھی تک اگرچہ جماعت احمدیہ میں شامل نہیں ہوئے اور صرف حسن ظن رکھتے ہیں اور جو کہ اپنی تین سالہ ملازمت کا بقیہ اندوختہ لے کر ہندوستان رخصت پر اپنے گھر جانے والے تھے۔ ایک دفعہ صرف یہ خبر سن کر کہ حضرت مرزا صاحب کو خدمت دین کے لئے روپیہ کی سخت ضرورت ہے بڑی عالی ہمتی اور دریا دلی سے اپنی رخصت کو منسوخ کرادیا اور کل اندوختہ روپیہ دینی خدمت کے لئے چندہ میں دے دیا"۔ [۵۰۶]

خلافت ثانیہ کے ابتدائی سالوں میں کینیا کالونی کے علاقہ میں ہندوستانی احمدیوں کی آمد کا سلسلہ زور پکڑ گیا۔ اور تبلیغ کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہونے لگا۔ چنانچہ میگاڈی (MAGADI) میں حضرت ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحبؓ عرصہ تک دیوانہ وار تبلیغی جہاد میں مصروف رہے اور نیروبی میں حضرت معراج الدین صاحب۔ حضرت ڈاکٹر عمرالدین صاحب، مولانا عبدالواحد صاحبؓ جہلمی۔ حضرت بھائی دوست محمد صاحبؓ جہلمی۔ قاضی عبدالسلام صاحب بھٹی، حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ [۵۰۷] سید عبدالرزاق شاہ صاحب، محمد اکرم خان صاحب غوری، چوہدری نثار احمد صاحب، شیخ غلام فرید صاحب، بھائی عبدالرحیم صاحب ٹیلر ماسٹر، بھائی شیر محمد صاحب بٹ، ملک احمد حسین صاحب، سید یوسف شاہ صاحب، عبدالعزیز صاحب جہلمی، چوہدری محمد شریف صاحب بی۔ اے [۵۰۸] اور دوسرے مخلصین کے وجود سے جماعت احمدیہ کو بہت تقویت ملی۔ اسی طرح ڈاکٹر سید ولایت شاہ صاحب کٹوئی (KITUI) میں عمر حیات خاں صاحب کسومو میں اور بھائی اکبر علی صاحب اور بابو محمد عالم صاحب ممباسہ میں پیغام حق پہنچاتے رہے۔

یوگنڈا میں پیغام احمدیت خلافت اولی کے آخری سال یا خلافت ثانیہ کے آغاز میں پہنچا جبکہ سب سے پہلے ڈاکٹر فضل الدین صاحب وہاں پہنچے آپ کے بعد ڈاکٹر احمد دین صاحب اور ڈاکٹر لعل دین صاحب [۵۰۹] نیز بھائی محمد حسین صاحب گھوکھر اور بابو نذیر احمد صاحب گھوکھر بھی تشریف لے گئے اور اس طرح ایشیائی احمدیوں کی ایک جماعت کا وہاں ہو گیا۔

ٹانگانیکا بہت دیر کے بعد احمدیت سے روشناس . اگرچہ ہندوستانی احمدیوں کی مختصر سی جماعت شروع میں اس علاقہ کے مختلف مقامات پر پھیلی ہوئی تھی۔ مگر کوئی باقاعدہ نظام نہیں تھا۔ آخر بابو محمد یوسف صاحب پوسٹ ماسٹر اور بعض دوسرے احمدیوں کی کوشش اور ہمت سے ٹانگانیکا کے

دار الحکومت دار السلام میں باقاعدہ جماعت قائم ہوئی اور خاص طور پر میاں محمد بخش صاحب (ریلوے ڈرائیور) بابو محمد ایوب صاحب بابو محمد جمیل صاحب' ڈاکٹر حبیب اللہ خان صاحب' ڈاکٹر احمد دین صاحب اور فضل کریم صاحب لون' عبد الکریم صاحب ڈار مرحوم اور مختار احمد صاحب ایاز جیسے مخلص احمدیوں کی مالی قربانیاں اور تبلیغی کوششوں سے اس جماعت نے بڑا نام پیدا کیا۔ موخر الذکر دونوں بزرگوں کو ایک لمبا عرصہ ٹانگانیکا (تنزانیہ) میں تکالیف دی گئیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مضبوط چٹان بن کر تبلیغی سرگرمیوں میں مشغول رہے۔ ٹانگانیکا میں دوسرا مقام جہاں ہندوستانی احمدیوں کی ایک پرجوش جماعت قائم ہوئی۔ ٹبورا تھا۔ یہ جماعت اپنے اخلاص و محبت اور تبلیغی مساعی میں بہت آگے نکل گئی اور بہت جلد نیروبی' میرو' ممباسہ' کسوموں اور کمپالہ کے دوش بدوش خدمات سلسلہ بجالانے لگی۔ [۵۱۰]

نیروبی میں احمدیہ پریس کا قیام اور سلسلہ اشتہارات کا آغاز

نیروبی میں ۳۳-۱۹۳۲ء میں

مخالفین احمدیت کی طرف سے خاص طور پر نہایت کثرت سے گندہ لٹریچر شائع کیا گیا۔ قادیان سے جوابات چھپوا کر یہاں منگوانے میں بہت دیر ہو جاتی تھی اور نیروبی میں کوئی اردو پریس نہیں تھا۔ اس لئے جماعت احمدیہ نیروبی نے ایک سائیکلو سٹائل مشین کا انتظام کیا۔ مگر مستعمل ہونے کی وجہ سے یہ مشین کام نہ دے سکی۔ اس سے پہلے قاضی عبد السلام صاحب بھٹی ایک گلیسرین پریس تیار کر کے کچھ کام چلاتے رہے۔ مگر اس سے جماعتی ضروریات پوری نہیں ہو سکتی تھیں۔ اس لئے جماعت نے اپنی ایک پرانی طرز کی لیتھو ہینڈ پریس [۵۱۱] مشین کو جو ناقابل استعمال اور خستہ حالت میں پڑی تھی۔ از سر نو درست کرایا اس کام میں یوگنڈا اور دار السلام کے احمدیوں نے بھی کسی قدر مدد دی۔ یکم جون ۱۹۳۴ء کو اس پریس کا اجراء ہوا اور سب سے پہلا اشتہار "صداقت کی چمک" کے عنوان سے شائع کیا گیا۔ یہ پریس احمدیہ مسجد نیروبی [۵۱۲] کے مشرق کی طرف کی ایک کوٹھری میں نصب کیا گیا اور ساتھ کی دوسری کوٹھری میں پریس کا سامان رکھا گیا۔ قادیان سے کاپی کی سیاہی اور کاغذ منگوائے گئے پتھر کے وزن کی وجہ سے مشین آسانی سے نہیں چلتی تھی اس لئے مخلصین جماعت خصوصاً شیر محمد صاحب بٹ قاضی عبد السلام صاحب کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ ان اشتہاروں کی تقسیم بھائی شیر محمد صاحب بٹ اور عبد العزیز صاحب قریشی جہلمی نے اپنے ذمہ لگا رکھی تھی۔ [۵۱۳] محترم قاضی عبد السلام صاحب کا بیان ہے کہ یہ "اشتہارات خاکسار ہی لکھتا یا سلسلہ کے لٹریچر سے اخذ کرتا تھا۔ اور میگاڈی سے حضرت ڈاکٹر بدر الدین احمد صاحب مرحوم بھی لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔

اخبار "الہدیٰ" کا اجراء

اشتہارات کا یہ وسیع سلسلہ ۱۹۳۶ء کے اوائل تک زور شور سے جاری رہا۔ اس کے بعد اس کی بجائے "الہدیٰ" نام سے ایک ہفتہ وار اخبار ملک احمد حسین صاحب کے زیر انتظام جاری کیا گیا۔ اس اخبار کا پہلا پرچہ ۲۳/ جولائی ۱۹۳۶ء کو شائع ہوا۔ اخبارات کی کتابت و طباعت کا تمام کام محمد اکرم صاحب غوری' سید عبدالرزاق شاہ صاحب اور ملک احمد حسین صاحب انجام دیتے تھے اور اخبار کی ترسیل کی خدمت شیخ غلام فرید صاحب سیکرٹری کے سپرد تھی۔ ان کے معاون بابو غلام محمد صاحب تھے۔ مضامین لکھنے والوں میں مولانا شیخ مبارک احمد صاحب' ملک احمد حسین صاحب' شیخ غلام فرید صاحب نمایاں تھے۔ اس اخبار کے بعض مضامین سے مخالفین میں شور پڑ گیا اور قانونی کارروائی کے لئے اخبار کے ایڈیٹر وغیرہ کو نوٹس دیئے گئے۔ لیکن سارا معاملہ محض نوٹسوں تک ہی محدود رہا اور مخالفین کو احساس ہو گیا کہ احمدیوں کے ہاتھوں میں بھی قلم ہے۔ آخر دس نمبروں کے بعد بعض وجوہ کی بناء پر اخبار بند ہو گیا اور ساتھ ہی اشتہارات کا سلسلہ بھی ایک عرصہ تک بند رہا۔ ۵۱۴

انجمن حمایت اسلام نیروبی کی طرف سے ردعمل

جماعت احمدیہ نیروبی کے جوابی اشتہارات اور تبلیغی جدوجہد کا ردعمل یہ ہوا کہ نیروبی کی انجمن حمایت اسلام نے احمدیوں کے مقابلہ کے لئے ہندوستان سے مبلغ بلوانے کا فیصلہ کیا اور ۱۵/ اگست ۱۹۳۴ء کو جناب مولوی ظفر علی خاں صاحب مدیر اخبار "زمیندار" (لاہور) سے بذریعہ خط درخواست کی کہ آپ کسی موزوں شخص کا انتخاب فرمائیں ان کا جواب ۵/ ستمبر ۱۹۳۴ء کو موصول ہوا کہ وہ مولوی لال حسین صاحب اختر کی سفارش کرتے ہیں چنانچہ انجمن مذکور نے ۳۰/ ستمبر ۱۹۳۴ء کے اجلاس میں یہ سفارش قبول کر لی اور ان کے مصارف سفر (سیکنڈ کلاس) کے لئے تین سو روپیہ کا چیک روانہ کر دیا گیا۔ ۵۱۵ اور یہ صاحب جلد ہی مشرقی افریقہ پہنچ گئے۔

مستقل مشن کا قیام

جماعت احمدیہ نیروبی کے غیور افراد نے "انجمن حمایت اسلام" کی بڑھتی ہوئی مخالفانہ سرگرمیوں کو اپنے لئے ایک چیلنج سمجھتے ہوئے نظارت دعوۃ و تبلیغ قادیان سے درخواست کی کہ ہم اپنے خرچ پر ایک مبلغ چھ ماہ کے لئے منگوانا چاہتے ہیں نظارت کی طرف سے معاملہ پیش ہونے پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مکرم شیخ مبارک احمد صاحب کو مشرقی افریقہ بھیجنے کا ارشاد فرمایا۔

اس فیصلے کے مطابق آپ ۱۱/ نومبر ۱۹۳۴ء ۵۱۶ کو تین بجے بعد دوپہر قادیان سے روانہ ہوئے۔ ۱۵/ نومبر کو بمبئی سے (TAKLIWA نامی) جہاز پر سوار ہوئے۔ ۵۱۷ اور ۲۷/ نومبر کو بخیریت نیروبی

پہنچ گئے۔ ۵۱۸

نیروبی میں کامیاب مناظرہ

مکرم شیخ مبارک احمد صاحب کے پیش نظر احمدی مبلغ کی حیثیت سے تبلیغ اسلام کا ایک وسیع اور بلند نصب العین تھا اور آپ اس تاریک براعظم کو جلد از جلد منور کرنے کی فکر میں تھے مگر اس کے برعکس سائیں لال حسین صاحب محض احمدیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بلائے گئے تھے اس لئے انہوں نے افریقہ میں آتے ہی نور خدا کو اپنی مونہہ کی پھونکوں سے بجھانے کی سرتوڑ کوششیں شروع کر دیں اور احمدیوں کو مناظرے کا چیلنج دے دیا جو شیخ صاحب نے منظور کر لیا اور مسٹر ورما صاحب بیرسٹر' پنڈت دولت رام صاحب اور پنڈت آریہ منی صاحب کی موجودگی میں مناظرہ کے شرائط کا تصفیہ کیا گیا۔ بحث کے لئے تین مضامین تجویز ہوئے۔ (۱) حیات و وفات مسیح (۲) انقطاع و اجرائے نبوت (۳) صداقت مسیح موعودؑ۔ تصفیہ شرائط کے بعد یہ مناظرہ ۲۰/ جنوری ۱۹۳۵ء بروز ہفتہ و اتوار نیروبی مسلم سپورٹس کی وسیع و عریض گراؤنڈ میں ہوا۔ ۵۱۹ جس میں حق و صداقت کو ایسی نمایاں فتح نصیب ہوئی کہ غیر مسلم پبلک نے بھی احمدی مناظر کو مبارکباد دی۔ ۵۲۰ چنانچہ ایک سکھ اجیت سنگھ صاحب نے اپنی ایک چٹھی میں لکھا۔ "بندہ آپ کے اس مناظرہ میں شامل تھا جس میں کہ آپ کو فتح حاصل ہوئی پس اس کی خوشی میں میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے معاملات میں حق کو پہچاننا نہایت مشکل ہوتا ہے مگر اس دن خدا تعالیٰ کی زبردست طاقت آپ کے ساتھ تھی۔ اور آپ نے حق پہنچا دیا ہے۔ دشمن کی زبان بند ہو گئی ...... یہ کہتے پھرتے ہیں کہ جھوٹے پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ پس یہ عذاب تھا اور اس سے بڑھ کر اور عذاب کیا ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے زبان ہی بند کر دی۔ خیمہ کا گرنا ہی میں تو زبردست نشان سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد میں نے اور دوسرے دوستوں نے نوٹ کیا کہ اس کی زبان اب رک رہی ہے...... پبلک نے آپ کو مبارکباد دی۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے پھولوں کی روحانی بارش ہوئی۔" اجیت سنگھ مگاڈی سوڈا کمپنی کینیا کالونی ۲۳/۱/۳۵"۔ ۵۲۱

احمدیوں پر حملہ

اس معرکہ نے نیروبی میں احمدیت کی دھاک بٹھا دی اور مخالفین کے حوصلے پست کر دیئے۔ اب سائیں صاحب نے نیروبی کے باہر کے علاقوں کی طرف رخ کیا۔ شیخ مبارک احمد صاحب نے بھی ان کا تعاقب کیا اور جہاں بھی مباحثہ کی دعوت دی گئی آپ نے اسے قبول کر لیا۔ چنانچہ ۲-۳/ فروری ۱۹۳۵ء کو میگاڈی میں کامیاب مناظرے کئے ایک مناظرہ ۱۰/ فروری ۱۹۳۵ء کو نیروبی سے قریباً دو سو میل کے فاصلہ پر ایک بستی "میرو" میں ہوا۔ اس مناظرہ میں احمدی مناظر نے چیلنج دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے قرآن سے آسمان کا لفظ دکھانے پر سو شلنگ انعام

دوں گا- سائیں صاحب کو آخر وقت تک وہاں مرد میدان بننے کی جرات نہ ہو سکی- [۵۲۲] مگر واپسی پر نیری (NYERI) [۵۲۳] کے مقام پر احمدیت کے خلاف ایک زہر آلود تقریر کر کے بدلہ لینا چاہا- دوران تقریر ایک احمدی میاں عبداللطیف صاحب [۵۲۴] نے چند سوالات کے لئے وقت مانگا- انہوں نے جواب دیا تم جاہل ہو اپنے مولوی کو میرے سامنے لاؤ- عبداللطیف صاحب نے کہا مولوی صاحب آجائیں گے مگر پہلے میرے سوالات کا جواب دیں بڑی لے دے کے بعد انہوں نے بعض انتہائی غیر معقول شرائط پیش کیں- جو عبداللطیف صاحب نے تسلیم بھی کرلیں مگر انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں ۲/ مارچ کو دوبارہ آؤں گا- تب جواب دوں گا-

چنانچہ ۲/ مارچ کو شیخ مبارک احمد صاحب بعض اور احمدیوں سمیت نیری پہنچ گئے- سائیں صاحب اس وقت تقریر کر رہے تھے- عبداللطیف صاحب نے صدر سے وقت مانگا- سائیں صاحب نے جھٹ کہہ دیا کہ کیا کوئی تحریری ثبوت میرے وعدے کا پیش کر سکتے ہو؟ اس پر شیخ مبارک احمد صاحب نے کہا کہ بہت افسوس کی بات ہے کہ علی الاعلان وعدہ کر کے انکار کیا جاتا ہے- ابھی آپ یہ فقرہ مکمل بھی نہ کر پائے تھے کہ نیری کے ایک مشہور تاجر عثمان علو نے تالی بجائی اور ساتھ ہی بعض افریقنوں نے شیخ مبارک احمد صاحب پر حملہ کر دیا- مکرم عبداللطیف صاحب نے بہت وار اپنے بازوں پر لئے اور شیخ صاحب اور دوسرے احمدیوں کو چوٹیں آئیں- جب تک نادان لوگ خود ہی مارنے کے بعد ادھر ادھر نہ چلے گئے احمدی وہیں موجود رہے- [۵۲۵]

بائیکاٹ کا حربہ

اس طرح کے اوچھے ہتھیاروں پر اترنے کے بعد لال حسین صاحب نے احمدیوں کے خلاف بائیکاٹ کی مہم شروع کر دی- اور نیروبی' ممباسہ' کسومو' نکورو وغیرہ شہروں میں بھی احمدیوں کا بائیکاٹ کر دیا گیا- اس آگ کو مرکزی انجمن حمایت اسلام نے بہت ہوا دی-

جمالی اور جلالی نشان

کچھ دنوں کے بعد سائیں لال حسین صاحب جنجہ (یوگنڈا) پہنچے تو وہاں کی مقامی انجمن حمایت اسلام کے سیکرٹری عبدالغفور صاحب نے جو سائیں صاحب کو جنجہ بلانے کے محرک تھے احمدیوں کے خلاف بائیکاٹ کی مخالفت کی- اس پر وہ عبدالغفور صاحب کے درپے آزار ہو گئے اور انہوں نے تحقیق و مطالعہ کے بعد ۱۹۳۶ء میں بیعت کرلی اور عدن سے حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں یہ عریضہ لکھا-

سیدنا و مولانا حضرت امیر المومنین خلیفتہ المسلمین خلیفہ ثانی حضرت مسیح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ'- پس از سلام الاسلام مسنون عارض ہوں کہ خاکسار کا نام محمد عبدالغفور ہے اور گزشتہ سال جب آپ کے نظام تبلیغ کے ماتحت شیخ مبارک احمد صاحب مشرقی افریقہ

تشریف لائے اور ان کے مقابلہ کے لئے مسلمانوں نے مولوی لال حسین صاحب اختر کو افریقہ بلایا۔ تو ان دنوں خاکسار اہل سنت والجماعت کی انجمن کا سیکرٹری تھا۔ لال حسین صاحب کی آمد پر بڑا شور وغوغا مچا۔ ظاہری نمائش کے مطابق ان کا استقبال کیا گیا اور زمین و آسمان کا درمیانی خلا ان کی تعریف سے پر کر دیا گیا۔ آخر کار جب لیکچروں کا بندوبست کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اختر صاحب سوائے طوطے کی رٹ کے کچھ نہیں جانتے۔

اس وقت تعصب کی پٹی آنکھوں پر بندھی تھی مگر وہ اس طرح سرکنی شروع ہوئی کہ جب اختر صاحب سے کوئی سوال کیا تو فوری جواب ملا کہ کیا احمدیوں سے ملاقات کی ہے ان کی تعلیم کا اثر گفتگو سے مترشح ہوتا ہے۔ لوگوں نے منع کیا کہ مولوی صاحب محتاط رہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ شخص آپ کے یہاں ہوتے ہوئے احمدی ہو جائے۔ آخر جب احمدیوں کے بائیکاٹ کا فتنہ شروع ہوا تو بندہ نے صدر صاحب سے اجازت حاصل کر کے اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ آغا خانی اور شیعہ وہابی وغیرہ وغیرہ کا بائیکاٹ بھی ہونا چاہئے اور اگر آپ بائیکاٹ کا سلسلہ شروع کریں گے تو نصاریٰ' یہودی' اہل ہنود' سکھ' پارسی سب کا کرنا ہو گا۔ پھر اختر صاحب تبلیغ کسے کریں گے۔ الٹے پاؤں انہیں ہندوستان جانا پڑے گا۔ اس پر بعض لوگوں نے جو کہ مینجنگ میٹنگ کے ممبر تھے۔ میری حمایت کی اور کہا مولانا فی الحال یہ قدم اٹھانے کے لئے لوگ تیار نہیں اس ناکامی سے جھلا کر مولوی صاحب مجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہو گئے۔ اس وجہ سے ملازمت چھوڑنی پڑی۔ ایک خاندان میں میرا رشتہ قرار پا چکا تھا اس سے دستبردار ہونا پڑا"۔ ۵۲۶

انجمن کے سیکرٹری کا احمدی ہو جانا ایک جمالی نشان تھا لیکن ایک جلالی نشان کا ظہور ابھی باقی تھا یعنی اس انجمن کے بانی مبانی اور روح رواں سید احمد الحداد کی عبرتناک ہلاکت۔ ۵۲۷ سید احمد الحداد میگاڈی میں کمپنی کے منظور کردہ راشن اور پٹرول کی دکان کے مالک تھے۔ ساری آبادی کی سپلائی کا یہی ایک سٹور تھا۔ اس لئے وہ بہت بڑی تجارت کے مالک تھے۔ آخر نیروبی سے میگاڈی کے رستے میں موٹر کے حادثہ میں لقمہ اجل ہوئے۔ جس کا اثر انجمن حمایت اسلام کی مساعی پر بھی ہوا اور مخالفت میں نمایاں کمی ہو گئی اور پہلا سا زور نہ رہا۔ اور ۱۹۳۶ء میں لال حسین صاحب اختر بھی واپس ہندوستان چلے جانے پر مجبور ہوئے۔ ۵۲۸

رسالہ "ماہیبنزی یا منگو" کا اجراء

جب حالات کچھ سازگار ہوئے تو شیخ مبارک احمد صاحب نے تبلیغ اسلام کے بنیادی اور اساسی کام کی طرف پوری توجہ شروع کر دی اور جنوری ۱۹۳۶ء میں ممباسہ سے "ماہیبنزی یا منگو" (MANGU

(MAPENZI YA) کے نام سے ایک ماہوار سواحیلی رسالہ جاری کیا۔ [۵۲۹] رسالہ کا پہلا نمبر ایک ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا۔ دوسرے نمبر سے اس کی اشاعت دو ہزار کردی گئی اور پہلے نمبر کو بھی دوبارہ دو ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا۔ چند ہی نمبر شائع ہوئے تھے کہ عیسائیوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ اور (رسالہ رفیقی یٹو (RAFIKI YETU) کے ایک یورپین ایڈیٹر نے شیخ مبارک احمد صاحب کو ایک چٹھی میں لکھا کہ تم نے اپنے آپ کو سخت جنگ میں ڈال دیا ہے اور تم ناکام رہو گے۔ [۵۳۰]

اسی رسالہ نے اگست ۱۹۳۷ء کے پرچہ میں اعلان کیا کہ جو کوئی یہ رسالہ پڑھے گا وہ گناہگار ہو جائے گا ہر کیتھولک کو چاہئے کہ اس قسم کا رسالہ جب بھی اس کے ہاتھ میں آجائے۔ تو آگ میں اسے ڈال دے۔ [۵۳۱]

مگر چرچ کی مخالفت کے باوجود یہ رسالہ آج تک کامیابی سے جاری ہے اور اس نے ملک میں زبردست حرکت پیدا کردی ہے۔

احمدیہ مسلم سکول ٹبورا

افریقن میں تبلیغ کے لئے تعلیم کا انتظام از بس ضروری تھا۔ اس ضرورت کے پیش نظر شیخ مبارک احمد صاحب نے ٹبورا [۵۳۲] میں احمدیہ مسلم سکول کی بنیاد رکھی اس سکول کے قیام کی راہ میں بہت مشکلات پیدا کی گئیں۔ اور حکومت کے افسروں میں سے خصوصاً مسٹر بیگشا (MR BAGSHAW) نے جو ان دنوں پراونشل کمشنر اور مذہباً کیتھولک تھے اس کی سخت مخالفت کی مگر کئی ماہ کی مسلسل کوشش کے بعد محکمہ تعلیم کی طرف سے منظوری مل گئی اور ۱۱/ جنوری ۱۹۳۷ء کو اس پہلے احمدیہ سکول کا افتتاح کیا گیا۔ [۵۳۳] ٹبورا سکول کے افتتاح سے نہ صرف عیسائیوں کو یہ احساس پیدا ہو گیا کہ ہمارے مقابلہ کے لئے مستقل طور پر ایک جماعت میدان میں نکل آئی ہے بلکہ حکومت نے بھی اس کی اہمیت کو تسلیم کیا چنانچہ ۱۹۳۶ء کی سالانہ رپورٹ میں لکھا کہ۔

"یہ امر قابل ذکر ہے کہ سب سے پہلی منظم تبلیغی سوسائٹی یعنی "احمدیہ ہندوستانی مشن" نے دوران سال میں افریقن باشندوں میں کام شروع کیا۔ ان کا سب سے پہلا سکول ٹبورا شہر میں قائم کیا گیا ہے جس کی حاضری کافی ہے۔ (صفحہ ۱۸) [۵۳۴]

افسوس مخالفین کی شورش اور بائیکاٹ کے باعث ۴۱-۱۹۴۰ء میں یہ سکول بند کردیا گیا۔

تبلیغ اسلام کے دوسرے ذرائع

سکول کے اجراء کے بعد شیخ مبارک احمد صاحب نے اشاعت اسلام کے دوسرے ذرائع کی طرف بھی خاص

توجہ دینا شروع کردی۔

سرکاری سکولوں میں مذہبی تعلیم کے لئے ہفتہ میں دو دن وقت رکھا جاتا تھا۔ عیسائی مشنری اس سے فائدہ اٹھاتے تھے مگر مسلمانوں نے اس سے اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ مکرم شیخ صاحب نے افریقن سکول ٹبورا میں باقاعدگی سے لڑکوں کو دینی تعلیم دینا شروع کی۔ گورنمنٹ سکول ٹبورا کے بعض طالب علم جو آپ کے زمانہ میں پڑھتے تھے۔ آزادی کے بعد اکثر حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔

سکولوں کے علاوہ ٹبورا جیل میں بھی انہوں نے پیغام حق پہنچانا شروع کیا جس سے بہت عمدہ نتائج برآمد ہوئے اور یہ طریق سلسلہ کی شہرت کا باعث بھی ہوا۔ چنانچہ حکومت کی سالانہ رپورٹ ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا کہ۔

دوران سال میں ایک نیا مسلم استاد ٹبورا میں آیا ہے جس نے خوابیدہ اور پرانے خیال کے باشندوں میں اپنی قوت کے ساتھ ہلچل پیدا کردی ہے وہ پرامن طریق سے اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہے۔ ۵۳۵ (ترجمہ)

تبلیغ اسلام و احمدیت کے لئے آپ نے اور بھی کئی طریق اختیار کئے۔ مثلاً انفرادی ملاقاتیں' جلسے' مقامی اخبارات ۵۳۶ میں مضامین کی اشاعت' تقسیم کتب' تبلیغ بذریعہ خطوط' بلند پایہ شخصیتوں کی دعوتیں' مناظرات جلسہ ہائے سیرت النبیؐ ' ریڈیو سے تقاریر' تبلیغی مجالس کا قیام' یوم التبلیغ غیر مسلموں کی مذہبی کانفرنسوں میں شمولیت وغیرہ وغیرہ۔

نیروبی میں مخالفت کا نیا دور

۳۸-۱۹۳۷ء میں یہاں مخالفت کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ مشرقی افریقہ کا ساحل چونکہ ہندوستان کے ساحل سے نزدیک ہے۔ اس لئے ہندوستان میں جب کوئی تحریک اٹھتی ہے اس کی بازگشت فوراً مشرقی افریقہ میں بھی سنائی دیتی ہے چنانچہ ۱۹۳۴ء ۵۳۷ کی احراری شورش کی طرح یہاں بھی شورش پیدا ہوگئی۔ پھر ۱۹۳۷ء ۵۳۸ میں مصری صاحب نے سر اٹھایا تو ان کا لٹریچر خاص طور پر افریقہ کے غیر احمدیوں نے منگوایا اور پھیلا دیا۔ جو ٹریکٹ ہندوستان میں ضبط ہوتے اس جگہ ان کی اشاعت کی جاتی۔

نیروبی کی انجمن حمایت اسلام نے اس سال کئی ہزار شلنگ خرچ کرکے اپنا پریس قائم کیا اور ایک اخبار "مسلم" کے نام سے جاری کردیا اور اس میں احمدیت کے خلاف گند اچھالنے لگے اسی طرح یوگنڈا کی مسلم ایسوسی ایشن نے افریقن باشندوں میں زہریلا پروپیگنڈا کیا اور پرنس بدرو کی طرف سے (جو یوگنڈا ۵۳۹ کے عیسائی بادشاہ کے چچا اور افریقن مسلمانوں کے لیڈر تھے) اشتہار دیا کہ شیخ مبارک احمد

اس علاقے کے مسلمانوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ لوگ اس کی باتیں نہ سنیں اور اس سے بچیں۔ [۵۴۰]

اس مخالفت کا اثر یہ ہوا کہ جہاں عام لوگ احمدی لٹریچر پڑھنے سے گریز کرنے لگے وہاں افریقن احمدی جماعت کے مخصوص مسائل پر خدا کے فضل سے اور پختہ ہو گئے اور برملا کہنے لگے کہ "اگر احمدیت کفر ہے تو جاؤ ہم کافر ہی سہی"۔ [۵۴۱]

ٹبورا (ٹانگانیکا) میں مقدمات

۱۹۳۷ء کے شروع میں مخالفت کی لہر نیروبی سے گزرتی ہوئی ٹبورا میں بھی پہنچ گئی اور احمد صالح (افریقن مجسٹریٹ) پولیس کے افسر، ڈسٹرکٹ آفیسر اور مقامی پنجابی سب کے سب شیخ مبارک احمد صاحب کی تبلیغی سرگرمیوں کو روکنے میں متحد ہو گئے اور بالآخر احمد صالح نے سازش کر کے ان کے اور قاری محمد یٰسین صاحب کے خلاف دو جھوٹے مقدمات کھڑے کر دیئے۔ ایک مقدمہ (TRESSPASS) اور دوسرا مذہبی جذبات کے مجروح کرنے کا۔ ان مقدمات کی سماعت کھلی عدالت میں ہوئی۔ مرزا بدرالدین صاحب بیرسٹر اور مسٹر نیینے ایڈووکیٹ نے وکالت کی غیر احمدی مولویوں نے بڑے بڑے جبے پہن کر اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر عدالت میں جھوٹی گواہیاں دیں۔ پادری بھی دیکھنے آئے کہ احمدی مبلغ مجرموں کے کٹہرہ میں بیٹھا ہے۔ تقریباً گیارہ دن دونوں مقدمات کی سماعت ہوئی اور آخر عدالت نے ایک مقدمہ میں ۱۰۰ شلنگ شیخ مبارک احمد صاحب کو جرمانہ کیا اور محمد یاسین صاحب بری کر دیئے گئے اور دوسرے مقدمہ میں محترم شیخ صاحب کو تا برخاست عدالت قید، ایک سال کے لئے حفظ امن کی دو ضمانتیں اور ۲۰۰ شلنگ جرمانہ۔ [۵۴۲] اور محمد یاسین صاحب کو سو شلنگ جرمانہ کیا گیا۔ اس فیصلہ پر مخالفین احمدیت کی چڑھ بنی اور انہوں نے مشہور کر دیا کہ احمدی مبلغ نکلوا دیا گیا ہے۔ [۵۴۳]

مکرم شیخ مبارک احمد صاحب کا بیان ہے کہ شہر کا افریقن مجسٹریٹ احمد صالح اشد مخالف تھا اور مقدمات وغیرہ بھی اس نے شروع کرائے تھے۔ جس احمدی افریقن کے خلاف مقدمہ اس کے پاس جاتا تو خواہ وہ معاملہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو تاوہ اپنے پورے اختیارات کو کام میں لے آتا۔ ہمارے دو افریقن بھائیوں کا اپنی بیویوں سے کسی بات پر اختلاف تھا ان میں سے ایک کو اس نے اپنی عدالت میں پٹوایا۔ اور پھر توہین عدالت کے الزام میں اسے ۵۰ شلنگ جرمانہ بھی کر دیا۔ میں نے اس شخص کا معاملہ ڈسٹرکٹ آفیسر کے سامنے رکھا اور اسے پوری طرح سمجھایا مگر وہ افریقن مجسٹریٹ کا طریق کار درست ہی قرار دیتا رہا۔ حالانکہ اس بات کی شہادت بھی اس کے سامنے رکھی گئی تھی وہ احمدی محض "قادیانی" کہہ کر پیٹا گیا۔ اور پھر ہتھکڑی لگا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ یہ شخص مجسٹریٹ کی توہین کے درپے تھا۔ ساتھ ہی جب احمدی معلم مسعودی کے بھائی نے کہا کہ کیوں بے گناہ پر ظلم کرتے ہو تو اسے

بھی ساتھ ہی ہتھکڑی لگادی گئی اور اس سے کہا گیا کہ اچھا تم بھی اس کی مدد کرتے ہو۔

غرض کہ افریقن مجسٹریٹ نے خاص طور پر مخالفت میں حصہ لیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ احمدیوں کی نعشیں قبرستانوں میں دفن کئے جانے سے انکار کیا جانے لگا۔ راہ چلتے احمدیوں کو گالیاں دی جاتیں۔ ٹبورا میں یہ جوش و خروش مقدمات کے بعد کافی دیر تک قائم رہا۔ ۵۲۴ البتہ ٹبورا سے باہر اردگرد کے علاقہ میں اس کا کوئی زیادہ اثر نہ تھا بلکہ مخالفین کی غلط بیانیوں اور ستم رانیوں پر خود ٹبورا کے بعض حلقوں میں نفرت کا اظہار کیا گیا اور فیصلہ مقدمہ کے معاًبعد بیس سے زائد افراد احمدیت میں داخل ہوئے۔ ۵۲۵

بالآخر سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہدایت پر اس فیصلہ کے خلاف ہائیکورٹ میں نظر ثانی کی درخواست دی گئی۔ مسٹر ہرے سیرن بیرسٹر نے پیروی کی۔ ۳۰/ ستمبر ۱۹۳۷ء کو چیف جسٹس (K.C. KNIGHT BRUCE) نے فیصلہ سنایا کہ دونوں مقدمات میں عدالت ماتحت اور پولیس کی کارروائی سراسر غیر مناسب اور روح آئین کے خلاف ہے۔ فاضل جج نے TRESSPASS کے مقدمہ میں مکرم شیخ مبارک احمد صاحب کو بالکل بری کر دیا اور دوسرے مقدمہ میں ضمانتیں خلاف قانون قرار دیں اور ۲۰۰ کی بجائے جرمانہ ۵۰ شلنگ کر دیا۔

ہائیکورٹ کا فیصلہ ٹبورا میں پہنچا تو نہ معلوم افریقن میں کیسے مشہور ہو گیا کہ احمدی مبلغ اپیلوں میں جیت گیا اور مجسٹریٹوں اور پولیس کو فیصلہ میں برا بھلا کہا گیا۔ اس فیصلہ کی وجہ سے احمدیت کا ایک رعب لوگوں میں بیٹھ گیا اور ان کے جوش و خروش میں بھی کمی آ گئی۔ ۵۲۶

احمدیہ مسجد ٹبورا

مشرقی افریقہ میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں ایک اہم ضرورت یہ تھی کہ ملک کے طول و عرض میں مساجد تعمیر کی جائیں۔ گرجوں کی بلند و بالا عمارتیں دیکھ کر افریقنوں کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ شاید گرجے ہی ان کی ترقی کی بنیاد ثابت ہوں گے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی دوررس نگاہ نے اس اہم ضرورت کو محسوس کیا اور شیخ مبارک احمد صاحب کو ہدایت فرمائی کہ مساجد کی تعمیر کی طرف خاص توجہ دی جائے۔ اس ملک میں جماعت احمدیہ کے لئے یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل نے یہ آسان کر دیا اور ہر طرح کی مشکلات کے باوجود جماعت متعدد مساجد تعمیر کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس سلسلہ میں شیخ صاحب کے زمانہ میں پہلی مسجد ٹبورا میں تعمیر ہوئی۔ جماعت احمدیہ ٹبورا کے ہندوستانی افراد نے ۱۹۳۵ء میں فری ہولڈ شہر کے وسط میں مسجد کے لئے ایک قطعہ خریدا۔ جنوری ۱۹۴۱ء میں ٹاؤن شپ اتھارٹی سے تعمیر مسجد کی آخری منظوری مل گئی یکم فروری ۱۹۴۱ء کو ابتدائی انتظامات شروع کر دیئے گئے اور احمدیوں نے پہلے بنیادیں کھودیں پھر

تین دن تک مختلف مقامات سے پتھر اٹھا کر لاتے اور مسجد کی زمین پر جمع کرتے رہے۔ جب سب تیاری مکمل ہو گئی تو مکرم شیخ مبارک احمد صاحب نے ۷/ فروری ۱۹۴۱ء کو بعد نماز جمعہ مسجد کی بنیاد رکھی یہ تقریب پونے تین بجے بخیر و خوبی ختم ہوئی اور سب احمدی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

تین بجے کے قریب مکرم شیخ مبارک احمد صاحب بعض اور احمدیوں کے ساتھ ایک احمدی کی دکان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک مخالفین کا ایک جم غفیر ہاتھوں میں ڈنڈے لئے آپ کی طرف بڑھنے لگا۔ دراصل جیسا کہ بعد کو علم ہوا یہ لوگ اپنی مجلس میں فیصلہ کر چکے تھے کہ اگر تعمیر مسجد کی یہ اجازت منسوخ نہ کی گئی تو آپ قتل کر دیئے جائیں۔ اس سوچی سمجھی تجویز کے مطابق پہلے ایک شخص سائیکل پر آیا اور مکرم شیخ مبارک احمد صاحب کو موجود پاکر سواحیلی زبان میں کہنے لگا شیخ مبارک بیٹھا ہے مار ڈالو اس پر ہجوم نے دکان کا محاصرہ کر لیا احمدیوں نے فوراً دروازے بند کر دیئے حملہ آور دروازے توڑتے رہے لیکن اندر داخل نہ ہو سکے اور خیال کیا کہ مبارک احمد کسی اور رستہ سے اپنے گھر چلے گئے ہیں یہ سوچ کر وہ آپ کے مکان کی طرف دوڑے آپ کی اہلیہ صاحبہ اس وقت مکان میں تھیں۔ مگر دروازے بند تھے۔ اس لئے یہ لوگ وہاں شور و شر کر کے واپس آگئے پھر ایک احمدی دوست محمد اصغر صاحب لون پر (جو اپنے مکان میں داخل ہو رہے تھے) حملہ کر دیا کچھ چوٹیں بھی ان کو آئیں۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو ہجوم بھی داخل ہو گیا۔ اتنے میں اصغر صاحب بندوق اٹھا لائے۔ بندوق دیکھتے ہی فسادی بھاگ کھڑے ہوئے۔ جو احمدی اس وقت شورش پسندوں کے سامنے آیا۔ اسے انہوں نے خوب پیٹا۔ یہ لوگ شیخ صالح ے ۵۴ افریقن مبلغ کے مکان پر بھی گئے وہاں بھی احمدیوں نے دروازہ نہ کھولا۔ احمدیہ سکول میں ایک بوڑھے احمدی مزلیع عرفہ رہتے تھے۔ یہ لوگ ان پر ٹوٹ پڑے۔ دوسرے احمدی جو گھروں کو جا چکے تھے۔ شیخ مبارک احمد صاحب کی حفاظت کے لئے ان کے مکان پر پہنچے۔ شہر میں دکانیں بند ہو گئیں اور دہشت پھیل گئی تھوڑے وقفہ کے بعد (ڈسٹرکٹ کمشنر) مسٹر ویرین (سپرنٹنڈنٹ پولیس) مسٹر نعیم اور (سینیٹری انسپکٹر) مسٹر بولٹن سپاہیوں کے دستے کے ساتھ پہنچ گئے اور شام چھ بجے تک پوری توجہ اور فرض شناسی سے کام کرتے رہے۔ ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس شام کے وقت مکرم شیخ مبارک احمد صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ اگلی صبح کو پراونشل کمشنر آپ سے اپنے دفتر میں ملنا چاہتے ہیں۔ مسجد کے سلسلہ میں ضروری کاغذات لے کر پہنچ جائیں۔

چنانچہ اگلے روز ۸/ فروری کو آپ پراونشل کمشنر سے ملے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ احمدی اس جگہ مسجد نہ بنائیں۔ سارا معاملہ گورنر صاحب بہادر کے پاس پہنچا اور انہوں نے بھی تیسرے دن یہ احکام صادر کر دیئے کہ حکومت فی الحال موجودہ حالات کے پیش نظر اس مخصوص پلاٹ پر تعمیر

مسجد کی اجازت نہیں دے سکتی۔ ۵۴۸

اب مسجد کی زمین کے لئے کوششیں دوبارہ شروع کر دی گئیں۔ بالآخر حکومت نے ۱۹۴۲ء کے آغاز میں دس ہزار مربع فٹ کا ایک نہایت عمدہ اور باموقعہ قطعہ ننانوے سال کی اقساط اور صرف ایک شلنگ سالانہ کرایہ پر دے دیا۔ یہ جگہ پہلے تجویز شدہ مقام سے بدرجہا بہتر تھی اور یہ خدائی تصرف تھا کہ اس نے خود مخالفین کے ہاتھوں احمدیہ مسجد کے لئے اعلیٰ جگہ دلا دی۔

یہ دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا جبکہ شمالی افریقہ لڑائی کا میدان بنا ہوا تھا اور حکومت نے ہر قسم کے عمارتی سامان پر کنٹرول کر رکھا تھا۔ مگر اس نے تعمیر مسجد کے لئے فراخدلی سے سامان کی اجازت دے دی اور مقامی ٹاؤن شپ اتھارٹی نے بھی اور شیخ مبارک احمد صاحب نے جماعت کے تعاون سے مسجد کے سامان کی فراہمی کا اکثر و بیشتر انتظام کر لیا۔

اب معماروں اور مزدوروں کا سوال تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس کے لئے بھی ایک عجیب سامان پیدا کر دیا۔ جس کی تفصیل مکرم شیخ مبارک احمد صاحب کے الفاظ میں یہ ہے کہ جب ہم حکومت کی طرف سے دی گئی زمین پر مسجد تعمیر کرنے لگے تو افریقن ترکھانوں اور معماروں نے (مخالفت کے باعث) کام کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے کام رک گیا لیکن جلد ہی جنگ شروع ہو گئی اور تین ہزار اٹالین قیدی مشرقی افریقہ آگئے۔ ان قیدیوں میں لکڑی اور عمارت بنانے والے بہترین کاریگر تھے۔ مشرقی افریقہ میں معمار اور ترکھان بیس شلنگ روزانہ لیتے ہیں لیکن ہمیں یہ قیدی دو شلنگ روزانہ پر دستیاب ہونے لگے۔ ان قیدیوں کے کیمپ کا کمانڈر ایک رومن کیتھولک کرنل تھا۔ جب عیسائیوں نے دیکھا کہ قیدی ہماری مسجد تعمیر کر رہے ہیں تو اس کرنل کو لکھا اور اس نے قیدی بھیجنے بند کر دیئے اور اس طرح مسجد کی تعمیر کا کام درمیان میں ہی رک گیا۔ میں دارالسلام گیا اور وہاں ایک یورپین افسر سے ملا میرے اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے۔ اس نے ڈائریکٹر آف مین پاور ۵۴۸ کو فون کیا کہ یہ بہت بری حرکت ہے قیدی عیسائیوں کے گرجے بناتے ہیں لیکن مسجد تعمیر کرنے سے وہ روکے جاتے ہیں۔ دوسرے دن ڈائریکٹر آف مین پاور نے مجھے بلایا اور پھر قیدیوں کے انچارج کو تار دیا کہ مسجد کی تعمیر کے لئے قیدیوں کو ریلیز کیا جائے۔ ۵۴۹

شیخ مبارک احمد صاحب فاضل نے مسجد کی بنیاد ۵۵۰ ۲۷/ جون ۱۹۴۲ء کو رکھی اور خدا کے توکل پر کام شروع کرا دیا۔ تعمیر کے دوران پتھر ختم ہو گئے رمضان کا مہینہ تھا اور سخت گرمی کا موسم۔ مگر افریقن احمدی تین روز تک شہر کے قریب ایک پہاڑ سے پتھر کاٹتے اور جمع کرتے رہے۔ ۵۵۱ اس موقعہ کے علاوہ بھی متعدد بار انہوں نے یہ خدمت رضاکارانہ طور پر انجام دی۔

آخر نومبر ۱۹۴۴ء میں پینتیس ہزار شلنگ سے یہ مسجد پایہ تکمیل تک پہنچ گئی۔ [552، 553] حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس کا نام مسجد فضل تجویز فرمایا اور ۱۴/ دسمبر ۱۹۴۴ء کو اس کا باقاعدہ افتتاح مکرم شیخ مبارک احمد صاحب نے کیا۔

اس تقریب کے لئے سلطان آف زنجبار' گورنر ٹانگانیکا' گورنر کینیا کالونی چیف سیکرٹری ٹانگانیکا' ڈائریکٹر محکمہ تعلیم' اڈمنسٹریٹر سیکرٹری' امریکن' پولش اور نیدرلینڈ کے قونصلوں' اثنا عشری' سنی کیمونٹی اور پارسی کیمونٹی نے پرجوش پیغامات بھجوائے تھے۔ اسی طرح دنیا میں پھیلی ہوئی احمدی جماعتوں نے بذریعہ تار مبارکباد کے پیغامات دیئے۔ جو چوہدری مختار احمد صاحب ایاز نے پڑھ کر سنائے۔ [554]

اس علاقہ کے باا ثر اخبارات "ایسٹ افریقن سٹینڈرڈ"۔ "ٹانگانیکا سٹینڈرڈ"۔ "افریقہ سینٹینل"۔ "کینیا ڈیلی میل" اور "برازا" نے افتتاح کی تفصیلی خبر شائع کی اور ۱۶/ جنوری ۱۹۴۵ء کو نیروبی ریڈیو سٹیشن سے یہ تقریب نشر کی گئی۔ علاوہ ازیں حکومت کے خاص انتظام کے تحت بی۔ بی۔ سی سے ایک خاص مضمون بھی نشر کیا گیا۔

مشرقی افریقہ کے لئے نئے مجاہدین کی روانگی اور دائرہ تبلیغ میں وسعت

مشرقی افریقہ میں تبلیغ کا کام چونکہ پہلے سے بہت بڑھ چکا تھا اس لئے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مرکز سے نئے مجاہدین بھجوانے کا فیصلہ فرمایا۔ سب سے پہلے مولوی نور الحق صاحب انور ۲۲/ اکتوبر ۱۹۴۵ء [555] کو قادیان سے روانہ ہوئے اور ۱۷/ نومبر ۱۹۴۵ء [556] کی صبح کو ممباسہ پہنچے۔ مکرم مولوی نور الحق انور کے پہنچنے کے بعد مکرم چوہدری عنایت اللہ صاحب نے (جو ان دنوں مشرقی افریقہ ملٹری میں ملازم تھے) زندگی وقف کر دی اور اسلامی فوج کے سپاہیوں میں داخل ہو گئے اور جولائی ۱۹۴۶ء سے اسی ملک میں تبلیغی خدمات بجالانے لگے اور ایک لمبے عرصہ تک نیروبی' کسوموں' جنجہ' ٹبورا اور دارالسلام وغیرہ مقامات پر نہایت محنت و خلوص سے اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف رہے۔ [557]

مکرم چوہدری عنایت اللہ صاحب کے میدان تبلیغ میں آنے کے بعد فروری ۱۹۴۷ء [558] میں چھ مجاہدین کا ایک قافلہ قادیان سے بھجوایا گیا جو میر ضیاء اللہ صاحب' مولوی فضل الٰہی صاحب بشیر۔ [559] سید ولی اللہ صاحب' مولوی عنایت اللہ صاحب خلیل۔ [560] مولوی جلال الدین صاحب قمر [561] اور حکیم محمد ابراہیم صاحب [562] پر مشتمل تھا۔ یہ مبلغین ۲۸/ فروری ۱۹۴۷ء کو دارالسلام پہنچے۔ [563] اور تین ماہ تک ٹبورا میں مکرم شیخ مبارک احمد صاحب سے سواحیلی سیکھنے اور دوسری ضروری ٹریننگ لینے کے بعد آخر جون ۱۹۴۷ء میں نیروبی' کسوموں' یوگنڈا' ٹانگانیکا اور ٹبورا میں متعین کر دیئے گئے۔ [564]

جس سے ملک کے طول و عرض میں تبلیغ اسلام کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی اور خاص بات یہ ہوئی کہ احمدیت خاص طور پر افریقنوں میں بھی پھیلنے لگی- چنانچہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا-

"ایسٹ افریقہ میں ہماری جماعت بہت مضبوط تھی مگر مقامی باشندوں میں تبلیغ نہیں کی جاتی تھی یہ کہہ دیا جاتا تھا کہ مقامی باشندے ہماری بات ہی نہیں سنتے- میں انہیں یہی کہتا تھا کہ تم اپنی بات انہیں سناتے ہی نہیں ہو- اس لئے کہ پنجابیوں میں اپنی زبان میں تبلیغ کر لینا زیادہ آسان ہے ہندوستانیوں میں تبلیغ کر لینا زیادہ آسان ہے- میں نے شیخ مبارک احمد صاحب کو ہدایت دی کہ وہ افریقنوں میں بھی تبلیغ کی طرف توجہ دیں اور خدا تعالیٰ نے انہیں توفیق دی ہمارے ایک نوجوان [565] جو وہاں کام کرتے تھے انہوں نے زندگی وقف کر دی میں نے لکھا- انہیں وہیں رکھ لو...... شیخ مبارک احمد صاحب نے زائد آدمی مل جانے پر میری ہدایت کے مطابق انہیں افریقنوں میں تبلیغ پر لگا دیا- چھ سات ماہ کے بعد دو چار افریقن جماعت میں داخل ہو گئے- پھر انہیں چاٹ لگ گئی- اب خط آیا ہے کہ وہاں ایک آدمی کے ذریعہ چالیس افریقن احمدیت میں داخل ہوئے ہیں وہاں اب ہمارے کافی مبلغ کام کر رہے ہیں- ویسٹ افریقہ میں ہزاروں مقامی لوگ جماعت میں داخل ہیں- [566]

مشرقی افریقہ کے نئے مراکز کو تقویت پہنچانے کے لئے قیام پاکستان کے بعد جو مجاہدین حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم سے اب تک اس ملک میں تشریف لے گئے ان کے نام یہ ہیں-

مولوی محمد منور صاحب- [567] مولوی عبدالکریم صاحب شرما- [568] .... چوہدری احسان الٰہی صاحب جنجوعہ- مولوی نورالدین صاحب منیر- [569] حافظ بشیرالدین عبیداللہ صاحب (یوگنڈا) [570] مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر- [571] حافظ محمد سلیمان صاحب (نیروبی کسموں) [572] مولوی منیرالدین احمد صاحب (نیروبی کسموں) [573] مولوی عبدالخالق صاحب- [574] مولوی عبدالرحمٰن صاحب سیلونی (ٹبورا) [575] ملک جمیل الرحمٰن صاحب رفیق (دارالسلام) [576] مولوی رشید احمد صاحب سرور ٹبورا (ٹانگانیکا) [577] قاضی نعیم الدین احمد صاحب (کسموں) [578] صوفی محمد اسحٰق صاحب (یوگنڈا- کینیا) [579] شیخ ابوطالب صاحب عیدی ساندھی صاحب (ٹانگانیکا) [580] مولوی مقبول احمد صاحب ذبیح (یوگنڈا) [581] قاضی عبدالسلام صاحب بھٹی (نیروبی) [582] مولوی روشن دین صاحب (کینیا) [583] ملک احسان اللہ صاحب (دارالسلام) [584] مولوی عبدالرشید صاحب رازی (ٹبورا) [585] مرزا محمد ادریس صاحب (یوگنڈا) [586] محمد عیسیٰ صاحب (کینیا) [587]

ان سب مبلغین کی ان تھک کوشش، محنت، ایثار اور اخلاص کا یہ نتیجہ ہے کہ مشرقی افریقہ میں

اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے اور احمدیت کے قدم مضبوط سے مضبوط تر ہو گئے ہیں۔

جماعت ہائے مشرقی افریقہ کی سالانہ کانفرنس

جب ٹبورا کی مسجد کا ۱۹۴۴ء میں افتتاح ہوا اور مشرقی افریقہ کے مختلف علاقوں سے احمدی شامل ہوئے تو مشرقی افریقہ کی سالانہ کانفرنس بھی منعقد کی گئی اس کانفرنس میں یہ بھی فیصلہ ہوا کہ ہر سال مشرقی افریقہ کے احمدیوں کی کانفرنس ہوا کرے اس کے بعد دوسری کانفرنس کا انعقاد دسمبر ۱۹۴۵ء میں نیروبی کے مقام پر ہوا۔ مکرم شیخ مبارک احمد صاحب رئیس التبلیغ کے علاوہ اس میں مولوی نور الحق صاحب انور، شیخ امری عبیدی صاحب مرحوم اور شیخ صالح صاحب بطور مبلغین شامل ہوئے۔ چند سال بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم پر مشن کے بجٹ، اخراجات اور آمد کے علاوہ گزشتہ جدوجہد کے جائزہ اور نئے سال کا پروگرام مرتب کرنے کے لئے مالی اور تبلیغی معاملات کی دو سب کمیٹیاں تشکیل کی گئیں جن میں ہر سال چھ مبلغین اور چھ منتخب نمائندے مشرقی افریقہ کے شامل کئے جاتے تھے۔ ان کمیٹیوں کے صدر رئیس التبلیغ شیخ مبارک احمد صاحب تھے۔ ۵۸۸

اس نئے طریق پر کانفرنس پہلی بار کمپالہ میں پھر نیروبی میں ہوئی اور پھر باقاعدہ ہر سال منعقد ہوتی رہی۔ آخری کانفرنس دسمبر ۱۹۶۰ء میں دار السلام کی مسجد میں منعقد ہوئی۔

ٹبورا کے پادریوں کا مقابلہ

جولائی اگست ۱۹۵۰ء کا واقعہ ہے کہ ٹبورا کے ایک رومن کیتھولک پادری نے اسلام اور آنحضرت ﷺ کے خلاف اپنے رسالہ "KIONGOZI" میں بہت کچھ لکھا اور مولوی جلال الدین صاحب قمر نے راتوں رات مکرم امری عبیدی صاحب کی معیت میں ایک مختصر سا اشتہار احمدیہ پریس ٹبورا ۵۸۹ سے شائع کیا جس میں پادریوں کے الزامات کا مختصر جواب دے کر ان کو پبلک مناظرہ کی دعوت دی۔

اس اشتہار سے عیسائیوں میں کھلبلی مچ گئی اور مسلمانوں کی طرف سے خوشی اور مسرت کے خطوط آنے شروع ہو گئے چنانچہ زنجبار کے مشہور و معروف عالم شیخ عبداللہ صالح نے سواحیلی میں مکرم مولوی جلال الدین صاحب قمر کے نام ایک خط لکھا کہ آپ کا مضمون "حق ہی غالب ہوتا ہے"۔ پر مبارکباد دیتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور ان تمام کو جو حق کی حمایت میں کمربستہ ہیں۔ اگرچہ میں احمدیوں کی بعض باتوں سے اتفاق نہیں رکھتا لیکن خدا تعالیٰ اور اس کے مقدسوں کے سامنے اس بات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ احمدیوں کے اندر حفاظت اسلام کے لئے جو غیرت ہے وہ مجھے بے حد محبوب ہے احمدی قطعاً اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے کہ اسلام کے خلاف کچھ لکھا یا کہا جائے اور جب تک اس کا شافی جواب دے کر دشمن اسلام کو خاموش نہ کر دیں دم نہیں لیتے۔ خصوصاً افریقہ کے

عیسائیوں کو دست بدست لینے میں جو کمال جرات دکھائی ہے وہ انہیں کا کام ہے"۔ ۵۹۰

سواحیلی ترجمہ قرآن

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تحریک تراجم قرآن کریم کے ماتحت مکرم مولانا شیخ مبارک احمد صاحب نے نومبر ۱۹۳۶ء میں قرآن مجید کے سواحیلی ترجمہ کا مقدس کام شروع کیا۔ ۵۹۱ محترم شیخ صاحب ترجمہ کر چکے تو مسودہ پر "انٹرٹیریٹوریل لنگویج کمیٹی فار سواحیلی" نے (جس میں کینیا اور زنجبار کے سواحیلی زبان کے ماہر شامل تھے) ناقدانہ نظر ڈالی اور جائزہ کے بعد رائے دی کہ بحیثیت مجموعی یہ ترجمہ اچھا ہے۔ تاہم ماہرین زبان کے مشورہ سے بعض اصول زبان دانی و ترجمہ وضع کئے گئے اور ان کے مطابق محترم شیخ صاحب نے ترجمہ پر نظر ثانی کی۔ اس اہم کام میں شیخ امری عبیدی صاحب ۵۹۲ اور مولوی محمد منور صاحب نے مکرم شیخ صاحب کے ساتھ مل کر بہت ہی قابل قدر کام کیا۔ جب ہر طرح سے ترجمہ کی سلاست و صحت کا یقین ہو گیا اور مختصر تفسیری نوٹ بھی مکمل ہو گئے تو اسے حوالہ طباعت کیا گیا اور آخر سترہ سال کی محنت شاقہ اور دو لاکھ شلنگ کے صرف کثیر سے یہ ترجمہ مارچ ۱۹۵۳ء میں دس ہزار کی تعداد میں منظر عام پر آگیا۔ دیباچہ کے لئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اردو میں ایک خاص ۵۹۳ مضمون ارسال فرمایا جو سواحیلی زبان میں ترجمہ کر کے شامل کیا گیا اور اس کی سب سے پہلی کاپی بذریعہ ہوائی ڈاک حضورؓ کی خدمت اقدس میں بھیج دی۔ حضورؓ انور نے بذریعہ تار قرآن کریم کے ترجمہ سواحیلی کی اشاعت اور تقسیم کی اجازت مرحمت فرمائی۔

سواحیلی ترجمہ قرآن کی اشاعت ۵۹۴ سے مشرقی افریقہ مشن کی تاریخ کا ایک نیا اور سنہری دور شروع ہوتا ہے جو اشاعت اسلام میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس ترجمہ سے مشرقی افریقہ میں تبلیغ و اشاعت اسلام کا کام پہلے کی نسبت بہت آسان ہو گیا اور قرآن مجید کی روشنی سے اس تاریک براعظم کے مقامی باشندے بھی منور ہونے لگے۔

چنانچہ ایک افریقن چیف نے لکھا۔

"ہم گھرے اندھیرے میں تھے اور روحانی طور پر مردہ۔ قرآن کریم کے سواحیلی ترجمہ کی اشاعت سے اسلام کے نور سے ہمیں منور کیا گیا ہے اور افریقن اقوام کو ابھارنے کی عمدہ سعی کی گئی ہے"۔

مشرقی افریقہ میں آزادی کے علمبردار مشہور لیڈر مسٹر جوموکنیاٹا (حکومت کینیا کے موجودہ صدر) اور ان کے ساتھیوں کو جبکہ وہ ماؤ ماؤ تحریک کو منظم کرنے کے الزام میں گرفتار تھے سواحیلی ترجمہ بھجوایا گیا۔ مسٹر جوموکنیاٹا نے تین دفعہ یہ ترجمہ پڑھا اور کہا ابھی اس کو پھر پڑھنے کا شوق ہے نیز ایک مجلس میں برملا کہا کہ اسلام توحید و مساوات کا علمبردار ہے اور عیسائیت بت پرستی اور شرک کی تعلیم سے

ملوث۔ [۵۹۵]

اسی طرح مسٹر جولیس نیریرے (صدر جمہوریہ ٹانگانیکا) مسٹر رشیدی کواوا (نائب صدر جمہوریہ ٹانگا نیکا) کابینہ کے ارکان اور دیگر سیاسی اور قومی لیڈروں نے اسے بڑے شوق سے پڑھا اور قدرو منزلت کی نگاہ سے دیکھا۔ [۵۹۶]

مسٹر لنڈن ہیرس ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی لکھتے ہیں۔

"۱۹۵۳ء میں قرآن کریم کا ایک نیا ترجمہ طبع ہو کر منظر عام پر آیا ہے۔ یہ ترجمہ جماعت احمدیہ کے ایک سرکردہ رکن شیخ مبارک احمد صاحب نے نیروبی سے شائع کیا ہے اس سواحیلی ترجمہ میں قرآنی آیات کی احمدیہ نکتہ نگاہ سے تفسیر بھی درج کی گئی ہے اور ساتھ ہی اس میں وہ تفسیر بھی شامل کی گئی ہے جو صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے قبل ازیں شائع ہو چکی ہے۔ تاہم بائیبل کے حالیہ سواحیلی ترجموں مثلاً "یونین ورشن آف دی بائیبل" اور مشرقی افریقہ کے اخبارات اور آرچ بشپ آف یارک ایسے نامور عیسائی لیڈروں کے تبصروں کے اقتباسات اور حوالے وغیرہ درج کرکے اسے زیادہ سے زیادہ مکمل کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب عالمانہ شان اور جدت کی پوری آئینہ دار ہے ...... اگرچہ دوسرے متعصب قسم کے مسلمان جماعت احمدیہ کو بدعتی سمجھتے ہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ لوگ تمام ہم مذہب فرقوں کے مقابلہ میں اپنے مذہب کا زیادہ بہتر طریق پر دفاع کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ آج اسلامی دنیا میں ان سے زیادہ فعال تبلیغی جماعت موجود نہیں۔ یہ امر خاص طور پر نمایاں حیثیت کا حامل ہے کہ تمام مسلمان فرقوں میں سے صرف یہی ایک ایسا فرقہ ہے جو افریقہ کے قبائلی مسلمانوں کے درمیان پاؤں جمانے اور اپنے آپ کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہا ہے"۔ [۵۹۷] کیمرج یونیورسٹی نے INTRODUCTION TO THE HISTORY OF EAST AFRICA. کتاب میں مشرقی افریقہ میں تبلیغ اسلام کے تاریخی حالات لکھتے ہوئے مندرجہ ذیل نوٹ شائع کیا۔

"اسلام کا مشرقی افریقہ میں یہ پہلا تبلیغی مرکز جماعت احمدیہ نے ۱۹۳۵ء میں ٹبورا (ٹانگانیکا) میں قائم کیا اور اب یہ فرقہ ہر سہ علاقوں میں تبلیغی کام کر رہا ہے۔ اس فرقہ کا سب سے پہلا اور اہم کام جو اس کے مبلغ شیخ مبارک احمد صاحب نے سرانجام دیا ہے وہ سواحیلی ترجمۃ القرآن مع تفسیری نوٹوں کے ہے اور دوسرا اسلامی لٹریچر بھی شائع کیا جارہا ہے"۔

کسموں میں مسجد کی تعمیر

۱۹۵۳ء میں مولوی عنایت اللہ صاحب خلیل نے مسجد کسموں کی بنیاد رکھی۔ یہ مسجد اپریل ۱۹۵۴ء کو تکمیل تک پہنچی بعد میں یہاں مشن ہاؤس بھی تعمیر کیا گیا جو ستمبر ۱۹۵۴ء میں مکمل ہوا۔ [۵۹۸]

شیخ امری عبیدی صاحب کی اسلامی خدمات

مشرقی افریقہ مشن کی تاریخ میں شیخ امری عبیدی جیسے عالم باعمل اور صاحب رؤیاء کا نام ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ محترم عبیدی صاحب نومبر ۱۹۳۶ء [۵۹۹] میں شیخ مبارک احمد صاحب کی تبلیغ سے داخل احمدیت ہوئے اور آپ کے زیر تربیت دینی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ پھر آپ ہی کی تحریک پر سرکاری ملازمت سے فارغ ہو کر یکم اکتوبر ۱۹۴۳ء [۶۰۰] سے مبلغین سلسلہ میں شامل ہو کر مشرقی افریقہ میں تبلیغی خدمات بجالانے لگے۔

خدا تعالیٰ نے آپ کو زبردست دماغ بخشا تھا اور تقریر کی غیر معمولی قابلیت بھی عطا کر رکھی تھی۔ اب جو تبلیغی میدان میں آئے تو خدا تعالیٰ کی غیر معمولی نصرت ان کے شامل حال ہوئی اور آپ کے ذریعہ سے کئی لوگوں کو حق پہچاننے کی توفیق ملی۔ اسی طرح سواحیلی لٹریچر تیار کرنے میں آپ نے شیخ مبارک احمد صاحب کا پورے اخلاص وفدائیت کے ساتھ ہاتھ بٹایا۔

۱۹۵۴ء میں آپ ربوہ بھجوائے گئے اور مزید مذہبی تعلیم حاصل کر کے ۲۴/ اپریل ۱۹۵۶ء کو واپس مشرقی افریقہ تشریف لے گئے۔

ان دنوں افریقہ کی تحریک آزادی زوروں پر تھی۔ قانون کے اندر رہتے ہوئے انہوں نے بھی اس میں مناسب حصہ لیا اور اس میدان میں بڑا نام پیدا کیا۔ بڑے سے بڑے افریقن سیاسی رہنما ان سے مشورہ کرتے اور ان کی رائے کی قدر کرتے تھے۔

۱۵/ فروری ۱۹۶۰ء [۶۰۱] کو پہلی بار دارالسلام کے میئر منتخب ہوئے جس سے تبلیغ کا ایک نیا رستہ کھل گیا اور سرکاری حلقوں میں بھی اسلام اور احمدیت کی آواز بلند ہونے لگی۔ یاد رہے دارالسلام وہی علاقہ تھا جہاں احمدی مبلغین کی سخت مخالفت کی گئی اور بعض اوقات ان کی قیام گاہوں پر پتھراؤ کیا جاتا تھا اور شیخ امری عبیدی تو احمدی ہونے کی وجہ سے نکال دیئے گئے تھے اور ان کے قتل کرنے کی دھمکیاں دی جا چکی تھیں۔ میئر بننے کے بعد آپ ٹانگانیکا لیجسلیٹو کونسل کے بلامقابلہ ممبر بھی منتخب ہو گئے۔ [۶۰۲]

ایک بار اسمبلی میں حقوق شہریت کا بل پیش ہوا۔ جس کے پاس نہ ہونے کی صورت میں وہاں ایشیائی باشندوں کے لئے زبردست مشکلات پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اسمبلی میں اس کی سخت مخالفت ہوئی۔ اس موقعہ پر جناب امری عبیدی صاحب نے دعا کی کہ انہیں ایسی تقریر کرنے کی توفیق ملے جس سے ہاؤس کی رائے بدل جائے اور حکومت کے حسب منشا بل پاس ہو جائے تا افریقنوں کے ساتھ ساتھ ایشیائی اور یورپی باشندے بھی مساوی حقوق شہریت کے حقدار قرار پا سکیں۔ چنانچہ انہوں نے خدائی تائید سے ایسی معرکتہ الاراء تقریر کی کہ ہاؤس کی رائے یکسر بدل گئی۔ تقریر ختم ہوتے ہی

وزیر اعظم چل کر آپ کے پاس آئے اور آپ سے بغل گیر ہو کر نہایت مدلل اور کامیاب تقریر پر آپ کو مبارکباد دی۔ اخبارات نے آپ کی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ ہاؤس میں ایسی عمدہ تقریر آج تک نہیں ہوئی۔ یورپی اور ایشیائی باشندوں نے بھی آپ کی تقریر کو بہت سراہا اور بعض کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ یہ احمدیہ مشن ہی کا ایک ثمرہ ہے۔

آپ کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ نے ٹانگانیکا میں عید الاضحیٰ کی تعطیل عام کا سوال اٹھایا اور حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم کر لیا۔ اسی طرح انہی کے زور دینے پر یہ فیصلہ بھی ہوا کہ جمعہ کے دن سرکاری دفتروں میں مسلمان ملازمین کو بارہ بجے کے بعد رخصت ہو گی۔ ۶۰۳

۱۹۶۲ء کے شروع میں ہی آپ ٹانگانیکا کے مغربی صوبہ کے ریجنل کمشنر مقرر کر دیئے گئے۔ ۱۲/ مارچ ۱۹۶۳ء کو ٹانگانیکا کے وزیر انصاف مقرر کئے گئے۔ ۱۹۶۴ء کے شروع سے جب زنجبار کا علاقہ ٹانگانیکا سے ملا دیا گیا تو انہیں تعمیر قومی و ثقافت ملیہ کی وزارت سونپی گئی۔ اس عہدہ پر فائز ہونے کے بعد آپ کی صحت خراب ہونے لگی اور مغربی جرمنی کے شہربان میں قریباً دو ماہ زیر علاج رہنے کے بعد ۹/ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ ۱۶/ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو پورے فوجی اعزاز کے ساتھ احمدیہ قبرستان چنگومبے کے قطعہ موصیان میں دفن کئے گئے۔ آپ کے جنازہ میں ٹانگانیکا کے صدر اور کینیا اور یوگنڈا کے وزرائے اعظم اور دیگر اعلیٰ حکام بھی شامل ہوئے اور ٹانگانیکا اور زنجبار ریپبلک کے صدر مملکت ڈاکٹر جولیس نیریرے نے کہا۔

"ہم میں سے ان بہت سے لوگوں کے لئے جن کے ایک لمبے عرصہ سے ان کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے ان کی وفات ایک ذاتی نقصان کی حیثیت رکھتی ہے مزید برآں ان کی وفات ہماری قوم کے لئے بھی ایک عظیم نقصان ہے ان کی عظیم لیاقتیں اور ان کی خدمات بلاپس و پیش اس ملک کے لوگوں کے لئے ہمیشہ وقف رہیں۔ ہم اپنے درمیان اس خلاء کو برداشت کرنے کی تاب نہیں رکھتے"۔ ۶۰۴

مسجد دارالسلام کی تعمیر

۱۹۵۵ء میں ٹانگانیکا کے دارالحکومت دارالسلام میں مسجد کی بنیاد رکھی گئی اس وقت مولوی جلال الدین صاحب قمر اور مولوی عبدالکریم صاحب شرما دارالسلام میں متعین تھے۔ یہ مسجد ایک لاکھ شلنگ کے خرچ سے مکمل ہوئی اور ۱۵/ مارچ ۱۹۵۷ء کو اس کا افتتاح ہوا۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس موقعہ پر ایک اہم پیغام ارسال فرمایا۔ جس میں اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ "میں یوگنڈا کے علاقہ میں بھی مسجد کی تعمیر کی خوشخبری سننے کا منتظر ہوں"۔ ۶۰۵

مسلمانان مشرقی افریقہ کی تعلیمی ترقی کے لئے جدوجہد

افریقن مسلمانوں کی تعلیم کا سوال اسلام کی ترقی و استحکام کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے احمدیہ مشن مشرقی افریقہ نے اپنے محدود ذرائع کے باوجود اس طرف شروع سے خاص توجہ کی ہے۔

ممباسہ میں افریقن مسلمان آبادی چالیس ہزار کے قریب ہے مگر تعلیم سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے لیجسلیٹو کونسل کے لئے ایک بھی مسلمان کھڑا نہیں ہوتا تھا۔ مولوی نورالدین صاحب منیر (کینیا کے احمدی مبلغ) نے اعلیٰ سرکاری افسروں سے ملاقات کی اور ان کو توجہ دلائی کہ وہ افریقن مسلمانوں کی تعلیم کے لئے سہولتیں بہم پہنچائیں۔

اس کے علاوہ آپ نے پریس میں ممباسہ کے مسلمان بچوں کے اعداد و شمار دیئے جس میں بتایا کہ دس ہزار بچے تعلیم سے محروم ہیں۔ اس جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنوری ۱۹۵۷ء سے ایک نیا سکول جاری ہو گیا جس میں افریقن مسلمانوں نے خاصی تعداد میں بچے بھجوائے اور حکومت ممباسہ نے افریقن مسلم سوسائٹی کو مالی امداد دینے کا بھی وعدہ کیا۔[١٠٦، ١٠٧]

علاوہ ازیں مسلمان افریقنوں کی تعلیم کے لئے ٹانگانیکا اور یوگنڈا کے مبلغین نے بے حد کوشش کی۔

اخبار "ایسٹ افریقن ٹائمز"

مئی ۱۹۵۷ء سے جماعت احمدیہ مشرقی افریقہ کی طرف سے انگریزی ماہنامہ "ایسٹ افریقن ٹائمز"[١٠٨] جاری کیا گیا۔ جو جلد ہی پندرہ روزہ اخبار کی صورت میں شائع ہونے لگا۔ اخبار کے پہلے ایڈیٹر مولوی نورالدین صاحب منیر مقرر کئے گئے۔ جنہوں نے اس کی ادارت کے فرائض انجام دینے کے علاوہ اس کی اشاعت کی طرف خاص توجہ کی۔

افریقن مسلمان تعلیم کے لحاظ سے بہت پیچھے تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ سب اسکول عیسائی مشنوں کی طرف سے جاری کئے گئے تھے اور وہاں عموماً مسلمانوں کو داخلہ نہیں ملتا تھا۔ حکومت کی تعلیمی پالیسی یہ تھی کہ جو مقامی ادارہ سکول جاری کر کے ایک سال تک کامیابی سے چلا کر دکھادے اسے سو فیصدی گرانٹ دی جائے گی اس پالیسی کا نتیجہ یہ تھا کہ سارے اسکول عیسائی مشنوں کے تھے اور مسلمان ایک سکول بھی جاری نہ کر سکتے تھے کیونکہ ان کے پاس نہ سرمایہ تھا نہ ٹرینڈ استاد۔ "ایسٹ افریقن ٹائمز" نے افریقن مسلمانوں میں تعلیمی لحاظ سے بیداری پیدا کرنے کی جدوجہد کی بلکہ حکومت کو بھی توجہ دلائی کہ اس کی تعلیمی پالیسی جانبدارانہ ہے اور اسے مسلمانوں کے لئے علیحدہ اسکول جاری کرنے چاہئیں۔

چنانچہ اس کے خاطر خواہ نتائج پیدا ہوئے۔

شروع ۱۹۵۸ء میں برطانیہ نے کینیا میں ایک دستور نافذ کیا۔ جس کی رو سے قانون ساز اسمبلی میں افریقنوں کے لئے چار ایسی نشستیں مقرر کی گئیں جن کا انتخاب دستور ساز اسمبلی کے ذمہ تھا اور جس میں اکثریت یورپین ممبروں کی تھی۔ اسمبلی کے افریقن ممبروں نے ایک بیان میں ایسے افریقنوں کو جو ان نشستوں کے لئے کھڑے ہوں "غدار" قرار دیا۔ یہ بیان "ایسٹ افریقن ٹائمز" میں بھی شائع کیا گیا۔ حکومت نے افریقن لیڈروں کے ساتھ اس اخبار پر بھی مقدمہ دائر کر دیا۔ یہ مقدمہ نیروبی میں ڈیڑھ ماہ تک جاری رہا مشن کی طرف سے محترم ملک احمد حسن صاحب اور ملک عبد القادر صاحب نے اس کی پیروی کی۔ عدالت نے مولوی نور الدین صاحب منیر (ایڈیٹر) اور مولوی محمد منور صاحب پر معمولی جرمانہ تو کر دیا لیکن اخبار کو شہرت کے لحاظ سے بہت فائدہ ہوا۔ مقدمہ کی ہر پیشی پر نہ صرف ریڈیو نے ساری روداد نشر کی بلکہ مشرقی افریقہ کے سب مقتدر "روزنامے" بھی اس کی خبر نمایاں طور پر شائع کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ "ایسٹ افریقن ٹائمز" دور دور علاقوں میں مشہور ہو گیا۔ اور افریقنوں نے اسے خوب سراہا کہ اس نے ان کی جدوجہد آزادی میں افریقنوں کے دوش بدوش ساتھ دیا ہے۔

"ایسٹ افریقن ٹائمز" اب تک باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے اور اپنی عمدگی و نفاست اور مضامین کی ندرت کے باعث نہ صرف مشرقی افریقہ بلکہ سارے افریقہ میں بڑا مقبول ہے مسٹر "همفری جے فشر" نے اپنی تصنیف "احمدیت افریقہ میں" اس کا ذکر تعریف آمیز الفاظ میں کیا ہے۔ محترم قاضی عبد السلام صاحب بھٹی اور قاضی کبیر احمد صاحب بھٹی شروع سے ہی اس اخبار کی تدوین و اشاعت میں امداد کرتے رہے اور قاضی عبد السلام صاحب بھٹی تو ۱۹۶۳ء سے لے کر ۱۹۶۶ء تک اس کے ایڈیٹر بھی رہے۔

جنجہ (یوگنڈا) میں مسجد اور مشن ہاؤس کی تعمیر

۲۷/ جولائی ۱۹۵۷ء کو مسجد جنجہ کی اور اگست ۱۹۵۷ء میں اس کے مشن ہاؤس کی بنیاد رکھی گئی۔ ٹورا کی طرح یہاں بھی لوگوں نے مسجد کا بائیکاٹ کیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جماعت کی مخلصانہ کوششوں میں برکت ڈالی اور یہ دونوں عمارتیں ۱۹۵۹ء میں مکمل ہو گئیں۔ جنجہ کی جماعت نے عموماً اور حافظ بشیر الدین عبید اللہ صاحب مبلغ مقامی اور بھائی محمد حسین صاحب کھوکھر صدر جماعت نے خصوصاً اس کی تکمیل میں نمایاں حصہ لیا۔ [۱۰۹]

ممباسہ میں مسجد کی تعمیر

یہ مسجد ممباسہ کے محلہ مکوپا میں ایک فری ہولڈ پلاٹ پر تعمیر کی گئی اس کے لئے ایک مخلص احمدی خاتون سیدہ مرجان صاحبہ (اہلیہ سید

معراج الدین صاحب مرحوم) نے ساٹھ ہزار شلنگ کا عطیہ دیا۔ [۶۱۰]

مسجد کے ساتھ دارالتبلیغ بھی تعمیر ہوا جس کے لئے بابا فقیر محمد صاحب مرحوم کے بچوں نے بیس ہزار شلنگ چندہ دیا۔ [۶۱۱] تعمیر کا کام محمد افضل خاں صاحب اور نعمت اللہ خان صاحب بلڈنگ کنٹریکٹرز نے اپنی نگرانی میں پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

ڈاکٹر بلی گراہم کو مقابلہ روحانی کا چیلنج

امریکہ کے مشہور مسیحی مناد ڈاکٹر بلی گراہم ۱۹۶۱ء کے شروع میں افریقہ کے تبلیغی دورہ پر روانہ ہوئے تو امریکی پریس (خصوصاً اخبار "ٹائم" اور "نیوز دیک") نے اس دورہ کو بہت اہم قرار دیا اور عیسائیت کی کامیابی کی بڑی امیدیں اس سے وابستہ کیں۔ افریقہ کے طول و عرض میں کئی ماہ سے ان کی آمد کا زبردست پروپیگنڈا جاری تھا کہ ڈاکٹر بلی گراہم فروری کے آخر میں نیروبی پہنچے اور عظیم الشان جلسے منعقد کئے گئے جن میں انہوں نے لاکھوں نفوس سے خطاب کیا۔

شیخ مبارک احمد صاحب نے ۳/ مارچ ۱۹۶۱ء کو ڈاکٹر بلی گراہم کے نام ایک خط لکھا جس میں ان کے سامنے انجیل کے اصولوں کی رو سے بذریعہ دعا علاج بیماروں کو تندرست کرنے کا طریق رکھا اور اس کے مطابق اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کو للکارا۔ [۶۱۲]

ملکی اخبارات میں اس چیلنج کا خوب چرچا ہوا اور پریس نے شیخ صاحب کا فوٹو شائع کر کے اس کو خاص اہمیت دے دی جس سے متاثر ہو کر ڈاکٹر گراہم سے ان کے ایک لیکچر کے بعد سوال کیا گیا کہ کیا آپ چیلنج قبول کریں گے؟ ڈاکٹر گراہم نے جواب دیا۔ "میرا کام محض وعظ کرنا ہے مریضوں کو چنگا کرنا نہیں"۔ [۶۱۳]

عیسائی حلقوں کی طرف سے ڈاکٹر بلی گراہم کو مجبور کیا جانے لگا کہ وہ یہ چیلنج قبول کر کے عیسائیت کی سچائی کا ثبوت دیں۔ ورنہ عیسائیت کو سخت زک پہنچے گی۔ مگر وہ آمادہ نہ ہو سکتے تھے اور نہ ہوئے۔ [۶۱۴] افریقہ کے غیر احمدی مسلمانوں نے مکرم شیخ مبارک احمد صاحب کو مبارکباد دی اور اقرار کیا کہ آپ نے عیسائیت کے بالمقابل اسلام کا جھنڈا خوب بلند رکھا ہے۔ [۶۱۵]

اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر خالد غزنوی نے پاکستان کے اخبار "مشرق" (لاہور) مورخہ ۱۸/ اکتوبر ۱۹۶۳ء میں لکھا۔

"چند سال سے افریقہ میں تبلیغ کے سلسلہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان معرکہ جاری ہے عیسائی مشنری اپنے تمام ہتھیاروں سے لیس ہو کر افریقہ پر ایک مدت سے حملہ آور ہیں اس کے مقابلہ میں مسلمان مشنریوں نے بھی وہی طریقے اختیار کئے فرق صرف اتنا تھا کہ مسلمانوں کی تنظیم اتنی

مکمل نہ تھی اور ان کے مالی وسائل حد درجہ محدود تھے۔ جس کی کمی پوری کرنے کے لئے انہوں نے حد درجہ جسمانی مشقت سے کام لیا۔ امریکہ کے ایک پادری بلی گراہم کو پچھلے دنوں بڑی شہرت حاصل ہوئی تھی مسلمان مبلغوں نے ان کا افریقہ میں اس طرح پیچھا کیا کہ ان کی خطابت اور زور بیان کا بھرم کھل گیا۔ ہر جلسہ میں ان سے عیسائیت کے بارے میں ایسے سوال کئے گئے کہ کوئی عیسائی ان کا تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ انہیں ہر شہر میں مناظرہ [۶۱۶] کا چیلنج دیا گیا جب انہوں نے یہ رنگ دیکھا تو وہ اپنا چار مہینہ کا طویل پروگرام مہینہ بھر میں ختم کر کے واپس بھاگ گئے اور اس دن سے ان کی شہرت پھر کبھی سننے میں نہ آئی"۔ [۶۱۷]

مسیحی مورخین و محققین کا اعتراف

ہسٹن (امریکہ) کی رائس یونیورسٹی کے پروفیسر عمرانیات جناب ولیم مارٹن (WILLIAM MARTIN) مولانا شیخ مبارک احمد صاحب کے چیلنج اور بلی گراہم کے واضح گریز کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

Muslim in Sudan managed to rescind Graham,s invitation to preach in that country, apparently because they feared he might disrupt proper observance of Ramadan, the sacred month during which Muslims severely restrict normal activities The most explicit and memorable Muslim challenge, however, came in Kenya, where Maulana Sheikh Mubarak Ahmad, chief of the Ahmadiyya Muslim Mission in East Africa, hurled a challenge reminiscent of that proposed by the prophet Elijah in his famous contest on Mount Carmel with the priests of Ball (I Kings 18. 20-40) In a letter to Graham, the Muslim leader proposed that thirty individuals- ten Europeans, ten Asians, and ten Africans, all certified by the director of medical services of Kenya a be incurable by scientific medicine- be assigned by lot into two groups and that he and Graham, together with a small band of associates, beseech God to heal the group assigned to them -to determine as to who is blessed with the Lord,s grace and mercy and upon whom His door remains closed" If Graham declined, Ahmad argued, "[I] t will be proved to the world that Islam is the only religion which is capable of establishing man,s relationship with God" A group of American Pentecostals cabled him to "accept the challenge; the God of Elijah still lives," but Graham neither picked up the gauntler nor offered any comment to the press (P. 260)

(A Prophet with honor P260 By William Martin William Morrow and Company New York)

(ترجمہ) سوڈان میں مسلمانوں نے گراہم کو ملک میں تبلیغ کرنے کی دعوت منسوخ کرا لی' بظاہر اس خوف سے کہ اس سے رمضان کی عبادات میں خلل واقع ہو گا۔ رمضان کے مقدس مہینہ میں

مسلمان عام مصروفیات سختی سے روک دیتے ہیں۔ نہایت کھلا اور یاد رکھنے کے قابل چیلنج کینیا میں دیا گیا۔ کینیا میں ایسٹ افریقہ احمدیہ مسلم مشن کے سربراہ مولانا شیخ مبارک احمد نے ایسا زبردست چیلنج دیا جو کہ نبی ایلیا (الیاس) کے اس چیلنج کی یاد دلاتا ہے جو اس نے کوہ کرمل پر بعل کے پادریوں کو دیا تھا۔ (۱۔ سلاطین باب ۱۸ آیت ۲۰۔۴۰) اپنے خط میں مسلم لیڈر نے گراہم کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ تیس مریض لئے جائیں۔ جن میں سے دس یورپین ہوں، دس ایشین اور دس افریقن۔ ان مریضوں کے بارہ کینیا کے ڈائریکٹر آف میڈیکل سروسز کی تصدیق ہو یہ سب طبی لحاظ سے لاعلاج ہیں۔ یہ مریض بذریعہ قرعہ اندازی مسلم لیڈر اور گراہم میں برابر تقسیم کردئے جائیں۔ پھر ہر دو اپنے اپنے چند ساتھیوں سمیت اپنے حصے کے مریضوں کی شفایابی کے لئے خدا سے دعا کریں۔ تاکہ فیصلہ ہو کہ خدا کا فضل اور رحم کس کے ساتھ ہے اور کون اس سے محروم ہے۔ احمد (شیخ مبارک احمد) نے کہا کہ اگر گراہم نے یہ تجویز قبول نہ کی تو دنیا پر ثابت ہو جائے گا کہ صرف اسلام ہی وہ دین ہے جو بندے کا خدا سے تعلق قائم کرا سکتا ہے۔ امریکہ کے Pentecost کے ایک گروہ نے گراہم کو تار دی کہ "چیلنج قبول کرلو۔ ایلیاء (الیاس) کا خدا اب بھی زندہ ہے"۔ مگر گراہم نے نہ تو چیلنج قبول کیا اور نہ ہی پریس کے لئے کوئی تبصرہ کیا۔

مشہور امریکی اخبار لائف (LIFE) اور نیوز ویک (NEWS WEEK) کے خصوصی نامہ نگار اور کئی درجن کتابوں کے مولف مارشل فریڈی (MARSHALL FRADY) لکھتے ہیں:۔

Beside these occasional disarrayings, Graham also was persistently challenged by Islamic evangelists to healing duels- one proposal being to divide equally between them thirty hospital patients pronounced incurable for a grand public face-off between Christ and Allah. Roy Gustafson, who had accompanied Graham there, remembers, "Boy, those phones started ringing, press people and all sorts, wanting to know what Billy was going to do." But Graham, beginning to feel somewhat harried, would merely snap to all inquiries, "No comment. No comment." Finally, says Gustafson, "We started getting all these wires and letters from people back in the States- particularly the Pentecostal floks- telling us' Go on! Accept the challenge! Show them that the God of Elijah still lives!, But Billy just kept quoting from Jesus, parable, If they hear not Moses and the prophets, neither will they be persuaded, though one rose from the dead." (P330)

(Billy Graham P. 330 By Marshall Frady published by Little. Brown and Company Boston / Toronto)

(ترجمہ) گراہم کو پے در پے مسلمان مشنریوں کی طرف سے شفا بخشنے کے مقابلے کا چیلنج بھی دیا گیا۔ ایک تجویز یہ پیش کی گئی کہ تیس ایسے مریض جو ہسپتال کی طرف سے لاعلاج قرار دئے گئے ہوں

ان کے درمیان تقسیم کردیئے جائیں تاکہ عوام الناس کے سامنے یسوع اور خدا کا مقابلہ ہو جائے۔
رائے گستاف سن کو جو گراہم کے ساتھ تھے 'یاد ہے کہ اس چیلنج پر ٹیلیفون بجنے لگے۔ پریس والے اور دیگر لوگ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ گراہم کیا اقدام کریں گے۔ لیکن گراہم قدرے برہم ہو کر تند لہجے میں صرف یہ جواب دیتے کہ "کوئی تبصرہ نہیں۔ کوئی تبصرہ نہیں"۔ مسٹر گستاف سن کہتے ہیں کہ آخر ہمیں امریکہ سے بھی تاریں اور خطوط آنے لگے' خاص طور پر فرقہ Pentecost کے لوگوں کی طرف سے "کہ "آگے بڑھو اور چیلنج قبول کر لو"۔ ان پر روشن کر دو کہ ایلیاء کا خدا اب بھی زندہ ہے"۔
لیکن بلی گراہم محض یسوع کی اس تمثیل کا حوالہ دینے پر اکتفاء کرتے کہ "اگر وہ موسیٰ اور نبیوں کی نہیں سنتے' اور نہ ہی ان کو قائل کیا جائے گا اگرچہ کوئی مردوں سے جی اٹھے۔

کمپالہ (یوگنڈا) میں تعمیر مسجد محمود

مسجد سلام کے افتتاح پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے یوگنڈا میں تعمیر مسجد کی خواہش کا اظہار فرمایا تھا جس کی تعمیل میں ۹/ اگست ۱۹۵۷ء کو مسجد کمپالہ کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔ [۶۱۸] یہ مسجد ۱۹۶۲ء میں مکمل ہوئی اور اس کا افتتاح حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے فرمایا۔ اس مسجد کے اکثر و بیشتر اخراجات محمد اکرم غوری صاحب نے ادا کئے۔

مشرقی افریقہ کے نظام تبلیغ میں تبدیلی

دار التبلیغ مشرقی افریقہ کا دائرہ عمل نہایت وسیع تھا۔ جس میں چار مستقل ممالک کینیا' یوگنڈا' ٹانگا نیکا اور زنجبار شامل تھے اور چاروں ممالک آزاد ہو رہے تھے۔ [۶۱۹] اس لئے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق یکم مئی ۱۹۶۱ء سے ان ممالک کا تبلیغی نظام بھی علیحدہ علیحدہ قائم کر دیا گیا۔

ٹانگانیکا: نئے نظام کے تحت ٹانگانیکا کے امیر اور انچارج مشن مولوی محمد منور صاحب فاضل مقرر کئے گئے۔ زنجبار کا الحاق ٹانگانیکا کے ساتھ ہو گیا اور ملک کا نام تنزانیہ رکھ دیا گیا۔ اس وقت تنزانیہ مشن کے تین تبلیغی حلقے ہیں۔

(۱) ٹبورا میں اس وقت مولوی عبدالرشید صاحب رازی اس مشن کے انچارج ہیں۔
(۲) ٹانگا شہر جہاں حال ہی میں مسجد اور مشن کی تعمیر ہوئی ہے۔ موجودہ مشن انچارج شیخ ابو طالب عیدی ساندھی ہیں۔
(۳) بکوبا میں حافظ محمد سلیمان صاحب انچارج ہیں۔
(۴) دار السلام تنزانیہ کا دار الحکومت ہے اور انچارج مبلغ کا ہیڈ کوارٹر بھی یہی ہے۔

کینیا: نئے نظام کے ماتحت کینیا کے امیر اور مبلغ انچارج مکرم شیخ مبارک احمد صاحب مقرر ہوئے

آپ ۳۰/اپریل ۱۹۶۲ء کو نیروبی سے کراچی کے لئے روانہ ہوئے۔ روانگی سے پہلے شیخ صاحب نے کینیا مشن کا چارج مکرم مولوی نور الحق صاحب انور کو دیا۔ شیخ مبارک احمد صاحب ۷/مئی ۱۹۶۲ء کو مرکز میں تشریف لے آئے اور ساتھ ہی رئیس التبلیغ کا عہدہ بھی ختم کر دیا گیا۔

دسمبر ۱۹۶۴ء میں مولوی نور الحق صاحب انور واپس آگئے اور صوفی محمد اسحٰق صاحب اس وقت سے مشن کے انچارج ہیں۔ اس وقت کینیا کے تین اہم تبلیغی مراکز ہیں (۱) ممباسہ (۲) کسموں (۳) نیروبی۔ (امیر جماعت اور مبلغ انچارج نیروبی میں ہی رہتے ہیں)

یوگنڈا: نئے طریق عمل کے مطابق یکم مئی ۱۹۶۱ء سے مولوی عبد الکریم صاحب شرما اس ملک کے امیر اور یوگنڈا احمدیہ مشن کے انچارج مقرر کئے گئے۔ جو اب تک مصروف عمل ہیں۔ اس مشن کے اہم مراکز یہ ہیں۔ (۱) جنجہ (۲) کمپالہ (۳) مساکا (۴) لیرا۔ [۶۲۰]

جدید نظام عمل کے تحت اشاعت احمدیت کے سلسلہ میں مبلغین نے جو سنہری خدمات انجام دیں وہ ترتیب واقعات کے لحاظ سے اپنے مقام پر آئیں گی۔ انشاء اللہ۔

افریقن معلمین

مشرقی افریقہ میں تبلیغ اسلام کے کام میں افریقن احمدی معلمین نے قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ مشہور اور مخلص معلمین کے نام یہ ہیں۔

کینیا: علی کنوس۔ معلم علی۔ معلم نعمان۔ معلم حمیدی۔ معلم بشیر اوینڈو۔ حسن وڈینیں۔ اسمٰعیل حسییس۔ رجب اکیلو۔ نذیر احمد ابوایا۔ فضل احمد اوڈیرا۔ صادق امباسو۔ احمد امبوکا۔

یوگنڈا: حاجی ابراہیم سیمفوما۔ حاجی معلم زیدی۔ حاجی ایوب۔ حاجی جمادا۔ شیخ شعبانی کرونڈے۔ سلیمان مٹرومبا۔ معلم علی۔ لیکسانجا۔ شیخ عبد القادر رگوہ۔ علی گگئی رے۔ معلم زکریا کزیٹو بلوڈے۔ معلم محمد بوزا۔ احمد مٹودو۔ مسعودی موٹوو۔ معلم خمیسی جمعہ۔ ہارون مٹورو۔ موسیٰ سیمپا۔ معلم حسانی۔ معلم محمود۔ [۶۲۱]

تنزانیہ: معلم عمر عبد اللہ۔ معلم رشیدی صالح۔ معلم سعیدی علی۔ عبدہ عمران۔ معلم شعبان سیف۔ شیخ یوسف دنیا۔ معلم محمود عبد اللہ صاحب۔ معلم داؤد علی صاحب۔ شیخ محاذ مشاؤجی۔ شیخ احمد مٹاک۔ شیخ صالح مبروک۔ معلم احمد سانسہ۔ معلم عثمان کامبالایا (مرحوم) معلم مسعودی مسگارا۔ معلم موسیٰ براکا۔ معلم حمیدی بیانا۔ شیخ احمد اوکاش۔ شیخ رشیدی مبہ۔ چیف محمد کلوفیا۔

اسلامی لٹریچر کی اشاعت

مشرقی افریقہ کے احمدی مجاہدین نے آج تک جو اسلامی لٹریچر شائع کیا ہے وہ بہت وسیع ہے جس کے اہم حصہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(سواحیلی زبان میں) ترجمۃ القرآن سواحیلی - کشتی نوح - ایک غلطی کا ازالہ - احمدی اور غیر احمدی میں فرق - (کتب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام) "افریقن کس طرح ترقی کر سکتے ہیں؟" اسلام اور دیگر مذاہب - پیغام احمدیت - الکفر ملّۃ واحدۃ (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ) اسلام اور غلامی (سیرت خاتم النبیینﷺ مولفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ سے ماخوذ) اسوہ حسنہ (از حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ) نماز کی کتاب - آسمانی آواز - ادعیۃ الرسولﷺ - اسلام میں بیاہ اور شادی - ہم اسلام کیوں قبول کریں - ہادی برحقﷺ کے احکام و ہدایات - اسباق الاسلام - الانذار - UTUMWA KATIKA DINI YA KI ISLAM (امری عبیدی صاحب مرحوم کا پہلا اشتہار)

(عربی زبان میں) (۱) الجماعۃ الاحمدیۃ الاسلامیۃ (۲) کلمۃ الحق (۳) الاحمدیۃ ای الاسلام الصحیح (۴) شمس الھدی (حضرت مسیح موعودؑ کی نعت) (۵) اسمعوا صوت المنادی۔

(گجراتی زبان میں) ہمارا محمدﷺ - خاتم القلوب - مسیح کی موت میں اسلام کی زندگی - ہمارا مذہب - سچائی کی فتح - شری نہہ کلنک اوتار - عقیدہ حیات مسیح اور مولوی عبداللہ شاہ کی درماندگی - مولوی عبداللہ شاہ سے دو حرفی فیصلہ - مولوی عبداللہ شاہ قرآن مجید سے ایک آیت بھی حیات مسیح کی نہ دکھا سکے - [۶۲۲] آسمانی آواز - نبوت کے متعلق بزرگان ملت کا خیال اور حضرت مسیح موعودؑ کی نبوت کی حقیقت - حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت - جماعت احمدیہ کے عقائد - کامل ایمان کس کا ہے؟ یکے ندائے از زمین قدسیاں - وفات مسیح - الوہیت مسیح - وہی ہمارا کرشن (مضمون حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ)

لوگنڈا زبان میں: ترجمہ قرآن مجید پہلے پانچ پارے - نماز کی کتاب - اسلامی اسباق - خاتم النبیین کے معنے - روزے کی کتاب - فضائل اسلام - کیا مسیح خدا تھا؟

(گکویو زبان میں) میں اسلام کو کیوں قبول کرتا ہوں؟

(لووَ زبان میں) (1) YOR NYASAYE (2) NYASAYE ALINCNDE مقدس نبی محمدﷺ (3) ANNEBI MALENG MOHAMMAD [۶۲۳]

(کسکامبا زبان میں) موجودہ عیسائیت دین حق نہیں -

(لانگو زبان میں) سیرت رسول مقبولﷺ (از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ)

(انگریزی زبان میں)

(ہمارا محمدﷺ - دلوں کا فاتح) (1) OUR MOHAMMED THE CONQUROR OF HEARTS

(2) THE VICTORIUS MOHAMMED (فاتح محمدؐ)

(3) THE AHMMADIYYA MOVEMENT (احمدیہ تحریک)

(4) MOHAMMED THE MASTER PROPHET (محمد۔افضل الرسل)

(5) PUNJAB HIGH COURT ON QADIAN MENACE (قادیان میں سازش کے متعلق پنجاب ہائی کورٹ کا فیصلہ)

(6) HOLY PROPHET EXCELLANCE (آنحضرت ﷺ کی صفات کاملہ)

(7) WHY I BECAME A MUSLIM (میں مسلمان کیوں ہوا)

(9) MOHAMMED (محمد ﷺ)

(8) WHAT IS ISLAM (اسلام کیا ہے؟)

(10) THE WAY TO VICTORY (فتح کا راستہ)

(11) THE SECOND ADVENT FORETOLD IN THE SCRIPTURES (کتب مقدسہ میں بعثت ثانیہ کی پیشگوئی)

(13) AHMAD (احمد علیہ السلام)

(12) WHY ISLAM (اسلام کیوں؟)

(14) MOHAMMED IN THE BIBLE (محمد ﷺ بائبل میں)

احمدیہ مشرقی افریقہ مشن دوسروں کی نظر میں

مبلغین احمدیت نے مشرقی افریقہ میں جو مسلسل تبلیغی جہاد کیا ہے وہ اتنا شاندار ہے کہ مسلم اور غیر مسلم حلقے دونوں اس کی اہمیت کا برملا اظہار کرنے پر مجبور ہیں۔ [۱۷۶] بطور نمونہ بعض ضروری اقتباسات (اردو کے ترجمہ کی صورت میں) درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ یوگنڈا میں میکر یرے کالج آف یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر مسٹر گولڈ تھروپ اپنی کتاب "OUT-LINES OF EAST AFRICAN SOCIETY" میں لکھتے ہیں۔

"اسلام کی یہ کامیابی اس لحاظ سے اور بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہے کہ ابھی زمانہ حال میں چند سال قبل تک یہاں تبلیغی مساعی کا کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔ گزشتہ دس پندرہ سال میں روشن خیال فرقہ احمدیہ نے جس کا مرکز پاکستان میں ہے بعض مستعد نوجوان علماء بطور مبلغ یہاں بھیجے ہیں اور آج کل سارے افریقہ میں ایک درجن کے قریب ایسے مبلغین اسلام مصروف کار ہیں جنہیں یہاں کی مقامی جماعت کی پوری پوری تائید و حمایت اور امداد حاصل ہے اگرچہ اس

جماعت کے افراد تعداد کے لحاظ سے ابھی تھوڑے ہیں لیکن ان میں مالدار اور بااثر لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ اس لئے یہ جماعت اپنی تعداد سے کہیں بڑھ کر اثر ڈالنے اور نفوذ حاصل کرنے کی اہلیت سے بہرہ ور ہے"۔ ۱۲۵

۲۔ "ممباسہ ٹائمز" (مورخہ ۲۱/ جون ۱۹۶۲ء) لکھتا ہے۔

"افریقہ میں مسلمان مبلغین ہمارے عیسائی مشنریز کے مقابلے میں دس گنا زیادہ تیز رفتاری سے لوگوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا رہے ہیں۔ گراہمز ٹاؤن کے ایک استاد اے۔ کے گراہم کے بیان کے بموجب توقع یہ ہے کہ عنقریب اشاعت اسلام کی یہ رفتار اور بھی زیادہ تیز ہو جائے گی۔ مسٹر گراہم نے جو اسلام کا خاص طور پر مطالعہ کر چکے ہیں۔ خبردار کیا ہے کہ بہت سے مبصرین یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر عیسائیت نے خطرہ کا پورے طور پر احساس نہ کیا تو اسلام بآسانی سارے افریقہ کا مذہب بن جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ بیسویں صدی کا سب سے اہم اور تعجب خیز امر وہ مخصوص اسلام ہے جو حیات نو سے ہمکنار ہونے کے علاوہ اپنی ذات میں جارحانہ نوعیت کا حامل ہے اور یہی وہ اسلام ہے جو بیداری سے ہمکنار ہونے والے افریقہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتا جا رہا ہے۔ انہوں نے مزید کہا اس وقت تین بڑی طاقتیں اپنی اپنی جگہ افریقہ پر غالب آنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ان میں سے ایک اشتراکیت ہے جو بیک وقت دوسری دو طاقتوں یعنی اسلام اور عیسائیت کی مخالفت پر کمربستہ ہے۔ اس جدوجہد میں اسلام بہرطور کامیاب ثابت ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام، نسل، قومیت، سیاسی علائق اور تعلیم وغیرہ کے امتیازات سے یکسر بالاتر رہتے ہوئے ہر انسان کے عزو وقار کا احترام کرتا ہے اور اسے ضروری قرار دیتا ہے"۔

۳۔ نیروبی کے مشہور اخبار "ایسٹ افریقن سٹینڈرڈ" نے لکھا۔

"پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ افریقہ کے دروازے عیسائیت کے لئے ہمیشہ ہی کھلے ہیں۔ لیکن اب یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بند ہوتے جا رہے ہیں۔ بعض لوگوں کا تو یہ دعویٰ ہے کہ اسلام عیسائیت کے مقابلے میں دس گناہ زیادہ رفتار کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ براعظم افریقہ کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک عیسائی مشن قائم کر کے اسلام کی اس وسعت پذیر ترقی کو روکنے کے لئے جو حکمت عملی بنائی گئی تھی وہ بظاہر کتنی اچھی کیوں نہ ہو کامیاب ثابت نہیں ہوئی"۔

۴۔ اخبار "یوگنڈا آرگس" (۱۶/ اپریل ۱۹۶۳ء) نے آرچ بشپ آف کنٹربری ڈاکٹر رامزے کے

ٹیلویژن انٹرویو کی تفصیل شائع کرتے ہوئے لکھا کہ۔
"آرچ بشپ آف کنٹربری ڈاکٹر رامزے نے گزشتہ اتوار کے روز تسلیم کیا کہ افریقہ میں بہت وسیع پیمانے پر اسلام کی پیش قدمی جاری ہے"۔

۵۔ مسٹر عبداللہ فونڈی کیرا سابق وزیر انصاف ٹانگانیکا لکھتے ہیں۔
"مشرقی افریقہ میں جماعت احمدیہ نے ۲۵ سال میں دو جنگیں لڑیں ہیں۔ ایک جنگ عیسائیوں کے ساتھ۔ جو تابڑ توڑ حملے اسلام اور حضرت بانی اسلام ﷺ پر کر رہے تھے۔ ان کے جوابات دے کر عیسائیت کو ناقابل عمل اور ناقابل قبول ثابت کرکے ان کے منہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے۔ دوسری جنگ میں احمدیوں نے غیر از جماعت لوگوں پر اپنے عمل اور کردار اور تبلیغ اسلام کی مخلصانہ جدوجہد سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اسلام کے سچے اور بہادر سپاہی ہیں"۔ ۱۲۶

۶۔ چیف ہارون لگوشا (ٹانگانیکا کی لیجسلیٹو کونسل کے سابق سپیکر اور ایسٹ افریقن کونسل کے سابق ممبر) نے کہا۔
"اگر جماعت احمدیہ نہ ہوتی، تو اسلام کا نام افریقہ سے مٹ جاتا"۔ ۱۲۷

۷۔ ایس کے جمال (جوہنزبرگ جنوبی افریقہ کی علم دوست شخصیت) نے ۲۶/ ستمبر ۱۹۶۳ء کو اپنے ایک خط میں لکھا کہ۔
"اسلام اور عیسائیت کے سلسلہ میں جو قیمتی اور بلند پایہ مضامین اخبار "ایسٹ افریقن ٹائمز" میں شائع کئے جاتے ہیں۔ میں قدردانی کے جذبات کے پیش نظر آپ کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میں ان مضامین کو پڑھ کر ہمیشہ حظ اٹھاتا ہوں۔ بالخصوص وہ اداریے جو عیسائیت کے رد اور اسلام کی حمایت و دفاع میں آپ نے تحریر کئے بے حد قابل قدر ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی کی مجال نہیں کہ احمدی حضرات کا اس میدان میں مقابلہ کر سکے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم سنی جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن حقدار کو اس کا حق دینا بھی ضروری اور لابدی ہے۔ میں یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ ایسے ادارے یا انجمنیں جو تبلیغ اسلام کے فریضہ کو غیر مسلموں میں بجالا رہی ہیں۔ احمدی حضرات کے تیارہ کردہ لٹریچر سے خوب فائدہ اٹھاتی ہیں اور اس علم کلام کے زور سے اپنی تبلیغ کو غیر مسلموں میں موثر بناتی ہیں۔ احمدی حضرات نے بائیبل کا بہت گہرا مطالعہ کیا ہے اور ہم سنی آپ حضرات کی محنت شاقہ اور جدوجہد کے نتیجہ سے (جو عیسائیت کی علمی تحقیقات کے بارہ میں کی ہے) فائدہ اٹھا رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس قسم کی انجمنوں یا اداروں نے آپ کا شکریہ ادا کرنے اور قدردانی کے جذبات کے اظہار

میں بخل سے کام لیا ہو۔ لیکن میں ایسے ناشکرا پن کا مظاہرہ نہیں کر سکتا اور چاہتا ہوں کہ آپ کا اور جماعت احمدیہ کا قدر دانی کے جذبات کے ساتھ دلی خلوص سے بھرپور شکریہ کا اظہار کروں کہ آپ نے عیسائیت کے رد کے لئے بائبل کا گہرا اور تحقیقی مطالعہ کرکے زبردست مواد عیسائیت کے ابطال کے لئے تیار کر دیا ہے بلکہ احمدی حضرات اپنی ان تھک کوششوں سے اس مواد میں روز بروز اضافہ کرتے جا رہے ہیں۔ ایسٹ افریقن احمدیہ مسلم مشن کا اخبار اس حقیقت کے ثبوت میں ایک روشن اور تابندہ نشان ہے ہم خوب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ اخبار عیسائیت کے لئے ایک تکلیف دہ اور خاردار کانٹا ہے۔

مشرقی افریقہ اور مغربی افریقہ میں اشاعت اسلام کا زبردست کام خالصتہ جماعت احمدیہ کی ان تھک کوششوں اور مستقل جدوجہد کے نتیجہ میں انجام پا رہا ہے۔ کوئی سنی عالم اس عزت کا مستحق نظر نہیں آتا"۔ ۱۲۸

۸۔ سکول آف اورنٹیل سٹڈیز لنڈن کے پروفیسر لینڈن ہیرس (LYNDON HARRIS) نے (جو عرصہ تک عیسائی مشنری کے طور پر (ٹانگانیکا) مشرقی افریقہ میں کام کرتے رہے) اپنی کتاب "ISLAM IN EAST AFRICA" میں لکھتے ہیں۔

"موجودہ صدی کے آغاز میں عیسائی مصنفین اس بات پر زور دے رہے تھے کہ سیاسی طاقت کے بغیر اسلام کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور یہی وجہ ہے کہ اسلام اب افریقہ میں زندہ نہیں رہ سکتا لیکن آج کوئی شخص بھی سنجیدگی کے ساتھ اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اسلام کا چیلنج اب بھی موجود ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سیاسی زندگی کے نت نئے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے یہ چیلنج اور بھی قوت حاصل کر چکا ہے"۔

"اپنے تمام ہم عصروں میں احمدی اپنے مذہب اور معتقدات کے دفاع کی زیادہ اہلیت رکھتے ہیں اسلامی دنیا میں بالعموم فعال قسم کے مبلغ موجود نہیں ہیں۔ یہ بات خاص طور پر اہم ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے تمام اسلامی فرقوں میں سے صرف یہی ایک فرقہ ہے جو افریقن میں اپنے پاؤں جمانے اور اپنے لئے جگہ بنانے میں کامیاب رہا ہے"۔

۹۔ انگلستان کی نامور مضمون نگار مسز الزبتھ ہکسلے نے دورہ افریقہ کے بعد "سنڈے ٹائمز" (لنڈن) میں لکھا۔

"جھیل وکٹوریہ کے علاقہ میں جہاں کے لوگ کینیا کی سیاسیات میں بہت پیش پیش ہیں جماعت احمدیہ کے مبلغین کی مساعی بار آور ثابت ہو رہی ہیں اور وہاں لوگ اس جماعت میں داخل ہو

رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ جماعت جو پہلے پہل ٹانگانیکا میں پھیلنی شروع ہوئی اب مشرقی افریقہ کے اکثر علاقوں میں پھیلتی نظر آرہی ہے اس جماعت کی طرف سے جو مبلغین پاکستان سے بھجوائے جاتے ہیں اکثر و بیشتر نظر ذہنی لحاظ سے پر اثر شخصیت اور اعلیٰ قوت و کردار کے مالک ہوتے ہیں اور اس جماعت کا یہ اصول ہے کہ ہر ایک اپنی آمد کا دسواں حصہ اشاعت اسلام کے لئے ادا کرے۔ مزید ترقی اور اشاعت اسلام کے لئے فنڈ فراہم کرنے کا یہ موثر ذریعہ ہے"۔ ۱۲۹

۱۰۔ مغربی جرمنی کے بااثر ہفت روزہ STERN کے خصوصی نامہ نگار TOACHIM HALDT نے ایک اہم مضمون بھجوایا۔ جس میں انہوں نے عیسائی مشنریوں کی اسی سالہ کوششوں کی اسباب و عوامل اور مشرقی افریقہ میں عیسائیت کے تاریک مستقبل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا۔

"افریقہ میں اسلام کی پیش قدمی"

"اسلام جو ایک پیغمبرؐ کا لایا ہوا مذہب ہے اور جس نے صحرا میں جنم لیا۔ اب تک وسطی افریقہ کے جنگلوں اور مشرقی افریقہ میں ہی پہنچا تھا۔ لیکن چند سالوں سے اس نے باقاعدہ طور پر قدیم مذہبوں کے علاقوں میں بھی تبلیغی مہم جاری کر رکھی ہے۔ عیسائیت زیادہ تر ساحل کے ساتھ ساتھ یا وسطی افریقہ کی بعض ریاستوں میں قدم جما سکی ہے اور آج ساڑھے تین کروڑ عیسائی افریقہ میں پائے جاتے ہیں جب کہ مسلمانوں کی مجموعی تعداد ساڑھے آٹھ کروڑ سے بھی بڑھ چکی ہے"۔

فاضل مضمون نگار نے اس مقالہ میں یہ بھی ذکر کیا کہ انہوں نے کمپالہ کے دو پادریوں سے دریافت کیا کہ "میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر کیا سبب ہے کہ مشرقی افریقہ میں اسلام کو عیسائیت کے بالمقابل زیادہ کامیابی حاصل ہو رہی ہے؟" اس کے جواب میں انہوں نے جو وجوہ پیش کیں وہ انہی کے الفاظ میں یہ تھیں۔

"جب میں نے یہ سوال ایک یورپین پادری سے کیا تو انہوں نے صرف یہ کہہ کر پیچھا چھڑایا کہ مسلمان نت نئی مسجدیں بناتے چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس ہم سے زیادہ روپیہ ہے اس لئے انہیں کامیابی بھی زیادہ ہو رہی ہے"۔

دوسرے پادری نے کہا۔ "اسلام کی ترقی کا صحیح اندازہ اعداد و شمار سے ہو سکتا ہے ۱۹۳۰ء میں مسلمان چار کروڑ تھے اور آج ان کی تعداد ساڑھے آٹھ کروڑ سے بھی بڑھ چکی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پورے افریقہ کی آبادی کا چالیسواں حصہ مسلمان ہو چکا ہے اور آج کل سال بھر میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں چرچوں کے ذریعہ عیسائی ہونے والوں کی مجموعی تعداد

سے بھی زیادہ لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں"۔ [۱۲۰]

۱۱۔ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور (۱۲/ اپریل ۱۹۶۰ء) کے نمائندہ خصوصی مسٹر حفیظ ملک (مقیم واشنگٹن امریکہ) نے لکھا۔

"افریقہ میں اگر کوئی پاکستانی مذہبی مشنری کام کر رہی ہے تو وہ جماعت احمدیہ ہے۔ مشرقی افریقہ میں مسلمانوں کی آبادی ۱۵ فیصد ہے جس میں "ایسٹ افریقن ٹائمز" کے بیان کے مطابق دس ہزار افریقی لوگ احمدی ہیں۔ پرتگیزی مشرقی افریقہ میں تقریباً دس لاکھ افریقی مسلمان ہو چکے ہیں جن میں سے غالب اکثریت احمدیوں کی ہے۔ کینیا کے سرحدی صوبوں میں اسلام کو فروغ ہو رہا ہے اور یہاں بھی غالب اکثریت احمدیوں کی ہے۔ نیروبی میں تو خیر احمدیوں نے ایک بہت بڑا مذہبی تبلیغی مرکز قائم کر رکھا ہے۔ جو روزنامہ انگریزی اخبار بھی شائع کرتا ہے اور اس کے علاوہ تعلیم کے لئے اس سینٹر نے کالج وغیرہ بھی قائم کر رکھے ہیں۔

ہمیں احمدیت سے شدید اختلافات ہیں اور ہم عقیدہ ختم نبوت کے مسئلہ میں احمدیوں بالخصوص قادیانی فرقہ کے تصورات کو بالکل باطل اور گمراہ سمجھتے ہیں اور سواد اعظم کی طرح ان تصورات سے نفرت و بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں ان کی مساعی کی داد دینی پڑتی ہے۔ بلی گراہم جب اپنے حالیہ دورہ میں نیروبی گئے تو اسلام کی طرف سے اگر کسی جماعت نے انہیں مباحثہ کی دعوت دی تو وہ جماعت احمدیہ تھی۔ کینیا۔ یوگنڈا اور ٹانگانیکا میں اس وقت ۲۵ لاکھ مسلمان آباد ہیں۔ لیکن ان کی تعلیمی حالت بہت ہی کمزور ہے۔ عیسائی مشنری سکولوں اور کالجوں کے ذریعہ سے طلباء کو عیسائیت کی طرف راغب کر رہے ہیں اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جماعت احمدیہ کے سوا پاکستان میں اور کوئی مذہبی جماعت موجود نہیں جو افریقہ میں اسلام کی تبلیغ کے کام کو انجام دے سکے"۔ [۱۲۱]

۱۲۔ جناب حفیظ ملک صاحب کے اس مضمون پر مشہور شیعہ اخبار "رضاکار" نے ۸/ مئی ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں لکھا۔

"اس وقت افریقہ کے تمام قابل ذکر شہروں میں شیعہ مبلغین موجود ہیں لیکن جب ہم اپنے ان مبلغین کی تبلیغی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور جب ہم ان کا مقابلہ احمدی مبلغین سے کرتے ہیں تو ندامت سے ہمارا سر جھک جاتا ہے۔ تبلیغی میدان میں عیسائی مبلغین کا مقابلہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے...... کیونکہ ان مبلغین کی پشت پر حکومتیں ہیں جو لاکھوں اور کروڑوں روپے سے ان کی امداد کر رہی ہیں۔ لیکن احمدی مبلغین کی پشت پر نہ

ہی کوئی حکومت ہے اور نہ ہی کوئی سرمایہ دار طبقہ۔ ان کی پشت پر صرف ان کی جماعت ہے جو انہیں معمولی تنخواہیں دیتی ہے اور ایک محدود سرمایہ سے ان کی تبلیغی سرگرمیوں کو آگے بڑھاتی ہے۔ ان حالات میں احمدی مبلغین کا عیسائی مبلغین سے مقابلہ کرنا اور اس مقابلہ میں ان سے بازی لے جانا یقیناً خراج تحسین کا مستحق ہے اور ہمارے مبلغین حضرات کے لئے تازیانہ عبرت ہے۔ جن کو افریقہ میں ایک سرمایہ دار طبقہ کی سرپرستی حاصل ہے اور تبلیغ دین کے سلسلہ میں انہیں ہر طرح کی سہولتیں میسر ہیں۔

کاش ہمارے مبلغین حضرات بھی اپنے میں مشنری سپرٹ پیدا کرتے۔ یعنی آرام و آسائش کی زندگی کو خیرباد کہتے اور محنت و مشقت کو اپنا نصب العین بناتے تو آج ان کا ذکر بھی تبلیغی مشن کے سلسلہ میں سرفہرست ہوتا"۔ [۱۲۲]

۱۳۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صدر پاکستان نے اسلامک اکیڈیمی ڈھاکہ کی ایک تقریب میں کہا۔

"آپ کے سامنے افریقہ میں رونما ہونے والا غیر معمولی انقلاب ہے۔ جہاں مسلمان مبلغوں کا ایک قلیل گروہ اپنے نہایت محدود وسائل کے ساتھ وہاں کے لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کر رہا ہے۔ مذہب اسلام میں بنیادی کشش یہ ہے کہ یہ رنگ و نسل کے امتیاز کو تسلیم نہیں کرتا" [۱۲۳]

پہلا باب (فصل چہاردہم)

۱۹۳۴ء کے متفرق مگر اہم واقعات

دارالتبلیغ مشرقی افریقہ کے تفصیلی کوائف کا تذکرہ کرنے کے بعد اب ہم ۱۹۳۴ء کے متفرق مگر اہم واقعات کی طرف لوٹتے ہیں۔

امتحان میں کامیابی

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) اور مرزا سعید احمد صاحب (خلف حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔اے) نے پنجاب یونیورسٹی سے بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ [۶۳۴]

صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کی شادی

۲۶/ اگست ۱۹۳۴ء کو سیدہ ناصرہ بیگم صاحبہ (بنت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ) کی تقریب رخصتانہ عمل میں آئی۔ [۶۳۵] آپ کا نکاح ۲/ جولائی ۱۹۳۴ء کو حضرت اقدسؓ نے صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب (حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کے فرزند) کے ساتھ پڑھا تھا۔ سیدہ موصوفہ کے بطن سے یہ اولاد ہوئی۔ صاحبزادی امۃ الرؤف صاحبہ۔ مرزا ادریس احمد صاحب۔ صاحبزادی امۃ القدوس صاحبہ۔ مرزا مغفور احمد صاحب۔ مرزا مسرور احمد صاحب۔

ایرانی سیاح قادیان میں

۱۹/ فروری ۱۹۳۴ء کو ایک ایرانی سیاح ابو القاسم خاں صاحب قادیان پہنچے اور مسجد اقصیٰ میں اپنے حالات سفر پر فارسی زبان میں روشنی ڈالی۔ [۶۳۶] اور مکرم اللہ بخش صاحب ضیاء نے ان کی تقریر کا فی البدیہہ اردو میں نہایت عمدگی سے ترجمہ سنا دیا۔

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب یادگیر کی مراجعت وطن

اسی سال مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اپنی تعلیم سے فراغت پا کر قادیان سے اپنے وطن یادگیر (حیدر آباد دکن) چلے گئے وہاں جاکر آپ نے مسجد احمدیہ یادگیر میں درس و تدریس جاری کیا۔ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحبؓ کے کاموں میں امداد کی۔ صحابہ جنوبی ہند

کے حالات جمع کئے۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کی تصانیف کے لئے مواد اکٹھا کرنے میں بھی بہت محنت کی جیسا کہ حضرت عرفانی صاحبؓ نے اپنی کتاب "حیات حسن" صفحہ ۲۱۹ پر ذکر فرمایا ہے اس کے علاوہ مولوی صاحب موصوف نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے "خطباتِ جمعہ و عیدین" کی فہرست بھی شائع کی۔ غرضکہ آپ آخر دم تک سلسلہ کی آنریری خدمات بجالاتے رہے ۱۹۶۵ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

چوہدری علی بخش صاحب کا انتقال

مارچ ۱۹۳۴ء میں چوہدری علی بخش صاحب رئیس بھینی پسوال جو علاقہ بیٹ میں سلسلہ کے ایک پر جوش فدائی اور شیدائی تھے وفات پا گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنی طرف سے مولانا محمد ابراہیم صاحبؓ بقاپوری اور ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ نے مولانا حافظ غلام رسول صاحبؓ وزیر آبادی کو ان کے پسماندگان سے اظہار افسوس کے لئے بھیجا۔ [۱۳۷]

سناتن دھرم سبھا فیروز پور شہر

۳۱/ مارچ ۱۹۳۴ء کو فیروز پور شہر میں سناتن دھرم سبھا منعقد ہوئی۔ جس میں نمائندہ جماعت احمدیہ کی حیثیت سے مولوی محمد سلیم صاحب فاضل نے بھی شرکت فرمائی جہاں دوسرے مقررین کی تقریروں پر بہت شور و شر ہوتا رہا۔ وہاں آپ کی تقریر آخر وقت تک خاص دلچسپی اور دلجمعی سے سنی گئی۔ [۱۳۸]

یونیورسٹی کمیشن کے لئے میمورنڈم

جماعت احمدیہ نے اس سال ملک کی ایک بھاری علمی خدمت یہ سرانجام دی کہ اس نے یونیورسٹی کمیشن کے سامنے فلسکیپ کاغذ کے اکتالیس صفحات پر مشتمل ایک مفید میمورنڈم پیش کیا۔ جس میں پنجاب یونیورسٹی کی اصلاح اور ترقی کے لئے بیش قیمت مشورے اور تجاویز تھیں۔ [۱۳۹]

دی "سٹار ہوزری ورکس" قادیان کا افتتاح

۲۵/ اگست ۱۹۳۴ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے "دی سٹار ہوزری ورکس لمیٹڈ قادیان" کے کارخانہ کا افتتاح فرمایا۔ [۱۴۰] یہ پہلا کارخانہ تھا جو قادیان میں قائم ہوا۔ اور اس نے بہت جلد شہرت حاصل کرلی۔ ابتداء میں اس کارخانہ کے ڈائریکٹر مندرجہ ذیل اصحاب منتخب ہوئے۔

(۱) حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب تاجر سکندر آباد (۲) چودھری ظفر اللہ خاں صاحب بار ایٹ لاء ایم۔ایل۔سی لاہور (۳) حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے قادیان (۴) جناب شیخ محمد صدیق صاحب تاجر اوکاڑہ (۵) حضرت مولوی عبدالمغنی خان صاحب قادیان (۶) حضرت مولوی

فرزند علی خان صاحب ناظر امور عامہ قادیان (۷) حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب قادیان (۸) شیخ عبد الواحد صاحب ٹھیکہ دار قادیان (۹) شیخ غلام مجتبیٰ صاحب پنشنر قادیان (۱۰) چوہدری محمد عظیم صاحب باجوہ (ہوزری ایکسپرٹ) تلونڈی عنایت خاں ضلع سیالکوٹ۔ [۶۲۱]

بیرونی مشنوں کے بعض اہم واقعات

مصر و فلسطین: (۱) یکم جنوری ۱۹۳۴ء کو کبابیر کے احمدیہ مدرسہ کا افتتاح عمل میں آیا۔ [۶۲۲] (۲) اس سال ایک احمدیہ لائبریری کی بنیاد رکھی گئی۔ (۳) مولانا ابو العطاء صاحب کی تحریک پر کبابیر میں پریس کا قیام ہوا جو بلاد عربیہ میں سب سے پہلا احمدیہ پریس تھا۔ [۶۲۳]

مغربی افریقہ: لیگوس میں عرصہ سے ایک مسجد سے متعلق جماعت احمدیہ اور مخالفین کے درمیان مقدمہ چل رہا تھا۔ اس سال اپریل ۱۹۳۴ء میں جماعت احمدیہ کے حق میں اس کا فیصلہ ہوا۔ [۶۲۴] مقدمہ میں فتح یابی کا سہرا قابل و مخلص احمدی جرائیل مارٹن بیرسٹرایٹ لاء کے سر تھا۔ جنہوں نے اس مقدمہ میں کامیاب وکالت کی۔ [۶۲۵]

۱۳۔ ۱۴/ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو لیگوس میں پہلا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں لیگوس کے علاوہ کانو، ابادان، پورٹ ہارکوٹ وغیرہ دور دراز مقامات سے نمائندگان جماعت شامل ہوئے۔ [۶۲۶]

لنڈن مشن: انگلینڈ کی کرسچین چرچ کو غیر مسیحی ممالک میں تبلیغ کے لئے موزوں مشنری مہیا کرنے میں روز بروز دقت ہو رہی تھی۔ جس کا حل یہ سوچا گیا کہ انگلش چرچ اور سٹوڈنٹس کرسچن مومنٹ مل کر کام کریں۔ اس تحریک کے تمام ممبر مختلف یونیورسٹیوں کے انڈر گریجوایٹ ہوتے تھے اور چرچ کی امداد سے ہندوستانی طلباء میں نہایت ہوشیاری سے عیسائیت کا پرچار کرتے تھے۔ جماعت احمدیہ کے سیکرٹری امور خارجہ ڈاکٹر جے سلیمان (آف جنوبی افریقہ) نے برطانیہ کی تمام یونیورسٹیوں کو مسلم طلبہ کی تعداد سے مطلع کرنے کو لکھا۔ لیکن ناٹنگھم یونیورسٹی نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ایڈنبرا یونیورسٹی نے لکھا کہ ہائی کمشنر آف انڈیا سے معلوم کریں۔ دوسری یونیورسٹیوں نے مطلوبہ معلومات بھجوا دیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اسی سلسلہ میں جون ۱۹۳۴ء کے آخر میں برسٹل یونیورسٹی میں بھی گئے اور گو امتحانات کی وجہ سے کماحقہ فائدہ نہ اٹھا سکے مگر بعض مسلم طلبا سے ملاقات کر کے ان کو مسجد احمدیہ لنڈن سے رابطہ قائم رکھنے اور کرسچن چرچ اور سٹوڈنٹس کرسچن مومنٹ کی سرگرمیوں سے خبردار رہنے کی تلقین کی۔ [۶۲۷]

سماٹرا مشن: ۳/ جون ۱۹۳۴ء کو مولوی ابوبکر صاحب مولوی فاضل نے میدان میں انجمن تلاشیان حق کے ایک عالم سے کامیاب مناظرہ کیا۔ ایک مقامی اخبار نے لکھا کہ جماعت احمدیہ کے

مناظر کی تقریریں صاف طور پر ظاہر کر رہی تھیں کہ اس کا علم بہت وسیع اور گہرا ہے اس کے مقابل میں ہمارے علماء کی تحقیق افسوسناک حد تک کم تھی۔ ایک اور اخبار نے لکھا ہم احمدی نوجوان کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس کی طرز بحث اور تائید احمدیت کا طریق پبلک کو حیرت میں ڈال رہا تھا اور اس کے مذہبی معلومات کی وسعت ظاہر کر رہی تھی کہ وہ کوئی معمولی عالم نہیں۔ [۶۲۸]

نئی مطبوعات

جماعت احمدیہ کی طرف سے ۱۹۳۴ء میں جو لٹریچر شائع ہوا۔ اس میں سے مندرجہ ذیل کتب و رسائل قابل ذکر ہیں۔

۱۔ حیات احمد جلد دوم نمبر ۲ (حضرت عرفانی کبیرؓ کی تالیف) (۲) "امتحان پاس کرنے کے گر"۔ (از حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ)

۳۔ "چشمہ عرفان" سید حبیب صاحب ایڈیٹر اخبار "سیاست" لاہور نے ۲۱/ اپریل ۱۹۳۳ء سے "تحریک قادیان" کے عنوان سے ایک طویل سلسلہ مضمون جاری کیا تھا۔ جس پر مدلل و مسکت تبصرہ مولوی علی محمد صاحب اجمیری اور مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر کے قلم سے "چشمہ عرفان" کی صورت میں شائع کیا گیا۔

۴۔ "ہمارا مذہب" حیدر آباد دکن کے پروفیسر صلاح الدین محمد الیاس صاحب برنی ایم۔ اے' ایل ایل۔ بی علیگ نے ایک کتاب "قادیانی مذہب" لکھی تھی۔ جس کا جواب مولوی علی محمد صاحب اجمیری نے تیار کیا۔ جو "ہمارا مذہب" کے نام سے شائع کر دیا گیا۔

۵۔ "تصدیق احمدیت" یہ بھی پروفیسر برنی صاحب کی کتاب کا مختصر جواب ہے۔ جو سید بشارت احمد صاحب جنرل سیکرٹری حیدر آباد دکن کی طرف سے شائع ہوا۔ "تصدیق احمدیت" کے بعد آپ نے "بشارت احمد" کے نام سے برنی صاحب کی کتاب کے جواب میں نہایت مفصل اور مدلل کتاب شائع کی جو بہت مقبول ہوئی۔

۶۔ "عروج احمدیت" (ابو البشارت مولانا عبد الغفور صاحبؓ فاضل کی ایمان افروز تقریر بر موقعہ جلسہ سالانہ ۱۹۳۳ء)

اندرون ملک کے مشہور مناظرے

مناظرہ لاہور: ۱۹۳۴ء کا پہلا مباحثہ یکم جنوری کو لاہور میں ہوا جس میں میاں عبد اللہ صاحب معمار سے مولوی محمد سلیم صاحب فاضل کی اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری سے ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم کی بحث ہوئی۔ محترم خادم صاحب نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ کی تشریح جب اخبار اہلحدیث ۲۶/ اپریل ۱۹۰۷ء سے پیش کی تو حاضرین پر سناٹا چھا گیا۔ [۶۲۹]

مناظرہ بڈھن وال (ضلع جالندھر) یہاں عیسائیوں نے اپنا کیمپ لگایا تھا۔ غیر احمدیوں نے پادریوں کے سامنے اپنے علماء کو بے بس پا کر نکودر سے ایک احمدی عالم مولوی عبدالعزیز صاحب مولوی فاضل کو بلایا جنہوں نے کیمپ میں مسئلہ کفارہ کے موضوع پر مناظرہ کر کے پادریوں کو ساکت کر دیا۔ ۶۵۰

مناظرہ دہلی: یکم فروری ۱۹۳۴ء کو جماعت احمدیہ دہلی کا آریہ سماج چاوڑی بازار کے ساتھ "مکتی" پر کامیاب مناظرہ ہوا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے ماسٹر محمد حسن صاحب آسان مناظر تھے۔ بعض ہندوؤں نے بھی اقرار کیا کہ احمدی مناظر اپنے طرز بیان اور دلائل کے لحاظ سے آریہ سماجی مناظر پر غالب رہا۔ ۶۵۱

مناظرہ کراچی: یہاں ۴/ فروری ۱۹۳۴ء کو مولوی محمد سلیم صاحب نے لال حسین صاحب اختر اور احمد دین صاحب سے مناظرہ کیا اور خدا کے فضل سے مخالفین کے معاندانہ رویہ کے باوجود نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ۶۵۲

مناظرہ اچہ جمہ (ضلع سیالکوٹ) ۵-۶-۷/ مارچ ۱۹۳۴ء کو مولوی محمد عبداللہ صاحب اور مولوی دل محمد صاحب نے غیر احمدیوں سے مباحثہ کیا۔ احمدی مبلغین کے ٹھوس دلائل کا جواب بدزبانی کی صورت میں دیا گیا۔ ۶۵۳

مناظرہ بٹالہ: انجمن خادم المسلمین اہلحدیث بٹالہ کے سالانہ جلسہ (منعقدہ ۱۲ تا ۱۴/ مارچ ۱۹۳۴ء) میں مولوی ثناء اللہ صاحب کی تقریر کے بعد سوال و جواب کا موقعہ دیا گیا۔ جس میں مرکز کی طرف سے مولوی محمد سلیم صاحب فاضل نے حصہ لیا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب اپنے عنوان "قرآن اور مسیح موعود قادیانی" کے مطابق قرآن مجید سے حضرت اقدس کے خلاف ایک دلیل بھی پیش نہ کر سکے۔ ۶۵۴

مناظرہ لالہ موسیٰ: انجمن اہلحدیث لالہ موسیٰ نے احمدیوں سے طے کیا کہ وہ ۲۲- ۲۳/ مارچ ۱۹۳۴ء کو تین متنازعہ مسائل پر مناظرہ کریں گے۔ چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق ۲۲/ مارچ کو مولوی محمد سلیم صاحب نے لال حسین صاحب اختر سے مسئلہ وفات و حیات مسیح اور صداقت مسیح موعود پر ایسا شاندار مناظرہ کیا کہ دوسرے دن فریق ثانی کو مسئلہ ختم نبوت پر بحث کرنے کی جرات ہی نہ ہو سکی۔ ۶۵۵

مناظرہ چوہدریوالہ چک نمبر ۱۰۸ (ضلع لائلپور) اس گاؤں میں عیسائیوں نے مسلمانوں کو تنگ کر رکھا تھا مسلمانوں کی دعوت پر مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل تشریف لے گئے اور ایک پادری

صاحب کے ساتھ "کفارہ" اور "موجودہ انجیل الہامی کتاب ہے یا قرآن مجید" پر مناظرہ ہوا۔ پادری صاحب قاضی صاحب کے مطالبات سے عاجز آگئے تو مناظرہ درمیان ہی میں چھوڑ کر احمدیوں اور غیر احمدیوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کے دلائل طلب کرنے لگے۔ محترم قاضی صاحب نے بائبل کی رو سے حضورؑ کی صداقت ایسے موثر پیرایہ میں واضح کی کہ پادری صاحب کو لاجواب ہونا پڑا۔ [۱۵۶]

مناظرہ کلاسوالہ (ضلع سیالکوٹ) ۲۷/ مارچ ۱۹۳۴ء کو مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل نے آریہ سماج کے پنڈال میں پنڈت شانتی پرکاش سے "قرآن شریف الہامی کتاب ہے" کے موضوع پر مناظرہ کیا۔ کئی غیر احمدیوں اور سناتنی ہندوؤں نے صاف تسلیم کیا کہ آریہ پنڈت صاحب احمدیوں کے سوالات کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔ [۱۵۷]

مناظرہ لائل پور: حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ نے ۱۴/ اپریل ۱۹۳۴ء کو خواجہ غلام حسن صاحب وکیل کے مکان پر ایک غیر احمدی مولوی صاحب سے تین گھنٹے مناظرہ کیا۔ جس کا تعلیم یافتہ طبقہ پر اچھا اثر ہوا۔ [۱۵۸]

مناظرہ حافظ آباد نمبر ۱ (ضلع گوجرانوالہ) مولانا شیخ مبارک احمد صاحب نے ۱۵/ اپریل ۱۹۳۴ء کو ۲ بجے دوپہر اہلحدیث مناظر مولوی نور حسین صاحب گرجاکھی سے اور رات کو حنفی جماعت کے نمائندہ چوہدری محمد اکبر صاحب سے مناظرہ کیا۔ دونوں مناظروں سے سنجیدہ طبقہ بہت متاثر ہوا۔ [۱۵۹]

مناظرہ دھاریوال نمبر ۱: ۲۱۔ ۲۲/ اپریل ۱۹۳۴ء کو دھاریوال میں علامہ مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ اور پادری میلا رام صاحب کے درمیان چار مناظرے ہوئے۔ جماعت احمدیہ کے مبلغ کی کامیاب بحث کا غیر احمدیوں نے بھی اقرار کیا۔ [۱۶۰]

مناظرہ پونچھ: (مئی ۱۹۳۴ء میں مورخہ ۲۴ بیساکھ) مولوی محمد حسین صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ نے مولوی احمد الدین صاحب گکھڑوی مبلغ اہلحدیث سے مناظرہ کیا۔ دوران مناظرہ "پیشگوئی محمدی بیگم" اور اشتہار "آخری فیصلہ" خاص طور پر زیر بحث آئے۔ جن کا احمدی مناظر نے ایسا مسکت جواب دیا کہ ان کی آخری تقریر سننے سے پہلے ہی صدر اہلحدیث کو جلسہ برخاست کرنا پڑا۔ [۱۶۱]

مناظرہ ڈیرہ غازی خان: ۲۳/ مئی ۱۹۳۴ء کو احمدیوں اور اہلحدیث میں مناظرہ ہوا۔ احمدی عالم ابو البشارت مولانا عبد الغفور صاحب مرحوم نے صداقت انبیاء کے بارہ دلائل قرآن کریم سے اور ایک حدیث بخاری شریف سے پیش کئے۔ مگر مناظر اہلحدیث مولوی عبد العزیز صاحب ملتانی نے اپنی تقریروں میں اس درجہ استہزاء تمسخر اور فحش کلامی شروع کر دی کہ صدر اہلحدیث رحیم بخش صاحب

کرسی صدارت چھوڑ کر چل دیئے اور پولیس نے مناظرہ بند کروا دیا۔ ۶۶۲

مناظرہ فیروز والا (ضلع گوجرانوالہ) ۲۵-۲۶/ مئی ۱۹۳۴ء کو ملک عبد الرحمٰن صاحبؓ خادم نے سائیں لال حسین صاحب اختر اور مولوی محمد حسین صاحب کولو تار ڑوی سے اور مولوی محمد نذیر صاحب مولوی فاضل نے مولوی محمد چراغ صاحب سے مناظرہ کیا۔ خادم صاحب کی سحربیانی اور حاضر جوابی نے اپنوں اور بیگانوں سے خراج تحسین حاصل کیا۔ اس کے مقابل خود ارکان اہلسنت نے اپنے ایک مناظر کی نسبت اس خیال کا اظہار کیا کہ اگر ان کی اس بے بضاعتی کا ہمیں پہلے علم ہوتا تو ان کو بطور مناظر کبھی نہ بلواتے۔ ۶۶۳

مناظرہ حافظ آباد (نمبر۲) اسی سال حافظ آباد میں دوسرا مناظرہ ۲۷/ مئی ۱۹۳۴ء کو ہوا۔ احمدیوں کی طرف سے حافظ مبارک احمد صاحب اور ملک عبد الرحمٰن صاحب خادمؓ اور اہلسنت و الجماعت کی طرف سے مولوی محمد حسین صاحب کولو تارڑوی اور لال حسین صاحب اختر شامل ہوئے۔ میدان مناظرہ میں موخر الذکر غیر احمدی مناظر نے اپنی "خوش کلامی" کا خوب مظاہرہ کیا۔ اور رہی سہی کسر اہلسنت و الجماعت نے شور مچا کر اور تالیاں بجا کر پوری کر دی۔ بحالیکہ شرائط مباحثہ میں خاص طور پر درج تھا کہ اول بحث دائرہ تہذیب کے اندر رہوگی۔ دوسرے شور مچانے والا فریق شکست خوردہ سمجھا جائے گا۔ ۶۶۴

مناظرہ ہنگو (ضلع کوہاٹ) ۲۵/ جون ۱۹۳۴ء کو مولوی چراغ دین صاحب نے صوبہ سرحد کے ایک مشہور معاند احمدیت سے کامیاب مباحثہ کیا۔ ۶۶۵

مناظرہ شیر نگر (ضلع لاہور) انہی ایام میں شیر نگر میں مولوی عبد اللہ صاحب اعجاز نے مولوی عبد القادر صاحب روپڑی سے اور مولانا شیخ مبارک احمد صاحب فاضل نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب روپڑی سے مناظرے کئے۔ ۶۶۶

مناظرہ شاہ مسکین (ضلع شیخوپورہ) یکم جولائی ۱۹۳۴ء کو مولانا شیخ مبارک احمد صاحب فاضل نے عبد اللہ صاحب معمار امرتسری سے مباحثہ کیا۔ معمار صاحب استہزاء اور ہنسی مذاق کے سوا کوئی معقول بات پیش نہ کر سکے۔ ۶۶۷

مناظرہ دھاریوال (نمبر۲) اس سال کا یادگار اور معرکتہ الاراء مناظرہ ۲۸-۲۹/ جولائی ۱۹۳۴ء کو عیسائیوں کے مشہور تبلیغی مرکز دھاریوال میں ہوا۔ جس نے کاسر صلیب کے شاگردوں کی دھاک بٹھادی مناظرے کے چار اجلاس ہوئے پہلے اجلاس میں مسئلہ کفارہ پر ملک عبد الرحمٰن صاحبؓ خادم نے سادھو میلا رام صاحب سے مناظرہ کیا۔ عیسائی مناظر صاحب کی تقریر بالکل سطحی اور عامیانہ

تھی۔ مگر ملک صاحب نے ایسی زبردست تقریر کی کہ کفارہ کے نظریہ کا بطلان روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا۔ دوسرے اجلاس میں "صداقت مسیح موعود" پر بحث ہوئی عیسائی مناظر صاحب نے غیر احمدی مناظرین کی خوشہ چینی کر کے وہی فرسودہ اعتراضات دہرا دیئے جو عام طور پر مناظروں میں کئے جاتے تھے۔ ان اعتراضات کا رد ملک صاحب مرحوم نے ایسی قابلیت سے کیا کہ عیسائی مناظر صاحب گالیوں اور بدزبانیوں پر اتر آئے۔ لیکن ہر بات کا دنداں شکن جواب پاکر جلد ہی اپنی روش بدلنے پر مجبور ہو گئے۔

مناظرہ کے تیسرے اجلاس میں بھی جماعت احمدیہ کی طرف سے ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ ہی نے بحث کی۔ اس اجلاس میں "یسوع مسیح کی شخصیت از روئے بائیبل" زیر بحث تھی۔ خادم صاحب نے انجیلی یسوع کا نقشہ اس خوبی سے پیش کیا کہ عیسائی مناظر صاحب کو دم مارنے کی مجال نہ رہی۔ آپ نے انعامی چیلنج دیا کہ بائیبل کے یسوع کی والدہ کا یسوع پر ایمان لانا ثابت کردو۔ مگر وہ آخر وقت تک اس مطالبہ سے عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ چوتھے اور آخری اجلاس میں "تحریف بائیبل" پر بحث ہوئی۔ احمدی مناظر مولوی علی محمد صاحب اجمیری تھے اور عیسائی مناظر مسٹر ہوز۔ مولوی علی محمد صاحب اجمیری نے بائیبل کے محرف و مبدل ہونے کی ایسی ایسی مثالیں دیں کہ حاضرین دنگ رہ گئے۔ مسٹر ہوز آخری تقریر میں کسی مطالبہ کا جواب دینے کے بجائے "ہائے ہائے قادیان" کے الفاظ منہ سے نکالنے لگے۔ بلکہ تقریر کے خاتمہ پر یہاں تک کہہ دیا کہ میز پر جتنی کتابیں پڑی ہیں سب جلادو اور جب ادھر سے کہا گیا کہ ان میں تو اناجیل بھی ہیں۔ تو فرمانے لگے ان کو بھی جلادو۔ اگرچہ باہمی طور پر چھ متنازعہ مسائل پر بحث قرار پائی تھی۔ مگر عیسائیوں نے آخری دو مسئلوں پر مناظرہ کرنے سے فرار اختیار کر لیا۔

اس مناظرہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ حضرت علامہ میر محمد اسحٰق صاحبؓ ناظر ضیافت اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوت و تبلیغ بھی شروع سے آخر تک اس میں تشریف فرما رہے اور احمدی مناظرین کی راہ نمائی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ [۶۱۸]

مناظرہ چوہدریوالہ چک نمبر ۱۰۸ ضلع لائلپور: اس گاؤں میں تین مباحثات ہوئے۔ پہلا مباحثہ چوہدری محمد شریف صاحب فاضل جامعہ اور مولوی محمد حسین صاحب کولوتارڑوی کے درمیان دوسرا مولانا شیخ عبدالقادر صاحبؓ اور مولوی محمد مسلم صاحب دیوبندی کے درمیان اور تیسرا مولوی علی محمد صاحب اجمیری اور رلال حسین صاحب اختر کے درمیان ہوا۔ تینوں مناظروں کا غیر احمدیوں پر بہت اچھا اثر پڑا۔ [۶۱۹]

مناظرہ کمیانہ ضلع گجرات ۲۸۔ ۲۹/ اگست ۱۹۳۴ء کو جماعت احمدیہ فتح پور کا اہلسنت و

الجماعت کمیانہ سے مناظرہ ہوا۔ احمدیوں کی طرف سے مولوی محمد عبداللہ صاحب اعجاز اور ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتیؓ نے بحث کی اور غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی حافظ احمد دین صاحب گکھڑوی نے۔ تعلیم یافتہ غیر احمدیوں نے تسلیم کیا کہ ان کے مناظر نے کوئی معقول جواب نہیں دیا۔ خصوصاً خادم صاحبؓ کی تقریر اس قدر موثر اور لاجواب تھی کہ لوگ عش عش کر اٹھے۔ آخری تقریر خادم صاحب کی تھی مگر غیر احمدی اصحاب میدان مناظرہ چھوڑ کر چلے گئے اور تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ [۱۷۰]

مناظرہ گوجرہ: ۲۲-۲۳/ ستمبر ۱۹۳۴ء عیسائیوں کا گوجرہ ضلع لائل پور میں جلسہ تھا۔ اس موقعہ پر انہوں نے جماعت احمدیہ کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔ جو منظور کر لیا گیا۔ قادیان سے مولوی محمد سلیم صاحب اور لائل پور سے مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل تشریف لے آئے۔ دو مضمون تجویز ہوئے۔ "مسیحیت حضرت مرزا صاحب" اور "کفارہ"۔ ۲۵/ ستمبر کو دونوں مضمونوں پر مولوی محمد سلیم صاحب فاضل نے پادری عبدالحق صاحب سے مناظرہ کیا۔ جس میں دوست دشمن نے مولوی صاحب کی فصیح البیانی اور زور استدلال اور پادری صاحب کے عجز اور بے بسی کا اقرار کیا۔

پادری عبدالحق صاحب نے اپنی باری میں احمدیوں کو "عصمت انبیاء" پر بھی مناظرہ کا چیلنج دیا جو اسی وقت منظور کر لیا گیا تھا اور ساتھ ہی ان کو "الوہیت مسیح" پر مناظرہ کرنے کی دعوت دی گئی۔ ابھی پادری صاحب سے اس بارے میں گفتگو جاری تھی کہ مولوی محمد شاہ صاحب سیالکوٹی (جو غیر احمدیوں کی طرف سے عیسائیوں سے بحث کے لئے بلوائے گئے تھے اور جن کی نسبت بعد کو معلوم ہوا کہ انہوں نے عیسائیوں سے سازباز کر رکھی ہے) درمیان میں کھڑے ہو گئے اور ختم نبوت پر مناظرہ کا چیلنج دے دیا جو مولوی محمد سلیم صاحب نے فوراً منظور کر لیا۔ یہ سنتے ہی مولوی محمد شاہ صاحب عیسائیوں کی سٹیج پر جا بیٹھے۔ مولوی محمد شاہ صاحب کی اس حرکت نازیبا کو ذمہ دار مسلمانوں نے نہایت ناپسند کیا نیز سب انسپکٹر صاحب پولیس نے بھی انہیں اس وقت مناظرہ سے روک دیا اور کہا کہ یہ مناظرہ تب ہو سکتا ہے جب باقاعدہ آپس میں مناظرہ کی شرائط طے کر لو۔ دوسری طرف عیسائیوں سے مناظرہ جاری رکھنے کی انہوں نے اجازت دے دی۔ مگر پادری صاحب نے مناظرہ کا چیلنج دے کر انکار کر دیا۔ لیکن عیسائیوں کی چالاکی و ہوشیاری ملاحظہ ہو۔ دوسرے دن جب مولوی محمد سلیم صاحب اپنے مقررہ پروگرام کے مطابق خوشاب روانہ ہو گئے تو انہوں نے منادی کرا دی کہ مولوی محمد سلیم صاحب بھاگ گئے ہیں جماعت احمدیہ گوجرہ نے منادی سنتے ہی مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل کو بلوا لیا اور ۸ بجے شام عیسائیوں کے بالمقابل سٹیج لگا دی۔ قاضی محمد نذیر صاحب نے پادری عبدالحق صاحب کو "عصمت انبیاء" اور

"الوہیت مسیح" پر مناظرہ کرنے کے لئے للکارا۔ پادری صاحب کہنے لگے میں عصمت انبیاء پر مناظرہ کرنا نہیں چاہتا۔ ہاں "الوہیت مسیح" پر مناظرہ کے لئے تیار ہوں مگر اس شرط کے ساتھ کہ مولوی محمد شاہ صاحب ثالث ہوں اور آپ محض میرے دلائل کو توڑیں۔ قاضی صاحب نے جواب دیا مجھے یہ شرط بھی منظور ہے۔ مگر پہلے اپنے پیش کردہ ثالث سے منظوری لے لو۔ اس پر مولوی محمد شاہ صاحب کہنے لگے میں ثالث نہیں بنتا۔ میرے متعلق پہلے ہی عجیب قسم کے خیالات ظاہر کئے جا رہے ہیں۔ اس طرح پبلک پر واضح ہو گیا کہ پادری عبدالحق صاحب نے ثالثی کی شرط محض میدان مناظرہ سے فرار کے لئے لگائی تھی اور یہ کہ پادری صاحب پہلے دن ہی ایسی منہ کی کھا چکے تھے کہ اب وہ احمدیوں سے مناظرہ کی تاب نہیں رکھتے تھے۔ [۱۷۱]

مناظرہ امرتسر: مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے ۳۰/ ستمبر ۱۹۳۴ء کی رات کو ڈھاب کھٹیکاں میں ایک جلسہ کیا اور حضرت مسیح موعودؑ کی عمر کے موضوع پر مبادلہ خیالات کی دعوت دی جس پر علامہ مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ اور مولوی فضل الدین صاحب وکیل تشریف لے گئے۔ علامہ شمسؓ صاحب نے حضور علیہ السلام کی عمر سے متعلق الہامات کے اصل الفاظ پیش کر کے حضورؑ کے الفاظ بلکہ خود مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی تحریرات سے ثابت کر دکھایا کہ الہام الٰہی کے مطابق حضورؑ نے ۷۵ سال کی عمر پائی۔ [۱۷۲]

مناظرہ آڑھا ضلع گیا: یہاں ۲۰۔ ۲۱/ اکتوبر کو مولانا غلام احمد صاحب فاضل بدوملہی نے غیر احمدیوں سے چار موضوعات پر مناظرہ کیا۔ آخر میں غیر احمدیوں نے تالیاں بجائیں اور احمدیوں کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ حتیٰ کہ ہندوؤں کو بھی روکا گیا کہ احمدیوں کے ہاتھ کوئی چیز نہ بیچیں۔ [۱۷۳]

مناظرہ سونگھڑہ (کٹک) یہاں سید ضیاء الحق صاحب بی۔ اے بی ٹی اور قریشی محمد حنیف صاحب نے غیر احمدیوں سے دو کامیاب مناظرے کئے اور جب غیر احمدی اصحاب سے تیسرے مناظرے کی شرائط طے کرنے کو کہا گیا تو انہوں نے ہاتھ ہلا کر بس بس کی آوازیں بلند کر دیں۔ [۱۷۴]

مناظرہ کلکتہ: ایک تعلیم یافتہ بنگالی نوجوان کے قبول احمدیت پر اس کے رشتہ داروں نے مناظرہ کا مطالبہ کیا اور ۲/ نومبر ۱۹۳۴ء کی تاریخ مقرر کی گئی۔ قادیان سے مولوی محمد سلیم صاحب فاضل تشریف لے گئے اور مولوی محمد یوسف صاحب امرتسری سے تینوں اختلافی مسائل پر مناظرہ کیا۔ جس سے سعید الفطرت لوگوں کے لئے تحقیق کا دروازہ کھل گیا۔ [۱۷۵]

مناظرہ کلاسوالہ ۴۔ ۵/ نومبر کو مہاشہ مولوی محمد عمر صاحب فاضل نے پنڈت چرنجی لال پریم صاحب سے "صداقت مسیح موعود" اور "ویدوں کی تعلیم" پر مناظرہ کیا۔ پنڈت صاحب احمدی مناظر

کے اعتراضات کا جواب دینے سے قاصر رہے۔ ۱۷۶

بعض ممتاز نومبایعین

اس سال جن خوش نصیبوں کو نظام خلافت یا سلسلہ احمدیہ سے وابستہ ہونے کی توفیق ملی ان میں ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے برادر اکبر شیخ عطاء محمد صاحب اور بھتیجا شیخ اعجاز احمد صاحب بہت ممتاز ہیں۔ محترم شیخ عطا محمد صاحب نے اپنی بیعت کا حسب ذیل الفاظ میں خط لکھا۔

"سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ جناب والا کمترین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی زمانہ کا بیعت شدہ ہے۔ خدا کے فضل اور حضرت مسیح موعودؑ کی دعاؤں کی برکت سے بیعت پر ثابت قدم ہے بلکہ بعض نشانات نے میرے ایمان کو زیادہ محکم کر دیا ہے۔ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب نے مجھے بتلایا کہ خلافت کی بیعت بھی ضروری ہے بوجہ پیرانہ سالی و نقاہت حاضری سے مجبور ہو کر یہ عریضہ خدمت اقدس میں ارسال ہے۔ براہ نوازش قدیمانہ مجھے اپنی بیعت کے سلسلہ میں لے لیویں میں صدق دل سے آپ کی بیعت خلافت کرتا ہوں۔ نیازمند شیخ عطا محمد۔ ۱۷۷

ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے اپنے برادر معظم شیخ عطا محمد صاحب ہی کی نسبت مندرجہ ذیل اشعار کہے تھے۔ ؎

وہ میرا یوسف ثانی وہ شمع محفل عشق — ہوئی ہے جس کی اخوت قرار جاں مجھ کو
جلا کے جس کی محبت نے دفتر من و تو — ہوائے عشق میں پالا، کیا جواں مجھ کو
ریاض دہر میں مانند گل رہے خنداں — کہ ہے عزیز تر از جاں وہ جان جاں مجھ کو
شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے — یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے ۱۷۸

اسی سال مرزا ضیاء اللہ بیگ صاحب (داماد مرزا سلطان محمد بیگ صاحب رسالدار) مع اہل و عیال داخل احمدیت ہوئے ۱۷۹ اسی طرح محترمہ عزت بیگم صاحبہ جو حضرت مرزا سلطان احمد صاحبؓ کے چھوٹے بھائی مرزا فضل احمد صاحب کی اہلیہ[1] تھیں خدا کے فضل سے احمدی ہو گئیں۔ ۱۸۰ حضرت مرزا سلطان احمد صاحبؓ کے خاندان میں صرف یہی ایک خاتون باقی تھیں جن کو آخر قبول حق کی توفیق مل گئی۔

---

[1] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اہلیہ اولیٰ سے چھوٹے صاحبزادے مرزا فضل احمد مرحوم کی دو بیویاں تھیں۔ ایک عزت بیگم صاحبہ جن کا تعلق خاندان سے ہی تھا اور ایک بیگم بی بی صاحبہ۔ دونوں ہی خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدی ہو گئی تھیں۔ محترمہ بیگم بی بی صاحبہ مرحومہ بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔

اس سال کے مبایعین میں حاجی الٰہی بخش صاحب گورایا (ساکن موضع ہرچو کے ضلع گوجرانوالہ) بھی تھے۔ جن کی عمر سو سال کے قریب تھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ان کی بیعت کے خط پر تحریر فرمایا۔ "اس عمر میں ہدایت آپ کے لئے مبارک اور ہمارے لئے خوشی کا موجب ہے"۔ ۶۸۱

پہلا باب

حواشی

۱۔ "خون کے آنسو"۔ مصنفہ جناب اشفاق حسین صاحب مختار میونسپل پبلک پراسیکیوٹر سابق میونسپل کمشنر مراد آباد۔ ناشر حافظ محمد دین اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور۔ سن اشاعت ۱۹۳۱ء۔ صفحہ ٦۷۔
۲۔ یہ اخبار مولانا شوکت علی مرحوم نے جاری کیا تھا۔ اس کے پہلے مدیر عبدالغنی چودھری اور دوسرے علی بہادر خاں تھے۔ آخری دور میں سید رئیس احمد صاحب جعفری ادارت پر فائز رہے جب آل انڈیا مسلم لیگ کی ۱۹۳۵ء میں نشاۃ ثانیہ ہوئی تو اس اخبار نے بڑے زور شور سے اس کی حمایت کی۔
۳۔ الجمعیۃ ۲۸/ نومبر ۱۹۳۲ء۔ یاد رہے الجمعیۃ کے اس مضمون کا عنوان ہے "مسلمانوں کو جماعت احمدیہ کے فتنہ سے محفوظ رہنا چاہئے"۔
۴۔ زمیندار ۹/ اکتوبر ۱۹۳۲ء (قادیان نمبر)
۵۔ ہفت روزہ پرکاش کے ایڈیٹر مہاشہ کرشن تھے جو سوامی شردھانند کے دست راست تھے۔ آریہ سماج کا پرجوش ترجمان پرتاپ بھی انہی کی ادارت میں نکلتا تھا اور ہندوؤں میں بہت مقبول تھا۔
٦۔ امید۔
۷۔ حالت۔
۸۔ یہ الفضل کی طرف اشارہ ہے (ناقل)
۹۔ تعداد۔
۱۰۔ ماتا۔
۱۱۔ بحوالہ الفضل ۲۵/ دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۵-٦
۱۲۔ رسالہ نور الاسلام رجب ۱۳۵۱ھ جلد ۳ نمبر ۷ مطابق اکتوبر۔ نومبر ۱۹۳۲ء۔
۱۳۔ جلد ششم میں اسے اگست ۱۹۳۰ء کا واقعہ قرار دیا گیا ہے جو سہو ہے۔
۱۴۔ الفضل ۲۰/ جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ کالم ۲۔ ایضاً ۱۸/ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۸ کالم ۲-۳
۱۵۔ الفضل ۹/ اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ٦۔
۱٦۔ پیغام صلح ۷/ جون ۱۹۳۳ء صفحہ ۵ کالم ۱۔
۱۷۔ الوصیت صفحہ ٦ (طبع اول) مطبوعہ ۲۴/ دسمبر ۱۹۰۵ء۔
۱۸۔ (خطبہ جمعہ از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرمودہ ۸/ جنوری ۱۹۳۲ء) اخبار الفضل مورخہ ۱۴/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۳ کالم ۵-٦
۱۹۔ ملخصاً از رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۲ء صفحہ ۴۴ تا صفحہ ۴۹۔
۲۰۔ الفضل ۱۱/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۔ ۲۰/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۷ و ۲۳/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۹۔
۲۱۔ الفضل مورخہ ۲۷/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۵-٦
۲۲۔ تفصیلی ہدایات الفضل ۱۲/ مارچ ۱۹۳۳ء میں چھپ چکی ہیں۔
۲۳۔ الفضل ۷/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۱-۲۔ اس دعوت کے اہتمام میں ملک فضل حسین صاحب، مرزا گل محمد صاحب، مرزا صالح علی

صاحب، سید محمد عبد اللہ صاحب اور مولوی عبد الرحمٰن صاحب جٹ، مولوی فاضل نے نمایاں حصہ لیا۔
۲۴۔ الفضل ۱۴/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۷ کالم ۳۔
۲۵۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب۔ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب۔ ڈاکٹر بھائی محمود احمد صاحب۔ ڈاکٹر احسان علی صاحب اور صوفی محمد یعقوب صاحب نے اس دعوت کے انتظام میں پوری تندہی سے کام کیا۔ الفضل ۹/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
۲۶۔ الفضل ۹/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۲۷۔ الفضل ۲۱/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۷۔۸ (مضمون سید بہاول شاہ صاحب نائب مہتمم تبلیغ کٹڑہ خزانہ امرتسر)
۲۸۔ الفضل ۲۶/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۹۔
۲۹۔ الفضل ۴/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ۹۔۱۰۔
۳۰۔ الفضل ۱۴/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۹۔
۳۱۔ الفضل ۱۶/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۵ کالم ۱۔
۳۲۔ الفضل ۱۶/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۶۔۷۔
۳۳۔ الفضل ۱۴/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۶ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۸/ جنوری ۱۹۳۲ء)
۳۴۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ قادیان ۳۲۔۱۹۳۱ء صفحہ ۷۷۔
۳۵۔ الفضل ۴/ فروری ۱۹۳۲ء صفحہ ۵۔
۳۶۔ الفضل ۱۲/ جون ۱۹۳۵ء صفحہ ۸ کالم ۳۔۴۔
۳۷۔ الفضل ۱۱/ فروری ۱۹۳۲ء صفحہ ۹ کالم ۳۔
۳۸۔ الفضل ۱۴/ فروری ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰۔۱۱۔
۳۹۔ ملخصاً از الفضل ۱۱/ فروری ۱۹۳۲ء صفحہ ۳۔۴۔
۴۰۔ ایضاً صفحہ ۴ کالم ۳۔
۴۱۔ الفضل ۳۱/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ا و الفضل ۲۸/ اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ا۔
۴۲۔ الفضل ۳/ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ا۔
۴۳۔ الفضل ۶/ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ا۔
۴۴۔ حضرت خان صاحب برکت علی صاحبؓ ایک لمبی اور قابل تعریف ملازمت سے پنشن یاب ہو کر اور بقیہ زندگی خدمت سلسلہ کے لئے وقف کر کے قادیان جا رہے تھے یہ پارٹی اسی سلسلہ میں تھی اس پارٹی میں جماعت دہلی کا ایڈریس جناب اکبر علی صاحبؓ نے اور جماعت شملہ کا ایڈریس حافظ عبد السلام صاحب نے پڑھ کر سنایا۔ (الفضل ۲۰/ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ا) یہ دونوں ایڈریس اور خان صاحب کا جواب الفضل ۱۷/ اپریل ۱۹۳۲ء میں چھپا ہوا ہے۔
۴۵۔ الفضل ۱۷/ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ا۔
۴۶۔ الفضل ۳/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ا۔
۴۷۔ الفضل ۱۵/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ا۔
۴۸۔ الفضل ۸/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ا۔
۴۹۔ الفضل ۷/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ا۔
۵۰۔ ایضاً
۵۱۔ الفضل ۱۰/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ا۔
۵۲۔ الفضل ۱۲/ جولائی ۱۹۳۲ء۔
۵۳۔ الفضل ۱۷/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ا۔
۵۴۔ الفضل ۲۱/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ا۔

۵۵۔ الفضل ۲۱/ اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۵۶۔ الفضل ۶/ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ۳ کالم ۲۔۳۔
۵۷۔ الفضل ۱۰/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۵ کالم ۱۔
۵۸۔ ابتدائی فہرست کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۸/ اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ۸۔
۵۹۔ الفضل ۷/ اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ۱ کالم ۲۔۳۔
۶۰۔ الفضل ۲۸/ اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۔۲۔
۶۱۔ الفضل ۸/ دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱ کالم ۳ و الفضل ۸/ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۴۔
۶۲۔ الفضل ۱۷/ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۶۳۔ الفضل ۳۱/ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۱ کالم ۳۔ یہ دعوت حضرت میر محمد اسحٰق صاحب ناظر ضیافت کے زیر اہتمام کی گئی تھی۔
۶۴۔ الفضل ۸/ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۴ کالم ۲۔
۶۵۔ کوٹھیاں بنانے والوں میں سے بعض۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب۔ حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیالؓ۔ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحبؓ۔ چودھری ابوالہاشم خان صاحبؓ۔ ملک عمر علی صاحب کھوکھر مرحوم۔ حضرت میاں محمد شریف صاحب ای۔اے۔سی۔ ڈاکٹر شاہ نواز خان صاحب۔ ڈاکٹر حاجی خان صاحب یوسف زئی۔ مولوی ظہور حسین صاحب فاضل مبلغ بخارا۔ قاضی عبدالمجید صاحب امرتسری۔ حضرت حافظ سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔اے۔ مبلغ جاپان صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔اے۔
۶۶۔ الفضل ۲۶/ فروری ۱۹۳۳ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۶۷۔ الفضل ۱۹/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۵ کالم ۲۔۳۔
۶۸۔ الفضل ۲۲/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۹۔
۶۹۔ الفضل ۲۲/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۵ تا ۷۔
۷۰۔ الفضل ۲/ جون ۱۹۳۲ء صفحہ ۲۔
۷۱۔ پیسہ اخبار ۱۹/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۹ بحوالہ الفضل ۵/ جون ۱۹۳۲ء صفحہ ۹ کالم ۱۔
۷۲۔ بحوالہ الفضل ۷/ جون ۱۹۳۲ء صفحہ ۳۔
۷۳۔ میری کہانی صفحہ ۳۲۷۔۳۲۸۔
۷۴۔ بحوالہ الفضل ۵/ جون ۱۹۳۲ء صفحہ ۹ کالم ۱۔
۷۵۔ بحوالہ الفضل ۸/ نومبر ۱۹۳۲ء۔
۷۶۔ بحوالہ الفضل ۸/ نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۳۔
۷۷۔ سیاست ۲۶/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۲۔
۷۸۔ الفضل ۷/ جون ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۲ کالم ۳۔
۷۹۔ الفضل ۹/ جون ۱۹۳۲ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۸۰۔ الفضل ۱۴/ جون ۱۹۳۲ء صفحہ ۴ کالم ۲۔
۸۱۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ ۳۳۔۱۹۳۲ء صفحہ ۵۹۔۶۰۔
۸۲۔ الفضل ۲۰/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۲ کالم ۲۔۳۔
۸۳۔ فیصلہ مقدمہ بہاولپور صفحہ ۵ شائع کردہ شیخ الجامعہ بہاولپور سن اشاعت جولائی ۱۹۳۵ء۔
۸۴۔ پٹنہ ہائی کورٹ نے ۲۱/ دسمبر ۱۹۲۶ء کے ایک فیصلہ میں یہ رولنگ دیا کہ احمدی باوجود اس اختلاف کے جو مذہب کے بعض ضروری حصوں کے متعلق ان میں اور عام رواجی مسلمانوں کے خیالات میں بیان کیا جاتا ہے مسلمان ہیں۔ پٹنہ لاء جرنل صفحہ ۱۰۸ جلد دوم۔ اسی طرح مدراس ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک مسلمان محض جماعت احمدیہ میں داخل ہو جانے کی وجہ سے اسلام سے مرتد

نہیں ہو جاتا۔ اور اپنی بیوی کے ساتھ اس کا نکاح فسخ نہیں ہو سکتا۔ (لاء جرنل رپورٹ حصہ ۲۰ صفحہ ۶۶۳)

۸۵۔ فیصلہ مقدمہ بہاولپور صفحہ ۸۔
۸۶۔ الفضل ۷/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ۳-۴۔
۸۷۔ الفضل ۱۰/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ۳۔
۸۸۔ فیصلہ مقدمہ بہاولپور صفحہ ۹۔
۸۹۔ الفضل مورخہ ۱۰/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ۴۔
۹۰۔ الفضل ۱۵/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۸-۹۔
۹۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۵/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۸-۹-۱۸/ ستمبر ۱۹۳۲ء۔
۹۲۔ الفضل ۱۶/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۸-۹۔
۹۳۔ الفضل ۱۶/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۸-۹۔
۹۴۔ الفضل ۲۲/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۸۔
۹۵۔ جرح کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۲/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۸-۹-۲۵/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۷-۸-۲۷/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۴-۶- ۲۹/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۷-۸-و ۴/ اکتوبر ۸-۹۔
۹۶۔ الفضل ۲۹/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۹۔
۹۷۔ الفضل ۱۵/ نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۹۸۔ الفضل ۲/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ۸۔
۹۹۔ الفضل ۱۲/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۱۰۰۔ ملاحظہ ہو الفضل ۲/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ۸ و ۹/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ۸ و ۱۱/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ۸ و ۲۰/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ۸ و ۴/ مئی ۱۹۳۳ء صفحہ ۹ و ۷/ مئی ۱۹۳۳ء صفحہ ۸ و ۲۱/ مئی ۱۹۳۳ء صفحہ ۹ و ۲۸/ مئی ۱۹۳۳ء صفحہ ۹-۱۰۔
۱۰۱۔ الفضل ۲۱/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۲۔
۱۰۲۔ پہلا نام بیان المجاھد۔
۱۰۳۔ الفضل ۲/ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۱۰۴۔ مثلاً جناب مولوی ابوالوفا صاحب شاہجہانپوری۔ لال حسین اختر وغیرہ۔
۱۰۵۔ الفضل مورخہ ۲۰/ مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۹۔
۱۰۶۔ الفضل ۲۰/ مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۹۔
۱۰۷۔ الفضل ۱۳/ مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۸۔
۱۰۸۔ الفضل مورخہ ۱۳/ مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۸۔
۱۰۹۔ فیصلہ مقدمہ بہاولپور صفحہ ۱۰-۱۱۔
۱۱۰۔ ایضاً صفحہ ۱۲۔
۱۱۱۔ فیصلہ مقدمہ بہاولپور صفحہ ۱۴۹۔
۱۱۲۔ فیصلہ مقدمہ بہاولپور صفحہ ۱۰۰۔
۱۱۳۔ ایضاً
۱۱۴۔ فیصلہ مقدمہ بہاولپور صفحہ ۹۹۔
۱۱۵۔ صفحہ ۵۵۰ ناشر نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ۔ کراچی۔
۱۱۶۔ مدعا علیہ کا بیان جو فیصلہ مقدمہ بہاولپور صفحہ ۹۸ پر مندرج ہے اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب حقیقتہ الوحی صفحہ ۹۷ سے ماخوذ ہے۔

۱۱۷۔ فیصلہ مقدمہ بہاولپور صفحہ ۷۶۔
۱۱۸۔ فیصلہ مقدمہ بہاولپور صفحہ ۷۶۔۷۷۔
۱۱۹۔ فیصلہ مقدمہ بہاولپور صفحہ ۷۷۔
۱۲۰۔ فیصلہ مقدمہ بہاولپور صفحہ ۷۷۔
۱۲۱۔ اشارات فریدی جلد ۳ صفحہ ۶۹ در مطبع مفید عام آگرہ باہتمام محمد قادر علی خاں صوفی طبع شد۔ ۱۳۲۱ھ۔
۱۲۲۔ فیصلہ مقدمہ بہاولپور صفحہ ۲۸۔
۱۲۳۔ مطابق کیم جنوری ۱۸۹۷ء ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۳۲۳۔
۱۲۴۔ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۳۹۔۴۰۔
۱۲۵۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ کیم مئی ۱۹۳۲ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ۷۳۔ (اسلامک فاؤنڈیشن ا۔ ڈیوس روڈ لاہور نے مقدمہ بہاولپور کی روداد اکتوبر ۱۹۸۸ء میں تین جلدوں میں شائع کردی ہے۔ جس سے احمدی اور غیر احمدی مسلک کی خوب وضاحت ہوتی ہے)
۱۲۶۔ الفضل ۱۰/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
۱۲۷۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ (کیم مئی ۱۹۳۱ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۲ء) صفحہ ۱۱۰۔
۱۲۸۔ الفضل ۲۸/ اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۲۔
۱۲۹۔ الفضل ۲/ اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ۲۔
۱۳۰۔ اس کا پس منظر تاریخ احمدیت جلد ششم صفحہ ۲۱۵ پر بیان کیا جاچکا ہے۔
۱۳۱۔ الفضل ۱۴/ فروری ۱۹۳۲ء صفحہ ۸ تا ۱۱ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۵/ فروری ۱۹۳۲ء)
۱۳۲۔ الفضل ۷/ جولائی ۱۹۳۲ء (خطبہ جمعہ فرمودہ کیم جولائی ۱۹۳۲ء)
۱۳۳۔ ملاحظہ ہو جامعہ احمدیہ کا علمی وادبی رسالہ مجلۃ الجامعہ جلد ا شمارہ ۴ صفحہ ۱۷۰۔
۱۳۴۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۲ء صفحہ ۸۸۔
۱۳۵۔ رپورٹ مجلس مشاورت جماعت احمدیہ منعقدہ ۲۵۔۲۶۔۲۷/ مارچ ۱۹۳۲ء۔ (صفحہ ۹۰۔۹۱۔۹۲)
۱۳۶۔ الفضل کیم ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ۲۔۳۔
۱۳۷۔ الفضل ۱۸/ اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ۸۔
۱۳۸۔ الفضل ۴/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ا۔
۱۳۹۔ الفضل ۲/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ا۔
۱۴۰۔ الفضل ۴/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ا۔۲۔
۱۴۱۔ الفضل ۲۴/ نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۸۔
۱۴۲۔ الفضل ۲۰/ جون ۱۹۳۲ء صفحہ ۴ کالم ۳۔
۱۴۳۔ الفضل ۱۵/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۲ کالم ۳۔ گاندھی جی نے اپنے مرن برت کی نسبت یہ دعویٰ بھی کیا کہ میں اپنے فیصلہ کو پرماتما کی طرف سے ایک پیغام سمجھتا ہوں اور مجھے ایشور کا سندیش آیا ہے کہ میں اچھوتوں کے لئے پران تیاگ دوں۔ الفضل ۲۰/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۲۔
۱۴۴۔ الفضل ۱۸/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۲ کالم ا۔
۱۴۵۔ الفضل ۲۰/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ا۔۲۔
۱۴۶۔ ایضاً
۱۴۷۔ الفضل ۱۸/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۲ کالم ا۔۲۔
۱۴۸۔ ایضاً

۱۴۹۔ الفضل ۲۲/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۲ کالم ۳۔
۱۵۰۔ الفضل ۲۲/ ستمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱ کالم ۲۔
۱۵۱۔ الفضل ۲۷/ نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۳-۸۔
۱۵۲۔ الفضل ۲۴/ نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۴ کالم ۳۔ الفضل ۲۷/ نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۷-۱۰۔
۱۵۳۔ الفضل رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ ۳۳-۱۹۳۲ء۔
۱۵۴۔ اصل خط دفتر پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفتہ المسیح کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔
۱۵۵۔ غیر مطبوعہ۔
۱۵۶۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ ۳۳-۱۹۳۲ء صفحہ ۵۹۔
۱۵۷۔ اصل خط دفتر پرائیویٹ سیکرٹری سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔
۱۵۸۔ روزنامہ حقیقت لکھنؤ ۸/ نومبر ۱۹۳۲ء۔
۱۵۹۔ روزنامہ اودھ اخبار لکھنؤ ۱۰/ نومبر ۱۹۳۲ء۔
۱۶۰۔ روزنامہ ہمدم لکھنؤ مورخہ ۱۲/ نومبر ۱۹۳۲ء۔
۱۶۱۔ الفضل ۸/ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۴ کالم ۳۔
۱۶۲۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ ۳۲-۱۹۳۳ء صفحہ ۱۳۰ تا ۱۳۲۔
۱۶۳۔ الفضل ۲۹/ نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۱۶۴۔ الفضل ۱۳/ دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱ کالم اور رسالہ جامعہ احمدیہ دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ب۔
۱۶۵۔ الفضل ۶/ دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰۔
۱۶۶۔ الفضل ۴/ دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰۔
۱۶۷۔ الفضل ۶/ دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰۔
۱۶۸۔ الفضل ۱۱/ دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۹ کالم ۲۔
۱۶۹۔ الفضل ۱۳/ دسمبر ۱۹۳۲ء۔
۱۷۰۔ سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۳۳-۱۹۳۲ء صفحہ ۱۳۱ کے مطابق وفد نے سترہ میچ کھیلے جن میں بارہ جیتے تین میں ناکام دو میں برابر رہا۔ وفد کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو (جامعہ احمدیہ دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ب تا د)
۱۷۱۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۲ کالم ۳۔
۱۷۲۔ الفضل ۲۴/ اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۱۷۳۔ الفضل ۱۹/ جون ۱۹۱۳ء جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۱۳ ان کے تفصیلی حالات لاہور تاریخ احمدیت مولفہ مولانا شیخ عبد القادر صاحبؓ فاضل مربی سلسلہ صفحہ ۱۴۸ تا صفحہ ۱۵۸ میں درج ہیں۔
۱۷۴۔ الفضل ۹/ اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۔ حضرت صاحبزادہ سید عبد اللطیف صاحب شہید کے شاگرد تھے اور آپ ہی کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی اور آپ ہی کے طفیل داخل احمدیت ہوئے حضرت شہید مرحوم کے سانحہ شہادت کے بعد احمدی ہونے کی وجہ سے آپ کو بھی بڑی تکالیف جھیلنا پڑیں۔ مدتوں گوشہ نشین رہے مگر تبلیغ جاری رکھی کئی بار گرفتار ہوئے اور قید خانہ میں مبتلائے آلام رہے ایک بار کابل کے اکثر احمدی پکڑے گئے اور انہیں دردناک طریقے سے مارنے پیٹنے کے بعد جیل میں ڈال دیا گیا۔ کئی احمدی ان دکھوں کی تاب نہ لا کر جیل ہی میں شہید ہو گئے اور باقی جرمانہ کی بھاری رقوم ادا کر کے رہا ہوئے۔ ان دنوں میں حضرت مولوی صاحب کے خلاف بھی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوئے لیکن اتفاقاً آپ کہیں سفر پر تھے۔ گھر آنے پر حالات کا علم ہوا تو آپ مصلحتاً انگریزی علاقہ میں آگئے۔ اس کے بعد جب امان اللہ خاں کی حکومت نے احمدیوں کی آزادی کا فرمان جاری کیا تو آپ واپس وطن تشریف لے گئے۔ مگر جب علماء نے دوبارہ مخالفت کی آگ بھڑکا کر بعض احمدیوں کو قید اور بعض کو شہید کرا دیا تو آپ اہل و عیال کے بغیر قادیان میں ہجرت کر کے تشریف لے آئے تخمیناً پچپن سال کی عمر میں وفات پائی اور بہشتی مقبرہ میں سپرد خاک کئے

گئے۔ (الفضل ۹/ اگست ۱۹۳۲ء ملخصاً از مضمون جناب سید ابو الحسن صاحب قدسی خلف الرشید صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب شہیدؓ)

۱۷۵۔ حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف صاحبؓ شہید کے شاگرد خاص اور صاحب کشف بزرگ جو پہلی بار خوست سے ۱۸۹۷ء میں قادیان تشریف لائے ۱۹۰۳ء میں حضرت صاحبزادہ صاحب کے سفر قادیان میں رفاقت سے مشرف ہوئے۔ ۱۹۰۴ء میں مستقل طور پر قادیان میں سکونت اختیار کر لی اور عمر بھر مہمانخانہ کے ایک چھوٹے سے حجرہ میں نہایت صبر و شکر کے ساتھ فقیرانہ رنگ میں اقامت گزین رہے۔ (الفضل ۲۰/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ ایضاً الفضل ۳۰/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۸ کالم ۳)

جناب مولوی عبد الرحیم خاں صاحب عادل تحریر فرماتے ہیں۔

"میں حضرت عبد الستار خان صاحبؓ عرف بزرگ کے ایک توکل علی اللہ کا ایک ذاتی مشاہدہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو ایک عرصہ دراز سے میرے ذہن میں اس طرح محفوظ ہے جیسے کل کی بات ہے۔ میں یہ بیان حلفیہ تحریر کر رہا ہوں۔

میں نے اپنے چچا دادا حضرت عبد الستار خان افغانؓ عرف بزرگ صاحب کو بہت قریب سے بہت دفعہ دیکھا ہے۔ میں ان کو "منجی ابا" چارپائی والے ابا کہا کرتا تھا۔ میں اکثر ان کے کمرہ میں جایا کرتا تھا۔ جو مہمان خانے کے شمال مشرقی کونہ میں تھا۔ میں جب بھی گیا ہوں آپ کو چارپائی پر بیٹھے دیکھا۔ ان کا کمرہ پٹھانوں سے بھرا ہوتا اور آپ درس قرآن کریم دے رہے ہوتے اور قہوہ کا دور جاری ہوتا۔

مجھے اس وقت یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت بزرگ صاحب کو پیسے کہاں سے آتے ہیں؟ وہ اپنی ضروریات کی چیزیں چائے۔ چینی۔ صابن وغیرہ میرے اباجی حضرت عبد اللہ خاں سے منگواتے۔ یہ غالباً ۱۹۲۶ء ؁ ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے میری عمر اس وقت ۱۲۔ ۱۳ برس ہو گی۔ میں حضرت بزرگ صاحبؓ کی چارپائی کے پینتی (پاؤں) کی جانب کھڑا تھا۔ حضرت اباجی سے حضرت بزرگ صاحب نے کچھ چیزیں بازار سے منگوائی تھیں۔ جو اباجی لے کر آئے تھے۔ چیزیں خریدنے کے بعد اباجی کے پاس کچھ پیسے بچ گئے تھے۔ (معلوم نہیں کتنے) حضرت اباجیؓ یہ پیسے حضرت بزرگ صاحب کے سرہانے تکیہ کے نیچے رکھنے لگے۔ جونہی حضرت اباجی کا ہاتھ سرہانے کے نیچے گیا۔ حضرت بزرگ صاحب جو چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے اس طرف دیکھا اور پشتو میں فرمایا۔ "سہ شہ دی" کیا بات ہے؟ حضرت اباجی نے پشتو میں جواب دیا۔ ترجمہ "کچھ پیسے سودا خریدنے کے بعد بچ گئے تھے یہ رکھ رہا ہوں صبح کام آجائیں گے حضرت بزرگ صاحب نے پشتو میں فرمایا "سہ شی تہ گکدے۔ صبوتہ یا خدائے نہ دی" ترجمہ کس لئے رکھ رہے ہو۔ جو خدا آج ہے کیا وہ صبح نہیں ہوگا" اور پشتو میں فرمایا ترجمہ۔ "ہٹاؤ اور دے دو غریبوں کو" شاید اس وقت ۲ پیسے یا ایک آنہ مجھے ملا اس وقت مجھے اس بات کی سمجھ نہیں تھی لیکن جب یہ بات یاد آتی ہے تو ان کے اس قدر زبردست توکل علی اللہ کے اعلیٰ مقام کا پتہ چلتا ہے اللہ اللہ سبحان اللہ کس قدر اونچا پر از یقین توکل علی اللہ کا مقام ہے کہ چند پیسے جو سودے سے بچ گئے وہ بھی کل کے لئے رکھنے گوارا نہیں۔ کہیں خدا تعالیٰ پر یقین اور ایمان میں تزلزل نہ آجائے میں پہلے عرض کر چکا ہوں میں یہ بیان حلفاً لکھ رہا ہوں جو کچھ میرے ذہن میں محفوظ تھا وہی لکھا ہے میں چاہتا ہوں کہ یہ واقعہ حضرت بزرگ صاحب کی سوانح حیات کے کسی حصہ میں سما دیا جائے تو یہ آپ کا بہت بڑا احسان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم دے۔ آمین۔

حضرت بزرگ صاحب چار بھائی تھے۔

۱۔ حضرت عبد الغفار خاں صاحب مہاجر صحابی خاکسار کے دادا جان۔ آپ حضرت شہزادہ صاحب کے پانچ خطوط شاہ کابل کے درباریوں کے نام لے کر کابل گئے تھے۔

۲۔ حضرت عبد الستار خان افغان عرف بزرگ صاحب۔ حضرت شہزادہ صاحب کے رفیق خاص جنہیں حضرت شہزادہ صاحب نے اللہ تعالیٰ سے حضرت مسیح موعودؑ کے ظہور کی خبر پا کر "بار بار" قادیان بھیجا۔ آپ نے تمام عمر شادی نہیں کی اور تمام عمر دین کے حصول اور دین کی تعلیم و تبلیغ میں گزار دی آپ صاحب کشف والہام تھے۔

۳۔ حضرت ملاں میرو خان۔ آپ شادی شدہ تھے مگر لاولد رہے۔ آپ نے حضرت شہزادہ صاحب شہید کی نعش مبارک کو پہاڑی بالائی سارے متصل قبرستان سے نکال کر شہید موصوف کے اپنے گاؤں سید گاہ میں لا کر دفن کیا۔ آپ حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی کے حکم سے بغیر وصیت کے بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔

۴۔ جمعہ خان آپ احمدی نہ تھے ایک مرتبہ قادیان تشریف لائے حضرت ملاں میرو صاحب (ان کے بھائی) نے ان کو سمجھایا کہ بیعت کر لو دونوں بھائیوں میں تلخ کلامی ہوئی اور جمعہ خان واپس چلے گئے اور پھر نہیں آئے یہ واقعہ خاکسار کی موجودگی میں ہوا۔
ہمارے داداجان حضرت عبد الغفار خان نے دو شادیاں کیں آپ کا ایک بیٹا میرے والد محترم حضرت عبد اللہ افغان مہاجر درویش ہیں اور ایک بیٹی کا نام حضرت عائشہ صاحبہ زوجہ مولوی غلام رسول صاحب افغان مرحوم ہے۔ جو بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہیں۔ ان کے کتبہ پر تاریخ پیدائش "۱۸۹۹ء اور پیدائشی احمدی درج ہے" اس سے زیادہ کا مجھے علم نہیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے چوتھے چچا دادا جمعہ خان جو احمدی نہیں ہوئے کی اولاد صوبہ پکتیا زدہنوں میں موجود ہے مگر میری ان سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ ہمارے پڑداداجان کا نام حضرت دیندار خان ہے"۔

خاکسار طالب دعا

عبد الرحیم خاں عادل مولوی فاضل (پسر حضرت عبد اللہ خان افغان مہاجر صحابی درویش قادیان مورخہ ۱۴/ جولائی ۱۹۸۹ء)
حال۔ مکان ۱۳۹۹/ بی وڈاڈیرہ اندرون بھاٹی گیٹ لاہور نمبر ۸

۱۷۶۔ الفضل ۳/ نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۸-۹۔
۱۷۷۔ الفضل ۱۸/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۲۔
۱۷۸۔ الفضل ۲۲/ دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۹ کالم ۲-۳۔
۱۷۹۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۴ کالم ۳۔
۱۸۰۔ الفضل یکم مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ا۔
۱۸۱۔ الفضل ۲۴/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ا و ۳۱/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۹ کالم ۳۔
۱۸۲۔ الفضل ۲۴/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۲۔
۱۸۳۔ الفضل ۷/ ۲/ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ا۔
۱۸۴۔ الفضل ۱۵/ نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۱۸۵۔ الفضل ۶/ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
۱۸۶۔ الفضل ۱۲/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ۲۔
۱۸۷۔ الفضل ۲/ فروری ۱۹۳۲ء صفحہ ۵-۷۔
۱۸۸۔ الفضل ۲۴/ اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ۲-۳۔
۱۸۹۔ الفضل ۱۲/ جون ۱۹۳۲ء صفحہ ۵-۶ میں مضمون چھپ چکا ہے۔
۱۹۰۔ الفضل ۳/ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ا۔
۱۹۱۔ الفضل ۲۸/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ا کالم ا۔
۱۹۲۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ ۳۴-۱۹۳۳ء صفحہ ۱۲۷-۱۲۹۔
۱۹۳۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ ۳۲-۱۹۳۱ء صفحہ ۱۱۔
۱۹۴۔ ریویو آف ریلیجنز اردو اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ۳۱-۳۲۔
۱۹۵۔ الفضل ۱۷/ نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۲۔
۱۹۶۔ الفضل ۲۴/ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ا۔
۱۹۷۔ الفضل ۳/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۹ کالم ۳۔
۱۹۸۔ الفضل ۵/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۲۔
۱۹۹۔ الفضل ۲۶/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
۲۰۰۔ الفضل ۳۱/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ا۔
۲۰۱۔ الفضل ۷/ اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ا۔

۲۰۲- الفضل ۳/ نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۲-
۲۰۳- الفضل ۷/ اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ۲-
۲۰۴- الفضل ۲۶/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۳-
۲۰۵- الفضل ۱۷/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰-
۲۰۶- الفضل ۲۴/ نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۲-
۲۰۷- یہ بیان صرف ایک ہفتہ کے اندر مرتب کیا گیا- اور وہ بھی صرف رات کے وقت- ملک فضل حسین صاحب مینیجر بکڈپو تالیف و اشاعت نے کاتب سے ساتھ ساتھ لکھوا کر صرف ایک دن رات میں چھپوا کر شائع کر دیا- (ریویو آف ریلیجنز اردو دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۳۹)
۲۰۸- الفضل ۳/ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۴ کالم ۱-
۲۰۹- الفضل ۳/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۹-
۲۱۰- الفضل ۱۵/ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ۹ کالم ۲-
۲۱۱- الفضل ۱۵/ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ۹ کالم ۲-۳-
۲۱۲- الفضل ۲۷/ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ۹-
۲۱۳- الفضل ۱۰/ اپریل ۱۹۳۲ء-
۲۱۴- الفضل ۱۰/ اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۴-
۲۱۵- الفضل ۵/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۹-
۲۱۶- الفضل ۳/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۱-
۲۱۷- الفضل ۱۴/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ۲-
۲۱۸- الفضل ۲۸/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۱-
۲۱۹- الفضل ۴/ اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ۲-
۲۲۰- الفضل ۴/ اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ۹-۱۰ و اخبار فاروق ۷/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۱-۱۲ و اخبار فاروق ۱۴/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ۷-۱۰ و اخبار فاروق ۲۱/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ۵-۶ و اخبار فاروق ۲۸/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ۷-۱۰-
۲۲۱- الفضل ۱۱/ اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۱-
۲۲۲- الفضل ۲۰/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۸ و ۱۷/ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۲-
۲۲۳- الفضل ۲۴/ نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱ کالم ۱-
۲۲۴- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مناظرہ جہلم قبل ازیں اسی سال ۱۹-۲۰/ جون ۱۹۳۲ء کو مولانا جلال الدین صاحب شمس نے پادری عبدالحق صاحب سے عیسائیوں کے ایک پبلک جلسہ میں کامیاب گفتگو کی جس کی روداد الفضل ۱۴/ اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ۵-۶ پر چھپ چکی ہے-
۲۲۵- فہرست کے لئے الفضل ۹/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰ و ۲۳/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰ یکم نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰، الفضل ۸/ نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰، الفضل ۱۵/ نومبر ۱۹۳۲ء، ۳۱/ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۹، ۱۴/ فروری ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۰-
۲۲۶- ملاحظہ ہو الفضل ۲۶/ فروری ۱۹۳۳ء صفحہ ۹ بعنوان صداقت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک تازہ نشان- یہ مضمون ایک پوسٹر کی صورت میں بھی چھاپ کر تقسیم کیا گیا- اس بیان کا مکمل متن تاریخ احمدیت جلد دوم میں شائع شدہ ہے-
۲۲۷- بنت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ
۲۲۸- ایضاً
۲۲۹- الفضل ۳/ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۱-۲-
۲۳۰- آریہ گزٹ ۷/ جنوری ۱۹۳۳ء بحوالہ الفضل ۵/ فروری ۱۹۳۳ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲-

۲۳۱- مثلاً سر رفیع الدین احمد صاحب سابق وزیر تعلیم صوبہ بمبئی جناب ملا سیف الدین طاہر صاحب پیشوا بوہرہ جماعت کے معتمد خارجہ وغیرہ۔
۲۳۲- الفضل ۲۶/ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۲۳۳- الفضل ۲۴/ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ا کالم ۲-۳۔
۲۳۴- اخبار ملاپ ۲۵ اور ۲۶/ جنوری ۱۹۳۳ء۔
۲۳۵- الفضل ۲/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۳-۴۔
۲۳۶- COMMUNAL
۲۳۷- الفضل ۱۴/ فروری ۱۹۳۳ء صفحہ ۹ کالم ۳۔
۲۳۸- الفضل ۲۶/ فروری ۱۹۳۳ء صفحہ ا کالم ا۔
۲۳۹- روایت اہلیہ محترمہ سید بشارت احمد صاحب (معمولی لفظی تصرف کے ساتھ) سیرت حضرت سیدۃ النساء ام المومنین صفحہ ۱۴-۱۵ حصہ دوم طبع دوم تاریخ اشاعت ۲۵/ جولائی ۱۹۴۵ء مطبوعہ انتظامی پریس حیدر آباد دکن۔
۲۴۰- مثلاً مسٹر پیتھک لارنس۔ سر ایڈورڈ میکلیگن۔ مس مارگریٹ فرکو ہرسن پریذیڈنٹ نیشنل لیگ، پروفیسر ایچ۔ اے آر۔ گب۔ سر ڈینی سن راس۔
۲۴۱- الفضل ۲۷/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۲-۳۔
۲۴۲- انقلاب عظیم کے متعلق انذار و بشارات نمبر ۲ صفحہ ۱۹ (از حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب)
۲۴۳- ان سب اخبارات کے تراشے حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب درد کی ایک فائل میں اب بھی محفوظ ہیں۔
۲۴۴- قائد اعظم اور ان کا عہد (از رئیس احمد صاحب جعفری) صفحہ ۱۹۱-۱۹۲- ناشر مقبول اکیڈمی شاہ عالم گیٹ لاہور۔
۲۴۵- دفتر پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح کے ریکارڈ میں ۱۴/ اپریل ۱۹۳۳ء کی ایک رپورٹ ملتی ہے جس کے مطالعہ سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔
۲۴۶- یہ دسمبر ۱۹۳۴ء کے آخر کا واقعہ ہے (اقبال کے آخری دو سال از ڈاکٹر عاشق حسین صاحب بٹالوی) صفحہ ۴۳۱ ناشر اقبال اکاڈمی پاکستان کراچی طبع اول اپریل ۱۹۶۱ء۔
۲۴۷- الفضل یکم جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۸۔
۲۴۸- ہدایات
۲۴۹- مدد
۲۵۰- اصل مکتوب پرائیویٹ سیکرٹری صاحب حضرت خلیفۃ المسیح کے دفتری ریکارڈ میں محفوظ ہے۔
۲۵۱- الفضل ۱۶/ مئی ۱۹۳۳ء صفحہ ۱-۲۔
۲۵۲- الفضل ۲۷/ جون ۱۹۳۳ء صفحہ ۳ تا ۵۔
۲۵۳- الفضل ۱۶/ نومبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۲۵۴- الفضل ۳۰/ مئی ۱۹۳۳ء صفحہ ۱-۲۔
۲۵۵- الفضل ۲۱/ جون ۱۹۳۲ء صفحہ ۲ کالم ۳۔ الفضل ۱۲/ جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ۲۔
۲۵۶- چند ابتدائی ٹریکٹ پیارا مسیح موعود۔ رد فضیلت مسیح بمقابلہ آنحضرت ﷺ۔ خدا کا مسیح موعود۔ معیار صداقت۔ صداقت مسیح موعود از روئے بائبل۔ احمدی فریق لاہور کے عقائد۔
۲۵۷- الفضل ۲۶/ اکتوبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۳-۴ (مضمون کا عنوان تھا پکارنے والے کی آواز)
۲۵۸- الفضل ۷/ اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۲۔
۲۵۹- الفضل ۷/ جون ۱۹۳۸ء صفحہ ۵۔

۲۶۰۔ الفضل ۲۹/ جون ۱۹۳۳ء صفحہ ۵-۶۔
۲۶۱۔ بحوالہ الفضل ۹/ جولائی ۱۹۳۳ء صفحہ ۳۔
۲۶۲۔ بحوالہ الفضل ۹/ جولائی ۱۹۳۳ء صفحہ ۳۔
۲۶۳۔ الفضل ۹/ جولائی ۱۹۳۳ء صفحہ ۳-۴۔
۲۶۴۔ ڈاکٹر سید عبد اللطیف سابق پروفیسر انگریزی عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد مراد ہیں۔
۲۶۵۔ یہ مقالہ (THESIS) FORSTER GROOM • CO LTD LONDON نے ۱۹۲۴ء میں شائع کیا تھا۔
۲۶۶۔ الفضل ۶/ اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ۶-۷۔
۲۶۷۔ بحوالہ چشمہ عرفان مصنفہ مولوی علی محمد صاحب اجمیری و مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر فاضل مرحوم صفحہ ۳۵۔
۲۶۸۔ الفضل ۲۷/ اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔
۲۶۹۔ الفضل ۸/ اکتوبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۔
۲۷۰۔ الفضل ۱۷/ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۔
۲۷۱۔ الفضل ۵/ دسمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۵ (رپورٹ صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی مبلغ امریکہ)
۲۷۲۔ الفضل ۵/ دسمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۶۔
۲۷۳۔ الفضل ۳/ ستمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۴ کالم ۱۔
۲۷۴۔ حضور کی مفصل ہدایات کا متن الفضل ۲۴/ اکتوبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۵-۶ میں شائع شدہ ہے۔
۲۷۵۔ الفضل ۳۱/ اکتوبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۵ تا ۷ میں یہ قیمتی ہدایات بھی طبع شدہ ہیں۔
۲۷۶۔ الفضل ۱۹/ ستمبر ۱۹۳۳ء۔
۲۷۷۔ الفضل ۱۹/ نومبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۲۷۸۔ فاروق ۲۱/ اکتوبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۲ کالم ۱۔
۲۷۹۔ مفصل خطبہ کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۱/ ستمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۵ تا ۷۔
۲۸۰۔ الفضل ۳/ اکتوبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۲۸۱۔ بدر ۲۷/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۔ الحکم ۱۰/ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۔
۲۸۲۔ الفضل ۱۴/ نومبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۱ کالم ۲۔
۲۸۳۔ الفضل ۲۸/ نومبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۲۸۴۔ الفضل ۲۳/ نومبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۶ کالم ۳۔
۲۸۵۔ الفضل ۳/ دسمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۲۔ اس موقعہ پر حضور نے مسجد کے علاوہ خواجہ معین الدین صاحب کلرک دفتر محاسب۔ منشی رمضان علی صاحب کارکن دفتر محاسب، قاری محمد امین صاحب کارکن ریویو انگریزی، منشی حمید الدین صاحب کارکن دفتر افسر جائداد اور منشی جلال الدین صاحب پٹواری کے مکانات کی بنیادی اینٹیں بھی رکھیں۔
۲۸۶۔ بحوالہ الفضل ۱۷/ دسمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۷۔
۲۸۷۔ بحوالہ الفضل ۱۷/ دسمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۷۔
۲۸۸۔ بحوالہ الفضل ۱۷/ دسمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۷۔
۲۸۹۔ الفضل ۲۶/ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۳-۴۔
۲۹۰۔ الفضل ۱۶/ فروری ۱۹۳۳ء صفحہ ۳-۴۔
۲۹۱۔ الفضل ۲۶/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۴ کالم ۳۔
۲۹۲۔ الفضل ۱۳/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ۳-۴۔
۲۹۳۔ الفضل ۹/ مئی ۱۹۳۳ء صفحہ ۴ کالم ۳۔

۲۹۴- الفضل یکم جون ۱۹۳۳ء صفحہ ۴-۵ کالم ۱تا۴-

۲۹۵- الفضل ۱۸/ جولائی ۱۹۳۳ء صفحہ ۳-۴-

۲۹۶- الفضل ۱۰/ اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ۴ کالم ۳-

۲۹۷- الفضل ۲۹/ اکتوبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۳-۴-

۲۹۸- ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ قادیان (۲۰/ جنوری ۱۹۳۴ء)

۲۹۹- الفضل ۳۱/ دسمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ و صفحہ ۱۲ کالم ۳-

۳۰۰- ایضاً صفحہ ۲ کالم ۲-

۳۰۱- یعنی مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری-

۳۰۲- الفضل ۷/ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۴-۵-

۳۰۳- صحابی حضرت مسیح موعودؑ حضرت منشی احمد دین صاحبؓ اپیل نویس آف گوجرانوالہ کی طرف اشارہ ہے جو عرصہ سے مالیر کوٹلہ اور لدھیانہ میں بود و باش رکھتے تھے- اور قریباً اسی سال کی عمر میں ٦/ نومبر ۱۹۳۳ء کو وفات پا گئے-

۳۰۴- الفضل ۹/ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۳-

۳۰۵- الفضل ۳/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۱ کالم ۱-

۳۰٦- الفضل ۴/ مئی ۱۹۳۳ء صفحہ ۱ کالم ۱- تفصیلی حالات الفضل ۷/ ستمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۹ کالم ۱-۲ میں شائع ہو چکے ہیں- جب حضرت خلیفہ اول ﷺ احمدیت میں داخل ہو گئے تو آپ نے بھی یہ سمجھ کر بیعت کر لی کہ جب اتنا بڑا قرآن دان اور عاشق قرآن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سچا سمجھتا ہے تو یہ ضرور سچے ہوں گے- دین کے معاملے میں بہت غیور اور جری تھے مگر اپنی ذات کی خاطر رنج اور ناراضی کو قریب نہ آنے دیتے- حضرت مسیح موعود کو شروع ہی سے نبی قبول کیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی نسبت پہلے ہی یقین تھا کہ خلافت کی قبا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو پہنائی جائے گی- مولوی محمد علی صاحب امیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو اکثر لمبے لمبے خط لکھتے رہتے تھے- میر مدثر شاہ صاحب مبلغ غیر مبایعین سے مسئلہ نبوت پر نہایت کامیاب مناظرہ بھی کیا- آپ نے عمر کے آخری تین سالوں میں مختلف مسائل کے نوٹ تیار کرنے میں از حد محنت کی- بہت دعاگو اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے- (الفضل ۷/ ستمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۹)

۳۰۷- الفضل ۲۱/ ستمبر ۱۹۳۳ء حضرت قاضی میر حسین صاحب ملتانی کے چھوٹے بھائی تھے- ۹۸-۱۸۹۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی اور ستمبر ۱۹۱٦ء میں مستقل طور پر قادیان آ گئے- ہجرت سے قبل آپ اپنے گاؤں میں امام مسجد تھے- اور مذہبی مخالفت کے باوجود متعصب سے متعصب غیر احمدی بھی آپ کے زہد و تقویٰ کے قائل تھے اور آپ کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے تھے- صاحب کشف و الہام تھے اور قرآن مجید سے تو عشق تھا- قریشی محمد افضل صاحب مبلغ افریقہ آپ ہی کے فرزند ہیں- (قاضی عبد الرحمٰن صاحب کا مضمون مطبوعہ الفضل ۲۹/ ستمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۸)

۳۰۸- الفضل ۱۲/ نومبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۲-

۳۰۹- الفضل ۹/ جولائی ۱۹۳۳ء صفحہ ۹-۱۰ کالم ۱ تا ۳- امرتسر کی مشہور قاضی فیملی کے درخشندہ گوہر جنہیں اپنے خاندان میں سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کا شرف حاصل ہوا اور جنہوں نے حضرت اقدس کا نورانی چہرہ دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ منہ کاذب کا نہیں ہو سکتا- یہ وہ زمانہ تھا جب کہ چاروں طرف سے مخالفت کا ایک طوفان اٹھا ہوا تھا- اشاعت حق کے لئے آپ کے دل میں بڑا جوش تھا- آپ کی تبلیغ کا طریق عملی تھا- یعنی اعلیٰ اخلاق کے ذریعہ سے بہت کم سخن تھے- مگر اخبارات اور سلسلہ کا لٹریچر تقسیم کرتے رہتے تھے- راجپوتانہ میں آپ ہی کے ذریعہ سے جماعت احمدیہ قائم ہوئی چنانچہ سانبھر میں قاضی برکات انیس صاحب اور قاضی رحمت اللہ صاحب کو ۱۹۰۳ء میں داخل سلسلہ ہونے کی سعادت نصیب ہوئی اور جے پور میں بابو محمد عثمان صاحب اور عبد الغفور صاحب احمدی' انسپکٹر محکمہ نمک سانبھر جھیل نے حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ہی بیعت کر لی- مرحوم مخلوق خدا کے ہمدرد' مردم شناس' اخلاقی جرات' رعب حق کے مالک اور صاحب مروت انسان تھے اور ہر احمدی کو حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا نشان سمجھ کر بہت قدر و عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے- (الفضل ۹/ جولائی ۱۹۳۳ء صفحہ ۵-٦)

۳۱۰۔ الفضل ۱۰/ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ا کالم ا۔
۳۱۱۔ الفضل ۲۷/ جون ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۱۔
۳۱۲۔ الفضل ۱۹/ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ا کالم ا۔
۳۱۳۔ فاروق ۱۴/ اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ۲۔
۳۱۴۔ الفضل ۲۷/ جون ۱۹۳۳ء صفحہ ۲۔
۳۱۵۔ فاروق ۱۴/ اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ا۔ ۲۔ یہ دونوں بزرگ جن کی کوشش سے انبالہ میں مسجد تیار ہوئی۔ ۱۹۰۳ء میں داخل سلسلہ ہوئے تھے۔
۳۱۶۔ الفضل ۱۴/ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۳۱۷۔ الفضل یکم اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ۹ کالم ا۔
۳۱۸۔ الفضل ۶/ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۹ کالم ا۔ ۲۔
۳۱۹۔ حمایت اسلام۔
۳۲۰۔ بروایت مولانا محمد صادق صاحب فاضل سابق مبلغ انڈونیشیا (حال انچارج شعبہ زود نویسی ربوہ)
۳۲۱۔ الفضل ۳۰/ جولائی ۱۹۳۳ء صفحہ ۸۔ ۹۔
۳۲۲۔ الفضل ۲۱/ نومبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۹۔ ۱۰۔
۳۲۳۔ الفضل ۲۰/ جون ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۰۔
۳۲۴۔ الفضل ۸/ مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۵۔
۳۲۵۔ بحوالہ الفضل ۳۰/ جولائی ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ا۔ ۲۔
۳۲۶۔ الفضل ۵/ فروری ۱۹۳۳ء صفحہ ا۔
۳۲۷۔ الفضل ۱۶/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۲۔
۳۲۸۔ الفضل ۱۳/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ا۔
۳۲۹۔ ترجمہ۔
۳۳۰۔ الفضل ۲/ نومبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۸۔ ۹۔
۳۳۱۔ الفضل ۱۶/ مئی ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
۳۳۲۔ الفضل ۱۸/ مئی ۱۹۳۳ء صفحہ ا۔
۳۳۳۔ الفضل ۱۶/ فروری ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ا۔ ۲۔
۳۳۴۔ الفضل ۲۸/ فروری ۱۹۳۳ء۔
۳۳۵۔ الفضل ۲۳/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۲۔
۳۳۶۔ الفضل ۲/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ۲۔
۳۳۷۔ الفضل ۲/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ا کالم ۲۔
۳۳۸۔ الفضل ۲/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۳۳۹۔ الفضل ۱۸/ مئی ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم او فاروق ۱۴/ مئی ۱۹۳۳ء صفحہ ۶۔
۳۴۰۔ الفضل ۲۸/ مئی ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
۳۴۱۔ ۱۹۳۳ء سے یہ صاحب جو مناظروں میں پیش پیش نظر آتے ہیں ان کی حقیقت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے آنریری جائنٹ سیکرٹری منظور الٰہی صاحب کے مندرجہ ذیل اعلان سے بخوبی معلوم ہو سکتی ہے۔ "میاں لال حسین کو کچھ عرصہ صیغہ تحصیل و تبلیغ میں کام کرنے کے بعد اراضی اوکاڑہ پر لگا دیا گیا تھا جہاں اس نے انجمن کے مفاد کے خلاف انجمن کے روپیہ سے گھی کی تجارت شروع کر دی اور ملازمین انجمن کو گھی کی خرید پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اور وہاں سے گھی لاہور فروخت کرنے کے

لئے بہانہ انجمن کے کام کاج کے سفر خرچ انجمن سے وصول کیا خود بھی خلاف دیانتداری کام کرتا رہا اور دوسرے ملازموں کو بھی ترغیب دیتا رہا۔ اور پھر جب منیجر نے باز پرس کی تو اس کے خلاف بے بنیاد افواہوں کی بناء پر جھوٹے الزام لگانے شروع کر دیئے اور پھر افسران متعلقہ کے روبرو اس کا اعتراف کیا اور اپنی تحریر بھی اس کے متعلق لکھ کر دی۔ جب اپنی امانت و دیانت کا پردہ اس طرح چاک ہوتے دیکھا تو جھٹ رخصت لی اور پھر استعفاء داخل کر دیا اور اب اسے مذہبی اختلافات کا بہانہ بنالیا اور مسلمانوں کی مذہبی حس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ایسا خلاف دیانت کام کرنے والا شخص کہاں تک صداقت کا دعویٰ کر سکتا ہے اس لئے احباب مطلع رہیں کہ یہ شخص نہ اب انجمن کا ملازم ہے اور نہ سلسلہ احمدیہ کا ممبر۔" (پیغام صلح ۲۷/ اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ۴ کالم ۱)

سائیں لال حسین صاحب نے اس اعلان کی آج تک تحریری طور پر کوئی تردید شائع نہیں کی۔ حتیٰ کہ اپنی کتاب ترک مرزائیت میں بھی (جو اس اعلان کے بعد کئی بار شائع ہوئی) انجمن مذکور کے محصل ہونے کا تو صاف اقرار کیا ہے مگر آپ کو ان الزامات سے بریت کے لئے ایک لفظ تک لکھنے کی جرات نہیں ہو سکی جو اس امر کی ناقابل تردید شہادت ہے کہ انجمن مذکور کا یہ اعلان لفظاً لفظاً صحیح ہے۔

۳۴۲۔ الفضل ۲/ جولائی ۱۹۳۳ء صفحہ ۸-۹۔

۳۴۳۔ الفضل ۳۰/ جولائی ۱۹۳۳ء صفحہ ۹ کالم ۱۔ یہ محلہ ان دنوں مخالفت کا گڑھ تھا جہاں شیخ صاحب اکثر نصف شب تک تقریریں کرتے اور مخالفین کے اعتراضوں کا جواب دیا کرتے تھے اس ضمن میں یہ مناظرہ بھی ہوا۔

۳۴۴۔ الفضل ۲/۷ اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۱ کالم ۱۔

۳۴۵۔ الفضل ۸/ اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ۹ کالم ۲-۳۔

۳۴۶۔ الفضل ۳۱/ اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ۲۔

۳۴۷۔ الفضل ۳/ ستمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۲-۳۔

۳۴۸۔ الفضل ۱۷/ ستمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۳۔

۳۴۹۔ الفضل ۲۴/ ستمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

۳۵۰۔ الفضل ۲۴/ ستمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۳ و ۱۰/ اکتوبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۹۔

۳۵۱۔ الفضل ۵/ نومبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۹-۱۰۔

۳۵۲۔ الفضل ۲/ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۹ کالم ۳۔

۳۵۳۔ الفضل ۲۱/ دسمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۹ کالم ۱-۲۔

۳۵۴۔ اچھوتوں سے متعلق ملک صاحب کا پیدا کردہ لٹریچر ملک میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا اور اچھوت لیڈروں مثلاً امبید کر اس کے لئے بہت ممنون ہوئے۔

۳۵۵۔ اس کتاب کو ابتداء میں بیان المجاہد کے نام سے شائع کیا گیا تھا۔

۳۵۶۔ سورۃ الحدید آیت ۱۷۔

۳۵۷۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۱۳۰ (یہ الہام ۶/ اپریل ۱۸۸۶ء کو ہوا تھا)

۳۵۸۔ الفضل ۱۴/ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۴۔

۳۵۹۔ الفضل ۱۵/ فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۸ کالم ۱۔

۳۶۰۔ الفضل یکم مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۷ کالم ۱۔

۳۶۱۔ الفضل ۲۹/ مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۷ کالم ۳۔

۳۶۲۔ الفضل ۱۸/ فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۰۔

۳۶۳۔ الفضل ۲۹/ مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۸ کالم ۲-۳۔

۳۶۴۔ الحکم ۱۴/ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

۳۶۵۔ الحکم ۱۴/ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۳۔
۳۶۶۔ الفضل ۲۳/ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ا۔
۳۶۷۔ الفضل ۳۰/ جنوری ۱۹۳۴ء۔
۳۶۸۔ دیکھئے ۱۱/ فروری ۱۳۔۱۵/ فروری ۱۹۳۴ء۔
۳۶۹۔ الفضل ۲۲/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ا۔۲۔ الفضل ۲۶/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ا کالم ا۔
۳۷۰۔ الفضل ۵/ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ا۔۲۔ ان صفحات میں مندرجہ بالا لیکچر کا جامع خلاصہ بھی موجود ہے۔
۳۷۱۔ الفضل ۷/ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ا۔۲۔
۳۷۲۔ الفضل ۷/ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ا۔۲۔
۳۷۳۔ الفضل ۷/ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
۳۷۴۔ الفضل ۱۰/ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ا کالم ا۔
۳۷۵۔ الفضل ۱۸/ اکتوبر صفحہ ا کالم ا۔ ۱۹۳۴ء
۳۷۶۔ الفضل ۲۱/ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ا کالم ا۔
۳۷۷۔ الفضل ۲۵/ فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۴۔
۳۷۸۔ الفضل ۸/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۹۔
۳۷۹۔ الفضل ۸/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۷۔
۳۸۰۔ الفضل ۸/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۷۔
۳۸۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو عرض حال تذکرہ طبع اول (تحریر فرمودہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ)
۳۸۲۔ حیات بشیر صفحہ ۶۴ (مرتبہ مولانا شیخ عبد القادر صاحب فاضلؓ)
۳۸۳۔ الفضل ۱۱/ فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۳۔۴۔
۳۸۴۔ الفضل ۲۹/ مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۲۔
۳۸۵۔ بحوالہ الفضل ۳۔ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
۳۸۶۔ بحوالہ الفضل ۷/ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۷ کالم ۳۔
۳۸۷۔ الفضل ۲۵/ فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۳۔
۳۸۸۔ ملاپ لاہور ۲۷/ فروری ۱۹۳۴ء بحوالہ الفضل ۱۱/ مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۳۔
۳۸۹۔ الفضل ۱۱/ مارچ ۱۹۳۴ء۔
۳۹۰۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۴ء صفحہ ۳۸۔
۳۹۱۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۴ء صفحہ ۴۷۔
۳۹۲۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۴ء صفحہ ۴۹۔۵۰۔
۳۹۳۔ الفضل ۳/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۵۔۶۔
۳۹۴۔ ایضاً
۳۹۵۔ دیکھئے الفضل ۸/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۳۔۴۔ و ۲۴/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۳۔۴۔
۳۹۶۔ بروایت شیخ محمد یوسف صاحب سیکرٹری مال جماعت احمدیہ لائل پور شہر۔
۳۹۷۔ شیخ محمد یوسف صاحب کا بیان ہے کہ اسی سلسلہ میں جماعت احمدیہ لائل پور کے اس زمانے کے بعض عہدیداران (مثلاً شیخ محمد محسن صاحبؓ پریذیڈنٹ، چوہدری عصمت اللہ صاحب وکیل، مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل، چوہدری اللہ دتہ صاحب، شیخ عبد الرب صاحبؓ نومسلم اور خاکسار شیخ محمد یوسف کو چٹھیاں موصول ہوئیں جن میں ہمیں قتل کرنے کی دھمکی دی گئی تھی۔
۳۹۸۔ میاں حشمت اللہ صاحب احمدی انار کلی بازار لائل پور کا بیان ہے کہ جب مسجد کی منظوری کے لئے نائب تحصیلدار عطاء محمد

صاحب نے ڈپٹی کمشنر صاحب لائلپور کے سامنے کاغذات پیش کئے تو انہوں نے مسجد کی منظوری کے لئے دو مسلمانوں کی گواہی دلوانے کے لئے کہا اب احمدیوں کو بڑی مشکل پیش آئی شہر میں مخالفت کا زور تھا اور کوئی مسلمان گواہی کے دستخط تک ڈالنے کے لئے تیار نہ ہو سکا آخر غالباً بابو ولایت حسین صاحب احمدی میرے تایا صاحب اور والد صاحب کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے دستخط کر دیئے حالانکہ وہ غیر احمدی تھے اور موقف یہ اختیار کیا کہ مندر گرجا یا گوردوارہ بننے کی بجائے یہ بہتر ہے کہ یہاں کسی کلمہ گو کی مسجد بن جائے تا پانچوں وقت اذان کی آواز بلند ہوتی رہے جامع مسجد لائل پور کے امام مولوی محمد یونس صاحب کو پتہ چلا تو انہوں نے ان دستخط کرنے والے اصحاب (ثناء اللہ و عطاء اللہ صاحبان کریانہ مرچنٹ بھوانہ بازار) پر کفر کا فتویٰ لگا دیا مگر یہ حربہ بھی کارگر نہ ہو سکا۔

۳۹۹۔ الفضل ۱۵/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۰ و الفضل ۱۳/ مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۸ کالم ۳۔ ملک عبد الحمید صاحب نے مسجد کی نگرانی کے لئے اپنے اوقات وقف کئے۔ بابا جو ڑا ہیڈ مستری تھے۔

۴۰۰۔ اس غرض کے لئے جماعت لائل پور کا ایک وفد حضور کی خدمت میں حاضر ہوا جو مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل، شیخ محمد محسن صاحب مرحوم، محمد عظیم صاحب اور شیخ محمد یوسف صاحب پر مشتمل تھا۔

۴۰۱۔ الفضل ۱۵/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۵ کالم ۱-۲۔

۴۰۲۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس تقریب پر قادیان کے مرکزی دفاتر و مدارس میں تین روز کے لئے تعطیل کر دی گئی تھی جس کی وجہ سے قادیان سے ایک کثیر تعداد نے اس میں شرکت کی۔ حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب جٹ فاضل لائل پور میں مہتمم لنگر خانہ تھے اور نائب شیخ محمد یوسف صاحب ان دنوں مقامی مبلغ مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور تھے۔

۴۰۳۔ مفصل ایڈریس الفضل ۱۵/ اپریل ۱۹۳۴ء میں شائع شدہ ہیں۔

۴۰۴۔ حضرت عرفانی صاحب نے الحکم میں جلسہ کے مفصل حالات میں اس کا تذکرہ انہی الفاظ میں فرمایا۔ دیکھئے الحکم ۲۸/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۱۔

۴۰۵۔ الفضل ۱۵/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۵-۶ پر مفصل ایڈریس طبع شدہ ہے۔

۴۰۶۔ الفضل ۱۵/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۵-۶۔

۴۰۷۔ شیخ محمد یوسف صاحب حال سیکرٹری مال حلقہ مسجد فضل لائل پور کی روایت۔

۴۰۸۔ الحکم ۱۴/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۰۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور حضور کے سٹاف کے علاوہ باقی مہمانوں کے لئے ذیل گھر اور ڈسٹرکٹ انجینئر کی کوٹھی میں انتظام تھا جو نہایت تسلی بخش قابل تعریف اور قادیان کے سالانہ جلسہ کی انتظامی بنیاد پر تھا۔ مختلف محکمے تقسیم کار کے اصول پر بنا دیئے گئے تھے اور ہر صیغہ کا ایک ناظم تھا جس کے ماتحت والنٹیئر تھے جنہیں رات دن کام کرنا پڑا مگر وہ بہت مصروفیت کے باوجود تازہ دم ہی نظر آتے تھے۔

۴۰۹۔ الفضل ۱۲/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۱-۲۔

۴۱۰۔ یہ ولولہ انگیز تقریر الفضل کی کئی قسطوں میں اشاعت پذیر ہونے کے بعد کتابی شکل میں تبلیغ حق کے نام سے شائع کر دی گئی۔

۴۱۱۔ الفضل ۱۲/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

۴۱۲۔ ڈاکٹر محمد شفیع صاحب کا بیان ہے کہ ۸/ اپریل ۱۹۳۴ء کو خاکسار نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ حضور واپسی پر جڑانوالہ میں غریب خانہ پر دومنٹ کے لئے تشریف لائیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ انشاء اللہ کل ہم جڑانوالہ آپ کے ہاں آئیں گے مجھے بے حد خوشی ہوئی غالباً یہ شام کا وقت تھا میں سامان ناشتہ اور شامیانہ فراہم کر کے رات کو جڑانوالہ پہنچا۔ حضور دوسرے روز صبح تشریف لائے۔ حضور کی کار ہسپتال کے دروازے کے سامنے رکی۔ اس وقت بہت سے لوگ حضور کے استقبال کے لئے موجود تھے میں نے حضور کے گلے میں ہار ڈالے۔ مصافحہ کے بعد حضور نے اپنے خدام سمیت ناشتہ کیا۔ پھر میری درخواست پر اندرون خانہ تشریف لے گئے جہاں حضور کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا گیا اس کے بعد حضور نے شامیانہ کے نیچے لمبی دعا فرمائی اور روانہ ہو گئے۔ (غیر مطبوعہ)

۴۱۳۔ الفضل ۱۷/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۷ (مضمون حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب)

۴۱۴۔ الفضل ۱۲/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ا کالم ا۔
۴۱۵۔ الفضل ۱۲/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔ یہ بیعتیں شیخ عبد الرزاق صاحب بیرسٹر کی کوٹھی میں ہوئیں۔
۴۱۶۔ رسالہ انصار اللہ ربوہ نومبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۳۷-۳۸ (مضمون شیخ عبد القادر صاحب فاضلؓ)
۴۱۷۔ تابعین اصحاب احمد جلد اول صفحہ ۵۱ (مولفہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان) ناشر احمدیہ بکڈپو ربوہ پاکستان طبع اول دسمبر ۱۹۶۱ء۔
۴۱۸۔ مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور کی غیر مطبوعہ ڈائری سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ۲/ اپریل ۱۹۳۴ء کو کتبہ کے مضمون کے لئے قادیان تشریف لے گئے اور اگلے روز حضور نے یہ مضمون انہیں عطا فرمایا۔
۴۱۹۔ الفضل ۱۹/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۵ تا ۷۔
۴۲۰۔ بدر ۲/ مئی ۱۹۰۷ء و الحکم ۳۰/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۴۔
۴۲۱۔ الفضل ۸/ فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۵ کالم ۲۔
۴۲۲۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا یہ قیمتی مضمون الفضل ۴/ مارچ ۱۹۳۴ء میں بھی شائع شدہ ہے۔
۴۲۳۔ رسالہ ہندوستان کے شمال مشرق کا تباہ کن زلزلہ۔
۴۲۴۔ الفضل ۸/ فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۶ کالم ۳۔
۴۲۵۔ الفضل ۳۰/ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ا کالم ا۔
۴۲۶۔ الفضل ۳۱/ مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ا۔ کالم ا۔
۴۲۷۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۴۵۸-۶۴۹۔
۴۲۸۔ الفضل ۱۸/ فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۵۔
۴۲۹۔ ایضاً صفحہ ۵-۶۔
۴۳۰۔ سردار صاحب ان دنوں سکھوں کے بے تاج بادشاہ کہلاتے تھے۔
۴۳۱۔ الفضل ۳۱/ مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۳ و رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۴ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۸۵۔
۴۳۲۔ ایضاً
۴۳۳۔ الفضل ۳۱/ مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲۔
۴۳۴۔ الفضل ۳۱/ مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۴ اور صفحہ ۹۔
۴۳۵۔ الفضل یکم اگست ۱۹۴۰ء صفحہ ۹ کالم ا۔ (سردار کھڑک سنگھ صاحب دو تین سال ہوئے فوت ہو چکے ہیں)
۴۳۶۔ الفضل ۵-۷/ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۱-۲۔
۴۳۷۔ الفضل ۲۶/ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۶-۷۔
۴۳۸۔ الفضل ۷/ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ا کالم ا۔
۴۳۹۔ الفضل ۱۴/ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۴۴۰۔ الفضل ۹/ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔
۴۴۱۔ الفضل ۱۲/ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ا کالم ا۔
۴۴۲۔ الفضل ۴/ ستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۵ کالم ا۔
۴۴۳۔ الحکم ۲۱/ ستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ حضور کی یہ ہدایات جو مشعل راہ کی دوامی حیثیت رکھتی ہیں۔ الفضل (۱۱/ ستمبر ۱۹۳۴ء) میں شائع شدہ ہیں۔
۴۴۴۔ الفضل ۱۱/ ستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۵-۶، ۸
۴۴۵۔ ایضاً

۴۴۶۔ الحکم ۱۴/ ستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲۔

۴۴۷۔ ایضاً صفحہ ۲ کالم ۳۔

۴۴۸۔ الفضل ۱۱/ ستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

۴۴۹۔ ایضاً صفحہ ۲۔

۴۵۰۔ الفضل ۱۱/ ستمبر صفحہ ۲۔ ۱۹۳۴ء

۴۵۱۔ اس پلیٹ فارم پر GATE OF INDIA کے الفاظ لکھے ہیں۔ یہاں سے انگلستان کو جہاز روانہ ہوتے ہیں۔

۴۵۲۔ الحکم ۲۱/ ستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲۔

۴۵۳۔ الفضل ۲۵/ ستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۱۔۲۔

۴۵۴۔ الفضل ۱۱/ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۵۔۶۔

۴۵۵۔ اگر برطانوی ہند میں مسلمانوں کی سیاسی نمائندگی کے لئے یہ بات اصولاً تسلیم کرلی جاتی تو کسی مسلمان فرقہ کا کوئی فرد بھی مسلمانوں کا نمائندہ تجویز نہ کیا جاسکتا۔ وجہ یہ کہ شیعہ 'سنی' مقلد غیر مقلد غرضکہ تمام فرقے ایک دوسرے کو کافر و مرتد قرار دیتے ہیں اور کوئی فرقہ بلکہ کسی فرقہ کا کوئی مشہور و مقتدر عالم و پیشوا اس سے مستثنیٰ نہیں ہے بطور نمونہ چند فتاویٰ ملاحظہ ہوں (۱) سوائے فرقہ اثنا عشریہ امامیہ کے ناجی نیست کشتہ شود و خوردہ بموت میرد۔ یعنی شیعوں کے سوا کوئی ناجی نہیں خواہ وہ مارا جائے یا اپنی موت مرے (حدیقہ شہداء صفحہ ۶۵) (۲) فرقہ امامیہ منکر خلافت حضرت صدیق اند و در کتب فقہ مسطور است کہ ہر کہ انکار خلافت حضرت صدیق نمائد منکر اجماع قطع گشت و کافر باشد۔ (رد تبراء صفحہ ۳۰) یعنی شیعہ حضرت صدیق اکبر کی خلافت کے منکر ہیں اور فقہ کی کتب میں لکھا ہے کہ جو شخص حضرت صدیق کی خلافت کا انکار کرے وہ منکر اجماع اور کافر ہے۔ (۳) چاروں اماموں کے پیرو اور چاروں طریقوں کے متبع یعنی حنفی شافعی مالکی حنبلی اور چشتیہ اور قادریہ و نقشبندیہ و مجددیہ سب لوگ کافر ہیں (جامع الشواہد صفحہ ۲ بحوالہ کتاب اعتصام السنہ مطبوعہ کانپور صفحہ ۷۔۸) (۴) غیر مقلدین کی نسبت یہ طائفے سب کے سب کافر و مرتد ہیں اور جو ان کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔ (حسام الحرمین از مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی صفحہ ۱۱۳) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب حربہ تکفیر اور علمائے زمانہ شائع کردہ کتاب گھر قادیان۔

اب رہی جماعت احمدیہ تو اس کی ابتدائی تاریخ گواہ ہے کہ اس نے اس نوع کے کسی فتویٰ میں ہرگز ابتداء نہیں کی جو کچھ کہا مخالف علما کے سب و شتم اور فتاویٰ کفر و ارتداد کے بعد محض علمی نقطہ نگاہ سے کہا اور وہ بھی حد اعتدال کے اندر رہتے ہوئے۔ جس کا بھاری ثبوت یہ ہے کہ جہاں احمدیت کے مخالف علماء نے شروع ہی سے احمدیوں کے واجب القتل تک ہونے کا فتویٰ صادر کیا۔ وہاں جماعت احمدیہ نے قطعاً اس سے اجتناب کیا اور آج تک دوسرے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں فرق کرنے کے لئے اسلام کے پیروکاروں کے لئے غیر احمدی اور اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے لئے غیر مسلم کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

پھر اس جماعت کو تمام مسلمان فرقوں میں یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ اس نے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کے لئے دائرہ اسلام کی دو تعبیریں پیش کیں ایک مذہبی اور دوسری سیاسی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ ۲۳/ مئی ۱۹۲۴ء کے لئے اساس الاتحاد کے نام سے جو مضمون لکھا اس میں مسلمانان ہند کو ایک سیاسی پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی تلقین کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہر ایک لفظ اپنے اپنے دائرہ میں الگ معنے رکھتا ہے لفظ مسلم کی تعبیر مذہبی نقطہ خیال سے اور ہے اور سیاسی نقطہ خیال سے اور۔ مذہبی نقطہ خیال سے تو مختلف فرق اسلام کے نزدیک وہ لوگ مسلم ہیں جو ان اصولی مسائل میں جن پر وہ اپنے نزدیک بنائے اسلام رکھتے ہیں متفق ہو اور سیاسی نقطہ خیال کے مطابق ہر شخص جو رسول کریمؐ پر ایمان لانے کا مدعی ہے اور آپ کی شریعت کو منسوخ نہیں قرار دیتا اور کسی جدید شریعت کا قائل نہیں لفظ مسلم کے دائرہ کے اندر آجاتا ہے۔ (صفحہ ۳۔۴)

۴۵۶۔ روزنامہ زمیندار ۲۶/ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۳۔

۴۵۷۔ یہ اخبار سندھی زبان میں شائع ہوتا تھا اور اس کی ادارت پیر علی محمد شاہ صاحب راشدی کرتے تھے۔

۴۵۸۔ اخبار ستارہ سندھ سکھر ۳۱/ اگست ۱۹۳۴ء بحوالہ الفضل ۹/ ستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۱۔۲۔

۴۵۹۔ وہ تو سو بار ندامت سے جھکالیں آنکھیں مگر آتا بھی ہو جب ان کو پشیماں ہونا۔ (ناقل)
۴۶۰۔ الفضل ۲۰/ ستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۷۔۸۔
۴۶۱۔ بحوالہ الفضل ۷/ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۷۔
۴۶۲۔ بحوالہ الفضل ۷/ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۷۔
۴۶۳۔ روزنامہ سیاست (لاہور) ۹/ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۳۔ بحوالہ الفضل ۱۴/ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۹۔۱۰)
۴۶۴۔ شاہکار (لاہور) اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۶۹۔۷۰۔
۴۶۵۔ مثلاً ملک سر فیروز خاں صاحب نون' نواب مظفر خان صاحب' جسٹس شیخ دین محمد صاحب' ملک محمد حیات خان صاحب نون' نواب اللہ بخش صاحب ٹوانہ' نواب محمد شاہ نواز خان صاحب' نواب آف ممدوٹ' ملک خضر حیات صاحب ٹوانہ' نواب نثار علی خان صاحب قزلباش' خان بہادر حاجی رحیم بخش صاحب سیکرٹری آل انڈیا مسلم کانفرنس' فقیر سید نجم الدین صاحب رئیس لاہور' خان بہادر سید مراتب علی صاحب لاہور' خان صاحب حکیم احمد شجاع صاحب' خان بہادر میاں احمد یار خان صاحب دولتانہ' خان بہادر میاں مشتاق احمد صاحب گرمانی۔
۴۶۶۔ بحوالہ الفضل ۱۲/ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۷ کالم ۲۔۳۔
۴۶۷۔ قائد اعظم اور ان کا عہد (از مولانا سید رئیس احمد جعفری) صفحہ ۱۹۷۔۱۹۸۔
۴۶۸۔ تحفہ گولڑویہ طبع اول صفحہ ۱۰۱۔
۴۶۹۔ تفسیر کبیر (مولفہ سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ) جلد ۳ صفحہ ۴۴۴ کالم ۲۔
۴۷۰۔ نقل مطابق اصل۔ اصل میں رسائل کا لفظ ہے۔ ("ادبی دنیا" میں حضور کا ایک اور مضمون "علم الالسنہ اور اردو" کے زیر عنوان بھی شائع ہوا)
۴۷۱۔ ایضاً
۴۷۲۔ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کے نام۔
۴۷۳۔ غالباً برصغیر کے مشہور ادیب و مورخ عاشق حسین صاحب بٹالوی مراد ہیں۔
۴۷۴۔ (غیر مطبوعہ) تاریخ احمدیت جلد دوم طبع دوم صفحہ ۳۱۰ پر حضرت میر صاحب کا مختصر ذکر گزر چکا ہے۔
۴۷۵۔ دیباچہ معجز نما کلاں قرآن شریف مترجم صفحہ ۳۰ مطبوعہ ۱۹۳۴ء۔
۴۷۶۔ الفضل ۹/ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۴۷۷۔ ایضاً
۴۷۸۔ الفضل ۹/ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۲۔
۴۷۹۔ حضور نے خطبہ جمعہ کو اشاعت کے لئے بھجواتے ہوئے اس مقام پر حاشیہ میں اپنے قلم سے تحریر فرمایا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے صحابہ میں سے تھے۔
۴۸۰۔ الفضل ۱۴/ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۷۔۸۔
۴۸۱۔ الفضل ۱۳/ مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۴۸۲۔ الفضل ۱۷/ مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۴۸۳۔ الفضل ۳/ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۴۸۴۔ الفضل ۴/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۴۸۵۔ الفضل ۱۳/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱ کالم ۳۔
۴۸۶۔ الفضل ۱۶/ ستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۔
۴۸۷۔ الفضل ۲۰/ ستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۴۸۸۔ الفضل ۴/ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

۴۸۹- ٹانگانیکااور زنجبار کو آزادی کے بعد تنزانیہ کہاجاتا ہے۔
۴۹۰- ملخصاً از مضمون مولانا شیخ مبارک احمد صاحب سابق رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ (ریویو آف ریلیجنز اردو فروری ۱۹۳۹ء)
۴۹۱- یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں اپنے کاروبار میں نقصان کے سبب دعا کی درخواست کی۔ جس پر حضور علیہ السلام نے اک نہ اک دن پیش ہو گا تو فنا کے سامنے والی نظم لکھ کر ارسال فرمائی۔ خدا تعالیٰ نے فضل فرمایا اور حضور کی دعا کی برکت سے مالی مشکلات دور ہو گئیں۔ آپ کے سب لڑکے دینداری کا جذبہ رکھتے ہیں اور آج کل مشرقی افریقہ میں ہی رہتے ہیں۔
۴۹۲- الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۵-۱۶۔
۴۹۳- نام "INDIAN CONTINGENR"
۴۹۴- حیات احمد جلد پنجم صفحہ ۱۳۱ (از حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی)
۴۹۵- یاد رہے یہ تینوں بزرگ ۳۱۳ صحابہ کبار میں سے تھے جن کا نام حضرت مسیح موعودؑ نے ضمیمہ انجام آتھم کی فہرست میں بالترتیب نمبر ۶۷-۶۸ اور ۲۴۲ پر درج فرمایا ہے۔
۴۹۶- الحکم ۲۴/ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۵ کالم ۳۔
۴۹۷- یہ حضرت مسیح موعودؑ کے صحابی تھے اور احمدی کے نام سے یاد کئے جاتے تھے مشرقی افریقہ میں ایک اور احمدی ڈاکٹر بھی رہا کرتے تھے جو آپ کے ہم نام تھے۔
۴۹۸- الفضل ۱۰/ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۴۔
۴۹۹- الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۳ کالم ۱۔
۵۰۰- حیات احمد جلد پنجم صفحہ ۱۳۱ (از مورخ احمدیت حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ) الفضل ۱۰/ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۴ کالم ۴ الفرقان حضرت حافظ روشن علی نمبر صفحہ ۵۷۔ آپ کی یادگار ایک لڑکی امتہ اللہ بیگم صاحبہ (اہلیہ کیپٹن محمد اسلم صاحب) ہیں۔
۵۰۱- البدر ۱۶/ فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۷۔
۵۰۲- الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴۔
۵۰۳- برادر حضرت قاضی سید امیر حسین صاحبؓ۔
۵۰۴- آپ بڑے اعلیٰ پایہ کے مناظر اور مقرر بھی تھے۔
۵۰۵- مولوی فخر الدین صاحب مرحوم کی نسبت ان کے پوتے محمد داؤد صاحب طاہر (ابن مولانا محمد یعقوب صاحبؓ طاہر) بذریعہ خط مطلع کرتے ہیں کہ دادا جان کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوا کہ آپ ۱۸۹۹ء کے اواخر میں حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر ممباسہ تشریف لے گئے تھے۔ (محررہ ۲/ دسمبر ۱۹۶۶ء) اگر یہ صحیح ہے تو معلوم نہیں ۱۹۰۱ء کی مندرجہ بالا فہرست سے ان کا نام کیسے رہ گیا؟
۵۰۶- الحکم ۱۰/ اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۳ کالم ۱-۲۔
۵۰۷- آپ مارچ ۱۹۲۷ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی اجازت سے بہ سلسلہ ملازمت مشرقی افریقہ تشریف لے گئے تھے۔
۵۰۸- آپ ۱۹۲۹ء کے آخر میں انڈین ہائی سکول میں مدرس کے طور پر وہاں گئے تھے۔ آپ کی ملازمت کا انتظام ملک احمد حسین صاحب ممبر کینیا لیجسلیٹو کونسل کے توسط سے ہوا آپ کے نیک نمونہ اخلاق اور مقناطیسی شخصیت نے نیروبی کے اپنوں اور بیگانوں پر نہایت گہرے نقوش چھوڑے ہیں سید عبد الرزاق شاہ صاحب چند سال بعد تشریف لے گئے اور اسی سکول میں ہی ملازم ہوئے۔
۵۰۹- تینوں بزرگ مسیح محمدی علیہ السلام کے صحابہ میں سے ہیں۔
۵۱۰- الفضل ۱۰/ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۵۔
۵۱۱- یہ پریس جماعت نے اپنے ایک گزشتہ تبلیغی دور میں اخبار البلاغ چھاپنے کے لئے لیا ہوا تھا۔
۵۱۲- احمدیہ مسجد نیروبی کی بنیاد ۱۹۲۹ء میں رکھی گئی اور ۱۹۳۱ء میں تکمیل کو پہنچی۔ محمد حسین صاحب بٹ کے سپرد اس کی تعمیر کا کام تھا۔ بٹ صاحب جلد ہی فوت ہو گئے تھے اس کے بعد ملک احمد حسین صاحب نے مسجد کی تکمیل کرائی۔ ملک صاحب موصوف میونسپل کونسل کے ممبر تھے۔ جب شہر کی دوسری جماعتوں کو قطعات اپنی مذہبی ضروریات کے لئے الاٹ ہوئے تو ملک صاحب نے بھی

جماعت کے لئے مسجد کی یہ زمین حاصل کی۔

۵۱۳۔ اس پریس سے ۱۹۳۶ء تک مندرجہ ذیل اشتہارات شائع کئے گئے۔(۱) قرآن کریم کی طرف آؤ (اشتہار)(۲) نور کے سامنے بھلا ظلمت کیا ٹھہرے گی؟ (۳) کیا مسیح پنشنر ہو کر آئے گا؟ (۴) اتمام حجت نمبر ا۔ نمبر ۲۔ (۵) روئیداد مباحثہ نیروبی و مگاڈی و میرو و کممو (الگ الگ)(۶) اسلام کی دلکش خوبیاں (۷) صادقوں کی روشنی کون دور کر سکتا ہے۔(۸) صادقوں کی شناخت کے لئے قرآن مجید کا فیصلہ دیکھو (۹) کوہاٹی کا پیش کردہ انعام کہاں ہے؟ (۱۰) کامل اتمام حجت۔ ۲۱ ہزار روپیہ کا انعام۔(۱۱) صداقت کی چمک (۱۲) پیر صاحب العلم کا کشف (۱۳) اے لوگو قرآن کی طرف آؤ کہ ساری خیر و برکت اسی میں ہے۔(۱۴) احمدیت کی بنیاد قرآن مجید پر ہے (۱۹۔ اشتہارات کا ایک سلسلہ)(۱۵) مباہلہ مسنونہ (۱۶) اے لوگو آسمانی پانی کی طرف لپکو (تین اشتہارات کا سلسلہ)(۱۷) تبلیغ صداقت (چار اشتہارات کا سلسلہ)(۱۸) آسمانی نصرت کا تازہ نشان (۱۹) مولوی عبداللہ شاہ سے دو حرفی فیصلہ (۲۰) مولوی عبداللہ شاہ کو ۱۵۰۰۰ شلنگ کا مزید انعام۔(۲۱) مولوی عبداللہ شاہ کی درماندگی (۲۲) وفات مسیح (تین اشتہارات کا سلسلہ)(۲۳) اپنے سارے اختلافات کا فیصلہ محمد ﷺ کے دربار سے کراؤ۔(۲۴) آسمانی آواز۔(۲۵) پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار (۲۶) اعلان بخدمت علماء اسلام (از حقیقۃ الوحی)(۲۷) نجات یافتہ کون ہے از کشتی نوحؑ (۲۸) وہی ہمارا کرشن (از حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ)(۲۹) ندائے ایمان (۳۰) غیر احمدیوں کے دلچسپ انکشاف کی حقیقت (۳۱) مسئلہ نبوت اور دیوبندی فاضل (تین نمبر)(۳۲) اجرائے نبوت اور انجمن حمایت اسلام کا عجز۔(۳۳) سید الانبیاء ﷺ اور بددعا (۳۴) فاضل دیوبند کی قرآن دانی اور اسلامی اصولوں کی بیخکنی۔(۳۵) میدان دلائل میں مقامی احراریوں کا عجز (۳۶) امام الزمان کا انتظار چھوڑ دو آنے والا آچکا (۳۷) نبوت کسبی ہے یا وہبی۔(۳۸) مدعیان حمایت اسلام کی غیر معقولیت (۳۹) خاتم النّبیّن کی آیت میں خاتم کے معنے (۴۰) مفتری علی اللہ بہت جلد ہلاک کیا جاتا ہے۔(۴۱) مسئلہ ختم نبوت اور فاضل دیوبند کی لغزشیں۔(۴۲) ختم نبوت کے معنے از ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔(۴۳) دیوبندی فاضل نے بزرگان سلف کو اسلام سے خارج قرار دے دیا۔(۴۴) جھوٹا مدعی الہام از روئے قرآن ہرگز لمبی عمر نہیں پاتا۔(۴۵) کیا حضرت مسیح جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر زندہ ہیں۔(۴۶) زمانہ حال کے مسلمانوں پر احمدیت کے عظیم الشان احسانات (۴۷) الانذار۔(۴۸) مسلمانوں کی نجات اور ترقی خلافت سے وابستہ ہے۔(۴۹) احمدیت کیا ہے؟

۵۱۴۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۶ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۸۲۔۸۴۔

۵۱۵۔ روزنامہ زمیندار ۲۴/ اکتوبر ۱۹۳۴ء۔ جناب مولوی ظفر علی خاں صاحب کی طرف سے لال حسین صاحب اختر کی خصوصی سفارش کیوں کی گئی اس کا بالواسطہ جواب ایک غیر احمدی اخبار مجاہد مئی ۱۹۳۶ء صفحہ ۸ کے حسب ذیل نوٹ سے (جو اس نے اختر صاحب کی تقریر ڈیرہ اسمٰعیل خاں کی نسبت لکھا تھا) بآسانی مل سکتا ہے۔ "ختم نبوت کے مسئلہ پر عام پیشہ ور واعظین کا بیان نہایت بازاری اور سوقیانہ ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں مولانا..... ڈیرہ تشریف لائے تھے انہوں نے مرزا غلام احمد صاحب کے متعلق جو کچھ کہا وہ صرف بازاری ہی نہیں بلکہ غیر اسلامی بھی تھا کیونکہ انہوں نے اپنی صداقت کا اظہار فریق ثانی کو فحش ترین گالیاں دے کر کیا۔ مرزا غلام احمد صاحب کو آپ مجدد نبی تسلیم نہ کریں لیکن انہیں فحش ترین گالیاں دینے کا حق آپ کو کس شریعت کی رو سے حاصل ہوا۔ صرف یہی نہیں کہ اسلامی متانت و سنجیدگی ہی بازاری طرز گفتگو کی متحمل نہیں بلکہ خدائے اسلام نے واضح اور کھلے ہوئے الفاظ میں مسلمانوں کو کسی کے پتھر کے خداؤں کو بھی برا بھلا کہنے سے پرہیز کی تلقین کی ہے چہ جائیکہ آپ ایک ایسے انسان کو فحش ترین گالیاں دیں جس کی غلامی کا حلقہ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی گردن میں ہے حق و صداقت کے اظہار کے لئے شریفانہ طرز مخاطب اور دلائل کی ضرورت ہوا کرتی ہے گالیوں کی نہیں گالیاں وہی دیتا ہے جس کے پاس دلائل کی کمی ہو۔ (بحوالہ الفضل ۲۸/ فروری ۱۹۵۱ء صفحہ ۷ کالم ۱۔۲)

۵۱۶۔ الفضل ۱۳/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۔

۵۱۷۔ الفضل ۲۲/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

۵۱۸۔ الفضل ۲/ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۳ و رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۶ء تا اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۴۸۔

۵۱۹۔ الفضل ۲۱/ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۷۔۸۔

۵۲۰۔ الفضل ۲۱/ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۷۔۸۔۲۵/ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۶۔ مشرقی افریقہ کا یہ پہلا مشہور مناظرہ کتابی صورت میں شائع شدہ

ہے۔

۵۲۱- رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۴ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۷۰-۷۱۔

۵۲۲- الفضل ۲۵/ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۶۔

۵۲۳- نیروبی سے ۸۰ میل جانب شمال واقع ہے۔

۵۲۴- پسر بھائی نظام دین صاحب مرحوم۔

۵۲۵- الفضل ۳۰/ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۷ کالم ۳-۴۔

۵۲۶- الفضل ۲/ مئی ۱۹۳۶ء صفحہ ۶ کالم ۲۔

۵۲۷- رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۶ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۵۳۔

۵۲۸- رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۵ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۳۹۔

۵۲۹- رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۵ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۵۶۔

۵۳۰- ریویو آف ریلیجنز اردو فروری ۱۹۳۹ء صفحہ ۴۹-۵۰۔

۵۳۱- بحوالہ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۷ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۹۳۔

۵۳۲- آپ ۱۹۳۵ء کی پہلی سہ ماہی میں ٹانگانیکا کے دورہ پر آئے تو باہمی مشورہ سے یہ فیصلہ کیا کہ ٹبورا میں دار التبلیغ قائم کیا جائے۔ چنانچہ آپ نیروبی سے ٹبورا تشریف لے آئے اور اسے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا۔

۵۳۳- سکول کے ابتدائی سٹاف میں ناجم ابن سالم اور مسلم سعیدی صاحب تھے اور اس کی نگرانی کے تمام فرائض ایک عرصہ تک براہ راست مبلغ سلسلہ شیخ مبارک احمد صاحب ہی کو ادا کرنے پڑے۔ جس کی وجہ سے ان کا کام بہت بڑھ گیا۔ (رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۶ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۹۲ تا ۹۸۔

۵۳۴- بحوالہ ریویو آف ریلیجنز اردو فروری ۱۹۳۹ء صفحہ ۵۱-۵۲۔

۵۳۵- ANNUAL REPORT ON NATIVE ADMINISTRATION 1937 بحوالہ ریویو آف ریلیجنز اردو فروری ۱۹۳۹ء صفحہ ۵۴۔

۵۳۶- مثلاً ایسٹ افریقہ سٹینڈرڈ (نیروبی) ممباسہ ٹائمز۔ روزنامہ کینیا ڈیلی میل (ممباسہ) دی ینگ (ٹانگانیکا) کوسٹ گارڈین۔ ٹانگانیکا سٹینڈرڈ۔ ٹانگانیکا اوپینین۔ ساچار زنجبار۔ یوگنڈا۔ ہیرلڈ۔ گلستان علم۔ اخبار الفلق (زنجبار) کولونیل ٹائمز۔ ہفت روزہ (نیروبی) GAMBUZI (کمپالہ) YULA NKUYOLA۔ ٹانگانیکا ہیرلڈ۔ میمبولی (ٹانگانیکا) BMAZD (سواحیلی رسالہ نیروبی)

۵۳۷- ان کا ذکر آگے تفصیل سے آئے گا۔

۵۳۸- ایضاً

۵۳۹- یوگنڈا کے ایک علاقہ کا نام۔

۵۴۰- رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۷ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۶۱۔

۵۴۱- رپورٹ سالانہ ایضاً صفحہ ۶۵۔

۵۴۲- ۱۲/ اپریل کو پہلے مقدمہ کا فیصلہ سنایا گیا اور ۱۶/ اپریل کو دوسرے مقدمہ کا۔

۵۴۳- رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۶ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۵۳-۵۶ ایضاً رپورٹ ۳۷-۱۹۳۶ء صفحہ ۱۱۴۔

۵۴۴- ملخص رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۷ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۵۹-۶۰۔

۵۴۵- رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۶ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۵۶ ایضاً سالانہ رپورٹ ۳۸-۱۹۳۷ء صفحہ ۱۱۴۔

۵۴۶- رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۶ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۵۶ ایضاً رپورٹ سالانہ ۳۸-۱۹۳۷ء صفحہ ۱۱۴ اور ۱۲۵-۱۲۶۔ اس اپیل کے تمام اخراجات مکرم عبد الحکیم جان صاحب نے برداشت کئے اور بعض دوسرے

احباب ٹبورا نے بھی اس میں گرانقدر مالی امداد کی۔
۵۴۷۔ شیخ صالح مع اہلیہ ۱۹۳۴ء کے آخر میں داخل سلسلہ ہوئے۔ شیخ صالح کی اہلیہ ڈچ نسل سے تھیں اور انگریزی اور سواحیلی زبان کی ماہر تھیں ان کا اخلاص قابل رشک تھا۔ آپ آخر وقت تک عورتوں میں تبلیغ کا کام کرتی رہیں افسوس ۲۰/ جون ۱۹۴۰ء کو ان کا انتقال ہو گیا الّٰلھم اغفرلہا۔ (رپورٹ سالانہ یکم مئی ۱۹۴۰ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۳۳)
۵۴۸۔ DIRECTOR OF MAN-POWER
۵۴۹۔ الفضل ۲۵/ اپریل ۱۹۵۲ء صفحہ ۶۔
۵۵۰۔ الفضل ۸/ اکتوبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۵۔
۵۵۱۔ الفضل ۲۱/ نومبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۴-۵۔
۵۵۲۔ الفضل ۱۹/ نومبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۲۔ مکرم شیخ مبارک احمد صاحب کا بیان ہے کہ مسجد تعمیر کرنے والے اٹالین قیدیوں کو اپنے وطن جانے کا بہت اشتیاق تھا۔ وہ اکثر پوچھتے کہ جنگ کب ختم ہو گی میں انہیں کہا کرتا کہ ہماری مسجد کی تعمیر مکمل ہونے پر جنگ ختم ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت آکہ ایسا ہی ہوا۔ ادھر ہماری مسجد مکمل ہوئی اور ادھر جنگ ختم ہو گئی۔ گویا اللہ تعالیٰ تعمیر مسجد کے لئے ہی انہیں لایا اور اس کے مکمل ہونے تک وہیں روکے رکھا۔
۵۵۳۔ حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب، سید عبدالرزاق شاہ صاحب، فضل کریم صاحب لون، عبدالکریم صاحب بٹ، میاں اکرم صاحب غوری نے خصوصاً اور دوسرے ایشیائی اور افریقن احمدیوں نے عموماً مسجد کی تعمیر میں خاص مدد دی۔
۵۵۴۔ الفضل ۴/ جنوری ۱۹۴۵ء صفحہ ۶-۷۔
۵۵۵۔ الفضل ۲۲/ اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۵۔ آپ اپریل ۱۹۵۰ء میں واپس آگئے دوبارہ ۲/ جولائی ۱۹۶۱ء کو روانہ ہوئے اور ۷/ دسمبر ۱۹۶۴ء کو مرکز میں پہنچے۔
۵۵۶۔ الفضل ۱۹/ نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۵۵۷۔ مشرقی افریقہ سے آپ کی حالیہ آمد ۱۰/ جنوری ۱۹۶۶ء کو ہوئی۔
۵۵۸۔ الفضل ۱۰/ فروری ۱۹۴۷ء صفحہ ۲۔
۵۵۹۔ واپسی ۲۴/ جولائی ۱۹۵۲ء کو ہوئی (بمطابق ریکارڈ تحریک جدید)
۵۶۰۔ ۷/ اگست ۱۹۶۴ء کو آخری بار مشرقی افریقہ سے ربوہ تشریف لائے۔
۵۶۱۔ ۷/ نومبر ۱۹۵۲ء کو واپس آئے (بمطابق ریکارڈ تحریک جدید)
۵۶۲۔ ۷/ اگست ۱۹۶۴ء کو آخری بار مشرقی افریقہ سے ربوہ تشریف لائے۔
۵۶۳۔ الفضل ۳/ مارچ ۱۹۴۷ء صفحہ ۲۔ میر ضیاء اللہ صاحب اور مولوی فضل الٰہی صاحب بشیر قادیان سے چند دن پہلے کراچی روانہ ہو گئے تھے۔
۵۶۴۔ الفضل ۵/ اگست ۱۹۴۷ء صفحہ ۵۔
۵۶۵۔ چوہدری عنایت اللہ صاحب مبلغ مشرقی افریقہ مراد ہیں (ناقل)
۵۶۶۔ الفضل ۱۳/ اگست ۱۹۴۸ء خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳/ جولائی ۱۹۴۸ء۔
۵۶۷۔ پہلی بار یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو تشریف لے گئے اب تک مصروف تبلیغ ہیں اور جمہوریہ ٹانگانیکا و زنجبار مشن (تنزانیہ) کے انچارج ہیں۔
۵۶۸۔ یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو پہلی دفعہ روانہ ہوئے۔ اب یوگنڈا مشن کے انچارج کی حیثیت سے تبلیغی فرائض بجالا رہے ہیں۔
۵۶۹۔ روانگی ۲۱/ جولائی ۱۹۵۵ء واپسی ۲/ جون ۱۹۵۹ء۔
۵۷۰۔ روانگی ۴/ اگست ۱۹۵۵ء واپسی ۲/ جون ۱۹۵۹ء۔
۵۷۱۔ روانگی ۵/ جولائی ۱۹۵۶ء واپسی ۸/ اپریل ۱۹۵۸ء دوبارہ ۵/ جون ۱۹۵۹ء۔
۵۷۲۔ پہلی بار روانگی ۷/ مارچ ۱۹۵۹ء اب تک مصروف جہاد ہیں۔

۵۷۳۔(تحریک جدید کے ریکارڈ کے مطابق) پہلی بار ۲۳/ جون ۱۹۶۰ء کو روانہ ہوئے اب تک تبلیغی فرائض ادا کر رہے ہیں۔
۵۷۴۔روانگی ۱۰/ ستمبر ۱۹۶۱ء واپسی ۲/ فروری ۱۹۶۴ء (بمطابق ریکارڈ تحریک جدید)
۵۷۵۔۲۱/ دسمبر ۱۹۶۱ء کو سیلون سے مشرقی افریقہ گئے اور مختصر قیام کے بعد آ گئے۔(بمطابق ریکارڈ تحریک جدید)
۵۷۶۔ روانگی ۱۱/ اپریل ۱۹۶۲ء واپسی ۱۰/ جون ۱۹۶۵ء۔
۵۷۷۔روانگی ۷/ جون ۱۹۶۲ء واپسی ۵/ جنوری ۱۹۶۴ء۔
۵۷۸۔ روانگی ۹/ جولائی ۱۹۶۲ء واپسی ۱۱/ اکتوبر ۱۹۶۵ء۔
۵۷۹۔ روانگی ۱۲/ جولائی ۱۹۶۲ء (اب تک مصروف تبلیغ ہیں)
۵۸۰۔ روانگی ۱۶/ مارچ ۱۹۶۳ء اب تک اعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ بجالا رہے ہیں۔
۵۸۱۔ ایضاً
۵۸۲۔ روانگی ۱۶/ مارچ ۱۹۶۳ء۔۱۹۶۶ء میں واپس آئے۔(بمطابق ریکارڈ تحریک جدید)
۵۸۳۔روانگی ۱۳/ مئی ۱۹۶۴ء (اب تک کینیا میں مصروف تبلیغ ہیں)
۵۸۴۔(بمطابق ریکارڈ تحریک جدید) روانگی ۲/ اپریل ۱۹۶۵ء اب تک مصروف تبلیغ ہیں۔
۵۸۵۔ روانگی ۱۲/ اگست ۱۹۶۵ء۔
۵۸۶۔ (تحریک جدید کے ریکارڈ کے مطابق) ۱۲/ جولائی ۱۹۶۴ء کو یوگنڈا تشریف لے گئے اب تک مشرقی افریقہ میں ہیں۔
۵۸۷۔روانگی ۲۶/ جنوری ۱۹۶۶ء اب تک میدان عمل میں ہیں۔
۵۸۸۔الفضل ۷/ مئی ۱۹۴۹ء صفحہ ۶۔
۵۸۹۔ یہ مختصر چھاپہ خانہ تھا جو احمدیہ مشن نے ۱۹۴۹ء کے شروع میں خریدا۔ مسٹر امری عبیدی کو مشن کی طرف سے روزنامہ ٹانگانیکا سٹینڈرڈ (دارالسلام) کے پریس میں طباعت کی ٹریننگ دلائی گئی اس لئے ابتداء میں پریس کے وہی مہتمم تھے۔(الفضل یکم اپریل ۱۹۴۹ء صفحہ ۵) آپ کے بعد مولوی جلال الدین صاحب قمر اور چوہدری عنایت اللہ صاحب اس کے انچارج رہے۔ ۱۹۵۷ء میں یہ بند ہو گیا۔
۵۹۰۔ ترجمہ از سواحیلی (الفضل ۱۵/ دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۵)
۵۹۱۔ الفضل ۸/ اکتوبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۵۔
۵۹۲۔ آپ کا مفصل تذکرہ آگے آ رہا ہے امری عبیدی صاحب مرحوم کو سواحیلی زبان کے اعتبار سے ملک بھر میں سند کی حیثیت حاصل تھی آپ واحد قومی شاعر ہیں جن کا سواحیلی دیوان مطبوعہ ہے اور کثرت سے پڑھا جاتا ہے۔ امری صاحب نے سواحیلی میں علم العروض پر بھی کتاب تصنیف کی جسے بہت شہرت حاصل ہوئی۔
۵۹۳۔ مکمل متن الفضل ۲۸/ اکتوبر ۱۹۵۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔
۵۹۴۔ اس ترجمہ کے لئے ایک غیر از جماعت مخیر دوست نے ایک لاکھ شلنگ کے قریب گرانقدر عطیہ دیا اور ساتھ ہی تاکید کی کہ میرا نام ظاہر نہ کیا جائے۔ جماعت کے بہت سے مخلصین نے بھی ایک ایک ہزار شلنگ کی رقم بطور عطیہ اس مقدس کام کے لئے دی۔
۵۹۵۔ الفضل ۲۳/ ستمبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۴۔
۵۹۶۔ الفضل ۲۶/ اگست ۱۹۶۳ء۔
۵۹۷۔ ISLAM IN EAST AFRICA' BY LYNDON HARRIS M A PHD یہ صاحب لمبا عرصہ ٹانگانیکا میں مشنری اور پھر لنڈن کے سکول آف اورنٹیل سٹڈیز میں لیکچرار بھی رہے ہیں۔
۵۹۸۔ مسجد کمبوں کی تعمیر کے اخراجات ایک مخلص احمدی محمد اکرم خان صاحب غوری نے برداشت کئے۔
۵۹۹۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۶ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۰۲۔۱۰۳۔
۶۰۰۔ الفضل ۲۵/ جنوری ۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۲۔
۶۰۱۔ الفضل ۲۱/ فروری ۱۹۶۰ء صفحہ ۴۔
۶۰۲۔ الفضل ۱۰/ جنوری ۱۹۶۱ء صفحہ ۱۔

۶۰۳۔ الفضل ۵/ جون ۱۹۶۲ء صفحہ ۳۔۴۔
۶۰۴۔ ایسٹ افریقہ سٹینڈرڈ نیروبی ۱۲/ اکتوبر ۱۹۶۴ء۔
۶۰۵۔ الفضل ۲۰/ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۱۔
۶۰۶۔ الفضل ۲۱/ جون ۱۹۵۷ء صفحہ ۳۔
۶۰۷۔ الفضل یکم مارچ ۱۹۵۸ء صفحہ ۳۔
۶۰۸۔ الفضل ۲/ جون ۱۹۵۷ء صفحہ ۱۔
۶۰۹۔ الفضل ۹/ اپریل ۱۹۵۸ء صفحہ ۴۔
۶۱۰۔ الفضل ۳/ جنوری ۱۹۵۹ء صفحہ ۵۔
۶۱۱۔ الفضل ۸/ مئی ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۔
۶۱۲۔ خط کا مکمل متن ۱۴/ اپریل ۱۹۶۰ء کے الفضل صفحہ ۳ میں شائع شدہ ہے۔
۶۱۳۔ دی سنڈے پوسٹ نیروبی ۹/ مارچ ۱۹۶۰ء بحوالہ الفضل ۱۴/ اپریل ۱۹۶۰ء۔
۶۱۴۔ الفضل ۲۵/ ستمبر ۱۹۶۳ء۔
۶۱۵۔ الفضل ۵/ جون ۱۹۶۲ء صفحہ ۳۔۴۔
۶۱۶۔ یاد رہے کہ ڈاکٹر گراہم افریقہ میں جہاں بھی گئے احمدی مبلغوں نے ان کا پورا پورا تعاقب کیا۔ جناب مولوی نور محمد صاحب نسیم سیفی (رئیس التبلیغ مغربی افریقہ) نے لیگوس میں بلی گراہم صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔ مگر وہ اسے منظور کرنے کی جرات نہ کر سکے۔ جس کا ذکر امریکہ کے یونیٹیرین فرقہ کے لیڈر جیک فیڈ لسان نے اپنی تصنیف "RELIGION IN AFRICA TODAY" کے صفحہ ۲۳ اور ۹۶ پر کیا ہے۔
۶۱۷۔ مشرق لاہور ۱۸/ اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳۔
۶۱۸۔ الفضل ۶/ اکتوبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۴۔
۶۱۹۔ ٹانگانیکا ۹/ دسمبر ۱۹۶۱ء میں اور یوگنڈا ۹/ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو آزاد ہوئے۔
۶۲۰۔ یہ مشن مولوی مقبول احمد صاحب ذبیح کے ذریعہ مارچ ۱۹۶۳ء میں جاری ہوا۔
۶۲۱۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ یوگنڈا کے یہ تمام افریقی معلم محض آنریری طور پر تبلیغ کرتے ہیں۔
۶۲۲۔ رپورٹ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ قادیان یکم مئی ۱۹۳۴ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۶۱۔
۶۲۳۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت و سوانح جو دیباچہ قرآن کریم (مولفہ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ) سے ماخوذ ہے۔
۶۲۴۔ ہم خواجہ ضیاء الدین صاحب گنائی آف نیروبی (انجمن حمایت اسلام کے سرگرم کارکن) کا ایک بیان درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ دوسرے اسلامی فرقوں سے تعلق رکھنے والے علماء کرام نے مشرقی افریقہ میں تبلیغ کے لئے کہاں تک اپنی ذمہ داری کا احساس فرمایا ہے۔

"کینیا کے مسلمان اپنے علاقہ میں تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے سلسلہ میں پاکستان کے علماء کرام کو اکثر اوقات دعوت دیتے رہتے ہیں وہ لوگ ان علماء کرام کی آمد و رفت کے جملہ مصارف کا بھی ذمہ اٹھاتے ہیں لیکن یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ بعض علماء کرام وعدہ کر کے بھی وہاں تک جانے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے ہیں۔........ مجھے ان علماء کرام کے نام یاد ہیں کینیا کے مسلمانوں نے جنہیں بذریعہ ہوائی جہاز آمد و رفت کا کرایہ اور دیگر اخراجات دینے کا یقین دلایا۔ اس پر وعدہ کے باوجود وہ حضرات کینیا نہ جا سکے۔ اور لوگ ان کے انتظار میں دیدہ و دل فرش راہ کئے رہے۔ (مجلس احرار اسلام کا آرگن روزنامہ نوائے پاکستان لاہور ۱۵/ جولائی ۱۹۵۷ء)

غیر از جماعت علماء کی اس سرد مہری اور بے التفاتی کے مقابل اب مجاہدین احمدیت کے اسلامی کارناموں کا تذکرہ دوسروں کے قلم سے متن میں مطالعہ کیجئے۔
۶۲۵۔ صفحہ ۲۰۴ یہ کتاب میکریرے یونیورسٹی میں بی۔ اے کے نصاب میں شامل ہے۔

۶۲۶- بحوالہ الفضل ۷ / ۲ / اگست ۱۹۶۳ء صفحہ ۴-
۶۲۷- الفضل ۷ / ۲ / اگست ۱۹۶۳ء صفحہ ۴-
۶۲۸- ایسٹ افریقن ٹائمز یکم اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۲ بحوالہ الفضل ۱۲ / اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳-
۶۲۹- سنڈے ٹائمز لنڈن ۲۵ / مئی ۱۹۵۸ء-
۶۳۰- ہفت روزہ STERN ۱۲ / نومبر ۱۹۶۱ء بعنوان GOD IN AFRICA
۶۳۱- بحوالہ الفضل ۲۶ / اپریل ۱۹۶۰ء صفحہ ۵- نمائندہ خصوصی کی اس رپورٹ میں بہت مبالغہ سے کام لیا گیا ہے-(مرتب)
۶۳۲- بحوالہ الفضل ۲۶ / مئی ۱۹۶۰ء صفحہ ۳-
۶۳۳- ترجمہ از اخبار پاکستان ٹائمز لاہور (۹ / مئی ۱۹۶۳ء)
۶۳۴- الفضل ۱۹ / جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۳-
۶۳۵- الفضل ۲۸ / اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۱-
۶۳۶- الفضل ۲۲ / فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ا کالم ۱-
۶۳۷- الفضل ۲۰ / مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۲-
۶۳۸- الفضل ۱۹ / اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۹ کالم ۳-
۶۳۹- ریویو آف ریلیجنز اردو جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۷-
۶۴۰- الفضل ۲۸ / اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۱-
۶۴۱- الفضل ۲۵ / جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۰ کالم ۳-
۶۴۲- الفضل ۱۵ / مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۳-
۶۴۳- الفضل ۱۳ / نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۸-
۶۴۴- الفضل ۲۲ / اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۲-
۶۴۵- الفضل ۲۶ / جولائی ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۱ کالم ۱-
۶۴۶- الفضل ۸ / جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۹ کالم ۳-
۶۴۷- الفضل ۱۸ / دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۶ کالم ۳-
۶۴۸- الفضل ۸ / جولائی ۱۹۳۴ء صفحہ ۲-
۶۴۹- الفضل ۱۶ / جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۹ کالم ۱-۲-
۶۵۰- الفضل ۲۲ / فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۲-
۶۵۱- الفضل ۱۳ / فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۲-
۶۵۲- الفضل ۸ / فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۳-
۶۵۳- الفضل ۲۹ / مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۲-
۶۵۴- الفضل ۲۵ / مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۹ کالم ۱-
۶۵۵- الفضل ۸ / اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۸ کالم ۲-۳-
۶۵۶- الفضل ۱۰ / اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۹ کالم ۱-
۶۵۷- الفضل ۲۹ / اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۱-
۶۵۸- الفضل ۶ / مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۲-
۶۵۹- الفضل ۱۰ / مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۹ کالم ۲-
۶۶۰- الفضل ۶ / مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲-
۶۶۱- الفضل ۲۲ / مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۹-۱۰-

۶۶۲۔ الفضل ۱۲/ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۹۔
۶۶۳۔ الفضل ۱۷/ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۹ کالم ۲۔
۶۶۴۔ الفضل ۲۱/ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۹ کالم ۱-۲۔
۶۶۵۔ الفضل ۱۹/ جولائی ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۶۶۶۔ الفضل ۱۹/ جولائی ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۶۶۷۔ الفضل ۱۲/ اگست ۱۹۳۴ء۔
۶۶۸۔ الفضل ۲/ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۱-۲-۱۲۔ ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ کا الفضل یکم ستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۷ تا ۱۰ میں ایک معلوماتی مضمون شائع ہوا جس میں وہ تمام دلائل بالاختصار جمع کر دیئے گئے تھے جو اس مباحثہ کے دوران میں جماعت احمدیہ کی طرف سے پیش کئے گئے۔
۶۶۹۔ الفضل ۱۲/ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔
۶۷۰۔ الفضل ۲۰/ ستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۳ کالم ۲-۳۔
۶۷۱۔ الفضل ۶/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۰ و الفضل ۸/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۸-۹ (مضمون مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل)
۶۷۲۔ الفضل ۹/ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۷ کالم ۳۔
۶۷۳۔ الفضل ۲۰/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۸۔
۶۷۴۔ الفضل ۲۰/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۸ کالم ۳۔
۶۷۵۔ الفضل ۲۰/ دسمبر ۱۹۳۴ء۔
۶۷۶۔ الفضل ۲۰/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۸ کالم ۳۔
۶۷۷۔ الفضل ۱۰/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
۶۷۸۔ بانگ درا صفحہ ۹۹۔
۶۷۹۔ الفضل ۲۳/ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۶۸۰۔ الفضل ۷/ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۶۸۱۔ الفضل ۲۷/ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

دوسرا باب (فصل اول)

احرار اور حکومت انگریزی کی طرف سے منظم مخالفت، پس منظر، تفصیل اور اثرات و نتائج

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا قبل از وقت انتباہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۱۹۲۷ء سے اپنی خداداد بصیرت اور روحانی و کشفی قوت کی بناء پر جماعت کو متنبہ کرتے آرہے تھے کہ وہ زمانہ قریب ہے جس میں رحمان اور شیطان کی آخری جنگ مقدر ہے۔ جس کے لئے جماعت کو بہت زیادہ ہوشیار اور بیدار ہونا چاہئے۔ بہت زیادہ قربانیاں کرنی چاہئیں اور بہت زیادہ زور اور توجہ سے دشمن کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضور احمدیوں کو قبل از وقت ہوشیار کرتے ہوئے بتا چکے تھے "کہ دس سال کے اندر ہندوستان میں ایسا تغیر ہونے والا ہے جو سچ اور جھوٹ کا فرق کھول کر رکھ دے گا اور دنیا پر یہ روشن کر دے گا کہ کس جماعت کو ہندوستان میں رہنا چاہئے۔ اور کس کو نہیں [1] چنانچہ حضور نے ۱۹۲۷ء کی مجلس شوریٰ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"آج سے دس سال کے اندر اندر ہندوستان میں اس بات کا فیصلہ ہو جانے والا ہے کہ کون سی قوم زندہ رہے اور کس کا نام و نشان مٹ جائے۔ حالات اس سرعت اور تیزی کے ساتھ بدل رہے ہیں کہ جو قوم یہ سمجھے کہ آج سے ۲۰-۲۵ سال بعد کام کرنے کے لئے تیار ہو گی۔ وہ زندہ نہیں رہ سکے گی اور جو قوم یہ خیال رکھتی ہے وہ اپنی قبر آپ کھودتی ہے اگر دس سال کے اندر اندر ہماری جماعت نے فتح نہ پائی اور وہ تمام راہیں جو ارتداد کی ہیں بند کر کے وہ تمام دروازے جو اسلام قبول کرنے کے ہیں کھول نہ دیئے۔ تو ہماری جماعت کی زندگی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ یاد رکھو کبھی کسی قوم کی مدت خواہ وہ کتنے بڑے نبی سے وابستہ ہو غیر منتہی زمانہ تک نہیں چلتی۔..... جب تک ہم میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی پیدا کردہ طاقت ہے اس وقت تک اگر ہم نے دنیا فتح نہ کی تو جب مردہ ہو جائیں گے اس وقت کیا کریں گے۔ اگر تم لوگ اس فورس اور اس قوت اور اس روح سے جو حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے پیدا کی ہے کام نہ لو گے اور ساری دنیا کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ہلا نہ دو گے...... اور دنیا کو فتح کرنے کے لئے ابھی سے تیار نہ ہو جاؤ گے تو بھی اپنی موت کا آپ فتویٰ دو گے"۔ ۲

اس کھلے انذار و انتباہ کے صرف تین چار سال بعد جماعت احمدیہ کے خلاف مخالفت کا ایک ایسا زبردست طوفان اٹھنا شروع ہوا جس نے بہت جلد نہ صرف صوبہ پنجاب بلکہ پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس سے پہلے احمدیت کے خلاف انفرادی جدوجہد ہوا کرتی تھی اور وہ بھی زیادہ تر مذہبی حلقوں میں لیکن اب کانگریس اور حکومت دونوں نے جماعت احمدیہ کو کچل دینے اور صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا فیصلہ کر لیا اور ہر جگہ فتنہ کی ایک آگ لگادی اور خدا کے مامور کی جماعت کا عرصہ حیات تنگ کر دیا اور جبر و تشدد اور ظلم و ستم اور جور و جفا کی انتہا ہو گئی۔ جماعت احمدیہ کی تاریخ میں یہ دور بڑے خوفناک زلزلہ کی حیثیت رکھتا ہے جس نے ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک بسنے والے ایک ایک احمدی کو ہلا دیا۔ ایک قیامت تھی جو نمودار ہوئی ایک حشر تھا جو بپا ہوا!!!

ہندو راج کے منصوبے اور "قومیت متحدہ" کا فتنہ

جماعت احمدیہ کی مخالفت میں مذہبی جماعتوں کی پشت پناہی کے لئے کانگریس اور حکومت انگریزی کے افسروں کا گٹھ جوڑ کیوں ہوا؟ کس طرح ہوا اور اس سلسلہ میں کون کون سے افراد یا جماعتیں آلہ کار بنیں؟

۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کی سازش

ان وجوہ و اسباب کا سراغ لگانے کے لئے ہمیں ۱۸۵۷ء سے ملکی حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ہندوستان میں اکثریت ہندو قوم کی تھی۔ جو مسلمانوں کے ہزار سالہ عہد حکومت کے فیاضانہ سلوک پر سیر چشمی اور دریا دلی کے باوجود اندر ہی اندر ہندوستان میں پھر سے خالص ہندو راج کے منصوبے سوچتی آرہی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں ہندوؤں نے ملک پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو مستقل طور پر محکوم و اسیر بنانے کے لئے بغاوت کرادی۔

یہ بغاوت اگرچہ بظاہر ایک غیر ملکی (انگریزی) حکومت سے نجات پانے کی غرض سے تھی مگر اس کے پیچھے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے غلام بنانے کی سازش بھی کار فرما تھی۔ وجہ یہ کہ ہندوؤں کی نگاہ میں مسلمان اور انگریز دونوں ملیچھ اور قابل نفرت اور اچھوتوں بلکہ چماروں سے بھی بدتر تھے۔ جن کا وجود ان کے لئے ناگوار اور ناقابل برداشت تھا۔ جیسا کہ پنڈت مدن موہن مالویہ (کانگریس کے سابق صدر) نے ایک بار کہا۔

"میں یوروپین اور مسلمانوں پر چماروں کو ترجیح دیتا ہوں۔ اگر مجھے کسی ایسے ملک میں جانے کا اتفاق ہو جہاں اچھوتوں اور مسلمانوں اور یوروپینوں کے سوا اور کوئی نہ ہو تو میں یوروپینوں اور مسلمانوں کے ہاتھ کا پانی پینے کی بجائے چماروں اور اچھوتوں کا پانی پینا پسند کروں گا کیونکہ اچھوت میرے دھرم بھائی ہیں"۔ [۴]

مسلمانوں سے اس درجہ نفرت کے باوجود ہندوؤں کے لئے بیک وقت دو قوموں سے الجھنا بہت بڑی تنظیم، وقت اور قوت چاہتا تھا۔ اس لئے ہندوؤں نے ہوشیاری اور چالاکی سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں کو آلہ کار بنانا ضروری خیال کیا۔ تا ان کی مدد سے انگریزوں کو نکال کر پورے ملک پر خود قبضہ کر لیں اور مسلمان جو پہلے ہی کمزور اور درماندہ ہو چکے ہیں۔ انگریزوں سے ٹکر لینے پر اور بھی خفیف ہو جائیں گے تو ان کو غلام بنا لینا آسان ہو جائے گا۔

موجودہ وقت کے اکثر اہل قلم اور تاریخ نویس اگرچہ غدر ۱۸۵۷ء کو انقلاب آزادی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کا ایک پرجوش طبقہ تو اسے جہاد حریت [۵۲] قرار دیتا ہے۔ مگر جب اس زمانہ کی چشم دید شہادات اور مستند دستاویزات کا مطالعہ کیا جائے تو ان واقعات کے پس پردہ صاف طور پر ہندو قوم کا ہاتھ کام کرتا دکھائی دیتا ہے۔

کاغذات پارلیمنٹ ۱۸۵۷ء

چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہم کاغذات ۱۸۵۷ء پارلیمنٹ کا مطالعہ کرتے ہیں ان کاغذات میں لکھا ہے۔

"۲۴ ویں پلٹن میں جس میں بغاوت سب سے اول اور نہایت کامل طور سے ظاہر ہوئی اور وہیں سے وہ ۱۹ پلٹن تک پہنچی ایک ہزار نو اسی سپاہی تھے جن میں سے پورے آٹھ سو تین ہندو تھے۔ ان میں سے ۳۳۵ بشمول ۱۴ ہندوستانی افسروں کے برہمن تھے ...... اس پلٹن میں ہندوستانیوں پر بڑا دباؤ براہمنوں کا ہے تعداد میں بھی زیادہ ہیں"۔ [۶]

پھر لکھا ہے۔

"تھوڑی ہی مدت میں یہ چرچا (کارتوسوں کا) تمام ہندوستانی پلٹنوں میں جو کلکتہ کے قریب کے مقاموں میں تھیں پھیل گیا۔ دن میں تو اس بات کی سرگوشیاں ہوتی تھیں اور رات کو براہمنوں کے گھروں میں مشورے ہوتے تھے"۔ [۷]

مغلیہ تاجدار بہادر شاہ ظفر کا حلفیہ بیان

ان تحریرات کی روشنی میں آیئے اب مغلیہ حکومت کے آخری تاجدار سراج الدین بہادر شاہ ظفر کا وہ حلفیہ بیان پڑھیں جو آپ نے ۹/ مارچ ۱۸۵۸ء کو دیوان خاص (قلعہ دہلی) میں منعقدہ

عدالت کے سامنے دیا تھا۔

"اصل حقیقت یہ ہے غدر کے روز کی مجھے پہلے سے خبر نہیں تھی۔ آٹھ بجے کے قریب باغی سوار دفعتہً آئے...... ۸

باغی سپاہ دیوان خانہ میں گھس آئی..... اور مجھے چاروں طرف سے گھیر کر پہرہ متعین کر دیا میں نے ان کا مطلب دریافت کیا اور چلے جانے کو کہا۔ جس کے جواب میں انہوں نے خاموش کھڑے رہنے کو کہا اور کہا کہ جب انہوں نے اپنی زندگیوں کو خطرہ میں ڈالا ہے تو اب اپنی طاقت کے موافق سب کچھ کر کے چھوڑیں گے۔ خوف کھا کر کہیں میں قتل نہ کر دیا جاؤں میں نے منہ سے اف تک نہ کی اور چپ چاپ اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ شام کے وقت یہ نمک حرام کئی انگریز مرد و عورت کو گرفتار کر کے لائے۔ جن کو انہوں نے میگزین میں پکڑا تھا اور ان کے قتل کا قصد کرنے لگے۔ میں نے باز رہنے کی درخواست کی۔ اس وقت تو میں ان انگریزوں کی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر باغی سپاہیوں نے انہیں اپنی حراست میں رکھا متواتر دو موقعوں پر انہوں نے انگریزوں کے قتل کا قصد کیا اور میں نے منت و سماجت کر کے باز رکھا اور قیدیوں کی جانیں بچالیں۔ آخری وقت اگرچہ میں مفسد بلوائیوں کو حتی المقدور باز رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر انہوں نے میری طرف مطلق التفات نہیں کیا اور ان بے چاروں کو قتل کرنے باہر لے گئے..... میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو میرا گواہ ہے کہ میں نے مسٹر فریز ر یا اور کسی انگریز کے قتل کا حکم نہیں دیا۔ مکند لال و دیگر گواہان نے کہا ہے کہ "میں نے حکم دیا ہے"۔ غلط ہے۔ مرزا مغل و مرزا خضر سلطان نے احکام دیئے ہوں تو تعجب نہیں کیونکہ وہ سپاہ سے مل گئے تھے بعد ازاں فوجیں مرزا مغل و مرزا خضر سلطان و مرزا ابوبکر کو میرے سامنے لائیں اور کہا کہ "ہم انہیں اپنا سردار بنانا چاہتے ہیں" میں نے ان کی درخواست رد کر دی۔ لیکن جب سپاہ ضد کرنے لگی اور مرزا مغل غصہ ہو کر اپنی والدہ کے مکان پر چلا گیا۔ تو میں سپاہیوں کے خوف سے ساکت رہ گیا اور پھر طرفین کی رضامندی سے مرزا مغل کمانڈر انچیف افواج مقرر ہوا۔ میری مہر کے ثبت شدہ اور دستخط کئے ہوئے احکام کی نسبت معاملہ کی اصل حالت یہ ہے کہ جس روز سے سپاہ آئی انگریزی افسروں کو قتل کیا اور مجھے مقید کر لیا۔ میں ان کے اختیار میں رہا۔ جیسا کہ اب ہوں تمام کاغذات جو مناسب سمجھتے میرے پاس لاتے اور مجھے مہر ثبت کرنے پر مجبور کرتے بسا اوقات احکام کے مسودے لاتے اور میرے سیکرٹری سے انہیں صاف کرواتے کبھی اصلی کاغذات لاتے اور ان کی نقلیں دفتر میں رکھ دیتے۔ اس لئے کئی خطوط تحریریں روئیداد کی فائل بن گئی ہیں۔ بارہا انہوں نے خالی لفافوں پر مہر ثبت کرا لی ہے نہیں معلوم ان میں انہوں نے کون سے کاغذات بھیجے اور کہاں بھیجے...... میں نے کبھی ان کی کانفرنس میں شرکت نہیں کی انہوں نے اس

طرح بدون میری مرضی یا خلاف حکم صرف میرے ملازموں ہی کو نہیں لوٹا بلکہ کئی محلوں کو لوٹ لیا۔ چوری کرنا' قید کرنا اور ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا اور جو جی چاہتا تھا کر گزرتے تھے۔ جبراً معزز اہل شہر سے اور تجار سے جتنی رقم چاہتے وصول کرتے تھے اور یہ مطالبات ذاتی اغراض کے لئے کرتے تھے۔ جو کچھ گزرا ہے وہ سب مفسدہ پرداز فوج کا کیا دھرا ہے۔ میں ان کے قابو میں تھا اور کیا کر سکتا تھا۔ وہ اچانک آپڑے اور مجھے قیدی بنالیا۔ میں لاچار تھا اور دہشت زدہ۔ جو انہوں نے کہا میں نے کیا۔ ورنہ انہوں نے مجھے کبھی کا قتل کر ڈالا ہوتا...... میں ان فوجوں پر کیا اعتبار کرتا جنہوں نے اپنے ذاتی آقاؤں کو قتل کر دیا۔ جس طرح انہوں نے ان کو قتل کیا مجھے بھی قید کر لیا۔ مجھ پر جور کئے۔ مجھے حکم میں رکھا اور میرے نام سے فائدہ اٹھایا تاکہ میرے نام کی وجہ سے ان کے افعال مقبول ہوں۔ یہ دیکھ کر کہ ان فوجوں نے اپنے ذی وجاہت و صاحب فرمان افسروں کو مار ڈالا۔ میں بے فوج' بے خزانہ' بے سامان جنگ' بے توپ خانہ کیونکر انہیں روک سکتا تھا۔ یا ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر سکتا تھا لیکن میں نے کبھی کسی طرح کی انہیں مدد نہیں دی۔ جب باغی افواج قلعہ کے پاس آئیں۔ میری طاقت میں تھا۔ میں نے دروازے بند کرا دیئے میں نے قلعہ دار کو طلب کیا اور جو کچھ گزرا من و عن بیان کر دیا۔ اور انہیں باغیوں میں جانے سے باز رکھا۔ میں نے لیڈیوں کے لئے دو پالکیاں اور دو توپیں قلعہ کے پھاٹک کی حفاظت کے لئے قلعہ دار [۹] اور ایجنٹ لفٹنٹ [۱۰] گورنر کی درخواستوں پر روانہ کر دی تھیں۔ مزید برآں اسی شب کو تیز سانڈنی سوار کو جو کچھ ہنگامہ یہاں برپا ہوا تھا اس کا اطلاعی خط دے کر ہز آنر لفٹنٹ گورنر آگرہ کی خدمت میں روانہ کر دیا تھا۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکا کیا۔ میں نے اپنی خود مختار مرضی سے کوئی حکم نہیں دیا۔ میں سپاہ کے اختیار میں تھا اور انہوں نے جبراً و قہراً جیسا چاہا کرایا......

مذکورہ بالا جواب میرا خود تحریر کیا ہوا ہے اور بلا مبالغہ ہے۔ حق سے اصلاً انحراف نہیں کیا ہے۔ خدا میرا عالم و شاہد ہے کہ جو کچھ بالکل صحیح تھا جو کچھ مجھے یاد تھا وہ میں نے لکھا ہے۔ شروع میں میں نے حلفیہ کہا تھا کہ میں بغیر بناوٹ اور بغیر ملاوٹ کے وہی لکھوں گا۔ جو حق اور راست ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی میں نے کیا ہے"۔ [۱۱]

ہندو راج کے احکام

اس بیان کا ایک ایک لفظ بتا رہا ہے کہ مظلوم بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا ان واقعات سے ہرگز کوئی تعلق نہیں تھا۔ اور باغی ہندو سپاہی محض ان کی چھاپ سے فائدہ اٹھا کر اپنا مطلب نکال رہے تھے پھر باغی سپاہ نے مغلیہ بادشاہ کو یوں بے بس اور مقید کر دینے کے بعد جو احکام جاری کئے وہ خود اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہیں کہ اس پوری تحریک کے اصل کرتا دھرتا ہندو تھے۔ اور اس وقت دہلی پر ہندو کی حکومت ہو چکی تھی۔ چنانچہ خاں بہادر شمس

العلماء مولوی ذکاء اللہ خاں اپنی کتاب "تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ ہند" میں لکھتے ہیں۔

"اول حکم بادشاہ کا جو صادر ہوا۔ وہ یہ تھا کہ گائے ذبح نہیں کی جائے گی۔ ۹/ جولائی کو ڈھنڈورا پڑوایا کہ جو گائے ذبح کرے گا وہ توپ کے منہ اڑایا جائے گا۔ بقرہ عید کو گائے کی قربانی منع کی گئی۔ [۱۲] اگر بادشاہ کو اختیار ہوتا تو وہ کیوں ہندو راجہ کے سے احکام دیتا۔ مگر تلنگوں کے ہاتھ سے وہ مجبور تھا جو اس نے اپنی مرضی اور مذہب کے خلاف یہ حکم دیئے گائے قصاب چار مہینے تک اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہے۔ اگر باہر نکلتے تھے تو تلنگے ان کو اسی طرح ذبح کرتے جیسے وہ گائے کو ذبح کرتے تھے۔ پانچ چار مسلمان قصائی ہندو قصائیوں کے ہاتھ سے ذبح ہوئے پھر تلنگوں نے دوسرا حکم بادشاہ سے یہ صادر کرایا کہ شہر کے ڈلاؤ اور کوڑا جو بیلوں پر لد کر شہر سے باہر کھیتوں میں ڈالنے کے لئے جاتا ہے وہ گدھوں پر لد کر جایا کرے بھنگیوں کے ہاتھ جب تک گدھے لگے شہر میں ڈلاؤ کے ڈھیر لگے مگر بہت دن نہیں لگے کہ حلال خوروں نے اپنے بیل بیچ کر گدھے مول لئے پھر کبھی ایام غدر میں بیلوں کی پیٹھ پر ڈلاؤ لدا ہوا دیکھنے میں نہیں آیا۔ مسلمانوں کو یہ بادشاہی احکام ناگوار گزرے اور انہوں نے کہا کہ یہ اسلام کی بادشاہی نہیں یہ تو ہندوؤں کا راج ہے...... مسلمانوں نے ایک دفعہ اپنا محمدی جھنڈا ہندوؤں پر جہاد کے لئے لگایا۔ دوسری دفعہ مولوی محمد سعید نے جامع مسجد میں یہ جھنڈا کھڑا کیا۔ تو بادشاہ نے ان سے کہا کہ یہ کس کے لئے ہے انگریز تو شہر میں باقی نہیں تو انہوں نے کہا ہندوؤں کے لئے لگایا ہے۔ بادشاہ نے ان کو یہ سمجھا کر اس جھنڈے کو اکھڑوایا کہ سارے تلنگے ہندو ہیں ان سے بیچارے مسلمان کیا لڑیں گے" [۱۳]

ہندو تلنگوں کی یورش کا بادشاہ اور شاہی ملازموں پر اثر

زمانہ غدر میں ان ہندو تلنگوں کی وجہ سے بادشاہ اور دوسرے شاہی ملازمین پر کیا بیتی؟ اس کا آنکھوں دیکھا حال ظہیر دہلوی نے اپنی کتاب "داستان غدر" میں یہ لکھا ہے۔

"شاہی ملازموں کا یہ حال تھا کہ جب سے یہ بدمعاش شہر میں داخل ہوئے تھے بچارے روٹیوں کو محتاج تھے۔ تنخواہیں بند تھیں۔ تنخواہ کہاں سے ملتی۔ خود بادشاہ کی تنخواہ بند ہو گئی تھی۔ لاکھ روپیہ مہینا بادشاہ کے یہاں انگریزی خزانہ سے آتا تھا۔ جب انگریز ہی نہ رہے اور خزانہ بھی لٹ گیا تو بادشاہ کو تنخواہ کون دیتا اور بادشاہ کے پاس کیا دھرا تھا کہ وہ نوکروں کو تنخواہ دیتے۔ [۱۴]

ہندوؤں کی حزم و احتیاط

کاغذات پارلیمنٹ ۱۸۵۷ء بہادر شاہ ظفر کا حلفیہ بیان اور ظہیر دہلوی کی چشم دید روایت ان سب سے یہ بات قطعی طور پر پایہ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء کے محرک یقیناً ہندو تھے [۱۵] اور ان کا مقصد مسلمان بادشاہ کو

مفلوج کر کے اور ان کے نام سے احکام جاری کرا کے عام مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانا اور انگریزوں کو ملک بدر کر کے خود قابض ہو جانا تھا ہندوؤں کی داد دینا پڑتی ہے کہ انہوں نے اتنی باریک بینی ' حزم و احتیاط اور زیرکی سے یہ سارا کام انجام دیا کہ اس وقت چھپے رہے اور پھر اصل واقعات پر ایسے دبیز پردے ڈال دیئے کہ مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کا قلم اصل حقائق و واقعات میں ان کا نام لیتے ہوئے بھی لرزنے لگا حتی کہ شمس العلماء خواجہ حسن نظامی دہلوی جیسے مفکر بھی جنہوں نے حالات غدر پر نہایت محنت و عرقریزی سے ایک بیش قیمت مواد جمع کر کے اصل حالات آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر دیئے۔ اسباب غدر پر مورخانہ حیثیت سے نہایت محتاط رنگ میں یہ تبصرہ کرنے پر مجبور ہیں کہ۔

"میں مجمل طور پر یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ غدر میں دہلی شہر کے اندر انقلاب حکومت کی جو بساط بچھائی گئی تھی اور جس قدر مہرے اس میں حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں..... اس عظیم الشان فساد کی بنیاد رکھنے والے کچھ اور ہی لوگ تھے جو ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتے رہے اور آخر وقت تک سامنے نہ آئے"۔ [۱۱]

تاہم یہ بات قابل ذکر ہے کہ خواجہ حسن نظامی نے ساتھ ہی سرکاری وکیل کے اس الزام کے جواب میں کہ یہ "غدر مسلمانوں کی سازش کا نتیجہ تھا"۔ یہ لکھ کر حقیقت سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے کہ "انہوں نے جو کچھ کہا اور جیسے جیسے الزام مسلمانوں اور اسلام پر لگائے اور جیسا سخت لہجہ اختیار کیا وہ..... صداقت کے اعتبار سے بالکل کمزور اور بودا معلوم ہوتا ہے..... البتہ موجودہ نسل کے لئے یہ لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سازش اور بغاوت کا حامی نہیں ہے غدر ۱۸۵۷ء میں جس قسم کے ناجائز واقعات پیش آئے۔ اسلام نے کہیں بھی ان کی اجازت نہیں دی تیرہ سو برس سے آج تک تاریخ ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کرتی کہ اسلام کی اجازت سے اس قسم کی کوئی حرکت کی گئی ہو جیسی غدر ۱۸۵۷ء میں پیش آئی۔ البتہ مسلمانوں کے ذاتی افعال کا اسلام ذمہ دار نہیں ہے"۔ [۱۲]

سرسید احمد خاں بانی علی گڑھ تحریک کی مفصل رائے

کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ مسلمان بادشاہ کا جو اولوالامر کی حیثیت رکھتا تھا اس سازش کے ساتھ کوئی تعلق نہیں مگر چونکہ مسلمان علماء نے ۱۸۵۷ء میں جہاد کا فتوی دیا لہذا مسلمان اجتماعی اور قومی حیثیت سے ہنگامہ غدر کے ذمہ دار ہیں۔ مگر ایسا خیال کرنا محض تحکم اور زبردستی ہے اور سرسید احمد خاں نے اپنی کتاب "اسباب بغاوت ہند" میں نہایت تفصیل سے اس خیال کی پرزور تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ۔

"مسلمانوں کا بہت روزوں سے آپس میں سازش اور مشورہ کرنا اس ارادے سے کہ ہم باہم متفق ہو کر غیر مذہب کے لوگوں پر جہاد کریں اور ان کی حکومت سے آزاد ہو جائیں نہایت بے بنیاد بات ہے جبکہ مسلمان ہماری گورنمنٹ کے مستامن تھے۔ کسی طرح گورنمنٹ کی عملداری میں جہاد نہیں کر سکتے تھے۔

بیس تیس برس پیشتر ایک بہت بڑے نامی مولوی محمد اسمٰعیل نے ہندوستان میں جہاد کا وعظ کہا اور آدمیوں کو جہاد کی ترغیب دی اس وقت اس نے صاف بیان کیا کہ ہندوستان کے رہنے والے جو سرکار انگریزی کے امن میں رہتے ہیں۔ ہندوستان میں جہاد نہیں کر سکتے اس لئے ہزاروں آدمی جہادی ہر ایک ضلع ہندوستان میں جمع ہوئے اور سرکار کی عملداری میں کسی طرح کا فساد نہیں کیا اور غربی سرحد پنجاب پر جا کر لڑائی کی اور یہ جو ہر ضلع میں پاجی اور جاہلوں کی طرف سے جہاد کا نام ہوا اگر ہم اس کو جہاد ہی فرض کریں تو بھی اس کی سازش و صلاح قبل دسویں مئی ۱۸۵۷ء مطلق نہ تھی۔

غور کرنا چاہئے کہ اس زمانے میں جن لوگوں نے جہاد کا جھنڈا بلند کیا ایسے خراب اور بدرویہ اور بد اطوار آدمی تھے کہ بجز شراب خواری اور تماش بینی اور ناچ اور رنگ دیکھنے کے کچھ وظیفہ ان کا نہ تھا۔ بھلا یہ کیونکر پیشوا اور مقتداء جہاد کے گنے جا سکتے تھے؟ اس ہنگامے میں کوئی بات بھی مذہب کے مطابق نہیں ہوئی۔ سب جانتے ہیں کہ سرکاری خزانہ اور اسباب جو امانت تھا اس میں خیانت کرنا ملازمین کو نمک حرامی کرنی مذہب کی رو سے درست نہ تھی صریح ظاہر ہے کہ بیگناہوں کا قتل علی الخصوص عورتوں اور بچوں اور بڈھوں کا۔ مذہب کے بموجب گناہ عظیم تھا۔ پھر کیونکر یہ ہنگامہ غدر جہاد ہو سکتا تھا؟ ہاں البتہ چند بدذاتوں نے دنیا کی طمع اور اپنی منفعت اور اپنے خیالات پورا کرنے اور جاہلوں کے بہکانے کو اور اپنے ساتھ جمعیت جمع کرنے کو جہاد کا نام لے دیا۔ پھر یہ بات بھی مفسدوں کی حرمزدگیوں میں سے ایک حرمزدگی تھی نہ واقع میں جہاد۔

دلی میں جو جہاد کا فتویٰ چھپا وہ ایک عمدہ دلیل جہاد کی سمجھی جاتی ہے مگر میں نے تحقیق سنا ہے اور اس کے اثبات پر بہت دلیلیں ہیں کہ وہ محض بے اصل ہے میں نے سنا ہے کہ جب فوج نمک حرام میرٹھ سے دلی میں گئی تو کسی نے جہاد کے باب میں فتویٰ چاہا سب نے فتویٰ دیا کہ جہاد نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ اس پہلے فتوے کی میں نے نقل دیکھی ہے۔ مگر جبکہ وہ اصل فتویٰ معدوم ہے تو میں اس نقل کو نہیں کہہ سکتا کہ کہاں تک لائق اعتماد کے ہے مگر جب بریلی کی فوج دلی میں پہنچی اور دوبارہ فتویٰ ہوا جو مشہور ہے اور جس میں جہاد کرنا واجب لکھا ہے بلاشبہ اصلی نہیں چھاپنے والے اس فتوے نے جو ایک مفسد اور نہایت قدیمی بدذات آدمی تھا جاہلوں کے بہکانے اور ورغلانے کو لوگوں کے نام لکھ کر اور چھاپ کر اس

کو رونق دی تھی بلکہ ایک آدھ مہر ایسے شخص کی چھاپ دی تھی جو قبل غدر مر چکا تھا۔ مگر مشہور ہے کہ چند آدمیوں نے فوجی باغی بریلی اور اس کے مفسد ہمراہیوں کے جبر اور ظلم سے مہریں بھی کی تھیں۔

دلی میں ایک بڑا گروہ مولویوں اور ان کے تابعین کا ایسا تھا کہ وہ مذہب کی رو سے معزول بادشاہ دلی کو بہت برا اور بدعتی سمجھتے تھے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ دلی کی جن مسجدوں میں بادشاہ کا قبض و دخل اور اہتمام ہے ان مسجدوں میں نماز درست نہیں۔ چنانچہ وہ لوگ جامع مسجد میں بھی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اور غدر سے بہت قبل کے چھپے ہوئے فتوے اس معاملے میں موجود ہیں۔ پھر کبھی عقل قبول کر سکتی ہے کہ ان لوگوں نے جہاد کے درست ہونے میں اور بادشاہ کو سردار بنانے میں فتویٰ دیا ہو۔

جن لوگوں کی مہر اس فتوے پر چھاپی گئی ہے۔ ان میں سے بعضوں نے عیسائیوں کو پناہ دی اور ان کی جان اور عزت کی حفاظت کی ان میں سے کوئی شخص لڑائی پر نہیں چڑھا مقابلے پر نہیں آیا۔ اگر واقع میں وہ ایسا ہی سمجھتے جیسا کہ مشہور ہے تو یہ باتیں کیوں کرتے غرض کہ میری رائے میں کبھی مسلمانوں کے خیال میں بھی نہیں آیا کہ باہم متفق ہو کر غیر مذہب کے حاکموں پر جہاد کریں۔ اور جاہلوں اور مفسدوں کا غلغلہ ڈال دینا کہ جہاد ہے جہاد ہے۔ ایک نعرہ حیدری پکارتے پھرنا قابل اعتبار کے نہیں"۔ [18]

علماء اہلحدیث اور غدر ۱۸۵۷ء

اہلحدیث ہمیشہ انگریز دشمنی میں بدنام رہے ہیں مگر جیسا کہ اہلحدیث عالم مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا ہے۔

"مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی نے اصل معنی جہاد کے لحاظ سے بغاوت ۱۸۵۷ء کو شرعی جہاد نہیں سمجھا۔ بلکہ اس کو بے ایمانی و عہد شکنی و فساد و عناد خیال کر کے اس میں شمولیت اور اس کی معاونت کو معصیت قرار دیا اور اس کے برعکس اس غدر میں گورنمنٹ کی خیر خواہی کی اور عین طغیانی طوفان بے تمیزی میں ایک زخمی لیڈی (زوجہ مسٹر لیسن) کی جان بچائی اور اس کے زخم کے معالجہ کے بعد وہ سرکاری کیمپ میں پہنچائی جس پر گورنمنٹ کی طرف سے بھی قدر دانی و توجہ ہوئی"۔ [19]

ایک دوسرے عالم اہلحدیث نواب مولوی صدیق حسن خان صاحب رئیس اعظم بھوپال نے کتاب ہدایتہ السائل اور دوسری متعدد کتابوں میں لکھا۔

۱- ہندوستان کے بلاد دارالاسلام ہیں نہ دارالحرب......

۲- برٹش گورنمنٹ سے ہندوستان کے تمام رؤساء و رعایا کا ہمیشہ کے لئے معاہدہ دوستی ہو چکا ہے۔ لہٰذا ہندوستان کے کسی شخص کا برٹش گورنمنٹ سے جہاد کرنا اور اس معاہدہ کو توڑنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ جو غدر ۱۸۵۷ء میں برٹش گورنمنٹ سے مفسدوں نے سلوک کیا وہ فساد تھا نہ جہاد۔
۴۔ ہندوستان کو دارالحرب سمجھنے والوں کو بھی اس ملک میں رہ کر گورنمنٹ سے مخالفت کرنا جائز نہیں ہے۔
۵۔ اس وقت جہاد کی شرطیں بالکل مفقود ہیں۔ لہٰذا ملک ہند میں کلکتہ سے پشاور تک اور سندھ سے دکھن تک کوئی شخص برٹش گورنمنٹ سے جہاد نہیں کر سکتا۔
۶۔ برٹش گورنمنٹ عادل ہے اور خیر خواہ و امن جوئے عامہ خلائق ہے وغیرہ وغیرہ"۔ [۲۰]

اہلحدیث کے تیسرے لیڈر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا۔

"عہدہ و امن والوں سے لڑنا ہرگز شرعی جہاد (ملکی ہو خواہ مذہبی) نہیں ہو سکتا بلکہ عناد و فساد کہلاتا ہے مفسدہ ۱۸۵۷ء میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے وہ سخت گناہگار اور بحکم قرآن و حدیث وہ مفسد و باغی بدکردار تھے۔ اکثر ان میں عوام کالانعام تھے بعض جو خواص و علماء کہلاتے تھے۔ وہ بھی اصل علوم دین (قرآن و حدیث) سے بے بہرہ تھے یا نافہم و بے سمجھ۔ باخبر و سمجھ دار علماء اس میں ہرگز شریک نہیں ہوئے اور نہ اس فتویٰ پر جو اس غدر کو جہاد بنانے کے لئے مفسد لئے پھرتے تھے انہوں نے خوشی سے دستخط کئے...... یہی وجہ تھی کہ مولوی اسمٰعیلؒ دہلوی جو حدیث و قرآن سے باخبر اور اس کے پابند تھے۔ اپنے ملک ہندوستان میں انگریزوں سے (جن کے امن و عہد میں رہے تھے) نہیں لڑے اور نہ اس ملک کی ریاستوں سے لڑے ہیں۔ اس ملک سے باہر ہو کر قوم سکھوں سے (جو مسلمانوں کے مذہب میں دست اندازی کرتے تھے کسی کو اونچے اذان نہیں کہنے دیتے تھے) لڑے"۔ [۲۱]

خلیفۃ المسلمین ترکی اور غدر ۱۸۵۷ء

پس بلاشبہ غدر ۱۸۵۷ء کے محرک نہ تو مسلمان تھے اور نہ اس زمانہ کے مقتدر اور مستند علماء نے اسے کبھی جہاد قرار دیا۔ اور بعد کو اسے جو اس نام سے یاد کیا گیا۔ یہ بھی ہندو کی ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے ۱۸۵۷ء کے واقعات پر غور کرنے کا ایک اور نقطہ نگاہ بھی ہے اور وہ یہ کہ بیرونی حکومتوں میں سے سب سے بڑی اسلامی سلطنت ان دنوں ترکی تھی جس کے بادشاہ سلطان عبدالحمید ثانی [۲۲] نے جو مسلمانان عالم کے مذہبی لیڈر ہونے کی وجہ سے خلیفۃ المسلمین مانے جاتے تھے۔ اس موقعہ پر مسلمانان ہند کو سلطنت برطانیہ کا ساتھ دینے اور اس کی وفادار رعیت رہنے کا مشورہ دیا۔

چنانچہ مرتضیٰ احمد خاں "تاریخ اقوام عالم" میں لکھتے ہیں۔ "خلیفہ نے اس مضمون کا فتویٰ لکھ کر انگریزوں کو دے دیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو انگریزوں سے نہیں لڑنا چاہئے کیونکہ وہ خلافت اسلامیہ کے حلیف و ہمدرد ثابت ہو چکے ہیں"۔ [۲۳]

اس کے علاوہ خلیفتہ المسلمین ترکی نے انگریزی افواج کو گزرنے میں بھی مدد دی۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر صاحب بی۔ اے بیرسٹرایٹ لاء سیکرٹری خلافت کمیٹی سیالکوٹ اپنے رسالہ "ترکوں کے ارمنوں پر فرضی مظالم" میں تسلیم کرتے ہیں کہ

"۱۸۵۷ء میں ہندوستان میں غدر مچا اس غدر کو فرو کرنے کے لئے انگریزوں کی افواج کو مصر سے گزر کر ہندوستان پہنچنے کی اجازت حضور خلیفتہ المسلمین سلطان المعظم نے ہی دی تھی جنوبی افریقہ میں جنگ بوئر ہوئی...... ترکی نے انگلستان کا ساتھ دیا۔ ہزارہا ترکوں نے انگریزی جھنڈے کے نیچے لڑنے مرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ مساجد میں انگریزوں کی فتح و نصرت کے لئے دعائیں کی گئیں"۔ [۲۴]

ہندوؤں کی جھوٹی مخبریوں اور جھوٹی گواہیوں کی بدولت مسلمانوں کا دردناک حشر

یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچانے کے بعد کہ ۱۸۵۷ء کی نام نہاد تحریک آزادی کے محرک ہرگز مسلمان نہیں تھے۔ اور سارا منصوبہ ہندو قوم نے اپنے اقتدار و استیلاء کے لئے تیار کیا تھا۔ اب ہم یہ دردناک حقیقت پیش کرتے ہیں کہ اگرچہ اس تحریک کے کرتا دھرتا ہندو تھے۔ مگر جب یہ ناکام ہو گئی تو نقصان مسلمانوں کو پہنچا کیونکہ انگریزوں نے جب ملک پر پورا تسلط قائم کر لیا اور پھر پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو تحریک کے بانی تو روپوش ہو گئے۔ مگر آفت رسیدہ مسلمان اپنے ہی یاران وطن کی جھوٹی شکایتوں' جھوٹی گواہیوں [۲۵] اور جھوٹی مخبریوں کی بدولت پکڑ لئے گئے۔ غدر کی تمام ذمہ داری بے جا طور پر مسلمانوں کے سر منڈھ دی گئی۔ وہ چن چن کر مارے گئے۔ [۲۶] گولیوں سے اڑائے گئے تختہ دار پر لٹکائے گئے سینکڑوں خاندان اجڑ گئے۔ بے شمار جائیدادیں ضبط کی گئیں اور دلی کا وہ تخت جو بد قسمت حکومت مغلیہ کی آخری یادگار تھا ہمیشہ کے لئے چھن گیا۔

ہندوؤں کا مسلمانوں کی جائدادوں پر قبضہ

مسلمانوں کی اس قیامت خیز تباہی کے مقابل ہندوؤں نے انگریزوں سے مل کر ہاتھ رنگے۔ بغاوت سے پہلے جو اکثر جائدادیں مسلمانوں کے قبضہ میں تھیں ان پر ہندو قابض ہو کر رئیس بن گئے۔ [۲۷] اور برسر اقتدار انگریزی حکومت سے گہرا ربط ضبط قائم کر کے جہاں ملک میں اپنے قدم مضبوط کر لئے وہاں مسلمانوں کے خلاف خوب کان بھرے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی عزت و سطوت بالکل خاک میں مل گئی اور رہی سہی کسر ہندوؤں کے مجلسی و اقتصادی بائیکاٹ اور ان کے مسلم آزار بلکہ انسانیت سوز سلوک نے پوری کر دی۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان ہندو کی تنگ ظرفی سے متعلق

چنانچہ مولانا ابوالکلام صاحب آزاد مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کی تنگ ظرفی اور تعصب جبلی سے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔
"جہاں تک ملکی حقوق و فوائد کے معاملات کا تعلق ہے...... ہندوؤں کا جماعتی وصف تنگ دلی اور کوتاہ دستی ہے وہ چیز جسے دل کا کھلا ہونا اور طبیعت کی فیاضی کہتے ہیں۔ ہمارے ہندو بھائیوں میں پیدا نہ ہو سکی اور میں یقین کرتا ہوں کہ ایک ہزار برس سے ایسے حالات موجود ہیں کہ پیدا ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس طرح کے معاملات کو کبھی کشادہ دلی اور وسعت ظرف کے ساتھ نہ دیکھ سکے۔ اگر دیکھ سکتے تو کب کا یہ سارا جھگڑا ختم ہو جاتا...... لیکن تجربے نے ثابت کر دیا کہ وہ ایسا نہ کر سکے"۔ ۲۸

چوہدری افضل حق صاحب کی نگاہ میں ہندوؤں کی مسلمانوں کے خلاف تباہ کاریاں

ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمان قوم کس طرح اچھوت بن کے رہ گئی اور اسے اقتصادی اور سماجی لحاظ سے عضو معطل بنا دیا گیا؟ اس کی دردناک تفصیل مفکر احرار چوہدری افضل حق صاحب کے قلم سے پڑھئے۔
"دو قوموں کے قرب کو بعد میں بدلنے والی چیز ہے ہندوؤں کی چھوت چھات۔ اگر کوئی کسی کو ناپاک سمجھے پھر اس سے رفاقت کی امید کرے یہ بس بو کر کانٹے کی امید لگانا ہے۔ دنیا کا کون بدنصیب ملک ہے جہاں کوئی اسیران جنگ کے ساتھ وہ سلوک کرے جو ہندو آئے دن مسلمانوں اور اچھوتوں سے برتتے ہیں؟...... مسلمان عوام ہندو کے آئے دن کے طرز عمل سے ایسے برگشتہ ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا حادثہ مسلمانوں کے دل سے ہندوؤں کے سلوک کے رد عمل کو دور نہیں کر سکتا....... مسلمان ہندو مسلم اتحاد کی دعوت پر بدک جاتے ہیں اور کہتے ہیں ایسی قوم سے اتحاد جو ہمسایہ کو نجس سمجھے کیسے ہو؟ یہی چھوت چھات ہندوؤں کی تجارتی ترقی کا راز ہے۔ مسلمان ہندو کی دکان کا گاہک تو ہے مگر ہندو مسلمان کے مال تجارت کا خریدار شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سرمائے کا میلان اور اس کی رو ایک ہی طرف رہتی ہے مسلمان کا سرمایہ ہندو کے گھر جاتا ہے۔ ہندو کا مال مسلمان کے ہاں قسمت سے ہی آتا ہے۔ اس طرح وہ مجلسی اور اقتصادی طور پر ہندوؤں کو ظالم ترین قوم سمجھنے پر مجبور ہے۔ جب تک ہندو اپنا طرز عمل نہ بدلے مسلمان اس کے متعلق اپنی رائے نہ بدل سکے گا۔ مسلمان کیا ان حالات میں کوئی قوم ہوتی اس کا طرز عمل وہی ہوتا جو مسلمانوں کا ہے۔ اس سلوک کے علاوہ اب ایک اور دقت درپیش ہے ایسی تنگ دل اکثریت کو آئندہ آئین میں کلی اقتدار حاصل ہو جائے گا۔ مسلمان

سمجھتا ہے آئے دن ہندو چھوت چھات سے ذلت بھی کرتا ہے اور اقتصادی لوٹ کھسوٹ بھی کرتا ہے اب مرکز میں اسے اور موقعہ مل گیا تو مسلمانوں کی موت یا زندگی موت سے بدتر بنے گی"۔ [۲۹]

۲۔ "مسلمان اعلانیہ اپنے مصائب کی وجہ ہندوؤں کی چھوت چھات اور ہندو ساہو کاروں کی بددیانتیاں قرار دیتے ہیں۔ وہ ملوکیت کے ہاتھوں میں بھی کھیلنے کو تیار ہیں۔ بشرطیکہ انہیں انسان کی طرف سے دی ہوئی تکالیف سے چھٹکارا پانے کی امید دلائی جائے۔ برطانی شہنشاہیت ہمارے برادران وطن کے سلوک سے زیادہ بری نہیں"۔ [۳۰]

۳۔ "میں کانگریسی مسلمان کی طرح صرف مسلمان ہی کو ہندوستان کی غلامی کا باعث قرار دیتا تھا۔ لیکن ہندوؤں کے نفرت زا سلوک یعنی چھوت کا مجھ پر گہرا اثر تھا۔ اس لئے حب الوطنی کا جوش کبھی ذرا تھمتا تو کبھی کبھی خیال بھی آتا کہ مسلمان بھی آخر انسان ہے ہندو کے موجودہ سلوک کی موجودگی میں مسلمان سے اتحاد کی خواہش امر محال ہے چند مسلمان تو تعاون کے لئے مل سکتے ہیں مگر قوموں کے درمیان چھوت نے ایسا پاٹ ڈال رکھا ہے جس کا پر کرنا آسان نہیں"۔ [۳۱]

۴۔ "ہندو تاریخ اور انسانیت کے سامنے ملزم کی حیثیت سے کھڑے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے ہی ملکی بھائیوں کے گلے کاٹے ہیں۔ کسی کتے یا چلپاسہ کا خراب کیا ہوا پانی اتنا اوتر نہیں ہو جاتا کہ ایک مسلمان یا شودر کا چھوا ہوا پانی۔ میں یہ دیکھ کر خوش ہوں کہ بعض ہندو اچھوت ادھار کی طرف توجہ کر رہے ہیں۔ مگر مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں کیا جاتا۔ اس اچھوت ادھار کی تحریک کی وجہ صرف یہ ہے کہ مہا سبھائی لیڈر صرف یہ چاہتے ہیں کہ آئینی جنگ لڑنے کے لئے تعداد کا غلبہ حاصل ہونا چاہئے اور اگر ضرورت محسوس ہو تو ان اچھوتوں کو مسلمانوں کے خلاف صف آرا کیا جا سکے"۔ [۳۲]

"ایک مسلمان کے لئے ہندو سوسائٹی کا ماحول کتنا تنگ ہے؟ کسی ہندو کو اس کا خیال تک بھی نہیں آسکتا۔ جب تک ہم چھوت چھات کے دیو کو چکنا چور نہیں کر دیتے اس وقت تک ہندوستان جو جنت ارضی ہے فرقہ وارانہ کشمکش کی وجہ سے جہنم بنا رہے گا۔ ہمیں منافقانہ باتیں چھوڑ دینی چاہئیں اور صاف صاف یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ جب تک چھوت چھات باقی ہے ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی مجلسی رابطہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ مسلمان کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جارہی ہے اور صرف شودروں کا ادھار کر کے ہندوستان پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے"۔ [۳۳]

۵۔ "میرے ایک احراری دوست مولانا عبدالقیوم کانپوری نے جو میرے ساتھ راولپنڈی جیل میں

قید ہیں مجھے بتایا ہے کہ ہندو کارکن مسلمانوں کے خلاف اچھوتوں میں نفرت کی تلقین کر رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یو۔ پی' بہار اور اڑیسہ میں اچھوت اب مسلمانوں کو اچھوت سمجھنے لگے ہیں"۔ ۳۴

مولوی مظہر علی صاحب اظہر کا اقرار ہندوؤں کی روش کی نسبت

چوہدری افضل حق صاحب کے حقیقت افروز بیانات کے بعد اب ہم مجلس احرار اسلام کے بعض دوسرے قائدین کی اہم شہادتیں زیب قرطاس کرتے ہیں۔ مولوی مظہر علی صاحب اظہر قائد احرار لکھتے ہیں۔ "ہندوؤں کو انگریزی عملداری کے ابتدائی دور میں جو حد اور حق سے زیادہ حصہ مال و دولت' تعلیم و ملازمت' صنعت و تجارت میں ہاتھ آیا اور انہیں مسلمانوں پر جو فائق اقتدار حاصل ہوا وہ اس کو چھوڑنے پر آسانی سے تیار نہیں ہو سکے۔ انہوں نے صوبجاتی معاملات میں کوتاہ اندیشی سے کام لے کر تمام ہندوستان میں جھگڑے کی بنیاد کو وسیع کیا"۔ ۳۵

مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کا بیان ہندوؤں کی نسبت

مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے ہندو اکثریت کی سیاسی تنظیم نیشنل کانگریس کی نسبت یہ رائے قائم کی۔

"میں اگرچہ کانگریسی ہوں اور میں نے ہمیشہ کانگریس کے جھنڈے تلے کام کیا ہے مگر مجھے اس کے کہنے میں پس و پیش نہیں ہے کہ کانگریس کی محنت اور قربانی کا نتیجہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان کی حکومت انگریزی سرمایہ داروں کے ہاتھ سے نکل کر ہندوستان کے سرمایہ داروں کے ہاتھ دے دی جائے۔ بلکہ ڈومینین سٹیٹس کی شکل میں تو جو حکومت ہندوستان پر قائم ہو گی اس میں ہندوستانی اور انگریز سرمایہ دار مل کر یہاں کے غرباء کو کچلنے کی کوشش کریں گے"۔ ۳۶

شیخ حسام الدین صاحب بی۔ اے کا تائیدی بیان

اس کی تائید میں شیخ حسام الدین صاحب بی۔ اے نے کھلا اقرار کیا کہ۔

"شہروں کی آبادیاں جو کل تک مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں تھیں ایک ایک کر کے نکل رہی ہیں۔ جائیدادیں بک گئیں۔ زمینیں نیلام ہو گئیں۔ تجارت پر تمہارا قبضہ نہیں۔ کارخانوں میں مزدور کی حیثیت سے دوسروں کے محتاج۔ پس ایسے حالات میں سیاسی آزادی بھی من حیث الجماعت کوئی فائدے کی چیز ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا جس کو ہم اس وقت بھی دیکھ رہے ہیں کہ

سرمایہ دار طاقتیں چند انسانوں کو خرید کر غریب و فاقہ مست قوم پر من مانے طریق پر حکومت کریں گی۔ جسے غریب نہایت سادہ لوحی سے نمائندہ حکومت کہے گا"۔ ۲۷

مسلمانوں کو ابدی غلام بنالینے کے منصوبے

ملک کی سیاسی آزادی کے بعد ہندو سرمایہ داروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کے رہ جانے بلکہ ابدی غلام بن جانے کا خطرہ اس وجہ سے حقیقت میں بدلتا جارہا تھا کہ کانگریس کے ہندو لیڈر مثلاً جواہر لال صاحب نہرو وغیرہ مسلمانوں کی سیاسی تنظیموں ("مسلم لیگ" اور "مسلم کانفرنس" کو) محض فرقہ پرست جماعتیں قرار دے کر ان کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور ان کا نعرہ یہ تھا کہ "اس ملک میں دو طاقتیں ہیں کانگریس اور انگریز"۔ ۲۸

اسی بناء پر ان کی جدوجہد کا اصل محور یہ تھا کہ حکومت انگریزی کانگریس کو ملکی اقتدار کی باگ ڈور سونپ دے۔ کانگریس انتقال اقتدار کے بعد تمام فرقہ وارانہ الجھنیں سلجھانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ چنانچہ "مہاتما گاندھی نے ۳۰/ نومبر ۱۹۳۱ء کو اقلیتی سب کمیٹی کے اجلاس میں اعلان کیا"۔ اگر ملک کو غیر مشروط طور پر کانگریسی اکثریت کے حوالے کر دیا جائے تو فرقہ وارانہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا"۔

۲۹-۳۰

مسلمانوں کی شدھی کے ذریعہ سے فرقہ وارانہ مسئلہ کا حل

یہ فرقہ وارانہ مسئلہ "خود بخود" کس طرح حل ہو جائے گا؟ اس سوال کا جواب ہندو سنگٹھن کے مشہور حامی لالہ ہردیال ایم۔اے کے الفاظ میں یہ ہے۔

"جب ہندو سنگٹھن کی طاقت سے سوراجیہ لینے کا وقت آئے گا تو ہماری جو نیتی (پالیسی) عیسائیوں اور مسلمانوں کی طرف ہو گی۔ اس کا اعلان کر دیا جائے گا۔ اس وقت باہمی سمجھوتہ وغیرہ کی ضرورت نہیں ہو گی بلکہ ہندو مہاسبھا صرف اپنے فیصلہ کا اعلان کرے گی کہ نئی ہندو ریاست میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے کیا فرائض اور حقوق ہوں گے اور ان کی شدھی کے کیا شرائط ہوں گی"۔ ۳۱

ایک آریہ سماج نے جو دیش بھگتی 'امن اور رواداری کے مدعی تھے یہ لکھا۔

"یہ ملک آریوں کا ہے گو آج ہم غیروں کے ماتحت ہیں مگر کسی کے دن یکساں نہیں رہتے۔ وقت آئے گا کہ جب یہاں پھر سے آریوں کا راج ہو گا۔ یاد رکھو جس طرح رشی دیانند کے خون سے ہندوستان میں لاکھوں آریہ بیر پیدا کر دیئے ہیں۔ جن کے بہادرانہ کارناموں کی آج سارے ملک میں دھوم مچ رہی ہے اور جن کی سرگرمی اور بہادری سے آج اسلام تھر تھر کانپ رہا ہے (مہاراج کیوں نہیں؟ ناقل) اسی طرح کل کو جب آریہ جرنیل سوامی شردھانند کا پوتر خون رنگ لائے گا تو دیکھنا اسلام

کی یہ شکل وصورت ہی نہ رہے گی جو اس وقت ہے۔ اس میں یا تو مناسب اصلاح ہو جائے گی اور یا لوگ عبد الرشید اور محمد امین کو رام سیوک اور رام ولارے کے نام سے پکارتے ہوئے دکھائی دیں گے اور ہندوستان میں آریہ سوراجیہ کا جھنڈا کوہ ہمالیہ کی سب سے بڑی چوٹی پر لہراتا ایک دنیا دیکھے گی"۔ [۴۲]

سوامی ستیہ دیو پراجک نے ساگر (صوبہ متوسط) میں تقریر کرتے ہوئے یہاں تک کہا۔

"میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کا مستقبل اگر وہ قوم پرست نہ بنیں بڑے خطرے میں رہے گا ہندوستان کے مسلمان اگر اپنے مذہبی دیوانہ پن میں ڈوبے رہے تو ان کا کام صرف بدیشی گورنمنٹ کی مدد کرنا۔ ہندوستان کو غلام رکھنا رہ جائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی آزادی کے موقعہ پر ملک کے سب لوگ (ہندو) ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی ہستی بڑے خطرے میں پڑ جائے گی۔ مسلمانوں کی نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ قوم پرستی کا ہے۔ پس میرا فرض عظیم ہے کہ ملک کے لوگوں کو قوم پرستی کی سچی تعلیم دے کر ہمیشہ کا خطرہ جو ملک کو لگا ہوا ہے اسے دور کروں اور پھوٹ کے اس خوفناک کانٹے کو نکال دوں"۔ [۴۳]

پھر کہا۔ "سوراجیہ کی لڑائی خاص طور پر ہندوؤں کی لڑائی ہے۔ کیونکہ یہ ملک ہندوؤں کا ہے...... میں آپ سے خاص طور سے کہتا ہوں کہ ہندوستانیوں کا موجودہ زمانہ میں سب سے بڑھ کر مذہب قوم پرستی ہے۔ جو فرقے قوم پرستی کے خلاف جائیں گے ان کا نام ونشان مٹ جائے گا"۔ [۴۴]

کانگریس کی طرف سے قومیت متحدہ کا پرچار اور اس کا مقصد

دراصل یہی وہ مذہب "قوم پرستی" ہے جسے کانگریس کے ذہین وفطین ہندو لیڈروں نے "قومیت متحدہ" یا "قومیت واحدہ" کے نام سے موسوم کیا۔ چنانچہ مہاتما گاندھی نے لکھا۔

"آج مسلمانوں کی الگ تہذیب ہے اور ہندوؤں کی الگ ان دونوں تہذیبوں کے امتزاج سے متحدہ قومیت کی تہذیب مرتب ہوگی"۔ [۴۵]

اس کی تشریح سوامی سمپورنانند وزیر تعلیم یو۔ پی نے ان الفاظ میں کی۔

"ہر وہ شخص جو ہندو یا مسلم تہذیب کے قائم رکھنے اور اس کو مدارس میں جاری کرنے پر زور دیتا ہے وہ یقینی طور پر ملک کو نقصان پہنچاتا ہے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ چیز ہندوستان میں مفقود ہونی چاہئے جب ہندو، مسلم تہذیبیں مٹ جائیں گی تب ہی ہندوستانی تہذیب زندہ رہ سکے گی"۔ [۴۶]

آنریبل مسٹر کے۔ ایم منشی ہوم منسٹر حکومت بمبئی نے "قومیت متحدہ" کی وضاحت میں بتایا۔

"جس قدر رجحانات مذہب یا زبان یا ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل کی بناء پر قومیت پرستی کے

خلاف پیدا ہوتے ہیں۔ کانگریس ان رجحانات کی مخالفت میں ایک مسلسل جدوجہد کا نام ہے من حیث القوم ہماری کمزوری کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کی طرف سے ایک واہمہ پیدا کر دیا گیا ہے کہ مذہب یا زبان کا رشتہ قومیت کے رشتہ کی جگہ وجہ جامعیت ہو سکتا ہے یہ ایک بڑا مہلک دھوکا ہے۔ یاد رکھئے مذہب یا زبان کا رشتہ قومیت کے بلند ترین رشتہ کے ماتحت رہنا چاہئے۔ یہ تصور ہی ہندوستان کو محکم اور آزاد بنا سکے گا"۔ (نیشنل کال ۲۰/۹/۲۹) [۶۷]

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی (کانگرسی پارٹی کے لیڈر) نے قومیت متحدہ کی تشریح میں کہا۔

"اب یہ ناممکن ہو گا کہ کوئی ایسا نظام حکومت قائم کیا جائے جس کی بنیاد مذہب پر ہو۔ اب وقت آچکا ہے کہ ہم اس امر کا اعتراف کر لیں اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ضمیر، مذہب اور خدا کو ان کے مناسب مقام یعنی آسمان کی بلندیوں پر رکھ دیا جائے اور انہیں خواہ مخواہ زمین کے معاملات میں گھسیٹ کر نہ لایا جائے۔ اس بات کا تصور بھی ناممکن ہے کہ اگر مذہب کو سیاست سے الگ نہ کیا جائے تو کوئی نظام حکومت قائم ہو سکتا ہے........ عہد حاضر میں بہترین نظام حکومت کی بناء اس نظریئے پر قائم ہو سکتی ہے کہ جغرافیائی حدود کے اندر گھرا ہوا ایک ملک ہو اور اس ملک کے اندر رہنے والے تمام افراد معاشی اور سیاسی مفاد کے رشتہ میں منسلک ہو کر ایک متحدہ قومیت بن جائیں"۔ (ہندوستان ٹائمز ۵/۹/۳۸) [۶۸]

مسلم قوم کا تخیل اور پنڈت جواہر لال صاحب نہرو

متحدہ قومیت کی موجودگی میں مسلم قومیت کا کوئی تصور کانگریسی لیڈروں کے یہاں قابل قبول نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی لئے پنڈت جواہر لال نہرو نے "دو قوموں" کے نظریہ کا مذاق اڑاتے ہوئے "میری کہانی" میں لکھا۔

"ہندوستان میں مسلم قومیت پر زور دینے کا مطلب اب کیا ہو تا بس یہی کہ ایک قوم کے اندر ایک دوسری قوم موجود ہے جو یکجا نہیں منتشر ہے مبہم ہے اور غیر متعین ہے۔ سیاسی نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو یہ تخیل بالکل لغو معلوم ہوتا ہے اور معاشی نقطہ نظر سے یہ بہت دور از کار ہے...... مسلم قومیت کا ذکر کرنے کے معنے یہ ہیں کہ دنیا میں کوئی قوم ہی نہیں بس مذہبی اخوت کا رشتہ ہی ایک چیز ہے .... مسلم قوم کا تخیل تو صرف چند لوگوں کی من گھڑت اور محض پرواز خیال ہے۔ اگر اخبارات اس کی اس قدر اشاعت نہ کرتے تو بہت تھوڑے لوگ اس سے واقف ہوتے اور اگر زیادہ لوگوں کو اس پر اعتقاد ہو تا بھی تو حقیقت سے دوچار ہونے کے بعد اس کا خاتمہ ہو جاتا..... ایسے لوگ ابھی زندہ ہیں جو ہندو مسلمانوں کا ذکر اس طور پر کرتے ہیں گویا دو ملتوں اور قوموں کے بارے میں گفتگو ہے جدید دنیا میں

اس دقیانوسی خیال کی گنجائش نہیں"۔ [۴۹]

"قومیت متحدہ" کے لئے جمعیتہ العلماء کا فتویٰ

کانگریس نے "قومیت متحدہ" کی جو فتنہ خیز اصطلاح مسلم تہذیب و تمدن کو بالکل فنا کر دینے کے لئے ایجاد کی تھی چونکہ مسلمان اسے بآسانی قبول نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا کانگریس نے اپنی مستقل ہندو نواز پالیسی کے مطابق جمعیتہ العلماء اور دوسرے آلہ کار علماء کو اس کی ترویج و اشاعت کے لئے آگے کر دیا۔

جمعیتہ العلماء ہند کے آرگن "الجمعیتہ" دہلی میں ۱۳/ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو کانگرسی اخبار "ہند جدید" کا یہ مضمون شائع ہوا کہ۔

"مسلمانان ہند کے مسلم علماء کی انجمن یعنی "جمعیتہ العلماء" جب کانگرس کے کسی فیصلہ کو امت کی مصلحت اور امت کے مقصد اعلیٰ کے لئے مفید سمجھ کر قبول کر لے تو جمعیتہ علماء کا یہ فیصلہ شرعی حیثیت حاصل کر لیتا ہے کیونکہ یہ جمعیتہ اس وقت اولوالامر کی حیثیت رکھتی ہے"۔ [۵۰]

اب جو "قومیت متحدہ" پر "اولوالامر" علماء کی شرعی مہر ثبت ہو گئی تو مسلمانوں میں اس کا پراپیگنڈا شروع کر دیا گیا۔ چنانچہ مولوی حسین احمد صاحب مدنی نے برملا کہا کہ۔

"آج کل قومیں اوطان سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں بنتیں"۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے اسی نظریہ کے خلاف یہ اشعار کہے تھے۔

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ ز دیو بند حسین احمد ایں چہ بو العجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

مولانا ابو الکلام صاحب آزاد "راشٹرپتی" اور "قومیت متحدہ"

لیکن کانگریسی علماء جو قدم اٹھا چکے تھے اسے مسلمانوں کا کوئی احتجاج اور کوئی تنقید پلٹ نہیں سکتی تھی۔ چنانچہ مولانا ابو الکلام صاحب آزاد تو (جن کی نسبت مولوی محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے لکھا تھا کہ۔

"مولانا ابو الکلام تمام تر ہندوؤں کے قبضے میں ہیں اور ان کی صدارت صرف نمائشی ہے وہ مسلمانوں کو چھوڑ چکے ہیں") [۵۱] ایک قدم آگے بڑھا کر مسلمانوں کو یہ درس دینے لگے کہ "میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں۔ میں ہندوستان کی ایک اور ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں میں اس متحدہ قومیت کا ایک اہم عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ

جاتا ہے میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ایک ناگزیر عامل FACTOR ہوں میں اپنے اس دعویٰ سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا..... گیارہ صدیوں کی مشترک (ملی جلی) تاریخ نے ہماری ہندوستانی زندگی کے تمام گوشوں کو اپنے تعمیری سامانوں سے بھر دیا ہے ہماری زبانیں' ہماری شاعری' ہمارا ادب' ہماری معاشرت' ہمارا ذوق' ہمارا لباس' ہمارے رسم و رواج' ہماری روزانہ زندگی کی بے شمار حقیقتیں' کوئی گوشہ بھی ایسا نہیں ہے جس پر اس مشترک زندگی کی چھاپ نہ لگ سکی ہو۔ ہماری بولیاں الگ تھیں مگر ہم ایک ہی زبان بولنے لگے۔ ہمارے رسم و رواج ایک دوسرے سے بیگانہ تھے مگر انہوں نے مل جل کر ایک نیا سانچہ پیدا کر دیا۔ ہمارا پرانا لباس' تاریخ کی پرانی تصویروں میں دیکھا جا سکتا ہے مگر وہ اب ہمارے جسموں پر نہیں مل سکتا۔ یہ تمام مشترک سرمایہ ہماری متحدہ قومیت کی ایک دولت ہے اور ہم اسے چھوڑ کر اس زمانہ کی طرف لوٹنا نہیں چاہتے۔ جب ہماری یہ ملی جلی زندگی شروع نہیں ہوئی تھی ہم میں اگر ایسے ہندو دماغ ہیں جو چاہتے ہیں کہ ایک ہزار برس پہلے کی ہندو زندگی واپس لائیں تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ایک خواب دیکھ رہے ہیں جو کبھی پورا ہونے والا نہیں اسی طرح اگر ایسے مسلمان دماغ موجود ہیں جو چاہتے ہیں کہ اپنی گزری ہوئی تہذیب و معاشرت کو پھر تازہ کریں۔ جو وہ ایک ہزار برس پہلے ایران اور وسط ایشیا سے لائے تھے تو میں ان سے بھی کہوں گا کہ اس خواب سے جس قدر جلد بیدار ہو جائیں بہتر ہے۔ کیونکہ یہ ایک قدرتی تخیل ہے اور حقیقت کی سرزمین میں ایسے خیالات اگ نہیں سکتے .... ہماری ایک ہزار برس کی مشترک زندگی نے ایک متحدہ قومیت کا سانچہ ڈھال دیا ہے ایسے سانچے بنائے نہیں جا سکتے۔ وہ قدرت کے مخفی ہاتھوں سے صدیوں میں خود بخود بنا کرتے ہیں۔ اب یہ سانچہ ڈھل چکا اور قسمت کی مہر اس پر لگ چکی۔ ہم پسند کریں یا نہ کریں مگر اب ہم ایک ہندوستانی قوم اور ناقابل تقسیم ہندوستانی قوم بن چکے ہیں۔ علیحدگی کا کوئی بناوٹی تخیل ہمارے اس ایک ہونے کو دو نہیں بنا سکتا۔ ہمیں قدرت کے فیصلہ پر رضامند ہونا چاہئے اور اپنی قسمت کی تعمیر میں لگ جانا چاہئے"۔ ۵۲

دوسرا باب (فصل دوم)

کانگرسی "قومیت متحدہ" کی تعمیر کے لئے مجلس احرار اسلام کا قیام

"قومیت متحدہ" مولانا ابوالکلام آزاد نے مولوی ظفر علی خاں صاحب [۵۳] مدیر "زمیندار" کی "متحدہ قومیت" کے فارمولا کو مسلمانوں میں مقبول بنانے اور کانگریس کے ہر پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دسمبر ۱۹۲۹ء میں پنجاب کے سابق خلافتی علماء کی ایک نئی مجلس کی بنیاد رکھی جس کا نام مجلس احرار اسلام تجویز کیا گیا۔ چنانچہ مجلس احرار اسلام ہند کے ترجمان اخبار مجاہد (۱۴/ اگست ۱۹۳۵ء) میں لکھا ہے۔

"جب آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا تو امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کی موجودگی میں یہ مسئلہ پیش ہوا کہ مسلمانوں کی ایک علیحدہ آزاد خیال جماعت قائم کی جائے جو مسلمانوں کو مذہب کے ساتھ ساتھ وطنیت کا بھی سبق دیتی رہے اور مسلم قوم کو رجعت پسندوں کے دجل و فریب سے بچائے رکھے سب نے اس پر اتفاق کیا اور اس معاملہ پر کافی دیر بحث ہوتی رہی کہ نام کیا تجویز کیا جائے باہمی مشورہ سے یہ طے پایا کہ اس مجلس کا نام مجلس احرار اسلام ہو جسے سب دوستوں نے بخوشی قبول کر لیا"۔ [۵۴]

عزیز الرحمٰن صاحب جامعی (مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے بیٹے) اپنی کتاب "رئیس الاحرار" مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی اور ہندوستان کی جنگ میں رقمطراز ہیں۔

"۱۹۲۹ء کے کانگریس کے اجلاس میں ۲۹/ دسمبر ۱۹۲۹ء کو مولانا آزاد کے مشورہ پر آل انڈیا کانگریس کے سٹیج پر چودھری افضل حق صاحب کی صدارت میں مجلس احرار کا پہلا جلسہ ہوا۔ مجلس مشاورت میں مولانا حبیب الرحمٰن لودھیانوی، مولانا سید داؤد احمد غزنوی......اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ مولانا مظہر علی صاحب۔ خواجہ عبد الرحمٰن غازی نے باہم مشورہ کر کے مولانا آزاد کے تجویز کردہ نام کے مطابق مجلس احرار ہند قائم کی اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مجلس احرار کے پہلے صدر

منتخب ہوئے۔ کانگریس کی طرف سے عام سول نافرمانی کا آغاز ہو گیا تھا۔ اس لئے سب احرار کی تنظیم کو چھوڑ کر کانگریس تحریک میں شامل ہو گئے۔ گاندھی ارون معاہدے کے بعد احرار رہنماؤں نے رہا ہوتے ہی پنجاب مجلس احرار کے اضلاعی اور شہری دفاتر قائم کر دیئے۔ احرار رہنماؤں نے یکسو ہو کر کانگریس کے نئے فارمولے پر غور کرنا شروع کیا"۔ ۵۵

مجلس احرار کے قیام سے کانگریس کو مسلمانوں میں نفوذ کر کے اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانا آسان ہو گیا۔ کانگریس جو کہتی اس کو ملک کے گوشے گوشے تک پہنچانا اور اس کے مطابق مسلمانوں کو ڈھالنا احراری لیڈروں نے اپنے ذمہ لے لیا۔ اور عجیب و غریب رنگ سے "قومیت متحدہ" کا پرچار کرنے لگے۔

احراری زعماء کی طرف سے "قومیت متحدہ" کے دلائل

چنانچہ مفکر احرار چودھری افضل حق صاحب نے (قومیت متحدہ" کی تائید میں ایک نئے زاویہ نگاہ سے لکھا۔

ہندوستانی اسلام سناتن دھرم کا عربی ترجمہ ہے اور سکھ مت اور آریہ سماج تحریک اصلی اسلام کے گورمکھی اور ہندی ایڈیشن ہیں لیکن ہندوؤں اور مسلمانوں میں پھر بھی مخاصمت موجود ہے اور سکھ اور ساجی ہمیشہ ہندوؤں کا ساتھ دیتے ہیں۔ جب میں ان حقائق پر نظر ڈالتا ہوں تو میرا ذہن یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ہندو مسلم مسئلہ کوئی مذہبی مسئلہ نہیں اور ہمیں ملک کی موجودہ حالت کے اصلی اسباب تلاش کرنے چاہئیں۔

یہ غلط نظریہ عام ہو چکا ہے کہ صرف صوفی ہی دوسروں کے ساتھ رواداری برتتے ہیں اور مذہبی ملا بہت زیادہ متعصب ہوتا ہے۔ مجھے اس سے کوئی انکار نہیں کہ ملا قدامت پسند ہے لیکن تمام مسلمان اس شخص کے سخت مخالف ہیں جو دوسروں پر کسی قسم کا ظلم کرے۔ کافر کوئی مکروہ اصطلاح نہیں۔ یہ غیر مسلمانوں سے متمیز کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ کافر کے معنے خدا کو نہ ماننے والا ہے۔ اگلی دنیا میں یہ اپنے کئے کی سزا بھگتیں گے۔ لیکن اس دنیا میں ان سے کوئی برا سلوک نہیں کیا جاتا۔ اسلام کافروں کو بھیڑیوں کے سامنے نہیں پھینک دیتا بلکہ ان کی حفاظت کرتا ہے۔ ملا کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ سخت اور غیر روادارانہ ہوتا ہے لیکن کافروں کے ساتھ اس کا سلوک ہمدردانہ ہوتا ہے اپنی قوم میں اس کی حیثیت پولیس افسر کی ہے کہ ہر کوئی اس سے ڈرے لیکن غیر مسلموں کے لئے وہ محبت و الفت کا علمبردار ہے۔ وسیع المشرب مسلمان اسے ایک تند خو دیو سمجھتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک خنداں مزاج دیوتا ہے جو دوسروں اور بالخصوص کافروں کی ہمیشہ بھلائی چاہتا ہے۔

میں جانتا ہوں کہ میرے اس خیال پر ایک ہندو حیران رہ جائے گا کیونکہ اس نے ملا کی حمایت میں کبھی کچھ نہیں سنا- مگر میرے پاس اپنے خیال کی تائید میں ٹھوس حقائق ہیں- جمعیتہ العلماء صرف مذہبی علماء کی جماعت ہے یہ جماعت ہمیشہ کانگرس کا ساتھ دیتی ہے اور کانگرسیوں کے اعمال کے تضاد اور ان کی متلون مزاجیوں کو ہمیشہ صحیح ثابت کرتی ہے یہاں تک کہ انہیں ہندوؤں کا اجیر سمجھا جانے لگا ہے- مولانا ابوالکلام آزاد کون ہیں؟ ایک بہت بڑی شہرت کے مالک مذہبی عالم- ان کی مذہبیت نے انہیں نہ صرف عملی سیاسیات میں حصہ لینے پر مجبور کر دیا ہے- بلکہ کانگریس اور ہندوؤں پر مسلمانوں کی طرف سے جو سخت حملے کئے جاتے ہیں وہ ان کا جواب بھی دیتے ہیں مسلمانوں کی ایک دوسری جماعت مجلس احرار ہے یہ غریبوں کی جماعت ہے اس کی قیادت مذہب کے شیدائیوں کے ہاتھ میں ہے وہ ہندوؤں سے زیادہ ہمدردانہ سلوک کرتے ہیں اور غیر مسلم ہمسایوں کے ساتھ بردباری برتنے کی تعلیم دیتے ہیں وہ مسلمان جماعتیں جن کی تہہ میں مذہب کام نہیں کر رہا- وہ نہ صرف کبھی کبھی بلکہ ہمیشہ ہندوؤں اور کانگریس کے خلاف صف آراء رہتی ہیں- کیا ان حقائق کی موجودگی میں ملا کے متعلق ہماری رائے تبدیل نہیں ہونی چاہئے اور کیا ان کا یہ مطلب نہیں کہ ہمارے موجودہ اختلافات کو مذہب سے کوئی تعلق نہیں؟

ایک اور حقیقت پر بھی نظر ڈالئے- مسلمانوں کی دو یونیورسٹیاں ہیں ایک علی گڑھ میں دوسری دیوبند میں- اول الذکر میں دنیوی علوم پڑھائے جاتے ہیں اور ثانی الذکر میں مذہبی تعلیم دی جاتی ہے- علی گڑھ کے طلباء کی ذہنیت تقریباً ہمیشہ ہی برطانیہ کی حامی اور ہندو کی مخالف رہی ہے- مگر دیوبند کے علماء برطانیہ کے مخالف اور کانگریس کے حامی ہیں- مسلم لیگ کی رہنمائی علی گڑھ اور انگریزی یونیورسٹیوں کے سندیافتوں کے ہاتھ میں ہے- جمعیتہ العلماء کے ارکان کے مقابلہ میں انہیں اسلام کے متعلق کچھ علم نہیں- اگر ہمارے اختلافات مذہب کی بناء پر ہوتے تو جمعیتہ العلماء اور مجلس احرار کانگریس اور ہندوؤں کی مسلم لیگ سے بھی زیادہ مخالفت کرتیں- اور اگر موجودہ پیچیدگیاں اور کشمکش تھوڑا سا بھی مذہب کی بناء پر ہوتیں تو مسلمانوں کی قیادت مسٹر جناح کے ہاتھ میں نہ ہوتی جو ایک لائق قانون دان اور بہترین سیاس ہیں- لیکن یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ مذہبی معلومات کے لحاظ سے وہ ہر مسلمان سے پیچھے ہیں"- [۵۶]

"قومیت متحدہ" کی تائید میں ایک اور احراری دلیل

چودھری افضل حق صاحب نے "قومیت متحدہ" کی تعمیر کے سلسلہ میں یہ نظریہ بھی پیش کیا-

"اس زمانہ میں صوبہ جات کی آزادی نے مسلمانوں میں صوبجاتی تعصب زیادہ کر دیا ہے۔ اور ہر صوبہ چند خود غرض' نام نہاد لیڈروں کی آرزوؤں کے مطابق کام کر رہا ہے۔ یہ لیڈر چونکہ طبقہ اولیٰ سے متعلق ہیں۔ غریبوں کی خواہشات سے الگ ان کے اغراض ہیں اس لئے ہر صوبے کے مسلمان الگ الگ زاویہ نگاہ کے مطابق تربیت پا رہے ہیں۔ ہندوستان میں غریب مسلمانوں کی یہ گروہ بندیاں صرف چند امراء کی خدمت کے کام آئیں گی۔ جس طرح افریقہ اور ایشیا کے قبائل اور ملک شاہ و شیوخ میں تقسیم ہو کر برباد ہو رہے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان کے صوبے الگ الگ ہو کر پامال ہوں گے۔ الحمدللہ احرار ان تحریکات سے بیزار ہیں۔ صوبائی تعصبات کو پیدا کرنا اسلام کے اعضاء کو کاٹ کر الگ کرنا ہے۔ مصر' ترکی' عرب اور ایران' مراکش اور افغانستان نے الگ الگ رہ کر کیا فائدہ اٹھایا جو ہم ہندوستان میں اٹھائیں گے کیا یہ ممالک کسی بڑی یورپی سلطنت سے الگ الگ رہ کر دو دن بھی ٹکر لے سکتے ہیں۔ ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد چن کر امراء نے مسلمانوں کی عام قوتوں کو برباد کر رکھا ہے۔ ہم مسلمانوں کی موجودہ پریشان حالی کا باعث شیوخ' سلاطین اور امراء کو سمجھتے ہیں۔ غریب مسلمان اب بھی دنیا کی عظیم قوت بن سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان کے سر سے امراء شیوخ اور سلاطین کا منحوس سایہ اٹھ جائے"۔ [۵۷]

کانگریس کے نظریات کی حیرت انگیز ترجمانی

۱۔ کانگریس کے لیڈروں کا دعویٰ تھا کہ ملک میں کانگریس اور انگریز کے سوا اور کوئی نمائندہ جماعت نہیں۔ یہی پراپیگنڈا احراری زعماء نے کیا۔ چنانچہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نے یکم جنوری ۱۹۳۹ء کو تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"ہندوستان میں صرف دو جماعتیں ہیں ایک کانگریس اور دوسری حکومت برطانیہ"۔ [۵۸]

۲۔ پنڈت جواہر لال نہرو کے دل و دماغ پر روس کی تعلیم کا غلبہ تھا [۵۹] اور ان کی پختہ رائے تھی کہ ہندوستان کی ضرورت اور فقر و فاقہ کا علاج سوشل ازم ہے۔ [۶۰] اسی لئے ان کی صدارت میں مزدوروں کی کانگریس کے اجلاس ناگپور میں یہ تجویز پاس ہوئی کہ ہندوستان کا نصب العین مکمل آزادی ہے جس میں روس کے نمونے پر سوشلسٹ جمہوری حکومت قائم کی جائے۔ [۶۱]

اس نکتہ کے پیش نظر اگر مجلس احرار کے اکابر کی تقاریر و خطبات کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو صاف کھل جاتا ہے کہ یہ اصحاب سوشلزم کے بارے میں پنڈت جی کے غالی مقلدوں میں شامل تھے بلکہ ان کا خیال تھا کہ اسلام سوشلزم ہی کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ چوہدری افضل حق صاحب نے آل پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن میں ۱۵/ جنوری ۱۹۳۹ء کو تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"اسلام دراصل سوشلزم ہے"۔ [۶۲]

چودھری صاحب نے اپنے اس نقطہ کی وضاحت "تاریخ احرار" میں یہ کی ہے کہ۔

"ابتداء ہی سے مجلس احرار کے ذمہ دار احراری لیڈروں کے سامنے یہی مقصد حیات تھا کہ مزدور اور کسان کو خاص حقوق اور مراعات رکھنے والے لوگوں کے خلاف منظم کیا جائے۔ تاکہ ان امتیازی خاندانوں اور مالداروں کو غریب کاشتکاروں اور مزدوروں کی محنت کا ثمرہ اڑا لے جانے سے روکا جائے اور اسلام اور اشتراکیت کا لٹریچر ان ہی چند فقروں کی تفصیل ہے"۔ [۶۳]

چودھری افضل حق صاحب ڈکٹیٹر احرار نے "اسلامی سوشلزم کے علمبرداروں" کی نشان دہی کرتے ہوئے یہ بھی لکھا۔

"اگر جواہرلال اور گاندھی خلفائے راشدین کی پیروی میں سوسائٹی میں نابرابری کے سارے نقوش کو مٹائے چلے جائیں تو بطور مسلمان کے ہمیں نقصان کیا؟" [۶۴]

حقیقت یہ ہے کہ "خلفائے راشدین" کا نام تو محض مسلمانوں کے جذبات کو اپیل کرنے کے لئے تھا ورنہ چودھری صاحب کے نزدیک تو اسلام کی ساری تاریخ "شہنشاہیت اور جاگیرداری" کی کہانی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"لوگ بجاطور پر پوچھتے ہیں کہ احرار کو کیا ہو گیا کہ مذہب کی دلدل میں پھنس گئے یہاں پھنس کر کون نکلا ہے جو یہ نکلیں گے۔ مگر یہ کون لوگ ہیں وہی جن کا دل غریبوں کی مصیبتوں سے خون کے آنسو روتا ہے۔ وہ مذہب اسلام سے بھی بیزار ہیں۔ اس لئے کہ اس کی ساری تاریخ شہنشاہیت اور جاگیرداری کی دردناک کہانی ہے۔ کسی کو کیا پڑی ہے کہ وہ شہنشاہیت کے خس و خاشاک کے ڈھیر کی چھان بین کر کے اسلام کی سوئی کو ڈھونڈے تاکہ انسانیت کی چاک دامانی کا رفو کر سکے۔ اس کے پاس کارل مارکس کے سائنٹفک سوشلزم کا ہتھیار موجود ہے۔ وہ اس کے ذریعے سے امراء اور سرمایہ داروں کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے اسے اسلام کی اتنی لمبی تاریخ میں سے چند سال کے اوراق کو ڈھونڈ کر اپنی زندگی کے پروگرام بنانے کی فرصت کہاں؟ سرمایہ داروں نے ان برسوں کی تاریخ کے واقعات کو سرمایہ داری کے رنگ میں رنگا اور مساوات انسانی کی تحریک جس کو اسلام کہتے ہیں مذہبی لحاظ سے عوام کی تاریخ نہ رہی اور نہ اس میں کوئی انقلابی سپرٹ باقی رہی۔ عامتہ المسلمین امیروں جاگیرداروں کے ہاتھ میں موم کی ناک بن کر رہ گئے۔ ہندوستان میں اس وقت بھی وہ سب سے زیادہ مفلوک الحال مگر حال مست ہیں انہیں اپنے حال کو بدلنے کا کوئی احساس نہیں یہ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ خود علمائے مذہب انقلابی سپرٹ سے ناآشنا ہیں اور وہ اب تک مذہب کی

اموی اور عباسی عقائد کے مطابق تشریح کر رہے ہیں"۔ [۶۵]

۳۔ گاندھی جی اور دوسرے کانگریسی ہندو راج کا خواب پورا کرنے کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہے تھے کہ انگریز کے بعد ملک کی زمام اقتدار کانگریس کو سونپ دی جائے یہی بات صدر احرار و امیر شریعت احرار سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ساری عمر دہرائی۔ چنانچہ کہا۔

"ہمارا پہلا کام یہ ہے کہ غیر ملکی طاقت سے گلو خلاصی حاصل ہو اس ملک سے انگریز نکلیں۔ نکلیں کیا نکالے جائیں تب دیکھا جائے گا کہ آزادی کے خطوط کیا ہوں گے...... اگر اس مہم میں سؤر بھی میری مدد کریں گے تو میں ان کا منہ چوم لوں گا"۔ [۶۶]

احرار کے نزدیک کانگریس میں شمولیت اور اس کی راہ نمائی میں کام کرنے کی عظمت کتنی تھی اس کا کسی قدر اندازہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب صدر آل انڈیا مجلس احرار اسلام کے ان الفاظ سے بآسانی لگ سکتا ہے۔

"ہماری ایماندارانہ رائے ہے کہ کانگریس سے علیحدہ ہو کر ہم نے جس قدر تحریکوں میں حصہ لیا ہے ان تمام میں بیکار وقت ضائع کیا ہے اور فضول ہنگامے برپا کئے"۔ [۶۷]

اسی پر بس نہ کرتے ہوئے انہوں نے ایک مقام پر کانگریس میں شمولیت کو "جہاد" قرار دیتے ہوئے یہ بیان دیا۔

"سیاسی جماعتوں کو زندہ رکھنا ایک مذہبی فریضہ ہے ہندوستان میں فوجوں اور ہتھیار سے جہاد نہیں ہو سکتا بلکہ یہاں پر یہی جہاد ہے کہ بے خوف ہو کر حق بات کہی جائے اور اس کے راستہ میں جو تکلیف آئے اسے خوشی کے ساتھ برداشت کیا جائے میرے نزدیک ایک والنٹیر کی امداد ایک سیاسی جماعت کو منظم کرنا ہندوستان میں حقیقی جہاد ہے"۔ [۶۸]

۴۔ گاندھی جی کا فلسفہ "عدم تشدد" کانگریسی حلقوں میں اگرچہ عام طور پر مشہور تھا۔ مگر اسے ہندوستان کے چپہ چپہ تک پہنچانے کی خدمت امیر شریعت احرار سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے انجام دی چنانچہ خود ہی اقرار کرتے ہیں۔

"میں تیس سال سے عدم تشدد کی تبلیغ کر رہا ہوں ہنگو سے ڈھاکہ تک اور شملہ سے بمبئی تک کروڑوں آدمیوں میں عدم تشدد کی تبلیغ کی اور لاکھوں کو اپنا رفیق بنایا"۔ [۶۹]

پنڈت نہرو کے پروگرام کی تعمیل

سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی انہی خدمات کی وجہ سے کانگریسی لیڈر ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ چنانچہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کی سوانح "رئیس الاحرار" میں لکھا ہے۔

"پنڈت موتی لال نہرو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سحربیانی کے عاشق تھے انہیں کے پروگرام کے مطابق شاہ صاحب کام کر رہے تھے۔ الہ آباد میں جب شاہ صاحب پنڈت موتی لال جی کے یہاں پہنچے تو پنڈت موتی لال جی نے خود شاہ صاحب کے کھانے کا بندوبست کیا اور اپنے ہاتھوں سے دونوں وقت چائے بنا کر پلائی۔

پنڈت جی بار بار شاہ صاحب سے کہتے کہ شاہ صاحب کانگریسی ستیہ گرہ کی کامیابی صرف آپ ہی سے وابستہ ہے۔

کانگریس تحریک میں پنجاب کے احرار رہنماؤں کی شرکت اور شاہ صاحب کے دورہ کا یہ اثر ہوا کہ گاندھی ارون پیکٹ کے بعد جب بھی احرار رہنما گاندھی جی سے ملنے گئے تو گاندھی جی اٹھ کر دروازے تک خود احرار رہنماؤں کو لینے آئے یہ امتیازی بات تھی جو زندگی میں گاندھی جی نے صرف احرار رہنماؤں کی عزت و تکریم میں کی۔" (رئیس الاحرار صفحہ ۱۳۶-۱۳۷)۔ [۷۰]

کانگریس کی طرف سے مالی امداد

مگر معاملہ محض تکریم و تعظیم تک ہی نہیں تھا بلکہ احرار کو جیسا کہ اس کے ذمہ دار کارکنوں کی چشم دید شہادت ہے کانگریس سے باقاعدہ روپیہ بھی ملتا تھا۔ چنانچہ آغا عبدالکریم صاحب شورش کاشمیری (سابق جنرل سیکرٹری مجلس احرار اسلام) اپنے رسالہ "چٹان" (مورخہ ۱۶/ اپریل ۱۹۵۱ء) میں لکھتے ہیں۔

پہلا اقتباس: "جہاں تک کانگریس کے روپے کا تعلق ہے وہ تو خود مولانا حبیب الرحمٰن کے علم میں ہے بلکہ پچاس ہزار روپے کی قسط دلوانے کے ذمہ دار ہی آپ تھے۔ رہا یونینسٹ پارٹی کے روپے کا سوال تو میرا مخبر تمام کا عذات شاہ جی یا مولانا غلام غوث (ہزاروی) کو دکھانے کے لئے تیار ہے"۔

دوسرا اقتباس: "جب مولانا دھتکار کر جانے لگے تو شاہ جی نے روک لیا" مولوی صاحب آپ کہاں جا رہے ہیں آپ تشریف رکھیں۔ آپ کے خلاف یا جماعت کے خلاف شورش کچھ چارج لگا رہا ہے"۔ مولوی صاحب رک گئے۔ میں نے ترتیب وار چارج لگانے شروع کئے کانگریس کا روپیہ ساٹھ ہزار۔ دس ہزار کی ایک قسط اور پچاس ہزار کی دوسری قسط۔ اور یونینسٹ پارٹی----!! ابھی فقرہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ مولانا غلام غوث نے ایک ایک شق پر زور دیا۔ کچھ دیر تو سناٹا چھایا رہا۔ پھر سکوت ٹوٹا۔ مولانا نے تسلیم کیا کہ روپیہ لیا گیا ہے لیکن اس وقت ان کے ذہن میں صحیح یاد نہیں کہ یہ رقم کتنی ہے بات صبح پر ملتوی ہو گئی۔ مجھے صاحبزادہ فیض الحسن شاہ۔ مولانا مظہر علی اظہر کے مکان پر لے گئے۔ رات وہیں کاٹی۔ مولانا اس افشاء کو برا خیال کرتے تھے۔ اور مضطرب بھی تھے لیکن وہ اخفاء کے حق میں تھے میں نے عرض کیا۔ جب تمام لوگ آپ سے روپیہ لے چکے ہیں تو پھر وہ معصوم عن الخطاء کیوں بنتے ہیں؟

رات جو گزری سو گزری۔ صبح پھر وہی حیث بحث۔ صاحبزادہ صاحب نے ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں کہیں یہ کہہ دیا کہ شورش اپنے الزام واپس لیتا ہے۔ میں موجود نہ تھا۔ جب پہنچا تو مجھے حیرت ہوئی۔ خیر دوبارہ وہی قصہ چھڑ گیا۔ مولانا مظہر علی نے تسلیم کیا کہ روپیہ لیا گیا ہے لیکن اس کے سزاوار وہ تنہا نہیں بلکہ باقاعدہ مشورہ سے رقم قبول کی گئی۔ پہلا دس ہزار روپیہ مولانا داؤد غزنوی نے دیا تھا اور شیخ حسام الدین اس وقت موجود تھے۔ دوسری قسط بھی انہی حضرات کے مشورے سے حاصل کی گئی۔ یعنی شیخ حسام الدین صاحب نے مولانا حبیب الرحمٰن کو لدھیانہ خط لکھا کہ وہ کلکتہ میں کانگریس ہائی کمانڈ تک پہنچیں۔ یہ خط لے کر خاقان بابر مولانا مظہر علی کے صاحبزادے لدھیانہ پہنچے۔ مولانا حبیب الرحمٰن کلکتہ گئے۔ مولانا ابو الکلام ایک لاکھ روپے کے لگ بھگ رقم دینے کو تیار ہو گئے مگر سردار پٹیل نے جو کانگریس کے خازن تھے اس سے اختلاف کیا اور پچاس ہزار روپے کی رقم کا چیک لالہ بھیم سین سچر کی تحویل میں دیا گیا۔ جو ان کی معرفت دفتر احرار میں پہنچا۔ پھر اس رقم کی بندر بانٹ کی گئی۔ اور وہ رقم جو دو چار ہزار بطور چندہ فراہم کی گئی۔ یہ تمام مل ملا کر پچانوے یا پچاسی ہزار بنتے تھے جب مولانا مظہر علی نے بتایا کہ نواب زادہ نصر اللہ خاں کے سوا ورکنگ کمیٹی کے ہر امیدوار ممبر نے ان سے روپیہ لیا ہے تو سب نے تسلیم کیا شیخ حسام الدین بھی مان گئے۔ ماسٹر تاج الدین نے بھی سر ہلا دیا۔ مولانا حبیب الرحمٰن نے بھی صاد کیا اس مجموعی رقم میں سے لے دے کر صرف بیس ہزار بچتے تھے مولانا مظہر علی نے دس ہزار اپنے الیکشن کا صرفہ بتایا اور دس ہزار روپیہ کے متعلق کہا کہ وہ روزنامہ "آزاد" نکالنے کے لئے جمع رکھا گیا ہے"۔ ۵۱

کانگرسی نوازشات کے نتائج

کانگریس کی نوازشات رائیگاں نہیں گئیں بلکہ احرار نے بھی وفاداری کا حق ادا کر دیا اور کانگرس کی کامیابی کے لئے ملک کا چپہ چپہ چھان مارا۔ چنانچہ انہیں کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ انڈیا ایکٹ کے نفاذ کے بعد اکثر صوبوں میں کانگرسی حکومتیں قائم ہوئیں۔ چنانچہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی صدر آل انڈیا مجلس احرار نے ۱۲/ مارچ ۱۹۳۹ء کو ڈسٹرکٹ احرار پولٹیکل کانفرنس لاہور میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"کانگریس کی سول نافرمانی کے دنوں میں مجلس احرار جمعیت العلماء ہند اور سرحد کے مجاہد سرخپوش رضاکاروں نے جس ایثار قربانی کے ساتھ کام کیا وہ تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے سرحد کے مجاہد حبیب نور کی قربانی۔ سردار بھگت سنگھ کی قربانی سے کم نہیں۔ گزشتہ دنوں کی سول نافرمانی میں دو لاکھ مسلمان کانگریس کے جھنڈے تلے جمع ہو کر قید ہوئے جس کا اعتراف پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی کیا...... مجھے کانگریس کا ممبر ہونے کا فخر ہے پنڈت جواہر لال اور سید عطاء اللہ شاہ نے

دیہاتیوں میں جاکر آزادی کا پیغام دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہندوستان میں کانگریس کی حکومت ہے"۔ ۷۲

مسلم اکثریت امیر شریعت احرار کی نظر میں

مسلمانوں کی اکثریت کانگریسی عزائم سے خائف تھی اور احراریوں سے مطالبہ کرتی تھی کہ وہ اپنی روش بدل کر ہمارے ساتھ شامل ہوں اور مسلمانوں کو منظم و متحد کریں۔ مگر سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا جواب یہ ہوتا تھا کہ

"ہم سے کہا جاتا ہے کہ جدھر اکثریت ہو ادھر تم بھی چلو۔ اور اکثریت کا ساتھ دو۔ ہم اکثریت نہیں چاہتے ہمیشہ اقلیت حق پر ہوتی آئی ہے تم ہمیں کیوں مجبور کرتے ہو کہ اکثریت کا ساتھ دیں۔ کیا میں مولانا حسین احمد کے مقابلہ میں مسٹر جناح کو ترجیح دوں جو بیدھڑک خلاف شرع دعوتوں میں شرکت کرتے ہیں...... ہم نام نہاد اکثریت کی تابعداری نہیں کریں گے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اکثریت باطل پر ہے"۔ ۷۳

اسی طرح شاہ صاحب موصوف ایک بار بیرون دہلی دروازہ لاہور میں تقریر کر رہے تھے کہ کسی شخص نے اٹھ کر کہا۔ شاہ جی آپ اکثریت کے ساتھ کیوں نہیں ہو جاتے۔ آپ نے فوراً یہ جواب دیا کہ

"اگر اکثریت ہی کا لحاظ ہے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر درود کیوں بھیجتے ہو یزید پر درود پڑھو"۔ ۷۴

جدوجہد آزادی کے نام پر "جنگ بربادی"

الغرض یہ حقیقت چھپائے چھپ نہیں سکتی کہ "قومیت متحدہ" کا نعرہ مسلم قومیت مسلم تہذیب اور مسلم تمدن کا نام و نشان تک مٹانے کے لئے بلند کیا گیا۔ یہ بالفاظ دیگر "جنگ بربادی" تھی۔ جو ہندوستانی مسلمانوں کی تباہی کے لئے "جدوجہد آزادی" کے نام سے کھیلی گئی اور اس سیاسی ڈرامہ میں سب سے نمایاں پارٹ امام الہند مولانا ابوالکلام صاحب آزاد ۷۵ اور خصوصاً ان کے توسط سے قائم کی ہوئی مجلس احرار اسلام نے ادا کیا۔

ظلم و ستم کی حد یہ ہے کہ مجلس نے یہ سب کچھ جانتے بوجھتے کیا۔ مذہب کے نام پر کیا اور مسلمانوں میں ڈنکے کی چوٹ یہ وعظ کرتے ہوئے کیا کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد مسلمانوں کو بخوشی ہندوؤں کی مستقل غلامی قبول کرلینی چاہئے۔

چنانچہ مولوی مظہر علی صاحب اظہر کو جو مدت تک احرار کے جنرل سیکرٹری رہے احرار کی اس کانگرس نوازی کا ان لفظوں میں اقرار کرنا پڑا۔

"مجلس احرار میں کانگرس نوازی کا رجحان مدت سے چلا آرہا ہے اور جس نے جماعت کو ہر مرحلے

پر نقصان پہنچایا ہے آج زوروں پر ہے اور ۴۵ فیصدی کے حامی کسی مقام پر ٹھہرنے کے لئے تیار نہیں بلکہ ہندوستان کی قسمت ہندوؤں کے سپرد کر کے مسلمانان ہند کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کے لئے بضد ہیں"۔ (انقلاب لاہور ۹ / ستمبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۱۔ بحوالہ فسادات ۱۹۵۳ء کا پس منظر صفحہ ۱۹-۲۰ (مولفہ ملک فضل حسین صاحب)

آزادی کا تحفہ پنڈت نہرو جی کی خدمت میں پیش کر دینے کا لرزہ خیز اعلان

کہا جا سکتا ہے کہ ہندو کی چوکھٹ پر مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے جھکانے کا رجحان محض احرار کے عوامی ذہن کی پیداوار ہے اور امیر شریعت احرار سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری جیسے بلند پایہ احراری لیڈر اس سے مستثنیٰ ہیں مگر نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ حق یہ ہے کہ جب ہم احراری تاریخ کے گزشتہ اوراق کھنگالتے ہیں تو ہم پر اس دردناک حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ شاہ صاحب جو بقول شورش کاشمیری "سیاست میں ابوالکلام صاحب آزاد کے مقلد تھے"۔ [۷۶] اس باب میں اپنے پیرو مرشد سے بھی بہت آگے دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے احرار پولٹیکل کانفرنس امرتسر میں ۹ / مئی ۱۹۳۶ء کو احراری پرچم لہراتے ہوئے بڑی بلند آہنگی سے یہ اعلان کیا کہ۔

"مسلمانوں نے دو صد سال کے بعد کروٹ لی ہے اور اگر اس بات پر فخر کیا جائے کہ کامل آزادی کا جھنڈا مسلمانوں کی جماعتوں میں سے سب سے پہلے ہم نے بلند کیا تو بجا ہے بلاشبہ پنڈت جواہر لال نہرو جی نے بھی یہ آزادی کا جھنڈا بلند کیا تھا خدا انہیں استقامت دے اور دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دے مگر یہ نعمت چونکہ ہم نے چھینی ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اسے حاصل کر کے پنڈت جی کی خدمت میں پیش کریں...... کوشش کرو کہ ہر مسلمان جواہر لال نہرو جیسا خطبہ پڑھے مسلمانوں کا حق ہے کہ آزادی حاصل کر کے دیگر اقوام کے سامنے بطور تحفہ پیش کریں اور خود خدمت خلق میں مصروف ہو جائیں۔ ہم کو کسی چیز پر قابض ہو کر تسلط جما کر بیٹھنا نہیں چاہئے"۔ [۷۷]

دوسرا باب (فصل سوم)

کانگریس کی "قومیت متحدہ" کے خلاف جماعت احمدیہ کی مذہبی طاقت

کانگریس کی "قومیت متحدہ" کے خلاف سیاسی طاقت "مسلم لیگ"

کانگریس اور اس کے ہم نوا احراری لیڈر "قومیت متحدہ" کی بناء پر مستقبل میں مسلمانوں کو ہندو اکثریت کی مستقل غلامی میں دے دینا چاہتے تھے۔ جس کے خلاف ملک میں دو زبردست طاقتیں کار فرما تھیں۔ ایک سیاسی دوسری مذہبی۔ سیاسی طاقت کا نام آل انڈیا مسلم لیگ تھا۔ جس کی قیادت قائد اعظم محمد علی جناح کر رہے تھے۔ اور جس میں دردمند دل رکھنے والے مخلص مسلمانوں کی خاصی تعداد تھی۔ جو مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے لئے قومی پلیٹ فارم پر جدوجہد میں مصروف تھی۔ مسلم لیگ نے پہلے تو مصالحانہ رنگ میں کوششیں کیں کہ ہندو مسلمان بھائیوں کی طرح آپس میں کوئی مفاہمت کر کے اس ملک میں آبرومندانہ زندگی بسر کریں مگر جب ہندو قوم کی تنگ ظرفی، تعصب اور اسلام دشمنی کا بار بار تجربہ کیا تو بالآخر پاکستان کا مطالبہ کر دیا۔ مسلمانان ہند کی یہ واحد سیاسی جماعت اور اس کے لیڈر چونکہ ہندو قوم کے عزائم و مقاصد کے راہ میں سد راہ تھے۔ اس لئے احراری لیڈروں کی بدکلامی اور سب و شتم کا ہمیشہ نشانہ بنتے رہے لیکن یہ موقعہ ان تفصیلات میں جانے کا نہیں انشاء اللہ قیام پاکستان کی جدوجہد کے ضمن میں اس پر روشنی ڈالی جائے گی۔ سردست اس جگہ احراری زعماء کی "خوش کلامیوں" اور "شیریں بیانیوں" کے ایک نمونہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب مدیر اخبار "زمیندار" تحریر فرماتے ہیں۔

"احرار کی شریعت کے امیر مولانا سید عطاء اللہ بخاری نے امروہہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سؤر ہیں اور سؤر کھانے والے ہیں۔ **او کما قال** پھر میرٹھ میں مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی صدر مجلس احرار اس قدر جوش میں آئے کہ دانت پیستے جاتے تھے

غصہ میں آکر ہونٹ چباتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ دس ہزار جینا اور شوکت اور ظفر جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جاسکتے ہیں"۔ ۷۸

کانگریس کی قومیت متحدہ کے خلاف مذہبی طاقت (جماعت احمدیہ)

"قومیت متحدہ" کے خلاف ملک میں دوسری منظم طاقت جماعت احمدیہ کی شکل میں موجود تھی جو مذہبی اقدار کی علمبردار و حامل تھی اور جو اپنے بنیادی عقائد و نظریات کی بناء پر اس ہندو فارمولا کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتی تھی کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے سب سے پہلے اپنی آخری تصنیف "پیغام صلح" میں باوضاحت دو قوموں کا نظریہ پیش فرمایا تھا چنانچہ حضور نے ہم وطنوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

دوستو! یقیناً سمجھو کہ اگر ہم دونوں قوموں میں سے کوئی قوم خدا کے اخلاق کی عزت نہیں کرے گی......تو وہ قوم جلد ہلاک ہو جائے گی"۔ ۷۹ پھر فرمایا۔

"یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں کہ اتفاق ایک ایسی چیز ہے کہ وہ بلائیں جو کسی طرح دور نہیں ہو سکتیں اور وہ مشکلات جو کسی تدبیر سے حل نہیں ہو سکتیں وہ اتفاق سے حل ہو جاتی ہیں پس ایک عقلمند سے بعید ہے کہ اتفاق کی برکتوں سے اپنے تئیں محروم رکھے ہندو اور مسلمان اس ملک میں دو ایسی قومیں ہیں کہ یہ ایک خیال محال ہے کہ کسی وقت مثلاً ہندو جمع ہو کر مسلمانوں کو اس ملک سے باہر نکال دیں گے یا مسلمان اکٹھے ہو کر ہندوؤں کو جلاوطن کر دیں گے بلکہ اب تو ہندو مسلمانوں کا باہم چولی دامن کا ساتھ ہو رہا ہے۔ اگر ایک پر کوئی تباہی آوے تو دوسرا بھی اس میں شریک ہو جائے گا اور اگر ایک قوم دوسری قوم کو محض اپنے نفسانی تکبر اور مشیخت سے حقیر کرنا چاہے گی تو وہ بھی داغ حقارت سے نہیں بچے گی اور کوئی ان میں سے اپنے پڑوسی کی ہمدردی میں قاصر رہے گا تو اس کا نقصان وہ آپ بھی اٹھائے گا جو شخص تم دونوں قوموں میں سے دوسری قوم کی تباہی کی فکر میں ہے اس کی اس شخص کی مثال ہے جو ایک شاخ پر بیٹھ کر اسی کو کاٹتا ہے"۔ ۸۰

ہندو مسلم مسئلہ کی اساس مذہبی ہے نہ کہ سیاسی

کانگریس ہمیشہ ہندو مسلم کشمکش کو محض ایک سیاسی اور اقتصادی مسئلہ قرار دیتی تھی۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے بنیادی اعتبار سے خالص مذہبی سوال قرار دیا اور فرمایا۔

"مجھے اس جگہ ان باتوں کے ذکر کرنے سے کچھ غرض نہیں کہ وہ نفاق اور فساد جو ہندو اور مسلمانوں میں آج کل بڑھتا جاتا ہے اس کے وجوہ صرف مذہبی اختلافات تک محدود نہیں ہیں بلکہ

دوسری اغراض اس کی وجوہ ہیں جو دنیا کی خواہشوں اور معاملات سے متعلق ہیں مثلاً ہندوؤں کو ابتداء سے یہ خواہش ہے کہ گورنمنٹ اور ملک کے معاملات میں ان کا دخل ہو یا کم سے کم یہ کہ ملک داری کے معاملات میں ان کی رائے لی جائے اور گورنمنٹ ان کی ہر یک شکایت کو توجہ سے سنے اور بڑے بڑے گورنمنٹ کے عہدے انگریزوں کی طرح ان کو بھی ملا کریں مسلمانوں سے یہ غلطی ہوئی کہ ہندوؤں کی ان کوششوں میں شریک نہ ہوئے اور خیال کیا کہ ہم تعداد میں کم ہیں اور یہ سوچا کہ ان تمام کوششوں کا اگر کچھ فائدہ ہے تو وہ ہندوؤں کے لئے ہے نہ کہ مسلمانوں کے لئے اس لئے نہ صرف شراکت سے دستکش رہے بلکہ مخالفت کر کے ہندوؤں کی کوشش کے سد راہ ہوئے جس سے رنجش بڑھتی گئی۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ ان وجوہ سے بھی اصل عداوت پر حاشیے چڑھ گئے ہیں مگر میں ہرگز تسلیم نہیں کروں گا کہ اصل وجوہ یہی ہیں اور مجھے ان صاحبوں سے اتفاق رائے نہیں جو کہتے ہیں کہ ہندو مسلمانوں کی باہمی عداوت اور نفاق کا باعث مذہبی تنازعات نہیں ہیں۔ اصل تنازعات پولٹیکل ہیں۔

یہ بات ہر ایک شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ مسلمان اس بات سے کیوں ڈرتے ہیں کہ اپنے جائز حقوق کے مطالبات میں ہندوؤں کے ساتھ شامل ہو جائیں اور آج تک ان کی کانگریس کی شمولیت سے انکار کرتے رہے ہیں اور کیوں آخر کار ہندوؤں کی درستی رائے محسوس کر کے ان کے قدم پر قدم رکھا مگر الگ ہو کر اور ان کے مقابل پر ایک مسلم انجمن (یعنی آل انڈیا مسلم لیگ۔ ناقل) قائم کر دی مگر ان کی شراکت کو قبول نہ کیا۔

صاحبو اس کا باعث دراصل مذہب ہی ہے اس کے سوا کچھ نہیں اگر آج وہی ہندو کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر مسلمانوں سے آکر بغل گیر ہو جائیں یا مسلمان ہی ہندو بن کر اگنی وایو وغیرہ کی پرستش وید کے حکم کے موافق شروع کر دیں اور اسلام کو الوداع کہہ دیں تو جن تنازعات کا نام اب پولٹیکل رکھتے ہیں۔ وہ ایک دم میں ایسے معدوم ہو جائیں کہ گویا کبھی نہ تھے (جیسا کہ کانگریس کا منتہائے مقصود تھا۔ ناقل) پس اس سے ظاہر ہے کہ تمام بغضوں اور کینوں کی جڑھ دراصل اختلاف مذہب ہے۔ یہی اختلاف مذہب قدیم سے جب انتہا تک پہنچتا رہا ہے تو خون کی ندیاں بہاتا رہا ہے...... پس جب تک اس سبب کا ازالہ نہ ہو گا۔ کیونکر...... ایک سچی صفائی پیدا ہو سکتی ہے ہاں ممکن ہے کہ منافقانہ طور پر باہم چند روز کے لئے میل جول بھی ہو جائے"۔ ۸۲،۸۱

صاف ظاہر ہے کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۹۰۸ء میں "دو قوموں" کا جو نظریہ پیش فرمایا وہ کانگریس اور متعصب ہندوؤں کی "قومیت متحدہ" کے خلاف ایک کھلا چیلنج تھا

خصوصاً اس لئے کہ حضور علیہ السلام خدا سے حکم پاکر یہ پیشگوئی فرما چکے تھے کہ "مجھے یہ بھی صاف لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ پھر ایک دفعہ ہندو مذہب کا اسلام کی طرف زور کے ساتھ رجوع ہو گا"۔ ۸۳

علاوہ ازیں حضور نے ملک میں ہندو راج کے علمبردار آریہ سماج تحریک کی نسبت فرمایا تھا کہ ابھی تم میں سے لاکھوں اور کروڑوں انسان زندہ ہوں گے کہ اس مذہب آریہ کو نابود ہوتے دیکھ لوگے۔ ۸۴

ہم نے اوپر اشارۃً ذکر کیا ہے کہ آریہ سماجی تحریک کا منشاء ملک میں ہندو راج قائم کرنا تھا۔ یہ صرف ہمارا ہی خیال نہیں بلکہ آریہ سماجی لٹریچر بھی اس کی تائید کرتا ہے مثلاً۔

۱۔ لالہ دھنپت رائے بی۔ ایل ٹی نے لکھا۔ "ہندوستان میں سوائے ہندو راج کے دوسرا راج ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتا ایک دن آئے گا کہ ہندوستان کے سب مسلمان شدھی آدی (وغیرہ) آندولن کی وجہ سے آریہ سماجی ہو جائیں گے یہ بھی ہندو بھائی ہیں۔ آخر صرف ہندو ہی رہ جائیں گے یہ ہمارا آورش (نصب العین) ہے یہ ہماری آشا (تمنا) ہے سوامی جی مہاراج نے آریہ سماج کی بنیاد اسی اصول کو لے کر ڈالی تھی"۔ ۸۵

۲۔ پنڈت رام گوپال جی شاستری نے تسلیم کیا۔ "راج نیتک (پولٹیکل) آریوں کو اس بات کا فخر ہے کہ کانگریس کی بنیاد سے بھی پہلے سوامی دیانند نے دیش بھگتی اور سوراجیہ کا خیال دیا...... رشی دیانند کی آریہ بھونے کی دیا کھیا کا کوئی منتر خالی نہیں جس میں سوراج پراپتی (حصول سوراج) کی پرارتھنا نہ ہو"۔ ۸۶

۳۔ پنڈت نندلال جی نے کہا۔ "پنجاب کے سیاسی کارکنوں اور آزادی کی تحریک میں حصہ لینے والے نوجوانوں میں زیادہ تعداد آریہ سیوکوں (نوجوانوں) کی ہے یہ آریہ سماج کے لئے فخر کا مقام ہے۔ سیاسی بیداری میں آریہ سماج نے جو کام کیا۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں"۔ ۸۷

۴۔ ہندو اخبار "ملاپ" (لاہور ۷ / ۲ اکتوبر ۱۹۲۹ء) نے لکھا۔

"آریہ یووک (نوجوان) نہ انگریزوں کا راجیہ چاہتے ہیں نہ مسلمانوں کا بلکہ رام راجیہ چاہتے ہیں"۔ ۸۸

حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت کا مسلسل جہاد ہندوؤں کی خلاف اسلام تحریکات کے خلاف

جماعت احمدیہ کو ہندوؤں کی "قومیت متحدہ" کے خلاف کس طرح ایک مذہبی طاقت کی حیثیت حاصل تھی اور ہے؟ اس کا نظریاتی پہلو ہم بتا چکے ہیں اب ہم اس مبحث کے واقعاتی پہلو کی طرف

آتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کی جماعت نے ہمیشہ ہی ہندوؤں کی ہر خلاف اسلام تحریک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔

چنانچہ چوہدری افضل حق صاحب مفکر احرار لکھتے ہیں۔

"آریہ سماج کے معرض وجود میں آنے سے پیشتر اسلام جسد بے جان تھا جس میں تبلیغی حس مفقود ہو چکی تھی سوامی دیانند کی مذہب اسلام کے متعلق بدظنی نے مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لئے چوکنا کر دیا مگر حسب معمول جلدی خواب گراں طاری ہو گیا۔ مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لئے پیدا نہ ہو سکی ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اٹھا ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشرو اشاعت کے لئے بڑھا۔ اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب کا دامن فرقہ بندی کے داغ سے پاک نہ ہوا۔ تاہم اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے قابل تقلید ہے بلکہ دنیا کی تمام اشاعتی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے"۔ [۸۹]

پھر سید حبیب صاحب مدیر سیاست نے "تحریک قادیان" میں لکھا ہے۔

"اس وقت کہ آریہ اور مسیحی مبلغ اسلام پر بے پناہ حملے کر رہے تھے اکے دکے جو عالم دین بھی کہیں موجود تھے وہ ناموس شریعت حقہ کے تحفظ میں مصروف ہو گئے مگر کوئی زیادہ کامیاب نہ ہوا۔ اس وقت مرزا غلام احمد صاحب میدان میں اترے اور انہوں نے مسیحی پادریوں اور آریہ اپدیشکوں کے مقابلہ میں اسلام کی طرف سے سینہ سپر ہونے کا تہیہ کر لیا...... مجھے یہ کہنے میں ذرا باک نہیں کہ مرزا صاحب نے اس فرض کو نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے ادا کیا اور مخالفین اسلام کے دانت کھٹے کر دیئے"۔ [۹۰]

اسی طرح مولانا ابو الکلام صاحب آزاد نے اخبار "وکیل" امرتسر میں اقرار کیا کہ۔

"آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے مرزا صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب نے اس وقت سے کہ سوامی دیانند نے اسلام کے متعلق اپنی دماغی مفلسی کی نوحہ خوانی جابجا آغاز کی تھی۔ ان کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ ان حضرات نے عمر بھر سوامی جی کا قافیہ تنگ رکھا جب وہ اجمیر میں آگ کے حوالے کر دیئے گئے اس وقت سے اخیر عمر تک برابر مرزا صاحب آریہ سماج کے چہرہ سے انیسویں صدی کے ہندو ریفارمر کا چڑھایا ہوا ملمع اتارنے میں مصروف رہے۔ ان کی آریہ سماج کے مقابلہ کی تحریروں سے اس دعویٰ پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے کہ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہو جائے ناممکن ہے کہ یہ

تحریریں نظر انداز کی جاسکیں"۔ [۹۱]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آریہ سماج اور ہندوؤں کی دوسری ضرر رساں تحریک کے مقابلہ کے لئے اپنی جماعت میں جو زبردست روح پیدا کردی تھی اس کا نمایاں اظہار خلافت ثانیہ میں ہوا جبکہ اس نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی قیادت میں نہ صرف آریہ سماج سے ملکانہ کے میدان کارزار شدھی میں ٹکر لی اور اس کے خوفناک منصوبوں کو پاش پاش کردیا بلکہ آل انڈیا نیشنل کانگرس کی ہر اس تحریک کے سامنے جو مسلمانان ہند کے مفاد ملی و قومی کے منافی تھی پوری قوت و طاقت سے سینہ سپر ہو گئی۔ اور اپنے خلوص و علم اور قربانی کے ساتھ دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کے لئے منظم کیا اور قدم قدم پر ان کی صحیح اور بروقت راہ نمائی کی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں تحریک خلافت' تحریک عدم موالات' تحریک ہجرت' مقدمہ ورتمان اور "رنگیلا رسول"۔ مخلوط انتخاب' نہرو رپورٹ وغیرہ کے سلسلہ میں جماعت احمدیہ کی شاندار خدمات پر مفصل روشنی ڈالی جاچکی ہے۔

کانگریس اور ہندوؤں کا سب سے کارگر ہتھیار سول نافرمانی' پکٹنگ اور بائیکاٹ تھا۔ جس کا مقصد غیر ملکی طاقت کو بزور نکال کر ملک پر خود قبضہ کرنا تھا۔ جماعت احمدیہ نے سالہا سال تک مسلمانوں کو اس حربہ کے خوفناک نتائج سے آگاہ کیا اور اس کے خلاف ایسی کامیاب مہم چلائی کہ مسلمانوں نے من حیث القوم شورش اور بغاوت کی ان سرگرمیوں میں حصہ لینے سے عملاً انکار کردیا۔ اس حقیقت کے ثبوت میں ہندوستان کے مسلم رہنماؤں کا وہ مشہور اعلان درج کیا جاتا ہے جو انہوں نے ۵/ جون ۱۹۳۲ء کو حکومت سے مطالبات کے سلسلہ میں جاری کیا تھا۔

"مسلمانوں نے ۱۹۳۰ء کی کانگرس کی مہم میں بہت کم حصہ لیا۔ سوائے صوبہ سرحد کے جہاں کے سرخ پوشوں نے دھوکے میں آکر کانگرس کے جھنڈے کو قبول کیا اور وہ تحریک جاری کی جس کا کانگریس سے تعلق نہ تھا۔ مگر جس میں اب انصاف کو کانگریس کی سازش پر فتح نصیب ہو چکی ہے۔ کانگریس کی موجودہ مہم میں مسلمان ایک سے زیادہ مواقع پر بغاوت پسندوں کے خلاف عداوت کا اظہار کرچکے ہیں اور پہلے سے بہت کم مسلمان ظاہرہ طور پر کانگریس کا ساتھ دے رہے ہیں....."

"گورنروں کے صوبوں میں گزشتہ دو سال میں یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ میں جو سیاسی قتل ہوئے ہیں ان میں کوئی بھی کسی مسلمان نے نہیں کیا.....۱۹۰۷ء سے لے کر ۱۹۱۷ء کی سیاسی تحریک اور جرائم کے مطالعے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی جبکہ مسلمانوں کے جذبات ایک سے زیادہ مرتبہ انگریزوں کے خلاف بھڑکائے گئے تھے مسلمانوں اور ہندوؤں کا تناسب ایک تیس کا تھا۔ ہمیں یہ بھی یاد نہیں پڑتا کہ کسی مسلمان اخبار نے بھی گزشتہ دو برس میں کسی سیاسی قاتل کے ساتھ ہمدردی کا

ایک لفظ بھی کہا ہو حالانکہ ہندو کانگریسی اخباروں نے کئی مہینوں تک ایسے سیاسی مجرموں کی قصیدہ خوانی کی"۔ ۹۲، ۹۳

مسلمانوں کی یہ سیاسی بیداری کہ ہمیں ہندوؤں کا آلہ کار بن کر سول نافرمانی اور بائیکاٹ نہیں کرنا چاہئے۔ اکثر و بیشتر جماعت احمدیہ ہی کی مرہون منت تھی۔ جیسا کہ ایک غیر مسلم صحافی سردار ارجن سنگھ ایڈیٹر "رنگین" امرتسر نے انہیں دنوں بالوضاحت لکھا تھا۔

"خلیفہ قادیان کانگریس کے ہمیشہ مخالف رہے ہیں۔ اگرچہ کسی زمانہ میں قریباً تمام کے تمام مسلمان کانگریس کے ساتھ ملنا باعث عزت سمجھتے تھے۔ لیکن اس وقت بھی خلیفہ قادیان کا کوئی مرید کانگریس کے ساتھ شامل نہ ہوا۔ جن دنوں سول نافرمانی کا بڑا زور تھا اور مسلمانوں کی اکثریت سول نافرمانی کی حامی تھی لیکن خلیفہ قادیان کو سول نافرمانی سے کسی قسم کا تعلق نہ تھا بلکہ آپ سول نافرمانی کو ملک کے لئے مضر خیال کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے پیروؤں میں سے کسی ایک نے بھی کبھی اور کسی حالت میں سول نافرمانی کی حمایت نہ کی۔ الغرض احمدی جہاں مذہبی احکام میں اپنے لیڈر کی پیروی کو ضروری خیال کرتے ہیں وہاں سیاسی لحاظ سے بھی اپنے خلیفہ کی تابعداری کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اور لطف تو یہ ہے کہ بحالات موجودہ خود مسلمانوں کی بڑی بھاری اکثریت بلکہ ایک معنی میں ساری کی ساری قوم کانگریس سے قطع تعلق کر چکی ہے..... گویا مسلمان بحیثیت قوم انہی سیاسی عقائد کی جانب مائل ہو رہے ہیں جو پہلے پہل خلیفہ قادیان نے پیش کئے تھے"۔ ۹۴

نیز لکھا۔

"جن دنوں ملک میں سول نافرمانی بہت زوروں پر تھی اور مسلمان بھی اس کے حامی تھے..... سول نافرمانی کے حامی مسلمانوں نے سول نافرمانی کے مخالف مسلمانوں پر زندگی تنگ کر رکھی تھی یہاں تک کہ مخالفین سول نافرمانی کے جنازوں تک کو بھی قبروں میں دفن کرنے سے روکا گیا۔ ان حالات کو دیکھ کر سول نافرمانی کے مخالف مسلمانوں کو کسی ایسی منظم جماعت کی تلاش ہوئی جو سول نافرمانی کی مخالف ہو .... جماعت احمدیہ ایک منظم جماعت ہے اور یہ جماعت اپنے خلیفہ کے حکم کے ماتحت سول نافرمانی کی مخالف تھی چنانچہ بعض بڑے بڑے مسلمانوں نے احمدیوں کے ساتھ سیاسی اتحاد ضروری خیال کیا ..... تھوڑے ہی عرصہ بعد کانگریسی مسلمان بھی کانگرس سے علیحدہ ہونے شروع ہوئے اور اب مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال جاگزین ہونے لگا کہ سیاسی لحاظ سے احمدیوں کا عقیدہ دوسری مسلمان جماعتوں کی نسبت زیادہ صحیح تھا۔ چنانچہ پڑھے لکھے مسلمانوں کی اکثریت اس بات کے حق میں ہو گئی کہ جماعت احمدیہ سے سیاسی اتحاد رکھا جائے"۔ ۹۵، ۹۶

جماعت احمدیہ کی تنظیم اور مرکزیت کو تباہ کرنے کا منصوبہ اگرچہ ۱۹۲۳ء کی شدھی تحریک کے زمانہ ہی سے کانگریس کے لیڈروں اور دوسرے ہندوؤں میں جماعت احمدیہ کے خلاف انتقامی جذبات و خیالات سختی اور تلخی کی حد تک پہنچ چکے تھے مگر ۱۹۲۸ء میں جب حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے نہرو رپورٹ کے خلاف منظم احتجاج کیا اور ملک کے ہر گوشہ میں موثر آواز بلند کی۔ تو ہندو عصبیت کے غیظ و غضب کی کوئی انتہاء نہ رہی اور اس نے جماعت احمدیہ کی تنظیم اور مرکزیت کو صفحہ ہستی سے معدوم کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے لئے ایک خفیہ منصوبہ تیار کر کے اندر ہی اندر کوششیں شروع کر دیں۔

اس منصوبہ کا انکشاف ایک مسلمان وکیل کے ذریعہ سے ہوا جس نے ایک ہندو سے پتہ چلا کر مکرم فضل کریم صاحب بی۔ اے' ایل ایل۔ بی کو آگاہ کر دیا۔ جس پر انہوں نے حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں ۷/ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو مندرجہ ذیل خط لکھا۔

"سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ' حضور کو قبل اس کے ہندوؤں کی مخالفت اور بغض کے متعلق کافی علم ہے۔ مگر کل ہی مجھے ایک مسلمان وکیل دوست سے ایک ایسے امر کے متعلق علم ہوا کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب ہندوؤں نے (منظم رنگ میں) ORGINIZED ہمارا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور اس کی طرف اپنے عوام کو بھی..... تیار کر رہے ہیں خصوصیت سے گزشتہ ایک دو سال اور موجودہ نہرو رپورٹ کی ہماری طرف سے مخالفت نے انہیں آگ لگادی ہے۔ اس دوست نے مجھے بتلایا کہ ایک ہندو نے مجھے بتلایا ہے کہ احمدی ملکی ترقی میں ایک زبردست روک ہیں ہم انہیں CRUSH کر کے چھوڑیں گے اور سارے ملک کے ہندوؤں نے یہ ٹھان لیا ہے اور اس کے لئے روپیہ کا بھی انتظام کیا جائے گا میں نے دوست سے دریافت کیا کہ وہ کس حیثیت کا انسان ہے تو انہوں نے بتلایا کہ معمولی انسان ہے جس سے یہ ظاہر ہے کہ عوام میں بھی ہماری مخالفت اور مقابلہ کی روح پھونکی جا رہی ہے"۔

اس منصوبہ کے انکشاف سے چند ماہ پہلے "احرار المسلمین" کے نام سے ایک گمنام انجمن قائم ہوئی جس کے زیر اہتمام قادیان سے "پیغام حق" نامی گالیوں سے پر ایک ہفتہ وار اخبار شائع ہونے لگا۔ کانگریس کے سفیر [۹۷] مولانا ظفر علی خاں صاحب کے اخبار "زمیندار" نے جو ان دنوں کانگریس کی "تحریک آزادی" کے لئے وقف تھا اس اخبار کا تعارف کراتے ہوئے ایک لمبا چوڑا تبصرہ کیا جس میں خاص طور پر لکھا کہ۔

"پیغام حق کے مقاصد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ قادیانی جماعت اور ان کے قائد اور قادیانی

اخبارات کے وجود سے جو مفاسد اشاعت پا رہے ہیں ان کا سدباب کرے..... اس غرض کی اہمیت محتاج بیان نہیں اور گھر کا بھیدی ہونے کے لحاظ سے اس کام کو جس خوبی سے "پیغام حق" سرانجام دے سکتا ہے وہ دوسرے اخبارات کے امکان میں نہیں۔ سیاسیات وطن کے بارے میں "پیغام حق" ان جرائد کا ہم نوا ہو گا جو ملک کے مختلف الخیال جماعتوں کو متحد کر کے آزادی و استقلال کے لئے رستہ صاف کر رہے ہیں"۔ ۹۸

اخبار "پیغام حق" کی اشاعت کے تھوڑے عرصہ بعد دسمبر ۱۹۲۹ء میں مجلس احرار اسلام ہند کا قیام ہوا اور ۱۹۳۰ء میں امیر شریعت احرار کانگریس کی سول نافرمانی میں حصہ لینے کی وجہ سے قید ہو گئے۔ چنانچہ سید عطاء اللہ شاہ صاحب کی سوانح عمری میں لکھا ہے۔ "انڈین نیشنل کانگریس نے ۱۹۲۹ء کے اجلاس میں بمقام لاہور جب آزادی کامل کی قرارداد منظور کی تو اس کی تائید و اشاعت میں آپ نے نہایت انہماک اور سرگرمی سے حصہ لیا۔ اور جب مہاتما گاندھی جی کی قیادت میں آزادی کا بگل بجایا گیا اور ممکن سول نافرمانی کا ملک میں آغاز ہوا۔ تو آپ پیش پیش رہے اور تمام ہندوستان میں کانگریس کے پروگرام کی اشاعت کے لئے طوفانی دورے کئے اور آخر کار بتاریخ ۳۰/ اگست ۱۹۳۰ء کو دیناج پور بنگال میں ۱۰۸ الف کے تحت گرفتار کر لئے گئے..... اس مقدمہ میں آپ کو ۲۰/ اکتوبر کو چھ ماہ قید سخت کی سزا دی گئی شاہ صاحب نے معیاد اسیری علی پور اور ڈم ڈم جیل میں گزاری"۔ ۹۹

شاہ صاحب بالآخر ڈم ڈم جیل سے گاندھی جی اور حکومت کی عارضی صلح کے نتیجہ میں رہا ہو کر پنجاب آئے اور رہا ہوتے ہی آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ ۱۴/ جون ۱۹۳۱ء کو بٹالہ کی انجمن شباب المسلمین کے سالانہ اجلاس میں احمدیت کے خلاف ایک اشتعال انگیز تقریر کی جس میں کہا۔ "میں سر سے پاؤں تک سیاسی آدمی ہوں۔ میری یہ دلی آرزو ہے کہ مسلمان اور اسلام پر قائم ہو کر مروں۔ مجھے اس بات کا فخر ہے کہ میں اسلام کا فرزند ہوں قادیان کے لٹھ بازوں کی ہمیں کیا پرواہ ہے ہم اس کھونٹے ہی کو اکھاڑنے کی فکر میں ہیں جس پر قادیانی ناچتے ہیں...... آئین ہمارے ہاتھ میں آ رہا ہے۔ سائمن رپورٹ تو ہمارے قدموں میں ہے لیکن ہم سوراج چاہتے ہیں۔ وہ بھی ہمیں چند تحفظات کے ساتھ دیا جا رہا ہے۔ جسے ہم منظور نہیں کرتے کل کو گورنمنٹ ہماری ہو گی۔ مرزائی کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب حکومت وقت کے تحت اطاعت سے رہنا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ

"اب گورنمنٹ ہماری ہے"۔

جنگ آزادی کے سپاہی بنو۔ آؤ آج میرے ساتھ بحالی امن کے ذمہ دار بنو۔ میرے رضاکار بنو۔ پھر دیکھو! میں مرزائی کیمپ پر کس طرح پکٹنگ کرتا ہوں"۔ ۱۰۰

اسی تقریر میں انہوں نے یہ بھی کہا۔ "سیاسی طور پر مسلمان کانگریس کی مدد کریں احمدی ہمیشہ سے خوشامدی چلے آئے ہیں۔ چنانچہ ان کا پیر بھی خوشامدی ہی تھا۔ جس دن ہمیں حکومت ملی اور میں وزیر اعظم ہو گیا۔ یہ لوگ میرے بوٹ چاٹا کریں گے مسلمانوں کو گاندھی جی کے پیچھے چلنا چاہئے یہ وہی شخص ہے جس نے ہندوستان کو آزادی دلائی۔ مرزا صاحب نے آکر دنیا کو کونسی آزادی دلائی تھی۔ انہوں نے تو آکر غلام بنادیا۔ یہ لوگ جب سوراج مل گیا تو گاندھی جی کی سرداری تسلیم کریں گے اور اب تو گائے پر لڑتے ہیں پھر گائے کا پیشاب پیا کریں گے"۔ [۱۰۱]

دوسرا باب (فصل چہارم)

تحریک کشمیر اور احرار ہند

تحریک کشمیر میں جماعت احمدیہ کی مخالفت اور اس کا مقصد

سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی

مندرجہ بالا تقریر کے ایک ماہ بعد ۲۵ / جولائی ۱۹۳۱ء کو مسلمانان کشمیر کی امداد کے لئے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام ہوا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ صدر منتخب کئے گئے۔ جس پر پنجاب کے ہندو پریس احرار اور مولوی ظفر علی خاں تینوں احمدیت اور احمدیوں کے خلاف میدان مخالفت میں آگئے اور لعن و تشنیع کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ [۱۰۲]

اس تحریک میں مجلس احرار نے جو کردار ادا کیا ہے وہ تاریخ حریت کشمیر میں ایک بہت بڑا المیہ اور سانحہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس تحریک میں احرار کی شمولیت مسلمانان کشمیر کی ہمدردی و غم خواری کے جذبہ کا نتیجہ تھی یا کانگریس اور ہندو پریس کی ہمنوائی میں محض جماعت احمدیہ کی مخالفت!! اس بارے میں "مہاتما" [۱۰۳] چوہدری افضل حق صاحب مفکر احرار کی شہادت قابل توجہ ہے۔ آپ ۱۹۳۱ء میں احرار لیڈروں کی رہائی کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"گاندھی جی کو اپنے تعاون کا یقین دلانے کے لئے سید عطاء اللہ شاہ اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب بمبئی گئے۔ لیکن مہاتما جی کی روح لندن کے متعارف کوچوں کی دوبارہ سیر کے لئے بے تاب تھی چھوٹا بھائی بڑے بھیا (یعنی گاندھی۔ ناقل) کو کھل کر مشورہ نہیں دے سکتا۔ گورو کو کون کہے کہ بوڑھے بابا کرم کرو..... اس دوران میں کشمیر پھر دیوار گریہ بن گیا۔ سرینگر نے خون شہداء کے باعث کربلا کی سی صورت پیش کی...... ابھی ہماری ست فکری کسی منزل پر نہ پہنچی تھی کہ کچھ عافیت کوش مسلمان شملے [۱۰۴] کی بلندیوں سے بادل کی طرح گرجے...... ان خانہ برباد رؤسا اور امراء [۱۰۵] نے غضب یہ ڈھایا کہ مرزا بشیر محمود قادیانی کو اپنا قائد تسلیم کر لیا۔ جمعیت العلماء نے ستم یہ کیا کہ اس بشیر کمیٹی سے تعاون کا اعلان کر دیا (؟) اس شخص نے اہل خطہ کی خدمت یہ کی کہ مرزائی مبلغ بھیج کر سرکاری نبوت کی اشاعت

شروع کر دی اور دنیا بھر میں ڈھنڈورا پیٹا کہ پورے اسلامی ہند نے اسے لیڈر مان کر اس کے باپ کی نبوت کی تصدیق کر دی ہے...... اس لئے باخبر اہل مذاہب کو مرزائی مبلغوں کے ہاتھوں مسلمانان کشمیر کے ارتداد کا خطرہ لاحق ہو گیا"۔ [۱۰۶]

قارئین کو "تاریخ احمدیت" کی گزشتہ جلد سے معلوم ہو چکا ہو گا کہ خط کشیدہ الفاظ میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ جھوٹ اور بہتان کی بدترین مثال ہے لہٰذا ہم اس پر کوئی مزید تبصرہ کئے بغیر چودھری افضل حق صاحب کی تحریر کا اگلا حصہ نقل کرتے ہیں۔

"میں..... اس پیدا شدہ صورت حال سے گھبرا گیا اور لاہور پہنچا میں نے دیکھا کہ مولانا داؤد غزنوی [۱۰۷] تانگے پر سوار پریشان سے جا رہے ہیں۔ پوچھا کدھر کا عزم ہے کہا کہ مرزائی قیادت مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہو گی۔ میں شہر کے علماء سے مل کر ان کی قیادت کے خلاف اعلان کرانا چاہتا ہوں...... اسی دن یا اگلے دن علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی صدارت میں محمڈن ہال میں عمائدین شہر کا جلسہ تھا جس میں کشمیر کی اوس بڑی قسمت زیر غور تھی۔ مولانا مظہر علی غالباً مولانا داؤد غزنوی [۱۰۸] بھی اور میں بھی محمڈن ہال گئے خیال یہ تھا کہ کوئی تدبیر لڑا کر مرزا بشیر کی کمیٹی کے مقابلے میں احرار کے حق میں ان لوگوں کی تائید حاصل کی جائے باقی حاضرین طبقہ اولیٰ سے متعلق تھے وہ احرار کے نام پر حقارت سے منہ بسورتے تھے مگر ڈاکٹر صاحب احرار کو آگے بڑھانے پر بضد تھے۔ بہر حال ہم بزوری و بزاری ان کا اعلان اپنے حق میں کروانے میں کامیاب ہو گئے۔ بس تھوڑی سی کھڑے ہونے کو جگہ ملی تھی بیٹھے اور پاؤں پسار کر ساری جگہ پر قبضہ کرنے کے لئے ہمت درکار تھی"۔ [۱۰۹]

پھر لکھتے ہیں۔ "علامہ سر محمد اقبال..... کشمیر کمیٹی کے...... ضرور ممبر ہو گئے تھے لیکن یہ کیفیت اضطراری تھی۔ وہ فوراً سنبھل کر کشمیر کمیٹی کی تخریب میں لگ گئے اور احرار کی تنظیم کی ہر طرح حوصلہ افزائی کرنے لگے۔ [۱۱۰]

احرار نے "بزوری و بزاری" اعلان کروانے میں کامیاب ہونے کے بعد کشمیر کمیٹی کی "تخریب" اور "پاؤں پسار کر ساری جگہ پر قبضہ کرنے کے لئے" وسیع پیمانے پر جارحانہ کارروائی شروع کر دی۔

تحریک آزادی کو تباہ کرنے کے لئے پہلا قدم

اس سلسلہ میں تحریک آزادی کو تباہ کرنے کے لئے ایک خطرناک قدم یہ اٹھایا گیا کہ ایک طرف تو کشمیر کمیٹی سے وابستہ مسلم زعماء (مثلاً خواجہ حسن نظامی صاحب' مولوی محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی' سید حبیب صاحب آف "سیاست" اور مولانا غلام رسول صاحب مہر) کو مرزائی یا مرزائی نواز قرار دے کر مسلمانان ہند کو بددل کرنے کی سرتوڑ کوشش کی۔ [۱۱۱] اور دوسری

طرف ان تمام کشمیری لیڈروں کو جو اندرون ریاست قیادت کر رہے تھے اور کشمیر کمیٹی سے رابطہ رکھتے تھے بے بنیاد اور مفتریانہ پراپیگنڈا کر کے ناکام بنانے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اگرچہ ڈوگرہ حکومت اور پنجاب کا ہندو پریس لگاتار یہ حربہ استعمال کرتے رہے تھے مگر احرار ان دونوں سے گوئے سبقت لے گئے جس سے تحریک کشمیر کو سخت نقصان پہنچا اور کشمیری لیڈر از حد پریشان ہو گئے۔ چنانچہ جناب اللہ رکھا صاحب ساغر نے جموں سے مولانا سید حبیب صاحب مدیر "سیاست" کو مندرجہ ذیل مکتوب لکھا۔

۳۱-۱۰-۲۴ پرائیویٹ چٹھی

حضرت مولانا! السلام علیکم۔ شرمندہ ہوں کہ آپ کو الوداع نہ کہہ سکا۔ یہاں احرار والوں نے سخت کمینہ پراپیگنڈا شروع کر دیا ہے اور جعلی تار دلائے جا رہے ہیں۔ جن میں نمائندگان کشمیر پر عدم اعتماد کا اظہار کیا جا رہا ہے اور افواہیں پھیلائی جا رہی ہیں کہ نمائندے روپیہ بٹور گئے ہیں۔ جموں کی صورت حالات حد درجہ تشویشناک ہو گئی ہے۔ اندیشہ ہے کہ عوام گمراہ نہ ہو جائیں احرار والوں کی گوشمالی کی شدت سے ضرورت ہے لیکن صرف آپ کی طرف سے ایسوسی ایشن خاموش رہے گی البتہ اندرونی طور پر ہم سب کچھ کریں گے۔

کیا آپ "کشمیری مسلمان" کی طرز کا کوئی اخبار احرار والوں کے شرمناک پروپیگنڈا کی روک تھام کے لئے جاری کر سکتے ہیں؟

"انقلاب" کی طرح "سیاست" کے پرچے بھی تین یوم کے بعد "مطبوعہ مواد" کے پاکٹ میں بھجوا دیا کریں تو نوازش ہو گی۔ تاکہ ہم بھی "سیاست" کے مشورہ سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔

خادم

اے۔ آر۔ ساغر جموں

مولانا سید حبیب صاحب نے یہ مکتوب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں مندرجہ ذیل نوٹ کے ساتھ بھجوا دیا۔ "حضرت مرزا صاحب السلام علیکم ...... یہ خط بغرض اطلاع ابلاغ خدمت ہے۔ میں حاضر ہوا تھا آپ موجود نہ تھے۔ حبیب"۔

پرائیویٹ چٹھی

24.10-31

حضرت مولانا السلام علیکم

شرمندہ ہوں کہ آپ کو الوداع نہ کہہ سکا - یہاں احرار والوں نے
سخت کشمیر پراپیگنڈا شروع کر دیا ہے - اور جعلی تار روانہ کئے جا رہے
ہیں جن میں نمائندگان کشمیر پر عدم اعتماد کا اظہار کیا جا رہا ہے اور
افواہیں پھیلائی جا رہی ہیں کہ نمائندے روپیہ بٹور رہے ہیں - جس
کی صورت حالات - حد درجہ تشویشناک ہو گئی ہے - اندیشہ ہے کہ عوام
گمراہ نہ ہو جائیں - احرار والوں کی گرفتاری کی شدت سے ضرورت
ہے لیکن حکومت پنجاب کی طرف سے ایسی کارروائی سردست خاموش رہیگی
البتہ انفرادی طور پر ہم سب کچھ کرینگے -

کیا آپ "کشمیری مسلمان" کی طرز کا کوئی اخبار احرار والوں کے شرمناک
پراپیگنڈا کی روک تھام کے لیے جاری کر سکتے ہیں ؟

"انقلاب" کی طرح سیاست میں بھی [illegible] "مطبوعہ
سواد" میں پاکٹ بک بھجوا دیا کریں تو نوازش ہو گی تاکہ ہم بھی سیاست
مستورہ سے فائدہ اٹھاتے رہیں
خادم
[illegible] جموں

[illegible]
حضور [illegible] مرزا صاحب

[illegible] فرزند ارجمند کی ولادت باسعادت مبارک [illegible]

یہ خط بغرض اصلاح ارسال ہے۔ [illegible] آپ
[illegible]

مجلس احرار نے سب سے زیادہ جس شخص کو ہدف تنقید بنایا وہ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب تھے چنانچہ شیخ صاحب نے ۳۰/ دسمبر ۱۹۳۳ء کو مولانا عبدالرحیم صاحب درد [۱۱۲] کے نام خط لکھا کہ "میرے خلاف احراری لوگ پنجاب میں برابر احمدی ہونے کا پراپیگنڈا کر رہے ہیں ...... میں مجلس احرار کے کارکنوں سے ملا تھا انہوں نے کہا۔ جب تک تم احمدیوں کو خارج نہ کرو گے...... ہم سے صلح نہیں ہو سکتی۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ بات ناممکن ہے۔ ہمیں پرواہ نہیں آپ اگر آسمان پر جا کر میرے خلاف پراپیگنڈا کریں گے کہ یہ احمدی ہے لیکن خدا اور کشمیر کے لوگ خوب جانتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے۔ احمدیوں کا کسی سیاسی جماعت سے عقیدہ کی بنا پر علیحدہ کرنا دنیا میں کہیں نہیں دیکھا ہے۔ یہ صرف احرار کا ہی نرالا اصول ہے۔ بہرحال کشمکش جاری ہے"۔

احرار ہند کا ایک ایسے وقت میں جبکہ مسلمانان کشمیر کی تحریک آزادی پوری کامیابی سے جاری تھی زعمائے آزادی کے خلاف مہم چلانا مفاد اسلامی سے صریح غداری کے مترادف تھا جس کی دشمنان اسلام کے ہاتھ میں کھلونا بننے والوں کے سوا کسی اور سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی یہ ایک ایسی کھلی بات

تھی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو بھی لکھنا پڑا۔

"اس اختلاف کا ظاہری سبب قادیانیت ہے سارے ملک کے نمائندے سات ارکان بنائے گئے جن میں ایک رکن قادیانی بھی ہے جمہور امت قادیانی کا دخل نہیں چاہتی۔ شیخ عبداللہ لیڈر اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں یہ وقت ان باتوں کا نہیں..... ہم اس بارے میں تینوں گروہوں کو...... تو یہ سمجھاتے ہیں کہ یہ وقت تمہارے اختلاف کا نہیں قادیانی کو پہلے داخل نہ کرتے تو خوب ہوتا۔ لیکن جب داخل ہو گیا تو اب اس کے اخراج پر جھگڑا پیدا نہ کریں۔...... پس اہل کشمیر اعداء کے داؤ پیچ سے بچ کر باہمی اتفاق سے رہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مثل صادق آجائے۔ "دو مرغ جنگ کنند فائدہ تیر دیگر"۔ ۱۱۳

مگر افسوس "اعداء کے داؤ پیچ" نے مجلس احرار کو کشمیری لیڈروں خصوصاً شیخ عبداللہ صاحب کے خلاف سالہا سال تک بر سرپیکار رکھا۔ جناب چراغ حسن صاحب حسرت اور احرار کشمیری لیڈروں سے عدم مفاہمت کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"کشمیر کے لیڈر خصوصاً شیخ عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو کشمیر کمیٹی کی امداد قبول کرنے میں تو دریغ نہیں تھا لیکن احرار سے تعاون کرنے میں انہیں سخت تامل تھا۔ اس کی کئی وجہیں تھیں ایک تو احرار کے دامن پر کانگریس کے تولد کا جو داغ تھا وہ ابھی پوری طرح نہیں دھلا تھا...... ادھر احرار...... کشمیر کے نوجوان لیڈروں کو خاطر ہی میں نہیں لاتے تھے۔ اور اس بات پر مصر تھے کہ کشمیر کے بارے میں جو فیصلہ کیا جائے ہمارے مشورہ سے کیا جائے۔ ادھر کشمیری نوجوانوں کا انداز کچھ اس قسم کا تھا۔ کہ اگر آپ کشمیر کمیٹی کی طرح ہماری مدد کر سکتے ہیں تو شوق سے کیجئے۔ ورنہ ہمارے معاملات میں دخل نہ دیجئے۔ ۱۱۴

تحریک آزادی کو تباہ کرنے کے لئے مجلس احرار ہند نے کشمیری لیڈروں کو بدنام

دوسرا قدم اور اس کے خوفناک نتائج

کرنے کے ساتھ ساتھ سب سے خطرناک رستہ یہ اختیار کیا کہ عین اس وقت جبکہ یہ آئینی تحریک (آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بدولت) کامیابی کی منازل طے کر کے ایک اہم مرحلہ میں داخل ہو رہی تھی درمیان میں آگئے اور ریاست میں جتھے بھیجنے کا اعلان کر دیا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی جدوجہد کے باعث چونکہ پورے ملک میں زبردست جوش و خروش پیدا ہو چکا تھا اس لئے لوگ دیوانہ وار آگے بڑھے احرار نے رضاکاروں کے بکثرت جتھے بھیجنے شروع کر دیئے یہ جتھے سیالکوٹ (مدینہ احرار) ۱۱۵ اور سوچیت گڑھ کے راستے جموں کے علاقے میں داخل ہوتے تھے جہاں وہ گرفتار کر لئے جاتے تھے بعض جتھے راولپنڈی سے کوہالہ پہنچے اور وہاں گرفتار کر لئے گئے۔ ۱۱۶

"تاریخ احرار" میں لکھا ہے کہ "کانگریس کی کسی سول نافرمانی میں ۸۰ ہزار سے زیادہ ہندو مسلمان اور دوسری اقوام مل کر ایک سال تک قید نہیں ہوئے پنجاب میں تین ماہ کے اندر احرار نے ۵۰ ہزار نفوس کو جیل بھجوا دیا"۔ (صفحہ ٦٣) ان "۵۰ ہزار نفوس" اور ان کے خاندانوں پر کیا بیتی یہ الگ مستقل مضمون ہے۔

اس بیرونی مداخلت اور ہنگامہ آرائی کے علاوہ احرار نے جموں کے بعض نوجوان لیڈروں سے گٹھ جوڑ کر کے میرپور کے علاقہ میں عدم مالیہ کی تحریک اٹھادی۔ چراغ حسن حسرت لکھتے ہیں۔ "احرار کی تحریک کا زور بندھا۔ تحقیقاتی کمیشن کا اعلان ہو چکا تھا اور کشمیری بہت حد تک مطمئن نظر آتے تھے۔ احرار کی تحریک کا غلغلہ بلند ہوا تو یہ لوگ ڈرے کہ یہ جوشیلے لوگ کہیں سارا کام نہ بگاڑ دیں"۔ [۱۱۷] مظلوم کشمیریوں کا یہ خدشہ حرف بحرف صحیح نکلا اور حکومت کشمیر نے اس سول نافرمانی کی آڑ لے کر اہل کشمیر پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کر دیئے اور شیخ عبداللہ اور دوسرے کشمیری لیڈر ۲۷/ جنوری ۱۹۳۲ء کو جیلوں میں ڈال دیئے گئے اور میرپور کے ستم رسیدہ مسلمان اپنے وطن عزیز کو چھوڑ کر علاقہ انگریزی میں پناہ گزین ہو گئے۔

چوہدری افضل حق صاحب مفکر احرار کا اعتراف

چنانچہ چوہدری افضل حق صاحب لکھتے ہیں۔ "علاقہ میرپور میں زیادہ تر اسلامی آبادی تھی۔ وہاں جو ہلچل ہوئی...... تو ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ مصیبتوں سے کہیں پناہ نہ پا کر ریاستی مسلمان دھڑا دھڑ انگریزی علاقے میں چلے آئے۔ اف! بے سرو سامانی اور غریب الوطنی!..... جہلم کے کنارے یہ قافلے اترے۔ شہر ہے ہی کتنا۔ جو مہاجرین کی بڑی تعداد کے لئے پناہ گاہ ہوتا؟ باشندوں نے بڑی جان لڑائی مگر یہ بوجھ ان کی برداشت سے زیادہ تھا..... ایسے بوجھ کو تو سلطنت بھی برداشت نہیں کر سکتی"۔ [۱۱۸]

اپنا دامن بچالینے کی کامیاب کوشش

میرپور میں بغاوت کے شعلے بھڑکا کر احرار کس طرح اپنا دامن صاف بچا کر نکل آئے اس کی تفصیل چوہدری افضل حق صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔ "اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے جتھے اس علاقہ میں ضرور جاتے تھے مگر سول نافرمانی کے لئے نہ کہ تشدد کو ہوا دینے کے لئے۔...... ورکنگ کمیٹی میں سے صرف میں ہی ایک شخص جیل سے باہر تھا حکام کو بتایا گیا کہ میں ہی بیٹھا تار ہلا رہا ہوں۔ تجویز یہ ہوئی کہ مجھے اور آخری جتھے کے آدمیوں کو بغاوت کی آگ بھڑکانے کے جرم میں گرفتار کر لیا جائے۔ سر جافرے گورنر پنجاب ایک شریف انگریز تھا۔ اس نے کہا کہ گرفتاریوں سے قبل واقعے کی تحقیق کی

جائے۔ کہ یہ کام احرار کا ہے بھی یا نہیں۔ خدا کی نظر عنایت ہو تو دشمن دوست ہو جاتے ہیں۔ مخالف موافق ہو کر دوش بدوش لڑنے لگتے ہیں۔ یہ صحیح خبر مجھے ایسے ذمہ دار شخص نے دی جس سے یہ توقع نہ تھی۔ اس نے مجھے رات کے ڈیڑھ بجے جگایا۔ اطلاع کے ساتھ یہ مشورہ بھی دیا کہ اردو روزنامہ "احرار" کے ساتھ انگریزی صفحہ زیادہ کرلیا جائے۔ تاکہ انگریزی افسران کو پارٹی کے پرامن مقاصد کا علم ہو۔ ورنہ یہ تحقیقات آپ کی ذات تک محدود نہ رہے گی......... چنانچہ مجھے دوسرے ہی دن صرف کثیر سے روزنامہ "احرار" کے ساتھ انگریزی ضمیمے کا اضافہ کرنا پڑا۔ حالات سے بے خبر دوستوں نے کہا کہ یہ امیری کرلی؟ حالانکہ یہ غریبوں کا بچاؤ تھا...... انگریزی پولیس نے تحقیقات شروع کی۔ سپرنٹنڈنٹ سی۔ آئی۔ ڈی خان بہادر مرزا معراج دین نے میرے بیانات لئے۔ میں نے تشدد کے الزام سے اپنا اور پارٹی کا دامن پاک بتایا"۔ [۱۱۹]

ادھر اہل کشمیر مبتلائے آلام ہو کے نظر بند اور بے خانماں ہوئے ادھر احراری "مجاہدوں" کا سب جوش و خروش ختم ہو گیا چنانچہ چوہدری افضل حق صاحب لکھتے ہیں :-

"مسلمانوں میں ان دنوں تحریک خلافت سے زیادہ سرگرمی تھی پنجاب کے مسلمانوں کو ایک نشہ سا چڑھا تھا سول نافرمانی کو چوتھا مہینہ تھا مگر یہ سیاسی طوفان برابر بڑھ رہا تھا........ اتنے میں رمضان [۱۲۰] کا مہینہ آگیا۔ میں متوقع تھا کہ مسلمانوں میں جہاد کا جوش اور شہادت کا شوق بہت بڑھ جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ یہ جوش اور یہ شوق مسلمانوں کو بالکل سرمست کردے اور تحریک میں نظم قائم نہ رہ سکے"۔

"میں نے دیکھا کہ پوری قوم پر اوس پڑ گئی ہے۔ ہر شخص جیل جانے کی بجائے روزہ رکھ کر گھر میں معتکف ہو بیٹھا پوری نو کروڑ کی آبادی میں سے ایک بھی تو نظر نہ آیا۔ جس نے خوش دلی سے یہ کہا ہو کہ رمضان میں ہم امتحان کے لئے تیار ہیں"۔ [۱۲۱]

تحریک کشمیر میں اس عبرتناک ناکامی پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:- "یہ میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ مجاہد روزوں کے بہانے کھسک جائیں گے۔ ہمارے دلوں میں مذہب نے کیسی بری صورت اختیار کرلی ہے جہاد قولی عبادتوں اور رسمی روزوں پر قربان کیا جانے لگا ہے۔ غرض جو نہ ہونا چاہئے تھا وہ ہوا رمضان میں عام مسلمانوں کی خاموشی میدان سے باقاعدہ پسپائی نہ تھی۔ بلکہ ہتھیار اٹھانے سے کانوں پر ہاتھ دھرنا تھا۔ ان حالات میں دفتر نے اعلان کردیا کہ عید کے بعد سول نافرمانی کا پروگرام زور شور سے جاری کیا جائے گا۔ حالانکہ اب کسی "زور شور" کی امید باقی نہ تھی اب ہمارے پاس بہت تھوڑے والنٹیر رہ گئے تھے وہ بھی کٹے پتنگ کی طرح اداس اور اکیلے اکیلے سڑک کے حاشیوں پر پھرتے تھے۔ بھاگڑ مچی فوج کا دوبارہ مربوط ہو کر لڑنا خوش قسمتی کا کھیل ہوتا ہے ورنہ قانون قدرت یہی ہے کہ

صفوں کے اکھڑے پاؤں نہیں جمتے"۔[۱۲۲]

پھر لکھتے ہیں :۔ "اگرچہ تحریک سے جان نکل چکی تھی لیکن مخلصین کا ایک حصہ ایسا ضرور تھا۔ کہ اگر ان کے بچوں کے نان و نمک کا سامان کر دیا جائے تو وہ جیل کو کھیل سمجھیں۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ مالی مدد بہم پہنچائی جائے سیالکوٹ میں ایک معقول رقم پڑی تھی۔ دوستوں نے مشورہ دیا کہ تم خود جاؤ لے آؤ۔ وقت کی بات ہوتی ہے۔ کہ سیالکوٹ کے مقامی کارکن ایک کانگرسی دولت کے زیر اثر آچکے تھے۔ انہوں نے بھرے جلسے میں کہہ دیا کہ یہ رقم مرکز کو نہیں مل سکتی۔ یہ بہت ہی برا ہوا۔ اگر یہ مدد مل جاتی تو قیاس تھا کہ تحریک ایک ماہ اور بغیر ہماری کمزوری کے اظہار کے زور پر نظر آتی"۔[۱۲۳]

مردوں کے بعد عورتوں کو جیل میں بھجوانے کی ناکام کوشش

احراری مردوں کے عزائم جو یوں پست ہو گئے تو عورتوں کو جیل بھجوانے کی کوشش جاری کر دی گئی۔ مگر یہ جدوجہد بھی پوری طرح ناکام ہو گئی۔ چنانچہ چوہدری افضل حق صاحب لکھتے ہیں۔

"جب مردوں کا مذہب میدان محاربہ کو چھوڑ کر رمضان کے روزوں اور نمازوں کے لئے معتکف ہو جانا ہو تو حالات زمانہ سے ناواقف رکھی ہوئی عورتیں تعلیم اسلامی سے بے خبر بے چاریاں کیا پہاڑ ڈھائیں...... مردہ تحریک کو زندہ کرنا کسی کے بس کا روگ نہ تھا...... بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے اور بڑے جتن کئے مگر خاکستر کو کون سلگا سکتا ہے۔ ناچار عورتوں کو آگے بڑھایا کہ شاید مردوں کی ہمت بڑھے مگر ان کی نبضیں چھوٹی ہوئی تھیں"۔[۱۲۴]

ڈاکٹر علم الدین صاحب میونسپل کمشنر امرتسر کا تبصرہ

ڈاکٹر چوہدری علم الدین صاحب میونسپل کمشنر امرتسر نے تحریک کشمیر میں احرار کی افسوسناک اور نقصان دہ سرگرمیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

"احرار کا ایک وفد کشمیر پہنچا تو حکومت کشمیر نے انہیں دعوت دی کہ وہ عرصہ قیام کشمیر میں ان کے ہاں مہمان رہیں جسے احراری لیڈروں نے منظور کر لیا۔ اور حکومت کشمیر کے مہمان بن کر رہے۔ ان دنوں حکومت اور رعایا میں کشمکش تھی مسلمان نہ چاہتے تھے کہ کوئی ان کا حامی حکومت سے تعاون کرے چنانچہ احراریوں کا حکومت کے ہاں فروکش ہونا کشمیری مسلمانوں کو سخت ناگوار گزرا۔ بالخصوص اس حالت میں کہ احراری وفد نے مسلمانوں سے پوچھا تک بھی نہ کہ وہ کیا چاہتے ہیں بلکہ اپنی مرضی سے ہی چند مطالبات حکومت کشمیر کے سامنے پیش کر دیئے۔ احرار کی اس خود سرانہ حرکت سے مسلمانان کشمیر بے حد رنجیدہ ہوئے۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ ہو نہ ہو اس جماعت کا مقصد مہاراجہ کی

حکومت سے سازش کر کے اپنے فوائد حاصل کرنا اور کشمیری مسلمانوں کو حکومت کشمیر کے ہاتھوں فروخت کر دینے کے سوا کچھ نہیں۔

برخلاف اس کے انہی دنوں کشمیر کمیٹی کا ایک وفد کشمیر پہنچا۔ مہاراجہ کی حکومت کی جانب سے انہیں بھی دعوت دی گئی۔ لیکن انہوں نے حکومت کا مہمان بننے سے صاف انکار کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ وہ مسلمانان کشمیر کے جذبات کا احترام اپنا مقدس فرض سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے غریب بھائیوں کی مہمانی میں شاہی دستر خوان سے زیادہ لطف محسوس کرتے ہیں۔ وہ ان پوشیدہ جھونپڑیوں میں ہاؤس بوٹوں سے زیادہ راحت پاتے ہیں کیونکہ وہ کشمیر میں عیش کرنے اور سیر منانے کے لئے نہیں آئے بلکہ مسلمانان کشمیر کے حقوق کی حفاظت کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے وہ مسلمانوں سے تبادلہ خیالات کرنے اور ان کے آراء و افکار کا مطالعہ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ کشمیر کمیٹی کے وفد نے مسلمانان کشمیر کے مشورہ سے مطالبات کی ایک فہرست حکومت کشمیر کے سامنے پیش کر دی۔

احراری وفد کی خود سری اور کشمیر کمیٹی کے ڈیپوٹیشن کی وفادارانہ روش نے جہاں مسلمانان کشمیر کو احراریوں کی جانب سے بدظن کر دیا وہاں کشمیر کمیٹی کے ارکان سے محبت و مودت کے جذبات پیدا کر دیئے۔

احراریوں کو اعتراض ہے کہ کشمیر کمیٹی کے وفد کی مقبولیت نے کشمیر میں مرزائیت کی جڑیں لگا دیں اور ان کی بنیادوں کو مستحکم کر دیا اس لئے وہ کشمیر کمیٹی کو متہم کرتے ہیں کہ کشمیر میں مرزائیت کے فروغ کی ذمہ داری کشمیر کمیٹی کے سر پر ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ "اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست"۔ یعنی اس کی تمام تر ذمہ داری خود احرار کے سر پر ہے۔

احرار اگر اپنے اغراض کی خاطر حکومت کشمیر کی مہمانی قبول نہ کرتے اور مسلمانوں سے تبادلہ خیالات کئے بغیر نہایت خود سرانہ طریق پر مطالبات کی فہرست حکومت کے حوالے نہ کر دیتے بلکہ کشمیر کمیٹی کے وفد کی طرح عقل و خرد سے کام لیتے اپنے بھائیوں کے جذبات کا احترام فرماتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمانان کشمیر احرار سے نفرت کرنے لگتے اور کشمیر کمیٹی والوں کو آنکھوں پر بٹھلاتے۔ یہی نہیں بلکہ ان دنوں کشمیر میں احرار کے خلاف نفرت و حقارت کا ایک عام جذبہ تھا اور احراریوں کے رویہ کے خلاف برملا ملامت کی جاتی تھی اور ان کے خلاف طرح طرح کے الزامات لگائے جاتے تھے۔ مثلاً

(ا) بہت سے احراری لیڈروں کے متعلق یہ مشہور تھا کہ انہوں نے حکومت کشمیر سے نقد روپیہ لیا ہے اور اس طرح انہوں نے مسلمانوں کی غلط راہنمائی کرنے کا ذمہ اٹھایا ہے۔

(ب) یہ بھی کہا جاتا تھا کہ احراری اپنے کسی خاص لیڈر کو کشمیر میں کوئی چھوٹی موٹی وزارت یا ملازمت

دلانا چاہتے ہیں اس لئے حکومت کشمیر کے ایماء پر مسلمانوں کو ٹیڑھے راستہ پر چلانا چاہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یہ الزامات صحیح ہوں یا غلط۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اگر احرار ہاؤس بوٹوں پر جان نہ دیتے۔ اگر مرغن غذاؤں پر نہ مرتے۔ اگر سیر و تفریح کے سامانوں پر لٹو نہ ہو جاتے۔ بلکہ مسلمانان کشمیر کے ہاں فروکش ہوتے۔ ان کے نان و نمک پر قناعت کرتے تو...... یقیناً ستائیس ہزار مسلمانوں کی قربانیاں سپھل ہوتیں۔ لیکن آہ! احرار کی خود غرضیوں نے ان عظیم الشان قربانیوں کو بھی بے اثر بنا دیا"۔ ۱۲۵

تحریک کشمیر کی تخریب کے بعد پھر کانگریس کی تحریک میں

تحریک کشمیر کی صفوں میں انتشار اور مسلمانان کشمیر کے گرفتار بلا ہونے کے باعث ہندو قوم اور ڈوگرہ حکومت کا منشاء پورا ہو چکا تھا۔ اس لئے احرار بھی تحریک کشمیر کے اس ضمنی کام کو چھوڑ کر اپنے مستقل فرائض کی طرف متوجہ ہوئے یعنی کانگریس کی تحریک سول نافرمانی میں پہنچے اور بہانہ یہ بنایا کہ شاید اس طرح انگریز ریاستی مسلمانوں سے انصاف کرنے کی طرف مائل ہو جائے۔ حالانکہ احرار کے نزدیک بھی اس تحریک کشمیر کا آغاز براہ راست ہندو ذہنیت کے نتیجہ میں ہوا تھا اور جنگ دراصل انہی کے خلاف تھی۔ ۱۲۶ مگر اس واضح حقیقت کے باوجود مجلس احرار کے "مجاہد" جو تحریک کشمیر سے گھبرا اور اکتا چکے تھے کانگرس کی سول نافرمانی کو کامیاب بنانے کے لئے یکایک تازہ دم ہو گئے اور ہندوؤں کے دوش بدوش کام کرنے لگے۔ چنانچہ چودھری افضل حق صاحب "تاریخ احرار" میں لکھتے ہیں۔

"اس وقت کانگریس کی سول نافرمانی شروع تھی لیکن احرار کے عدم شمولیت کے باعث اس کی حیثیت خالص ہندوؤں کے مظاہرے سے زیادہ نہ تھی۔ ہمارے سامنے سوال یہ تھا کہ کانگریس کی سول نافرمانی میں شریک ہو کر انگریز کے گھاؤ کو گہرا کریں؟ شاید یوں انگریز ریاست کے مسلمانوں سے انصاف کرنے پر مجبور ہو جائے علاوہ ازیں یہ بھی مقصود تھا کہ کانگریس کی تحریک مسلمانوں کی شمولیت کے بغیر نہ رہ جائے۔

آخر یہی مناسب خیال کیا گیا کہ اپنے پلیٹ فارم کو قائم رکھ کر مقامی طور پر بدیشی کپڑے کی دکانوں پر پکٹنگ لگادی جائے۔ اس طرح مجلس اخراجات کی زیرباری سے بچے گی کیونکہ احرار کا خزانہ خالی ہو چکا تھا"۔ ۱۲۷

احراری لیڈروں اور مجاہدوں کی اس روش نے ان کا سارا بھرم کھول دیا۔ چنانچہ "پیسہ اخبار" نے

۱۰/ مارچ ۱۹۳۲ء (صفحہ ۶ کالم ۳) میں لکھا۔

"مجلس احرار کے موجودہ ارباب حل و عقد نے احرار کا جو تازہ پروگرام اور لائحہ عمل تیار کیا ہے۔ وہ مسلمانوں کے سواد اعظم کا مسلک نہیں کہلا سکتا۔ اسی وجہ سے عام مسلمانوں کو احرار کے جدید پروگرام سے بیزاری ہوئی۔ احرار رہنماؤں نے جدید سکیم کے ماتحت پکٹنگ' بدیشی مال کا بائیکاٹ 'بغیر ٹکٹ کے ریلوے میں سفر کرنا اور ڈاک خانہ میں بیرنگ خطوط ڈالنا وغیرہ وغیرہ نکات کو اپنے پروگرام میں جزو اعظم قرار دیا ہے اور اس پروگرام کو مرتب کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ انگریز ہماری تحریک کے راستہ میں حائل ہو گیا ہے اس کی رکاوٹ کی وجہ سے مظلوم کشمیری مسلمانوں کے لئے ڈوگرہ شاہی مظالم سے استخلاص حاصل کرنا مشکل ہو گیا ہے....... جدید سکیم پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ احرار کا جدید لائحہ عمل قطعاً ناقابل عمل ہے۔ پکٹنگ اور بائیکاٹ دو ایسے حربے ہیں جن میں راعی اور رعایا دونوں کے لئے سخت مصائب اور جنگ کا سامان ہے۔ مسلمانوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا"۔

جناب چراغ حسن صاحب حسرت نے اسی واقعہ کا تذکرہ اپنی کتاب "کشمیر" میں بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ۔ "احرار کی تحریک ابھی اور چلتی لیکن اتفاق سے انہیں دنوں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے اس اچھی خاصی تحریک کو ختم کر دیا..... یعنی احرار کے رضا کاروں نے کانگریس کے رضا کاروں کی طرح شراب اور بدیشی کپڑے کی دکانوں پر پکٹنگ شروع کر دی۔ کہنے کو تو اب بھی کشمیر کا مسئلہ ان کا قبلہ مقصود تھا۔ اور یہ طریقہ صرف اس لئے اختیار کیا گیا تھا کہ مہاراجہ کشمیر کے پشتی بان یعنی انگریز کو زک پہنچائی جائے لیکن عام مسلمان یہ باریک باتیں کہاں سمجھ سکتے تھے۔ انہوں نے یہی نتیجہ نکالا کہ احرار پھر کانگرس سے جا ملے ہیں"۔ ۱۲۸

دوسرا باب (فصل پنجم)

جماعت احمدیہ کے خلاف سیاسی جنگ کا اعلان اور اس کے ہتھیار

پہلا "اینٹی قادیان ڈے"

احرار "تحریک کشمیر" پر شدید ضرب لگانے کے بعد دوبارہ کانگریس کی سول نافرمانی کی طرف متوجہ ہوئے تو ساتھ ہی سول نافرمانی کے مخالف مذہبی طاقت (جماعت احمدیہ) کے خلاف مورچہ بندی کا فیصلہ کر کے "اینٹی قادیان ڈے" منانے کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان احرار نے اپنے نئے جاری شدہ اخبار "احرار" [129] کے ذریعہ سے کیا۔ اور اس کی تائید میں صدر مجلس احرار لاہور اور صدر مجلس احرار ہند دونوں نے مضامین شائع کئے۔

مجلس احرار کی اس شرانگیز تجویز پر (جو تحریک کشمیر کو مزید نقصان پہنچانے کا موجب اور اتحاد اسلامی کو پارہ پارہ کرنے والی تھی) محمد فضل شاہ صاحب [130] سجادہ نشین جلال پور جٹاں (ضلع گجرات) نے حسب ذیل بیان دیا۔

مجھے اس بات کا سخت افسوس ہے کہ جس روز سے اخبار "احرار" جاری ہوا ہے اسی دن سے فرقہ وارانہ جنگ شروع کر رکھی ہے پہلے "زمیندار" نے غداری [131] کی اور اس کے بعد احمدی و غیر احمدی جنگ [132] شروع کر دی۔ اسی طرح "احرار" بھی زمیندار کا شاگرد بن گیا۔ ہمیں اس وقت اتفاق اور اتحاد کی ضرورت ہے نہ کہ جنگ کی جب کبھی "احرار" کا پرچہ دیکھا۔ کہیں قادیانیوں پر لعن طعن ہے اور کہیں اینٹی قادیان ڈے کے سلسلے میں بدکلامی ہے۔ ہمیں تو اس وقت اس کی ضرورت ہے جو ہماری مدد کرے چاہے کوئی ہو۔ میں احراریوں کو خدا اور رسول کا واسطہ دے کر تحریر کرتا ہوں کہ ایسے نازک وقت میں فرقہ وارانہ فساد کو ترک کر دیں۔

اعتراض کیا گیا ہے کہ کمیشن کے سامنے قادیانی وکلاء پیش کئے جاتے ہیں۔ مگر یہ بھی خلیفہ صاحب قادیانی کی مہربانی ہے جو مظلوموں کی امداد فرما کر وکلاء روانہ کرتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں آپ نے آج

تک کس قدر وکلاء جموں و کشمیر روانہ کئے ہیں؟ میں ابھی تک اپنے حلقہ اثر کے دو ہزار آدمی جیلوں میں روانہ کر چکا ہوں۔ مگر بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اس طرح مظلوموں کی ظلم سے رہائی نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ نے اپنا رویہ تبدیل نہ کیا تو مجلس احرار مردہ ہو جائے گی۔ ایسے نازک وقت میں جبکہ مسلمانان ریاست موت کے منہ میں ہیں اور ظلم و ستم روز بروز ان پر بڑھ رہا ہے جناب صدر آل انڈیا مسلم کشمیر کمیٹی نے اپنے مظلوم بھائیوں کو ہر طرح سے امداد بہم پہنچائی ہے مگر آپ لوگ ہمیشہ ان کے خلاف مضمون تحریر کر کے فتنہ پیدا کرنا چاہتے ہیں براہ مہربانی آپ ایسے مضامین شائع نہ کیا کریں۔ ایک مضمون "احرار" مورخہ ۲۵/ جنوری ۱۹۳۲ء کا میری نظر سے گزرا جس کو پڑھ کر مجھے سخت رنج و افسوس ہوا۔ اس میں ملک محمد صادق صاحب سیکرٹری مجلس احرار ہند نے یہ فرمان جاری کیا ہے کہ مسلمان کانگریس کی مخالفت نہ کریں۔ مگر میں سوال کرتا ہوں کیا آپ لوگ بھی کانگریس کے حامی ہیں اور اس طرح مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتے ہیں۔ خدارا آپ غور کریں۔ ہاں اگر آپ کانگریس کے تنخواہ دار ہیں تو مجلس احرار سے علیحدہ ہو کر ان کی امداد کریں۔ مسلمانوں نے تو بدل و جان یہ اقرار کر لیا ہے کہ جب تک کانگریس قائم رہے گی۔ اس کے برخلاف میدان عمل میں کھڑے رہیں گے۔ کیونکہ کانگریس کے ظلم و ستم کے نشان ابھی ہمارے دل سے محو نہیں ہوئے اور نہ ہی ہوں گے۔ خدا کے فضل و کرم سے ہم اپنے حقوق جداگانہ حاصل کریں گے۔

آخر میں یہ بھی کہہ دوں۔ بہت سی شکایتیں سننے میں آ رہی ہیں کہ مجلس احرار کا حساب ٹھیک نہیں۔ آپ لوگ براہ مہربانی کوئی کام سرانجام دینے کی کوشش کریں۔ (خاکسار محمد فضل شاہ سجادہ نشین جلال پور جٹاں"۔ [۱۳۳]

اسی طرح اخبار "رہنما" (راولپنڈی) نے ۲۱/ جنوری ۱۹۳۲ء کی اشاعت میں احرار کے "اینٹی ڈے قادیان" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔ "ہم موضوع بالا پر نہایت مفید حقائق اور تجاویز پیش کرنے والے تھے مگر احرار کے اینٹی قادیان ڈے نے ہمیں دوسری طرف متوجہ کر دیا ہے اور حالات حاضرہ کے پیش نظر اور نفس مضمون کی علت غائی کے خیال سے احرار کی اس فتنہ انگیزی سے مسلمان کو علیحدہ رکھنا ہمارے فرض کو اور بھی اہم بنا دیتا ہے جس وقت ہم نے ڈاکٹر عزیز احمد صدر مجلس احرار لاہور کے اس مضمون کو پڑھا تھا اسی وقت سے ہم نے احرار کی حمایت ترک کر دی ہے۔ ہم احرار کی اس لئے حمایت کرتے تھے کہ یہ جماعت اسلامی خدمات بجا لا رہی ہے مگر اب یہ جماعت کلمہ گوؤں کو مٹانے والی ہے۔ ہمیں یقین ہو تا جا رہا ہے کہ مسلمان کسی نہ کسی دن اپنے ہاتھوں ہی تباہ ہو کر رہیں گے کیونکہ ہر ایک تحریک جو خاص مفاد اسلامی کے پیش نظر شروع کی جاتی ہے ایک عارضی اور ہنگامی فائدہ کے بعد

الٹی ہماری تباہی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ جماعت احرار مظلوم مسلمانان کشمیر کی دستگیری کے لئے تیار ہوئی مگر اب یہ مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے دستور العمل وضع کر رہی ہے۔ ہم ہرگز یہ نہیں چاہتے اور نہ چاہنے دینے کے خواہش مند ہیں کہ احرار کے ذریعے مسلمانوں میں جنگ کا سامان مہیا کیا جائے۔ اس وقت اتفاق کی ضرورت ہے نہ کہ کلمہ گو انسانوں کے مٹانے کی۔ ہم احرار کے اس شرانگیز رویہ کے خلاف انشاء اللہ العزیز زبردست جدوجہد کریں گے اور اگر خدا تعالیٰ نے ہمارا ساتھ دیا تو ہماری کوششیں پھل لائیں گی اور مسلمان بھائی بھائی کس طرح گلے ملیں گے۔

اس دور پر خطر میں جبکہ ہر قوم اپنی بقاء کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے اور ہر قوم کا منتہائے نظریہ بن رہا ہے کہ دوسری قومیں اس کی عظمت کا راگ الاپیں۔ ورنہ ان کو مٹا دیا جائے تو مسلمانوں کو باہمی فرقہ وارانہ فساد میں مبتلا کر کے صفحہ ہستی سے ناپید کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ اس نازک دور میں جبکہ دشمنان ملت اسلام اس مقدس مذہب اور اس کے معتقدین کو تحریر و تقریر اور عمل و تعمیل میں مٹانے کے درپے ہیں مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی ان کے لئے ایک سہولت مہیا کر دے گی اور دشمن ہماری قوم کو آسانی سے کچل دیں گے"۔ [۱۳۴]

احرار کا اعلان کہ احمدیوں کے خلاف ہماری جنگ مذہبی نہیں سیاسی ہے

"اینٹی قادیان ڈے" سے جماعت احمدیہ کے خلاف جنگ کا باقاعدہ آغاز ہو گیا اور ساتھ ہی احراری لیڈروں نے یہ بھی وضاحت کر دی کہ "قادیانیت" کے خلاف ہماری جنگ مذہبی نہیں خالص سیاسی نوعیت [۱۳۵، ۱۳۶] کی ہے جیسا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے "اہلحدیث" میں لکھا کہ۔

"احرار اب کھلے لفظوں میں کہتے ہیں کہ قادیانی گروہ کے ساتھ مسائل کا فیصلہ علماء کی طرف سے ہو چکا ہمارا مقابلہ ان کے ساتھ سیاسی رنگ میں ہے چنانچہ مولوی محمد داؤد غزنوی سیکرٹری مجلس احرار نے جلسہ اہلحدیث کانفرنس کی تقریر میں صاف کہہ دیا تھا کہ مرزائیوں کے ساتھ ہمارا مقابلہ مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہے"۔

مولوی صاحب نے مزید لکھا۔

"احرار کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ ہم قادیانی سیاست پر گولہ اندازی کرتے ہیں پس احرار اور قادیان کا اختلاف بالکل ایسا ہے جیسا کہ مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا کا ہے۔ اس لئے حسب اصول تقسیم کار احرار کو دوسری تبلیغی انجمنوں سے اپنا کام ممتاز کر لینا چاہئے۔ یعنی منقولی مباحثے اور مباہلہ دوسری انجمنوں اور اشخاص کے سپرد کر دیں احرار ان باتوں میں دخل نہ دیں۔ جیسے مسلم لیگ کے ممبر ہندوؤں سے تاریخ

وغیرہ مضامین پر بحث نہیں کرتے"۔ [۱۳۷]

خود مجلس احرار کے مشہور آرگن "آزاد" کو اعتراف ہے کہ۔

"حجتہ الاسلام حضرت علامہ انور شاہ صاحب کاشمیری حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی اور حضرت مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری وغیرہم رحمہم اللہ کے علمی اسلحہ فرنگی کی اس کاشتہ داشتہ "نبوت" کو موت کے گھاٹ نہ اتار سکے۔ تو مجلس احرار اسلام کے مفکر اکابر نے جنگ کا رخ بدلا۔ نئے ہتھیار لئے اور علمی بحث و نظر کے میدان سے ہٹ کر سیاست کی راہ سے فرنگی سیاست کے شاہکار پر حملہ آور ہو گئے"۔ [۱۳۸]

احرار کی سیاسی جنگ کا پہلا سیاسی ہتھیار

احرار نے احمدیوں کو مٹانے کے لئے جو سیاسی جنگ شروع کی اس میں اول نمبر پر جو ہتھیار استعمال کیا وہ جذباتیت، پھکڑ بازی اور اشتعال انگیزی کا ہتھیار ہے اور جس کے ماہر ہونے کا دعویٰ خود مجلس احرار کو ہے۔ چنانچہ اخبار "آزاد" کے خصوصی "احرار نمبر" (مورخہ ۲۷/ ستمبر ۱۹۵۸ء) میں لکھا ہے۔

"یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مجلس احرار کے خطیبوں میں جذباتیت، پھکڑ بازی اور اشتعال انگیزی کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ ہماری قوم کی ذہنیت اور مذاق کیا ہے...... آپ ذرا حقیقت پسند، سنجیدہ اور متین بن جائیں پھر آپ مسلمانوں میں مقبول ہو جائیں اور کوئی تعمیری و اصلاحی کام کر لیں تو ہمارا ذمہ۔ یہی تو ہماری سب سے بڑی کمزوری ہے کہ ہم حقائق و واقعات سے کوئی تعلق نہیں رکھتے صرف جذبات سے کام نکالتے ہیں۔ اسی طرح اشتعال انگیزی بھی ہماری تحریکوں، جماعتوں اور قائدوں کی جان ہے۔ آپ بڑے بڑے دیندار باخلاق اور سنجیدہ و متین پہاڑوں کو کھودیں تو اشتعال کا چوہا نکلے گا۔ الیکشن بازی میں تو دیندار اور بے دین سب کے سب اشتعال انگیزی ہی سے کام لیتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس سے کوئی کم لیتا ہے اور کوئی زیادہ ہمارے احراری بزرگ اس میں سب سے آگے ہیں اسی لئے وہ رشک و حسد کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں"۔ [۱۳۹]

اس اقتباس میں جماعت احمدیہ کے مخالف احراری پراپیگنڈا کی تین بنیادی خصوصیات کی نشان دہی کی گئی ہے اور اگر ہم احرار کی تحریروں اور تقریروں کا تجزیہ کریں تو وہ سب انہیں خصوصیات کے گرد چکر لگاتی ہیں اس حقیقت کی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اس موقعہ پر نہ اس کی گنجائش ہے نہ ضرورت۔ اس لئے یہاں ان کے صرف چند نمونوں پر اکتفا کریں گے۔

جذباتیت: یوں تو سبھی احراری لیڈر عوامی جذبات سے کھیلنے میں مشاق تھے۔ مگر امیر شریعت

احرار سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اس معاملہ میں سب پر سبقت رکھتے تھے کیونکہ اس کی ساحرانہ خطابت بے مثال تھی جس کے سامنے عوام و خواص مبہوت ہو کے رہ جاتے اور ان کی ہر بات پر جھوم جاتے۔

چنانچہ ان کی سوانح عمری میں لکھا ہے۔

"بعض خصوصیتیں صرف شاہ جی کے لئے مخصوص ہیں مثلاً وہ مخاطبین کو سوچنے کا موقعہ ہی نہیں دیتے اس تیزی سے سامعین کو اپنے ساتھ بہالے جاتے ہیں کہ ان میں حرکت یا جذبے کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہتی"۔ [۱۶۰]

کچھ عرصہ قبل رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر نے اپنے اخبار "ہمدرد" (مورخہ ۱۲/ نومبر ۱۹۲۶ء) میں سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو مشورہ دیا تھا۔

"جو قدرت تم کو اپنی زبان پر ہے وہ خداداد ہے اور خدا کی ایک بڑی نعمت ہے مگر ایک بڑی خطرناک نعمت ہے اور تمہاری مسئولیت بہت بڑھ گئی ہے جب تک تم اسے حق کی راہ میں استعمال کرو گے فلاح دارین حاصل کرو گے لیکن اگر کبھی یہ باطل کی راہ میں استعمال کی گئی تو ہزاروں بندگان خدا کو بھی گمراہ کرنے کے لئے کافی ہو گی"۔ [۱۶۱] افسوس! آئندہ واقعات سے مولانا جوہر کا یہ قیاس بالکل صحیح نکلا۔

پھکڑ بازی: جناب آغا شورش کاشمیری سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے سوانح میں لکھتے ہیں۔

"ان کے ہاں ہر سخن کی ترازو ہے ان کے الفاظ تل کر نکلتے ہیں۔ ان کے ہاں طنز بھی ہے سخت قسم کا طنز لیکن سب و شتم نہیں۔ جن چیزوں سے نفور ہوں ان سے تمسخر بھی روا رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں اس تمسخر یا پھکڑ کی زد سب سے زیادہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی ذریات پر پڑتی ہے"۔ [۱۶۲]

اشتعال انگیزی: احرار کو اشتعال انگیزی کے فن میں ہمیشہ ید طولیٰ حاصل رہا ہے احمدیت کے خلاف ان کے جلسوں کا نام تبلیغ کانفرنس ہوتا تھا۔ [۱۶۳] مگر یہ تبلیغ محبت و دلائل سے نہیں ڈنڈے کی زبان سے ہوتی تھی۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اس حقیقت کی وضاحت دو فقروں میں کر دی ہے چنانچہ لکھا "احرار بھی مناظرات مرزائیہ کو حرام قطعی نہیں جانتے بلکہ اگر ضرورت بود روا باشد پر عمل کرتے ہیں۔ یہی ہمارا طریق ہے فرق اتنا ہے کہ ہمارا مناظرہ کتابی ہوتا ہے اور احرار کے مناظرہ میں بقول ان کے ڈنڈا ہر کسے را بہر کارے ساختند"۔ [۱۶۴]

اب ظاہر ہے مذہب اسلام کی تبلیغ کا جھگڑا نہیں کہ لٹھ بازی سے کام لینے کی نوبت آئے چنانچہ چوہدری افضل حق صاحب مفکر احرار فرماتے ہیں۔

"مذہب کی تبلیغ جھگڑا نہیں بلکہ قوموں کے حسن اخلاق کا مقابلہ ہے تم نے محبت سے اور پورے خلوص دل سے دوسروں کو ان کے اپنے فائدہ کے لئے بلانا ہے تمہیں تو حسن نیت کا اجر ملے گا جہاں حسن نیت ہو وہاں جھگڑے کی صورت کیا ہو سکتی ہے اپنے اخلاق عمدہ بنا کر دوسروں کو حسن اخلاق کی دعوت دینا ہے پس پہلے نمازوں سے خدائی امداد حاصل کرو۔ محبت کی زبان سے مخلوق خدا کو بلاؤ۔ خدمت اور قربانی سے دوسروں کا دل جیتنے کی کوشش کرو۔ اپنے ایسے عمل میں اضافہ کرو جس سے مسلمانوں کی نیک سیرت قائم ہو ایسے اخلاق سے بچو جن سے قومیں رسوا ہوتی ہیں۔ کیا تم نے خود محسوس نہیں کیا کہ ہمارے برے اخلاق دنیا کو اسلام سے نفرت دلا رہے ہیں حالانکہ اسلام کی تعلیم نور ہی نور ہے یہ مذہب قومی اور شخصی انصاف کا تقاضا کرتا ہے ظلم اور برائی سے نفرت دلاتا ہے۔ ہمیں ضرور مبلغ بننا ہے اس کے معنے یہ ہوئے کہ پہلے اپنے عمل کو انصاف کے ترازو پر تول کر اس کا پورا جائزہ لینا ہے ہر قسم کی ناانصافی سے توبہ کرنا ہے بلکہ دوسروں کی غلطیاں معاف کر کے ان کی زیادہ سے زیادہ خدمت کا عہد باندھنا ہے دین میں کوئی زبردستی نہیں فریب اور ظلم سے دین نہیں پھیلتا بلکہ شرارت پھیلتی ہے دنیا میں انصاف پھیلاؤ رحم اور محبت کے ذریعہ دوسروں کے دل میں گھر کرو جس کام کو تم رحم اور محبت کی بناء پر نہ کرو گے اس سے دنیا میں فساد پھیلے گا۔ قرآن بار بار لا تفسدوا فی الارض (زمین میں فساد نہ پھیلاؤ) کا تقاضا کرتا ہے۔ تبلیغ دین میں اشتعال انگیز حالات پیدا کرنا دنیا کو اپنے مذہب سے نفرت دلانا ہے۔ اچھا عمل میٹھی زبان اور عقل سے اپیل تبلیغ کے لئے نہایت اہم حیثیت رکھتے ہیں اگرچہ عقل بڑی چیز ہے۔ مگر اشاعت مذہب میں اس کا درجہ آخری ہے۔ دنیا پہلے تمہارے عمل کو دیکھے گی۔ پھر جس زبان سے بات کرو گے اس کی شیرینی کو دیکھے گی۔ پھر کہیں اسے عقل سے پرکھے گی"۔ [۱۲۵]

مگر تبلیغ اسلام کا یہ دینی تقاضا مجلس احرار کے ہاتھوں اس سیاسی جنگ میں کس طرح پامال ہوا؟ اس کی نسبت مولانا سید رئیس احمد صاحب جعفری لکھتے ہیں۔

"اسلام اور قادیانیت مسلمان اور قادیانی ایک خالص دینی اور علمی مسئلہ ہے اس پر اسی حیثیت سے بحث و گفتگو ہونی چاہئے۔ بدقسمتی سے اس مسئلہ کو جذباتی بنا لیا گیا جس سے عوام متاثر بھی ہوئے اور مشتعل بھی۔ پھر اس کے نتیجہ میں ہنگامہ آرائیاں اور فساد انگیزیاں بھی ہوئیں۔ قتل و غارت اور کشت و خون کے مناظر بھی لوگوں نے دیکھے۔ چنانچہ مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ ان حرکتوں کے باعث یا تو سرے سے مذہب سے بیزار ہو گیا یا کم از کم اس مسئلہ کو اس نے کوئی اہمیت نہیں دی اور دین ملائی سبیل اللہ فساد کہہ کر خاموش ہو گیا"۔ [۱۲۶]

قتل کے منصوبے

احراریوں کی اشتعال انگیزی سے کس طرح دلخراش و روح فرسا مناظر سامنے آئے اس کی تفصیل تو اس باب میں بھی اور آئندہ جلدوں میں بھی آئے گی۔ مگر یہاں خاص طور پر یہ بتانا مقصود ہے کہ احرار کی شرر بار تقریروں کے نتیجہ میں شوریدہ سر لوگوں نے احمدیوں کو قتل کرنے کے منصوبے کئے۔ احرار ہی کی اشتعال انگیزی کا اثر تھا کہ اخبار "احسان" (۵/ فروری ۱۹۳۵ء) لاہور نے لکھا۔

"مرزائیوں کو شکر کرنا چاہئے کہ وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیدا نہیں ہوئے۔ ورنہ جس طرح انہوں نے ان نام نہاد مسلمانوں کے خلاف جہاد بالسیف کیا تھا جنہوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تھا اسی طرح وہ مرزائیوں کا بھی صفایا کر دیتے"۔

پھر ۶/ فروری ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں لکھا۔

"اگر آج مسلمانوں میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ موجود ہوتے تو استیصال قادیانیت کے لئے شمشیر آبدار کو نیام سے باہر کرتے"۔ [۱۲۷]

اس عمومی فتویٰ کے علاوہ احراری خطیبوں نے حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی ذات والا صفات کو خاص طور پر اپنی مخالفت کا مرکز بنا لیا اور بار بار آپ کے قتل کے لئے اکساتے رہے۔ چنانچہ غزنوی خاندان کے ایک امرتسری مولوی صاحب نے ۷/ فروری ۱۹۳۵ء کو ویرووال میں تقریر کرتے ہوئے کہا عنقریب چند یوم میں خلیفہ قادیان قتل کیا جائے گا اور منارہ گرا دیا جائے گا۔ نیز نہایت جوش میں یہاں تک کہا کہ پولیس اور گورنمنٹ سن لے کہ ہم جلدی خلیفہ قادیان کو قتل کرا دیں گے۔ [۱۲۸]

یکم مارچ ۱۹۳۵ء کو ایک احراری مولوی صاحب نے ارائیوں کی مسجد میں تقریر کی کہ "ایک شخص اس قدر تنگ آگیا ہے کہ اس نے کہا ہے کہ یا تو میں خودکشی کروں گا یا خلیفہ قادیان کو قتل کر دوں گا"۔ [۱۲۹]

قتل و غارت کی یہ دھمکیاں رنگ لائے بغیر نہ رہیں اور حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کو قتل کرنے یا زہر دینے کی متعدد بار کوششیں کی گئیں۔ اس ضمن میں حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کے قلم سے پانچ اہم واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ حضور نے سالانہ جلسہ ۱۹۴۴ء کے موقعہ پر ارشاد فرمایا۔

"پہلا واقعہ: ایک گزشتہ جلسے کا واقعہ ہے۔ میں تقریر کر رہا تھا اور تقریر کرتے کرتے میری عادت ہے کہ میں گرم گرم چائے کے ایک دو گھونٹ پی لیا کرتا ہوں تاکہ گلا درست رہے کہ اسی دوران میں جلسہ گاہ میں کسی شخص نے ملائی کی ایک پیالی دی اور کہا کہ یہ جلدی حضرت صاحب تک پہنچا دیں کہ حضور کو تقریر کرتے کرتے ضعف ہو رہا ہے چنانچہ ایک نے دوسرے کو اور دوسرے نے تیسرے کو

اور تیسرے نے چوتھے کو وہ پیالی ہاتھوں ہاتھ پہنچانی شروع کر دی یہاں تک کہ ہوتے ہوتے وہ سٹیج پر پہنچ گئی۔ سٹیج پر اتفاقاً کسی شخص کو خیال آگیا اور اس نے احتیاط کے طور پر ذرا سی ملائی چکھی تو اس کی زبان کٹ گئی تب معلوم ہوا کہ اس میں زہر ملی ہوئی ہے۔ اب اگر وہ ملائی مجھ تک پہنچ جاتی اور میں خدانخواستہ اسے چکھ لیتا تو اور کچھ اثر ہوتا یا نہ ہوتا اتنا تو ضرور ہوتا کہ تقریر رک جاتی۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ قادیان میں ایک دفعہ دیسی عیسائی آیا۔ جس کا نام جے میتھیوز تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ مجھے قتل کر دے یہاں سے جب وہ ناکام لوٹا تو اس کا اپنی بیوی سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ اور اس نے اسے قتل کر دیا۔ اس پر عدالت میں مقدمہ چلا اور اس نے سپیشل کورٹ میں بیان دیتے ہوئے کہا اصل بات یہ ہے کہ میرا ارادہ اپنی بیوی کو ہلاک کرنے کا نہیں تھا بلکہ میں مرزا صاحب کو ہلاک کرنا چاہتا تھا میں نے ایک جگہ کسی مولوی کی تقریر سنی جس نے ذکر کیا کہ قادیان کے مرزا صاحب بہت برے آدمی ہیں اور ان میں یہ یہ برائیاں ہیں۔ میں نے اس کی تقریر کے بعد فیصلہ کیا کہ میں قادیان جاکر مرزا صاحب کو مار ڈالوں گا۔ چنانچہ میں پستول لے کر قادیان گیا۔ اتفاقاً اس روز جمعہ تھا۔ جمعہ کے خطبہ میں چونکہ بہت لوگ اکٹھے تھے اس لئے مجھے ان پر حملہ کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ دوسرے دن میں نے سنا کہ وہ پھیرو چیچی چلے گئے ہیں۔ میں پستول لے کر ان کے پیچھے پیچھے پھیرو چیچی گیا اور میں نے سمجھا کہ وہاں آسانی سے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکوں گا۔ مگر وہاں بھی میں نے دیکھا کہ ان کے دروازہ پر ہر وقت پہرے دار بیٹھے رہتے ہیں اس لئے میں واپس آگیا۔ گھر آکر میرا اپنی بیوی سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ اور میں نے اسے مار ڈالا۔ یہ سارا واقعہ اس نے عدالت میں خود بیان کیا حالانکہ ہمیں کچھ علم نہیں تھا کہ کوئی شخص کس نیت اور ارادہ کے ساتھ ہمارے پاس آیا ہے۔ لیکن ہر موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے حفاظت کی اور اسے حملہ کرنے میں ناکام رکھا۔

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ احرار کی شورش کے ایام میں میں ایک دن اپنی کوٹھی دارالحمد میں تھا کہ ایک افغان لڑکا آیا اور اس نے کہلا بھیجا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں میرے چھوٹے بچے اندر آئے اور انہوں نے بتایا کہ ایک لڑکا باہر کھڑا ہے اور وہ ملنا چاہتا ہے میں باہر نکلنے ہی والا تھا کہ میں نے شور کی آواز سنی میں حیران ہوا کہ یہ شور کیسا ہے۔ چنانچہ میں نے دریافت کرایا تو مجھے اطلاع دی گئی کہ یہ لڑکا قتل کے ارادہ سے آیا تھا۔ مگر عبدالاحد صاحب نے اسے پکڑ لیا اور اس سے ایک چھرا بھی انہوں نے برآمد کر لیا ہے۔ میں نے عبدالاحد صاحب سے پوچھا کہ تمہیں کس طرح پتہ لگ گیا کہ یہ قتل کے ارادہ سے آیا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ لڑکا پٹھان تھا اور ہم پٹھانوں کی عادات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ جب یہ باتیں کر رہا تھا تو باتیں کرتے کرتے اس نے اپنی ٹانگوں کو اس طرح ہلایا کہ میں فوراً سمجھ گیا کہ اس نے

چھرا چھپایا ہوا ہے۔ چنانچہ میں نے ہاتھ ڈالا تو چھرا نکل آیا۔ پولیس نے اس پر مقدمہ بھی چلایا تھا اور غالباً اس نے اقرار کیا تھا کہ میں قتل کی نیت سے ہی قادیان آیا تھا۔ (اس موقعہ پر حضور نے فرمایا کہ میجر سید حبیب اللہ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ وہ اس جیل خانہ میں قید تھا۔ جہاں میں افسر لگا ہوا تھا وہ کہتا تھا کہ میں پہلے دھرم سالہ تک ان کو قتل کرنے کے لئے گیا تھا۔ مگر مجھے کامیابی نہ ہوئی آخر میں قادیان گیا اور پکڑا گیا)

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ ام طاہر کے مکان کی دیوار پھاند کر ایک شخص اندر کودنا چاہتا تھا کہ لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔ پولیس والے چونکہ ہمارے خلاف تھے اس لئے انہوں نے یہ کہہ کر اسے چھوڑ دیا کہ یہ پاگل ہے۔

پانچواں واقعہ بالکل تازہ ہے جو کل ہی ہوا ہے۔ کل ہمارے گھر میں دودھ رکھا ہوا تھا کہ میری بیوی کو شبہ پیدا ہوا کہ کسی نے دودھ میں کچھ ڈال دیا ہے چنانچہ اس شبہ کی وجہ سے انہوں نے کہہ دیا کہ اس دودھ کو استعمال نہ کیا جائے ایک دوسری عورت جسے اس کا علم نہیں تھا یا اس نے خیال کیا کہ یہ محض وہم ہے۔ اس نے وہ دودھ پی لیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے اب تک متواتر قیں آرہی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شبہ کیا گیا تھا وہ درست تھا۔

لیکن باوجود اس کے لوگوں نے مجھے ہلاک کرنے کی کئی کوششیں کیں اور ہر رنگ میں انہوں نے زور لگایا چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ تھا کہ خدا کا سایہ میرے سر پر ہوگا۔ اس لئے وہ ہمیشہ میری حفاظت کرتا رہا"۔ ۱۵۰

دوسرا سیاسی ہتھیار۔ احمدیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کا مطالبہ

سیاسیات میں "تقسیم کرو اور حکومت کرو"۔ DIVIDE AND RULE کا ہتھیار بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس ہتھیار سے اگرچہ انگریز اور ہندو دونوں نے بہت فائدہ اٹھایا مگر جہاں تک مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کا تعلق ہے کانگرسی لیڈروں اور دوسرے ہندوؤں نے اسے موثر ترین حربہ کے طور پر استعمال کرنے میں ایسی چابک دستی، ہوشیاری اور چالاکی کا مظاہرہ کیا ہے کہ حیرت آتی ہے۔

ہم پہلے باب میں گاندھی جی کی اس کوشش کا ذکر کر چکے ہیں جو انہوں نے اچھوتوں کو سیاسی طور پر ہندوؤں کے ساتھ مدغم کرنے کے لئے کی۔ چنانچہ گاندھی جی نے ستمبر ۱۹۳۲ء میں مسٹر رامزے میکڈانلڈ وزیر اعظم برطانیہ کو لکھا۔

(۱) "میرے لئے یہ معاملہ مذہب کا معاملہ ہے محض سیاسی معاملہ نہیں ہے اچھوتوں کو ۲-۲ (دودو)

دوٹ مل جانے سے نہ ان کی حفاظت ہوتی ہے اور نہ ہندو قوم ٹکرے ہونے سے بچ سکتی ہے۔ میں جداگانہ انتخاب کو جو اچھوتوں کو دیا جارہا ہے ایک ایساز ہر سمجھتا ہوں جو ہندو قوم کے جسم میں ٹیکہ کے ذریعے پھیلایا جارہا ہے اور جو ہندو دھرم کو تباہ کر دے گا۔ مگر اچھوتوں کو کوئی نفع نہیں پہنچائے گا"۔

(۲)" آپ اس معاملہ کو سمجھنے کے قابل نہیں خواہ آپ کتنے ہی ہمدرد کیوں نہ ہوں میں اچھوتوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے زیادہ نمائندگی دینا برداشت کر سکتا ہوں لیکن میں ان کی قانونی علیحدگی برداشت نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ دھرم کی شرن میں ہیں"۔ [۱۵۱]

عجیب بات ہے کہ وہی ہندو قوم جسے اچھوتوں کی قانونی علیحدگی بھی گوارا نہ تھی اسی نے مسلمانوں میں احمدیوں کے غیر مسلم اور جداگانہ اقلیت قرار دیئے جانے کا سوال اٹھادیا۔ اور یہ "خدمت" مولوی ظفر علی خان صاحب اور مجلس احرار نے انجام دی۔

واقعہ یہ ہوا کہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے فیصلہ فرمایا کہ ۵/ مارچ ۱۹۳۳ء کو غیر مسلموں خصوصاً ہندوؤں کو تبلیغ [۱۵۲] کی جائے اور ان تک اسلام کا پیغام پہنچایا جائے۔

اس اعلان پر ہندوؤں کی مخالفت [۱۵۳] تو قرین قیاس تھی مگر یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ہندوؤں کی حمایت میں مولوی ظفر علی خان صاحب اٹھ کھڑے ہوں گے۔ لیکن ہوا یہی۔ چنانچہ انہوں نے ہندوؤں سے مخصوص اس یوم التبلیغ کے خلاف ۴/ مارچ ۱۹۳۳ء کو "قادیان نمبر" شائع کیا جس میں لکھا۔

"اگر زمیندار یزیدیت کے خلاف جہاد کر رہا ہے تو زمیندار کے لئے قربانی کرو۔ اگر "نور افشاں" یزیدیت کا خاتمہ کر رہا ہے تو "نور افشاں" کی امداد کرو۔ اگر "آریہ مسافر" یزیدیت کے خلاف بر سر جنگ ہے تو اس بارہ میں "آریہ مسافر" کا ساتھ دو۔ قادیانیت کے مقابلہ میں ہندو مسلم اور عیسائی کا سوال فضول ہے۔ پہلے روح کو اور روحانیت کو موت سے بچاؤ۔ اس کے بعد فیصلہ کر لینا کہ اس کی نشوونما کے لئے کونسا طریقہ بہتر ہے"۔

"جہاں تک قادیانیت کا تعلق ہے مخلوق خدا کو متحد ہو کر جنگ کرنا چاہئے"۔

اس کے بعد ۶/ مارچ ۱۹۳۳ء کو لاہور میں مجلس دعوت وارشاد کے زیر انتظام ایک جلسہ ہوا جس میں بالفاظ زمیندار (۸/ مارچ ۱۹۳۳ء) مہاشہ اودائیں نند شانت یوگانند نے مولوی ظفر علی خان صاحب کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔

"مرزا غلام احمد ایک دہریہ ہے اور اس کی تعلیم دہریت سے پر ہے یہ اپنے آپ کو کرشن اوتار بتاتا

ہے حالانکہ اس کی تعلیم اس کے خلاف ہے ہم نے اس کی روک تھام کے لئے کام شروع کر دیا ہے۔ ہم ہندوؤں میں سے کسی کو قادیانی نہیں ہونے دیں گے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ ان میں سے بھی کوئی قادیانی نہ ہو"۔ ۱۵۴

رسالہ "دین و دنیا" کا ایک نوٹ مولوی ظفر علی خان صاحب کی نسبت

رسالہ "دین و دنیا" دہلی نے مولوی ظفر علی خاں صاحب کی احمدیت کے خلاف شورش انگیزی کا حقیقی سبب بیان کرتے ہوئے لکھا۔ "پنجاب نے بلاشبہ ظفر علی خان سے بڑا فتنہ پرداز اور ابن الوقت! آج تک پیدا نہیں کیا ہے۔ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے میں ظفر علی خاں کا جواب مشکل سے ہندوستان پیش کر سکے گا۔ ظفر علی خاں کی ہر تحریک اور ہر تبدیلی کی تہہ میں زر پرستی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس زر پرستی پر قوم پرستی کا نقاب ڈال کر ہمیشہ ظفر علی خاں نے مسلمانوں کو بے وقوف بنایا ہے۔ پچھلے دنوں جب کانگریس اور مہا سبھائیوں نے مسلمانوں کے خلاف تمام ہندوستان میں فتنہ برپا کر رکھا تھا۔ اس وقت پر اسرار طریقہ پر ظفر علی خاں مہا سبھائی جماعت کے سب سے بڑے حامی بن گئے تھے۔ ہم دوسرے سادہ لوح مسلمانوں کی طرح ظفر علی خاں کی اس تبدیلی کو بھی قوم پرستی ہی سمجھتے۔ اگر ہم کو ایک لاہور کے مخلص دوست سے یہ معلوم نہ ہو جاتا کہ ظفر علی خاں نے باقاعدہ طور پر مہا سبھائیوں سے سودا کیا ہے لیکن ہم کو یہ معلوم کر کے اور بھی رنج ہوا کہ اس سودے کی کچھ اقساط ظفر علی خاں صاحب کو مہا سبھائیوں سے ابھی تک وصول نہیں ہوئیں جس کی بناء پر ظفر علی خاں پھر رفتہ رفتہ کانگریس اور مہا سبھا کو چھوڑ کر مسلمانوں میں ملنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے آج کل قادیانیوں کے خلاف آپ شدید زہر افشانی کر رہے ہیں۔ قادیانیوں کی مخالفت اس لئے نہیں ہو رہی ہے کہ آپ خدانخواستہ قادیانیت کے خلاف ہیں بلکہ مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ لیکن شاید ظفر علی خاں کو یہ معلوم نہیں کہ اب آپ کی حقیقت بے نقاب ہو چکی ہے۔ دنیا میں کوئی شخص آپ کا یا ایک ایسے شخص کا کیا اعتبار کر سکتا ہے جو بے شرمی کا مجسمہ اور اخلاقی پستی کا پیکر ہو اور جس کے ہاں کی اندرونی زندگی بے انتہاء شرمناک اور اخلاق سوز ہو۔ میرے خیال میں اب مسلمان اتنے بے وقوف نہیں رہے ہیں کہ وہ قومی راہ نماؤں میں اور قوم فروشوں میں فرق محسوس نہ کریں۔ ہم اس نازک موقعہ پر سادہ مزاج مسلمانوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ وہ ظفر علی خاں کے اس فریب سے ہوشیار رہیں جس کے پردے میں قادیانی اور غیر قادیانی۔ سنی۔ شیعہ کا جھگڑا اٹھا کر مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کی کوشش کسی جدید سودے کی بناء پر ہو رہی ہے۔ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ ظفر علی خاں ہندو سے جو سرتاپا کافر ہے

اتحاد کرنے کی تو تعلیم دیتے ہیں اور مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں افتراق پیدا کیا جارہا ہے۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ یہ کیوں ہو رہا ہے اور کس مصلحت کی بناء پر مسلمانوں کے گلے پر چھری پھیری جارہی ہے۔ خدا مسلمانوں کو ظفر علی خاں اور ان کی فتنہ پردازی سے جلد نجات دلائے"۔ ۱۵۵

اس احتجاج کے باوجود مولوی ظفر علی خاں صاحب نے اپنی روش بدلنے کی بجائے انگریزی حکومت سے یہ مطالبہ پیش کردیا کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

اسی زمانہ میں اہلحدیث لیگ بنارس نے مسلمانوں کے مفاد سیاسی کے خلاف حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ اگر فرقہ وارانہ انتخاب کو برقرار رکھنا ضروری ہو تو اہلحدیث کے لئے نشستیں مخصوص کردی جائیں اس مطالبہ پر "پیسہ اخبار" لاہور (۲۸/جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۸-۹) نے لکھا کہ۔

"یہ کیسی مذموم ذہنیت اور کیسا برا خیال ہے کہ ہر شخص ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مسجد بنانے کی ٹھان لے۔ اگر ہر گدی ہر سجادہ اور ہر پیر خانہ کی طرف سے ایسا ہی نامعقول مطالبہ شروع ہو جائے تو پھر ملک میں ہڑبونگ مچ جائے گا اور ایسی مشکل پیدا ہو جائے گی کہ پیروں اور مذہبی فرقوں کے لئے شاید موجودہ تعداد سے بہت زیادہ نشستیں بنانی پڑیں کیونکہ شیعہ' سنی' وہابی' چکڑالوی' مرزائی' رحمان' شاہی' جلالی' جمالی' قادری' نقشبندی' چشتی' سہروردی' نتھے شاہی' نانک شاہی وغیرہ وغیرہ اتنے فرقے نکل آئیں گے کہ کونسلوں کی نشستیں ان کے لئے ہرگز مکتفی نہیں ہو سکتیں۔ مسلمانوں کے ہر حلقہ انتخاب کی طرف سے بہترین تعلیم یافتہ لائق سے لائق اور قومی ضروریات سے واقف اشخاص کو اپنے نمائندے بنانا چاہئے۔ یہ احمق شاہی' جلال شاہی' سنی' وہابی' مرزائی' چکڑالوی کی تمیز درمیان سے اٹھا دینی چاہئے ورنہ...... مسلمانوں کے کاز کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے"۔

ظاہر ہے کہ مسلمانان ہند کا ملی مفاد اسی میں تھا کہ وہ ہندوؤں اور دوسری قوموں کے مقابل اپنے سیاسی حقوق کی خاطر متحد رہیں اپنے لئے علیحدہ نشستوں کے مخصوص کئے جانے کا مطالبہ نہ کریں۔ مگر افسوس جہاں دوسرے مسلمان اخباروں نے مسلمانوں کو متحد العمل رہنے کی تلقین کی وہاں مولوی ظفر علی خاں صاحب اور مجلس احرار نے یہ مطالبہ کرنا شروع کردیا کہ "مرزائی" مسلمانوں سے الگ جداگانہ اقلیت ہیں انہیں سیاسی حقوق کے لحاظ سے مسلمانوں میں شامل نہ کیا جائے کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کے حقوق غصب کرکے ان کی سیاست پر چھائے جارہے ہیں اور ان کا وجود مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔

اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو اس مطالبہ کے پیچھے خاص طور پر یہ مقصد کام کر رہا تھا کہ وہ مسلمان قوم جو ہندوؤں کے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہی تھی اور اسی لئے کانگریس کی "قومیت متحدہ" سے بھی

لرزاں و ترساں تھی اپنی توجہات کا رخ ہندوؤں کی بجائے براہ راست احمدیوں کی طرف کر کے آپس میں الجھ جائے۔ اگر مطالبہ کے اغراض میں یہ امر کار فرمانہ تھا تو آخر وجہ کیا ہے کہ وہی امیر شریعت احرار جو احمدیوں کو مسلم سیاست کے لئے سب سے بڑا خطرہ قرار دیتے تھے۔ مسلمانوں کو ہندوؤں کی نسبت یہ تلقین فرماتے۔

"سبحان اللہ! کہتے ہیں ہندو ہم کو کھا جائے گا۔ مسلمان پورا اونٹ کھا جاتا ہے پوری بھینس کھا جاتا اس کو ہندو کیسے کھا سکتا ہے جو چڑیا بھی نہیں کھا سکتا...... آج جنگل کا بادشاہ شیر رو رہا ہے کہ کیا کروں یوں کے ریوڑ بہت ہو گئے مجھے کھا جائیں گے۔ باز رو رہا ہے چڑیاں بہت زیادہ ہو گئیں مجھے کھا جائیں ...... مسلمان تو سڑک کے درمیان لیٹ جاتا ہے (یعنی دفن کر دیا جاتا ہے) تو حکومتیں بھی اس کو ہاں سے نہیں ہٹا سکتیں"۔ ۱۵۶

مجلس احرار نے اس سیاسی مطالبہ کے جواز میں جو "مذہبی" دلائل پیش کئے ان میں سے دو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اول۔ ہر نئے نبی کی آمد سے امت بھی بدل جاتی ہے لہذا "قادیانیوں" کا امت مسلمہ سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ حالانکہ یہ بنیاد ہی سراسر غلط تھی۔ جو نبی پہلی شریعت کی تجدید و احیاء کے لئے مبعوث ہوتے ہیں۔ وہ کوئی نئی امت نہیں ہوتے۔ یہ ایسی واضح حقیقت ہے کہ اسے مولانا ابو الکلام صاحب آزاد بھی "البلاغ" (بابت ۱۲/ نومبر ۱۹۱۵ء) میں تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"قرآن کریم میں اگرچہ نبوت کے عام اشتراک جنسی کی بناء پر تمام انبیاء کرام کا نام ایک ساتھ اور ایک حیثیت سے آیا ہے لیکن بعض خصوصیات نوعی کے لحاظ سے اس نے انبیاء کے جو مختلف طبقات قائم کر دیئے ہیں ان میں دو سلسلے عام طور پر ممتاز نظر آتے ہیں۔ ایک سلسلہ ان انبیاء و موسسین کا ہے۔ جنہوں نے اپنی دعوت کے ذریعہ قومیتوں کی بنیاد ڈالی اور جو قدیم عمارتوں کی اصلاح کے لئے نہیں بلکہ از سر نو ایک نئی قومی عمارت بنانے کے لئے آئے تھے دوسرا سلسلہ انبیاء مجددین و محدثین (بالفتح) کا ہے۔ جنہوں نے کسی نئی امت کی بنیاد نہیں ڈالی بلکہ کسی پیشتر کی قائم شدہ امت صالحہ کی مزید تکمیل و تبلیغ کی۔ یا امتداد عہد کے نتائج مضلہ و استیلائے بدعات و محدثات سے اسے نجات دلا کر فرض تجدید و احیاء ادا کیا"۔ ۱۵۷

دوم: احراریوں نے احمدیوں کو جداگانہ اقلیت قرار دینے کی دوسری دلیل یہ دی کہ احمدی چونکہ دوسرے مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ اس لئے وہ امت محمدیہ میں شامل نہیں سمجھے جا سکتے حالانکہ جیسا کہ ہم متعدد بار بتا چکے ہیں کہ جماعت احمدیہ دنیا بھر میں بسنے والے تمام کلمہ گو مسلمانوں کو حکومت اسلامی

کی آئینی اور قانونی تعریف اور اصطلاح کی رو سے مسلمان ہی سمجھتی ہے اور اسے عالم اسلام کے سیاسی اتحاد کا نقطہ مرکزیہ قرار دیتی ہے مگر جہاں تک روح اسلامی کا تعلق ہے دوسرے مسلمان بھی خود تسلیم کرتے ہیں کہ اس زمانہ کے مسلمان کہلانے والے عملی اعتبار سے مسلمان نہیں ہیں۔ ۱۵۸

پس محض اس وجہ سے کہ جماعت احمدیہ دوسرے مسلمانوں کو سیاسی اور آئینی اعتبار سے مسلمان سمجھتی ہے ملت اسلامیہ سے الگ نہیں کی جاسکتی تھی اور احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کا مطالبہ بالکل ناجائز اور ہر لحاظ سے ناروا اور نامناسب تھا جو صرف سیاسی ہتھیار کے طور پر اختیار کیا گیا مگر بدقسمتی سے اسے ایک شرعی فتویٰ کی حیثیت دے دی گئی جو گاندھی جی کی تحریک سے احراری علماء کی وابستگی کا ایک کرشمہ تھا۔

چنانچہ اخبار "زمیندار" نے ایک بار اسی طرز کی "شرعی" سیاست کاریوں کے بارے میں یہ رائے دی تھی۔

"بدقسمتی سے جب "تحریک خلافت" نے مہاتما گاندھی کی سیاسی تحریک سے اپنا دامن باندھا تو بہت سے ایسے علماء جنہوں نے اپنی تمام عمر مدرسوں اور حجروں اور مسجدوں کے مصلوں پر گزاری تھی۔ مختلف طریقوں سے سیاسی میدان میں لائے گئے اور ان سے فتویٰ حاصل کر کے سیاسی جدوجہد کو تقویت پہنچائی گئی۔ یہ ایک طویل داستان ہے جس کے بعض پہلو افسوسناک اور شرمناک بھی ہیں بہرحال اس وقت سے حالت یہ ہو گئی ہے کہ ایک طرف تو سینکڑوں ایسے نقلی علماء میدان میں نظر آنے لگے جن کو کسی حیثیت سے فتویٰ جاری کرنے کا حق حاصل نہ تھا اور دوسری طرف عوام کے اندر یہ ذہنیت پیدا ہو گئی کہ وہ ہر معمولی سے معمولی سیاسی مسئلہ کو لے کر علماء کی جانب رجوع کرنے لگے۔" ۱۵۹

اسی طرح پاکستان کے مشہور محقق و مورخ عاشق حسین صاحب بٹالوی "ہماری قومی جدوجہد" میں لکھتے ہیں۔

"جہاں تک ملکی سیاست کا تعلق ہے ہندوستان کے پیشہ ور مولویوں نے کتاب و سنت کو ایک مذاق بنا کر رکھ دیا تھا جب کانگریس نے ترک موالات کا ریزولیوشن پاس کیا تو جمعیتہ العلماء نے بھی قرآن و حدیث کی بناء پر ترک موالات کا فتویٰ دے دیا۔ پھر حالات بدلے اور سی۔ آر داس اور موتی لال نہرو نے سوراج پارٹی قائم کر کے کونسلوں کے مقاطعہ کی شرط اٹھا دی تو ان ہی پیشہ ور مولویوں نے جھٹ پہلا فتویٰ منسوخ کر کے کونسلوں میں داخلے کو جائز قرار دینے کی غرض سے نیا فتویٰ داغ دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان پر انگریز مسلط تھے اور ہندوستان کے لئے ہر قسم کا آئین برطانیہ کی پارلیمنٹ سے منظور ہو کر آتا تھا۔ پارلیمنٹری نظام ایک ایسا گورکھ دھندا ہے جسے اچھی طرح سمجھنے کے

لئے انگریزی زبان' انگریزی قانون' انگریزی روایات' انگریزی تاریخ' انگریزی سلطنت اور انگریزی کانسٹی ٹیوشن پر مکمل عبور درکار ہے۔ ہندوستان کے پیشہ ور مولویوں کو اس پورے نظام کی الف ب سے بھی شناسائی نہ تھی۔

برطانیہ کا ارادہ تھا کہ ہندوستان میں بتدریج "پارلیمنٹری جمہوریت" کی طرز کا آئین نافذ کیا جائے گا۔ یہ آئین سراسر برطانیہ کی سرزمین سے پیدا ہوا تھا۔ ہندوستان اس سے قطعاً ناآشنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے پیشہ ور مولوی جن کا مبلغ علم درس نظامی تک محدود تھا۔ اس طرز حکومت کے مبادی بھی سمجھنے سے معذور تھے وہ صرف رفع یدین۔ آمین بالجہر اور حیات و وفات مسیح پر بحث کر سکتے تھے"۔ [۱۶۰]

بالا خر یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ ہندوؤں اور سکھوں نے احمدیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ نشستیں متعین کئے جانے کے احراری مطالبہ کی پرزور تائید کی۔ چنانچہ سکھوں کے مشہور اخبار "شیر پنجاب" نے لکھا۔

"ہم اس کی بزور تائید کرتے ہیں اور گورنر صاحب بہادر سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر پنجاب میں کم از کم ۵ فیصدی نشستیں کونسل میں اور دو نشستیں مرکزی اسمبلی میں دی جائیں اس سے کئی پولٹیکل پیچیدگیاں سلجھ جائیں گی"۔ [۱۶۱]

ہندوؤں کے مشہور اخبار "ملاپ" اور "آریہ گزٹ" نے لکھا۔

"جب احمدیوں کو مسلمان لیڈر اور علماء اور عوام مسلمان ہی نہیں سمجھتے تو پھر یہ کس فرقہ میں شمار ہوں"۔

"چونکہ یہ مسلمانوں میں سے ہیں اس لئے ان کے لئے مسلمانوں کی نشستوں میں سے کچھ نشستیں مخصوص کر دی جائیں۔ احمدیوں کا بھلا بھی اسی میں ہے کیونکہ الیکشن میں تو کوئی مسلمان ان کو ووٹ دے کر کونسل میں نہیں بھیجے گا اور نامزدگی کا سلسلہ آئندہ کونسل میں ہو گا نہیں اس لئے احمدیوں کی نمائندگی کرنے والا کونسل میں کوئی نہ ہو گا"۔ [۱۶۲]

ہندوؤں کی اس منطق پر اخبار "الفضل" نے یہ تبصرہ کیا کہ۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جماعت احمدیہ جداگانہ اقلیت بن کر مسلمانوں کی نشستوں میں سے ہی اپنا حصہ لے گی۔ کیونکہ مسلمانوں کی نیابت کی جو نسبت قرار دی گئی ہے۔ وہ بشمول جماعت احمدیہ قرار دی گئی ہے اور خواہ وہ حصہ کتنا ہی قلیل حصہ ہو اس کی وجہ سے مسلمانوں کی نشستوں میں یقیناً کمی واقع ہو گی۔ اس میں جماعت احمدیہ کا تو فائدہ ہی ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ بھی چکے ہیں۔ اور خود "ملاپ" نے بھی اپنے مندرجہ بالا الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔ مگر مسلمانوں کے لئے سخت نقصان رساں ہے۔ پنجاب میں

مسلمانوں کو ناخنوں تک کا زور لگانے کے بعد جو اکثریت حاصل ہوئی ہے اور وہ بھی اس لئے کہ تمام مسلمانوں نے متحد ہو کر اس کا مطالبہ کیا وہ نہایت ہی قلیل ہے اور جماعت احمدیہ کے جداگانہ اقلیت قرار پا جانے کی صورت میں وہ قطعاً قائم نہ رہ سکے گی۔ یہی غرض ان لوگوں کے مدنظر ہے جو احراریوں کی تائید کر رہے ہیں۔ پھر جماعت احمدیہ کو یہ پوزیشن حاصل ہو جانے پر بات یہیں ختم نہ ہو جائے گی بلکہ شیعہ اور اہلحدیث مسلمان جو پہلے سے ہی جداگانہ اقلیت بننے کی ضرورت محسوس کر رہے اور اس کے لئے زور لگا رہے ہیں۔ وہ بھی اپنے مطالبہ میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کی جو حالت ہو سکتی ہے۔ اسے تصور میں لا کر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ جماعت احمدیہ کو جداگانہ اقلیت قرار دینے کی اس قدر پر زور حمایت و تائید پنجاب کا غیر مسلم پریس کیوں کر رہا ہے اور احراری اس مطالبہ کو پیش کر کے مسلمانوں کی تباہی کے لئے کتنا گہرا گڑھا کھود رہے ہیں"۔ [۱۶۳]

تیسرا ہتھیار

جماعت احمدیہ کی گہری ہمدردیاں ہمیشہ ہی مسلم لیگ کے ساتھ وابستہ رہی تھیں۔ اس لئے مجلس احرار اسلام ہند نے جماعت احمدیہ کو بدنام کرنے کے لئے بھی وہی سیاسی حربے استعمال کئے جو کانگریس اور اس کے ہمنو اعلماء ہمیشہ مسلم لیگ کے خلاف استعمال کرتے آرہے تھے اور وہ یہ کہ معاذاللہ بانی جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام انگریز کے جاسوس تھے۔ اور یہ کہ احمدی برطانوی امپیریلزم کے کھلے ایجنٹ ہیں۔ [۱۶۴] دوسروں کو انگریز کے پٹھو ہونے کا الزام دینا کانگریس کے ہندو لیڈروں کا ایسا دل پسند اور عام حربہ تھا کہ جو دراصل ان دنوں وہ اپنے حریف کو خواہ وہ ان کا ہم خیال ہی کیوں نہ ہو ناکام بنانے کے لئے کھلے بندوں اور بے دریغ استعمال کرتے تھے۔ جیسا کہ چودھری افضل حق صاحب تحریک کشمیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مہاتما گاندھی بڑے دھڑلے کا آدمی ہے جس کے برخلاف ہو جائے اس کو خاک میں ملا کر چھوڑتا ہے...... لنڈن میں آپ نے سنا کہ احرار کشمیر پر چڑھ دوڑے۔ اس مرد دانا نے...... اعلان کیا کہ یہ تحریک انگریز کی تقویت کے لئے شروع کی گئی ہے اس زمانے میں اس داؤں سے کوئی بچتا تھا اس داؤں کا گھاؤ گہرا ہوا"۔ [۱۶۵]

مجلس احرار اسلام ہند کے جوشیلے لیڈروں نے کانگریس کے اس سیاسی "داؤں" سے خاص طور پر فائدہ اٹھایا اور اپنے نظریات سے اختلاف کرنے والوں کو انگریزوں کے جاسوس اور ایجنٹ قرار دینے میں ہمیشہ انتہائی تشدد پسندی کا مظاہرہ کیا۔ بطور نمونہ صرف چند تحریرات درج ذیل کی جاتی ہیں۔

(۱) "حکومت برطانیہ کی اجازت سے تحریک خاکسار کی ابتداء کی گئی [۱۶۶]........" (چودھری افضل حق صاحب)

(۲) "لیگ کا نقاب اوڑھے ہوئے انگریز کا ایجنٹ ایسے مواقع کی تاک میں رہتا ہے"۔ ۱۶۷
(چوہدری افضل حق صاحب)

(۳) "لیگی وزارتیں مسٹر جناح اور آل انڈیا مسلم لیگ انگریزوں کے رہین منت ہیں اور انگریزوں کے اشارے پر ناچ رہے ہیں"۔ ۱۶۸

(۴) "آئندہ دور کا مورخ لکھے گا کہ ہندوستان کے نام نہاد مسلمانوں کی رائے عامہ مدتوں ان لوگوں کی طرف دار رہی ہے جو بلحاظ ضمیر مردہ تھے اور .... حکومت انگلشیہ کے خود کاشتہ پودے"۔ ۱۶۹

(۵) "سوچ لو پاکستان کی تحریک بھی برطانوی جھانسہ ہی نہ ہو ....." ۱۷۰ (چوہدری افضل حق صاحب)

(٦) "ہر ملک کے مقامی مولویوں کو اپنے ساتھ گانٹھ کر ان سے جاسوسی کے کام لئے جاتے ہیں۔ وہاں ولی بنائے جاتے ہیں۔ مزار قائم کئے جاتے ہیں۔ معجزہ دکھانے والے پیر بنائے جاتے ہیں"۔ ۱۷۱
(ڈاکٹر صابر صاحب ملتانی)

(۷) "دوسرا کام (عیسائیوں نے۔ ناقل) یہ کیا کہ مسلمان نام کے چند "خود کاشتہ پودے" تلاش کرکے تیار کئے .... چنانچہ قادیان، علی گڑھ، چکڑالہ، ربوہ اور "مولوی کا غلط مذہب"۔ "طلوع اسلام"۔ "تجدید و احیائے دیں" اور خلیفہ عبدالحکیم کی "ثقافت اسلامیہ" وغیرہ کو اسی سلسلہ کی کڑیاں سمجھنا چاہئے"۔ ۱۷۲ (مولوی شمس الدین صاحب ہزاروی)

مجلس احرار اسلام کی مندرجہ بالا تحریرات کے مطابق خاکسار تحریک، مسلم لیگ، ڈاکٹر سر محمد اقبال، نظریہ پاکستان، مختلف اسلامی ممالک کے علماء، جماعت احمدیہ، سرسید، چکڑالوی تحریک، پرویزی تحریک، جماعت اسلامی اور ثقافت اسلامیہ سب انگریزی استعمار کا شاہکار ہیں اور فرنگیت کی پیداوار!!
۱۷۳

ایک غلط بات کو صحیح اور درست ثابت کرنے کے لئے کئی بے بنیاد باتیں اپنے ذہن سے اختراع کرنا پڑتی ہیں۔ یہی راہ مجلس احرار نے اختیار کی اور اس نے اپنے فرضی افسانہ کو حقائق کی شکل میں ڈھالنے کے لئے بہت سی بے سروپا باتوں کا سہارا لیا۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ احرار نے اپنے فسانہ کو وقیع بنانے کے لئے یہ بھی کہا کہ "مجاہدین کی ان پیش قدمیوں کو دیکھ کر انگریز نے ایک نئی چال چلی کہ اسلامی جذبۂ اسلامی تعلیمات اور اسلامی مرکزیت کو ختم کرنے کی کوئی سبیل بنانی چاہئے۔ اس اہم کام کی سرانجام دہی کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کو تیار کیا۔ اس سے نبوت

کا دعویٰ کرانے کے بعد اسلامی رنگ میں فتویٰ صادر کرایا کہ اب جہاد ہمیشہ کے لئے حرام ہو چکا ہے"۔

......۱۴۴

انگریزوں کے خلاف تحریک ۱۸۵۷ء میں اٹھی اور جماعت احمدیہ کا قیام ۱۸۸۹ء میں ہوا۔ گویا افسانہ سازوں کی نگاہ میں انگریز بتیس سال تک تو صرف اسی نسخہ کی سوچ بچار میں رہا کہ کسی ایک شخص کو "نبی" بنا دینا چاہئے تو اسلامی مرکزیت ختم ہو جائے گی۔ یا للعجب۔ پھر اس کے خاتمہ کی جو یہ صورت تجویز کی گئی کہ جہاد کے ۱۴۵ حرام ہونے کا فتویٰ صادر کرا لیا۔ تو یہ بات بھی غلط ہے اس لئے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے جہاد بالسیف کے التواء کا فتویٰ ۱۹۰۰ء میں دیا۔ مگر ہندوستان کے مشہور و مستند علماء ہی نہیں مکہ کے چاروں مفتی مدتوں قبل یہ فتویٰ دے چکے تھے پس جو کام ہندوستان اور عرب کے علماء برسوں سے کامیابی کے ساتھ انجام دے چکے تھے اس کے لئے اب کسی "نبی" کے کھڑے کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ پھر یہ کہنا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ہمیشہ کے لئے جہاد بالسیف حرام قرار دیا یہ بھی محض بہتان ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی تصنیف "نور الحق" حصہ اول صفحہ ۴۵ پر صاف تحریر فرماتے ہیں کہ

"جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں اور مومنوں کو ان کے گھروں اور وطنوں سے نکالتے ہیں اور خلق اللہ کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے ہیں اور دین اسلام کو نابود کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا تعالیٰ کا غضب ہے اور مومنوں پر واجب ہے جو ان سے لڑیں اگر وہ باز نہ آویں"۔ ۱۴۶

پھر فرمایا۔

وامرنا ان نعد للکفرین کما یعدون لنا ولا نرفع الحسام قبل ان نقتل بالحسام۔

۱۴۷

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کفار کے مقابلہ کے لئے اسی طرح تیاری کریں جس طرح وہ تیاری کرتے ہیں۔ اور جب تک ہمیں تلوار سے قتل نہ کیا جائے ہم ابتداء تلوار نہ اٹھائیں۔

نیز ارشاد فرمایا۔

"اس زمانہ میں جہاد روحانی صورت سے رنگ پکڑ گیا ہے اور اس زمانہ کا جہاد یہی ہے کہ اعلاء کلمہ اسلام میں کوشش کریں۔ مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں۔ دین اسلام کی خوبیاں دنیا میں پھیلائیں یہی جہاد ہے جب تک خدا تعالیٰ کوئی دوسری صورت دنیا میں ظاہر کر دے"۔ ۱۴۸

۲۔ احرار نے یہ بھی پراپیگنڈا کیا کہ "جب فرنگی نے نبی پیدا کر لیا تو اس کے تمام کام آسان ہو گئے

کیونکہ اسلام کو ختم اور مسلمانوں کو فنا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی سامراجی قوتوں کو قائم رکھنے کے لئے تمام ذمہ داریاں اس نبی اور اس کی امت نے اپنے سر لے لیں"۔ ۱۷۹

احرار کا تو یہ پراپیگنڈا ہے مگر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے دعویٰ مسیحیت سے متعلق اپنی پہلی ہی کتاب "فتح اسلام" میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔

"یہ کرسچن قوموں اور تثلیث کے حامیوں کی جانب سے وہ ساحرانہ کارروائیاں ہیں کہ جب تک ان کے اس سحر کے مقابل پر خدا تعالیٰ وہ پرزور ہاتھ نہ دکھادے جو معجزہ کی قدرت اپنے اندر رکھتا ہو اور اس معجزہ سے اس طلسم کو پاش پاش نہ کرے تب تک اس جادوئے فرنگ سے سادہ لوح دلوں کو مخلصی حاصل ہونا بالکل قیاس اور گمان سے باہر ہے سو خدا تعالیٰ نے اس جادو کے باطل کرنے کے لئے .... اپنے اس بندہ کو اپنے الہام اور اپنی برکات خاصہ سے مشرف کرکے اور اپنی راہ کے باریک علوم سے بہرہ کامل بخش کر مخالفین کے مقابل پر بھیجا....... تا اس آسمانی پتھر کے ذریعہ سے وہ موم کا بت توڑ دیا جائے جو سحر فرنگ نے تیار کیا ہے"۔ ۱۸۰

۳۔ احمدیوں کے انگریزی ایجنٹ ہونے کی ایک "دلیل" یہ بھی دی گئی کہ ان کے ذریعہ سے مسلم ممالک میں برطانوی استعمار مستحکم ہوا۔ حالانکہ جماعت احمدیہ کا قیام بعد کو ہوا اور انگریز پہلے ہی ہر طرف چھا چکے تھے حتیٰ کہ افغانستان جیسے مسلمان ملک کے فرمانروا امیر عبدالرحمٰن کی نسبت برصغیر کے نامور عالم مولوی محمد علی صاحب قصوری لکھتے ہیں۔

"انگریزی حکومت کے ہندوستان میں قیام کے بعد اس کی افغانستان سے آئے دن چپقلش رہتی تھی بالآخر انگریزوں نے امیر عبدالرحمٰن کو کابل کے تخت پر بٹھلایا اور ان سے معاہدہ کیا کہ وہ ہندوستانی سرحدوں پر افغان قبائل کی یورش کی روک تھام کرتے رہیں گے اور اس کے صلے میں انہیں بارہ لاکھ سالانہ وظیفہ دینا منظور کیا۔ امیر عبدالرحمٰن مرحوم نہایت جابر بادشاہ تھے انہوں نے افغانوں کی روح آزادی کچلنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا"۔ ۱۸۱

اسی طرح امیر حبیب اللہ صاحب کی نسبت لکھتے ہیں۔

"امیر صاحب کا سارا بجٹ انگریزوں کے روپے کا مرہون احسان تھا۔ ان کا تمام ذاتی خرچ ہندوستان کے امدادی روپے سے چلتا تھا۔ پھر مختلف بیش قیمت تحائف بھی سرکار انگریزی سے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پہنچتے رہتے تھے۔ بڑے بڑے افغان افسر تقریباً تمام انگریزوں کے تنخواہ دار تھے"۔ ۱۸۲

ہندوستان میں جہاں ۱۸۵۸ء سے عنان حکومت براہ راست برطانیہ کے ہاتھ میں آچکی تھی

مسلمانوں اور ان کے اداروں کو حکومت انگریزی کی طرف سے جاگیروں خطابوں اور انعاموں سے نوازا گیا جس کی بہت سی تفصیل سرلیپل گریفن کی کتاب "رؤسائے پنجاب" میں موجود ہے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ احمدیت کے سب سے پہلے اور بڑے مخالف ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو کتاب "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" [۱۸۳] لکھنے پر چار مربعے دیئے گئے جس کا ذکر خود ان کے قلم سے اشاعت السنہ جلد ۱۹ نمبر ا صفحہ ۵/ اپر موجود ہے۔

غرضکہ کہاں تک بیان کیا جائے حقائق و واقعات سے ثابت ہے کہ جماعت کے قیام سے قبل اور اس کے بعد مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی طبقات بلکہ حکمران تک انگریز کے رہین منت اور تابع فرمان تھے ان حالات میں جماعت احمدیہ پر برطانوی استعمار کے مضبوط کرنے کا الزام جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے بالخصوص جبکہ کوئی شخص ثابت نہیں کر سکتا کہ جماعت احمدیہ نے کبھی انگریزی حکومت سے رعایا کے عام حقوق سے بالا کوئی فائدہ اٹھایا ہو۔

۴۔ سکھوں کے زمانہ حکومت میں مسلمان سچ مچ ایک دہکتے ہوئے تنور میں پڑے ہوئے تھے کہ انگریزی حکومت کی وجہ سے مذہبی آزادی نصیب ہوئی۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے محض اس احسان کے باعث اپنی کتابوں میں انگریزوں کی تعریف فرمائی ہے۔ احراری یہ تعریف اپنے ماحول سے الگ کر کے سناتے اور نتیجہ یہ اخذ کرتے تھے کہ جماعت احمدیہ انگریزوں کی ایجنٹ ہے یہ اصول احراری ذہن کی پیداوار تھا جس کو صحیح تسلیم کر لینے سے مسلمانوں کے تمام فرقے اور ان کے جید علماء اور زعماء انگریزوں کے پٹھوؤں اور ٹوڈیوں کی فہرست میں داخل ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً امیر شریعت احرار کے استاد [۱۸۴] مولوی ظفر علی خاں صاحب [۱۸۵] اور "حکیم الامت" ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب [۱۸۶] بھی کیونکہ ان کی تحریرات انگریز کی مدح سرائی سے بھری پڑی ہیں۔

چوتھا ہتھیار

جماعت احمدیہ کو انگریزوں کا ایجنٹ قرار دینے والے احراریوں نے احمدیت کو شکست دینے کے لئے چوتھا ہتھیار یہ استعمال کیا کہ یہ پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ احمدی لوگ نہ صرف در پردہ انگریزی حکومت کے مخالف ہیں بلکہ اپنی طاقت بڑھا کر سیاسی اقتدار قائم کرنا چاہتے ہیں اور انہوں نے قادیان میں ایک متوازی حکومت قائم کر رکھی ہے۔ جس کے قوانین برطانوی آئین سے مزاحم ہیں۔

مجلس احرار کا یہ نظریہ اگرچہ ان کے اس خیال کے بالکل برعکس تھا کہ احمدی برطانیہ کے جاسوس ہیں مگر سیاست کے ان شاطروں نے اسے بڑی کثرت و شدت کے ساتھ پیش کیا۔ یہ ہتھیار تحریک کشمیر کے شروع میں براہ راست ہندو قوم کے سیاسی کارخانے سے ڈھل کر آیا تھا اور اس کا مقصد جماعت

احمدیہ اور حکومت کو آپس میں الجھانا اور لڑانا تھا۔

چنانچہ آریہ اخبار "پرکاش" (۲۸/ فروری ۱۹۳۲ء) نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ایک تقریر مندرجہ "الفضل" (۱۸/ فروری ۱۹۳۲ء) سے چند سطور نقل کرنے کے بعد لکھا۔

"ان سطور میں مرزا جو کہہ گئے کوئی کانگرسی اس سے زیادہ کیا کہے گا۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ کانگریسی اپنے بیگانوں سب کے سامنے ایک ہی بات کہتا ہے لیکن قادیانی خلیفہ اپنے پولٹیکل آقاؤں کے سامنے ان کی وفاداری کا دم بھرتا ہے لیکن اپنے مریدوں کے سامنے حکومت پر نکتہ چینی کی جرات دکھا سکتا ہے"۔ ۱۸۷

ہندو پریس کے اس پراپیگنڈا کو عوام اور حکومت دونوں تک پھیلانے کا کام مولوی ظفر علی خاں صاحب نے اپنے ذمہ لیا اور ۲۴/ فروری ۱۹۳۳ء کو لاہور میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"ہم جارج پنجم کی حکومت سے کہتے ہیں کہ از برائے مسیحؑ ہمیں اس لعنت سے بچائیے کہ ہمارے نبی عیسیٰؑ کو گالیاں دی جائیں...... مسیحیت ۱۸۸ کی غیرت آج مرگئی ہے"۔

"آج خواہ حکومت کی وقتی مصلحتیں قادیانیوں کو اس کی چہیتی امت بنادیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ آڑے وقتوں میں حکومت کے ہرگز کام نہیں آسکتے۔ حکومت کی مدد سر عمر حیات خاں، سر فیروز خاں نون، سر سکندر حیات خاں، خاں بہادر رحیم بخش کرسکتے ہیں یا یہ قادیانی جنہیں کسی بات کا شعور نہیں۔ حکومت کی اعانت ان قادیانیوں نے نہیں کی بلکہ ان مسلمانوں نے کی جو عراق و شام میں ثمن قلیل کے عوض اپنا دین و ایمان بیچ آئے"۔ ۱۸۹

اسی طرح اخبار "زمیندار" نے اس سے بھی واضح لفظوں میں لکھا۔ "قادیان میں جو قوانین نافذ ہیں وہ برطانی قوانین سے ٹکرا رہے ہیں"۔ ۱۹۰

ہندو اور مولوی ظفر علی خاں صاحب کے دوش بدوش اب مجلس احرار نے بھی اس کی اشاعت میں سرگرمی دکھانا شروع کی۔ چنانچہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے ۲۰/ مارچ ۱۹۳۴ء کو مسجد خیرالدین امرتسر میں تقریر کی جس میں کہا۔

"میں احمدیوں کو کافر مانتا ہوں۔ مگر میری وجوہات اور ہیں اور آپ کی اور۔ میں اس لئے ان کو کافر نہیں مانتا کہ یہ انگریزوں کو "اولوالامر منکم" مانتے ہیں یا جہاد کے منکر ہیں یا قرآن کے منکر ہیں یا مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ میری اور وجوہات ہیں...... میں نے مولویوں کے فتاویٰ کفر پڑھے ہیں انہوں نے گھبرا کر اور احمدیوں سے مرعوب ہو کر ایسے فتوے دیئے یہ مولویوں کی کمزوری ہے۔ اگر آج یہ انگریزوں کے خلاف جنگ کریں یا جہاد کریں اور ختم نبوت مانیں تو کیا تم ان کو مسلمان مان لوگے ہرگز

نہیں۔اسی لئے میں کہتا ہوں کہ ان کے کفر کی اور ہی وجوہات ہیں۔انگریزوں کے خلاف تو یہ ضرور ہی جنگ کریں گے جیسا کہ ان کے ارادے ہیں۔ان کی عورتیں' بچے' بوڑھے' چھوٹے اور بڑے بندوقوں اور تلواروں اور پستولوں کے لائسنس لے رہے ہیں اور مشق کر رہے ہیں ان کی عورتیں نشانہ بازی کرتی ہیں۔مرزائیوں کو معلوم ہے کہ گورنمنٹ مسلمانوں سے ڈر کر ہمارا ساتھ چھوڑ دے گی۔اس وقت یہ لوگ فوراً میدان جنگ میں کود پڑیں گے۔میرے نزدیک ان کے کفر کی وجہ یہ ہے۔ایک اور وجہ مرزائیوں کے کفر کی یہ ہے کہ محمد کے تو قائل ہیں مگر رسول اللہ کے منکر ......

احمدی اپنی سیاسی طاقت کو بڑھا کر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ہماری اور گورنمنٹ کی سیاسی طاقت کو یہ آہستہ آہستہ چھین رہے ہیں۔گورنمنٹ بے وقوف ہے اسے سمجھ نہیں آتی۔ہم نے ان کی طاقت کو دبانا اور سیاسی قوت کو تباہ کرنا ہے......ہم نے ایک سال کے لئے عہد کر لیا ہے کہ نہ چماروں کو نہ ہندوؤں اور سکھوں کو نہ عیسائیوں کو تبلیغ کریں گے اور نہ ان کے پاس جائیں گے۔صرف استیصال مرزائیت کریں گے۔اس کام کے لئے احرار اسلام نے شعبہ تبلیغ الگ کرایا ہے۔جس کے سیکرٹری مولوی داؤد صاحب غزنوی......اور صدر میں ہوں۔اب یہ کام ہم نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔انشاء اللہ وہ دن نزدیک ہیں کہ مرزا محمود جیل میں ہو گا اور جیل خانہ کی ہوا کھائے گا۔

ختم نبوت کی وجہ سے اس لئے ان کو کافر جانتا ہوں کہ اب تو خواہ رسول آئے خواہ کتا آئے دونوں برابر ہیں۔ایک ہندو نے مجھ سے سوال کیا کہ جب نبوت کا دروازہ کھلا ہے تو مہاتما گاندھی نبی کیوں نہیں ہو سکتے۔کیا انہوں نے نبیوں اور رسولوں والے خصائل اور اخلاق کا نمونہ نہیں دکھایا۔میں نے اس ہندو کو کہا کہ واقعی تمہارا سوال درست اور روزنی ہے۔

اب ہم نے قادیان میں جھنڈے گاڑ دیئے ہیں.......اور مرزائیوں کو مٹانے کا پکا عہد کر لیا ہے۔تم جماعت بندی کرو۔اپنی سیاسی طاقت کو بڑھاؤ تاکہ ہم ان کا مقابلہ کر سکیں"۔[۱۴۱]

دوسرا باب (فصل ششم)

انگریزی حکومت کی طرف سے جماعت احمدیہ کی مخالفت

اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ ہندوؤں اور ان کی ہمنوائی میں مجلس احرار نے انگریزی حکومت کو جماعت احمدیہ کے خلاف مشتعل کرنے اور اکسانے کا جو چوتھا خطرناک ہتھیار استعمال کیا۔ وہ صرف چند تقریروں اور تحریروں تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ انہوں نے اس کے ساتھ ہی سرکاری حلقوں میں اندر ہی اندر ایسی راہ نکال لی کہ حکومت انگریزی کے اعلیٰ افسر مثلاً وائسرائے، گورنر پنجاب وغیرہ اس پراپیگنڈا کا شکار ہو گئے اور جماعت احمدیہ کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور خود حکومت سلسلہ احمدیہ کے مقابلہ کے لئے ڈٹ کر سامنے آگئی۔

جماعت احمدیہ اور انگریزی حکومت

مگر قبل اس کے کہ اس کی تفصیل پر روشنی ڈالی جائے ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ مہدی سوڈانی کے خلاف نبرد آزما ہونے کی وجہ سے انگریزی حکومت کے لئے کسی شخص کا دعویٰ مہدویت کرنا بہت بڑی وجہ اشتعال تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ برطانوی حکومت نے اپنے آئین و قانون کے مطابق جہاں ہندوستان کی تمام رعایا کو مذہبی آزادی دی وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اس حق سے محروم نہیں کیا۔ مگر جیسا کہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے ۲۱/ ستمبر ۱۹۲۳ء کے الفضل میں تحریر فرمایا۔ شروع ہی سے وہ آپ کو اور آپ کی تحریک کو مشکوک نگاہ سے دیکھتی اور کڑی نگرانی رکھتی آرہی تھی۔ خفیہ پولیس حضور علیہ السلام سے متعلق رپورٹیں بھجواتی۔ قادیان جانے والے مہمانوں کی نگرانی کرتی اور ہمیشہ اس تاک میں رہتی کہ کسی منصوبہ کا پتہ لگتے ہی آپ کو گرفتار کر لیا جائے بعض انگریز حکام ان رؤساء کو جن کی نسبت ان کو معلوم ہو تا کہ احمدیت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں بوقت ملاقات اشارۃً کہہ دیتے کہ گورنمنٹ تو اس سلسلہ کو مشکوک نظر سے دیکھتی ہے پھر آپ اس سے کیوں وابستہ ہیں۔ بالا افسر حکومت کے احمدی ملازمین کو بہت دق کرتے تھے اور انگریزی حکام ان کے

حقوق کا پامال کرنا معمولی بات سمجھتے تھے خصوصاً اس لئے کہ عیسائی' ہندو اور مسلمان عوام سب احمدیوں کے مخالف تھے۔

انگریزی حکومت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف اندرونی طور پر کتنا زہر بھرا ہوا تھا اس کا اندازہ پنجاب کے نیم سرکاری روزنامہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" (۲۴/ اکتوبر ۱۸۹۴ء صفحہ ۳ کالم ۳) کے مندرجہ ذیل مضمون سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

ایک خطرناک مذہبی جنونی: پنجاب میں ایک مشہور مذہبی جنونی ہے ..... اس قسم کا وہمی اور مذہبی جنونی بلاشک پولیس کی نگرانی میں ہے۔ جب کبھی وہ باہر تبلیغ کرتا ہے امن عامہ میں بڑے فسادات کا فوری خطرہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے ماننے والے بے شمار ہیں اور وہ مذہبی جنون میں اس سے کچھ ہی کم ہیں۔ اس قسم کے شخص کے بے معنی تصورات سے کسی سیاسی خطرہ کا اندیشہ تو نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کی دیوانگی میں بھی ایک ڈھنگ ہے۔ اس کی ادبی قابلیت مسلمہ ہے اور اس کی تصانیف بہت ہیں اور عالمانہ ہیں۔ وہ تمام عناصر موجود ہیں جن کی ترکیب سے ایک خطرناک مرکز بنا کرتا ہے.......

قادیان کا مولوی سالہا سال ہمارے زیر نظر رہا ہے اور ہم اپنی ذاتی معلومات کی بناء پر جو ہمیں اس کی ذات اور اس کے کام کے متعلق حاصل ہیں۔ مندرجہ بالا رائے کی پوری طرح تائید کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ طاقت پکڑ رہا ہے۔ اور غالباً مستقبل قریب میں ہم پر یہ فرض عائد ہو جائے گا کہ ہم اس کی طرف زیادہ تفصیل سے توجہ دیں"۔ [۱۹۲] (ترجمہ)

انگریزی حکومت کی اس مخالفت کی ایک سیاسی وجہ یہ بھی تھی کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں حکومت کو مخاطب کرتے ہوئے اشتعال دلایا۔

"گورنمنٹ کو اس کا اعتبار کرنا مناسب نہیں اور اس سے پرحذر رہنا ضروری ہے ورنہ اس مہدی کادیانی سے اس قدر نقصان پہنچنے کا احتمال ہے، جو مہدی سوڈانی سے نہیں پہنچا"۔ [۱۹۳]

احمدیوں کے خلاف انگریز کی مخالفت کی بنیادی وجہ مذہبی تھی۔ کیونکہ تحریک احمدیت کا مقصد ہی عیسائیت کے دجل و فریب کو پاش پاش کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سلسلہ کے معاند مولوی کرم دین صاحب آف بھیں ضلع جہلم نے انگریزی حکومت کو اکساتے ہوئے تحریر کیا تھا۔

"گورنمنٹ کو اپنی وفادار اور مسلمان رعایا پر اطمینان ہے اور گورنمنٹ کو خوب معلوم ہے کہ مرزا جی جیسے مہدی مسیح وغیرہ بننے والے ہی کوئی نہ کوئی آفت سلطنت میں برپا کیا کرتے ہیں۔ مسلمان تو یہ زمانہ مہدی و مسیح کا قرار ہی نہیں دیتے کیونکہ یہ امن اور انصاف و عدل کا زمانہ ہے اور خلق خدا کو ہر طرح سے اس سلطنت کے سایہ میں امن اور آسائش حاصل ہے اور مہدی اور مسیح کے آنے کی جب

ضرورت ہو گی تو عنان سلطنت سخت ظالم اور جفاپیشہ بادشاہ کے ہاتھ میں ہو گی۔ اور روئے زمین پر کشت و خون اور فتنہ و فساد کا طوفان برپا ہو گا۔ اس وقت اس کی ضرورت ہو گی کہ الہ العالمین اپنی مخلوق کی حفاظت اور آسائش و امن گستری کے لئے کسی انصاف مجسم امام بادشاہ اسلام (مہدی و مسیح) کو معبوث فرمائیں۔ لیکن مرزا جی نے تو مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کر دیا ہے کہ مہدی و مسیح کا یہی زمانہ ہے اور قادیان ضلع گورداسپور میں وہ مہدی و مسیح بیٹھا ہوا ہے وہ کسر صلیب کے لئے معبوث ہوا ہے۔ تاکہ عیسویت کو محو کر کے اسلام کو روشن کرے اور یہ بھی برملا کہتا ہے کہ خدا نے اسے بتلا دیا ہے کہ سلطنت بھی اس کو ملنے والی ہے چنانچہ اس نے اپنی متعدد تصانیف میں یہ الہام و کشف سنایا ہے کہ خدا نے اسے بتلا دیا ہے کہ بادشاہ اس کے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ بلکہ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ وہ بادشاہ اسے دکھائے بھی گئے ہیں اور یہ بھی کہتا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہت مرزائیوں کی جماعت کو کسی زمانہ میں ملے گی۔

اب خیال فرمائیے کہ یہ خیال کہاں تک خوفناک خیال ہے جبکہ مرزا جی نے یہ الہام ظاہر کر کے پیشگوئی کر دی ہے کہ بادشاہ اس کے حلقہ بگوش ہوں گے اور بادشاہت مرزائیوں کو ملے گی کیا عجب کہ ایک زمانہ میں مرزائیوں کو جو اس کی پیشگوئیاں پورا کرنے کے لئے اپنی جانیں دینے کو تیار ہیں (جیسا کہ اپنے بیان میں وہ لکھا چکا ہے کہ اس کے مرید جان و مال اس پر قربان کئے بیٹھے ہیں) یہ جوش آجائے کہ اس پیشگوئی کو پورا کیا جائے اور وہ کوئی فتنہ و بغاوت برپا کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مرزا جی نے مسلمانوں کو نصاریٰ سے سخت بدظن اور مشتعل کر رکھا ہے۔ وہ دجال سمجھتے ہیں تو نصاریٰ کو خر دجال کہتے ہیں تو ریلوے کو۔ اب سوال یہ ہے کہ ریلوے کس نے جاری کر رکھی ہے؟ جب یہ خر دجال ہے تو اس کے چلانے والے بادشاہ وقت 'کو ہی دجال کہتے ہیں اور مسلمانوں کو اس کے برخلاف سخت مشتعل کر رہے ہیں۔ گورنمنٹ کو ایسے اشخاص کا ہر وقت خیال رکھنا چاہئے"۔ [۱۹۷]

الغرض ان سیاسی اور مذہبی وجوہ کے باعث سرکاری حلقوں میں ۱۹۰۷ء تک جماعت احمدیہ کی مخالفت پوری شدت سے ہوتی رہی۔ سرایبٹسن گورنر ہوئے تو انہوں نے تمام حالات کا جائزہ لے کر اور حضور کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد حکومت کو یہ رپورٹ کی کہ اس جماعت کے ساتھ یہ سلوک ناروا ہے۔ چنانچہ اس کی رپورٹ پر احمدیوں سے پولیس کی کڑی نگرانی تو ختم کر دی گئی۔ مگر خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نگرانی کا سلسلہ کسی نہ کسی صورت میں آخر دم تک جاری رہا۔ جس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ ۸/ مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں تحریراً عرض کیا کہ ایک انگریز حضور کو ملنا چاہتا ہے۔ جس پر حضور نے جواب

دیا۔ "مجھے معلوم نہیں کہ کیسا اور کس خیال کا انگریز ہے بعض جاسوسی کے عہدے پر ہوتے ہیں اور بعد ملاقات خلاف واقعہ باتیں لکھ کر شائع کر دیتے ہیں۔ صرف یہ اندیشہ ہے"۔ [۱۹۵]

مسٹر اوبرائن کا نظریہ

پنجاب کے ایک سابق کمشنر مسٹر اوبرائن کہا کرتے تھے کہ سارے انگریز جو جماعت احمدیہ کو دوست سمجھتے ہیں بے وقوف ہیں۔ یہ ایسی منظم جماعت ہے کہ کسی روز اپنی بادشاہت قائم کر لے گی۔ [۱۹۶] مسٹر اوبرائن کا یہ نظریہ اگرچہ ذاتی نوعیت کا ہے۔ مگر خلافت ثانیہ کے ابتدائی دور میں جبکہ جماعت احمدیہ نے مسلمانان ہند کی فلاح و بہبود کے لئے مختلف قومی اور ملی تحریکات میں حصہ لیا عوام میں یہ خیال تیزی سے پھیلنے لگا تھا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک دفعہ خطبہ میں بیان فرمایا کہ لارڈ ہیلی نے چٹھی لکھی کہ جب میں پنجاب کا گورنر تھا۔ اس وقت بھی اس جماعت کے خلاف ایسی باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ حتی کہ ان ہی باتوں کی تحقیقات کے لئے مجھے دو تین بار گورداسپور جانا پڑا۔ مگر میں نے ہمیشہ یہ باتیں غلط پائیں۔ اور یہی ثابت ہوا کہ وہ صرف دشمنی کی وجہ سے کی جاتی تھیں۔ [۱۹۷]

لیکن ۱۹۳۲ء میں تحریک کشمیر کے جاری ہو جانے کے بعد گورنر پنجاب سے لے کر وائسرائے ہند تک مسٹر اوبرائن کے نظریہ کے قائل ہو گئے اور وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بے مثال قیادت کے زبردست اثرات و نتائج دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر جماعت احمدیہ اسی طرح "سیاسیات" میں دخل دیتی رہی تو آئندہ چل کر وہ انگریزی اقتدار کے لئے ایک عظیم خطرہ بن جائے گی۔ اس لئے ضروری خیال کیا کہ اس مرحلہ پر ہی اس کی سرگرمیاں کچل دی جائیں۔ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۱۹۳۴ء کے آغاز میں ایک خطبہ جمعہ کے دوران انکشاف فرمایا۔ "انگریز شاید خیال کرنے لگے ہیں کہ اتنی بڑی منظم جماعت اگر مخالف ہو گئی تو ہمارے لئے بہت پریشانیوں کا موجب ہو گی..... ایک ذمہ دار افسر سے یہ بات سن کر مجھے سخت حیرت ہوئی کہ حکومت نے تحقیق کرائی ہے کہ قادیان میں حکومت کے خلاف کیا سازشیں ہو رہی ہیں"۔ [۱۹۸]

ایک دوسرے خطبہ میں بتایا کہ "گورنمنٹ پنجاب کے ایک ذمہ دار سیکرٹری نے سلسلہ کے ایک سیکرٹری سے کہا کہ آپ لوگ پیرالل گورنمنٹ یعنی متوازی حکومت قائم کر رہے ہیں اور اس کا ثبوت یہ دیا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ اپنی جماعت کے مقدمات سنتے ہیں"۔ [۱۹۹]

اس خیال کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ مہاراجہ کشمیر انگریزوں کے زیر سایہ اور حلیف تھے اس لئے آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے جب عالمی سطح پر ان کی حکومت کے خلاف زبردست پروپیگنڈا کیا تو ہندوستان کی انگریزی حکومت نے اس کو اپنی توہین سمجھا۔ پھر ہندوؤں کے پریس اور اخبار "زمیندار"

کے اس الزام نے کہ اندرون کشمیر شورش برپا کئے جانے کی ذمہ داری قادیان [۲۰۰] پر عائد ہوتی ہے انگریزی حکومت کو بھی متاثر کیا اور حکومت نے اسے نہ صرف امن وامان بلکہ وقار کا بھی مسئلہ بنالیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اہل کشمیر کے نام خطوط لکھے جن سے (کشمیر میں کام کرنے والے) مسٹر گلانسی اور دوسرے انگریزوں کی ناراضگی بہت بڑھ گئی۔ اور آخر ڈوگرہ حکومت اور حکومت انگریزی کی منشاء کے مطابق اور کوشش کے نتیجہ میں کشمیر کمیٹی میں احمدی اور غیر احمدی کا سوال کھڑا کر دیا گیا اور ۷/ مئی ۱۹۳۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کمیٹی کی صدارت سے مستعفی ہو گئے جس کے بعد انگریزی حکومت نے رستہ صاف پا کر احمدیت کی مخالفت میں اپنی کوششیں تیز تر کر دیں اور سرکاری حلقوں میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور آپ کی جماعت کا "سیاسیات" میں حصہ لینے کا عام چرچا کیا جانے لگا۔

سیاسی حلقوں میں احمدیوں کے سیاسیات میں حصہ لینے کا چرچا

اس حقیقت کے ثبوت میں ہم ذیل میں خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب کی بعض ان اہم رپورٹوں [۲۰۱] کے اقتباسات یا ان کے خلاصے درج کرتے ہیں جو آپ نے ۳۴-۱۹۳۳ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں تحریر کئے۔ حضرت خان صاحبؓ ان دنوں جماعت احمدیہ کی طرف سے مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور دوسرے ملکی معاملات کے سلسلہ میں جماعت احمدیہ کے نمائندہ تھے اور اسی حیثیت سے سرکاری افسروں سے ملاقاتیں کرنا ان کے فرائض میں شامل تھا۔ آپ کے علاوہ ۲۰/ فروری ۱۹۳۴ء کو حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے بھی وائسرائے سے ملاقات کی تو انہوں نے تحریک کشمیر کا ذکر آنے پر کہا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ کشمیر کے احمدی فساد مچا رہے ہیں اور گورنمنٹ کی مخالفت کر رہے ہیں اور امن قائم نہیں ہونے دیتے۔

انگریزی افسروں میں سے سب سے پہلے جس افسر نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے سیاسیات میں حصہ لینے پر ناپسندیدگی کا کھلا اظہار کیا وہ مسٹر گلانسی تھے۔ چنانچہ مولوی فرزند علی صاحبؓ کی ایک رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں۔

"میری پہلی ملاقات مسٹر گلانسی (پولٹیکل سیکرٹری حکومت ہند) سے ۱۰/ جولائی ۱۹۳۳ء کی صبح کو ہوئی۔ اسی روز بعد دوپہر گورنر سے ملاقات تھی جس میں انہوں نے ہمارے کشمیر میں دخل دینے کو برا ماننے کا اظہار کیا۔ گلانسی نے اس ملاقات میں ایسا نہیں کہا۔ دوسری ملاقات میں اس نے بھی گورنر کی رائے سے اتفاق کا اظہار کیا۔ میاں فضل حسین صاحب نے غالباً پہلی دفعہ ۱۴/ جولائی ۱۹۳۳ء کو اس

بات کا تذکرہ کیا کہ حضور کا سیاسیات میں دخل دینا معیوب سمجھا جاتا ہے"۔ [202]

حضرت خان صاحبؓ موصوف نے ۲۲/ ستمبر ۱۹۳۳ء کو پنجاب کے چیف سیکرٹری مسٹر گاربٹ سے ملاقات کی اور ان تک مسلمانان حصار کی حالت زار پہنچائی اور ہندو ڈپٹی کمشنر کی چیرہ دستیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کو تبدیل کئے جانے کی درخواست کی۔ اس پر مسٹر گاربٹ نے کہا کہ ہم اس قسم کی تحریک کو اپنے انتظامی امور میں مداخلت سمجھتے ہیں۔ [203]

۲۴/ ستمبر ۱۹۳۳ء کو آپ شملہ میں میاں فضل حسین صاحب ممبر وائسرائے کونسل سے ملے تو میاں صاحب نے ملاقات کے دوران کہا کہ نہ صرف غیر سرکاری بلکہ سرکاری حلقوں اور نہ صرف ہندوستانیوں میں بلکہ انگریز حکام میں بھی اس بات کا چرچا ہے کہ حضور کی طرف سے سیاسیات میں زیادہ دخل دیا جاتا ہے۔ [204]

۲/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو آپ سرہیری ہیگ (ہوم ممبر وائسرائے کونسل) سے ملے تو انہوں نے دوران ملاقات کہا۔ آپ لوگ ہمیشہ گورنمنٹ کے خیر خواہ رہے ہیں۔ البتہ اتنا کہوں گا کہ ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوا ہے میں نے سنا تھا کہ حضرت صاحب اور ان کی جماعت شمالی ہند کی سیاسیات میں اس رنگ میں زبردست فرقہ وارانہ خطوط پر دخل دیتے ہیں کہ گورنمنٹ کو پریشانی ہوتی تھی۔ خان صاحبؓ نے پوچھا شمالی ہند سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے جواباً کشمیر کا نام لیا۔ [205] اس پر حضرت خان صاحبؓ نے بالتفصیل بتایا۔ کہ مسلمانان کشمیر کی امداد کے لئے جو مشورہ ہوا۔ تو ایک آل انڈیا کشمیر کمیٹی بنائی گئی اور تمام حاضرین نے حضور کو عہدہ صدارت قبول کرنے کے لئے مجبور کیا۔ ورنہ حضور کا اصل کام خالص مذہبی ہے۔ بہرحال حضور یہ ذمہ داری قبول کرنے کے بعد اپنے ملی فرائض سے غافل یا سست نہیں ہو سکتے تھے مگر جو کارروائی بھی حضور کی ہدایت کے ماتحت کی گئی وہ تمام تر آئینی تھی۔ خان صاحب نے یہ بھی کہا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ کسی جگہ ہمارے ہم مذہب لوگوں پر ظلم اور زیادتی ہو رہی ہو ہمیں ان کی تکلیف کا کوئی احساس نہ ہو اور جبکہ ہم دونوں سیاسی امور میں فائدہ اور نقصان ہر اعتبار سے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شریک اور حصہ دار ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہو گا کہ ہماری طرف سے بھی آئینی جدوجہد مسلمانوں کے مفاد کے لئے ہو مگر اس کو فرقہ وارانہ (COMMUNAL) نہیں کہا جائے گا یہ تو خود حفاظتی کی صورت ہو گی۔

اسی روز آپ چیف آف دی جنرل شاف کے دفتر میں تشریف لے گئے جس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت نے فوجیوں کے لئے "الفضل" منگوانے کی ممانعت کر رکھی تھی اور گو اس دفتر سے یہ پابندی اٹھائی جا چکی تھی مگر مختلف مقامات سے برابر شکایات آرہی تھیں کہ ہمیں "الفضل" منگوانے کی

اجازت نہیں ملتی۔ دفتر کے افسر نے جو کیپٹن تھے اگرچہ یہ وعدہ کیا کہ ہم دوبارہ اس سلسلہ میں توجہ دلا دیں گے۔ لیکن ساتھ ہی کہا کہ بعض اوقات الفضل میں ہندوؤں کے خلاف حملے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ہندو مسلم تعلقات کی فضا بگڑ جاتی ہے۔ خان صاحبؓ نے کہا کہ وہ مضمون جس پر حکومت پنجاب ناراض ہوئی تھی وہ تو آریہ سماج سے متعلق تھا اور آپ کی فوجوں میں آریہ سماجی سپاہی نہیں ہوتے اس لئے "الفضل" کی مخالفت در حقیقت غیر ضروری سرکاری زبردستی تھی۔

یہ افسر پوچھنے لگے کہ کشمیر کمیٹی کا کیا حشر ہوا اور شیخ محمد عبداللہ کا کیا حال ہے؟ نیز کہا وہ تو احمدی ہے۔ خان صاحب نے کہا یہ اطلاع آپ کی غلط ہے۔ اس کے بعد آپ رخصت ہو کر چلے آئے۔ [۲۰۶]

اس ملاقات کے بعد حضرت مولوی فرزند علی صاحبؓ نے دوبارہ ۱۱/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو میاں سر فضل حسین صاحب سے شملہ میں ملاقات کی۔ جس کی تفصیل خان صاحب ہی کے الفاظ میں درج کی جاتی ہے۔ "خاکسار نے میاں فضل حسین صاحب کو کہلا بھیجا تھا کہ میں محض ان کی ملاقات کی خاطر آرہا ہوں۔ جس پر انہوں نے آج صبح ملاقات کا وقت دیا۔ چنانچہ آج ملاقات ہوئی۔ میرے سوال کرنے پر انہوں نے وکیلانہ پہلو اختیار کر لیا کہ یہ امر واقعہ ہے کہ حضور کے متعلق یہ خیال سرکاری حلقوں میں پایا جاتا ہے کہ حضور اور حضور کی جماعت سیاسیات میں زیادہ دخل دیتی ہے۔ اس کی تنقیح قائم کرنا اور اس پر جرح کرنا فائدہ مند نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا تدارک سوچنا چاہئے۔ مگر میرے اس بات کے زور دینے پر کہ حضور اسی لئے دریافت فرمانا چاہتے ہیں کہ آخر اس خیال کے پیدا ہونے کی وجہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس خود مسٹر گلانسی اور گورنر پنجاب دونوں نے شکایت کی ہے پہلے مجھے ہی پوچھنے لگے کہ آپ بتائیں یہ امر واقعہ ہے یا نہیں کہ گزشتہ سال ان دنوں میں احمدی جماعت کے خلاف اس قدر جوش نہ تھا۔ جیسا کہ اب ہے پھر اس کی کیا وجہ ہے میں نے کہا ہماری مخالفت کی آگ اگر اب زیادہ چمکی ہوئی ہے تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ جماعت سیاسیات میں زیادہ دخل دیتی ہے۔ بلکہ...... پریس تو ہماری تبلیغی کوششوں پر بھی بھڑکتا ہے۔ ہاں ایک وجہ یہ بھی ہوئی ہے کہ حضور کو جو کامیابی کشمیر کے کام میں ہوئی تو اس پر بعض لوگوں کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی ہے اور انہوں نے ایک طرف کشمیر کمیٹی میں فتنہ کھڑا کر دیا۔ دوسری طرف پریس میں وہی مخالفت کرنا شروع کر دی اس کے بعد میاں صاحب نے بتایا کہ سر ہیری ہیگ نے آپ کی ملاقات کا میرے ساتھ ذکر کیا تھا اور وہ حیران تھا کہ اس کے متعلق کس طرح یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ وہ جماعت احمدیہ سے ناراض ہو سکتا ہے تو میں نے کہا تھا کہ آپ کس طرح ناراض ہو سکتے ہیں آپ کا تعلق CIVIL DISOBEDIENCE (عوامی حکم عدولی) سے ہے اور احمدیہ جماعت خود اس طریقہ کی سخت مخالف ہے در حقیقت احمدی جماعت سے

ناراض وہ لوگ ہیں جن کا ریاستوں کے ساتھ تعلق ہے اور جن کو احمدی جماعت کی بعض باتوں سے تکلیف پہنچی ہے اس کے بعد بتایا کہ گلانسی اور گورنر دونوں نے میرے پاس احمدی جماعت کے خلاف شکایت کی ہے پھر لمبا بیان دیا کہ میں پورے وثوق کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا کس کس بات پر ہے مگر گلانسی نے مجھ سے کہا کہ یہ لوگ ہر چیز اور ہر بات میں دخل دیتے ہیں اور بہت ناراضگی کا اظہار کیا......
پھر خود انہی وجوہات کو بیان کرنا شروع کر دیا۔ جو ہمارے خلاف عام مخالفت کے بھڑکانے کا موجب ہوتی ہیں کہنے لگے جب کشمیر کمیٹی بنی ہے اور حضور کو اس کا صدر بنایا گیا اور اتفاق رائے سے بنایا تو میرے نزدیک اس وقت بھی یہ پسندیدہ نہ تھا حضور کو لوگوں نے اس لئے صدر بنایا تھا کہ وہ سمجھتے تھے یہ کام بڑا مشکل ہے بہت روپیہ خرچ کو چاہئے تھا اور کامیابی کا حاصل ہونا موہوم نظر آتا تھا۔ اس لئے لوگوں نے چاہا حضور کو صدر بنا دیں تا اگر کوئی کام نہ بنا تو اس کی ذمہ داری حضور کے سر ہو گی مگر جب دیکھا کام چل نکلا ہے اور اس کی وجہ سے بھی حضور کے اقتدار میں اضافہ ہو رہا ہے تو بعض لوگوں کے دلوں میں حسد پیدا ہوا۔ اس اثناء میں ظفر اللہ خاں صاحب راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے ضمن میں ولایت بھیجے گئے۔ وہاں نام پیدا کیا تو اس حسد میں اضافہ ہوا۔ اس کے بعد جب وہ میری جگہ قائم مقام بنائے گئے تو لوگوں نے نہ صرف چوہدری صاحب کی مخالفت پیٹ بھر کر کی بلکہ میری مخالفت میں بھی حتی الامکان زور لگایا گیا میں تو چونکہ ابھی تک برسر سرکار ہوں اس لئے میرا تو کچھ بگاڑ نہیں سکتے آپ لوگوں کے خلاف حکام کے کان بھرے جاتے ہیں۔ یہی ایمرسن ہے جو بہ حیثیت ہوم سیکرٹری آپ لوگوں کا بے حد مداح تھا...... چونکہ اس کو نسبتاً چھوٹے درجہ سے ترقی ہوئی ہے اور وہ پنجاب میں ہی چھوٹے عہدوں پر رہ چکا ہے اس لئے اس کو ہر قسم اور ہر طبقہ کے لوگ ملتے ہیں۔ اور احمدی جماعت کے خلاف باتیں کہہ کر اس کے کان بھرتے ہیں میں نے حال ہی میں اس کے پاس ایک سفارش کرنا تھی۔ تو اس موقعہ پر اس نے احمدی جماعت کے خلاف مجھے باتیں سنائیں کہ آپ کو معلوم نہیں لوگ کس طرح احمدی جماعت کے لوگوں کو برا سمجھتے ہیں میں نے اسے بتایا کہ درحقیقت لوگ ذاتی اغراض کے ماتحت ایسا پراپیگنڈا کیا کرتے ہیں۔ میں اس قسم کی باتوں سے متاثر نہیں ہوا کرتا آپ کو بھی اس طرح کے پروپیگنڈا کے متعلق ہوشیار رہنا چاہئے اور جو باتیں آپ کے گوش گزار کی جائیں ان کی صداقت کو بلا چون و چرا تسلیم نہیں کر لینا چاہئے"۔

حضرت مولوی صاحبؓ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ "میں نے کہا (یعنی میاں فضل حسین صاحب سے۔ ناقل) اس کے تدارک کے متعلق ہمیں کیا مشورہ دیتے ہیں؟ کہنے لگے کہ میں نے چوہدری ظفر اللہ خاں کو بھی چٹھی لکھی ہوئی ہے وہ انشاء اللہ ۱۰/ دسمبر تک واپس آجائیں گے تو وہ خود بھی اس معاملہ سے

متعلق حضور کے ساتھ گفتگو کریں گے۔...... میں نے کہا ہم آپ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ......اگر کوئی واقعی شکایت ہو جو حضور کی توجہ کے قابل ہو تو اس سے ہمیں اطلاع دیں گے۔اس کو تسلیم کیا کہ ہاں ایسا کروں گا"۔ ۲۰۷

دوسرا باب (فصل ہفتم)

احرار کا حکومت پنجاب سے گٹھ جوڑ

اب ہندوستان کی انگریزی حکومت کے تیور تیزی سے بدل رہے تھے اور وہ جماعت احمدیہ کے خلاف اقدام کرانے پر آمادہ ہو چکی تھی۔ ہندو جو اس تاک میں بیٹھے ہوئے تھے یہ سنہری موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دے سکتے تھے لہذا انہوں نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کا فیصلہ کیا یعنی جماعت احمدیہ سے مقابلہ کرنے کے ساتھ ہندوستان کی مسلم سیاست کے نامور لیڈر اور اپنے خطرناک حریف سر فضل حسین صاحب کو ناکام بنانے کے لئے حکومت پنجاب سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ اور عین اس وقت جبکہ سر فضل حسین کے بعد ایگزیکٹو کونسل کی ممبری کے سلسلہ میں چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کو منتخب کئے جانے کی خبریں مشہور ہونے لگیں انہوں نے اپنے نمائندوں کے ذریعہ سے چودھری ظفر اللہ خان صاحب کے خلاف احمدی ہونے اور میاں سر فضل حسین صاحب کے خلاف "قادیانی نواز" ہونے کی بناء پر ہنگامہ برپا کرا دیا۔

ہندوؤں نے حکومت پنجاب سے کیوں اور کس طرح گٹھ جوڑ کیا اور انگریزی ہندو اور سکھ بساط سیاست کے وہ کون سے مہرے تھے جو اس موقعہ پر آگے آئے؟ اس کی حقیقت افروز تفصیل جناب سید نور احمد صاحب کے قلم سے پڑھئے۔ لکھتے ہیں۔

جناب سید نور احمد صاحب کا بیان

"کمیونل ایوارڈ" کے اعلان کے بعد پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں نے اپنے ذہن پر "مسلم راج" کا خوف مسلط کر لیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر نئے آئین کے تحت سر فضل حسین کو پنجاب کا وزیر اعظم بننے کا موقعہ ملا تو "مسلم راج" کا ہوا حقیقی صورت اختیار کر لے گا۔ لہذا وہ ہر شخص کو جو سر فضل حسین کو وزارت عظمیٰ کے عہدے سے علیحدہ رکھ سکے اپنا تعاون پیش کرنے کو تیار تھے۔ اس صوبے کی یونینسٹ پارٹی میں سر فضل حسین کے بعد سب سے نمایاں حیثیت سر سکندر حیات خاں نے حاصل کر لی تھی۔ جب سر فضل حسین گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل میں تھے تو صوبائی کابینہ میں ان کی جگہ سر

سکندر نے سنبھالی اور اپنے اس عہدے کے زمانے میں انہیں ایک مرتبہ دو ماہ اور دوسری مرتبہ چار ماہ کے لئے قائم مقام گورنر بننے کا موقعہ مل گیا یہ اعزاز اس سے پہلے کسی پنجابی کو حاصل نہ ہوا تھا۔ ہندو شہری پارٹی کے لیڈر راجہ نریندر ناتھ کے ساتھ سر سکندر کے خاندانی تعلقات تھے اگر پنجاب کا وزیر اعظم کسی مسلمان کو قبول کئے بغیر چارہ نہ ہو تو اس صورت میں ہندوؤں اور سکھوں کے لئے سر فضل حسین کے مقابلے میں سر سکندر بہت زیادہ قابل قبول تھے۔ ملک فیروز خاں نون کے ساتھ سر فضل حسین کی قرابت داری ہو گئی تھی اس لئے نون ٹوانہ گروپ کو سر فضل حسین کے مقابلے پر کھڑا کرنا ممکن نہ تھا ان حالات میں بعض ہندو اور سکھ لیڈروں نے سر سکندر اور ان کے دوستوں کو اپنے تعاون کی امید دلانا شروع کیا۔

سر سکندر کے دائیں اور بائیں دو شخص جو ان حالات میں خود سر سکندر سے بھی زیادہ انہیں پنجاب کا وزیر اعظم بنانے کے خواہشمند ہو گئے۔ ایک ان کے رشتے کے بھائی اور عمر کے لحاظ سے بزرگ نواب مظفر خاں تھے جو سرکاری عہدیدار تھے اور ریفارمز کمشنر کے عہدے سے ریٹائر ہونے والے تھے۔ دوسرے سر سکندر حیات کے جگری دوست میاں احمد یار دولتانہ جن کی زندگی سر سکندر کی خدمت کے لئے وقف تھی۔ نواب مظفر خاں کو پنجاب میں ایک اور بااثر جماعت ایسی نظر آئی جس کا تعاون سر فضل حسین کی مخالفت کے سوال پر حاصل کیا جا سکتا تھا یہ مجلس احرار تھی جو وسط پنجاب کی مسلم شہری آبادی میں مقبولیت حاصل کر رہی تھی اور بوجوہ سر فضل حسین کی مخالف ہو گئی تھی چنانچہ دولتانہ صاحب اور نواب مظفر خاں نے ایک طرف ہندو اور سکھ لیڈروں سے اور دوسری طرف مجلس احرار کے چودھری افضل کے ساتھ سازباز شروع کر دی خود سر سکندر کا اپنا رویہ محتاط تھا وہ اس سازباز سے الگ رہے اور ایک خوش خلق انسان کی طرح ہر ایک کے ساتھ میٹھی میٹھی باتیں کرتے رہے لیکن ان کے دونوں ساتھیوں نے انہیں ایک شرمیلے دولہا کی حیثیت دے رکھی تھی اور یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ دولہا کو عروس وزارت کے ساتھ اپنے رشتے کے لئے سرگرمی دکھانے کی ضرورت نہیں دولہا کے رشتے کی بات چیت اس کے عزیز و اقارب ہی کیا کرتے تھے"۔ [۲۰۸]

پھر لکھتے ہیں۔

مجلس احرار ...... کی سیاسی پالیسی چودھری افضل حق کے دماغ کی مرہون منت تھی عوامی جلسوں سے خطاب کرنے کے لئے اس کے پاس ایک سحر انگیز خطیب مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی صورت میں موجود تھا۔ ۱۹۳۲ء میں چودھری ظفر اللہ خاں کو عارضی طور پر وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں لیا گیا۔ تو یہ بات مجلس احرار کے لئے پراپیگنڈا کا بہت اچھا موضوع بن گئی۔ یہ بات عام طور پر معلوم تھی کہ

چودھری صاحب کو یہ موقع دلانے میں سر فضل حسین کا ہاتھ تھا لہٰذا وہ بطور خاص اس پروپیگنڈا کا نشانہ بن گئے"۔ ۲۰۹

میاں فضل حسین صاحب کی یونینسٹ پارٹی کے باغی عنصر اور مجلس احرار کی باہمی مفاہمت پر روشنی ڈالتے ہوئے سید نور احمد صاحب نے یہ بھی لکھا ہے۔

"۱۹۳۴ء میں مرکزی اسمبلی کے نئے انتخاب ہوئے۔ اس وقت مجلس احرار لاہور اور وسطی پنجاب کے دوسرے شہروں میں سب سے زیادہ با اثر عوامی جماعت تھی۔ سر فضل حسین کے اشارے سے آل انڈیا مسلم کانفرنس کے سیکرٹری حاجی رحیم بخش لاہور اور مضافات کے حلقے میں بطور امیدوار کھڑے ہوئے۔ مجلس احرار نے آنجہانی لالہ ہرکشن لال کے بڑے بیٹے کو جو کچھ عرصہ پہلے اسلام قبول کر کے اپنا اسلامی نام خالد لطیف گابا رکھ چکے تھے (بعد میں وہ نقل وطن کر کے بھارتی اور مذہب تبدیل کر کے ہندو بن گئے) اپنا امیدوار چن لیا۔ لیکن اس انتخابی معرکے میں مسٹر گابا کی پشت پر صرف مجلس احرار کا اثر و رسوخ نہ تھا۔ یونینسٹ پارٹی کے اندر سر فضل حسین کے درپردہ مخالف عنصر کی خفیہ امداد بھی مسٹر گابا کو ملی۔ غالباً قیاس یہ تھا کہ گابا اس امداد کے بغیر بھی جیت جاتے۔ بہرحال وہ بھاری اکثریت سے جیت گئے۔ یونینسٹ پارٹی کے "باغی" عنصر اور مجلس احرار کے لیڈروں کے درمیان پخت و پز آئندہ پروگرام کے متعلق بھی ہوتی رہی۔ گو دونوں فریق اس پر پردہ ڈالے رکھنا چاہتے تھے لیکن مجلس احرار نے علانیہ طور پر سر فضل حسین کو اپنا سیاسی مخالف نمبر ایک گردان لیا"۔ ۲۱۰

ڈاکٹر عاشق حسین صاحب بٹالوی کا بیان

سید نور احمد صاحب کے علاوہ ڈاکٹر عاشق حسین صاحب بٹالوی بھی اپنی کتاب "اقبال کے آخری دو سال" میں احرار کی مخالفت کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

"تحریک کشمیر کے بعد احرار بعض فروعی اور بے مصرف باتوں میں الجھ کر اپنی قوت عمل کو ضائع کرنے لگے۔ قادیانی فتنے کا ڈھونگ بھی صرف میاں فضل حسین کی مخالفت کے لئے کھڑا کیا گیا تھا۔ حالانکہ قوم کے بعض بے حد اہم سیاسی امور اور اقتصادی مسائل ان کی توجہ کے طلبگار تھے۔ احرار نے بار بار مسلم کانفرنس پر حملے کئے میاں فضل حسین کو قادیانیت نواز کہہ کہہ کر ہندوستان بھر میں ان کے خلاف پراپیگنڈا کیا گیا۔ یہ سب کچھ سراسر محنت اور وقت کا ضیاع تھا۔ اگر احرار کے حسب منشاء قادیانیت کا استیصال ہو جاتا۔ تو بھی مسلمانوں کے سیاسی مسئلہ کا تشفی بخش حل ممکن نہ تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ احرار نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ میاں فضل حسین ان کے راستے میں حائل ہیں۔ اس لئے انہوں نے سب سے پہلے اس سنگ گراں کو راہ سے ہٹا دینا ضروری سمجھا ہوشمندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ

تحریک کشمیر سے فارغ ہو کر احرار کوئی سیاسی اور اقتصادی پروگرام مرتب کرتے اور مسلمان عوام کی بے پناہ قوت کو ساتھ لے کر اس پروگرام کی تکمیل کے لئے آگے بڑھتے لیکن انہوں نے زود رنج اور مشتعل ہو کر میاں فضل حسین سے جنگ شروع کر دی"۔ [۲۱۱]

"مفکر احرار" چوہدری افضل حق صاحب اور مولوی مظہر علی صاحب اظہر کے اقبالی بیانات

اب ہم دو مشہور احراری لیڈروں چوہدری افضل حق صاحب اور مولوی مظہر علی صاحب اظہر کے حیرت انگیز اقبالی بیانات درج کرتے ہیں جس سے سید نور احمد صاحب اور عاشق حسین صاحب بٹالوی کے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے لکھتے ہیں:۔

"کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ میاں سر فضل حسین ہندوؤں کی نظر میں اورنگ زیب کا بروز تھے [۲۱۲] سر سکندر نے بڑھ کر امید دلائی کہ ہندوؤں کے لئے وہ اکبر ثابت ہوں گے۔ اس طرح ہندوؤں کا سہارا پا کر وہ ابھرے۔ خاندانی خدمات کے باعث انگریزوں نے ان کا ہاتھ تھاما۔ یہ گمنامی کی سطح سے اونچے اٹھے پہلی دفعہ پولیس کمیٹی کے ممبر بنائے گئے۔ پھر سائمن کمیشن کی تعاونی کمیٹی کے صدر بنے۔ اس صدارت میں راجہ نریندر ناتھ لیڈر ہندو پارٹی کے اثر و رسوخ نے بڑا کام کیا۔ پنجاب کے ہندوؤں کو میاں صاحب کے مقابلے میں مہرہ درکار تھا۔ سر سکندر بھی انہیں پوری پوری امید اور حوصلہ (دیتے) [۲۱۳] رہے۔ ہندو ان سے خوش یہ ہندوؤں سے راضی راضی خوشی دونوں آنے والے دور کے دن گننے لگے۔ وہ ایگزیکٹو کونسلر اسی خوبی کے باعث بنائے گئے کہ برخلاف میاں صاحب کے ہندو پارٹی کو آپ پر اعتماد تھا سر سکندر کی یہی خوبی ان کی گورنری (کا) [۲۱۴] باعث ہوئی۔ میاں سر فضل حسین اگرچہ انگریزی سیاسیات کی کل کا بہترین پرزہ تھے لیکن انہیں اپنی لیاقت اور کامیاب سیاسی چالوں پر اتنا ناز تھا کہ وہ انگریز افسران کی ناز برداری کے بجائے ان سے خوشامد کی توقع رکھتے تھے۔ انگریز اعلیٰ افسران سے ان کا رات دن کا رگڑا جھگڑا تھا اور ہر مرحلے پر من مانی منواتے تھے اور خود کسی کی نہ مانتے تھے اس لئے انگریز حکام جہاں ان کی کانگریس کے مقابلے میں کامیاب سیاسی ہتھکنڈوں کے معترف تھے وہاں ان کی محکمانہ دراز دستیوں کے شاکی تھے۔ میاں صاحب کئی انگریز اعلیٰ افسروں کو ذلیل کر کے نکال چکے تھے جس کو ذرا سرکش پاتے تھے اس کی سرکوبی پر آمادہ ہو جاتے تھے میاں صاحب کی یہ ادا انگریز کو نہ بھاتی تھی برخلاف اس کے سر سکندر حیات خاں انگریزوں کے مقابلہ میں ایسی مروت برتتے تھے کہ حاکم ہو کر محکوم نظر آتے تھے۔ انگریزی حسیات کے احترام میں وہ ہندوستانی یا اسلامی حقوق کے لئے بلند بانگ نہ تھے۔ مطالبات کے بجائے عرضداشتوں کے قائل تھے مبادا انگریز کا مزاج برہم ہو جائے اور لینے کے

دینے پڑ جائیں۔

ظاہر ہے کہ میاں صاحب کے مقابلے میں احرار کو سر سکندر حیات سے کوئی دلبستگی نہ تھی۔ مگر مصیبت یہ آئی کہ میاں صاحب نے سر سکندر حیات کے مقابلہ میں مرکزی حکومت میں اپنا اقتدار رکھنے کے لئے ظفراللہ خاں قادیانی کو بڑھایا اور مسلمانوں کے جذبات کو پامال کر کے سیاسیات میں اپنا الوسیدھا کرنا چاہا۔ انہوں نے اس مسئلے کی اہمیت کو نہ سمجھا اور نہ احرار کی قوت کا ابتدا میں پورا اندازہ کیا"۔ ۲۱۵

پھر لکھتے ہیں۔

"اسی زمانے میں احرار نے میاں سر فضل حسین کو جو بساط سیاست کے کامیاب کھلاڑی تھے جن کی چالیں بے حد گہری اور جن کی تدبیریں بہت موثر ہوتی تھیں۔ ناراض کر لیا بلکہ اس کے خلاف ایک محاذ قائم کیا۔ سر ظفراللہ کو میاں سر فضل حسین نے یہاں تک نوازا کہ اس کی سفارش حکومت ہند تک کی۔ حکومت ہند گویا اس سفارش کی منتظر ہی تھی۔ مرزائیت کا حکومت انگریزی سے جو تعلق ہے اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں ہند کے ایگزیکٹو کونسلر کے عہدہ پر ایک مرزائی ظفراللہ کا تقرر تو در حقیقت انگریز کے خود کاشتہ پودے کی آبیاری تھی مگر احرار کو صدمہ یہ تھا کہ میاں صاحب جیسے بالغ النظر شخص نے دیکھ کر قادیانی مکھی کیسے نگلی۔ ادھر میاں صاحب کی مجبوری یہ تھی کہ سر سکندر حیات خاں کے تیور بے حد بگڑے نظر آتے تھے۔ وہ سر سکندر حیات کے گروپ کے مقابلے میں اپنے ونگ کو مضبوط کرنے میں مصروف تھے ایسی مصروفیتوں میں بعض اہم غلطیاں ہو جاتی ہیں یہ فاش غلطی ہو گئی۔ اب وہ غلط قدم واپس کیا لیتے؟ پھر انہوں نے اپنے وقار کا سوال بنا لیا۔ مرزائیوں کی مخالفت احرار کی تبلیغ کا اہم جزو تھا۔ انہوں نے میاں صاحب کو للکارا۔ اس طرح احرار نے ہندوستان کے مضبوط ترین مدبر کو اپنا بیری بنا لیا۔ لیکن اس زمانے میں احرار کا بول بالا تھا کسی مخالف کی کچھ پیش نہ جاتی تھی"۔ ۲۱۶

سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے سوانح نگار کا واضح اعتراف

مندرجہ بالا تمام بیانات پر مجموعی نظر ڈالنے سے صاف طور پر یہ بر آمد ہوتا ہے کہ سر فضل حسین صاحب کی سیاست مسلمانان ہند کے لئے مفید اور ہندو عزائم کے لئے نقصان دہ تھی۔ ان حالات میں مجلس احرار کا ان کی آڑ میں احمدیت کے خلاف ہنگامہ کھڑا کرنے کا مقصد محض ہندو سیاست کی تقویت ہی کے لئے تھا اور وہ مقصد آئندہ الیکشن میں کامیاب ہو کر ہندو مفاد کے تحفظ کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی سوانح عمری میں لکھا ہے۔

"پنجاب کے امراء کا طبقہ...... احرار کی تیز روی اور قبول عامہ کو اپنے لئے مضر سمجھتا تھا اس کے سامنے آئندہ کے الیکشن تھے ملک کو پہلی بار صوبجاتی خود مختاری حاصل ہو رہی تھی۔ مسلمانوں اور نا مسلمانوں کی طاقت میں دو یا تین ووٹوں کا فرق تھا...... احرار بھی اس سے خالی الذہن نہ تھے۔ ان کے پیش نظر بھی انتخابات تھے اور سمجھتے تھے کہ طاقت کے بغیر کوئی تنظیم بھی موثر نہیں ہوتی"۔[۱۲۷]

سابق جنرل سیکرٹری مجلس احرار اسلام کا حلفیہ بیان

اسی حقیقت کی تائید مزید جناب سیفی کاشمیری (سابق سیکرٹری مجلس احرار اسلام) کے مندرجہ ذیل حلفیہ بیان سے بھی ہوتی ہے یہ بیان "زمیندار" ۲۸/ اگست ۱۹۳۶ء کے پرچہ میں شائع ہوا تھا۔

"میں تمام ان مسلمانوں کی خدمت میں جن کے دل میں خدائے قہار و جبار اور اس کے برگزیدہ رسول سرور کائنات حضرت محمد عربی ﷺ کی ذات والاصفات کی محبت کا جذبہ ہے۔ اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر جو کچھ مجھ کو احرار کے سرکردہ لیڈروں کی معیت احرار کے دفتر مرکزی میں ایک لمبے عرصہ کی رہائش اور زعمائے احرار کی پرائیویٹ مجالس کی کارروائی سننے کے بعد حاصل ہوا تھا۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم کھا کر جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتی کا کام ہے قطعی اور یقینی طور پر کہتا ہوں کہ مجلس احرار کی مرزائیت یا قادیانیت کے خلاف تمام تر...... جدوجہد اور قادیان کے خلاف یہ سب پراپیگنڈا محض مسلمانوں سے چندہ وصول کرنے اور کونسل کی ممبری کے لئے ان سے ووٹ حاصل کرنے کے لئے ہے۔ احرار کے لیڈر اس حقیقت کو اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ مسلمان اپنے جذبہ ایمانی کے باعث اسلام کے نام پر مرمٹنے کے لئے تیار ہے۔ پس مسلمانوں میں اپنی ساکھ بٹھانے اور ان سے چندہ وصول کرنے کا بہترین ذریعہ یہی ہے کہ تبلیغ اسلام اور تردید قادیانیت کو بہانہ بنایا جائے۔ اس طریق سے ایک طرف تو ان سے چندہ وصول کیا جائے اور دوسری طرف ان سے وعدہ لیا جائے کہ وہ ہر آئندہ کونسل کے انتخاب میں ووٹ احرار کے نمائندہ ہی کو دیں گے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ احرار اپنی تبلیغی کانفرنسیں صرف ان ہی مقامات پر منعقد کرتے ہیں جہاں سے احراری نمائندہ آئندہ انتخاب میں کھڑا ہو رہا ہو۔ لیکن جہاں سے ان کا نمائندہ کھڑا نہ ہو رہا ہو وہاں پر یہ تبلیغی کانفرنس منعقد نہیں کرتے۔ ان کانفرنسوں کے لیکچراروں کی آخری تان یہاں آکر ٹوٹتی ہے کہ کونسل میں اپنا نمائندہ اس کو بناؤ جو احراری ہو۔ میرا یہ بیان محض ایک خیال یا نتیجہ نہیں جو واقعات سے اخذ کیا گیا ہو بلکہ میں نے خود احرار کے بڑے بڑے لیڈروں کو بارہا یہ کہتے سنا کہ حصول مقصد کے لئے قادیانیوں کے خلاف پروپیگنڈا ایک ایسا ہتھیار ہمارے ہاتھ میں ہے جس سے ہم تمام مخالفتوں کو دور کر سکتے ہیں اور ہر قسم کی مالی یا انتخابی مشکل اس سے

حل ہو سکتی ہے"۔ ۲۱۸

مولوی ظفر علی خان صاحب کے اخبار "زمیندار" کا بیان

اخبار "زمیندار" (۱۱/ اگست ۱۹۳۵ء) نے اپنے اداریہ میں جماعت احمدیہ کے خلاف احرار کی مخالفت میں شامل ہونے کا سبب سیاسی انتخاب قرار دیتے ہوئے لکھا۔

"قادیانیت کے خلاف تحریک شروع ہوئی یہ تحریک آغاز کار میں منظم نہ تھی۔ منظم تحریک اس وقت ہوئی' جب مولانا ظفر علی خاں کی صدارت میں بٹالہ میں کانفرنس ہوئی۔ پنجاب اور یو۔ پی کے اکثر علماء نے شرکت کی۔ مولانا ظفر علی خاں نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ اس سلسلہ میں تعمیری اور تخریبی دونوں کام ہونے چاہئیں اور تجویز کیا کہ تعمیری کام کے لئے مجلس دعوت و ارشاد قائم ہونی چاہئے۔ یہ مجلس پہلے بٹالہ میں قائم ہوئی اس کے بعد لاہور میں اس کے متعلق تحریک ہوئی۔ تمام علماء بلا تمیز سنی و شیعہ' دیوبندی و بریلوی و مقلد و غیر مقلد اس میں شامل ہوئے اور تمام فرق اسلامیہ کی تائید اسے حاصل تھی...... چوہدری افضل حق نے اس مرحلہ پر مسلمانوں کے کانوں تک یہ بات پہنچائی کہ حکومت پر کونسلوں میں شور و غوغا مچائے بغیر اثر نہیں ڈالا جا سکتا۔ اس لئے ہم تو کونسل میں جائیں گے۔ آپ چاہے تو مجالس دعوت و ارشاد قائم کیجئے چاہے تو مساجد میں تقریریں کیجئے اور چاہے تو جیلوں میں جائیے۔ اس سے قارئین کرام اندازہ فرما سکتے ہیں کہ احرار کے نزدیک قادیان کی مخالفت کی کیا اہمیت تھی بتدریج یہ حقیقت زمانہ نے مولانا حبیب الرحمٰن اور چودھری افضل حق پر جو سب سے بڑا استاد ہے واضح کر دی کہ کیا خدمت دین کے اعتبار سے اور کیا مالی منفعت کے لحاظ سے قادیانیت کی مخالفت اہم ترین اور موثر ترین ہے۔ اس کے بعد وہ بھی اس میدان میں اتر آئے...... آج احرار کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کے جذبہ ایمانی نے قادیانیت کی مخالفت کی طرف ان کی راہنمائی کی۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اس دعویٰ میں صداقت کا ایک شمہ بھی نہیں ان کا جذبہ ایمانی تو وہ تھا جس نے ان سے یہ کہلوایا تھا کہ کونسلوں میں جانا زیادہ ضروری ہے۔ یہ جذبہ مسابقت تھا جس نے پھر انہیں اس میدان میں لا ڈالا"۔ ۲۱۹

سر سکندر اور گورنر ایمرسن

ہندوؤں' سکھوں اور احراریوں نے سر سکندر اور ان کے ساتھیوں سے آئندہ الیکشن میں کامیابی کے لئے جو منصوبہ سوچا وہ مندرجہ بالا تحریرات کی روشنی میں بالکل عیاں اور نمایاں ہے۔ اب ہمیں اس امر پر روشنی ڈالنا ہے کہ سر سکندر اور انگریزی قوم اور گورنر پنجاب سر ایمرسن کے باہمی تعلقات کتنے گہرے تھے۔ یہ بتانا

اس لئے ضروری ہے کہ پنجاب میں احمدیوں کے خلاف منظم شورش ایمرسن کے زمانہ میں اور ان کے ذریعہ سے اٹھی۔ یاد رہے یہ وہی ایمرسن ہیں جن کی نسبت سید نور احمد صاحب نے لکھا ہے۔

"سر فضل حسین نے ...... یہ بات بری طرح محسوس کی تھی اور اب پھر محسوس کی کہ گورنر ایمرسن کا رجحان مسلمانوں کے خلاف اور ہندوؤں اور سکھوں کے حق میں ہے"۔ [۲۲۰]

"خطبات احرار" میں لکھا ہے۔

"اگر پنجاب برطانوی بساط سیاست کا بہترین مقام ہے تو سر سکندر اسی بساط پر انگریز کا دلپسند مہرہ بھی ہے اس سے بہت مفید کام لئے گئے اور آئندہ بھی انگریز کو اس کی ذات سے یہی توقع ہے"۔ [۲۲۱]

اسی طرح چودھری افضل حق صاحب نے "تاریخ احرار" میں صاف لکھا ہے۔

"سر سکندر بقول مسٹر جناح مسٹر ایمرسن گورنر پنجاب کی پیداوار تھے"۔ [۲۲۲]

ان حالات میں ظاہر ہے کہ انگریزی حکومت کی طرف سے پنجاب کے احمدیوں کے خلاف شورش برپا کرنے کی سکیم مسٹر ایمرسن گورنر پنجاب کے نیچے سر سکندر سے بڑھ کر کامیابی سے کوئی نہیں چلا سکتا تھا۔ اور انہوں نے یہ فرض پوری ذمہ داری سے ادا کر دکھایا۔ اور جماعت احمدیہ کے خلاف مجلس احرار اور مولوی ظفر علی خان صاحب کی پشت پناہی کرنے کا حق ادا کر دیا۔

سر سکندر "ایمرسن دوستی" میں اس حد تک بڑھے ہوئے تھے کہ وہ سالہا سال تک حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے اس لئے دشمن بنے رہے کہ ایمرسن حضور کے مخالف تھے۔ اس حقیقت کے ثبوت میں ہم سید حبیب صاحب آف "سیاست" کی ایک اہم تحریر کا چربہ درج ذیل کرتے ہیں۔ سید صاحب نے پندرہ نومبر ۱۹۳۶ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے نام ایک خط میں لکھا۔

"سر سکندر کی نظر گورنر کے ہر مخالف سے بگڑی ہوئی ہے اس سے نہ آپ مستثنیٰ ہیں نہ میں انہوں نے مجھے صاف کہہ دیا ہے کہ گورنر تم سے ناراض ہیں۔ لہٰذا تم امیدواری کا خیال ترک کر دو........ ہاں احرار نے مجھے انتخاب میں مدد دینے سے انکار کر دیا ہے وہ سکندر حیات کے آدمی شیخ عبدالغنی کی امداد کریں گے۔

والسلام

آپ کا حبیب

محسن و مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ ۔ امید ہے [illegible]

[illegible] کی نظر [illegible] میرے مخالف سے [illegible]

اس لئے آپ مستعفی ہو گئے ہیں۔ انہوں نے مجھے صاف لکھ دیا ہے

کہ [illegible] احمدی ووٹوں کا [illegible] کر دو

[illegible] منظور نہ ہوگی ۔

یہاں [illegible] نے مجھے انتخاب میں مدد دینے سے انکار کر دیا ہے

وہ مسلم لیگ کا آدمی شیخ عبدالغنی کی امداد کر رہے ہیں ۔

والسلام

[illegible]

حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کے الفاظ میں مخالفت کے نئے دور کا پس منظر

جماعت احمدیہ کے خلاف ۱۹۳۴ء کی منظم مخالفت کے مذہبی اور سیاسی اسباب پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے بعد ہم بالآخر سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفتہ المسیح الثانیؓ کے الفاظ میں مخالفت کے نئے دور کا پس منظر بیان کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔

"اس وقت ہمارے خلاف جو فتنہ ہے یہ صرف مذہبی نہیں۔ نہ صرف سیاسی اور نہ صرف اقتصادی ہے بلکہ یہ مذہبی بھی ہے اور اقتصادی بھی اور سیاسی فتنہ بھی۔

سیاسی مخالفت: یہ سیاسی مخالفت ہے اس لئے کہ ہم نے کانگرس کی پچھلے دنوں شدید مخالفت کی۔ یہاں تک کہ کانگریس والوں نے خود تسلیم کیا کہ احمدیہ جماعت کی مخالفت موثر ثابت ہوئی ہے ہمارے آدمی چونکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تمام ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ کام کرنا جانتے ہیں پھر ان کے اندر ایک حد تک استقلال بھی پایا جاتا ہے۔ اس لئے کانگریس کے لاکھ والنٹیرز جتنا کام کرتے ہیں اتنا کام ہمارا ایک ہزار آدمی کرلیتا ہے۔ اسی طرح ہمارا تھوڑا روپیہ ان کے بہت سے روپیہ کے مقابلہ میں کام دے جاتا ہے۔ یہ کانگریس کی ناکامی اتنی واضح ہے کہ اس کے لیڈر محسوس کرتے ہیں کہ اس کی ناکامی میں بہت حد تک دخل احمدیہ جماعت کا بھی ہے پھر یہ اس لئے بھی سیاسی فتنہ ہے کہ عام طور پر اسلامی مسائل کی وجہ سے مسلمانوں میں جوش پیدا کر کے ان کی سیاست کو تباہ کیا جاتا تھا۔ جیسے خلافت کا مسئلہ پیدا کیا گیا۔ ہجرت کا سوال اٹھایا گیا یا میکلیگن کالج کا جھگڑا پیدا کیا گیا۔ ان پر ایک مذہبی رنگ چڑھایا گیا تھا جسے اتار کر ہم نے رکھ دیا اور بتا دیا کہ یہ مذہبی نہیں بلکہ سیاسی تحریکیں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں ہر تحریک میں آگے آنا پڑا اور ہر تحریک کے وقت ہم نے اصل حقیقت کو بے نقاب کیا۔ غرض مسلمانوں کی ہجرت کا پول ہم نے کھولا۔ خلافت کے متعلق غلط جوش کے دنوں میں ہم نے ان کی صحیح راہ نمائی کی میکلیگن کالج کے جھگڑے کے وقت ہم نے صحیح طریق عمل بتایا اور لوگوں پر ظاہر کیا کہ یہ مذہب کے بہانے سے سیاسیات میں طاقت حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی طرز کے مسلمانوں نے سمجھا کہ جب تک یہ جماعت موجود ہے اس وقت تک ہم سیاسی طور پر مسلمانوں کو بے وقوف نہیں بنا سکتے پس وہ بھی ہمارے مخالف ہو گئے۔ تیسری مثال اس کی وہ شور ہے جو پچھلے دنوں کمیونل ایوارڈ یعنی فرقہ وارانہ تصفیہ کے نام سے اٹھا۔ سکھوں اور ہندوؤں نے گورنمنٹ کو نوٹس دیا تھا کہ ہم ایک لاکھ والنٹیرز اس کے خلاف جنگ کرنے کے لئے تیار کریں گے۔ اس پر ہم نے بھی اپنی جماعت کی تنظیم شروع کر دی اور گورنمنٹ کے سامنے اپنی خدمات رکھ دیں نتیجہ یہ ہوا کہ

اس کو بھی قوموں نے محسوس کیا اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم گورنمنٹ کو دھمکی دیتے ہیں تو یہ دھمکی کا اثر بھی قبول ہونے نہیں دیتے آؤ اس جماعت کا ہی متحدہ مقابلہ کریں۔ پچھلے دنوں ایک اخبار والے کو دھمکی دی گئی کہ اگر مسلمانوں کے حقوق کی تائید سے وہ نہ رکے تو اس کے دروازوں پر پکٹنگ کیا جائے گا۔ ہم نے جب یہ سنا تو اپنے نوجوانوں کی خدمات پیش کر دیں اس پر کسی نے پکٹنگ نہ کیا۔ پس لوگوں نے دیکھا کہ جب وہ دھمکیاں دیتے ہیں تو ہم ان کی دھمکیوں کو باطل ثابت کر دیتے ہیں۔ سیاسی لحاظ سے دباؤ ڈالنا چاہتے ہیں۔ تو اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ مذہب کے نام پر لوگوں کو بھکانا چاہتے ہیں تو اس میں روک بن جاتے ہیں اور ان کا پول کھول دیتے ہیں۔ طاقت اور گھمنڈ سے مرعوب کرنا چاہتے ہیں تو یہ اپنی خدمات پیش کر دیتے ہیں اس لئے ہندوؤں' سکھوں اور مسلمانوں میں سے ہر شخص ہماری کوششوں پر برا مناتا اور ہماری مخالفت کرنا اپنے مقاصد کے لئے مفید سمجھتا ہے۔ سیاسی مخالفت کے اسباب میں سے ایک ہمارا اس وقت شمشیر کے جہاد کی مخالفت کرنا بھی ہے۔ مولوی اس مسئلے کی مدد سے عوام کو خوب بھڑکا سکتے تھے ہم نے اس حربہ کو بھی چھین لیا ہے۔ پس ہماری جماعت کی مخالفت نہایت وسیع پیمانہ پر ہے اور سیاستدان یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک احمدیوں کو کمزور نہ کرایا جائے یا احمدیوں اور حکومت میں لڑائی نہ کرادی جائے اس وقت تک ان کا قدم مضبوطی سے جم نہیں سکتا۔ یہ صرف خیالی بات نہیں بلکہ خود مجھ سے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ایک ذمہ دار آدمی نے کہا کہ پنڈت جواہر لال نہرو جب یورپ کی سیاحت سے واپس تشریف لائے تو سٹیشن پر ہی دوران گفتگو میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ مجھے دوران سیاحت میں محسوس کرایا گیا ہے کہ اگر ہم ہندوستان میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے احمدیہ جماعت کو کچل دینا چاہئے۔ اس غرض کے لئے انہوں نے کئی کوششیں بھی کیں مگر خدا کے فضل سے کامیاب نہ ہوئے۔ اب کانگریس والوں کی ایک طرف تو یہ کوشش ہے کہ ہمیں مسلمانوں سے لڑا کر کمزور کر دیا جائے اور دوسری طرف یہ کوشش ہے کہ ہماری انگریزوں سے لڑائی ہو جائے۔ ممکن ہے انگریز افسروں میں سے کوئی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے مگر اطاعت چونکہ اصول مذہبی کی بناء پر ہے اس لئے ہم حکومت کی اطاعت سے کبھی انحراف نہیں کر سکتے گو اگر حکومت نے ہماری ہتک کا ازالہ نہ کیا تو پھر ہمارا تعلق اس سے محض قانونی اطاعت والا رہ جائے گا۔ محبت والا تعلق باقی نہ رہے گا....... سیاسی مخالفت کی وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ہم پین اسلامزم کے مخالف ہیں۔ حالانکہ میں جب یورپ گیا تو راستہ میں عربی ممالک میں تمام امم اسلامیہ کی سکیم میں نے بنائی جسے بعد میں شیخ یعقوب علی صاحب نے دوسرے سفر کے موقعہ پر اور پھیلایا اور پھر ان کے لڑکے شیخ محمود احمد صاحب نے بلاد اسلامیہ کے سفر میں لوگوں میں اس کی اشاعت کی۔ جس کے نتیجہ میں معتمر

اسلامی کا اجلاس ہوا۔ پس عالم اسلامی کے اتحاد کا میں بڑے زور سے قائل ہوں مگر اس اتحاد کا میں قائل نہیں جو لڑائیاں اور فتنہ و فساد کے لئے ہو۔ ہم اخلاق کو درست کر کے اتحاد رکھنے کے قائل ہیں اس امر کے قائل نہیں کہ انگریزوں یا کسی دوسری قوم سے خواہ مخواہ لڑا جائے۔

غرض ان وجوہ سے سیاسی لوگ ہمارے مخالف ہیں اور چونکہ کچھ لوگ حکومت میں بھی کانگرسی خیال کے داخل ہیں وہ بھی ان وجوہ سے دل میں ہمارے مخالف ہیں اور ایسے لوگ اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر ملتے ہیں...... اس قسم کے لوگ سیاسی اختلاف کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ اور جماعت احمدیہ میں لڑائی ہو جائے........ ہم نے کسی دوسرے کا مال تو نہیں کھایا' بلکہ ہر ایک کو اس کا حق دلاتے ہیں۔ لیکن بہرحال لوگ ہم سے یہی بدگمانی رکھتے ہیں کہ گویا ہم انگریزوں سے مل کر ان کے حقوق کا نقصان کر رہے ہیں اور اس غصہ میں وہ ہمارے خلاف چالیں چلتے ہیں اور اب انہوں نے یہ تدبیر سوچی ہے کہ گورنمنٹ میں اور ہم میں اختلاف ڈلوا کر دونوں کو الگ الگ نقصان پہنچائیں۔ گورنمنٹ کی بنیاد چونکہ مذہب پر نہیں اس لئے ممکن ہے وہ ان کے قابو میں آجائے مگر ہم انشاء اللہ ان کے قابو میں نہیں آسکتے۔

مذہبی مخالفت: علاوہ سیاسی مخالفت کے موجودہ فتنہ کے تحت میں مذہبی مخالفت بھی کام کر رہی ہے علماء میدان دلائل میں شکست کھا چکے ہیں۔ وفات مسیحؑ کے مسئلہ کو پیش کیا جائے تو جھٹ کہہ دیتے ہیں اسلام کا اس سے کیا تعلق کہ مسیح ناصری زندہ ہیں یا مر چکے۔ حالانکہ اگر اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں تو یہ لوگ اسی وجہ سے ہم پر کفر کے فتوے کیوں لگاتے رہے ہیں۔ اسی طرح نبوت کا مسئلہ ہے سوائے شور مچانے کے اور کوئی بات نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے پہلے بزرگ خود لکھ چکے ہیں کہ امت محمدیہ میں غیر تشریعی نبوت کا سلسلہ جاری ہے اب وہ رد کس طرح کریں۔ گالیاں دیں تو اپنے بزرگوں پر بھی پڑتی ہیں۔ غرض میدان دلائل میں علماء ہمارے سامنے مات کھا چکے ہیں اور اب تو میں نے کثرت سے تعلیم یافتہ لوگوں کے مونہوں سے سنا ہے کہ ہم یہ تو مانتے ہیں کہ نبوت کا دروازہ کھلا ہے صرف یہ بتائیے کہ حضرت مرزا صاحب کس طرح نبی بن گئے...... علماء کے سامنے جب یہ باتیں پیش کی جاتی ہیں تو وہ ان کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ پھر لوگ انہیں کہتے رہتے ہیں تم کرتے کیا ہو۔ احمدیوں میں سے تو کوئی افریقہ جا کر لوگوں کو مسلمان بنا رہا ہے اور کوئی امریکہ۔ کوئی انگلستان جا رہا ہے اور کوئی ماریشس اور دمشق وغیرہ مگر تم بجز اس کے کہ گھر بیٹھے روٹیاں توڑتے رہتے ہو اور لوگوں پر کفر کے فتوے لگاتے ہو اور کیا کرتے ہو۔ یہ باتیں جب ان کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تو وہ ان کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ پس ہمارے وجود سے مولویوں کی زندگی تلخ ہو گئی ہے اور وہ دل میں کہتے ہیں کہ ہم تو احمدیوں کو چھوڑ

دیں یہ ہمیں نہیں چھوڑتے۔ ہم کیا کریں جیسے کسی نے کہا تھا میں تو کمبل کو چھوڑتا ہوں پر کمبل مجھے نہیں چھوڑتا۔ غرض علماء پر ایک عجیب مصیبت نازل ہے۔ ہم ان سے لڑیں یا نہ لڑیں لوگ جب سنتے ہیں کہ فلاں ملک میں احمدیوں کے ذریعہ اتنے مسلمان ہو گئے۔ افریقہ میں اتنے اور امریکہ میں اتنے لوگ داخل اسلام ہوئے تو وہ مولویوں سے پوچھتے ہیں کہ تم سوائے کافر بنانے کے اور کیا کام کرتے ہو۔ مولوی جب یہ باتیں سنتے ہیں تو بجز اس کے انہیں کچھ نہیں سوجھتا کہ وہ کہتے ہیں ہم لٹھ تیار کر لیں کہیں احمدی نظر آیا تو اس کا سر پھوڑ دیں گے پھر نہ یہ کم بخت دنیا میں رہیں گے اور نہ لوگ ہمیں ستایا کریں گے۔ ہر مولوی چونکہ اپنے ساتھ چیلے بھی رکھتا ہے اور ان چیلوں کا آگے حلقہ احباب ہوتا ہے اس طرح یہ مخالفت پھیل جاتی ہے دوسری طرف آریوں نے بھی محسوس کر لیا ہے کہ ہماری جماعت کی وجہ سے ان کی ترقی رک رہی ہے۔ جب ملکانہ میں ارتداد شروع ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ میں یعنی قریباً دو مہینہ کے اندر اندر انہوں نے بیس ہزار آدمی مسلمانوں میں سے مرتد کر لئے تو اس وقت لاہور میں ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ کیا کوئی مسلمان ملکانوں کی خبر گیری کرنے والا نہیں پھر اشتہار دیئے گئے جن میں لکھا گیا کہ احمدی لوگ کہا کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے محافظ ہیں بتائیں کہ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ وہ بیدار ہوں اور اسلام کی حفاظت کریں اس پر میں نے اپنی جماعت میں اعلان کیا تو خدا تعالیٰ کے فضل سے تین سو آدمیوں نے اپنی جانیں پیش کر دیں اور ایک ایک وقت میں سو سو مبلغ ہمارا ملکانہ میں کام کرتا رہا۔ ایک لاکھ کے قریب ہمارا روپیہ خرچ ہوا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے نتیجہ یہ نکلا کہ آریوں کو ہر میدان میں شکست دی اور یہ جو ان کا خیال تھا کہ وہ مسلمانوں میں ایک عام رو ارتداد کی چلا دیں گے غلط ثابت ہوا۔ گاندھی جی کو جو اس وقت جیل میں تھے جب یہ حالت معلوم ہوئی تو انہوں نے اس پر اظہار ناراضگی کرنا شروع کیا اور سیاسی لیڈروں نے کہنا شروع کیا کہ آپس میں صلح کر لو اور اپنے اپنے مبلغ واپس منگالو۔ سوامی شردھانند جی اس وقت زندہ تھے انہوں نے پرزور آواز اٹھائی کہ ہمیں گاندھی جی کی بات مان لینی چاہئے اور آپس میں صلح کر لینی چاہئے۔

چنانچہ دہلی میں ایک میٹنگ ہوئی ہمارے بعض دوستوں نے کہا کہ اس میٹنگ میں ہمیں نہیں بلایا گیا۔ میں نے کہا آپ لوگ تسلی رکھیں وہ ہمیں بلانے پر مجبور ہوں گے کیونکہ ہمارے بغیر یہ صلح ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ دوسرے ہی دن ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی صاحب اور حکیم اجمل خاں صاحب کی طرف سے میرے نام تار آیا جس میں لکھا تھا کہ آپ اپنے نمائندوں کو یہاں بھیجئے۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا۔ دیکھو وہ ہمارے بلانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ وہ ہمارے بغیر صلح کر ہی نہیں سکتے۔ خیر جب میں نے اپنی طرف سے نمائندے بھیجے تو میں نے انہیں کہہ دیا کہ وہاں یہی امر

پیش کیا جائے گا کہ گاندھی جی چونکہ سخت اذیت پا رہے ہیں اس لئے کام سب بند کر دینا چاہئے۔ اور اپنے اپنے مبلغ واپس منگوا لینے چاہئیں آریہ اپنے گھروں کو چلے جائیں اور مسلمان اپنے گھروں میں۔ مگر آپ اس کے جواب میں یہ کہیں کہ آپ لوگ بیس ہزار مسلمان آریہ بنا چکے ہیں۔ ان بیس ہزار کو آپ کلمہ پڑھا کر مسلمان کر دیں تو ہم اپنے گھروں میں آجائیں گے اور آپ اپنے گھروں میں آجائیں ورنہ جب تک بیس ہزار اشخاص اسلام میں واپس نہیں آتے اس وقت تک ہماری تبلیغ جاری رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب ہمارے نمائندے گئے تو انہوں نے یہی امر پیش کیا کہ آپ بیس ہزار مسلمان آریہ کر چکے ہیں۔ جب تک آپ انہیں واپس نہیں کرتے ہم تبلیغ سے کس طرح رک سکتے ہیں اور اگر صلح کر لیں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ ہم گھاٹے میں رہے آریہ بھلا اس بات کو کب تسلیم کر سکتے تھے کہ ہم بیس ہزار لوگوں کو کلمہ پڑھا کر اسلام میں واپس کر لیں وہ نہایت مایوس ہوئے اور سوامی شردھانند جی نے کہا بات بالکل صاف ہے اگر اس پر بھی کوئی نقصان پہنچنے کا احتمال ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں عجیب بات یہ ہوئی کہ ہماری یہ بات بعض مسلمان سیاسی نمائندوں کی سمجھ میں آگئی اور وہ کہنے لگے کہ برابری تو تب ہی ہوتی ہے جب بیس ہزار لوگ اسلام میں واپس ہوں۔ "جمعیۃ العلماء" کا نمائندہ بھی وہاں موجود تھا اس نے بڑے جوش سے سوامی شردھانند جی کو کہا کہ ان احمدیوں کی ہستی ہی کیا ہے۔ انہیں چھوڑیئے اور ہم سے معاہدہ کیجئے۔ میں سات کروڑ مسلمانوں کی طرف سے آپ سے معاہدہ کروں گا کہ وہاں کوئی مسلمان تبلیغ نہیں کرے گا۔ سوامی جی حقیقت سے خوب واقف تھے وہ کہنے لگے مولانا آپ کے وہاں پچاس مبلغ ہوں تو حرج نہیں لیکن اگر ایک احمدی مبلغ بھی وہاں موجود ہو تو اس کا رہنا خطرناک ہے۔ یہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے آریہ غصے سے بھرے ہوئے ہیں۔

ادھر عیسائی الگ مخالف ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے مشنوں کو جس قدر نقصان پہنچ رہا ہے سب احمدیوں کی وجہ سے ہی ہے۔ اچھوتوں میں ہم جو تبلیغ کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے بھی انہیں دشمنی ہے۔ چنانچہ اس وقت تک سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں اچھوت ہماری جماعت میں شامل ہو چکے ہیں اس کا بھی انہیں غصہ ہے پھر یہ کوششیں نہ صرف اندرون ہند میں بلکہ بیرون ہند میں بھی ہماری طرف سے جاری ہیں۔ گزشتہ دنوں چرچ آف انگلینڈ کی طرف سے ایک رپورٹ شائع ہوئی تھی۔ اس میں سات مختلف مقامات پر افریقہ کے ذکر میں بیان کیا گیا ہے کہ احمدیوں نے عیسائیت کی ترقی کو نقصان پہنچایا ہے۔ غرض ان حالات کی وجہ سے مسلمان۔ عیسائی اور آریہ تینوں قومیں متحد ہو کر ہمیں مٹانا چاہتی ہیں۔

اقتصادی مخالفت: پھر ہماری جماعت کی موجودہ مخالفت میں اقتصادی تغیرات کا بھی دخل ہے کیونکہ مالدار طبقہ ہمیشہ غرباء کو لوٹتا رہتا ہے اور ہماری جماعت اس تحریک کی مخالف ہے اس کا لازمی

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امراء ہماری جماعت کی مخالفت کرتے ہیں دو تین مہینے ہوئے کہ ایک انگریز پولٹیکل ایجنٹ نے ہماری جماعت کے ایک افسر کو کہا کہ فلاں ریاست میں آپ لوگوں کی طرف سے تبلیغ ہو رہی ہے مجھ سے وہاں کے وزیر نے شکایت کی کہ ان کی تبلیغ سے خطرات ہیں۔ ہمیں اس کے روکنے کی اجازت دی جائے تو میں نے لکھا کہ اگر احمدی اچھوتوں میں تبلیغ کریں تو انہیں روک دو۔ ہاں مسلمانوں میں تبلیغ کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ اچھوتوں میں تبلیغ کرنے سے زمیندار ناراض ہوتے ہیں کہ ہمارے کاموں کو نقصان پہنچتا ہے غرض اچھوت قوموں کی ترقی اور ادھار جو ہمارے ذریعہ ہو سکتا ہے وہ نہ آریوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے اور نہ عیسائیوں کے ذریعہ۔ مسلمان ہی وہ قوم ہے جس میں اچھوت جذب ہو کر ایک ہو سکتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ جب کوئی اچھوتوں میں سے نیا نیا نکل کر آتا ہے تو اس سے تعلقات رکھنے پسند نہیں کئے جاتے۔ مگر آہستہ آہستہ خود ہی مسلمانوں میں جذب ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئی کھیت میں جائے اور تازہ پاخانہ پڑا ہوا دیکھے تو دو چار دن شلجم کدو کھانے کو اس کا جی نہیں چاہتا۔ مگر دو چار دن کے بعد خود بخود کھانے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح اچھوت دو چار نسلوں میں ہی مسلمانوں میں اس طرح مل جاتے ہیں کہ ان کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ بہر حال اچھوتوں میں تبلیغ کرنے کی وجہ سے مالدار طبقہ کو ہم پر غصہ آتا ہے۔ پھر غرباء کی جب ہم ناجائز مدد نہیں کرتے تو انہیں بھی ہم پر غصہ آتا ہے وہ جب سٹرائکیں کرتے کارخانوں کو آگ لگاتے اور بائیکاٹ کی تحریکات جاری کرتے ہیں تو ہم ان کی بھی مخالفت کرتے ہیں اور اس طرح مزدور طبقہ سمجھتا ہے کہ ہم ان کے دشمن ہیں۔ حالانکہ ہم غرباء کو ان کے حقوق دلاتے اور امراء کو دست درازیوں اور تعدیوں سے مجتنب رہنے کی تعلیم دیتے ہیں ہم یہ نہیں چاہتے کہ امراء غرباء کی تذلیل کریں۔ مگر ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ غرباء امراء کو قتل کریں اور ان پر ناجائز حملے کریں۔ دونوں ہمارے مخالف ہو جاتے ہیں۔ پس اقتصادی اصول پر بھی ہماری مخالفت شروع ہو گئی ہے۔

ان تینوں وجوہات کی بناء پر مذہبی سیاسی اور اقتصادی رنگ میں ہماری مخالفت کی جاتی ہے ہم ہر ایک کے دوست اور خیر خواہ ہیں۔ مگر چونکہ دوسرے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم اس حد تک ان کے دوست نہیں جس حد تک وہ چاہتے ہیں اس لئے وہ ہماری دشمنی کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج تمام لوگ ہماری مخالفت کر رہے ہیں۔ مگر سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اب یہ لوگ کیوں زیادہ مخالفت کر رہے ہیں۔ ہماری جماعت تو ابتداء سے انہی اصول کی قائل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ...... شروع شروع میں گو ہماری تعلیم یہی تھی اور ہم انہی عقائد کو پیش کرتے تھے مگر بڑے بڑے مالدار یہ کہا کرتے تھے کہ ان کے ساتھ بحث کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے بھلا کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا ہم جب چاہیں گے انہیں مسل

دیں گے مولوی لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کے کفر کے فتوے ہماری جماعت کو مٹادیں گے۔ سیاستدانوں کے سامنے جب ہماری جماعت کا ذکر آتا تو وہ کہتے۔ یہ چھوٹی سی جماعت ہے اس نے کیا کرلینا ہے۔ آپس میں اتحاد رکھنا چاہئے۔ اقتصادی لوگوں کے سامنے ابھی ہماری تعلیمیں آئی ہی نہ تھیں۔

غرض ہماری جماعت کو چوہے کی طرح سمجھا جاتا تھا مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ وہ جسے چوہا سمجھتے تھے شیر ہے اور جسے ناقابل التفات سمجھتے تھے وہ جماعت لوگوں کو کھانے لگ گئی۔ وہ بڑے بڑے باوقار لوگ جو اپنی کرسیوں پر اس خیال میں مست بیٹھے تھے کہ ہم جب چاہیں گے احمدیوں کو مسل کر رکھ دیں گے وہ بھی ہمارے نظام اور جماعت کی ترقی کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ جماعت شیر ہے جو ایک دنیا پر غالب آکر رہے گی۔ پس لوگ ہمارے دشمن ہیں مگر ہم کسی کے دشمن نہیں ہم مسلمانوں کے بھی خیر خواہ ہیں اور ہندوؤں کے بھی بلکہ ہندوؤں کے بزرگوں کو سچا تسلیم کرکے مسلمانوں کی نگاہ میں کافر بنتے ہیں۔ سکھوں کے بھی خیر خواہ ہیں کیونکہ حضرت باوا نانکؒ صاحب کو خدا کا ولی اور نہایت نیک انسان سمجھتے ہیں حکومت کے بھی خیر خواہ ہیں۔ کیونکہ انارکسٹوں کا مقابلہ کرتے اور قانون کی پابندی ضروری سمجھتے ہیں۔ کانگریس کے بھی خیر خواہ ہیں کیونکہ ہم ملک کی جائز حد تک آزادی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ امراء کے بھی خیر خواہ ہیں۔ کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ سٹرائکیں ہوں اور لوگ انہیں قتل کریں۔ غریبوں اور مزدوروں کے بھی خیر خواہ ہیں۔ کیونکہ ہم کوشش کرتے ہیں کہ جو ان پر ظلم ہوتے ہیں ان کا ازالہ کیا جائے اور ان کے حقوق انہیں دلوائے جائیں۔

غرض ہم سب کے خیر خواہ ہیں اور ہمارا قصور اگر ہے تو یہ ہے کہ ہم اتنے خیر خواہ نہیں جتنی خیر خواہی ناجائز ہوتی ہے اور اسی بناء پر سب لوگ ہمارے دشمن ہو گئے ہیں۔ اور اب ہماری ترقی کو دیکھ کر سب جماعتیں پریشان ہو گئی ہیں اور ہمارے تباہ کرنے کے لئے متفق ہو گئی ہیں یا پھر موجودہ فتنہ کی یہ وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری آزمائش کرنا چاہتا ہے ہم جو روزانہ اس کے سامنے فخر سے کہتے ہیں کہ اے اللہ ہم تجھ پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لائے اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانیاں کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس کے مطابق اب خدا تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ ہم کس حد تک قربانیاں کرتے ہیں اور ہمارے دلوں میں کتنا ایمان ہے"۔ [۲۲۳]

دوسرا باب (فصل ہشتم)

قادیان میں احرار اور حکومت کی اشتعال انگیز سرگرمیاں

سلسلہ احمدیہ کا مقدس نظام چونکہ ایک واجب الاطاعت امام اور ایک فعال مرکز سے وابستہ تھا اور ہے اس لئے احرار اور حکومت دونوں نے جماعت احمدیہ کی تنظیم پارہ پارہ کرنے کے لئے براہ راست قادیان ہی کو اپنی اشتعال انگیزیوں کی آماجگاہ بنالیا اور سرتوڑ کوشش شروع کر دی کہ احمدیوں کے خلاف ایسی فضا پیدا کر دی جائے کہ وہ صبر و تحمل کا دامن چھوڑ کر قانون شکنی پر مجبور ہو جائیں اور بالآخر ملکی آئین کے ساتھ ایسا کھلا تصادم شروع ہو جائے کہ حکومت کے لئے پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ پر اور پھر آپ کے بعد قادیان اور اس سے باہر پورے صوبہ میں پھیلے ہوئے دوسرے احمدیوں پر ہاتھ ڈالنا آسان ہو جائے۔ اس بارے میں انگریزی حکومت کے ناپاک اور مکروہ عزائم کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ ایک عرصہ بعد مرزا معراج الدین صاحب انسپکٹر جنرل سی۔ آئی۔ ڈی نے ایک مشہور احمدی کو بتایا کہ گزشتہ سالوں میں حکومت نے جو منصوبے آپ کی جماعت کے خلاف کئے تھے وہ اتنے بھیانک اور اتنے خوفناک تھے کہ ان کا تصور کر کے بھی انسان کا دل لرز جاتا ہے۔ مگر جماعت کی زبردست قیادت نے ان سب کو ناکام بنادیا۔ اور اسی لئے میں امام جماعت احمدیہ کا گرویدہ ہو گیا ہوں۔ [۲۲۴]

مرکز احمدیت پر حملہ کرنے اور اس سکیم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے سب سے پہلا اور اہم قدم یہ اٹھایا گیا کہ احرار نے ابتداء "۶/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو دو نوجوان قادیان میں بھیجے تاصورت حال کا جائزہ لیں۔ ان نوجوانوں کی آمد پر قادیان کی اہلسنت والجماعت اور ہندوؤں نے اخبار الفضل میں ایک بیان دیا کہ۔

"۶/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو دو نوجوان آئے اور بیان کیا کہ ہم احرار اسلام کی طرف سے بھیجے گئے ہیں چونکہ قادیان کے اہلسنت والجماعت جن کی مسجد میں آکر وہ ٹھہرتے تھے احرار کی سرگرمیوں کو مسلمانوں کے مفاد کے خلاف سمجھتے ہیں اس لئے ہم نے ان کو کہا کہ مسجد عبادت کے لئے ہے چونکہ ایسی کارروائیوں سے

فتنہ وفساد ہوتا ہے اس لئے آپ مسجد سے چلے جائیں۔ لہٰذا وہ دونوں صاحب چلے گئے اس کے سوا اور کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ احرار کا قادیان میں نہ کوئی دفتر ہے نہ لنگر خانہ اور نہ کوئی جماعت''۔ ۲۲۵

احرار جھوٹے پراپیگنڈا کے ماہر تھے ہی انہوں نے اتنی سی بات کا بتنگڑ بنالیا اور مسلمانوں کو اکسانے کے لئے یہ روایت گھڑلی کہ احمدیوں نے اپنے اقتدار کے نشہ میں ان احراری نوجوانوں کو لاٹھیوں سے مار مار کر ادھ موا کر دیا ہے۔ چنانچہ چودھری افضل حق صاحب مفکر احرار "تاریخ احرار" میں یہ واقعہ بالکل مسخ شدہ رنگ میں پیش کر کے لکھتے ہیں کہ۔

"چند نوجوان والنٹیروں کو قادیان میں بھیجا تاکہ مسلمانوں کی مساجد میں جاکر نماز ادا کریں لیکن ایسا نہ کریں کہ کہیں مرزائیوں کی مسجد میں جاگھسو۔ اور مرزائیوں کو تم پر تشدد کا معقول بہانہ مل جائے لیکن قادیانی مرزائیوں کو مسلمانوں کی مسجد میں آوازہ اذان کی برداشت کہاں تھی مسلمان پر ان کا لاٹھی کا ہاتھ رواں تھا ہی۔ آئے اور لاٹھی کے جوہر دکھانے لگے۔ بے دردوں نے لاٹھیوں سے احرار اور والنٹیروں کو اس قدر پیٹا کہ پناہ بہ خدا۔ بزدل دشمن قابو پا کر ایسے ہی غیر شریفانہ مظاہرے کرتا ہے"۔

۲۲۶

قادیان میں آنے والے احرار کی اس پہلی پارٹی کے بعد ایک شخص عنایت اللہ نامی احرار کے مبلغ کی حیثیت سے یہاں پہنچ گئے جنہوں نے بعض متفنی اور آوارہ مزاج لوگوں کو آلہ کار بنا کر احمدیوں کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں کہ کسی طرح مقامی احمدیوں سے تصادم ہو جائے اور وہ اپنی چیخ و پکار سے نہ صرف مسلمانوں کی توجہ اور ہمدردی حاصل کر سکیں ۲۲۷ بلکہ غیر مسلموں سے گہرا تعلق ہو جائے تا احمدیوں کے خلاف جو بھی سرکاری کارروائی ہو وہ ان کی پشت پناہی میں ہو۔

انجمن "احرار المسلمین" کی طرف سے اخبار "پیغام حق" کے ذریعہ ۱۹۲۹ء میں قادیان کے غیر احمدیوں اور غیر مسلموں پر احمدیوں کے مفروضہ مظالم کا ڈھنڈورا پیٹا جا چکا تھا۔ اب یہ پراپیگنڈا نمک مرچ لگا کر اور بھی تیز کر دیا گیا کہ قادیان میں انگریزی حکومت مفلوج ہو کے رہ گئی ہے اور "مرزائیوں" نے اپنی متوازی حکومت قائم کر کے مقامی ہندوؤں اور مسلمانوں کا عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے اور یہ کہ احرار اس مظلوم اور ستم رسیدہ آبادی کی پکار پر قادیان گئے ہیں اور ان کو اس جبر و تشدد سے نجات دلا کے رہیں گے۔ خود "مفکر احرار" چودھری افضل حق صاحب نے قادیان میں احرار کے داخلہ کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے چنانچہ احرار کی اس کارروائی کو آسمانی تحریک قرار دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

"جس طرح بیکسی کشمیر کی غریب آبادی کی مصیبتوں کو دیکھ کر آہ و فغاں کر رہی تھی اور ہم اس

کے دردناک نالوں کو سن کر اٹھے اسی طرح ہم نے قادیان کے تباہ حال اور ستائے ہوئے ہندوؤں اور مسلمانوں کی پکار سن کر کان کھڑے کئے۔ قادیان کے مرزائی سرمایہ داروں کو یقین تھا کہ زمین کے دردناک نالے آسمان کے خداوند تک نہیں پہنچتے...... لیکن دیکھو! یوں معلوم ہوا کہ گویا آسمان کے خداوند نے کہا کہ اے ارباب غرور یہ تمہاری متشددانہ زندگی کی انجیل کے اوراق اب بند ہو جانے چاہئیں۔ پس اس نے جھوٹے مسیحا اور اس کے حواریوں کے مظالم کو روکنے کے لئے ایک خاک نشینوں کی جماعت کے دل میں تحریک کی"۔ [۲۷۸]

"سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری" میں بھی قادیان پر "نظر عنایت" کرنے کا ایک سبب قادیان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو بھی بتایا گیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔

"مذہب کی آڑ میں یہاں ایک خوفناک نظام قائم ہے۔ جس کے تحت "حسن بن صباح" جیسے کارنامے سرانجام دیئے جاتے ہیں ان حالات اور باشندگان قادیان کی فریاد نے احرار کو مظالم قادیان کے انسداد کے لئے مجبور کیا"۔ [۲۷۹]

احرار نے "مظالم قادیان" کے ازالہ کے لئے سالانہ جلسہ ۱۹۳۳ء کا موقعہ تجویز کیا اور انہوں نے ان ایام میں جبکہ ملک کے اکناف و اطراف سے ہزاروں احمدی اپنے مقدس مرکز میں جمع تھے محض احمدیوں کی دلآزاری کے لئے جلسہ کیا اور اشتعال انگیز اشتہارات تقسیم کئے۔ اس موقعہ پر مقامی پولیس نے ایک طرف تو ہنگامہ آرائی کی حوصلہ افزائی کی اور دوسری طرف حکام بالا کو اس قسم کی اطلاع بھیج کر کہ احمدیوں کی طرف سے فساد کا خطرہ ہے پولیس کی ایک خاصی جمعیت منگالی۔ اور مجسٹریٹ صاحب علاقہ نے جماعت کے ذمہ دار ارکان کو مشورہ دیا کہ احمدیوں کو جلسہ میں نہ جانا چاہئے۔ چنانچہ احراری جلسہ گاہ کی طرف جانے والے ہر راستے پر آدمی مقرر کر دیئے گئے تا اگر کوئی ناواقف احمدی ان کے جلسہ میں جانے کے لئے وہاں پہنچے تو اسے واپس کر دیا جائے اور انتہائی حزم و احتیاط سے کام لیتے ہوئے ہر ممکن کوشش کی کہ احرار کو کسی قسم کی شکایت نہ پیدا ہو لیکن چونکہ ان لوگوں کی غرض محض جماعت احمدیہ کے خلاف شور مچانا تھی جس میں مقامی پولیس خود پشت پناہ بنی ہوئی تھی۔ اس لئے جب فساد کے لئے کوئی اور بات نہ سوجھی تو انہوں نے اپنی جلسہ گاہ کے تھوڑی دور ایک احمدی مکان میں دو ایک مہمان احمدیوں کے اشعار پڑھنے پر شور مچا دیا کہ شعر پڑھنے والوں کی آواز ان تک پہنچتی ہے۔ مقامی پولیس کے انچارج نے حکم نافذ کر دیا کہ احمدی اشعار پڑھنا بند کر دیں۔ کیونکہ اس سے فساد کا خطرہ ہے چنانچہ شعر پڑھنے بند کر دیئے گئے اس پر احراریوں نے ایک احمدی کے مکان کی دیوار پر (اس کے منع کرنے کے باوجود) ایک پوسٹر چسپاں کر دیا وہ پوسٹر اس جلسہ سے متعلق نہیں تھا۔ اور اس پر حضرت

خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور جماعت احمدیہ کے متعلق نہایت اشتعال انگیز بیہودہ سرائی کی گئی تھی۔ احمدی نے چپکے سے یہ اشتہار اکھیڑ دیا اس پر احراریوں نے پولیس سے کہا کہ دیکھو ہمارے اشتہار پھاڑے جا رہے ہیں۔ اب فساد ہو جائے گا۔ سرپھٹ جائیں گے ہم یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے۔ یہ دیکھ کر انچارج پولیس (جس کے سامنے وہ اشتہار لگایا گیا تھا) احراری کو منع کرنے کی بجائے احمدی کو ڈانٹنے لگا۔
[۲۳۰]

قادیان میں مجلس احرار کے دفتر کا قیام

شرارت کی یہ پہلی کھلی کوشش تھی جسے وسیع کرنے کے لئے ۱۹۳۴ء کے آغاز میں یہاں مجلس احرار کا ایک دفتر قائم کر دیا گیا۔ [۲۳۱]

سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی سوانح حیات میں اس دفتر کے ذکر میں لکھا ہے۔ "قادیان میں مجلس احرار کا دفتر ۱۹۳۴ء سے قائم ہے اور.........اور مبلغین تردید قادیانیت کا کام نہایت احسن طریق سے انجام دے رہے ہیں۔ دفتر ایک عظیم الشان عمارت میں قائم کیا گیا ہے جو قادیان کے عین وسط میں ہے........ قادیان کے مدرسہ اور مبلغین اور دفتر کا ماہوار خرچ تین سو روپے سے زائد ہے"۔ [۲۳۲]

اس دفتر کے اخراجات کہاں سے مہیا ہوتے تھے؟ اس کی تفصیل میں ہم جانے کی ضرورت نہیں سمجھتے شاہ صاحب کے سوانح نویس نے اس کی نسبت صرف یہ لکھا ہے کہ "اس تمام خرچ کی کفالت حضرت امیر شریعت کے ذمہ ہے اور آپ ہی کی کوششوں سے قادیان کا کام ابھی تک بند نہیں ہوا"۔
[۲۳۳]

اس دفتر کی "عظیم الشان عمارت" اس کے "مدرسہ" اور "مبلغین" کی کیفیت تو دیکھنے والوں پر خوب عیاں تھی۔ مگر شاہ صاحب اپنے زور خطابت میں کس طرح اس دفتر کے "کارناموں" کی باہر تشہیر کیا کرتے تھے اس کا نمونہ ان کے لکھے ہوئے درج ذیل اشتہار سے ملتا ہے۔

"ہمارے دفتر نے جو خاص قادیان میں قائم کیا گیا ہے اس فتنہ کی ترقی کو کافی حد تک روک دیا ہے بلکہ تمام مرزائی جماعت کو کھوکھلا کر دیا ہے سینکڑوں مرزائی تائب ہو گئے ہیں اور ہزاروں تیار ہیں جو آپ لوگوں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اگر آپ لوگ پوری ہمت اور پوری ذمہ داری سے جو اسلام نے آپ پر عائد کی ہے شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام کے استحکام کے لئے کوشش کریں اور ہم اس قابل ہو جائیں کہ ان کے بڑے بڑے لوگوں کو دعوت دیں جو محض مجبوریوں کی وجہ سے وہاں پھنسے ہوئے ہیں تو کوئی بعید نہیں کہ ہماری آنکھوں کے دیکھتے دیکھتے یہ فتنہ دنیا سے فنا ہو جائے اس لئے ضروری ہے کہ آپ خود اور اپنے ملنے والے دوستوں کو بھی اس کار ثواب کی طرف ترغیب دے کر شعبہ تبلیغ مجلس

احرار کے استحکام کے لئے جدوجہد کریں........ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ قادیانیوں کے خلاف روپیہ خرچ کرنا اس وقت کا جہاد ہے"۔ [۲۲۴]

احرار نے قادیان میں ڈیرہ جماتے اور دفتر قائم کرتے ہی خلاف امن کارروائیاں شروع کر دی تھیں جن کی وجہ سے قادیان ہی نہیں اس کے نواح میں بسنے والوں کے باہمی تعلقات میں بھی زبردست کشیدگی پیدا ہو گئی جس میں اضافہ کرنے کے لئے انہوں نے ایک طرف حکام کو احمدیوں کے خلاف جھوٹی رپورٹوں سے بھڑکایا دوسری طرف ہر ایک مسجد میں نہایت اشتعال انگیز اور دلآزار تقریروں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا جس میں جماعت احمدیہ کے مقدس پیشوا اور دوسرے بزرگوں پر نہایت فحش اتہام لگائے جاتے۔ احمدیوں کو قاتل اور سفاک قرار دیا جاتا اور مختلف پیرایوں اور رنگوں میں لوگوں کو فتنہ و فساد کے لئے اکسایا جاتا۔ [۲۲۵]

بدزبانی اور بدگوئی کا یہ ناروا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے لاہور' امرتسر' لدھیانہ اور دوسرے شہروں کے آتش زیرپا اور شرربار خطیبوں اور مولویوں کا ایک تانتا لگ گیا۔ یہ خدا ناترس دشنام طرازی' زہر چکانی' تمسخر' پھکڑ بازی' جھوٹ اور دوسرے تمام اوچھے ہتھیاروں سے کام لیتے تھے اور یہ سب کچھ پولیس اور دوسرے ذمہ دار حکام کی موجودگی بلکہ سرپرستی میں ہوتا تھا۔

یہ لوگ جہاں عوامی جذبات کو مشتعل اور برانگیختہ کرنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔ وہاں اپنی امن پسندی اور مظلومیت کی نمائش بھی باقاعدگی سے کرتے تھے اور یہ ڈھنگ قریباً ہر ایک مقرر اختیار کرتا تھا اور اس غرض کے لئے نت نیا انداز اختیار کیا جاتا تھا۔ چنانچہ صدر مجلس احرار اسلام ہند مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی قادیان آئے تو ۲۳/ مارچ ۱۹۳۴ء [۲۲۶] کو ان کی خدمت میں ذیل کا سپاسنامہ پیش کیا گیا۔

"جناب کی خدمت میں سچ عرض کرتے ہیں کہ ہم قادیان میں برطانوی حکومت نہیں سمجھتے بلکہ ہم پر قادیانی جماعت حکمران ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قادیان میں برطانوی حکومت کا نظام درہم برہم ہو چکا ہے اور اسی لئے ہم لوگوں پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔ قادیان سے کان پکڑ کر نکال دینا ہر روز کا مشغلہ ہے۔ جرمانوں اور بیدوں کی سزا دی جاتی ہے۔ قتل تک ہضم کر لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ تھوڑا عرصہ گزرا ہے کہ محمد امین مجاہد بخارا کو دن دہاڑے قتل کیا گیا اور قاتل اقبال جرم کرتا ہے مگر کوئی مقدمہ نہیں چلتا۔ باقاعدہ امور عامہ۔ امور داخلہ۔ امور خارجہ مقرر کئے جاتے ہیں۔ خانہ ساز ہائیکورٹ اور اس کے ماتحت لوئر کورٹ موجود ہے۔ اور خصوصیت سے مسلمانوں کے متعلق ان کی پالیسی یہ ہے کہ ان کو قادیان سے نکال دیا جائے اور ان کا مذہبی عقیدہ بھی ہے چنانچہ سال ٹاؤن قادیان کے موجودہ

پریذیڈنٹ کا عدالت میں بیان ہوا۔ اور اس نے علی الاعلان کہا کہ قادیان کے...... غیر احمدیوں کے لئے صرف دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو محمد الرسول اللہ ﷺ کے دامن اقدس کو چھوڑ کر قادیانی ہو جائیں یا قادیان سے نکل جائیں"۔ ۲۲۷

یہ اکثر و بیشتر الزامات وہ ہیں جو بعد کو پنجاب ہائی کورٹ میں پوری تفصیل سے زیر بحث آئے اور عدالت نے ان کو بالکل بے بنیاد اور غلط قرار دیا۔ ۲۲۸ بہرکیف اس سپاسنامہ کے جواب میں جو اول تا آخر غلط بیانیوں کا مجموعہ تھا مولوی حبیب الرحمٰن صاحب موصوف نے بڑی تیز و تند تقریر کی جس میں قادیان کے غیر احمدیوں کو سخت اشتعال دلاتے ہوئے کہا۔

"تمہارا فرض ہے کہ محمود اور اس کے رفقاء کو پرامن طور پر صراط مستقیم کی طرف بلاؤ اور ان کے سامنے سرکار دو عالم ﷺ کے سچے دین کو پیش کرو اور اس کے عوض میں تمہارے سر پھوڑے جائیں تو سر پھڑوالو۔ اگر تم کو گولی کا نشانہ بنائیں تو سینوں کو کھول دو اور بے تابانہ طور پر موت سے بغل گیر ہو جاؤ۔ خدا کی قسم میں اس بات کا منتظر ہوں کہ قادیان کی گلیوں میں احرار کے رضاکاروں کے خون کی نہریں بہتی ہوں اور میں سمجھ لوں کہ آج میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر میں اپنے مشن کو پورا کرتے ہوئے محمود کے حواریوں کے ہاتھوں خاص قادیان میں قتل کیا جاؤں تو میں اس کو شہادت کبریٰ تصور کروں گا"۔ ۲۲۹

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں کہ احراری لیڈروں کی تقریروں میں اشتعال انگیزیوں کے کیا کیا حربے استعمال نہ کئے جاتے ہوں گے۔ ان شعلہ افشانیوں کا ایک حصہ الفضل میں اور ایک حصہ سلسلہ احمدیہ کے جماعتی ریکارڈ میں آج تک محفوظ ہے اور انشاء اللہ آئندہ نسلوں کے لئے قیامت تک محفوظ رہے گا۔

پنجاب کے بعض سرکردہ علما کی طرف سے احرار کی حوصلہ افزائی

یہ تو قادیان میں آنے والوں کا حال تھا جو مخالف علماء دوسرے شہروں میں رہتے تھے اور انہیں قادیان آنے کا موقعہ نہیں مل رہا تھا۔ ان کی زبان و قلم میں غضب کی تیزی اور خیالات میں بلا کی شدت آگئی تھی۔ اور وہ احرار کی مخالفانہ کوششوں کو جہاد قرار دے رہے تھے اور تمام مسلمانوں کو احمدیت کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ چنانچہ انہی دنوں مولوی سید انور شاہ صاحب کاشمیری (مشہور فاضل دیوبند) نے ایک اپیل شائع کی جس میں لکھا۔

"قادیانیوں کے مقابلہ میں موجودہ جنگ خالصتہ لوجہ اللہ جاری ہے۔ لہٰذا ان حضرات سے جنہوں

نے مجھ سے حدیث کا سبق پڑھا ہے خصوصاً اور عام اہل اسلام سے عموماً دست بستہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ لاہوری فدا کاران دین کی طرح مرزائیت کے قصر بے بنیاد کو برباد کرنے میں ہر ممکن سعی کرنے سے دریغ نہ فرماویں"۔ [۲۲۰]

اسی طرح مولوی احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور اور مولوی ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر "زمیندار" [۲۲۱] نے مسلمانوں سے اپیل کی۔

"وہ آخری فتنہ جس کی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی مشرق میں قادیانیت کی صورت پکڑ کر ظاہر ہو چکا ہے لہٰذا ہم تمام مسلمانوں کو اللہ کے نام سے جو لم یلد و لم یولد ہے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام پر جو خاتم النبیین ہے اسلام کے نام پر کہ اللہ کے نزدیک وہی دین مقبول ہے درد بھرے دل سے صلائے عام دیتے ہیں کہ وہ اپنے تمام جزوی اختلافات کو دور کر کے اس فتنہ (قادیانی) کی بیخ کنی کرنے میں ہر ممکن ذرائع کے استعمال سے پہلو تہی نہ کریں۔ ورنہ بجز خسر الدنیا والاخرۃ کچھ حاصل نہ ہو گا"۔ [۲۲۲]

فتنہ کی روک تھام کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل

مرزا عبدالحق صاحب (پلیڈر گورداسپور) کا بیان ہے کہ احرار کے مقابلہ کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ایک کمیٹی بنائی تھی جس کے وہ بھی ممبر تھے۔ اسی طرح مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور اور چند اور اصحاب بھی۔ حضور خود اس کمیٹی کی صدارت فرماتے۔ کمیٹی کے ممبروں پر بہت سی پابندیاں تھیں اور ان کے سامنے واقعات تفصیلی طور پر رکھے جاتے تھے۔ [۲۲۳] اس ضمن میں ضروری خط و کتابت اور لٹریچر کے محفوظ رکھنے کا کام حضور نے براہ راست اپنی نگرانی میں رکھا ہوا تھا۔ [۲۲۴]

فتح احمدیت کی پیشگوئیاں

ابھی اس فتنہ کا آغاز ہی ہوا تھا کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے احمدیت کی کامیابی کا واضح اعلان کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ حضورؓ نے سالانہ جلسہ ۱۹۳۱ء کے پہلے روز احرار کو مخاطب کرتے ہوئے نہایت پر شوکت الفاظ میں فرمایا۔

"ہم ان سے کہتے ہیں تم کیا۔ اگر تم دنیا کی ساری حکومتوں اور ساری قوموں کو بلا کر بھی اپنے ساتھ لے آؤ پھر بھی تم جیت جاؤ تو ہم جھوٹے۔ اگر ان لوگوں نے ایسا کیا تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس چیز سے ٹکراتے ہیں۔ اگر انہوں نے ہم پر حملہ کیا تو چکنا چور ہو جائیں گے اور اگر ہم نے ان پر حملہ کیا تو بھی وہ چکنا چور ہو جائیں گے۔ یہ خدا کا قائم کردہ سلسلہ ہے اور یہ اس کی مشیت اور ارادہ ہے کہ اسے کامیاب کرے۔ اس کے خلاف کوئی انسانی طاقت کچھ نہیں کر سکتی۔ بے شک ہم کمزور ہیں۔ ضعیف ہیں

اس کا ہمیں اقرار ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ پر ہمیں یقین ہے اور اس کے متعلق ہم کوئی ضعف نہیں دکھا سکتے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ان کو کچل دیں گے۔ مگر یہ ضرور یقیناً اور حتمی طور پر کہتے ہیں کہ خدا ان کو کچل دے گا۔ خواہ وہ کتنی بڑی فوجوں کے ساتھ ہمارے خلاف کھڑے ہو جائیں۔ لڑائی کا نام اسلامی اصطلاح میں آگ رکھا گیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا الہام ہے۔ "آگ سے ہمیں مت ڈراؤ۔ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے"۔

پس ہم پر غالب آنے کا خیال ان کا محض وہم و گمان ہے۔ اگر ہم میں سے ہر ایک کو قتل کر دیں پھر قتل کر کے جلا دیں اور پھر راکھ کو اڑا دیں تو بھی دنیا میں احمدیت قائم رہے گی۔ ہر قوم ہر ملک اور ہر براعظم میں پھیلے گی اور ساری دنیا میں احمدیت ہی احمدیت نظر آئے گی۔ یہ خدا کا لگایا ہوا پودا ہے اس کے خلاف جو زبان دراز ہو گی وہ زبان کاٹی جائے گی۔ جو ہاتھ اٹھے گا وہ ہاتھ گرایا جائے گا۔ جو آواز بلند ہو گی وہ آواز بند کی جائے گی۔ جو قدم اٹھے گا وہ قدم کاٹا جائے گا اگر انگریز' جرمن' امریکن' فرانسیسی سب مل جائیں تو بھی جس طرح مچھر مسلا جاتا ہے اسی طرح مسلے جائیں گے اور ساری قومیں احمدیت کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی"۔ ۲۲۵

اسی طرح ۱۴/ اپریل ۱۹۳۳ء کو خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا۔

"ہمارے لئے گھبراہٹ کی کوئی بات نہیں۔ ایک چیز ہے جو مقدر ہے اور ان مقدرات سے ہے جن میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ فرمایا لا تبدیل لکلمٰت اللہ جس طرح ماں کے پیٹ کے بچہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ انسان بنے خواہ چھوٹا یا بڑا بہرحال وہ انسانیت کے رستے پر چلے گا۔ اگر وہ ضائع بھی ہو جائے۔ تب بھی انسانیت کے راستہ پر ہی ہو گا۔ اس کے لئے ایک رستہ مقرر ہے جس میں کوئی ردوبدل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ہمارے لئے مقدر ہے کہ بہرحال اللہ تعالیٰ کے مسیح کے ماننے والے غالب آئیں گے اس لئے یہ تو سوال ہی زیر بحث نہیں آسکتا کہ ہم جیتیں گے یا ہمارے مخالف۔ فتح اور جیت ہمارے لئے مقدر ہو چکی ہے"۔ ۲۲۶

اس کے بعد ۱۹۳۴ء کے وسط میں بھی ارشاد فرمایا۔

"احرار ہوں یا کوئی اور ہوں وہ ایک مچھر جتنی بھی وقعت نہیں رکھتے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ لوگ ہمارے مقابل میں ایک فیصدی کامیابی بھی حاصل کر لیں گے۔ یہ کیا قادیان کے سارے مخالف مل جائیں۔ ہندو سکھ غیر احمدی اور احراری ہماری مخالفت میں متحد ہو جائیں اس کے بعد وہ اردگرد کے لوگوں کو ملا کر اپنی جماعت کو بڑھائیں۔ پھر سارے ملک میں سے جن کو اپنا مددگار بنا سکتے ہیں بنا لیں۔ حتیٰ کہ انگریز بھی بے شک ان کے ساتھ مل جائیں اگر یہ تمام مل کر ہمارے مقابلہ میں ایک فیصدی کامیابی

کر سکیں تو وہ سچے - مگر نا ممکن ہے کہ انہیں کامیابی ہو - باقی رہیں عارضی مشکلات سو یہ آیا ہی کرتی ہیں ...... وہ بے شک ہمیں ماریں - پیٹیں - ہم میں سے بعض کو لولا لنگڑا کر دیں یا جان سے مار دیں ہمیں اس کی پرواہ نہیں - جس چیز کی پرواہ ہے وہ یہ ہے کہ ہم ہار نہ جائیں اور یہ یقینی بات ہے کہ دشمن ہی ہاریں گے ہم نہیں ہار سکتے - چاہے کوئی گورنمنٹ کھڑی ہو جائے - علماء اور عوام سب مل جائیں یہ قطعی اور یقینی بات ہے کہ ہم جیتیں گے ہم کونے کا پتھر ہیں جس پر ہم گرے وہ بھی ٹوٹ جائے گا اور جو ہم پر گرا وہ بھی سلامت نہیں رہے گا - یہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا"۔ [۲۲۷]

جماعت احمدیہ کو نہایت اہم اور قیمتی ہدایات

ان بشارتوں کے ساتھ حضور نے جماعت کو بعض نہایت اہم اور قیمتی ہدایات سے نوازا - اس سلسلہ میں بعض قیمتی ہدایات حضور ہی کے قلم سے درج ذیل کی جاتی ہیں -

پہلی ہدایت: "ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارا مقصد فتح نہیں بلکہ نیکی اور تقویٰ کی فتح حاصل کرنا ہے - ہمارا مقصد دین اور اسلام کے احکام کے مطابق فتح حاصل کرنا ہے اور یہ چیزیں حاصل نہیں ہوتیں جب تک انسان خدا کے لئے موت قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو موت اور صرف موت کے ذریعہ یہ فتح حاصل ہو سکتی ہے اور جو موت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اسے فتح بھی حاصل نہیں ہو سکتی - پھر موت بھی ایک وقت کی نہیں بلکہ وہ جو ہر منٹ اور ہر گھڑی آتی ہے"۔

"پس اپنے نفوس میں تبدیلی پیدا کرو - قلوب کو پاک کرو - زبان کو شائستہ اور اپنے آپ کو اس امر کا عادی بناؤ کہ خدا کے لئے دکھ اور تکلیفوں کو برداشت کر سکو - تب تم خدا کا ہتھیار ہو جاؤ گے اور پھر خدا ساری دنیا کو کھینچ کر تمہاری طرف لے آئے گا اگر یہ تبدیلی تم اپنے اندر پیدا نہیں کرتے تو پھر کچھ بھی نہیں اور اگر اس صورت میں فتح آ بھی جائے تو وہ ذلت سے بدتر ہے اور وہ خدا کی نہیں بلکہ شیطان کی فتح ہے"۔ [۲۲۸]

دوسری ہدایت: "ایک ہی ڈر ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ دشمن ہمیں کہیں مار نہ ڈالیں - ایک ساعت کے لئے بلکہ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصہ کے لئے بھی جس شخص کے دل میں یہ خیال آتا ہے اس کے اندر ایمان کی ایک رائی کا کروڑواں حصہ بھی داخل نہیں ہوا - میں تو یقین رکھتا ہوں کہ یہ دشمن کیا اگر انگریز اور جرمن اور چین اور جاپان اور روس اور اٹلی وغیرہ تمام حکومتیں بھی مل جائیں تب بھی وہ ہمیں تباہ نہیں کر سکتیں اور اگر تباہ کر دیں تو یقیناً ہمارا سلسلہ جھوٹا ہے بنی نوع انسان تمام کے تمام مل جائیں - امراء و غرباء علماء و ادباء بڑے اور چھوٹے عالم اور جاہل مرد اور عورتیں اجتماعی حیثیت میں بھی ہمارے سلسلہ کو مٹا دیں - تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہو گا اور یہ بات یقینی ہو گی کہ حضرت مرزا

صاحب کا دعویٰ نعوذ باللہ جھوٹا اور ہم بھی اپنے دعویٰ میں کاذب ہیں۔ مشرق اور مغرب کے لوگ اور شمال اور جنوب کے باشندے بھی اگر مل جائیں تو وہ ایک تنکا کے برابر بھی ہمیں اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہیں کرسکتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا سلسلہ ہے اور وہ خود اس کا محافظ اور نگران ہے تمہارا کام ہے کہ تم محبت اور پیار سے لوگوں کو سمجھاؤ اور اگر کوئی مخالفت میں بڑھتا چلا جاتا ہے تو تم اس کے لئے دعاؤں میں بڑھتے چلے جاؤ کیونکہ برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہو اگر وہ گالیاں دیتے ہیں تو دیں کیونکہ ان کے پاس گالیوں کے سوا اور کوئی چیز نہیں مگر تمہارا فرض ہے کہ تم نرمی اور محبت کا ثبوت پیش کرو۔ کیونکہ تمہارے پاس یہی چیز ہے جس سے کامیابی ہوگی۔ وہ اگر گالیاں بھی دیں تو جیسے شہد کے چھتے پر اگر کوئی شخص پتھر مارے تو اس سے شہد ہی ٹپکے گا۔ اسی طرح تمہارا فرض ہے کہ تم گالیوں کے جواب میں دعائیں دو یہ مت خیال کرو کہ نرمی سے کیا بنتا ہے۔ دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں نرمی کا اثر ہوتا ہے اور آخر سخت دل بھی جھکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ پس تم ثابت کردو کہ تمہارے اندر نیکی اور تقویٰ ہے اگر وہ پتھر مارتے ہیں تو تم دعائیں دو گالیاں دیتے ہیں تو انہیں برداشت کرو اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں کرو کہ ان لوگوں کو ہدایت دے اور یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرو گے تو اس کی نصرت اور تائید ایسے رنگ میں ظاہر ہوگی کہ انسانی تدابیر اس کا مقابلہ نہیں کرسکیں گی"۔ [۲۲۹]

تیسری ہدایت: اس ضمن میں حضورؓ نے ۱۲/ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو خطبہ جمعہ میں ایک اہم نصیحت یہ فرمائی کہ۔

"جس طرح سورج اور چاند کے وجود پر یقین ہے اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ احمدیت خدا کی طرف سے ہے پس کسی فتنہ کے نتیجہ کے متعلق تو ہمیں شبہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ہمارے لئے نتیجہ ظاہر ہے اور اسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ **جف القلم بما ھو کائن** .... اس لئے نتائج کے لحاظ سے ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے بے فکر ہیں جو مخالفتیں ہمارے لئے مقدر ہیں اور جو فتنے ہم نے دور کرنے ہیں ان کے مقابل میں اس موجودہ فتنہ کی حقیقت اتنی بھی نہیں جتنی کہ ایک ہاتھی کے مقابلہ میں چیونٹی کی ہو سکتی ہے۔ جو مشکلات ہمارے لئے مقدر ہیں وہ اتنی بڑی ہیں کہ بعض احمدیوں کے خیال میں بھی نہیں آسکتیں صرف وہی لوگ جانتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا علم عطا کیا ہے اور وہ بھی ظاہر نہیں کرتے جب تک کہ خدا تعالیٰ ان کے اظہار کا موقعہ نہ لے آئے ان مشکلات کے مقابلہ میں یہ فتنہ تو ایسا ہی ہے جیسے راستہ چلتے ہوئے کسی کے پاؤں کے آگے کنکر آجائے اور وہ اسے پاؤں کی ٹھوکر سے پرے پھینک دے ہم نے تو اس آسمان کو بدل کر نیا آسمان اور اس زمین کو بدل کر نئی زمین پیدا کرنی ہے ہم نے پہاڑوں کو اڑانا اور سمندروں کو خشک کرنا ہے نیا آسمان اور نئی

زمین بنانے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رؤیا کو پورا کرنا ہے۔ پس یہ چیزیں ہمارے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ بھی سنت ہے کہ جب کوئی برگزیدہ قوم ست اور غافل ہونے لگے تو اسے آزمائش کے طور پر کسی ابتلاء میں ڈال دیتا ہے پس ہمیں یہ تو ڈر نہیں کہ دشمن ہم پر غالب آجائے گا۔ ہمارے لئے جو خطرہ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم خود اپنی جانوں یا آئندہ نسلوں کے لئے کسی فتنہ کا موجب نہ ہو جائیں یا ہماری مقدر فتح کچھ عرصہ پیچھے نہ جا پڑے اس کے سوا کچھ نہیں۔ ان چیزوں کو کھاد کی طرح سمجھو"۔ [۲۵۰]

چوتھی ہدایت: فرمایا۔ "آج کل احراری یہاں آئے ہوئے ہیں وہ بھی تو آخر انسان کی نسل سے ہی ہیں۔ دماغ' کان' آنکھیں' قلب و جگر عام انسانوں کی طرح رکھتے ہیں...... سینکڑوں خلافتی بلکہ ان کے کئی پرجوش ڈکٹیٹر احمدی ہو چکے ہیں۔ حالانکہ تحریک خلافت کے ایام میں احمدیت کے خلاف بھی بہت سخت جوش تھا لیکن بعض ہجرت کرنے والوں میں سے بھی احمدی ہوئے ہیں صوفی عبدالغفور صاحب بی۔ اے ہجرت کر کے افغانستان گئے اور وہاں سے خراب و خستہ ہو کر واپس آئے پھر وہ جماعت احمدیہ میں داخل ہو گئے اس طرح بیگھ کے لیڈر محمد غوث صاحب بڑے پرجوش خلافتی اور اپنے علاقہ کے لیڈر تھے سینکڑوں لوگوں کو انہوں نے قید کرا دیا۔ مگر اب وہ مخلص احمدی ہیں...... اسی طرح احراری بھی سارے کے سارے برے نہیں۔ ان میں ہزاروں ہیں جن کے نزدیک اسلام کی خدمت کا صحیح رستہ وہی ہے جو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ اخلاص سے کام کر رہے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ہدایت پا سکتے ہیں پس ان سے ملو ان کے پاس جاؤ۔ بیٹھو انہیں اپنے ہاں بلاؤ بٹھاؤ...... احراری ہماری مسجدوں میں آئیں تقریریں کریں اور دوست ٹھنڈے دل سے سنیں باہر کے احمدیوں کو تو گالیاں سننے کی عادت ہوتی ہے مگر یہاں تو خدا تعالیٰ کسی کو بھیج دیتا ہے لوکل کمیٹی کو چاہئے کہ ہر محلہ سے ایسے لوگ مقرر کر دے جو ان سے ملیں ان کی دعوتیں کریں قلوب کو انہیں ذرائع سے فتح کرو۔ جو خدا نے بتائے ہیں اور اس تلوار سے دشمن کو فتح کرو جو براہین دلیل نیکی صداقت اور راستبازی و خوش اخلاقی کی تلوار ہے"۔ [۲۵۱]

احرار کو تبلیغ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے دوبارہ ارشاد فرمایا کہ۔

"یہاں ایسے فتنے پیدا کئے جا رہے ہیں جن کی غرض یہ ہے کہ وہ ہمارے اخلاق پر دھبہ لگائیں پھر یہاں کچھ احراری آ گئے ہیں بعض پولیس کے لوگ ہیں جو ہمارے خلاف کوشش کر رہے ہیں کچھ غیر احمدیوں میں سے کھڑے ہو گئے ہیں کچھ سکھوں اور ہندوؤں میں سے ان سب کی اصل غرض یہ ہے کہ وہ دنیا کے سامنے ہم پر یہ الزام لگائیں کہ ہم اخلاق کے کچے ہیں...... میں نے توجہ دلائی تھی کہ ایسے

امور سے احتراز کیا جائے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ باوجود توجہ دلانے کے جماعت میں ایک طبقہ ایسا ہے جو اس خوف سے گھبرایا پھرتا ہے کہ یہاں احراری آگئے ہیں حالانکہ کیا شیر بھی اس وقت خوف کھایا کرتا ہے جب اس کی کچھار میں کوئی بکری آجائے۔ اگر تم واقعی سمجھتے ہو کہ تم ایک نبی کی جماعت ہو اور خدا تعالیٰ کی تائید اور نصرت تمہارے ساتھ ہے تو تم صحیح ذرائع اختیار کر کے ان کے ماتحت اس شر کے ازالہ کی کوشش کرو۔ مگر ڈر کس بات کا؟ کیا شیر کی غار میں جب کوئی بکری آجائے تو وہ ڈرا کرتا ہے آخر جب ساری دنیا نے احمدیت میں داخل ہونا ہے تو کیا احراری اس دنیا سے علیحدہ ہیں کہ یہ جماعت احمدیہ میں داخل ہونے سے رہ جائیں گے۔ یا کیا یہ آسمان پر چلے جائیں گے اگر ان لوگوں نے بھی دنیا میں ہی رہنا ہے اور آج نہیں تو کل احمدیت میں داخل ہونا ہے تو کیوں آج سے ہی کام شروع نہیں کر دیتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج ہی احمدیت میں داخل ہو جائیں۔ ابھی احراریوں نے یہاں کوئی زمین خریدی ہے اور وہ وہاں ایک مسجد بنانے لگے ہیں بعض نے مجھے لکھا کہ اس پر حق شفع کی نالش کرنی چاہئے مگر تمہارا اس میں کیا حرج ہے تم یہ سمجھ لو کہ تھوڑے دنوں تک اللہ تعالیٰ یہ مسجد بھی تمہارے قبضہ میں دے دے گا۔ آخر جب دنیا کی ساری مسجدیں تمہارے قبضہ میں آنی ہیں تو کیا احراریوں کی یہ مسجد تمہارے قبضہ میں نہیں آئے گی؟ دراصل یہ تمام گھبراہٹ عدم ایمان یا کمزوری ایمان پر دلالت کرتی ہے اور بعض دفعہ منافق شرارت کر کے گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا کرتا ہے...... اس قسم کے لوگ بھی شرارت آمیز خبریں پھیلایا کرتے ہیں اور یہ لوگ جماعت میں سے بھی ہو سکتے ہیں اور جماعت کے علاوہ بھی قرآن مجید پڑھ کر دیکھ لو اس کے مطالعہ سے تمہیں معلوم ہو گا کہ منافق ہمیشہ مدینہ میں اس قسم کی جھوٹی خبریں اڑا دیا کرتے تھے کہ دشمن آگیا مارے گئے ہلاک ہو گئے مگر فرمایا مومن اس قسم کی خبروں سے ڈرا نہیں کرتے بلکہ ایمان میں اور زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں تم فرض کرو یہاں احراریوں کے قلعے بھی بن جائیں تو کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ تم نے دنیا کے جن قلعوں کو فتح کرنا ہے۔ یہ قلعے ان سے زیادہ مضبوط اور زبردست ہوں گے کہ تم انہیں فتح نہیں کر سکو گے اگر تم نے یورپ' فرانس' جرمن اور امریکہ کے قلعے ایک دن فتح کرنے ہیں اور دنیا میں تمہاری ہی تمہاری حکومت ہونی ہے تو کیا تم سمجھتے ہو فرانس جرمن اور امریکہ کے قلعے تو تم فتح کر لو گے مگر احراریوں کی یہ جھونپڑی تم سے فتح نہیں ہو سکے گی جن توپوں اور گولوں سے تم نے دنیا کے اور قلعے فتح کرنے ہیں کیوں انہیں توپوں اور گولوں سے اس قلعہ کو فتح نہیں کرتے۔ پس جاؤ اور ان لوگوں میں تبلیغ کرو۔ خدا تعالیٰ کے تازہ نشان جو دنیا میں ظاہر ہو رہے ہیں وہ انہیں سمجھاؤ یہ کتنے ہی سنگدل کیوں نہ ہوں آخر ہر انسان میں نیکی کا مادہ ہوتا ہے اور یہ بھی اس سے خالی نہیں ہو سکتے۔ اگر تم تبلیغ کرو گے اور انہیں احمدیت میں داخل کر لو گے

تو یہ خود اپنے قلعوں کو جو آج ہمارے خلاف تیار کر رہے ہیں اپنے ہاتھ سے گرا دیں گے یا ہمارے سپرد کر دیں گے"۔ ۲۵۲ پانچویں ہدایت: حضور انورؓ نے اس فتنے کا روحانی رنگ میں مقابلہ کرنے کے لئے ۲/ مارچ ۱۹۳۴ء کو جماعت سے ارشاد فرمایا۔

"میں تو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ گویا ایک چھوٹی سی جماعت کو چاروں طرف سے ایک فوج گھیرے چلی آرہی ہے اور قریب ہے کہ اس کے نکلنے کے لئے ایک انچ بھی جگہ باقی نہ رہے ایک زلزلہ ہے جو اگرچہ ظاہر تو نہیں ہوا۔ مگر زمین کے نیچے خوفناک آگ شعلہ زن ہے...... پس میں عام جماعت سے عموماً اور مخلصوں سے بالخصوص جنہوں نے سلوک کے لئے اپنے نام دیئے ہوئے ہیں کہتا ہوں کہ وہ ان ایام میں خصوصیت کے ساتھ دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ جماعت کو مخفی ابتلاؤں سے بھی اور ظاہری سے بھی محفوظ رکھے اور اس عظیم الشان ابتلا سے بھی جو گو ابتدائی ایام کی مخالفت کے مشابہ ہے مگر اس وجہ سے اس سے بہت زیادہ خطرناک ہے کہ اس وقت ہم میں خدا تعالیٰ کا نبی تھا اور آج نہیں۔ محفوظ رکھ کر ہمیں ہر ایک قسم کی شکست 'ذلت 'نامرادی 'رسوائی اور بدنامی سے بچائے اور ہر قسم کے فضل 'برکات عنایات اور مہربانیوں سے حصہ دے۔ کامیابیاں کامرانیاں فتوحات ترقیات اور غلبہ عطا فرمائے تا اس کام کو جو اس نے ہمارے ذمہ لگایا ہے ہم کما حقہ کر سکیں اور تا ہماری غلطیوں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بدنام نہ ہوں۔ پس دعائیں کرو ممکن ہے چالیس روز کی دعائیں ہی ہمارے اندر ایک تغیر پیدا کر دیں ہمارے لئے ہمارے خاندانوں 'ہمسایوں 'دوستوں 'رشتہ داروں 'شہریوں اور جماعت کے لئے ایک نیک تغیر کا موجب ہو جائیں۔ پھر ایسا تغیر ہو کہ ساری دنیا نیک ہو جائے...... پس خود بھی دعائیں کرو اور دوسروں کو بھی اس کی تحریک کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فضل نازل ہو اور ہم کامیاب ہو جائیں"۔ ۲۵۳

پھر فرمایا۔

"پس وہ دوست جو مجھ سے آکر پوچھتے ہیں کہ ہم کیا کریں میری نصیحت انہیں یہی ہے کہ صبر سے کام لو اور اگر کبھی صبر کا دامن کسی کے ہاتھ سے چھٹ جائے تو پھر صدق سے کام لو۔ اسی طرح صوم و صلوٰۃ سے کام لو روزے رکھو اور دعائیں کرو۔ نمازیں پڑھو اور دعائیں کرو۔ تمہارا روزے رکھنا اور تمہارا اپنے دل میں درد پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جذب کر لے گا۔ تمہارا درد ایسا نہیں ہو گا کہ اسے دیکھ کر خدا تعالیٰ خاموش رہے بلکہ احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مومن کے دل میں درد پیدا ہوتا ہے تو اس سے عرش الٰہی کانپ اٹھتا ہے اور وہ بس نہیں کرتا جب تک اپنے بندے کے غم کو دور نہیں کر دیتا"۔ ۲۵۴

چھٹی ہدایت: بیرونی مخالفین نے فتنہ برپا کرنے کے لئے شروع ہی سے بعض منافقین کو آلہ کار بنا لیا تھا حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے اس پہلو کی طرف بھی توجہ دی اور اس تعلق میں جماعت کو خاص طور پر تاکید فرمائی کہ ان سے ہوشیار رہیں۔ چنانچہ فرمایا۔

"میں نے متواتر جماعت کو توجہ دلائی ہے کہ جب بھی کوئی فتنہ اٹھتا ہے۔ منافقوں کے ذریعہ اٹھتا ہے اور میں نے ہمیشہ جماعت سے کہا ہے کہ منافقوں کو ظاہر کرو اور ان کی پوشیدہ کارروائیوں کو کھولو۔ مگر جماعت اس طرف توجہ نہیں کرتی۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے ایک درجن سے زائد آدمی قادیان میں ایسے رہتے ہیں جن کی مجالس میں فتنہ انگیزی کی گفتگوئیں ہوتی رہتی ہیں اور جو باہر سے آنے والوں کو ورغلاتے رہتے ہیں۔ مجھے شریعت اجازت نہیں دیتی کہ میں بغیر ثبوت قائم کئے انہیں سزا دوں۔ اس لئے میں خاموش رہتا ہوں مگر میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ایسے منافقوں کا پتہ لگا کر ان کی منافقت کا میرے سامنے ثبوت مہیا کرے تاکہ میں ان اختیارات کو استعمال کروں جو خدا تعالیٰ نے مجھے دیئے ہیں بعض دفعہ کسی عدالتی ثبوت کے بغیر یونہی میرے پاس ایک بات بیان کر دی جاتی ہے۔ میں سمجھ رہا ہوتا ہوں کہ شکایت کرنے والا سچ کہہ رہا ہے مگر جب میں اسے کہتا ہوں کہ اس کا ثبوت مہیا کرو تو وہ شکوہ کر کے چلا جاتا ہے کہ میری بات پر توجہ نہیں کی جاتی۔ حالانکہ جب تک شرعی اور عدالتی طور پر میرے پاس ثبوت مہیا نہ کیا جائے میں سزا دینے کا مجاز نہیں چاہے مجھے یقین ہو کہ فلاں آدمی میرے اور جماعت کے خلاف فتنہ انگیزی کرتے رہتے ہیں باقی اگر ذرا بھی کوشش کی جائے تو اس قسم کے ثبوت مہیا کرنے مشکل نہیں ہوتے۔ منافق کچھ دلیر ہوتا ہے اور وہ ایک ہی بات بعض دفعہ کئی مجالس میں کر دیتا ہے اس لئے گواہ آسانی سے پیدا کئے جا سکتے ہیں مگر لوگ کوشش نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ جس کی ہم شکایت پہنچائیں اسے فوراً سزا دے دی جائے۔ حالانکہ یہ مومنانہ مشورہ نہیں پھر ہماری جماعت کے آدمی باہر بھی ہیں ان سے بھی اطلاعات ملتی رہتی ہیں تھوڑے ہی دن ہوئے احراریوں کے ایک لیڈر نے قادیان کے ایک شخص کے متعلق بتایا کہ اس کے ذریعہ قادیان کی خبریں انہیں ملتی رہتی ہیں۔ اس شخص کے متعلق اپنی جماعت کی طرف سے اگر کوئی اطلاع مجھے پہنچتی ہے تو وہ خبر احاد ہوتی ہے جس پر گرفت نہیں کی جا سکتی۔ سالہا سال میں نے اس شخص کے متعلق عفو سے کام لیا ہے مگر اب ضرورت ہے کہ ایسے لوگوں کو الگ کیا جائے۔ اس لئے میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ منافقوں کو ظاہر کرے"۔ [255، 256]

حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی ڈاک پر سنسرشپ مخالفت کا ابھی آغاز بھی نہیں ہوا تھا کہ حکومت نے اپنی سوچی سمجھی سکیم

کے مطابق حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ڈاک پر سنسر شپ بٹھادی۔ یہ گویا جماعت احمدیہ کے مقدس امام کی ایک قسم کی ناکہ بندی تھی جس سے حکومت کا مقصد واضح تھا کہ کسی نہ کسی بہانے سے وہ حضور پر گرفت کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

حضرت امیر المومنینؓ کے لفظ لفظ پر حکومت کی نظر

ڈاک پر سنسر شپ کے علاوہ حکومت نے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تقریریں بھی زبردست ناقدانہ نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں۔

"۱۹۳۴ء میں جبکہ احرار کی مخالفت زوروں پر تھی گورنمنٹ نے پورا زور لگایا ہے کہ مجھے کسی بات کے متعلق پکڑے۔ سی۔ آئی۔ ڈی کے آفیسر ہر وقت پیچھے لگے رہتے تھے مگر خدا تعالیٰ نے ان کو ایسا کرنے کی توفیق ہی نہ دی۔ سی۔ آئی۔ ڈی کا ایک چوٹی کا افسران دنوں مجھے لاہور میں ملا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ حد ہوگئی حکومت کے آفیسرز اور گورنر ہر روز مشورہ کرتے ہیں کہ کسی طرح آپ کو کوئی چھوٹی سی بات بنا کر ہی پکڑ لیں۔ مگر اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ میں نے کہا اس میں ہماری اپنی کوئی خوبی یا بہادری نہیں یہ سب کچھ ہمارا خدا کر رہا ہے کوئی بندہ کچھ نہیں کر رہا"۔ ۲۵۷

اسی تعلق میں مولانا شیخ عبد القادر صاحبؓ مربی سلسلہ احمدیہ کا بیان ہے کہ۔

"سر ایمرسن گورنر (پنجاب) ہر ممکن کوشش میں تھے کہ کسی طرح موقعہ ملے تو حضرت اقدس کو زیر الزام لگانے کا بہانہ تلاش کریں مگر وہ سراسر ناکام رہے۔ ان ایام میں چونکہ حضور کا خطبہ جمعہ لمبا ہو جایا کرتا تھا اور اڑھائی بجے کے قریب گاڑی قادیان سے بٹالہ کے لئے روانہ ہوتی تھی اس لئے حضور کا خطبہ نوٹ کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے دو رپورٹر مقرر تھے ایک رپورٹر گاڑی چلنے سے پہلے کا مضمون نوٹ کر کے گاڑی پر چلا جایا کرتا تھا اور دوسرا خطبے کا بقیہ حصہ نوٹ کیا کرتا تھا۔ سر ایمرسن حضرت اقدس کی خداداد ذہانت اور فراست دیکھ کر حیران تھے وہ کہا کرتے تھے کہ یہ عجیب انسان ہے۔ اپنی قوم کو بیدار کرنے اور ابھارنے کے لئے ایسی زبردست تقریر کرتا ہے کہ جو سراسر قابل اعتراض ہوتی ہے مگر آخر میں ایک ہی فقرہ ایسا کہہ جاتا ہے کہ جس سے پہلی تقریر ساری کی ساری ناقابل اعتراض ہو کر رہ جاتی ہے اور ہم اس پر کوئی گرفت نہیں کر سکتے"۔ ۲۵۸

یہاں ضمناً سر ایمرسن کی نسبت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے قلم سے ایک واقعہ لکھنا ضروری ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔

"جب سر ایمرسن...... کچھ عرصہ بعد..... اپنی ٹرم (TERM) پوری کر کے ریٹائر ہونے والے تھے

توہوم گورنمنٹ نے ان کی مدت کو اور بڑھادیا۔ جماعت کی طرف سے مجھے خطوط آئے کہ یہ تو ظلم ہے ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا میں نے ان کو لکھا کہ میں نے تو سرایمرسن کو مبارکباد دی ہے اس لئے کہ میرے ساتھ گورنمنٹ کا مقابلہ نہیں اس کا مقابلہ تو خدا تعالیٰ سے ہے پس اگر ان کی معیاد میں توسیع ہو گئی ہے تو اس میں بھی خدا کی کوئی حکمت ہو گی اس میں گھبرانے کی کونسی بات ہے خدا کی قدرت گورنمنٹ نے ان کی معیاد میں توسیع کر دی مگر کچھ ہی دیر بعد وہ بیماری کی چھٹی لے کر ولایت چلے گئے۔ ڈاکٹروں نے انہیں کہہ دیا کہ آپ قطعی طور پر کام کرنے کے قابل نہیں آپ کام سے فارغ ہو جائیں آپ کا اپریشن ہو گا۔ چنانچہ وہ مستعفی ہو گئے اور ڈاکٹری رائے کے مطابق چند ہفتے آرام کرتے رہے اس کے بعد جب وہ ڈاکٹروں کے پاس اپریشن کے لئے آئے تو ڈاکٹروں نے کہا کہ آپ تو اچھے بھلے ہیں خبر نہیں ہم نے اس وقت کس طرح یہ کہہ دیا تھا کہ آپ کام کے قابل نہیں ہیں دیکھو کہ بغیر اس کے کہ ہم ایک لفظ بھی کہتے خدا تعالیٰ نے خود ہی ہماری طرف سے جواب دے دیا"۔ ۲۵۹

سر سکندر حیات خان صاحب کا مشورہ

جماعت احمدیہ نے اصلاح احوال کے لئے جو طریق اختیار کئے۔ ان میں خصوصیت سے یہ امر شامل تھا کہ حکومت کے متعلقہ افسروں کو ہر نوع کی بے انصافیوں سے باخبر رکھا جائے اسی سلسلہ میں ۱۰/ فروری ۱۹۳۴ء کو حضرت مولوی فرزند علی صاحب سر سکندر حیات خاں سے ملے اور بتایا کہ قادیان میں پولیس کا مظاہرہ بے ضرورت کیا جارہا ہے مگر ان دوسرے مقامات پر جہاں اکے دکے احمدی مظالم کا نشانہ بن رہے ہیں وہاں ان کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کیا جاتا۔ پھر احمدیوں سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے ساتھ برابر کا انصاف کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے ایک پمفلٹ لکھنے والے دوست کو سزا دلوائی گئی اور احراریوں کو صرف تنبیہہ کرنا کافی سمجھا گیا۔ سر سکندر حیات خان صاحب نے آغاز کلام میں یہ مشورہ دیا کہ اگر آپ لوگ چھ ماہ تک احرار کے مقابلہ میں بالکل خاموش رہیں تو خود بخود امن وامان ہو جائے گا۔ ۲۶۰

اخبار "زمیندار" اور "احسان" کی ضمانت طلبی

اخبار "زمیندار" اور "احسان" وغیرہ ان دنوں احمدیت کے خلاف جی بھر کر دلآزار مضامین اور اشتعال انگیز اداریے لکھ رہے تھے۔ مگر حکومت اشک شوئی کے لئے ان اخبارات کو محض وارننگ کرنے پر ہی اکتفا کرتی تھی۔ البتہ اکتوبر ۱۹۳۴ء کے وسط میں اس نے "زمیندار" اور "احسان" سے ضمانت طلب کی جو صرف دکھاوے کی چیز تھی۔ ورنہ حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ ان دنوں وہ چند دنوں کے بعد خاموشی سے ضمانت واپس کر دیتی تھی۔ پس ایک ہاتھ سے لے کر

دوسرے ہاتھ سے دے دینے کا طریق ایک کھیل تھا۔ جو مجروح قلوب کی نمک پاشی کے لئے اختیار کیا جاتا تھا۔

مگر حکومت کی اس درپردہ روش کے باوجود اخبار "زمیندار" نے اس لفظی "ضمانت طلبی" کو بھی اس دلچسپ پراپیگنڈا کا ذریعہ بنالیا۔ کہ حکومت گویا "قادیانیت نوازی" کا ثبوت دے رہی ہے۔

اس ضمن میں "زمیندار" ۲۱/ اکتوبر ۱۹۳۴ء کی ایک خبر ملاحظہ ہو۔

"لاہور ۱۹/ اکتوبر (۱۹۳۴ء) [۲۶۱] آج نماز کے بعد مسجد آسٹریلیا والی متصل ریلوے اسٹیشن میں مسلمانوں کا زبردست اجتماع ہوا۔ جس میں حسب ذیل قرار دادیں متفقہ طور پر منظور ہوئیں۔

(۱) مسلمانان آسٹریلیا مسجد کا یہ جلسہ حکومت پنجاب کی اس پالیسی کو نہایت حقارت و نفرت سے دیکھتا ہے جس کا مظاہرہ مسلمانوں کے صحیح ترجمان روزنامہ "زمیندار" اور موقر جریدہ "احسان" سے ضمانت طلب کرکے مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کرکے کیا گیا ہے۔ یہ دونوں روزنامے اسلام کی سچی خدمت کررہے ہیں ان سے ضمانت مانگ کر یہ کوشش کرنا کہ اسلام کی آواز کو بند کردیا جائے۔ محال ہے۔

ہم حکومت کے ارباب بست و کشاد کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ جلد سے جلد اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرکے اس کو منسوخ کرتے ہوئے اپنے تدبر اور عاقبت اندیشی کا ثبوت پیش کرے۔

(۲) یہ جلسہ مولانا ظفر علی خان صاحب اور آقائے مرتضیٰ احمد خاں میکش کو اس استقلال اور استقامت پر مبارک باد دیتا ہے کہ انہوں نے باطل سے نہ دبتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ اسلامی و سچی آواز انشاء اللہ ہمیشہ کلمتہ الحق کے ساتھ بلند ہوتی رہے گی.......

لاہور ۱۹/ اکتوبر۔ چونکہ مولانا احمد علی موجود نہیں تھے اس لئے آج مسجد لائن والی دروازہ شیرانوالہ میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لودھیانوی نے ڈیڑھ گھنٹہ تک ایک زبردست خطبہ دیا۔ جس میں آپ نے حکومت کی قادیانیت نوازی پر مفصل تبصرہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ عمل کا جواب قول نہیں بلکہ عمل ہے اس دنیا میں بے عمل اور خاموش آدمی کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ گوشہ نشینی کی عبادت سے آخرت میں صرف جنت مل سکتی ہے۔ لیکن دنیا اور آخرت کی عزت قربانی کے سوا نہیں ملتی......

آپ نے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ میں آج صبح ۶ بجے خانپور (ریاست بہاولپور) سے واپس لوٹ کر یہاں پہنچا تو مجھے آتے ہی یہ خبر ملی کہ حکومت نے "زمیندار" سے چار ہزار روپے کی ضمانت طلب کرلی ہے۔ جس کا سبب یہ بتایا گیا کہ اخبار کے ایک مضمون میں دجال کے گدھے کے ذکر کے سلسلے

میں قادیانی........ کاذکر بھی آگیا- گویا حکومت کے نزدیک قادیانی...... کے متعلق کچھ لکھنا اس کی اپنی توہین ہے آپ نے کہا کہ میں اس ضمانت کے سلسلہ میں بلا کسی تمہید کے مسلمانوں کو کہنا چاہتا ہوں کہ "زمیندار" ۲۶۲ کی موت مرزائیت کی حیات ہے- ۲۶۳ اس لئے مسلمانوں کا پہلا کام یہ ہے کہ "زمیندار" کے زندہ رکھنے کی پوری پوری کوشش کریں- کل تبلیغ نمبر شائع ہو رہا ہے جس کی قیمت اس لئے ۴ر رکھی گئی ہے کہ اگر مسلمان اس نمبر کے سولہ ہزار پرچے خرید لیں تو "زمیندار" بلا ایک دن کے توقف کے جاری رہ سکتا ہے- میں امید کرتا ہوں کہ مسلمان میری اس آواز پر لبیک کہیں گے........

مولانا کی تقریر کے بعد...... مولانا محمد حسن صاحب امرتسری نے فرمایا کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کا یہ فقرہ کہ "زمیندار" کی موت مرزائیت کی حیات ہے- ایک ایسا فقرہ ہے جس کی شرح ایک رسالہ میں ہو سکتی ہے- زمیندار نے مرزائیت کے خلاف وہاں تک آواز پہنچائی ہے جہاں تک علماء نہیں پہنچا سکتے تھے- اس لئے میں تمام لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ تہجد کے وقت اٹھ کر "زمیندار" کی دائمی حیات کے لئے دعا کریں- اور نہ صرف دعا ہی کریں بلکہ عملی طور پر بھی اس کی اعانت کریں- (نامہ نگار) ۲۶۴

حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی زبان مبارک سے حکومت کی چیرہ دستیوں کے بعض ضروری واقعات کا ذکر

ادھر احرار نے قادیان میں اپنا اڈہ جمایا ادھر پولیس نے قادیان کی احمدی آبادی کو پہلے سے زیادہ ظلم و ستم کا نشانہ مشق بنانا شروع کر دیا- چنانچہ ذیل میں حکومت کی ان چیرہ دستیوں اور سفاکیوں کے بعض اہم واقعات حضرت سیدنا خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی زبان مبارک سے پیش کئے جاتے ہیں حضور پرنور نے ۲/ نومبر ۱۹۳۴ء کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ-

پہلا واقعہ

"پہلا واقعہ میں اس کا ہی لے لیتا ہوں جسے احراری لوگ مسجد کہتے ہیں حالانکہ وہ قبلہ رخ نہیں- وہ شاید ڈیڑھ مرلہ کے قریب جگہ ہے- میں نے خود اسے دیکھا ہے قریباً ایک کمرہ کے برابر زمین ہے- وہ زمین احرار کے نام سے یا احراریوں کی طرف سے کسی آدمی نے خریدی مجھے صحیح واقعہ معلوم نہیں بہرحال اس تحریک کے سلسلے میں یہ زمین خریدی گئی اور اس کے خریدنے کے بعد چندہ جمع کرنے کی نیت سے وہاں مسجد کے نام سے ایک چھوٹی سی عمارت بنانی شروع کر دی گئی- وہ جگہ سمال ٹاؤن کمیٹی کی حدود میں ہے اور گورنمنٹ کے قانون کے ماتحت سمال ٹاؤن کمیٹی کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اس کے حلقہ میں عمارت کھڑی نہیں کر سکتا- مگر وہ چونکہ حر ہیں اور قانون کی پابندی سے آزاد- اس لئے انہوں نے اجازت لینے کی ضرورت نہ سمجھی اور دیواریں کھڑی کرنی شروع کر دیں

اس تعمیر کے وقت پولیس کے آدمی باوردی اس جگہ پر موجود تھے۔ اس قانون شکنی کو دیکھ کر کمیٹی نے انہیں ممانعت کا نوٹس دیا۔ تو اسے لینے سے بھی انکار کر دیا اور اٹھا کر پھینک دیا۔ اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس نے اسے اٹھایا یہ سب کارروائی گورنمنٹ کے ایک تسلیم شدہ ادارہ کی طرف سے اور گورنمنٹ کے قانون کو پورا کرانے کے لئے ہوئی اور اس میں ہماری جماعت کا ایک ذرہ بھر بھی دخل نہ تھا لیکن صرف اس وجہ سے کہ کمیٹی کا نوٹس پیش کرنے والا کلرک احمدی تھا۔ احراریوں نے شور مچا دیا کہ احمدی ہم پر حملہ کرنے آگئے ہیں اور ہمیں مسجد کی تعمیر سے روکتے ہیں۔ یہ سب کہانی بالکل جھوٹی تھی احمدی حملہ آور ہو کر نہیں گئے اور کسی نے ان کو مسجد بنانے سے نہیں روکا۔ سمال ٹاؤن کمیٹی گورنمنٹ کے قانون کے ماتحت بنی ہوئی ہے اور اسی کے ایک افسر نے گورنمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کے ماتحت انہیں روکا۔ مگر یہ روکنا کیا تھا گویا ۱۸۵۷ء کا غدر ہو گیا کہیں سپرنٹنڈنٹ پولیس چلے آرہے ہیں کہیں مجسٹریٹ علاقہ چلے آرہے ہیں۔ کہیں پولیس کے دوسرے افسر دوڑے آرہے ہیں گویا ایک آفت تھی جو آگئی ناظر امور عامہ کو بلوایا گیا اور ان سے بار بار پوچھا گیا کہ یہ کیا ظلم اور اندھیر ہے جو یہاں ہو رہا ہے۔ گورنمنٹ آگے ہی آپ لوگوں کے خلاف ہے اب آپ نے یہ حرکت کر دی ہے..... پس قانون کی پابندی کرانے والی سمال ٹاؤن کمیٹی اور قانون کو توڑنے والے احراری۔ مگر الزام ہمارے ذمہ لگایا جاتا ہے اور ہمارے آدمیوں کو بلا بلا کر ڈرایا اور دھمکایا جاتا ہے...... جب جماعت کے کارکنوں نے ثابت کر دیا کہ اس بارہ میں ان کا کوئی دخل ہی نہیں تو اب حکام نے ایک اور کروٹ بدلی اور یہ کہنا شروع کیا کہ چونکہ کمیٹی میں تمہاری اکثریت ہے اس لئے تم ہی اس امر کے ذمہ دار ہو۔ تم ممبران کمیٹی کو مجبور کرو کہ احراریوں سے درخواست منگوا کر اور فوری اجلاس کر کے احرار کو مسجد کی تعمیر کی اجازت دیں۔ اب کوئی انصاف پسند جج گورنمنٹ مقرر کر کے دیکھ لے معمولی سے معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا کہ احمدیوں کو ناواجب طور پر ستایا اور دکھ دیا گیا اور ان کے امن میں خلل ڈالا گیا۔ آخر یہ بھی کہا گیا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کا ارادہ ہے کہ اگر فوراً اس فتنہ کو دور نہ کیا گیا تو دونوں فریق کی دفعہ ۱۰۷ کے ماتحت ضمانتیں لی جائیں گی۔ شاید جب سے لوکل سیلف گورنمنٹ کا قانون بنا ہے یہ نہ ہوا ہو گا کہ کمیٹی اپنے اختیارات سے ایک کام کرے اور ۱۰۷ دفعہ باامن شہریوں پر لگانے کی دھمکی دی جائے۔

یہ سلوک یہاں احرار سے روا رکھا گیا۔ اور ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ ایک احمدی نے اپنے مکان اور مسجد کے لئے ایک زمین لی وہاں کے مقامی افسران نے جو تعصب رکھتے ہیں جھٹ رپورٹ کر کے لینڈ ایکوی زیشن ایکٹ کے ماتحت اس زمین کا بڑا ٹکڑا چھین لیا۔ بہتیرا شور کیا گیا کہ حکومت کو اور

زمین مل سکتی ہے ہمیں تو لوگ تعصب سے دیتے نہیں لیکن کچھ شنوائی نہ ہوئی اس واقعہ کو اور اس واقعہ کو ملا کر دیکھ لو کہ کس طرح حکومت ہم سے سوتیلے پنے والا سلوک کر رہی ہے۔ ہماری مسجد کی زمین ضبط کر لی جاتی ہے اور احراری خلاف قانون ایک عمارت بنانا چاہتے ہیں تو سپیشل آرڈر دیا جاتا ہے کہ فوراً ان سے درخواست لے کر اجلاس کر کے اس تعمیر کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ ایک پولیس کے اعلیٰ افسر یعنی سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس اور ایک علاقہ مجسٹریٹ یہاں آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے ممبروں کو حکم دیجئے کہ وہ فوراً اس مسجد کی تعمیر کی اجازت دے دیں حالانکہ وہ سال ٹاؤن کس بات کی ہے جس سے ہمارے زور سے کام لیا جائے جس سال ٹاؤن کمیٹی کو ہم سے حکم دلوا دلوا کر مجبور کرنا اور اس کے فرائض منصبی سے روکنا ہے وہ کمیٹی نہیں بلکہ کھلونا ہے اور اس قابل ہے کہ اسے پھونک دیا جائے لطیفہ یہ ہے کہ ہمارے امن پسندوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ چونکہ ہمیں امن پسندی کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس لئے حکام کی خواہش کو ہمیں پورا کرنا چاہئے۔ اپنی جماعت کے ممبران کمیٹی پر زور ڈالا کہ یہ کام جلدی کر دیا جائے غرض مناديد حکومت کی خوشنودی مزاج کے حصول کے لئے انہوں نے یہ سب کچھ کیا۔ مگر جو اس کا انعام ملا وہ بھی سن لو۔ اس موجودہ جھگڑے کے پیدا ہونے پر ہمارے آدمیوں نے ڈپٹی کمشنر صاحب کے سامنے کہا کہ ہم تو ہمیشہ حکومت کے وفادار رہے ہیں۔ مثلاً حکام کے کہنے کے مطابق ہم نے سال ٹاؤن کمیٹی کے ممبروں پر زور دیا اور انہیں کہا کہ احرار کو مسجد کی تعمیر کی اجازت دے دینی چاہئے۔ تو اس پر ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا کہ نہ علاقہ مجسٹریٹ اور نہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو اختیار تھا کہ ایسا حکم کمیٹی کو دیتے۔ یہ کہنے پر کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس تو کہتے تھے کہ ڈپٹی کمشنر کا منشاء ہے کہ اس جھگڑے کو چکایا نہ جائے تو فریقین کی زیر دفعہ ۱۰۷ ضمانتیں لی جائیں۔ انہوں نے کہا کہ جس شخص نے یہ کہا ہے کہ میں نے ایسا حکم دیا تھا وہ جھوٹ بولتا ہے۔ اب ہمارے لئے عجیب مشکلات ہیں۔ اگر ہم اس وقت انکار کرتے تو ہم باغی قرار دیئے جاتے اور پولیس کے افسر یہ رپورٹ کرتے کہ احمدی ہمارے ساتھ تعاون نہیں کرتے اور جب ہم نے ان کی بات مان لی تو ہم احمق اور بے وقوف قرار دیئے گئے اور کہا گیا کہ تم نے خود ہی یہ فیصلہ کیا ہے ہم نے تو کوئی ایسا حکم نہیں دیا۔ پس ہم اگر ایک حکم مان لیں تو احمق بنتے ہیں نہ مانیں تو باغی قرار پاتے ہیں......

دوسرا واقعہ

اب دوسرا واقعہ سن لو۔ ہم نے جو یہاں نئی آبادیاں قائم کی ہیں ان میں بعض جگہ علاقوں کے علاقے ہمارے اپنے ہیں اور ان محلوں کی گلیاں ہماری پرائیویٹ گلیاں ہیں جن پر گزرنے دینا یا نہ دینا ہمارے اختیار میں ہے۔ اس قسم کے ایک راستہ پر ایک پھاٹک ہم نے لگا لیا اور یہ کوئی نئی بات نہ تھی ہندو بھی اسی طرح اپنے محلوں میں راستوں پر حفاظت کے لئے پھاٹک لگا

لیتے ہیں یہ پھاٹک جس کا میں نے ذکر کیا ہے اس راستہ پر لگایا گیا تھا جو مقبرہ بہشتی کو جاتا ہے۔ ہماری تحقیق اور ہمارے علم کے مطابق وہ پھاٹک ہماری زمین میں ہے اور جس راستہ پر وہ لگایا گیا ہے وہ ہمارا پرائیویٹ ہے نہ کہ سرکاری۔ مگر اس پھاٹک کے لگنے پر یک دم ایک شور پڑ گیا اور تمام احراری غیر احمدیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ احمدیوں نے ہمارے راستے بند کر دیئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ حالانکہ وہ سڑکیں نہیں تھیں۔ اس پر پولیس کے اعلیٰ افسر یعنی سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی چند مرتبہ آئے۔ بعض مجسٹریٹ بھی متعدد دفعہ آئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا ظلم کیا گیا ہے۔ ایک افسر مجھ سے بھی ملا اور کہنے لگا یہ کیا غضب ہوا ہے کہ خواہ مخواہ لوگوں کا راستہ روک دیا گیا ہے۔ میں نے کہا اس میں مشکل کیا ہے؟ پٹواری آپ کے پاس ہیں زمین کا نقشہ نکلوا لیجئے اگر یہ پھاٹک کسی اور کی زمین میں نکلے اور ایک منٹ کے لئے بھی ہماری جماعت اس کو اٹھانے میں دیر کرے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں گا۔ مگر اس کی طرف کسی نے توجہ نہ کی۔ ایک افسر آتا اور دھمکی دے کر چلا جاتا۔ پھر دوسرا آتا اور وہ دھمکی دے کر چلا جاتا۔ جب یہ شور بہت بڑھا تو میں نے صدر انجمن والوں سے پوچھا کہ یہ آپ لوگوں نے کیا کیا ہے تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے اچھی طرح دیکھ بھال کر پھاٹک لگایا ہے وہ ہماری زمین میں ہے ڈسٹرکٹ بورڈ کی زمین میں نہیں ہے لیکن اگر ثابت ہو جائے کہ یہ سرکاری زمین میں ہے تو ہم اسی وقت پھاٹک اٹھا لیں گے انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم نے افسروں کے سامنے یہ بات پیش کی ہے کہ کوئی افسر آجائے تو وہ تحقیق کر کے دیکھ لے لیکن تحقیق کرنے کے لئے کوئی نہیں آتا۔ البتہ ضلع کا عملہ گھبرایا ہوا پھرتا ہے۔ حالانکہ اس کا فوجداری اور پولیس سے کوئی تعلق نہ تھا۔

اس زمانہ میں مجھ سے بھی ایک اعلیٰ افسر نے کہا تھا کہ جو شور اس وقت ہو رہا ہے اس کے نتیجہ میں میں ڈرتا ہوں کہ حکومت سخت تجاویز اختیار کرنے پر مجبور ہو گی۔ میں نے کہا ہم تو اپنی طرف سے باامن رہنے کی کوشش کرتے ہیں اگر اس پر بھی حکومت کا یہ خیال ہو تو ہم مجبور ہیں۔ اب مہینہ دو مہینہ ہوئے کہ ایک افسر یہاں آیا اور ڈسٹرکٹ کمشنر صاحب کے حکم سے لوکل کمیٹی کے پریذیڈنٹ سے وہ یہ دستخط لے کر گیا کہ پندرہ دن کے اندر اندر پھاٹک کو اٹھا دیا جائے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کے پریذیڈنٹ ہونے کے لحاظ سے ایک ڈپٹی کمشنر کو فوجداری اختیارات حاصل نہیں ہوتے۔ پھر یہاں نہ تحقیقات ہوئی اور نہ ہی تعیین ہوئی اور خود بخود یہ حکم دے دیا گیا کہ پندرہ دن کے اندر اندر اسے اٹھا دیا جائے۔ اس پر یہاں کے ایک مالک نے تحصیلدار صاحب کو لکھا کہ میر قاسم علی صاحب کا اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں اگر کوئی نوٹس دیا جانا ہے تو مالکان یا صدر انجمن کو دینا چاہئے۔ ہم میر قاسم علی صاحب لوکل پریذیڈنٹ کے اس وعدہ کے پابند نہیں ہو سکتے۔ اب وہ پندرہ دن بھی گزر گئے ہیں اور پھاٹک ابھی تک نہیں اٹھایا گیا۔ میں

پوچھتا ہوں کہ کیا اپنی زمینوں میں پھاٹک نہیں لگائے جاتے؟ اگر تو کسی پبلک تھروفیئر (THOROUGH FARE) میں یہ پھاٹک روک ہوتا یا گورنمنٹ کا اس میں کوئی راستہ ملتا تب تو یہ مطالبہ کیا جاسکتا تھا کہ اس پھاٹک کو اٹھالیا جائے۔ لیکن جبکہ وہ ہمارے نزدیک ہماری زمین میں واقع ہے اور ڈسٹرکٹ بورڈ نے ابھی تک اپنا حق ثابت نہیں کیا اور اگر اس کا حق ثابت بھی ہوا تو بھی صرف یہ ہو گا کہ وہ پھاٹک پانچ فٹ ورے لگ جائے گا۔ پبلک کو کوئی نیا راستہ نہ مل جائے گا۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ اسے اس قدر اہم فوجداری سوال کس طرح بنادیا گیا اور کیوں اس واقعہ کی اطلاع پہنچتے ہی پولیس اور مجسٹریٹوں کے اندر ہیجان پیدا ہو گیا...... پس اس واقعہ سے بھی صاف طور پر پتہ لگتا ہے کہ ہمیں دق کرنے کی منظم کوشش کی جارہی تھی۔ اور اس کارروائی کا ہمیں چھیڑنے کے سوا کوئی منشاء نہ تھا ورنہ کجا ڈسٹرکٹ بورڈ کے چند فٹ کی زمین کا جھگڑا اور کجا حکومت کی دھمکیاں اور فوجداریاں۔

تیسرا واقعہ تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ہمارے جلسہ سالانہ ۱۹۳۳ء پر احراری غیر احمدیوں نے بھی اپنا ایک جلسہ کیا۔ ۲۸/ دسمبر کو ہمارا جلسہ ختم ہوا۔ اور ۲۹/ کو ان کا جلسہ ہوا۔ اس کے متعلق جیسا کہ قاعدہ ہے گورنمنٹ کو فکر ہوا کہ کہیں کوئی فساد نہ ہو جائے۔ چنانچہ مجسٹریٹ صاحب علاقہ آئے اور ناظر صاحب امور عامہ سے خواہش کی کہ آپ اپنے آدمیوں کو وہاں جانے سے روک دیں۔ ناظر صاحب نے وعدہ کیا کہ ہم اپنی جماعت کے لوگوں کو روک دیں گے۔ چونکہ ہمارے جلسہ میں ۱۵۔ ۲۰ ہزار کے قریب آدمی باہر سے شامل ہوتے ہیں اور چھ سات ہزار کے قریب قادیان کے رہنے والے ہوتے ہیں اور اتنے آدمیوں کو حکم سے آگاہ کرنا اور ان سے تعمیل کروانا بہت مشکل کام ہے اس لئے محکمہ کی طرف سے علاوہ لوگوں کو روکنے کے یہ تجویز بھی کی گئی کہ گلی کے دونوں طرف آدمی مقرر کر دیئے جائیں تاکہ جن احمدیوں کو وہ پہچانیں انہیں جلسہ میں نہ جانے دیں اور ایک آدمی کو مسجد کے سامنے کھڑا کر دیا گیا تاکہ اگر کوئی بھول کر آہی جائے تو اسے واپس کر دیا جائے۔ یہ شخص [۲۸۵] مرکزی محکمہ کا ایک کلرک تھا جو زیادہ احمدیوں سے واقف تھا پس جو احمدی وہاں جاتا اسے وہ صاحب کہہ دیتے کہ یہاں جانے کی آپ کو ممانعت ہے۔ اس کام کے دوران اس دوست نے جو دروازہ پر مقرر تھے معلوم کیا کہ احراریوں کی طرف سے چیلنج دیا جارہا ہے کہ فلاں بات کا جواب احمدی دیں اور اس پر انہوں نے ایک رقعہ ناظر دعوت و تبلیغ کو لکھا کہ بہتر ہو کسی مبلغ کو بھجوا دیا جائے اس پر ناظر صاحب نے مولوی محمد سلیم صاحب کو جو ہونہار نوجوان یونیورسٹی کے گریجوایٹ اور جماعت کے ہوشیار مبلغوں میں سے ایک مبلغ ہیں وہاں بھیج دیا جنہوں نے چیلنج کے جواب میں رقعہ لکھا کہ کیا ہم بول سکتے ہیں؟ اور جواب نفی میں ملنے پر وہ امن اور خاموشی کے ساتھ اٹھ کر چلے آئے اسی عرصہ میں پولیس والوں نے

معاً ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس جو اس وقت قادیان میں ہی تھے اپنا آدمی دوڑایا کہ احمدی حملہ کرنے آگئے ہیں آپ جلد آئیں گویا احمدی مبلغ کا رقعہ احمدیوں کا حملہ بن گیا۔ مجھ سے خود ایک ذمہ دار پولیس کے اعلیٰ افسر نے بیان کیا کہ آپ کی جماعت نے سخت نامعقولیت کی کیونکہ اس موقعہ پر کہ احرار کے لوگ کثرت سے آئے ہوئے تھے اور ہندوؤں اور سکھوں میں بھی آپ کے خلاف جوش ہے اگر فساد ہو جاتا تو نہ معلوم کیا ہو جاتا۔ ایسے مواقع پر مکان جلا دیئے جاتے اور محلے تباہ کر دیئے جاتے ہیں خیر اس واقعہ کے بعد یہ مشغلہ حکام کے ہاتھ آگیا اور اس پر کارروائی شروع ہو گئی اور آدمی پر آدمی آنا شروع ہو گیا کہ یہ کیا غضب ہو گیا! ہم نے انہیں کہا کہ آپ کی طرف سے حکم دیا گیا تھا کہ احمدیوں کو اس جلسہ میں جانے سے روکا جائے۔ پھر کونسا طریق تھا جو ہم انہیں روکنے کے لئے اختیار کرتے۔ ۱۵ ہزار میں سے بے شک کافی حصہ اس دن واپس چلا گیا تھا مگر رمضان المبارک کی وجہ سے اور کچھ میری ملاقات کی وجہ سے پانچ چھ ہزار سے زائد مہمان ابھی یہاں موجود تھا سات ہزار کے قریب قادیان کے احمدی تھے ان دس بارہ ہزار آدمیوں کو روکنے کی آخر کیا تدبیر اختیار کی جاتی پھر آپ نے خود کہا تھا کہ احمدیوں کو وہاں جانے کی اجازت نہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی وہاں نہ گیا۔ پھر اس میں فساد کی کیا صورت ہو سکتی ہے مگر ان دلائل کی کوئی شنوائی نہ ہوئی اور یہی کہا گیا کہ اگر فساد ہو جاتا تو کئی خون ہو جاتے۔ ہزاروں آدمی جیل میں چلے جاتے اور مکانات جل جاتے وہاں تین ہزار آدمی جن میں ہندو اور سکھ بھی تھے جمع تھے جو سب آپ کے مخالف تھے اور فساد کا سخت خطرہ تھا حالانکہ تین ہزار آدمی اس مسجد میں بھی جس میں میں یہ خطبہ پڑھ رہا ہوں سما نہیں سکتا۔ اور وہ مسجد تو جہاں جلسہ ہو رہا تھا نہایت چھوٹی سی ہے اور ایک ہزار آدمی بھی اس میں نہیں آسکتا۔ گورنمنٹ کے پاس جو رپورٹ کی گئی اس کے متعلق خود ایک اعلیٰ افسر نے مجھ سے بیان کیا کہ اس رپورٹ میں بیان کیا گیا تھا کہ احمدی وہاں گئے اور انہوں نے فساد برپا کرنا چاہا۔ لیکن ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس نے وہاں جا کر فساد رفع دفع کیا۔ جب میں نے کہا کہ میری رپورٹ یہ ہے کہ سوائے ان چند آدمیوں کے جن کو اس امر کے لئے مقرر کیا گیا تھا کہ احمدیوں کو وہاں جانے سے منع کریں اور سوائے مبلغ اور اس کے دو تین ساتھیوں کے وہاں کوئی نہیں گیا۔ اور نہ کوئی فساد ہوا تو اس افسر نے کہا کہ آخر اتنے بڑے افسر کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے اس کا یہی جواب دیا کہ بے شک انہیں جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں۔ مگر میں بھی اپنے آدمیوں کی سچائی کو جانتا ہوں۔ اس لئے میں دوبارہ تحقیق کراؤں گا کہ یہ اختلاف کیونکر پیدا ہوا ہے۔

چنانچہ میں نے دوبارہ تحقیق کرائی اور ناظر متعلقہ نے بعد تحقیق رپورٹ کی کہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ

صاحب کا اپنا ایک بھائی اس موقعہ پر قادیان میں اور ان کی مجلس میں موجود تھا اور راور معززین بھی وہاں موجود تھے۔ ان سے گواہی لے لی جائے کہ جو واقعہ ہم بیان کرتے ہیں وہی درست ہے۔

واقعہ صرف یہ ہے کہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس ایک سپاہی آیا اور اس نے بیان کیا کہ فساد کا خطرہ ہے وہ کوٹ پہن کر گئے مگر ابھی احراریوں کے جلسہ گاہ میں نہ پہنچے تھے کہ پھر ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ اب ضرورت نہیں رہی فساد کا اندیشہ نہیں ہے۔ کچھ عرصہ ہوا یہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب مجھ سے ملے تو میں نے ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا اور پوچھا کہ آپ نے ایسی رپورٹ کس طرح کی؟ جبکہ آپ جلسہ پر نہ گئے اور نہ کسی فساد کو رفع کیا۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ نہ میں نے یہ رپورٹ کی اور نہ میں وہاں جلسہ پر گیا تھا۔ جب یہ واقعہ ہوا ہی نہیں تو میں کس طرح غلط رپورٹ کر سکتا تھا۔

اب تعجب یہ کہ ایک ذمہ دار افسر تو میرے پاس آکر بیان کرتا ہے کہ جماعت نے اتنی نامعقولیت کی کہ قریب تھا وہاں خون ہو جاتے۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب وہاں پہنچے تو انہوں نے فساد کو روکا۔ مگر وہ ڈپٹی صاحب کہتے ہیں کہ نہ کوئی فساد ہوا نہ میں وہاں گیا اور نہ میں نے ایسی کوئی رپورٹ کی۔ اب بتاؤ کہ ان مشکلات میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔ پہلے واقعہ میں ڈپٹی کمشنر صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس اور مجسٹریٹ کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس واقعہ میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب سپرنٹنڈنٹ صاحب کی تکذیب کرتے ہیں۔ لیکن ہر غلطی کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑتا ہے جس سے ہم تو یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ ہمارے ساتھ فریب کیا جا رہا تھا۔ کوئی نہ کوئی افسر ایسا حکومت پنجاب میں تھا جو یہ سب کھیل ہمیں ستانے اور دق کرنے کے لئے کھیل رہا تھا کیونکہ بڑے افسر کبھی ایک دوسرے کی تکذیب پر مجبور ہوتے ہیں جبکہ واقعہ میں غلط بیانی سے کام لیا جا رہا ہو۔

اب میں پھر اپنے مضمون کی طرف لوٹتے ہوئے کہتا ہوں کہ اگر واقعہ ہی کوئی نہیں ہوا تو سرکاری افسروں نے ہم پر حرف گیری کیوں کی اور ہمیں ڈراوے اور دھمکیاں کیوں دی گئیں؟ کیا ایسے حکام کے ماتحت کوئی امن سے رہ سکتا ہے جن میں سے ایک ذمہ دار افسر ایک دوسرے ذمہ دار افسر پر جھوٹ کا الزام لگا رہا ہو اور جو وفادار رعایا کو ناحق دق کر رہے ہوں۔ میں حلفیہ شہادت دینے کے لئے تیار ہوں کہ میں نے ان دو سرکاری افسروں سے جو کچھ سنا وہی بیان کیا ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ان افسروں میں سے جس نے بھی جھوٹ بولا ہو گا گورنمنٹ اس سے پوچھے یا نہ پوچھے خدا تعالیٰ اس سے ضرور پوچھے گا۔

اسی سلسلہ میں ہم سے یہ بھی کہا گیا کہ احمدیوں نے وہاں شعر پڑھے اور احرار کے جلسہ میں شورش پیدا کرنی چاہی جس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر احمدی زمیندار بھی بکثرت

آتے ہیں اور ہمیشہ پنجابی ڈھولے فراغت کے وقتوں میں پڑھتے رہتے ہیں۔ ایسے کچھ دوست اسی محلہ میں ایک احمدی کے مکان میں کچھ ڈھولے پڑھ رہے تھے جس پر پولیس نے ان کو روکا اور گو ان کا روکنا سراسر ناجائز تھا۔ وہ رک گئے مگر اس کا نام یہ رکھا گیا کہ احمدیوں نے جلسہ گاہ کے اندر یا قریب شعر پڑھ پڑھ کر جلسہ کو خراب کرنا چاہا۔

چوتھا واقعہ چوتھا واقعہ یہ ہے کہ یہاں کی پولیس کی طرف سے رپورٹ کی گئی کہ ایک سرکاری افسر کی ڈیوٹی میں احمدیوں کی طرف سے رکاوٹ ڈالی گئی ہے......... واقعہ یوں ہے کہ ڈاک خانہ کا ایک کلرک جس کا احراریوں سے بھی تعلق تھا اور احمدیوں سے بھی اسے اس کے ایک احمدی دوست نے کہا کہ یہ اچھی بات نہیں کہ ہم سے بھی تعلق رکھتے ہو اور احراریوں سے بھی۔ بس اس قدر بات کا کہنا ایک سرکاری افسر کے فرض منصبی میں رکاوٹ ڈالنا قرار دیا گیا۔ گویا احراریوں سے ملنا ڈاک خانہ کے فرائض میں سے ایک فرض ہے اور بابو کا یہ کام ہے کہ جہاں وہ منی آرڈر کرے وہاں احراریوں سے بھی ملے۔ اس رپورٹ پر پولیس دوڑی چلی آئی اور گھبراہٹ کا ایک عالم طاری ہو گیا۔ ہم الگ حیران کہ خدایا یہ کیا جرم ہو گیا گو ہر الزام بعد میں غلط ہی نکلتا تھا۔ لیکن جماعت کی اصلاح پر نظر رکھتے ہوئے میں ہر دفعہ اپنے ہی آدمیوں پر ناراض ہوتا کہ آپ لوگ اعتراض کا موقعہ ہی کیوں دیتے ہیں۔ اس دفعہ بھی میں نے ایسا ہی کیا۔ گو حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک میری طبیعت میں بھی اس قدر اشتعال پیدا ہو چکا تھا کہ اگر جماعت کی ذمہ داری میرے سر پر نہ ہوتی تو میں جیل خانہ جانا پسند کرتا لیکن اس روزمرہ کی چھیڑ خانی کو برداشت کرنے سے انکار کر دیتا۔

بہرحال اس دفعہ پھر حکومت کی مشینری شدت کے ساتھ حرکت میں آئی اور میں نے بھی اپنی جماعت کے لوگوں کو ڈانٹنا شروع کیا کہ کیوں آپ لوگ سلسلہ کی عزت کے خیال سے اپنے جوشوں کو دبا کر نہیں رکھتے ذلت برداشت کر لو لیکن ان باتوں سے بچو جن سے سلسلہ کی ہتک ہوتی ہے۔

اس دفعہ ایک انسپکٹر صاحب پولیس تفتیش کے لئے مقرر کئے گئے۔ انہوں نے یہاں آکر بیان لئے اور ڈاک خانہ کے اس کلرک نے جس کی نسبت کہا گیا تھا کہ اسے اپنے فرائض منصبی سے روکا گیا ہے باوجود مخالفت کے صاف کہہ دیا کہ اسے ڈاک خانہ کے کام سے کسی نے نہیں روکا۔ صرف اس کے ایک دوست نے اس سے شکوہ کیا تھا کہ تم ہمارے بھی دوست بنتے ہو اور احرار سے بھی میل جول رکھتے ہو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ پولیس بیانات لے گئی اور ہم نے سمجھا کہ یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ مگر بعد میں بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ اوپر رپورٹ یہ کی گئی ہے کہ شکایت تو درست تھی لیکن غالباً کلرک کو احمدیوں نے ورغلا لیا ہے اس لئے وہ اب منکر ہو گیا ہے۔

اب اگر یہ رپورٹ درست ہے تو سمجھ لو کہ ہمارے لئے کس قدر مشکلات پیدا کر دی گئی ہیں۔ کیونکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ اگر کوئی احمدی ہمارے حق میں شہادت دے تو اسے یہ کہہ کر رد کر دیا جائے گا کہ یہ احمدی ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔ اگر غیر احمدی ہمارے حق میں شہادت دے تو یہ کہا جائے گا کہ اسے احمدیوں نے ورغلا لیا ہے گویا ہمارے معاملہ میں صرف وہی گواہی سچی سمجھی جائے گی کہ جو ہمارے خلاف ہو۔ ان حالات میں ہمارے لئے اپنی عزت کی حفاظت کے لئے کیا صورت رہ جاتی ہے اور ہمارے لئے انصاف پانے کا کونسا ذریعہ باقی رہ جاتا ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ ابھی چند ماہ ہوئے ہائیکورٹ میں ایک مقدمہ پیش تھا۔ جج صاحب ایک انگریز تھے ان کے سامنے ایک فریق کے وکیل نے کہا کہ صاحب دوسرا فریق احمدی ہے اور گواہ بھی احمدی ہیں اس پر منصف مزاج جج نے اس کو اس دلیل کے پیش کرنے سے روک دیا کہ مسلمانوں کے مقدمہ میں مسلمانوں کی اور ہندوؤں کے مقدمہ میں ہندوؤں کی گواہی سنی جاتی ہے تو احمدیوں کے مقدمہ میں احمدیوں کی گواہی کیوں قبول نہ کی جائے گی۔ دوبارہ پھر اس امر کی طرف اشارہ کرنے پر فاضل جج نے کہا کہ میں نے مسل کا مطالعہ کیا ہے اور میرے نزدیک احمدی گواہوں نے عام گواہوں سے زیادہ سچی گواہی دی ہے اس لئے میں اس دلیل کو سننے کے لئے تیار نہیں۔ حکومت کا عدالتی حصہ یہ رویہ اختیار کرتا ہے اور انتظامی وہ جو اوپر بیان ہوا۔ ع۔

ع ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا۔

پانچواں واقعہ جب گورنمنٹ کی طرف سے ہم پر اتنی مہربانیاں ہو رہی تھیں کہ کہیں تعمیر مسجد کا شاخسانہ کھڑا کر کے ہم پر یہ الزام لگایا جا رہا تھا کہ ہم نے احراریوں پر حملہ کیا۔ کہیں پھاٹک کا واقعہ پیش کر کے بتایا جاتا تھا کہ احمدیوں نے سڑکیں روک لیں کہیں جلسہ غیر احمدیوں کے موقعہ پر رپورٹ کی جاتی تھی کہ ہزاروں خون ہونے کا احتمال تھا۔ کہیں ڈاک خانہ کے بابو کے فرائض منصبی میں رکاوٹ ڈالنے کا الزام ہم پر عائد کیا جاتا تھا اس وقت ایک ذمہ دار پولیس افسر نے مجھ سے بھی اور بعض دیگر کارکنان جماعت سے کہا کہ حکومت ہم سے پوچھتی ہے کہ کیوں احمدیوں کی اس قدر رعایت کی جاتی ہے۔ کیوں یہاں تعزیری چوکی مقرر کرنے کی سفارش نہیں کی جاتی۔ کوئی بتائے کہ آج تک کہیں بھی ایسا ہوا ہے کہ کسی نے سال ٹاؤن کمیٹی کے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عمارت تعمیر کرنی شروع کر دی ہو کسی نے قانون شکنی کر کے دوسرے فریق کو دق کرایا ہو اور دھمکی پر امن فریق کو دی جائے کہ تم پر تعزیری چوکی قائم کرنے کا حکومت کو خیال ہے۔

چھٹا واقعہ چھٹا واقعہ اس اندھیر گردی کا یہ ہے کہ کسی نے جھوٹی رپورٹ کر دی کہ بعض احمدیوں نے سکھوں کے ایک گاؤں میں جا کر کہا ہے کہ حضرت باوا نانک علیہ الرحمتہ گائے کا

گوشت کھایا کرتے تھے۔ میں نے جب یہ بات سنی تو مجھے طبعاً برا معلوم ہوا اور میں نے سمجھا کہ اگر کسی احمدی نے ایسا کہا ہے تو اس نے غلطی کی کیونکہ ہم حضرت باوا صاحب کی طرف جو امور منسوب کرتے ہیں وہ ان کے شبدوں میں موجود ہیں۔ مگر جہاں تک میرا علم ہے گو میں سکھوں کے مذہب کا زیادہ واقف نہیں ایسا کوئی شبد نہیں جس میں یہ ذکر ہو کہ باوا صاحب نے گائے کا گوشت کھایا پس اگر ایسا ہوا تو علاوہ اس کے کہ یہ ایک اشتعال انگیز فعل تھا خلاف واقعہ امر بھی تھا۔ پس کارکنوں نے فوراً تحقیقات کرائی تا کہ اگر کسی نے یہ غلطی کی ہے تو اس سے گرفت کی جائے لیکن معلوم ہوا کہ کسی احمدی نے یہ الفاظ نہیں کہے۔ ہاں انہیں یہ شکوہ تھا کہ باوا صاحب کو مسلمان کہا گیا...... غرض اصل واقعہ بالکل کچھ اور نکلا۔ جس میں باوا صاحب کی ہرگز ہتک نہیں تھی مگر گورنمنٹ کے محکمہ نے یہ کارروائی کی کہ رپورٹ کرتے ہوئے لکھ دیا کہ احمدیوں نے فی الواقعہ ایسا کہا تھا حالانکہ یہ بات تحقیقات سے غلط ثابت ہو چکی تھی پھر اندر ہی اندر کوئی کارروائی ہوتی رہی جس کے ظاہر کرنے پر نہ ہم تیار ہیں اور نہ اس میں کوئی فائدہ ہے۔ غرض صرف یہ تھی کہ سکھ قوم میں جوش پھیلے۔ حالانکہ اگر سکھوں کو اشتعال دلانے والی کوئی بات ہوتی تو میں خود احمدیوں کو سزا دیتا۔

ساتواں واقعہ احراری اپنی مجلس میں ہماری جماعت پر طرح طرح کے اتہام لگاتے ہیں۔ گندی سے گندی گالیاں دیتے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہایت برے الفاظ میں یاد کرتے ہیں یہ رپورٹیں پولیس کی طرف سے جاتی ہیں۔ مگر گورنمنٹ کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں ہوتی۔ اس پر قدرتی طور پر ہمارے بعض نوجوانوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ہم بھی ان کی تقریروں کے نوٹ لے لیا کریں۔ چنانچہ بعض نے ایسا کیا۔ وہ صرف نوٹ لیتے تھے زبانی گفتگو نہیں کرتے تھے۔ ہمارے جلسوں میں بھی پولیس بھی اور دوسرے لوگ بھی باقاعدہ آتے ہیں اور نوٹ لیتے ہیں مگر ہم نے کبھی برا نہیں منایا۔ ایک دن تو غلطی سے پولیس والا اپنی وردی ہی میں آکر میرے خطبہ کو لکھنے کے لئے مسجد میں بیٹھ گیا۔ حالانکہ ایسے موقعوں پر مسجد میں ان کو وردی پہن کر آنے کا حکم نہیں۔

بہرحال ہمیں پتہ ہے کہ وہ ہماری تقریروں کے نوٹ لے جاتے ہیں بلکہ ہم خود تیار ہیں کہ اگر بعض نوٹ ان کے رہ جائیں تو وہ ہم سے پوچھ لیں۔ پس تقریروں کے نوٹ لینے میں کوئی حرج نہیں جلسہ سالانہ کے ایام میں سینکڑوں لوگ جن میں ہندو اور سکھ بھی ہوتے ہیں میری تقریروں کے نوٹ لیتے ہیں اور مجھے اس سے کبھی تکلیف نہیں ہوئی بلکہ خوشی ہوتی ہے کہ لوگ ان باتوں کو دہرائیں گے اور یہ صاف بات ہے کہ اچھی بات کے نوٹ لئے جانے پر گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی اور جبکہ ہم

قانون شکنی بھی نہ کر رہے ہوں تو کسی کے نوٹ لینے پر ہمیں کیا شکوہ ہو سکتا ہے پس ہمارے آدمیوں نے نوٹ لینے شروع کر دیئے۔ لیکن مجسٹریٹ صاحب نے ناظر امور عامہ اور لوکل پریذیڈنٹ کو یہ نوٹس دے دیا کہ گورنمنٹ کو اطلاع ملی ہے کہ احمدی وہاں جا کر نوٹ لیتے ہیں۔ آئندہ وہاں کوئی احمدی نہ جایا کرے۔ اگر کوئی جائے گا تو اس کو زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری گرفتار کیا جائے گا۔ حالانکہ صرف نوٹ لینا ایسا فعل نہیں ہے جو دفعہ ۱۰۷ کے ماتحت آئے اگر ایسا ہی ہو تو گورنمنٹ کو تمام کالجوں پر یہ لکھ کر لگا دینا چاہیئے کہ آئندہ کوئی طالب علم نوٹ نہ لیا کرے۔ ورنہ اس پر دفعہ ۱۰۷ کا نفاذ کر دیا جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ جو نوٹ لئے گئے وہ نیک باتوں کے تھے یا بری باتوں کے۔ اگر نیک باتوں کے تھے تو اس پر اعتراض کیا اور اگر وہ بری باتیں تھیں تو گورنمنٹ اب تک خاموش کیوں رہی۔ ناظر صاحب امور عامہ تو اس دن یہاں تھے نہیں لوکل پریذیڈنٹ سے مجسٹریٹ کے اس تحریری نوٹس پر دستخط کروائے گئے۔

قانونی مشیروں کا مشورہ ہمیں یہی تھا کہ اس نوٹس کی خلاف ورزی کی جائے کیونکہ یہ نوٹس ناجائز اور قانون کے منشاء کے خلاف ہے۔ مگر میں نے کہا کہ چونکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم گورنمنٹ کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں۔ اس لئے گو نہایت اعلیٰ درجہ کے قانون دانوں نے چودھری ظفر اللہ خان صاحب کو شامل کرتے ہوئے مجھے مشورہ دیا کہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں کیونکہ ہائیکورٹ کے متواتر فیصلے موجود ہیں کہ اگر جائز کام کرتے ہوئے کسی کو اشتعال آتا ہے تو گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ اسے پکڑے جسے اشتعال آتا ہے نہ کہ جائز کام کرنے والے کو۔ مگر ہماری طرف سے پھر بھی اس نوٹس کا احترام کیا گیا۔ حالانکہ اگر دفعہ ۱۰۷ کا نفاذ جائز تھا تو احراریوں پر اس کا نفاذ ہونا چاہیئے تھا۔ لطیفہ یہ ہے کہ نوٹس میں یہ بھی فقرہ نہیں لکھا گیا کہ تم اشتعال دلاتے ہو بلکہ فقرہ یہ ہے کہ تم نوٹ لیتے ہو۔ گویا تسلیم کیا گیا ہے کہ ہمارے آدمی صرف خاموشی سے نوٹ لیتے تھے اور مجسٹریٹ صاحب کی عجیب ذہنیت نے یہ فیصلہ کیا کہ اس سے احرار کو فوری اور جائز جوش آنے کا احتمال ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کل مجسٹریٹ صاحب کے ذہن میں یہ بات آجائے کہ احمدیوں کے کوٹ پہننے یا عمامہ باندھنے پر احراریوں کو اشتعال آتا ہے۔ تو کیا ثبوت کہ وہ کل کو ہمیں کوٹ پہننے اور عمامہ باندھنے سے نہیں روک دیں گے۔ ہماری کونسی بات ہے جس پر احراریوں کو اشتعال نہیں آتا وہ تو ہماری ہر بات کو دیکھ کر جلتے بھنتے رہتے ہیں۔

آج کل الیکشن ہے اس میں ووٹ دینے پر بھی انہیں اشتعال آتا ہے ہمارے مسلمان کہلانے پر بھی انہیں اشتعال آتا ہے ہم حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کو مسیح موعود مانتے ہیں اور انہیں جوش آتا ہے ہم انہیں نبی تسلیم کرتے ہیں تو انہیں غصہ آجاتا ہے ہر ایک شخص جو احمدیت میں داخل ہوتا ہے ان

کو حسد کی آگ میں جلانے کا موجب ہوتا ہے پھر کیا وہ ان سب باتوں سے ہم لوگوں کو دفعہ ۱۰۷ کے ماتحت روک دیں گے۔ آخر وہ کون سا مابہ الامتیاز ہے جس سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ جلسہ میں امن سے نوٹ لینے پر تو وہ نوٹس دے سکتے ہیں لیکن اوپر کی باتوں پر نہیں۔ پس اس نوٹس نے بتا دیا ہے کہ آئندہ کے لئے کسی قسم کی آزادی احمدی جماعت کو حاصل نہیں ہو گی کیونکہ حکومت نے اس نوٹس دینے والے کے خلاف اب تک کوئی کارروائی نہیں کی۔ حالانکہ اس حد تک یہ معاملہ پہنچ چکا ہے پس ہم مجبور ہیں کہ یہ سمجھیں کہ کم سے کم اس ضلع کی حکومت احراری ہے اور یہ برطانیہ نہیں بلکہ اس کے بعض مجسٹریٹوں کے ذریعہ سے احرار حکومت کر رہے ہیں۔

آٹھواں واقعہ آٹھواں واقعہ یہ ہے کہ قادیان کے کچھ غیر احمدی لوگ احراریوں کے برے رویہ سے تنگ آکر اور کچھ ہمارے آدمیوں کے کہنے پر کہ تمہارے تعلقات ہمارے ساتھ اچھے ہیں تم کیونکر ہماری نسبت احرار کی گالیوں کو برداشت کرتے ہو اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ وہ جمعہ الگ پڑھیں۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ آئندہ سے وہ لوگ اس محلہ کی مسجد میں جمعہ پڑھا کریں جو قادیان کے شمال کے آخری سرے پر ہے اور خوجوں والی مسجد کہلاتی ہے۔ مسجد ارائیاں جس میں احراری جمعہ پڑھتے ہیں وہ قادیان کے جنوب کی طرف ہے گویا دونوں ایک دوسرے سے مخالف سمت پر اور کافی فاصلہ پر ہیں اور ایک جگہ کی آواز دوسری جگہ تک نہیں پہنچ سکتی اور نہ ایک مسجد میں داخل ہونے والے دوسری مسجد میں داخل ہونے والوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ یہ دونوں مسجدیں اس وقت غیر احمدیوں کے قبضہ میں ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے بعض اوقات خوجوں والی مسجد میں بھی جمعہ ہوتا رہا ہے۔ مگر اب کچھ عرصہ سے غالباً وہاں جمعہ نہیں ہوتا تھا۔ جن لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جمعہ الگ پڑھا جائے۔ ان کے متعلق احرار یہ کب برداشت کر سکتے تھے کہ وہ ان سے علیحدہ ہو جائیں۔ اس پر فوراً حکام کو تار دی گئی کہ احمدی ہماری مسجد پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور مقامی پولیس نے بھی مجسٹریٹ علاقہ کو تار دی کہ احمدی مسجد پر فساد کر رہے ہیں۔ مجسٹریٹ صاحب قادیان آئے اور آتے ہی جمعہ پڑھنے والوں کو سختی سے روک دیا کہ وہ انہیں اس مسجد میں جمعہ نہیں پڑھنے دیں گے۔ اب دیکھو کس قدر دروغ بیانی سے اس واقعہ میں کام لیا گیا ہے نہ کسی احمدی نے حملہ کیا نہ احمدیوں نے مسجد سے کسی کو روکا۔ اور نہ جمعہ پڑھنے والے احمدی تھے مگر تار یہ دی گئی کہ احمدی فساد کرنے لگے ہیں۔ حالانکہ اس موقعہ پر صرف دو احمدی تھے ایک نمبردار جس کی نسبت خود ہیڈ کانسٹیبل نے تسلیم کیا کہ وہ اسے خود مدد کے لئے لے گیا تھا اور دوسرا میونسپل کمیٹی کا کلرک جسے ہیڈ کانسٹیبل تسلیم کرتا ہے کہ وہ خالی کھڑا تھا اور یہ کہ اس نے تار لکھوانے میں اس سے مدد لی۔ اس واقعہ کا نام احمدیوں کا فساد رکھ دیا گیا۔ ہمارے جو آدمی اس موقعہ پر

تھے ان کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر مجسٹریٹ صاحب نے ہیڈ کانسٹیبل سے پوچھا کہ کون کون احمدی وہاں تھے اور اس نے اوپر بیان شدہ دو آدمیوں کا ہی نام لیا اور تسلیم کیا کہ ان میں سے نمبردار پہلے وہاں موجود نہ تھا ہیڈ کانسٹیبل اسے خود ساتھ لے گیا تھا۔ پس پولیس کے آنے سے پہلے صرف میونسپل کمیٹی کے کلرک کا وہاں ہونا ثابت ہوا۔ اب اس ایک شخص کا وہاں اتفاقاً کھڑا ہونا احمدیوں کا فساد بن گیا۔ گویا اس ایک شخص میں فوجوں کی طاقت جمع تھی کہ اسے احرار کا سر کچلنے کے لئے احمدی جماعت نے وہاں بھجوایا تھا مگر مجسٹریٹ صاحب نے اس بیان سے تسلی نہیں پائی۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بار بار ہیڈ کانسٹیبل سے کہا کہ ارے یہ احراری لوگ تو کہتے ہیں کہ بہت سے احمدی تھے کیا یہ یونہی نام لیتے ہیں بتا کون کون لوگ تھے۔ مگر اس پر بھی اس نے یہی کہا کہ یہی دو احمدی تھے جن کا میں نے ذکر کیا ہے اس تحقیق کے بعد مجسٹریٹ نے کہا جاتا ہے کہ یہ فیصلہ کیا کہ سنو میاں ہیڈ کانسٹیبل! یہاں مسجد میں کوئی احمدی داخل نہ ہو اگر کوئی وضو یا نہانے کے لئے بھی آئے تو اسے وہیں ہتھکڑی لگالو۔ دیکھو ناخواہ کتنی بھی بڑی حیثیت کا احمدی ہو اسے ہتھکڑی لگالینا پھر میں دیکھ لوں گا۔ اس سے مراد سوائے خلیفہ کے یا ناظروں کے اور کون ہو سکتا ہے؟ مگر کیا پچھلی ہسٹری بتاتی ہے کہ ان کی مسجدوں میں کبھی خلیفہ گیا۔ اگر نہیں تو سوائے اس کے کہ جماعت احمدیہ کی بلاوجہ دل آزاری کی جائے ان الفاظ کا اور کیا مطلب تھا۔ جہاں مجسٹریٹ کسی کی ہتک کرتے ہوں وہاں لوگوں کے اخلاق کہاں درست رہ سکتے ہیں۔ پھر اگر بڑی سے بڑی حیثیت سے مراد جماعت کا خلیفہ نہیں تو کیا ناظر مراد ہیں؟ مگر کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ وہاں ناظر جایا کرتے ہیں یا نائب ناظر جایا کرتے ہیں یا نائب ناظر نہ سہی مختلف صیغوں کے انچارج ہی وہاں جایا کرتے ہیں اگر وہ بتا دیں گے تو ہم ان کا حق سمجھ لیں گے کہ انہوں نے جو کچھ کہا درست کہا لیکن اگر ہمارے چھوٹے چھوٹے افسر بھی ان کی مسجدوں پر قبضہ کرنے کے جرم کے کبھی مرتکب نہیں ہوئے تو اسے احمدیوں کا حملہ قرار دینا اور کہنا کہ اگر بڑی سے بڑی حیثیت کا احمدی بھی آجائے تو اسے ہتھکڑی لگالو سوائے دلازاری کے اور کیا مطلب رکھتا ہے...... گورنمنٹ کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی گئی یعنی ڈپٹی کمشنر صاحب کو تفصیلی حالات لکھ دیئے گئے مگر انہوں نے کوئی کارروائی نہیں کی۔ حالانکہ اس واقعہ میں ہیڈ کانسٹیبل کی بھی شرارت تھی کہ اس نے بلاوجہ احمدیوں کو ملوث کیا اور جھوٹی تار دی۔ جو خود ایک جرم ہے اور مجسٹریٹ کی بھی غلطی تھی کہ اس نے جماعت احمدیہ کی ہتک کی اور مسجد سے لوگوں کو روکا جس کا اسے کوئی حق نہیں پہنچتا۔ کئی ہائی کورٹ مساجد کے متعلق واضح فیصلے کر چکے ہیں پھر ان کے خلاف حکم دینے کا مجسٹریٹ کو کہاں سے حق پیدا ہو گیا تھا۔ مگر اسے بھی کوئی سرزنش نہیں ہوئی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس ہتک میں بعض اعلیٰ حکام کا ہاتھ تھا۔

وہ غیر احمدی جو جمعہ کے لئے اکٹھے ہوئے تھے ان کے ساتھ جو سلوک ہوا وہ یہ ہے کہ جب انہوں نے کہا کہ ہم احراریوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے۔ یہ لوگ محض شرارت کے لئے قادیان آئے ہیں۔ تو مجسٹریٹ نے کہا۔ میں تم کو اس مسجد میں جمعہ پڑھنے نہیں دوں گا کیونکہ اس سے فساد ہوتا ہے حالانکہ روکنا فساد کرنے والوں کو چاہئے تھا۔ پھر جبکہ یہ لوگ قادیان کے ایک دوسرے سرے پر نماز پڑھ رہے تھے تو فساد کا احتمال کس طرح ہو سکتا تھا۔ جب ان غریبوں نے کہا کہ ہم احراریوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے اور اس مسجد میں نماز پڑھنے کی آپ اجازت نہیں دیتے تو ہم کہاں جمعہ ادا کریں تو مجسٹریٹ نے کہا کہ کھیتوں میں جا کر پڑھو۔ انہوں نے کہا کہ کھیت تو احمدیوں کے ہیں تو انہیں کہا گیا کہ جہاں چاہو پڑھو مگر اس مسجد میں مت پڑھو حالانکہ وہ غریب آدمی ہیں وہ مسجد کے سوا اتنی جگہ کہاں سے لائیں مگر انہیں یہی کہا گیا کہ یا تو احراریوں کے ساتھ جمعہ ادا کرو یا کسی اور جگہ پڑھو مگر اس مسجد میں نہ پڑھو۔ اس کے بعد اس مسجد پر جمعہ کے دن پولیس کے آدمی متعین ہوئے کہ کسی کو جمعہ نہ پڑھنے دیں۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ گورنمنٹ خود احراریوں کی مدد کر رہی ہے اور وہ دوسرے مسلمانوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ بھی احراریوں کے پیچھے نماز پڑھیں۔ کیونکہ قادیان کے وہ دوسرے مسلمان جو جمعہ کی قیمت سمجھتے ہیں جب جمعہ پڑھنے کے لئے مجبور ہوں گے تو سوائے اس کے ان کے لئے اور کوئی صورت نہیں ہوگی کہ وہ احراریوں کی مسجد میں جائیں اور اس طرح ہمارے مخالفوں کا منشاء پورا ہو کہ لوگوں کے دل ہمارے خلاف باتیں سن سن کر ہماری دشمنی کے خیالات سے بھر جائیں۔

غرض اس واقعہ سے ثابت ہے کہ گورنمنٹ کے بعض افسر لوگوں کو مجبور کر کے احرار کے ساتھ لگانا چاہتے ہیں کہ وہاں سے اشتعال پکڑ کر وہ فساد کریں۔.......

نواں واقعہ نواں واقعہ بھی ایسا ہے کہ اس کا خیال کر کے حیرت آتی ہے اور حکومت کی خاموشی کو دیکھ کر یہی خیال کرنا پڑتا ہے کہ شائد اسے صحیح واقعات کی اطلاع نہیں دی گئی ورنہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس قدر جھوٹ بولا جائے اور اس کی تردید نہ کی جائے....... عجیب واقعہ ہے۔ ہم بالکل بے خبر بیٹھے تھے کہ ایک پنجاب پولیس کے اعلیٰ افسر قادیان آئے اور مجھ سے بھی ملنے آ گئے انہوں نے دوران گفتگو میں مجھ سے ذکر کیا کہ رپورٹ ہوئی ہے کہ احمدیوں نے نیزے تیار کئے ہیں اور ایک نیزہ پولیس نے پکڑ کر بطور نمونہ بھجوایا بھی ہے۔ میں اس خبر کو سن کر حیران رہ گیا۔ کیونکہ مجھے اس کی کوئی اطلاع نہ تھی اور میں نے ناظر صاحب کار خاص سے جو اس وقت پاس تھے اس کی حقیقت پوچھی۔ انہوں نے بتایا کہ ایک ڈیرہ غازی خاں کا طالب علم نجاری کا کام یہاں سیکھتا ہے اس نے ایک لوہار دوست سے مل کر ایک کھڈ سٹک یہاں بنوائی تھی جسے یہاں کی پولیس نے نیزہ قرار دے کر رپورٹ کر

دی کہ احمدی نیزے بنوا رہے ہیں اور پھر اپنے طور پر اوپر کے حکام کے ایماء سے اس کھڈ سٹک کو زبردستی چھین کر اوپر بھجوا دیا کہ یہ نمونہ ان نیزوں کا ہے۔ اس گفتگو کے چند دن بعد میں یہ خبر اخبارات میں پڑھ کر حیران رہ گیا کہ قادیان سے نیزوں کی برآمد ہوئی ہے یہ خبر ایسوسی ایٹڈ پریس نے بذریعہ تار سب اخبارات کو ارسال کی تھی اور اس ایجنسی کو عموماً حکومت کی طرف سے خبریں مہیا کی جاتی ہیں۔ پس ہمیں اس بات پر یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ خبر حکومت ہی کے بعض افسروں کی طرف سے اسے ملی تھی۔ جس وقت مذکورہ بالا پولیس افسر نے اس کھڈ سٹک کا مجھ سے ذکر کیا تھا تو میں نے ان سے کہا کہ آپ سب احمدی گھروں کی تلاشی لے کر دیکھ لیں کہ وہاں کس قدر اسلحہ ناجائز طور پر موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم یوں تو تلاشی نہیں لے سکتے۔ لیکن میں نے کہا کہ میں جانتا ہوں آپ قانوناً تلاشی نہیں لے سکتے لیکن میں جب جماعت کی طرف سے اجازت دیتا ہوں تو پھر تو قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ مگر انہوں نے یہ جواب دیا کہ جب آپ کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے تو آپ کی زبان سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے اسی طرح ان خیالی نیزوں کے ذکر پر سپرنٹنڈنٹ پولیس گورداسپور سے مرزا شریف احمد صاحب نے جب کہا کہ نیزہ نکلا ہے تو آپ مقدمہ کیوں نہیں چلاتے تو انہوں نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ اس کا لوہا مقررہ لمبائی سے چھوٹا ہے اس لئے وہ قانوناً نیزہ نہیں بلکہ کھڈ سٹک ہے مگر باوجود اس کے کہ ایک کھڈ سٹک ایک ایسے شخص کے پاس تھی جس کا پیشہ ہی ایسی اشیاء تیار کرنا ہے اور باوجود اس کے کہ اس کھڈ سٹک کا لوہا نیزہ کی تعریف میں نہیں آسکتا اور باوجود اس کے کہ وہ صرف ایک ہی نیزہ تھا اور باوجود اس کے کہ حکومت کو چیلنج کیا گیا کہ وہ مقدمہ چلائے اور اس نے مقدمہ نہیں چلایا اور باوجود اس کے کہ میں نے پولیس کو دعوت دی کہ وہ ہمارے گھروں کی تلاشیاں لے کر دیکھ لے کہ کیا نیزے ہمارے گھروں میں پوشیدہ ہیں اور انہوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا۔ سب ہندوستان میں یہ خبر مشہور کر دی گئی کہ قادیان سے نیزوں کی برآمد ہوئی ہے اور حکومت نے آج تک اس کی تردید نہیں کی ہر شخص جو واقعات سے آگاہ ہے جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے کہ قادیان سے نیزہ پکڑا گیا اور یہ اور بھی جھوٹ ہے کہ قادیان سے نیزوں کی برآمد ہوئی۔ قادیان میں ایک شخص کے پاس ایک کھڈ سٹک تھی جو ظلماً اور تعدی سے بلاحق کے پولیس نے جبراً اس سے چھین لی اور پھر جھوٹ بول کر اس کا نام نیزہ رکھ دیا گیا۔ اور اس کے بعد جھوٹ بول کر ایک کھڈ سٹک کو نیزے قرار دے دیا گیا یہ اس قدر صریح جھوٹ اور سفید جھوٹ ہے کہ انسانی فطرت اس کا خیال کر کے بھی گھن کھاتی ہے اس طرح ایک امن پسند اور قانون کی پابندی کرنے والی جماعت کو ذلیل کرنے کی کوشش کر کے حکومت کے نمائندوں نے ایک نہایت گندی مثال قائم کی ہے۔ ایک فساد کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اگر حکومت ہی جھوٹ پر اتر آئے تو دوسرے لوگ جو

اخلاق میں کمزور ہیں کیوں اس گند میں مبتلا نہ ہوں گے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسوشی ایٹڈ پریس کی خبر گورنمنٹ کے کسی افسر کی طرف منسوب نہیں لیکن جبکہ مقامی اور بیرونی حکام سے ہم نے اس خبر کو اس رنگ میں سنا ہے اور جبکہ گورنمنٹ نے اس کی تردید بھی نہیں کی تو ہم مجبور ہیں کہ اس خبر کو گورنمنٹ کے حلقوں سے نکلی ہوئی سمجھیں۔ لیکن میں حکومت کو چیلنج دیتا ہوں کہ اگر اس خبر میں صداقت ہے تو وہ ان آدمیوں کے نام شائع کرے جن کے پاس نیزے نکلے ہیں اور ان نیزوں کی تعداد شائع کرے اور پھر ہمیں اجازت دے کہ اس خبر کے شائع کرنے والوں کے خلاف ہم عدالتی چارہ جوئی کریں۔ اگر اس کے نتیجہ میں حکومت کے نمائندوں کو فتح ہو گئی تو ہمارا جھوٹ ثابت ہو جائے گا۔ ورنہ حکومت کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کے بعض کل پرزے اس وقت نہایت خراب اور گندے ہو گئے ہیں اور اسے پرانی مشینری کی طرح کامل صفائی اور مرمت کی ضرورت ہے اگر حکومت نے اس مطالبہ کو تسلیم نہ کیا تو وہ یاد رکھے کہ آئندہ اس کی بات پر اعتبار کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہو گا اور جوں جوں یہ بات لوگوں میں پھیلے گی۔ وہ حیران ہوں گے کہ حکومت نے اپنے افسروں سے اس قدر بڑا جھوٹ دیکھ کر کیوں کر خاموشی اختیار کی جبکہ اس کے برخلاف اگر حکومت سچ کی تائید کرے تو اس کی بدنامی نہیں بلکہ نیک نامی ہو گی اور ذلت نہیں بلکہ عزت ہو گی اور اس کی باتوں کا اعتبار پھر سے قائم ہو جائے گا۔

دسواں واقعہ پھر یہ عجیب بات ہے کہ ہم جو گورنمنٹ کی ہمیشہ سے اطاعت اور فرمانبرداری کرتے چلے آئے ہیں ہمارے متعلق گورنمنٹ کے عجیب و غریب خیالات ہیں گورنمنٹ پنجاب کے ایک ذمہ دار سیکرٹری نے سلسلہ کے ایک سیکرٹری سے کہا کہ آپ لوگ پیرالل گورنمنٹ یعنی متوازی حکومت قائم کر رہے ہیں اور اس کا ثبوت یہ دیا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ اپنی جماعت کے مقدمات سنتے ہیں۔ ہمارے سیکرٹری نے کہا کہ اس میں کیا غضب ہو گیا۔ گورنمنٹ تو آپ یہ اعلان کرتی رہتی ہے کہ لوگوں کو اپنے مقدمات کے آپ فیصلے کرنے چاہئیں عدالتوں میں نہ آنا چاہئے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو گورنمنٹ یہ کہتی ہے کہ اپنے مقدمات کا گھروں میں فیصلہ کرنا چاہئے۔ اور دوسری طرف وہ جماعت جو مقدمات کا اپنے گھروں میں فیصلہ کرتی ہے اس کے متعلق کہتی ہے کہ وہ پیرالل گورنمنٹ قائم کر رہی ہے۔ یا تو گورنمنٹ یہ نہ کہتی کہ اپنے گھروں میں مقدمات کا فیصلہ کیا کرو یا پھر اس کی اجازت کے ماتحت گھروں میں جھگڑوں کا تصفیہ کرنے والوں پر یہ الزام نہیں لگانا چاہئے اگر یہ کہا جائے کہ ہم قابل دست اندازی پولیس والے فوجداری مقدمات سنتے ہیں تو یہ صریح غلط اور خلاف واقع ہے ہاں ہم یہ مشورہ ضرور دیتے ہیں کہ ہر جھگڑے کے متعلق سلسلہ کے کارکنوں سے مشورہ کر لو جو پولیس کے دائرہ میں آتے ہیں ان کو پولیس میں لے جانے کی وہ ہدایت کریں گے اور

جن مقدمات کا گھر میں فیصلہ کر لینے کی قانون اجازت دیتا ہے۔ ان کا وہ گھر میں فیصلہ کر دیں گے۔ اور یہ جرم ہم ہی نہیں کرتے۔ سب اس جرم کے مرتکب ہیں۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے انگریز افسر بھی اس سے بچے ہوئے نہیں۔ بچے گھروں میں سے بلا پوچھے چیز اٹھا لیتے ہیں لفظاً یہ چوری ہے۔ نوکر کوئی چھوٹی موٹی چیز اٹھا لیتا ہے یہ بھی چوری ہے مگر کوئی انگریز افسر بھی ایسا ہے جو یہ کہے کہ وہ اس پر پولیس کے ذریعہ سے کارروائی کرواتا ہے عام طور پر ایسے واقعات میں لوگ نوکروں کو جرمانہ کر دیتے ہیں اور بچوں کے ذرا کان کھینچ کر چھوڑ دیتے ہیں اس قسم کے مقدمات اور وہ بھی چوری کے نہیں بلکہ بچوں وغیرہ کی عام مار پیٹ کے مقدمات ہماری جماعت میں بھی سن لئے جاتے ہیں۔ پھر نامعلوم اس کا نام متوازی حکومت کس طرح رکھا گیا۔ اور کس محاورہ کے مطابق رکھا گیا اگر یہ الزام ہم پر درست ہے تو ہر انگریز جس کا لڑکا بغیر پوچھے چاکولیٹ کھا گیا ہو یا ہر انگریز جس کے باورچی نے اس کی اجازت کے بغیر ایک انڈے کا استعمال کر لیا ہو اور اس نے اسے پولیس میں نہ بھیجا ہو متوازی حکومت قائم کرنے والا قرار پائے گا۔ اور اس نئی اصطلاح کے ماتحت ہر گھر میں ہی ایک متوازی حکومت کا پتہ چل جائے گا اور شاید نیزوں والی خبر کے اصول پر ایسوسی ایٹڈ پریس کو یہ تار دینے کا حق حاصل ہو جائے کہ ہندوستان میں ایک گہری سازش کا انکشاف ہوا ہے اور معلوم ہوا ہے کہ اندر ہی اندر ہزاروں حکومت کو الٹنے والی سازشیں ہو رہی ہیں اور متوازی حکومتیں قائم ہو رہی ہیں۔ مگر کیا یہ درست ہو گا؟ پھر پرامن شہریوں پر ایسے الزام لگانے سے یقیناً حکومت مضبوط نہیں ہو سکتی بلکہ کمزور ہوتی ہے اور لوگوں کا حکومت پر سے اعتبار اٹھتا ہے۔

دوسرا ثبوت ان صاحب نے ہماری متوازی حکومت کا یہ دیا کہ تم مقدمات کے تصفیہ کے لئے لوگوں کو بلاتے وقت سمن جاری کرتے ہو اور مدعی اور مدعا علیہ کے الفاظ لکھتے ہو حالانکہ سمن کے معنے بلانے کے ہیں اور مدعی اور مدعا علیہ ہماری عربی زبان کے الفاظ ہیں جو مسلمانوں ہی سے لئے گئے ہیں ہماری شریعت میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں پھر کیا اب ہماری اپنی لغت کے الفاظ استعمال کرنے سے بھی ہمیں روکا جائے گا۔ کوئی غور کر کے بتائے کہ مدعی اور مدعا علیہ کے الفاظ لکھنے سے ہم متوازی حکومت قائم کرنے والے کس طرح بن گئے۔ جو سمن جاری کرنے کا الزام ہم پر لگایا گیا ہے اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ اول تو یہ لفظ ہی ہمارے ہاں استعمال نہیں ہوتا صرف غلطی سے چند کاغذات میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے ورنہ ہماری قضاء کے محکمہ میں ہرگز یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا ہمارے ہاں طریق یہ ہے کہ سادہ چٹھی لکھی جاتی ہے اور جسے بلانا ہو اسے بلا لیا جاتا ہے خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب انگریزی نوکری کرتے ہوئے آئے ہیں انہوں نے بعض مواقع پر غالباً سمن کا لفظ استعمال کیا

ہے۔ لیکن وہ محکمہ قضاء میں نہیں بلکہ امور عامہ میں کام کرتے ہیں...... خان صاحب نے ساری عمر انگریزی نوکری کی انہوں نے اگر سمن کا لفظ استعمال کر لیا تو کوئی الزام کی بات نہیں تھی۔ خصوصاً جبکہ سمن کے معنے بلانے کے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں سمن کا لفظ نہیں ہوتا۔ پھر مدعی اور مدعا علیہ کے الفاظ ہماری اپنی زبان کے ہیں اگر ہم اپنی بولی نہ بولیں تو اور کیا کریں۔ پس ہمارا جرم صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنی زبان کے چند الفاظ استعمال کئے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ہم لوگوں کے مقدمات سنتے ہیں مگران کی مرضی سے کوئی مار کر انہیں اپنی جماعت میں شامل نہیں کرتا۔ پس جب وہ اپنی مرضی سے ہمارے سامنے مقدمات پیش کرتے ہیں اور ایسے مقدمات جن کے پرائیویٹ تصفیہ کی حکومت نے اجازت دے رکھی ہے۔ تو ان کا تصفیہ متوازی حکومت کس طرح کہلا سکتا ہے آئندہ کے لئے حکومت یہ فیصلہ کر دے کہ دیوانی مقدمات میں بھی سمجھوتے کرانے ناجائز ہیں اور معمولی چھیڑ چھاڑ اور معمولی مار پیٹ کے واقعات بھی ضرور گورنمنٹ کی عدالت میں لانے چاہئیں تو اس کے بعد ایک کیس بھی ہم سن جائیں تو وہ متوازی حکومت کا الزام ہم پر لگا سکتی ہے لیکن جب ایک طرف وہ مقدمات سننے کی اجازت دیتی ہے تو پھر دوسری طرف اس کا یہ الزام لگانا کسی صورت میں بھی درست نہیں ہو سکتا اور لوگوں کو یہ الزام لگانے کا موقعہ ملتا ہے کہ حکومت اپنے اعلانات میں سچ سے کام نہیں لیتی۔

گیارھواں واقعہ

گیارھواں واقعہ یہ ہے کہ کہا گیا ۱۹۳۳ء میں دریائے بیاس پر احمدیہ کور کے بعض نوجوان ٹریننگ کے لئے گئے اور انہوں نے وہاں پر رائفل شوٹنگ کیا اور یہ بات اتنے وثوق سے بیان کی گئی کہ جماعت احمدیہ کے ایک سیکرٹری سے حکومت پنجاب کے ایک ذمہ دار افسر نے اس کا ذکر جماعت کے متعلق شبہ کے طور پر کیا۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹی رپورٹ اور بے بنیاد بات تھی۔ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ قادیان کے کسی کانسٹیبل نے یہ رپورٹ کی۔ حالانکہ قادیان کے کانسٹیبل کا بیاس کے اس علاقہ سے جہاں ہمارے لوگ سیر کو جاتے ہیں۔ کوئی تعلق نہیں وہاں کا تھانہ الگ ہے جو سری گوبند پور ہے۔ اگر دریائے بیاس کے اس مقام پر رائفل شوٹنگ ہو تو تھانہ اتنا نزدیک ہے کہ وہاں اس کی آواز بھی پہنچ سکتی ہے اس کے علاوہ پولیس کے آدمی گشت بھی لگاتے رہتے ہیں۔ لیکن وہاں کی پولیس کو تو کچھ پتہ نہ تھا۔ اور یہاں کی پولیس کے کانسٹیبل نے جھٹ رپورٹ کر دی۔ اس پر پولیس کے اعلیٰ افسروں نے مقامی سب انسپکٹر کے ذریعہ سے تحقیقات کرائی اور سب پر تحقیقات کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ رپورٹ بالکل جھوٹی تھی اور وہ اس امر کو تسلیم کر گئے مگر گورنمنٹ کے ذمہ دار افسر ڈیڑھ دو سال کے بعد سلسلہ کے ایک ذمہ دار افسر سے شکایت کرتے ہیں کہ تمہاری طرف

سے دریائے بیاس پر رائفل شوٹنگ کیا گیا......

بارھواں واقعہ ....بارھواں واقعہ یہ ہے کہ جلسہ احرار کے موقعہ پر ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع گورداسپور ہرچووال اترے ہوئے تھے۔ وہاں انہوں نے جماعت کے چند افراد کو بلوایا اور گفتگو میں جب میرا ذکر کرتے تو دی مرزا۔ دی مرزا۔(THE MIRZA) کہہ کر ذکر کرتے۔ اس پر ہماری جماعت کے ایک سیکرٹری نے چند بار سننے کے بعد ان سے کہا کہ صاحب آپ ہندوستانی ہیں۔ اگر آپ انگریز ہوتے تو آپ کو معذور سمجھا جا سکتا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہم ان کو اپنا امام اور خلیفہ مانتے ہیں اور آپ کے ان کو صرف مرزا کہنے سے بڑا دکھ محسوس کرتے ہیں۔ خان صاحب فرزند علی صاحبؓ۔ میاں شریف احمد صاحبؓ اور سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ حلفیہ بیان دے سکتے ہیں کہ انہوں نے اس کے جواب میں کہا۔ میں اس کے متعلق آپ لوگوں کو کچھ زیادہ نہیں کہہ سکتا۔ آپ نے جو کچھ کہنا ہے کمشنر صاحب سے کہیں جس کا سوائے اس کے اور کوئی مطلب نہ ہو سکتا تھا کہ کمشنر صاحب نے انہیں اجازت دے رکھی ہے کہ وہ ہماری اور ہمارے سلسلے کی ہتک کریں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کے متعلق ایک اور موقعہ پر بھی دیکھا گیا ہے کہ جب وہ ہماری جماعت کے ذمہ دار افسروں سے ملنا چاہتے تو کہتے میں نے فرزند علی سے ملنا ہے۔ شریف احمد سے ملنا ہے۔ اخلاق کا برتاؤ کسی قانون کے ماتحت نہیں ہوتا۔ کون سا قانون ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم ڈپٹی کمشنر کو مسٹر کہا کریں۔ ہمارے ہندوستانی ہمیشہ بات کرتے وقت صاحب یا جناب کہنے کے عادی ہیں پس اگر ان احساسات کو مد نظر نہ رکھا گیا اور یہ کھیل کھیلنی شروع کر دی گئی۔ تو ہماری جماعت سے بھی وہ توقع نہیں رکھ سکیں گے کہ ہم آداب کے ساتھ ان کا نام لیا کریں۔ اس صورت میں بالکل ممکن ہے کہ ہم اگر کوئی مرہٹہ ہو تو اس کو کہہ دیں او مرہٹے اور پنڈت ہو تو او پنڈت۔ یا لالہ ہو۔ تو او لالے کہہ دیں۔ پس اگر ہمارے جذبات کے ساتھ کھیل سکتے ہیں تو ہم بھی انہیں پنڈت اور لالہ کہہ سکتے ہیں لیکن یہ کھیل اگر کھیلا گیا تو بڑا گندہ کھیل ہو گا اور اخلاق سے سخت گری ہوئی بات ہو گی اور اس کے نتائج ایسے خطرناک نکلیں گے کہ نہ صرف لوگوں کے اخلاق بگڑیں گے بلکہ گورنمنٹ کا نظام بھی اس سے خراب ہو گا۔

تیرھواں واقعہ تیرھواں واقعہ یہ ہے کہ یہاں پر ایک احمدی کانسٹیبل متعین ہوا۔ مگر چند ہی دنوں کے بعد اسے یہاں سے بدل دیا گیا۔ احراریوں کے ہم مذہب کانسٹیبل یہاں ڈیڑھ ڈیڑھ سال سے کام کر رہے ہیں مگر انہیں تبدیل نہیں کیا جاتا۔ اول تو قادیان ہماری جماعت کا مرکز ہے اور چونکہ اس میں ہماری جماعت کی کثرت ہے اور ہماری وجہ سے ہی قادیان کو ترقی حاصل ہو رہی ہے۔ اس لئے ہم یہ مطالبہ کر سکتے تھے کہ جیسے ننکانہ صاحب میں سکھوں سے وعدہ کر لیا گیا ہے کہ وہاں

ہمیشہ ایک سکھ تھانیدار رہا کرے گا۔ اسی طرح ہمارے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے ہمیں ننکانہ صاحب میں مستقل طور پر سکھ تھانیدار کے مقرر ہونے کا کوئی رنج نہیں بلکہ ہم کہتے ہیں چشم ماروشن دل ماشاد۔ لیکن جس طرح ننکانہ صاحب سکھوں کا ایک مقدس مقام ہے اسی طرح ہمارا بھی یہ مقدس مقام ہے اور جس طرح وہاں کثرت سے سکھوں کی جائیدادیں ہیں اسی طرح یہاں بھی ہماری جماعت کی کثرت سے جائدادیں ہیں غرض وہ ساری باتیں جو ننکانہ صاحب میں سکھوں کو حاصل ہیں وہ احمدی افراد کو قادیان میں حاصل ہیں پس یہاں کم از کم پولیس کا ایک حصہ مستقل طور پر احمدی ہونا چاہئے تھا۔ مگر لطیفہ یہ ہے کہ ایک کانسٹیبل آیا اور اسے بھی فوراً تبدیل کر دیا گیا۔ جو صاف بتاتا ہے کہ احمدیہ جماعت پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔

چودھواں واقعہ چودھواں واقعہ یہ ہے کہ اسی جلسہ [۸۱] احرار کے موقعہ پر ایک تھانیدار نے رپورٹ کی کہ احمدی اپنا لٹریچر تقسیم کرتے ہیں ہم نے اپنی جماعت کو حکام کی خواہش پر ہدایت کر دی تھی کہ احرار کو جا کر لٹریچر نہ دیا جائے۔ پھر اس کے بعد یہ خیال کرتے ہوئے کہ چونکہ محلوں میں سے احراری گزرتے ہیں اس لئے اگر انہیں لٹریچر دیا گیا تو ممکن ہے اس سے بھی کوئی فتنہ کا دروازہ کھل جائے اس لئے محلوں میں بھی لٹریچر تقسیم کرنا منع کر دیا گیا تھا۔ مگر احراریوں کے دوستوں نے چونکہ فتنہ کھڑا کرنا تھا اس لئے انہوں نے یہ شکایت کی کہ احمدیہ لٹریچر تقسیم کیا گیا ہے اور اس کے ثبوت میں یہ بیان کیا گیا کہ ایک باوردی تھانیدار کو لٹریچر دیا گیا ہے اگر اسے درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو تھانیدار کو لٹریچر دینے سے احراریوں میں جوش کس طرح پھیل سکتا تھا۔ جب تک کہ وہ خود درپردہ احراری نہ ہو میں ہرگز نہیں سمجھ سکتا کہ گورنمنٹ پنجاب کا بھی یہ منشاء ہو کہ ہم لٹریچر تقسیم نہ کریں کیونکہ ہم ایک تبلیغی جماعت ہیں اور ہمیں تبلیغی لٹریچر کی تقسیم سے کسی صورت میں نہیں روکا جا سکتا۔ لیکن جب ان کی طرف سے کہا گیا کہ لٹریچر تقسیم کیا گیا ہے تو ہمارے آدمیوں نے کہا کہ ان لوگوں کو پیش کیجئے۔ جن کو لٹریچر تقسیم کیا گیا ہے اس پر ایک تھانیدار کو پیش کیا گیا کہ اسے لٹریچر دیا گیا ہے اور جب اس سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس نے لٹریچر دیا ہے اور انہوں نے کہا کہ مجھے سید احمد نور صاحب کابلی نے لٹریچر دیا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ خود مدعی نبوت ہیں اور معذور اور بیمار آدمی ہیں۔ پس ان کا کام ہماری طرف کس طرح منسوب کیا جا سکتا ہے۔ پھر ممکن ہے ان کا نام بھی یونہی لے لیا گیا ہو اور جسے لٹریچر قرار دیا گیا ہو وہ ان کی کسی دوائی کے ساتھ کوئی اشتہار ہو مگر بہرحال جب سلسلہ کے کارکنوں نے تحقیق کی تو ثابت ہوا کہ یہاں کے چوکیداروں کا جو دفعدار ہے...... اس نے کسی دکاندار سے جا کر لٹریچر مانگا کہ پولیس والے مانگتے ہیں اور اس نے آگے اس تھانیدار کو وہ لٹریچر دیا اور اس کا نام فساد کرنا

رکھا گیا اور کہا گیا کہ اس سے احرار کیمپ میں فتنہ واقع ہو جائے گا۔ اس صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ تھانیدار احراری تھا اور فساد پر آمادہ۔

پندرھواں واقعہ پندرھواں واقعہ یہ ہے کہ ہم نے متواتر اعلان کیا تھا کہ احرار کے جلسہ میں کوئی احمدی نہ جائے۔ اتفاقاً ایک احمدی سنکوہا کو جا رہا تھا۔ سنکوہا کا راستہ احراریوں کے جلسہ گاہ کے ساتھ سے ہی جاتا ہے انہوں نے جونہی ایک احمدی کو جاتے دیکھا اسے فوراً پکڑ کر پولیس کے پاس لے آئے۔ سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ جو اس ڈیوٹی پر مامور تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے جونہی اس کو دیکھا میرے دل نے گواہی دی کہ یہ احمدی ضرور ہے اس پر میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں سنکوہا کا باشندہ ہوں۔ پھر میں نے تھانیدار سے پوچھا سنکوہے کو راستہ کہاں سے جاتا ہے؟ تو اس نے بے اختیار کہا کہ احراری کیمپ کے عین اوپر سے۔ اس پر میں نے بالا افسر کو توجہ دلائی کہ دیکھو یہ شخص اپنے گھر جا رہا تھا اور خواہ مخواہ اس پر فتنہ کا الزام لگایا گیا اور یہ امر ان کی سمجھ میں آگیا۔ غرض ادھر تو اتنی شدت برتی جاتی تھی کہ کوئی احمدی اپنے گھر جاتا ہوا بھی احراری کیمپ کے پاس سے نہ گزرے اور ادھر یہ کوشش کی جارہی تھی کہ کسی طرح بعض احمدیوں کو وہاں بھجوایا جائے۔ میں نے اس خیال سے یہ حکم دے دیا تھا کہ اگر کوئی احمدی اس جلسہ میں گیا تو میں اس کو جماعت سے خارج کر دوں گا۔ میں جانتا تھا کہ یہ ایسا جرم نہیں جس سے کسی شخص کو جماعت سے خارج کیا جائے مگر میں یہ بھی جانتا تھا کہ اس موقعہ پر وہی شخص جائے گا جو منافق ہو گا اور اس کی غرض جماعت کو بدنام کرنا ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بعض مشتبہ آدمیوں کے متعلق رپورٹ آئی کہ وہ احراری کیمپ کی طرف گئے تھے جب مجھے ان کی اطلاع دی گئی تو میں نے ذمہ دار افسروں کو کہا کہ گو جماعت سے نکالنا میرے ہی اختیار میں ہے لیکن جب میں آپ کو اس بارہ میں اختیار دے چکا ہوں تو اپنے اختیار کو آپ برتیں۔ اس پر ذمہ دار کارکن جماعت نے انہیں جماعت سے خارج کر دیا۔ اس پر ان میں سے ایک شخص کے متعلق ایک مجسٹریٹ نے شکایت کی کہ میں نے اس شخص کو سرکاری کام پر بھیجا تھا لیکن اسے جماعت سے نکال دیا گیا ہے اس پر جو افسر بالا افسروں کے ساتھ مقرر تھے انہوں نے احتجاج کیا کہ ایک طرف آپ لوگ اس سختی سے ہمیں روکتے ہیں کہ احمدی وہاں نہ جائیں دوسری طرف آپ کے ماتحت احمدیوں کو بلا ہم سے پوچھے ادھر بھجواتے ہیں۔ کیا اس کے یہ معنے نہیں کہ اس طرح ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ غرض اس واقعہ نے بھی بتا دیا کہ ہمیں اس موقعہ پر بدنام کرنے کی پوری کوشش کی گئی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔

سولہواں واقعہ سولہواں واقعہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کے ایک شخص نے گزشتہ دنوں ایک ٹریکٹ لکھا تھا اس کے الفاظ سخت تھے اور گو اس کے مقابلہ میں بیسیوں مثالیں اس امر کی نظر آتی ہیں کہ احمدیوں کو گندی سے گندی گالیاں دی گئیں اور ٹریکٹ اور اشتہاروں میں گالیوں کو شائع کیا گیا۔ مگر ہم نے اس ٹریکٹ کو فوراً ضبط کر لیا اور اس کے خلاف نفرت کا اظہار کیا۔ حالانکہ دوسرے مسلمانوں نے آج تک اپنے کسی آدمی کے متعلق ایسا نہیں کیا۔ اس کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے اس احمدی پر مقدمہ چلایا گیا اور اسے سزا دی گئی لیکن اس کے مقابلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق سخت سے سخت الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اور گندی سے گندی گالیاں دی جاتی ہیں۔ مگر کوئی توجہ نہیں کی جاتی اور اگر توجہ کی بھی جائے تو معمولی وارننگ کر دی جاتی ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ قانون دو کیوں ہیں؟ ہمارے متعلق گند اچھالا جائے تو محض وارننگ کی جاتی ہے لیکن اگر ہمارا آدمی کوئی سخت لفظ لکھ دے تو اس پر مقدمہ کھڑا کیا جاتا ہے.........

نتائج

یہ سولہ مثالیں ہیں جو میں نے پیش کی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ۔

۱۔ ایک عرصہ سے جماعت کو بدنام کرنے کی کوشش حکومت کے بعض افسران کی طرف سے کی جا رہی ہے۔

۲۔ یہ کوشش چند ماہ سے بہت بڑھ گئی ہے۔

۳۔ ہمارے خلاف جو شکایات کی جاتی ہیں جب وہ جھوٹی ثابت ہو جاتی ہیں تو پھر بھی بعض اعلیٰ افسر تک انہیں دہراتے رہتے ہیں جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ اصل غرض ہمیں بدنام کرنا ہے نہ کہ حقیقت معلوم کرنا۔

۴۔ جماعت کے کارکنوں اور جماعت کو حتیٰ کہ خود امام جماعت احمدیہ کو بلاوجہ پریشان کیا جاتا ہے اور ان کا وقت ضائع کیا جاتا ہے۔

۵۔ ہمارے خلاف شرارت کرنے والے سرکاری ملازموں کے متعلق اول تو تحقیق ہی نہیں کی جاتی اگر تحقیق کی جاتی ہے تو پھر ان کے جھوٹے ثابت ہو جانے پر بھی ان کو سزا نہیں دی جاتی جس سے شرارتیوں کی جرات بڑھتی ہے۔

۶۔ ذمہ دار سرکاری افسر جماعت کے کارکنوں اور امام جماعت احمدیہ کی ہتک کرتے ہیں اور پھر اس پر ناز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بے شک جا کر بالا افسروں سے کہہ دو۔

۷۔ پہلے ہم سے تعاون کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور جب ہم حکام کی بات تسلیم کر لیتے ہیں تو دوسرے

افسر ہمارے اس فعل کی تخفیف کرتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے پر جھوٹ کاالزام لگادیتے ہیں۔

۸۔ سرکاری محکموں میں اگر احمدی ہوں تو ان کے کاموں کو جماعت احمدیہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

پس ان امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت پنجاب میں بعض ایسے افسر موجود ہیں جن کی غرض سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جماعت کو کمزور اور بدنام کیا جائے اب میں جماعت کے سامنے یہ مثالیں رکھ کر کہتا ہوں کہ کیا ان واقعات کے ہوتے ہوئے وہ امید کرسکتے ہیں کہ ہمارے کارکن جماعت کے کاموں کو اسی سرگرمی سے کرسکتے ہیں جس سرگرمی سے انہیں کام کرنے چاہئیں۔ میں نے یہ تفصیل اس لئے بتائی ہے کہ شائد بعض لوگوں کے دل میں خیال گزرتا ہو کہ حکومت سے ایک غلطی ہوئی ہے اسے جانے دینا چاہئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ڈیڑھ سال سے ایسے واقعات متواتر ہو رہے ہیں۔ اور میں نے اوپر صرف چند مثالیں بیان کی ہیں ورنہ اور بہت سے واقعات اوپر کے نتائج کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور یہ ایک لمبا سلسلہ ہے جو جماعت پر مصائب و مشکلات کے رنگ میں گزر رہا ہے"۔ [۲۱۷]

دوسرا باب (فصل نہم)

قادیان میں "احراری تبلیغ کانفرنس" اور حکومت پنجاب کا ظالمانہ حکم

حکومت پنجاب نے مرکز احمدیت میں مظالم کا جو سلسلہ جاری کر رکھا تھا وہ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں ایک نئی شکل اختیار کر گیا۔ جبکہ حکومت کے افسروں نے سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفتہ المسیح الثانیؓ کے خلاف خصوصاً اور جماعت احمدیہ کے خلاف عموماً اپنے ناروا عزائم کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ احرار نے ۲۱-۲۲-۲۳/ اکتوبر ۱۹۳۴ء کی تاریخوں میں "قادیان تبلیغ کانفرنس" منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور اس میں شرکت کے لئے ملک بھر میں زبردست پروپیگنڈا کیا گیا۔ اس جلسہ کے انعقاد میں ہندو ڈپٹی کمشنر جے ایم۔ شری نگیش کا بہت دخل تھا۔ [۲۶۸]

شعبہ خاص کا قیام

اس تشویشناک ماحول میں صدر انجمن احمدیہ نے شعبہ خاص کے نام سے ایک اہم محکمہ قائم کر دیا اور حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کو اس کا ناظم مقرر فرمایا۔ [۲۶۹] اس نئے شعبہ کا مقصد یہ تھا کہ ہر وقت صورت حال کا جائزہ لیا جائے اور خطرناک حالات کا مقابلہ کرنے کی فوری اور موثر تدابیر کی جائیں۔ چوہدری ظہور احمد صاحب [۲۷۰] آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ کا بیان ہے کہ حکومت کے بعض افسروں نے یہ طے کیا کہ اس شعبہ کے سرگرم کارکنوں کو مقدمات میں الجھایا جائے اور ہر مقدمہ میں کسی ایک گمنام شخص کا نام بھی رکھ لیا جائے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا مقدمہ حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کے خلاف دائر کیا گیا اور آپ کے ساتھ چوہدری ظہور احمد صاحب اور بعض دوسرے احمدی بھی شامل کئے گئے چونکہ حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کو اللہ تعالیٰ نے دنیوی وجاہت و عظمت بھی عطا فرمائی تھی اور مارپیٹ کا جو الزام آپ پر لگایا گیا تھا اسے کوئی عقلمند تسلیم نہیں کر سکتا تھا اس لئے مجسٹریٹ نے حضرت میاں صاحبؓ کو سمن کرنے کی بھی ضرورت نہ سمجھی اور آپ کے خلاف مقدمہ خارج کر دیا۔ مگر دوسرے احمدیوں کے خلاف کئی ماہ تک مقدمہ چلتا رہا۔ بالآخر ایسے حالات رونما ہوئے کہ چوہدری ظہور احمد صاحب تو

بری کر دیئے گئے اور دوسروں کو سزا دے دی گئی۔ اپیل ہوئی تو جج نے فیصلہ میں لکھا کہ مقدمہ کی شہادتوں کے مطابق اصل مجرم تو چوہدری ظہور احمد کو ظاہر کیا گیا ہے لیکن اسے مجسٹریٹ نے بری کر دیا اور دوسروں کو سزا دے دی۔ نیز استغاثہ کے ایک اہم گواہ کی نسبت لکھا۔" HE IS A HOPELESS LIAR." یعنی وہ قطعی طور پر جھوٹا ہے۔

احراری حلقوں سے معلومات حاصل کرنے کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کے ذمہ سالانہ جلسہ میں حضور کی حفاظت کا انتہائی نازک اور پیچیدہ انتظام بھی تھا مگر آپ نے اس کام کو ایسی عمدگی سے انجام دیا کہ کسی کو آخر وقت تک یہ علم نہ ہو سکا کہ حضور کس راستہ سے جلسہ گاہ میں تشریف لے جائیں گے۔ سٹیج پر ٹکٹوں کا انتظام اسی وقت سے جاری ہوا۔ حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کی بیدار مغزی اور فراست اور تدبر نے دشمن کی بہت سی چالیں ناکام بنا دیں۔

مرکزی پریس کی خاموشی

اگرچہ بیرونی احمدیوں کی طرف سے متواتر اطلاعیں آرہی تھیں کہ مخالفین مرکز احمدیت میں بڑا فساد برپا کرنا چاہتے ہیں مگر سلسلہ احمدیہ کا مرکزی پریس اس بارے میں بالکل خاموش رہا کہ جماعت میں تشویش پیدا نہ ہو۔ احمدی حضورؓ کی خدمت میں لکھتے کہ یہاں فتنہ کا زور بڑھ رہا ہے لیکن "الفضل" میں اس کا کچھ بھی ذکر نہیں ہوتا مگر حضور ان کو یہی جواب دیتے کہ آپ لوگ صبر سے کام لیں اور ہم پر اعتبار کریں کہ سلسلہ کی حفاظت کے لئے جو کچھ ہم کر رہے ہیں ٹھیک ہے غرض کہ ایک وقت تک نہ تو جماعت احمدیہ کی طرف سے کوئی کارروائی ہوئی اور نہ حکومت نے جماعت کو کوئی اطلاع دی۔ [۲۷۱]

مولوی فرزند علی صاحبؓ کی کمشنر صاحب لاہور ڈویژن سے ملاقات

اسی دوران میں یہ واقعہ ہوا کہ خان صاحب حضرت مولوی فرزند علی صاحبؓ (ناظر امور عامہ) کو کمشنر لاہور ڈویژن کی چٹھی ملی کہ مجھے ایک ضروری بات کے لئے کسی وقت آکر ملیں۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحب نے شملہ میں ۱۷/ ستمبر ۱۹۳۴ء کو ان سے ملاقات کی۔ [۲۷۲] جس کی تفصیل حضرت مولوی صاحبؓ کے الفاظ میں یہ ہے کہ "پوچھنے لگے کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ احرار لوگ قادیان میں وسط اکتوبر میں ایک بڑا جلسہ کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے پوسٹر نکالا ہے۔ میں نے کہا مجھے پوسٹر کا تو علم نہیں یہ میں نے بہت عرصہ ہوا ہے سنا تھا کہ احرار نے جلسہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ مگر اس بات کی طرف صاحب بہادر کو توجہ دلائی کہ یہ محض ان لوگوں کی شرارت ہے ورنہ قادیان میں جلسہ کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔۔۔۔۔۔ کہنے لگے کہ یہ تو میں سمجھتا ہوں کہ احرار کا ارادہ شرارت کا ہی ہو گا۔ مگر ہم کس طرح کسی گروہ کو مذہبی تبلیغ کرنے سے

روک سکتے ہیں۔ میں نے کہا یہی دلیل ہمیشہ دی جاتی ہے ہمیں جلسوں میں برا بھلا کہا جاتا ہے اشتعال دلایا جاتا ہے۔ جمع ہونے والوں پر کسی طرح قابو نہیں ہوتا اس لئے ہمیں سخت خطرہ ہوتا ہے کہ ہمارے مقدس مقامات پر....... حملہ نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ مزار مبارک حضرت اقدس مسیح موعود (علیہ الصلوۃ والسلام) کی چار دیواری کا سبب بیان کیا۔ اور بتایا کہ اگر جلسہ ہوا تو ہمیں خود حفاظتی کا انتظام کرنا ہوگا۔ کہنے لگے آپ بے شک ایسا کریں....... آپ کی طرف سے کسی قسم کی زیادتی نہ ہونی چاہئے۔ میں نے کہا۔ اس طرف سے آپ اطمینان رکھیں ہماری طرف سے نہ پیش قدمی ہوگی نہ زیادتی۔ اسلام کا قانون بھی ان کو بتایا کہ باوجود یہ کہ غنیم لشکر کے ساتھ چڑھائی کر کے آیا ہو ہمارے لئے پھر بھی یہی حکم ہے کہ جنگ اور حملہ کی ابتداء دشمن کی طرف سے ہونی چاہئے۔ پھر میں نے پہلی ملاقات کے تسلسل میں مجلس مشاورت کی روئداد میں سے وہ حصے سنائے جن میں حضور نے فرمایا تھا کہ احمدیہ کور سے جلسوں کے انتظامات کے لئے کام لیا جائے گا....... میں نے کہا اگر آپ سمجھ رہے ہیں کہ احمدیہ کور کبھی سرکار کے مقابلہ میں آئے گی تو یہ بدظنی نہیں تو اور کیا ہے؟ کہنے لگے ہمارا صرف یہ خیال ہے کہ ایک حد تک بے شک آپ کو اختیار ہے کہ آپ اپنی جماعت کا انتظام کریں۔ اس کے جھگڑے نپٹائیں۔ مگر ایسی چیزوں میں دخل نہ دیں جو سرکاری حق ہے....... توجہ سے سنتے رہے اور پھر یہی مشورہ دیا کہ آپ حکام ضلع سے زیادہ ملتے رہا کریں تا ان کو آپ کا ہر پہلو معلوم ہوتا رہے۔ میں نے کہا میں دو دفعہ ڈپٹی کمشنر اور کپتان پولیس دونوں سے ملا ہوں۔ ان کے کان ہمارے خلاف بھرے جا رہے ہیں۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ ہم ان کو چھوٹے افسر سمجھتے ہیں اور ان سے ملنا پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ میں نے ان کو دعوت دی ہے کہ قادیان میں قیام کریں اور ہم چاہتے ہیں کہ قادیان میں تھانہ بن جائے۔ تا ایک سینئر افسر وہاں رہ سکے۔ اس بات کو صاحب موصوف نے تسلیم کیا کہ حکام ضلع کہتے ہیں ہم کو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ قادیان میں کیا ہو رہا ہے۔ میں نے کہا ہمیں جو بات پوچھیں ہم اس کو راستبازی کے ساتھ بیان کریں گے کیونکہ ہر شخص احمدیت میں پاکیزگی نفس حاصل کرنے کے لئے شامل ہوتا ہے۔ [۶۳]

ضلع گورداسپور سے احمدی بلوانے کی ہدایت

اس ملاقات کے بعد حالات نے جلد جلد پلٹے کھائے اور ۱۵/ اکتوبر ۱۹۳۴ء کے قریب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں بہت سے ایسے خطوط موصول ہوئے۔ جن میں ذکر تھا کہ احرار کانفرنس کے ایام میں فساد کا بہت خطرہ ہے اس پر حضور نے حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ ناظم شعبہ خاص کو ہدایت فرمائی کہ اس موقعہ پر خود حفاظتی کے طور پر ضلع گورداسپور سے دو ڈھائی ہزار آدمی بلوالیں۔ یہ ہدایت ساڑھے بارہ بجے کے قریب حضرت صاحبزادہ کو ملی۔

مرزا معراج الدین صاحب سپرنٹنڈنٹ سی آئی ڈی لاہور کی ملاقات تین بجے کے قریب

پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے حضور کی خدمت میں اطلاع دی کہ مرزا معراج الدین صاحب سپرنٹنڈنٹ سی۔ آئی۔ ڈی لاہور کسی کام سے یہاں آئے ہیں اور ملنا چاہتے ہیں اس پر حضرت امیرالمومنین ؓ نے حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کو کہلا بھیجا کہ آپ مرزا معراج الدین صاحب کو ساتھ لے آئیں۔ ان کے آنے پر حضور نے مرزا معراج الدین صاحب سے دریافت فرمایا کہ آپ کیسے تشریف لائے؟ انہوں نے جواب دیا میں سرکاری کام سے گورداسپور آیا تھا۔ خیال آیا کہ قادیان میں ہو تا جاؤں اسی اثناء میں گفتگو کا رخ خود بخود احراریوں کی طرف پھر گیا۔

حضور نے پوچھا کہ آپ کس حیثیت سے گفتگو کر رہے ہیں؟ سپرنٹنڈنٹ سی۔ آئی۔ ڈی کی حیثیت سے یا مرزا معراج الدین صاحب کی حیثیت سے؟ انہوں نے یقین دلایا کہ میں محض ذاتی حیثیت سے ملنے آیا ہوں۔ حضور نے ان سے یہ بھی دریافت فرمایا کہ جب گورداسپور سے آپ کا تعلق نہیں تو وہاں کیسے آئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مرکز کو فکر بہرحال ہوتی ہے اور میں دریافت احوال ہی کے لئے آیا تھا۔ حضور نے دوران گفتگو میں فرمایا کہ حکومت کی طرف سے ہماری مخالفت کی جا رہی ہے۔ کہنے لگے کہ میں آپ کو اپنے تجربہ کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ اس معاملہ میں حکومت بالکل نیوٹرل (غیر جانبدار) ہے۔

حضور نے بتایا کہ ہمارے یہاں تو یہ نہیں ہو رہا۔ بلکہ حکام کا ایک حصہ احرار کی طرفداری کر رہا ہے اس موقعہ پر حضور نے پھر ہنس کر پوچھا کہ کیا آپ سپرنٹنڈنٹ سی۔ آئی۔ ڈی کے طور پر تو گفتگو نہیں کر رہے؟ انہوں نے دوبارہ اس سے انکار کیا اور کہا کہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ میری یہ ملاقات محض انفرادی نوعیت کی ہے۔ یہ جواب سن کر حضور نے مقامی حکام کے طرز عمل کا تفصیل سے تذکرہ کرنے کے بعد بالآخر فرمایا "ہم پر تو یہ اثر ہے کہ اس وقت اس علاقہ میں احرار کی حکومت ہے ان کے جھوٹ کو بھی سچ سمجھا جاتا ہے اور ہمارے آدمیوں کے سچ کو بھی جھوٹ قرار دیا جاتا ہے۔ آپ حکومت کو نیوٹرل بتاتے ہیں کاش وہ نیوٹرل ہوتی۔ لیکن وہ تو احرار کی مدد کر رہی ہے۔ اسے یا تو نیوٹرل رہنا چاہئے اور یا پھر ہمیں احراریوں کے رحم پر چھوڑ کر الگ ہو جانا چاہئے۔ یہ کیا طریق ہے کہ ایک طرف تو وہ ہمارے ہاتھ باندھتی ہے اور دوسری طرف ان کو سر پر چڑھاتی ہے اور ہمیں قانون میں جکڑ کر ان کے آگے پھینکتی ہے۔ اگر وہ نیوٹرل نہیں رہ سکتی تو بے شک ان کے رحم پر ہمیں چھوڑ دے اور اگر احراری ہم سب کو بھی قتل کر دیں گے تو ہم کبھی حکومت کا شکوہ نہیں کریں گے"۔

مرزا معراج الدین صاحب نے کہا کہ میں خود اس مضمون کی طرف آنا چاہتا تھا۔ میں نے سنا ہے کہ آپ نے باہر سے کچھ آدمی بلوائے ہیں؟ اور ایک ایسی تحریر حضور کو دکھائی۔ حضرت اقدس نے جواب دیا کہ "میں نے ایسی ہدایت آج بارہ بجے دوپہر جاری کی ہے۔ آپ تک یہ کیسے پہنچ گئی؟" پھر حضرت مرزا شریف احمد صاحب سے پوچھا کہ آپ کے پاس میری ہدایت پہنچی ہے؟ اس پر انہوں نے جیب سے اصل ہدایت جس پر تاریخ اور وصولی کا وقت بھی درج تھا نکال کر دکھادی۔ مرزا معراج الدین صاحب نے کہا کہ اگر میں اپنے طور پر سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس اور ڈپٹی کمشنر صاحب سے مل کر پولیس کا خاطر خواہ انتظام کرادوں تو کیا پھر بھی آپ کو باہر سے آدمی بلانے کی ضرورت ہوگی؟ حضور نے فرمایا کہ یہاں کی مقامی پولیس کو تو میں احراریوں سے بھی بدتر سمجھتا ہوں ان لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ اگر ہم میں سے کسی کو احراری قتل بھی کردیں تو پولیس والے یہی کہیں گے کہ ان کے پچاس آدمی احرار پر حملہ آور ہوئے تھے اور انہوں نے خود حفاظتی کے طور پر قتل کردیا ہے اور اس طرح ہمارے ہی آدمیوں کو گرفتار کریں گے انہوں نے کہا کہ میں یہ انتظام کرانے کی کوشش کروں گا کہ انگریز افسر یہاں رہے اور اس کے ساتھ آپ کا ایک آدمی رہے۔ آپ مرزا شریف احمد صاحب کو میرے ساتھ بھیج دیں۔ میں ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس سے بات چیت کرلوں اور اگر وہ یہ تجویز منظور کرلیں تو آپ یہ حکم جاری نہ کریں۔

حضرت امیرالمومنین ؓ نے اس سے پوری طرح اتفاق کیا۔ اور حضرت صاحبزادہ صاحب ؓ کو ان کے ساتھ جانے کے لئے ارشاد فرمایا۔ مگر شام کے وقت حضور کو اطلاع پہنچی کہ صاحبزادہ صاحب ابھی قادیان میں ہی ہیں۔ حضور نے صبح سویرے ہی ان کو بلوا بھیجا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے بتایا کہ معراج الدین صاحب کہہ گئے ہیں کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کے ہاں آج شب میرا کھانا ہے۔ گیارہ بارہ بجے اگر کھانے سے فارغ ہوئے تو اس وقت کیا باتیں ہوں گی۔ میں خود ہی ان سے بات چیت کرکے آپ کو مطلع کردوں گا۔ اور جب آپ کو اطلاع پہنچ جائے کہ آپ کے حسب منشاء تسلی بخش انتظامات ہوگئے ہیں تو آپ باہر سے آدمی نہ بلائیں۔

اس کے ساتھ ہی حضرت صاحبزادہ صاحب ؓ نے یہ بھی عرض کیا کہ مرزا معراج الدین صاحب کے جانے کے بعد ایک غلطی معلوم ہوئی ہے اور وہ یہ کہ قائم مقام ناظر امور عامہ نے از خود ضلع گورداسپور کی بعض جماعتوں کے ذمہ کچھ تعداد لگائی ہے۔ کہ اتنے آدمی یہاں بھیج دیں۔ حضور نے فرمایا۔ یہ تو بڑی غلطی ہوئی ہے ناظر امور عامہ کو چاہئے تھا کہ جب اس کام کو ان کے صیغہ سے علیحدہ کرکے اس کے لئے ایک علیحدہ افسر مقرر ہوچکا ہے تو وہ خود دخل نہ دیتے۔ بہرحال حضور نے ارشاد

فرمایا کہ مرزا معراج الدین صاحب کو اس غلطی کی فوراً اطلاع دی جائے۔

افسران حکومت کو ایک خصوصی اطلاع

یہ ہدایت دینے کے بعد حضورؓ فیروز پور تشریف لے گئے اور اسی تاریخ یعنی ۱۶۔اکتوبر ۱۹۳۴ء کو ایک خاص شخص کے ذریعہ سے مرزا معراج الدین صاحب کو اس غلطی کی اطلاع کردی گئی اور یہ بھی لکھ دیا گیا کہ ان کے وعدہ کے مطابق انتظام ہو جانے پر یہ سرکلر منسوخ کردیا جائے گا۔

حضور ابھی فیروز پور ہی میں تھے کہ ڈپٹی کمشنر صاحب اور سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس قادیان میں آئے اور حضرت چودھری فتح محمد صاحبؓ سیال ایم۔اے حضرت خان صاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ سے مبادلہ خیالات کیا۔ اور آخر ان سے قطعی اور غیر مشتبہ الفاظ میں یہ کہہ دیا گیا۔کہ ہم جاری شدہ سرکلر منسوخ کردیں گے۔ یہ ۱۶۔اکتوبر کی ڈاک کے جانے کے بعد کا واقعہ ہے پھر ۱۷۔اکتوبر کو پہلی ڈاک میں جماعتوں کو بھی اس فیصلہ کی اطلاع دے دی گئی۔ اور صاحب ڈپٹی کمشنر اور دوسرے حکام کو بھی! اور بالوضاحت لکھ دیا گیا۔ کہ ہم اس موقعہ پر باہر سے کوئی احمدی نہیں بلائیں گے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۱۷/ اکتوبر ۱۹۳۴ء کی شام کو قادیان واپس تشریف لائے راستہ میں حضور انور سے کئی احمدیوں نے عرض کیا کہ ہمارے قادیان پہنچنے کی نسبت کیا ارشاد ہے۔ حضور نے سب کو یہی جواب دیا کہ ہمیں اطمینان دلایا گیا ہے کہ پولیس کا انتظام کافی ہوگا۔ اس لئے ضرورت نہیں ہاں اگر پتہ لگا کہ گورنمنٹ خاطر خواہ انتظام نہیں کر رہی تو پھر اطلاع دے دی جائے گی۔

حکومت پنجاب کا ظالمانہ حکم

آٹھ نو بجے حضور قادیان پہونچے اور کھانے اور نماز سے فارغ ہو کر گیارہ بجے کے قریب بیٹھے تھے کہ کسی نے اطلاع دی کہ مجسٹریٹ صاحب علاقہ آئے ہیں۔ حضور نے مجسٹریٹ صاحب کو اندر بلا لیا۔ انہوں نے چیف سیکرٹری حکومت پنجاب (جی گاربٹ) کا یہ حکم نامہ نکال کر سامنے رکھ دیا۔

Order Under Section 3 (I) (d) of the Punjab Criminal Law (Amendment) Act, 1932.

Whereas the Punjab Government is satisfied that there are reasonable grounds for believing that you Mirza Bashir- ud- Din Mahmud Ahmad of Qadian in the district of Gurdaspur have been summoning persons to Qadian to be present at the conference convened by the Shoba Tabligh of the Majlis-i- Ahrar-i- Islam at or near Qadian to be held on or about the 21st to 23rd of October 1934 inclusive and where as your action in so doing is prejudicial to the public peace or safety, the Punjab Government now

directs you under section 3 (I) (d) of the Punjab Criminal Law (Amendment) Act 1932

(1) To cancel and revoke any summons sent by you or under your authority to any person to attend at Qadian on the dates aforesaid

(2) To abstain until after the 24th of October 1934 from summoning any person or persons to Qadian

(3) To abstain until after the 24th of October 1934 from promoting or convening any meeting in Qadian.

(4) To abstain until after the 24th of October 1934 from making arrangements for the reception at Qadian of any person called by you and from providing them with food and shelter.

Given under my hand this 17th day of October 1934

Sd.

G. GARBETT.
Chief Secretary to the
Government of Punjab
17- 10- 1934.

(ترجمہ) حکم زیر سیکشن ۳ (ا) (D) پنجاب کریمینل لاء امنڈمنٹ ایکٹ ۱۹۳۲ء۔ چونکہ پنجاب گورنمنٹ کو تسلی ہے اور چونکہ یہ باور کرنے کے لئے معقول قرائن موجود ہیں کہ تم میرزا بشیر الدین محمود احمد ساکن قادیان ضلع گورداسپور لوگوں کو قادیان بلا رہے ہو۔ اس غرض سے کہ وہ مجلس احرار کے شعبہ تبلیغ کی اس کانفرنس پر جو ۲۱ لغایت ۲۳/ اکتوبر یا اس کے قریب قادیان یا اس کے قرب و جوار میں کرنا چاہتے ہیں موجود ہوں اور چونکہ تمہارا یہ فعل امن عامہ میں خلل ڈالنے والا ہے اس لئے گورنمنٹ پنجاب تمہیں زیر دفعہ ۳ (ا) (D) پنجاب کریمینل لاء امنڈمنٹ ایکٹ ۱۹۳۲ء ہدایت کرتی ہے کہ

(۱) تم ایسے تمام دعوت ناموں کو جو ان تاریخوں پر لوگوں کو قادیان بلانے کے لئے تم نے بھیجے ہیں یا تمہارے زیر حکم بھیجے گئے ہیں منسوخ کر دو۔

(۲) ۲۴/ اکتوبر ۱۹۳۴ء تک کسی شخص یا اشخاص کو قادیان بلانے کی غرض سے کوئی دعوت نامہ مت بھیجو۔

(۳) ۲۴/ اکتوبر ۱۹۳۴ء تک نہ کوئی جلسہ قادیان میں کرو نہ جلسہ کرنے میں مدد ہو۔

(۴) ۲۴/ اکتوبر ۱۹۳۴ء تک کسی ایسے شخص کو جسے تم نے بلایا ہو قادیان میں استقبال کرنے یا اس کے کھانے اور رہائش کا انتظام کرنے سے محترز رہو۔

آج مورخہ ۱۷/ اکتوبر ۱۹۳۴ء میرے دستخط سے جاری ہوا۔ دستخط جی گاربٹ چیف سیکرٹری

گورنمنٹ پنجاب"۔ ۲۷۴

حضرت امیرالمومنینؓ کا باطل شکن جواب

حضور نے اس حکم نامہ پر حسب ذیل جواب مجسٹریٹ کو لکھ کر دے دیا۔

"مجھے گورنمنٹ کے حکم سے اطلاع ہوئی اور میں اپنے مذہب کے حکم اور سلسلہ کی روایات کی وجہ سے اس کی تعمیل کرنے پر مجبور ہوں ورنہ یہ حکم ایسا غیر منصفانہ اور ناجائز ہے کہ ایک شریف آدمی کے لئے یہ سمجھنا بھی مشکل ہے کہ ایک مہذب حکومت ایسا حکم کس طرح جاری کر سکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس فتنہ کو دیکھ کر کہ احرار قادیان میں ایک جلسہ کر رہے ہیں اور وہ علی الاعلان سلسلہ احمدیہ کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں ایک ہدایت دی تھی کہ جماعت احمدیہ کے کچھ لوگ سلسلہ کے مقدس مقامات کی حفاظت کے لئے جمع کر لئے جائیں۔ لیکن اس ہدایت کے جاری کرنے کے دو گھنٹہ بعد مرزا معراج الدین صاحب سی۔ آئی۔ ڈی میرے پاس آئے۔ اور میں نے خود ان کو اس ہدایت سے اطلاع دی اور انہوں نے کہا کہ میں پورا انتظام پولیس کا کرادوں گا۔ اس لئے آپ آدمی نہ بلوائیں اور ان کے کہنے کے مطابق اس ہدایت کا جاری کرنا منسوخ کر دیا گیا۔ اس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایک ایسی ہدایت جماعت کے کسی افسر نے بغیر میرے مشورہ کے پہلے سے جاری کی ہوئی ہے اور اسے بھی منسوخ کر کے جماعتوں کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ آدمی نہ بھیجیں۔ میں کل فیروز پور گیا تھا مجھ سے راستہ میں بعض احمدیوں نے پوچھا کہ کیا انہیں احرار کے جلسہ پر قادیان آنے کی اجازت ہے اور میں نے انہیں اس سے منع کیا۔ حکومت سے ایسے تعاون کرنے کے بعد اس قسم کے حکم کا بھجوا دینا حکومت کے وقار کو کھونا ہے اور حکومت کی مضبوطی نہیں بلکہ کمزوری کا موجب ہے اور مجھے افسوس ہے کہ حکومت نے اس قسم کے حکم کو جاری کر کے اس اعتماد کو نقصان پہنچایا ہے جو اس پر ملک معظم اور ان کی حکومت نے کیا تھا بہرحال چونکہ میرا مذہب مجھے وفاداری اور اطاعت کا حکم دیتا ہے میں اس حکم کی جس کی غرض سوائے تذلیل اور تحقیر کے کچھ نہیں پابندی کروں گا اور انشاء اللہ پوری طرح اس کی تعمیل کروں گا۔ باقی اس حکم کی نسبت آئندہ نسلیں خود فیصلہ کریں گی کہ اس کے دینے والے حق پر تھے یا نہ تھے۔ وافوض امری الی اللہ وھو احکم الحاکمین۔ خاکسار مرزا محمود احمد"۔ ۲۷۵

"احرار تبلیغ کانفرنس" کے لئے پولیس کی بھاری جمعیت

ادھر حکومت پنجاب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو یہ ظالمانہ اور جابرانہ نوٹس دیا۔ ادھر احرار کانفرنس کے لئے پولیس کی ایک بھاری جمعیت بھجوا دی چنانچہ اخبار "سٹیٹسمین" (STETESMAN) نے ۲۱/ اکتوبر ۱۹۳۴ء کے پرچہ میں لکھا۔

"مجلس احرار قادیان ضلع گورداسپور میں والنٹیر جمع کر کے بھیج رہی ہے جہاں احمدیت کی مخالفت کے لئے احرار کانفرنس کر رہے ہیں۔ قادیان جماعت احمدیہ کا مرکز ہے اور دونوں میں کشیدگی پائی جاتی ہے نقض امن کے خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے پنجاب گورنمنٹ نے تمام احتیاطی تدابیر اختیار کی ہیں۔ امرتسر سے ایک مجسٹریٹ دیوان ہرونش لال کو وہاں سپیشل ڈیوٹی پر متعین کیا گیا ہے۔ اور چار سو کی تعداد میں پولیس فورس بھیجی گئی ہے انسپکٹر جنرل پولیس اور کمشنر لاہور ڈویژن قادیان جا کر تمام انتظامات کا ملاحظہ کر آئے ہیں۔ ہر قسم کے اسلحہ جات حتیٰ کہ لاٹھیوں کا رکھنا بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ امرتسر اور بعض دیگر مقامات پر جب احمدیوں نے جلسہ کرنا چاہا تو احرار کی طرف سے فساد پیدا کیا جاتا رہا ہے اور ابھی گزشتہ موسم سرما کا ہی واقعہ ہے کہ امرتسر میں ایک درجن احمدیوں کو زخمی کر دیا تھا جبکہ وہ ایک جلسہ منعقد کر رہے تھے"۔ (ترجمہ)

احمدیوں کے "تبلیغ کانفرنس" میں جانے کی ممانعت

یہ کانفرنس اگرچہ جماعت احمدیہ کے خلاف کی جارہی تھی اور حکومت کے افسر اس کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ مگر جماعت احمدیہ نے اس موقعہ پر بھی قیام امن کی گزشتہ روایات قائم رکھتے ہوئے ارباب اقتدار سے تعاون کیا۔ حکومت کے افسروں نے حکم دیا کہ کسی احمدی کو احراری کانفرنس میں نہیں جانا چاہئے لہذا اس کے مطابق قادیان کے سب محلوں کے بورڈوں پر نہ صرف یہ تاکیدی ہدایت لکھ دی ئی بلکہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کے حکم سے یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ اس ہدایت کی خلاف ورزی کرنے والا شخص جماعت سے خارج کر دیا جائے گا۔ [۲۷۱]

حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی طرف سے صبر و تحمل کا مطالبہ

۱۹/ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو جمعہ تھا۔ اس روز حضرت امیر المومنین خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے احرار کانفرنس کے باعث پیدا شدہ صورت حال پر روشنی ڈالی اور جماعت سے صبر و تحمل کا مطالبہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ۔

"آپ لوگ احمدی کہلاتے ہیں۔ آپ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کی چیدہ جماعت ہیں۔ آپ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے مامور پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ آپ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے آپ نے اپنی جانیں اور اپنے اموال قربان کر رکھے ہیں اور آپ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ان تمام قربانیوں کے بدلے اللہ تعالیٰ سے آپ لوگوں نے جنت کا سودا کر لیا۔ یہ دعویٰ آپ لوگوں نے میرے ہاتھ پر دہرایا۔ بلکہ آپ میں سے ہزاروں انسانوں نے اس عہد کی ابتداء میرے ہاتھ پر کی ہے کیونکہ وہ میرے ہی زمانہ میں احمدی ہوئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تمہارے باپ۔

تمہارے بیٹے۔ تمہاری بیویاں۔ تمہارے عزیز و اقارب۔ تمہارے اموال اور تمہاری جائدادیں۔ تمہیں خدا اور اس کے رسول سے زیادہ پیاری ہیں تو تمہارے ایمان کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ ایک معمولی اعلان نہیں بلکہ اعلان جنگ ہو گا۔ ہر اس انسان کے لئے جو اپنے ایمان میں ذرہ بھر بھی کمزوری رکھتا ہے یہ اعلان جنگ ہو گا ہر اس شخص کے لئے جس کے دل میں نفاق کی کوئی بھی رگ باقی ہے۔ لیکن میں یقین رکھتا ہوں کہ ہماری جماعت کے تمام افراد الا ماشاء اللہ سوائے چند لوگوں کے سب سچے مومن ہیں اور اس وعدے پر قائم ہیں جو انہوں نے بیعت کے وقت کیا اور اس وعدے کے مطابق جس قربانی کا بھی ان سے مطالبہ کیا جائے گا اسے کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہیں گے۔ خطبہ جمعہ میں بولنا تو منع ہے لیکن اگر امام اجازت دے تو انسان بول سکتا ہے۔ پس میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ اس وعدے پر قائم ہیں جو آپ لوگوں نے میرے ہاتھ پر کیا؟ (چاروں طرف سے یقیناً ہم قائم ہیں اور لبیک کی آوازیں بلند ہوئیں) اس کے بعد میں آپ لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ جب آپ لوگ اپنی جانیں میرے ہاتھ پر فروخت کر چکے ہیں اپنے اموال میرے ہاتھ پر فروخت کر چکے ہیں تو اب ہر ایک وہ مطالبہ جو شریعت کے اندر کروں اس کے متعلق جماعت کے ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کو پورا کرے اور اگر کوئی اس مطالبہ کو پورا نہیں کرتا تو وہ منافق ہے احمدی نہیں۔

اس کے بعد سب سے پہلا مطالبہ جو میں آپ لوگوں سے کرتا ہوں اور جس کی آزمائش کے بعد دوسرا مطالبہ کروں گا۔ ۲۷۷ یہ ہے کہ یہاں ایک جلسہ ہونے والا ہے۔ اس جلسہ کے متعلق مجھے یقینی طور پر اطلاعات موصول ہوئی ہیں کہ یہ لوگ کوئی شورش اور فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔ پس میرا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ اگر واقعہ میں وہ اطلاعات درست ہیں جو مجھے موصول ہوئیں تو میں اپنی جماعت کے ہر شخص کو یہ حکم دیتا ہوں کہ خواہ وہ مارا اور پیٹا جائے اپنا ہاتھ کسی پر مت اٹھائے اور اپنی زبان مت کھولے بلکہ اگر وہ قتل بھی کر دیا جائے تو بھی اس کا حق نہیں کہ وہ اپنا ہاتھ اٹھائے اور اس کا حق نہیں کہ وہ اپنی زبان ہلائے۔ اگر ایسی حالت میں کوئی بھائی پاس سے گزر رہا ہو تو میں اسے بھی ہدایت کرتا ہوں کہ وہ ہرگز اس کی مدد نہ کرے۔ ہاں فوٹو کے لئے کیمرے موجود ہونے چاہئیں۔ جن لوگوں کے پاس یہاں کیمرے ہیں وہ اپنے کیمروں کو تیار کر لیں اور جو باہر سے منگوا سکتے ہیں وہ باہر سے منگوا لیں۔ جہاں کہیں وہ کوئی ایسی حرکت دیکھیں جس سے انہیں معلوم ہو کہ پولیس اور اس کے افسر اپنے فرائض کو ادا نہیں کر رہے تو ان کا فرض ہو گا کہ وہ اس حالت کا فوٹو اتار لیں۔ ہاتھ مت ہلائیں۔ زبان مت کھولیں۔ بلکہ کیمرے تیار رکھیں اور جب دیکھیں کہ پولیس اور اس کے افسر اپنی ذمہ داری کو ادا نہیں کر رہے یا احمدیوں پر ظلم و تعدی ہو رہا ہے تو فوراً اس حالت کا فوٹو اتار کر اسے محفوظ کر لیں"۔ ۲۷۸

اس خطبہ کے بعد مقامی حکام نے یہ انوکھا حکم بھی جاری کر دیا کہ احمدی اپنے پاس کیمرے نہ رکھیں ورنہ فساد ہو جائے گا۔ یہ حکم جیسا تھا ظاہر ہے لیکن حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے جو ہر قیمت پر امن و امان کی فضا قائم کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے احمدیوں کو کیمروں کے استعمال کی بھی ممانعت فرما دی۔ ۲۷۹

احرار کی تبلیغ کانفرنس پر ایک نظر

احرار کانفرنس جس کی نسبت کئی ماہ سے اندر ہی اندر تیاریاں کی جا رہی تھیں ۲۱/ اکتوبر ۱۹۳۴ء سے لے کر ۲۳/ اکتوبر ۱۹۳۴ء تک جاری رہی یہ کانفرنس حدود قادیان سے باہر موضع رجادہ ۲۸۰ میں منعقد ہوئی اور اس کے لئے آریوں نے ڈی۔اے وی سکول اس کا بورڈنگ اور متصل اراضیات بڑی فراخ دلی سے پیش کر دیں چنانچہ آریہ پریس نے فخریہ انداز میں لکھا کہ "ہم نے احراریوں کے لئے اپنی عمارتیں خالی کر دیں۔ کنواں کھول دیا اور ان کے بڑے بڑے راہنماؤں کو اپنے سکول میں ٹھہرایا"۔ ۲۸۱
کانفرنس میں شامل ہونے والوں کے اسٹیشن پر پہنچتے ہی پیادہ اور سوار پولیس انہیں اپنے پہرہ میں لے کر آریہ سکول تک پہنچا دیتی تھی۔ ۲۸۲ سید عطاء اللہ شاہ بخاری (صدر کانفرنس) بذریعہ لاری امرتسر سے سیدھے جلسہ گاہ میں پہنچے تھے۔ ۲۸۳ کانفرنس کے لئے ایک شامیانہ نصب تھا اور دکانوں اور رضا کاروں کے لئے چند چھولداریاں۔ اخبار "زمیندار" کی دکان بھی موجود تھی۔ جہاں ضمانت نمبر کے گٹھے رکھے ہوئے تھے ساتھ ہی "احسان" کی دکان تھی۔

اخبار "پیغام صلح" لاہور کے نامہ نگار خصوصی کا بیان ہے کہ "میں جلسہ گاہ کے احاطہ کے اندر داخل ہوا تو دیکھا تین چار جگہ رضا کار کھڑے نہایت گندے اور اخلاق سوز اشعار احمدیت کی مخالفت میں پڑھ رہے ہیں۔ ملانے ان کی بد زبانی پر پھولے نہیں سماتے۔ چند آریہ اور سکھ بھی ان کی حرکتوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ میں نے اپنے مختصر قیام میں ایسے مناظر متعدد مرتبہ دیکھے اس کے علاوہ جلسہ گاہ میں قدم قدم پر احمدیت کے خلاف نہایت گندہ بازاری لٹریچر فروخت ہو رہا تھا"۔ ۲۸۴

"جلسہ گاہ میں پھر صبح والا نظارہ دکھائی دیا۔ ہر طرف بد زبانی اور لفنگاپن کے اخلاق سوز نمونے نظر آئے۔ بازاری گیت' بیہودہ نعروں کی آوازیں چاروں طرف سے کانوں میں آ رہی تھیں...... جلسہ گاہ میں ایک پوسٹر تقسیم ہو رہا تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ چونکہ قادیانی اپنے جلسہ سالانہ پر سوال و جواب کا موقع نہیں دیتے۔ اس لئے کسی مرزائی کو جلسہ گاہ میں پوسٹر' اشتہارات اور پمفلٹ وغیرہ تقسیم کر کے ہمارے جذبات کو برانگیختہ کرنے کی ہرگز اجازت نہ ہو گی اور اگر قادیان کے مختلف راستوں پر کسی احمدی نے کسی قسم کے اشتہارات تقسیم کئے یا زبانی بحث و مباحثہ کیا تو نتائج کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے ...... احراریوں نے اس پوسٹر کی تقسیم پر ہی بس نہ کی بلکہ شوخ ۲۵۸ کی دریدہ دہنی کے بعد مجلس احرار

کے صدر مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی ایک زریں سیاہ جبہ پہنے ہوئے تشریف لائے اور تقریر کی کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کسی قادیانی نے ہمارے ہاں آکر ٹریکٹ تقسیم کئے ہیں اس لئے میں بحیثیت صدر مجلس احرار ہند تمام مرزائیوں' مرزا محمود اور افسران پولیس کو متنبہ کرتا ہوں کہ ہمارے احاطہ میں کوئی مرزائی نہ آئے ورنہ فساد ہو جائے گا۔ حبیب الرحمٰن صاحب کی اس حرکت سے اس نام نہاد تبلیغ کانفرنس کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے"۔ [۲۸۶]

"جلسہ گاہ میں نماز کا کوئی انتظام نہ تھا۔ میں ظہر کے وقت وہیں موجود تھا کسی احراری سرغنے کو نماز نہیں پڑھتے دیکھا...... باقی لوگوں نے بھی نماز کی طرف توجہ نہیں دی۔ جو نماز کے پابند تھے انہوں نے علیحدہ علیحدہ اپنی چھوٹی چھوٹی جماعتیں کرائیں۔ اکٹھی جماعت نہیں ہوئی"۔ [۲۸۷]

مولوی میر محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری جن کے نام اشتہار میں دیئے گئے تھے کانفرنس میں شامل نہیں ہوئے...... جس کی وجہ انہوں نے "اہلحدیث" میں شائع کرا دی تھی۔ [۲۸۸]

احرار کانفرنس میں آنے والوں میں کافی تعداد ان لوگوں کی تھی جنہیں قادیان دیکھنے کا شوق یہاں کھینچ لایا تھا۔ اگرچہ بہت کوشش کی گئی کہ لوگ احمدیوں کے پاس نہ جائیں ان کے دفاتر اور ادارے نہ دیکھیں حتیٰ کہ صدر کانفرنس نے بھی اس امر پر خاص زور دیا۔ لیکن اس کے باوجود بہت لوگ فرداً فرداً یا چھوٹی چھوٹی پارٹیوں میں مختلف اوقات میں آتے رہے کانفرنس کے ایام میں صبح سے لے کر شام تک سینکڑوں اشخاص کا سلسلہ کے دفاتر مساجد اور دوسرے مقامات مقدسہ میں تانتا لگا رہا۔ [۲۸۹] احمدی ہر آنے والے کا خیر مقدم کرتے اور ان کو تمام مقامات دکھاتے اور سلسلہ کا پیغام پہنچاتے رہے۔ بعض لوگوں کو سلسلہ کا لٹریچر بھی اپنی گرہ سے خرید کر دیا۔ بعض غیر احمدیوں نے خود بھی کتابیں خریدیں۔ کئی لوگوں کی زبان سے یہ بھی نکلا کہ ہم سنتے کیا تھے اور نکلا کیا ہے۔ [۲۹۰]

بعض اصحاب نے مزید تحقیق کے لئے سالانہ جلسہ پر شامل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ [۲۹۱] اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں میں سے بعض ایسے خوش قسمت بھی تھے جن کی سعید فطرتیں انہیں کچھ عرصہ بعد جماعت احمدیہ میں کھینچ لائیں چنانچہ جماعت احمدیہ کے موجودہ مفتی مولانا ملک سیف الرحمٰن صاحب فاضل (سابق جنرل سیکرٹری انجمن سیف الاسلام نیلہ گنبد لاہور) [۲۹۲] بھی انہیں خوش نصیبوں میں شامل ہیں۔ [۲۹۳]

کانفرنس کا اہتمام کرنے والوں نے نہ صرف دور دور تک سے چندہ وصول کیا تھا بلکہ گردونواح کے دیہات میں گھوم کر دیہاتیوں سے آٹا دانہ دال وغیرہ جو کچھ ملا اکٹھا کر لیا مگر اس کے باوجود احرار

کانفرنس کے پنڈال میں مسافروں کے کھانے وغیرہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ تنور والوں کی چند ایک دکانیں ضرور تھیں۔ مگر پیسے خرچ کرنے کے باوجود خاطر خواہ کھانا میسر نہ آتا تھا اور غالباً یہی وجہ تھی کہ کئی لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لنگر خانہ کا رخ کرتے اور وہاں سے کھانا کھاتے رہے۔ منتظمین لنگر خانہ ان آنے والے معزز مہمانوں کو حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی کا پورا کرنے والا یقین کرتے اور ان کی خاطر تواضع میں مصروف رہتے۔ احرار کی طرف سے عام مہمانوں کے لئے سونے کا بھی کوئی انتظام نہیں تھا اور چونکہ پولیس کی طرف سے رات کے وقت شہر میں آنا ممنوع تھا۔ اس لئے بہت سے لوگ شہر سے باہر احمدیوں کے اینٹوں کے بھٹوں پر آگ تاپ تاپ کر صبح کرتے رہے۔ بعض لوگ دور و نزدیک کے احمدی رشتہ داروں اور واقفوں کے یہاں قیام پذیر ہوئے۔ [۲۹۴]

جماعت احمدیہ کے اس پرامن رویہ کے مقابل بعض شوریدہ سر لوگ اس موقعہ پر احمدیوں کے گھروں میں گھس آئے بلکہ خود حضور کی کوٹھی "دار الحمد" کے احاطے میں بھی داخل ہو گئے۔ مگر کسی نے ان سے کچھ نہ کہا حالانکہ کسی کے گھر میں داخل ہونے والوں پر قانونی گرفت کی جا سکتی تھی۔ [۲۹۵]

جیسا کہ ذکر آچکا ہے اس موقعہ پر حکومت کی طرف سے پولیس کا خاصا انتظام تھا۔ چار سو کی تعداد میں پولیس متعین کی گئی جس کی نگرانی کے لئے پولیس افسروں اور دیگر حکام کا عملہ مقرر تھا۔ ایک دستہ سوار پولیس اور کئی دستے مسلح پولیس کے بھی تھے۔ مسٹر شری نگیش ڈپٹی کمشنر کا کیمپ (قادیان سے ۳۔۴ میل کے فاصلہ پر) ہرچووال میں تھا اور قادیان کے انتظام کی براہ راست نگرانی مسٹر بیٹ صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ہاتھ میں تھی۔ [۲۹۶]

اشتعال انگیزی کا افسوسناک مظاہرہ

"تبلیغ کانفرنس" کے عمومی کوائف پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ "احرار تبلیغ کانفرنس" شروع سے لے کر آخر تک جماعت احمدیہ کے خلاف اشتعال پھیلانے کے لئے وقف رہی۔ چنانچہ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے (ہائیکورٹ کے جج کے الفاظ میں) "کئی ہزار کے مجمع میں پانچ گھنٹہ تک تقریر کی...... جس میں قادیانیوں ان کے رہنماؤں اور ان کی جماعت پر دشنام آمیز گندی زبان میں شدید حملے کئے"۔ [۲۹۷] شاہ صاحب کی اس طویل تقریر کا خلاصہ سیشن جج گورداسپور کے الفاظ میں یہ تھا کہ "اس نے اس اجلاس میں ایک جوش انگیز خطبہ دیا۔ اس کی تقریر کئی گھنٹوں تک جاری رہی۔ بتایا گیا کہ حاضرین تقریر کے دوران میں بالکل مسحور تھے...... اس کے دل میں مرزا اور اس کے معتقدین کے خلاف جو نفرت کے جذبات موجزن تھے ان پر پردہ ڈالنے کی اس نے کوشش نہ کی ...... اور اس کی تقریر کے سات اقتباسات درج ہیں۔

۱- فرعونی تخت الٹا جا رہا ہے - انشاء اللہ یہ تخت نہیں رہے گا۔
۲- وہ نبی کا بیٹا ہے - میں نبی کا نواسہ ہوں - وہ آئے تم سب چپ چاپ بیٹھ جاؤ - وہ مجھ سے اردو پنجابی فارسی میں ہر معاملہ میں بحث کرے - یہ جھگڑا آج ہی ختم ہو جائے گا - وہ پردے سے باہر آئے - نقاب اٹھائے - کشتی لڑے - مولیٰ علی کے جوہر دیکھے - وہ ہر رنگ میں آئے - وہ موٹر میں بیٹھ کر آئے - میں ننگے پاؤں آؤں وہ ریشم پہن کر آئے - میں گاندھی جی کی کھلاڈی کھدر شریف - وہ مزعفر - کباب - یاقوتیاں اور ریلو مرکی ٹانک وائن اپنے ابا کی سنت کے مطابق کھا کر آئے اور میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھا کر آؤں۔
۳- یہ ہمارا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ یہ برطانیہ کے دم کٹے کتے ہیں وہ خوشامد اور برطانیہ کے بوٹ کی ٹو صاف کرتا ہے - میں تکبر سے نہیں کہتا بلکہ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھ کو اکیلا چھوڑ دو - پھر بشیر کے اور میرے ہاتھ دیکھو - کیا کروں لفظ تبلیغ نے ہمیں مشکل میں پھنسا دیا ہے - یہ اجتماع سیاسی اجتماع نہیں ہے او مرزائیو! اگر باگیں ڈھیلی ہوتیں - میں کہتا ہوں اب بھی ہوش میں آؤ - تمہاری طاقت اتنی بھی نہیں جتنی پیشاب کی جھاگ ہوتی ہے۔
۴- جو پانچویں جماعت میں فیل ہوتے ہیں وہ نبی بن جاتے ہیں ہندوستان میں ایک مثال موجود ہے کہ جو فیل ہوا وہ نبی بن گیا۔
۵- او مسیح کی بھیڑو! تم سے کسی کا ٹکراؤ نہیں ہوا - جس سے اب سابقہ ہوا ہے یہ مجلس احرار ہے اس نے تم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ہے۔
٦- او مرزائیو! اپنی نبوت کا نقشہ دیکھو - اگر تم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو نبوت کی شان تو رکھتے۔
۷- اگر تم نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو انگریزوں کے کتے تو نہ بنتے۔ [۲۹۸]

کانفرنس میں سر فضل حسین صاحب اور چودھری ظفر اللہ خان صاحب کے خلاف قرارداد بھی پاس کی گئی جو مشہور کانگریسی عالم "قومیت متحدہ" کے علمبردار اور "ملت از وطن است" کے حامی مولوی حسین احمد صاحب مدنی نے پیش فرمائی - اس قرارداد کے آخری فقرات یہ تھے۔

"اس کانفرنس کی رائے میں حکومت کے اس فیصلہ میں کہ وائسرائے کی مجلس منتظمہ میں مسلمانان ہند کے شدید احتجاج کے باوجود چودھری ظفر اللہ کو مقرر کیا جائے سر فضل کے مشورہ اور مساعی کو بڑا دخل ہے جو اسلام کے ساتھ کھلی ہوئی غداری ہے - یہ کانفرنس سر فضل حسین کے اس فعل کو نہایت نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے اور اس کے خلاف اپنے عدم اعتماد کا اظہار کرتی ہے"۔ [۲۹۹]

اس قرارداد کی تائید میں مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے کہا - "ہماری اس ساری

مصیبت کا سبب میاں سر فضل حسین کی سیاست ہے میاں صاحب نے مختلف حیلوں سے مسلمانان ہند کی سیاست تباہ کی۔ اب وہ ان کا مذہب تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ لیکن مسلمان اب بیدار ہو چکے ہیں وہ میاں صاحب کو اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہونے دیں گے"۔ [۲۰۰]

مولوی ظفر علی خان صاحب نے ایک لمبی اور پر جوش تقریر میں کہا کہ۔

"میں کونسلوں، میونسپلٹیوں اور اسمبلی میں داخلہ کا سخت مخالف ہوں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے ادارہ میں مرزائی نظر نہ آئیں۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے ووٹوں پر کوئی ممبر مرزائی نہ ہو۔ ان دجالوں کا پورا پورا بائیکاٹ کرنا چاہئے۔ آج مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس میں مرزائیوں کی کثرت ہے۔ مسلم کانفرنس کا صدر سر فضل حسین مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے والا اور ظفر اللہ قادیانی کا تقرر کرنے والا ہے۔ مسلمانو! ان مار آستین جماعتوں سے بچو۔ اور ان فریب کار جماعتوں کو اپنا نمائندہ نہ سمجھو اور نہ یہ جماعتیں مسلمانوں کی نمائندہ ہو سکتی ہیں لہذا میں حکومت کو ان ستر ہزار فرزندان توحید کی طرف سے بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت صرف احرار ہے۔ اور کوئی نہیں ہو سکتی"۔ [۲۰۱]

اخبار "سیاست" اور "تبلیغ کانفرنس"

اخبار "سیاست" نے احرار کانفرنس پر مندرجہ ذیل نوٹ لکھا۔

"تبلیغ کے معنے آج تک تو یہ سمجھے جاتے تھے کہ محبت اور آشتی سے دلائل پیش کر کے کسی کو اپنا ہم خیال بنایا جائے لیکن تبلیغ کے یہ معنے کہ کسی گروہ کو گالیاں دے کر مشتعل کیا جائے۔ اب احرار کی مہربانی سے واضح ہوئے ہیں۔ چونکہ ہم قادیان میں احرار کی تبلیغ کانفرنس کے انعقاد کو مفاد ملت کے خلاف سمجھتے تھے اور اس کو انتخاب اسمبلی کا پروپاگنڈہ جانتے تھے۔ لہذا اس کے اعلان میں ہم نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ ہمارا نمائندہ وہاں موجود تھا اور اس کی رپورٹ بھی موصول ہوئی۔ لیکن اس خیال سے کہ اس کی اشاعت احرار کی اکثر غلط بیانیوں کا پول کھول دے گی۔ اور ہم میں اور ان میں غیر ضروری کشمکش پیدا کر دے گی اس لئے اس کو بھی شائع نہیں کیا گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ ہماری اس روش کی غلط تاویل کی جا رہی ہے اور ہم یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ۔

(۱) قادیان میں جو کانفرنس تبلیغ کے نام سے منعقد ہوئی۔ اس میں احرار کے نامور لیڈروں کے سوا کوئی ذی عزت مسلمان شامل نہیں ہوا۔

(۲) حاضرین کی تعداد روز اول ۱۵ ہزار کے قریب تھی اس کے بعد حاضری بہت کم ہو گئی آخر میں ۵ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ [۲۰۲]

احمدیوں کی طرف سے صبر و تحمل کا بے مثال مظاہرہ

اگرچہ کانفرنس میں اشتعال انگیزیوں کی حد ہو گئی۔ مگر خدا کے فضل سے کانفرنس کے دوران قادیان میں کوئی ناگوار واقعہ پیش نہیں آیا جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا۔

"باوجود اشتعال انگیزی کے....... انہوں نے صبر و تحمل سے کام لیا اور سوائے شاذ و نادر کے یا سوائے کسی غلط فہمی کے پیدا ہو جانے کے ان کی طرف سے کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو میرے لئے موجب شرمندگی اور ان کے لئے موجب پریشانی ہو بے شک ہم ان دنوں میں نہتے تھے۔ بے شک حکومت نے اپنے زور اور طاقت سے باوجود اس کے کہ یہ ہمارا گھر تھا ہمیں خود حفاظتی کی تدابیر سے محروم کر دیا تھا۔ پھر بھی میں جانتا ہوں کہ ہماری جماعت کے سچے اور مخلص ممبر خدا تعالیٰ کے فضل سے شیر ہیں اور شیر بغیر ہتھیاروں کے ہی لڑا کرتا ہے میں نے سلسلہ کے مصالح کے لحاظ سے آپ کی زبانیں بند کر دی تھیں۔ آپ کے ہاتھ باندھ دیئے تھے۔ لیکن باوجود اس کے میں جانتا ہوں کہ آپ کے دل اخلاص اور اس محبت کے وفور کی وجہ سے جو آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات اور سلسلہ سے ہے ایسے جوش سے پر تھے کہ جس کے سامنے دنیا کی کوئی دیوار اور کوئی قلعہ ٹھہر نہیں سکتا۔ آپ کی فرمانبرداری ذلت اور بے چارگی کی فرمانبرداری نہیں تھی بلکہ طاقت کے ساتھ فرمانبرداری تھی"۔ ۲۰۳

"تبلیغ کانفرنس" پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا حقیقت افروز تبصرہ

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۶/ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو ایک پر شوکت خطبہ جمعہ میں کانفرنس پر مفصل تبصرہ کرتے ہوئے بتایا کہ۔

"حقیقت یہ ہے کہ یہ تبلیغی جلسہ نہ تھا اور یہ ایسی واضح بات ہے کہ گورنمنٹ کے لئے بھی اس کا سمجھنا مشکل نہ تھا۔ کیونکہ اس کا حکم تھا اور اس نے ہم سے مطالبہ کیا تھا کہ کوئی احمدی ان کے جلسے میں نہ جائے اور تبلیغ ہمیشہ دوسروں کو کی جاتی ہے۔ اگر احمدیوں کو وہاں جانے کی ہی اجازت نہ تھی تو تبلیغ کسے کرنی تھی؟ حکومت کا ہم سے یہ مطالبہ کرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ تسلیم کرتی ہے کہ یہ تبلیغی جلسہ نہ تھا۔ پھر جلسہ کی دوسری غرض تربیت ہوتی ہے تربیت کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ کوئی بڑا عالم اس جگہ ہو یا وہ اس تحریک کا مرکز ہو۔ لوگ ایک وقت میں وہاں جمع ہوں اور اکٹھے فائدہ اٹھا سکیں۔ اور ایک مقررہ وقت پر آکر باتیں سن جائیں جیسا کہ ہمارا جلسہ سالانہ ہوتا ہے۔ یہاں خلیفہ وقت۔ دوسرے ذمہ دار کارکن اور لیڈر رہتے ہیں جو جماعت کو اپنے اپنے خیالات تعلیمی سے مستفید کرتے ہیں۔ خلیفہ ساری

جماعت تک نہیں پہنچ سکتا۔ علماء نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے ایک موقع پر سب لوگ آکر جمع ہو جاتے اور سن جاتے ہیں لیکن یہاں ان کا کوئی عالم نہ تھا سننے والے اور سنانے والے سب باہر سے آئے تھے۔ اور اس صورت میں وہ زیادہ آسانی کے ساتھ لاہور یا امرتسر میں جلسہ کر سکتے تھے۔ لوگ یہاں امرتسر' لاہور' جالندھر وغیرہ شہروں سے آئے۔ بعض پشاور اور ملتان وغیرہ دور کے مقامات سے بھی محدود تعداد میں شریک ہوئے لیکن یہاں وہ کس کی تقریریں سننے آئے تھے۔ ماموں کشمیری کی۔ نورے کشمیری کی۔ عزیز کشمیری کی۔ قادیان کا کونسا وہ باشندہ ہے جس کی تقریریں سننے کے لئے آئے تھے مولوی عطاء اللہ صاحب امرتسر میں مولوی ظفر علی صاحب اور مولوی مظہر علی صاحب لاہور میں مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانہ میں رہتے ہیں۔ انہیں لوگوں نے تقریریں کیں اس لئے اس اجتماع کے لئے بہترین جگہ لاہور یا امرتسر ہو سکتی تھی۔ اگر وہاں جلسہ ہوتا تو ۲۰-۲۵ ہزار لوگ بھی جمع ہو سکتے اور اس طرح تعلیم و تربیت بھی اچھی طرح ہو سکتی تھی۔ اور بہ نسبت قادیان کے رہائش اور طعام کا انتظام بھی بخوبی ہو سکتا تھا پس سوال یہ ہے کہ جب تقریریں کرنے والے اور سننے والے دونوں باہر سے آئے تو جلسہ یہاں کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ یہ ایک ایسی عام بات ہے کہ حکومت اسے بخوبی سمجھ سکتی ہے جس صورت میں لیکچرار اور سامعین دونوں باہر سے آئے اور جس صورت میں کہ انتظام کا بھی مقامی لوگوں پر انحصار نہ تھا۔ اس جلسہ کی غرض نہ تو تعلیمی ہو سکتی ہے نہ تبلیغی اور گورنمنٹ نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کیونکہ ہمیں وہاں جانے سے روک دیا گیا اور سننے سنانے والے دونوں باہر سے آئے پس ان لوگوں کا یہاں آنا سوائے فساد کے کسی اور غرض سے نہیں ہو سکتا۔ ہم جو جلسے کرتے ہیں وہ تبلیغی ہوتے ہیں ہم کبھی یہ نہیں کہتے کہ پولیس مقرر کرو کوئی ہماری تقریریں سننے نہ آئے۔ بلکہ ہمارا ڈھنڈورہ یہ ہوتا ہے کہ لوگو آؤ اور سنو اور سمجھو لیکن ان کا ڈھنڈورہ یہ تھا کہ ہرگز نہ آؤ۔ پس ہمارے جلسوں کے اغراض واضح ہیں مگر ان کا یہ حال تھا کہ ایک گاؤں سٹکوہا کو ایک احمدی نوجوان جا رہا تھا۔ کیونکہ سٹکوہا جانے کا وہی راستہ ہے اس کی جیب میں دو اشتہار تھے جنہیں دیکھ کر ان لوگوں نے جو قادیان فتح کرنے آئے تھے شور مچا دیا کہ یہ ٹریکٹ تقسیم کر رہا ہے۔ فرض کرو وہ شخص ٹریکٹ ہی تقسیم کرنے کے لئے گیا تھا لیکن اگر ان کی غرض تبلیغ ہوتی تو وہ اس پر اس قدر شور نہ مچاتے بلکہ خوش ہوتے کہ ایک آدمی آگیا ہے جسے ہم تبلیغ کر سکیں گے۔ مگر انہوں نے تو شور مچا دیا کہ کیوں آیا ہے۔ اسی طرح گورنمنٹ کا حکم تھا اور اعلان تھا کہ وہ لوگ احمدیوں کے محلوں میں نہ آئیں لیکن ہماری طرف سے ایسا کوئی اعلان نہ تھا وہ لوگ برابر آتے رہے اور ہمارے سب آدمی مقرر تھے کہ آنے والوں کے ساتھ پھریں۔ انہیں اپنے ادارات دکھائیں اور حسب موقع تبلیغ بھی کریں پس یہ ثابت ہے کہ ان کا یہ جلسہ نہ تو تبلیغی تھا نہ

تعلیمی۔ صرف فساد کے لئے تھا"۔ ۲۰۴

مجسٹریٹوں کی مجرمانہ خاموشی

اس سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے حکومت کے بے انصاف افسروں کے رویہ پر سخت تنقید کی اور فرمایا۔

۔ "پولیس تو صرف سوٹے کی طرح ہوتی ہے دماغ مجسٹریٹ ہوتے ہیں ان کے سامنے ہتک آمیز اور اشتعال انگیز تقریریں ہوئیں۔ بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ الصلوۃ والسلام اور جماعت کے دوسرے لیڈروں کے متعلق بہت بدزبانی کی گئی۔ مگر انہوں نے ہرگز نہیں روکا۔ مذہبی حملوں کو اگر جانے بھی دیا جائے تو ذاتی حملے اس قدر تھے کہ مجسٹریٹوں کو اس طرف توجہ کرنی چاہئے تھی۔ پولیس اور غیر جانبدار رپورٹروں کی رپورٹوں کو بھی اگر نظرانداز کر دیا جائے۔ تو بھی خود ان کے اخباروں میں تقریروں کے جو اقتباس شائع ہوئے ہیں انہیں دیکھ کر کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے اشتعال انگیزی نہیں کی اور مجسٹریٹوں نے اپنے فرض کو ادا کیا ہے میں نے خود اخبار "احسان" یا "زمیندار" دونوں میں سے کسی ایک میں پڑھا ہے کہ صدر کانفرنس نے کہا کہ لاؤ مجھے اور مرزا بشیرالدین محمود کو ایک کمرے میں بند کر دو۔ اگر صبح تک وہ زندہ رہ جائے تو کہنا اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی مجسٹریٹ جس میں شرافت کی کوئی حس باقی ہے یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ اشتعال انگیزی نہیں۔ کیا یہ صریح قتل کی دھمکی نہیں؟ کیا یہ الفاظ بھی ان کی سمجھ میں نہیں آسکتے تھے؟ مگر نہیں ان کے دل خوش تھے کہ احمدیوں کی ہتک کی جارہی ہے اور ان پر الزام لگائے جارہے ہیں۔ پھر مجھے حیرت ہے کہ وہی مجسٹریٹ سٹیشن پر یہ کہتا ہوا پایا گیا کہ دونوں فریق میں TOLERANCE (رواداری) نہیں ہے۔ گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خواہ ہمیں مارتے گالیاں دیتے پھریں ہمیں انہیں اپنے گھروں میں لاکر ٹھہرانا چاہئے تھا۔ اور اپنے مقدس مقامات گرانے کے لئے ان کے حوالہ کر دینے چاہئے تھے تب ہم اس کے نزدیک روادار کہلا سکتے تھے۔ اگر کوئی شخص اس مجسٹریٹ کے منہ پر مکا مارے اور اس کے مکان پر جاکر اس کے ماں باپ کو گالیاں دے تو پھر میں دیکھوں کہ اس میں کتنی رواداری ہے"۔ ۲۰۵

حضرت امیرالمومنینؓ کا درس اطاعت

اگرچہ کانفرنس کے دوران احمدیوں نے فرمانبرداری اور امن پسندی کا بے نظیر نمونہ دکھایا تھا مگر کانفرنس کے بعد سخت خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ جماعت کا کوئی فرد حضورؓ کی مسلسل تاکید کے باوجود کوئی خلاف آئین حرکت نہ کر بیٹھے۔ اس خدشہ کے پیش نظر حضورؓ نے ۲۶/ اکتوبر ۱۹۳۴ء کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا۔

"دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔ اول ہر شخص جو سلسلہ میں داخل ہے جس نے میرے ذریعہ حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام' آپ کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی اور ان کے ذریعہ خدا کی بیعت کی ہے وہ اپنی جان مال' عزت آبرو' اولاد' جائداد غرضیکہ ہر چیز خدا' رسول اور اس کے نمائندوں کے لئے قربان کر چکا ہے اور اب کوئی چیز اس کی اپنی نہیں۔ میں یہ کھول کر بتا دینا چاہتا ہوں کہ جس کے دل میں بیعت کے اس مفہوم کے متعلق ذرہ بھی شبہ ہے وہ اگر منافق کہلانا نہیں چاہتا۔ تو وہ اب بھی بیعت کو چھوڑ دے۔ جس بیعت میں نفاق ہو وہ کسی فائدہ کا موجب نہیں ہو سکتی۔ بلکہ وہ ایک لعنت ہے جو اس کے گلے میں پڑی ہوئی ہے پس جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس نے میری بیعت کسی شرط کے ساتھ کی ہوئی ہے اور کوئی چیز اس کی اپنی باقی ہے اور اس کے لئے میری اطاعت مشروط ہے وہ میری بیعت میں نہیں اور میں تمام کے سامنے اور پھر اخباروں میں اس خطبہ کی اشاعت کے بعد ان لاکھوں لوگوں کو جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں رہتے ہیں صاف صاف الفاظ میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر کسی کے دل میں کوئی استثنیٰ باقی ہے تو میں اسے اپنی بیعت میں نہیں سمجھتا۔ میرا خدا گواہ ہے اور آپ لوگ جو سن رہے ہیں آپ بھی گواہ ہیں کہ میں نے یہ بات پہنچا دی ہے۔ کیا پہنچا دی ہے؟ (اس پر چاروں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں کہ ہاں پہنچا دی ہے) میرا خدا گواہ ہے اور آپ لوگ مقر ہیں کہ میں نے یہ بات پہنچا دی ہے کہ مشروط بیعت کوئی بیعت نہیں۔ بیعت وہی ہے جس میں ہر چیز قربان کرنے کے لئے انسان تیار ہو۔ پس میرا ہر حکم جو خدا تعالیٰ کے احکام کے ماتحت ہو اور جس کے خلاف کوئی نص صریح موجود نہ ہو اسے ماننا آپ کا فرض ہے جب اجتہاد کا معاملہ آجائے تو وہی اجتہاد صحیح ہو گا جو میرا ہے اور اس میں لازماً پابندی کرنا آپ کا فرض ہے سوائے اس کے کہ کوئی مجھے مشورہ دے دے باقی تعمیل میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا۔

دوسری چیز یہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں خدا' رسولؐ اور اس کے نمائندوں کی اطاعت کا حکم ہے وہیں اولی الامر کی اطاعت بھی ضروری قرار دی گئی ہے اور ان کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے متواتر یہ تعلیم دی ہے۔ آپ کی کوئی کتاب نہیں جس میں آپ نے یہ حکم نہ دیا ہو اور میں جس قدم پر آپ لوگوں کو لے جانا چاہتا ہوں وہ ایسا جوش پیدا کر دینے والا ہے کہ ممکن ہے کسی کو حکومت کی اطاعت میں بھی کوئی شک پیدا ہو جائے۔ پس اگر کوئی اس سے آگے نکل جائے یا شبہ کرے تو وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی نافرمانی کرنے والا ہو گا۔ اگر ہمیں یہ قدم اٹھانا پڑا تو بالکل ممکن ہے ایک وقت تمہیں تلوار کی دھار پر چلنا پڑے۔ ایک طرف تو میری اطاعت کے متعلق ذرا سی خلش بیعت سے خارج کر دینے والی ہو گی اور دوسری طرف ذرا سا عدوان جو حکومت کی اطاعت سے برگشتہ کر دے تمہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی تعلیم سے منحرف

کر دے گا۔ ان دونوں حدود کے اندر رہتے ہوئے تمہیں ہر قسم کی قربانی کرنی ہو گی اور سلسلہ کے وقار کو قائم کرنے کے لئے ہر ایک جدوجہد کرنی پڑے گی"۔ [۲۰۱]

پھر فرمایا۔

"غرض دو فرمانبرداریاں ہیں جن کا میں مطالبہ کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک تو ساری دنیا کو متحد کرنے والی ہے اور دوسری وقتی اور حالات کے مطابق بدلتی رہنے والی ہے۔ پہلی فرمانبرداری میری ہے جو خدا اور اس کے رسول کے ماتحت ہے کیونکہ میں صرف ہندوستان کے لوگوں کا ہی خلیفہ نہیں۔ میں خلیفہ ہوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اور اس لئے خلیفہ ہوں افغانستان کے لوگوں کے لئے عرب' ایران' چین' جاپان' یورپ' امریکہ' افریقہ سماٹرا' جاوا اور خود انگلستان کے لئے۔ غرض کہ کل جہان کے لوگوں کے لئے میں خلیفہ ہوں۔ اس بارے میں اہل انگلستان بھی میرے تابع ہیں دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جس پر میری مذہبی حکومت نہیں سب کے لئے یہی حکم ہے کہ میری بیعت کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں داخل ہوں لیکن دوسرا حکم وقتی ہے اور حالات کے ماتحت بدلتا رہتا ہے آج یہاں انگریزوں کی حکومت ہے اور اس کے وفادار ہیں لیکن کل یہ بدل گئی تو ہم اس نئی حکومت کے فرمانبردار ہوں گے اس کے بالمقابل خلافت نہیں بدل سکتی۔ اس وقت میں خلیفہ ہوں اور میری موت سے پہلے کوئی دوسرا خلیفہ نہیں ہو سکتا اور تمام دنیا کے احمدیوں کے لئے میری ہی اطاعت فرض ہے۔ ہندوستانیوں پر بھی میری اطاعت ویسی ہی فرض ہے جیسے اہل ایران یا اہل امریکہ یا دنیا کے کسی دوسرے ملک کے رہنے والوں پر لیکن ان کے لئے انگریزوں کی اطاعت فرض نہیں۔ اہل افغانستان پر میری اطاعت فرض ہے مگر انگریزوں کی نہیں۔ بلکہ ان کی جگہ اپنی حکومت کی اطاعت فرض ہے۔ اسی طرح اہل امریکہ پر میری اطاعت فرض ہے مگر انگریزوں کی نہیں۔ اس اطاعت میں احمدی متفرق ہیں۔ لیکن میری اطاعت پر سب متفق ہیں۔ افغان' ایرانی' ڈچ' شامی' مصری وغیرہ اپنے اپنے ہاں کی حکومتوں کے مطیع ہیں مگر وہ مرکزی نقطہ جس پر سب متفق ہیں وہ میری اطاعت ہے اس میں جو تفرقہ کرتا ہے وہ فاسق ہے اور جماعت کا ممبر نہیں"۔ [۲۰۲]

حکومت پنجاب کے غیر منصفانہ نوٹس کے خلاف حضرت امیرالمومنینؓ کا زبردست احتجاج

احرار کانفرنس کے سلسلہ میں حکومت پنجاب نے جو بے انصافیاں کی تھیں ان میں سب سے نمایاں وہ جابرانہ اور ظالمانہ نوٹس تھا جو اس کے چیف سیکرٹری نے سیکشن ۳ (۱) (D) پنجاب کریمنل لاء امنڈمنٹ ایکٹ ۱۹۳۲ء کے تحت جماعت احمدیہ کے مقدس قائد و راہ نما کو دیا۔ اس ایکٹ کی تمہید میں

لکھا ہے کہ یہ سول نافرمانی اور حکومت برطانیہ کو تہ و بالا کر دینے والی تحریکات کو روکنے کے لئے ہے۔ گویا بالفاظ دیگر حکومت پنجاب نے یہ الزام لگایا کہ حضرت امام جماعت احمدیہ سول نافرمانی کرنے یا حکومت برطانیہ کا تختہ الٹنے کی تحریک کرنے والے ہیں۔

حکومت کی یہ خلاف آئین اور تشدد آمیز کارروائی چونکہ آئندہ خطرناک فتنوں کا پیش خیمہ ہو سکتی تھی اور جماعت کے کسی افسر یا کسی کارکن کی کسی بات پر براہ راست خلیفہ وقت کو زیر الزام لانے کے لئے اسے ایک موثر بنیاد بنایا جا سکتا تھا۔ اس لئے کشتی احمدیت کے ناخدا اور خدا تعالیٰ کے اولوالعزم خلیفہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ ہر قسم کے عواقب و خطرات سے بے نیاز ہو کر سینہ سپر ہو گئے اور حکومت پنجاب کے اس نوٹس پر زبردست احتجاج کیا۔

چنانچہ حضور نے ۲۶/ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو مرزا معراج الدین صاحب کے قادیان آنے اور قادیان میں احمدیوں کے بلوائے جانے سے متعلق سرکلر کی منسوخی وغیرہ کے واقعات بڑے شرح و بسط سے بیان کرنے کے بعد فرمایا۔

"ان واقعات سے ظاہر ہے کہ اول میں نے جو ہدایت آدمی بلانے کے لئے دی تھی اس کے ماتحت احکام جاری ہی نہیں ہوئے اور اجراء سے قبل ہی ہدایت منسوخ کر دی گئی۔ (۲) ہمیں حکومت نے کبھی بھی آدمی بلانے سے منع نہیں کیا۔ اس لئے سول نافرمانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا...... (۳) جو دعوت جاری کی گئی وہ...... ناظر امور عامہ کی حیثیت سے تھی (۴) ناظر جتنے ہیں سب صدر انجمن کے ٹرسٹی ہیں اور اپنے اپنے محکمہ کے قانوناً بھی 'اخلاقاً بھی' مذہباً اور ہمارے نظام کی رو سے بھی پورے پورے ذمہ دار ہیں حتیٰ کہ نظام سلسلہ انہیں یہاں تک ذمہ دار قرار دیتا ہے کہ اگر کوئی ناظر خلیفہ وقت کے مشورہ سے بھی کوئی کام کرے۔ تب بھی ذمہ دار وہی ہے مشورہ پرائیویٹ سمجھا جائے گا۔ اور یہاں تک حکم ہے کہ اگر ناظر کوئی پرائیویٹ مشورہ لے تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ اور وہ اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کر سکتا۔ ساری ذمہ داری اسی پر ہے سوائے اس کے کہ خلیفہ کا تحریری حکم اس کے پاس موجود ہو۔ بلکہ یہاں تک اس بارہ میں پابندی ہے کہ اگر کوئی ناظر غفلت سے تحریری حکم نہ لے اور اس فعل کو خلیفہ کی طرف منسوب کر دے تو وہ اعتماد کو توڑنے والا اور مستوجب سزا ہو گا۔ اور ان تمام مذہبی اور قانونی ذمہ داریوں کے مطابق یہ امر واضح ہے کہ ناظر امور عامہ نے جو آرڈر دیا وہ اس کا ذاتی فعل تھا۔ مجھ سے اس میں مشورہ بھی نہیں کیا گیا تھا اور اگر کیا بھی جاتا تو بھی وہ بحیثیت ناظر کے نہیں بلکہ ذاتی فرد کی حیثیت سے ہوتا اور اگر کوئی نقصان ہو جاتا تو وہ میرا حوالہ بھی نہیں دے سکتا تھا۔ (۵) صدر انجمن ایک باقاعدہ رجسٹرڈ باڈی ہے اور وہ اس کے ماتحت براہ راست حکومت کے سامنے ذمہ دار ہے۔ (۶) یہ

امر ثابت ہے کہ آدمی خود حفاظتی کے لئے بلائے گئے تھے اور اس جگہ پر جہاں ان کا آنا مذہبی فرض ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہاں آنے کی بار بار تاکید کی ہے۔ اور اس سے حکومت کا روکنا مذہبی مداخلت ہے۔ اس جگہ ان کے جن کو بلایا گیا مقدس مقامات ہیں اور ان کی حفاظت کے لئے انہیں اس وقت بلایا گیا جب دشمن ان کے خلاف شورش کرنے کے لئے یہاں جمع ہوئے تھے۔ (۷) جونہی حکام نے انتظامات کی مضبوطی کا یقین دلایا۔ انہیں کہہ دیا گیا کہ آدمی نہیں بلائے جائیں گے۔ (۸) ۱۶/ اکتوبر کو گورداسپور کے حکام کو اس کا علم ہو گیا تھا وہاں ٹیلیفون اور ٹیلیگراف دونوں موجود ہیں لیکن ۱۷ کو تین بجے کی گاڑی سے ایک سپیشل انسپکٹر یہ احکام لے کر لاہور سے چلتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بیس گھنٹے کے وقفہ کے باوجود حکام ضلع گورداسپور نے پنجاب گورنمنٹ کو مطلع نہیں کیا تا حکومت اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوتی۔ ان کے لئے لازم تھا کہ ہمارے وعدہ کو حکام بالا تک پہنچا دیتے۔ (۹) حکومت کو علم تھا کہ سرکلر جاری کرنے والا ناظر ہے اور جیسا کہ مرزا معراج الدین صاحب نے بیان کیا وہ سرکلر یا اس کی نقل حکومت کے پاس پہنچ چکی تھی خواہ وہ قادیان سے گئی یا باہر سے۔ بہرحال حکومت کو اس کا علم تھا اور یہ بھی وہ جانتی تھی کہ اس کا جاری کرنے والا میں نہیں ہوں۔ (۱۰) اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ اس کا جاری کرنے والا میں ہی تھا یا اسے منسوخ کرنے سے انکار کر دیا گیا تھا تب بھی یہ سول نافرمانی یا حکومت کو تہ و بالا کر دینے والا جرم نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے پہلے کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا۔ ڈپٹی کمشنر وغیرہ حکام کی خواہش یہ تھی لیکن حاکم کی خواہش اور حکم میں فرق ہوتا ہے کیا گورنمنٹ اس عام بات کو بھی نہیں سمجھ سکتی کہ یہ قانون حکام کی خواہش کو نہیں بلکہ ان کے احکام کو رد کرنے کے مواقع کے لئے وضع کیا گیا ہے اس حکم کے بعد اگر انکار کیا جاتا۔ تو یہ البتہ سول نافرمانی کہلا سکتی تھی لیکن ایس۔ پی یا ڈی۔ سی کی خواہش پر انکار کرنا سول نافرمانی نہیں۔ اس صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ تعاون نہیں کیا گیا۔ مگر یہ حکومت کو تہ و بالا کرنے والی کوئی صورت نہیں اور اگر حکومت ایسا ہی سمجھتی ہے تو پھر ہمارے یہ شکوک صحیح ہیں کہ یہاں حکومت احراریوں کی ہے یہاں لوگوں کو کسی سرکاری چھاؤنی یا پولیس پر حملہ کرنے کے لئے نہیں بلایا گیا تھا۔ اگر مان لیا جائے کہ وہ حملہ کے لئے ہی بلائے گئے تھے تو وہ حملہ احراریوں پر ہو سکتا تھا اور جب تک حکومت یہ قرار نہ دے لے کہ وہ احراری ہے اور جو ان پر حملہ کرتا ہے وہ حکومت پر حملہ کرتا ہے اس وقت تک یہ نہیں کہہ سکتی کہ یہاں جو لوگ بلائے گئے وہ حکومت کو تہ و بالا کرنے کی غرض سے بلائے گئے تھے۔

ان تمام امور کی موجودگی میں حکومت پنجاب نے مجھے ایسا غیر منصفانہ نوٹس دیا اور ایسے قانون کے ماتحت دیا جس میں صاف لکھا ہے کہ یہ سول نافرمانی اور حکومت کا تختہ الٹنے کی سازشیں کرنے والوں

کے لئے ہے۔ پس حکومت نے سخت بے انصافی کی۔ جب اس نے (اول) اس شخص کو نوٹس دیا جس کی طرف سے سرکلر جاری نہیں ہوا تھا اور جاری کرنے والے کو نہ دیا۔ اگر حکومت ایسا نوٹس دینا ضروری سمجھتی تھی تو جس کے دستخط تھے اسے دیتی اور وہ بھی اس قانون کے مطابق نہ دیا جا سکتا تھا۔ جو سول نافرمانی کو روکنے کے لئے ہے۔

(۲) گورنمنٹ نے بے انصافی کی اس وقت نوٹس دے کر جبکہ بیس گھنٹے پہلے اس کے ذمہ دار افسروں سے اس کی منسوخی کا وعدہ کیا جا چکا تھا۔ اور جبکہ عملاً اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا تھا حالانکہ قصور اس کے اپنے حکام کا تھا کہ کیوں انہوں نے فون یا تار سے بالا افسروں کو اطلاع نہ دی جبکہ گورداسپور میں یہ دونوں ذرائع میسر ہیں۔

(۳) حکومت نے سخت بے انصافی کی جبکہ سول نافرمانی کا غلط الزام مجھ پر لگایا حالانکہ نہ کوئی حکم پہلے دیا گیا تھا اور نہ بعد میں دیا گیا۔

(۴) حکومت نے بے انصافی کی اور سخت ظلم کیا۔ جب اس شخص پر سول نافرمانی کا غلط الزام لگایا کہ جس نے اور جس کی جماعت نے ہمیشہ سول نافرمانی اور اس قسم کی دوسری تحریکوں کی مخالفت کی ہے اور حکومت کا تختہ الٹ دینے کا الزام لگا کر ہماری سخت ہتک کی ہے۔

(۵) حکومت نے سخت ناانصافی کی کہ احراریوں کا جن کا یہاں کوئی واسطہ اور کام نہ تھا یہاں آنا جائز قرار دیا اور احمدیوں کا جن کا یہ مقدس مقام ہے ان کے یہاں آنے کو موجب فساد قرار دیا۔ حالانکہ وہ اپنے گھر آ رہے تھے اور احراری دوسرے کے گھر۔ اگر ایسا نوٹس دینے کی ضرورت تھی تو وہ احرار کو دیا جانا چاہئے تھا ہمیں ایسا نوٹس دینے کے تو یہ معنے ہیں کہ وہ گھر والوں کو حکم دیتی ہے کہ اپنے گھر کی حفاظت کے لئے اکٹھے ہو کر نہ بیٹھیں اور ...... حملہ آوروں کو جمع ہونے کی اجازت دیتی ہے۔

(٦) حکومت نے بے انصافی اور ظلم کیا جب اس نے ہمارے لئے اس قانون کو استعمال کیا۔ جو باغیوں اور انارکسٹوں کے لئے بنایا گیا ہے اور جسے پاس کرتے وقت حکومت نے ملک کے نمائندوں کو یقین دلایا تھا کہ اسے بڑی احتیاط سے استعمال کیا جائے گا۔ اگر یہ قانون احمدیوں پر اپنے گھروں کی حفاظت کے لئے جمع ہونے پر چسپاں ہو سکتا ہے تو دنیا کی کون ایسی ہستی ہے جو اس سے باہر رہ سکتی ہے۔ کل کو حکومت کسی شخص کو مال روڈ پر چھینک مارنے سے روک سکتی ہے کہ کوئی راہ گیر سوچتا جا رہا ہو گا اس کے خیالات میں انتشار پیدا ہو گا وہ جوش میں آ کر لڑے گا۔ اس کے رشتہ دار آئیں گے ادھر تمہارے رشتہ دار جمع ہوں گے اور اس طرح قتل و غارت کا احتمال ہے۔ اس

لئے چلو جیل خانہ میں۔ کون سا ایسا انسان ہے جو اس قسم کے چکروں سے اس قانون کے ماتحت گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ خربوزے کھا کر بازاروں میں چھلکے پھینکنے والوں کو بھی پکڑا جا سکتا ہے کہ کسی کا پاؤں پھسلے گا اس کے متعلقین لڑائی کریں گے اور اس طرح ملک میں بدامنی پیدا ہو گی۔ کیا کوئی معقول انسان سمجھ سکتا ہے کہ یہ صحیح استعمال ہے اس قانون کا اس کے لئے جس نے خود اس کے بنانے والوں سے بھی زیادہ قیام امن کی کوشش کی ہے.......

(۷) حکومت نے یہ نوٹس دے کر ایک امن پسند جماعت کی ہتک کی کیونکہ اس نے یہ قرار دیا کہ جو احمدی یہاں آئیں گے فساد کریں گے.....

(۸) حکومت نے ناانصافی کی جب اس نے اس رنگ میں ہمیں نوٹس دیا۔ حالانکہ گزشتہ مواقع کی طرح وہ اب بھی خواہش امداد کر سکتی تھی"۔ ۳۰۸

حکومت کے افسروں کا ہتک آمیز رویہ

اسی سلسلہ میں حضور پرنور نے یہ بھی فرمایا کہ۔ "بعض افسروں نے اس دوران میں اس ہتک کے احساس کو اور بھی مضبوط کیا ہے۔ ایک افسر کو جب کہا گیا کہ یہ نوٹس خلیفہ کو کیوں دیا گیا؟ تو اس نے کہا۔ کیا خلیفہ حکومت کی رعایا نہیں۔ گویا رعایا ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جس کی چاہو ہتک کرو۔ میں اس افسر کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر حکومت کی رعایا ہونے کے یہی معنی ہیں تو کوئی شریف اور غیرت مند انسان اس کی رعایا ہونا پسند نہیں کرے گا۔ ہم تو برطانوی رعایا ہونے کا یہی مطلب سمجھا کرتے تھے کہ اس حکومت میں سب کی عزت محفوظ ہے کوئی کسی کی توہین اور ہتک نہیں کر سکتا۔ بلکہ رعایا کا ہر فرد برٹش ایمپائر کی عظمت کا حصہ دار ہے لیکن آج ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ خواہ تم پر کوئی غلط قانون ہی کیوں نہ استعمال کیا جائے رعایا ہونے کا یہ مطلب ہے کہ تمہیں بولنے کا کوئی حق نہیں اور اگر بولتے ہو تو تم باغی ہو۔ اگر رعایا ہونے کا یہی مطلب ہے تو حکومت کو چاہئے کہ دلیری سے اس کا اعلان کر دے کہ اے ہندوستان کے رہنے والو! تمہاری عزت خاک میں ملا دی جائے گی۔ اس صورت میں جو غیرت مند ہو گا وہ اس ملک سے نکل جائے گا۔ بجائے اس کے کہ ذلیل ہو کر یہاں رہے۔ ایک دوسرے افسر نے کہا کہ خلیفہ کے سوا اور کسے مخاطب کیا جاتا۔ کیا اس صورت میں یہ نہ کہا جاتا کہ کسی اور کو ذمہ دار قرار دے کر خلیفہ کی ہتک کی گئی ہے جس دوست سے کہا گیا اس نے کیا اچھا جواب دیا کہ کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ اس قانون کی نافرمانی کی وجہ سے اگر کسی شخص کو قید کرنے کی نوبت آتی تو جماعت کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا کہ کسی اور کو یہ اعزاز دے کر خلیفہ کی ہتک کیوں کی گئی؟ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی افسر عقل سے ایسا کورا ہو سکتا ہے کہ وہ فی الواقع یہی بات سمجھ رہا ہو یہ تمسخر ہے اور جیسا کہ محاورہ ہے ہتک

کے ساتھ زخم بھی پہنچایا گیا ہے۔ ایسا کرنے والوں کا یہی منشاء ہے کہ ہتک بھی کریں اور دلوں کو زخمی بھی کریں"۔

مظلومیت کی پکار حکومت کے خلاف عقل و فہم نوٹس کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے بعد حضورؓ نے بالآخر نہایت دردانگیز الفاظ میں فرمایا۔

"ہمارے نازک احساسات مجروح کئے گئے ہیں۔ ہمارے دل زخمی کردیئے گئے ہیں۔ ہم نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔ کسی سے کچھ نہیں مانگا۔ مگر حکومت اور رعایا خواہ مخواہ ہماری مخالف ہے اور مسیح ناصری کا قول بالکل ہمارے حسب حال ہے کہ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے۔ مگر ابن آدم کے لئے سردھرنے کی بھی جگہ نہیں (متی ۸:۲۰) پس اے احمدی جماعت جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ نئی زمین اور نیا آسمان بنائے گا۔ تمہارا فرض ہے کہ اپنے لئے خدا کے فضل سے آپ گھر بناؤ اس الہام میں یہی اشارہ ہے کہ یہ زمین اور آسمان تمہیں کانٹوں کی طرح کاٹیں گے۔ آخر ہم نے کیا قصور کیا ہے ملک کا یا حکومت کا کہ ہم سے یہ دشمنی اور عناد کا سلوک روا رکھا جارہا ہے۔ کل پہرہ دینے والوں میں سے ایک خوش الحانی سے غالب کا شعر پڑھ رہا تھا۔

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہگزر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں؟

میرے دل میں اس وقت یہ خیال گزرا کہ یہ ہمارے حسب حال ہے ہم کسی کے گھر پر حملہ آور نہیں ہوئے۔ حکومت سے اس کی حکومت نہیں مانگی۔ رعایا سے اس کے اموال نہیں چھینے۔ بلکہ اپنی مساجد ان کے حوالہ کردیں۔ اپنی بیش قیمت جائدادیں ان کو دے کر ہم میں سے بہت سے لوگ قادیان میں آگئے کہ امن سے خدا کا نام لے سکیں۔ مگر پھر بھی ہم پر حملے کئے جاتے ہیں۔ اور حکومت بھی ہمارے ہاتھ باندھ کر ہمیں ان کے آگے پھینکنا چاہتی ہے اور کوئی نہیں سوچتا کہ ہمارا قصور کیا ہے؟ جو ہم پر اس قدر ظلم کئے جاتے ہیں۔ گورنمنٹ کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہم بے شک صابر ہیں۔ متحمل ہیں۔ مگر ہم بھی دل رکھتے ہیں اور ہمارے دل بھی درد کو محسوس کرتے ہیں۔ اگر اس طرح بلاوجہ انہیں مجروح کیا جاتا رہا تو ان دلوں سے ایک آہ نکلے گی جو زمین و آسمان کو ہلا دے گی۔ جس سے خدائے قہار کا عرش ہل جائے گا اور جب خدا تعالیٰ کا عرش ہلتا ہے تو اس دنیا میں ناقابل برداشت عذاب آیا کرتے ہیں"۔ [۲۰۹] یہ خطبہ جمعہ کئی ہزار کے مجمع نے گوش ہوش بن کر سنا اور رقت اور سوز سے سامعین کی ہچکیاں بندھ گئیں [۲۰۱] خدا کے حضور الحاح وزاری کا ایسا دردناک منظر چشم فلک نے بہت کم دیکھا ہوگا۔

سیدنا حضرت امیرالمومنین کا ایک مکتوب میاں فضل حسین صاحب کے نام

میاں فضل حسین صاحب رکن ایگزیکٹو کونسل وائسرائے ہند کو حکومت پنجاب کے نوٹس وغیرہ کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے چوہدری ظفر اللہ خاں کے ذریعہ سے حضور اقدس کی خدمت میں یہ مشورہ دیا کہ اس نازک معاملہ میں جلدی نہ کی جائے۔ نیز تحریک کی کہ اس وقت تک آپ اپنے خاص اعلان کو ملتوی رکھیں جب تک باہمی غلط فہمیوں کے دور کرنے کی کوشش نہ کرلی جائے۔ اس پر حضور انور نے میاں صاحب موصوف کے نام ۲/ نومبر ۱۹۳۴ء کو ایک مفصل خط لکھا جس میں تحریر فرمایا۔

"اگر جماعت اس فعل کو بلا احتجاج اور اصلاح چھوڑ دے تو امام جماعت احمدیہ کوئی کام کر ہی نہیں سکتا۔ سلسلہ کے ہر افسر کی غلطی پر اسے نوٹس ملے گا۔ ہر احمدی کی غلطی پر اسے نوٹس ملے گا۔ وہ تو صرف نوٹسوں کا ہدف بنا رہے گا۔ وہ اور کام نہ کر سکے گا۔ جماعت احمدیہ ہرگز اس امر کی مدعی نہیں کہ وہ اپنے آپ کو یا اپنے امام کو حکومت کی رعایا ہونے کے مقام سے بالا سمجھتی ہے نہ میں بحیثیت امام جماعت احمدیہ اپنے آپ کو قانون سے بالا سمجھتا ہوں میرا نظریہ یہ ہے کہ مجھے دوسروں سے زیادہ قانون کا پابند ہونا چاہئے تاکہ میں دوسروں کے لئے نمونہ بنوں لیکن میں اس امر کا مدعی ضرور ہوں کہ قانونی نقطہ نگاہ سے مجھے صرف میرے فعل کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ دوسروں کے فعل کا ذمہ دار نہ قرار دیا جائے۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ دوسروں نے وہ فعل میرے کہنے پر کیا ہے پس جبکہ نوٹس میرے حکم کے بغیر تھا اور مجھے اس کا علم بھی بعد میں ہوا۔ پھر وہ ایک ایسے افسر کی طرف سے تھا جو جماعت کے نظام کے ماتحت آزادنہ طور پر ایسا حکم دے سکتا تھا اور حکومت کو اس کا علم تھا کہ نوٹس پر ایک ناظر کے دستخط ہیں۔ کیونکہ اس کے پاس سرکلر کی کاپی موجود تھی جیسا کہ مرزا معراج الدین صاحب نے مجھ سے ذکر کیا تھا۔ پس کیوں انہوں نے نوٹس صدر انجمن احمدیہ کے جو رجسٹرڈ باڈی ہے اس افسر کو نہ دیا جو اپنے محکمہ کا کامل ذمہ دار ہے اور اپنی ذمہ داری سے کبھی منکر نہ ہوا۔ چند ماہ ہوئے مجھے ایک سینیئر سب جج نے سمن کے ذریعہ سے ایک دیوانی کے مقدمہ میں بلوایا اور لکھا کہ صدر انجمن احمدیہ کے فلاں فلاں ریکارڈ آپ ساتھ لیتے آویں۔ میں حاضر عدالت ہوا۔ مگر ریکارڈ نہ لے گیا اور جب عدالت نے مجھ سے پوچھا تو میں نے بتایا کہ میں ریکارڈ نہیں لایا اور بہ سوال وکیل کہا کہ مجھے اطلاع مل چکی تھی لیکن چونکہ نہ میں صدر انجمن احمدیہ کا ممبر ہوں نہ صدر نہ سیکرٹری اس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ میں ریکارڈ لاتا اگر آپ کو ریکارڈ منگوانا تھا تو اس کے کسی افسر کو بلواتے اس پر وکیل مدعی نے کہا کہ آپ لا نہ سکتے تھے؟ میں نے جواب دیا کہ میں اس طرح لا سکتا تھا کہ جس طرح ہر احمدی کا ریکارڈ لا سکتا تھا۔ لیکن کیا عدالت ہر احمدی کا دیوانی

مقدمہ میں ریکارڈ میرے ذریعہ منگوایا کرے گی۔ عدالت اور مدعی دونوں اس کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے اور مجھے ریکارڈ نہ لانے کے الزام سے بری قرار دیا۔ اب حکومت نے یہ طریق اختیار کیا ہے مگر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس اصل کو اگر جماعت تسلیم کرلے تو ہر دیوانی مقدمہ میں یا فوجداری مقدمہ میں ہر مجسٹریٹ مجاز ہوگا کہ بجائے صدر انجمن کے کارکنوں کو بلوانے کے مجھے بلوالیا کرے۔ کیا اس طرح جماعت کا کام چل سکتا ہے؟ بلکہ اس اصل کو تسلیم کرکے کہ چونکہ صدر انجمن احمدیہ میرے حکم کے تابع ہے اس لئے اس کے خلاف نوٹس جاری کرنے کی جگہ مجھے نوٹس دیا جا سکتا ہے۔ ہر احمدی کے خلاف جو مقدمہ ہو اس کے بارہ میں مجھے بلوایا جا سکتا ہے۔

پس یہ ایک ایسی غلطی ہے جسے جماعت احمدیہ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتی اور اس کا ازالہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ حکومت تسلیم کرے کہ اس سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ بجائے ناظر امور عامہ پر نوٹس سرو کرنے کے جن کے دستخطوں سے سرکلر کیا تھا امام جماعت احمدیہ پر نوٹس سرو کیا گیا اس صورت میں اختلاف صرف قانونی رہ جائے گا جسے کونسلوں میں اور باہمی مبادلہ خیالات سے دور کیا جا سکتا ہے مگر موجودہ پوزیشن تو یہ ہے کہ حکومت اس پر تو افسوس کرتی ہے کہ مجبوری کی حالت میں آپ کو نوٹس دینا پڑا اور یہ تسلیم نہیں کرتی کہ اس نے کسی کے جرم کو کسی کی طرف منسوب کرنے میں غلطی کی ہے۔ پس حکومت کا اظہار افسوس اصل مقصد کے لئے ہرگز مفید نہیں۔

اور بہت سی باتیں ہیں جو حل طلب ہیں لیکن اصولی سوال یہ ہے کہ میں آپ ہی کو ثالث تسلیم کر لیتا ہوں آپ حکومت اور میرے نقطہ نگاہ کو سن کر جو فیصلہ کریں۔ میں اسے منظور کرلوں گا۔ میں تو حکومت سے نہیں لڑنا چاہتا مگر حکومت اگر ہمیں ایک ایسے مقام پر کھڑا کردے کہ جہاں کھڑے ہو کر جماعت کی ہستی ہی خطرہ میں پڑ جاتی ہو تو آپ فرمائیں میں کیا کروں؟

.... میرا پروگرام یہی ہے کہ پہلے حکومت پنجاب سے اپیل کروں گا۔ پھر حکومت ہند سے پھر حکومت انگلستان سے اگر کہیں دادخواہی نہ ہوئی پھر جو علاج ممکن ہوا کروں گا"۔

خط کے آخر میں حضور نے تحریر فرمایا۔

"میرے نزدیک حکومت سے اس بارہ میں ایک اور غلطی ہوئی ہے۔ اس نے احمدیوں کے لئے ایک نیا سوال پیدا کر دیا ہے اور وہ یہ کہ کیا وہ خلیفہ کے حکم کے تابع ہیں یا اس حکم کے بھی جو خلیفہ کو حکومت کی طرف سے ملے؟ چنانچہ جب اس بارہ میں مشورہ کے لئے قانون دان جمع ہوئے تو پیر اکبر علی صاحب ایم۔ ایل۔ سی نے فوراً کہا تھا کہ میں نے خلیفہ کی بیعت کی ہے مسٹر گاربٹ کی تو نہیں کی۔ جب بھی یہ معلوم ہوگا کہ حکومت نے جبراً ایک حکم دلایا ہے تو ہم کبھی بھی اس کی اطاعت نہیں کریں گے۔

کیونکہ وہ خلیفہ کا حکم نہیں اور نہ وہ حکومت کا حکم ہے کیونکہ قانوناً ہمیں مخاطب نہیں کیا گیا۔ حکومت اگر تعاون سے کام کرتی تو یقیناً یہ سوال نہ پیدا ہوتا۔ اب اگر حکومت یہ طریق اختیار کرے گی۔ تو چونکہ جماعت کے خیالات کی رو ادھر منتقل ہو چکی ہے۔ وہ یقیناً ایسے حکم کو نہیں مانے گی اور حکومت کو اس سے ذرہ بھر بھی فائدہ نہیں ہو گا"۔ [۳۱۱]

حکومت پنجاب کی طرف سے غلطی کا اعتراف

حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کے زبردست احتجاج نے حکومت پنجاب کو بالآخر اپنی غلطی کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دیا چنانچہ سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے اپنے ایک مفصل مضمون میں اعلان فرمایا۔

"حکومت پنجاب نے اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ جاری شدہ سرکلر کی ذمہ داری امام جماعت احمدیہ پر عائد نہیں ہوتی اور یہ کہ اگر حکومت کو نوٹس جاری کرنے کے وقت اس بات کا علم ہوتا کہ یہ سرکلر ناظر امور عامہ کی طرف سے جاری کیا گیا ہے تو وہ امام جماعت احمدیہ کو یہ نوٹس نہ دیتی کہ وہ اس سرکلر کو واپس لیں۔ بلکہ وہ اس شخص کو مخاطب کرتی جس کی طرف سے وہ سرکلر جاری ہوا تھا۔ حکومت نے اس بات کو بھی تسلیم کیا ہے کہ جو سرکلر جاری کیا گیا تھا وہ حکومت کے نوٹس سے قبل ہی منسوخ کیا جا چکا تھا اور یہ کہ اگر اسے اس منسوخی کا بروقت علم ہو جاتا تو پھر حکومت کی طرف سے کوئی نوٹس جاری ہی نہ کیا جاتا۔ اسی طرح حکومت نے اس امر کا بھی اظہار کیا ہے کہ اس نوٹس سے یہ مراد ہرگز نہیں تھی کہ حکومت کے نزدیک امام جماعت احمدیہ نے سول نافرمانی یا کسی خلاف امن فعل کے ارتکاب کا ارادہ کیا ہے۔

حکومت پنجاب کی ان...... چٹھیوں کے علاوہ [۳۱۲] نائب وزیر ہند نے مولوی عبد الرحیم صاحب درد امام مسجد احمدیہ لنڈن کو جنہیں میں نے اس معاملہ میں حکومت برطانیہ کو توجہ دلانے کے لئے مقرر کیا تھا ایک خط کے ذریعہ اطلاع دی ہے کہ حکومت ہند کی طرف سے انہیں یقین دلایا گیا ہے کہ حکومت پنجاب اور اس کے افسروں نے اس معاملہ میں جو کچھ بھی کیا ہے اس کے کرتے وقت ان کے ذہن کے کسی گوشہ میں یہ بھی خیال نہ تھا کہ وہ کوئی ایسا کام کریں جس سے جماعت احمدیہ کے جذبات کو....... کسی طرح ٹھیس لگے اور انہوں نے درد صاحب کو اس خط میں یہ یقین بھی دلایا ہے کہ حکومت کے اس فعل میں قطعاً کوئی غرض یا نیت نہ تھی کہ جماعت احمدیہ کی کسی قسم کی تحقیر ہو۔ یا اس کے امام کے احترام میں کسی قسم کا فرق آئے"۔ [۳۱۳]

گورنر صاحب پنجاب کی طرف سے غلطی کا اعتراف

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں "اس زمانہ میں جب پہلی دفعہ یہاں (احرار کا۔ ناقل) جلسہ ہوا۔ جو ڈپٹی کمشنر تھا حکومت اس کی ہر بات کی تصدیق کرتی تھی اور ہر موقعہ پر یہی جواب دیتی تھی کہ ہمارا مقامی افسریوں کہتا ہے مگر تھوڑے دنوں کے بعد اسے اقرار کرنا پڑا کہ وہ غلطی پر تھی۔ میں منالی میں تھا کہ مجھے گورنر کی چٹھی ملی کہ میں آپ سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ملیں۔ میں ملا اور متواتر چار گھنٹہ تک گفتگو ہوئی۔ مجھ سے انہوں نے کہا کہ آپ ناراض کیوں ہیں؟ اور کس سے آپ کو شکایت ہے میں نے کہا کہ پہلے تو آپ سے شکایت ہے۔ انہیں یہ امید نہ تھی کہ میں کہوں گا آپ سے شکایت ہے۔ اس کے بعد گفتگو ہوتی رہی اور جب ہوتے ہوتے میں نے ڈپٹی کمشنر کے متعلق واقعات پیش کئے تو کئی جگہ انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ اس نے غلطی کی ہے۔ میں نے کہا یہ عجیب بات ہے کہ پہلے تو آپ اس کی ہر بات تسلیم کرتے گئے اور اب مانتے ہیں کہ بعض دفعہ اسے غلط فہمی ہوگئی اور بعض دفعہ حکومت بالا نے اسے مجبور کر دیا"۔

نئے ڈپٹی کمشنر کی جدوجہد مصالحت

"اڑھائی سال کے بعد اس ضلع میں ایک اور ڈپٹی کمشنر مسٹر انز آئے ان کی یہ خواہش تھی کہ میں گورنمنٹ سے جماعت احمدیہ کی صلح کراؤں وہ قادیان میں آئے۔ اور مجھ سے ملے بڑی لمبی چوڑی گفتگو ہوئی اور بعض باتیں ان سے طے ہوئیں مثلاً ایک یہ کہ وہ پرانا ریکارڈ نکال کر دیکھیں اور فیصلہ کریں کہ جماعت احمدیہ کی غلطی تھی۔ یا حکام ضلع [314] کی انہوں نے پہلے تو کہا تھا کہ یہ اتنا بڑا طومار ہے کہ اس کا پڑھنا مشکل ہے مگر جب میں نے کہا کہ بہرحال آپ اسے دیکھیں اور ان واقعات کے متعلق اپنی رائے قائم کریں۔ اس کے بغیر ہماری تسلی نہیں ہو سکتی۔ تو انہوں نے وعدہ کیا کہ آہستہ آہستہ وہ ان مسلوں کو پڑھیں گے بعض حالات کی وجہ سے ان کو جلد یہ ضلع چھوڑنا پڑا۔ مگر ہمارے ایک ذمہ دار افسر ان کے جانے سے پہلے جب ان سے ملے تو انہوں نے ان سے کہا کہ میں نے اس وقت تک تین چار کیس پڑھے ہیں ان کے متعلق میری رائے یہی ہے کہ اس وقت کے ڈپٹی کمشنر کی غلطی تھی اور آپ حق پر تھے۔ افسوس ہے کہ وہ زیادہ دیر اس ضلع میں نہ ٹھہر سکے ورنہ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ میں باقی کاغذات بھی پڑھ کر اپنی رائے دوں گا"۔ [315]

حکومت پنجاب کی جارحانہ پالیسی میں شدت

اگرچہ مسٹر بٹلر سابق نائب وزیر ہند نے حکومت ہند کی معرفت حکومت پنجاب کو توجہ دلائی تھی اور حکومت پنجاب نے نوٹس کے بارے میں غلط بیانی [316] کر کے اپنا پیچھا چھڑا لیا۔

اس پر بھی جہاں تک احمدیت کے خلاف جارحانہ پالیسی کا تعلق تھا اس میں نہ صرف کوئی فرق نہیں آیا بلکہ اور بھی زیادہ شدت پیدا ہو گئی اور گورنر سے لے کر ڈپٹی کمشنر تک برابر مخالفت میں سرگرم رہے اور جماعت احمدیہ کو باغی ثابت کرنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اور یہ سلسلہ کسی نہ کسی صورت میں انگریزی اقتدار کے خاتمہ تک جاری رہا چنانچہ سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے مئی ۱۹۳۶ء میں ایک خطبہ جمعہ کے دوران بتایا کہ حکومت کی طرف سے یہ ہدایت جاری ہوئی کہ نہ سیدوں کو بھرتی کیا جائے نہ احمدیوں کو۔ [۳۱۷] اس کے بعد ۸/ ستمبر ۱۹۳۹ء کو خطبہ جمعہ میں بتایا۔

"سلسلہ کے مٹانے کے لئے بے شک حکومت کے بعض نمائندوں نے بہت کچھ زور لگایا بلکہ اب تک زور لگا رہے ہیں اور پنجاب گورنمنٹ بھی بعض مواقع پر درمیان میں کودتی رہی ہے اور اس وقت بھی ہمارے لئے امن نہیں اور اب بھی ہمارے مقدس مذہبی مقامات چھیننے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کی جاتی ہیں ...... اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کوئی زمانہ ایسا بھی آئے گا جب ہمیں انگریزی قوم کے ایک حصہ سے لڑنا پڑے گا مگر ہماری لڑائی مادی ہتھیاروں سے نہیں ہو گی بلکہ ویسی ہی ہو گی۔ جیسے آج کل احرار سے ہماری جنگ ہے کیونکہ اس وقت انگریزی قوم کے ایک حصہ کو جب یہ محسوس ہو گا کہ انگریز احمدیت میں داخل ہوتے جا رہے ہیں تو وہ ہم سے فساد کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے اور ہمارا فرض ہو گا کہ ہم ان کا مقابلہ کریں۔ مگر وہ زمانہ ابھی دور ہے"۔ [۳۱۸]

دوسرا باب (فصل دھم)

دردناک مظالم کا نیا دور

احرار کانفرنس کے بعد سلسلہ احمدیہ کی تاریخ فتنوں اور ابتلاؤں کے ایک نئے اور درد انگیز دور میں داخل ہوتی ہے۔

دلآزار لٹریچر کی اشاعت

احرار نے اپنی نام نہاد تبلیغ کانفرنس میں احمدیوں کے داخلہ یا اشتہار کی تقسیم پر سخت پابندی لگادی تھی لیکن سالانہ جلسہ ۱۹۳۴ء کے موقع پر انہوں نے نہایت دلآزار اور گندہ اور اشتعال انگیز لٹریچر شائع کرکے قادیان میں تقسیم کیا۔ اس کے بعد ملتان اور جلال پور جٹاں سے بھی بکثرت ٹریکٹ شائع کئے گئے۔ یہ ٹریکٹ اگرچہ حکومت نے بعد کو ضبط کر لئے مگر بہت کچھ اشاعت کے بعد ان کی ضبطی فتنہ پردازوں کی حوصلہ افزائی کے مترادف تھی۔ [۳۱۹]

انگریزی حکومت کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا زبردست انتباہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سالانہ جلسہ ۱۹۳۴ء پر انگریزی حکومت کو انتباہ فرمایا کہ "حکومت کے افسروں کو پولیس اور سول کے حکام کو اور احراریوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ باوجود ان اشتعال انگیزیوں کے جو وہ کر رہے ہیں ہم بالکل پرامن ہیں...... ہمیں جوش آتا ہے اور آئے گا مگر وہ دل میں ہی رہے گا۔ ہمیں غیرت آئے گی مگر وہ ظاہر نہ ہوگی۔ ہمارے قلوب ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے مگر زبانیں خاموش رہیں گی۔ ہاں ایک اور ہستی ہے جو خاموش نہ رہے گی وہ بدلہ لے گی اور ضرور لے گی حکومتوں سے بھی اور افراد سے بھی۔ کوئی بڑے سے بڑا افسر کوئی بڑے سے بڑا لیڈر۔ کوئی بڑے سے بڑا جتھا اور کوئی بڑی سے بڑی حکومت اس کی گرفت سے بچ نہ سکے گی۔ حکومت انگریزی بہت بڑی اور بہت طاقتور حکومت ہے مگر جو اس کے غدار اور فرض ناشناس حاکم ہیں انہیں وہ خدا کی گرفت سے نہیں بچاسکتی۔ وہ ایسے حکام کو بم کے گولوں سے بچانے کا انتظام کر سکتی ہے اور وہ احمدیوں نے چلانے نہیں۔ مگر ہیضہ، قولنج اور طاعون کے حملہ سے وہ

کسی کو نہیں بچاسکتی۔ اور نہ کوئی اور طاقت ہے جو خدا کی گرفت سے بچاسکے۔ اگر یہی حالت جاری رہی اور کسی دن بد دعا نکل گئی تو حکومت دیکھ لے گی کہ اپنے تمام سامانوں اور اپنی تمام حفاظتوں کے باوجود ان کو بچا نہ سکے گی۔ ہمارا خدا ظلم اور نا انصافی کرنے والوں کو دیکھ رہا ہے وہ ہمارے زخمی قلوب اور ان میں جو جذبات ہیں ان کو دیکھتا ہے پھر ہمارے صبر کو دیکھتا ہے آخر وہ ایک دن اپنا فیصلہ نافذ کرے گا۔ اور پھر دنیا دیکھ لے گی کہ کیا کچھ رونما ہوتا ہے ...... ہمارا حکومت سے کوئی ٹکراؤ نہیں۔ اس کا میدان عمل اور ہے اور ہمارا اور ہے لیکن اگر وہ خود ہم سے ٹکرائے گی تو اس کا وہی حال ہو گا جو کونے کے پتھر سے ٹکرانے والے کا ہوتا ہے"۔ [۳۲۰]

متعصب ہندو سپرنٹنڈنٹ پولیس کا تقرر

جوں جوں جماعت احمدیہ کے خلاف احرار کی ایذا رسانیاں بڑھتی گئیں قادیان میں پولیس کی جمعیت میں بھی اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ سپاہیوں کی تعداد ایک سو پچیس تک پہنچ گئی۔ معمولی پولیس کے علاوہ ملٹری پولیس بھی رکھی گئی اور ۱۷/ جنوری ۱۹۳۵ء [۳۲۱] کو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ انچارج پولیس قادیان کے طور پر ایک متعصب ہندو لالہ جواہر لال صاحب تعینات کر دیئے گئے۔

آل انڈیا نیشنل لیگ کا قیام

مظالم کا طوفان چونکہ بڑھتا جارہا تھا اور حکومت اس کے تدارک کے لئے نہ صرف مجرمانہ غفلت برت رہی تھی۔ بلکہ فتنہ پردازوں کی پیٹھ ٹھونکنے میں مصروف تھی۔ اس لئے جماعتی حقوق کی حفاظت کے لئے حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی اجازت سے لاہور میں ۲۵/ جنوری ۱۹۳۵ء کو آل انڈیا نیشنل لیگ کے نام سے ایک علیحدہ سیاسی انجمن قائم کی گئی۔ [۳۲۲] یہ قدم حکومت کی ظالمانہ روش کے نتیجہ میں مجبوراً اٹھایا گیا تھا اور اسی لئے حضرت اقدس نے بہت تامل کے بعد اس کی منظوری دی تھی۔ چنانچہ فرمایا۔

"میں جماعت کو سیاسیات بلکہ سیاسی امور کے مشابہ باتوں سے بھی روکتا رہا ہوں۔ لیکن موجودہ حکومت چونکہ صداقت اور راستی کے مقابلہ میں ایجی ٹیشن سے زیادہ متاثر ہوتی ہے اور ایک شخص کے ہاتھ پر خواہ دس کروڑ انسانوں نے بیعت کر رکھی ہو پھر بھی اس کی آواز کو ایک فرد واحد کی آواز قرار دے کر اس سے بے اعتنائی برتتی ہے اور جب کسی امر کی طرف توجہ دلائی جائے تو اس کی طرف سے یہی جواب دیا جاتا ہے کہ اس کے متعلق پبلک میں کوئی ایجی ٹیشن نہیں۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہر وہ جماعت جو یہ سمجھتی ہے کہ اس کے حالات ایسے ہیں کہ اسے قانونی حد کے اندر رہتے ہوئے حکومت کے پاس اپنا معاملہ پیش کرنے کی اجازت ہونی چاہئے اسے لازم ہے کہ وہ موجودہ انجمن سے الگ ایک ایسی انجمن بنائے جس میں کوئی سرکاری ملازم نہ ہو"۔ [۳۲۳]

آل انڈیا نیشنل لیگ کا مرکزی دفتر لاہور میں قائم کیا گیا اور محترم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ اس کے صدر مقرر ہوئے۔ نیشنل لیگ نے جماعت کو (محدود رنگ) میں ایک سیاسی پلیٹ فارم دیا جس سے سالہا سال تک جماعت کی بعض اہم قومی اور سیاسی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ لیگ نے جلسوں' جلوسوں اور دوسرے پرامن اور آئینی ذرائع سے ظلم و فساد کے خلاف موثر صدائے احتجاج بلند کی۔ اس انجمن کے ساتھ ایک ذیلی تنظیم کور کے نام سے بھی قائم کی گئی۔ جس کے ناظم جیش اور سالار اعظم چوہدری اسد اللہ خان صاحب بار ایٹ لاء تجویز کئے گئے کور کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں اس کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے احمدی نوجوانوں میں تنظیم کی روح پھونک دی اور وہ جماعتی اور قومی معاملات میں پہلے سے زیادہ دلچسپی لینے لگے۔ تفصیل اگلی جلد میں آرہی ہے۔

قادیان میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ

مسٹر جے۔ ایم شری نگیش (مرہٹہ) ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور نے احرار نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے قادیان اور اس کے ملحقہ دیہات میں ۳۰/ جنوری ۱۹۳۵ء سے دو ماہ کے لئے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی۔ جس کی رو سے جلسوں کا انعقاد نیز پانچ سے زائد اشخاص کے جمع ہونے کی ممانعت کر دی گئی۔ [۳۲۴] اور اس طرح احمدیوں سے اپنے مرکز میں بھی دو ماہ کے لئے آزادی تقریر کا حق سلب کر لیا گیا۔ مگر اس کے بالمقابل دوسروں کو کھلی چھٹی دے دی گئی کہ وہ جس طرح چاہیں فحش کلامی اور بدزبانی کا مظاہرہ کریں۔ [۳۲۵]

دفعہ ۱۴۴ کے ظالمانہ نفاذ پر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور [۳۲۶] نے مولوی قمرالدین صاحب فاضل (سیکرٹری نیشنل لیگ قادیان) کی طرف سے بعدالت سشن جج صاحب گورداسپور ایک مرافعہ بدیں مضمون پیش کیا کہ یہ حکم خلاف قانون اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے اختیارات سے باہر ہے اس لئے آپ ہائیکورٹ سے سفارش کریں کہ وہ اس حکم کو منسوخ کردے۔ اس مرافعہ میں شیخ بشیر احمد صاحب مرزا عبدالحق صاحب اور چوہدری یوسف خان صاحب وکیل گورداسپور پیش ہوتے رہے۔ چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے اور بعض دوسرے اصحاب کی شہادتیں ہوئیں۔ [۳۲۷]

شیخ بشیر احمد صاحب نے ۲۱/ فروری ۱۹۳۵ء کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے خلاف مدلل اور فاضلانہ بحث کی۔ [۳۲۸] مگر سشن جج نے یہ درخواست منظور نہیں کی اس کے بعد اس حکم کے خلاف ہائیکورٹ میں نظرثانی کی درخواست کی گئی۔ اور درخواست کنندہ کی طرف سے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب بار ایٹ لاء نے بحث کی۔ آخر ۲/ اپریل ۱۹۳۵ء کو ہائیکورٹ نے قادیان میں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کو نادرست قرار دے دیا۔ اور فیصلہ دیا کہ قادیان کی ریونیو اسٹیٹ اور ملحقہ ریونیو اسٹیٹوں کے متعلق ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا آرڈر مبہم اور ناقابل عمل تھا۔ [۳۲۹]

پرائیویٹ مجالس میں پولیس کی بے جامداخلت

دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے ساتھ پولیس نے پرائیویٹ مجالس میں بھی مداخلت شروع کر دی۔ چنانچہ ۲۷/ فروری ۱۹۳۵ء کو تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہال میں جماعت دہم کے طلباء کو الوداعی پارٹی دی گئی جس میں پولیس کے قریباً نصف درجن آدمی آدھمکے۔ ۲۲۰

ان دنوں حضرت بابا محمد حسن صاحبؓ ایک مکان میں مستورات کو درس قرآن دیا کرتے تھے ایک دن درس کے وقت دو سپاہی اس مکان کے بالاخانہ میں چھپ کر بیٹھ گئے اور مستورات کو جھانکنے لگے۔ ۲۲۱

۳/ اپریل ۱۹۳۵ء کو محلہ دارالرحمت کے بچوں کی انجمن "حزب اللہ" کا ایک پرائیویٹ مکان میں جلسہ تھا کہ پولیس کے باوردی اور بے وردی افسروں اور سپاہیوں کی ایک بھاری تعداد نواحی دیہات کے نمبرداروں ذیلداروں اور پٹواریوں کو ساتھ لے کر وہاں جا گھسی۔ بچوں نے عرض کیا کہ یہ ہمارا پرائیویٹ جلسہ ہے اور خالص مذہبی میٹنگ ہے۔ مگر پولیس نے فوراً علاقہ مجسٹریٹ کا ایک حکم پیش کر دیا جو زیر دفعہ کریمینل لاء امنڈمنٹ ایکٹ آف ۱۹۳۲ء کے تحت جاری کیا گیا تھا۔ ۲۲۲

اگلے روز ۶/ اپریل کو مجلس ارشاد کے ایک پرائیویٹ جلسہ میں بھی پولیس نے مداخلت کی۔ جس پر ایک احتجاجی قرارداد پاس کرنے کے بعد جلسہ برخاست کر دیا گیا۔ اسی روز جامعہ احمدیہ اور مدرسہ احمدیہ کی ایک دینی انجمن "بزم احمد" کا جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں داخلہ بذریعہ ٹکٹ رکھا گیا تھا۔ کارروائی سے قبل ایک ہیڈ کانسٹیبل چار آدمیوں سمیت آموجود ہوئے جس کی وجہ سے یہاں بھی کارروائی بطور احتجاج بند کر دینی پڑی اور اسی دن "غرفتہ العلماء" میں مولوی فاضل کلاس کا درس دیا جا رہا تھا کہ رات کے دس بجے ایک ہیڈ کانسٹیبل اور ایک کانسٹیبل (باوردی) ہتھکڑیاں لئے ایک نمبردار اور پٹواری سمیت مجسٹریٹ علاقہ کا آرڈر لے کر اندر داخل ہو گئے اور کہنے لگے کہ اپنی کارروائی سے آگاہ کرو۔ طلباء نے کہا کہ درس جاری ہے آپ بھی سن لیں۔ آخر وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر چل دیئے۔ ۲۲۳

۶/ اپریل ۱۹۳۵ء ہی کو چھوٹے بچوں کی "بزم بشیر" کا ایک تبلیغی جلسہ ایک پرائیویٹ احاطہ میں منعقد ہوا جلسہ کا ابھی آغاز بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک ہیڈ کانسٹیبل آگیا جس کی وجہ سے کارروائی احتجاجاً ملتوی کر دینا پڑی۔ ۲۲۴

ایک اشتعال انگیز پوسٹر

دفعہ ۱۴۴ کے دوران ایک حد درجہ اشتعال انگیز پوسٹر قادیان کی ایک عام گزرگاہ پر لگایا گیا جس میں احمدیوں کو قتل کرنے ان کے اموال کو زبردستی لوٹ لینے اور احمدی خواتین کو اغوا کر لینے کی تحریک کی گئی تھی۔ جماعت احمدیہ نے

پوسٹر لکھنے والے شخص کا نام پولیس کو دیا مگر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ [۲۲۵]

دفعہ ۱۴۴ کی توسیع کے لئے ناجائز کوشش

۳۰/۲۹ مارچ ۱۹۳۵ء کی درمیانی رات کو ساڑھے ۹ بجے کے قریب جبکہ ۱۴۴ کی معیاد ختم ہو رہی تھی۔ قادیان کے ایک احراری نے محمد اسمٰعیل صاحب صدیقی کی دکان پر آکر پہلے گالی گلوچ کی اور پھر ہاتھاپائی پر اتر آیا اور بے تحاشہ شور مچانا شروع کر دیا۔ اگرچہ پولیس کی چوکی بالکل قریب ہی تھی مگر پولیس کا کوئی آدمی اس موقعہ پر نہ پہنچا۔ محمد اسمٰعیل صاحب شیخ محمود احمد صاحب عرفانی (صدر نیشنل لیگ قادیان) کے ساتھ واقعہ کی اطلاع دینے چلے گئے۔ واپسی پر جب وہ اپنی دکان کی طرف آرہے تھے تو احراری انہیں دھکے دے کر ایک مکان کے اندر لے گئے اور دروازہ بند کر کے مارنا شروع کر دیا۔ اس پر بعض احمدی پولیس چوکی میں پہنچے اور بتایا کہ ان کی جان خطرہ میں ہے لیکن پولیس ٹس سے مس نہ ہوئی۔ [۲۲۶]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے صبر کی دردمندانہ اپیل

جس بے جا کے اس واقعہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جماعت احمدیہ قادیان کو صبر کی تلقین کی اور مندرجہ ذیل اعلان فرمایا۔

"تمام محلوں کے پریذیڈنٹوں کو اطلاع کی جاتی ہے کہ رات کو میاں محمد اسمٰعیل صاحب صدیقی سے جو لڑائی ہوئی ہے اور اس کے بعد انہیں ایک گھر میں بند کر کے جو بعض احرار نے مارا ہے اس (قسم) کے واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کوشش دفعہ ۱۴۴ کو لمبا کرنے کے لئے کی جاتی ہے احباب کو معلوم ہے کہ اس وقت حکومت کا ایک حصہ ہماری دشمنی پر تلا ہوا ہے اور ہمیں بدنام کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ایسے موقعہ پر بہت احتیاط کی ضرورت ہے جب نگران ہی دشمنی پر تلے ہوئے ہوں تو خطرات بڑھ جاتے ہیں۔ ادنیٰ تدبر سے یہ امر معلوم ہو سکتا ہے کہ عین دفعہ ۱۴۴ کے خاتمے کے وقت اس قسم کی لڑائی کرانے کی کوشش بے وجہ نہیں ہو سکتی اور پھر ان لوگوں کی اس میں شمولیت جن کی دکانوں پر پولیس کے بہت سے سپاہی بیٹھتے ہیں اور بھی شبہ پیدا کرنے والی ہے۔

ان حالات میں میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھیں اور مار کھا کر بھی خاموش رہیں گالیاں سنیں اور پرواہ نہ کریں۔ بلکہ احرار اور ان کی پشت بننے والے حکام کی ان کوششوں کا جو وہ سلسلہ کو بدنام کرنے کے لئے کر رہے ہیں صبر اور تحمل کے ذریعہ سے ناکام کر دیں۔ بے شک یہ کام مشکل ہے لیکن مومن سے امید کی جاتی ہے کہ وہ مشکل سے مشکل امتحان میں کامیاب ہو۔

عزیزو! یہ وقت ابتلاء کا ہے حکومت کا ایک حصہ ہمارے دشمنوں سے مل کر ہمارے خلاف کھڑا ہے

اور ہم کمزور ہیں لیکن ہمارا بھروسہ خدا تعالیٰ پر ہے ہمیں ذلیل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے مگر ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے ذلیل نہیں ہوں گے ذلیل وہ غدار حکام ہوں گے جو ملک معظم سے تنخواہ پاکران کی نمک حرامی کررہے ہیں یا احرار ہوں گے جو حریت کا دعویٰ کرتے ہوئے اس وقت ظالموں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن رہے ہیں۔ تم صبر سے کام لو تو اللہ تعالیٰ بالا افسروں کے دل پر حقیقت کھول دے گا اور انشاء اللہ وہ اپنی ذمہ داری محسوس کرنے لگیں گے۔ تھوڑے دن میں ہی خدا تعالیٰ اپنا ہاتھ دکھائے گا اور دشمنوں کو ان کے ارادوں میں ناکام کردے گا اور ہماری مظلومیت اور برائت کو ظاہر کردے گا۔

پس صبر سے کام لو اور گالیوں اور مار پیٹ کا بدلہ زبان اور ہاتھ سے نہ لو بلکہ خدا تعالیٰ کے آگے فریاد کرو کہ اس وقت اس کے سوا کوئی تمہاری آواز سننے کو تیار نہیں"۔ [۲۲۷]

احمدیوں کا منظّم بائیکاٹ

حکومت کی متشدانہ پالیسی جہاں ۱۹۳۵ء کے شروع سے قادیان کے بارے میں سخت ہوگئی وہاں ساتھ ہی بیرونی احمدی جماعتوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جانے لگا۔ چنانچہ ۱۹۳۵ء کے آغاز میں ہی بیرونی احمدیوں کا ہر جگہ منظّم صورت میں بائیکاٹ کیا جانے لگا۔ [۲۲۸]

نہتے احمدیوں کو گرفتار کرانے کی کوشش

بائیکاٹ کے علاوہ نہتے احمدیوں کو گرفتار کرائے جانے کی جدوجہد بھی شروع کردی گئی۔ [۲۲۹]

بے ہودہ افواہیں

احرار نے عوام میں جذبات نفرت و حقارت پیدا کرنے کے لئے جھوٹی افواہیں بھی خوب پھیلائیں۔ مثلاً شروع فروری میں مضافات قادیان میں یہ افواہ مشہور کی کہ اچانک ایک دن ڈپٹی کمشنر صاحب قادیان پہنچے اور انہوں نے قادیان کے اردگرد فوج اور رسالہ کے پہرے مقرر کرکے خلیفہ ثانیؓ کی ضمانت لی۔ [۲۳۰] سٹھیالی ضلع گورداسپور میں یہ خبر مشہور کی گئی کہ (نعوذ باللہ) چودھری ظفر اللہ خاں صاحب نے احمدیت ترک کردی ہے۔ وجہ یہ کہ مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے وائسرائے سے جاکر کہا کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ مسلمان وزیر مقرر کریں۔ آپ نے مرزائی مقرر کردیا ہے یہ معلوم ہونے پر وائسرائے صاحب بہادر نے چودھری صاحب سے کہا یا تو احمدیت چھوڑدو یا وزارت سے علیحدہ ہوجاؤ۔ اس پر چوہدری صاحب نے احمدیت چھوڑ کر وزیر بننا منظور کرلیا۔ [۲۳۱]

ارتداد کی جھوٹی خبریں

اخبار "زمیندار" اور "احسان" کی طرف سے ان دنوں فسخ بیعت کی فرضی اور خود ساختہ فہرستوں کی باقاعدہ اشاعت کی جاتی تھی۔ اور

اسے "قصر مرزائیت میں زلزلہ" سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ [۳۴۲]

جماعت احمدیہ کی تباہی کی پیشگوئیاں

اب احراری لیڈروں کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے اس لئے ۱۹۳۵ء کے شروع میں وہ خاص طور پر یہ پیشگوئیاں کرنے لگے کہ احمدیت عنقریب مٹ جائے گی اور کوئی احمدی دیکھنے کو بھی نہیں ملے گا۔

صاجزادہ سید فیض الحسن صاحب سجادہ نشین آلو مہار نے لدھیانہ میں کہا۔

"میں اس جگہ کھڑے ہو کر یہ پیشگوئی کرتا ہوں کہ منارہ قادیانی اس کے بانی اور اس کی جماعت کا نام و نشان تک مٹ جائے گا اور یہ سب کچھ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے"۔ [۳۴۳]

ایک سر کردہ احراری لیڈر نے کہا۔

"ہم نے ایسا انتظام سوچا ہے اور اسے جلد جاری کرنے والے ہیں کہ ہم احمدیوں کو سیاسی طور پر اس قدر تنگ کر دیں گے کہ وہ پانچ سال کے اندر یا تو احمدیت کو چھوڑ دیں گے یا مٹ جائیں گے بڑے بڑے آدمی اس کام میں ہمارے ساتھ ہیں"۔ [۳۴۴]

امیر شریعت احرار سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے سیالکوٹ میں تقریر کی کہ۔

"مرزائیت کے مقابلہ کے لئے بہت سے لوگ اٹھے۔ لیکن خدا کو یہی منظور تھا کہ یہ میرے ہاتھوں سے تباہ ہو"۔ [۳۴۵]

مصائب جھیلنے والی بعض جماعتوں اور افراد کا خصوصی تذکرہ

۱۹۳۵ء میں یوں تو پورے ملک کے احمدی مصائب و آلام سے دوچار تھے مگر بعض مقامات اور افراد پر فتنہ کا حملہ نہایت شدید رنگ میں ہوا۔ اس سلسلہ میں نہایت اختصار سے بعض واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ وزیر آباد میں بابو محمد ابراہیم صاحب مسجد سے دھکے دے کر باہر نکال دیئے گئے۔ نیز ایک دوسرے احمدی شمیم حسن صاحب بر سر بازار پیٹے گئے۔ [۳۴۶]

۲۔ ڈیرہ دون میں ایک احمدی لڑکی کی نعش دفن کرنے میں سخت مزاحمت کی گئی۔ [۳۴۷]

۳۔ بھدرواہ میں بعض احمدی علماء پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ [۳۴۸]

۴۔ مسانیاں (ضلع گورداسپور) کی ایک احمدی خاتون لاٹھیوں سے زدوکوب کی گئی اسی طرح دیال گڑھ اور موضع نت میں احمدیوں کے لئے جینا دوبھر کر دیا گیا۔ [۳۴۹]

۵۔ حیدر آباد سندھ میں ایک احمدی مرزا امیر احمد صاحب پر ایک مشتعل ہجوم نے حملہ کر دیا۔ [۳۵۰]

٦۔ لاہور کے ایک احمدی میاں قادر بخش صاحبؓ سنہری مسجد میں پیٹے گئے بدن کے کپڑے پھاڑ

دیئے گئے اور وہ گھسیٹتے گھسیٹتے مسجد کی سیڑھیوں تک لائے گئے جہاں سے وہ نیچے دھکیل دیئے گئے۔ [۳۵۱]

۷- پنڈوری (ضلع گورداسپور) کے ایک احمدی عبدالکریم صاحب اپنی تعمیر کرائی ہوئی مسجد سے نکال دیئے گئے۔ [۳۵۲]

۸- نارووال (ضلع سیالکوٹ) میں احمدیوں کے گھروں پر سنگباری کی گئی۔ [۳۵۳]

۹- پنڈوری (ضلع جہلم) کے احمدیوں کے گھروں پر ساری رات خشت باری کی جاتی رہی۔ سید رسول شاہ صاحب نے حضور کی خدمت میں اسی کی اطلاع کی تو حضور نے یہ تحریر فرمایا۔ "میں آپ کو سوائے دعا کے اور کیا مشورہ دوں۔ قادیان کو بھی بعض حکام اور احرار نے ہمارے لئے کربلا بنایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرو۔ اللہ تعالیٰ ہی مدد کرے گا۔ بندے کیا حکام اور رعایا کیا ہمارے دشمن بن چکے ہیں۔ آسمان و زمین کے مالک کے سوا اب ہماری جماعت پر رحم کرنے والا کوئی نہیں"۔ [۳۵۴]

۱۰- ایک مقام پر بہت سے شورش پسند ایک احمدی مبلغ کے مکان میں گالیاں دیتے داخل ہوئے اور کتابیں اور یسرنا القرآن کے قاعدے (جن میں قرآن مجید کی آیات لکھی ہوتی ہیں) زمین پر پھینک دیئے۔ ایک اور احمدی مبلغ کی تمام اشیاء جن میں کپڑے بھی تھے چھین لی گئیں اور ان کا چہرہ سیاہ کر کے ان کو گدھے پر بٹھایا گیا۔ [۳۵۵]

۱۱- گکھڑ (ضلع گوجرانوالہ) میں ایک معمر احمدی اللہ دوایا صاحب ۵/ اپریل ۱۹۳۵ء کو وفات پا گئے ان کے غیر احمدی رشتہ داروں نے ان کی نعش عام قبرستان میں دفن ہونے سے روک دی۔ آخر ایک احمدی سلطان علی صاحب نے انہیں قبرستان کے پاس اپنی زمین میں دفن کیا۔ [۳۵۶]

۱۲- پنڈی بھٹیاں (ضلع گوجرانوالہ) کے مشہور احمدی میاں محمد مراد صاحب بر سر عام بار بار پیٹے گئے فحش گالیاں دی گئیں۔ پانی بند ہوا۔ پتھراؤ کیا گیا۔ دھکے دے کر مسجد سے نکال دیئے گئے اور علی الاعلان قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ [۳۵۷]

۱۳- لدھیانہ مخالفت کا گڑھ تھا جہاں احمدی بچے تک پیٹے گئے اور احمدی خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ مئی ۱۹۳۵ء میں یہاں احمدیوں کے خلاف ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ایک مقرر نے یہاں تک کہا۔ "ہم قادیانیوں کو زندہ یا بیمار نہیں دیکھ سکتے۔ یہ دشمنان اسلام ہیں ہم انہیں تباہ و برباد دیکھنا چاہتے ہیں"۔ [۳۵۸]

۱۴- سونگڑہ (اڑیسہ) کے احمدی زدوکوب کئے گئے ان کی فصلیں اور باغات کاٹ ڈالے گئے اور

گھروں میں دن دہاڑے گھس کر مال لوٹ لیا گیا۔ [۳۵۹]

۱۵۔ مڈھ رانجھہ (ضلع سرگودھا) کے ایک احمدی حاجی برخوردار صاحب کی نعش قبرستان میں دفن کرنے سے روک دی گئی۔ [۳۶۰]

۱۶۔ بٹالہ کے ایک غریب احمدی دکاندار پر حملہ کیا گیا۔ [۳۶۱]

۱۷۔ پشاور میں ۹/ جون ۱۹۳۵ء کو ایک احراری والنٹیر عبدالعزیز نے حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ کو گولی کا نشانہ بنانا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت سے حضرت قاضی صاحبؓ بال بال بچ گئے۔ [۳۶۲]

۱۸۔ منجن گڑھ (علاقہ میسور) میں ۱۶/ جون ۱۹۳۵ء کو ایک احمدی مبلغ کے کپڑے پھاڑ دیئے گئے اور ایک ہزاروی مولوی نے ان کی کتابیں، کاغذ اور نقدی چھین لی۔ [۳۶۳]

۱۹۔ میانجی خیل (علاقہ کوہاٹ) میں ایک مخلص احمدی یحیٰ الدین صاحب کو مخالفین نے مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ ٹانگ پر ایسا کاری زخم آیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے لنگڑے ہو گئے اس کے بعد جولائی ۱۹۳۵ء میں ایک دشمن کے ہاتھوں سخت مجروح ہوئے یہ حملہ رات کے بارہ بجے اس وقت کیا گیا جبکہ آپ سو رہے تھے اس حملہ میں مولوی صاحب موصوف کو ایک زخم سر پر آیا اور ایک چوٹ سینے پر لگی۔ [۳۶۴]

۲۰۔ بنگلور شہر کے احمدی سید عبدالرزاق صاحب اتنے پیٹے گئے کہ آپ زمین پر گر پڑے۔ [۳۶۵]

۲۱۔ گوجرہ میں تین احمدیوں میاں عبدالواحد صاحب پہلوان وغیرہ کے خلاف احراریوں نے دفعہ ۴۵۲ کے تحت مقدمہ دائر کر دیا جو کئی ماہ تک چلتا رہا۔ [۳۶۶]

احراریوں کو اشاعت اسلام کے لئے مالی و جانی قربانیوں کا چیلنج

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۸/ مارچ ۱۹۳۵ء کے خطبہ جمعہ میں احرار کو چیلنج دیا کہ۔

"وہ احرار جو یہ کہتے ہیں کہ احمدی رسول کریم ﷺ کی ہتک کرنے والے ہیں۔ وہ احرار جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام کا درد احمدیوں کے دلوں میں نہیں۔ وہ احرار جو یہ کہتے ہیں کہ احمدی اسلام کے دشمن اور رسول کریم ﷺ سے عناد رکھتے ہیں میں انہیں چیلنج کرتا ہوں کہ وہ آٹھ کروڑ مسلمانان ہند کے نمائندہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ہمارے متعلق کہتے ہیں کہ ہم چھپن ہزار ہیں...... اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو آئیں اور غیر قوموں یعنی ہندوؤں اور عیسائیوں وغیرہ کو مسلمان بنانے کے لئے وہ بھی قربانیاں کریں اور ہم بھی قربانیاں کرتے ہیں وہ بھی آٹھ کروڑ مسلمانان ہند کو لے کر اشاعت اسلام

کے لئے جانی اور مالی قربانیاں کر کے دکھائیں اور ہم بھی اپنے چھپن ہزار افراد کو لے کر مالی اور جانی قربانیاں کرتے ہیں پھر دنیا پر خود بخود ظاہر ہو جائے گا کہ کون اسلام کی محبت کے دعویٰ میں سچا ہے اور کون کاذب۔ کون اپنے مونہہ کی لاف و گزاف سے دنیا کو قائل کرنا چاہتا ہے اور کون عملی رنگ میں اسلام سے اپنی محبت کا ثبوت پیش کرتا ہے"۔ [۲۶۷] مگر احرار کو یہ چیلنج قبول کرنے کی جرات نہ ہوئی۔

("عطاء اللہ شاہ بخاری" کے نام پر) جماعت احمدیہ پر مقدمہ

احرار کانفرنس سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی صدارت میں ہوئی تھی۔ حکومت کی طرف سے ان کی اشتعال انگیز تقریر پر زیر دفعہ ۱۵۳ الف تعزیرات ہند دیوان سکھ آنند صاحب سپیشل مجسٹریٹ گورداسپور مقدمہ چلایا گیا جو دراصل جماعت احمدیہ کے خلاف مقدمہ تھا چنانچہ اس دوران میں صدر انجمن احمدیہ کے ریکارڈ منگوائے گئے۔ [۲۶۸] سلسلہ کے بزرگوں مثلاً حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ [۲۶۹] حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ، خان صاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ، خواجہ غلام نبی صاحبؓ ایڈیٹر "الفضل" ملک عبدالرحمٰن صاحبؓ خادم، مولوی فضل دین صاحب [۲۷۰] پلیڈر کو بلا کر لمبی لمبی جرحیں کی گئیں۔

اس مقدمہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بھی عدالت میں گواہی کے لئے بلائے گئے۔ حضورؓ کی شہادت [۲۷۱] ۲۳-۲۵-۲۷/ مارچ ۱۹۳۵ء کو تین روز تک جاری رہی۔

آخر جب مقصد حاصل ہو گیا اور بزعم خود احمدیت کے رازہائے سربستہ کو حکومت اور احرار باہم مل کر افشاء کر چکے تو عدالت نے مولوی عطاء اللہ صاحب بخاری کو چھ ماہ قید بامشقت کی سزا دی۔ لیکن فیصلہ کے ساتھ ہی بلا توقف ضمانت منظور کر لی گئی اس فیصلہ کے خلاف انہوں نے مسٹر جے۔ ڈی کھوسلہ سیشن جج گورداسپور کی عدالت میں اپیل دائر کی۔ مسٹر کھوسلہ نے ملزم کے جرم کو محض اصطلاحی قرار دیتے ہوئے تابر خاستگی عدالت یعنی اندازاً پندرہ منٹ تک اپنی صحبت میں بیٹھنے کی سزا دی اور اپنے فیصلہ میں سلسلہ عالیہ احمدیہ اور اس کی بزرگ ہستیوں پر سخت شرمناک حملے کئے۔

یہ فیصلہ کیا تھا اکتوبر ۱۹۳۴ء کی احرار کانفرنس کا زیادہ بھیانک الفاظ میں خلاصہ اور گالیوں کا پلندہ اور اس کی کارروائی کی صحت پر مہر تصدیق۔ نیز اس امر کا اظہار تھا کہ احمدیہ جماعت درحقیقت حکومت کے اندر ایک اور حکومت ہے اور امن عامہ کے لئے خطرہ۔ احرار نے فیصلہ پڑھا اور اپنی دی ہوئی گالیاں عدالت کے قلم سے سن کر جامے میں پھولے نہ سمائے اسے لاکھوں کی تعداد میں مختلف زبانوں میں شائع کیا احرار کے ترجمان "مجاہد" کے نزدیک اس فیصلہ کی اصل نوعیت کیا تھی اس پر اس کی یہ شہادت کافی روشنی ڈالتی ہے۔ "کشمیر تحریک کے قریبی اوقات میں مرزا بشیر الدین کے دماغ میں کچھ ذرا

سا بگاڑ پیدا ہو گیا تھا۔ اور حکام صرف یہ چاہتے تھے کہ اگر اس جماعت کے منہ پر بھی ذرا ہلکی سی چپت لگ جائے تو نامناسب نہ ہو گا۔ میری اطلاع ہے کہ مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ کی بدولت یہ ہلکی سی چپت قادیانی جماعت کے منہ پر لگ چکی ہے"۔

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے لکھا۔

"حکومت کی پوزیشن بھی اس مقدمہ میں عجیب قابل رحم ہے ہر فریق حکومت کا شاکی ہے ...... اخبار الفضل قادیان نے صاف صاف لکھ دیا کہ ہم مقدمہ کی ابتداء سے ہی یہ محسوس کر رہے ہیں کہ مقدمہ عطاء اللہ شاہ کے خلاف نہیں چلایا گیا بلکہ جماعت احمدیہ کے خلاف چلایا گیا۔ (۲۶/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۱) .... مولوی عطاء اللہ شاہ کی تقریر سے جو نفرت بین الفریقین پیدا ہوئی ہے۔ وہ اس نفرت سے بہت کم ہے جو مقدمہ کے اجراء سے ہوئی ہے۔ جس کی مرتکب حکومت خود ہے"۔ ۳۷۲

مولوی صاحب نے ایک دوسرے شمارہ میں اس فیصلہ سے متعلق عوامی رائے یہ لکھی کہ "پبلک حیران ہے کہ یہ سزا کیا ہوئی بلکہ مذاق ہوا"۔ ۳۷۳

خان صاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ نے اس فیصلہ کے سلسلہ میں ۲۱/ جون ۱۹۳۵ء کو گورنر صاحب پنجاب سے ملاقات کی۔ کہنے لگے کہ فیصلہ بہت خراب ہے مگر چونکہ جج نے جرم کو برقرار رکھا ہے۔ گو سزا کتنی ہی تھوڑی کیوں نہ کر دی ہے اس لئے عام حالت میں گورنمنٹ اس میں کوئی کارروائی نہیں کر سکتی۔ حضرت خان صاحبؓ نے کہا کہ جو سزا دی گئی ہے وہ جرم کے مقابلہ میں انتہائی مضحکہ خیز ہے اور جج نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات پر گندے اور توہین آمیز حملے کئے ہیں ...... خان صاحب نے کہا کہ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ اگر آج تک گورنمنٹ نے ہم پر کسی طرح سے ہاتھ نہیں ڈالا تو اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ گورنمنٹ کا ہاتھ پڑ نہیں سکا۔ ورنہ ہمارے ساتھ گورنمنٹ کو کوئی رعائت کرنا مقصود نہیں ...... اس ملاقات میں ایک سے زیادہ دفعہ گورنر صاحب نے واضح کیا کہ آپ یاد رکھیں۔ اگر کوئی موقعہ آپ لوگوں نے ایسا دیا جس میں کسی قسم کی زیادتی کی گئی تو ہم ضرور گرفت کریں گے۔

مسٹر کھوسلہ نے ۶/ جون ۱۹۳۵ء کو یہ رسوائے عالم فیصلہ سنایا تھا۔ از روئے قواعد تاریخ فیصلہ کے دو ماہ بعد تک گورنمنٹ اس کے خلاف اپیل کر سکتی تھی کیونکہ گورنمنٹ اس مقدمہ میں مدعی تھی مگر گورنمنٹ نے جس کا ارادہ درپردہ جماعت احمدیہ کو عدالت میں بدنام کرنا تھا۔ صرف اپنے متعلق امور ہی پر عدالت عالیہ میں نگرانی دائر کی۔ اب ضرورت تھی کہ جماعت احمدیہ خود اپنی اور سلسلہ کے بزرگوں کی پوزیشن صاف کرنے کے لئے قانونی چارہ جوئی کرے۔ چنانچہ حضرت مرزا شریف احمد

صاحب کی طرف سے عدالت عالیہ لاہور میں اس غیر منصفانہ فیصلہ کے ایسے حصوں کے خلاف جن میں سلسلہ احمدیہ کی توہین کی گئی تھی۔ [۴۷۴] نگرانی دائر کی گئی اور شیخ بشیر احمد صاحب بی۔اے 'ایل۔ایل۔بی ایڈووکیٹ ہائیکورٹ اس مقدمہ کے پیروکار مقرر کئے گئے۔ مقدمہ کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے مشہور قانون دان ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو بیرسٹرایٹ لاء الہ آباد ہائیکورٹ و سابق ممبر وائسرائے کونسل اس مقدمہ میں پیروی کے لئے بلائے گئے اور سلسلہ کے بہت سے بزرگ اور مخلص اصحاب اور کارکن رات دن نہایت محنت سے کام کرتے رہے۔ [۴۷۵] آخر ۱۱/ نومبر ۱۹۳۵ء کو آنریبل مسٹر جسٹس کولڈ سٹریم جج عدالت لاہور نے اس نگرانی کا فیصلہ کیا جس میں مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ کی دھجیاں اڑاتے ہوئے بہت سے ایسے فقرے قلم زن کر دیئے جو سلسلہ احمدیہ اور بزرگان سلسلہ کی توہین کا موجب تھے۔ نیز مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ کے خلاف سخت ریمارکس دیئے اور لکھا کہ "مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کیوں ایسے جملوں کو قلمزد کرنے میں اس اختیار کا استعمال نہ کیا جائے جو اگرچہ شہادت پر مبنی ہیں لیکن وہ کسی شخص کے کیریکٹر پر حملہ ہیں یا امور زیر تنقیح سے انہیں کوئی واسطہ نہیں اور ایک عدالت نے خواہ مخواہ اپنا راستہ چھوڑ کر بے ضرورت انہیں اپنے فیصلہ کا حصہ بنا لیا ہے...... فیصلہ زیر بحث میں بعض جگہ ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن سے شبہ ہوتا ہے کہ آیا فاضل جج نے پورے طور پر منصفانہ نگاہ سے معاملہ پر غور بھی کیا ہے (یا نہیں) اس کا بہت سا حصہ مبالغہ آمیز ہے یہ بات بعض ان جملوں سے عیاں ہو جاتی ہے جن پر اعتراض کیا گیا ہے مثلاً فیصلہ کے ابتداء میں جہاں جج نے بعض باتیں بیان کی ہیں جو ان کی رائے میں امور زیر تنقیح سے تعلق رکھتی ہیں جج نے قادیانی مذہب کے متعلق "بدعتی" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قادیانیوں کے عقائد کی خوبیاں یا نقائص اس مقدمہ میں عدالت کے زیر غور نہ تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔ پس اس قسم کی زبان کا استعمال افسوسناک ہے"۔ [۴۷۶]

اس مقدمہ میں شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ ہائیکورٹ لاہور' مرزا عبد الحق صاحب پلیڈر گورداسپور' مولوی فضل دین صاحب پلیڈر قادیان' چوہدری اسد اللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء ایم ایل سی لاہور' جناب پیر اکبر علی صاحب ایڈووکیٹ ایم۔ایل۔سی فیروزپور' مسٹر سلیم صاحب بیرسٹر لاہور' مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری اور ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو الہ آباد کی سعی اور محنت قابل شکریہ و امتنان تھی۔ [۴۷۷]

حکومت پنجاب کا خفیہ سرکلر

اسی زمانہ میں جبکہ جماعت احمدیہ کے خلاف مقدمہ چل رہا تھا حکومت پنجاب نے ایک خفیہ سرکلر جاری کیا کہ احمدی مشتبہ لوگ ہیں ان کی نگرانی رکھی جائے اس خفیہ سرکلر کا پتہ کس طرح لگا؟ اس بارے میں سیدنا حضرت

خلیفتہ المسیح الثانیؓ کا بیان ہے کہ "ایک ڈپٹی کمشنر نے ہمارے ایک دوست کو جو اس کا بھی دوست تھا اس کی اطلاع دے دی کہ ایسی چٹھی آئی ہے کہ جماعت احمدیہ اب خراب ہو گئی ہے اس کا خیال رکھا جائے مگر جب ہم نے گورنمنٹ سے اس بارے میں دریافت کیا تو اس نے انکار کر دیا کہ ایسا کوئی سرکلر نہیں گیا۔ مگر خدا تعالیٰ جب پکڑتا ہے تو ایسا پکڑتا ہے کہ کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ اس نے ہمارے لئے یہ سامان کر دیا کہ راولپنڈی کے ایک تھانہ کی پولیس کا ایک ہیڈ کانسٹیبل ایک احمدیہ جماعت کے ہاں گیا اور کہا کہ جن لوگوں نے قادیان جانا ہے .... وہ اپنے نام لکھوائیں۔ حکومت کی طرف سے یہ ہدایت آئی ہے کہ جو لوگ قادیان جانا چاہیں ان کی نگرانی کی جائے .... اس جماعت نے مجھے اس کی اطلاع دی اور ہم نے حکومت کو لکھا کہ اب بتاؤ اس کا کیا جواب ہے؟ مگر اس کا کوئی جواب اس کے پاس نہ تھا۔ وہ صرف یہ کہتے رہے کہ ہم نے کوئی ایسا آرڈر نہیں دیا اور آخر میں کہا کہ آپ اس معاملہ میں زیادہ زور نہ دیں اور بات کو ختم کر دیں۔ ہم نے اس بارہ میں ضلع میں بھی تحقیق کی اور معلوم ہوا کہ اس تھانہ میں خفیہ آرڈر آیا تھا تھانیدار اتفاق سے چھٹی پر تھا اور حوالدار انچارج تھا۔ وہ شراب کا عادی تھا اور نشہ کی حالت میں تھا ہدایت پر کانفیڈنشل لکھا ہوا تھا۔ لیکن اس نے نشہ کی حالت میں اس کا خیال نہ کیا اور جھٹ پروانہ لے کر وہاں جا پہنچا۔ آخر جب ہم نے بار بار اس کا جواب مانگا۔ تو چیف سیکرٹری نے کہا کہ بس اب اس بات کو چھوڑ دیں زیادہ تنگ نہ کریں اور اب اس سوال کا جواب نہ مانگیں تو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں ہماری ایسی مدد فرمائی کہ بار بار حکومت کو اپنی غلطی تسلیم کرنی پڑی"۔ [۳۷۸]

مجلس مشاورت ۱۹۳۵ء میں فتنہ انگیزی

۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳/ اپریل ۱۹۳۵ء کو جماعت احمدیہ کی مجلس مشاورت تھی۔ اس موقعہ پر مخالفین نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز ایک ایسی مسجد بنالی جو احمدیوں کی گزرگاہ تھی اور جس کے اردگرد احمدیوں کے بکثرت مکان تھے۔ مشاورت کے ایام میں ایک امرتسری مولوی نے اسی مسجد میں سخت دلازار تقریر کی۔ [۳۷۹] جس میں غلط بیانی کرتے ہوئے یہاں تک کہا کہ مرزائی منارۃ المسیح پر چڑھ کر روزانہ کہتے ہیں "اشھد ان [۳۸۰] مرزا رسول اللہ"۔ [۳۸۱] پولیس نے ایک بہت بڑی جمعیت اس جگہ مقرر کر دی جو ان لوگوں کے لئے خاص طور پر تقویت کا موجب ہوئی۔ [۳۸۲]

حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی طرف سے دشمنوں کی ناکامی کی حیرت انگیز پیشگوئی

ہندوستان کے مسلمان سیاسی لیڈر ابھی تک بظاہر خاموشی اختیار کئے ہوئے تھے بلکہ ان کا کثیر حصہ یہ اپلیں کر رہا تھا کہ ہمیں فتنہ و فساد اور

آپس کے تفرقہ سے بچنا چاہئے۔ [۲۸۳] اسی طرح اعلیٰ عہدہ داروں پر بھی سکوت طاری تھا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ طوفان مخالفت بڑھتا چلا جاتا ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ ہم پیچھے کیوں رہیں۔ اس خیال کا آنا تھا کہ پہلے سر مرزا ظفر علی صاحب سابق جج ہائیکورٹ لاہور نے ایک بیان شائع کر دیا۔ کہ "اگر حکومت مسلمانوں کے زائل شدہ اعتماد کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتی ہے تو مرزائیوں کو جداگانہ اقلیت قرار دینا چاہئے"۔ ان کے بعد ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب بھی میدان میں نکل آئے اور آخر میں علامہ عبداللہ یوسف علی صاحب (پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور نے) جو اس کشمکش سے ہمیشہ مجتنب رہا کرتے تھے جماعت کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کر دیا اس طرح احرار کی مخالفت وسط ۱۹۳۵ء میں نقطہ عروج تک پہنچ گئی۔ اور ملک کی تمام طاقتیں احمدیت کو کچلنے میں پوری طرح سرگرم عمل ہو گئیں اور احمدیوں کا ملک میں زندہ رہنا بالکل ناممکن نظر آنے لگا۔ اس خطرناک فضا میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۴/ مئی ۱۹۳۵ء کو مسجد اقصیٰ قادیان کے منبر پر ایک ولولہ انگیز خطبہ میں دشمنان احمدیت کی ناکامی کی واضح ترین لفظوں میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"میں تمام مخالفوں اور ان کے ہمنواؤں کو حضرت نوح علیہ السلام کے الفاظ میں ہی کہتا ہوں تم سارے مل جاؤ اور اپنی تمام تدابیر احمدیت کو کچلنے کے لئے اختیار کرو۔ قادیان کے ان منافقوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لو۔ جو کھلم کھلا تمہاری تائید کر رہے ہیں۔ اور ان منافقوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لو جو نمازیں پڑھتے روزے رکھتے اور جماعت کے دیگر کاموں میں حصہ لیتے ہیں مگر اپنی پرائیویٹ مجلسوں میں سلسلہ کے نظام پر ہنسی اڑاتے اور اس کی تحقیر و تذلیل کرتے ہیں تم سارے مل جاؤ اور دن اور رات منصوبے کرو اور اپنے منصوبوں کو کمال تک پہنچا دو اور اپنی ساری طاقتیں جمع کر کے احمدیت کو مٹانے کے لئے تل جاؤ پھر بھی یاد رکھو تم سب کے سب ذلیل و رسوا ہو کر مٹی میں مل جاؤ گے تباہ و برباد ہو جاؤ گے اور خدا مجھے اور میری جماعت کو فتح دے گا کیونکہ خدا نے جس راستہ پر مجھے کھڑا کیا ہے وہ فتح کا راستہ ہے جو تعلیم مجھے دی ہے وہ کامیابی تک پہنچانے والی ہے اور جن ذرائع کے اختیار کرنے کی اس نے مجھے توفیق دی ہے وہ کامیاب و بامراد کرنے والے ہیں اس کے مقابلہ میں زمین ہمارے دشمنوں کے پاؤں سے نکل رہی ہے اور میں ان کی شکست کو ان کے قریب آتے دیکھ رہا ہوں۔ [۲۸۴] وہ جتنے زیادہ منصوبے کرتے اور اپنی کامیابی کے نعرے لگاتے ہیں اتنی ہی نمایاں مجھے ان کی موت دکھائی دیتی ہے...... آج خدا یہ دکھانا چاہتا ہے کہ انسانی طاقتیں اس کے ارادہ کے سامنے ہیچ اور ذلیل ہیں آج خدا اپنی طاقت دکھانا چاہتا ہے اور اپنے جلال کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے میں تمام دشمنوں کے سامنے نڈر ہو کر کھڑا ہوں اور کھڑا رہوں گا۔ اور ہر مخلص احمدی سے بھی یہی توقع رکھتا ہوں کہ وہ دشمن کے سامنے

سینہ سپر رہے گا۔ اس لئے میں مخالفوں سے کہوں گا۔ وہ جتنی طاقتیں ہمارے خلاف جمع کرنا چاہتے ہیں ان سب کو جمع کرلیں اور متحدہ طور پر ہمارا مقابلہ کریں ہم خدا کے فضل سے ان سے ڈرتے نہیں بلکہ خوش ہیں کہ اس طرح خدا کی مخفی طاقتیں ظاہر ہوں گی اور لوگوں کو پتہ لگے گا کہ ہمارا سلسلہ انسانوں کا قائم کردہ نہیں بلکہ خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودہ ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ جس وقت یہ فتنہ دور ہو گا ہمارے مخالف اور اندرونی منافق و بازدہ چوہوں کی طرح مرجائیں گے اور دشمن کے ہاتھوں کو توڑ کر خدا تعالیٰ ہماری جماعت کو نئی طاقت نئی عظمت اور نئی شہرت عطا کرے گا اور وہ شرفا ہندوؤں سکھوں اور عیسائیوں میں سے جو ناواجب طور پر ہم پر حملہ آور نہیں ہوئے اللہ تعالیٰ ان کی اس نیکی کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ اس کا انعام یا تو انہیں ہدایت کی صورت میں دے دے گا۔ اور یا دینوی ترقیات کے ذریعہ ان کی اس نیکی کا انہیں پھل دے دے گا"۔ [۳۸۵]

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی ملاقات لارڈ ولنگڈن سے

۱۹۳۵ء کے وسط میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن سے ملاقات کی جس کا تذکرہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے درج ذیل الفاظ میں فرمایا۔

"مجھے چودھری ظفر اللہ خان صاحب کی یہ بات بہت ہی پیاری معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے لارڈ ولنگڈن سے ۱۹۳۵ء کی گرمیوں میں کہی جبکہ وہ ہندوستان کے وائسرائے تھے انہوں نے کہا۔ سر ایمرسن اپنے آپ کو بہت دور اندیش خیال کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ احمدیہ جماعت بوجہ اپنی تنظیم کے اور ایک امام کے تابع ہونے کے برطانوی حکومت کے لئے ایک ممکن خطرہ ہے اور اس خیال سے وہ احمدیہ جماعت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ تاریخ سے قطعاً ناواقف معلوم ہوتے ہیں یا کم سے کم انہوں نے تاریخ کا صحیح طور پر مطالعہ نہیں کیا کیونکہ اگر وہ ایسا کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ جب کبھی کسی "شاہنشاہیت" نے کسی مذہب سے ٹکر لگائی ہے ہمیشہ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ ایمپائر تباہ ہو گئی ہے۔ مگر مذہب تباہ نہیں ہوا اور سچی بات یہی ہے کہ ایمپائرز جب مذاہب سے ٹکراتی ہیں وہ مٹ جاتی ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کا قائم کیا ہوا کوئی مذہب آج تک دنیا سے نہیں مٹا نہ مٹ سکتا ہے"۔ [۳۸۶]

جماعت احمدیہ کی عید گاہ میں بے جا مداخلت

۱۶/ جون ۱۹۳۵ء [۳۸۷] کا واقعہ ہے کہ جماعت احمدیہ قادیان کی عید گاہ میں صیغہ جائداد صدر انجمن احمدیہ کے زیر انتظام مزدور گڑھے پر کرنے کا کام کر رہے تھے کہ بہت سے احراری وہاں جمع ہو گئے اور انہوں نے مزدوروں سے کدالیں اور ٹوکریاں چھین لیں اور بعض

احمدیوں کو زدو کوب بھی کیا۔ اس کے بعد اور مزدور بھیجے گئے جنہیں نئی ٹوکریاں اور کدالیں دی گئیں اتنے میں پولیس بھی انچارج چوکی کی زیر سرکردگی پہنچ گئی۔ مزدوروں نے ابھی مٹی کی دو ایک ٹوکریاں ہی ڈالی ہوں گی کہ احراریوں نے (جو پہلے حملہ کے بعد دور جا کھڑے ہوئے تھے) آگے بڑھنا شروع کر دیا ساتھ ہی انچارج پولیس سپاہیوں سمیت آگے بڑھے اور صدر انجمن احمدیہ کے مختار (منشی محمد الدین صاحب ملتانی کو نہایت گندی اور فحش گالیاں دیتے ہوئے ہتھکڑی لگائی اور گولی چلانے کی دھمکی دی۔ اس کے بعد مالکان دیہہ کے مختار عام کو بھی (جو ایک معمر بزرگ تھے اور اس موقعہ پر موجود تھے) ہتھکڑی پہنا دی ساتھ ہی ان چار نوجوانوں کو جو کیمرہ کے ذریعہ تصویر لینے کے لئے وہاں بھیجے گئے تھے گرفتار کر لیا گیا اور ان کے کیمرے ضبط کر لئے۔ مگر اس کے مقابل حملہ آور احراریوں میں سے صرف چار زیر حراست لئے گئے۔ اور پولیس نے یہ "کارنامہ" دکھانے کے بعد احمدیوں کو ہتھکڑی لگائے ہندو بازار میں سے گزارا دس بجے کے قریب مجسٹریٹ علاقہ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس پہنچ گئے مگر مظلوم احمدیوں کی کوئی دادرسی نہ ہوئی اور نہ انہیں اپنی عید گاہ کی مرمت کرنے کی اجازت مل سکی۔ [۲۸۸]

عید گاہ میں گرفتار شدہ احمدی مجسٹریٹ صاحب علاقہ بٹالہ کے سامنے پیش کئے گئے جہاں سے وہ ضمانت پر رہا ہوئے اور بالا خر بے قصور ثابت ہو کر بری کر دیئے گئے۔ اس مقدمہ میں بھی شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور، مرزا عبدالحق صاحب پلیڈر گورداسپور اور مولوی فضل الدین صاحب پلیڈر نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ [۲۸۹]

جور و جفا کے واقعات میں اضافہ

عید گاہ میں مداخلت کے بعد قادیان میں فتنہ نے بہت زور پکڑ لیا اور ۱۵/ جون کو بعض احراریوں اور ہندوؤں سے سنا گیا کہ اب احمدیوں کے گلے زبردستی پڑ جانا چاہئے۔ تا کسی طرح فساد ہو جائے۔ اس بناء پر خان صاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ نے ۲۷/ جون ۱۹۳۵ء کو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس بٹالہ کیمپ، مقامی حکام اور صوبہ کے اعلیٰ حکام کو مطلع کیا کہ ہمیں بعض ذرائع سے یہ علم ہوا ہے کہ ہمارے پیارے امام اور دوسرے قابل احترام بزرگ ہستیوں نیز احمدی مستورات پر حملہ کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ [۲۹۰] اس کے بعد چند ہفتوں کے اندر اندر جو واقعات وقوع پذیر ہوئے ان میں سے بعض کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ ایک شام کو جبکہ مسجد نور میں ایک پبلک جلسہ ہو رہا تھا قادیان کے تمام احراری اور بعض ہندو سکھ عید گاہ میں جمع ہوئے ان کا ارادہ تھا کہ عید گاہ کی دیوار اور منبر کو گرا کر بعض فرضی قبریں بنا دی جائیں لیکن وقت پر اطلاع پہنچ جانے کی وجہ سے وہ اپنے منصوبہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔

۲۔ میاں عبداللہ صاحب کشمیری عرف عبدل کو جب معلوم ہوا کہ احراریوں کا منشا یہ ہے کہ احمدیہ

عید گاہ اور دوسری احمدی عمارتیں گرادی جائیں تو وہ مہتہ عبد الرزاق صاحب فوٹوگرافر کو ان عمارتوں کا فوٹو لینے کے لئے عید گاہ میں لے گئے جہاں ایک احراری نے حملہ کردیا کیمرہ توڑ ڈالا اور دونوں کو دھکے دیئے۔ [۲۹۱]

۳۔ قادیان کے محلہ ریتی چھلہ کا ایک قطعہ مسجد کے لئے مخصوص کیا جاچکا تھا۔ اس لئے احمدیوں نے اس میں نماز پڑھنی شروع کردی تھی۔ یہ دیکھ کر مخالف بھی اسی قطعہ کے قریب حصہ شاملات میں نماز پڑھنے لگے۔ [۲۹۲] اور ۴/ جولائی ۱۹۳۵ء کی رات کو ایک جلسہ میں دھمکی دی کہ ہم احمدیوں کے ان مقامات پر قبضہ کرلیں گے۔ [۲۹۳]

۴۔ ۷/ جولائی ۱۹۳۵ء کو احرار نے شاملات قصبہ پر اینٹیں ڈلوا کر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ [۲۹۴]

۵۔ ۸/ جولائی ۱۹۳۵ء کو پونے تین بجے بعد دوپہر قادیان کے ایک احمدی خوشی محمد صاحب ولد نبی بخش صاحب مجروح کئے گئے اور ان کے کپڑے پھاڑ دیئے گئے۔ [۲۹۵]

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ پر قاتلانہ حملہ

کئی ہفتوں سے محسوس ہونے والا خطرہ آخر ۸/ جولائی ۱۹۳۵ء کو ظہور پذیر ہوگیا یعنی اس روز شام کے چھ بجے کے قریب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لخت جگر حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب پر جبکہ آپ اپنے دفتر (نظامت خاص) سے اپنے مکان کی طرف بائیسکل پر تشریف لے جارہے تھے قاتلانہ حملہ کردیا گیا۔ حملہ آور [۲۹۶] قادیان کے ایک تکیہ کے فقیر کا بیٹا اور ایک آوارہ گرد شخص تھا۔ جس نے دھات کا سم چڑھی لاٹھی سے حضرت صاحبزادہ صاحبؓ پر اچانک وار کردیا اس بدبخت کا ارادہ قتل کرنے کا تھا مگر آپ چونکہ سائیکل پر تھے لٹھ گرتے گرتے آپ آگے نکل گئے اور لٹھ پشت پر پڑا۔ آپ فوراً اتر کر حملہ آور کی طرف ہوئے تو اس نے دوسری ضرب پھر سر پر ماری لیکن آپ نے اسے نہایت جانبازی اور بہادری کے ساتھ اپنے ہاتھ سے تھام لیا حملہ آور بھاگ گیا اور آپ خدا کے فضل و کرم سے معجزانہ طور پر بچ گئے ورنہ اس ظالم وسفاک نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

اس المناک واقعہ کی خبر آگ کی طرح پہلے قادیان میں اور پھر سارے ملک میں پھیل گئی اور جس جس احمدی کے کانوں تک پہنچی دنیا اس کی نظروں میں تاریک ہوگئی۔ ہر جگہ کہرام مچ گیا بہتوں کی بے اختیار چیخیں نکل گئیں اور وہ زاروقطار رونے لگے۔

قلم اس زبردست جوش اور ہیجان کا نقشہ کھینچنے سے قاصر ہے جو اس ظلم و ستم اور وحشت و بربریت کے نتیجہ میں احمدیوں کے قلوب میں پیدا ہوگیا۔ مگر ان قیامت خیز لمحات میں بھی جماعت احمدیہ

نے اپنے محبوب آقا کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے صبرو ضبط اور تحمل و بردباری کا بے نظیر نمونہ دکھایا۔ حق یہ ہے کہ اگر حضرت امیرالمومنینؓ کے فرمان مبارک کی وجہ سے احمدیوں کے ہاتھ جکڑے نہ ہوتے تو اس دن قادیان کی سرزمین میں سچ مچ خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔

قادیان میں فساد کرانے کے لئے شرمناک سازش

حضرت صاحبزادہ صاحبؓ پر حملہ کوئی انفرادی نوعیت کا فعل نہیں تھا بلکہ ایک سوچی سمجھی سکیم کا نتیجہ تھا جس کے پیچھے قادیان میں فساد کرانے کی سازش کارفرما تھی۔ جیسا کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۲/ جولائی ۱۹۳۵ء کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ۔

"وہ حملہ جو میاں شریف احمد صاحب پر کیا گیا ہے ہمیں عقل و جذبات کا توازن قائم رکھتے ہوئے اس کے متعلق سوچنا چاہئے کہ یہ انفرادی فعل تھا یا سازش کا نتیجہ تھا...... جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس فعل کی نوعیت بتاتی ہے کہ یہ فعل انفرادی نہیں تھا۔ نہ کوئی جھگڑا ہوا نہ فساد۔ اور نہ حملہ آور سے کوئی لین دین کا معاملہ تھا راستہ چلتے چلتے اس شخص نے حملہ کر دیا۔ اب سوال یہ ہے اگر یہ فعل انفرادی نہ تھا تو پھر کیا یہ فعل صرف انگیخت کا نتیجہ تھا؟ یا سازش کا؟ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ انسان کسی کو کہتا تو کچھ نہیں مگر ایسی جوش کی باتیں کرتا ہے کہ دوسرے کو خواہ مخواہ غصہ آجاتا ہے اور وہ کوئی ناروا حرکت کر بیٹھتا ہے۔ یہ تو ہے انگیخت اور سازش یہ ہے کہ کسی خاص آدمی کو خاص کام کے لئے متعین کر دیا جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس فعل میں انگیخت ضرور تھی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ گزشتہ ایام میں قادیان میں ایسی تقریریں کی گئیں جن میں بار بار سلسلہ کے ارکان اور مقدس مقامات پر حملہ کرنے کی تحریکیں کی گئی تھیں۔ ہمیں اس کی رپورٹیں برابر پہنچتی رہی ہیں اور اگر میں غلطی نہیں کرتا تو حکومت کے پاس بھی ضرور پہنچی ہوں گی کیونکہ اس کے ایجنٹ بھی یہاں موجود ہیں ان تقریروں میں صاف لفظوں میں ہمارے خاندان کا نام لے لے کر اور مقدس مقامات کا نام لے لے کر جوش دلایا گیا۔ پس اگر اس کے لئے کوئی باقاعدہ سازش نہ کی جاتی تو ان تقریروں کے نتیجہ میں بھی بہت حد تک اس قسم کے حملہ کا امکان تھا لیکن میں بتاتا ہوں کہ معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے اور یقیناً سازش کا نتیجہ ہے۔

آج سے دو ماہ پہلے سے مجھے اطلاعات مل رہی تھیں کہ احمدی زعماء پر عموماً اور مرزا شریف احمد صاحب پر خصوصاً حملہ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ان رپورٹوں میں اس گلی کا ذکر بھی تھا۔ جہاں حملہ ہوا۔ پھر اس رپورٹ میں تجاویز تک بتا دی گئی تھیں۔ اور لکھا تھا کہ ایک تجویز تو یہ ہے کہ ایک آدمی لٹھ لے کر حملہ کر دے اور ایک تجویز یہ بھی تھی کہ عورتیں رستہ میں کھڑی ہو کر گالیاں دیں اور پھر چمٹ جائیں اور گھسیٹ کر اندر لے جائیں اور کہیں کہ ہم پر حملہ کیا گیا تھا۔ پہلے جب یہ رپورٹ پہنچی تو ہم نے اسے

افواہ سمجھا لیکن جب مختلف ذرائع سے یہ خبر پہنچی تو اخبار "الفضل" میں ایک نوٹ دے دیا گیا اور ۲۷/ جون کو سرکاری افسروں کو بھی اس کی اطلاع دے دی گئی۔ چیف سیکرٹری ' انسپکٹر جنرل پولیس اور مقامی حکام کو بھی اطلاع کر دی گئی اور یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ سازش تھی۔ ہماری اطلاعات میں گلی کا بھی ذکر تھا بلکہ کئی آدمیوں کا جو اس سازش میں حصہ لے رہے ہیں ساتھ ہی حملہ کے ذرائع کا بھی ذکر تھا اور غرض بھی بتائی گئی تھی کہ احمدی جوش میں آکر حملہ کریں گے۔ اس پر انہیں نیزان کے ہمدرد حکام کو یہ کہنے کا موقعہ مل جائے گا کہ احمدیوں نے حملہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ اس طرح فساد کرا کے سیشن جج گورداسپور کے فیصلہ کے خلاف ہم جو اپیل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے خلاف مواد مہیا کیا جائے اور چونکہ ہماری پہلی تاریخ میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ملتی اور اس کی تائید میں کوئی دلیل نہیں اس لئے نئی دلیل پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔...... پس اس حملہ کا اندازہ اس امر سے نہیں ہونا چاہئے کہ کرنے والا کون تھا اور جس پر کیا گیا وہ کون؟ بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ کس ارادہ کے ماتحت یہ کیا گیا۔ یہ حملہ ایک معزز احمدی پر ایک ذلیل آدمی کی طرف سے ہونے کی وجہ سے ہی اس کی اہمیت نہیں بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ اس کا مقصد کیا تھا۔ اس کا مقصد یقیناً یہی تھا کہ قادیان میں فساد کرایا جائے لڑایا جائے اور جماعت احمدیہ کو بدنام کیا جائے۔ وہ لاٹھی جو چلائی گئی وہ اس غرض سے تھی کہ سینکڑوں ہزاروں جسموں پر لاٹھیاں پڑیں پس ان لاٹھیوں کی اہمیت اسی حملہ پر ختم نہیں ہو جاتی۔ اگر اتفاقاً اس حملہ کے وقت اور احمدی ساتھ چل رہے ہوتے یا اگر خود مرزا شریف احمد صاحب ہی جوش میں آجاتے تو وہاں دوسرے احراری بھی بیٹھے تھے فوراً ایک قومی لڑائی بن جاتی اور پھر حکومت کے پاس رپورٹ چلی جاتی کہ اس طرح احمدیوں نے حملہ کیا اور بلوہ ہو گیا۔

میں تمہارے اندر یہ روح پیدا کرنا نہیں چاہتا کہ اگر کوئی شخص تم کو مارے بھی تو تمہارا بولنا مفاد سلسلہ کے لئے مضر ہے۔ جماعتوں میں لوگ پکڑے بھی جاتے ہیں پیٹے بھی جایا کرتے ہیں اور قید بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کو نظرانداز کر کے میں جس پہلو کو لے رہا ہوں وہ یہ ہے کہ اس حملہ کی غرض یہ تھی کہ فساد کر کے جماعت احمدیہ کو بدنام کیا جائے۔ اور یہ ثابت کیا جائے کہ جماعت احمدیہ فساد کرتی ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ وہ دشمن جو ہمیں ذلیل کرنا چاہتا تھا دنیا کی نظروں میں ذلیل ہو گیا۔ دشمن کی شدید انگیخت کے باوجود یہاں امن قائم رہا گویا صیاد نے جو جال ہمارے لئے بچھایا تھا وہ خود اس کا شکار ہو گیا۔ جب دنیا کے سامنے یہ بات آئے گی کہ اس حملہ سے پہلے ہمیں اس کی اطلاع تھی اور ہم نے حکومت کو اس کی اطلاع دے دی تھی جس نے قطعاً کوئی کارروائی نہیں کی۔ اور وہ یہ واقعات

پڑھے گی کہ ایک ذلیل گداگر جس کی ساری عمر احمدیوں کے ٹکڑوں پر بسر ہوئی ہے مرزا شریف احمد صاحب پر حملہ آور ہوا اور احمدی پھر بھی خاموش رہے تو وہ وقت تمہاری فتح کا ہو گا۔ ہماری جماعت تاریخی جماعت ہے آئندہ کوئی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی جب تک جماعت احمدیہ کی تاریخ کا ذکر نہ کرے یہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے عنقریب دنیا پر چھا جانے والی ہے پس جو کچھ تم سے ہو رہا ہے اس کا بدلہ تاریخ لے گی۔ اور آج جو لوگ تمہارے حقوق تلف کر رہے ہیں ان کی نسلیں انہیں گالیاں دیں گی کیونکہ کون ہے جو اپنے آباء کی شرارتوں کا ذکر تاریخوں میں پڑھ کر شرمندہ نہیں ہوتا بے شک آج لوگ ہم پر ظلم کر کے ہنستے ہیں جس طرح رسول کریم ﷺ پر اونٹوں کی اوجھڑی ڈالنے والے ہنستے تھے۔ ان لوگوں کو کیا معلوم تھا کہ ان کی اس حرکت کو ہزار سال تک یاد رکھا جائے گا۔ اور یہ ہمیشہ کے لئے ان کی ناک کاٹنے کا موجب ہو جائے گی آج بھی ہمارے دشمن اور بعض حکام خوش ہوتے ہیں اور اسے ایک کھیل سمجھتے ہیں مگر انہیں کیا معلوم ہے کہ یہ باتیں تاریخوں میں آئیں گی۔ بڑے سے بڑے مورخ کے لئے یہ ناممکن ہو گا کہ ان واقعات کو نظرانداز کر دے کیونکہ ان کے بغیر اس کی تاریخ نامکمل سمجھی جائے گی۔ پڑھنے والے ان باتوں کو پڑھیں گے اور حیران ہوں گے ان لوگوں کی انسانیت پر جنہوں نے یہ افعال کئے اور حیران ہوں گے ان حکام کے رویہ پر جنہوں نے علم کے باوجود کوئی انتظام نہ کیا اور آنے والی نسلوں کی رائے ان کے خلاف ہو گی ان کی وہ چیز جس کے لئے انسان جان کی قربانی کر سکتا ہے یعنی نیک نامی برباد ہو جائے گی"۔ ۲۹۷

دوسرا باب (فصل یازدھم)

حادثہ شہید گنج اور احرار کا عبرتناک انجام

مخالفین احمدیت خوشی کے مارے پھولے نہیں سما رہے تھے کہ ہم احمدیوں کے خلاف ملک گیر شورش برپا کرنے اور بانی جماعت احمدیہ کے لخت جگر پر لاٹھی چلانے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور اب عنقریب احمدیت کا نام و نشان مٹا دیں گے کہ اچانک خدا کی بے آواز لاٹھی مسجد شہید گنج کے قضیہ کی شکل میں نمودار ہوئی اور ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اور اس واقعہ نے ان کا سارا اثر و اقتدار خاک میں ملا کر رکھ دیا اور سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔

لاہور کے ریلوے سٹیشن سے دہلی دروازے کی طرف جائیں تو ٹیکنیکل سکول کے عقب میں جہاں سے لنڈا بازار شروع ہوتا ہے ایک بہت پرانی مسجد تھی جسے عام طور پر مسجد شہید گنج کہا جاتا تھا۔ جب تک لاہور پر سکھوں کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ اس مسجد میں مسلمان باقاعدہ نماز ادا کیا کرتے تھے مگر اس کے بعد سکھوں نے اس پر قبضہ کر لیا اور اسی وقت سے یہ مسجد سکھوں کے قبضے میں چلی گئی تھی۔

جون ۱۹۳۵ء میں یکایک پنجاب کے مختلف حصوں سے سکھوں کے جتھے لاہور آنا شروع ہوئے اور ساتھ ہی شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ سکھ مسجد شہید گنج کو مسمار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں آہستہ آہستہ یہ خبر پایہ یقین تک پہنچ گئی تو مسلمان لیڈروں کے ایک وفد نے گورنر پنجاب سر ہربرٹ ایمرسن سے عرض کی کہ یہ مسجد محکمہ آثار قدیمہ کی تحویل میں دے دی جائے اور جب تک اس تجویز پر باضابطہ عمل نہ ہو حکومت کو چاہیئے کہ دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر دے تا مسجد کا فوری انہدام رک جائے۔ گورنر پنجاب نے یہ بات ٹال دی۔ اس کے بعد مسلمانوں کے وفد نے سکھ لیڈروں سے گفتگو کی تو سکھوں نے کم از کم اس بارے میں مسلمانوں کو مطمئن کر دیا کہ جب تک شرومنی گوردوارہ پربندھک کمیٹی مسلمانوں کی اس تجویز پر اچھی طرح غور نہیں کرے گی اس وقت تک مسجد مسمار نہیں کی جائے گی۔ [۲۹۸]

ابھی یہ گفت و شنید جاری تھی کہ ۸/ جولائی کی صبح کو سکھوں نے یکایک مسجد مسمار کر دی۔ اور اس کے بعد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کی طرف سے شہر میں کرفیو آرڈر نافذ کر دیا گیا۔ [۲۹۹] جس سے فرقہ

وارانہ کشیدگی میں بظاہر نسبتاً سکون نظر آنے لگا۔ لیکن ۱۹/ جولائی کو حالات نے تشویشناک صورت اختیار کرلی۔ اس روز شاہی مسجد میں نماز جمعہ کے بعد مسلمانوں کا ایک جلوس شہر کی طرف روانہ ہوا۔ جو سرکاری بیان کے مطابق مسجد شہید گنج کی طرف جانا چاہتا تھا پولیس کی ایک بھاری جمعیت نے اسے روک لیا اور لاٹھی چارج کردیا۔ تین چار دفعہ لاٹھی چارج کئے جانے کے باوجود جلوس منتشر نہ ہوا۔ بلکہ جلوس کے تمام آدمی زمین پر لیٹ گئے اور وہیں پڑے رہے۔ دیر کے بعد آگ بجھانے والے انجن سے پانی کی بوچھاڑ کی گئی اور پولیس نے کئی مسلمانوں کو گرفتار کرنا چاہا لیکن بعض افراد کے گرفتار ہونے کے بعد لوگوں نے مزاحمت شروع کی اور خود بخود پولیس کی لاریوں میں بیٹھنے لگے۔ آخر پولیس نے تنگ آکر گرفتار کرنا چھوڑ دیا۔ لوگوں نے لاریوں کے ٹائر پھاڑ دیئے غرض یہی صورت ساری رات قائم رہی۔ نہ جلوس منتشر ہوا۔ نہ صورت حال میں کوئی تبدیلی ہوئی۔

دوسرے دن ۲۰/ جولائی کو ریلوے کارخانوں میں تعطیل تھی۔ اس لئے جلوس میں بہت سے افراد کا اضافہ ہو گیا اور وہ آہستہ آہستہ دہلی دروازے کے بعد کوتوالی کے عین سامنے پہنچ گیا جہاں سے مسجد "شہید گنج" قریباً ڈیڑھ فرلانگ پر ہے۔ کوتوالی کے سامنے مقامی افسروں کی ایک تعداد پولیس کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ موجود تھی۔ لنڈا بازار کی طرف جانے والے راستے پر زبردست فوجی پہرہ تھا۔ ہر چند کوشش کی گئی مگر جلوس منتشر نہ ہوا بلکہ زخمیوں کو دیکھ کر اور بھی مشتعل ہو گیا۔ آخر پونے نو بجے گولی چلا دی گئی بہت سے مسلمان مجروح اور چار جاں بحق ہو گئے۔ جس سے مسلمانوں میں زبردست ہیجان پیدا ہو گیا۔ [۶۰۰]

عام مسلمانوں کا خیال تھا کہ احرار شہید گنج کے حادثہ خونین پر مسلمانوں کی قیادت کے فرائض انجام دیں گے لیکن عملاً ہوا یہ کہ مسلمانوں کا خون بہایا جاتا رہا۔ مگر احراری لیڈر اپنے دفتر میں جو (مسجد شہید گنج سے قریب ہی تھا) نہ صرف آرام سے بیٹھے رہے۔ بلکہ مسجد پر قربان ہو جانے والے مسلمانوں کو حرام موت [۶۰۱] مرنے والا قرار دے دیا۔ اور اس افسوسناک طرز عمل کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ کانگریس کے پروگرام کے مطابق آئندہ (انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت ہونے والے) ملکی انتخابات کے لئے راہ ہموار کر رہے تھے اور اس بارے میں پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں سے درپردہ گٹھ جوڑ کر چکے تھے۔ چنانچہ احراری لیڈروں نے "پسرور تبلیغ کانفرنس" میں صاف طور پر کہہ دیا کہ۔

"ہمارے سامنے قادیانیوں کی مخالفت اور کونسل کا پروگرام ہے۔ اس لئے ہم ایسی تحریک میں شامل ہونے کے لئے تیار نہیں جس سے شمولیت کے ساتھ ہی جیل کی ہوا کھانی پڑے اور یہ پروگرام ادھورے رہ جائیں۔ ہم غلام ہیں۔ ہماری مسجدیں کیسے آزاد رہ سکتی ہیں صبر سے کام لینا چاہئے۔ سکھ خود

بخود مسجد حوالہ کردیں گے"۔ [402]

اصل بات تو یہی تھی مگر حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے احراری لیڈروں نے کئی بہانے تراشے۔ مثلاً چودھری افضل حق صاحب نے کہا۔ "بحالات موجودہ ہندوستان کا آزاد ہونا آسان ہے۔ مگر مسجد کا واگزار ہونا مشکل ہے۔ کیونکہ...... مسجد کی بحالی کے لئے انگریزی گولی' سکھ کی کرپان' ہندو کے سرمایہ کا مقابلہ کرنا ہوگا"۔ [403]

پھر انگریزی عدالتوں کے احترام پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"ہرچند مسجد کا معاملہ اور شریعت کا مسئلہ تھا تاہم انگریزی عدالتوں کا قانون گوارا کرکے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ مسلمان اپنے تمام مذہبی احساسات کے باوجود غیر مسلم کے معاملہ میں غیر مسلم عدالتوں کے فیصلہ کا احترام کرنے کو بھی تیار ہیں۔ یہی اسلام کی ہمیشہ کی سپرٹ تھی اور خدا کے فضل سے اب بھی وہ قائم ہے"۔ [404]

نیز سول نافرمانی کو بے فائدہ قرار دیتے ہوئے یہ دلیل دی کہ۔ "ایک سو ستر سال کے مخالفانہ قبضہ کو سول نافرمانی کے ذریعہ سے مسترد کرنے کی کوشش کرنا انگریزی حکومت میں صولت فاروقی کے خواب دیکھنے سے کم نہیں"۔ [405]

اس عذر پر مسلمانوں کی طرف سے پرزور سوال اٹھایا گیا کہ "اگر کشمیر کے معاملے میں سول نافرمانی ہو سکتی تھی تو مسجد شہید گنج کے لئے کیوں نہیں ہو سکتی"۔ اس کا جواب احراری لیڈر مولوی مظہر علی صاحب اظہر نے یہ دیا کہ..... "اگر ۹ کروڑ مسلمان بھی مسجد شہید گنج کے لئے سول نافرمانی کریں تو حکومت کا کام ہوگا۔ کہ وہ ان کی بات کو نہ مانیں۔ اگر ایک مرتبہ انگریزی حکومت اس اصول کی خلاف ورزی کرے تو اسے ہر حصہ ملک میں شدید ہنگامہ آرائیوں اور بغاوت و غدر کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ اس لئے حکومت سے اس بارے میں کسی ہمدردی یا امداد کی توقع رکھنا ایک امید موہوم ہے"۔ [406]

مولوی مظہر علی صاحب اظہر کے دو اہم خطوط

سکھوں اور ہندوؤں سے احرار لیڈروں کی سازش بعد کو مولوی مظہر علی صاحب اظہر کے مندرجہ ذیل دو خطوط سے بالکل ظاہر ہوگئی جو انہوں نے انہی دنوں چوہدری افضل حق صاحب کے نام گورداسپور سے لکھے تھے اور جن کا چربہ کامریڈ محمد حسین صاحب امرتسری نے اشتہار کی شکل میں بکثرت شائع کردیا تھا۔ [407] ان اہم خطوط کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

پہلا خط: گورداسپور ۲۴/ جولائی ۱۹۳۵ء

برادر مکرم چودھری صاحب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔

میں دورہ سے واپسی پر دفتر پہونچا۔ لیکن آپ موجود نہ تھے زبانی طور پر تمام واقعات مولوی محمد شفیع صاحب سے کہہ آیا تھا۔ غالباً انہوں نے تمام نشیب و فراز بیان کر دیئے ہوں گے۔ احتیاطاً دوبارہ عرض کرتا ہوں۔

۱۲/ جولائی کا شاہی مسجد کا اعلان بہت مفید ثابت ہوا ہے پبلک کا رجحان ہماری طرف پلٹ چکا ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ہر تیسرے چوتھے دن کے بعد ایسا ہی ہنگامہ خیز بیان شائع کر دیا جایا کرے۔ تاکہ مولوی ظفر علی خاں یا اس کی پارٹی سے عامتہ المسلمین کٹ جائیں۔ مکمل قبضہ و اقتدار حاصل ہو جانے کے بعد یہ ایجی ٹیشن فوراً ختم کی جا سکتی ہے یہ مانا کہ مسجد کا معاملہ نہایت اہم ہے۔ مگر اس میں حصہ لینے سے اگر کامیابی ہو بھی گئی تو نام ظفر علی خاں کا ہو گا۔ کیونکہ اس تحریک کا قائد وہی تسلیم کیا جا چکا ہے اور ہمارا اور مجلس کا وقار سخت خطرے میں پڑ جائے گا اور اکیلے ظفر علی خاں کی کامیابی بہت مشکل ہے۔

شاہ صاحب کو ہر ممکن طریقے سے یقین دلائیں کہ مسجد ایجی ٹیشن میں شامل ہونے سے جماعت فنا ہو جائے گی۔ انہیں مذہبی رنگ میں ہی قائل کیا جا سکتا ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن سے معلوم ہوا کہ اعلان پڑھنے کے بعد کچھ نرم ہو رہے ہیں اور انفرادی طور پر متعدد آدمیوں سے ایجی ٹیشن میں شامل ہونے کا وعدہ بھی کر چکے ہیں۔ خدا کے لئے انہیں سمجھائیے۔ ان کی شمولیت سے ہماری تمام سکیم فیل ہو جائے گی۔

مجلس مشاورت کے اجلاس میں شریک نہیں ہو سکا۔ امید ہے کہ آپ نے حسب منشاء کارروائی کرالی ہو گی۔ احقر مظہر علی اظہر"۔

دوسرا خط: گورداسپور ۸/ ستمبر ۱۹۳۵ء۔

برادر مکرم چودھری صاحب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔

میں آپ کے اس خیال سے حرف بحرف متفق ہوں کہ پیر صاحب کی مخالفت نہ کی جائے کیونکہ اس وقت قوم ان کے ساتھ ہے۔ نیز یہ مسلمہ بات ہے کہ وہ سول نافرمانی نہیں کریں گے اس لئے ان کی حمایت کرنے میں ہی ہماری بہتری ہے۔

۱۵/ ستمبر کو پیر صاحب لاہور آ رہے ہیں اپنے ورکرز کو ہدایت کر دیں کہ یہ جلسہ کامیابی سے ہونے دیں۔ نیز "مجاہد" میں نہایت تدبر کے ساتھ مخالفت بھی جاری رکھی جائے۔ اور اس جماعت میں اپنے آدمی بھی شامل کر دیئے جائیں۔ تاکہ ان کی ہر سرگرمی سے بھی اطلاع ہوتی رہے اور وقت آنے پر یہ عمارت فوراً گرائی جا سکے۔ مگر کوئی کچا آدمی ان کے نزدیک تک بھی نہ جانے دیا جائے۔ شاہ صاحب سے

کہہ دیں کہ اپنی توجہات خاکساریت کی طرف زیادہ منعطف کریں- اس دشمن کا سد باب نہایت ضروری ہے-

مسئلہ حجاز کے متعلق میرا مشورہ صرف اتنا ہے کہ سلطان کی براہ راست ہرگز مخالفت نہ کی جائے کیونکہ اس طرح یہ تحریک ہمارے لئے نقصان دہ ثابت ہو گی-

یہ مانا کہ "اس کی" انگیخت میں اس کا بھی کوئی خاص فائدہ ہو گا- مگر ہمیں اس سے کیا- ہمارا مطلب پورا پورا حل ہو جائے گا- پبلک کی توجہ شہید گنج ایجی ٹیشن سے ہٹانے کا اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں ہو سکتا- نیز اگر سلطان حجاز پر کماحقہ اثر ہو گیا تو مالی مشکلات بھی حل ہو جائیں گی اور چندے کی مصیبت سے کچھ عرصہ کے لئے نجات حاصل ہو جائے گی-

ہاں یاد آیا- ۱۶/ ستمبر کا جلسہ اگر لاہور میں ہوتا تو بہتر تھا- اگر لاہور کے حالات موافق نہ ہوں تو اچھرہ میں ہی سہی- یہ جلسہ بہت مفید رہے گا- کیونکہ تمام نمائندگان کی موجودگی میں ہو گا- اور کمزور طبیعتیں بھی مضبوط ہو جائیں گی- ۱۶/ ستمبر کے اجلاس میں شمولیت کی کوشش کروں گا- والسلام-

احقر مظہر علی اظہر

حکومت اور مجلس احرار

اس موقعہ پر حکومت احراریوں کی حمایت کے لئے کھلم کھلا میدان میں آگئی- اور لوگوں کو احرار کے خلاف کچھ کہنے یا لکھنے کی ممانعت کرنے لگی- اس حقیقت کے ثبوت میں اخبار سیاست کی مندرجہ ذیل خبر ملاحظہ ہو-

"امرتسر ۹/ اگست- آج صبح ۸ بجے چودھری محمد حسین چیمہ سب انسپکٹر پولیس اے ڈویژن مسٹر عزیز ہندی کو کوتوالی لے گئے- جہاں سے مسٹر غلام قادر سٹی کوتوال امرتسر انہیں مسٹر وشن بھگوان ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس لے گئے- دوران گفتگو میں مسٹر عزیز ہندی کو ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے تنبیہہ کی کہ مجلس احرار کے جلسہ میں جو آج بعد نماز جمعہ مسجد میاں خیرالدین مرحوم میں منعقد ہو رہا ہے کوئی گڑبڑ پیدا نہ ہو- مسٹر عزیز ہندی نے آپ سے فرمایا کہ ان کا مسلمانوں کی کسی پارٹی سے تعلق نہیں ہے اور نہ ہی جلسوں میں گڑبڑ سے ان کا کوئی سروکار ہے-

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

"سیاست"- کیا اب مجلس احرار کی ٹولی معاونت حکومت سے انکار کرنے کی جرات کرے گی؟ اور عامتہ المسلمین کے سامنے احرار کی مخالفت کرنے والے ہر فرد کو "قادیانی" کہہ کر اپنے سیاہ کارانہ افعال پر پردہ ڈالنے میں کوشاں ہو جائے گی؟ حکومت کے مندرجہ بالا حکم نے آج مجلس احرار اور حکومت کے تعلقات کا نقشہ دنیا کے سامنے کھینچ کر رکھ دیا ہے اور آج واگزاری مسجد کے مطالبہ پر دستخط

نہ کرنے کا راز طشت ازبام ہو گیا ہے اور بالآخر مسلمان اس راز سے آگاہ ہو گئے ہیں"۔ ۴۰۸

اسی طرح اخبار "انقلاب" لاہور (۱۱/ اگست ۱۹۳۵ء) نے لکھا۔

"جب مسجد شہید گنج کا ہنگامہ جاری تھا مسلم پرنٹنگ پریس سے جہاں "انقلاب" چھپتا ہے کسی مسلمان نے ایک پوسٹر چھپوایا جس میں احرار اسلام کی عدم شرکت پر چوٹیں کی گئی تھیں اور حکومت کے خلاف ایک لفظ بھی موجود نہ تھا۔ یہ بتادینا ضروری ہے کہ ہمارے پریس میں یہ پوسٹر ہماری اطلاع یا اجازت کے بغیر منیجر صاحب نے خود ہی چھاپ دیا...... لیکن ہماری حیرت کی کچھ انتہا نہ رہی جب دو چار روز کے بعد مسٹر پرتاپ ڈپٹی کمشنر لاہور کی طرف سے ہمیں ایک عتاب نامہ موصول ہوا۔ جس میں درج تھا تم نے احرار کے خلاف فلاں پوسٹر شائع کیا ہے جو سخت قابل اعتراض ہے۔ خبردار! اگر آئندہ ان حضرات کے خلاف اپنے پریس میں کچھ چھاپا...... کیوں نہ ہو ایک طرف دولتانہ پارٹی کے ساتھ اتحاد۔ دوسری طرف اکالی پارٹی کے ساتھ اتحاد۔ تیسری طرف وزارتیں ڈپٹی کمشنر صاحب کا اس میں کوئی قصور نہیں"۔

مجلس احرار اور ہندو

یہ سب کارروائی چونکہ کانگریس کے ہندو لیڈروں کے پروگرام کے عین مطابق ہوئی تھی اسی لئے اخبار "ویر بھارت" نے مسجد شہید گنج کے بارے میں مجلس احرار کی روش کو سراہتے اور دوسرے مسلمانوں کی مذمت کرتے ہوئے لکھا۔

"کیا مسلمان لیڈروں کو اس بات کا احساس ہے یا کم از کم ان لوگوں کو اپنی ذمہ داری کا کچھ احساس ہے جو ابھی تک یہ ہانک لگائے چلے جاتے ہیں کہ احرار نے غداری کی ہے۔ کیا ان لوگوں نے ابھی تک یہ محسوس نہیں کیا کہ احرار کا مشورہ نہ صرف مخلصانہ ہے بلکہ دانشمندانہ بھی ہے اور غداری احرار نے نہیں کی بلکہ ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے اپنے آپ کو خطرہ سے باہر رکھتے ہوئے عوام کو آگ میں دھکیل دیا۔ جنہوں نے عامتہ المسلمین کے جوش کو فرو کرنے کی کوشش کرنے کی بجائے اس جوش میں مزید ابال پیدا کئے اور جن میں سے بعض کی حالت اس وقت یہ ہے کہ وہ نہ خود آگے آتے ہیں نہ کوئی ذمہ داری لیتے ہیں نہ کوئی صحیح مشورہ دیتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کی سب سے بڑی خدمت صرف یہی سمجھتے ہیں کہ مشورہ دینے والوں کی مذمت کریں"۔ ۴۰۹

اس کے علاوہ ڈاکٹر ستیہ پال صاحب نے لاہور میں تقریر کی کہ۔

"میں مجلس احرار کے کام سے بہت خوش ہوں اور انہیں مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے نہایت جرات اور استقلال سے اپنے ہم مذہبوں سے بھی قوم اور ملک کے مفاد کی خاطر ٹکر لے لی۔ اور یہ سب سے بھاری قربانی ہے جو ہمارے احراری دوستوں نے سرانجام دی ہے اور مجلس احرار یقیناً ملک

کے شکریہ کی مستحق ہے"۔[۲۲۰]

مجلس احرار اور مسلم عوام مسجد شہید گنج کے قضیہ سے احراری حقیقت کے رخ سے نقاب اٹھ گیا حکومت اور ہندو کی پشت پناہی نے ان کی آنکھیں کھول دیں اور انہوں نے احرار کو اصلی روپ میں دیکھ کر انہیں اس قدر پھٹکارا کہ تاریخ عالم ایسی ذلت اور بے آبروئی کی دوسری مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ہندوکش سے لے کر راس کماری تک اور آسام و بنگال سے لے کر کراچی اور بمبئی تک شاید ہی کوئی قابل ذکر بستی ہو گی جس کے بسنے والے مسلمانوں نے ان کے لئے سخت سے سخت الفاظ استعمال نہ کئے ہوں۔ یا کم از کم ان سے بیزاری کا اظہار نہ کیا ہو۔

مسلم عوام کے اس ہمہ گیر احتجاجی مظاہرہ کا اندازہ کرنے کے لئے بطور مثال صرف چند خبریں ملاحظہ ہوں جو اس زمانہ کے اخبارات میں شائع ہوئیں۔

اخبار "سیاست" لاہور (۲۷/ جولائی ۱۹۳۵ء) نے قصور شہر کے احراری جلسہ کی مندرجہ ذیل خبر شائع کی "قصور ۲۵/ جولائی۔ آج جامع مسجد قصور میں چند احراری لونڈوں نے جلسہ کرنے کی کوشش کی۔ مسلمان مسجد میں کافی تعداد میں جمع ہو گئے۔ لیکن جب مجلس احرار کے نمائندے اپنی پوزیشن کی وضاحت کے لئے تقریر کرنے کو اٹھے تو عوام نے انہیں بے نقطہ گالیاں دینا شروع کر دیں کسی فرد واحد نے احراریوں کی تقاریر کا ایک لفظ تک نہ سنا اور سب نے متفقہ طور پر اعلان کیا کہ ہم چندہ خور دھوکے باز اور افتراق پیدا کرنے والے احراریوں کی زبان سے ایک لفظ تک سننا گوارا نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد نمائندگان احرار کو دھکے دے کر مسجد سے نکال دیا گیا۔ قصور میں احرار کے خلاف سخت غیظ و غضب کی فضا پھیلی ہوئی ہے۔ مسلمان بازاروں میں گروہ در گروہ کھڑے احرار کو گالیاں دے رہے ہیں۔ اس وقت یہاں مجلس احرار کے خلاف سخت ہیجان ہے"۔

۲۔ روزنامہ "حقیقت" لکھنؤ[۲۲۱] نے ۲۴/ جولائی ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں لکھا۔

"عوام کی ذہنیتیں بھی عجیب طرفہ تماشہ ہوتی ہیں ابھی چند ہی روز ہوئے جب لاہور میں مجلس احرار کا طوطی بول رہا تھا۔ اور عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد کے نعرے لگائے جا رہے تھے یا آج یہ کایا پلٹ ہو گئی ہے کہ لاہور کی سڑکوں پر انہی لوگوں کی زبان سے "مجلس احرار برباد" اور "عطاء اللہ شاہ بخاری مردہ باد" کے نعرے بلند کئے جا رہے ہیں۔ عام مسلمانوں کے طبائع میں یہ انقلاب محض اس وجہ سے ہو گیا کہ مجلس احرار نے مسجد شہید گنج کے معاملہ میں مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا نہ صرف لاہور بلکہ پنجاب کے مختلف مقامات پر مسلمانوں کے عام جلسے کر کے اس

میں مجلس احرار کی مذمت کے ریزولیوشنز پاس کئے جا رہے ہیں"۔

۳۔ اسی طرح روزنامہ "حق" لکھنؤ نے لکھا۔

"پنجاب میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک آگ لگ گئی۔ وہ مسلمان جو ان کے چشم و ابرو کے اشارے پر اپنی عزیز ترین متاعہائے حیات کو قربان کرنے میں کبھی بخل نہیں کرتے تھے علی الاعلان ان کے خلاف صف بستہ ہو گئے وہی مسجد خیر الدین کو جس کے منبر پر مولانا کو خاص عزت و احترام کے ساتھ جگہ دی جاتی تھی اور جہاں ان کی تقریروں کو سننے کے لئے ہزارہا مسلمان رات و دن کے اوقات میں مجتمع ہو جایا کرتے تھے انہیں مسلمانوں نے ان کی وہ عزت و توقیر کی کہ جو بیان سے باہر ہے ان کی جماعت کے ایک مقرر کو ٹانگ پکڑ کر منبر سے کھینچ لیا گیا۔ وہیں شامیانے کی چوبیں نکال کر اسے ان لوگوں کے سروں پر ڈھا دیا گیا۔ ان کے دفتر پر پر جوش مسلمانوں نے یورش کی۔ ان کا جھنڈا اپھاڑ ڈالا اور ان کے لئے "مردہ باد" کے نعرے لگائے گئے"۔ ۲۱۲

۴۔ اخبار "نوجوان افغان" (ہری پورہ ہزارہ) نے "احرار کی ناگفتہ بہ حالت" کے عنوان سے ۱۷/ اگست ۱۹۳۵ء کو یہ شذرہ لکھا۔

"مسجد شہید گنج کے قضیہ نامرضیہ نے جہاں دیگر بہت سے رازہائے سربستہ کو طشت ازبام کر دیا ہے وہاں احراریوں کی منظم اور مقتدر جماعت کے اقتدار پر بھی کاری ضرب لگائی ہے وہ جماعت جو شب و روز مسلمانوں کی تنظیم و تبلیغ کے غم میں گھلی جاتی تھی اور قادیانیوں کی تکفیر اور سرکار پرستی کے نشر و اشاعت میں دن رات ایک کر دیا ہوا تھا آج ایسی قعر مذلت میں گر رہی ہے کہ اس کے نام سے کسی کو منسوب کرنا ذلت اور تحقیر کے مترادف ہے۔ وہ راہ نما جن کا ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں احترام کیا جاتا تھا۔ جلسوں اور جلوسوں کی شرکت کے لئے بڑے اہتمام کئے جاتے تھے آج مارے مارے پھرتے ہیں کوئی پرسان حال نہیں۔ جگہ جگہ پھبتیاں اڑائی جاتی ہیں۔ اور آوازے کسے جاتے ہیں بلکہ مجالس میں ان سے بعض ناشدنی حرکات کو بھی جائز تصور کیا جاتا ہے۔ احرار کے اقتدار کا زمانہ گزر گیا اور جماعت "خلافت" کی طرح ان کی زندگی کی گھڑیاں بھی ختم ہو گئیں۔ کونسلوں کی رکنیت اور وزارتوں کے خواب دیکھنے والے مسلمانوں کی نظروں میں اس قدر گر چکے ہیں کہ امیدواری کا نام تک لینا ان کے لئے مشکل ہو گیا ہے اگرچہ ہندو اور سکھ پریس کی امداد انہیں حاصل ہو چکی ہے اور ان کے ہر فعل کو نہایت مستحسن قرار دیا جا رہا ہے۔ لیکن ہر ایک شخص جانتا ہے کہ ہندو پریس کی نمائندگی کیا معنے رکھتی

ہے اور نہ ہی ہندو پریس کا پراپیگنڈا احراری لیڈروں کے کھوئے ہوئے اقتدار کو قائم کر سکتا ہے۔ بلکہ برعکس اس کے ان کی حمایت احراریوں کے رہے سہے اقتدار کو بھی خاک میں ملا رہی ہے"۔

مجلس احرار اور مولوی ظفر علی خاں صاحب

انہی مولوی ظفر علی خان صاحب نے جو احرار کے بانیوں میں تھے احرار کی کارستانیوں سے تنگ آکر ان کے خلاف باقاعدہ مورچہ قائم کر لیا اور احرار کے خلاف ہر وہ حربہ استعمال کرنے لگے جو احراری جماعت احمدیہ کے خلاف استعمال کرتے آرہے تھے۔

چنانچہ چوہدری افضل حق صاحب "تاریخ احرار" میں لکھتے ہیں۔ "مولانا ظفر علی خاں اور ان کے رفقاء نے ہمارے خلاف غنڈہ گردی کی انتہاء کردی چلنا پھرنا مشکل ہو گیا ہم پر تیزاب ڈالے گئے"۔ ۲۱۳

نیز لکھتے ہیں کہ۔ "احرار کو جو مولانا ظفر علی خاں اور ان کے ساتھیوں سے اذیت پہنچی وہ ہر شخص کو معلوم ہے مولانا ظفر علی خاں اور اتحاد ملتی رفقاء کے ہاتھوں جو صدمے پہنچے اس سے کوئی بے خبر نہیں۔ مسجد وزیر خاں میں سید عطاء اللہ شاہ کے قتل کی تدبیر ہوئی۔ صاحبزادہ فیض الحسن خاں، محمود علی خاں اور مجھ پر تیزاب ڈلوایا گیا۔ مولانا مظہر علی کے کپڑے پھاڑ ڈالے گئے۔ مولانا ظفر علی خاں کے اخبار نے حملہ آور لفنگوں کو غازی کا خطاب دیا۔ اور ہر موقعے پر غیر شریفانہ فعل کو سراہا۔ ایک مولانا ظفر علی خاں اور ان کے رفقاء پر کیا موقوف ہے ہندوستان کی سب سے بڑی شخصیتیں ہماری بے عزتی کے درپے تھیں"۔ ۲۱۴

اسی طرح شورش صاحب کاشمیری کا بیان ہے کہ

"اس تاخت و تاراج میں مولانا کے قلم نے سب سے زیادہ مجلس احرار اور اس کے راہنماؤں کو زچ کیا۔ شہید گنج کے انہدام سے لے کر پاکستان کے قیام تک ایسی جلی کٹی سنائیں کہ پناہ بخدا۔ مولانا کی شاعری میں اس جاں گداز المیہ کی کوئی توجیہ نہیں کی جس جماعت کے وہ کبھی راہنما تھے اس کو اپنے ہی ہاتھوں تباہ کیا۔ یا کرنا چاہا۔ مولانا نے جماعت احرار کو اس بے دردی سے کچلا کہ رفتہ رفتہ اسے کئی حادثوں کا شکار ہونا پڑا۔ منصور "شبلیؒ" کے ایک پھول سے چلا اٹھا تھا مولانا نے احرار پر جو پتھراؤ کیا وہ ایک تاریخی سانحہ ہے"۔ ۲۱۵

احرار کی نیو رکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اگر اک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوئے تو وہ اس عہد میں پنجاب کے احرار ہوئے

اور جب ڈھانا شروع کیا تو غیظ کا یہ عالم تھا۔

گلہ رسوائی اسلام کا احرار سے ہے۔ ہندوؤں سے ہے نہ سکھوں سے نہ سرکار سے ہے [۲۱۷]

حضرت امامؓ جماعت احمدیہ کو مولوی ظفر علی خان صاحب کا خراج تحسین

مولوی ظفر علی خان صاحب نے صرف مجلس احرار کی تذلیل و تحقیر ہی نہیں کی بلکہ ان کی خلاف احمدیت سرگرمیوں پر بھی زبردست تنقید کی اور جماعت احمدیہ کی تبلیغی خدمات کو خراج تحسین ادا کیا۔ چنانچہ احراری لیڈر مولوی مظہر علی صاحب اظہر اپنی کتاب "ایک خوفناک سازش" میں لکھتے ہیں۔

"مولوی (ظفر علی خاں) نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ احمدیوں کی مخالفت کی آڑ میں احرار نے خوب ہاتھ رنگے۔ احمدیوں کی مخالفت کا احرار نے محض جلب زر کے لئے ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ قادیانیت کی آڑ میں غریب مسلمانوں کی گاڑھے پسینہ کی کمائی ہڑپ کر رہے ہیں۔ کوئی ان احرار سے پوچھے۔ بھلے مانسو! تم نے مسلمانوں کا کیا سنوارا۔ کون سی اسلامی خدمت تم نے سرانجام دی ہے کیا بھولے سے بھی تم نے تبلیغ اسلام کی۔ احرار یو! کان کھول کر سن لو۔ تم اور تمہارے لگے بندھے مرزا محمود کا مقابلہ قیامت تک نہیں کر سکتے۔ مرزا محمود کے پاس قرآن کا علم ہے تمہارے پاس کیا خاک دھرا ہے۔ تم میں ہے کوئی جو قرآن کے سادہ حرف بھی پڑھ سکے؟ تم نے کبھی خواب میں بھی قرآن نہیں پڑھا۔ تم خود کچھ نہیں جانتے تم لوگوں کو کیا بتاؤ گے مرزا محمود کی مخالفت تمہارے فرشتے بھی نہیں کر سکتے۔ مرزا محمود کے پاس ایسی جماعت ہے جو تن من دھن اس کے ایک اشارہ پر اس کے پاؤں میں نچھاور کرنے کو تیار ہے تمہارے پاس کیا ہے گالیاں اور بد زبانی۔ تف ہے تمہاری غداری پر۔ لاہور میں مسجد شہید ہوئی تم ٹس سے مس نہ ہوئے........ سوائے چند تنخواہ دار اور بھاڑے کے ٹٹوؤں کے تم کسی کو جیل خانہ نہیں بھجوا سکے۔ مرزا محمود کے پاس مبلغ ہیں مختلف علوم کے ماہر ہیں دنیا کے ہر ایک ملک میں اس نے جھنڈا گاڑ رکھا ہے........ میں حق بات کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ یہ میں ضرور کہوں گا کہ اگر تم نے مرزا محمود کی مخالفت کرنی ہے تو پہلے قرآن سیکھو۔ مبلغ تیار کرو عربی مدرسہ جاری کرو۔ قادیان میں دو چار مفسدہ پرداز بھیجنے سے کام نہیں چلتا یہ تو چندہ بٹورنے کے ڈھنگ ہیں۔ اگر مخالفت کرنی ہے تو پہلے مبلغ تیار کرو۔ غیر ممالک میں ان کے مقابلہ میں تبلیغ اسلام کرو...... یہ کیا شرافت ہے کہ .... مرزائیوں کو گالیاں دلوا دیں۔ کیا یہ تبلیغ اسلام ہے؟ یہ تو اسلام کی مٹی خراب کرنا ہے"۔ [۲۱۸]

مجلس احرار اور مسلم پریس

مسلم پریس نے آج تک کسی تحریک کے خلاف اتنی قوت و شدت اور جوش و خروش سے احتجاج نہیں کیا تھا جتنا احرار

تحریک کے لئے کیا۔ اس زمانہ کے اخبارات احرار کے خلاف مضامین سے بھرے پڑے ہیں جن کا مجموعہ ایک ضخیم کتاب کا مقتضی ہے۔ مگر اس جگہ کثیر التعداد اخباروں میں سے ہم بطور نمونہ بعض کے صرف چند مختصر اقتباسات درج کرنے پر اکتفا کریں گے۔

اخبار "منادی" دہلی

۱- خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنے اخبار "منادی" (۲۶/ جولائی ۱۹۳۵ء) میں "احرار پر خدا کی مار" کے زیر عنوان لکھا۔

"میں نے اپنے روزنامچہ میں لکھا تھا کہ یہ مولوی خود سرکاری ہیں اور سرکار سے خفیہ تنخواہیں ان کو ملتی ہیں۔ آج خدا نے میرا بیان سچ کر دکھایا اور احرار اور ان کے مولویوں نے علانیہ سرکار کی حمایت اور مسلمانوں کے خلاف اپنے چہروں کی نقاب الٹ دی اور کھلم کھلا سرکار کی حمایت میں فتویٰ دے دیا۔ یہ خدا کی گرفت ہے...... احرار کمیٹی کے بڑے بڑے ارا کین جن کی حریت کی ملک میں دھوم تھی۔ آج لاہور کے مسلمانوں اور مسجد کے معاملہ میں دم بخود بیٹھے ہیں"۔ [۶۱۹]

اخبار "سیاست" لاہور

۲- اخبار "سیاست" (۶/ اگست ۱۹۳۵ء) نے لکھا۔

"مسجد شہید گنج کے معاملہ میں برادران احرار نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے اس کے بعد اب یہ کوئی راز نہیں رہا کہ جماعت احرار کا منشا صرف یہ ہے کہ وہ آئندہ الیکشن میں عام مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کر کے کونسل کے اندر زیادہ سے زیادہ نشستیں حاصل کرے...... لاہور کے واقعہ نے بہت جلد مسلمانوں کو ہوشیار کر دیا۔ اب انہیں معلوم ہو تا جاتا ہے کہ "فتنہ قادیان" بھی الیکشن جیتنے ہی کی ایک چال تھی تاکہ اس ترکیب سے عام مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کی جائے اور جس امیدوار کی مخالفت کرنا ہو اس کے خلاف قادیانی ہونے کا الزام لگا دیا جائے۔ مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار سے زیادہ انہماک، خلوص اور جوش کے ساتھ کسی شخص نے بھی گزشتہ دس سال کے اندر تحریک قادیان کی مخالفت نہیں کی لیکن لاہور کے احراریوں نے مولانا کے متعلق بھی یہ مشہور کر دیا ہے کہ وہ بھی قادیان سے سازباز رکھتے ہیں"۔ [۶۲۰]

اسی اخبار نے ۱۳/ اگست ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں "احرار ملت اسلامیہ کی سب سے بڑی غدار جماعت ہے" کے عنوان سے لکھا۔

"ٹھگوں کا یہ منظم گروہ جسے عرف عام میں "مجلس احرار" کہتے ہیں۔ سالہا سال سے غریب و خوش عقیدہ مسلمانوں کی جیب پر ڈاکہ ڈال رہا تھا اور اپنی جادو بیانی اور شیوہ طرازی سے یہ لوگ فضا پر کچھ

اس طرح مسلط ہو گئے تھے کہ عوام میں حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت بھی ماند پڑ گئی تھی۔ وقت سب سے بڑا منصف ہے اور وقت کا فیصلہ ہمیشہ غیر جانبدارانہ اور رعایت کی آلودگیوں سے پاک و صاف ہوتا ہے۔ چنانچہ وقت کی قہرمانی طاقتوں نے مسجد شہید گنج کی مسماری کی شکل میں مجلس احرار کے لئے دور حاضرہ کی سب سے شدید اور حقیقتاً سب سے زیادہ ایمان پرور آزمائش کھڑی کر دی اور آپ جانتے ہیں اس آزمائش کا نتیجہ کیا ہوا؟ عطاء اللہ شاہ بخاری کی طلاقت لسانی سکوت مطلق کی نیند سو گئی۔ مظہر علی اظہر کی مجاہد کیشی روباہ بازی میں تبدیل ہو گئی۔ افضل حق کی "چودھریت" کسی گوشہ عافیت میں جا چھپی اور حبیب الرحمٰن کی بلند آہنگی خموشی مرگ سے ہمنوا ہو گئی۔ ان "سربکف مجاہدین" اور "خادمان دین متین" کی جگہ لاہور کی سرزمین ان نوجوانوں کے خون سے لالہ زار بن گئی جو گوشہ گمنامی میں پیدا ہوئے اور گوشہ گمنامی میں ہی زندگی بسر کر کے فلاح دارین کا مرتبہ حاصل کر گئے۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

احرار اپنی برات میں آج اشتہارات و اعلانات شائع کر رہے ہیں لیکن ان کے ایک ایک لفظ سے نفس پروری و منافقت کی بو آ رہی ہے۔ ان کے اعلان میں عورتوں کی طعن و تشنیع موجود ہے۔ لکھنؤ کی بھٹیاریوں کی جنگ کا نقشہ باندھا گیا لیکن ان کا انداز تحریر جگہ جگہ ان کے جذبات کی غمازی کر رہا ہے۔ زخمی سانپ کی طرح غصہ و انتقام کے جذبات سے بے قرار ہو کر اور پھن کو اٹھا اٹھا کر اب ہمارے گم کردہ راہ رہنماؤں کی یہ جماعت ہم پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہی ہے لیکن جس طرح زخمی سانپ کا سر کچل دینا ہی دانشمندی ہے اسی طرح ان گندم نما جو فروشوں کی قیادت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دینا صحیح قومی و ملی خدمت ہے۔ یہ لوگ اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنے اور اپنی لیڈری کی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالنے کے لئے بے چین ہیں لیکن ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمان اپنا فیصلہ صادر کر چکے ہیں اور قدرت کا نقیب باواز بلند منشائے ایزدی کو ظاہر کر چکا ہے کہ بدترین محسن کش احسان ناشناس احرار مٹ گئے اور حقیقتاً انہیں مٹ جانا چاہئے تھا۔

تم ۱۷/ جولائی ۱۹۳۵ء تک مسجد شہید گنج کو منہدم ہوتا دیکھتے رہے۔ مسلمانوں کے ناقابل بیان رنج و اندوہ کو محسوس کرتے رہے اور "غیر ذمہ دار لوگوں کی شرارتوں" کا باطمینان تمام تماشہ دیکھتے رہے۔ لیکن تم نے جو عوام کے معتمد علیہ تھے اس مصیبت کے وقت عوام کی کہاں تک رہنمائی و دلجوئی کی؟ عوام تم پر اعتماد کرنے کے عادی ہو چکے تھے اور لامحالہ اس تکلیف میں بھی انہیں منہ اٹھا کر تمہاری طرف دیکھنا چاہئے تھا....... تمہارے لئے زیبا تھا کہ تم صوفوں پر لیٹے بجلی کے پنکھوں کی ہوا میں آرام سے ۲۷/ جولائی کی کانفرنس کے خواب دیکھنے میں مصروف رہتے؟ وہ وقت یقیناً ایسا تھا کہ سنگدل سے

سنگدل مسلمان کو بھی میدان میں آکر بے گناہ جانوں کے تحفظ کی بے دریغ کوشش میں منہمک ہو جانا چاہئے تھا۔ تمہیں ظفر علی سے اختلاف تھا۔ تمہیں سید حبیب سے اختلاف ہو گا لیکن ان معصوم نوجوانوں سے کیا اختلاف تھا۔ جنہوں نے جوش تہور میں گریبان پھاڑ پھاڑ کر فوج کی گولیاں اپنے سینوں پر کھائیں۔ یاد رکھو تمہاری تمام ریاضتیں اور عبادتیں تمہارے تمام اشتہارات و اعلانات اور تمہاری تمام دردمندانہ تقریریں اور اپلیں خون شہید کے ایک قطرے کے سامنے ہیچ ہیں۔ ۲۰ اور ۲۱/ جولائی کو دہلی دروازہ کے باہر جو خون بہایا گیا ہے اس کے ذمہ دار تم ہو اور اس خون کے ایک ایک قطرے کا حساب تمہیں دینا ہو گا۔ عطاء اللہ شاہ بخاری کی آتش بیانی اور حبیب الرحمٰن کی خطابت بے کار ہے تم "مجاہد" جاری کرو یا لاہور کی دیواروں کو اپنے نامہ اعمال کی طرح اشتہارات سے سیاہ کر دو تمہارے دامن سے خون بے گناہ کے دھبے نہیں مٹ سکتے اور آئندہ نسلیں تمہیں انہی لفظوں میں یاد کریں گی جن لفظوں میں ہم آج میر جعفر (غدار بنگال) محمد صادق (غدار سرنگاپٹم) اور ابراہیم گاردی (غدار پانی پت) کو یاد کرتے ہیں۔ کونسل کی ممبری کے جن دلکش خوابوں نے تمہیں مسحور کر رکھا ہے ان کی تعبیر بھی یہی روسیاہی و خجالت ہے جو آج تمہارے حصہ میں آگئی ہے۔ مسلمان ہزار سادہ لوح سہی لیکن تمہارا جادو اب ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا۔ تمہارے باطن کی سیاہی الم نشرح ہو چکی اور اب تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ خود بخود قیادت کے منصب بلند سے علیحدہ ہو کر کوئی اور ذریعہ معاش تلاش کرو ورنہ قدرت کا ہاتھ جب انتقام کے لئے بلند ہوا تو یاد رکھو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹ جاؤ گے"۔ [۱۳۸]

اخبار "الامان" دہلی

۳۔ اخبار "الامان" دہلی نے اپنے ۲۸/ جولائی ۱۹۳۵ء کے پرچہ میں لکھا۔

"لاہور میں روز ایک قیامت برپا ہوتی رہی اور شب و روز مسلمان بے چین و بے قرار رہے لیکن ان لوگوں نے مشورہ عالی سے عوام کو مطلع نہ کیا جبکہ گولیاں چل چکیں۔ لاٹھی چارج اچھی طرح ہو گیا۔ بہت سے مسلمان زخمی اور شہید بھی ہو گئے۔ صدہا گرفتار بھی ہو چکے اور سزائیں بھی پا چکے تو احراری سورما میدان میں آئے اور ایک بیان شائع کیا جس کا مقصد ظاہر تو یہ ہے کہ سول نافرمانی نہ کی جائے لیکن بہ باطن اول سے آخر تک سکھوں کی حمایت و تائید ہے..... اس بیان پر مولوی حبیب الرحمٰن' سید عطاء اللہ شاہ بخاری' مولوی داؤد غزنوی' مولوی مظہر علی اظہر' چودھری افضل حق' شیخ حسام الدین اور ماسٹر محمد شفیع کے دستخط ہیں۔ یہ عرصہ سے مشہور ہو رہا تھا کہ احرار کی پشت پر بعض ایسے حکومت پرست سرکاری مسلمانوں کا ہاتھ ہے جو اپنی وزارت و اغراض کی خاطر ہندوؤں اور سکھوں سے ساز باز کر رہے ہیں اور مسلم اکثریت کے مفاد کو ہندو سکھوں کے قدموں میں اپنے ذاتی مفاد کی خاطر قربان کرنا

چاہتے ہیں۔ احرار کے بیان نے اس کی تصدیق پر مہر کر دی۔ یہ ظاہر ہے کہ جو لوگ علی الاعلان مسجد شہید گنج کو قربان کر سکتے ہیں وہ آئندہ بھی ہر مسلم مفاد بلکہ مذہب کو بھی اغیار پر قربان کر سکتے ہیں"۔

رسالہ "اسلامی دنیا" (دہلی) ۴۔ دہلی کے رسالہ "اسلامی دنیا" (بابت ماہ جولائی ۱۹۳۵ء) نے لکھا۔

"مجلس احرار نے تو مسجد شہید گنج کے معاملہ میں مسلمانوں کے ساتھ غداری کی انتہا کر دی۔ عین اس وقت جب مسلمانوں کی قربانیوں کے نتائج بر آمد ہونے والے تھے۔ مجلس احرار نے اپنے طرز عمل سے مسلمانوں میں افتراق پیدا کر دیا اور افتراق پیدا کر دینے کے بعد ان سکھوں کے بازو مضبوط کر دیئے جنہوں نے مسجد شہید گنج کو مسمار کر کے ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کر دیا۔ مجلس احرار جیسی افتراق انگیز انجمنوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ ایسے ہی غداروں کے ہاتھوں مسلمان ذلیل ہوئے ہیں۔ مجلس احرار کی اس غدارانہ روش کے بعد مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ عطاء اللہ شاہ بخاری کی مجلس احرار ان کوفیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی جنہوں نے آل رسولؐ کو اور عاشقان اسلام کو بلا کر یزید کے ہاتھوں شہید کرا دیا تھا۔ مجلس احرار کی حکومت پرستی اور سکھ دوستی کو دیکھتے ہوئے ہم ہندوستان کے نوجوانوں سے کہتے ہیں کہ خدا کے لئے وہ اٹھیں اور ان لیڈروں کی لیڈری کا پردہ چاک کر دیں اور ان کو پلیٹ فارم سے نیچے گرا دیں۔ جو اسلام کو سربازار نیلام کر رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک غدار لیڈروں اور افتراق انگیز راہنماؤں کے اقتدار کو ختم کر دینا سب سے بڑی اسلام دوستی اور قوم پرستی ہے۔

مجلس احرار کے نزدیک نعوذ باللہ خانہ خدا اور قمار خانہ میں کوئی فرق نہیں۔ ان غداروں کے نقطہ خیال سے اگر خانہ کعبہ پر بھی مسجد شہید گنج کی طرح کسی کا غاصبانہ قبضہ ہو جائے اور وہ اسے ڈھادے تو مسلمانوں کو خاموش رہنا چاہئے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان کے لئے تو ایسے نازک وقت میں خاموش رہنا ناممکن ہے۔ البتہ مجلس احرار جو کہ سکھوں اور حکومت کے ہاتھوں بکی ہوئی ہے۔ ضرور خاموش رہ سکتی ہے۔ عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کی مجلس احرار کے نزدیک مسجد کی شہادت بے معنی ہے لیکن ان لوگوں کے گھروں کو سکھوں نے کھود کر پھینک دیا ہوتا تو دنیا دیکھ لیتی کہ ان کی رواداری کس قدر طوفان برپا کرتی۔

مجلس احرار کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایک مجلس احرار نہیں۔ اگر دس مجلس احرار بھی سکھوں کی پشت پناہی کے لئے کھڑی ہو جائیں گی تو مسلمان خاموش ہونے والے نہیں۔ مسلمان مسجد شہید گنج کو واپس لیں گے اور ضرور لیں گے اور انشاء اللہ آئینی جدوجہد میں رہتے ہوئے اس وقت تک جنگ

کریں گے جب تک مسجد مسلمانوں کو واپس نہیں کردی جاتی۔

.... عطاء اللہ شاہ بخاری اس چیز کو سمجھ لیں کہ مسجد کبھی نہیں مٹائی جاسکتی۔ البتہ مجلس احرار ضرور مٹ سکتی ہے۔ مجلس احرار کے اس رویہ کو احراریوں کی موت سمجھنا چاہئے۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ مجلس احرار کی اس سکھ دوستی نے مجلس احرار کو قطعی مردہ کردیا ہے اور مسلمانوں نے سمجھ لیا ہے کہ مجلس احرار اور مہا سبھا دونوں میں کوئی فرق نہیں"۔

اخبار "مسلم گزٹ" کلکتہ

۵۔ مولانا وحید الدین صاحب سلیم نے اپنے اخبار "مسلم گزٹ" کلکتہ (۴/اگست ۱۹۳۵ء میں) مقالہ افتتاحیہ لکھا کہ۔

"شہید گنج کی مسجد کی شورش تقریباً فرو ہو چکی ہے اور مسلمان احراریوں کے ہاتھوں کلیجہ پر صبر کی سل رکھ کر خاموش ہو بیٹھے ہیں۔ شہید گنج کی تحریک کو ایک طرف تو حکومت کے پریس افسروں اور سنسروں نے دبا دیا ہے اور دوسری طرف مجلس احرار کی قانونی موشگافیوں نے اس کا گلہ گھونٹ ڈالا ہے۔ حکومت نہیں چاہتی کہ یہ مسئلہ اخبارات میں اچھالا جائے۔ آئے دن حکومت کے تنبیہی احکام اور امتناعی مراسلات پہنچا کرتے ہیں۔ اور اخبار والوں کی کم و بیش گوشمالی کردی جاتی ہے اور اس کے باوجود پبلک جذبات اور امن عامہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم مجبور ہیں کہ صحیح حالات سے پبلک اور حکومت دونوں کو باخبر رکھیں اور اپنی صحیح رائے عالم آشکارا کردیں۔

احراریوں کی گزشتہ خدمات ہمارے پیش نظر ہیں اور ہم انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ گزشتہ خدمات کی بنا پر احراریوں کے موجودہ جمود و سکوت کو بھی مسلمان سراہنے لگیں اور ان کے ہر غلط اور رلغو سے لغو اقدام پر آنکھ بند کئے چلنا شروع کردیں"۔ [۴۲۲]

اخبار "زمیندار" لاہور

۶۔ اخبار "زمیندار" (۷/اگست ۱۹۳۵ء) نے "مجلس احرار کی مفسدہ پردازی" کے عنوان سے لکھا۔

"مسجد شہید گنج کی شہادت سے مسلمانوں کے قلوب داغدار ہو گئے اور ان میں کرب و اضطراب کی زبردست لہر پیدا ہو گئی۔ لیکن زعماء مجلس احرار اس سانحہ عظیم سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئے اور بدستور اپنے حجروں میں بیٹھے مراقبہ فرماتے رہے...... زعماء مجلس احرار کا فرض تھا کہ وہ اس وقت میدان میں آتے۔ مسلمانوں کی صحیح راہنمائی کرتے اور ان کے سامنے مناسب پروگرام پیش کرتے لیکن انہوں نے اس وقت بھی مسلمانوں کی کوئی راہنمائی نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا جوش و خروش ہی ان کا قائد بن گیا اور انہوں نے جلوس نکالے۔ پرامن ستیہ گرہ کیا اور اپنے سروں پر لاٹھیاں اور سینوں پر گولیاں کھائیں۔ زعماء مجلس احرار ان خونی مناظر کو دفتر احرار میں بیٹھ کر جو دہلی دروازے کے قریب

ہی واقع ہے اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے لیکن ذرا ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ان کی آنکھ سے ایک آنسو نہیں ٹپکا۔ ان کے سنگین دلوں پر کوئی چوٹ نہیں لگی۔ ان کے سینوں سے کوئی آہ سرد نہیں نکلی۔ بلکہ وہ اپنے دفتر میں یہ کہتے ہوئے سنے گئے دیکھا ہم نہ کہتے تھے کہ مسلمان دشمنان اسلام کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ اس کے نتائج نہایت خطرناک ہوں گے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

میرا مرنا ان کے گھر شادی ہوا
خون کے چھاپے لگے دیوار پر

کثیر التعداد مسلمان زخمی اور شہید ہو گئے اور بیسیوں عورتیں بیوہ اور سینکڑوں بچے یتیم ہو گئے۔ مسلمانوں کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔ ہر مومن قانت کا دل خون اور جگر پاش پاش ہو گیا۔ لیکن زعماء مجلس احرار کے پاس ان شہداء کی نذر کے لئے سوائے ایک خندہ دندان نما اور طعنہ جگر پاش کے کچھ بھی نہ نکلا۔

مسلمانان لاہور میں مجلس احرار کی اس صبر آزما اسلام کش اور انسانیت سوز روش کے خلاف ایک ہیجان عظیم پیدا ہو گیا اور اس پر ہر طرف سے گالیوں اور تبروں کی بارش ہونے لگی"۔

اخبار "اہلحدیث" امرتسر

۷۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اپنے اخبار "اہلحدیث" میں لکھا۔

"احرار مسجد شہید گنج لاہور کی وجہ سے آج کل خاص و عام کے مورد عتاب ہیں۔ پبلک ان پر آوازے کستی ہے۔ ان کی تقریروں میں رخنہ اندازی ہوتی ہے۔ منہ سے ناملائم الفاظ کہتی ہے بلکہ ہاتھوں سے بھی ناشائستہ افعال کرتی ہے"۔ ۲۳۴

اخبار "سرپنچ" لکھنؤ

۸۔ اخبار "سرپنچ" لکھنؤ نے ۳۱/ اگست ۱۹۳۵ء کے پرچہ میں حسب ذیل اداریہ لکھا۔

"پنجاب کے امیر شریعت اور جماعت احرار کے ناخدا حضرت مولانا مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا اثر و اقتدار لاہور کی مسجد شہید گنج کے ساتھ کچھ ایسا شہید ہوا ہے کہ۔ ع

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

پنجاب میں تو معاصرین "زمیندار"۔ "سیاست"۔ "احسان" اور "انقلاب" نے ان بزرگ و محترم کو کچھ اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ وہاں آپ کی دال گل ہی نہیں سکتی اور سب کو معلوم ہو گیا ہے کہ آپ کیا ہیں اور آپ کا مشن کیا ہے۔ لیکن پنجاب کے باہر بھی آپ جس صورت سے عذر گناہ فرماتے پھرتے ہیں وہ بدتر از گناہ ہو جاتا ہے۔ مسجد کی شہادت کے وقت آپ کی اور آپ کی جماعت

احرار کی مجرمانہ خاموشی ایسی چیز نہیں ہے جس کو آپ محض لفاظی میں اڑا کر یا مسلمانوں کو لسانی چھکائیاں دے کر ان کے ذہن سے نکال دیں وہ من حیث القوم اسی وقت آپ کی طرف سے مطمئن ہو سکتے ہیں۔ جب آپ ایک ایسے نازک موقع پر ایسے اسلامی خودداری اور ناموس اسلام کے موقع پر اپنے خاموش رہنے اور اپنے کو خطرہ سے بچا کر گھر میں بیٹھ رہنے کے متعلق یا تو کوئی معقول جواز پیش کریں یا باعلان کہہ دیں جلسہ عام میں اقبالی مجرم بن کر کہہ دیں کہ ہم میں ہمت مردانہ کا فقدان تھا۔ ہماری غیرت دینی جوش میں نہ آئی۔ ہم نے خانہ خدا کا انہدام اپنی روپہلی سنہری مصلحتوں کے ماتحت جائز سمجھا تھا۔ ہم انتخابی مہم میں سکھوں کو اپنا مخالف بنانا نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا ہم نے خاموشی سے کام لیا۔

زمیندار اور احسان نے 'سیاست اور انقلاب نے 'حق اور حقیقت نے ان حضرات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے بالکل صحیح لکھا ہے۔ یقیناً مسلمانوں کو جماعت احرار سے بہت کچھ توقعات تھیں اور جب مسلمان بے کسی و بے بسی کے ساتھ ایک طرف اپنی جان سے زیادہ عزیز مسجد کو منہدم ہوتا ہوا دیکھ رہے تھے اور دوسری طرف سینہ پر گولیاں کھا رہے تھے۔ اس وقت انہوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر احراریوں کو ہر طرف دیکھا کہ یہ جانباز جماعت کہاں ہے مگر یہ جماعت گوشہ امن میں اپنے سالار یعنی امیر شریعت کے ساتھ پناہ گزین تھی۔ اس کی بلا پولیس کے ڈنڈے کھاتی۔ اپنے کو گولیوں کا نشانہ بناتی۔ اپنے کو گرفتاریوں کے لئے پیش کرتی اور اپنے کو قانونی زد میں لا کر مصائب کا شکار بنتی۔ اس جماعت کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور آج پھر اپنے تقدس کا سکہ جمانے کے لئے ریش مقدس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے امیر شریعت آگے بڑھے ہیں اور ان مسلم اخبارات کے خلاف زہر اگلتے پھرتے ہیں مگر اب ان کی ان زہر چکانیوں کو سب سمجھ چکے ہیں اور ان کے قول و فعل میں ہر مسلمان کو ایک کھلا ہوا بعد محسوس ہو چکا ہے۔ اب امیر شریعت صاحب کے الفاظ میں کوئی وزن ان کی آواز میں کوئی اثر اور خود ان میں قطعاً کوئی جاذبیت باقی نہیں ہے۔

...... رد قادیانیت سے مولانا بخاری کو کبھی کسی نے نہیں روکا ہے۔ بلکہ جب تک وہ سنجیدگی بلکہ آدمیت کے ساتھ رد قادیانیت کی طرف متوجہ رہے ہر ایک کی آنکھوں کا تارہ بنے رہے مگر اب وہ چاہتے ہیں کہ اپنی تمام کمزوریوں کو اس پردہ میں چھپائیں چنانچہ آج کل بھی مولانا یہی کر رہے ہیں کہ آپ کے خلاف کسی نے ذرا بھی سر اٹھایا۔ آپ چیخنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ قادیانی ہے۔ کافر ہے اکفر ہے۔ جس وقت آپ مسجد شہید گنج کی شہادت کے سلسلہ میں اپنی مجرمانہ خاموشی پر غور فرماتے ہیں اور اپنی کمزوری کا احساس کرتے ہیں تو اس وقت آپ کو جائے پناہ اسی آڑ میں ملتی ہے کہ آپ کی اس کمزوری کو جو اخبارات یا جو جماعتیں یا جو افراد نمایاں کر رہے ہیں ان کو فوراً قادیانی کہہ دیں اور عوام '

جاہل اور ناسمجھ عوام کی ہمدردیاں اپنے ساتھ کرلیں "۔

رسالہ "قاسم العلوم" دیوبند

۹۔ رسالہ "قاسم العلوم" نے جو مدرسہ دیوبند کے زیر اہتمام شائع ہوتا تھا لکھا۔

"زیادہ افسوس اس جماعت پر ہے جس نے مسلمانوں کے اسلامی زندگی کے رہنما ہونے کے مدعی ہونے کے باوجود نہایت افسوس ناک طرز عمل اختیار کیا۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ جب ان مسلمانوں کی رگ غیرت شعائر اسلامی کی بے حرمتی پر بھی خون نہیں دیتی تو آخر وہ کس مرض کی دوا ہے۔ اس کا نصب العین محض اقتدار پسندی ہے۔ ہم مذہب کے نام پر تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ قضیہ مسجد شہید گنج کے شہداء کے خون کا احترام کرتے ہوئے اپنی بقاء اور اسلامی شعائر کی حفاظت کے لئے کوئی صحیح راہ عمل تجویز کریں "۔ ۳۲۳

مجلس احرار اور مسلمان مورخ

۱۹۳۵ء کے اخبارات میں سے بعض اقتباسات درج کرنے کے بعد اب ہم زمانہ حال کے بعض مسلم مورخین کی تصانیف سے بعض ضروری بیانات کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ جناب مرزا محمد صاحب دہلوی مصنف "مسلمانان ہند کی حیات سیاسی" حادثہ شہید گنج اور احرار کی مخالفت پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"احرار کا اس سارے ہنگامہ میں کہیں پتہ نہ تھا۔ ہزاروں مسلمان جیل چلے گئے۔ سینکڑوں زخمی ہوئے اور بیسیوں شہید ہو گئے۔ لیکن احرار کا ان میں سے کسی میں بھی شمار نہ تھا۔ وہ جماعت جو ایجی ٹیشن ہی کرتے رہنے کے لئے پیدا ہوئی تھی۔ اس اہم اور نازک موقع پر کیوں پیچھے رہ گئی؟ اسلامی مفاد کی حفاظت کا دعویٰ اور اسلامی مفاد سے یہ غداری؟ مسلمانوں کے اس احتساب سے احرار چونکے۔ انہیں مغالطہ تھا کہ ان کی اسلامی خدمات ایسی اہم ہیں کہ شاید مسلمان ان سے محاسبہ نہ کریں گے لیکن جب سب طرف سے ان پر لعنت ملامت کی بوچھاڑ شروع ہوئی تو انہیں اپنی صفائی کرنی پڑی لیکن ان کی صفائی عذر گناہ بدتراز گناہ قرار دی گئی۔ اس لئے کہ انہوں نے مسجد شہید گنج کے اس سارے ہنگامے کو ایک فعل عبث قرار دیا اور جو مسلمان اس راہ میں شہید ہوئے تھے ان کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کر ڈالے۔ مسلمان اس شوریدہ سری کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ احرار سارے ہندوستان کے مسلمانوں کی نظروں سے گر گئے۔ اور پنجاب میں جہاں یہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی تمنا میں سکھوں سے اتحاد کرنے کی کوشش کر رہے تھے ان کی اس قدر بے وقعتی ہوئی کہ پھر انہیں دستور جدید کے

انتخابات میں حصہ لینے کی جرات ہی نہ ہو سکی۔
اس ایک لغزش کے بعد احرار بحیثیت جماعت ختم ہو گئے اور خلافت کمیٹی کی طرح جس کا یہ کسی زمانہ میں ایک جزو تھے بے جان ڈھچر بن کر رہ گئے"۔ ۶۵۲

۲۔ جناب ڈاکٹر عاشق حسین صاحب بٹالوی لکھتے ہیں۔
"جب مسجد کے گرائے جانے پر صوبے کے طول و عرض میں اضطراب کی لہر اٹھی تو خیال تھا کہ احرار حسب معمول مسلمانوں کی رہنمائی کریں گے لیکن خلاف توقع انہوں نے بالکل چپ سادھ لی اور جنبش تک نہ کی۔ بعد میں احرار لیڈروں نے اپنی اسی پر اسرار خاموشی کی مختلف توجیہیں کرنے کی کوشش کی۔ کبھی کہا گیا کہ میاں فضل حسین کے ایماء سے مسجد گرائی گئی ہے تاکہ احرار اس تحریک میں حصہ لیں تو انہیں گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا جائے۔ کبھی کہا گیا کہ مسجد کا انہدام قادیان کے اشارے سے ہوا ہے تاکہ احرار کے قید و بند کا سامان آسانی سے مہیا ہو سکے۔ غرض کہ تاویل و توجیہ کی مختلف صورتیں پیش کی جاتی رہیں جن پر عوام میں سے مشکل ہی سے کسی کو یقین آتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسجد شہید گنج کا انہدام مجلس احرار کے لئے پیام مرگ ثابت ہوا اور اس جماعت نے اگرچہ جولائی ۱۹۳۵ء کے بعد سے اب تک بیسیوں دفعہ سنبھلنے اور اپنا شیرازہ مجتمع کرنے کی کوششیں کی ہیں لیکن ان کوششوں میں ایک مرتبہ بھی تو اسے کامیابی نہیں ہوئی"۔ ۶۶۱

۳۔ سید نور احمد صاحب سانحہ شہید گنج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
"اس احساس کا ردعمل سب سے زیادہ احرار کے خلاف ہوا کیونکہ اسی جماعت سے لاہور کے عوام رہنمائی کی توقع کرتے تھے اور اس جماعت نے اس معاملہ میں یکسر پہلوتہی کی تھی۔ اس پہلوتہی کی وجہ کیا تھی؟ کیا احرار کے زعماء کو یہ خطرہ نظر آیا کہ اگر حکومت نے انہیں نظر بند یا گرفتار کر لیا تو آنے والے انتخاب کے سلسلہ میں ان کا سارا پروگرام درہم برہم ہو جائے گا؟ غالباً قیاس یہی تھا بہرحال جہاں تک مجلس احرار کا تعلق تھا اس ہنگامے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو مقبولیت اس جماعت نے چار پانچ سال کی محنت سے حاصل کی تھی وہ چند ہی دنوں میں ختم ہو گئی"۔ ۶۷۲

۴۔ جناب ملک عنایت اللہ صاحب نسیم سوہدروی (علیگ) رقم طراز ہیں۔
"مجلس احرار عوام میں مقبول ہو رہی تھی۔ مگر مسجد شہید گنج سے متعلق اس کا مشکوک کردار ہی اسے لے ڈوبا۔ احرار نے اس تحریک سے صرف اس لئے علیحدگی اختیار کر لی تھی کہ پنجاب میں ایک آدھ وزارت مل جانے کا موہوم خواب نظر آ رہا تھا۔ تحریک سے اعراض کا دوسرا سبب یہ

تھا کہ قیادت مولانا ظفر علی خاں کے ہاتھ میں تھی۔ حالانکہ مولانا صرف اس لئے آگے آئے تھے کہ مسلمان عوام کے لئے کوئی اور میدان میں نہیں آ رہا تھا۔ بہر حال اس تحریک سے کنارہ کشی و مخالفت نے اگر حصول مسجد کو ناممکن بنایا اور سکھ مفاد کو فائدہ پہنچایا تو احرار پنجاب میں ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے۔ اگرچہ تحریک پاکستان میں قائد اعظم اور مسلم لیگ کو گالیاں دے کر ہندوؤں اور سکھوں کی اشیرباد حاصل کرنے کی ایک اور کوشش کی گئی مگر سوائے رسوائی اور ذلت کے احرار کے ہاتھ کچھ نہ آیا اور کل نفس ذائقۃ الموت کی حسرت آفریں تصویر بن کر رہ گئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ○ [۲۲۸]

مجلس احرار اور احراری لیڈر

اگرچہ اخبارات و تصنیفات کے مندرجہ بالا حوالوں کے بعد اس موضوع پر مزید کچھ لکھنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے مگر ہمارے نزدیک یہ بتانے کی ابھی ضرورت باقی ہے کہ خود احراری لیڈروں کے دل پر اس حادثہ جانکاہ سے کیا گزری اور اس کیفیت کا اظہار انہوں نے کن الفاظ میں کیا؟

۱۔ اس تعلق میں "امیر شریعت احرار" عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کا بیان ملاحظہ ہو۔ انہوں نے ۳۰/ مارچ ۱۹۳۸ء کو دہلی دروازہ کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ "دو اڑھائی برس تک جو پھندا (مسجد شہید گنج) آپ نے ہمارے گلے میں ڈالا ہے۔ نہ پھندا ہی نکلتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے"۔ [۲۲۹]

"ڈکٹیٹر احرار" چودھری افضل حق صاحب "تاریخ احرار" میں لکھتے ہیں۔

"طوفانی مخالفت اٹھانے کے لحاظ سے بے حد موثر غوغا آرائی نے بے شک ہمارا ناطقہ بند کر دیا اور خدا کی زمین ہم پر تنگ کر دی گئی"۔ [۲۳۰]

"حقیقت یہ ہے کہ ہر جماعت ہماری موت پر خوش تھی........ احرار سب میں گھرے کھڑے تھے۔ انہیں چومکھی لڑائی لڑنی پڑ رہی تھی۔ احرار لیڈروں کی برملا بے عزتی کی جاتی تھی۔ ان پر قاتلانہ حملے شروع ہو گئے تھے۔ صبر و سکون کی ہدایت کی جاتی تھی تا آنکہ پانی سر سے گزرنے لگا۔ ہمارے مخالفوں نے شرافت کے سارے آئین کو بالائے طاق رکھ دیا"۔ [۲۳۱]

شورش کاشمیری شہید گنج کے حادثہ کے رد عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"احرار ہر حال میں ایک سیاسی طاقت بن چکے تھے۔ ایکا ایکی شہید گنج کے انہدام نے اس طاقت کو اس بری طرح برباد کیا کہ پھر وہ سنبھالے تو لیتے رہے لیکن سنبھل نہ سکے۔ جس تیزی سے وہ ابھرے تھے اسی سرعت سے انہیں پسپا ہونا پڑا"۔ [۲۳۲]

ایک اور مقام پر تحریر کرتے ہیں۔

"مقدمہ لڑا گیا' کانفرنسیں ہوئیں" امیر ملت منتخب کئے گئے۔ غرض بہت جتن ہوتے رہے لیکن تحریک کا نتیجہ انتخاب پر ختم ہوا مسجد نہ ملی۔ البتہ احرار جو اس وقت تک مسلمانوں میں بے حد مقبول اور فعال گروہ سمجھے جاتے تھے اس تحریک میں حصہ نہ لے کر مسجد کے ملبے تلے آگئے اور اس بری طرح مسلمانوں کے عتاب کا شکار ہوئے کہ مسلم لیگ کے زمانہ شباب میں ان کا بڑھاپا خود بخود عود کر آیا"۔ [۲۲۳]

ہندوستان کی مسلم سیاست سے بے دخلی

جیسا کہ ابتداء میں ذکر آچکا ہے کہ احرار سیاسی ہتھیاروں سے احمدیت کو مٹانے کا ادعا لے کر اٹھے تھے اور ان کی ۱۹۳۴ء کی ملک گیر شورش ان کے بقول ایک سیاسی جنگ تھی اور وہ اس سیاسی جنگ کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے اور کونسلوں تک جانے کے لئے مسجد شہید گنج کے معاملہ میں الگ رہے۔ لہذا مجلس احرار کی "کتاب زندگی" کا ورق نامکمل رہے گا اگر ہم بالآخر یہ نہ بتائیں کہ ۱۹۳۷ء میں احرار مسلمانان ہند کی سیاسی برادری سے کس طرح خارج ہوئے۔

مسلم لیگ سے قطع تعلق

احرار لیڈروں نے قضیہ مسجد شہید گنج کے بعد "مسلم لیگ" کے دامن میں پناہ لے لی تھی۔ اور انتخاب جیتنے اور بعض دوسرے سیاسی مصالح کی وجہ سے اس کے "پارلیمنٹری بورڈ" میں بھی شامل ہو گئے تھے۔ مگر یہ شمولیت محض وقتی چیز تھی۔ کیونکہ احرار مسلم لیگ میں اپنی ذاتی اغراض اور دلی آرزوؤں کی تکمیل نہ ہوتے دیکھ کر اس سے بہت جلد کنارہ کش ہو گئے۔ اس واقعہ کی دلچسپ تفصیل ڈاکٹر عاشق حسین صاحب بٹالوی کے قلم سے لکھی جاتی ہے۔

"احراریوں تو مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ میں شریک ہو گئے تھے لیکن کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انہوں نے اس بورڈ سے جو توقعات قائم کر رکھی تھیں وہ بظاہر پوری نہیں ہوئیں۔ انہیں سب سے بڑی غلط فہمی یہ تھی کہ جناح نے بمبئی کے تاجروں اور اودھ کے تعلقہ داروں سے کئی لاکھ روپے جمع کئے ہیں جو آئندہ الیکشن میں لیگی امیدواروں کے کام آئیں گے۔ اس مغالطے میں مبتلا ہو کر چودھری افضل حق صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن وغیرہ یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اس فنڈ سے کم از کم ایک لاکھ روپیہ پنجاب کے حصے میں ضرور آئے گا اور یہ ایک لاکھ روپیہ کی رقم جلسے جلوسوں کے علاوہ اخباری پراپاگنڈے پر خرچ ہو گی۔

احرار کا یہ بھی خیال تھا کہ ملک برکت علی' غلام رسول خان' خلیفہ شجاع الدین وغیرہ مصروف آدمی ہیں۔ انہیں ہائیکورٹ کی پریکٹس سے فرصت ہی کہاں ہے کہ وہ پنجاب کا دورہ کریں اور شہر شہر

دھوم دھامی جلسے منعقد کر کے دھواں دار تقریروں کا جادو بکھیریں۔ ادھر احرار اس فن میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور سالہا سال سے ان کی زندگیاں انہی ہنگاموں کے لئے وقف ہو چکی تھیں۔ اس لئے ان کا اندازہ تھا کہ جناح کے فنڈ میں سے پنجاب کو جو ایک لاکھ روپیہ ملے گا اس کا بیشتر حصہ ان ہی کی مرضی اور صوابدید سے خرچ ہو گا....... راقم الحروف کو اچھی طرح یاد ہے کہ مسٹر جناح نے اپنی کسی تقریر یا کسی بیان میں اشارۃً بھی یہ نہیں کہا تھا کہ ان کے پاس لاکھوں کا سرمایہ موجود ہے۔ لاکھوں کا کیا ذکر ان کے پاس تو چند ہزار کی رقم بھی نہ تھی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے انہوں نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ پارلیمنٹری بورڈ کے امیدواروں کو اپنی اپنی الیکشن کے مصارف خود برداشت کرنا ہوں گے۔

بہرحال جب احرار کو پتہ چلا کہ پارلیمنٹری بورڈ کے پاس کوئی رقم نہیں ہے تو انہوں نے سوچا کہ اپنے اپنے الیکشن پر اپنی ہی جیب سے خرچ کرنا پڑا تو پھر وہ آئندہ انتخابات میں جناح کا توسل کیوں اختیار کریں...... ان خیالات سے متاثر ہو کر چودھری افضل حق، مولوی مظہر علی اظہر اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ انہیں زود یا بدیر مسلم لیگ سے علیحدہ ہونا پڑے گا۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ کس مسئلہ کو مابہ النزاع قرار دے کر ہم سے علیحدگی اختیار کریں گے۔

.... اس واقعہ کے بعد سب کمیٹی کا ایک اجلاس ہوا جس میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ اگر پارلیمنٹری بورڈ نے کسی شخص کی درخواست منظور کر کے اسے آئندہ الیکشن میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑا ہونے کی اجازت دے دی تو اس امیدوار کا فرض ہو گا کہ وہ پانسو روپے بورڈ کے فنڈ میں جمع کرائے۔

چودھری افضل حق نے اس مسئلے کی مزید وضاحت طلب کرتے ہوئے پوچھا کہ "یہ پانسو روپے کس مقصد سے جمع کرائے جائیں گے"؟ غلام رسول خاں نے جواب دیا کہ "بورڈ کو تمام امیدواروں کی الیکشن کے سلسلے میں مختلف اقسام کے اشتہارات اور پمفلٹ طبع کرانے ہوں گے۔ پھر ان امیدواروں کی حمایت میں مسلم لیگ کے لیڈروں کو ان کے انتخابی حلقوں میں دورہ کرنا ہو گا۔ آخر ان کاموں کے لئے روپیہ کہاں سے آئے گا"؟

چودھری افضل حق بڑے زندہ دل آدمی تھے۔ کہنے لگے "واہ حضرت پانسو روپے صرف اشتہارات اور پمفلٹ کے لئے۔ الیکشن کا خرچ الگ۔ میں تو پانسو میں الیکشن بھی لڑ سکتا ہوں اور شادی بھی کر سکتا ہوں"۔

میں اتفاق سے چودھری صاحب کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ میں نے عرض کیا "نیکی اور پوچھ پوچھ۔ خدا

کے لئے دونوں کام کیجئے"۔

احرار اس پان سو کی شرط پر بگڑ گئے اور چند روز کے بعد انہوں نے پارلیمنٹری بورڈ سے استعفٰی دے دیا۔ یوں مسلم لیگ اور احرار کا عارضی اتحاد ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا"۔ [۲۲۴]

سر سکندر پارٹی کا سلوک مجلس احرار سے

سر سکندر حیات اور ان کے رفقاء ابھی تک احرار کو کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ چپکائے ہوئے تھے مگر مسلمانان پنجاب کی بد قسمتی سے میاں سر فضل حسین صاحب کا ۹/ جولائی ۱۹۳۶ء [۲۲۵] کی رات انتقال ہو گیا اور یونینسٹ پارٹی کے اندر وہ باہمی چپقلش بھی ختم ہو گئی جو مدت سے سر سکندر اور میاں صاحب موصوف کے درمیان چلی آرہی تھی۔ اس لئے سکندر حیات خان کے لئے احرار سے راہ و رسم پیدا کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی اور وہ ۲۲/ جولائی ۱۹۳۳ء کو یونینسٹ پارٹی کے لیڈر منتخب کر لئے گئے۔ [۲۲۶] چنانچہ چودھری افضل حق صاحب لکھتے ہیں۔

"جب میاں صاحب فوت ہوئے تو سر سکندر کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ پہلے تو وہ لیگ سے وابستہ اس لئے ہو گئے تھے کہ مسلمانوں میں میاں صاحب کا کامیاب مقابلہ ہو سکے۔ ان دنوں احرار سے دلبستگی کی بظاہر وجہ یہی تھی لیکن اب انہیں آئینی کامیابی کے لئے میدان صاف نظر آیا اور مسٹر جناح کو دھتا دیا اور احرار کو بھی ٹھینگا دکھایا"۔ [۲۲۷]

انتخابات ۱۹۳۷ء میں شکست فاش

سر سکندر حیات خان اور ان کی یونینسٹ پارٹی کی بے رخی کے باوجود احراری لیڈر سمجھتے تھے کہ عوام کا حافظہ کمزور ہو چکا ہے اور مسجد شہید گنج کے واقعات ذہنوں سے اتر چکے ہیں۔ اس زعم میں وہ ۱۹۳۷ء کے انتخاب میں لنگر لنگوٹ کس کر باہر نکل آئے اور اپنے مخالف امیدواروں کو "مرزائی" یا "مرزائی نواز" مشہور کر کے ووٹروں کی ہمدردیاں حاصل کرنے لگے جیسا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے "اہلحدیث" میں لکھا۔

"احرار کے جلسے میں جہاں اور باتوں کا ذکر آتا ہے وہاں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو امیدوار مرزائی ہو یا مرزائی نواز ہو اسے ووٹ نہ دو۔ مرزائی کی تعریف تو ظاہر ہے کہ جو شخص مرزا قادیانی کو مسیح موعود سمجھے۔ ہاں مرزائی نواز کی جامع مانع تعریف کی ضرورت تھی اس لئے کہا گیا۔ خواہ کوئی مولوی مسجد میں مرزائیوں کا رد کرے۔ جب تک وہ یہ نہ کہے کہ ہم احرار کے ساتھ ہیں۔ اگرچہ وہ مرزائیوں کو کافر بھی کہے تاہم وہ مرزائی نواز ہے (سامعین جلسہ چوک لوہگڑھا...... احرار پارٹی اپنے مخالف رائے لوگوں کو اسلام سے خارج کہتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ احرار اپنے اعمال قبیحہ کی وجہ سے انسانیت سے بھی خارج

ہیں"۔ [۴۳۸]

مگران تمام سیاسی حربوں کے باوجود احرار کو شکست فاش ہوئی اور صوبہ پنجاب کے کسی حلقہ میں بھی ان کا کوئی امیدوار کامیاب نہ ہو سکا۔ اور تو اور بٹالہ کے حلقہ میں "آٹھ کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی" کا ادعا کرنے والوں اور "فاتح قادیان" کہلانے والوں کو احمدی امیدوار (چودھری فتح محمد صاحب سیال) سے بھی کم ووٹ ملے [۴۳۹] امرتسر کو احرار اپنا مرکز سمجھتے تھے مگر اس میں ان کو منہ کی کھانا پڑی۔ حتیٰ کہ چودھری افضل حق صاحب جیسے جوڑ توڑ کے آدمی جن کے ذریعہ سے احرار نے ایک طرف پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں سے اور دوسری طرف سر سکندر حیات خان کے حامیوں سے معاہدہ (PACT) کیا تھا اور جو احرار کی انتخابی مہم کے لیڈر تھے اپنے ہی علاقہ گڑھ شنکر میں ہار گئے۔ [۴۴۰]

چنانچہ خود ہی "تاریخ احرار" میں لکھتے ہیں۔

"میرا حلقہ انتخاب سر سکندر اور اس کے ساتھیوں کی توجہ کا مرکز رہا...... میرے حلقہ انتخاب میں سرگرمی رہی۔ میرے علاقہ کے امراء غیر راجپوت مجھ سے زیادہ خوش نہ تھے۔ انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ راجپوت قوم کا پہلے ہی زیادہ اثر ہے اگر یہ اس دفعہ کامیاب ہو گیا تو شاید حکومت پر قبضہ جما بیٹھے۔ اس لئے راجپوتوں کا اقتدار اور بڑھ جائے گا...... سر سکندر حیات خان نے لوگوں کو بڑے سبز باغ دکھائے۔ ہر نوجوان یہ سمجھتا کہ افضل حق کو نیچا دکھایا تو ڈپٹی ہوئے۔ علاوہ ازیں اعلیٰ ادنیٰ ہر ملازم کو خیال تھا اور برملا حوصلہ افزائی ہوتی تھی کہ افضل حق سرکار کا دشمن اور اس کا ساتھی حکومت کا باغی سمجھا جائے گا کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ سر سکندر خود افضل حق کے خلاف دوڑا بھاگا پھرتا ہے۔

میری شکست کی سب سے موثر وجہ یہ ہوئی کہ لاہور کے لولے لنگڑوں کو مولانا ظفر علی خان اور مولانا عبدالقادر' ڈاکٹر محمد عالم کی جماعت اتحاد ملت نے اس غرض سے بھیجا تاکہ وہ علاقہ میں پھر کر لوگوں میں یہ پروپیگنڈا کریں کہ افضل حق نے مسجد شہید گنج گروائی اور اسی نے خود کھڑے ہو کر مسلمانوں پر گولی چلوائی۔ دیکھو اسی ظالم نے گولی چلوا کر ہمیں لولا لنگڑا کر دیا۔ وہ دردناک لفظوں میں اپیل کرتے تھے۔ ایک دو پولنگ سٹیشنوں پر اس کا بہت برا اثر ہوا۔ ایک عام آگ سی لگ گئی۔ اسی طرح مجھے اس حلقہ سے شکست ہوئی۔ جہاں سے مجھے شکست کی امید نہ تھی۔ میری شکست یونینسٹ پارٹی کی بہت بڑی فتح تھی کیونکہ میں انتخابی مہم کا لیڈر تھا"۔ [۴۴۱]

الیکشن ختم ہوا تو مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے "احرار کے امیدوار ناکام" کے عنوان سے "اہلحدیث" (۱۹-۲۶/ فروری ۱۹۳۷ء صفحہ ۷-۲-۸) پر یہ تبصرہ شائع کیا۔

"ہر پارٹی میں چند امیدوار ناکام ہوئے ہیں۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں مگر احرار کے تین امیدوار ایسے ہیں جن کا فیل ہونا سخت دلشکنی کا باعث ہے۔

اول شیخ حسام الدین بی اے بمقابلہ سیف الدین کچلو فیل ہوئے۔ ان کی بابت مولوی عطاء اللہ شاہ اپنی تقریروں میں کہتے تھے کہ امرتسر ہمارا مرکز ہے۔ اسی شہر میں ہمارا امیدوار اگر کامیاب نہ ہوا تو اہل قادیان ہمیں طعنہ دیتے ہوئے کہیں گے کہ احرار اپنے مرکز میں بھی ذلیل ہیں...... دوسرا امیدوار حاجی محمد خان جو تحصیل بٹالہ میں قادیان کے اطراف سے کھڑے ہوئے تھے وہ بھی فیل ہو گئے۔

تیسرے امیدوار چودھری افضل حق جو جماعت احرار کے بڑے لیڈر ہیں جن کی دماغی قابلیت کو مخالفین بھی مانتے ہیں وہ بھی اپنے علاقہ ہوشیار پور میں فیل ہو گئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی ناکام رہے ہوں گے۔ ہمیں علم نہیں۔ مگر ان امیدواروں کا فیل ہو جانا واقعی دلشکن ہے"۔

اس الیکشن میں بعض ایسے کامیاب نمائندے بھی تھے جن کی کامیابی اگرچہ احرار کی مرہون منت نہ تھی۔ مگر احرار نے ان کی اس موقعہ پر مدد کی تھی ایسے نمائندوں نے انتخاب جیتتے ہی احرار سے قطع تعلق کر لیا۔ چنانچہ چوہدری افضل حق صاحب ہی کا بیان ہے کہ۔

"کم از کم بارہ ممبر ایسے تھے جو احرار کی مدد سے کامیاب ہوئے تھے چونکہ وہ درمیانے اور اعلیٰ طبقے سے متعلق تھے اس لئے امراء کی آواز میں ان کے لئے زیادہ کشش تھی...... نتیجہ یہ ہوا کہ احرار کے سب ممبر امراء کی کان نمک میں پڑ کر نمک ہو گئے اور احرار سے تعلق توڑ بیٹھے۔ [۲۲۱]

یہ کیفیت صرف اسمبلی کے انتخابات میں ہی نہیں ہوئی بلکہ میونسپل الیکشنوں میں بھی ایسا ہی ہوا چنانچہ چودھری صاحب لکھتے ہیں۔

"یہ صورت حال صرف اسمبلی کے الیکشنوں میں ہی نہیں ہوئی بلکہ میونسپل انتخابات میں بھی یہی صورت درپیش ہوئی۔ لودھیانہ 'جالندھر' لائل پور میں غریب اور درمیانہ طبقہ کے لوگوں نے احرار کے نام پر فتح پائی...... لیکن جونہی کامیاب ہوئے اور سوسائٹی میں ایک درجہ حاصل کر لیا پھر کرسی نشین ہو کر خاک نشین احرار کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے"۔ [۲۲۲]

کانگریس کے ہاتھوں بے آبروئی

لیکن معاملہ یہیں تک ختم نہیں ہو جاتا۔ اگرچہ احرار اب بھی کانگرس کے نفس ناطقہ تھے تاہم اب کانگرسی لیڈروں نے ان کو آلہ کار بنانے کے باوجود ان کو مسلمانوں کا نمائندہ تسلیم کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔

جناب اکرام قمر صاحب ایم اے [۲۲۳] نے اس حقیقت پر حسب ذیل الفاظ میں روشنی ڈالی تھی۔

"کانگرس ایک طرف تو چودھری افضل حق مرحوم جیسے محب وطن کی بھی الگ تنظیم کے قیام کی

کوشش کو معاف کرنے کو تیار نہیں اور دوسری طرف ہندو مہاسبھا کے صدر شیام پرشاد مکرجی کو بنگال کا نمائندہ سمجھتی ہے۔ کیا احرار لیڈر اس امتیاز پر غور کریں گے؟ انہوں نے کانگرس کی تحریکوں میں ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کیں، محنتیں تباہ کیں۔ لیکن اس کا نتیجہ؟ وہ کانگرس کے نزدیک مردود ہیں اور مہاسبھائی محبوب کانگرس تو ان سے مسلم حقوق کے متعلق بات چیت بھی کرنے کو تیار نہیں۔

۱۹۳۹ء کے اواخر میں جب دو احرار لیڈر دہلی پہنچے کہ گاندھی جی سے ہندو مسلم کے تصفیہ کے سلسلہ میں ملیں تو گاندھی جی نے یہ کہلا بھیجا کہ میرے پاس وقت نہیں۔ آخر یہ احرار لیڈر اسٹیشن پر پہنچے اور جس ڈبہ میں گاندھی جی واپس جارہے تھے اس میں سوار ہوئے تاکہ راستہ ہی میں باتیں ہو سکیں۔ میرے خیال میں ہر احرار لیڈر کو یہ معلوم ہوگا کہ گاندھی جی نے ان دونوں لیڈروں سے کیا کہا تھا۔ انہوں نے مسلم حقوق کے متعلق احرار سے بات کرنے سے صاف انکار کر دیا کہ مسلم قوم آپ کے ساتھ نہیں ہے۔ وہ مسلم لیگ کے ساتھ ہے۔ اس لئے ہندو مسلم مسئلہ کے متعلق جب بھی گفتگو ہوگی۔ مسلم لیگ سے ہی ہوگی...... اس سلوک کے باوجود احرار کانگرس سے چمٹے ہوئے ہیں اور اب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو محض اس غرض سے صدر بنانا چاہتے ہیں تاکہ وہ مادتو کارہا سہا امتیاز بھی جاتا رہے کیا احرار اپنی اس مضحکہ خیز پوزیشن پر غور کریں گے؟ کانگرس انہیں مسلمانوں کی نمائندگی کا حق دینے کے لئے تیار نہیں اور ان سے مسلم مسئلہ کے سلسلہ میں گفتگو کرنے پر بھی آمادہ نہیں وہ انہیں محض اپنے ایک مہرے کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہے۔ جب احرار مسلم مسئلہ پیش کرتے ہیں تو گاندھی جی کہہ دیتے ہیں، کہ مسلم قوم آپ کے ساتھ نہیں۔ اور جب مسلم لیگ سے گفتگو شروع کی جاتی ہے تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ تم مسلمانوں کے نمائندہ نہیں کیونکہ احرار وغیرہ مسلم جماعتیں بھی موجود ہیں...... اندریں حالات احرار کی حالت پر افسوس بھی ہوتا ہے اور رحم بھی آتا ہے۔ ان کا کام لے دے کر اب کانگرس کے ایک مہرے کا رہ گیا ہے"۔ ۲۲۵

احرار کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی

الغرض حکومت اور کانگرس کی پشت پناہی کے باوجود سلسلہ احمدیہ سے ٹکر لینے کا خمیازہ احرار کو "مسجد شہید گنج" کی صورت میں بھگتنا پڑا۔ خدا کے محبوب بندہ سیدنا امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی پیشگوئی کے مطابق احرار کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور انتہائی جدوجہد کے باوجود آج تک واپس نہیں آسکی۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب نے ایک بار واضح لفظوں میں تسلیم کیا کہ۔

"جس نے رسول اللہؐ کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا وہ کبھی نہیں پھولا پھلا"۔ ۲۲۶

نیز ۱۶/ مئی ۱۹۳۵ء کو رام تلائی سیالکوٹ کے جلسہ عام میں یہ پیشگوئی کی کہ۔

"مرزائیت کے مقابلہ کے لئے بہت سے لوگ اٹھے۔ لیکن خدا کو یہی منظور تھا کہ یہ میرے ہاتھوں سے تباہ ہو"۔ ۴۴۷

مگر اس پیشگوئی کا کیا حشر ہوا؟ اس کا جواب مشہور احراری لیڈر جناب شورش کاشمیری مدیر چٹان کے الفاظ میں یہ ہے کہ۔

"حقیقتہ "احراری اپنی تمام تر صلاحیتوں اور عظیم قربانیوں کے باوجود بدقسمت تھے ان کی مثال بد قسمت جرمن قوم کی سی ہے کہ جاں نثاری کے باوجود ہر معرکہ میں ہاران کا نوشتہ تقدیر رہی ہے"۔ ۴۴۸، ۴۴۹

اس کے مقابل خدا کا یہ اعجازی نشان ظاہر ہوا کہ اس کے ہاتھ سے لگایا ہوا احمدیت کا وہ پودہ جس کے مسل دینے کے لئے ارضی طاقتیں جمع ہو گئی تھیں۔ خدا کے فضل و کرم اور آسمانی افواج کی مدد سے نہ صرف پوری شان سے قائم رہا بلکہ عین اس وقت جب کہ اس کے بیخ و بن سے اکھیڑ پھینکنے کی کوششیں انتہا تک پہنچ گئیں' خدا تعالیٰ کی تقدیر خاص کے تحت اور اس کے القاء سے احمدیت کے فتح نصیب ۴۵۰ قائد سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تحریک جدید جیسی عظیم الشان تحریک جاری فرمائی جس سے دنیا میں تبلیغ اسلام کے عالمگیر نظام کی بنیاد پڑی جس کی تفصیل پر انشاء اللہ اگلی جلد میں روشنی ڈالی جائے گی۔

وآخر دعونا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

دوسراباب

حواشی

۱۔ ملخصاً خطبہ جمعہ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی مطبوعہ الفضل ۲۹/ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۹۔

۲۔ رپورٹ مجلس مشاورت منعقدہ ۱۵-۱۶-۱۷/ اپریل ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۷۹' ۱۸۰ مطبوعہ مارچ ۱۹۲۸ء طبع اول (مرتبہ شیخ یوسف علی صاحب بی-اے سیکرٹری مجلس مشاورت قادیان دارالامان)

۳۔ پرتاپ ۱۹/ مارچ ۱۹۲۶ء بحوالہ تاریخ انقلابات عالم جلد دوم صفحہ ۴۲۲۔

۴۔ ڈاکٹر ابواللیث صاحب صدیقی پی- ایچ- ڈی کے نزدیک ۱۸۵۷ء جنگ آزادی تو ضرور تھی لیکن وہ اس کو جہاد قرار دینے میں اس وجہ سے متامل ہیں کہ اگر ۱۸۵۷ء کے انقلاب کو انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کے جہاد کی تحریک قرار دے دیا جائے تو پھر اس تحریک کی عمومیت اور ہمہ گیری برقرار نہیں رہتی- (مقدمہ بر کتاب اسباب بغاوت ہند- صفحہ ۷۶ تصنیف سرسید احمد خاں مرحوم- ناشر اردو اکیڈمی سندھ مشن روڈ کراچی)

۵۔ نقش حیات "جلد دوم" میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے اس ہنگامہ کو جہاد حریت سے موسوم کیا ہے- تحریک آزادی کے ان مجاہدین کے چشم دید واقعات راقم الدولہ ظہیر دہلوی شاگرد ذوق نے اپنی کتاب داستان غدر میں لکھے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں ایک جگہ لکھا ہے- "ان غارت گروں میں وہ لوگ ہیں جو میرٹھ سے باغی ہو کر پلٹن اور سوار آتے ہیں اور ان کے ساتھ والے جو بدمعاش ہمراہ ہوئے ہیں اور ان کے شہر کے کولی' چمار' دھوبی' سقے' کنجڑے' قصاب' کاغذی محلہ کے کاغذی اور دیگر بدمعاشان شہر پہلوان بانڈی باز اٹھائی گیرے' جیب کترے وغیرہ وغیرہ سب رذیل ہیں کوئی شریف خاندانی ان کے ساتھ شامل نہیں ہیں- جو نیک معاش واشراف ہیں وہ اپنے گھروں کے دروازے بند کئے بیٹھے ہیں ان کو یہ خبر تک نہیں کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے-(صفحہ ۱۰۸-۱۰۹)

اسی طرح شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے اپنی کتاب دہلی کی جاں کنی میں لکھا ہے- اس کتاب میں انگریزی فوج کے مظالم کا تذکرہ زیادہ آئے گا مگر اس موقعہ پر یہ اقرار کرنا قرین انصاف ہے کہ ہندوستانی فوج والوں اور دیسی باشندوں نے بھی غدر کے شروع میں سفاکی اور بے رحمی کو حد سے بڑھا دیا تھا اور ان کے ستم ایسے ہولناک تھے کہ ہر قسم کی سزا ان کے لئے جائز کہی جا سکتی ہے انہوں نے بے کس عورتوں کو قتل کیا انہوں نے حاملہ عورتوں کو ذبح کرنے سے دریغ نہ کیا انہوں نے دودھ پیتے بچوں کو اچھالا اور سنگین کی نوکوں پر روک کر بے زبانوں کو چھید ڈالا- وہ حاملہ عورتوں کے پیٹ میں تلواریں بھونک دیے تھے غرض کوئی ظلم و ستم ایسا نہ تھا جو ان کے ہاتھ سے انگریزوں اور ان کے بیوی بچوں پر نہ ٹوٹا ہو- (دہلی کی جان کنی صفحہ ۲۲-۲۳) ہندو پوربیوں کی سفاکیوں کا نقشہ نواب مرزا صاحب داغ دہلوی نے کیا خوب کھینچا ہے

یہ پوربئے نہیں آئے خدا کا قہر آیا — غضب میں آئی رعیت' بلا میں شہر آیا

جو مانا دین کوئی تھا تو کوئی گنگا دین — زباں سے کہتے ہوئے دین دین آئے لعین

کئے ہیں قتل زن و بچہ کیسے کیسے حسین — یہ جانتے ہی نہ تھے چیز کیا ہے دین متین

غرض وہ کام کیا جو کام کیا — روا نہ تھا کسی مذہب میں وہ کام ہی تمام کیا

۶۔ منقول از رسالہ ضیاء الاسلام مراد آباد (۵/۶ بحوالہ ہندو راج کے منصوبے صفحہ ۶۸ حاشیہ طبع ششم (مولفہ ملک فضل حسین صاحب)

۷۔ کاغذات پارلیمنٹ ۱۸۵۷ء بحوالہ ہندو راج کے منصوبے- صفحہ ۶۷ حاشیہ-

۸۔ ظہیر دہلوی داستان غدر میں لکھتے ہیں کہ اس موقعہ پر بہادر شاہ ظفر نے سواران باغیہ سے کہا کہ۔ میرے باپ دادا بادشاہ تھے جن کے قبضہ میں ہندوستان تھا۔ سلطنت تو سو برس پہلے میرے گھر سے جا چکی تھی۔ میرے جد و آباء کے نوکر چاکر اپنے خاوندان نعمت کی اطاعت سے جداگانہ رئیس بن بیٹھے۔ میرے باپ دادا کے قبضہ سے ملک نکل گیا۔ قوت لایموت کو محتاج ہو گئے۔ خصوصاً میرے جد بزرگوار حضرت شاہ عالم بادشاہ غازی کو جب غلام قادر نمک حرام نے قید کر کے نابینا کیا ہے تو پہلے مرہٹوں کو طلب کیا گیا تھا اور انہوں نے اس نمک حرام کو کیفر کردار کو پہنچایا حضرت بادشاہ کو قید سے چھڑایا چند سال مرہٹے بادشاہ کی جانب سے مختار رہے مگر بادشاہ کے صرف مطبخ کا بندوبست نہ کر سکے۔ لاچار ہو کر میرے دادا نے منجانب سلطنت برطانیہ رجوع کی اور انگریزوں کو بلوا کر اپنے گھر کا مختار فرمایا اور ملک ہندوستان ان کے تفویض کیا اور ان لوگوں نے حسب دلخواہ اخراجات شاہی کا بندوبست کر دیا اور ملک میں امن و امان کا ڈنکا بجا دیا۔ اس روز سے آج تک ہم لوگ بہ عیش و عشرت تمام بسر کرتے چلے آتے ہیں...... میں تو ایک گوشہ نشین آدمی ہوں۔ مجھے ستاتے کیوں آئے۔ میرے پاس خزانہ نہیں کہ میں تم کو تنخواہ دوں گا میرے پاس فوج نہیں کہ میں تمہاری امداد کروں گا۔ میرے پاس ملک نہیں کہ تحصیل کر کے تمہیں رکھوں گا میں کچھ نہیں کر سکتا ہوں مجھ سے کسی طرح کی توقع استعانت کی نہ رکھو۔ تم جانو یہ لوگ جانیں۔ (داستان غدر صفحہ ۴۹-۵۰ مطبع کریمی لاہور)

۹۔ کپتان ڈگلس۔

۱۰۔ مسٹر سمن فریزر۔

۱۱۔ بہادر شاہ کا مقدمہ (مولفہ خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی) صفحہ ۱۳۳ تا ۱۳۹۔

۱۲۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی کی مولفہ کتاب بہادر شاہ کا مقدمہ کے صفحہ ۹۷ پر ایک گواہ کی شہادت درج ہے کہ "مجھے خیال ہے کہ جب فوجیں پہلے پہل میرٹھ سے آئیں تو ہندوؤں نے بادشاہ سے عہد کرا لیا کہ شہر میں گاؤ کشی نہ کی جائے اور یہ عہد برقرار رکھا گیا...... تمام ایام غدر تک دہلی میں اس عہد کے سبب ایک گائے بھی نہیں کاٹی گئی بقر عید کے موقعہ پر جبکہ مسلمان یقینی گائے کی قربانی کیا کرتے ہیں ایک بے چینی پھیل گئی تھی مگر مسلمانوں نے اس موقعہ پر بھی گائے کی قربانی نہیں کی۔

۱۳۔ تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ ہند صفحہ ۶۶۰ (مولفہ خان بہادر شمس العلماء محمد ذکاء اللہ خاں) ۱۹۰۴ء شمس المطابع دہلی ایضاً دہلی کی جان کنی صفحہ ۹۵-۹۶ (از شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی)

۱۴۔ داستان غدر صفحہ ۹۸۔

۱۵۔ داستان غدر میں ہندوؤں کی سربراہی کرنے کا ذکر بھی ملتا ہے مثلاً صفحہ ۶۵ پر لکھا ہے۔ پھاٹک سے باہر نکلا ہوں تو دیکھا کہ تین چار سوار کرتے پہنے اور دھوتیاں باندھے ہوئے سر سے ایک چھوٹا سا انگوچھہ لپٹا ہوا فقط ایک کرچ ڈاب میں اور وہ پیپل کے درخت کے سایہ میں نہر کی دیوار سے لگے کھڑے ہیں اور ہندو لوگ ان کی سربراہی کر رہے ہیں کوئی پوریاں لے آیا ہے کوئی مٹھائی کا دونہ لئے آتا ہے۔

۱۶۔ بہادر شاہ کا مقدمہ صفحہ ۲۳۴۔

۱۷۔ بہادر شاہ کا مقدمہ صفحہ ۲۴۰۔

۱۸۔ اسباب بغاوت ہند صفحہ ۱۰۴ تا ۱۰۹۔

۱۹۔ رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۶ نمبر ۱۰ صفحہ ۲۸۸۔ ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اسی شمارہ کے صفحہ ۲۹۴ حاشیہ پر اس انگریزی چٹھی کا متن شائع کیا جو جی۔ ڈی ٹرمیلٹ بنگال سول سروس کمشنر دہلی نے سید نذیر حسین صاحب دہلوی کو ان کے زیارت کعبہ پر جاتے وقت دی تھی اور جس میں لکھا تھا کہ مولوی صاحب موصوف دہلی کے ایک بڑے نامور عالم ہیں جنہوں نے مشکل وقتوں میں اپنی نمک حلالی گورنمنٹ پر ثابت کی ہے۔

۲۰۔ اشاعۃ السنہ جلد ۹ نمبر ۱ صفحہ ۱۶ (بابت ۱۳۰۳ھ بمطابق ۱۸۸۶ء۔

۲۱۔ اشاعۃ السنہ جلد ۶ نمبر ۱۰ صفحہ ۳۰۹/۴۹، ۳۱۰/۴۵ (۱۸۸۶ء)

۲۲۔ ولادت ۱۸۴۲ء وفات ۱۹۱۸ء۔

۲۳۔ تاریخ اقوام عالم صفحہ ۶۳۹ (از مرتضیٰ احمد خاں ناشر مجلس ترقی ادب نمبر ۲ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور)

۲۴۔ ترکوں کے ارمنوں پر فرضی مظالم صفحہ ۲۳ (شائع کردہ مجلس خلافت پنجاب)

۲۵۔ جب بغاوت کا مقدمہ چلا تو ہندوؤں نے بہادر شاہ ظفر اور مسلمانوں کے خلاف گواہیاں دیں۔ جس کی تفصیل کتاب بہادر شاہ کا مقدمہ میں ہمیں ملتی ہے۔ عدالت کی طرف سے سوال کیا گیا کہ انگریز گورنمنٹ کے برخلاف کیا ہندو اور مسلمانوں کے جذبات میں کچھ فرق تھا؟ اس کے جواب میں ایک ہندو گواہ جاٹ مل نے کہا۔ جی ضرور تھا۔ مسلمان متفقہ طور پر گورنمنٹ برطانیہ کو الٹ دینے کے درپے تھے۔ مگر بڑے بڑے ہندو تاجروں اور ساہو کاروں میں اس پر اظہار افسوس کیا جاتا تھا۔ (صفحہ ۳۵) اور تو اور بہادر شاہ ظفر کے سیکرٹری مکند لال نے اپنی گواہی میں کہہ دیا کہ جب باغی سواروں نے بادشاہ کے سامنے اس ارادہ کا اظہار کیا کہ ہندوستان کے تمام انگریز قتل کر دیئے جائیں گے تو بادشاہ نے کہا اگر ان کی یہی خواہش ہے تو انہیں آخر وقت تک ساتھ دینا ہو گا۔ اور اگر اس پر وہ رضامند ہوں تو شوق سے چلے آئیں اور تمام انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیں جب انہوں نے رضامندی ظاہر کی تو بادشاہ نے انہیں آنے دیا۔ (صفحہ ۸۶) جب اس سے پوچھا گیا کہ اس غدر سے قبل کیا مسلمانوں نے کبھی سازش کی تو اس نے جواب دیا جونہی باغی آئے مسلمان فی الفور ان سے مل گئے کیا اس سے نہیں معلوم ہوتا کہ ان میں پہلے سے ربط و ضبط تھا۔ (صفحہ ۸۸)

۲۶۔ دہلی کی جاں کنی اور داستان غدر میں اس قتل عام کی دردناک تفصیل موجود ہے جسے پڑھ کر بے اختیار آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ دہلی میں سب سے زیادہ چیلوں کے کوچہ پر مصیبت آئی۔ اس محلہ میں بڑے بڑے شرفاء اور نامور علماء رہتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ و حضرت شاہ عبد العزیزؒ محدث دہلوی کا گھرانا اسی محلہ میں آباد تھا۔ سرسید احمد خاں کا گھر بھی اسی محلہ کے ایک حصہ میں تھا منشی ذکاء اللہ خاں بھی اس محلہ کے باشندے تھے۔ منشی ذکاء اللہ خاں لکھتے ہیں کہ اس محلہ کی مصیبت کا سبب یہ ہوا کہ ایک مسلمان نے کسی انگریزی سپاہی کو زخمی کر دیا تھا۔ انگریزی کمان افسر نے حکم دیا کہ اس کوچہ کے تمام مردوں کو قتل کر دو یا گرفتار کر کے لے آؤ۔ اس حکم کی تعمیل میں ایسی بے دردی ہوئی کہ محلہ میں کوئی مرد زندہ نہ بچایا تو سپاہیوں نے گھروں میں گھس کر مار ڈالا یا گرفتار کر کے حاکم کے سامنے لے گئے حاکم نے حکم دیا کہ سب کو دریا کے کنارے لے جاؤ اور گولی مار دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ان لوگوں کو رسی سے باندھا گیا دریا کی ریتی میں قطار بنا کر کھڑا کیا گیا اور گولیوں کی باڑھ ان پر چلائی گئی۔ جس سے (دو کے سوا) سب مر کر گر پڑے ان مقتولین میں دو چاند سورج بھی تھے۔ ایک مولانا امام بخش صہبائی جن کی فارسی دانی تمام ہندوستان میں مسلم تھی۔ مولانا صہبائی کے ساتھ ان کے کنبہ کے اکیس آدمی اس قطار میں مارے گئے۔ مقتولین میں دوسرے نامور شخص سید محمد امیر عرف میر پنجہ کش تھے جن کی خوشنویسی کا لوہا تمام ہندوستان مانتا تھا۔ اور ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے حرف سونے چاندی کے عوض خریدے جاتے تھے۔ وہ بھکاری فقیروں کو ایک حرف لکھ کر دے دیتے جو ایک روپیہ کے نوٹ کی طرح ہر جگہ روپیہ کو بک جاتا تھا۔ افسوس کہ یہ صاحب کمال بھی دریا کی ریتی میں مار گیا۔ شیفتہ کا شعر ہے۔ دلی اب ہے تن بیجاں کیا خاک۔ جاں نے جا چکے جو لوگ تھے جان دہلی۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ جس شہر میں یہ بے رحمیاں ہو رہی تھیں اسی شہر میں ایسے رحمدل انگریز بھی تھے جو بے گناہوں کی حمایت کرتے تھے لاوارثوں کے وارث بن کر ان کی طرف سے حکام کے پاس سفارش لے جاتے تھے بیماروں اور زخمیوں کو ہسپتال بھجواتے اپنے پاس سے بھوکوں محتاجوں کو کھانا دیتے اور کوشش کرتے تھے کہ حکام دہلی سے بے گناہ لوگوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔ مگر ان کی کوشش دو وجہ سے اکثر ناکام رہتی تھی ایک تو یہ کہ اختیارات عموماً ان انگریزوں کے ہاتھ میں تھے جن کے بال بچے باغیوں کے ہاتھ سے بے گناہ مارے گئے تھے۔ اور ان کے گھروں کو لوٹا گیا تھا۔ اور ان کو رہ رہ کر اپنے گھروں کی تباہی اور اپنے بچوں اور عورتوں کا بے کسی و ظلم سے مارا جانا یاد آتا تھا۔ اور اس یاد کے سبب غم و غصہ عقل پر پردے ڈالتا تھا اور وہ حق و ناحق میں اچھی طرح تمیز نہ کر سکتے تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ خود مخبروں نے سفاکی پر کمر باندھ لی تھی۔ غرض سب انگریز بے رحم نہیں تھے۔ سر جان لارنس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے کہ انہوں نے اس قیامت کے وقت دہلی اور ان کے شریف باشندوں کی اپنی زور دار تحریروں میں ہمیشہ حمایت کی مگر اس کے برعکس ہڈسن جیسے ظالم و سفاک انگریزوں کو تاریخ کبھی معاف نہیں کر سکتی جس نے مغل شہزادوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور ان کے سر کاٹ کر معزول بے جان اور بوڑھے بادشاہ کے سامنے رکھ دیئے کہ یہ آپ کی نذر ہے جو بند ہو گئی تھی اور جس کو جاری کرانے کے لئے آپ نے غدر میں شرکت کی تھی۔ (دہلی کی جان کنی۔ مولفہ شمس العلماء خواجہ حسن نظامی دہلوی)

۲۷۔ شمس العلماء خواجہ حسن نظامی دہلوی لکھتے ہیں۔ تاوان جنگ لے کر صرف ہندو آباد کئے جاتے تھے اور مسلمانوں کو مارچ ۱۸۵۸ء تک شہر میں آباد ہونے کی اجازت نہ تھی...... آخر مارچ ۱۸۵۸ء میں خدا کا نیک بندہ سرجان لارنس دہلی میں آیا۔ اور اس نے مسلمانوں کو بھی شہر میں آباد ہونے کی اجازت دی...... جب مسلمان اپنے گھروں میں آباد ہوئے تو مکانوں میں نہ کوئی اسباب تھا اور نہ کواڑ تھے کیونکہ وہ بھی بڑے بے دردی سے ایندھن کی جگہ جلادیئے گئے تھے مسلمانوں کی تباہی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ غدر کے ایک برس بعد مئی ۱۸۵۸ء میں مسلمانوں کی آبادی کا تخمینہ کیا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ سابقہ آبادی کے مقابلہ میں ایک چوتھائی بھی نہ تھے۔ (دہلی کی جاں کنی صفحہ ۸۳)

پھر لکھتے ہیں۔ مسلمانوں کا سارا اسباب جو پرائز ایجنسی نے جمع کیا تھا وہ زیادہ ہندوؤں نے نیلام میں بہت ارزاں خریدا اور اس مال و اسباب کی دکانیں کھول کر خوب روپے کمائے۔ باغی مسلمانوں کے جو مکانات ضبط ہو کر نیلام ہوئے وہ سب کے سب ہندوؤں نے بہت سستے داموں میں خریدے جن کی قیمت اب پچاس گنی سے بھی زیادہ ہے۔ (صفحہ ۸۵)

۲۸۔ تحریک آزادی صفحہ ۱۱۰-۱۱۱ (از مولانا ابو الکلام آزاد۔ ناشر مکتبہ ماحول ۹ بہادر شاہ مارکیٹ بندر روڈ۔ کراچی)

۲۹۔ تاریخ احرار صفحہ ۲۴۸ تا ۲۴۹۔

۳۰۔ پاکستان اور اچھوت صفحہ ۹۲۔

۳۱۔ تاریخ احرار صفحہ ۹۱۔

۳۲۔ پاکستان اور اچھوت صفحہ ۷۹۔

۳۳۔ پاکستان اور اچھوت صفحہ ۸۱۔

۳۴۔ پاکستان اور اچھوت صفحہ ۷۴۔

۳۵۔ فرقہ وارانہ فیصلہ کا استدراج صفحہ ۴۷-۴۸۔

۳۶۔ تاریخ احرار صفحہ د۔

۳۷۔ تاریخ احرار صفحہ ح۔

۳۸۔ اقبال اور سیاست ملی (از رئیس احمد صاحب جعفری) صفحہ ۱۳۰-۱۳۱۔ ناشر اقبال اکیڈیمی کراچی۔

۳۹۔ مارشل لاء سے مارشل لاء تک صفحہ ۱۳۵۔

۴۰۔ حاشیہ اگلے دو صفحات پر ملاحظہ ہو۔

۴۱۔ ملاپ لاہور ۲۵/ مئی ۱۹۲۵ء صفحہ ۱ (بحوالہ ہندو راج کے منصوبے۔ صفحہ ۱۷۷ (مولفہ ملک فضل حسین صاحب)

۴۲۔ بحوالہ اخبار آریہ ویر ۲۵/ جنوری ۱۹۲۷ء از "الامان" ۲۳۔ جنوری ۱۹۲۷ء صفحہ ۱ بحوالہ ہندو راج کے منصوبے صفحہ ۱۸۶، ۱۸۷۔

۴۳۔ "تیج" دہلی ۵/ مئی ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۱۔ بحوالہ ہندو راج کے منصوبے صفحہ ۱۷۹ (مولفہ ملک فضل حسین صاحب) ستمبر ۱۹۳۰ء طبع ششم۔

۴۴۔ "تیج" دہلی یکم مئی ۱۹۲۴ء صفحہ ۱ (ایضاً صفحہ ۱۸۰)

۴۵۔ ہریجن مورخہ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۳۸ء۔

۴۶۔ "ٹریبون" ومدینہ بحوالہ تحریک پاکستان و نیشنلسٹ علماء صفحہ ۲۸۸ (از چوہدری حبیب احمد صاحب) ناشر البیان چوک انار کلی۔ طبع اول فروری ۱۹۶۶ء۔

۴۷۔ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء صفحہ ۲۸۹۔

۴۸۔ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ صفحہ ۲۷۵۔

۴۹۔ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء صفحہ ۲۷۶۔

۵۰۔ بحوالہ الفضل ۱۷/ اکتوبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۴۔

۵۱۔ بحوالہ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء صفحہ ۱۷۱ (مولفہ چودھری حبیب احمد صاحب)

۵۲۔ خطبات ابوالکلام آزاد صفحہ ۳۱۷-۳۱۹ (ناشر ایم ثناء اللہ خاں اینڈ سنز ۲۶ ریلوے روڈ۔ لاہور۔

۵۳۔ جناب شورش کاشمیری لکھتے ہیں۔ پنجاب کے احرار جس میں جماعت احرار کے راہنما ہی نہیں بلکہ تحریک خلافت کے پنجابی راہنما بھی شامل ہیں بعض اعتبارات سے مولانا ہی کی سیاسی تخلیق تھے۔ (ظفر علی خاں صفحہ ۶۷)

۵۴۔ اخبار "مجاہد" نے احرار کی تشکیل کا واقعہ ۱۹۳۰ء کا بتایا ہے جو غلط ہے یہ قطعی طور پر دسمبر ۱۹۲۹ء کا ہے۔ (ناقل)

۵۵۔ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء صفحہ ۴۹۶-۴۹۷۔

۵۶۔ پاکستان اور اچھوت صفحہ ۲۴ تا ۲۶۔

۵۷۔ تاریخ احرار صفحہ ۹۳۔

۵۸۔ اخبار نیشنل کانگریس ۳/ جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۱۔

۵۹۔ ملاپ ۵/ جون ۱۹۳۶ء بحوالہ اہلحدیث امرتسر ۱۲/ جون ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۵۔

۶۰۔ ایضاً

۶۱۔ تاریخ انقلابات عالم جلد دوم صفحہ ۷۴۰ (سید ابو سعید بزمی ایم۔ اے) ناشر۔ کتاب منزل لاہور طبع اول ۱۹۵۱ء۔

۶۲۔ نیشنل کانگریس لاہور ۱۷/ جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۔

۶۳۔ تاریخ احرار صفحہ ۱۰۳۔

۶۴۔ تاریخ احرار صفحہ ی (از چودھری افضل حق صاحب) ناشر زمزم بک ایجنسی بیرون موری دروازہ لاہور۔

۶۵۔ تاریخ احرار صفحہ ۱۳۸۔

۶۶۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۲۹-۳۰ (مولفہ جناب شورش کاشمیری)

۶۷۔ زمیندار ۲۱/ جون ۱۹۳۶ء بحوالہ فسادات ۱۹۵۳ء کا پس منظر صفحہ ۲۷-۲۸ (از ملک فضل حسین صاحب) ناشر ادارۃ المصنفین ربوہ۔

۶۸۔ بحوالہ پیغام صلح ۱۱/ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

۶۹۔ سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۶۳۔

۷۰۔ بحوالہ تحریک پاکستان و نیشنلسٹ علماء صفحہ ۴۹۶۔

۷۱۔ بحوالہ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء۔ صفحہ ۱۰۱۴ تا ۱۰۱۶۔

۷۲۔ اخبار نیشنل کانگریس لاہور ۱۴/ مارچ ۱۹۳۹ء صفحہ ۹ کالم ۳۔

۷۳۔ زمزم لاہور ۳۰/ اپریل ۱۹۳۹ء بحوالہ سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۱۱۶۔

۷۴۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام (لاہور) ۸/ دسمبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

۷۵۔ افسوس جناب آزاد صاحب نے اسی جنگ بربادی میں شامل نہ ہونے کی پاداش میں مسلمانوں کو مطعون کرتے اور ہندوؤں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ برٹش گورنمنٹ ایک کانسٹی ٹیوشنل گورنمنٹ تھی..... ملک آزاد ہوا اور انگلستان نے اپنا فرض ادا کر دیا لیکن دنیا یاد رکھے کہ جو کچھ ہوا اس قوم کی سرفروشی سے ہوا جو مسلم نہ تھی۔ پر جو مسلم تھے انہوں نے آزادی کی جگہ غلامی کی اور سربلندی کی جگہ سجدہ مذلت کی کوشش کی ہندوستان کی ملکی نجات یقیناً ایک عظمت و عزت کی یادگار ہے لیکن اس عزت میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں اگر ملک کے قوانین کی ترمیم ہوئی نئے مفید قوانین بنائے گئے برباد کن محصولوں اور ٹیکسوں سے انسانوں نے نجات پائی۔ تعلیم جبری اور عام ہوئی فوجی مصارف میں تخفیف ہوئی اور سب سے آخر یہ کہ ملک کو حکومت خود اختیاری ملی تو صرف ہندوؤں' قابل عزت ہندوؤں کو اور مسلمانوں کے لئے تازیانہ عبرت ہندوؤں کی وجہ سے۔ کیونکہ انہوں نے پالیٹکس شروع کیا اور پھر پالیٹکس اسی کو سمجھا مگر مسلمانوں نے اس کو مصیبت سمجھ کر کنارہ کشی کی اور جب شروع بھی کیا تو شیطان نے سمجھایا کہ گورنمنٹ کے آگے سجدہ کریں یا اس کے آگے بھیک مانگنے کے لئے روئیں اور پھر مانگیں بھی تو اشرفی نہیں چاندی سونا نہیں لعل و جواہر نہیں بلکہ تانبے کا ایک زنگ آلود ٹکڑا یا سوکھی روٹی کے چند ریزے۔ (تحریک

آزادی صفحہ ۱۶-۱۷)(ناشر انور عارف مالک مکتبہ ماحول کراچی بار دوم نومبر ۱۹۵۹ء) مولوی محمد علی صاحب قصوری نے اپنی کتاب مشاہدات کابل و یاغستان کے صفحہ ۷۹ پر جناب مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کی نسبت لکھا ہے کہ۔

"ہم نے تو آزما کر دیکھا کہ اکثر تحریکیں لیڈروں کی ناعاقبت اندیشی یا بزدلی سے ناکام ہو گئیں ہندوستان میں ہم نے مسلمانوں کی مذہبی تنظیم کی تحریک اٹھائی مگر اس میں بھی غلطی یہ کی کہ مولانا ابوالکلام کو امام الہند بنا کر تمام تحریک ان کے بل بوتے پر کھڑی کی۔ لیکن عین وقت پر مولانا آزاد کی بزدلی نے تمام کھیل بگاڑ دیا اور وہ سارے کا سارا محل جس کی تعمیر پر لاکھوں روپیہ صرف ہوا تھا اور سینکڑوں مسلمانوں نے اسے اپنے خون سے سینچا۔ مولانا کی گریزپائی کی وجہ سے آن کی آن میں دھڑام سے نیچے آگرا۔

۷۶- سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۱۹ (مرتبہ جناب آغا شورش کاشمیری)

۷۷- اخبار مجاہد لاہور ۱۱/ مئی ۱۹۳۶ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲۔

۷۸- چمنستان (مجموعہ کلام مولوی ظفر علی خاں) صفحہ ۱۶۵۔

۷۹- صفحہ ۲۔

۸۰- صفحہ ۷-۸۔

۸۱- پیغام صلح صفحہ ۲۸-۲۹۔

۸۲- سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی یہ پیشگوئی کس طرح تحریک خلافت کے زمانے میں پوری ہوئی اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں یقیناً یہ ایک بڑا نشان ہے۔

۸۳- اشتہار ۱۲/ مارچ ۱۸۹۷ء (تذکرہ طبع دوم صفحہ ۳۰۲)

۸۴- تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۶ مطبوعہ ۱۹۰۳ء۔

۸۵- اخبار پرکاش لاہور ۲۶/ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۱۔

۸۶- اخبار آریہ گزٹ رشی بودھ نمبر ۲۵/ ۱۸ پھاگن ۱۹۸۶ بکرمی صفحہ ۴۱-۴۲۔

۸۷- پرکاش ۲۳/ فروری ۱۹۳۰ء صفحہ ۹۔

۸۸- آریہ سماجی تحریک کی مزید تفصیل کے لئے ملک فضل حسین صاحب کی مشہور و معروف کتاب ہندو راج کے منصوبے ملاحظہ ہو۔ مندرجہ بالا اقتباسات اسی قابل قدر اور فاضلانہ کتاب سے اخذ کئے گئے ہیں۔

۸۹- فتنہ ارتداد اور پولٹیکل قلابازیاں (از چوہدری افضل حق صاحب مفکر احرار) صفحہ ۲۴۔ ناشر دار التجلید اردو بازار۔ لاہور۔

۹۰- تحریک قادیان صفحہ ۲۰۹ (از مولانا سید حبیب صاحب مدیر سیاست)

۹۱- بدر ۱۸/ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۳۰۲۔

۹۲- ہمارے فرقہ وارانہ فیصلے کا استدراج صفحہ ۱۰۳ تا ۱۰۵۔

۹۳- مولوی ثناء اللہ صاحب جیسے عالم نے بھی فتویٰ دیا کہ حکام وقت کے خلاف سول نافرمانی اسلام کے خلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا۔ ہمارے ملک ہندوستان میں جو سول نافرمانی جاری ہوئی ہے اس کے بانی کانگرسی لیڈر گاندھی جی ہیں۔ ارباب سیاست سیاسی رنگ میں جو دل چاہے کریں ہمارا ان سے روئے سخن نہیں ہے...... ہم بحیثیت مذہب جانچتے ہیں تو سول نافرمانی کر کے جیل کی سزا بھگتنے کو شریعت مطہرہ کے خلاف پاتے ہیں۔ اہلحدیث ۶/ اکتوبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۳ کالم ۳۔

۹۴- خلیفہ قادیان صفحہ ۱۵ (از ارجن سنگھ ایڈیٹر رنگین امرتسر) شائع کردہ راجپوت بک ایجنسی کٹڑہ جمیل سنگھ امرتسر۔

۹۵- خلیفہ قادیان (از ارجن سنگھ صاحب ایڈیٹر رنگین (امرتسر) صفحہ ۱۶-۱۷۔

۹۶- یہ حقیقت اتنی واضح اور نمایاں تھی کہ چین کے ایک موقر روزنامہ دی کینٹن ڈیلی سن (THE CONTON DAILY SUN) نے ۱۹/ اکتوبر ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں لکھا۔ ہندوستان میں رولٹ ایکٹ ایجی ٹیشن تحریک عدم تعاون اور کانگرس کی شورش کے زمانوں میں جماعت احمدیہ نے پورے جوش اور سرگرمی سے گورنمنٹ کی تائید کی اور حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی سرگرمیوں سے شمالی ہند کے مسلمانوں کو علیحدہ رکھنے والی زیادہ تر یہی جماعت تھی خلیفۃ المسیح جو اس جماعت کے امام ہیں اور جنہیں ان کے پیرو اپنا روحانی پیشوا یقین کرتے ہیں اس وقت واحد مسلمان لیڈر تھے جنہوں نے نہرو رپورٹ اور کانگریس کے عام رویہ کے

خلاف مسلمانوں کے افکار کو منظم کرنے میں سب سے پہلے کامیاب قدم اٹھایا۔

۹۷۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب کا مشہور شعر ہے۔

"ہندوؤں کو میں ملاتا ہوں مسلمانوں سے۔ کانگریس کی میں سفارت بھی کیا کرتا ہوں" ظفر علی خاں مولفہ جناب شورش کاشمیری) صفحہ ۱۹۷-۱۹۸۔

اسی طرح گاندھی جی کی شان میں فرماتے ہیں:

گاندھی نے آج جنگ کا اعلان کر دیا — باطل سے حق کو دست و گریبان کر دیا

ہندوستاں میں ایک نئی روح پھونک کر — آزادی حیات کا سامان کر دیا

تن حق کیا نثار خلافت کے نام پر — سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیا

پروردگار نے کہ وہ ہے منزلت شناس — گاندھی کو بھی یہ مرتبہ پہچان کر دیا

(ایضاً صفحہ ۱۹۲-۱۹۱)

مولوی صاحب مذکور نے ۸/ اگست ۱۹۲۱ء کو راولپنڈی میں تقریر کی جس میں کہا۔

میں وہی کر رہا ہوں جو تلک اور گاندھی بتا رہے ہیں یہ اخلاقی قوت ان بزرگوں کی ہی کام کر رہی ہے یہ راز ساری اس شوریدہ سری کا ہے جس کو انگریز نہیں جانتے۔

پھر ہندو مسلم نام نہاد اتحاد کے سلسلہ میں کہا۔ پانچ سال پہلے اس اتحاد کا وہم و گمان بھی نہ تھا ہندو اور مسلمانوں کو گاندھی' لالہ لاجپت رائے' مالوی جی' موتی لال نہرو کے متعلق خیال ہے کہ یہ ان کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ مگر کیا یہ پہلے نہ تھے کیا یہ قوت ان میں پہلے موجود نہ تھی میں کہتا ہوں کہ یہ آسمانی قوت ہے اب ہندو مسلمانوں میں تفرقہ نہیں پڑ سکتا ہندوؤں نے مہاتما گاندھی نے مسلمانوں پر جو احسان کئے ہیں ان کا عوض ہم نہیں دے سکتے۔ ہمارے پاس زر نہیں ہے جب جان چاہیں ہم حاضر ہیں"۔ (تقاریر مولانا ظفر علی خاں صفحہ ۵۹-۶۱)

۹۸۔ زمیندار/ ۶/ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ بمطابق ۲۳/ اگست ۱۹۲۸ء۔

۹۹۔ سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۲۵ (از خان کابلی صاحب)

۱۰۰۔ سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۹۱ (مصنفہ خان کابلی)

۱۰۱۔ الفضل ۷/ ۲/ جون ۱۹۳۱ء صفحہ ۷ کالم ۱-۲۔

۱۰۲۔ تفصیل تاریخ احمدیت جدید جلد پنجم میں گزر چکی ہے۔

۱۰۳۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری چوہدری افضل حق صاحب کو ہمیشہ مہاتما جی کہا کرتے تھے جس کی وجہ شاہ جی کے سوانح نویس نے یہ لکھی ہے "جس طرح کانگریس میں مہاتما جی کا کوئی عہدہ نہیں لیکن اس کے باوجود کانگریس کا پروگرام انہی کی رائے سے متعین ہوتا ہے اسی طرح مجلس احرار میں چودھری افضل حق صاحب کی بظاہر کوئی حیثیت نہیں لیکن وہی درجہ ہے جو کانگریس میں مہاتما جی کا ہے۔ (سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۷۰۔ از خان کابلی)

۱۰۴۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے قیام کی طرف اشارہ ہے۔

۱۰۵۔ یاد رہے ان خانہ بہادر رؤسا اور امراء کے سرخیل علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب تھے۔

۱۰۶۔ تاریخ احرار صفحہ ۷۳۔

۱۰۷۔ سیرت ثنائی (مولفہ عبدالمجید صاحب سوہدروی) میں ان کی نسبت لکھا ہے آپ طبعاً سیاسیات کی طرف زیادہ مائل ہیں پہلے احرار میں کام کرتے رہے پھر جمعیتہ علمائے ہند میں گئے۔ پھر کانگریس کے سیکرٹری بنے۔ الخ (صفحہ ۳۶۳ حاشیہ) یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جبکہ آپ کانگریس کے سرگرم کارکنوں میں تھے۔

۱۰۸۔ سہو کتابت ہے اصل داؤد ہے۔

۱۰۹۔ تاریخ احرار صفحہ ۳۸۔
۱۱۰۔ ایضاً صفحہ ۱۶۳۔
۱۱۱۔ غلام احمد صاحب پرویز لکھتے ہیں کہ "احراریوں کی بھی یہی ٹیکنیک ہوا کرتی تھی کہ جونہی کسی نے ان کی مخالفت کی انہوں نے شور مچا دیا کہ یہ میرزائی ہے اور جب وہ بیچارا چیخا چلایا کہ مجھے مرزائیت سے کوئی واسطہ نہیں تو کہہ دیا میرزائی نہیں تو میرزائی نواز ضرور ہے۔(مزاج شناس رسول صفحہ ۴۴۴۔شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی)
۱۱۲۔ مولانا ان دنوں لنڈن میں بغرض تبلیغ اسلام مقیم تھے۔ آپ نے اس خط کی نقل سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں بھجوادی تھی جواب تک محفوظ ہے۔
۱۱۳۔ اہلحدیث یکم جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۵ کالم ۱-۲۔
۱۱۴۔ "کشمیر" صفحہ ۱۶۵-۱۶۶ (از جناب چراغ حسن حسرت) شائع کردہ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ اشاعت اول ۱۵/ جنوری ۱۹۴۸ء۔
۱۱۵۔ تاریخ احرار صفحہ ۴۲۔
۱۱۶۔ "کشمیر" (از جناب چراغ حسن حسرت صفحہ ۱۶۵)
۱۱۷۔ "کشمیر" صفحہ ۱۶۵۔
۱۱۸۔ تاریخ احرار صفحہ ۷۹-۸۰۔
۱۱۹۔ تاریخ احرار صفحہ ۶۷-۶۸۔
۱۲۰۔ ۱۰/ جنوری ۱۹۳۲ء کو پہلا روزہ تھا۔
۱۲۱۔ تاریخ احرار صفحہ ۶۹-۷۰۔
۱۲۲۔ تاریخ احرار صفحہ ۷۴۔
۱۲۳۔ تاریخ احرار صفحہ ۸۱۔
۱۲۴۔ تاریخ احرار صفحہ ۸۰ تا ۸۴۔
۱۲۵۔ احراریات مصنفہ (ڈاکٹر) علم الدین صفحہ ۱۱ تا ۱۵۔
۱۲۶۔ جیسا کہ چوہدری افضل حق صاحب نے "تاریخ احرار" میں کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ "ہندو کشمیر میں چند وجوہات سے اپنے آپ کو مسلمان سے برتر سمجھتا ہے۔ راجپوتوں کا طبقہ ہے جو خون اور نسل کے اعتبار سے اپنے آپ کو حاکم گروہ تصور کرتا ہے دوسرا عام ہندو جو مسلمان سے چھوت کرنے کے باعث اپنے آپ کو فائق قیاس کرتا ہے اس لئے ہم نے تو اپنی طرف سے غریب عوام کے لئے جنگ لڑی ہے لیکن ریاست کا ہندو اپنے آپ کو عوام میں نہیں سمجھتا بلکہ حاکم گروہ کا جزو قیاس کرتا ہے اس لئے جب تک ہندو کے ذہن میں ایک بنیادی انقلاب نہ آجائے تب تک ریاست کشمیر میں عوام کا مسئلہ اور غریب کا سوال ہے ....ہم خوش ہیں کہ کشمیر میں حقیقی مسئلہ ہی مسلمانوں کا ہے صرف وہی مخاطب ہونے کا مستحق ہے۔ وہاں غریب ہندو اس مزاج کا ہے کہ وہ مسلمانوں کو دبائے رکھنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔(تاریخ احرار صفحہ ۸۴-۸۵)
۱۲۷۔ تاریخ احرار صفحہ ۷۵۔
۱۲۸۔ "کشمیر" صفحہ ۱۶۸۔
۱۲۹۔ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا عقیدہ تھا کہ اخباروں نے آغاز سے اب تک بڑے بڑے جھوٹ گھڑے ہیں اگر اس جھوٹ کا بوجھ ماؤنٹ ایورسٹ پر پڑتا تو وہ بھی زمین میں دھنس چکی ہوتی۔(کتاب سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۱۸ مولفہ جناب آغا شورش کاشمیری۔
۱۳۰۔ وفات......۱۹۶۶ء۔
۱۳۱۔ تحریک کشمیر (لاہور۔اکتوبر ۱۹۳۱ء) سے اس غداری کا اصل سبب کیا تھا؟ اس بارے میں مولانا ظفر علی خاں صاحب کا مندرجہ ذیل قصیدہ کافی راہ نمائی کرتا ہے۔

"مہاراجہ ہری سنگھ فرمانروائے کشمیر سے خطاب"

اے جواں سال مہاراجہ کہ بزم کشمیر گونجتی ہے ترے اخلاق کے افسانوں سے
اے کہ آراستہ ہے نامہ عظمت تیرا بخت و دولت کے چمکتے ہوئے عنوانوں سے
ہے یہی میری تمنا کہ تشکر کی زباں نہ کبھی عہدہ برآہو ترے احسانوں سے
پنجہ ظلم کو فریاد ترے عدل سے ہو کہ وہ ہے دور غریبوں کے گریبانوں سے
تو ہو اس آہ جہاں سوز کی جیتی تاثیر جو نکلتی ہے غریبوں کے سیہ خانوں سے
خود رعایا تری حاجب ہو ترے ایواں کی تاکہ مظلوم ہراساں نہ ہوں دربانوں سے
نہ مسلماں کو برہمن سے رہے کوئی گلہ نہ برہمن کو شکایت ہو مسلمانوں سے
گر مساجد سے ہو آوازہ تلطف کا بلند تو مدارا کا پیام آئے صنم خانوں سے
ہندوؤں سے ہے یقیناً ترے گھر کی رونق تیری طاقت ہے مگر آج مسلمانوں سے
جن کی دیوانگی سیزدہ صد سالہ کا جوش داد لینے کو ہے آفاق کے فرزانوں سے
یہ جنوں کیا ہے فقط اس مئے باقی کا سرور جو چھلکتی ہے مساوات کے پیمانوں سے
وہ مساوات کہ ہے حاصل آزادی فکر نئی تہذیب نے جو چھین لی انسانوں سے
شرط اسلام ہے تسلیم و رضا صلح و سلام یہ سبق سیکھ لے توحید کے دیوانوں سے
لطف شاہانہ ترا چھین لے گر دل ان کا تجھ پہ قربان دلوں سے وہ ہوں اور جانوں سے
یہ وہ سر بیچنے والے ہیں کہ تو ان کا ہو تو نہ کچھ بھی تجھے اندیشہ ہو بیگانوں سے

(نگارستان ظفر علی خاں صفحہ ۱۱۱-۱۱۲)

۱۳۲۔ تحریک کشمیر کے دوران احمدیوں کے خلاف جنگ کرنے کی صحافتی نقطہ نگاہ سے بھی ایک خاص وجہ تھی جس کی تفصیل "زمیندار" کے نامہ نگار خصوصی مقیم سرینگر کے الفاظ میں یہ ہے کہ۔
"خاکسار راقم الحروف نے اپنے رازدار رفقائے کار سے مشورہ کیا کہ قادیانی ہمدردی اور تبلیغ کا اثر صرف ایک ہی طریق سے بے کار ثابت ہو سکتا ہے کہ چند اشخاص جا کر بشیر الدین محمود کو کہیں کہ کشمیر کے حالات الفضل میں چھپنے پر مسلمان معترض ہیں اور ان کا خیال ہے کہ یہ محض پروپیگنڈا کرنے کی خاطر کیا جا رہا ہے اس لئے تحریک کشمیر کے سلسلہ میں ایک علیحدہ اخبار کشمیر کمیٹی جاری کرے چنانچہ ایک وفد خفیہ طور پر گیا۔ کشمیر کمیٹی کے دیگر ارکان (جو دھوکہ سے اس میں شامل کر لئے گئے تھے) نے اس تجویز کو پسند کیا۔ لیکن حضرت خلیفہ صاحب نہ مانے۔ مدر اس کے طویل دورہ سے جب مولانا ظفر علی خاں واپس تشریف لائے تو انہیں راقم الحروف کا وہ خط دکھایا گیا جس میں قادیانی پراپیگنڈا کا تار پود بکھیر کے رکھ دیا گیا تھا۔ اس سے متاثر ہو کر مولانا نے زمیندار میں تلخ حقائق کا مقالات افتتاحیہ کے ذریعہ دریا بہا دیا (زمیندار قادیان نمبر اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۲۳) یہاں یہ بتانا بھی مناسب ہو گا کہ اخبار زمیندار نے اپنی ۲۸/ نومبر ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں ایک مضمون شائع کیا جس میں لکھا تھا کہ کشمیر کمیٹی نے عہدہ صدارت و سیکرٹری کو قادیانی اصحاب کے سپرد کر کے سخت غلطی کی ہے........ مرزائیت سے ہندو ہو جانا بہتر ہے کہ دنیا کی بہت سی موجودہ تکالیف کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔
۱۳۳۔ الفضل ۹/ فروری ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰ کالم ۲-۳۔
۱۳۴۔ بحوالہ الفضل ۲۶/ جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۸ کالم ۳۔

۱۳۵۔ آغا عبدالکریم شورش کاشمیری مدیر چٹان سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سوانح عمری میں لکھتے ہیں کہ "شاہ صاحب کا سیاست کی نسبت نظریہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ کوئی شریر لفظ نہیں۔ یکھایہ خدع و فریب کے ایک ایسے اجتماعی کاروبار کا نام ہے۔ جس سے بابو لوگ اغراض کی دکان چمکاتے ہیں"۔ (صفحہ ۱۷)

۱۳۶۔ چوہدری افضل حق صاحب کا نظریہ یہ تھا کہ غلاموں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور مسلمان کبھی غلام نہیں ہو سکتا اس لئے مسلمانوں کو جو در اصل مسلمان کہلانا چاہتے ہیں ملک کی جد آزادی میں شامل ہو کر ہندوستان کو آزاد کرانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ (ملاپ ۶/ جون ۱۹۳۹ء)

۱۳۷۔ اہلحدیث ۲۹/ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۳ کالم ۱-۲۔

۱۳۸۔ اخبار آزاد۔ لاہور ۳۰/ اپریل ۱۹۵۱ء صفحہ ۷ اکالم ۱-۲۔

۱۳۹۔ "احرار نمبر" ۲۷۔ ستمبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۱۷-۱۸۔

۱۴۰۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۱۹۴۔

۱۴۱۔ سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۱۲۱ (از خان کابلی)

۱۴۲۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۱۹۴ (از آغا شورش کاشمیری) پھکڑبازی ان کی ایسی عادت ثانیہ بن گئی تھی کہ بعض اوقات اس کی زد میں خود بھی آجاتے تھے چنانچہ شاہ صاحب نے ۱۵/ مئی ۱۹۳۵ء کو لاہور کے ایک جلسہ میں جماعت احمدیہ کے خلاف نہایت دلآزار تقریر کی جس کا ایک فقرہ اخبار احسان میں یہ شائع ہوا کہ "خدا نے بخاری کو مرزائیوں کے اوپر دجال بنا کر بٹھادیا ہے"۔ (بحوالہ الفضل ۲۳/ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۷ کالم ۴)

۱۴۳۔ تبلیغ ہی کا فریضہ وہ ہے جس سے مجلس احرار نے ایسی مجرمانہ غفلت برتی کی چوہدری افضل حق صاحب کو لکھنا پڑا کہ "خدا نے مجلس احرار کو زبان آور لوگ دیئے ہیں جن کی تاثیر میں ڈوبی ہوئی تقریریں قلوب کو گرمادیتی ہیں لیکن میں نے سینکڑوں تقریروں میں اسلام کے محاسن اور خوبیاں بیان ہوتے سنی ہیں مگر کسی احراری لیڈر کو یہ کہتے نہیں سنا کہ مسلمانو تم بھی اپنے دینی اور تبلیغی فرض کو ادا کرو اور غیر مسلموں میں اسلام کا تحفہ پیش کرو۔ احرار ہی ہیں جن کے متعلق عام گمان ہے کہ وہ اسلام کے بہترین مبلغ اور جادو بیان ہیں۔ جب ان کا یہ حال ہے تو دوسروں سے کیا توقع جن سے عمر بھر آواز نہیں سنی کہ مسلمانو اسلام کا تحفہ غیر مسلموں تک پہنچانا بڑی سعادت اور بہترین خدمت ہے۔ ہم نے ہزاروں تبلیغی جلسے کئے ہوں گے مگر کبھی کسی ایک میں بھی مسلمانوں سے براہ راست اپیل نہیں کی گئی کہ اپنی اپنی بستیوں کے غیر مسلم لوگوں میں اس دین کی جو دنیا میں بہترین پروگرام پیش کرتا ہے تبلیغ کریں۔ نتیجہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں میں کوئی تبلیغی حس نہیں۔ علماء 'امراء اور صوفیاء موجود ہیں۔ مگر ان کی بھی اس طرف توجہ نہیں ہر ایک اپنی دکان چلانے میں مصروف ہے اور کار دین سے سب غافل ہیں۔ ننانوے فیصدی مسلمانوں کو جو صوم صلوٰۃ کے پابند ہیں یہ توفیق نہیں ہوئی کہ عمر میں ایک دفعہ کسی غیر مسلم کو تبلیغ دین کریں گویا یہ کوئی کام ہی نہیں"۔ (خطبات احرار جلد اول صفحہ ۴۷ مرتبہ شورش کاشمیری مطبوعہ ۱۹۴۴ء)

۱۴۴۔ اہلحدیث ۲۴/ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۳ کالم ۳۔

۱۴۵۔ خطبات احرار جلد اول صفحہ ۷۶ (مرتبہ شورش کاشمیری) مطبوعہ ۱۹۴۴ء۔

۱۴۶۔ اقبال اور سیاست ملی صفحہ ۱۱۳ (از سید رئیس احمد صاحب جعفری)

۱۴۷۔ بحوالہ الفضل ۲۱/ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ کالم ۳۔

۱۴۸۔ الفضل ۹/ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۶۔

۱۴۹۔ الفضل ۷/ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۲۔

۱۵۰۔ الموعود صفحہ ۱۷۸ تا ۱۸۲ (تقریر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ)

۱۵۱۔ ہمارے فرقہ وارانہ فیصلے کا استدراج۔ صفحہ ۱۲۱ (مصنفہ قائد احرار مولانا مظہر علی اظہر) ناشر مکتبہ احرار لاہور طبع اول جون ۱۹۴۴ء۔

۱۵۲۔ چراغ حسن صاحب حسرت نے اپنی کتاب مردم دیدہ (صفحہ ۱۵۴ تا ۱۵۶) میں مولوی ظفر علی خان صاحب کا یہ واقعہ لکھا ہے۔ "ایک دن زمیندار کے دفتر میں کسی نے کہا چین 'جاپان 'انگلستان 'جرمنی اور فرانس کے لوگ مسلمان ہونے پر آمادہ ہیں۔ لیکن انہیں

تبلیغ کون کرے؟ مولانا نے فرمایا۔ بات تو آپ نے ٹھیک کہی۔ اچھا سالک صاحب اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کیجئے کہ اگر ہم ایک تبلیغی ادارہ کھول لیں تو کیسا ہے ذرا مہر صاحب کو بھی بلوائیے...... آگئے مہر صاحب؟ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اگر یہاں لاہور میں ایک مرکزی تبلیغی ادارہ کھول لیا جائے اور اس کی شاخیں ساری دنیا میں پھیلا دی جائیں تو کیا حرج ہے؟ کوئی دس لاکھ روپیہ خرچ ہو گا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی کتنی ہے؟ سات کروڑ۔ نہیں آٹھ کروڑ کے لگ بھگ ہوگی۔ اگر ہر مسلمان سے ایک ایک پیسہ وصول کیا جائے تو کتنے روپے ہوئے؟ ریاضی کا سوال تھا کسی سے حل نہ ہوا۔ سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ اتنے میں مولانا نے کہا آٹھ کروڑ پیسے ہوتے ہیں نا؟ آٹھ کروڑ کو ۶۴ پر تقسیم کیجئے ساڑھے بارہ لاکھ روپے ہوئے چلئے دس لاکھ ہی سہی۔ دس لاکھ بہت ہے یہ مرحلہ تو طے ہو گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ تبلیغ کا کام کن کن لوگوں کے سپرد کیا جائے؟ لیکن مبلغ بھی چوٹی کے آدمی ہیں۔ مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد فرانس جرمنی وغیرہ میں تبلیغ کریں اور ڈاکٹر اقبال کو چین بھیج دیا جائے۔ سالک صاحب آپ اور مہر صاحب مل کر اخبار سنبھالئے۔ میں تو اب تبلیغ اسلام کا کام کروں گا کچھ دیر تو دفتر بھر میں سناٹا رہا۔ آخر ایک صاحب نے جی کڑا کر کے کہا کہ مولانا! اس میں کوئی شک نہیں کہ تجویز بہت خوب ہے لیکن روپیہ جمع کیسے ہو گا؟ آخر مسلمانوں سے دس لاکھ روپیہ جمع کرنے کے لئے بھی ایک لاکھ روپیہ چاہئے۔ آپ کہیں سے ایک لاکھ روپیہ کا انتظام کر دیجئے۔ باقی کام ہم سنبھال لیں گے۔ مولانا نے فرمایا۔ ہاں بھئی۔ یہی تو مشکل ہے۔ یہ کہہ کر منہ پھیر کر حقہ کی نے سنبھالی انگوٹھا انگشت شہادت پر نیم دائرہ بنا تا گھومنے لگا اور اس تبلیغی ادارہ کے اجزا حقہ کے دھوئیں کے ساتھ فضا میں تحلیل ہو کر رہ گئے"۔

۱۵۳۔ اس زمانہ میں ہندو دماغ احمدیت کی نسبت کن منتقمانہ جذبات سے بھرا ہوا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ اخبار ملاپ (۸/ مارچ ۱۹۳۳ء) نے جماعت احمدیہ کے کسی پوسٹر کا ذکر کیا جس میں لکھا تھا کہ "خلیفہ قادیان کرشن کا اوتار ہے"۔ یہ بات بے بنیاد تھی اور جماعت احمدیہ کے عقیدہ کے خلاف۔ مگر اس پر اخبار آریہ ویر نے ۱۴۔ ۲۲/ مارچ ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں لکھا کہ "مردہ ہیں ہندو جو اس قسم کی دلآزاری کو برداشت کر لیتے ہیں اگر ان میں جان ہوتی تو جس وقت مرزا نے کرشن ہونے کا بیہودہ دعویٰ کیا تھا اسی وقت اس کا دماغ ٹھیک کر دیتے یا اب بھی ابو البشیر جیسے لوگوں کو آٹے دانے کے بھاؤ کا پتہ دے سکتے ہیں"۔
(بحوالہ الفضل ۲۶/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۳ کالم ۳)

۱۵۴۔ بحوالہ الفضل ۲۳/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۴ کالم ۲۔

۱۵۵۔ بحوالہ الفضل ۱۶/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۴ کالم ۱۔ ۲۔

۱۵۶۔ ترجمان اسلام لاہور (ہفت روزہ) ۲۲/ ستمبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۱۲۔

۱۵۷۔ بحوالہ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء۔ صفحہ ۳۳۷۔

۱۵۸۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب جواب شکوہ میں لکھتے ہیں۔

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو' بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

اس سے بڑھ کر یہ کہ برصغیر کے مشہور صوفی حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے موجودہ مسلمانوں کی نسبت یہ نظریہ قائم کیا۔ "اگر بالفرض اس زمانہ میں اصحاب نبی ﷺ موجود ہوتے تو اس زمانہ کے لوگوں کو کافر کہتے۔ اس لئے کہ اس زمانہ کے لوگوں نے شریعت کی پیروی چھوڑ دی ہے"۔ (تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ اردو ترجمہ نافع السالکین صفحہ ۵۷ طبع اول مترجم صاحبزادہ محمد حسین صاحب للٰہی ناشر شعاع ادب مسلم مسجد چوک انار کلی لاہور)

اسی طرح چوہدری افضل حق صاحب مفکر احرار کو بھی اقرار ہے کہ "اگر پہلی صدی ہجری کا کوئی مسلمان کسی طور زندہ ہو کر موجودہ ہندوستان میں آئے تو وہ فوراً پکار اٹھے کہ یہاں کے اسی فیصدی مسلمان کافر ہیں اور انہوں نے محض سیاسی مقاصد کے

حصول کی خاطر اپنے آپ کو مسلمان کہلانا شروع کر دیا ہے"۔(پاکستان اور اچھوت صفحہ ۱۹ و صفحہ ۸۶۔ مولفہ چودھری افضل حق صاحب مفکر احرار) ناشر مکتبہ اردو لاہور۔ طبع اول)

اسی طرح سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے مسلمانوں کی نسبت کہا۔ "ہم نے اسلام کے نام سے جو کچھ اختیار کر رکھا ہے وہ تو صریح کفر ہے...... میں کمیونزم سے کیوں ٹکراؤں۔ وہ کونسا اسلام ہے۔ جس پر کمیونزم ضربیں لگا رہا ہے۔ ہمارا اسلام

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی

مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

...... ہمارا تو سارا نظام کفر ہے قرآن کے مقابلہ میں ہم نے ابلیس کے دامن میں پناہ لے رکھی ہے"۔(احرار کا آرگن آزاد ۹/ دسمبر ۱۹۴۹ء)

شاہ صاحب کے سیاسی پیرو مرشد اور امام الہند مولانا ابو الکلام صاحب آزاد نے تذکرہ میں مسلمانوں کے کفر و ضلالت کی یہ تفصیل لکھی ہے کہ۔

"یہودیوں کی مغضوبیت' نصاریٰ کی ضلالت' مشرکین کی بت پرستی' ائمہ مضلین کی کثرت' دجاجلہ فتن و دعاۃ بدعت کا احاطہ' اقتداء بغیر سنت' اہتداء بغیر ہدیٰ الانبیاء' تفرق و تمذہب مثل یہود اور غلو و اطراء مثل نصاریٰ' فتنہ شبہات یونان اور فتنہ شہوات عجم' فتنہ تماثیل عبدۃ الاصنام اور فتنہ قبور عاکفین کنائس ان میں سے کوئی نحوست اور بلا کی ایسی نہیں ہے جو مسلمانوں پر نہ چھا چکی ہو اور کوئی گمراہی نہیں جو اپنے کامل سے کامل اور شدید سے شدید درجہ تک اس امت میں بھی نہ پھیل چکی ہو۔ اہل کتاب نے گمراہی کے جتنے قدم اٹھائے تھے گن گن کر مسلمانوں نے بھی وہ سب اٹھائے حتیٰ کہ لو دخلوا جحر ضب لدخلتموھا کا وقت بھی گزر چکا اور آج ہم اپنی آنکھوں میں سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔

وہ وقت بھی کب کا آچکا ہے کہ یلحق قبائل من امتی بالمشرکین اور حتی تعبد من امتی الاوثان اور تعبد اللات و العزیٰ ہماری جانیں اور ہماری روحیں اس صادق مصدوق پر قربان کہ واقعی اور سچ مچ مسلمان مشرکوں سے ملحق ہو گئے اور دین توحید کا دعویٰ کرنے والوں نے بت پرستی کی ساری ادائیں اور چالیں اختیار کر لیں اور جس لات اور عزیٰ کی پوجا سے دنیا کو نجات دلائی گئی تھی اس کی پوجا پھر سے شروع ہو گئی"۔(تذکرہ صفحہ ۲۷۸ طبع دوم مولفہ مولانا ابو الکلام صاحب آزاد) ناشر کتابی دنیا لاہور)

بالآخر جناب سید ابو الاعلیٰ مودودی "امیر جماعت اسلامی" کی رائے بھی ملاحظہ ہو۔

"یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں۔ نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں نہ ان کا اخلاقی نقطہ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے"۔(مسلمانان ہند کی سیاسی کشمکش صفحہ ۱۳۰ (مولفہ سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی) ناشر مکتبہ جماعت اسلامی دار الاسلام پٹھانکوٹ)

"یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے وہ ہر قسم کے رطب و یابس لوگوں سے بھری ہوئی ہے کیریکٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافر قوموں میں پائے جاتے ہیں اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں"۔(ایضاً صفحہ ۱۶۰)

۱۵۹۔ زمیندار ۱۶/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۶۔

۱۶۰۔ ہماری قومی جدوجہد صفحہ ۷۰ تا ۷۲ (مولفہ عاشق حسین صاحب بٹالوی) مطبوعہ جون ۱۹۴۳ء۔

۱۶۱۔ بحوالہ الفضل ۱۴/ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ کالم ۱۔

۱۶۲۔ بحوالہ الفضل ۲۴/ مئی ۱۹۳۵ء۔

۱۶۳۔ الفضل ۲۴/ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۔۲۔

۱۶۴۔ تاریخ احرار صفحہ ۱۴۴۔ ۱۴۳ (مولفہ مفکر احرار چوہدری افضل حق صاحب)

۱۶۵۔ تاریخ احرار صفحہ ۶۰۔

۱۶۶- خطبات احرار صفحہ ۳۴-۳۵-
۱۶۷- ایضاً صفحہ ۲۰-
۱۶۸- احراری لیڈروں کا مشترکہ بیان مطبوعہ روزنامہ ملاپ ۱۳/ اگست ۱۹۴۴ء بحوالہ فسادات ۱۹۵۳ء کا پس منظر- صفحہ ۹ (از ملک فضل حسین صاحب)
۱۶۹- اخبار الفضل سہارنپور ۲۱/ ستمبر ۱۹۴۵ء بحوالہ فسادات ۱۹۵۳ء کا پس منظر صفحہ ۵-۶-
۱۷۰- خطبات احرار صفحہ ۴۲-
۱۷۱- اخبار آزاد تشکر نمبر- ۳۰/ اپریل ۱۹۵۱ء صفحہ ۱۴ کالم ۲-
۱۷۲- روزنامہ نوائے پاکستان لاہور ۷/ اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۲ کالم ۲-
۱۷۳- جہاں تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ کے انگریزی ایجنٹ اور انگریزی جاسوس قرار دیئے جانے کا تعلق ہے احرار نے اس الزام کو سب سے زیادہ اچھالا اور کانگرسی تکنیک کے عین مطابق اسے بہت ہوا دی- مفکر احرار چوہدری افضل حق صاحب نے تاریخ احرار میں اس الزام کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی ایک تحریر پر رکھی ہے- چنانچہ لکھتے ہیں- "بقول مرزا غلام احمد احمدیت برٹش حکومت کا خود کاشتہ پودا تھی"- (تاریخ احرار صفحہ ۱۶۵) حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی کتاب' کسی اشتہار' کسی خط بلکہ کسی تحریر میں ایسے الفاظ موجود نہیں - یہ محض غلط اور بہتان اور افترا ہے جو احمدیت کے خلاف سیاسی جنگ لڑنے والوں کی طرف سے آج تک بے دریغ استعمال کیا جارہا ہے- جس کی وجہ چوہدری افضل حق صاحب کے الفاظ میں اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ "جھوٹی خبروں کے اصرار اور تکرار کو بھی پروپیگنڈے کے فن کا اہم جزو قیاس کیا جاتا ہے"- (تاریخ احرار صفحہ ۶۱)
۱۷۴- آزاد کانفرنس نمبر ۲۶/ دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۳۰-
۱۷۵- مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اہلحدیث (۲۷/ مئی ۱۹۳۲ء صفحہ ۳ کالم ۲) میں لکھا "کچھ شک نہیں کہ جہاد ایک سیاسی مسئلہ ہے جس کا تعلق افراد رعایا سے نہیں بلکہ حکومت سے ہے یعنی یہ کام حکومت اسلام کا ہے افراد اسلام کا نہیں پس شرط تو اس میں یہی ضروری ہے کہ بادشاہ مسلم ہو اس کے حکم سے جو جنگ ہو وہ جہاد ہے-"
۱۷۶- نور الحق حصہ اول صفحہ ۴۵ طبع اول-
۱۷۷- حقیقتہ المہدی صفحہ ۱۹-
۱۷۸- مکتوب حضرت مسیح موعودؑ بنام حضرت میر ناصر نواب صاحب مندرجہ رسالہ درود شریف مولفہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؓ فاضل حلالپوری)
۱۷۹- آزاد ۳۰/ اپریل ۱۹۵۱ء صفحہ ۱۴-
۱۸۰- فتح اسلام صفحہ ۸-
۱۸۱- مشاہدات کابل و یاغستان صفحہ ۴۰-
۱۸۲- مشاہدات کابل و یاغستان صفحہ ۲۷-۲۸ (از مولوی محمد علی قصوری)
۱۸۳- مولوی صاحب موصوف نے اس کتاب کے سرورق پر لکھا- "پنجاب کے نامور ہردلعزیز لفٹنٹ گورنر سر چارلس ایچسن صاحب بہادر کے- سی- ایس- آئی وغیرہ وغیرہ نے اپنے نام نامی سے اس کاڈیڈیکیٹ ہونا منظور فرمایا"-
۱۸۴- سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے تبلیغی کانفرنس قادیان کے خطبہ صدارت میں فرمایا- "میری صدارت میرے دوستوں کا عطیہ ہے ورنہ اس منصب کا حقدار مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار ہیں جنہوں نے روز اول سے مرزائیت کی جڑوں پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے- وہ اس فن میں ہمارے استاد ہیں"- (مدینہ بجنور یکم نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۴ کالم ۲)
۱۸۵- بطور نمونہ چند تحریرات ملاحظہ ہوں-
۱- ہندوستان دار السلام اور دار الاسلام ہے جہاں دھڑلے سے مسجدوں میں اذانیں دی جاتی ہیں- جہاں پادریوں کے پہلو بہ پہلو اسلامی مناد اور واعظ تبلیغ دین مبین کا فرض انجام دے رہے ہیں- جہاں پریس ایکٹ کے موجود ہونے پر لوگوں کو تحریر و تقریر کی وہ

آزادی حاصل ہے۔ جس نے ایک عالم کو متحیر بنا رکھا ہے جہاں تمام وہ اقتصادی و تمدنی و سیاسی برکتیں جو کسی آزاد قوم کو حاصل ہونی چاہئیں اعتدال آمیز حریت کے ساتھ انہیں حاصل ہیں مسلمان ایسی جگہ ایک لحہ کے لئے بھی ایسی حکومت سے بدظن ہونے کا خیال نہیں کرسکتے۔ اس مذہبی آزادی اور امن و امان کی موجودگی میں بھی اگر کوئی بدبخت مسلمان گورنمنٹ سے سرکشی کی جرات کرے تو ہم ڈنکے کی چوٹ سے کہتے ہیں کہ وہ مسلمان مسلمان نہیں۔ (اخبار زمیندار لاہور ۱۱/ نومبر ۱۹۱۱ء)

۲۔ اگر خدانخواستہ گورنمنٹ انگلشیہ کی کسی مسلمان طاقت سے ان بن ہو جائے..... تو ایسی حالت میں مسلمانوں کو اسی طرح سرکار کی طرف سے جلتی آگ میں کود کر اپنی عقیدت مندی ثابت کرنی چاہئے جس طرح سرحدی علاقہ اور سمالی لینڈ کی لڑائیوں میں مسلمان فوجی سپاہیوں نے اپنے مذہبی اور قومی بھائیوں کے خلاف جنگ کر کے اس بات کا بارہا ثبوت دیا ہے کہ اطاعت اولی الامر کے اصول کے وہ کس درجہ پابند ہیں۔ (زمیندار ۱۲/ نومبر ۱۹۱۱ء)

۳۔ زمیندار اور اس کے ناظرین اور تمام وہ لوگ جو زمیندار لٹریری حلقہ اثر میں داخل ہیں گورنمنٹ برطانیہ کو سایہ خدا سمجھتے ہیں اور اس کی عنایات شاہانہ و الطاف خسروانہ کو اپنی دلی ارادت اور قلبی عقیدت کا کفیل سمجھتے ہوئے اپنے بادشاہ عالم پناہ کی پیشانی کے ایک قطرہ کی بجائے اپنے جسم کا خون بہانے کے لئے تیار ہیں اور یہی حالت ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی ہے۔ (۲۲/ نومبر ۱۹۱۱ء)

۴۔ اپنے بادشاہ کی اطاعت، حکومت وقت کی جاں نثاری، سلطنت ابد مدت برطانیہ کے ساتھ محبت کے وہ ضروری اوصاف بھی بدرجہ اتم موجود ہو جائیں جن کے بغیر ہندوستان کا مسلمان اطاعت اولی الامر کے الہامی معیار میں پورا اترنے کے باعث کامل مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ (زمیندار ۹/ نومبر ۱۹۱۱ء)

۵۔ خدایا یہ بے شک اسلامی حکومت ہے اس حکومت کا سایہ ہمارے سروں پر ابد الآباد تک قائم رکھ۔ خدا ہمارے شہنشاہ جارج خامس قیصر ہند کے آزاد عمر و اقبال سے ہمیں مستفیض ہونے کا موقع دے۔ (زمیندار ۲/ اکتوبر ۱۹۱۱ء)

۶۔ بحیثیت جمعیتہ الاسلام کے آقا ہونے کے اس گھٹاٹوپ تاریکی میں امید کی کوئی روشن کرن نظر آتی ہے تو وہ حضور جارج خامس شاہنشاہ خلد اللہ ملکہم کی ذات بابرکات ہے جو دس کروڑ مسلمانوں کے آقا ہونے کے لحاظ سے ہماری دستگیری پر منجانب اللہ مامور کئے گئے ہیں۔ (زمیندار ۲۸/ جولائی ۱۹۱۱ء)

۷۔ ہمیں ہمارا پاک مذہب بادشاہ وقت کی اطاعت کا حکم دیتا ہے ہم کو سرکار انگلشیہ کے سایہ عاطفت میں ہر قسم کی دینی و دنیوی برکتیں حاصل ہیں۔

ہم پر از روئے مذہب گورنمنٹ کی اطاعت فرض ہے۔ ہم انگریزوں کے پسینہ کی جگہ خون بہانے کے لئے تیار ہیں۔ زبانی نہیں بلکہ جب وقت آئے گا تو اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیں گے۔ (زمیندار یکم نومبر ۱۹۱۱ء)

مندرجہ بالا سات حوالے ظفر علی خاں کی گرفتاری (مولفہ خان کابلی) سے ماخوذ ہیں۔

۸۔ ہندوستان میں ہمارے دو بادشاہ ہیں ایک جارج خامس اور دوسرے محمد خامس۔ جارج خامس ہماری جان کے مالک ہیں لیکن محمد خامس کا قبضہ ہمارے دلوں پر ہے اور ہماری دلی تمنا ہے کہ دونوں تاجداروں کے تعلقات برادرانہ رہیں تاکہ ہماری جان حزیں ہمارے دل ناشاد سے الجھنے نہ پائے۔ (نقوش لاہور آپ بیتی نمبر صفحہ ۷۳۹)

مولانا ظفر علی خاں صاحب نے جارج خامس کی مدح میں ۱۹۱۲ء میں یہ قصیدہ بھی لکھا۔

ہے شیریں نام ایسا بادشاہ جارج خامس کا
غذائیت ہے زبانوں میں صداقت میں بیانوں میں

ودیعت ہے شہنشاہ کی عقیدت آفریں الفت
سروں میں اور سینوں میں دلوں میں اور جانوں میں

دلوں میں جو کچھ آئے ترجماں اس کی زبانیں ہوں
کہاں حاصل تھیں یہ آزادیاں اگلے زمانوں میں

یہ سچ ہے ہم مسلمانوں کو یہ نعمت میسر تھی
شمار اس کا ہے لیکن قرن اول کے نشانوں میں

نظر آئی تری ظلّ الٰہی شان دونوں کو
برہمن کو صنم خانہ میں مسلم کو اذانوں میں

سلامت قیصرہ کو اور قیصر کو خدا رکھے یہی اک نغمہ جاں پرور ہے سب قومی ترانوں میں
ہمارے واسطے کیا کم یہی انعام و عزت ہے کہ داخل ہو گئے قیصر کے ہم بھی مدح خوانوں میں

(ظفر علی خاں کی گرفتاری صفحہ ۱۸ (مرتبہ حبیب الرحمٰن عرف خان کابلی الافغانی مارچ ۱۹۴۷ء۔ ناشر دفتر ریفارم لیگ اسلام گلی وسن پورہ لاہور)

۱۸۶۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کی دو نظموں کے چند اشعار سپرد قلم کرتے ہیں۔ لفٹنٹ گورنر پنجاب ولیم بل کی شان میں۔

زہے نشاط فراواں کہ اختر تقدیر چمک رہا ہے ابھر کر مثال مہر منیر
وہ کون زیب و تخت صوبہ پنجاب کہ جس کے ہاتھ نے کی قصر عدل کی تعمیر
حضور زینت محفل ہیں ناز ہے ہم کو جھلک رہی ہے نصیبوں میں سبزی کشمیر
مزے سے سوتا ہے بے خوف دیدہ عالم کہ تیرے عہد کا ہے خواب بھی نکو تعبیر
کوئی جو غور سے دیکھے تو امن کی ہے بہار یہ درسگاہ' یہ محفل' یہ شان' یہ تعمیر
جو بزم اپنی ہے طاعت کے رنگ میں رنگیں تو درسگاہ رموز وفا کی ہے تفسیر
اسی اصول کو ہم کیمیا سمجھتے ہیں نہیں ہے غیر اطاعت جہان میں اکسیر
مدد جہان میں کرتے ہیں آپ ہم اپنی غریب دل کے ہیں لیکن مزاج کے ہیں امیر
مگر حضور نے ہم پر کیا ہے وہ احساں کہ جس کے ذوق سے شیریں ہوا لب تقریر
وہ لوگ ہم ہیں کہ نیکی کو یاد رکھتے ہیں اسی سبب سے زمانے میں اپنی ہے توقیر
دعا نکلتی ہے دل سے حضور شاد رہیں رہیں جہان میں عظمت طراز تاج و سریر
عجب طرح کا نظارہ ہے اپنی محفل میں کہ جس کے حسن پہ نازاں ہے خامہ تحریر
ہوئے ہیں رونق محفل جناب ولیم بل ضیائے مہر کی صورت ہے جس کی ہر تدبیر
یہ علم و فضل کی آنکھوں کا نور ہیں واللہ انہیں کی ذات سے حاصل ہے مہر کو تنویر
خدا انہیں بھی زمانے میں شاد کام رکھے یہ وہ ہیں دہر میں جن کا نہیں عدیل و نظیر
قمر کے گرد ستارے ہیں ہم عناں کیا ہیں ہے جس طرح کا شہنشہ اسی طرح کے وزیر
خوشا نصیب کہ یہ ہمرہ حضور آئے ہماری بزم کی یک بار بڑھ گئی توقیر
بڑھے جہان میں اقبال ان مشیروں کا کہ ان کی ذات سراپا ہے عدل کی تصویر

(سرود رفتہ صفحہ ۱۷۶-۱۷۷۔ ترتیب و تحشیہ مولانا غلام رسول صاحب مہر طبع اول ۱۹۵۹ء۔

ملک معظم حکومت برطانیہ کی شان میں اقبال نے جو قصیدہ ایک مشاعرہ میں سنایا تھا اس کے چند بند درج ذیل ہیں۔

اے تاجدار خطہ جنت نشان ہند روشن تجلیوں سے تری خاوران ہند
محکم تیرے علم سے نظام جہان ہند تیغ جگر شگاف تیری پاسبان ہند
ہنگامہ وغا میں مرا سر قبول ہو

اہل وفا کی نذر محقر قبول ہو

تلوار تیری دہر میں نقاد خیر و شر بہروز' جنگ توز' جگر سوز' سینہ ور
رایت تری سپاہ کا سرمایہ ظفر آزادہ' پرکشادہ' پری زادہ' یم سپر

سطوت سے تیری پختہ جہاں کا نظام ہے
ذرے کا آفتاب سے اونچا مقام ہے

آزادی زبان و قلم ہے اگر یہاں سامان صلح دیر و حرم ہے اگر یہاں
تہذیب کاروبار امم ہے اگر یہاں خنجر میں تاب تیغ میں دم ہے اگر یہاں

جو کچھ بھی ہے عطائے شہ محترم سے ہے
آبادی دیار تیرے دم قدم سے ہے

وقت آگیا کہ گرم ہو میدان کار زار پنجاب ہے مخاطب پیغام شہریار
اہل وفا کے جوہر پنہاں ہوں آشکار معمور ہو سپاہ سے پہنائے روزگار

تاجر کا زر ہو اور سپاہی کا زور ہو
غالب جہاں میں سطوت شاہی کا زور ہو

اخلاص بے غرض ہے صداقت بھی بے غرض خدمت بھی بے غرض ہے اطاعت بھی بے غرض
عہد وفا و مہر و محبت بھی بے غرض تخت شہنشہی سے عقیدت بھی بے غرض

لیکن مقال فطرت انساں ضرور ہے
ہندوستاں پہ لطف نمایاں ضرور ہے

جب تک چمن کی جلوہ گل پر اساس ہے جب تک فروغ لالہ احمر لباس ہے
جب تک نسیم صبح عنادل کو راس ہے جب تک کلی کو قطرہ شبنم کی پیاس ہے

قائم رہے حکومت آئیں اسی طرح
دبتا رہے چکور سے شاہیں اسی طرح

(ایضاً صفحہ ۵۵ تا ۵۷)

۱۸۷۔ بحوالہ الفضل ۸/ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ۴ کالم ۲۔

۱۸۸۔ اس اپیل پر جماعت احمدیہ کی مخالفت پر مشہور پادری احمد مسیح نے مولوی ظفر علی خاں کو لکھا۔ "جناب مولوی ظفر علی خان صاحب تسلیم! زمیندار نے جو قادیانی تحریک کی تردید کی ہے وہ ہم مسیحیان ہند کے لئے باعث صد سرور و بہجت ہے کیونکہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ خداوند یسوع مسیح کلمتہ اللہ اور روح اللہ کا کوئی ثانی نہ ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ مرزائے قادیان نے ہمارے خداوند کا نام اختیار کر کے مسلمانوں کے ایک حصہ کو جو جادہ اسلام سے برگشتہ کر دیا ہے۔ شکر اور صد شکر ہے کہ اس کی تردید کرنے والے خود مسلمانوں میں پیدا ہو گئے ہیں جن کو ایک عرصہ سے ہم مسیحیان ہند خداوند کے سایہ میں لانے کے متمنی اور ساعی ہیں۔ (رسالہ

المائدہ ماہ دسمبر ۱۹۳۴ء بحوالہ الفضل ۲۷/ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۸ کالم ۳)

۱۸۹۔ زمیندار ۲۶/ فروری ۱۹۳۳ء بحوالہ الفضل ۱۴/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۴۔

۱۹۰۔ زمیندار ۹/ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۳ بحوالہ الفضل ۱۶/ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۳ کالم ۲۔

۱۹۱۔ بحوالہ الفضل ۲۹/ مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۹-۱۰۔

۱۹۲۔ بحوالہ بانی سلسلہ احمدیہ اور انگریز صفحہ ۲۷ تا ۴۷۔

۱۹۳۔ اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ نمبر ۶ صفحہ ۱۶۸ حاشیہ۔

۱۹۴۔ تازیانہ عبرت مرتبہ مولوی کرم دین صاحب دبیر بار دوم صفحہ ۹۳-۹۴۔

۱۹۵۔ ذکر حبیب صفحہ ۳۴۴-۳۴۵ (مولفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ)

۱۹۶۔ الفضل ۱۱/ جون ۱۹۳۶ء صفحہ ۶ کالم ۳۔

۱۹۷۔ الفضل ۹/ نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۲-۳۔

۱۹۸۔ الفضل ۱۵/ مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۷-۸۔

۱۹۹۔ الفضل ۱۱/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۵۔

۲۰۰۔ اس سلسلہ میں تاریخ احمدیت جلد ششم صفحہ ۵۱۹ و صفحہ ۵۲۰ پر متعدد اقتباسات نقل ہو چکے ہیں۔

۲۰۱۔ یہ رپورٹیں محفوظ ہیں۔

۲۰۲۔ مراسلہ خان صاحب فرزند علی صاحبؓ بحضور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ۔

۲۰۳۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حضور خان صاحب کا خط محررہ ۲۴/ ستمبر ۱۹۳۳ء از شملہ۔

۲۰۴۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں خان صاحب فرزند علی صاحب کا خط محررہ ۲۴/ ستمبر ۱۹۳۳ء از شملہ۔

۲۰۵۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حضور خان صاحب کا خط محررہ ۲۰/ اکتوبر ۱۹۳۳ء از شملہ۔

۲۰۶۔ ایضاً۔

۲۰۷۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں خان صاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ کا مکتوب محررہ ۱۱/ اکتوبر ۱۹۳۳ء۔

۲۰۸۔ "مارشل لاء سے مارشل لاء تک" صفحہ ۱۵۸-۱۵۹ (از سید نور احمد صاحب) مولوی مظہر علی صاحب اظہر اس زمانہ کی نسبت خود لکھتے ہیں۔ "مجلس احرار کی مقبولیت عروج پر تھی"۔ (خوفناک سازش صفحہ ۳۳)

۲۰۹۔ صفحہ ۱۶۵۔

۲۱۰۔ "مارشل لاء سے مارشل لاء تک" صفحہ ۱۶۵۔

۲۱۱۔ "اقبال کے آخری دو سال" صفحہ ۲۵۵ ناشر وطابع اقبال اکادمی پاکستان کراچی۔ اشاعت اول اپریل ۱۹۶۱ء۔

۲۱۲۔ جناب مولوی مظہر علی صاحب اظہر (مشہور احراری لیڈر) نے اپنی کتاب "ہمارے فرقہ وارانہ فیصلے کے استدراج" صفحہ ۳۱ تا ۳۳ و ۳۶ میں ہندو کی سر فضل حسین سے دشمنی اور موصوف کی اسلامی خدمت کا تذکرہ کیا ہے جس کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مسلمانوں کے کتنے بڑے محسن کے خلاف احراری زعماء نے مورچہ قائم کیا مولانا ظفر علی خاں نے ان کی وفات پر ایک مرثیہ کہا تھا جس میں ان کے وجود کو اسلام کی محفل میں زیب اور زین تسلیم کیا تھا۔ (چمنستان صفحہ ۵)

۲۱۳۔ یہ لفظ رہ گیا ہے۔ (مرتب)

۲۱۴۔ ایضاً

۲۱۵۔ تاریخ احرار صفحہ ۱۸۴-۱۸۶۔

۲۱۶۔ تاریخ احرار ۱۶۵-۱۶۶۔

۲۱۷۔ "سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ" صفحہ ۹۲ (از جناب شورش کاشمیری)

۲۱۸۔ منقول از الفضل ۳۰/ اگست ۱۹۳۶ء۔ صفحہ ۹۔

۲۱۹۔ اخبار زمیندار ۱۱/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ کالم ۱-۲۔

۲۲۰۔ "مارشل لاء سے مارشل لاء تک" صفحہ ۱۶۱۔
۲۲۱۔ خطبات احرار صفحہ ۳۸ (مرتبہ شورش کاشمیری) ناشر مکتبہ احرار لاہور۔ طبع اول مارچ ۱۹۴۴ء۔
۲۲۲۔ تاریخ احرار صفحہ ۱۸۹۔
۲۲۳۔ الفضل ۲۲/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۹ تا ۱۳ خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۶ نومبر ۱۹۳۴ء۔
۲۲۴۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ایک غیر مطبوعہ تقریر فرمودہ جولائی ۱۹۳۸ء سے ماخوذ۔
۲۲۵۔ الفضل ۱۷/ اکتوبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
۲۲۶۔ تاریخ احرار صفحہ ۱۴۵۔
۲۲۷۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۴ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۔۳۔
۲۲۸۔ تاریخ احرار صفحہ ۱۴۵۔
۲۲۹۔ سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۳۰۔۳۱ (از خان حبیب الرحمٰن کابلی) اشاعت جون ۱۹۴۰ء۔ ناشر ہندوستانی کتب خانہ نمبر ۶۳ ریلوے روڈ۔ لاہور
۲۳۰۔ الفضل ۱۸/ مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۳۔۴۔
۲۳۱۔ الفضل ۲۹/ جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ احراریوں نے اگلے سال اپنا سرخ جھنڈا قادیان کے سب سے بڑے ہندو ساہوکار لالہ بڈھامل کے مکان پر گاڑ دیا تھا۔
قادیان میں احرار کے دفتر کی بنیاد کس قماش کے لوگوں سے رکھی گئی اس کا اندازہ لگانے کے لئے ایک شخص غریب شاہ نامی کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اس شخص کا ذکر عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمات میں کئی بار آتا ہے۔ بخاری صاحب کے وکیل نے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے دوران شہادت یہ سوال کیا کہ کیا آپ غریب شاہ سے واقف ہیں گویا یہ وہ شخص تھا جس نے قادیان میں احرار کی بنیاد رکھی اور یہ وہ پہلا احراری مجاہد ہے جسے آٹھ کروڑ مسلمانان ہند میں سے منتخب کر کے احرار نے قادیان بھیجا۔ اس شخص کی نسبت اخبار زمیندار نے اپریل ۱۹۳۵ء کی ایک اشاعت میں مجلس احرار کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دینے کی ناپاک کوشش اور غریب شاہ کی کرتوت کے عنوان سے حکیم فتح محمد سیوحانی کراچی کا مراسلہ شائع کیا۔ جس میں لکھا کہ یہ شخص جامع مسجد قادیان کی تعمیر کے لئے سات آٹھ ماہ سے سندھ کے مختلف شہروں میں پہنچ کر صد ہا روپیہ بٹور چکا ہے اس کے پاس اردو اور انگریزی میں سندات تھیں ایک سند میں لکھا ہے کہ شعبہ تبلیغ مجلس احرار ہند کی طرف سے شخص مذکور کو مقرر کیا جاتا ہے۔ انگریزی سند میں علامہ سر اقبال اور دیگر عمائد اکابر پنجاب کے اسماء گرام بھی درج ہیں اس سے دفتر روزنامہ الوحید میں چلنے کو کہا گیا دفتر میں پہنچ کر یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ یہ شخص مسجد کے نام پر لوٹ رہا ہے اس سے حساب کتاب مانگا گیا مگر جواب ندارد بالآخر اعتراف جرم کر کے فرار ہونے کی کوشش کی اور حوالہ پولیس ہوا۔ (ملخصاً)
۲۳۲۔ سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۴۸ (از خان حبیب الرحمٰن صاحب کابلی)
۲۳۳۔ ایضاً صفحہ ۴۸۔۴۹۔
۲۳۴۔ اشتہار بعنوان "حضرت امیر شریعت مجاہد ملت ضیغم اسلام مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا پیغام اپنے مخلصین و عقیدت مندان کے نام"۔
۲۳۵۔ الفضل ۱۷/ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۴ کالم ۱۔
۲۳۶۔ الفضل ۲/ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۲۳۷۔ روئداد جلسہ مجلس احرار اسلام قادیان صفحہ ۲۔۳ شائع کردہ سیکرٹری مجلس احرار قادیان مطبوعہ برقی پریس امرتسر۔

۲۳۸۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فیصلہ ہائی کورٹ بمقدمہ سرکار بنام عطاء اللہ شاہ بخاری یہاں احرار کے چار مشہور الزامات اور ان کی نسبت مختصراً مسٹر جسٹس کولڈ سٹریم جج ہائی کورٹ کے ریمارکس درج کئے جاتے ہیں۔ (۱) محمد امین مارا گیا مگر اقبالی ملزم کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ ہائیکورٹ نے فیصلہ دیا۔ چیف سیکرٹری حکومت پنجاب کا حلفیہ بیان ظاہر کرتا ہے کہ یہ بات غلط ہے۔ (۲) جماعت احمدیہ کی اپنی عدالتیں ہیں۔ ہائیکورٹ کے ریمارکس اس کی نسبت یہ تھے۔ فوجداری مقدمات کی تحقیقات اس وقت تک قانونی نقطہ نگاہ سے قابل اعتراض نہیں جب تک کہ وہ طرفین کی مرضی سے ناقابل دست اندازی پولیس اور قابل راضی نامہ جھگڑوں کا فیصلہ کریں۔ (۳) قادیان میں حکومت کا قانون مفلوج ہے۔ ہائیکورٹ نے اس کی نسبت یہ رائے ظاہر کی۔ اگر افسران پولیس اپنا فرض ادا نہیں کر رہے تھے تو بھی بیان کردہ واقعات ایسی شہادت نہیں جس سے...... اخذ کردہ نتائج نکالے جا سکیں کہ حکام مفلوج معلوم ہوتے تھے ظلم کا تدارک نہیں کیا گیا۔ اور یہ کہ قادیان کے مزعومہ معین مظالم کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ (۴) احمدی ہونے کے لئے تشدد کیا گیا۔ اس الزام کی حقیقت جج ہائیکورٹ کے نزدیک یہ تھی کہ اس بات کی کوئی شہادت نہیں کہ سوائے ان لوگوں کے جو جماعت کو چھوڑ گئے ہوں یا ان سے لڑ بیٹھے ہوں اور کسی کو اس وجہ سے کہ وہ قادیانیوں میں شامل نہیں تھا ڈرایا دھمکایا گیا ہو۔

۲۳۹۔ روئداد جلسہ مجلس احرار اسلام قادیان صفحہ ۴ شائع کردہ سیکرٹری مجلس احرار اسلام قادیان مطبوعہ برقی پریس امرتسر۔

۲۴۰۔ بحوالہ الفضل ۲۳/ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ٦۔

۲۴۱۔ سید حبیب صاحب نے تحریک قادیان میں لکھا۔ مولوی ظفر علی صاحب نے حال ہی میں تحریک قادیان کے خلاف جو ہنگامہ برپا کیا۔ سیاست اس سے علیحدہ رہا اس لئے کہ سیاست مولوی صاحب کے اس فعل کو خلوص نیت پر مبنی نہیں سمجھتا اور نہ موجودہ زمانہ کو ایسی ہنگامہ خیزی کے لئے مفید سمجھتا ہے تاہم ارادہ یہ تھا کہ جونہی مولوی ظفر علی صاحب کا پیدا کردہ ہنگامہ فرو ہو جائے تحریک قادیان کے متعلق گالی گلوچ سے بالکل مبرا چند ایسے مضامین سپرد قلم کئے جائیں جو کسی اصول پر مبنی ہوں اور برادران قادیان کو موقعہ دیا جائے کہ وہ ان کا جواب دیں تاکہ ان پر ان کی غلط روی اور دنیا پر ان کی تحریک کی حقیقت ظاہر ہو جائے۔

چنانچہ سید حبیب صاحب نے اس وعدہ کے مطابق اپنے اخبار سیاست میں جماعت احمدیہ کے خلاف نہایت سنجیدگی سے قلم اٹھایا اور متعدد مضامین لکھے جن کا جواب جماعت احمدیہ کی طرف سے چشمہ عرفان کے نام سے شائع شدہ موجود ہے اور ہر صاحب عقل و خرد کو دعوت فکر دے رہا ہے۔

مولوی ظفر علی خاں صاحب کی روش پر شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے بھی سخت تنقید کی اور عوام اور علماء کو اتحاد کی طرف توجہ دلائی اخبار "زمیندار" نے یہ مخلصانہ دعوت قبول کرنے کی بجائے خواجہ صاحب ہی کو بدنام کرنا شروع کر دیا۔ جس پر انہوں نے اپنے اخبار عادل میں تحریر فرمایا۔

سنا ہے عادل کی تحریک اتحاد المسلمین سے برہم ہو کر لاہور کے ایک اخبار نے میرے خلاف فرضی خطوط شائع کرنے شروع کئے ہیں کہ قادیانیت کی حمایت کیوں کی؟ عادل اخبار ہندوستان کی سب اقوام کو ایک دل اور ملکی خدمت کے لئے متحد دیکھنے کا آرزومند ہے۔ ہندوؤں کے سب فرقوں اور مسلمانوں کے سب فرقوں کو اپنے عقائد پر قائم رہنے اور ان کو اچھا سمجھنے کا حق حاصل ہے۔ مگر ان کو یہ حق ہرگز نہیں ہے کہ وہ ذاتی عقائد کے جھگڑوں سے ملکی محبت ملکی خدمت اور ملکی وحدت میں رخنہ اندازی کریں اور ذاتی مفاد پر ملکی مفاد کو قربان کر دیں۔

میں قادیانی فرقہ کے کسی چھوٹے بڑے عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا لیکن ان کے غلط عقائد کی جوابدہی خدا کے سامنے خود انہی کے ذمہ سمجھتا ہوں مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ خدا یا اس کے فرشتے مجھ سے قادیانیوں کے عقائد کی بازپرس کریں گے البتہ اگر میں اپنے عقائد کے خلاف مسلمان فرقوں سے موجودہ نازک زمانہ میں ان کے ذاتی اعتقاد کی نسبت جھگڑا کروں گا تو خدا کے سامنے اور خود اپنے ضمیر کے سامنے مسلمانوں کی سیاسی اخوت کے استحکام کو برباد کرنے والا مجرم بن جاؤں گا اور اس کی بازپرس مجھ سے ضرور ہو گی اس لئے لاہور کے مذکورہ اخبار اور اس جیسے سب حملہ آور اصحاب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی روش تبدیل کر دیں ورنہ دنیا و آخرت میں ان کو شرمندہ ہونا پڑے گا۔

(روزنامہ عادل دہلی۔ مورخہ ۸/ مارچ ۱۹۳۳ء)

۲۴۲۔ اشتہار مشتہرہ مجلس دعوت وارشاد ہزارہ۔

۲۴۳۔ جناب مرزا عبدالحق صاحب کے ایک غیر مطبوعہ مراسلہ سے ماخوذ۔

۲۴۴۔ الفرقان (دسمبر ۱۹۶۵ء) ربوہ صفحہ ۶۳ کالم ۱۔

۲۴۵۔ الفضل ۱۰/ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۴ کالم ۲۔

۲۴۶۔ الفضل ۲۰/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ۷ کالم ۳۔

۲۴۷۔ الفضل ۵/ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۸ کالم ۱۔۲۔

۲۴۸۔ الفضل ۶/ اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ ۶ و ۸۔

۲۴۹۔ الفضل ۲۳/ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۲ کالم ۳۔

۲۵۰۔ الفضل ۲۱/ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۶ کالم ۱۔۲۔

۲۵۱۔ الفضل ۱۱/ جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۷ کالم ۲۔۳۔

۲۵۲۔ الفضل ۱۸/ مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۶۔۷۔

۲۵۳۔ الفضل ۱۵/ مارچ ۱۹۳۴ء صفحہ ۸۔۹۔

۲۵۴۔ الفضل ۲۱/ جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۸ کالم ۲۔

۲۵۵۔ الفضل ۵/ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۸ کالم ۲۔۳۔

۲۵۶۔ حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ نے اپنی تقریر نظام آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر (صفحہ ۵۵ تا ۶۷) میں بعض ایسے لوگوں کی نشان دہی فرمادی ہے جنہوں نے اس دور ابتلاء میں جماعت احمدیہ کے بیرونی دشمنوں سے سازباز کرکے فتنہ پیدا کرنا چاہا تھا۔

۲۵۷۔ الفضل ۱۶/ نومبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۸ کالم ۱۔

۲۵۸۔ رسالہ خالد ربوہ جنوری ۱۹۶۵ء صفحہ ۳۰۔۳۱۔

۲۵۹۔ الفضل ۳۰/ دسمبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۲۔

۲۶۰۔ مکتوب خان صاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ (محررہ ۱۰/ فروری ۱۹۳۴ء) بحضور حضرت خلیفتہ المسیح الثانیؓ۔

۲۶۱۔ بریکٹ میں سنہ کا اضافہ مرتب کی طرف سے۔

۲۶۲۔ اخبار زمیندار (۷/ مارچ ۱۹۳۳ء) نے مولوی ظفر علی خان صاحب کی نسبت لکھا۔ "ان کے بشرے سے اس سپہ سالار کے فولادی عزم کا پتہ چلتا تھا جو اپنی فتح کو مقدرات سے سمجھتا ہو"۔

۲۶۳۔ زمیندار مرچکا ہے اور احمدیت خدا کے فضل سے زندہ ہے اور انشاء اللہ زندہ رہے گی۔

۲۶۴۔ روزنامہ زمیندار ۲۱/ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۴۔

۲۶۵۔ چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ ربوہ کی طرف اشارہ ہے۔

۲۶۶۔ احرار تبلیغ کانفرنس کی طرف اشارہ ہے۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔ (مرتب)

۲۶۷۔ الفضل ۱۱/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۶ تا ۱۸ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲/ نومبر ۱۹۳۴ء)

۲۶۸۔ الفضل ۱۶/ جون ۱۹۳۹ء صفحہ ا کالم ۲۔

۲۶۹۔ الفضل یکم نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۶ کالم ۱۔

۲۷۰۔ چوہدری صاحب موصوف اس شعبہ میں حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کے پرسنل اسسٹنٹ کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔ شعبہ خاص کے خاص معاونوں میں سے مولوی نذر احمد صاحب، مولوی عبداللطیف صاحب، مولوی ظفر محمد صاحب، سید عمر شاہ صاحب اور سید محمد محسن صاحب بالخصوص قابل ذکر ہیں۔

۲۷۱۔ الفضل یکم نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۶ کالم ۱۔۲۔

۲۷۲۔ الفضل یکم نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۶۔

۲۷۳۔اصل رپورٹ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح کے ریکارڈ میں موجود ہے۔
۲۷۴۔حضور نے سالانہ جلسہ ۱۹۴۳ء پر بتایا کہ میں نے مجسٹریٹ کو لکھ دیا کہ یہ ظالمانہ حکم ہے اور اس طرح میری ہتک کی گئی ہے مجسٹریٹ صاحب سمجھے یہ موقع ان کو ممنون کرنے کا ہے۔ وہ کہنے لگے آپ نے یہ کیا لکھ دیا ہے سوچ لیں میں نے کہا تم کو اس سے کیا۔ تم گورنمنٹ کی چٹھی لائے ہو۔ اب اس کا جواب لے جاؤ۔ پھر ہم چھ ماہ تک گورنمنٹ سے پوچھتے رہے کہ یہ حکم کس بناء پر جاری کیا گیا تھا۔ مگر کوئی جواب نہ دیا گیا آخر حکومت پنجاب کے چیف سیکرٹری نے کہا کہ ہم کافی ذلیل ہو چکے ہیں آپ آئندہ اس بات کو نہ اٹھائیں۔(غیر مطبوعہ تقریر۔ فرمودہ ۲۷/دسمبر ۱۹۴۳ء سے اقتباس)
۲۷۵۔الفضل یکم نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۷ تا ۹۔
۲۷۶۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۴ء لغایت ۳۰/اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۸۷۔
۲۷۷۔تحریک جدید کی طرف اشارہ ہے جو حضور نے خاص القاء کے ماتحت جاری فرمائی اور جسکی تفصیل اگلی جلد میں آرہی ہے۔
۲۷۸۔الفضل ۲۳/اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲۔
۲۷۹۔ الفضل ۲۰/جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۷ کالم ۲۔
۲۸۰۔ تحصیل گورداسپور تھانہ کاہنووان۔
۲۸۱۔ پریم پرچارک ۱۲/نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۸ جلد ۱۱ نمبر ۶۔ اصلی پرچہ کا تراشہ خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہے۔
۲۸۲۔ الفضل ۲۳/اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
۲۸۳۔الفضل ۲۵/اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۔
۲۸۴۔پیغام صلح ۲۸/اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۵۔
۲۸۵۔ ایک پنجابی شاعر جس نے کانفرنس میں نہایت دلازار نظمیں سنائیں۔
۲۸۶۔ پیغام صلح ۳/نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۸ کالم ۲۔
۲۸۷۔ایضاً صفحہ ۶ کالم ۳۔
۲۸۸۔مولوی ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ہم دونوں احرار کے جلسہ قادیان میں نہیں گئے تھے جس کی بابت ہمارا اعلان ہو چکا تھا......ہم وہ سارے الفاظ نقل کر دیتے ہیں۔
جلسہ قادیان (یعنی جلسہ احرار۔ ناقل) جو عنقریب ہونے والا ہے۔ لوگ میری شرکت کی بابت سوال کرتے ہیں۔ ان کو واضح ہو کہ بانیان جلسہ نے اپنی کسی مصلحت کے ماتحت نہ مجھ سے مشورہ لیا نہ دعوت دی۔ مولانا ابراہیم صاحب کے خط سے بھی ایسا ہی معلوم ہوا ہے۔ ان حالات میں ہماری شرکت نہ ہو گی۔(اہلحدیث امرتسر صفحہ ۱۴۔ ۱۹/اکتوبر ۱۹۳۴ء)
اس اعلان کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک لڑکا امرتسری ثناء اللہ نامی کراچی میں کلرک ہے۔ احرار نے اپنے اشتہار جلسہ کے مدعوین میں اس کو مولوی ثناء اللہ لکھا تھا۔ اس پر بعض احباب نے دریافت کیا۔ تو ہم نے یہ نوٹ شائع کیا۔ جس کا ہمیں افسوس ہے کیونکہ مولوی میر محمد صاحب بھانبڑی نے بعد جلسہ قادیان ہم کو بتایا کہ آپ کی عدم شرکت کی وجہ سے لوگ معہ امدادی چندہ کے واپس چلے گئے۔ واللہ اعلم۔(اہلحدیث امرتسر ۲۴/جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۴ کالم ۳)
۲۸۹۔ الفضل ۲۵/اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲۔
۲۹۰۔ الحکم ۲۸/اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱ کالم ۳۔
۲۹۱۔ الفضل ۲۵/اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲۔
۲۹۲۔ زمیندار ۴/اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ کالم ۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۱/جولائی ۱۹۳۵ء کو انجمن سیف الاسلام (نیلہ گنبد لاہور) کا نیا انتخاب عمل میں آیا اور مولانا سیف الرحمٰن صاحب جنرل سیکرٹری مقرر کئے گئے۔
۲۹۳۔ قبول احمدیت کے تفصیلی حالات اگلی جلد میں آرہے ہیں۔
۲۹۴۔ الفضل ۲۵/اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۱۔۲۔
۲۹۵۔ الفضل ۱۷/جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۷ کالم ۲۔۳۔

۲۹۶۔ الفضل ۲۵/ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ ۳ و الحکم ۲۸/ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱ کالم ۳۔ ملک حبیب الرحمٰن صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی انسپکٹر آف سکولز حال ربوہ کا بیان ہے۔ "غالباً ۱۹۳۶ء کی بات ہے جبکہ میں شجاع آباد میں تھا کہ ایک دفعہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سندھ تشریف لے جا رہے تھے تو میں نے اپنے چند ایک دوستوں سے عرض کیا کہ وہ اسٹیشن پر چل کر حضور کی زیارت کریں۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر چاند نرائن تھے جو ملتان کے رہنے والے تھے اور ان دنوں شجاع آباد سول ہسپتال کے انچارج تھے۔ جب میں نے بعض دوسرے دوستوں کی موجودگی میں ڈاکٹر صاحب موصوف سے بھی حضور کی زیارت کرنے کو کہا۔ تو وہ ایک سرکاری کام کی وجہ سے خود نہ جا سکنے کا افسوس کرنے لگے۔ لیکن دوسرے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ ان کے خلیفہ صاحب بھی بہت ہی نیک اور دھرماتما بزرگ ہیں میرے ایک ماموں صاحب پولیس میں تھانیدار ہیں جب ۱۹۳۴ء میں احرار نے قادیان میں ایک کانفرنس منعقد کی تو منجملہ دوسرے تھانیداروں کے وہ بھی وہاں ڈیوٹی پر تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک دن ان کے چند ایک دوستوں کو خیال پیدا ہوا کہ وہ حضرت صاحب کی زیارت کریں۔ چنانچہ یہ لوگ حضرت صاحب کے دولت خانہ پر پہنچے اور زیارت کی درخواست کی۔ جو منظور کر لی گئی۔ مصافحہ کرنے کے بعد ہم نے عرض کیا کہ ہمیں کچھ عرصہ خاموشی سے حضور اپنی صحبت میں بیٹھنے کا موقعہ بخشیں۔ چنانچہ ہم کچھ دیر وہاں بیٹھے رہے اور دوسرے اصحاب کو حضور سے ملاقات کرتے دیکھتے رہے اور رخصت کے وقت حضور سے عرض کیا کہ ہمیں کچھ نصیحت فرمائی جاوے۔ ان کا بیان ہے کہ حضور نے فرمایا۔ آپ لوگ ایک خدا کی پرستش کریں شرک نہ کریں۔ مخلوق خدا سے نیکی کریں۔ کسی پر ظلم نہ کریں وغیرہ وغیرہ۔ حضور نے اختلاف مذاہب کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا اور یہ امر ان کے لئے بہت خوشی کا باعث ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میرے ماموں (تھانیدار) صاحب کا بیان ہے کہ اگر حضرت صاحب ایک عام دنیادار پیر کی طرح ہوتے تو ضرور کہتے کہ مسلمان ہو جاؤ ورنہ دوزخ میں جاؤ گے حضرت صاحب کی صحبت میں بیٹھ کر اور حضور کے کلمات طیبات سن کر ان پولیس افسروں کو یقین ہو گیا کہ یہ انسان ایک بہت بڑا انسان اور خدا رسیدہ بزرگ ہے اور اسے زیر کرنا کسی کے بس کا روگ نہیں۔ (غیر مطبوعہ)

۲۹۷۔ فیصلہ ہائیکورٹ بمقدمہ سرکار بنام عطاء اللہ شاہ بخاری۔

۲۹۸۔ بحوالہ سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۳۸ تا ۴۰۔

۲۹۹۔ اخبار مدینہ بجنور یکم نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۴ نمبر ۸۷ جلد ۲۳۔

۳۰۰۔ ایضاً صفحہ ۸۔

۳۰۱۔ تبلیغی کانفرنس قادیان کا پانچواں اجلاس۔ مدینہ بجنور یکم نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۸ نمبر ۸۷ جلد ۲۳۔

۳۰۲۔ بحوالہ الفضل ۸/ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۵ کالم ۳۔

۳۰۳۔ الفضل یکم نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۱ تا ۳۔

۳۰۴۔ الفضل یکم نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۵۔ ۶۔

۳۰۵۔ الفضل یکم نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۳ کالم ۱۔ ۲۔

۳۰۶۔ الفضل یکم نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۳۔ ۴۔

۳۰۷۔ الفضل یکم نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۴۔

۳۰۸۔ الفضل یکم نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۹ تا ۱۱۔

۳۰۹۔ الفضل یکم نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۲ کالم ۳۔

۳۱۰۔ الفضل یکم نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

۳۱۱۔ اس خط کی نقل دفتر پرائیویٹ سیکرٹری ربوہ میں موجود ہے۔

۳۱۲۔ MR. BUTLER

۳۱۳۔ الفضل ۲۰/ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۔ ۲۔

۳۱۴۔ صدر انجمن احمدیہ کی رپورٹ سالانہ (یکم مئی ۱۹۳۵ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۶ء) سے پتہ چلتا ہے کہ جماعت احمدیہ کی طرف سے حکومت پنجاب اور حکومت ہند دونوں کو اس طریق کے سلسلہ میں ایک آزاد کمیشن بٹھانے کی بھی تجویز کی گئی۔ مگر وہ قبول نہیں

کی گئی چنانچہ لکھا ہے۔ "جماعت احمدیہ کی بعض شکایات بعض حکام کے خلاف گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں بصورت وفد پیش کرنے کے لئے چیف سیکرٹری صاحب پنجاب گورنمنٹ کو لکھا گیا۔ تا گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں درخواست کی جائے کہ ایک آزاد کمیشن بٹھایا جائے۔ جو جماعت احمدیہ کی شکایات پر غیر جانبدار ہو کر غور کرے مگر گورنمنٹ پنجاب نے ہر دو طریق کو منظور نہ کیا اس کے بعد نظارت ہذا (امور عامہ۔ ناقل) نے دوسرا قدم اٹھایا اور وہ یہ تھا کہ گورنمنٹ ہند یا تو خود جماعت احمدیہ کا وفد قبول کرے یا پنجاب گورنمنٹ کو ہدایت کرے کہ ہماری متذکرہ بالا صورتوں میں سے کسی صورت پر عملدر آمد کرے مگر گورنمنٹ ہند نے بھی ان ہر دو صورتوں میں سے کسی صورت کو قبول نہ کیا۔ اب تیسرا قدم جو نظارت ہذا کی طرف سے اٹھایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آنریبل وزیر ہند لنڈن کی خدمت میں تمام خط و کتابت جو نظارت ہذا اور گورنمنٹ پنجاب و ہند کے درمیان ہوئی اس کی نقول ارسال کرتے ہوئے درخواست کی گئی کہ وہ پنجاب گورنمنٹ یا گورنمنٹ ہند کو ہدایت کریں کہ ہماری شکایات کو مجوزہ طریق سے سن کران پر غور کرے"۔ (صفحہ ۱۶۴-۱۶۵)

۳۱۵۔ الفضل ۱۶/ جون ۱۹۳۹ء صفحہ ۳۔
۳۱۶۔ الفضل ۱۸/ اگست ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۳۱۷۔ الفضل ۲۲/ مئی ۱۹۳۶ء صفحہ ۳ کالم ۱۔
۳۱۸۔ الفضل ۱۴/ ستمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۵ کالم ۳۔۴۔
۳۱۹۔ الفضل ۶/ جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۳۔۴۔ الفضل ۱۳/ اپریل ۱۹۳۵ء۔
۳۲۰۔ اخبار الفضل ۲۰/ جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ تا ۷۔
۳۲۱۔ الفضل ۳/ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۔
۳۲۲۔ الفضل ۲۹/ جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۔
۳۲۳۔ الفضل ۲۰/ جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۔
۳۲۴۔ الفضل ۳/ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۔
۳۲۵۔ الفضل ۷/ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ دفعہ ۱۴۴ سے سکھ بھی عملاً مستثنیٰ تھے چنانچہ ۲۶/ جنوری ۱۹۳۵ء کو ہری سنگھ گیانی نے چند سکھوں اور احراریوں کے سامنے ایک اشتعال انگیز تقریر کی اور کہا۔ اس جگہ جسے دار الامان کہتے ہیں خونریزی ہو گی اور یہ فکر مرزائیوں کو مہنگی پڑے گی ایک افسر نے مجھے کہا ہے کہ احمدیوں کی گیدڑ بھبکیاں ہیں یہ کچھ نہیں کر سکتے۔ (الفضل ۲۹/ جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۶ کالم ۳)
۳۲۶۔ اس مقدمہ کی تحریک بھی شیخ صاحب موصوف نے کی تھی جس کا تذکرہ خود سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک خطبہ جمعہ میں فرمایا تھا۔
۳۲۷۔ الفضل ۲۴/ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۔
۳۲۸۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۸/ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۸-۹۔
۳۲۹۔ الفضل ۴-۵/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۔ مفصل فیصلہ الفضل ۱۱/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ پر شائع شدہ ہے۔
۳۳۰۔ الفضل ۳/ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۲ کالم ۲۔
۳۳۱۔ الفضل ۸/ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۸۔
۳۳۲۔ الفضل ۷/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۹-۱۰۔
۳۳۳۔ الفضل ۹/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۷ کالم ۳۔
۳۳۴۔ الفضل ۱۱/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ کالم ۴۔
۳۳۵۔ الفضل ۳/ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ کالم ۴۔
۳۳۶۔ الفضل ۳/ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۔
۳۳۷۔ الفضل ۲/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۔

۳۳۸ اس ظلم و ستم کا اندازہ کرنے کے لئے اخبار زمیندار اور احسان میں شائع شدہ چند خبریں ملاحظہ ہوں۔
۱۔ اخبار زمیندار (۱۵/ جنوری ۱۹۳۵ء) نے بنگہ میں قادیانیوں کا بائیکاٹ کے عنوان سے لکھا۔ ایک آدمی نے بیان دیا کہ کل عید کے دن شام کے چار بجے ایک ناواقف شخص نے ایک قصاب کی دکان سے گوشت خریدا۔ اتنے میں اس کا ایک رشتہ دار آگیا۔ اس نے آکر کہا کہ یہ دکان مرتد مرزائی کی ہے تم نے یہاں سے گوشت کیوں خرید کیا عید گاہ میں جو معاہدہ کیا تھا۔ یاد نہیں۔ اس نے اپنی بے خبری ظاہر کی کیونکہ وہاں پہلے ایک مسلمان قصاب بیٹھا کرتا تھا اور گوشت واپس کر دیا۔ الحمدللہ مسلمانان بنگہ اپنے عہد کی پاسداری کر رہے ہیں۔
۲۔ احسان (۱۷/ جنوری ۱۹۳۵ء) میں دیال گڑھ میں مرزائیوں کا بائیکاٹ اور بھنگواں میں مرزائیت کے خلاف عملی جہاد کے عنوانوں کے تحت یہ نوٹ شائع ہوا۔ دیال گڑھ میں مرزائیوں سے کلیتہ بائیکاٹ کر دینے اور اس پر سختی سے عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کیا گیا جملہ حضار نے صمیم قلب سے تمام عملی تجاویز پر پابند رہنے کا وعدہ کیا اور بھنگواں سے متعلق لکھا۔ کئی روز سے مرزائیوں کا بائیکاٹ کیا ہوا ہے۔ مرزائیوں کے ساتھ حقہ پانی بند اور راہ و رسم کلیتہ ممنوع ہے۔ دیہہ ہذا کی انجمن کا فیصلہ ہے کہ خلاف ورزی کرنے والا پچاس روپیہ کے جرمانہ کی سزا کا مستوجب ہو گا۔
۳۔ زمیندار ۱۹/ جنوری ۱۹۳۴ء نے گوجر خان کے ایک جلسہ کا ذکر کیا کہ "مولانا کی تقریر نے مسلمانان گوجر خان کی مردہ رگوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ چنانچہ سب نے متفقہ طور پر عہد کیا کہ وہ آئندہ مرزائیوں سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھیں گے"۔
۴۔ احسان ۱۹/ جنوری ۱۹۳۴ء میں موضع پرجیاں ضلع جالندھر کے ایک جلسہ کی روئیداد شائع ہوئی کہ "تمام حاضرین جلسہ نے متفقہ طور پر مرزائیوں کا مقاطعہ کرنے کے متعلق قرارداد منظور کی"۔
۵۔ جموں کی نسبت ۲۰/ جنوری ۱۹۳۴ء کے احسان میں چھپا۔ شہر کے تمام مسلمانوں نے مرزائیوں سے سوشل بائیکاٹ کر دیا ہے۔
۳۳۹۔ مکرم مولانا شیخ عبدالقادر صاحبؒ نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ اس زمانہ میں احرار ملک کے طول و عرض میں بڑے وسیع پیمانے پر جلسے کر رہے تھے...... ضلع لائلپور کے ایک شہر میں ان لوگوں نے ایک بہت بڑا جلسہ کیا۔ ہزارہا کی تعداد میں لوگ شامل ہوئے اور احمدیت کے خلاف خوب جی بھر کر گند اچھالا گیا۔ اس شہر میں صرف پانچ بالغ احمدی تھے۔ وہاں کے پولیس افسر نے مجھے بتایا کہ ایک روز چوہدری افضل حق صاحب، مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری تینوں لیڈر میرے پاس تشریف لے آئے میں ان کی عظمت کا بہت قائل تھا۔ میں نے ان کی خوب آؤ بھگت کی۔ مگر جب انہوں نے مجھے یہ کہا کہ یہاں کے پانچوں بالغ احمدیوں کو اس الزام میں گرفتار کر لو کہ انہوں نے ہمارے جلسہ میں گڑبڑ ڈالنے کی کوشش کی ہے تو میں سخت حیران ہوا کیونکہ مقامی افسر ہونے کی وجہ سے میں جانتا تھا کہ وہ نہایت ہی شریف لوگ ہیں اور اپنے گھروں میں سر چھپا کر بیٹھے ہوئے ہیں مگر میں ان لیڈروں کی ہردلعزیزی کی وجہ سے انہیں مایوس بھی نہ کر سکا۔ اور بادل ناخواستہ معصوم اور بے گناہ احمدیوں کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ مگر میں دل میں اس قدر شرمسار اور پریشان تھا کہ مجھے نہ دن کو چین آتا تھا نہ رات کو اور میں سوچتا تھا کہ یا اللہ! یہ لوگ ہمارے مذہبی لیڈر ہیں جو سچ اور جھوٹ میں تمیز ہی نہیں کرتے چنانچہ میں اندر ہی اندر احمدیت کی سچائی کا قائل ہو گیا۔ اور جب تھوڑے عرصہ کے بعد میرا وہاں سے تبادلہ ہوا۔ تو دوسری جگہ پر پہنچتے ہی سب سے پہلا کام جو میں نے کیا وہ یہ تھا کہ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں بیعت کا خط لکھا اور جماعت میں شامل ہو گیا۔ (رسالہ خالد ربوہ جنوری ۱۹۶۵ء صفحہ ۲۹-۳۰)
۳۴۰۔ الفضل ۱۴/ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۹ کالم ۲۔
۳۴۱۔ الفضل ۱۰/ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ کالم ۱۔
۳۴۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۹۳۵ء۔
۳۴۳۔ زمیندار ۲/ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ بحوالہ الفضل ۱۰/ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۳۴۴۔ الفضل ۷/ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ کالم ۲۔
۳۴۵۔ سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری از خان کابلی صفحہ ۱۰۰۔
۳۴۶۔ الفضل ۶/ جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۸ کالم ۲-۳۔

۳۴۷۔ الفضل ۱۳/ جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ کالم ۳۔
۳۴۸۔ الفضل ۳/ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۷ کالم ۱۔
۳۴۹۔ الفضل ۲/ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ و الفضل ۱۹/ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۔
۳۵۰۔ الفضل ۵/ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۹ کالم ۱-۲۔
۳۵۱۔ الفضل مارچ و مئی ۱۹۳۵ء۔
۳۵۲۔ الفضل ۳۰/ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۵۔
۳۵۳۔ الفضل ۳۱/ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۔
۳۵۴۔ الفضل ۹/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۶۔
۳۵۵۔ الفضل ۱۳/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ کالم ۲۔
۳۵۶۔ الفضل ۱۱/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴۔
۳۵۷۔ الفضل ۲۰/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۴-۵۔ الفضل ۸/ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۶۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ تابعین اصحاب احمد جلد اول (مولفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان)
۳۵۸۔ الفضل اپریل و مئی ۱۹۳۵ء۔
۳۵۹۔ الفضل ۳/ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۰ کالم ۱۔
۳۶۰۔ الفضل ۱۵/ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۴۔
۳۶۱۔ الفضل ۱۴/ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۳۶۲۔ الحکم ۱۴/ جون ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۔
۳۶۳۔ الفضل ۳/ جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۷ کالم ۲۔
۳۶۴۔ الفضل ۱۰/ جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۶۔
۳۶۵۔ الفضل ۲۱/ جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۷ کالم ۲۔
۳۶۶۔ الفضل ۸/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۳۔ شیخ عبد الرزاق صاحب بیرسٹرایٹ لاء لائل پور مرکز کی طرف سے اس مقدمہ کی پیروی کر رہے تھے کہ انتقال فرما گئے آپ کے بعد شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور نے پیروی میں امداد فرمائی۔ آخر عدالت نے دو احمدیوں کو بری کر دیا اور پہلوان عبد الواحد صاحب کو قید کی مختصر سزا دی لیکن ہائیکورٹ میں اپیل ہونے پر وہ بھی بری کر دیئے گئے۔ (رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۵ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۵۳-۱۵۴)
۳۶۷۔ الفضل ۱۹/ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۸ کالم ۲-۳۔
۳۶۸۔ الفضل ۱۸/ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱-۲۔ اس مقدمہ میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی بہت مدد کی چنانچہ لکھتے ہیں ہم نے مقدمہ میں احرار کو وہ مدد دی جو کسی نے نہیں دی نہ کوئی دے سکتا تھا۔ (اہلحدیث ۲۴/ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲)
۳۶۹۔ الفضل ۲/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۴۔
۳۷۰۔ الفضل ۷/ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۹ کالم ۳۔
۳۷۱۔ تفصیل اگلی جلد میں آئے گی۔ مولوی حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی نے ایک تقریر میں کہا۔ ہم نے آج تک قادیانیوں کے سلسلہ میں جو کیا اسے جانے دو ہمارا یہی کارنامہ کیا کم ہے کہ ہم نے عرب و عجم چین و ماچین شرق و غرب کے خلیفہ یعنی مرزا بشیر الدین محمود کو دیوان سکھانند کی عدالت میں لاکھڑا کیا۔ (احسان ۲۷/ مارچ ۱۹۳۵ء)
۳۷۲۔ اہلحدیث ۳/ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۶ کالم ۲۔
۳۷۳۔ اہلحدیث ۱۴/ جون ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۵ کالم ۱۔
۳۷۴۔ فیصلہ ہائیکورٹ مقدمہ سرکار بنام عطاء اللہ شاہ بخاری میں لکھا ہے ایک ماہ بعد کیپٹن مرزا شریف احمد صاحب برادر مرزا بشیر

الدین محمود احمد صاحب نے درخواست نمبر ۲۲۵ دی اور اس میں فیصلہ کا ایک بڑا حصہ حذف کرنے کی اسی بناء پر درخواست کی کہ اس حصہ کا قائم رکھنا قانونی اختیارات کا غلط استعمال اور درخواست کنندہ کے حق میں بے انصافی ہے کیونکہ وہ فریق مقدمہ نہیں تھا اور اس کے لئے اپنی بریت میں سید عطاء اللہ کی گواہی کے خلاف شہادت پیش کرنے کا کوئی موقعہ نہ تھا۔ عرضی ۱۸۲ کے ساتھ چیف سیکرٹری حکومت پنجاب کی طرف سے ایک بیان حلفی بھی تھا جس میں سیشن جج کے عائد کردہ الزامات کی تردید کی گئی ہے۔ اور صحیح واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ درخواست نمبر ۲۲۵ کے ساتھ بھی درخواست کنندہ کی طرف سے ایک بیان حلفی پیش کیا گیا ہے۔ جس میں زیر اعتراض ریمارکس کی تغلیط کی گئی ہے اور فیصلے کو اس تقریر سے بھی زیادہ اشتعال انگیز بتایا ہے جس کی بناء پر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف مقدمہ دائر کیا گیا تھا۔ (ترجمہ)

۳۷۵۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ (یکم مئی ۱۹۳۵ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۵۱-۱۵۲)

۳۷۶۔ فیصلہ ہائیکورٹ بمقدمہ سرکار بنام عطاء اللہ شاہ بخاری۔

۳۷۷۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ (یکم مئی ۱۹۳۵ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۶ء) صفحہ ۱۵۱-۱۵۲۔

۳۷۸۔ الفضل ۱۶/ جون ۱۹۳۹ء صفحہ ۳-۴ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۹/ جون ۱۹۳۹ء) ایضاً ۱۳/ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۵-۶۔ الفضل ۲۴/ نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۳۔

۳۷۹۔ الفضل ۲۴/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۰ کالم ۲۔

۳۸۰۔ اس افتراء پر لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے مگر قارئین ذرا حضرت غلام فرید رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب فوائد فریدیہ کے ترجمہ فیوضات فریدیہ کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ ایک شخص (حضرت) خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ مجھے اپنا مرید بنائیں فرمایا لا الہ الا اللہ چشتی رسول اللہ (صفحہ ۸۳ ناشر مکتبہ معین الادب ڈیرہ غازی خان)

۳۸۱۔ الفضل ۲۵/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

۳۸۲۔ الفضل ۵/ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۳۔

۳۸۳۔ اپریل ۱۹۳۵ء میں مسلمانان ہند کے مشہور زعماء کی طرف سے برادران ملت سے اس بارہ میں ایک اپیل بھی شائع کی گئی تھی جو الفضل ۶/ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ پر درج ہے۔

۳۸۴۔ یہ فقرہ جو خدا تعالیٰ کے خاص تصرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زبان مبارک سے نکلا آئندہ چل کر احمدیت کی صداقت کا زندہ و تابندہ نشان بن گیا۔ جیسا کہ آئندہ معلوم ہو گا۔ عجیب بات ہے کہ اس فقرہ میں دشمنوں کا لفظ تھا جس کے تحت احرار اور حکومت دونوں کے پاؤں کے نیچے سے زمین کا نکلنا مقدر تھا۔ سو احرار مسلمانوں کی نگاہ میں سخت ذلیل ہوئے اور حکومت انگریزی کا اقتدار اس برصغیر میں ختم ہو گیا اور ہندوستان کی سرزمین اس کے مقبوضات سے ہمیشہ کے لئے نکل گئی۔

۳۸۵۔ الفضل ۳۰/ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۵-۹۔

۳۸۶۔ الفضل ۴/ جون ۱۹۴۰ء صفحہ ۳ کالم ۱۔

۳۸۷۔ الفضل ۱۷/ جون ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴۔

۳۸۸۔ الفضل ۵/ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۳۔

۳۸۹۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۵ء لغایت ۳۰/ اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۵۳۔

۳۹۰۔ الفضل ۲۹/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۵۔

۳۹۱۔ الفضل ۱۸/ جون ۱۹۳۵ء صفحہ ۸ کالم ۱۔

۳۹۲۔ الفضل ۵/ جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ کالم ۱-۲۔

۳۹۳۔ الفضل ۷/ جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

۳۹۴۔ الفضل ۹/ جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

۳۹۵۔ الفضل ۱۰/ جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

۳۹۶۔ اس بد طینت کا نام حنیفا۔ اور اس کے والد کا نام چوہڑ شاہ تھا کہتے ہیں جس روز یہ واردات ہوئی ڈھائی بجے سے لے کر قوعہ کے

وقت تک اسے احراری مسجد خوجیاں کے قریب لاٹھی لئے ہوئے دیکھا گیا اور بعض نے اس کے منہ سے اس قسم کے فقرات بھی سنے کہ جس کا میں انتظار کر رہا تھا وہ نہیں گزرتا۔ آج میں مرجاؤں گا یا کسی کو ماردوں گا۔ اس کی مجھے انتظار ہے معلوم نہیں آج وہ کہاں چلا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ احراریوں نے وقوعہ کے بعد اسے ایک مکان میں رکھا جہاں اسے دودھ وغیرہ پلایا گیا اور رات کو وہ دینا نگر بھیج دیا گیا۔ تاوہاں کے کسی ذمہ دار آدمی سے جو احراریوں کا ہمدرد تھا گیا یہ کہلا دیا جائے کہ وقوعہ کے وقت وہ قادیان میں موجود ہی نہ تھا بلکہ دینا نگر میں تھا۔

ایک افواہ یہ بھی سنی گئی کہ اسے مصنوعی زخم لگا کر یہ صورت بنانے کی کوشش کی گئی کہ گویا اس پر حملہ کیا گیا ہے وقوعہ کے بعد رات کو ایک ذمہ دار افسر کو ایک مقامی پولیس افسر سے یہ کہتے سنا گیا کہ تم کن باتوں میں پڑے ہوئے ہو ضرورت اس بات کی ہے کہ احمدیوں کو گرفتار کیا جائے جہاں احمدیوں کا مجمع دیکھو۔ انہیں گرفتار کرلو۔ (الفضل ۱۱/ جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۱-۲)

۳۹۷۔ الفضل ۲۰/ جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۵-۶۔

۳۹۸۔ ڈاکٹر اقبال کے آخری دو سال (مولفہ ڈاکٹر عاشق حسین صاحب بٹالوی) صفحہ ۵۹۱ تا ۵۹۵۔

۳۹۹۔ الفضل ۱۱/ جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۔

۴۰۰۔ الفضل ۲۳/ جولائی ۱۹۳۵ء۔

۴۰۱۔ اخبار زمیندار نے ۶/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ کالم ۲-۳ کی اشاعت میں لکھا۔ ان مسلمانوں کو جو خالص اسلامی جذبہ سے سرشار ہو کر ۲۰ اور ۲۱ جولائی کو شہید ہوئے مردار اور حرام موت مرنے والے قرار دے چکنے کے بعد احراری مجاہد معرض وجود میں آیا ہے۔ دیکھئے یہ مجاہد کس کارزار میں اور کس مقصد کی خاطر جہاد کرتا ہے۔ (اخبار زمیندار ۶/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ کالم ۲-۳)

۴۰۲۔ اخبار زمیندار ۸/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۸ کالم ۱۔

۴۰۳۔ اخبار مجاہد لاہور ۷/ اگست ۱۹۳۵ء۔

۴۰۴۔ اخبار مجاہد ۱۰/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

۴۰۵۔ اخبار مجاہد ۷/ اگست ۱۹۳۵ء۔

۴۰۶۔ ایک خوفناک سازش۔ (از مظہر علی صاحب اظہر) صفحہ ۱۲۳-۱۲۷۔

۴۰۷۔ الفضل ۲/ فروری و ۵/ فروری ۱۹۳۷ء میں ان خطوط کے چربے چھپ چکے ہیں۔

۴۰۸۔ روزنامہ سیاست ۱۲/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۔

۴۰۹۔ بحوالہ روزنامہ زمیندار ۶/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ کالم ۱۔

۴۱۰۔ بندے ماترم ۱۳/ اکتوبر ۱۹۳۵ء۔

۴۱۱۔ ایڈیٹر انیس احمد عباسی۔

۴۱۲۔ روزنامہ حق لکھنؤ ۲/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۔

۴۱۳۔ تاریخ احرار صفحہ ۱۷۶۔

۴۱۴۔ تاریخ احرار صفحہ ۲۲۶۔

۴۱۵۔ ظفر علی خاں صفحہ ۱۹۸۔

۴۱۶۔ ایضاً صفحہ ۱۹۸-۱۹۹۔

۴۱۷۔ مولوی ظفر علی خان صاحب کی چمنستان اور نگارستان میں احرار کے خلاف متعدد نظمیں شائع شدہ ہیں جن میں سے ایک نظم جو نگارستان صفحہ ۲۳۱-۲۳۲ میں موجود اور خاص طور پر قابل ذکر ہے اس نظم کا عنوان ہے احرار کا جنازہ۔

۴۱۸۔ خوفناک سازش صفحہ ۱۹۵-۱۹۷ (مولفہ جناب مولوی مظہر علی صاحب اظہر)

۴۱۹۔ بحوالہ روزنامہ سیاست ۶/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۸۔

۴۲۰۔ روزنامہ سیاست لاہور ۶/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

۴۲۱۔ روزنامہ سیاست ۱۳/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ کالم ۱-۲۔

۴۲۲۔ بحوالہ روزنامہ زمیندار ۱۱/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۔
۴۲۳۔ اہلحدیث ۹/ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۵ کالم ۱۔
۴۲۴۔ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ۔
۴۲۵۔ مسلمانان ہند کی حیات سیاسی صفحہ ۱۶۹ تا ۱۷۳۔
۴۲۶۔ اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۵۹۵۔
۴۲۷۔ مارشل لاء سے مارشل لاء تک صفحہ ۱۷۰، ۱۷۱۔
۴۲۸۔ "ظفر علی خاں اور ان کا عہد" صفحہ ۲۳۵ (از ملک عنایت اللہ صاحب نسیم (علیگ) ناشر اسلامک پبلشنگ ہاؤس۔ ۲ شیش محل روڈ۔ نومبر ۱۹۸۲ء۔
۴۲۹۔ "سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری" صفحہ ۱۰۸ (خان حبیب الرحمٰن خان کابلی)
۴۳۰۔ تاریخ احرار صفحہ ۱۷۳ (از چودھری افضل حق صاحب)
۴۳۱۔ ایضاً صفحہ ۱۷۴۔
۴۳۲۔ "سید عطاء اللہ شاہ بخاری" صفحہ ۹۵ ایضاً صفحہ ۹۷-۹۸۔
۴۳۳۔ رسالہ نقوش (لاہور نمبر) صفحہ ۱۵۴۲ فروری ۱۹۶۲ء شائع کردہ ادارہ فروغ اردو لاہور۔
۴۳۴۔ اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۳۳۵ تا ۳۴۲۔
۴۳۵۔ الفضل ۱۲/ جولائی ۱۹۳۶ء صفحہ ۲۔
۴۳۶۔ اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۳۲۹۔
۴۳۷۔ تاریخ احرار صفحہ ۱۸۵۔
۴۳۸۔ اہلحدیث ۱۵/ جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۵ کالم ۳۔
۴۳۹۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا۔ "دوسری شکست احرار کو نمایاں طور پر یہ ملی کہ قادیان کے متعلق انہوں نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ ہم نے اسے فتح کر لیا ہے اور قادیان کے علاقہ میں احمدیوں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کی تردید کا بھی سامان مہیا کر دیا...... چنانچہ جب الیکشن کا نتیجہ نکلا تو بے شک اہل سنت والجماعت کا ایک نمائندہ (سید بدر محی الدین صاحبزادہ، سجادہ نشین بٹالہ۔ ناقل) کامیاب ہو گیا۔ مگر دوسرے نمبر پر احمدی نمائندہ تھا۔ تیسرے نمبر پر احراری (محمد خان۔ ناقل) اور چوتھے نمبر پر دوسرا سنی (میاں محمد سعید پنشنر پولیس۔ ناقل) اب اس نتیجہ کو احرار کہاں چھپا سکتے تھے۔ یہ پبلک کی آواز تھی جو ووٹوں کے ذریعہ ظاہر ہوئی اور اس نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ یہ کہنا کہ احمدیوں کو قادیان کے علاقہ میں کچل دیا گیا ہے بالکل بے معنی دعویٰ ہے۔ حقیقت اس میں کچھ نہیں۔ پس اس نتیجہ نے احرار کی آواز کو بالکل مدھم کر دیا۔ اس کے بعد قادیان کی فتح کا نقارہ بجتے کم از کم میں نے کبھی نہیں سنا۔ (الفضل ۲۴/ نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۲-۳)
۴۴۰۔ پنجاب اسمبلی کی رکنیت کے لئے حلقہ گڑھ شنکر کی طرف سے دو امیدوار تھے۔ چودھری افضل حق صاحب رکن رکین مجلس احرار اور رانا نصر اللہ خاں ہریانوی بی اے جن کی پشت پر مجلس اتحاد ملت کی تائید تھی۔ چودھری افضل حق صاحب کو اپنے حریف کے مقابلہ پر شکست فاش ہوئی۔ جس کا نقشہ مولوی ظفر علی خان صاحب کے چمنستان صفحہ ۹۷-۹۸ پر خوب کھینچا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔
۴۴۱۔ تاریخ احرار صفحہ ۱۸۶-۱۸۸۔
۴۴۲۔ تاریخ احرار صفحہ ۱۸۸۔
۴۴۳۔ ایضاً۔
۴۴۴۔ حال مدیر ہلال راولپنڈی۔
۴۴۵۔ "تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء" صفحہ ۴۲۰ تا ۴۲۲۔
۴۴۶۔ سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۷۶ مولفہ خان کابلی پبلشر ہندوستانی کتب خانہ۔ ۶۳/ ریلوے روڈ لاہور۔ طبع اول۔ جون

۱۹۴۰ء۔

۴۴۷۔ایضاً ۱۰۰۔

۴۴۸۔سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۱۶۳ مولفہ جناب شورش کاشمیری صاحب۔ مطبوعہ اردو پریس لاہور۔ طبع اول ستمبر ۱۹۵۶ء۔

۴۴۹۔ آپ نے چٹان ۲۵/ مارچ ۱۹۶۳ء میں احرار کی نسبت یہ لکھا ہے کہ "واقعہ یہ ہے کہ مجلس احرار بہ لحاظ جماعت تاریخ کے حوالے ہو چکی ہے اب اس کا ذہنی وجود تو بعض روایتوں اور حکایتوں کی وجہ سے ملک کے عوامی دماغ میں موجود ہے لیکن (۱) نہ اس کی کوئی تنظیم ہے۔ (۲) نہ اس کا مربوط شیرازہ ہے۔ (۳) نہ اس فضا میں اڑنے کے لئے اس کے پاس بال و پر ہیں"۔

۴۵۰۔ چودھری افضل حق صاحب نے اخبار مجاہد ۱۵/ اگست ۱۹۳۵ء میں لکھا تھا۔ "جس قدر روپے...... آج قادیان خرچ کر رہا ہے اور جو عظیم الشان دماغ اس کی پشت پر ہے وہ بڑی سے بڑی سلطنت کو پل بھر میں درہم برہم کرنے کے لئے کافی تھا"۔

تاریخ احمدیت جلد ھذا کے متعلق دو آراء

Sheikh Muhammad Ahmad Mazhar
B. A. (Hons.) LL. B.
ADVOCATE HIGH COURT
WEST PAKISTAN

LYALLPUR

DATED 6. 8. 67

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی مکرمی دوست محمد صاحب - السلام علیکم مجھے چھٹیاں بسر کرنے کے لئے
میں یہاں لاہور اپنے بیٹے کے پاس ہوں۔ ان
دنوں تاریخ احمدیت کے بالاستیعاب دیکھنے
کا موقع ملا۔ آپ نے بے انتہا محنت کی ہے
اور ترتیب واقعات میں بڑی احتیاط کی ہے
اور کوشش کی ہے۔ اتنا کثیر مواد آپ نے
کتاب میں سمو دیا ہے کہ دل سے
دعا نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو
جزائے خیر دے۔

کشتی نوح کا فارسی میں ترجمہ شوکت سہیل
صاحب نے کیا تھا۔ آپ نے کہیں سے حل لکھی ہے
آپ کی کتاب میں اس کا ذکر ہے۔ مخدوم
صدر الدین صاحب سے دریافت فرمائیں

ملکانہ تحریک کے مضمون میں ایک بات تشنۂ تکمیل رہ گئی ہے
یعنی حضرت مرزا غلام رسول صاحب مرحوم پر موضع
اسیار (جو کہ غلطی سے انسیار چھپ گیا ہے) میں
حملہ — یہ واقعہ تفصیل طلب تھا — خاکسار
نے ایک مضمون اسی پر لکھا تھا — [illegible]
جو الفضل میں چھپ چکا ہے — یعنی حضرت
مرزا غلام رسول صاحب کی وفات پر میں نے
وہ مضمون لکھا تھا — ممکن ہو تو وہ بھی
الفضل سے مل جائیگا — آئندہ
یہ واقعہ اسیار تفصیل سے درج ہونا
ضروری ہے — الفضل میں تلاش یوں
کریں کہ صوفی شیخ رب الرحمٰن صاحب
حضرت مرزا غلام رسول صاحب کی وفات کا سال
پوچھ کر اس سال کے الفضل میں

وہ مضمون ملا ہے ۔ ۲/۱ ۔ عاجز کا ۔ اسی پر ۔ خاکسار [illegible]

سے واقعہ اسیار ایک واقعہ ملکانہ تحریک کا درج طلب — یعنی ۱۹۲۳ء انکار شدھی — اس کی تفصیل عرض [illegible] جا رہا

بسم اللہ الرحمن الرحیم - نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

Abdul Hamid
B-65, HUSAIN D'SILVA TOWN
BLOCK "P"
KARACHI-38
(W. Pakistan)

1st March 1967

مکرمی و محترمی مولوی صاحب - السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

تاریخ احمدیت لکھ کر جماعت پر بڑا احسان کیا ہے جزاکم اللہ
جلد ہفتم میں نے ابھی ختم کی ہے - جماعت کی کامیابیوں اور ناکامیوں
کا مرقع ہے - بڑا مواد جمع کیا ہے - مخالف سے مخالف
بھی اسکو پڑھکر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا - احمدیوں
کی تاریخ پیدائش سے ~~[illegible]~~ وفات تک سارا لٹریچر ایک
جگہ جمع کر دیا ہے - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکفرین
کا انجام کیسا عبرتناک ہوتا ہے - اور حضرت خلیفۃ المسیح
الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا اولوالعزم ہونا ثابت ہوتا ہے
ہم احمدیوں خصوصاً نوجوانوں کو تاریخ احمدیت کی ساری
جلدیں پڑھنی چاہئیں تا ان کو معلوم ہو کہ جماعت کن
مصائب اور مشکلات میں سے گذر کر اس عروج پر پہنچی ہے
میں نے کراچی جا کر تاریخ احمدیت جلد اول سے جلد پنجم تک
خریدنی شروع کیں - اتنے میں جلد ہفتم عزیزم نعیم
نے بھیجدی - نیز تاریخ احمدیت لاہور مولفہ حضرت
مولانا عبدالقادر صاحب مرحوم بھی بھیجی - شکریہ

ختم کیا ہے اب ارشاد السالکین جلد ششم پڑھنا
شروع کروں گا ۔

تاریخ اہلحدیث پڑھنے کے ساتھ ساتھ تو خصوصاً
آپ کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے اللہ تعالیٰ
آپ کو نیک کام کرنے والی لمبی عمر عطا فرمائے ۔

مولوی عبدالغفار صاحب کی وفات سے جو خلا
پیدا ہوا ہے ۔ اس کا پُر ہونا محال نظر آتا ہے
اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے

سنتے ہیں کہ پنڈی میں مولوی ملک صلاح الدین صاحب ایم ۔ اے
کو بھی منڈی میں جمعیت نے بھیجا ہے ۔ مکرم ملک صاحب بھی
بہت اچھا کام کر رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کے حوصلے
دو چند کرے

میرا لکھا ہوا مسودہ مجھے ایک عرصہ دکھایا گیا
جو میں نے مکرم ملک صاحب یا مکرم مولوی صاحب (الحدیث) کو
بھیجا تھا ۔ کیا یہ شائع کرنے کے لئے انکو دیا گیا ہے

مکرم مولوی محمد صادق صاحب سیالکوٹی سے السلام علیکم
عرض کر دینا

میں یہاں ستمبر ۱۹۶۶ء سے آیا ہوا ہوں اور یہاں آ کر
صحت بہت اچھی ہو گئی ہے ۔ تقریباً چار سیر وزن
بڑھ گیا ہے ۔ الحمد للہ

والسلام
خاکسار عبدالمجید
(ریکارڈ آفیسر)

کبھی کبھی گھبرا جاتا ہوں ۔ تو مشورہ طلب ہیں

چند سال مکرم مفتی مولانا محمد حسن صاحب شاہد ۔
زندہ

اشاریہ جلد۶

(مرتبہ : ریاض محمود باجوہ شاہد)

اسماء ۱

مقامات ۱۵

کتابیات ۱۹

اسماء

آ۔ ا

آریہ منی' پنڈت ۲۴۶
آغا خاں' سر ۳۲' ۱۱۶' ۱۹۶' ۲۰۳' ۲۰۵
ابراہیم' السید۔ قاہرہ ۱۹۱
ابراہیم' حاجی۔ نیروبی ۲۳۸
ابراہیم سیمفوما' حاجی ۲۶۸
ابراہیم گاردی۔ پانی پت ۵۱۶
ابوالاعلیٰ مودودی ۵۴۲
ابوالبشارت عبدالغفور' مولانا
۱۴۱، ۱۴۳، ۲۸۰، ۲۸۲
ابوالحسن قدسی' سید ۲۹۵
ابوالعطاء جالندھری' مولانا
۸۹، ۹۱' ۱۳۲' ۱۳۸' ۱۹۱' ۱۹۲' ۲۷۹' ۳۰۰
ابوالقاسم خاں۔ ایرانی سیاح ۲۷۷
ابوالکلام آزاد ۲۰۴، ۳۲۷، ۳۳۳، ۳۳۵،
۳۳۷، ۳۴۲ تا ۳۴۴، ۳۴۸، ۵۳۶، ۵۴۱، ۵۴۲
ابواللیث صدیقی' ڈاکٹر ۵۳۱
ابوالوفا شاہ جہانپوری ۲۹۲
ابوالہاشم خاں' چوہدری ۲۰، ۲۱، ۱۴۷، ۲۹۱
ابوبکر' مرزا ۳۱۹
ابوبکر سماٹری' مولوی ۱۳۶' ۱۳۷' ۲۷۹
ابوبکر صدیقؓ ۳۰۶' ۳۷۳
ابوطاہر' حکیم۔ امیر بنگال ۲۱' ۱۶۰
ابوطالب عیدی ساندھی ۲۵۶، ۲۶۷
ابوظفر نازش رضوی' سید ۲۰۷
اجمل خاں' حکیم ۴۱۰
اجیت سنگھ ۲۴۶
اچھوتھان ۱۵۱
احسان اللہ خاں تاجور
۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۷، ۲۰۹
احسان الٰہی' ڈاکٹر ۲۹۰
احسان الٰہی جنجوعہ ۲۵۶
احمد (غیراز جماعت جو مباہلہ سے مرا) ۱۳۶
احمد' بابو۔ افریقہ ۲۴۱
احمد' خواجہ۔ افریقہ ۲۳۹، ۲۴۱
احمد آفندی محمودی ذہنی ۱۹۱
احمد الحداد' سید۔ نیروبی ۲۴۸
احمد الدین گکھڑوی' حافظ
۹۲ تا ۹۴، ۱۴۱، ۲۸۵
احمد امبوکا ۲۶۸
احمد اوکاش' شیخ ۲۶۸
احمد بیگ' مرزا۔ انکم ٹیکس آفیسر ۸۶، ۱۴۷
احمد بیگ' مرزا۔ ہوشیار پور ۹۴
احمد جان' بابو۔ کوئٹہ ۱۴۷
احمد حسن' ملک ۲۶۳
احمد حسین' ملک ۲۴۳' ۲۴۵' ۳۰۸
احمد خاں نسیم' مولانا ۸۲، ۹۳
احمد دین، ڈاکٹر بھائی ۲۴۳، ۲۴۴
احمد دین' منشی۔ گوجرانوالہ ۳۰۰
احمد دین قصاب' سیٹھ ۲۳۹ تا ۲۴۱' ۲۴۳
احمد رضا خاں بریلوی ۳۰۶
احمد سانسہ۔ معلم ۲۶۸
احمد سورکاتی۔ انڈونیشیا ۱۳۶
احمد شجاع' خان حکیم ۳۰۷
احمد صالح۔ افریقہ ۲۵۱
احمد علی' سید ۹۳
احمد علی' مولوی۔ لاہور ۴۲۰، ۴۳۰
احمد قصاب' شیخ۔ فلسطین ۸۹
احمد مثاک' شیخ ۲۶۸
احمد متودو' معلم ۲۶۸
احمد مسیح' پادری ۵۴۶
احمد نور کابلی' سید ۴۵۰
احمد یار خاں دولتانہ ۳۰۷
ادریس احمد' مرزا ۲۷۷
ادوائیں نند شانت یوگانند ۳۷۶

ارتضیٰ علی، سید۔ لکھنو ۱۶۰
ارجمند خاں، مولوی ۸۱، ۸۲
ارجن سنگھ عاجز ۳۵۱
اروِن، لارڈ ۳۳۶
اسد اللہ خاں، چوہدری ۴۰، ۵۴، ۱۱۲، ۴۸۶، ۴۹۵
اسماعیل آدم، سیٹھ ۹۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۳
اسماعیل حسینی۔ کینیا ۲۶۸
اشتیاق احمد چشتی ۱۲۵
اشرف علی تھانوی ۱۳، ۲۳۰
اشفاق حسین مختار ۲، ۲۸۹
اعجاز احمد، شیخ ۱۴۷، ۲۸۷
اعجاز حسین، بابو، دہلی ۱۶۰
اعظم بیگ، مرزا۔ قادیان ۱۱۲
اعظم علی، چوہدری ۱۳۳
افتخار احمد لدھیانوی، پیر ۲۶
افضل حق، چوہدری۔ مفکر احرار ۸، ۳۲۷، ۳۲۹، ۳۳۵، ۳۳۷ تا ۳۳۹، ۳۴۹، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۵، ۳۷۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۹۹، ۴۰۱، ۴۰۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۲۳ تا ۵۲۸، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۳، ۵۵۴، ۵۵۸، ۵۵۹
افضل خاں، اخوند۔ ڈیرہ غازیخاں ۱۶۳
اکبر حیدری، سر ۱۲۸
اکبر علی۔ دہلی ۲۹۰
اکبر علی، بھائی۔ ممباسہ ۲۴۳
اکبر علی، پیر ۶۲، ۴۸۰، ۴۹۵
اکرام قمر ایم۔ اے ۵۲۸
اکرم بیگ مرزا۔ قادیان ۱۱۱، ۱۱۲
الانستاس الکرملی ۸۹
الزبتھ بکسلے ۲۷۳
الطاف حسین حالی ۱۱۸
اللہ بخش، سیٹھ ۱۰۶
اللہ بخش ٹوانہ، نواب ۳۰۷
اللہ بخش ضیاء ۲۷۷
اللہ جوائی ۱۶۳
اللہ داد خاں، بابو۔ لاہور ۲۴۱
اللہ دتا زرگر، میاں۔ جہلم ۲۴۱
اللہ دتا، چوہدری۔ فیصل آباد ۳۰۳
اللہ رکھا ساغر ۳۵۷
اللہ ودایا۔ گکھڑ ۴۹۱
الٰہی بخش، حافظ۔ سیالکوٹ ۲۳۹
الٰہی بخش۔ غیر از جماعت مولوی۔ احمد پور شرقیہ ۳۶، ۴۸
الٰہی بخش گورایہ ۲۸۸
امام الدین فیض، ابو الکمل مولانا ۱۴۳
امام بخش صہبائی، مولانا ۵۳۳
امبیدکر، ڈاکٹر ۶۷، ۶۸، ۳۰۲
امۃ الحی، سیدہ ۱۰۷، ۱۰۸
امۃ الرؤف صاحبہ ۲۷۷
امۃ القدوس صاحبہ ۲۷۷
امۃ القیوم، سیدہ ۹۵
امۃ اللہ بیگم اہلیہ کیپٹن محمد اسلم ۳۰۸
امۃ النصیر بنت حضرت مصلح موعود ۱۰۹ تا ۱۱۱
امری عبیدی، شیخ ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۶۱، ۳۱۲
ام طاہر، سیدہ (مریم بیگم) ۳۷۵
امیر احمد، مرزا۔ حیدرآباد سندھ ۴۹۰
امیر خاں، منشی ۲۴۱
امیر مینائی ۱۱۸
ام ناصر (محمودہ بیگم) ۲۲، ۱۸۵، ۱۹۲
انز، مسٹر۔ ڈپٹی کمشنر ۴۸۲
انصاری، ڈاکٹر۔ دیکھئے مختار احمد انصاری
انور شاہ کشمیری ۳۷۰، ۴۱۹
انیس احمد عباسی ۲۰۷
اوبرائن، مسٹر ۳۹۲
اوصاف علی خاں، کرنل ۱۶۰
اہلیہ سید بشارت احمد صاحب آف حیدر آباد دکن ۲۹۸
اہلیہ چوہدری فتح محمد سیال ۲۳۳
اہلیہ محمد سعید عرب ۲۳۳
اہلیہ نواب محمد دین ۲۳۳
ایبٹس، سر ۳۹۱
ایڈورڈ میکلیگن، سر ۲۹۸
ایس۔ ایم عبداللہ خاں ۱۲۵
ایس۔ کے جمال۔ جوزبرگ ۲۷۲
ایس۔ کے دتا، ڈاکٹر ۱۴۹، ۱۸۲
اے۔ کے گراہم ۲۷۱
ایلڈر، پادری ۱۳۸
ایمرسن، سر ۳۹۶، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۲۸، ۴۲۹، ۵۰۴
ایوب، حاجی۔ نیروبی ۲۳۸
ایوب، حاجی۔ یوگنڈا ۲۶۸

ب۔ پ

بٹلر، مسٹر ۴۸۲
بدرالدین، ڈاکٹر ۱۴۷، ۲۴۳

بدرالدین بیرسٹر، مرزا ٢٥١
بدرمحی الدین، صاحبزادہ سیدہ ٥٥٨
بدرو، پرنس۔ نیروبی ٢٥٠
بڈھامل، لالہ ٥٤٨
برخوردار، حاجی۔ مڈھ رانجھا ٤٩٢
برکات انیس، قاضی ٣٠٠
برکت علی، پیر۔ رمل ٢٣٨، ٢٤١
برکت علی، مرزا ٩٠
برکت علی، ملک ٣٤، ٥٢٤
برکت علی خاں، منشی۔ دہلی ٢٢، ٢٩٠
برکت علی فائق۔ لدھیانہ ١٤٧
برکت علی قریشی ایم۔اے، ڈاکٹر
١٤٩، ١٨٠
بسواس، آر۔ایل ٦٧
بشارت احمد، مولوی سید ١٠١، ٢٨٠
بشیر احمد، حافظ ٨٢
بشیر احمد ایڈووکیٹ، شیخ ١١٢، ٤٢٠،
٤٨٦، ٤٩٥، ٤٩٩، ٥٥٥
بشیر احمد ایم۔اے، صاحبزادہ مرزا ٢٦
٨٦، ٨٧، ٩٥، ٩٩، ١٠٠، ١١٢، ١٥٤، ١٧٤
١٧٥، ١٨٥، ١٨٩، ٢٧٨، ٢٨٠، ٣٠٥، ٤٩٣
بشیر احمد جالندھری، حافظ ١٤٧
بشیر احمد صادق، چوہدری ١١٢
بشیر الدین عبیداللہ، حافظ ٢٥٦، ٢٦٣
بشیر الدین محمود احمد، صاحبزادہ مرزا
صفحہ ١ تا آخر
بشیر اوینڈو، معلم ٢٦٨
بلی گراہم، ڈاکٹر ٢٦٤ تا ٢٦٧، ٣١٣
بولٹن، مسٹر۔ ٹبورا ٢٥٣

بہادر شاہ ظفر تاجدار دہلی
٣١٨، ٣٢٠، ٣٢١، ٥٣٢، ٥٣٣
بہاول شاہ، سید ٢٩٠
بیٹ، مسٹر ٤٩٩
بیکشا، مسٹر۔ ٹبورا ٢٤٩
بھگت سنگھ، سردار ٣٤٢
بھولا بھائی ڈیسائی ٣٣٢
بھولا ٹھیکیدار، میاں ٢٤٠، ٢٤١
بھیم سین، لالہ ١٤٩، ١٨١، ٣٤٢
پٹیل، سردار ٣٤٢
پیتھک لارنس ٢٩٨
پیر بخش۔ کوٹلی گجرات ١٣٦

ت۔ٹ۔ث۔ج

تاج الدین، ماسٹر ٣٤٢
تاج محمد، شیخ ١٢٩
تاج محمد خاں۔ نوشہرہ ١٦٠
تمیز الدین، مولوی ٩٣
تیج بہادر سپرو، سر ٤٩٥
ٹھاکر داس ایم۔اے، پادری ٩٢
ثناء اللہ۔ فیصل آباد ٣٠٤
ثناء اللہ امرتسری ١١، ١٣، ١٥، ٩٢، ٩٣،
١٤٣، ٢٨٠، ٢٨١، ٢٨٦، ٣٦٠،
٣٦٩ تا ٣٧١، ٤٦٥، ٤٩٤، ٥١٩، ٥٢٦،
٥٢٧، ٥٣٦، ٥٤٣، ٥٥١، ٥٥٥
جارج پنجم ٣٨٧، ٥٤٤
جافرے، سر ٣٦١
جان ڈگلس ینگ ١٥٦
جان لارنس، سر ٥٣٣، ٥٣٤

جان محمد آف حصار ٧٠
جان محمد۔ گجرات ٢٤١
جبرائیل مارٹن ٢٧٩
جعفر، میر ٥١٦
جعفر علی خاں، نواب ٨٧
جلال الدین، مولوی۔ کھر یپڑ ٢٣٢
جلال الدین پٹواری ٢٩٩
جلال الدین شمس ٢٦، ٣٨، ٤٠، ٤٢،
٤٤ تا ٤٧، ٥٣، ٥٤، ٩٠، ٩٤، ١٣٨،
١٤٢، ١٥٤، ١٦٨، ٢٨٢، ٢٨٦، ٢٩٧
جلال الدین قمر ٢٥٥، ٢٥٧، ٢٦١، ٣١٢
جلال لکھنوی ١١٨
جمادا، حاجی۔ معلم ٢٦٨
جماعت علی شاہ، پیر ١٧٠
جمعہ خاں برادر مولانا عبدالستار خاں ٢٩٦
جمیل الرحمان رفیق، ملک ٢٥٦
جندوڈی، مسماۃ ٣٦
جواہر زرگر، میاں۔ جہلم ٢٤٠، ٢٤١
جواہر لال، لالہ ٤٨٥
جواہر لال نہرو ٣٢، ١٢٦، ٣٣٠، ٣٣٢،
٣٣٨، ٣٣٩، ٣٤٢، ٣٤٤، ٣٤٦، ٤٠٨
جوڑا، بابا ٣٠٤
جولیس نیریرے ٢٥٩
جوموکنیاٹا۔ صدر کینیا ٢٥٨
جے۔ایم شری انگیش ٤٥٤
جے ڈی کھوسلہ ٤٩٥
جے سلیمان، ڈاکٹر ٢٧٩
جیک فیڈلسان ٣١٣
چارلس اینچسن، سر ٥٤٣

چاند نرائن، ڈاکٹر ۵۵۲
چاولہ، مسٹر ۹۵
چراغ حسن حسرت ۳۶۱، ۳۶۶، ۵۴۰
چراغ دین، مولوی ۲۸۳
چرنجی لال پریم، پنڈت ۱۴۱، ۲۸۶
چکر وفتو ۹۰
چندو، ڈاکٹر ۱۵۱

ح۔خ

حامد علی، شیخ۔تھہ غلام نبی ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۴۲
حبیب، سید ۲۰۲، ۲۰۷، ۲۱۰، ۲۱۱،
۳۴۹، ۳۵۶، ۳۵۷، ۴۰۵، ۵۱۶، ۵۴۹
حبیب الرحمٰن، ملک ۵۵۲
حبیب الرحمان لدھیانوی ۳۲۹، ۳۳۵،
۳۳۸، ۳۴۰ تا ۳۴۲، ۳۴۵، ۳۵۵، ۳۷۸، ۴۰۴، ۴۱۸،
۴۱۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۶۵، ۴۶۷، ۴۷۰، ۵۰۷، ۵۱۵،
۵۱۶، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۵۴، ۵۵۵
حبیب اللہ، امیر۔افغانستان ۳۸۵
حبیب اللہ خاں، ڈاکٹر ۲۴۴
حبیب اللہ شاہ، میجر سید ۳۷۵
خبیب نور ۳۴۲
حسام الدین بی۔اے، شیخ ۳۲۹،
۳۴۲، ۵۱۶، ۵۲۸
حسانی، معلم ۲۶۸
حسن اختر، راجہ۔حصار ۷۲
حسن الدین، مولوی ۹۳
حسن بندوم ۱۳۶
حسن دین۔لاہور ۲۴۱
حسن محمد، بابا ۱۴۷
حسن نظامی، خواجہ ۱۲۵، ۱۲۶، ۲۰۷،
۳۲۲، ۳۵۶، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۴، ۵۴۹
حسن وڈینین۔کینیا ۲۶۸
حسین احمد مدنی ۳۳۳، ۳۴۳، ۵۳۱
حشمت اللہ، ڈاکٹر ۱۰۷، ۱۶۴، ۲۹۰، ۲۹۱
حشمت اللہ، میاں۔فیصل آباد ۳۰۳
حفیظ ملک۔واشنگٹن ۲۷۵
حمزائی، مسٹر۔حصار ۷۲
حمید الدین، منشی ۲۹۹
حمیدی بیانا، معلم۔تنزانیہ ۲۶۸
حمیدی۔معلم۔کینیا ۲۶۸
حنیفا ولد چوہڑ شاہ۔قادیان ۵۵۶
حنیف احمد، مرزا ۸۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۷۶
خادم حسین خادم بھیروی ۹۱، ۱۳۴، ۱۴۱
خاقان بابر ۳۴۲
خالد غزنوی ۲۶۴
خالد لطیف گابا ۴۰۰
خان یوسف زئی، ڈاکٹر حاجی ۲۹۱
خضر حیات ٹوانہ، ملک ۳۰۷
خضر سلطان، مرزا ۳۱۹
خلیفہ بن جاروب ۹۰
خلیل الرحمان بنگالی، چوہدری ۱۳۳
خلیل احمد مونگھیری، حکیم ۱۷۶، ۱۷۷
خمیسی جمعہ۔معلم ۲۶۸
خوشحال چند، لالہ ۹۷
خوشی محمد ولد نبی بخش ۵۰۰

د۔ڈ۔ذ

داغ دہلوی ۱۱۸
داؤد احمد غزنوی سید
۳۳۵، ۳۴۲، ۳۵۶، ۳۸۸
داؤد علی۔معلم ۲۶۸
دوست محمد جہلمی، بھائی ۲۴۳
دولت رام، لالہ ۱۴، ۲۴۶
دولت علی نوشاہی۔گجرات ۲۴۱
دل محمد، مولوی ۱۴۰، ۱۴۲، ۲۸۱
دھنپت رائے، لالہ ۳۴۸
دیانند، پنڈت سوامی ۳۴۹
دیندار خاں ۲۹۶
دین محمد، جسٹس شیخ ۳۰۷
دین محمد، میاں۔گوجرانوالہ ۲۴۰
ڈگلس، کپتان ۵۳۲
ڈینی سن راس، سر ۲۹۸
ذکاء اللہ خاں، شمس العلماء مولوی
۳۲۱، ۵۳۳

ر۔ز

رامزے، ڈاکٹر ۲۷۱، ۲۷۲
رامزے میکڈانلڈ ۳۷۵
رام گوپال جی شاستری ۳۴۸
رتن ناتھ سرشار ۱۱۸
رجب اکیلو ۲۶۸
رحمت اللہ، قاضی ۳۰۰
رحمت اللہ شاکر ۱۸۶، ۲۱۱
رحمت علی، ڈاکٹر۔رنمل ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۱
رحمت علی، مولوی ۹۰، ۱۳۱، ۱۳۷
رحیم بخش ۲۳۸
رحیم بخش، خاں بہادر حاجی

۳۰۷، ۳۸۷، ۴۰۰
رحیم بخش مستری ۲۴۱
رستم علی، بابو۔ جالندھر ۲۴۰
رسول شاہ کلیانی، سید ۱۹۰، ۴۹۱
رشید احمد خاں، خان ۱۲۵
رشید احمد سرور، مولوی ۲۵۶
رشیدی صالح معلم ۲۶۸
رشیدی کواوا ۲۵۹
رشیدی مسہ، شیخ ۲۶۸
رفیع احمد، مرزا ۱۰۹، ۱۱۰
رفیع الدین، شاہ ۲۳۰
رفیع الدین احمد، سر ۲۹۸
رمضان علی، منشی۔ قادیان ۲۹۹
رنجیت سنگھ، مہاراجہ ۵۶
روشن علی، حافظ ۲۳۸
رئیس احمد جعفری، سید ۲۸۹، ۳۷۲
ریبن سٹیفنز وائز ۱۱۸
زکریا کزیبو بلوڈے ۲۶۸
زیدی، حاجی ۲۶۸
زین العابدین ولی اللہ شاہ، سید
۳۵، ۱۶۰، ۱۶۴، ۲۸۴، ۲۹۱

س۔ش

سارہ بیگم، حضرت ۸۷، ۱۰۶تا۱۱۰، ۱۳۴
ستیہ پال، ڈاکٹر ۵۰۹
ستیہ دیو، سوامی ۳۳۱
سٹیوارٹ سنڈیمین، سر ۱۰۲، ۱۰۵
سراج الدین لاہوری ۱۶۸
سردار بیگم والدہ مرزا اکرم بیگ ۱۱۱، ۱۱۲
سردار محمد ۸۸
سروجنی نائیڈو ۲۰۴
سعید احمد، مرزا
۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۱تا۱۹۳، ۲۷۷
سعید احمد، مولوی سید ۹۳، ۱۴۱
سعید علی، معلم ۲۶۸
سکندر حیات خان، سر
۸، ۹۷، ۳۸۷، ۳۹۸، ۳۹۹،
۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۲۹، ۵۲۶، ۵۲۷
سکھ آنند، دیوان ۴۹۳، ۵۵۵
سلطان احمد۔ گکھڑ ۴۹۱
سلطان احمد، صاحبزادہ مرزا ۱۹۰، ۲۸۷
سلطان حامد، حافظ ۸۶
سلطان علی، ڈاکٹر۔ گجرات ۲۳۸
سلطان علی شاہ، بابو ۲۴۱
سلطان محمد پال ۹۲
سلیمان منزومبا ۲۶۸
سلیم ایڈووکیٹ۔ لاہور ۴۹۵
سمپورنانند، سوامی ۳۳۱
سمن فریزر ۵۳۲
سندرا آئر ۱۵۱
سی۔ آر۔ داس ۳۸۰
سید احمد ۸۲
سید احمد خاں، سر ۱۱۸، ۳۲۲، ۵۳۳
سید محمد ۲۴۱
سیدہ بیگم (حضرت نانی اماں) ۸۵
سیف الدین طاہر، ملا ۹۲، ۲۹۸
سیف الدین کچلو ۵۲۸
سیف الرحمان، ملک ۴۶۵
سیف الرحمان، مولانا ۵۵۱
سیفی کاشمیری ۴۰۳
سیموئیل ہور، سر ۶۷، ۱۹۵، ۲۰۱، ۲۰۴
شادی لال، سر ۱۵۶
شانتی پرکاش، پنڈت ۲۸۲
شاہ عالم بادشاہ غازی ۵۳۲
شجاع الدین، خلیفہ ۵۲۴
شردھانند، سوامی
۲۸۹، ۳۳۰، ۳۴۸، ۴۱۰، ۴۱۱
شرف دین۔ گجرات ۱۳۶
شریف احمد، صاحبزادہ مرزا ۶۴، ۹۵،
۱۲۶، ۱۸۵، ۱۸۹، ۲۷۹، ۴۴۹، ۴۵۴تا۴۵۹
۴۹۳، ۴۹۵، ۵۵۰تا۵۰۳، ۵۵۰، ۵۵۵
شعبان سیف۔ معلم ۲۶۸
شعبانی کرونڈے، شیخ ۲۶۸
شفاعت احمد خاں، ڈاکٹر
۱۱۶، ۱۲۶، ۱۹۹، ۲۰۱
شفیع احمد، ڈاکٹر ۱۲۵
شمس الدین، حکیم خواجہ ۷۹
شمس الدین خاں، بابو ۱۴۷
شمس الدین ہزاروی ۳۸۳
شمس الہدیٰ۔ مونگھیر ۱۷۷
شمشاد علی خاں، چوہدری ۸۶
شمیم حسن۔ وزیرآباد ۴۹۰
شوخ ۴۶۴
شوکت علی، مولانا ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۸۹
شوکت علی فہمی، مفتی ۱۲۵
شورش کاشمیری، آغا ۳۴۱، ۳۴۴،
۳۷۱، ۵۱۲، ۵۲۳، ۵۳۰، ۵۳۵، ۵۴۰

شہاب الدین، چوہدری سر ۳۱، ۹۷
شیام پرشاد مکرجی ۵۲۹
شیر علی، مولانا ۲۶، ۹۹، ۱۰۶
شیر محمد بٹ، بھائی ۲۴۳، ۲۴۴

ص۔ض

صابر ملتانی، ڈاکٹر ۳۸۳
صادق، میر ۵۱۶
صادق امباسو ۲۶۸
صالح، شیخ ۲۵۳، ۲۵۷، ۳۱۱
صالح حیدری ۱۲۵
صالح علی، مرزا ۲۸۹
صالح مبروک ۲۶۸
صالح محمد، مولوی ۸۲
صدیق حسن خاں، نواب مولوی ۳۲۴
صلاح الدین احمد، مولانا ۲۰۷، ۲۱۲
صلاح الدین ایم۔اے، ملک قادیان
۱۴۷، ۳۰۷
ضیاء الحق، سید ۲۸۶
ضیاء الدین، ایڈیٹر الخلیل ۱۲۵
ضیاء الدین احمد، ڈاکٹر ۱۲۵
ضیاء الدین گنائی، خواجہ ۳۱۳
ضیاء اللہ، میر ۲۵۵، ۳۱۱
ضیاء اللہ بیگ، مرزا ۲۸۷

ط۔ظ

ظفر احمد، مرزا ۱۲۱، ۱۹۲، ۱۹۳
ظفر علی، سر مرزا ۴۹۷
ظفر علی خاں ۳، ۱۳، ۹۲، ۱۷۰، ۱۹۸ تا ۲۰۰، ۲۴۵، ۳۰۹، ۳۳۵، ۳۴۵، ۳۵۲،
۳۷۶ تا ۳۷۸، ۳۸۶، ۳۸۷، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۲۰، ۴۳۰، ۴۶۸، ۴۷۰، ۵۰۷، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۶، ۵۲۳، ۵۲۷، ۵۳۸ تا ۵۴۰، ۵۴۴، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۹، ۵۵۸
ظفر محمد ظفر، مولوی ۵۵۰
ظل الرحمان بنگالی ۱۴۰
ظہور احمد، چوہدری ۴۵۴، ۴۵۰، ۴۵۵
ظہور الحسن، مولانا ۸۲
ظہور حسین، مولوی ۲۹۱
ظہیر دہلوی ۳۲۱، ۵۳۱، ۵۳۲

ع۔غ

عاشق حسین بٹالوی
۳۰۷، ۳۸۰، ۴۰۰، ۴۰۱، ۵۲۲، ۵۲۴
عاشق حسین سیماب اکبرآبادی
۲۰۷، ۲۱۰، ۲۱۲
عالم شیر ۲۴۱
عائشہ زوجہ غلام رسول افغان ۲۹۶
عبدالاحد ۳۷۴
عبدالاحد، مولوی ۴۰، ۹۱، ۹۳، ۱۴۱
عبدالباسط، سید ۲۲۹
عبدالباقی، مولوی ۱۷۶
عبدالحق، پادری ۹۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۹۷
عبدالحق، ڈاکٹر ۱۳۵
عبدالحق، مولوی ۱۴۰
عبدالحق ایڈووکیٹ، مرزا
۳۵، ۱۳۳، ۴۲۰، ۴۸۶، ۴۹۵، ۴۹۹
عبدالحکیم، خان بہادر حافظ ۱۲۵
عبدالحکیم، خلیفہ ۳۸۳
عبدالحکیم جان۔ نیا سالینڈ ۸۹
عبدالحکیم جان، ٹھورا ۳۱۰
عبدالحمید، بابو ۱۴۱
عبدالحمید ثانی، سلطان ۳۲۵
عبدالخالق، مولوی ۲۵۶
عبدالرب، شیخ۔ نومسلم ۳۰۳
عبدالرحمان، امیر۔ افغانستان ۳۸۵
عبدالرحمان، بابو۔ انبالہ ۱۳۵
عبدالرحمان، بابو۔ لاہور ۲۴۲
عبدالرحمان، قاضی۔ دوالمیال ۱۴۷
عبدالرحمٰن، مرزا ۸۲
عبدالرحمٰن، ملک۔ قصور ۱۶۰
عبدالرحمٰن انور ۱۴۷، ۳۰۴، ۳۰۵
عبدالرحمان بی۔اے بی ٹی، ماسٹر ۱۶۳
عبدالرحمٰن پشاوری ۸۳
عبدالرحمان جٹ، مولانا ۱۳۵، ۲۹۰، ۳۰۴
عبدالرحمان چغتائی، مرزا ۲۰۷، ۲۱۲
عبدالرحمٰن خادم، ملک ۹۱ تا ۹۴، ۱۱۲، ۱۳۳،
۱۴۲، ۱۴۳، ۲۸۰، ۳۸۳ تا ۳۸۵، ۳۹۳
عبدالرحمان سیلونی ۲۵۶
عبدالرحمان غازی، خواجہ ۳۴، ۳۳۵
عبدالرحیم ۸۳
عبدالرحیم، بھائی۔ ٹیلر ماسٹر ۲۴۳
عبدالرحیم خاں، میاں ۸۷
عبدالرحیم خاں عادل ۲۹۵، ۲۹۶
عبدالرحیم درد ۲۶، ۹۹، ۱۰۲ تا ۱۰۴، ۱۳۲،
۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۷، ۱۹۲، ۱۹۳، ۳۵۹، ۳۸۱
عبدالرحیم شاہ، مولوی ۹۳، ۹۴
عبدالرحیم نیر، مولانا ۱۵۱ تا ۱۵۳
عبدالرزاق۔ مہند تحصیل شرقپور ۳۶، ۴۸

عبدالرزاق،سید۔بنگلور ۴۹۲
عبدالرزاق،شیخ ۵۵۵،۳۰۵،۱۶۷
عبدالرزاق،مہتہ ۵۵۰
عبدالرزاق شاہ،سید ۳۱۱،۲۴۵،۲۴۳
عبدالرشید رازی ۲۶۷،۲۵۶
عبدالرشید زیروی ۱۵۴
عبدالسبحان پروفیسر، پادری ۱۴۱
عبدالستار افغان۔المعروف بزرگ صاحب
۲۹۵،۸۴
عبدالسلام،حافظ۔شملہ ۲۹۰،۱۴۷
عبدالسلام بھٹی،قاضی
۲۶۳،۲۵۶،۲۴۴،۲۴۳
عبدالسلام سنگووی ۱۴۱
عبدالسلام عمر،میاں ۱۳
عبدالعزیز۔پشاور ۴۹۲
عبدالعزیز،شاہ محدث دہلوی ۵۳۳
عبدالعزیز،مولوی۔نکودر ضلع جالندھر ۲۸۱
عبدالعزیز جمعدار ۲۴۱
عبدالعزیز جہلمی ۲۴۴،۲۴۳
عبدالعزیز خاں ۲۱۱
عبدالعزیز فاروقی،آغا ۱۴۳
عبدالعزیز ملتانی ۲۸۲
عبدالغفار،سید ۱۷۷،۱۷۶
عبدالغفار خاں ۲۹۶،۲۹۵
عبدالغفور احمدی۔جے پور ۳۰۰
عبدالغفور بی۔اے،صوفی ۴۲۴
عبدالغفور پراچہ،صوفی۔پبلسٹی آفیسر ۵۵
عبدالغفور جالندھری، حافظ ۸۳
عبدالغفور عطاء،سید ۲۲۹

عبدالغنی،چوہدری ۲۸۹
عبدالغنی،شیخ ۴۰۵
عبدالقادر،پروفیسر۔کلکتہ ۲۰۷،۱۰۶،۲۱
عبدالقادر،سر ۹۷
عبدالقادر،ملک ۲۶۳
عبدالقادر،مولوی ۵۲۷
عبدالقادر،مولانا شیخ ۱۳۳،۸۲،۵۴،
۵۵۴،۴۲۸،۳۰۵،۲۸۴،۱۷۰،۱۵۴
عبدالقادر بگوہ،شیخ ۲۶۸
عبدالقادر بی۔اے،شیخ۔سیکرٹری خلافت
کمیٹی ۳۲۶
عبدالقادر روپڑی ۲۸۳
عبدالقدوس ہاشمی ندوی ایم۔اے
۲۰۸،۲۰۷
عبدالقدیر نیاز،صوفی ۲۹۱،۷۱،۶۹،۶۱
عبدالقیوم کانپوری ۳۲۸
عبدالکریم،آغا۔دیکھئے شورش کاشمیری
عبدالکریم آف پنڈوری ۴۹۱
عبدالکریم آف یادگیر ۲۳۱
عبدالکریم ایڈووکیٹ،شیخ ۱۸۲
عبدالکریم بٹ ۳۱۱
عبدالکریم ڈار ۲۴۴
عبدالکرم شرما ۲۶۸،۲۶۱،۲۵۶
عبداللطیف،ڈاکٹر سید ۲۹۹
عبداللطیف،مولوی (احمدی) ۵۵۰
عبداللطیف،میاں ۲۴۷
عبداللطیف شہید،شہزادہ سید ۲۹۴
عبداللطیف بہاولپوری،مولانا ۱۵۴،۴۳
عبداللہ،ڈاکٹر۔گجرات ۲۳۸

عبداللہ،میاں۔نومسلم ۲۳۶
عبداللہ،ملک ۸۲
عبداللہ الہ دین،سیٹھ ۲۹۱،۲۷۸،۲۷۷،۱۶۰
عبداللہ احمد،ڈاکٹر حاجی ۱۳۶
عبداللہ اعجاز،مولانا ۴۰
عبداللہ خاں،چوہدری ۱۳۳
عبداللہ خاں،چوہدری۔قصور ۱۴۷
عبداللہ خاں افغان ۲۹۵
عبداللہ خاں رائن ۱۹۲
عبداللہ صالح،شیخ ۲۵۷
عبداللہ کشمیری۔عرف عبدل۔قادیان ۴۹۹
عبداللہ کمپونڈر۔گجرات ۲۴۱
عبداللہ فونڈی کیرا ۲۷۲
عبداللہ معمار ۲۸۳،۲۸۰
عبدالماجد بھاگلپوری،پروفیسر
۱۷۶،۱۶۰،۱۰۷،۱۰۲
عبدالمجید،ملک۔فیصل آباد ۳۰۴
عبدالمجید امرتسری،قاضی ۲۹۱
عبدالمجید بی۔اے،مولوی ۱۴۲
عبدالمجید سالک،مولانا ۲۱۲،۲۱۱،۲۰۷
عبدالمغنی خاں،مولوی ۲۷۸،۲۶
عبدالمنان عمر،میاں ۱۳۵
عبدالواحد،شیخ ٹھیکیدار قادیان ۲۷۹
عبدالواحد،مولوی ۱۴۱
عبدالواحد پہلوان۔گوجرہ ۵۵۵،۴۹۲
عبدالواحد جہلمی،مولانا ۲۴۳
عبدالواحد سماٹری ۸۲
عبدالوہاب عمر ۲۱۱
عبدہ عمران۔معلم ۲۶۸

عبیداللہ بسمل ۱۸۶
عثمان علو ۲۴۷
عثمان کامبالالایا۔معلم ۲۶۸
عثمان یعقوب، سیٹھ ۲۳۸
عزت بیگم صاحبہ۔اہلیہ مرزا فضل احمد ۲۸۷
عزیز احمد، صاحبزادہ مرزا ۲۲،۱۸۹
عزیز احمد، ڈاکٹر ۳۶۸
عزیز الحسن خاں۔حصار ۷۰
عزیز الدین، بابو ۲۳۳
عزیز الرحمان جامعی ۳۳۵
عزیز ھندی ۵۰۸
عصمت اللہ وکیل، چوہدری ۳۰۳
عطاء الرحمان۔ساہیوال ۸۸
عطاء الرحمٰن سارچوری ۸۲
عطاء اللہ۔فیصل آباد ۳۰۴
عطاء اللہ آف بنگہ ۸۲
عطاء اللہ خاں ۱۱۲
عطاء اللہ شاہ بخاری، سید ۳۳۵،
۳۴۰تا۳۴۵،۳۵۳،۳۵۵،۳۷۱،۳۹۹،
۴۰۲،۴۱۸،۴۶۰،۴۶۶،۴۸۹،۴۹۰،۴۹۳،
۴۹۴،۵۱۰،۵۱۲،۵۱۵تا۵۱۹،۵۲۳،۵۲۸،
۵۲۹،۵۳۷،۵۴۰،۵۴۲،۵۴۸،۵۴۹،
۵۵۴تا۵۵۶
عطاء اللہ وکیل، میاں ۱۳۳
عطاء اللہ ولد اللہ بخش ۸۲
عطاء محمد، چوہدری۔نائب تحصیلدار
۱۶۳،۳۰۴
عطاء محمد، شیخ ۲۸۷
عظیم خاں۔دہلی ۲۴۱
عظیم شاہ باورچی ۲۳۹،۲۴۱
علم الدین، ڈاکٹر ۳۶۳
علی۔معلم کینیا ۲۶۸
علی۔معلم۔یوگنڈا ۲۶۸
علی اظفر کمپونڈر، بابو ۲۴۱
علی احمد، مولوی۔مونگھیر ۱۷۶
علی احمد شاہ۔لاہور ۲۴۱
علی احمد نیر واسطی، حکیم سید ۱۲۷،۱۲۸
علی الازہری، الشیخ ۱۹۱
علی امام، سر ۱۹۵
علی بخش، چوہدری ۲۷۸
علی بہادر خاں ۲۸۹
علی کلئی رے۔معلم ۲۶۸
علی کوس۔کینیا ۲۶۸
علی محمد، منشی ۲۴۱
علی محمد اجمیری ۹۱،۱۴۲،۲۸۰،۲۸۴
علی محمد راشدی، پیر ۳۰۶
عمر الدین، بابو ۲۳۷
عمر الدین، ڈاکٹر ۲۴۳
عمر بن الخطاب ۷۹
عمر حیات خاں ۲۴۳
عمر حیات خاں، سر ۳۸۷
عمر شاہ، سید ۵۵۰
عمر عبداللہ۔معلم ۲۶۸
عمر علی کھوکھر، ملک ۲۹۱
عنایت اللہ، چوہدری ۳۱۱،۳۱۲
عنایت اللہ احراری ۴۱۵
عنایت اللہ احمدی، چوہدری ۲۵۵
عنایت اللہ خلیل ۲۵۵،۲۵۹
عنایت اللہ، شیخ۔سٹور کیپر ۲۴۰
عنایت اللہ شاہ، ڈاکٹر سید ۸۷
عنایت اللہ نسیم سوہدروی ۵۲۲
عنایت علی شاہ، سید ۱۸۹
حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۲۳۱
عیسیٰ، الحاج ۸۹
غریب الدین، میاں ۱۶۸
غریب شاہ۔احراری ۵۴۸
غلام احمد، چوہدری۔پاکپتن ۱۳۱
غلام احمد پرویز، چوہدری ۵۱،۵۳۸
غلام احمد بدوملہوی
۳۷،۴۰،۴۴،۵۴،۱۴۴،۱۷۶،۲۸۶
حضرت غلام احمد قادیانی، مرزا۔مسیح موعود
۱۲۷،۳۳۶تا۳۴۹،۳۷۱،۳۷۶،۳۸۳،
۳۹۰،۳۹۱،۵۴۳
غلام الثقلین، خواجہ ۱۱۷
غلام بھیک ایڈووکیٹ نیرنگ، سید ۷۴تا۷۶
غلام حسن وکیل، خواجہ ۲۸۲
غلام حسین۔قادیان ۸۸
غلام حسین، چوہدری ۲۳۱
غلام حسین جہلمی، سید ۲۴۲
غلام حیدر سوداگر۔لاہور ۲۴۱
غلام رسول خاں ۵۲۴،۵۲۵
غلام رسول راجیکی
۱۶۷،۱۷۰،۱۷۱،۱۸۶،۲۸۲
غلام رسول مہر، مولانا ۲۰۷،۲۱۲،۳۵۶
غلام رسول وزیر آبادی، حافظ
۱۳،۱۸۶،۲۷۸
غلام علی گھڑی ساز۔لاہور ۲۴۱

غلام غوث شاہ، بابو ۲۴۱
غلام غوث ہزاروی ۳۴۱
غلام فاطمہ بنت الٰہی بخش ۳۶
غلام فرید، حضرت خواجہ ۵۲ تا ۵۶، ۵۵۶
غلام فرید، شیخ ۲۴۳، ۲۴۵
غلام فرید ایم۔اے، ملک ۸۷
غلام قادر۔ مغلیہ خاندان کا باغی ۵۳۲
غلام قادر۔ سٹی کوتوال امرتسر ۵۰۸
غلام قادر۔ گجرات ۲۴۱
غلام مجتبیٰ، شیخ ۲۷۹
غلام محمد، چوہدری۔ پوہلہ مہاراں ۱۴۷
غلام محمد، صوفی ۱۴۷، ۱۶۸
غلام محمد، مفتی۔ بہاولپور ۳۷، ۳۸
غلام محمد، ملک۔ لاہور ۱۶۹
غلام محمد بی۔اے، چوہدری ۱۴۳
غلام محمد خاں، سردار بہادر کیپٹن ۱۶۰
غلام محمد ٹھیکیدار۔ جہلم ۲۴۱
غلام محمد کمپونڈر۔ جالندھر ۲۴۲، ۲۴۵
غلام محمد مہاجر، مولوی سید ۸۴
غلام محی الدین قصوری ایڈووکیٹ ۴۹۵
غلام نبی، بابو اوورسیئر ۲۴۱
غلام نبی، خواجہ۔ ایڈیٹر الفضل ۴۹۳

ف

فتح اللہ، مولوی ۷۹
فتح دین جہلمی، سیٹھ ۲۳۸، ۲۴۱
فتح محمد خاں، صوبیدار ۱۶۰
فتح محمد سیال، چوہدری ۲۶، ۹۹، ۱۶۰، ۲۹۱، ۴۵۹
فتح محمد سیوحانی، حکیم۔ کراچی ۵۴۸
فخرالدین گھوگھیاٹ ۲۴۲، ۳۰۸
فرانسس میکونل، بشپ ۱۱۹
فرحت اللہ بیگ، مرزا ۲۰۷
فرزند علی خاں، مولانا ۴۷، ۱۳۹، ۱۵۴، ۱۶۰، ۲۷۹، ۳۹۳ تا ۳۹۵، ۴۲۹، ۴۴۷، ۴۴۹، ۴۵۵، ۴۵۹، ۴۹۳، ۴۹۴، ۵۴۷
فرزند علی سوداگر، پسرور ۲۴۱
فریزر، مسٹر ۳۱۹
فشر، ہمفری جے ۲۶۳
فضل احمد، چوہدری۔ گجرات ۱۴۷
فضل حمد اوڈیرا ۲۶۸
فضل الدین، ڈاکٹر ۲۴۳
فضل الدین وکیل، مولوی ۲۸۶، ۴۹۳، ۴۹۵، ۴۹۹
فضل الرحمان، حکیم ۱۳۲، ۱۳۹، ۱۴۰
فضل الرحمان کمپونڈر۔ گجرات ۲۴۱
فضل الٰہی بشیر ۲۵۵، ۳۱۱
فضل بیگ، مرزا۔ قادیان ۱۱۱
فضل حسین، سرمیاں ۳۱، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۹۵ تا ۲۰۳، ۳۹۳، ۴۰۲ تا ۴۰۵، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۷۹، ۵۲۲، ۵۲۶
فضل حسین، مہاشہ ملک ۱۴۳، ۲۸۹، ۲۹۷
فضل دین آف کھاریاں، مولوی ۸۵
فضل کریم عطاء، شیخ ۲۴۰
فضل کریم لون ۲۴۴، ۳۱۱
فقیر محمد، بابا ۲۶۴
فقیر محمد خاں، چوہدری ۱۳۲
فیروز خاں نون، سر ۳۰۷، ۳۸۷، ۳۹۹
فیض الحسن شاہ، صاحبزادہ ۳۴۱، ۳۴۲، ۴۹۰، ۵۱۲
فیض علی، بابو۔ امرتسر ۲۴۱
فیلبس، ڈاکٹر ۱۳۸

ق

قادر بخش، مرزا ۴۹۰
قاسم علی، میر ۴۳۴
قاسم منگیا، نیروبی ۲۳۸
قدسیہ بیگم صاحبہ ۸۷
قطب الدین بھیروی ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۴۲
قمرالدین، مولوی ۱۶۴، ۴۸۶

ک۔گ

کارل مارکس ۳۳۹
کامل منصور، پادری ۱۳۸
کبیر احمد بھٹی، قاضی ۲۶۳
کرتار سنگھ فلاسفر، پنڈت ۱۴
کرزن، لارڈ ۱۵۹
کرشن، مہاشہ ۲۸۹
کرم الٰہی، صوفی۔ لاہور ۲۳۳
کرم حسین، سید ۲۳۹، ۲۴۱
کرم دین، مولوی ۱۴۲
کرم دین بھیں، مولوی ۳۹۰
کریم بخش ۳۶
کریم بخش ٹھیکیدار۔ لاہور ۲۴۱
کمال الدین، خواجہ ۸۶، ۲۳۲
کنور اسماعیل خاں ۱۲۵
کنور حسین، لالہ ۱۴۹، ۱۸۱

کنور سین، لالہ ۱۴۹
کولڈ سٹریم، جسٹس ۴۹۵، ۵۴۹
کے۔ ایم منشی ۳۳۱
کھڑک سنگھ، سردار ۱۷۷ تا ۱۸۰، ۳۰۵
کھیم چندر، بابو ۱۵
گاندھی، مہاتما ۶۷، ۶۸، ۱۲۶، ۲۰۶، ۲۹۳، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۶، ۳۳۹ تا ۳۴۱، ۳۵۳ تا ۳۵۵، ۳۷۵، ۳۸۰، ۳۸۲، ۴۱۰، ۴۱۱، ۵۲۹، ۵۳۶، ۵۳۷
گاربٹ، مسٹر ۳۹۴، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۸۰
گب، ایچ اے آر ۲۹۸
گستاف سن، مسٹر ۲۶۷
گلانسی، مسٹر ۳۹۳، ۳۹۵، ۳۹۶
گل محمد، مرزا ۱۸۹، ۲۸۹
گوکل چند نارنگ، ڈاکٹر ۱۵۷
گولڈ تھروپ، پروفیسر ڈاکٹر ۲۷۰

ل

لاجپت، رائے ۵۳۷
لال حسین، میاں ۳۰۱، ۳۰۲
لال حسین اختر ۱۴۱، ۲۴۵ تا ۲۴۸، ۲۸۱، ۲۸۳، ۲۸۴، ۳۰۹
لال شاہ، سید ۱۴۷
لعل دین، ڈاکٹر ۲۴۳
لفرائے، پادری ۲۳۰
لنڈن ہیرس، مسٹر ۲۵۹، ۲۷۳، ۳۱۲
لیاقت علی خاں، نوابزادہ ۱۰۵
لیسن، مسٹر ۳۲۴

م

مارشل فریڈی ۲۶۶
مارگریٹ فرکوہرسن ۲۹۸
مبارک، سردار۔ زنجبار ۲۳۷
مبارک احمد، حافظ ۹۳، ۹۴، ۱۴۰، ۲۸۳
مبارک احمد، صاحبزادہ مرزا ۸۲، ۱۶۴
مبارک احمد، مولانا شیخ ۴۰، ۸۲، ۱۳۳، ۱۴۱، ۱۶۸، ۱۷۰، ۲۴۵ تا ۲۵۹، ۲۶۴ تا ۲۶۸، ۲۸۳، ۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۱
مبارک احمد فیولنگ ۱۹۲، ۱۹۳
مبارک علی، مولوی ۲۱
مبارکہ بیگم، سیدہ نواب ۱۸۹، ۱۹۰
مجاز مشاؤ جی، شیخ ۲۶۸
محبوب عالم امرتسری ۱۳۴
حضرت محمد ﷺ ۷۷ تا ۷۹
محمد، حافظ۔ کوٹلہ ریمہ ضلع جہلم ۲۴۰، ۲۴۱
محمد، مولوی۔ رائے کوٹ ۱۴۲
محمد ابراہیم، بابو۔ وزیر آباد ۴۹۰
محمد ابراہیم، حکیم ۲۵۵
محمد ابراہیم، ماسٹر۔ ننکانہ ۱۴۷
محمد ابراہیم، میاں۔ کانپور ۱۶۰
محمد ابراہیم بقاپوری، مولانا ۸۸، ۹۱، ۲۷۸
محمد ابراہیم بی۔ ایس۔ سی، صوفی ۱۳۰
محمد ابراہیم ٹھیکیدار، میاں۔ پسرور ۲۴۰، ۲۴۱
محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولوی ۹۲، ۱۴۱، ۳۳۳، ۴۶۵، ۵۵۱
محمد ابراہیم ناصر ۱۱۲
محمد احمد جلیل، مولوی ۸۲
محمد ادریس، مرزا ۲۵۶
محمد ادریس، مولوی ۹۴
محمد اسحاق، حافظ، بھیرہ ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۴۲
محمد اسحاق، سید میر ۸۷، ۸۸، ۲۲۹، ۲۸۴، ۲۹۱
محمد اسحاق، صوفی ۲۵۶، ۲۶۸
محمد اسحاق بیگ، مرزا۔ پٹی ۹۴
محمد اسلم، قاضی پروفیسر ۱۳۳، ۲۹۱
محمد اسماعیل، میاں۔ کڑیانوالہ ۲۴۰، ۲۴۱
محمد اسماعیل، ڈاکٹر میر ۸۵، ۲۲۹
محمد اسماعیل جمعدار، چوہدری ۲۴۲
محمد اسماعیل حلالپوری ۲۶، ۱۴۴، ۱۵۴
محمد اسماعیل خاں گوڑیانوی، ڈاکٹر ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۲
محمد اسماعیل دہلوی ۳۲۳، ۳۲۵
محمد اسماعیل روپڑی ۲۸۳
محمد اسماعیل صدیقی ۴۸۸
محمد اسماعیل غزنوی ۳۵۶
محمد اسماعیل منیر ۲۵۶
محمد اسماعیل یادگیر ۲۷۷
محمد اشرف بلانوی ۲۸، ۳۰
محمد اصغر لون ۲۵۳
محمد اعظم، سیٹھ۔ حیدرآباد دکن ۱۵۱ تا ۱۵۳
محمد افضل، قریشی ۳۰۰
محمد افضل، منشی ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۰ تا ۲۴۲
محمد افضل ٹھیکیدار۔ لاہور ۲۴۲، ۲۴۳
محمد افضل خاں ۲۶۴
محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر سر ۶۷، ۷۶، ۱۱۳، ۱۲۴، ۲۸۷، ۳۳۳، ۳۵۶، ۳۸۳، ۳۸۶، ۴۹۷، ۵۳۷، ۵۴۱، ۵۴۵
محمد اکبر، چوہدری ۲۸۲
محمد اکبر خاں، منشی ۳۹
محمد اکرم خاں غوری ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۶۷، ۳۱۱

محمد الدین، بابو ۲۴۰، ۲۴۱
محمد الیاس، حافظ ۲۴۰
محمد الدین، حکیم ۲۳۳
محمد الدین فوق، منشی ۲۰۷
محمد الدین ملتانی، منشی ۴۹۹
محمد الیاس، بیرنی ۲۸۰
محمد امیر عرف مِی پنجہ کش ۵۳۳
محمد امین۔ احراری ۵۴۹
محمد امین۔ مجاہد بخارا ۴۱۸
محمد امین، قاری ۲۹۹
محمد انوار ہاشمی۔ ایڈیٹر ''اسلامی دنیا'' ۱۲۵
محمد انور شاہ، سید۔ شیخ الحدیث دیو بند
۹، ۳۹، ۴۰، ۴۲
محمد ایوب، بابو ۲۴۴
محمد بخش، میاں ۲۴۴
محمد بخش آف کڑیانوالہ، شیخ
۲۳۶، ۲۳۹، ۲۴۲
محمد بوزا۔ معلم ۲۶۸
محمد بھانبڑی، مولوی میر ۵۵۱
محمد جمیل، بابو ۲۴۴
محمد جی، مولانا ۱۴۳
محمد چراغ، مولوی ۲۸۳
محمد حسن امرتسری۔ احراری ۴۳۱
محمد حسن خاں آسان دہلوی ۱۴۱، ۲۸۱
محمد حسن، حضرت بابا ۴۸۷
محمد حسن، مولوی ۸۷
محمد حسین، چوہدری۔ سیالکوٹ ۱۳۳
محمد حسین، خان بہادر شیخ۔ علی گڑھ ۱۶۰
محمد حسین، مولوی۔ پنڈی بہاؤالدین ۹۲

محمد حسین، مولوی۔ سبز پگڑی والے ۱۴۲
محمد حسین آزاد، مولانا ۱۱۸
محمد حسین امرتسری۔ احراری ۵۰۶
محمد حسین بٹ ۳۰۸
محمد حسین بٹالوی
۳۲۴، ۳۲۵، ۳۸۶، ۳۹۰، ۵۳۲
محمد حسین چیمہ، چوہدری ۵۰۸
محمد حسین قریشی، حافظ ۱۳۴
محمد حسین قریشی، حکیم۔ موجد مفرح عنبری ۸۴
محمد حسین کولوتارڑوی
۹۱، ۹۲، ۹۴، ۱۴۲، ۲۸۳، ۲۸۴
محمد حسین کھوکھر، بھائی ۲۴۳، ۲۶۳
محمد حسین گوندلانوالہ ۹۱
محمد حفیظ ٹھیکیدار۔ جہلم ۲۴۱
محمد حنیف، سید۔ مونگھیر ۱۷۶
محمد حنیف، قریشی۔ سائیکل سیاح ۱۶۳، ۲۸۶
محمد حیات خاں نون، ملک ۳۰۷
محمد خامس ۵۴۴
محمد خاں۔ احراری ۵۲۸، ۵۵۸
محمد داؤد طاہر ۳۰۸
محمد داؤد غزنوی ۳۶۹، ۵۱۶
محمد دہلوی، مرزا ۵۲۵
محمد دین، قادیان ۸۸
محمد رفیع، میاں ۸۷
محمد سرور شاہ، مولانا سید ۲۶
محمد سعید، مولوی۔ دہلی ۳۲۱
محمد سعید، میاں۔ بٹالہ ۵۵۸
محمد سلیمان، حافظ ۲۵۶، ۲۶۷
محمد سلیمان تونسوی، خواجہ ۵۴۱

محمد سلیم فاضل، مولوی ۱۳، ۸۲، ۹۲،
۹۴، ۱۳۳، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۶۸، ۲۸۰، ۲۸۱،
۲۸۵، ۲۸۶، ۳۳۵
محمد شاہ، سید۔ جالندھر ۲۴۰
محمد شاہ سیالکوٹی ۲۸۵، ۲۸۶
محمد شاہنواز خاں، ڈاکٹر ۹۰، ۱۴۷، ۲۹۱
محمد شاہنواز خاں، نواب ۳۰۷
محمد شریف، چوہدری۔ مجاہد فلسطین
۵۴، ۸۲، ۹۱، ۲۸۴
محمد شریف ای اے سی، میاں ۲۹۱
محمد شریف ایڈووکیٹ، مولوی۔ حصار ۲۰۷،
محمد شریف بی۔ اے، چوہدری ۲۴۳
محمد شریف وکیل، چوہدری۔ منٹگمری ۱۳۳، ۱۴۷
محمد شفیع، ڈاکٹر ۱۶۹، ۳۰۴
محمد شفیع، سر ۸۷
محمد شفیع، مفتی۔ دیو بند ۴۰
محمد شفیع، ماسٹر۔ احراری ۵۰۷، ۵۱۶
محمد شفیع داؤدی، مولانا ۵۵، ۱۲۵
محمد شفیق، قاضی۔ چارسدہ ۱۶۰
محمد صادق مفتی ۹۹تا۱۰۱، ۱۰۵،
۱۰۶، ۱۱۳، ۱۶۱، ۳۹۱، ۳۹۳
محمد صادق، ملک۔ احراری ۳۶۸
محمد صادق، مولانا۔ مجاہد انڈونیشیا
۹۰، ۱۳۸، ۳۰۱
محمد صدیق، شیخ۔ اوکاڑہ ۲۷۸
محمد صدیق ملتانی، خان حافظ ۱۲۵
محمد طیب، صاحبزادہ۔ بنوں ۱۶۰
محمد ظاہر شاہ ۱۲۴
محمد ظفر اللہ خاں، سر چوہدری ۱۲، ۲۱،

۲۷،۳۱تا۳۴،۶۲،۷۶،۸۶،۹۶تا۹۹،۱۱۳،
۱۱۶،۱۱۹،۱۲۵،۱۲۶،۱۳۱،۱۴۷،۱۶۰،
۱۹۲تا۲۰۶،۲۶۷،۲۷۸،۳۹۶،۳۹۸،
۳۹۹،۴۰۲،۴۴۱،۴۶۷،۴۶۸،۴۷۹،
۴۸۶،۴۸۹،۴۹۸
محمد ظہورالدین اکمل ۱۸۶
محمد عالم۔جہلم ۲۴۱
محمد عالم، بابو۔لاہور ۲۴۱،۲۴۳
محمد [illegible] اکٹر ۵۲۷
[illegible] اللہ، سید ۲۹۰
محمد عبداللہ، شیخ ۳۵۹،۳۶۰،۳۹۵
محمد عبداللہ، مولوی ۲۸۱
محمد عبداللہ، حکیم ۲۳۳
محمد عبداللہ اعجاز ۲۸۳،۲۸۵
محمد عبداللہ خاں، نواب ۸۰
محمد عبدالرحمان، مسٹر۔کالی کٹ ۱۵۱
محمد عبدالرحیم، سید۔لدھیانہ ۱۸۹
محمد عبدالغفور۔نیروبی ۲۴۷
محمد عبدالقادر، بابو ۲۴۱
محمد عبدہ، الشیخ ۱۹۱
محمد عثمان، قاضی۔جے پور ۳۰۰
محمد عثمان، مولوی ۲۱۱
محمد عظیم۔فیصل آباد ۳۰۴
محمد عظیم باجوہ، چوہدری ۲۷۹
محمد علی ایم۔اے، مولوی ۱۷۰،۳۰۰
محمد علی بی۔اے ایل ایل بی۔مانسہ ۴۷
محمد علی جناح، قائداعظم ۱۰۲،۱۰۲تا۱۰۵،
۱۲۹،۳۴۳،۳۴۵،۴۰۵،۵۲۴،۵۲۵
محمد علی جوہر، مولانا ۲۰۷،۳۷۱،۴۱۰
محمد علی خان، نواب ۱۵
محمد علی قصوری، مولوی ۳۸۵،۵۳۶
محمد علی مہاجر بدوملہوری ۱۳۴
محمد عمر شوکت تھانوی ۲۰۷،۲۱۱
محمد عمر، مہاشہ ۱۴۰،۱۶۷،۲۸۲،۲۸۶
محمد عیسیٰ، چوہدری ۲۵۶
محمد غوث ۴۲۴
محمد فضل شاہ ۳۶۷،۳۶۸
محمد قاسم نانوتوی ۳۴۹
محمد کلوفیا، چیف ۲۶۸
محمد محسن، سید ۵۵۰
محمد محسن، شیخ۔فیصل آباد ۱۶۳،۳۰۳،۳۰۴
محمد مراد، میاں ۴۹۱
محمد مرتضیٰ حسن دربھنگی ۴۰
محمد مسعود الشہر وی ۹۱
محمد مسلم، مولوی ۹۱،۱۷۰،۲۸۴
محمد منور، مولوی ۲۵۶،۲۵۸،۲۶۳،۲۶۷
محمد منیر، ڈاکٹر ۱۳۳
محمد نادر خاں، میاں ۲۴۰
محمد نذیر، مولوی ۱۴۲
محمد نذیر حسین۔محدث دہلوی ۳۲۴،۵۳۲
محمد نذیر لائل پوری، قاضی ۱۶۳،۱۶۷،
۲۸۲،۲۸۵،۳۰۳،۳۰۴
محمد نذیر ملتانی ۹۳،۱۴۳،۲۸۳
محمد نور کابلی ۸۲
محمد ہاشم ۸۸
محمد ہلال، حافظ حکیم سید ۱۲۵
محمد یار عارف، مولانا ۱۹۲،۱۹۳
محمد یٰسین، قاری ۲۵۱
محمد یامین خاں ۱۲۵
محمد یعقوب، سر ۶۷،۱۱۶
محمد یعقوب، صوفی ۲۹۰
محمد یعقوب طاہر ۲۸۰
محمد یوسف، بابو ۴۴۳
محمد یوسف، شیخ ۱۶۳،۳۰۳،۳۰۴
محمد یوسف، قاضی ۴۹۲
محمد یوسف، میاں۔مجاہد امریکہ ۱۱۸
محمد یوسف امرتسری، مولوی ۱۴۲،۱۴۳،۲۸۶
محمد یوسف حسن، حکیم ۲۰۷
محمد یونس، مولوی ۳۰۴
محمدی بیگم ۹۴
محمود، معلم ۲۶۸
محمود احمد، ڈاکٹر بھائی ۲۹۰
محمود احمد بی۔اے، سید ۱۱۲
محمود احمد عرفانی، شیخ ۱۴۷،۴۰۸،۴۸۸
محمود الحسن، مولانا ۵۰
محمود اللہ شاہ، حافظ سید ۱۸۹،۲۴۳،
۲۹۱،۴۴۹،۴۵۱
محمود شاہ۔دیوبندی ۱۴۱
محمود صادق، قاضی ۱۱۲
محمود عبداللہ۔معلم ۲۶۸
محمود علی، منشی ۷۸
محمود علی، مولانا پروفیسر ۵۱
محمود علی خاں ۵۱۲
محمودہ بیگم اہلیہ شیخ محمد محسن ۱۶۳
محی الدین آفندی الحصنی، السید ۱۹۱
محی الدین مالاباری ۲۳۱
مختار احمد انصاری، ڈاکٹر ۴۱۰

مختار احمد ایاز ۲۴۴،۲۵۵
مختار احمد شاہجہانپوری، حافظ سید
۴۵،۵۴،۲۲۹
مشتاق احمد گرمانی، خان بہادر میاں ۳۰۷
مدثر شاہ، میر ۳۰۰
مدلیار، سوامی ۲۰۴
مدن موہن مالویہ، پنڈت ۳۱۷،۵۳۷
مراتب علی، خان بہادر سید ۳۰۷
مرتضیٰ احمد خاں میکش ۴۳۰
مرجان، سیدہ ۲۶۳
مربع عرفہ ۲۵۳
مسرور احمد، مرزا ۲۷۷
مسعود احمد، حافظ ۱۶۸
مسعود احمد خاں، نواب ۱۸۹
مسعودی مسگارا۔ معلم ۲۶۸
مسعودی موٹو ۲۶۸
مسلم سعیدی ۳۱۰
مسیح الدین۔ پشاور ۱۴۷
مصاحب دین، میاں ۲۴۳
مصباح الدین، سردار ۸۸
مطیع الرحمان بنگالی، صوفی
۹۰،۱۱۸،۱۱۹،۱۳۱،۱۳۸،۱۳۹
مظفر احمد، صاحبزادہ مرزا (ایم۔ایم۔احمد)
۱۲۱،۱۲۴،۱۹۲،۱۹۳
مظفر الدین بنگالی، چوہدری ۶۹ تا ۷۱
مظفر خاں، نواب ۳۰۷،۳۹۹
مظہر علی، بابو ۲۴۱
مظہر علی اظہر، مولانا ۳۴،۳۲۹،۳۳۵،
۳۴۱ تا ۳۴۳،۳۵۶،۴۰۱،۴۷۰،۵۰۶ تا ۵۰۸،۵۱۲،

۵۱۳،۵۱۵،۵۲۵،۵۴۷
معین الدین، خواجہ۔ قادیان ۲۹۹
معین الدین چشتی، خواجہ ۵۵۶
معراج دین، سید ۲۴۳
معراج دین، سید ۲۴۳
معراج دین، مرزا ۳۶۲،۴۱۴،
۴۵۷ تا ۴۵۹،۴۶۱،۴۷۴،۴۷۵،۴۷۹
مغفور احمد، مرزا ۲۷۷
مغل، مرزا ۳۱۹
مقبول احمد ذبیح، مولوی ۲۵۶،۳۱۳
مکند لال ۳۱۹،۵۳۳
منصور احمد، صاحبزادہ مرزا ۱۶۴،۱۸۲،
۱۸۵،۱۹۲،۲۷۷
منصورہ بیگم، سیدہ نواب ۱۸۴
منظور الٰہی۔ لاہور ۳۰۱
منظور عالم۔ مونگھیر ۱۷۷
منور احمد، صاحبزدہ مرزا ۱۶۴
منیر الدین احمد ۲۵۶
موسیٰ براکا۔ معلم ۲۶۸
موسیٰ سیمپا ۲۶۸
مولا بخش، بابو۔ جالندھر ۲۴۱
مولا بخش، شیخ ۱۶۳
موتی لال نہرو، پنڈت
۳۴۰،۳۴۱،۳۸۰،۵۳۷
مہدی حسین، سید میر ۲۲۶،۲۲۸
مہر صاحب۔ ایرانی بزرگ ۱۱۲،۱۱۳
مہر علی شاہ گولڑوی، پیر ۳۷۰
میتھوز، جے ۳۷۴
مہراں بخش، حاجی۔ انبالہ ۱۳۵

میر حسین ملتانی، قاضی ۳۰۰
میرو خاں، ملاں ۲۹۵،۲۹۶
میکڈانلڈ ۶۷
میلا رام، پادری ۲۸۲،۲۸۳

ن

ناجم ابن سالم ۳۱۰
نادر خاں ۲۴۱
نادر شاہ۔ والی افغانستان ۱۲۴
نادر شاہ، مسٹر ۱۲۵
ناصر احمد، صاحبزادہ مرزا۔ خلیفۃ المسیح الثالثؒ
۶۷،۸۶،۱۰۱،۱۰۶،۱۸۲،۱۸۴،۱۸۵،
۱۸۷ تا ۱۹۳،۲۷۷
ناصر شاہ، حضرت سید ۲۶
ناصر نواب، سید میر ۱۹۰
ناصرہ بیگم، سیدہ ۹۵،۲۷۷
نانک چند پنڈت ۳
نانک، باوا ۴۱۳،۴۴۰
نبی بخش، بابو۔ لاہور ۲۴۲
نبی بخش، مستری۔ کوٹ جادہ ۲۴۰،۲۴۱
نثار احمد، چوہدری ۲۴۳
نثار علی خاں قزلباش، نواب ۳۰۷
نجم الدین، فقیر سید۔ لاہور ۳۰۷
نجم الدین، مولوی پروفیسر ۴۰
نرنید رناتھ، راجہ ۳۹۹،۴۰۱
نذر احمد، مولوی ۸۲،۵۵۰
نذیر احمد، ڈاکٹر ۲۹۰
نذیر احمد ابوایا ۲۶۸
نذیر احمد باجوہ، چوہدری ۸۲

نذیر احمد کھوکھر، بابو ۲۴۳
نذیر احمد مبشر ۸۲، ۸۹، ۱۱۷، ۱۴۰
نصر اللہ خاں، نوابزادہ ۳۴۲
نصر اللہ خاں ہریانوی، رانا ۵۵۸
نصرت جہاں بیگم، حضرت سیدہ
۲۷، ۱۰۱، ۱۸۵
نظام الدین جہلمی، بھائی ۲۴۲
نعمان۔ معلم ۲۶۸
نعمت اللہ خاں۔ ممباسہ ۲۶۴
نعمت اللہ خاں، خان بہادر چوہدری ۱۶۰
نعیم، مسٹر ۲۵۳
نعیم الدین، قاضی ۲۵۶
نکیسا نجا۔ معلم ۲۶۸
نکیش، شری ۴۶۶، ۴۸۶
نند لال، پنڈت ۳۴۸
نواب علی، میر ۱۲۵
نواس شاستری، سری ۲۰۴
نور احمد، سیٹھ ۲۳۸، ۲۴۳
نور احمد، سید ۳۹۸، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۵، ۵۲۲
نور احمد جالندھری، شیخ
۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۲
نور الحق انور ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۶۸
نور الدین، حضرت حکیم مولانا
۱۲۷، ۱۲۸، ۲۶۲
نور الدین، ملک ۲۳۳
نور الدین منیر، مولوی ۲۵۶، ۲۶۳
نور الٰہی، مولوی ۸۲
نور حسین گرجاکھی، مولوی ۹۲، ۹۳، ۲۸۲
نور شاہ، مولوی ۹۱
نور محمد، مولوی۔ بھدرک ۱۳۵
نور محمد نقشبندی قادری ۲۳۰
نور محمد نسیم سیفی ۳۱۳
نینے ایڈووکیٹ ۲۵۱

و

واحد حسین، گیانی ۱۶۷
وحید الدین سلیم، مولانا ۵۱۸
ورما، مسٹر ۲۴۶
وزارت حسین، سید۔ مونگھیر ۱۷۶، ۱۷۷
وزیر حسن، مولوی ۷۹
وشن بھگوان ۵۰۸
وقار انبالوی ۲۰۷
ولایت شاہ، ڈاکٹر سید ۲۴۳
ولایت محمد، شیخ بابو ۱۶۳
ولنگڈن، لارڈ ۱۵۹، ۲۰۱، ۴۹۸
ولی اللہ، سید ۲۵۵
ولی اللہ، شاہ۔ محدث دہلوی ۵۳۳
ولی داد خاں، مولوی ۸۲
ولیم بل ۵۴۵
ولیم مارٹن، پروفیسر ۲۶۵
ویرین، مسٹر ۲۵۳

ہ

ہارون لگوشا، چیف ۲۷۲
ہارون منورو ۲۶۸
ہاکٹر بولیتھو ۱۰۴
ہدایت حسین، حافظ ۲۰۱
ہڈسن ۵۳۲
ہر دیال ایم اے، لالہ ۳۳۰
ہرکشن لال، لالہ ۴۰۰
ہرونش لال، دیوان ۴۶۲
ہری سنگھ گیانی ۵۵۳
ہرے سیرین بیرسٹر ۲۵۲
ہوز، مسٹر ۲۸۴
ہیری ہیگ، سر ۳۹۴
ہیلی، لارڈ ۳۹۲

ی

یحیٰی الدین ۴۹۲
یعقوب علی عرفانی ۱۴۷، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۳، ۲۷۸، ۲۸۰، ۳۰۴، ۴۰۸
یوسف خاں ایڈووکیٹ، چوہدری ۴۸۶
یوسف دنیا، شیخ ۲۶۸
یوسف شاہ، سید ۲۴۳
یوسف علی عرفانی ۱۹۱

بعض انگریزی نام

K.C.KNIGHT BRUCH 252
SIR, DADUCH WA 236
TOACHIM HALDT 274

☆☆☆

مقامات

آ ـ ا

آڑھا ۲۸۶
آسٹریا ۱۳۹
آگرہ ۱۵، ۳۲۰
آنبہ ۹۲
ابادان ۲۲۶، ۲۷۹
اٹاوہ ۱۴۳
اٹلی ۴۲۲
اجمیر شریف ۷۵، ۳۴۹
اجنالہ ۹۳
اجودھیا ۱۶۱
اچہ جچہ ۲۸۱
احمد آباد (سندھ) ۸۰
احمد پور ۱۶۹
اڑیسہ ۱۶، ۳۲۹
افریقہ ۵، ۱۳۲، ۱۳۹، ۲۳۴ تا ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۸، ۲۵۰، ۲۵۵، ۲۵۹، ۲۶۷، ۲۷۰ تا ۲۷۲، ۳۳۸، ۴۱۱، ۴۷۳
افغانستان ۱۲۴، ۳۸۵، ۴۲۴، ۴۷۳،
الور ۲، ۷۵
الہ آباد ۸۳، ۱۵۶
امرتسر ۱۴، ۱۵، ۱۸۹، ۲۸۶، ۳۴۴، ۳۶۳، ۳۸۸، ۴۱۸، ۴۶۲، ۴۷۰، ۵۰۸، ۵۲۷، ۵۲۸
امروہہ ۳۴۵
امریکہ ۵ تا ۷، ۸۹، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۵، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۸، ۲۶۶، ۲۶۷، ۴۰۹، ۴۲۵، ۴۷۳
انبالہ ۷۰، ۷۴، ۷۵، ۸۱، ۸۲، ۱۳۵، ۳۰۱
انگلستان ۲، ۹۹، ۱۰۲ تا ۱۰۵، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۹، ۱۸۷، ۱۸۸، ۲۳۰، ۳۲۶، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۶، ۴۰۹، ۴۷۳، ۵۳۵، ۵۴۰
اودھ ۵۲۴
اورین ۱۷۷
ایڈنبرا ۲۷۹
ایران ۹۰، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۰، ۴۷۳
ایشیا ۵، ۳۳۸

ب

بالیسر ۱۴۱
بان (جرمنی) ۲۶۱
بٹالہ ۱۴۳، ۲۸۱، ۳۵۳، ۴۰۴، ۴۹۲، ۵۲۷، ۵۲۸
بٹاویہ ۱۳۷
بڈھلاڈا ۶۸ تا ۷۴، ۸۴
بڈھن وال ۲۸۱
برشل ۲۷۹
بڑودہ ۶۷
برہمن بڑیہ ۳۶، ۱۲۴
بریلی ۳۲۳، ۳۲۴
بسرا ۱۷۷
بکوبا ۲۶۷
بگنڈا ۲۵۰
بمبو ۹۴
بمبئی ۶۸، ۱۰۶، ۱۲۳، ۱۴۰، ۱۹۰، ۱۹۱، ۳۵۵، ۵۲۴
بنارس ۱۴۲
بن باجوہ ۳۶
بنڈگ (جاوا) ۱۳۶
بنگال ۲۰، ۲۱، ۶۱، ۶۲، ۱۲۳، ۱۶۰
بنگلور ۱۴۲، ۴۹۲
بنگہ ۱۴۲
بہار ۸۶، ۱۵۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۳۲۹
بہاولپور ۱۵، ۳۶، ۳۷، ۴۶، ۵۲، ۵۴، ۵۵
بھاگلپور ۱۰۷، ۱۷۶
بھدرک ۱۳۵
بھدرواہ ۴۹۰
بھرت پور ۷۵
بھیرہ ۱۶، ۹۴
بھینی پسوال ۲۷۸

پ

پاک پٹن ۱۴۰
پاکستان ۳۸۳
پٹنہ ۲۹۱
پٹنی (لنڈن) ۱۰۳، ۱۳۹
پٹیالہ ۷۲، ۷۳

پشاور ۱۵، ۴۷۰، ۴۹۲
پنجاب ۲، ۲۵، ۹۶، ۱۶۰، ۳۷۷، ۳۸۱، ۳۹۲، ۴۰۴، ۵۱۰، ۵۱۱
پنڈ روی (جہلم) ۴۹۱
پنڈ روی (گورداسپور) ۴۹۱
پنڈی بھٹیاں ۴۹۱
پورٹ ہارکوٹ ۲۷۹
پونا ۶۸
پونچھ ۱۴۲، ۲۸۲
پونڈری پورہ (کرنال) ۳۵، ۶۸
پھلور ۸۱
پھیرو چیچی ۳۷۴

ت۔ٹ

تاریگام ۱۴۱
ترکی ۳۲۵، ۳۲۶
تلونڈی (حصار) ۶۹
تنزانیہ ۲۶۷، ۳۰۸
ٹانگانیکا ۲۳۴، ۲۳۶، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۵۵، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۷، ۲۷۴، ۲۷۵، ۳۱۰
ٹبورا ۲۴۴، ۲۴۹ تا ۲۵۲، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۷، ۳۱۰، ۳۱۱

ج۔چ

جاپان ۱۰۱، ۴۲۲، ۴۷۳، ۵۴۰
جالندھر ۸۱، ۴۷۰، ۵۲۸
جاوا ۹۰، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۶ تا ۱۳۸، ۴۷۳
جدہ ۷
جرمنی ۴۲۵، ۵۴۰، ۵۴۱
جڑانوالہ ۱۶۹، ۳۰۴
جلالپور جٹاں ۴۸۴
جموں ۳۵۷، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۸
جنجہ ۲۴۷، ۲۵۵، ۲۶۳، ۲۶۸
جہلم ۹۴، ۳۶۱
جے پور ۷۵، ۳۰۰
چاچڑاں ۵۴
چٹاگانگ ۶۲
چکڑالہ ۳۸۳
چوہدریوالہ چک 108 (فیصل آباد) ۲۸۱، ۲۸۴
چین ۴، ۱۰۱، ۴۲۲، ۴۷۳، ۵۴۰، ۵۴۱

ح۔خ

حافظ آباد ۲۸۲، ۲۸۳
حصار ۲، ۳۵، ۶۸ تا ۷۴، ۳۹۴
حیدرآباد (سندھ) ۴۹۰
خانپور ۴۳۰
خانیوال ۹۳
خوست ۲۹۵

د۔ڈ

دارالسلام (تنزانیہ) ۲۴۴، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۷
دمشق ۴۰۹
دھاریوال ۲۸۲، ۲۸۳
دھرم سالہ ۳۷۵
دہلی ۱۵، ۲۱، ۲۲، ۲۴، ۴۲، ۷۴، ۷۵، ۸۱، ۸۲، ۸۵، ۹۸، ۱۰۶، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۵۹، ۲۸۱، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۴۴، ۴۱۰، ۵۲۹، ۵۳۲ تا ۵۳۴
دیال گڑھ ۴۹۰
ڈیڑھ چک نمبر 29 (شیخوپورہ) ۹۱
دیوبند ۴۲، ۸۱
ڈلہوزی ۲۱، ۲۲، ۳۵، ۸۵، ۲۱۰
ڈھاکہ ۲۷۶
ڈیرہ بابا نانک ۱۶
ڈیرہ دون ۲۱، ۲۲، ۴۹۰
ڈیرہ غازیخاں ۲۸۲، ۴۴۴
ڈیری والہ ۱۶۹

ر۔ز

راولپنڈی ۲۱، ۲۲، ۳۲۸، ۳۶۰
ربوہ ۲۶۰، ۳۸۳
رجادہ ۴۶۴
روپڑ (انبالہ) ۹۲
روس ۴۲۲
رہتک ۶۸، ۷۰
زنجبار ۹۰، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۷، ۲۵۴، ۲۵۸، ۲۶۱، ۲۶۷
زومبار ۸۹

س۔ش

سانبھر ۳۰۰
سنکوہا ۳۵۱، ۴۷۰
سنوبین ہال ۹۰
سٹھیالی ۴۸۹
سرائیل (بنگال) ۱۴۱
سرحد ۲، ۱۹
سرگودھا ۱۷۲
سرلونیاں (اڑیسہ) ۱۶

سرینگر ۵۳۹
سگلی ۹۰
سماٹرا ۹۰، ۱۳۱، ۲۷۹، ۴۷۳
سندھ ۱۹۶، ۱۹۷
سوچیت گڑھ ۳۶۰
سوڈان ۲۶۵
سومالی لینڈ ۲۳۸
سونگھڑہ (کٹک) ۲۸۶، ۴۹۱
سویز ۱۹۱، ۱۹۲
سہارنپور ۸۱
سیالکوٹ ۱۴۱، ۳۶۰، ۳۶۳
سیدگاہ ۲۹۵
سیدوباغ ۹۲
سیلون ۳۱۲
شام ۷، ۱۳۰
شاہپور (بنگال) ۱۴۰
شاہجہانپور ۱۵، ۳۶
شاہ مسکین ۹۳، ۲۸۳
شملہ ۱۵، ۲۱، ۲۲، ۴۷، ۷۶، ۱۳۲، ۲۰۶، ۲۹۰، ۳۹۴، ۳۹۵، ۴۵۵
شکاگو ۹۰، ۱۱۸
شہباز پور (بنگال) ۹۳
شیخوپورہ ۱۷۲
شیرنگر ۲۸۳

ع۔غ

عراق ۷
علی پور ۳۵۳
علی گڑھ ۸۱، ۸۲، ۱۰۳، ۳۸۳
غازی آباد ۱۴۱

ف

فتح پور (گجرات) ۲۸۵
فرانس ۴۲۵، ۵۴۰، ۵۴۱
فلسطین ۷، ۸۹، ۱۳۸، ۲۷۹
فیروز پور ۱۴۸، ۱۵۰، ۲۷۸، ۴۵۹، ۴۶۱
فیروزوالہ (گوجرانوالہ) ۲۸۳
فیصل آباد ۱۵، ۱۶۲ تا ۱۷۳، ۲۸۲، ۵۲۸

ق

قادیان ۲، ۳، ۱۴، ۱۷، ۲۰، ۲۲، ۲۵ تا ۲۷، ۳۷، ۳۹، ۶۶، ۷۲، ۸۵، ۸۸، ۹۵، ۹۶، ۹۸، ۱۱۲، ۱۲۳ تا ۱۲۷، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۵، ۱۶۴، ۱۶۹، ۱۷۷ تا ۱۷۹، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۸، ۲۱۰ تا ۲۱۲، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۴، ۲۵۵، ۲۷۸، ۲۹۰، ۳۵۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۸۳، ۳۸۶، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۲، ۳۹۳، ۴۰۴، ۴۱۴ تا ۴۱۹، ۴۲۷ تا ۴۲۹، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۴۲، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۸ تا ۴۵۰، ۴۵۵ تا ۴۶۲، ۴۶۵ تا ۴۷۰، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۸، ۴۸۲، ۴۸۴ تا ۴۸۹، ۴۹۸ تا ۵۰۲، ۵۲۸، ۵۵۱، ۵۵۸، ۵۵۹
قاہرہ ۱۹۱، ۱۹۲
قصور ۱۴۸، ۵۱۰

ک۔گ

کابل ۱۴۴، ۲۹۴، ۳۸۵
کالی کٹ ۱۵۰ تا ۱۵۲
کانو ۲۷۹
کبابیر ۲۷۹
کپورتھلہ ۱۵
کراچی ۲۲۹، ۲۸۱
کرنال ۲، ۳۵، ۶۸
کسموں ۲۳۳، ۲۳۷، ۲۵۵، ۲۵۹، ۲۶۸، ۳۱۳
کشمیر ۲، ۸، ۳۳۵، ۳۶۸، ۳۹۲، ۳۹۴
کلاسوالہ ۲۸۲، ۲۸۶
کلکتہ ۲۱، ۱۲۴، ۲۸۶، ۳۱۸، ۳۴۲
کلنڈینی ۲۳۷ تا ۲۳۹
کلیولینڈ ۹۰
کمپالہ ۲۴۴، ۲۵۷، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۷۴
کوپتہ راجہ ۹۰
کوٹلی (گجرات) ۱۳۶
کوہالہ ۳۶۰
کینیا ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۵۸، ۲۶۶ تا ۲۶۸، ۲۷۳، ۲۷۵، ۳۱۲، ۳۱۳
کھرپڑ ۲۳۲
گوبند پورہ ۹۴
گڑھ شنکر ۵۲۷
گنج مغلپورہ (لاہور) ۹۳
گوجرانوالہ ۱۴۸
گوجرہ ۲۸۵، ۴۹۲
گورداسپور ۳۵، ۹۷، ۳۹۲، ۴۵۶ تا ۴۵۸، ۵۰۷
گوڑگاؤں ۶۸، ۷۵
گولڈکوسٹ (غانا) ۸۹
گکھڑ ۴۹۱

ل

لالہ موسیٰ ۲۸۱

لاہور ۸، ۲۱، ۱۶، ۲۱، ۲۲، ۷۱، ۷۲، ۸۸، ۹۲، ۹۶، ۹۷، ۱۱۲، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۶۴، ۱۶۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۲۸۰، ۴۱۰، ۴۱۸، ۴۷۰، ۴۹۰، ۵۰۴، ۵۰۸ تا ۵۱۰، ۵۱۴ تا ۵۱۶، ۵۲۷، ۵۴۰

لدھیانہ ۸۱، ۱۴۱، ۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۰، ۳۳۲، ۴۱۸، ۴۹۱، ۵۲۸

لکھنو ۴۲، ۷۷

لنڈن ۹۷، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۳۹، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۹، ۲۷۹، ۳۸۲

لیرا ۲۶۸

لیگوس ۲۷۹

م

ماریشس ۴۰۹

مالابار ۲۳۱

مالیرکوٹلہ ۱۸۵

مانانوالہ ۱۴۰

مانگرول ۱۲۹

مناری (سندھ) ۱۴۰

مجوکہ ۹۱

محمود آباد (سندھ) ۸۰

مدراس ۲۹۱

مدرسہ چٹھہ ۱۴۲

مڈھ رانجھہ ۴۹۲

مرادآباد ۲

مسا کا ۲۶۸

مسانیاں ۴۹۰

مصر ۵، ۷، ۱۳۰، ۱۳۸، ۲۷۹، ۳۲۶

مظفر پور ۱۷۷

مکہ ۳۸۴

مکیانہ (گجرات) ۲۸۴

مگاڈی ۲۴۳، ۲۴۶، ۲۴۸

ملتان ۴۷۰، ۴۸۴

ممباسہ ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۴، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۵۵، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۸، ۳۰۸

منالی ۴۸۲

منجن گڑھ ۴۹۲

میانجی خیل ۴۹۲

مونگیر ۱۷۶

میرپور (آزاد کشمیر) ۳۶۱

میرٹھ ۱۶، ۸۱، ۸۲، ۳۴۵، ۵۳۲

میرو (نیروبی) ۲۳۸، ۲۴۴، ۲۴۶

ن

نانگھم ۲۷۹

نارووال ۴۹۱

نت ۴۹۰

نکورو ۲۴۷

نورمحل ۱۴۰

نیاسالینڈ ۸۹

نیروبی ۲۴۴ تا ۲۵۱، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۸، ۲۷۵، ۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۳

نیری ۲۴۷

نیویارک ۹۰، ۱۳۹

و۔ہ۔ی

وزیرآباد ۹۲، ۱۴۱، ۴۹۰

ہٹسن (امریکہ) ۲۶۵

ہرچووال ۴۴۹

ہندوستان ۴، ۱۶، ۲۳، ۲۴، ۵۹، ۶۲، ۶۷، ۹۷، ۱۰۲ تا ۱۰۵، ۱۱۶، ۱۲۶، ۱۳۹، ۱۵۵، ۱۶۰، ۱۷۴، ۱۹۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۸، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۴۸، ۲۵۰، ۳۱۷، ۳۲۳ تا ۳۲۵، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۱ تا ۳۳۳، ۳۳۸ تا ۳۴۰، ۳۴۳، ۳۴۸، ۳۵۳، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۳ تا ۳۸۵، ۳۸۹، ۳۹۲، ۳۹۸، ۴۰۰، ۴۰۸، ۴۴۵، ۴۴۷، ۵۱۲، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۴۳، ۵۴۴

ھنگو (کوہاٹ) ۲۸۳

ہوشیار پور ۵۲۸

ہوم سٹیڈ ۹۰

یادگیر ۲۳۱، ۲۷۷

ینگس ٹاون ۹۰

یوپی ۳۲۹، ۴۰۴

یورپ ۴، ۶، ۱۸۸، ۴۰۹، ۴۲۵، ۴۷۳

یوگنڈا ۲۳۴ تا ۲۳۷، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۵۰، ۲۵۵، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۷۵، ۳۱۱ تا ۳۱۳

☆☆☆

کتابیات

تفسیر

روح المعانی ۴۶، ۴۷

کتب حضرت مسیح موعودؑ

احمدی اور غیر احمدی میں فرق (سواحیلی) ۲۶۹
اسلامی اصول کی فلاسفی ۱۴
الوصیت ۹
انجام آتھم ۵۳
ایک غلطی کا ازالہ (سواحیلی) ۲۶۹
پیغام صلح ۳۴۶
تذکرہ ۱۵۴
تذکرۃ الشہادتین ۵۳۶
حقیقۃ المہدی ۵۴۳
فتح اسلام ۳۸۵، ۵۴۳
کشتی نوح (سواحیلی) ۲۶۹
نور الحق حصہ اول ۳۸۴، ۵۴۳

کتب خلفاء سلسلہ

اسلام اور دیگر مذاہب (سواحیلی) ۲۶۹
افریقن کس طرح ترقی کر سکتے ہیں (سواحیلی) ۲۶۹
الکفر ملة واحدة (سواحیلی) ۲۶۹
الموعود ۵۴۰
پیغام احمدیت (سواحیلی) ۲۶۹
سرزمین کابل میں ایک تازہ نشان کا ظہور ۱۲۴
نظام آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر ۵۵۰
وہی ہمارا کرشن (گجراتی) ۲۶۹

کتب مصنفین سلسلہ

آسمانی آواز (سواحیلی) ۲۶۹
آنحضرت ﷺ کی صفات کاملہ (انگلش) ۲۷۰
اچھوتوں کی درد بھری کہانیاں ۱۴۳
احمدیہ تحریک (انگلش) ۲۷۰
اسباق الاسلام (سواحیلی) ۲۶۹
اسلام اور غلامی (سواحیلی) ۲۶۹
اسلام کیا ہے (انگلش) ۲۷۰
اسلام کی پہلی کتاب ۹۱
اسلام میں بیاہ اور شادی (سواحیلی) ۲۶۹
اسوۂ حسنہ (سواحیلی) ۲۶۹
اظہار الحق ۴۵، ۱۴۴
الانذار (سواحیلی) ۲۶۹
الوہیت مسیح (گجراتی) ۲۶۹
امتحان پاس کرنے کے گر ۲۸۰
برق احمدیت ۱۴۳
بشارت احمد ۲۸۰
تحقیق واقعات کربلا ۹۱
تصدیق احمدیت ۲۸۰
تفہیمات النبیہ ۹۱
جماعت احمدیہ کے عقائد (گجراتی) ۲۶۹
چشمہ عرفان ۲۸۰، ۵۴۹
حربہ تکفیر اور علماء زمانہ ۳۰۶
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت (گجراتی) ۲۶۹
حیات احمد ۲۸۰، ۳۰۸
حیات بشیر ۳۰۳
حیات حسن ۲۷۸
خاتم القلوب (گجراتی) ۲۶۹
درود شریف ۱۴۴، ۵۴۳
ذکر حبیب ۵۴۷
روزے کی کتاب (لوگنڈا) ۲۶۹
رہنمائے تبلیغ ۹۰
سچائی کی فتح (گجراتی) ۲۶۹
سیرت خاتم النبیین (سواحیلی) ۲۶۹
سیرت رسول مقبول (لانگو) ۲۶۹
شری نہہ کلنک اوتار (گجراتی) ۲۶۹
صرف ونحو جدید فیض ۱۴۳
عروج احمدیت ۲۸۰
عقیدہ حیات مسیح اور مولوی عبداللہ شاہ کی درماندگی (گجراتی) ۲۶۹
فاتح محمد (انگلش) ۲۶۹
فتح کا راستہ (انگلش) ۲۷۰
فضائل اسلام (لوگنڈا) ۲۶۹
قادیان میں سازش کے متعلق پنجاب ہائی کورٹ کا فیصلہ (انگلش) ۲۷۰
کامل ایمان کس کا ہے (گجراتی) ۲۶۹
کتب مقدسہ میں بعثت ثانیہ کی پیشگوئی

(انگلش) ۲۷۰
محمد (انگلش) ۲۷۰
محمد افضل الرسل ۲۷۰
محمد بائیبل میں (انگلش) ۲۷۰
مسیح کی موت میں اسلام کی زندگی
(گجراتی) ۲۶۹
مضامین لطیفہ ۴۴
مفتاح التذکرہ ۱۵۴
مقدس نبی محمد (لوزبان) ۲۶۹
مقدمہ بہاولپور ۴۲،۹۰
مکمل تبلیغی پاکٹ بک ۹۱
موجودہ عیسائیت دین حق نہیں
(کساما) ۲۶۹
مولوی عبداللہ شاہ سے دو حرفی
فیصلہ (گجراتی) ۲۶۹
میں مسلمان کیوں ہوا (انگلش) ۲۷۰
نبوت کے متعلق بزرگان ملت کا خیال اور
حضرت مسیح موعودؑ کی نبوت کی حقیقت
(گجراتی) ۲۶۹
نماز کی کتاب (سواحیلی) ۲۶۹
نور اسلام ۲۸۹
وفات مسیح (گجراتی) ۲۶۹
ہادی برحق کے احکام و ہدایات
(سواحیلی) ۲۶۹
ہم اسلام کیوں قبول کریں (سواحیلی) ۲۶۹
ہمارا محمد (گجراتی) ۲۶۹
ہمارا محمد دلوں کا فاتح (انگلش) ۲۶۹
ہمارا مذہب ۲۸۰
ہندو راج کے منصوبے ۵۳۱،۵۳۴،۵۳۶
یکے ندائے از زمین قدسیاں (گجراتی)
۲۶۹

کتب مخالفین احمدیت

تازیانہ عبرت ۵۴۷
تحریک قادیان ۵۳۶،۵۴۹
ترک مرزائیت ۱۴۳
روئداد جلسہ مجلس احرار اسلام قادیان ۵۴۸،۵۴۹
قادیانی مذہب ۲۸۰

اسلامیات

الاقتصاد فی مسائل الجہاد ۳۸۶
تذکرہ (از ابوالکلام آزاد) ۵۴۲
تذکرہ (خواجہ سلیمان تونسویؒ) ۵۴۱
جامع الشواہد ۳۰۶
حدیقۃ شہداء ۳۰۶
حسام الحرمین ۳۰۶
دین اور آئین ۵۱
ردتبراء ۳۰۶
فیوضات فریدیہ ۵۵۶
ہدایۃ السائل ۳۲۴

ادب ، لغت

بانگ درا ۳۱۵
چمنستان ۵۳۶،۵۴۷،۵۵۷
سرود رفتہ ۵۴۵
نگارستان ۵۳۹،۵۵۷
تسہیل العربیہ ۱۴۳

کتب اہل کتاب

آؤٹ لائنز آف ایسٹ افریقن سوسائٹی
۲۷۰
احمدیہ افریقہ میں ۲۶۳
اسلام ان ایسٹ افریقہ ۲۷۳،۳۱۲
انٹروڈکشن ٹو دی ہسٹری آف ایسٹ
افریقہ ۲۵۹
اے نیوڈے ان کینیا ۲۳۵
ریلیجنز ان افریقہ ٹوڈے ۳۱۳

سیرت و تاریخ

احراریات ۵۳۸
اقبال اور سیاست ملی ۵۳۴،۵۴۰
اقبال کے آخری دو سال ۴۰۰،۵۴۷،
۵۵۷،۵۵۸
ایک خوفناک سازش ۵۱۳،۵۴۷،۵۵۷
بہادر شاہ کا مقدمہ ۵۳۲
پاکستان اور اچھوت ۵۳۴،۵۳۵،۵۴۲
پٹنہ لاء جرنل ۲۹۱
تاریخ احرار ۳۶۱،۴۱۵،۵۱۲،۵۲۳،
۵۲۷،۵۳۴،۵۳۵،۵۳۷،۵۳۸،۵۴۲،
۵۴۳،۵۴۷،۵۴۸،۵۵۷،۵۵۸
تاریخ انقلابات عالم ۵۳۱،۵۳۵
تاریخ اقوام عالم ۳۲۵،۵۳۲
تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ ہند
۳۲۱،۵۳۲
تحریک آزادی ۵۳۴،۵۳۶
تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء
۵۳۴،۵۳۵،۵۴۱،۵۵۸
تحریک کشمیر ۵۳۸
ترکوں کے ارمنوں پر فرضی مظالم
۳۲۶،۵۳۳

تقاریر مولانا ظفر علی خاں ۵۳۷
جناح ۱۰۴
خلیفہ قادیان ۵۳۶
خون کے آنسو ۲، ۲۸۹
خطبات احرار ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۸
خطبات ابوالکلام آزاد ۵۳۵
داستان غدر ۳۲۱، ۵۳۲، ۵۳۳
دہلی کی جان کنی ۵۳۱، ۵۳۳
رؤسائے پنجاب ۳۸۶
رئیس الاحرار ۳۳۵، ۳۴۱
سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری
۴۱۶، ۵۳۵، ۵۳۷، ۵۴۰، ۵۴۸، ۵۵۲،
۵۵۴، ۵۵۸، ۵۵۹
سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۵۳۵، ۵۳۶،
۵۳۸، ۵۴۰، ۵۴۷، ۵۵۸، ۵۵۹
سیرت ثنائی ۵۳۷
ظفر علی خاں ۵۳۵، ۵۳۷، ۵۵۷
ظفر علی خاں اور ان کا عہد ۵۵۸
ظفر علی خاں کی گرفتاری ۵۴۴، ۵۴۵
فتنہ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں ۵۳۶
فسادات 1953ء کا پس منظر ۳۴۴، ۵۴۳
فیصلہ مقدمہ بہاولپور ۲۹۱ تا ۲۹۳
قائد اعظم اور ان کا عہد ۳۰۷
کشمیر ۳۶۶، ۵۳۸
مارشل لاء سے مارشل لاء تک ۵۴۴، ۵۴۷، ۵۴۸
مزاج شناس رسول ۵۳۸
مسلمانان ہند کی حیات سیاسی ۵۲۱، ۵۵۸
مسلمانان ہند کی سیاسی کشمکش ۵۴۲
مشاہدات کابل و یاغستان ۵۳۶، ۵۴۳
مقدمہ بر کتاب اسباب بغاوت ہند ۵۳۱
میری کہانی ۳۲، ۳۳۲
نقش حیات ۵۳۱
ہماری قومی جدوجہد ۳۸۰، ۵۴۲
ہمارے فرقہ وارانہ فیصلہ کا استدراج
۵۳۴، ۵۳۶

اخبارات و رسائل

اخبار آریہ گزٹ ۹۶، ۲۹۷، ۳۸۱، ۵۳۶
اخبار آریہ مسافر۔ دہلی ۳۷۶
اخبار آریہ ویر۔ لاہور ۵۳۴، ۵۴۱
اخبار آزاد۔ لاہور ۳۴۲، ۳۷۰،
۵۴۰، ۵۴۲، ۵۴۳
اخبار اتحاد۔ پٹنہ ۱۷۵
اخبار احرار۔ لاہور ۲۵، ۳۶۲، ۳۶۷، ۳۶۸
اخبار احسان۔ لاہور ۳۷۳، ۴۲۹،
۴۶۴، ۴۷۱، ۴۸۹، ۵۵۴، ۵۵۵
اخبار اسلامی دنیا۔ قاہرہ ۱۴۷
رسالہ اسلامی دنیا۔ دہلی ۵۱۷
اخبار اشاعت السنہ۔ لاہور
۳۸۶، ۳۹۰، ۵۳۲، ۵۴۷
اخبار افریقہ سینٹینل۔ تنزانیہ ۲۵۵
اخبار افضل۔ بہار نپور ۵۴۳
اخبار الاقدام۔ فلسطین ۸۹
اخبار الامان۔ دہلی ۵۱۶، ۵۳۴
رسالہ البشارۃ الاسلامیہ۔ فلسطین ۸۹
اخبار البلاغ۔ کلکتہ ۳۷۹
اخبار البیان۔ نیویارک ۱۳۹
اخبار الجامعۃ الاسلامیہ۔ فلسطین ۱۱۶
اخبار الجمعیۃ۔ دہلی ۳، ۱۷۵، ۳۳۳
اخبار الحکم۔ قادیان ۱۴۷، ۱۴۸، ۵۵۱
اخبار الصراط المستقیم۔ فلسطین ۸۹
اخبار الفتح۔ قاہرہ ۵
رسالہ الفرقان۔ ربوہ ۵۵۰
اخبار الفضل ۳۵، ۴۳، ۶۹، ۸۳، ۱۱۴،
۱۲۸ تا ۱۳۰، ۱۵۱، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۱، ۱۸۶، ۳۸۱
۳۹۴، ۳۹۵، ۴۱۴، ۴۹۴، ۵۰۲، ۵۳۹، ۵۵۲
اخبار الفلسطین ۸۹
رسالہ المائدہ ۵۴۷
اخبار المقطم قاہرہ ۱۹۱
اخبار الہدیٰ ۲۴۵
اخبار انقلاب۔ لاہور
۲۴، ۲۵، ۸۳، ۱۷۵، ۳۴۴، ۵۰۹
اخبار اودھ۔ لکھنؤ ۷۷، ۲۹۴
اخبار اہل حدیث۔ امرتسر ۱۵، ۱۷۵،
۳۶۹، ۵۱۹، ۵۲۷، ۵۴۰، ۵۴۳
۵۵۱، ۵۵۵، ۵۵۸
اخبار ایسٹ افریقن ٹائمز ۲۶۲، ۲۶۳،
۲۷۲، ۳۱۴
اخبار ایجپشن گزٹ۔ اسکندریہ ۱۰۲
اخبار بدر قادیان ۲۹۹، ۳۰۵، ۵۳۶
اخبار برازا۔ کینیا ۲۵۵
اخبار بندے ماترم۔ لاہور ۵۵۷
اخبار پاکستان ٹائمز۔ کراچی ۳۱۴
اخبار پایونیر۔ الہ آباد ۱۰۲
اخبار پرتاب۔ لاہور ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۷۵
اخبار پرکاش۔ لاہور
۴، ۳۱، ۱۷۵، ۳۸۷، ۵۳۶

اخبار پریم۔لاہور ٢٠٩
اخبار پریم پرچارک ٥٥١
اخبار پیسہ۔لاہور ٣١،٣٦٥،٣٧٨
اخبار پیغام حق۔قادیان ٣٥٢،٣٥٣،٤١٥
اخبار پیغام صلح۔لاہور
٤٦٤،٥٣٥،٥٣٦،٥٥١
اخبار تازیانہ ریویو ٢
رسالہ ترجمان اسلام۔لاہور ٥٣٥،٥٤١
اخبار تیج۔دہلی ٥٣٤
اخبار تانگانیکا سٹینڈرڈ ٢٥٥
اخبار ٹریبیون۔لاہور ٣١،٣٣،٥٣٤
اخبار ٹائم۔امریکہ ٢٦٤
رسالہ چٹان۔لاہور ٣٤١
اخبار حق لکھنؤ ٥١١،٥٥٧
اخبار حقیقت۔لکھنو ٧٧،١٥٤،١٧٥،٢٩٤،٥١٠
رسالہ خالد۔ربوہ ٥٥٠
اخبار خلافت۔بمبئی ٣
اخبار دی ایوننگ سٹینڈرڈ۔لندن ١٠٢
اخبار سٹیٹس مین۔کلکتہ ١٠٢،١٧٥،٤٦١
اخبار دی کینٹن ڈیلی سن۔چین ٥٣٦
اخبار دی سنڈے پوسٹ۔نیروبی ٣١٣
رسالہ دین ودنیا۔دہلی ٣٧٧
اخبار ڈیلی گزٹ۔کراچی ٢٠٥
رسالہ رفیقی ییتو۔ممباسہ ٢٤٩
اخبار رہنما۔راولپنڈی ٣٦٨
اخبار زمزم۔لاہور ٥٣٥
اخبار زمیندار۔لاہور ٣،٣٣،٣٤،
١٧٥،١٩٤،١٩٦،١٩٧،٣٦٧،٣٧٦،
٣٨٠،٣٨٧،٣٩٢،٤٠٣،٤٠٤،٤٢٩تا٤٣١،
٤٦٤،٤٧١،٤٨٩،٥١٨،٥٣٥،٥٣٧،
٥٣٩،٥٤٢،٥٤٤،٥٤٧،٥٤٩تا٥٥١،
٥٥٤،٥٥٧،٥٥٨
اخبار سالار۔بمبئی ١٤٧
اخبار ستارہ سندھ۔ ١٩٦،٣٠٦
اخبار سٹرن (STERN) مغربی جرمنی
٢٩٧
اخبار سرچ لائٹ۔پٹنہ ١٧٥
اخبار سرپنچ لکھنؤ ٥١٩
اخبار سرفراز لکھنؤ ١٥٥۔١٧٥
اخبار سنڈے ٹائمز۔لنڈن ١٠٥،٢٧٣،٣١٤
اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ ١٠٥،١٣٩،
١٧٥،٣٩٠
اخبار سیاست۔لاہور
٣٣،٣٤،٧٢،١٢٦،١٧٥،٢٠١،٢٠٢،
٣٠٧،٤٦٨،٥٠٨،٥١٠،٥١٤،٥٥٧
رسالہ شاہکار۔لاہور ٢٠٣،٣٠٧
اخبار شیر پنجاب۔لاہور ٣٨١
رسالہ ضیاء الاسلام۔مرادآباد ٥٣١
اخبار عادل۔دہلی ١٢٦،٥٤٩،٥٥٠
اخبار عزیز ہند۔جھانسی ٢٠٠
اخبار فاروق۔قادیان ٢٩٧،٢٩٩،٣٠١
رسالہ قاسم العلوم۔دیوبند ٥٢١
اخبار قومیت۔لاہور ١٩٨
رسالہ کی انگوزی۔ٹبورا ٢٥٧
اخبار کیسری۔لاہور ٢٤
اخبار کینیا ڈیلی میل ٢٥٥
اخبار لائف۔امریکہ ٢٦٦
رسالہ ماپینزی یامنگو۔نیروبی ٢٤٨
اخبار مجاہد۔لاہور ٣٣٥،٤٩٣،٥٠٧،
٥٣٦،٥٥٧،٥٥٩
اخبار مدراس میل ١٠٢،١٠٤،١٠٥
اخبار مدینہ۔بجنور ١٧٥،٥٣٤،٥٤٣،٥٥٢
اخبار مسلم۔نیروبی ٢٥٠
اخبار مسلم گزٹ۔کلکتہ ٥١٨
اخبار مشرق۔لاہور ٢٦٤
اخبار ملاپ۔لاہور
٢٤،٦٦،٩٧،١٢٩،١٧٥،٢٩٨،٣٠٣،
٣٤٨،٣٨١،٥٣٤،٥٣٥،٥٤٠،
اخبار ممباسہ ٹائمز۔کینیا ٢٧١
اخبار منادی۔دہلی ٥١٤
رسالہ ندیم۔گیا ٢٠٨
اخبار نقوش۔لاہور ٥٤٤،٥٥٨
اخبار نوائے پاکستان۔لاہور ٣١٣،٥٤٣
اخبار نوائے وقت۔لاہور ٢٧٥
اخبار نوجوان افغان۔ہری پور ہزارہ ٥١١
رسالہ نور اسلام۔از ہر قاہرہ ٦
اخبار نورافشاں۔لدھیانہ ٣٧٦
اخبار نیشنل کانگریس۔لاہور ٥٣٥
نیوز ویک۔امریکہ ٢٦٤،٢٦٦
اخبار ویر بھارت۔لاہور ٥٠٩
اخبار ویسٹ افریقہ۔لنڈن ١٠٢
اخبار ہلال۔راولپنڈی ٥٥٨
ہمدرد۔دہلی ٣٧١
اخبار ہمدم۔لکھنو ٧٧،٧٨،٢٩٤
اخبار ہند جدید۔کلکتہ ٣٣٧
اخبار ہندو۔مدراس ١٠٢
اخبار ہندوستان ٹائمز۔دہلی ٣٣٢
اخبار یوگنڈا آرگس ٢٧١

تاریخِ احمدیت

جلد ہشتم

تحریک جدید کی بنیاد سے لیکر خلافت جوبلی تک

(۱۹۳۴ء تا ۱۹۳۹ء)

مؤلفہ

دوست محمد شاہد

الناشر

ادارۃ المصنّفین۔ ربوہ مغربی پاکستان

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد ہفتم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-114-3

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-7 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt.Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-114-3

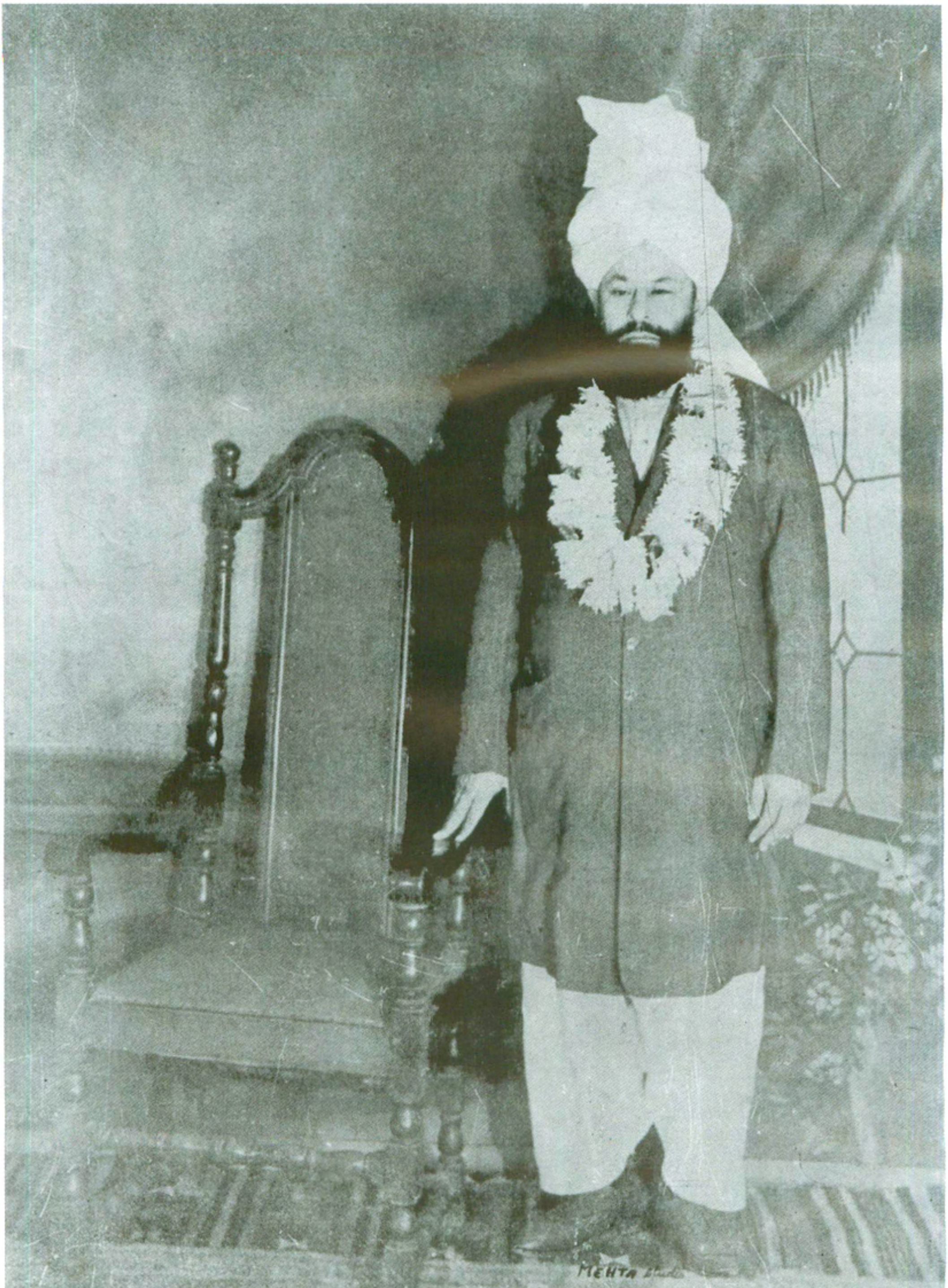

شبیہ مبارک سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(دسمبر ۱۹۳۹ء)

مجلس مشاورت قادیان دارالامان کے دومناظر

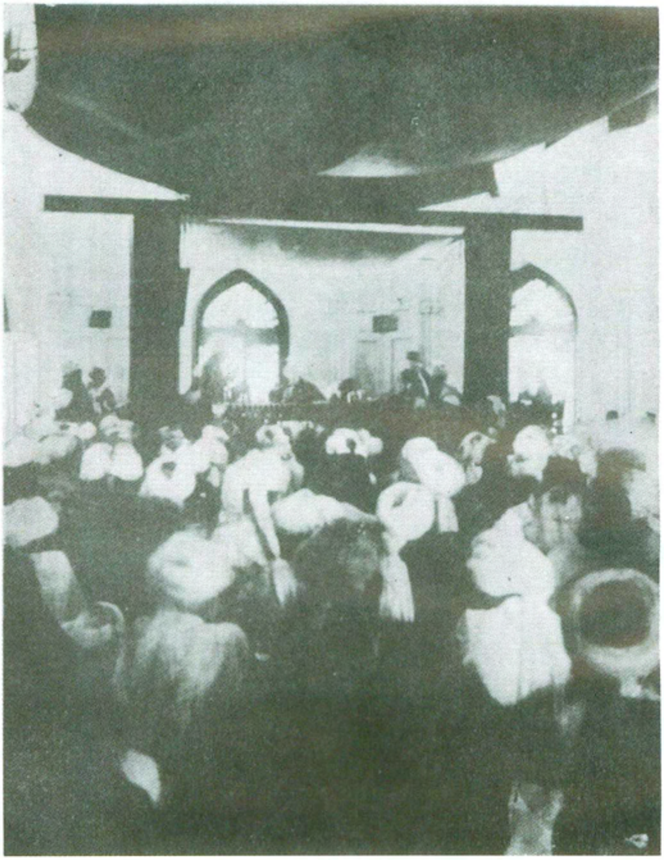

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ مسجد اقصیٰ قادیان میں خطبہ جمعہ کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔
پیچھے خان میر خان صاحب اور دوسرے پہرے دار ہیں

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ صدارت فرما رہے ہیں۔
حضور کے دائیں جانب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ہیں (مقام شوریٰ تعلیم الاسلام ہائی سکول ہال قادیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جا بجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرّخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنّفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نور الحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۸ کو جلد نمبر ۷ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان بھی تاریخ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد ہفتم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر و اشاعت قادیان)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْد

تاریخِ احمدیت کی آٹھویں جلد

(رقم فرمودہ مکرم و محترم چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب)

الحمد للہ کہ تاریخ احمدیت کی آٹھویں جلد طبع ہو کر اشاعت کے قریب پہنچ چکی ہے۔ اس جلد میں ۱۹۳۴ء کے آخر سے لے کر ۱۹۳۹ء کے آخر تک کے واقعات درج ہیں۔ گویا اس جلد کے ساتھ سلسلہ احمدیہ کی پہلی نصف صدی کی تاریخ کی تکمیل ہوتی ہے۔ خاکسار کو ابھی اس جلد کے مطالعہ کا موقعہ تو نہیں ملا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ تاریخی لحاظ سے اس جلد کی اہمیت کسی پہلی جلد سے کم نہیں۔

جلد ہفتم کے آخر میں اُن افسوسناک اور عبرت انگیز واقعات کا ذکر ہے جو حکومتِ پنجاب اور مجلسِ احرار کی متفقہ مخالفت کے نتیجے میں سلسلہ احمدیہ کے لئے نازک صُورت اختیار کر گئے۔ احرار کانفرنس کے دوران میں خاکسار انگلستان میں تھا۔ نومبر میں واپس لاہور پہنچا۔ ایک رات لاہور ٹھہر کر دوسری صُبح قادیان حاضر ہوا۔ اور اسی شام لاہور لوٹ آیا۔ تفصیلی واقعات کا علم خاکسار کو قادیان میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانیؓ کی زبانِ مُبارک سے حاصل ہوا۔ جناب میاں سر فضل حسین صاحب کا جو بھی پیغام حضورؓ کی خدمت میں پہنچا وہ خاکسار کے توسّط سے نہیں پہنچا تھا۔ خاکسار اُس وقت تک ابھی انگلستان میں تھا۔

قادیان سے واپسی کے دُوسرے دن سر ہربرٹ ایمرسن گورنر پنجاب کا پیغام خاکسار کو ملا کہ وہ خاکسار کی ملاقات کے متمنی ہیں۔ یہ ملاقات دو گھنٹے تک جاری رہی۔ گورنر صاحب نے بتفصیل اپنا نقطۂ نظر بیان کیا۔ خاکسار خاموشی سے سُنتا رہا۔ جب وہ بیان ختم کر چکے جب بھی خاکسار خاموش رہا۔ انہیں توقع ہو گی کہ خاکسار اپنی طرف سے کسی رائے کا اظہار کرے اور خاکسار کو کوئی غرض لے کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوا نہیں تھا۔ اُن کی خواہش کی تعمیل میں حاضر ہو گیا تھا۔ خاکسار کو بالکل خاموش پا کر انہوں نے پھر اپنی پہلی تقریر کو مختصر طور پر دوہرایا اور آخر میں کہا میں تسلیم کرتا ہوں کہ احرار کو قادیان میں کانفرنس کرنے کی اجازت دینا غلطی تھی انہوں نے اس موقعہ سے بہت بیجا فائدہ اُٹھایا اور اُسے صرف سلسلہ اور بانیٔ سلسلہ کے خلاف اشتعال پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا مرزا صاحب کے احساسات اور جذبات کو جو صدمہ پہنچا ہے اس کا بھی میں اندازہ کر سکتا ہوں۔ انہوں نے چند ہفتوں سے اپنے خطبات

جمعہ میں اپنے رنج کا اظہار کرنا شروع کیا ہے جس کے ساتھ مجھے کسی قدر ہمدردی بھی ہے لیکن اب وہ بہت کچھ کہہ چکے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب یہ سلسلہ ختم کیا جائے

ظفر اللہ خان۔ تو مجھ سے آپ کیا چاہتے ہیں؟

سر ہربرٹ ایمرسن۔ تم اپنا اثر استعمال کر کے اس قضیئے کو ختم کرا دو۔

ظفر اللہ خان۔ میں کس حیثیت سے اس معاملے میں دخل دے سکتا ہوں؟ آپ ابھی فرما چکے ہیں کہ جہانتک سلسلے کا تعلق ہے آپ امام جماعت احمدیہ کے علاوہ کسی اور فرد کو کسی حیثیت سے بھی سلسلے کا نمائندہ تسلیم نہیں کرتے۔ خاکسار کو جناب امام جماعت احمدیہ نے اپنی نمایندگی کرنے کا فخر نہیں بخشا۔

سر ہربرٹ ایمرسن۔ تمہیں بہرصورت اس معاملے میں دلچسپی تو ہے اور تم ضرور چاہتے ہوگے کہ یہ قضیہ ختم ہو۔

ظفر اللہ خان۔ دلچسپی ہی نہیں میرے لئے یہ امر حد درجہ قلق کا موجب ہے کہ حکومت نے بلاوجہ امام جماعت اور سلسلے کی توہین کی سعی کی۔

سر ہربرٹ ایمرسن۔ یہ تو بہت سنجیدہ الزام ہے۔

ظفر اللہ خان۔ واقعات شاہد ہیں۔ اس مرحلہ پر خاکسار نے واقعات پر مختصر تبصرہ کر کے الزام ثابت کرنے کی کوشش کی۔ سر ہربرٹ نے بات تو تحمل سے سُن لی لیکن کہا آپ ضرورت سے زیادہ ذکی الحس ہو رہے ہیں۔ خاکسار نے کچھ جوش میں کہا۔ بجا ہے۔ جہاں ایسی اقدار اور ایسی ہستیوں کا تعلق ہو جو انسان کو جان سے عزیز ہوں وہاں انسان ان کی نظر میں جنہیں ایسی کوئی وابستگی نہ ہو ضرورت سے زیادہ ذکی الحس نظر آتا ہے۔ اس مرحلے پر خاکسار اجازت لے کر رخصت ہوا۔

دوسرے دن گورنر صاحب نے پھر پیغام بھیجکر بلوایا اور کہا کچھ تدبیر ہونی چاہیئے۔ مَیں نے دریافت کیا۔ کیا تدبیر ہو؟ انہوں نے کہا تم مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر میری طرف سے کہو کہ وہ اپنا نقطہ نظر پبلک میں واضح کر چکے ہیں اور مجھے ان کے رنج میں ہمدردی ہے۔ اب خُطبات کا یہ سلسلہ بند ہو جائے تو مناسب ہے۔ مَیں نے کہا میری نگہ میں حکومت کو کم سے کم یہ تو تسلیم کرنا چاہیئے کہ نوٹس امام جماعت احمدیہ کے نام جاری نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ بفرضِ محال اگر کوئی قانونی ذمہ داری تھی بھی تو وہ سلسلہ کے افسر کی تھی جس کی طرف سے چٹھیاں جاری ہوئی تھیں۔ گورنر صاحب نے کہا ممکن ہے حکومت یہ بھی تسلیم کرلے لیکن اس بات کو ظاہر کیا جائے

خاکسار حضرت خلیفۃ المسیح رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور جو بات چیت گورنر صاحب کے ساتھ ہوئی تھی حضور رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں گذارش کر دی۔ حضور نے فرمایا مجھے حکومت کو دِق کرنا مُراد نہیں۔ لیکن مَیں یہ تو نہیں کر سکتا کہ حکومت کی طرف سے خفیہ تسلی دیئے جانے پر یکلخت خاموش ہو جاؤں۔ مجھے تو سلسلے کا احترام اور وقار مطلوب ہے۔ اگر مَیں بغیر کسی اعلان یا اظہار کے خاموش ہو جاؤں تو اس سے تو سلسلے کے وقار کو پہلے کی نسبت زیادہ صدمہ پہنچیگا یہی فرض کیا جائیگا کہ حکومت نے مجھے دھمکی دے کر خاموش کر دیا۔ مجھے کم سے کم

یہ تو کہنا ہوگا کہ حکومت نے ان امور میں میرا موقف تسلیم کر لیا ہے۔ خاکسار نے لاہور واپسی پر حضور رضی اللہ عنہ کا ردِ عمل گورنر صاحب کی خدمت میں گذارش کر دیا۔ گورنر صاحب نے اُسے تسلیم کر لیا۔ آخر یہی قرار پایا کہ متعلقہ سیکرٹری حضور کے منشاء کے مطابق حکومت کی طرف سے حضور کی خدمت میں چٹھی بھیجدے اور گورنر صاحب نے یہ بھی کہدیا کہ اگر مرزا صاحب چاہیں تو بیشک چٹھی شائع کر دیں۔ آخر یہ بات چھپی تو رہ نہیں سکتی۔ کوئی احراری نمائندہ کونسل میں سوال کر کے حقیقت معلوم کر سکتا ہے لیکن حضرت خلیفۃ المسیح رضی اللہ عنہ نے چٹھی شائع کرنا پسند نہ فرمایا۔ بظاہر تو یہ معاملہ یُوں سُلجھ گیا لیکن حکومتِ پنجاب کی طرف سے ایذا دہی کا سلسلہ ختم نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحم سے سلسلے اور جماعت کو مخالفین کی ہر چال کے مقابل اپنی حفاظت اور نُصرت سے نوازا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ احرار کانفرنس اور حکومتِ پنجاب کی مُخالفانہ روش کو اللہ تعالیٰ نے ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند کے مطابق ایک گنجِ کرم کا موجب بنا دیا۔ ان حالات کے پیش آنے کے نتیجے میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی رضی اللہ عنہ نے تحریک جدید کو جاری فرمایا جس کے شاندار مستقبل پر پچھلی ثُلث صدی کی کامرانیاں شاہد ہیں۔ اللّٰھم زد فزد۔

۱۹۳۹ء میں خلافتِ ثانیہ کی برکات پر رُبع صدی کے عرصہ کی تکمیل ہونے کے پیشِ نظر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں شکرانہ کے طور پر خلافت جوبلی منانے کی اجازت کی درخواست گذارش کی گئی۔ حضور رضی اللہ عنہ نے فرمایا خلافت کی جوبلی منانے میں تو شاید مجھے تامل ہوتا لیکن ۱۹۳۹ء ہی میں سلسلہ کے بھی پچاس سال پُورے ہوں گے۔ اس لحاظ سے جوبلی منانے کی اجازت ہے اور اسی سلسلہ میں یہ ارشاد بھی فرمایا۔ سلسلہ کے سَو سال پُورے ہونے پر بڑی شان سے جوبلی منانا!

سلسلے کی تاریخ کا ہر سال کئی نشان لے کر آتا ہے جن کا محفوظ کرنا سلسلے کی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے۔ تاکہ موجودہ اور آئندہ نسلیں ان نشانات سے سبق حاصل کریں اور اپنے ایمانوں کو تازہ اور مضبوط کریں اور وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا کے رُوح پرور شواہد کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں اور يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا کا صحیح نمونہ دُنیا کے سامنے پیش کرتے جائیں۔ وَمَا تَوْفِيقُنَا إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔ هُوَ مَوْلٰنَا نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

خاکسار
ظفر اللہ خان
۱۵ر دسمبر ۱۹۶۲ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

تاریخ احمدیت جلد ہشتم

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے امسال جلسہ سالانہ کے موقع پر خلافتِ ثانیہ کے بابرکت دَور کی تاریخ کی چوتھی جلد احباب کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ یہ جلد ۱۹۳۴ء کے آخر سے لے کر ۱۹۳۹ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ اس جلد میں تین اہم واقعات کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ ۱۔ تحریکِ جدید کا اجراء، اس کی برکات اور نتائج، ۲۔ خدام الاحمدیہ کی تحریک اور ۱۹۴۷ء تک اس کی تاریخ، ۳۔ خلافت ثانیہ کی پچیس سالہ جوبلی۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جو تحریکات اسلام کے غلبہ کیلئے جاری فرمائیں اُن میں سے تحریکِ جدید اور خدام الاحمدیہ کی تحریک نہایت ہی اہمیت رکھتی ہیں۔ تحریکِ جدید کے اجراء سے جماعت احمدیہ کے مشن مختلف ممالک میں قائم ہوئے اور جماعت کی ترقی تیز رفتاری سے غیر ممالک میں شروع ہو گئی اور اب مختلف ممالک میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے فرزندِ جلیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عشق و محبت رکھنے والے مخلصین کی ایسی جماعتیں قائم ہو گئی ہیں جو اسلام کی راہ میں جانی اور مالی قربانیاں دینے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے والی ہیں۔

اسلام کے عالمگیر غلبہ کے لئے ہماری ایک نسل یا دو نسل کی قربانیاں مکتفی نہیں بلکہ اس امر کی ضرورت ہے کہ قیامت تک ہر ایک صدی میں ہماری نسلیں صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلنے والی، صحیح اسلام پر قائم رہنے والی اور اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنے والی ہوں اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جبتک کہ ہماری نسلوں کی صحیح تربیت کا انتظام نہ ہو اور اس اہم غرض کو پورا کرنے کیلئے سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے خدام الاحمدیہ کی بابرکت تحریک جاری فرمائی۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ قیامت تک اس تحریک کے نتیجہ میں ایسے لوگ پیدا ہوتے جائیں جو صحیح اسلام کو دُنیا کے سامنے پیش کرنے والے اور اسلام کا جھنڈا بلند کرنے والے ہوں۔ آمین۔

مصنفِ کتاب مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد نے رات دن محنت شاقہ کر کے کتاب کے مسودہ کو مکمل کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ انہیں اجرِ عظیم عطا کرے اور دُنیا اور آخرت کی نعمتوں سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے خاکسار نے خود بھی اوّل سے آخر تک مسودہ کو پڑھا اور اس بات کو مدّ نظر رکھا کہ ہر زاویہ سے مضمون مکمل ہو۔ مکرم سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدر آبادی، مکرم چوہدری محمد صدیق صاحب فاضل انچارج خلافت لائبریری اور مکرم ڈاکٹر سید ظہور احمد شاہ صاحب نے اپنے قیمتی وقت کو خرچ کر کے مسودہ کو اوّل سے آخر تک پڑھا اور اپنے قیمتی مشورے سے نوازا۔ اسی طرح دیگر بزرگان نے بھی کتاب کے مختلف حصّوں کو دیکھ کر اپنی قیمتی آراء سے آگاہ کیا۔ فجزاہم اللہ۔ مکرم شیخ خورشید احمد صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر "الفضل" نے نہایت محنت سے کاپیوں اور پروفوں کو پڑھا اور مکرم قاضی منیر احمد صاحب اور لطیف احمد صاحب کارکنان ادارۃ المصنفین نے کتاب کے چھپوانے میں پوری جدوجہد کی۔ اسی طرح خلافت لائبریری کے جملہ کارکنان بالخصوص راجہ محمد یعقوب صاحب اور ملک محمد اکرم صاحب بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد کے ساتھ پورا تعاون کیا۔ جناب مبارک احمد صاحب امین آبادی، میر مبشر احمد صاحب طاہر، جناب عزیز احمد صاحب اینگ سٹوڈیو لاہور، چوہدری محمد طفیل صاحب گھوڑیا نوالہ، جناب سیٹھ احمد حسین صاحب حیدر آبادی اور جناب ممتاز احمد صاحب آف اوکاڑہ بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے کتاب کیلئے تصاویر اور مواد مہیا فرمایا۔ اسیطرح دیگر دوست جنہوں نے مواد مہیا کرنے حوالہ جات نکالنے میں مدد کی، کتابت عمدگی سے کی اور اُسے چھاپا سب ہی قابلِ شکریہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ خاکسار

ابو المنیر نور الحق مینیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین ربوہ   ۱۷ ؍ دسمبر ۱۹۶۷ء

فہرست مضامین "تاریخ احمدیت" جلد ہشتم

پہلا باب

تحریک جدید کی بنیاد، مخلصین جماعت کی بے مثال قربانیاں، وقف زندگی کا وسیع نظام اور اُس کے عالمی تاثرات۔

فصل اوّل

تحریک جدید کا ماحول اور اس کی نسبت آسمانی بشارتیں

عنوان	صفحہ
تحریک جدید کی بنیاد کے وقت ماحول	۱
تحریک جدید کا ذکر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کشف میں	۳
دوسری بشارت	"
خدا تعالیٰ کی نازل کردہ تحریک	۴
تحریک جدید کی نسبت پہلا اعلان	۷
تین فوری احکام	۸
قربانی کا ماحول پیدا کرنے کا ارشاد	۹

فصل دوم

تحریک جدید کے انیس ۱۹ مطالبات اور ملکی پریس

عنوان	صفحہ
انیس ۱۹ مطالبات حضرت امیر المومنینؓ کے اپنے الفاظ میں	۱۱
مطالبات تحریک جدید کا پس منظر	۲۴
تحریک جدید جبری نہیں اختیاری سکیم ہے	۲۸
ساڑھے تیرہ سو سال قبل کی تحریک	۳۰
تحریک جدید کے کامیاب ہونے کی عظیم الشان پیشگوئی	۳۱
کمزور طبع احمدیوں کا اضطراب اور حضرت امیر المومنین کا ایمان افروز جواب	۳۲
تحریک جدید کا اثر غیروں پر	"
تحریک جدید کا ذکر ملکی پریس میں	۳۳

فصل سوم

مطالبات تحریک جدید پر جماعت احمدیہ کی طرف سے اخلاص و قربانی کا شاندار مظاہرہ اور غیروں کا خراج تحسین

عنوان	صفحہ
مالی مطالبات اور جماعت احمدیہ	۳۵
امانت فنڈ	"
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی دعائیں	۳۶
تحریک جدید کا خوشگوار اثر صدر انجمن احمدیہ کے چندوں پر	۳۸
مالی مطالبات پر سب سے پہلے لبیک کہنے والی جماعتیں	۳۹
بیرونی ممالک سے تحریک جدید کے حق میں آواز	۴۰
بیرون ہند کی بعض اور مخلص جماعتیں	۴۱
دوسرے مطالبات اور جماعت احمدیہ	"
تبلیغ کے لئے یک ماہی وقف	۴۳
سہ سالہ وقف	"
پنشنر اصحاب کی طرف سے بقیہ زندگی وقف	"
بے کار نوجوانوں سے متعلق مطالبہ	"
ہاتھ سے کام کرنے کا مطالبہ	۴۴
قادیان میں تعمیر مکان کا مطالبہ	۴۵

عنوان	صفحہ
مطالبہ دُعا	۴۵
فصل چہارم	
خاندانِ مسیح موعودؑ کی قربانیاں	
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا وجود مجسم تحریک جدید بن گیا	۴۶
حضورؓ کی مصروفیات	״
حضرت امیر المومنینؓ اور حضور کے اہل بیت کا بےنظیر مالی جہاد	۴۸
دیگر مطالبات میں مشعل راہ	״
فصل پنجم	
دفترِ تحریک جدید کا قیام اور اس کا ابتدائی ڈھانچہ	
پہلے واقفِ زندگی کارکن	۵۱
فنانشل سیکرٹری کا تقرر	۵۲
دفتر فنانشل سیکرٹری کے ابتدائی متفرق کوائف	۵۳
صیغہ امانت جائیداد	۵۶
تحریک جدید کا پہلا بجٹ (خرچ)	״
مستقل دفتر کا قیام اور اس کے پہلے انچارج	۵۷
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زریں ہدایات	״
اخراجات کے بنیادی اصول	۵۸
واقفین تحریکِ جدید کی تین اقسام	۵۹
بیرونی مشنوں کے سیکرٹری	״
سیکرٹری تجارت و صنعت	״
فصل ششم	
اندرونِ ملک میں تحریک جدید کی ابتدائی سرگرمیاں	
اہم ٹریکٹوں کی اشاعت	۶۰
کتابوں کی اشاعت	۶۲
اشاعت احمدیت پریس کے ذریعہ سے	۶۲
نئی درس گاہیں	״
ملک کا تبلیغی سروے	۶۳
مکیریاں مشن	۶۴
ڈیرہ دوال مشن	۶۶
دار الصناعت	۶۷
بورڈنگ تحریکِ جدید	״
ویدک یونانی دواخانہ دہلی	۷۱
قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ	״
۲۵ لاکھ کا ریزرو فنڈ	״
فصل ہفتم	
بیرونی ممالک میں تحریکِ جدید کی ابتدائی سرگرمیاں	
تحریک جدید کا ایک اہم مقصد	۷۲
تحریک جدید کے دو مجاہدوں کا قابل رشک مظاہرہ	۷۵
تحریک جدید کے پہلے تین سالہ دَور کے شاندار نتائج پر ایک نظر	۷۹
بعض ابتدائی تلخ تجربے	۸۱
فصل ہشتم	
تحریک جدید کا دُوسرا "ہفت سالہ" دَور	
اتفاقِ الٰہی سے دس سالہ دَور کا تقرر	۸۳
ہفت سالہ دَور مقرر کرنے کی حکمت	״
چندہ تحریک جدید میں تخفیف	۸۴
مطالبات تحریک جدید میں اضافہ	״
مطالبہ سادہ زندگی میں مستثنیات	۸۵
مستقل وقف کی تحریک	״

عنوان	صفحہ
مستقل واقفین کی ٹریننگ	۸۶
منتخب واقفین کے لئے ہدایات	۸۸
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اظہار خوشنودی	۹۰
نصاب کی تشکیل	۹۱
واقفین کے اساتذہ	״
دار المجاہدین	۹۲
واقفین میں مجاہدانہ سپرٹ پیدا کرنے کیلئے مختلف اقدامات۔	۹۲
سینما کی مستقل ممانعت	۹۶
وقف زندگی برائے سکیم دیہاتی مبلغین	۹۸
وقف جائیداد و وقف آمد کی اہم تحریک	۱۰۰
وقف زندگی کی وسیع تحریک	۱۰۱
نوجوانان احمدیت کا شاندار اخلاص	۱۰۲
غیر احمدی نوجوانوں پر تحریک وقف کا اثر	۱۰۲
مجاہدین تحریک جدید کے لئے اسناد	۱۰۳
اشاعت لٹریچر	״
تحریک جدید کے دس سالہ دور پر ایک نظر	״
فصل نہم	
دفتر دوم سے لیکر دفتر سوم تک	
(مئی ۱۹۴۴ء تا نومبر ۱۹۶۵ء)	
دفتر دوم کا آغاز	۱۰۴
فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام	۱۰۵
معاہدہ حلف الفضول کا احیاء	״
جنگ عظیم ثانی کا تحریک جدید پر اثر	۱۰۶
مشہور زبانوں میں لٹریچر	״
بیرونی تبلیغ اور خصوصی تعلیم کیلئے واقفین کا اہم انتخاب	۱۰۷

عنوان	صفحہ
خاندانی وقف کی تحریک	۱۱۰
بیرونی ممالک کی تبلیغ تحریک جدید کے دائرہ عمل میں	״
تحریک وقف تجارت	״
خاتمہ جنگ اور مجاہدین تحریک جدید کی روانگی	۱۱۱
تحریک جدید کی رجسٹریشن	״
مجلس تحریک جدید کا قیام	۱۱۲
خصوصی ممبران کا تقرر	״
تقسیم ہند اور تحریک جدید	۱۱۳
تحریک جدید کی پاکستان میں رجسٹریشن	״
جامعۃ المبشرین کا قیام	״
تحریک جدید کے مستقل شعبوں کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا دستور العمل	۱۱۴
تحریک جدید کا بجٹ مجلس مشاورت میں	۱۱۷
وقف زندگی سے متعلق نئے اصول	״
اورئینٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کمپنی کا قیام	۱۱۸
ربوہ میں دفاتر تحریک جدید کی عمارت کی تعمیر	״
تحریک جدید میں شمولیت کی خاص تحریک۔	״
کتاب ۵ ہزاری مجاہدین کی اشاعت	״
چندہ تحریک جدید کیلئے نئی اقل ترین شرح	۱۱۹
تفسیر القرآن انگریزی کی تکمیل	۱۲۰
ماہنامہ "تحریک جدید" کا اجراء	״
تحریک جدید کی مطبوعات دفتر دوم میں	״
دفتر سوم کا اجراء	۱۲۱
مجاہدین دفتر سوم کو نصیحت	״
فصل دہم	
تحریک جدید کے نظام کی موجودہ وسعت مخلصین	

عنوان	صفحہ
احمدیت کی مالی اور جانی قربانیوں پر ایک نظر۔ تبلیغِ اسلام سے متعلق تحریک جدید کی عظیم الشان خدمات غیروں کی آراء اور تحریکِ جدید کا شاندار مستقبل	
تحریک جدید کا موجودہ مرکزی نظام	۱۲۲
تحریک جدید کی مجموعی آمد	۱۲۳
تحریک جدید کی بدولت قائم ہونے والے بیرونی مشن	۱۲۵
بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کا شرف پانیوالے واقفینِ تحریک جدید	۱۲۶
تحریک جدید کے طبی مشن	۱۳۵
تحریکِ جدید کے بیرونی مدارس	،،
بیرونی مساجد	،،
بیرونی رسائل و جرائد	۱۳۶
وکالت تبشیر کی اہم مطبوعات	۱۳۷
غیروں کی آراء تحریک جدید کی تبلیغی مساعی سے متعلق	۱۴۰
تحریک جدید دائمی قربانی کی تحریک ہے	۱۵۰
جماعت کو انتباہ	۱۵۱
قربانیوں کی ابدی ضرورت پر حضرت امیر المومنینؓ کا پُرشوکت فرمان	۱۵۲
خلفاء کو وصیت	۱۵۳
تحریک جدید کا شاندار مستقبل	۱۵۴

دوسرا باب

عراق میں شیخ احمد فرقانی کی شہادت سے لیکر جلسہ سالانہ ۱۹۳۵ء تک
خلافت ثانیہ کا بائیسواں سال ۔ جنوری تا دسمبر ۱۹۳۵ء

فصل اوّل

عنوان	صفحہ
عراق میں شیخ احمد فرقانی کی المناک شہادت	۱۵۶
حضرت امیر المومنینؓ کا سفر گورداسپور اور اخلاص و فدائیت کے ایمان افروز منظر۔	۱۵۷
دوسرا سفر	۱۶۳
تیسرا سفر	۱۶۵
فدائیان احمدیت کی عزت افزائی	،،
جلسہ	،،
بیعت کرنے والے	۱۶۶
ریلوے میں نظارت امور عامہ کے ٹکٹ اور چیکر	،،
سفر گورداسپور سے متعلق غیروں کے تاثرات	،،
ایک مسلمان اخبار نویس کا تبصرہ	،،
اخبار "احسان" کا نوٹ	۱۶۸
ایک سکھ صحافی کا تبصرہ	،،
انجمن جماعت اسلام اور جماعت احمدیہ	۱۷۱
مجلس مشاورت میں حضرت امیر المومنینؓ کا احمدی نوجوانوں اور احمدی بچوں سے عہد لینا۔	۱۷۳

فصل دوم

عنوان	صفحہ
ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کا بیان جماعت احمدیہ کی نسبت	۱۷۴
اخبار "سیاست" کا اداریہ	۱۷۶
روزنامہ "حق" لکھنؤ کا ادارتی نوٹ	۱۸۱
حضرت امیر المومنینؓ کا بصیرت افروز تبصرہ (خطبہ جمعہ)	۱۸۴
حضرت امیر المومنینؓ کا بصیرت افروز تبصرہ (مضمون کی صورت میں)	۱۸۸
ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کا ردّ عمل	۱۹۳
ڈاکٹر صاحب کے بعض عجیب و غریب نظریات	۱۹۷
مسئلہ وفات مسیح کی معقولیت کا واضح اقرار	۱۹۹

عنوان	صفحہ
حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اظہار مسرت ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے ایک خیال پر	۱۹۹
فصل سوم	
مجاہدین تحریک جدید کا بیرونی ممالک میں جانیوالا پہلا قافلہ	۲۰۱
دار التبلیغ سٹریٹس سیٹلمنٹ	״
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اظہار خوشنودی	۲۱۱
مولانا غلام حسین صاحب ایاز کی دوبارہ روانگی	۲۱۲
سنگاپور میں کام کرنیوالے دوسرے مجاہدین احمدیت کی خدمات	״
مولانا محمد صادق صاحب کے کارنامے	۲۱۳
دوسرے مجاہدین کی سرگرمیاں	۲۱۶
دار التبلیغ سنگاپور غیروں کی نظر میں	۲۱۸
دار التبلیغ جاپان کا قیام	״
دار التبلیغ ہانگ کانگ (چین) کا قیام	۲۲۱
حضرت امیر المؤمنین کا پہلا سفر سندھ	۲۲۲
کوئٹہ میں ہولناک زلزلہ اور مصیبت زدگان کی وسیع پیمانے پر امداد	۲۲۵
لنڈن سے "مسلم ٹائمز" کا اجراء	۲۲۷
لنڈن سے رسالہ "الاسلام" انگریزی کا اجراء	۲۲۷
حجاز کے ولی عہد مسجد فضل لنڈن میں	۲۲۷
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے پر حضرت امیر المؤمنینؓ کی حلفیہ شہادت۔	۲۲۸
سعودی حکومت کا غیر مسلم کمپنی سے معاہدہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بصیرت افروز بیان۔	۲۲۸

عنوان	صفحہ
فصل چہارم	
احرار کا احمدیت پر دوبارہ حملہ اور ناکامی	۲۳۴
حضرت امیر المؤمنینؓ کا پُرشوکت جواب	۲۳۵
احرار کو مباہلہ کا چیلنج	۲۳۷
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے نمائندگان کا تقرر اور چیلنج کی مزید وضاحت۔	۲۳۹
شرائط مباہلہ میں تغیر و تبدل کی پیشکش	۲۴۱
مباہلہ ٹالنے کے لئے احرار کا ناپسندیدہ رویّہ	״
احرار لیڈروں کا مطالبہ اور اس کا جواب	۲۴۲
مباہلہ میں شرکت کیلئے احمدیوں کا جوش و خروش	۲۴۳
احرار کا صداقت مسیح موعودؑ پر مباہلہ کا چیلنج اور اس کی منظوری۔	۲۴۵
تصفیہ شرائط کئے بغیر تاریخ مباہلہ کا تقرر	۲۴۶
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے احرار پر اتمام حجت۔	۲۴۶
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا حلفی بیان	۲۴۸
ناظر دعوت و تبلیغ کو سند نمائندگی	۲۴۹
مباہلہ کے نام پر قادیان میں ہنگامہ کھڑا کرنے کی تیاریاں۔	۲۵۰
احراری کارروائی کا پس منظر۔	۲۵۲
عوام کو قادیان میں جمع کرنے کیلئے پراپیگنڈا۔	۲۵۴
حق کی فتح	۲۵۵
حکومت پنجاب کا نوٹس	۲۵۶
احرار کی درخواست اور حکومت کا جواب	״
رکن ادارہ اخبار "احسان" کا ایک نوٹ	۲۵۷
مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا دلچسپ تبصرہ	״

عنوان	صفحہ
احرار کا احتجاجاً جمعہ نہ پڑھنے کا اعلان	۲۵۸
زندہ خدا کا زندہ نشان	۲۵۹
فصل پنجم	
حبشہ (ابی سینیا) میں ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی تبلیغی خدمات۔	۲۶۱
حضرت امیر المومنینؓ کی شادی	۲۶۷
نئے مہمان خانہ کی بنیاد	۲۶۸
آل انڈیا نیشنل لیگ کور قادیان کی ابتدائی سرگرمیاں	۲۶۸
مبلغین کو اہم ہدایات	۲۷۰
بعض جلیل القدر صحابہؓ کا انتقال	۲۷۳
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زبان مبارک سے ذکرِ خیر۔	۲۷۶
احمدیت اور سیاسیاتِ عالم	۲۷۷
۱۹۳۵ء کی عید الفطر اور حضرت امیر المومنینؓ کا بصیرت افروز خطبہ	۲۷۸
فصل ششم	
۱۹۳۵ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	۲۷۹
خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں ترقی	"
سنگ بنیاد	۲۸۰
گوردوارہ پٹنہ صاحب کی تعمیر کے لئے امداد	۲۸۱
برما مشن کا قیام	۲۸۲
اخبار "البشریٰ" حیدر آباد کا اجراء	۲۸۳
لکھنؤ میں احمدیہ دار التبلیغ اور احمدیہ دار المطالعہ کا افتتاح	۲۸۳
سرگودہا میں مذہبی کانفرنس	۲۸۴
فرید کوٹ میں مذہبی کانفرنس	"
۱۹۳۵ء کی نئی مطبوعات	"
اندرون ملک کے مشہور مناظرے	۲۸۵
نومبائعین	۲۸۸
تیسرا باب	۲۹۰
ہنگری۔ پولینڈ۔ چیکوسلواکیہ۔ سپین۔ اٹلی۔ البانیہ اور یوگوسلاویہ میں احمدی مشنوں کا قیام اور ۱۹۳۶ء کے دیگر ضروری واقعات۔	
خلافت ثانیہ کا تئیسواں سال	
دار التبلیغ ہنگری۔ پولینڈ۔ چیکوسلواکیہ	۲۹۰
فصل دوم	۲۹۲
دار التبلیغ ارجنٹائن (جنوبی امریکہ)	۲۹۴
فصل سوم	
دار التبلیغ سپین و اٹلی	۲۹۵
مجاہد سپین و اٹلی کے خودنوشت حالات	۲۹۶
فصل چہارم	
حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ کا سفر انگلستان	۳۰۱
ایک احمدی خاتون کی بے نظیر بہادری	۳۰۲
فصل پنجم	
جائز اور پُرامن ذرائع سے صحیح اسلامی حکومت کے قیام کا ارشاد مبارک	۳۰۳

عنوان	صفحہ
مسجد محلہ ریتی چھلہ قادیان کا افتتاح	۳۰۵
قادیان میں اجتماعی وقارِ عمل کے بابرکت سلسلہ کا آغاز	۳۰۵
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ کا ایک ولولہ انگیز ارشاد	۳۰۶
مبلّغین کو نہایت اہم نصائح	۳۰۷
فصل ششم	
دار التبلیغ البانیہ و یوگوسلاویہ	۳۰۹
مولوی محمد دین صاحب کے مزید تبلیغی حالات اور دردناک شہادت کا واقعہ۔	۳۱۰
حضرت امام جماعت احمدیہ کا پیغام اچھوت کانفرنس لکھنؤ کے لئے۔	۳۱۴
حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کی ولایت سے تشریف آوری۔	۳۱۴
میاں سر فضل حسین صاحب کی المناک وفات	۳۱۵
مجلس انصار سلطان القلم کا قیام	۳۱۶
حضرت امیر المؤمنین کی کار پر حملہ	۳۱۷
فصل ہفتم	
بعض جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۳۲۱
فصل ہشتم	
مشترکہ دعائیں کرنے کا فرمان	۳۲۴
ایڈورڈ ہشتم کی تختِ شاہی سے دستبرداری پر حضرت امیر المؤمنین رضؓ کے تاثرات	۳۲۵
مولوی محمد علی صاحب کو مباحثہ کی واضح دعوت اور انکا گریز	۳۲۹
فصل نہم	
۱۹۳۶ء کے متفرق مگر اہم واقعات۔	۳۳۱
قادیان میں ٹیلیفون کا افتتاح	۳۳۳
مبلّغین سلسلہ کی بیرونی ممالک کو روانگی و واپسی	۳۳۴
۱۹۳۶ء کی نئی مطبوعات	۳۳۵
اندرون ملک کے بعض مشہور سفر۔	
چوتھا باب	
عالمگیر جنگ کے خوفناک اثرات سے بچنے کیلئے دعاؤں کی خاص تحریک سے لیکر احیائے شریعت و سُنّت کے پُرجلال اعلان تک۔	
خلافتِ ثانیہ کا چوبیسواں سال ۱۹۳۷ء	
فصل اوّل	
حضرت امیر المؤمنینؓ کا نئے سال کیلئے اہم پیغام	۳۴۵
ایک خوفناک عالمگیر جنگ کی خبر اور دعاؤں کی خاص تحریک	۳۴۶
ترکی اور فرانس کا تنازعہ	۳۴۷
مولوی ناصر الدین عبد اللہ صاحب کی واپسی	۳۴۸
شکارپور (سندھ) میں فساد۔	۳۴۹
فصل دوم	
مولانا عبد الرحمن صاحب فاضل کی اسیری اور رہائی	۳۵۱
حضرت امیر المؤمنین رضؓ کا چیلنج اخبار "احسان" کو	۳۵۲
گیسٹ ہاؤس کی تعمیر	″

عنوان	صفحہ
فصل سوم	
ایک اندرونی فتنہ کا خروج	۳۵۳
فتنہ کا بانی اور اسکے ابتدائی حالات	"
شیخ مصری صاحب کی بیعت خلافت ثانیہ	۳۵۷
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ پر آسمانی انکشاف	۳۶۱
مصری صاحب اور غیر مبائعین	۳۶۲
مصری صاحب کے بُنیادی عقیدہ میں تبدیلی	۳۶۳
مصری صاحب کے سبّ و شتم سے لبریز تین خطوط	۳۶۴
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا ایمان افروز جواب	۳۶۵
جماعت احمدیہ کے خلاف مصری صاحب کی خفیہ تنظیم	۳۶۷
مولوی محمد علی صاحب کی پُشت پناہی	۳۶۸
مصری صاحب کی تعلّیاں اور بلند بانگ دعاوی	۳۶۹
عجیب و غریب اور نام نہاد مصلح	۳۷۰
مصری صاحب کی طرف سے مقدمات	۳۷۱
مصری صاحب کے مقدمات میں احراری اور غیر مبائع وکلاء کی اعانت۔	"
مصری صاحب کی ناکامی اور نظام خلافت کی کامیابی کی عظیم الشان پیشگوئی۔	۳۸۱
مولوی محمد علی صاحب کو خصوصی انتباہ	۳۸۲
مصری صاحب کی نظریاتی اور اخلاقی شکست	"
مولوی محمد علی صاحب کا عبرتناک انجام	۳۸۳
فصل چہارم	
دار التبلیغ سیرالیون کا قیام	۳۸۵
حضرت مولوی عبدالرحیم صاحبؓ نیّر کی آمد	"
سیرالیون دار التبلیغ قائم کرنے کا فیصلہ	۳۸۷

عنوان	صفحہ
مقامی مبلّغین	۳۹۰
مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کا وُرُود	۳۹۱
مرکزی مبلّغین کا پہلا اجتماعی دورہ	"
باڈ ماہوں کے ذیلی مرکز کی مضبوطی اور عیسائیوں کی پسپائی۔	"
سیرالیون کا ملک گیر تبلیغی سروے	۳۹۲
ماگبورکا اور بو میں مخالفت کے باوجود مراکز کا قیام	۳۹۳
سیرالیون کے احمدیوں پر مظالم کا پہلا دَور	۳۹۸
سیرالیون کے احمدیوں پر مظالم کا دُوسرا دَور	۳۹۹
احباب جماعت کو وقفِ عارضی کی تحریک	۴۰۱
مولوی نذیر احمد علی صاحب کی المناک وفات	۴۰۲
دار التبلیغ سیرالیون مولوی محمد صدیق صاحب کے عہدِ امارت میں۔	۴۰۳
عیسائی مشنوں کو چیلنج۔	۴۰۴
آرچ بشپ آف کنٹربری کو دعوتِ مقابلہ	۴۰۵
سیرالیون میں تبلیغی جہاد کرنے والے دوسرے مبلّغین	"
سیرالیون کی سالانہ کانفرنسوں کیلئے حضرت امیر المومنینؓ کے خصوصی پیغامات۔	۴۰۶
ماہنامہ "افریقن کریسنٹ" کا اجراء اور نذیریہ مسلم پریس کا قیام۔	۴۰۸
سیرالیون کے جشنِ آزادی میں شیخ بشیر احمد صاحب کی شمولیت۔	۴۱۱
مشن ہاؤس	۴۱۲
سیرالیون کے احمدیوں کی تعداد	"
احمدیہ مساجد	۴۱۳
تعلیمی ادارے	"
سیرالیون کے بعض مخلصین	۴۱۴

عنوان	صفحہ
لٹریچر	۴۱۵
اسلامک بک ڈپو	″
فروغِ احمدیت کے اسباب میں خدائی نشانات کا نمایاں حصّہ	″
دارالتبلیغ سیرالیون کی اسلامی خدمات دوسروں کی نظر میں	۴۲۰
فصل پنجم	
حضرت امیرالمؤمنین کا سفر سندھ و بمبئی	۴۲۹
روایاتِ صحابہ محفوظ کرنے کی اہم تحریک	″
حضرت امیرالمؤمنینؓ کی طرف سے احیاءِ شریعت و سُنّت میں گرم عمل ہو جانیکا پُرجلال اعلان اور عالمگیر اسلامی انقلاب کی بشارت۔	۴۳۲
بعض جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۴۳۴
فصل ششم	
۱۹۳۷ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	
خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں خوشی کی تقاریب۔	۴۳۶
نمائندہ سلطان مسقط قادیان میں	۴۳۷
اڑیسہ پراونشل انجمن احمدیہ کا پہلا جلسہ	″
پروفیسر جان کلارک آرچر قادیان میں۔	″
دو مخلصین کی عیادت۔	۴۳۹
مبلغین احمدیت کی بیرونی ممالک کو روانگی۔	″
بیرونی مشنوں کے بعض اہم واقعات۔	″
۱۹۳۷ء کی نئی مطبوعات۔	۴۴۰
اندرون ملک کے بعض مشہور مناظرے۔	۴۴۱
پانچواں باب	
مجلس خدام الاحمدیہ کی بنیاد سے سیر رُوحانی کے پُرمعارف لیکچروں کے آغاز تک۔	
خلافتِ ثانیہ کا پچیسواں سال (۱۹۳۸ء)	
فصل اوّل	
مجلس خدام الاحمدیہ کا قیام اور اسکی ابتدائی دس سالہ مختصر تاریخ۔	۴۴۵
خدام الاحمدیہ کے قیام کی بنیادی غرض	۴۴۶
مجلس خدام الاحمدیہ کی داغ بیل	۴۴۷
عہدہ داران مرکزیہ	۴۴۹
خدمتِ خلق	۴۵۳
مجلس کا بیج۔	″
مجلس کا پہلا شہید۔	۴۵۴
خدام الاحمدیہ کا عہد نامہ	۴۵۵
پہلا سالانہ اجتماع	۴۵۶
خدام الاحمدیہ سے متعلق اہم سلسلہ خطبات	۴۵۷
وقارِ عمل	″
وقارِ عمل اور خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی	۴۵۹
تعلیم ناخواندگان کا انتظام	۴۶۰
حضرت صدر مجلس کے بیرونی دورے	۴۶۱
دوسرا سالانہ اجتماع	″
لوائے خدام الاحمدیہ	۴۶۲
حفاظت لوائے احمدیت	۴۶۴
انعامی عَلَم خدام الاحمدیہ	۴۶۵
کتب حضرت مسیح موعودؑ کا امتحان	۴۶۶
خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ کی لازمی تجنید	۴۶۷
مجلس خدام الاحمدیہ کی قانونی و دستوری حیثیت نظام جماعت میں۔	۴۶۸

عنوان	صفحہ
سالانہ جلسہ پر ذیلی دفتر	۴۶۹
تیسرا سالانہ اجتماع	″
دکانوں کی نگرانی کا فرض	۴۷۰
چوتھا سالانہ اجتماع اور مجلس لاہور کے ایک خادم کا قابل تعریف فعل۔	۴۷۰
اختلافی مسائل کے لئے ہفتہ تعلیم وتلقین	۴۷۲
دفتر مجلس مرکزیہ کی بنیاد۔	″
مہتممین کے دوروں کا آغاز	۴۷۳
بزم حسن بیان کا قیام	″
الطارق کا اجراء	″
مخالفین احمدیت کی طرف سے مجلس کو خراج تحسین۔	″
پہلی دینیات کلاس	۴۷۴
پہلی تعلیم القرآن کلاس	۴۷۵
حضرت امیر المؤمنینؓ کی طرف سے نئے ہفت سالہ دور کا پروگرام۔	۴۷۶
مجلس کا شائع کردہ دس سالہ لٹریچر	۴۷۹
فصل دوم	
قادیان سے ہجرت کی نسبت ایک اہم خط وکتابت	۴۸۱
حضرت امیر المؤمنین کا سفر سندھ اور صداقت احمدیت کا عجیب نشان۔	۴۸۲
علمائے سلسلہ کے فرائض	۴۸۳
صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا سفر مصر اور حضرت امیر المؤمنین کی زریں نصائح	۴۸۴
فصل سوم	
حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی انگلستان سے روانگی اور بلاد عربیہ میں قیام۔	۴۹۱
ولایت سے آنیوالے قافلہ کے اعزاز میں دعوت اور حضرت امیر المؤمنین کا خطاب	۴۹۷
حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب جامعہ احمدیہ کے سٹاف میں۔	۵۰۰
احرار کے پاؤں تلے سے زمین نکل جانیکا اعتراف	۵۰۱
فصل چہارم	
قادیان کے ماحول میں زبردست تبلیغی مہم	۵۰۲
نوجوان علماء کو حضرت امیر المؤمنین کی قیمتی نصائح	۵۰۵
فصل پنجم	
حضرت امیر المؤمنینؓ کا سفر حیدر آباد دکن	۵۰۷
حضرت امیر المؤمنین کا مکتوب سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحبؓ کے نام۔	″
قادیان سے بمبئی تک۔	۵۱۰
حیدر آباد دکن میں آمد اور مصروفیات	″
پہلے اور دوسرے روز کی مصروفیات	۵۱۲
عمائدین حیدر آباد کا اجتماع	۵۱۴
تیسرے اور چوتھے روز کی مصروفیات	۵۱۵
دہلی میں آمد	۵۲۱
قادیان میں تشریف آوری	۵۲۲
تبلیغی نقطہ نگاہ سے سفر کے تاثرات	″
مادی یادگاروں کے عالم روحانی کا انکشاف	۵۲۵
فصل ششم	
سیر روحانی کے پُر معارف اور علمی لیکچروں کا آغاز۔	۵۲۹

عنوان	صفحہ
فصل ہفتم	
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۵۳۳
قادیان میں ۱۹۳۸ء کی عید الفطر	۵۳۶
سالانہ جلسہ قادیان ایک سکھ ودوان کی نظر میں	۵۳۷
فصل ہشتم	
۱۹۳۸ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	
السید عبدالمجید خورشید قادیان میں	۵۳۸
مسجد اقصیٰ میں لاؤڈ سپیکر کی تنصیب	۵۳۹
حضرت ماسٹر عبدالرحمن صاحبؓ نو مسلم کی قید اور رہائی	"
صاحبزادہ مرزا سعید احمد صاحب کی المناک وفات	۵۴۲
سنگ بنیاد	۵۴۳
احمدیہ دار التبلیغ کلکتہ میں کانگرسی لیڈر مسٹر سرت چندر بوس کا لیکچر۔	"
مسجد اقصیٰ کی توسیع	۵۴۵
طہران کا ایک زرتشتی سیاح قادیان میں	"
دو عیسائی مشنری قادیان میں	"
مذہبی کانفرنس کراچی	۵۴۶
قبر مسیحؑ کا اعلان یورپ میں	"
مرزا فرحت اللہ بیگ قادیان میں	"
خاندان مسیح موعودؑ میں خوشی کی تقاریب	۵۴۷
دعوت ولیمہ میں شمولیت	"
مباہلہ کمال ڈیرہ سندھ	"
مبلغین احمدیت کی روانگی اور آمد	"
۱۹۳۸ء کی نئی مطبوعات	۵۴۸
اندرون ملک کے مشہور مناظرے۔	"

عنوان	صفحہ
چھٹا باب	
قضیۂ فلسطین میں عربوں کی پُرزور حمایت سے لے کر خلافت جوبلی کے جلسہ تک	
خلافت ثانیہ کا چھبیسواں سال (۱۹۳۹ء)	
فصل اوّل	
مسئلہ فلسطین کا پس منظر	۵۵۳
قضیۂ فلسطین اور جماعت احمدیہ	۵۵۵
مسجد احمدیہ لنڈن میں شہزادہ امیر فیصل اور دیگر عرب ممالک کے نمائندوں کی تشریف آوری۔	۵۵۶
ولیداد خانصاحبؓ کی شہادت	۵۵۸
حضرت امیر المومنینؓ کی طرف سے آل انڈیا مسلم لیگ کی پُرزور تائید۔	۵۵۹
مسلمانان چمبہ پر مظالم کے خلاف احتجاج	۵۶۱
حضرت امیر المومنینؓ کا سفر دھرمسالہ	۵۶۲
قبولیت دعا کے دو نشان	"
ترکستان کے پہلے احمدی خاندان کی ہجرت	۵۶۵
قریشی محمد نذیر صاحب فاضل ملتانی پر قاتلانہ حملہ	۵۶۸
یوم پیشوایان مذاہب کی بنیاد۔	۵۶۹
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۵۷۰
فصل دوم	
چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی طرف سے خلافت جوبلی منانے کی تحریک۔	۵۷۳
مخلصین کی شاندار قربانی۔	۵۷۶
جوبلی منانے کے لئے مشورہ۔	"

عنوان	صفحہ
سب کمیٹی تکمیل پروگرام جوبلی کی تشکیل	۵۷۷
مجلس مشاورت ۱۹۳۹ء میں سب کمیٹی نظارت علیا کی رپورٹ ۔	۵۷۷
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے ارشاد ۔	۵۸۰
لوائے احمدیت سے متعلق تجویز کی منظوری	۵۸۱
مشاعرہ کی ممانعت	۵۸۲
چراغاں کی مشروط منظوری	”
جلوس کی نسبت فیصلہ ۔	۵۸۳
فلم بنانے کے خلاف فیصلہ ۔	”
سب کمیٹی تکمیل پروگرام جوبلی کی جدوجہد	۵۸۴
لوائے احمدیت کا اہتمام	”
فصل سوم	
منارۃ المسیح پر چراغاں	۵۸۶
جماعت وار جلسہ گاہ میں جانے کا نظارہ	”
سپاس نامے	۵۸۷
صوبہ سرحد کے احمدیوں کا سپاسنامہ	۵۸۸
جماعت احمدیہ ہندوستان کا سپاسنامہ	”
مقامی ہندوؤں کا اخلاص	۵۹۲
بیرونی جماعتوں کی طرف سے مبارکباد کے تار ۔	”
سپاسناموں کے جواب میں حضرت امیرالمؤمنینؓ کی تقریر	”
چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی طرف سے چیک دیا جانا ۔	۵۹۹
حضرت امیرالمؤمنین کی دوسری تقریر ۔	۶۰۰
لوائے احمدیت کی پرچم کشائی اور جماعت سے اقرار ۔	۶۰۶
لوائے خدام الاحمدیہ کی پرچم کشائی ۔	۶۰۷
احمدیہ جھنڈے کی حفاظت کا انتظام	”
نظام خلافت سے وابستگی کیلئے وصیت	۶۰۸

عنوان	صفحہ
”وصیتہ الرسول“ کی اشاعت ۔	۶۱۰
جلسہ خلافت جوبلی کے انتظامات	۶۱۱
فصل چہارم	
اکابر ملک کے پیغامات	۶۱۲
خواجہ حسن نظامی صاحب اور خلافت جوبلی	۶۱۳
ملکی پریس اور خلافت جوبلی ۔	۶۱۴
فصل پنجم	
۱۹۳۹ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	
خاندان مسیح موعودؑ میں پُرمسرّت تقاریب	۶۱۷
مسجد فضل لنڈن میں مذاہب کانفرنس	۶۱۸
سیٹھ محمد غوث صاحب کی دختر کا نکاح	۶۱۹
قادیان میں رُوسی ترک عالم مُوسیٰ جاراللہ اور بعض دوسری اہم شخصیتوں کی آمد ۔	۶۲۰
مبلغین احمدیت کی بیرونی ممالک کو روانگی اور مراجعت	۶۲۱
بیرونی مشنوں کے بعض اہم واقعات	۶۲۲
۱۹۳۹ء کی نئی مطبوعات	۶۲۵
اندرون ملک کے مشہور مناظرے ۔	۶۲۶
فصل ششم	
۱۹۳۹ء میں سلسلہ احمدیہ کا مرکزی نظام	۶۲۸
خلافت ثانیہ کے پہلے پچیس سال میں اموال کی ترقی	۶۳۱
ضمیمہ	۶۳۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

پہلا باب

تحریکِ جدید کی بُنیاد، مخلصینِ جماعت کی بیمثال قربانیاں وقفِ زندگی کا وسیع نظام اور اُس کے عالمی اثرات

فصل اوّل

تحریکِ جدید کا ماحول اور اُس کی نسبت آسمانی بشارتیں

۱۹۳۴ء کا اختتام ایک ایسے عظیم الشان واقعہ کے آغاز سے ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ کی دینی و اشاعتی سرگرمیاں جو پہلے صرف چند ممالک تک محدود تھیں، عالمگیر صورت اختیار کر گئیں اور تبلیغِ اسلام کا ایک نیا بر دست نظام معرضِ وجود میں آیا۔ ہماری مراد تحریک جدید سے ہے جس کی بُنیاد خدا تعالیٰ کی مشیّت خاص اور اُس کے القاء سے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ہاتھوں عین اس وقت رکھی گئی جبکہ احراری تحریک اپنے نقطہ عروج پر تھی اور احرار اپنے خیال میں (معاذ اللہ) قادیان اور احمدیت کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کا فیصلہ کر کے قادیان کے پاس ہی اپنی کانفرنس منعقد کرنے والے تھے۔

تحریک جدید کی بنیاد کے وقت ماحول

چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ خود فرماتے ہیں:-

"یہ تحریک ایسی تکلیف کے وقت شروع کی گئی تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کی ساری طاقتیں جماعت احمدیہ کو مٹانے کے لئے جمع ہو گئی ہیں۔ ایک طرف احرار نے

اعلان کر دیا کہ انہوں نے جماعت احمدیہ کو مٹا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ اُس وقت تک سانس نہ لیں گے جب تک مٹا نہ لیں۔ دوسری طرف جو لوگ ہم سے ملنے جُلنے والے تھے اور بظاہر ہم سے محبت کا اظہار کرتے تھے انہوں نے پوشیدہ بغض نکالنے کے لئے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے سینکڑوں اور ہزاروں روپیں سے اُن کی امداد کرنی شروع کر دی اور تیسری طرف سارے ہندوستان نے ان کی پیٹھ ٹھونکی۔ یہانتک کہ ایک ہمارا وفد گورنر پنجاب سے ملنے کے لئے گیا تو اُسے کہا گیا کہ تم لوگوں نے احرار کی اس تحریک کی اہمیت کا اندازہ نہیں لگایا۔ ہم نے محکمہ ڈاک سے پتہ لگایا ہے پندرہ سو روپیہ روزانہ اُن کی آمدنی ہے۔ تو اُس وقت گورنمنٹ انگریزی نے بھی احرار کی فتنہ انگیزی سے متاثر ہو کر ہمارے خلاف ہتھیار اُٹھا لئے اور یہاں کئی بڑے بڑے افسر بھیج کر اور احمدیوں کو رستے چلنے سے روک کر احرار کا جلسہ کرایا گیا۔ . . . ، ، ایسے وقت میں تحریک جدید کو جاری کیا گیا۔" [1]

احراری شورش تو محض ایک بہانہ تھی

مگر احراری شورش تو محض ایک بہانہ تھی۔ تحریک جدید کی سکیم کا نافذ ہونا خدا کی ازلی تقدیروں میں سے تھا۔ جیسا کہ حضورؓ نے خود وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

"حقیقت یہی ہے کہ احرار تو خدا تعالیٰ نے ایک بہانہ بنا دیا ہے کیونکہ ہر تحریک کے جاری کرنے کے لئے ایک موقعہ کا انتظار کرنا پڑتا ہے اور جب تک وہ موقعہ میسر نہ ہو جاری کردہ تحریک مفید نتائج نہیں پیدا کر سکتی۔" [2]

نیز فرمایا :-

"تحریک جدید کے پیش کرنے کے موقع کا انتخاب ایسا اعلیٰ انتخاب تھا جس سے بڑھ کر اور کوئی اعلیٰ انتخاب نہیں ہو سکتا اور خدا تعالیٰ نے مجھے اپنی زندگی میں جو خاص کامیابیاں اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں اُن میں ایک اہم کامیابی تحریک جدید کو عین وقت پر پیش کر کے مجھے حاصل ہوئی اور یقیناً میں سمجھتا ہوں جس وقت میں نے یہ تحریک کی وہ میری زندگی کے خاص مواقع میں سے ایک موقع تھا اور میری زندگی کی اُن بہترین گھڑیوں میں سے ایک گھڑی تھی جبکہ مجھے اس عظیم الشان کام کی بنیاد رکھنے کی توفیق ملی۔ اس وقت جماعت کے دل ایسے تھے جیسے چلتے گھوڑے کو جب روکا جائے تو اس کی کیفیت ہوتی ہے۔" [3]

---

[1] تقریر فرمودہ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۳ء (غیر مطبوعہ) [2] "الفضل" ۸ فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۰ (تقریر فرمودہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۵ء)
[3] (ایضاً)

تحریک جدید کا ذکر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کشف میں

تحریک جدید کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ کشف بھی پورا ہو گیا جس میں حضورؑ کو غلبۂ اسلام کے لئے پانچ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک روحانی فوج دی گئی تھی۔ چنانچہ حضور علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

"کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا کہ انسان کی صورت پر دو شخص ایک مکان میں بیٹھے ہیں۔ ایک زمین پر اور ایک چھت کے قریب بیٹھا ہے۔ تب میں نے اس شخص کو جو زمین پر تھا مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے مگر وہ چپ رہا اور اس نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ تب میں نے اس دوسرے کی طرف رُخ کیا۔ جو چھت کے قریب اور آسمان کی طرف تھا۔ اور اسے میں نے مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ وہ میری اس بات کو سن کر بولا کہ ایک لاکھ نہیں ملے گی مگر پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا۔ تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگرچہ پانچ ہزار تھوڑے آدمی ہیں پر اگر خدا تعالیٰ چاہے تو تھوڑے بہتوں پر فتح پا سکتے ہیں۔ اس وقت میں نے یہ آیت پڑھی کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ پھر وہ منصوبہ مجھے کشف کی حالت میں دکھایا گیا اور کہا گیا کہ خوشحال ہے خوشحال ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی کسی حکمت خفیہ نے میری نظر کو اس کے پہچاننے سے قاصر رکھا۔ لیکن امید رکھتا ہوں کہ کسی دوسرے وقت دکھایا جائے۔" [۱]

دوسری بشارتیں

اس کشف کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور جماعت احمدیہ کے متعدد افراد کو بھی تحریک جدید کے بابرکت ہونے کی نسبت بشارتیں ملیں۔

چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۹ نومبر ۱۹۳۴ء کو فرمایا:-

"میں نے اللہ تعالیٰ سے متواتر دعا کرتے ہوئے اور اس کی طرف سے مبشر رؤیا حاصل کرتے ہوئے ایک سکیم تیار کی ہے جس کو میں انشاء اللہ آئندہ جمعہ سے بیان کرنا شروع کروں گا۔ میں نے ایک دن خاص طور پر دعا کی تو میں نے دیکھا کہ چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب آئے ہیں . . . . اور میں قادیان سے باہر پرانی سڑک پر ان سے ملا ہوں۔ وہ ملتے ہی پہلے مجھ سے بغلگیر ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد نہایت جوش سے انہوں نے میرے کندھوں اور سینہ کے اوپر کے حصہ پر بوسے دینے شروع کئے ہیں۔ اور نہایت رقت کی حالت ان

---

[۱] "ازالہ اوہام" طبع اول صفحہ ۹۷ تا ۹۹ حاشیہ

رہے اور وہ بوسے بھی دیتے جاتے ہیں اور یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ میرے آقا! میرا جسم اور رُوح آپ پر قربان ہوں۔ کیا آپ نے خاص میری ذات سے قربانی چاہی ہے ؟ اور میں نے دیکھا کہ ان کے چہرہ پر اخلاص اور رنج دونوں قسم کے جذبات کا اظہار ہو رہا ہے۔ میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ اوّل تو اس میں چوہدری صاحب کے اخلاص کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے کہ انشاء اللہ جس قربانی کا ان سے مطالبہ کیا گیا خواہ کوئی ہی حالات ہوں وہ اس قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ دوسرے یہ کہ ظفراللہ خاں سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی **فتح** ہے اور ذات سے قربانی کی اپیل سے مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ کی آیت مراد ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی مدد اور نصرت سے اپیل کی گئی تو وہ آگئی اور سینہ اور کندھوں کو بوسہ دینے سے مراد علم اور یقین کی زیادتی اور طاقت کی زیادتی ہے اور آقا کے لفظ سے یہ مراد ہے کہ فتح و ظفر مومن کے غلام ہوتے ہیں اور اُسے کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ اور جسم اور رُوح کی قربانی سے مراد جسمانی قربانیاں اور دعاؤں کے ذریعہ سے نُصرت ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں اور اُس کے فرشتوں کی طرف سے ہمیں حاصل ہوگی۔"[1]

" اس کے علاوہ بیسیوں رؤیا و کشوف اور الہامات اس تحریک کے بابرکت ہونے کے متعلق لوگوں کو ہوئے۔ بعض کو رؤیا میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ تحریک بابرکت ہے اور بعض کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بتایا کہ یہ تحریک بابرکت ہے اور بعض کو الہامات ہوئے کہ یہ تحریک بہت مبارک ہے۔ غرض یہ ایک ایسی تحریک ہے جس کے بابرکت ہونے کے متعلق بیسیوں رؤیا و کشوف اور الہامات کی شہادت موجود ہے۔"[2]

خدا تعالےٰ کی نازل کردہ تحریک

تحریک جدید براہ راست خدا تعالےٰ کی نازل کردہ تحریک تھی۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے قلب مبارک پر ایسے رنگ میں یکایک القاء ہوئی کہ دُنیا کی رُوحانی اور اسلامی فتح کی سب منزلیں اپنی بہت سی تفصیلات و مشکلات کے ساتھ حضورؓ کے سامنے آگئیں اور مستقبل میں لڑی جانے والی اسلام اور کُفر کی جنگ کا ایک جامع نقشہ آپ کے دماغ میں محفوظ کر دیا گیا۔ تحریک جدید کی اس نمایاں خصوصیت کا تذکرہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے متعدد بار فرمایا۔ بطور مثال چند فرمودات درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ "جب میں نے اس کے متعلق ارادہ کیا تو میں خود نہ جانتا تھا کہ کیا کیا لکھوں گا۔ مگر جوں جوں میں نوٹ لکھتا جاتا خدا تعالےٰ وہ طریق اور وہ ذرائع سمجھاتا جاتا تھا جن سے احمدیت مضبوط ہو سکتی تھی۔"[3]

---

[1] "الفضل" ۱۰ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۵ کالم ۲ و ۳
[2] "الفضل" ۲۱ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۵ کالم ۲ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۹ء)
[3] تقریر فرمودہ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۳ء (غیر مطبوعہ)

۲۔ "میرے ذہن میں یہ تحریک بالکل نہیں تھی۔ اچانک میرے دل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تحریک نازل ہوئی۔ پس بغیر اس کے کہ میں کسی قسم کی غلط بیانی کا ارتکاب کروں مَیں کہہ سکتا ہوں کہ وہ تحریک جدید جو خدا نے جاری کی میرے ذہن میں یہ تحریک پہلے نہیں تھی۔ مَیں بالکل خالی الذہن تھا۔ اچانک اللہ تعالیٰ نے یہ سکیم میرے دل پر نازل کی اور مَیں نے اُسے جماعت کے سامنے پیش کر دیا۔ پس یہ میری تحریک نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی نازل کردہ تحریک ہے۔" [۱]

۳۔ "اس سکیم میں بعض چیزیں عارضی ہیں۔ پس عارضی چیزوں کو میں بھی مستقل قرار نہیں دیتا۔ لیکن باقی تمام سکیم مستقل حیثیت رکھتی ہے کیونکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے القاء کے نتیجہ میں مجھے سمجھائی گئی ہے۔ میں نے اس سکیم کو تیار کرنے میں ہرگز غور اور فکر سے کام نہیں لیا اور نہ گھنٹوں میں نے اس کو سوچا ہے۔ خدا تعالیٰ نے میرے دل میں یہ تحریک پیدا کی کہ مَیں اس کے متعلق خطبات کہوں۔ پھر ان خطبوں میں مَیں نے جو کچھ کہا وہ مَیں نے نہیں کہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے میری زبان پر جاری کیا کیونکہ ایک منٹ بھی مَیں نے یہ نہیں سوچا کہ میں کیا کہوں۔ اللہ تعالیٰ میری زبان پر خود بخود اس سکیم کو جاری کرتا گیا اور مَیں نے سمجھا کہ مَیں نہیں بول رہا بلکہ میری زبان پر خدا بول رہا ہے۔" [۲]

۴۔ "تحریک جدید ایک ہنگامی چیز کے طور پر میرے ذہن میں آئی تھی۔ اور جب مَیں نے اس تحریک کا اعلان کیا ہے اس وقت خود مجھے بھی اس تحریک کی کئی حکمتوں کا علم نہیں تھا۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ایک نیّت اور ارادہ کے ساتھ مَیں نے یہ سکیم جماعت کے سامنے پیش کی تھی۔ کیونکہ واقعہ یہ تھا کہ جماعت کی اُن دنوں حکومت کے بعض افسروں کی طرف سے شدید ہتک کی گئی تھی اور سلسلہ کا وقار خطرے میں پڑ گیا تھا پس میں نے چاہا کہ جماعت کو اس خطرے سے بچاؤں۔ مگر بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی رحمت انسانی قلب پر تصرّف کرتی اور رُوح القدس اس کے تمام ارادوں اور کاموں پر حاوی ہو جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں میری زندگی میں بھی یہ ایسا ہی واقعہ تھا جبکہ رُوح القدس میرے دل پر اُترا اور وہ میرے دماغ پر ایسا حاوی ہو گیا کہ مجھے یوں محسوس ہوا گویا اس نے مجھے ڈھانک لیا ہے اور ایک نئی سکیم ایک دُنیا میں تغیر پیدا کر دینے والی سکیم میرے دل پر نازل کر دی اور مَیں دیکھتا ہوں کہ میری تحریک جدید کے اعلان سے پہلے کی زندگی اور بعد کی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قرآنی نکتے مجھ پر پہلے بھی کھلتے تھے

---

[۱] "الفضل" ۲ر دسمبر ۱۹۴۲ء ۔ [۲] خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۶ء مطبوعہ "الفضل" ۲۶ر فروری ۱۹۶۱ء ۔

اور اب بھی کھلتے ہیں۔ مگر پہلے کوئی معیّن سکیم میرے سامنے نہیں تھی جس کے قدم قدم کے نتیجہ سے میں واقف ہوں اور مَیں کہہ سکوں کہ اس اس رنگ میں ہماری جماعت ترقی کرے گی۔ مگر اب میری حالت ایسی ہی ہے کہ جس طرح انجنیئر ایک عمارت بناتا اور اُسے یہ علم ہوتا ہے کہ یہ عمارت کب ختم ہوگی؟ اس میں کہاں کہاں طاقچے رکھے جائیں گے، کتنی کھڑکیاں ہوں گی، کتنے دروازے ہوں گے، کتنی اونچائی پر چھت پڑے گی۔ اسی طرح دنیا کی اسلامی فتح کی منزلیں اپنی بہت سی تفاصیل اور مشکلات کے ساتھ میرے سامنے ہیں۔ دشمنوں کی بہت سی تدبیریں میرے سامنے بے نقاب ہیں۔ ان کی کوششوں کا مجھے علم ہے۔ اور یہ تمام امور ایک وسیع تفصیل کے ساتھ میری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔ تب مَیں نے سمجھا کہ یہ واقعہ اور فساد خدا تعالےٰ کی خاص حکمت نے کھڑا کیا تھا تا وہ ہماری نظروں کو اس عظیم الشان مقصد کی طرف پھرا دے جس کے لئے اُس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا۔ پس پہلے میں صرف ان باتوں پر ایمان رکھتا تھا۔ مگر اب میں صرف ایمان ہی نہیں رکھتا بلکہ میں تمام باتوں کو دیکھ رہا ہوں۔ مَیں دیکھ رہا ہوں کہ سلسلہ کو کس کس رنگ میں نقصان پہنچایا جائے گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ سلسلہ پر کیا کیا حملہ کیا جائے گا اور مَیں دیکھ رہا ہوں کہ ہماری طرف سے ان حملوں کا کیا جواب دیا جائے گا۔ ایک ایک چیز کا اجمالی علم میرے ذہن میں موجود ہے۔" [1]

۵۔ "تحریک جدید بھی القائی طور پر خدا تعالیٰ نے مجھے سمجھائی ہے۔ جب مَیں ابتدائی خطبات دے رہا تھا مجھے خود بھی یہ معلوم نہ تھا کہ میں کیا بیان کروں گا۔ اور جب مَیں نے اس سکیم کو بیان کیا تو میں اس خیال میں تھا کہ ابھی اس سکیم کو مکمل کروں گا اور میں خود بھی اس امر کو نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس سکیم میں ہر چیز موجود ہے۔ مگر بعد میں جوں جوں سکیم پر میں نے غور کیا مجھے معلوم ہوا کہ تمام ضروری باتیں اس سکیم میں بیان ہو چکی ہیں اور اب کم از کم اس صدی کے لئے تمہارے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ سب اس میں موجود ہیں سوائے جزئیات کے کہ وہ ہر وقت بدلی جاسکتی ہیں۔

پس جماعت کو اپنی ترقی اور عظمت کے لئے اس تحریک کو سمجھنا اور اس پر غور کرنا نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالےٰ جس طرح مختصر الفاظ میں ایک الہام کر دیتا ہے اور اس میں نہایت باریک تفصیلات موجود ہوتی ہیں اسی طرح اس کا القاء بھی ہوتا ہے۔ اور جس طرح الہام مخفی ہوتا ہے اسی طرح القاء بھی مخفی ہوتا ہے

---

[1] "الفضل" ۷ راپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۷، کالم ۱-۲ ۔

بلکہ القاء الہام سے زیادہ مخفی ہوتا ہے۔ یہ تحریک بھی جو القاء الٰہی کا نتیجہ تھی پہلے مخفی تھی مگر جب اس پر غور کیا گیا تو یہ اس قدر تفصیلات کی جامع نکلی کہ مَیں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے زمانہ کے لئے اس میں اتنا مواد جمع کر دیا ہے کہ اصولی طور پر اس میں وہ تمام باتیں آگئی ہیں جو کامیابی کے لئے ضروری ہیں"[۱]

تحریکِ جدید کی نسبت پہلا اعلان

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ پر تحریک جدید کا القاء اکتوبر ۱۹۳۴ء میں منعقد ہونے والی نام نہاد "احرار تبلیغ کانفرنس" کے دوران ہوا۔

حضرت امیر المومنینؓ اگر چاہتے تو کانفرنس شروع ہونے سے پہلے ہی اس کا اعلان فرما دیتے۔ مگر حضورؓ نے حیرت انگیز صبر و تحمل اور بے نظیر ذہانت و فطانت کا ثبوت دیتے ہوئے اُسے کانفرنس کے اختتام تک ملتوی کر دیا۔ البتہ ۱۹؍اکتوبر ۱۹۳۴ء کو یعنی کانفرنس کے شروع ہونے سے صرف دو روز پیشتر اپنے خطبہ جمعہ میں یہ اعلان ضرور فرما دیا کہ

"سات یا آٹھ دن تک اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے زندگی اور توفیق بخشی تو میں ایک نہایت ہی اہم اعلان جماعت کے لئے کرنا چاہتا ہوں . . . . . مَیں وہ مطالبہ احراری جلسہ کے ایام میں پیش کرنا نہیں چاہتا تاکہ اُسے انتقامی رنگ پر محمول نہ کیا جا سکے اور تا وہ مطالبہ فتنہ کا کوئی اور دروازہ نہ کھول دے۔ اس کے بعد میں دیکھوں گا۔ کہ آپ لوگوں میں سے کتنے ہیں جو اس قربانی کے لئے تیار رہتے ہیں۔ جو قربانیاں اس وقت تک ہماری جماعت کی طرف سے ہوئی ہیں۔ وہ ان قربانیوں کے مقابلہ میں بہت ہی حقیر ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت نے کیں یا عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کیں یا رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے کیں۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس رنگ میں قربانی کریں جو بہت جلد نتیجہ خیز ہو کر ہمارے قدموں کو اس بلندی تک پہنچا دے جس بلندی تک پہنچانے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دُنیا میں مبعوث ہوئے۔

مَیں امید کرتا ہوں کہ اگر آپ لوگوں میں سے بعض کو دُور دراز ملکوں میں بغیر ایک پیسہ لئے نکل جانے کا حکم دیا گیا تو آپ لوگ اس حکم کی تعمیل میں نکل کھڑے ہوں گے۔ اگر بعض لوگوں سے اُن کے کھانے پینے اور پہننے میں تبدیلی کا مطالبہ کیا گیا تو وہ اس مطالبہ کو پُورا کریں گے۔ اگر بعض لوگوں کے اوقات کو پُورے طور پر سلسلہ کے کاموں کے لئے وقف کر دیا گیا تو وہ بغیر چون و چرا کئے اس پر رضامند ہو جائیں گے اور جو شخص ان مطالبات کو پُورا نہیں کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہوگا بلکہ الگ کر دیا جائے گا"[۲]

---

[۱] "الفضل" ۲۶؍فروری ۱۹۶۱ء صفحہ ۴ (فرمودہ ۲۱؍اکتوبر ۱۹۳۶ء) ؛ [۲] "الفضل" ۲۳؍اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ ، ۳ ؛

تین فوری احکام

اس سلسلہ میں حضورؓ نے اسی خطبہ میں فوری طور پر تین احکام صادر فرمائے:۔

پہلا حکم:۔

"ہر وہ شخص جس کے چندوں میں کوئی نہ کوئی بقایا ہے یا ہر وہ جماعت جس کے چندوں میں بقائے ہیں وہ فوراً اپنے اپنے بقائے ُ ے کرے اور آئندہ کے لئے چندوں کی ادائیگی میں باقاعدگی کا نمونہ دکھلائیں"

دُوسرا حکم:۔

"اس ہفتہ کے اندر اندر ہر وہ شخص جس کی کسی سے لڑائی ہو چکی ہے، ہر وہ شخص جس کی کسی سے بول چال بند ہے، وہ جائے اور اپنے بھائی سے معافی مانگ کر صلح کر لے اور اگر کوئی معاف نہیں کرتا تو اس سے لجاجت اور انکسار کے ساتھ معافی طلب کرے اور ہر قسم کا تذلّل اس کے آگے اختیار کرے تاکہ اس کے دل میں رحم پیدا ہو اور وہ رنجش کو اپنے دل سے نکال دے اور ایسا ہو کہ جس وقت میں دوسرا اعلان کرنے کے لئے کھڑا ہوں اس وقت کوئی دو احمدی ایسے نہ ہوں جو آپس میں لڑے ہوئے ہوں۔ اور کوئی دو احمدی ایسے نہ ہوں جن کی آپس میں بول چال بند ہو۔ پس جاؤ اور اپنے دلوں کو صاف کرو۔ جاؤ اور اپنے بھائیوں سے معافی طلب کر کے متحد ہو جاؤ۔ جاؤ اور ہر تفرقہ اور شقاق کو اپنے اندر سے دُور کر دو تب خدا تعالیٰ کے فرشتے تمہاری مدد کے لئے اُتریں گے۔ آسمانی فوجیں تمہارے دشمنوں سے لڑنے کے لئے نازل ہوں گی اور تمہارا دشمن خدا کا دشمن سمجھا جائے گا۔ یہ دو نمونے ہیں جو میں اپنی جماعت میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ جس شخص کو یہ خطبہ پہنچے وہ اس وقت تک سوئے نہیں جب تک کہ اس حکم پر عمل نہ کر لے سوائے اس کے کہ اُس کے لئے ایسا کرنا ناممکن ہو۔ مثلاً جس شخص سے لڑائی ہوئی ہو وہ گھر میں موجود نہ ہو یا اُسے تلاش کے باوجود مل نہ سکا ہو یا کسی دوسرے گاؤں یا شہر میں گیا ہوا ہو۔

جماعتوں کے سکرٹریوں کو چاہئیے کہ وہ میرے اس خُطبہ کے پہنچنے کے بعد اپنی اپنی جماعتوں کو اکٹھا کریں اور انہیں کہیں کہ امیر المومنین کا حکم ہے کہ آج وہی شخص اس جنگ میں شامل ہو سکے گا جس کی اپنے کسی بھائی سے رنجش یا لڑائی نہ ہو اور جو صُلح کر کے اپنے بھائی سے متحد ہو چکا ہو اور جب میں قربانی کے لئے لوگوں کا انتخاب کروں گا تو میں ہر ایک شخص سے پُوچھ لوں گا کہ کیا تمہارے دل میں کسی سے رنجش یا بغض تو نہیں۔ اور اگر مجھے معلوم ہوا کہ اس کے دل میں کسی شخص کے متعلق کینہ اور بغض موجود ہے تو میں اس سے کہوں گا کہ تم بُنْیَانٌ مَّرْصُوْص نہیں۔ تمہارا کندھا اپنے بھائی کے کندھے سے ملا ہُوا

نہیں۔ بالکل ممکن ہے کہ تمہارے کندھے سے دشمن ہم پر حملہ کر دے۔ پس جاؤ مجھ کو تمہاری ضرورت نہیں۔ یہ وہ کام ہیں جن کا پورا کرنا میں قادیان والوں کے ذمّہ اگلے خطبہ تک اور باہر کی جماعتوں کے ذمّہ اس خطبہ کے چھپ کر پہنچنے کے ایک ہفتہ بعد تک فرض مقرر کرتا ہوں۔"

تیسرا حکم:۔

"مجھے فوراً جلد سے جلد ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو سلسلہ کے لئے اپنے وطن چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ اپنی جانوں کو خطرات میں ڈالنے کے لئے تیار ہوں اور بھوکے پیاسے رہ کر بغیر تنخواہوں کے اپنے نفس کو تمام تکالیف سے گزارنے پر آمادہ ہوں۔ پس میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ جو نوجوان ان کاموں کے لئے تیار ہوں وہ اپنے نام پیش کریں۔ نوجوانوں کی لیاقت کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یا تو وہ مولوی ہوں مدرسہ احمدیہ کے سند یافتہ یا کم سے کم انٹرنس پاس یا گریجوایٹ ہوں . . . . . شرط یہ ہے کہ وہ سرکاری ملازم نہ ہوں اور نہ ہی تاجر ہوں اور نہ طالب علم ہوں۔ صرف ایسے نوجوان ہوں جو ملازمت کی انتظار میں اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔" [۱]

قربانی کا ماحول پیدا کرنے کا ارشاد

ان تین احکام کے بعد حضور نے جماعت کو یہ بھی بتایا کہ کوئی بڑی قربانی نہیں کی جاسکتی جب تک اس کے لئے ماحول نہ پیدا کیا جائے۔ اس سلسلہ میں حضور کے الفاظ یہ تھے:۔

"کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ماحول ٹھیک ہو اور اگر گرد و پیش کے حالات موافق نہ ہوں تو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے لوگ نیکی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اُن کے اندر نیکی کرنے کا مادہ بھی موجود ہوتا ہے اور جذبہ بھی، مگر وہ ایسا ماحول نہیں پیدا کر سکتے جس کے ماتحت صحیح قربانی کر سکیں۔ پس ماحول کا خاص طور پر خیال رکھنا ضروری ہے۔ میرے ایک بچہ نے ایک دفعہ ایک جائز امر کی خواہش کی تو مَیں نے اُسے لکھا کہ یہ بیشک جائز ہے مگر تم یہ سمجھ لو کہ تم نے خدمتِ دین کے لئے زندگی وقف کی ہوئی ہے اور تم نے دین کی خدمت کا کام کرنا ہے اور یہ امر تمہارے لئے اتنا بوجھ ہو جائے گا کہ تم دین کی خدمت کے رستہ میں اُسے نباہ نہیں سکو گے اور یہ تمہارے رستہ میں مشکل پیدا کر دے گا۔

تو مَیں نے دیکھا ہے کہ بہت سے لوگ نیکیوں سے اس لئے محروم رہ جاتے ہیں کہ وہ ماحول پیدا نہیں کر سکتے

---

[۱] "الفضل" ۱۸ / نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۹ ۔

وہ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے جب کہا کہ قربانی کریں گے تو کرلیں گے حالانکہ یہ صحیح نہیں . . . . مجھے ہزارہا لوگوں نے لکھا ہے کہ ہم قربانی کے لئے تیار ہیں اور جنہوں نے نہیں لکھا وہ بھی اس انتظار میں ہیں کہ سکیم شائع ہولے تو ہم بھی شامل ہو جائیں گے۔ مگر میں بتاتا ہوں کہ کوئی قربانی کام نہیں دے سکتی جب تک اس کے لئے ماحول پیدا نہ کیا جائے۔ یہ کہنا آسان ہے کہ ہمارا مال سلسلہ کا ہے۔ مگر جب ہر شخص کو کچھ روپیہ کھانے پر اور کچھ لباس پر اور کچھ مکان کی حفاظت یا کرایہ پر کچھ علاج پر خرچ کرنا پڑتا ہے اور پھر اس کے پاس کچھ نہیں بچتا۔ تو اس صورت میں اس کا یہ کہنا کیا معنیٰ رکھتا ہے کہ میرا سب مال حاضر ہے۔ اس قسم کی قربانی نہ قربانی پیش کرنے والے کو کوئی نفع دے سکتی ہے اور نہ سلسلہ کو ہی اس سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ سلسلہ اُس کے ان الفاظ کو کہ میرا سب مال حاضر ہے کیا کرے جبکہ سارے مال کے معنے صفر کے ہیں۔ جس شخص کی آمد سَو روپیہ اور خرچ بھی سَو روپیہ ہے وہ اس قربانی سے سلسلہ کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ پہلے خرچ کو سَو سے نوّے پر نہیں لے آتا۔ تب بیشک اس کی قربانی کے معنے دس فیصدی قربانی کے ہوں گے . . .
پس ضروری ہے کہ قربانی کرنے سے پیشتر اس کے لئے ماحول پیدا کیا جائے۔ اس کے بغیر قربانی کا دعویٰ کرنا ایک نادانی کا دعویٰ ہے یا منافقت۔

یاد رکھو کہ یہ ماحول اُس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک عورتیں اور بچے ہمارے ساتھ نہ ہوں۔ مرد اپنی جانوں پر عام طور پر پانچ دس فیصدی خرچ کرتے ہیں سوائے اُن عیاش مردوں کے جو عیاشی کرنے کے لئے زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ ورنہ کنبہ دار مرد عام طور پر اپنی ذات پر پانچ دس فیصدی سے زیادہ خرچ نہیں کرتے اور باقی نوّے پچانوے فیصدی عورتوں اور بچوں پر خرچ ہوتا ہے اس لئے بھی کہ اُن کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اُن کے آرام کا مرد زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ پس ان حالات میں مرد جو پہلے ہی پانچ یا دس یا زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس فیصدی اپنے اُوپر خرچ کرتے ہیں اور جن کی آمدنی کا اسّی نوّے فیصدی عورتوں اور بچوں پر خرچ ہوتا ہے، اگر قربانی کرنا بھی چاہیں تو کیا کر سکتے ہیں جب تک عورتیں اور بچے ساتھ نہ دیں۔ اور جب تک وہ یہ نہ کہیں کہ ہم ایسا ماحول پیدا کر دیتے ہیں کہ مرد قربانی کر سکیں۔

پس تیسری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ قربانی کے لئے پہلے ماحول پیدا کیا جائے۔ اور اس کے لئے ہمیں اپنے بیوی بچوں سے پوچھنا چاہیئے کہ وہ ہمارا ساتھ دیں گے یا نہیں؟ اگر وہ ہمارے ساتھ قربانی کے لئے تیار نہیں ہیں تو قربانی کی گنجائش بہت کم ہے۔

مالی قربانی کی طرح جانی قربانی کا بھی یہی حال ہے۔ جسم کو تکلیف پہنچانا کس طرح ہو سکتا ہے جب تک اُس کے لئے عادت نہ ڈالی جائے۔ جو مائیں اپنے بچوں کو وقت پر نہیں جگاتیں۔ وقت پر پڑھنے کے لئے نہیں بھیجتیں ان کے کھانے پینے میں ایسی احتیاط نہیں کرتیں کہ وہ آرام طلب اور عیاش نہ ہو جائیں وہ قربانی کیا کر سکتے ہیں عادتیں جو بچپن میں پیدا ہو جائیں وہ نہیں چھوٹتیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بہت بڑے ایمان سے دَب جاتی ہیں۔ مگر جب ایمان میں ذرا بھی کمی آئے پھر عود کر آتی ہیں۔ پس جانی قربانی بھی اس وقت تک نہیں ہو سکتی۔ جب تک عورتیں اور بچے ہمارے ساتھ متحد نہ ہوں۔ جب تک مائیں متحد نہیں ہوں گی تو وہ روز ایسے کام کریں گی جن سے بچوں میں سُستی اور غفلت پیدا ہو۔ پس جب تک مناسب ماحول پیدا نہ ہو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا"[1]

فصل دوم

تحریکِ جدید کے اُنیس[19] مطالبات اور مُلکی پریس

اب تمہیدی امور چونکہ بیان کئے جا چکے تھے۔ اس لئے حضور نے ۲۳ نومبر، ۳۰ نومبر اور ۷ دسمبر ۱۹۳۴ء کے تین خطبات میں اپنی سکیم تفصیلی طور پر جماعت کے سامنے رکھی اور اُسے ۱۶ دسمبر ۱۹۳۴ء کے ایک مطبوعہ اعلان میں "تحریک جدید" کے نام سے موسوم فرمایا۔[2]

اُنیس[19] مطالبات حضرت امیرالمومنین رضؓ کے اپنے الفاظ میں

"تحریک جدید" کی سکیم اُنیس[19] مطالبات پر مشتمل تھی۔ جن کی تشریح و توضیح ذیل میں خود سیدنا امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے الفاظ مبارکہ میں درج کی جاتی ہے:۔

پہلا مطالبہ:۔ "آج سے تین سال کے لئے . . . ہر احمدی جو اس جنگ میں ہمارے ساتھ شامل ہونا چاہے یہ اقرار کرے کہ وہ آج سے صرف ایک سالن[ع] استعمال کرے گا۔ روٹی اور سالن یا چاول اور سالن یہ دو چیزیں

---

[1] "الفضل ۲۹ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۴ و ۵ ۔ [2] "الفضل" ۱۶ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱ ۔

[ع] حضرت فضل عمرؓ کی یہ تحریک ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی ملتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو الحسن علی بن محمد بن عبدالکریم الجزری (ابن اثیر) نے "اسد الغابہ" میں حضرت عمرؓ کے حالات میں یہ واقعہ لکھا ہے:۔

"عن ابی حازم قال دخل عمر بن الخطاب علیٰ حفصة ابنتهٗ فقدمت الیه مرقًا باردا وصبت فی المرق زیتا فقال أدمان فی انله واحد لا أذوقه حتّی القی الله عز وجل (جلد چہارم ص۶۲ مصری)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

نہیں بلکہ دونوں مل کر ایک ہوں گے۔ لیکن روٹی کے ساتھ دو سالنوں یا چاولوں کے ساتھ دو سالنوں کی اجازت نہ ہوگی۔ . . . سوائے اس صورت کے کہ کوئی دعوت ہو یا مہمان گھر پر آئے۔ اس کے احترام کے لئے اگر ایک سے زائد کھانے تیار کئے جائیں تو یہ جائز ہوگا۔ مگر مہمان کا قیام لمبا ہو تو اس صورت میں اہلِ خانہ خود ایک ہی کھانے پر کفایت کرنے کی کوشش کرے یا سوائے اس کے کہ اس شخص کی کہیں دعوت ہو اور صاحبِ خانہ ایک سے زیادہ کھانوں پر اصرار کرے یا سوائے اس کے کہ اس کے گھر کوئی چیز بطور تحفہ آجائے۔ یا مثلاً ایک وقت کا کھانا تھوڑی مقدار میں بچ کر دوسرے وقت کے کھانے کے ساتھ استعمال کر لیا جائے۔ . . مہمان بھی اگر جماعت کا ہو تو اُسے بھی چاہیئے کہ میزبان کو مجبور نہ کرے کہ ایک سے زیادہ سالن اس کے ساتھ مل کر کھائے۔ ہر احمدی اس بات کا پابند نہیں بلکہ اس کی پابندی صرف اُن لوگوں کے لئے ہوگی جو اپنے نام مجھے بتا دیں۔ . . . [1]

لباس کے متعلق میرے ذہن میں کوئی خاص بات نہیں آئی۔ ہاں بعض عام ہدایات مَیں دیتا ہوں مثلاً یہ کہ جن لوگوں کے پاس کافی کپڑے ہوں۔ وہ ان کے خراب ہو جانے تک اور کپڑے نہ بنوائیں پھر جو لوگ نئے کپڑے زیادہ بنواتے ہیں۔ وہ نصف پر یا تین چوتھائی پر یا ۲/۳ پر آجائیں۔ . . . ہاں سب سے ضروری بات عورتوں کے لئے یہ ہوگی کہ محض پسند پر کپڑا نہ خریدیں۔ . . . بلکہ ضرورت ہو تو خریدیں دوسری پابندی عورتوں کے لئے یہ ہے کہ اس عرصہ میں گوٹہ کناری فیتہ وغیرہ قطعاً نہ خریدیں۔ . . . تیسری شرط اس مد میں یہ ہے کہ جو عورتیں اس عہد میں اپنے آپ کو شامل کرنا چاہیں۔ وہ کوئی نیا زیور نہیں بنوائیں گی اور جو مرد اس میں شامل ہوں وہ بھی عہد کریں کہ عورتوں کو نیا زیور بنوا کر نہیں دیں گے۔ پُرانے زیور کو تڑوا کر بنانے کی بھی ممانعت ہے۔ . . . جب ہم جنگ کرنا چاہتے ہیں تو روپیہ کو کیوں خواہ مخواہ ضائع کریں خوشی کے دنوں میں ایسی جائز باتوں سے ہم نہیں روکتے۔ لیکن جنگ کے دنوں میں ایک پیسہ کی حفاظت بھی ضروری ہوتی ہے۔ ہاں ٹوٹے ہوئے زیور کی مرمت جائز ہے۔ . . . علاج کے متعلق میں کہہ چکا ہوں کہ اطباء اور ڈاکٹر سستے نسخے تجویز کیا کریں۔ . . . پانچواں خرچ سنیما اور تماشے ہیں۔ ان کے متعلق میں ساری

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ یعنی حضرت ابو حازمؓ سے مروی ہے کہ ایک بار حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ کے ہاں تشریف لائے بحضرت حفصہؓ نے سالن میں زیتون کا تیل ڈال کر پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک وقت میں دو دو سالن!! خدا کی قسم میں اسے کبھی نہیں کھاؤں گا۔

[1] حضورؓ نے اس مطالبہ کی مزید تشریح ۷ر دسمبر ۱۹۳۴ء کے خطبہ جمعہ میں بھی فرمائی۔ یہ خطبہ ۱۳ر دسمبر ۱۹۳۴ء کے "الفضل" میں شائع شدہ ہے۔

تحریک جدید کے ابتدائی خطبات سے متعلق سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے قلم مبارک سے لکھی ہوئی قیمتی یادداشتوں کا عکس

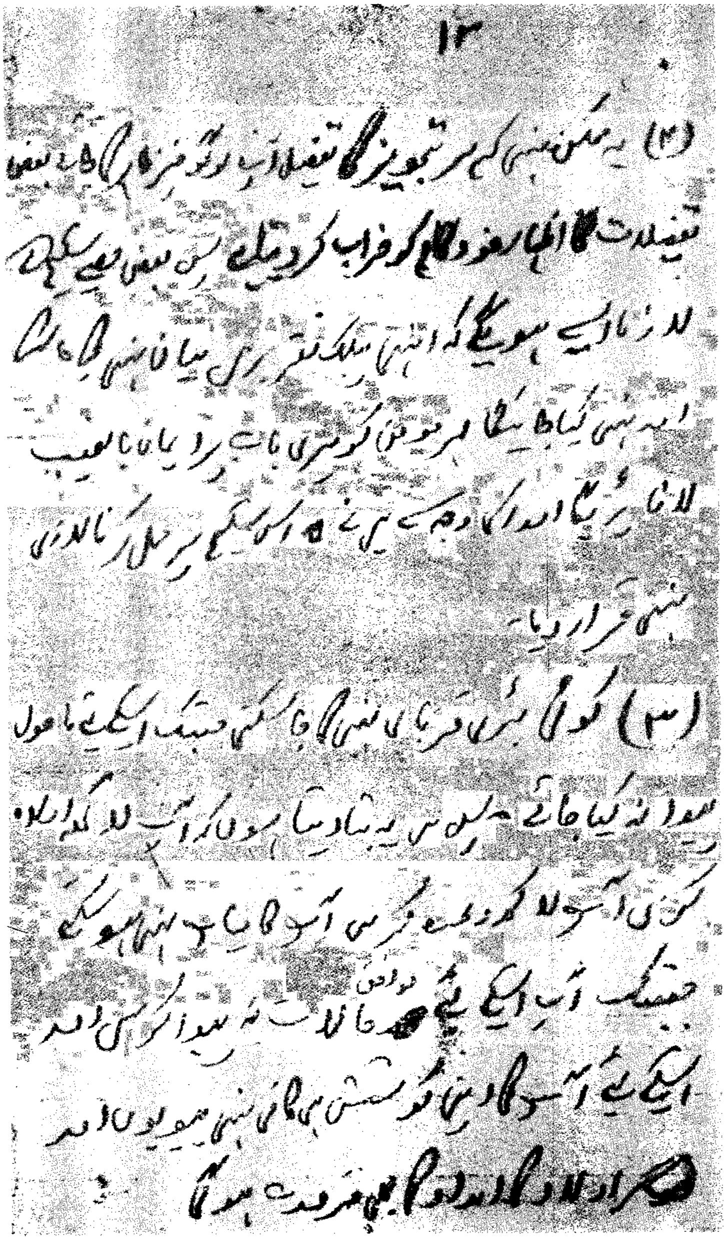

۱۲

(۲) یہ ممکن نہیں کہ ہر تجویز کا تفصیلاً آپ کو بتا دیا جائے بعض
تفصیلات کا اظہار مقصد کو خراب کر دیتا ہے پس بعض باتیں سکیم
لازماً ایسی ہوں گی کہ انہیں ایک عرصہ تک بیان نہیں کیا جا سکتا
اور یہ نہیں کیا جا سکتا کہ ہر مومن کو ہر ایک بات بتا دیا جانا یا عیب
لگانا ہوگا اور اس کی وجہ سے میں نے اس سکیم پر عمل کرنا لازمی
نہیں قرار دیا۔

(۳) کوئی بڑی قربانی نہیں کی جا سکتی جب تک ایک اصول
مقرر نہ کیا جائے پس میں یہ بتا دیتا ہوں کہ آپ لوگ [illegible]
[illegible] کر دیں مگر میں آپ کا [illegible] نہیں ہوں گا
جب تک آپ ایک ہی [illegible] نہ [illegible] اور
ایک ہی [illegible] نہیں [illegible] اور
[illegible] ہوگا

مثلاً جانی قربانی سے یعنی اپنی جان کو تکلیف دے کر

دوسرے انسان کے لئے غذا میں اصلاح کا فریضہ سب کھانے پینے میں تعیش

نہ ہو اور (لباس میں) یہ ہو نہیں سکتا بیشک سب کو دھوکہ لوگوں سے ترکہ تعاون نہ کریں

اور اگر یہ نہ ہو تو تکلیف دے کر بھی ہم نہیں کر سکتے

دوسرا مالی قربانی کا یہ بھی نہیں ہو سکتا بیشک کرنے کے لئے

ماحول پیدا نہ ہو آپ بے شک ارادہ کریں کہ ہم آئندہ

اس قدر رقم دین کے لئے دینگے لیکن اگر آپکے اخراجات

فضول خورد و نوش اور لباس میں فرق نہیں پڑتا اسکے علاوہ

ہو گا یہی ہو گا کہ آپ مقروض ہو کر آئندہ خدمت دین

سے محروم رہ جائیں گے

بڑے بڑے اخراجات لوگوں میں یہ ہوتے ہیں

۱- غذا ۲- لباس ۳- زیور ۴- [illegible] علاج

۵- [illegible] تماشہ و فضول ۶- شادی بیاہ ۷- آرائش اور زیبائش سامان وغیرہ

جماعت کو حکم دیتا ہوں کہ تین سال[1] تک کوئی احمدی کسی سنیما، سرکس، تھیٹر وغیرہ غرضکہ کسی تماشہ میں بالکل نہ جائے۔ . . . چھٹا شادی بیاہ کا معاملہ ہے۔ چونکہ یہ جذبات کا سوال ہے اور حالات کا سوال ہے اس لئے میں یہ حد بندی تو نہیں کر سکتا کہ اتنے جوڑے اور اتنے زیور سے زیادہ نہ ہوں۔ ہاں اتنا مد نظر رہے کہ تین سال کے عرصہ میں یہ چیزیں کم دی جائیں۔ جو شخص اپنی لڑکی کو زیادہ دینا چاہے وہ کچھ زیور، کپڑا اور باقی نقد کی صورت میں دے دے۔ ساتواں مکانوں کی آرائش و زیبائش کا سوال ہے اس کے متعلق بھی کوئی طریق میرے ذہن میں نہیں آیا۔ ہاں عام حالات میں تبدیلی کے ساتھ اس میں خود بخود تبدیلی ہو سکتی ہے جب غذا اور لباس سادہ ہوگا تو اس میں بھی خود بخود لوگ کمی کرنے لگ جائیں گے پس میں اس عام نصیحت کے ساتھ کہ جو لوگ اس معاہدے میں شامل ہوں وہ آرائش و زیبائش پر خواہ مخواہ روپیہ ضائع نہ کریں، اس بات کو چھوڑتا ہوں[ع]۔ . . . . آٹھویں چیز تعلیمی اخراجات ہیں۔ اس کے متعلق کھانے پینے میں جو خرچ ہوتا ہے، اس کا ذکر میں پہلے کر آیا ہوں۔ جو خرچ اس کے علاوہ ہیں یعنی فیس یا آلات اور اوزاروں یا سٹیشنری اور کتابوں وغیرہ پر جو خرچ ہوتا ہے، اس میں کمی کرنا ہمارے لئے مضر ہوگا۔ اس لئے نہ تو اس میں کمی کی نصیحت کرتا ہوں اور نہ ہی اس کی گنجائش ہے۔ پس عام اقتصادی

ع۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ سادہ زندگی کی اس سکیم کا سب سے زیادہ اثر براہِ راست قادیان کے دوکانداروں پر پڑنے والا تھا۔ اس لئے حضورؓ نے حسب ذیل تجاویز فرمائیں :-

(۱) قادیان کے احمدی جہاں تک ہو سکے یہاں کے دکانداروں ہی سے سودا سلف خریدیں اور دکاندار زیادہ بکری پر تھوڑے منافع کا اصول پیش نظر رکھیں اور سستا سودا خریدنے کی کوشش کیا کریں۔

(۲) بیرونی احمدی جو جلسہ سالانہ یا مجلسِ شوریٰ پر آتے ہیں وہ بھی اگر ایسی چیزیں جو آسانی سے ساتھ لیجا سکیں یہاں سے خرید لیں یا کپڑے وغیرہ یہاں سے بنوا لیا کریں تو قادیان کے دکانداروں کی بکری زیادہ ہو سکتی ہے۔

اس ضمن میں حضور نے خاص طور پر چوہدری نصر اللہ خاں صاحبؓ کی مثال دیتے ہوئے فرمایا :-

"چوہدری نصر اللہ خاں صاحب مرحوم کئی دفعہ اپنے کپڑے یہاں سے بنوایا کرتے تھے۔ کسی نے اُن سے کہا کہ آپ رہتے سیالکوٹ میں ہیں اور کپڑے یہاں سے بنواتے ہیں یہ کیا بات ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ اس سے دوہرا ثواب مجھے مل جاتا ہے۔ اس سے قادیان میں روپیہ کے چلن میں زیادتی ہو جاتی ہے اور بھائی کو فائدہ بھی پہنچ جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ اگر چوہدری صاحب مرحوم کے نقش قدم پر چلنے والے چند سو دوست بھی پیدا ہو جائیں تو قادیان کے دکانداروں کا نقصان ہی دُور نہیں ہو سکتا بلکہ انہیں فائدہ بھی پہنچ سکتا ہے۔" (الفضل ۱۲؍دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۵)

[1] جیسا کہ آئندہ مفصل ذکر آرہا ہے حضور نے بعد کو سنیما کی مستقل ممانعت فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ "میں سمجھتا ہوں کہ میرا منع کرنا تو الگ رہا اگر میں ممانعت نہ کروں تو بھی مومن کی رُوح کو خود بخود اس کی بغاوت کرنی چاہیئے" (الفضل ۱۲؍دسمبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۳)

حالات میں تحریک کیلئے مَیں ان آٹھ قربانیوں کا مطالبہ کرتا ہوں۔" [1]

دوسرا مطالبہ " دوسرا مطالبہ جو دراصل پہلے ہی مطالبہ پر مبنی ہے یہ کرتا ہوں کہ جماعت کے مخلص افراد کی ایک جماعت ایسی نکلے جو اپنی آمد کا ⅕ سے ⅓ حصہ تک سلسلہ کے مفاد کے لئے تین سال تک بیت المال میں جمع کرائے۔ اس کی صورت یہ ہو کہ جس قدر وہ مختلف چندوں میں دیتے ہیں یا دوسرے ثواب کے کاموں پر خرچ کرتے ہیں یا دارالانوار کمیٹی کا حصہ یا حصے انہوں نے لئے ہیں (اخبارات وغیرہ کی قیمتوں کے علاوہ) وہ سب رقم اس حصہ میں سے کاٹ لیں اور باقی رقم اس تحریک کی امانت میں صدر انجمن احمدیہ کے پاس جمع کرادیں [2] . . . . یہ ضروری شرط ہے کہ آنے اس میں نہیں لئے جائیں گے . . . . تین سال کے بعد روپیہ نقد یا اتنی ہی جائداد کی صورت میں واپس کر دیا جائے گا جو کمیٹی میں اس رقم کی حفاظت کے لئے مقرر کروں گا اُس کا فرض ہوگا کہ ہر شخص پر ثابت کرے کہ اگر کسی کو جائداد کی صورت میں روپیہ واپس کیا جارہا ہے تو وہ جائداد فی الواقعہ اس رقم میں خریدی گئی ہے۔ اس سب کمیٹی کے ممبر علاوہ میرے مندرجہ ذیل احباب ہوں گے (۱) میرزا بشیر احمد صاحب (۲) چودھری ظفراللہ خاں صاحب (۳) شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری (۴) مرزا محمد اشرف صاحب (۵) مرزا شریف احمد صاحب (۶) ملک غلام محمد صاحب لاہور (۷) چودھری محمد شریف صاحب وکیل منٹگمری (۸) چودھری حاکم علی صاحب سرگودھا اور چودھری فتح محمد صاحب" [3]

تیسرا مطالبہ " تیسرا مطالبہ مَیں یہ کرتا ہوں کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے اس وقت بڑی ضرورت ہے کہ وہ جو گندہ لٹریچر ہمارے خلاف شائع کر رہا ہے اس کا جواب دیا جائے یا اپنا نقطہ نگاہ احسن طور پر لوگوں تک پہنچایا جائے اور وہ روکیں جو ہماری ترقی کی راہ میں پیدا کی جارہی ہیں انہیں دُور کیا جائے۔ اس کے لئے بھی خاص نظام کی ضرورت ہے، روپیہ کی ضرورت ہے، آدمیوں کی ضرورت ہے اور کام کرنے کے

---

[1] "الفضل" ۲۹ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۰ تا صفحہ ۱۲۔ اس جگہ یہ بتانا ضروری ہے کہ حضور نے ان آٹھ قربانیوں کی نسبت ساتھ ہی یہ وضاحت بھی فرمادی کہ "جہاں یہ باتیں دوسرے گھروں کے لئے اختیاری ہیں وہاں ہمارے اپنے گھروں میں لازمی ہوں گی۔ قرآن کریم میں حکم ہے یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا الآیۃ۔ پس اس حکم کے ماتحت ایک نبی کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے میں بھی اپنے بیوی بچوں کے لئے ان باتوں کو لازمی قرار دیتا ہوں"۔ [2] اس چندہ کا نام "امانت تحریک جائداد" رکھا گیا۔ ("الفضل" ۴ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۹)۔ [3] "الفضل" ۲۹ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۲-۱۳۔ اس سب کمیٹی نے فروری ۱۹۳۶ء میں کام شروع کر دیا حضرت مولوی فخرالدین صاحب پنشنر متوطن گھوگھیاٹ ضلع شاہ پور اس کے سیکرٹری مقرر ہوئے ("الفضل" ۲۸ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۱)

۳۴۳ 13A

ہندو عوام ان مطالبہ — تو جو اپنا [illegible] پاکستان [illegible]

جاسکتا ہے کہ [illegible] ہم سب [illegible] زاد راہ پیدا

کر سکا یا ہندو [illegible] مال [illegible] کو مدد اور کر دی

سو ہندوان مطالبہ [illegible] ہندو ہو اور ہندوستان [illegible]

لیکن [illegible] عادت ڈال جائے [illegible] بہر حال [illegible]

ہوا [illegible] اور [illegible] مسلمان [illegible]

تا ~~[illegible]~~ بھروسہ نا — [illegible]

تا دیا [illegible]

[illegible] منظم [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہو رہا ہے
[illegible] اور آمد [illegible]
گرد ان کو میں اپنی لکھتا جیسا کہ درویش [illegible] اللہ کا [illegible] امید
میں تبدیلی کر سکتا ہے تیار نہ ہوں۔

[illegible] دوست حبیب اللہ [illegible] کا [illegible] تعلق رکھتا
ہے لیکن میں اپنا کہتا ہوں کہ ادھر توجہ کریں اور ایک عذر ہے
سنتے ہیں [illegible] تیار کیا کہتا ہے [illegible]
[illegible] اور یہ [illegible] کو پتا تھا کہ [illegible] روپیہ [illegible]
جاتا ہے [illegible] فائدہ ہے اگر ذرا توجہ کریں [illegible]
السلام کا قدمت [illegible] پیسا ہے

[illegible] فائدہ ان سے متعلق ہیں خدا [illegible] ایسے
[illegible]
اور [illegible]

[illegible]
[illegible]

طریقوں کی ضرورت ہے۔ . . . اس کام کے واسطے تین سال کے لئے پندرہ ہزار روپیہ کی ضرورت ہوگی فی الحال پانچ ہزار روپیہ کام کے شروع کرنے کے لئے ضروری ہے۔ بعد میں دس ہزار کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور اگر اس سے زائد جمع ہوگیا تو اُسے اگلی مدات میں منتقل کر دیا جائے گا۔ اس کمیٹی کا مرکز لاہور میں ہوگا۔ اور اس کے ممبر مندرجہ ذیل ہوں گے (۱) پیر اکبر علی صاحب (۲) شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور (۳) چودھری اسد اللہ خاں صاحب بیرسٹر لاہور (۴) ملک عبدالرحمٰن صاحب قصوری (۵) ڈاکٹر عبدالحق صاحب بھاٹی گیٹ لاہور (۶) ملک خدا بخش صاحب لاہور (۷) چودھری محمد شریف صاحب وکیل منٹگمری (۸) شیخ جان محمدؐ صاحب سیالکوٹ (۹) مرزا عبدالحق صاحب وکیل گورداسپور (۱۰) قاضی عبدالحمید صاحب وکیل امرتسر (۱۱) سید ولی اللہ شاہ صاحب (۱۲) شمس صاحب یا اگر وہ باہر جائیں تو مولوی اللہ دتا[1] صاحب (۱۲) شیخ عبدالرزاق صاحب بیرسٹر لائل پور (۱۳[2]) مولوی غلام حسین صاحب جھنگ (۱۴) صوفی عبدالغفور صاحب حال لاہور۔

اس کمیٹی کا کام یہ ہوگا کہ میری دی ہوئی ہدایات کے مطابق دشمن کے پروپیگنڈا کا بالمقابل پروپیگنڈا سے مقابلہ کرے۔ مگر اس کمیٹی کا کام یہ ہوگا کہ تجارتی اصول پر کام کرے۔ مفت اشاعت کی قسم کا کام اس کے دائرہ عمل سے خارج ہوگا۔[3]

چوتھا مطالبہ:۔ " قوم کو مصیبت کے وقت پھیلنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالٰے مسلمانوں کو کہتا ہے کہ مکہ میں اگر تمہارے خلاف جوش ہے تو کیوں باہر نکل کر دوسرے ملکوں میں نہیں پھیل جاتے۔ اگر باہر نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری ترقی کے بہت سے راستے کھول دے گا۔ اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت میں بھی ایک حصہ ایسا ہے جو ہمیں کچلنا چاہتا ہے اور رعایا میں بھی ہمیں کیا معلوم ہے کہ ہماری مدنی زندگی کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے۔ قادیان بے شک ہمارا مذہبی مرکز ہے۔ مگر ہمیں کیا معلوم کہ ہماری شوکت و طاقت کا مرکز کہاں ہے۔ یہ ہندوستان کے کسی اور شہر میں بھی ہو سکتا ہے اور چین، جاپان، فلپائن، سماٹرا، جاوا، رُوس، امریکہ، غرضیکہ دنیا کے کسی ملک میں ہو سکتا ہے۔ اس لئے جب ہمیں یہ معلوم ہو کہ لوگ بلا وجہ جماعت کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں۔ کچلنا چاہتے ہیں

---

[1] یعنی مولانا ابوالعطاء صاحب (ناقل)۔ [2] نقل مطابق اصل۔ [3] "الفضل" ۲۹ نومبر ۱۹۳۴ء کالم ۲،۳ اس چندہ کا نام "پراپیگنڈا فنڈ" رکھا گیا ("الفضل" ۲۳ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۹ کالم ۲)

توہمارا ضروری فرض ہو جاتا ہے کہ باہر جائیں اور تلاش کریں کہ ہماری مدنی زندگی کہاں سے شروع ہوتی ہے ہمیں کیا معلوم ہے کہ کونسی جگہ کے لوگ ایسے ہیں کہ وہ فوراً احمدیت کو قبول کر لیں گے . . . . چونکہ ہمارا پہلا تجربہ بتاتا ہے کہ باقاعدہ مشن کھولنا مہنگی چیز ہے۔ اس لئے پرانے اصول پر نئے مشن نہیں کھولے جا سکتے۔ اس لئے میری تجویز ہے کہ دو دو آدمی تین نئے ممالک میں بھیجے جائیں۔ ان میں سے ایک ایک انگریزی دان ہو اور ایک ایک عربی دان۔ سب سے پہلے تو ایسے لوگ تلاش کئے جائیں کہ جو سب یا کچھ حصہ خرچ کا دے کر حسب ہدایت جا کر کام کریں۔ مثلاً صرف کرایہ لے لیں آگے خرچ نہ مانگیں یا کرایہ خود ادا کر دیں۔ خرچ چھ سات ماہ کے لئے ہم سے لے لیں یا کسی قدر رقم اس کام کے لئے دے سکیں۔ اگر اس قسم کے آدمی حسب منشاء نہ ملیں تو جن لوگوں نے پچھلے خطبہ کے ماتحت وقف کیا ہے اُن میں سے کچھ آدمی چُن لئے جائیں جن کو صرف کرایہ دیا جائے اور چھ ماہ کے لئے معمولی خرچ دیا جائے اس عرصہ میں وہ ان ملکوں کی زبان سیکھ کر وہاں کوئی کام کریں اور ساتھ ساتھ تبلیغ بھی کریں اور سلسلہ کا لٹریچر اس ملک کی زبان میں ترجمہ کر کے اُسے اس ملک میں پھیلائیں اور اس ملک کے تاجروں اور احمدی جماعت کے تاجروں کے درمیان تعلق بھی قائم کرائیں۔ غرض مذہبی اور تمدنی طور پر اس ملک اور احمدی جماعت کے درمیان واسطہ بنیں۔

پس میں اس تحریک کے ماتحت ایک طرف تو ایسے نوجوانوں کا مطالبہ کرتا ہوں جو کچھ خرچ کا بوجھ خود اُٹھائیں ورنہ وقف کرنے والوں میں سے اُن کو چُن لیا جائے گا جو کرایہ اور چھ ماہ کا خرچ لے کر اُن ملکوں میں تبلیغ کے لئے جانے پر آمادہ ہوں گے جو اُن کے لئے تجویز کئے جائیں گے۔ اس چھ ماہ کے عرصہ میں ان کا فرض ہوگا کہ علاوہ تبلیغ کے وہاں کی زبان بھی سیکھ لیں اور اپنے لئے کوئی کام بھی نکال لیں جس سے آئندہ گزارہ کر سکیں۔ اس تحریک کے لئے خرچ کا اندازہ میں نے دس ہزار روپیہ کا لگایا ہے۔ پس دوسرا مطالبہ اس تحریک کے ماتحت میرا یہ ہے کہ جماعت کے ذی ثروت لوگ جو سَو سَو روپیہ یا زیادہ روپیہ دے سکیں اس کے لئے رقوم دے کر ثواب حاصل کریں۔“[1]

”ایسے نوجوان باقاعدہ مبلغ نہیں ہوں گے مگر اس بات کے پابند ہوں گے کہ باقاعدہ رپورٹیں بھیجتے رہیں اور ہماری ہدایات کے ماتحت تبلیغ کریں“[1][2]

---

[1] ”الفضل“ ۲۹ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۳ و ۱۴ +

[2] چندہ کی یہ مد ”تبلیغ بیرون ہند“ کے نام سے موسوم کی گئی +

پانچواں مطالبہ:۔ "تبلیغ کی ایک سکیم میرے ذہن میں ہے جس پر سَو روپیہ ماہوار خرچ ہوگا اور اس طرح ۱۲۰۰ روپیہ اس کے لئے درکار ہے۔ جو دوست اس میں بھی حصہ لے سکتے ہوں وہ لیں۔ اس میں بھی غرباء کو شامل کرنے کے لئے میں اجازت دیتا ہوں کہ وہ اس تحریک میں حصہ لینے کے لئے پانچ پانچ روپے دے سکتے ہیں"۔[1]

چھٹا مطالبہ:۔ "مَیں چاہتا ہوں کہ وقف کنندگان میں سے پانچ افراد کو مقرر کیا جائے کہ سائیکلوں پر سارے پنجاب کا دَورہ کریں اور اشاعتِ سلسلہ کے امکانات کے متعلق مفصّل رپورٹیں مرکز کو بھجوائیں مثلاً یہ کہ کس علاقہ کے لوگوں پر کس طرح اثر ڈالا جاسکتا ہے۔ کون کون سے با اثر لوگوں کو تبلیغ کی جائے تو احمدیت کی اشاعت میں خاص مدد مل سکتی ہے۔ کس کس جگہ کے لوگوں کی کس کس جگہ کے احمدیوں سے رشتہ داریاں ہیں کہ ان کو بھیج کر وہاں تبلیغ کرائی جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔ پانچ آدمی جو سائیکلوں پر جائیں گے مولوی فاضل یا انٹرنس پاس ہونے چاہئیں۔ تین سال کے لئے وہ اپنے آپ کو وقف کریں گے۔ پندرہ روپیہ ماہوار اُن کو دیا جائے گا۔ تبلیغ کا کام ان کا اصلی فرض نہیں ہوگا۔ اصل فرض تبلیغ کے لئے میدان تلاش کرنا ہوگا۔ وہ تبلیغی نقشے بنائیں گے۔ گویا جس طرح گورنمنٹ سروے (SURVEY) کراتی ہے وہ تبلیغی نقطہ نگاہ سے پنجاب کا سروے کریں گے۔ ان کی تنخواہ اور سائیکلوں وغیرہ کی مرمت کا خرچ ملا کر سو روپیہ ماہوار ہوگا۔ اور اس طرح کُل رقم جس کا مطالبہ ہے ۲۷½ ہزار بنتی ہے۔ مگر اس میں سے ۱۷½ ہزار کی فوری ضرورت ہے۔"[2]

ساتواں مطالبہ "تبلیغ کی وسعت کے لئے ایک نیا سلسلہ مبلغین کا ہونا چاہئیے اور وہ یہی ہے کہ سرکاری ملازم تین تین ماہ کی چھٹیاں لے کر اپنے آپ کو پیش کریں تاکہ ان کو وہاں بھیجا جائے جہاں ان کی ملازمت کا واسطہ اور تعلق نہ ہو۔ مثلاً گورداسپور کے ضلع میں ملازمت کرنے والا امرتسر کے ضلع میں بھیج دیا جائے، امرتسر کے ضلع میں ملازمت کرنے والا کانگڑہ یا ہوشیارپور کے ضلع میں کام کرے۔ گویا اپنی ملازمت کے علاقہ سے باہر ایسی جگہ کام کرے جہاں ابھی تک احمدیت کی اشاعت نہیں ہوئی۔ اور وہاں تین ماہ رہ کر تبلیغ کرے . . . . ایسے اصحاب کا فرض ہوگا کہ جس طرح ملکانہ تحریک کے وقت ہوا، وہ اپنا خرچ آپ برداشت کریں۔ ہم اس بات کو مدنظر رکھیں گے کہ انہیں اتنی دُور (نہ)[3] بھیجا جائے کہ

---

[1] "الفضل" ۹ر نومبر ۱۹۳۴ء۔ یہ تحریک "سکیم خاص" کے نام سے موسوم ہوئی۔ [2] "الفضل" ۲۹ر نومبر ۱۹۳۴ء چندہ کی اس مد کو "تبلیغی سروے" کا نام دیا گیا۔ ("الفضل" ۲۳ر دسمبر ۱۹۳۴ء)۔ [3] یہ لفظ جیسا کہ سیاق و سباق سے ظاہر ہے، چھپنے سے رہ گیا ہے (مرتب)

کے لئے سفر کے اخراجات برداشت کرنے مشکل ہوں۔ اور اگر کسی کو کسی دُور جگہ بھیجا گیا تو کسی قدر بوجھ ان اخراجات سفر کا سلسلہ برداشت کرے گا۔ اور باقی اخراجات کھانے پینے پہننے کے وہ خود برداشت کریں۔ ان کو کوئی تنخواہ نہ دی جائے گی نہ کوئی کرایہ سوائے اس کے جسے بہت دُور بھیجا جائے"۔[1]

آٹھواں مطالبہ:- " ایسے نوجوان اپنے آپ کو پیش کریں۔ جو تین سال کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں"۔[2]

نواں مطالبہ " جو لوگ تین ماہ (نہ)[3] دے سکیں . . . . ایسے لوگ جو بھی موسمی چھٹیاں یا حق کے طور پر ملنے والی چھٹیاں ہوں انہیں وقف کر دیں۔ ان کو قریب کے علاقہ میں ہی کام پر لگا دیا جائے گا . . . زمینداروں کے لئے بھی چھٹی کا وقت ہوتا ہے۔ انہیں سرکار کی طرف سے چھٹی نہیں ملتی بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے یعنی ایک موقعہ آتا ہے جو نہ کوئی فصل بونے کا ہوتا ہے اور نہ کاٹنے کا۔ اس وقت جو تھوڑا بہت کام ہو اُسے بیوی بچوں کے سپرد کر کے وہ اپنے آپ کو تبلیغ کے لئے پیش کر سکتے ہیں۔ ہم ان کی لیاقت کے مطابق اور ان کی طرز کا ہی کام انہیں بتا دیں گے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کے اعلیٰ نتائج رونما ہوں گے۔ مثلاً اُن سے پوچھیں گے کہ تمہاری کہاں کہاں رشتہ داریاں ہیں اور کہاں کے رشتہ دار احمدی نہیں۔ پھر کہیں گے جاؤ اُن کے ہاں مہمان ٹھیرو اور اُن کو تبلیغ کرو"[4]

دسواں مطالبہ:- " اپنے عہدہ یا کسی علم وغیرہ کے لحاظ سے جو لوگ کوئی پوزیشن رکھتے ہوں، یعنی ڈاکٹر ہوں، وکلاء ہوں، یا اور ایسے معزز کاموں پر یا ملازمتوں پر ہوں جن کو لوگ عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایسے لوگ اپنے آپ کو پیش کریں تا کہ مختلف مقامات کے جلسوں میں مبلغوں کے سوائے اُن کو بھیجا جائے . . . . ایسے طبقوں کے لوگ ہماری جماعت میں چار پانچ سو سے کم نہیں ہوں گے۔ مگر اس وقت دو تین کے سوا باقی دینی مضامین کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اس وقت چودھری ظفر اللہ خان صاحب، قاضی محمد اسلم صاحب اور ایک دو اَور نوجوان ہیں۔ ایک دہلی کے عبدالمجید صاحب ہیں جنہوں نے ملازمت کے دوران میں ہی مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ وہ لیکچر بھی اچھا دے سکتے ہیں۔ سرحد میں قاضی محمد یوسف صاحب ہیں . . . میں سمجھتا ہوں اگر اچھی پوزیشن رکھنے والا ہر شخص اپنے حالات بیان کرے اور بتائے کہ

---

[1] "الفضل" ۹ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۵۔ [2] ایضاً۔ [3] جیسا کہ سیاق وسباق سے ظاہر ہے یہ لفظ سہواً رہ گیا ہے (ناقل)۔ [4] "الفضل" ۹ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۷۔

اُسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبول کر کے کس قدر رُوحانی ترقی حاصل ہوئی اور کس طرح اس کی حالت میں انقلاب آیا۔ پھر ڈاکٹر یا وکیل یا بیرسٹر ہو کر قرآن اور حدیث کے معارف بیان کرے تو سُننے والوں پر اس کا خاص اثر ہو سکتا ہے . . . . یہ لوگ اگر لیکچروں کے معلومات حاصل کرنے اور نوٹ لکھنے کے لئے قادیان آجائیں تو مَیں خود ان کو نوٹ لکھا سکتا ہوں یا دوسرے مبلغ لکھا دیا کریں گے۔ اس طرح ان کو سہارا بھی دیا جاسکتا ہے . . . . پُرانے دوستوں میں سے کام کرنے والے ایک میر حامد شاہ صاحب مرحوم بھی تھے۔ اُن کو خواجہ صاحب (خواجہ کمال الدین صاحب۔ ناقل) سے بھی بہت پہلے لیکچر دینے کا جوش تھا۔ اور اُن کے ذریعہ بڑا فائدہ پہنچا۔ وہ ایک ذمہ دار عہدہ پر لگے ہوئے تھے۔ باوجود اس کے تبلیغ میں مصروف رہتے اور سیالکوٹ کی دیہاتی جماعت کا بڑا حصہ اُن کے ذریعہ احمدی ہوا " [1]

گیارھواں مطالبہ [11] " دراصل خلیفہ کا کام نئے سے نئے حملے کرنا اور اسلام کی اشاعت کے لئے نئے سے نئے رستے کھولنا ہے مگر اس کے لئے بجٹ ہوتا ہی نہیں۔ سارا بجٹ انتظامی امور کے لئے یعنی صدر انجمن کے لئے ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ سلسلہ کی ترقی افتادی ہو رہی ہے اور کوئی نیا رستہ نہیں نکلتا .

. . . آج سے دس سال قبل میں نے ریزرو فنڈ قائم کرنے کے لئے کہا تھا تاکہ اس کی آمد سے ہم ہنگامی کام کر سکیں۔ مگر افسوس جماعت نے اس کی اہمیت کو نہ سمجھا اور صرف ۲۰ ہزار کی رقم جمع کی۔ اس میں سے کچھ رقم صدر انجمن احمدیہ نے ایک جائداد کی خرید پر لگا دی اور کچھ رقم کشمیر کے کام کے لئے قرض لے لی گئی اور بہت تھوڑی سی رقم باقی رہ گئی۔ یہ رقم اس قدر قلیل تھی کہ اس پر کسی ریزرو فنڈ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی تھی۔ ہنگامی کاموں کے لئے تو بہت بڑی رقم ہونی چاہیئے جس کی معقول آمدنی ہو۔ پھر اس آمدنی میں سے ہنگامی اخراجات کرنے کے بعد جو کچھ بچے اس کو اسی فنڈ کی مضبوطی کے لئے لگا دیا جائے۔ تاکہ جب ضرورت ہو اس سے کام لیا جاسکے . . . . جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک ہنگامی کاموں کے لئے بہت بڑی رقم خلیفہ کے ماتحت نہ ہو کبھی ایسے کام جو سلسلہ کی وسعت اور عظمت کو قائم کریں نہیں ہو سکتے " [2]

بارھواں مطالبہ [12]:- " وہ بیسیوں آدمی جو پنشن لیتے ہیں اور گھروں میں بیٹھے ہیں خدا نے اُن کو موقع دیا ہے کہ چھوٹی سرکار سے پنشن لیں اور بڑی سرکار کا کام کریں یعنی دین کی خدمت کریں . . . تا ان سکیموں

---

[1] " الفضل " ۹ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۸ ۔ [2] ایضاً صفحہ ۹ کالم ۱ و ۲ ۔

کے سلسلہ میں ان سے کام لیا جائے یا جو مناسب ہوں انہیں نگرانی کا کام سپرد کیا جائے" ۱؎

تیرھواں[۱۳] مطالبہ:- "باہر کے دوست اپنے بچوں کو قادیان کے ہائی سکول یا مدرسہ احمدیہ میں سے جس میں چاہیں تعلیم کے لئے بھیجیں . . . . میرا تجربہ یہ ہے کہ یہاں پڑھنے والے لڑکوں میں سے بعض جن کی پوری طرح اصلاح نہ ہوئی وہ بھی الا ماشاء اللہ جب قربانی کا موقعہ آیا تو یکدم دین کی خدمت کی طرف لوٹے اور اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کر دیا۔ یہ ان کی قادیان کی رہائش کا ہی اثر ہوتا ہے . . . . قادیان میں پرورش پانے والے بچوں میں ایسا بیج بویا جاتا ہے اور سلسلہ کی محبت اُن کے دلوں میں ایسی جاگزین ہو جاتی ہے کہ خواہ ان میں سے کسی کی حالت کیسی ہی ہو جب دین کی خدمت کے لئے آواز اُٹھتی ہے تو اُن کے اندر سے لبیک کی سُر پیدا ہو جاتی ہے الا ماشاء اللہ۔ لیکن اس وقت مَیں ایک خاص مقصد سے یہ تحریک کر رہا ہوں۔ ایسے لوگ اپنے بچوں کو پیش کریں جو اس بات کا اختیار دیں کہ ان بچوں کو ایک خاص رنگ اور خاص طرز میں رکھا جائے۔ اور دینی تربیت پر زور دینے کے لئے ہم جس رنگ میں اُن کو رکھنا چاہیں رکھ سکیں۔ اس کے ماتحت جو دوست اپنے لڑکے پیش کرنا چاہیں کریں۔ ان کے متعلق مَیں ناظر صاحب تعلیم و تربیت سے کہوں گا کہ انہیں تہجد پڑھانے کا خاص انتظام کریں۔ قرآن کریم کے درس اور مذہبی تربیت کا پورا انتظام کیا جائے اور اُن پر ایسا گہرا اثر ڈالا جائے کہ اگر ان کی ظاہری تعلیم کو نقصان بھی پہنچ جائے تو اس کی پرواہ نہ کی جائے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ ان کی ظاہری تعلیم کو ضرور نقصان پہنچے اور نہ بظاہر اس کا امکان ہے۔ لیکن دینی ضرورت پر زور دینے کی غرض سے میں کہتا ہوں کہ اگر اُن کی دینی تعلیم و تربیت پر وقت خرچ کرنے کی وجہ سے نقصان پہنچ بھی جائے تو اس کی پرواہ نہ کی جائے اس طرح ان کے لئے ایسا ماحول پیدا کیا جائے جو اُن میں نئی زندگی کی رُوح پیدا کرنے والا ہو" ۲؎

چودھواں[۱۴] مطالبہ:- "بعض صاحب حیثیت لوگ ہیں جو اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتے ہیں اُن سے مَیں کہوں گا کہ بجائے اس کے کہ بچوں کے منشاء اور خواہش کے مطابق اُن کے متعلق فیصلہ کریں . . . . وہ اپنے لڑکوں کے مستقبل کو سلسلہ کے لئے پیش کر دیں . . . . موجودہ حالات میں جو احمدی اعلیٰ عہدوں کی تلاش کرتے ہیں وہ کسی نظام کے ماتحت نہیں کرتے اور نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بعض صیغوں میں احمدی زیادہ ہو گئے ہیں اور بعض بالکل خالی ہیں۔ پس مَیں چاہتا ہوں کہ اعلیٰ تعلیم ایک نظام کے ماتحت ہو۔ اور اس کے لئے

۱؎ "الفضل" ۹ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۰ ۲؎ ایضاً کالم ۱-۲

ایک ایسی کمیٹی مقرر کر دی جائے کہ جو لوگ اعلیٰ تعلیم دلانا چاہیں وہ لڑکوں کے نام اس کمیٹی کے سامنے پیش کر دیں۔ پھر وہ کمیٹی لڑکوں کی حیثیت، ان کی قابلیت اور ان کے رجحان کو دیکھ کر فیصلہ کرے کہ فلاں کو پولیس کے محکمہ کے لئے تیار کیا جائے۔ فلاں کو انجنیئرنگ کی تعلیم دلائی جائے۔ فلاں کو بجلی کے محکمہ میں کام سیکھنے کے لئے بھیجا جائے۔ فلاں ڈاکٹری میں جائے۔ فلاں ریلوے میں جائے وغیرہ وغیرہ۔ یعنی ان کے لئے الگ الگ کام مقرر کریں تاکہ کوئی صیغہ ایسا نہ رہے جس میں احمدیوں کا کافی دخل نہ ہو جائے . . . . دوسرے صوبوں میں یہ کمیٹی اپنی ماتحت انجمنیں قائم کرے جو اپنے رسوخ اور کوشش سے نوجوانوں کو کامیاب بنائیں۔ اس کام کے لئے جو کمیٹی مَیں نے مقرر کی ہے اور جس کا کام ہوگا کہ اس بارے میں تحریک بھی کرے اور اس کام کو جاری کرے۔ اس کے فی الحال تین ممبر ہوں گے جن کے نام یہ ہیں (۱) چودھری ظفر اللہ خاں صاحب (۲) خانصاحب فرزند علی صاحب (۳) میاں بشیر احمد صاحب“ [۱]

۱۵ پندرھواں مطالبہ ”وہ نوجوان جو گھروں میں بیکار بیٹھے روٹیاں توڑتے ہیں اور ماں باپ کو مقروض بنا رہے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ اپنے وطن چھوڑیں اور نکل جائیں . . . . جو زیادہ دُور نہ جانا چاہیں۔ وہ ہندوستان میں ہی اپنی جگہ بدل لیں۔ مگر مَیں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ بعض نوجوان ماں باپ کو اطلاع دیئے بغیر گھروں سے بھاگ جاتے ہیں۔ یہ بہت بُری بات ہے جو جانا چاہیں اطلاع دے کر جائیں اور اپنی خیر و عافیت کی اطلاع دیتے رہیں۔“ [۲]

۱۶ سولھواں مطالبہ:- ”جماعت کے دوست اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالیں۔ میں نے دیکھا ہے اکثر لوگ اپنے ہاتھ سے کام کرنا ذلّت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ ذلّت نہیں بلکہ عزّت کی بات ہے۔ . . . حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ میں بعض خوبیاں نہایت نمایاں تھیں۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ اس مسجد[۳] میں قرآن مجید کا درس دیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے میں چھوٹا سا تھا۔ سات آٹھ سال کی عمر ہوگی۔ ہم باہر کھیل رہے تھے کہ کوئی ہمارے گھر سے نکل کر کسی کو آواز دے رہا تھا کہ فلانے! مینہ آ گیا ہے اوپلے بھیگ جائیں گے۔ جلدی آؤ اور اُن کو اندر ڈالو۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ درس دے کر ادھر سے جا رہے تھے۔ انہوں نے اس آدمی سے کہا۔ کیا شور مچا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ کوئی آدمی نہیں ملتا جو اوپلے اندر ڈالے۔ آپ نے فرمایا تم مجھے آدمی نہیں سمجھتے۔ یہ کہہ کر آپ نے ٹوکری لے لی اور

[۱] ”الفضل“ ۹ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۰ کالم ۳ [۲] ایضاً صفحہ ۱۰-۱۱ [۳] مسجد اقصیٰ قادیان (ناقل)

اس میں اوپلے ڈال کر اندر لے گئے۔ آپ کے ساتھ اور بہت سے لوگ بھی شامل ہو گئے اور جھٹ پٹ اوپلے ڈال دیئے گئے۔ اسی طرح اس مسجد کا ایک حصّہ بھی حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ نے بنوایا تھا۔ ایک کام میں نے بھی اسی قسم کا کیا تھا مگر اس پر بہت عرصہ گذر گیا۔

مَیں ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالنے کا جو مطالبہ کر رہا ہوں۔ اس کے لئے پہلے قادیان والوں کو لیتا ہوں۔ یہاں کے احمدی محلوں میں جو اُونچے نیچے گڑھے پائے جاتے ہیں۔ گلیاں صاف نہیں۔ نالیاں گندی رہتی ہیں بلکہ بعض جگہ نالیاں موجود ہی نہیں ان کا انتظام کریں۔ وہ جو اوورسیر ہیں وہ سروے کریں اور جہاں جہاں گندہ پانی جمع رہتا ہے اور جو ارد گرد بسنے والے دس بیس کو بیمار کرنے کا موجب بنتا ہے اُسے نکالنے کی کوشش کریں اور ایک ایک دن مقرر کر کے سب مل کر محلوں کو درست کر لیں۔ اسی طرح جب کوئی سلسلہ کا کام ہو مثلاً لنگر خانہ یا مہمان خانہ کی کوئی اصلاح مطلوب ہو تو بجائے مزدور لگانے کے خود لگیں اور اپنے ہاتھ سے کام کر کے ثواب حاصل کریں۔

ایک بزرگ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ جب قرآن پڑھتے تو حروف پر اُنگلی بھی پھیرتے جاتے۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے قرآن کے حروف آنکھ سے دیکھتا ہوں اور زبان سے پڑھتا ہوں اور اُنگلی کو بھی ثواب میں شریک کرنے کے لئے پھیرتا جاتا ہوں۔ پس جتنے عضو بھی ثواب کے کام میں شریک ہو سکیں اُتنا ہی اچھا ہے۔ اور اس کے علاوہ مشقت کی عادت ہو گی . . . . یہ تحریک میں قادیان سے پہلے شروع کرنا چاہتا ہوں اور باہر گاؤں کی احمدیہ جماعتوں کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اپنی مساجد کی صفائی اور لپائی وغیرہ خود کیا کریں اور اس طرح ثابت کریں کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنا وہ عار نہیں سمجھتے۔ شغل کے طور پر لوہار، نجّار اور معمار کے کام بھی مفید ہیں۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے کام کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ خندق کھودتے ہوئے آپ نے پتھر توڑے اور مٹی ڈھوئی۔ صحابہ کے متعلق آتا ہے کہ اس وقت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو جو پسینہ آیا۔ بعض نے برکت کے لئے اُسے پونچھ لیا۔ یہ تربیت۔ ثواب اور رُعب کے لحاظ سے بھی بہت مفید چیز ہے۔ جو لوگ یہ دیکھیں گے کہ اُن کے بڑے بڑے بھی مٹی ڈھونا اور مشقت کے کام کرنا عار نہیں سمجھتے، ان پر خاص اثر ہو گا۔"[۱]

سترھواں مطالبہ:- "جو لوگ بیکار ہیں وہ بیکار نہ رہیں اگر وہ اپنے وطنوں سے باہر نہیں جاتے تو چھوٹے

---

[۱] "الفضل" ۹ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۱۔

سے چھوٹا جو کام بھی انہیں مل سکے وہ کر لیں۔ اخباریں اور کتابیں ہی بیچنے لگ جائیں۔ ریزرو فنڈ کے لئے روپیہ جمع کرنے کا کام شروع کر دیں۔ غرض کوئی شخص بیکار نہ رہے خواہ اُسے مہینہ میں دو روپے کی ہی آمدنی ہو۔"[1]

اٹھارھواں مطالبہ:۔ "قادیان میں مکان بنانے کی کوشش کریں۔ اس وقت تک خدا تعالیٰ کے فضل سے سینکڑوں لوگ مکان بنا چکے ہیں۔ مگر ابھی بہت گنجائش ہے۔ جوں جوں قادیان میں احمدیوں کی آبادی بڑھے گی ہمارا مرکز ترقی کرے گا اور غیر عنصر کم ہوتا جائے گا . . . . ہاں یاد رکھو کہ قادیان کو خدا تعالےٰ نے سلسلہ احمدیہ کا مرکز قرار دیا ہے۔ اس لئے اس کی آبادی انہی لائنوں پر چلنی چاہیئے جو سلسلہ کے لئے مفید ثابت ہوں۔ اس موجودہ حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے میری تاکید ہے کہ قادیان، بھینی اور ننگل کے سوا سردست اور کسی گاؤں سے آبادی کے لئے زمین نہ خریدی جائے۔ ابھی ہمارے بڑھنے کے لئے بھینی اور ننگل کی طرف کافی گنجائش ہے۔"[2]

انیسواں مطالبہ:۔ "دنیاوی سامان خواہ کس قدر کئے جائیں آخر دنیاوی سامان ہی ہیں۔ اور ہماری ترقی کا انحصار ان پر نہیں بلکہ ہماری ترقی خدائی سامان کے ذریعہ ہوگی اور یہ خانہ اگرچہ سب سے اہم ہے مگر اُسے میں نے آخر میں رکھا اور وہ دُعا کا خانہ ہے۔ وہ لوگ جو ان مطالبات میں شریک نہ ہو سکیں۔ اور اُن کے مطابق کام نہ کر سکیں۔ وہ خاص طور پر دُعا کریں کہ جو لوگ کام کر سکتے ہیں۔ خدا تعالےٰ انہیں کام کرنے کی توفیق دے اور اُن کے کاموں میں برکت دے . . . . پس وہ لُولے لنگڑے اور اپاہج جو دوسروں کے کھلانے سے کھاتے ہیں، جو دوسروں کی امداد سے پیشاب پاخانہ کرتے ہیں اور وہ بیمار اور مریض جو چارپائیوں پر پڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاش ہمیں بھی طاقت ہوتی اور ہمیں بھی صحت ہوتی تو ہم بھی اس وقت دین کی خدمت کرتے۔ ان سے میں کہتا ہوں کہ اُن کے لئے بھی خدا تعالیٰ نے دین کی خدمت کرنے کا موقعہ پیدا کر دیا ہے۔ وہ اپنی دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالےٰ کا دروازہ کھٹکھٹائیں اور چارپائیوں پر پڑے پڑے خدا تعالےٰ کا عرش ہلائیں تاکہ کامیابی اور فتمندی آئے۔ پھر وہ جو اَن پڑھ ہیں اور نہ صرف اَن پڑھ ہیں بلکہ کند ذہن ہیں اور اپنی اپنی جگہ کُڑھ رہے ہیں کہ کاش ہم بھی عالم ہوتے۔ کاش ہمارا بھی ذہن رسا ہوتا اور ہم بھی تبلیغ دین کے لئے نکلتے۔ اُن سے میں کہتا ہوں کہ اُن کا بھی خدا ہے جو اعلیٰ درجہ کی عبارت آرائیوں کو نہیں دیکھتا۔ اعلیٰ تقریروں کو نہیں دیکھتا بلکہ دل کو دیکھتا ہے

---

[1] "الفضل" ۹ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۱ کالم ۳ ٭ [2] ایضاً صفحہ ۱۲ ٭

وہ اپنے سیدھے سادے طریق سے دُعا کریں خدا تعالیٰ اُن کی دُعا سُنے گا اور ان کی مدد کرے گا۔“ [1]

مطالباتِ تحریکِ جدید کا پس منظر

تحریکِ جدید کے مندرجہ بالا اُنیس مطالبات بیان کرتے وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے مدّنظر گیارہ مصالح تھیں۔ جن کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضورؓ فرماتے ہیں:۔ [2]

”میں نے اس سکیم کے متعلق مجموعی طور پر اس کی وہ تفصیلات جو موجودہ حالات میں ضروری تھیں، سب بیان کر دی ہیں۔ اور اس میں مَیں نے مندرجہ ذیل امور مدنظر رکھے ہیں۔ . .

(۱) ”یہ کہ جماعت کے اندر اور باہر ایسا ماحول پیدا ہو جائے کہ جس سے جماعت کی ذہنیت اور اقتصادی حالت اچھی ہو جائے۔ . . . پس اس سکیم میں اوّل تو میرے مدنظر یہ بات ہے کہ ذہنیت میں ایسا تغیر کروں کہ جماعت خدمتِ دین کے لئے تیار ہو جائے اور آئندہ ہمیں جو قدم اُٹھانا پڑے۔ اُسے بوجھ نہ خیال کیا جائے بلکہ بشاشت کے ساتھ اُٹھایا جا سکے۔“

(۲) ”دوسری بات میرے مدنظر یہ ہے کہ ہر طبقہ کے لوگوں کو یہ احساس کرا دیا جائے کہ اب وقت بدل چکا ہے۔ اس سکیم کا اثر سب پر ہی پڑے گا جو شخص زیادہ کپڑے بنوانے کا عادی ہے جب وہ جا کر اب اور کپڑا خریدنے لگے گا تو معاً اُسے خیال آئے گا کہ اب ہماری حالت بدل گئی ہے جب بھی بیوی سبزی ترکاری کے لئے کہے گی اور دو تین کے بجائے صرف ایک ہی منگوانے کو کہے گی تو فوراً اُسے خیال آجائے گا کہ اب ہمارے لئے زیادہ قربانیاں کرنے کا وقت آگیا ہے۔“

(۳) ”تیسری بات میں نے یہ مدنظر رکھی ہے کہ جس قدر اطراف سے سلسلہ پر حملہ ہو رہا ہے سب کا دفعیہ ہو۔ اب تک ہم نے بعض رستے چُن لئے تھے اور کچھ قلعے بنا لئے تھے۔ مگر کئی حملے دشمن کے اس لئے چھوڑ دیئے تھے کہ پہلے فلاں کو دُور کر لیں پھر اس طرف توجہ کریں گے۔ مگر اس سکیم میں اب مَیں نے یہ مدنظر رکھا ہے کہ حتی الوسع ہر پہلو کا دفعیہ کیا جائے۔“

(۴) ”چوتھی بات مَیں نے یہ مدنظر رکھی ہے کہ سلسلہ کی طرف سے پہلے ہم نے ایک دو رستے مقرر کر رکھے تھے اور اُنہی راہوں سے دشمن پر حملہ کرتے تھے اور باقی کو یہ کہہ کر چھوڑ دیتے تھے کہ ابھی اللہ کی توفیق نہیں۔ مگر اب سکیم میں مَیں نے یہ بات مدنظر رکھی ہے کہ حملے وسیع ہوں اور بیسیوں

---

[1] ”الفضل“ ۹ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۲۔

[2] اس خطبہ کے علاوہ حضورؓ نے ۲۷ دسمبر ۱۹۳۴ء کو سالانہ جلسہ کے موقع پر خاص طور پر اسی موضوع پر مفصّل تقریر فرمائی جو اخبار ”الفضل“ ۸ فروری، ۱۵ فروری، ۱۲ مارچ - ۱۴ مارچ ۱۹۳۵ء میں بالاقساط شائع ہوئی۔

جہات سے دشمن پر حملے کئے جائیں۔ ہمارے حملے ایک ہی محاذ پر محدود نہ ہوں بلکہ جس طرح دفاع کے لئے ہم مختلف طریق اختیار کریں اسی طرح حملہ کے لئے بھی مختلف محاذ ہوں۔"

(۵) "پانچویں بات یہ ہے کہ مغربیت کے بڑھتے ہوئے اثر کو جو دنیا کو کھائے جاتا ہے اور جو دجال کے غلبہ میں ممد ہے اُسے دُور کیا جائے۔ . . . اور جُوں جُوں وہ زائل ہوتا جائے گا اسلام کی محبت اور اس کا دخل بڑھتا جائے گا۔ اسی لئے مَیں نے ہاتھ سے کام کرنے اور ایک ہی سالن کھانے کی عادت ڈالنے کی ہدایت کی ہے۔ یہ دونوں باتیں مغربیت کے خلاف ہیں"

(۶) "چھٹی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرنے کے لئے زیادہ جدّ وجہد کی جائے کیونکہ ہماری فتح اسی سے ہو سکتی ہے۔ اسی لئے دُعا کو مَیں نے اپنی سکیم کا ایک جُزو رکھا ہے اس کی غرض یہی ہے کہ ہماری تمام ترقیات اسی سے وابستہ ہیں اور جب ہمارے اندر سے غرور نکل جائے اس وقت اللہ تعالیٰ کا فضل نازل ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہے کہ امن کی بُنیاد ایسے اصول پر قائم ہو کہ انسانیت کے لحاظ سے سب برابر ہوں۔ اس سکیم میں مَیں نے یہ بات بھی مدنظر رکھی ہے کہ امیر و غریب کا بُعد دُور ہو۔"

(۷) "ساتویں بات اس سکیم میں میرے مدنظر یہ ہے کہ جماعت کے زیادہ سے زیادہ افراد کو تبلیغ کے لئے تیار کیا جائے۔ پہلے سارے اس کے لئے تیار نہیں ہوتے اور جو ہوتے ہیں وہ ایسے رنگ میں ہوتے ہیں کہ مبلّغ نہیں بن سکتے۔ اوّل تو عام طور پر ہماری جماعت میں تبلیغ کا انحصار مبلغوں پر ہی ہوتا ہے۔ وہ آئیں اور تقریریں کر جائیں۔ ان کے علاوہ انصار اللہ ہیں مگر وہ ارد گرد جا کر تبلیغ کر آتے ہیں۔ اور وہ بھی ہفتہ میں ایک بار۔ اس سے تبلیغ کی عادت پیدا نہیں ہو سکتی۔ . . . پس اس سکیم میں یہ بھی مدنظر ہے کہ تبلیغ کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جائے اور ایسے مبلّغ پیدا کئے جائیں جو بغیر معاوضہ کے تبلیغ کریں۔"

(۸) "آٹھویں بات اس سکیم میں میرے مدنظر یہ ہے کہ مرکز کو ایسا محفوظ کیا جائے کہ وہ بیرونی حملوں سے زیادہ سے زیادہ محفوظ ہو جائے۔ اس بات کو اچھی طرح سوچنا چاہئے کہ ایک سپاہی اور جرنیل میں کتنا فرق ہے مگر یہ فرق ظاہر میں نظر نہیں آتا۔ مثال کے طور پر آنکھوں کو لے لو۔ سپاہی اور جرنیل کی آنکھ میں کیا فرق ہے سوائے اس کے کہ سپاہی کی نظر تیز ہو گی اور جرنیل بوجہ بڑھاپے کے اس قدر

تیز نظر نہ رکھتا ہوگا۔ اسی طرح دونوں کے جسم میں کیا فرق ہے؟ سوائے اس کے کہ سپاہی نوجوان اور مضبوط ہونے کی وجہ سے زیادہ بوجھ اُٹھا سکتا ہے اور جرنیل اس قدر نہیں اُٹھا سکتا یا سپاہی زیادہ دیر تک بھوک برداشت کرسکتا ہے اور جرنیل ایسا نہیں کرسکتا۔ مگر باوجود اس کے جرنیل کی جان ہزاروں سپاہیوں سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے اور بعض دفعہ ساری کی ساری فوج اُسے بچانے کے لئے تباہ ہوجاتی ہے۔ نپولین کو جب انگریزوں اور جرمنوں کی متحدہ فوج کے مقابل میں آخری شکست ہوئی تو اس وقت اس کی فوج کے ایک ایک سپاہی نے اسی خواہش میں جان دے دی کہ کسی طرح نپولین کی جان بچ جائے کیونکہ ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ اگر نپولین بچ گیا تو فرانس بھی بچ جائے گا ورنہ مٹ جائے گا . . . تو بعض دفعہ بعض چیزوں کو ایسی اہمیت حاصل ہوتی ہے کہ اُن کے مٹنے کے بعد شان قائم نہیں رہ سکتی۔ پس قادیان اور باہر کی اینٹوں میں فرق ہے۔ اس مقام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مَیں اُسے عزت دیتا ہوں جس طرح بیت الحرم، بیت المقدس یا مدینہ و مکّہ کو برکت دی ہے اور اب اگر ہماری غفلت کی وجہ سے اس کی تقدیس میں فرق آئے تو یہ امانت میں خیانت ہوگی۔ اس لئے یہاں کی اینٹیں بھی انسانی جانوں سے زیادہ قیمتی ہیں اور یہاں کے مقدس مقامات کی حفاظت کے لئے اگر ہزاروں احمدیوں کی جانیں بھی چلی جائیں تو پھر بھی ان کی اتنی حیثیت بھی نہ ہوگی جتنی ایک کروڑ پتی کے لئے ایک پیسہ کی ہوتی ہے۔ پس قادیان اور قادیان کے وقار کی حفاظت زیادہ سے زیادہ ذرائع سے کرنا ہمارا فرض ہے۔"

(۹) "نویں بات اس میں میرے مدّنظر یہ ہے کہ جماعت کو ایسے مقام پر کھڑا کردیا جائے کہ اگلا قدم اُٹھانا سہل ہو۔ میں نے اس سکیم میں اس بات کو مدّنظر رکھا ہے کہ اگر آئندہ اور قربانیوں کی ضرورت پڑے تو جماعت تیار ہو اور بغیر مزید جوش پیدا کرنے والی تحریکات کرنے کے جماعت آپ ہی آپ اس کے لئے آمادہ ہو"

(۱۰) "دسویں بات اس میں مَیں نے یہ مدّنظر رکھی ہے کہ ہماری جماعت کا تعلق صرف ایک ہی حکومت سے نہ رہے۔ اب تک ہمارا تعلق صرف ایک ہی حکومت سے ہے سوائے افغانستان کے یہاں ہماری جماعت اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرسکتی اور احمدی کام نہیں کرسکتے۔ باقی سب مقامات پر جہاں جہاں زیادہ اثر رکھنے والی جماعتیں ہیں مثلاً ہندوستان، نائیجیریا، گولڈ کوسٹ، مصر، سیلون، ماریشس وغیرہ

مقامات پر وہ سب برطانیہ کے اثر کے نیچے ہیں۔ دیگر حکومتوں سے ہمارا تعلق نہیں سوائے ڈچ حکومت کے مگر ڈچ بھی یورپین ہیں اور یورپینوں کا نقطہ نگاہ ایشیائی لوگوں کے بارہ میں جلدی نہیں بدلتا۔ ہمیں ایسی حکومتوں سے بھی لگاؤ پیدا کرنا چاہیئے جن کی حکومت میں ہم شریک ہوں یا جو ہم پر حکومت کرنے کے باوجود ہمیں بھائی سمجھیں۔ مشرقی خواہ حاکم ہو مگر وہ محکوم کو بھی اپنا بھائی سمجھے گا۔ اسی طرح جنوبی امریکہ کے لوگ ہیں۔ انہوں نے بھی چونکہ کبھی باہر حکومت نہیں کی اس لئے وہ بھی ایشیائی لوگوں کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ پس اس سکیم میں میرے مدنظر ایک بات یہ بھی ہے کہ ہم باہر جائیں اور نئی حکومتوں سے ہمارے تعلقات پیدا ہوں تاکہ ہم کسی ایک ہی حکومت کے رحم پر نہ رہیں۔ یوں تو ہم خدا تعالیٰ کے ہی رحم پر ہیں۔ مگر جو حصہ تدبیر کا خدا نے مقرر کیا ہے اسے اختیار کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔ اس لئے ہمارے تعلقات اس قدر وسیع ہونے چاہئیں کہ کسی حکومت یا رعایا کے ہمارے متعلق خیالات میں تغیر کے باوجود بھی جماعت ترقی کر سکے۔"

(۱۱) "گیارھویں بات یہ مدنظر ہے کہ آئندہ نسلیں بھی اس درد میں ہماری شریک ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ ایک نعمت دی ہے کہ ہمارے دلوں میں درد پیدا کر دیا ہے۔ گورنمنٹ نے جو ہماری ہتک کی۔ احرار نے جو اذیت پہنچائی اس کا یہ فائدہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ ہمارے دلوں میں درد کی نعمت پیدا کر دی اور وہی بات ہوئی جو مولانا رُوم نے فرمائی ہے کہ ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است
زیرِ آں گنجِ کرم بنہادہ است

یعنی ہر آفت جو مسلمانوں پر آتی ہے اس کے نیچے ایک خزانہ مخفی ہوتا ہے۔ پس یقیناً یہ بھی ایک خزانہ تھا۔ جو خدا تعالیٰ نے ہمیں دیا کہ جماعت کو بیدار کر دیا اور جو لوگ سُست اور غافل تھے ان کو بھی چوکنا کر دیا۔ پس یہ ایک ایسا واقعہ تھا جو دُنیوی نگاہ میں مصیبت تھا مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک رحمت تھا۔ اور مَیں نے نہیں چاہا کہ اس سے صرف موجودہ نسل ہی حصہ لے بلکہ یہ چاہا ہے کہ آئندہ نسلیں بھی اس سے حصہ پائیں۔ اور مَیں نے اس سکیم کو ایسا رنگ دیا ہے کہ آئندہ نسلیں بھی اس طریق پر نہیں جو شیعوں نے اختیار کیا بلکہ عقل سے اور اعلیٰ طریق پر جو خدا کے پاک بندے اختیار کرتے آئے ہیں اُسے یاد رکھ سکیں اور اُس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔

اس کے علاوہ اور بھی فوائد ممکن ہے اس میں ہوں مگر یہ کم سے کم تھے جو میں نے بیان کر دیئے ہیں۔ یا یوں کہو کہ یہ سکیم کا وہ حصہ ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے بتایا۔"[1]

تحریک جدید جبری نہیں اختیاری سکیم ہے

تحریک جدید میں شمولیت شروع ہی سے اختیاری تھی۔ حضرت امیر المومنین ؓ نے سب حالات جماعت کے سامنے رکھ دیئے اور ساتھ ہی اُن کا علاج بھی۔ اور یہ نہیں رکھا کہ جو حصہ نہ لے اُسے سزا دی جائے بلکہ جزا اور ثواب کو خدا تعالیٰ پر ہی چھوڑ دیا تا جو حصہ لے اُسے زیادہ ثواب ملے۔ اس اصول کے مطابق حضور نے کارکنانِ جماعت کو واضح ہدایات دیں کہ مردوں پر زور نہ دیا جائے صرف وہی رقم بطور چندہ وصول کی جائے جو ۱۵ جنوری ۱۹۳۵ء تک آجائے یا اس کا وعدہ آجائے۔ نیز کارکنوں کو خاص طور پر تاکید فرمائی کہ روپیہ کی کمی کا فکر نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ جماعت کا امتحان کرنا چاہتا ہے۔ وہ غیور ہے اور کسی کے مال کا محتاج نہیں چنانچہ حضورؓ نے واضح طریق پر فرمایا:۔

"تحریک کو چلانے والے مندرجہ ذیل باتوں کو مدنظر رکھیں:۔

مردوں پر زور نہ دیا جائے

(۱) یہ کہ وہ صرف میری تجاویز کو لوگوں تک پہنچا دیں۔ اس کے بعد مردوں پر اس میں شامل ہونے کے لئے زیادہ زور نہ دیں۔ ہاں عورتوں تک خبر چونکہ مشکل سے پہنچتی ہے اور باہر کی مشکلات سے اُن کو آگاہی بھی کم ہوتی ہے۔ اس لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں میں تو چندہ کے لئے صرف اعلان ہی کر دیتے تھے کہ کون ہے جو اپنا گھر جنت میں بنائے مگر عورتوں سے اصرار کے ساتھ وصول فرماتے تھے بلکہ فرداً فرداً اجتماع کے مواقع میں انہیں تحریک کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت نے ایک کڑا اُتار کر دے دیا تو آپ نے فرمایا دُوسرا ہاتھ بھی دوزخ سے بچا۔ پس عورتوں کے معاملہ میں اجازت ہے کہ اُن میں زیادہ زور کے ساتھ تحریک کی جائے مگر مجبور انہیں بھی نہ کیا جائے اور مردوں پر تو زور بالکل نہ دیا جائے۔ صرف ان تک میری تجاویز کو پہنچا دیا جائے اور جو اس میں شامل ہونے سے عذر کرے اُسے ترغیب نہ دی جائے۔ کارکن تحریک مجھے دکھا کر اور اسے چھپوا کر کثرت سے شائع کرا دیں اور چونکہ ڈاکخانہ میں بعض اوقات چٹھیاں ضائع ہو جاتی ہیں اس لئے جہاں سے جواب نہ ملے دس پندرہ روز کے بعد پھر تحریک بھیج دیں اور پھر بھی جواب نہ آئے تو خاموش ہو جائیں۔ اسی طرح بیرونی جماعتوں کے سکرٹریوں کا فرض ہے کہ وہ میرے خطبات جماعت کو سُنا دیں جو جمع ہوں انہیں یکجا اور جو جمع نہ ہوں اُن کے

---

[1] "الفضل" ۱۳ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۶ تا ۸ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۷ دسمبر ۱۹۳۴ء)۔

گھروں پر جا کر۔ لیکن کسی پر شمولیت کے لئے زور نہ ڈالیں اور جو عذر کرے اسے مجبور نہ کریں۔"

نیز فرمایا:۔

"تیسری بات یہ مدّنظر رکھی جائے کہ ہندوستان کے احمدیوں کا چندہ پندرہ جنوری ۱۹۳۵ء تک وصول ہو جائے جو ۱۶ر جنوری کو آئے یا جس کا ۱۵ر جنوری سے پہلے پہلے وعدہ نہ کیا جا چکا ہو اُسے منظور نہ کریں۔ پہلے میں نے ایک ماہ کی مدّت مقرر کی تھی مگر اب چونکہ لوگ اس مہینہ کی تنخواہیں لے کر خرچ کر چکے ہیں۔ اس لئے میں اس میعاد کو ۱۵ر جنوری تک زیادہ کرتا ہوں۔ جو رقم ۱۵ر جنوری تک آجائے یا جس کا وعدہ اس تاریخ تک آجائے وہی لی جائے۔ زمیندار دوست جو فصلوں پر چندہ دے سکتے ہیں یا ایسے دوست جو قسط وار روپیہ دینا چاہیں وہ ۱۵ر جنوری تک ادا کرنے سے مستثنیٰ ہوں گے مگر وعدے اُن کی طرف سے بھی ۱۵ر جنوری تک آجانے ضروری ہیں۔ جو رقم یا وعدہ ۱۶ر جنوری کو آئے اُسے واپس کر دیا جائے۔ ہندوستان سے باہر کی جماعتوں کے لئے میعاد یکم اپریل تک ہے۔ جن کی رقم یا وعدہ اس تاریخ تک آئے وہ لیا جائے۔ اس کے بعد آنے والا نہیں۔ اس صورت میں جو لوگ اس میں حصہ لینا چاہتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے وعدے اس تاریخ کے اندر اندر بھیج دیں۔ رقم فروری، مارچ، اپریل میں آسکتی ہے یا جو دوست بڑی رقوم دس بیس تیس چالیس کی ماہوار قسطوں میں ادا کرنا چاہیں یا اس سے زیادہ دینا چاہتے ہوں انہیں سال کی بھی مدت دی جاسکتی ہے۔ مگر ایسے لوگوں کے بھی وعدے عرصہ مقررہ کے اندر اندر آنے چاہئیں۔ اس میعاد کے بعد صرف انہی لوگوں کی رقم یا وعدہ لیا جائے گا جو حلفیہ بیان دیں کہ انہیں وقت پر اطلاع نہیں مل سکی مثلاً جو ایسے نازک بیمار ہوں کہ جنہیں اطلاع نہ ہو سکے یا دُور دراز ملکوں میں ہوں۔

پس کارکنوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جماعتوں پر ایسے وقت بھی آتے ہیں کہ وہ امتیاز کرنا چاہتا ہے۔ اس کا منشاء یہی ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو ثواب سے محروم رکھا جائے۔ پس جن کو خدا پیچھے رکھنا چاہتا ہے انہیں آگے کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں۔ اور ہم کون ہیں جو اس کی راہ میں کھڑے ہوں۔ ہمارے مدّنظر روپیہ نہیں بلکہ یہ ہونا چاہیئے کہ خدا کے دین کی شان کس طرح ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ غیرت والا ہے وہ کسی کے مال کا محتاج نہیں۔ یہ مت خیال کرو کہ دین کی فتح اس ۲۷ ہزار روپیہ پر ہے اور کہ بعض لوگ اگر اس میں حصہ نہ لیں گے تو یہ رقم پُوری کیسے ہوگی۔ جب اللہ تعالیٰ

اس کام کو کرنا چاہتا ہے تو وہ ضرور کر دے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا یہی منشاء ہے کہ روپیہ پورا نہ ہو تو وہ اس کے بغیر بھی کام کر دے گا۔ پس رقم کو پورا کرنے کے خیال سے زیادہ زور مت دو۔ کارکنوں کا کام صرف یہی ہے کہ تحریک دوسروں کو پہنچا دیں اور دس پندرہ دن کے بعد پھر یاد دہانی کر دیں۔ اسی طرح جماعتوں کے سکرٹری بھی احباب تک اس تحریک کو پہنچا دیں۔ یہ کسی کو نہ کہا جائے کہ اس میں حصہ ضرور لو۔ جو کہتے ہیں ہمیں توفیق نہیں انہیں مت کہو کہ حصہ لیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نہیں چاہتا کہ جو باوجود توفیق کے اس میں حصہ نہیں لیتے ان کا حصہ اس پاک تحریک میں شامل ہو۔ اگر ایسا شخص دوسروں کے زور دینے پر حصہ لیگا تو وہ ہمارے پاک مال کو گندہ کرنے والا ہوگا۔ پس ہمارے پاک مالوں میں اُن کے گندے مال شامل کر کے ان کی برکت کم نہ کرو۔"[1]

ساڑھے تیرہ سو سال قبل کی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنی سکیم کا نام "تحریک جدید" محض اس لئے رکھا تھا کہ بعض لوگوں کے لئے جدید چیز لذیذ ہوتی ہے۔ ورنہ اس تحریک کا مقصد دراصل جماعت احمدیہ کو اسلام کے عہد اول میں ساڑھے تیرہ سو سال پیچھے لے جانا تھا۔ اس اعتبار سے یہ ایک ایسی قدیم تحریک تھی جس کا لفظ لفظ قرآن مجید سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے حضورؓ نے اوائل ہی میں بتا دیا تھا کہ :-

"یہ مت خیال کرو کہ تحریک جدید میری طرف سے ہے۔ نہیں بلکہ اس کا ایک ایک لفظ میں قرآن کریم سے ثابت کر سکتا ہوں اور ایک ایک حکم رسول کریم کے ارشادات میں دکھا سکتا ہوں۔ مگر سوچنے والے دماغ اور ایمان لانے والے دل کی ضرورت ہے۔ پس یہ خیال مت کرو کہ جو میں نے کہا ہے وہ میری طرف سے ہے بلکہ یہ اُس نے کہا ہے جس کے ہاتھ میں تمہاری جان ہے۔ میں اگر مر بھی جاؤں تو وہ دوسرے سے بھی کہلوائے گا اور اُس کے مرنے کے بعد کسی اَور سے۔ بہرحال چھوڑے گا نہیں جب تک تم سے اس کی پابندی نہ کرائے۔ یہ پہلا قدم ہے اور اس کے بعد اور بہت سے قدم ہیں۔ یہ سب باتیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اور جب تم پہلی باتوں پر عمل کر لوگے تو پھر اور بتائی جائیں گی۔"[2]

اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان فرمایا کہ

"تحریک جدید کوئی نئی تحریک نہیں ہے بلکہ یہ وہ قدیم تحریک ہے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے

---

[1] "الفضل" ۱۳؍دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۹و۱۰ ۔ [2] خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳؍دسمبر ۱۹۳۵ء مطبوعہ "الفضل" ۲۱؍دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۱ کالم ۱

رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جاری کی گئی تھی۔ انجیل کے محاورہ کے مطابق یہ ایک پُرانی شراب ہے جو نئے برتنوں میں پیش کی جارہی ہے۔ مگر وہ شراب نہیں جو بدمست کر دے اور انسانی عقل پر پردہ ڈال دے بلکہ یہ وہ شراب ہے جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ (الصّٰفّٰت ع ۲) یعنی اس شراب کے پینے سے نہ تو سر دُکھیگا اور نہ بکواس ہوگی کیونکہ اس کا سرچشمہ وہ الٰہی نُور ہے جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دُنیا میں لائے" ۱؎

تحریک جدید کے کامیاب ہونے کی عظیم الشان پیشگوئی

حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ابھی تحریک جدید کے مطالبات سے متعلق خطبات کا سلسلہ جاری نہیں فرمایا تھا کہ حضور رضی اللہ عنہ نے تحریک جدید کے کامیاب ہونے کی واضح پیشگوئی فرمائی کہ

۱۔ "اگر تم سب کے سب بھی مجھے چھوڑ دو تب بھی خدا غیب سے سامان پیدا کر دے گا۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ جو بات خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہی اور جس کا نقشہ اُس نے مجھے سمجھا دیا ہے وہ نہ ہو۔ وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ خواہ دوست دشمن سب مجھے چھوڑ جائیں۔ خدا خود آسمان سے اُترے گا اور اس مکان کی تعمیر کر کے چھوڑے گا" ۲؎

۲۔ "باوجودیکہ ہم نہ تشدد کرینگے اور نہ سول نافرمانی، باوجودیکہ ہم گورنمنٹ کے قانون کا احترام کرینگے، باوجود اس کے کہ ہم ان تمام ذمہ داریوں کو ادا کرینگے جو احمدیت نے ہم پر عائد کی ہیں اور باوجود اس کے کہ ہم ان تمام فرائض کو پُورا کرینگے جو خدا اور اُس کے رسُول نے ہمارے لئے مقرر کئے، پھر بھی ہماری سکیم کامیاب ہو کے رہے گی کشتیٔ احمدیت کا کپتان اس مقدس کشتی کو پُر خطر چٹانوں میں سے گذارتے ہوئے سلامتی کے ساتھ اُسے ساحل پر پہنچا دے گا۔ یہ میرا ایمان ہے اور مَیں اس پر مضبوطی سے قائم ہوں جن کے سپرد الٰہی سلسلہ کی قیادت کی جاتی ہے اُن کی عقلیں اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تابع ہوتی ہیں اور وہ خدا تعالیٰ سے نُور پاتے ہیں اور اُس کے فرشتے اُن کی حفاظت کرتے ہیں اور اُس کی روحانی صفات سے وہ مؤید ہوتے ہیں اور گو وہ دُنیا سے اُٹھ جائیں اور اپنے پیدا کرنے والے کے پاس چلے جائیں مگر اُن کے جاری کئے ہوئے کام نہیں رُکتے اور اللہ تعالیٰ انہیں مُفلح اور منصور بناتا ہے" ۳؎

۱؎ "الفضل" ۱۶ جون ۱۹۵۹ء صفحہ ۲ (تقریر فرمودہ ۱۰ جولائی ۱۹۳۸ء) ۲؎ "الفضل" ۱۱ نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۴ کالم ۳
۳؎ "الفضل" ۸ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۸ کالم ۲

نیز فرمایا:۔

۳۔ "مَیں یقین رکھتا ہوں، خالی یقین نہیں بلکہ ایسا یقین جس کے ساتھ دلائل ہیں اور جس کی ہر ایک کڑی میرے ذہن میں ہے اور اس یقین کی بناء پر مَیں کہتا ہوں کہ گو جوشیلے لوگوں کو وہ سکیم پسند نہ آئے لیکن ہماری جماعت کے دوست اس سکیم پر سچے طور پر عمل کریں تو یقیناً یقیناً فتح اُن کی ہے"۔[1]

کمزور طبع احمدیوں کا اضطراب اور حضرت امیر المومنینؓ کا ایمان افروز جواب

جماعت احمدیہ کے مخلصین نے اس تحریک پر کس شاندار طریق سے لبیک کہا۔ اس کا ذکر اگلی فصل میں آرہا ہے۔ اس جگہ ہم بتانا چاہتے ہیں کہ منافقین پر اس تحریک کا کیا ردّ عمل ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"کئی نادان ہم میں ایسے بھی ہیں کہ جب تحریک جدید کے خطبات کا سلسلہ میں نے شروع کیا تو وہ اور قادیان کے بعض منافق کہنے لگ گئے کہ اب تو گورنمنٹ سے لڑائی شروع کر دی گئی ہے۔ بھلا گورنمنٹ کا اور ہمارا کیا مقابلہ ہے ان کی اتنی بات تو صحیح ہے کہ گورنمنٹ کا اور ہمارا کیا مقابلہ ہے مگر اس لحاظ سے نہیں کہ گورنمنٹ بڑی ہے اور ہم چھوٹے بلکہ اس لحاظ سے کہ ہم بڑے ہیں اور گورنمنٹ چھوٹی اگر ہم خدا تعالےٰ کی طرف سے کھڑے کئے گئے ہیں اور یقیناً اسی کی طرف سے کھڑے کئے گئے ہیں تو پھر اگر ہم مر بھی جائیں تو ہماری موت موت نہیں بلکہ زندگی ہے . . . . اللہ تعالےٰ کی جماعتیں کبھی مرا نہیں کرتیں۔ حکومتیں مٹ جاتی ہیں۔ لیکن الٰہی سلسلے کبھی نہیں مٹتے۔ حکومت زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتی تھی کہ ہم میں سے بعض کو گرفتار کر لیتی یا بعض کو بعض الزامات میں پھانسی دے دیتی۔ مگر کسی آدمی کے مارے جانے سے تو الٰہی سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ الٰہی سلسلوں میں سے اگر ایک مرتا ہے تو خدا تعالےٰ اس کی جگہ دس قائم مقام پیدا کر دیتا ہے"۔[2]

تحریک جدید کا اثر غیروں پر

تحریک جدید کی تفصیلات "الفضل" کے ذریعہ منظر عام پر آئیں تو کئی غیر احمدی اصحاب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُسے بہت پسند کیا۔ اور بعض غیر احمدی اُمراء کے گھرانوں نے اس کے بعض مطالبات اپنے ہاں رائج بھی کر لئے۔ اسی طرح ہندوؤں اور سکھوں کے متعدد خطوط موصول ہوئے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ تحریک جدید سے بہت متاثر ہیں اور اس کے

---

[1] خطبہ جمعہ فرمودہ ۴ جنوری ۱۹۳۵ء مطبوعہ "الفضل" ۷ جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ کالم ۳۔

[2] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۷ء صفحہ ۲۱-۲۲۔

ایک حصہ پر عمل پیرا ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لاہور ہائیکورٹ کے چیف جسٹس سرجان ڈگلس ینگ نے اس تحریک کا ذکر سُن کر اُسے خوب سراہا۔ غرضکہ یہ تحریک اتنی مفید تھی کہ اغیار کو بھی اس کی خوبیاں نظر آئیں۔[1]

تحریک جدید کا ذکر ملکی پریس میں

تحریک جدید کی اس سکیم کا چرچا ملکی پریس میں بھی ہوا۔ چنانچہ اخبار "انقلاب" لاہور نے ۴؍ دسمبر ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں یہ نوٹ شائع کیا کہ

"احمدیوں کے امام نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا ہے کہ وہ آئندہ تین سال تک سنیما، تھیٹر، سرکس وغیرہ ہرگز نہ دیکھیں۔ کھانے اور پہننے میں انتہائی سادگی اختیار کریں۔ بلا ضرورت نئے کپڑے نہ بنائیں جہانتک ہو سکے موجودہ کپڑوں میں ہی گزران کریں اور تبلیغ کے لئے چندہ دیں۔ عام مسلمانوں میں سے جن حضرات نے آجکل قادیانیوں کے خلاف مہم شروع کر رکھی ہے انہیں چاہیئے کہ اس موقع سے فائدہ اُٹھائیں اور عام مسلمانوں سے حلف لیں کہ وہ آئندہ سنیما نہ دیکھیں گے تھیٹر نہ جائیں گے۔ سرکس کا تماشہ نہ دیکھیں گے۔ نیا کپڑا انتہائی مجبوری کے سوا نہ بنائیں گے۔ ایک وقت کے کھانے میں صرف ایک سالن پکا کے کھائیں گے اور تبلیغ اسلام کے لئے اتنا چندہ ہر مہینے ضرور دیں گے۔ مقابلہ اور مسابقہ اگر ایسے طریقے سے ہو کہ اس سے ملت کو فائدہ پہنچے تو سبحان اللہ کیا عجب ہے کہ جو مسلمان اپنے لیڈروں کے پیہم شور و غوغا کے باوجود اپنی اقتصادی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوئے وہ قادیانیوں کی ضد ہی سے اس طرف متوجہ ہو جائیں۔

لیکن ہمارے ہاں ضد دوسرے رستے پر بھی رواں ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے بعض ایسے حضرات بھی پیدا ہو جائیں جو قادیانیوں کے ترکِ سنیما کو بھی شیوہ احمدیت قرار دیں اور خود سنیما دیکھنا شروع کر دیں اور جو شخص سنیما دیکھنے سے انکار کرے اُسے قادیانی مشہور کر دیں کیونکہ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ اگر قادیانی ایک وقت میں ایک سالن کے ساتھ روٹی کھائیں تو ہر مسلمان کم سے کم دو قسم کا سالن پکائے ورنہ تشبّہ کی وجہ سے وہ بھی قادیانی سمجھا جائے گا۔ خدا کرے ایسی ضد پیدا نہ ہو جائے بلکہ اوّل الذکر مسابقت شروع ہو تاکہ مسلمانوں کو اقتصادی اعتبار سے فائدہ پہنچے"[2]

ہندو اخبار "ملاپ" نے لکھا:۔

"احمدی خلیفہ کا قابلِ تقلید حکم:۔ قادیانی احمدیوں کے خلیفہ صاحب نے اپنے پیروؤں کے

---

[1] "الفضل" ۱۳؍ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۴ کالم۔ "الفضل" ۱۱؍ جولائی ۱۹۳۹ء صفحہ ۵ کالم ۳ و ۴۔ "الفضل" ۱۶؍ اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۱؎

[2] "انقلاب" لاہور ۴؍ دسمبر ۱۹۳۴ء +

نام یہ حکم جاری کیا ہے کہ وہ آئندہ تین سال تک سنیما۔ تھیئٹر۔ سرکس وغیرہ ہرگز نہ دیکھیں اور کھانے پینے میں انتہائی سادگی اختیار کریں۔ بلا ضرورت کپڑے نہ بنائیں۔ جہاں تک ہو سکے موجودہ کپڑوں میں ہی گذران کریں اور تبلیغ کے لئے چندہ دیں" یہ حکم بلا شک و شبہ قابل تقلید ہے خصوصاً ہندوؤں کے لئے جو وید پرچار کو بالکل فراموش کر بیٹھے ہیں حالانکہ وید پرچار میں ہندوؤں کی زندگی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہندو بھی فیصلہ کر لیں کہ وہ اپنا روپیہ زیادہ تر وید پرچار ہی کے ذریعہ خرچ کریں گے۔" [1]

فصلِ سوم

مطالباتِ تحریکِ جدید پر جماعتِ احمدیہ کی طرف سے اخلاص و قربانی کا شاندار مظاہرہ

اور

غیروں کا خراجِ تحسین

تحریک جدید کی سکیم اگرچہ انتہائی ناموافق اور از حد پُرخطر حالات میں جاری کی گئی تھی۔ مگر صورت حال جتنی نازک تھی اتنا ہی شاندار خیر مقدم اس کا جماعت احمدیہ کی طرف سے کیا گیا جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ارشاد فرمایا:۔

"جس جوش اور جس جذبہ اور ایثار کے ساتھ جماعت کے دوستوں نے پہلے سال کے اعلان کو قبول کیا تھا اور جس کم مائیگی اور کمزوری کے ساتھ ہم نے یہ کام شروع کیا تھا وہ دونوں باتیں ایمان کی تاریخ میں ایک اہم حیثیت رکھتی ہیں . . . . وہ [2] اس بات کی شہادت دے رہی تھی کہ گذشتہ انبیاء کی جماعتوں کو ایسی مشکلات سے ہی دوچار ہونا پڑا ہے۔ پس وہ بے بسی، بیکسی اور کم مائیگی بھی مومنوں کی جماعت سے پہلی جماعت کو ملاتی تھی اور وہ جوش اور وہ جذبہ اور ایثار جو جماعت نے دکھایا۔ وہ بھی ہمیں مومنوں کی جماعت سے ملاتا تھا۔ گویا ۱۹۳۴ء کا نومبر ایک نشان تھا سلسلہ احمدیہ کے مخالفوں کے لئے، وہ ایک دلیل اور

---

[1] روزنامہ ملاپ ۵ دسمبر ۱۹۳۴ء [2] یعنی کم مائیگی۔ (ناقل)

بُرہان تھا سوچنے اور غور کرنے والوں کے لئے کہ یہ جماعت خدا کی طرف سے ہے اور یہ ان ہی قدموں پر چل رہی ہے جن پر گذشتہ انبیاء کی جماعتیں چلتی چلی آئی ہیں۔"[1]

مالی مطالبات اور جماعت احمدیہ

جماعت احمدیہ کے حیرت انگیز جذبہ ایثار و قربانی کا اندازہ کرنے کے لئے ہم سب سے پہلے تحریک جدید کے مالی مطالبات کو لیتے ہیں۔

حضورؓ نے پہلے سال کے لئے ساڑھے ستائیس ہزار چندہ کا مطالبہ فرمایا تھا مگر جماعت نے ڈیڑھ ماہ کے قلیل عرصہ میں ۳۳ ہزار روپیہ نقد اپنے امام کے قدموں میں ڈال دیا اور ایک لاکھ سے زائد کے وعدے پیش کر دیئے۔ چنانچہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۵ء کو حضورؓ نے اعلان فرمایا کہ:-

"الحمد للہ رب العٰلمین کہ جماعت احمدیہ کے مخلصین نے میری مالی تحریک کا جو جواب دیا ہے وہ مخالفوں کی آنکھیں کھولنے والا اور معاونوں کی ہمت بڑھانے والا ہے۔ چونکہ سب نیکیوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس لئے میں اُسی پاک ذات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں اپنی محبت کے اظہار کا ایک حقیر سا موقعہ دے کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔

چندوں کی تحریک ساڑھے ستائیس ہزار کی تھی اس کے متعلق اس وقت تک نقد تینتیس ۳۳ ہزار رقم آچکی ہے اور پندرہ جنوری سے پہلے ارسال شدہ وعدے کُل ایک لاکھ چھبیس ۲۶ ہیں جو مطلوبہ رقم سے پونے چار گنے زیادہ ہیں اور ابھی بیرون ہند کے وعدے آرہے ہیں۔"[2]

امانت فنڈ

امانت فنڈ[3] کی تحریک بھی جماعت میں بہت مقبول ہوئی اور مخلصین نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ چنانچہ ۲۶ جنوری ۱۹۳۵ء تک اس فنڈ میں پانچ ہزار کے قریب جمع ہوا۔[4] اور پھر جلد ہی ساڑھے پانچ ہزار روپیہ ماہوار کے قریب آمد ہونے لگی۔[5]

امانت فنڈ کا تذکرہ کرتے ہوئے ضمناً یہ بتانا ضروری ہے کہ "امانت فنڈ کی تحریک نے احرار اور

---

[1] "الفضل" ۲ دسمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۳ کالم ۱۔ [2] "الفضل" ۲۴ جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[3] مطالبہ "امانت فنڈ" کے علاوہ مالی مطالبات کی چار مدّات میں پہلے سال بتفصیل ذیل آمد ہوئی۔ ۱۔ گندے لٹریچر کا جواب (۳۷۵۰۰ روپے)، ۲۔ تبلیغ بیرون ہند (۳۲۴۴۳ روپے) ۳۔ تبلیغ خاص (۲۲۹۶۱ روپے) ۴۔ تبلیغ سروے سکیم (۴۴۴۱۷ روپے) یہ چاروں مدّیں حضور کے ارشاد پر "چندہ تحریک جدید" سے موسوم کی گئیں۔ (کتاب "تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین" مرتبہ چودھری برکت علی خان صاحبؓ صفحہ ۱۰)

[4] "الفضل" ۳۱ جنوری ۱۹۳۵ء۔ [5] "الفضل" ۳ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۷۔

اس کے بعد دوسرے فتنوں کا سر کچلنے میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:-

"امانت فنڈ کے ذریعہ احرار کو خطرناک شکست ہوئی ہے۔ اتنی خطرناک شکست کہ مَیں سمجھتا ہوں کہ اُن کی شکست میں ۷۵ فیصدی حصہ امانت فنڈ کا ہے۔ لیکن باوجود اس قدر فائدہ حاصل ہونے کے دوستوں کا تمام روپیہ محفوظ ہے۔"

"غرض یہ تحریک ایسی اہم ہے کہ مَیں تو جب بھی تحریک جدید کے مطالبات پر غور کرتا ہوں اُن میں سے امانت فنڈ کی تحریک پر مَیں خود حیران ہو جایا کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ امانت فنڈ کی تحریک الہامی تحریک ہے کیونکہ بغیر کسی بوجھ اور غیر معمولی چندہ کے اس فنڈ سے ایسے ایسے اہم کام ہوئے ہیں۔ کہ جاننے والے جانتے ہیں وہ انسان کی عقل کو حیرت میں ڈال دینے والے ہیں"۔[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی دعائیں

حق یہ ہے کہ مالی مطالبات پر جماعتی اخلاص کا یہ غیر معمولی نمونہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خاص دعاؤں کا نتیجہ تھا چنانچہ حضور خود بھی فرماتے ہیں:-

"مَیں نے جب تحریک جدید جاری کی تو مَیں نے جماعت کے دوستوں سے ۲۷ ہزار کا مطالبہ کیا تھا اور مَیں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا نفس اس وقت مجھے یہ کہتا تھا کہ ۲۷ ہزار روپیہ بہت زیادہ ہے یہ جمع نہیں ہوگا مگر میرا دل کہتا تھا کہ اس قدر روپیہ کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ چنانچہ گو مَیں یہی سمجھتا تھا کہ اتنا روپیہ جمع نہیں ہو سکتا، دینی ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے مَیں نے تحریک کر دی اور ساتھ ہی دعائیں شروع کر دیں کہ خدایا! ضرورت تو اتنی ہے مگر جن سے مَیں مانگ رہا ہوں ان کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے مَیں امید نہیں کرتا کہ وہ اس قدر روپیہ جمع کر سکیں تو خود ہی اپنے فضل سے ان کے دلوں میں تحریک پیدا کر کہ وہ تیرے دین کی اس ضرورت کو پورا کریں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جماعت نے بجائے ستائیس ہزار کے ایک لاکھ دس ہزار کے وعدے پیش کر دیئے۔ . . . اور پھر وصولی بھی ہو گئی"[2]

صدر مجلسِ احرار کا اقرار

دُعاؤں کی قبولیت کے اس نشان نے دشمنانِ احمدیت کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ چنانچہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی صدر مجلسِ احرار

---

[1] "الفضل" ۱۸ فروری ۱۹۳۸ء صفحہ و "الفضل" ۴ دسمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۴۔

[2] "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۰۳ و ۱۰۴۔

نے ۲۳ راپریل ۱۹۳۵ء کو ایک تقریر کے دوران تحریک جدید کی کامیابی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا :-

"ہم میاں محمود کے دشمن ہیں وہاں ہم اس کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ دیکھو اس نے اپنی اس جماعت کو جو کہ ہندوستان میں ایک تنکے کی مانند ہے کہا کہ مجھے ساڑھے ستائیس ہزار روپیہ چاہیئے۔ جماعت نے ایک لاکھ دے دیا ہے۔ اس کے بعد گیارہ ہزار کا مطالبہ کیا تو اُسے دُگنا تگنا دے دیا" [1]

خدائی تصرّف مخلصین جماعت کی اس بے نظیر مالی قربانی میں خدا تعالے کا ایک عجیب تصرّف کارفرما تھا۔ جس کی تفصیل خود حضورؓ ہی کے الفاظ میں لکھنا ضروری ہے۔ حضور فرماتے ہیں :-

"اُس وقت ہماری مالی حالت اتنی کمزور تھی کہ تبلیغی ٹریکٹوں کی اشاعت تک سے ہم عاجز تھے۔ ایسے حالات میں مَیں نے تحریک جدید جاری کی اور اس کا ایک حصہ ریزرو فنڈ کا رکھا۔ جب مَیں نے اس کے لئے تحریک کی تو مجھے پتہ نہ تھا کہ مَیں کیا بول رہا ہوں۔ اس وقت میں نے جو تقریر کی اس کے الفاظ کچھ ایسے مبہم تھے کہ جماعت نے سمجھا کہ تین سال کے لئے چندہ مانگ رہے ہیں۔ اور وہ اکٹھا دینا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مثلاً کسی کا ارادہ سو روپیہ سال میں دینے کا تھا تو اُس نے تین سال کا چندہ تین سو روپیہ اکٹھا دے دیا۔ ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے صحیح مفہوم سمجھا۔ مگر ایسے بھی تھے جنہوں نے غلط سمجھا اور اللہ تعالے کا ایسا فضل ہوا کہ ایک لاکھ سات ہزار کے وعدے ہوئے جب دوسرے سال کے لئے تحریک کی گئی تو بعض لوگ کہنے لگے ہم نے تو تین سال کا اکٹھا چندہ دے دیا تھا اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ میں نے کہا یہ طوعی چندہ ہے آپ اب نہ دیں۔ مگر انہوں نے کہا ہم تکلیف اُٹھائیں گے اور خواہ کچھ ہو اب بھی ضرور چندہ دیں گے۔ اسی طرح انہوں نے تین سال کے لئے جو اکٹھا چندہ دیا تھا دوسرے سال اس سے زیادہ دیا کیونکہ وہ مجبور ہو گئے کہ اپنے اخلاص کو قائم رکھنے کے لئے چندہ پہلے سے بڑھا کر دیں۔ بعض مخلص ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنا سارا کا سارا

---

[1] "الفضل" ۲۶ راپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ کالم ۴۔ جماعت احمدیہ کی شاندار مالی قربانی کے مقابل عوام نے دس کروڑ مسلمانانِ ہند کی نمائندگی کے دعویداروں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس کی فقط ایک مثال کافی ہے۔ ۱۷ رنومبر ۱۹۳۵ء کو مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری امیر شریعت احرار نے مسجد خیر الدین امرتسر میں ایک تقریر کی۔ الفضل کے نامہ نگار خصوصی کے بیان کے مطابق بخاری صاحب نے کہا۔ "مسلمانو! مَیں تم کو چھوڑنے کا نہیں ہوں۔ مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گا بلکہ مَر کر بھی نہیں چھوڑوں گا کیونکہ مرنے کے بعد میرا بیٹا تم سے چندہ لے گا جب مَیں تم کو نہ اس جہان میں چھوڑنے والا ہوں نہ اُس جہان میں تو پھر تمہیں چندہ دینے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیئے (یہ کہکر انہوں نے حاضرین کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ مگر ان کے کاسۂ گدائی میں کسی نے ایک حبّہ تک نہ ڈالا) پھر کہا بولتے کیوں نہیں چُپ کیوں ہو گئے مرکیسے ڈھیلے کرد۔ لوگوں نے اُٹھ کر جانا شروع کر دیا۔" (الفضل ۲۱ ر نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۹ کالم ۴)

اندوختہ دے دیا تھا۔ ایک نے لکھا۔ دوسرے سال میں نے شرم کی وجہ سے بتایا نہیں تھا۔ میں نے اپنی کچھ اشیاء بیچ کر چندہ دیا تھا۔ پھر تیسرے سال سب کچھ بیچ کر چندہ دے چکا ہوں۔ اب رقم کم کرنے پر مجبور ہوں۔ لیکن نویں سال میں لکھا کہ خدا تعالیٰ نے کچھ رقم جمع کرنے کی توفیق عطا کی اس لئے پہلے کی طرح ہر سال کا چندہ بڑھا کر ادا کروں گا۔ دراصل جب میں تحریک جدید کے چندہ کا اعلان کرتا تھا تھا۔ خدا تعالیٰ ۲۵ لاکھ ریزرو فنڈ کی تحریک جو پہلے کی گئی تھی اسے کامیاب بنانے کی بنیاد رکھوا رہا تھا۔ میرا شروع سے ارادہ تھا کہ اس چندہ سے ریزرو فنڈ قائم کیا جائے جو تبلیغ اور سلسلہ کے دوسرے کاموں میں کام آئے۔ میں نے اس روپیہ سے زمین خریدی جو ساڑھے نو ہزار ایکڑ ہے اور تحریک جدید کی ملکیت ہے" ۱؎

تحریک جدید کا خوشگوار اثر صدر انجمن احمدیہ کے چندوں پر

تحریک جدید کی ایک عجیب برکت یہ نازل ہوئی کہ جہاں اس سے پہلے جماعت احمدیہ کے عام چندوں کی رفتار کچھ عرصہ سے نسبتاً سست ہو چکی تھی اس میں بھی تیزی پیدا ہو گئی چنانچہ حضور فرماتے ہیں:-

"خدا تعالیٰ کی قدرت ہے۔ اس سے پہلے صدر انجمن احمدیہ ہمیشہ مقروض رہا کرتی تھی اور اُسے اپنا بجٹ ہر سال کم کرنا پڑتا تھا جب میں نے اس تحریک کا اعلان کیا تو ناظروں نے میرے پاس آ آ کر شکایتیں کیں کہ اس تحریک کے نتیجہ میں انجمن کی حالت خراب ہو جائے گی۔ میں نے اُن سے کہا کہ تم خدا تعالیٰ پر توکّل کرو اور انتظار کرو اور دیکھو کہ حالت سُدھرتی ہے یا گرتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ یا تو صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ دو اڑھائی لاکھ روپیہ کا ہوا کرتا تھا اور یا اس تحریک کے دوران میں چار پانچ لاکھ روپیہ تک جا پہنچا۔ اُدھر جماعت نے تحریک جدید کی قربانیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے پہلے سال کے اندر ہی مطالبہ سے کئی گُنا زیادہ رقم جمع ہو گئی۔ جب میں نے پہلے دن جماعت سے ۲۷ ہزار روپیہ کا مطالبہ کیا ہے تو واقعہ میں میں بھی سمجھتا تھا کہ میرے مونہہ سے یہ رقم تو نکل گئی ہے مگر اس کا جمع ہونا بظاہر بڑا مشکل ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ کس قدر عظیم الشان فضل ہے کہ ۲۷ ہزار کیا اب تک ۲۷ ہزار سے پچاس گُنے سے بھی زیادہ رقم آ چکی ہے۔" ۲؎

۱؎ تقریر فرمودہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۴۳ء (غیر مطبوعہ تقریر شعبہ زود نویسی میں موجود ہے)۔ ۲؎ "الفضل" ۱۴ر فروری ۱۹۴۴ء صفحہ ۵

مالی مطالبات پر سب سے پہلے لبیک کہنے والی جماعتیں

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جس جماعت نے نہایت ہی اعلیٰ نمونہ پیش کیا وہ قادیان کی جماعت تھی۔ چنانچہ حضور رضی اللہ عنہ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"سب سے زیادہ قربانی کی مثال اور اعلیٰ نمونہ قادیان کی جماعت نے دکھایا ہے . . . . یہاں کی احمدی آبادی سات ہزار کے قریب ہے۔ پنجاب میں احمدیوں کی آبادی سرکاری مردم شماری کے رُو سے ۱۹۳۱ء میں ۵۶ ہزار تھی جو بہت کم ہے۔ لیکن اگر ہم اسی کو درست سمجھ کر آج ۷۰ ہزار بھی سمجھ لیں۔ تو گویا قادیان کی جماعت سارے پنجاب کا دسواں حصہ ہے۔ لیکن ۲۷ہزار روپیہ کی تحریکات میں قادیان کی جماعت کی طرف سے پانچ ہزار روپیہ نقد اور وعدوں کی صورت میں آیا ہے اور ایسے ایسے لوگوں نے اس میں حصہ لیا ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اگرچہ مجھے افسوس ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو زیادہ حصہ لے سکتے تھے مگر کم لیا ہے۔ مگر ایک خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے اپنی حیثیت اور طاقت سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ بعض لوگ تو ایسے ہیں جنہوں نے اپنا سارا اندوختہ دے دیا ہے۔ بعض ایسے ہیں جن کی چار چار پانچ پانچ روپیہ کی آمدنیاں ہیں اور انہوں نے کمیٹیاں ڈال کر اس میں حصہ لیا یا کوئی جائداد فروخت کرکے جو کچھ جمع کیا ہوا تھا وہ سب کا سب دے دیا ہے۔ باہر کی جماعتوں میں سے بعض کے جواب آئے ہیں اور بعض کے ابھی نہیں آئے اور نہ ہی آسکتے تھے۔ مگر بظاہر حالات معلوم ہوتا ہے کہ قادیان کی جماعت بڑھ جائیگی۔ مجھے خوشی ہے کہ قادیان کی جماعت نے حسب دستور اس موقعہ پر بھی اعلیٰ درجہ کا نمونہ دکھایا ہے۔ باہر کی جماعتوں میں سے بھی بعض نے اخلاص کا عمدہ نمونہ دکھایا ہے اور بعض نے تو اتنی ہوشیاری سے کام لیا ہے کہ حیرانی ہوتی ہے مثلاً لاہور چھاؤنی کی جماعت کا وعدہ قادیان کی جماعت کے وعدہ کے ساتھ ہی پہنچ گیا تھا۔ کوئی دوست یہاں سے خطبہ سُن کر گیا اور اُس سے سُن کر دوست فوراً اکٹھے ہوئے اور تحریک میں شامل ہوگئے۔ اور جس وقت مجھے قادیان والوں کی رپورٹ ملی اسی وقت لاہور چھاؤنی کی مل گئی . . . . سرسری اندازہ یہ ہے کہ چودہ دن کے اندر اندر پندرہ ہزار کے قریب وعدے اور نقد روپیہ آچکا ہے جس میں سے چار ہزار کے قریب نقد ہے اور ابھی جماعت کا بہت سا حصہ خصوصاً وہ لوگ جن کی آمدنیاں زیادہ ہیں خاموش ہے یا اس انتظار میں ہے کہ جماعت کے ساتھ وعدہ بھجوائیں گے لیکن دوسری طرف متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والے یا غرباء میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن کے پاس پیسہ نہیں تھا اور انہوں نے چیزیں پیش کر دیں اور کہا

کہ ہمارا اثاثہ لے لیا جائے اگرچہ ہم نے لیا نہیں۔ کیونکہ میرے اصل مخاطب امراء تھے۔ مگر اس سے اتنا پتہ تو لگ سکتا ہے کہ جماعت میں ایسے مخلصین بھی ہیں جو اپنی ہر چیز قربان کر دینے کے لئے تیار ہیں۔ اس سلسلہ میں مجھے یہ شکایت پہنچی ہے کہ بعض جماعتوں کے عہدیدار لوگوں کو یہ کہہ کر خموش کر رہے ہیں کہ جلدی نہ کرو پہلے غور کر لو۔ گویا اُن کے غور کا زمانہ ابھی باقی ہے۔ ڈیڑھ دو مہینہ سے مَیں خطبات پڑھ رہا ہوں اور تمام حالات وضاحت سے پیش کر چکا ہوں لیکن ابھی ان کے غور کا موقعہ ہی نہیں آیا۔ یہ مشورہ کوئی نیک مشورہ نہیں یا سادگی پر دلالت کرتا ہے یا شاید بعض خود قربانی سے ڈرتے ہوں اور دوسروں کو بھی اس سے روکنا چاہتے ہوں کہ ان کی سُستی اور غفلت پر پردہ پڑا رہے۔ کیا رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جہاد کے موقعہ پر پہلے غور کیا جاتا تھا اور یہ کہا جاتا تھا کہ جلدی نہ کرو غور کر لو۔ قرآن کریم میں تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ یعنی دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اور جلدی کی کوشش کرو . . . جماعتی لحاظ سے بعض مقامات سے مجھے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ جماعتیں اپنی لسٹیں اکٹھی بھجوائیں گی۔ گویا دیر اس وجہ سے ہے۔ ان جماعتوں پر یا ان کے افراد پر کوئی الزام نہیں۔ مگر ان میں سے بھی بعض مخلصین ایسے ہیں جنہوں نے اس دیر کو بھی برداشت نہیں کیا اور رقمیں بھیج دی ہیں اور جماعت کا انتظار بھی نہیں کیا۔ یہ گو معمولی باتیں ہیں۔ مگر رُوحانی دنیا میں یہی چیزیں ثواب بڑھا دینے کا باعث ہو جایا کرتی ہیں۔"[۱]

بیرُونی ممالک سے تحریک جدید کے حق میں آواز

بیرونی ممالک میں سب سے پہلے بلادِ عربیہ کے احمدیوں نے تحریک جدید پر لبیک کہا اور نہ صرف چندہ کے وعدے بھجوائے بلکہ اُن کا ایک حصہ نقد بھی بھجوا دیا۔ چنانچہ شروع فروری ۱۹۳۵ء تک جماعت حیفا کی طرف سے چار سو شلنگ کے وعدے موصول ہوئے جن میں سے پچھتّر شلنگ کی رقم بھی پہنچ گئی۔ علاوہ ازیں مدرسہ احمدیہ کبابیر (حیفا) کے احمدی بچّوں نے بھی آٹھ شلنگ چندہ بھجوایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جماعت احمدیہ حیفا کے افراد خصوصاً حیفا کے احمدی بچوں کے اس اخلاص اور قربانی کی بہت تعریف فرمائی[۲] اور دُعا دی کہ اللہ تعالےٰ ان بچّوں کے اخلاص کو قبول کرے اور دنیا میں چمکنے والے ستارے بنائے کہ ان کی روشنی سے فلسطین ہی نہیں بلکہ سب دُنیا روشن ہو اور یہ احمدیت کی

---

[۱] خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴ دسمبر ۱۹۳۴ء "الفضل" ۲۰ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۵-۶ ۔

[۲] اسی ضمن میں حضورؓ نے حیفا کی انجمن طلبہ جماعت احمدیہ کا ایک خط بھی شائع فرمایا جس پر اسمٰعیل احمد (پریذیڈنٹ) موسیٰ اسعد (سکرٹری) اور عبدالجلیل حسین (خزانچی) کے دستخط تھے۔

تعلیم پر صحیح طور پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب پانے والے اور دوسروں کو خدا تعالیٰ کے قریب لانے والے ہوں۔ یہ بھی یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح بضاعۃ مزجاۃ لائے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان سے بھی وہی سلوک کرے اور انہیں اسلام کا یوسف گم گشتہ ملا دے جسے یہ اپنے یعقوب (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس لا کر اپنی قوم کی گذشتہ کوتاہیوں کی تلافی کر سکیں۔[1]

بیرون ہند کی بعض اور مخلص جماعتیں جماعت احمدیہ حیفا کے معاً بعد آبادان (ایران) عدن، لنڈن، بغداد، کمپالہ، زنجبار، دارالسلام، ٹانگا، نیروبی، سرابایا، جاوا، کولمبو کی طرف سے نہ صرف اخلاص و ایثار سے لبریز خطوط حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حضور پہنچے بلکہ چندہ کے وعدہ جات بھی ملے اور نقد رقوم بھی۔[2]

دوسرے مطالبات اور جماعت احمدیہ جماعت احمدیہ نے تحریک جدید کے مالی جہاد میں پُرجوش حصہ لینے کے علاوہ دوسرے مطالبات پر بھی شاندار طور پر لبیک کہا۔

سادہ زندگی مثلاً تحریک جدید کا سب سے پہلا مطالبہ جو اسلامی تمدن کی عمارت میں بنیادی اینٹ کی حیثیت رکھتا ہے سادہ زندگی کا مطالبہ ہے۔ جماعت کے مخلصین نے اس مطالبہ کے مطابق کھانے، لباس، علاج اور سنیما وغیرہ کے بارہ میں اپنے پیارے امام کی ہدایات کی نہایت سختی سے پابندی کی۔ کھانے کے تکلفات یکسر ختم کر دیئے۔ بعض نے چندے زیادہ لکھوا دیئے۔ اور دو دو تین تین سال تک کوئی کپڑے نہیں بنوائے۔[3]

اکثر نوجوانوں نے سنیما، تھیئٹر، سرکس وغیرہ دیکھنا چھوڑ دیا اور بعض جو کثرت سے اس کے عادی تھے اس سے نفرت کرنے لگے۔ الغرض حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی آواز نے جماعت میں دیکھتے ہی دیکھتے ایک زبردست انقلاب برپا کر دیا۔ جو دوسرے لوگوں کی نگاہ میں ایک غیر معمولی چیز تھی۔ چنانچہ اخبار "رنگین" (امرتسر) کے سکھ ایڈیٹر ارجن سنگھ عاجزؔ نے لکھا کہ:۔

"احمدیوں کا خلیفہ اُن کی گھریلو زندگی پر بھی نگاہ رکھتا ہے اور وقتاً فوقتاً ایسے احکام صادر کرتا رہتا ہے جن پر عمل کرنے سے خوشی کی زندگی بسر ہو سکے۔ مَیں یہاں اُن کے خلیفہ کے چند احکام کا ذکر کرتا ہوں جن سے

---

[1] "الفضل" ۲۸ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ و ۴۔ [2] "الفضل" ۱۲ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۸۔ بیرونی جماعتوں کے بعض غرباء نے اس موقعہ پر اخلاص و ایثار کے قابل تقلید نمونے دکھائے مثلاً بیرون ہند کی ایک خاتون نے دو برس تک چکی پیس کر تحریک جدید کا وعدہ پورا کیا ("الفضل" ۱۷ مارچ ۱۹۳۷ء صفحہ ۸ کالم ۱-۲)۔ [3] "الفضل" ۲ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۶۔

[4] "الفضل" ۱۲ جون ۱۹۳۵ء صفحہ ۹ کالم ۲۔

اندازہ ہو سکے گا کہ یہ جماعت کیوں ترقی کر رہی ہے۔

ا۔خلیفہ نے حال ہی میں جو پروگرام اپنے پیروؤں کے سامنے رکھا ہے، ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ ہر بڑے یا چھوٹے امیر یا غریب کے دسترخوان پر ایک سے زیادہ کھانا نہ ہو۔ یہ حکم طبی اور اقتصادی پہلوؤں سے پرکھنے کے بعد شاندار نتائج کا ذمہ دار ثابت ہو سکتا ہے۔

یُوں تو ہر ایک لیڈر یا ریفارمر اور عقلمند اپنے پیروؤں کو اس قسم کا حکم دے سکتا ہے لیکن کونسا ریفارمر ہے جو دعوئ سے کہہ سکے کہ اس کے سو فیصدی مُرید اس کے ایسے حکم کی پوری پوری تعمیل کرنے کے لئے حاضر ہوں گے۔ صرف خلیفہ قادیان کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے ایسے مُریدوں نے جن کے دسترخوان پر درجنوں کھانے ہوتے تھے اپنے خلیفہ کے حکم کے ماتحت اپنے رویّہ میں فوری تبدیلی کر لی ہے اور آج کوئی شخص ثابت نہیں کر سکتا کہ کوئی احمدی اپنے خلیفہ کے اس آرڈر کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔

۲۔ خلیفہ کا حکم ہے کہ تین سال تک نئے زیور نہ بنوائے جائیں۔ بلا ضرورت کپڑا نہ خریدا جائے۔ عورتیں اپنے کپڑوں میں گوٹا، لیس، فیتہ یا جھالر وغیرہ کا استعمال ترک کر دیں۔ حیرت ہے کہ اس حکم کے صادر ہوتے ہی تمام احمدی مرد اور عورتیں ہمہ تن گوش ہو جاتی ہیں اور اپنے خلیفہ کے اس اشارہ پر ان تمام چیزوں کو ترک کر دیتی ہیں۔ یہ اتنی بڑی قربانی ہے جس کا نتیجہ لازماً یہ ہے کہ یہ گروہ ہندوستان میں سب جماعتوں پر سبقت لے جاوے گا۔ جو لوگ جذبات پر قابو پانے اور جائز خواہشات کو بھی ترک کرنے پر قادر ہو سکتے ہیں وہ کبھی ناجائز خواہشات کا شکار نہیں ہو سکتے اور ظاہر ہے کہ خواہشات کی پیروی ہی انسان کے تنزّل کا ذریعہ ہوتی ہے۔ پس احمدی اس بارہ میں بھی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

اور ترکِ خواہشات کی سپرٹ ان کے خلیفہ نے جس تدبّر اور دانائی سے اُن کے اندر پھُونک دی ہے وہ قابلِ صد ہزار تحسین و آفرین ہے اور ہندوستان میں آج صرف ایک خلیفہ قادیان ہی ہے جو سر بلند کر کے یہ کہہ سکتا ہے کہ اُس کے لاکھوں مُرید ایسے موجود ہیں جو اس کے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہیں۔ اور احمدی نہایت فخر سے کہتے ہیں کہ اُن کا خلیفہ ایک نہایت معاملہ فہم، دُور اندیش اور ہمدرد بزرگ ہے جس نے کم از کم اُن کی دنیاوی زندگی کو بہشتی زندگی بنا دیا ہے اور اس کے عالیشان مشوروں پر عمل کرنے سے دُنیا کی زندگی عزّت و آبرو سے کٹ سکتی ہے۔" لے

لے "سیرِ قادیان" صفحہ ۱۷-۲۰ (از ارجن سنگھ عاجز، ایڈیٹر اخبار "رنگین" امرتسر)

تبلیغ کے لئے یک ماہی وقف

تبلیغ کے لئے یک ماہی وقف کے مطالبہ کا جواب بھی بہت خوشکن تھا۔ ستمبر ۱۹۳۶ء تک تیرہ سو اصحاب نے اپنی چھٹیاں ملک میں تبلیغ کے لئے وقف کیں[1]۔ اور شمالی اور وسطی ہند کے علاوہ جنوبی علاقہ مثلاً میسور، مدراس، کولمبو اور بمبئی میں بھی تبلیغی وفود نے کام کیا[2]۔ ایسے اصحاب کو حضرت خلیفۃ المسیح کی طرف سے تحریرات خوشنودی عطا کی جاتی تھیں[3]۔

تبلیغ کے لئے ایک ایک ماہ وقف کرنے والوں میں قادیان کے لوگ ساری جماعت میں اوّل رہے[4]۔

سہ سالہ وقف

مولوی فاضل، بی۔ اے، ایف۔ اے اور انٹرنس پاس قریباً دو سو نوجوانوں نے اپنے آپ کو سہ سالہ وقف کے لئے پیش کیا[5]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

"یہ قربانی کی رُوح کہ تین سال کے لئے دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا جائے اسلام اور ایمان کی رُو سے تو کچھ نہیں۔ لیکن موجودہ زمانہ کی حالت کے لحاظ سے حیرت انگیز ہے۔ . . . اس قسم کی مثال کسی ایک قوم میں بھی جو جماعت احمدیہ سے سینکڑوں گنے زیادہ ہو ملنی محال ہے۔"[6]

پنشنر اصحاب کی طرف سے بقیہ زندگی وقف

کئی پنشنر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم کی تعمیل میں آگے آئے اور مرکز میں کام کرنے لگے مثلاً خانصاحب فرزند علی صاحب، بابو سراجدین صاحب، خانصاحب برکت علی صاحب، ملک مولا بخش صاحب، اور خان بہادر غلام محمد صاحب گلگتی وغیرہم۔ حضرت امیر المومنینؓ نے اپنے ایک خطبہ میں بھی ان کی خدمات کا خاص طور پر ذکر فرمایا[7]۔

بیکار نوجوانوں سے مطالبہ

حضور کے اس مطالبہ کے تحت کہ بیکار نوجوان باہر غیر ممالک میں نکل جائیں، کئی نوجوان اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور نامساعد حالات کے باوجود غیر ممالک میں پہنچ گئے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے شروع ۱۹۳۵ء میں بتایا کہ:۔

"رنگون سے ابھی ہماری جماعت کے دو دوستوں کا مجھے خط ملا ہے۔ ان میں سے ایک جالندھر کا رہنے والا ہے اور ایک اسی جگہ کے قریب کسی اور مقام کا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہم آپ کی اسی تحریک کے ماتحت گھر

---

[1] "الفضل" ۲۷ ستمبر ۱۹۳۶ء۔ [2] "الفضل" ۲۹ اگست ۱۹۳۶ء۔

[3] "الفضل" ۹ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۳۔ "الفضل" ۱۰ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ اور "الفضل" ۱۱ مارچ ۱۹۳۶ء میں فہرستیں ملاحظہ ہوں۔ [4] "الفضل" ۲۱ دسمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۴ کالم ۴۔ [5] "الفضل" ۲۲ دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۸۔ [6] "الفضل" ۹ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۵۔ [7] "الفضل" ۱۶ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۸ کالم ۳۔

سے پیدل چل پڑے اور اب پیدل چلتے ہوئے رنگون پہنچ گئے ہیں اور آگے کی طرف جا رہے ہیں۔ کجا جالندھر کجا رنگون، پندرہ سو میل کا سفر ہے۔ لیکن انہوں نے ہمت کی اور پہنچ گئے۔ راستہ میں بیمار بھی ہوئے لیکن دو ماہ بیمار رہنے کے بعد پھر چل پڑے۔ اب وہ سٹریٹ سیٹلمنٹس کے علاقہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ تو ہمت کرکے کام کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے کام کے راستے پیدا کئے ہوئے ہیں۔"[1]

نیز فرمایا:۔

"ایک نوجوان نے گذشتہ سال میری تحریک کو سُنا۔ وہ ضلع سرگودھا کا باشندہ ہے۔ وہ نوجوان بغیر پاسپورٹ کے ہی افغانستان جا پہنچا اور وہاں تبلیغ شروع کر دی۔ حکومت نے اُسے گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیا تو وہاں قیدیوں اور افسروں کو تبلیغ کرنے لگا اور وہاں کے احمدیوں سے بھی وہیں واقفیت بہم پہنچا لی اور بعض لوگوں پر اثر ڈال لیا۔ آخر افسروں نے رپورٹ کی کہ یہ تو قید خانہ میں بھی اثر پیدا کر رہا ہے۔ مُلّانوں نے قتل کا فتویٰ دیا۔ مگر وزیر نے کہا کہ یہ انگریزی رعایا ہے۔ اسے ہم قتل نہیں کر سکتے۔ آخر حکومت نے اپنی حفاظت میں اسے ہندوستان پہنچا دیا۔ اب وہ کئی ماہ کے بعد واپس آیا ہے۔ اس کی ہمّت کا یہ حال ہے کہ مَیں نے اُسے کہا کہ تم نے غلطی کی اور بہت ممالک تھے جہاں تم جا سکتے تھے اور وہاں گرفتاری کے بغیر تبلیغ کر سکتے تھے تو وہ فوراً بول اُٹھا کہ اب آپ کوئی ملک بتا دیں مَیں وہاں چلا جاؤں گا۔ اس نوجوان کی والدہ زندہ ہے۔ لیکن وہ اس کے لئے بھی تیار تھا کہ بغیر والدہ کو ملے کسی دوسرے ملک کی طرف روانہ ہو جائے۔ مگر میرے کہنے پر وہ والدہ کو ملنے جا رہا ہے۔ اگر دوسرے نوجوان بھی اس پنجابی کی طرح جو افغانستان سے آیا ہے ہمّت کریں تو تھوڑے ہی عرصہ میں دُنیا کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ روپیہ کے ساتھ مشن قائم نہیں ہو سکتے۔ اس وقت جو ایک دو مشن ہیں اُن پر ہی اس قدر روپیہ صرف ہو رہا ہے کہ اور کوئی مشن نہیں کھولا جا سکتا لیکن اگر ایسے چند نوجوان پیدا ہو جائیں تو ایک دو سال میں ہی اتنی تبلیغ ہو سکتی ہے کہ دُنیا میں دھاک بیٹھ جائے اور دُنیا سمجھ لے کہ یہ ایک ایسا سیلاب ہے جس کا رُکنا محال ہے"[2]

ہاتھ سے کام کرنے کا مطالبہ ہاتھ سے کام کرنے کے مطالبہ پر جماعت کے افراد نے خاص توجہ دی۔ چنانچہ اس ضمن میں مدرسہ احمدیہ کے اساتذہ اور طلبہ نے اوّلیت کا

[1] "الفضل" ۱۹ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۷ کالم ۳-۴۔ [2] "الفضل" ۳ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۸-۹۔

شرف حاصل کیا اور ۱۳ر دسمبر ۱۹۳۴ء کو قادیان کے اندرونی حصہ سے ایک ہزار شہتیریاں سالانہ جلسہ گاہ تک پہنچائیں۔[۱]
۱۹۳۶ء سے اس مطالبہ کے تحت اجتماعی "وقار عمل" کا سلسلہ جاری کیا گیا جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔

قادیان میں تعمیر مکان کا مطالبہ

جہانتک قادیان میں مکان بنانے کا تعلق تھا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جماعت کے طرز عمل پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے شروع ۱۹۳۶ء میں فرمایا:-

"جماعت نے اس معاملہ میں بہت کچھ کام کیا ہے۔ چنانچہ اب دو سو مکان سالانہ خدا تعالیٰ کے فضل سے قادیان میں بن رہا ہے اور بہت سے دوست زمینیں بھی خرید رہے ہیں۔"[۲]

مطالبہ دعا

جماعت احمدیہ اگرچہ ہمیشہ غلبۂ حق کے لئے دعاؤں میں مصروف رہتی تھی مگر تحریک جدید کے مطالبات کے ضمن میں حضور (رضی اللہ عنہ) نے جو خاص تحریک فرمائی اس کی بناء پر جماعت میں خاص جوش پیدا ہو گیا اور احباب جماعت نے خدا تعالیٰ کے سامنے جبین نیاز جھکانے میں خاص طور پر زور دینا شروع کیا اور نمازوں میں عاجزانہ دعاؤں کا ذوق و شوق پہلے سے بہت بڑھ گیا اور جماعت میں ایک نئی روحانی زندگی پیدا ہو گئی۔

فصل چہارم

خاندانِ مسیح موعودؑ کی قربانیاں

جس طرح دوسری احمدی جماعتوں میں قادیان کی [illegible] جماعت نے تحریک جدید کے چندہ اور دوسرے مطالبات کی تکمیل میں سب سے عمدہ نمونہ دکھایا۔ اسی طرح قادیان کی جماعت میں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خاندان تحریک جدید کی قربانیوں میں بالکل ممتاز اور منفرد تھا چنانچہ حضرت امّ المومنین رضی اللہ عنہا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ، حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور صاحبزادی حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ اور خاندان مسیح موعودؑ کے دوسرے افراد نے قربانیوں کی قابل رشک یادگار قائم کی۔[۳]

---

[۱] "الفضل" ۱۶ر دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
[۲] "الفضل" ۱۵ر فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۶ کالم ۴۔
[۳] چندہ کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب "تحریک جدید کے پانچہزاری مجاہدین"۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا وجود مجسّم تحریک جدید بن گیا

خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں سب سے بڑھ کر جس شخصیت نے تحریک جدید کے مطالبات پر پوری شان سے عمل کر کے دکھایا وہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ تھے جن کی پوری زندگی تحریک جدید کو کامیاب بنانے میں صرف ہوئی حتیٰ کہ آپ کا مقدس وجود مجسّم تحریک جدید بن گیا۔

حضورؓ کی مصروفیات

تحریک جدید کے ابتدائی ایام میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی مصروفیات کا یہ عالم تھا کہ کبھی ایک بجے رات سے پہلے سو نہیں سکے اور بعض اوقات صبح تین چار بجے تک کام میں منہمک رہے۔ حضورؓ کی بے پناہ مصروفیت کی کسی قدر تفصیل حضورؓ کے اپنے ہی الفاظ میں ملاحظہ ہو:۔

۱۔ "۱۷-۱۸ اکتوبر ۱۹۳۴ء سے لے کر آج تک سوائے چار پانچ راتوں کے مَیں کبھی ایک بجے سے پہلے نہیں سو سکا اور بعض اوقات دو تین چار بجے سوتا ہوں۔ بسا اوقات کام کرتے کرتے دماغ معطّل ہو جاتا ہے۔ مگر مَیں سمجھتا ہوں کہ جب اسلام کا باطل سے مقابلہ ہے تو میرا فرض ہے کہ اسی راہ میں جان دے دوں اور جس دن ہمارے دوستوں میں یہ بات پیدا ہو جائے وہی دن ہماری کامیابی کا ہوگا۔ کام جلدی جلدی کرنے کی عادت پیدا کرو۔ اُٹھو تو جلدی سے اُٹھو۔ چلو تو چستی سے چلو کوئی کام کرنا ہو تو جلدی جلدی کرو اور اس طرح جو وقت بچے اسے خدا کی راہ میں صَرف کرو۔ میرا تجربہ ہے کہ زیادہ تیزی سے کام کیا جا سکتا ہے مَیں نے ایک ایک دن میں سو سو صفحات لکھے ہیں اور اس میں گو بازو شل ہو گئے اور دماغ معطل ہو گیا۔ مگر مَیں نے کام کو ختم کر لیا۔ اور یہ تصنیف کا کام تھا جو سوچ کر کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے کام اس سے آسان ہوتے ہیں۔ اسی ہفتہ میں مَیں نے اندازہ کیا ہے کہ مَیں نے دو ہزار کے قریب رقعے اور خطوط پڑھے ہیں اور بہتوں پر جواب لکھے ہیں اور روزانہ تین چار گھنٹے ملاقاتوں اور مشوروں میں بھی صرف کرتا رہا ہوں۔ پھر کئی خطبات صحیح کئے ہیں۔ اور ایک کتاب کے بھی دو سو صفحات درست کئے ہیں بلکہ اس میں ایک کافی تعداد صفحات کی اپنے ہاتھ سے لکھی ہے۔" [۱]

۲۔ "میرا کام سپاہی کی حیثیت رکھتا ہے۔ میرا فرض یہی ہے کہ اپنے کام پر ناک کی سیدھ چلتا جاؤں۔ اور اسی میں جان دے دُوں۔ میرا یہ کام نہیں کہ عمر دیکھوں۔ میرا کام یہی ہے کہ مقصود کو سامنے رکھوں

---

[۱] "الفضل" ۱۲ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۸ کالم ۱+

اور اُسے پورا کرنے کی کوشش میں لگا رہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے مَیں اس یقین سے کھڑا ہوں کہ یہ مقصود ضرور حاصل ہوگا اور یہ کام پورا ہو کے رہے گا۔ یہ رات دن میرے سامنے رہتا ہے اور بسا اوقات میرے دل میں اتنا جوش پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہو تو مَیں دیوانہ ہو جاؤں۔ اس وقت ایک ہی چیز ہوتی ہے جو مجھے ڈھارس دیتی ہے اور وہ یہ کہ میری یہ سکیمیں سب خدا کے لئے ہیں اور میرا خدا مجھے ضائع نہیں کرے گا ورنہ کام کا اور فکر کا اس قدر بوجھ ہوتا ہے کہ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عقل کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جائے گا اور مَیں مجنون ہو جاؤں گا مگر اللہ تعالیٰ نفس پر قابو دیتا ہے۔ ظُلمت میں سے روشنی کی کرن نظر آنے لگتی ہے۔ اور چاروں طرف مایوسی ہی مایوسی کے معاملات کو اللہ تعالیٰ امید اور خوشی سے بدل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا میرے ساتھ یہ معاملہ شروع سے ہے۔" [1]

۳۔ "یہ زمانہ ہمارے لئے نہایت نازک ہے۔ مجھ پر بیسیوں راتیں ایسی آتی ہیں کہ لیٹے لیٹے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنون ہونے لگا ہے اور مَیں اُٹھ کر ٹہلنے لگ جاتا ہوں۔ غرض یہی نہیں کہ واقعات نہایت خطرناک پیش آ رہے ہیں۔ بلکہ بعض باتیں ایسی ہیں جو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ مجھے حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کا قول یاد آتا ہے۔ کسی نے ان سے کہا خالد کو آپ نے کیوں معزول کر دیا۔ آپ نے فرمایا تم اس کی وجہ پوچھتے ہو۔ اگر میرے دامن کو بھی پتہ لگ جائے کہ مَیں نے اُسے کیوں ہٹایا تو مَیں دامن کو پھاڑ دُوں۔ تو سلسلہ کے خلاف ایسے سامان پیدا ہو رہے ہیں کہ جو میری ذات کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور جو کچھ مَیں بتاتا ہوں وہ بھی بہت بڑا ہے اور اس سے بھی نیند حرام ہو جاتی ہے اور مَیں اپنے ساتھ کام کرنے والوں کی نیند حرام کر دیا کرتا ہوں . . . شریعت کہتی ہے کہ اپنے جسم کا بھی خیال رکھو مگر پھر بھی مصروفیت ایسی ہے کہ جسمانی تکلیف کی کوئی پروا نہیں کی جا سکتی" [2]

پھر فرمایا:۔

"بعض لوگوں کو مَیں نے دیکھا ہے کہ تکلیف سے گھبرا جاتے ہیں یا کہیں زیادہ تنخواہ کی امید ہو تو چلے جاتے ہیں۔ بعض کام سے جی چُراتے ہیں۔ بعض کام کے عادی نہیں ہوتے حالانکہ وقف کے معنٰی یہ ہیں کہ سمجھ لیا جائے اب اسی کام میں موت ہوگی نہ دن کو آرام ہو نہ

---

[1] "الفضل" ۱۲ر فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ کالم ۳ ۔ [2] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۶ء صفحہ ۹۰ - ۹۱ ۔

رات کو نیند آئے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ حقیقی جوش سے کام کرنے والے کی نیند اکثر خراب ہوجایا کرتی ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ کئی دفعہ چارپائی پر لیٹ کر کئی کئی گھنٹے فکر سے نیند نہیں آتی اور سلسلہ کے کاموں کے متعلق سوچنے اور فکر کرنے میں دماغ لگا رہتا ہے۔ پس کام کرنے والے کے لئے نیند بھی نہیں ہوتی۔ قرآن کریم نے جو کہا ہے کہ مومن سوتے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کے دین کی فکر میں ہی تھک کر سو جاتے ہیں۔ اس لئے نیند میں بھی اُن کا دماغ دین کے کام میں لگا رہتا ہے۔" [۱]

اسی تعلق میں یہ بھی فرمایا:۔

"یاد رکھو اس وقت ہم میدانِ جنگ میں ہیں اور میدانِ جنگ میں چلنا پھرنا برداشت نہیں کیا جاسکتا بلکہ دوڑنا چاہیئے۔ اس وقت ضرورت تھی اس بات کی کہ جماعت احمدیہ کے بچے بچے کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی جاتی کہ ہم اسلام کے لئے قربان ہونے والی بھیڑیں اور بکریاں ہیں اور ہم اس بات کے لئے تیار ہیں کہ ہماری گردنوں پر چھری چلا دی جائے۔ پھر انہیں رات اور دن یہ بتایا جاتا کہ مغرب کے مذبح پر اپنے آپ کو قربان نہیں کرنا بلکہ مغرب کو رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دروازہ پر لاکر ذبح کرنا ہے۔" [۲]

حضرت امیرالمومنینؓ اور حضور کے اہلبیت کا بےنظیر مالی جہاد

تحریک جدید کے ریکارڈ کے مطابق حضور نے اپنی جیب خاص سے ۱۹ سال میں ایک لاکھ اٹھارہ ہزار چھ سو چھیاسی (۱،۱۸،۶۸۶) روپے چندہ تحریک جدید میں عطا فرمائے۔ علاوہ ازیں اپنی ایک قیمتی زمین تحریک جدید کو مرحمت فرمائی جو تحریک جدید نے ایک لاکھ باون ہزار سات سو (۱،۵۲،۷۰۰) روپے میں فروخت کی۔ اس طرح حضورؓ کی طرف سے تحریک جدید کو کُل دو لاکھ اکہتر ہزار تین سو چھیاسی (۲،۷۱،۳۸۶) روپے آمد ہوئی۔ [۳]

حضورؓ کے اہلبیت نے بھی تحریک جدید میں سرگرم حصّہ لیا۔ جو حضور کے فیضِ تربیت اور روحانی توجہ کا نتیجہ تھا۔ [۴]

دیگر مطالبات میں مشعل راہ

حضرت امیرالمومنینؓ ذاتی طور پر کتنی سختی سے مطالبات تحریک جدید پر کاربند رہے، حضرت سیّدہ مہر آپا صاحبہ (حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ) کے درج ذیل

---

[۱] "الفضل" ۳ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۰ ۔ [۲] "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۳۶ء صفحہ ۲۳-۲۴ ۔ [۳] "تحریک جدید کے پانچہزاری مجاہدین" صفحہ ۵۶ (مرتبہ چوہدری برکت علی خاں صاحبؓ شائع کردہ تحریک جدید انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ جون ۱۹۵۹ء)

[۴] "ایضاً"

بیان سے بخوبی لگ سکتا ہے۔ آپ تحریر فرماتی ہیں:۔

"ڈلہوزی کا واقعہ ہے کہ آپ میز پر کھانا کھانے کے لئے تشریف لائے۔ تھوڑی دیر میں کیا دیکھتی ہوں کہ آپ خاموشی سے بغیر کھانا کھائے اپنے کمرے میں چلے گئے ہیں۔ مَیں کچھ نہ سمجھ سکی کہ آپ کی ناراضگی کی وجہ کیا ہے؟ سب حیران تھے کہ اب پھر تمام دن فاقہ سے رہیں گے اور کام کی اس قدر بھرمار ہے کہیں آپ کو ضُعف نہ ہو جائے۔ آخر میرے پوچھنے پر حضرت بڑی آپا جان (امی جان) نے بتایا کہ حضرت اقدسؓ نے اپنے کمرہ میں جا کر چِٹ بھجوائی ہے کہ مَیں نے تحریک جدید کے ماتحت روکا ہوا ہے کہ میز پر صرف ایک ڈِش ہوا کرے۔ آج مَیں نے ایک کی بجائے تین ڈش دیکھے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ مَیں کھانا ہرگز نہیں کھاؤں گا"[۱]

لباس کے بارے میں حضورؓ نے یہانتک کفایت شعاری کی کہ چار سال کے عرصہ میں قمیصوں کے لئے کپڑا نہیں خریدا۔ اور تحریک جدید کے آغاز سے پہلے کی قمیصیں ہی سنبھال سنبھال کر کام چلایا۔ بطور تحفہ کوئی کپڑا آگیا تو اس سے چند قمیصیں بنوا کر گزارہ کر لیا۔[۲]

اس سے بڑھ کر یہ کہ اب انداز فکر میں یہ تبدیلی واقع ہوگئی کہ یہ خیال دامنگیر رہنے لگا کہ خرچ کس طرح کم کریں۔ اسی طرح برف کا استعمال شروع میں ترک کر دیا اور گرمیوں کی شدّت کے باوجود سوڈے کی بوتل تک خرید کر پینا گوارا نہیں فرمایا۔[۳] علاوہ ازیں دوسروں سے آنے والے تحائف کی نسبت بھی آپ نے ہدایت دے دی کہ وہ غریبوں کو بھجوا دیئے جایا کریں۔ چنانچہ انہیں دنوں خود ہی بتایا:۔

"ہمارے گھر میں لوگ تحائف وغیرہ بھیج دیتے ہیں اور مَیں نے ہدایا کو استعمال کرنے کی اجازت دے رکھی ہے مگر جب وہ میرے سامنے لائے جاتے ہیں تو مَیں کہتا ہوں کہ ایک سے زیادہ چیزیں کیوں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کسی نے تحفۃً بھیج دیا تھا۔ تو مَیں کہتا ہوں کہ ہمارے تعلقات تو ساری جماعت سے ہیں اس لئے ہمارے ہاں تو ایسی چیزیں روز ہی آتی رہیں گی۔ اس لئے جب ایسی چیزیں

---

[۱] "الفضل" ۲۶ مارچ ۱۹۶۶ء صفحہ ب کالم ۲-۳ + حضرت سیدہ مہر آپا صاحبہ کا مزید کہنا ہے کہ "ہم لوگ اس تحریک کے بعد ایک ہی ڈش دسترخوان پر رکھا کرتے تھے۔ لیکن بعض اوقات وہ ڈش جب پسند نہ ہوتا کبھی نمک مرچ میں یا پکنے میں کمی بیشی رہ جاتی تو ہم لوگ صرف اس خیال سے احتیاطاً ایک کی بجائے دو ڈش حضرت اقدسؓ کے لئے کر لیتے کہ اگر ایک چیز ناپسند ہوئی تو دوسری سامنے رکھ دیں گے۔ مقصد یہ تھا کہ حضور کچھ نہ کچھ کھا لیں۔"

[۲] "الفضل" ۲ دسمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۶ + [۳] "الفضل" ۱۲ جون ۱۹۳۹ء صفحہ ۹ کالم ۲ +

آئیں تو کسی غریب بھائی کے ہاں بھیجدیا کرو۔ ضروری تو نہیں کہ سب تم ہی کھاؤ۔ اس سے غرباء سے محبت کے تعلقات بھی پیدا ہو جائیں گے۔ اور ذہنوں میں ایک دوسرے سے اُنس ہوگا "[1]

پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے سب بچوں کو مستقل طور پر وقف فرما دیا اور اپنی جیب سے اُن کے تعلیمی اخراجات ادا فرمائے اور اس کے بعد اُن کو سلسلہ احمدیہ کے سپرد فرما دیا۔ چنانچہ حضور نے ایک بار فرمایا کہ:

"مَیں نے اپنا ہر ایک بچہ خدا تعالیٰ کے دین کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ میاں ناصر احمد وقف ہیں اور دین کا کام کر رہے ہیں۔ چھوٹا بھی وقف ہے اور مَیں سوچ رہا ہوں کہ اسے کس طرح دین کے کام پر لگایا جائے۔ اس سے چھوٹا ڈاکٹر ہے۔ وہ امتحان پاس کر چکا ہے اور اب ٹریننگ حاصل کر رہا ہے تا سلسلہ کی خدمت کر سکے۔ اس عرصہ میں دوسرے دونوں سلسلہ کے کام پر لگ چکے ہیں الحمدللہ باقی چھوٹے پڑھ رہے ہیں اور وہ سب بھی دین کے لئے پڑھ رہے ہیں۔ میرے تیرہ لڑکے ہیں اور تیرہ کے تیرہ دین کے لئے وقف ہیں"[2]

ہاتھ سے کام کرنے کا عملی نمونہ پیش کرنے کے لئے حضورؓ نے "**وقارِ عمل**" کا نہایت پیارا طریق جاری فرمایا۔ اور اپنے ہاتھ سے مٹی کی ٹوکری اُٹھا کر ایک عظیم الشان اُسوہ پیش کیا۔

حضورؓ فرماتے ہیں کہ:۔

"جب پہلے دن مَیں نے کہی پکڑی اور مٹی کی ٹوکری اُٹھائی تو کئی مخلصین ایسے تھے جو کانپ رہے تھے اور وہ دوڑے دوڑے آتے اور کہتے حضور تکلیف نہ کریں ہم کام کرتے ہیں اور میرے ہاتھ سے کہی اور ٹوکری لینے کی کوشش کرتے۔ لیکن جب چند دن مَیں نے اُن کے ساتھ مل کر کام کیا تو پھر وہ عادی ہو گئے اور وہ سمجھنے لگے کہ یہ ایک مشترکہ کام ہے جو ہم بھی کر رہے ہیں اور یہ بھی کر رہے ہیں"[3]

الغرض جماعت احمدیہ کے مقدس امام و قائد کی حیثیت سے حضور نے تحریک جدید کے احکام اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل طور پر نافذ کر دکھائے جو سلسلہ احمدیہ کے لئے ہمیشہ مشعلِ راہ کا کام دیں گے۔

[1] "الفضل" ۷ جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۹ کالم ۱۔ [2] "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۴۴ء صفحہ ۷۵۔ مشاورت ۱۹۵۴ء میں حضور نے مزید فرمایا "آخر میرے تیرہ بیٹوں نے زندگیاں وقف کی ہیں یا نہیں۔ . . . . . وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے وقف چھوڑا تو مَیں نے ان کی شکل نہیں دیکھنی۔ میرے ساتھ اُن کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔" (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۴ء صفحہ ۷۴)

[3] "رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۴۷۔

فصل پنجم

دفتر تحریکِ جدید کا قیام اور اُس کا ابتدائی ڈھانچہ

تحریک جدید جیسی عظیم الشان اور عالمی تحریک کے دفتر کا آغاز نہایت مختصر صورت اور بظاہر معمولی حالت میں ہوا۔ شروع میں اس کے لئے کوئی مستقل عمارت نہیں تھی۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی منظوری سے دفتر پرائیویٹ سکرٹری قادیان کا ایک کمرہ مخصوص کر دیا گیا تھا۔

پہلے واقف زندگی کارکُن

تحریک جدید کے سب سے پہلے واقف زندگی کارکن مرزا محمد یعقوب صاحب[1] تھے جن کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض نے نومبر ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید کے مختلف مطالبات پر لبیک کہنے والوں اور وقف زندگی کرنے والوں کی فہرستیں تیار کرنے کا کام سپرد فرما دیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض نے ان کی نسبت اپنے قلم سے تحریر فرمایا "وہ سب سے پُرانے کارکُن ہیں"۔[2]

۲۷ جنوری ۱۹۳۵ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض نے شیخ یوسف علی صاحب (پرائیویٹ سیکرٹری) کو منظور شدہ واقفین کی نسبت ارشاد فرمایا:-

"وقف کنندگان سے کہیں کہ وقف کے صحیح معنوں کے مطابق انہیں دفتروں میں آجکل کام کرنا چاہیئے کہ آجکل کام بڑھا ہوا ہے۔ مرزا محمد یعقوب صاحب تو پہلے ہی کام کرتے ہیں۔ دوسروں کو بھی چاہیئے"

چونکہ تحریک جدید کے اعلان نے جماعت میں زبردست بیداری پیدا کر دی تھی اور عام جوش و خروش کی وجہ سے بیرونی ڈاک میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا اس لئے واقفین زندگی کے ہاتھ بٹانے کے باوجود دفتر پرائیویٹ

---

[1] (ولادت ۱۹۰۲ء) آپ نے نومبر ۱۹۳۴ء کو اپنے والد مرزا محمد اشرف صاحب (محاسب صدر انجمن احمدیہ) کے توسط سے وقف زندگی کی درخواست پیش کی جو حضور نے قبول فرمالی۔ ۱۱ نومبر ۱۹۳۴ء سے آپ نے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں کام شروع کیا اور ۲۰ نومبر ۱۹۳۴ء سے آپ تحریک جدید کے باقاعدہ کارکن قرار پائے۔

[2] حضور رض نے یہ الفاظ حافظ عبدالسلام صاحب (حال وکیل المال ثانی) کے ایک مکتوب محررہ ۲۲ جولائی ۱۹۵۲ء پر رقم فرمائے۔ اصل خط وکالت دیوان کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

سیکرٹری کے عملہ کو رات کے وقت بھی مسلسل کام کرنا پڑتا تھا چنانچہ شیخ یوسف علی صاحب اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ "یہ سارا کام دفتر میں ہی تھا جس کے سبب کام پہلے سے دُگنا ہوگیا۔ باوجود بعض واقفین سے کام لینے کے دفتر کے کارکنان کو علاوہ دفتر ٹائم کے راتوں کو بیٹھ کر کام کرنا پڑا۔ اور ڈاک کی بروقت تعمیل میں پوری کوشش کی"[1]

فنانشل سیکرٹری کا تقرر

جہانتک تحریک جدید کے مالی مطالبات سے متعلق کام کا تعلق تھا یہ خدمت سیدنا حضرت امیر المومنین رضؓ نے ۱۴ نومبر ۱۹۳۴ء (۲۲) سے چودھری برکت علی خاں صاحب کو سپرد فرمائی اور ان کو فنانشل سکرٹری مقرر کیا چودھری برکت علی صاحب اس عہدہ پر قریباً ربع صدی تک فائز رہے۔ اور یکم اپریل ۱۹۵۸ء کو ریٹائر ہوئے۔ بعد میں یہ عہدہ "وکیل المال" کے نام سے موسوم ہوا۔

اپنے زمانہ عمل میں حضرت چودھری صاحبؓ نے اتنی محنت، اخلاص اور فرض شناسی سے کام کیا کہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا:۔

"چودھری برکت علی صاحب کو مہینوں رات کے ۱۲ بجے تک تحریک جدید کا کام کرنا پڑا۔ اسی طرح تحریک جدید کے دفتر کے کام کرنے کا وقت ۱۲ گھنٹے مقرر ہے۔ اس سے زیادہ ہو جائے تو ہو جائے کم نہیں کیونکہ یہ اقل مقدار ہے"[3]

پھر فرمایا:۔

"چودھری برکت علی صاحب .... ان چند اشخاص میں سے ہیں جو محنت، کوشش اور اخلاص سے کام کرنے والے ہیں اور جن کے سپرد کوئی کام کر کے پھر انہیں یاد دہانی کی ضرورت نہیں ہوتی"

نیز ارشاد فرمایا:۔

"جہاں تک روپیہ جمع کرنے کا سوال ہے۔ میں چوہدری برکت علی خاں صاحب کے کام پر بہت ہی خوش ہوں۔ انہوں نے تحریک جدید میں حیرت انگیز طور پر روپیہ جمع کرنے کا کام کیا ہے"[5]

---

[1] رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۴ء لغایت ۳۰ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۰۲۔

[2] اصحاب احمد جلد ہفتم صفحہ ۲۳۲ مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے ناشر احمدیہ بکڈپو ربوہ ضلع جھنگ پاکستان طبع اول اگست ۱۹۶۰ء

[3] اس سلسلہ میں ناظر صاحب بیت المال کی طرف سے "الفضل" ۱۶ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۲ پر حسب ذیل اعلان شائع ہوا:۔ "حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حال کے خطبات میں جو مالی مطالبات مختلف رنگوں میں احباب جماعت سے کئے گئے ہیں۔ ان کے متعلق تحریک اور خط و کتابت اور حساب کتاب رکھنے کا کام چوہدری برکت علی خاں صاحب سرانجام دیں گے جو آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ ہیں"

[4] "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۳۵ء صفحہ ۹۰-۹۱۔ [5] "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۴۵ء صفحہ ۹۵-۹۶۔

غرضکہ تحریک جدید کی تاریخ میں چودھری صاحب موصوف کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

دفتر فنانشل سیکرٹری کے ابتدائی متفرق کوائف

چودھری برکت علی صاحبؒ کا بیان ہے کہ :-

"۲۳ نومبر ۱۹۳۴ء کو حضور نے ایک خطبہ کے ذریعے تحریک جدید کا آغاز فرمایا اور اس کے دوسرے دن صبح ہی حضور لاہور تشریف لیجا رہے تھے۔ احمدیہ چوک حضور کے انتظار میں کھچا کھچ احباب کرام سے بھرا ہوا تھا کہ حضور مسجد مبارک کی چھوٹی سیڑھیوں سے جو دفتر محاسب کے قریب کھلتی ہیں تشریف لائے۔ خاکسار دفتر محاسب کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ خاکسار نے السلام علیکم عرض کر کے مصافحہ کیا تو حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ آپ تحریک کا کام شروع کر دیں اور ایک ہزار احباب کے پتے نکالیں۔ خاکسار نے دل میں آمنّا وصدّقنا کہا۔ حضور لاہور سے جمعرات کے دن واپس تشریف لائے تو خاکسار نے ایک ہزار کی فہرست پیش کر دی۔ . . . ."

"اس تحریک کے وعدوں کے خطوط آ رہے تھے۔ حضور نے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کو حکم دیا کہ وہ ان کا حساب بنا کر پیش کریں۔ مگر دفتر جو حساب پیش کرتا وہ حضور کے اپنے ذہنی حساب سے نہ ملتا۔ اس پر ایک جمعرات کی نماز مغرب کے بعد خاکسار کو فرمایا کہ آپ وعدوں کے تمام خطوط دفتر سے لے کر اُن کا حساب بنا کر کل دس بجے قبل جمعہ پیش کریں۔ مَیں اس بارہ میں اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ مَیں اسی وقت دفتر پہنچا۔ دیکھا تو میز پر خطوط پڑے تھے۔ دفتر والوں نے کہا یہی سارے خط ہیں آپ لے لیں۔ مَیں نے گنے تو پانصد خطوط تھے۔ مَیں اسی وقت پہلے محلہ دار السعۃ گیا۔ وہاں مَیں نے خواجہ معین الدین صاحب اور قاری محمد امین صاحب کو ڈیڑھ ڈیڑھ سو خطوط دے کر کہا کہ آج ساری رات کام کرنا تا صبح ہی حساب مل جائے۔ انہوں نے خوشی سے کہا کہ جب تک ہم یہ کام پورا نہ کر لیں آرام نہ کریں گے اور دو سو خط مَیں نے اپنے واسطے رکھے صبح جب مَیں اُن کے پاس پہنچا تو دونوں نے حساب تیار کر لیا ہوا تھا۔ مجھے دے دیا۔ . . . مَیں نے یکجائی حساب بنایا تو ساڑھے سولہ ہزار کے وعدے ہوئے۔ مَیں ۹½ بجے محلہ دار الفضل سے اپنے گھر سے شہر کو آ رہا تھا۔ خان میر خان صاحبؓ حضور کے باڈی گارڈ ملے۔ انہوں نے کہا کہ حضور آپ کو یاد فرماتے ہیں۔ مَیں نے پیش ہو کر عرض کیا کہ حضور ساڑھے سولہ ہزار وعدوں کی میزان ہے۔ حضور نے فرمایا درست معلوم ہوتی ہے۔ میرے ذہنی حساب سے ملتی ہے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ حضور نے مطالبہ ساڑھے سترہ ہزار کا فرمایا تھا۔ کل اور آج کی

ڈاک حضور کے پاس ہے اس میں ایک ہزار سے اُوپر کے ہی وعدے ہوں گے۔ اس لئے ساڑھے سترہ ہزار کا اعلان فرمائیں۔ فرمایا مَیں نے جو حساب ابھی دیکھا نہیں اس کا اعلان کس طرح کرسکتا ہوں۔ مَیں نے جو دیکھ لیا ہے اس کا ہی اعلان کیا جا سکتا ہے۔ جو دیکھا نہیں اس کا اعلان نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حضور نے خطبہ میں ½۱۶ ہزار کا ہی ذکر فرمایا۔"

"اللہ تعالیٰ کا خاکسار پر کتنا بڑا فضل و احسان ہوا کہ مجھے ایک ساتھ چار کام کرنے کا موقعہ عطا فرمایا۔ کشمیر فنڈ اور دار الانوار کے کام کے لئے مجھے دو مددگار بھی مل گئے تھے۔ لیکن آڈیٹر اور تحریک جدید کا کام خاکسار اکیلا ہی کر رہا تھا۔ حضور کی خدمت میں روزانہ رپورٹ پیش کرنے کے لئے حسابات بنانے اور خطوط کی منظوری کی روزانہ اطلاع دینے اور تحریک جدید کی رپورٹ پیش کرنے کے بعد مزید تکمیل کے لئے دفتر کی پابندی کا سوال ہی نہ رہا اور نہ ہی مَیں نے ۱۹۰۴ء سے ۱۹۰۸ء اور پھر ۱۹۰۹ء سے اب تک اس کا خیال کیا کہ دفتر کا وقت ختم ہوگیا چلو گھر چلیں۔ بلکہ یہ بات گھٹی میں پڑی ہوئی تھی کہ جب تک روزانہ کا کام ختم نہ ہو دفتر بند نہ ہو۔ اگر ضرورت پڑے تو گھر لے جا کر روزانہ کام ختم کرو۔ پس مَیں نے دفتر کے وقت کا خیال نہیں رکھا بلکہ روزانہ کام ختم کرنا اصول بنایا . . . ."

"اتفاق کی بات ہے کہ تحریک جدید کا دفتر حضور کے قصرِ خلافت میں تھا۔ خاکسار تو رات کے دس بجے یا کبھی بارہ بجے تک کام کرتا مگر حضور ایک دو بجے تک عموماً اور بعض دفعہ ساری رات بھی کام کرتے اور نماز فجر پڑھانے کے لئے تشریف لے جاتے۔ جب خاکسار کا آقا ساری ساری رات کام کرتا تھا تو میرے لئے کیا عذر تھا کہ زیادہ وقت لگا کر کام پورا نہ کروں۔"

"حضور ایدہ اللہ تعالیٰ جہاں وعدوں کے ہر خط پر رقم اور جزاکم اللہ احسن الجزاء اپنی قلم سے ارقام فرماتے وہاں اس کے متعلق اَور بھی کوئی بات ہوتی تو اُسے بھی خاکسار کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے لکھ دیتے تا خاکسار صحیح طریق اختیار کرسکے۔ اسی طرح عام ڈاک میں بھی ہر خط پر حضور کا نوٹ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کی ہدایت کے لئے ہوتا۔ تحریک جدید کے خطوط کے نوٹ تو میں نے نہایت احتیاط سے محفوظ رکھے تھے کیونکہ خاکسار نے پانچویں سال میں ہی ارادہ کرلیا تھا کہ حضور کے ارشادات کسی نہ کسی طرح ضرور شائع کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ مگر ؏

مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ

وہ تمام ذخیرہ پاکستان آتے وقت ساتھ نہ لا سکا سوائے تحریک جدید کے رجسٹروں کے" ۱؎

پھر لکھتے ہیں :-

" مجھے خوب یاد ہے کہ پہلے سال کے وعدوں کی آخری میعاد پندرہ جنوری ۱۹۳۵ء یعنی کل ڈیڑھ ماہ اور وعدوں کے خطوط ۲۳ جنوری تک آتے جن کی میزان ایک لاکھ دس ہزار ہوئی جو تحریک کے مطالبہ ۲۷ ہزار سے چار گنا تھی۔ یہ جماعت کے اخلاص اور حضور کی دعاؤں کا نتیجہ تھا۔ خاکسار جو روزانہ تفصیلی رپورٹ دیتا تھا، ۲۳ جنوری کے بعد اُسے خاکسار نے بند کر دیا اور یہ خیال کیا کہ اب صدر انجمن احمدیہ کے قواعد کے مطابق ہفتہ وار رپورٹ پیش کیا کروں گا۔ تین دن متواتر رپورٹ نہ ملنے پر حضور نے خاکسار کو بلا کر پوچھا کہ رپورٹ تین دن سے کیوں نہیں دی۔ خاکسار نے عرض کیا کہ اب وعدے آ چکے ہیں خاکسار آئندہ بہ طریق صدر انجمن احمدیہ ہفتہ وار رپورٹ پیشِ حضور کرے گا۔ اس پر فرمایا میرے ساتھ کام کرنے والے کو روزانہ رپورٹ مجھے پہنچا کر دفتر بند کرنا ہو گا۔

پس اُس دن سے آج کا دن ہے کہ خاکسار بلا ناغہ تفصیلی رپورٹ روزانہ بہ توفیقِ الٰہی حضور اقدس کی خدمت میں پیش کرتا رہا ہے فالحمد للہ" ۲؎

نیز تحریر کرتے ہیں کہ :-

"جنوری ۱۹۳۵ء کا ذکر ہے کہ تحریک جدید کے بارے میں ایک دوست کو مَیں نے خط لکھا۔ ایک لفظ مجھ سے نادانستہ ایسا لکھا گیا جس سے اس دوست نے میرے لہجہ کو حاکمانہ سمجھ کر حضور کی خدمت میں میری شکایت کی۔ اس وقت تحریک کی ساری خط و کتابت حضور کی خدمت میں آتی تھی۔ حضور نے خاکسار کو بُلا کر پوچھا کہ کیا آپ نے کسی کو یہ لفظ لکھا تھا۔ مَیں نے معاً عرض کیا کہ حضور! لکھا تھا۔ اس پر حضور نے جو کچھ فرمایا اُس کا مفہوم یہ تھا کہ :-

> یہ تو حاکمانہ طریق ہے میرے ساتھ جس نے کام کرنا ہے اسے اسلامی شعار اختیار کرنا ہو گا کیونکہ میرا کام اسلام کا استحکام اور اس کا مضبوط کرنا ہے۔

پس اس دن سے مَیں نے حضور کے ارشادات کی روشنی میں تعمیل کرنا اپنا طریق بنایا۔" ۳؎

۱؎ "اصحاب احمد" جلد ہفتم طبع اوّل صفحہ ۲۳۲ تا صفحہ ۲۳۶ (مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے) ناشر احمدیہ بکڈپو ربوہ طبع اوّل اگست ۱۹۶۳ء۔
۲؎ " " " صفحہ ۲۳۵ (" " ") " "
۳؎ " " " صفحہ ۲۳۴-۲۳۵ (" " ") " "

اسی طرح وہ بیان کرتے ہیں کہ

"مَیں تین ماہ سے اکیلا ہی کام کر رہا تھا کہ ایک دن حضور نے فرمایا . . . . مَیں نے دیکھا ہے کہ آپ اکیلے ہی کام کرتے ہیں۔ آپ ایک کلرک رکھ لیں اُسے تنخواہ مَیں تحریک جدید سے دوں گا۔ چنانچہ مَیں نے پٹیالہ کے ایک پوسٹل کلرک کو رکھ لیا وہ بڑے محنتی اور شوق سے کام کرنے والے تھے۔ میرے ساتھ بڑی رات تک کام کرتے تھے اور وہاں جا کر بیمار ہو کر وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون . . . . اس کے بعد میں نے چوہدری عبدالرحیم صاحب چیمہ[1] کو پندرہ روپے ماہوار پر رکھا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے حافظہ ایسا عطا فرمایا ہے کہ وہ تحریک جدید کا دفتری کام اکثر یادداشت سے کرتے۔ بسا اوقات دوست دفتر میں آکر چوہدری صاحب سے اپنا حساب وعدہ و وصولی دریافت کرتے تو آپ زبانی ہی بتا دیتے اور اگر بعض اصرار کرتے کہ ریکارڈ دیکھ کر بتاؤ تو اُن کو رجسٹر سے حساب دکھا کر مطمئن کر دیتے۔ بات یہ ہے کہ چوہدری صاحب نے اپنے ہاتھ سے سارا ریکارڈ رکھا ہوتا تھا اور پھر آمدہ خطوط کے وعدوں کی منظوری دی ہوتی تھی۔ اور وہ کام کو نہایت سرگرمی اور تندہی سے پُورا کرتے۔ دفتر بند نہ ہوتا جب تک کام ختم نہ کر لیتے۔ اگر کام زائد ہوا تو گھر لے جا کر پُورا کرتے۔"[2]

صیغہ امانت جائیداد

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ تحریک جدید کے مطالبہ ۲ کے مطابق جو رقوم باہر سے آتی تھیں ان کا حساب اور خرچ کا انتظام "صیغہ امانت جائیداد" کا فرض تھا۔

اس صیغہ کے سکرٹری حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور انچارج دفتر حضرت مولوی فخرالدین صاحب آف گھوگھیاٹ تھے۔

تحریک جدید کا پہلا بجٹ (خرچ)

تحریک جدید کا پہلا بجٹ ۶/۲/۶۱۷۸۲ روپے کا تھا جس کی تفصیل صدر انجمن احمدیہ قادیان کے ریزولیوشن ۱۷۸ مؤرخہ ۸ مئی ۱۹۳۵ء میں ملتی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"رپورٹ ناظر اعلیٰ کہ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے تحریک جدید کا بجٹ ارسال فرمایا ہے جو کہ مبلغ ۶/۲/۶۱۷۸۲ روپیہ کا ہے۔ حضور کا ارشاد حسب ذیل ہے:۔

"تحریک جدید کا بجٹ ارسال ہے۔ اسے صدر انجمن احمدیہ کے بجٹ کے ساتھ شامل کر لیں۔ اس کے

---

[1] تحریک جدید میں تقرری ۶ مئی ۱۹۳۵ء

[2] "اصحاب احمد" جلد ہفتم صفحہ ۲۲۵ - ۲۲۶

مطابق رقم اس مد سے خزانہ صدر انجمن میں داخل ہوتی رہے گی۔ یہ بجٹ یکم مئی ۱۹۳۵ء سے ۳۰ اپریل ۱۹۳۶ء تک کا ہے۔ اس کے بلوں کے پاس ہونے کا یہ طریق مقرر کیا جائے کہ بلوں پر انچارج تحریک جدید کے دستخط ہوں۔ لیکن جیسے کہ زکوٰۃ کے بلوں کا قاعدہ ہے میرے تصدیقی دستخطوں کے ساتھ بل کو مکمل سمجھا جائے۔[1]"

مستقل دفتر کا قیام اور اس کے پہلے انچارج

تحریک جدید کے دفتر کا مستقل صورت میں قیام آخر جنوری ۱۹۳۵ء میں ہوا جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور بوتالوی[2] کو انچارج تحریک جدید مقرر فرمایا اور قصر خلافت قادیان کے ایک کمرہ میں جو چوبی سیڑھیوں سے ملحق تھا دفتر تحریک جدید قائم کیا گیا جو کئی سال تک دفتر پرائیویٹ سکرٹری کے اس کمرہ ہی میں رہا۔ بعد ازاں جب کام وسعت اختیار کر گیا تو حضرت سید ناصر شاہ صاحبؓ کے ایک حصہ مکان میں بیرونی مشنوں اور تجارتی شعبہ کا دفتر کھول دیا گیا۔ مگر جب یہ جگہ بھی ناکافی ثابت ہوئی تو حضرت شاہ صاحبؓ کے مکان سے متصل زمین میں تحریک جدید کی اپنی مستقل عمارت تعمیر کی گئی جہاں ۱۹۴۷ء تک تحریک جدید کے مختلف شعبے مصروف عمل رہے۔

جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۶ء تک تحریک جدید کے انچارج رہے۔ "مولوی صاحب موصوف نے گیارہ بارہ سال سوائے وکالت مال کے کام کے سارا کام اکیلے کیا۔ وہ ابتدائی تنظیم کی حالت تھی کام میں توسع نہ تھا لیکن ذمہ داری کا کام تھا۔ اور مولوی صاحب نے اپنی استطاعت کے مطابق اچھا نبھایا۔" جیسا کہ مجلس تحریک جدید نے ۱۲ مارچ ۱۹۵۱ء کو اپنی ایک مخصوص قرارداد (۲۶/ب) میں آپ کی خدمات کا اقرار کیا۔[4]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زریں ہدایات

جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور کا بیان ہے:-

"جب جنوری ۱۹۳۵ء میں حضورؓ نے مجھے انچارج تحریک جدید مقرر فرمایا تو حضور نے اپنے ساتھ کام کرنے کے ضمن میں بعض نہایت قیمتی ارشادات خود فرمائے جو میرے لئے اس سارے عرصہ میں مشعل راہ رہے۔ . . .

---

[1] ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ریزولیوشن ۱۷۱ مورخہ ۸ مئی ۱۹۳۵ء۔ [2] ابن حضرت مولوی عبداللہ صاحب بوتالویؓ ولادت ۱۳ مئی ۱۹۰۸ء۔ [3] "الحکم" جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۵۸۔

[4] اس عبارت کے بعد جو اوپر متن میں واوین کے درمیان درج کی گئی ہے یہ الفاظ بھی تھے کہ "تحریک جدید مولوی صاحب کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور بطور اظہار تشکر ان کے لئے -/۷۵ روپے ماہوار پنشن تاعمر مقرر کرتی ہے اور اس امر کا اظہار کرنا چاہتی ہے کہ تحریک جدید اور اس کے نام سے تعلق رکھنے والے تمام افراد ان کی خدمات کا اقرار کرتے ہیں۔"

۱۔ جب حضور کسی امر کے متعلق ہدایات دے رہے ہوں تو حضور کے کلام کو قطع نہ کیا جائے۔ بلکہ جب ساری بات ختم ہو جائے تو پھر اگر کسی امر کی تشریح کی ضرورت محسوس ہو تو صرف اس صورت میں کوئی بات دریافت کی جائے۔

۲۔ اگر میں چل رہا ہوں تو مجھ سے بات کرنے کی غرض سے میرے چلنے میں رکاوٹ نہ پیدا کی جائے۔ کہ میرا راستہ روکا جاوے بلکہ ساتھ چلتے چلتے اپنی بات کی جائے۔

۳۔ ملاقات کے لئے جس قدر وقت لیا جائے اس وقت میں کام کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔ اگر مزید وقت کی ضرورت ہو تو یا تو اس وقت خاص اجازت لی جائے یا باقی کام کسی دوسرے وقت میں اجازت لے کر کیا جائے۔

۴۔ جس کام کے متعلق میں کہہ دوں کہ پھر پیش ہو تو اس کو جلدی ہی موقعہ حاصل کر کے پیش کر دیا جائے نہ یہ کہ دوبارہ پیش کرنے کے لئے ہفتے یا مہینے لگا دیئے جائیں۔

۵۔ اگر میں کسی کام کے متعلق کوئی ہدایت دوں کہ یہ کام اس طور پر کیا جائے تو جو سمجھ میں آئے اس کے مطابق فوراً ہی اس کام کا خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ مجھے تسلی ہو کہ صحیح لائنوں پر یہ کام کیا جا رہا ہے یا کچھ غلط فہمی ہے۔ اور اگر کوئی غلط فہمی ہو تو اس کی فوراً اصلاح کر دی جائے۔

۶۔ اگر ملاقات کے لمبا ہو جانے کی وجہ سے نماز کا وقت آجائے تو فوراً مجھے یاد دلا دیا جائے کیونکہ بعد میں مجھے اس احساس سے بہت تکلیف ہوتی ہے کہ احباب کو مسجد میں نماز کے لئے اس وجہ سے انتظار کرنا پڑا۔" [1]

اخراجات کے بنیادی اصول

مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور کے بیان کے مطابق تحریک جدید کے ابتدائی عرصہ میں کئی سال تک یہی دستور رہا کہ کارکنان کسی کام کے سرانجام پا جانے کے بعد اس پر جس قدر اصل خرچ ہوتا اُسے پیش کرتے تھے تاکہ قربانی کا جذبہ اور سلسلہ کے لئے کم از کم خرچ کرنے کا جذبہ قائم رہے۔ [2]

تحریک جدید کے ابتدائی زمانہ میں حضور نے انور صاحب کو۔ ارشاد فرمایا کہ تم یہ فکر نہ کرو کہ روپیہ کہاں سے آئے گا روپیہ تو اللہ کے فضل سے جس قدر ضرورت ہو گی مہیا ہو جائے گا۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کو کس کس کام پر

---

[1] "الفرقان" "حضرت فضل عمر نمبر" دسمبر ۱۹۶۵ء و جنوری ۱۹۶۶ء صفحہ [illegible] - ۶۲

[2] ماہنامہ "خالد" اکتوبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۳۸

خرچ کرنے کی ضرورت ہے جو تجویز بہتر ہوا کرے اُسے پیش کر دیا کرو۔[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک بار خود ارشاد فرمایا کہ:۔

"تین چار سال سے ہم اس کوشش میں رہتے ہیں کہ بجٹ بڑھنے نہ دیں۔ لیکن اس کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ ہم بجٹ کو مستقل حدود تک لے آئیں اور پھر مستقل خرچ کم رہے اور ہنگامی اخراجات کے لئے زیادہ رقوم رکھی جائیں چنانچہ تحریک جدید کا اسی لئے مَیں نے الگ فنڈ رکھا ہے اور اس میں عارضی خرچ زیادہ لیکن مستقل خرچ کم رکھا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ کئی ممالک میں نئے مشن کھل گئے ہیں"[2]

واقفین تحریک جدید کی تین اقسام

ابتدا میں نظام تحریک جدید کے تحت تین قسم کے واقفین تھے۔

۱۔ دفتر تحریک جدید کے عملہ میں کام کرنے والے؛

۲۔ واقفین کا ایک حصہ مدرسین کہلاتا تھا جن میں بعض مرکز سلسلہ میں متعین کئے گئے اور بعض بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کے جہاد پر روانہ کئے گئے۔ اوّل الذکر مبلّغین اندرونِ ہند کے نام سے اور دوسرے مبلّغین بیرونِ ہند کے نام سے پکارے جاتے تھے؛

۳۔ سروے سکیم میں کام کرنے والے واقفین۔

اس کے بعد جُوں جُوں تحریکِ جدید کا نظام پھیلتا گیا واقفین کو مختلف شعبوں میں لگایا جانے لگا۔

بیرونی مشنوں کے سیکرٹری

جب بیرونی ممالک سے ان نوجوانوں کی، تحریک جدید کے ابتدائی مشنوں کے قیام پر رپورٹیں آنا شروع ہوئیں اور انگریزی میں خط و کتابت کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضورؓ نے مولوی نورالدین صاحب مُنیر کو سیکرٹری فارن مشنز تجویز فرمایا۔[3]

سیکرٹری تجارت و صنعت

اسی طرح تجارتی اور صنعتی رپورٹوں کی آمد پر حضرت اقدس کی ہدایت پر حضرت مولوی ذوالفقار علی خاں صاحبؓ گوہر سیکرٹری تجارت و صنعت مقرر ہوئے اور بیرونی ممالک سے مختلف اشیاء درآمد کی جانے لگیں۔[4]

---

[1] ماہنامہ "خالد" ربوہ جولائی ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۶-۱۷۔

[2] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۷ء صفحہ ۶۸۔

[3] ماہنامہ "تحریک جدید" ربوہ اگست ۱۹۶۵ء صفحہ ۷۔

[4] "ایضاً" صفحہ ۷-۸۔

فصل ششم

اندرونِ مُلک میں تحریک جدید کی ابتدائی سرگرمیاں

تحریک جدید کے ابتدائی سہ سالہ دَور میں اندرونِ مُلک متعدد عظیم الشان کام انجام پائے جن کا ذیل میں بالاختصار تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اہم ٹریکٹوں کی اشاعت

اس دَور میں تحریک جدید کی طرف سے سب سے پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے مندرجہ ذیل رقم فرمودہ ٹریکٹ بڑی کثرت سے شائع کئے گئے:۔

"ڈاکٹر سر محمد اقبال اور احمدیہ جماعت"۔ "زلزلہ کوئٹہ بانی سلسلہ احمدیہ کی سچائی کا نشان ہے[1]"۔ "مجلس احرار کا مباہلہ کے متعلق ناپسندیدہ رویہ"۔ "احرار خدا تعالیٰ کے خوف سے کام لیتے ہوئے مباھلہ کی شرائط طے کریں"۔ "زندہ خدا کے زندہ نشان"

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ٹریکٹوں کی اشاعت کا یہ سلسلہ جاری کرنے سے قبل اخبار "الفضل" میں حسب ذیل اہم اعلان شائع فرمایا:۔

"برادران! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مَیں اپنے ایک خطبہ میں اعلان کر چکا ہوں کہ چند اشتہارات موجودہ حالات کو مدّنظر رکھتے ہوئے عنقریب شائع کئے جائیں گے۔ احباب کو ان کی اشاعت خاص توجہ سے کرنی چاہیئے۔ پوسٹر عمدہ جگہوں پر لگانے چاہئیں اور چھوٹے اشتہار عقل اور سمجھ سے تقسیم کرنے چاہئیں۔ چونکہ جلد یہ سلسلہ شروع ہونے والا ہے میں پھر اس اعلان کے ذریعہ جماعتوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ فوراً مندرجہ ذیل امور کے متعلق انتظام کریں:۔

١۔ وہ جلد دفتر تحریک جدید میں اطلاع دیں کہ انہیں کس کس قدر پوسٹروں اور اشتہاروں کی ضرورت ہوا کرے گی۔

٢۔ اُن کی جماعت یا اگر فرد ہے تو وہ کس قدر رقم کے اشتہار قیمت پر منگوانا چاہتا ہے؟ اشتہار

[1] یہ ٹریکٹ اردو کے علاوہ بنگالی، سندھی، انگریزی، تامل اور ملیالم زبانوں میں بھی شائع کیا گیا تھا اور بیرونی ممالک میں بھی اس کی اشاعت کی گئی تھی (" الفضل" ٢٧ ستمبر ١٩٣٥ء صفحہ ٥ و " الفضل ٢٠ اکتوبر ١٩٣٥ء) ۔

صرف لاگت پر ملیں گے۔ کوئی نفع محکمہ ان سے نہیں لے گا) ہو سکتا ہے کہ اگر ضرورت زیادہ ہو اور جماعت پُورے خرچ کی متحمل نہ ہو سکے تو کچھ حصہ قیمت پر اور کچھ مُفت ارسال کیا جائے۔

۳۔ بنگال، سندھ اور صوبہ سرحد کی جماعتوں کو چاہیئے کہ بنگالی، سندھی اور پشتو میں ان اشتہاروں کے تراجم شائع کرنے کی کوشش کریں۔ اس میں ایک معقول حد تک دفتر تحریک جدید ان کی امداد کرے گا۔ مگر فیصلہ بذریعہ خط و کتابت ہونا چاہیئے۔

۴۔ ہر جماعت یا فرد ان اشتہاروں کے چسپاں کرنے اور تقسیم کرنے کا انتظام فوراً کر چھوڑے۔

۵۔ ہر جماعت یا فرد کو اس امر کا انتظام رکھنا چاہیئے کہ ہر اشتہار ایسے ہاتھ میں جائے جہاں اس کا فائدہ ہو اور اچھی جگہ پر پوسٹر چسپاں ہو۔ سارے پوسٹر ایک دن نہ لگائے جائیں کیونکہ بعض شریر دشمن انہیں پھاڑ دیتے ہیں بلکہ دو تین دن میں لگیں۔ تاکہ سب لوگ پڑھ سکیں۔

۶۔ اشتہاروں کی اشاعت کے بعد جماعت کے افراد ان کے اثر کا اندازہ لگاتے رہا کریں اور مرکز کو اس کی اطلاع دیتے رہا کریں تاکہ آئندہ اشتہاروں میں اس تجربہ سے فائدہ اُٹھایا جا سکے۔

۷۔ سب اطلاعات میرے نام یا سکرٹری دفتر تحریک جدید کے نام ہوں۔ والسلام

خاکسار میرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ)" [1]

جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور کا بیان ہے کہ حضور کی طرف سے ان اشتہارات کا مضمون جمعرات کے روز عصر کے بعد ملنا شروع ہوتا تھا جوں جوں حضور مضمون تحریر فرماتے دفتر تحریک جدید میں بھجوا دیتے اور ہدایت یہ تھی کہ ساتھ ہی ساتھ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی بھی اس کو دیکھ لیں اور پھر کاتب کو کتابت کے لئے دے دیا جائے۔ اس طرح رات کے بارہ ایک بجے تک کتابت ختم ہوتی۔

ایک کاپی اشتہار کی صورت میں لکھوائی جاتی اور دوسری کاپی پمفلٹ کے طور پر۔ ٹریکٹ راتوں رات چھاپ دیئے جاتے اور صبح کی پہلی گاڑی سے خاص آدمی کے ذریعہ سے نماز جمعہ سے قبل بٹالہ، امرتسر، لاہور اور لائلپور تک پہنچا دیئے جاتے تھے۔

ٹریکٹوں کی تقسیم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کی باقاعدہ ہدایات اور نگرانی کے ماتحت ہوتی تھی۔ چنانچہ حضور رض نے خود بتایا کہ:-

---

[1] "الفضل" قادیان دارالامان ۲۹ جون ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۔

"تحریک جدید کا کام چونکہ براہ راست میرے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس لئے میں اسی رنگ میں اس کے کام کی نگرانی کرتا ہوں اور جہاں نقص واقع ہو اپنی توجہ کا بیشتر حصہ اس کی طرف صرف کرکے اُسے دُور کرنے کی کوشش کیا کرتا ہوں مثلاً ہم نے ٹریکٹ بھجوانے ہوں تو جن جماعتوں میں ٹریکٹوں کی زیادہ ضرورت ہوگی وہاں زیادہ ٹریکٹ بھجوا دیئے جائیں گے اور جنہیں کم ضرورت ہوگی انہیں کم بھجوا دیئے جائیں گے۔ یہ نہیں ہوگا کہ سب کو یکساں بھجوا دیئے جائیں۔ اسی طرح اَور امور میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ کون کونسی جماعت کمزور ہے پھر جو جماعت کمزور ہو اس کی کمزوری کو دُور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔"[1]

کتابوں کی اشاعت

تحریک جدید کے پہلے سہ سالہ دَور میں اشتہارات کے علاوہ بعض کتابیں بھی شائع کی گئیں مثلاً ۱۹۳۶ء میں "مناظرہ مہت پور" اور ۱۹۳۷ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے چھ خطبات "اعمالِ صالحہ" کے نام سے چھاپے گئے۔

اشاعت احمدیت پریس کے ذریعہ سے

تحریک جدید کے ان ابتدائی ایام میں تبلیغ احمدیت کا کام دو[2] انگریزی، ایک اُردو اور ایک سندھی اخبار کے ذریعہ سے لیا جاتا تھا۔ انگریزی اخبار "سن رائز" اور "مسلم ٹائمز" تھے جن کا تذکرہ کرتے ہوئے حضور نے ایک بار فرمایا:-

"دو انگریزی اخبار ایک سن رائز لاہور سے اور ایک مسلم ٹائمز لنڈن سے شائع ہوتے ہیں۔ ان میں سے بالخصوص سن رائز کی ضرورت اور اہمیت کو بہت محسوس کیا جا رہا ہے۔ اور یہ پرچہ اگرچہ ہمیں قریباً مفت ہی دینا پڑتا ہے مگر فائدہ بہت ہے۔ امریکہ سے نومسلمین نے لکھا ہے کہ یہ اخبار بہت ضروری ہے اور اُسے پڑھ کر ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ بھی جماعت کا ایک حصہ ہیں۔ خصوصاً اس میں جو خطبہ جمعہ کا ترجمہ ہوتا ہے وہ ہمارے لئے ایمانی ترقیات کا موجب ہے۔ پہلے ہم یوں سمجھتے تھے کہ جماعت سے کٹے ہوئے الگ تھلگ ہیں مگر اب خطبہ پہنچ جاتا ہے اور ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم بھی گویا جماعت کا ایک حصہ ہیں۔"[3]

نئی درسگاہیں

تحریک جدید کے انتظام کے ماتحت واقفین کے ذریعہ سے ملک کے آٹھ مقامات پر دینی درسگاہیں قائم کر دی گئیں جن میں بچوں اور بوڑھوں کو مفت تعلیم دی جاتی تھی۔[4]

---

[1] "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۴۱ء صفحہ ۱۱۸ ٭ [2] "الفضل" ۲۹ اگست ۱۹۳۶ء صفحہ ۸ ٭
[3] "الفضل" ۱۱ دسمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۳ ٭ [4] " " " " ٭

مُلک کا تبلیغی سروے

جنوری ۱۹۳۵ء سے لے کر نومبر ۱۹۳۵ء تک صوبہ کے پانچ اضلاع کا مکمل تبلیغی سروے کیا گیا[۱] جو اپنی نوعیت کی جدید چیز تھی۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ہدایت پر قصبات اور دیہات کا جائزہ لینے کے لئے دو قسم کے فارم چھپوائے گئے۔ قصبات کے کوائف معلوم کرنے کی غرض سے زرد رنگ کا دو ورقہ اور عام دیہات کے لئے صرف یک ورقہ۔

یہ کام سائیکلوں کے ذریعہ سے کیا جاتا تھا۔ ابتداء میں چار سائیکل سوار بھجوائے گئے ایک کے پاس اپنی ذاتی سائیکل تھی۔ دو سائیکلیں ھدیۃً اور ایک سائیکل دفتر نے خرید کی تھی۔ ۱۱ر جنوری ۱۹۳۵ء کو حضور نے تحریک فرمائی کہ سولہ سائیکلوں کی فوری ضرورت ہے[۲]۔ اس پر جماعت نے اس کثرت سے سائیکلیں بھیجدیں کہ آئندہ سائیکل نہ بھجوانے کی ہدایت کرنا پڑی۔ اس معاملہ میں جماعت احمدیہ دہلی سب جماعتوں پر سبقت لے گئی۔[۳]

اس تبلیغی سروے کی نوعیت واہمیت کیا تھی؟ اس کی تفصیل حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی زبان مبارک سے سُنئے حضور فرماتے ہیں:۔

"مَیں نے مختلف اضلاع کی سروے کرائی ہیں۔ اور مَیں چاہتا ہوں جن اضلاع کی سروے کرائی گئی ہے ان میں جو لوہار ترکھان یا پیشہ ور احمدی بیکار ہیں انہیں پھیلا دُوں۔ تمام گاؤں کے نقشے ہمارے پاس موجود ہیں اور ہر مقام کی لسٹیں ہمارے پاس ہیں جن سے پتہ لگ سکتا ہے کہ ان گاؤں میں پیشہ وروں اور تاجروں کی کیا حالت ہے۔ اسی ذریعہ سے مَیں چاہتا ہوں کہ اپنی جماعت کے پیشہ ور بیکاروں کو ان علاقوں میں پھیلا دوں جہاں لوہار نہیں وہاں لوہار بھجوا دیئے جائیں جہاں معمار نہیں وہاں معمار بٹھا دیئے جائیں جہاں حکیم نہیں وہاں حکیم بھجوا دیئے جائیں۔ اس سکیم کے ماتحت اگر ہماری جماعت مختلف علاقوں میں پھیل جائے تو جہاں ہمارے بہت سے تبلیغی مرکز ان علاقوں میں قائم ہو سکتے ہیں۔ وہاں لوگ بھی مجبور ہوں گے کہ احمدیوں سے کام لیں۔ اس طرح اُن کی بیکاری بھی دُور ہو گی اور تبلیغی مرکز بھی قائم ہو جائیں گے۔ بلکہ لکھے پڑھے لوگ کئی گاؤں میں مدرسے بھی جاری کر سکتے ہیں چنانچہ ہمارے پاس ایسی بیسیوں لسٹیں موجود ہیں جہاں مدرسوں کی ضرورت ہے یا حکیموں کی ضرورت ہے یا کمپونڈروں کی ضرورت ہے مگر انہیں مدرس حکیم اور کمپونڈر نہیں ملتے۔ اسی طرح ہندوستان سے باہر بھی ہم بعض پیشہ وروں کو بھیجنا چاہتے ہیں جہاں

---

[۱] "الفضل" ۲۰ر نومبر ۱۹۳۵ء۔ اس عرصہ میں چھٹے ضلع کی ایک تحصیل کے ساٹھ گاؤں میں بھی جائزہ لیا جاچکا تھا۔

[۲] "الفضل" ۱۴ر جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ کالم ۱-۲۔ [۳] "الفضل" ۱۲ر فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

بعض کام عمدگی سے کئے جا سکتے ہیں . . . . غرض دُنیا کے ایسے حصے جہاں تجارتی کام اعلیٰ پیمانے پر کئے جا سکتے ہیں، ہم نے معلوم کئے ہیں اور ہر جگہ کے نقشے تیار کئے ہیں۔ ان علاقوں میں تھوڑی سی ہمت کر کے ہم بیکاروں کو کام پر لگا سکتے ہیں اور بہت سے تبلیغی سینٹر قائم کر سکتے ہیں اور یہ کام ایسا اعلیٰ ہوا ہے کہ جس کی اہمیت ابھی جماعت کو معلوم نہیں اور گو یہ معلومات کا ذخیرہ ابھی صرف چند کاپیوں میں ہے لیکن اگر یورپ والوں کے سامنے یہ کاپیاں پیش کی جائیں تو وہ ان کے بدلے لاکھوں روپے دینے کے لئے تیار ہو جائیں مگر افسوس ابھی ہماری جماعت نے اس کام کی اہمیت کو نہیں سمجھا۔ اسی طرح مَیں تجارتی طور پر مختلف مقامات کے نقشے بنوا رہا ہوں۔ اور اس امر کا پتہ لے رہا ہوں کہ چین اور جاپان اور دوسرے ممالک کے کس کس حصہ میں کون کونسی صنعت ہوتی ہے تاکہ ہم اپنی جماعت کے تاجروں یا ان لوگوں کو جو تجارت پیشہ خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں ان علاقوں میں پھیلا دیں۔"[1]

مکیریاں مشن

تبلیغی جائزہ کی رپورٹیں موصول ہونے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تحریک جدید کے زیرِ انتظام شروع ۱۹۳۵ء میں چار تبلیغی مراکز[2] قائم فرمائے جن میں مکیریاں (ضلع ہوشیارپور) اور ویروال (ضلع امرتسر) کے مشن بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔

مکیریاں مشن کا قیام مختار احمد صاحب ایاز (پہلے امیر المجاہدین) کی کوششوں سے ہوا۔ مرکز کے لئے ایک احمدی مولوی محمد عزیز الدین صاحب سٹیشن ماسٹر ابن حضرت مولوی محمد وزیر الدین صاحبؓ (۳۱۲) نے اپنا مکان ہبہ کر دیا تھا۔ اس مشن کی ذیلی شاخیں حسب ذیل مقامات پر کھولی گئیں۔ چھنیاں۔ بہبووال۔ جہت پور۔[3]

مکیریاں شہر تو مخالفت کا گڑھ تھا۔ مگر ارد گرد علاقہ میں بھی مخالفین کی تکالیف بڑی صبر آزما تھیں حتیٰ کہ جیسا کہ میاں علی محمد صاحب ساکن گھسیٹ پور حلقہ مکیریاں کی روایت ہے کہ ایک بار احمدیوں کو زندہ جلا دینے کا منصوبہ تیار کیا گیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایاز صاحب موضع ڈُگریاں میں عید پڑھنے کے لئے گئے۔ اُن کے ساتھ حضرت بابو فقیر علی صاحبؓ بھی تھے۔ ناگاہ انہیں پتہ چلا کہ جس مکان میں وہ جمع ہیں مخالفین اُسے آگ لگا دینے کی سازش کر رہے ہیں۔

---

[1] تقریر فرمودہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۵ء مطبوعہ "الفضل" ۱۴ر مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۴۔

[2] "الفضل" ۲۹ر اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۸۔ ان مشنوں میں واقفین کو برائے نام گذارہ ملتا تھا اور باقی دوست بعض ایام وقف کر کے تشریف لے جاتے تھے (الفضل ۱۱ر دسمبر ۱۹۳۷ء) تحریک جدید کے پُرانے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مشن دھاریوال میں قائم کیا گیا تھا اور ایک کراچی میں بھی۔

[3] علی محمد صاحب ساکن گھسیٹ پور حلقہ مکیریاں حال احمد نگر کا بیان ہے کہ شروع میں وہ مجاہدین کا کھانا پکانے کے لئے روزانہ اپنے گاؤں سے آتے تھے۔

اس پر سب احمدی چپکے سے باہر نکل گئے۔ ایاز صاحب کے بعد کیپٹن ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب اور حضرت چودھری غلام احمد صاحبؓ آف کریام[1] امیر المجاہدین مقرر ہوئے۔ راشد احمد صاحب[2] حال سپرنٹنڈنٹ وکالت مال اوّل کے بیان کے مطابق ڈاکٹر صاحب ایک گاؤں بھنگالا میں چھڑیوں سے زدوکوب کئے گئے۔ بائیکاٹ اتنا سخت تھا کہ احمدی پانی تک سے محروم کر دیئے گئے اور اُن کو ایک گوردوارہ سے پانی لینا پڑتا تھا۔ میاں علی محمد صاحب ساکن گھسیٹ پور متصل مکیریاں کا بیان ہے کہ چودھری فضل دین صاحب سہوتہ گاؤں کے ایک احمدی تھے جن کی اعوان برادری نے ان کی فصل اُٹھانے کی ممانعت کر دی۔ یہ خبر مکیریاں پہنچی تو ڈاکٹر صاحب موصوف اور حضرت بابو فقیر علی صاحب، شیخ نورالدین صاحب، سید لال شاہ صاحب (آنیہ) اور بعض دوسرے مجاہدین درانتیاں لے کر اس گاؤں میں پہنچے اور فصل کاٹنا شروع کر دی۔ اعوان احمدی رضاکاروں کا یہ جذبۂ اخوت و محبت دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور بائیکاٹ ختم کرا دیا۔[3]

کچھ عرصہ بعد جب چودھری محمد شریف صاحب ایڈووکیٹ منٹگمری امیر المجاہدین مقرر ہوئے تو مکیریاں شہر کے ذیلدار خوشحال محمد صاحب نے چودھری صاحب سے ربط ضبط کے باعث منادی کرا دی کہ احمدیوں کو کوئی تکلیف نہ دے۔ اس پر وہاں امن ہو گیا اور عام مسلمانوں نے سودا سلف دینا شروع کر دیا۔[4]

---

[1] تحریک جدید کے پُرانے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ فروری ۱۹۳۵ء میں آپ امیر المجاہدین کے طور پر یہاں خدمات بجا لا رہے تھے۔

[2] آپ مارچ ۱۹۳۵ء میں احمدی ہوئے تھے۔ مئی ۱۹۳۵ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کو غیر احمدی بچوں کو پڑھانے کے لئے مکیریاں بھجوا دیا۔ ان دنوں مختار احمد صاحب ایاز امیر المجاہدین تھے۔ چند روز بعد ایاز صاحب کی رخصت ختم ہو گئی تو کیپٹن سید محمد حسین صاحب جو وہاں موجود تھے امیر المجاہدین مقرر کئے گئے۔

[3] بیان میاں علی محمد صاحب ساکن گھسیٹ پور متصل مکیریاں حال احمد نگر ضلع جھنگ۔

[4] مکرم چودھری محمد صدیق صاحب ایم۔ اے واقف زندگی انچارج خلافت لائبریری ربوہ کا بیان ہے کہ "۱۹۳۵ء میں مکیریاں کے مشن میں مجھے بھی تبلیغ کا موقعہ ملا اور بہو وال چھنبیاں مقام تعین کیا گیا۔ عموماً جمعہ کے روز ہفتہ وار رپورٹ کے لئے مکیریاں آنا پڑتا تھا۔ مکیریاں میں شروع شروع میں بڑی مخالفت تھی اور کنوؤں سے پانی بھرنا بھی بند کر دیا گیا تھا۔ اس لئے مشن ہاؤس کے صحن میں ہی کنواں کھود لیا گیا تھا اور اسی سے پانی لیا جاتا تھا۔ ایک دن مغرب کی نماز باجماعت ہو رہی تھی کہ مخالفین نے باہر سے گوبر کی پاتھیوں کی بوچھاڑ شروع کر دی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے سب نمازیوں کو بچا لیا۔ جب مکیریاں میں سخت مخالفت تھی تو اس وقت ایک ہمسایہ عورت مسماۃ کریم بی بی نے احمدی احباب کی ہر رنگ میں مدد کی اور ایک حد تک مخالفین کا مقابلہ بھی کیا۔ بعد میں اس کی اولاد میں سے ایک لڑکے دین محمد کو احمدیت کی قبولیت کی توفیق ملی اور وہ قادیان میں آ گئے۔

مکیریاں کا مشن ہاؤس حضرت مولوی محمد وزیر الدین صاحب رضی اللہ عنہ کا تھا جو ۳۱۳ صحابہ میں سے تھے۔ میرے ماموں محمد عزیز الدین صاحبؓ (ابن مولوی محمد وزیر الدین صاحبؓ) سٹیشن ماسٹر نے اپنی وصیت (جو کہلو کی تھی) میں وہ مکان صدر انجمن احمدیہ قادیان کو دے دیا تھا اور اسی میں یہ مشن قائم کیا گیا تھا۔"

۲۶-۲۷-۲۸ ستمبر ۱۹۳۶ء کو بہت پور میں مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری نے شیعہ عالم مرزا یوسف حسین صاحب سے مناظرہ کیا جس سے احمدیت کی دھاک بیٹھ گئی اور کئی لوگ حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔

اس مشن میں حضرت بابو فقیر علی صاحبؓ، ملک غلام نبی صاحب اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف کیمبلپور نے بھی امیر المجاہدین کے فرائض انجام دیئے۔ مجاہدین تحریک جدید میں سے جن اصحاب نے یہاں کام کیا ان میں مولوی روشن الدین احمد صاحب بالخصوص قابلِ ذکر ہیں جو بارہ سال تک پیغام حق پہنچاتے رہے۔ مئی ۱۹۴۶ء میں آپ کویت جانے کے لئے قادیان آگئے اور مشن کا چارج مولوی حسام الدین صاحب نے سنبھالا۔[۱]

ویرووال مشن

ویرووال (ضلع امرتسر) میں بھی تحریک جدید کا مرکز قائم کیا گیا۔ خواص پور، فتح آباد، میاں ونڈ، گوئند وال اور جلال آباد میں اس مرکز کی شاخیں تھیں۔

ویرووال کے علاقہ میں مکیریاں کے مقابل بہت زیادہ مخالفت کا زور تھا۔ اسی لئے ابتدا میں بعض اوقات پندرہ سولہ مجاہد (یعنی تعطیلات وقف کرنے والے احمدی) یہاں بھجوائے جاتے رہے۔[۲]

حلقہ ویرووال میں یکے بعد دیگرے متعدد امیر المجاہدین مقرر کئے گئے جن میں سے مشہور و ممتاز یہ ہیں:

۱۔ ڈاکٹر اعظم علی صاحب گجرات۔ آپ بڑے معاملہ فہم تھے اور انکسار و فروتنی سے مخالفوں کا دل موہ لیتے تھے۔

۲۔ حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب۔ آپ کے تقویٰ اور نیکی کا غیروں پر بھی گہرا اثر تھا۔

۳۔ حضرت میاں محمد یوسف خاں صاحب۔ آپ دن بھر کام کرتے اور روزانہ ذیلی مراکز کا دورہ کیا کرتے تھے۔

۴۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب۔

۵۔ عبدالمجید خاں صاحب آف ویرووال۔ آپ چھ سات سال کے لئے تقسیم ہند تک امیر المجاہدین رہے۔

ویرووال میں مخالفین کا بہت زور تھا۔ امرتسر وغیرہ سے بدگو اور شعلہ مزاج خطیب و مقرر یہاں بڑی کثرت سے بلوائے جاتے جو زبردست اشتعال پھیلاتے اور مقاطعہ جاری رکھنے کی تلقین کرتے رہتے تھے لیکن احمدی

---

[۱] مکیریاں مشن میں حضرت شیخ محمد اسماعیل صاحب سیالکوٹیؓ۔ ڈاکٹر بھائی محمود احمد صاحب حال سرگودھا۔ حضرت مولوی امام الدین صاحبؓ (والد ماجد خالدِ احمدیت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ) کو بھی کام کرنے کا موقعہ ملا

[۲] بعض مجاہدین: حضرت منشی سکندر علی صاحب، حضرت حکیم قطب الدین صاحب، بابو غلام محمد صاحب، ڈاکٹر محمد انور صاحب (جڑانوالہ)، ڈاکٹر عبدالحمید صاحب چیف میڈیکل آفیسر ریلوے، ڈاکٹر عبیداللہ صاحب آف لاہور (ہومیو) مرزا غلام رسول صاحب ریڈر چیف کمشنر پشاور، ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب، مرزا منیر احمد صاحب، چودھری انور حسین صاحب (حال امیر جماعت احمدیہ ضلع شیخوپورہ)، پیر صلاح الدین صاحب (حال ایڈیشنل کمشنر ملتان)

۲۶۲

اس طرف توجہ کریں۔

کسٹم صدر کا مطالبہ۔ کہ ہم اور ان کے ساتھ [illegible] ہو گئے [illegible] اور [illegible] کہ [illegible] [illegible] اختیار کرے۔

میاں اللہ دین [illegible]

مع [illegible] [illegible] کرے

اخبار [illegible] مطابق قادیان [illegible]

[illegible]

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ایک یادگار تحریر (متعلقہ صفحہ ۱۰۷) بیرونی تبلیغ اور جماعتی تعلیم کے لئے مجاہدین تحریک جدید کا انتخاب

(مورخہ یکم فروری ۱۹۴۵ء)

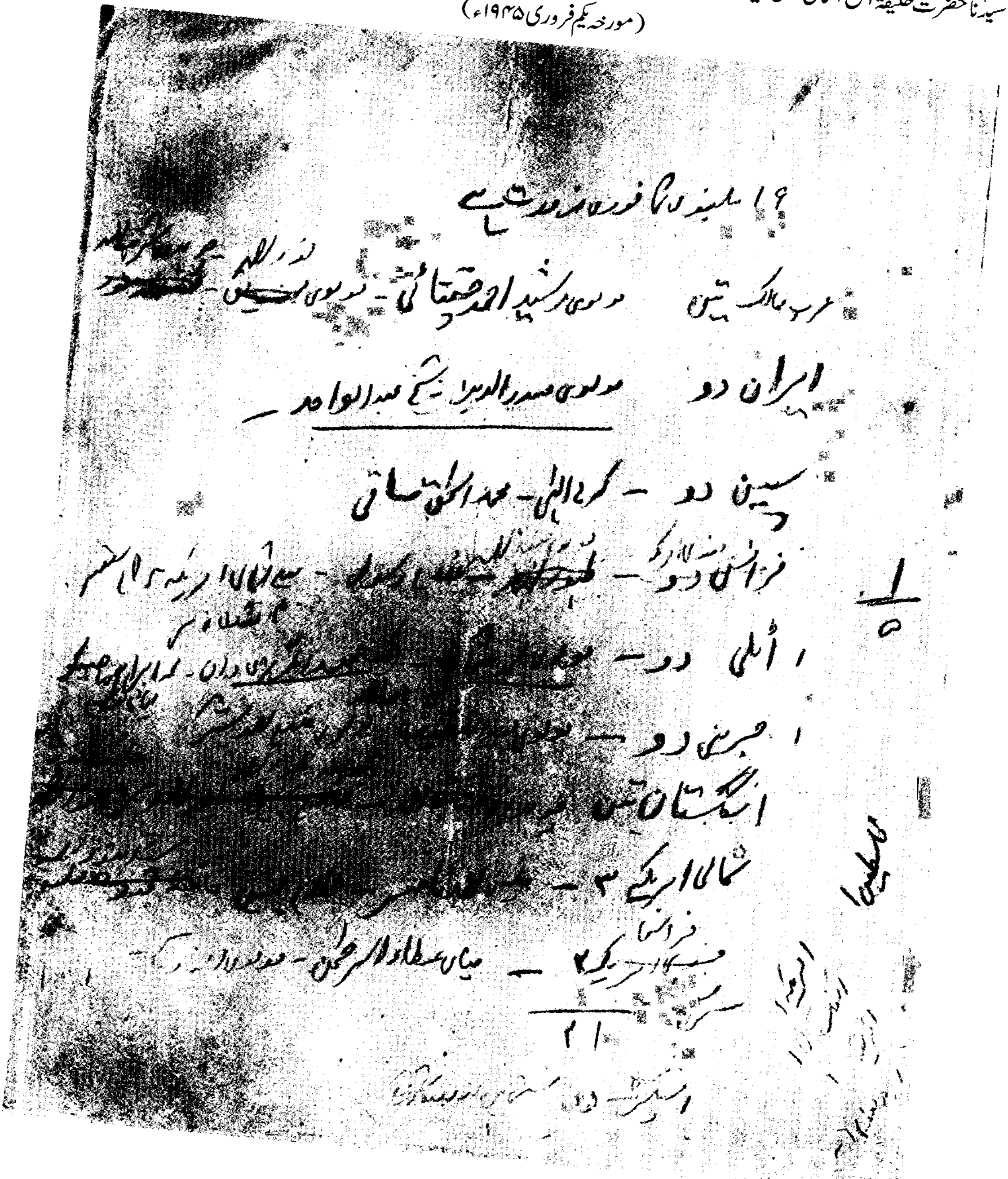

۱۹ مبلغین کی فوری ضرورت ہے

عرب ممالک تین — مولوی رشید احمد چغتائی - مولوی [illegible]

ایران دو — مولوی صدر الدین - شیخ عبد الواحد

سپین دو — کرم الٰہی - محمد اسحاق ساقی

فرانس دو — [illegible]

اٹلی دو — [illegible]

جرمنی دو — [illegible]

انگلستان تین [illegible]

شمالی امریکہ ۳ — [illegible]

جنوبی امریکہ ۲ — میاں عطاء الرحمن - [illegible]

۲۱

حدیث   فقہ   تفسیر

[illegible] مولوی [illegible] بیگ صاحب - برادری نور الحق - مولوی سیف الرحمن - مولوی [illegible]

مولوی محمد احمد ثاقب - مولوی غلام باری سیف [illegible]

[illegible] حافظ بشیر [illegible] وزیر آبادی

منطق فلسفہ

مبارک احمد صاحب

آٹھ آدمی

صاحبزادہ [illegible] صاحب [illegible] - عبد الحق صاحب -

(نوٹ) مورخہ یکم فروری 1945ء کو جملہ واقفین (ساکنین دار الواقفین - کوٹھی دار الحمد [illegible]
دار الانوار - قادیان) کو حضور اقدس سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے
اپنے دفتر خلافت میں شرف باریابی بخشا۔ اس موقعہ پر حضور اقدس نے مختلف واقفین کو
مختلف ممالک میں بطور مبلغ بھیجنے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ یہ [illegible] حضور نے اپنے دست مبارک
سے تحریر فرمائی تھی۔ [illegible] اصل [illegible] یادگار [illegible] 6/7/52

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی عطا فرمودہ سند مجاہدین دفتر اول کو

قادیان

۲۲ نبوت ۱۳۲۳ ہش

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

حبی فی اللہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ - مجھے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ نے تحریک جدید کے دور اول کے پہلے دس سال کا چندہ بہ تمام و کمال ادا کر دیا ہے جسکی تفصیل دفتر کے ریکارڈ کے رو سے مندرجۂ ذیل ہے۔

سال اول - سال دوم - سال سوم - سال چہارم - سال پنجم

سال ششم - سال ہفتم - سال ہشتم - سال نہم - سال دہم

اس پر آپ کو مبارکباد دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو جزائے خیر دے اور آپ نے تبلیغ اسلام کی مستقل بنیاد رکھنے میں جو قربانی کی ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور اسلام اور احمدیت کے لئے جن اہم قربانیوں کی آئندہ ضرورت پیش آئے اللہ تعالیٰ ان میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی آپ کو توفیق بخشے - اللہ تعالیٰ کا فضل ہمیشہ آپکے اور آپ کی نسل کے ساتھ رہے - آمین - والسلام

خاکسار

مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

مبلّغین کی پے در پے تقاریر اور مجاہدین تحریک جدید کے صبر و استقلال، خوش خلقی اور دعاؤں کا نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کے فضل سے کئی خوش قسمت داخلِ احمدیت ہو گئے جن میں مہر اللہ دتہ صاحب (حال لائلپور) بھی تھے۔ اس علاقہ میں آریہ اور عیسائی جگہ جگہ پہنچ کر اسلام کے خلاف زہر چکانی کرتے اور مسلمانوں کو گمراہ کرتے رہتے تھے۔ عامۃ المسلمین اس یلغار سے سہمے ہوئے تھے۔ جب احمدی مبلّغوں کے ہاتھوں آریوں اور عیسائیوں کو شکست اٹھانا پڑی تو مسلمانوں کے حوصلے بھی بلند ہو گئے۔

دار الصناعت

احمدی نوجوانوں میں صنعت و حرفت کا شوق پیدا کرنے کے لئے (محلہ دار البرکات قادیان میں) دار الصناعت قائم کیا گیا[1] جس کا افتتاح حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲ مارچ ۱۹۳۵ء کو فرمایا[2]۔ اس موقعہ پر حضورؓ نے رندہ لے کر خود اپنے دستِ مبارک سے لکڑی صاف کی[3]۔ اور آری سے اس کے دو ٹکڑے کر کے عملاً بتا دیا کہ اپنے ہاتھوں سے کوئی کام کرنا ذلت نہیں بلکہ عزت کا موجب ہے۔

دار الصناعت میں طلبہ کی تعلیم و تربیت اور رہائش کا انتظام تحریک جدید کے ذمّہ تھا۔ ابتدائی مسائل اور عقائد کی زبانی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ اس کے تین شعبے (نجاری، آہنگری اور چرمی) تھے[4]۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بابو اکبر علی صاحب کو (جو محکمہ ریلوے انسپکٹر آف ورکس کی اسامی سے ریٹائر ہو کر آئے تھے) آنریری طور پر صنعتی کاموں کا نگران مقرر فرمایا[5]۔ یہ صنعتی ادارہ ۱۹۴۷ء تک بڑی کامیابی سے چلتا رہا۔

بورڈنگ تحریک جدید

وسط ۱۹۳۵ء میں بورڈنگ تحریک جدید کا قیام ہوا۔ اس بورڈنگ کا بنیادی مقصد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے الفاظ میں یہ تھا:-

"اسلامی اخلاق کی تفاصیل بچوں کو سمجھائی جائیں مثلاً سچ کی تعریف۔ سچ بولنے میں کیا کیا مشکلات پیش آسکتی ہیں اور پھر شریعت نے ان کے کیا کیا علاج رکھے ہیں۔ یہ باتیں سکھائی جانی چاہئیں"[6]

---

[1] یہ کارخانہ ٹھیکیدار عبد الرحمٰن صاحب کے مکان واقع دار البرکات میں جاری کیا گیا تھا اور مستری شیر محمد صاحب ڈسکوی لوہار اسکھانے اور مستری نذیر محمد صاحب لاہوری بڑھئی کا کام سکھانے کے لئے مقرر کئے گئے۔ شروع میں چھ لڑکے داخل کئے گئے تھے ("الفضل" ۴ مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۳)۔

[2] و [3] "الفضل" ۵ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۰۔

[4] دار الصناعت کے بعض ابتدائی کارکن [illegible] حضرت مولوی محمد عبد اللہ صاحب بوتالوی (سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ) چودھری عصمت علی صاحب۔ منشی فضل الٰہی صاحب۔ ماسٹر جلال الدین صاحب قمر ملک احمد خان صاحب ریحان۔

[5] ماہنامہ "تحریک جدید" ربوہ اگست ۱۹۶۵ء۔ [6] "الفضل" ۱۷ جولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۰۔ بورڈنگ کی غرض کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو "الفضل" ۲۵ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۹۔

حضور نے بورڈنگ کے قیام سے قبل مشاورت ۱۹۳۵ء میں اس بورڈنگ کے زیر غور اصولوں کی نسبت خاص طور پر وضاحت فرمائی کہ :-

"بعض احباب کو یہ غلطی لگی ہے کہ گویا تحریک جدید کے ماتحت کوئی علیحدہ سکول قائم کیا جا رہا ہے۔ یہ نہیں بلکہ بورڈنگ قائم کیا گیا ہے۔ بعض نے اپنے بچوں کے متعلق یہ کہا ہے کہ انہیں قادیان میں تعلیم دلائیں خواہ ہائی سکول میں داخل کر دیں خواہ مدرسہ احمدیہ میں۔ مگر تحریک جدید کے ماتحت جداگانہ انتظام ہے وہ سکول نہیں بلکہ بورڈنگ ہے جو خاص طور پر مقرر کیا گیا ہے۔ لڑکا چاہے مدرسہ احمدیہ میں پڑھے چاہے ہائی سکول میں پڑھے۔ مگر فی الحال ہائی سکول میں پڑھنے والوں کے لئے یہ انتظام کیا گیا ہے۔ اس انتظام کے ماتحت اپنے لڑکوں کو دینے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ تحریک جدید کے دفتر میں یہ تحریر دیں کہ ہم نے اپنے فلاں بچہ کو اس تحریک کے ماتحت آپ کے سپرد کیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بچہ کے متعلق تحریک جدید والوں کو کُلّی اختیارات دیئے جائیں یعنی تربیت کے متعلق بچہ کے والد یا سرپرست کو دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ ان سب بچوں کو ایک ہی قسم کا کھانا ملے گا سوائے اس کے کہ کوئی لڑکا ایسے علاقہ کا ہو جہاں روٹی کی بجائے چاول کھاتے ہیں اس کو چاول اور سالن دیں گے لیکن باقی سب کے لئے ایک ہی کھانا ہوگا اور انہیں ایک ہی رنگ میں رکھا جائے گا۔ کوئی نمایاں امتیاز اُن میں نہ ہونے دیا جائے گا تاکہ غریب/امیر اور چھوٹے اور بڑے کا امتیاز انہیں محسوس نہ ہو۔ پس ان کا لباس بھی اور کھانا بھی قریب قریب ایک جیسا ہوگا۔ پھر ان کی دینی تعلیم پر زیادہ زور دیا جائے گا۔ ہاں سکول میں پاس ہونے کے لئے سکول کی تعلیم بھی دلائی جائے گی۔ مگر یہ تعلیم دلانا مقصد نہ ہوگا بلکہ اصل مقصد دینی تعلیم ہوگی۔ بڑی عمر کے لڑکوں کو تہجد بھی پڑھائی جائے گی اور کسی ماں باپ کی شکایت نہ سُنی جائے گی۔ یہ تو ہو سکے گا کہ لڑکے کو اس بورڈنگ سے خارج کر دیا جائے مگر یہ نہ سُنا جائے گا کہ لڑکے کو یہ تکلیف ہے۔ اس کا یوں ازالہ کرنا چاہیئے یا اس کے لئے یہ انتظام کیا جائے۔ اس بورڈنگ کے سپرنٹنڈنٹ سے ہمارا عہد ہے کہ وہ ان بچوں میں باپ کی طرح رہے گا۔ اور اگر لڑکوں میں سے کوئی ناروا حرکت کرے گا تو اس کی سزا خود لڑکے ہی تجویز کریں گے۔ مثلاً یہ کہ فلاں نے جھوٹ بولا اُسے یہ سزا ملنی چاہیئے۔

اس قسم کے اصول ہیں جو اس بورڈنگ کے لئے مقرر کئے گئے ہیں اور ابھی میں غور کر رہا ہوں پس

جو دوست اس تحریک کے ماتحت اپنے بچوں کو داخل کرنا چاہیں وہ تحریر دے جائیں۔ صرف یہاں کے کسی مدرسہ میں داخل کرا دینا کافی نہ ہوگا۔ اسی طرح انہیں بورڈنگ یا مدرسہ کے متعلق کوئی شکایت لکھنے کا حق نہ ہوگا۔ انہیں جو کچھ لکھنا ہو انچارج تحریک کو لکھیں۔ وہ اگر مناسب سمجھے گا تو دخل دے گا "[1]

بورڈنگ کے قیام پر حضور نے اس کی نسبت بعض اہم ہدایات دیں مثلاً

۱۔ طلباء کے جسمانی قویٰ اور حواس خمسہ کو ترقی دینے والی کھیلیں رائج کی جائیں۔

۲۔ قصوروار طالب علم کی سزا لڑکے ہی تجویز کریں۔

۳۔ کھانے کا انتظام بھی لڑکوں کے ہاتھ میں دیا جائے۔

۴۔ طلباء کی اخلاقی تربیت کی طرف توجہ دی جائے۔ مثلاً انہیں بتایا جائے کہ بدظنی اور نگرانی میں کیا فرق ہے؟ اور اس کے نہ جاننے سے کیا نقصانات ہوتے ہیں؟

۵۔ لڑکوں کو اسلامی تاریخ سے آگاہ کیا جائے۔ ایسے چارٹ بنائے جائیں جن میں دکھایا جائے کہ پہلی صدی میں کہاں کہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوتی تھی۔ دوسری میں کہاں کہاں۔ تیسری صدی میں اسے کس قدر وسعت حاصل ہوئی تھی کہ چودھویں صدی تک ساری کیفیت دکھائی جائے۔ اس طرح ہر طالب علم کے سینے میں ایک ایسا زخم لگے گا جو اسلام کی فتح سے ہی درست ہوگا۔

۶۔ یہ بھی ہدایت دی کہ " طلباء کے ہر کمرہ میں اس قسم کے نقشے ہوں جن سے ہمارے لڑکے یہ سمجھ سکیں کہ مسلمان پہلے کیا تھے اور آج کیا ہیں۔ جب تک ہم اپنے بچوں کے سینوں میں ایک آگ نہ بھر دیں گے اور جب تک اُن کے دل ایسے زخمی نہ ہو جائیں گے جو رِستے رہیں ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اسلام کی ترقی یہ چاہتی ہے کہ ایسی تاثیر پیدا ہو جو پُرانی یاد کو تازہ رکھے اور پَل بھر چین نہ لینے دے جب تک یہ نہیں ہوتا ہماری جد و جہد سخت کمزور رہے گی اور زیادہ شاندار نتائج پیدا نہیں ہوں گے۔ یہ چیزیں ہیں جو تحریک جدید کے مرکز اور بورڈنگ میں کام کرنے والوں کو مدنظر رکھنی چاہئیں۔"[2]

مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور کا بیان ہے کہ حضرت امیرالمؤمنینؓ کی طرف سے بورڈنگ کے افسروں کو یہ ہدایت بھی تھی کہ وہ بچوں کی نسبت یہ ریکارڈ رکھیں کہ ان کی طبیعت کا رجحان کن امور کی طرف ہے۔ تا جب وہ بورڈنگ سے فارغ ہوں تو اُن کے والدین کو رپورٹ کی جائے کہ اُن کے رجحان طبع کی وجہ سے فلاں لائن کا انتخاب کرنا زیادہ مفید و مناسب ہوگا۔

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۶ ر ۱۷ و "الفضل" ۲۵ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۹ [2] الفضل ۱۴ اپریل ۱۹۶۱ء صفحہ ۳-۴

شروع میں ۳۶-۱۹۳۷[1] ۳۷ طلبہ نے بورڈنگ میں داخلہ لیا۔ بچوں کی دینی تعلیم کے لئے ایک مولوی فاضل اُستاد بطور ٹیوٹر مقرر کئے گئے۔[2] طلبہ اپنے علمی فرائض کے ساتھ باقاعدہ نماز باجماعت بلکہ تہجد بھی پڑھتے تھے۔ کھیتی باڑی کا کام سیکھنا بھی اُن کے لئے لازمی تھا۔[3]

مجلس مشاورت ۱۹۳۵ء کے معاً بعد اس بورڈنگ کا قیام عمل میں آ گیا اور حضرت مصلح موعودؓ نے حضرت صوفی غلام محمد صاحب[4] کو اس کا سپرنٹنڈنٹ مقرر فرمایا۔ حضرت صوفی صاحب ۲۸ جون ۱۹۳۵ء کو بی ٹی کرنے کیلئے علیگڑھ تشریف لے گئے تو قریباً دو سال ملک سعید احمد صاحب بی۔اے[5] پسر حضرت ملک مولا بخش صاحب کو یہ خدمت سپرد ہوئی۔ ازاں بعد حضرت صوفی صاحب ہی ۱۹۴۶ء تک یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔ بورڈنگ میں وقتاً فوقتاً مولوی عبدالخالق صاحب، ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے مولوی محمد اشرف صاحب، چودھری فضل احمد صاحب، چودھری فضل الرحمٰن صاحب، چودھری عبدالواحد صاحب، مولوی امام الدین صاحب ملتانی، مولوی محمد احمد صاحب جلیل، چودھری محمد اسمٰعیل صاحب خالد، ملک محمد شریف صاحب، اور چودھری عصمت علی صاحب ٹیوٹر کے فرائض بجالاتے رہے۔ اس زمانہ میں چودھری فضل احمد صاحب اور منشی فضل الٰہی صاحب خادم اطفال مقرر تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سال میں کئی بار خود بورڈنگ میں تشریف لے جاتے اور طلباء سے گفتگو کرکے اُن کے حالات دریافت فرماتے تھے۔[6] ایک دفعہ حضور ساتھ مٹھائی بھی لے گئے۔ بچوں کا ہجوم ہو گیا اور کارکنوں نے بچوں کو قطار میں کھڑا کرنا چاہا لیکن حضور نے فرمایا۔ بچوں کو اسی طرح آنے دو جس طرح وہ گھر میں اپنے والدین کے پاس آتے ہیں۔[7]

یہ بورڈنگ سالہا سال تک تحریک جدید کی نگرانی میں جاری رہا۔ ۱۹۴۶ء سے اس کا انتظام نظارت تعلیم و تربیت صدر انجمن احمدیہ قادیان کے سپرد کر دیا گیا۔[8] اس بورڈنگ کی نسبت حضور کے بڑے عزائم تھے۔[9] چنانچہ حضور

---

[1] "الفضل" ۳ اپریل ۱۹۶۱ء صفحہ ۳ ۔ [2] "الفضل" یکم جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ کالم ۴ ۔ [3] "الفضل" ۱۹ جون ۱۹۳۶ء ۔

[4]-[5]: مزید تفصیل کیلئے سالانہ رپورٹس صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۳۵ء تا ۱۹۴۶ء [6] افتتاح کے بعد پہلی بار حضورؓ ۲۵ جولائی ۱۹۳۵ء کو بورڈنگ میں تشریف لائے۔ بچوں کو شرف مصافحہ بخشا۔ مختصر امتحان لیا اور ان کی تعلیمی و جسمانی ترقی کے لئے قیمتی ہدایات دیں ("الفضل" ۳۰ جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲) ۔ [7] ماہنامہ "خالد" ربوہ جنوری ۱۹۶۲ء صفحہ ۲۲ ۔

[8] "مطالبات تحریک جدید" طبع چہارم صفحہ ۱۱۰ (مرتبہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور ناشر دفتر تحریک جدید قادیان۔ تاریخ اشاعت دسمبر ۱۹۴۶ء) ۔ [9] حضور نے ایک بار اس منشاء مبارک کا اظہار بھی فرمایا تھا کہ میرے مدنظر تعلیم الاسلام ہائی سکول، مدرسہ احمدیہ اور نصرت گرلز سکول تینوں کے ساتھ بورڈنگ تحریک جدید کا قیام بھی ہے ("الفضل" ۲۵ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۸ کالم ۲)

نے ۳ اگست ۱۹۳۸ء کو تقریر فرمائی کہ

"بدر کے موقع پر جب کفار نے اسلامی لشکر کا جائزہ لینے کے لئے آدمی بھیجے تو انہوں نے آکر کہا کہ سواریوں پر ہمیں آدمی نظر نہیں آتے بلکہ موتیں نظر آتی ہیں اُن سے نہیں لڑنا چاہیئے ورنہ ہماری خیر نہیں ہے جب نوجوانوں میں ہمیں یہ رُوح نظر آجائے گی اور ہم دیکھیں گے کہ وہ اسلام کے لئے قربان ہونے کے منتظر بیٹھے ہیں اور پَر تولے ہوئے اس بات کے منتظر ہیں کہ کفر کی چڑیا آئے اور وہ اس پر جھپٹ پڑیں۔ اس دن ہم سمجھیں گے کہ تحریک جدید کا بورڈنگ بنانے کا جو مقصد تھا وہ حاصل ہو گیا"[۱]

ویدک یُونانی دواخانہ دہلی تحریک جدید کے قومی سرمایہ سے (زینت محل لال کنواں) دہلی میں "ویدک یُونانی دواخانہ" قائم کیا گیا۔ دواخانہ جاری کرنے سے پہلے حضرت امیر المومنین رضؓ نے چند واقفین کو یُونانی طب کی تعلیم دلائی اور خود بھی ویدک اور یُونانی ادویہ سے متعلق قیمتی مشورے دیئے۔[۲] حکیم عبدالمجید صاحب بٹالپوری، حکیم محمد اسمٰعیل صاحب فاضل اس میں کام کرتے رہے۔ دواخانہ کے پہلے ناظم قریشی مختار احمد صاحب دہلوی اور دوسرے مولوی نورالدین صاحب مُنیر تھے یہ دواخانہ ۱۹۳۹ء تک جاری رہا۔

قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ تحریک جدید کی طرف سے ایک مناسب رقم انگریزی ترجمۃ القرآن کے لئے مخصوص کر دی گئی۔[۳] اور اس کی ترتیب و تدوین کے لئے ۲۶ فروری ۱۹۳۶ء کو حضرت مولوی شیر علی صاحب رضؓ انگلستان بھجوائے گئے۔ آپ ۹ نومبر ۱۹۳۸ء کو واپس قادیان میں تشریف لائے۔

۲۵ لاکھ کا ریزرو فنڈ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے فرمایا کہ :-

"میں نے آج سے کچھ سال پہلے ۲۵ لاکھ ریزرو فنڈ کی تحریک کی تھی مگر وہ تو ایسا خواب رہا جو تشنۂ تعبیر ہی رہا مگر اللہ تعالیٰ نے تحریک جدید کے ذریعہ اب پھر ایسے ریزرو فنڈ کے جمع کرنے کا موقع بہم پہنچا دیا ہے اور ایسی جائدادوں پر یہ روپیہ لگایا جا چکا اور لگایا جا رہا ہے جن کی مستقل آمد ۲۵۔۳۰ ہزار روپیہ سالانہ ہو سکتی ہے تا تبلیغ کے کام کو بجٹ کی کمی کی وجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچے"[۴]

یہ جائیدادیں سندھ میں خرید کی گئیں جو حضور کا شاندار کارنامہ ہے۔ جون ۱۹۳۶ء سے محمد آباد اسٹیٹ میں تحریک

---

[۱] "الفضل" ۱۳ اپریل ۱۹۶۱ء صفحہ ۵۔
[۲] "الفضل" ۱۱ دسمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۳ کالم ۱۔
[۳] "الفضل" ۱۱ دسمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
[۴] "الفضل" ۲۴ نومبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۱ کالم ۱-۲۔

جدید کی طرف سے باقاعدہ مرکزی دفتر کھول دیا گیا۔[1]

فصل ہفتم

بیرونی ممالک میں تحریک جدید کی ابتدائی سرگرمیاں

تحریک جدید کا ایک اہم مقصد

تحریک جدید کا ایک اہم مقصد یہ تھا کہ احمدی تمام دنیا میں پھیل جائیں۔ اور قریب سے قریب زمانہ میں دور سے دور علاقوں میں جا کر مراکز احمدیت قائم کر دیں۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے انہی دنوں میں ارشاد فرمایا:۔

"چونکہ نشر و اشاعت کا زمانہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور یہ مقدر ہو چکا ہے کہ وہ دنیا کے تمام ممالک میں احمدیت پھیلائے۔ اس لئے اگر خدا تعالیٰ یہ بتا دیتا کہ احمدیت کی اشاعت کے لئے فلاں ملک موزوں ہے تو ہم سارے وہاں جا کر اکٹھے ہو جاتے اور باقی ممالک میں احمدیت پھیلانے سے غافل ہو جاتے۔ اس لئے آج خدا تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ دنیا کے تمام ممالک میں ہم جائیں اور دُنیا میں گھوم کر وہ ملک تلاش کریں جو احمدیت کے لئے مثیل مدینہ کا کام دے اس مقصد کے ماتحت جب ہم دنیا کے تمام ممالک میں پھریں گے تو ہر ملک میں احمدیت کا بیج بوتے جائیں گے اس طرح خدا تعالیٰ کا یہ منشاء بھی پورا ہو جائے گا کہ دنیا کے تمام ممالک میں احمدیت پھیلے اور آخر ہمیں وہ مقام بھی نظر آجائے گا جسے ہم تلاش کرنے کے لئے نکلے ہوں گے"[2]

نیز ارشاد فرمایا:۔

"رُوحانی جماعتوں کو ہمیشہ مختلف ملکوں میں اپنی تبلیغ کو پھیلا دینا چاہیئے تاکہ اگر ایک جگہ مخالفت ہو۔ تو دوسری جگہ اس کمی کو پورا کیا جا رہا ہو۔ جس طرح وہ آدمی زیادہ فائدہ میں رہتا ہے جس کے کئی ملکوں میں کھیت ہوں تا اگر ایک ملک میں ایک کھیت کو نقصان پہنچے تو دوسرے ملکوں کے کھیت اس کی تلافی کر دیں اور اس کے ضرر کو مٹا دیں۔ اسی طرح وہی دینی جماعتیں فائدہ میں رہتی ہیں جو مختلف ممالک اور مختلف جگہوں میں

---

[1] عملہ محمد آباد اسٹیٹ کے بعض ابتدائی کارکن:۔ سردار عبدالرحمٰن صاحب۔ ملک گل محمد صاحب خوشاب۔ بابو عنایت اللہ صاحب۔ چوہدری رحمت علی صاحب مسلم۔ منشی جلال احمد صاحب۔ چوہدری بشارت احمد صاحب۔ منشی سلطان احمد صاحب۔ منشی شیر جنگ صاحب۔ مولوی غلام صادق صاحب مدرس۔

[2] خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ مارچ ۱۹۳۵ء (الفضل ۲۹ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ کالم ۲)۔

پھیلی ہوئی ہوں کیونکہ انہیں کبھی کچلا نہیں جاسکتا۔ پس اگر ہماری جماعت کے لوگ ساری دُنیا میں پھیل جائیں گے تو وہ خود بھی ترقیات حاصل کریں گے اور اُن کی ترقیات سلسلہ پر بھی اثر انداز ہوں گی۔ اور جس جماعت کی آواز ساری دُنیا سے اُٹھ سکتی ہو اس کی آواز سے لوگ ڈرا کرتے ہیں اور جس جماعت کے ہمدرد ساری دُنیا میں موجود ہوں اس پر حملہ کرنے کی جُرأت آسانی سے نہیں کی جاسکتی۔ پس مت سمجھو کہ موجودہ خاموشی کے یہ معنی ہیں کہ تمہارے لئے فضا صاف ہوگئی۔ یہ خاموشی نہیں بلکہ آثار ایسے ہیں کہ پھر کئی شورشیں پیدا ہونے والی ہیں۔ اس لئے موجودہ خاموشی کے یہ معنے ہرگز مت سمجھو کہ تمہارا کام ختم ہوگیا۔ یہ فتنہ تو تمہیں بیدار کرنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ اور اگر تم اب پھر سو گئے تو یاد رکھو کہ اگلی سزا پہلے سے بہت زیادہ سخت ہوگی۔ خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ وہ تمہیں دُنیا میں پھیلائے۔ اگر تم دُنیا میں نہ پھیلے اور سو گئے تو وہ تمہیں گھسیٹ کر جگائے گا اور ہر دفعہ کا گھسیٹنا پہلے سے زیادہ سخت ہوگا۔ پس پھیل جاؤ دُنیا میں، پھیل جاؤ مشرق میں، پھیل جاؤ مغرب میں، پھیل جاؤ شمال میں، پھیل جاؤ جنوب میں، پھیل جاؤ یورپ میں، پھیل جاؤ امریکہ میں، پھیل جاؤ افریقہ میں، پھیل جاؤ جزائر میں، پھیل جاؤ چین میں، پھیل جاؤ جاپان میں، پھیل جاؤ دُنیا کے کونہ کونہ میں، یہانتک کہ دُنیا کا کوئی گوشہ، دُنیا کا کوئی مُلک، دُنیا کا کوئی علاقہ ایسا نہ ہو جہاں تم نہ ہو۔ پس پھیل جاؤ جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم پھیلے۔ پھیل جاؤ جیسے قرونِ اولیٰ کے مسلمان پھیلے۔ تم جہاں جہاں جاؤ اپنی عزت کے ساتھ سلسلہ کی عزت قائم کرو۔ جہاں پھر اپنی ترقی کے ساتھ سلسلہ کی ترقی کے موجب ہو۔ پس قریب سے قریب زمانہ میں دُور سے دُور علاقوں میں جاکر مراکز احمدیت قائم کرنا تحریک جدید کا ایک مقصد ہے"[1]

حضور انور نے تحریک جدید کے اس بنیادی مقصد کے پیش نظر وقف کی درخواستیں پیش کرنے والے خوش قسمت اصحاب میں سے چند نوجوانوں کو بیرونی ممالک میں بھجوانے کے لئے منتخب فرمایا۔ یہ مجاہدین (جن کو تحریک جدید کا ہراول دستہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا) حسب ذیل تھے:۔

مولوی غلام حسین صاحب ایاز، صوفی عبدالغفور صاحب، چودھری محمد اسحاق صاحب سیالکوٹی، صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز، حافظ مولوی عبدالغفور صاحب جالندھری، چودھری حاجی احمد خاں صاحب ایاز،

[1] "الفضل" ۱۶ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۰-۱۱

محمد ابراہیم صاحب ناصر۔ ملک محمد شریف صاحب آف گجرات۔ مولوی رمضان علی صاحب۔ مولوی محمد دین صاحب۔

ان نوجوانوں کے انتخاب کے دوران حضرت امیر المومنینؓ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیالؓ سے بھی کئی دن مشورہ فرماتے رہے۔ اور ریلوے کا تھرڈ کلاس کرایہ، جہاز کا ڈیک کرایہ اور اُن کے لئے چھ ماہ کا الاؤنس منظور کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ چھ ماہ کے اندر اندر اپنے اخراجات تجارت یا کسی اور ذریعہ سے خود برداشت کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس طرح واجبی اخراجات پر یہ مجاہدینِ تحریک[1] مختلف ممالک کو روانہ ہو گئے[2] جنہوں نے سنگاپور (ملایا)، ہانگ کانگ (چین)، جاپان، ہنگری، پولینڈ، سپین، اٹلی، جنوبی امریکہ، البانیہ اور یوگوسلاویہ میں نئے مشن قائم کر دیئے اور بعض پہلے مشنوں کے استحکام کا موجب بنے۔

اس انتخاب کے وقت جن امور کا خیال رکھا گیا ان کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں:-

"تحریک جدید کے پہلے مبلغین کے انتخاب کے وقت صرف یہ دیکھا جاتا تھا کہ جرأت کے ساتھ کام کرنے کا مادّہ ہو۔ لیاقت کا زیادہ خیال نہیں رکھا گیا تھا۔ اس وقت ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو دلیری کے ساتھ آگ میں اپنے آپ کو ڈال دینے والا ہو چنانچہ ایسے لوگوں کو منتخب کر کے ہم نے بھیج دیا اور وہ مقصد حاصل بھی ہو گیا۔ ان میں سے بعض دینی علوم اور عربی سے بھی اچھی طرح واقف نہ تھے بلکہ بعض کا تقویٰ کا معیار بھی اتنا بلند نہ تھا۔ مگر اس وقت ہمیں صرف آواز پہنچانی تھی اور دشمن کو یہ بتانا تھا کہ ہمارے پاس ایسے نوجوان ہیں جو اپنا آرام و آسائش، اپنا وطن، عزیز و اقارب، بیوی بچوں، غرضکہ کسی چیز کی پروا نہ کرتے ہوئے نکل جائیں گے۔ بھوکے پیاسے رہیں گے اور دین کی خدمت کریں گے۔ ایسی قوم کو جس میں ایسے نوجوان ہوں مار دینا ناممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم نے یہ دکھا دیا۔ بعض نوجوان برائے نام گذارے لے کر اور بعض یونہی باہر چلے گئے۔ اور اس طرح ہمارا خرچ بارہ مشنوں پر قریباً ایک مشن کے برابر ہے۔"[3]

پھر فرمایا:-

"جانی قربانی کے سلسلہ میں مبلغین کا ایک جتھا مختلف ممالک میں جا چکا ہے۔ لیکن وہ ایک

---

[1] ان مجاہدین کی ٹریننگ بالکل مختصر تھی۔ پڑھائی مسجد مبارک میں ہوتی تھی (مولوی محمد احمد صاحب جلیل کے بیان کے مطابق مفتی فضل الرحمن صاحب ۱۹۳۵ء میں طب پڑھایا کرتے تھے۔ ازاں بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۶ مئی ۱۹۳۵ء کو جلیل صاحب کی نسبت ارشاد فرمایا کہ "انہیں قرآن اور دینیات پڑھانے پر مقرر کر دیا جائے"۔

[2] ماہنامہ "تحریک جدید" (اگست ۱۹۶۵ء صفحہ ۷ کالم ۲)۔ [3] "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۳۸ء صفحہ ۷۶۔

ایسا جتھا تھا جس کی خاص طور پر تعلیم و تربیت نہیں کی گئی تھی۔ بہرحال اس کے ذریعہ ہمیں غیر ممالک کا اچھا خاصہ تجربہ ہو گیا ہے۔ اس جتھا کے افراد میں بعض کمزوریاں بھی معلوم ہوئی ہیں کیونکہ ان میں اکثر ایسے تھے جو دینی تعلیم سے پوری طرح واقف نہیں تھے۔ اور اگر کسی کو دینی تعلیم تھی تو دنیوی تعلیم کے لحاظ سے وہ کمزور تھا۔ لیکن بہرحال یہ ایک مظاہرہ تھا جماعتی قربانی کا اور یہ ایک مظاہرہ تھا اس بات کا کہ ہماری جماعت کے نوجوانوں میں خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ مادّہ پایا جاتا ہے کہ جب بھی خدا تعالیٰ کی آواز اُن کے کانوں میں آئے وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اعلاء کلمہ اسلام کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ اس مظاہرہ کے ذریعہ دنیا کے سامنے ہماری جماعت کے نوجوانوں نے اپنے اخلاص کا نہایت شاندار نمونہ پیش کیا ہے" [1]

تحریک جدید کے دو مجاہدوں کا قابل رشک مظاہرہ

اس مقام پر ہم تحریک جدید کے دورِ اوّل کے دو مجاہدوں یعنی ولیداد خانصاحب رضی اللہ عنہ اور عدالت خانصاحب رضی اللہ عنہ کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے تبلیغ اسلام کی راہ میں جامِ شہادت نوش کیا۔

چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے مجلس مشاورت ۱۹۳۹ء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"قریب ترین عرصہ میں ایک ایسا واقعہ ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری جماعت کے نوجوانوں نے اپنے اخلاص کا نہایت قابل رشک مظاہرہ کیا ہے اور وہ یہ کہ ان چھبیس تیس نوجوانوں میں سے جنہوں نے اپنی زندگیاں وقف کی تھیں، ایک نوجوان تھوڑا ہی عرصہ ہوا غالباً پندرہ بیس دن یا مہینہ کی بات ہے کہ محض احمدیت کی تبلیغ کی وجہ سے اپنے علاقہ میں مارے گئے ہیں۔ اس نوجوان کا نام ولی داد خان تھا اور اس نے اپنی زندگی خدمت دین کے لئے وقف کی ہوئی تھی۔ افغانستان کے علاقہ میں ہم نے انہیں تبلیغ کے لئے بھجوایا تھا۔ کچھ طب بھی جانتے تھے اور معمولی امراض کے علاج کے لئے دوائیاں اپنے پاس رکھتے تھے۔ کچھ مدت تک ہم انہیں خرچ بھی دیتے رہے۔ مگر پھر ہم نے انہیں خرچ دینا بند کر دیا تھا۔ ان کی اپنی بھی یہی خواہش تھی اور میں نے بھی انہیں یہی مشورہ دیا تھا کہ اس علاقہ میں طب شروع کر دیں اور آہستہ آہستہ جب لوگ مانوس ہو جائیں تو انہیں تبلیغ احمدیت کی جائے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے انہیں ایسے مواقع بہم پہنچا دیئے کہ انہوں نے اس علاقہ میں

---

[1] "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۳۹ء صفحہ ۳-۴

لوگوں کو تبلیغ کرنی شروع کر دی۔ کھُلی تبلیغ سے تو ہم نے خود انہیں روکا ہوا تھا کیونکہ یہ وہاں قانون کے خلاف ہے۔ آہستہ آہستہ وہ تبلیغ کیا کرتے اور لوگوں کو نصیحت کیا کرتے کہ جب کبھی پنجاب میں جایا کرو، تو قادیان بھی دیکھ آیا کرو۔ رفتہ رفتہ جب لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ احمدی ہے تو انہوں نے گھر والوں پہ زور دینا شروع کر دیا کہ تمہیں اس فتنہ کے انسداد کا کوئی خیال نہیں۔ تمہارے گھر میں کُفر پیدا ہو گیا ہے اور تم اس سے غافل ہو۔ چنانچہ انہیں اس قدر برانگیختہ کیا گیا کہ وہ قتل کے درپے ہو گئے۔ مولوی ولیداد خاں چند دن پہلے ہندوستان میں بعض دوائیاں خریدنے کے لئے آئے ہوئے تھے جب دوائیاں خرید کر اپنے علاقہ کی طرف گئے تو انہی کے چچازاد بھائی اور سالہ نے ان پر گولیوں کے متواتر تین چار فائر کر کے انہیں شہید کر دیا۔

اسی طرح ایک اور نوجوان جو اس تحریک کے ماتحت چین میں گئے تھے وہ بھی فوت ہو گئے ہیں اور گو اُن کی وفات طبعی طور پر ہوئی ہے مگر ایسے رنگ میں ہوئی ہے کہ وہ موت بھی اپنے اندر شہادت کا رنگ رکھتی ہے۔ چنانچہ تھوڑا ہی عرصہ ہوا مجھے ایسے حالات معلوم ہوئے جن سے پتہ لگتا ہے کہ واقعہ میں اس کی موت معمولی موت نہیں بلکہ شہادت کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ اس نوجوان نے بھی ایسا اخلاص دکھایا جو نہایت قابل قدر ہے۔

سب سے پہلے ۱۹۳۴ء میں جب مَیں نے یہ تحریک کی اور اعلان کیا کہ نوجوانوں کو غیر ممالک میں نکل جانا چاہیئے تو یہ نوجوان جو غالباً دینیات کی متفرق کلاس میں پڑھتا تھا اور عدالت خاں اس کا نام تھا تحصیل خوشاب ضلع شاہ پور کا رہنے والا تھا۔ میری اس تحریک پر بغیر اطلاع دیئے کہیں چلا گیا۔ قادیان کے لوگوں نے خیال کر لیا کہ جس طرح طالب علم بعض دفعہ پڑھائی سے دل برداشتہ ہو کر بھاگ جایا کرتے ہیں اسی طرح وہ بھی بھاگ گیا ہے۔ مگر دراصل وہ میری اس تحریک پر ہی باہر گیا تھا مگر اس کا اُس نے کسی سے ذکر تک نہ کیا۔ چونکہ ہمارے ہاں عام طور پر صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہیدؓ اور دوسرے شہداء کا ذکر ہوتا رہتا ہے اس لئے اُسے یہی خیال آیا کہ مَیں بھی افغانستان جاؤں اور لوگوں کو تبلیغ کروں۔ اُسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ غیر ملک میں جانے کے لئے پاسپورٹ کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ اُسے پاسپورٹ مہیا کرنے کے ذرائع کا علم تھا۔ وہ بغیر پاسپورٹ لئے نکل کھڑا ہوا۔ اور افغانستان کی طرف چل پڑا۔[۵۱] جب افغانستان میں داخل ہوا تو چونکہ وہ بغیر پاسپورٹ

---

۵۱ اس واقعہ کا ذکر حضورؓ نے "الفضل" ۳؍دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۸ - ۹ پر بھی فرمایا تھا۔

کے تھا اس لئے حکومت نے اسے گرفتار کر لیا اور پوچھا کہ پاسپورٹ کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ پاسپورٹ تو میرے پاس کوئی نہیں۔ انہوں نے اُسے قید کر دیا۔ مگر جیلخانہ میں بھی اس نے قیدیوں کو تبلیغ کرنی شروع کر دی۔ کوئی مہینہ بھر ہی وہاں رہا ہوگا کہ افسروں نے رپورٹ کی کہ اسے رہا کر دینا چاہیئے ورنہ یہ قیدیوں کو احمدی بنا لے گا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو ہندوستان کی سرحد پر لا کر چھوڑ دیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے مجھے اطلاع دی کہ میں آپ کی تحریک پر افغانستان گیا تھا اور وہاں میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ اب آپ بتائیں کہ مَیں کیا کروں۔ مَیں نے اُسے کہا کہ تم چین میں چلے جاؤ چنانچہ وہ چین گیا اور جاتے وقت اُس نے ایک اَور لڑکے کو بھی جس کا نام محمد رفیق ہے اور ضلع ہوشیار پور کا رہنے والا ہے تحریک کی کہ وہ ساتھ چلے۔ چنانچہ وہ بھی ساتھ تیار ہو گیا۔ اس کے چونکہ رشتہ دار موجود تھے اور بعض ذرائع بھی اُسے میسر تھے اس لئے اُس نے کوشش کی اور اُسے پاسپورٹ مل گیا۔ جس وقت یہ دونوں کشمیر پہنچے تو محمد رفیق تو آگے چلا گیا مگر عدالت خاں کو پاسپورٹ کی وجہ سے روک لیا گیا اور بعد میں گاؤں والوں کی مخالفت اور راہداری کی تصدیق نہ ہو سکنے کی وجہ سے وہ کشمیر میں ہی رہ گیا اور وہاں اس انتظار میں بیٹھا رہا کہ اگر مجھے موقع ملے تو مَیں نظر بچا کر چین چلا جاؤں گا۔ مگر چونکہ سردیوں کا موسم تھا اور سامان اس کے پاس بہت کم تھا اس لئے کشمیر میں اسے ڈبل نمونیہ ہو گیا اور دو دن بعد فوت ہو گیا۔

ابھی کشمیر سے چند دوست آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے عدالت خاں کا ایک عجیب واقعہ سُنایا جسے سُنکر رشک پیدا ہوتا ہے کہ احمدیت کی صداقت کے متعلق اُسے کتنا یقین اور وثوق تھا۔ وہ ایک گاؤں میں بیمار ہوا تھا جہاں کوئی علاج میسر نہ تھا۔ جب اس کی حالت بالکل خراب ہو گئی تو ان دوستوں نے سُنایا کہ وہ ہمیں کہنے لگا کسی غیر احمدی کو تیار کرو جو احمدیت کی صداقت کے متعلق مجھ سے مباہلہ کر لے۔ اگر کوئی ایسا غیر احمدی تمہیں مل گیا تو مَیں بچ جاؤں گا اور اُسے تبلیغ بھی ہو جائیگی ورنہ میرے بچنے کی اور کوئی صورت نہیں۔ شدید بیماری کی حالت میں یہ یقین اور وثوق بہت ہی کم لوگوں کو میسر ہوتا ہے کیونکہ ننانوے فیصدی اس بیماری سے مرجاتے ہیں۔ اور بعض تو چند گھنٹوں کے اندر ہی وفات پا جاتے ہیں . . . . . ایسی خطرناک حالت میں جبکہ اس کی یقینی موت کا ننانوے فیصدی یقین کیا جا سکتا تھا، اس نے اپنا علاج یہی سمجھا کہ کسی غیر احمدی سے مباہلہ ہو جائے

اور اس نے کہا کہ اگر مباہلہ ہوگیا تو یقیناً خدا مجھے شفا دے گا اور یہ ہو نہیں سکتا کہ مَیں اس مرض سے مَر جاؤں۔ بہرحال اس واقعہ سے اس کا اخلاص ظاہر ہے۔ اسی طرح اُس کی دوراندیشی بھی ثابت ہے کیونکہ اس نے ایک اَور نوجوان کو خود ہی تحریک کی کہ میرے ساتھ چلو اور وہ تیار ہوگیا۔ اس طرح گو عدالت خاں فوت ہوگیا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے بیج کو ضائع نہیں کیا بلکہ ایک دوسرے شخص نے جسے وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا، احمدیت کے جھنڈے کو پکڑ کر آگے بڑھنا شروع کر دیا اور مشرقی شہر کاشغر میں پہنچ گیا اور وہاں تبلیغ شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے ایک دوست کو اللہ تعالیٰ نے احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرما دی۔ حاجی جنود اللہ صاحب ان کا نام ہے۔ وہ اسی تبلیغ کے نتیجہ میں قادیان آئے اور تحقیق کر کے احمدیت میں شامل ہوگئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد حاجی جنود اللہ صاحب کی والدہ اور ہمشیرہ بھی احمدی ہوگئیں اور اب تو وہ قادیان ہی آئے ہوئے ہیں۔ تو عدالت خاں کی قُربانی رائیگاں نہیں گئی بلکہ احمدیت کو اس علاقہ میں پھیلانے کا موجب بن گئی۔

یہ ایسا علاقہ ہے جس میں احمدیت کی اشاعت کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایسے ایسے خطرناک اور دشوار گزار رستے ہیں کہ اُن کو عبور کرنا ہی بڑی ہمت کا کام ہے۔ حاجی جنود اللہ صاحب کی والدہ نے بتایا کہ رستہ میں ایک مقام پر وہ تین دن تک برف پر گھٹنوں کے بَل چلتی رہیں۔ ایسے سخت رستوں کو عبور کر کے ہماری جماعت کے ایک نوجوان کا اس علاقہ میں پہنچنا اور لوگوں کو تبلیغ کرنا بہت بڑی خوشی کی بات ہے۔

تو تحریک جدید کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے عدالت خاں کو پہلے یہ توفیق دی کہ وہ افغانستان جائے چنانچہ وہ افغانستان میں کچھ عرصہ رہا اور جب واپس آیا تو میری تحریک پر وہ چین کے لئے روانہ ہوگیا اور خود ہی ایک اَور نوجوان کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ راستہ میں عدالت خاں کو خدا تعالیٰ نے شہادت کی موت دے دی۔ مگر اس کے دوسرے ساتھی کو اس امر کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ آگے بڑھے اور مشرقی ترکستان میں جماعت احمدیہ قائم کر دے۔ یہ دو واقعات شہادت بتاتے ہیں کہ گو یہ اپنی جدوجہد میں کامیاب نہیں ہوئے مگر ان کی کوششیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول تھیں چنانچہ ان دو آدمیوں میں سے ایک کو تو اللہ تعالیٰ نے عملی رنگ میں شہادت دے دی اور دوسرے کی وفات ایسے رنگ میں ہوئی جو شہادت کے ہمرنگ ہے"۔ [1]

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۹ء صفحہ ۷-۸

تحریک جدید کے پہلے تین سالہ دور کے شاندار نتائج پر ایک نظر

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

" تحریک جدید کے پہلے دَور میں احباب نے غیر معمولی کام کیا۔ اور ہم اُسے فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔ مؤرخ آئیں گے جو اس امر کا تذکرہ کریں گے کہ جماعت نے ایسی حیرت انگیز قربانی کی کہ جس کی مثال نہیں ملتی "[1]

حضرت امیر المومنینؓ نے اس اجمال کی تفصیل مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمائی :-

" ۱۹۳۴ء کے آخر میں جماعت میں جو بیداری ہوئی اس کے نتیجہ میں جماعت نے ایسی غیر معمولی قربانی کی رُوح پیش کی جس کی نظیر اعلیٰ درجہ کی زندہ قوموں میں بھی مشکل سے مل سکتی ہے . . . تحریک جدید کے پہلے دَور میں احباب نے غیر معمولی کام کیا اور ہم اسے فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔ مؤرخ آئیں گے جو اس امر کا تذکرہ کریں گے کہ جماعت نے ایسی حیرت انگیز قربانی کی کہ جس کی مثال نہیں ملتی اور اس کے نتائج بھی ظاہر ہیں۔ حکومت کے اس عنصر کو جو ہمیں مٹانے کے درپے تھا متواتر ذلت ہوئی . . . . . . اور احرار کو تو اللہ تعالیٰ نے ایسا ذلیل کیا ہے کہ اب وہ مسلمانوں کے سٹیج پر کھڑے ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے . . . تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے سب دشمنوں کو ایسی سخت شکست دی ہے کہ حکام نے خود اس کو تسلیم کیا ہے . . . "

" اس کے علاوہ جو جماعت میں تبدیلی ہوئی وہ بہت ہی شاندار ہے۔ ہماری جماعت لاکھوں کی تعداد میں ہے جس میں امیر غریب ہر طبقہ کے لوگ ہیں۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں جن کو سات سات اور آٹھ آٹھ کھانے کھانے کی عادت تھی اور جن کے دسترخوان پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک کھانے ہی کھانے پڑے ہوتے تھے . . . مگر تحریک جدید کے ماتحت سب نے ایک ہی کھانا کھانا شروع کر دیا اور نہ صرف احمدیوں نے بلکہ بیسیوں بلکہ سینکڑوں غیر احمدیوں نے بھی اس طریق کو اختیار کر لیا۔ میری ایک ہمشیرہ شملہ گئی تھیں انہوں نے بتایا کہ وہاں بہت سے رؤساء کی بیویوں نے مانگ مانگ کر تحریک جدید کی کاپیاں لیں اور کہا کہ کھانے کے متعلق اُن کی ہدایات بہت اعلیٰ ہیں۔ ہم انہیں اپنے گھروں میں رائج کریں گے۔ ایک نوجوان نے بتایا کہ وہ بعض غیر احمدیوں کے ساتھ ایک مَیس میں شریک تھے۔ تحریک جدید کے بعد جب انہوں نے دوسرا کھانا کھانے سے احتراز کیا اور دوسرے ساتھیوں

---

[1] " الفضل " ۵ / نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۶ ۔

کے پوچھنے پر اس کی وجہ ان کو بتائی تو انہوں نے بھی وعدہ کیا کہ یہ بہت اچھی تحریک ہے ہم بھی آئندہ اس پر عمل کریں گے۔

پھر مَیں نے سنیما کی ممانعت کی تھی۔ اس بات کو ہمارے زمیندار دوست نہیں سمجھ سکتے کہ شہریوں کے لئے اس ہدایت پر عمل کرنا کتنا مشکل ہے۔ شہر والے ہی اسے سمجھ سکتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے لئے سنیما کو چھوڑنا ایسا ہی مشکل تھا جیسے موت قبول کرنا جن کو سنیما جانے کی عادت ہو جاتی ہے وہ اُسے زندگی کا جُزو سمجھتے ہیں۔ مگر اِدھر مَیں نے مطالبہ کیا کہ اسے چھوڑ دو اور اُدھر ننانوے فیصدی لوگوں نے اسے چھوڑ دیا اور پھر نہایت دیانتداری سے اس عہد کو نباہا اور عورت مرد سب نے اس پر ایسا عمل کیا کہ جو دُنیا کے لئے رشک کا موجب ہے۔ اور مَیں سمجھتا ہوں اس سے لاکھوں روپیہ بچ گیا ہوگا۔ . . . پھر اس سے جو وقت بچا اس کی قیمت کا اندازہ کرو۔ . . . یہ مطالبہ معمولی نہ تھا۔ لیکن جماعت نے اُسے سُنا اور پُورا کر دیا اور اس سے فوائد بھی حاصل کئے۔ اس کے علاوہ کون نہیں جانتا کہ عورت کپڑوں پر مرتی ہے مگر ہزارہا عورتوں نے دیانتداری سے لباس میں سادگی پیدا کرنے کے حکم پر عمل کیا۔ اور یہ باتیں انفرادی قربانی اور قومی فتح کا ایک ایسا شاندار نمونہ ہیں جس کی مثال کم ملتی ہے۔ یہ قربانی معمولی نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ کی قربانی ہے اور دیکھنے والی آنکھ کے لئے اس میں فتوحات کا لمبا سلسلہ ہے۔

پھر کتنے نئے ممالک میں احمدیت روشناس ہوئی۔ کم سے کم دس پندرہ ممالک ایسے ہیں۔ کئی علاقوں میں گو احمدیت پہلے سے تھی مگر تحریک جدید کی جدوجہد کے نتیجہ میں اس کا اثر پہلے سے بہت وسیع ہو گیا ہے

اس کے علاوہ ایک نتیجہ یہ نکلا کہ . . . . دُنیا نے محسوس کر لیا کہ جماعت احمدیہ صرف مسلمانوں کے لشکر کا ایک بازو ہی نہیں ہے بلکہ وہ اپنی منفردانہ حیثیت بھی رکھتی ہے اور اللہ تعالےٰ کے فضل سے خود اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکتی ہے۔ پہلے ہماری اس حیثیت سے دُنیا واقف نہ تھی تحریک جدید کے نتیجہ میں ہی وہ اس سے آشنا ہوئی۔ مگر یہ سب فتوحات جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں حاصل ہوئیں۔ ہمارا مقصد نہیں ہمارا مقصد اُن سے بہت بالا ہے اور اس میں کامیابی کے لئے ابھی بہت قربانیوں کی ضرورت ہے“ ؎۱

؎۱ ”الفضل“ ۱۵ ؍نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۶ تا ۸۔

بعض ابتدائی تلخ تجربے

مگر ان شاندار نتائج کے ساتھ کچھ تلخ تجربات بھی ہوئے چنانچہ حضورؓ نے فرمایا:۔
"ہم نے کئی نئے تجربے کئے ہیں۔ کئی نئے مشن قائم کئے گئے۔ اور یہ نیا تجربہ تھا۔ میں نے تحریک کی تھی کہ نوجوان اپنی زندگیاں وقف کریں اور باہر نکل جائیں اور یہ بھی نیا تجربہ تھا۔ دوست اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالیں اور یہ بھی نیا تجربہ تھا۔ پھر صنعتی اداروں کا اجراء بھی نیا تجربہ تھا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں ان سب میں کم و بیش کامیابی ہوئی۔ سینکڑوں نوجوانوں نے اپنی زندگیاں وقف کیں اور بیسیوں باہر نکل گئے۔ کوئی کہیں چلا گیا کوئی کہیں۔ بعض تین تین سال سے بمبئی اور کراچی میں بیٹھے ہیں۔ وہ کسی بیرونی ملک میں جانے کے ارادہ سے گھروں سے نکلے تھے۔ لیکن چونکہ اب تک کوئی صورت نہیں بن سکی اس لئے ابھی تک اسی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کے والدین چٹھیاں لکھتے ہیں۔ مجھ سے بھی سفارشیں کراتے ہیں۔ مگر وہ یہی التجا کرتے ہیں کہ جو ارادہ ایک دفعہ کر لیا۔ اب اسے پورا کرنے کی اجازت دی جائے۔ بعض ان میں سے اتنی چھوٹی عمر کے ہیں کہ ابھی داڑھی مونچھ تک نہیں نکلی مگر اس راہ میں وہ ٹوکری تک اُٹھاتے ہیں۔ پھر بعض نوجوان بیرونی ممالک میں پہنچ گئے ہیں اور وہاں بھی کئی نئے تجربے ہمیں حاصل ہوئے ہیں۔ آپ لوگوں کو معلوم ہوگا کہ میں نے کہا تھا کہ ہم نے اپنے لئے مدنی طبع لوگوں کی تلاش کرنی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اب تک مختلف ممالک میں قریباً پندرہ مشن ہمارے قائم ہو چکے ہیں۔ امریکہ، اٹلی، ہنگری، پولینڈ، یوگو سلاویہ (یہ مشن البانیہ کے لئے ہے۔ لیکن چونکہ البانوی حکومت نے ہمارے مبلغ کو نکال دیا تھا، وہ وہاں کام کر رہا ہے) فلسطین، جاوا، سٹریٹ سیٹلمنٹ، جاپان، چین، افریقہ۔ ان میں کئی مبلغ ایسے ہیں جو ہمارے خرچ پر گئے ہیں۔ کئی اپنے خرچ پر گئے ہیں۔ بعض تجارتوں کے ذریعہ سے اچھے گزارے کر رہے ہیں اور بہت خوش ہیں۔ بعض ابھی مشکلات میں ہیں اور مختلف ممالک کے متعلق بھی ہمیں نئے تجربے ہوئے ہیں۔ مشرقی ممالک میں سوائے جاوا، سماٹرا، اور سٹریٹ سیٹلمنٹ کے ہمیں ابھی کامیابی نہیں ہوئی۔ چین اور جاپان میں ابھی تک بالکل کامیابی نہیں ہوئی بلکہ تازہ اطلاع جو آج ہی بذریعہ تار مجھے ملی ہے یہ ہے کہ جاپانی گورنمنٹ نے صوفی عبدالقدیر صاحب کو قید کر لیا ہے اور ضمناً میں ان کے لئے دُعا کی تحریک بھی کرتا ہوں۔ اس کے متعلق ہم اب تحقیقات کرائیں گے کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ لیکن بہر حال چوتھے سال کے ابتداء میں یہ واقعہ بھی اللہ تعالےٰ

کی طرف سے ایک قسم کا انذار ہے کہ سب حالات پر غور کر کے ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اس قسم کی مشکلات بھی تبلیغ کے رستہ میں حائل ہوں گی۔

صوفی عبدالقدیر صاحب تحریک جدید کے تجارتی صیغہ کے نمائندہ تھے۔ گویا وہ باقاعدہ مبلغ نہیں تھے اور ابھی زبان ہی سیکھ رہے تھے اور اب تو اُن کی واپسی کا حکم بھی جاری ہو چکا تھا کیونکہ دوسرے مبلغ یعنی مولوی عبدالغفور صاحب برادر مولوی ابوالعطاء صاحب وہاں جا چکے ہیں۔ تو تجارتی اغراض کے ماتحت جانے والے ایک احمدی کے لئے جب اس قدر مشکلات ہیں تو تبلیغ کے لئے جانے والوں کے لئے کس قدر ہوں گی۔ جہانتک معلوم ہو سکا ہے۔ ان پر الزام یہ لگایا گیا ہے کہ وہ جاپانی گورنمنٹ کے مخالف ہیں۔ اور یہ بھی ہمارے لئے ایک نیا تجربہ ہے۔ انگریز ہمیں کہتے ہیں کہ تم ہمارے خلاف ہو اور دوسری حکومتیں یہ کہتی ہیں کہ تم انگریزوں کے خیر خواہ ہو۔

بہرحال یہ سب نئے تجربے ہیں جو ہمیں حاصل ہو رہے ہیں اور ان سے پتہ لگ سکتا ہے کہ کس کس قسم کی روکاوٹیں ہمارے رستہ میں پیدا ہونے والی ہیں۔ پھر ایک نیا تجربہ یہ ہوا ہے کہ امریکن گورنمنٹ نے ہمارے مبلغ محمد ابراہیم صاحب ناصر کو اس بناء پر داخل ہونے کی اجازت نہیں دی کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کے قائل ہیں تو ہمیں ان مبلغوں کے ذریعہ سے نئی نئی مشکلات کا علم ہوا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی باتیں ہیں جن سے جماعت کے اندر بیداری پیدا ہوئی ہے۔ سادہ زندگی ہے۔ سنیما تھیٹروں وغیرہ کی ممانعت ہے۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کا حکم ہے۔ اس سے قوم میں نئی رُوح پیدا ہوتی ہے"[1]

فصل ہشتم

تحریک جدید کا دوسرا (ہفت سالہ) دور

۲۶ نومبر ۱۹۳۷ء کو تحریک جدید کا دوسرا ہفت سالہ دور شروع ہوا جو اپریل ۱۹۴۴ء تک جاری رہا۔

---

[1] خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ نومبر ۱۹۳۷ء مطبوعہ "الفضل" ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۵-۶۔

یہ دس سالہ دور (جو ۱۹۳۴ء سے شروع ہوا، اور "دفتر اوّل" ¹ کے نام سے موسوم کیا گیا) متعدد خصوصیات کا حامل تھا مثلاً چندہ تحریک جدید میں تخفیف، نئے مطالبات کا اضافہ، مستقل وقف زندگی کی تحریک، واقفین کی باقاعدہ ٹریننگ۔ سینما کی مستقل ممانعت، دیہاتی مبلغین کی اہم سکیم، دنیا کی مشہور زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی تیاری، وقف زندگی کی وسیع تحریک، تحریک وقف جائداد وغیرہ۔

القاء الٰہی سے دس سالہ دور کا تقرر

تحریک جدید کا جب سہ سالہ دور ختم ہوا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے القاء الٰہی کے تحت اُسے دس سال تک ممتد فرما دیا۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں:۔

"یہ عجیب بات ہے کہ متعدد دوستوں کی طرف سے مجھے چٹھیاں آچکی ہیں کہ میں اس تحریک کو تین سال میں ختم کرنے کی بجائے دس سال تک بڑھا دوں۔ میرا اپنا بھی خیال اس نئے سال سے اسی قسم کا اعلان کرنے کا تھا۔ پس ان تحریکوں کو جو بالکل میرے خیال سے توارد کھا گئیں۔ مجھے یقین ہوا کہ یہ الٰہی القاء ہے" ²

ہفت سالہ دور مقرر کرنے کی حکمت

حضور رضی اللہ عنہ کے پیش نظر ہفت سالہ دور مقرر کرنے میں ایک بھاری حکمت مضمر تھی۔ چنانچہ فرمایا:۔

"بعض پیشگوئیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۴۲ء یا ۱۹۴۴ء تک کا زمانہ ایسا ہے جس تک سلسلہ احمدیہ کی بعض موجودہ مشکلات جاری رہیں گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کر دے گا کہ بعض قسم کے ابتلاء دُور ہو جائیں گے اور اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے نشانات ظاہر ہو جائیں گے کہ جن کے نتیجہ میں بعض مقامات کی تبلیغی روکیں دُور ہو جائیں گی اور سلسلہ احمدیہ نہایت تیزی سے ترقی کرنے لگ جائے گا۔ پس میں نے چاہا کہ اس پیشگوئی کی جو آخری حد ہے یعنی ۱۹۴۴ء، اس وقت تک تحریک جدید کو لے جاؤں تا آئندہ آنے والی مشکلات میں اُسے ثبات حاصل ہو" ³

---

¹ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے یکم دسمبر ۱۹۴۴ء کو ارشاد فرمایا:۔
"میرے نزدیک تحریک جدید کا دوسرا حصہ جس میں نئے حصہ لینے والے شامل ہوں اس کے لئے الگ رجسٹر کھولا جائے جس کا نام دفتر ثانی رکھ دیا جائے۔ پہلے دس سالوں سے جو لوگ حصہ لیتے آرہے ہوں ان کے نام جس رجسٹر میں درج ہوں اس کا نام دفتر اوّل رکھ دیا جائے" (الفضل ۷ دسمبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۲)

² "الفضل" ۳ دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۲ کالم ۴ ۔ ³ "الفضل" ۳ جنوری ۱۹۳۸ء

یہ پیشگوئی آئندہ چل کر کس شان سے پوری ہوئی اس کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

چندہ تحریک جدید میں تخفیف

۲۶ نومبر ۱۹۳۷ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تحریک جدید کے دوسرے سات سالہ دَور کا اعلان فرمایا[1] اور اس دَور کے لئے مالی قربانی کی نئی شرح تجویز کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

"اس سال کے لئے میری تحریک یہی ہے کہ جتنا کسی شخص نے اس تین سالہ دَور کے پہلے سال چندہ دیا تھا اتنا ہی چندہ اس سال دے۔ پھر میری سکیم یہ ہے کہ ہر سال اس چندہ میں سے دس فیصدی کم کرتے چلے جائیں گے۔ یعنی جس نے اس سال سَو روپیہ چندہ دیا ہے اس سے اگلے سال نوّے روپے لئے جائیں گے پھر اس سے اگلے سال اسّی روپے پھر تیسرے سال ستّر روپے پھر چوتھے سال ساٹھ روپے پھر پانچویں سال پچاس روپے اور پھر یہ پچاس فیصدی چندہ باقی دو سال مسلسل چلتا چلا جائے گا"[2]

مطالبات تحریکِ جدید میں اضافہ

دسمبر ۱۹۳۷ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے پانچ مزید مطالبات فرمائے جن سے مطالبات تحریک جدید کی تعداد چوبیس تک جا پہنچی۔ اِن مطالبات کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

بیسواں[۲۰] مطالبہ۔ اپنی جائدادیں سے عورتوں کو ان کا شرعی حصہ ادا کریں۔

اکیسواں[۲۱] مطالبہ۔ عورتوں کے حقوق و احساسات کا خیال رکھیں۔

بائیسواں[۲۲] مطالبہ۔ ہر احمدی پورا پورا امین ہوگا اور کسی کی امانت میں خیانت نہیں کرے گا۔

تیئیسواں[۲۳] مطالبہ۔ مخلوقِ خدا کی خدمت کرو۔ اپنے ہاتھوں سے کام کرو اور خود محنت کرکے اپنے گاؤں وغیرہ کی صفائی کرو۔

چوبیسواں[۲۴] مطالبہ۔ ہر احمدی کو اپنے دل میں یہ اقرار کرنا چاہیئے کہ آئندہ وہ اپنا کوئی مقدمہ جس کے متعلق گورنمنٹ مجبور نہیں کرتی کہ اُسے سرکاری عدالت میں لے جایا جائے عدالت میں نہیں لے جائے گا بلکہ اپنے عدالتی بورڈ اور اپنے قاضی سے شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ کرائیگا اور جو بھی وہ فیصلہ کرے گا اُسے شرح صدر کے ساتھ قبول کرے گا"[3]

---

[1] "الفضل" ۴ر دسمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۵ ۔ [2] ایضاً صفحہ ۱۳ کالم ۱

[3] "انقلاب حقیقی" صفحہ ۱۲۵ تا ۱۲۸ (لیکچر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جلسہ سالانہ ۱۹۳۷ء)

مُطالبہ سادہ زندگی میں مستثنیات

اس دَور میں حضور نے مطالبہ سادہ زندگی میں کچھ مستثنیات فرمادیں مثلاً حضور نے اجازت دے دی کہ عیدوں کی طرح جُمعہ کو بھی دو کھانے کھائے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح حضور نے یہ پابندی بھی اُٹھادی کہ "اگر اپنا ہی کوئی احمدی دوست مہمان ہو تو دسترخوان پر میزبان صرف ایک ہی کھانا کھائے" اب حضور نے اجازت دے دی کہ "اگر کوئی ایسا مہمان ہو جس کے لئے ایک سے زائد کھانے پکائے گئے ہوں تو اس صورت میں خود بھی دو کھانے کھانا جائز ہوں گے مگر شرط یہ ہے کہ کوئی غیر مہمان ہو۔ یہ نہ ہو کہ اپنے ہی رشتہ دار بغیر کسی خاص تقریب کے اکٹھے ہوں اور اُن کے لئے (جُمعہ کے استثناء کے علاوہ) ایک سے زائد کھانے تیار کرلئے جائیں اور خود بھی دو دو کھانے کھائے جائیں"۔ قبل ازیں حضور ایک استثناء گذشتہ سالوں میں کرچکے تھے اور وہ یہ کہ رسمی اور حکام کی دعوتوں میں ایک سے زیادہ کھانے کھانا یا کھلانا جو ملک کے رواج کے مطابق ضروری ہوں جائز رکھے گئے۔[1]

مستقل وقف کی تحریک

جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ حضور نے ابتداءً افراد جماعت کے سامنے صرف تین سال کے وقف کرنے کی تحریک فرمائی تھی۔ لیکن کام کی وسعت کے پیشِ نظر ۱۷ دسمبر ۱۹۳۷ء کو مستقل وقف زندگی کی تحریک کی اور ساتھ ہی وضاحت فرمائی کہ

"آئندہ جو لوگ اپنے آپ کو وقف کریں وہ یہ سمجھ کر کریں کہ اپنے آپ کو فنا سمجھیں گے اور جس کام پر اُن کو لگایا جائے گا اس پر محنت، اخلاص اور عقل وعلم سے کام کریں گے۔ عقل اور علم کا اندازہ کرنا تو ہمارا کام ہے مگر محنت، اطاعت اور اخلاص سے کام کا ارادہ ان کو کرنا چاہیئے اور دوسرے یہ بھی خیال کرلینا چاہیئے کہ وقف کے یہ معنے نہیں کہ وہ خواہ کام کے لئے موزوں ثابت ہوں یا نہ ہوں ہم ان کو علیحدہ نہیں کریں گے یا سزا نہیں دیں گے۔ صرف وہی اپنے آپ کو پیش کرے جو سزا کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ جن قوموں کے افراد میں سزا برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہوتی وہ ہمیشہ ہلاک ہی ہوا کرتی ہیں۔ صحابہ کو دیکھو وہ بعض اوقات ضرورت سے زیادہ سزا برداشت کرتے تھے اور خود بخود کرتے تھے۔ . . . پس وقف کرنے والوں کے لئے ان پانچوں اوصاف کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سزا برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں اور بعد میں یہ نہ کہیں کہ اُس وقت ہمیں نوکری مل سکتی تھی۔ پس وہی آگے آئے جس کی نیت یہ ہو کہ میں پوری کوشش

---

[1] "الفضل" ۱۱ فروری ۱۹۳۸ء صفحہ ۲-۳-۵

کروں گا۔ لیکن اگر نکما ثابت ہوں تو سزا بھی بخوشی برداشت کروں گا"۔ . . .

"مجھے امید ہے کہ ہمارے نوجوان ان شرائط کے ماتحت جلد از جلد اپنے نام پیش کریں گے تا اس سکیم پر کام کرسکیں جو میرے مدّ نظر ہے۔ ہم آدمی تو تھوڑے ہی لیں گے مگر جو چند آدمی سینکڑوں میں سے چُنے جائیں گے وہ بہر حال ان سے بہتر ہوں گے جو پانچ سات میں سے چُنے جائیں۔ پچھلی مرتبہ قریباً دو سو نوجوانوں نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا اور مجھے امید ہے کہ اب اس سے بھی زیادہ کریں گے جنہوں نے پچھلی مرتبہ اپنے آپ کو پیش کیا تھا وہ اب بھی کر سکتے ہیں بلکہ جو کام پر لگے ہوئے ہیں وہ بھی چاہیں تو اپنے نام پیش کرسکتے ہیں کیونکہ ان کی تین سال کی مدت ختم ہوگئی ہے۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ تین سال تو ہم جانتے نہیں جب ایک دفعہ اپنے آپ کو پیش کر دیا تو پھر پیچھے کیا ہٹنا ہے۔ اُن کو بھی قانون کے ماتحت پھر اپنے نام پیش کرنے چاہئیں۔ کیونکہ پہلے ہمارا مطالبہ صرف تین سال کے لئے تھا۔ اور جو بھی اپنے آپ کو پیش کریں پختہ عزم اور ارادہ کے ساتھ کریں" [۱]

مستقل واقفین کی ٹریننگ

مندرجہ بالا تحریک کے نتیجہ میں تحریک جدید کے دَورِ ثانی کو یہ عظیم خصوصیت حاصل ہوئی کہ کئی مخلص نوجوان مستقل طور پر اپنی زندگی وقف کرکے حضور کے قدموں میں آگئے اور حضور کی خصوصی توجہ اور تعلیم و تربیت اور دعاؤں نے نہایت قلیل گذارہ پانے والی مستقل واقفین کی ایثار پیشہ، مخلص اور قربانی کرنے والے مجاھدوں کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جس نے آئندہ چل کر اسلام اور احمدیت کی عظیم الشان اور ناقابل فراموش خدمات انجام دیں اور نہ صرف بیرونی دُنیا میں مشن قائم کئے بلکہ مرکز میں نئے مبلغین کو تیار کرنے میں ہر ممکن جد و جہد کی جو حضور کی قوت قدسی کی دلیل اور شاندار کارنامہ ہے جس کو جتنا بھی سراہا جائے بہت کم ہے۔ ان واقفین نے قناعت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہوئے دین کو دُنیا پہ مقدم کرنے کا عملی ثبوت پیش کیا۔ حضرت امیر المؤمنین انہی جانفروش واقفین کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :-

"مَیں تحریک جدید کے دَورِ ثانی میں مستقل کام کی داغ بیل ڈالنے کے لئے مالی .... تحریک کے علاوہ کہ وہ بھی مستقل ہے، ایک مستقل جماعت واقفین کی تیار کر رہا ہوں۔ دَورِ اوّل میں مَیں نے کہا تھا کہ نوجوان تین سال کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں مگر دَورِ ثانی میں وقف عمر بھر کے لئے

---

[۱] "الفضل" ۲۲ر دسمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۷، کالم ۳ ۔

ہے اور اب یہ واقفین کا ہرگز حق نہیں کہ وہ خود بخود کام چھوڑ کر چلے جائیں۔ ہاں ہمیں اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ اگر ہم انہیں کام کے ناقابل دیکھیں تو انہیں الگ کر دیں۔ پس یہ سہ سالہ واقفین نہیں بلکہ جس طرح یہ دَور مستقل ہے اسی طرح یہ وقف بھی مستقل ہے اور اس دَور میں کام کی اہمیت کے پیشِ نظر مَیں نے یہ شرط عائد کر دی ہے کہ صرف وہی نوجوان لئے جائیں گے جو یا تو گریجوایٹ ہوں یا مولوی فاضل ہوں۔ اور جو نہ گریجوایٹ ہوں اور نہ مولوی فاضل، انہیں نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ ان لوگوں نے علمی کام کرنے ہیں۔ اور اس کے لئے یا تو دینی علم کی ضرورت ہے یا دُنیوی علم کی۔ اس دَور میں تین چار آدمیوں کو مستثنیٰ کر کے کہ وہ گریجوایٹ نہیں کیونکہ وہ پہلے دَور کے بقیہ واقفین میں سے ہیں، باقی سب یا تو گریجوایٹ ہیں یا مولوی فاضل ہیں۔ چنانچہ اس وقت چار گریجوایٹ ہیں اور چار ہی مولوی فاضل ہیں۔ کُل غالباً بارہ نوجوان ہیں۔ چار ان میں سے غیر گریجوایٹ ہیں۔ مگر ہیں سب ایسے ہی جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے محنت سے کام کرنے والے اور سلسلہ سے محبت رکھنے والے ہیں . . . . میرا منشاء ہے کہ ان میں سے بعض کو مرکز کے علاوہ باہر بھجوا کر اعلیٰ تعلیم دلوائی جائے اور علمی اور عملی لحاظ سے اس پایہ کے نوجوان پیدا کئے جائیں جو تبلیغ، تعلیم اور تربیت کے کام میں دنیا کے بہترین نوجوانوں کا مقابلہ کر سکیں بلکہ اُن سے فائق ہوں۔ صرف انہیں مذہبی تعلیم دینا ہی میرے مدّنظر نہیں۔ بلکہ میرا منشاء ہے کہ انہیں ہر قسم کی دُنیوی معلومات بہم پہنچائی جائیں اور دنیا کے تمام علوم انہیں سکھائے جائیں تا دُنیا کے ہر کام کو سنبھالنے کی اہلیت اُن کے اندر پیدا ہو جائے۔ ان نوجوانوں کے متعلق میری سکیم جیسا کہ مَیں گذشتہ مجلسِ شوریٰ کے موقع پر بیان کر چکا ہوں، یہ ہے کہ انہیں یورپین ممالک میں بھیج کر اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلائی جائے۔ اور جب یہ ہر قسم کے علوم میں ماہر ہو جائیں تو انہیں تنخواہیں نہ دی جائیں بلکہ صرف گذارے دیئے جائیں اور اُن کے گذارہ کی رقم کا انحصار علمی قابلیت کی بجائے گھر کے آدمیوں پر ہو جیسا کہ صحابہؓ کے زمانہ میں ہوا کرتا تھا اور یُوں انتظام ہو کہ جس کی بیوی ہوئی یا بچے ہوئے اُسے زیادہ الاؤنس دے دیا۔ اور جس کے بیوی بچے نہ ہوئے اُسے کم گذارہ دے دیا۔ یا کسی نوجوان کی شادی ہونے لگی تو اُسے تھوڑی سی امداد دے دی۔"[1]

مجاہدین تحریک جدید کو اُن دنوں نہایت معمولی خرچ دیا جاتا تھا جس کی تفصیل خود حضور کے الفاظ میں پیش

[1] "الفضل" ۲۴ نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۸-۹

کی جاتی ہے۔ حضور نے فرمایا:۔

"میری کوشش یہ ہے کہ اس دَور میں سَو واقفینِ زندگی ایسے تیار ہو جائیں جو علاوہ مذہبی تعلیم رکھنے کے ظاہری علوم کے بھی ماہر ہوں اور سلسلہ کے تمام کاموں کو حزم و احتیاط سے کرنے والے اور قربانی و ایثار کا نمونہ دکھانے والے ہوں۔ اس غرض کے لئے تعلیمی اخراجات کے علاوہ ہمیں ان لوگوں کو گذارے بھی دینے پڑیں گے اور یہ گذارہ پندرہ روپے فی کس مقرر ہے۔ اگر ایک گریجوایٹ بھی ہو تو اُسے بھی ہم پندرہ روپے ہی دیتے ہیں زیادہ نہیں اور یہ اتنا قلیل گذارہ ہے کہ بعض یتامیٰ و مساکین کے وظائف اسی کے لگ بھگ ہیں۔ مگر باوجود اس کے کہ گذارہ انہیں اتنا تھوڑا دیا جاتا ہے جتنا بعض یتامیٰ اور مساکین کو بھی ملتا ہے وہ کام بھی کرتے ہیں اور انہوں نے اپنی تمام زندگی خدمتِ دین کے لئے وقف کی ہوئی ہے۔ سردست ہمارا قانون یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی کی شادی ہو جائے تو اُسے بیس روپے دیئے جائیں اور پھر بچے پیدا ہوں تو فی بچہ تین روپے زیادہ کئے جائیں اور اس طرح چار بچوں تک یہی نسبت قائم رہے۔ گویا ان کے گذارہ کی آخری حد بتیس ۳۲ روپے ہے مگر یہ بھی اس وقت ملیں گے جب ان کے گھروں میں چھ کھانے والے ہو جائیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ گذارہ کم ہے۔ اسی طرح بچوں کی حد بندی کرنی بھی درست نہیں اور اُسے جلد سے جلد دُور کرنا چاہیئے مگر فی الحال ہماری مالی حالت چونکہ اس سے زیادہ گذارہ دینے کی متحمل نہیں اس لئے ہم اس سے زیادہ گذارہ نہیں دے سکتے۔ اور انہوں نے بھی خوشی سے اس گذارہ کو قبول کیا ہے۔" [۱]

منتخب واقفین کیلئے ہدایات

منتخب واقفین کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور دفتر تحریک جدید کی طرف سے جو ہدایات وقتاً فوقتاً جاری کی جاتی رہیں ان کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

۱۔ محنت صحت سے نہیں ہوتی بلکہ بشاشت سے ہوتی ہے۔

۲۔ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے رہنا چاہیئے اور جب اپنے آپ میں محسوس ہو کہ اب مَیں فرائضِ معاہدہ کو ادا نہیں کر سکتا تو اسے اسی وقت علیحدہ ہو جانا چاہیئے۔

۳۔ ترقی کرنے والی قومیں محض روزمرّہ کے کام سے نہیں ترقی کرتیں کیونکہ اس کی غرض تو محض قومی زندگی قائم رکھنا

---

[۱] "الفضل" ۲۴ نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۰

ہوتی ہے اور یہ قلیل ترین چیز ہوتی ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیئے کہ کونسے کام ایسے ہیں کہ جن کو ہم نے بعد میں کرنا ہے دشمن کیا کر رہا ہے۔ دنیا کس طرح ترقی کر رہی ہے، ہمیں ان کا مقابلہ کس طرح کرنا ہے۔

۴۔ نوجوانوں میں یہ رُوح ہونی چاہیئے کہ بغیر روپے کے کام کرنا ہے۔

۵۔ جب تک ہم نتیجہ کے ذمہ دار نہ بنیں، ترقی نہیں کر سکتے۔ لوگ اس مسئلہ سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں کہ "کام انسان کرتا ہے نتیجہ خدا پیدا کرتا ہے" كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ أُرِيْدَ بِهِ الْبَاطِلُ۔ اسی طرح توکل سے بھی لوگوں نے غلط مفہوم لیا ہے۔

۶۔ انفرادی قربانی ضروری ہے تاکہ قوم سُست نہ ہو شکست خوردہ جرنیل اپنے آپ کو گولی مار لیتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میرا کام غلبہ حاصل کرنا ہے۔ شریعت میں بھی پیچھے ہٹنے کی سزا جہنم ہے۔ کمی تعداد اور معذوریوں کا کوئی سوال نہیں ہے۔ پس جو کامیاب نہیں ہوتا اُسے سزا بھگتنی چاہیئے۔ اسی لئے یہ اصول رکھا گیا ہے کہ سزا لینے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ ہم صحیح طور پر اپنی ذمہ واری کا اندازہ نہیں لگاتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دماغ کام نہیں کرتا بلکہ بھاگنے کے راستے ڈھونڈتا ہے۔ ہر واقفِ زندگی کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ خواہ حالات کس قدر سخت ہوں ناکامی کی ذمہ واری میری ہے۔

۷۔ بہادر وُہ ہے جو ہر قسم کی قربانی کر سکے نہ کہ وہ جو خاص قسم کی قربانی کر سکے لیکن دوسری قسم کی قربانی نہ کر سکے۔

۸۔ وقت کی قربانی اہم ترین چیزوں میں سے ہے اور اس سے زیادہ قربانی وہ ہے جسے دُنیا WASTE OF TIME کہتی ہے۔ دُنیا اِسے گناہ سمجھتی ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ جب یہ قربانی کے مقام پر کی جائے تو یہ اعلیٰ درجہ کی قربانی ہے۔ جیسے نمازی انتظار میں بھی نمازی ہے۔ بظاہر یہ وقت کا ضیاع ہے۔ اصل میں مقصود نماز کی عظمت کا اظہار ہے۔ پس مقصود کے لئے انتظار بڑی قربانی ہے۔ پس انتظار کا نام ضیاع وقت نہیں رکھنا چاہیئے کیونکہ یہ اُس کے علم کو بڑھانے والی بات ہے کیونکہ علم اپنی اہمیت سے آتا ہے۔

۹۔ وقف سے ایک غرض یہ ہے کہ جھوٹ کو مٹایا جائے خواہ کس قدر چھوٹا سے چھوٹا ہو۔ کوئی بھی جھوٹ اگر ثابت ہوا تو سخت سے سخت سزا دی جائے گی۔ وقف ٹوٹ سکتا ہے اور جماعت میں اِعلان ہو سکتا ہے۔ خواہ دین کی خاطر ہی ہو۔ سچ بولنے سے اِنکار کیا جا سکتا ہے لیکن سچ کے خلاف بیان کرنے کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ ہاں اسلامی عدالت میں گواہی سے انکار نہیں ہو سکتا۔ سرکاری عدالت میں (شرع کے رُو سے) ایسا ہو سکتا ہے۔ اُس صورت میں سرکاری سزا برداشت کرنے کے بھی اُسے تیار رہنا چاہیئے۔

واقفین کو بھی یہی کیریکٹر جماعت میں پیدا کرنا چاہیئے کیونکہ سلسلہ کا فائدہ جھوٹ سے وابستہ نہیں۔ اسلام کی بنیاد قُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا پر ہے۔

اس حد تک اس امر کا احساس ہونا چاہیئے کہ جو کبھی جھوٹ بولے وہ خود آکر کہے کہ میں نے جھوٹ بولا ہے، میرا وقف منسُوخ کریں اور پھر سزا برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔

۱۰۔ عقل اُس وقت کمزور ہوتی ہے جب انسان مشکلات کے وقت اپنے دماغ پر پورا زور نہیں دیتا۔ اور عذر تلاش کرنے کے درپے ہو جاتا ہے۔ ورنہ اگر مشکلات کے وقت عقل سے کام لیا جائے اور دماغ پر زور ڈالا جائے تو اس کا صحیح حل جلدی ہی مل سکتا ہے"[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اظہارِ خوشنودی

واقفین نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے مقدور بھر کوشش کی کہ حضرت امیر المومنینؓ کی ہدایات پر پُوری طرح عمل پیرا ہوں چنانچہ حضور نے واقفین کی قربانی، خلوص اور محنت شاقہ پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ضروری ہے کہ وہ نوجوان جو بغیر روپیہ کے کام کرنے کے لئے تیار ہوں وہ اپنی زندگیاں وقف کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے بعض نوجوان ہمیں ایسی ہی رُوح رکھنے والے دیئے ہوئے ہیں چنانچہ ان واقفین زندگی میں ایک وکیل[2] ہیں۔ ان کے والد کئی مربعوں کے مالک ہیں اور وہ اپنے علاقہ کے رئیس اور مرکزی اسمبلی کے ووٹروں میں سے ہیں۔ وہ شادی شُدہ ہیں مگر ہم انہیں بیس روپے ہی دیتے ہیں اور وہ خوشی سے اُسے قبول کر لیتے ہیں۔ حالانکہ زمیندار ہونے کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ اپنے علاقہ میں انہیں رسُوخ حاصل ہے۔ اگر وہ وکالت کرتے سَو ڈیڑھ سَو روپیہ ضرور کما لیتے۔ بلکہ ہوشیار آدمی تو آجکل کے گرے ہوئے زمانہ میں بھی دو اڑھائی سَو روپیہ کما لیتا ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے آپ کو وقف کیا اور قلیل گذارے پر ہی وقف کیا اور میں تو اس قسم کے وقف کو بغیر روپیہ کے کام کرنا ہی قرار دیتا ہوں۔ کیونکہ جو کچھ ہماری طرف سے دیا جاتا ہے وہ نہ دیئے جانے کے برابر ہے۔ اسی طرح اور کئی گریجوایٹ ہیں جو اپنی ذہانت کی وجہ سے اگر باہر کہیں کام کرتے تو بہت زیادہ کما لیتے مگر ان سب نے خوشی اور بشاشت کے ساتھ اپنی زندگی وقف کی ہے۔ پس گو تحریک جدید کے واقفین ایک قلیل گذارہ لے رہے ہیں مگر عقلاً انہیں بغیر گذارہ کے ہی کام کرنے والے سمجھنا چاہیئے

---

[1] "مطالبات تحریک جدید" مرتبہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور وکیل الدیوان تحریک جدید قادیان طبع چہارم صفحہ ۸۲ - ۸۶ ۔

[2] یعنی چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ (ناقل)

کیونکہ اُن کے گذارے اُن کی لیاقتوں اور ضرورتوں سے بہت کم ہیں۔" [۱]

نصاب کی تشکیل

دورِ ثانی کے ان واقفین کی تعلیم کی تکمیل کے لئے ان کی قابلیتوں اور آئندہ ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر نصاب تجویز کئے جاتے رہے۔ حضور رضی اللہ عنہ کا منشاء مبارک دراصل شروع میں زیادہ لمبی تعلیم دلانے کا نہ تھا بلکہ جلد بیرونی ممالک میں بھجوانے کا تھا چنانچہ کئی ایک پاسپورٹ تیار کروائے گئے کہ اچانک دوسری عالمگیر جنگ شروع ہوگئی۔ اب حضور رضی اللہ عنہ نے مناسب سمجھا کہ ان واقفین کی مختلف لائنوں میں تربیت کی جائے۔ حضور نے حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشورہ کے بعد مختلف لائنیں مثلاً حدیث، فقہ، تفسیر، منطق وفلسفہ، تصوف مقرر فرما دیں اور فرمایا کہ طلبہ کو کہیں کہ ہر ایک کو اختیار ہے کہ اپنی اپنی لائن منتخب کرلیں۔[۲] لیکن چونکہ عربی علوم کی کتب پڑھنے کے لئے بُنیادی علم صرف ونحو کا حاصل کرنا ضروری تھا۔ اس لئے حضور رضی اللہ عنہ نے اس علم کا حاصل کرنا ہر واقف کے لئے ضروری قرار دیا۔ چنانچہ صرف ونحو کی ابتدائی کتب سے لیکر انتہائی کتب تک سب واقفین کو پڑھنا پڑیں۔ لیکن اس کے لئے کلاسز نہیں بنائی گئیں بلکہ نصاب تجویز کر دیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ ہر واقف اساتذہ سے مدد لے کر اپنی اپنی ذہنی استعداد کے مطابق جلد سے جلد نصاب ختم کرے۔ بقیہ علوم کے لئے باقاعدہ کلاسز ہوتی رہیں۔

صرف میں قانونچہ[۳] کھیوالی مصنفہ مولوی خان ملک صاحب کا زبانی یاد کرنا لازمی تھا۔ اسی طرح آخری کتاب فصول اکبری کا امتحان پاس کرنا تھا۔ نحو میں نحو میر سے لے کر قافیہ تہذیب التوضیح اور شرح مُلا جامی تک سب کتب درساً پڑھائی گئیں اور امتحان پاس کرنے کے لئے کڑی شرائط رکھی گئیں تاکہ ٹھوس بُنیادوں پر علمی قابلیت پیدا ہو۔

واقفین کے اساتذہ

دورِ ثانی کے واقفین کو وقتاً فوقتاً مندرجہ ذیل اساتذہ نے تعلیم دی:۔

۱۔ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ (جلالین۔ بیضاوی اور نحو) ۲۔ مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی (۱۹۴۲ء سے۔ حدیث۔ فقہ۔ نحو۔ کتب مسیح موعودؑ) ۳۔ مولوی عبد اللطیف صاحب بہاولپوری (صرف ونحو۔ قانونچہ۔ فصول اکبری۔ کافیہ شافیہ۔ تہذیب التوضیح۔ فقہ وکنز۔ قدوری۔ شرح وقایہ۔ ہدایہ) ۴۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ عنہ (تصوف) ۵۔ مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری (علم معانی) ۶۔ صاحبزادہ سید ابوالحسن صاحب قدسی (مقدمہ ابن خلدون) ۷۔ مولانا قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری (فارسی)

---

[۱] "الفضل" ۲۴ نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۰-۱۱ ۞ [۲] اصحاب احمد جلد پنجم حصہ سوم صفحہ ۱۴۷ ۞ [۳] چونکہ قانونچہ پنجابی میں تھا اس کے قوانین کا مختصر سا خلاصہ اردو میں لکھوایا گیا جو مکرم مولوی عبد اللطیف صاحب بہاولپوری نے مرتب کیا اور وہی کورس میں رکھا گیا۞

۸۔ مولوی ارجمند خاں صاحب (فقہ) ۹۔ شیخ عبدالخالق صاحب نومسلم فاضل[1] (۱۹۴۲ء سے) (رد عیسائیت) ۱۰۔ قریشی محمد نذیر صاحب ملتانی (قرآن شریف۔ صرف و نحو) ۱۱۔ مولوی سکندر علی صاحب ہزاروی[2] (فقہ۔ اصول فقہ) ۱۲۔ پیر عبدالعزیز شاہ صاحب کھیوال متصل ساہیوال ضلع سرگودھا[3] (منطق و فلسفہ۔ صرف و نحو۔ ترمذی شریف) ۱۳۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی (صرف و نحو) ۱۴۔ مولوی محمد احمد صاحب جلیل[4] (حدیث۔ ادب) ۱۵۔ ملک سیف الرحمٰن صاحب[5] (قرآن کریم باترجمہ۔ فصول اکبری) ۱۶۔ خانصاحب ڈاکٹر عبداللہ صاحب[6] پنشنر مرحوم (طب[7]) ۱۷۔ پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد (انگریزی) ۱۸۔ محمد سرور صاحب ایم۔اے[8] (انگریزی) ۱۹۔ مولوی محمد اسرائیل صاحب بالاکوٹ۔ (غیر احمدی عالم)

دارالمجاہدین

واقفین کی خصوصی تربیت و تعلیم کے لئے ۱۹۳۸ء[9] میں (بابو محمد سعید صاحب[10] پوسٹماسٹر کے مکان واقعہ دارالفضل میں) باقاعدہ دارالمجاہدین کا قیام عمل میں آیا۔ جہاں کچھ عرصہ واقفین قیام پذیر رہے۔ ازاں بعد ماسٹر شیخ مبارک اسمٰعیل صاحب[11] کی کوٹھی میں اور پھر ۱۹۴۰ء میں ڈاکٹر حاجی خاں صاحب کی کوٹھی واقع دارالانوار میں منتقل ہوا جہاں واقفین کی رہائش اور تعلیم دونوں کا انتظام تھا۔ یہ دارالمجاہدین ہجرت ۱۹۴۷ء تک قائم رہا۔

واقفین میں مجاہدانہ سپرٹ پیدا کرنے کے لئے مختلف اقدامات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے نزدیک ہر واقف مجاہد تھا۔ اسی لئے حضور نے واقفین کی ٹریننگ میں خاص طور پر یہ امر ملحوظ رکھا۔ کہ مجاہدین تحریک جدید اپنا بلند مقام پہچانیں اور تحریک جدید کو مجاہدانہ معاہدہ سمجھتے ہوئے جہاد کی رُوح کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ چنانچہ حضور نے فرمایا :۔

---

[1] ۱۹۴۲ء سے آپ نے تعلیم دینا شروع کی ۔ [2] غیر احمدی عالم تھے جنہیں باقاعدہ تنخواہ پر اُستاد رکھا گیا تھا۔ [3] بیعت ۱۹۴۰ء۔ قریباً ۲½ سال تک پڑھاتے رہے ۔ [4] و [5] آپ متعلم بھی تھے اور معلم بھی ۔ [6] والد ماجد میاں بشیر احمد صاحب سابق امیر جماعت کوئٹہ ۔ [7] حضور کے ارشاد کے ماتحت جملہ واقفین کے لئے ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب کی کتاب "مخزن حکمت" ہر دو جلد کا مطالعہ بھی لازمی قرار دیا گیا ۔ [8] ابن مکرم ڈاکٹر سید ولایت شاہ صاحب آف افریقہ ۔ [9] "الفضل" ۸ دسمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۹ کالم ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۳۸ء کے اوائل سے واقفین کی پڑھائی شروع ہو چکی تھی ۔ [10] یہ مکان دارالفضل میں چوہدری غلام حسین صاحب مرحوم والد ماجد چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ کے مکان کے جانب جنوب واقع تھا ۔

[11] حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کے بھتیجے تھے۔ یہ کوٹھی ریتی چھلہ سے بھینی بانگر کی طرف جانے والے راستہ پر واقع ہے۔ اس کوٹھی میں صرف چند ماہ دارالواقفین رہا ہے ۔

"ہر واقف مجاہد ہے اور مجاہد پر اللہ تعالیٰ نے بہت ذمہ داریاں ڈالی ہیں۔ اُن کو پُورا کرنے والا ہی مجاہد کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے . . . . ہمارا مقابلہ تو ان قوموں سے ہے جن کے نوجوانوں نے چالیس چالیس سال تک شادی نہیں کی اور اپنی زندگیاں لیبارٹریوں میں گذار دیں اور کام کرتے کرتے میز پر ہی مر گئے اور جاتے ہوئے بعض نہایت مفید ایجادیں اپنی قوم کو دے گئے۔ مقابلہ تو ایسے لوگوں سے ہے کہ جن کے پاس گولہ بارُود اور دوسرے لڑائی کے ہتھیار نہ رہے تو انھوں نے امریکہ سے ردّی شدہ بندوقیں منگوائیں اور انہی سے اپنے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ انگلستان والوں نے کہا کہ بے شک جرمن آجائے ہم اس سے سمندر میں لڑیں گے۔ اگر سمندر میں لڑنے کے قابل نہ رہے تو پھر اس سے سمندر کے کناروں پر لڑیں گے اور اگر سمندر کے کناروں پر لڑنے کے قابل نہ رہے تو ہم اس سے شہروں کی گلیوں میں لڑیں گے اور اگر گلیوں میں لڑنے کے قابل نہ رہے تو ہم گھروں کے دروازوں تک مقابلہ کریں گے۔ اور اگر پھر بھی مقابلہ نہ کر سکے تو پھر کشتیوں میں بیٹھ کر امریکہ چلے جائیں گے مگر اس سے جنگ کرنا ترک نہیں کریں گے۔ ہمارا مقابلہ تو ایسے لوگوں سے ہے . . . . ہمیں تو ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے کہ جہاں ان کو کھڑا کیا جائے وہ وہاں سے ایک قدم بھی نہ ہلیں سوائے اس کے کہ اُن کی لاش ایک فٹ ہماری طرف گرے تو گرے لیکن زندہ انسان کا قدم ایک فٹ آگے پڑے پیچھے نہ آئے۔ ہمیں تو ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے اور یہی لوگ ہیں جو قوموں کی بنیاد کا کام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ کے متعلق فرماتا ہے کہ ان میں سے ہر آدمی کفن بر دوش ہے مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ کہ اُن میں سے کچھ لوگوں نے اسلام کی راہ میں اپنی جانیں دے دی ہیں اور کچھ انتظار کر رہے ہیں۔ یہ وقف ہے جو دُنیا میں تغیّر پیدا کیا کرتا ہے۔" [1]

واقفین میں مجاہدانہ رُوح اور سپاہیانہ انداز پیدا کرنے کے لئے حضور نے متعدد وسائل اختیار فرمائے۔

اوّل۔ واقفین کے لئے قطعی ہدایت تھی کہ وہ دارالواقفین میں رہیں۔ شادی شدہ واقفین کو ہفتہ میں صرف ایک بار یعنی جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو گھر جانے کی اجازت تھی اور مجرّد واقفین تھوڑے سے وقت کے لئے ہفتہ میں دو بار گھر جا سکتے تھے اور مہینہ میں ایک رخصت گھر گذار سکتے تھے۔

---

[1] "الفضل" ۳۰ جنوری ۱۹۴۶ء صفحہ ۷-۸۔

دوم۔ واقفین روزانہ ڈائری لکھنے کے پابند تھے۔ ڈائری میں خاص طور پر یہ ذکر کیا جانا ضروری تھا کہ انہوں نے کتنی نمازیں باجماعت ادا کی ہیں[1] اور کس مسجد میں؟ نیز یہ کہ تلاوت قرآن مجید کتنے دن کی ہے؟

سوم۔ واقفین ہر پندرہ روز کے بعد عموماً ایک مرتبہ حضرت اقدسؓ کی خدمت میں اجتماعی طور پر حاضر ہوتے تھے۔ اس طرح حضور کو براہ راست نگرانی کرنے اور طلبہ کو فیض حاصل کرنے کا موقعہ میسر آتا رہتا تھا حضور وقتاً فوقتاً مختلف علوم و فنون میں واقفین کا خود بھی امتحان لیتے۔

چہارم۔ چونکہ وہ زمانہ واقفین کی عملی ٹریننگ کا تھا اس لئے ان کی خاص توجہ سے نگہداشت کی جاتی تھی۔ کسی غلطی کو نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا اور اس پر گرفت ہو کر سزا دی جاتی تھی جیسے معین وقت کے لئے اعتکاف بیٹھنا، مقاطعہ یا خرچ کے بغیر لمبا پیدل سفر یا سب کے سامنے معافی مانگنا[2]۔

حضورؓ کا نظریہ اس بارہ میں یہ تھا کہ جب تک کسی قوم کے افراد کو سزا برداشت کرنے کی عادت نہ ہو۔ کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔

پنجم۔ حضور نے بار بار واقفین پر یہ حقیقت واضح فرمائی "کہ وقف کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جو کام سپرد ہو اُسے کیا جاوے اُسے دین ہی دین سمجھیں"

ششم۔ مجلس خدام الاحمدیہ نئی نئی قائم ہوئی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے اس مجلس کے کاموں میں واقفین کی شرکت لازمی قرار دی گئی تھی۔

---

[1] نماز باجماعت کی پابندی واقفین کے لئے اس قدر ضروری تھی کہ حضور نے جامعہ احمدیہ کے بعض طلبہ کو نمازیں غفلت کے باعث وقف سے فارغ فرما دیا اور بعض طلبہ کا وقف اس وجہ سے قبول نہیں فرمایا کہ وہ نماز باجماعت میں سُست پائے گئے (ملاحظہ ہو ریکارڈ وکالت دیوان تحریک جدید ربوہ)

[2] مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ حضور واقفین زندگی کا اعزاز و اکرام نہیں فرماتے تھے۔ حق یہ ہے کہ حضور کا واقفین سے محبت و شفقت کا سلوک اپنی مثال آپ تھا۔ حضور کی طرف سے دفتر تحریک جدید کو واضح ارشاد تھا کہ واقفین زندگی کو معزز الفاظ سے مخاطب کیا جائے۔ واقفین کا جو اکرام و اعزاز حضور فرماتے تھے وہ اس بات سے ظاہر ہے کہ ۱۹۴۴ء کے قریب حضور نے یہ اعلان فرمایا کہ میں آئندہ صرف اپنے افراد خاندان ہی کا نکاح پڑھوں گا۔ مگر اس اعلان سے واقفین کو مستثنیٰ رکھا۔ چنانچہ حضور نے مولوی نورالحق صاحب (ابوالمنیر) واقفِ زندگی کا خطبہ نکاح پڑھتے ہوئے ۱۰ اپریل ۱۹۴۴ء کو ارشاد فرمایا:-

"میں نے اعلان کیا ہوا ہے کہ میں سوائے اپنے عزیزوں کے اور کسی کا نکاح نہیں پڑھاؤں گا۔ مگر چونکہ یہ واقفِ زندگی ہیں اور اس وجہ سے میرے عزیزوں میں شامل ہیں اس لئے میں اس نکاح کا اعلان کر رہا ہوں"

("الفضل" ۲۲ جون ۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۴)

ہفتم۔ حضور شعار اسلامی کی خاص طور پر پابندی کرنے کا ارشاد فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے واضح ہدایت دے رکھی تھی :-

" واقفین اپنے سر کے بال اس طرح رکھیں کہ اس کے کسی حصہ کے بال دوسرے حصہ کے بالوں سے چھوٹے بڑے بالکل نہ ہوں۔ خواہ سارے بال چھوٹے ہوں خواہ سارے بال بڑے ہوں لیکن یکساں ہوں"

پھر فرمایا " داڑھی مومنوں والی ہو" اور اس کی تشریح دوسرے موقعہ پر یوں فرمائی :-

" ایسی داڑھی ہو کہ دیکھنے والے کہیں کہ یہ داڑھی ہے۔ باقی رہا یہ کہ کتنی ہو اس کے متعلق کوئی پابندی نہیں . . . . اصل چیز تو یہ ہے کہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حکموں کی اطاعت کی جائے اور ایسے رنگ میں کی جائے کہ لوگوں کو نظر آئے کہ اطاعت کی ہے۔"

ہشتم۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے واقفین میں جفاکشی اور مشقت کی عادت پیدا کرنے کے لئے اگست ستمبر ۱۹۳۹ء میں قادیان سے گلُو تک پیدل سفر کروایا۔ واقفین کو اپنا سامان (بستر کپڑے وغیرہ) خود اُٹھانے اور کھانا وغیرہ پکانے کا سب کام راستے میں اپنے ہاتھوں سے ہی سرانجام دینے کی ہدایت تھی۔ صرف راشن اور برتن اُٹھانے کے لئے باربرداری کے انتظام کی اجازت تھی۔ اس سفر میں چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ امیر سفر تھے۔[1] اس کے بعد واقفین نے زیر امارت مکرم مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی ۱۹۴۰ء میں ڈلہوزی کی طرف اور ۱۹۴۱ء میں چنبہ کی طرف پیدل سفر کیا۔ اگلے سال ۱۹۴۲ء میں مولوی غلام احمد صاحب مولوی فاضل بدوملہوی ہی کی زیر قیادت مجاہدین کا قافلہ قادیان سے جموں تک بذریعہ ریل پہنچا جہاں سے پیدل چل کر ۲۰ اگست کو سرینگر پہنچا۔[2] سرینگر سے واپسی پر شدید بارش اور راستہ کی خرابی کے باوجود واقفین نے سرینگر سے جموں تک کا سفر دو رات اور ڈیڑھ دن میں پیدل طے کیا۔

---

[1] مجاہدین کی یہ پارٹی ۷ ستمبر ۱۹۳۹ء کو واپس قادیان پہنچی (الفضل ۹ ستمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۳)

[2] "الفضل" ۱۷ ستمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۵ + حاشیہ۔ ۱۹۴۲ء میں کشمیر کا پیدل سفر کرنے والے واقفین :- مرزا منور احمد صاحب۔ ملک سیف الرحمٰن صاحب۔ مولوی محمد صدیق صاحب۔ شیخ عبدالواحد صاحب۔ چودھری غلام یٰسین صاحب۔ شیخ ناصر احمد صاحب۔ میاں عبدالحی صاحب۔ مولوی محمد احمد صاحب جلیل۔ چودھری خلیل احمد صاحب ناصر۔ حافظ قدرت اللہ صاحب۔ چودھری محمد شریف صاحب۔ ملک عطاء الرحمٰن صاحب۔ مولوی صدرالدین صاحب۔ چودھری کرم الٰہی صاحب ظفر۔ چودھری عبداللطیف صاحب۔

اس سفر میں مجاہدین کے خورد و نوش کے سامان اور برتنوں کی باربرداری کی خدمت میاں نظام الدین صاحب نے بخوشی سرانجام دی۔

اسی طرح ۱۹۴۴ء اور ۱۹۴۵ء میں بھی واقفین نے مکرم مولوی صاحب موصوف کی قیادت میں پھر ڈلہوزی کا پیدل سفر کیا اور وہاں کچھ عرصہ قیام کیا جہاں تعلیم کے لئے اساتذہ کرام بھی تشریف لے گئے ہوئے تھے۔[1]

تاہم یہ زمانہ چونکہ واقفین کی ٹریننگ اور تربیت کا تھا۔ اس لئے حضور رضؓ نے جماعت کو اس کی اہمیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

"آج نوجوانوں کی ٹریننگ اور اُن کی تربیت کا زمانہ ہے اور ٹریننگ کا زمانہ خاموشی کا زمانہ ہوتا ہے۔ لوگ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ کچھ نہیں ہو رہا۔ مگر جب قوم تربیت پا کر عمل کے میدان میں نکل کھڑی ہوتی ہے تو دنیا انجام دیکھنے لگ جاتی ہے۔ درحقیقت ایک ایسی زندہ قوم جو ایک ہاتھ کے اُٹھنے پر اُٹھے اور ایک ہاتھ کے گرنے پر بیٹھ جائے دُنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا کرتی ہے اور یہ چیز ہماری جماعت میں ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ ہماری جماعت میں قربانیوں کا مادہ بہت کچھ ہے مگر ابھی یہ جذبہ اُن کے اندر اپنے کمال کو نہیں پہنچا کہ جونہی ان کے کانوں میں خلیفۂ وقت کی طرف سے کوئی آواز آئے اس وقت جماعت کو یہ محسوس نہ ہو کہ کوئی انسان بول رہا ہے بلکہ یوں محسوس ہو کہ فرشتوں نے اُن کو اُٹھا لیا ہے اور صُور اسرافیل اُن کے سامنے پھُونکا جا رہا ہے۔ جب آواز آئے کہ بیٹھو تو اس وقت انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ کوئی انسان بول رہا ہے بلکہ یوں محسوس ہو کہ فرشتوں کا تصرف اُن پر ہو رہا ہے اور وہ ایسی سواریاں ہیں جن پر فرشتے سوار ہیں۔ جب وہ کہے بیٹھ جاؤ تو سب بیٹھ جائیں جب کہے کھڑے ہو جاؤ تو سب کھڑے ہو جائیں۔ جس دن یہ رُوح ہماری جماعت میں پیدا ہو جائے گی اُس دن جس طرح باز چڑیا پر حملہ کرتا اور اسے توڑ مروڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اسی طرح احمدیت اپنے شکار پر گرے گی اور تمام دنیا کے ممالک چڑیا کی طرح اس کے پنجہ میں آجائیں گے اور دنیا میں اسلام کا پرچم پھر نئے سرے سے لہرانے لگ جائے گا"[2]

سنیما کی مُستقل ممانعت

حضور نے ابتدا میں سنیما کی ممانعت تین سال کے لئے کی تھی مگر پھر اس کی توسیع دس سال تک کر دی جس کے بعد سنیما کو مستقل طور پر ممنوع قرار دے دیا اور ارشاد فرمایا کہ:۔

---

[1] ڈلہوزی میں مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی کے علاوہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ، مکرم مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری اور مکرم پیر عبدالعزیز صاحب بھی واقفین کی تعلیم کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

[2] "الفضل" ۸ر اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷ر مارچ ۱۹۳۹ء)۔

"بعض لوگوں کے مُنہ سے یہ بات بھی نکلی ہے کہ سنیما کی ممانعت دس سال کے لئے ہے۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ بُرائی کا تعلق دس سال یا بیس سال سے نہیں ہوتا۔ جس چیز میں کوئی خرابی ہو وہ کسی میعاد سے تعلق نہیں رکھتی۔ اس طرح سے تو مَیں نے صرف آپ لوگوں کی عادت چھڑا دی ہے۔ اگر مَیں پہلے ہی یہ کہہ دیتا کہ اس کی ہمیشہ کے لئے ممانعت ہے تو بعض نوجوان جن کے ایمان کمزور تھے اس پر عمل کرنے میں تامّل کرتے۔ مگر مَیں نے پہلے سال تین سال کے لئے ممانعت کی اور جب عادت ہٹ گئی تو پھر مزید سات سال کے لئے ممانعت کر دی اور اس کے بعد چونکہ عادت بالکل ہی نہیں رہیگی اس لئے دوست خود ہی کہیں گے کہ جہنم میں جائے سنیما، اس پر پیسے ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" له

پھر فرمایا:۔

"سنیما کے متعلق میرا خیال ہے کہ اس زمانہ کی بدترین لعنت ہے۔ اس نے سینکڑوں شریف گھرانے کے لوگوں کو گویا اور سینکڑوں شریف خاندانوں کی عورتوں کو ناچنے والی بنا دیا ہے۔ مَیں ادبی رسالے وغیرہ دیکھتا رہتا ہوں اور مَیں نے دیکھا ہے کہ سنیما کے شوقین اور اس سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کے مضامین میں ایسا تمسخر ہوتا ہے اور اُن کا اخلاق اور اُن کا مذاق ایسا گندہ ہوتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ سنیما والوں کی غرض تو روپیہ کمانا ہے نہ کہ اخلاق سکھانا۔ اور وہ روپیہ کمانے کے لئے ایسے لغو اور بیہودہ فسانے اور گانے پیش کرتے ہیں کہ جو اخلاق کو سخت خراب کرنے والے ہوتے ہیں اور شرفاء جب اُن میں جاتے ہیں تو اُن کا مذاق بھی بگڑ جاتا ہے اور اُن کے بچوں اور عورتوں کا بھی جن کو وہ سنیما دیکھنے کے لئے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اور سنیما ملک کے اخلاق پر ایسا تباہ کن اثر ڈال رہے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں میرا منع کرنا تو الگ رہا اگر مَیں ممانعت نہ کروں تو بھی مومن کی رُوح کو خود بخود اس سے بغاوت کرنی چاہیئے" له

اپریل ۱۹۴۳ء میں حضور کے نوٹس میں یہ بات لائی گئی کہ بعض نوجوان سمجھتے ہیں کہ حضرت امیرالمؤمنین نے تاریخی تصاویر دیکھنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ

"جو شخص کہتا ہے کہ مَیں نے ہسٹاریکل پکچرز دیکھنے کی اجازت دی ہے وہ کذّاب ہے۔ میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا۔ . . . مَیں نے جو اجازت دی ہے وہ یہ ہے کہ علمی یا جنگی اداروں کی طرف سے

له "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۳۹ء صفحہ ۸۵ ۔
له "الفضل" ۱۲ دسمبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۲-۳ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۸ دسمبر ۱۹۴۴ء)

جو خالص علمی پکچرز ہوتی ہیں مثلاً جنگلوں، دریاؤں کے نقشے یا کارخانوں کے نقشے یا جنگ کی تصاویر جو سچی ہوں اُن کے دیکھنے کی اجازت ہے کیونکہ وہ علم ہے۔" [۱]

مزید فرمایا کہ

"جغرافیائی اور تاریخی فلم سے مراد سچی فلم ہے۔ جھوٹی فلم کی ہرگز اجازت نہیں دی گئی۔ تاریخی فلم ایسی ہے جیسے سان فرانسسکو کے جاپان کے معاہدہ کی مجلس کی فلم ہو گی۔ جغرافیائی سے مراد یہ ہے کہ پہاڑ پر جا کر یا مثلاً جاوا جا کر وہاں کے جنگلوں دریاؤں کی فلم لے۔ جھوٹی فلم خواہ جغرافیائی ہو خواہ تاریخی ناجائز ہے مثلاً نپولین کی جنگوں کی کوئی شخص فلم بنائے تو یہ جھوٹی ہو گی۔ باوجود نام نہاد تاریخی فلم ہونے کے وہ ناجائز ہو گی" [۲]

وقفِ زندگی برائے سکیم دیہاتی مبلغین

ایک لمبے تجربہ کے بعد حضرت امیر المومنینؓ نے جب دیکھا کہ ہم اتنے مبلغ تیار نہیں کر سکتے جو دُنیا کی ضرورت کو پورا کر سکیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضور کے دل میں دیہاتی مبلغین کی سکیم ڈالی[۳] اور حضور نے ۲۹ جنوری ۱۹۴۷ء کو تیسری قسم کا وقف (برائے دیہاتی مبلغین) جاری کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ

"مَیں نے فیصلہ کیا ہے کہ دو قسم کے مبلغ ہونے چاہئیں۔ ایک تو وہ جو بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں جا کر تبلیغ کر سکیں۔ لیکچر اور مناظرے وغیرہ کر سکیں۔ اپنے ماتحت مبلغوں کے کام کی نگرانی کر سکیں۔ اور ایک ان سے چھوٹے درجہ کے مبلغ دیہات میں تبلیغ کے لئے ہوں۔ جیسے دیہات کے پرائمری سکولوں کے مدرس ہوتے ہیں ایسے مبلغ دیہات کے لوگوں میں سے ہی لئے جائیں۔ ایک سال تک ان کو تعلیم دے کر موٹے موٹے مسائل سے آگاہ کر دیا جائے اور پھر ان کو دیہات میں پھیلا دیا جائے اور جس طرح پرائمری کے مدرس اپنے اردگرد کے دیہات میں تعلیم کے ذمہ دار ہوتے ہیں اسی طرح یہ اپنے علاقہ میں تبلیغ کے ذمہ دار ہوں . . . . انہیں ایک سال میں موٹے موٹے دینی مسائل مثلاً نکاح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جنازہ وغیرہ کے متعلق احکام سکھا دیئے جائیں۔ قرآن شریف کا ترجمہ پڑھا دیا جائے، کچھ احادیث پڑھائی جائیں، سلسلہ کے ضروری مسائل پر نوٹ لکھا دیئے جائیں۔ تعلیم و تربیت کے متعلق ان کو ضروری ہدایات دی جائیں اور انہیں سمجھا دیا جائے کہ بچوں کو کس قسم کے اخلاق سکھانے چاہئیں اور اس غرض سے

---

[۱] "الفضل" ۵ / اپریل ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۳ ✦ [۲] "الفضل" ۲۵ / ستمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۲ کالم ۱ ✦
[۳] "الفضل" ۳۰ / جنوری ۱۹۴۷ء صفحہ ۴ ✦

انہیں ایک دو ماہ خدام الاحمدیہ میں کام کرنے کا موقع بہم پہنچایا جائے اور یہ سارا کورس ایک سال یا سوا سال میں ختم کرا کے انہیں دیہات میں پھیلا دیا جائے۔ . . . پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس سکیم کو کامیاب بنانے کی کوشش کرے اور اپنے اپنے ہاں کے ایسے نوجوانوں کو جو پرائمری یا مڈل پاس ہوں اور لوئر پرائمری کے مدرسوں جتنا ہی گذارہ لے کر تبلیغ کا کام کرنے پر تیار ہوں فوراً بھجوا دیں تا اُن کے لئے تعلیم کا کورس مقرر کر کے انہیں تبلیغ کے لئے تیار کیا جا سکے۔" [1]

چونکہ جنگ کا زمانہ تھا اور گرانی بہت تھی اس لئے ابتداء میں صرف پندرہ[2] واقفین منتخب کئے گئے جن کی ٹریننگ با قاعدہ ایک کلاس کی شکل میں جنوری ۱۹۴۵ء[3] تک جاری رہی۔ انہیں علمائے سلسلہ کے علاوہ خود سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بھی تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ حضورؓ نے مجلس مشاورت (منعقدہ ۷-۸-۹ اپریل ۱۹۴۴ء) میں بتایا کہ

"میں دیہاتی مبلغین کو آجکل تعلیم دے رہا ہوں۔ یہ لوگ مدرس بھی ہوں گے اور مبلغ بھی۔ چھ مہینہ تک یہ لوگ فارغ ہو جائیں گے۔ پندرہ بیس اُن کی تعداد ہے۔" [4]

ٹریننگ کا دَور ختم ہوا تو اُن میں سے چودہ[5] کو فروری ۱۹۴۵ء سے پنجاب کے مختلف دیہاتی علاقوں میں متعین کر دیا گیا۔

دیہاتی مبلغین کے وقف کی یہ سکیم بہت کامیاب رہی اور حضور نے دیہاتی مبلغین کی نسبت اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا:-

"خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارا یہ تجربہ بہت کامیاب رہا ہے۔ کئی جماعتیں ایسی تھیں جو کہ چندوں

---

[1] "الفضل" ۴ فروری ۱۹۴۳ء صفحہ ۳۔ [2] "الفضل" ۳ جنوری ۱۹۴۷ء صفحہ ۴ کالم ۱۔ [3] رپورٹ سالانہ ۱۹۴۴ء۔ ۱۹۴۵ء صفحہ ۹۶ [4] "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۴۴ء صفحہ ۲۳۔

[5] اوّلین دیہاتی مبلغین معہ حلقہ جات :- ۱۔ مولوی عبدالمجید صاحب منیب (دھاریوال) ۲۔ مولوی غلام رسول صاحب (غازی کوٹ) ۳۔ حکیم احمد دین صاحب (بھینی میلواں) ۴۔ ماسٹر مہدی شاہ صاحب (اجنالہ) ۵۔ مولوی شیر محمد صاحب (میادی نانو) ۶۔ مولوی عطاء اللہ صاحب (جینو والی) ۷۔ خواجہ خورشید احمد صاحب (مغلپورہ) ۸۔ مولوی رحیم بخش صاحب (جوڑہ ضلع لاہور) ۹۔ سید محمد امین شاہ صاحب (کھکھو والی) ۱۰۔ سید علی اصغر شاہ صاحب (ہیلاں گجرات) ۱۱۔ حافظ ابوذر صاحب (درووڈہ سرگودھا) ۱۲۔ مولوی جمال الدین صاحب (پھلروان سرگودھا) ۱۳۔ حافظ بشیر الدین صاحب (امین آباد) ۱۴۔ مولوی شیخ محمد صاحب (دُنیا پور ملتان)
(رپورٹ سالانہ ۱۹۴۴ء-۴۵ء صفحہ ۹۴)

میں سُست تھیں اب اُن میں بیداری پیدا ہوگئی۔ پہلے سال صرف پندرہ آدمی اس کلاس میں شامل ہوئے تھے اور پچھلے سال پچاس شامل ہوئے۔"[1]

دیہاتی مبلغین کی تیسری کلاس ۱۹۴۷ء میں کھولی گئی جس میں ۴۳ واقفین داخل کئے گئے۔ ابھی پڑھائی کا گویا آغاز ہی تھا کہ ملک فسادات کی لپیٹ میں آگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر طلبہ قادیان میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے رہ گئے اور صرف ۶ پاکستان آئے جنہیں تکمیل تعلیم کے بعد تبلیغ پر لگا دیا گیا۔[2]

اس کے بعد آئندہ کے لئے یہ شرط عاید کر دی گئی کہ صرف غیر شادی شدہ لئے جائیں گے نیز یہ کہ ان کو صرف دورانِ تعلیم میں وظیفہ دیا جائے گا اور تعلیم کے بعد دو برس تک کسی الاؤنس کے بغیر مفوضہ کام کرنا ہوگا۔ چنانچہ ان شرائط کے مطابق چوتھی کلاس جون ۱۹۴۸ء سے لاہور میں جاری کی گئی[3]۔ اور جب واقفین دورِ تعلیم مکمل کر چکے تو وہ اپنے اپنے حلقوں میں بھجوا دیئے گئے۔ اس طرح دیہاتی مبلغین کے چار گروپ بن گئے جن کی تعداد ۱۹۵۲ء میں ۵۹ تک جا پہنچی[4]۔ ۲۸ مارچ[5] ۱۹۵۴ء کو سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کے ارشاد پر مولانا ابوالعطاء صاحب اور میاں غلام محمد صاحب اختر پر مشتمل ایک بورڈ مقرر کیا گیا جس نے دیہاتی مبلغین کا امتحان لیا اور قابل مبلغین کا انتخاب کر کے نظارت اصلاح و ارشاد صدر انجمن احمدیہ میں بطور معلم رکھ لیا گیا اور باقی فارغ کر دیئے گئے۔[6]

وقف جائیداد اور وقف آمد کی اہم تحریک

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۰ مارچ ۱۹۴۴ء کو جماعت سے وقف جائیداد اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں وقف آمد کا مطالبہ فرمایا[7] اور ساتھ ہی وضاحت بھی فرمائی کہ

"یہ وقف . . . . اس صورت میں ہوگا کہ ان کی جائیداد اُن ہی کے پاس رہے گی اور آمد بھی مالک کی ہوگی اور وہی اس کا انتظام بھی کرے گا ہاں جب سلسلہ کے لئے ضرورت ہوگی ایسی ضرورت جو عام چندہ سے پُوری نہ ہوسکے تو جتنی رقم کی ضرورت ہوگی اسے ان جائیدادوں پر بحصہ رسدی تقسیم کر دیا جائے گا"[8]

---

[1] خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷ جنوری ۱۹۴۷ء (مطبوعہ الفضل ۳۰ جنوری ۱۹۴۷ء صفحہ ۴ کالم ۱)۔ [2] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۱۹۴۷-۴۸ء صفحہ ۶۔ [3] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۱۹۴۸-۴۹ء صفحہ ۹۔ [4] رپورٹ سالانہ صدر انجمن پاکستان بابت سال ۱۹۵۱-۵۲ء صفحہ ۲۴۔ [5] ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۱۹۵۴ء۔ [6] حضور کا ارشاد تھا کہ "اگر وہ فارغ شدہ مبلغ چاہیں تو وہ دیہات میں امام بن سکتے ہیں۔ تبلیغ کریں تو دس روپے ماہوار الاؤنس مل سکتا ہے"

[7] "الفضل" ۱۴ مارچ ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۲-۱۳۔ [8] "الفضل" ۳۱ مارچ ۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۲-۳۔

اس مطالبہ کے اعلان سے قبل نہ صرف حضرت امیر المومنینؓ نے اپنی جائیداد وقف فرما دی بلکہ حضور کا منشاء مبارک معلوم ہوتے ہی چودھری ظفراللہ خاں صاحب اور نواب مسعود احمد خاں صاحب نے اپنی جائیدادیں اپنے آقا کے حضور پیش کر دیں۔ جس کا ذکر خود حضور نے بایں الفاظ فرمایا :-

"مَیں سب سے پہلے اس غرض کے لئے اپنی جائیداد وقف کرتا ہوں۔ دوسرے چودھری ظفراللہ خاں صاحب ہیں انہوں نے بھی اپنی جائیداد میری اس تحریک پر دین کی خدمت کے لئے وقف کر دی ہے بلکہ انہوں نے مجھے کہا آپ جانتے ہیں آپ کی پہلے بھی یہی خواہش تھی اور ایک دفعہ آپ نے اپنی اس خواہش کا مجھ سے اظہار بھی کیا تھا کہ میری جائیداد اس غرض کے لئے لے لی جائے۔ اب دوبارہ مَیں اس مقصد کے لئے اپنی جائیداد پیش کرتا ہوں۔ تیسرے نمبر پر میرے بھانجے مسعود احمد خاں صاحب ہیں انہوں نے کل سُنا کہ میری یہ خواہش ہے تو فوراً مجھے لکھا کہ میری جس قدر جائیداد ہے اُسے مَیں بھی اسلام کی اشاعت کے لئے وقف کرتا ہوں" [۱]

حضور نے اس وقف کے لئے ایک کمیٹی تشکیل فرمائی جس کے ذمہ یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اس وقت فلاں ضرورت کے لئے وقف جائیدادوں سے کتنی رقم لی جائے۔

نومبر ۱۹۴۴ء تک قریباً ایک کروڑ روپیہ مالیت کی جائیدادیں وقف ہوئیں۔[۲]

وقفِ زندگی کی وسیع تحریک

حضرت اقدسؓ کی دُور بین نگاہ نے قبل از وقت دیکھ لیا تھا کہ جنگ کے اختتام پر ہمیں فوری طور پر تبلیغ اسلام کی طرف توجہ دینا پڑے گی۔ اس لئے حضورؓ نے ۲۴ مارچ ۱۹۴۴ء کو وقفِ زندگی کی پُرزور تحریک فرمائی۔[۳] اور ارشاد فرمایا کہ

"میرا اندازہ ہے کہ فی الحال دو سو علماء کی ہمیں ضرورت ہے تب موجودہ حالات کے مطابق جماعتی کاموں کو تنظیم کے ماتحت چلایا جا سکتا ہے لیکن اس وقت واقفین کی تعداد ۳۰-۳۵ ہے۔ . . . . اس کے علاوہ گریجویٹوں اور ایم۔اے پاس نوجوانوں کی بھی کالج کے لئے ضرورت ہے تا پروفیسر وغیرہ تیار کئے جا سکیں۔ ایسے ہی واقفین میں سے آئندہ ناظروں کے قائم مقام بھی تیار کئے جا سکیں گے۔ آگے ایسے لوگ نظر نہیں آتے جنہیں ناظروں کا قائم مقام بنایا جا سکے۔ میری تجویز ہے کہ واقفین نوجوانوں کو ایسے کاموں پر بھی لگایا جائے اور ایسے رنگ میں اُن کی تربیت کی جائے کہ وہ آئندہ

---

[۱] "الفضل" ۱۴ مارچ ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۲-۱۳ ٭ [۲] "الفضل" ۳ نومبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۳ ٭
[۳] "الفضل" ۳۱ مارچ ۱۹۴۴ء صفحہ ۵ ٭

موجودہ ناظروں کے قائم مقام بھی ہو سکیں۔ پس ایم۔ اے پاس نوجوانوں کی ہمیں ضرورت ہے" ؎۱

نوجوانانِ احمدیت کا شاندار اخلاص

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی اس تحریک پر نوجوانان احمدیت خدمت دین کے لئے دیوانہ وار آگے بڑھے اور اپنی زندگیاں وقف کیں اخلاص و محبت کا یہ ایسا شاندار نظارہ تھا کہ اس نے غیر مسلموں تک کو متاثر کیا چنانچہ اخبار "پرکاش" (جالندھر) نے لکھا:۔

" آپ احمدیت (تحریک قادیان کی طرف دھیان دیں اور آنکھیں کھولیں۔ قادیان میں بڑے سے بڑے احمدی نے اپنے لخت جگروں کو احمدیت کی تبلیغ کے لئے وقف کر دیا ہے اور اس پیشہ کو بڑی آدر کی درشٹی سے دیکھا جاتا ہے۔ تحریک دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہی ہے کیونکہ اُن کے لیڈر عالم باعمل ہیں اور سپرٹ مخلصانہ ہے" ؎۲

غیر احمدی نوجوانوں پر تحریکِ وقف کا اثر

اس تحریک کا غیر احمدی نوجوانوں پہ کیا اثر ہوا؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے صرف ایک مکتوب درج کیا جاتا ہے۔ ایک غیر احمدی دوست اقبال احمد صاحب زبیری بی اے بی ٹی علیگ نے حضور کی خدمت میں لکھا:۔

" حضرت امیر المومنین السلام علیکم۔ آپ کی جماعت میں ایک صاحب بنام مبارک احمد صاحب میرے ہم پیشہ دوست ہیں۔ میرا اور موصوف کا قریباً دو ڈھائی سال سے ساتھ ہے اور ہمارے درمیان بہت گہرے اور مخلصانہ تعلقات قائم ہیں۔ . . . موصوف کے ساتھ دو جمعہ کی نمازوں میں شریک ہوا جبکہ علاوہ وقتاً فوقتاً الفضل پڑھنے کے آپ کا دیا ہوا خطبہ میں نے سُنا۔ وہ خطبے جو میں نے سُنے ان میں سے دو قابل ذکر ہیں۔ ایک جو ہندوستان اور برطانیہ کے مابین مصالحت کے متعلق تھا اور دُوسرا جس میں آپ نے جماعت کے لوگوں سے زندگی وقف کر دینے

؎۱ "الفضل" ۳۱ مارچ ۱۹۴۴ء صفحہ ۳-۷ ✦ اس تحریک کے مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۴۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مندرجہ ذیل واقفین کا حسب ذیل دفتروں میں تقرر فرمایا:۔

۱۔ مولوی نور الدین صاحب مُنیر بی اے (دفتر پرائیویٹ سکرٹری) ۲۔ مرزا بشیر احمد بیگ صاحب بی۔ اے (دفتر دعوت و تبلیغ) ۳۔ چوہدری عزیز احمد صاحب بی۔ اے (دفتر محاسب) ۴۔ چوہدری عبد الباری صاحب بی۔ اے (دفتر بیت المال) ۵۔ مولوی برکات احمد صاحب بی۔ اے (دفتر امور عامہ) ۶۔ چوہدری عبد السلام صاحب اختر ایم۔ اے (دفتر تعلیم و تربیت) (کالجوں اور سکولوں کے کام کے لئے)

؎۲ "پرکاش" (ویکلی جالندھر شہر ۳۰ اپریل ۱۹۴۷ء بحوالہ "الفضل" ۱۰ مئی ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ کالم ۲ ✦

آدر (عزت و احترام) درشٹی (نگاہ)

کے لئے خدا اور اس کے رسُول کی راہ میں تاکید فرمائی ہے۔ مبارک احمد صاحب نے تو آپ کی آواز پر فوراً لبیک کہا اور اُن کا خط اور درخواست غالباً اس وقت آپ کے زیرِ غور ہو گی۔ مَیں آپ کی جماعت کا باقاعدہ رُکن تو اس وقت نہیں ہوں لیکن اللہ اور اُس کے رسُول کی خدمت کسی نظام کے ماتحت کرنے میں مجھے عُذر بھی نہیں"

مجاہدین تحریک جدید کے لئے اسناد

تحریک جدید کے ابتدائی دس سال ختم ہوئے تو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے دفتر اوّل کے مجاہدین کو اپنے دستخط سے مطبوعہ اسناد[1] عطا فرمائیں۔

اشاعت لٹریچر

دورِ ثانی میں تحریک جدید کی طرف سے مندرجہ ذیل لٹریچر شائع کیا گیا:۔

۱۔ احمدیت یعنی حقیقی اسلام

2. "THE TRUTH ABOUT THE SPLIT."

۳۔ انقلاب حقیقی

4. "ALBUM SHOWING PROGRESS OF AHMADIYYA COMMUNITY OUTSIDE INDIA (1939)

۵۔ "تفسیر کبیر" جلد سوم (دسمبر ۱۹۴۰ء)

۶۔ سَیرِ رُوحانی (۱۹۴۱ء) ۷۔ نظامِ نَو (۱۹۴۳ء)

تحریک جدید کے دس سالہ دَور پر ایک نظر

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تحریک جدید کے پہلے دس سالوں کی خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"تحریک کے پہلے دَور کی میعاد دس سال تھی۔ . . . اس دَور میں اللہ تعالیٰ نے جماعت کو جس قربانی کی توفیق دی ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُس نے اس عرصہ میں جو چندہ اس تحریک میں دیا وہ تیرہ۔چودہ لاکھ روپیہ بنتا ہے اور اس روپیہ سے جہاں ہم نے اس دس سال کے عرصہ میں ضروری اخراجات کئے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک ریزرو فنڈ بھی قائم کیا ہے اور اس ریزرو فنڈ کی مقدار ۲۸۰ مربع زمین[2] ہے۔ اس کے علاوہ ابھی ایک سو مربعہ زمین ایسی ہے جس میں

---

[1] یہ اسناد چودھری انور احمد صاحب کاہلوں حال مشرقی پاکستان نے کلکتہ میں تین رنگوں میں نہایت دیدہ زیب طبع کرائی تھیں۔

[2] (بروایت سید منعم الحسن صاحب کارکن دفتر وکالت مال ربوہ)

سے کچھ حصہ کے خریدنے کا ابھی وقت نہیں آیا۔ کچھ حصہ کو خرید ا تو گیا ہے مگر اس پر ابھی قرض ہے۔ اُسے اگر شامل کر لیا جائے تو کُل رقبہ ۲۸۰ مربعے ہو جاتا ہے۔ اس دوران میں تحریک جدید کے ماتحت ہمارے مبلغ جاپان میں گئے۔ تحریک جدید کے ماتحت چین میں مبلغ گئے، سنگا پور میں گئے۔ اور اس تحریک کے ماتحت خدا تعالیٰ کے فضل سے سپین، اٹلی، ہنگری، پولینڈ، البانیہ، یوگوسلاویہ اور امریکہ میں بھی مبلغ گئے اور ان مبلغین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہزاروں لوگ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے اور سلسلہ سے لاکھوں لوگ روشناس ہوئے "[1]

فصل نہم

دفتر دوم سے لیکر دفتر سوم تک

(مئی ۱۹۴۴ء تا نومبر ۱۹۶۵ء)

دفتر دوم کا آغاز مئی ۱۹۴۴ء میں دفتر دوم شروع ہوا۔ حضور نے دفتر دوم کے مجاہدین کے لئے تین شرائط مقرر فرمائیں:-

۱- چندہ ایک ماہ کی آمد کے برابر ہو۔

۲- وہ انیس سال تک چندہ دیئے جائیں اور آمد کے مطابق ہر سال اس میں اضافہ کریں۔

۳- آمد کے بند ہو جانے یا ملازمت سے علیحدگی کی صورت میں فوراً دفتر تحریک جدید کو اطلاع دیں۔ دفتر اُن کے حالات کا جائزہ لے کر چندہ کی رقم مقرر کر دے گا۔[2]

اس سلسلہ میں حضورؓ نے دفتر ثانی کے ہر مجاہد کو ایک خاص ارشاد یہ فرمایا کہ

" وہ عہد کرے کہ نہ صرف آخر تک وہ خود پوری باقاعدگی کے ساتھ اس تحریک میں حصہ لیتا رہیگا

---

[1] " الفضل " ۲۸ نومبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱-۲ و " الفضل " ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۳ء صفحہ ۱-۲ ؎

[2] " الفضل " ۲۸ مئی ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ ؎

بلکہ کم سے کم ایک آدمی ایسا ضرور تیار کرے گا جو دفتر دوم میں حصہ لے اور اگر وہ زیادہ آدمی تیار کر سکے تو یہ اور بھی اچھی بات ہے" [۱]

فضلِ عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام

۱۱ مئی ۱۹۴۴ء کو تحریک جدید کے سرمایہ سے قادیان میں "فضلِ عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ" کے تحقیقاتی ادارہ کی بنیاد رکھی گئی۔ اور اس کا افتتاح ۱۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو ہندوستان کے مشہور سائنسدان سر شانتی سروپ بھٹناگر نے کیا۔ انسٹی ٹیوٹ نے تین سال کے قلیل عرصہ میں بیرونی ممالک سے لیبارٹری کا قیمتی سامان فراہم کرنے کے علاوہ سائنس کے مستند اور تازہ لٹریچر پر مشتمل ایک مثالی لائبریری قائم کر دکھائی۔

اخبار "انقلاب" (لاہور) ۲۰ اپریل ۱۹۴۶ء، روزنامہ "سٹیٹسمین" (دہلی۔ کلکتہ) (مئی ۱۹۴۶ء) اور لنڈن کے مشہور سائنسی رسالہ "NATURE" نے ۸ جون ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے افتتاح پر نہایت زوردار تبصرے شائع کئے اور مذہب و سائنس کی ہم آہنگی کے لئے جماعت احمدیہ کی اس شاندار کوشش کو بہت سراہا۔ [۲] [۳]

معاہدہ "حلف الفضول" کا احیاء

۱۲ جولائی ۱۹۴۴ء کو حضورؓ نے الہام الٰہی کی بنا پر معاہدہ حلف الفضول کا احیاء فرمایا۔ [۴] نیز بتایا کہ

"یہ ایک معاہدہ تھا جو حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعثت سے قبل ہوا۔ جس میں زیادہ جوش کے ساتھ حصہ لینے والے تین فضل نام کے آدمی تھے۔ اس لئے اس کو حلف الفضول کہتے ہیں۔ اور اس معاہدہ کا مطلب یہ تھا کہ ہم مظلوموں کو ان کے حقوق دلوانے میں مدد کیا کریں گے اور اگر کوئی اُن پر ظلم کرے گا تو ہم اس کو روکیں گے۔" [۵]

---

[۱] "الفضل" ۲۸ اگست ۱۹۵۹ء صفحہ ۸ (خطبہ فرمودہ ۲۸ اگست ۱۹۴۵ء)

[۲] ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا مفصل ذکر ۱۹۴۶ء کے حالات میں آرہا ہے۔

[۳] افسوس ۱۹۴۷ء کی تقسیم ملک سے حالات یکسر بدل گئے اور لیبارٹری اور لائبریری دونوں جماعت سے چھن گئیں۔ تقسیم ملک کے بعد لاہور میں ماڈل ٹاؤن کے قریب ایک اُجڑا ہوا کارخانہ الاٹ کروا کر اسی میں ریسرچ کا کام جاری کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد ربوہ میں ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی اپنی مستقل عمارت بھی تعمیر ہو گئی۔

[۴] "الفضل" ۲۲ جولائی ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔

[۵] حلف الفضول میں شمولیت کی ضروری شرائط "مطالبات تحریک جدید" طبع چہارم صفحہ ۱۵۷ و ۱۵۸ پر موجود ہیں۔

جنگِ عظیم (ثانی) کا اثر تحریک جدید پر

یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی جو ۱۵ اگست ۱۹۴۵ء تک جاری رہی۔ اس دوران میں چھ سال تک بیرونی ممالک میں کوئی نیا مشن قائم نہ کیا جاسکا۔ اور جو مشن جنگ سے پہلے قائم ہو چکے تھے وہ بھی اپنی سرگرمیاں محدود کرنے پر مجبور ہو گئے۔

مشہور زبانوں میں لٹریچر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے اس جنگی زمانہ میں اپنی پوری قوت تحریک جدید کی بنیادیں مضبوط کرنے اور تبلیغی لٹریچر کی تیاری میں صرف فرمادی[۱]۔ چنانچہ اس عرصہ میں دوسرے اہم امور کے علاوہ حضور نے دنیا کی مشہور زبانوں انگریزی، روسی، جرمن، فرانسیسی، اطالوی، ڈچ، ہسپانوی اور پرتگیزی میں قرآن مجید کا ترجمہ کرایا۔ انگریزی تفسیر القرآن کا کام تو قادیان میں ہو رہا تھا۔ باقی زبانوں کے تراجم مولانا جلال الدین صاحب شمس مبلغ انگلستان کی نگرانی میں لنڈن میں پناہ گزین غیر ملکی ادیبوں نے مکمل کئے۔

حضور نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو تراجم قرآن کریم کے ساتھ اور دوسرے تبلیغی لٹریچر کی اشاعت کی نہایت اہم سکیم رکھی اور اس غرض کے لئے بارہ[۱۲] کتابوں کا سیٹ تجویز فرمایا جس کا دنیا کی آٹھ مشہور زبانوں میں ترجمہ ہونا ضروری تھا۔ ان بارہ[۱۲] کتابوں میں سے نو[۹] یہ تھیں۔ اسلامی[۱] اصول کی فلاسفی۔ مسیح[۲] ہندوستان میں۔ احمدیت[۳] یعنی حقیقی اسلام۔ رسول[۴] کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری۔ حضرت[۵] مسیح موعود علیہ السلام کی سوانح۔ ترجمہ[۶] احادیث۔ پرانے[۷] اور نئے عہدنامہ میں سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیاں۔ پرانے[۸] اور نئے عہدنامہ کی روشنی میں توحید۔ نظام نو[۹]۔ یہ سیٹ انگریزی ممالک کے لئے تھا۔ جہانتک عربی ممالک کا تعلق ہے حضور رضؓ کا منشا تھا کہ اور قسم کا سیٹ تجویز ہونا چاہیئے۔

اس کے علاوہ حضور نے نو زبانوں میں چھوٹے چھوٹے ٹریکٹوں اور اشتہاروں کی اشاعت کا پروگرام اس سکیم میں شامل کیا۔[۲]

اس عظیم الشان جدوجہد کا واحد مقصد یہ تھا کہ جونہی مادی اور سیاسی جنگ بند ہو تبلیغی اور روحانی جنگ کا آغاز کر دیا جائے۔[۳] چنانچہ حضور رضؓ نے فرمایا :-

" لڑائی کا بگل تو جب اللہ تعالٰے چاہے گا بجے گا۔ پریڈ کا بگل بجا دیا گیا ہے اور چاہیئے کہ

---

[۱] " الفضل " ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۱ ؛ [۲] ایضاً ؛ [۳] ایضاً ؛

اسلام کا درد رکھنے والوں میں یہ بگل ایک غیر معمولی جوش پیدا کرنے کا موجب ہو۔ وقت آگیا ہے کہ جن نوجوانوں نے اپنی زندگیاں وقف کی ہیں وہ جلد سے جلد علم حاصل کرکے اس قابل ہو جائیں کہ انہیں اسلام کی جنگ میں اسی طرح جھونکا جاسکے جس طرح تنور میں لکڑیاں جھونکی جاتی ہیں۔ اس جنگ میں وہی جرنیل کامیاب ہو سکتا ہے جو اس لڑائی کی آگ میں نوجوانوں کو جھونکنے میں ذرا رحم نہ محسوس کرے اور جس طرح ایک بھڑبھونجا چنے بھونتے وقت آموں اور دوسرے درختوں کے خشک پتے اپنے بھاڑ میں جھونکتا چلا جاتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے اس کے دل میں ذرا بھی رحم پیدا نہیں ہوتا اسی طرح نوجوانوں کو اس جنگ میں جھونکتا چلا جائے۔ اگر بھاڑ میں پتے جھونکنے کے بغیر چنے بھی نہیں بھن سکتے تو اس قسم کی قربانی کے بغیر اسلام کی فتح کیسے ہو سکتی ہے؟

پس اس جنگ میں وہی جرنیل کامیابی کا منہ دیکھ سکے گا جو یہ خیال کئے بغیر کہ کس طرح ماؤں کے دلوں پر چھریاں چل رہی ہیں نوجوانوں کو قربانی کے لئے پیش کرتا جائے۔ موت اس کے دل میں کوئی رحم اور درد پیدا نہ کرے۔ اس کے سامنے ایک ہی مقصد ہو اور وہ یہ کہ اسلام کا جھنڈا اُس نے دُنیا میں گاڑنا ہے اور سنگدل ہو کر اپنے کام کو کرتا جائے۔ جس دن مائیں یہ سمجھیں گی کہ اگر ہمارا بچہ دین کی راہ میں مارا جائے تو ہمارا خاندان زندہ ہو جائے گا جس دن آپ یہ سمجھنے لگیں گے کہ اگر ہمارا بچہ شہید ہو گیا تو وہ حقیقی زندگی حاصل کر جائے گا اور ہم بھی حقیقی زندگی پالیں گے وہ دن ہوگا جب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو زندگی ملے گی"[1]

بیرونی تبلیغ اور خصوصی تعلیم کے لئے واقفین کا اہم انتخاب

یکم فروری ۱۹۴۵ء کا دن تحریک جدید میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس روز حضور نے دارالواقفین کے تمام مجاہدین کو قصرِ خلافت میں شرف باریابی بخشا۔ ازاں بعد حضور نے بائیس[۲۲] واقفین کو بیرونی ممالک میں بھجوانے اور نو[۹] واقفین کو تفسیر، حدیث، فقہ اور فلسفہ و منطق کی اعلیٰ تعلیم[2] دلانے کے لئے منتخب فرمایا تا وہ سلسلہ کے بزرگ علماء کے قائم مقام بن سکیں۔ اس موقعہ پر حضور نے اپنے دستِ مبارک سے جو تحریر بطور یادداشت لکھی وہ ایک نہایت قیمتی یادگار ہے جس کا عکس بھی اس مقام پر دیا جا رہا ہے۔[3]

---

[1] خطبہ جمعہ فرمودہ ۵ رمئی ۱۹۴۴ء مطبوعہ "الفضل" ۲۰ رمئی ۱۹۴۴ء صفحہ ۳ و ۴۔
[2] حضرت اقدس قبل ازیں ۲۴ رمارچ ۱۹۴۴ء کو اپنی اس سکیم کا تذکرہ خطبہ جمعہ میں فرما چکے تھے (الفضل ۳۱ رمارچ ۱۹۴۴ء صفحہ ۳)۔
[3] اصل تحریر حافظ قدرت اللہ صاحب مبلغ ہالینڈ کے پاس محفوظ ہے۔

حضورؓ نے جن واقفین کو ممالک غیر کی تبلیغ کے لئے تجویز فرمایا ان کے نام یہ ہیں:-

(عرب ممالک) مولوی رشید احمد صاحب چغتائی۔ مولوی نور احمد صاحب منیر۔ چوہدری شریف احمد صاحب۔ (ایران) مولوی صدر الدین صاحب، شیخ عبد الواحد صاحب۔ (سپین) مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر، چوہدری محمد اسحاق صاحب ساقی۔ (جنوبی امریکہ) مولوی منور احمد صاحب، چودھری غلام رسول صاحب۔ (اٹلی) مولوی محمد عثمان صاحب، محمد ابراہیم صاحب خلیل۔ (جرمنی) مولوی عبد اللطیف صاحب، شیخ ناصر احمد صاحب۔ مولوی غلام احمد صاحب بشیر (انگلستان) چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔ چودھری ظہور احمد صاحب باجوہ۔ حافظ قدرت اللہ صاحب۔ (شمالی امریکہ) چودھری خلیل احمد صاحب ناصر، چودھری غلام یٰسین صاحب۔ مرزا منور احمد صاحب (فرانس) ملک عطاء الرحمٰن صاحب، مولوی اللہ دتا صاحب۔[1]

حصول تعلیم خاص کے لئے مندرجہ ذیل واقفین منتخب کئے گئے۔

مولوی نور الحق صاحب[2] (تفسیر) ملک سیف الرحمٰن صاحب[3] (فقہ)
مولوی محمد صدیق صاحب[4] (حدیث) مولوی محمد احمد صاحب جلیل[5] (حدیث)
مولوی محمد احمد صاحب ثاقب[6] (فقہ) مولوی غلام باری صاحب سیف[7] (حدیث)
حکیم محمد اسمٰعیل صاحب[8] (منطق و فلسفہ) حافظ بشیر الدین عبید اللہ صاحب[9] (تفسیر)
ملک مبارک احمد صاحب[10] (منطق و فلسفہ)

---

[1] یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس فیصلہ میں حضور نے بعد ازاں خفیف سی تبدیلیاں بھی کیں جیسا کہ موجودہ باب کی آخری فصل میں ذکر آئے گا، چودھری شریف احمد صاحب جن کا نام عرب ممالک کے لئے تجویز کیا گیا تھا، باہر نہیں بھجوائے گئے تھے۔

[2] (ابو المنیر) نور الحق صاحب ابن منشی عبد الحق صاحب کاتب۔ ولادت ۱۷ دسمبر ۱۹۱۸ء۔ تاریخ قبولیت وقف ۵ ستمبر ۱۹۳۸ء (حال پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ و منیجنگ ڈائرکٹر ادارۃ المصنفین ربوہ)۔ [3] ولادت ۱۱ نومبر ۱۹۱۴ء۔ بیعت ۱۹۳۶ء۔ تاریخ قبولیت وقف یکم مارچ ۱۹۳۹ء (حال پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ و مفتی سلسلہ احمدیہ)۔ [4] ولادت ۵ مارچ ۱۹۱۶ء۔ تاریخ قبولیت وقف ۷ جون ۱۹۳۸ء (سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ حال انچارج خلافت لائبریری ربوہ)۔ آپ یکم فروری ۱۹۴۵ء کو بلاد عربیہ کے لئے منتخب ہوئے مگر حضورؓ نے وہاں سے قلمزن کر کے بعد میں خصوصی تعلیم کی جماعت واقفین میں شامل فرما دیا۔ [5] ولادت ۵ جولائی ۱۹۱۱ء، تاریخ قبولیت وقف ۲۹ مئی ۱۹۳۷ء۔ [6] ولادت ۱۵ مئی ۱۹۱۷ء، تاریخ قبولیت وقف مئی ۱۹۳۹ء (حال پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ)۔

[7] ولادت یکم اکتوبر ۱۹۲۰ء، تاریخ قبولیت وقف ۱۸ ستمبر ۱۹۴۲ء۔ [8] ولادت ۱۹۰۸ء، تاریخ قبولیت وقف ۳ مارچ ۱۹۴۴ء۔ [9] ولادت ۲۰ ستمبر ۱۹۲۰ء، تاریخ قبولیت وقف ۲۶ مئی ۱۹۴۴ء۔ [10] ولادت ۲۲ اپریل ۱۹۲۲ء، تاریخ وقف ۱۹۴۳ء۔

دائیں سے بائیں کرسیوں پر:۔ مولوی محمد احمد ثاقب، مولوی ابوالمنیر نورالحق، مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری استاذ الواقفین، مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی استاذ الواقفین، مولوی محمد صدیق صاحب۔

کھڑے:۔ ملک مبارک احمد صاحب، مولوی خورشید احمد صاحب شاد، غلام باری صاحب سیف، حکیم محمد اسماعیل صاحب۔ حافظ بشیر الدین عبیداللہ صاحب۔

دفتر تحریک جدید ربوہ

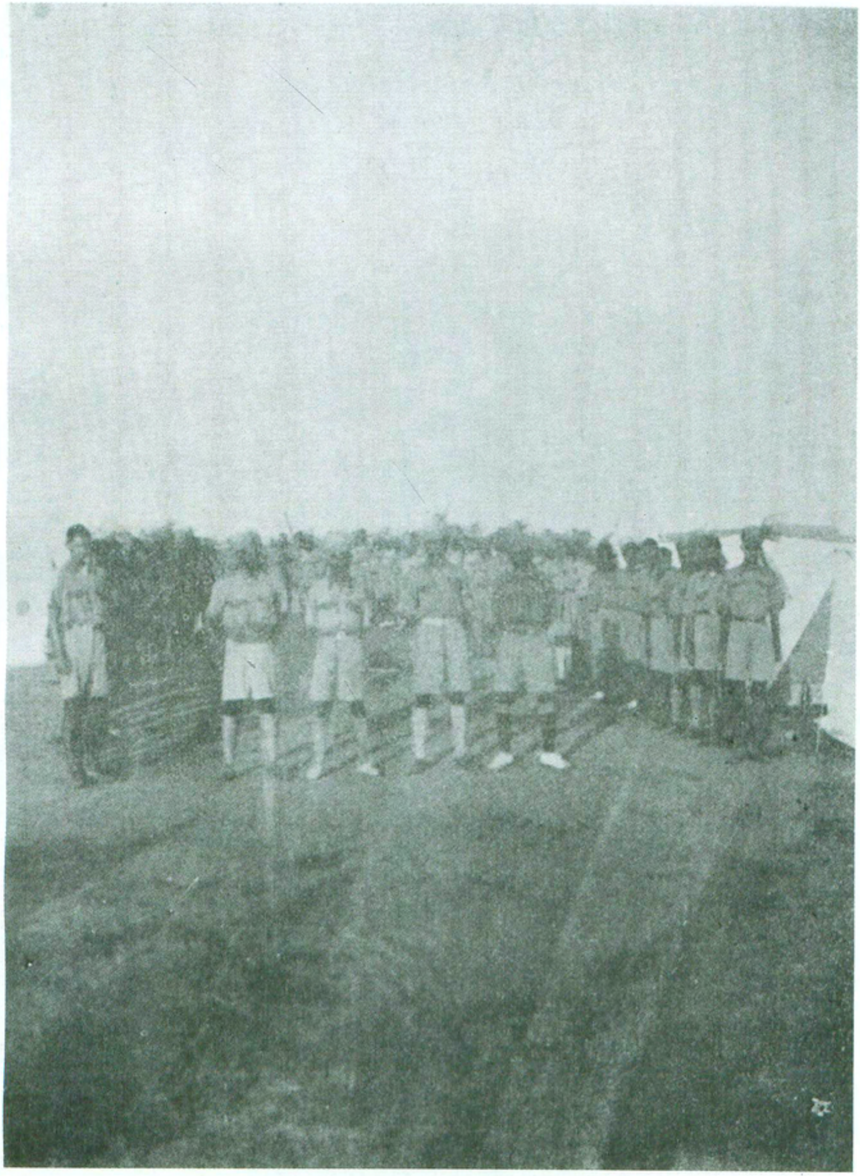

احمدیہ کور کا ایک نایاب فوٹو

ازاں بعد مولوی خورشید احمد صاحب شاد[۱] بھی اس زمرہ میں شامل کر لئے گئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کو حدیث شریف کی خصوصی تعلیم کا ارشاد فرمایا۔

مندرجہ بالا واقفین مئی ۱۹۴۷ء میں فارغ التحصیل ہوئے جس کا ذکر خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۶ رجون ۱۹۴۷ء کے خطبہ جمعہ میں کیا۔ چنانچہ فرمایا:-

"مجھے کئی سال سے یہ فکر تھا کہ جماعت کے پرانے علماء اب ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ جماعت کو یکدم مصیبت کا سامنا کرنا پڑے اور جماعت کا علمی معیار قائم نہ رہ سکے۔ چنانچہ اس کے لئے میں نے آج سے تین چار سال قبل۔ نئے علماء کی تیاری شروع کر دی تھی۔ کچھ نوجوان تو میں نے مولوی صاحب (یعنی حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ۔ ناقل) سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے مولوی صاحب کے ساتھ لگا دیئے[۲] اور کچھ باہر بھجوا دیئے تاکہ وہ دیوبند وغیرہ کے علماء[۳] سے ظاہری علوم سیکھ آئیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت کی بات ہے کہ ان علماء کو واپس آئے صرف ایک ہفتہ ہوا ہے۔ جب وہ واپس آگئے تو مولوی صاحب فوت ہو گئے" [۴]

حضرت اقدس نے مرکز میں ان واقفین کی واپسی پر ان کو دوسرے واقفین کے پڑھانے پر مقرر فرما دیا۔ نیز ارشاد فرمایا کہ فقہ پڑھنے والے دوسروں کو فقہ کی اور حدیث پڑھنے والے دوسروں کو حدیث کی تعلیم دیں۔ چنانچہ یکم رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء تک تدریس کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد واقفین کو ایک ماہ کی رخصت دی گئی۔ اسی دوران میں ملک تقسیم ہو گیا اور ان کو ہجرت کرکے پاکستان آنا پڑا۔

---

[۱] ولادت ۲۴ ستمبر ۱۹۲۰ء، تاریخ قبولیت وقف ۱۹۴۳ء (سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ)

[۲] مولوی نور الحق صاحب (ابوالمنیر) اور حافظ بشیر الدین عبید اللہ صاحب کی طرف اشارہ ہے (مرتب)

[۳] جن اساتذہ سے ان واقفین نے تحصیل علم کیا ان کے نام یہ ہیں:-
مولوی شریف اللہ صاحب مدرس مدرسہ فتحپوری (استاذ مسلم شریف)۔ شیخ الحدیث مولوی محمد ابراہیم صاحب بلیاوی مدرسہ فتحپوری دہلی (استاذ بخاری، ہدایہ، اصول شاشی، مسلم الثبوت)۔ مولوی مفتی محمد مسلم صاحب دیوبندی شیخ الحدیث جامعہ ڈابھیل۔ مولوی حافظ مہر محمد صاحب صدر المعلمین المدرسۃ الحنفیہ اچھرہ لاہور (استاذ "ابوداؤد" منطق و فلسفہ)۔ مولوی سید میرک شاہ صاحب کاشمیری لاہور (استاذ مسلم شریف) مولوی شہاب الدین صاحب خطیب مسجد چوبرجی کوارٹرز لاہور۔ مولوی رسول خان صاحب سرحدی پرنسپل اورینٹل کالج حال شیخ التفسیر والفقہ جامعہ اشرفیہ لاہور (استاذ حدیث و اصول فقہ)۔ مولوی محمد بخش صاحب دیوبندی لاہور (استاذ حدیث)۔

[۴] "الفضل" ۱۱ رجون ۱۹۴۷ء صفحہ ۵

خاندانی وقف کی تحریک

۵ جنوری ۱۹۴۵ء کو حضرت امیرالمومنینؓ نے فرمایا:-

"تحریک جدید کے پہلے دَور میں مَیں نے اس کی تمہید باندھی تھی۔ مگر اب دوسری تحریک کے موقعہ پر مَیں مستقل طور پر دعوت دیتا ہوں کہ جس طرح ہر احمدی اپنے اوپر چندہ دینا لازم کرتا ہے۔ اسی طرح ہر احمدی خاندان اپنے لئے لازم کرے کہ وہ کسی نہ کسی کو دین کے لئے وقف کرے گا"[1]

اپنے پیارے آقا کے اس ارشاد پر کئی مخلصین نے اپنے بچوں کو وقف کیا اور کر رہے ہیں۔

بیرُونی ممالک کی تبلیغ تحریکِ جدید کے دائرۂ عمل میں

فروری ۱۹۴۵ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بیرون ہند کے جملہ مشن تحریک جدید کے سپرد فرما دیئے جس کے مطابق ۱۴ فروری ۱۹۴۵ء کو صدر انجمن قادیان نے حسب ذیل ریزولیوشن پاس کیا:-

"رپورٹ ناظر صاحب اعلیٰ کہ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ارشاد فرمایا ہے کہ صدر انجمن احمدیہ، تحریک کے مدارس اور مشن جو ہندوستان میں ہیں اپنے انتظام میں لے لے اور فلسطین، انگلستان اور امریکہ کے مشن تحریک جدید کے سپرد کر دے۔"

"اخراجات کی تقسیم کی یہ صورت ہو کہ صدر انجمن احمدیہ بیرون ہند کے مذکورہ بالا مشنوں کا منظور شدہ بجٹ بعد وضع اخراجات سکول و مشن ہائے تحریک جو صدر انجمن کو ملیں گے نکلوا کر تحریک جدید کو دے دیا کرے۔ جوں جوں ان (فلسطین، انگلستان و امریکہ) کے علاقوں کی آمد بڑھتی جائے گی اسی قدر انجمن ان اخراجات سے آزاد ہوتی جائے گی"[2]

تحریک "وقف تجارت"

۵ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو حضور نے وقف تجارت کی تحریک فرمائی جس کا مقصد تجارت کے ذریعہ تبلیغی سنٹر قائم کرنا تھا چنانچہ حضور نے فرمایا:-

"وہ نوجوان جو فوج سے فارغ ہوں گے اور وہ نوجوان جو نئے جوان ہوئے ہیں اور ابھی کوئی کام شروع نہیں کیا۔ مَیں اُن سے کہتا ہوں کہ اپنی زندگی وقف کریں۔ ایسے رنگ میں نہیں کہ ہمیں دین کے لئے جہاں چاہیں بھیج دیں چلے جائیں گے بلکہ ایسے رنگ میں کہ ہمیں جہاں بھجوایا جائے ہم وہاں چلے جائیں گے اور وہاں سلسلہ کی ہدایت کے ماتحت تجارت کریں گے۔ اس رنگ میں ہمارے

---

[1] "الفضل" ۱۰ جنوری ۱۹۴۵ء صفحہ ۵

[2] ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۴۵ء

مبلغ سارے ہندوستان میں پھیل جائیں گے۔ وہ تجارت بھی کریں گے اور تبلیغ بھی"[۱]

وقفِ تجارت کے تحت واقفینِ تجارت کو مختلف مقامات پر متعین کیا گیا جہاں سے وہ دفتر کی ہدایات کے ماتحت تجارت کرتے اور اپنی باقاعدہ رپورٹیں بھجواتے تھے۔ اس وقف کے تحت سرمایہ واقفین خود لگاتے تھے۔[۲][۳]

خاتمہ جنگ اور مجاہدینِ تحریک جدید کی روانگی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے قبل از وقت پیشگوئی فرمائی تھی کہ

"تحریک جدید کا اجراء جن اغراض کے ماتحت الٰہی تصرف سے ہوا تھا اس کی وجہ سے میں سمجھتا تھا کہ تحریک جدید کا پہلا دور جب ختم ہوگا تو خدا تعالیٰ ایسے سامان بہم پہنچائے گا کہ تحریک جدید کی اغراض کو پورا کرنے میں جو روکیں اور موانع ہیں خدا تعالیٰ اُن کو دُور کر دے گا اور تبلیغ کو وسیع کرنے کے سامان بہم پہنچا دے گا اور چونکہ تبلیغ کے لئے یہ سامان بغیر جنگ کے خاتمہ کے میسر نہیں آسکتے اس لئے میں سمجھتا تھا کہ ۴۴ء کے آخر یا ۴۵ء کے شروع تک یہ جنگ ختم ہو جائے گی"[۴]

چنانچہ ۱۵ اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان نے ہتھیار ڈال دیئے اور جنگ ختم ہوگئی۔ اب چونکہ تبلیغی رستے بھی کھلنے شروع ہوگئے تھے اس لئے مجاہدین تحریک جدید بیرونی ممالک میں روانہ کئے جانے لگے چنانچہ اس سال سولہ[۵] مبلغین قادیان سے عازم ممالک بیرون ہوئے جن میں سے نو مجاہدین دسمبر ۱۹۴۵ء میں ایک قافلہ کی صورت میں انگلستان بھجوائے گئے جنہوں نے لنڈن میں کچھ عرصہ ٹریننگ کے بعد یورپ کے اطراف و جوانب میں نئے مشن کھولے یہ قافلہ مندرجہ ذیل مبلغین پر مشتمل تھا:۔

چودھری ظہور احمد صاحب باجوہ۔ حافظ قدرت اللہ صاحب۔ ملک عطاء الرحمٰن صاحب۔ چودھری اللہ دتا صاحب۔ چودھری کرم الٰہی صاحب ظفر۔ چودھری محمد اسحاق صاحب ساقی۔ مولوی محمد عثمان صاحب۔ ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیل۔ مولوی غلام احمد صاحب بشیر۔[۶]

تحریک جدید کی رجسٹریشن

۱۸ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو تحریک جدید کی رجسٹریشن ہوئی اور اس تاریخ سے اس کا پورا نام "تحریک جدید انجمن احمدیہ" رکھا گیا۔ تحریک جدید کے آرٹیکلز

---

[۱] "الفضل" ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۲ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۵ اکتوبر ۱۹۴۵ء) نیز "الفضل" ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء و ۷ نومبر ۱۹۴۵ء۔

[۲] "الفضل" ۷ نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۴ کالم ۴۔ [۳] فارم وقف معاہدہ وقف تجارت و صنعت کے لئے ملاحظہ ہو "مطالبات تحریک جدید" طبع چہارم صفحہ ۸۷۔ ۸۹ مرتبہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور انچارج تحریک جدید۔ اشاعت دسمبر ۱۹۴۶ء نیز ضمیمہ کتاب ہذا۔

[۴] "الفضل" ۲۹ اگست ۱۹۴۵ء صفحہ ۲۔ [۵] و [۶] "الفضل" ۱۸ دسمبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۱ و ۲۔

اینڈ میمورنڈم جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ نے مرتب کئے۔

بورڈ آف ڈائریکٹرز کے ابتدائی ممبر یہ مقرر ہوئے :-

۱۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور انچارج دفتر تحریک جدید قادیان۔

۲۔ مولوی بہاؤالحق صاحب ایم۔اے وکیل الصنعت والحرفت تحریک جدید قادیان۔

۳۔ خواجہ عبدالکریم صاحب بی۔ایس۔سی وکیل التجارت تحریک جدید قادیان۔

۴۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج قادیان۔

۵۔ مولوی عبدالمغنی صاحب وکیل التبشیر (برائے ممالک ایشیا و افریقہ) تحریک جدید قادیان۔

۶۔ خان بہادر نواب چودھری محمد دین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر۔

۷۔ شیخ بشیر احمد صاحب بی اے۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ لاہور۔

ازاں بعد کچھ وقفہ سے حضور کے ارشاد سے ان ڈائریکٹروں میں درج ذیل اصحاب کا اضافہ کیا گیا۔

۸۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس وکیل التبشیر (برائے ممالک یورپ و امریکہ) تحریک جدید قادیان

۹۔ چودھری برکت علی خاں صاحب وکیل المال تحریک جدید قادیان

۱۰۔ حضرت مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب وکیل الطباعۃ تحریک جدید قادیان[۱]

مجلس تحریک جدید کا قیام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم سے ۷ مئی ۱۹۴۷ء کو مجلس تحریک جدید کا قیام عمل میں آیا جس کا کام تحریک جدید سے متعلق امور پر باہمی مشورہ سے فیصلے کرنے اور ان کو حضور کی خدمت میں منظوری کے لئے بھجوانا تھا۔ ۱۶ مارچ ۱۹۴۷ء کو حضرت اقدس کے حکم سے اس مجلس تحریک جدید انجمن احمدیہ کے صدر مولوی جلال الدین صاحب شمس اور سکرٹری مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور تجویز کئے گئے۔

خصوصی ممبران کا تقرر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۳۰ اگست ۱۹۴۷ء کو تحریک جدید کے بعض خصوصی ممبران مقرر کرتے ہوئے ہدایت دی کہ

"میں یکم مارچ ۱۹۴۸ء تک مولوی نورالحق صاحب[۲]، چوہدری محمد شریف صاحب پلیڈر منٹگمری ، مرزا مظفر احمد آئی۔سی۔ایس ، مولوی سیف الرحمٰن صاحب ، مولوی محمد صدیق صاحب فاضل ساکن قادیان

---

[۱] ریزولیوشن تحریک جدید ۱۶ مارچ ۱۹۴۷ء۔

[۲] یعنی مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب (حال پروفیسر جامعہ احمدیہ و مینجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین ربوہ ناقل)

اور سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو تحریک جدید انجمن کے ممبر مقرر کرتا ہوں۔ ان کے اختیارات دوسرے ممبروں کے مطابق ہوں گے اور ان کا کورم تعیینی کورم سمجھا جائے گا۔ خاکسار

مرزا محمود احمد ۳۰ ۶۶ "

تقسیم ہند اور تحریک جدید

۱۹۴۷ء میں جماعت کے کثیر حصہ کو مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے پاکستان میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ یہ زمانہ تحریک جدید کے لئے بہت صبر آزما[1] تھا کیونکہ تقسیم ملک کی وجہ سے نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ ان حالات میں تحریک جدید کے دفاتر نہایت کس مپرسی کے عالم میں جودھامل بلڈنگ لاہور میں قائم کئے گئے تھے۔ آمد میں یکایک کمی واقع ہو گئی۔ اور اخراجات بے تحاشہ بڑھ گئے اور بیرونی مشنوں کو امداد دینے کا سلسلہ بھی وقتی طور پر معطل ہو گیا۔ مگر تحریک جدید کے مجاہدین نے اس موقعہ پر غیر معمولی صبر و تحمل اور وفا شعاری کا ثبوت دیا اور بیرونی مشن بھی جلد ہی اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

تحریک جدید کی پاکستان میں رجسٹریشن

مجلس تحریک جدید کی طرف سے رجسٹریشن کے لئے رجسٹرار صاحب جائنٹ سٹاک کمپنیز مغربی پنجاب پاکستان کے نام ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء کو درخواست دی گئی جس کی منظوری ۱۹ فروری ۱۹۴۸ء کو موصول ہوئی اور مجلس تحریک جدید پاکستان میں بھی رجسٹرڈ ہو گئی جو شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور کی[2] کوششوں کا نتیجہ تھا۔

جامعۃ المبشرین کا قیام

تقسیم ملک سے پہلے قادیان میں جامعہ احمدیہ ہی ایک ادارہ تھا جہاں سے مبلغین فارغ التحصیل ہو کر مختلف مشنوں میں متعین ہوتے تھے۔ پاکستان بننے پر ۱۰ دسمبر ۱۹۴۹ء کو جامعہ احمدیہ کے علاوہ جامعۃ المبشرین ربوہ کا قیام عمل میں لایا گیا جس کا سٹاف اکثر و بیشتر ان واقفین پر مشتمل تھا جو ۱۹۴۷ء میں علوم اسلامیہ کی خصوصی تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ اس ادارہ کا مقصد یہ تھا کہ جامعہ احمدیہ سے فارغ التحصیل ہونے والے نوجوانوں اور دیگر واقفین زندگی کی تعلیم کا انتظام کرے اور ان کو تبلیغی

---

[1] ان ایام میں چونکہ تحریک جدید کی مالی حالت مخدوش ہو گئی تھی اس لئے حضور نے ارشاد فرمایا کہ کسی واقف کو فارغ نہیں رہنا چاہیئے بلکہ کوئی نہ کوئی کام کر کے آمد پیدا کرنی چاہیئے خواہ چنے اور آلو ہی کیوں نہ فروخت کرنے پڑیں چنانچہ واقفین نے اس کی تعمیل کی۔

[2] محترم انور صاحب نومبر ۱۹۴۷ء میں قادیان میں تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ نے ان کو پاکستان بلوایا اور ارشاد فرمایا کہ تحریک جدید کی رجسٹریشن اور دفاتر کا انتظام کریں۔

ٹریننگ دے۔ جامعۃ المبشرین سالہا سال تک مستقل ادارہ کی صورت میں قائم رہنے کے بعد ۷ جولائی ۱۹۵۷ء کو جامعہ احمدیہ میں مدغم کر دیا گیا۔

تحریکِ جدید کے مُستقل شعبوں کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا دستورالعمل

فروری ۱۹۵۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے قلم مبارک سے تحریک جدید کے مختلف شعبوں کے لئے ایک مفصّل دستورالعمل تجویز فرمایا جس کی تفصیل خود حضورؓ کے الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے:۔

حضور نے تحریر فرمایا :۔

” تحریک جدید کے سردست مندرجہ ذیل وکلاء ہوں۔

وکالت مال: (۱) وکیل المال اوّل (۲) وکیل المال ثانی (۳) وکالت جائیداد

وکیل المال اوّل چوہدری برکت علی صاحب، وکیل ثانی قریشی عبدالرشید صاحب ہوں گے۔ تیسرا وکیل تجویز کیا جائے گا۔ اس کا کام بجٹ بنانا، اس کی نگرانی کرنا، روپیہ جمع کرنا، مبادلہ زر کے ماہرین کے ذریعہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا، جائیداد کی نگرانی، امانت اور جائز بنکنگ کے طریقوں کا رائج کرنا۔

وکالت دیوان۔ اس وکالت کا اصل کام مجلس وکالت کے سکرٹری کا ہوگا۔ مجلس بلوانا، اس کی کارروائی کا ریکارڈ کروانا، مختلف وکالتوں میں تعاون قائم رکھوانا اور ادارہ جاتی مجالس بلوانا۔ یعنی مجلس وکالت کے علاوہ جب ضرورت ہو، جب کام خراب ہو رہا ہو، تعاون میں کمی آئے یا ترقی کی تجاویز کا تقاضا ہو تو ایک سے زیادہ وکلاء کو بلوا کر کوئی ایسی سکیم تیار کروانا جس میں ایک سے زیادہ وکلاء کی شمولیت کی ضرورت ہو۔ وکالتوں کے لئے عملہ کا فیصلہ کہ اتنا درکار ہوگا اور اتنے اتنے عرصہ کے بعد اس کے بدلنے کی ضرورت ہوگی وغیرہ وغیرہ اور حسب ضرورت نئے آدمی لینا اور ان کی تعلیم و تربیت (کرنا) اس وکالت کا ایک نائب وکیل الدیوان ہوگا جس کے سپرد کام کا ایک حصہ ہوگا۔ اس وکالت پر سردست دو افسر ہوں گے (۱) مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور پرانے تجربہ کی وجہ سے ورنہ جس علم کی اس میں ضرورت ہے وہ ان کو نہیں۔ دوسرا وکیل میں مقرر کروں گا۔ نائب وکیل محمد شریف خالد صاحب۔

وکالت تعلیم۔ اس وکالت کا کام تعلیمی انتظام نصاب بنوانا۔ کالج کی نگرانی۔ وقتی تعلیمی کورس تیار کروانا تاکہ مبلّغین کی تعلیم کی ترقی تاعمر جاری رہے۔ اس وکالت کا کام یہ ہوگا کہ جلد سے جلد علماء سے مشورہ کرکے

اوّل۔ کالج کی تعلیم کا کورس اور اس کی جماعتوں کا انتظام کرے۔

(۲) دیہاتی مبلّغین کی تعلیم کا کورس تیار کرے۔

(۳) انگریزی دان مبلّغین کی تعلیم کا کورس تیار کرے۔

(۴) یہ فیصلہ کرے کہ مبلّغین کو ساری عمر میں کتنے کورس پاس کروانے ضروری ہیں اور کس کس قسم کے یعنی علاوہ خالص تعلیمی کے انتظامی، تحقیقی، تبلیغی، سیاسی وغیرہ اور پھر ان کے کورس تجویز کرے اور کورس بنوائے۔ ہر اک جماعت کا پہلے سے کورس تیار ہونا چاہیئے۔

(۵) دیہاتی مبلّغوں کے لئے کورس تجویز کرے اور کورس تیار کروائے اور شق اوّل کی طرح ان کی عمر بھر کی ترقی کے لئے کورس تیار کروائے۔ اس کام پر میاں عبدالرحیم احمد صاحب مقرر ہونگے

وکالتِ تجارت۔ اس کا کام (۱) تجارتی مہارت کے آدمی تیار کرنا (۲) مبادلہ زر کے قواعد جمع کرنا (۳) درآمد و برآمد اور تجارت کے قوانین مہیا کرنا اور سلسلہ کے لئے مفید معلومات کا جمع کرنا (۴) جماعت (کی) تجارت کی ترقی کی کوشش (۵) سلسلہ کی تجارت کی نگرانی اور ترقی (۶) تجارت کے ذریعہ سے سلسلہ کی آمد کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا (۷) تمام دُنیا کی جماعتوں کو تجارتی زنجیر میں متحد کرنا۔ غرض تجارتی طور پر دنیا بھر میں احمدیت کو فائق کرنا اس کا کام ہوگا۔ مفصّل سکیم یہ ناظر (وکلاء) بنائیں اور مجلس وکالت کے مشورہ کے بعد مجھ سے مشورہ لیں۔ اس پر عباس احمد خاں مقرر ہوں گے۔

وکالتِ صنعت۔ اس وکالت کا کام سلسلہ میں صنعت و حرفت کی ترقی، نئے نئے صنعت کے ادارے جاری کرنا اور صنعت کے ماہرین پیدا کرنا، تمام دُنیا کی جماعت میں صنعتی تعاون پیدا کرنا اور اشتراک عمل کی تجاویز نکالنا۔ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی نگرانی وغیرہ وغیرہ۔ اس وکالت پر مرزا مبارک احمد صاحب مقرر ہوں گے جب وہ فارغ ہوں گے۔

وکالتِ قانون۔ اس کا کام انکم ٹیکس کی نگرانی، بیرونی جماعتوں کے لئے صحیح قانون عمل بنوانا

تاسب جماعتیں ایک مقررہ نظام کے مطابق چلیں حسب ضرورت قانونی مشورہ دینا، مجلس کے تمام کاموں کو صحیح قانونی طور پر چلانے کی ذمہ داری، قواعد اور قوانین کے الفاظ کی درستی۔ اس وکالت کا کام (صدر انجمن کے اشتراک سے) چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب اور چوہدری بہاؤ الحق صاحب کے سپرد ہوگا۔ گو چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب ابھی باہر ہیں مگر چونکہ یہاں آتے رہتے ہیں انہیں ابھی سے اس وکالت پر مقرر کر کے مقررہ مجلس میں شامل کیا جائے۔ اس لئے گویا دو وکیل ہوں گے (۱) چوہدری بہاؤ الحق صاحب (۲) چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب۔

وکالتِ تبشیر۔ اس وکالت کے سپرد بیرونی مشنوں کا کام ہوگا۔ ان کے لئے کام کی سکیم، ان کے اداروں کی تنظیم کے قواعد بنانا اور ان کا تبادلہ اور کام پر لگوانا، لٹریچر مہیا کرنا، لائبریریاں مہیا کرنا، ان کے کام کی نگرانی، کام کی وسعت کی سکیمیں بنانا، نئے مشنوں کی سکیم، بیرونی ملکوں میں مساجد کی تعمیر، سکولوں کی تعمیر اور اجراء، سردست اس کے دو وکلاء ہوں گے یعنی ایک مولوی عبدالمغنی خان صاحب اور ایک دوسرا۔ اصل میں اس کا ایک وکیل اور چار نائب وکیل ہوں گے۔ جن کے سپرد (۱) پاکستان کے مبلغوں کا کام (۲) افریقی اور عالم اسلامی کے مشن (۳) یورپ اور امریکہ کے مشن (۴) ایشیائی ممالک کے مشن کے کام ہوں گے۔ وکیل تبشیر نگران اعلیٰ ہوگا۔

اس محکمہ کے سپرد خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کا کام کروانا اور لٹریچر کی مناسب تقسیم سے تبلیغ کا کام بھی ہوگا جو ہر علاقہ کے نائب کے سپرد اس کے علاقہ کے لئے ہوگا۔

وکالتِ اشاعت۔ اس کا کام رسالوں اخباروں کی نگرانی، پروگرام کے ماتحت شائع کرنا، لٹریچر تیار کروانا، مہیا کرنا، اس کی ضرورت اور اُسے آمد کا ذریعہ بنانا۔ اُسے ایک مصنفین کا عملہ ملے گا جو کام کی نوعیت کے لحاظ سے بدلتا بھی رہے گا اور تمام عملہ وکالت اس کام کے لئے اس کے ماتحت اس طرح ہوگا کہ وہ ہر ایک سے کچھ نہ کچھ تصنیف کا کام لے۔

تمام وکالتوں کو دو ماہ کے اندر اندر اپنا اگلے سال کا پروگرام تیار کر لینا چاہیئے اور پھر اس سے اگلے تین ماہ میں اگلے تین سال کا پروگرام اور پھر سہ ماہی چارٹ بنا کر اپنے اپنے کمروں میں لگا لینا چاہیئے اور ہر سہ ماہ کے بعد رپورٹ کرنی چاہیئے کہ کیا انہوں نے اپنا پروگرام تیار کر لیا ہے۔

ان امور کو مجلس وکالت ریزولیوشن کے ذریعہ سے پاس کرے اور یہ ریزولیوشن بھی کرے کہ آئندہ

کوئی جُرم بغیر سزا کے نہیں چھوڑا جائے گا۔ ہر امر کے متعلق مجلس وکالت یا اس کا مقرر کردہ کمیشن یہ فیصلہ کرے گا کہ غلطی ہوئی ہے یا نہیں اور اگر ہوئی ہے تو اس کی ضرور سزا دی جائے گی جس کی مقدار ایک دن گذارہ کی ضبطی سے لے کر ایک ماہ تک کے گذارہ کی ضبطی تک ہو گی۔ اگر مالی نقصان کسی وکیل یا دوسرے عملہ سے ہوگا تو اس نقصان کی حد تک رقم وصول کی جاسکے گی۔ سنگین جُرموں میں مقاطعہ اور منسوخی وقف کی سزا دی جائے گی۔ مگر بہر حال کسی غلطی کو بغیر سزا کے نہیں چھوڑا جائے گا۔ معافی کی درخواست خلیفہ وقت سے ہو سکتی ہے جو معاف کرنے کا حق رکھیں گے" [1]

تحریک جدید کا بجٹ مجلس مشاورت میں قبل ازیں مجلس مشاورت میں صرف صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ پیش ہوتا تھا مگر ۱۹۵۱ء سے تحریک جدید کا مطبوعہ بجٹ بھی پیش کیا جانے لگا۔

وقفِ زندگی سے متعلق نئے اصول حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۹۵۲ء میں فیصلہ فرمایا کہ وقف کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور بھی مدّنظر رکھنے چاہئیں:۔

اوّل۔ وقف ایک سے زیادہ اولاد والوں میں سے کسی ایک کا ہو۔ ہم دوسروں کا رستہ بند نہیں کرتے وہ بھی وقف کر سکتے ہیں مگر ایسے قواعد ضرور ہونے چاہئیں کہ مجبوری کے وقت وہ آسانی سے فارغ کئے جا سکتے ہوں۔

(۲) وقف صرف بالغ مرد کا ہو۔ اکیس سال سے پہلے کے وقف آئندہ نہ لئے جائیں اور گذشتہ وقفوں کو بھی فارغ کرنے کا راستہ کھلا رکھا جائے تاکہ وقف لڑکے کا ہو باپ کا نہ ہو اور اس میں نمائش نہ ہو بالکل حقیقت ہو۔

(۳) اکیس سال سے پہلے جن کو وظائف دیئے جائیں جیسے جامعہ احمدیہ وغیرہ میں تعلیم پانے والوں کو دیئے جاتے ہیں وہ بطور قرض ہوں جو وقف کی صورت میں وقف کے اندر مدغم ہو جائیں اور غیر وقف کی صورت میں وہ صرف قرضہ ہو جو حسب شرائط و معاہدہ وصول کر لیا جائے۔

(۴) سابق واقفین جن کی تعلیم پر سلسلہ کا روپیہ خرچ ہوا ہے وہ بھی محکمہ کے قواعد کے مطابق رقم واپس کر کے فارغ ہو سکتے ہیں۔

---

[1] نقل ریزولیوشن ۱۴۴ ع۔م ۱۶ فروری ۱۹۵۱ء (تحریک جدید)

(۵) جو والدین اپنے بچّوں کو وقف کرنا چاہیں وہ امیدوارانِ وقف کی لسٹ میں رہیں جب وہ اکیس سال کے ہو جائیں تو اُن سے دوبارہ پوچھا جائے کہ آیا وہ اپنی زندگی اپنی مرضی سے وقف کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ وقف نہ ہونا چاہیں تو اُن کو فارغ کر دیا جائے اور اگر وقف ہونا چاہیں تو اُن کا وقف قبول کر لیا جائے" [۱]

اورینٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کمپنی کا قیام

۲۰/اپریل ۱۹۵۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہدایت پر "اورینٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کمپنی" کے نام سے ایک اہم ادارہ قائم کیا گیا۔ اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ عربی انگریزی اور دیگر زبانوں میں قرآن مجید اور دوسرے اسلامی لٹریچر کی اشاعت کی جائے چنانچہ اس ادارہ کے قیام سے تراجم قرآن مجید اور دوسرے اسلامی لٹریچر میں معتدبہ اضافہ ہوا اور ہو رہا ہے [۲]

ربوہ میں دفاتر تحریک جدید کی عمارت کی تعمیر

ربوہ میں سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۳۱/مئی ۱۹۵۰ء [۳] کو دفاتر تحریک جدید کی مستقل عمارت کی بنیاد رکھی۔ اور ۱۹/نومبر ۱۹۵۳ء [۴] کو اس کا افتتاح فرمایا۔

تحریک جدید میں شمولیت کی خاص تحریک

سالانہ جلسہ ۱۹۵۳ء کے موقعہ پر سیدنا المصلح الموعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ

"تحریک جدید اب جس نازک دور میں سے گذر رہی ہے وہ اس امر کی مقتضی ہے کہ ہر احمدی یہ فیصلہ کرے کہ اس نے بہرحال اس تحریک میں حصہ لینا ہے حتیٰ کہ کوئی جماعت بھی ایسی نہ ہو جن کے سارے کے سارے افراد تحریک میں شامل نہ ہوں" [۵]

کتاب "پانچہزاری مجاہدین" کی اشاعت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۹۳۵ء میں اعلان فرمایا کہ

---

[۱] "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۵۲ء صفحہ ۴۹۔۵۰۔

[۲] مطبوعات کے لئے ملاحظہ ہو کمپنی کی مطبوعہ "CATALOGUE" (ضخامت ۲۲ صفحات)۔ اس کمپنی میں ۱۹۵۹ء سے محترم حافظ عبدالسلام صاحب شملوی چیئرمین کی حیثیت سے اور ۱۹۶۴ء سے مولوی نورالدین صاحب مُنیر (نائب وکیل التصنیف للتبشیر) مینجنگ ڈائریکٹر کی حیثیت سے خدمات بجالا رہے ہیں۔ ۱۹۶۰ء سے اب تک ملک بشارت احمد صاحب کے ذمہ کمپنی کی مینجری کے فرائض ہیں۔

[۳] "الفضل" ۳/جون ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۔

[۴] "الفضل" ۲۷/نومبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳

[۵] روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۴/جنوری ۱۹۵۴ء صفحہ ۴۔

"چونکہ تحریک جدید میں چندہ دینے والے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی پانچ ہزار والی پیشگوئی کو پورا کرنے والے ہیں اس لئے ان کی قربانی کی یاد قائم رکھنے کے لئے یہ طریق اختیار کیا جائے گا کہ

۱۔ اُن فہرستوں کو ایک جگہ جمع کر کے اور ساتھ تحریک جدید کی مختصر سی تاریخ لکھ کر چھاپ دیا جائیگا۔ اور دفتر تحریک جدید تمام احمدیہ لائیبریریوں میں یہ کتاب مفت بھیجے گا۔

۲۔ جب دس سال ختم ہو جائیں گے تو اس فنڈ کی آمد کا ایک معمولی حصہ چندہ دینے والوں کی طرف سے صدقہ کے طور پر سالانہ غرباء پر خرچ کیا جائے گا۔

۳۔ مرکز میں ایک اہم لائیبریری قائم کی جائے گی اور اس کے ہال میں ان تمام لوگوں کے نام لکھ دیئے جائیں گے" [1]

حضور کے مندرجہ بالا ارشاد کی تعمیل میں چودھری برکت علی خاں صاحبؓ [2] نے انتہائی محنت و عرقریزی کا ثبوت دیتے ہوئے جون ۱۹۵۹ء میں پانچہزاری مجاہدین کی مکمل فہرست شائع کر دی۔

اس فہرست میں جو ۸۶ صفحات پر مشتمل ہے، برصغیر پاک و ہند کے علاوہ بالترتیب عدن، انڈونیشیا، مشرقی و مغربی افریقہ، مارشیس، فلسطین، شام، لبنان، عراق، مسقط، چین، ایران، مصر، انگلستان، سپین، جرمنی، فرانس اور امریکہ وغیرہ ممالک کے جملہ مجاہدین اور ان کی ادا شدہ رقوم کا مفصّل اندراج کیا گیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مجاہدین تحریک کے بلند مقام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

"مُبارک ہیں وہ جو بڑھ چڑھ کر اس تحریک میں حصہ لیتے ہیں کیونکہ اُن کا نام ادب و احترام سے اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا اور خدا تعالیٰ کے دربار میں یہ لوگ خاص عزت کا مقام پائیں گے کیونکہ انہوں نے تکلیف اُٹھا کر دین کی مضبوطی کے لئے کوشش کی اور اُن کی اولادوں کا خدا تعالیٰ خود متکفل ہو گا اور آسمانی نُور اُن کے سینوں سے اُبل کر نکلتا رہے گا اور دُنیا کو روشن کرتا رہے گا" [3]

چندہ تحریک کیلئے نئی اقل ترین شرح

حضور نے شروع میں تحریک کے مالی جہاد میں شرکت کے لئے اقل ترین شرح پانچ روپیہ مقرر فرمائی تھی مگر ۱۸ مارچ ۱۹۶۱ء کو حضور کی منظوری سے کم سے کم شرح دس روپے قرار دے دی گئی۔

---

[1] "الفضل" ۷ دسمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۳ کالم ۲ [2] اس کام میں چوہدری عبدالرحیم صاحب جنجوعہ (وکالت مال) نے بھی پوری تندہی سے ان کا ہاتھ بٹایا [3] "تحریک جدید کے پانچہزاری مجاہدین" صفحہ ۱۵

تفسیر القرآن انگریزی کی تکمیل

جولائی ۱۹۵۲ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی منظوری سے تفسیر القرآن انگریزی کا کام مستقل طور پر تحریک جدید کے سپرد کر دیا گیا اور یہ اہم کام بخیر و خوبی پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ چنانچہ قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے مشاورت ۱۹۶۳ء کے نمائندگان کو اطلاع دی کہ:

"میں دوستوں کو بشارت دینا چاہتا ہوں کہ قرآن مجید کی انگریزی تفسیر جو آج سے اکیس[۲۱] سال پہلے شروع ہوئی تھی اور جس کے ابتدائی حصہ میں مجھے بھی کچھ خدمت کا موقعہ ملا ہے اور حضرت مولوی شیر علی صاحب بھی اس کام کو کرتے رہے ہیں۔ درد صاحب مرحوم بھی یہ کام کرتے رہے ہیں۔ گو زیادہ کام ملک غلام فرید صاحب کے ذمہ رہا ہے اور اب تو کلیتہً ان کے ذمہ ہے۔ اس تفسیر کا آخری حصہ جو باقی تھا اب مکمل ہو کر آ گیا ہے اور اس طرح خدا کے فضل سے یہ کام تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔" [لہ]

ماہنامہ "تحریک جدید"

اگست ۱۹۶۵ء سے مولوی نور محمد صاحب نسیم سیفی سابق رئیس التبلیغ مغربی افریقہ کی ادارت میں ماہنامہ "تحریک جدید" جاری ہوا جو تحریک جدید کا مرکزی ترجمان اور اس کی سرگرمیوں کا آئینہ دار ہے۔

تحریک جدید کی مطبوعات دفتر دوم میں

اس دور میں دفتر تحریک جدید کی طرف سے حسب ذیل لٹریچر شائع کیا گیا:۔

۱۔ اسلام کا اقتصادی نظام (۱۹۴۵ء) ۲۔ تفسیر کبیر جلد ششم جزو چہارم حصہ اول (۱۹۴۵ء) ۳۔ تفسیر کبیر حصہ دوم (۱۹۴۶ء) ۴۔ تفسیر کبیر جلد اول جزو اول (۱۹۴۸ء) ۵۔ اسلام اور ملکیت زمین (۱۹۵۰ء) ۶۔ تفسیر کبیر جلد ششم جزو چہارم حصہ سوم (۱۹۵۰ء) ۷۔ کمیونزم اینڈ ڈیماکریسی (COMMUNISM AND DEMOCRACY) چار عدد (۱۹۵۰ء) ۸۔ تشریح الزکوٰۃ (۱۹۵۱ء)

9. MEMORANDUM AND ARTICLES OF ASSOCIATION OF TAHRIK-I-JADID ANJUMAN AHMADIYYA PAKISTAN. (1959)

وکالت مال کی مطبوعات:۔

۱۔ خلاصہ مطالبات تحریک جدید ۲۔ اکناف عالم میں تبلیغ اسلام (۱۹۵۸ء) ۳۔ تحریک

لہ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۶۳ء (منعقدہ ۲۲-۲۳-۲۴ مارچ ۱۹۶۳ء) صفحہ ۹-۱۰۰

جدید کے کام پر ایک نظر (۱۹۵۹ء) ۴۔ افریقہ میں تبلیغ اسلام (۱۹۶۰ء) ۵۔ تحریک جدید اور اس کے تقاضے (۱۹۶۱ء) ۶۔ تحریک جدید کے کام کی وسعت (۱۹۶۳ء) ۷۔ سادہ زندگی (۱۹۶۵ء) ۸۔ تحریک جدید دفتر سوم کے اجراء کے متعلق حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثالث کی زریں ہدایات (۱۹۶۶ء) ۹۔ مجاہدہ (۱۹۶۶ء) ۱۰۔ تحریک جدید کے ذریعہ اکناف عالم میں اشاعت اسلام (۱۹۶۷ء) ۱۱۔ تحریک جدید کی برکات (مضمون حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ) (جولائی ۱۹۶۳ء) ۱۲۔ معاونین خاص مسجد سوئٹزرلینڈ کے لئے کم از کم تین سو روپیہ دینے والوں کی فہرست (مارچ ۱۹۶۳ء) ۱۳۔ اسلام اور عیسائیت (تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۵۴ء حضرت المصلح الموعودؓ) (جون ۱۹۶۴ء) ۱۴۔ جاننے کی باتیں (متفرق ارشادات حضرت المصلح الموعودؓ) (اکتوبر ۱۹۶۱ء) ۱۵۔ TAHRIK-I-JADID (انگریزی ترجمہ تقریر صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل اعلیٰ) (جون ۱۹۶۴ء) ۱۶۔ تحریک جدید کے مالی جہاد میں روح مسابقت کیوں ضروری ہے؟ (۱۹۶۶ء) ۱۷۔ خشکی اور سمندر میں فساد اور اس کا علاج (خطبہ حضرت المصلح الموعودؓ) (۱۹۶۴ء) ۱۸۔ تحریک جدید کا دفتر سوم اور لجنات اماءاللہ کا فرض (مضمون حضرت صدر صاحبہ لجنہ اماءاللہ مرکزیہ) (جولائی ۱۹۶۶ء)

دفتر سوم کا اجراء

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۲۲ اپریل ۱۹۶۶ء کو تحریک جدید کے دفتر سوم کا اجراء فرمایا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ یہ دفتر یکم نومبر ۱۹۶۵ء سے شمار کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا :-

"۱۹۶۴ء میں دفتر دوم کے بیس سال پورے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت حضرت مصلح موعودؓ بیمار تھے اور غالباً بیماری کی وجہ سے ہی حضور کو اس طرف توجہ نہیں ہوئی . . . . میں چاہتا ہوں کہ اب دفتر سوم کا اجراء کر دیا جائے لیکن اس کا اجراء یکم نومبر ۶۵ء سے شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ تحریک جدید کا سال یکم نومبر سے شروع ہوتا ہے۔ اس طرح یکم نومبر ۱۹۶۵ء سے ۳۱ اکتوبر ۶۶ء تک ایک سال بنے گا۔ میں اس لئے ایسا کر رہا ہوں تاکہ دفتر سوم بھی حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف منسوب ہو . . . . دوران سال نومبر کے بعد جو نئے لوگ تحریک جدید کے دفتر دوم میں شامل ہوئے ہیں ان سب کو دفتر سوم میں منتقل کر دینا چاہیئے" [1]

مجاہدین دفتر سوم کو نصیحت

دفتر سوم اور اس کے بعد شامل ہونے والے مجاہدین کو حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۹۴۷ء میں نصیحت فرمائی :-

---

[1] "الفضل" ۲۷ اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ ۳ کالم ۱ + ۲

"دفترسوم والوں کا فرض ہے کہ وہ ایسا اچھا نمونہ دکھائیں جو دفتر چہارم والوں کے لئے قابلِ رشک ہو اور دفتر چہارم والوں کا فرض ہے کہ وہ ایسا اچھا نمونہ دکھائیں جو دفتر پنجم والوں کے لئے قابلِ رشک ہو اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے یہانتک کہ قیامت تک یہ سلسلہ چلتا چلا جائے" [۱]

زاں بعد ۱۹۴۸ء میں ارشاد فرمایا:-

"دَور اوّل تین لاکھ اسّی ہزار تک پہنچا ہے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ اسے پانچ لاکھ تک پہنچا دیں تو پھر تیسرے دَور والوں سے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اُسے آٹھ لاکھ تک پہنچا دیں گے اور اس سے اگلے دَور والے اُسے دس بارہ لاکھ تک پہنچا دیں گے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر یہ بات یقینی ہے کہ ہم بیرونی ممالک میں تبلیغ کا جال بچھا دیں گے اور اس کے ذریعہ اسلام کا قلعہ ہر مُلک میں قائم کر دیں گے" [۲]

فصل دہم

تحریکِ جدید کے نظام کی موجودہ وسعت، مُخلصینِ احمدیّت کی مالی اور جانی قربانیوں پر ایک نظر، تبلیغ اسلام سے متعلق تحریکِ جدید کی عظیم الشان خدمات، غیروں کی آراء اور تحریکِ جدید کا شاندار مُستقبل

تحریکِ جدید کا موجودہ مرکزی نظام

تحریکِ جدید انجمن احمدیہ کا مرکزی نظام اس وقت مندرجہ ذیل شعبوں پر مشتمل ہے۔ وکالتِ عُلیا۔ وکالت دیوان۔ وکالت تبشیر۔ وکالت زراعت۔ وکالت قانون۔ وکالت تعلیم و صنعت۔ وکالت مال صیغہ امانت۔ دفتر آبادی۔ آڈیٹر۔

---

[۱] "الفضل" ۲ر دسمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۵ کالم ۱ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۸ر نومبر ۱۹۴۷ء)۔

[۲] "الفضل" ۵ر دسمبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۶ کالم ۱ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ر نومبر ۱۹۴۸ء)۔

وکالت علیا ـــــ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ اور حافظ عبدالسلام صاحب وکیل اعلیٰ رہ چکے ہیں۔ ۱۹۶۲ء سے صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب اس منصب پر فائز ہیں۔

وکالت دیوان ـــــ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور، چوہدری فقیر محمد صاحب ریٹائرڈ ڈی ایس پی اور حافظ عبدالسلام صاحب اس شعبہ کے نگران (یعنی وکیل الدیوان) رہ چکے ہیں۔ اب صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل الدیوان کے بھی فرائض انجام دے رہے ہیں۔

وکالت تبشیر ـــــ اِن دنوں وکالت تبشیر کا شعبہ بھی صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی نگرانی میں کام کر رہا ہے۔ صاحبزادہ صاحب سے قبل مولوی جلال الدین صاحب شمسؓ (وکیل التبشیر برائے ممالک یورپ و امریکہ) مولوی عبدالمغنی خانصاحبؓ (وکیل التبشیر برائے افریشیائی ممالک) مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور (وکیل التبشیر ثانی برائے عربی ممالک و انڈونیشیا) ملک عمر علی صاحبؓ کھوکھر رئیس[1] (وکیل التبشیر) اور چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ (وکیل التبشیر) یہ خدمت بجا لاتے رہے ہیں۔

وکالت زراعت ـــــ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب اور چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ کے بعد اب میاں عبدالرحیم احمد صاحب وکیل الزراعت ہیں۔

وکالت قانون ـــــ شروع میں چوہدری بہاؤالحق صاحب اور چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب دونوں اصحاب وکیل القانون مقرر کئے گئے تھے۔ مگر اب سالہا سال سے چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب ہی اس عہدہ پر فائز ہیں۔

وکالت تعلیم ـــــ اس وقت میاں عبدالرحیم احمد صاحب وکیل التعلیم ہیں۔ حافظ قدرت اللہ صاحب اور چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب بھی یہ خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔

وکالت صنعت ـــــ حضرت خانصاحب ذوالفقار علی خاں صاحبؓ اور مولوی بہاؤالحق صاحب صاحب اس شعبہ کے نگران رہ چکے ہیں۔

وکالت مال ـــــ اس شعبہ کے ابتدائی وکلاء کی فہرست یہ ہے:۔

۱۔ چوہدری برکت علی صاحب (وکیل المال اوّل) ۲۔ قاضی محمد رشید صاحبؓ (وکیل المال ثانی)

۳۔ قریشی عبدالرشید صاحب (وکیل المال ثانی) ۴۔ حافظ عبدالسلام صاحب شملوی (وکیل المال اوّل)

---

[1] آپ نے یہ کام رضاکارانہ طور پر انجام دیا۔

اِن دنوں چوہدری شبیر احمد صاحب (وکیل المال اوّل) اور حافظ عبدالسلام صاحب وکیل المال ثانی کے فرائض بجا لا رہے ہیں۔

صیغہ امانت ——— اس صیغہ میں بالترتیب مندرجہ ذیل اصحاب نے کام کیا:۔

حضرت بابو فخرالدین صاحب (سکرٹری امانت)، چوہدری سلطان احمد صاحب بسرا۔ سیّد محمد حسین شاہ صاحب، حضرت ماسٹر فقیر اللہ صاحب رضی اللہ عنہ۔

ان دنوں صاحبزادہ مرزا نعیم احمد صاحب اس صیغہ کے افسر ہیں۔

دفتر آبادی ——— ملک محمد خورشید صاحب ریٹائرڈ ایس۔ڈی۔او، چودھری عبداللطیف صاحب اوورسیر[1]، چوہدری عطا محمد صاحب، قریشی عبدالرشید صاحب۔ حسن محمد خاں صاحب عارف، ملک بشارت احمد احمد صاحب سکرٹری تعمیر رہ چکے ہیں۔ ان دنوں حافظ عبدالسلام صاحب سکرٹری کے فرائض ادا کر رہے ہیں۔

دفتر آڈیٹر ——— چودھری برکت علی صاحب فنانشل سکرٹری تحریک جدید، قریشی عبدالرشید صاحب، ملک ولایت خاں صاحب کے بعد اب چودھری ناصرالدین صاحب آڈیٹر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

تحریک جدید کی مجموعی آمد | قیام تحریک جدید (۱۹۳۴ء) سے لے کر ۳۱ دسمبر ۱۹۶۶ء تک تحریک جدید کی مجموعی آمد تین کروڑ چھیاسی لاکھ تہتر ہزار روپیہ ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

نمبر شمار	نام چندہ	رقم	کیفیت
۱	چندہ تحریک جدید اندرون ملک	۹۰۳۳۴۰۰۔۔۔۰۰	
۲	چندہ مساجد ممالک بیرون جو پاکستانی جماعتوں نے پیش کیا	۱۰۱۴۳۰۰۔۔۔۰۰	اس چندہ میں لنڈن مسجد کا چندہ شامل نہیں جو ۲۴-۱۹۲۵ء میں صرف احمدی مستورات کے چندہ سے تعمیر کروائی گئی تھی۔ اس کا حساب دستیاب نہیں ہو سکا۔ یہ رقم جو یہاں ظاہر کی گئی ہے۔ امریکہ، ہالینڈ، جرمنی، سوئٹزرلینڈ اور ڈنمارک کی مساجد کی تعمیر کے لئے جمع ہوئی۔ اس میں بھی چار لاکھ روپیہ احمدی مستورات کی طرف سے پیش کیا گیا ہے جن کے ذمہ ہالینڈ اور ڈنمارک کی مساجد کا خرچ لگایا گیا تھا۔
۳	آمد خالص از جائیداد وغیرہ اندرون ملک	۹۳۶۱۳۰۰۔۔۔۰۰	
۴	چندہ جات تحریک جدید و چندہ عام وغیرہ بیرون ملک	۵۲۷۷۰۔۔۔۰۰	
۵	آمد خالص از جائیداد، پریس و تعلیمی ادارہ جات بیرون ملک	۱۳۹۸۷۔۔۔۰۰	مشن ہائے بیرون کی آمد ۴۶-۱۹۴۵ء کے بجٹ سے تحریک جدید کو ملنی شروع ہوئی
	میزان (تین کروڑ چھیاسی لاکھ تہتر ہزار روپے)[2]	۳۸۶۷۳۰۰۰۔۔۔۰۰	

[1] قائم مقام سکرٹری (ولادت مئی ۱۹۱۸ء، بیعت فروری ۱۹۳۹ء، قبولیت وقف یکم جنوری ۱۹۴۶ء، وطن سیالکوٹ میٹھے کلاں)۔ ۱۰ جولائی ۱۹۵۰ء سے آپ افسر تعمیرات کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

[2] وکالت مال کے ریکارڈ سے ماخوذ)

تحریکِ جدید کی بدولت قائم ہونے والے بیرونی مشن

تحریک جدید کے ذریعہ سے مندرجہ ذیل مشن قائم ہوئے:-

نمبر شمار	نام ملک	سال قیام مشن	نمبر شمار	نام ملک	سال قیام مشن
۱-	سنگاپور (ملایا)	۱۹۳۵ء	۱۷	لبنان	۲۷ اگست ۱۹۴۹ء
۲-	ہانگ کانگ (چین)	"	۱۸	جرمنی	۱۹۴۹ء
۳-	جاپان	"	۱۹	سیلون	۱۹۵۱ء
۴	سپین	۱۹۳۶ء	۲۰	ٹرینیڈاڈ	"
۵	ہنگری	"	۲۱	برما	۱۹۵۳ء
۶	البانیہ	"	۲۲	سوئٹزرلینڈ	۱۹۵۵ء
۷	یوگوسلاویہ	"	۲۳	ڈنمارک	۱۹۵۶ء
۸	ارجنٹائن	"	۲۴	لائبیریا	"
۹	اٹلی	۱۹۳۷ء	۲۵	ڈچ گی آنا	"
۱۰	پولینڈ	"	۲۶	فجی آئی لینڈ	۱۹۶۰ء
۱۱	سیرالیون	"	۲۷	ایوری کوسٹ	۱۹۶۱ء
۱۲	سپین	۱۹۴۶ء	۲۸	گیمبیا	"
۱۳	عدن	"	۲۹	تنزانیہ	"
۱۴	بورنیو	"	۳۰	کینیا	"
۱۵	ہالینڈ	۱۹۴۷ء	۳۱	ٹوگولینڈ	۱۹۶۲ء
۱۶	عمان (اردن)	۳ مارچ ۱۹۴۸ء			

اس وقت تحریک جدید کے زیر انتظام مندرجہ ذیل ممالک میں مرکزی مشن چل رہے ہیں۔ جہاں قریباً ۱۲۵ سوا سو پاکستانی اور مقامی مبلغین تبلیغ اسلام میں سرگرم عمل ہیں۔ ان مرکزی مشنوں کی آگے متعدد شاخیں موجود ہیں۔[۱]

۱ے یہ سطور اگست ۱۹۶۷ء میں لکھی جا رہی ہیں (مؤلف)۔

یورپ :- انگلستان ، سپین ، ہالینڈ ، سوئٹزرلینڈ - مغربی جرمنی - سکنڈے نیویا -

امریکہ :- (شمالی امریکہ) مرکزی دارالتبلیغ واشنگٹن -

(جنوبی امریکہ) ٹرینیڈاڈ - برٹش گی آنا -

مغربی افریقہ :- نائیجیریا ، غانا ، سیرالیون ، لائبیریا ، آئیوری کوسٹ ، گیمبیا[۱] -

مشرقی افریقہ :- یوگنڈا ، کینیا ، تنزانیہ -

جنوبی افریقہ :- (جزائر) ماریشس -

مشرق وسطیٰ :- فلسطین[۲] ، شام ، عدن -

مشرق بعید :- انڈونیشیا ، سنگاپور ، ملائیشیا ، بورنیو ، فجی -

درج ذیل ممالک میں اگرچہ مشن قائم ہیں مگر ان دنوں مرکز کی طرف سے مبلغین متعین نہیں :-

لبنان ، جنوبی افریقہ ، برما ، سیلون ، جاپان ، فلپائن -

ان کے علاوہ دنیا کے متعدد مقامات پر احمدی پائے جاتے ہیں مثلاً

ایران ، کویت ، ٹوگولینڈ ، مسقط ، بحرین ، ارجنٹائن ، سوڈان ، عراق ، مصر ، دوبئی

ہانگ کانگ ، کانگو ، قبرص ، آسٹریا ، آسٹریلیا ، ترکی[۳]

یہ وہ ممالک ہیں جن سے خط وکتابت کا سلسلہ بھی جاری ہے ورنہ احمدی تو (روس کے سوا) دنیا کے قریباً ہر ایک خطہ میں پائے جاتے ہیں -

بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کا شرف پانے والے واقفین تحریک جدید

اب ذیل میں ان واقفین تحریک جدید کی مکمل فہرست دی جاتی ہے جنہوں نے براہ راست تحریک جدید کے زیر انتظام بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کیا یا ادا کر رہے ہیں

نوٹ :- قیام تحریک جدید سے قبل یا صدر انجمن احمدیہ کے کارکن کی حیثیت سے اعلائے کلمۃ اللہ کا شرف پانے والے مجاہدین اسلام[۴] کا مفصل ذکر بیرونی مشنوں کی مستقل تاریخ میں کیا جا چکا ہے -

---

[۱] علاوہ ازیں ٹوگولینڈ میں مشن قائم تھا جو بند ہے ۔ [۲] یہ مشن جو ۱۹۲۵ء سے تبلیغ اسلام کا فریضہ بجا لا رہا ہے تقسیم ہند ۱۹۴۷ء کے بعد براہ راست صدر انجمن احمدیہ قادیان (بھارت) کی نگرانی میں کام کر رہا ہے ۔ [۳] ہندوستان کی احمدی جماعتیں براہ راست مرکز احمدیت قادیان کے ماتحت تبلیغ اسلام کا فریضہ بجا لا رہی ہیں ۔ [۴] مثلاً حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیالؓ حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب بی اے بی ٹی (مبلغ انگلستان) ، حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ (مبلغ انگلستان و امریکہ) - مولوی مبارک علی

(بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

نمبر شمار	نام	تاریخ ولادت	تاریخ تقرری (تحریک جدید میں)	کیفیت ممالک جہاں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کیا یا ادا کر رہے ہیں
۱	چوہدری محمد شریف صاحب	۱۰ اکتوبر ۱۹۱۳ء	۹ جنوری ۱۹۳۵ء	فلسطین معہ شام۔ گیمبیا۔ (گیمبیا کے پہلے مبلغ)
۲	مولوی امام الدین صاحب ملتانی	نومبر ۱۹۱۳ء	۲۷ جنوری ۱۹۳۵ء	سنگاپور۔ انڈونیشیا
۳	مولوی روشن دین احمد صاحب	۱۹۱۴ء	۳ فروری ۱۹۳۵ء	مسقط مشن کے پہلے مبلغ۔ کینیا۔
۴	ملک محمد شریف صاحب گجراتی		۳ فروری ۱۹۳۵ء	سپین اور اٹلی مشن کے پہلے مبلغ
۵	صوفی عبد الغفور صاحب		۱۹۳۵ء	چین مشن کے پہلے مبلغ۔ امریکہ
۶	چوہدری محمد اسحٰق صاحب سیالکوٹی	۵ ستمبر ۱۹۱۶ء	۱۰ فروری ۱۹۳۵ء	ہانگ کانگ
۷	مولوی غلام حسین صاحب ایاز	(جامعہ احمدیہ کے ریکارڈ کے مطابق) یکم مئی ۱۹۰۵ء [۵۲]	۲۰ فروری ۱۹۳۵ء	سنگاپور مشن کے پہلے مبلغ۔ بورنیو میں دفن کئے گئے۔
۸	شیخ عبد الواحد صاحب	۱۵ دسمبر ۱۹۱۵ء	۴ مارچ ۱۹۳۵ء	ہانگ کانگ۔ ایران۔ فجی۔
۹	حافظ عبد الغفور صاحب (برادر خورد مولانا ابو العطاء صاحب)	۱۳ مئی ۱۹۱۳ء	۷ مارچ ۱۹۳۵ء	جاپان (تحریک جدید کے اس مشن کے پہلے مبلغ صوفی عبد القدیر صاحب نیاز بی اے ہیں)
۱۰	ملک عزیز احمد صاحب کنجاہی	۲۳ ستمبر ۱۹۱۵ء	۷ مارچ ۱۹۳۵ء	انڈونیشیا۔ اسی ملک میں مزار ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) صاحب بی اے بی ٹی (مبلغ انگلستان و جرمنی) حضرت الحاج مولوی عبد الرحیم صاحب نیر رضی اللہ عنہ (مبلغ انگلستان و مغربی افریقہ) حضرت ملک غلام فرید صاحب ایم اے (مبلغ جرمنی و انگلستان) حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب درد ایم اے رضی اللہ عنہ (مبلغ انگلستان) حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب رضی اللہ عنہ حضرت مولانا شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ، صوفی عبد القدیر صاحب نیاز بی اے، مولوی محمد یار صاحب عارف (مبلغ انگلستان) حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس رضی اللہ عنہ (مبلغ بلاد عربیہ و غربیہ و انگلستان) حکیم فضل الرحمٰن صاحب رضی اللہ عنہ (مبلغ نائیجیریا) حضرت صوفی غلام محمد صاحب رضی اللہ عنہ (مبلغ ماریشس) حضرت حافظ عبید اللہ صاحب رضی اللہ عنہ (مبلغ ماریشس) حضرت مولوی حافظ جمال احمد صاحب رضی اللہ عنہ (مبلغ ماریشس) حضرت مولوی محمد دین صاحب (مبلغ امریکہ) حضرت صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی رضی اللہ عنہ (مبلغ امریکہ) مولانا ظہور حسین صاحب فاضل (مبلغ روس) حضرت شہزادہ عبد المجید صاحب رضی اللہ عنہ (مبلغ ایران) مولانا ابو العطاء صاحب (مبلغ فلسطین و مصر) مولانا محمد سلیم صاحب (مبلغ فلسطین و مصر) شیخ محمود احمد صاحب عرفانی رضی اللہ عنہ (مبلغ مصر) مولانا رحمت علی صاحب رضی اللہ عنہ (مبلغ انڈونیشیا) مولوی محمد صادق صاحب سماٹری (مبلغ انڈونیشیا) شیخ مبارک احمد صاحب (مبلغ مشرقی افریقہ)

حواشی متعلقہ صفحہ ہذا:-

[۵۱] یہ فہرست اگست ۱۹۶۰ء میں مرتب ہوئی۔

[۵۲] مولوی غلام احمد صاحب فرخ کے نزدیک آپ ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے (الفضل ۲۰ فروری ۱۹۶۰ء صفحہ ۵ کالم ۱)۔

نمبر شمار	نام	تاریخ ولادت	تاریخ تقرری (تحریک جدید میں)	کیفیت۔ ممالک جہاں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کیا یا کر رہے ہیں
۱۱۔	مولوی رمضان علی صاحب	۱۲؍اگست ۱۹۱۳ء	۷؍مارچ ۱۹۳۵ء	ارجنٹائن مشن کے پہلے مبلغ
۱۲۔	مولوی محمد دین صاحب		۷؍مارچ ۱۹۳۵ء	البانیہ اور یوگوسلاویہ مشن کے پہلے مبلغ افریقہ جاتے ہوئے رستہ میں شہادت پائی
۱۳۔	سید شاہ محمد صاحب	۱۵؍جولائی ۱۹۱۳ء	۱۰؍مارچ ۱۹۳۵ء	انڈونیشیا
۱۴۔	حاجی احمد خان صاحب ایاز		۱۹؍مئی ۱۹۳۵ء	ہنگری، پولینڈ، چیکوسلواکیہ مشن کے پہلے مبلغ
۱۵۔	مولوی نورالدین صاحب منیر	۱۶؍ستمبر ۱۹۱۵ء	یکم جولائی ۱۹۳۵ء	مشرقی افریقہ
۱۶۔	محمد ابراہیم صاحب ناصر	۴؍اکتوبر ۱۹۱۲ء	جولائی ۱۹۳۵ء	ہنگری
۱۷۔	ولی داد خاں صاحب	۱۷؍مئی ۱۹۰۴ء	دسمبر ۱۹۳۵ء	افغانستان میں شہید کر دیئے گئے
۱۸۔	مولوی نذیر احمد صاحب مبشر	۱۵؍اگست ۱۹۰۹ء	۲؍فروری ۱۹۳۶ء	غانا۔ سیرالیون
۱۹۔	چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر	۱۹۱۷ء	۱۳؍مارچ ۱۹۳۷ء	امریکہ
۲۰۔	مولوی عبدالخالق صاحب	۱۵؍فروری ۱۹۱۰ء	اگست ۱۹۳۷ء	غانا - ایران - مشرقی افریقہ۔
۲۱۔	ملک عطاء الرحمٰن صاحب		۱۹۳۷ء (تاریخ پیشکش)	فرانس
۲۲۔	مرزا منور احمد صاحب	۲۰؍اپریل ۱۹۱۹ء	۲۱؍جنوری ۱۹۳۸ء (تاریخ پیشکش)	امریکہ (امریکہ میں فوت ہوئے وہیں مزار ہے)
۲۳۔	چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر	۳۰؍دسمبر ۱۹۱۹ء	یکم مئی ۱۹۳۸ء	دور جدید میں سپین مشن کے پہلے مبلغ
۲۴۔	میاں عبدالحی صاحب	۲۸؍فروری ۱۹۲۰ء	یکم مئی ۱۹۳۸ء	سنگاپور۔ انڈونیشیا
۲۵۔	مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری	۱۵؍جون ۱۹۱۵ء	۱۰؍جولائی ۱۹۳۸ء	فلسطین۔ انگلستان۔ سیرالیون۔ لائبیریا۔ سنگاپور
۲۶۔	چوہدری غلام یٰسین صاحب	یکم مارچ ۱۹۱۵ء	۱۷؍اگست ۱۹۳۸ء	امریکہ
۲۷۔	چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ	۳۰؍دسمبر ۱۹۱۱ء	۱۲؍ستمبر ۱۹۳۸ء	انگلستان۔ سوئٹزرلینڈ
۲۸۔	شیخ ناصر احمد صاحب	۸؍مارچ ۱۹۱۹ء	۱۲؍جنوری ۱۹۳۹ء	سوئٹزرلینڈ
۲۹۔	مولوی صدرالدین صاحب	۱۹۱۸ء	۲۲؍اکتوبر ۱۹۳۹ء	ایران
۳۰۔	چوہدری عبداللطیف صاحب بی۔اے	۱۹۳۸ء میں عمر ۲۲ سال	۲۰ جنوری ۱۹۴۰ء	تحریک جدید کے جرمنی مشن کے پہلے مبلغ
۳۱۔	حافظ قدرت اللہ صاحب	۲۲؍فروری ۱۹۱۶ء	۲۸؍اپریل ۱۹۴۰ء	ہالینڈ - انڈونیشیا۔

نمبر شمار	نام	تاریخ ولادت	تاریخ تقرری (تحریک جدید)	کیفیت
۳۲-	مولوی غلام احمد صاحب بشیر	۱۹۱۷	۲۲ جولائی ۱۹۴۲ء	ہالینڈ
۳۳-	مولوی فضل الٰہی صاحب بشیر	نومبر ۱۹۴۴ء میں ۲۴ سال عمر	یکم اگست ۱۹۴۲ء	مشرقی افریقہ، ماریشس، فلسطین
۳۴-	مولوی رشید احمد صاحب چغتائی	۲۷ جولائی ۱۹۱۹ء	۱۳ اپریل ۱۹۴۴ء	فلسطین۔ اردن، لبنان
۳۵-	ملک احسان اللہ صاحب	۱۹ جنوری ۱۹۱۹ء	۳۰ اپریل ۱۹۴۴ء	مغربی و مشرقی افریقہ
۳۶-	حافظ بشیر الدین عبید اللہ صاحب	۱۷ ستمبر ۱۹۲۰ء	۲۶ مئی ۱۹۴۴ء	ماریشس، مشرقی افریقہ، سیرالیون فرنچ گنی (مغربی افریقہ)
۳۷-	چوہدری عطاء اللہ صاحب	۱۹۳۸ء میں ۲۳ سال عمر	۲۶ مئی ۱۹۴۴ء	فرانس۔ غانا (مغربی افریقہ)
۳۸-	چوہدری احسان الٰہی صاحب جنجوعہ	۱۵ فروری ۱۹۲۳ء	۱۶ جون ۱۹۴۴ء	سیرالیون۔ نائیجیریا۔ غانا
۳۹-	مولوی نور محمد صاحب نسیم سیفی	۱۶ مئی ۱۹۱۷ء	۲۷ جولائی ۱۹۴۴ء	نائیجیریا
۴۰-	چوہدری محمد اسحاق صاحب ساقی		۵ اگست ۱۹۴۴ء	سپین (ٹرینیڈاڈ مشن کے پہلے مبلغ)
۴۱-	مولوی نور الحق صاحب انور	۲۰ دسمبر ۱۹۲۰ء	۱۴ اگست ۱۹۴۴ء	مشرقی افریقہ، امریکہ، فجی
۴۲-	مولوی محمد عثمان صاحب	۱۹۲۳ء	۲ ستمبر ۱۹۴۴ء	اٹلی، سیرالیون
۴۳-	صوفی محمد اسحاق صاحب	یکم مارچ ۱۹۲۳ء	۷ ستمبر ۱۹۴۴ء	سیرالیون، لائبیریا مشن کے پہلے مبلغ، غانا۔ یوگنڈا۔ کینیا۔
۴۴-	مولوی عبد الحق صاحب ننگلی			سیرالیون، غانا
۴۵-	مولوی نذیر احمد صاحب رائے ونڈی	۱۴ اپریل ۱۹۲۶ء	۲۳ نومبر ۱۹۴۴ء	سیرالیون
۴۶-	شیخ نور احمد صاحب منیر	۱۹ اکتوبر ۱۹۱۹ء	۶ فروری ۱۹۴۵ء	لبنان، نائیجیریا۔
۴۷-	ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیل	۲۳ فروری ۱۹۰۲ء	۱۴ فروری ۱۹۴۵ء	اٹلی، سیرالیون (فری ٹاؤن)
۴۸-	چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ	۲۰ اپریل ۱۹۱۹ء	۳ اپریل ۱۹۴۵ء	انگلستان
۴۹-	مولوی بشارت احمد صاحب بشیر	۲۴ جنوری ۱۹۲۴ء	۱۵ اپریل ۱۹۴۵ء	غانا۔ سیرالیون
۵۰-	مولوی بشارت احمد صاحب نسیم	قریباً ۱۹۲۳ء	اپریل ۱۹۴۵ء	غانا۔ ملائیشیا۔

کیفیت	تاریخ تقرری	تاریخ ولادت	نام	نمبر شمار
مشرقی افریقہ	۱۸؍اگست ۱۹۴۵ء	۱۳؍فروری ۱۹۲۳ء	مولوی محمد منور صاحب	۵۱
نائیجیریا۔ غانا۔ آئیوری کوسٹ	۱۹۴۵ء	۵؍اکتوبر ۱۹۱۴ء	قریشی محمد افضل صاحب	۵۲
انڈونیشیا عراق (۱۹۳۶ء میں سماٹرا روانہ ہوئے اور ۱۹۴۵ء سے تحریک جدید کے ماتحت کام شروع کیا)	۱۹۴۵ء	۷؍ستمبر ۱۹۰۸ء	مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری	۵۳
امریکہ	۱۶؍فروری ۱۹۴۶ء	۲۲؍ستمبر ۱۹۲۲ء	مولوی عبدالقادر صاحب ضیغم	۵۴
مشرقی افریقہ۔ فلسطین	۵؍مارچ ۱۹۴۶ء	۵؍مئی ۱۹۲۳ء	مولوی جلال الدین صاحب قمر	۵۵
مشرقی افریقہ	۵؍مارچ ۱۹۴۶ء		سید ولی اللہ صاحب	۵۶
مشرقی افریقہ	۵ مارچ ۱۹۴۶ء	اندازاً ۱۹۱۴ء	عنایت اللہ صاحب خلیل	۵۷
مشرقی افریقہ	۲۱؍مارچ ۱۹۴۶ء	۱۹۲۲ء	حکیم محمد ابراہیم صاحب	۵۸
غانا۔ سیرالیون مشن کے پہلے مبلغ۔ سیرالیون میں مدفون ہیں		۱۰؍فروری ۱۹۰۵ء	مولوی نذیر احمد صاحب علی	۵۹
مشرقی افریقہ (تاجر[1])	۲۹؍اپریل ۱۹۴۶ء		میر ضیاء اللہ صاحب	۶۰
انگلستان، برٹش گی آنا، گلاسگو	؍مئی ۱۹۴۶ء		بشیر احمد آرچرڈ صاحب آف انگلستان	۶۱
امریکہ	۱۲؍جون ۱۹۴۶ء	۲۰؍مارچ ۱۹۲۰ء	چوہدری شکر الٰہی صاحب	۶۲
سنگاپور۔ انڈونیشیا۔ ملایا۔	۱۵؍جون ۱۹۴۶ء	۲۰؍مارچ ۱۹۱۶ء	مولوی محمد سعید صاحب انصاری	۶۳
انڈونیشیا۔ سنگاپور (قادیان سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا)	۲۵؍جون ۱۹۴۶ء	؍نومبر ۱۹۱۸ء	مولوی محمد زہدی صاحب (آف ملایا)	۶۴
سیرالیون	۲۶؍جون ۱۹۴۶ء		مولوی عبدالکریم صاحب	۶۵

[1] یعنی تاجر مبلغ ہے

کیفیت	تاریخ تقرری	تاریخ ولادت	نام	نمبر شمار
نائیجیریا۔ سیرالیون	۲۹ جون ۱۹۴۶ء	۱۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء	سید احمد شاہ صاحب	۶۶۔
سیرالیون (ت)	۱۵ جولائی ۱۹۴۶ء	۱۹۲۴ء	مولوی محمد صادق صاحب لاہوری	۶۷۔
لنڈن (آئیوری کوسٹ مشن کے پہلے مبلغ) امریکہ	۲۰ جولائی ۱۹۴۶ء	۳۰ جون ۱۹۲۲ء	قریشی مقبول احمد صاحب	۶۸۔
مشرقی افریقہ	جولائی ۱۹۴۶ء	یکم جنوری ۱۹۲۰ء	چوہدری عنایت اللہ صاحب	۶۹۔
غانا (ت)	۱۵ ستمبر ۱۹۴۶ء	۱۲ فروری ۱۹۰۲ء	مولوی صالح محمد صاحب	۷۰۔
لنڈن (ت)	۱۵ اکتوبر ۱۹۴۶ء	یکم جنوری ۱۹۱۵ء	مولوی عبدالرحمٰن خان صاحب	۷۱۔
غانا	۱۲ دسمبر ۱۹۴۶ء	یکم اکتوبر ۱۹۲۲ء	مولوی عطاء اللہ صاحب کلیم	۷۲۔
عدن مشن کے بانی	۱۹۴۶ء	۱۹۲۶	مولوی غلام احمد صاحب مبشر	۷۳۔
مشرقی افریقہ	۲۸ اگست ۱۹۴۷ء	۲۶ جولائی ۱۹۱۹ء	مولوی عبدالکریم صاحب شرما	۷۴۔
امریکہ	۲ اکتوبر ۱۹۴۸ء	۱۹۲۴ء	سید جواد علی صاحب	۷۵۔
سیرالیون، نائیجیریا۔	۱۵ جون ۱۹۴۹ء	۱۵ مارچ ۱۹۲۳ء	شیخ نصیر الدین احمد صاحب	۷۶۔
انڈونیشیا، ہالینڈ (پہلے صدر انجمن احمدیہ کے تحت خدمات بجا لاتے رہے)	جون ۱۹۵۰ء	۱۳ اکتوبر ۱۹۰۸ء	مولوی ابوبکر ایوب صاحب	۷۷۔
برما (تحریک جدید کے برما مشن کے پہلے مبلغ)	۳۱ اکتوبر ۱۹۵۰ء	۱۲ اگست ۱۹۲۹ء	سید منیر احمد صاحب باہری	۷۸۔
سیلون مشن کے پہلے مبلغ، مارشس، مشرقی افریقہ۔	۳۱ اکتوبر ۱۹۵۰ء	۲۸ مارچ ۱۹۲۸ء	مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر	۷۹۔
غانا۔ جرمنی (فرانکفورٹ)	یکم دسمبر ۱۹۵۰ء	۱۶ اپریل ۱۹۲۷ء	مولوی فضل الٰہی صاحب انوری	۸۰۔
بورنیو، یوگنڈا	۱۵ مارچ ۱۹۵۲ء	۱۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء	مرزا محمد ادریس صاحب	۸۱۔
غانا، سیرالیون	یکم مئی ۱۹۵۲ء	۱۹۲۵	مولوی عبدالقدیر صاحب شاہد	۸۲۔
سنگاپور، غانا۔ نائیجیریا	یکم مئی ۱۹۵۲ء		قریشی فیروز محی الدین صاحب	۸۳۔

نمبر شمار	نام	تاریخ ولادت	تاریخ تقرری	کیفیت
۸۴۔	عبداللطیف صاحب پریمی	۲۴ر جون ۱۹۲۷ء	یکم مئی ۱۹۵۲ء	غانا (ت)
۸۵۔	مولوی محمد صدیق صاحب گورداسپوری	اکتوبر ۱۹۲۸ء	یکم مئی ۱۹۵۲ء	سیرالیون، غانا۔
۸۶۔	مولوی مبارک احمد صاحب ساقی	۷ر دسمبر ۱۹۳۰ء	یکم مئی ۱۹۵۲ء	نائیجیریا، لائبیریا۔
۸۷۔	میر مسعود احمد صاحب	یکم ستمبر ۱۹۲۷ء	یکم مئی ۱۹۵۲ء	ڈنمارک
۸۸۔	صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب	۵ر مارچ ۱۹۲۷ء	یکم جولائی ۱۹۵۲ء	انڈونیشیا
۸۹۔	حکیم عبدالرشید صاحب ارشد	۲۱ر اپریل ۱۹۲۱ء	نومبر ۱۹۵۰ء	انڈونیشیا
۹۰۔	مولود احمد خاں صاحب	۷ر مارچ ۱۹۲۵ء	یکم اپریل ۱۹۵۳ء	لنڈن
۹۱۔	چوہدری محمود احمد صاحب چیمہ	۶ر اگست ۱۹۲۸ء	یکم اپریل ۱۹۵۳ء	سیرالیون، جرمنی
۹۲۔	قاضی مبارک احمد صاحب	۱۹ر فروری ۱۹۳۲ء	یکم اپریل ۱۹۵۳ء	سیرالیون، غانا، ٹوگولینڈ۔
۹۳۔	بشیر احمد صاحب رفیق	۱۲ر ستمبر ۱۹۳۱ء	یکم دسمبر ۱۹۵۳ء	انگلستان
۹۴۔	خلیل احمد صاحب اختر	۱۸ر اکتوبر ۱۹۳۱ء	۶ر جون ۱۹۵۴ء	غانا۔ سیرالیون
۹۵۔	عبدالشکور صاحب کنزے (جرمن)	۱۵ر ستمبر ۱۹۱۹ء	۱۳ر دسمبر ۱۹۵۴ء	امریکہ، جرمنی [۱]
۹۶۔	صالح الشبیبی صاحب (جاوی)	نومبر ۱۹۲۱ء	۱۲ر اپریل ۱۹۵۵ء	انڈونیشیا (غیر ملکی)
۹۷۔	مولوی نظام الدین صاحب مہمان	۱۵ر جولائی ۱۹۲۷ء	یکم نومبر ۱۹۵۵ء	سیرالیون
۹۸۔	کمال یوسف صاحب	۱۹۳۳	یکم جنوری ۱۹۵۶ء	ڈنمارک مشن کے پہلے مبلغ
۹۹۔	مولوی محمد بشیر صاحب شاد	۱۳ر دسمبر ۱۹۳۵ء	۲۶ر فروری ۱۹۵۶ء	سیرالیون، نائیجیریا (مغربی افریقہ)
۱۰۰۔	رشید احمد صاحب اسحاق	۱۵ر جون ۱۹۳۳ء	۲۶ر فروری ۱۹۵۶ء	ڈچ گی آنا
۱۰۱۔	امری عبیدی صاحب		۲۵ر اپریل ۱۹۵۶ء	ٹانگانیکا (وفات یافتہ)
۱۰۲۔	منیر الدین احمد صاحب	۱۲ر اگست ۱۹۲۸ء	۱۲ر جون ۱۹۵۶ء	کینیا (مشرقی افریقہ)
۱۰۳۔	ملک جمیل الرحمٰن صاحب رفیق	۹ر مارچ ۱۹۳۶ء	۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء	تنزانیا (مشرقی افریقہ)
۱۰۴۔	چوہدری ناصر احمد صاحب	۱۴ر اکتوبر ۱۹۳۳ء	۲۹ر اکتوبر ۱۹۵۶ء	سیرالیون
۱۰۵۔	غلام نبی صاحب شاہد	۳۰ر جنوری ۱۹۳۰ء	۲۸ر نومبر ۱۹۵۶ء	سیرالیون، غانا

[۱] جماعت سے الگ ہو چکے ہیں

نمبر شمار	نام	تاریخ ولادت	تاریخ تقرری	کیفیت
۱۰۶۔	منیر احمد صاحب عارف	۲ر جنوری ۱۹۲۹ء	۲۸ر نومبر ۱۹۵۶ء	برما، نائیجیریا۔
۱۰۷۔	مولوی عبدالرشید صاحب رازی	مئی ۱۹۳۲ء	۲۸ر نومبر ۱۹۵۶ء	غانا، تنزانیا
۱۰۸۔	مولوی عبدالحکیم صاحب اکمل	۳۰ر اکتوبر ۱۹۳۲ء	۲۸ر نومبر ۱۹۵۶ء	ہالینڈ
۱۰۹۔	حافظ محمد سلیمان صاحب	اپریل ۱۹۳۰ء	۲۸ر نومبر ۱۹۵۶ء	تنزانیا (مشرقی افریقہ) کینیا
۱۱۰۔	سردار مقبول احمد صاحب ذبیح	۳۱ر اگست ۱۹۳۱ء	۲۸ نومبر ۱۹۵۶ء	یوگنڈا (مشرقی افریقہ)
۱۱۱۔	محمد اسحاق صاحب خلیل	۲۸ر جون ۱۹۳۵ء	۲۲ر جنوری ۱۹۵۷ء	نائیجیریا
۱۱۲۔	عبدالرحمن صاحب سیلونی	۲۲ر اپریل ۱۹۳۰ء	۱۳ر فروری ۱۹۵۷ء	سیلون، تنزانیا
۱۱۳۔	محمد حنیف صاحب یعقوب	یکم اکتوبر ۱۹۲۶ء	۳ر اکتوبر ۱۹۵۷ء	ٹرینیڈاڈ
۱۱۴۔	میر غلام احمد صاحب نسیم	۱۵ر اگست ۱۹۳۱ء	۶ر اکتوبر ۱۹۵۷ء	سیرالیون۔ گی آنا (جنوبی امریکہ)
۱۱۵۔	مولوی رشید احمد صاحب سرور	۱۴ر اکتوبر ۱۹۳۴ء	۶ر اکتوبر ۱۹۵۷ء	تنزانیا (مشرقی افریقہ)
۱۱۶۔	اقبال احمد صاحب غضنفر	۱۸ر اپریل ۱۹۳۲ء	۶ر اکتوبر ۱۹۵۷ء	سیرالیون
۱۱۷۔	صلاح الدین خان صاحب بنگالی	دسمبر ۱۹۳۲ء	۶ر اکتوبر ۱۹۵۷ء	ہالینڈ
۱۱۸۔	شیخ نذیر احمد صاحب بشیر	۲۰ر دسمبر ۱۹۳۲ء	۲۸ر نومبر ۱۹۵۷ء	لنڈن
۱۱۹۔	عبدالعزیز صاحب جمن بخش آف ڈچ گی آنا	۲ر فروری ۱۹۲۵ء	۱۹۵۷ء	ڈچ گی آنا
۱۲۰۔	بشیر احمد صاحب شمس گجراتی	فروری ۱۹۳۵ء	۲۰ر اپریل ۱۹۵۸ء	نائیجیریا۔ جرمنی
۱۲۱۔	امین اللہ خان صاحب سالک	۲۶ر مئی ۱۹۳۶ء	۲۰ر اپریل ۱۹۵۸ء	امریکہ
۱۲۲۔	مرزا لطف الرحمن صاحب انور	۱۵ر فروری ۱۹۲۹ء	۲۸ر جون ۱۹۵۸ء	جرمنی، غانا، ٹوگولینڈ مشن کے پہلے مبلغ۔
۱۲۳۔	منیر الدین صاحب یحییٰ فضلی	۲ر جولائی ۱۹۳۶ء	۱۷ر اگست ۱۹۵۹ء	جرمنی
۱۲۴	مولانا غلام احمد صاحب فاضل بدوملہی	۲۵ر اکتوبر ۱۹۰۱ء	۱۰ر دسمبر ۱۹۵۹ء	گیمبیا (عارضی وقف)

نمبر شمار	نام	تاریخ ولادت	تاریخ تقرری	کیفیت
۱۲۵۔	محمود عبداللہ شبوطی صاحب عدنی	۲۴ر مئی ۱۹۳۴ء	۱۴ر فروری ۱۹۶۰ء	عدن
۱۲۶۔	مولوی نصیر احمد خاں صاحب	۱۰ر اپریل ۱۹۳۰ء	۱۶ر مئی ۱۹۶۰ء	لبنان ، غانا ، سیرالیون
۱۲۷۔	عبدالوہاب بن آدم صاحب آف افریقہ	۱۸ر جنوری ۱۹۳۸ء	یکم جون ۱۹۶۰ء	غانا (جامعہ احمدیہ ربوہ سے شاہد کا امتحان پاس کیا)
۱۲۸۔	مسعود احمد صاحب جہلمی	یکم اپریل ۱۹۳۴ء	۱۴ر جولائی ۱۹۶۰ء	جرمنی
۱۲۹۔	میجر راجہ عبدالحمید صاحب	۱۹۱۳ء	۱۳ر ستمبر ۱۹۶۰ء	امریکہ (سہ سالہ وقف)
۱۳۰۔	چوہدری رحمت خاں صاحب	اندازاً ۱۸۹۹ء	یکم اکتوبر ۱۹۶۰ء	انگلستان (سہ سالہ وقف)
۱۳۱۔	مولوی عبدالمالک خانصاحب فاضل	۲۵ر نومبر ۱۹۱۱ء	جون ۱۹۶۱ء	غانا (صدر انجمن احمدیہ سے آپ کی خدمات تین سال کے لئے مستعار لی گئیں)
۱۳۲۔	چوہدری رشید الدین صاحب	دسمبر ۱۹۳۴ء	روانگی جون ۱۹۶۱ء	نائیجیریا (۱۹۶۱ میں تحریک نے آپ کی خدمات تین سال کیلئے صدر انجمن سے مستعار لیں)
۱۳۳۔	حاجی فیض الحق خاں صاحب	۲ر اکتوبر ۱۸۹۶ء	۱ر نومبر ۱۹۶۱ء	نائیجیریا (سہ سالہ وقف)
۱۳۴۔	سید محمد ہاشم صاحب بخاری	یکم جنوری ۱۸۹۷ء	۲۵ر فروری ۱۹۶۲ء	غانا اور سیرالیون میں رہے (پیدائشی صحابی ہیں) (سہ سالہ وقف)
۱۳۵۔	سید داؤد احمد صاحب انور	۱۶ر اکتوبر ۱۹۳۶ء	۴ر جون ۱۹۶۲ء	غانا
۱۳۶۔	قاضی نعیم الدین احمد صاحب	۱۵ر جولائی ۱۹۴۰ء	یکم جولائی ۱۹۶۲ء	کینیا (مشرقی افریقہ) سہ سالہ وقف
۱۳۷۔	چوہدری عبدالرحمٰن خانصاحب بنگالی	یکم دسمبر ۱۹۰۴ء	یکم مارچ ۱۹۶۳ء	امریکہ
۱۳۸۔	قاضی عبدالسلام صاحب		۱۲ر مارچ ۱۹۶۳ء	کینیا (مشرقی افریقہ)
۱۳۹۔	مولوی عبدالحمید صاحب	۱۹۰۱	۳۰ر مئی ۱۹۶۳ء (کراچی سے روانگی)	غانا (مغربی افریقہ) (سہ سالہ وقف)
۱۴۰۔	مولوی عبدالشکور صاحب	۱۰ر نومبر ۱۹۳۵ء	۲۹ر جولائی ۱۹۶۳ء	سیرالیون
۱۴۱۔	محمد عثمان صاحب چینی	۱۳ر دسمبر ۱۹۲۵ء	یکم نومبر ۱۹۶۴ء	سنگاپور
۱۴۲۔	محمد عیسیٰ صاحب ظفر	۴ر اپریل ۱۹۳۹ء	۱۲ر جون ۱۹۶۵ء	کینیا (مشرقی افریقہ)
۱۴۳۔	داؤد احمد صاحب حنیف	۳ر فروری ۱۹۴۳ء	۱۲ر جون ۱۹۶۵ء	سیرالیون ، گیمبیا (مغربی افریقہ)
۱۴۴۔	احمد شمشیر صاحب سوکیہ آف ماریشس	۳ر مئی ۱۹۲۳ء	۲۸ر جولائی ۱۹۶۶ء	ماریشس ، کینیا (شہادت الاجانب کی ڈگری جامعہ احمدیہ ربوہ سے حاصل کی)

نمبر شمار	نام	تاریخ ولادت	تاریخ تقرری	کیفیت
۱۴۵-	قریشی مبارک احمد صاحب	۵ر اپریل ۱۹۳۸ء	۷ر اگست ۱۹۶۶ء	غانا
۱۴۶-	لئیق احمد صاحب طاہر	۷ر اپریل ۱۹۴۳ء	۷ر اگست ۱۹۶۶ء	لنڈن
۱۴۷-	مولوی بشیر احمد صاحب اختر	۳ر نومبر ۱۹۴۲ء	۷ر اگست ۱۹۶۶ء	کینیا (مشرقی افریقہ)

تحریکِ جدید کے طبی مشن چند سالوں سے افریقہ کے ممالک میں احمدی ڈسپنسریاں کھولی گئی ہیں جن میں مندرجہ ذیل واقفِ زندگی ڈاکٹر کام کر چکے ہیں یا کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر کرنل محمد یوسف صاحب نائیجیریا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب (سیرالیون نائیجیریا) ڈاکٹر شاہنواز صاحب[1] (سیرالیون) ڈاکٹر محمد اکرم صاحب ورک (سیرالیون)

تحریکِ جدید کے بیرونی مدارس ممالک غیر میں اب تک ۵۰ سکول اور کالج قائم کئے جا چکے ہیں جن میں ہزاروں طلبہ دینی و دنیوی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ یہ درسگاہیں زیادہ تر نائیجیریا، غانا اور سیرالیون میں ہیں[2]۔ اکثر سکولوں میں مقامی اساتذہ کام کر رہے ہیں۔ لیکن سیکنڈری سکولوں میں پاکستانی اساتذہ مقرر ہیں۔ ان مدارس میں جن واقفین تحریک جدید کو کام کرنے کا موقعہ میسر آیا ان کے اسماء یہ ہیں:-

سید سفیر الدین صاحب (غانا)، نذیر احمد صاحب ایم ایس سی (غانا)، سمیع اللہ صاحب سیال (سیرالیون)، مسعود احمد صاحب (غانا)، چودھری محمود احمد صاحب (یوگنڈا)

بیرونی مساجد تحریک جدید کے ریکارڈ کے مطابق مندرجہ ذیل ممالک میں احمدیہ مساجد تعمیر ہو چکی ہیں:-

یورپ:- انگلستان ۱۔ مسجد فضل لنڈن، جس کا سنگِ بنیاد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے دست مبارک سے ۱۹۲۴ء میں رکھا)

ہالینڈ ۱۔ (چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے ۹ دسمبر ۱۹۵۵ء کو اس کا افتتاح فرمایا)

جرمنی ۱۔ (ہیمبرگ جس کا افتتاح چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے ۲۲ جون ۱۹۵۷ء کو فرمایا)

۲۔ فرانکفورٹ۔

---

[1] عارضی واقف۔

[2] ان کے علاوہ مارلیشس، گی آنا، فلسطین، جزائر غرب الہند، لائبیریا، کینیا، یوگنڈا، انڈونیشیا اور فجی میں بھی خال خال احمدیہ سکول پائے جاتے ہیں۔

سوئٹزرلینڈ ۱۔ (مسجد محمود زیورچ جس کی بنیاد حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نے ۲۵ اگست ۱۹۶۲ء کو رکھی اور چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے ۲۲ جون ۱۹۶۳ء کو افتتاح فرمایا)

ڈنمارک ۱۔ ("مسجد نصرت جہاں" جس کا افتتاح حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۲۱ جولائی ۱۹۶۷ء کو فرمایا)

نوٹ:۔ انگلستان، ہالینڈ اور ڈنمارک کی مساجد خالصۃً احمدی مستورات کے چندہ سے تیار ہوئی ہیں۔

امریکہ:۔ ۳

افریقہ:۔ نائیجیریا ۲۵ سیرالیون ۳۵ غانا ۱۶۳ کینیا ۳ تنزانیا ۲
یوگنڈا ۵ گیمبیا ۱

مشرق وسطیٰ:۔ فلسطین ۱

مشرق بعید:۔ انڈونیشیا ۵۱

ایشیاء:۔ (باستثناء برصغیر پاک و ہند) برما ۱

بیرونی رسائل و جرائد

تحریک جدید کے زیر انتظام بیرونی ممالک میں مندرجہ ذیل رسائل و اخبارات جاری ہیں:۔

1. اخبار احمدیہ (ماہوار، دارالسلام مشرقی افریقہ)
2. اخبار احمدیہ (ہفت روزہ، لنڈن)
3. **Der Islam** (زیورچ جرمنی)
4. **Aktiv Islam.** (کوپن ہیگن، ڈنمارک)
5. **The Truth** (انگریزی (نائیجیریا)
6. **The African Crescent** انگریزی (بو۔ سیرالیون)
7. **East African Times** انگریزی (نیروبی)
8. **Ahmadiyyat** (ٹرینیڈاڈ)
9. **The Massage** سنہالیز۔ انگریزی (کولمبو)
10. **The Peace** انگریزی (جیسالٹن)
11. **Sinar Islam** (جوکارتا۔ انڈونیشیا)
12. **Al-Asr** انگریزی (کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ)
13. **Al-Bushra** " "
14. **Al-Islam** الاسلام عربی (عدن)
15. **Al Bushra** البشریٰ (برما)

16. Muslim Herald — انگریزی (لنڈن)
17. Islam — فجیین، انگریزی (فجی)
18. Ahmadiyyat — انگریزی (برٹش گی آنا)
19. Islam — ڈچ (ہیگ۔ ہالینڈ)
20. Guidance — انگریزی ماہنامہ (سالٹ پانڈ، غانا)
21. Voice of Islam — یوگنڈا۔ فینٹی لوگنڈی (مشرقی افریقہ)
22. Ma Penzi Ya Mungu — سواحیلی (دارالسلام مشرقی افریقہ)
23. Satya Doothan — (کولمبو)

وکالت تبشیر کی اہم مطبوعات

تبلیغ اسلام کی عالمگیر مہم میں لٹریچر کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اور بیرونی مبلغین کو میدان جہاد میں ہر جگہ لٹریچر کی ضرورت پڑتی ہے۔ کچھ تو وہ اپنے مشنوں ہی میں تیار کرتے ہیں لیکن اس کا بیشتر حصہ مرکز میں تیار کیا جاتا ہے۔ مشنوں کے شائع شدہ لٹریچر کا ذکر تو ان کے حالات میں بالتفصیل کیا جا رہا ہے۔ اس جگہ تحریک جدید کے مرکزی شعبہ وکالت تبشیر کی مطبوعات درج کی جاتی ہیں۔

عربی لٹریچر

کتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام:-

مَكْتُوبُ اَحْمَد　　مَوَاهِبُ الرَّحْمٰن　　حَمَامَةُ الْبُشْرٰی

تُحْفَةُ بَغْدَاد　　اَلْخِطَابُ الْجَلِيْل　　اَلْاِسْتِفْتَاء

اَلْاِسْلَام　　اَلتَّبْلِيْغ

کتب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

لِمَ اَعْتَقِدُ بِالْاِسْلَامِ؟　　اَلْاِسْلَامُ وَالْاَدْیَانُ الْاُخْرٰی

کتب دیگر بزرگان سلسلہ

حَیَاتُ اَحْمَد (از حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ)

مُؤَسِّسُ الْجَمَاعَةِ الْاَحْمَدِيَّةِ وَالْاِنْكِلِيْز (از حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؓ۔ ترجمہ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ)

اَلْمَوْدُوْدِیُّ فِی الْمِیْزَان (السید منیر الحصنی امیر جماعت احمدیہ دمشق)

اَلْقَوْلُ الصَّرِیْحُ فِیْ ظُهُوْرِ الْمَهْدِيِّ وَالْمَسِیْحِ (مولانا نذیر احمد صاحب مبشر)

اُردو لٹریچر

"تحریک جدید کے بیرونی مشن" (تقریر صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب جلسہ سالانہ ۱۹۵۵ء)

"اشاعت اسلام اور ہماری ذمہ واریاں" (" " " " ۱۹۵۷ء)

"موجودہ زمانہ ایک رُوحانی مصلح کا متقاضی ہے"

"جماعت احمدیہ کا پچھتر واں جلسہ سالانہ . . مختصر کوائف ۱۹۶۷ء

فارسی لٹریچر

"پیامِ احمدیت" (از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ)

انگریزی لٹریچر

(ENGLISH :)

Al Quran
The Holy Quran with English translation and commentary
The Holy Quran with English Translation
Forty gems of Beauty
Teachings of Islam
Islamic Teachings on the Moral Conditions of Man
Favours of the Beneificent
A Misunder standing removed
A review of Christianity
Our Teachings
The will
A Review of Christianity
Jesus in India
Fountain of Christianity
How to get rid of the bondage of sin
The Truth About the Split
Ahmadiyyat or the True Islam
Invitation to Ahmadiyyat
The Real Revolution
The new World order of Islam
Why I Believe in Islam
What is Ahmadiyyat
Muhammad, The Librator of woman
The Economic Structure of Islamic Society

Ahmadiyya Movement
Life of Muhammad
Introduction to the study of the Holy Quran
Communism and Democracy
Seerat-i-Tayyaba
Scattered Pearls
Moral and Spirtual Training
Two Pillars of Spirituality
Future of Ahmadiyya Movement
Islam and communism
Truth About Khatm-i-Nabuwwat
Durr-i-Maknoon
Mirror of Charm and Beauty
Islam on the March
Our Foreign Missions
Islam in Africa
The Propagation of Islam
Attitude of Islam Towards Communism
The Preaching of Islam
The Christian Doctrine of Atonement
The Existence of God
Where Did Jesus Die ?
Tahrik-i-Jadid (Illustrated)
Babee and Bahaee Religion
Jesus in Kashmir
Primer of Islam
An Interpretation of Islam
Meaning of Khatamun Nabiyyin
The Tomb of Jesus
A Christian Woman's View on Islam
SAWAHILEE :
Kuondoa Kosa Moja
Uislamu Na Dini Nyingine
GERMAN :
The Holy Quran with German Translation

DUTCH :
The Holy Quran with Dutch Translation
FRENCH :
Philosophy of the Teachings of Islam
CHINA :
Philosophy of the Teachings of Islam

غیروں کی آراء تحریک جدید کی تبلیغی مساعی سے متعلق

تحریک جدید کے شاندار تبلیغی کارنامہ پر اپنوں اور بیگانوں نے بہت کچھ لکھا ہے مگر چونکہ تحریک جدید کے قائم ہونے والے مشنوں کے تفصیلی حالات پر آئندہ اپنے اپنے مقام پر روشنی ڈالی جا رہی ہے اور ان آراء کا اصل موقعہ وہی مقامات ہیں۔ لہٰذا اس جگہ بطور نمونہ صرف چند اقتباسات پر اکتفاء کرنا مناسب ہوگا۔

الحاج عبدالوہاب عسکری

الحاج عبدالوہاب عسکری ایڈیٹر "اَلسَّلَامُ الْبَغْدَادِیَّۃ" اپنی کتاب "مُشَاهَدَاتِیْ تَحْتَ سَمَاءِ الشَّرْقِ" میں جماعت احمدیہ کی نسبت لکھتے ہیں :-

"وَخِدْمَاتُهُمْ لِلدِّیْنِ الْاِسْلَامِیِّ مِنْ وِجْهَةِ التَّبْشِیْرِ فِیْ جَمِیْعِ الْاَقْطَارِ كَثِیْرَةٌ وَاَنَّ لَهُمْ دَوَائِرَ مُنْتَظِمَةً یُدِیْرُهَا اَسَاتِذَةٌ وَعُلَمَاءُ . . . وَهُمْ یَجْتَهِدُوْنَ بِكُلِّ الْوَسَائِلِ الْمُمْكِنَةِ لِاِعْلَاءِ كَلِمَةِ الدِّیْنِ وَمِنْ اَعْمَالِهِمُ الْجَبَّارَةِ الْفُرُوْعُ التَّبْشِیْرِیَّةُ وَالْمَسَاجِدُ الَّتِیْ اَسَّسُوْهَا فِیْ مُدُنِ اَمْرِیْكَا وَاِفْرِیْقِیَا وَاُوْرُبَّا فَهِیَ اَلْسِنَةٌ نَاطِقَةٌ مِمَّا قَامُوْا وَیَقُوْمُوْنَ بِهٖ مِنْ خِدْمَاتٍ وَلَا شَكَّ اَنَّ لِلْاِسْلَامِ مُسْتَقْبَلٌ بَاهِرٌ[1] عَلٰی یَدِهِمْ"[2]

(ترجمہ) دین اسلام کیلئے اُن کی تبلیغی خدمات بہت زیادہ ہیں اور اُن کے ہاں بہت سے انتظامی شعبے ہیں۔ جنہیں بڑے بڑے ماہرین اور علماءِ دین چلاتے ہیں۔ اور وہ دینِ اسلام کی سربلندی کیلئے تمام ممکن ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے کوشاں ہیں اور اُن کے عظیم الشان کارناموں میں سے ایک عظیم کام یورپ، امریکہ اور افریقہ کے مختلف شہروں میں تبلیغی مراکز اور مساجد کا قیام ہے اور یہ مراکز و مساجد ان کی اُن عظیم خدمات کی منہ بولتی تصویر ہیں جو وہ پہلے اور اب بجا لا رہے ہیں۔ اور اس امر

---

[1] نقل مطابق اصل "مستقبلاً باهراً" چاہیئے ؛ [2] "مشاهداتی تحت سماء الشرق" تالیف الدکتور الحاج عبد الوهاب العسکری صاحب جریدة السلام البغدادیة مطبوعہ ۱۹۵۱ م مطابق ۱۳۷۰ھ دار الحدیث للطباعة والنشر والتالیف ؛

میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ان کے ہاتھوں اسلام کا ایک تابناک مستقبل مقدر ہو چکا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا "انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا" مطبوعہ ۱۹۴۷ء کے صفحہ ۷۱۱ - ۷۱۲ پر جماعت احمدیہ کے عالمگیر تبلیغی نظام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :-

"Both these sections of the community succeeded in enlisting the services of devoted, self-sacrificing men, who are unceasingly active as propagandists, controversialists and pamphleteers. They control an extensive missionary activity, not only in India, West Africa, Mauritius and Java (where their efforts are mainly directed towards persuading their co-religionists to join the Ahmadiyya sect), but also in Berlin, Chicago and London. Their missionaries have devoted special efforts to winning European converts and have achieved a considerable measure of success. In their literature they give such a presentation of Islam as they consider calculated to attract persons who have received an education on modern lines, and thus not only attract non-Muslims, and rebut the attacks made on Islam by Christian controversialists, but win back to the faith Muslims who have come under agnostic or rationalist influences."

(The Encyclopaedia Britannica, Fourteenth Edition, Volume 12, pages 711-712)

(ترجمہ) احمدیہ جماعت کے دونوں گروہ نہایت مخلص اور ایثار پیشہ لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ یہ لوگ اشتہارات، رسائل اور مناظرات کے ذریعہ مسلسل اشاعت کا کام کر رہے ہیں ان کا ایک وسیع تبلیغی نظام ہے۔ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ مغربی افریقہ، ماریشس اور جاوا میں بھی (جہاں ان کی کوششیں بالخصوص اس غرض کے لئے وقف ہیں کہ ان کے ہم مذہب لوگ سلسلہ احمدیہ میں شامل ہو جائیں) اس کے علاوہ برلن، شکاگو اور لندن میں بھی ان کے تبلیغی مشن قائم ہیں ان کے مبلغین نے خاص جدوجہد کی ہے کہ یورپ کے لوگ اسلام قبول کریں اور اس میں انہیں معتدبہ کامیابی بھی ہوئی ہے۔ اُن کے لٹریچر میں اسلام کو اس شکل میں پیش کیا جاتا ہے کہ جدید تعلیمیافتہ لوگوں کے لئے باعث کشش ہے اور اس طریق پر نہ صرف غیر مسلم ہی ان کی طرف

کھنچے آتے ہیں بلکہ ان مسلمانوں کے لئے بھی یہ تعلیمات کشش کا موجب ہیں جو مذہب سے بیگانہ ہیں یا عقلیات کی رَو میں بہہ گئے ہیں۔ اُن کے مبلغین ان حملوں کا بھی دفاع کرتے ہیں جو عیسائی مناظرین نے اسلام پر کئے ہیں۔

جامعہ ازہر کا ترجمان "اَلْاَزْھَر"

جامعہ الازہر کے ترجمان "الازھر" نے جولائی ۱۹۵۸ء کے شمارہ میں مغربی افریقہ میں تحریک جدید کی سرگرمیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:۔

"وَلَهُمْ نَشَاطٌ بَارِزٌ فِي كَافَّةِ النَّوَاحِيْ وَمَدَارِسُهُمْ نَاجِحَةٌ بِالرَّغْمِ مِنْ اَنَّ تَلَامِيْذَهَا لَا يَدِيْنُوْنَ جَمِيْعًا بِمَذْهَبِهِمْ"

یعنی جماعت احمدیہ کی سرگرمیاں تمام امور میں انتہائی طور پر کامیاب ہیں۔ ان کے مدارس بھی کامیابی سے چل رہے ہیں باوجودیکہ ان کے مدارس کے تمام طلباء اُن کی جماعت سے تعلق نہیں رکھتے [۱]

روزنامہ "برنر ٹگبلٹ" سوئٹزرلینڈ

سوئٹزرلینڈ کا روزنامہ برنر ٹگبلٹ (BERNERTAGBLATT) نے اپنی ۱۱/جون ۱۹۶۱ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"اس دوران میں یہ جماعت (احمدیہ) دُنیا کے اور بہت سے حصوں میں بھی پھیل گئی ہے جہاں تک یورپ کا تعلق ہے لندن، ہمبرگ، فرانکفورٹ، میڈرڈ، زیورچ اور سٹاک ہالم میں اب اس جماعت کے باقاعدہ تبلیغی مشن قائم ہیں۔ امریکہ کے شہروں میں سے واشنگٹن، لاس اینجیلیز، نیویارک، پٹسبرگ اور شکاگو میں بھی اس کی شاخیں موجود ہیں۔ اس سے آگے گرنیاڈا، ٹرینیڈاڈ اور ڈچ گیانا میں بھی یہ لوگ مصروفِ کار ہیں۔ افریقی ممالک میں سے سیرالیون، گھانا، نائیجیریا، لائبیریا اور اور مشرقی افریقہ میں بھی ان کی خاصی جمعیت ہے۔ مشرقِ وسطیٰ اور ایشیا میں سے مسقط، دمشق، بیروت، مارشس، برطانوی شمالی بورنیو، کولمبو، رنگون، سنگاپور اور انڈونیشیا میں اُن کے تبلیغی مشن کام کر رہے ہیں۔ دوسری عالمگیر جنگ سے قبل ہی قرآن کا دنیا کی سات مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا گیا تھا چنانچہ اب تک ڈچ، جرمن اور انگریزی میں پورے قرآن مجید کے تراجم عربی متن کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔ اسی طرح عنقریب رُوسی ترجمہ بھی منظرِ عام پر آنے والا

---

[۱] بحوالہ "الفضل" ۱۶/فروری ۱۹۵۹ء [۲] جزائر غرب الہند کا ایک جزیرہ (مؤلف)

ہے۔ اس جماعت کا نصب العین بہت بلند ہے یعنی یہ کہ روئے زمین پر بسنے والے تمام بنی نوع انسان کو ایک ہی مذہب کا پابند بنا کر انہیں باہم متحد کر دیا جائے۔ وہ مذہب احمدیت یعنی حقیقی اسلام ہے اس کے ذریعہ یہ لوگ پوری انسانیت کو اسلامی اخوت کے رشتے میں منسلک کر کے دنیا میں حقیقی اور پائیدار امن قائم کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں توقع ہے کہ بالآخر تمام بنی نوع انسان اسلام کی آغوش میں آکر مسلمان ہو جائیں گے۔

یہ جماعت خود اور اس کا مولد و مسکن سے نکل کر پوری دنیا پر اس قدر مضبوطی سے پھیل جانا نوعِ انسان کی روحانی تاریخ کے عجیب و غریب واقعات میں سے ایک عجیب و غریب واقعہ اور نشان ہے"[1]

پروفیسر سٹینکو ایم ووجیکا صدر شعبہ فلسفہ ولکیز کالج امریکہ

امریکہ کی ریاست پنسلوانیہ میں ولکیز کالج (WILKES COLLEGE) کے شعبہ فلسفہ کے صدر پروفیسر سٹینکو ایم ووجیکا (STANKO M. VUJIKA) نے انگلستان کے جریدہ "ایسٹرن ورلڈ" (EASTERN WORLD) میں لکھا:-

"قادیان گروپ کو آج بھی اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تقسیم برصغیر کے بعد سے ربوہ اس گروپ کا (ثانوی) مرکز ہے جو مغربی پاکستان میں واقع ہے۔ اس گروپ کی قیادت ۱۹۱۴ء سے بانی سلسلہ احمدیہ کے فرزند مرزا بشیر الدین (محمود احمد) کے ہاتھ میں ہے۔ بالعموم آپ کے پیرو آپ کو احتراماً "حضرت صاحب" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ ہمیشہ ہی ایک اولوالعزم لیڈر اور زرخیز دماغ مصنف واقع ہوئے ہیں۔ اپنے والد کی طرح آپ کو بھی دعویٰ ہے کہ آپ تعلق باللہ کے ایک خاص مقام پر فائز ہیں۔ مثال کے طور پر آپ نے ایک جگہ اپنے متعلق ذیل کی عبارت لکھی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جو کچھ لکھا ہے سنجیدگی اور اخلاص کے ساتھ لکھا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:-

"خدا تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو میرے ذریعہ سے دنیا بھر میں پھیلا دیا . . . . اور بیسیوں موقعوں پر اپنے تازہ کلام سے مجھے مشرف فرمایا . . . . دنیا کا کوئی علم نہیں جو اسلام کے خلاف آواز اُٹھاتا ہو اور اس کا جواب خدا تعالیٰ نے مجھے قرآن شریف سے ہی نہ سمجھا دیتا ہو" (دیباچہ تفسیر القرآن انگریزی)

---

[1] بحوالہ ماہنامہ "انصاراللہ" فروری ۱۹۶۲ء صفحہ ۶-۷

"۔ ۔ ۔ ۔ ربوہ میں سب سے زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ بیرونی مشنوں کو کنٹرول کرنے والے دفتر (وکالت تبشیر) میں دیکھنے میں آتا ہے۔ احمدیوں نے اپنے آپ کو اسلام کے پیغام کو دنیا بھر میں پھیلانے کے مقصد کے لئے دل وجان کے ساتھ وقف کر رکھا ہے۔ اسلام کی اشاعت کو وہ ہر مُسلمان کا بنیادی فرض تصور کرتے ہیں۔ ربوہ میں باقاعدہ ایک مشنری کالج (جامعہ احمدیہ) ہے جو بیرونی ممالک کے لئے مبلّغین تیار کرتا ہے اور اسی طرح بیرونی ممالک سے آنے والے نومسلموں کو اسلامی علوم سے بہرہ ور کرتا ہے۔ بیرونی مشنوں کو کنٹرول کرنے والا دفتر نشر واشاعت کے میدان میں بھی انتہائی طور پر سرگرم واقع ہوا ہے۔ انگریزی ماہنامہ "دی ریویو آف ریلیجنز" کے علاوہ جسے اس کے باقاعدہ اور مستقل آرگن کی حیثیت حاصل ہے، یہ اس قدر کثیر تعداد میں کتابیں، چھوٹے چھوٹے رسالے اور پمفلٹ شائع کرتا ہے کہ جنہیں دیکھ کر حیرت آتی ہے۔ یہ تمام لٹریچر اسلامی دنیا اور غیر اسلامی دنیا دونوں کے نقطۂ نظر سے شائع کیا جاتا ہے اور مقصد اس کی اشاعت سے یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو احمدیت کا حلقہ بگوش بنایا جائے۔"

" احمدیوں کا یہ مطمح نظر کہ وہ مغرب کی عیسائی دُنیا کو اپنے مخصوص اسلام کا حلقہ بگوش بنا کر ہی دَم لیں گے بظاہر ایک دیوانے کی بڑ نظر آتا ہے۔ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی تنظیم جس کا مرکز پاکستان میں ہے اور جو اپنے محدود وسائل سے کام لے کر مغرب کے متموّل اور ذی ثروت ممالک میں تبلیغ اسلام کی انتہائی گراں بار ذمہ داری کو نبھانے میں کوشاں ہے اس کی اس قسم کی توقعات بظاہر مایُوس کن دکھائی دیتی ہیں۔ بایں ہمہ یہ اس زبردست یقین اور جذبہ وجوش کی آئینہ دار ضرور ہیں، جس سے یہ لوگ مالامال ہیں۔ اس مقصد کے حصول میں ابھی انہیں ایک معتدل حد تک کامیابی ہوئی ہے اور وہ یہ کہ دنیا کے مختلف حصّوں میں ان کے تبلیغی مراکز قائم ہو چکے ہیں۔ امریکہ کے علاوہ یورپ میں بھی انگلستان، فرانس، اٹلی، سپین، ہالینڈ، جرمنی، ناروے اور سویڈن میں ان کے باقاعدہ مشن ہیں۔ جنوبی امریکہ کے ممالک میں سے یہ لوگ ٹرینیڈاڈ، برازیل اور کاسٹاریکا میں موجود ہیں۔ اسی طرح ایشیائی ممالک میں سے سیلون، برما، ملایا، فلپائن، انڈونیشیا، ایران، عراق اور شام میں بھی ان کے مبلّغ مصروفِ کار ہیں۔ افریقی ممالک میں سے مصر، زنجبار، نٹال، سیرالیون، گھانا، نائیجیریا، مراکش اور مارشس میں بھی ان کی جماعتیں قائم ہیں۔

"سیرالیون کی نئی جمہوریہ مغربی افریقہ میں احمدیہ تحریک کے لئے ایک منتخب خطہ کی حیثیت رکھتی ہے اپنے پاکستانی مرکز کی رہنمائی میں اس تحریک نے اس چھوٹی سی مملکت کے اندر خاصا اثر و نفوذ حاصل کر لیا ہے۔

"۔ ۔ ۔ احمدیت اپنے آپ کو زمانہ جدید کی ایک اسلامی تحریک کے طور پر پیش کرتی ہے اور اس امر کی دعویدار ہے کہ وہ دنیا کے ہر حصے میں نبرد آزما ہوتے ہوئے اسلام کے ایک نئے علمبردار کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ فیصلہ کرنا کہ اب تک اس تحریک میں کتنے لوگ داخل ہو چکے ہیں مشکل ہے۔ تاہم احمدیوں کے اپنے اندازہ کے مطابق پاکستان اور ہندوستان میں ہی اُن کی تعداد پانچ لاکھ سے زیادہ ہے۔"

"ایک مذہبی فرقے کے لئے بلحاظ تعداد اس کے افراد کا کم ہونا یا اس کے معتقدات کی مخصوص نوعیت جو دوسروں کے لئے پورے طور پر قابلِ فہم نہ ہو، نقصان کا موجب نہیں ہوا کرتی۔ ایسے فرقے صدیوں تک زمانے کے حالات سے نبرد آزما رہنے کے انداز سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ مذاہب کی تاریخ ایسے چھوٹے چھوٹے فرقوں کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے جنہوں نے زمانہ کے اُتار چڑھاؤ اور اکثریت کے دباؤ کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ہستی کو برقرار رکھا۔ اس بات کا امکان ہے کہ احمدیت بھی مستقبل میں اس طرح نمایاں طور پر پھلے پھولے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ اسلامی دنیا مغرب کی لادینی ثقافت کے زیر اثر آجانے کے باعث ادھر اُدھر بھٹک رہی ہے۔ احمدیوں کا دعویٰ یہ ہے کہ اُن کی تحریک اسلام کو اس طور سے پیش کرتی ہے کہ جو دنیائے جدید کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ پھر وہ اسلام کی آخری فتح کے بارے میں نہایت درجہ پُر اعتماد ہیں۔ ایسی صورت میں احمدیت اُن نئی نسلوں کے لئے دلکش اور جاذب نظر ثابت ہو سکتی ہے جو اصلاحِ حال کے پیشِ نظر نئے اندازِ فکر کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔"[1] (ترجمہ)

اخبار "دی وین گارڈ" گیمبیا

گیمبیا کے ایک اخبار "دی وین گارڈ" (THE VAN GUARD) نے اپنے ایک اداریہ میں لکھا:-

"اس فرقہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب (علیہ السلام) نے اس فرقہ کی بنیاد قادیان میں

---

[1] بحوالہ ماہنامہ "انصار اللہ" بابت ماہ فروری ۱۹۶۲ء صفحہ ۴۲-۴۴

۱۸۸۹ء میں رکھی تھی اس وقت سے لیکر اب تک یہ فرقہ ساری دُنیا میں پھیل چکا ہے اور اسلام کی ترقی کے لئے تبلیغی اور تعلیمی کوششوں میں پہلے سے بہت زیادہ مصروف ہے"

"اپنے گھر کے پاس نگاہ دوڑا کر دیکھئے۔ سیرالیون، غانا اور نائیجیریا میں یہ فرقہ مضبوطی کے ساتھ قائم ہوچکا ہے جہاں اس کے تعلیمی ادارے باقاعدگی کے ساتھ ہزاروں مسلمانوں کو انگریزی اور عربی کی تعلیم دے رہے ہیں" ؎۱

مسٹر ایم۔ جے آغا آف جنجہ مشرقی افریقہ

کتاب "مذہبی تحریکات ہند" کے مؤلف مسٹر ایم۔ جے آغا، (M. J. AGHA) آف جنجہ مشرقی افریقہ لکھتے ہیں:-

"احمدی جماعت کے موجودہ سربراہ میاں محمود صاحب نے دیگر ممالک میں بھی مشن قائم کئے۔ اور احمدی مخلصین نے غیر ممالک میں اشاعتِ اسلام کے نام پر دل کھول کر مالی قربانیاں پیش کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جماعت نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔ چنانچہ گذشتہ پچاس سال کے عرصہ میں دُنیا کے مختلف ممالک میں اُن کے مشن عیسائی مبلّغین کے مقابلے میں محدود ذرائع کے باوجود اچھا کام کر رہے ہیں۔ ان کے مقابلے میں اہلسنّت والجماعت کے لوگ سوادِ اعظم کی حیثیت سے پچاس کروڑ کی تعداد میں ہیں، وسیع ذرائع اور وسائل کے باوجود اُن کے دل میں تبلیغ اسلام کا کبھی خیال نہیں آیا"

مسٹر ایم۔ جے آغا تحریک جدید کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اس شعبہ میں ایسے تعلیم یافتہ نوجوان شامل ہیں جو مروّجہ علوم کے علاوہ دینی تعلیم کی بھی واقفیت رکھتے ہیں اور مغربی ممالک میں عیسائیت کے مقابلے میں اسلام کو بحیثیت دین پیش کرتے ہیں۔ واقعی یہ بڑا کٹھن اور صبر آزما کام ہے جس کے لئے جانی اور مالی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ لیکن احمدی لوگ بڑی توجہ اور جذبہ کے ساتھ اس فریضہ کی ادائیگی میں حصّہ لیتے ہیں۔ جس سے بیرونی ممالک میں مسجدیں، مدرسے اور تبلیغی مرکز قائم کئے جاتے ہیں اور قرآن مجید کے تراجم مختلف زبانوں میں شائع کر کے تقسیم کئے جاتے ہیں۔

عیسائی مبلّغین کے مقابلے میں احمدیہ فرقہ کی تبلیغی مساعی قابلِ داد ہیں کیونکہ ان کے ذرائع عیسائیوں کے مقابلے میں بہت کم اور بالکل محدود ہیں۔ مسلمانوں میں سوائے مصری اور چند ایک دیگر تبلیغی جماعتوں

؎۱ بحوالہ رسالہ "تحریک جدید" بابت ستمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۴

کے اشاعت اسلام کا کام بہت کم ادارے انجام دے رہے ہیں اور جو کر رہے ہیں۔ ان میں احمدی جماعت پیش پیش ہے" [1]

اخبار "المنبر" لائل پور

مدیر ہفت روزہ "المنبر" لائل پور لکھتے ہیں:-

(پہلا اقتباس) "تحریک جدید" نام ہے ایک منظم جدّ و جہد کا جو آج سے اٹھائیس سال پہلے مرزا محمود احمد صاحب نے قادیان سے شروع کی تھی۔ اس تحریک کے پہلے سال پنجاب میں تین اہم مراکز قائم کئے تھے جن میں قادیانی وکلاء، ڈاکٹر، علماء، طبیب اور عام کاروباری حضرات ہفتے اور مہینے وقف کر کے مسلمانوں کو قادیانی بنانے کی سرتوڑ کوشش کیا کرتے تھے۔

یہ تحریک ابتداءً ایک محدود مدت کے لئے شروع ہوئی تھی جب اس کے ۹ یا ۱۰ برس ختم ہو گئے تو مرزا محمود صاحب نے اعلان کر دیا کہ اب یہ تحریک دائمی ہوگی چنانچہ اب اٹھائیسویں برس کا افتتاح ربوہ میں جماعت انصار اللہ کے اجتماع میں کیا گیا۔

اس تحریک کے تحت پاکستان، ہندوستان، جرمنی، افریقہ اور دوسرے مسلم و غیر مسلم ممالک میں قادیانی مراکز قائم ہیں اور وہ رات دن اس کوشش میں مصروف ہیں کہ عیسائیوں، مسلمانوں اور دوسری اقوام کو قادیانی بنائیں۔

یہ لوگ اس کام کے لئے زندگیاں وقف کرتے ہیں۔ اپنی اولادیں وقف کرتے ہیں۔ کتابیں چھاپتے ہیں۔ ٹریکٹ شائع کرتے ہیں۔ جلسے کرتے ہیں۔ قریہ قریہ بستی بستی گھوم پھر کر قادیانیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔

ہمیں ذاتی طور پر علم ہے کہ ۱۹۵۳ء میں جب ہائیکورٹ میں پنجاب کے فسادات کی انکوائری ہو رہی تھی تو مسلمان جماعتیں اور افراد قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت ثابت کرنے کے لئے مرزا غلام احمد صاحب کی کتابوں' خلیفہ محمود صاحب کی تحریروں سے قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت ہونے کے ثبوت پیش کر رہے تھے۔ ٹھیک انہی دنوں قادیانی جماعت کے ذمہ دار حضرات نے ہائیکورٹ اور انکوائری عدالت کے سربراہ جسٹس محمد منیر صاحب اور اس وقت کے گورنر جنرل مسٹر غلام محمد مرحوم کی خدمت میں قرآن مجید کا

---

[1] "مذہبی تحریکات ہند" شائع کردہ پاکستان ایسوسی ایشن پوسٹ بکس نمبر ۱۵۳۰ نیروبی کینیا۔ انجمن اسلامیہ دارالسلام۔ انجمن حمایت اسلام نیروبی (تاریخ اشاعت دسمبر ۱۹۵۹ء)۔ پاکستان میں یہ کتاب تبلیغی مرکز ریلوے روڈ سے مل سکتی ہے۔

جرمنی یا ڈچ ترجمہ پیش کیا تھا جو اس زمانہ میں شائع ہوا تھا اور اس بنا پر مسٹر محمد منیر صاحب بار بار مسلمانوں کے نمائندوں سے سوال کیا کرتے کہ آپ لوگوں نے قرآن مجید کے کتنے تراجم غیر ملکی زبانوں میں کئے ہیں۔ اور آپ کا نظم غیر مسلم اقوام کو اسلام سے آشنا کرنے کے لئے کیا کچھ کر رہا ہے؟

یہ ٹھیک ہے کہ قادیانی حضرات پراپیگنڈے کے بڑے ماہر ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ مرزا غلام احمد سے قادیان کے دکیل المال تک ہر شخص مبالغے سے اپنی کوششوں کا ذکر کرتا ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ قادیانی جماعت کا اندرونی نظم شدید انتشار کا شکار ہے۔ لیکن کیا اس سچی حقیقت کا انکار ممکن ہے کہ قادیانی جماعت کا بجٹ لاکھوں کا ہوتا ہے اور ابھی جو آپ نے ملاحظہ کیا کہ ربوہ میں انصار اللہ کے اجتماع میں چند گھنٹوں میں ۸۸۱۹۱ کی خطیر رقم کے وعدے ہوئے اور یہ ساری رقم صرف ہوگی عیسائیوں اور مسلمانوں کو قادیانی بنانے پر۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ تبلیغی جماعت ہر سال سینکڑوں افراد کو غیر مسلم ممالک میں بھیجتی ہے اور ابھی جماعت اسلامی کے سربراہ کار مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب نے افریقہ جانے کا عزم ظاہر کیا تھا مگر حکومت نے انہیں جانے کی اجازت نہ دی۔ یہ ٹھیک ہے کہ ایسا ہوا لیکن ذرا سوچئے! اس ملک میں مسلمانوں کی تعداد سوا آٹھ کروڑ ــ اور قادیانیوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ دو تین لاکھ ہوگی۔ اگر اس جماعت کے شعبہ کے لئے چند گھنٹوں میں نوّے ہزار کے قریب روپے کے وعدے ہو جاتے ہیں تو اس کے بالمقابل دو سو گنا اکثریت کا بجٹ اشاعت اور دعوت اسلام کے لئے کتنا ہونا چاہئے اور یہ واضح رہے کہ یہ بجٹ صرف تحریک جدید کا ہے۔ قادیانیوں کی مرکزی جماعت کا بجٹ تقریباً ۲۵/۳ لاکھ روپے کا ہوتا ہے۔" [1]

(دُوسرا اقتباس) قبل ازیں مدیر "المنبر" ایک اور اشاعت میں لکھتے ہیں:۔

" قادیانیت میں نفع رسانی کے جو جوہر موجود ہیں ان میں اوّلین اہمیت اس جدّ و جہد کو حاصل ہے جو اسلام کے نام پر وہ غیر مسلم ممالک میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ قرآن مجید کو غیر ملکی زبانوں میں پیش کرتے ہیں۔ تثلیث کو باطل ثابت کرتے ہیں۔ سیّد المرسلینؐ کی سیرت طیبہ کو پیش کرتے ہیں۔ ان ممالک میں مساجد بنواتے ہیں اور جہاں کہیں ممکن ہو اسلام کو امن و سلامتی کے مذہب کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں" [2]

---

[1] ہفت روزہ "المنبر" لائلپور ۲۳ نومبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۱۱ ؛ [2] "المنبر" لائلپور ۲ مارچ ۱۹۵۶ء ؛

تیسرا اقتباس) مدیر "المنبر" مزید لکھتے ہیں :-

"تحریک جدید جس کا آغاز ۱۹۳۴ء میں اس سے ہوا تھا کہ مرزا محمود نے ساڑھے ستائیس ہزار روپے (تقریباً ۹ ہزار سالانہ) کا مطالبہ جماعت سے کیا تھا۔ اس کے جواب میں قادیانی امت نے تین سال کے عرصے میں تین لاکھ ترپن ہزار روپے پیش کئے۔ ابتداء میں یہ تحریک دس سال کے لئے تھی ۱۹۴۴ء میں مزید نو سال کے لئے اس تحریک کو وسیع کر دیا گیا۔ لیکن ۱۹۵۳ء میں جب "اینٹی قادیانی تحریک" کا دَور بیت چکا تو مرزا محمود نے نئے ولولوں کے ساتھ اعلان کیا "میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں تحریک جدید کو اس وقت تک جاری رکھوں گا جب تک تمہارا سانس قائم ہے" (المصلح ۱۱ر نومبر ۱۹۵۳ء)۔ چنانچہ اس تحریک کا گذشتہ سال کا بجٹ اڑتیس لاکھ روپے سے بھی زائد ہے۔

اس تحریک میں چندہ دینے والوں کی تعداد بائیس ہزار کے قریب ہے جو مستقل سالانہ چندہ ادا کرتے ہیں اور خواہ کتنے ہنگامی اور وقتی چندے انہیں دینا پڑیں تحریک جدید کا چندہ اس سے متاثر نہیں ہوتا اس تحریک میں فی کس چندہ کی مقدار بیس تیس سے سَو ڈیڑھ سو روپے تک سالانہ ہے" [۱]

(چوتھا اقتباس) یہی اخبار لکھتا ہے کہ :-

"قادیانی مالیاتی نظام تین حصوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ وقتی اور ہنگامی چندے

۲۔ مستقل چندے

۳۔ وقف جائدادیں

وقتی اور ہنگامی چندوں کا سلسلہ لامتناہی اور طویل سے طویل تر ہے۔ مساجد کی تعمیر، مختلف ممالک کے دار التبلیغ، کسی خاص سفر کے لئے چندہ، کسی ملکی مسئلے کے لئے خاص فنڈ، بعض تعلیمی اسکیموں کے لئے خاص رقوم، تراجم قرآن مجید کے نام پر اپیل، الغرض ہر مسئلہ، ہر عنوان پر تحریک ہوتی ہے اور جماعت اس پر لبیک کہتی ہے۔

ان وقتی چندوں کی مقدار، چند ہزار سے لاکھوں تک ہوتی ہے اور یہ تحریکات تقریباً سال بھر کسی نہ کسی عنوان سے جاری رہتی ہیں۔ ایک ختم تو دوسری شروع، دوسری جاری ہے تو تیسری کا آغاز، اس

---

[۱] ہفت روزہ "المنبر" لائل پور ۱۱ر اگست ۱۹۶۷ء صفحہ ۸

ضمن میں یہ بات خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے کہ مرزا محمود آنجہانی نے جو نفسیاتی محرکات ان تحریکات کے لئے تجویز کئے وہ بے حد کامیاب رہے مثلاً ـــ کسی ملک کی مسجد کے لئے اعلان کر دیا کہ اس کا تمام بار صرف عورتوں پر پڑے گا۔ اور بعض اوقات تین چار لاکھ کی رقم سب کی سب عورتوں نے مہیا کی۔

بعض تحریکات صرف کسانوں اور زمینداروں کے لئے، بعض مالی مطالبات صرف تاجروں سے، اور بعض کا تقاضا صرف ملازمین سے وغیرہ " [1]

یہ ہے وہ نظامِ تحریک جدید جس کا آغاز احراری مخالفت کے تیز و تند طوفانوں میں ایک نہایت کمزور سے بیج کی شکل میں ہوا۔ اور جو اب خدا کے فضل و کرم سے ایک تناور درخت بن چکا ہے اور جس کی شاخیں نہایت تیزی سے دُنیا کے کناروں تک پھیلتی نظر آرہی ہیں۔ حق جوئی کے پرندے اس کے سائے تلے آرام کرتے اور اس کے شیریں اثمار سے مستفید ہو رہے ہیں۔

پہلے سلطنتِ برطانیہ کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس پر سُورج غروب نہیں ہوتا مگر اب جماعت احمدیہ بھی خدا کے فضل سے شرق و مغرب کے دُور دراز علاقوں میں پھیل رہی ہے اور اب اس کے متعلق بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ جماعتِ احمدیہ پر سُورج غروب نہیں ہوتا۔ وذالك فضل الله يؤتيه من يشاء فالحمد لله علیٰ ذالك۔

تحریکِ جدید دائمی قُربانیوں کی تحریک ہے

تحریکِ جدید کے ان حیرت انگیز نتائج کے باوجود ہمیں یہ کہنے میں ذرہ بھر تامل نہیں کہ اس وقت تک جو کچھ بھی انجام پا چکا ہے وہ ایک خوشکن بنیاد سے بڑھ کر کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ جیسا کہ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ایک بار فرمایا تھا ؎

ہے ساعتِ سعد آئی اسلام کی جنگوں کی
آغاز تو مَیں کر دُوں انجام خدا جانے

ابھی ان کوششوں سے کُفر و اسلام کی جنگ کا آغاز ہوا ہے اور دنیا کو روحانی طور پر فتح کرنے کے لئے جماعت کو بے شمار قربانیاں پیش کرنا مقدر ہے جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے شروع ہی سے جماعت کو اس حقیقت سے بخوبی آگاہ کر دیا تھا۔ چنانچہ حضورؓ نے فرمایا :-

---

[1] ہفت روزہ "المنبر" لائلپور ۱۱ اگست ۱۹۶۶ء صفحہ ۷۔

"اس تحریک کی غرض عارضی نہیں ہے وہ وقت آرہا ہے جب ہمیں ساری دنیا کے دشمنوں سے لڑنا پڑیگا۔ دُنیا سے میری مراد یہ نہیں کہ ہر فرد سے لڑنا پڑے گا کیونکہ ہر قوم اور ہر مُلک میں شریف لوگ بھی ہوتے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تمام ممالک میں ہمارے لئے رستے بند کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ پس ہماری جنگ ہندوستان تک محدود نہ رہے گی بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی ہمیں اپنے پیدا کرنے والے اور حقیقی بادشاہ کی طرف سے جنگ کرنی ہوگی۔ اگر تو احمدیت کوئی سوسائٹی ہوتی۔ تو ہم یہ کہہ کر مطمئن ہو سکتے تھے کہ ہم اپنے حلقہ اثر کو محدود کرلیں گے اور جہاں جہاں احمدی ہیں وہ سمٹ کر بیٹھ جائیں گے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ جو بات اس کی طرف سے آئی ہے اُسے ساری دُنیا میں پہنچائیں اور ہم نے اُسے پہنچانا ہے۔ ہمارا پروگرام وہ نہیں جو ہم خود تجویز کریں بلکہ ہمارا پروگرام ہمارے پیدا کرنے والے نے بنایا ہے" [لہ]

پھر فرمایا:۔

"تحریک جدید تو ایک قطرہ ہے اس سمندر کا جو قربانیوں کا تمہارے سامنے آنے والا ہے جو شخص قطرہ سے ڈرتا ہے وہ سمندر میں کب کودے گا" [ٹلہ]

جماعت کو انتباہ اسی طرح حضورؓ نے جماعت کے مخلصین کو متنبہ کرتے ہوئے واضح لفظوں میں بتایا کہ:۔

"جس دن ہم میں وہ لوگ پیدا ہو گئے جنہوں نے کہا دورِ اوّل بھی گذر گیا، دورِ دوم بھی گذر گیا، دورِ سوم بھی گذر گیا، دورِ چہارم بھی گذر گیا، دورِ پنجم بھی گذر گیا، دورِ ششم بھی گذر گیا، دورِ ہفتم بھی گذر گیا، اب ہم کب تک اس قسم کی قربانیاں کرتے چلے جائیں گے آخر کہیں نہ کہیں اس کو ختم بھی تو کرنا چاہیئے۔ وہ اقرار ہوگا ان لوگوں کا کہ اب ہماری روحانیت سرد ہو چکی ہے اور ہمارے ایمان کمزور ہو گئے ہیں"

"ہم تو امید رکھتے ہیں کہ تحریک جدید کے یہ دَور غیر محدود دَور ہوں گے اور جس طرح آسمان کے ستارے گنے نہیں جاتے اسی طرح تحریک جدید کے دَور بھی نہیں گنے جائیں گے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ تیری نسل گنی نہیں جائے گی اور حضرت ابراہیمؑ کی نسل نے دین کا بہت

[لہ] "الفضل" ۳ر دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ کالم ۲ ؎ [ٹلہ] "الفضل" ۲ر جولائی ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۰ کالم ۱ ؎

کام کیا۔ یہی حال تحریک جدید کا ہے۔ تحریک جدید کا دَور چونکہ آدمیوں کا نہیں بلکہ دین کے لئے قربانی کرنے کے سامانوں کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اس کے دَور بھی اگر نہ گنے جائیں تو یہ ایک عظیم الشان بنیاد اسلام اور احمدیت کی مضبوطی کی ہوگی۔"[1]

قربانیوں کی ابدی ضرورت پر حضرت امیر المومنینؓ کا پُرشوکت فرمان

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے محض اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ آپ نے دائمی قربانیوں کی اہمیت نمایاں کرتے ہوئے یہانتک فرمایا کہ:-

"یہ یاد رکھو کہ آمد کی زیادتی کے ہرگز یہ معنٰی نہیں کہ کسی وقت تم اپنے چندوں سے آزاد ہو جاؤ گے۔ یا کوئی وقت جماعت پر ایسا بھی آئے گا جب تم سے قربانی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ مَیں ایک انسان ہوں اور آخر ایک دن ایسا آئیگا جب مَیں مَر جاؤں گا اور پھر اَور لوگ اس جماعت کے خلفاء ہوں گے۔ مَیں نہیں جانتا اس وقت کیا حالات ہوں گے اس لئے ابھی سے تم کو نصیحت کرتا ہوں تاکہ تمہیں اور تمہاری اولادوں کو ٹھوکر نہ لگے۔ اگر کوئی خلیفہ ایسا آیا جس نے سمجھ لیا کہ جماعت کو زمینوں سے اس قدر آمد ہو رہی ہے، تجارتوں سے اس قدر آمد ہو رہی ہے، صنعت و حرفت سے اس قدر آمد ہو رہی ہے تو پھر اب جماعت سے کسی اَور قربانی کی کیا ضرورت ہے۔ اس قدر روپیہ آنے کے بعد ضروری ہے کہ جماعت کی مالی قربانیوں میں کمی کر دی جائے تو تم یہ سمجھ لو وہ خلیفہ خلیفہ نہیں ہوگا بلکہ اس کے یہ معنٰی ہوں گے کہ خلافت ختم ہو گئی اور کوئی اسلام کا دشمن پیدا ہو گیا جس دن تمہاری تسلّی اس بات پر ہو جائے گی کہ روپیہ آنے لگ گیا ہے اب قربانی کی کیا ضرورت ہے۔ اس دن تم سمجھ لو کہ جماعت کی ترقی بھی ختم ہو گئی۔ مَیں نے بتایا ہے کہ جماعت روپیہ سے نہیں بنتی بلکہ آدمیوں سے بنتی ہے اور آدمی بغیر قربانی کے تیار نہیں ہو سکتے۔ اگر دس ارب روپیہ آنا شروع ہو جائے تب بھی ضروری ہوگا کہ ہر زمانہ میں جماعت سے اس طرح قربانیوں کا مطالبہ کیا جائے جس طرح آج کیا جاتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیا جائے۔ کیونکہ ابھی بڑی بڑی قربانیاں جماعت کے سامنے نہیں آئیں۔ پس چاہیئے کہ اگر ایک ارب پونڈ خزانہ میں آجائے تب بھی خلیفہ وقت کا فرض ہوگا کہ ایک غریب کی جیب سے جس میں ایک پیسہ ہے دین کے لئے پیسہ نکال لے اور ایک امیر کی جیب میں سے جس میں دس ہزار روپیہ موجود ہے دین کے لئے دس ہزار نکالے کیونکہ اس کے بغیر دل صاف نہیں ہو سکتے۔ اور

[1] "الفضل" یکم مارچ ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ کالم ۱ تا ۲ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲ فروری ۱۹۴۵ء)

بغیر دل صاف ہونے کے جماعت نہیں بنتی اور بغیر جماعت کے بننے کے خدا تعالےٰ کی رحمت اور برکت نازل نہیں ہوتی۔ وہ روپیہ جو بغیر دل صاف ہونے کے آئے وہ انسان کے لئے رحمت نہیں بلکہ لعنت کا موجب ہوتا ہے۔ وہی روپیہ رحمت کا موجب ہو سکتا ہے جس کے ساتھ انسان کا دل بھی صاف ہو اور دنیوی آلائشوں سے مبرا ہو۔

پس مت سمجھو کہ اگر کثرت سے روپیہ آنے لگا تو تم قربانیوں سے آزاد ہو جاؤ گے۔ اگر کثرت سے روپیہ آگیا تو ہمارے ذمہ کام بھی تو بہت بڑا ہے۔ اس کے لئے اربوں روپیہ کی ضرورت ہے۔ بلکہ اگر اربوں ارب روپیہ آجائے تو پھر بھی یہ کام ختم نہیں ہو سکتا۔ روپیہ ختم ہو سکتا ہے مگر یہ کام ہمیشہ بڑھتا چلا جائے گا۔

پس کسی وقت جماعت میں اس احساس کا پیدا ہونا کہ اب کثرت سے روپیہ آنا شروع ہو گیا ہے قربانیوں کی کیا ضرورت ہے، اب چندے کم کر دیئے جائیں اس سے زیادہ کسی جماعت کی موت کی اور کوئی علامت نہیں ہو سکتی۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص اپنی موت کے فتوے پر دستخط کر دے پس مت سمجھو کہ ان زمینوں اور جائیدادوں وغیرہ کی آمد کے بعد چندے کم کر دیئے جائیں گے۔

اگر یہ روپیہ ہماری ضرورت کے لئے کافی ہو جائے تب پھر تمہارے اندر ایمان پیدا کرنے کے لئے، تمہارے اندر اخلاص پیدا کرنے کے لئے، تمہارے اندر زندگی پیدا کرنے کے لئے، تمہارے اندر روحانیت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تم سے قربانیوں کا مطالبہ کیا جائے اور ہمیشہ اور ہر آن کیا جائے اگر قربانیوں کا مطالبہ ترک کر دیا جائے تو یہ تم پر ظلم ہوگا، یہ سلسلہ پر ظلم ہوگا۔ یہ تقویٰ اور ایمان پر ظلم ہوگا"[1]

خلفاء کو وصیّت

حضور نے نہ صرف جماعت کو قربانی کی طرف متوجہ کیا بلکہ آئندہ آنے والے خلفاء کو وصیّت فرمائی کہ:۔

"جب تک دُنیا کے چپّہ چپّہ میں اسلام نہ پھیل جائے اور دنیا کے تمام لوگ اسلام قبول نہ کر لیں اُس وقت تک اسلام کی تبلیغ میں وہ کبھی کوتاہی سے کام نہ لیں خصوصاً اپنی اولاد کو میری یہ وصیت ہے کہ وہ قیامت تک اسلام کے جھنڈے کو بلند رکھیں اور اپنی اولاد در اولاد کو نصیحت کرتے

---

[1] "الفضل" ۷ راپریل ۱۹۴۴ء صفحہ ۷ کالم ۳ +

چلے جائیں کہ انہوں نے اسلام کی تبلیغ کو کبھی نہیں چھوڑنا اور مرنے دم تک اسلام کے جھنڈے کو بلند رکھنا ہے۔" ۵۱

تحریک جدید کا شاندار مستقبل

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عالم رؤیا میں دکھایا گیا کہ:۔

"ایک بڑا بحرِ ذخّار کی طرح دریا ہے جو سانپ کی طرح پیچ کھاتا ہوا مشرق کو جا رہا ہے اور پھر دیکھتے دیکھتے سمت بدل کر مشرق سے مغرب کو اُلٹا بہنے لگا ہے" ۵۲

یہ دراصل اس عظیم الشان رُوحانی انقلاب کا ایک منظر ہے جو مستقبل میں جلد یا بدیر تحریک جدید کے ذریعہ سے رونما ہونے والا ہے اور جس کے نتیجہ میں تحریک جدید کی پانچہزاری فوج کا لاکھوں تک پہنچنا اور پھر دنیا کے مغربی نظاموں کی جگہ اسلام کے نظامِ نو کی تعمیر مقدر ہے چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک بار بالصراحت فرمایا تھا:۔

"جب ہم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کو دُنیا میں پھیلائیں گے اور اسلام کے جلال اور اس کی شان کے اظہار کے لئے اپنی ہر چیز قربان کر دیں گے تو ہمیں ان تبلیغی سکیموں کے لئے جس قدر روپیہ کی ضرورت ہو گی اس کو پُورا کرنا بھی ہماری جماعت کا ہی فرض ہے حقیقت یہ ہے کہ ساری دُنیا میں صحیح طور پر تبلیغ اسلام کرنے کے لئے ہمیں لاکھوں مبلّغوں اور کروڑوں روپیہ کی ضرورت ہے۔ جب مَیں رات کو اپنے بستر پر لیٹتا ہوں تو بسا اوقات سارے جہان میں تبلیغ کو وسیع کرنے کے لئے مَیں مختلف رنگوں میں اندازے لگاتا ہوں۔ کبھی کہتا ہوں ہمیں اتنے مبلّغ چاہئیں اور کبھی کہتا ہوں اتنے مبلّغوں سے کام نہیں بن سکتا اس سے بھی زیادہ مبلّغ چاہئیں۔ یہانتک کہ بعض دفعہ بیس بیس لاکھ تک مبلّغین کی تعداد پہنچا کر مَیں سو جایا کرتا ہوں۔ میرے اس وقت کے خیالات کو اگر ریکارڈ کیا جائے تو شاید دنیا یہ خیال کرے کہ سب سے بڑا شیخ چلّی مَیں ہوں۔ مگر مجھے اپنے خیالات اور اندازوں میں اتنا مزہ آتا ہے کہ سارے دن کی کوفت دُور ہو جاتی ہے۔ مَیں کبھی سوچتا ہوں کہ پانچ ہزار مبلّغ کافی ہوں گے۔ پھر کہتا ہوں پانچ ہزار سے کیا بن سکتا ہے دس ہزار کی ضرورت ہے۔ پھر کہتا ہوں دس ہزار بھی کچھ چیز نہیں جاوا میں اتنے مبلّغوں کی ضرورت ہے، سماٹرا میں اتنے مبلّغوں کی ضرورت ہے، چین اور جاپان میں اتنے مبلّغوں کی ضرورت ہے۔ پھر مَیں ہر ملک کی آبادی کا حساب لگاتا ہوں اور پھر کہتا ہوں یہ مبلّغ بھی تھوڑے ہیں اس سے بھی زیادہ مبلّغوں کی ضرورت ہے یہاں تک کہ بیس بیس لاکھ تک مبلّغوں کی تعداد پہنچ جاتی ہے۔ اپنے ان مزے کی گھڑیوں میں مَیں نے بیس بیس لاکھ مبلّغ تجویز کیا ہے۔ دُنیا کے نزدیک

---

۵۱ "الفضل" ۱۷ فروری ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۔ ۵۲ "الحکم" ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۷، تذکرہ طبع دوم

میرے یہ خیالات ایک واہمہ سے بڑھ کر کوئی حقیقت نہیں رکھتے مگر اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جو چیز ایک دفعہ پیدا ہو جائے وہ مرتی نہیں جب تک اپنے مقصد کو پورا نہ کرے۔ لوگ بیشک مجھے شیخ چلّی کہہ لیں مگر میں جانتا ہوں کہ میرے ان خیالات کا خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ فضا میں ریکارڈ ہوتا چلا جا رہا ہے اور وہ دن دور نہیں جب اللہ تعالیٰ میرے ان خیالات کو عملی رنگ میں پورا کرنا شروع کر دے گا۔ آج نہیں تو آج سے ساٹھ یا سو سال کے بعد اگر خدا تعالیٰ کا کوئی بندہ ایسا ہوا جو میرے ان ریکارڈوں کو پڑھ سکا اور اُسے توفیق ہوئی تو وہ ایک لاکھ مبلّغ تیار کر دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کسی اَور بندے کو کھڑا کر دے گا جو مبلّغوں کو دو لاکھ تک پہنچا دے گا۔ پھر کوئی اَور بندہ کھڑا ہو جائے گا جو میرے اس ریکارڈ کو دیکھ کر مبلّغوں کو تین لاکھ تک پہنچا دے گا۔ اس طرح قدم بقدم اللہ تعالیٰ وہ وقت بھی لے آئے گا جب ساری دُنیا میں ہمارے بیس[۲] لاکھ مبلّغ کام کر رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ اس سے پہلے کسی چیز کے متعلق امید رکھنا بے وقوفی ہوتی ہے۔ میرے یہ خیال بھی اب ریکارڈ میں محفوظ ہو چکے ہیں اور زمانہ سے مٹ نہیں سکتے۔ آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں میرے یہ خیالات عملی شکل اختیار کرنے والے ہیں۔"[۱]

---

[۱] "الفضل" ۲۸/ اگست ۱۹۵۹ء صفحہ ۶-۷ (تقریر فرمودہ ۲۸/ اگست ۱۹۴۵ء)

دوسرا باب

عراق میں شیخ احمد فرقانی کی شہادت سے لیکر سالانہ جلسہ ۱۹۳۵ء تک

خلافت ثانیہ کا بائیسواں سال[1]

رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ تا شوال ۱۳۵۴ھ

جنوری ۱۹۳۵ء تا دسمبر ۱۹۳۵ء

فصل اوّل

تحریک جدید کے کارناموں پر طائرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد اب ہم واقعاتی ترتیب کے پیش نظر ۱۹۳۵ء کی طرف پلٹتے ہیں

عراق میں شیخ احمد فرقانی کی المناک شہادت

جنوری ۱۹۳۵ء کے وسط میں عراق کے ایک نہایت مخلص احمدی حضرت شیخ احمد فرقانی کا سانحہ شہادت پیش آیا جس کی اطلاع ایک احمدی عرب نوجوان الحاج عبداللہ صاحب[2] کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں پہنچی۔ چنانچہ انہوں نے ۱۰ر شوال ۱۳۵۳ھ (مطابق ۱۶ر جنوری ۱۹۳۵ء) کو عریضہ لکھا کہ آج بغداد سے ایک خط موصول ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ شیخ احمد فرقانی جو عرصہ دس سال سے احمدیت کی وجہ سے مخالفین کے

---

[1] "تاریخ احمدیت" جلد ہفتم میں دراصل خلافت ثانیہ کے اکیسویں سال تک کے حالات محفوظ کئے جا چکے ہیں لیکن اس جلد کے صفحہ ۱۰۰ پر عنوان "خلافت ثانیہ کا بیسواں سال" درج ہونے سے رہ گیا ہے اور صفحہ ۱۵۱ سے اگرچہ اکیسویں سال کے حالات شروع ہوتے ہیں مگر عنوان میں "اکیسویں سال" کی بجائے بیسواں سال لکھا گیا ہے جو سہو ہے۔ (مرتب)

[2] یہ نوجوان ایک لمبا عرصہ قادیان میں علم دین سیکھنے کے بعد ان دنوں اپنے وطن میں مصروف تبلیغ تھے۔

ظلم وستم برداشت کرتے آرہے تھے اور جن کا عراقیوں نے بائیکاٹ کر رکھا تھا، شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ آپ بغداد سے قریباً دو سو میل کے فاصلہ پر لواء کرکوک گاؤں میں بود و باش رکھتے تھے جب مَیں بغداد میں تھا تو وہ کئی ہفتے میرے پاس آکر رہے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیحد محبت اور اخلاص رکھتے تھے۔ حضور کے فارسی و عربی اشعار سُنکر وجد میں آجاتے اور زار و قطار رونے لگتے تھے۔[1]

حضرت امیر المومنینؓ کا سفر گورداسپور اور اخلاص و فدائیت کے ایمان افروز منظر

اس سال کے ناقابل فراموش واقعات میں سے سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے وہ دو سفر ہیں جو حضور نے مولوی سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے مقدمہ میں شہادت کے لئے مارچ ۱۹۳۵ء کے آخری ایام میں اختیار فرمائے تھے۔ ان تاریخی سفروں کے تفصیلی حالات اخبار "الحکم" (قادیان) کے نامہ نگار کے الفاظ میں درج ذیل کئے جاتے ہیں:-

پہلا سفر:

"عطاء اللہ بخاری کے مقدمہ میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کے نام بھی بطور گواہ صفائی سمن تقسیم کیا گیا تھا جو حضور کے بلند مقام کو دیکھتے ہوئے خود ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس مقیم قادیان نے بمع انچارج صاحب چوکی قادیان تقسیم کیا۔

حضور کی روانگی کی خبر معلوم ہونے پر قادیان اور نواح کے احمدیوں میں اس امر کا شدید جوش موجزن تھا کہ وہ اپنے امام کے ساتھ جائیں اور انہیں اندیشہ تھا کہ منتظمین ان کو روک نہ دیں۔ اس لئے لوگ بار بار پوچھتے تھے کہ کیا ہم کو جانے دیا جائے گا یا نہیں۔ لوگوں کے اس جوش کا احساس کرتے ہوئے ذمہ وار افسروں نے احباب جماعت کو روکنا پسند نہیں کیا۔ جانے والوں کی کثرت دیکھ کر نیشنل لیگ نے ۸۰۰ آدمیوں کے لئے سپیشل ٹرین ریزرو کرانے کا انتظام کیا۔

۲۳ کی صبح قادیان میں ایک غیر معمولی صبح تھی۔ چونکہ حضرت اقدس نے موٹر کار کے ذریعہ جانا تھا اس لئے نوجوانوں کی ایک بڑی جماعت نے حضور کی کار کی حفاظت کے لئے سائیکلوں پر جانے کی خواہش کی جو منظور کر لی گئی۔

---

[1] "الفضل" ۱۴ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۴۔ حضرت احمد الفرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے "مَصَائِبُ الْاَنْبِیَاءِ وَالْاَبْرَارِ عَلٰی اَیْدِی السَّفَلَۃِ وَالْاَشْرَارِ" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی تھی جو چھپ نہ سکی۔ اس کتاب کا ایک قیمتی اقتباس مولانا ابو العطاء صاحب نے اپنے رسالہ "البشریٰ" (ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۶-۲۷) میں شائع کر دیا تھا۔

سائیکلسٹوں کی پندرہ پارٹیاں ترتیب دی گئیں جو حضور کی کار کے ساتھ تھیں۔ ڈیڑھ سَو کے قریب یہ نوجوان تھے۔ صبح ۸ بجے حضور کی کار شاندار طریق سے روانہ ہوئی۔ بائیسکل سوار آگے اور پیچھے دائیں اور بائیں حضور کی کار کو گھیرے ہوئے تھے۔

سپیشل ٹرین ۷ بجکر ۴۲ منٹ پر روانہ ہونے والی تھی، ہزارہا کی تعداد میں احمدی اس وقت اسٹیشن کے اندر باہر کھڑے تھے۔ ہر شخص کے چہرے پر اس امر کی خوشی اور مسرت جھلک رہی تھی کہ اس کو اپنے آقا کی معیت کا شرف حاصل ہوگا۔ چونکہ نیشنل لیگ نے بحیثیت مجموعی گاڑی کا کرایہ ادا کر دیا تھا اور ہر محلہ کیلئے ایک خاص ٹکٹ جاری کر دیئے تھے جن پر نظارت امور عامہ کی مُہر تھی اور اُن پر نمبر لکھ دیئے گئے تھے تاکہ ریلوے والوں کو مسافروں کی گنتی میں کسی قسم کی دقّت نہ ہوسکے۔

گاڑی ٹھیک سات بج کر ۴۵ منٹ پر روانہ ہوئی۔ گاڑی میں اس قدر بھیڑ تھی کہ بہت سے لوگ گورداسپور تک کھڑے کھڑے اور بہت سے اُوپر تختوں پر بیٹھ کر گئے۔ گاڑیاں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں۔

روانگی کے وقت ہر ایک کمرے میں لوگوں نے رقّت سے دُعائیں کیں۔ الغرض دُعاؤں کے ساتھ گاڑی روانہ ہوئی۔ قادیان سے چل کر بٹالہ سٹیشن پہ گاڑی کھڑی ہوئی۔ پولیس نے ریلوے لائن پہ گاڑی کی حفاظت کیلئے باوردی سپاہی کھڑے کئے ہوئے تھے۔ سٹیشن پر سب انسپکٹران پولیس کے علاوہ رائیصاحب پنڈت جواہر لال صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ خود باوردی موجود تھے۔ بٹالہ میں گاڑی کے انجن کا رُخ تبدیل کیا گیا اور گاڑی گورداسپور روانہ ہوئی جہاں گاڑی ۹ بجکر ۴۵ منٹ پر پہنچ گئی۔

جماعت کا یہ بے پناہ ہجوم نہایت پُرامن طریق سے جلوس کی شکل میں نکلا۔ پہلے اس سڑک کی طرف گیا جہاں سے حضرت اقدس نے تشریف لانا تھا۔ جلوس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُرانے پُرانے صحابی اور بوڑھے بڑے بوڑھے اور بعض نابینا لوگ بھی موجود تھے۔ اُن کے اخلاص کی اس حالت کو دیکھ کر میرے دل میں ایک قسم کی رقّت پیدا ہوتی تھی۔ اس جلوس کو سینکڑوں لوگ اپنے اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر دیکھ رہے تھے۔ جلوس مختلف سڑکوں سے گذر کر اس جگہ پہنچا۔ جہاں سے حضرت کی موٹر گذرنے والی تھی مگر افسوس ہے کہ موٹر دو چار منٹ پہلے گذر گئی۔ آخرش یہ جلوس چودھری شیخ محمد نصیب صاحب کی کوٹھی پر پہنچا جہاں حضرت اقدس قیام فرما تھے۔

ناظر صاحب ضیافت جناب میر محمد اسحاق صاحب دو دن پہلے سے بمع اپنے ایک خاص سٹاف کے یہاں

موجود تھے۔ ان کے انتظام نے گورداسپور میں سالانہ جلسہ کی جھلک دکھا دی۔

میر صاحب خاص قابلیتوں اور خوبیوں کے آدمی ہیں۔ انتظامی معاملات کو وہ اس حسن وخوبی سے سرانجام دیتے ہیں کہ دیکھنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ کام بالکل ہلکا اور آسان ہے۔ میر صاحب نے ان تمام مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے جو ایسے موقعوں پر اور ایسی معاندانہ حالتوں میں پیش آجایا کرتی ہیں، سارا سامان لنگرخانہ قادیان سے گورداسپور بھجوا دیا تھا۔ اسّی دیگیں اور سینکڑوں بالٹیاں، لوٹے، آبخورے، چٹائیاں، تھالیاں، پیالے، رکابیاں، لیمپیں، پانی کے حمام، الغرض ہر قسم کا سامان بافراط مہیا کر دیا گیا تھا۔

کوٹھی کے وسیع میدان میں دریاں اور چٹائیاں بچھا کر اس پر دسترخوان بچھا دیئے گئے تھے۔ کوٹھی کے سامنے کی طرف ایک چاندنی کا پردہ لگا دیا گیا تھا اور کئی ہزار آدمیوں کے بیٹھنے کے لئے چاندنیاں[ل] تان دی گئی تھیں کوٹھی کے گرد نوجوان لڑکوں کا پہرہ اس لئے لگا دیا گیا تھا تاکہ کوئی سامان وغیرہ چُرا نہ سکے جو بافراط ہر جگہ پھیلا پڑا تھا۔

احباب کے پہنچنے سے پہلے کھانا پک کر تیار ہو چکا تھا۔ کھانے میں صرف پُلاؤ پکوایا گیا تھا جو ہر طرح سے عمدہ اور مرغوب الطبع تھا۔

میر صاحب کے سٹاف میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب مولوی فاضل، مولوی ارجمند خاں صاحب مولوی فاضل اور مفتی فضل الرحمٰن صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ والنٹیئر اور معاونین نہایت اخلاص سے کھانا کھلاتے تھے اور سب مہمانوں سے شریفانہ برتاؤ کرتے تھے۔ اس سارے سٹاف کی نگرانی میر صاحب خود کر رہے تھے۔

اس تقریب پر بہت دُور دُور سے مہمان آئے تھے۔ بٹالہ، امرتسر، لاہور، شیخوپورہ، گجرات، فیروزپور، گوجرانوالہ، ملتان کے علاوہ کشمیر اور سرحد تک کے لوگ موجود تھے۔ فخر قوم چودھری ظفر اللہ خاں صاحب، پیر اکبر علی صاحب ممبر کونسل، خان بہادر شیخ رحمت اللہ خاں صاحب، چودھری عبداللہ خاں صاحب، چودھری اسد اللہ خاں صاحب، چودھری شکر اللہ خاں صاحب، سید انعام اللہ شاہ صاحب مالک وایڈیٹر دور جدید، سید دلاور شاہ صاحب سابق ایڈیٹر مسلم آؤٹ لک، خان عبداللہ خاں صاحب آف مالیر کوٹلہ، لفٹیننٹ سردار نذر حسین صاحب، مستری حاجی موسیٰ صاحب نیلہ گنبد، شیخ محمد حسین صاحب ملتان، خان بہادر غلام محمد خاں صاحب آف گلگت، خواجہ محمد شان صاحب آف سرینگر، مسٹر غلام محمد صاحب اختر آف لاہور وغیرہ وغیرہ قابل ذکر احباب موجود تھے۔

[ل] چاندنی: شامیانہ، سائبان (جامع اللغات)

قادیان سے تو سات آٹھ سو احباب گئے جن میں سے چند احباب کا ذکر خاص طور پر کر دینا مناسب ہوگا۔

چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے ناظر اعلیٰ، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے، حضرت مرزا شریف احمد صاحب، مرزا گل محمد صاحب، خانصاحب فرزند علی خاں صاحب ناظر امور عامہ، جناب میر محمد اسحاق صاحب ناظر ضیافت، جناب شیخ یوسف علی صاحب اسسٹنٹ ناظر امور عامہ، مولانا شمس صاحب اسسٹنٹ ناظر تبلیغ، مولوی عبد المغنی صاحب ناظر بیت المال، خانصاحب برکت علی خاں صاحب، میرزا عبد الغنی صاحب گورنمنٹ پنشنر کینیا کالونی، مرزا محمد شفیع صاحب محاسب صدر انجمن احمدیہ، مولانا شیر علی صاحب بی۔اے، ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے ایڈیٹر ریویو، جناب میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر "فاروق" جناب خواجہ غلام نبی صاحب ایڈیٹر "الفضل"، شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر "الحکم"، مولانا نیر صاحب، مولانا محمد الدین صاحب ہیڈ ماسٹر، چودھری غلام محمد صاحب پریذیڈنٹ سمال ٹاؤن کمیٹی، ہیڈ ماسٹر صاحب مدرسہ احمدیہ، ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحب میڈیکل آفیسر قادیان، پریذیڈنٹ صاحب نیشنل لیگ قادیان، مولوی غلام مجتبیٰ صاحب پریذیڈنٹ لوکل کمیٹی قادیان، مولوی فضل الدین صاحب، ملک عبد الرحمن صاحب خادم ...... صاحبزادہ ابو الحسن صاحب قدسی ...... ، مہاشہ فضل حسین صاحب وغیرہ وغیرہ آٹھ سو احباب موجود تھے۔

گورداسپور میں اس موقع کے لئے حکومت نے لاہور اور امرتسر سے بہت سی ایڈیشنل پولیس منگوائی ہوئی تھی جس نے کچہری کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا اور کچہری کے ایک خاص حصے پر جس طرف حضرت اقدس کی موٹر نے کھڑا ہونا تھا کسی شخص کو جانے نہیں دیتی تھی۔

احمدیہ پبلک کو یہ سنکر سخت مایوسی ہوئی کہ پولیس نے لوگوں کو کچہری کے کمپونڈ میں جمع ہونے سے روک دیا ہے۔ باوجود اس کے ہزارہا انسان سٹیشن سے کچہری آنے والی سڑک پر کھڑے تھے۔ میرے دل پر ایک رقت آمیز حالت طاری ہوئی جبکہ میں نے اس زمرے میں بعض نابینا اور سخت کمزور بڈھوں کو دیکھا جو فرط محبت سے چلے آئے تھے اور اپنے آقا کے انتظار میں کھڑے تھے۔

حضرت اقدس ٹھیک وقت مقررہ پر کچہری کے کمپونڈ میں پہنچ گئے تھے جب اُن کی موٹر جا کر رُک گئی تو اس وقت پولیس نے فوراً اس طرف کے راستے روک دیئے۔ پولیس کے چند سپاہی کچہری کے احاطہ میں پھر رہے تھے اور اگر کسی جگہ کوئی اجتماع ہو جاتا تو اُسے روک دیتے اور منتشر کر دیتے تھے۔

سی. آئی۔ ڈی کے آدمی بھی نمایاں طور پر نظر آتے تھے خصوصاً آغا رشید صاحب سب انسپکٹر سی۔ آئی۔ڈی بہت واضح طور پر چکر کاٹ رہے تھے۔

احرار کے متعلق معلوم ہوا کہ ۲۲ مارچ کو بروز جمعہ مولوی عطاء اللہ بخاری نے خطبہ جمعہ گورداسپور میں پڑھا اور کہا کہ اگر میں زندہ بچ کر آگیا تو میں تم کو تمہارے مکانوں میں آکر ملوں گا۔ تمہارے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے مدرسے بناؤں گا اور یہ کروں گا اور وہ کروں گا۔ احراریوں کی طرف سے کئی ایک مولانے آئے ہوئے تھے۔ جن میں مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور مولوی کرم الدین صاحب ساکن بھیں ضلع جہلم بھی تھے۔ مولوی کرم الدین نے اس مقدمہ میں آکر حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ایک اور مماثلت پوری کر دی اور وہ یہ کہ جس طرح کرم الدین کے مقدمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عزت سے نوازا اور ہزاروں آدمیوں کے سامنے کرم الدین کو ذلیل کیا حالانکہ وہ آپ کی ذلت دیکھنے کا متمنی تھا اسی طرح خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کو بتا دیا کہ وہ سلسلہ اب کس طرح بڑھا اور پھلا پھولا ہے اور کس طرح آج اُس دن کی نسبت بیسیوں گنا زیادہ لوگ جمع ہیں۔ جس طرح کرم الدین نے آکر ہم پر یہ ثابت کر دیا کہ وہ اور عطاء اللہ ایک ہی ہیں اسی طرح مسیح موعودؑ اور خلیفۃ المسیح ایک ہی ہیں۔ احمدیوں کو جب معلوم ہوا تو وہ جوق در جوق اس شخص کو دیکھنے جاتے تھے جس کے سبب خدا کے برگزیدہ مسیح کی صداقت کے بیسیوں نشان ظاہر ہوئے اور خدا تعالیٰ کے مامور و مرسل کے دشمنوں کی صفِ اوّل میں لڑا اور ناکام و نامراد ہوا۔ مولانا انور صاحب بوتالوی نے اس کی تصویر[1] بھی لی۔ تاکہ آئندہ نسلوں کے لئے باعثِ عبرت ہو۔

احراری کہلانے والوں میں ایک طبقہ ایسے لفنگوں کا تھا جو کوشش کرتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح احمدیوں کے گلے پڑے مگر پولیس نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا۔ ہندوؤں اور سکھ معززین کی ایک بڑی جماعت حضرت امیر المومنین کو دیکھنے کے لئے بیقرار تھی اور وہ پوری بیقراری سے کئی گھنٹے انتظار میں کھڑی رہی۔ . . . . .

. . . حضرت امیر المومنین جب عدالت کے کمرے میں داخل ہوئے، دیوان سکھ آنند صاحب سپیشل مجسٹریٹ نے حضور کا پورا احترام کیا اور حضور کو کرسی پیش کی۔ حضور کے ساتھ حسب ذیل حضرات کو اندر جانے کا شرف حاصل ہوا۔ جناب چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب، چوہدری اسد اللہ خاں صاحب، پیر اکبر علی صاحب ممبر کونسل، شیخ بشیر احمد صاحب، مرزا عبد الحق صاحب بی۔ اے وکیل، چوہدری نصیر الحق صاحب بی۔ اے وکیل، ایڈیٹر صاحب الفضل، ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم۔ . . . . .

---

[1] محترم ملک صلاح الدین صاحب ایم اے نے اصحاب احمد جلد اوّل ص۱۳۲ پر یہ تصویر شائع کر دی ہے۔

حضور کا عدالت سے نکلنا تھا کہ ہزاروں انسانوں کا جمِ غفیر جو عدالت کے سامنے جمع تھا، پروانہ وار اپنے آقا و مُرشد کی موٹر کے گرد جمع ہو گیا اور وہ دیوانہ وار حضور کی موٹر کے ساتھ دوڑنے لگا۔

عدالت سے لیکر شیخ محمد نصیب کی کوٹھی تک تقریباً پَون میل کا فاصلہ ہو گا۔ وہ تمام خدّام سے بھرا ہوا تھا۔ ان لوگوں کی اپنے امام کو دیکھ کر یہ حالت ہو رہی تھی کہ وہ بے اختیار مسرّت اور خوشی سے بھر جاتے تھے۔ اُن کے چہروں پر سینکڑوں عیدوں کی خوشی ظاہر ہو رہی تھی۔ ہر شخص بڑھ بڑھ کر السلام علیکم کا ہدیہ پیش کر رہا تھا۔ حضور اپنے خدّام کو دیکھ کر مسرّت کا اظہار فرماتے اور بار بار وعلیکم السلام فرماتے۔

کیمپ میں داخل ہو کر حضور نے کھانا تناول فرمایا اور پھر نماز باجماعت ادا فرمائی۔ کوٹھی کا وسیع پنڈال نمازیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور سب کے سب لوگ اپنے آقا کے ساتھ اپنے مالکِ حقیقی کے حضور سربسجود ہو گئے۔ نماز کے بعد پھر حضور عدالت کو تشریف لے گئے۔

کیمپ میں ناظر صاحب دعوۃ وتبلیغ نے حاضرین کے وقت کو مفید کام میں لگانے اور تبلیغی اغراض کیلئے ایک جلسہ منعقد کیا جس میں متعدّد نظموں کے علاوہ مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ نے ایک عالمانہ تقریر کی جس میں ہزارہا کی حاضری تھی اور سامعین نے مولانا کی تقریر کو بہت توجّہ سے سُنا اور فائدہ حاصل کیا۔

احرار گورداسپور کی وسعتِ اخلاق کا اس سے پتہ لگتا ہے کہ انہوں نے گورداسپور کے سقّوں کو پانی بہم پہنچانے سے روک دیا اور وہ ایسے وقت میں پانی سے انکار کر کے چلے گئے جبکہ بہتیرے لوگ ابھی کھانا کھا رہے تھے اور ہزارہا بندگانِ خدا نے ابھی وضو کرنا تھا۔ مگر منتظمین کی جواں ہمّتی قابلِ داد ہے کہ انہوں نے بیسیوں والنٹیئر لگا کر پولیس لائن کے کنوئیں سے پانی بھر لیا۔ حضور نے دوبارہ پانچ بجے عدالت سے واپس آنا تھا۔ پانچ بجے سے پیشتر ہی احباب جوق در جوق عدالت کی طرف جانے لگ گئے اور پہلے کی طرح حضور کی موٹر کے ساتھ ہزارہا مشتاقانِ دید دوڑتے ہوئے کیمپ تک آئے۔ حضور نے کیمپ میں داخل ہو کر اپنے خدّام میں تقریر فرمائی اور پیش آمدہ مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

"مومنوں کو مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیئے کیونکہ ہم دُنیا پر غالب آئیں گے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ نبی کے ماننے والوں پر زلزلے آئیں گے۔ اگر کہا جاتا کہ نبی کے ماننے والوں کے لئے پھولوں کی سیج بچھائی جائے گی۔ تب تو کہا جا سکتا تھا کہ ہمیں مشکلات کیوں پیش آتی ہیں جبکہ اللہ تعالےٰ کی سُنّت یہ ہے کہ وہ انبیاء کی جماعتوں کو کانٹوں پر گزارتا ہے تو ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم پر بھی مشکلات

آئیں گی، مصائب آئیں گے۔ مگر آخر کامیابی ہمارے لئے ہے۔ آپ لوگ عبادتیں کریں، دُعائیں مانگیں اور خدا تعالیٰ کی محبت اپنے دل میں پیدا کریں۔"

آخر میں اس موقعہ پر آنے والے احباب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا:-

"مَیں سب دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں ان کا بھی جو آج نئے ان کا بھی جو پرسوں آئیں گے۔ مَیں تمام سفر میں دُعا کرتا آیا ہوں کہ خدا تعالیٰ ان تمام دوستوں پر جو آج آئے اپنے خاص خاص فضل نازل فرمائے اور ان پر بھی فضل نازل کرے جو پرسوں آئیں گے"

۱۱ بجے کے بعد سپیشل ٹرین قادیان کو روانہ ہوئی اور حضور بذریعہ موٹر قادیان تشریف لائے جس سڑک سے موٹر گذری وہاں جاتے اور آتے ہوئے پولیس کا انتظام تھا۔"[1]

دُوسرا سفر:-

"مقدمہ کی دوسری تاریخ ۲۵ مارچ تھی۔ دشمنانِ سلسلہ کا خیال تھا کہ پہلے دن تو احمدی سپیشل ٹرین لے کر آگئے ہیں۔ اب کہاں آئیں گے اور حضرت امیر المومنین کو شاید اس دفعہ تنہا آنا پڑے گا۔ مگر جماعت میں اس قدر جوش تھا کہ لوگ یہ کہتے تھے کہ اگر ایک ماہ تک بھی ہم کو اسی طرح آنا پڑے گا تو ہمارے اخلاص و محبت میں کمی نہیں آئے گی۔ جماعت کے اس اخلاص کو دیکھ کر اور پُرزور مطالبہ کو سُن کر نیشنل لیگ کو ریلوے کو پھر تار دینی پڑی کہ گاڑی بھیجی جائے۔

چونکہ گاڑی کے متعلق مشہور تھا کہ وہ ساڑھے چھ بجے روانہ ہوگی اس لئے جماعت کے افراد اور قریب قریب کی جماعتوں کے سینکڑوں آدمی علی الصباح سٹیشن پر پہنچ گئے تھے۔

سٹیشن کا نظارہ بڑا دلفریب تھا۔ سینکڑوں آدمیوں کا اجتماع سٹیشن پر . . . . سالانہ جلسہ کی شان کا منظر پیدا کر رہا تھا۔ الفضل فروخت کرنے والے لڑکوں کی آوازیں ساکنینِ قادیان کے کانوں کو بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ یہ وہ بستی تھی جہاں کسی زمانہ میں معمولی خورد و نوش کی اشیاء تک میسّر نہ آتی تھیں۔ آج یہ حالت ہے کہ قادیان ہفتہ وار اخباروں کے علاوہ روزانہ اخبار کی اشاعت کا مرکز بنا ہوا ہے اور دیگر شہروں کی طرح ہم سُن رہے ہیں کہ لڑکے شور مچا رہے ہیں "آج کا تازہ پرچہ الفضل" ہماری یہ کامیابیاں دشمنوں کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹک رہی تھیں۔ دُور دُور تک لوگوں کی قطاریں افواج در افواج اور جوق در جوق سٹیشن کی طرف آ رہی تھیں۔

---

[1] "الحکم" ۲۸ مارچ - ۷ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۵-۷۔

روانگی کا جب وقت آیا تو عازمین گورداسپور نے دعاؤں کے لئے ہاتھ اٹھائے اور نہایت خشوع اور خضوع سے بارگاہِ ایزدی میں گڑگڑانے لگے۔ دعا کے ساتھ فدایان کو لے کر یہ گاڑی گورداسپور کو پونے آٹھ بجے روانہ ہوئی گاڑی اس قدر کھچا کھچ بھری ہوئی تھی کہ بہت سے لوگوں کو گورداسپور تک بیٹھنے کی جگہ نہ ملی۔

بٹالہ میں پہنچکر گاڑی نے انجن کا رُخ بدلنا تھا۔ اس لئے چند منٹ کا گاڑی کو قیام کرنا تھا۔ اس لئے سینکڑوں کی تعداد میں احباب گاڑی سے اُتر کر ٹہلنے لگے جس سے تمام سٹیشن بھر گیا۔ اس نظارہ کو دیکھنے کے لئے بہت سے غیر احمدی بھی سٹیشن پر جمع ہو گئے تھے جو پلیٹ فارم کے باہر سے دیکھ رہے تھے۔

حسب معمول اس دفعہ بھی جلوس کی شکل میں یہ قافلہ گورداسپور میں داخل ہوا۔ اور کیمپ میں جا کر اور کھانا کھا کر لوگ جوق در جوق عدالت کی طرف چل دیئے اور اس وقت تک وہیں کھڑے رہے۔ جبتک امیرالمومنین واپس تشریف نہیں لائے حضور کی واپسی پر آج بھی مشتاقانِ زیارت موٹر کے ساتھ دوڑے اور حضور کے دیکھنے سے سب کے چہروں پر خوشی اور مسرت کی لہریں چمکتی ہوئی نظر آتی تھیں۔

حضور نے کیمپ میں آکر کھانا تناول فرمایا اور ہزارہا آدمیوں کو ساتھ لے کر نماز پڑھی حضور دو بجے پھر تشریف لے گئے۔ آج بھی حضور کے جانے کے بعد ناظر صاحب دعوۃ وتبلیغ کی زیر صدارت حسب معمول جلسہ ہوا جس میں مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ اور مولانا ظہور حسین صاحب نے تقریریں کیں۔ مولانا شمسؔ نے حضرت مسیح موعودؑ کی مسیح ناصری سے مماثلت پیش کرتے ہوئے بتلایا کہ پہلے مسیح پر متوازی حکومت قائم کرنے کا الزام تھا۔ جیسے وہ الزام غلط تھا ویسے ہی یہ الزام غلط ہے۔ مگر اس الزام نے ایک اور مماثلت کو ثابت کر دیا۔

حضور کی واپسی کے وقت تک تمام مشتاقان دید پھر عدالت سے لے کر کیمپ تک جمع ہو گئے اور حضور کا پُرجوش طریق سے استقبال کر رہے تھے۔ حضور نے واپسی پر چند الفاظ میں تقریر فرمائی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

حضور نے فرمایا کہ:-

آج شہادت تو ختم ہو چکی ہے مگر پھر پرسوں کی تاریخ جرح کے لئے مقرر ہوئی ہے۔ احباب کو اس تکلیف سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ ان کے مقابلہ میں جو انعامات اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقرر فرمائے ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں۔ اگر وہ انعامات انسان کے سامنے رکھ دیئے جائیں تو انسان یہی کہے گا کہ اے میرے رب میری تو صرف یہی خواہش ہے کہ میں زندہ کیا جاؤں اور پھر تیری راہ میں مارا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر تیری راہ میں مارا جاؤں اور یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری رہے۔

تقریر کے بعد آپ نے احباب کو مصافحہ کا شرف بخشا اور پھر فرمایا کہ چونکہ اب گاڑی کا وقت بہت تنگ ہوچکا ہے اس لئے میں سب دوستوں کو جانے کی اجازت دیتا ہوں۔

اس کے بعد حضور بذریعہ موٹر واپس تشریف لے گئے اور سائیکل سوار والنٹیرز آگے اور پیچھے تھے اور خدام بذریعہ ریل واپس آگئے۔

چونکہ ۲۷ مارچ کو حضور نے سرکاری وکیل کی مکرر جرح کے لئے تشریف لانا تھا اس لئے احباب ۲۷ کو حضور کی معیت میں گورداسپور آنے اور حضور کے ساتھ رہنے کے لئے پُرجوش جذبہ لے کر واپس آئے۔" [1]

تیسرا سفر :۔

"تیسری مرتبہ حضور ۲۷ مارچ کو شہادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس سفر کے حالات بھی بالکل پہلے سفروں جیسے تھے مگر ان میں حسب ذیل اضافہ کیا جاتا ہے۔

فدائیان احمدیت کی عزت افزائی آج کے روز حضرت اقدس نے اپنے خدام کی عزت افزائی کیلئے بذریعہ ریل جانا منظور فرمایا۔ حضور بھی تھرڈ کلاس کے ڈبے میں سوار تھے اور اس طرح تمام احمدی مسافروں کی جو تیسرے درجے کا سفر کرتے ہیں عزت کو بڑھا دیا اور اب ہماری جماعت کے کسی غریب مسافر کو افسوس نہ ہوگا کہ وہ کیوں تیسرے درجے میں سفر کرتا ہے۔ کیونکہ اُسے معلوم ہوگا کہ اس کے سید و مولیٰ اپنے فدائیوں کے ساتھ تیسرے درجے میں سفر فرما چکے ہیں۔ حضور خدام کے اس زبردست جلوس میں گورداسپور کے سٹیشن سے کیمپ میں وارد ہوئے جہاں تھوڑی دیر قیام فرما کر حضور عدالت میں تشریف لے گئے۔ آج پہلے ہی وقت میں حضور فارغ ہوگئے۔

جلسہ نماز ظہر کے بعد ۳ بجے کوٹھی کے وسیع احاطہ میں زیر صدارت ناظر صاحب تبلیغ جلسہ ہوا۔ اس جلسہ کا پروگرام جناب مرزا عبدالحق صاحب (رنے) صدر انجمن احمدیہ گورداسپور کی طرف سے چھاپ کر شائع کر دیا ہوا تھا اس پروگرام کے ماتحت مولوی محمد نذیر صاحب مولوی فاضل نے پیشگوئیوں پر اعتراضات کے اصولی جواب اور مولانا شمس صاحب نے حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے اُن اعتراضات کا جواب دیا جو ایک روز قبل گورداسپور میں اپنی ایک تقریر کے دوران میں سلسلہ احمدیہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام (پر) کئے تھے۔ ۵ بجے حضرت امیرالمومنین جلسہ گاہ میں تشریف لائے اور ایک عظیم الشان تقریر ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا ٭ پر (حقایق و معارف سے پُر) فرماتے ہوئے احمدیت کی سچائی کو ایسے طریق سے پیش کیا جو

---

[1] "الحکم" ۲۸ مارچ - ۷ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۷۔

ہر شخص کے ذہن نشین ہوگیا۔ آج کے جلسہ میں گورداسپور کے ہندو، سکھ، عیسائی معززین کثرت سے شریک ہوئے ۶ بجے حضور نے تقریر ختم فرمائی اور دعا پر جلسہ ختم ہوا۔

بیعت کرنے والے ان تین ایام میں ۰ ۹ اشخاص داخل سلسلہ حقہ ہوئے۔ اللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ (آمین)

ریلوے میں نظارت امور عامہ کے ٹکٹ اور چیکر نظارت امور عامہ نے تین روز تک اپنی طرف سے ٹکٹ جاری کئے جن پر نمبر دے دیئے تھے تا کہ معلوم ہو سکے کہ کس قدر آدمی سفر کر رہے ہیں اور اس امر کے معلوم کرنے کیلئے کہ کوئی بغیر ٹکٹ سفر نہ کرے، خاص طور پر ٹکٹ چیک کرنے کے لئے آدمی مقرر کر رکھے تھے۔ اس طرح یہ سفر نہایت خیر و خوبی سے ۲۷ مارچ کی شام کو ختم ہوگیا۔ احرار یا ان کے معاونین نے جو سازش سلسلہ کے خلاف کی تھی خدا تعالیٰ کے فضل سے اُن کو اس میں منہ کی کھانی پڑی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؏"[1]

سفر گورداسپور سے متعلق غیروں کے تاثرات حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے مندرجہ بالا سفر احمدیت کی صداقت کا زبردست نشان تھے جسے دیکھ کر سنجیدہ طبع اور روشن خیال غیر احمدی بلکہ غیر مسلم اصحابؓ بزبان حال و قال پکار اٹھے کہ احرار نے جس جماعت کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا ادعا کر رکھا ہے وہ پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو چکی ہے اور احرار کی مخالفت اس کی قوت و شوکت میں اضافہ ہی کا موجب بنی ہے۔ اس تعلق میں بعض تاثرات کا ذکر کیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ایک مسلمان اخبار نویس کا تبصرہ ایک مسلمان اخبار نویس نے لکھا:-

"احرار یہ سمجھتے ہیں یا کم از کم دوسروں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ احمدیت کو بہت جلد فنا کر دیں گے چنانچہ وہ اسی قسم کے اعلانات شائع کر کے مسلمانوں سے کافی روپیہ جمع کر رہے ہیں۔ پچھلے دنوں قادیان میں جو احرار کانفرنس ہوئی اس کا مقصد بھی یہی ظاہر کیا جاتا تھا اور عوام کو یہ بتلایا جاتا تھا کہ قادیان میں احرار کی ایک کانفرنس ہوتے ہی احمدی قادیان کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے اور ہندوستان سے احمدیت کا قلع قمع ہو جائے گا۔ لیکن بقول شخصے ؎

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

احرار کے تمام منصوبے بگڑ گئے۔ احرار کانفرنس کے صدر امیر شریعت پنجاب، شیر خلافت ضیغم کانگریس بانی احرار کانفرنس مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے خلاف حکومت نے دو گروہوں کے درمیان

---

[1] "الحکم" ۲۸ مارچ - ۷ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۸ ؎

منافرت پھیلانے کے الزام میں مقدمہ چلایا۔ مولوی صاحب موصوف پر فرد جرم عائد ہو گیا۔ انہوں نے میرزا صاحب قادیان والہ کو صفائی کی شہادت میں پیش کیا۔ تین دن تک خلیفہ صاحب کی گواہی ہوتی رہی اور تینوں دن گورداسپور میں احمدیوں کا کثیر اژدھام رہا۔ شہر میں، کچہری میں، سڑکوں پر جدھر دیکھو احمدی ہی احمدی نظر آتے تھے۔ احمدیوں کے مخالفوں میں سے کئی خلیفہ صاحب کی زیارت کے لئے آتے رہے اور اُن کی نُورانی شکل دیکھ کر محو حیرت ہو جاتے تھے۔ احمدیوں کے انتظامات، اُن کی تنظیم اور باہمی اتحاد کے نظارے دیکھ کر اکثر لوگ بیحد متاثر ہوئے۔ شہر اور مضافات میں خلیفہ صاحب کی گواہی اور ان کے اعلیٰ اخلاق کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ ہم نے خود گورداسپور پہنچ کر تمام حالات کا بچشم خود مطالعہ کیا اور دیکھا کہ غیر احمدی مسلمان خلیفہ صاحب سے اُن کے مریدوں کی عقیدت دیکھ کر بیحد متاثر ہو رہے تھے اور ہر طرف احمدیوں کی تنظیم، اتحاد، خلوص اور دینداری کا تذکرہ تھا۔

خلیفہ صاحب ہر روز گواہی سے فارغ ہو کر شیخ محمد نصیب صاحب کی کوٹھی کے احاطہ میں ایک مختصر سا لیکچر دیتے رہے۔ آخری دن کی گواہی کے بعد جلسہ نہایت شاندار تھا۔ ہزاروں احمدیوں کے علاوہ جلسگاہ میں غیر احمدی مسلمان ہندو اور سکھ صاحبان بھی موجود تھے جہاں میرزا صاحب نے ایک شاندار تقریر فرمائی۔ غرض مسلمانوں کے خیالات میں احمدیوں کے متعلق بڑی حد تک تبدیلی واقع ہو گئی اور احرار نے احمدیوں کے خلاف مسلمانوں کے دلوں میں جو نفرت پیدا کر رکھی تھی وہ بڑی حد تک رفع ہو گئی۔ چنانچہ اکثر لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا گیا کہ احمدیوں کے متعلق احراری پراپیگنڈا کی تہہ میں کچھ ذاتی اغراض ہیں ورنہ یہ لوگ باقاعدہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ شکل و صورت سے پکے مسلمان دکھائی دیتے ہیں۔ آپس میں محبت جو مسلمانوں کی خصوصیت ہے ان لوگوں میں نظر آتی ہے درآنحالیکہ دوسرے مسلمان اس نعمت سے بڑی حد تک محروم ہو چکے ہیں۔

الغرض یہ تمام باتیں ہم نے اپنے کانوں سے سُنیں اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ احرار نے قادیان میں جلسہ کر کے اور پھر مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب نے خلیفہ صاحب کو شہادت میں طلب کر کے احمدیوں کو بہت زیادہ تقویت پہنچائی ہے۔ احمدیوں کے متعلق پڑھے لکھے مسلمانوں کی رائے پہلے کی نسبت بہت اچھی ہو چکی ہے اور اکثر تعلیمیافتہ نوجوان احمدیت کے متعلق ریسرچ میں لگ گئے ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شہادت کے تینوں دنوں میں کوئی ایک سو کے قریب غیر احمدی مسلمانوں نے بیعت کی۔ احمدیوں کو اس کامیابی پر بہت فخر ہے۔ چنانچہ چند احمدیوں نے بخاری صاحب کو امرتسر ریلوے اسٹیشن پر صاف صاف کہہ دیا کہ آپ کی مساعی ہمارے لئے عمدہ پھل لارہی ہیں اور ہم آپ کے شکر گزار ہیں جس کے جواب میں مولوی صاحب نے فرمایا۔ ہمیں بھی سلسلہ احمدیہ سے کوئی عداوت نہیں، ہاں ہم جہاد کے متعلق مرزا صاحب کی تعلیم کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ اگر خلیفہ صاحب اس میں ترمیم کر دیں۔ تو باقی باتوں کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔"[۱]

اخبار "احسان" کا نوٹ

اخبار "احسان" (لاہور) نے ۲۵ر مارچ ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں لکھا :۔

" خلیفہ قادیان کے ایک ہزار مُرید سپیشل ٹرین میں آئے۔ اور چار ہزار کے قریب اشخاص ادھر اُدھر سے جمع ہو گئے۔ سب سے زیادہ تعداد لاہور سے آئی۔ مرزائی کیمپ میں کھانے کا وسیع پیمانہ پر انتظام تھا " [۲]

ایک سکھ صحافی کا تبصرہ

سردار ارجن سنگھ ایڈیٹر اخبار "رنگین" نے اپنی کتاب "خلیفہ قادیان" میں "خلیفہ قادیان کا استقبال" کے زیر عنوان لکھا :۔

" یہ بات تو ظاہر ہے کہ مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب کا دعویٰ ہے کہ وہ آٹھ کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کے نمائندہ ہیں۔ برخلاف اس کے خلیفہ قادیان کے تابعدار ایک لاکھ کے قریب ہوں گے۔ مگر ناظرین یہ سُنکر حیران ہوں گے کہ ان تاریخوں پر جبکہ خلیفہ صاحب شہادت دینے کے لئے آتے رہے۔ گورداسپور میں احمدیوں کی تعداد دس ہزار کے قریب ہوتی تھی جبکہ دوسرے مسلمان شاید ایک سو بھی موجود نہ ہوتے تھے۔ اس سے خلیفہ صاحب اور مولوی صاحب کے اثر کا موازنہ ہو سکتا ہے کہ ایسی جماعت جس کے ارکان سارے پنجاب میں پچپن ہزار بیان کئے جاتے ہیں اپنے خلیفہ کے درشنوں کے لئے دس ہزار کی تعداد میں حاضر ہوتے ہیں اور اس جماعت کے جس کے ارکان صرف گورداسپور میں ہی دس ہزار سے زائد ہیں ایک سو بھی جمع نہیں ہوئے۔ حالانکہ مقدم الذکر صرف گواہ کی حیثیت میں آتے ہیں اور دوسرے بزرگ پر مقدمہ بھی چل رہا ہے۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کا دعوے حقیقت سے کوسوں دور ہے اور خلیفہ صاحب کے مُرید اُن کے حقیقی جان نثار اور سچے دل سے

---

[۱] " الفضل " قادیان مورخہ ۵ر اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۰۔ [۲] بحوالہ " الفضل " ۲۱ر مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ کالم ۳۔

وفسادار ہیں۔

یہ منظر سبق آموز تھا

اس منظر کے دیکھنے سے دل پر ایک خاص اثر ہوتا تھا۔ مَیں خود آخری روز وہاں موجود تھا۔ مجھے رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ آخر اس شخص نے پہلی جون میں کون سے ایسے کرم کئے ہیں جن کے صلہ میں اسے یہ عقل کو حیران کرنے والا عروج حاصل ہوا ہے۔ میں ہی اس نظارہ کو دیکھ کر حیران نہ تھا۔ بلکہ میں نے دیکھا کہ غیر احمدی مسلمان بھی (یہ) اثر لے رہے تھے۔ مَیں نے بازار میں لوگوں کو باتیں کرتے سُنا کوئی ظاہرا شان وشوکت کی تعریف کرتا تھا کوئی مُریدوں کی عقیدت کو سراہ رہا تھا۔ کوئی جماعت کی تنظیم کی داد دیتا تھا۔ کوئی کہتا تھا آخر یہ گروہ عبادت میں اور اس کے احکام کی پیروی میں امتیاز رکھتا ہے۔ الغرض مَیں نے دیکھا کہ غیر احمدی مسلمانوں میں سے بہت سے تعریفیں کر رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُن کے دلوں پر خاص اثر ہو رہا ہے۔

آخر یہ کیوں؟

مَیں حیران تھا کہ اپنے جیسے انسان کا درشن پانے کے لئے یہ ہزارہا انسان جو سرگردان پھر رہے ہیں کیا یہ تمام غلطی یا جعل سازی کا شکار ہو رہے ہیں جبکہ ان کی اکثریت تعلیمیافتہ ہے اور ان میں بڑے بڑے تجربہ کار اور جہاندیدہ بزرگ بھی موجود ہیں۔

مَیں سوچتا تھا کہ کیا جھوٹ اور فریب سالہا سال تک پھل لاسکتا ہے پچاس سال سے زائد عرصہ ہوا جبکہ اس فرقہ کے بانی نے اپنے آپ کو دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ اگر وہ محض فریب کار تھا تو کیا فریب میں یہ طاقت ہے کہ وہ نصف صدی تک بڑھتا اور پھُولتا چلا جائے یقیناً دھوکا بازی اور فریب کاری کی تو صرف اتنی ہی حیثیت ہوتی ہے کہ ؎

اگر مانند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

لیکن یہاں یہ حالت ہے کہ تیسرا دَور آتا ہے اور ہر دَور میں پہلے سے زیادہ قوت وطاقت کے ساتھ یہ گروہ بڑھتا اور پھُولتا جا رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جماعت کے دُعاوی میں ضرور سچائی ہے اور اس گروہ کو بالضرور واہگُوروجی کی شکتی حاصل ہے۔"

احرار غور کریں

"احراری بھی ایک مذہبی جماعت ہیں۔ ان کا بھی ایک امیرِ شریعت ہے جس کے ہاتھ پر لوگ اسی

طرح بیعت کرتے ہیں جس طرح خلیفہ قادیان کے ہاتھ پر۔ پھر احرار اپنے آپ کو سچائی کے پاسبان سمجھتے ہیں اور قادیانی جماعت کو غلط راہ پر قرار دیتے ہیں۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ احراری امیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کے دلوں میں اپنے امیر کے لئے نہ وہ قربانی کا جذبہ ہے اور نہ ہی وہ عقیدت ہے جو خلیفہ قادیان کے مُریدوں کے دلوں میں ہے۔ کیا کبھی احرار نے غور کیا ہے کہ اس کا کیا کارن ہے کہ ان کی سچائی (جسے وہ خود سچائی قرار دیتے ہیں) وہ رنگ نہیں لارہی جو بقول احرار خلیفہ قادیان کا دجل و فریب رنگ لارہا ہے۔ کیا آجکل ایشور نے اپنا اصول بدل دیا ہے؟ اور کیا ؎

صداقت آمد و باطل رواں شد
طلوع شمس شد شپّر نہاں شد

کا کلیہ بدل گیا ہے، ہرگز نہیں۔ واہگورو جی کے نیم اٹل ہیں۔ خدا کے قاعدے کبھی نہیں بدلتے اور میں تو میرزا جی کی اس کتھا کی تائید کرتا ہوں۔ کہ ؎

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولا سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

اس لئے اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ احمدیہ تعلیم کے اندر کچھ ایسی کشش ضرور موجود ہے جس کی وجہ سے لوگ اس کی طرف کھینچے آرہے ہیں اور خلیفہ قادیان میں کوئی ایسے جوہر یقیناً ہیں جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور پھر لُطف یہ ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ اس جماعت میں شامل ہو جاتا ہے وہ دیوانہ ہو جاتا ہے یہانتک کہ جن لوگوں کو خلیفہ صاحب کے مذہبی عقائد سے اختلاف ہے وہ بھی آپ کی سیاسی رہنمائی کو ضروری خیال کرتے ہیں چنانچہ مسلمانوں کے بڑے بڑے لیڈر مثلاً خواجہ حسن نظامی جو مسلمانوں کے سیاسی رہنما ہی نہیں بلکہ مذہبی گورو بھی ہیں خلیفہ صاحب سے سیاسی بل و رتن کے حق میں ہیں۔ اسی طرح میاں سر فضل حسین وغیرہ بہت سے اسلامی سیاستدان احمدیوں سے تعاون کر رہے ہیں مگر احراریوں سے کو اپریشن کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں چنانچہ احمدی مسلمانوں کی سب سے بڑی سیاسی جماعت مسلم لیگ کانفرنس کے ممبر ہیں۔ اور یہ جماعت بھی مسلم لیگ کانفرنس کے اصولوں کی حامی ہونے کے علاوہ ہر قسم کی مدد کرتی رہتی ہے۔ الغرض سوائے جماعت احرار کے تمام مسلمان سیاستدان احمدیوں سے مذہبی عقیدوں میں اختلاف رکھنے کے باوجود ان سے

تعاون کے حق میں ہیں اور خلیفہ قادیان بیشک مبارکباد کے مستحق ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے اندر اس قدر رسوخ پیدا کر لیا ہے"[۱]

انجمن حمایت اسلام اور جماعت احمدیہ

انجمن حمایت اسلام (لاہور) ایک مشہور قومی ادارہ ہے جس کی بنیاد جمادی الاوّل ۱۳۰۱ھ مطابق مارچ ۱۸۸۴ء میں رکھی گئی۔[۲] اس قومی ادارہ سے جماعت احمدیہ کے بزرگوں کا ابتداء ہی سے بڑا گہرا تعلق رہا ہے۔ جیسا کہ "تاریخ احمدیت" جلد چہارم صفحہ ۱۰۴-۱۰۶ میں تفصیل آچکی ہے۔ خلافت ثانیہ کے اوائل سے ۱۹۳۵ء تک انجمن سے احمدیوں کے مراسم برابر قائم رہے اور وہ اس کے پلیٹ فارم پر قومی و تعلیمی خدمات بجالاتے چلے آرہے تھے مگر ۱۹۳۵ء میں احراری تحریک کے زیر اثر انجمن حمایت اسلام کی مستقل پالیسی میں یہ تغیر واقع ہوا کہ اس خالص تعلیمی انجمن کے سٹیج پر اختلافی مسائل کا چرچا کر کے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کے خلاف ریزولیوشن پاس کیا گیا۔[۳] یہ واقعہ کس افسوسناک ماحول اور ہلڑبازی

---

[۱] "خلیفہ قادیان" صفحہ ۲۰ تا ۲۴۔

[۲] انجمن حمایت اسلام کے اغراض و مقاصد یہ تھے کہ:۔

۱۔ معترضین اصول مذہب مقدس اسلام کے جواب تحریری یا تقریری تہذیب کے ساتھ دینے اور اس مقدس مذہب کے اصول کی حمایت اور اشاعت کرنی۔

۲۔ مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کی دینی اور دنیوی تعلیم کا انتظام کرنا تاکہ غیر مذہب والوں کی تعلیم کے اثر سے محفوظ رہیں۔

۳۔ لاوارث مفلس یتیم مسلمان بچوں کی پرورش اور تربیت کا انتظام کرنا اور مفلس مسلمان بچوں کی تعلیم میں حتی الوسع امداد دینا تاکہ وہ غیر مذہب والوں کے پنجے میں پڑ کر دین اور ایمان سے ہاتھ دھو کر عذاب آخرت کے مستحق نہ بنیں۔

۴۔ اہل اسلام کو اصلاح طرز معاشرت و تہذیب اخلاق اور تحصیل علوم دینی و دنیوی اور باہمی اتفاق اور اتحاد کا شوق دلانا اور ان کی بہتری اور ترقی کے وسائل کو پیدا کرنا اور تقویت دینا۔

۵۔ اہل اسلام کو گورنمنٹ کی وفاداری اور نمک حلالی کے فوائد سے آگاہ کرنا۔

۶۔ ان مقاصد کی تکمیل کے واسطے واعظوں کے تقرر اور رسالے کے اجراء وغیرہ وسائل کو عمل میں لانا۔

اس انجمن کے قواعد میں سرفہرست یہ قاعدہ تھا کہ

"اہل اسلام کے ہر فرقے کا آدمی خواہ وہ کہیں ہو اس انجمن کا ممبر ہو سکتا ہے"

(ماہواری رسالہ انجمن حمایت اسلام لاہور مطابق اپریل، مئی و جون ۱۸۹۸ء سرورق صفحہ ۲)

[۳] ۱۹۳۵ء میں فرقہ پرستی اور تعصب کا جو زہر پھیلایا گیا اُس کا نتیجہ اگلے ہی سال (۱۹۳۶ء میں) انجمن حمایت اسلام کی رکنیت سے احمدیوں کے اخراج کی صورت میں نمودار ہوا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اخبار "پیغام صلح" لاہور ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۳، ۳۰ فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۱، ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۲)۔ انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے ایک سرگرم ممبر نے کسی زمانہ میں واقعی ٹھیک کہا تھا کہ "یہی ایک نرالی انجمن ہے جہاں اُس کے خادموں کو یُوں بے قدری اور ذلّت سے نکالا جانا تجویز کیا جاتا ہے" (ماہوار رسالہ انجمن حمایت اسلام بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ مطابق جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۲۱)

کے ہنگامہ میں ہوا۔ اس کی تفصیل مشہور معاند احمدیت مولوی ثناء اللہ صاحب کے قلم سے پڑھئے۔ لکھتے ہیں:۔

"انجمن حمایت اسلام لاہور کا جلسہ ہمیشہ امن و امان سے ہوتا تھا کیونکہ اس میں اسلام کے امور عامہ پر تقریریں ہوتی تھیں۔ مگر اس دفعہ پروگرام میں خلاف معمول مضامین مخصوصہ پر تقریریں بھی درج تھیں مثلاً ختم نبوت وغیرہ۔ ہم جانتے ہیں کہ مسئلہ ختم نبوت بھی اسلام کے امور عامہ میں سے ہے۔ مگر چونکہ پنجاب میں فرقہ قادیانیہ ختم نبوت کا قائل نہیں اس لئے لازم تھا کہ تقریر میں اس فریق کا ذکر یا اشارہ ہوتا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خیر یہ تو ایک معمولی بات تھی جو آ گئی ہو گئی۔ خاص قابل ذکر بات جو ہوئی وہ یہ ہوئی ہے کہ . . . . . . مسلمانوں نے آوازے کسنے شروع کر دیئے کہ وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل میں چودھری ظفر اللہ خاں احمدی کے ممبر ہونے کے خلاف جلسۂ انجمن میں رزلیوشن پاس کیا جائے۔ لیکن کارکنانِ انجمن مذکور اپنے اصول کے ماتحت اس سے انکاری رہے۔ حاضرین جلسہ (مسلمانوں) کا جم غفیر اس امر پر مصر تھا۔ ۲۲ اپریل کو بعد دوپہر مغرب تک جلسے میں یہی شور محشر رہا۔ آخر کار وہی جماعت مولوی ظفر علیخاں آف زمیندار کو لے آئی اور سٹیج پر تقریر کرا کر اپنے حسب منشاء رزولیوشن پاس کرا لیا۔ کیا یہ رزولیوشن انجمن کا ہوگا یا پبلک کا اس کا فیصلہ انجمن کی روئداد کرے گی"[1]

اخبار "سیاست" (۱۴ رمئی ۱۹۳۵ء) نے اس افسوسناک کارروائی کی ذمہ واری صدر انجمن حمایت اسلام علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب پر ڈالی اور یہ رائے دی کہ:۔

"علامہ سر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب اُمّتِ مرحومہ کے ایسے فرد ہیں جن کے وجود پر ہر مسلمان فخر و ناز کر سکتا ہے لیکن افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے اعتیاج اور اس سے زیادہ حاشیہ نشینوں کے گمراہ مشورہ نے سر موصوف کو ایسے راستہ پر لگا دیا ہے جو ڈاکٹر صاحب کو کعبہ مفاد ملت کے خلاف لے جا رہا ہے۔ آپ انجمن کے صدر ہیں۔ چاہئیے یہ تھا کہ جلسۂ انجمن کی بربادی سے آپ آزردہ خاطر ہوتے اور جن لوگوں نے یہ حماقت کی تھی اُن کو ڈانٹ بتاتے اور یوں ملّتِ مرحومہ پر واضح کر دیتے کہ آپ احرار کی فتنہ آرائی کو معیوب سمجھتے ہیں۔ اور آپ کو انجمن کی عزّت کا لحاظ ہے۔ آپ سے خصوصاً یہ توقع اس وجہ سے بیجا نہ تھی کہ آپ بحیثیت صدر یہ کر سکتے تھے کہ احرار کی شرارتوں کے مظاہرہ اوّل کے بعد فی الفور انجمن کی کونسل کا جلسہ بُلا کر ارکانِ انجمن سے کہدیتے کہ ہماری رائے میں احرار کا مطالبہ جائز ہے۔ آپ اس قسم کا ریزولیوشن

---

[1] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر ۳ رمئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۷

قبول کرلیں اور تحریر پیش کر دیں۔ یوں سر اقبال بہ یک وقت مسلمانوں کی سب سے بڑی انجمن کی مناسب رہنمائی بھی کرتے اور فتنہ وفساد بھی بند ہو جاتا۔ لیکن افسوس ہے کہ علامہ اقبال نے اس جرأت سے کام نہ لیا۔ اور منہ میں گھنگھنیاں ڈالے انجمن کی رسوائی کا تماشہ دیکھا کئے۔ جلسہ کے بعد جب یہ سوال پیش ہوا کہ مولانا ظفر علی صاحب کی تحریک پر جو قرارداد انجمن کے پلیٹ فارم سے چوہدری ظفراللہ خاں کے خلاف منظور ہوئی ہے۔ اس کی تائید یا تردید کی جائے تو ڈاکٹر صاحب نے پھر اپنی اخلاقی کمزوری کا مظاہرہ کیا اور دلیری سے یہ کہنا مناسب نہ جانا کہ احرار کی حرکت مناسب تھی یا غیر مناسب بلکہ خود خاموش رہنا پسند کیا اور ارکان انجمن کو خاموش رہنے کا مشورہ دیا۔ میں کہتا ہوں اور ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ علامہ اقبال کی شخصیت و اہمیت کے رہنما کا فرض تھا کہ وہ قوم کی علی رُؤس الاشہاد رہنمائی کرتا اور اگر احرار کی تحریک صحیح تھی تو اس کی تائید کرتا اور اگر معیوب تھی تو اس کی مخالفت کرتا لیکن علامہ اقبال نے ایسا نہ کیا"[۱]

مجلس مشاورت میں حضرت امیرالمومنینؓ کا احمدی نوجوانوں اور احمدی بچوں سے عہد لینا

اس سال ۱۹، ۲۰، ۲۱ اپریل ۱۹۳۵ء کو قادیان میں مجلس مشاورت کا انعقاد ہوا۔ اس مجلس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ حضرت امیرالمومنینؓ نے اپنی افتتاحی تقریر میں یہ وضاحت فرمائی کہ:۔

"اس وقت ہم جنگ کے میدان میں کھڑے ہیں اور جنگ کے میدان میں اگر سپاہی لڑتے لڑتے سو جائے تو مر جاتا ہے۔ ہمارے سامنے نہایت شاندار مثال ان صحابہ کی ہے جن کے مثیل ہونے کے ہم مدعی ہیں۔ ایک دفعہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، یہ جھنڈا وہ لے جو اس کا حق ادا کرے۔ ایک صحابی نے کہا یا رسُول اللہ مجھے دیں۔ آپ نے اس کو دے دیا۔ جنگ میں جب اس کا ہاتھ کاٹا گیا جس سے اُس نے جھنڈا اٹھایا ہوا تھا تو اس نے دوسرے ہاتھ سے تھام لیا اور جب دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا تو لاتوں میں لے لیا۔ اور جب ٹانگیں کاٹی گئیں تو مُنہ میں پکڑ لیا۔ آخر جب اس کی گردن دشمن اُڑانے لگا تو اُس نے آواز دی۔ دیکھو مسلمانو اسلامی جھنڈے کی لاج رکھنا اور اُسے گرنے نہ دینا۔ چنانچہ دوسرا صحابی آگیا۔ اور اُس نے جھنڈا پکڑ لیا۔ آج ہمارے جھنڈے کو گرانے کی بھی دشمن پُوری کوشش کر رہا ہے اور سارا

---

[۱] "الفضل" ۱۵ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۸-۹ کالم ۲-۴ قادیان

زور لگا رہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمیں جو جھنڈا دے گئے ہیں، اُسے گرا دے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ اُسے اپنے ہاتھوں میں پکڑے رہیں اور اگر ہاتھ کٹ جائیں تو پاؤں میں پکڑ لیں اور اگر اس فرض کی ادائیگی میں ایک کی جان چلی جائے تو دوسرا کھڑا ہو جائے اور اس جھنڈے کو پکڑ لے۔ میں ان نمائندوں کو چھوڑ کر ان بچوں اور نوجوانوں سے جو اُوپر بیٹھے سُن رہے ہیں، کہتا ہوں۔ ممکن ہے یہ جنگ ہماری زندگی میں ختم نہ ہو گو اس وقت لوہے کی تلوار نہیں چل رہی۔ لیکن واقعات کی، زمانہ کی اور موت کی تلوار تو کھڑی ہے۔ ممکن ہے یہ چل جائے۔ تو کیا تم اس بات کے لئے تیار ہو کہ اس جھنڈے کو گرنے نہ دو گے؟ (اس پر سب نے بیک آواز لبیک کہا) ہمارے زمانہ کو خدا اور اس کے رسول نے آخری زمانہ قرار دیا ہے اس لئے ہماری قربانیاں بھی آخری ہونی چاہئیں۔ ہمیں خدا تعالیٰ نے دُنیا کی اصلاح کے لئے چُنا ہے۔ اور ہم خدا تعالیٰ کی چُنیدہ جماعت ہیں۔ ہمیں دُنیا سے ممتاز اور علیحدہ رنگ میں رنگین ہونا چاہیئے صحابہؓ ہمارے ادب کی جگہ ہیں۔ مگر عشق میں رشک پیاروں سے بھی ہوتا ہے۔ پس ہمارا مقابلہ اُن سے ہے جنہوں نے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوش بدوش جنگیں کیں اور اپنی جانیں قربان کیں۔ ہم اُن کی بیحد عزت کرتے اور توقیر کرتے ہیں۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اُن کی قربانیوں پر رشک نہ کریں اور اُن سے بڑھنے کی کوشش نہ کریں"۔[1]

فصل دوم

ڈاکٹر سر محمدؐ اقبال صاحب کا بیان جماعت احمدیہ کی نسبت

سالانہ جلسہ انجمن حمایت اسلام کی ہنگامہ آرائی کے چند روز بعد ڈاکٹر سر محمدؐ اقبال صاحب نے ۳ مئی ۱۹۳۵ء کو ایک طویل بیان دیا جو اخبار "زمیندار" اور "احسان" میں شائع ہوا۔ اس بیان میں آپ نے مطالبہ کیا کہ حکومت جماعت احمدیہ کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دے۔ اس عجیب وغریب مطالبہ کی معقولیت ثابت کرنے کے لئے مسئلہ ختم نبوت کی خود ساختہ فلسفیانہ تشریح[2] کا سہارا لیکر اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ :-

---

[1] "رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۵ء صفحہ ۹۲-۹۳" ۔ [2] اقبال صاحب کے تصور ختم نبوت پر انہی دنوں جناب حقانی صاحب ایم اے پروفیسر علامہ سید عبدالقادر صاحب بھاگلپوری اور جناب امیر عالم صاحب پٹیالوی نے نہایت قابل قدر، معرکۃ الآراء اور (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"میرے نزدیک . . . . بہائیت قادیانیت سے کہیں زیادہ مخلص ہے کیونکہ وہ کھلے طور پر اسلام سے باغی ہے" ؎

نیز لکھا :-

"ہندوستان میں حالات بہت غیر معمولی ہیں۔ اس ملک کی بیشمار مذہبی جماعتوں کی بقا اپنے استحکام کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ جو مغربی قوم یہاں حکمران ہے اس کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ مذہب کے معاملہ میں عدم مداخلت سے کام لے۔ اس پالیسی نے ہندوستان ایسے ملک پر بد قسمتی سے بہت بُرا اثر ڈالا ہے جہانتک اسلام کا تعلق ہے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ **مسلم جماعت کا استحکام اس سے کہیں کم ہے جتنا حضرت مسیحؑ کے زمانہ میں یہودی جماعت کا رومن کے ماتحت تھا**۔ ہندوستان میں کوئی مذہبی سٹے باز اپنی اغراض کی خاطر ایک نئی جماعت کھڑی کر سکتا ہے اور یہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- فاضلانہ مضامین لکھے تھے جو "الفضل" (۱۹۳۵ء) میں شائع ہوئے۔ اسی طرح "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی جون ۱۹۳۵ء میں بھی ایک اہم مقالہ شائع ہوا۔ سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی ڈاکٹر سر محمد اقبال اور ان کے ہمنواؤں کے نظریہ ختم نبوت کی تغلیط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:- "جو لوگ ختم نبوت کی یہ توجیہہ کرتے ہیں کہ انسانی شعور کو اس کی ضرورت نہیں رہی تو وہ دراصل سلسلہ نبوت کی توہین اور اس پر حملہ کرتے ہیں۔ اس تعبیر کے معنی یہ ہیں کہ صرف ایک خاص شعوری حالت تک ہی اس ہدایت کی ضرورت ہے جو نبی لاتے ہیں۔ اس کے بعد انسان نبوت کی رہنمائی سے بے نیاز ہو گیا ہے"

(رسالہ "ترجمان القرآن" لاہور بابت ستمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۳۱ تا ۲۳۴ جلد ۴۲ نمبر ۶)

حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا: ؎ سر محمد اقبال صاحب کا دعویٰ ہے کہ اسلامی حقائق و معارف میں نے مولانا رومیؒ سے حاصل کئے ہیں مگر انہوں نے "ختم نبوت" کے جس فلسفیانہ تخیل کی بناء پر "قادیانیت" کو بہائیت کے مقابل اسلام کا باغی قرار دیا وہ تخیل مولانا رومیؒ کے نقطہ نگاہ سے بالکل مختلف ہے۔ مولانا روم نے تو ختم نبوت کی تفسیر ہی یہ فرمائی ہے کہ:-

؎ ختم ہائے کانبیا بگذاشتند - آں بدین احمدی برداشتند ٭ قفل ہائے ناکشادہ ماندہ بود -
از کف انّا فتحنا بر کشود ٭ بہر ایں خاتم شدست او کہ بجود - مثل او نے بود نے خواہند بود ٭
چونکہ در صنعت برد استاد دست - نے تو گوئی ختم صنعت بر تو ہست (مثنوی دفتر ششم)

علامہ سید عاشق حسین صاحب سیماب اکبر آبادی نے ان اشعار کو اردو نظم میں یوں ڈھالا ہے:-

؎ تا چلے گو راہ ختم مرسلاں - ٹوٹ جائے لب کی یہ مُہر گراں ٭ اگلے نبیوں نے جو مُہریں چھوڑ دیں -
دین احمد نے وہ مُہریں توڑ دیں ٭ بے کھلے تھے قفل مدت سے پڑے - اب وہ سب انّا فتحنا سے کھلے ٭
ختم یوں پیغمبری اُن پر ہوئی - کوئی اُن سا تھا نہ پھر ہوگا کوئی ٭ کرتا ہے اُستاد جب صنعت کوئی -
کہتے ہیں بس ختم ہے صنعت گری ٭ (الہام منظوم ترجمہ اردو مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ دفتر ششم، علامہ سید عاشق حسین صاحب سیماب اکبر آبادی صفحہ ۱۹ - ناشران ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل لاہور)

لبرل حکومت اصل جماعت کی وحدت کی ذرّہ بھر پروا نہیں کرتی بشرطیکہ یہ مدّعی اسے اپنی اطاعت اور وفاداری کا یقین دلا دے اور اس کے پیرو حکومت کے محصول ادا کرتے رہیں " [۱]

اخبار "سیاست" کا اداریہ

ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے اس بیان پر مسلم پنجاب کے مقتدر اور با اثر اخبار "سیاست" نے ۱۴-۱۵ مئی ۱۹۳۵ء کی اشاعتوں میں حسب ذیل اداریہ لکھا :-

" سر اقبال اگر چاہتے تو جو زبان انہوں نے استعمال کی ہے اس سے بہتر زبان استعمال کر سکتے تھے۔ لیکن خیر یہ اُن کے اختیار کی بات ہے کہ وہ اظہار جذبات میں اعتدال سے کام لیں یا نہ لیں ، مجھے اور دوسرے مسلمانوں کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ علامہ اقبال کا استدلال کہاں تک حق بجانب ہے۔

علاّمہ ممدوح کے اس بیان میں ختم نبوّت کے متعلق جو کچھ موجود ہے ، سیاست اس کا مؤیّد ہے اور اس کو آبِ زر سے لکھنے کے قابل سمجھتا ہے۔ علامہ ممدوح نے اس بیان میں حضرت مسیح علیہ السّلام کی بعثت ثانیہ اور حضرت مھدی علیہ السّلام کے ظہور کا انکار کیا ہے اور اس کو مجوسیوں یہودیوں اور نصرانیوں کا خیال ظاہر کر کے لکھا ہے کہ جاہل مولویوں نے ان عقائد کو اغیار سے لے کر عام کر دیا جس کی وجہ سے اسلام میں فتنے پیدا ہو چکے اور ہو رہے ہیں۔ "سیاست" نے اس پر لکھا کہ اگر علاّمہ اقبال علمائے احناف وغیرہ کو بُلا کر اُن کے روبرو اپنا نظریہ پیش کریں اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہو جائے کہ نزول مسیح و ظہور مہدی محض ڈھکوسلہ ہی ڈھکوسلہ ہے تو اس سے تحریک قادیان کو اس قدر ضرر پہنچے گا کہ احرار کی فتنہ آرائی ، افتراق پروری ، نفاق انگیزی ، چندہ بازی ، اور دشنام طرازی سے ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ تعجب ہے کہ سالہا سال سے احمدیوں اور غیر احمدیوں میں جنگ عقائد جاری ہے۔ لیکن علاّمہ اقبال سے آج تک یہ بن نہیں پڑا کہ وہ ایک رسالہ یا مضمون لکھتے یا لیکچر ہی دے کر یہ کہتے کہ مسیح موعود و مہدی کی آمد کا خیال ہی شریعت حقہ سے بیگانہ ہے۔ لیکن اب بھی کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ میں

---

[۱] " حرف اقبال" صفحہ ۱۱۶ - ۱۱۷ - مؤلفہ لطیف احمد شروانی ایم۔اے۔ ناشر ایم ثناء اللہ خاں ۲۶۔ ریلوے روڈ لاہور۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب برطانوی حکومت کی تعریف و توصیف اور اطاعت و وفاداری جس جذبہ شوق اور جوش و خروش سے فرماتے رہے اس کے بکثرت نمونے " باقیات اقبال " (مرتبہ سید عبد الواحد صاحب معینی ایم۔اے آکسن) میں ملتے ہیں۔ اس کتاب میں ملکہ وکٹوریہ (صفحہ ۷۲) سر میکورتھ ینگ لیفٹیننٹ گورنر پنجاب (صفحہ ۹۷) جارج پنجم (صفحہ ۲۰۶) سر مائیکل اوڈوائر گورنر پنجاب (صفحہ ۲۱۶) جشن فتح جنگ عظیم اوّل (صفحہ ۲۳۷) سائمن کمیشن (صفحہ ۲۴۰) کی نسبت شاعر مشرق کے خیالات و افکار اور مراثی و قصائد خصوصاً قابل مطالعہ ہیں۔ ان کے چند نمونے تاریخ احمدیت جلد ۷ صفحہ ۴۰۵ تا ۴۰۷ پر بھی درج ہیں ؛

علامہ اقبال سے بمنت عرض کروں گا کہ وہ ملتِ مرحومہ کے دل سے اس خیال باطل کو نکالنے کے لئے عملی تدابیر اختیار فرما کر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں۔

علامہ اقبال نے اپنی تحریر زیر بحث میں حکومت پر مرزائیت نوازی کا الزام لگایا ہے "سیاست" حکومت سے مطالبہ کر چکا ہے اور اس مطالبہ کی اب تجدید کرتا ہے کہ وہ اس خیال کی تردید یا تصدیق کرے اس لئے کہ علامہ ممدوح کی اعلیٰ حیثیت کے مسلمان کی طرف سے ایسا الزام لگنے کے بعد حکومت کی خاموشی مجرمانہ ہو گی۔ علامہ ممدوح نے اپنے بیان میں رائج الوقت آزادیٔ عقائد کو مضر بتایا ہے۔ لہٰذا "سیاست" نے آپ سے بہ ادب التجا کی ہے کہ آپ براہِ نوازش فرمائیں کہ آپ انگریزوں سے کیا توقع رکھتے ہیں کہ وہ آزادیٔ عقائد پر کون کونسی پابندیاں عائد کریں تاکہ مرزائی فرقہ کی طرح کے مختلف گروہ پیدا ہی نہ ہو سکیں۔ تاہم "سیاست" نے بہ ادب علامہ اقبال کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا تھا کہ چکڑالوی اور مرزائی فرقہ کے علاوہ ملت میں جس قدر فرقے نمودار ہوئے وہ سب ہندوستان سے اور انگریزوں کی حکومت کے حلقۂ اثر سے باہر پیدا ہوئے لہٰذا حکومت حاضرہ کی روش کو افتراق بین المسلمین کا سبب قرار دینا کچھ صحیح نظر نہیں آتا۔

علامہ اقبال نے اس بیان میں احرار کی موجودہ شرارت کے جواز کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ ختم نبوت سے انکار کی وجہ سے مسلمانوں میں جو اختلاف پیدا ہوا ہے یہ ہر پہلے اختلاف سے بدتر ہے اگرچہ شیعہ اور سُنّی، حنفی اور وہابی اور دوسرے ایسے جھگڑوں کے متعلق ڈاکٹر صاحب کی رائے سے مجھے اختلاف ہے اور میں آپ سے عرض کر سکتا ہوں کہ شیعہ اور سُنّی اور حنفی اور وہابی اسی طرح یکجا نماز نہیں پڑھتے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات ازدواج قائم نہیں کرتے جیسے احمدی اور غیر احمدی۔ تاہم اس دلیل کو ترک کر کے میں علامہ ممدوح سے استصواب کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ کیوں چودھری ظفر اللہ خاں کے تقرر کے بعد اُن کی محبتِ ختم رسل (فداہ ابی و امی) میں جوش آیا اور کیوں اس سے پہلے وہ اس میدان میں نہ اُترے حالانکہ اس فتنہ کی عمر کشمیر کمیٹی اور چودھری صاحب کے تقرر سے کوئی تیس سال کے قریب زیادہ ہے۔ کیا وجہ ہے کہ چودھری صاحب کے رُکن پنجاب کونسل منتخب ہونے کے وقت یا ان کے سائمن کمیٹی کا ممبر منتخب ہونے پر یا ان کے اول مرتبہ سر فضل حسین کی جگہ مقرر ہونے پر یا مرزائیوں کی متعدد دیگر تحریکات کے زمانہ میں آپ نے اس گروہ کے خلاف علم جہاد بلند نہ کیا؟

علامہ اقبال کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ وہ مرزائیوں کی سیاسی مخالفت کے جواز میں اتحاد ملت کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ وگر بالفرض اس بات سے قطع نظر بھی کر لی جائے کہ احمدیوں کے سیاسی لحاظ سے علیحدہ ہونے

کے بعد پنجاب کی وہ مسلم اکثریت جس کے لئے ہم گذشتہ دس سال سے لڑ رہے ہیں برباد ہو جائے گی اور اس کے بعد شیعہ علیحدہ نیابت کے اس مطالبہ کو جو وہ گذشتہ پانچ سال سے پیش کر رہے ہیں، زیادہ قوت سے پیش کر کے ملّت کی صف میں مزید انتشار کا باعث ہو جائیں گے۔ مَیں علامہ ممدوح سے یہ پوچھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ وہ تاریخ عالم میں سے مجھے ایک مثال ایسی بتا دیں جس سے یہ ثابت ہو کہ جب کسی اُمّت میں ایک دفعہ عقیدہ کا اختلاف پیدا ہو چکا ہو تو پھر وہ تبلیغ یا بحث یا مقاطعہ یا مجادلہ یا تشدّد سے مٹ گیا ہو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ دُنیا جانتی ہے کہ بُدھ مت والوں اور برہمنوں نے ہندوستان میں اور رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ عیسائیوں نے یورپ میں اور خوارج اور شیعہ اور سُنّی مسلمانوں نے شام، عراق اور عرب میں اختلافِ عقائد کی وجہ سے ایک دوسرے کو قتل کرنے، برباد کرنے اور زندہ جلا دینے کے بعد اگر کسی اصول پر صُلح کی تو وہ اصول یہی تھا کہ انہوں نے اختلافِ عقاید کو گوارا کر لیا۔ اگر تاریخ کا یہ سبق ناقابلِ انکار ہے تو کیا یہ حقیقت اندوہناک نہیں کہ علامہ اقبال کا سا بلند پایہ مسلمان ملّت کو مجادلہ مقاطعہ کا سبق دیتا ہے اور یہ نہیں کہتا کہ اختلاف عقیدہ کو بحث و مباحثہ کے لئے ترک کر کے سیاسی لحاظ سے متحد ہو جاؤ۔ اور لطف یہ کہ علامہ ممدوح مسلمانوں کو افتراق کی دعوت دیتے ہوئے خود مرزائیوں سے سیاسی طور پر اتحاد پیدا کر رہے ہیں۔ چونکہ مقالہ امروزہ طویل ہو گیا ہے لہذا میں اس بحث کو اشاعت فردا میں مکمل کروں گا۔ و باللہ التوفیق "[۵]

اخبار "سیاست" نے اپنے دوسرے اداریہ میں لکھا کہ :-

" مجھے اس حقیقت کو الم نشرح کرنا ہے کہ جہانتک مرزائیوں کی تکفیر کا تعلق ہے کوئی غیر مرزائی مسلمان ایسا نہیں جو علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال سے متفق نہ ہو۔ مَیں اپنی کتاب "تحریک قادیان" میں صاف لکھ چکا ہوں اور مقدمہ گورداسپور میں مرزائی جماعت کے موجودہ خلیفہ صاحب نے صاف کہدیا ہے کہ وہ غیر مرزائی مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں اور شرع اسلام کی وجہ سے جو شخص کسی مسلمان کو کافر کہے وہ خود کافر ہوتا ہے۔ لہذا مرزائی جماعت کے کافر ہونے میں نہ کوئی شک ہو سکتا ہے اور نہ شبہ اور نہ کوئی شک و شبہ موجود ہی ہے۔ اور اس معاملہ میں مجھے ڈاکٹر صاحب کی ہمنوائی کا فخر حاصل ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس تکفیر کا مسلمانوں کے باہمی تمدنی معاشرتی اور اخلاقی تعلقات پر کیا اثر ہونا چاہیئے۔ کیا ہمیں مرزائیوں سے وہی سلوک کرنا چاہیئے جو ہم عیسائیوں اور ہندوؤں

[۵] اخبار "سیاست" لاہور بحوالہ روزنامہ "الفضل" قادیان مورخہ ۱۸ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۹

اور سکھوں سے کرتے ہیں یا مرزائی اور عام مسلمانوں میں جو قضیۂ تکفیر موجود ہے اس کو وہی حیثیت دینا چاہیئے جو شیعہ، سُنی، حنفی، وہابی، مقلد، غیر مقلد، بریلوی، بدایونی، دیوبندی اور چکڑالوی وغیرہ کے باہمی شغل تکفیر کو حاصل ہے۔ علامہ اقبال احرار کی موجودہ فتنہ پروری کی آج حمایت کر رہے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ مرزائیت کم و بیش گذشتہ تیس۳۰ سال سے موجود ہے اور اس طویل عرصہ میں ؎

ہر کہ رمزِ مصطفیٰ فہمیدہ است
شرک را در خوفِ مضمر دیدہ است

کا نعرہ لگانے والے علامہ اقبال کا طرزِ عمل وہی رہا ہے جس کی تائید و حمایت کی وجہ سے آج میرے ایسے مسلمان موردِ طعن ہو رہے ہیں۔ کوئی عطاء اللہ شاہ بخاری، کوئی حبیب الرحمٰن، کوئی افضل حق یا کوئی مظہر علی اگر اس روش کے حامیوں کو مرزائی کہدے یا اگر ایسا نہ کر سکے تو وظیفہ خوار قادیان کہہ کر بدنام کرے تو وہ قابلِ معافی ہے اس لئے کہ اُسے روٹی کما کر کھانا ہے۔ اس کی ہر دلعزیزی کا اساس عوام کی گمراہی ہے۔ وہ رُسوائی کو شہرت سمجھ کر اس پر مرتا ہے اور اس کی تعلیم اور اس کا اخلاق بلند نہیں۔ لیکن علامہ اقبال کی شخصیت، علمیت، ہر دلعزیزی، شرافت، نجابت، قابلیت اور بلند اخلاق و شہرت کا حامل اگر وہ بات کہے جو ملّت کے لئے برباد کُن ہو تو یقیناً ہمیں حق حاصل ہوتا ہے کہ ہم ملّت کے مستقبل کا ماتم کریں اور نوحہ کریں کہ جن سے امید ہدایت تھی وہی ملّت کو گمراہ کر کے تباہی و بربادی کی طرف لے جا رہے ہیں۔

یہ حقیقت کہ تیس۳۰ سال کی طویل میعاد تک علامہ اقبال کا مسلک مرزائیوں کے متعلق وہی رہا جو آج ہم نے اختیار کر رکھا ہے، ناقابلِ انکار ہے۔ علامہ صاحب نے آج سے پہلے کبھی یہ اعلان نہیں کیا۔ کہ مرزائی ختمِ نبوت کے دشمن ہیں لہٰذا یا معاشر المسلمین تم اُن سے آگاہ رہو بلکہ اس کے برعکس سیاسی، علمی، تمدنی اور معاشرتی مجالس میں ان کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر یعقوب بیگ اور علامہ اقبال یکساں بطور مسلمان انجمن حمایت اسلام کے رکن رہے اور علامہ نے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔ مسلم لیگ و مسلم کانفرنس میں چودھری ظفر اللہ خاں اور علامہ اقبال یکساں بطور مسلمان ممبر بنے رہے۔ علامہ صاحب نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ چودھری صاحب مسلم لیگ کے صدر ہوئے۔ عوام میں سے بعض نے اعتراض بھی کیا۔ علامہ صاحب نے نہ صرف کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ معترضین کی تائید بھی نہیں کی اور خود چودھری صاحب کے ماتحت لیگ کے ممبر بنے رہے۔ علامہ ممدوح لیگ اور کانفرنس کے صدر رہے لیکن آپ

نے کبھی اس بات پر اعتراض نہیں کیا کہ ان مجالس میں قادیانی بھی بطور مسلمان شامل ہوتے ہیں۔ قادیان سے اِن جماعتوں کو علامہ صاحب کی صدارت میں مالی امداد ملی مگر علامہ صاحب نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ پنجاب کونسل میں چودھری ظفراللہ خاں اور علامہ اقبال دونوں مسلمانوں کے نمائندوں کی حیثیت سے پہلو بہ پہلو کام کرتے رہے اور سائمن کمیٹی کے لئے جب چودھری صاحب کو بطور مسلمان ممبر منتخب کیا گیا تو علامہ صاحب نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اور انتہا یہ ہے کہ جب حکومت نے گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کی نیابت کے لئے علامہ اقبال اور چودھری ظفراللہ خاں صاحب کو بہ حیثیت مسلمان چُنا تو نہ صرف علامہ اقبال نے کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ وہ لندن میں چودھری صاحب کے دوش بدوش کام کرتے رہے۔ حال ہی میں چودھری صاحب کے بھائی مسلمانانِ سیالکوٹ کی طرف سے کونسل کے رُکن منتخب ہوئے ہیں۔ سیالکوٹ علامہ اقبال کا وطن ہے لیکن علامہ ممدوح نے ہرگز کوئی سعی اس بات کی نہیں کی کہ وہاں کے مسلمان اسداللہ خاں جیسے غیر مسلم کو اپنا نمائندہ منتخب نہ کریں۔

لیکن شاید کہا جائے گا کہ گذشتہ را صلوٰۃ آئندہ را احتیاط، جو کچھ ہوا وہ غلط تھا۔ آئندہ علامہ صاحب ایسا نہ کریں گے۔ اوّل تو ممدوح کی حیثیت کے بلند فرد کے متعلق یہ عذر ہرگز عذر معقول نہیں کہلا سکتا۔ تاہم اگر بغرض دلیل اس کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو علامہ اقبال کے پاس اس بات کا کیا جواب ہے کہ حال ہی میں لندن میں جوبلی کے موقعہ پر جو جماعت اس غرض سے قائم ہوئی ہے کہ برطانیہ اور دنیائے اسلام کے تعلقات بہتر ہوتے چلے جائیں اس میں علامہ اقبال اور چودھری ظفراللہ خاں دونوں بطور مسلمان شامل ہیں۔ یہ لیگ کی خبر رائٹر نے دس مئی کو دی اور وہ گیارہ مئی کے اخبارات میں شائع ہوئی۔ اس کے ممبر یا برطانیہ کے لارڈ ہوسکتے ہیں اور یا مسلمان۔ کوئی غیر مسلم غیر انگریز اس کا رُکن نہیں ہوسکتا۔ اس میں جو لوگ بحیثیت مسلمان شامل ہیں اُن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:۔

(۱) سر آغا خاں (شیعہ) (۲) امیر عبداللہ والیٔ شرقِ اُردن (سُنّی) (۳) سابق ولیعہد ایران (شیعہ) (۴) نواب چھتاری (حنفی) (۵) سر عزیزالدین احمد (سُنّی) (۶) سر محمد اقبال (سُنّی) (۷) سر عبدالصمد خاں (شیعہ) (۸) چودھری ظفراللہ خاں (قادیانی) (۹) سر سلطان احمد (شیعہ) (۱۰) سر عبدالقادر (سُنّی) (۱۱) حاجی عبداللہ ہارون (آغاخانی)

(۱۲) سر حشمت اللہ (سُنّی) (۱۳) نواب لوہارو (سُنّی) (۱۴) حاجی علی رضا (سُنّی)

سوال یہ ہے کہ اس انجمن میں چودھری ظفر اللہ خاں کس حیثیت سے شامل ہوئے؟ وہ انگریز ہونے کے مدعی نہیں ہیں کہ انگریز ہو سکتے ہیں نہ انگریز ہیں اور اس انجمن میں کوئی شخص جو انگریز نہ ہو شامل ہو نہیں سکتا جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو۔ چودھری صاحب اگر مسلمان نہیں ہیں تو علامہ صاحب نے ان کے ساتھ ممبر بننا کیوں قبول کیا۔ اور اگر آپ ناواقفیت کا عذر بنائیں تو آپ دسؔ مئی سے لے کر آج تک اس جماعت سے علیحدہ کیوں نہیں ہوگئے۔ میں کہتا ہوں کہ چودھری صاحب کی معیت میں اس جماعت کی رکنیت قبول کر کے علامہ صاحب نے تسلیم کر لیا ہے کہ باہمی نزاع تکفیر کے باوجود جس طرح عام مفادِ ملّت کی خاطر سُنّی، شیعہ، حنفی، وہابی، بریلوی، دیوبندی مل کر کام کرنے پر تیار ہیں۔ اسی طرح مرزائی اور غیر مرزائی مسلمان بھی اتحادِ عمل پر آمادہ ہیں اور یہی وہ بات ہے جو ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان قبول کریں اور اپنا اصولِ عمل بنائیں۔

علامہ صاحب سے تکفیرِ مرزائیت میں اتفاق کرنے کے بعد میں ایک عرض کرنا چاہتا ہوں جہلاء، خود غرض اشخاص اس دلیل کو ردّ کر دیں تو اور بات ہے۔ مگر مجھے امید ہے کہ علامہ صاحب کی علمیت کا سچا مسلمان اس دلیل پر غور کرے گا۔ میرا استدلال یہ ہے کہ نبوت کو لاکھ بڑھائیں۔ پھر بھی توحید باری سے بالاتر نہیں لے جا سکتے۔ اگر ایسا کریں تو اللہ تعالیٰ کی توحید کے علمبردار اوّل جناب محمد مصطفےٰ فداہ ابی و امّی ہم سے خفا ہو جائیں گے اور اگر توحید رسالت سے بالاتر ہے تو علامہ اقبال خدائی کے دعویدار آغا خاں کے ساتھ اتحادِ عمل کرتے ہوئے کس طرح مرزائیوں سے اتحادِ عمل کو ناروا قرار دے سکتے ہیں" [1]

روزنامہ "حق" لکھنو کا ادارتی نوٹ

اخبار "سیاست" کے علاوہ روزنامہ "حق" (لکھنو) نے ۲۷ جون ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں حسب ذیل لیڈنگ آرٹیکل شائع کیا:۔

" فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں ٭ کیا زمانہ میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

مسلمانوں کا مایۂ صد ناز شاعر اب سے کچھ دن قبل مسلمانوں کا نیّر اقبال بن کر مطلعِ پنجاب پر چمکا۔ اور مسلمانوں کو جو تعلیم دی وہ شعر مندرجہ عنوان میں پیش کی گئی ہے۔ وہی اقبال جو فرقہ بندی کو مہلک اور ذات پات کے امتیاز کو موت سمجھتا تھا، آج کچھ اور کہہ رہا ہے۔ ایک طرف اس کا مندرجہ بالا شعر ہے اور دوسری طرف اس کا وہ بیان جو

---

[1] بحوالہ "الفضل" قادیان ۲۲ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ ٭

حال ہی میں اس نے جماعتِ احمدیہ قادیان کے متعلق اخبارات کو دیا ہے۔ ان دونوں پیغاموں میں جو اجتماعِ ضدین ہے اس کو دیکھ کر ہم حیران ہیں کہ اس شعر کہنے والے اقبال کو اقبال سمجھیں یا اس بیان دینے والے اقبال کو اقبال۔ شاعر اقبال نے اپنے شعر میں ہم کو پنپنے کے لئے فرقہ بندی اور ذات پات کے امتیاز سے مجتنب رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ اور اب لیڈر اقبال نے ہم کو یہ سیاسی مشورہ دیا ہے کہ ہم قادیان کی جماعت احمدیہ کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھیں اور حکومت پہ زور ڈالیں کہ وہ قانونی حیثیت سے بھی احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھے۔

ہم کو ڈاکٹر سر محمد اقبال سے اس حد تک پورا پورا اتفاق ہے کہ عام مسلمانوں اور احمدیوں میں اعتقادات کا بہت بڑا اختلاف ہے اور اگر اس اختلاف کو شدت پسندی کی نظر سے دیکھا جائے تو بعض صورتوں میں مذہبی اعتبار سے احمدی جماعت اور عام مسلمانوں کے درمیان اتحادِ عمل ناممکن سا نظر آتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ احمدیوں کو قطع نظر کر کے کیا اسی قسم کے اختلاف اہلِ سنّت اور اہلِ تشیع میں کارفرما نہیں ہے؟ کیا یہی تضاد اہلسنّت کی مختلف العقیدہ جماعتوں میں نہیں ہے۔ وہابی اور حنفی، بریلوی اور دیوبندی، اسی طرح مختلف اسکول ہر ہر جماعت میں موجود ہیں۔ ان میں کی ہر شاخ دوسری شاخ کو اپنے نقطۂ نظر سے مُرتد اور کافر گردانتی ہے اور بقول مدبرینِ فرنگ کے یہ تو مسلمانوں کا ایک عام مشغلہ ہے کہ ان میں کا ہر فرد دوسرے کو نہایت آسانی کے ساتھ کافر کہہ دیتا ہے۔ خیر یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کون مومن ہے اور کون کافر۔ لیکن اس تمام اختلاف کو دیکھتے ہوئے سب سے زیادہ محفوظ صورت یہی ہے کہ ہم ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھیں جو خدا کو ایک اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کا محبوب اور رسُول سمجھتا ہو۔ اگر مسلمان کی تعریف صرف یہی تسلیم کر لی جائے تو جس طرح ایک حنفی کو، ایک وہابی کو، ایک مقلد کو، ایک غیر مقلد کو، ایک دیوبندی کو اور ایک بریلوی کو مسلمان کہا جا سکتا ہے اسی طرح احمدیوں کو بھی دائرۂ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور کسی کو غیر مسلم کہنے کا ہم کو حق ہی کیا ہے جب وہ خود اس پر مُصِر ہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ اگر ہم اس کو مسلمان نہ بھی سمجھیں تو ہمارے اس نہ سمجھنے سے کیا ہو سکتا ہے اس کا مذہب خود اس کے قول سے تسلیم کیا جائے گا۔

بہرحال ہم اس تمام بحث کو ان کے دلائل کے ساتھ پیش کرنے کی بجائے اس کے محض سیاسی پہلو کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کے لئے یہ کتر و بیونت کس حد تک مفید یا مضرت رساں ہے۔ ہماری ملکی سیاسیات کا موجودہ دور وہ اہم اور نازک دور ہے کہ ہر جماعت خواہ وہ اکثریت میں ہو یا اقلیت میں، اپنی شیرازہ بندی اپنی تنظیم اور اپنے تحفظ کی فکر میں ہمہ تن مصروف ہے۔ ہندو ہیں کہ اچھوتوں کو اپنے میں ملانے کی کوشش

کر رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اچھوت ان میں سے نہیں۔ ان کو اس کا بھی احساس ہے کہ اچھوتوں سے ملنا دھرم کو مٹی میں ملانا ہے۔ مگر آج ضرورت نے اسی حرام کو حلال کر دیا ہے اور وہ اچھوت جن کا سایہ تک ناپاک سمجھا جاتا تھا اور جن کو دیکھ کر ایک کراہت سی ہوتی تھی آج ہندوؤں کی سر آنکھوں پر جگہ پا رہے ہیں۔ اور وہی ہندو جو ان ناپاک اچھوتوں کو دیکھ کر حقارت اور تنفر کے ساتھ "چھی چھی چھی" کہا کرتے تھے، آج ان کو اپنے سر چڑھا رہے ہیں۔ ان کو اپنی برادریوں میں برابر کی جگہ دے رہے ہیں۔ ان کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ ان سے "روٹی بیٹی" کے تعلقات پیدا کرنے کے لئے کوشاں ہیں حالانکہ ان کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بغیر اچھوتوں کو ملائے ہوئے اکثریت میں ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنے اِس فرض سے غافل نہیں ہیں کہ اگر اس وقت انہوں نے اچھوتوں کو چھوڑ دیا تو ممکن ہے کہ ان کو مسلمان یا کوئی اور اقلیت اپنا لے اور ان کو ملا کر اکثریت بن جائے۔
ایک طرف تو یہ احتیاط ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کی یہ لاپروائی بلکہ سیاسی بدبختی ہے کہ ان میں بجائے تنظیم کے ایک پھوٹ پڑی ہوئی ہے۔ عام مسلمانوں کا کیا سوال جبکہ مسلمانوں کے لیڈران کو باہمی تفرقہ سازی کا سبق پڑھا رہے ہیں۔ ؎

گر ہمیں مکتب و ہمیں مُلّا ٭ کارِ طفلاں تمام خواہد شد

احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھنے اور قانونی حیثیت سے اُن کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیئے جانے کی تحریک ہی کو دیکھ لیجئے کہ یہ سیاسی اعتبار سے کس قدر ناسمجھی، عاقبت نااندیشی اور تدبّر کے منافی تحریک ہے۔ اور اسی تحریک سے مسلمانوں کے سیاسی فقدان کا پتہ چلتا ہے۔ یہ ایک موٹی سی بات ہے کہ احمدیوں کو اپنے سے علیحدہ نہ کرکے ہم بہرحال کسی نقصان میں نہیں بلکہ فائدے میں ہیں۔

اوّل تو ہماری تعداد بڑھی ہوئی ہے۔ دوسرے اُن کے ووٹروں سے ہم فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ تیسرے سب سے بڑی بات یہ کہ اس کا فیصلہ بالکل ہماری مرضی پر ہے کہ ہم کسی احمدی کو کسی مجلس قانون ساز میں منتخب ہونے دیں یا نہ ہونے دیں۔ لیکن احمدیوں کو اپنے حلقہ سے جدا کرنے کے بعد ہم کو سب سے پہلا نقصان تو یہ پہنچے گا کہ ہماری جماعت کا ایک عنصر گویا ہم سے علیحدہ ہوگیا۔ ہماری اقلیت اور بھی اقل ہو کر رہ جائے گی۔ اور گویا ہم خود اپنے ووٹروں کو اپنے ہاتھ سے دیں گے۔ اس کے علاوہ احمدیوں کے علیحدہ ہوجانے کے بعد ان کی نشستیں بالکل علیحدہ ہوجائیں گی اور وہ مجالس قانون ساز میں بغیر روک ٹوک کے جاسکیں گے۔ آج اگر وہ جانا چاہیں تو اُن کو آپ کی مدد کی ضرورت ہوگی لیکن علیحدگی کی صورت میں وہ بلاشرکت غیرے اپنی نشستوں کے مالک ہوں گے۔ اور ان کو مجالسِ قانون ساز

میں جانے سے کوئی بھی نہ روک سکے گا۔ صرف پنجاب ہی کے صوبہ کو لے لیجئے جہاں سے یہ تحریک اُٹھی ہے اور اس کے بعد اندازہ کیجئے کہ یہ تحریک کس قدر بے محل اور غلط ہے۔ پنجاب میں آبادی کے تناسب کے اعتبار سے مسلم اکثریت ہے اور مسلمانوں نے حکومت کو اس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ پنجاب کی مسلم اکثریت کو آئینی طور پر تسلیم کرے۔ چنانچہ حکومت نے ایک نشست کی زیادتی سے مسلم اکثریت تسلیم کر لی ہے۔ ہندو اور سکھ متفقہ طور پر مسلم اکثریت قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں چنانچہ راجندر پرشاد اور مسٹر جناح کی گفتگوئے مصالحت بھی ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے اسی بناء پر بیکار قرار دی گئی اور اس سمجھوتہ کو اسی وجہ سے مسترد کیا گیا۔ لیکن اب مسلمانوں کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ احمدیوں کو ان سے علیحدہ کر کے ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے۔ حالانکہ اُن کو معلوم ہے کہ پنجاب کے مسلمان جو ۵۶ فیصدی ہیں۔ صرف اسی صورت میں اکثریت کا دعویٰ کر سکتے ہیں جب احمدی بھی ان میں شامل رہیں ورنہ دس۱۰ فیصدی پنجاب کے احمدی اگر نکل گئے تو مسلمان صرف ۴۶ فیصدی رہ جاتے ہیں۔ اور پھر سکھ، ہندو اور احمدی مل کر اکثریت میں آجاتے ہیں۔

ان اعداد و شمار کو دیکھتے ہوئے کیا مسلمان اپنے پیر پر خود کلہاڑی نہیں مار رہے ہیں کہ اچھے خاصے اکثریت میں ہوتے ہوئے اپنے کو اقلیت میں ڈال رہے ہیں اور اپنی اس کوشش پر خود ہی پانی پھیر رہے ہیں جو سالہا سال سے جاری تھی۔ حکومت نے جدید اصلاحات کے ماتحت ۵۱ نشستیں مسلمانوں کی رکھی ہیں۔ ان میں سے دو نشستیں احمدیوں کو ضرور مل جائیں گی اور کسی وقت ان کی جماعت کا وزیر ہو جانا بھی بعید از امکان نہیں ہے گویا اس طرح احمدی تو نہایت فائدہ میں رہیں گے۔ البتہ اگر نقصان پہنچے گا تو اُن کو ہی جو آج اپنے لئے یہ تباہی کے سامان مہیا کر رہے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ احمدیوں اور عام مسلمانوں میں مذہبی طور پر اتحاد عمل ناممکن ہے۔ لیکن سیاسی طور، جس طرح ایک حنفی، ایک شیعہ کو انگیز کر سکتا ہے۔ جس طرح ایک دیوبندی ایک بریلوی کو برداشت کر سکتا ہے کیا احمدی جماعت سے سیاسی تعلقات بھی اسی طرح نہیں رہ سکتے۔ ہم کو امید ہے کہ مسلمان اس تحریک پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے" [1]

حضرت امیر المومنینؓ کا بصیرت افروز تبصرہ (خطبہ جمعہ میں)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے حیرت انگیز بیان پر ۲۴ مئی ۱۹۳۵ء کے خطبہ جمعہ میں نہایت بصیرت افروز تبصرہ کیا۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:-

---

[1] "الفضل" یکم جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۸۔

"ڈاکٹر سر اقبال کا بیان . . . . پڑھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی۔ کیونکہ یہ وہی ہیں جنہوں نے ۱۹۳۱ء میں جب کشمیر کمیٹی کا آغاز ہوا، شملہ میں زور دے کر مجھے اس کمیٹی کا پریذیڈنٹ مقرر کیا جو کشمیریوں کی آئینی امداد کے لئے قائم کی گئی تھی۔ حالانکہ وہ خالص اسلامی کام تھا۔

پس اُس وقت تو ہم مسلمان تھے۔ لیکن آج کہا جاتا ہے کہ جماعت احمدیہ اسلامی جماعت ہی نہیں۔ اگر جماعت احمدیہ اسلامی جماعت نہیں تو کیوں ۱۹۳۱ء میں سر اقبال نے زور دے کر مجھے ایک اسلامی کمیٹی کا پریذیڈنٹ مقرر کیا۔ کیا ۱۹۳۱ء میں مجھے پریذیڈنٹ بنانے والے انگریزوں کے ایجنٹ تھے جو آج کہا جاتا ہے کہ انگریزوں کی حمایت کی وجہ سے یہ سلسلہ ترقی کر رہا ہے؟

اُس وقت میری پریذیڈنٹی پر زور دینے والے دو ہی شخص تھے، ایک خواجہ حسن نظامی صاحب اور دوسرے ڈاکٹر سر اقبال۔ خواجہ صاحب تو اس موقع پر ہماری جماعت کے خلاف بولے نہیں۔ اس لئے ان کے متعلق مَیں کچھ نہیں کہتا۔ لیکن ڈاکٹر سر اقبال چونکہ ہمارے خلاف بیان دے چکے ہیں اس لئے ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ ۱۹۳۱ء میں انہوں نے کیوں ایک اسلامی کمیٹی کا مجھے پریذیڈنٹ بنایا؟ اب کہا جاتا ہے کہ جماعت احمدیہ کو عام مسلمانوں میں اثر و اقتدار کشمیر کمیٹی میں کام کرنے کی وجہ سے ہی حاصل ہوا حالانکہ اس کمیٹی کی صدارت ڈاکٹر صاحب کے زور دینے کی وجہ سے مجھے ملی۔

پس کیوں ۱۹۳۱ء میں انہوں نے احمدیوں کو مسلمان سمجھا؟ اور کیوں اب آکر انہیں محسوس ہوا کہ جماعت احمدیہ کو مسلمانوں میں سے الگ کر دینا چاہئیے؟ یا تو انہیں یہ تسلیم کرنا چاہئیے کہ اس وقت ہماری حمایت کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے وہ روپے لے کر آئے تھے جو اُن کی جیب میں اُچھل رہے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ احمدیوں کو مسلمانوں میں شامل کر کے اُن کی طاقت کو توڑ دیں اور یا یہ تسلیم کرنا چاہئیے کہ وہ اس وقت احمدیوں کو مسلمان سمجھتے تھے اور اب جو کہہ رہے ہیں کہ انگریزوں نے احمدیوں کو طاقت دی تو غلط کہہ رہے ہیں۔ آخر ہمارے عقائد بدلے تو نہیں کہ ڈاکٹر سر اقبال کو اپنی رائے بدلنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بلکہ وہی عقائد ہم اب رکھتے ہیں جو ۱۹۳۱ء میں اور اس سے پہلے تھے، مگر ۱۹۳۱ء میں تو ہم ڈاکٹر سر اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے لیڈر، اُن کے نمائندہ اور اُن کے راہ نما ہو سکتے تھے اور ڈاکٹر اقبال میری صدارت پر زور دے سکتے اور میری صدارت میں کام کر سکتے تھے۔ لیکن اب ہمیں سیاسی طور پر مسلمانوں میں شامل رکھنے تک کے لئے تیار نہیں۔ ۱۹۳۱ء میں تو ہمارے اسلام کا

ڈاکٹر اقبال صاحب کو یہانتک یقین تھا کہ جب یہ سوال پیش ہوا کہ وہ کمیٹی جو انتظام کے لئے بنائی جائیگی اس کے کچھ اور ممبر بھی ہونے چاہئیں اور ممبروں کے انتخاب کے متعلق بعض قواعد وضع کر لینے چاہئیں تو ڈاکٹر سر اقبال نے کہا کوئی قوانین بنانے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں صدر صاحب پر پورا پورا اعتماد ہے۔ اور ہمیں چاہیئے کہ ہم ممبروں کے انتخاب کا معاملہ اُن کی مرضی پر چھوڑ دیں۔ وہ جسے چاہیں رکھیں جسے چاہیں نہ رکھیں۔

پھر ہنس کر کہا میں تو نہیں کہتا لیکن اگر سارے ممبر آپ نے احمدی ہی رکھ لئے تو مسلمانوں میں سے کچھ لوگ اعتراض کریں گے کہ ان لوگوں نے کمیٹی کے تمام ممبر احمدی بنا لئے۔ اس لئے آپ ممبر بناتے وقت احتیاط کریں اور کچھ دوسرے مسلمانوں میں سے بھی لے لیں اور سارے ممبر احمدی نہ بنائیں۔

لیکن آج سر اقبال کو یہ نظر آتا ہے کہ احمدی مسلمان[ل] ہی نہیں حالانکہ اس عرصہ میں کوئی نئی بات ہمارے اندر پیدا نہیں ہوئی۔

پھر مجھے تعجب ہے کہ ہماری مخالفت میں اس حد تک یہ لوگ بڑھ گئے ہیں کہ ڈاکٹر سر اقبال جیسے انسان جو مسلمانوں کی ایک جماعت کے لیڈر، فلاسفر، شاعر اور نہایت عقلمند انسان سمجھے جاتے ہیں۔ انگریزی حکومت پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے احمدیوں کو کیوں پنپنے دیا؟ شروع میں ہی اس

ل سر محمد اقبال جن مسلمانوں سے جماعت احمدیہ کو الگ کر کے اقلیت قرار دینا چاہتے تھے ان کی نسبت موصوف کا عقیدہ یہ تھا کہ

(۱) "اگر نبی کریمؐ بھی دوبارہ پیدا ہو کر اس ملک میں اسلام کی تعلیم دیں تو غالباً (اس) ملک کے لوگ ... حقائق اسلامیہ کو نہ سمجھ سکیں۔" ("مکاتیب اقبال" صفحہ ۵۲ بحوالہ "اقبالیات کا تنقیدی جائزہ" صفحہ ۱۲۸ (مؤلفہ قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی)

(۲) "ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں۔ ان کو عربی اسلام سے اور اس کے نصب العین اور غرض و غایت سے آشنائی نہیں۔" (مکاتیب اقبال حصہ اول صفحہ ۲۳-۲۴ بحوالہ "اقبال کا تنقیدی جائزہ" صفحہ ۱۲۰-۱۲۱)

(۳) "ہندوستان کے مسلمان اس عربی اسلام کو بہت کچھ فراموش کر چکے ہیں اور عجمی اسلام ہی کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔" ("روزگار فقیر" جلد دوم صفحہ ۱۶۲)

علامہ اقبال نے اسلام سے ناآشنا مسلمانوں کیلئے یہ دعا بھی کی کہ

"کاش کہ مولانا نظامی کی دعا اس زمانے میں مقبول ہو اور رسول اللہ صلعم پھر تشریف لائیں اور ہندی مسلمانوں پر اپنا دین بے نقاب کریں۔" ("اقبال نامہ" حصہ اول صفحہ ۱۷ مرتبہ شیخ عطاء اللہ صاحب ایم۔اے)

تحریک کو کیوں کچل نہ دیا ؟ کیونکہ ان کے نزدیک اگر نئی تحریکات کا مقابلہ نہ کیا جائے تو اس طرح اکثریت کو نقصان پہنچتا ہے۔ پس ان کے نزدیک حکومت کا فرض تھا کہ احمدیت کو کچل دیتی۔ بلکہ انہیں شکوہ ہے کہ انگریزوں نے تو اتنی بھی عقلمندی نہ دکھائی جتنی روما کی حکومت نے حضرت مسیح ناصری کے وقت میں دکھائی تھی۔ انہوں نے اتنا تو کیا کہ حضرت مسیح ناصری کو صلیب پر لٹکا دیا۔ گو یہ دوسری بات ہے کہ خدا نے اپنے فضل سے انہیں بچا لیا۔

اس فقرہ کے سوائے اس کے اور کوئی معنی نہیں کہ رُومی حکومت نے جب حضرت مسیح ناصری کو صلیب پر لٹکایا تو اس نے ایک جائز، مستحسن اور قابلِ تعریف فعل کیا اور اچھا کیا جو یہودیوں کے شور و غوغا کو سُن کر عیسائیت کے بانی پر ہاتھ اُٹھایا۔

یا تو ان لوگوں کو اتنا غصہ آتا ہے کہ اگر ہم حضرت مسیح ناصری کو وفات یافتہ کہدیں تو اُن کے تن بدن میں آگ سی لگ جاتی ہے یا اب احمدیت کی مخالفت میں عقل اس قدر ماری گئی ہے کہ کہا جاتا ہے حضرت مسیح ناصری کو صلیب پر لٹکانے کا فعل جو رومیوں نے کیا وہ بہت اچھا تھا گو پورا اچھا کام نہیں کیا کیونکہ وہ بچ رہے۔ ان کا فرض تھا کہ اگر حضرت مسیح ناصری آسمان پر چلے گئے تھے تو رُومی انہیں آسمان سے کھینچ لاتے اور اگر کشمیر چلے گئے تھے تو وہاں سے پکڑ لاتے اور اُن کے سلسلہ کا خاتمہ کر دیتے۔ تاکہ یہود کے اتحادِ ملت میں فرق نہ آتا۔ مگر انگریزوں سے تو بہرحال وہ زیادہ عقلمند تھے کہ انہوں نے اپنی طرف سے انہیں صلیب پر لٹکا دیا اور اب ڈاکٹر سر اقبال کو شکوہ ہے کہ انگریزوں نے اتنی جراُت بھی نہ دکھائی اور بناوٹی طور پر بھی حضرت مرزا صاحب کو سزا نہ دی۔[1]

یہ بیان ہے جو ڈاکٹر سر اقبال نے دیا اور مسلمان خوش ہیں کہ کیا اچھا بیان ہے۔ حالانکہ اس فقرہ کے

---

[1] ڈاکٹر صاحب نے اپنے ایک اور مضمون میں یہ بھی لکھا کہ چونکہ ایمسٹرڈم میں یہودی بے انتہا اقلیت میں تھے اس لئے وہ سپائنوزا کو محرک انتشار اور قوم میں موجب اختلاف تصور کرتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس ہندوستانی مسلمان بھی تحریک قادیانیت کو جو تمام دنیائے اسلام کو کافر سمجھتی ہے اور اُن کا معاشرتی بائیکاٹ کر رہی ہے . . . . سپائنوزا کی مابعد الطبیعات کے مقابلہ میں ہزارہا درجہ زیادہ خطرناک اور مہلک خیال کرتی ہے۔

ایک سیاسی معاصر نے اس نظریہ پر یہ دلچسپ تبصرہ کیا کہ "ڈاکٹر اقبال اور ان کے ہمنواؤں کو یہ خود تجویز کردہ مماثلت مبارک ہو۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا ڈاکٹر اقبال اور ان کے ہم خیال مسلمان روئے زمین کے تمام مذاہب کے پیروؤں کو کافر نہیں کہتے اور ان سے معاشرتی بائیکاٹ نہیں ہوئے۔ اگر ایسا ہی ہے تو کیا غیر مسلموں کو یہ حق حاصل ہے کہ اسلام کو دنیا میں انتشار پیدا کرنے کا موجب اور ڈاکٹر اقبال اور ان کے ہم خیالوں کو اس کا مجرم قرار دیں۔" ("الفضل" ۲۰ فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۵ کالم ۴)

سوائے اس کے اور کوئی معنی نہیں ہو سکتے کہ جیسے رومیوں نے حضرت مسیح ناصریؑ سے سلوک کیا تھا ویسا ہی سلوک انگریزوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کرنا چاہیئے تھا۔ اگر اس فقرہ سے ہزارواں حصہ کم بھی کسی احمدی کے مُنہ سے نکل جاتا تو ایک طوفان مخالفت برپا ہو جاتا اور احراری شور مچانے لگ جاتے کہ مسیح ناصریؑ کی توہین کر دی گئی لیکن اب چونکہ یہ الفاظ اس شخص نے کہے ہیں جو ان کا لیڈر ہے اس لئے اگر وہ رومیوں کے مظالم کی تعریف بھی کر جائیں تو کہا جاتا ہے واہ وا! کیا خوب بات کہی!! احمدی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف کریں تو آپ کی ہتک کرنے والے قرار پائیں۔ اور یہ حضرت مسیحؑ کی کھُلی کھُلی توہین کریں تو آپ کی عزّت کرنے والے سمجھے جائیں۔

یہ باتیں بتاتی ہیں کہ مسلمانوں کا ایک حصّہ ایسے مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں نجات اس کے لئے ناممکن ہوگئی ہے۔ وہ ہماری دشمنی میں ہر چیز کو توڑنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ ہماری عداوت میں اسلام پر تبر چلانے، رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عزّت پر تبر چلانے اور پہلے انبیاء کی عزتوں پر تبر چلانے کے لئے بھی تیار ہیں اور صرف اس ایک مقصد میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کچل دی جائے۔ لیکن جیسے اسلام اور رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور پہلے انبیاء پر جو تبر چلائے جائیں گے وہ رائیگاں جائیں گے۔ اسی طرح یہ وہ تبر جو جماعت احمدیہ پر چلایا جائے گا۔ آخر چکر کھا کر انہی کے پاؤں پر پڑے گا اور جماعت احمدیہ کو ایک ذرّہ بھر بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"[۱]

حضرت امیر المومنین کا بصیرت افروز تبصرہ (مضمون کی صورت میں)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے خطبہ جمعہ میں تبصرہ کرنے کے بعد "ڈاکٹر سر محمد اقبال اور احمدیہ جماعت" کے عنوان سے ایک نہایت محققانہ مضمون بھی تحریر فرمایا جو "الفضل" ۱۸ر جولائی ۱۹۳۵ء میں چھپنے کے علاوہ ٹریکٹ کی شکل میں بھی شائع ہوا۔ اس قیمتی مضمون کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھُوَ النَّاصِرُ

ڈاکٹر سر محمد اقبال اور احمدیہ جماعت

سر محمد اقبال صاحب کو کچھ عرصہ سے میری ذات سے خصوصاً اور جماعت احمدیہ سے عموماً بُغض پیدا ہو گیا

---

[۱] "الفضل" ۳۰ر مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ و ۵ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴ر مئی ۱۹۳۵ء)

شاعر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کی طرف سے سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کو خراج عقیدت۔

رسالہ ''انڈین اینٹی کویری'' ۱۹۰۰ء میں موصوف کے شائع شدہ مقالہ کا ایک ورق

[illegible] or Pure Being when it leaves its absoluteness undergoes three [illegible] (3) [illegible]. In the first stage there is absence of all attributes [illegible] and therefore [illegible] one step away from the absoluteness [illegible] is yet free from all manifestation while the third stage [illegible] ation of the Himness or as Hegel would say, is in the self-diremption [illegible] the sphere of the name Allah (الله); here the darkness of Pure Being [illegible] the front, the Absolute Being has become conscious. He says [illegible] the [illegible] of all the [illegible] of the different Phases of Divinity [illegible] progress of Pure Being, all that is the [illegible] of Divine self-diremption [illegible] within the titanic grasp of this name which, in the third stage of the [illegible] became a mirror in which God reflected Himself and thus by its [illegible] all the gloom of the Absolute Being.

[illegible] these three stages of the Absolute Development the perfect man has the [illegible] but in his case the process of development must be the reverse, because he [illegible] while the Absolute being had undergone essentially a process of descent. In [illegible] progress he meditates on the name, studies nature on which it is sealed [illegible] into the sphere of the Attribute and in the third stage he enters the [illegible]. It is here that he becomes the god-man; his eye becomes the eye of God and his life the life of God — participates in the general life of Nature [illegible] It will appear at once how strikingly the author has anticipated the [illegible] Dialectic and how greatly he has emphasised the Doctrine of the Logos [illegible] and [illegible] of the [illegible] thinkers of Islam, and [illegible] by M[illegible] Ghulam Ahmad of Qadian, [illegible] the profoundest theologian [illegible] Muhammadan [illegible] and, with a [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

THE 39

INDIAN ANTIQUARY,

A JOURNAL OF ORIENTAL RESEARCH

IN

ARCHÆOLOGY, EPIGRAPHY, ETHNOLOGY, GEOGRAPHY, HISTORY, FOLKLORE, LANGUAGES, LITERATURE, NUMISMATICS, PHILOSOPHY, RELIGION, &c., &c.,

PUNJAB UNIVERSITY LAHORE LIBRARY

EDITED BY

RICHARD CARNAC TEMPLE. C.I.E.,
LIEUT.-COLONEL INDIAN STAFF CORPS.

ORIENTAL COLLEGE LIBRARY LAHORE

VOL. XXIX. – 1900.

BOMBAY:

PRINTED AND PUBLISHED AT THE EDUCATION SOCIETY'S PRESS, BYCULLA.

LONDON: KEGAN PAUL, TRENCH, TRUBNER & Co.

LONDON: LUZAC & Co.
BOMBAY: EDUCATION SOCIETY'S PRESS.
NEW YORK: WESTERMANN & Co.
CHICAGO: S. D. PEET Esq., PH. D.
LEIPZIG: OTTO HARRASSOWITZ
PARIS: E. LEROUX.
BERLIN: A. ASHER & Co.
VIENNA: A. HOLDER & Co.

ہے۔ اور اب ان کی حالت یہ ہے کہ یا تو کبھی وہ انہی عقائد کی موجودگی میں جو ہماری جماعت کے اب ہیں جماعت احمدیہ سے تعلق موانست اور مؤاخات رکھنا بُرا نہیں سمجھتے تھے یا اب کچھ عرصہ سے وہ اس کے خلاف خلوت اور جلوت میں آواز اُٹھاتے رہتے ہیں۔ میں ان وجوہ کے اظہار کی ضرورت محسوس نہیں کرتا جو اس تبدیلی کا سبب ہوئے ہیں جس نے ۱۹۱۱ء کے اقبال کو جو علیگڑھ کالج میں مسلمان طلباء کو تعلیم دے رہا تھا کہ "**پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں**[1]" ۱۹۳۵ء میں ایک دوسرے اقبال کی صورت میں بدل دیا جو یہ کہہ رہا ہے کہ

> "میرے نزدیک قادیانیت سے بہائیت زیادہ ایماندارانہ ہے کیونکہ بہائیت نے اسلام سے اپنی علیحدگی کا اعلان واشگاف طور پر کر دیا۔ لیکن قادیانیت نے اپنے چہرے سے منافقت کی نقاب اُلٹ دینے کے بجائے اپنے آپ کو محض نمائشی طور پر جزو اسلام قرار دیا اور باطنی طور پر اسلام کی رُوح اور اسلام کے تخیل کو تباہ و برباد کرنے کی پُوری پُوری کوشش کی"
>
> (زمیندار ۵ مئی ۱۹۳۵ء)

یعنے ۱۹۱۱ء کی احمدیہ جماعت آج ہی کے عقائد کے ساتھ صحابہؓ کا خاص نمونہ تھی لیکن ۱۹۳۵ء کی احمدیت بہائیت سے بھی بدتر ہے۔ اس بہائیت سے جو صاف لفظوں میں قرآن کریم کو منسوخ کہتی ہے۔ جو واضح عبارتوں میں بہاء اللہ کو ظہور الٰہی قرار دیتے ہوئے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ان کو فضیلت دیتی ہے گویا ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے نزدیک اگر ایک شخص رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو منسوخ قرار دیتا، قرآن کریم سے بڑھ کر تعلیم لانے کا مدعی ہوتا، نمازوں کو تبدیل کر دیتا اور قبلہ کو بدل دیتا ہے اور نیا کلمہ بناتا اور اپنے لئے خدائی کا دعویٰ کرتا ہے حتیٰ کہ اس کی قبر پر سجدہ کیا جاتا ہے تو بھی اس کا وجود ایسا بُرا نہیں مگر جو شخص رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین قرار دیتا، آپ کی تعلیم کو آخری تعلیم بتاتا، قرآن کریم کے ایک ایک لفظ ایک ایک حرکت کو آخر تک خدا تعالےٰ کی حفاظت میں سمجھتا ہے۔ اسلامی تعلیم کے ہر حکم پر عمل کرنے کو ضروری قرار دیتا ہے اور آئندہ کے لئے سب رُوحانی ترقیات کو رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور غلامی میں محصور سمجھتا ہے وہ بُرا اور بائیکاٹ کرنے کے قابل ہے۔

---

[1] یاد رہے علامہ اقبال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں حضور کو جدید ہندی مسلمانوں میں سب سے بڑا دینی مفکر بھی سمجھتے تھے (ملاحظہ ہو رسالہ انڈین اینٹی کویری جلد ۲۹ ستمبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۲۳۹ جس کا عکس اس کتاب میں موجود ہے)

دوسرے لفظوں میں سر محمد اقبال صاحب مسلمانوں سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ جو شخص رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو منسوخ کرے قرآن کریم کے بعد ایک نئی کتاب لانے کا مدعی ہو۔ اپنے لئے خدائی کا مقام تجویز کرے اور اپنے سامنے سجدہ کرنے کو جائز قرار دے۔ جس کے خلیفہ کی بیعت فارم میں صاف لفظوں میں لکھا ہو کہ وہ خدا کا بیٹا ہے، وہ بانی سلسلۂ احمدیہ سے اچھا ہے جو اپنے آپ کو خادم رسُول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم قرار دیتے ہیں۔ اور قرآن کریم کی اطاعت کو اپنے لئے ضروری قرار دیتے ہیں اور کعبہ کو بیت اللہ اور کلمہ کو مدارِ نجات سمجھتے ہیں۔ کیونکہ بہائی تو رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پر اور قرآن کریم پر حملہ کرتے ہیں۔ **لیکن احمدی سر محمد اقبال اور ان کے ہمنواؤں کو روحانی بیمار قرار دے کر انہیں اپنے علاج کی طرف توجہ دلاتے ہیں** اور ان کے ایمان کی کمزوریوں کو اُن پر ظاہر کرتے ہیں۔ بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

سر محمد اقبال اس عذر کی پناہ نہیں لے سکتے کہ میرا صرف مطلب یہ ہے کہ بہائی منافق نہیں اور احمدی منافق ہیں۔ کیونکہ اوّل تو یہ غلط ہے کہ بہائی کھلے بندوں اپنے مذہب کی تلقین کرتے ہیں۔ اگر سر محمد اقبال یہ دعویٰ کریں تو اس کے صرف یہ معنی ہوں گے کہ بیسویں صدی کا یہ مشہور فلسفی ان فلسفی تحریکات تک سے آگاہ نہیں جن سے اس وقت کے معمولی نوشت و خواند والے لوگ آگاہ ہیں۔ سر محمد اقبال کو معلوم ہونا چاہیئے کہ بہائی اپنی کتب عام طور پر لوگوں کو نہیں دیتے بلکہ انہیں چھپاتے ہیں۔ وہ ہر ملک میں الگ الگ عقائد کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ امریکہ میں صاف لفظوں میں بہاءاللہ کو خدا کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ لیکن اسلامی ممالک میں اس کی حیثیت ایک کامل ظہور کی بتاتے ہیں۔ وہ اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر نمازیں پڑھ لیتے ہیں۔ ویسا ہی وضو کرتے ہیں اور اتنی ہی رکعتیں پڑھتے ہیں جتنی کہ مسلمان۔ لیکن الگ طور پر وہ صرف تین نمازوں کے قائل ہیں اور ان کے ہاں نماز پڑھنے کا طریق بھی اسلام سے مختلف ہے۔

پھر یہ بھی درست نہیں کہ احمدی منافق ہیں اور لوگوں سے اپنے عقائد چھپاتے ہیں۔ اگر احمدی مداہنت سے کام لیتے تو آج سر محمد اقبال کو اس قدر اظہار غصہ کی ضرورت ہی کیوں ہوتی

احمدی ہندوستان کے ہر گوشے میں رہتے ہیں۔ دوسرے فرقوں کے لاکھوں کروڑوں مسلمان ان کے حالات سے واقف ہیں۔ وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرنے والے، رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی نماز کے مطابق نماز پڑھنے والے، روزے رکھنے والے، حج کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے ہیں۔ وہ کون سی بات ہے جو احمدی چھپاتے ہیں اور سر محمد اقبال کے پاس وہ کونسا ذریعہ ہے جس سے اُنہوں نے یہ معلوم کیا کہ احمدیوں کے دل میں کچھ اَور ہے مگر ظاہر وہ کچھ اَور کرتے ہیں۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم تو اس قدر محتاط تھے کہ جب ایک صحابی نے ایک شخص کو جس نے جنگ میں عین اس وقت کلمہ پڑھا تھا جب وہ اُسے قتل کرنے لگے تھے، قتل کر دیا۔ اور عذر یہ رکھا کہ اس نے ڈر سے کلمہ پڑھا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ھَلْ شَقَقْتَ قَلْبَہٗ کیا تو نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھا ہے؟ لیکن ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب آج دنیا کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ قوم جس کے افراد نے افغانستان میں اپنے عقائد چھپانے پسند نہ کئے لیکن جان دے دی، ساری کی ساری منافق ہے اور ظاہر کچھ اَور کرتی ہے اور اس کے دل میں کچھ اور ہے۔

اگر یہ الزام کوئی ایسا شخص لگاتا جسے احمدیوں سے واسطہ نہ پڑا ہوتا تو میں اُسے معذور سمجھ لیتا۔ لیکن سر محمد اقبال معذور نہیں کہلا سکتے۔ اُن کے والد صاحب مرحوم احمدی تھے۔ اُن کے بڑے بھائی صاحب شیخ عطا محمد صاحب احمدی ہیں۔ ان کے اکلوتے بھتیجے شیخ محمد اعجاز احمد صاحب سب جج احمدی ہیں[1]۔ اسی طرح ان کے خاندان کے اور کئی افراد احمدی ہیں۔ ان کے بڑے بھائی صاحب حال ہی میں کئی ماہ اُن کے پاس رہے ہیں۔ بلکہ جس وقت انہوں نے یہ اعلان شائع کیا ہے اس وقت بھی سر محمد اقبال صاحب کی کوٹھی وہ تعمیر کرا رہے تھے۔ کیا سر محمد اقبال صاحب نے اُن کی رہائش کے ایام میں انہیں منافق پایا تھا یا خود اپنی زندگی سے زیادہ پاک زندگی ان کی پائی تھی۔ ان کے سگے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب ایسے نیک

---

[1] ملاحظہ ہو "ذکر اقبال" (از سالک) "روزگار فقیر" (از فقیر سید وحید الدین)
یاد رہے علامہ اقبال نے اپنے نابالغ بچوں کے اولیا کے بارے میں جو وصیت نامہ لکھا اس میں شیخ اعجاز احمد صاحب کا نام بھی بطور ولی لکھا (روزگار فقیر جلد ۲ صفحہ ۵۶)

نوجوان ہیں کہ اگر سر محمد اقبال غور کریں تو یقیناً انہیں ماننا پڑے گا کہ اُن کی اپنی جوانی اس نوجوان کی زندگی سے سینکڑوں سبق لے سکتی ہے۔ پھر ان شواہد کی موجودگی میں ان کا کہنا کہ احمدی منافق ہیں اور وہ ظاہر میں رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن دل سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟

مَیں تمام اُن شریف مسلمانوں سے جو اسلام کی محبت رکھتے ہیں، درخواست کرتا ہوں کہ وہ ٹھنڈے دل سے اس صورتِ حالات پر غور کریں جو ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے اعلان نے پیدا کر دی ہے اور دیکھیں کہ کیا اس قسم کے غیظ و غضب کے بھرے ہوئے اعلان مسلمانوں کی حالت کو بہتر بنائیں گے یا خراب کریں گے اور سوچیں کہ ایک شخص جو اپنے احمدی بھائی کو بُلوا کر اس سے اپنی کوٹھی بنواتا ہے دوسرے مسلمانوں کو اُن کے بائیکاٹ کی تعلیم دیتا ہے کہانتک لوگوں کے لئے راہنما بن سکتا ہے اور اسی طرح وہ شخص جو رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کھُلا حملہ کرنے والے کو اچھّا قرار دیتا ہے اور اپنے ایمان پر اعتراض کرنے والے کو ناقابلِ معافی قرار دیتا ہے کہانتک مسلمانوں کا خیر خواہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ کاش سر محمد اقبال اس عُمر میں ان امُور کی طرف توجّہ کرنے کی بجائے ذکرِ الٰہی اور احکامِ اسلام کی بجا آوری کی طرف توجّہ کرتے اور پیشتر اس کے کہ توبہ کا دروازہ بند ہوتا، اپنے نفس کی اصلاح کرتے تا خدا تعالیٰ اُن کو مَوت سے پہلے صداقت کے سمجھنے کی توفیق دیتا اور وہ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سچّے متبع کے طور پر اپنے رب کے حضور میں پیش ہو سکتے۔ وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؏

وَالسَّلَام

خاکسار مرزا محمود احمد امام جماعت احمدیہ" [1] [2]

---

[1] "الفضل" قادیان ۱۸؍ جولائی ۱۹۳۵ء ؏

[2] جناب عبد الحکیم صاحب شملوی کا بیان ہے کہ:۔

"سن ۱۹۳۱ء کا واقعہ ہے۔ مولانا شوکت علی، نواب صاحب بھوپال کے مہمان تھے اور نہان ہاؤس شملہ میں نواب صاحب کے کیمپ میں مقیم تھے۔ مَیں اُن سے ملنے گیا۔ وہاں مولانا کی ملاقات کے لئے سر محمد اقبال بھی تشریف

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کا ردّ عمل

حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے مدلل مضمون اور آپ کے بیان فرمودہ حقائق کے ردّ میں ڈاکٹر صاحب موصوف کو آخر دم تک قلم اُٹھانے کی جرأت نہ ہو سکی۔ البتہ انہوں نے اپنے فلسفیانہ انداز میں احمدیت پر تنقید ضرور جاری رکھی۔ خصوصاً پنڈت جواہر لال نہرو کے[1] دو مضامین کے جواب میں (جو کلکتہ کے رسالہ "ماڈرن ریویو" میں شائع ہوئے تھے)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔

لائے۔ مولانا چونکہ وہاں موجود نہ تھے۔ سر محمد اقبال سے میری باتیں ہوتی رہیں۔ دوران گفتگو میں میرے دریافت کرنے پر انہوں نے کہا۔ فی الحقیقت اگر آج کوئی خدمت اسلام کر رہا ہے تو وہ صرف جماعت احمدیہ ہے۔ اور یہی لوگ ہیں جو حق رکھتے ہیں کہ مسلمان کہلائیں۔ ان میں مَیں سب باتیں قرون اُولیٰ کے مسلمانوں کی پاتا ہوں غیور اور پکے مسلمان ہیں۔ آپس میں محبت اور ایثار سے کام لیتے ہیں۔

اس پر مَیں نے اُنہیں بتایا کہ ایک دفعہ مولانا محمد علی نے فرمایا تھا۔ اگر مجھے دس آدمی احمدیوں کا سا اخلاص اور سچائی رکھنے والے مل جائیں تو مَیں ہندوستان کے مسلمانوں کی تنظیم کر سکتا ہوں۔ افسوس یہ ہے کہ جس کے سپرد ہم کوئی کام کرتے ہیں وہ خود مختار بن کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس پر سر اقبال نے کہا۔ مولانا نے صحیح کہا ہے۔ یہی حال آج مسلمانوں کا ہے۔ وہ اس قدر خود سر ہیں کہ دوسرے کی بات ماننے کو ہرگز تیار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان روز بروز اپنی اس خود سری کے باعث انحطاط کی طرف جا رہے ہیں۔

یہ تو ایک ملاقات کا ذکر ہے۔ ورنہ سر اقبال کو مَیں جب بھی ملا انہیں احمدیت کا بے انتہا مداح پایا۔ چونکہ سر اقبال کا لڑکا آفتاب احمد میرا ہم جماعت تھا۔ میں نے اس کا حال پوچھا تو کہنے لگے میں نے اُسے قادیان پڑھنے کے لئے بھیجا تھا تا دین سیکھ لے مگر وہ وہاں نہ رہا۔

جو شخص اپنے بچے کو قادیان تربیت کے لئے بھیجتا ہے لازماً وہ دل میں احمدیت کی قیمت جانتا ہے۔ اب احراریوں کے دباؤ یا اپنے لئے مسلمانوں کے اندر کوئی جگہ بنانے کے لئے مخالفت پر آمادہ ہو جائے تو اور بات ہے۔"

("الفضل" قادیان ۲۰ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۴)

حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا :۔

[1] پنڈت جی نے ڈاکٹر صاحب موصوف کے پہلے بیان پر تنقید کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اگر اسلام کے ایک بنیادی عقیدہ ختم نبوت کے انکار سے قادیانی خارج از اسلام ہو گئے ہیں تو آغا خان کو مسلمان قرار دینے کی وجہ کیا ہے؟ پنڈت جی سوشلسٹ خیال کے سیاسی لیڈر تھے۔ جماعت احمدیہ کے مذہبی یا سیاسی افکار سے تو ان کو کوئی ہمدردی تھی نہیں ہاں دوستانہ تعلقات کے اعتبار سے وہ ڈاکٹر صاحب سے زیادہ قریب تھے۔

سید رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں :۔

" اقبال بھی جواہر لال کے بارے میں بڑی اچھی رائے رکھتے تھے۔ کشمیریت کے اشتراک سے قطع نظر وہ اُن کے اخلاص، بے باکی، جوش کار، حب وطن، ذہانت، قابلیت، فراست، ہر چیز کے معترف تھے "

("اقبال اور سیاست ملی" صفحہ ۱۳۰ - ۱۳۱)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

انہوں نے احمدیت پہ زبردست نکتہ چینی کی۔

ایک ضمنی بات یہاں ضمناً یہ بتانا شاید غیر مناسب نہ ہوگا کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال شعر وسخن اور فلسفہ دانی میں ایک بلند پایہ شخصیت کے حامل تھے مگر جہانتک اسلامی نظریات و مبادیات کا تعلق ہے۔ انہیں خود مسلّم تھا کہ

"میری مذہبی معلومات کا دائرہ نہایت محدود ہے۔ میری عمر زیادہ تر مغربی فلسفہ کے مطالعہ میں گذری ہے اور یہ نقطہ خیال ایک حد تک طبیعت ثانیہ بن گیا ہے۔ دانستہ یا نادانستہ میں اسی نقطۂ خیال سے حقائق اسلام کا مطالعہ کرتا ہوں" [1]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :-

خود علامہ اقبال نے ۱۰ نومبر ۱۹۳۳ء کو بیان دیا کہ "میں پنڈت جواہر لال نہرو کے خلوص اور صاف گوئی کی ہمیشہ سے قدر کرتا رہا ہوں" ("اقبال اور سیاست ملی" ناشر اقبال اکیڈیمی کراچی، صفحہ ۲۸۱)

ڈاکٹر صاحب ابتدائی زندگی میں وطنیت اور قومیت متحدہ کے زبردست مدّاح اور علمبردار تھے ("اقبال اور سیاست ملی" صفحہ ۳۸۷ از مولانا رئیس احمد جعفری)۔ دوسرے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کانگرس کی آلہ کار جماعت احرار نے کر رکھا تھا اور ڈاکٹر صاحب اس کی تائید فرما رہے تھے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے ۲۱ جون ۱۹۳۶ء کو پنڈت جی کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا کہ

"میرے محترم پنڈت جواہر لال۔ آپ کے خط کا جو مجھے کل ملا، بہت بہت شکریہ۔ آپ کے مقالات پڑھ کر آپ کے مسلمان عقیدتمند خاصے پریشان ہوئے۔ اُن کو یہ خیال گذرا کہ احمدی تحریک سے آپ کو ہمدردی ہے۔

. . . . بہرحال مجھے خوشی ہے کہ میرا تاثر غلط ثابت ہوا۔ مجھ کو خود "دینیات" سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں ہے مگر احمدیوں سے خود انہی کے دائرہ فکر میں نپٹنے کی غرض سے مجھے بھی "دینیات" سے کسی قدر جی بہلانا پڑا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے یہ مقالہ اسلام اور ہندوستان کے ساتھ بہترین نیتوں اور نیک ترین ارادوں میں ڈوب کر لکھا۔ میں اس باب میں کوئی شک وشبہ اپنے دل میں نہیں رکھتا کہ یہ احمدی اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔ لاہور میں آپ سے ملنے کا جو موقعہ میں نے کھویا اس کا سخت افسوس ہے۔ . . . . آپ مجھے ضرور مطلع فرمائیں کہ آپ پھر پنجاب کب تشریف لا رہے ہیں۔

شہری آزادیوں کی انجمن کے بارے میں آپ کی جو تجویز ہے اس سے متعلق خط آپ کو ملا یا نہیں . . .

آپ کا مخلص محمد اقبال" ("کچھ پرانے خط" حصہ اوّل مرتبہ جواہر لال نہرو صفحہ ۲۹۳ ناشر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی)

اس خط سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے احمدیوں کے خلاف جو کچھ لکھا اس کی حیثیت "دینیات" سے "دل بہلاوا" کی تھی اور پنڈت نہرو جی کے مضمون کا اصلی مقصد دراصل احمدیوں کی تائید کرنا ہرگز نہیں تھا۔ جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے خود لکھا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[1] مکتوب بنام پروفیسر صوفی غلام مصطفیٰ صاحب تبسم (اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۴۶ - ۴۷۔ ناشر شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور)

اسی تعلق میں ایک بار انہوں نے اپنی چھوٹی ہمشیرہ کو خط میں لکھا :-

"میں جو اپنی گذشتہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ مَیں نے اپنی عمر یورپ کا فلسفہ وغیرہ پڑھنے میں گنوائی۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو قوائے دماغی بہت اچھے عطا فرمائے تھے۔ اگر یہ قویٰ دینی علوم کے پڑھنے میں صرف ہوتے تو آج خدا کے رسُول کی میں کوئی خدمت کر سکتا" [۱]

اس کے مقابل جہاںتک عمل کا تعلق ہے، اُن کا اپنا اعتراف ہے کہ

"اقبال بڑا اپدیشک ہے مَن باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا" [۲]

اسی طرح ایک بار انہوں نے اپنی عملی زندگی کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ

"میں تو قوّال ہوں مَیں گاتا ہوں تم ناچتے ہو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں بھی تمہارے ساتھ ناچنا شروع کر دُوں" [۳]

انہوں نے ایک اَور موقعہ پر یہ بھی اعتراف کیا کہ

"اگر مَیں اپنی پیش کردہ تعلیمات پر عمل بھی کرتا تو شاعر نہ ہوتا بلکہ مہدی ہوتا" [۴]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :-

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر پنڈت جی کا جماعت احمدیہ کے حق میں لکھنے کی درپردہ اغراض کیا تھیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ پنڈت جی ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے۔ وہ مسلمانوں میں بالواسطہ طور پر یہ تاثر قائم کرنا چاہتے تھے کہ احمدیوں کے خلاف مجلس احرار کی تحریک سے کانگرس کو کوئی دلچسپی نہیں۔ حالانکہ یہ تحریک کانگرس ہی کے اشارہ پر اُٹھائی گئی تھی۔ جیسا کہ جلد ہفتم میں تفصیلاً بتایا جا چکا ہے۔ ۲۔ پنڈت جی مسلم لیگ کی آئینی و مالی حیثیت کو کمزور کرنا چاہتے تھے کہ اگر احمدی غیر مسلم ہیں تو مسلمانوں کے لیڈر آغاخاں بھی علامہ اقبال کے فلسفہ ختم نبوت کی رُو سے یقیناً دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اس لئے اُن کو بھی ملّت سے باہر کر دینا چاہیئے۔ اس کے بعد اگلا قدم شاید قائدِاعظم محمد علی جناح کے خلاف اُٹھایا جاتا۔ اسماعیلی فرقہ کے عقائد کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر زاہد علی کی کتاب "ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت" اس کتاب میں یہانتک لکھا ہے کہ اسماعیلیوں کے ساتویں امام مولانا محمد بن اسمٰعیل سَابِعُ المتممین، خاتم الائمّہ، قائم الاتماء، سَابع الرسل، سابع النطقاء کہے جاتے ہیں۔ آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے شریعت محمدی کے ظاہر کو معطل کر دیا۔ آپ نے محمد المصطفیٰ کے دَور کو پُورا کیا اور آپ سے ساتواں دَور شروع ہوا۔ (مفہوم مقدمہ صفحہ ۲)

[۱] "روزگارِ فقیر" جلد دوم صفحہ ۱۸۸ (مؤلفہ فقیر سیّد وحید الدین، طابع و ناشر طبع اوّل نومبر ۱۹۶۴ء) ؛ [۲] "بانگ درا" صفحہ ۳۳۶ ؛

[۳] "اقبالیات؛ کا تنقیدی جائزہ" صفحہ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ (مؤلفہ قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی۔ ناشر اقبال اکیڈیمی کراچی ۱۹۶۵ء)۔ اقبال مرحوم کا ایک شعر ہے ؎ "لوگ کہتے ہیں مجھے راگ کو چھوڑو اقبال ؎ راگ ہے دینِ میرا راگ ہے ایمان میرا" (باقیاتِ اقبال صفحہ ۵۰۴)

[۴] "ذکرِ اقبال" صفحہ ۲۵۸ (مؤلفہ مولانا عبد المجید سالکؔ)۔ اس نقطہ نگاہ سے اقبالیات کے مطالعہ کا شوق رکھنے والوں

علاّمہ احسان اللہ خاں تاجور نے اپنے رسالہ "شاہکار" میں لکھا ہے کہ

"علاّمہ اقبال . . . میں کمال قابلیت کے ساتھ طاقت گفتار کی بہ نسبت روح کردار بہت کم ہے" [۱]

بلکہ امیر شریعت احرار مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری تو صاف کہا کرتے تھے کہ

"اقبال کا قلم تمام عمر صحیح رہا اور قدم اکثر و بیشتر غلط" [۲]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :-

کو "باقیات اقبال" کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اس سے ان کو اس عظیم فلسفی شاعر کا نفسیاتی تجزیہ کرنے میں بھی بڑی مدد ملے گی۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب کا کہنا ہے کہ ؎

" مانگ کر احباب سے رجعت پسندی کی کدال ٭ قبر آزادی کی کھود دی کس نے سر اقبال نے
کہہ رہے تھے ڈاکٹر عالم یہ افضل حق سے ٭ قوم کی لٹیا ڈبو دی کس نے سر اقبال نے "

("ظفر علی خاں" صفحہ ۱۹۷ از شورش)

ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے ۳۰ دسمبر ۱۹۱۵ء کو لاہور سے مہاراجہ کشن پرشاد شاد (وزیر اعظم ریاست حیدر آباد) کے نام ایک مکتوب لکھا تھا جس سے علاّمہ موصوف کی افتاد طبع کا خوب پتہ چلتا ہے۔ فرماتے ہیں :-

" لندن میں ایک انگریز نے مجھ سے پوچھا۔ تم مسلمان ہو ؟ میں نے کہا ہاں۔ تیسرا حصّہ مسلمان ہوں۔ وہ حیران ہو کر بولے، کس طرح ؟ میں نے عرض کیا کہ رسول اکرمؐ فرماتے ہیں۔ مجھے تمہاری دُنیا سے تین چیزیں پسند ہیں۔ نماز، خوشبو اور عورت۔ مجھے ان تینوں میں سے صرف ایک پسند ہے۔ مگر اس تخیّل کی داد دینی چاہیئے کہ نبی کریمؐ نے عورت کا ذکر دو لطیف ترین چیزوں کے ساتھ کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ عورت نظام عالم کی خوشبو ہے اور قلب کی نماز۔ ایک معصومہ پنجاب میں رہتی ہے۔ میں نے کبھی اُسے دیکھا نہیں مگر سُنا جاتا ہے کہ حُسن میں لاجواب ہے اور اپنے گذشتہ اعمال سے تائب ہو کر پردہ نشینی کی زندگی بسر کرتی ہے۔ چند روز ہوئے اس کا خط مجھے موصول ہوا کہ مجھ سے نکاح کر لو۔ تمہاری نظم کی وجہ سے تم سے غائبانہ پیار رکھتی ہوں اور میری توبہ کو ٹھکانے لگا دو۔ دل تو یہی چاہتا تھا کہ اس کار خیر میں حصّہ لوں مگر کمر میں طاقت ہی نری کافی نہیں اس کے لئے دیگر وسائل بھی ضروری ہیں۔ مجبوراً مہذبانہ انکار کرنا پڑا۔ اب بتائیے کہ آپ کا نسخہ کیسے استعمال میں آئے ؟ مگر میں آپ کی ولایت کا قائل ہوں کہ آپ نے ایسے وقت میں یہ نسخہ تجویز فرمایا کہ مریض کی طبیعت خود بخود ادھر مائل تھی۔ نسخہ مجھے دل سے پسند ہے مگر اس کو کسی اور وقت پر استعمال میں لاؤں گا جب حالات زیادہ مساعد ہوں۔ فی الحال سرکار کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ وہ قادر و توانا سرکار کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے کہ . . . شاہ کے مریدوں میں داخل ہو کر تثلیثی مذہب کو خیرباد کہہ کر پنجتنی ہو جاؤں . . . . بندۂ درگاہ ـ محمد اقبال "

(سہ ماہی رسالہ "اردو" شمارہ اپریل ۱۹۶۷ء کراچی۔ بحوالہ ہفت روزہ "لاہور" ۲۸ اگست ۱۹۶۷ء)

یہ تو ایام شباب کی بات ہے جہانتک جناب موصوف کے آخری دورِ حیات کا تعلق ہے، اقبال کے بڑے عقیدت مند اہلِ قلم جناب شورش کاشمیری صاحب مدیر "چٹان" کی کتاب "نورتن" (صفحہ ۵۱-۵۲-۵۳) کا مطالعہ کافی ہو گا۔

[۱] "شاہکار" ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۰ ٭ [۲] ہفت روزہ "عادل" ۲۳ مارچ ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۔ ان حقائق کے باوجود بعض حلقوں نے غالباً کسی خاص منصوبہ اور مصلحت کے تحت اقبال کے معاملے میں از حد غلو سے کام لینا شروع کر دیا ہے۔ اور ان کو

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ڈاکٹر صاحب کے بعض عجیب و غریب نظریات

عقیدہ و عمل کی اسی امتزاجی کیفیت کا نتیجہ تھا کہ علامہ اقبال نے احمدیوں کو ختم نبوت اور اسلام کا باغی ثابت کرنے کے لئے پنڈت نہرو کے جواب میں بعض ایسے نظریات پیش کر دیئے جن کی تغلیط بعد کو خود اُن کے مدّاحوں کو کرنا پڑی۔ مثلاً انہوں نے یہ نظریہ اختراع کیا کہ غلام قوموں کے انحطاط کے نتیجہ میں الہام جنم لیتا ہے۔ اسی خیال کو انہوں نے اپنے ایک شعر میں یوں باندھا ہے:-

؎ محکوم[1] کے الہام سے اللہ بچائے ؛ غارت گر اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:-

"پیغمبر گلشن" "رسُول چمن" (ہفت روزہ "قندیل" ۲۲ اپریل ۱۹۵۶ء نظم عبد الکریم ثمر "کلیم وقت" (گفتنی و ناگفتنی صفحہ ۲۲۶) "پیغمبر پیغمبر حق" "نبی" "محمد موسیٰ کف" ("اقبال ایرانیوں کی نظر میں") اور خدا جانے کیا کیا القاب و خطابات دینے لگے ہیں۔ آغا عبد الکریم شورش کاشمیری نے بجا لکھا ہے کہ "علامہ اقبال . . . کو مسلمانوں کی بے پناہ عقیدت لے ڈوبی" (ہفت روزہ "عادل" لاہور ۲۳ مارچ ۱۹۵۳ء صفحہ ۲) اس "بے پناہ عقیدت" کا نتیجہ کس رنگ میں برآمد ہوا ہے۔ اس کا جواب پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے الفاظ میں یہ ہے کہ "اقبال کو اپنے ذاتی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ جیسے دیکھو آلاتِ جراحی لئے مرحوم کے کلام کا پوسٹ مارٹم کر رہا ہے . . . مسلمانوں نے اقبال کے کلام کو ذہنی تفریح اور دماغی ورزش کا ذریعہ بنا لیا ہے" (شرح بالِ جبریل صفحہ ۳۴۲ ناشر عشرت پبلشنگ ہاؤس ہسپتال روڈ لاہور) بقول شورش کاشمیری "مسلمانوں نے علامہ اقبال سے جو عقیدت استوار کی ہے اس کا رشتہ دماغی نہیں قلبی ہے اور ظاہر ہے کہ دل کی محبت ہمیشہ اندھی ہوتی ہے۔ مسلمان اقبال کے نام سے محبت کرتے ہیں لیکن اقبال کے کلام کو صرف گاتے یا گواتے ہیں۔ ع مرا یاراں غزل خوانے شمرند" ("عادل" ۲۳ مارچ ۱۹۵۳ء صفحہ ۲) نیز "یار لوگوں نے اقبال کو اپنے مقاصد و اغراض کا محور بنا لیا ہے . . . . جن لوگوں نے یہاں اپنے آپ کو اقبال کا اجارہ دار بنانا چاہا . . . اُن کی اکثریت جھوٹی ہے۔ یہ لوگ اقبال کا مطالعہ کئے بغیر اقبال پر گفتگو کرتے ہیں" ("چٹان" ۸ مئی ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۵ کالم ۱-۲) دراصل یہ سب نتائج غلو کے نتیجہ میں پیدا ہو رہے ہیں۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال نے جب مئی ۱۹۳۵ء میں احمدیت کے خلاف پہلا بیان دیا تو اخبار "الفضل" (قادیان) نے واضح الفاظ میں لکھا "جو لوگ سر موصوف کے حالات سے تھوڑی بہت بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ شعر و شاعری کے لحاظ سے تو اُن کی قدر کی جا سکتی ہے لیکن مذہب کے بارے میں اُن کی رائے قطعاً کوئی حقیقت نہیں رکھتی" ("الفضل" ۱۰ مئی ۱۹۳۵ء نمبر ۲۶۰ صفحہ ۱ کالم ۱) اور اب تو نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ اقبال کی شاعری ناقدین کی زد میں ہے۔ ملاحظہ ہو "اقبالیات کا تنقیدی جائزہ" (مؤلفہ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی)، "اقبال کی شاعری" (مؤلفہ مولانا عبد المالک صاحب آروی مطبوعہ نظامی پریس بدایوں) "اقبال اس کی شاعری اور پیغام" (مؤلفہ شیخ اکبر علی ایڈووکیٹ۔ ناشر کمال پبلشرز ۲۶ مال روڈ لاہور) "اقبال نئی تشکیل" (مؤلفہ ابو ظفر حیدر آبادی)

لہ مولانا سید رئیس احمد صاحب جعفری نے خود علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کی "شانِ محکومیت" کا نقشہ نہایت واضح الفاظ میں کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں:- "اس دور میں، اس طوفان خیز و ہنگامہ آفریں دور میں اقبال کا کیا حال تھا۔ وہ کیا کر رہے تھے وہ کس طرف تھے۔ آزادی کے شیدائیوں اور ملت کے جانثاروں کے ساتھ یا قوم کے دشمنوں یا ملک کے غداروں کے ساتھ۔ واقعات حقائق بڑے بے مروّت اور غیر جانبدار ہوتے ہیں۔ وہ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتے سچی اور کھری بات کہتے ہیں حقائق کی زبان سے واقعات کا بیان یہ ہے کہ اقبال نہ صرف تحریک خلافت کے ساتھ نہیں تھے بلکہ اس سے اصولی اختلاف رکھتے تھے اور اس لئے اس سے اسی طرح الگ اور غیر متعلق تھے جس طرح ایک مخالف ہو سکتا ہے۔ یہی نہیں عین اس زمانہ میں جب لوگ ملازمتوں پر لات مار رہے تھے۔ سرکاری اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا بائیکاٹ کر رہے تھے، سرکاری عدالتوں کا مقاطعہ کر رہے تھے۔ سرکاری خطابات

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جناب حافظ اسلم صاحب جیراجپوری نے اس شعر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

"یہ خالص شاعرانہ استدلال ہے۔ غالب کی طرح جس نے کہا ؎

کیوں ردّ قدح کرے ہے زاہد
مَے ہے یہ مگس کی قَے نہیں ہے

جس طرح مگس کی قے کہہ دینے سے شہد کی لطافت اور شیرینی میں فرق نہیں آسکتا۔ اسی طرح حکومت کی نسبت سے الہام بھی اگر حق ہو تو غارت گر اقوام نہیں ہو سکتا۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام رُومی سلطنت کے محکوم تھے جن کی نسبت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے۔ ؎

فرنگیوں کو عطا خاک سُوریا نے کیا
نبیٔ عفت و غمخواری و کم آزاری

بلکہ اکثر انبیاء کرام علیہم السلام محکوم اقوام ہی میں مبعوث کئے گئے جس کے خاص اسباب و علل تھے . . . . . دراصل نبوت کی صداقت کا معیار حاکمیت یا محکومیت پر نہیں ہے۔ بلکہ خود الہام کی نوعیت پر ہے۔" [1]

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کے اس جوابی مضمون میں سے بطور نمونہ یہ صرف ایک مثال پیش کی گئی ہے ورنہ انہوں نے اس نوع کی لغزشیں کھائی ہیں کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ اس واضح حقیقت کا تفصیلی جائزہ لینے کے لئے اخبار "الفضل" (قادیان) کا چودہ قسطوں پر مشتمل سلسلہ مضامین مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ [2]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :-

واپس کر رہے تھے، اقبال کو سَر کا خطاب دیا گیا۔ اور انہوں نے اُسے قبول بھی کر لیا۔ جس پر کسی دل جلے نے یوں فقرہ چست کیا۔ ع

"سرکار کی دہلیز پہ سَر ہو گئے اقبال"

("اقبال اور سیاست ملی" صفحہ ۲۷۳ - ۲۷۴)

[1] "نوادرات" صفحہ ۱۲۳ - ۱۲۴ ۔

[2] ملاحظہ ہو "الفضل" ۲۰ر فروری ، ۲۵ر فروری ، ۲۷ر فروری ، ۲۸ر فروری ، ۱۵ر مارچ ، ۱۹ر مارچ ۲۲ر مارچ ، ۲۴ر مارچ ، ۷ر اپریل ، ۹ر مئی ، ۱۲ر مئی ، ۲ر جون ، ۱۶ر جون ، ۲۳ر جون ۱۹۳۶ء ۔ علاوہ ازیں "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی مارچ ۱۹۳۶ء کے شمارہ خصوصی پر

"DR. MOHAMMAD IQBAL AND THE AHMADIYYA MOVEMENT"

کے زیر عنوان ایک معرکۃ الآراء مضمون شائع ہوا۔

جون ۱۹۳۶ء کے وسط اوّل میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے جواب میں شائع کیا گیا اور جس میں اُن کے بیان پر اس خوبی، جامعیت اور مدلّل رنگ میں روشنی ڈالی گئی کہ بس دن ہی چڑھ گیا۔ اور سر محمد اقبال اور اُن کے مدّاحوں پر ہمیشہ کے لئے حجّت تمام ہو گئی۔

مسئلہ وفاتِ مسیحؑ کی معقولیت کا واضح اقرار

بالآخر یہ بتانا ازبس ضروری ہے کہ ڈاکٹر اقبال نے جہاں جماعت احمدیہ کے خلاف بہت سے فلسفیانہ اعتراضات کئے ہیں وہاں آپ جماعت احمدیہ کے بنیادی عقیدہ وفات مسیح کے بارے میں یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ:۔

"جہانتک مَیں اس تحریک کا مفہوم سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ مرزائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام ایک فانی انسان کی مانند جامِ مرگ نوش فرما چکے ہیں نیز یہ کہ اُن کے دوبارہ ظہور کا مقصد یہ ہے کہ رُوحانی اعتبار سے ان کا ایک مثیل پیدا ہوگا کسی حد تک معقولیت کا پہلو لئے ہوئے ہے۔"[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اظہارِ مسرّت ڈاکٹر سر محمد اقبال کے ایک خیال پر

اس واضح اقرارِ حق کے علاوہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے ایک نہایت اہم اور قیمتی نکتہ بھی بیان فرمایا جو ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے کہ

"بانیٔ احمدیّت کے الہامات کی اگر دقیق النظری سے تحلیل کی جائے تو یہ ایک ایسا مؤثر طریقہ ہوگا جس کے ذریعہ سے ہم اس کی شخصیّت اور اندرونی زندگی کا تجزیہ کر سکیں گے اور مجھے امید ہے کہ کسی دن نفسیاتِ جدید کا کوئی متعلّم اس کا سنجیدگی سے مطالعہ کرے گا"[2]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو اس خیال پر ازحد خوشی ہوئی اور حضور نے ایک بار اس تجویز کا پرجوش خیر مقدم

---

[1] "مرزائیت کے متعلق پنڈت جواہر لال نہرو کے جواب میں شاعر اسلام مفکّر مشرق علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مدظلہ العالی کا بصیرت افروز بیان" صفحہ ۲۲۔ ناشر سکرٹری شعبہ اشاعت و تبلیغ مسجد مبارک برانڈرتھ روڈ لاہور۔ ۱۸ فروری ۱۹۳۶ء۔

[2] "حرف اقبال" صفحہ ۱۶۱-۱۶۲۔

کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

"مجھے اس حوالہ کو پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کیونکہ مَیں سمجھتا ہوں کہ جب کوئی ماہر نفسیات بانی سلسلہ احمدیہ کے الہامات کا تجزیہ قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں کرے گا اور صحیح تجزیہ کرے گا تو وہ لازماً احمدیت کی صداقت کا قائل ہو جائیگا پس یہ نصیحت علامہ اقبال مرحُوم کی ہمارے لئے نہایت ہی مفید ہے۔ اگر کوئی شخص غلط تجزیہ کرے گا تو ہماری زبان اور قلم سلامت ہیں۔ ہم جواب دیں گے اور بتائیں گے کہ یہ تجزیہ تمہارا غلط ہے . . . . ہم تو کہیں گے کاش بہت سے ایسے لوگ کھڑے ہوں۔ اگر ایسے لوگ کھڑے ہوں گے تو وہ یقیناً احمدی جماعت کی تائید کرنے والے ہوں گے اور ہماری ترقی کا موجب ہوں گے۔ اور اگر وہ تعصب سے کام لیں گے تو پھر بھی ہمارے لئے کامیابی ہی کی صُورت نکلے گی۔ کیونکہ ہم اُن کی کمزوریاں ظاہر کریں گے اور دُنیا کو پتہ لگ جائے گا کہ ہمارا مقابلہ کرنے والا خواہ کسی رنگ میں بھی پیش ہو وہ صداقت سے دُور ہوتا ہے اور بنیادی کمزوریوں میں مبتلا ہوتا ہے . . .

میرے نزدیک . . . . جو باتیں ایک رنگ میں ہمارے فائدہ کی ہوں ان پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اور ایسے لوگوں کا ممنون ہونا چاہیئے جو کہ دانستہ یا نادانستہ سچائی کے معلوم کرنے کے لئے ایک رستہ کھولتے ہیں۔" [1]

---

[1] "الفضل" ۱۳ر جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۳

فصل سوم

مجاہدین تحریک جدید کا بیرونی ممالک میں جانے والا پہلا قافلہ

۶ رمئی ۱۹۳۵ء کا دن تاریخ احمدیت میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس روز تحریک جدید کے ماتحت بیرونی ممالک میں جانے والے مجاہدین کا پہلا قافلہ جو مندرجہ ذیل مبلغین پر مشتمل تھا قادیان سے روانہ ہوا:-

۱۔ مولوی غلام حسین صاحب ایاز (سنگاپور) ۲۔ صوفی عبدالغفور صاحب (چین)

۳۔ صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز (جاپان) [۱] - [۲]

دارالتبلیغ سٹریٹس سیٹلمینٹ

سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سنگاپور، ملاکا اور پنیانگ کی ریاستوں میں تبلیغ اسلام کیلئے مولانا غلام حسین صاحب[۳] ایاز کو روانہ فرمایا۔ روانگی کے وقت آپ کو صرف اخراجات سفر دیئے گئے۔ آپ ایک لمبے عرصہ تک خود آمد پیدا کر کے گذارہ کرتے اور مشن چلاتے رہے۔

ایاز صاحب نے سنگاپور میں پہنچتے ہی اس خطہ زمین کے مذہبی اور تجارتی حالات کا جائزہ لیا[۴] اور ساتھ ہی دیوانہ وار تبلیغ اسلام و احمدیت میں مصروف ہو گئے۔ یہاں آپ کو شدید مخالفت کا سامنا ہوا۔ مگر آپ مجنونانہ رنگ میں مصروفِ جہاد رہتے۔

آپ کی کوششوں کا پہلا ثمرہ حاجی جعفر صاحب بن حاجی وانستا را صاحب[۵] تھے جو جنوری ۱۹۳۷ء[۶]

---

[۱] الفضل ۸ رمئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ کالم ۴۔ [۲] الفضل ۱۶ رمئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۱

[۳] سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدیم صحابی حضرت میاں غلام قادر صاحب (بیعت ۱۸۹۲ء) کے فرزند اکبر اور مولانا غلام احمد صاحب فرخ مربی سلسلہ احمدیہ حیدرآباد کے بڑے بھائی۔

[۴] ملاحظہ ہو آپ کا مضمون مطبوعہ الفضل ۹ رجون ۱۹۳۵ء صفحہ ۶۔

[۵] وفات ۱۹۶۶ء بعمر ۷۷ سال (الفضل ۱۳ رفروری ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ کالم نمبر ۲)

[۶] الفضل ۱۸ رفروری ۱۹۳۷ء صفحہ ۸۔ اگرچہ اس سے قبل بھی چار پانچ اشخاص بیعت کر چکے تھے مگر ملائی قوم میں بیعت کا اولین شرف آپ ہی کو نصیب ہوا۔

میں آپ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔ مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری سابق انچارج سنگاپور مشن کا بیان ہے کہ:۔

"سنگاپور میں قیام جماعت کے ابتدائی ایام میں مکرم حاجی صاحب مرحوم نے حضرت مولوی غلام حسین صاحب ایاز کی معیت میں سلسلہ کی خاطر بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ دو تین مرتبہ بعض معاندین کی طرف سے زدوکوب اور ماریں بھی کھائیں مگر خدا کے فضل سے ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ ایک مرتبہ بعض مخالف لوگوں کی انگیخت پر دو اڑھائی سو مسلح افراد نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اور اپنے ایک عالم کو ساتھ لاکر حاجی صاحب مرحوم سے اسی وقت احمدیت سے منحرف ہونے کا مطالبہ کیا اور بصورت دیگر ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کی دھمکی دی۔ حاجی صاحب مرحوم نے اُسی وقت اُونچی آواز سے تشہد پڑھ کر اعلان کیا کہ میں کس بات سے توبہ کروں۔ میں تو پہلے ہی خدا کے فضل سے ایک سچا مسلمان ہوں۔ اور اگر میں نے کسی گناہ سے توبہ کرنی بھی ہو تو بندوں کے سامنے نہیں بلکہ میں اللہ کے سامنے اپنے سب گناہوں کی معافی مانگتا ہوا اُسی سے ملتجی ہوں۔ کہ وہ مجھے معاف کرے۔ جب اسکے باوجود مجمع مشتعل رہا۔ اور مکان میں گھس کر جانی نقصان پہنچانے کی دھمکیاں دیتا رہا۔ تو مرحوم مومنانہ جرأت اور ہمت سے ایک چھرا ہاتھ میں لے کر اپنے مکان کی حدود میں اپنا دروازہ روک کر کھڑے ہو گئے اور ببانگ دہل یہ اعلان کر دیا کہ مرنا تو ہر ایک نے ایک ہی مرتبہ ہے۔ کیوں نہ سچائی کی خاطر بازی لگادی جائے۔ اب اگر تم میں سے کسی باپ کے بیٹے میں جرأت ہے کہ بُری نیت سے میرے مکان میں گھسنے کی کوشش کرے تو آگے بڑھ کر دیکھ لے۔ کہ اس کا کیا حشر ہوگا۔

مکان کی دوسری سمت سے حاجی صاحب مرحوم کی بہادر لڑکی باہر نکل آئی۔ اور ہاتھوں میں ایک مضبوط ملائی تلوار نہایت جرأت سے گھماتے ہوئے اُس نے بھی سارے مجمع کو یہ کہتے ہوئے چیلنج کیا کہ میرے والد جب سے احمدی ہوئے ہیں۔ میں نے ان میں کوئی خلافِ شرع یا غیر اسلامی بات نہیں دیکھی۔ بلکہ ایمان اور عمل ہر لحاظ سے وہ پہلے سے زیادہ پکے مسلمان اور اسلام کے شیدائی معلوم ہوتے ہیں۔ اسلئے تمہارا یہ خیال غلط

ہے کہ احمدیت نے انہیں اسلام سے مرتد کر دیا ہے۔ پس اگر آپ لوگوں میں سے کسی نے میرے باپ پر حملہ کرنے کی جرأت کی یا ناجائز طور پر ہمارے گھر کے اندر گھسنے کی کوشش کی تو وہ جان لے کہ اس کی خیر نہیں۔ اگرچہ مَیں عورت ہوں۔ تاہم تم یاد رکھو کہ حملے کی صورت میں مَیں اس تلوار سے تین چار کو مار گرانے سے پہلے نہیں مرونگی۔ اب جسکا جی چاہیے آگے بڑھ کر اپنی قسمت آزمالے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اُس مشتعل مجمع پر ایسا رُعب طاری کیا کہ باوجود اسکے کہ لوکل ملائی پولیس کے بعض افراد وہاں کھڑے قیامِ امن کے بہانے مخالفینِ احمدیت کی کھُلی تائید کر رہے تھے۔ پھر بھی مجمع میں سے کسی فرد کو بھی مکرم حاجی صاحب کے گھر میں گھسنے یا حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر جب کافی وقت گذر گیا تک وہ لوگ منتشر نہ ہوئے تو حاجی صاحب مرحوم نے ان کو مخاطب کرکے کہا۔ کہ مَیں خدا کے فضل سے احمدیت میں داخل ہونے سے پہلے بھی مسلمان تھا اور قبولِ احمدیت کے بعد تو زیادہ پکے طور پر مسلمان ہو گیا ہوں کیونکہ احمدیت اسلام ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس پر مخالفین شرمندہ ہو کر آہستہ آہستہ منتشر ہو گئے"[1]

ایاز صاحب ۱۴ر مارچ ۱۹۳۶ء کو سنگاپور سے ملایا کی ریاست جوہر میں تشریف لے گئے۔ اور جوہر (دارالسلطنت) رنگم۔ پنتیان کچیل۔ باتو پاہٹ۔ موار۔ کوتا تینگی۔ بنوت وغیرہ شہروں کا تبلیغی دورہ کیا اور انگریزی اور ملائی زبان میں ٹریکٹ تقسیم کئے۔ دس روز بعد آپ نے ریاست ملاکا میں قدم رکھا۔ اور اسکے بعض مشہور شہروں مثلاً جاتین۔ آلور گاجا۔ مرلیمون۔ ستاپین اور تنجونگ تک پیغامِ احمدیت پہنچایا۔ ۲۱ر اپریل کو آپ ملاکا سے روانہ ہو کر "نگری سمبلین" کے شہر سرمبان SEREMBAN میں پہنچے۔ ۲۴ر اپریل کو الیف، ایم ایس کے مرکز کوالالمپور تشریف لے گئے۔[2]

سنگاپور میں احمدیت کا بیج بویا جا چکا تھا جو آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا اور سعید روحیں کھنچی آرہی تھیں۔ کامیابی کے یہ ابتدائی آثار دیکھکر وسط ۱۹۳۷ء میں ملایا میں مخالفت کا بازار گرم ہو گیا۔ پہلے ایک پندرہ روزہ اخبار "ورت ملایا" نے کھُلم کھُلا مخالفت کی۔[3] پھر علاقہ کے علماء نے آپ کی نسبت واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیدیا۔ اس ضمن میں مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کا بیان ہے کہ:۔

[1] الفضل ۱۲ر فروری ۱۹۶۶ء صفحہ ۴۔ [2] الفضل ۱۴ر مئی ۱۹۳۶ء صفحہ ۷۔ [3] الفضل ۱۰ر نومبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۶

"۱۹۳۸ء یا ۱۹۳۹ء میں سنگاپور کی جامع مسجد میں (جسے مسجد سلطان کہا جاتا ہے) ایک عالم کا ہماری جماعت کے خلاف لیکچر تھا مکرم مولوی غلام حسین صاحب ایاز ...... بھی وہاں تشریف لے گئے۔ مولوی (عبد العلیم صاحب صدیقی) نے دوران تقریر میں کہا کہ مرزائیوں کا قرآن اور ہے۔ وہ نہیں ہے جو کہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا تھا۔ اس پر مکرم مولانا غلام حسین صاحب ایاز نے بڑی جرأت سے کھڑے ہو کر سب کے سامنے اپنے بیگ سے قرآن کریم نکالا اور صدیقی صاحب کو چیلنج کیا کہ دیکھو یہ ہے ہمارا قرآن آپ اپنا قرآن نکال کر مقابلہ و موازنہ کر لیں اگر ذرہ بھر زیر زبر کا بھی فرق ہو تو بیشک ہمیں ملزم یا کافر قرار دے لیں ورنہ اس قسم کی غلط بیانیاں کرتے ہوئے خدا کا خوف کریں۔ اس مولوی نے مجمع کو ہمارے خلاف پہلے ہی مشتعل کر رکھا تھا۔ بجائے چیلنج قبول کرنے کے اس نے پبلک کو ہمارے خلاف مزید اشتعال دلایا اور کہا کہ یہ شخص کافر مرتد ہے اس کی سزا اسلام میں قتل ہے۔ کوئی ہے جو کہ مسلمانوں کو اس سے نجات دلائے۔ اس پر مجمع میں سے بعض لوگوں نے مکرم مولوی غلام حسین صاحب ایاز کو سخت مارا اور گھسیٹ کر مسجد سے باہر نیچے پھینک دیا وہ مسجد اوپر ہے اور نیچے تہہ خانہ یا کمرے وغیرہ ہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب مرحوم کو سخت چوٹیں آئیں۔ کمر پر شدید چوٹ آئی اور سر پر بھی جس سے آپ نیچے گرتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ آپ کے ساتھ ایک احمدی دوست محمد علی صاحب تھے انہوں نے بھاگ کر پولیس کو اطلاع دی۔ چنانچہ پولیس مولوی صاحب کو کوئی آدھ گھنٹہ کے بعد وہاں سے اٹھا کر ہسپتال لے گئی۔ جہاں پر آپ کو کئی گھنٹوں کے بعد ہوش آیا اور ہفتہ عشرہ ہسپتال میں رہنا پڑا۔ اسیطرح ایک مرتبہ آپ کو مخالفت کی وجہ سے بعض دشمنوں نے چلتی بس سے دھکا دیکر باہر بازار میں پھینک دیا تھا جس سے آپ کے منہ اور سر پر شدید چوٹیں آئیں مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا"[1]

یکم ستمبر ۱۹۳۷ء کو آپ ملایا کی ایک ریاست سلانگور میں تشریف لے گئے[2]۔ اور پہلے کوالالمپور اور پھر کلانگ میں ٹھہرے۔ کلانگ میں پانچ اشخاص (جن میں حافظ عبد الرزاق بھی تھے) مشرف باحمدیت ہوئے۔

---

[1] ۔ مکتوب مورخہ یکم جولائی ۱۹۶۴ء (از مقام احمدیہ مسلم مشن ۱۱۶/۱۱۱ اونن روڈ (ONAN ROAD) سنگاپور ۱۵)

[2] ۔ الفضل ۱۰ نومبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۶۔ ریاست سلانگور سنگاپور سے قریباً تین سو میل کے فاصلہ پر ہے۔

جنوری ۱۹۴۰ء تک یہاں پندرہ احمدیوں پر مشتمل ایک جماعت پیدا ہو گئی۔[1]

یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو دوسری جنگِ عظیم چھڑ گئی تو جاپان نے دو تین ماہ کے اندر اندر مانچوکو اور شمالی چین کے علاوہ فلپائن۔ ہند چینی، تھائی لینڈ، ملایا، سنگاپور، جاوا، بورنیو، سیلبیز، نیوگنی اور بحرالکاہل کے بہت سے جزیروں کو اپنے زیرِ اقتدار کر لیا۔

یہ ایام سنگاپور مشن اور مولوی ایاز صاحب کے لئے انتہائی صبر آزما تھے۔ خصوصًا جاپانیوں کے خلاف پراپیگنڈا کرنے کی وجہ سے آپ پر بہت سختیاں کی گئیں اور خرابیٔ صحت کے باعث سر اور ڈاڑھی کے بال قریبًا سفید ہو گئے۔[2] آپ اس دور کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کرتے تھے کہ "اس زمانہ میں بڑی رقت اور گداز سے دعائیں کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ کا مجھ سے یہ سلوک تھا کہ اکثر دفعہ بذریعہ کشف اور الہام دعا کی قبولیت اور آئندہ کامیابی کے متعلق مجھے بشارات مل جاتی تھیں اور یہ سب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی توجہ کی برکت تھی۔"[3]

اس زمانہ میں آپ نے سرفروشانہ جہادِ تبلیغ اور خدمتِ خلق کا جو نہایت اعلیٰ اور قابلِ رشک نمونہ دکھایا اس کا کسی قدر اندازہ لگانے کے لئے ذیل میں تین چشم دید شہادتیں درج کی جاتی ہیں۔

پہلی شہادت:۔ پہلی شہادت محمد نصیب صاحب عارف کی ہے جو سنگاپور میں جنگی قیدی رہے۔ عارف صاحب نے ہندوستان واپس آکر اپنے مشاہدات الفضل ۱۹ دسمبر ۱۹۴۵ء میں شائع کرائے[4] جنمیں لکھا:۔

"سنگاپور کے مبلغ مولوی غلام حسین ایاز بھی ان پرجوش مجاہدین میں سے ایک ہیں جن کا قابلِ رشک اخلاص اور تبلیغی انہماک ایک والہانہ رنگ رکھتا ہے۔ جاپان کے گذشتہ ساڑھے تین سالہ ملایا پر قبضہ کی وجہ سے جناب مولوی صاحب کی مساعی جمیلہ جماعت کے سامنے نہیں آسکیں۔...... مولوی صاحب موصوف گذشتہ دس سال سے اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے سنگاپور میں مقیم ہیں اور تحریک جدید کے ابتدائی مجاہدوں میں سے ہیں۔ اور تبلیغ کے ساتھ اپنے اخراجات کیلئے بھی آپ صورت پیدا کرتے ہیں۔ صرف پہلے چھ ماہ کا خرچ دفتر تحریکِ جدید نے دیا تھا۔

مارچ ۱۹۴۱ء میں جب یہ عاجز سنگاپور پہنچا۔ تو چند دوستوں کے ساتھ دار التبلیغ میں گیا۔

---

[1]۔ اخبار "فاروق" ۱۴ فروری ۱۹۴۰ء ص ۷۔ [2] الفضل ۲۳ نومبر ۱۹۴۵ء ص ۵ کالم ۲۔ [3]۔ الفضل ۲۰ فروری ۱۹۶۰ء ص ۵ کالم ۲۔ [4]۔ اس سلسلہ میں آپ کا ایک مضمون الفضل ۳ جنوری ۱۹۶۰ء میں بھی شائع شدہ ہے۔

مولوی صاحب نے اپنی تبلیغی مساعی کا ذکر جس رنگ میں کیا۔ وہ انگشت بدنداں کر دینے والا تھا۔ کس طرح انکو احمدیت کی تبلیغ کیلئے تکالیف سہنی پڑیں۔ مخالفین نے دار التبلیغ پر خشت باری کرنا شروع کر دی جس کے نتیجہ میں مولوی صاحب کو کئی کئی دن مکان کے اندر بند رہنا اور خوراک اور دیگر ضروریات کیلئے تنگ ہونا بہت تکالیف کا باعث ہوا۔ چند ماہ بعد جب یہ عاجز ملایا میں کوالالمپور کے مقام میں تھا۔ ایک دن اپنے ڈپو کا چندہ حکیم دین صاحب اکونٹنٹ کو دینے گیا۔ تو آپ نے بتایا۔ اس مخالفت کے نتیجہ میں پولیس نے گورنمنٹ کے ریکارڈ میں بلیک شیٹ میں آپکا نام سب سے اُوپر لکھوایا ہوا تھا۔ کس قدر افسوسناک بات تھی۔ کہ احمدیت کا ایک مجاہد اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اپنے وطن سے بے وطن ہو کر جن لوگوں کی اصلاح کیلئے ان کے پاس جاتا ہے وہ اُسے انتہائی تکالیف پہنچانے کے درپے ہو گئے۔ ان مخالفین کا کیا حشر ہوا۔ وہ مولوی صاحب خود بیان کیا کرتے تھے۔ کہ سنگاپور مفتوح ہونے پر ایسے تمام لوگ جو میرے مخالف تھے اور فتنہ و فساد پر آمادہ رہتے تھے ایک ایک کر کے مختلف جرموں کی پاداش میں جاپانیوں کے ہاتھوں سزایاب ہوئے۔

سنگاپور میں لڑائی کے دوران میں مولوی صاحب کیلئے خدا تعالیٰ نے ایک خاص نشان دکھایا۔ گولہ باری کے ایام میں مولوی صاحب نے لوگوں سے کہدیا کہ آپ میرے گھر میں بمباری کے وقت آجایا کریں۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اُس خطرناک وقت میں مولوی صاحب کے اردگرد کے مکانات کو کافی نقصان پہنچا۔ اور کافی لوگوں کی اموات ہوئیں۔ مگر آپ کا گھر محفوظ رہا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشگوئی۔ کہ "آگ ہماری غلام بلکہ ہمارے غلاموں کی غلام ہے"۔ برابر پوری ہوتی رہی۔ پھر ایک اور تائید اور خدائی مدد نازل ہوئی کہ ایک جاپانی افسر مولوی صاحب کے مکان کے سامنے موٹر سائیکل سے گر گیا۔ اس کو شدید ضربات آئیں۔ جناب مولوی صاحب اُس کو اٹھا کر اپنے مکان میں لے گئے۔ تیمارداری اور مرہم پٹی کی۔ اور اس کو اُس کے کیمپ میں پہنچانے کا بندوبست کیا۔ اس پر وہ جاپانی افسر مولوی صاحب کو اپنی طرف سے پروانہ دے گیا کہ آپ سنگاپور میں جس طرح چاہیں رہیں۔ آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔

خدا تعالیٰ کی قدرت کا یہ عجیب کرشمہ تھا۔ کہ جاپانی حکومت کے قبضہ کے دوران میں کسی مخالف کو سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہو سکی۔ حالات کے سُدھر جانے سے اُنکو اپنی مالی حالت درست کرنے کا بھی موقعہ مل گیا۔ اور اوائل ۴۳ء میں آپ نے تین بادبانی کشتیاں تجارت کیلئے خرید لیں۔ جن کا نام "احمد"۔ "نور"۔ اور

"محمود" رکھا۔ ان سے مولوی صاحب کو کافی مدد حاصل ہوئی۔ مگر چونکہ جنگ کی وجہ سے ملک کی اقتصادی حالت پر اثر پڑ رہا تھا۔ یہ کام زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ ۱۹۴۳ء اور ۱۹۴۴ء مولوی صاحب کے لئے مالی لحاظ سے بہت کٹھن تھے۔ اس عرصہ میں جہاں ملک میں اشیاء خورد و نوش کی کمی واقع ہو گئی تھی۔ مولوی صاحب کو بھی کافی حد تک ان تکالیف میں سے گزرنا پڑا۔ مگر آپ نے نہایت صبر اور تحمل سے یہ عرصہ گذارا۔ بلکہ تبلیغی اور تنظیمی کاموں میں زیادہ وقت دینا شروع کر دیا۔ ......

۱۹۴۵ء میں مولوی صاحب کی حالت خدا تعالیٰ کے فضل سے پھر بہتر ہونی شروع ہو گئی۔ ہم لوگ نظر بندی کی حالت میں ان کے حالات سے اتنے آگاہ نہیں تھے۔ مگر خدا تعالیٰ کی غیبی امداد سے انہوں نے تمام احمدی جنگی قیدیوں کی مدد کیلئے مختلف کیمپوں میں تقسیم کرنے کیلئے ۲۰۰۰ ہزار ڈالر کی رقم روانہ فرمائی۔ اس وقت واقعی ہم لوگوں کو روپیہ کی بڑی ضرورت تھی۔ وہ روپیہ ہم کو پہنچنے نہ پایا تھا۔ اور ہم اسی خیال میں ہی اپنی مشکلات کا حل سوچ رہے تھے۔ کہ صلح ہو گئی۔ اور وہ رقم مولوی صاحب کو واپس لوٹا دی گئی۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء فی الدارین خیراً۔

جناب مولوی صاحب نے اس عرصہ میں اپنی تبلیغ جاری رکھی۔ اور جماعت کی تنظیم کا کام بھی کرتے رہے۔ سینکڑوں ملائی اس وقت احمدیت کی آغوش میں آ چکے ہیں۔ آپ کی انتھک کوششیں احمدیت کا نام محض خدا تعالیٰ کے فضل سے اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی دعاؤں کے طفیل پھیلا رہی ہیں۔ جناب مولوی صاحب کو ایک عرصہ گھر سے جدا ہوئے ہو گیا ہے مگر چلتے وقت جب ہم نے ان سے کہا کہ مولوی صاحب آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ "حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اجازت کے بغیر ایک قدم بھی یہاں سے ہلانا اپنے لئے معصیت سمجھتا ہوں"۔ آپ نے احمدی دوستوں کی واپسی پر انہیں اتنا بھی نہ کہا۔ کہ میرا فلاں پیغام میرے گھر والوں کو پہنچا دینا۔ بلکہ کہا تو یہ کہا۔ کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو میرا اسلام دینا اور یہاں کی میری تبلیغی مساعی کے لئے دعا کی درخواست کرنا"۔ [سلہ]

دوسری شہادت:۔ دوسری شہادت محمد یونس صاحب فاروق کی ہے جو ۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء کو مکرم مولوی غلام حسین صاحب ایاز کے ذریعہ سے احمدیت سے مشرف ہوئے اور تقریباً پانچ ماہ سنگاپور میں رہنے کے بعد واپس ہندوستان آئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے نام ایک مفصل مکتوب میں لکھا کہ:۔

سلہ۔ الفضل ۱۹ دسمبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۴-۵ جلد نمبر ۳۳۔ الفضل نمبر ۲۹۶ +

"جب میں رخصت سے واپس لوٹا تو خوش نصیبی سے میرا یونٹ سنگاپور چلا گیا تھا۔ اس وجہ سے مجھے بھی سنگاپور آنے کا موقع مل گیا۔ اور بالکل حسنِ اتفاق سے ایک روز جبکہ میں اونان روڈ پر ٹہل رہا تھا اور ملایا کے مسلمانوں کی حالت پر افسوس کر رہا تھا۔ یکایک میری نظر ایک بورڈ پر پڑی جس پر لکھا تھا۔ جماعتِ احمدیہ قادیان سنگاپور۔ اندر گیا۔ تو دیکھا جناب مولوی غلام حسین صاحب ایاز بیٹھے تلاوت کر رہے تھے۔ اس پر میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ فوراً مولوی صاحب سے ملا۔ اپنے حالات سنائے اُن کے حالات پوچھے اور اس کے بعد تقریباً روزانہ وہاں جانا شروع کر دیا۔ اور وہاں سے سلسلہ کی کتابیں لیکر پڑھنے لگا۔ بہت ہی جلد اللہ تعالیٰ نے توفیق عطاء فرمائی اور خادم نے اپنے آقا کے ہاتھ اپنے آپ کو بیچ کر دیا۔ اور اب نہ صرف اپنی زندگی بلکہ ہر چیز جو اس عاجز سے متعلق ہے احمدیت کیلئے وقف ہے۔

...... جناب مولوی غلام حسین صاحب ایاز مبلغ سنگاپور کی جدوجہد کا میرے دل میں بہت اثر ہوا موصوف نے خدمتِ دین میں اتنی محنت اٹھائی ہے کہ قبل از وقت بوڑھے ہو گئے ہیں۔ جب مجھے آنجناب کی اصل عمر کا پتہ چلا۔ تو میں متحیر ہو گیا۔ کیونکہ ظاہری حالت سے آپ ۵۵ سال سے کم عمر کے نہیں معلوم ہوتے۔ اور ہمیشہ بیمار رہنے کے باوجود تبلیغی مصروفیّت کا یہ عالم ہے کہ صبح ۴ بجے سے لے کر رات کے گیارہ بارہ بج جاتے ہیں۔ اس عرصہ میں موصوف کو گھڑی بھر کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ کہ ذرا آرام کریں۔ دن بھر کبھی تو سلسلہ کے لٹریچر کا ملائی زبان میں ترجمہ ہو رہا ہے۔ کبھی مضمون تیار ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ دن بھر سوالات اور اعتراضات کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ اور ان کو سمجھانے میں گھنٹوں مغز زنی کرنی پڑتی ہے۔ ملایا کے احمدی بچوں کی تعلیم و تربیّت بھی خود ہی کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ لوگوں کے گھروں میں جا کر بھی تبلیغ کی جاتی ہے۔

یہاں احمدیت کے خلاف بہت سخت پروپیگنڈا کیا گیا۔ اور اکثر لوگ ایسے سخت دشمن ہیں کہ جنگ سے پہلے کے زمانہ میں اکثر اوقات وعظ کیلئے اپنی مسجد یا اپنے گھر پر بلا کر مولوی صاحب کو بڑی بے رحمی سے زدوکوب بھی کرتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے چن چن کر جاپانیوں کے ہاتھوں سب کو ٹھکانے لگا دیا۔ اور احمدیت کی تبلیغ کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ مولوی صاحب کے جاپانی قبضہ کے زمانہ کے کارنامے معجزات سے کم نہیں۔

میری ایک غیر احمدی حکیم سے شہر میں ملاقات ہوئی۔ احمدیت کا مخالف ہونے کے باوجود مولوی صاحب

کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ کہتا تھا۔ جاپانیوں کے زمانہ میں جبکہ کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ کہ جاپانیوں کے خلاف اپنے گھر میں بھی کسی قسم کی بات کرے۔ ایسے خطرناک وقت میں مولوی صاحب I.N.A کے کیمپ میں جاکر جاپانیوں کے خلاف کاروائیاں کرتے۔ دُنیا حیران ہے کہ مولوی صاحب جاپانیوں کے ہاتھ سے بچ کیسے گئے؟ حالانکہ جاپانیوں کی عادت ہی نہیں تھی کہ کسی معاملہ کی تحقیقات کرتے۔ ان کے پاس تو رپورٹ پہنچنے کی دیر ہوتی۔ کہ فوراً گرفتاری عمل میں آتی اور بلا پرسش سرکاٹ کر شارع عام پر کھمبے سے لٹکا دیا جاتا۔ اسی طرح احمدیت کے اشد مخالفین کا صفایا ہوا۔ اور ایسے ہی حالات میں مولوی صاحب کے خلاف ہر روز رپورٹیں پہنچتی رہتی تھیں۔ اور ہر وقت جاپان ملٹری پولیس اور C.I.D مولوی صاحب کے پیچھے لگی رہتی۔ مگر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مولوی صاحب کو قبل از وقت اطمینان دلا دیا تھا۔ کہ وہ پکڑے نہیں جائیں گے۔ اور مولوی صاحب نے اکثر لوگوں سے جن میں غیر احمدی بھی ہیں کہدیا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے گرفتاری سے بچائیگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اور اکثر لوگ جو احمدیت کے مخالف تھے احمدیت کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ خصوصاً مولوی صاحب کے بہت معتقد ہو گئے۔ اور بعضوں نے بیعت بھی کرلی۔ ملایا کے عام مسلمانوں کی حالت دیکھکر بڑا افسوس ہوتا ہے۔ یہ لوگ دین سے اتنی دُور جا پڑے ہیں۔ کہ بظاہر حالات درست ہونے کی اُمید نہیں۔ مذہب کی موٹی سے موٹی بات بھی انہیں معلوم نہیں۔ جو لوگ کچھ تھوڑا بہت جانتے ہیں۔ اس پر عمل نہیں کرتے۔ عیاشی کی یہ حالت ہے۔ کہ شاید یورپ بھی مات کھا جائے۔ سینما کے ایسے شوقین کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہو۔ تو پرواہ نہیں۔ سینما ضرور دیکھیں گے۔ طرفہ یہ کہ عورتیں مردوں سے بہت آگے بڑھی ہوئی ہیں۔ اور خدا جانے مَردوں کی غیرت کہاں چلی گئی ہے۔ کہ اپنی آنکھوں کے سامنے سب کچھ ہوتا دیکھتے ہیں۔ اور چُپ رہتے ہیں۔ نہ صرف چُپ رہتے ہیں۔ بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ غریب عورتیں پیٹ کی خاطر اپنا سب کچھ بیچتی ہیں۔ اور جو آسودہ ہیں وہ عیاشی کی خاطر۔ بہر حال میں تو کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کہ کوئی مسلمان کہلانے والا خطہ زمین سارے کا سارا اسلام سے اتنی دُور جا سکتا اور اتنا غافل ہو سکتا ہے۔ وہ سارا مذہب اسی بات میں سمجھتے ہیں۔ کہ احمدیت کی مخالفت کی جائے اور بس۔

ان حالات میں مولوی غلام حسین صاحب ایاز کی تبلیغی سرگرمیاں دیکھکر تعجب ہوتا ہے۔ کہ

سخت سے سخت حالات میں بھی مولوی صاحب مایوس نہیں ہوئے۔ اور جناب مولوی صاحب کی انتھک کوششوں کا نتیجہ دیکھکر ماننا پڑتا ہے۔ کہ یہ بھی ایک احمدیت کا معجزہ ہے۔ ایسے ماحول میں سو لوگوں کا احمدیت قبول کرنا۔ اور پھر مخلص احمدی بننا تقویٰ اور طہارت میں ایک مثال قائم کر دینا۔ بلکہ فرشتہ خصلت انسان بن جانا اور دین کے لئے بڑی بڑی جانی اور مالی قربانیاں کرنا یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے۔ مولوی صاحب نے نہ صرف یہ کہ یہاں جماعت قائم کی۔ بلکہ اس کی تنظیم اور تربیت میں بھی کمال کر دیا ہے۔

اس کے علاوہ جب ہندوستانی فوجیں یہاں آئیں۔ تو مولوی صاحب کو اپنے فوجی دوستوں کی تربیت کا بھی خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ نے اخبارات میں اشتہارات وغیرہ دیکر تمام احمدی فوجی دوستوں سے تعلق قائم کیا۔ اور ہر اتوار کو سب کی میٹنگ مقرر کی۔ جس میں سوائے ان لوگوں کے جن کی ڈیوٹی ہوتی۔ باقی سب دار التبلیغ میں جمع ہو جاتے اور مختلف پہلوؤں سے احمدیت پر روشنی ڈالی جاتی۔ اور کوشش کی جاتی۔ کہ ہر احمدی ضرور کچھ نہ کچھ تقریر کرے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ سب کو تقریر کرنے کی مشق ہوتی۔ بلکہ ہمارے ایمان میں بھی ترقی ہوتی" [1]

تیسری شہادت:۔ تیسری شہادت ایک غیراز جماعت دوست جناب کیپٹن سید ضمیر احمد صاحب جعفری بی۔ اے سول لائن جہلم کی ہے۔ آپ نے جون ۱۹۴۶ء میں جماعت احمدیہ کو مخلصانہ مشورہ دیتے ہوئے ایک خط لکھا کہ:۔

"میں حال ہی میں مشرق بعید سے آیا ہوں ملایا جاوا وغیرہ میں آپ کے سلسلہ کی طرف سے مولوی غلام حسین صاحب ایاز تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں جب اتحادی فوجوں کے ساتھ ہم ملایا میں پہونچے۔ تو مولوی صاحب غالباً تنہا تھے۔ مگر ۱۹۴۶ء میں مولوی عبد الحي اور شاید دو ایک اور کارکن بھی پہنچ گئے تھے۔ جہاں تک مولوی غلام حسین صاحب ایاز کی ذات کا تعلق ہے۔ ان کے خلاف میں ایک بات بھی نہیں کہہ سکتا۔ اپنے منصب کو وہ انتہائی ایثار و خلوص اور خاصے سلیقہ کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ بلکہ جن دشواریوں اور نامساعد حالات میں سے وہ گذر رہے تھے۔ اگر اس پر غور کیا جائے تو ان کے استقلال حوصلہ اور ہمت پر حیرت ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ اس کام کو ایک فریضۂ ایمانی سمجھکر کر رہے ہیں۔ میں جس طرف سلسلہ کی توجہ بطور خاص دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ دوسرے ملکوں میں صرف ایسے مبلغین بھیجے جائیں۔ جو علوم دینی کے

[1] الفضل ۱۷ر جون ۱۹۴۶ء - ۱۶ر رجب ۱۳۶۵ھ جلد ۳۴ ص ۳۔ الفضل نمبر ۱۴۰

ساتھ ساتھ جدید علم و کمالات سے بھی بہرہ اندوز ہوں۔ تاکہ وہ دوسرے ملکوں کی مخصوص فضاء میں اپنے لئے دائرہ کار پیدا کر سکیں۔ اور اپنے مقصد میں زیادہ مؤثر و کامیاب ثابت ہوں۔ علاوہ ازیں۔ جو مشن بھی دوسرے ملکوں میں کھولا جائے اُسے مالی لحاظ سے مفلوک الحال نہ رکھا جائے۔ ...... مبلغین یا جماعت کے بیرونی نمائندوں کیلئے علم جدید کی ضرورت کا اندازہ آپ اس بات سے لگالیں۔ کہ تقسیم پنجاب کے زمانہ میں جب مولوی غلام حسین صاحب ایاز مشرق بعید میں قادیان کے متعلق وہاں کی رائے عامہ کو متاثر کرنا چاہتے تھے۔ تو ان بے چاروں کو محض اسلئے کہ انہیں انگریزی میں زیادہ دسترس نہ تھی (یہ ان کے لئے باعثِ توہین نہیں) یا ان کے سٹاف میں کوئی اس ڈھب کا شخص موجود نہ تھا۔ بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ تو حسن اتفاق سمجھئے کہ اُن دنوں اتحادی فوجوں کے ساتھ بہت سے پاکستانی مسلمان افسر بھی وہاں تھے۔ ان میں سے چند ایک احمدی دوست بھی تھے جن کی امداد سے مشرق بعید میں قادیان کا بہت کچھ چرچا ہو بھی گیا۔ ورنہ بڑا مشکل تھا ...... ضمناً میں یہاں ایک ذاتی تأثر کا ذکر کر دوں۔ جس پر مجھے اب بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ ممکن ہے آپ کے قارئین بھی اِسے دلچسپی کا موجب پائیں۔ بیرون ملک جانے سے پیشتر احمدیت کے متعلق کوئی خیال آتے ہی میں اکثر سوچا کرتا تھا۔ کہ ان کے مبلغین کیلئے تو مزے ہی مزے ہیں۔ دیس دیس کی سیر اور فارغ البالی کی زندگی۔ آدمی کو یہ دو چیزیں مل جائیں تو اور کیا چاہیئے۔ مگر ملایا میں مولوی غلام حسین ایاز کو دیکھکر میری اس خوش فہمی کو سخت دھکا لگا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہ لوگ خاص محنت و مشقت کی زندگی گذار رہے تھے۔ اتنی مشقت اگر وہ اپنے وطن میں کریں تو کہیں بہتر گذر بسر کر سکتے ہیں۔"[۱]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اظہارِ خوشنودی

سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مولانا غلام حسین صاحب ایاز کی عظیم الشان قربانیوں اور اُن کے شاندار نتائج کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"ایسے علاقوں میں بھی احمدیت پھیلنی شروع ہو گئی ہے جہاں پہلے باوجود کوشش کے ہمیں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ ملایا میں یا تو یہ حالت تھی کہ مولوی غلام حسین صاحب ایاز کو ایک دفعہ لوگوں نے رات کو مار مار کر گلی میں پھینک دیا اور کتے اُن کو چاٹتے رہے اور یا اب جو لوگ ملایا سے واپس آئے ہیں انہوں نے بتایا ہے کہ اچھے اچھے مالدار ہوٹلوں کے مالک اور معزز طبقہ کے ستّر اسّی کے قریب دوست

[۱] - الفضل ۲ جولائی ۱۹۴۸ء صفحہ ۳

احمدی ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ روز بروز ترقی کر رہا ہے"۔ [1]

مولوی غلام حسین صاحب ایاز کی دوبارہ روانگی

مولانا غلام حسین صاحب ایاز جو ۶ رمئی ۱۹۳۵ء کو قادیان سے روانہ ہوئے تھے پندرہ برس بعد ۲۴ رنومبر ۱۹۵۰ء کو ربوہ میں تشریف لائے۔ [2] اسکے بعد آپ ۸ راکتوبر ۱۹۵۶ء کو دوبارہ سنگاپور میں اعلائے کلمۃ الحق کے لئے بھجوائے گئے۔ [3] کچھ عرصہ سنگاپور میں مقیم رہنے کے بعد بورنیو میں متعین کئے گئے۔

وفات

مولانا غلام حسین صاحب ایاز ذیابیطس کے مریض تھے۔ یہ بیماری یہاں آکر اکتوبر ۱۹۵۹ء کے دوسرے ہفتہ میں یکایک بڑھ گئی۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۹ء [4] کی رات کو بخیریت تھے۔ صرف معمولی سی تھکاوٹ کی شکایت تھی۔ آدھی رات کے بعد حسب معمول نماز تہجد کے لئے چارپائی سے اُٹھے تو دھڑام سے زمین پر گر پڑے۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ [5] جو ساتھ کے کمرے میں سو رہی تھیں آواز سنکر وہ فوراً اٹھیں اور آکر دیکھا کہ زمین پر پڑے ہیں۔ انہوں نے ساتھ کے ہمسایہ کو آواز دی جو احمدی تھا۔ اُسنے آکر چارپائی پر ڈالا۔ اور اسکے بعد جلد ایمبولینس منگوا کر ہسپتال پہونچایا۔ اتفاق سے ڈاکٹر وہی تھا۔ جن کو آپ تبلیغ کیا کرتے تھے۔ اسنے بڑی محبت، ہمدردی اور تندہی سے علاج کیا۔ مگر افاقہ نہ ہوا۔ اور تقریباً ۳۶ گھنٹے بیہوش رہنے کے بعد ۱۷/۱۸ [6] اکتوبر ۱۹۵۹ء کی درمیانی شب کو اپنے مولا کے ہاں پہونچ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

سنگاپور میں کام کرنیوالے دوسرے مجاہدین احمدیت کی خدمات

مولانا غلام حسین صاحب ایاز کے قیام سنگاپور کے دوران مندرجہ ذیل مجاہدین بغرض تبلیغ بھجوائے گئے:-

(۱) مولوی عنایت اللہ صاحب جالندھری (برادر مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری)

---

[1] الفضل ۲۲ رجنوری ۱۹۶۰ء صفحہ ۱۳۔ الفضل ۶ رمئی ۱۹۴۶ء صفحہ ۲ پر نئے مبائعین کی فہرست بھی ملاحظہ ہو۔

[2] الفضل ۳ ردسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ مولانا غلام احمد صاحب فرخ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ سنگاپور سے پندرہ سال کے بعد جب واپس ربوہ آئے تو اپنی آمد کی معین تاریخ اور وقت کی کسی کو بھی اطلاع نہ دی بلکہ کراچی میں جہاز سے اتر کر گاڑی پر سوار ہو گئے اور جمعہ کے روز ربوہ میں اس وقت پہنچے جب حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی خطبہ ارشاد فرما رہے تھے آپ مسجد میں پہنچے اس وقت چونکہ سادہ قسم کا ملائی لباس آپکے زیب تن تھا اسلئے اکثر احباب نے آپ کو پہچانا بھی نہیں بالآخر معلوم ہوا کہ آپ غلام حسین ایاز مبلغ سنگاپور (ملایا) ہیں۔ جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے اطلاع کیوں نہ دی تو جواب دیا۔ کہ میں نے پسند نہ کیا کہ دوست میری خاطر تکلیف اٹھا کر اسٹیشن پر جمع ہوں"۔ (الفضل ۲۰ رجنوری ۱۹۶۰ء صفحہ ۵)۔

[3] الفضل ۱۰ راکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۔ [4] ایضاً۔ الفضل ۳۰ راکتوبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۳۔ [5] محترمہ امۃ الرفیق صاحبہ +

[6] الفضل ۳۰ راکتوبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۳

(روانگی ۱۸ر اپریل ۱۹۳۶ء[1])۔

۲۔ مولوی شاہ محمد صاحب ہزاروی (روانگی ۱۸ر اپریل ۱۹۳۶ء[2]) آپ چند ماہ تک سنگاپور میں تبلیغی فرائض بجالانے کے بعد ۱۹۳۷ء میں جاوا منتقل ہو گئے[3]

۳۔ مولوی امام الدین صاحب ملتانی۔ آپ ۱۸/۱۹ جون ۴۶ء کو قادیان سے روانہ ہو کر ۶ر جولائی ۴۶ء کو سنگاپور پہنچے۔ ٹرانسپورٹ کی مشکلات کی وجہ سے ان دنوں آپنے ایک نیوی فلیگ شپ نما بڑا نامی میں بطور دھوبی ملازم ہو کر کام کیا اور سنگاپور پہنچ گئے۔ چونکہ جنگ نئی نئی ختم ہوئی تھی اور سنگاپور میں ابھی بیشمار جاپانی قیدی ہونے کی وجہ سے افراتفری اور نظام درہم برہم تھا۔ اس وجہ سے وہاں ان دنوں تبلیغی حالات اچھے نہ تھے۔ مرکز کے ساتھ خط و کتابت اور مالی امداد باقاعدہ نہیں تھی اسلئے لوکل طور پر ہی ادھر ادھر کے کام کر کے ضروریات زندگی پوری کرنی پڑتی رہیں۔ اور ساتھ ساتھ تبلیغ کا کام بھی جاری رکھا گیا۔

وہاں کے بعض احمدی ملازمین کی مدد سے مالاباری ہندوستانیوں میں تبلیغ سے چار افراد نے بیعت کی۔ جو بہت مخلص ہیں۔ آپ ۴۶ء سے لیکر دسمبر ۴۹ء تک مولوی غلام حسین صاحب ایاز کی قیادت میں جماعتی امور سرانجام دیتے رہے۔ اور اسکے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد کے ماتحت آپ سنگاپور سے شروع جنوری ۵۰ء میں پاڈانگ (انڈونیشیا) روانہ ہو کر ۱۶ر فروری ۵۰ء کو جاکارتا پہنچے اور انڈونیشیا مشن میں منتقل ہو گئے۔

۴۔ چوہدری محمد احمد صاحب (ستمبر ۱۹۳۶ء تا جنوری ۱۹۴۹ء)

۵۔ مولوی محمد سعید صاحب انصاری (۳ر دسمبر ۱۹۴۶ء تا مارچ ۱۹۴۸ء۔ جنوری ۱۹۶۱ء تا جون ۱۹۶۲ء) [4]۔

۶۔ میاں عبدالحی صاحب۔

مولانا محمد صادق صاحب کے کارنامے

۷۔ مولانا محمد صادق صاحب (۱۵ر دسمبر ۱۹۴۹ء تا ۹ر مارچ ۱۹۵۶ء۔ ۳ر دسمبر ۱۹۵۸ء تا ۱۸ر اگست ۱۹۶۲ء[5])

۱۔ الفضل ۲۱ر اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ۱ کالم ۱۔ ۲۔ الفضل ۲۱ر اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ۱۔ ۳۔ الفضل ۱۰ر ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ۹ میں آپکا ایک مضمون موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کا منشا مبارک یہ تھا کہ صرف چند ہفتے تک سنگاپور قیام پذیر رہیں۔ ۴۔ ماہنامہ الفرقان (ربوہ) ستمبر ۱۹۶۵ء صفحہ۲۔ خالد جنوری ۱۹۶۲ء صفحہ ۳۲۔ ۵۔ ۴ر فروری ۱۹۶۰ء کو سنگاپور سے ملایا۔ (کوالالمپور) میں تبدیل کئے گئے۔

آپ کے ابتدائی زمانۂ قیام میں سنگاپور اور ملایا میں سخت مخالفت اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد پر سنگاپور سے پنانگ تک کا وسیع تبلیغی دورہ کیا اور قریباً ایک سو علماء سے ملاقات کی۔ آپ کا بیان ہے کہ مَیں نے دیکھا کہ تقریباً نوّے فیصدی علماء نے اقرار کیا کہ ہم احمدیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ خادمِ اسلام یقین کرتے ہیں اور انہیں کافر کہنے کیلئے تیار نہیں۔ ہمیں پہلے احمدیت کے عقائد کے متعلق دھوکہ دیا گیا تھا۔ جن کی وضاحت اب ہم پر ہو چکی ہے۔[۱]

مکرم مولوی صاحب موصوف کا ۲۲ر جولائی ۱۹۵۱ء کو ریاست سلانگور کے ہشام الدین عالم شاہ کی موجودگی میں علماء ریاست سے باقاعدہ ڈھائی گھنٹہ تک مباحثہ ہوا۔ اس اہم مباحثہ کی روداد مکرم مولوی محمد صادق صاحب کے قلم سے درج کی جاتی ہے:۔

"جرام JERAM (ریاست سلانگور) میں جماعت قائم ہونے کی وجہ سے ریاست میں کافی مخالفت اُبھر چکی تھی اور چونکہ نکاح کرانا۔ مقبرہ میں دفن کرنے کی اجازت دینا بڑے افسروں کے اختیار میں ہوتا ہے اس لئے ہم نے سلطان سلانگور سے اپنے عقائد بیان کرتے ہوئے درخواست کی وہ ہماری جماعت کو اسلامی قرار دیکر لوگوں کے فتنہ کا سدّباب کریں۔ سلطان موصوف نے اس درخواست کو درخورِ اعتناء جانا۔ اور بیس احمدی دوستوں کو دعوتی خطوط بھیج کر بلایا اور مجھے بھی بذریعہ تار جرام پہنچنے کا حکم جاری کر دیا۔ وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ریاست کے تمام بڑے بڑے علماء کو بلایا جا چکا ہے۔ دس بجے تو سلطان نے سلسلہ کلام شروع کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ آج ہم ایک نئے مذہب کی تحقیق کیلئے جمع ہوئے ہیں اور ہم چاہتے ہیں۔ کہ خود ہی اس کی تحقیق کریں۔ سلطان کے ارشاد پر مَیں نے اپنی ابتدائی تقریر میں حاضرین کو بتایا۔ کہ احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ وہ حقیقی اسلام ہی ہے۔ پھر سلطان نے علماء کے اشارے پر یہ ارشاد کیا کہ میں اپنے عقائد ذرا تفصیل سے بیان کر دوں۔ مَیں نے بیان کیا۔ کہ جماعت احمدیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات یافتہ مانتی ہے۔ ۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد غیر تشریعی نبی آ سکتا ہے اور جماعت احمدیہ مانتی ہے کہ امت محمدیہ کے مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام ہیں۔ اس پر ایک عالم نے اُٹھ کر کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم خاتم النبیین ہیں۔ مَیں نے جواباً عرض کیا کہ اگر اس کا مطلب کسی نبی کا نہ آ سکنا ہے تو پھر ان سے دریافت فرمائیں کہ یہ لوگ نبی اللہ عیسیٰؑ کے آنے کے

---

[۱] ماہنامہ الفرقان ربوہ دسمبر ۱۹۶۵ء و جنوری ۱۹۶۶ء صفحہ ۵۸ کالم ۲

قائل ہیں یا نہیں۔

علماء نے کہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نبی اللہ کا لفظ دکھایا جائے۔ مَیں نے مشکوٰۃ سے مطلوبہ حوالہ دکھا دیا۔ اور علماء نے اُسے دیکھ کر تسلیم بھی کر لیا۔ مگر قاضی القضاۃ کو اصرار تھا۔ کہ نبی اللہ آنے والا عیسیٰ ہی ہوگا۔ کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا۔ یہ بحث ختم ہوئی۔ تو مجھے کہا گیا کہ میں غیر تشریعی نبی کے آسکنے کے دلائل قرآن کریم سے پیش کروں۔ سب سے پہلے میں نے الیواقیت والجواہر سے خاتم النبیین کے معنے بیان کئے۔ کہ آپ تمام تشریعی انبیاء کو ختم کرنے والے ہیں۔ جسے دوسرے علماء نے بھی تسلیم کیا۔ پھر تھوڑی بحث وتمحیص کے بعد جب ابھی قرآنی دلائل کا سلسلہ شروع بھی نہ ہوا تھا۔ شیخ الاسلام نے کہا۔ کہ ہمیں تاریخ مرزا صاحب۔ عقاید۔ دوسروں کے اختلافات۔ دعاوی اور معجزات کے متعلق پرچہ لکھکر بھیج دیا جائے۔ تاکہ ہم اس پر مزید غور کر سکیں۔ اس کیلئے ۳۰ر جولائی سے ۱۴ دن تک کا وقت مقرر کیا گیا۔ اور اس پر چودہ دن کا عرصہ تنقید کیلئے مقرر ہوا۔ اسکے بعد علماء نے سلطان سے درخواست کی۔ کہ وہ ہمیں نماز جمعہ بڑی مسجد میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ پڑھنے کا حکم صادر فرمائیں۔ مَیں نے جواباً عرض کیا۔ کہ یہ لوگ ہمارے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کافر اور جھوٹا کہتے ہیں۔ اگر یہ انہیں سچا مان لیں تو ہم بخوشی اسکے لئے تیار ہیں۔ اور چونکہ آپنے اب احمدیت کے متعلق تحقیق شروع کی ہے۔ اسلئے مناسب ہے کہ فی الحال اس سوال کو نہ اٹھایا جائے۔ اس پر ڈائرکٹر مذہبیات نے کچھ جرح قدح کی۔ لیکن سلطان نے یہی حکم دیا۔ جب تک فیصلہ نہیں ہوجاتا جماعت بدستور عمل وعبادت میں مشغول رہے۔ اسکے بعد سلطان کے ساتھ سب علماء نے بشمول ہمارے کھانا کھایا۔ اور ۲ بجے کے قریب ہم رخصت ہوئے۔ مطلوبہ پرچہ لکھکر ۳ر اگست کو شیخ الاسلام کی خدمت میں ارسال کر دیا گیا۔ یہ پرچہ بیس صفحات پر مشتمل تھا۔ (لیکن افسوس کہ علماء کی طرف سے تاحال اس کا جواب موصول نہیں ہوا) [۱]"

۲۴-۲۵ر ستمبر ۱۹۶۰ء کو مکرم مولوی محمد صادق صاحب نے ایک پراٹسٹنٹ پادری میتھیو فینلے (MATHEW FINLAY) سے مسئلہ الوہیت مسیح اور مسئلہ کفارہ پر مناظرہ کیا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس مباحثہ میں اسلام کو ایسی شاندار کامیابی نصیب ہوئی کہ ایک مشہور مصنف شیخ علوی بن شیخ الہادی (عرب) نے اخبار میں لکھا کہ مَیں ستر برس کا ہو چکا ہوں مجھے معلوم نہیں کہ مسلمانوں

۱۔ الفضل ۲۰ر مئی ۱۹۵۲ء صفحہ ۵۔ اخبار نمبر ۱۲۰ء

نے کبھی اس طرح عیسائیوں کو مباحثہ میں شکست فاش دی ہو۔ یہی نہیں عیسائی مناظر پادری ملنیقیو فینلے نے جماعت احمدیہ سنگاپور کے پریذیڈنٹ عبدالحمید صاحب سالکین سے درخواست کی کہ یہ مباحثہ شائع نہ کیا جائے۔ پھر یونیورسٹی آف ملایا کے مسلم طلبہ نے اس مباحثہ کے ریکارڈ لئے۔[۱]

مولانا محمد صادق صاحب کی طرف سے بنیادی لٹریچر تیار کیا گیا۔ چنانچہ آپ نے سنگاپور اور ملایا میں مندرجہ ذیل کتابیں تصانیف کیں جو شائع ہو چکی ہیں :۔

۱۔ ترجمہ قرآن مجید (غیر مطبوعہ) بزبان انڈونیشیا) یہ اہم کام تبلیغ و تعلیم اور مضامین لکھنے کے ساتھ ساتھ ایک سال (نومبر ۱۹۵۲ء تا ۲۲ دسمبر ۱۹۵۳ء) میں پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

۲۔ سچائی۔ قریباً ۱۲۰ صفحات کی کتاب۔

۳۔ "بیانِ احمدیت" ۱۹۵۵ء میں ملایا اور سنگاپور میں احمدیت کے خلاف یکے بعد دیگرے تین چار کتب شائع ہوئیں جن کے جواب میں آپ نے یہ کتاب شائع کی جس میں اختلافی مسائل پر سیر کن بحث کرنے کے علاوہ سینکڑوں اعتراضات کے جواب بھی دیئے۔ پورے ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۴۔ ارکان ایمان۔ ۳۶ صفحات فلسکیپ سائز۔

۵۔ اسلامی نمازیں۔ جس میں تمام اسلامی نمازوں کا مفصل ذکر درج ہے۔ قریباً ۸۰ صفحات فلسکیپ سائز۔

مولانا صاحب کے ذریعہ انڈونیشیا اور ملایا میں سینکڑوں نفوس کو ہدایت نصیب ہوئی جن میں سے انکو اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن صاحب سائن جوہور جو شاہی خاندان کے چشم و چراغ ہیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[۲]

دوسرے مجاہدین کی سرگرمیاں

۸۔ قریشی فیروز محی الدین صاحب (۱۱ جنوری ۱۹۵۳ء تا ۱۲ مارچ ۱۹۵۶ء)۔ قریشی صاحب نے اپنے سہ سالہ قیام میں ملک کے بعض کثیر الاشاعت انگریزی اخبارات میں مضامین لکھ کر اسلام کی ترجمانی کی۔ اس خدمت کا ملک کے مسلمان اہل علم طبقہ پر اچھا اثر ہوا۔

۹۔ مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری (۳ مئی ۱۹۶۲ء تا ۹ ستمبر ۱۹۶۶ء)۔

مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری ساڑھے چار سال تک انچارج مشنری کے فرائض بجالاتے رہے۔ اس عرصہ میں آپ نے کئی مقابلے کئے۔[۳] سنگاپور رہ کرشنن مشن کے سمپوزیم میں اسلام کی نمائندگی کی۔[۴] مسجد

---

[۱]۔[۲]۔ ماخوذ از مکتوب مولانا محمد صادق صاحب محررہ مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۶۴ء۔

[۳]۔ الفضل ۱۲ جون ۱۹۶۵ء صفحہ ۳۔ [۴] الفضل ۱۳ جون ۱۹۶۵ء صفحہ ۳۔

سنگاپور کی تجدید کرائی[1] نیز مندرجہ ذیل بادشاہوں اور دیگر نامور شخصیتوں کو قبول اسلام کی دعوت دی۔ اور پیغام حق پہنچا کر قرآن کریم انگریزی اور دیگر اسلامی لٹریچر پیش کیا۔

۱۔ پرنس فلپ آف انگلینڈ۔ ۲۔ تھائی لینڈ کے شاہ بھانوپ اور ان کی ملکہ

۳۔ بلجیم کے شاہ باڈوین (اوّل) ۴۔ انگلینڈ کے ڈیوک آف گلاسٹر۔

۵۔ چرچ آف انگلینڈ کے سربراہ آرچ بشپ آف کنٹربری۔

۶۔ سکم کے بادشاہ اور ان کی رانی۔ ۷۔ جاپان کے شاہنشاہ۔

۸۔ آسٹریلیا کے وزیر اعظم۔ ۹۔ ملایا کے شاہنشاہ یا سلطان اعظم نیگ دی اگونگ

۱۰۔ نیوزی لینڈ کے وزیر اعظم۔ ۱۱۔ ملیشیا کے وزیر اعظم تنکو عبدالرحمٰن۔

۱۲۔ سنگاپور کے وزیر اعظم اور دیگر سب وزراء۔ ۱۳۔ الحاج امین الحسینی چیف مفتی آف فلسطین۔

۱۴۔ پرنس سہانوک ہیڈ آف کیمبوڈیا سٹیٹ[2]

فروری ۱۹۶۶ء میں ملائیشیا کے ایک جامعہ ازہر کے تعلیمیافتہ ملائی عالم استاد فوزی نے ایک کتاب بعنوان "مذاہب عالم" شائع کی جس میں صریح افترا پردازی سے کام لیتے ہوئے جماعت احمدیہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف بہت زہر اُگلا۔ اس کتاب کے جواب میں مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری مبلغ انچارج سنگاپور نے ایک خط شائع کیا جس میں استاد فوزی کے تمام الزامات کا مسکت جواب دینے کے علاوہ ان کو متنازعہ فیہ امور اور اختلافی مسائل پر مناظرہ کا چیلنج بھی دیا گیا اور یہ بھی پیشکش کی گئی کہ ہمارے خلاف اپنے دعاوی ثابت کرنے کی صورت میں انہیں ۱۰۰۰ ہزار ڈالر انعام کے طور پر پیش کیا جائیگا اور پانچ علماء کے ساتھ سنگاپور آنے جانے اور رہائش کے خرچ کی ادائیگی کی ذمہ داری بھی لی گئی مگر باوجود کئی تحریری یاددہانیوں کے وہ مقابل پر نہ آئے۔

مولوی محمد صدیق صاحب کے بعد مولوی محمد عثمان صاحب چینی ۱۹۶۶ء میں بھجوائے گئے ہیں۔ جو اب تک سنگاپور میں مصروف تبلیغ ہیں۔

---

[1] تجدید مسجد کے لئے احمد حسن علاؤالدین صاحب نے ۳۲۰ ڈالر دیئے۔ (الفضل ۲۲ رجون ۱۹۶۵ء صہ ۲) ایک اور مخلص احمدی دارتم بن مارتھا نے تقریباً ڈیڑھ ہزار ملائی ڈالر کا اندوختہ جو انہوں نے فریضہ حج کی ادائیگی کیلئے جمع کر رکھا تھا مسجد کی تجدید کیلئے پیش کر دیا (الفضل ۱۸ مارچ ۱۹۶۶ء صہ ۱)۔ [2] ملاحظہ ہو الفضل ۲۹ رجنوری ۱۹۶۴ء۔ الفضل ۲۰ رجنوری ۱۹۶۵ء۔ الفضل ۱۱ رجنوری ۱۹۶۶ء۔ الفضل ۲۷ رجون ۱۹۶۶ء۔ الفضل ۲۹ راپریل ۱۹۶۶ء

دار التبلیغ سنگاپور غیروں کی نظر میں مبلغین احمدیت نے علمی و تبلیغی طور پر کہاں تک سنگاپور کو متاثر کیا ہے؟ اس کا جواب ملایا یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر زین العابدین بن احمد کی مندرجہ ذیل رپورٹ سے بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا:۔

"آج سے تیس سال قبل جماعت احمدیہ کے اصول و عقائد زیر بحث آئے اور ملایا کے پریس میں اُن کی مذمت کی گئی۔ لیکن اب ملایا کے تعلیم یافتہ مسلمان ان سنجیدہ نظریات و تشریحات سے کم تعصب روا رکھتے ہیں۔ جو اعتدال پسند احمدیوں کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ احمدیوں کے خیالات اور نظریات کو اپنا رہے ہیں۔ مگر احمدی کہلانے سے گریز کرتے ہیں[1] (ترجمہ)

دار التبلیغ جاپان کا قیام صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز ۴ رجون ۱۹۳۵ء کو کیوبا (جاپان) میں پہنچے۔[2] صوفی صاحب کا شروع میں بہت سا وقت جاپانی زبان سیکھنے میں صرف ہوا مگر آہستہ آہستہ آپ ملک کے مختلف حلقوں میں اثر و نفوذ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ کیوبا کالج آف کامرس۔ کینیڈین اکیڈمی، اوساکا انگلش سپیکنگ سوسائٹی اور بعض دوسری سوسائٹیوں میں آپ کے لیکچر ہوئے اور کئی جاپانی شخصیتوں سے تعارف پیدا کیا[3] اور آپ کے ذریعہ ایک تعلیم یافتہ جاپانی بھی داخل احمدیت ہوا۔[4] حکومت جاپان کو آپ کی نسبت شروع سے بعض سیاسی نوعیت کے شکوک تھے۔ جاپانی پولیس کی طرف سے آپ کی کڑی نگرانی کی گئی۔ آپ زیر حراست لے لئے گئے۔ لیکن تحقیقات مکمل ہونے پر آپ آزاد کر دئے گئے۔[5]

قیام جاپان کے دوران آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح اور اسلامی تعلیمات و عبادات اور اس کی حکمتوں پر مشتمل ایک کتاب بھی تصنیف کرنی شروع کی جس کی قریباً تیرہ سو صفحات کا جاپانی میں ترجمہ بھی ہو چکا تھا اور ایک پبلشر کے ساتھ حق تصنیف کی فروخت سے متعلق بات چیت بھی ہو رہی تھی۔ کہ آپ کو واپس بلا لیا گیا[6] اور آپ ۱۲ رجولائی ۱۹۳۸ء کو قادیان پہنچ گئے۔[7]

صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز جاپان میں ہی مصروف تبلیغ تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ۱۰ رجنوری ۱۹۳۸ء[8]

---

[1] "COLLOQUIOM ON ISLAMIC CULTURE" SEPT 1953 PAGE 30 -

[2] الفضل ۷ رجون ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ [3] رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۶ء لغایت ۳۰ اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۱۶ تا ۱۲۰۔ [4] و [5] رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۷ء لغایت ۳۰ اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۲۵-۱۲۶۔

[6] ایضاً صفحہ ۱۲۶-۱۲۷۔ [7] الفضل ۱۳ رجولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ [8] الفضل ۱۲ رجنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۲

کو مولوی عبد الغفور صاحب ؛ برادر خورد مولانا ابو العطاء صاحب فاضل کو روانہ فرمایا اور ان کو اپنے قلم مبارک سے مندرجہ ذیل ہدایات لکھکر دیں :۔

"۱۔ سب سے پہلے آپ کو یاد رکھنا چاہیئے کہ آپ تحریکِ جدید کے ماتحت جا رہے ہیں۔ جس کے مبلّغوں کا اقرار یہ ہے کہ وہ ہر تنگی ترشی برداشت کرکے خدمت اسلام کا کام کریں گے ۔ اور تنخواہ دار کارکن نہیں ہوں گے ۔ بلکہ کوشش کریں گے کہ جلد سے جلد خود کما کر اسلام کی خدمت کرنے کے قابل ہوں ۔ اس وقت جو مبلّغ وہاں ہیں وہ تحریکِ جدید کے مبلّغ نہیں بلکہ انہیں عارضی طور پر دعوۃ و تبلیغ سے لیا گیا ہے ۔ اسلئے اس بارہ میں آپ کا معاملہ اُن سے مختلف ہے ۔ آپ کیلئے سردست ایک گذارہ کا انتظام کیا جائے گا ۔ جیسا کہ چین ، سپین ، ہنگری وغیرہ کے مبلّغوں کا انتظام کیا جاتا ہے ۔ لیکن آپ کو بھی کوشش کرنی چاہیئے اور ہم بھی کوشش کریں گے کہ آپ وہاں سے اپنے گذارہ کے قابل خود رقم پیدا کر سکیں ۔ اور اس کا آسان طریق یہ ہے کہ جاپان اور ہندوستان میں تحریکِ جدید کی معرفت کوئی تجارتی سلسلہ قائم کیا جائے مگر اس سے بھی پہلے آپ کو جاپانی زبان سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔ آپ کے سامنے ہنگری اور سپین کے مبلّغوں کا شاندار کام رہنا چاہیئے ۔ جنہوں نے آپ کی نسبت زیادہ مشکلات میں اور اُن ممالک کے لحاظ سے کم خرچ پر وہاں نہایت اعلیٰ کام کیا ہے اور اعلیٰ طبقہ میں احمدیت پھیلائی ہے ۔

۲ ۔ آپ کو اللہ تعالیٰ پر توکل رکھنا چاہیئے جس سے سب نصرت آتی ہے اور قرآن کا مطالعہ اور اس کے مضامین پر غور پر مداومت اختیار کرنی چاہیئے ۔ اسی طرح کتبِ سلسلہ اور اخبارات سلسلہ کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیئے ۔

۳ ۔ باہر جانے والوں کو اپنا کام دکھانے کیلئے بعض دفعہ تصنّع کی طرف رغبت ہو جاتی ہے اس سے بچنا چاہیئے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہمیشہ مدّنظر رہے ۔

۴ ۔ نیک عمل نیک قول سے بہتر ہے اور عملی تبلیغ قولی تبلیغ سے بہتر ہے اور نیک ارادہ ان دونوں امور میں انسان کا ممد ہوتا ہے ۔

۵ ۔ نماز کی پابندی اور جہاں تک ہو سکے باجماعت اور تہجد جب بھی میسّر ہو ۔ انسان کے ایمان اور اس کے عمل کو مضبوط اور قوی کرتے ہیں ۔

۶۔ اللہ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ہے۔ پس محبت الٰہی کو سب کامیابیوں کی کلید سمجھنا چاہیئے جو خدا تعالیٰ سے والہانہ محبت رکھتا ہے وہ کبھی ہلاک نہیں ہوتا۔ مگر خیالی محبت نفع نہیں دیتی محبت وہی ہے جو دل کو پکڑ لے۔

۷۔ اسلام کے لئے ترقی مقدر ہے۔ اگر ہم اس میں کامیاب نہیں ہوتے تو یہ ہمارا قصور ہے۔ یہ کہنا کہ یہاں کے لوگ ایسے ہیں اور ویسے ہیں صرف نفس کو دھوکا دینا ہوتا ہے۔

۸۔ تبلیغ میں سادگی ہو۔ اسلام ایک سادہ مذہب ہے۔ خواہ مخواہ فلسفوں میں نہیں اُلجھنا چاہیئے۔

۹۔ ضروری نہیں کہ جو ہنسے وہ حق پر ہو یا عقلمند ہو۔ بہت باتیں جن پر پہلے ہنسا جاتا ہے بعد میں سُننے والے کے دل کو مسخر کر لیتی ہیں۔ پس جدید علوم کے ماہروں کے تمسخر پر گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اور نہ ہر بات کو اس لئے رد کر دینا چاہیئے کہ ہمارے آباء نے ایسا نہیں لکھا۔ سچائی کے ضامن آباء نہیں۔ قرآن کریم ہی ہے۔ پس ہر امر کو قرآن کریم پر عرض کرنا چاہیئے۔

۱۰۔ دُعا ایک ہتھیار ہے جس سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ سپاہی بغیر ہتھیار کے کامیاب نہیں ہو سکتا۔

۱۱۔ غریبوں کی خدمت اور رفاہ عام کے کاموں کی طرف توجہ مومن کے فرائض میں داخل ہے۔

۱۲۔ مبلغ سلسلہ کا نمائندہ ہے۔ اسلئے اس ملک کے سب حالات سے سلسلہ کو واقف رکھنا چاہیئے۔ خواہ تمدنی ہوں، علمی ہوں، سیاسی ہوں، مذہبی ہوں۔

۱۳۔ جس ملک میں جائے وہاں کے حالات کا گہرا مطالعہ کرے اور لوگوں کے اخلاق اور طبائع سے واقفیت بہم پہنچائے۔ یہ تبلیغ میں کامیابی کے لئے ضروری ہے۔

۱۴۔ رپورٹ باقاعدہ بھجوانا خود کام کا حصّہ ہے۔ جو شخص اس میں سُستی کرتا ہے۔ وہ درحقیقت کام ہی نہیں کر سکتا۔

۱۵۔ نظام کی پابندی اور احکام کی فرمانبرداری اور خطاب میں آداب اسلام کا حصّہ ہے۔ اور ان کو بھولنا اسلام کو بھولنا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور سفر میں کامیاب کرے۔ خیریت سے جائیں اور خیریت سے آئیں اور خدا تعالیٰ کو خوش کر دیں۔"[1]

---

[1] الفضل ۷؍ ستمبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۳۔

مولوی عبدالغفور صاحب پونے پانچ سال تک فریضہ تبلیغ بجالانے کے بعد ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو واپس قادیان تشریف لے آئے۔

دارالتبلیغ ہانگ کانگ (چین) کا قیام

چین میں پہلا احمدیہ مشن صوفی عبدالغفور صاحب بھیروی نے قائم کیا جو ۲۷ مئی ۱۹۲۵ء[1] کو ہانگ کانگ پہنچے اور متعدد سال تک فریضہ تبلیغ بجالانے کے بعد واپس قادیان تشریف لے آئے۔ آپ کے زمانہ میں جماعت احمدیہ چین کی داغ بیل پڑی۔ سب سے پہلے چینی احمدی (جس کی اطلاع مرکز میں پہنچی) لی او نگ کنگ فنگ LEUNG-KING FUNG تھے۔ جو قصبہ KAWAI SHOW ضلع SANTAK صوبہ KWANTEENG کے باشندہ تھے۔[2]

صوفی صاحب موصوف نے دوران قیام میں اسلامی اصول کی فلاسفی کا چینی ترجمہ[3] کرایا جس سے اشاعت احمدیت میں پہلے سے زیادہ آسانی پیدا ہو گئی۔

صوفی صاحب کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم سے ۱۶ جنوری ۱۹۲۶ء کو شیخ عبدالواحد صاحب فاضل چین روانہ ہوئے[4]۔ شیخ صاحب نے "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے چینی ترجمہ کی اشاعت کے علاوہ بعض تبلیغی پمفلٹ بھی بکثرت شائع کئے[5]۔ آپ کے ذریعہ بھی کئی سعید روحیں حلقہ بگوش احمدیت ہوئیں[6]۔ آپ ۶ مارچ ۱۹۲۹ء[7] کو واپس مرکز میں پہنچے۔

شیخ عبدالواحد صاحب ابھی چین میں اشاعت احمدیت کا فرض ادا کر رہے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے چوہدری محمد اسحاق صاحب سیالکوٹی کو ۲۷ ستمبر ۱۹۲۷ء[8] کو چین روانہ فرمایا اور اپنے قلم سے مندرجہ ذیل نصائح لکھ کر دیں:۔

---

[1] البم شائع کردہ تحریک جدید ۱۹۳۹ء۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۱ مئی ۱۹۲۵ء میں ان کے پہنچنے کا ذکر فرمایا تھا۔ (الفضل ۴ جون ۱۹۲۵ء صفحہ ۵ کالم ۲)

[2] الفضل ۱۳ ستمبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۲ کالم ۲

[3] حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ نومبر ۱۹۲۵ء میں خود اس کا ذکر فرمایا۔ (الفضل ۱۹ نومبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۰ کالم ۳)

[4] الفضل ۱۸ جنوری ۱۹۲۶ء صفحہ ۱

[5] الفضل ۲۲ فروری ۱۹۲۶ء صفحہ ۱

[6] چین میں اشاعت اسلام سے متعلق آپ کا ایک معلومات افزا مقالہ ریویو آف ریلیجنز اردو (جولائی و اکتوبر ۱۹۳۹ء) میں شائع شدہ ہے۔

[7] الفضل ۸ مارچ ۱۹۲۹ء صفحہ ۲

[8] الفضل ۲۹ ستمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۲

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَالنّـــــاصِرُ

اللہ تعالیٰ کی محبت سب اصول سے بڑا اصل ہے۔ اسی میں سب برکت اور سب خیر جمع ہے۔ جو سچی محبت اللہ تعالیٰ کی پیدا کرے وہ کبھی ناکام نہیں رہتا اور کبھی ٹھوکر نہیں کھاتا۔ نمازوں کو دل لگا کر پڑھنا اور باقاعدگی سے پڑھنا۔ ذکرِ الٰہی۔ روزہ۔ مُراقبہ یعنی اپنے نفس کی حالت کا مطالعہ کرتے رہنا سونا کم۔ کھانا کم۔ دین کے معاملات میں ہنسی نہ کرنا نہ سُننا۔ مخلوقِ خدا کی خدمت۔ نظام کا ادب و احترام اور اس سے ایسی وابستگی کہ جان جائے اس میں کمی نہ آئے۔ اسلام کے اعلیٰ اُصُول ہیں۔

قرآن کریم کا غور سے مطالعہ علم کو بڑھاتا ہے اور دل کو پاک کرتا ہے اور دماغ کو نور بخشتا ہے۔

سلسلہ کی کتب اور اخبارات کا مطالعہ ضروری ہے۔

خدا کے رسولؐ اور مسیح موعودؑ اس کے خادم کی محبت خدا تعالیٰ کی محبت کا ہی جزو ہے۔ نہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا کوئی نبی گزرا ہے۔ نہ مسیح موعودؑ جیسا نائب صلی اللہ علیہما وسلم۔

تقوی اللہ ایک اہم شے ہے۔ مگر بہت لوگ اس کے مضمون کو نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں نہ اس پر عمل کرتے ہیں۔

سلسلہ کے مفاد کو ہر دم سامنے رکھنا۔ بلند نظر رکھنا۔ مغلوبیت سے انکار اور غلبۂ اسلام اور احمدیت کے لئے کوشش ہماری زندگی کا نصب العین ہونے چاہئیں۔" ؎۱

خاکسار مرزا محمود احمدؓ"

چوہدری محمد اسحٰق صاحب قریباً ساڑھے تین سال تک چین میں احمدیت کا نور پھیلاتے رہے اور اپریل ۱۹۴۱ء ؎۲ کو قادیان آگئے۔

حضرت امیر المومنین کا پہلا سفر سندھ

سیدنا حضرت امیر المومنینؓ نے اراضیات سندھ کے معائنہ کی غرض سے پہلا سفر ۱۹۳۵ء میں کیا۔ حضور ؎۳ ۹ مئی ۱۹۳۵ء کو بعد نماز عصر قادیان سے روانہ ہوئے۔ حضور کے عہد خلافت میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ حضورؓ سندھ

؎۱ الفضل قادیان ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۴ ؎۲ الفضل ۱۰ اپریل ۱۹۴۱ء ؎۳ الفضل ۱۱ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ کالم ۱

کی طرف تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت امیرالمومنینؓ کے ہمراہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے ناظر تعلیم و تربیت۔ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ناظر اعلیٰ۔ حضرت مولوی عبدالمغنی خانصاحب ناظر بیت المال حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب اور شیخ یوسف علی صاحب پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ حضرت مرزا محمد اشرف صاحب ناظم جائیداد پہلے ہی سندھ پہنچ گئے تھے۔[1]

حضرت امیرالمومنینؓ ۱۱؍ مئی ۱۹۳۵ء کو ڈھائی بجے (بعد دوپہر) جھڈو اسٹیشن پر اترے۔ اور تھوڑی دیر آرام فرمانے کے بعد اسٹیشن کی انتظارگاہ میں ظہر و عصر کی نمازیں پڑھائیں اور شام کے ۶ بجے حضور کا قافلہ دو پارٹیوں میں احمد آباد[2] اسٹیٹ کی طرف روانہ ہوا۔ حضور نے گھوڑے پر سوار ہونا پسند فرمایا۔ گھوڑوں پر حضور کے ہمراہ چوہدری غلام احمد صاحب منیجر احمد آباد اسٹیٹ، حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب اور بعض اور اصحاب تھے۔ ایک پارٹی جو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مولوی عبدالمغنی خاں صاحب، چودھری محمد سعید صاحب خلف الرشید خان بہادر حضرت نواب چودھری محمد دین صاحب، حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی اور شیخ یوسف علی صاحب پرائیویٹ سیکرٹری پر مشتمل تھی، موٹر کار میں بیٹھی۔ ایک جگہ موٹر ٹھہرا کر حضور سے عرض کی گئی کہ اگر اجازت ہو تو احمد آباد پہلے پہنچ کر منتظر احباب کو اطلاع کر دی جائے کہ حضور گھوڑے پر تشریف لا رہے ہیں۔ حضور نے اجازت تو دے دی لیکن حضور موٹر سے پہلے پہنچ گئے۔ احمد آباد اسٹیٹ کے دوستوں نے خوبصورت گیٹ بنایا ہوا اور راستہ سجایا ہوا تھا۔ حضور جونہی احمد آباد میں پہنچے احباب نے اللہ اکبر کے نعروں سے حضور کا استقبال کیا۔[3]

حضور نے اس سفر میں اراضیات سندھ کا معائنہ فرمایا۔ ۱۷؍ مئی ۱۹۳۵ء کو حیدر آباد میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور ربنیٹ ہال میں پبلک لیکچر دیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بڑی رواں تقریر فرماتے تھے لیکن حیدر آباد میں حضور نے جو لیکچر دیا اس کے دوران دو ایک سیکنڈ کے لئے حضور کی زبان مبارک میں عجیب طرح لکنت ظاہر ہوئی جسے سب سندھی احمدیوں نے محسوس کیا۔[4]

---

[1] الفضل ۱۲؍ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کا نام اس حوالہ میں موجود نہیں تاہم جیسا کہ اگلی روداد سے ظاہر ہے۔ آپ کو بھی اس سفر میں حضور کا ہمرکاب ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ [2] جھڈو اسٹیشن سے ۱۴ میل دور۔ [3] الفضل ۱۸؍ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۔ [4] ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب اخوند سندھی (حال میڈیکل آفیسر فضل عمر ہسپتال ربوہ) کے مضمون شائع شدہ الفضل ۴؍ رجون ۱۹۶۵ء صفحہ ۲ سے ملخصاً۔

سندھ سے واپس قادیان تشریف لے جاتے ہوئے جن احمدی جماعتوں نے حضور کا استقبال کیا ان میں سے سلسلہ احمدیہ کے مطبوعہ ریکارڈ میں صرف جماعت احمدیہ ضلع ملتان کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ اخبار الفضل ۲۴ مئی ۱۹۳۵ء میں لکھا ہے:-

"۱۹ مئی بروز اتوار ایک بجے دن حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا مع قافلہ سندھ سے قادیان دارالامان کی واپسی پر ملتان سے گذر ہوا۔ جماعت احمدیہ ملتان کے چھوٹے بڑے۔ بچے بوڑھے اور جوان تمام شوق زیارت کیلئے ملتان چھاؤنی سٹیشن پر جمع تھے۔ بعض بیرونی جماعتوں کے دوست بھی آئے ہوئے تھے۔ اخوند محمد افضل خانصاحب پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ ڈیرہ غازیخاں باوجود پیرانہ سالی اور علالت اور ضعف کے ایک روز پیشتر ہی آگئے تھے۔ احمدی احباب کے علاوہ ملتان کے ہندو۔ عیسائی اور مسلم اکابر بھی شرف ملاقات حاصل کرنے کیلئے کافی تعداد میں جمع تھے۔ ان میں اکثر وکلاء۔ پروفیسران تھے۔ گاڑی ٹھیک وقت پر پہنچی اور حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ پر نگاہ پڑتے ہی اللہ اکبر کے نعرے فضا میں گونج اُٹھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ازراہِ شفقت گاڑی کے دروازہ میں آکر کھڑے ہوگئے۔ جس رُعب و تمکنت اور جلال کے ساتھ آپ رونق افروز ہوئے اسکی کیفیت صرف تصور میں آسکتی ہے۔ حضور نے اپنے غلاموں کو شرفِ مصافحہ بخشا۔ اور اس امر کی اطلاع ملنے پر کہ بعض غیر احمدی اور ہندو معززین بھی شرفِ دیدار کے منتظر ہیں۔ آپ سیکنڈ کلاس کے ویٹنگ روم میں تشریف لے آئے۔ جہاں سب کا آپ سے باری باری تعارف کرایا گیا۔ وکلاء میں سے غلام قادر خاں صاحب۔ رحیم بخش صاحب آزاد۔ پیرزادہ عطاء محمد صاحب۔ محمد ابراہیم صاحب شمی۔ لالہ راجندر صاحب۔ مسٹر آر تھرا اور پروفیسر صاحبان میں سے چودھری صادق محمد صاحب ایم۔ اے۔ مسٹر مبارک احمد صاحب ایم۔ اے۔ گوپال داس صاحب کھنہ ایم۔ اے۔ مسٹر ویسراج صاحب پوری ایم۔ اے قابل ذکر ہیں۔ لالہ رام پرتاپ صاحب آے۔ ایس۔ آئی ڈبلیو بھی تھے۔ ان کے علاوہ دیگر شرفاء بھی تھے جنہیں ذوق دیدار و ملاقات سٹیشن پر کشاں کشاں کھینچ لایا تھا۔ احباب نے پھولوں کے ہار حضور کے گلے میں ڈالے۔ آپ اور آپکے رفقاءِ سفر کی برف اور بوتلوں سے تواضع کی۔ چونکہ گاڑی یہاں دس منٹ کیلئے ٹھہرتی ہے۔ اسلئے یہ قلیل وقت مصافحوں اور تعارف میں صرف ہوگیا۔ گاڑی نعروں کے درمیان روانہ ہوئی۔ ہجوم بفضلہٖ اچھا خاصہ تھا۔ اور دوستوں نے جس بے تابانہ اخلاص، کمال شوق اور کیف آور

وارفتگی و شفتگی کا مظاہرہ کیا۔ وہ تحریر میں نہیں آسکتا۔ بعض احباب نے خانیوال تک معیت کی سعادت سے بہرہ اندوز ہونے اور چلتی گاڑی میں کھانا کھلانے کی غرض سے جو پہلے سے تیار تھا۔ ٹکٹ لے لئے تھے۔ جن میں اخوند محمد افضل خانصاحب۔ شیخ فضل الرحمن صاحب اختر پریذیڈنٹ۔ چوہدری اعظم علی صاحب سب جج۔ شیخ محمد حسین صاحب وائس پریذیڈنٹ۔ ملک شیر محمد صاحب۔ خان بہادر ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب۔ پروفیسر عبدالقادر صاحب ایم اے میاں قادر بخش صاحب۔ میاں اللہ دتا صاحب۔ مسٹر بشیر احمد صاحب ٹکٹ کلکٹر قابل ذکر ہیں حضرت امیر المومنین اور آپ کے رفقاء کو گاڑی میں کھانا کھلایا گیا۔ قریباً ایک گھنٹہ کی مسافت کے بعد کراچی میل خانیوال پہنچی۔ جہاں مقامی اور محمود آباد اسٹیٹ کے احمدی احباب کا جم غفیر تھا۔ اللہ اکبر کے نعروں کے درمیان گاڑی پلیٹ فارم پر کھڑی ہوئی حضور نے اول احباب کو شرف مصافحہ بخشا۔ پھر گفتگو فرماتے ہوئے ملتان سے جو خدام ہمراہ آئے تھے انہیں الوداعی مصافحہ کی عزت بخشی۔ چند منٹ کے بعد گاڑی روانہ ہوئی۔ نعرہ ہائے تکبیر بلند ہوئے۔ یہ امر نوٹ کر لینے کے قابل ہے کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے بائیس سالہ عہد خلافت میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ حضور کا اس لائن سے گذر ہوا۔[۱]

قادیان میں ورود

حضرت امیر المومنینؓ ۱۹ رمئی ۱۹۳۵ء بوقت دس بجے شب بخیر و عافیت قادیان دارالامان واپس تشریف لائے۔ مقامی جماعت نے قادیان سے باہر استقبال کیا اور حضور نے اپنے خدام کو شرف مصافحہ بخشا۔[۲]

کوئٹہ میں ہولناک زلزلہ اور مصیبت زدگان کی وسیع پیمانے پر امداد

۱۹۳۵ء میں خدا تعالیٰ کا قہری نشان ۳۱ رمئی کو پونے تین بجے صبح کے وقت کوئٹہ کے خوفناک زلزلہ کی صورت میں ظاہر ہوا جس نے زلزلہ بہار کو بھی مات کر دیا۔ جیسا کہ اخبار "پرتاپ" لاہور (۶ رجون ۱۹۳۵ء) نے لکھا۔ "یہ زلزلہ نہ صرف بلوچستان بلکہ ہندوستان کی تاریخ میں مہیب ترین ہے۔ اپریل ۱۹۰۵ء میں دھرم سالہ جو زلزلہ آیا اس نے بھی بہت تباہی مچائی تھی ۱۹۳۴ء میں بہار میں زلزلہ آیا۔ بہار کا زلزلہ بڑا ہولناک تھا اور اس کے حالات پڑھ کر ہم حیران ہوتے تھے لیکن کوئٹہ کے زلزلہ نے انہیں مات کر دیا ہے"۔[۳]

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲ رجون ۱۹۳۵ء کو ایک اہم مضمون لکھا جس میں جماعت احمدیہ

---

[۱] - الفضل ۲۴ رمئی ۱۹۳۵ء جلد ۲۲۔ الفضل نمبر ۱۶۲ صفحہ نمبر ۲ ÷ [۲] الفضل ۲۱ رمئی ۱۹۳۵ء صا کالم نمبر ۱ ÷

[۳] - بحوالہ الفضل ۹ رجون ۱۹۳۵ء صا کالم نمبر ۱ ÷

کو فوری توجہ دلائی کہ۔ کوئٹہ کے مصیبت زدگان کی امداد کے سلسلہ میں اُن پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ چنانچہ حضور نے تحریر فرمایا:۔

"احباب اخبارات میں پڑھ چکے ہوں گے کہ کوئٹہ میں ایک شدید زلزلہ آیا ہے جس سے قریباً اسّی فیصدی آبادی تباہ ہوگئی ہے۔ یہ ایک تازہ نشان ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی صداقت کا جنہوں نے بوضاحت شدید زلزلوں کی خبر دیکر دُنیا کو پہلے سے جگا دیا تھا۔ مگر افسوس کہ لوگ اب تک نہیں جاگے لیکن جہاں یہ زلزلہ ایک نشان ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی صداقت کا۔ وہاں اسکی صدمہ سے بچنے والے لوگوں کی ہمدردی اور ان کی خدمت کی اہم ذمہ داری بھی جماعت احمدیہ پر پڑتی ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم مصیبت زدوں کی غیر معمولی خدمت کرکے دُنیا پر ثابت کردیں کہ ہم دنیا کی ہمدردی اور اُس کی خیر خواہی کو اپنا ذاتی فرض سمجھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ ذمہ داری کو نہ صرف سمجھتے ہیں بلکہ اُسے پُورا کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ میں نے اس وقت خدمت کرنے کے لئے ایک ڈاکٹر۔ دو کمپونڈر اور ایک سکرٹری کو کوئٹہ روانہ کردیا ہے۔ اور ان کے ساتھ بہت سا سامان مرہم پٹی وغیرہ کا بھی بھیجا گیا ہے۔ اور ان لوگوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ نہ صرف جماعت احمدیہ کے حاجتمند احباب کی مدد کریں۔ بلکہ تمام مذاہب و ملت کے لوگوں کی حتی الوسع امداد کریں۔ اسی سلسلہ میں مَیں احباب جماعت کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ جس رنگ میں بھی اس کام میں امداد کر سکتے ہیں۔ امداد سے دریغ نہ کریں۔ جو ڈاکٹر اسوقت وہاں پہنچ سکتے ہوں سلسلہ کے نظام کے تحت وہاں پہنچکر کام کریں۔ جو ڈسپنسر اور کمپاؤنڈر وقت دے سکتے ہوں وہ بھی اپنے آپکو پیش کریں اور جو لوگ مزدوری وغیرہ کا کام کرسکتے ہیں وہ بھی اپنے آپکو پیش کریں کیونکہ ملبہ وغیرہ اٹھانیکا بھی بہت بڑا کام ہے۔ ممکن ہے اس کوشش سے بھی کئی جانیں بچ جائیں۔ گذشتہ تجربہ بتاتا ہے کہ بعض لوگ دو۔ دو ہفتہ بعد بھی ملبوں کے نیچے سے زندہ نکل آئے ہیں۔ ان لوگوں کے سوا جو کام کے لئے وہاں جا سکتے ہوں دُوسرے احباب سے مَیں یہ خواہش کرتا ہوں کہ وہ دل کھول کر چندہ دیں" [1]

جماعت احمدیہ نے اپنے پیارے امام کی آواز پر پورے خلوص سے لبیک کہا اور ہندوستان اور بیرونی ممالک کے احمدیوں نے مصیبت زدگان کی امداد کے لئے ہزاروں روپے پیش کردیئے۔ [2]

یہاں اس خدائی تصرّف کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ جہاں اس زلزلہ کے نتیجہ میں کوئٹہ کی آبادی کا اسّی یا نوّے فی صدی حصّہ لقمۂ اجل ہوا وہاں خدا کے خاص فضل و عنایت سے جماعتِ احمدیہ کوئٹہ

---

[1] - الفضل ۵ جون ۱۹۳۵ء نمبر ۱۸۱ جلد ۲۲ صا ۔

[2] - تفصیلی خبر ستیں الفضل ۱۹۳۵ء میں چھپ گئی تھیں ۔

کا نقصان صرف ۱۲ فی صدی کے قریب تھا۔ اور اکثر احمدی گھرانے بالکل محفوظ و مصئون رہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے احمدیوں کی یہ خصوصی حفاظت ایک خارق عادت بات تھی اور عقل و بصیرت رکھنے والوں کے لئے ایک عظیم الشان نشان[1]

لنڈن سے "مُسلم ٹائمز" کا اجراء

۱۹۳۵ء میں امام مسجد لنڈن مولانا عبدالرحیم صاحب درد نے "دی مسلم ٹائمز" کے نام سے ایک انگریزی اخبار جاری کیا۔ یہ اخبار جس کا پہلا پرچہ ۶ر جون[2] ۱۹۳۵ء کو شائع ہوا۔ انگلستان میں یہ پہلا اسلامی اخبار تھا جو جاری کیا گیا۔

لنڈن سے رسالہ "اَلاسلام" (انگریزی) کا اجرا

(سیدنا) حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) اور صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے یورپ کو اسلامی تعلیم سے رُوشناس کرانے اور اُس کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کیلئے "الاسلام" کے نام سے ایک سہ ماہی انگریزی رسالہ لنڈن[3] سے جاری فرمایا۔ اس رسالہ کی زبان فصیح اور شستہ اور ظاہری صورت نہایت عمدہ تھی۔ اور رسالہ صوری و معنوی دونوں اعتبار سے معیاری تھا۔ الاسلام کا پہلا شمارہ جون ۱۹۳۵ء میں چھپا جس میں اسلامی جنگوں کی نسبت ایک سیر حاصل مضمون شائع ہوا۔[4] دوسرے نمبر میں مسئلہ نبوت پر مبسوط اور مدلل رنگ میں روشنی ڈالی گئی۔[5] یہ رسالہ ۱۹۳۶ء تک جاری رہا۔

حجاز کے ولیعہد مسجد فضل لنڈن میں

۱۲ر جولائی ۱۹۳۵ء کو حجاز کے ولیعہد شہزادہ امیر سعود مسجد فضل لنڈن میں تشریف لائے۔ امام مسجد لنڈن حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد نے آپ کے اعزاز میں ایک دعوت استقبالیہ دی جس میں امریکہ برازیل، میکسیکو اور عرب کے سفراء کے علاوہ سر عبدالقادر اور پروفیسر گب جیسی نامور شخصیتیں بھی شامل ہوئیں۔ امیر سعود دو گھنٹے تک مسجد میں موجود رہے اور "زیر نومسلموں سے عربی زبان میں نماز سُنکر اور اُن کی دستی تحریریں دیکھکر بہت خوش ہوئے۔"[6]

اِس تقریب کا برطانوی پریس کے علاوہ عربی اور ہندوستانی اخبارات میں بھی چرچا ہوا۔ اِسی طرح

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو خانصاحب ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ کوئٹہ کا مفصل مضمون مطبوعہ الفضل ۳ر جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۵۔ اس کے علاوہ مستونگ کے ایک احمدی خاندان کے بچنے کا واقعہ الفضل ۲۷ر جون ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ پر مذکور ہے۔ یاد رہے اُن دنوں چوہدری احمد جان صاحب امیر جماعت کوئٹہ تھے ؛ [2] الفضل ۴ر جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ ؛ [3] الاسلام کے ایک پرچہ کی قیمت پانچ پنس تھی اور اسکی اشاعت کا پتہ یہ تھا۔ LONDON MOSQUE 63 MALROSE ROAD S.W.18. LONDON.

[4] الفضل ۲۱ر مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ کالم ۳۔ [5] الفضل ۱۷ر نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۳ ؛ [5] ایضاً الفضل ۱۷ر نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۳ ؛ [6] الفضل ۱۹ر جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

مسجد کے افتتاح کے موقعہ پر اُن کے نہ آنے کا عمدگی کے ساتھ ازالہ ہو گیا۔[۱]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ پر حضرت امیرالمومنین کی حلفیہ شہادت

ایک صاحب حاجی ضیاء اللہ صاحب (مالک پنجاب سوپ فیکٹری لاہور) نے حضرت امیرالمومنین رضؓ سے حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ پر حلفیہ شہادت دینے کا مطالبہ کیا۔ جس پر حضور نے تحریر فرمایا کہ:۔

"مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مَیں آپ کے خط کے جواب میں حلفیہ تحریر کرتا ہوں کہ وہ خدا جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس کے قبضہ میں میری جان ہے اور جو دلوں کا بھید جانتا ہے میں اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے نزدیک وہ نبوت جس کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعویٰ ہے اسلام کے لئے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہتک کا موجب نہیں بلکہ اسلام کی مضبوطی کا موجب ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بڑھانے کا۔ اور مَیں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایسی نبوت نہ صرف قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہے بلکہ مجھے خود اللہ تعالیٰ نے بذریعہ رویاء و کشوف اس پر یقین دلایا ہے۔

والسلام خاکسار مرزا محمود احمد"[۲]

سعودی حکومت کا غیر مسلم کمپنی سے معاہدہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا بصیرت افروز بیان

۱۵؍ مارچ ۱۹۳۵ء کو جلالت الملک سلطان عبدالعزیز ابن سعود[۳] اور اُن کے ولی عہد پر طواف کعبہ کے دوران بعض یمنی عربوں نے قاتلانہ حملہ کر دیا جس پر شاہ کے حفاظتی دستہ نے حملہ آوروں کو گولیوں سے ہلاک کر دیا۔[۴] اس پر بعض مسلمان اخبارات نے حرم پاک

---

[۱] ۔یہاں یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ایک بار الفضل کے ایک سیاسی نامہ نگار نے جلالت الملک ابن سعود سے مکہ معظمہ میں ملاقات کی تو انہوں نے جماعت احمدیہ کی نسبت فرمایا کہ تبلیغ اسلام میں مدد دینا ہمارا کام ہے۔ سلطان نے سُورت کے ایک اہلحدیث کی شکایت پر (کہ احمدی ایک اور نبی کے ماننے والے ہیں) صاف جواب دیا کہ یہ شرک فی النبوۃ کرتے ہوں گے۔ مگر یہاں تو شرک فی التوحید کرنیوالے بھی آتے ہیں؟ پھر احمدیوں کو مکہ سے نکالنے کی تجویز پر کہا کہ "کیا یہ عبدالعزیز کے باپ کا گھر ہے جس سے میں نکال دوں؟ یہ خدا کا گھر ہے۔" (الفضل ۲۴ جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ کالم ۳-۴)۔

[۲] ۔الفضل ۲۸؍ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ [۳] ولادت نومبر ۱۸۸۰ء۔ وفات ۹؍ نومبر ۱۹۵۳ء۔

[۴] ۔"سوانح حیات سلطان ابن سعود" صفحہ ۲۱۷-۲۱۸ (مرتبہ سردار محمد حسنی بی۔ اے۔ ناشر منیجر سلسلہ مشاہیر اسلام جالندھر شہر)۔

میں عربوں کے قتل پر سخت احتجاج کیا۔ اور اسے "سرزمین حجاز میں یزیدیت" سے تعبیر کیا[۱] مخالفت پورے زوروں پر تھی کہ خبر آئی کہ جلالت الملک نے ایک غیر مسلم کمپنی[۲] کو پٹرول وغیرہ کا ٹھیکہ دینے کیلئے ایک معاہدہ طے کرلیا ہے۔

اگرچہ یہ اپنی نوعیت کا کوئی پہلا معاہدہ نہیں تھا[۳] مگر خصوصاً مجلس احرار نے سلطان المعظم اور انکی حکومت کے خلاف مسلمانوں کو مشتعل کرنے کیلئے جلسے کئے اور اخباروں میں بدگوئی[۴] سے کام لیتے ہوئے سخت زہریلا پراپیگنڈا کیا اور بالآخر اسے ایک خالص مذہبی مسئلہ قرار دیکر مخالفت کا ایک وسیع محاذ کھول دیا[۵]۔ جسکی اصل وجہ یہ تھی کہ احرار لیڈر شریف حسین والیٔ مکہ کے شکست کھاجانے کے بعد سعودی حکومت کے بھی مخالف تھے۔ اور ابن سعود کو سرمایہ دارانہ ماحول کا پرورش یافتہ بتاکر بدنام کرتے رہتے تھے[۶]۔

۱۔ شیعہ اخبار مجریہ یکم جون ۱۹۳۵ء بحوالہ "اہلحدیث" امرتسر، ۷ جون ۱۹۳۵ء ص۱۵۔

۲۔ "دی سعودین عربین مائننگ سنڈیکیٹ لمیٹڈ زان کارپوریٹڈ ان انگلینڈ"۔

۳۔ اخبار کرزن گزٹ دہلی بابت ۱۵ جنوری ۱۹۰۵ء کی اشاعت میں "حمیدیہ حجاز ریلوے" کے زیر عنوان یہ خبر شائع کی:۔ "حمیدیہ حجاز ریلوے ایمن کمیٹی نے فرانس وبلجیم وجرمنی کے مشہور تاجروں کو معدنیات کا اجارہ دینے کا قصد کیا ہے۔ حجاز ریلوے کے راستے میں معدنیات ملتی ہیں۔ چونکہ اسوقت اور کوئی نکالنے والا نہیں اس سبب سے شاید اہل یورپ کو اجارہ دینا پڑے" ص۹ ۔ ۴۔ "اہلحدیث" ۱۳ دسمبر ۱۹۳۵ء ص۱۶ کالم ۱۔

۵۔ "مجاہد" ۱۴ مئی ۱۹۳۶ء بحوالہ اہلحدیث ۲۹ مئی ۱۹۳۶ء ص۳۔

۶۔ چوہدری افضل حق "تاریخ احرار" میں لکھتے ہیں۔ "ابن سعود کا سارے عرب میں طوطی بولنے لگا خشک قسم کا نجدی تھا۔ جب مدینے میں قدم رکھا تو بھونچال لے آیا۔ قبوں کو گرا کر ہموار کردیا...... ہم شریف حسین کے دیس بدر ہونے پر خوش تھے کہ غدار اپنے انجام کو پہنچا۔ مگر قبے گرانے کے متعلق متذبذب تھے...... یہ سب قبے اور مقبرے سرمایہ داروں کی سنگدلی کا نتیجہ ہیں...... اگر نبی کریم کی قبر اصل حال میں ہوتی تو اس زیارت سے سرمایہ داروں کے خلاف مسلمانوں کی نفرت قائم رہتی...... اب جبکہ مسلمان عوام کی دل ودماغ کی ساخت سرمایہ داری مشین میں تیرہ سو برس ڈھلکر بدل گئی تو ابن سعود کا ظہور ہوا...... بیچارہ ابن سعود بھی سرمایہ دارانہ ماحول کا پرورش یافتہ تھا اُسے خود اسلام کا منشاء معلوم نہ تھا۔ اسلئے چند قبے گرائے مگر خود شاہانہ بسر اوقات کرنے لگا۔" (ص۲۲ تا ص۲۴)

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ مفکر احرار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پختہ مقبرہ کو "سرمایہ داری کی سنگدلی کا نتیجہ" قرار دینے میں حقائق کی صریح تغلیط کی ہے۔ تاریخ اسلام سے ثابت ہے کہ مقبرہ بنانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ ۵۵۷ھ میں عیسائیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو نکال کر اس کی بے حرمتی کرنے کی سازش کی تھی

احرار کی اس افسوسناک روش کی نسبت کلکتہ کے مسلم روزنامہ اخبار ہند نے حسب ذیل مضمون شائع کیا:۔

"یہ واقعہ ہے کہ مولانا اسمٰعیل غزنوی سالہا سال سے شاہ ابن سعود کے ہاں آمد و رفت رکھتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مولانا غزنوی کے اسی تعلق کی وجہ سے ان کے بعض رفیقوں کو مخصوص ذاتی شکائتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ اور چونکہ ان کی شکائتیں دُور نہ ہو سکیں۔ اور چونکہ وہ مجلس احرار میں بہت رسوخ رکھتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے مولانا اسمٰعیل غزنوی اور حکومت حجاز سے انتقام لینے کی یہ صورت نکالی ہے کہ مجلس احرار ملک بھر میں حکومت حجاز کے خلاف ایجی ٹیشن کرے اور اس طرح حکومت حجاز کو مجبور کر دے کہ وہ مذکورہ بالا شکائتیں دُور کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

اپنی اس اطلاع کا ذکر ہم نے اشارۃً پچھلے مضمون میں کیا تھا۔ مگر اس پر زور نہیں دیا تھا کیونکہ ہمیں اس پر پورا یقین نہیں تھا۔ لیکن اب "مجاہد" کا افتتاحیہ دیکھکر ہمیں بڑی حد تک اپنی اطلاع کی صحت پر بھروسہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ "مجاہد" نے اپنے اس افتتاحیہ میں عمداً درجہ تدلیس و تلبیس سے کام لیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ پس پردہ کوئی اور ہی حقیقت موجود ہے۔ "مجاہد" کے افتتاحیہ کا لب لباب یہ ہے کہ مجلس احرار اب تک جزیرۃ العرب کی حقیقی صورت حال سے واقف نہ تھی۔ لیکن اب اسے یقین سے معلوم ہو گیا ہے کہ شاہ ابن سعود انگریزوں کے زیر اثر ہیں اور یہ کہ عرب کے خارجی معاملات پر برطانیہ کا قبضہ ہے اور انگریز مدبر سلطان کو معاہدوں کے جال میں پھنسا کر داخلی مسائل پر قابض ہو رہے ہیں۔ اور یہ کہ جنگ یمن و نجد برطانیہ ہی کے اشارے سے ہوئی تھی۔ اور شاہ ابن سعود کی فتح محض برطانیہ کی قوت سے ہوئی۔ اور یہ کہ امام یمن انگریزوں کے یا اٹلی کے یا کسی اور اجنبی قوت کے زیر اثر نہیں ہیں وغیرہ وغیرہ الزامات۔

لیکن سوال یہ ہے کہ مجلس احرار اور اس کے آرگن "مجاہد" کے پاس اپنے ان دعووں کی تائید میں کوئی دلیل بھی ہے یا نہیں؟ اگر دلیل ہے تو پیش کرنا چاہیئے۔ اس افتتاحیہ میں تو ان تمام الزاموں کی بنیاد اسی معاہدے کو بتایا گیا ہے جو کان کنی کے ٹھیکہ سے متعلق حکومت حجاز نے کیا ہے مگر ہمیں یہ بھی تو بتایا جائے کہ اس معاہدے میں کونسی دفعہ ایسی ہے جس کی بنا پر یہ تمام الزام تراش لئے گئے ہیں۔

بقیہ حاشیہ: جس پر سلطان نور الدین نے اس کے اردگرد گہری خندق کھدوا کے اس میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا۔ اور محض تحفظ کے خیال سے اس پر گنبد تعمیر کیا گیا (ملاحظہ ہو کتاب "مرآۃ الحرمین" جلد اوّل تالیف ابراہیم رفعت پاشا صفحہ ۴۷۔ طبع اوّل ۱۳۴۴ھ - ۱۹۲۵ء مطبع دار الکتب المصریہ بالقاہرہ)

ہم مجلس احرار اور اس کے آرگن کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ اس معاہدے میں کوئی ایسا لفظ بھی دکھا دے جس سے حجاز کی آزادی کو ذرا بھی خطرہ لاحق ہوتا ہو یا جس سے شبہ بھی ہو سکے کہ شاہ ابن سعود انگریزوں کے زیر اثر آگئے ہیں۔ "مجاہد" کے افتتاحیہ نے ہمیں یقین دلا دیا ہے کہ اس کو اور مجلس احرار کو عرب کے معاملات اور شاہ ابن سعود کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر واقفیت ہوتی تو اس قسم کی ہلکی ہلکی باتیں نہ کہی جاتیں"۔ ؎۱

سعودی مملکت کے خلاف پراپیگنڈا کرنے والوں کا مقصد کیا تھا؟ اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اخبار "اہلحدیث" میں لکھا:۔

"رنج اس لئے ہے کہ عرب کے پہاڑوں سے اگر یہ چیزیں مل گئیں تو حکومت نجدیہ کو بڑی قوت حاصل ہو گی جو ان برادران اسلام کو ناگوار ہے"۔ ؎۲

مرکز اسلام کے سربراہ کی نسبت اشتعال انگیزیوں کا یہ افسوسناک طریق دیکھ کر سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو سخت صدمہ پہنچا اور حضور نے ۳۰ راگست ۱۹۳۵ء کے خطبہ جمعہ میں سلطان ابن سعود کے معاہدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"آج سے کئی سال پہلے جب لارڈ چیمسفورڈ ہندوستان کے وائسرائے تھے۔ مسلمانوں میں شور پیدا ہوا کہ انگریز بعض عرب رؤسا کو مالی مدد دیکر انہیں اپنے زیر اثر لانا چاہتے ہیں۔ یہ شور جب زیادہ بلند ہوا تو حکومت ہند کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ ہم عرب رؤسا کو کوئی مالی مدد نہیں دیتے۔ مسلمان اس بات پر خوش ہو گئے کہ چلو خبر کی تردید ہو گئی۔ لیکن میں نے واقعات کی تحقیقات کی تو مجھے معلوم ہوا کہ گو ہندوستان کی حکومت بعض عرب رؤسا کو مالی مدد نہیں دیتی مگر حکومت برطانیہ اس قسم کی مدد ضرور دیتی ہے۔ چنانچہ ساٹھ ہزار پونڈ ابن سعود کو ملا کرتے تھے اور کچھ رقم شریف حسین کو ملتی تھی۔ جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے لارڈ چیمسفورڈ کو لکھا کہ گو لفظی طور پر آپ کا اعلان صحیح ہے مگر حقیقی طور پر یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ حکومت برطانیہ کی طرف سے ابن سعود اور شریف حسین کو اس قدر مالی مدد ملتی ہے اور اس میں ذرہ بھر بھی شبہ کی گنجائش نہیں کہ مسلمان عرب پر انگریزی حکومت کا تسلط کسی رنگ میں بھی پسند نہیں کر سکتے۔ ان کا جواب میں مجھے خط آیا (وہ بہت ہی شریف طبیعت رکھتے تھے) کہ یہ واقعہ صحیح ہے۔ مگر اس کا

؎۱۔ بحوالہ الفضل قادیان مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۵۔

؎۲۔ "اہلحدیث" امرتسر ۲ راگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۵۔ کالم ۲۔

کیا فائدہ کہ اس قسم کا اعلان کرکے فساد پھیلایا جائے۔ ہاں ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ گورنمنٹ انگریزی کا یہ ہرگز منشاء نہیں کہ عرب کو اپنے زیر اثر لائے۔

پس ہم ہمیشہ عرب کے معاملات میں دلچسپی لیتے ہیں۔ جب ترک عرب پر حاکم تھے تو اس وقت ہم نے ترکوں کا ساتھ دیا۔ جب شریف حسین حاکم ہوا تو لوگوں نے اس کی سخت مخالفت کی۔ مگر ہم نے کہا اب فتنہ و فساد کو پھیلانا مناسب نہیں۔ جس شخص کو خدا نے حاکم بنا دیا ہے اس کی حکومت کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔ تاکہ عرب میں نت نئے فسادات کا رُونما ہونا بند ہو جائے۔ اس کے بعد نجدیوں نے حکومت لے لی تو باوجود اس کے کہ لوگوں نے شور مچایا کہ انہوں نے قبّے گرا دئے اور شعائر کی ہتک کی ہے اور باوجود اس کے ہمارے سب سے بڑے دشمن اہلحدیث ہی ہیں ہم نے سلطان ابن سعود کی تائید کی۔ صرف اسلئے کہ مکّہ مکرمہ میں روز روز کی لڑائیاں پسندیدہ نہیں حالانکہ وہاں ہمارے آدمیوں کو دُکھ دیا گیا۔ حج کیلئے احمدی گئے تو انہیں مارا پیٹا گیا۔ مگر ہم نے اپنے حقوق کے لئے بھی اس لئے صدائے احتجاج کبھی بلند نہیں کی کہ ہم نہیں چاہتے ان علاقوں میں فساد ہوں۔ مجھے یاد ہے مولانا محمد علی صاحب[1] جب مکّہ مکرمہ کی مؤتمر سے واپس آئے تو وہ ابن سعود سے سخت نالاں تھے۔ شملہ میں ایک دعوت کے موقع پر ہم سب اکٹھے ہوئے تو انہوں نے تین گھنٹے اس امر پر بحث جاری رکھی وہ بار بار میری طرف متوجہ ہوتے اور میں انہیں کہتا کہ مولانا آپ کتنے ہی ان کے ظلم بیان کریں جب ایک شخص کو خدا تعالیٰ نے حجاز کا بادشاہ بنا دیا ہے تو میں تو یہی کہوں گا کہ ہماری کوششیں اب اس امر پر صرف ہونی چاہئیں کہ مکّہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی گلیوں میں فساد اور لڑائی نہ ہو۔ اور جو شورش اس وقت جاری ہے وہ دب جائے اور امن قائم ہو جائے تاکہ ان مقدس مقامات کے امن میں خلل واقع نہ ہو۔ ابھی ایک عہد نامہ ایک انگریز کمپنی اور ابن سعود کے درمیان ہوا ہے۔ سلطان ابن سعود ایک سمجھدار بادشاہ ہیں۔ مگر بوجہ اس کے کہ وہ یورپین تاریخ سے اتنی واقفیت نہیں رکھتے۔ وہ یورپین اصطلاحات کو صحیح طور پر نہیں سمجھتے۔ ایک دفعہ پہلے جب وہ اٹلی سے معاہدہ کرنے لگے تو ایک شخص کو جو ان کے ملنے والوں میں سے تھے میں نے کہا کہ تم سے اگر ہو سکے تو میری طرف سے سلطان ابن سعود کو یہ پیغام پہنچا دینا کہ معاہدہ کرتے وقت بہت احتیاط سے کام لیں۔ یورپین قوموں کی عادت ہے کہ وہ الفاظ نہایت نرم اختیار کرتی ہیں مگر ان کے مطالب

---

[1] مولانا محمد علی صاحب جوہر مراد ہیں۔ (ناقل)

نہایت سخت ہوتے ہیں۔ اب وہ معاہدہ جو انگریزوں سے ہوا شائع ہوا ہے اور اسکے خلاف بعض ہندوستانی اخبارات مضامین لکھ رہے ہیں میں نے وہ معاہدہ پڑھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بعض غلطیاں ہوگئی ہیں اور اس معاہدہ کی شرائط کی رُو سے بعض موقعوں پر بعض بیرونی حکومتیں یقیناً عرب میں دخل دے سکتی ہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کو پڑھ کر میرے دل کو سخت رنج پہنچا۔ حالانکہ انگریزوں سے ہمارا تعاون ہے اور ہم اس کا ذکر کرنے سے کبھی ڈرے نہیں۔ سوائے حکومت پنجاب کے کہ اسکی دو تین سال سے خود ہمارے تعاون کو ٹھکرا دیا ہے۔ باقی انگریزی حکومت سے ہم نے ہمیشہ تعاون کیا ہے اور ہمیشہ تعاون کرتے رہیں گے جب تک وہ خود حکومت پنجاب کی طرح ہمیں دھتکار نہ دے۔ مگر باوجود اسکے کہ ہم انگریزوں سے تعاون رکھتے ہیں اور باوجود اسکے کہ میں انگریزی حکومت کے ڈھانچہ کو دنیا کیلئے مفید ترین طرز حکومت سمجھتا ہوں جس میں اصلاح کی گنجائش ضرور ہے مگر وہ توڑنے کے قابل شے نہیں ہے۔ پھر بھی انگریز ہوں یا کوئی اور حکومت عرب کے معاملہ میں ہم کسی کا لحاظ نہیں کر سکتے۔ اس معاہدہ میں ایسی احتیاطیں کی جاسکتی تھیں کہ جن کے بعد عرب کیلئے کسی قسم کا خطرہ باقی نہ رہتا مگر بوجہ اسکے کہ سلطان ابن سعود یوروپین اصطلاحات اور بین الاقوامی معاملات سے پوری واقفیت نہیں رکھتے۔ انہوں نے الفاظ میں احتیاط سے کام نہیں لیا اور اس میں انہوں نے عام مسلمانوں کا طریق اختیار کیا ہے۔ مسلمان ہمیشہ دوسروں پر اعتبار کرنے کا عادی ہے حالانکہ معاہدات میں کبھی اعتبار سے کام نہیں لینا چاہیئے بلکہ سوچ سمجھکر اور کامل غور و فکر کے بعد الفاظ تجویز کرنے چاہئیں گو میں سمجھتا ہوں یہ معاہدہ بعض انگریزی فرموں سے ہے۔ حکومت سے نہیں۔ اور ممکن ہے جس فرم نے یہ معاہدہ کیا ہے اسکے دل میں بھی دھوکا بازی یا غداری کا کوئی خیال نہ ہو۔ مگر الفاظ ایسے ہیں کہ اگر اس فرم کی کسی وقت نیّت بدل جائے تو وہ سلطان ابن سعود کو مشکلات میں ڈال سکتی ہے۔ مگر یہ سمجھنے کے باوجود ہم نے اس پر شور مچانا مناسب نہیں سمجھا۔ کیونکہ ہم نے خیال کیا کہ اب سلطان کو بدنام کرنے سے کیا فائدہ۔ اس سے سلطان ابن سعود کی طاقت کمزور ہوگی اور جب ان کی طاقت کمزور ہوگی تو عرب کی طاقت بھی کمزور ہو جائے گی۔ اب ہمارا کام یہ ہے کہ دعاؤں کے ذریعہ سے سلطان کی مدد کریں اور اسلامی رائے کو ایسا منظم کریں کہ کوئی طاقت سلطان کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی جرأت نہ کر سکے۔" [1]

---

[1] الفضل قادیان ۳ ر ستمبر ۱۹۳۵ء ص ۹-۱۰ ؎

مقبولین الٰہی کی دل سے نکلی ہوئی دعائیں اور آہیں عرش کو ہلا دیتی ہیں اور خطرات کے منڈلاتے ہوئے سیاہ بادل چھٹ جاتے ہیں اور مطلع صاف ہو جاتا ہے۔ یہی صورت یہاں ہوئی! اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے سرزمین عرب کو نہ صرف اس معاہدہ کے بداثرات سے بچا لیا بلکہ ملک عرب کی کانوں سے اس کثرت کے ساتھ معدنیات برآمد ہوئیں کہ ملک مالا مال ہو گیا۔ اس حقیقت کی کسی قدر رُوداد مولانا محی الدین الوائی ایم۔ اے الازہری کی کتاب "عرب دنیا" میں موجود ہے۔

فصل چہارم

احرار کا احمدیت پر دوبارہ حملہ اور ناکامی

جب احرار نے دیکھا کہ خدا تعالیٰ نے ان کی حقیقت کو ظاہر کر کے انہیں مسلمانوں کی نظروں میں گرا دیا ہے تو انہوں نے دوبارہ مقبول ہونے کیلئے احمدیت پر ایک بار پھر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اخبار "مجاہد" نے لکھا:۔

"مسلمانو!.... اگر اپنے دشمن قادیانی کو برباد کرنا ہے تو تمام اختلافات مٹا کر مرزائیت کی بربادی کے لئے متحد ہو جاؤ۔"[1] نیز لکھا:۔ "ہندوستان کی ننگی قوم مسلم کے لئے مجلس احرار اسلام ایک رحمت کی چادر ہے...... واقعاتِ لاہور کے چند غرض مند دیوانوں نے شور مچا دیا کہ چادر تو چھلنی ہو چکی۔ مسلمانوں کے ایک طبقہ نے ایک لقمہ فریب کھایا اور سمجھے کہ ہم نے بھی چادر میں سوراخوں کو دیکھا ہے اور سب نے مل کر شور کیا کہ چادر کو پھاڑ ڈالو..... مسلمانوں کا ہنگامی جوش اور جذبات کے زیر اثر ہو کر چھوٹے چھوٹے مفروضہ سوراخوں میں اسے تبدیل کرنا کہاں کی اسلام دوستی ہے۔ نئی تو مل نہیں سکتی اور پرانی کو بھی پھاڑ ڈالو۔ افسوس اس عقل اور فہم پر۔"[2]

دو جھوٹے الزامات کی تشہیر

اب احرار نے اپنے مقصد کی تکمیل کیلئے بہتان تراشی کا نیا سلسلہ شروع کیا اور دو الزامات کی خاص طور پر تشہیر کی۔

اوّل - یہ کہ احمدی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتک کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجہ کو بانی سلسلہ احمدیہ کے درجہ سے (نعوذ باللہ) ادنیٰ سمجھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ احمدیوں کے نزدیک قادیان کی بستی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے افضل ہے۔

---

[1] "مجاہد" لاہور ۱۱ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ کالم ۲-۳-۴ [2] ایضاً صفحہ ۵ کالم ۲

چنانچہ شیخ حسام الدین[1] صاحب نے منصوری میں مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی صدارت میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ "اگر خانہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے تو مرزائی لوگ اسکی کوئی پرواہ نہ کریں گے۔ بلکہ خوش ہوں گے"[2]

حضرت امیرالمومنین کا پرشوکت جواب

سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ان الزامات کے جواب میں ۳۰ راگست ۱۹۳۵ء کو ایک پُرجلال خطبہ جمعہ دیا جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جماعت احمدیہ کی محبت و شیدائیت کا واضح ثبوت دیتے ہوئے فرمایا:۔

"ہمارے عقائد بالکل واضح ہیں اور ہماری کتابیں بھی چھپی ہوئی موجود ہیں ان کو پڑھکر کون ہے جو یہ کہہ سکے کہ ہم نعوذ باللہ من ذالک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتک کرتے ہیں ہاں دشمن یہ کہہ سکتا ہے کہ گو الفاظ میں یہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کرتے ہیں مگر ان کے دلوں میں آپ کا ادب نہیں۔ مگر اس صورت میں ہمارا یہ پوچھنے کا حق ہوگا کہ وہ کونسے ذرائع ہیں جن سے کام لیکر انہوں نے ہمارے دلوں کو پھاڑ کر دیکھ لیا اور معلوم کر لیا کہ ان میں حقیقتاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ..... کی ہتک کے جذبات ہیں .... اگر احمدی بالفرض عام مسلمانوں کے سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرنے سے اس خیال سے بچتے ہیں کہ اس طرح مسلمان ناراض ہو جائیں گے تو ہندوؤں سکھوں اور عیسائیوں کے سامنے تو وہ نڈر ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعوذ باللہ ہتک کرتے ہوں گے ..... پس میں کہتا ہوں تصفیہ کا آسان طریق یہ ہے کہ ہندوؤں سکھوں اور عیسائیوں میں سے ایک ہزار آدمی چُنا جائے اور وہ مؤکد بعذاب حلف اٹھا کر بتائیں کہ احمدی عام مسلمانوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کے متعلق زیادہ جوش رکھتے ہیں یا کم۔ اگر ایک ہزار سارے کا سارا یا اس کا بیشتر حصہ۔ کیونکہ ایک دو جھوٹ

---

[1] - اخبار "زمیندار" ۱۹۳۵ء سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شیخ صاحب نے ان دنوں افتراء پردازیوں کی خاص مہم جاری کر رکھی تھی۔ بطور ثبوت صرف ایک جلسہ کی رپورٹ ملاحظہ ہو۔ لکھا ہے "۳۰ جولائی (۱۹۳۵ء) کو بروز چہارشنبہ ساڑھے نو بجے شام رام تلائی (امرتسر) میں احرار امرتسر نے ایک جلسہ کیا۔ احرار میں سے شیخ حسام الدین بی۔ اے نے تقریر کی۔ تقریر کیا تھی افتراء پردازیوں کا ایک انوکھا مجموعہ تھا۔... احرار اگر اپنا کھویا ہوا وقار قائم کرنے کی فکر میں ہیں تو اس کیلئے انہیں اس قسم کی کذب آفرینی نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس سے تو ان کے وقار کو اور بھی دھکا لگے گا.... شیخ حسام الدین پر واضح رہنا چاہیئے کہ شیشہ کے مکان میں بیٹھکر دوسروں پر پتھر پھینکنا نہایت ہی غلط قدم ہے" (زمیندار" لاہور ۴ راگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ بعنوان امرتسر میں احرار کی فتنہ پردازی) [2] الفضل ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ کالم ۴۔

بھی بول سکتے ہیں۔ یہ گواہی دے کہ اس نے احمدیوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کرنے والا اور آپ کے نام کو دنیا میں بلند کرنے والا پایا تو اس قسم کا اعتراض کرنے والوں کو اپنے فعل پر شرمانا چاہیئے۔ مَیں سمجھتا ہوں وہ لوگ جو ہمارے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتے ہیں وہ بار بار ہمارے متعلق اس اتہام کو دہرا کر خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتے ہیں۔ کیونکہ کسی کو گالی دینے کا ایک طریق یہ بھی ہوا کرتا ہے کہ دوسرے کی طرف گالی منسوب کر کے اس کا ذکر کیا جائے ..... پس اگر یہ تصفیہ کا طریق جو مَیں نے بیان کیا ہے۔ اس پر مخالف عمل نہ کریں تو مَیں کہوں گا ایسے اعتراض کرنیوالے درحقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خود ہتک کرتے ہیں گو اپنے مُنہ سے نہیں بلکہ ہماری طرف ایک غلط بات منسوب کر کے"۔ [1]

جہاں تک مکّہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی نسبت احمدیوں کے عقیدہ کا تعلق ہے حضور نے واضح لفظوں میں اعلان فرمایا کہ :۔

"خانہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجانا تو الگ رہی ہم تو یہ بھی پسند نہیں کر سکتے کہ خانہ کعبہ کی کسی اینٹ کو کوئی شخص بدنیتی سے اپنی انگلی بھی لگائے اور ہمارے مکانات کھڑے رہیں ..... بیشک ہمیں قادیان محبوب ہے، اور بے شک ہم قادیان کی حفاظت کیلئے ہر ممکن قربانی کرنے کیلئے تیار ہیں مگر خدا شاہد ہے خانہ کعبہ ہمیں قادیان سے بدرجہا زیادہ محبوب ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی پناہ چاہتے ہیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ خدا وہ دن نہیں لا سکتا۔ لیکن اگر خدانخواستہ کبھی وہ دن آئے کہ خانہ کعبہ بھی خطرہ میں ہو اور قادیان بھی خطرہ میں ہو اور دونوں میں سے ایک کو بچایا جا سکتا ہو تو ہم ایک منٹ بھی اس مسئلہ پر غور نہیں کریں گے کہ کس کو بچایا جائے بلکہ بغیر سوچے کہدیں گے کہ خانہ کعبہ کو بچانا ہمارا اوّلین فرض ہے۔ پس قادیان کو ہمیں خدا تعالیٰ کے حوالہ کر دینا چاہیئے"۔

"ہم سمجھتے ہیں کہ مکّہ وہ مقدس مقام ہے جس میں وہ گھر ہے جسے خدا نے اپنا گھر قرار دیا اور مدینہ وہ بابرکت مقام ہے جس میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا آخری گھر بنا جس کی گلیوں میں آپ چلے پھرے اور جس کی مسجد میں اس مقدس نبی نے جو سب نبیوں سے کامل نبی تھا اور سب نبیوں سے زیادہ خدا کا محبوب تھا۔ نمازیں پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کیں۔ اور قادیان وہ مقدس مقام ہے جس میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صفات مقدسہ کا خدا تعالیٰ نے دوبارہ حضرت مرزا صاحب کی

---

[1] ۔ الفضل ۱۳ ستمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۵-۶

صورت میں نزول کیا۔ یہ مقدس ہے باقی سب دنیا سے مگر تابع ہے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے۔

پس وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ اگر خانہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے تو احمدی خوش ہوں گے وہ جھوٹ بولتا ہے وہ افتراء کرتا ہے اور وہ ظلم اور تعدی سے کام لے کر ہماری طرف وہ بات منسوب کرتا ہے جو ہمارے عقائد میں داخل نہیں اور ہم اس شخص سے کہتے ہیں لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔"

"ہم تو سمجھتے ہیں کہ عرش سے خدا مکہ اور مدینہ کی حفاظت کر رہا ہے۔ کوئی انسان ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں ظاہری طور پر ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی دشمن ان مقدس مقامات پر حملہ کرے تو اس وقت انسانی ہاتھ کو بھی حفاظت کیلئے بڑھایا جائے۔ لیکن اگر خدانخواستہ کبھی ایسا موقعہ آئے تو اس وقت دنیا کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ حفاظت کے متعلق جو ذمہ داری خدا تعالیٰ نے انسانوں پر عائد کی ہے اس کے ماتحت جماعت احمدیہ کس طرح سب لوگوں سے زیادہ قربانی کرتی ہے۔ ہم ان مقامات کو مقدس ترین مقامات سمجھتے ہیں۔ ہم ان مقامات کو خدا تعالیٰ کے جلال کے ظہور کی جگہ سمجھتے ہیں۔ اور ہم اپنی عزیز ترین چیزوں کو ان کی حفاظت کیلئے قربان کرنا سعادت دارین سمجھتے ہیں۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ جو شخص ترچھی نگاہ سے مکہ کی طرف ایک دفعہ بھی دیکھے گا خدا اُس شخص کو اندھا کر دے گا۔ اور اگر خدا تعالیٰ نے کبھی یہ کام انسانوں سے لیا تو جو ہاتھ اس بدبیں آنکھ کو پھوڑنے کے لئے آگے بڑھیں گے ان میں ہمارا ہاتھ خدا تعالیٰ کے فضل سے سب سے آگے ہوگا۔" [1]

احرار کو مباہلہ کا چیلنج

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ان الزامات کی تردید پر اکتفا نہ کرتے ہوئے احرار کو ہر دو امور کے تصفیہ کے لئے مباہلہ کا چیلنج بھی دیا۔ چنانچہ فرمایا:-

"دوسرا طریق یہ ہے کہ ان مخالفین میں سے وہ علماء جنہوں نے سلسلہ احمدیہ کی کتب کا مطالعہ کیا ہوا ہو پانچ سو یا ہزار میدان میں نکلیں ہم میں سے بھی پانچ سو یا ہزار میدان میں نکل آئیں گے۔ دونوں مباہلہ کریں اور دُعا کریں کہ وہ فریق جو حق پر نہیں خدا تعالیٰ اسے اپنے عذاب سے ہلاک کرے ہم دُعا کریں گے کہ اے خدا تو جو ہمارے سینوں کے رازوں سے واقف ہے۔ اگر تو جانتا ہے کہ ہمارے دلوں میں واقعی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت نہیں۔ اور ہم آپکو سارے انبیاء سے افضل و برتر یقین نہیں کرتے اور نہ آپؐ کی غلامی میں نجات سمجھتے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپؐ کا ایک خادم اور غلام نہیں جانتے۔ بلکہ درجہ میں آپؐ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] الفضل ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء صہ تا صہ۹ ÷

سے بلند سمجھتے ہیں۔ تو اے خدا ہمیں اور ہمارے بیوی بچوں کو اس جہان میں ذلیل و رسوا کر اور ہمیں اپنے عذاب سے ہلاک کر۔ اس کے مقابلہ میں وہ دعا کریں کہ اے خدا ہم کامل یقین رکھتے ہیں کہ احمدی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتے آپ کی تحقیر و تذلیل پر خوش ہوتے اور آپ کے درجہ کو گرانے اور کم کرنے کی ہر وقت کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اے خدا اگر ہمارا یہ یقین غلط ہے تو تو اس دنیا میں ہمیں اور ہمارے بیوی بچوں کو ذلیل و رسوا کر اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک کر۔ یہ مباہلہ ہے جو ہمارے ساتھ کر لیں اور خدا پر معاملہ چھوڑ دیں۔ پانچ سو یا ہزار کی تعداد میں ایسے علماء کا اکٹھا کرنا جو ہمارے سلسلہ کی کتب سے واقفیت رکھتے ہوں۔ آٹھ کروڑ مسلمانان ہند کے نمائندہ کہلانے والوں کے لئے کوئی مشکل نہیں۔ بلکہ معمولی بات ہے اور ہم تو ان کو بہت تھوڑے ہیں۔ مگر پھر بھی ہم تیار ہیں کہ پانچ سو یا ہزار کی تعداد میں اپنے آدمی پیش کریں۔ شرط صرف یہ ہے کہ جن لوگوں کو وہ اپنی طرف سے پیش کریں وہ ایسے ہوں جو حقیقت میں ان کے نمائندہ ہوں اگر وہ جاہل اور بے ہودہ اخلاق والوں کو اپنی طرف سے پیش کریں تو ہمیں اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ بشرطیکہ وہ یہ تسلیم کر لیں کہ وہ ان کی طرف سے نمائندہ ہیں۔ ہاں احرار کے سرداروں کیلئے ضروری ہوگا کہ وہ اس میں شامل ہوں۔ مثلاً مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب شامل ہوں۔ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب شامل ہوں۔ چودھری افضل حق صاحب شامل ہوں۔ مولوی داؤد غزنوی صاحب شامل ہوں۔ اور ان کے علاوہ اور لوگ جن کو وہ منتخب کریں شامل ہوں۔ پھر کسی ایسے شہر میں جس پر فریقین کا اتفاق ہو یہ مباہلہ ہو جائے۔ مثلاً گورداسپور میں ہی یہ مباہلہ ہو سکتا ہے۔ جس مقام پر انہیں خاص طور پر ناز ہے یا لاہور میں اس قسم کا اجتماع ہو سکتا ہے۔ ہم قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم پر اور ہمارے بیوی بچوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو اگر ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل یقین نہ رکھتے ہوں۔ آپ کو خاتم النبیین نہ سمجھتے ہوں آپ کو افضل الرسل یقین نہ کرتے ہوں اور قرآن کریم کو تمام دنیا کی ہدایت و راہنمائی کے لئے آخری شریعت نہ سمجھتے ہوں۔ اس کے مقابلے میں وہ قسم کھا کر کہیں کہ ہم یقین اور وثوق سے کہتے ہیں کہ احمدی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے نہ آپ کو دل سے خاتم النبیین سمجھتے ہیں اور آپ کی فضیلت اور بزرگی کے قائل نہیں بلکہ آپؐ کی توہین کرنے والے ہیں۔ اے خدا اگر ہمارا یہ یقین غلط ہے تو ہم پر

اور ہمارے بیوی بچوں پر عذاب نازل کر۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود بخود فیصلہ ہو جائیگا کہ کون سا فریق اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ کون رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی عشق رکھتا ہے اور کون دوسرے پر جھوٹا الزام لگاتا ہے۔ مگر شرط یہ ہوگی کہ عذاب انسانی ہاتھوں سے نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور ایسے سامانوں سے ہو جو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کئے جاسکیں۔" [1]

خانہ کعبہ کی حرمت و عظمت کا فیصلہ کرنے کے لئے بھی حضور نے دعوتِ مباہلہ دی چنانچہ فرمایا:۔

"اس کے لئے بھی وہی تجویز پیش کرتا ہوں جو پہلے امر کے متعلق پیش کر چکا ہوں کہ اس قسم کا اعتراض کرنے والے آئیں اور ہم سے مباہلہ کرلیں ہم کہیں گے کہ اے خدا مکہ اور مدینہ کی عظمت ہمارے دلوں میں قادیان سے بھی زیادہ ہے ہم ان مقامات کو مقدس سمجھتے اور ان کی حفاظت کے لئے اپنی ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن اے خدا اگر ہم دل سے یہ نہ کہتے ہوں بلکہ جھوٹ اور منافقت سے کام لیکر کہتے ہوں اور ہمارا اصل عقیدہ یہ ہو کہ مکہ اور مدینہ کی کوئی عزت نہیں یا قادیان سے کم ہے تو تُو ہم پر اور ہمارے بیوی بچوں پر عذاب نازل کر اس کے مقابلہ میں احرار اٹھیں اور وہ یہ قسم کھا کر کہیں کہ ہمیں یقین ہے کہ احمدی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے دشمن ہیں۔ اور ان مقامات کا گرنا اور ان کی اینٹ سے اینٹ بجائی جانا احمدیوں کو پسند ہے۔ پس اے خدا اگر ہمارا یہ یقین غلط ہے اور احمدی مکہ و مدینہ کی عزت کرنے والے ہیں تو تُو ہم پر اور ہمارے بیوی بچوں پر عذاب نازل کر۔ وہ اس طریق فیصلہ کی طرف آئیں اور دیکھیں کہ خدا اس معاملہ میں اپنی قدرت کا کیا ہاتھ دکھاتا ہے لیکن اگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہوں تو یاد رکھیں۔ جھوٹ اور افترا دنیا میں کبھی کامیاب نہیں کر سکتا۔" [2]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے نمائندگان کا تقرر اور چیلنج کی مزید وضاحت

اس چیلنج کے شائع ہونے پر اگرچہ بعض احراری مقرر قادیان آکر تقریریں کر گئے کہ ہم مباہلہ کرنے کیلئے تیار ہیں مگر خود مجلس احرار کے لیڈروں نے کوئی اور قدم نہیں اٹھایا۔ تب حضور نے اس خیال سے کہ شاید احرار کو یہ بُرا معلوم ہوا ہو کہ اخبار میں اعلان کر دیا گیا ہے اور ہمیں تحریراً مخاطب نہیں کیا گیا ۶؍ ستمبر ۱۹۳۵ء کے خطبہ جمعہ میں اپنی طرف سے شیخ بشیر احمد صاحب

---

[1] ۔ الفضل ۲؍ ستمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ ÷ [2] الفضل ۳؍ ستمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۰ کالم ۳ و ۴ ÷

ایڈووکیٹ ہائی کورٹ، چوہدری اسد اللہ خانصاحب بیرسٹرایٹ لاء مولوی غلام احمد صاحب مولوی فاضل مبلغ جماعت احمدیہ کو اپنا نمائندہ مقرر کر دیا کہ ان سے احرار کے نمائندے ضروری امور کا تصفیہ کرلیں اور بر تصفیہ شرائط کے پندرہ روز کے بعد مباہلہ ہو جائے۔ تا مباہلہ کرنے والوں کو بر وقت اطلاع دیجا سکے۔[۱]

نمائندگان کے تقرر کے ساتھ ہی حضور نے یہ وضاحت بھی فرمائی کہ:-

"میری طرف سے چیلنج بالکل واضح ہے اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جسے کوئی معقول آدمی رد کر سکے ان کا مرکز لاہور رہے اور مَیں نے تسلیم کر لیا ہے کہ ہم وہاں آجائیں گے گورداسپور پر انہیں بہت فخر ہے اور مَیں نے کہدیا ہے کہ ہم وہاں آجائیں گے۔ پھر ہم نے ان پر دوسرے مسلمانوں میں سے کسی خاص شخصیت کو پیش کرنے کی قید نہیں لگائی۔ جماعت احمدیہ کا امام مباہلہ میں شامل ہوگا۔ اسکے بھائی ہوں گے۔ صدر انجمن کے ناظر ہوں گے اور تمام بڑے بڑے ارکان ہوں گے ان کے علاوہ پانسو یا ہزار دوسرے معزز افراد جماعت بھی ہوں گے۔ احرار کے متعلق مَیں نے صرف یہ کہا ہے کہ احرار کے پانچ لیڈر یعنی مولوی مظہر علی صاحب اظہر۔ چودھری افضل حق صاحب، مولوی عطاء اللہ صاحب، مولوی داؤد غزنوی صاحب اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب ہوں گے گویا ہم ان سے جو مطالبہ کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ پابندی اپنے اُوپر لگاتے ہیں۔ ان میں خلیفہ کوئی نہیں اور نہ ہی کوئی خلافت باقی ہے۔ لیکن جماعت احمدیہ کی طرف سے خلیفہ ہوگا اور ذمہ دار ارکان ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کے مرد ممبر ہوں گے اور اسکے مقابلہ میں ان کے صرف پانچ لیڈر مَیں نے ضروری رکھے ہیں۔ باقی جن کو بھی وہ اپنا نمائندہ بنا کر لائیں گے۔ ہم ان کو مان لیں گے۔ اس مباہلہ میں تقریروں کا بھی اتنا سوال نہیں۔ کیونکہ یہ کوئی مسئلہ نہیں بلکہ واقعات ہیں اور صرف پندرہ منٹ اپنے عقیدہ کے بیان کے لئے کافی ہیں۔ پندرہ منٹ میں ہم اپنا عقیدہ بیان کر دیں گے اور اتنے ہی عرصہ میں وہ کہہ سکتے ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں غلط ہے۔ حقیقتاً یہ ایسا نہیں مانتے اس میں دلائل وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں۔ لمبی تفصیلات کی ضرورت مسائل میں ہوتی ہے۔ لیکن یہ مباہلہ واقعہ کے متعلق ہے۔ وہ کہتے ہیں احمدی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتے ہیں اور مکہ مکرمہ کی عزت نہیں کرتے۔ اور ہم کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ باقی رہے مباہلہ میں شامل ہونے والے آدمی سو ہم نے کسی چھوٹی موٹی جماعت کو چیلنج نہیں دیا بلکہ آٹھ کروڑ مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت کو دیا ہے۔

---

[۱] الفضل ۱۹ ستمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۔

اور اتنی بااثر جماعت پانسو یا ہزار آدمی ایک محلہ سے جمع کر سکتی ہے۔ ہاں اپنی جماعت کے دوستوں کی سہولت کے لئے میں یہ کہتا ہوں کہ مباہلہ کے دن کے فیصلہ کا اعلان پندرہ روز پہلے ضرور ہو جانا چاہیئے کیونکہ ہماری جماعت کے دوست دُور دُور سے اس میں شامل ہونے کی خواہش کریں گے اس لئے جس وقت اُن کا آدمی ہمارے آدمی سے گفتگو کرے اور ضروری امور کا تصفیہ ہو جائے اس کے پندرہ روز بعد مباہلہ ہو"[1]

شرائط مباہلہ میں تغیر و تبدل کی پیشکش

حضرت امیرالمومنین چونکہ دل سے چاہتے تھے کہ کسی طرح احرار میدان مباہلہ میں آجائیں اور ملک میں فیصلہ کن مباہلہ ہو جائے۔ لہٰذا آپ نے اپنی شرائط پر اصرار کرنے کی بجائے اعلان کر دیا کہ :۔

"میں ہرگز اس بات کا مدعی نہیں کہ جو شرطیں مباہلہ کے متعلق میری طرف سے پیش کی گئی ہیں ان میں ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک دوسرے فریق کو کامل حق ہے کہ وہ اعتراض کر کے مثلاً ثابت کر دے کہ فلاں شرط شریعت کے خلاف ہے یا فلاں شرط ناممکن العمل ہے یا فلاں شرط جو پیش کی گئی ہے اس سے بہتر فلاں شرط ہو سکتی ہے۔ یہ تینوں حق احرار کو حاصل ہیں اور اگر وہ کسی وقت بھی ثابت کر دیں کہ میری پیشکردہ شرائط شریعت کے خلاف ہیں یا عملی لحاظ سے ناممکن ہیں یا ان سے بہتر شرائط فلاں فلاں ہیں تو میں ہر وقت ان شرائط میں تغیر و تبدل کرنے کے لئے تیار ہوں"۔[3]

مباہلہ ٹالنے کے لئے احرار کا ناپسندیدہ رویّہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا چیلنج جماعت احمدیہ کی طرف سے بڑے بڑے پوسٹروں اور پمفلٹوں کی صورت میں بکثرت شائع کیا جارہا تھا[4] اور حضور کے نمائندگان خطوں پر خط احرار لیڈروں کے نام لکھ رہے تھے مگر احرار لیڈر مباہلہ پر آمادگی کا پراپیگنڈا کرنے کے باوجود تصفیہ شرائط کے بارے میں بالکل چُپ سادھے بیٹھے تھے۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ وہ گاہے گاہے کسی مولوی کے نام کے ساتھ لمبے چوڑے القاب درج کر کے اُسے قادیان بھجوا دیتے جو مسجد ارائیاں میں ساٹھ ستّر افراد کے درمیان کھڑے ہو کر کہہ جاتا کہ "مرزائی" فرار کر گئے۔ حالانکہ نہ شرائط کا تصفیہ کیا نہ تاریخ مباہلہ کی تعیین ہوئی اور نہ نمائندگان جماعت کو کوئی تحریری جواب دیا گیا۔[5]

---

[1] ۔ الفضل ۱۹ ستمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ کالم ۲۔ [2] الفضل ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۷ کالم ۲۔ [3]۔ ایضاً صفحہ ۳ کالم ۳۔
[4]۔ الفضل ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء۔ [5]۔ الفضل ۸ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ کالم ۲-۳۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے جب احرار کو بار بار تصفیہ شرائط کر کے میدان مباہلہ میں آنے کیلئے للکارا گیا تو انہوں نے مباہلہ سے گریز کیلئے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ (حضرت خلیفۃ المسیح کی واضح تصریحات کے باوجود) ایک تو یہ مشہور کر دیا کہ امام جماعت احمدیہ دوسرے احمدیوں کو تو پیش کرتے ہیں مگر خود مباہلہ کرنے پر آمادہ نہیں۔ دوسرے یہ کہا کہ مباحثہ کے لئے قادیان کی بجائے لاہور یا گورداسپور کی تعیین کیوں کی جاتی ہے؟

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی چونکہ احرار کو بھاگنے کا کوئی موقعہ نہیں دینا چاہتے تھے۔ اس لئے حضور نے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ:۔

"مباہلہ میں شامل ہونے والا اوّل وجود میرا ہوگا اور سب سے پہلا مخاطب میں اس دعوتِ مباہلہ کا اپنے آپ کو ہی سمجھتا ہوں اور نہ صرف میں خود مباہلہ میں شامل ہوں گا۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام بالغ اولاد جو آسانی سے جمع ہو سکتی ہے اس مباہلہ میں شامل ہوگی۔..... پس اس معاملہ میں یہ کہنا کہ میں اپنے آپ کو الگ رکھتا ہوں لوگوں کو دھوکہ و فریب میں مبتلا کرنا ہے۔ میرا وجود سب سے مقدم ہے اور میں سب سے پہلے اس مباہلہ میں شامل ہوں گا" [1]۔

باقی رہا قادیان میں مباہلہ کئے جانے کا احراری مطالبہ تو حضور نے پوری فراخدلی سے یہ اجازت دے دی کہ:۔

"میرا اس میں کوئی حرج نہیں بے شک وہ قادیان آکر ہم سے مباہلہ کر لیں" [2]

بلکہ یہ بھی فرمایا کہ:۔

"اگر قادیان میں مباہلہ کرنے کا شوق ہو تو وہ خوشی سے قادیان تشریف لے آئیں بلکہ ہماری زیادہ خواہش یہ ہے کہ وہ ہمارے ہی مہمان بنیں ہم اُن کی خدمت کریں گے انہیں کھانا کھلائیں گے ان کے آرام اور سہولت کا خیال رکھیں گے اور پھر اُن کے سارے بوجھ اٹھا کر انشاء اللہ اُن سے مباہلہ بھی کریں گے" [3]

احرار لیڈروں کا مطالبہ اور اس کا جواب

احرار لیڈروں کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ وہ اپنی تقریر مباہلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ تحریرات پڑھیں گے جن میں ان کے نزدیک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتک کی گئی ہے۔

---

[1] الفضل ۶ راکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ ÷ [2] ایضاً صفحہ ۶ کالم ۳ ÷ [3] ایضاً صفحہ ۷ کالم ۲ ÷

اور پھر قسم کھا کر کہیں گے کہ ان سے اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی ہتک ثابت نہیں ہوتی تو ان پر عذاب نازل ہو۔

حضرت امیرالمومنین نے اس مطالبہ کی معقولیت کو تسلیم کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میرے نزدیک یہ بالکل درست بات ہے اور ان کا حق ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی اس قسم کی تحریریں پڑھیں۔ بیس پچیس منٹ میں وہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی ایسی تحریرات پڑھ سکتے ہیں جن سے ان کے خیال میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہتک ثابت ہوتی ہے۔ ہم بیس پچیس منٹ میں ان تحریروں کا جواب دیدیں گے یا ایسی تحریریں پڑھ دیں گے جن سے ان کی پیش کردہ تحریروں کی تشریح ہوتی ہو۔ پس یہ ان کا حق ہے جسے ہم تسلیم کرتے ہیں۔ وہ انہی تحریرات کو سامنے رکھکر مگر ان کے سیاق و سباق کو ساتھ ملاکر مؤکد بعذاب قسم کھا سکتے ہیں۔ مگر یہ ضروری ہے کہ تحریریں صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ہوں کسی اور احمدی کی نہ ہوں۔ کیونکہ اور احمدیوں سے بعض دفعہ غلطی بھی ہو جاتی ہے اور پھر ان غلطیوں کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے لیکن بہر حال دُوسروں کی تحریر حُجّت نہیں ہو سکتی صرف وہی تحریریں پیش ہونی چاہئیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی ذاتی ہوں۔ کیونکہ ان کے متعلق ایک لحظہ کے لئے بھی ہمیں یہ خیال نہیں آسکتا کہ ان میں رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہتک کی گئی ہے۔ ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی باتیں خود اپنے کانوں سے سُنیں۔ آپ کے طریق عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور آپ کی پاکیزہ زندگی کا روز و شب مشاہدہ کیا۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی تحریرات پڑھی جائیں۔ یا نہ پڑھی جائیں۔ ہم تو ہر تحریر کو مدّنظر رکھتے ہوئے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ان خیالات کو مدّنظر رکھتے ہوئے جن کو ظاہر ہونے کا موقعہ نہیں ملا ہر وقت قسم کھانے کیلئے تیار ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی توہین نہیں کی۔ بھلا ان آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بھی کوئی شبہ رہ سکتا ہے۔ منشی اروڑے خانصاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشہور صحابی گذرے ہیں کپورتھلہ میں تحصیلدار تھے۔ ایکدفعہ کا ذکر ہے مولوی ثناء اللہ صاحب کپورتھلہ یا کسی قریب کے مقام پر گئے تو ان کے دوست انہیں بھی مولوی صاحب کی تقریر سُنانے لے گئے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنی تقریر میں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتراضات کئے تو منشی اروڑے خاں صاحب کے ساتھی بہت خوش ہوئے اور انہوں نے بعد میں انہیں کہا آپ نے دیکھا مرزا صاحب پر کیسے کیسے اعتراض پڑتے ہیں منشی صاحب

کہنے لگے تم ساری عمر اعتراض کرتے رہو میں نے تو اپنی آنکھوں سے مرزا صاحب کو دیکھا ہے انہیں دیکھنے کے بعد اور اُن کی سچائی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بعد میں کس طرح تمہاری باتیں مان سکتا ہوں۔ ہماری جماعت میں ابھی تک سینکڑوں نہیں ہزاروں وہ لوگ زندہ ہیں جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں وہ لوگ زندہ ہیں جنہوں نے آپ کی باتیں اپنے کانوں سے سنیں۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں وہ لوگ زندہ ہیں جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عشق کا معائنہ کیا جو آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات سے تھا۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں وہ لوگ زندہ ہیں جن کے دلوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے محبت اور عشق کی لہریں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام اور آپ کی قوتِ قدسیہ سے پیدا ہوئیں۔ اس کے بعد اگر ساری دُنیا بھی متفق ہو کر یہ کہتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہتک کی تو بجز اس کے ہمارا کوئی جواب نہیں ہو سکتا کہ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ۔ اور ہم ہر وقت ہر میدان میں یہ قسم کھانے کے لئے تیار ہیں کہ خدا تعالیٰ کی شدید سے شدید لعنت ہم پر اور ہمارے بیوی بچوں پر نازل ہو۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شمہ بھر بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہتک کی ہو یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہتک کو کبھی برداشت کیا ہو یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بڑھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا کوئی عاشق اس اُمت میں پیدا ہُوا ہو۔ پس اس کے لئے ہمیں کسی قسم کی شرط کی ضرورت نہیں۔ لمبی بحثیں کرنے کی حاجت نہیں۔ اگر وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حوالے پڑھنا چاہتے ہیں تو بس پچیس منٹ اس کے لئے کافی ہیں اور اتنا وقت انہیں دیدیا جائیگا۔ اور اتنے ہی وقت میں ہم جواب دیدیں گے اور اگر وہ زیادہ وقت کی خواہش کریں تو جس قدر مناسب وقت کی ضرورت ہو اُن کو دے دیا جائے گا اور اسی قدر وقت میں ہم جواب دے دیں گے"۔ لہ

مباہلہ میں شرکت کے لئے احمدیوں کا جوش و خروش

احمدیوں کی طرف سے مباہلہ میں شریک ہونے کا جو بے پناہ ذوق و شوق دیکھنے میں آیا وہ ایک فقید المثال مظاہرہ تھا۔ مخلصین جماعت کے کانوں تک جونہی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کی آواز

لہ۔ روزنامہ الفضل قادیان مورخہ ۶؍ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۔ +

اعلانِ مباہلہ کی نسبت پہنچی۔ انہوں نے دیوانہ وار تار دیئے۔ کہ ہمیں اس مباہلہ میں شریک ہونے کی ضرور سعادت بخشی جائے[1] اکتوبر ۱۹۳۵ء کے آخری ہفتہ تک قریباً ایک ہزار احمدیوں کی درخواستیں حضرت امیر المومنین کی خدمت میں پہنچ چکی تھیں جن میں نہایت ہی اخلاص بلکہ لجاجت سے درخواست کی گئی تھی کہ مباہلین میں ان کو بھی شرکت کا موقعہ عطا کیا جائے۔ درخواست کرنیوالے ۱۵۲۷ احمدیوں کی ابتدائی فہرستیں انہی دنوں اخبار الفضل میں شائع کر دی گئی تھیں[2]

احرار کا صداقتِ مسیح موعودؑ پر مباہلہ کا چیلنج اور اس کی منظوری

احرار لیڈروں نے جماعت احمدیہ کا یہ ولولہ اور جذبہ دیکھا تو بہت پریشان خاطر ہوئے اور انہوں نے ادّعا کیا کہ وہ صداقتِ مسیح موعودؑ پر بھی مباہلہ کریں گے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے احرار کا یہ چیلنج بھی منظور کر لیا۔ اور نہایت تحدی کے ساتھ اعلان فرمایا کہ :۔

"یہ مباہلہ بھی ضرور ہو مگر اسکے علیحدہ ہو وہ اس کے لئے دوسرے پانسو آدمی لائیں۔ اور ہم بھی ایسا ہی کریں گے۔ ہاں لیڈر وہی ہوں۔ ان کے وہی پانچوں لیڈر ایک مباہلہ میں شامل ہوں اور وہی دوسرے میں۔ اِدھر بھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے مرد ممبر اور ناظر دونوں میں شریک ہوں گے اور پانچ پانچ سو آدمی دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کوئی ایسی چیز نہیں جس پر مباہلہ کرنے سے ہمیں گریز ہو۔ ہم آپ کی صداقت پر جہاں وہ چاہیں قسم کھانے کو تیار ہیں۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ہی ہم نے اسلام کی صداقت سمجھی ہے۔ ورنہ جس رنگ میں یہ مولوی اسلام کو پیش کرتے ہیں اس رنگ میں کون معقول شخص مان سکتا ہے۔ جو نامعقول یہ کہتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن کو دیکھا اور نعوذ باللہ اس پر عاشق ہو گئے۔ ایسے بیوقوفوں کے بتائے ہوئے اسلام کو کون مان سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا بتایا ہوا اسلام تو وہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کو ثابت کرتا ہے جو صحیح احادیث میں ہے۔ مگر کون ہے جو ہمیں قرآن کریم کی طرف لایا۔ صحیح احادیث کی طرف لایا۔ یا تازہ نشانات کی طرف لایا۔ یہ سب کچھ ہمیں مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے ملا۔ اور اسکے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ ہم آپ کی صداقت کے متعلق مباہلہ کرنے سے ایک منٹ کے لئے بھی پس و پیش کر سکتے ہیں۔ ہم اس کے لئے تیار ہیں اور

---

[1] الفضل ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء صٓ کالم ۲-۳ ؛ [2] ملاحظہ ہو الفضل ۲۴ اکتوبر تا ۱۶ نومبر ۱۹۳۵ء

ہر میدان میں تیار ہیں۔ لیکن احرار اس کے لئے علیحدہ پانسو آدمی لائیں۔ ہم بھی علیحدہ لائیں گے اور اس طرح دو مباہلے ہوں تا لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ کا نظارہ دنیا دیکھ لے۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ خالی مسجد ارائیاں میں تقریر کرنے سے کام نہیں چل سکتا وہ باقاعدہ شرائط طے کریں۔ بلکہ میں نے تو یہاں تک کہدیا تھا کہ مجھے اپنی پیش کردہ شرائط پہ اصرار نہیں۔ انہیں اگر کوئی شرط بوجھل معلوم ہوتی ہو تو اسے پیش کریں۔ میں چھوڑنے کو تیار ہوں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ مباہلہ ہو ایسے رنگ میں کہ اللہ تعالیٰ کا زندہ نشان دُنیا کو نظر آجائے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اس میں بتایا ہے کہ جب بھی مومن اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کریں گے وہ ضرور ان کی دعاؤں کو سُنے گا۔ پس میں احرار کو پھر ایک دفعہ توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس مباہلہ کو ٹالنے کی کوشش نہ کریں۔ شرائط طے کرلیں۔ کسی شرط پر انہیں اگر اعتراض ہو تو اُسے پیش کریں اور اس طرح فیصلہ کرکے مباہلہ کرلیں۔"[1]

تصفیہ شرائط کئے بغیر تاریخ مباہلہ کا تقرر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے بار بار تصفیہ شرائط پر زور دینے کا ردّ عمل یہ ہوا کہ احرار نے یکطرفہ کارروائی کرکے تصفیہ شرائط کئے بغیر تاریخ مباہلہ مقرر کرلی۔ چنانچہ مولوی مظہر علی صاحب اظہر سیکرٹری و نمائندہ مجلس احرار کی طرف سے ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو حضور کے نام سیالکوٹ سے تار آیا کہ مجلس احرار کی جانب سے مباہلہ کی تاریخ ۲۳ نومبر مقرر کی گئی ہے۔[2] حضور کو اس تار سے بہت تعجب ہوا کہ خطوط کا جواب تک نہیں دیا جاتا، شرائط کے متعلق کچھ لکھا نہیں جاتا اور ایک ماہ سے زائد عرصہ کے بعد جس کام کی تاریخ مقرر کی جاتی ہے اس کی اطلاع بذریعہ تار دی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ اطلاع ایک رجسٹری خط کے ذریعہ سے بھی آسکتی تھی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے احرار پر اتمام حجت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فریق ثانی کی حیلہ گری اور ٹال مٹول کے باوجود ان پر اتمام حجت کی غرض سے مناسب سمجھا کہ اُن سے دوبارہ پوچھ لیا جائے کہ تصفیہ شرائط کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ چنانچہ ناظر دعوت و تبلیغ کی طرف سے مسٹر مظہر علی صاحب اظہر کو جواب بھجوایا گیا کہ "اگر آپ مباہلہ پر واقعی تیار ہیں تو پہلے شرائط کا تصفیہ کرلیں۔ اخبار الفضل کے جن پرچوں

---

[1] ۔ الفضل قادیان مورخہ ۸ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۷۔ [2] ۔ الفضل ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۳۔

ہیں ان ہماری مجوزہ شرائط کا ذکر ہے وہ آپ کی مزید واقفیت کے لئے آپ کو بھجوائے جارہے ہیں۔ انہیں ملاحظ فرماکر اپنی رائے سے ہمارے مقرر کردہ نمائندگان کو مطلع فرمائیں۔ شرائط و تاریخ و مقام مباہلہ وغیرہ کا تعین ہمیشہ فریقین کی رضامندی سے ہوتا ہے۔ پس آپ اگر ہماری پیش کردہ شرائط کو کلی مانتے ہیں تو بھی اور اگر کسی میں ترمیم کے خواہشمند ہیں تو پھر بھی جماعت احمدیہ کے مقرر کردہ نمائندگان سے گفت و شنید کرکے فیصلہ کا صحیح طریق اختیار فرمائیں محض اپنی طرف سے ایک تاریخ مقرر کرکے تار دے دینا کوئی نتیجہ نہیں پیدا کر سکتا۔"[1]

اب بظاہر خیال کیا جاتا تھا کہ اس مکتوب کے بعد احرار کوئی اعتراض نہیں اٹھائیں گے لیکن ہوا یہ کہ اگرچہ اخبار "مجاہد" میں مجمل طور پر یہ ضرور شائع کر دیا گیا کہ ہمیں سب شرطیں منظور ہیں اور ہم ضرور مباہلہ کریں گے۔ لیکن اس گول مول اعلان کے باوجود مجلس احرار نے اب بھی باقاعدہ تحریری جواب سے بالکل پہلو تہی اختیار کی جسے مباہلہ[2] جیسے انتہائی ذمہ داری کے معاملہ میں کوئی سنجیدہ کوشش کی بجائے محض ایک مذاق یا استہزاء کا نام دینا زیادہ مناسب ہوگا خصوصاً اسلئے کہ اس اعلان سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی پیش فرمودہ ہر اہم شرط بالکل مبہم، مشکوک اور مشتبہ ہو کے رہ گئی مثلاً

اوّل:۔ اس اخباری اعلان سے اس پر کوئی روشنی نہیں پڑتی تھی کہ جماعت احمدیہ پانچ سو افراد تیار کرے یا ہزار نیز احرار کے مباہلین کی تعداد کتنی ہوگی؟

دوم:۔ اس مجمل اعلان میں اس بات کی بھی کوئی وضاحت نہیں تھی کہ مقام مباہلہ کونسا ہوگا؟ لاہور، گورداسپور یا قادیان۔

سوم:۔ مباہلہ کے وقت کا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا۔

چہارم:۔ ایک اہم بات یہ تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے شرائط مباہلہ میں یہ درج تھا کہ طرفین کے نمائندے جب ضروری امور کا تصفیہ کرلیں گے تو تاریخ مباہلہ مقرر کی جائے گی جو اس تصفیہ کے پندرہ دن بعد کی ہونی چاہیئے۔ اس کے دو ہی معنے بنتے تھے یا یہ کہ تاریخ مباہلہ خود حضرت خلیفۃ المسیح مقرر کریں گے یا طرفین کی منظوری سے اس کا تعین ہوگا۔ لیکن احرار کی ستم ظریفی

---

[1] الفضل ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ کالم ۲۔

[2] مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے لکھا: "کچھ شک نہیں کہ مباہلہ میں چونکہ عاجزی کیساتھ خدا سے فیصلہ طلب کیا جاتا ہے اسلئے کسی فریق کو مبادی میں الجھنا مناسب نہیں ہوتا اور نہایت صبر و سکون کے ساتھ محض دُعا کی جاتی ہے۔"
(اہلحدیث ۸ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۶)

ملاحظہ ہو۔ کہ ایک طرف مسٹر مظہر علی صاحب اظہر نے یہ اعلان کیا کہ سب شرائط منظور ہیں مگر دوسری طرف ازخود تاریخ مباہلہ معین کر دی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا حلفی بیان

احرار کی یہ ناقابل فہم روش دیکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۳۰ ر اکتوبر ۱۹۳۵ء کو ایک پمفلٹ لکھا جس میں مسلمانانِ ہند کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "میں امید کرتا ہوں کہ سب حق پسند احباب اب معاملہ کو سمجھ گئے ہوں گے اور وہ احرار پر زور دیں گے کہ مباہلہ کی تفصیلی شرائط جماعت احمدیہ کے نمائندوں سے طے کر کے تاریخ کی تعیین کریں اور اس طرح خالی اخباری گھوڑے دوڑا کر اس نہایت اہم امر کو ہنسی مذاق میں نہ ٹلائیں۔ [1]

یہی نہیں حضور نے اسی پمفلٹ میں احرار کے جواب کا انتظار کئے بغیر مندرجہ ذیل حلفیہ اعلان شائع فرما دیا کہ:۔

"میں اس خدائے قہار و جبار۔ مالک و مختار۔ معز و مذل۔ محی اور ممیت کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میرا اور سب جماعت احمدیہ کا بحیثیت جماعت یہ عقیدہ ہے (اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کے خلاف کہتا ہے تو وہ مردود ہے ہم میں سے نہیں) کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل اور سید ولد آدم تھے۔ یہی تعلیم ہمیں بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے اور اسی پر ہم قائم ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اپنے آپ کو جانتے ہیں اور سب عزتوں سے زیادہ اس عزت کو سمجھتے ہیں۔ بیشک ہم بانی سلسلہ احمدیہ کو خدا کا مامور اور مرسل اور دنیا کے لئے ہادی سمجھتے ہیں۔ لیکن ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ آپ کو جو کچھ ملا وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل۔ اور آپ کی شاگردی سے ملا تھا۔ اور آپ کی بعثت کا مقصد صرف اسلام کی اشاعت اور قرآن کریم کی عظمت کا قیام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان کو جاری کرنا تھا اور جیسا کہ آپ نے خود فرمایا ہے ؎

این چشمہ رواں کہ بخلق خدا دہم | یک قطرۂ ز بحر کمال محمدؐ است
وایں آتشم ز آتش مہر محمدی ست | وایں آب من ز آب زلال محمدؐ است

آپ جو نور دنیا میں پھیلاتے تھے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا ایک شعلہ تھا اور بس۔

---

[1] الفضل ۱۲ر نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۵

آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا نہ تھے اور نہ ان کے مدمقابل اور اسی طرح یہ کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دُنیا کے دوسرے سب مقامات سے جن میں قادیان بھی شامل ہے افضل اور اعلیٰ ہیں اور ہم احمدی بحیثیت جماعت ان دونوں مقامات کی گہری عزت اپنے دلوں میں رکھتے ہیں اور انکی عزت پر اپنی عزت کو قربان کرتے ہیں اور آئندہ کرنے کیلئے تیار ہیں اور میں خدائے واحد و قہار کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس اعلان میں کوئی جھوٹ نہیں بول رہا۔ میرا دل سے یہی ایمان ہے اور اگر میں جھوٹ سے یا اخفاء یا دھوکہ سے کام لے رہا ہوں تو میں اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دُعا کرتا ہوں کہ

اے خدا! ایک جماعت کا امام ہونے کے لحاظ سے اس قسم کا دھوکا دینا نہایت خطرناک فساد پیدا کر سکتا ہے۔ پس اگر میں نے اُوپر کا اعلان کرنے میں جھوٹ۔ دھوکے یا چالبازی سے کام لیا ہے تو مجھ پر اور میرے بیوی بچوں پر لعنت کر۔ لیکن اگر اے خدا میں نے یہ اعلان سچے دل سے اور نیک نیتی سے کیا ہے تو پھر اے میرے رب یہ جھوٹ جو بانی سلسلہ احمدیہ کی نسبت میری نسبت اور سب جماعت احمدیہ کی نسبت بولا جاتا ہے تو اِس کے ازالہ کی خود ہی کوئی تدبیر کر اور اس ذلیل دشمن کو جو ایسا گندہ الزام ہم پر لگاتا ہے یا تو ہدایت دے یا پھر اسے ایسی سزا دے کہ وہ دوسروں کیلئے عبرت کا موجب ہو۔ اور جماعت احمدیہ کو اس تکلیف کے بدلے میں جو صرف سچائی کو قبول کرنے کی وجہ سے دی جاتی ہے عزت کامیابی اور غیر معمولی نصرت عطا کر کہ تو ارحم الراحمین ہے اور مظلوموں کی فریاد کو سننے والا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن

اے سُننے والو۔ سنو کہ میں نے اپنی طرف سے قسم کھائی ہے اور قسم کھا کر اس عقیدے کا اعلان کر دیا جس پر میں اوّل دن سے قائم ہوں۔ اب احراری یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں مباہلہ سے گریز کرتا ہوں۔

میں اللہ تعالیٰ سے اُمید کرتا ہوں کہ مباہلہ ہو یا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اس میری قسم کی وجہ سے جماعتِ احمدیہ کو نصیب ہو گی اور پیش آمدہ ابتلاؤں یا آئندہ آنیوالے ابتلاؤں سے انکو نقصان نہ پہنچے گا بلکہ انہیں زیادہ سے زیادہ کامیابی حاصل ہو گی۔ بیشک ابتلا خدا تعالیٰ کی قائم کردہ جماعتوں کیلئے ضروری ہیں مگر اصل شئے نتیجہ ہے جو ہمیشہ ان کے حق میں اچھا اور ان کے دشمن کے حق میں بُرا ہوتا ہے۔ اور اب بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ سے یہی سلوک ہو گا۔" [1]

ناظر دعوت وتبلیغ کو سند نمائندگی

اگرچہ اس حلفیہ بیان نے حق بالکل واضح کر دیا تھا اور احراری لیڈروں کے لئے راہ فرار اختیار کرنے کی کوئی

---

[1] الفضل ۳ رنومبر ۱۹۳۵ء صہ ۵

گنجائش باقی نہ رہی۔ تاہم حضرت امیرالمومنین نے شرائط مباہلہ کے تصفیہ کا معاملہ فی الفور طے کرنے کیلئے اپنی طرف سے ناظر صاحب دعوت و تبلیغ کو سند نمائندگی تھمادی۔ چنانچہ لکھا:۔

"مکرمی ناظر صاحب دعوت و تبلیغ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ...... آپ میری طرف سے اس غرض کیلئے نمائندے ہیں۔ آپ جلد سے جلد احرار کے نمائندہ سے شرائط طے کرکے مباہلہ کی تاریخ کا اعلان کر دیں۔ والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی" [۱]

یہ سند ناظر صاحب دعوت و تبلیغ نے ۳ نومبر ۱۹۳۵ء کو سکرٹری صاحب مجلس احرار کو بھی بھجوادی اور ساتھ ہی اُن کے نام مفصل چٹھی لکھی جس کے آخر میں تحریر کیا کہ:۔

"اگر آپ مباہلہ سے گریز نہیں کر رہے اور سنجیدگی سے مباہلہ کرنے کے خواہاں ہیں تو آپ وقت اور مقام مقرر کرکے مجھے اطلاع دیں جہاں پر میں آپ سے شرائط طے کرنے کیلئے حاضر ہو جاؤں اور پھر شرائط ضبط تحریر میں لا کر اس پر فریقین کے نمائندوں کے دستخط ہو جائیں اور پھر متفقہ طور پر مباہلہ کے انعقاد کی تاریخ مقرر کرکے اعلان کر دیا جائے۔" [۲]

احرار کی طرف سے تحریف اور مباہلہ کے نام پر قادیان میں ہنگامہ کھڑا کرنے کی تیاریاں

اس خط کے جواب میں مجلس احرار نے اپنے گذشتہ رویہ کو اور بھی ناخوشگوار بنالیا اور بجائے صحیح طریق اختیار کرنے کے تحریف سے کام لینا شروع کر دیا چنانچہ مسٹر مظہر علی صاحب اظہر (جنرل سیکرٹری احرار) نے چنیوٹ (ضلع جھنگ) میں بیان کیا کہ "میں نے قادیان جا کر کہا تھا کہ مباہلہ قادیان میں ہونا چاہیئے اور مرزا صاحب کی صداقت پر ہونا چاہیئے۔ اور مرزا محمود نے تسلیم کر لیا ہے۔" [۳]

اسی طرح سید فیض الحسن صاحب سجادہ نشین آلومہار صدر مجلس احرار پنجاب نے بھی اپنی تقریر چنیوٹ میں کہا کہ "مرزا محمود نے مجلس احرار کو چیلنج دیا ہے کہ آؤ مجھ سے مرزا کی نبوت پر قادیان آکر مباہلہ کرو زعمائے احرار نے مرزا محمود کے اس چیلنج کو قبول کر لیا ہے۔" [۴]

ظاہر ہے کہ یہ دونوں بیانات واقعہ کے صریحاً خلاف اور غلط بیانیوں پر مبنی تھے۔ کیونکہ

۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے چیلنج اس امر کا دیا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقیدت و

---

[۱] الفضل ۱۷ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ ؛ [۲] الفضل ۱۷ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ ؛

[۳-۴] اخبار "مجاہد" (لاہور) ۶ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ بحوالہ الفضل ۱۰ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۱ ؛

محبت کا فیصلہ کرنے کے لئے لاہور یا گورداسپور میں مباہلہ کر لیں۔

۲۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السّلام کے دعویٰ سے متعلق مباہلہ کے چیلنج کو حضرت خلیفۃ المسیح کی طرف منسوب کیا۔ حالانکہ یہ چیلنج خود احرار کی طرف سے تھا۔

۳۔ صدر مجلس نے کہا کہ مرزا محمود نے قادیان آکر مباہلہ کرنے کا چیلنج دیا۔ حالانکہ یہ تجویز احرار کی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ نے تو احرار کے اصرار پر قادیان کو مقام مباہلہ قرار پانے کی اجازت دی تھی۔

۴۔ جنرل سیکرٹری صاحب احرار کے فقرہ سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ گویا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے تسلیم کر لیا ہے کہ مباہلہ قادیان میں ہی ہونا چاہیئے۔ اور بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی صداقت کے متعلق ہی ہونا چاہیئے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہتک کے الزام کے متعلق جس کا مطلب یہ تھا کہ گویا حضور نے اصل بنائے مباہلہ کو ترک کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط تھا۔ حضور نے کبھی بنائے مباہلہ کو نظر انداز نہیں ہونے دیا بلکہ اس کے برعکس یہ واضح اعلان فرمایا کہ ہم احرار سے صداقت مسیح موعودؑ پر بھی مباہلہ کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ یہ مباہلہ پہلے مباہلہ سے الگ ہو اور اس کے لئے الگ پانچسو آدمیوں کی تعداد دونوں فریقوں کی طرف سے پیش کی جائے[1]

احرار کی یہ حرکت بہت افسوسناک تھی۔ مگر ان خدا ناترس لوگوں نے مزید ظلم و ستم یہ کیا کہ مباہلہ کے نام پر قادیان میں ہنگامہ برپا کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور تصفیہ شرائط سے گریز کرکے ملک بھر میں یہ عام تحریک کرنے لگے کہ لوگ ۲۳ نومبر ۱۹۳۵ء کو ہزاروں کی تعداد میں قادیان پہنچیں اور تو اور خود صدر مجلس احرار پنجاب نے چنیوٹ کانفرنس میں بیان دیا "۲۳ نومبر کو زعمائے احرار اور ہزاروں مسلمان قادیان کے میدان مباہلہ میں پہنچ جائیں گے[2]"۔ اس اعلان سے یہ بات واضح طور پر کھل گئی کہ احرار مباہلہ نہیں ہنگامہ کی تجویزیں سوچ رہے تھے۔ اس خیال کی مزید تائید مسٹر مظہر علی صاحب اظہر کے مندرجہ ذیل بیان سے بھی ہو گئی کہ "پانچ سو اور ہزار کی شرط خود مرزا صاحب کی عائد کردہ ہے ہمارے نمائندے ہزار سے بھی بہت زیادہ ہوں گے"۔[3]

جناب مظہر علی صاحب اظہر نے محض نمائندوں کی غیر معین اور کثیر تعداد کا ذکر کرنے کے علاوہ اپنے اس بیان میں مباہلہ کی در پردہ اغراض خود اپنے قلم سے بے نقاب کر ڈالیں۔ چنانچہ انہوں نے لکھا:۔

---

[1] ۔ مضمون حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (الفضل ۱۰ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲)۔ [2] اخبار "مجاہد" ۶ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ (بحوالہ الفضل ۱۰ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲)۔ [3] ۔ اخبار "مجاہد" ۵ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۷ بحوالہ الفضل ۱۰ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

"مجلس مباہلہ کا انتظام جس طرح مرزا محمود فرمائیں ہمیں منظور ہوگا فقط یہ احتیاط چاہیئے۔ کہ مباہلین کو دیکھنے والے لوگوں کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے"۔ [۵۱]

نظارہ بینوں کیلئے روک نہ ہونے کے مطالبہ سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ احرار کے مدنظر مباہلہ نہیں فساد ہے۔ ورنہ مباہلہ میں نہ کوئی لمبی چوڑی تقریر ہونی تھی اور نہ میدان مباہلہ کوئی تماشہ گاہ ہے کہ اس کے دیکھنے کیلئے لوگوں کو تحریک کی جائے۔

چنانچہ امیر مجلس احرار قادیان کی طرف سے انہی دنوں قادیان کے نواحی علاقہ میں ایک اشتہار شائع کیا گیا جس میں لکھا:۔

"پچھلے سال قادیان میں جو کانفرنس ہوئی تھی اس میں نصف لاکھ کے قریب مسلمان جمع ہوئے تھے حالانکہ کانفرنس کا پہلا سال تھا۔ اس سال انشاء اللہ لاکھوں کی تعداد میں مسلمان قادیان میں جمع ہونے والے ہیں"۔ [۵۲]

اس اشتہار نے جو عین مباہلہ کی گفتگو کے دوران تقسیم کیا گیا یہ حقیقت پوری طرح واضح کردی۔ کہ احرار کا قادیان میں آنا مباہلہ کے لئے نہیں محض ہنگامہ بپا کرنے کے لئے ہے۔

احراری کاروائی کا پس منظر

اب ہم یہ بتلاتے ہیں کہ احرار کے اس قسم کے ٹال مٹول سے مطلب کیا تھا۔ دراصل بات یہ تھی کہ حکومت پنجاب نے احمدی اور احراری کشیدگی کے پیش نظر اپنے سرکلر نمبر سی ۲۴۷۳ ایس ایس بی مورخہ ۲ر جولائی ۱۹۳۵ء [۵۳] کے ذریعہ احرار کو ۱۹۳۵ء میں قادیان کانفرنس کرنے سے روک دیا تھا۔ لیکن جب انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا چیلنج پڑھا تو انہوں نے سوچا کہ مباہلہ تو خیر دیکھا جائیگا اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر ہم حکومت سے برسرِ پیکار ہوئے بغیر قادیان میں کانفرنس کرلیں گے۔ کیونکہ مباہلہ کا چیلنج جماعت احمدیہ کی طرف سے ہے اور ہم اُن کے بلائے پر جائیں گے اسلئے حکومت بھی ہم کو روکے گی نہیں۔ چنانچہ یہ امر دل میں رکھکر انہوں نے فیصلہ کیا کہ بغیر اس کے کہ شرائط تحریر میں آئیں ہم مباہلہ کو منظور کرلیں۔ جب شرائط طے نہ ہوئی ہوں گی تو کئی باتیں عین موقعہ پر ایسی نکل آئیں گی جن کی بناء پر مباہلہ سے انکار کیا جا سکے گا۔ ہاں اس بہانہ سے قادیان میں کانفرنس کا موقعہ مل جائے گا۔

۵۱۔ اخبار مجاہد ۵ر نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۷۔ بحوالہ ۱۰ر نومبر الفضل ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ کالم ۳ ÷

۵۲۔ بحوالہ الفضل ۱۰ر نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۲ ÷ ۵۳ الفضل ۱۲ر نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ ÷

تاریخ مباہلہ سے متعلق اس قدر عرصہ پہلے اعلان کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اگر وہ حضرت خلیفۃ المسیح کی یہ شرط مانتے کہ شرطیں طے ہونے کے بعد تاریخ مقرر کی جائے تو اس صورت میں انہیں ہنگامہ اور کانفرنس کیلئے لوگوں کو جمع کرنا مشکل ہوتا۔ اب انہوں نے قریباً ڈیڑھ ماہ پہلے آپ ہی تاریخ مقرر کر دی تا اس عرصہ میں لوگوں کو آمادہ کر کے کانفرنس کی تیاری مکمل کر لیں۔[1]

گو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی نگاہ دُور بین شروع ہی سے معاملہ کی تہہ تک پہنچ چکی تھی۔ مگر اب تو احرار کے در پردہ عزائم اُن کی زبانوں اور قلموں پر آ گئے تھے۔ لہٰذا اب جبکہ اصل معاملہ کھل کر سامنے آ گیا حضور یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ آپ کی مخلصانہ دعوتِ مباہلہ کو ہنگامہ آرائی کا ذریعہ بنا لیا جائے یا اس کے نام پر کانفرنس کی طرح ڈالی جائے۔

چنانچہ حضور نے ۱۰ر نومبر ۱۹۳۵ء کو مفصل کوائف و حالات سے پبلک کو آگاہ کر دیا اور حکومت اور احرار دونوں کے لئے غیر مبہم الفاظ میں اعلان کر دیا کہ:۔

"میں صاف لفظوں میں کہدینا چاہتا ہوں کہ ہم قادیان میں مباہلہ کے لئے تیار ہیں۔ مگر کانفرنس کے لئے نہیں۔ اگر احرار کو فی الواقع مباہلہ منظور ہے تو

۱۔ شرائط طے کر لیں۔

۲۔ پھر ایک تاریخ بتراضیٔ طرفین مقرر ہو جائے۔ جس کی اطلاع حکومت کو بغرض انتظام دے دی جائے گی۔

۳۔ اگر وہ قادیان میں مباہلہ کرنا چاہتے ہیں تو لوگوں کو جو عام دعوت انہوں نے دی ہے اس کو عام اعلان کے ذریعہ سے واپس لیں۔

۴۔ مجلس احرار ہمیں یہ تحریری وعدہ دے کہ مباہلہ کے دن اور اس سے چار دن پہلے اور چار دن بعد کوئی اور جلسہ یا کانفرنس سوائے اس مجلس کے جو مباہلہ کے دن بغرض مباہلہ منعقد ہوگی۔ وہ منعقد نہیں کریں گے۔ اور نہ جلوس نکالیں گے! اور نہ کوئی تقریر کریں گے۔ اور یہ تحریر "مجاہد" میں بھی شائع کر دی جائے۔

۵۔ یہ کہ ان کی طرف سے مباہلہ کرنے والوں کے سوا جن کی فہرست ان کو پندرہ دن پہلے دینی ہوگی کوئی شخص باہر سے نہ تحریری نہ زبانی بلایا جائیگا۔ نہ وہ (اس صورت میں کہ انہیں ہماری ضیافت منظور

---

[1] الفضل ۱۰ر نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۔

نہ ہو) کسی کی رہائش کا یا خوراک کا جماعتی حیثیت میں یا منفردانہ حیثیت میں مذکورہ بالا نو ایام میں انتظام کریں گے"۔ [۱]

۶۔ مباہلہ کی جگہ پر مباہلہ کرنیوالوں اور منتظمین اور پولیس کے سوا اور کسی کو جانے کی اجازت نہ ہوگی۔

اگر وہ مذکورہ بالا باتوں پر عمل کرنے کیلئے تیار نہ ہوں۔ تو ہر حق پسند شخص تسلیم کریگا کہ احرار کی نیت مباہلہ کی نہیں۔ بلکہ اس بہانے سے قادیان میں کانفرنس کرنے کی ہے۔

پس میں یہ واضح طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں۔ کہ اس صورت میں ہم قادیان میں نہیں۔ بلکہ گورداسپور یا لاہور میں مباہلہ کریں گے۔ وہاں وہ بے شک جسقدر آدمیوں کو چاہیں بلالیں۔ گو اس صورت میں بھی مباہلہ کرنے والوں کے علاوہ دوسرے آدمیوں کو میدانِ مباہلہ میں آنے کی اجازت نہ ہوگی۔ میرے اس اعلان کے بعد بغیر شرائط طے کئے کے اور بغیر ایسی تاریخ کے مقرر کئے کے جو دونوں فریق کی رضامندی سے ہو اگر احرار ۲۳ر نومبر یا اور کسی تاریخ کو قادیان آئیں۔ تو اس کی غرض محض کانفرنس ہوگی۔ نہ کہ مباہلہ اور اس صورت میں اس کی ذمہ داری یا تو حکومت پر ہوگی یا احرار پر۔ جماعت احمدیہ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی"۔ [۲]

عوام کو قادیان میں جمع کرنے کا پراپیگنڈا

اس اعلان کا بھی احرار نے کوئی جواب نہ دیا مگر اپنی گذشتہ روایات کے مطابق اعلان پر اعلان جاری رکھے کہ مسلمان کثیر تعداد میں ۲۳ر نومبر ۱۹۳۵ء کو قادیان پہنچ جائیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے صدر آل انڈیا نیشنل لیگ کے نام سے اخبارات میں یہ اعلان بھی کرایا کہ انہیں حضرت امام جماعت احمدیہ کی طرف سے تار موصول ہوا ہے جسمیں ۲۳ر نومبر کو قادیان میں مباہلہ ہونے کی اطلاع دیگئی ہے۔ حالانکہ اس قسم کا کوئی تار صدر کو قادیان سے نہیں بھیجا گیا اور نہ اس وقت تک مباہلہ منعقد ہو سکتا تھا جب تک احرار شرائط کا تصفیہ نہ کرلیں جس کیلئے وہ قطعی طور پر تیار نہیں تھے۔ یہ جعلی تار اصل میں پروپیگنڈا کی کڑی تھا جو ان کی طرف سے لوگوں کو قادیان میں جمع کرنے کیلئے کیا جارہا تھا۔ [۳]

۵ر نومبر ۱۹۳۵ء کا واقعہ ہے کہ مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اور مولوی حبیب الرحمن صاحب ہوڑہ ایکسپریس پر امرتسر آرہے تھے۔ بھوماں وڈالہ ضلع امرتسر کے ایک احمدی محمد عبدالحق صاحب مجاہد[۴]

[۱-۲] ۔ ۱۰ر نومبر الفضل ۱۹۳۵ء صفحہ ۳-۴ کالم ۱-۲-۳ ؛ [۳] ۔ الفضل ۱۴ر نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۱

[۴] ۔ حال گنج مغلپورہ لاہور ؛

نے جو انہی کے کمرہ میں بیٹھے تھے بخاری صاحب سے دریافت کیا کہ مباہلہ کے لئے کونسا وقت مقرر ہوا ہے؟ - انہوں نے جواب دیا "بے وقت ہی مباہلہ ہوگا اور سارا دن ہوگا"۔ مجاہد صاحب نے دوبارہ پوچھا کہ مباہلہ کے شرائط طے ہو چکے ہیں؟ بخاری صاحب نے بتایا کہ "بے شرط مباہلہ ہوگا"۔ ؎۱

اس پرائیویٹ مجلس کے چند روز بعد بخاری صاحب نے ۱۷ر نومبر ۱۹۳۵ء کو مسجد خیر الدین امرتسر میں فیض الحسن صاحب سجادہ نشین آلو مہار شریف کی صدارت میں تقریر کی جس میں کہا "لوگ پوچھتے ہیں کہ مباہلہ ہوگا یا نہیں میاں سنو! ہمیں مباہلہ سے کیا - ہو یا نہ ہو - میں تو صرف کہتا ہوں کہ تم قادیان چلو اور کچھ نہ پوچھو - وہاں جمعہ پڑھیں گے - کھائیں گے ٹینٹوں میں بیٹھیں گے - گائیں گے - سوئیں گے - جلسہ کریں گے - تقریریں کریں گے - مرزا محمود کی دعوت کھائیں گے - مرزائی گندے، نجس پلید ہیں ان سے گھن آتی ہے - بدبو آتی ہے (اس پر کسی منچلے نے سوال کیا "جب مرزائی اتنے نجس ہیں تو پھر اُن کی دعوت کیسے کھاؤ گے" اس پر بخاری صاحب نے کہا) میاں تم سیاسیات کو نہیں سمجھتے ابھی کچے ہو -

مرزا محمود نے ہمیں مباہلہ کی دعوت تو دی ہے مگر دیکھو ہم اُسے کیسا خراب کریں گے - شرائط شرائط کہتا ہے - شرائط کیا بلا ہوتی ہیں - ہم شرائط کو نہیں جانتے ہم نے اگر مباہلہ کیا تو بے شرائط کریں گے اب تم چیں کرو پیں کرو ہم تم کو چھوڑنے کے نہیں - رضا کار تیار ہو جائیں - باوردی جائیں جمعرات تک پہنچ جاؤ ...... والنٹیئر اور رضا کار تیار ہو جائیں - جمعہ قادیان جا پڑھو - مباہلہ ہو یا نہ ہو اس سے غرض نہ رکھو - شرائط کی کوئی ضرورت نہیں ہے ...... مرزائیوں کے اب آخری دن ہیں - مباہلہ کریں یا نہ کریں ہم ان کو مٹا دیں گے - پچاس سال انہوں نے موجیں کر لی ہیں"۔ ؎۲

حق کی فتح مندرجہ بالا تفصیلات سے ظاہر ہے کہ احراری زعماء کی طرف سے بے شرائط مباہلہ کا اعلان احمدیت کی شاندار فتح تھی جس سے انعقاد مباہلہ کے بغیر ہی حق و باطل میں فیصلہ ہو گیا -

چنانچہ حضرت امیر المومنین نے ۱۵ر نومبر ۱۹۳۵ء کو فرمایا :-

"اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اتنا یقین ہوتا کہ سمجھتے ہم سچے ہیں اور مباہلہ کر سکتے ہیں تو جس طرح مَیں نے قسم کھا کر مباہلہ کر ہی دیا ہے - یہ لوگ بھی اسی طرح کیوں نہ کر دیتے - وہ اخبارات میں اعلان کر رہے ہیں کہ احمدی مباہلہ سے ڈر گئے - حالانکہ مَیں نے پہلے ہی قسم کھالی تھی اور کیا ڈرنے والا پہلے ہی قسم کھا لیا کرتا ہے - جو الزام وہ لگاتے تھے ان کو مدنظر رکھتے ہوئے اور ان کے مطابق الفاظ میں مَیں

؎۱ - الفضل ۱۲ر نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۸ ÷ ؎۲ - الفضل ۲۱ر نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۹ کالم ۲ تا ۳ - ۴ ÷

نے قسم شائع کردی ہے۔ تاکوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مباہلہ سے ڈر گئے ہیں۔ اسی طرح اگر وہ یقین رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے آپ کو نعوذ باللہ من ذالک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل سمجھتے تھے۔ بلکہ آپ پر ایمان نہ رکھتے تھے اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی عظمت آپ کے دل میں نہ تھی اور آپ چاہتے تھے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی نعوذ باللہ من ذالک اینٹ سے اینٹ بج جائے (نصیب دشمناں) اور یہ کہ جماعت احمدیہ کا بھی یہی عقیدہ ہے تو کیوں احرار کے لیڈروں نے میرے الفاظ کے مترادف الفاظ میں بالمقابل قسم شائع نہیں کردی۔ اگر وہ بھی قسم کھاتے تو لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ وہ بھی مباہلہ کیلئے تیار ہیں۔ یا پھر پیش کردہ شرائط ہی شائع کردیتے اور لکھ دیتے کہ ہمیں یہ منظور ہیں"۔ [1]

حکومت پنجاب کا نوٹس

حکومت پنجاب کے بعض افسر احرار کے اس عذر کی بناء پر کہ ہمیں خود امام جماعت احمدیہ نے قادیان آنے کی دعوت دی ہے اسلئے ہمارے قادیان جانے میں کوئی روک نہیں ہونی چاہیئے احرار کے حق میں تھے اور اس قضیہ میں "غیر جانبدار" رہنا چاہتے تھے مگر جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے خود احرار کے اشتہارات سے ثابت کر دکھایا کہ احرار مباہلہ کا نام لے کر درپردہ کانفرنس اور ہنگامہ آرائی کے لئے آرہے ہیں تب اُن کا نظریہ بھی بدل گیا اور حکومت پنجاب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی گرفت پر اپنے بنائے ہوئے قانون کے احترام پر مجبور ہو گئی۔[2] اور اُس نے ۱۶ر نومبر ۱۹۳۵ء کو ایک نوٹس جاری کردیا جس میں ۲ر جولائی ۱۹۳۵ء کے فیصلہ کی روشنی میں ۲۲۔۲۳ نومبر کو قادیان میں اجتماع پر بھی پابندی لگادی اور لکھا کہ "اگر مجلس احرار اور احمدیہ جماعت کے نمائندے حکومت کو بصورت تحریر یقین دلادیں کہ اجتماع کی غرض وغایت کی نوعیت پر فریقین کا اتفاق ہوچکا ہے تو اس صورت میں حکومت اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرسکتی ہے"۔[3]

احرار کی درخواست اور حکومت کا جواب

یہ نوٹس ملنے پر جناب مظہر علی صاحب اظہر جنرل سیکرٹری احرار نے چیف سیکرٹری صاحب پنجاب کو ایک درخواست بھیجی جس میں یہ عذر تراشا کہ ہم لوگ قادیان میں جمعہ پڑھنے کیلئے جانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ قادیان میں جمعہ پڑھنے کی کوئی خاص وجہ احرار کے لئے نہ تھی خصوصاً ایسے لیڈروں کیلئے جن میں سے بعض تارک نماز مشہور تھے۔ تاہم مسٹر اظہر نے اپنی درخواست میں لکھا کہ "مجلس احرار کی یہ منشاء نہیں ہے کہ قادیان میں کسی غرض کے پیش نظر کوئی

---

[1] الفضل ۱۹ر نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۳۔
[2] الفضل ۱۸ر دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ کالم ۲۔۳۔
[3] الفضل ۲۱ر نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔۲۔

کانفرنس منعقد کی جائے ۔سرِدست اُس کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ نمازِ جمعہ قادیان میں ادا کی جائے جس کے بعد وہ پُرامن طریق سے واپس ہو جائیں گے ۔ ہاں اگر احرار کو پھر مباہلہ کی دعوت دی گئی اور اس کے متعلق فریقین نے شرائط طے کر لیں تو اس صورت میں مباہلہ بھی کر لیا جائیگا۔"

مگر حکومت پنجاب نے جمعہ کو روکنے کیلئے نہیں بلکہ فساد سے بچنے کیلئے دوٹوک جواب دیا کہ مجوزہ صورت میں بھی امن عامہ میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے ۔ اس لئے حکومت اس اجتماع سے متعلق اپنی پالیسی تبدیل نہیں کر سکتی۔[۱]

رکنِ ادارہ اخبار "احسان" کا ایک نوٹ

اجتماع کی ممانعت کے باعث اگرچہ احرار کے ارمان دل ہی میں رہ گئے مگر انہوں نے مباہلہ سے چھٹکارا پا جانے پر شکھ کا سانس لیا اور وہ پیالہ جسے وہ ٹلنے کیلئے عجیب و غریب عذرات کا سہارا لیتے آ رہے تھے حکومت پنجاب کی مہربانی سے ٹل گیا ۔ سچ ہے جان بچی لاکھوں پائے ۔ اخبار "احسان" لاہور کے ادارہ تحریر کے ایک رکن ابوالعلاء صاحب چشتی نے احرار کی باطنی کیفیت کا نقشہ بڑے جامع الفاظ میں کھینچا تھا انہوں نے لکھا :۔ "مَیں مرزا بشیرالدین محمود نہیں جس سے مباہلہ کرنے کا نام سُنکر رہنمایانِ احرار کے بدن پر رعشہ طاری ہو جاتا ہے۔"[۲]

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا دلچسپ تبصرہ

عالم اہلحدیث جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بھی اپنے اخبار "اہلحدیث" میں احرار کے طرز عمل پر ایک نہایت دلچسپ تبصرہ کیا تھا ۔ جو انہی کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے :۔

"احراری اب کھلے لفظوں میں کہتے ہیں کہ قادیانی گروہ کے ساتھ مسائل کا فیصلہ علماء کی طرف سے ہو چکا ہمارا مقابلہ اُن کے ساتھ سیاسی رنگ میں ہے ...... پس احرار اور قادیان کا اختلاف بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا کا ہے ۔ اسلئے حسب اصول "تقسیم کار" احرار کو دوسری تبلیغی انجمنوں سی اپنا کام ممتاز کر لینا چاہیئے یعنی منقولی مباحثے اور مباہلے دوسری انجمنوں اور اشخاص کے سپرد کر دیں ۔ احرار ان باتوں میں دخل نہ دیں جیسے مسلم لیگ کے ممبر ہندوؤں سے تناسخ وغیرہ مضامین پر بحث نہیں کرتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ احرار اہل قادیان کے دھوکے میں آ جاتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو مباہلے کی دعوت قبول نہ کرتے ۔ خیر گذشتہ را صلوٰۃ آئندہ را احتیاط۔"[۳]

---

[۱] الفضل ۲۱ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ و ۳ [۲] "احسان" یکم نومبر ۱۹۳۵ء (بحوالہ الفضل ۲ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱) [۳] "اہلحدیث" امرتسر ۲۹ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۳

مولوی صاحب نے "اہلحدیث" کی ایک اور اشاعت میں یہ نوٹ دیا کہ :-

"مباہلہ احرار/قادیان کے متعلق ہم نے اپنی رائے محفوظ رکھی تھی آج ہم اسے ظاہر کرتے ہیں ہم دیکھتے تھے کہ جو شرطیں قادیانیوں نے پیش کی تھیں وہ تو معمولی تھیں۔ ان کے علاوہ بعض اور شروط ضروری تھیں جو احرار کی طرف سے ہونی چاہیئے تھیں" ۔ [1]

احرار کا احتجاجاً جمعہ نہ پڑھنے کا اعلان

احرار نے کس طرح میدان مباہلہ سے فرار اختیار کیا ؟ اس کی تفصیل تو بیان ہو چکی ہے۔ مگر بالآخر یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ حکومت نے جب محض امن عامہ کے خیال سے جمعہ کے اجتماع پر احراری لیڈروں کے قادیان جانے پر پابندی لگا دی تو احرار نے اس سرکاری نوٹس کی بناء پر اعلان کر دیا کہ وہ نماز جمعہ ادا ہی نہیں کریں گے اور ۲۲ نومبر ۱۹۳۵ء کو قادیان کی مسجد احرار میں نماز جمعہ نہیں پڑھی گئی۔ اس عجیب و غریب احتجاج پر بھی مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری نے ایک نوٹ شائع کیا جو لائق مطالعہ ہے۔ آپ نے لکھا :-

"شہر امرتسر میں عام طور پر شہرت ہے کہ قادیان کے مسلمانوں کو نماز جمعہ (مورخہ ۲۲ نومبر) ادا کرنے سے حکومت نے روک دیا ہے۔ ہم نے اشتہار مندرجہ پرچہ ہذا بصفحہ (۶) قادیان میں تقسیم کرنے کو دو آدمی بھیجے تھے انہوں نے اسی روز واپس آکر بتایا کہ اسلامی مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے کو اس قدر لوگ آئے ہوئے تھے کہ ان کی تعداد مرزائیوں کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ پولیس کا انتظام کافی تھا۔ کسی نے نماز جمعہ پڑھنے سے منع نہیں کیا۔ صرف مولوی عنایت اللہ صاحب امام مسجد نے چند کلمات شکایت متعلقہ حکومت کہکر اعلان کر دیا کہ چونکہ ہمارے بزرگ خصوصاً امیر شریعت کو قادیان میں آنے سے روکا گیا ہے۔ اس لئے ہم بطور احتجاج نماز جمعہ نہیں پڑھتے تم لوگ (حاضرین) اکیلے اکیلے نماز ظہر پڑھ لو۔ چنانچہ سب نے اپنی اپنی نماز ظہر پڑھ لی۔ مذہبی تعلیم کے لحاظ سے یہ واقعہ ہم نے تعجب سے سُنا۔ ہمیں شبہ ہوا کہ ہمارے مخبروں کو شاید حقیقت حال کا علم نہ ہوا ہو۔ ہم اسی کشمکش و پیچ میں تھے کہ احرار کا اخبار "مجاہد" مورخہ ۲۴ نومبر دیکھنے میں آیا تو اس میں بھی مندرجہ ذیل اقتباس ملا :-

حسب دستور مسلمان اپنی مسجد میں جمع ہوئے مگر آج پیش آمدہ حالات کی بناء پر بالاتفاق یہ قرار پایا کہ حکومت کی متشددانہ پالیسی نے چونکہ نماز جمعہ کیلئے امن کی شرط کو مفقود کر دیا۔ اسلئے فریضۂ جمعہ ادا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ہر ایک مسلمان نے علیحدہ علیحدہ نماز ظہر

---

[1] - اہلحدیث ۱۳ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ کالم ۲ ÷

ادا کی:۔

"یہ فقرات پڑھ کر ہمیں اصل حقیقت منکشف ہوگئی ۔ کہ نماز جمعہ کا ترک حکومت کے منع سے نہیں ہوا۔ بلکہ حکومت نے جو چند اکابر احرار کو قادیان میں جانے سے روک دیا تھا۔ اس خفگی میں نماز جمعہ کو ترک کیا گیا۔ اس لئے ہم اپنے قصور علم کا اعتراف کرتے ہوئے اس فعل (ترک نماز جمعہ) سے برأت کا اعلان کرتے ہیں کہ یہ فعل شرعی ہدایت کے ماتحت نہیں ہوا چونکہ احرار سیاسی جماعت ہے ان کے خیال میں سیاست کے رُو سے شاید جائز ہو۔ اللھم اغفر لنا۔" [1]

"زندہ خدا کا زندہ نشان"

مولوی عبد الغفار صاحب غزنوی نے فتویٰ دے رکھا تھا کہ "کسی خاص جگہ نماز پڑھنا ضروری نہیں۔ لیکن جب اس جگہ پر پابندی عائد کر دی جائے تو نماز پڑھنا ضروری ہو جاتا ہے اسلئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ قادیان میں جا کر نماز جمعہ ادا کرے۔" [2]

اس فتویٰ کی تعمیل میں "امیر شریعت احرار" مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری ۶؍ دسمبر ۱۹۳۵ء کا جمعہ پڑھنے کیلئے قادیان روانہ ہوئے مگر حکم امتناعی کو توڑنے کے سبب جینتی پورہ اسٹیشن پر گرفتار کر لئے گئے۔ اور عدالت گورداسپور سے چار ماہ قید کی سزا پائی۔ [3]

یہ واقعہ بظاہر ایک معمولی واقعہ تھا مگر جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ۱۲؍ دسمبر ۱۹۳۵ء کے ایک مضمون میں بالتفصیل بتایا۔ اسے احمدیت کی صداقت پر زندہ خدا کا ایک زندہ نشان قرار دینا چاہیئے۔ وجہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عالم رؤیا میں "امیر شریعت احرار" کے دو بار حملہ اور پھر چار ماہ کیلئے قید ہونے کا نظارہ وسط نومبر ۱۹۰۲ء میں دکھایا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔

"ایک مقام پر میں کھڑا ہوں تو ایک شخص آکر چیل کی طرح جھپٹا مار کر میرے سر سے ٹوپی لے گیا پھر دوسری بار حملہ کرکے آیا کہ میرا عمامہ لے جاوے۔ مگر میں اپنے دل میں مطمئن ہوں کہ یہ نہیں لے جا سکتا۔ اتنے میں ایک نحیف الوجود شخص نے اسے پکڑ لیا۔ مگر میرا قلب شہادت دیتا تھا کہ یہ شخص دل کا صاف نہیں ہے اتنے میں ایک اور شخص آگیا جو قادیان کا رہنے والا تھا اُس نے بھی اُسے پکڑ لیا۔ میں جانتا تھا کہ مؤخر الذکر ایک مومن متقی ہے۔ پھر اُسے عدالت میں لے گئے تو حاکم نے اُسے جاتے ہی ۴ یا ۶ یا

---

[1] "اہلحدیث" امرتسر ۲۹؍ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۳-۱۴

[2] اخبار پرتاپ ۸؍ دسمبر ۱۹۳۵ء بحوالہ اخبار الفضل ۲۰؍ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ کالم ۲

[3] اخبار اہلحدیث امرتسر ۱۳؍ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۵ کالم ۲-۳

۹ ماہ کی قید کا حکم دے دیا۔" ؎۱

نظر بندی سیاسی لیڈروں کی لیڈری چمکانے کا ہمیشہ ایک مؤثر ذریعہ رہا ہے۔ مگر امیر شریعت احرار کے معاملہ میں نتیجہ بالکل برعکس نکلا۔ چنانچہ بشیر احمد صاحب جنرل سیکرٹری تحفظ مساجد و اوقاف امرتسر نے ایک ٹریکٹ میں صاف صاف لکھا کہ:۔

"یہ صرف احرار دوستوں کی ایک شطرنج کی چال ہے کہ اپنے آپ کو گرفتار کرا کر قوم کے سامنے ایک نئی ایجی ٹیشن کی صورت پیدا کر کے چندہ جمع کیا جائے۔ کیونکہ آجکل چندہ کی کمی ہو چکی ہے اور دوسرے مسجد شہید گنج کے بارے میں احرار کا وقار قوم کے دلوں سے اُٹھ چکا ہے اب چندہ آئے تو کس طرح۔ اب مسلمان اتنے سادہ لوح نہیں ہیں وہ اپنے لیڈر اور غیر لیڈر میں تمیز کر سکتے ہیں۔ "امیر شریعت" کو یہ مسئلہ معلوم نہیں کہ جمعہ کی نماز قصبہ میں نہیں ہو سکتی جبکہ شہر کی جامع مسجد افضل و بہتر ہے۔ بار بار قادیان قادیان کی رٹ لگانا اور ایجی ٹیشن پیدا کر کے غریب اور جاہل مسلمانوں کو قربانی کا بکرا بنانا اور گورنمنٹ کو تنگ کرنا یہ کسی عقلمند لیڈر کا کام نہیں محض قادیان میں فساد پیدا کرنا اور پبلک کو اپنی طرف متوجہ کرنا تاکہ جو شخص مسجد شہید گنج کے معاملہ میں بہت سے پارٹ ادا کر چکا ہے اس کی وزارت کے لئے رائے عامہ کو متوجہ کیا جائے اور الیکشن میں کامیاب کرایا جائے۔ بس یہ ہے احرار کا اصل مقصد و مدعا۔" ؎۲

؎۱ ۔ البدر مورخہ ۲۸ نومبر و ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۴۷ ۔ تذکرہ طبع دوم صفحہ ۴۵۳ ۔ یاد رہے کہ مشہور معبّر حضرت ابن سیرینؒ کے نزدیک ٹوپی اتارنے کی تعبیر یہ ہے کہ "مفارقۃ الرئیسہ" یعنی حاکم وقت سے کشیدگی تعلقات اور پگڑی کی تعبیر میں لکھتے ہیں۔ "قوۃ الرجل وتاجہٗ وولایتہٗ" یعنی اس آدمی کی طاقت اور اسکی بادشاہت و حکومت مراد ہوتی ہے (تعبیر نامہ حضرت محمد بن سیرینؒ برحاشیہ کتاب تعطیر الانام جلد اوّل صفحہ ۱۰۳-۱۰۴) ۔

؎۲ ۔ مجلہ الفضل ۲۰ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۷ ۔

فصل پنجم

حبشہ (ابی سینیا) میں ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی تبلیغی خدمات

اسلام کی نورانی شعاعیں براعظم افریقہ کے جس خطہ پر سب سے پہلے پڑیں وہ حبشہ (ابی سینیا) کا ملک ہے۔ عہد نبوی کے مکی دور میں جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تکالیف انتہاء کو پہنچ گئیں۔ اور قریش کے مظالم ناقابل برداشت ہو گئے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ نیز فرمایا کہ حبشہ کا بادشاہ عادل و منصف ہے اُسکی حکومت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔[1] چنانچہ اس ارشاد نبوی کے مطابق ماہ رجب ۵ نبوی (مطابق نومبر۔ دسمبر ۶۱۶ء) میں گیارہ صحابہ اور چار صحابیات حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ ان مظلوم مہاجرین میں سے حضرت عثمانؓ بن عفان اور اُن کی حرم حضرت رقیہؓ (بنت الرسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ حضرت زبیرؓ ابن العوام۔ حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہ۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد اور اُن کی زوجہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہم کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔[2] حبشہ کی حکومت نے مہاجرین کو پُورا پُورا امن دیا اور اُنکی تبلیغ سے نہ صرف نجاشی مسلمان ہو گیا بلکہ بعض عمائد مملکت بھی اسلام لے آئے۔ حکومت حبشہ کا یہ ایسا عظیم الشان احسان ہے کہ ملّتِ اسلامیہ اسے قیامت تک فراموش نہیں کر سکتی۔

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اسی جذبۂ تشکر سے لبریز ہو کر اگست ۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ابن حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحبؓ سابق مہر سنگھ) کو حبشہ جانے اور اہل حبشہ کی خدمت کرنے کا ارشاد فرمایا۔ یہ وہ ایام تھے جبکہ اٹلی اور حبشہ کے درمیان جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ اہلِ حبشہ بُری طرح پسپا ہو رہے تھے اور اُنکی جنگی امداد کے علاوہ طبّی امداد کی بھی بہت ضرورت تھی۔ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب اپنے آقا کی آواز پر لبّیک کہتے ہوئے

---

[1] ابن ہشام و طبری (سیرت خاتم النبیین حصہ اوّل صفحہ ۱۹۲ مؤلفہ قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ) حبشہ کا ملک جو انگریزی میں ایتھوپیا یا ابی سینیا کہلاتا ہے۔ براعظم افریقہ کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں حبشہ میں ایک مضبوط عیسائی حکومت قائم تھی جس کا بادشاہ نجاشی کہلاتا تھا اور عہد نبوی کے نجاشی کا ذاتی نام اصحمہ تھا۔

[2] ابن سعد۔ ابن ہشام زرقانی۔ بحوالہ سیرت خاتم النبیین حصہ اوّل صفحہ ۱۹۳۔

اپنے خرچ پر ابی سینیا گئے[1]۔ اور اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال کر انسانی ہمدردی اور خدمت خلق کا بہترین ثبوت دیا۔ اور ایک لمبا عرصہ تک نہ صرف طبی بلکہ تبلیغی خدمات بھی بجا لائے[2]۔ چنانچہ ذیل میں ڈاکٹر صاحب ہی کے الفاظ میں اُن کے زمانہ قیام کی تفصیلات درج کی جاتی ہیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے خاکسار کو تحریک جدید کے ماتحت وقف کرنے پر علی گڈھ خط لکھا کہ ابی سینیا (حبشہ) میں جاکر طبی خدمات سرانجام دینے اور تبلیغ کرنے کے لئے روانہ ہو جائیں۔ اگست ۱۹۳۵ء میں خاکسار قادیان پہنچ کر حضور سے فیضیاب ملاقات ہوا۔

حضور کے ضروری ارشاد گرامی یہ تھے۔ ریڈ کراس ہسپتالوں میں جو جنگ کے میدان میں ابی سینیا میں کام کر رہے ہیں اپنے آپ کو پیش کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام کی ہجرت ایسے سینیا کے ملک میں ہوئی تھی۔ اہل حبشہ کے آباؤ اجداد کے اس نیک سلوک کی وجہ سے عالم اسلامی اُنکا ممنون رہا ہے۔ اس کے عوض ہمیں اس مصیبت کے وقت اُن کے بیمار اور زخمیوں کی مدد کرنی چاہیئے۔

۱۔ خاکسار عدلیس ابابا اپنے خرچ پر پہنچا۔ خاکسار کی بیوی بھی حضور سے خط لکھوا کر میرے نام لے آئیں کہ آپ کی اہلیہ ساتھ جانا چاہتی ہیں انکو ساتھ لے جائیں۔ اگر جنگ شروع ہو جائے اور یہ ساتھ نہ جاسکیں تو انہیں سمالی لینڈ یا عدن رہنے کا انتظام کرا دیں۔ سو ایسا ہی کیا گیا۔ جنگ شروع ہوئی۔ اٹلی کے فوجیوں کے ہوائی حملوں سے بے اندازہ نقصان جانی و مالی ہوا۔ مسٹرڈ گیس MUSTARD GAS پھینکی گئی۔ گولہ باری کے ذریعہ بیدردی سے جانیں تلف کی گئیں۔ خاکسار عین میدان شمالی محاذ پر متعین تھا۔ روزانہ کئی سو زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا پڑتی تھی۔ دیکھتے دیکھتے جانیں تلف ہوتی تھیں۔ قیامت کا منظر سامنے تھا۔ قرآن کریم کی پیشگوئیاں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں فوج میں بیان کر کے واضح کیا جاتا رہا کہ مسیح موعود کا ظہور ہو چکا اور سچائی ثابت ہو چکی ہے۔ لوگوں کو اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ ۳۶-۱۹۳۵ء میں جنگ جاری رہی۔ عالمی ریڈ کراس سوسائٹی (INTERNATIONAL RED CROSS SOCIETY) کی طرف سے اخباروں میں خاکسار کا نام

---

[1] الفضل ۹ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ کالم ۲۔

[2] اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب کی ایک رپورٹ مطبوعہ الفضل ۱۳ مئی ۱۹۳۶ء صفحہ ۳ قابل مطالعہ ہے۔

"ڈاکٹر احمد آف انڈیا" کے نام سے شائع ہوتا رہا۔ اخبار "ہندوستان ٹائمز" میں میرا فوٹو بھی چھپا تھا۔ اور قادیان کا نام بھی۔ ہندوستان کی طرف سے صرف خاکسار ہی ایک ڈاکٹر تھا۔ جو ملک حبشہ میں جنگ کے دوران کام کے لئے بھیجا گیا۔

ایبے سینیا کا بادشاہ ہیلی سلاسی یکم مئی ۱۹۳۶ء کو فرار ہو کر انگلستان چلا گیا۔ اٹلی کے ملک حبشہ پر قبضہ کرنے پر مزید ۶ ماہ خاکسار وہاں مقیم رہ کر ادیس ابابا کی مساجد میں تبلیغ کرتا رہا۔ مساجد میں جمعہ کے روز خاکسار لکچر کرتا اور پیغام احمدیت و اسلام عربی زبان میں پہنچاتا۔ بسا اوقات خاکسار کو مساجد ہی سے بزور نکال باہر کیا جاتا رہا۔ ایک فاضل رکن جامعۃ الازہر شیخ محمد بدیوی مصری جو حکومت مصر کی طرف سے ادیس ابابا جامعہ میں مقرر تھا۔ چند روز کے بحث مباحثہ کے بعد اور میرے کہنے پر استخارہ کرنے کے بعد حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کی بیعت تحریری سے مشرف ہوا۔ اُس نے خواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم و مسیح موعودؑ کو دو کرسیوں پر بیٹھے دیکھا اور رسُول کریمؐ کو اپنی طرف مخاطب ہو کر سُنا کہ مسیح موعودؑ کو قبول کر لو۔ اس دوران میں السید عبد الحمید ابراہیم مصری (جو جامعۃ الازہر کے فارغ التحصیل ہیں) کے ساتھ مقابلہ ہوتا۔ تو شیخ محمد بدیوی صاحب مجھے بلا لیا کرتے تھے۔ خطبہ الہامیہ میری طرف سے دئے جانے پر انہوں نے بھی دعویٰ مسیح موعودؑ کو قبول کر لیا۔ ۱۹۳۶ء کے بعد ۱۹۳۷ء میں مصر جا کر بیعت کا خط مولوی محمد سلیم صاحب کو لکھ دیا۔ اور داخلِ جماعتِ احمدیہ ہو گئے۔

نیز السید عبد الحمید بعد میں قادیان اور ربوہ آکر حضرت صاحب کی ملاقات سے مشرف ہوئے۔

۲۔ ستمبر ۱۹۳۶ء میں خاکسار ایبے سینیا سے چلا گیا اور فلسطین اور مصر و شام کے ممالک میں تبلیغ اور سیاحت اور پریکٹس کیلئے چلا گیا۔ چند ماہ وہاں رہ کر پھر ۱۹۳۷ء میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کینیا جانے کیلئے ارشاد فرمایا کہ وہاں جا کر میڈیکل سروس میں داخل ہو جاؤں سو ۱۹۳۹ء تک خاکسار وہاں رہا۔ ۱۹۴۰ء میں خاکسار کو حاجیوں کے جہاز ایس ایس رحمانی میں میڈیکل آفیسر مقرر کیا گیا۔ بمبئی۔ جدہ۔ کراچی وغیرہ کئی بار آنا جانا پڑا۔ حج کرنے کا بھی موقعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عنایت کیا۔ عربی میں مہارت کافی ہو گئی۔ مکہ معظمہ میں اور عرفات، منیٰ، مزدلفہ مکہ معظمہ جدہ۔ غرضیکہ ہر جگہ عربوں اور دیگر علماء کو تبلیغ کرنے کا موقعہ بکثرت ملتا رہا۔ اور علاج معالجہ

کا موقعہ ملتا رہا۔ خاکسار کا طریق اکثر یہی رہا کہ قرآن کریم کی آیات ہر مسئلہ پر اور کتب عربی حضرت مسیح موعودؑ کی تشریحات اکثر بیان کرنے پر مداومت اختیار کرتا تھا جس کا بہت جلد اثر دیکھا جاتا رہا۔

۳۔ ڈلہوزی میں ۱۹۴۱-۴۲ء سے ۱۹۴۳ء تک خاکسار پریکٹس کرتا رہا۔ جہاں حضور نے ایک روز سیر پر جاتے ہوئے فرمایا۔ ایبے سینیا کے بادشاہ کو لکھو کہ مَیں نے دورانِ جنگ ایبے سینیا میں کام کیا ہے۔ اسلئے تم مجھے کوئی عہدہ دو تا کہ مَیں دوبارہ مریضوں کو ایبے سینیا کے ہسپتالوں میں مقرر ہونے پر خدمت کرسکوں سو خاکسار حضور سے بشارات لیکر دوبارہ عدن اور حبشہ چلا گیا۔

۴۔ عدن میں ۱۹۴۳ء ۱۹۴۴ء میں سرکاری ملازمت سول ہسپتال میں کرتا رہا۔ وہاں بھی مساجد میں جب عرب علماء کا درس ہوتا تھا خاکسار وہاں جاکر بیٹھ جایا کرتا تھا اور سوال و جواب کا سلسلہ جاری کر دیتا۔ کئی موقعہ پر کافر۔ ملعون۔ قادیانی۔ کذّاب کے خطاب سے یاد کیا جاتا اور کئی دفعہ وہاں کی مساجد سے نکالا جاتا۔ ایک دن کثرت سے عربوں اور سومالیوں نے مسجد کو گھیرے میں لے لیا۔ تاکہ خاکسار کو کالعدم کر دیا جائے۔ اسی اثناء میں سی آئی ڈی کا آدمی میرے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور انگریزی میں کہنے لگا کہ "ہم کو حکم ہوا ہے کہ آپکو اپنے گھر سلامتی کے ساتھ پہرے کے اندر پہنچا دیں کیونکہ پبلک مسجد کے اندر اور باہر ڈنڈے اور چاقو لیکر کھڑی ہے ان کی نیت آج آپ کے متعلق خطرناک ہے" مَیں نے کہا کہ گورنمنٹ کی حکم عدولی مَیں نہیں کرسکتا بہت اچھا۔ سو وُہ مجھے پہرے کے اندر میرے گھر لے آیا۔ نو آبادیات محمیات عدن میں دَورہ کرنے کیلئے مجھے بھیجا گیا جہاں بیماریاں اور موتیں بکثرت ہو رہی تھیں۔ وہاں جاکر گاؤں گاؤں میں ظہور مسیح موعودؑ پر عربی زبان میں تقریریں کرتا رہا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی خبر بکثرت مشہور ہو گئی حسب معمول تصنیفاتِ حضرت مسیح موعودؑ بکثرت تقسیم کرتا تھا جس سے پھر مخالفت کا بازار گرم ہو گیا۔ جسپر علماء عدن نے ایک میمورنڈم لکھ کر گورنر عدن کو بھیجا کہ ڈاکٹر نذیر احمد کو میڈیکل سروس سے نکال دیا جائے۔ نوجوانوں پر قادیانیت کا اثر ہو رہا ہے سلطان شبوطی میرا ڈسپنسر تھا۔ وُہ احمدیّت کی طرف مائل ہو گیا۔ بعد میں مولوی غلام احمد صاحب مبشّر کے آنے پر سلطان شبوطی اور عبداللہ محمد شبوطی دونوں احمدی ہو گئے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

عدن میں ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے میری سرگرمیاں دیکھ کر مجھے مبارکباد دی کہ آپنے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ عدن میں جب مجھے ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا تو خواب دیکھا کہ مَیں حضرت صاحب کے ارشاد پر

ایبے سینیا جو قریب ہی ایک روز کے راستہ پر تھا، جا رہا ہوں۔ حضور نے میری خواب پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ ہاں جلدی ایبے سینیا چلے جائیں۔ چنانچہ خاکسار ۱۹۴۴ء میں دوبارہ ایبے سینیا چلا گیا اور حضرت صاحب کی بات پوری ہو گئی کہ خاکسار کو ایکٹنگ سول سرجن (ACTING CIVIL SURGEON) کے عہدہ پر کئی سال متعین کیا گیا۔ وہاں پہنچنے پر ہیلی سلاسی[1] شاہ حبشہ سے کئی بار ملاقات ہوئی۔ اس کے محل میں اس کو کتب دے کر تبلیغِ اسلام انگریزی زبان میں کی گئی۔ اور پرانا تعلق ہجرت اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کر کے یاد دلایا گیا۔

۵۔ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۵۳ء تک ۹ سال برابر سینکڑوں مباحثات کئے اور دس ہزار کے قریب اشتہار کتب۔ رسائل۔ کتب حضرت مسیح موعودؑ عربی (مثلاً اعجاز المسیح۔ لُجّۃ النّور۔ حمامۃ البشریٰ۔ تحفہ بغداد۔ التبلیغ) دیباچہ قرآن انگریزی اور قرآن کریم کی تفسیر انگریزی بڑے سائز کی تقسیم کی گئی۔ اکثر مفت دی گئیں۔ سکولوں اور کالجوں میں جا کر تبلیغ کی گئی[2] اور سکول کے لڑکوں نے میرے ہاں برابر ہسپتال میں آنا شروع کیا۔

---

[1] ۹ رجنوری ۱۹۴۵ء کو ڈاکٹر صاحب نے پہلی بار شاہ ایبے سینیا ہیل سلاسی سے ملاقات کی اور حضرت مسیح موعودؑ کے ظہور کی خوشخبری اُن تک پہنچائی۔ (الفضل ۲۰ر فروری ۱۹۴۵ء صفحہ ۱۱ کالم ۳/۴)

[2] ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے جو اُن دنوں شمال مغربی ایبے سینیا کے دار السلطنت گوندر مقام پر تھے عید الفطر کے موقعہ پر مسلمانان حبشہ کے سامنے حضرت مسیح موعودؑ کی آمد اور حضور کے نشانات پر لیکچر دیا۔ نیز بتایا کہ اس علاقہ میں جو جھیل تانا کے قریب واقعہ ہے اور دریائے نیل ازرق کا منبع ہے جس کی پچھلے زمانوں میں کسی کو خبر نہیں تھی یا خبر تھی تو شاذ و نادر کسی کو اسے دیکھنے کا موقعہ ملا ہو گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی اپنا نشان ظاہر کیا کہ پانچ آدمیوں کو جن میں عرب اور حبشی مسلمان شامل ہیں خوابوں میں دکھایا کہ مسیح مہدی ہندوستان کی زمین میں ظاہر ہو گیا ہے۔ ان لوگوں کے نام جنہیں خوابیں آئی ہیں یہ ہیں:۔

(۱) الشیخ عمر حسین سوڈانی حبشی عربی کے اچھے عالم ہیں۔ (۲) علی حکیم عبدہٗ نوجوان حبشی مسلمان نہایت مخلص عربی کے عالم اور تاجر ہیں۔ (۳) السید حسین الحراضی عرب تاجر ہیں۔ (۴) السعید اسماعیل موٹر ڈرائیور۔ (۵) سراج عبداللہ خوابیں مختلف اوقات میں مختلف رنگوں میں آئیں۔ مثلاً کثرت سے لوگ خوشیاں منا رہے ہیں۔ باغ اور وسیع زرخیز زمین ہے۔ عیسائی اور مسلمان ہر دو کہہ رہے ہیں کہ الحمد للہ ہماری زندگی میں مسیح مہدی ظاہر ہو گیا۔ ایک نے دیکھا کہ بادشاہ سلامت ہیلی سلاسی کا دربار ہے اور وسیع میدان میں کثرت سے لوگ جمع ہیں۔ میں دو سفید گھوڑوں کی گاڑی پر سوار ہوں اور کہہ رہا ہوں۔ ظہر المہدی ظہر المہدی من شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر۔" (الفضل ۱۲ر جنوری ۱۹۴۶ء صفحہ ۶ کالم ۳/۴)

چالیس آدمیوں نے جو مختلف گاؤں کے رہنے والے تھے ایک دن بیعت کی اور سلسلہ احمدیہ میں شامل ہوئے۔[1]

حبشہ میں ڈبرا بُرہان کے شہر کے ایک لڑکے رضوان عبداللہ احمدی کو میں نے واقفِ زندگی کے طور پر ربوہ تعلیم کیلئے ہوائی جہاز پر بھیجا۔ جو ربوہ میں تعلیمی اور عربی اور دینی ماحول میں بہت مقبول ہو گئے لیکن بدقسمتی سے ۲-۳ سال تعلیم جامعہ احمدیہ میں حاصل کرتے ہوئے دریائے چناب میں لڑکوں کے ساتھ وضو کرتے ہوئے پاؤں کے پھسل جانے سے غرقاب ہو کر شہید ہوئے مقبرہ بہشتی ربوہ میں اُنکی قبر موجود ہے۔[2]

ایک رمضان میں ڈبرا بُرہان شہر کی جامعہ مسجد میں جا کر میں نے تبلیغ شروع کر دی۔ سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ ساری مسجد بھر گئی۔ وہاں کے عربی مُلّاں نے لوگوں کو اُکسایا اور خاکسار پر حملہ کیا گیا اور یکدم دو گروہ بن گئے۔ ایک گروہ میری تائید میں اور دُوسرا میرے بالمقابل۔ آخر مجھے مسجد میں سے نکلنا پڑا۔ قتل قتل کے نعرے لگے۔ بازار تک مجھے دھکیلتے ہُوئے لے گئے۔ عربی میں آوازے کستے رہے کہ آج اِس ہندی قادیانی کا خاتمہ اور خُون بہا دیا جائے گا۔

ساری رات میرے ایک دوست کا مکان جس میں مجھے پناہ لینے پر مجبور کیا گیا تھا۔ گھیرے میں رکھا گیا۔ دُوسرے روز میں مصلحتاً لباس بدل کر واپس سٹیشن پر پہنچا اور ٹکٹ لیکر واپس اپنی ڈیوٹی پر۔

---

[1] بیعت کرنے والوں میں ہرر شہر کے تین دوست بھی تھے جو جنوری ۱۹۴۷ء میں داخل سلسلہ ہوئے۔ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے ان اصحاب کی بیعت کی مرکز میں اطلاع دیتے ہوئے یہ رپورٹ بھی بھجوائی کہ "چند روز کا واقعہ ہے کہ ہمارے مذکورہ بالا تین نو مبائعین غلطی سے غیر احمدی لوگوں کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے چلے گئے۔ میں نے انہیں پیغام بھیجا کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ وہ سنتے ہی میرے پاس چلے آئے۔ اس سے ہمارے مخالفین میں اشتعال پیدا ہو گیا اور مجھ پر محکمہ قضا میں یہ مقدمہ دائر کیا گیا کہ میں نے اُنکے دو ہرری مسلمان چرا لئے ہیں اور اُن کی نماز کی ہتک کی ہے۔ آخر مجھے بلایا گیا اور لوگوں کے سامنے تحقیقات شروع ہُوئی۔ جب ہمارے خلاف مبالغہ آمیز اور جھوٹی شہادتیں ہو چکیں تو حاضرین میں سے ہی دو عرب بول اُٹھے اور قاضی اور حاضرین کو مخاطب کرتے ہُوئے کہا کہ "تم لوگ عیسیٰ کو آسمان پر زندہ مانتے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہتک ہے، واقعی آپ لوگوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔" (الفضل ۷ مارچ ۱۹۴۷ء صفحہ ۴ کالم ۳ و ۴)

اوائل ۱۹۵۲ء کا واقعہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے ذریعے قید خانہ میں دس آدمی بیعت کر کے حلقہ بگوش احمدیت ہوئے جو بیعت کے دُوسرے روز ہی رہا ہو گئے۔ (الفضل ۶ مئی ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ کالم ۳)

[2] تاریخ وفات ۲۶ اگست ۱۹۵۳ء۔

ڈبرا بُرہان پہنچ گیا۔ میں اپنے گھر بتا کر گیا تھا کہ چند روز موجب ارشاد حضرت صاحب تبلیغ کیلئے بیرونی مقام پر جاتا ہوں جو مخالفت کا گڑھ ہے وہاں قتل بھی کر دیا کرتے ہیں۔ اگر میں وہاں خدانخواستہ قتل بھی ہو گیا تو تم کو اللہ تعالیٰ ہاجرہ جیسی عزت قُربِ الٰہی میں بخشے گا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

۷۔ ۹ سال کے بعد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے کارڈ لکھا کہ صرف ایک ماہ کے لئے پاکستان چھٹی پر تم کو آنے کی اجازت ہے۔ سو فروری ۱۹۵۳ء میں خاکسار پہلی بار ربوہ آیا۔ حضور نے فرمایا کہ واپس ایبے سینیا جاؤ۔ شاہ حبشہ کو ہمارا لٹریچر پہنچیگا تم اسے پہنچانے کا بندوبست کرنا۔ جولائی میں وہاں کے پادریوں نے شکایات کیں کہ احمدیت کا نفوذ بڑھ رہا ہے۔ اس ڈاکٹر کو ملک سے باہر نکال دیا جائے۔ سو مجھے حضرت امیر المومنین نے تار دی (BETTER - PROCEED TO NAIROBI) کہ نیروبی چلے جاؤ۔ خاکسار ۱۹۵۳ء میں نیروبی پہنچا۔ اور ۱۹۶۰ء میں وہاں سے ولایت مزید تعلیم کے لئے چلا گیا۔ جس کے حصول کے بعد کامیاب ہو کر جلسہ سالانہ قادیان و ربوہ ۱۹۶۲ء میں پہنچا[۱]"

حضرت امیر المومنین کی شادی

۳۰ ستمبر ۱۹۳۵ء کا دن جماعت احمدیہ کے لئے خوشی اور شادمانی کا دن تھا۔ کیونکہ اس روز حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا عقد (حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ سول سرجن کی دختر نیک اختر) سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ کے ساتھ ایک ہزار روپیہ مہر پر ہوا[۲]۔ اعلانِ نکاح حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے کیا[۳]۔

حضرت امیر المومنینؓ کی طرف سے ۲ر اکتوبر ۱۹۳۵ء کو بوقت ۱۱ بجے دن قادیان اور مضافات کے بعض دیہات کے قریباً ڈیڑھ ہزار اصحاب کو مسجد اقصیٰ میں دعوتِ ولیمہ[۴] دی گئی۔ جس کیلئے دعوت نامہ حضرت ڈاکٹر محمد طفیل خاں صاحبؓ نے جاری کیا۔ جو ایک چھوٹے سے دبیزی کاغذ پر

---

[۱] غیر مطبوعہ مکتوب سے ماخوذ [۲] الحکم ۲۱ ر ستمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۳

[۳] پورا خطبہ الفضل ۲ ر اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ و ۲ پر چھپ چکا ہے۔

[۴] الفضل ۴ ر اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

دیدہ زیب مگر سادہ طریق پر چھپا ہوا تھا۔ اس دعوت نامہ کا چربہ ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مکرمی　　صاحب

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

حضرت امیر المومنین امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کی دعوتِ ولیمہ میں شرکت کے لئے ۲؍اکتوبر ۳۵ء بروز بدھ بوقت ۱۱ بجے دن کے مسجد اقصیٰ میں تشریف لاکر ممنون فرمادیں اور یہ دعوتی کارڈ ہمراہ لیتے آویں۔

الداعی خاکسار ڈاکٹر محمد طفیل خان ۳۵-۱۰-۱

نئے مہمان خانہ کی بنیاد

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے ۲؍نومبر ۱۹۳۵ء کو صبح سات بجے مہمان خانہ (قادیان) کی پُرانی عمارت کے ساتھ نئے مہمان خانہ کا سنگِ بنیاد رکھا[1] حضرت بابو سراج دین صاحب نے جو اُن دنوں نظارت ضیافت میں آنریری کارکن تھے۔ اس مہمان خانہ کیلئے ایکہزار روپیہ کا عطیہ دیا جس کا ذکر خود حضرت امیر المومنین رضؓ نے مجلس مشاورت میں فرمایا[2]۔

آل انڈیا نیشنل لیگ کور قادیان کی ابتدائی سرگرمیاں

نیشنل لیگ کور کا مختصر تذکرہ "تاریخ احمدیت" جلد ہفتم (صفحہ ۵۲۳) میں کیا جاچکا ہے۔ اس خالص سیاسی ادارہ نے (جو ۱۹۳۲ء[3] میں قائم ہونیوالی احمدیہ کور کی بنیاد وں پر استوار کیا گیا تھا اور آل انڈیا نیشنل[4] لیگ کور می ذیلی تنظیم کی حیثیت رکھتا تھا) حفاظتِ مرکز کی نہایت عمدہ خدمات انجام دیں۔

مثلاً وسط نومبر ۱۹۳۵ء میں جب احرار مباہلہ کے بہانہ سے قادیان میں آنا چاہتے تھے نیشنل لیگ کور

---

[1] الفضل ۵۔ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ [2] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۳۶۔ [3] ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد ہفتم ص ۲۶۔
[4] جیسا کہ تاریخ احمدیت جلد ہفتم صفحہ ۵۲۲ میں مذکور ہے نیشنل لیگ کے اولین صدر محترم شیخ بشیر احمد صاحب بی اے ایڈووکیٹ تھے قادیان نیشنل لیگ کے صدر شیخ محمود احمد صاحب عرفانی اور پہلے سیکرٹری مولوی ظفر محمد صاحب مولوی فاضل اور دوسرے چوہدری ظہور احمد صاحب تھے۔

کے سپرد مقاماتِ مقدسہ اور تمام شعائراللہ کی حفاظت کا کام کیا گیا۔ یہ انتظام قریباً چار دن تک جاری رہا۔ اور اس میں کور کے تمام افسر اور رضاکار دونوں شب و روز مصروف رہے جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ "پچھلے چار دنوں میں جو کام آپ لوگوں کو مرکز سلسلہ کی حفاظت کیلئے کرنا پڑا ہے میں اسکے متعلق .... خوشنودی کا اظہار کرنا چاہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس نیت اور غرض کے ماتحت آپ لوگوں نے یہ کام کیا ہے۔ اسی نیت اور غرض کے مطابق اللہ تعالیٰ آپ سے نیک سلوک فرمائے"[1]

علاوہ ازیں والنٹیئر کور نے ۲۰ر دسمبر ۱۹۳۵ء سے جمعہ کے دوران حضرت امیرالمومنین کے پہرہ کا انتظام براہ راست اپنے ذمہ لے لیا جو سالہا سال تک باقاعدگی سے جاری رہا۔ ۲۳ر دسمبر ۱۹۳۵ء کو فیصلہ کیا گیا کہ سالانہ جلسہ پر کور کے رضاکار، مسجد مبارک، قصرِ خلافت، بہشتی مقبرہ، مردانہ جلسہ گاہ، زنانہ جلسہ گاہ اور خلیفہ وقت کی حفاظت کے لئے مقرر کئے جائیں۔ رضاکاروں نے یہ خدمت اتنے خلوص اور جانفشانی سے ادا کی کہ حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ نے ۳۰ر دسمبر ۱۹۳۵ء کو اسپر مبارکباد دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کور کا کام قریب ترین عرصہ میں شروع ہوا ہے۔ اتنے قریب کے وقت میں شروع ہوا ہے کہ اتنے عرصہ میں ایک سپاہی کو بندوق پکڑنے کے قابل بھی نہیں سمجھا جاتا۔ کجا یہ کہ اُسے کسی خدمت پر مقرر کیا جائے۔ مگر باوجود اسکے اس موقعہ پر جس محنت، جس جانفشانی اور جس سرگرمی سے نیشنل لیگ کور کے ممبروں نے کام کیا ہے۔ چھوٹوں اور بڑوں نے کیا ہے۔ افسروں اور ماتحتوں نے کیا ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ کور کو مبارکباد دیجائے۔ اور کور اس بات کی مستحق ہے کہ جماعت اسکے لئے دعا کرے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اس تنظیم کے ماتحت جسکی مشق کا پوری طرح کور کو ابھی موقعہ نہیں ملا جلسہ سالانہ کے موقعہ پر کور کے تھوڑے سے آدمیوں نے اتنا کام کر کے دکھایا ہے جو کہ پہلے بہت سے لوگ نہ کرسکتے تھے۔ جلسہ گاہ میں میرے جانے کے وقت رستہ کو صاف رکھنا اور ہجوم کو روکنا قریباً ناقابلِ حل سوال ہو چکا تھا۔ مگر اب کے والنٹیرز کور نے ایسی عمدگی سے اسے حل کیا ہے کہ کسی ایک موقعہ پر بھی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ اور شکایت کا پیدا ہونا تو الگ رہا۔ شکایت کا امکان بھی پیدا نہیں ہوا۔ اس موقعہ پر جس نوعیت کا کام تھا اسکے لحاظ سے کور پر اس قدر بوجھ پڑا جو انتہائی تھا۔ لیکن میں خوش ہوں کہ اس موقعہ پر کور نے ہمت، دیانت اور استقلال سے کام کیا .... کور کا یہ حسنِ انتظام جس کی میں نے تعریف کی ہے اور جو تعریف کے قابل ہے۔ اس میں بڑی بات یہی ہے کہ کور کے ممبروں کو محسوس کرا دیا گیا ہے کہ افسر کی اطاعت ضروری ہے .... آخر میں میں

---

[1] الفضل ۲۶ر نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ا۔

پھر خوشنودی کا اظہار کرتا ہوں کہ کور نے اعلیٰ درجہ کا کام کیا۔ اور دُعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اسے اور زیادہ خوبی سے کام کرنے کی توفیق دے۔" [1] [2]

مبلّغین کو اہم ہدایات

۱۷ نومبر ۱۹۳۵ء کو مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کے طلباء نے احمدیہ انٹر کالجیئیٹ ایسوسی ایشن لاہور کے ممبروں کو جامعہ احمدیہ کے صحن میں دعوت دی جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ نے مبلغین کو نہایت اہم ہدایات دیں۔ چنانچہ حضور نے فرمایا کہ:

"قرآن کریم سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص جماعت کو دین کی خدمت کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (سورۃ آل عمران ع۱۱) اور دوسری طرف فرماتا ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ سارے مومنوں کا فرض ہے کہ دعوت الی الخیر کریں تو ایک خاص جماعت کا ہونا ضروری ہے اور یہ لازمی چیز ہے۔ کوئی فوج اسوقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اس کا ایک حصہ خاص کام کیلئے مخصوص نہ ہو اور تمام نیچر میں یہی بات نظر آتی ہے کہ ایک ذرہ مرکزی ہوتا ہے۔ مذہبی تبلیغ کیلئے بھی ایک ایسا مرکز ہونا چاہیئے جو اپنے ارد گرد کو متاثر کر سکے اور دوسروں سے صحیح طور پر کام لے سکے۔ یہی غرض مبلّغین کی ہے۔ لیکن عام طور پر خود مبلّغین نے بھی ابھی تک اس بات کو نہیں سمجھا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ احمدیت کے سپاہی ہیں اور کام انہیں خود کرنا ہے۔ مگر جو یہ سمجھتا ہے وہ سلسلہ کے کام کو محدود کرتا ہے۔ ہم خدمت دین کیلئے کس قدر مبلّغ رکھ سکتے ہیں۔ اس وقت ساٹھ ستّر کے قریب کام کر رہے ہیں جن کا جماعت پر

---

[1] الفضل ۲ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۵۔

[2] یاد رہے کہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۵ء سے ۹ دسمبر ۱۹۳۵ء تک حاجی احمد خاں صاحب ایاز (مبلّغ ہنگری اور یوگوسلاویہ) نے سالار جیش کی حیثیت سے کام کیا۔ اور ۱۰ دسمبر ۱۹۳۵ء کو مرزا گل محمد صاحب سالار جیش اور سید احمد صاحب افسر جیش بنائے گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ نے ۶ دسمبر ۱۹۳۵ء کے خطبہ جمعہ میں حاجی احمد خاں صاحب ایاز کی فرض شناسی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:۔ "ہماری مساجد کے سامنے پریذیڈنٹوں کو نیشنل لیگ کے ایک سالار جیش نے شکست دیدی اور ساتھ ہی اس احمدی لڑکے نے ثابت کر دیا ہے کہ جماعت میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسے نوجوان موجود ہیں کہ جب کام کا وقت آئے تو خواہ حالات کچھ ہوں وہ کام پورا کر کے دکھا سکتے ہیں۔ مجھے اس امر کا خیال کر کے کہ ہمارے نوجوانوں میں وہ روح موجود ہے کہ اگر اسے اُبھارا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُن میں ایسے افراد موجود ہیں جو ہر قربانی کر کے کام کو پورا کر دینگے۔ اس قدر خوشی ہوتی ہے کہ جیسے کہتے ہیں۔ فلاں شخص کو بادشاہت مل گئی" الخ (الفضل ۱۲ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ کالم ۲)

بہت بڑا بوجھ ہے اور چندے کا بہت بڑا حصہ ان پر خرچ کرنا پڑتا ہے مگر وُہ کام کیا کرتے ہیں۔ اگر کام کرنیوالے صرف وُہی ہوں تو سلسلہ کی ترقی بند ہو جائے۔ اِن کے ذریعہ سال میں صرف دو تین سو کے قریب لوگ بیعت کرتے ہیں۔ اور باقی جن کی تعداد کا اندازہ دس بارہ ہزار کے قریب ہے، جماعت کے لوگوں کے ذریعہ احمدیت میں داخل ہوتے ہیں۔ رہے مباحثات جو مبلّغین کو کرنے پڑتے ہیں۔ یہ اُسی وقت تک ہیں جبتک ہمارے ملک کے لوگوں کے اخلاق کی اصلاح نہیں ہوتی۔ مباحثات پبلک کے اخلاق کی خرابی کیوجہ سے کرنے پڑتے ہیں۔ . . . . ہمارا یہ مقصد نہیں کہ علماء مباحثات کیلئے پیدا کریں بلکہ علماء کی غرض یہ ہے کہ وُہ آفیسرز کی طرح ہوں جو اپنے اردگرد فوج جمع کریں اور اُس سے کام لیں۔ یا اُس گڈریئے کی طرح جس کے ذمہ ایک گلّے کی حفاظت کرنا ہوتی ہے۔ اور یہ کام دس بیس مبلّغ بھی عمدگی سے کر سکتے ہیں۔ جبتک ہمارے مبلّغ یہ نہ سمجھیں۔ اُسوقت تک ہمارا مقصد پُورا نہیں ہو سکتا۔ مبلّغ کے معنے وُہ یہ سمجھتے ہیں کہ غیروں کو مخاطب کرنیوالا۔ مگر صرف یہ معنی نہیں۔ بلکہ اسکے معنی یہ بھی ہیں کہ غیروں کو مخاطب کرانے والا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون مبلّغ ہو سکتا ہے؟ مگر آپؐ کس طرح تبلیغ کیا کرتے تھے؟ اس طرح کہ شاگردوں سے کراتے تھے۔ صحابہؓ میں آپؐ نے ایسی رُوح پھونک دی کہ انہیں اُسوقت تک آرام نہ آتا تھا جبتک خدا تعالیٰ کی باتیں لوگوں میں نہ پھیلالیں۔ پھر صحابہؓ نے دُوسروں میں یہ رُوح پھونکی۔ اور اُنہوں نے اوروں میں۔ اور اِس طرح یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ مسلمانوں نے اِس بات کو بُھلا دیا۔ تب خدا تعالیٰ نے اُس رُوح کو دوبارہ پیدا کرنے کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو بھیجا۔ اِس طرح اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تبلیغ کر رہے ہیں۔ پس علماء کا کام یہ ہے کہ وُہ ایسے لوگ پیدا کریں جو دُوسروں کو تبلیغ کرنے کے قابل ہوں۔ وُہ خدمتگذاری اور شفقت علی النّاس کا خود نمونہ ہوں۔ اور دُوسروں میں یہ بات پیدا کریں۔ مگر عام طور پر مبلّغ لیکچر دے دینا یا مباحثہ کر لینا اپنا کام سمجھتے ہیں اور خیال کر لیتے ہیں کہ اُن کا کام ختم ہو گیا۔ اِس کا ایک نتیجہ تو یہ ہو رہا ہے کہ لوگ شکایت کرتے ہیں کہ علماء بیکار رہتے ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ تقریر کرنے یا مباحثہ کرنے کے بعد مبلّغ کو اِس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وُہ کچھ آرام کرے۔ کیونکہ بولنے کا کام مسلسل بہت دیر تک نہیں کیا جا سکتا۔ بولنے میں زور لگتا ہے اور تقریر کے بعد انسان نڈھال ہو جاتا ہے۔

مبلّغ سے یہ توقّع رکھنا کہ وُہ ہر روز کئی کئی گھنٹے تقریر کرے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو چند ماہ کے بعد اُسے سِل ہو جائے گی اور وہ مر جائے گا۔ پھر روزانہ کہاں اس قدر لوگ مل سکتے ہیں جو اپنا کام کاج چھوڑ کر تقریریں سُننے کیلئے جمع ہوں۔ پس یہ کام چونکہ ایسا نہیں جو مسلسل جاری رہ سکے اِسلئے لوگوں کو شکایت پیدا ہوتی ہے کہ مبلغ فارغ رہتے ہیں حالانکہ اِن حالات میں اِن کا فارغ رہنا قدرتی امر ہے۔ دراصل انہوں نے اپنے فرض کو سمجھا نہیں۔ وہ کہہ دیتے ہیں کہ جب ہمارے پاس کوئی آیا ہی نہیں تو ہم سمجھائیں کسے؟ اِس وجہ سے ہم فارغ رہتے ہیں۔ لیکن اگر وُہ اپنا یہ فرض سمجھتے کہ اِن کا کام صرف تقریر کرنا ہی نہیں بلکہ لوگوں کے اخلاق کی تربیت کرنا ہے۔ انہیں تبلیغ کرنے کے قابل بنانا ہے۔ اور پھر وُہ اپنا تصنیف کا شغل ساتھ رکھیں۔ جہاں جائیں لکھنے پڑھنے میں مصروف رہیں۔ کوئی ادبی مضمون لکھیں کسی مسئلے کے متعلق تحقیقات کریں۔ ضروری حوالے نکالیں۔ تاریخی امور جمع کریں۔ تو پھر اِنکے متعلق یہ نہ سمجھا جائے کہ وُہ فارغ رہتے ہیں۔ یہ تاریخی مختلف کام ہیں جن کی طرف ہمارے مبلغین کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی مبلغ کہیں جاتا اور وہاں تصنیف کا شغل بھی جاری رکھتا۔ تو لوگ یہ نہ کہتے وُہ فارغ رہا۔ بلکہ یہی کہتے کہ لکھنے میں مصروف رہا۔ مگر مبلّغین کو اس طرف توجّہ نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ تصنیف کا کام نہیں ہو رہا۔

ممکن ہے اِسوقت بھی یہاں بعض مبلغ ہوں مگر دعوت چونکہ ان کی طرف سے ہے جو آئندہ مبلغ بننے والے ہیں۔ اِس لئے مَیں اُنہیں نصیحت کرتا ہوں کہ وُہ وُہی طریق اختیار نہ کریں جو اُن سے پہلوں نے کیا۔ اور جس کی وجہ سے نو حصّے کام ضائع ہوا اور صرف ایک حصّہ ہو رہا ہے۔ اِس طرح جماعت کی ترقی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جو مبلّغ اپنے اوقات کی حفاظت نہیں کرتے اور اُنہیں صحیح طور پر صَرف نہیں کرتے وُہ جماعت کیلئے ترقی کا موجب نہیں بن سکتے۔ جو لوگ آئندہ مبلّغ بننے والے ہیں وُہ اپنے اوقات کی پُوری طرح حفاظت کرنے کا تہیّہ کریں۔ اُن کا کام صرف اپنے مُنہ سے تبلیغ کرنا نہیں بلکہ دُوسروں کو دینی مسائل سے آگاہ کرنا۔ اُن کے اخلاق کی تربیت کرنا۔ اُن کو دین کی تعلیم دینا۔ اُن کے سامنے نمونہ بن کر قربانی اور ایثار سکھانا اور اُنہیں تبلیغ کیلئے تیار کرنا ہے گویا

ہمارا ہر ایک مبلّغ جہاں جائے وہاں دینی اور اخلاقی تعلیم کا کالج کُھل جائے۔ کچھ دیر تقریر کرنے اور لیکچر دینے کے بعد اور کام کئے جا سکتے ہیں۔ مگر متواتر بولا نہیں جا سکتا کیونکہ گلے سے زیادہ کام نہیں لیا جا سکتا۔ مگر باقی قویٰ سے کام لے سکتے ہیں۔ میں تقریر کرنے کے بعد لکھنے پڑھنے کا کام سارا دن جاری رکھتا ہوں۔ ۔ ۔ ۔ پس میں مبلّغین کو یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ اُنہوں نے اپنا کام اب جو سمجھا ہُوا ہے۔ وُہ اُن کا کام نہیں ہے۔ یہ بہت چھوٹا اور محدود کام ہے۔ افسر کا کام یہ نہیں ہوتا کہ سپاہی کی جگہ بندوق یا تلوار لے کر خود لڑے۔ بلکہ اُس کا کام یہ ہوتا ہے کہ سپاہیوں کو لڑائے۔ اسی طرح مبلّغ کا کام یہ ہے کہ جماعت کو تبلیغ کا کام کرنے کے لئے تیار کرے اور اُن سے تبلیغ کا کام کرائے۔ اِس طرح خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت کی ترقی ہو سکتی ہے پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح جماعت کی تربیت کی طرف مبلّغین کو توجّہ کرنی چاہیئے۔ جماعت کے بیکاروں کے متعلق تجاویز سوچنی چاہئیں۔ بیاہ شادیوں کی مشکلات کو حل کرنے کیلئے جدّوجہد کرنی چاہیئے۔ غرض جس طرح باپ کو اپنی اولاد کے متعلّق ہر بات کا خیال ہوتا ہے۔ اسی طرح مبلّغین کو جماعت سے متعلّق ہر بات کا خیال ہونا چاہیئے۔ کیونکہ وُہ جماعت کے لئے باپ یا بڑے بھائی کا درجہ رکھتے ہیں۔" [1]

بعض جلیل القدر صحابہؓ کا انتقال

۱۹۳۵ء میں سترہ[2] جلیل القدر صحابہ انتقال فرما گئے۔ جن کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت پیر سراج الحق صاحبؓ سرساوی نعمانی (وفات ۳ رجنوری ۱۹۳۵ء) بعمر اسّی سال۔[3] نہایت مخلص اور قدیم صحابہ میں سے تھے۔ "تذکرۃ المہدی" (حصہ اوّل و دوم) "مخمس"۔ "علم القرآن"۔ "قاعدہ عربی"۔ "پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے فیصلہ کا ایک طریق"۔ "سراج الحق" (حصہ اوّل تا پنجم) آپ کی علمی یادگاریں ہیں۔

---

[1] روزنامہ "الفضل" قادیان ۱۲ر نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۶۔ [3] الفضل ۶ر جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۔

۲۔ حضرت ملک الطاف خاں صاحب رضؓ (وفات ۱۵-۱۶ر جنوری ۱۹۳۵ءؔ[1]) متوطن موضع ترناب تحصیل چارسدہ ضلع پشاور)۔ ۱۹۰۸ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال سے قبل شرف بیعت حاصل کیا۔ صاحبِ کشف والہام بزرگ تھے۔ احمدیت کی خاطر بہت تکلیفیں اُٹھائیں۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضؓ نے ان کی وفات پر لکھا کہ ''ہمارے سلسلہ کا ایک ولی چل بسا''[2]

۳۔ حضرت مولوی احمد الدین صاحب رضؓ متوطن ہسولہ تحصیل چکوال ضلع جہلم۔ مولوی صاحب موصوف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی ہونے کے علاوہ سلسلہ احمدیہ کے سرگرم کارکن اور عالم باعمل اور اشاعت احمدیت کیلئے حقیقی تڑپ رکھنے والے تھے (تاریخ وفات ۲۷ر مارچ ۱۹۳۵ء)[3]۔

۴۔ حضرت ماسٹر ہدایت اللہ صاحب والد ماجد حضرت میاں محمد یوسف صاحب رضؓ لاہور (تاریخ وفات ۲۳ر فروری ۱۹۳۵ء بعمر ۸۰ سال) قدیم صحابہ میں سے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ سے اُن کا اخلاص قابلِ رشک تھا[4]۔

۵۔ حضرت ملک محمد حسین صاحب رضؓ بیرسٹر نیروبی (تاریخ وفات ۴ر اپریل ۱۹۳۵ء) غالباً ۱۸۸۷ء میں رہتاس ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قادیان میں حاصل کی۔ حضرت سیدنا المصلح الموعود رضؓ کے ہم مکتب تھے۔ اندازاً ۱۹۱۳ء میں افریقہ تشریف لے گئے۔ اُن کا شمار نیروبی کے ممتاز ترین بیرسٹروں میں ہوتا تھا۔ ۱۹۲۳ء میں لیجسلیٹو کونسل کے ممبر نامزد ہوئے اور میونسپل کمشنر کی حیثیت سے قوم و ملت کی شاندار خدمات انجام دیں[5]۔

۶۔ حضرت سید معراج الدین صاحب رضؓ نیروبی (تاریخ وفات ۱۵ر اپریل ۱۹۳۵ء)۔ ۱۹۰۴ء میں احمدیت قبول کی۔ ۱۸۹۷ء میں افریقہ تشریف لے گئے۔ ۱۹۱۱ء میں حج سے مشرف ہوئے۔ مالی مشکلات کے باوجود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی ہر تحریک پر بڑے خلوص کے ساتھ لبیک کہنے اور مالی قربانیوں میں مقامی جماعت کی ہر فرد سے بڑھ کر حصہ لیتے تھے[6]۔

۷۔ حضرت میاں دوست محمد صاحب رضؓ نیروبی (مئی ۱۹۳۵ء)۔ حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب رضؓ نے

---

[1] الفضل ۲۰ر جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ ٭ [2] الحکم ۲۱ر جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۱ ٭
[3] الفضل ۱۳ر اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ کالم ۱ ٭ [4] الفضل ۲۶ر فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ ٭
[5] الفضل ۱۹ر جون ۱۹۳۵ء صفحہ ۸ کالم ۱، ۲ ٭ [6] الفضل ۱۶ر مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ ٭

آپ کی وفات پر لکھا "آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پروانہ وار فدا تھے۔۔۔۔ آپ کافی عرصہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت بابرکت میں حاضر رہے۔ آپ اُس وقت بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں تھے جبکہ لیکھرام پشاوری نے حضور کو بار بار آکر سلام کیا اور حضور نے جواب نہ دیا۔ مجھے جب کبھی اس بزرگ بھائی کی صحبت میں بیٹھنے کا موقعہ ملتا۔ ایک خاص لطف اور سرور حاصل ہوتا" [۱]

۸۔ چوہدری سردار خاں صاحب ساکن چک چھور ۱۱۷ ضلع شیخوپورہ (تاریخ وفات ۱۰ رمئی ۱۹۳۵ء) [۲]

۹۔ حضرت مولوی رحیم بخش صاحب ساکن تلونڈی جھنگلاں (تاریخ وفات ۲ ستمبر ۱۹۳۵ء) [۳] آپ اُن جلیل القدر صحابہ میں سے تھے جن کو زمانہ دعویٰ ماموریت سے بھی قبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت و ملاقات کے کئی قیمتی مواقع میسر آئے۔ بیعت سے قبل حضرت مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کے مُرید تھے۔

۱۰۔ حضرت میاں مہراں بخش صاحب ساکن شیخ پور ضلع گجرات (تاریخ وفات ۲۳ اگست ۱۹۳۵ء)۔ بچاسی سال زندگی پائی۔ [۴]

۱۱۔ حضرت چوہدری مہرالدین صاحب (ساکن موضع بُوپک (متر) ظفروال ضلع سیالکوٹ (تاریخ ولادت ۱۸۷۶ء تاریخ وفات ۶ ستمبر ۱۹۳۵ء) آپ ۱۹۰۲ء میں داخل احمدیت ہوئے۔ مخالفین نے آپ کو بہت تکالیف پہنچائیں۔ تبلیغ کی خاص دھن تھی۔ ویرکا نارووال ریلوے لائن کھلنے سے پہلے آپ اکثر سال میں دو تین بار پیدل چل کر قادیان جایا کرتے تھے۔ دُعاؤں سے خاص شغف تھا اور اولاد کی تربیت کا بہت خیال رکھتے تھے [۵]

۱۲۔ شیخ عبدالرزاق صاحب بیرسٹر امیر جماعت احمدیہ لائل پور (تاریخ وفات ۱۱/۱۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے مگر خلافت ثانیہ کی بیعت دسمبر ۱۹۳۳ء میں کی۔ بیعت کرنے کے بعد آپ کی

---

[۱] الفضل ۵ فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۸ ٭ [۲] الفضل ۲۵ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۴ ٭

[۳] الفضل ۵ ستمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۔ (صفحہ ۹ - ۱۱) میں حضرت مولوی صاحبؓ کے خود نوشت سوانح شائع شدہ ہیں۔ آپ کے لڑکے محمد عبداللہ صاحب، عبدالرحیم صاحب، ڈاکٹر عبدالقدوس صاحب اور عبدالقدیر صاحب ہیں جو ان دنوں نواب شاہ (سندھ) میں رہتے ہیں ٭ [۴] الفضل ۲۶ ستمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ ٭

[۵] الفضل ۱۴ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۷۔ آپ کے لڑکے کیپٹن ڈاکٹر بشیر احمد صاحب سابق درویش قادیان (حال ربوہ چوہدری نذیر احمد صاحب (مرحوم۔ وفات ۶ ستمبر ۱۹۳۵ء) چوہدری محمد احمد صاحب واقف زندگی (دفتر محاسب ربوہ)۔ لیفٹیننٹ نور احمد صاحب۔ چوہدری ظہور احمد صاحب سی ایم اے کراچی ٭

زندگی میں ایک ایسا زبردست تغیر اور حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہوگئی کہ اگر آپ کو ابدال کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ مرکز کی طرف سے آنے والے ہر مبلغ یا کارکن کی مہمان نوازی اور آرام پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے[1]

۱۳۔ حضرت شیخ غلام احمد صاحب واعظ (تاریخ وفات ۱۲؍اکتوبر ۱۹۲۵ء بعمر ۵۷ سال) مرحوم نومسلم تھے۔ سن ۱۹۰۱ء میں حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کی۔ نہایت خوش بیان واعظ، عابد و زاہد اور مستجاب الدعوات تھے۔ آپ کی عمر کا بیشتر حصہ تبلیغ احمدیت کے لئے وقف رہا[2]۔

۱۴۔ حضرت منشی فیاض علی صاحبؓ (تاریخ وفات ۱۶؍اکتوبر ۱۹۲۵ء بعمر ۹۰ سال) متوطن سروہ ضلع میرٹھ ۳۱۳ صحابہ کبار میں شمولیت کا فخر حاصل تھا۔ رؤیاء صالحہ اور کشوف سے مشرف تھے۔ دہلی میں انتقال کیا۔ اور بہشتی مقبرہ قادیان کے قطعہ صحابہ میں دفن کئے گئے[3]۔

۱۵۔ حضرت مرزا اسماعیل بیگ صاحبؓ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیم خدام میں سے تھے۔ (تاریخ وفات ۲۷؍اکتوبر ۱۹۲۵ء)[4]

۱۶۔ حضرت شیخ عبدالرحمٰن صاحبؓ مسکین فریدآبادی (تاریخ وفات ۱۳؍دسمبر ۱۹۲۵ء)[5]

حضرت خلیفة المسیح الثانیؓ کی زبان مبارک سے ذکرِ خیر

حضرت امیرالمومنین خلیفة المسیح الثانیؓ نے ۲۰؍اکتوبر ۱۹۲۵ء کے خطبہ جمعہ کے بعد فرمایا[6]: "پچھلے عشرہ میں جماعت احمدیہ کے بعض اچھے مخلص فوت ہوگئے ہیں۔ جن میں زیادہ تر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام کے صحابہ ہیں۔ ایک ہمارے شیخ غلام احمد صاحب واعظ تھے جن کا انتقال اسی ہفتہ ہوا۔ پھر شیخ عبدالرزاق صاحب بیرسٹر لائل پور کا انتقال ہوا ہے۔ انہیں مبایعین کی جماعت میں داخل ہوئے گو ابھی ڈیڑھ سال ہی ہوا تھا مگر وہ بھی صحابی تھے۔ اور بیعت خلافت کے بعد انہوں نے حیرت انگیز تبدیلی پیدا کرلی تھی اور جماعت کے کاموں میں بہت قربانی کرنے لگ گئے تھے اور روزانہ اخلاص میں بڑھتے چلے جارہے تھے۔

---

[1] الفضل ۳۰؍اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ ÷ [2] الفضل ۱۵؍اکتوبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۲۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے الحکم (۷/۱۴؍اکتوبر اور ۲۱/۲۸؍اکتوبر ۱۹۲۵ء) میں آپ کی مفصل سوانح شائع کردی تھی ÷ [3] الفضل ۲۰؍اکتوبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۲ ÷
[4] الفضل ۲۹؍اکتوبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۱ کالم ۱ ÷ [5] الفضل ۱۷؍دسمبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۱ کالم ۱ ÷
[6] ملاحظہ ہو الفضل ۲۴؍اکتوبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۰ ÷

خان بہادر شیخ محمد حسین صاحب بھی وفات پا گئے ہیں۔ وہ گو صحابی نہیں تھے بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں انہوں نے بیعت کی۔ مگر نہایت مخلص تھے اور ہمیشہ جماعت کے کاموں میں حصہ لیتے تھے۔ ایک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحابیہ سید محمد علی شاہ صاحب مرحوم کی اہلیہ صاحبہ بھی وفات پائی ہیں۔ وہ بھی سلسلہ سے گہرا اخلاص رکھتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور پسماندگان پر اپنے فضل کا ہاتھ رکھے۔ منشی فیاض علی صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے اور ۳۱۳ میں ان کا نام تھا۔ فوت ہو گئے ہیں۔ . . .

ان موتوں کے ساتھ ساتھ یہ خیال ہر شخص کے دل میں اُٹھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ روز بروز کم ہوتے جا رہے ہیں۔ نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ کوشش کریں کہ وہ اُسی رنگ میں رنگین ہو جائیں جس رنگ میں یہ لوگ رنگین تھے۔ وہ سلسلہ کے لئے قربانیاں کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے انابت اور توجہ کریں کہ اس انابت کے نتیجہ میں اُنہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے۔ اور اُن کا ایمان صرف خشک ایمان نہ رہے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کی طرح اُنہیں زندہ ایمان حاصل ہو۔" [1]

احمدیت اور سیاسیاتِ عالم

۲۵، ۲۶، ۲۷ دسمبر ۱۹۳۵ء میں جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ قادیان میں منعقد ہوا۔ جس میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مردانہ جلسہ گاہ میں تشریف لا کر تین بار خطاب فرمایا۔ (۱) اپنی افتتاحی تقریر میں اسلام اور احمدیت کے عالمگیر غلبہ کی پیشگوئی کا تذکرہ فرمایا۔[2] (۲) دوسرے دن کی تقریر میں تحریک جدید کے مقاصد پر بالتفصیل روشنی ڈالی۔[3] (۳) تیسرے دن کے افتتاحی خطاب میں بڑی شرح و بسط سے بیان فرمایا کہ احمدیت دنیا کی سیاسیات میں کیا تغیر پیدا کرنا چاہتی ہے؟[4]

اِس مضمون کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضور نے فرمایا "حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام ہے کہ "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"۔ اِس کے مطابق ہمیں یقین ہے کہ

۱؎ الفضل ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۰ کالم ۱ و ۲ ؛ ۲؎ الفضل ۲۷ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۔۳ ؛ ۳؎ الفضل ۲۸ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ و ۲

۴؎ الفضل ۲۹ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ ، ۲ ؛

بادشاہ احمدیت میں داخل ہونگے۔ لیکن جب وہ بادشاہ آئیں گے تو انہیں کون بتائے گا تمہارے کیا فرائض ہیں۔ اگر آج ہم قرآنی تعلیم سے اخذ کرکے وہ فرائض اپنی کتابوں میں نہیں لکھ دیں گے جو بادشاہوں اور حکومتوں کے ہیں تو اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دنیوی بادشاہوں کی نقل کریں گے۔ اور اُس کا نتیجہ بجز تباہی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ پس آپ لوگوں میں سے ہر ایک کو معلوم ہونا چاہیئے کہ احمدیت کس قسم کی بادشاہت دُنیا میں قائم کرنا چاہتی ہے۔ تا جب بادشاہت آئے اور اُس وقت کے بادشاہ کسی اور رنگ میں کام کرنا چاہیں تو فوراً اُن کو بتا دیا جائے کہ یُوں حکومت کرو۔ ہم تمہیں وہ باتیں قرآن مجید سے اخذ کرکے بتاتے ہیں جن کے ماتحت تمہارے لئے کام کرنا ضروری ہے۔[1]

اس تفصیل کے بعد حضور نے لیگ آف نیشنز اور اسکی ناکامی کے اسباب بتائے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں امنِ عالم کے ذرائع پر سیر حاصل روشنی ڈالی۔ اور آخر میں اسلامی لیگ آف نیشنز کا خاکہ رکھنے کے بعد نصیحت فرمائی کہ وہ یہ خیالات دُنیا میں پھیلائیں تا اسلام اور احمدیت کی برتری ثابت ہو۔[2]

۱۹۳۵ء کی عید الفطر اور حضرت امیر المومنین کا بصیرت افروز خطبہ

۱۹۳۵ء کے سالانہ جلسہ کے معًا بعد ۲۸ دسمبر ۱۹۳۵ء کو عید الفطر منائی گئی۔ قادیان میں خلقت کے اژدہام کا یہ عالم تھا کہ عیدگاہ کے نہایت وسیع میدان کے علاوہ دُور دُور تک احمدی ہی احمدی نظر آتے تھے۔

اِس موقعہ پر شہر سے دُور مقام پر لاؤڈ سپیکر کا انتظام ممکن نہیں تھا اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خطبہ کے الفاظ دُوسروں تک پہنچانے کیلئے سلسلہ احمدیہ کے نو جیّد علماء حسب ذیل نقشہ کے مطابق متعیّن فرمائے:۔[3]

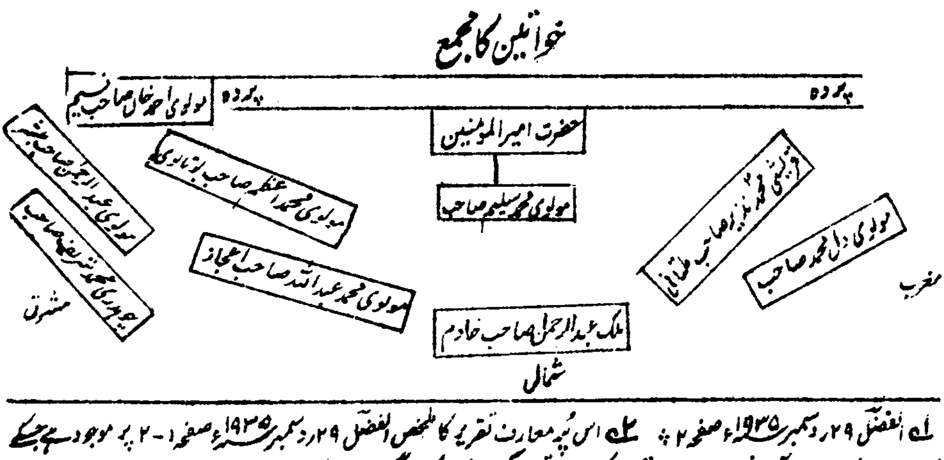

---

[1] الفضل ۲۹ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ ۞ [2] اس پُر معارف تقریر کا ملخص الفضل ۲۹ دسمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱-۲ پر موجود ہے جسکے سرسری مطالعہ سے بآسانی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اصل تقریر کس شان کی ہوگی ۞ [3] الفضل ۲ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۴

حضرت امیر المومنینؓ جو فقرہ ارشاد فرماتے۔ وُہ مولوی محمد سلیم صاحب بلند آواز سے دوہراتے۔ اور اُن سے سُن کر مولوی دل محمد صاحب۔ قریشی محمدؐ نذیر صاحب۔ مولوی محمد عبداللہ صاحب اعجاز۔ مولوی محمدؐ اعظم صاحب اور مولوی احمد خاں صاحب نسیم باآواز بلند کہتے اور اُن کے بعد ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم اور مولوی محمدؐ شریف صاحب دوہراتے۔ اِس طرح حضور کی تقریر تمام مجمع میں گونج جاتی۔

حضرت امیر المومنین رضؓ نے قریباً نصف گھنٹہ تک خطاب فرمایا اور جماعت کو نصیحت فرمائی۔ کہ اللہ تعالیٰ سے تعلقات کی بنیاد محبّت پر رکھو۔[1] اِس پُر معارف خطبہ کی جذب و تاثیر کا یہ عالم تھا۔ کہ بیسیوں اصحاب کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اور مجمع پر رِقّت کی کیفیت طاری تھی۔[2]

فصل ششم

۱۹۳۵ء کے بعض مُتفرّق مگر اہم واقعات

خاندانِ مسیح موعودؑ میں ترقّی

۱۔ مرزا رشید احمد صاحب کے گھر میں ایک بچی پیدا ہوئی۔[3]

۲۔ ۲۵/۲۶ جولائی ۱۹۳۵ء کی درمیانی شب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حرم اوّل میں صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب کی ولادت ہُوئی۔[4]

۳۔ ۳۱ اگست ۱۹۳۵ء کو حضرت مرزا شریف احمدؐ صاحب کے ہاں صاحبزادی امۃ الوحید بیگم کی ولادت ہوئی۔[5]

۴۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۵ء کو صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کے ہاں محترمہ سیدہ ناصرہ بیگم صاحبہ کے بطن مبارک سے صاحبزادی امۃ الرؤف پیدا ہوئیں جو حضرت امیر المومنینؓ کی پہلی نواسی، حضرت مرزا شریف احمدؐ صاحب کی پہلی پوتی اور حضرت اُمّ المومنینؓ کی پہلی پڑپوتی تھیں۔[6]

۵۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب رضی اللہ عنہ کے مشکوئے معلّی میں میاں شاہد احمد خاں صاحب

---

[1] خطبہ کا مکمل متن الفضل ۴ جنوری ۱۹۳۶ء میں شائع شدہ ہے صا۔ [2] الفضل ۲ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۲

[3] الفضل ۲۰ جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ [4] الفضل ۲۸ جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۳

[5] الفضل ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء ص۲ کالم ۲، [6] الحکم ۱۴ ستمبر ۱۹۳۵ء ص۱ و الفضل ۲۷ ستمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۲

پیدا ہوئے۔ [1]

۴-۳ - ۶ نومبر ۱۹۳۵ء کی درمیانی شب کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کے ہاں امۃ اللطیف بیگم صاحبہ کی ولادت ہوئی۔ [2]

سنگ بنیاد اس سال سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اپنے دست مبارک سے مندرجہ ذیل اصحاب کے مکانات کا سنگ بنیاد رکھا:-

مرزا عبد الغنی صاحب پنشنر کینیا۔ (۲۰ جنوری ۱۹۳۵ء۔ محلہ دار البرکات) [3]

مسجد دار البرکات۔ (۱۸ فروری ۱۹۳۵ء) [4]

سلطان احمد صاحب مہاجر۔ (۱۸ فروری ۱۹۳۵ء۔ دار البرکات) [5]

حکیم فضل الرحمٰن صاحب مبلغ افریقہ (۱۸ فروری ۱۹۳۵ء۔ دار الفضل) [6]

حضرت سید عزیز اللہ شاہ صاحب (۱۱ مارچ ۱۹۳۵ء۔ دار الانوار) [7]

چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب۔ (۱۲ اپریل ۱۹۳۵ء۔ دار الانوار) [8]

ڈاکٹر سید ظہور احمد شاہ صاحب۔ (۶ مئی ۱۹۳۵ء۔ دار البرکات)

وٹرنری اسسٹنٹ سرجن پاکپتن (حال واقف زندگی تحریک جدید ربوہ)

میاں اللہ دتہ صاحب مالیر پوری سپاہی پنشنر (۶ مئی ۱۹۳۵ء۔ دار البرکات) [9]

مکان ڈاکٹر سید رشید احمد صاحب زاہدان (۴ جون ۱۹۳۵ء۔ دار البرکات) [10]

مسجد دار السعۃ۔ (۳۰ ستمبر ۱۹۳۵ء) [11]

مکان بابو اللہ بخش صاحب کسٹم آفیسر پشاور۔ (۲۱ نومبر ۱۹۳۵ء۔ دار الرحمت) [12]

۱؎ الحکم ۲۱ - ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۹ ٭ ۲؎ الفضل ۶ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۳ - (تاریخ احمدیت جلد سوم میں آپ کی تاریخ ولادت ۵ نومبر ۱۹۳۵ء درج ہے جو سہو ہے) ٭ ۳؎ الفضل ۲۴ جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ کالم ۱

۴، ۵، ۶؎ الفضل ۲۱ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ کالم ۱ ٭ ۷؎ الفضل ۱۴ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ کالم ٭

۸؎ الفضل ۱۴ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ ٭ ۹؎ الفضل ۸ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ کالم ۴ ٭

۱۰؎ الفضل ۶ جون ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ کالم ۱ ٭ ۱۱؎ الفضل ۳ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۹ کالم ۱ ٭

۱۲؎ الفضل ۲۴ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ کالم ۴ ٭

گوردوارہ پٹنہ صاحب کی تعمیر کے لئے امداد

حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک وفد نے جو سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار "نور" اور مولانا جلال الدین صاحب شمس پر مشتمل تھا) ۲۲ فروری ۱۹۳۵ء کو کرنل سردار رگھبیر سنگھ صاحب سردار ڈیوڑھی و سیکرٹری گوردوارہ پٹنہ صاحب کمیٹی کو مبلغ پانسو روپیہ کی رقم گوردوارہ پٹنہ صاحب کی تعمیر کے لئے دی۔ [1]

اخبار "پرتاپ" (۲۷ فروری ۱۹۳۵ء) نے اس واقعہ کی خبر درج ذیل الفاظ میں شائع کی:۔

"پٹیالہ ۲۴ فروری۔ ۲۲ فروری کو امام جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے ایک ڈیپوٹیشن نے کرنل سردار رگھبیر سنگھ صاحب سیکرٹری گوردوارہ کمیٹی سے ملاقات کی اور گوردوارہ کی تعمیر کے لئے ۵۰۰ روپیہ چندہ دیا۔ چندہ کو منظور کرتے ہوئے کرنل رگھبیر سنگھ نے کہا کہ اس رقم کی امداد سے سکھوں اور احمدیوں کے تعلقات جو پہلے ہی خوشگوار ہیں زیادہ بہتر ہو جائیں گے۔ ڈیپوٹیشن نے ہز ہائینس شری مہاراجہ صاحب بہادر آف پٹیالہ سے بھی جو کمیٹی کے پریذیڈنٹ ہیں ملاقات کی۔ انہوں نے احمدیہ جماعت کی اس سپرٹ کی بہت تعریف کی۔ اور کہا کہ آجکل کے فرقہ دارانہ کشیدگی کے دنوں میں اس قسم کی ہمدردانہ امداد بداعتمادی اور شکوک کو جو مختلف جماعتوں میں پائے جاتے ہیں دُور کردیگی"۔ [2]

اس خبر پر سکھ اخبار "شیر پنجاب" نے یہ تبصرہ کیا کہ:۔

"جو لوگ احمدیوں کی تنظیم، اُن کی سرگرمیوں اور مختلف تحریکوں سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ سب انکی (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ناقل) قوتِ عظیم، اسلامی لٹریچر سے نہایت وسیع واقفیت، علم و فضل اور اپنی جماعت کی قیادت کے لئے غیر معمولی تدبّر و دانشمندی کے قائل ہیں اور سکھوں کے ایک نہایت متبرک و مقدس گوردوارہ کی عمارت کی تعمیر کے لئے پانچسو روپیہ چندہ کی یہ رقم جہاں غیر مسلم ہمسایوں سے آپکے خلاص اور رواداری کا ایک ثبوت سمجھا جائیگا۔ وہاں اس میں آپ کی مسلّمہ معاملہ فہمی اور دانشمندی کا راز بھی مضمر ہے۔ ..... ہم اس فیاضانہ چندہ کیلئے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور آپکو یقین دلاتے ہیں کہ خالصہ پنتھ آپکے اس اخلاص کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور جب کوئی موقعہ آیا سکھ بھی احسان کا بدلہ احسان اور نیکی کا بدلہ نیکی میں دیں گے"۔ [3]

---

[1] الفضل ۸ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ ٭ [2] بحوالہ اخبار "نور" قادیان ۱۳ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۷ کالم ۳ ٭
[3] بحوالہ الفضل ۸ مارچ ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ ٭

برما مشن کا قیام

مارچ ۱۹۳۵ء میں مولانا احمد خاں صاحب نسیم حال ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد تبلیغ احمدیت کے لئے برما تشریف لے گئے۔ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اُن کو روانگی کے وقت نصیحت فرمائی۔ کہ وہ زیادہ تر تبلیغ میں توجہ زیر آبادی[1] لوگوں کی طرف کریں[2]۔ چنانچہ آپ نے اس بارے میں خاص طور پر جدوجہد فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے بھی آپکی کوششوں میں غیر معمولی برکت ڈالی اور کامیابی بخشی۔ جب آپ ابتداً میں برما پہنچے تھے۔ زیر آبادیوں میں صرف تین یا چار احمدی موجود تھے۔ مگر ۱۹۳۹ء میں یہ تعداد سو سے بھی زیادہ ہوگئی۔ اور میمیدن اور لسین میں بڑی بڑی جماعتیں قائم ہوگئیں۔ شامل احمدیت ہونے والوں میں عربی عالم، انگریزی دان اور زیر آبادی قوم کے لیڈر بھی تھے[3]۔ مولمین شہر میں آپ نے ایک مناظرہ کیا جس کے بعد ۱۸ افراد داخل احمدیت ہوئے۔ اسی طرح میمیدن میں چند دنوں میں ہی ساٹھ آدمیوں نے بیعت کرلی۔ قیام برما کے دوران آپ نے برمی زبان میں ایک کتاب "فیصلہ آسمانی" کے نام سے شائع کی۔ جو تبلیغی لحاظ سے بہت مفید ثابت ہوئی۔ برما میں آپ کو اپنی تبلیغی مہمات میں جن مخلص احمدیوں کا خاص طور پر تعاون حاصل رہا۔ اُن کے نام یہ ہیں۔ (۱) عبدالقادر کٹی مالاباری (۲) ایم محمود صاحب میمیدن (۳) ڈاکٹر غلام نادر صاحب حال چک چہور مغلیاں ۱۱۷ ضلع شیخوپورہ (۴) ٹی پی محمد صاحب (۵) ڈاکٹر محمد صدیق صاحب (۶) شیخ محمد سعید صاحب بی اے ایل ایل بی ابن میاں محمد ابراہیم صاحب چنیوٹی کانپور (۷) میاں محمد افضل صاحب گوجرانوالہ (۸) اے کے این پیر محمد صاحب (۹) ایم ایل مرے کار صاحب (۱۰) برکت علی خانصاحب کنٹریکٹر لکوٹی (۱۱) کوکو لے صاحب (۱۲) کوکو جی صاحب (۱۳) محمد ابراہیم صاحب برمی (۱۴) عبدالغنی صاحب (۱۵) ماسٹر عاشق علی صاحب۔[4]

محترم نسیم صاحب دسمبر ۱۹۳۹ء میں برما سے واپس قادیان آگئے۔

---

[1] شاہ شجاع بادشاہ افغانستان کے عہد حکومت (۱۸۰۳ء تا ۱۸۱۶ء ۱۸۳۹ء تا ۱۸۴۱ء) کے دوران جو مسلمان برما میں آباد ہوئے ان کو برما میں زیر آباد کہتے ہیں۔

[2] حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی طرف سے آپ کو برما میں جاتے ہی سب سے پہلی اور اہم ہدایت یہ موصول ہوئی۔ کہ رپورٹ باقاعدہ آنی چاہیئے۔ چنانچہ آپنے اس کی تعمیل کی برمی احمدیوں کے چندوں کی نسبت حضور نے نسیم صاحب کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ تینتیس ۳۳ فیصدی چندہ برما میں خرچ کرسکتے ہیں۔ باقی رقم مرکز میں بھیجی جائے۔

[3] مثلاً مونگ اے القاسم جن کے مضامین اخبارات سلسلہ میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔

[4] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۳۸-۱۹۳۹ء صفحہ ۱۵۱-۱۵۵

اس کے علاوہ دو[2] اور کتابیں بھی آپ نے شائع کیں جن میں سے "فیصلہ قرآنی" بہت مشہور ہوئی۔ اس کتاب نے مخالفین پر احمدیت کا رُعب بٹھا دیا۔ یہ کتاب ایک تامل اخبار[1] کے اعتراضات کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ اور اس کا ترجمہ کرا کے تامل زبان میں شائع کی گئی تھی۔[2]

آپ کے بعد مولوی محمدؐ سلیم صاحب برما بھجوائے گئے۔ مولوی صاحب موصوف ۱۳ اپریل ۱۹۴۰ء سے لیکر دسمبر ۱۹۴۰ء تک برما مشن کے انچارج مبلغ رہے۔[3] [4]

اخبار "البشریٰ" (حیدرآباد سندھ) کا اجراء

اسلامی ایشیا میں سندھ کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی مسلمان سے پوشیدہ نہیں۔ اس سرزمین کو ضیاءِ احمدیت سے منور کرنے کے لئے ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب اخوند[5] نے سندھی زبان میں حیدرآباد سندھ سے "البشریٰ" نامی ایک پندرہ روزہ اخبار نکالنا شروع کیا جس کا پہلا پرچہ یکم مئی ۱۹۳۵ء[6] کو شائع ہوا۔ اخبار کے رُوحِ رواں ڈاکٹر صاحب موصوف ہی تھے۔ مگر سرکاری ملازم ہونے کے باعث اُن کی بجائے مرزا امیر احمد صاحب کا نام بطور مدیر لکھا جاتا تھا۔

البشریٰ اگرچہ صرف چھ ماہ[7] تک جاری رہ سکا۔ مگر اس نے تھوڑے عرصہ میں سندھی صحافت اور عوام دونوں پر گہرا اثر ڈالا۔ اور اُس کے مضامین کو خاصی اہمیت دی جانے لگی تھی۔

لکھنؤ میں احمدیہ دار التبلیغ اور احمدیہ دار المطالعہ کا افتتاح

۹ اگست ۱۹۳۵ء کو جماعت احمدیہ لکھنؤ کے دار التبلیغ اور دار المطالعہ کا افتتاح کیا گیا۔ اس تقریب پر مولوی محمدؐ عثمان صاحب لکھنوی کی صدارت میں ۷ بجے شام ایک جلسہ بھی منعقد ہوا۔[8]

---

[1] اخبار کے مالک کا نام ایم اے کریم غلام (M.A. KARIM GHULAM) تھا۔

[2] محترم نسیم صاحب تامل زبان نہیں جانتے تھے۔ اس لئے پہلے آپ نے ایک تامل جاننے والے سے اخبار کے مضمون کا انگریزی ترجمہ کرایا۔ پھر اسے پیش نظر رکھ کر مسودہ تیار کر کے ایک دوسرے دوست سے اسے تامل میں منتقل کرایا۔

[3] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۴۱-۱۹۴۰ء صفحہ ۱۱۔ [4] جون ۱۹۵۳ء میں مجاہد تحریک جدید سید منیر احمد صاحب باہری نے برما مشن کا احیاء کیا جس کی تفصیل ۱۹۵۳ء کے واقعات میں آئے گی۔ [5] متوطن مٹیاری تعلقہ ہالہ ضلع حیدرآباد سندھ حال نضل عمر ہسپتال ربوہ۔ [6] الفضل ۱۴ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۷۔ [7] ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب کا بیان ہے کہ "تحریک جدید نے دو سو روپے دئے۔ لیکن خریداری کے نہ ہونے کے سبب اخبار بند ہو گیا۔" [8] الفضل ۱۴ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ کالم ۴۔

سرگودھا میں مذہبی کانفرنس

جماعت احمدیہ سرگودھا کے زیرِ انتظام ۱۲؍ اکتوبر ۱۹۳۵ء کی شام کو ایک مذہبی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ جس میں ہر طبقہ کے لوگ شامل ہوئے۔ اور احمدی نمائندہ کے علاوہ شیعہ، سناتن دھرم، سکھ، آریہ سماج کے مقررین نے "کامل انسان بننے کیلئے میرا مذہب کیا راہ نمائی کرتا ہے" کے موضوع پر تقریریں کیں۔ سامعین کی تعداد دو ہزار کے قریب ہوگی۔ کانفرنس توقع سے بڑھ کر کامیاب ہوئی۔ [۵۱]

فرید کوٹ میں مذہبی کانفرنس

۲۸؍ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو آریہ سماج کی طرف سے فرید کوٹ میں بھی ایک مذہبی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں مختلف مذاہب کے نمائندوں نے "مجھے میرا مذہب کیوں پیارا ہے" کے مضمون پر لیکچر دئے۔ کانفرنس میں مولانا جلال الدین صاحب شمس نے جماعت احمدیہ کے نمائندہ کی حیثیت سے اسلام کی خوبیاں بیان کیں۔ اگرچہ وقت بہت تھوڑا تھا مگر حضرت مولوی صاحبؓ نے نہایت عمدگی سے اپنے موضوع پر روشنی ڈالی۔ تمام مسلمان دورانِ تقریر بار بار سُبحان اللہ کہتے رہے اور تقریر کے خاتمہ پر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ [۵۲]

۱۹۳۵ء کی نئی مطبوعات

اس سال مندرجہ ذیل کتب سلسلہ احمدیہ کی طرف سے شائع ہوئیں جن سے احمدی لٹریچر میں قابلِ قدر اضافہ ہوا:-

۱۔ اسلام اور غلامی "ISLAM AND SLAVERY" (مؤلفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ)۔

۲۔ حدیث THE HADETH (از حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم اے۔ امام مسجد لنڈن)

۳۔ ابنائے فارس۔ (تالیف صوفی عبدالقدیر صاحب)

۴۔ "مفتاح القرآن" (شائع کردہ کتاب گھر قادیان)

۵۔ تحفۃ النصاریٰ

۶۔ حضرت مسیح موعودؑ کے انعامی چیلنج (مرتبہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب انور)

۷۔ بُستانِ احمدؐ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے خاندان کی پُر معارف نظموں کا دلکش مجموعہ)

۸۔ عقائدِ احمدیہ۔ (مرتبہ سید بشارت احمد صاحب وکیل ہائی کورٹ حیدرآباد دکن)

۹۔ "احمدیت کا پیغام" (لیکچر چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب)

---

[۵۱] الفضل ۲۰؍ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ کالم ۱ ٭ [۵۲] الفضل ۸؍ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ کالم ۴ ٭

اندرونِ ملک کے مشہور مناظرے

۱۹۲۵ء میں جماعت احمدیہ کے مبلغین کو متعدد مقامات پر غیراز جماعت مسلمانوں اور غیر مسلموں سے مناظرے کرنا پڑے۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ کیا جاتا ہے:۔

۱۔ مباحثہ تاروا علاقہ بنگال۔ یہاں ۹ر فروری ۱۹۲۵ء کو مولانا محمد سلیم صاحب فاضل اور مولانا ظل الرحمٰن صاحب بنگالی نے غیر احمدی علماء سے مباحثہ کیا۔ جس کے بعد تیرہ افراد احمدی ہو گئے۔[1]

۲۔ مباحثہ دہلی۔ ۹ر مارچ ۱۹۲۵ء کو انجمن سیف الاسلام دہلی کے سالانہ جلسہ پر مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کا مولوی سعد اللہ صاحب سے مناظرہ ہوا۔ موضوع بحث یہ تھا کہ "اہل سنت والجماعت کے موجودہ عقائد کی رُو سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے یا حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی؟" مناظرہ اِس درجہ کامیاب تھا کہ دُوسرے دن سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو اپنی تقریر میں کہنا پڑا کہ آئندہ قادیانیوں کے ساتھ ہرگز مناظرے نہ کئے جائیں۔[2]

۳۔ مباحثہ ننھوپور (متصل ٹانڈہ ضلع ہوشیارپور) اس مقام پر چوہدری محمد شریف صاحب فاضل حال مبلغ گیمبیا نے مولوی نور حسن صاحب گرجاکھی سے تینوں اختلافی مسائل پر مناظرہ کیا۔ سامعین نے دلائل کی رُو سے احمدیت کی فتح تسلیم کی۔[3]

۴۔ مباحثہ مشرقی بنگال۔ ۱۸۔۱۹ر مارچ ۱۹۲۵ء کو مشرقی بنگال میں مولانا محمد سلیم صاحب فاضل اور برہمن بڑیہ کے مدرسہ عربیہ کے صدر المدرسین مولوی تاج الاسلام کے مابین قریباً چودہ گھنٹے تک عربی زبان میں مناظرہ ہوا۔ غیر احمدی عالم چونکہ چند جملے کہہ کر بیٹھ جاتے تھے۔ اِس لئے اکثر وقت احمدی مناظر ہی کو بولنا پڑا۔ دورانِ مباحثہ مولوی تاج الاسلام صاحب نے کہا کہ مجھے کوئی جواب نہیں دیئے گئے۔ مگر غیر احمدی صدر صاحب نے اقرار کیا کہ جواب تو آگیا ہے۔ ہاں آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو یہ اور بات ہے۔[4]

۵۔ مباحثہ نواں شہر دوآبہ۔ انجمن اسلامیہ نواں شہر و کریام کا سالانہ جلسہ ۱۱، ۱۲ر اپریل ۱۹۲۵ء کو منعقد ہوا۔ جس میں غیر احمدی علماء نے سخت بدزبانی کی۔ جلسہ کے اختتام پر جماعت احمدیہ کی طرف سے چوہدری محمد شریف صاحب فاضل اور احرار کی طرف سے مولوی محمد علی صاحب جالندھری نے مناظرہ

---

[1] الفضل ۲۱ر فروری ۱۹۲۵ء صفحہ ۲ کالم ۲ ٭ [2] الفضل ۱۹، ۱۷ر مارچ ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۰ ٭
[3] الفضل ۲۱ر اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۰ کالم ۱ ٭ [4] الحکم ۲۱ر مارچ ۱۹۲۵ء صفحہ ۲ ٭

کیا۔ شرفاء نے احراری مناظر کے لاجواب ہونے اور بد اخلاق ہونے کا برملا اقرار کیا۔ اور ایک دوست داخل سلسلہ احمدیہ بھی ہوئے[1]

۶۔ مباحثہ کوہاٹ۔ مولانا چراغ دین صاحب مبلّغ سلسلہ احمدیہ نے ۲۴؍ مئی ۱۹۳۵ء کو ماسٹر نظام الدین صاحب کوہاٹی کے ساتھ مسئلہ وفات وحیات مسیح پر مباحثہ کیا جس کا پبلک پر اچھا اثر ہوا[2]

۷۔ مباحثہ بستان افغاناں۔ چوہدری محمد شریف صاحب فاضل نے ۲۶؍ مئی ۱۹۳۵ء کو باغ موضع مصطفیٰ پور میں مولوی محمد شفیع صاحب نکھتروی سے صداقت مسیح موعودؑ پر مناظرہ کیا۔ سکھ اور ہندو دوستوں اور منصف مزاج مسلمانوں نے احمدی مناظر کے دلائل کی داد دی۔[3]

۷۔ مباحثہ سمرالہ ضلع لدھیانہ۔ ۱۱؍۱۲؍ اگست ۱۹۳۵ء کو احمدی عالم مولوی غلام مصطفیٰ صاحبؓ فاضل نے مولوی عبدالقادر صاحب روپڑی سے تینوں اختلافی مسائل پر مناظرہ کیا۔ سنجیدہ طبقہ نے برملا تسلیم کیا کہ احمدی مولوی صاحبؓ ایک جیّد عالم ہیں۔ اور روپڑی صاحب تو کوئی نئی اور ٹھوس بات پیش ہی نہیں کر سکے اور محض تضیع اوقات کرتے رہے ہیں[4]

۸۔ مباحثہ اجنالہ (ضلع سرگودھا) یہاں ۱۷؍ اگست ۱۹۳۵ء کو احرار کی حمایت میں پادری میلارام صاحب نے "حیاتِ مسیح" پر لیکچر دیا۔ اور بعد میں مولانا قاضی محمد نذیر صاحب سے مناظرہ کیا جس میں عیسائیوں کو سخت ناکامی ہوئی۔ یہ صورت دیکھ کر احرار نے احمدیوں پر حملہ کر دیا۔[5]

۹۔ مباحثہ لائل پور۔ اجنالہ میں مباحثہ کے دوسرے دن (۱۸؍ اگست کو) پادری میلارام لائل پور آگئے اور انہوں نے احراریوں کے زیر انتظام منعقدہ جلسہ میں الوہیت مسیح، کفارہ، اور تثلیث کے موضوع پر تقریریں کیں۔ اور حضرت مسیح موعودؑ پر اعتراضات کئے۔ جن کی حقیقت مولانا قاضی محمد نذیر صاحب نے واضح کی۔ اگلے دن پھر پادری صاحب کا لیکچر ہوا۔ جس کا مسکت و مدلّل جواب جناب قاضی صاحب نے دیا۔ مناظرہ ختم ہوا۔ تو احراریوں نے دھکے دینے اور پتھر پھینکنے شروع کر دئے۔[6]

---

[1] الفضل ۲؍ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ کالم ۱ ٭ [2] الفضل ۱۱؍ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۷ کالم ۱ ٭

[3] الفضل ۴؍ جون ۱۹۳۵ء صفحہ ۸ کالم ۴ ٭ [4] الفضل ۱۷؍ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۹ کالم ۲ ٭

[5] الفضل ۱۲؍ ستمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۰ کالم ۳ ٭ [6] الفضل ۱۲؍ ستمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۰ کالم ۲ و ۳ ٭

۱۰۔ مباحثہ بیگوسرائے ضلع مونگھیر۔ اگست ۱۹۲۵ء میں مولوی نصیر الدین صاحب[۱] وکیل پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ بیگوسرائے کا مولوی نظام الدین صاحب مبلغ سلسلہ امارتِ شرعیہ پھلواری (بہار) سے مسئلہ حیات و وفات مسیح پر ایک مناظرہ ہوا۔ مولوی نظام الدین صاحب احمدی عالم کی پیش کردہ دلیل وفات مسیح کا ردّ کرنے سے بالکل قاصر رہے۔ جس پر سامعین میں سے مولوی عبد العزیز صاحب مدرس مدرسہ دربھنگہ، مولوی یحییٰ صاحب مدرس مدرسہ دار السلام اور مولوی محمد سافق صاحب مدرس لکھیپنہ کھڑے ہوگئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارے مناظر صاحب نے کافی تردید نہیں کی۔ اسلئے ہم لوگوں کو جواب دینے کی اجازت دی جائے۔ لیکن غیر احمدی صدر مولوی منظور احسن صاحب نے شرائط مباحثہ کی بنا پر صاف کہہ دیا کہ اس جلسہ میں آپ لوگوں کی طرف سے صرف مولوی نظام الدین صاحب مناظر کو گفتگو کرنے کا حق ہے۔ اس پر جلسہ میں برہمی پیدا ہوگئی اور مباحثہ ختم کر دیا گیا۔[۲]

۱۱۔ مباحثہ مجیٹھہ (ضلع امرتسر) ۲۸ ستمبر ۱۹۲۵ء کو موضع مجیٹھہ میں آریہ سماج سے مناظرہ ہوا۔ مسلمانوں کی طرف سے مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل اور آریوں کی طرف سے پنڈت بدھ دیو جی میر پوری پیش ہوئے۔ موضوع یہ تھا کہ "کیا وید الہشوری گیان ہے؟" مبلغ اسلام جب سنسکرت زبان میں وید پڑھتا تو لوگ حیرت و استعجاب سے ہمہ تن گوش ہو کر سنتے اور سر دھنتے تھے۔ بعض کہتے قادیان میں ہر ایک علم اور زبان کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مرزا صاحب نے علوم و فنون کے دریا بہا دیئے ہیں۔ مبلغ اسلام کی قابلیت۔ متانت اور سنجیدگی کی سب نے تعریف کی۔ بعض غیر احمدی معززین نے یہاں تک کہا عرصہ سے آریوں نے ہمیں تنگ کر رکھا تھا۔ ہمارے مولوی تو آپس کی تکفیر بازی میں مشغول رہتے تھے۔ آج خدا نے آپ کو بھیج کر ہماری امداد کی ہے اور اسلام کو فتح عظیم بخشی ہے۔[۳]

۱۲۔ مباحثہ جمبہ۔ ۱۴/۱۵ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو مولوی غلام مصطفیٰ صاحب فاضل کا سائیں لال حسین صاحب اختر سے مسئلہ حیات و وفات مسیح اور صداقت حضرت مسیح موعود کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ جمبہ کے بعض غیر مسلم اور مسلم معززین مثلاً لالہ سوہن لال صاحب اور لالہ بنسی لعل صاحب، مرزا رحیم بیگ صاحب اور مسٹر غلام محی الدین صاحب نے تحریری طور پر اعتراف کیا کہ احمدی مناظر

---

[۱] ۳۰ جولائی ۱۹۵۹ء کو آپکا انتقال ہوا۔ آپ کے فرزند محمد نور عالم صاحب ایم اے کلکتہ نے آپ کے مختصر حالات زندگی اخبار "بدر" (قادیان) بابت ۲۱ جولائی ۱۹۶۱ء میں شائع کر دئے ہیں۔

[۲] الفضل ۱۵ ستمبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۵ کالم ۱۔ [۳] الفضل ۸ اکتوبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۹ کالم ۳۔

کامیاب رہا۔[1]

۱۳۔ مباحثہ شیخوپورہ۔ ۲۷/اکتوبر ۱۹۳۵ء کو شیخوپورہ میں ایک اہم مناظرہ ہوا۔ جس میں مولوی محمد سلیم صاحب نے مولوی نور حسین صاحب گرجاکھی سے اور ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتی نے مولوی احمد الدین صاحب گکھڑوی سے کامیاب بحث کی۔ مخالفین نے اپنی ناکامی پر پردہ ڈالنے کیلئے مناظرہ کے بعد احمدیوں پر کنکر اور مٹی کے ڈھیلے پھینکے جس پر مخالف پارٹی کے پریذیڈنٹ مولوی امین الحق صاحب نے خود آکر اس بد اخلاقی کے مظاہرہ پر معافی مانگی اور اس ناواجب سلوک پر سخت ندامت اور شرمندگی کا اظہار کیا۔[2]

ان مباحثات کے علاوہ ۲۹/ستمبر ۱۹۳۵ء کو جماعت احمدیہ وزیر آباد کے ایک وفد نے جس کے امیر (جماعت وزیر آباد کے سیکرٹری) چوہدری شاہ محمد صاحب تھے۔ کرم آباد میں مولوی ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر "زمیندار" سے دلچسپ گفتگو کی۔ اور اُن کو زبردست دلائل سے بالکل لاجواب کر دیا۔ یہ گفتگو چوہدری شاہ محمد صاحب نے کی تھی۔ جس کی تفصیل خود چوہدری صاحب نے "الفضل" ۱۵/اکتوبر ۱۹۳۵ء میں بھی شائع کرا دی تھی۔

نومبائعین

۱۹۳۵ء میں بیعت کرنے والوں کی تعداد ۱۹۳۴ء کے مقابل کہیں زیادہ تھی جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس سال چھ سات سو (آنریری) مبلغین نے ایک ایسے ماحول میں جبکہ مخالفین نے خطرناک اشتعال پیدا کر دیا تھا، دیوانہ وار تبلیغ کا فریضہ ادا کیا۔ اس سال کے ممتاز نومبائعین میں سے ضلع ملتان کے رئیس ملک عمر علی صاحب کھوکھر بھی تھے[3] جن کا ذکر خود حضرت

---

[1] الفضل ۳/نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۶۔ [2] الفضل ۶/نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۱۔ [3] الفضل ۱۹/نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۸-۹
ولادت یکم فروری ۱۹۱۴ء وفات ۱۰/مئی ۱۹۶۴ء۔ کھوکھر خاندان کے چشم و چراغ تھے امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کے باوجود زمانہ طالبعلمی ہی سے نہایت متواضع مہمان نواز، علم نواز اور پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ احمدی ہونے کے بعد یہ صفات اور بھی نمایاں ہوگئیں۔ قادیان کے محلہ دارالانوار میں اپنی شاندار کوٹھی بنوائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی آپ پر بہت شفقت فرماتے۔ حضور کے ماموں حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی بیٹی محترمہ سعیدہ بیگم صاحبہ اُن سے بیاہی گئیں۔ ملک صاحب موصوف کچھ عرصہ تک وکیل التبشیر بھی رہے اور اپنے ذاتی خرچ پر یورپ کا تبلیغی دورہ بھی کیا۔ سالہا سال تک ضلع ملتان کے امیر جماعت رہے۔ اپنے علاقہ میں اکیلے احمدی تھے اور ضلع ملتان میں احمدیت کے ایک ستون کی حیثیت رکھتے تھے۔ مبلغینِ سلسلہ کو بہت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ علمی کتب جمع کرنے کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ ذاتی مطالعہ نہایت وسیع تھا۔ بڑے بڑے افسروں کو بے دھڑک تبلیغ کر لیتے تھے۔ صاحب رؤیا بھی تھے۔ چنانچہ بتایا کرتے تھے کہ ۱۹۴۴ء میں جبکہ میں کلکتہ میں تھا۔ مجھے خواب آیا کہ حضرت خلیفہ ثانیؓ کا مقام بلند ہو گیا ہے۔ میں فوراً قادیان واپس پہنچا اور حضور کی زبان سے وہ اعلان سُنا،

خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے خطبہ جمعہ ۹ر جنوری ۱۹۳۶ء میں کیا۔ اور اُن کا نام بتائے بغیر فرمایا:-

"ہماری جماعت میں بھی بیسیوں لوگ ایسے داخل ہوئے ہیں۔ جو محض دشمنوں کی کتابیں پڑھ کر احمدیت کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ ..... ابھی مجھے ایک شخص کا خط آیا ہے۔ مَیں اُن کا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ وہ ایک رئیس ہیں۔ انہوں نے بھی یہی لکھا ہے۔ کہ میں ہمیشہ اخبار "زمیندار" پڑھا کرتا تھا۔ اس کے متواتر پڑھنے کے نتیجہ میں مجھے خیال آیا۔ کہ اگر احمدی اتنے بُرے ہیں تو اُن کی کتابیں بھی تو مزید معلومات کے لئے دیکھنی چاہئیں۔ اس پر جب مَیں نے سلسلہ کی کتابیں پڑھیں تو ہدایت مل گئی۔ مَیں نے دیکھا ہے۔ ہفتہ دو ہفتہ میں ایک دو آدمی ضرور دشمنوں کی وجہ سے ہمارے سلسلہ میں داخل ہو جاتے ہیں"۔ [1]

علاوہ ازیں حضور نے ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا:-

"صوبہ سرحد میں ہر سَو احمدیوں میں سے ایک دو ایسے ہیں۔ جو چوٹی کے خاندانوں میں سے ہیں۔ پنجاب میں تو کوئی ایک دو ہوں گے۔ جیسے نواب محمد علی خاں صاحب یا ملک عمر علی صاحب"۔ [2]

بقیہ حاشیہ جس میں حضورؓ نے اپنے مصلح موعود ہونے کا انکشاف فرمایا تھا۔ اسی طرح انہیں قبل از وقت بتایا گیا کہ محمد ایوب خاں پاکستان کے صدر بنیں گے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ (تفصیل کیلئے الفضل ۱۵ر مئی ۱۹۶۲ء صفحہ ۳-۴ ۲ر جون ۱۹۶۲ء صفحہ ۳-۸ - اور ۱۱ر نومبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۴ ملاحظہ ہو) [1] الفضل ۲۷ر جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۷ کالم ۳
[2] الفضل ۹ر دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ کالم ۲

تیسرا باب[۳]

ہنگری، پولینڈ، چیکوسلواکیہ، سپین، اٹلی، البانیہ اور یوگوسلاویہ میں احمدی مشنوں کا قیام اور ۱۹۳۶ء کے دیگر ضروری واقعات

خلافت ثانیہ کا تئیسواں[۲۳] سال

شوال ۱۳۵۴ھ جنوری ۱۹۳۶ء تا شوال ۱۳۵۵ھ دسمبر ۱۹۳۶ء

دار التبلیغ ہنگری، پولینڈ، چیکوسلواکیہ

تحریک جدید کے زیر انتظام یورپ میں سب سے پہلا احمدیہ مشن اس سال کے آغاز میں ہنگری میں قائم ہوا۔

ہنگری مشن کے پہلے مبلغ چوہدری حاجی احمد خاں صاحب ایاز بی اے ایل ایل بی تھے۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حکم سے ۱۶؍ جنوری ۱۹۳۶ء[۱] کو قادیان سے روانہ ہوئے اور ۱۲؍ فروری ۱۹۳۶ء کو بوڈاپسٹ (دار الحکومت ہنگری) میں پہنچے[۲]۔ روانگی سے ایک روز قبل سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایاز صاحب کو اپنے قلم مبارک سے مندرجہ ذیل الفاظ لکھ دیئے:۔

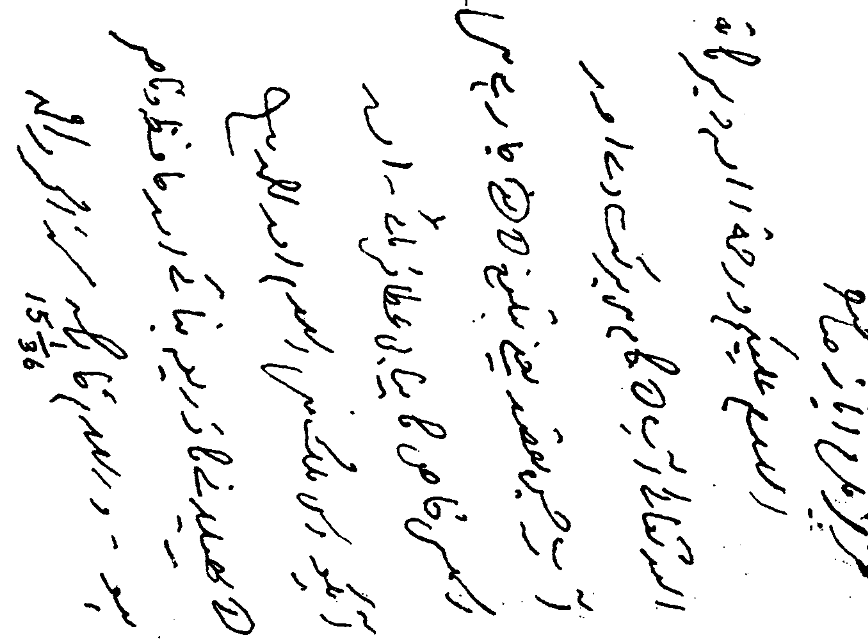

۱۔ الفضل ۱۸؍ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ا کالم ۱۔ ۲۔ "مجاہد ہنگری" مؤلفہ حاجی احمد خاں صاحب ایاز صفحہ ۲۲۔ شائع کردہ

"عزیزم مکرم ایاز صاحب۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
اللہ تعالیٰ آپ کے کام میں برکت دے اور آپ جس مقصد یعنی تبلیغ کے لئے جا رہے ہیں۔ اس میں خاص کامیابی عطا فرمائے۔ اور آپ کو اس ملک میں اسلام اور احمدیت کے پھیلانے کا ذریعہ بنائے۔ اور حافظ و ناصر ہو۔ وَالسّلام
خاکسار مرزا محمود احمد ۳۶/۱/۱۵"

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس و محبوب خلیفہ کی ان دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا۔ چنانچہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا۔ کہ :۔

"آپ کی تبلیغی سرگرمیاں بہت خوشکن ہیں۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وُہ آپ کی بلند ہمتی میں اور اضافہ کرے اور خدمتِ دین کیلئے بیش از پیش خدمات کا موقعہ دے۔" [۱]

خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید و نصرت یہ بھی ہوئی۔ کہ ہنگری کے پریس نے آپ کی آمد پر طویل مضامین اور زوردار نوٹ شائع کر کے ملک کے گوشہ گوشہ تک یہ دھوم مچادی کہ جماعت احمدیہ کے یہ مبلغ ہمارے ملک کو مسلمان کرنے کا عزم لئے ہوئے آئے ہیں۔ ہنگری کے پریس میں جب اسلام کا بار بار ذکر آیا تو رسالہ S ZEKCLYSEG نے "مسلم ڈیلی گیٹ کے نام کھلی چٹھی" شائع کی جس میں لکھا کہ "ہم کو مذہب سے کوئی سروکار نہیں اور ہم اسلامی پروپیگنڈا کا اتنا شور برداشت نہیں کر سکتے۔" اس پر ایاز خاں صاحب نے ہنگری کے تین لیڈروں سے اس رسالہ کے ایڈیٹر کے نام چٹھیاں لکھوائیں اور اپنے مضامین کی چند کاپیاں اور اخباریں بھی بھیج دیں۔ مگر رسالہ کے ایڈیٹر نے اپنا نمائندہ بھیجا کہ ایاز خاں سے کہہ دے کہ ہم صرف آپ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا چاہتے تھے ورنہ ہم بھی اسلام کے دوست ہیں۔ [۲]

حاجی احمد خاں صاحب ایاز نے ہنگری کے طول و عرض میں پیغام اسلام پہنچانے کیلئے (پریس سے رابطہ قائم کرنے کے علاوہ) مندرجہ ذیل ذرائع بھی اختیار کئے۔

لیکچرز۔ انفرادی ملاقاتیں۔ لٹریچر کی اشاعت۔ دعوتیں اور مباحثات۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی دعاؤں کی برکت سے ایک نہایت قلیل عرصہ کے اندر ہنگری میں

بقیہ حاشیہ :۔ شیخ الٰہی بخش رحیم بخش احمدیان بکسیلرز و پبلشرز گجرات طبع اول ۱۹۳۸ء۔

[۱] الفضل ۱۳ جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۸ کالم ۱۔ [۲] الفضل ۱۳ جنوری ۱۹۳۸ء صفحہ ۸ کالم ۴۔

ایک مسلم جماعت پیدا ہوگئی۔ ہنگری کے سب سے پہلے احمدی ڈاکٹر LULUIS AVAR (کیتھولک عیسائی) تھے جنہوں نے ۱۰ر اپریل ۱۹۳۶ء کو اپنا بیعت نامہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں بھجوایا اور اُن کا اسلامی نام محمدؐ احمد ظفر رکھا گیا۔[1]

ڈاکٹر جولیس ابوار کے بعد ایک سال کے اندر اندر پینتیس سے زائد افراد جماعت احمدیہ میں داخل ہوئے۔ جن میں محمد قاسم ابن ابوزید دمشقی[2] (عرب فوج کے ایک افسر) خالد سٹیفن پونگو[3] (سیکرٹری انجمن احمدیہ بوڈاپسٹ) مسٹر FOYTA ISTVAN ملک ہنگری کی سب سے منظم سوسائٹی TURAN UNIM کے جنرل سیکرٹری معہ اہل و عیال[4]، میڈیم ARAMLNA KULAJTA بوسینیا اور ہرزوگونیا کے ایک سابق گورنر کی بیٹی)[5] KOSTYAL (کونٹ خاندان کے ایک فرد) لیفٹننٹ NAGY LAJOS (کواپریٹو سوسائٹی کے انسپکٹر) لیفٹننٹ NAGY HASSAN[5] - ORBAN BALA (اسلامی نام مصطفیٰ ایک پُرجوش نومسلم)[6] مولوی محمدؐ اسماعیل صاحب (نائب مفتی مسلمانان ہنگری)[7] مسٹر KALLA ISTRAN HABIBE (فرانس میں گورنمنٹ ہنگری کے سابق ریڈیو ڈائریکٹر)[8] سید گل آغا احمد صاحب تاجر۔ آورنج عبداللہ صاحب سوداگر لیڈر مسلمانانِ ہنگری[9] خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔[10]

حاجی احمد خاں صاحب ابھی ہنگری میں ہی مقیم تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم سے مکرم محمدؐ ابراہیم صاحب ناصر (جو قادیان سے امریکہ میں تبلیغ اسلام کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ مگر امریکی حکومت نے اُن کے داخلہ پر پابندی لگا دی تھی) ۳ر جنوری ۱۹۳۷ء کو لنڈن[11] سے روانہ ہوکر بوڈاپسٹ پہنچے اور ۱۱ر فروری ۱۹۳۷ء کو بوڈاپسٹ مشن کا چارج لے لیا۔[12] اور حاجی احمدؐ خاں صاحب پولینڈ چلے گئے۔[13]

---

[1] الفضل ۳۱ر مئی ۱۹۳۶ء صفحہ ۳ کالم ۴۔ قبل ازیں آپ ٹیونس میں ایک فرانسیسی ہسپتال میں کام کر چکے تھے۔ اور متعدد زبانوں (مثلاً جرمن۔ فرانسیسی۔ اطالوی۔ لاطینی اور ہنگری) کے ماہر تھے۔ الفضل ۷ر جولائی ۱۹۳۶ء صفحہ ۸-۹

[2] الفضل ۷ر جولائی ۱۹۳۶ء صفحہ ۸ ÷ [3] الفضل ۳۰ر اگست ۱۹۳۶ء صفحہ ۹ ÷ [4] الفضل ۱۷ر ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۷ کالم ۱و۲ ÷ [5] الفضل ۱۷ر ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۷ کالم ۲و۳ ÷ [6] الفضل ۲۸ر اکتوبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۸ ÷ [7] الفضل یکم دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۷ کالم ۴ ÷ [8] الفضل ۲۴ر جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۹ کالم ۴ ÷ [9] الفضل ۲۸ر جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۸ کالم ۴

[10] الفضل ۱۳ر فروری ۱۹۳۷ء صفحہ ۶ کالم ۴ ÷ [11] جماعت احمدیہ بوڈاپسٹ کے حالات کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو حاجی احمد خاں صاحب ایاز کی کتاب "مجاہد ہنگری" صفحہ ۱۱۸-۱۲۱ ÷ [12] الفضل ۲۴ر جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۹ کالم ۱ ÷ [13] الفضل ۱۴ر اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۱

اس ملک کا انتخاب کرنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ پولونیا (پولینڈ) کے مفتی اعظم ڈاکٹر یعقوب[1] شنکیفتش جب مارچ ۱۹۳۷ء میں ہندوستان کے دورہ پر آئے تو انہوں نے قادیان پہنچکر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے حضور مسلمانانِ پولینڈ کے حالات بھی رکھے جس پر حضور نے حاجی احمد خاں صاحب کو ہنگری سے پولینڈ روانہ ہونے کی ہدایت بھجوائی۔[2]

حاجی احمد خاں صاحب بوڈاپسٹ سے روانہ ہوکر ۲۲ر اپریل ۱۹۳۶ء کو پولینڈ کے دارالسلطنت وارسا میں وارد ہوئے جہاں آپ تین دن ہوٹل میں رہے مگر کوئی موزون مکان کرایہ پر نہ ملا۔ آخر وارسا سے سات میل پر ایک نئی بستی میں ایک کمرہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔[3]

پولینڈ میں آپ کے ذریعہ پروفیسر احمدؐ نے سب سے پہلے احمدیت قبول کی۔[4]

آپ کی آمد کا یہاں بھی خوب چرچا ہوا۔ چنانچہ ملک کے سب سے مشہور اور ہردلعزیز روز نامہ KURJER OZER MOINY کی ۱۹ر مئی ۱۹۳۷ء کی اشاعت میں آپ کا مفصل[5] بیان شائع ہوا باقی اخباروں نے "مجاہد اسلام کی وارسا میں آمد" کی خبر اسی نامی اخبار سے اخذ کرکے شائع کی اور اخبار "کرجر پورینی" اور وارسا کے مشہور روزنامہ EXPRESS PORANNY نے اپنی ۱۴ر اگست ۱۹۳۷ء کی اشاعت میں نوٹ بھی لکھے۔[6]

وارسا میں اٹھارہ افراد نے احمدیت قبول کی مگر پولینڈ کے پادریوں کی انگیخت کے باعث آپ کو پولینڈ چھوڑ کر جنوری ۱۹۳۸ء میں چیکوسلواکیہ میں آنا پڑا جہاں آپ نے تبلیغ کرنا شروع کر دی۔ لیکن چونکہ حکومت نے ویزا میں توسیع کرنے سے انکار کر دیا[7]۔ اسلئے آپ ۲۶ر جولائی ۱۹۳۸ء کو واپس قادیان آگئے۔[8]

ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ حاجی احمد خاں صاحب ایاز کے بعد مکرم محمد ابراہیم صاحب ناصر نے دارالتبلیغ بوڈاپسٹ کا چارج سنبھالا۔

۱۔ الفضل ۲۳ر مارچ ۱۹۳۷ء صفحہ ا کالم ا۔ ۲۔ "مجاہد ہنگری" صفحہ ۱۲۲۔ ۳۔ الفضل ۱۶ر مئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۶ کالم ۴۔
۴۔ الجیریا کے باشندے اور چار سال سے پولینڈ میں عربی کے پروفیسر تھے جرمنی، فرانسیسی اور پولش زبانوں کے ماہر ہیں۔
الفضل ۱۶ر مئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۶ کالم ۴۔ ۵۔ بیان کا ترجمہ الفضل ۲۹ر جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۵ پر چھپ چکا ہے
۶۔ الفضل ۱۰ر اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ ۷۔ البم شائع کردہ تحریک جدید (۱۹۳۹ء)
۸۔ الفضل ۲۹ر جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱ و ۲۔

مکرم محمد ابراہیم صاحب ناصر نے اپنے زمانہ قیام میں جماعت احمدیہ بوڈاپسٹ کی تربیت و استحکام کے ساتھ ساتھ اس کی ترقی و وسعت کیلئے پوری جدوجہد کی۔ جماعت کے ہفتہ وار اجلاس میں قرآن کریم اور حدیث شریف کا درس جاری کیا۔ نومسلموں کیلئے قرآن مجید ناظرہ پڑھانے کا بندوبست کیا۔ بکثرت تبلیغی خطوط لکھے ملک کی مختلف سوسائیٹیوں میں شرکت کی، انفرادی ملاقاتیں کیں۔ بوڈاپسٹ آنے والے سیاحوں تک پیغام حق پہنچایا[1] اور اُن کو اسلامی لٹریچر دیا۔ تبلیغی جلسے منعقد کئے۔ اور تبلیغی لیکچروں کا سلسلہ جاری کرنے کے علاوہ یوم التبلیغ منانے کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی کوششوں میں بہت برکت ڈالی اور آپکے ذریعہ سے کئی سعید روحیں[2] داخلِ احمدیت ہوئیں مثلاً ابراہیم دراستو (پہلی جنگ میں معزز عہدہ پر متمن ز افسر) ڈریخ عاطف بوسینیا اور اُن کے بھائی ٹیلو سہ جارج ابوبہ باسج بیگو اور مع اہلیہ مریم اور (اُنکی تبلیغ سے حسن بہادر اور عباس عبداللہ تبریزی۔ پروفیسر اندرے فودر (رائیل فزیکل ٹریننگ کالج اور فوج میں کپتان)[3]

آپ نے اپنے زمانہ قیام میں ایک ماہر مترجم سے سلسلہ احمدیہ کے مندرجہ ذیل لٹریچر کا ہنگری زبان میں ترجمہ بھی کرایا۔[4] "اسلامی اصول کی فلاسفی"۔ "لیکچر لاہور"۔ "تفسیر پارہ اوّل"۔ "تحفہ شہزادہ ویلز"۔ "احمدیت یعنی حقیقی اسلام"

"Mohammad the librator of women"

مولوی محمد ابراہیم صاحب ناصر قریباً پونے دو برس تک تبلیغ کے فرائض ادا کرنے کے بعد ۲۲ر نومبر ۱۹۳۸ء کو واپس مرکز احمدیت میں تشریف لائے[5]

فصل دوم

دار التبلیغ ارجنٹائن (جنوبی امریکہ)

شمالی امریکہ میں جماعت احمدیہ کا مشن ۱۹۲۰ء سے قائم تھا اور جماعت احمدیہ کے مخلص اور ایثار پیشہ مبلغین وہاں اشاعت اسلام کی مہم تیز کرنے میں مصروف تھے۔ مگر اس کے برعکس جنوبی امریکہ کا وسیع و عریض خطہ تبلیغی لحاظ سے بالکل خالی پڑا تھا۔ جہاں اب تک کسی احمدی مبلغ نے قدم تک نہیں رکھا تھا۔ اس سال ۱۹۳۶ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۴ر اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۶ و ۷۔ الفضل ۲۸ر اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۹ و ۱۰۔ الفضل ۱۲ر مئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۷ و ۸۔ [2] ۱۱ر فروری ۱۹۳۷ء کو آپ نے انچارج مشن کے طور پر کام کرنا شروع کیا۔ اور فروری کے اختتام تک دس افراد نے احمدیت قبول کر لی۔ (الفضل ۱۴ر اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۶ کالم ۱) [3] الفضل ۱۴ر اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۶ ایضاً ۱۲ر مئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۸ و ۱۷ر جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۷ کالم ۳-۴ [4] تراجم کے سلسلہ میں سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ نے نیروبی سے خاص امداد دی رقوم بھجوائی تھیں [5] الفضل ۲۵ر نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۱

نے یہاں بھی اسلام و احمدیت کا جھنڈا گاڑنے کا فیصلہ کیا اور اسکی تکمیل کیلئے مولوی رمضان علی صاحب کو منتخب فرمایا۔ مولوی صاحب موصوف ۲۵ جنوری ۱۹۳۶ء کو قادیان سے روانہ ہوئے۔[1] اور شب و روز تبلیغ میں منہمک رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے فضل سے ۱۹۳۹ء تک ارجنٹائن میں مقیم تیس[2] شامی آپکے ذریعہ حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔[3] اس کے بعد جنگ چھڑ گئی اور تبلیغی سرگرمیاں محدود کرنا پڑیں۔

جنگ کے بعد ۱۹۴۵ء میں آپ نے جنوبی امریکہ کے مغربی علاقوں یعنی مندوزا اور رسان جوان شہروں اور ان کے ماحول میں تبلیغی دورہ کیا اور لوگوں کو احمدیت سے متعارف کیا۔ اُن کا یہ دورہ بہت کامیاب رہا جسپر مندوزا نامی شہر کے مشہور اخبار حریت LALIBORTAD نے "مسلم مبلّغ صوبہ کے دروازہ پر" کے عنوان سے ایک مفصّل نوٹ لکھا۔[4] مولوی رمضان علی صاحب گو اب تحریک جدید کے مبلغ نہیں مگر اب بھی اپنے ذاتی کاروبار کے ساتھ ساتھ پیغام احمدیت پہنچانے میں کوشاں رہتے ہیں۔

فصل سوم

دار التبلیغ سپین و اٹلی

مسلمانوں نے ۷۱۱ء تا ۱۴۹۲ء (قریباً آٹھ سو برس تک نہایت شان و شوکت سے حکومت کی۔ مگر بادشاہ فرڈیننڈ اور ملکہ ازبیلہ کے اس مشترکہ فرمان کے بعد کہ کوئی مسلمان اسپین میں نہیں رہ سکتا۔ ہسپانوی مسلمان نہایت بے دردی اور سفاکی سے ختم کر دئے گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے اسپین کی اس سرزمین پر از سرِ نو لوائے اسلام لہرانے کے لئے یکم فروری ۱۹۳۶ء کو ملک محمد شریف صاحب گجراتی کو قادیان سے روانہ فرمایا۔[5] ملک صاحب ۱۰ مارچ ۱۹۳۶ء کو سپین کے دار السلطنت میڈرڈ میں وارد ہوئے۔

ملک صاحب نے زبان سیکھنے کے ساتھ ساتھ میڈرڈ کے مختلف اشخاص تک پیغام حق پہنچانا شروع کر دیا۔ ۱۵ مئی ۱۹۳۶ء کو آپ نے صدر جمہوریہ سپین کو اُنکی کامیابی پر مبارکباد کا خط لکھا جسمیں حضرت مسیح موعود کی آمد کا بھی ذکر کر دیا۔[6] ازاں بعد جلد ہی ملکی حالات نے یکایک پلٹا کھایا اور اسپین میں بدامنی

---

[1] الفضل ۲۸ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ کالم ۱ ‌‌[2] آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا پہلا مرکز بونس آئرز تھا۔ [3] الہم شائع کردہ تحریک جدید (۱۹۳۹ء) ارجنٹائن کی ابتدائی رپورٹوں کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۳ اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۷۔ [4] اس نوٹ کا ترجمہ الفضل ۱۲ دسمبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۱ کالم ۳ و ۴ میں شائع شدہ ہے۔ [5] الفضل ۴ فروری ۱۹۳۶ء۔ [6] الفضل ۶ اگست ۱۹۳۶ء صفحہ ۷ ۔

کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ مگر آپ بدستور تبلیغ اسلام میں مصروف رہے اور چند ماہ کے اندر ہی سپین میں احمدیت کا بیج بونے میں کامیاب ہو گئے یعنی بعض سعید رُوحیں حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئیں[1] چنانچہ سب سے پہلے کونٹ غلام احمد صاحب اور پھر مرزا آغا عزیز صاحب نے احمدیت قبول کر لی[2] نومبر ۱۹۳۶ء میں اسپین قیامت خیز جنگ کا میدان بن گیا اور بمباری اور توپوں کے گولوں نے سربفلک عمارتیں کھنڈرات میں تبدیل کر دیں۔ ملک صاحب جس مکان میں رہتے تھے اُس کے اردگرد اکثر مکانات پیوندِ خاک ہو گئے۔ اور لوگ اپنا مال و متاع چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مگر خدا نے احمدی مجاہد کو بالکل محفوظ رکھا۔ جب حالات خطرناک صورت اختیار کر گئے۔ تو برطانوی سفیر نے آپ کو سفارت خانہ میں بلایا اور دو دن گذارنے کے بعد دُوسری برٹش رعایا کے ساتھ آپ بھی حکماً میڈرڈ سے لنڈن بھیج دیئے گئے۔ قریباً ایک ہفتہ لنڈن میں گذارنے کے بعد بحری جہاز سے جبرالٹر روانہ ہوئے۔ مگر جبرالٹر اُترتے ہی حکومت کی خاص پابندیوں کے باعث اُسی جہاز میں واپس ہونا اور فرانس کی ایک بندرگاہ میں اُترنا پڑا۔ جہاں آپ نے قریباً ایک ماہ تک قیام کیا اور اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف رہے۔ اسی دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے اٹلی چلے جانے کا ارشاد موصول ہوا۔ جس پر ملک صاحب ٹولون سے بذریعہ گاڑی اٹلی کے دارالسلطنت روما میں تشریف لے گئے۔ روما سے آپ کی سب سے پہلی رپورٹ جو مرکز میں پہنچی۔ وُہ ۲۵ جنوری ۱۹۳۷ء کی لکھی ہوئی تھی[3]

مجاہد سپین و اٹلی کے خود نوشت حالات

دار التبلیغ سپین اور دار التبلیغ اٹلی کے مختصر ابتدائی واقعات لکھنے کے بعد اب ہم ملک محمد شریف صاحب مجاہد سپین و اٹلی کے قلم سے ان ممالک میں تبلیغ اسلام و احمدیت کے ایمان افروز حالات درج کرتے ہیں۔ ملک صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

سپین کی خانہ جنگی شروع ہونے سے پہلے میڈرڈ شہر کی تھیوسافیکل سوسائٹی کے ممبر صاحبان کے علاوہ انفرادی طور پر چیدہ چیدہ انسانوں تک پیغام احمدیت پہنچانے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے بخشی۔ اُن میں سے قابلِ ذکر یونان کی ایک بہت بڑی شخصیت COUNT ANTONIO LOGOTHETE

---

[1] الفضل ۲۶ نومبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۸ و ۹ اور ۲۷ نومبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۸ ؛ [2] الفضل ۲۹ دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۸ ۔ تاریخ بیعت آغا صاحب ۱۲ ستمبر ۱۹۳۶ء ؛ [3] تفصیلی رپورٹ الفضل ۱۶ مارچ ۱۹۳۷ء صفحہ ۸ و ۹ پر شائع شدہ ہے ؛

نامی تھے۔ آپ کا نام حضرت مسیح موعودؑ کے نام پر ہی کونٹ غلام احمد رکھا گیا۔ آپ میڈرڈ شہر کی بار ایسوسی ایشن کے صدر اور یونانی شہریت رکھتے تھے۔ آپکی اہلیہ کو بھی اللہ تعالےٰ نے نعمتِ ایمان سے مالا مال کیا۔ آپ کا اسلامی نام آمنہ رکھا گیا۔ خانہ جنگی کے دوران کمیونسٹ خیال کے اکابرین ہر اُس انسان کی تلاش میں تھے جو کسی نہ کسی طریق پر خُدا پر ایمان رکھتا ہو۔ اِس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ میڈرڈ شہر میں آباد خدا پر ایمان رکھنے والے انسانوں کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اور مجبوراً کونٹ غلام احمد صاحب کو سپین سے نکلنا پڑا۔ عرصہ کے بعد السانیہ پہنچے جہاں اپنی عمر کا باقی ماندہ حصّہ بسر کر کے عین اُس وقت آپکی وفات ہُوئی جبکہ میں جنگ عالمگیر ثانی کے دوران دشمن کے قیدی کیمپوں میں بے کسی کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔ آپکی اہلیہ آمنہ کو میڈرڈ کی پولیس نے گرفتار کر کے ہر روز ڈراؤ دھمکاؤ کے ساتھ گولی سے اُڑا دینے کی دھمکیاں دیں۔ اور یہی بتایا جاتا رہا کہ اگلی صبح آپکو گولی مار کر اُڑا دیا جائیگا۔ ... مگر خُدا کے فضل اور رحم کے ساتھ غیر متوقع رنگ میں آپ کو رہا کر دیا گیا۔

میڈرڈ شہر میں بمباری اس شدّت سے ہوتی تھی کہ لوگ ہر لمحہ آہ وزاری ہی کرتے سُنائی دیتے تھے۔ اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی توفیق سے اُسی کے حضور سوز وگداز کے ساتھ دُعاؤں کا سلسلہ جاری تھا چنانچہ دو مرتبہ اللہ تعالیٰ نے خارق عادت طور پر موت کے مُنہ سے بچایا اور اعلائے کلمۃ اللہ کو جاری رکھنے کی توفیق بخشی۔ جُوں جُوں بمباری زیادہ خطرناک صورت اختیار کرتی چلی جارہی تھی ہر کسی کی گھبراہٹ اور تشویش میں اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا۔ انگریزی سفیر مقیم میڈرڈ نے حالات کی حد درجہ نزاکت کے پیشِ نظر مجھے سفارت خانہ میں بُلا کر اس بات کا مشورہ دیا کہ مَیں جان کی حفاظت کی خاطر سپین چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں چلا جاؤں۔ مگر مَیں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور آپ سے دریافت کیا کہ آپ خود ایسے خطرناک حالات کے پیشِ نظر اس ملک کو چھوڑ کر کیوں نہیں چلے جاتے؟ اسپر جواب ملا کہ وُہ انگریزی حکومت کے حکم کے بغیر کوئی عملی قدم نہیں اُٹھا سکتے۔ مَیں نے جواباً بتایا کہ جب آپ چند پونڈوں کے لالچ سے اپنی جان کو مصیبت میں ڈالنے کے لئے تیار نہیں تو مجھے اتنا ہی ذلیل سمجھتے ہیں کہ مَیں موت کے ڈر سے اس ملک سے چلا جاؤں۔ بعینہٖ اُس حالت میں جبکہ یہاں آیا ہی مرنے کیلئے ہوں۔ اسپر آپ نے میری عمر پُوچھی۔ اور یہ معلوم کر کے کہ تیئیس سال کی عمر میں اتنی قُربانی کی رُوح موجود ہے۔ مزید پُوچھا کہ یہ رُوح آپ کے اندر کس نے پیدا کی ہے۔ مَیں نے نہایت عاجزی سے بتایا کہ اسلام

اور احمدیت سے۔ میڈرڈ کی صورت حالات جب حد درجہ نازک ہوگئی۔ تو برطانوی حکومت نے عملاً ہر فرد کو سپین سے نکال کر جنگی بحری جہازوں کے ذریعہ فرانس اور دیگر ممالک میں بھیج دیا۔ چنانچہ مجھے بھی فرانس کی بندرگاہ مارسیلز پر آکر پناہ لینی پڑی جہاں سے لنڈن گیا اور لنڈن سے سمندر کے راستہ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے مطابق ۱۲/جنوری ۳۷ء کو اٹلی کے دارالسلطنت روما میں پہنچا۔ روما شہر میں میری ملاقات کونٹ غلام احمد صاحب سے ہوئی۔ آپ باوجود ضعیف العمری کے میرے مکان پر آیا کرتے جو چھٹی منزل پر واقع تھا۔ سپین کی مسلسل اور خطرناک بمباری کے دوران میرے پاؤں میں بم کے ٹکڑے ایسے موجود تھے جنہیں نکلوانے کے لئے کئی ماہ ہسپتال میں زیر علاج رہنا پڑا۔ جونہی اللہ تعالیٰ نے شفاء بخشی۔ زبان سیکھنے اور تبلیغ احمدیت کے کام کیطرف متوجہ ہوا۔ ۱۹۴۰ء تک ہر قسم کے صبرآزما حالات کا مقابلہ کرکے اور چند باوقار اور غلیق انسانوں کو حلقہ بگوشِ احمدیت کرنے کے بعد جنگ عالمگیر ثانی کے نتیجہ میں دشمن کے قیدی کیمپوں میں ایام زندگی ۱۹۴۴ء تک گذارنے پر مجبور ہوا۔ رُوما کے معزز اور باوقار احمدی دوستوں میں سے خود کونٹ غلام احمد صاحب۔ پروفیسر یقین صاحب اور ڈاکٹر انور صاحب کے والد بشیر احمد صاحب مرحوم اور خود ڈاکٹر انور صاحب قابلِ ذکر ہیں جو اپنے اخلاص اور محبت کیوجہ سے اس قابل ہیں کہ تاریخ احمدیت میں اُن کے نام محفوظ رہیں۔ دشمن کے قیدی کیمپ میں جانے سے پہلے اطالیہ میں تیس کے قریب انسانوں نے احمدیت قبول کی تھی مگر قید کے چہار سالہ عرصہ میں ہر کسی پر طرح طرح کے مصائب آئے۔ جنگ عالمگیر ثانی کی دردناک تکالیف اور ایک دوسرے سے دُوری نے رہی سہی تنظیم کو نقصان پہنچایا۔ تاہم جہاں کہیں بھی احمدی موجود تھے۔ نورِ ایمان کی چنگاری ہمیشہ اُنکے اندر روشن رہی۔ قید کے چہار سالہ عرصہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے تبلیغ احمدیت کا کام جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ میری پہلی بیوی سلیمہ خاتون کے علاوہ یوگوسلاویہ کے تین افراد کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ وہ احمدیت قبول کریں۔ ان میں برادرم توفیق Claicic صاحب خاص طور پر اپنے اخلاص اور ایثار کی وجہ سے قابلِ ذکر ہیں۔ قیدی کیمپ میں بھی اللہ تعالیٰ نے بے شمار احسانات مجھ عاجز پر کئے۔ چنانچہ پندرہ مختلف اقوام کی نمائندگی کے فرائض سرانجام دئے اور آخرکار حسنِ سلوک اور احسانات کے سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے اپنی ہر دلعزیزی کے نتیجہ میں سینکڑوں مصیبت زدہ قیدی ساتھیوں کی

جانیں بچانے کی توفیق ملی۔ اتحادی اقوام کے سپاہیوں کے ایطالوی شہر فلارنس میں داخلہ کے موقعہ پر انہوں نے ہندوستانی کمانڈنگ آفیسر تک مجھے پہنچایا۔ میری احمدی بیوی سلیمہ خاتون نے بھی قید کی خطرناک گھڑیوں میں ہمیشہ میرا ساتھ دیا۔ اور ہر قسم کے غموم وہموم میں ہم شریکِ حال رہی۔ ہندوستانی افواج کی بہتری و بہبودی کے کاموں میں نمایاں طور پر حصہ لینے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے دی۔ چنانچہ انڈین آرمی ایجوکیشن لیکچرر کے طور پر اُنکے ساتھ فلارنس یونیورسٹی میں کام کرتا رہا۔ اسی اثناء میں جماعت کے بعض اکابرین نے خدا کی دی ہوئی توفیق سے میری خبر گیری کی اور حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز تک میرے حالات پہنچائے۔ ہندوستانی افواج کے ہمراہ جنگ میں کام آئے ہوئے سپاہیوں کی لاشیں جگہ بہ جگہ سے حاصل کرکے اُنہیں دفنانے کے کام میں مصروف تھا تو دائیں آنکھ پر سخت چوٹ آئی اور سر میں گہرا زخم ہوگیا۔ اس کے نتیجہ میں دائیں آنکھ ہمیشہ کے لئے کمزور ہوگئی۔ ایطالیہ میں ایک اتحادی کمشن اُس وقت موجود تھا۔ اُس کے ساتھ اپریل ۱۹۴۷ء تک باحسن وجوہ نہایت کامیابی کے ساتھ کام کیا۔ اسی اثناء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے دو مجاہدین (یعنی ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیل اور مولوی محمد عثمان صاحب فاضل) کو ایطالیہ کے لئے نامزد کرکے خاکسار کو از سرِ نو ایطالیہ کے لئے امیر مقرر کیا۔ ایطالیہ کے حالات کے پیشِ نظر سسلی کے علاقہ میں تبلیغ احمدیت کی غرض سے ان ہر دو مجاہدین کو MESSINA کے شہر میں بھیجا۔ تا اُس حصۂ زمین کے اُن انسانوں تک یہ پیغام پہنچایا جا سکے جو ایک وقت میں مسلمان تھے۔ اور پالیرمو نامی شہر اسلامی تہذیب کا مرکز تھا۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ہم سب کو اس بات کی توفیق بخشی کہ فریضۂ تبلیغ کو حتی المقدور بجالائیں۔ MESSINA شہر کے دورہ کے موقعہ پر جبکہ وہاں کی مقامی حکومت نے ہر دو مبلغین کو ۲۴ گھنٹوں کے اندر ملک چھوڑ دینے کا حکم دیدیا تھا۔ مقامی بالائی حکام سے مل کر اور اُنہیں گذشتہ اسلامی شوکت اور شان کی یاد دلاکر اور اُنکے اس رنگ میں اپنے ساتھ رشتہ کے تصوّر کے نتیجہ میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے حکم کی تنسیخ کے کام میں کامیابی ہوگئی۔ اس موقعہ پر دو ایمان افروز واقعات قابلِ ذکر ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ مسینہ کی بندرگاہ کے قریب ایک پرانے زمانے کی یادگار کے سامنے جو ایک مسجد سے مشابہت رکھتی تھی۔ مَیں نے کھڑے ہوکر اسلامی دور کی یاد تازہ کرتے ہوئے سوز وگداز سے دُعا کی تو ایک بھاری مجمع کو وہاں پر کھڑے پایا۔ مَیں نے ایطالوی زبان میں ہی حاضرین سے پُوچھا کہ یہ کیا یادگار ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ یہ پُرانے زمانے کی ایک مسجد ہے۔ اس پر رقّت کے ساتھ مَیں نے

حاضرین کو بتایا کہ وُہ دَور ایک مبارک دَور تھا۔ اور آپ میں سے غالباً اب کسی کو بھی یاد نہیں کہ آپ کے آباؤ اجداد مسلمان تھے۔ کاش آپ میں سے کوئی ایک ہی اُس زمانہ کی یاد تازہ کرکے اسلام کی طرف متوجہ ہو؟ اس پر ایک نوجوان آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ مَیں اس بات کے لئے تیار ہُوں۔ چنانچہ اُسے سلسلہ کے عقائد اور اسلام کی ترقی کے حالات سے واقف کیا گیا تو اُس نے اسلام قبول کرکے اپنا نام "محمود" رکھنا پسند کیا۔ دوسرے نوجوانوں پر اس کا گہرا اثر تھا اور اس نوجوان کے ذریعہ وہاں پر ہماری تبلیغ کے انتظامات ہوتے رہے۔ MESSINA شہر کی میونسپل کمیٹی کے قریب پہنچے تو وہاں پر ایک فوٹو گرافر کی دوکان تھی۔ جس کے اندر جاکر دریافت کیا کہ فوٹو تیار کرکے جلدی دیدینگے۔ اس پر یہ فوٹو گرافر ایک عجیب انداز میں ٹکٹکی لگائے کھڑا ہوگیا اور میرے بار بار اصرار پر کہ فوٹو لے لیں حرکت میں نہ آیا۔ آخر کار کہنے لگا۔ فوٹو بعد میں لے لینگے مجھے آپ سے کچھ دریافت کرنا ہے۔ عرصہ ہؤا مَیں نے اور میری بوڑھی والدہ نے ایک ہی رات ایک ہی خواب دیکھی۔ جس میں ایک جلیل القدر انسان حاضرین سے مخاطب ہوکر اسلام کی خُوبیاں بتا رہے تھے۔ آپ کے اِردگرد اکثر اشخاص موجود تھے مگر اُن میں سے ۲ دو کی شکلیں مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ ایک کا چہرہ گول اور موٹے نقش تھے اور دُوسرے انسان کا چہرہ بہت نُورانی تھا۔ اور ان ہر سہ اشخاص کے قریب جو تھے مقام پر آپ موجود تھے۔ باتوں باتوں میں اس جلیل القدر انسان نے آپکی طرف اشارہ کرکے یہ کہا کہ اگر ایطالیہ میں آپ لوگوں کو اسلام سمجھنے کی ضرورت ہو تو اس شخص سے اپنا رابطہ قائم کرلیں۔ آپ چاہیں تو مَیں اپنی والدہ صاحبہ کو بھی یہیں بُلا لیتا ہُوں تا وُہ بھی اس خواب کی تصدیق کردیں۔ چنانچہ آپکی والدہ صاحبہ بھی وہیں پہنچ گئیں اور اس طریق پر آپ نے بھی اسی بات کی تصدیق کی جو فوٹو گرافر صاحب نے بتائی تھی۔ مَیں نے سلسلہ کا البم کھول کر سب سے پہلے اُنہیں حضرت مسیح موعودؑ کا فوٹو دِکھایا جس کے بارہ میں اُنہوں نے یہ بتایا کہ یہی وُہ جلیل القدر انسان تھے۔ بعد ازاں مَیں نے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کا فوٹو دکھایا تو اس بات کی تصدیق ہوئی کہ آپ ہی گول چہرے والے اور موٹے نقشوں والے ہیں۔ اِسکے بعد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی کی فوٹو دیکھ کر اُنہوں نے بتایا کہ یہی وُہ انسان ہیں۔ جن کا چہرہ بہت نورانی تھا۔

بعد ازاں جلد ہی اٹلی کا مشن بند کردیا گیا اور ہر دو مجاہدین کو واپس مرکز میں بُلا لیا گیا۔ گو مَیں نے بدستور اٹلی میں اپنی رہائش جاری رکھی۔ اور روزی کے ذرائع پیدا کرکے ۱۹۴۹ء میں ہوائی جہاز کے ذریعہ پاکستان

پہنچا۔ جہاں ایک سال ٹھیرنے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح المصلح الموعود سے ازسرِنو ملاقات کرکے اور ہدایات لیکر واپس اٹالیہ پہنچا۔ جہاں باوجود مشکل اور ناموافق حالات کے ۱۹۵۵ء تک فریضۂ تبلیغ کو بجالاتا رہا۔۔۔۔ اِس دس سالہ عرصہ میں امان اللہ خاں سابق بادشاہ افغانستان، شاہِ ایران، ملکہ الزبتھ اور اُن کے خاوند پرنس فلپ اور ڈاکٹر احمد سکارنو تک پیغامِ احمدیت پہنچانے کا موقعہ ملا۔ اِسی طرح ایطالوی جمہوریت کے سب سے پہلے صدر انیر یکودے نکولا صاحب سے۔ اور چند سال بعد دُوسرے صدر گرونکی صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ نیز امریکہ۔ انگلستان۔ مراکو۔ لیبیا۔ سومالیہ۔ مشرقی افریقہ۔ آسٹریلیا۔ جنوبی افریقہ۔ مینیگال۔ مارشیس۔ سپین۔ ٹرکی۔ ایران۔ البانیہ۔ یوگوسلاویہ۔ ہنگری اور سوئٹزرلینڈ کے زائرین تک جماعتی اور انفرادی رنگ میں ملاقاتیں کرکے پیغامِ احمدیت پہنچانے کی توفیق ملتی رہی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک"

فصل چہارم

حضرت مولانا شیر علی صاحب رضؓ کا سفرِ انگلستان

اِس سال کے اوائل کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ ۲۶ر فروری ۱۹۳۶ء[1] کو انگلستان تشریف لے گئے اور ساڑھے تین سال تک قیام فرما رہنے کے بعد ۹ر نومبر ۱۹۳۸ء[2] کو قادیان میں واپس تشریف لائے۔ حضرت مولانا شیر علی صاحب نے بڑھاپے کے باوجود یہ لمبا سفر صرف ترجمۃ القرآن انگریزی کی تکمیل کے لئے اختیار فرمایا۔ جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے بھی فرمایا کہ" مولوی شیر علی صاحب اس غرض کے لئے ولایت جا رہے ہیں تاکہ وہاں جاکر وُہ قرآن کریم کے ترجمہ کی انگریزی زبان کے لحاظ سے مزید نگرانی کرسکیں۔ اِس بات کی قرآن مجید کے نوٹوں کیلئے بھی ضرورت ہے۔ مگر ترجمہ کے لئے زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ ترجمہ میں یہ مشکل پیش آتی ہے کہ اگر تحت اللفظ ترجمہ کیا جائے تو زبان بگڑ جاتی ہے۔ اور اگر زیادہ واضح کیا جائے تو وُہ ترجمہ کی حد سے نکل کر تفسیر بن جاتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ ماہر اہلِ زبان اصحاب سے اِس بارے میں مشورہ لے لیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ وُہ ترجمہ دیکھ کر کسی جگہ کوئی ایک ہی لفظ ایسا بتادیں جو ایک فقرہ کا قائم مقام ہوسکے اور اِس طرح ترجمہ مختصر ہونے کے باوجود زیادہ مطالب پر حاوی ہو جائے یا کوئی زبان کی غلطی ہو تو اُسے دُور کریں۔ یہ کام جس وقت ہو جائے گا۔ اس کے بعد

---

[1] الفضل ۲۸ر فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۳ ۞ [2] الفضل ۱۱ر نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ ۞

بقیہ کام ہمارے لئے سہل ہو جائے گا۔"

اس کام کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا "یہ کام ۔ ۔ ۔ ۔ اپنے اندر بہت بڑی ذمہ داری رکھتا ہے۔ دنیا میں قرآن کریم کے ترجمے ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں لیکن اُن کی غرض تعلیم ہوا کرتی ہے۔ مگر اس میں ایک زائد غرض بھی ہے اور وُہ یہ کہ اپنے مستقبل کو خطرات سے بچایا جائے۔ ورنہ اگر مغربی ممالک میں اسلام پھیلتا چلا جائے اور اس کے مسائل مشتبہ ہوتے جائیں تو ڈر ہے کہ اسلام میں داخل ہونیوالے عیسائی اسی طرح اسلام کو بگاڑ دیں جس طرح انہوں نے عیسائیت کو بگاڑا۔ پس ضرورت ہے کہ مغربیت اور اسلام کے درمیان ایسی دیوار حائل کر دی جائے جیسے ذوالقرنین نے دیوار بنائی کہ جس کے اُوپر سے چڑھ کر کوئی مخالف نہ آسکے۔ ہاں اس کے دروازوں سے اجازت لیکر صحیح راستہ سے آنا چاہے تو آجائے۔ یعنی مغرب کا کوئی شخص اسلامی احکام سے بغاوت نہ کرسکے اور نہ اُس کے احکام کو بگاڑ سکے۔ بلکہ اسلام کے متعلق جو کچھ کہے اور جس تعلیم کو وُہ قرآن کریم کی طرف منسوب کرے۔ اُسکے کہنے اور منسوب کرنے کی شریعت اُسے اجازت دیتی ہو۔ اِس اہم کام کیلئے مولوی صاحب جا رہے ہیں"[1]

ایک احمدی خاتون کی بے نظیر بہادری

فروری ۱۹۳۶ء کا واقعہ ہے کہ ایک احمدی بھائی بشیر احمد صاحب لدھیانوی سینٹری انسپکٹر لیہ ضلع مظفر گڑھ کی عدم موجودگی میں دو مسلح ڈاکوؤں نے رات کے وقت اُن کے مکان میں گھس کر مال و اسباب لُوٹنا چاہا۔ اور تلوار دکھا کر اُن کی اہلیہ صاحبہ اور اُن کے بچوں کو قتل کی دھمکی دی۔ مگر اُن کی اہلیہ صاحبہ نے نہایت بہادری سے ڈاکوؤں کا مقابلہ کیا اور اُن کی سازش کا کام بنا دی[2]

بھائی بشیر احمد صاحب کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کی خدمت میں جب اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو حضور نے اسپر اپنے قلم سے تحریر فرمایا "گو یہ خطرہ تھا۔ مگر آپکی اہلیہ نے جس بہادری سے اور عقلمندی سے کام کیا ہے۔ وُہ اس واقعہ کو ایک مبارک واقعہ بنا دیتا ہے۔ میری طرف سے بھی انہیں مبارکباد دے دیں۔"[3]

---

[1] الفضل ۹ ۲ ر فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۵ و ۶ ؛ [2] واقعہ کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو الفضل ۳ ر مارچ ۱۹۳۶ء کالم ۲،۱

[3] الفضل ۳ ر مارچ ۱۹۳۶ء۔ اِس واقعہ کا ذکر ملک کے ہندو مسلم پریس میں بھی نہایت قابل تعریف رنگ میں کیا گیا۔ اور خاتون موصوفہ کی بہادری کی داد دی گئی۔ اخبار "بندے ماترم" (۷ ر مارچ ۱۹۳۶ء) نے اس واقعہ کی تفصیلات اس عنوان سے شائع کی کہ "لیہ میں ایک عورت کی بے نظیر بہادری۔ ڈاکوؤں سے مقابلہ۔ سخت زخمی ہو جانے پر بھی خنجر

فصل پنجم

جائز اور پُرامن ذرائع سے صحیح اسلامی حکومت کے قیام کا ارشاد مبارک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ شروع خلافت سے اس جہاد میں پوری قوت سے سرگرم عمل تھے کہ جن معاملات میں حکومت وقت اجازت دیتی ہے اُن میں اسلامی تعلیم اور اسلامی نظام جاری کیا جائے۔ اس سلسلہ میں غیروں کی نگاہ میں کئی دفعہ بدنام کئے گئے اور آپ کے خلاف یہ جھوٹا پراپیگنڈا کیا گیا کہ یہ اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر حضور نے اس طعنے کی ذرہ بھی پرواہ نہ کی اور برابر اپنے کام میں مصروف رہے۔ یہ امر چونکہ جماعت احمدیہ کے بنیادی اغراض و مقاصد میں شامل تھا اسلئے حضور نے ۱۳ر مارچ ۱۹۳۶ء کو خاص اسی موضوع پر نہایت پُرجوش خطبہ ارشاد فرمایا جس میں واضح اعلان فرمایا کہ:"ہم کھلے طور پر کہتے ہیں کہ ہم اسلامی حکومت دُنیا پر قائم کرکے رہیں گے (انشاء اللہ تعالیٰ) ہم جس چیز کا انکار کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ تلوار اور فتنہ و فساد کے زور سے ہم اسلامی حکومت قائم نہیں کریں گے بلکہ دلوں کو فتح کرکے اسلامی حکومت قائم کریں گے۔ کیا کوئی خیال کرسکتا ہے کہ اگر آج میرے بس میں یہ ہو کہ میں انگلستان کے تمام لوگوں کو مسلمان بنادوں، وہاں کے وزراء کو اسلام میں داخل کردوں اور پارلیمنٹ کے ممبروں کو میں مسلمان بنا کر وہاں اسلامی حکومت قائم کردوں۔ تو میں اپنے اس اختیار سے کام لینے سے انکار کروں گا۔ میں تو ایک منٹ کی دیر بھی نہیں لگاؤں گا۔ اور کوشش کروں گا کہ فوراً ان لوگوں کو مسلمان بنا کر انگلستان میں اسلامی حکومت قائم کردوں۔ لیکن چونکہ یہ میرے بس کی بات نہیں اس لئے میں کر نہیں کرسکتا۔ ورنہ میں اس بات سے انکار تو نہیں کرتا کہ میرے دل میں یہ خیال ہے اور یقیناً میرے دل کی خواہش ہے کہ ہمارے بادشاہ بھی مسلمان ہو جائیں۔ وزراء بھی مسلمان ہو جائیں۔ پارلیمنٹ کے ممبر بھی مسلمان ہو جائیں۔ اور برطانیہ کے تمام باشندے بھی مسلمان ہو جائیں۔ اس میں اگر دیر ہے تو اس لئے نہیں کہ میری یہ خواہش نہیں کہ وہ مسلمان ہوں۔ بلکہ اس لئے دیر ہے کہ اُن کو مسلمان کرنا میرے اختیار میں نہیں۔ اور اس وجہ سے وہاں اسلامی حکومت

بقیہ حاشیہ: ہاتھ سے نہ چھوٹا" (بحوالہ الفضل ۲۰ر مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۳ کالم ۴) پنجاب پولیس نے بہادری کے اعتراف میں سیکنڈ کلاس سرٹیفکیٹ اور پچاس روپے نقد بطور انعام دیئے۔ نیز شیخ بشیر احمد صاحب آزاد جرنلسٹ مرید کے نے جماعت احمدیہ مرید کے کی طرف سے چاندی کا ایک خوبصورت میڈل بطور انعام دیا (الفضل ۳۰ر ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۳)

قائم نہیں کی جاسکتی۔ ورنہ اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے میرے دل میں تو اتنی زبردست خواہش ہے کہ اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں لگاسکتا۔ اور اپنی اس خواہش کا میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ اور اگر میں انکار کروں اور میرے دل میں اسلامی حکومت کے قائم کرنے کی خواہش نہ ہو تو اسلام کے احکام کے وہ حصے پورے کس طرح ہو سکتے ہیں جن کے لئے ایک نظام کی ضرورت ہے۔ کیا کوئی شخص پسند کرے گا کہ اس کا گھر ادھورا رہے؟ اگر کوئی شخص اپنے مکان کے متعلق یہ پسند نہیں کرسکتا کہ وہ ادھورا رہے تو خدا تعالیٰ کے گھر کے متعلق وہ یہ امر کب پسند کرے گا۔ اس میں کیا شک ہے کہ جب تک تمام دنیا مسلمان نہیں ہوتی اور خود حکومت اسلامی حکومت نہیں ہوجاتی۔ اس وقت تک اسلام کی عمارت کانی رہتی ہے۔ اور اپنی عمارت کا کانا ہونا کون پسند کرسکتا ہے؟ جب ہر شخص اپنی عمارت کو مکمل دیکھنا چاہتا ہے تو کب کوئی عقلمند ہم سے یہ اُمید رکھ سکتا ہے کہ ہم اسلام کی عمارت کو کانا رکھنا پسند کریں گے۔ اگر انگریز عیسائی ہی رہیں۔ یہودی یہودی ہی رہیں۔ ہندو ہندو ہی رہیں۔ تو اسلامی حکومت دُنیا میں قائم نہیں ہوسکتی۔ ہاں اس کے قائم کرنے کا ایک طریق ہے اور اس طریق کے ذریعہ ہی دُنیا میں ہمیشہ کام ہوا کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کانا ہو۔ اور وہ کسی دوسرے سُوجاکھے کی آنکھ نکال کر اپنے کانے پن کو دُور کرنا چاہے تو سارے لوگ اُسے بیوقوف ہی سمجھیں گے۔ کیونکہ دُوسرے کی آنکھ نکال کر اُس کا کانا پن دُور نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر کوئی بے وقوف یہ سمجھے کہ چند انگریزوں کو مار کر یا فتنہ و فساد پیدا کرکے وہ اسلامی حکومت قائم کرسکے گا۔ تو وہ حماقت کا ارتکاب کرتا ہے ..... پس یہ طریق بالکل نادرست ہے اور میں ہمیشہ اس کی مخالفت کرتا رہا ہوں۔ لیکن جائز اور پُرامن طریق سے اسلامی حکومت قائم کرنا ہماری دِلی خواہش ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں ہم میں سے ہر ایک کے دِل میں یہ آگ ہونی چاہیئے کہ ہم موجودہ طرزِ حکومت کی بجائے حکومت اسلامی قائم کریں۔ یہ طبعی خواہش ہے اور میرے دل میں ہر وقت موجود رہتی ہے۔ اور میں نے اس خواہش سے کبھی انکار نہیں کیا۔ ہاں میرے اور عام لوگوں کے ذرائع میں اختلاف ہے۔ میں اسلامی حکومت کے قیام کے لئے تبلیغی اور پُرامن ذرائع اختیار کرتا ہوں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اس کے قائم کرنے کا طریق مار پیٹ اور جبر و تشدد ہے۔ بہرحال یہ خواہش تو جب پوری ہوگی ہوگی اور یقیناً ایک دن پُوری ہوگی۔ دُنیا کی مخالفتیں اور دشمنوں کی

رہ کیں مل کر بھی اس میں حائل نہیں ہو سکتیں۔"[۴]

مسجد محلہ ریتی چھلہ قادیان کا افتتاح۔

قادیان کے محلہ ریتی چھلہ (دارالفتوح) کی مسجد جس کی تعمیر ۱۹۳۵ء میں حکام کی جنبہ داری کے باعث رکی ہوئی تھی۔ اس سال (حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب کی زیر نگرانی) پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۴ مارچ ۱۹۳۶ء کو اس میں نماز عصر پڑھا کر مسجد کا افتتاح فرمایا۔[۵]

قادیان میں اجتماعی وقار عمل کے بابرکت سلسلہ کا آغاز

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے تحریک جدید کا اعلان کرتے ہوئے سولھواں مطالبہ یہ فرمایا تھا کہ احمدی اپنے ہاتھ سے کام کریں اور سب سے پہلے اہل قادیان پر یہ ذمہ داری ڈالی کہ وہ محلوں اور گلیوں کو درست کر کے ثواب حاصل کریں۔

اس عظیم الشان مقصد کے پیش نظر قادیان میں اجتماعی وقار عمل کے اہم سلسلہ کا آغاز ہوا جو تقسیم ہند تک جاری رہا۔ اس ضمن میں سب سے پہلا اجتماعی وقار عمل جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بنفس نفیس شمولیت فرمائی ۲۸ مارچ ۱۹۳۶ء کو (بوقت پانچ بجے شام) احمدیہ سپلائی کمپنی اور سٹار ہوزری کے اس قریبی رستہ پر منایا گیا جو پرانے اڈہ کو جاتا ہے اور جس کے قرب وجوار میں زیادہ آبادی ہندوؤں اور غیر احمدیوں کی تھی اور جہاں ایک کافی گہرا اور خاصہ لمبا چوڑا گڑھا تھا۔ جس میں قریباً سارا سارا سال پانی بھرا رہتا تھا۔ اور فضا سخت متعفن ہو جاتی تھی۔ حضرت امیر المومنینؓ آخر وقت تک ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک گشت کر کے نہ صرف زیادہ سرگرمی اور زیادہ مستعدی کے ساتھ کام کرنے کی ہدایات دیتے رہے بلکہ حضور نے متعدد بار خود کدال لیکر مٹی کھودی۔ ٹوکریوں میں بھری اور پھر مٹی کی بھری ہوئی ٹوکری کافی فاصلہ سے اٹھا کر گڑھے میں ڈالی۔ اگرچہ کام کے لئے وقت بہت تھوڑا اور سامان ناکافی تھا۔ لیکن حضور کی موجودگی اور پھر کام میں خدام کے ساتھ شمولیت نے بڑوں ہی میں نہیں چھوٹے بچوں میں بھی خاص ہمت اور جوش پیدا کر دیا۔ اور وہ اپنی جھولیوں میں مٹی ڈال ڈال کر لئے جاتے رہے۔ مٹی ڈھونے کا طریق

---

[۴] روزنامہ الفضل ۱۸ مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۳ و ۴ ۔ [۵] الفضل ۲۶ مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۲

یہ تھا کہ کام کرنے والوں کو گڑھے سے لیکر جوہڑ تک تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر دو قطاروں میں کھڑا کیا گیا۔ ایک قطار بھری ہوئی ٹوکریاں ہاتھوں ہاتھ گڑھے تک پہنچاتی اور دوسری قطار خالی ٹوکریاں اُسی طرح واپس پھیر دیتی جنہیں فوراً بھر کر پھر روانہ کر دیا جاتا۔ [1]

اس پہلے وقارِ عمل کے بعد جس نے عہد صحابہ کی سادہ زندگی اور سادہ معاشرت کی یاد تازہ کر دی۔ اس اجتماعی مظاہرہ کا ایک سلسلہ جاری کر دیا گیا۔ جو تقسیم ہند ۱۹۴۷ء تک پوری شان سے چلتا رہا۔ ابتداء میں یہ کام صدر انجمن احمدیہ کی لوکل انجمن کی نگرانی میں ہوتا تھا مگر بعد کو اسے مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے زیر انتظام کر دیا گیا۔ جسکے نتیجہ میں پہلے سے زیادہ جوش و خروش اور دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اور کام میں نظم و ضبط اور باقاعدگی کا ایک خاص رنگ پیدا ہو گیا اور قادیان کی متعدد سڑکیں درست طور پر بن گئیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا ایک ولولہ انگیز ارشاد

حضرت امیر المومنینؓ نے مجلس مشاورت اجلاس اوّل (منعقدہ ۱۰، ۱۱، ۱۲ر اپریل ۱۹۳۶ء) میں جماعت کو صنعت و حرفت کیطرف متوجہ کرتے ہوئے یہ ولولہ انگیز بیان دیا کہ "مَیں نہیں جانتا کہ دوسرے دوستوں کا کیا حال ہے لیکن مَیں تو جب ریل گاڑی میں بیٹھتا ہوں۔ میرے دل میں حسرت ہوتی ہے کہ کاش یہ ریل گاڑی احمدیوں کی بنائی ہوئی ہو۔ اور اس کی کمپنی کے وہ مالک ہوں۔ اور جب مَیں جہاز میں بیٹھتا ہوں تو کہتا ہوں۔ کاش یہ جہاز احمدیوں کے بنائے ہوئے ہوں اور وہ ان کمپنیوں کے مالک ہوں۔ مَیں پچھلے دنوں کراچی گیا۔ تو اپنے دوستوں سے کہا۔ کاش کوئی دوست جہاز نہیں تو کشتی بنا کر ہی سمندر میں چلانے لگے۔ اور میری یہ حسرت پوری کر دے اور مَیں اس میں بیٹھ کر کہہ سکوں کہ آزاد سمندر میں یہ احمدیوں کی کشتی پھر رہی ہے۔ دوستوں سے مَیں نے یہ بھی کہا۔ کاش کوئی دس گز کا ہی جزیرہ ہو جس میں احمدی ہی احمدی ہوں اور ہم کہہ سکیں کہ یہ احمدیوں کا ملک ہے کہ بڑے کاموں کی ابتداء چھوٹی ہی چیزوں سے ہوتی ہے۔ یہ ہیں میرے ارادے۔ اور یہ ہیں میری تمنائیں۔ ان کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم کام شروع کریں مگر یہ کام ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ ان جذبات کی لہریں ہر ایک احمدی کے دل میں پیدا نہ

---

[1] الفضل یکم اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ ؎

ہوں اور اس کے لئے جس قربانی کی ضرورت ہے وہ نہ کی جائے۔ دُنیا چونکہ صنعت و حرفت میں بہت ترقی کر چکی ہے۔ اسلئے احمدی جو اشیاء اب بنائیں گے وُہ شروع میں مہنگی پڑیں گی۔ مگر باوجود اسکے جماعت کا فرض ہے کہ انہیں خریدے۔" [1]

مبلّغین کو نہایت اہم نصائح

اس سال حضور نے مبلّغین احمدیت کو مختلف مواقع پر نصائح فرمائیں۔ چنانچہ مجلس مشاورت ۱۹۳۶ء میں ارشاد فرمایا کہ:۔

"مبلّغ ایسے ہونے چاہئیں جن میں دین کی رُوح دوسروں کی نسبت زیادہ قوی اور طاقتور ہو۔ اور وُہ دین کے لئے ہر وقت قربان ہونے کے لئے تیار ہوں۔ وُہ ملک کے ایک سرے سے دُوسرے سرے تک لٹو کی طرح چکّر لگائیں۔ ... ہمیں وُہ تیز طرار مبلّغ نہیں چاہئیں جو خم ٹھونک کر میدانِ مباحثہ میں نکل آئیں اور کہیں کہ آؤ ہم سے مقابلہ کر لو۔ ایسے مبلّغ آریوں اور عیسائیوں کو ہی مبارک ہوں۔ ہمیں تو وُہ چاہئیں جن کی نظریں نیچی ہوں۔ جو شرم و حیاء کے پُتلے ہوں۔ جو اپنے دل میں خوفِ خدا رکھتے ہوں لوگ جنہیں دیکھ کر کہیں یہ کیا جواب دے سکیں گے۔ ہمیں اُن مبلّغوں کی ضرورت نہیں جو مباحثوں میں جیت جائیں۔ بلکہ اُن خادمانِ دین کی ضرورت ہے۔ جو سجدوں میں جیت کر آئیں۔ اگر وُہ مباحثوں میں ہار جائیں تو سو دفعہ ہار جائیں۔ ہمیں اسکی کیا ضرورت ہے کہ زبانیں چٹخارہ لیں مگر ہمارے حصّہ میں کچھ نہ آئے۔ سر جنبش کریں اور ہم محروم رہیں۔ مَیں مانتا ہوں کہ اس میں بیرونی جماعتوں کا بھی قصور ہے۔ وُہ لکھتی ہیں کہ فلاں مبلّغ کو بھیجا جائے۔ فلاں کا آنا کافی نہیں۔ کیونکہ وُہ چٹخارہ دار زبان میں بات نہیں کر سکتا۔ یہ صحیح ہے۔ مگر لیڈر وُہ ہوتا ہے جو لوگوں کو پیچھے چلائے۔ نہ کہ لوگ جدھر چاہیں اُسے لے جائیں۔ جو شخص تقوٰی و طہارت پیدا کرتا ہے۔ جو قلوب کی اصلاح کرتا ہے وُہی حقیقی مبلّغ ہے جو یہ سمجھے کہ میں نوکر ہوں اور جو وہاں جائے جہاں اُسے حکم دیا جائے۔ ایسے مبلّغ کو ہم نے کیا کرنا ہے۔ جسے اگر کہیں اس سے اچھی نوکری مل گئی تو وہاں چلا جائے گا۔ ہمیں وُہ مبلّغ چاہئیں جو اپنے آپکو ملازم نہ سمجھیں بلکہ خدا تعالٰی کیلئے کام کریں اور اُسی سے اجر کے متمنّی ہوں۔ جو ایسا نہیں کرتا۔ وُہ ہمارا مبلّغ نہیں۔ بلکہ ہمارے دُشمن کا مبلّغ ہے۔

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۲۹ و ۱۳۰ ؎

وہ شیطان کا مبلّغ ہے کیونکہ اُس کو تقویت دے رہا ہے۔ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت موسٰی علیہ السلام نے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے کونسے مبلّغ رکھے ہوئے تھے۔ یہ تو گندگی اور نجاست ہے جیسے زمانہ کی اِس مجبوری کیوجہ سے کہ آریوں اور عیسائیوں نے اس قسم کے لوگ رکھے ہوئے ہیں۔ جن کا مقصد اسلام کو نقصان پہنچانا ہے۔ اُن کے مقابلہ کے لئے رکھے ہوئے ہیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ جس وقت کوئی شخص پاخانہ میں جاکر بیٹھتا ہے تو وہ اُس کا بہترین وقت ہوتا ہے۔ وُہ تو مجبوری کا وقت ہوتا ہے۔ اِسی طرح تبلیغ کے لئے ایسا انتظام تو ایک مصیبت ہے اور ایک مجبوری ہے۔ پس مبلّغوں کو اِس حقیقت کو سمجھنا چاہیئے کہ گذارہ لینے میں عیب نہیں مگر گذارہ کیلئے کام کرنا عیب ہے۔ مبلّغ وُہ ہے کہ اُسے کچھ ملے یا نہ ملے۔ اُس کا فرض ہے کہ تبلیغ کا کام کرے۔ . . . پُرانے مبلّغ مثلاً مولوی غلام رسول صاحب وزیر آبادی۔ مولوی غلام رسول صاحب راجیکی۔ مولوی محمدؐ ابراہیم صاحب بقاپوری۔ انہوں نے ایسے وقتوں میں کام کیا جبکہ اُن کی کوئی مدد نہ کی جاتی تھی اور اس کام کی وجہ سے اُن کی کوئی آمد نہ تھی۔ اس طرح انہوں نے قُربانی کا عملی ثبوت پیش کرکے بتا دیا کہ وُہ دین کیخدمت بغیر کسی معاوضہ کے کرسکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اگر اُن کی آخری عمر میں گذارے دیئے جائیں تو اس سے اُن کی خدمات حقیر نہیں ہوجاتیں۔ بلکہ گذارہ کو اُنکے مقابلہ میں حقیر سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ جس قدر اُنکی امداد کرنی چاہیئے۔ اُتنی ہم نہیں کررہے۔ . . . یوُں معلوم ہوتا ہے کہ ہر مبلّغ اپنے آپکو خلیفہ سمجھتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ یہ اُس کا حق ہے۔ جو اُس کے جی میں آئے سنائے۔ اور جو نہ چاہے نہ سُنائے حالانکہ وُہ بانسری ہے۔ جس کا کام یہ ہے کہ جو آواز اُس میں ڈالی جائے اُسے باہر پہنچائے۔ اگر مبلّغ یہ سمجھتے کہ وُہ ہتھیار ہیں میرا۔ نہ کہ دماغ ہیں جماعت کا۔ تو وُہ میرے خطبات لیتے اور جماعت میں اُن کے مطابق تبلیغ کرتے۔ اور اس طرح اِس وقت تک عظیم الشان تغیّر پیدا ہوچکا ہوتا۔ . . . مبلغین کا کام یہ ہے کہ خلافت کی ہر آواز کو خود سُنیں اور سمجھیں۔ پھر ہر جگہ اُسے پہنچائیں۔" [1]

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۶ء صفحہ ۲۴ تا ۲۷ +

فصل ششم

دارالتبلیغ البانیہ و یوگوسلاویہ

البانیہ یورپ کا ایک آزاد ملک ہے جس کے اکثر باشندے حنفی مسلمان ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے اس ریاست میں اشاعت احمدیت کے لئے مولوی محمد الدین صاحب کو ۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء کو قادیان سے روانہ فرمایا[1]

مولوی صاحب موصوف جماعتی پروگرام کے مطابق مختلف ممالک میں ٹھہرتے ہوئے دو ماہ کے لمبے سفر کے بعد البانیہ کے دارالسلطنت ٹیرانیہ میں پہنچے۔

البانیہ میں آپکو تین ماہ تک قیام کرنے کا موقعہ ملا۔ اس عرصہ میں آپ نے احمدیت کا پیغام پہنچایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام یہاں پہلے ہی اخباروں، رسالوں اور کتابوں کے ذریعہ پہنچ چکا تھا لیکن لوگ پوری حقیقت سے اچھی طرح آگاہ نہ تھے۔ جن لوگوں کو احمدیہ لٹریچر کے مطالعہ کا موقعہ ملا۔ ان میں سے ایک البانوی خاندان مولوی صاحب کے ذریعے حلقہ بگوش احمدیت ہوگیا۔ اس طرح البانیہ میں احمدیت کی داغ بیل پڑ گئی۔ نیز احمدیت کے کئی [illegible] پیدا ہو گئے[2]

آپ کو تین ماہ کے بعد مقامی ملاؤں کی شرارت کے باعث مجبوراً ملک چھوڑنا پڑا[3]۔ آپ مرکزی ہدایت پر بلگراد (یوگوسلاویہ) تشریف لے گئے تا وہاں سے البانیہ کے سرحدی ملحقہ علاقوں پر اثر و نفوذ ڈال سکیں۔ چنانچہ آپ نے یہاں آکر پیغام حق پہنچانا شروع کر دیا۔ جولائی ۱۹۳۷ء میں آپ علاقہ "کوسوا" میں گئے جو البانیہ کے ساتھ ملتا ہے مگر یوگوسلاویہ کے ماتحت تھا۔ اس سفر میں بوڈاپسٹ کے مخلص احمدی شریف دتسا صاحب بھی آپکے ساتھ تھے۔ آپ نے سب سے پہلے اُن کے گاؤں "متروولیسلا" میں قیام کر کے تبلیغ کی[4] یوگوسلاویہ میں خدا کے فضل و کرم سے تیس نفوس[5] نے احمدیت قبول کی[6]

---

[1] الفضل ۲۱ اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ کالم ۱ ⁂ [2] "ریویو آف ریلیجنز" اردو جولائی ۱۹۴۱ء صفحہ ۵۰ ⁂ [3] البم شائع کردہ تحریک جدید صفحہ ۴ ⁂ [4] الفضل ۱۲ ستمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۸ و ۹ ⁂ [5] بلگراڈ میں سب سے پہلے خوش قسمت جن کو قبول احمدیت کی توفیق ملی۔ وہ ایک ذی ثروت و وجاہت دوست انور نامی تھے جو البانین، ٹرکی، جرمن، فرنچ، اطالین اور گریس زبان جانتے تھے۔ آپ کے بعد دوسرے نمبر پر ایک ترک نجم دین صاحب نے بیعت کی جو ٹرکی فوج کے ایک بہت بڑے عہدہ پر رہ چکے تھے اور ان دنوں لکڑی کے ایک بہت بڑے کارخانے میں کام کرتے تھے (الفضل ۲۱ فروری ۱۹۳۷ء صفحہ ۲) ⁂ [6] البم شائع کردہ تحریک جدید ۱۹۳۹ء۔ ابتدائی تین ماہ میں دو اشخاص نے بیعت کی اور عجیب بات ہے کہ دونوں پر صداقت احمدیت بذریعہ خواب منکشف ہوئی تھی۔ (الفضل ۱۷ فروری ۱۹۳۷ء صفحہ ۵)

یہ سلسلہ اشاعتِ حق جاری تھا کہ آپ کو یوگوسلاویہ سے بھی نکلنا پڑا۔ اور آپ ۵ رجون ۱۹۳۸ء کو بلغاریہ میں آ گئے اور صوفیہ میں ایک ماہ تک احمدیت کی منادی کرتے رہے۔ بعد ازاں اٹلی کے صدر مقام رُوما میں پہنچے۔[۱] اسی دوران میں دُوسری جنگِ عظیم چھڑ گئی اور آپ کو اٹلی سے مصر میں آنا پڑا۔ یہاں کچھ عرصہ اعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ بجالانے کے بعد ۱۴ر مارچ ۱۹۴۱ء کو واپس قادیان تشریف لے آئے۔[۲]

مولوی محمد الدین صاحب کے مزید تبلیغی حالات اور دردناک شہادت کا واقعہ

مولوی محمد الدین صاحبؓ کے برادر اکبر ملک محمد مستقیم صاحب بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ ساہیوال رقمطراز ہیں کہ:۔

"مولوی محمد الدین صاحب ابن ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب اُس پہلی صف کے مجاہدین میں سے تھے۔ جنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ۱۹۳۵ء کی آواز پر لبیک کہا اور تین سال کیلئے غیر ممالک میں تبلیغ کے لئے پیش کیا۔ شرط حضور کی یہ تھی کہ مجاہدین خود غیر ممالک میں اخراجات کے کفیل ہوں گے۔

مولوی محمد الدین صاحب کے لئے ملک البانیہ تجویز کیا گیا۔ جس کا فرمانروا اُسوقت ایک نوجوان احمد زوغو تھا۔ اُس کی تربیت مغربی طرز پر ہوئی تھی۔ اس لئے اُس کے خیالات کچھ آزاد تھے اور مذہبی واقفیت کم تھی۔ لوگ سرحدی علاقہ کے پٹھانوں کی مانند تھے۔ اور تمام ملک پہاڑی ہے۔ کچھ حصہ میدانی ہے۔ اس لئے باوجود مسلمانوں کے جفاکش ہونے کے علم دین کی طرف توجہ نہیں تھی۔ یورپین ملک ہونے کے لحاظ سے بھی ذرائع سفر۔ سڑک و سواری کالعدم تھے۔

۱۹۳۶ء میں مولوی صاحبؓ سلسلہ کی کتب کا ایک بکس جو ہر مجاہد کے سپرد کیا جاتا تھا۔ تاکہ ہر ملک میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا لٹریچر پہنچ کر محفوظ ہو جائے لیکر البانیہ کے دارالخلافہ ٹیرانہ میں پہنچے۔ اور ایک مقامی ہوٹل TIRANA میں قیام کیا۔ حالات کا جائزہ لیا۔ اور رفتہ رفتہ تبلیغی مہمات پر جانا شروع کیا۔

جب مولوی صاحب نے مساجد و ملاقات میں سلسلہ گفتگو شروع کیا اور مباحثات اور مناظرات کے پہلو سے گریز کیا۔ تو اوّلین سوال کہ "اب اسلام کی زندگی کے لئے تبلیغِ اسلام ضروری ہے" پر لوگوں نے

---

[۱] الفضل ۲۴ ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۰ ۔ [۲] الفضل ۱۶ ر مارچ ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ ۔

بزورِ شمشیر فتح اسلام کا نعرہ بلند کیا۔ مولوی صاحب نے شمشیرِ قلم اور قرآن پر زور دیا۔ جو اُن کی جنگجو طبیعت کے مناسب نہ تھا۔ اختلاف پیدا ہوا۔ اور بعض نے پولیس میں جا کر رپورٹ کر دی کہ نو وارد مسلمان تو ضرور ہے لیکن جہادِ سیف کا قائل نہیں۔ اور لوگوں میں اس کے خلاف خیالات کا اظہار کرتا ہے۔

اچانک ایک روز پولیس نے مولوی صاحب کو ہمراہ لیکر طویل گفتگو کی اور نقل و حرکت پر پابندی لگا دی اور کہا کہ افسرانِ بالا کے احکام کا انتظار کریں۔ چند دنوں بعد پولیس نے مولوی صاحب کو البانیہ سے یوگوسلاویہ کی سرحد میں داخل کر دیا۔ مولوی صاحب کچھ کتابیں اور کپڑے لے جاسکے۔

اب مولوی صاحب نے یوگوسلاویہ کے دار الخلافہ بیلگراڈ کا رُخ کیا۔ وہاں پہنچ کر حضرت صاحبؓ کی خدمت میں اطلاع بھجوائی اور عزیز و اقارب کو بھی خطوط لکھے۔ مرکز سے ہدایت بھجوائی گئی۔ کہ آپ اب سرحد کے قریب یعنی البانیہ اور یوگوسلاویہ کے خطِ فاصل کے علاقہ میں تبلیغ کی کوشش کریں۔ یہاں مولوی صاحب کا قیام زور سے لمبا ہوا۔ بیلگراڈ کے خطوط اُمید افزا ہوتے اور یقین سے پُر۔ کہ احمدیت کا ایک دن جھنڈا اس ملک میں ضرور لہرائے گا۔ یہ علاقہ مدتوں تک مسلمان حکمرانوں کے زیرِ اثر رہا ہے اور مسلمانوں کی آبادی بھی کافی ہے۔ مساجد بھی ہیں۔ اس پُر امن ماحول سے فائدہ اُٹھا کر مولوی صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب کشتی نوح اور پیغام صلح کا ترجمہ شائع کر کے بر سرِ بازار فروخت کے لئے پیش کیا۔ قیمت کچھ مقرر نہ کی۔ جو لینے والا چاہے ادا کرے اور بیشک مفت لے جائے۔ مگر کسی نے ایک بھی نسخہ بلا قیمت نہ اُٹھایا۔ اور اس قدر رقم وصول ہوئی کہ مولوی صاحب نے ایک احمدی دوست جن کا نام شریف وتسا تھا، کے مشورہ سے ایک نیک نام شخص کے ساتھ چائے کی دوکان میں شرکت کر لی جس سے یہ فائدہ ہوا کہ مولوی صاحب اپنے ملاقاتیوں کو اکثر یہاں ملتے، اور چائے سے خاطر تواضع کرتے اور تبلیغ بھی کرتے۔ شریف وتسا صاحب بیلگراڈ میونسپل کمیٹی کے ممبر تھے اور اُن کا چھوٹا بھائی فوج میں لفٹینٹ تھا۔ یہ پہلا احمدی مخلص خاندان تھا جس کی مولوی صاحب کو صحبت و رفاقت حاصل ہوئی۔ اب مولوی صاحب نے دورے شروع کر دئے۔ مرکز سے دس دس دن باہر گزارتے۔ مساجد میں شب باش ہوتے۔ کم کھاتے اور عبادت و ریاضت میں اکثر وقت صرف ہوتا۔ چنانچہ ایک مرگی والے مریض کو شہد دینے سے بہت حد تک شفا ہوئی جس سے مولوی صاحب کی شہرت ہونے لگی۔ اور لوگ مولوی صاحب سے دم کرانے آتے۔ یہ لوگ بھی بڑے توہم

پرست ہیں۔ تعویذ۔ گنڈا۔ دھاگا۔ دم۔ جادو وغیرہ کے قائل ہیں۔ ماہ رمضان میں پُورا ماہ مسجد میں اعتکاف کی وجہ سے لوگوں سے واقفیت کا میدان پھیل گیا۔ اور لوگ توجّہ سے وعظ سُننے اور اسلام کی ترقّی کی خوشخبری پر اُنکے چہرے دمک اُٹھتے۔

حالات نے یکدم یُوں پلٹا کھایا کہ البانیہ کی پولیس کے کاغذ بیلگراڈ پولیس کے پاس پہنچ گئے۔ مولوی صاحب اُسوقت مرکز سے باہر تھے۔ پولیس کو شبہ کی تقویّت کی گنجائش نکل آئی اور انہوں نے بار بار چکّر لگانے شروع کئے۔ اور جب مولوی صاحب کو یوگوسلاویہ کی پولیس نے ملک سے ۲۴ گھنٹے کے اندر نکلنے کا نوٹس دیا تو دوستوں کو بہت افسوس ہوا۔ شریف دُوتسا صاحب اور اُن کا بھائی اِس سیاسی معاملہ میں کچھ مدد نہ کرسکتے تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اُن کو الگ رہنے کی ہدایت کی۔ اور صرف یہ کہا کہ اگر آپ میرے شریک کار سے میری رقم نکلوادیں تو سفر کی آسانی رہے گی۔ ہوا یہ کہ وہ شخص پولیس کی آمد دیکھ کر سب کچھ فروخت کرکے دوکان بند کرکے بھاگ گیا۔ وقت ختم ہو رہا تھا۔ مولوی صاحب نے بازار میں کھڑے ہوکر سوائے ایک اوورکوٹ OVERCOAT کے سب اشیاء مملوکہ فروخت کردیں اور اپنی جائے رہائش پر آگئے۔ ۲۴ گھنٹے گزر گئے۔ پولیس نے مولوی صاحب کو ہمراہ لیکر یُونان کی سرحد میں داخل کردیا۔ اور واپس آگئی۔ اِس طرح مولوی صاحب بلاکسی خرچ کے یُونان میں منتقل کردئے گئے۔

اُس وقت ایک جہاز اٹلی جانے کے لئے بندرگاہ میں لنگر انداز تھا۔ یہاں سے مولوی صاحب نے جہاز کے عملہ والوں سے گفت وشنید کے ذریعہ کم کرایہ پر ٹکٹ خریدا اور اٹلی چلے گئے۔ وہاں احمدیت کے مبلغ ملک محمد شریف صاحب پہلے سے مقیم تھے۔ اُن سے ملاقات ہوگئی اور سابقہ کوفت دُور ہوئی اور نئی سرگذشت کا آغاز ہوا۔ ان تمام حالات سے قادیان میں حضرت صاحب کو باخبر کیا۔

اِس اثناء میں شریف دُوتسا صاحب کا روم میں مولوی صاحب کو خط ملا۔ کہ وہ سیر کیلئے آرہے ہیں۔ جب وہ آئے تو ایک معقول رقم ہمراہ لائے جو انہوں نے مولوی صاحب کے شریک کار سے وصول کی تھی۔ مولوی صاحب نے مجھے لکھا کہ رقم اِس قدر تھی کہ مُجھ پر حج فرض ہوگیا۔ اور مَیں نے عزم بیت اللہ کرلیا۔ اِس سال حکومت اٹلی نے ایک جہاز میں حاجیوں کیلئے یہ سہولت بہم پہنچائی۔ کہ اُنہیں ارضِ حجاز میں بلا کرایہ پہنچایا جائے گا۔ اِس طرح زیارتِ مکّہ مکرمہ کا بندوبست ہوگیا۔ اور مولوی صاحب حج سے تین ماہ قبل حجاز میں وارد ہوئے۔ مکّہ مکرمہ میں ایک معمولی مکان کرایہ پر لیکر بیت اللہ کے فیوض سے اپنے دامن کو

گر بیان کو بھرنا شروع کر دیا۔ ماہِ رمضان کا سارا وقت۔ اور اعتکاف مسجدِ حرام میں گوشہ نشین رہے۔ ایّامِ حج میں جلالۃ الملک شاہ سعود کے ہندوستانی ملاقاتیوں کے ترجمان کے فرائض ادا کئے اور شاہ ممدوح نے ایک جُبّہ عطاء کیا۔ جو مولوی صاحب اکثر وہاں پہنتے اور اُس کی تصویر مجھے روانہ کی۔

حج کے بعد مولوی صاحب نے اپنے واقفوں، شناساؤں اور ملنے والوں سے گفتگو شروع کی۔ وعظ و نصیحت ہوتی رہی۔ ایک روز کسی نے پولیس کو اطلاع دیدی کہ ہندی اور عرب لوگ اکثر اس ہندی مولوی کے پاس آتے ہیں۔ یہ انگریزوں کا جاسوس معلوم ہوتا ہے۔ پھر کیا تھا۔ پولیس نے فوراً مولوی صاحب کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ یہ جیل حیوانوں کے لئے بھی موزوں نہ تھی چہ جائیکہ اس میں انسانوں کی بسر اوقات ہوتی تھی۔ کھانا کم اور ردّی ملتا تھا۔ اور وُہ بھی بے قاعدہ۔ جیل کے قیدیوں کو کوڑے بھی ننگے بدن پر مارے جاتے تھے۔ اور لوگوں کے چلّانے کی آواز جیل کے کونوں تک سُنائی دیتی تھی۔ مولوی صاحب نے لکھا اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرّف سے اس مار اور برہنگی سے محفوظ رکھا۔ ایک ہفتہ کے بعد ہندوستانی وائس قونصل سیّد لال شاہ صاحب مقیم جدّہ کی طرف سے کوشش پر رہائی حاصل ہوئی اور مولوی صاحب واپس قادیان تشریف لائے۔ بڑے مطمئن تھے اور کبھی شکوۂ روزگار نہ کیا۔ اور دوبارہ باہر جانے کے لئے اپنے تئیں پیش کیا۔ قادیان آنے کے بعد اُن کی شادی ہوئی اور اُن کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اُس کا نام جمال الدین رکھا۔[1]

۱۸؍ نومبر ۱۹۴۲ء[2] کو مولوی صاحب نے دوبارہ بحری سفر اختیار کیا۔ اُنہیں سلسلہ کی طرف سے ڈربن (جنوبی افریقہ) میں بھیجا گیا تھا۔ یہ اٹالین جہاز "تلاوا" بمبئی کی بندرگاہ سے ۱۸؍ نومبر ۱۹۴۲ء روانہ ہوا۔ اُس زمانہ میں جرمن آبدوزیں بحرِ ہند اور بحرِ روم میں بکثرت گشت کر رہی تھیں۔ آنے جانے والے جہازوں پر حملہ کرتی تھیں۔ جہاز خواہ مسافروں کا ہو۔ یا مال سے لدا ہو۔ بلا تمیز جو اُن کی زد میں آتا تھا۔ تارپیڈو سے تباہ کر دیا جاتا تھا۔ انگریزوں کا اسقدر نقصان ہوا تھا کہ اُنہوں نے امریکہ کو امداد کے لئے پکارا اور جنگی امداد کے ذریعہ جنگ کو جاری رکھا۔

تین روز کے سفر کی ایک رات اچانک جرمن آبدوز سطح پر نمودار ہوئی اور تارپیڈو اُس جہاز پر مارا جس سے جہاز وسط سے دوہرا ہو گیا۔ اور پھر غرق ہو گیا۔ بہت تھوڑے مسافر بچائے جا سکے

---

[1] یہ بچہ اب بالغ ہے اور کراچی میں جہازوں کے محکمہ میں بجلی کی ٹریننگ حاصل کر رہا ہے۔ [2] آپ کی قادیان سے روانگی ۱۶؍ نومبر ۱۹۴۲ء کو ہوئی۔ (الفضل ۱۸؍ نومبر ۱۹۴۲ء)

لیکن مولوی صاحب کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔[1]

حضرت امام جماعت احمدیہؓ کا پیغام مذہبی کانفرنس لکھنؤ کے لئے

وسط ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ کے مقام پر ایک مذہبی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے قلم مبارک سے ایک مختصر مگر جامع پیغام بھجوایا۔ جس میں بتایا کہ اسلام خدا تعالیٰ کا مذہب ہے۔ اور اس میں سب قوموں کی بہتری کا سامان ہے۔[2]

احمدیوں کو ہندوستان سے نکالنے کا منصوبہ۔

مسجد شہید گنج کے معاملہ میں اسلامی مفاد کو پامال کرنے کے بعد احرار مسلمانانِ ہند کی نظروں میں گر چکے تھے اور ساتھ ہی احمدیت کو مٹانے کا وُہ سارا طلسم جو اُن لوگوں نے جمہور مسلمانوں پر کر رکھا تھا۔ دُھواں بن کر اُڑ چکا تھا۔ اِس ناکامی سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے احراری اصحاب احمدیت کی مخالفت میں اَور زیادہ تیز ہوگئے۔ چنانچہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب (صدر مجلس احرار) نے ۱۵ رجون ۱۹۳۶ء کو لاہور کے ایک پبلک جلسہ میں (جو اندرون موچی دروازہ چوک نواب صاحب میں منعقد ہوا) یہاں تک کہہ ڈالا کہ:۔

"مسلمانو! مسجد شہید گنج کا خیال چھوڑ دو۔ وُہ تمہیں موجودہ حالات میں نہیں مل سکتی۔ ہمارے رسول ۱۳ سال تک مکّہ میں رہے اور اپنی آنکھوں سے خانۂ خدا کی بے حرمتی دیکھا کئے لیکن آپ نے کبھی کافروں سے یہ نہ کہا کہ مجھے اِس میں نماز پڑھنے دو۔ یا اِس کو بتوں سے پاک کر دو۔ کیونکہ آپ سیاست سمجھتے تھے۔ تم میں اسوقت طاقت نہیں کہ زور حاصل کر سکو۔ اس لئے انتظار کرو۔ کہ وُہ وقت آجائے جب تم طاقتور ہو جاؤ گے اور حکومت حاصل کر لو گے۔ تو ایک شہید گنج کیا ہزاروں شہید گنج تمہارے قبضے میں آجائیں گے۔ مرزائیوں کو ہندوستان سے نکال دو۔ پھر دیکھو ملک میں کیسا امن ہوتا ہے۔"[3]

اِس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کیا کیا سازشیں کی گئیں؟ انکی تفصیل کے بیان کرنے کا یہ موقعہ نہیں۔[4]

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کی ولایت سے تشریف آوری اور مراجعت

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب جو ۶ ستمبر ۱۹۳۴ء کو ولایت تشریف لے گئے تھے۔ اس سال لنڈن سے روانہ ہوکر ۲ رجولائی ۱۹۳۶ء کو بمبئی۔ اور ۴ رجولائی ۱۹۳۶ء کو قادیان میں تشریف لائے۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور حضرت

---

[1] غیر مطبوعہ مکتوب (یکم اکتوبر ۱۹۶۷ء)۔ [2] پیغام کا متن الفضل ۲۶ رمئی ۱۹۳۶ء صفحہ ۳ میں شائع شدہ ہے۔
[3] الفضل ۱۹ رجون ۱۹۳۶ء صفحہ ۲۔ [4] اس منصوبہ کی تکمیل کیلئے احرار نے بعد میں ۱۹۴۶ء تک کا عرصہ معین کیا۔ (ملاحظہ ہو خطبات احرار ص ۳۷ مرتبہ شورش صاحب کاشمیری طبع اوّل مارچ ۱۹۴۴ء)

صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اس روز صبح سویرے ہی بذریعہ موٹر امرتسر تشریف لے گئے۔ اور امرتسر اسٹیشن پر آپ کا استقبال کیا۔ اور اسی گاڑی سے قادیان پہنچے۔ جہاں مقامی جماعت کی طرف سے پرخلوص استقبال کیا گیا اور حضرت صاحبزادہ صاحب کو ہار پہنائے گئے۔[1]

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ الاحد) ڈھائی ماہ قادیان میں قیام پذیر رہنے کے بعد، ۱ر ستمبر ۱۹۳۶ء کو دوبارہ ولایت روانہ ہوگئے۔[2]

میاں سر فضل حسین صاحب کی المناک وفات۔

ایک ایسے وقت میں جبکہ مسلمانانِ پنجاب نہایت ہی نازک مرحلوں میں سے گذر رہے تھے اور ہندوستان میں نیا سیاسی دور شروع ہونے والا تھا۔ ملک سر میاں فضل حسین صاحب ایسے مخلص اور مدبّر سیاسی لیڈر سے محروم ہوگیا۔ میاں صاحب موصوف عرصہ سے بیمار چلے آرہے تھے۔ مگر انہوں نے مسلمانان پنجاب کو منظم کرنے اور دیگر اقوام کا تعاون حاصل کرنے میں اپنی صحت کی کوئی پرواہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آخر ۹ر جولائی ۱۹۳۶ء کی رات کے ساڑھے دس بجے ہندوستان کے اس جلیل القدر مسلم مدبّر اور سیاستدان کا انتقال ہوگیا۔[3]

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۰ر جولائی ۱۹۳۶ء کو خطبہ جمعہ ارشاد فرمانے سے قبل مختصر تقریر کی جس میں سر میاں فضل حسین صاحب کی وفات کو الٰہی نشان قرار دیتے ہوئے بتایا کہ:-

"موت تو سر میاں فضل حسین صاحب کی جولائی میں مقدر تھی اور پہلے عہدہ سے علیحدگی کے بعد ان کے لئے بظاہر کوئی چانس اور موقع ایسا نہ تھا جس میں وہ پھر کوئی عزت حاصل کر سکتے مگر ان کے دشمنوں نے چونکہ انہیں "مرزائیت نواز" کہہ کہہ کر ذلیل کرنا چاہا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کی غیرت میں انہیں عزت دی اور عزت دینے کے بعد انہیں وفات دی۔ اس کیلئے خدا تعالیٰ نے کتنے ہی غیر معمولی سامان پیدا کئے۔ چنانچہ پنجاب کے وزیر تعلیم سر فیروز خاں نون کے انگلستان جانے کا بظاہر کوئی موقع نہ تھا۔ اور جن کو اندرونی حالات کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ آخری وقت تک سر فیروز خاں صاحب نون کے ولایت جانے کے متعلق کوئی یقینی اطلاع نہ تھی بعض اور لوگوں کیلئے گورنمنٹ آف انڈیا اور ولایتی گورنمنٹ بھی کوشش کر رہی تھی۔ اور اگر سر فیروز خان پنجاب میں ہی رہتے

[1] الفضل ۷ر جولائی ۱۹۳۶ء
[2] الفضل ۱۹ر ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۱
[3] الفضل ۱۲ر جولائی ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۴

نواب سر فضل حسین صاحب بغیر کسی عہدہ کے حاصل کرنے کے دنیا سے رخصت ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ بتانا چاہتا تھا کہ جو شخص احمدیت کی خاطر اپنے اُوپر کوئی اعتراض لیتا ہے۔ہم اُسے بھی بغیر عزت دئے فوت نہیں ہونے دیتے۔پس غیر معمولی حالات میں سر فیروز خاں صاحب نون ولایت گئے اور سر میاں فضل حسین صاحب وزیر تعلیم مقرر ہو گئے۔اور چند دنوں کے بعد ہی وفات پا گئے۔ ۱۸رجون کو وُہ پنجاب کے وزیر تعلیم مقرر ہوئے تھے۔اور ۹رجولائی کو فوت ہو گئے۔گویا صرف تین ہفتے وُہ اِس عہدہ پر فائز رہے۔میرے نزدیک یہ بھی خُدائی حکمت اور خدائی تکرتھا جو دشمنوں کو یہ بتانے کیلئے اختیار کیا گیا کہ تم تو اِسکے دشمن ہو اور چاہتے ہو کہ اِسے ذلیل کرو۔لیکن ہم اِس کو بھی ذلیل نہیں ہونے دیں گے جو گو احمدی نہیں مگر احمدیت کی وجہ سے وُہ لوگوں کے مطاعن کا ہدف بنا ہُوا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بر سرِ اقتدار کیا اور اس قدر عزت دی کہ اِن کی وفات سے چند دن پہلے ہی ایک ہندو اخبار نے اِس بات پر مضمون لکھا تھا کہ ہندوستان میں اِس وقت کون حکومت کر رہا ہے اُس نے لکھا کہ گو بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ انگریز حکومت کر رہے ہیں یا وائسرائے حکومت کر رہا ہے یا گورنر حکومت کر رہا ہے۔مگر یہ درست نہیں۔ اصل میں تمام ہندوستان پر سر میاں فضل حسین حکومت کر رہے ہیں۔ . . . . یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب تھا اُن لوگوں کو جو کہتے تھے کہ میاں سر فضل حسین نے چونکہ گورنمنٹ ہند میں ایک احمدی کو وزارت پر مقرر کرایا ہے۔اور وُہ مرزائیت نواز ہیں۔اِس لئے ہم اِنہیں ذلیل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بتا دیا۔ جو شخص احمدیت کی خاطر اپنے نفس پر کوئی تکلیف برداشت کرے گا۔ وُہ گو احمدی نہ ہو۔ہم اُسے بھی ذلیل نہیں ہونے دینگے"[1]

مجلس انصار سلطان القلم کا قیام

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو طالبعلمی کے زمانہ ہی سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے پاکیزہ علم کلام اور مقدس لٹریچر سے گہری شیفتگی اور وابستگی رہی ہے۔اسی طبعی جوش اور فطری جذبہ کے تحت آپ نے ۱۴رستمبر ۱۹۳۶ء کو مولانا ابو العطاء صاحب شیخ محبوب عالم صاحب خالد اور بعض دوسرے اہلِ قلم احمدی دوستوں کو اپنی کوٹھی النصرۃ میں مدعو کیا اور ایک مبارک تجویز پیش کی۔ آپ نے فرمایا۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاکیزہ علم کلام کی بکثرت اشاعت کرنا۔مغربی فلاسفروں

---

[1] الفضل ۱۲رجولائی ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲-۳ ۔

گئے اعتراضات کے جواب لکھنا اور مختلف مذاہب کی پوری تحقیق کرنا اور اسلامی اصول کو علمی روشنی میں دنیا کے سامنے پیش کرنا ہمارا اہم ترین فرض ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ اس بارہ میں تحقیقات پر مبنی اور ٹھوس معلومات پر مشتمل لٹریچر احمدیت کے نقطہ نگاہ سے مہیا کریں اور اس کو اکناف عالم میں پھیلائیں۔

اس مبارک اور قیمتی تجویز پر تمام حاضرین نے لبیک کہا اور اس کی تکمیل کے لئے ایک مجلس "انصار سلطان القلم" کے نام سے قائم کی گئی جس کے صدر مولانا ابو العطاء صاحب فاضل اور سیکرٹری شیخ محبوب عالم صاحب خالد بی اے (آنرز) منتخب ہوئے۔

مجلس کے معرض وجود میں آنے کے بعد عام اجلاس میں قرار پایا کہ اس کا ہر ممبر کم ازکم ہر ماہ ایک مضمون اخبار الفضل کے لئے لکھے۔ نیز فیصلہ کیا گیا کہ علمی اور دینی سوالات کے مختصر جوابات اخبارات میں بھجوائے جایا کریں[1]۔ یہ مجلس غالباً ۱۹۳۸ء تک مفید کام کرتی رہی۔

حضرت امیر المومنینؓ کی کار پر حملہ

حضرت مرزا شریف احمد صاحب پر حملہ کا زخم ابھی تازہ ہی تھا کہ ۱۷ ستمبر ۱۹۳۶ء کو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی کار پر ایک بدقماش نے حملہ کر دیا۔ اس المناک حادثہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اپنے لخت جگر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو اسٹیشن پر الوداع کہہ کر سات بجے شام کے قریب جب بذریعہ موٹر اپنے گھر تشریف لا رہے تھے تو حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کی گلی میں جب موٹر پہنچی تو کسی بدباطن معاند نے ایک پتھر زور سے حضور کی کار پر پھینکا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پتھر موٹر کی چھت پر لگا۔ موٹر فوراً ٹھہرالی گئی۔ اور چند منٹ تک اِدھر اُدھر حملہ آور کی تلاش کی گئی مگر کوئی دکھائی نہ دیا۔ اس کے بعد حضور موٹر پر ہی سوار ہو کر گھر تشریف لے گئے۔

یہ واقعہ اگرچہ نہایت درجہ اہم اور رُوح فرسا تھا۔ مگر بطور احتجاج تھانہ میں اس کی کوئی اطلاع نہ دی گئی۔ کیونکہ ان دنوں حکومت پنجاب کے افسروں کی آنکھیں بدلی ہوئی تھیں۔ اور پولیس کے بہرے کانوں پر جماعت کی مسلسل چیخ و پکار کا کوئی اثر نہ تھا۔ اور نہ وہ احرار کی بڑھتی ہوئی شرارتوں اور ان کی انتہائی کمینہ حرکات کا کوئی مناسب تدارک کرتی تھی۔[2]

اس واقعہ پر قدرتی طور پر پوری جماعت احمدیہ میں زبردست جوش و خروش پیدا ہو گیا اور مخلصین نے

---

[1] الفضل ۲۵ نومبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ ٭ [2] الفضل ۱۹ ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۱ ٭

حضور کی خدمت میں متواتر خطوط اور تاروں سے اپنے بے پناہ جذباتِ عقیدت و فدائیت کا ثبوت دیا۔[1]

واقعہ کی تفصیلات حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے مقدّس الفاظ میں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۷ ستمبر ۱۹۳۶ء کے خطبہ جمعہ میں اس واقعہ پر بالتفصیل روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ:۔

"جبکہ ہم سٹیشن سے واپس آرہے تھے تو اُس گلی میں جو شیخ یعقوب علی صاحب کی گلی کہلاتی ہے اُن کے گھر کے قریب جب موٹر گذر رہا تھا تو اس کی چھت پر قریباً اُسی جگہ جہاں میں بیٹھا تھا مگر ذرا بائیں طرف بائیں کندھے کے اُوپر کے قریب کوئی چیز زور سے گری۔ اُسکے اندر اچھی زور کی طاقت تھی کیونکہ موٹر کی چھت پر کپڑا ہوتا ہے۔ اور اُسکے اور لکڑی کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے۔ مگر وُہ چیز اس زور سے گری کہ کپڑے سمیت چھت سے آلگی۔ اور چھت کانپی اور یُوں معلوم ہُوا کہ اس میں سے کچھ ذرّے بھی گرے ہیں۔ حالانکہ اس کے نیچے بھی کپڑا ہوتا ہے۔ اس کے گرنے پر مَیں نے ڈرائیور سے کہا۔ وُہ موٹر ٹھیرائے۔ تا دیکھا جائے کہ کیا بات ہے۔ مگر چونکہ موٹر کی رفتار تیز ہوتی ہے اور موٹر چلانے والا ارادہ کے باوجود اسے یک دم نہیں روک سکتا۔ اسلئے اُسے موٹر کو روکنے میں کچھ دیر لگی۔ تب مَیں نے دوبارہ اُسے کہا کہ موٹر کو جلدی کھڑا کرو۔ چنانچہ اُس نے موٹر کو کھڑا کیا۔ مگر وہ اندازاً دس پندرہ گز کے فاصلہ پر جاکر کھڑی ہُوئی۔ اور جس جگہ وہ ٹھہری وہاں میاں فیروزالدین صاحب پٹواری کا مکان ہے۔ وہ باہر رہتے ہیں مگر اُن کا گھر یہیں ہے۔ لیکن وقوعہ اس مکان سے دس یا پندرہ یا بیس گز پرے کا ہونا چاہیئے یا اس سے کم و بیش۔ کیونکہ چلتی ہوئی موٹر کے فاصلہ کا اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن بہرحال یہ فاصلہ پانچ دس گز سے پندرہ بیس گز تک ہوسکتا ہے۔ موٹر کے ٹھہر جانے پر مَیں نے اُس کے پائدان پر کھڑے ہوکر چھت کو دیکھا تو مجھے معلوم ہُوا کہ جو چیز گری تھی اُس کا اس حصّہ چھت پر کوئی نشان نہ تھا۔ جس کے متعلّق مجھے خیال تھا کہ اس پر کوئی چیز پھینکی گئی ہے۔ البتہ اسکے اگلے حصہ پر جو بالکل قریب زمانہ میں مُرمّت کرایا گیا تھا۔ تین چار یا پانچ۔ مَیں صحیح نہیں کہہ سکتا مگر متعدّد جگہ سے کپڑا پھٹا ہوُا تھا۔ مگر ڈرائیور نے مجھے بتایا کہ عزیزم ناصر احمد[2] دو تین ہفتہ پہلے جب اپنی پھوپھی سے ملنے کے لئے ڈلہوزی گئے تھے تو وہاں سے واپسی پر پہاڑ سے کچھ پتھر گرتے تھے۔ یہ کپڑا اُن پتھروں سے پھٹا تھا۔ اور یہ نشان اُن ہی پتھروں کے ہیں۔ پس یہ نشانات پھینکی ہُوئی چیز کیطرف

---

[1] الفضل ۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۳ ؛ [2] یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ناشر)

منسوب نہیں کئے جاسکتے تھے۔ بعد میں مَیں نے بعض دوستوں سے کہا تھا کہ وُہ دیکھ لیں کہ آیا یہ سارے نشانات بھی پُرانے ہیں یا اُن میں سے کوئی نیا نشان بھی ہے۔ اُنہوں نے خود تو مجھے اپنی تحقیق کی اطلاع نہیں دی۔ لیکن مَیں نے سُنا ہے کہ دیکھنے پر وُہ سب نشانات پُرانے ہی معلوم ہوئے ہیں۔ بہرحال وُہ نشان اِس وقت کے خیال کے مطابق زیرِ بحث نہیں آسکتے۔ اِس امر کا اندازہ کہ جو چیز پھینکی گئی تھی وُہ کس زور سے گری تھی۔ اِس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب میں نے موٹر کے روکنے کے لئے کہا کہ دیکھیں کیا چیز موٹر پر پھینکی گئی ہے۔ تو اُس وقت ہمراہیوں میں سے ایک نے کہا کہ ٹائر برسٹ ہوا ہے۔ جن لوگوں نے ٹائر برسٹ ہوتے سُنا ہے وُہ جانتے ہیں کہ اسکی اچھی بلند آواز ہوتی ہے۔ خیر موٹر کے کھڑا ہونے پر بعض دوست اُتر کر اُس گھر کے اندر گھُس گئے جس کے آگے کار ٹھہری تھی۔ اور اُس کی چھت پر چڑھ کر حملہ آور کو دیکھنے لگے۔ حالانکہ چھت پر چڑھتے چڑھتے حملہ آور دور تک نکل جاسکتا ہے۔ پہلے مجھے شبہ ہوا کہ ان دوستوں نے یہ خیال کیا ہے کہ اسی گھر سے چیز پڑی ہے۔ اور اسپر مَیں نے دُوسرے دوستوں سے کہا کہ یہ اُنکی غلطی ہے۔ موٹر تو آگے آچکی ہے۔ لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وُہ اس کی چھت پر چڑھ کر یہ دیکھنے گئے تھے کہ شاید اس چیز کا پھینکنے والا نظر آجائے۔ اس کے بعد چاروں طرف تلاش کی گئی مگر چیز پھینکنے والے کا کوئی پتہ نہ لگا۔ یہ چیز ایک تو بائیں طرف کی گلی سے پھینکی جاسکتی تھی یا اس سے پہلے ایک کھولہ ہے وہاں سے پھینکی جاسکتی تھی۔ اور ایک مکان ہے جو مقفل ہے اس مقفل مکان سے بھی چیز پھینکی جاسکتی تھی بشرطیکہ یہ سازش ہو۔ کیونکہ جو لوگ جرائم کی حقیقت سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ مجرموں کو گھروں میں داخل کرکے باہر سے تالا لگا دیا جاتا ہے اور اِس طرح جُرم کا سُراغ لگنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ تحقیق کرنے والے جب وہاں سے گذرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اِس جگہ سے تو یہ جرم نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہاں قفل لگا ہوا ہے۔ پھر جب وُہ پتہ لگانے سے مایوس ہو جاتے ہیں تو گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد لوگ آتے ہیں اور تالا کھول کر مجرم کو نکال لے جاتے ہیں۔ اگر یہ فعل کسی سازش کا نتیجہ تھا تو ممکن ہے کہ اِس فعل کا ارتکاب اِس مقفل گھر ہی سے ہُوا ہو۔ لیکن مقفل گھر کو کھولنا قانون کے خلاف ہے۔ اور پولیس ہی ایسا کر سکتی تھی جو وہاں موجود نہ تھی۔ تلاش کے وقت بھی مَیں نے اِس خیال کا اظہار کیا تھا کہ ممکن ہے اِس گھر سے چیز پھینکی گئی ہو۔ بہرحال جب لوگ تلاش کر چکے اور اُنہیں کوئی آدمی نظر نہ آیا تو کسی

ہمارے دوست نے کہا کہ تلاش تو کرو کہ وہ چیز جو گری ہے کیا اور کہاں ہے؟ اس وقت تک سب لوگ اسے یقینی طور پر پتھر سمجھ رہے تھے۔ اور مجھے بھی اس وقت تک یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اگر پتھر ہوتا تو نشان چھت پر لگ جاتا۔ اس لئے غالباً یہ کوئی اور شئے ہے۔ (گو بعض صورتوں میں نشان نہیں بھی ہو سکتا لیکن ننانوے دفعہ پتھر کا نشان ہونا چاہیئے) اس لئے میں نے بھی اُس دوست کی تائید کی۔ اور کہا کہ اس چیز کو تلاش کرو۔ مگر چونکہ مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ اس لئے ایک آدھ منٹ کے بعد ہی میں نے کہہ دیا کہ اب چلو۔ ہاں ایک بات رہ گئی ہو یہ ہے کہ میرے پیچھے جو سائیکلسٹ آرہے تھے۔ اُن سے جب مَیں نے دریافت کیا کہ تم کو معلوم ہے وُہ چیز کس طرف سے آئی تھی تو اُنہوں نے دائیں طرف سے اس کا آنا بتایا (یعنی شمال سے آتے ہُوئے جو دائیں طرف ہے یعنی مغرب کی سمت)۔ ہم جو موٹر میں تھے۔ دھماکے سے ہمارا بھی یہی اندازہ تھا کہ وُہ چیز شمال مغربی سمت سے آگری ہے۔ اسکی تصدیق سائیکلسٹوں نے بھی کی جنہوں نے یہ بیان کیا کہ انہوں نے خود ادھر سے ایک چیز آتی ہُوئی دیکھی ہے جسے وہ ایک ہاتھ کے برابر پتھر سمجھتے تھے۔ جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے۔ چونکہ مغرب کا وقت ہو گیا تھا۔ مَیں دوستوں کو ساتھ لے کر موٹر میں سوار ہو گیا اور مزید تحقیق ترک کر دی گئی

میری غرض وہاں ٹھہرنے سے صرف اتنی تھی کہ اگر کوئی شخص ایسا پایا جائے تو ہمیں علم ہو جائے کہ وُہ کون شخص ہے اور دوسرے مَیں اُسے نصیحت بھی کروں کہ ایسی فضول باتوں سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے واقعات درحقیقت انبیاء کی جماعتوں سے ہونے لازمی ہیں اور ہوتے رہتے ہیں۔ ..... اُسی دن کا جس دن یہ وقوعہ ہُوا۔ یہ بھی واقعہ ہے جس کی رپورٹ مجھے پہنچی کہ وُہی "حنیفا" جس نے میاں شریف احمدؓ صاحبؓ پر لاٹھی سے وار کیا تھا۔ اُس سے ایک گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ایک شخص نے معانقہ کیا۔ اور میاں شریف احمد صاحبؓ پر حملہ کے واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے کہا۔ آپ نے نہایت اعلیٰ کام کیا ہے۔ سب مسلمان آپ کو غازی سمجھتے ہیں۔ اس واقعہ کو اگر موٹر کے وقوعہ سے ملایا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ بعض لوگ اسی حرکت کے لئے دُوسروں کو تیار کرنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ کیونکہ جب ایسے کاموں کی تعریف کی جائے اور کہا جائے۔ کہ آپ تو اس کام کی وجہ سے غازی بن گئے ہیں۔ تو کئی نوجوانوں کو خیال آجاتا ہے کہ ہم بھی غازی بننے کی کوشش کریں۔ وُہ یہ نہیں سمجھتے کہ پہلا غازی تو چھپتا پھرتا تھا اور پھر پولیس اُسکی نگرانی کرتی رہی

اور اب بھی اِس وقوعہ کے بعد پولیس اُسکے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ کیونکہ پولیس کو اگر حفاظت کی ضرورت نظر آتی ہے تو صرف اِس غازی کی۔ اُس سے گورنمنٹ کو کچھ ایسی محبت ہے کہ وہ عشق کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہے۔ اور یہاں کی پولیس کا تو اُس سے لیلیٰ مجنوں والا تعلق ہے۔ جب بھی کوئی واقعہ ہو دوڑ کر وہ اُسکے گرد جمع ہو جاتی ہے کہ ہمارے اِس محبوب کو کوئی نقصان نہ پہنچا وے۔ حالانکہ عقلمند احمدی کی تو جُوتی بھی اُسے منہ پڑنے سے شرمائے گی۔ ایسے ذلیل آدمی کا مقابلہ کر کے کسی نے کیا لینا ہے۔ آخر یہ بھی تو انسان کو دیکھنا پڑتا ہے کہ میرے مقابلہ میں ہے کون"۔ [۱]

فصل ہفتم

بعض جلیل القدر صحابہؓ کا انتقال

۱۹۳۶ء میں مندرجہ ذیل جلیل القدر صحابہ کا انتقال ہوا:۔

۱۔ حضرت سیّد ناصر شاہ صاحب قادیانی۔ (تاریخ وفات یکم جنوری ۱۹۳۶ء [۲]) ایک نہایت مخلص صحابی جن کا تذکرہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آسمانی نشان کے گواہ کی حیثیت سے تتمہ حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۱۵۷ - ۱۵۸ پر فرمایا ہے۔ نزول المسیح کی طباعت روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے معرض التواء میں تھی۔ آپ کو خواب میں تحریک ہوئی۔ چنانچہ رخصت لیکر قادیان آئے اور ۲۵۰ روپے حضرت مسیح موعود کی خدمت اقدس میں پیش کر دیئے اور درخواست کی کہ اس کتاب کی اشاعت کے جملہ اخراجات میں ادا کروں گا۔ ان کی یہ درخواست حضور نے منظور فرمائی۔ [۳]

۲۔ حضرت شیخ نور احمدؓ صاحب سابق مختار عام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تاریخ وفات ۲۹ جنوری ۱۹۳۶ء) [۴]

۳۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب آنریری جنرل سکرٹری انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ (تاریخ وفات ۱۲ فروری ۱۹۳۶ء) [۵] حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مرحوم کے برادر زادہ مرزا مسعود بیگ

---

[۱] الفضل ۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۲ تا ۵۔ [۲] الفضل ۴ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۲۔ [۳] الحکم ۲۱ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۶۔ اور الحکم ۲۸ جنوری ۱۹۳۶ء میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؓ نے ہزار یا ڈیڑھ ہزار کی رقم حضور اقدس کی خدمت میں پیش کی تھی۔ (صفحہ ۱۱ کالم ۳)۔ مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو (الفضل ۱۲ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۶)۔ [۴] الفضل ۳۱ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ [۵] اخبار "پیغام صلح" لاہور ۱۵ فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۴۔

صاحب کو حسب ذیل تعزیت نامہ لکھا:۔

"عزیزم مکرم مرزا مسعود بیگ صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ آپ کا خط ملا۔ میں سندھ گیا ہوا تھا۔ وہی خط پھرتا پھراتا کوئی آٹھ دس دن بعد ملا۔ ڈاکٹر صاحب کی وفات کا بہت افسوس ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میری طرف سے اپنی والدہ صاحبہ اور دیگر عزیزوں کو بھی ہمدردی کا پیغام پہنچادیں۔ مجھے آپ سب لوگوں کے صدمہ سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم پر اپنا فضل فرمائے۔ اور پسماندگان کو بھی اپنی رحمت کے سایہ تلے رکھے۔ مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کے ابتداء میں ایمان لائے تھے۔ اس لئے جب سے ہوش سنبھالا انہیں جانتا تھا اتنے لمبے تعلق کی وجہ سے افسوس کا احساس اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ یوں بھی باوجود اختلاف کے انہوں نے تعلق رکھا۔ اور ہمیشہ ملتے رہتے تھے۔ مگر سوائے اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونے کے اور کیا چارہ ہے"[1]

۴۔ چوہدری مولا بخش صاحب نمبردار چک ۳۵ جنوبی ضلع سرگودھا (تاریخ وفات ۴ ارمارچ ۱۹۳۶ء)[2] آپ کو ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعودؑ کے دست مبارک پر بیعت کرنیکا شرف نصیب ہوا۔ بڑے عابد انسان تھے۔[3]

۵۔ عصمت اللہ صاحب (والد بزرگوار ڈاکٹر محمد اشرف صاحب) للہ ضلع جہلم (تاریخ وفات ۱ارمئی ۱۹۳۶ء)[4]

۶۔ بابو محمد عبداللہ صاحب ٹھیکیدار بھٹہ قادیان (تاریخ وفات ۴ارمئی ۱۹۳۶ء)[5]

۷۔ حاجی محمد یوسف صاحب زرگر امام الصلوٰۃ جماعت احمدیہ پنڈی چری (تاریخ وفات ۲۸رمئی ۱۹۳۶ء) اپنے علاقہ میں احمدیت کا ایک چلتا پھرتا نمونہ تھے۔[6]

۸۔ حضرت سید عزیز الرحمٰن صاحب بریلوی مہاجر قادیان (تاریخ وفات ۷ارجولائی ۱۹۳۶ء)[7]

۹۔ چوہدری غلام رسول صاحب گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ (تاریخ وفات ۸ راگست ۱۹۳۶ء)[8]

---

[1] الفضل ۱۳ارمارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۲۱رجون ۱۹۳۶ء صفحہ ۶ و پیغام صلح ۱۵ارفروری ۱۹۳۶ء۔
[2] الفضل ۱۹ارمارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ [3] الفضل ۲۷رجون ۱۹۳۶ء صفحہ ۵ کالم ۳ و ۴۔ [4] الفضل ۲۱رجون ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ کالم ۱
[5] الفضل ۱۷رجولائی ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۔ [6] الفضل ۷رمارچ ۱۹۳۷ء صفحہ ۸۔ [7] الفضل ۱۹ارجولائی ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ مفصل حالات الحکم ۱۴۔۲۱ رنومبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۶ و ۷۔ الحکم ۷ر دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۶ پر شائع شدہ ہیں۔
[8] الفضل ۶رستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۸ کالم ۱۔

۱۰۔ حضرت حاجی احمد جی صاحب دانہ ہزارہ (تاریخ وفات ۱۸ اگست ۱۹۳۶ء)۔ ۱۹۰۶ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی۔ تہجد گذار اور عابد و زاہد بزرگ تھے۔ اپنے مکان کے ساتھ ہی مسجد تعمیر کی۔ چندوں کی ادائیگی میں خاص التزام فرماتے تھے۔[1]

۱۱۔ میرزا یوسف علی خاں صاحب پشاوری (تاریخ وفات ۲۸ ستمبر ۱۹۳۶ء) تبلیغ احمدیت کا بے حد جوش ولولہ اور شوق تھا۔ بہت نڈر، غیور اور دلیر احمدی تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے ہم جماعت ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔[2]

۱۲۔ لیفٹنٹ سردار محمد ایوب خاں بہادر او بی ای اے ڈی سی پنشنر ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ مراد آباد متوطن شاہجہانپور (تاریخ وفات ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر ۱۹۰۲ء میں بیعت کا شرف حاصل کیا تھا۔[3]

۱۳۔ حاجی عبدالعزیز صاحب سیالکوٹی والد ماجد ڈاکٹر عطاء اللہ صاحب بٹ پرنسپل طبیہ کالج علی گڑھ۔ (تاریخ وفات ۹ نومبر ۱۹۳۶ء)۔ ۱۸۹۳ء میں حضرت مسیح موعودؑ کے حلقہ غلامی میں آئے۔[4]

۱۴۔ بابا اللہ داد صاحب متوطن مدرسہ چٹھہ ضلع گوجرانوالہ (تاریخ وفات ۱۱ نومبر ۱۹۳۶ء)[5]

۱۵۔ میاں امام الدین صاحب ساکن دھرم کوٹ بگہ (تاریخ وفات ۱۰ دسمبر ۱۹۳۶ء)[6]

ان بزرگ صحابہ کے علاوہ اس سال حسب ذیل مخلصین احمدیت نے بھی وفات پائی۔

(۱) خان بہادر شیخ آصف زمان خانصاحب ڈپٹی کلکٹر گونڈہ شاہجہانپور[7] (۲) مولوی عبدالقادر صاحب کٹی مالاباری آف کنانور[8] (۳) شیخ غلام قادر صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ پٹھانکوٹ[9] (۴) حافظ سید عبدالمجید صاحب امیر جماعت احمدیہ منصوری[10]۔ (۵) شیخ جان محمد صاحب امیر جماعت احمدیہ سیالکوٹ[11]

---

[1] الفضل ۶ ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ و ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۰۔ [2] مفصل حالات حضرت قاضی محمد یوسف صاحب آف ہوتی مردان نے الفضل ۸ اکتوبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۶ پر شائع کر دیئے تھے۔ [3] الفضل ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ [4] الفضل ۱۲ نومبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ [5] الفضل ۱۲ نومبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ [6] الفضل ۰ دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۔ [7] والد ماجد میجر عارف زمان خانصاحب حال ناظر امور خارجہ تاریخ وفات ۹ مئی ۱۹۳۶ء (الفضل ۳ جون ۱۹۳۶ء صفحہ ۲)۔ [8] تاریخ وفات جون ۱۹۳۶ء۔ مالابار کے پہلے احمدی تھے۔ آپ ۱۹۰۲ء میں داخل سلسلہ ہوئے۔ مگر زندگی میں حضرت مسیح محمدیؐ کی زیارت نہ کر سکے (الفضل ۲۸ جون ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۳)۔ [9] والد ماجد عبدالمجید صاحب سیالک۔ عبدالرؤف صاحب ساحر و عبدالجلیل صاحب عشرت تاریخ وفات ۵ جولائی ۱۹۳۶ء۔ آپ کے فرزند جناب عبدالجلیل صاحب عشرت آپ کے مختصر سوانح الفضل ۱۰ جولائی ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ اور الفضل ۲ ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۸ پر شائع کرا چکے ہیں۔ [10] تاریخ وفات ۲۸ اگست ۱۹۳۶ء حالات کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۳۰ اگست ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ الفضل ۵ ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۲)۔ [11] تاریخ وفات یکم ستمبر ۱۹۳۶ء (الفضل ۵ ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۲)

فصل ہشتم

مشترکہ دُعائیں کرنے کا فرمان حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ہمیشہ جماعت احمدیہ کو دُعائیں کرنے کی تحریک فرماتے رہتے تھے۔ ۱۱ دسمبر ۱۹۳۶ء کو جمعہ کا مبارک دن اور رمضان کا پچیسواں روزہ تھا۔ اس روز حضور کے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ رمضان کے مبارک ایام اب قریب الاختتام ہیں۔ ہمیں ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی صورت یہ اختیار کرنی چاہیئے کہ آج اور کل کی دو راتوں میں ایسی دُعائیں کی جائیں جو مشترکہ ہوں۔ چنانچہ حضور نے خطبہ جمعہ میں جماعت کو اس امر کی طرف زوردار طریق پر توجہ دلائی اور دو راتوں کے لئے مندرجہ ذیل دو مشترکہ دُعائیں تجویز فرمائیں:-

پہلی دُعا۔ "الٰہی تیرا عفو تام اور توبۂ نصوح ہمیں میسر ہو۔ اور نہ صرف ہمیں میسر ہو بلکہ ہمارے خاندان کو ہمارے ہمسایوں کو، ہمارے دوستوں کو، ہمارے عزیزوں کو اور رشتہ داروں کو اور ہماری تمام جماعت کو، یہ نعمت میسر آجائے۔ خدایا ہم تیرے عاجز و خطاکار اور گنہگار بندے ہیں۔ ہم سخت کمزور اور ناتواں ہیں۔ جالوں اور پھندوں میں ہم نے اپنے آپ کو پھنسا رکھا ہے۔ ان میں سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں اور ہماری نجات کی کوئی صورت نہیں سوائے اسکے کہ تیرا عفو تام ہم پر چھا جائے۔ اور آئندہ کے لئے وہ توبۂ نصوح ہمیں حاصل ہو جائے جس کے بعد کوئی ذلت اور کوئی تنزّل نہیں ہے۔"[1]

دُوسری دُعا۔ "اے خدا تُو کامل ہے۔ ہر تعریف سے مستغنی ہے۔ ہر عزت سے مستغنی ہے۔ ہر شہرت سے مستغنی ہے۔ تجھے اس بات کی کوئی حاجت نہیں کہ تیرے بندے تجھ پر ایمان لاتے ہیں یا نہیں۔ اُن کے مان لینے سے تیری شان میں کوئی ترقی نہیں ہو سکتی۔ اور اُن کے نہ ماننے سے تیری شان میں کوئی کمی نہیں آ سکتی مگر اے ہمارے ربّ! گو تُو محتاج نہیں لیکن دُنیا تیرے نُور کی محتاج ہے۔ اور ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ تیری صفات دُنیا پر جلوہ گر ہوں۔ اور تیرا نُور عالم پر پھیلے اور تمام بنی نوع انسان تجھ پر ایمان لائیں اور تیری بادشاہت دنیا میں قائم ہو۔ اے خدا اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے غریب بندوں کی خاطر دُنیا پر رحم فرما۔ اپنی خالقیت کے اظہار کیلئے نہیں بلکہ مخلوق پر ترحّم اور شفقت کرنے کیلئے انہیں وُہ راستہ دکھا۔ جو اُنہیں تیرے قُرب تک پہنچانے والا ہو۔ اور جس کے نتیجہ میں تیری بادشاہت دُنیا پر قائم ہو جائے۔ تا بنی نوع انسان تیرے نُور سے مُنوّر ہو جائیں۔ اُن کے دِل روشن ہو جائیں،

[1] الفضل ۱۳ دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۶ کالم ۱ و ۲

اُن کی آنکھیں چمک اُٹھیں اور اُن کے ذہن تیز ہو جائیں۔" [1]

حضور نے مندرجہ بالا دُعاؤں کا تذکرہ کرتے ہوئے احباب جماعت کو یہ بھی تلقین فرمائی کہ:-

"سال میں سے کم از کم ایک دن تم خدا تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہوں پر روؤ اور خوشی کی چیز اُس سے کوئی نہ مانگو۔ اُس سے روپیہ نہ مانگو۔ اُس سے پیسہ نہ مانگو۔ اُس سے دولت نہ مانگو۔ اُس سے صحت نہ مانگو۔ اُس سے قرضوں کا دُور ہونا نہ مانگو۔ اُس سے اعزاز نہ مانگو۔ اُس سے اکرام نہ مانگو۔ پھر یہی مانگو کہ خدایا تیرا عفو تام ہمیں حاصل ہو۔ اور توبۂ نصوح ہمارے لئے میسر ہو جائے۔ اِس دُعا کو مختلف رنگوں میں مانگو۔ مختلف طریقوں سے مانگو۔ مختلف الفاظ میں مانگو۔ اپنے لئے مانگو۔ اپنی بیویوں کے لئے مانگو۔ اپنے بچوں کیلئے مانگو۔ اپنے دوستوں کیلئے مانگو۔ اپنے ہمسائیوں کیلئے مانگو۔ اپنے شہروالوں کے لئے مانگو۔ اور پھر ساری جماعت کے لئے مانگو۔ مگر چیز ایک ہو۔ بات ایک ہو۔ رنگ ایک ہو۔ سُر ایک ہو۔ تال ایک ہو۔ اور جو کہو اُس کا خلاصہ یہ ہو۔ ہم تیرا عفو تجھ سے ہی چاہتے ہیں۔ پس اُس عفو سے مانگو۔ اُس غفار سے مانگو۔ اُس ستار سے مانگو۔ اُس توّاب سے مانگو۔ اور اگر تم اُس سے رحمانیت مانگو۔ تو اسی لئے کہ وہ تمہیں اپنا عفو تام اور توبۂ نصوح دے۔ اور اگر رحیمیّت مانگو تو بھی اسی لئے کہ وہ تمہیں اپنا عفوّ تام اور توبۂ نصوح دے۔" [2]

ایڈورڈ ہشتم کی تخت شاہی سے دستبرداری پر حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے تأثرات۔

شاہ ایڈورڈ ہشتم نے رسمِ تاجپوشی کی تقریب پر مذہبی رسوم کی ادائیگی سے انکار کر دیا تھا۔ جسپر آرچ بشپ آف کنٹربری اور مذہب سے دلچسپی رکھنے والے برطانیہ کے بعض دُوسرے مذہبی خیال کے وزراء بھی اِس تقریب میں شمولیت سے دستکش ہو گئے۔ بشپ بریڈفورڈ نے کہا کہ بادشاہ کو مذہب کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہیئے۔ یہ اندرونی کشمکش اندر ہی اندر جاری تھی کہ بادشاہ معظم نے ایک مطلقہ خاتون مسز سمپسن سے شادی کرنا چاہی تو برطانوی نظام کلیسا میں سخت زلزلہ برپا ہو گیا۔ اور پادریوں نے شور مچا دیا کہ بادشاہ کا یہ فعل ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جس عورت کا پہلا خاوند زندہ ہو وہ ہماری ملکہ کیونکر ہو سکتی ہے۔ بعض نادانوں نے تو یہاں تک کہا کہ بادشاہ چاہیں تو پرائیویٹ تعلقات اس عورت سے رکھ سکتے ہیں۔ لیکن شادی کر کے مطلقہ عورت کو عزّت بخشنا اُن کے لئے جائز نہیں۔

دراصل بادشاہ کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ اگر تخت پر رہتے ہوئے مَیں نے شادی کی تو ملک میں فساد ضرور ہوگا۔

---

[1] الفضل ۱۲؍ دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۷ کالم ۳-۴ ؁ [2] الفضل ۱۳؍ دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۶ کالم ۲ و ۳ و ۴

گو اکثریت میرے ساتھ ہوگی۔ لیکن پھر بھی ایک زبردست اقلیت مقابلہ پر کھڑی ہو جائے گی۔ اور اسی طرح بعض نوآبادیاں بھی شورش پر آمادہ ہو جائیں گی۔ بادشاہ نے آخری جدوجہد یہ کی کہ وزراء سے کہہ دیا کہ آپ لوگوں کو ایک مطلّقہ عورت کے ملکہ ہونے پر ہی اعتراض ہو سکتا ہے۔ سو میں اس کیلئے بھی تیار ہوں کہ ایک خاص قانون بنا دیا جائے کہ میری بیوی ملکہ نہ ہوگی۔ لیکن وزارت نے اِس سے بھی انکار کیا۔ پس صُورتِ حالات یہ پیدا ہوگئی کہ ایک طرف تو اِس مشکل کا واحد حل کہ بادشاہ کی بیوی ملکہ نہ ہو۔ وزارت نے مہیّا کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسری طرف بادشاہ دیکھ رہے تھے کہ میرے سامنے دو چیزیں ہیں۔ ایک طرف ملک نہیں بلکہ ملک کی ایک اقلیّت کی خواہش کہ ایک مطلّقہ عورت سے شادی نہیں کرنی چاہیئے۔ اور دُوسری طرف یہ سوال کہ ایک عورت جو مجھ سے شادی کیلئے تیار ہے اور جس سے شادی کا میں وعدہ بھی کر چکا ہوں۔ اُس کو اِس وجہ سے چھوڑ دوں کہ چُونکہ تُو مطلّقہ ہے اِس لئے میرے ساتھ شادی کے قابل نہیں۔ ایک طرف ایک اقلیّت ہے جسے قانون کوئی حق نہیں دیتا۔ اور دُوسری طرف ایک ایسے وجود کو زیرِ الزام لاکر چھوڑنا ہے جسے قانون شادی کا حق بخشتا ہے۔ یقیناً ایسی صورت میں بادشاہ کے لئے ایک ہی راستہ کھلا تھا کہ وُہ اُس کا ساتھ دیتے جس کے ساتھ قانون تھا۔ لیکن چُونکہ ایسا کرنے میں ملک میں فساد کا اندیشہ تھا۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مَیں اُس عورت کی بے عزّتی نہیں ہونے دُوں گا جس سے مَیں نے وعدہ کیا ہے۔ اور مَیں مُلک میں فساد بھی نہیں ہونے دُوں گا۔ پس ان دونوں صورتوں کے پَیدا کرنے کے لئے مَیں وُہ قدم اُٹھاؤں گا جس کے اُٹھانے کے لئے غالباً بہت سے لوگ تیار نہ ہونگے۔ یعنی مَیں بادشاہت سے الگ ہو کر مُلک کو فساد سے اور اپنی ہونے والی بیوی کو ذِلّت سے بچا لُوں گا۔ اور اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔

برطانوی بادشاہ مُلکی قانون و آئین کے اعتبار سے محافظِ عیسائیت (DEFENDER OF FAITH) تسلیم کیا جاتا ہے۔ لہٰذا تاجدار برطانیہ کی دستبرداری کے اس واقعہ سے (جو ۱۰ دسمبر ۱۹۳۶ء کو ہوا) نہ صرف انگلستان میں بلکہ دُنیا بھر کی برطانوی مقبوضات میں ایک تہلکہ مچ گیا اور آرچ بشپ آف کنٹر بری[1] نے اصل

---

[1] چنانچہ آرچ بشپ آف کنٹر بری نے ایڈورڈ ہشتم کی دستبرداری کو اصول کی بجائے محض ذاتی خوشی کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے کہا۔ "ایڈورڈ ہشتم کو خدا کی طرف سے ایک اعلیٰ اور مقدس امانت ملی تھی۔ مگر انہوں نے یہ امانت دوسروں کے حوالہ کر دینے کے لئے اپنی مخصوص صاف بیانی سے کام لیا۔ وہ ہر اقدام ذاتی خوشی کے حصول کے لئے کر رہے تھے۔ یہ امر افسوسناک اور حیرت انگیز ہے کہ انہوں نے اس قسم کے مقصد کے پیشِ نظر اتنی بڑی امانت کو چھوڑ دیا۔ . . . آہ کس قدر افسوس ہے۔ آہ کس قدر افسوس ہے!"

حقائق پر پردہ ڈالنے کیلئے اسے محض عورت سے محبت ہی کا ردِ عمل بتایا جس سے متاثر ہوکر اخبار الفضل نے ۹ار دسمبر ۱۹۳۶ء میں ایک افتتاحیہ بھی شائع کر دیا۔ مگر چونکہ اصل حقائق یہ نہیں تھے۔ اسلئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے حکومت برطانیہ کے اس تازہ انقلاب کا حقیقی پس منظر بتانے کیلئے ایک مفصل مضمون ۲۰ر دسمبر ۱۹۳۶ء کو لکھا جو الفضل ۲۲ر دسمبر ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔ مضمون کے آخر میں حضور نے تحریر فرمایا کہ:۔

"اس واقعہ سے ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی پوری ہوئی ہے اور آپ پر لگائے جانے والے اعتراضوں میں سے ایک اعتراض دُور ہوا ہے۔ پیشگوئی تو یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں عیسائیت آپ ہی آپ پگھلنی شروع ہو جائے گی۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ مسیحیت کی نمائندہ حکومت میں یعنی دُنیا کی اس واحد حکومت میں جس کے بادشاہ کو محافظِ عیسائیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایسے تغیرات پیدا ہو رہے ہیں کہ اُس کے ایک نہایت مقبول بادشاہ نے مسیحیت کی بعض رسُوم ادا کرنے سے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ وُہ ان میں یقین نہیں رکھتا۔ اور اعتراض جس کا ازالہ ہوا ہے یہ ہے کہ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے طلاق کو جائز قرار دیا۔ اور مطلقہ عورتوں سے شادی کی۔ کیونکہ دُنیا نے دیکھ لیا کہ طلاق کی ضرورت اب اس شدت سے تسلیم کی جاتی ہے اور مطلقہ عورت کی عزت کو جبکہ وُہ اخلاقی الزام سے مُتہم نہ ہو۔ اس صفائی سے تسلیم کیا جاتا ہے کہ بادشاہ اس سوال کو حل کرنے کے لئے اپنی بادشاہت تک کو ترک کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔

ایک برطانوی مسلمان کا دل اسوقت کس طرح خوشی سے اُچھل رہا تھا جبکہ وُہ گذشتہ واقعات کو پڑھتے ہوئے یہ دیکھتا تھا کہ عیسائیت کے خلاف وُہی نہیں بلکہ اُس کا بادشاہ بھی لڑ رہا ہے۔ اور اسلام کے کمینہ دُشمن کے اعتراض کو وُہی دُور نہیں کر رہا بلکہ اُس کا مسیحی کہلانے والا بادشاہ بھی اس اعتراض کی لغویت ثابت کرنے کے لئے اپنے تخت کو چھوڑنے کو تیار ہے۔

پادری سمجھتے ہیں کہ وُہ اس جنگ میں کامیاب رہے ہیں لیکن ایڈورڈ کی قربانی ضائع نہیں جائیگی کیونکہ وُہ پیشگوئیوں کے ماتحت ہوئی۔ یہ بیج بڑھے گا۔ اور ایک دن آئے گا کہ انگلستان نہ صرف اسلامی تعلیم کے مطابق طلاق کو جائز قرار دے گا بلکہ دُوسرے مسائل کے متعلق بھی وُہ اسلامی تعلیم کے مطابق قانون

جاری کرنے پر مجبور رہوگا۔ بادشاہ آخر کیا ہوتا ہے؟ ملک اور قوم کا خادم۔ اور خادم اپنے آقا کیلئے جان دیا ہی کرتے ہیں۔ ایڈورڈ نے اپنی قربانی دیکر آیندہ عمارت کی پہلی اینٹ مہیا کی ہے۔ اسکے بعد دُوسری اینٹیں آئیں گی۔ اور ایک نئی عمارت تیار ہوگی جسپر انگلستان بجا طور پر فخر کرسکیگا۔

خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ شاہ ایڈورڈ کے آخری ایام حکومت میں اُن کے خیالات کی رَو کس طرف کو جارہی تھی لیکن جو کچھ واقعات سے سمجھا جاسکتا ہے۔ وُہ یہی ہے کہ وُہ خیال کرتے تھے کہ مجھے اپنے ملک کے مذہب سے پُوری طرح یا جُزوی طور پر اختلاف ہے۔ بعض بڑے پادریوں کو مُجھ سے شدید اختلاف پیدا ہوچکا ہے۔ جب وُہ ایک ایسے امر سے مجھے روک رہے ہیں جس کی قانون اجازت دیتا ہے تو کل وُہ مجھ سے اور کیا کچھ مطالبہ نہ کریں گے۔ اِس وقت ملک میرے ساتھ ہے۔ ممکن ہے کل کوئی ایسا سوال پیدا ہو کہ ملک بھی میرے خلاف ہو۔ پھر ان حالات میں کیوں ملک کی ایک اقلیت کی خاطر میں اپنے وعدہ کو ترک کروں اور ایک عورت کو دُنیا بھر میں اس الزام سے مطعون کروں کہ دیکھو یہ وُہ عورت ہے جس سے ایڈورڈ نے اِس وجہ سے شادی نہ کی۔ کہ وُہ مطلقہ تھی۔ پس کیوں نہ میں اِس جھگڑے کا آج ہی خاتمہ کردوں اور مُلک کو آئندہ فسادات سے بچالوں۔

اس کے برخلاف وہ پادری جو سابق بادشاہ کی مخالفت کر رہے تھے اُن کے خیالات کی رَو یہ معلوم ہوتی ہے کہ بادشاہ مذہب علیسویّت سے متنفر معلوم ہوتا ہے۔ آج موقعہ ہے۔ آئرلینڈ اور کینیڈا کیتھولک مذہب کے زور کی وجہ سے مسئلہ طلاق میں تعصب رکھتے ہیں۔ اگر اس وجہ سے ہم بادشاہ کا مقابلہ کریں تو جن دُو نتائج کے نکلنے کا امکان ہے۔ دونوں ہمارے حق میں مفید ہونگے۔ اگر بادشاہ دب گئے تو آئندہ کو ہمارا رُعب قائم ہوجائیگا۔ اور اگر بادشاہ تخت سے الگ ہوگئے۔ تو ہمارے راستہ سے ایک روک دُور ہوجائے گی۔

خیالات کی اِن دونوں رَووُں کا مقابلہ کرلو۔ اور پھر سوچ لو کہ کیا یہ کہنا درست ہے کہ "آہ (ایڈورڈ ہشتم پر) کس قدر افسوس ہے۔ آہ کس قدر افسوس ہے" یا یہ کہنا درست ہے کہ ان پادریوں پر جنہوں نے ایسے حالات پیدا کردئے کہ ایک خادمِ قوم اور مخلص بادشاہ کو باوجود اسکے کہ قانون اُس کے حق میں تھا، تخت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ افسوس ہے۔ آہ کس قدر افسوس ہے۔

خلاصہ یہ کہ بادشاہ کے ساتھ بعض لوگوں کا (انگلستان کا نہیں) جھگڑا وُہ نہیں تھا جو بعض ناواقف لوگ سمجھتے ہیں بلکہ مذہب اور قانون کے احترام کا جھگڑا تھا۔ بادشاہ اپنے منفرد مذہب پر

اصرار کرتے تھے۔ اور پادری قومی مذہب پر۔ (حالانکہ قومی مذہب مذہب نہیں۔ سیاست ہے جبکہ اس کا اثر اصولی مسائل پر بھی پڑتا ہو) اور بادشاہ قانون کا احترام کرتے ہوئے قانون پر عمل کرنے کو تیار تھے لیکن اُن کے مخالفوں کا یہ اصرار تھا کہ یہ قانون دکھاوے کیلئے ہے۔ عمل کرنے کے لئے نہیں۔ قانون طلاق کی اجازت دیتا ہے مگر مذہب نہیں۔ بادشاہ چونکہ مسیحیت کے کُلّی طور پر یا جُزوی طور پر قائل نہ رہے تھے۔ اُنہوں نے قانون پر زور دیا۔ جو اُن کی ضمیر کی آواز کی تصدیق کرتا تھا۔ اور آخر مُلک کو فساد سے بچانے کے لئے تخت سے دست برداری دے دی۔

بعض احباب جو ایک حد تک واقعات کی تہہ کو پہنچے ہیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے کہتے ہیں۔ زندہ باد ایڈورڈ۔ یہ بھی درست ہوگا مگر میں تو ان حالات کے محرکات کو دیکھتے ہُوئے یہی کہتا ہوں:۔

محمدؐ زندہ باد! زندہ باد محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم)"۔ [۱]

مولوی محمد علی صاحب کو مباحثہ کی واضح دعوت اور اُن کا گریز

جناب مولوی محمدؐ علی صاحب (امیر انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام لاہور) نے اخبار "پیغام صلح" (۱۹ر نومبر ۱۹۳۶ء) میں اس خواہش کا اظہار کیا کہ "وہ (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ ناقل) خود اپنی ذمہ داری کو مدّ نظر رکھتے ہُوئے ایک فیصلہ کُن بحث کے لئے قدم اُٹھائیں"۔

اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے مولانا ابو العطاء صاحب کو ارشاد فرمایا کہ:۔

"میری طرف سے اعلان کر دیں کہ میں خود مولوی محمد علی صاحب سے نبوت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق بحث کروں گا۔ انہیں چاہیئے کہ اس کے لئے فریقین کے حق میں مساوی شروط کا تصفیہ کرلیں۔ بحث میں خود کروں گا۔ انشاء اللہ"۔

مولانا ابو العطاء صاحب نے ۱۱ر دسمبر ۱۹۳۶ء کو حضور کا یہ اعلان ایک مفصّل نوٹ اور جلی قلم کے ساتھ الفضل میں شائع کرا دیا۔

اس کے چند روز بعد حضرت امیر المومنین رضؓ نے اپنے قلم سے مزید وضاحتی تحریر لکھدی کہ:۔

"میں تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے مولوی ابو العطاء صاحب سے کہا تھا کہ میں مسئلہ نبوت میں مولوی محمد علی صاحب سے خود مباحثہ کرنے کو تیار ہُوں۔ آپ ان سے شرطیں طے کریں۔ سو معقول شرائط جن میں کوئی لغویت یا

---

[۱] الفضل ۲۲ر دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۳ و ۵۔ اس عنوان کے تحت مندرج سب حالات الفضل دسمبر ۱۹۳۶ء سے ماخوذ ہیں۔

کھیل کا پہلو نہ ہو۔ جب بھی طے ہو جائیں تو مجھے مولوی صاحب سے مباحثہ کرنے میں کوئی عذر نہیں۔ اِلّا اَنْ یَّشَاءَ اللہ۔ مباحثہ کی غرض اگر ایک جماعت تک حق کی آواز کا پہنچانا ہو۔ تو اس میں مجھے عذر ہی کیا ہو سکتا ہے عذر تو اسی صورت میں ہوتا ہے جب مباحثہ کو کھیل یا فساد کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد" [1]

مولوی محمد علی صاحب جنہوں نے خود ہی فیصلہ کن بحث کی خواہش ظاہر فرمائی تھی مسئلہ نبوت پر گفتگو کرنے سے یہ کہکر گریز اختیار کیا کہ "اوّل بحث مسئلہ تکفیر المسلمین پر ہونی چاہیئے۔ کیونکہ دونوں جماعتوں کا اختلاف اسی مسئلہ پر شروع ہوا تھا۔ تکفیر اختلاف کی اصل ہے۔ اور مسئلہ نبوّت اس کی فرع" [2]

"مسئلہ تکفیر کو اوّل لیا جائے۔ اور مسئلہ نبوّت کو اس کے بعد" [3]

نیز کہا کہ "دونوں جماعتوں میں جو یہ اختلاف ہوا۔ تو جڑ مسئلہ کفر و اسلام ہے"

یاد رہے کہ یہ وہی مولوی محمد علی صاحب تھے جو ۱۹۱۵ء سے متواتر یہ کہتے آرہے تھے کہ:۔

"ہمارے درمیان جو اختلافِ مسائل ہے۔ اس کی اصل جڑ مسئلہ نبوّت ہے۔ اگر ہمارے احباب محض اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی اور سلسلہ کی خیر خواہی کو مدّنظر رکھ کر اس کا فیصلہ کرنا چاہیں تو اسکی راہ نہایت آسان ہے" [4]

یہی نہیں۔ انہوں نے حلفیہ اعلان بھی کیا کہ:۔

"میں تم کو خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آؤ سب سے پہلے ایک بات کا فیصلہ کر لو اور جب تک وہ فیصلہ نہ ہو جائے۔ دوسرے معاملات کو ملتوی رکھو۔ اصل جڑ سارے اختلاف کی صرف حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی قسمِ نبوّت کا مسئلہ ہے" [5]

مولوی محمد علی صاحب کے اس جدید مؤقف پر کہ "جڑ مسئلہ کفر و اسلام ہے" مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ایسے معاند احمدیت کو اپنے اخبار اہلحدیث (۱۵ر جنوری ۱۹۳۷ء) میں لکھنا پڑا کہ:۔

"اتنا ضرور کہتے ہیں کہ ان دونوں مضمونوں میں سے مسئلہ نبوّت اصل ہے اور تکفیر اسکی فرع ہے۔۔۔ خلیفہ قادیان اصولی بات کرتا ہے۔ اور لاہوری امیر صاحب کسی مخفی غرض سے اس کو ٹال رہے ہیں۔ اصل بات یہی ہے کہ کفر مرتب ہے انکارِ نبوّت پر۔ پس بحث کا اصل مدار نبوّت پر ہونا چاہیئے۔ اس لئے ہم مناظرانہ حیثیت سے

---

[1] الفضل ۲۰ر دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۳ ؛ [2] "پیغام صلح" ۵ر دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۶ کالم ۲ ؛ [3] "پیغام صلح" ۱۵ر دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۶ کالم ۲ ؛ [4] پیغام صلح ۲۳ر دسمبر ۱۹۳۶ء ؛ [5] ٹریکٹ "مسئلہ نبوت" رکاملہ تامہ اور جزئی نبوت میں فرق" صفحہ ۱ ؛

مولوی محمد علی صاحب کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اس موقع کو غنیمت سمجھیں اور نبوت مرزا پر بحث کو ٹال نہ دیں۔"[1]
مگر جناب مولوی محمد علی صاحب آخر دم تک اپنے انکار پر اصرار کرتے رہے!!

فصل نہم

۱۹۳۶ء کے متفرق مگر اہم واقعات

خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں خوشی کی تقریب ۸ رمئی ۱۹۳۶ء کو بعد نماز عصر حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے فرزند ارجمند میاں محمد احمد خان صاحب کا عقد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کی دختر نیک اختر امۃ الحمید بیگم صاحبہ کے ساتھ پندرہ ہزار روپیہ مہر پر ہوا۔ خطبہ نکاح حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ارشاد فرمایا۔[2]

میجر ممتاز یاور الدولہ بہادر قادیان میں حیدر آباد دکن کے ایک معزز نواب میجر ممتاز یاور الدولہ ۲۸ رفروری ۱۹۳۶ء کو مولوی سید بشارت احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ حیدر آباد دکن کے ساتھ قادیان تشریف لائے۔ حضرت امیر المومنینؓ کی ملاقات اور قادیان کے مرکزی اداروں سے بہت متاثر ہوئے۔ اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ "یہاں کے جملہ کاروبار میں اخلاص و ایثار و للّٰہیت کارفرما ہے۔"[3]

مذہبی کانفرنس میں احمدی مبلغ کی تقریر ۶ رمارچ ۱۹۳۶ء کو آریہ سماج جموں کے زیر انتظام ایک مذہبی کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں مہاشہ محمد عمر صاحب نو مسلم مولوی فاضل نے بھی تقریر کی جو بہت پسند کی گئی۔ موضوع یہ تھا "مجھے میرا دھرم کیوں پیارا ہے؟"[4]

نئے تحقیقاتی کمیشن کا تقرر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مجلس مشاورت ۱۹۳۶ء میں مرکزی دفاتر کے نقائص دور کرنے کیلئے مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر فرمایا:۔
(۱) حضرت میر محمد اسماعیل صاحب صدر (سول سرجن گوجرانوالہ) (۲) راجہ علی محمد صاحب (افسر مال لاہور)۔

---

[1] ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر ۱۵ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۵ کالم ۲ و ۳۔ [2] الفضل ۱۰ مئی ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۳۔ خطبہ نکاح الفضل ۱۴ مئی ۱۹۳۶ء صفحہ ۴ تا ۶ پر شائع ہو چکا ہے۔ [3] الفضل ۴ مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ و ۷۔ [4] الفضل ۱۳ مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۶

(۳) پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم اے (گورنمنٹ کالج لاہور) (۴) شیخ عبدالحمید صاحب آڈیٹر لاہور۔
(۵) ملک غلام محمد صاحب رئیس لاہور۔ (۶) چودھری عطا محمد صاحب نائب تحصیلدار ہوشیارپور۔
(۷) میاں غلام محمد صاحب اختر سیکرٹری (سٹاف وارڈن لاہور) [1]

اِس کمیشن نے سالہا سال تک بڑی محنت و کاوش سے کام کیا اور بہت مفید خدمات انجام دیں۔

آل اڑلیسہ ریلیجس کانفرنس

شری رام کرشنا جی کی صد سالہ سالگرہ کے موقعہ پر اڑلیسہ کے ہندوؤں نے ۱۱-۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء کو ایک مذہبی کانفرنس منعقد کی۔ جس میں مولانا ظہور حسین صاحب نے اسلام کی کامیاب نمائندگی کی اور "اسلام عالمگیر مذہب ہے" کے عنوان پر نہایت عمدہ لیکچر دیا [2]

پارلیمنٹ آف ریلیجنز بمبئی

شری رام کرشنا مشن بمبئی نے ۷، ۸، ۹ مئی ۱۹۳۶ء کو بمبئی میں ایک پارلیمنٹ آف ریلیجنز کا انعقاد کیا۔ جس میں مسلمانوں کی طرف سے مولوی محمد یار صاحب عارف نے حصہ لیا۔ اور اسلام کو احمدیہ نقطہ نگاہ سے پیش کیا۔ تقریر کے خاتمہ پر صدر جلسہ جیا کار نے کہا "آج ہمیں کئی ایسی باتوں کا علم ہوا ہے جو اس سے پہلے ہمیں معلوم نہیں تھیں۔ تحریک احمدیت کے فاضل لیکچرار نے اسلام کی جو تعلیم پیش کی ہے۔ اس کی اسوقت تمام دُنیا کو ضرورت ہے۔ یعنی باہمی رواداری اور مذہبی اختلافات کو برداشت کرنا۔ کیا ہی اچھا ہو اگر ایک ایسی پارلیمنٹ کی مستقل طور پر تشکیل کی جا سکے۔ اور پبلک نہایت شریفانہ طور پر ایک دوسرے کے مذہبی خیالات سُنے اور اس سے فائدہ اُٹھائے۔ [3]

ہانسی مذہبی کانفرنس

جُون ۱۹۳۶ء میں تبلیغ کمیٹی کے زیر اہتمام ہانسی میں ایک مذہبی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم۔ گیانی واحد حسین صاحب اور دو دیوبندی علماء نے تقریریں کیں۔ محترم ملک صاحب کی تقریر خاص طور پر پسند کی گئی [4]

رسالہ "تعلیم الدین" کا اجرا

حکیم محمد عبداللطیف صاحب گجراتی نے (مولانا ابوالعطاء صاحب کی نگرانی میں) جولائی ۱۹۳۶ء سے ایک ماہوار رسالہ "تعلیم الدین" کے نام سے جاری کیا جس کا مقصد احمدی بچوں، خواتین، نئے احمدیوں اور نومسلموں کو علوم دین سے آگاہ کرنا تھا۔ یہ رسالہ جو نہایت محنت سے مرتب ہوتا تھا۔ نومبر ۱۹۳۷ء تک جاری رہا۔

---

[1] الفضل ۱۸ اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۱ [2] الفضل ۲۲ اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۸ کالم ۱ [3] الفضل ۲۱ مئی ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۰ کالم ۱ و ۲ [4] الفضل ۱۶ جون ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۲

قادیان میں ۲ خاص درسوں کا اجرا نظارت تعلیم و تربیت کی طرف سے قادیان میں ۱۵ اگست سے لیکر ۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء تک درس قرآن اور درس عربی صرف و نحو کا خاص انتظام کیا گیا۔ یہ سب درس مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری مسجد اقصیٰ میں دیتے تھے[1] باقاعدہ شامل ہونے والوں کی تعداد ۲۳ تھی۔ درس کے اختتام پر امتحان بھی لیا گیا۔ اور قرآن مجید کے امتحان میں مولوی محمد اعظم صاحب بوتالوی اور چودھری فقیر محمد صاحب قادیان اور صرف و نحو میں ملک سعید احمد صاحب بی اے (ابن حضرت ملک مولا بخش صاحب) اوّل آئے[2]

مسجد احمدیہ برہمن بڑیہ بنگال کا سنگِ بنیاد خان بہادر ابو الہاشم خان صاحب امیر پراونشل انجمن احمدیہ بنگال نے ۹ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو برہمن بڑیہ میں مسجد احمدیہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ مسجد کے لئے حضرت مولانا سید عبد الواحد صاحب کے ورثاء نے مفت جگہ پیش کی۔[3]

کوچہ چابک سواراں لاہور کی متنازع مسجد کی نسبت ہائیکورٹ کا فیصلہ عرصہ تین چار سال سے مسجد کوچہ چابک سواراں لاہور کا مقدمہ احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان ماتحت عدالتوں میں چل رہا تھا۔ سشن کورٹ نے فیصلہ کیا کہ احمدی اس مسجد میں باجماعت نماز ادا نہیں کر سکتے۔ اس کے خلاف ہائیکورٹ میں اپیل کی گئی۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ ہائیکورٹ نے آدھ گھنٹہ تک نہایت قابلیت سے ثبوت دعویٰ میں اپنے دلائل پیش کئے آخر ۱۲ نومبر ۱۹۳۶ء کو ہائیکورٹ نے احمدیوں کے حق میں ڈگری دے دی۔ اور یہ متنازع مسجد بالآخر احمدیوں کو مل گئی۔ اور اس کے امام سید دلاور شاہ صاحب بخاری مقرر کئے گئے[4]

قادیان میں ٹیلیفون کا افتتاح قادیان میں ٹیلیفون لگانے کا کام ۱۴ دسمبر ۱۹۳۶ء کو مکمل ہو گیا۔ اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنریبل چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے گفتگو کے ساتھ اس کا افتتاح فرمایا۔[5]

---

[1] الفضل ۷ اگست ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ - و الفضل ۱۸ اگست ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ کالم ۱ و الفضل ۱۸ ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ کالم ۱ ٭ [2] الفضل ۲۳ ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۰ ٭ [3] الفضل ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۲ ٭ [4] الفضل ۱۵ نومبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۱ ٭ [5] الفضل ۱۶ دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ ٭

مبلغین سلسلہ کی بیرونی ممالک کو روانگی

اس سال (۱۹۳۶ء میں) پندرہ مبلغین بیرونی ممالک میں پیغام حق پہنچانے کے لئے بھجوائے گئے جن مجاہدین کے اسماء یہ ہیں:۔

(۱) مولوی محمد سلیم صاحب فلسطین۔ (تاریخ روانگی ۴ر جنوری ۱۹۳۶ء)[1]۔ (۲) مولوی عبدالواحد صاحب سماٹرا (تاریخ روانگی ۱۶ر جنوری ۱۹۳۶ء) (۳) مولوی شیخ عبدالواحد صاحب چین ۱۶ر جنوری ۱۹۳۶ء[2]۔ (۴) حاجی احمد خاں صاحب ایاز ہنگری ۱۶ر جنوری ۱۹۳۶ء۔ (۵) مولوی محمد رمضان صاحب ارجنٹائن ۲۵ر جنوری ۱۹۳۶ء[3]۔ (۶) مولانا جلال الدین صاحب شمس لنڈن روانگی یکم فروری ۱۹۳۶ء (۷) مولوی نذیر احمد صاحب (مغربی افریقہ۔ تاریخ روانگی یکم فروری ۱۹۳۶ء۔ (۸) مولوی نذیر احمد صاحب مبشر (مغربی افریقہ۔ تاریخ روانگی یکم فروری ۱۹۳۶ء[4]۔ (۹) ملک محمد شریف صاحب سپین یکم فروری ۱۹۳۶ء (۱۰) ملک عزیز احمد صاحب[5] جاوا۔ یکم فروری ۱۹۳۶ء۔ (۱۱) مولوی محمد الدین صاحب البانیہ۔ تاریخ روانگی ۱۸ر اپریل ۱۹۳۶ء۔ (۱۲) مولوی عنایت اللہ صاحب جالندھری (سنگاپور تاریخ روانگی ۱۸ر اپریل ۱۹۳۶ء) (۱۳) مولوی سید شاہ محمد صاحب (سنگاپور۔ جاوا۔ سماٹرا۔ تاریخ روانگی ۱۸ر اپریل ۱۹۳۶ء)[6] (۱۴) صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی (امریکہ۔ تاریخ روانگی ۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۶ء)۔ (۱۵) مولوی محمد ابراہیم صاحب ناصر (امریکہ۔ ہنگری۔ " " " ")[7]

بیرونی مبلغین کی واپسی

مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری مبشر بلاد عربیہ ۲۴ر فروری ۱۹۳۶ء کو[8] اور مولانا رحمت علی صاحب مبلغ جاوا ۳۱ر دسمبر ۱۹۳۶ء کو قادیان میں واپس تشریف لائے[9]

بیرونی مشنوں کے بعض اہم واقعات

فلسطین مشن۔ وسط ۱۹۳۶ء میں فلسطین کے حالات نہایت مخدوش ہو گئے۔ اور عربوں اور یہودیوں۔ اور سول اور فوجی پولیس کے درمیان بار بار تصادم ہوا۔ اور لمبی ہڑتال جاری رہی جس کے نتیجہ میں فسادات

---

[1] الفضل ۷ر جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ ⁜ [2] الفضل ۱۸ر جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ کالم ۱ ⁜ [3] الفضل ۲۸ر جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ کالم ۱ ⁜ [4] آپ کے سفر مغربی افریقہ کے حالات "ریویو آف ریلیجنز" اردو مارچ ۱۹۴۷ء میں شائع شدہ ہیں ⁜ [5] الفضل ۴ر فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ کالم ۱ ⁜ [6] الفضل ۲۱ر اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ کالم ۱ ⁜ [7] الفضل ۲۳ر النور ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ آپ کو حکومت امریکہ کی طرف سے ملک میں داخلہ کی اجازت نہ ملی۔ اس لئے حضرت امیر المومنین کی طرف سے بذریعہ تار لندن میں حکم ملا کہ بوڈاپسٹ چلے جائیں (الفضل ۱۶ر جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ و الفضل ۲۴ر جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۹) ⁜ [8] الفضل ۵ر دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ کالم ۲ ⁜ [9] الفضل ۲۶ر فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۲ ⁜

بڑھ گئے۔ اور کئی لوگ قتل یا مجروح ہوئے۔ اس موقعہ پر جماعتہائے احمدیہ فلسطین نے ہنگامی چندہ جمع کر کے مستحقین کی حتی الوسع مالی امداد کی۔[۱]

انگلستان مشن۔ ورلڈ فیلوشپ آف فیتھس کے زیر اہتمام قبل ازیں شکاگو اور نیویارک میں پہلی مذہبی کانفرنس ۱۹۳۳ء میں۔ دوسری ۱۹۳۴ء میں اور تیسری کانفرنس جولائی ۱۹۳۶ء میں بمقام لندن منعقد ہوئی جس میں مولانا عبدالرحیم صاحب درد امام مسجد لنڈن نے دعا کرانے کے علاوہ عیسائی مذہب کے نمائندہ کے **مضمون** سے متعلق بحث کا افتتاح بھی فرمایا[۲]

مولانا جلال الدین صاحب شمس نے بھی اسکی متعدد نشستوں میں شرکت کی اور مہاراجہ بڑودہ، سر ہربرٹ سیمیوئل، سر آرنلڈ سٹیور اور حافظ وہبہ قنصل حکومت سعودیہ سے ملاقات کی۔ اس موقعہ پر احمدیوں نے دو سو کے قریب اشتہارات اور ٹریکٹ تقسیم کئے[۳]

مغربی افریقہ مشن۔ حکیم فضل الرحمٰن صاحب مبلغ مغربی افریقہ نے اپریل ۱۹۳۶ء میں ایک لمبا تبلیغی دورہ کیا جو کم و بیش سات سو میل پر مشتمل تھا[۴]

۱۹۳۶ء کی نئی مطبوعات

اس سال شائع ہونے والے اہم لٹریچر کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ "محامد خاتم النبیین" (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مقدس اور اثر انگیز تحریرات کا روح پرور مجموعہ مرتبہ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحبؓ ہلال پوری)

۲۔ **نِبْرَاسُ الْمُؤْمِنِیْن**: یا ترجمہ ۱۰۰ احادیث النبیؐ (ترجمہ از مولانا ابو العطاء صاحب فاضل)

۳۔ "ہندی ترجمہ قرآن مجید" (از جناب شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار "نور" قادیان۔ اس ترجمہ کے پورے اخراجات سلطان دکن اعلیحضرت نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع نے ریاست حیدر آباد کی طرف سے عطاء کئے[۵]

۴۔ "پوتر جیون" (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گورمکھی زبان میں سیرت طیبہ۔ مؤلفہ شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار "نور" قادیان)[۶]

---

[۱] الفضل ۲۶ جون ۱۹۳۶ء صفحہ ۵ کالم ۴ ٭ [۲] الفضل ۹ اگست ۱۹۳۶ء صفحہ ۹ ٭ [۳] الفضل ۹ اگست ۱۹۳۶ء صفحہ ۹ ٭ [۴] الفضل ۲ ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۷ کالم ۱ ٭ [۵] "حیات عثمانی" صفحہ ۳۰۸، ۳۰۹ (از حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی، ایڈیٹر "سالار" بمبئی و سیاح بلاد عربیہ و غربیہ۔ مطبوعہ حیدر آباد ٭ [۶] گیانی ہیرا سنگھ صاحب درد ایڈیٹر "پھلواڑی" نے اپنے رسالہ (شمارہ اگست ۱۹۳۷ء) میں ریویو کرتے ہوئے لکھا: "ایڈیٹر صاحب "نور" کی تیار کردہ شری حضرت محمد صاحب جی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت عالیہ کو میں نے پڑھا ہے اور اس کی اکثر باتوں نے میرے دل پر بہت گہرا اثر کیا ہے۔ اور میرے

۵۔ مناظرہ مہت پور۔ (تحریری مناظرہ جو مولانا ابو العطاء صاحب فاضل اور مرزا یوسف حسین صاحب کے درمیان ہوا)۔

۶۔ عاقبۃ المکذبین حصہ اوّل (افغانستان میں مظلوم احمدیوں پر مظالم کی درد انگیز داستان، اور اس کے عبرتناک نتائج۔ تالیف حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ ہوتی مردان)۔

۷۔ "ذکرِ حبیبؑ"۔ (حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے قلم سے زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایمان افروز حالات پر مشتمل ایک نہایت اہم تالیف)۔

۸۔ "بائیبل کی بشارات بحق سرورِ کائنات"۔ (مؤلفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ)۔

۹۔ "جماعت احمدیہ و احرار"۔ (تالیف ڈاکٹر عبد الرحمن صاحب آف موگا)۔

اندرونِ ملک کے مشہور مناظرے

مباحثہ بہبو وال چھینیاں مکیریاں ضلع ہوشیارپور۔ یہاں ۳۰ و ۳۱ جنوری ۱۹۳۶ء کو تینوں مسائل پر جماعت احمدیہ کا اہلسنت والجماعت سے مناظرہ ہوا۔ احمدیوں کی طرف سے مولوی عبد الرحمن صاحب مبشر اور غیر احمدیوں کی طرف سے حافظ عبد العزیز صاحب مناظر تھے۔ شرفاء نے جماعت احمدیہ کے دلائل کی برتری تسلیم کی[1]

مباحثہ تارو آ (بنگال) اس مقام پر قریشی محمد حنیف صاحب قمر میرپوری (سائیکل سیاح) کا مولوی تاج الاسلام صاحب سے مناظرہ ہوا۔ جو بہت کامیاب رہا[2]

مباحثہ کوٹلی ضلع میرپور (کشمیر) کوٹلی میں احمدی مبلغ مولوی محمد حسین صاحب نے ۲۸، ۲۹ مارچ ۱۹۳۶ء کو ہر سہ متنازعہ مسائل پر ایک عالم اہلحدیث سے مناظرہ کیا۔ جس کے بعد ہندو اصحاب نے کہا کہ صداقت احمدیوں کے پاس ہے۔ دوسرے لوگ محض ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہیں[3]

بقیہ حاشیہ:۔ کئی ایک شکوک دور ہو گئے ہیں۔ اس کتاب میں مصنف نے جو حضرت محمدؐ صاحب جی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ازواج مطہرات اور آپ کے اخلاق حسنہ کے متعلق لکھا ہے۔ وہ حصہ بہت ہی دلچسپ اور بنی نوع انسان کے لئے قیمتی ہدایات سے لبریز ہے۔ میری رائے میں اس قابلِ قدر کتاب کو جو بھی غور سے اور خالی الذہن ہو کر پڑھے گا۔ اس کے دل میں یقیناً سری حضرت محمدؐ صاحب جی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ادب، احترام اور محبت کا جذبہ پیدا ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔ اور وہ نہ صرف حضرت محمد صاحب جی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسوۂ حسنہ اور مقدس تعلیم ہی کی تعریف کرے گا۔ بلکہ بنی نوع انسان کی خیرخواہی اور ہمدردی کے متعلق اسلامی اصولوں سے واقف ہو کر مسلمانوں سے محبت، رفاقت اور دوستی پیدا کرنے کا آرزومند رہے گا۔ (گورمکھی سے ترجمہ) (بحوالہ اخبار نور ۷ اگست ۱۹۳۶ء صفحہ اوّل)

[1] الفضل ۷ فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۱، ۲؛ [2] الفضل ۲ اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۰ کالم ۳، ۴؛ [3] الفضل ۷ اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۰ کالم ۱، ۲

مباحثہ موضع پدینداد علاقہ کٹک) ۳؍اپریل ۱۹۳۶ء کو مولوی ظہور حسین صاحب فاضل نے کئی غیر احمدی علماء سے مناظرہ کیا۔ متعدد غیر احمدی اصحاب نے واضح لفظوں میں اقرار کیا کہ احمدیوں کے پیش کردہ دلائل کا جواب ہمارے مولوی نہیں دے سکے۔[1]

مباحثہ ہیرو شرقی (ضلع ڈیرہ غازیخاں) ۲۶؍اپریل ۱۹۳۶ء کو ہیرو شرقی میں آٹھ گھنٹہ کے قریب نہایت کامیاب مناظرہ ہوا۔ احمدیوں کی طرف سے مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری مناظر تھے۔ اور غیر احمدیوں کی طرف سے سائیں لال حسین صاحب اختر[2] دوسرے دن مباہلہ بھی کیا گیا۔[3]

مباحثہ گوجرانوالہ۔ مولانا ابو العطاء صاحب نے ۲۰؍جون ۱۹۳۶ء کو عبداللہ معمار صاحب سے "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" کے موضوع پر شاندار مناظرہ کیا۔ مخالفین احمدیت نے بھی احمدی مناظر کی شرافت و نجابت، علمیت، سنجیدگی اور وسیع حوصلگی کا اقرار اور آپ کے طرز کلام پر خوشی کا اظہار کیا۔[4]

مباحثہ بھرت (ضلع لائل پور)۔ موضع بھرت چک ۴۲۸ میں مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل نے مولوی محمد شفیع صاحب سنکھتروی سے حیات و وفات مسیح اور مسئلہ صدق مسیح موعودؑ پر دو مناظرے کئے۔ تیسرا مناظرہ ختم نبوت پر مقرر تھا۔ مگر مولوی محمد شفیع صاحب کو میدان میں آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔[5]

مناظرہ مہت پور (ضلع ہوشیارپور) ۱۹۳۵ء کا مشہور (تحریری) مناظرہ مہت پور میں احمدیوں اور شیعوں کے مابین ہوا۔ جو یکم اکتوبر سے لیکر ۴؍اکتوبر برابر چار روز تک جاری رہا۔ احمدی مناظر مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری تھے اور مناظر انجمن اثنا عشریہ جناب مرزا یوسف حسین صاحب۔ موضوع بحث حسب ذیل تھے۔

(۱) صداقت دعویٰ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مہدی موعود۔ (۲) مُتعۃ النّساء۔ (۳) ختم نبوت۔ (۴) تعزیہ داری۔ یہ یادگار مناظرہ دسمبر ۱۹۳۶ء میں جماعت احمدیہ اور شیعہ اثنا عشریہ مہت پور کے مشترکہ خرچ پر شائع کر دیا گیا۔[6] اس مناظرہ میں نمائندگان فرقہ اثنا عشریہ حسب ذیل تھے:۔

سید احمد علی شاہ صاحب۔ فدا حسین صاحب۔ عطا محمد صاحب پریذیڈنٹ اثنا عشری۔

نمائندگان جماعت احمدیہ کے نام یہ ہیں:۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور انچارج تحریک جدید ربوہ۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب ذبیح۔ چوہدری کمال الدین صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ مہت پور۔

---

[1] الفضل ۲۹؍اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۴ ٭ [2] الفضل یکم مئی ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۴ ٭ [3] تفصیل الفضل ۱۹؍مئی ۱۹۳۶ء صفحہ ۵، ۷ پر مندرج ہے ٭ [4] الفضل ۲۷؍جون ۱۹۳۶ء صفحہ ۹ ٭ [5] الفضل ۲۹؍جولائی ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۱ ٭ [6] پرچے صاف نہ پڑھے جا سکتے تھے لیکن چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر بی اے سیالکوٹی، حافظ سلیم احمد صاحب اٹاوی اور قریشی محمد نذیر صاحب ملتانی کی محنت و کاوش کے نتیجہ میں سب پرچے نقل مطابق اصل شائع ہو گئے ٭

اس مناظرہ کے بعد موافق و مخالف سب کی زبان پر یہی چرچا تھا کہ احمدی مناظر غالب آگئے۔ اور یہ کہ شیعہ مناظر صاحب اپنے مذہب ہی سے ناواقف ہیں۔ [1]

مباحثہ بمبئی۔ بمبئی میں ۱۶ ستمبر سے ۳ اکتوبر تک جماعت احمدیہ کا آریہ سماج سے تحریری مناظرہ ہوا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولوی محمد یار صاحب عارف نے۔ اور آریہ سماج کی طرف سے پنڈت ایدھیا پرشاد صاحب نے پرچے لکھے۔ مناظرہ کے دو موضوع تھے۔ اوّل حدوثِ رُوح و مادّہ۔ دوم عالمگیر مذہب اسلام ہے یا ویدک دھرم؟ [2] بعض (سناتن دھرمی) ہندوؤں نے کھلم کھلا کہا کہ پنڈت صاحب کے مقابل احمدی مناظر نے اپنی الہامی کتاب کی زیادہ خوبیاں بیان کی ہیں۔ اس لئے وہ غالب رہا ہے۔ انہیں خیالات کا اظہار بعض آریہ صاحبان نے بھی کیا۔ [3]

مباحثہ گوکھووال (ضلع لائل پور)۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو گوکھووال میں تینوں اختلافی مسائل پر احمدیوں اور سُنّیوں کے مابین ایک معرکۃ الآراء مناظرہ ہوا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے قریشی محمد نذیر صاحب ملتانی، مولوی دل محمد صاحب اور ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم مناظر تھے۔ اہلسنّت والجماعت کی طرف سے مولوی محمد شفیع صاحب سنکھتروی اور سائیں لال حسین صاحب اختر نے بحث کی۔

مناظرہ میں ناکام رہنے کے بعد غیر احمدی اصحاب نے عیسائیوں کو انگیخت کی کہ وہ احمدیوں کو مناظرہ کا چیلنج دیں۔ چنانچہ انہوں نے مناظرہ کا چیلنج دیا۔ جو فوراً منظور کر لیا گیا۔ اور اگلے روز ۱۲ اکتوبر کو صداقت مسیح موعودؑ اور الوہیت مسیح ناصریؑ پر مناظرہ ہوا۔ پہلے موضوع میں مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی، اور دوسرے میں مولانا قاضی محمد نذیر صاحب امیر جماعت احمدیہ لائل پور مناظر تھے۔ عیسائیوں کی طرف سے پادری میلارام پیش ہوئے۔ اس مناظرہ کے بعد ایک صاحب (منشی محمد دین صاحب) جو غیر احمدیوں کے بانی مناظرہ کے چچا اور اُن کے سرگرم ممبر تھے جماعت احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ [4]

مباحثہ سنگرور (ریاست جیند) ۵ نومبر ۱۹۳۶ء کو سنگرور میں جماعت احمدیہ کا غیر مبائعین کے ساتھ ایک نہایت کامیاب مناظرہ ہوا۔ زیر بحث موضوع یہ تھے (۱) کیا قرآن مجید اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری ہے؟ (۲) کیا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا؟۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے ملک

---

[1] الفضل ۷ اکتوبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۲ ❊ [2] الفضل ۲۹ ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۱ و ۲ ❊ [3] الفضل ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۱ ❊ [4] الفضل یکم نومبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۸ ❊

عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ نے اور غیر مبائعین کی طرف سے مولوی عمرالدین صاحب شملوی نے نمائندگی کی۔

اس مناظرہ میں مولوی عمرالدین صاحب شملوی کی بدحواسی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دوران مناظرہ میں ایک معزز غیر احمدی مولوی ظفر احسن صاحب نے کہا کہ مولوی عمرالدین صاحب شملوی معقول آدمی تھا آج معلوم نہیں کیا ہوگیا ہے کہ اُلٹی سیدھی باتیں کر رہا ہے۔ مناظرہ میں بعض دوسرے غیر مبائع مبلّغ بھی مولوی صاحب موصوف کے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ جو بعض اوقات اُنکی بے علمی پر بے اختیار ہنس پڑتے تھے۔[1]

ملک سیف الرحمٰن صاحب کی بیعت

۱۹۳۶ء میں جن خوش قسمت افراد کو قبول حق کی توفیق ملی۔ اُن میں (سلسلہ احمدیہ کے موجودہ مفتی) مولانا ملک سیف الرحمٰن صاحب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ذیل میں ہم ملک صاحب موصوف کے ایک مکتوب[2] کا ایک اقتباس درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جس سے آپکے حلقہ بگوشِ احمدیت ہونے کے واقعات پر تفصیلی روشنی پڑتی ہے۔ آپنے لکھا:۔

"خاکسار اپنے علاقہ کے ایک معزز نقشبندی خاندان کا رُکن ہے۔ . . . خاکسار پچھلے سالوں میں بغرض تعلیم لاہور میں مقیم رہا۔ اثنائے قیام میں احمدیت کی مخالفت کا اتفاق ہوا۔ اس غرض کے لئے حلقہ نیلہ گنبد لاہور میں ایک انجمن سیف الاسلام نامی بنائی گئی جس کی سیکرٹری شپ کی خدمات خاکسار کے سپرد کی گئیں۔ چونکہ اُس وقت احرار نے احمدیت کے خلاف بہت کچھ شور مچا رکھا تھا۔ اور اس شور و غوغا کے آغاز کی وجہ سے لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول تھی۔ اس لئے اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انجمن کے ماتحت جلسے اور ٹریکٹ وغیرہ شائع کر کے احمدیت کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ نیلہ گنبد کے بعض احمدیوں کو حلقہ کے لوگوں نے تنگ کرنا شروع کیا۔ اگر احمدی مسجد کے سامنے والے گراؤنڈ میں کوئی تبلیغی جلسہ کرنا چاہتے تو انجمن کی طرف سے اُسے درہم برہم کرنے کی ہر جائز و ناجائز کوشش کی جاتی۔ اس اثناء میں بعض احمدی دوستوں نے خاکسار کو احمدیت کے اصول میں غور و فکر کرنے کی ترغیب دی۔ چونکہ خاکسار کے لئے اس صورت میں احمدیت کی مخالفت کا یہ پہلا موقع تھا۔ اس لئے اس ترغیب پر خاکسار نے کسی قدر گہری نظر سے عقائد احمدیت اور اسکی ترقی اور احراری کوشش کے مفید یا غیر مفید نتائج کے متعلق غور و خوض شروع

---

[1] الفضل ۲۰ نومبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۹ و ۱۰ و الفضل ۱۲ نومبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۱ و ۱۲۔ [2] ملک صاحب نے یہ خط حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء کو لکھا تھا۔ [3] ماخوذ از اخبار فاروق (قادیان) ۱۴ اگست ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ کالم ۴۔

کر دیا۔ احرار کانفرنس منعقدہ قادیان میں شمولیت کی تیاری کی گئی ! اور اس طرح قادیان اور اُس کی ترقی کو پہلی دفعہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا اتفاق ہُوا۔ بہشتی مقبرہ اور لوگوں کے پھیلائے ہُوئے اتہامات کو دیکھا اور کسی قدر تعجب آیا۔ مگر پھر "حالاتِ مملکتِ خویش خُسرواں دانند" کے پیش نظر اپنے دل کو جہالت کا طعنہ دیکر حامیانِ دین و مُفتیانِ شرعِ متین" کی صداقت کا مُعتقد رہنے پر مجبور کیا مگر تابکے ! دل مُتأثر ہُوئے بغیر نہ رہا۔ اس حالت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار مبارک پر جاکر عجز و انکسار کے ساتھ دربارِ خداوندی میں دیدۂ پُرنم سے اِس طرح دعا شروع کی : خُدا ! تُو جو علیم و خبیر ہے اور دِلوں کے ہر سربستہ راز کو جانتا ہے اور اپنے بندوں کی دعاؤں کو سُنتا ہے۔ ہدایت کا بلا شرکتِ غیرے مالک ہے۔ آج تیرا ایک گنہگار بندہ بھی تجھ سے ایک خواست کرنے کی جُرأت کرتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؀ اے خدائے قدوس ! یہ شخص جس کے قائم کردہ سلسلہ کو مٹانے کے لئے آج ہم قادیان کی سرزمین میں آئے ہیں۔ اس کے متعلق دو ہی باتیں متصوّر ہو سکتی ہیں۔ اگر یہ سچّا ہے تو اِس زمانہ میں تیرا سب سے پیارا اور سب سے زیادہ محبوب ہے۔ پس میرے گناہوں کی پاداش میں اس کے فیوض سے مجھے محروم نہ رکھیو۔ اور اگر یہ جھوٹا ہے۔ تو وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ کی وعیدِ خداوندی کی رُو سے اِس زمانہ کا (خاکم بدہن) بدترین شخص اور سب سے بڑا ظالم ہے۔ سو اس کے شرور سے مامون و محفوظ رکھیو۔ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ؀

آنکھیں پُر اشک ہو گئیں۔ دوستوں سے نظر بچاکر آنسو پُونچھ دئے اور بات کو اِدھر اُدھر ٹلا دیا۔ دُعاء کے بعد جلسہ گاہ میں واپس آیا اور "علماء کرامؒ کی پُر معارف تقریریں" سُنیں۔ رات گذاری۔ اور دُوسرے دن لوگوں کے ساتھ فتح کے شادیانے بجاتے ہُوئے واپس لاہور چلا آیا۔ دن ، دِنوں کے بعد ہفتے ، ہفتوں کے بعد مہینے گذرتے گئے۔ "امیرِ شریعت" صدر احرار کانفرنس پر سرکار کی طرف سے مُقدّمہ چلائے جانے کی افواہیں اِدھر اُدھر مشہور ہونے لگیں۔ آخر ایک صُبح اخبار میں بدیں عنوان "مولٰنا" کی گرفتاری کی خبر پڑھی : "امیرِ شریعت" حضرت مولٰنا . . . الخ منصوری سے گرفتار کرلئے گئے۔ سرکار کی "قادیانیت نواز پالیسی" پر اظہارِ غیظ و غضب کے لئے بعد نماز عشاء بیرون دہلی دروازہ ایک "عظیم الشّان" جلسے کے انعقاد کا اعلان کیا گیا۔ جلسے کی

کارروائی دیکھنے کے لئے لوگ جوق در جوق آنے شروع ہوئے۔ خاکسار بھی "اسلام کی فتح" کی دعائیں کرتا ہوا شامل جلسہ ہوا۔ "علماء اسلام و رہنمایانِ احرار" نے لوگوں کو تسلیاں دیں۔ اسلام کی فتح اور کفر کی شکست کی پیشگوئیاں کی گئیں۔ مقدمہ لڑنے کا ریزولیوشن پاس کیا۔ مقدمہ کے اخراجات کے پیشِ نظر چندہ کی اپیل کی گئی۔ انجمن سیف الاسلام کی طرف سے بھی ہر جمعہ مسجد نیلہ گنبد میں اس اپیل کی یاد دہانی کرائی جاتی اور چندہ اکٹھا کر کے جو کبھی بیس روپیہ اور کبھی تیس روپیہ ہوتا دفتر مجلس احرار میں بھیج دیا جاتا۔ "حضرت امیرِ شریعت" ضمانت پر رہا ہو کر لاہور تشریف لائے۔ اہالیانِ شہر نے "مجاہدِ اسلام" کا شاندار استقبال کیا۔ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے "حضرت" نے بڑے زور سے پیشگوئی کی کہ لوگو! اب قادیانیت کے آخری سانس ہیں۔ اس کا جنازہ میرے کندھوں پر اٹھے گا۔ اس کا آسمان پر فیصلہ ہو چکا ہے۔ عنقریب قادیانیت کا قلعہ پاش پاش ہو جائیگا۔ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اصولِ جنگ سے واقفیت رکھنے والے "جرنیل اسلام" کے ان بلند بانگ دعاوی سے کسی قدر متعجب ہوئے۔ مگر پھر دل کو سمجھایا اور "امیرِ شریعت کی" زبان مبارک" سے لکھے ہوئے کلمات کے حرف بحرف پورا ہونے کی دعائیں کرتے ہوئے گھر واپس آئے۔ رمضان مبارک کا مہینہ تھا۔ جمعۃ الوداع کو تاریخ مقدمہ تھی۔ جلسوں اور اخبارات کے ذریعہ اپیل کی گئی کہ لوگ کثرت کے ساتھ جمعۃ الوداع کے موقع پر گورداسپور پہنچیں اور اپنے "مجاہد" کی شان و شوکت کے اظہار کے لئے زبردست مظاہرہ کریں۔ بہاولپور سے مقدمہ بہاولپور کے بیانات کی نقلیں لیکر جامعہ عباسیہ کے ایک پروفیسر صاحب بھی آئے۔ چونکہ خاکسار ان کا شاگرد رہ چکا تھا اس لئے وہ مجھے بھی اپنے ہمراہ گورداسپور لے گئے۔ تاریخ مذکورہ پر محترمی جناب خواجہ غلام نبی صاحب ایڈیٹر "الفضل" نے بطور گواہ پیش ہونا تھا۔ چونکہ وقت بہت تھوڑا تھا اور ابھی اعتراضات کا مسودہ پوری طرح تیار نہیں ہوا تھا۔ اس لئے کرایہ پر لائے ہوئے "علماء کرام" کو کہا گیا کہ رات کے اندر اندر مسودہ مکمل کر دیا جائے۔ خاکسار نے بھی اعتراضات کے جمع کرانے میں اپنی قدر و طاقت کے مطابق حصہ لیا۔ غرض رات بھر بیدار رہ کر اعتراضات کا مسودہ تیار کر لیا گیا۔ مگر غفلت شعار وکیل نے سستی کی اور وہ مسودہ کا مطالعہ نہ کر سکا۔ اس لئے دوسرے دن مجسٹریٹ کی عدالت میں گواہ پر وہ اعتراضات نہ ہو سکے اور آئیں بائیں

میں وقت ختم ہوگیا۔ جمعۃ الوداع کے عظیم الشان اجتماع پر لوگوں سے امیرِ شریعت تسلیم کرنے کی بیعت لی گئی۔ جس کی ضرورت ان الفاظ میں بیان کی گئی کہ خلیفہ محمود اپنے مُریدوں کے بل بوتے پر سرکار کو مرعوب کیے ہُوئے ہے تم بھی میرے مُرید بن جاؤ۔ تاکہ میں اپنے آپ کو عدالت میں ممتاز صورت میں پیش کرسکوں۔ یہاں صرف دستی بیعت کر جاؤ۔ گھر جاکر خدا کی راہ میں تین پیسے (۳؍) کی قربانی کرکے بذریعہ کارڈ بیعت کی اطلاع بھیج دینا۔ بڑے زور شور سے بار بار اس کے لئے وعدے لئے گئے۔ وعدہ وفائی کے اجر اور بے وفائی کے زجر کا زبردست وعظ کیا گیا۔ چُونکہ خاکسار کو "امیرِ شریعت" کی ہمراہی کا پہلی دفعہ اتّفاق ہُوا تھا۔ اس لئے اپنے آپکو سعادت مند سمجھتے ہوئے شُنیدہ کے بُود مانندِ دیدہ کے خیال سے اس موقع سے متمتّع ہونے کا ارادہ کیا۔ تاکہ اشغالِ امیر کو حرزِ جان بناکر اُن پر عمل کرنے کی سعادت حاصل کی جائے۔

آنکھوں نے کچھ دیکھا۔ دِل نے جو عقیدت کے پُر پیچ جال میں اسیر ہوچکا تھا۔ آنکھوں کو دھوکا خوردہ قرار دیا اور وجد کے عالم میں جھوم جھوم کر گانے لگا۔ ؎

بے سجّادہ رنگیں کُن گرت پیرِ مُغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبُود زِ راہ و رسمِ منزلہا

بعد فراغت کسی قدر تذبذب کی حالت میں واپس لاہور آیا اور تحریکِ احرار کے نتائج کا بڑی بے صبری کے ساتھ انتظار کرنے لگا۔ "امیرِ شریعت" کے بلند بانگ دعاوی ایک خاص اُمّید کے ساتھ اخبارات کے کالم دیکھنے پر مجبور کرتے۔ نظریں عاشقِ بے تاب کی طرح جو اپنے گُم شدہ محبوب کی تلاش میں نہایت بے صبری کے ساتھ جلدی جلدی نظر جما جما کر اِدھر اُدھر مجنونانہ وار دیکھتا ہے اسلام کی فتح اور کُفر کی شکست کی خبریں تلاش کرتیں۔ مگر یہاں کوئی ہوتی تو نظر آتی۔ بڑے بڑے زبردست "قادیانیت شکن" عنوان مگر اندر طبلِ بلند بانگ کا نظارہ۔ آخر ایک پریشانی اور اضطراب کے عالم میں يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ کی حالت طاری ہوکر آئندہ کی اُمّید میں اخبار کا ورق ہاتھ سے گر پڑتا۔ اور "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ" کی یاد پریشانی کو مُبتدل بہ مُسرّت کردیتی۔

اِسی اثناء میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ دفاترِ پنجاب یونیورسٹی کے احاطہ میں ایک مسجد تھی۔ جس میں اِدھر اُدھر سے احمدی جمع ہو کر نمازِ جمعہ ادا کرتے تھے۔ دفاتر کے غیر احمدی ملازمین نے احرار کے شور و غوغا سے متأثر ہو کر انجمن کے دفتر میں ایک آدمی بھیجا کہ جمعہ پڑھانے کے لئے ہمیں ایک آدمی دیا جائے جو احمدیت کے عقائد کی تردید بھی کر سکے۔ اور ساتھ ہی چند آدمی جمعہ کے موقعہ پر ہمراہ لے آئے۔ تاکہ احمدی اگر فساد کرنا چاہیں تو موقعہ پر کام آئیں۔ چنانچہ خاکسار حسبِ تجویز جمعہ پڑھانے کے لئے گیا۔ احمدی جب جمعہ پڑھنے کے لئے آئے تو وہ خاموش ہو کر سامنے کے گراسی پلاٹ میں چلے گئے۔ اور انتظار کرنے لگے کہ جب غیر احمدی جمعہ پڑھ لیں تو پھر ہم بھی مسجد میں پڑھ لیں گے۔ لیکن اختتامِ جمعہ کے بعد بعض شرارت پسند ملازمین نے کہا کہ مولوی صاحب! ابھی احمدی باہر انتظار میں بیٹھے ہیں اس لئے آپ وعظ شروع کر دیں تاکہ وہ نااُمید ہو کر چلے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ غرض اس طرح متواتر خاکسار جمعہ پڑھانے جاتا رہا۔ اور اس طرح احمدیوں کو وہاں جمعہ پڑھانے سے روک دیا گیا۔ لیکن اس کا ایک اثر یہ ہوا کہ چونکہ خاکسار کو ہر جمعہ تقریر کرنی پڑتی اور راہِ ہدایت کی بڑے زور شور سے تلقین کی جاتی مگر... آہستہ آہستہ اندر ہی اندر ضمیر نے ملامت کرنی شروع کی۔ آخر کار حالت یہاں تک پہنچی کہ تقریر کرتے کرتے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ کا مضمون آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا۔ اور عالمِ اضطراب میں تقریر رک جاتی اور ایک لفظ تک کہنا محال ہو جاتا۔ اس حالت کو دوسرے بھی محسوس کرتے اور کہتے آپ پہلے تو بہت اچھی تقریر کرتے تھے مگر اب یہ کیا رُکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اس اثر کے پیشِ نظر خاکسار نے عملی حالت کے سدھار کی جانب توجہ کی مگر اس دشوار گزار وادی میں داخل ہوتے ہی گھبراہٹ اور اضطراب نے قدم پکڑ لئے اور ایک قدم آگے بڑھانا محال ہو گیا... دہریت کے خیالات مُردار خوار گدھ کی طرح سر پر منڈلانے لگے۔ اپنی طاقت اور رسائی کے مطابق اپنے ہم عقیدہ بدرقہ اور رہنمائی تلاش کی مگر ہر طرف سے یہی جواب آیا کہ اس پُرفتن زمانہ کے شرور سے محفوظ رہنے کیلئے اولیاء اللہ نے کُنجِ گمنامی اختیار کر لیا ہے۔ ایک احمدی دوست[1] نے مشورہ دیا کہ چند شروط

---

[1] ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے مراد ہیں۔ (ناقل)

کے ساتھ حضرت امیرالمومنین کی خدمتِ اقدس میں دُعا کے لئے عریضہ تحریر کرو۔ چنانچہ اُسکی تجویز کردہ شرائط کے ساتھ گو وُہ خاکسار کو ناپسند تھیں ایک عریضہ حضور کی خدمت میں تحریر کر دیا۔ جس کا جواب سیکرٹری صاحب کی طرف سے یہ آیا کہ "حضور نے بعد ملاحظہ عریضہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ طریق نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور نہ ہمارا۔ اس کے لئے آپ کسی اور کو تلاش کریں۔" یہ جواب پاکر ایک زبردست نُکتہ سمجھ میں آیا مگر اس کے ساتھ اپنی بدقسمتی پر رنج بھی ہُوا۔ کیونکہ بعض قسمت والوں کی خطا بھی اُن کی سعادت اور کامیابی کا موجب بن جاتی ہے۔ اگرچہ یہ جواب بعد میں ایک زبردست پیشگوئی ثابت ہُوا۔ کیونکہ آسمان پر ان شرائط کے خلاف فیصلہ ہو چکا تھا جیسا کہ بعد میں ظہور میں آیا۔ اگر دُعا کی جاتی تو اسکے یہ معنے ہوتے کہ خدا کے بندوں کی دُعائیں نعوذ باللہ لغو بھی ہوتی ہیں۔ ..... انہی دنوں خاکسار نے تعلیم کو ملتوی کر کے لاہور میں ایک متوسط درجہ کا ہوٹل جاری کیا۔ انتظامی نقص کی وجہ سے قریباً ہزار روپیہ بندہ پر قرض ہوگیا اور خسارہ پاکر مجبوراً اُس کو بند کرنا پڑا۔ اس طرح مزید پریشانی کا ایک اور سبب پیدا ہوگیا۔ اِدھر یہ حالات رُونما تھے اُدھر مسجد شہید گنج کا مناقشہ شروع ہوگیا۔ اصحابِ فیل کی طرح احرار کی تمام کوششیں ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا ہوگئیں۔ اتنی عزت کے بعد یکلخت انتہائی ذلت۔ آنکھیں رکھنے والوں کیلئے سُرمۂ عبرت ثابت ہُوئی۔ کہاں احمدیت کو فنا کرنے کے دعاوی اور کہاں یہ انتہائی ناکامی۔ سمجھنے والے اس راز کو سمجھ گئے۔ احرار نے لاکھ ہاتھ پاؤں مارے مگر ہُوا وُہی جس کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ ہر جتن کیا مگر بگڑی بات بنائے نہ بنی۔ صاف سامان نظر آنے لگا۔ ؎

قادر کے کاروبار نمودار ہوگئے
کافر جو کہتے تھے وُہ گرفتار ہوگئے

جب جماعتِ احمدیہ کے سالانہ اجتماع ۱۹۳۵ء کی تیاریاں شروع ہوئیں اور اشتہارات کے ذریعے تاریخ انعقادِ کا اعلان کیا گیا تو مذکورہ بالا احمدی دوست نے خاکسار کو بھی اس مبارک تقریب سے مستفید ہونے کی ترغیب دی۔ چنانچہ جلسہ میں شامل ہونے کیلئے تاریخ مقررہ پر خاکسار قادیان پہنچ گیا۔ جلسہ کی کارگزاری، دُعاؤں کے رِقّت انگیز نظارے، حضور کی پُراثر تقریریں اور عیدالاضحیہ کا پُرمعارف خطبہ ایسے اُمور نہ تھے جو متلاشئ حق کیلئے کفایت نہ کرتے۔ دِل میں صداقت کا نُور چمکا اور بعد از نمازِ ظہر[1] مسجد مبارک میں حضور کے دستِ مبارک پر گذشتہ گناہوں سے توبہ اور آئندہ ذنوب سے بچنے کی کوشش کا اقرار کرتے ہُوئے جماعتِ احمدیہ میں شمولیت کی سعادت حاصل کی"۔[2]

---

[1] یہ یکم جنوری ۱۹۳۶ء کا دن تھا۔
[2] اصل خط محفوظ ہے

چوتھا باب

عالمگیر جنگ کے خوفناک اثرات سے بچنے کیلئے دُعاؤں کی خاص تحریک سے لیکر احیائے شریعت و سُنّت نبوی پُرجلال اعلان تک

خلافت ثانیہ کا چوبیسواں[۲۴] سال

شوال ۱۳۵۵ھ تا شوال ۱۳۵۶ھ

جنوری ۱۹۳۷ء تا دسمبر ۱۹۳۷ء

فصل اوّل

حضرت امیر المومنین کا نئے سال کے لئے اہم پیغام

۱۹۳۷ء کا آغاز جمعہ کے مبارک دن سے ہوا۔ اس روز سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے پُرمعارف خطبہ جمعہ میں جماعت احمدیہ کے نام ایک اہم پیغام دیا جس میں حضور نے فرمایا:۔

"جماعت احمدیہ کا فرض ہے کہ وہ قرآن کریم کے تمام مطالب اور اس کی تمام تعلیمات کو زندہ کرے خواہ وہ مذہب اور عقیدہ کے متعلق ہوں یا اخلاق کے متعلق ہوں یا اصول تمدن اور سیاسیات کے متعلق ہوں یا اقتصادیات اور معاملات کے متعلق ہوں۔ کیونکہ دُنیا ان سارے امور کے لئے پیاسی ہے اور بغیر اس معرفت کے پانی کے وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ خدا نے اسی موت کو دیکھ کر اپنا مامور بھیجا ہے اور وہ امید رکھتا ہے کہ اس مامور کی جماعت زندگی کے ہر شعبہ میں اسلامی تعلیم کو قائم کرے گی اور جس حد تک اسے عمل کرنے کا موقعہ ہے وہ خود عمل کرے گی اور جن امور پر اُسے

ابھی قبضہ اور تصرّف حاصل نہیں اُن کو اپنے اختیار میں لانے کی سعی اور کوشش کرے گی۔
یاد رکھو کہ سیاسیات اور اقتصادیات اور تمدّنی امور حکومت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ پس جب تک ہم اپنے نظام کو مضبوط نہ کریں . . . . ہم اسلام کی ساری تعلیموں کو جاری نہیں کرسکتے پس اس پر خوش مت ہو کہ تلوار سے جہاد آجکل جائز نہیں یا یہ کہ دینی لڑائیاں بند کردی گئی ہیں۔ لڑائیاں بند نہیں کی گئیں۔ لڑائی کا طریقہ بدلا گیا ہے۔ اور شاید موجودہ طریقہ پہلے طریق سے زیادہ مشکل ہے کیونکہ تلوار سے ملک کا فتح کرنا آسان ہے۔ لیکن دلیل سے دل کا فتح کرنا مشکل ہے۔ . . . . . .
پس آرام سے مت بیٹھو کہ تمہاری منزل بہت دُور ہے اور تمہارا کام بہت مشکل ہے اور تمہاری ذمہ داریاں بہت بھاری ہیں . . . . . آپ لوگوں کو خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ قرآن کی تلوار لے کر دنیا کی تمام حکومتوں پر ایک ہی وقت میں حملہ کردیں اور یا اس میدان میں جان دے دیں یا ان ملکوں کو خدا اور اس کے رسُول کے لئے فتح کریں۔ پس چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف مت دیکھو اور اپنے مقصد کو اپنی نظروں کے سامنے رکھو اور ہر احمدی خواہ کسی شعبہ زندگی میں اپنے آپ کو مشغول پاتا ہو۔ اس کو اپنی کوششوں اور سعیوں کا مرجع صرف ایک ہی نقطہ رکھنا چاہیئے کہ اُس نے دُنیا کو اسلام کے لئے فتح کرنا ہے" [1]

ایک خوفناک عالمگیر جنگ کی خبر اور جماعت احمدیہ کو دُعاؤں کی خاص تحریک

۱۹۳۷ء کا زمانہ سیاسی اعتبار سے پوری دنیا کے لئے سخت سیاسی خلفشار اور تشویش و اضطراب کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ لیگ آف نیشنز کا بین الاقوامی ادارہ اپنے مقصد کی تکمیل میں ناکام ہوچکا تھا۔ جرمنی، اٹلی اور جاپان دنیا بھر میں چھا جانے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ ان حالات میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جماعت احمدیہ کو قبل از وقت انتباہ بھی کیا اور دُعاؤں کی خاص تحریک بھی کی۔ چنانچہ حضور نے ۸ جنوری ۱۹۳۷ء کے خطبہ جمعہ میں عالمی سیاسیات کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا:-

"اس زمانہ میں پھر دنیا میں شدید تغیرات پیدا ہو رہے ہیں اور عنقریب شدید لڑائی لڑی جانے والی ہے جو انگریزوں اور جرمنوں کی گذشتہ جنگ سے بھی سخت ہوگی۔ یہ اس وقت تک اس وجہ سے رُکی ہوئی ہے کہ انگریز ابھی تیار نہیں۔ . . . . حالات ایسے ہیں کہ انگریز اس جنگ سے باہر نہیں رہ سکتے۔

[1] "الفضل" ۸ جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۴-۵-۶

چین اور افغانستان وغیرہ ممالک ممکن ہے بچ جائیں مگر انگلستان کا ان اثرات سے محفوظ رہنا محال ہے۔ اس لئے دوستوں کو خصوصیت سے دعائیں کرنی چاہئیں کہ آئندہ جو سامان لڑائی یا فتنہ کے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اور ہمارے ساتھ تعلق رکھنے والی اقوام کے لئے ان سے بچنے کے سامان بھی کردے۔ بے شک تم مسولینی کی طرح گھونسہ نہیں دکھا سکتے۔ ہٹلر کی طرح تلوار نہیں چمکا سکتے مگر دعائیں تو کرسکتے ہو اور پھر اپنے آپ کو منظم کرسکتے ہو کیونکہ منظم قوم کو ہر ایک اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ انگریزوں کے بعض افراد سے ہمیں شکوہ ہے اور جب تک ازالہ نہ ہو جائے وہ دُور نہیں ہوسکتا۔ مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ انگریز قوم کے ساتھ ہمارے تعلقات ایسے ہیں کہ اس کی تباہی کے بعد ہم نقصان سے نہیں بچ سکتے۔ اس لئے یہ بھی دُعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ انگریزوں کو ایسے رستہ پر چلائے۔ جو انہیں تباہی کی طرف نہ لے جانے والا ہو۔"[1]

ترکی اور فرانس کا تنازعہ

فرانس نے شام کے بعض علاقے (اسکندرونہ وغیرہ) ترکی سے ہتھیا لئے ہوئے تھے۔ ترکی نے فیصلہ کیا کہ اگر فرانس اس کے علاقے واپس نہیں کرے گا، یا لیگ آف نیشنز کی معرفت کوئی مناسب سمجھوتہ نہ ہوا تو ہم بزورِ شمشیر علاقے لے لیں گے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس مرحلہ پر ترکی حکومت سے اپنی ہمدردیوں کا اظہار کرتے ہوئے اعلان فرمایا:۔

"ترک ایک ایسی قوم ہے جس نے اسلام کے کئی پہلوؤں کو ترک کر دیا ہے مگر باوجود اس کے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی صدائیں اب بھی اُن کی مسجدوں سے آتی ہیں۔ اب بھی اُن کی نمازوں میں خدا تعالیٰ کا کلام پڑھا جاتا ہے۔ اب بھی وہ سُبْحَانَ اللّٰہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، اِنْشَاءَ اللّٰہ اور لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ کہتے ہیں۔ اگر بعض باتوں میں وہ غلطی پر ہیں تو اسلام کی بعض باتوں پر وہ قائم بھی ہیں۔ اس لئے اُن کے دُکھوں کو ہم نظر انداز نہیں کرسکتے۔ تمام اختلافات کے باوجود یہ ہو نہیں سکتا کہ ترک دُکھ میں ہوں اور ایک مسلمان کہلانے والا تکلیف محسوس نہ کرے۔ اس لئے ہمیں یہ بھی دُعا کرنی چاہیئے کہ اگر تُرک بہرحال لڑائی پر ہی آمادہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اُن کی مدد کرے اور انہیں طاقت دے۔ ان کی مثال یورپین حکومتوں میں ایسی ہی ہے جیسے بتیس دانتوں میں زبان کی اور ایک بالشتیئے کی جو پہلوان سے لڑائی پر آمادہ ہو۔ اس لئے ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اوّل تو اُن کو لڑائی سے بچالے اور اگر وہ

[1] "الفضل" ۲۳ جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۶-۷

لڑائی پر ہی آمادہ ہوں تو اُن کی مدد کرے۔ ایک فرانسیسی محمد رسول اللہ ؐ کا منکر ہے اور تُرک قائل۔ بے شک تُرک کی حکومت سے محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی پُوری حکومت قائم نہ ہو لیکن ادھوری حکومت بھی بالکل نہ ہونے سے بہتر ہے۔ پس ہمیں دعا کرنی چاہیئے کہ اگر لڑائی سے انہیں نقصان پہنچنا ہو تو اللہ تعالےٰ اس سے اُن کو بچالے اور اگر اسی طرح ان کے حقوق حاصل ہو سکتے ہوں تو انہیں ہمت دے۔ اور نہیں تو ہم اُن کی دُعا سے تو مدد کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ضرورت کے موقعہ پر چندے وغیرہ بھی دے سکتے ہیں۔"[1]

"ہمیں ترکوں کے لئے بھی دُعا کرنی چاہیئے۔ آخر وہ اسلام کے نام لیوا ہیں۔ اگر لڑنا ان کے لئے مضر ہو۔ تو اللہ تعالےٰ انہیں لڑائی سے بچالے اور اگر مفید ہو تو اُن کے ہاتھوں میں طاقت و قوت عطا کرے۔ اور اُن کے دشمنوں کے ہاتھوں کو شل کر دے تا یہ بہادر قوم جو سینکڑوں سال سے مسیحی دُنیا کے تعصب کا شکار ہو رہی ہے۔ اسلام کے نام کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا نہ ہو۔"[2]

اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کی دُعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور مخالف حالات کے باوجود اس علاقہ کے متعلق تُرکی اور فرانس میں معاہدہ ہو گیا کہ اسے ایک خود مختار حکومت کی حیثیت سے داخلی امور میں کامل آزادی دی جائے گی۔[3]

سنسکرت سیکھنے کے بعد مولوی ناصر الدین عبد اللہ صاحب کی واپسی

مولوی ناصر الدین عبد اللہ صاحب آف بگول جامعہ احمدیہ کے فارغ التحصیل مولوی فاضل تھے۔ ایک بار اُن کے سامنے کسی آریہ نے احمدی مبلّغین سے یہ مطالبہ کیا کہ تم پہلے وید پڑھ کر سُناؤ۔ پھر آریہ دھرم پر اعتراض کرو۔ اس پر انہوں نے مصمّم ارادہ کر لیا کہ جس طرح بھی ہو یا تو وید پڑھنے کی قابلیت حاصل کروں گا یا اسی راہ میں جان دے دوں گا۔[3] مولوی صاحب موصوف یہ عزم کرکے بنارس گئے۔ پہلے ہندی سیکھی۔ پھر ڈیڑھ سال میں پرتھمی اور مدھما دو امتحان دیئے۔ پہلے امتحان میں سب سے اوّل آئے اور دوسرے میں سیکنڈ ڈویژن لے کر پاس ہوئے۔ گویا صرف تین برس میں ہندی بھی سیکھی اور ساتھ ہی سنسکرت کے تینوں امتحان کلکتہ یونیورسٹی سے پاس کر کے "کاویہ تیرتھ" کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد نیشنل یونیورسٹی بنارس میں جس کا نام "ودیا پیٹھ" ہے وید ک

---

[1] "الفضل" ۲۳ر جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۷-۸۔ [2] "الفضل" ۳۱ر جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۹۔

[3] "الفضل" ۱۹ر جُون ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

لٹریچر پڑھنے کے لئے داخل ہوئے اور مزید تین سال پنڈت رُدر دیو شاستری وید شرومنی سے پڑھ کر "وید بھوشن" کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد اپنے طور پر ویدک دھرم کا بہت سا لٹریچر مثلاً براہمن گرنتھ، دھرم سُوتر، شروت سُوتر، اور دھرم شاستر وغیرہ پڑھا۔ اور ستیارتھ پرکاش کے ۱۴ سمولاس کے جواب میں "آسمانی پرکاش"، "وید مقدس اور قرآن کریم" دو کتابیں لکھیں۔[1]

مولوی صاحب موصوف ساڑھے سات سال تک محنت شاقہ کرتے رہے[2] اور آخر سنسکرت کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کر کے مئی ۱۹۳۷ء میں قادیان واپس تشریف لے آئے۔[3]

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مولوی صاحب کے اس جذبۂ ایمانی اور خدمت دینی کی بہت تعریف کی اور فرمایا:-

"انہوں نے اپنے ہم عمروں اور ہمجولیوں کے لئے ایک نہایت ہی عمدہ مثال قائم کی ہے۔ اگر ہمارے دوسرے نوجوان بھی اس بات کو مدنظر رکھیں کہ آرام طلبی اور باتیں بنانے سے کچھ نہیں بنتا بلکہ کام کرنے سے حقیقی عزت حاصل ہوتی ہے۔ تو مَیں سمجھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں مختلف زبانوں کے ماہر نہایت سہولت کے ساتھ مہیا ہو سکتے ہیں"[4]

اس ضمن میں مزید فرمایا:-

"مَیں جماعت کے نوجوانوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ جو جوش اور ولولہ مولوی عبداللہ صاحب نے سنسکرت کی تعلیم کے حصول کے لئے دکھایا ہے، اُسے وہ بھی اپنے اندر پیدا کریں۔ پھر مَیں یہ دُعا بھی کرتا ہوں کہ مولوی عبداللہ صاحب نے نہایت کمزور صحت کی حالت میں جو تعلیم حاصل کی ہے وہ دوسروں کے لئے بھی مفید ہو اور صدقہ جاریہ کا کام دے۔"[5]

مولوی ناصر الدین عبداللہ صاحب سالہا سال تک جامعہ احمدیہ کی سنسکرت کلاس کو پڑھاتے رہے۔ اور آخر ۹ دسمبر ۱۹۴۷ء کو انتقال فرما گئے۔[6]

شکارپور سندھ میں فساد

۱۲ مئی ۱۹۳۷ء کو شکارپور (سندھ) میں شدید ہندو مسلم فساد رُونما ہو گیا۔ فساد کی وجہ یہ ہوئی کہ بعض ہندوؤں نے ایک مسجد میں گھس کر

---

[1] و [2] "الفضل" ۷ مئی ۱۹۳۷ء۔ [3] "الفضل" ۴ مئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

[4]، [5] تقریر فرمودہ ۱۷ جون ۱۹۳۷ء مطبوعہ "الفضل" ۲۳ جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۴۔

[6] "الفضل" ۴ جنوری ۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔

قرآن کریم کے اوراق جلا دیئے۔ چونکہ ہندوؤں کا یہ فعل سخت اشتعال انگیز تھا اس لئے فرقہ وار فساد کی آگ بھڑک اُٹھی۔ جس میں ایک ہندو ہلاک اور متعدد مجروح ہوئے۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جو ان دنوں تبدیلیٔ آب ہوا کی غرض سے کراچی میں تشریف رکھتے تھے، اس فساد کے متعلق مفصل بیان دیا جس میں فرمایا کہ

"اس قسم کے حادثات ہر سوسائٹی کے لئے خواہ اس کا معیار تمدن کچھ بھی ہو، سخت افسوسناک ہیں۔ اگر کسی ہندو نے قرآن کریم کو جلایا ہے تو یہ بہت رنجیدہ امر ہے لیکن اگر کوئی مسلمان فرقہ وار فساد برپا کرنے کی غرض سے ایسی حرکت کا ارتکاب کرتا تو یہ اور بھی زیادہ قابلِ مذمت بات ہوتی۔ اس قسم کے فرقہ وار تصادم کو بنظر غور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حالات میں ایک عجیب تطابق پایا جاتا ہے اور یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ ایسے تمام واقعات کی تہہ میں ایک ہی نفسیاتی کیفیت کام کر رہی ہے۔ بنا بریں اس مرض کا علاج معلوم کرنا چنداں مشکل نہیں۔"

بیان جاری رکھتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

"ایک مذہبی انسان کی حیثیت سے میرے نزدیک سب سے اہم چیز اس مسئلہ کا اخلاقی پہلو ہے۔ اگر ہندو اور مسلم عوام پر یہ بات پوری طرح واضح کر دی جائے کہ اس قسم کے جرم کا ارتکاب افراد ہی کرتے ہیں اور اگر بعض حالات میں سزا کی ضرورت محسوس ہو تو جرم کا ارتکاب کرنے والا ہی سزا کا مستحق سمجھا جائے نہ کہ اس کی قوم کے سارے افراد، تو مجھے یقین ہے کہ اس قسم کے فسادات میں بہت کچھ کمی واقع ہو جائے گی۔ اس طرح قدرتی طور پر ایک طرف مجرمانہ ذہنیت رکھنے والوں کو جو لوگوں کو برانگیختہ کر کے فسادات برپا کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ اپنی مفسدانہ حرکات کا موقعہ نہ ملے گا اور دوسری طرف عوام زیادہ ہشیار اور بیدار ہو جائیں گے اور بجائے اس کے کہ جرم کا ارتکاب کرنے والے کے ہم مذہبوں کے خلاف اپنے جوش ناراضگی کا اظہار کر کے اپنے آپ کو تسکین دیں، وہ حقیقی مجرم کی تلاش کی طرف زیادہ توجہ دیں گے۔"[۵]

---

[۵] "الفضل" ۲۵ مئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۱-۲ ۔

فصل دوم

مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل کی اسیری اور رہائی

۱۹۳۷ء ایک عرصہ سے قادیان کے پُرانے قبرستان کا مقدمہ چل رہا تھا۔ ۱۶؍جون کو سشن جج گورداسپور نے اس کا فیصلہ سُنایا۔ جس میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدرّس مدرسہ احمدیہ کو چار ماہ قید سخت یا ایک سو روپیہ جرمانہ کی سزا دی۔ مولانا صاحب نے جرمانہ ادا کرنے کی بجائے جیل خانہ میں جانے کو ترجیح دی اور آپ قید کر دیئے گئے۔[۱] مگر ۹؍جولائی ۱۹۳۷ء کو جب جُرمانہ بذریعہ قرقی وصول کر لیا گیا تو آپ اسی روز جیل سے رہا ہو کر ساڑھے پانچ بجے شام کی ٹرین سے قادیان گئے جہاں سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اور دوسرے احباب جماعت نے آپ کا استقبال کیا۔[۲]

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مولانا صاحب کی اس قربانی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:-

"میرے نزدیک ہماری جماعت میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ اس حالت کے خلاف پروٹسٹ کرتے ہوئے جو بدقسمتی سے نظامِ حکومت میں پیدا ہو گئی ہے، ہماری جماعت کا ایک فرد جیلخانہ گیا۔ . . . مَیں نے اس بات کو مدِّنظر رکھ کر قبرستان کے مقدمہ میں جو ملزم تھے ان کو مشورہ دیا تھا کہ اگر بطور سزا جرمانہ ہو تو ادا نہ کریں اور قید قبول کریں۔ ہاں اگر حکّام خود جرمانہ لے لیں تو اور بات ہے۔ خدا تعالیٰ کے منشا کے ماتحت باقی سارے ملزمین تو رہا ہو گئے اور صرف مولوی عبدالرحمٰن صاحب باقی رہ گئے جن کو موقعہ مل گیا کہ جیل میں چلے جائیں۔ . . . . رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی خواہشات سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے ہم یہ تو نہیں کہیں گے کہ احمدی جیل خانہ میں جائیں لیکن یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ اگر موقعہ ملے تو ڈرنا نہیں چاہیئے۔ اور مَیں سمجھتا ہوں کہ نقشِ ثانی بہتر ہوگا نقشِ اوّل سے۔ جُوں جُوں اُس کے موقعے پیش آتے رہیں بِلا اپنی کسی خواہش اور تمنا کے جو کوئی مصیبت میں گھِر جائے اُسے بجائے بُزدلی دکھانے کے ایسی بہادری دکھانی چاہیئے کہ لوگ سمجھ لیں احمدی بُزدل نہیں ہوتے۔ ایسے ہی موقعے جُرأت اور بہادری دکھانے کے ہوتے ہیں۔"[۳]

---

[۱] "الفضل" ۱۸؍جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ [۲] "الفضل" ۱۱؍جولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

[۳] "الفضل" ۱۳؍جولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۳-۴۔

حضرت امیر المومنین کا اخبار "احسان" کو کھلا چیلنج

اخبار "احسان" (لاہور) نے اپنے ایک مفتریانہ نوٹ میں یہ ادعا کیا تھا۔ کہ قادیانی دعویٔ حبّ رسُول میں جھوٹے ہیں۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے اخبار "احسان" کو کھلا چیلنج دیا کہ

"اگر وہ سچے دل سے یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کے دلوں میں رسُول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہم سے زیادہ عزت ہے تو مَیں انہیں چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اپنے علماء کو تیار کریں اور تراضی فریقین سے ایک تاریخ مقرر کر کے وہ بھی رسُول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عظمت پر مضامین لکھیں اور ایک مضمون رسُول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عظمت پر مَیں بھی لکھوں گا۔ پھر دُنیا خود بخود دیکھ لے گی کہ اُن کے دس بیس لکھے ہوئے مضامین میرے ایک مضمون کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتے ہیں اور رسُول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فضائل اور آپ کے محاسن مَیں بیان کرتا ہوں یا وہ مولوی بیان کرتے ہیں"۔[1]

اخبار "احسان" اور اُن کے ہم مشرب علماء کو یہ چیلنج قبول کر کے مردِ میدان بننے کی جرأت نہ ہو سکی۔

گیسٹ ہاؤس کی تعمیر

قادیان دارالامان میں پچھلے کئی سالوں سے نامور مسلمانوں اور حکومت کے افسروں کی آمد و رفت کا سلسلہ خاص طور پر جاری ہو گیا تھا۔ اس لئے حضرت امیر المومنین رضؓ نے ۲۷ مئی ۱۹۳۴ء کو ہدایت فرمائی، کہ آنے والے مہمانوں کے لئے ایک گیسٹ ہاؤس کا انتظام ہونا چاہیئے نیز فرمایا۔ فی الحال کسی سرمایہ دار سے انجمن کی اراضی (واقعہ دارالانوار) میں عمارت تیار کرا کے اس کا کرایہ ادا کیا جائے اور جب انجمن کو ضرورت ہو تو یہ عمارت فک کرا لی جائے۔[2]

عمارت کے ابتدائی انتظام مکمل ہو گئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے گیسٹ ہاؤس کا سنگ بنیاد ۲۷ ستمبر ۱۹۳۷ء کو رکھا۔[3]

گیسٹ ہاؤس ۱۹۳۸ء کے شروع میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اُس کی نگرانی کے فرائض بابو سراجدین صاحب معاون ناظر ضیافت اور سید سردار حسین شاہ صاحب افسر تعمیر صدر انجمن احمدیہ نے انجام دیئے۔[4] اور تعمیر عمارت کے لئے مندرجہ ذیل مخلصین نے قرض دیا۔ ۱۔ میاں اللہ رکھا صاحب ریٹائرڈ ریلوے ڈرائیور وزیر آباد۔ ۲۔ چودھری بشارت علی صاحب پوسٹماسٹر جالندھر۔ ۳۔ ماسٹر خیر الدین صاحب ہیڈ ماسٹر امراؤتی ملک برار۔[5]

---

[1] "الفضل" ۲۷ اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۴ کالم ۱۔ [2] ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۳۴ء صفحہ ۴۷۔ [3] "الفضل" ۲۹ ستمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ [4] ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۳۸ء صفحہ ۴۸۔ [5] ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۳۸ء۔

فصل سوم

ایک اندرونی فتنہ کا خروج

مخالفِ احمدیت تحریکیں جو احراری شورش کے زمانہ میں بُری طرح ناکام و نامراد اور پسپا ہو چکی تھیں۔ ۱۹۳۷ء میں دوبارہ پوری قوت و طاقت کے ساتھ جمع ہو گئیں اور انہوں نے قادیان میں ایک اندرونی فتنہ کھڑا کر کے براہِ راست سلسلہ احمدیہ کے نظامِ خلافت پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ ایک بہت بڑا دَورِ ابتلاء تھا جس میں ۱۹۱۴ء، ۱۹۲۷ء اور ۱۹۳۴-۳۵ء میں اُٹھنے والے سب فتنے متحد ہو کر ایک نئی شکل میں جماعت احمدیہ کے خلاف برسرِپیکار ہو گئے تھے۔

فتنہ کا بانی اور اس کے ابتدائی حالات

اس اندرونی فتنہ کی بنیاد شیخ عبدالرحمٰن صاحب (سابق لالہ شنکر داس) کے ذریعہ سے رکھی گئی۔ یہ صاحب ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر کے داخلِ احمدیت ہوئے اور جیسا کہ انہوں نے ۴ر اگست ۱۹۳۵ء کو حلفیہ شہادت دی۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تقاریر و تحریرات اور جماعت احمدیہ کے متفقہ عقیدہ کے مطابق حضور کو دوسرے تمام نبیوں کی طرح نبی یقین کرتے تھے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت سے متعلق شیخ صاحب موصوف کی حلفیہ شہادت مندرجہ ذیل ہے:۔

> "مَیں حضرت صاحب یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کا احمدی ہوں یعنی ۱۹۰۵ء میں بیعت کی تھی۔
>
> مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اسی طرح کا نبی یقین کرتا تھا اور کرتا ہوں جس طرح خدا کے دیگر نبیوں اور رسولوں کو یقین کرتا ہوں۔ نفسِ نبوت میں میں نہ اس وقت کوئی فرق کرتا تھا اور نہ اب کرتا ہوں۔ لفظ استعارہ اور مجاز اس وقت میرے کانوں میں کبھی نہیں پڑے تھے۔ بعد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب میں یہ الفاظ جن معنوں میں استعمال ہوتے ہوئے دیکھے ہیں وہ میرے عقیدہ کے منافی نہیں۔ ان معنوں میں مَیں اب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علی سبیل المجاز ہی نبی سمجھتا ہوں یعنی بغیر شریعت جدیدہ کے نبی اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی بدولت اور حضور کی اطاعت میں فنا ہو کر حضور کا کامل بروز ہو کر مقام نبوت کو حاصل کرنے والا نبی۔ میرے اس عقیدہ کی بُنیاد حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقاریر و تحریرات اور جماعت احمدیہ کا متفقہ عقیدہ تھا۔

عبدالرحمٰن مصری

ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ

۲۴ راگست ۱۹۳۵ء"

شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کی حلفیہ شہادت کا عکس

میں حضرت صاحب یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کا آخری حصہ یعنی ۱۹۰۵ء میں بیعت کی تھی

میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی طرح کا نبی یقین کرتا تھا اور کرتا ہوں جس طرح کہ حضرت آدم و دیگر نبیوں اور رسولوں کو یقین کرتا ہوں نفس نبوت میں نہ اس وقت کوئی فرق کرتا تھا اور نہ اب کرتا ہوں لفظ استعارہ اور مجاز اس وقت میرے کانوں میں کبھی بھی نہیں پڑے تھے بعد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب میں یہ الفاظ جن معنوں میں ہمارے لئے استعمال ہوئے ہیں وہ دیکھے ہیں وہ میرے عقیدہ کے منافی نہیں ان معنوں میں میں آپ کو یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علی سبیل المجاز نبی سمجھتا ہوں یعنی بغیر شریعت جدیدہ کے نبی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی بدولت اور حضور کی اطاعت میں فنا ہو کر حضور کا کامل بروز ہو کر مقام نبوت کو حاصل کرنے والا

میرا اس عقیدہ کی بنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقاریر و تحریرات اور جماعت احمدیہ کا متفقہ عقیدہ تھا۔

عبدالرحمٰن مصری

ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ

۲۴ راگست ۱۹۳۵ء

۲۶ جولائی ۱۹۱۳ء کو شیخ صاحب حضرت سیدنا محمودؓ کی ذاتی جدوجہد اور آپ کی تحریک "انصار اللہ" کے خرچ پر حصول تعلیم کے لئے مصر بھیجے گئے۔ مصر میں قیام کے عرصہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے شیخ صاحب کو ایک مکتوب میں یہ تحریر فرمایا کہ

"تمہیں وہاں سے کسی شخص سے قرآن پڑھنے کی ضرورت نہیں جب تم واپس قادیان آؤ گے تو ہمارا علم قرآن پہلے سے بھی انشاء اللہ تعالیٰ بڑھا ہوا ہوگا۔ اور اگر ہم نہ ہوئے تو **میاں محمود سے قرآن پڑھ لینا**"[1]

علاوہ ازیں خود شیخ صاحب بھی اس یقین پر قائم تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے بعد پوری جماعت میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ہی کی مقدس شخصیت ہر اعتبار سے ممتاز و منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے قیام مصر کے دوران حضرت سیدنا محمودؓ کے حضور ایک مکتوب میں لکھا کہ۔

"جس طرف حضرت خلیفۃ المسیح یا آپ مجھے لگائیں گے میں تو وہی کام کروں گا۔ میں نے اپنا معاملہ اپنی مرضی پر نہیں رکھا ہوا۔ دینِ اسلام کی خدمت کرنا میری غرض ہے۔ اس غرض کے مناسب کام کو تجویز کرنا میں نے اپنی عقل اور فکر پر نہیں چھوڑا ہوا بلکہ آپ کے سپرد ہے۔ کیونکہ میں کامل یقین پر پہنچا ہوا ہوں۔ جس کام پر آپ لگائیں گے وہ دینی خدمت ہے۔ دین کا جوش اور غم جو آپ کو ہے اور کسی کو نہیں اور نہ ہی میں آپ کے سوا کسی کو اس کا اہل پاتا ہوں۔ اس لئے میں نے آپ کے ساتھ مل کر کام کرنا ہے اور جہانتک میری مقدرت میں ہے انشاء اللہ تعالےٰ آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا . . . . . .
میں نے مدرسہ احمدیہ میں اس واسطے کام نہیں شروع کیا تھا کہ روپیہ کماؤں بلکہ ایک دینی خدمت تھی اور یہ دینی خدمت بھی تب تک ہی دینی خدمت ہے جب تک کہ آپ کا وجود باوجود اس مدرسہ میں ہے کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ اگر آپ کا تعلق اس مدرسہ سے نہو تو کیا انجمن اس مدرسہ کی طرف توجہ کرلے گی جیسی کہ اب کرتی ہے۔ انجمن کو تو اس مدرسہ کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی۔ یہ تو آپ کی وجہ سے قائم ہے اور اگر آپ کسی وجہ سے اپنا تعلق اس سے ہٹا لیں اور اسی غرض کو کسی اور ذریعہ سے پورا کرنا چاہیں تو پھر کیا میں اس حالت میں جبکہ پانچ سال کے لئے اپنے آپ کو قید میں ڈال چکا ہوں گا، اپنے آپ کو آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں اور آپ کے ساتھ مل کر کام کر سکتا

---

[1] یہ خط "الفضل" یکم اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۲۱ کالم ۱ میں شائع شدہ ہے۔

ہوں۔ باقی رہا یہ کہ انجمن اس صورت میں مدد دینے سے انکار کر دے گی۔ تو پھر مَیں تو انجمن کے حکم سے یہاں آیا نہیں اور نہ انجمن کے لئے یہ سفر مَیں نے اختیار کیا ہے اور نہ انجمن کے لئے علم پڑھ رہا ہوں۔

. . . الخ "

شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے مکتوب کا چربہ

بلکہ جس طرف حضرت خلیفۃ المسیح یا آپ مجھے
لگا سکیں میں تو وہی کام کرونگا میں اپنا معاملہ اپنی مرضی پر نہیں رکھتا ہوا
دین اسلام کی خدمت کرنا میری غرض ہے اس غرض پر مناسب کام کو
تجویز کرنا میں اپنی عقل اور فکر پر نہیں چھوڑتا ہوں بلکہ آپ کے سپرد ہے
کیونکہ میں کامل یقین پر پہنچا ہوا ہوں جس کام پر آپ لگا دینگے وہ دینی
خدمت ہے دین کا جوش اور غم جو آپکو ہے اور کسی کو نہیں اور نہ ہی میں آپ کے
سوا کسی کو اسکا اہل پاتا ہوں اسلئے میں نے تو آپکے ساتھ مل کر کام کرنا ہے
اور جہاں تک میری مقدرت میں ہے انشاء اللہ تعالیٰ آپکا ہاتھ بٹاؤنگا

. . . .

میں نے مدرسہ احمدیہ میں اس واسطے علم پڑھنا شروع کیا تھا کہ روپیہ کماؤں بلکہ
ایک دینی خدمت تھی اور وہ دینی خدمت بھی تب تک ہی دینی خدمت
ہے جب تک کہ آپ کا وجود باوجود اس مدرسہ میں ہے کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ
اگر آپکا تعلق اس مدرسہ سے نہ ہو تو کیا انجمن اس مدرسہ کی طرف اسی طرح توجہ
کریگی جیسی کہ اب کرتی ہے انجمن کو تو اس مدرسہ کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی
ہو تو آپ کی وجہ سے قائم ہے اور اگر آپ کسی وجہ سے اپنا تعلق اس سے
ہٹا لیں تو وہ اسی غرض کو کسی اور ذریعہ سے پورا کرنا چاہیں تو پھر
کیا میں اس حالت میں جبکہ پانچ سال کے لئے آپنے آپکو [illegible]
[illegible] ہونگا آپنے آپ کو آپکی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں

اور اسکے ساتھ ملکر کام کرسکتا ہوں
باقی رہا یہ کہ انجمن اس صورت میں مدد دینے سے انکار کردیگی تو پھر
میں تو انجمن کے حکم سے یہاں آیا ہوں اور نہ انجمن کے لئے یہ سفر میں نے اختیار
کیا ہے اور نہ انجمن کے لئے علم پڑھ رہا ہوں

شیخ مصری صاحب کی بیعت خلافت ثانیہ

شیخ صاحب موصوف مصر میں ہی تھے کہ ۱۳؍ مارچ ۱۹۱۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ انتقال فرما گئے اور ۱۴؍ مارچ ۱۹۱۴ء کو خلافت ثانیہ کا قیام عمل میں آیا جس پر شیخ صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں مندرجہ ذیل بیعت نامہ لکھا:-

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم وآلہٖ مع التسلیم

سیّدی و مرشدی !　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہمارے پیارے محسن خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفاۃ کا صدمہ جو احمدی قوم کے دلوں پر ہوا وہ تو واقعی بیان سے باہر ہے خصوصاً ہم دُور افتادوں کے لئے تو ہمیشہ افسوس ہی رہے گا کہ پھر زندگی میں زیارت بھی نصیب نہ ہوئی۔ سوائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کے کیا کہہ سکتے ہیں۔ اللّٰھم اعلِ مقامہ واکرم مثواہ والحقہ بالرفیق الاعلیٰ۔ اٰمین۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو فتنہ سے محفوظ رکھے اور قوم کو اپنے محض فضل وکرم سے اپنی پناہ میں لے کر اس ابتلا سے پار اُتار دے جو کہ بعض نادانوں نے قوم کے راستے میں لا ڈالا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے عہد کو مبارک عہد ثابت کرے اور الٰہی نصرتوں اور رحمتوں اور برکتوں کا عہد ہو۔ آمین۔

آپ کے دشمنوں کو ذلیل اور خوار کرے اور آپ کو کامیابی کے اعلیٰ اوج پر پہنچائے

مَیں اس امر کے اظہار سے رک نہیں سکتا کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اور اپنی خاص عنایت سے یہ خلعت خلافت آپ کو پہنائی ہے ورنہ دشمنوں نے تو ناخنوں تک زور لگایا تھا کہ کسی طرح یہ ٹل جاوے۔ ان کی مدت مدید کی کوششوں کو خدا نے ملیامیٹ کر دیا۔ اور آخر خدائی ارادہ ہی غالب آیا۔ بھلا خالق کے آگے خلق کی کیا پیش جاتی ہے۔ اللہ کریم ہمیشہ فتح اور نصرۃ

اور کامیابی کو آپ کا حلیف بنا دیوے، آمین۔

مَیں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے آنے سے پہلے ہی میرے دل میں آپ کے ساتھ ایسی ہی ارادتمندی ڈال دی تھی جس کا آج مَیں کھُلے طور پر اظہار کرتا ہوں۔ مَیں نے آپ کی فرمانبرداری کو پہلے سے ہی اپنا شعار بنایا ہوا تھا۔ اللہ تعالےٰ مجھے اس پر تا موت قائم رکھے۔ اور جس بیعت کا اقرار آپ کے ہاتھ پر آج کرنے لگا ہوں، اللہ تعالےٰ اس پر استقامت عطا فرمائے اور وفاداری کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دے۔ امید ہے کہ عاجز کی بیعت کو قبولیت کا شرف بخشیں گے۔ بیعت کے الفاظ کو یہاں دوہرا دیتا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ الخ"

عکس بیعت نامہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وآلہ مع التسلیم

سیدی و مرشدی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ ہمارے پیارے محسن خلیفۃ المسیح الاول کی وفات کا صدمہ جو احمدی قوم کے دلوں پر ہوا وہ تو حد تحریر بیان سے باہر ہے خصوصاً ہم دور افتادوں کے لئے تو بہت افسوس ہی رہا کہ عمر بھر زندگی میں زیارت بھی نصیب نہ ہوئی سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کے کیا کہہ سکتے ہیں اللھم اعل مقامہ واکرم مثواہ والحقہ بالرفیق الاعلیٰ آمین۔ اللہ تعالیٰ ہم سبکو فتنہ سے محفوظ رکھے اور قوم کو اپنے محض فضل و کرم سے اپنی پناہ میں لیکر اس ابتلاء سے پار اتار دے جو کہ بعض نادانوں نے قوم کے راستے میں لا ڈالا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپکے عہد کو مبارک عہد ثابت کرے اور الٰہی نصرتوں اور رحمتوں اور برکتوں کا عہد ہو آمین۔ آپ کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کرے اور آپکو کامیابی کے اعلیٰ اوج پر پہنچا دے۔

میں اس امر کے اظہار سے رک نہیں سکتا کہ واقعی اللہ تعالی نے اپنے فضل و کرم سے اور اپنی خاص عنایت سے یہ خلعت خلافت آپکو پہنائی ہے ورنہ دشمنوں نے تو ناخنوں تک زور لگایا تھا کہ کسی طرح یہ محل جا دے انکی مدت مدید کی کوششوں کو خدا نے ملیا میٹ کر دیا اور آخر خدائی ارادہ ہی غالب آیا

بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے

اللہ کریم ہمت فتح اور نصرۃ اور کامیابی کو آپکا حلیف بنا دیوے آمین

میں اللہ تعالی کا لاکھ لاکھ شکر کرتا ہوں کہ اللہ تعالی نے اسوقت کے آنے سے پہلے ہی میرے دل میں آپکے ساتھ ایسی ہی ارادتمندی ڈال دی تھی جیسا آج میں کھلے طور سے اظہار کرتا ہوں -

مجھے آپکی فرمانبرداری کو پہلے سے ہی اپنا شعار بنایا ہوا تھا اللہ تعالی مجھے اس پر تا موت قائم رکھے اور جس بیعت کا اقرار آپکے ہاتھ پر آج کرنے لگا ہوں اللہ تعالی اس پر استقامت عطا فرما دے اور وفاداری کے اعلے مقام پر پہنچا دے امید ہے کہ عاجز کی بیعت کو قبولیت کا خرچ عطا بخشینگے - بیعت کے الفاظ کو یہاں دوہرا دیتا ہوں

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ

اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ

آج میں سلسلہ احمدیہ میں محمود کے ہاتھ پر تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور خدا کی توفیق سے آئندہ بھی ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرونگا شرک نہیں کرونگا دین کو دنیا پر مقدم رکھونگا اسلام کے تمام احکام بجا لانے کی کوشش کرونگا جو تم نیک کام بتلاؤ گے اسمیں تمہاری اطاعت کرونگا

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانونگا۔

(۲) مسیح موعود کے تمام دعاوی پر دل وجان سے ایمان رکھونگا

(۳) تبلیغ اسلام میں حتی الوسع کوشاں رہونگا

استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔ رب انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی انہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور بہت ظلم کیا میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخش سکتا تو میرے گناہوں کو بخشدے۔ آمین۔

یہ الفاظ میں نے الفضل سے نقل کئے ہیں اگر ان کے علاوہ کچھ اور بھی ہو تو اسمیں شامل ہے اور میں اسکا اقرار کرتا ہوں اللہ تعالٰی ان سب کو پورا کرنیکی توفیق دے۔ وما توفیقی الا باللہ۔ [redacted]

میرے پیارے آقا [redacted] بیشک اسوقت آپکی خاطر

سبب سے بڑھ گئے ہیں مگر ہم عاجزوں کو مت بھلا دیجئے اپنی پاک دعاؤں سے ضرور ہمیشہ مدد دیتے رہا کیجئے ۔

تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے ایک آدمی بہت کچھ مان چکا ہے حضرت اماں جان سے درخواست کرتا ہے کہ میں قادیان میں خود جا کر دیکھ کر بیعت میں داخل ہوں گا ۔

ٹریکٹ کے متعلق پہلے گذشتہ بھی کسی خط میں عرض کیا تھا کہ اخبار والوں نے شائع نہیں کیا اگر اجازت فرما دیں تو عام طور پر تقسیم کر دیا جاوے خرچ اسوقت تک قریب ۴ پونڈ کے ہو چکا ہے

حضرت ام المومنین اور دیگر اہل بیت کو السلام علیکم اور تمام سے عرض ہے والسلام

خاکسار شیخ عبدالرحمن

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ پر آسمانی انکشاف

۱۹۱۵ء میں جب شیخ عبدالرحمن صاحب "مصری" بن کر واپس آئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو بذریعہ رؤیا[1] خبر دی گئی کہ شیخ صاحب کا خیال رکھنا یہ مُرتد ہو جائیں گے۔ چنانچہ اسی بناء پر حضور نے صدر انجمن احمدیہ کو توجہ دلائی کہ ان کا خاص خیال رکھا جائے۔[2]

---

[1] اس خواب کے گواہ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کے علاوہ اڑیسہ کے ایک احمدی نیز ماسٹر چراغ الدین صاحب مدرس فارسی گورنمنٹ ہائی سکول قلعہ شیخوپورہ بھی تھے جنہوں نے ۱۹۱۵ء میں خود حضور سے یہ خواب سُنی ("الفضل" ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۶ کالم ۱، نیز "الفضل" یکم دسمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۳ کالم ۳)۔

[2] تقریر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۷ء مطبوعہ "الفضل" ۱۴ اگست ۱۹۶۴ء صفحہ ۴ کالم ۲ ۔

مگر اس آسمانی انکشاف کے باوجود جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو میر عباس علی صاحب سے متعلق الہام "اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَ فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ"[1] کے ساتھ ان کے ارتداد کی بھی مدتوں قبل اطلاع دی گئی[2] مگر حضورؑ نے اُن سے اُس وقت تک اپنا مخلصانہ تعلق قائم رکھا جبتک کہ وہ خود کھُلم کھُلا معاندین سلسلہ کی صف میں نہیں چلے گئے۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی شیخ صاحب کو سلسلہ سے وابستہ رکھنے کے لئے سلسلہ کی خدمات کے مواقع بہم پہنچاتے رہے حتّٰی کہ دوسرے فرائض کے علاوہ ایک لمبے عرصہ تک مدرسہ احمدیہ کی ہیڈ ماسٹری بھی اُن کے سپرد رہی۔

مصری صاحب اور غیر مبائعین

اس دوران میں انہوں نے بار بار اپنی تقریروں اور تحریروں میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے خلیفہ برحق ہونے اور حضور کی برکت سے قادیان کے پاکیزہ اور رُوحانیت سے لبریز ماحول کی شہادت دی۔ مثلاً ۱۹۲۲ء میں مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے امیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:-

(الف) "قربان جاؤں اس مولیٰ کریم کے جس نے باوجود کسی اہم ضرورت کے پیش نہ آنے کے محض اپنے ایک پیارے کی جسے اُس نے اپنے ہاتھ سے خلیفہ بنایا عزت رکھنے اور اس کے مقابلہ میں اس کے دشمن (مولوی محمد علی صاحب) کو اس کے اِس خلافِ اصول حملہ میں بھی ناکامی و نامرادی کا مُنہ دکھانے کے لئے احمدی لٹریچر میں پہلے سے ہی سامان رکھ دیا ہوا ہے"[3]

(ب) "آپ حضرت مسیح موعودؑ کے اس شعر کا غور سے مطالعہ کریں ؎

غرض رُکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے
بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے

اور سمجھیں کہ جس کو خدا عزت دیتا ہے اس کو بندے ہرگز نہیں گرا سکتے۔ پس آپ جو حضرت خلیفہ مسیح ثانی کی عزّت کو گھٹانے میں ہمیشہ ناکامی کا مُنہ دیکھتے رہے ہیں اس سے آپ سمجھ لیں کہ یہ عزّت خدا کی طرف سے ملی ہے اور مقابلہ سے توبہ کرکے حضور کے دامن سے وابستہ ہو جائیں۔ تاکہ آپ

---

[1] ترجمہ "اس کی جڑ زمین میں محکم ہے اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہیں" (مکتوبات احمدیہ جلد اوّل صفحہ ۴)۔

[2] مکتوبات احمدیہ جلد اوّل صفحہ ۱۵، ۲۷، ۲۳، تذکرہ طبع دوم صفحہ ۶۰، ۱۲۴۔

[3] "الفضل" ۲۷ر فروری و ۲ر مارچ ۱۹۲۲ء صفحہ ۳۔

بھی ان برکات سے حصہ لے سکیں جو حضور کے شاملِ حال ہیں۔" ؎۱

اسی طرح انہوں نے ۱۹۳۵ء میں قادیان کے ایک پبلک جلسہ میں لیکچر دیا کہ

"یاد رکھو دنیا میں ہر وہ قریہ جس میں کوئی نبی بھیجا جاتا ہے اُمّ القریٰ ہوتا ہے۔ کیونکہ اور تمام بستیوں نے اس کی چھاتیوں سے علم و عرفان کا دُودھ پینا ہوتا ہے۔ پس قادیان میں بچوں کو بھیجنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ قادیان سلسلہ کا مرکز ہے اور اُسے خدا نے دنیا کے لئے اُمّ القریٰ قرار دیا ہے چونکہ ان بچوں نے قادیان رہ کر احمدیت کی چھاتیوں سے دودھ پیا ہوگا۔ اس لئے اِلّا ماشاء اللہ ہر طالب علم بیرونی طالب علموں کے مقابلہ میں خدمتِ دین کے لئے زیادہ جوش و خروش رکھے گا۔ یہاں ماحول نہایت پاکیزہ ہے اور فضا دینی رنگ میں رنگین ہے۔ پھر یہاں جو طالب علم آتے ہیں وہ حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی صحبت سے فیض حاصل کر سکتے ہیں۔ حضور کے خطبات سُن سکتے ہیں۔ درسوں میں شامل ہو سکتے ہیں۔ دیگر ممالک میں جانے والے مبلّغین کی روانگی اور آمد کی تقریبوں میں شریک ہوتے ہیں اور اس طرح اُن کے دلوں میں یہ جوش پیدا ہوتا ہے کہ وہ بھی خدمتِ سلسلہ کریں۔ یہ سب چیزیں باہر مفقود ہیں۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کی ایک کثیر جماعت یہاں موجود ہے۔ بیرونی جماعتوں میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ ہیں مگر وہ پھیلے ہوئے ہیں اور اُن سے رُوحانی فوائد حاصل کرنا مشکل ہے۔ مگر قادیان میں مجموعی طور پر ایک ایسی جماعت موجود ہے جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا اور آپ سے براہِ راست فیضان حاصل کیا۔ پس جو طالب علم یہاں آئیں گے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ سے بھی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں" ؎۲

مصری صاحب کے بنیادی عقیدہ میں تبدیلی

یہ طویل اقتباسات نقل کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ایک ایسے شخص کی نسبت جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۳۵ء تک حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے منجانب اللہ خلعت خلافت عطا کئے جانے اور قادیان کے پاکیزہ اور روحانی ماحول کا چرچا کرتا آ رہا ہو کسی کے واہمہ میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ وہ خلیفۂ وقت اور مرکز سلسلہ سے برگشتہ ہو سکتا ہے۔ مگر خدائی نوشتے پُورے ہو کر رہتے ہیں۔ آخر وہی ہوا جس کی خبر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو ۱۹۱۵ء میں

؎۱ "الفضل" ۲۱ دسمبر ۱۹۲۲ء

؎۲ "الفضل" ۲ جون ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ کالم ۲-۳

دی گئی تھی یعنی مصری صاحب پر یہ ایک یہ راز کھلا کہ " انبیاء اور مشائخ کی وفات کے بعد صرف پہلا خلیفہ ہی خدائی انتخاب ہوتا ہے۔ باقی منتخب شدہ خلفاء آیۃ استخلاف کے ماتحت نہیں آتے اور متنازعہ فیہ خلافت پہلی خلافت نہیں ہے بلکہ دوسری خلافت ہے اور اس لئے یہ آیۃ استخلاف کے ماتحت نہیں آسکتی اور جب یہ خلافت آیت استخلاف کے ماتحت نہیں ہوتی تو اُس کا انتخاب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا" [1]

مصری صاحب کے سبّ و شتم سے لبریز تین خطوط

اس نظریہ پر بنیاد رکھ کر انہوں نے ۱۰، ۱۴ اور ۲۳ رجون ۱۹۳۷ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو سبّ و شتم سے بھرے ہوئے پے در پے تین خطوط لکھے جن میں دیگر ناشائستہ اور نا ملائم باتوں کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ

"میں آپ سے الگ ہو سکتا ہوں لیکن جماعت سے علیحدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جماعت سے علیحدگی ہلاکت کا موجب ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے اور چونکہ دُنیا میں کوئی ایسی جماعت نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے ہوئے صحیح عقائد و تعلیم پر قائم ہو بجز اس جماعت کے جس نے آپ کو خلیفہ تسلیم کیا ہوا ہے اس لئے میں دو راہوں میں سے ایک کو ہی اختیار کر سکتا ہوں۔ یا تو میں جماعت کو آپ کی صحیح حالت سے آگاہ کر کے آپ کو خلافت سے معزول کرا کر نئے خلیفہ کا انتخاب کراؤں۔ اور یہ راہ پُر از خطرات ہے اور یا جماعت میں آپ کے ساتھ مل کر اس طرح رہوں جس طرح میں نے اُوپر بیان کیا ہے"

"پس اگر آپ توبہ کرنے کے لئے تیار نہیں تو مجھے آپ اپنی بیعت سے علیحدہ سمجھ لیں کیونکہ میں ایسے آدمی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دے سکتا۔ . . . . . ہاں . . . . میں جماعت کا باقاعدہ فرد ہوں۔ جماعت سے میں الگ نہیں ہو سکتا۔ آپ کی بیعت کا جوا اپنی گردن سے اُتارنے کی یہ بھی وجہ ہے کہ میں آزاد ہو کر جماعت کو دوسرے خلیفہ کے انتخاب کی طرف جلد توجہ دلا سکوں"

"اگر آپ اس توبہ پر راضی ہوں تو میں آپ کا خادم ہوں اور انشاء اللہ تعالیٰ رہوں گا۔ ورنہ جیسا کہ میں نے اُوپر ذکر کیا ہے۔ میں آپ کے ساتھ قطعاً نہیں رہ سکتا۔" [2]

---

[1] پمفلٹ "کیا تمام خلیفے خدا ہی بناتا ہے" صفحہ ۲ (از شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری)

[2] پمفلٹ "جماعت کو خطاب" صفحہ ۲ (از شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا ایمان افروز جواب

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصری صاحب کی چٹھیوں کا مندرجہ ذیل جواب ارسال فرمایا :-

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

مکرم شیخ صاحب ! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ

آپ کے تین خط ملے۔ پہلے خط[1] کا مضمون اس قدر گندہ اور گالیوں سے پُر تھا کہ اُس کے بعد آپ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ آپ بیعت میں شامل ہیں اور جماعت احمدیہ میں داخل ہیں بالکل خلاف عقل تھا۔ پس میں اس فکر میں تھا کہ آپ کو توجہ دلاؤں کہ آپ خدا تعالیٰ سے استخارہ کریں کہ اس عرصہ میں آپ کا دوسرا خط ملا جس میں فخر الدین ملتانی صاحب کی طرف سے معافی نامہ بھجوانے کا ذکر تھا۔ میں اس معافی نامہ[2] کی انتظار میں رہا مگر وہ ایک غلطی کی وجہ سے میری نظر سے نہیں گذرا۔ اور کل دس گیارہ بجے

---

[1] اس خط کا پہلا ہی فقرہ یہ تھا کہ " اَلْفِتْنَۃُ نَائِمَۃٌ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ اَیْقَظَھَا " یعنی فتنہ سو رہا ہے خدا کی لعنت ہو اس پر جو جگاتا ہے۔ اس فقرہ میں فتنہ کو جگانے والے کے الفاظ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف اشارہ تھا۔ پس جو شخص خط کو شروع ہی لعنت سے کرتا ہے اس کے پورے خط میں کیا مضمون ہوگا اس کا اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں ہے۔

[2] ان صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے غیر مبائعین کے خلاف بدزبانی کرنے سے بار بار روکا مگر نہ صرف وہ باز نہ آئے بلکہ نظام خلافت اور نظام سلسلہ کے خلاف اندر ہی اندر منافرت پھیلانا شروع کر دی تحقیقات پر جرم ثابت ہوا۔ اور شروع جون ۱۹۳۷ء میں جماعت سے خارج کر دیئے گئے (" الفضل " ۹ جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۱)۔ لیکن اعلان اخراج کے بعد انہوں نے حضور کی خدمت میں اپنا معافی نامہ لکھا جو " الفضل " ۲۶ جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۳-۴ میں بھی شائع کر دیا گیا۔ اس معافی نامہ میں انہوں نے اپنی سرکشانہ لغزشوں اور بے جا اتہاموں کا اقرار اور اپنے متمردانہ افعال پر ندامت و خجالت کا اظہار کرتے ہوئے غیروں سے تعلق رکھنے کو بے غیرتی اور دیوثی قرار دیا اور لکھا کہ اُسے ایک رؤیا ہوا ہے جس میں اُسے بتایا گیا کہ وہ غلطی پر ہے اور اسے اپنے افعال شنیعہ سے توبہ کرنی چاہیئے۔ یہ رؤیا اتنا واضح تھا کہ خود ان کے اقرار کے مطابق ان کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور کبر و غرور توڑ دیا۔ اور ثلج قلب اور انشراح صدر حاصل ہو گیا مگر اس رؤیا کے باوجود اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے متنبہ کئے جانے کے باوجود اور یہ سمجھنے کے باوجود کہ اس پاک سلسلہ کے علمبرداد کے مقابلہ میں ناپاک مخالفین کی امداد کرنے والے کے ایمان اور دین پر زُد ہے۔ پھر بھی اُنہوں نے مصری صاحب سے گٹھ جوڑ کی وجہ سے ناپاک اور اشتعال انگیز اشتہاروں اور پمفلٹوں کا ایک طویل سلسلہ جاری کر دیا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور نظام سلسلہ کے خلاف

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کا علم ہوا۔ اور اسی وقت ان کو اس کی اطلاع کر دی گئی۔ اس کے چند گھنٹہ بعد آپ کا تیسرا خط ملا کہ اگر چوبیس گھنٹہ تک آپ کی تسلی نہ کی گئی تو آپ جماعت سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ سو میں اس کا جواب بعد استخارہ لکھ رہا ہوں کہ آپ کا جماعت سے علیحدہ ہونا بے معنیٰ ہے جب سے آپ کے دل میں وہ گند پیدا ہوا ہے جو آپ نے اپنے خطوں میں لکھا ہے۔ آپ خدا تعالےٰ کی نگاہ میں جماعت سے خارج ہیں۔ خدا تعالیٰ اب بھی آپ کو توبہ کی توفیق دے۔ پھر جب سے آپ نے میرے خط میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اسی وقت سے آپ جماعت سے میری نگاہ میں بھی الگ ہیں۔ لیکن اگر آپ کو میری تحریر کی ہی ضرورت ہے۔ تو میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ آپ خدا تعالیٰ کے نزدیک تو ان خیالات کے پیدا ہونے کے دن سے ہی جماعت احمدیہ سے خارج ہیں اور ان خطوط کے بعد جو حال میں آپ نے مجھے لکھے ہیں۔ میں بھی آپ کو جماعت سے خارج سمجھتا ہوں اور اس کا اعلان کرتا ہوں۔ آپ نے مجھے بہت سی دھمکیاں دی ہیں۔ میں ان کا جواب کچھ نہیں دیتا۔ میرا معاملہ خدا کے سپرد ہے اگر میں اُس کا بنایا ہوا خلیفہ ہوں۔ اگر وہ الہامات جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو میرے بارہ میں ہوئے ہیں اور وہ بیسیوں خوابیں جو اس بارہ میں مجھے آئی ہیں اور وہ سینکڑوں خوابیں[1] جو دوسروں کو آئی ہیں درست ہیں تو خدا تعالےٰ باوجود آپ کے ادّعار سُوخ و اثر کے آپ کو ناکام کرے گا۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

خاکسار مرزا محمود احمد

(۲۴ر جون ۱۹۳۷ء)"[2]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- مفروضہ مظالم کی داستانیں پھیلا کر قادیان اور اس کے ماحول میں خاص طور پر ایک خطرناک کشیدگی کی فضا پیدا کر دی۔ ملتانی صاحب نے انہیں دنوں ایک قلمی اشتہار "فحش کا مرکز" بورڈ پر چسپاں کیا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو شرمناک گالیاں دی گئی تھیں۔ اس اشتہار سے مشتعل ہو کر قادیان کے ایک قلعی گر میاں عزیز احمد نے اگست ۱۹۳۷ء کو ملتانی صاحب کو چاقو سے زخمی کر دیا اور جیسا کہ انہوں نے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب گورداسپور کی عدالت میں بیان دیا۔ اُن کی نیت قاتلانہ حملہ کی نہ تھی۔ بلکہ اس سے غرض یہ تھی کہ وہ ایسے گندے اشتہار شائع کرنے سے باز رہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا:- [1] "الفضل" ۱۹۳۷ء میں اکثر خوابیں چھپ گئی تھیں۔ جن کے پڑھنے سے خدا تعالیٰ کا حیرت انگیز تصرّف نظر آتا ہے کہ ان دنوں جبکہ مصری صاحب اپنے اخلاص و فدائیت کا بظاہر نمونہ سمجھے جاتے تھے اور جماعت میں ان کو ہر جگہ عزت و احترام سے دیکھا جاتا تھا، خدا تعالےٰ کی طرف سے قبل از وقت بکثرت رؤیا دکھائی گئیں کہ مصری صاحب خلافت سے الگ ہونے والے ہیں۔

[2] "الفضل" ۲۶ر جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۔

جماعت احمدیہ کے خلاف مصری صاحب کی خفیہ تنظیم

حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی کا یہ مکتوب "الفضل" ۲۶ جون ۱۹۳۷ء کے صفحہ ۱ پر شائع ہوا جس کے بعد مصری صاحب نے ۲۷ جولائی ۱۹۳۷ء کو اپنی جعلی خودساختہ اور نام نہاد امارت کا ڈھونگ رچا کر فریمیسنوں کی طرح ایک خفیہ تنظیم جماعت کے خلاف قائم کر لی جس کا ذکر حضرت مسیح موعود کے ایک الہام میں ملتا ہے کہ "فریمیسن مسلط نہیں کئے جائیں گے تا اس کو ہلاک کریں"[۱] مصری صاحب نے خفیہ تنظیم کی تشکیل کے بعد مخالف اشتہاروں اور پوسٹروں کی وسیع پیمانہ پر اشاعت شروع کر دی۔ اس موقعہ سے دشمنانِ احمدیت[۲] نے خوب فائدہ اٹھایا اور ہر رنگ میں اس فتنہ کی پشت پناہی کی۔ خصوصاً غیر مبائع اصحاب نے مصری صاحب کے عائد کردہ فحش اور ناپاک الزامات

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ لیکن بدقسمتی سے چاقو کا زخم کاری ثابت ہوا۔ اور ملتانی صاحب ۱۳ اگست ۱۹۳۷ء کو دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ ("پیغام صلح" ۱۸ اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۶-۷) اور میاں عزیز احمد تلعی گربھی ۸ جون ۱۹۳۸ء کو پھانسی دے دیا گیا۔ میاں عزیز احمد کی نعش قادیان میں آئی تو اگرچہ حضورؓ نے دوسروں کو اس کا جنازہ پڑھنے کی اجازت دے دی مگر ساتھ ہی فرمایا:۔

"اگر قانون اجازت دے تو شریعت اس میں ہرگز روک نہیں۔ کیونکہ گنہ کے بعد اوّل توبہ دوم سزا شرعی یا قانونی اگر مل جائے تو ایسے شخص کا جنازہ پڑھنا منع نہیں ہے۔ ہاں چونکہ میاں عزیز احمد صاحب کا فعل بہرحال گنہ ہے، جنازہ کی کوئی ایسی صورت پیدا نہیں ہونی چاہیئے کہ اُسے قومی رنگ دیا جائے"

حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا:۔ [۱] "الحکم" ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱، "تذکرہ" طبع دوم صفحہ ۴۲۴۔

[۲] مصری صاحب اور ان کے ساتھی ادّعا تو یہ کرتے تھے کہ وہ احمدی ہیں۔ مگر ان لوگوں کی احمدیت دشمنی یہانتک پہنچ چکی تھی کہ فخرالدین صاحب ملتانی کی طرف سے احمدیت کے مخالف اخبار "زمیندار" میں "قادیان میں نیا امیرالمومنین منتخب کر لیا گیا۔ خلیفہ بشیر کو تخت سلطنت سے علیحدہ ہو جانے کا حکم" کے پورے صفحہ کے عنوان سے ایک لمبا تار شائع کرایا کہ "قادیان ۲۸ جولائی مجلس احمدیہ مرزائیوں کی اس جماعت کا نام ہے جنہوں نے قادیان کے موجودہ خلیفہ (مرزا بشیر) کے ساتھ رشتۂ وفا توڑ دیا ہے۔ اس جماعت نے ۲۷ جولائی کو ایک غیر معمولی اجلاس منعقد کر کے فیصلہ کیا کہ شیخ عبدالرحمٰن مصری امیر جماعت کی امارت کو جملہ ارکان نے قبول کر لیا ہے اس لئے اُن کے امیر ہونے کا اعلان کر دیا جائے۔ مجلس امیر جماعت کے اس مطالبہ کی تائید کرتی ہے کہ حضرت امیر نے مرزا بشیر کے خلاف جو الزامات عائد کئے ہیں . . . ان کی جانچ پڑتال اور تفتیش کی غرض کے پیش نظر ایک آزاد کمیشن کا تقرر فی الفور عمل میں لے آیا جائے۔ اگر یہ الزامات صحیح ہوں تو . . . . نیا خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ اور جب جدید خلیفہ کا انتخاب عمل میں آ جائے تو مجلس احمدیہ کو توڑ دیا جائے۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ جو حضرات خفیہ طور پر مجلس احمدیہ کے دائرۂ رکنیت میں شامل ہوں ان کے اسمائے گرامی صیغہ راز میں رکھے جائیں" ("زمیندار" مورخہ ۲۹ جولائی ۱۹۳۷ء بحوالہ "الفضل" ۳۱ جولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۲)۔ اس تار کا خلاصہ بڑے طمطراق سے اخبار "پیغام صلح" لاہور نے ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء کے ایشوع میں بھی شائع کیا۔

کی تشہیر میں خاص طور پر حصہ لیا بلکہ "پیغام صلح" مصری صاحب کے فتنہ کو ہوا دینے کے لئے تو وقف ہی ہو گیا۔[1]

مولوی محمد علی صاحب کی پشت پناہی

اگرچہ مشہور غیر مبائعین میں سے قریباً سب نے مصری صاحب کی تائید میں مضامین لکھے مگر بالخصوص امیر غیر مبائعین مولوی محمد علی صاحب نے اخبار "پیغام صلح" میں لمبے لمبے مکتوب شائع کئے جن میں ایک طرف حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی شان میں دلآزار طریق پر دل کھول کر حملے کئے اور دوسری طرف مصری صاحب کے تقدس اور شرافت بزرگی کا ڈھنڈورہ پیٹتے ہوئے ان کے اس تازہ "کارنامے" کی یہ داد دی تھی کہ "خلیفہ قادیان کی افسوسناک جسارتوں کا عبرت انگیز انجام" "میاں صاحب حسن بن صباح کے نقش قدم پر" کے دوہرے عنوان سے لکھا۔

"شیخ صاحب اس بارے میں واقعی مستحق مبارکباد ہیں"[2]

پھر لکھا :-

"پیر پرستی کے بُت کو توڑنے والے ہماری ہمدردی کے مستحق ہیں"[3]

اخبار "پیغام صلح" نے جہاں مصری صاحب کی نسبت یہ سرٹیفکیٹ دیا کہ "اُن کا زہد و اتقاء مسلمہ ہے"[4] وہاں مولوی محمد علی صاحب نے یہاں تک لکھ ڈالا کہ

"شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری مجھ سے ملے ہیں۔ بار بار ملتے رہتے ہیں۔ بہت قریب رہے ہیں اور رہتے ہیں۔ میں نے اُن میں اس قدر شرافت دیکھی ہے جس کے نمونے دُنیا میں کم نظر آتے ہیں"[5][6]

---

[1] بطور نمونہ "پیغام صلح" کے صرف چند عنوانات ملاحظہ ہوں :- "قادیانی خلیفہ محمد رسول اللہ صلعم کا بدترین دشمن ہے" "قادیانی خلافت کے بازار تقدس میں کھوٹے سکّے"، "ظالم مظلوم نما"، "قادیانی جذبہ خون آشامی کا نیا رُخ"، "خلیفہ قادیان کی تعلّیاں اور اُن کے مریدوں کی اشتعال انگیزیاں" ("پیغام صلح" مورخہ ۳ راگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۳، ۹ راگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۳، ۱۸ راگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۳، ۳۰ راگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۴، ۸ راکتوبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۳)۔

[2] "پیغام صلح" ۹ راگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۵ کالم ۱۔ [3] "پیغام صلح" ۱۸ راگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۵۔

[4] "پیغام صلح" ۲۱ رجولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۳ کالم ۳۔ [5] "پیغام صلح" ۶ راگست ۱۹۴۲ء صفحہ ۶ کالم ۱۔

[6] یہاں یہ لکھنا ضروری ہے کہ مولوی محمد علی صاحب نے ایک بار خطبہ جمعہ میں یہ کہا کہ "قادیان میں جو کچھ خلیفہ صاحب کے متعلق کہا جاتا ہے جو اندرونی الزامات خود مریدوں کی طرف سے شائع ہوئے ہیں، ہم نے کبھی ان کو شائع نہیں کیا" ("پیغام صلح" ۲۸ راپریل ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۰ کالم ۱) یہ خطبہ سُنکر خان بہادر میاں محمد صادق صاحب ریٹائرڈ ایس۔ پی سابق آنریری جنرل سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے مولوی صاحب موصوف کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا :-

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جناب مصری صاحب کی تعلّیاں اور بلند بانگ دعاوی

اس تفصیل سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ مصری صاحب تنہا نہیں تھے بلکہ سب مخالفین احمدیت خصوصاً غیر مبائعین ان کی پُشت پر تھے۔ اسی لئے مصری صاحب کو بھی اپنے ہمدردوں اور مددگاروں کے بَل بوتے پر یقین کامل تھا کہ جماعت احمدیہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کا وہ کام جو احرار سے نہ ہو سکا ان کے ہاتھوں ضرور سرانجام پا جائے گا۔ اور انہوں نے جماعت سے الگ ہوتے ہی بڑی بڑی تعلّیاں اور دعوے کرنا شروع کر دیئے چنانچہ کہا:۔

"مستریوں کے متعلق تو اس قسم کے عذر گھڑ لئے گئے تھے کہ اُن کے خلاف مقدمہ کا فیصلہ کیا تھا یا اُن کی لڑکی پر سَوت کے لانے کا مشورہ دیا تھا۔ مگر یہاں اس قسم کا کوئی عذر بھی نہیں چل سکتا۔ اس کے اخلاص میں کوئی دھبہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس کی بات کو جماعت مستریوں کی طرح ردّ نہیں کرے گی۔ بلکہ اس پر اُسے کان دھرنا پڑے گا اور وہ ضرور دھرے گی" [1]

اسی طرح لکھا:۔

"مجھے اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور اس کے احسانوں سے کامل یقین ہے کہ وہ آپ کے مقابلہ میں میری ضرور مدد فرمائے گا اور وہ دن ضرور لائے گا جس میں اس تمام جھوٹے پراپیگنڈے کے پردے چاک کر دے گا۔ جو میرے خلاف کیا جا رہا ہے اور جماعت پر روشن کر دے گا کہ مَیں جو آپ کے خلاف اُٹھا ہوں محض نیک نیتی اور محض خدا تعالیٰ کے لئے اُٹھا ہوں . . . . یاد رکھیں اَلْحَقُّ یَعْلُوْا وَلَا یُعْلٰی۔ وہ دن آئے گا اور انشاء اللہ ضرور آئے گا جب جماعت جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ کہتی ہوئی اس حقیقت پر قائم ہو جائے گی جو شریعت اسلامی نے خلفاء کے مقام اور ان کے اور اُمّت کے اختیارات اور حقوق کے متعلق بتائی ہے اور یہ کہ آپ خلافت کے اہل نہیں اور جس حقیقت کو آشکارا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے کھڑا ہونے کی توفیق عطا فرمائی ہے" [2]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ "آپ نے خلیفہ صاحب قادیان کے خلاف الزامات کی تشہیر میں ہمیشہ اخلاقی اور مالی مدد کی ہے۔ رقم بلا تفصیل سے جو بدر حکیم عبد العزیز کو آپ کی طرف سے اس کام کے لئے دی جاتی رہی اس سے آپ حلفاً کبھی انکار نہیں کر سکتے۔ اس کے مقابل اعلانات میں آپ جھوٹ بولتے ہیں کہ آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا چنانچہ اسی پیغام صلح (۲۸ اپریل) میں بھی آپ نے پھر وہی جھوٹ بولا ہے۔ کیا کسی متقی اور شریف آدمی کے لئے مناسب ہے (رسالہ "فرقان" قادیان مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۳۳)

[1] اشتہار "جماعت کو خطاب" صفحہ ۲ (از شیخ عبد الرحمٰن صاحب مصری)۔ [2] پمفلٹ "بڑا بول" صفحہ ۷ (از شیخ عبد الرحمٰن صاحب مصری)۔

پھر لکھا:-

"مَیں نے جو قدم اُٹھایا ہے محض خدا کے لئے اُٹھایا ہے اور جماعت کے اندر ایک بہت بڑا بگاڑ مشاہدہ کر کے جو بہت سے لوگوں کو دہریت کی طرف لے جاچکا ہے اور بہتوں کو لے جانے والا ہے۔ اس کی اصلاح کی ضرورت محسوس کر کے بلکہ اس کو ضروری جان کر اُٹھایا ہے . . . . میری آواز آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں سُنی جاوے گی۔ اور ضرور سُنی جاوے گی انشاء اللہ تعالیٰ کیونکہ وہ آواز اپنے اندر حق رکھتی ہے اور حق کبھی دبایا نہیں جاسکتا . . . . . اس سے قبل بھی لوگ اُٹھے اور ناکام رہے . . . . . لیکن مجھے اپنی کامیابی پر خدا تعالےٰ کی مدد اور نصرت اور تائید کے ساتھ پورا یقین ہے کیونکہ مَیں اس کی ذات پر بھروسہ کر کے اسی کے پیارے مسیح موعود کی لائی ہوئی تعلیم اور اس کی بنائی ہوئی مقدس جماعت میں جو بگاڑ پیدا ہو کر اسے تباہی کے گڑھے کی طرف لے جانے والا ہے۔ اس کی اصلاح کے لئے کھڑا ہوا ہوں" [1]

عجیب وغریب اور نام نہاد "مصلح"

بیسویں صدی کا یہ عجیب وغریب "مصلح" تھا جو کل تک غیر مبائعین کو "خوارج" کے نام سے موسوم کرتا آرہا تھا، اب خلافتِ ثانیہ سے وابستہ احمدیوں کو (اُن کے عقائد و تعلیم کو صحیح سمجھنے کے باوجود) بھی خوارج قرار دینے [2] اور اس کے کثیر حصہ کو دہریّہ بھی ثابت کرنے لگا۔ بایں ہمہ مصری صاحب ایک طرف غیر مبائعین سے ملے ہوئے

---

[1] پمفلٹ "جماعت احمدیہ کی خدمت میں ایک دردمندانہ اپیل" صفحہ ۲ (از شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری)

[2] شیخ مصری صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کو خطاب کرتے ہوئے لکھا "حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایک گروہ خوارج کا نکلا۔ جس نے خلفاء کی بیعت کا یہ کہتے ہوئے کہ اَلطَّاعَۃُ لِلّٰہِ وَالْاَمْرُ شُوْرٰی بَیْنَنَا انکار کر دیا اسی طرح آنجناب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بروز کے بعد آپ نے اس کے خلیفہ کی بیعت سے یہی کہہ کر انکار کر دیا"۔ ("الفضل" ۳۰ جنوری ۱۹۲۲ء صفحہ ۹)۔

اس عقیدہ کے برعکس مصری صاحب نے نظام خلافت سے بغاوت کے بعد "ینگ اسلام" (یکم فروری ۱۹۴۰ء صفحہ ۷) میں لکھا۔ "میں اس بات کو دیکھ کر ہمیشہ دریائے حیرت میں غرق رہتا ہوں کہ کس طرح وہ جماعت جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے بعد اس لئے چھوڑ گئے تھے کہ وہ اسلام کو ازسرنَو زندہ کرے . . . کس طرح بجائے حقیقی مسلمانوں کی اقتداء کرنے کے خوارج کے نقشِ قدم پر چل رہی ہے" (اس تعلق میں مولانا سید احمد علی صاحب کا مضمون شائع شدہ "فاروق" ۷ اپریل ۱۹۴۰ء صفحہ ۷ - ۸ قابلِ مطالعہ ہے اور جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا "بہت ہی لطیف ہے" اور "جماعت کے دوستوں کو چاہئیے کہ وہ حوالوں کو یاد رکھیں" ("فاروق" ۲۸ اپریل ۱۹۴۰ء صفحہ ۸ کالم ۳)۔

تھے اور دوسری طرف "خوارج" اور "دہریہ" لوگوں سے نہ صرف خلیفۂ وقت کے خلاف تحقیقاتی کمیشن بٹھانے کا مطالبہ کر رہے تھے بلکہ اُن کو انصاف کے ساتھ فیصلہ صادر کرنے کی بھی تلقین کر رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے پمفلٹ "جماعت کو خطاب" کے صفحہ ۴ پر لکھا:۔

"دوستو اُٹھو۔ اور خوف کی چادر اُتار کر مومنانہ دلیری سے کام لیتے ہوئے تحقیق شروع کر دو خلیفہ کی اجازت کی اس میں قطعاً ضرورت نہیں۔ خلیفہ اور خاکسار کا مقدمہ جماعت کے سامنے پیش ہے۔ جماعت کا فرض ہے کہ وہ فریقین کے بیانات سُن کر انصاف کے ساتھ اپنا فیصلہ دے"[1]

مصری صاحب کی طرف سے مقدمات

مصری صاحب نے اپنے ناپاک مقاصد کی تکمیل کے لئے الزام تراشی اور اشتعال انگیزی کے کسی موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا حتی کہ انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے خلاف اعانت قتل تک کے مقدمات اور استغاثے تک دائر کئے۔[2] پہلے لیک ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا جو خارج کر دیا گیا۔ پھر اس کی اپیل عدالت سشن میں کی۔ جسے عدالت سشن نے بھی خارج کر دیا اور لکھا کہ مستغیث کو چونکہ مرزا صاحب سے دشمنی ہے اتنے عرصہ میں وہ جھوٹے گواہ تیار کر سکتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے استغاثہ مجسٹریٹ علاقہ کی عدالت میں دائر کیا جو وہ بھی خارج کر دیا گیا۔[3]

مصری صاحب کے مقدمات میں احراری اور غیر مبائع وکلاء کی اعانت

مصری صاحب کی اشتعال انگیزیوں کے نتیجہ میں فریقین کی ضمانتیں ہوئیں۔ مصری صاحب کے مقدمات میں احراری اور غیر مبائع وکلاء نے ان کی پوری پوری اعانت کی جیسا کہ مولوی محمد علی صاحب امیر غیر مبائعین کے مندرجہ ذیل مکتوب سے ثابت ہے جو مولوی صاحب موصوف نے ڈلہوزی سے ۲۶ اگست ۱۹۳۷ء کو حافظ محمد حسن صاحب چیمہ وکیل گجرات کے نام تحریر کیا:۔

(مکتوب اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

---

[1] اس مطالبہ کی شرعی حیثیت کے تعلق میں "الفضل" ۴ اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۰-۱۱ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا ایک اہم مضمون قابل دید ہے۔

[2] مقدمات کی روداد کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو اخبار "الفضل" نومبر ۱۹۳۷ء تا فروری ۱۹۳۸ء۔

[3] "الفضل" ۱۸ مارچ ۱۹۳۸ء صفحہ ۵ کالم ۱۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Dar-us-Salam

DALHOUSIE 26.8.1937

اخویم مکرم حافظ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کو قادیان کے حالات کا کم وبیش علم تو ہوگا۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری پر ضمانت کا مقدمہ ہے یعنی دونوں طرف کے چار چار[ل] آدمیوں سے ضمانت طلب کی گئی ہے۔ اور دو پیشیاں ہوچکی ہیں۔ اب ۲-۳ ستمبر کو پیشی ہے۔ اُن کا کام اس وقت احراری وکیل شریف حسین کر رہا ہے۔ ہماری جماعت کی طرف سے اگر ان کی امداد اس موقعہ پر ہوجائے تو نہایت موزوں ہے اگر ۳ تاریخ کو بحث کی کارروائی کی امید ہوئی تو وہ آپ کے پاس اپنا کیس سمجھانے کے لئے یکم ستمبر کو پہنچ جائیں گے اور پھر آپ ۳ ستمبر کو ان کی پیشی کرائیں۔

یہ لوگ سخت بیکسی کی حالت میں ایک زبردست طاقت کا مقابلہ کر رہے ہیں اور ان پر جو ظلم ہو رہا ہے اور جس طرح ان پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ وہ خود آپ سے ملیں گے تو بیان کریں گے ان حالات میں ان مظلومین کی امداد کار ثواب ہے۔ جواب سے بواپسی اطلاع دیں۔

والسلام

محمد علی

(مولوی محمد علی صاحب کے اصل مکتوب کا چربہ اگلے صفحات پر دیا گیا ہے)

[ل] اسماء مبائعین جن کی ضمانتیں طلب کی گئیں:- حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب، حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب، مولانا ابوالعطاء صاحب،

مولوی محمد علی صاحب امیر غیر مبائعین کے مکتوب کا چربہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Dar-us-Salam

DALHOUSIE, 26. 8. 1937

[illegible] صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

[illegible] شیخ عبدالرحمن صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible] ۲۳ ستمبر [illegible]

[illegible]

[illegible] اگر ۳ تاریخ کو

(بقیہ چربہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

(بقیه حاشیه صفحه گذشته)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

والسلام

[illegible]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے پُرشوکت حلفیہ بیان

اگرچہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مصری نے خدا تعالیٰ سے بالکل بے خوف ہو کر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے خلاف عداوت اور دشمنی کی حد کر دی مگر حضورؓ نے اُن کی تسلی کے لئے[1] قسموں کا اعلان کر کے ان پر ہر رنگ میں حجت تمام کر دی۔

چنانچہ حضور نے ۱۲ نومبر ۱۹۳۷ء کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا :۔

"وہ مجھے کہتے ہیں کہ اگر وہ الزامات جو وہ مجھ پر لگاتے ہیں، جھوٹے ہیں تو مَیں مؤکّد بعذاب قسم کھاؤں حالانکہ مستریوں کے مقابلہ میں بھی مَیں نے کہا تھا اور اب بھی مَیں کہتا ہوں کہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ اس قسم کے امور کے لئے جن کے متعلق حدُود مقرر ہیں اور گواہی کے خاص طریق بتائے گئے ہیں، قسموں وغیرہ کا مطالبہ جائز نہیں۔ بلکہ ایسے مطالبہ پر قسم کھانا بھی اس حکمت کو باطل کر دیتا ہے جس کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے ہاں جس پر الزام لگایا گیا ہو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اختیار ہے کہ جب وہ مناسب سمجھے الزام لگانے والے کو مباہلہ کا چیلنج دے۔ لیکن چونکہ وساوس و شبہات میں مبتلا رہنے والا انسان خیال کر سکتا ہے کہ شاید مَیں نے قسم سے بچنے کے لئے اس قسم کا عقیدہ تراش لیا ہے اس لئے کم سے کم اس شخص کی تسلی کے لئے جو جانتا ہے کہ جھوٹی قسم کھا کر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ مَیں کہتا ہوں کہ مَیں اس خدائے قادر و توانا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے اور جس کی جھوٹی قسم کھا کر شدید لعنتوں کا انسان مورد بن جاتا ہے کہ میرا یہ یقین ہے کہ قرآن کریم کی اس بارہ میں وہی تعلیم ہے جو مَیں نے بیان کی ہے۔ اور اگر مَیں اس بات میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی مجھ پر لعنت ہو۔

---

[1] یہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ایک رؤیا لکھنا مناسب ہوگا۔ حضور نے فرمایا:۔ "مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مصری کا ذکر آیا ہے اور میرے دل میں ان کے لئے دُعا کی تحریک بڑے زور سے ہوئی۔ مَیں اس وقت چارپائی پر قبلہ رُخ بیٹھا تھا فوراً سجدہ میں گر گیا اور نہایت عاجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ وہ انہیں ہدایت دے۔ اس دُعا کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ دُعا قبول ہو گئی ہے۔ اس پر مَیں نے سجدہ سے سر اُٹھایا اور میرے دل میں یقین تھا کہ اب شیخ صاحب کھچے ہوئے وہاں پہنچ گئے ہوں گے مَیں نے دائیں اور بائیں دیکھا لیکن وہ نظر نہیں آئے . . . . مَیں ٹہل رہا ہوں کہ اتنے میں شیخ صاحب وہاں آ گئے اور عقیدت کے ساتھ مجھ سے مصافحہ کیا اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ تائب ہو گئے ہیں" (الفضل ۹ مارچ ۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲)

قطع نظر اس کے کہ اس خواب کی اصل تعبیر کیا ہے، یہ حقیقت بالکل نمایاں ہے کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے قلب صافی میں مصری صاحب کیلئے ذاتی طور پر ہمیشہ محبت کے جذبات موجزن رہے۔ ولعلّ اللہ یحدث بعد ذالک امراً۔

* * * * *

پھر ایک اور سوال ہے جو شیخ عبد الرحمٰن مصری کی طرف سے کیا گیا تھا اور آج بھی کیا جا رہا ہے کہ خلیفہ معزول ہو سکتا ہے اور وہ اس بنا پر مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ مجھے خلافت سے الگ ہو جانا چاہیئے یا یہ کہ جماعت کو چاہیئے کہ مجھے اس عہدہ سے الگ کر دے۔ مَیں اس دعویٰ کے جواب میں بھی اسی قادر و توانا خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ باوجود ایک سخت کمزور انسان ہونے کے مجھے خدا تعالیٰ نے ہی خلیفہ بنایا ہے اور مَیں اُسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اُس نے آج سے ۲۲۔۲۳ سال پہلے مجھے رؤیا کے ذریعہ یہ بتا دیا تھا کہ تیرے سامنے ایسی مشکلات پیش آئیں گی کہ بعض دفعہ تیرے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہو گا کہ اگر یہ بوجھ علیحدہ ہو سکتا ہو تو اسے علیحدہ کر دیا جائے مگر تُو اس بوجھ کو ہٹا نہیں سکیگا اور یہ کام تجھے بہرحال نباہنا پڑے گا۔ اگر مَیں اس بیان میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالےٰ کی مجھ پر لعنت ہو۔

. . . مَیں ابھی خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر کہہ چکا ہوں کہ مَیں اس کا قائم کردہ خلیفہ ہوں۔ وہ بھی ایسی ہی قسم لکھ کر شائع کر دیں۔ پھر خود بخود فیصلہ ہو جائے گا کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر۔ مَیں پہلے بھی کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں اور اب پھر اللہ تعالیٰ کے وعید لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْن کے ماتحت کہتا ہوں کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے، مَیں اُس کا قائم کردہ خلیفہ ہوں اور میرے لئے عزل ہرگز جائز نہیں۔ اگر حوادث میرے سامنے آئیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں سے پتہ چلتا ہے کہ میرے لئے بعض اندھیرے مقدر ہیں۔ اور اگر وُہ ساری کی ساری جماعت کو بھی مجھ سے برگشتہ کر لیں۔ تو مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے موت نہیں دے گا جب تک وہ پھر ایک زبردست جماعت میرے ساتھ پیدا نہ کر دے۔ دُنیا میں فریب کاریاں بھی ہوتی ہیں۔ دُنیا میں دھوکے بھی ہوتے ہیں۔ دُنیا میں وسوسہ اندازیاں بھی ہوتی ہیں۔ دُنیا میں ابتلاء بھی آتے ہیں۔ اور ان تمام چیزوں کے ذریعہ لوگ ٹھوکریں کھاتے اور حق سے منحرف ہوتے ہیں۔ مگر مجھے بندوں پر یقین نہیں۔ مجھے اپنے خدا پر یقین ہے۔ اس خدا نے اس وقت جبکہ مجھے خلافت کا خیال تک بھی نہ تھا، مجھے خبر دی تھی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ کہ وہ لوگ جو تیرے متبع ہیں وہ تیرے منکروں پر قیامت تک غالب رہیں گے۔ پس یہ صرف آج کی بات نہیں بلکہ جو شخص میری بیعت کا اقرار کرے گا وُہ قیامت تک میرے منکروں پر غالب رہے گا۔ یہ خدا کی پیشگوئی ہے جو پُوری ہوئی اور پُوری ہوتی رہے گی۔

اگر اس الہام کے سُنانے میں مَیں جھوٹ بولتا ہوں تو خدا کی مجھ پر لعنت۔ میری خلافت کے بارہ میں ایک بار نہیں۔ دو بار نہیں۔ اتنی بار خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ اب بھی جب یہ فتنہ اُٹھا تو مَیں نے جلدی نہیں

کی بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کیں۔ اور خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی کہ "میں تیری مشکلات کو دُور کروں گا اور تھوڑے ہی دنوں میں تیرے دشمنوں کو تباہ کر دوں گا" [۲]

اسی تعلق میں یہ بھی بتایا کہ:۔

"اُن کے بعض دوستوں نے مجھے چٹھیاں لکھی ہیں جن میں سے ایک نے مجھ سے دریافت کیا ہے کہ جو سلوک آپ ہم سے کر رہے ہیں کیا یہ نبیوں والا سلوک ہے یا غیر نبیوں والا۔ ان کی مُراد اس سلوک سے جہانتک میں سمجھتا ہوں، وہ مقاطعہ ہے جو اُن کا کیا گیا ہے۔ میں اس سوال کے جواب میں پُوری دیانتداری کے ساتھ اس علم کی بناء پر جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے حاصل ہے، یہ کہتا ہوں کہ جو سلوک میں نے اُن سے کیا ہے وہ نبیوں والا سلوک ہے، غیر نبیوں والا نہیں۔ میں نے اُن کا کوئی بائیکاٹ نہیں کیا بلکہ اُن کی ضرورتوں کے پُورا کئے جانے کا حکم دے دیا تھا۔ چنانچہ میری یہ ہدایت تھی کہ جو ضروریاتِ زندگی سکھوں، ہندوؤں اور غیر احمدی دکانداروں سے میسر نہ آسکتی ہوں وہ احمدی دکانداروں کی طرف سے دے دی جائیں۔ لیکن چونکہ بعد میں انہوں نے بغیر ثبوت کے جماعت احمدیہ کی طرف مظالم منسوب کرنے شروع کر دیئے۔ اور اس سے یہ خدشہ پیدا ہونے لگا کہ اگر کسی احمدی دکاندار سے وہ مثلاً دودھ لے جائیں اور اس سے اتفاقاً اُن کے کسی بچّہ کو قے ہو جائے یا مٹھائی سے پیٹ درد ہو جائے تو وہ یہ شور مچانا شروع کر دیں کہ ہمیں زہر ملا کر دیا گیا ہے اور اس طرح جماعت کے افراد کو بعض الزامات کے نیچے لائیں اس لئے میں نے امورِ عامہ کو حکم دیا ہے کہ ایسے دکاندار مقرر کر دیئے جائیں جن سے وہ سودا لے سکیں۔ لیکن خود انہوں نے اس حکم سے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اور میں آج بھی اس امر کے لئے تیار ہوں کہ اُن کی ہر قسم کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے دکاندار مقرر کر دوں . . . . اس احتیاط کی اس لئے بھی ضرورت تھی کہ انہوں نے شروع سے ہی یہ طریقہ رکھا ہوا تھا کہ مخفی طور پر لوگوں پر اثر ڈالنے کی کوشش کرتے تھے اور آخر میں تو انہوں نے اخبارات میں بھی یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ مخفی طور پر لوگوں کو اپنے ساتھ ملائیں گے اور اُن کے نام صیغہ راز میں رکھے جائیں گے۔ پھر صرف اعلان پر بس نہیں۔ وہ مخفی طور پر لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوششیں اب تک کر رہے ہیں۔ اور اس کے یقینی ثبوت ہمارے پاس موجود ہیں۔ اور وہ ایسے واضح ثبوت ہیں کہ جب ان کو ظاہر کیا گیا۔ تو اُن کے لئے ان باتوں کا انکار کرنا بہت مُشکل ہو گا۔ ایسی صورت میں ہمارا فرض تھا کہ ہم ان سے بول چال اور لین دین وغیرہ کے تعلقات رکھنے کے راستہ کو ایک قاعدہ کے ماتحت لا کر اس فتنہ کو دُور کرتے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ احتیاطیں مخفی پروپیگنڈا کے متعلق تھیں۔

---

[۱] "الفضل" ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء

[۲] "الفضل" ۲ نومبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۷، ۸

ورنہ ظاہر پراپیگنڈا اسے اگر شرافت کی حد کے اندر ہو میں نے کبھی نہیں روکا۔ چنانچہ جو اشتہارات وہ بورڈوں پر چسپاں کرتے رہے ہیں ان کے متعلق کیا میں نے کبھی یہ اعلان کیا ہے کہ لوگ انہیں نہ پڑھیں۔ بلکہ ایک دفعہ انہوں نے بورڈ پر اشتہار لگایا تو غالباً مولوی ابوالعطاء صاحب کی چٹھی مجھے آئی کہ لوگ اُسے پڑھنے کے لئے بہت جمع ہو گئے۔ اور وہ اسے پڑھ کر غیظ و غضب سے بھر گئے جس سے فساد کا خطرہ ہے۔ مناسب ہے کہ ایک اعلان کے ذریعہ لوگوں کو اس قسم کے اشتہارات پڑھنے سے روک دیا جائے۔ مگر میں نے اس کا یہی جواب دیا کہ اس قسم کی ممانعت میں پسند نہیں کرتا کیونکہ اس کے یہ معنی لئے جائیں گے کہ میں لوگوں کو تحقیق سے روکتا ہوں۔ میں دلائل اور صحیح طریق تبلیغ کا مخالف نہیں ہوں۔ میں تو خود ہمیشہ ہی حق کا متلاشی رہا ہوں اور یہی میری رُوح کی غذا ہے۔ اگر وہ دلائل سے مجھ پر غالب آسکتے ہیں تو شوق سے آجائیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ میرا اعتراض یہ ہے کہ وہ ناجائز کارروائیاں کرتے ہیں جو کسی مذہب میں بھی جائز نہیں۔ اور چونکہ وہ تہذیب اور شرافت اور اسلامی احکام سے تجاوز کر کے ایسی حرکات کے مرتکب ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی جماعت کے احباب کو اُن کے ایسے تعلقات سے روکیں جو فساد کا موجب ہو سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک جس قدر احکام سلسلہ کی طرف سے اِس قسم کے نافذ کئے گئے جن میں دوسروں سے بول چال کی ممانعت تھی تو وہ ایسے ہی لوگوں کے متعلق تھے جن کے افعال میں سازش کا رنگ پایا جاتا تھا۔ ورنہ اگر کسی کے افعال میں سازش نہ ہو اور وہ علی الاعلان ہم سے الگ ہو کر کسی اَور گروہ میں شامل ہو جائے تو ہم اس سے کبھی بولنا منع نہیں کرتے۔ غیر مبائعین میں ہی آجکل کئی ایسے لوگ ہیں جو پہلے ہماری جماعت میں تھے مگر پھر بعد میں ان کے ساتھ شامل ہو گئے لیکن ہم نے ان کے متعلق یہ اعلان نہیں کیا کہ ان سے کوئی شخص گفتگو نہ کرے۔ ڈاکٹر سید محمد طفیل صاحب، میاں غلام مصطفےٰ صاحب، مولوی محمد یعقوب صاحب ایڈیٹر لائٹ، یہ پہلے میری بیعت میں شامل تھے مگر پھر غیر مبائعین کی طرف چلے گئے اور ہم نے ان کے مقاطعہ کا کوئی اعلان نہیں کیا۔ بلکہ میں خود ان میں سے بعض سے ملتا رہا ہوں۔ اسی طرح اَور بھی کئی آدمی ہیں جو پہلے ہمارے ساتھ تھے پھر اُدھر شامل ہو گئے۔ مگر ہم نے کبھی لوگوں کو اُن سے ملنے سے نہیں روکا۔ ہم صرف اُنہی سے تعلقات رکھنے ممنوع قرار دیتے ہیں جو سلسلہ کے خلاف خفیہ سازشیں کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری نے اپنے خط میں تسلیم کیا ہے کہ وہ دو سال سے خفیہ تحقیق میرے خلاف کر رہے تھے اور اس بارہ میں لوگوں سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ اگر جس دن انہیں میرے متعلق شُبہ پیدا ہوا تھا اور میرے خلاف انہیں کوئی بات پہنچی تھی اُسی دن وہ میرے پاس آتے اور کہتے کہ میرے دل میں آپ کے متعلق یہ شُبہ پیدا ہو گیا ہے تو میں یقیناً اُنہیں جواب دیتا

اور اپنی طرف سے اُن کو اطمینان دلانے اور اُن کے شکوک کو دُور کرنے کی پوری کوشش کرتا۔ چنانچہ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ بعض لوگ میرے پاس آئے اور انہوں نے دیانت داری سے اپنے شکوک پیش کر کے ان کا ازالہ کرنا چاہا اور مَیں ان پر ناراض نہیں ہوا۔ بلکہ مَیں نے ٹھنڈے دل سے اُن کی بات کو سُنا اور آرام سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ ۔ ۔ ۔ اگر پہلے دن ہی جب انہوں نے میرے متعلق کوئی بات سُنی تھی میرے پاس آتے اور مجھ سے کہتے کہ مَیں نے فلاں بات سُنی ہے مجھے اس کے متعلق سمجھایا جائے۔ تو جس رنگ میں بھی ممکن ہوتا میں انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا۔ اور گو تسلّی دینا خدا کا کام ہے میرا نہیں۔ مگر اپنی طرف سے مَیں انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن انہوں نے تقویٰ کے خلاف طریق اختیار کیا اور پھر ہر قدم جو اُنہوں نے اُٹھایا وُہ تقویٰ کے خلاف اُٹھایا۔ چنانچہ جب انہوں نے یہ شور مچانا شروع کر دیا کہ مجھ پر جماعت کی طرف سے کئی قسم کے مظالم کئے جا رہے ہیں۔ تو اس کی تحقیق کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا۔ جس کے ممبر مرزا عبدالحق صاحب اور میاں عطاء اللہ صاحب پلیڈر تھے۔ مرزا عبدالحق صاحب شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے گہرے دوست تھے۔ مگر انہوں نے مرزا عبدالحق صاحب کے متعلق کہہ دیا کہ یہ خلیفہ کے اپنے آدمی ہیں۔ اور انہیں چونکہ جماعت کی طرف سے مقدمات ملتے ہیں اس لئے فیصلہ میں وہ خلیفہ کی طرفداری کریں گے۔ اور میاں عطاء اللہ صاحب پلیڈر کہ وہ بھی ان کے دوستوں میں سے تھے، ان کے متعلق انہوں نے یہ کہا کہ مجھے ان کے فیصلہ پر اس لئے تسلّی نہیں کہ ان کی مرزا گل محمد صاحب نے جو خلیفہ کے چچا کے بیٹے ہیں، ایک ضمانت دی ہوئی ہے۔ اب اگر احمدیوں کے ایمان اتنے کمزور ہیں کہ ان میں سے کوئی اس لئے صحیح فیصلہ نہ کرے کہ مجھے جماعت کی طرف سے مقدمات ملتے ہیں، اگر مَیں نے جماعت کے خلاف فیصلہ کیا تو مقدمات ملنے بند ہو جائیں گے۔ اور کوئی اس لئے صحیح فیصلہ نہ کرے کہ میرے چچا کے بیٹے نے ان کی ایک ضمانت دی ہوئی ہے تو ایسے لوگوں کے اندر شامل رہنے سے فائدہ کیا ہے۔ میں نے تو نہایت دیانتداری سے ان دونوں کو ان کا دوست سمجھ کر اس فیصلہ کے لئے مقرر کیا تھا۔ مگر انہوں نے اس کمیشن کے سامنے اس لئے اپنے مطالبات پیش کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ دونوں ہمارے زیرِ اثر ہیں۔ ۔ ۔ ۔ مصری صاحب کے اسی ساتھی نے جس کے خط کا میں اُوپر ذکر کر آیا ہوں، یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے سازش کر کے مستریوں پر حملہ کروایا تھا۔ پھر آپ نے سازش کر کے محمد امین کو قتل کروایا اور اب فخر الدین کو مروا دیا ہے اور اس کے بعد آپ ہمیں مروانے کی فکر میں ہیں۔ مجھے اس قسم کے اعتراض کا جواب دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ ہر غلط الزام کا جواب دینے کی نہ ضرورت ہوتی ہے اور نہ اس کا فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ خط لکھنے والے نے آئندہ

کا شبہ بھی ظاہر کیا ہے اور مَیں کسی کو قلق اور اضطراب میں رکھنا نہیں چاہتا ہوں اس لئے مَیں ان کے وسوسہ کو دُور کرنے اور اُن کے خدشات کو مٹانے کے لئے وہ بات کہتا ہوں جس کی مجھے عام حالات میں ضرورت نہیں تھی۔ اور مَیں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ مَیں نے کسی کو پٹوانا اور قتل کروانا تو الگ رہا آجتک سازش سے کسی کو چپیڑ بھی نہیں لگوائی۔ کسی پر انگلی بھی نہیں اُٹھوائی۔ اور نہ میرے قلب کے کسی گوشہ میں یہ بات آئی ہے کہ مَیں خدانخواستہ آئندہ کسی کو بھی قتل کرواؤں یا قتل تو الگ رہا ناجائز طور پر پٹوا ہی دوں۔ اگر مَیں اس قسم میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت مجھ پر اور میری اولاد پر ہو۔ ان لوگوں نے میری صحبت میں ایک لمبا عرصہ گذارا ہے۔ اگر یہ لوگ تعصب سے بالکل ہی عقل نہ کھو چکے ہوتے تو یہ ان باتوں سے شک میں پڑنے کی بجائے خود ہی ان باتوں کو ردّ کر دیتے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے ظالم نہیں بنایا۔ اس نے مجھے ایک ہمدرد دل دیا ہے۔ جو ساری عمر دُنیا کے غموں میں گھلتا رہا ہے اور گھُل رہا ہے۔ ایک محبت کرنے والا دل جس میں سب دُنیا کی خیر خواہی ہے۔ ایک ایسا دل جس کی بڑی خواہش ہی یہ ہے کہ وہ اور اس کی اولاد اللہ تعالیٰ کے عشق کے بعد اس کے بندوں کی خدمت میں اپنی زندگی بسر کریں۔ ان امور میں مجبوریوں یا غلطیوں کی وجہ سے کوئی کمی آجائے تو آجائے مگر اس کے ارادہ میں اس بارہ میں کبھی کمی نہیں آتی "

اس خطبہ کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ :-

"مَیں پھر شیخ صاحب سے اخلاص اور خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ جس جس رنگ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھانا میرے لئے ممکن تھا مَیں نے قسمیں کھالی ہیں اور ان کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں۔ مَیں نے ان کی باتوں کو سُنا اور صبر کیا کہ دوسرے لوگ اس حد تک صبر نہیں کر سکتے مگر وہ یقین رکھیں اور اگر وہ یقین نہیں کریں گے تو زمانہ اُن کو یقین دلا دے گا۔ اور اگر انہیں اس دنیا میں یقین نہ آیا تو مرنے کے بعد انہیں اس بات کا یقین آجائے گا کہ انہوں نے مجھ پر وہ بدترین ظُلم کیا ہے جو زیادہ سے زیادہ انسان دُنیا میں کسی پر کر سکتا ہے۔ انہوں نے ان حربوں کو استعمال کیا ہے جن حربوں کے استعمال کی اسلام اور قرآن اجازت نہیں دیتا۔ مَیں نے آجتک خدا تعالیٰ کے فضل سے کبھی دیدہ دانستہ دوسرے پر ظُلم نہیں کیا اور اگر کسی ایسے شخص کا مقدمہ میرے پاس آجائے جس سے مجھے کوئی ذاتی رنجش ہو تو میرا طریق یہ ہے کہ مَیں ہر وقت یہ دُعا کرتا رہتا ہوں کہ الٰہی یہ میرے امتحان کا وقت ہے تُو اپنا فضل میرے شامل حال رکھ۔ ایسا نہ ہو کہ مَیں فیل ہو جاؤں۔ ایسا نہ ہو کہ میرے دل کی کوئی رنجش اس فیصلہ پر اثر انداز ہو جائے اور مَیں انصاف کے خلاف فیصلہ

کر دوں۔ پس مَیں ہمیشہ دُعا کرتا رہتا ہوں تا خدا تعالےٰ مجھے انصاف کی توفیق دے۔ اور مَیں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ انصاف کی توفیق دی ہے۔ مَیں نے شدید سے شدید دشمنوں کی بھی کبھی بدخواہی نہیں کی۔ مَیں نے کسی کے خلاف اُس وقت تک قدم نہیں اُٹھایا جب تک شریعت مجھے اُس قدم کے اُٹھانے کی اجازت نہیں دیتی۔ پس وُہ تمام الزامات جو وہ مجھ پر مار پیٹ اور قتل وغیرہ کے سلسلہ میں عائد کرتے ہیں، سب غلط اور بے بنیاد ہیں۔ بلکہ بیسیوں دفعہ ایسا ہوا ہے کہ جب بعض لوگوں نے مجھے کہا کہ لاتوں کے بھُوت باتوں سے نہیں مانا کرتے تو مَیں نے اُن کو ڈانٹا اور کہا کہ یہ شریعت کے خلاف فعل ہے۔ ان باتوں کا کبھی دل میں خیال بھی نہ لانا چاہیئے۔

اگر اس قدر یقین دلانے کے باوجود بھی وہ اپنی باتوں پر قائم رہتے ہیں تو میرے پاس ان کے اعتراضات کا کوئی جواب نہیں اور مَیں خدا تعالےٰ سے ہی اپیل کرتا ہوں کہ اے خدا ! **اگر تُو نے مجھے عُہدۂ خلافت پر قائم کیا ہے اور تو نے ہی میرے ہاتھوں اور میری زبان کو بند کیا ہوا ہے تو پھر تُو آپ اِن مظالم کا جواب دینے کے لئے آسمان سے اُتر، نہ میرے لئے بلکہ اپنی ذات کے لئے، نہ میرے لئے بلکہ اپنے سلسلہ کے لئے**" [1]

مصری صاحب کی ناکامی اور نظامِ خلافت کی کامیابی کی عظیم الشان پیشگوئی

اس خطبہ سے بھی چار ماہ قبل جبکہ مصری فتنہ کا آغاز ہوا تھا اور مصری صاحب اور ان کے ساتھی اور مددگار یہ دعوے کر رہے تھے کہ وہ خلافت ثانیہ کو کچل کر رکھ دیں گے حضرت خلیفۃ المسیح الثّانی نے خدا تعالےٰ کی متواتر بشارتوں کے تحت کھُلے لفظوں میں پیشگوئی فرمائی کہ ہم ہی کامیاب ہوں گے اور ہمارا دشمن ذلیل وخوار ہوگا چنانچہ ۲۵ جون ۱۹۳۷ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا :-

"جو ایمان خدا تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے اور جو خبریں خدا تعالیٰ نے مجھے دیں اور اپنے وقت پر پُوری ہوئیں، اُن کو دیکھتے ہوئے مَیں ایک لمحہ کے لئے بھی اس امر میں شک نہیں کر سکتا کہ کسی میدان میں خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے شکست نہیں ہو سکتی"

"پس اللہ تعالیٰ کے فضل سے مَیں مطمئن ہوں اور ہر شخص جو تم میں سے سچا ایمان رکھتا ہے وُہ دیکھے گا بلکہ ابھی تم میں سے اکثر لوگ زندہ ہوں گے کہ تم اِن تمام فتنوں کو خس وخاشاک کی طرح اُڑتے دیکھو گے اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور اُس کے جمال کی مدد سے سلسلہ احمدیہ ایک مضبوط چٹان پر قائم ہو جائے گا" [2]

---

[1] "الفضل" ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۷ تا ۱۲ ۔ [3] "الفضل" ۹ جولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۸ ۔
[2] "الفضل" ۱۷ جولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۶ کالم ۲ و ۳ جولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۹، ۱۰ ۔

مولوی محمد علی صاحب کو خصوصی انتباہ

اپنی کامیابی کی خبر دینے کے علاوہ حضور نے فتنہ پردازوں[1] کی نسبت بتایا کہ اُن کے لئے ذلّت و رُسوائی مقدر ہے خصوصاً مولوی محمد علی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے صریح لفظوں میں پیشگوئی فرمائی کہ

"مولوی صاحب نے اپنے طریق کو نہ بدلا تو مَیں انہیں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو اپنے اُوپر ناراض کرنے کے سامان پیدا کر رہے ہیں۔ لوگ خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کی تدابیر کرتے ہیں اور وہ اُس کو ناراض کرنے کے حیلے ڈھونڈ رہے ہیں۔ اور اگر وہ اِس طریق سے باز نہیں آئینگے تو اللہ تعالیٰ اُن کی ذلّت کے سامان کریگا"[2]

مصری صاحب کی نظریاتی اور اخلاقی شکست

خدا تعالیٰ کے خلیفہ برحق نے اپنی زبان مبارک سے تبشیر و انذار پر مشتمل جو خبریں عین شدید مخالفت کے ایام میں دی تھیں۔ وہ لفظاً لفظاً پُوری ہوئیں۔ اور جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے پیشگوئی فرمائی تھی اللہ تعالیٰ نے حضور کو واپس نہیں بلایا جب تک ایک ایسی زبردست جماعت آپ کے ساتھ پیدا نہیں کر دی جو آج خلافت کے زیر سایہ اسلام کا جھنڈا بلند کئے ہوئے دُنیا کے چپہ چپہ میں تبلیغِ دین کر رہی ہے اور یہ سب برکات اسی خلافت کے طفیل نازل ہو رہی ہیں جس کو صفحہ ہستی سے معدوم کر دینے کے لئے مصری صاحب اور اُن کے ساتھی ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے اور بالآخر ناکامی کے بعد ۱۹۴۰ء میں کھلم کھلا منکرینِ خلافت میں جا ملے۔ ع پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

غیر مبائعین میں شامل ہونے کے بعد انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ جماعت احمدیہ اور خود وہ اس غلطی میں مبتلا چلے آرہے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی تھے۔[3] حضور کا اصل مقام نبوّت کا نہیں بلکہ محدّثیت کا ہے بالفاظ دیگر انہوں نے بالواسطہ طور پر تسلیم کر لیا کہ اُن کا پہلے خلیفہ کو معزول کر کے نئے خلیفہ کے انتخاب کا ہنگامہ کھڑا کرنا سراسر باطل تھا کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام (اُن کے نئے عقیدہ کے مطابق) نہ نبی تھے اور نہ آپ کے بعد کسی خلافت کی ضرورت تھی۔

---

[1] چنانچہ حضور نے ۲۳ جولائی ۱۹۳۷ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا۔ "جس قسم کے گندے اعتراض وہ کر رہے ہیں اور جس قسم کے ناپاک حملوں کے کرنے کی اُن کی طرف سے اور اُن کے ساتھیوں کی طرف سے اطلاعیں آرہی ہیں، اگر وہ اُن پر مصر رہے اور اگر انہوں نے اور اُن کے ساتھیوں نے توبہ نہ کی تو مَیں کہتا ہوں احمدیت کیا اگر اُن کے خاندانوں میں حیا بھی باقی رہی تو وہ مجھے کہیں۔ بلکہ مَیں اس سے بھی واضح الفاظ میں یہ کہتا ہوں کہ جس قسم کے خلافِ اخلاق اور خلافِ حیا وہ حملے کر رہے ہیں اس کے نتیجہ میں اگر اُن کے خاندان فحش کا مرکز بن جائیں تو اُسے بعید از عقل نہ سمجھو" (الفضل ۳ اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۱ کالم ۱) ٭

[2] "الفضل" ۸ دسمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۵ ٭

[3] ملخصاً از تقریر مولوی شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری مطبوعہ "پیغام صلح" ۸ جنوری ۱۹۴۱ء صفحہ ۵ کالم ۱-۲) ٭

اس نظریاتی شکست کے علاوہ مصری صاحب کی یہ رُسوائی کچھ کم باعثِ عبرت نہیں ہے کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کی مبشر اولاد اور آپ کے خاندان کو بدنام کرنے کے لئے اُٹھے تھے مگر خود اُن ہی کی اولاد اُن کے لئے موجب فضیحت بن گئی۔[1] سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا تھا کہ "**محمود مسیح موعود کا بیٹا ہے۔ اس پر جو زبان تیز کرے گا وہ یاد رکھے کہ محمد حسین نے ایسا کیا اور اس کی اولاد گندی ہو گئی**"[2]

مولوی محمد علی صاحب کا عبرتناک انجام

باقی رہے جناب مولوی محمد علی صاحب (جو مصری صاحب کی شرافت و متانت کو بے مثال قرار دیتے ہوئے اُن کی تعریف و توصیف میں زمین آسمان کے قلابے ملایا کرتے تھے اور جن کو مصری صاحب حدیث کے موعود "منصور" قرار دیتے تھے) سو وہ اس دُنیا سے رخصت نہیں ہوئے جب تک خود مصری صاحب نے اُن کے خلاف وہی حربے استعمال نہیں کئے جو وہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے خلاف استعمال کیا کرتے تھے۔ چنانچہ خود مولوی محمد علی صاحب نے ۵ جولائی ۱۹۵۱ء کے ایک سرکلر میں لکھا:-

"جب سے میں گذشتہ بیماری کے حملہ سے اُٹھا ہوں اس وقت سے یہ دونوں بزرگ اور شیخ مصری میرے خلاف پراپیگنڈا میں اپنی پوری قوت صرف کر رہے ہیں اور ہر ایک تنکے کو ایک پہاڑ بنا کر جماعت میں ایک فتنہ پیدا کرنا شروع کیا ہوا ہے۔ اور نہ صرف وہ میری بیماری سے پورا فائدہ اُٹھا رہے ہیں بلکہ ان امور کے متعلق مجھے قلم اُٹھانے پر مجبور کر کے میری بیماری کو بڑھا رہے ہیں۔ اور یہ امر واقع ہے کہ میری بیماری پھر ان احباب کی مہربانی سے بڑھ گئی ہے۔"

نیز لکھا:-

"جماعت کے بنیادی نظام پر کلہاڑی چلائی گئی ہے۔ اور امیر جماعت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا گیا ہے"

اس سرکلر کے بعد مولوی صاحب موصوف نے ۱۳ اگست ۱۹۵۱ء کو اپنے "دُکھوں کی داستان" لکھی جس میں اپنے خلاف باغیانہ تحریک کی تفصیلات پر بالتفصیل روشنی ڈالنے کے بعد لکھا کہ

"ایک طرف دن رات میرے خلاف مشورے ہوتے رہتے ہیں اور احمدیہ بلڈنگس سے یہ پراپیگنڈا

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصری صاحب کے ایک رشتہ دار چوہدری عنایت اللہ صاحب مبلغ مشرقی افریقہ کا مضمون مطبوعہ اخبار "بدر" قادیان ۲ اگست ۱۹۶۴ء و رسالہ "الفرقان" ربوہ مئی و جون ۱۹۶۵ء صفحہ ۹۸-۱۰۰

[2] "الفضل" قادیان ۱۸ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۳

ہوتا رہتا ہے کہ مَیں کیا کیا قواعد کی خلاف ورزیاں کر رہا ہوں۔ اور میری وجہ سے یہ جماعت نکمی ہو چکی ہے۔ اور ان کے دلوں میں کوئی دینی جذبہ نہیں رہا۔ دوسری طرف مَیں کوئی بات کہوں تو اس کے ماننے سے انکار کیا جاتا ہے" [1]

مصری صاحب کی یہ مخالفت مولوی محمد علی صاحب کے لئے بالآخر جان لیوا ثابت ہوئی اور آپ اپنے "دُکھوں کی داستان" لکھنے کے ٹھیک دو ماہ بعد ۱۳؍اکتوبر ۱۹۵۱ء کو اس جہانِ فانی سے چل بسے۔ چنانچہ اُن کی بیگم صاحبہ نے ۹؍نومبر ۱۹۵۱ء کو اپنی ایک چٹھی میں لکھا:-

"مفسدوں نے مخالفت کا طوفان برپا کر دیا اور . . . . طرح طرح کے بیہودہ الزام لگائے۔ یہاں تک بکواس کی کہ آپ نے احمدیت سے انکار کر دیا ہے اور انجمن کا مال غصب کر لیا ہے"

"ان تفکرات نے آپ کی جان لے لی۔ سب ڈاکٹر یہی کہتے تھے کہ اس غم کی وجہ سے حضرت مولوی صاحب کی جان گئی"۔

"ایک وصیّت لکھ کر شیخ میاں محمد صاحب کو بھیجدی کہ یہ سات آدمی جو اس فتنہ کے بانی ہیں اور جن کے دستخط سے یہ سرکلر نکلے تھے اور جن کا سرغنہ مولوی صدر دین ہے، میرے جنازہ کو ہاتھ نہ لگائیں اور نہ ہی نماز جنازہ پڑھائیں۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا"

"حضرت عثمان کی طرح آپ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے اپنے ربّ سے جا ملے"

"اسلام کی تاریخ یہی ہے کہ کلمہ گو مسلمانوں نے ہی اپنے محسنوں اور لیڈروں کو قتل کیا ہے"

"یہ سچ ہے کہ موت کا وقت مقرر ہوتا ہے۔ مگر جو قتل کرے وُہ تو قاتل کہلاتا ہے جس طرح لیاقت علی کا وقت مقرر تھا مگر مارنے والا قاتل کہلایا" [2]

---

[1] "حضرت امیر مرحوم کے دُکھوں کی داستان" صفحہ ۱۹۔ ناشر مولوی عبدالوہاب احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور۔

[2] بحوالہ رسالہ "میاں محمد صاحب کی کھُلی چٹھی کے جواب میں" ناشر ناظر اصلاح و ارشاد ربوہ۔

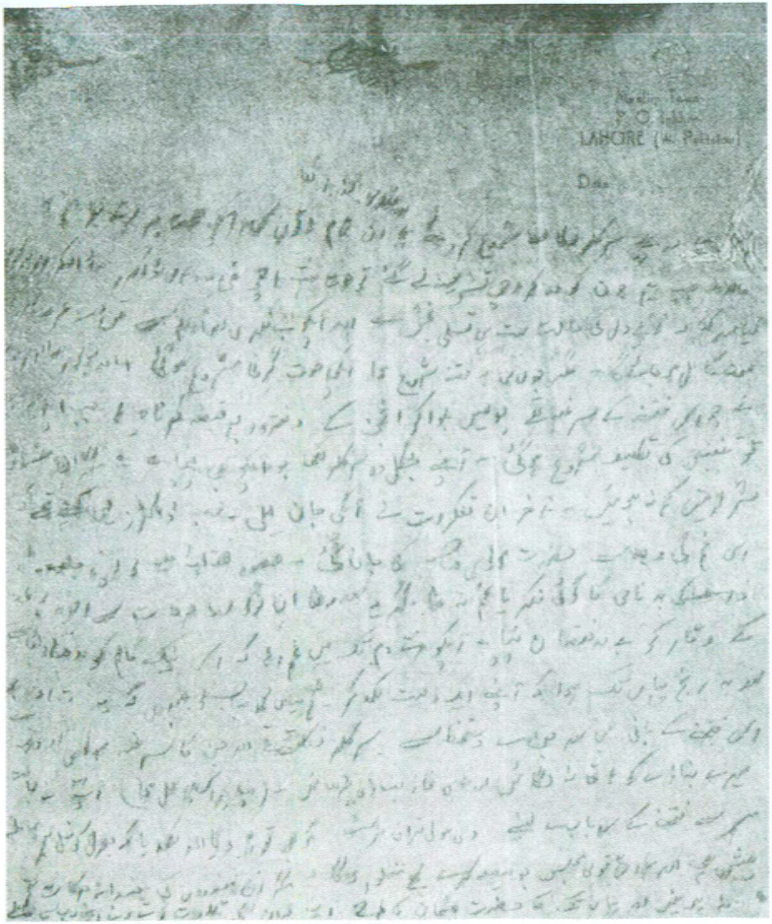

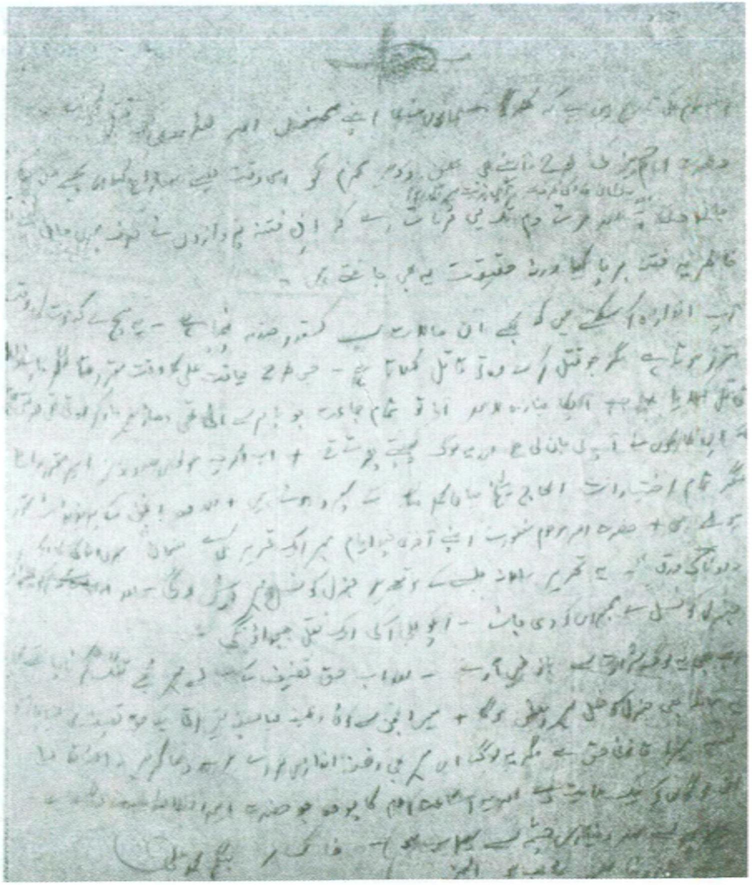

محترمہ بیگم صاحبہ مولوی محمد علی مرحوم کے ایک اہم مکتوب کا عکس

(متعلقہ مولوی صدرالدین صاحب اور شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری وغیرہ)

سیدنا حضرت حافظ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب طلباء درجہ ثانیہ جامعہ احمدیہ قادیان کے ہمراہ (۴۰-۱۹۳۹ء)

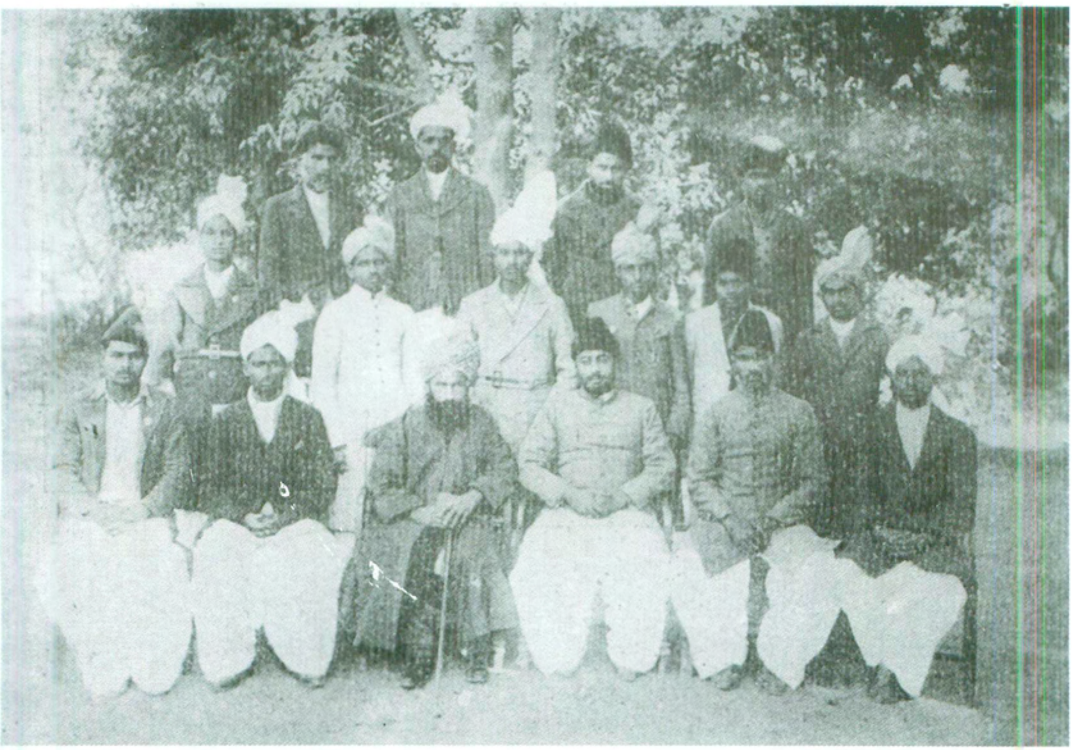

کرسیوں پر دائیں سے بائیں:- مولوی نورالحق صاحب انور۔ ملک محمد حسین صاحب خوشابی۔ حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب۔ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ائرپوری۔ مولوی عبدالصمد صاحب جالندھری

درمیانی قطار دائیں سے بائیں۔ مولوی شمس الدین صاحب سیال۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب بھٹی۔ مولوی احمد علی صاحب رانجھا۔ مولوی محمد احمد صاحب نعیم۔ مولوی بشیر احمد صاحب سیال۔ مولوی رشید احمد صاحب چغتائی۔

پچھلی قطار دائیں سے بائیں۔ چوہدری صدیق الرحمٰن صاحب بنگالی۔ مولوی بشیر احمد صاحب راجوری۔ مولوی عمر خطاب صاحب ہزاروی۔ حافظ کرم الٰہی صاحب

فصل چہارم

دارالتبلیغ سیرالیون کا قیام

سیرالیون مغربی افریقہ کا ایک اہم ملک ہے۔ جہاں احمدیت کی آواز (بذریعہ لٹریچر) ۱۹۱۵ء میں پہنچی اور سب سے پہلے امام موسیٰ گابر (GABBER) کو قبول حق کی سعادت نصیب ہوئی۔ اسکے بعد یہاں فروری ۱۹۲۱ء میں حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیرؔ کے ہاتھوں دوبارہ احمدیت کا بیج بویا گیا۔ مولوی نذیر احمد (علی) صاحب نے اس بیج کی اپنے خون سے آبیاری کی اور مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری اور اُن کے بعد دوسرے مجاہدین تحریک جدید اُسکی نشوونما کیلئے مصروفِ سعی و جدوجہد رہے۔

حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیرؔ کی آمد

امیرالمومنین حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہدایت پر مولانا عبدالرحیم صاحب نیرؔ ۱۹ فروری ۱۹۲۱ء کو لندن سے سیرالیون پہنچے۔ اور ۲۱ فروری کو سیرالیون سے گولڈ کوسٹ تشریف لے گئے۔ اپنے مختصر قیام کے دوران آپ نے سیرالیون میں بڑی جرأت سے پیغامِ احمدیت پہنچایا جس کی تفصیل خود حضرت مولانا صاحب کے قلم سے درج کی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"جہاز ایپی پر (جو الڈرڈ میٹر لائن کے بہترین جہازوں میں سے ایک ہے) آلہ بے تار پیام رسانی موجود تھا۔ اِس خدمتگار مبلغِ اسلام سے کام لیکر جہاں عاجز نے حضرت امام المتقین کے حضور دعا کی درخواست بھیجی وہاں ایک پیغام مسٹر خیرالدین افسر تعلیم مسلمانان سیرالیون کے نام بھی ارسال کر دیا۔ مسٹر موصوف نے اِس پیغام کی حتی الوسع اشاعت کی اور مختلف اقوام کے سردار و امام ایک درجن کی تعداد میں (اپنے زرق برق لباس اور عبا و عمامے پہنے ایک وزنی نُقرئی ڈھول گلے میں ڈالے ہوئے) سٹیم لانچ میں تختہ جہاز پر اس غریب کے استقبال کے واسطے آ گئے۔ علیک سلیک۔ اھلاً۔ سہلاً مرحبًا۔ پہلے گفتگو عربی میں ہوئی اور الحمدللہ کہ تختہ جہاز پر سوڈانی وطرابلس مسافروں کے ساتھ لسانِ فُرقان میں گفتگو کا اتفاق ہونے کے باعث عربی میں کلام کرنے کی مشق ہو گئی تھی۔ اسلئے کوئی دقت پیش نہ آئی اور خدائے مسیح کا ایک نشان یہ بھی ہے۔ کہ وہ مختلف زبانوں میں کلام کریں گے۔ اِسکے مطابق اس نے

مجھے ایسی توفیق دی۔ کہ مَیں اس پر خود حیران تھا۔ کنارۂ بحر پر موٹریں موجود تھیں۔ ان میں سوار کرا جلوس نکال مجھے ایک خوبصورت مسجد میں پہنچایا گیا، جہاں پندرہ۱۵ ہزار مسلمانوں کے قائمقام موجود تھے۔ مَیں نے اپنے مشن کی اغراض زبانِ انگریزی میں بیان کیں۔ استقبال کا شکریہ ادا کیا۔ اور اخویم خیرالدین نے اس کا مقامی انگریزی میں (جو) کبوتر انگریزی PIGEAN ENGLISH کہلاتی ہے ترجمہ کر کے حاضرین کو میرا مطلب سمجھایا اِسکے جواب میں چیف القاضی بڈھے خاص امام نے میری آمد کو رسُول اللہؐ کے بعد مصلحین و مجدّدین کی آمد کے وعدہ سے مطابقت دیکھ میرا شکریہ ادا کیا۔ یہ ۱۹ ر فروری کی صبح تھی۔ ایک عالیشان انگریزی وضع کی فرودگاہ میں مجھے اتارا گیا۔ اور ہر قسم کے آرام کا سامان بہم پہنچایا گیا۔ ۲۰ ر فروری کو تقریروں کا انتظام کیا گیا۔ اور اِس کے لئے اطلاعات شائع کی گئیں۔ مساجد آراستہ کی گئیں۔ سرکاری اِسلامی مدارس میں جھنڈیاں وغیرہ لگا کر ان کو مزیّن کیا گیا۔ اور اپنے رنگ میں مسلمانوں نے اظہار خوشی کیا۔ پہلے ایک مسجد میں ۸ بجے پھر دوسرے مدرسہ میں بارہ بجے اور پھر شام کو تیسرے مدرسہ میں ۶ بجے۔ تین تقریریں کی گئیں پہلے دو۲ میں اخویم خیرالدین ترجمان رہے۔ اور مرد و عورتوں نے ادب و احترام و محبت سے اِن تقاریر کو سُنا۔ تقریر سے اوّل ایک نوجوان نے نہایت سریلی آواز سے نعتیہ اشعار عربی میں پڑھے۔ ہر چار اشعار کے بعد ایک مصرع سب حاضرین ایک آواز سے پڑھتے تھے۔ عجیب سماں تھا۔ ان مجالس میں رکشا کی سواری پر جانا ہوا۔ سُرخ عباء والے امام رکشا کے آگے اور سفید عبا پوش لوگ رکشا کے پیچھے نوجوان طلباء دو۲ رویہ صف بستہ کھڑے نظر آتے تھے۔ مَیں نے اپنی تقریروں میں برابر مسیح پاک کی آمد کا ذکر کیا۔ اور آمنّا کے سوا کوئی آواز مخالف نہیں سُنی۔ مالکی امام کو علیحدہ تبلیغ کی۔ اُنہوں نے اقرار ایمان کیا۔ شام کی تقریر مسیحی لوگوں کے لئے تھی۔ اور وہ توجہ سے سُنی گئی۔ چونکہ سیرالیون میں دو۲ مسیحی کالج ہیں۔ دو۲ بشپ رہتے ہیں۔ اور ۱۱۸ پادری قیام رکھتے ہیں۔ اسلئے مسیحی مجمع تعلیمیافتہ افریقیوں کا تھا۔ تقریر کے بعد سلسلہ سوالات و جوابات شروع ہوا۔ اور مسلمان خوش اور مسیحی متفکر نظر آئے۔ ۲۱ ر فروری کو مسیحی حکام سے ملاقات کر کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت کی طرف سرکار کو توجہ دلائی۔ اور میں خوشی سے اس امر کا اظہار کرتا ہوں۔ کہ حکاّم بالادست نے میری حوصلہ افزائی کی ...... مسلمانانِ سیرالیون کی خواہش تھی کہ میں اور ٹھہروں۔ مگر جہاز ۲۱ ر تاریخ کو تیسرے پہر روانہ ہونا تھا۔ اسلئے ٹھہرنا ممکن نہ تھا جہاز ران کمپنی کے مینیجر نے پوری کوشش سے جہاز پر دو فسٹ کلاس میں انتظام کر دیا۔ اور میرے

میزبان مسلمانان سیرالیون کی ایک جماعت مجھے تختۂ جہاز پر چھوڑنے آئی۔ جزاہم اللہ۔ میری روانگی سے قبل اخویم خیرالدین نے جو کئی برس سے سلسلہ کا لٹریچر مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ مگر بیعت نہ کی تھی۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اور اسطرح سیرالیون کا واحد اعلیٰ تعلیمیافتہ مسلمان احمدی ہو گیا"۔ لے

حضرت نیر صاحبؓ تو اس سفر کے بعد پھر کبھی سیرالیون تشریف نہیں لے گئے البتہ حکیم فضل الرحمن صاحبؓ تین بار یہاں آئے اور کئی لوگ ان بزرگوں کے ذریعہ سے احمدی ہوئے۔ جن میں سے بعض نائیجیریا چلے گئے۔ بعض فوت ہو گئے اور بعض الگ ہو گئے۔ حتیٰ کہ ۱۹۳۷ء میں سیرالیون میں اُس زمانہ کے صرف دو احمدی رہ گئے اور غیر مبائعین کے پراپیگنڈہ کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ کے خلاف سیرالیون کی فضا بہت مکدر ہو گئی۔

سیرالیون دارالتبلیغ قائم کرنیکا فیصلہ

ان حالات میں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۹۳۷ء کے وسط میں دارالتبلیغ گولڈ کوسٹ کو ہدایت فرمائی کہ مغربی افریقہ کے دوسرے ممالک میں بھی تبلیغی مراکز کھولے جائیں اور سالٹ پانڈ (گولڈ کوسٹ) سے اُن کی نگرانی کی جائے۔ اس پر سب سے پہلے سیرالیون کی طرف متوجہ ہونے کا فیصلہ کیا گیا۔

مولوی نذیر احمد صاحب کی روانگی

اس فیصلہ کے مطابق مولوی نذیر احمد صاحب مبلغ انچارج مغربی افریقہ نے دارالتبلیغ گولڈ کوسٹ کا کام مولوی نذیر احمد صاحب مبشر کو سپرد کر کے ۱۰ر اکتوبر ۱۹۳۷ء کو روانہ ہوئے اور ۱۳ر اکتوبر ۱۹۳۷ء کو سیرالیون کے دارالحکومت فری ٹاؤن میں پہنچے اور اس ملک میں دارالتبلیغ کی بُنیاد رکھدی۔ ؎۲

دارالتبلیغ کے ابتدائی حالات

مولوی نذیر احمد صاحب کا بیان ہے کہ:-

"یہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ غیر مبائعین کے پراپیگنڈا کے اثر کے ماتحت فری ٹاؤن کے غیر احمدیوں نے ۶۰ پونڈ جمع کر کے اِس غرض سے لاہور بھیجے ہوئے ہیں کہ وہاں سے ایک مبلغ ان کی امداد کے لئے بھیجا جائے۔ میں نے یہاں آتے ہی پرائیویٹ ملاقاتوں کے ذریعہ جملہ غلط فہمیوں کو جو ہمارے خلاف پیدا کی گئی تھیں دُور کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں بعض لوگ جماعت میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ مخالفین کے حوصلے اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ

لے۔ الفضل ۱۸ر اپریل ۱۹۲۱ء صفحہ ۲ ؎ ؎۲۔ الفضل ۱۴ر جنوری ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ ؎

خود بخود ان کی طرف سے لوکل اخبارات میں ختم نبوت کے متعلق مضامین شائع ہونے شروع ہوگئے۔ ہماری طرف سے نہایت تفصیل سے جواب دیئے گئے۔...... مخالفین نے جماعت کی ترقی دیکھکر لوگوں کو یہ کہکر بددل کرنا چاہا کہ اگر احمدیت میں صداقت ہے تو اوّل مُسلم کانگرس کے علماء کو پہلے قائل کیا جائے میں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھکر کانگرس کے ایک جلسہ میں احمدیت کے متعلق لیکچر کے لئے وقت مانگا۔ اگرچہ علماء نہ چاہتے تھے کہ حق ظاہر ہو۔ مگر اُن کے لئے انکار کرنا مشکل تھا۔ چنانچہ میرے لئے ایک دن مقرر کر دیا گیا۔ بفضلہ تعالیٰ جملہ مخالفین اُس دن جمع ہوگئے۔ اور مَیں نے نہایت تفصیل سے وفات مسیح اور صداقت مسیح موعودؑ پر ½۱ گھنٹہ تک لیکچر دیا۔ بعد میں یہ لیکچر مرتب کرکے ایک اخبار میں بھی شائع کرادیا گیا۔ اس میں پیغامی فتنہ کا بھی تفصیل سے ذکر تھا۔....... اب مخالفت اور بائیکاٹ کا ہتھیار استعمال ہونے لگا۔ لیکن ہم نے ایک احمدی کے مکان پر ہفتہ وار لیکچروں کا سلسلہ جاری کر دیا اور پوسٹروں اور لوکل اخبارات کے ذریعہ لیکچروں کا اعلان کرتے رہے اور انفرادی تبلیغ بھی بدستور ہوتی رہی۔ WILBERFORCE MEMORIAL ہال میں بھی جو فری ٹاؤن کا سب سے بڑا اور مشہور ہال ہے۔ چار لیکچر دیئے گئے۔ اور دو۲ دفعہ لوکل BROADCASTING سٹیشن کے ذریعہ ان لیکچروں کا اعلان کروایا گیا۔ اسی طرح ایک عیسائی دوست کے مکان پر بھی ہفتہ وار لیکچروں کا سلسلہ جاری رہا۔ علاوہ ازیں لوگوں کے شامی لوگ بھی بعض لیکچروں میں کثرت سے آتے۔ اور سوالات کا جواب حاصل کرتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب استفتاء شامی اصحاب کو پڑھنے کے لئے دی گئی۔ اور سات کاپیاں فروخت بھی ہوئیں۔ اسیطرح "احمدیت حقیقی اسلام" اور "تحفہ شہزادہ ویلز" نہایت کثرت سے فروخت کی گئیں۔ اور پڑھنے کے لئے عاریتاً دی گئیں۔ حکومت کے اعلیٰ حُکام کو شہزادہ ویلز کی چند کاپیاں تحفۃً دی گئیں۔ یہاں سے بعض لوگوں نے ہمارے مضامین جواب کے لئے لاہور بھیجے وہاں سے دو مضمون آئے۔ اور لوکل اخبارات میں شائع ہوئے۔ جن کا جواب ہماری طرف سے فوراً شائع کر دیا گیا۔ غیر مبائع مولوی غلام نبی مُسلم صاحب بی۔ اے۔ منشی فاضل ۱۹ر فروری ۱۹۳۶ء کو یہاں پہنچے تھے۔ مگر فضاء اپنے خلاف دیکھکر اس قدر پریشان ہوئے کہ ۲۶ر مارچ ۱۹۳۶ء کو لاہور کی اجازت لئے بغیر ہی یہاں سے قرضہ لیکر ہندوستان واپس چلے گئے۔ ہمارے پاس ۱۹۰۱ء سے لیکر ۱۹۱۴ء تک کے انگریزی ریویو موجود تھے۔ جن کے ذریعہ پیغامی منافقت طشت ازبام ہوگئی۔ حضرت

مسیح موعودؑ کی اکثر کتب موجود تھیں۔ ان کو کہاں چھپا سکتے تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ اخباری مناظرہ بند کردو ...... ایک تقریب ان کی فوری واپسی کی یہ بھی ہوئی۔ کہ لوکل غیر احمدیوں سے وہ عربی میں بالکل گفتگو نہ کرسکتے تھے۔ گویا جنہیں اسلام سکھلانے کیلئے آئے تھے۔ علومِ دینیہ میں اُن سے کمتر ثابت ہوئے۔ آخر بی۔ اے تک عربی لی ہوئی تھی۔ ایک دو فقرے تو بولتے مگر اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ اور وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کے اٹل قانون نہ ٹوٹ سکتے تھے نہ ٹوٹے۔"[1]

مولوی صاحب کی ان تبلیغی سرگرمیوں کے نتیجہ میں پہلے ہی سال احمدیوں کی تعداد دو سے بڑھ کر تیس تک پہنچ گئی۔[2] یہ غیر معمولی تائید و نصرت دیکھ کر آپ نے شمالی صوبہ کے دورے شروع کردیئے اور لیکچروں، ملاقاتوں اور لٹریچر کی تقسیم سے جہاں میدان تبلیغ میں وسعت پیدا ہوگئی وہاں جماعت میں معتد بہ اضافہ ہونے لگا۔[3] جون ۱۹۳۹ء سے آپ نے سیرالیون کے جنوبی صوبہ میں بھی تبلیغ احمدیت کا آغاز کردیا۔ اس سلسلہ میں آپ پہلے صوبہ کے ایک دارالحکومت "بو" میں تشریف لے گئے اور چھ لیکچر دیئے۔ دو لیکچر مساجد میں، ایک عربک سکول میں اور تین مقامی چیف کی عدالت میں۔ ان لیکچروں میں آپ نے اسلام و احمدیت کی صداقت اور عیسائیت کا بُطلان واضح کیا۔ ہر لیکچر کے بعد پبلک کو سوالات کا موقعہ دیا گیا۔ پبلک جلسوں کے علاوہ مسلم زعماء کو پرائیوٹ ملاقاتوں میں اور عوام کو مساجد میں قبول احمدیت کی دعوت دی۔ نیز انگریز ڈسٹرکٹ کمشنر اور پراونشل کمشنر سے ملاقات کرکے انکو جماعت احمدیہ سے متعارف کرایا۔ بو سے چالیس میل کے فاصلہ پہ باڈو ماجوں نامی ایک قصبہ ہے جو سونے کی کانوں کیلئے بہت مشہور ہے اور دُور دراز علاقوں کے ہزاروں لوگ یہاں کانوں میں کام کرتے ہیں۔ آپ نے اس قصبہ میں دو ماہ تک تبلیغ کی۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ستر کے قریب احمدیوں پر مشتمل ایک جماعت پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ بو اور باڈو ماجوں کے علاوہ آپ نے گوراما، وانڈو، سمبارو اور بلاما نامی ریاستوں کا بھی تبلیغی دورہ کیا۔ اور کئی رؤساء اور چیف حلقہ بگوشِ احمدیت ہوئے اور اشاعت اسلام کے کام میں مولوی صاحب کی مدد کرنے لگے۔ ان رؤساء میں سے پیرامونٹ چیف صلاح الدین۔ پیرامونٹ چیف بائیو۔ پیرامونٹ چیف سار سار انڈویا۔ رئیس پیرامونٹ چیف خلیل گاما نگا۔ پیرامونٹ چیف لحائے بانیاں لاہائے بایاں۔ خاص طور پر قابلِ ذکر تھے۔"[4]

۱۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ۔ یکم مئی ۱۹۳۶ء لغایت ۳۰ اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۵۳ تا ۵۵۔ ۲۔ ایضاً صفحہ ۵۵۔
۳۔ " " " " ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۰ء صفحہ ۹۶-۹۷۔ ۴۔ الفضل ۴ مارچ ۱۹۴۰ء صفحہ ۶۔

چونکہ دوسرے افریقی ممالک کی طرح یہاں بھی عیسائی سکول مسلمانوں میں کفر وارتداد پھیلانے کا مؤثر ذریعہ بنے ہوئے تھے اور مسلمانوں کا مستقبل اپنے مدارس نہ ہونے کی وجہ سے سراسر تاریک ہو رہا تھا اس لئے مولوی نذیر احمد صاحب نے ۱۹۳۹ء میں روکوپر میں پہلا احمدیہ مسلم سکول قائم کیا جو بہت جلد ترقی کر گیا۔

اس شاندار کامیابی سے عیسائی لوگ بوکھلا اُٹھے اور انہوں نے اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل فرمایا کہ نہ صرف اس سکول کی عمارت بھی بن گئی۔ بلکہ عمائد مملکت نے اس کی گرانٹ کی بھی منظوری دے دی[1]۔

دوسرا اہم کام جماعت کے استحکام کے لئے یہ انجام پذیر ہوا کہ ابتداء میں احمدی مبلغین پر یہ پابندی تھی کہ وہ جہاز سے اترنے سے پہلے ۶۰ پونڈ بطور ضمانت پولیس کے پاس جمع کرائیں۔ مولوی صاحب کی کوشش سے سیرالیون کے گورنر صاحب نے بہت جلد یہ پابندی اٹھادی۔ اس طرح حکومت سیرالیون نے جماعت احمدیہ کی مستقل حیثیت تسلیم کر لی۔[2]

مقامی مبلغین

سیرالیون کے مقامی باشندوں میں اشاعت احمدیت کے لئے مقامی مبلغین تیار کئے جانے ضروری تھے۔ اس اہم ضرورت کی طرف بھی مولوی نذیر احمد صاحب نے ابتداء ہی سے توجہ شروع کر دی تھی۔ چنانچہ آپ نے ۱۹۳۸ء میں شیخ عمر جبا[3] کو مارچ ۱۹۴۰ء میں الفا ابراہیم زکی[4] کو اپریل ۱۹۴۰ء میں مسٹر عقیل تیجان[5] کو۔ ستمبر ۱۹۴۱ء میں مسٹر محمد کمانڈا بونگے[6] کو۔ فروری ۱۹۴۲ء میں الفا سوری باہ بنگورا[7] کو اور ۱۹۴۳ء میں الفا فوڈے صالحو[8] کو لوکل مبلغ مقرر کیا۔[9]

---

[1] - رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۹ء لغایت ۳۰ اپریل ۱۹۴۰ء صفحہ ۹۷ و الفضل ۶ اگست ۱۹۴۰ء صفحہ ۶ کالم ۱۔
[2] - " " " " " ۱۹۳۸ء ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۰۱۔
[3] - اب فوت ہو چکے ہیں۔ [4] - تبلیغ کے سلسلہ میں آپ نے بہت سی مشکلات اور مصائب برداشت کیں۔ حتیٰ کہ ایک بار قید بھی ہوئے۔ مگر نہایت اخلاص کا نمونہ دکھایا۔ آج کل اپنا کاروبار کرتے ہیں۔
[5] - اب شینگے احمدیہ سکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ [6] - الحاج مولانا نذیر احمد علی صاحب کے ساتھ بطور ترجمان کام کرتے رہے۔ ان دنوں فری ٹاؤن پرائمری سکول کے ہیڈ ماسٹر اور جماعت احمدیہ سیرالیون کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ [7] - اب تک تبلیغ سلسلہ میں نہایت اخلاص سے مصروف ہیں۔
[9] - صدر انجمن احمدیہ قادیان کی ایک مطبوعہ رپورٹ (بابت یکم مئی ۱۹۴۱ء لغایت ۳۰ اپریل ۱۹۴۲ء صفحہ ۲۶)۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں شیخ علی انسری، اور مسٹر عبد الباری نامی احمدی افریقن بھی تبلیغ پر مقرر تھے۔ موخر الذکر روکوپر سکول کے ہیڈ ماسٹر بھی رہے ہیں۔

ان ابتدائی مخلص مبلغوں کے بعد مندرجہ ذیل لوکل مبلغ وقتاً فوقتاً خدمت دین کیلئے میدان عمل میں آئے۔ الفا مُوسیٰ سووا (۱۹۴۸ء) ۔ الفا عباس کمارا (۱۹۶۲ء) ۔ الفا دادا کمارا (۱۹۶۲ء) الفا ابراہیم بَاہ (۱۹۶۳ء) ۔ الفا فودا مے کورومہ (۱۹۶۲ء)

مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کا وُرود

سیرالیون کی وسیع تبلیغی ضروریات کے پیشِ نظر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے ارشاد کے ماتحت مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری لنڈن[1] سے ۸ رمارچ ۱۹۴۰ء کو یہاں پہنچے ۔ اور آتے ہی مولوی نذیر احمد علی صاحب کے دوش بدوش تبلیغ احمدیت کرنے لگے ۔

مرکزی مبلّغین کا پہلا اجتماعی دورہ

تبلیغ احمدیت کے اس سلسلہ میں یہ دونوں مجاہد پہلی بار ۱۴ رمارچ ۱۹۴۰ء کو فری ٹاؤن سے تبلیغی دَورہ پر روانہ ہوئے اور روکوپُر ۔ روبا تھ کامبا ، روسینو ، لُونی ، میں پیغامِ احمدیت پہنچانے کے بعد ۳ راپریل ۱۹۴۰ء کو روکوپُر سے واپس فری ٹاؤن پہنچے ۔ جہاں اپنے چند روزہ قیام میں بعض اہم تعلیمی فرائض انجام دینے کے بعد ۲۳ راپریل ۱۹۴۰ء کو جنوبی مینڈے (MENDE)[2] پراونس کی طرف روانہ ہوئے ۔ سب سے پہلے صوبہ کے مرکز "بو" میں انفرادی تبلیغ کی ۔ پھر ایک گاؤں ڈانبارا میں گئے جہاں صرف چار روزہ تبلیغ سے چودہ نفوس پر مشتمل نئی جماعت قائم ہوگئی ۔ ڈانبارا سے مویابو آئے یہاں اور بیٹے فو کے باشندوں تک پیغامِ حق پہنچایا[3]۔

ریاست گورامہ کے مرکزی قصبہ ٹونگے میں جب جماعت کا قیام ہوا تو وہاں کے مسلمان علماء اور عیسائی پادریوں نے مل کر جون ۱۹۴۰ء کو احمدیوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا جس پر یہ دونوں مبلغ بیماری کی حالت میں ۱۶ میل پیدل پہاڑی سفر کرکے وہاں پہنچے ۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے ایک امریکن عیسائی پادری مسٹر لیڈر (MR LEADER) سے ایسا زبردست مناظرہ کیا کہ وہ میدانِ مباحثہ سے بھاگ نکلے ۔

باؤماہوں کے ذیلی مرکز کی مضبوطی اور عیسائیوں کی پسپائی

سیرالیون میں اب تک جو جماعتیں قائم ہو چکی تھیں ان سب میں باؤماہوں کی جماعت باقی سب جماعتوں کی نسبت زیادہ مضبوط اور مخلص تھی ۔ لیکن باہر سے جاکر آباد ہونے کی وجہ سے انہیں قانوناً وہ حقوق حاصل نہیں تھے جو اس ریاست کے اصل باشندوں کو حاصل تھے ۔ ریاست کا قائمقام پیرامونٹ

---

[1] ۔ آپ ۲۴ رفروری ۱۹۴۰ء کو لنڈن سے عازم سیرالیون ہوئے ۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۹ء لغایت ۳۰ راپریل ۱۹۴۰ء صفحہ ۹۷ ۔ [2] ۔ قبیلہ اور زبان کا نام ۔ [3] ۔ الفضل ۷ راگست ۱۹۴۰ء صفحہ ۵ ۔

چیف عبدالرحمن احمدیت کا شدید مخالف تھا۔ جو احمدیوں کو مختلف طریق سے پریشان کرتا رہتا تھا۔ کبھی بلاوجہ کسی احمدی کو جرمانہ کر دیتا اور کبھی احمدی مبلغ کے اخراج کے۔لئے حکومت سے ساز باز کرتا جس کے پیچھے دراصل عیسائیوں اور غیر احمدیوں کی منظم سازش کارفرما تھی۔ مگر اس کے باوجود چیف کو گورنمنٹ کے فیصلہ کے سامنے جھکنا پڑا۔ اور اُس نے بالآخر احمدیہ دار التبلیغ اور احمدیہ سکول کے لئے ۲۰۰ × ۴۰۰ فٹ زمین ایک پونڈ سالانہ کرایہ پر دے دی اور ۱۹۴۱ء میں روکوپر اس ریاست کے قصبہ باڈماہوں میں دوسرا احمدیہ سکول کھول دیا گیا۔ اور مسٹر عمر جاہ جماعتی تبلیغ و تربیت کے علاوہ سکول میں کام کرنے پر مقرر کر دیئے گئے۔[۱] اگرچہ سکول قائم ہو چکا تھا مگر ریاست لونیاں (LUNYA) کے پیرا مونٹ چیف کی مخالفت بدستور قائم رہی۔ اور مسٹر گامبینار (ڈسٹرکٹ کمشنر) نے احمدی مبلغین سے صاف طور پر کہدیا کہ اگر ریاست کے مقامی حکام احمدیت کو پسند نہیں کرتے تو احمدیوں کو باڈماہوں سے اپنا مرکز اٹھانا پڑیگا۔ مگر مبلغین احمدیت نے اس دھمکی کی ذرہ بھر پرواہ نہ کی اور اپنا کام جاری رکھا۔ چنانچہ مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کئی ماہ تک یہاں مقیم رہے اور آپ نے احمدیہ مسجد اور احمدیہ سکول کی پہلی عمارتوں کو گرا کر نئی اور زیادہ وسیع عمارتیں تیار کرائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی مشن سکول جو وہاں دس سال سے چل رہا تھا مقابلہ کی تاب نہ لاکر بند ہو گیا۔ اور یونائیٹڈ بریدرن مشن (UNITED BRETHREN-MISSION) ناکام ہو گیا۔[۲]

سیرالیون کا ملک گیر تبلیغی سروے

مولوی نذیر احمد صاحب کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ایک چٹھی ملی جس میں حضور نے اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ سیرالیون میں جماعت کی ترقی کی رفتار بہت دھیمی ہے۔ اگر صحیح طریق سے کوشش کی جائے تو بہت جلد سارے سیرالیون میں احمدیت پھیل سکتی ہے۔ مولوی صاحب کو حضور کا یہ ارشاد پڑھکر بہت ہی فکر اور قلق ہوا۔ مولوی محمد صدیق صاحب اس وقت ضلع کینما کے قصبہ بلاما "BLAMA" میں متعین تھے۔ آپ فوراً "بو" سے بلاما مشورہ کے لئے تشریف لائے اور فرمایا کہ حضور ہمارے کام سے مطمئن معلوم نہیں ہوتے اور مجھے بھی محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے کام کی موجودہ رفتار ملک میں کوئی مذہبی ہل چل پیدا نہیں کر رہی حالانکہ سچائی کا بیج بونے کیلئے ایک تہلکہ اور ہنگامہ برپا کر دینے کی

[۱] - رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ۔ یکم مئی ۱۹۴۰ء تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۴۲-۴۳۔

[۲] - الفضل ۲۵ نومبر ۱۹۴۳ء صفحہ ۳ کالم ۱۔

ضرورت ہے۔ مگر ہم چند ایک جگہ جماعتیں قائم کر کے سمجھ بیٹھے ہیں کہ بہت کام ہو چکا ہے۔ اور اس طرح ہم کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ مولوی محمد صدیق صاحب نے عرض کیا جو آپ فرمائیں میں حاضر ہوں۔ چنانچہ اسی ہفتہ جماعت کے دس پندرہ مخلصین کو بلا کر ایک میٹنگ کی گئی اور جملہ حالات کا جائزہ لیا گیا۔ بالآخر علاوہ دیگر تجاویز کے ایک تجویز یہ قرار پائی کہ سر دست دونوں مبلغین میں سے کوئی بھی ایک مقام پر لمبا عرصہ قیام نہ کرے اور کسی جگہ کو اپنا مرکز نہ بنائے۔ بلکہ کچھ عرصہ کے لئے سارے سیرالیون کو سنڑ دے اور EXPLORE کر کے ایسے علاقے ڈھونڈے جائیں جو احمدیت کے لئے زرخیز ثابت ہوں۔

چنانچہ اس کے بعد حضور کو مفصل رپورٹ اور دعا کے لئے لکھ کر یہ پروگرام بنایا گیا کہ مولوی نذیر احمد صاحب سیرالیون کے شمالی سرے سے جنوبی سرے تک اور مولوی محمد صدیق صاحب مشرقی سرے سے مغربی سرے تک سارے ملک کا ایسے طور پر دورہ کریں کہ ہر قصبہ اور ہر بڑے گاؤں میں ٹھہر کر تبلیغ کی جائے۔ چنانچہ اگلے چھ سات ماہ ان مجاہدین نے دو دو افریقن طالبعلموں کے ساتھ متواتر لمبے دورں میں گزارے جس کے نتیجہ میں محض خدا کے فضل و کرم سے ملک کے مختلف حصوں میں آٹھ دس نئی جماعتیں قائم ہو گئیں جو ترقی پذیر ہیں۔ چنانچہ علاقہ ٹونگیا TONGIA اور اس کے اردگرد کی مخلص جماعتیں انہیں مبارک ایام کی یادگار ہیں۔[1]

ماگبورکا اور بو میں مخالفت کے باوجود ذیلی مراکز کا قیام

باڈماہوں سے مشن کے اٹھائے جانے کے عظیم خطرہ کے پیش نظر مبلغین سیرالیون نے اس دوران ماگبورکا اور بو میں علی الترتیب ٹمنی اور مینڈے قوموں کیلئے مراکز قائم کرنے کی بھی جدو جہد کی تھی۔ مگر چونکہ باڈماہوں میں احمدیت کے مقابلہ میں عیسائیت کو سخت ہزیمت اٹھانا پڑی تھی اور عیسائیوں کے یو بی مشن کو اپنا مشن اور سکول بند کر دینا پڑا تھا اسلئے عیسائی مشنریوں نے انتہائی کوشش کر کے مالک زمین اور پیرامونٹ چیف کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ ماگبورکا میں احمدیوں کے قدم نہ جمنے پائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری حکمت عملی سے نہ صرف زمین حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بلکہ خود کوشش کر کے احمدی اور غیر احمدی دوستوں سے دو سو تیس ۲۳۰ پونڈ کے قریب جمع کر کے احمدیہ مسجد اور احمدیہ دار التبلیغ

---

[1] مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کے خود نوشت حالات سے ماخوذ۔

کی عمارتیں مکمل کر دیں[۱]۔

جنوبی صوبہ کے دارالخلافہ "بُو" میں مرکز قائم کرنے میں بھی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں بھی سب عیسائی فرقے احمدیوں کی مخالفت میں متحد ہو گئے اور بُو کے پیرامونٹ چیف اور ریاستی حکام جو احمدیہ مرکز کے لئے ایک وسیع قطعہ کی پیشکش کر چکے تھے زمین دینے سے بالکل مُکر گئے۔[۲]

مولوی نذیر احمد صاحب نے ایک قطعہ زمین حاصل کرنے کیلئے ڈسٹرکٹ کمشنر کی طرف رجوع کیا۔ کمشنر صاحب کے سامنے بھی چیف اور اُس کے ساتھیوں نے اجارہ نامہ لکھنے سے انکار کر دیا۔ اور (عیسائی) چیف نے تو یہ بھی تسلیم کیا کہ پادریوں نے اسے خفیہ طور پر کہا ہے کہ احمدیت۔ عیسائیت کا رد کرتی ہے اس لئے احمدیوں کو زمین نہ دو۔ ڈسٹرکٹ کمشنر کے سمجھانے پر یہ لوگ اجارہ نامہ لکھنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن ایک مخالف نے شرارت سے کہدیا کہ نقشہ میں احمدی مبلغ نے اصل زمین سے زائد زمین شامل کر لی ہے۔ ڈسٹرکٹ کمشنر نے حکم دیا کہ طرفین موقعہ پر جا کر پڑتال کریں۔ آخر ایک عرصہ کے بعد یکم مئی ۱۹۴۳ء کو چیف کے نمائندے اور زمین کے مالکوں نے زمین اجارہ پر دینا منظور کر لی مگر جب ڈسٹرکٹ کمشنر کے پیش ہوئے تو چیف نے کہدیا کہ ہم آدھی زمین دیں گے۔ اور ساتھ ہی مالکان زمین نے بھی یہ جھوٹ بول دیا کہ ہم نے تو صرف آدھی زمین دینا منظور کیا تھا۔ ڈسٹرکٹ کمشنر نے چیف کو دو دن کی مہلت دی۔ جس پر چیف نے اسی روز سارے قطعہ کی منظوری دیدی[۳]۔ اور ۱۹۴۳ء میں احمدیہ سکول اور دارالتبلیغ تعمیر کر دیئے گئے۔

یہ دونوں عمارتیں اور زمین شہر سے دُور ہونے کی وجہ سے مسجد کے لئے موزوں نہیں تھیں اسلئے مسجد کے لئے شہر کے اندر کوئی مناسب قطعہ حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن پیرامونٹ چیف کو اصرار تھا کہ مسجد شہر سے دُور بنائی جائے تا شہر میں احمدیت نہ پھیل سکے۔ آخر آنریبل چیف الحاج المامی سوری کی کوشش سے یہ عقدہ حل ہوا۔ اور "بُو" کے پیرامونٹ چیف نے شہر کے اندر زمین دے دی۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے مسجد کا نقشہ تیار کر کے محکمہ صحت سے تعمیر مسجد کی منظوری حاصل کر لی۔ مسجد

۱۔ الفضل ۵ نومبر ۱۹۴۳ء صفحہ ۵-۴ ۔ دارالتبلیغ کی تعمیر کے دنوں میں ماگبورکا میں مخالفت کا زور بڑھ گیا۔ حتی کہ ایک روز ایک بدبخت نے مولوی محمد صدیق صاحب پر حملہ کر کے ان کی آنکھیں ضائع کرنا چاہیں۔ لیکن ناکام رہا۔
(الفضل ۱۸ مئی ۱۹۴۴ء صفحہ ۲)

۲۔ الفضل ۲۵ نومبر ۱۹۴۳ء صفحہ ۵-۴ ÷ ۳۔ الفضل ۱۰ ستمبر ۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۳-۲ ÷

کے ساتھ ہی ایک غیر احمدی عالم کا مکان تھا جس نے مسجد کی مخالفت کی تاہم چیف نے مسجد کی اجازت دیدی۔ لیکن اجازت ملنے کے بعد مسجد کی بُنیاد رکھنے پر از سرِ نو جھگڑا کھڑا کر دیا گیا۔ چنانچہ مولوی محمد صدیق صاحب کا بیان ہے کہ:۔

"مسجد احمدیہ بُو کی بُنیاد رکھی گئی۔ جس پر بُو کے پیراماؤنٹ چیف نے بہت جھگڑا کیا۔ اور محض اس بہانے پر کہ مسجد کی تعمیر شروع کرتے وقت ہم نے اس سے اجازت نہیں لی۔ اور کہ احمدی اسکی اور اسکے غیر احمدی عُلماء کی عزّت نہیں کرتے۔ اور کہ باوجود اِس کے حکم کے احمدیوں نے گزشتہ عید کی نماز غیر احمدیوں سے علیحدہ پڑھی۔ وہ اس قصبہ میں کسی احمدیہ عمارت کی اجازت نہیں دے سکتا اور اِس طرح اپنی پولیس کے چند آدمی بھجوا کر عین اُس وقت جبکہ ہم بنیادیں کھود کر لکڑی کی دیواریں کھڑی کر رہے تھے ہم کو حکماً وہاں مسجد تعمیر کرنے سے منع کر دیا۔ اس پر مَیں چند احمدیوں سمیت اِس سے گفتگو کرنے کیلئے گیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے چیف کو اور ہمارے دیگر دشمنوں کو ناکامی کا مونہہ دکھانا تھا۔ اسلئے مسجد کا وہ نقشہ جو ہیلتھ آفیسر اور ڈی۔ سی اور خود چیف کا پاس کردہ تھا اور سب کے اس پر دستخط تھے ہمارے پاس موجود تھا۔ اور جب کافی بحث وغیرہ کے بعد چیف نے مسجد کی اجازت نہ دی تو مَیں نے بھری مجلس میں نقشہ نکال کر سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ کہ آپ اپنے ہاتھ سے ہم کو تحریری طور پر اس نقشے پر دستخط کر کے اجازت دے چکے ہیں۔ اور دُوسرے افسروں کے بھی قانونی طور پر دستخط موجود ہیں۔ اَب کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ پہلے تو وہ کہنے لگا کہ مجھے اس نقشہ کا علم ہی نہیں اور کہ ہم نے جھوٹے طور پر بنالیا ہے۔ پھر کہا اچھا صبح وہ اپنے کلرک سے پُوچھے گا۔ اور اگر یہ نقشہ واقعی اصلی ہُوا تو ہم مسجد بنانے کی اجازت دیدیں گے۔ چنانچہ دوسرے دن صبح آٹھ بجے ہی اس نے اجازت دیدی۔ اور ہم نے اُسی دن مسجد تعمیر کرنا شروع کر دی۔ جملہ احمدی مرد، عورتیں اور بچے ہر جمعہ اور بعض دفعہ دوسرے دنوں میں بھی کام کرتے رہے۔ مکرم چوہدری محمد احسان الٰہی صاحب نے اللہ تعالیٰ کی اس عبادت گاہ کی تیاری میں خاص جانفشانی اور غیر معمولی محنت سے کام لیا۔ محراب کے اندرونی حصے کو ہندوستانی طرز کا بنانے میں اور پھر مسجد کے باہر کی چھوٹی چار دیواری کھڑی کرنے میں انہوں نے خاص مہارت سے کام کیا۔ مسٹر علی مصطفےٰ اور دیگر احباب نے بھی متواتر خوب اور مشقت سے کام کیا۔" [1]

---

[1] الفضل ۲۹ رجون ۱۹۴۵ء صہ ۳ کالم ۱-۲ ؎

اس طرح خدا کے فضل سے مگبورکا اور بُو میں شاندار احمدیہ مراکز کی تکمیل سے احمدیت کے قدم سیرالیون میں مضبوطی سے قائم ہو گئے اور ملک میں احمدیت کے وسیع اثر و نفوذ کی راہیں کھل گئیں ۔

بُو احمدیہ سکول کیلئے کیسے مناسب موقع پر عمدہ زمین میسر آگئی؟ یہ بھی ایک ایمان افروز واقعہ ہے جس کی تفصیل مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کے قلم سے لکھی جاتی ہے ۔ فرماتے ہیں :۔

"جب الحاج مولوی نذیر احمد علی صاحب رضی اللہ عنہ ۱۹۳۷ء میں سیرالیون میں تشریف لائے ۔ اس زمانہ میں یہ حال تھا ۔کہ اسی بُو شہر میں جس کمرے میں ہم رہتے تھے اس کی لمبائی چوڑائی ۸ x ۱۰ سے زیادہ نہیں تھی اور سارا شہر کیا عیسائی اور کیا مسلمان ۔ کیا چھوٹے اور کیا بڑے ۔ سب ہمارے مخالف تھے ۔ عیسائی اور مالکی مسلمان اس شہر کے چیف کو اکثر اکساتے رہتے تھے ۔ کہ ہمیں وہ اپنے شہر یعنی بُو میں جگہ نہ دے ۔ لیکن خدا تعالیٰ نے احمدیت کے قدموں کو سیرالیون میں جمانا تھا ۔ اُسی نے خود ہی ایسے سامان پیدا کر دیئے ۔ کہ ان مخالفین نے شہر کے چیف سے مل کر ایک دن مقرر کیا ۔ جس میں احمدیوں کا غیر احمدیوں اور عیسائیوں کے ساتھ فیصلہ کن مباحثہ ہو ۔ اور اگر احمدی ہار جائیں تو انہیں اس شہر سے نکال دیا جائے ۔ اور کوئی جگہ نہ دی جائے ۔ دراصل یہ ایک سکیم تھی جو احمدیت کے خلاف بنائی گئی ۔ لیکن مَکَرُوا اللّٰہَ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ کے مطابق یہ سکیم مخالفینِ احمدیت ہی کے خلاف پڑ گئی ۔ جب مباحثہ کا دن آیا ۔ لوکل چیف نے محترم الحاج نذیر احمد صاحب علی کو جتلا دیا تھا کہ اگر تم جیت گئے تو تمہیں جگہ دوں گا ورنہ تمہیں کوئی جگہ نہیں مل سکے گی ۔ اور تم اس شہر سے نکال دیئے جاؤ گے ۔ چنانچہ ہم نے دُعائیں اور تیاری کرنی شروع کی ۔ جس جگہ مباحثہ ہونا تھا وہ یہاں کی نیٹو (NATIVE) عدالت تھی ۔ وقت مقررہ پر ہم نے اپنی عربی ۔ انگریزی کتب اور بڑی بڑی حدیثیں اور تفسیریں لے جا کر عدالت کے ایک طرف اپنی میزیں لگا کر رکھدیں ۔ جب سب لوگ جمع ہوئے تو ہمارے مخالف جو یہ سمجھ رہے تھے ۔ کہ ہم بھی شاید دوسرے علماء کی طرح صرف روپیہ کمانے اور اکٹھا کرنے کے لئے آئے ہیں ۔ اور روپیہ اکٹھا کر کے چلے جائیں گے ۔ گھبرا گئے ۔ اور از حد خوفزدہ اور مرعوب ہو گئے ۔ اتنے خائف ہوئے کہ چیف نے بھری کورٹ میں اُن سے ایک ایک کر کے پوچھنا شروع کیا کہ تمہیں احمدیوں کے خلاف کیا شکایات ہیں ۔ تو یکے بعد دیگرے اُنہوں نے اُٹھ اُٹھ کر کہنا شروع کر دیا ۔ کہ ہمیں احمدیت کے خلاف کوئی شکایت نہیں ۔ وہ ہمارے بھائی اور دوست ہیں ۔ سب سے پہلے یہاں کے ایک پادری ولسن نے اُٹھ کر کہا کہ مجھے حاجی نذیر احمد کے خلاف کوئی شکایت نہیں ۔ بلکہ درحقیقت حاجی صاحب

میرے گہرے اور ذاتی دوست ہیں۔ حالانکہ درحقیقت وہ ہمارا سخت مخالف تھا۔ اور ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا کہ کسی طرح ہمارے قدم یہاں نہ جمیں۔ اس کے بعد ایک مسلمان عالم جس کا نام سیدی ابراہیم تھا۔ اس نے اُٹھ کر کہا کہ ہم تو مسلمان ہیں اور یہ بھی مسلمان۔ بلکہ یہ تو اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ہمیں ان کے خلاف کیا شکایت ہو سکتی ہے۔ مَیں نے ہی تو ان کو ٹھہرنے کی جگہ دی ہوئی ہے اور میرے ہی ہاں یہ رہتے ہیں۔ اگر مجھے کوئی شکایت ہوتی تو ایسا کیوں کرتا۔ اس پر چیف کو بہت غُصّہ آیا۔ اور اس نے برسرِ عام اُٹھ کر کہا کہ "تم لوگوں نے مجھے احمدیوں کے خلاف اُکسایا اور تم روزانہ میرے کان بھرتے رہے کہ یہ ایسے ہیں ویسے ہیں۔ انہیں یہاں اس شہر میں جگہ نہ دی جائے۔ اور ان کے قدم نہ جمنے پائیں۔ اور تمہارے ہی کہنے پر میں نے آج مباحثہ کی صورت پیدا کی تاکہ مجھ پر حقیقت حال کھُل جائے اور احمدیوں کو جب تم شکست دیدو گے تو انہیں جگہ نہ دینے کیلئے میرے پاس ایک عذر ہو جائیگا۔ لیکن جب وقت آیا تو تم سب چُپ ہو گئے ہو۔ تم نے مجھے آج اس قدر شرمندہ کیا ہے کہ مَیں مُنہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہا۔ اسلئے آج ہی اس مقام پہ کھڑے کھڑے یہ اعلان کرتا ہوں کہ مَیں احمدیوں کو خود اپنی زمین میں سے اپنے شہر میں بہترین جگہ دوں گا۔ اور اب کوئی چیز بھی مجھے اس سے نہیں روک سکتی۔ چنانچہ اس نے ہمیں موجودہ احمدیہ سنٹرل سکول کی زمین دی۔ جو اب واقعہ میں شہر کا سنٹر بنتا جا رہا ہے۔ اور بہت بڑی زمین ہے۔ اس وقت سے خدا تعالیٰ نے اس شہر کے لوگوں کو ایسا زیر کیا ہے۔ کہ اب تک کسی مخالف کو بالمقابل سر اٹھانے کا موقعہ نہیں مل سکا۔ اور خدا تعالیٰ نے ہماری پوزیشن مضبوط ترین بنا دی ہے۔ اور اب موجودہ وقت میں ہمارے پاس اس شہر میں ایک زمین کی بجائے دو زمینیں ہیں۔ جن میں ہمارا سکول مشن ہاؤس احمدیہ مسجد۔ لائبریری اور پرنٹنگ پریس کی عمارات کھڑی ہیں۔" [1]

---

[1] الفضل ۶ مارچ ۱۹۵۸ء صفحہ ۳-۴

مگبو کا میں بھی مخالفت کے دوران خدائی نصرت کا ایک عجیب نظارہ دیکھنے میں آیا ۱۹۴۲ء کی بات ہے۔ کہ:۔

"ایک شامی عرب نے اس بات پر بگڑ کر کہ اس کے لڑکے کے ساتھ جو احمدیہ سکول میں پڑھتا ہے۔ افریقن کالے لڑکوں کے مقابلہ میں امتیازی سلوک کیوں نہیں کیا جاتا۔ مخالفت شروع کر دی۔ ہمارے مبلّغ نے اُسے بتایا کہ یہ ہم سے نہیں ہو سکتا کہ سفید اور کالے میں فرق کیا جائے۔ مگر اُس نے اپنے لڑکے سکول سے نکال لئے اور بعض دوسرے شامیوں سے بھی ایسا ہی کرایا اور مخالفت شروع کر دی۔ ایک دفعہ اُس نے ہمارے مبلّغین کو سر بازار گالیاں دیں۔ اور حملہ کرنے کی دھمکی بھی دی۔ مگر انہوں نے صبر سے کام لیا اور خدا تعالیٰ سے دُعا کرتے رہے۔ ایک دن اُس نے شامیوں کی ایک مجلس میں کہا کہ اب ہم ایک قلیل عرصہ میں احمدیت کو یہاں سے نکال دیں گے اور اس سکول کو برباد کر دیں گے۔ مگر احمدی احباب اُن

سیرالیون کے احمدیوں پر مظالم کا پہلا دور

ابھی مگبورکا اور بُو کے مراکز زیرِ تعمیر ہی تھے۔ کہ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں جماعت ہائے ہانگا، پوٹے ہون۔ مانوکوٹوہون، ٹونگیا اور روکوپا کو اُنکے چیفوں اور لوکل نمبرداروں کی طرف سے سخت اذیت پہنچانی شروع کر دی گئی۔ تقریباً آٹھ احمدیوں کو ٹونگیا میں صرف احمدیت کی وجہ سے آٹھ پونڈ جرمانہ کیا گیا اور دو۲ دن قید میں رکھا گیا۔ ایک دن ان احمدی روزہ داروں کو روزہ کی حالت میں صبح سے شام تک سورج کی تپش میں رکھکر سزا دی گئی اور آئندہ کے لئے قانون بنا دیا گیا کہ کوئی احمدی مسجد یا گھر میں نماز ادا نہ کرے۔ اسی طرح ایک افریقن احمدی مبلغ کو تین پونڈ جرمانہ کرنے کے علاوہ ان کو بالکل برہنہ کر دیا گیا اور ہاتھ پاؤں باندھ کر ساری رات قید رکھا گیا۔ ہانگا اور پوٹے ہون میں بھی نماز کی ممانعت کے علاوہ ۶ پونڈ جرمانہ کیا گیا۔ ٹونگیا کے امام اور دیگر مخلصین کی آنکھوں میں پسی ہوئی مرچیں ڈالی گئیں۔ بعض کو رمضان میں بحالتِ روزہ کئی کئی گھنٹے تپتی ہوئی دھوپ میں کھڑا رکھا گیا۔ پانگوما "PANGUMA" کے بعض احمدیوں کو گھٹنوں تک زمین میں گاڑ کر اُن سے احمدیت سے توبہ کرانے کی کوشش کی جاتی رہی۔ بعض سے بیگار کے کام اور شدید محنت کے اور ادنیٰ درجہ کے کام کئی روز تک لئے جاتے رہے۔ بعض احباب کو ناقابلِ ادا جرمانے کئے گئے۔ بعض کی بیویاں ان سے چھین لی گئیں۔ بعض کو اُن کے آبائی گاؤں سے نکال کر اُنکی جائداد پر قبضہ کیا گیا۔ بعض کو لوکل عہدوں سے ہٹا کر ذلت آمیز سلوک کیا جاتا رہا۔

بقیہ حاشیہ :۔ لوگوں کے مقابل میں کمزور تھے۔ اور مخالفین کا بڑا جتھا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی نصرت اپنے بندوں کیلئے ظاہر ہوئی اُس کی غیرت نے جوش مارا اور وہ شخص جو مدّت سے بڑے دعوے کرتا تھا خدا تعالیٰ کی گرفت کا شکار ہو گیا۔ اس کا وہی لڑکا جو اُس نے احمدیہ سکول سے اُٹھا لیا تھا تپ محرقہ کا شکار ہو کر مر گیا۔ اور اُس کا بڑا لڑکا سرکاری مال کی چوری کے الزام میں پکڑا گیا۔ اور اُسے بچانے کی تگ و دو کے سلسلہ میں اُسے قریباً ایک ہزار پونڈ صرف کرنا پڑا۔ مگر پھر بھی اُسے تیرہ ماہ قید سخت اور رہا ہونے کے بعد اخراج از ملک کی سزا ہوئی۔ ایک موقع پر ایک شامی نے سفارش کی کہ اس کے سب سے چھوٹے لڑکے کو پھر سکول میں داخل کر لیا جائے۔ مگر احمدی مبلغین نے یہ شرط پیش کی کہ وہ خود اپنی غلطی کا اعتراف کرے۔ اس بات سے بگڑ کر اُس نے ریلوے سٹیشن مگبورکا پر پھر احمدیوں کو بُرا بھلا کہا اور بدزبانی کی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے غریب بندوں کے لئے اس قدر غیرت دکھائی کہ وہ فری ٹاؤن پہنچتے ہی جہاں وہ جا رہا تھا بغیر لائسنس کے سونا فروخت کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ اور اٹھارہ تولہ سونا بھی جو اس کے قبضہ میں تھا ضبط کر لیا گیا۔ عدالت میں مقدمہ چلا جہاں سے سونے کی ضبطی کے علاوہ اُسے جرمانہ کی سزا ہوئی۔ اس کے بعد اُس پر ناجائز ذخیرہ اندوزی کے جرم میں بھی مقدمہ چلایا گیا اور اب اُس کا سٹور بھی ضبط کر لیا گیا۔" [1]

---

[1] الفضل ۲۰ دسمبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۱تا۲

مولوی نذیر احمد صاحب نے ایک طرف حضور کی خدمت میں ۱۲ر اکتوبر ۱۹۲۳ء کو بذریعہ تار دُعا کی درخواست کی اور دوسری طرف مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کو کینما ڈی سی اور چیفوں کے پاس ان ظالمانہ کارروائیوں کے انسداد وغیرہ کیلئے روانہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ مہم کامیاب رہی۔ اور دسمبر ۱۹۲۳ء کے آخر میں تمام احمدی قیدی نہ صرف آزاد ہوئے اور آزادانہ طور پر احمدیت پر عمل کرنے لگے۔ بلکہ تمام جرمانے بھی حکومت نے واپس دلا دیئے[1]

سیرالیون کے احمدیوں پر مظالم کا دُوسرا دَور

اگرچہ ان تکالیف کا تو ازالہ ہوگیا مگر اگلے سال (۱۹۲۵ء) میں مظالم کا دُوسرا دَور شروع ہُوا۔ چنانچہ مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری نے سیرالیون سے رپورٹ بھجواتے ہوئے لکھا:۔

"سیرالیون کی بعض احمدی جماعتوں کو ان علاقوں کے پیراماؤنٹ چیف بہت تنگ کر رہے ہیں اور ہر ممکن کوشش سے اپنے علاقے کے جملہ احمدیوں کو احمدیت چھوڑنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ ایک علاقہ کے احمدیوں کو طرح طرح کے جھوٹے الزامات اور جھوٹی گواہیوں کے ذریعہ نہ صرف ضلع کے حکاّم کے سامنے بدنام کیا جارہا ہے۔ بلکہ قید بھی کیا جارہا ہے۔ میرے وہاں مقرر کردہ امام الغابم سنوسی پر یہ جھوٹا الزام لگاکر کہ اس نے چیف اور اس کے علاقہ کے ایک بُت کی جس کی وہ پوجا کرتے ہیں۔ اور ہر طرح سے اس سے ڈرتے بھی ہیں۔ احمدیہ مسجد میں وعظ کے دَوران میں ہتک کی ہے۔ ان کو دو[2] ہفتہ تک ننگا کرکے اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر قید میں رکھا گیا۔ جب مَیں نے ڈی۔سی۔ صاحب کے ہاں شکایت کی تو جھوٹ اور دیگر بہانوں سے اور ادنیٰ ملازموں کو رشوت دیکر مقدمے کی نوعیّت بدل دی۔ اور ڈی۔سی کو وہاں کی جماعت اور ان کے امام سے بدظن کر دیا۔ تاکہ ڈی۔سی۔ اُنہیں زیادہ سختی کرنے کا اختیار دے۔ مَیں نے ڈی۔سی کے ہاں اپیل کی ہے۔ اور تمام حالات سے اُنہیں دوبارہ آگاہ کیا ہے۔ لیکن چیف بھی اپنے طور پر کوشش کر رہا ہے کہ احمدیت کو اپنی چیفڈم سے نکال دے۔ اور اس نے ڈی۔سی کو درخواست دی ہے۔ کہ وہ ہرگز احمدیت اپنے علاقہ میں نہیں چاہتا۔ اور کہ اس کے آدمی یا تو احمدیت سے انکار کر دیں یا وہ ان کو وہاں سے نکال دیگا۔ اور احمدیوں کا مشن ہاؤس اپنے قبضہ میں کرلے گا۔ ڈی۔سی نے یہ جواب دیا کہ وہ باقاعدہ ایک درخواست بناکر اور تمام وُجوہ اِس امر کی لکھ بھیجے۔ پھر وہ اپنی رائے لکھنے کے بعد ڈویژنل کمشنر کی منظوری کیلئے

[1] الفضل ۲۸ ستمبر ۱۹۲۴ء صہ ۳۔

بھیج دیگا۔ چیف اور اسکی لوگوں نے اپنے بُت جس کو وُہ "شیطان (DAHIL)" کہتے ہیں کے سامنے شراب پی کر وعدہ کیا ہے۔ کہ وہ احمدیت کو وہاں سے نکال دیگا۔ اور یہ قانون بنا دیا جائے کہ آئندہ اس کی چیفڈم کا جو شخص بھی یہ کہے گا۔ کہ لوکل شراب حرام ہے۔ یا کہ مَیں اب شراب نہیں پیؤنگا۔ اسے پانچ شلنگ جرمانہ کیا جائیگا۔ ان معاملات کو مَیں ایک دفعہ ڈوِیژنل کمشنر کے سامنے بھی تفصیل سے پیش کر چکا ہوں۔ مگر انہوں نے کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ اب دوبارہ پیش کر رہا ہوں۔ اسی طرح ایک اور چیفڈم میں وہاں کا چیف وہاں کے نئے احمدیوں کو نہایت سخت اذیت پہنچا رہا ہے۔ باوجود اس کے کہ اس علاقہ کے ڈی۔ سی صاحب نے احمدیوں اور چیف کے درمیان ایک مقدمے کا فیصلہ احمدیوں کے حق میں دیا۔ اور آئندہ چیف کو ہدایت کی کہ ان کے مذہب میں مداخلت نہ کرے۔ پھر بھی اس نے کوئی پرواہ نہ کی۔ اور اب دوسرے حیلوں سے تنگ کر رہا ہے۔ اگر احمدی ایک دفعہ گاؤں میں اپنے طریق پر باجماعت نماز پڑھیں تو چھ شلنگ جرمانہ کرنے کے علاوہ سزا بھی دیتا ہے۔ اور چیف کے خلاف کوئی گواہی دینا ناپسند کرتا ہے اور نہ جرأت کرتا ہے۔ اسلئے جب بھی ان تکالیف کی رپورٹ احمدی میرے ذریعے یا بذاتِ خود وہاں کے ڈی سی سے کرتے ہیں۔ تو وہ فوراً کہہ دیتا ہے یہ سب جھوٹ ہے۔ اور کہ وہ ان سے اچھا سلوک کرتا ہے۔ اور چونکہ ڈی۔ سی کو چیفوں کی عزت قائم رکھنے کا ہمیشہ خیال رہتا ہے۔ اسلئے چیف کی بات کا بغیر تحقیق کے اعتبار کر لیا جاتا ہے۔ اب یہ چیف ایسی تکلیفیں دے رہا ہے۔ چونکہ وہاں کے احمدی نئے تھے۔ ان میں سے سات۔ آٹھ نے بظاہر تکالیف اور مشکلات سے ڈر کر احمدیت سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن بعض اب تک صبر و تحمل کی برداشت کر رہے ہیں۔ اس بارے میں مَیں تین بار خود اس علاقہ میں جا چکا ہوں۔ حالانکہ میرے ہیڈکوارٹر سے بہت دُور ہے۔ اور ڈِویژنل کمشنر صاحب کو بہ تفصیل توجہ دلا چُکا ہوں۔ مگر اب تک ہمارے یہ بھائی تکالیف میں چلے آتے ہیں۔ مَیں نے ڈِویژنل کمشنر صاحب کو کہا تھا کہ احمدیوں کو مذہبی آزادی دلانے کے علاوہ اُنہیں اپنی مسجد بنانے کے لئے چھوٹی سی جگہ دلوائی جائے۔ کیونکہ ان کی تعداد پہلے بیس تیس کے قریب تھی۔ اور وہ کسی کمرے میں اکٹھے نماز نہ پڑھ سکتے تھے۔ اُنہوں نے چیف کو لکھ دیا کہ احمدیوں کو گاؤں سے ایک میل دُور مشن یا مسجد بنانے کیلئے جگہ دی جائے تاکہ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں جھگڑا نہ ہو سکے۔ چیف نے ایسا ہی کیا۔ لیکن چونکہ جگہ دُور اور جنگل میں تھی۔ اور مسجد کیلئے نامناسب

اس لئے ہمارے آدمی بیچارے بے بس ہو کر رہ گئے۔ چیف کی طرف سے تکالیف اسی طرح جاری ہیں۔ اب یہ معاملہ بھی ایک دفعہ پھر ڈویژنل کمشنر صاحب کے ہاں اپیل کے رنگ میں پیش کر رہا ہوں۔ اور انہوں نے اگر کوئی مناسب کارروائی نہ کی۔ تو آگے اپیل کروں گا۔ ہمیں آجکل یہاں جملہ عمارتیں جو شروع کر رکھی ہیں کی وجہ سے سخت مالی مشکلات ہیں اور مشن تقریباً ۱۲۰ پونڈ کا مقروض ہے۔ اس کے علاوہ سکولوں کے بارے میں مخلص کارکن، مخلص ٹیچروں اور مخلص لوکل مبلغوں کی کمی ہمارے کام میں آج کل سخت رخنہ انداز ہے۔"[1]

اسی ضمن میں مولوی صاحب کی ایک دوسری رپورٹ ملاحظہ ہو۔ آپ نے لکھا کہ:۔

"عرصہ زیر رپورٹ میں تین پیرامونٹ چیفوں کی طرف سے جماعتوں کو احمدیت کی وجہ سے تکالیف پہنچائی گئیں۔ باڈو کی جماعت کو عید الفطر کے موقعہ پر اُن کے چیف نے غیر احمدی امام کے پیچھے نماز ادا کرنیکا حکم دیا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ جس پر چیف نے بعض کو قید کی سزا دی اور بعض کو جرمانہ کر دیا۔ اسی طرح بو کے چیف نے بھی ایسی ہی حرکت کرنی چاہی اور عید الفطر کے موقعہ پر غیر احمدی امام کے پیچھے نماز ادا نہ کرنے پر احمدیوں کو قید کرنا چاہا۔ مگر احمدیوں نے فوراً ڈی۔سی کو اطلاع کر دی اور ڈی۔سی صاحب نے چیف کو پیغام بھیجا کہ وہ مذہبی امور میں جماعت کو کسی امر پر مجبور نہ کرے۔ اسی طرح باڈو کا معاملہ بھی خاکسار نے اُس ضلع کے ڈی۔سی کے ہاں پیش کیا۔ اُس نے گو فیصلہ احمدیوں کے حق میں دیا۔ مگر ایسے رنگ میں کہ احمدی چیف سے دبے رہیں۔ اور چیف کی ظاہری پوزیشن پر کوئی حرف نہ آئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند دن بعد پھر اُسی چیف نے احمدی امام کو پکڑ کر چودہ دن جیل میں ڈالے رکھا۔ مَیں نے پھر ڈی سی کے ہاں رپورٹ کی مگر ڈی سی صاحب نے عمداً کوئی توجہ نہ کی۔ مَیں نے پھر لکھا اور یاددہانی کرائی مگر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب سہ بارہ یہ معاملہ ڈویژنل کمشنر کے ہاں پیش کیا گیا ہے۔ جس کا فیصلہ ابھی نہیں ہوا۔ اسی طرح ناتوا کی احمدی جماعت کو بھی ابھی تک سخت تکالیف دی جارہی ہیں۔ بذریعہ قید اور جرمانوں اور دوسری کئی طریقوں سے احمدیوں کو احمدیت چھوڑنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ مگر سوائے چند ایک کے باقی بفضلہ تعالیٰ اب تک احمدیت پر قائم ہیں اور صبر سے سب کچھ برداشت کر رہے ہیں"۔[2]

احباب جماعت کو وقف عارضی کی تحریک

لوکل مبلغین کی کمی اور تبلیغی و تربیتی کام کو وسیع کرنے کے لئے ۱۹۴۵ء میں مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری نے سیرالیون کے مخلص احمدیوں کو تبلیغ کیلئے ایک ایک ماہ وقف کرنے کی تحریک شروع کی جس پر پہلے سال تیس احمدیوں نے لبیک کہا۔ اس[3] کے بعد یہ تعداد ہر سال بڑھتی رہی۔ چنانچہ ۱۹۵۱ء میں سیرالیون کے چھتیس احمدیوں نے

[1] الفضل ۱۲ مئی ۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۱و۲ [2] روزنامہ الفضل قادیان دارالامان ۲ اگست ۱۹۴۵ء

نہایت جوش و اخلاص سے حصہ لیا۔ اور ان کے ذریعہ اس سال اکتیس افراد بیعت کر کے احمدیت میں داخل ہوئے۔ جس پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اظہار خوشنودی فرمایا۔ اگلے سال ۱۹۵۲ء میں قریباً اسی احمدیوں نے ایک ایک ماہ وقف کیا۔[1]

یہ تبلیغی خصوصیت سارے مغربی افریقہ میں تنہا سیرالیون کے احمدیوں کو حاصل ہے کہ وہاں ۱۹۴۵ء سے اب تک وقفِ عارضی کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور بہت مفید نتائج پیدا کر رہا ہے۔

مولوی نذیر احمد علی صاحب کی المناک وفات

مولوی نذیر احمد صاحب سیرالیون مشن کا چارج مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کو دیکر واپس قادیان کو روانہ ہو گئے۔ آپ کے بعد ایک عرصہ تک مولوی محمد صدیق صاحب انچارج مبلغ کے فرائض بجالاتے رہے[2]۔ مولوی نذیر احمد صاحب ۱۲ر فروری ۱۹۴۵ء[3] کو قادیان پہنچے۔ جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کو پورے مغربی افریقہ کا رئیس التبلیغ نامزد کر کے اعلان فرمایا کہ آئندہ ان کا نام مولوی نذیر احمد علی ہوگا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ہدایت پر مولوی صاحب موصوف ۲۶ر نومبر ۱۹۴۵ء کو قادیان سے پھر عازم مغربی افریقہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ قریشی محمد افضل صاحب، صوفی محمد اسحٰق صاحب اور مولوی عبدالحق صاحب ننگلی بھی تھے[4]۔ مبلغین کا یہ وفد ۲۶ر فروری ۱۹۴۶ء کو فری ٹاؤن پہنچ گیا[5]۔ مولوی نذیر احمد علی صاحب دوسرے مبلغین کو سیرالیون میں متعین کر کے خود پورے مغربی افریقہ کی تبلیغی مہمات پر کنٹرول کرنے کے لئے ۱۹ر ستمبر ۱۹۴۶ء کو گولڈ کوسٹ تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ ربوہ سے ۱۹۵۴ء میں آخری بار سیرالیون آئے اور ایک لمبی بیماری کے بعد سیرالیون کے شہر بو میں ۱۹ر مئی ۱۹۵۵ء کو رحلت[6] فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ مغربی افریقہ کی سرزمین کے پہلے جاں نثار مبلغ تھے جو میدان تبلیغ میں شہید ہوئے۔ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ٭ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مولوی صاحب (رضی اللہ عنہ) کی سیرالیون میں شہادت کے ضمن میں یہ امر خصوصی طور پر قابل ذکر ہے کہ آپ نے ۲۶ر نومبر ۱۹۴۵ء کو قادیان سے مغربی افریقہ روانہ ہوتے ہوئے ایک ایڈریس کے جواب میں فرمایا تھا:۔

---

[1] الفضل ۲ر فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ کالم ۳-۲ ٭ [2] آپ پاکستان میں پہلی بار ۱۶ر ستمبر ۱۹۵۲ء کو تشریف لائے ٭
[3] الفضل ۱۳ر فروری ۱۹۴۵ء صفحہ ۲ ٭ [4] الفضل ۲۷ر نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۱ ٭ [5] الفضل ۶ر جون ۱۹۴۶ء صفحہ ۵ کالم ۱ ٭ [6] مرض الموت کے کوائف اور سیرالیون مشن کے دیگر حالات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تابعین اصحاب احمد" جلد چہارم (مؤلفہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے) ٭

"آج ہم خدا تعالیٰ کیلئے جہاد کرنے اور اسلام کو مغربی افریقہ میں پھیلانے کے لئے جا رہے ہیں۔۔۔۔ ۔۔۔ہم میں سے اگر کوئی فوت ہو جائے تو آپ لوگ یہ سمجھیں کہ دُنیا کا کوئی دُور دراز حصّہ ہے جہاں تھوڑی سی زمین احمدیت کی ملکیت ہے۔ احمدی نوجوانوں کا فرض ہے کہ اُس تک پہنچیں اور اُس مقصد کو پورا کریں جسکی خاطر اس زمین پر ہم نے قبروں کی شکل میں قبضہ کیا ہوگا۔ پس ہماری قبروں کی طرف سے یہی مطالبہ ہوگا کہ اپنے بچوں کو ایسے رنگ میں ٹریننگ دیں کہ جس مقصد کے لئے ہماری جانیں صرف ہوئیں اُسے وہ پورا کریں۔" [1]

دارالتبلیغ سیرالیون مولوی محمد صدیق صاحب کے عہد امارت میں

مولوی صاحب رضی اللہ عنہ کی دوبارہ روانگی کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حکم دیا کہ مبلّغ سال میں ایک دو دفعہ ضرور کسی ملک میں جمع ہو کر مجلس شوریٰ منعقد کیا کریں۔ اس ارشاد کی تعمیل میں پہلی مجلس شوریٰ ۳ مئی ۱۹۴۶ء کو بو میں مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری امیر و انچارج مشن سیرالیون کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ جس میں جماعت احمدیہ کی تعلیمی و تربیتی ترقی کے ذرائع، مشن کی آمد بڑھانے اور اخراجات سے متعلق ایک معیّن طریق کار طے کیا گیا۔ اس پہلی شوریٰ میں یہ بھی قرار پایا کہ مبلّغوں کو اہم مقامات پر متعیّن کیا جائے۔ اور ہر چھ ماہ کے بعد اُن کی تبدیلی کی جائے۔ چنانچہ چوہدری احسان الٰہی صاحب[2] جنجوعہ کے سپرد جماعتوں کا دورہ کیا گیا اور صوفی محمد اسحٰق صاحب[3]۔ مولوی عبدالحق صاحب[4] ننگلی اور چوہدری نذیر احمد صاحب[5] رائے ونڈی بالترتیب علاقہ فری ٹاؤن، روکوپر، بوسے بیلا ہوئی اور بوٹیدو، مگبورکا، مٹوٹوکا، منسنہ۔ اور اضلاع مکینی اور ٹونکولیلی کے حلقوں میں متعیّن کئے گئے۔[6] عیسائیت کے خلاف مجاہدین احمدیت کی سرگرمیاں یکایک اتنی تیز ہو گئیں کہ امریکن مشن کے پادری مسٹر ڈیوڈ کار نے انہیں دنوں

---

[1] الفضل ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء صہ۲۔ مولوی نذیر احمد علی صاحب کی وفات کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے نسیم سیفی صاحب کو مغربی افریقہ کا رئیس التبلیغ مقرر فرمایا۔ آپ ۱۹۶۴ء تک اس منصب پر فائز رہے اور ۱۹۶۴ء میں پاکستان واپس تشریف لائے۔

[2] چوہدری صاحب ۱۶ جون ۱۹۴۴ء کو قادیان سے روانہ ہو کر دسمبر ۱۹۴۴ء میں سیرالیون پہنچے پھر جون ۱۹۴۷ء میں نائیجیریا منتقل کر دیئے گئے۔ وسط ۱۹۴۸ء میں آپکا تبادلہ گولڈکوسٹ میں کر دیا گیا۔ ۱۹۴۹ء میں آپ دوبارہ سیرالیون بھیج دیئے گئے۔ جہاں کچھ عرصہ تبلیغی خدمات بجا لانے کے بعد نیروبی اور یوگنڈا (مشرقی افریقہ) سے ہوتے ہوئے نومبر ۱۹۵۱ء میں ربوہ آگئے۔

[3] ۲۸ فروری ۱۹۴۶ء کو سیرالیون تشریف لائے۔ یہاں آپ فری ٹاؤن مشن کے انچارج بنائے گئے اور اہم دینی خدمات ادا کرنے کے بعد ۱۱ فروری ۱۹۵۲ء کو روانہ ہو کر ۱۶ اپریل ۱۹۵۲ء کو واپس ربوہ میں پہنچے۔

[4] سیرالیون میں آمد ۲۸ فروری ۱۹۴۶ء۔

[5] ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو سیرالیون میں پہنچے۔ اور ۱۹۵۳ء میں واپس پاکستان میں آئے۔

[6] الفضل ۲۸ جون ۱۹۴۶ء صہ۱۔

اخبار "ریسینٹ افریقن" (بابت فروری ۱۹۴۷ء) میں لکھا:-

"موجودہ حالات میں یہ بہتر ہوگا کہ ان لوگوں (یعنی سیرالیون کے باشندوں کو) اسلام کی طرف جھکاؤ کے باعث اب چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ یہ پہلے سے اسلام کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ اسلام نے ایک اعلیٰ ضابطہ پیش کیا ہے۔ اور اخلاقی اعتبار سے کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ عیسائیت اسلام کی مضبوط بنیادوں کے خلاف کیوں دائمی لیکن نتیجۃً ناکام جنگ جاری رکھے۔ اس نوعیت کی جنگ اب تک جاری ہے اور دونوں طرف سے تعلیماتی جدوجہد کا دباؤ انتہائی درجہ پر ہے۔ کیونکہ کچھ عرصہ سے جماعت احمدیہ کے ذریعہ جو اسلامی لمک یہاں پہنچی ہے۔ روکوپر کے نواحی علاقہ میں اس جماعت کی مضبوط مورچہ بندی ہو گئی ہے۔ اور اب عیسائیت کے مقابلہ پر تمام تر کامیابی اسلام کو نصیب ہو رہی ہے۔ مثال کے طور پر اس مقابلہ کی صف آرائی کے نتیجہ میں تھوڑا عرصہ ہوا کہ کامبیا میں امریکن (عیسائی) مشن کو بند کرنا پڑا ہے۔" [1]

عیسائی مشنوں کو کھلا چیلنج

۱۹۳۸ء کے لگ بھگ سیرالیون کے ایک امریکن مشن [2] (جسے اُن دنوں U.B.C. MISSION کہا جاتا تھا اور آجکل E.U.B. MISSION کہلاتا ہے) ایک کتابچہ CHRISTIAN CATECHISM کا دوسرا ایڈیشن بکثرت شائع کیا۔ اس کتابچہ میں اسلام کے متعلق شدید زہر افشانی اور غلط بیانیاں کی گئیں تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نہایت نازیبا اور دل آزار الفاظ استعمال کئے گئے تھے۔ احمدی مجاہدین نے سیرالیون کے تمام مسلمان فرقوں کو اس دل آزار کتابچہ کے نقصانات سے بروقت آگاہ کیا۔ مگر انہوں نے تو صرف حکومت کے سامنے اس کتابچہ کی ضبطی کا سوال اٹھایا۔ لیکن سیرالیون مشن کے مبلغ انچارج مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری نے فوری طور پر مرکز سے مشورہ کے بعد ایک مدلل جواب بعنوان "A CHALLENGE — TO U.B.C. MISSION" تیار کیا۔ جو چھپوا کر ملک کے طول و عرض میں کئی ہزار کی تعداد میں ہر طبقہ میں شائع کیا گیا۔

اس رسالہ میں نہ صرف یو بی سی مشن کو بلکہ سیرالیون میں اس وقت موجودہ تمام عیسائی مشنوں کے سربراہوں کو چیلنج کیا گیا کہ وہ یا تو ایسی دل آزار کتب کی اشاعت سے باز رہیں اور یا پھر جماعت احمدیہ کے نمائندگان سے ایک فیصلہ کن پبلک مناظرہ اسلام اور عیسائیت کے موازنہ پر کر لیں تا کہ پبلک پھر خود فیصلہ کر سکے کہ درحقیقت کونسا مذہب عالمگیر اور سچا ہے۔ لیکن کسی عیسائی مشن کے سربراہ یا نمائندہ کو نہ صرف یہ چیلنج

---

[1] الفضل ۶ اکتوبر ۱۹۵۰ء صہ و تابعین اصحاب احمد جلد چہارم ص ۱۹۹ +

قبول کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بلکہ یو۔ بی۔ سی مشن نے اپنے کتابچہ کی آئندہ اشاعت[1] خود ہی بالکل بند کر دی۔

آرچ بشپ آف کینٹربری کو دعوتِ مقابلہ

فروری ۱۹۵۱ء میں چرچ آف انگلینڈ کے سربراہِ اعلیٰ ڈاکٹر فشر (DR. FISHER) آرچ بشپ آف کینٹربری چرچ آف انگلینڈ کے بعض مشنوں اور چرچوں کے معائنہ کے لئے سیرالیون آئے تو دارالتبلیغ سیرالیون کی طرف سے انہیں بھی قرآن کریم انگریزی اور دیگر اسلامی کتب تحفۃً دینے کے علاوہ ایک کھلے خط کے ذریعہ تفصیلی طور پر اسلام کی تبلیغ کی گئی۔ اور سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا ایک چیلنج بنام سربراہانِ مذاہبِ عالم مطبوعہ در دیباچہ قرآن کریم پیش کر کے انہیں اور ان کے گیارہ ہمراہی یورپین پادریوں کو اس چیلنج کو قبول کرنے اور مقابلہ کے لئے نکلنے کی دعوت و ترغیب دی گئی۔

آرچ بشپ صاحب کے نام یہ کھلا خط بعد میں چھپوا کر بھی سارے مغربی افریقہ میں کئی سال تک تقسیم کیا جاتا رہا۔ مگر کسی عیسائی پادری کو اسلام کے مقابل پر آ کر اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

سیرالیون میں تبلیغی جہاد کرنیوالے دوسرے مبلغین

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سیرالیون میں اسلام اور عیسائیت کی تبلیغی جنگ کو فیصلہ کن مراحل تک پہنچانے کیلئے یہاں پے در پے مبلغین بھجوائے جن کے نام یہ ہیں:-

(۱) مولوی بشارت احمد صاحب بشیر سندھی[1]۔ (۲) مولوی محمد صادق صاحب لاہوری[2]۔ (۳) مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیل[3]۔ (۴) مولوی محمد عثمان صاحب[4]۔ (۵) مولوی عبدالکریم صاحب[5]۔ (۶) مولوی محمد صدیق صاحب گورداسپوری[6]

---

[1] ۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو سیرالیون پہنچے۔ فروری ۱۹۳۹ء میں گولڈ کوسٹ منتقل کئے گئے۔ دوبارہ جون ۱۹۶۲ء میں مرکز سے سیرالیون بھیجے گئے اور جماعتِ احمدیہ سیرالیون کے امیر اور انچارج مبلغ کے فرائض انجام دینے کے بعد ۱۹۶۶ء کو واپس ربوہ آ گئے۔

[2] ۔ جون ۱۹۳۷ء میں سیرالیون پہنچے اور ۱۹۵۶ء تک جماعتی نظام کے تحت مشن کے تعلیمی شعبہ کے انچارج رہے۔

[3] ۔ ۳ مارچ ۱۹۴۸ء کو فری ٹاؤن پہنچے اور یکم مارچ ۱۹۵۰ء کو مرکز میں آئے۔ دوبارہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو روانہ کئے گئے اور ۲۲ دسمبر ۱۹۵۶ء کو ربوہ میں پہنچے۔ (الفضل ۸ فروری ۱۹۴۹ء صفحہ ۵۔ الفضل ۲۵ مئی ۱۹۴۹ء صفحہ ۵ کالم ۱۔ الفضل ۵ اگست ۱۹۴۸ء صفحہ ۲ کالم ۱)

[4] ۔ ۸ جنوری ۱۹۴۹ء کو سیرالیون میں وارد ہوئے۔ (الفضل ۸ فروری ۱۹۴۹ء صفحہ ۵) واپسی ۶ ستمبر ۱۹۵۲ء کو ہوئی۔

[5] ۔ روانگی ۲۹ اکتوبر ۱۹۵۰ء (الفضل ۲۹ اکتوبر ۱۹۵۰ء) واپسی یکم فروری ۱۹۵۵ء۔

[6] ۔ پہلی بار روانگی ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۲ء۔ واپسی ۲۲ دسمبر ۱۹۵۶ء۔ دوبارہ روانگی ۹ دسمبر ۱۹۵۹ء۔ واپسی ۲۲ دسمبر ۱۹۶۲ء۔ آپ سیرالیون مشن کے امیر اور انچارج مبلغ کے عہدہ پر بھی ممتاز رہے۔

(۷) مولوی محمود احمد صاحب[1] چیمہ۔ (۸) ملک خلیل احمد صاحب[2] اختر۔ (۹) قاضی مبارک احمد صاحب[3]۔ (۱۰) ملک غلام نبی صاحب[4]۔ (۱۱) مولوی محمد بشیر صاحب[5] شاد۔ (۱۲) مولوی محمد اسحاق صاحب خلیل[6]۔ (۱۳) قریشی محمد افضل صاحب[7]۔ (۱۴) سید احمد شاہ صاحب[8]۔ (۱۵) مولوی مبارک احمد صاحب ساقی[9]۔ (۱۶) شیخ نصیر الدین احمد صاحب[10]۔ (۱۷) میر غلام احمد صاحب نسیم[11]۔ (۱۸) مولوی عبد القدیر صاحب[12]۔ (۱۹) مولوی اقبال احمد صاحب[13]۔

سیرالیون کی سالانہ احمدیہ کانفرنسوں کے لئے حضرت امیر المومنین کے خصوصی پیغامات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے سیرالیون کی احمدیہ کانفرنسوں کے لئے اپنی زندگی میں تین اہم پیغام بھجوائے جن سے اس ملک کے مبلغین اور دوسرے احمدیوں کی روحِ عمل میں بہت اضافہ ہوا۔ اور ان کی تبلیغی سرگرمیاں پہلے سے بھی بڑھ گئیں۔

پہلا پیغام

جماعت احمدیہ سیرالیون کی تیسری سالانہ کانفرنس ۱۳ تا ۱۴ دسمبر ۱۹۵۱ء کو منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کے لئے حضور نے مندرجہ ذیل پیغام بذریعہ تار ارسال فرمایا:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

برادران جماعت احمدیہ ملک سیرالیون

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ پیغام میں آپ کے ۱۳۳۰ ہش / ۱۹۵۱ء کے جلسہ سالانہ کے لئے بھجوا رہا ہوں۔ آپ کے ملک میں مغربی افریقہ کے ممالک میں سب سے آخر میں تبلیغ شروع ہوئی ہے۔ لیکن آپ کا ملک چاروں طرف سے ایسے علاقوں سے گھرا

---

[1] روانگی ۲۷ جنوری ۱۹۵۵ء (الفضل ۲۹ جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۱) واپسی ۱۸ دسمبر ۱۹۵۸ء ÷ [2] روانگی ۲۷ جنوری ۱۹۵۵ء (الفضل ۲۹ جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۱) واپسی ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۹ء ÷ [3] روانگی ۲۷ جنوری ۱۹۵۵ء (الفضل ۲۹ جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۱) واپسی ۲۲ جولائی ۱۹۵۸ء ÷ [4] پہلی بار روانگی ۲۳ دسمبر ۱۹۵۶ء واپسی ۹ فروری ۱۹۶۱ء۔ دوسری بار روانگی ۲۰ مارچ ۱۹۶۲ء۔ واپسی ۱۹۶۴ء ÷ [5] روانگی ۲۱ فروری ۱۹۵۸ء واپسی ۹ جون ۱۹۶۱ء ÷ [6] روانگی ۲۱ فروری ۱۹۵۸ء۔

[7] روانگی ۵ اپریل ۱۹۵۸ء واپسی ۹ فروری ۱۹۶۱ء ÷ [8] روانگی ۱۲ اپریل ۱۹۵۸ء واپسی ۲۷ فروری ۱۹۶۰ء۔ [9] روانگی ۲ ستمبر ۱۹۵۸ء واپسی ۹ مارچ ۱۹۶۰ء ÷ [10] اکتوبر ۱۹۵۸ء میں نائیجیریا سے سیرالیون پہنچے ۱۹۶۳ء تک سیرالیون میں مصروف تبلیغ رہے ÷ [11] روانگی ۱۹ نومبر ۱۹۶۰ء واپسی ۲۱ دسمبر ۱۹۶۳ء ÷ [12] روانگی ۱۸ جون ۱۹۶۱ء واپسی ۲ دسمبر ۱۹۶۲ء ÷ [13] پہلی بار روانگی ۲۰ جولائی ۱۹۶۱ء واپسی ۱۲ ستمبر ۱۹۶۴ء۔ دوبارہ روانگی ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۶ء ÷

ہُوا ہے۔ جو کہ احمدیت سے ناآشنا ہیں۔ پس آپ کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ اور آپ کے لئے کام کے مواقع بھی بہت پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس آپ لوگ اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے اپنی محنت اور اپنی کوشش کو بڑھائیں اور نہ صرف اپنے علاقہ میں احمدیت کو پھیلانے کی کوشش کریں۔ بلکہ لائبیریا اور فرنچ افریقن علاقوں میں بھی تبلیغ کا کام اپنے ذمہ لیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ لوگ اپنے فرائض کو ادا کریں گے تو آپ کیلئے آخرت میں بہت ثواب جمع ہو جائے گا۔ اور اس دُنیا میں آپ شمالی افریقہ کے رہنما بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو اسلام کی تعلیم پر سچے طور پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ اور اخلاص اور قربانی اور اتحاد اور نظام کے احترام کا مادہ آپ میں پیدا کرے۔"

خاکسار (دستخط) مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی ۵۱/۱۲/۳"[1]

دُوسرا پیغام

۵-۶-۷ دسمبر ۱۹۵۲ء کو پانچویں سالانہ کانفرنس کا انعقاد ہوا جس کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے یہ مختصر مگر جامع پیغام بھیجا کہ:۔

"UNITE AND WORK GOD WITH YOU" یعنی متحد ہو کر کام کرو۔ خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو۔[2]

تیسرا پیغام

دسمبر ۱۹۵۸ء میں حضور نے تیسرا رُوح پرور پیغام بھیجا جس کا متن حسب ذیل ہے:۔

" برادران جماعت احمدیہ سیرالیون

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مَیں نے سُنا ہے کہ آپ کی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ احباب تو چاروں طرف سے آئیں گے ہی مگر خالی احباب کا جمع ہونا مفید نہیں ہوتا۔ جبتک اِن کے اندر للہیت اور اخلاص پیدا نہ ہو۔ پس آپ لوگ اس کا انتظام کریں کہ مبلغین اخلاص اور للہیت کے پیدا کرنے کی تلقین کریں۔ اور جماعت جس جوش کے ساتھ آئے اُس سے سینکڑوں گنا زیادہ جوش کے ساتھ واپس جائے تاکہ ملک کے چپہ چپہ میں احمدیت پھیل جائے۔

آپ کا ملک بہت وسیع ہے۔ ابھی اُس میں اشاعت حق کی بہت ضرورت ہے۔ جلدی اس طرف توجہ کریں اور ملک کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کریں تاکہ آپ لوگ اسلامی دُنیا میں ایک مفید عنصر ثابت ہو سکیں۔ خالی سیرالیون اسلامی دُنیا میں کوئی نقش نہیں چھوڑ سکتا جبکہ پہلے وہ ایک عقیدہ پر قائم نہ ہو۔ اور پھر باقی مسلمانوں

---

[1] الفضل ۱۴ اپریل ۱۹۵۲ء صفحہ ۵ کالم ۲۔ [2] المصلح ۱۱ فروری ۱۹۵۴ء صفحہ ۳ کالم ۳۔

کو اپنے ساتھ ملا کر اسلام کی خدمت کرے ۔

پس اس مقصد کو آپ کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا چاہیئے ۔ اور اُس کیلئے جدّ و جہد کرتے رہنا چاہیئے ۔

اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو ۔ آمین ۔ والسلام

خاکسار ۔ مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ۔ یکم دسمبر ۱۹۵۸ء[1]

جیسا کہ ان پیغامات سے بھی واضح ہے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی توجہ سیرالیون کی طرف ہمیشہ خاص طور پر رہی اور آپ اُس دن کو دیکھنے کے متمنی تھے جبکہ سیرالیون کے باشندوں کی اکثریت احمدیت کی آغوش میں آجائیگی چنانچہ حضور نے مولوی محمد صدیق صاحب گورداسپوری کی ایک چٹھی (مرقومہ ۲۹ مارچ ۱۹۵۳ء) پر ارشاد فرمایا:

"تبلیغ کو وسیع کریں بہت سست رفتار ہے ۔ اب تک پانچ سات لاکھ آدمی وہاں ہو جانا چاہیئے تھا ۔ ان ملکوں کی حالت عرب کی طرح ہے پاکستان کی طرح نہیں ۔" اسی طرح مولوی محمد صدیق صاحب کی ایک اور رپورٹ پر ارشاد فرمایا ۔ "ہم تو خواہش کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ جلد از جلد سارا سیرالیون احمدی ہو جائے ۔" (خط ۱۹ ر مئی ۱۹۵۵ء، بنام مولوی محمد صدیق صاحب گورداسپوری ۔)

اِس ارشاد کے چند ماہ بعد مولوی صاحب موصوف کی ایک تبلیغی رپورٹ حضور نے ملاحظہ فرمائی اور حضور نے ۱۴ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو تحریر فرمایا ۔ "تقریروں کی اطلاع تو آجاتی ہے ۔ یہ کب اطلاع آئے گی کہ سیرالیون کے اکثر آدمی احمدی ہوگئے ہیں ۔"

ماہنامہ افریقن کریسنٹ کا اجرا اور نذیر مسلم پریس کا قیام

مئی اور جولائی ۱۹۵۵ء کے دو مہینے دارالتبلیغ سیرالیون کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ کیونکہ مئی ۱۹۵۵ء میں مشن کی طرف سے مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کی ادارت میں ماہنامہ "دی افریقن کریسنٹ" (THE AFRICAN CRESCET) جاری کیا گیا[2] جو اب تک

---

[1] ۔ الفضل ۲۰ ر فروری ۱۹۵۹ء ص۳ کالم ۱، ۲ ۔

[2] ۔ اخبار کے اجراء پر سیرالیون گورنمنٹ کے وزیر مواصلات و رسل و رسائل آنریبل ایم ۔ ایس مصطفیٰ سنوسی نے اس کے ایڈیٹر کے نام حسب ذیل پیغام بھیجا ۔ "مَیں آپ کو اور آپ کے احمدیہ مشن کو اس شاندار اور عظیم القدر کام پر جس کا بیڑا آپ نے سارے مغربی افریقہ میں عموماً اور سیرالیون میں خصوصاً اٹھایا ہے ۔ ہدیہ مبارکباد پیش کرتے ہوئے دلی خوشی محسوس کرتا ہوں ۔ "افریقن کریسنٹ" کا اجراء آپ کے کام میں جو آپ تعلیمی اور مذہبی میدان میں سرانجام دے رہے ہیں ایک گرانقدر اضافہ کا موجب ہوا ہے ۔ اور سیرالیون کے ایک گروہ عظیم کی دیرینہ خواہش اور ضرورت کی تکمیل کا پیش خیمہ ہے ۔ اس اخبار کا مقصد چونکہ محض اشاعت اسلام اور اس کی صحیح اور اصلی تعلیم سے لوگوں کو آشنا کرنا اور ملک کی عام خدمت ہے لہٰذا مجھے

جاری ہے اور مغربی افریقہ کے مسلمانوں میں بیداری کا مؤثر ذریعہ ثابت ہو رہا ہے۔ جولائی ۱۹۵۵ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی مبارک خواہش کی تعمیل اور مولوی نذیر احمد علی صاحب رضی اللہ عنہٗ کی یادگار میں بو کے مقام پر "نذیر مسلم پریس" خرید کیا گیا[1] اور سیرالیون کے ایک مخلص اور مخیر دوست الحاج سیّد علی روجرز صاحب نے اپنا ایک عالیشان مکان جو اُس وقت ایک ہزار پونڈ سے بھی زیادہ مالیت کا تھا۔ پریس کیلئے وقف کر دیا[2]۔ روجرز صاحب قبل ازیں پریس کیلئے گیارہ سو پونڈ کا گرانقدر عطیہ بھی پیش کر چکے تھے[3]۔

پریس کا قیام ایک غیر معمولی نشان کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کی تفصیل حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زبان مبارک سے تحریر کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"سیرالیون میں ہمارا ایک اخبار چھپتا ہے۔ اس کے متعلق ہمارے مبلغ[5] نے لکھا۔ کہ چونکہ ہمارے پاس کوئی پریس نہیں تھا اسلئے عیسائیوں کے پریس میں وہ اخبار چھپنا شروع ہوا۔ دو چار پرچوں تک تو وہ برداشت کرتے چلے گئے لیکن جب یہ سلسلہ آگے بڑھا تو پادریوں کا ایک وفد اس پریس کے مالک کے پاس گیا اور انہوں نے کہا تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم اپنے پریس میں ایک احمدی اخبار شائع کر رہے ہو جس نے عیسائیوں کی جڑوں پر تبر رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اسے غیرت آئی اور اُس نے کہدیا کہ آئندہ میں تمہارا اخبار اپنے پریس میں نہیں چھاپوں گا۔ کیونکہ پادری بُرا مناتے ہیں۔ چنانچہ اخبار چھپنا بند ہو گیا تو عیسائیوں کو اس کی بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے ہمیں جواب دینے کے علاوہ اپنے اخبار میں بھی ایک نوٹ لکھا کہ ہم نے تو احمدیوں کا اخبار چھاپنا بند کر دیا ہے اب ہم دیکھیں گے کہ اسلام کا خدا ان کے لئے کیا سامان پیدا کرتا ہے۔ یعنی پہلے ان کا اخبار ہمارے پریس میں چھپ جایا کرتا تھا۔ اب چونکہ ہم نے انکار کر دیا ہے اور ان کے پاس اپنا کوئی پریس نہیں اس لئے اب ہم دیکھیں گے کہ یہ جو مسیحؑ کے مقابلہ میں اپنا خدا پیش کیا کرتے ہیں اس کی کیا طاقت ہے۔ اگر اس میں کوئی قدرت ہے

بقیہ حاشیہ:۔ اُمید واثق ہے کہ یہ اخباری دُنیا میں اور عوام کی نظروں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

خدا تعالیٰ آپ کے اس نۓ فریضہ میں جس کی ذمہ داری آپ نے اٹھائی ہے۔ برکت ڈالے اور متلاشی حق والوں کے دل آپ کی اخلاقی اور مالی امداد کیلئے کھول دے۔ خدا تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ آپ اسے استقلال اور مداومت سے جاری رکھ سکیں۔ (دستخط ایم۔ ایس مصطفےٰ)۔ (ترجمہ منقول از اخبار الفضل ربوہ ۱۶ نومبر ۱۹۵۵ء)

[2] الفضل ۱۵ نومبر ۱۹۵۵ء ص ۳ [3] الفضل ۲ دسمبر ۱۹۵۶ء ص کالم ۳۔ ان کی قربانی اور اخلاص کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب انہوں نے یہ مکان وقف کیا تو اس وقت اُن کی اپنی رہائش کے لئے کوئی دوسری رہائش گاہ موجود نہیں تھی۔ مگر اس کے بعد خدا تعالیٰ نے انہیں ایک نیا مکان بنانے کی توفیق عطا فرما دی۔

[4] الفضل ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء ص کالم ۳ [5] مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری مبلغ انچارج علاقہ بیا۔

تو وہ ان کے لئے خود سامان پیدا کرے۔ وہ مبلغ لکھتے ہیں کہ جب میں نے یہ پڑھا تو میرے دل کو سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ میں نے اپنی جماعت کو تحریک کی کہ وہ چندہ کر کے اتنی رقم جمع کر دیں کہ ہم اپنا پریس خرید سکیں۔ اس سلسلہ میں میں نے لاری کا ٹکٹ لیا اور پونے تین سو میل پر ایک احمدی کے پاس گیا تاکہ اسے تحریک کروں کہ وہ اس کام میں حصہ لے۔ میں اس کی طرف جا رہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ ابھی اس کا گاؤں آٹھ میل پرے تھا کہ وہ مجھے ایک دوسری لاری میں بیٹھا ہوا نظر آگیا۔ اور اس نے بھی مجھے دیکھ لیا وہ مجھے دیکھتے ہی لاری سے اتر پڑا اور کہنے لگا۔ آپ کس طرح تشریف لائے ہیں۔ میں نے کہا اس اس طرح ایک عیسائی اخبار نے لکھا ہے کہ ہم نے تو ان کا اخبار چھاپنا بند کر دیا ہے۔ اگر مسیحؑ کے مقابلہ میں ان کے خدا میں بھی کوئی طاقت ہے۔ تو وہ کوئی معجزہ دکھا دے۔ وہ کہنے لگا آپ یہیں بیٹھیں میں ابھی گاؤں سے ہو کر آتا ہوں۔ چنانچہ وہ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہی اُس نے پانچ سو پونڈ لا کر مجھے دیدیئے۔ پانچ سو پونڈ وہ اس سے پہلے دے چکا تھا۔ گویا تیرہ ہزار روپیہ کے قریب اس نے رقم دیدی اور کہا میری خواہش ہے کہ آپ پریس کا جلدی انتظام کریں تاکہ ہم عیسائیوں کو جواب دے سکیں کہ اگر تم نے ہمارا اخبار چھاپنے سے انکار کر دیا تھا تو اب ہمارے خدا نے بھی ہمیں اپنا پریس دیدیا ہے۔ جماعت کے دوسرے دوستوں نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا ہے اور اس وقت تک اٹھارہ سو پونڈ سے زیادہ رقم جمع ہو چکی ہے اور انگلینڈ میں ایک احمدی دوست کے ذریعہ پریس کیلئے آرڈر دیدیا گیا ہے۔ یہ شخص جس کے پاس ہمارا مبلغ گیا کسی زمانہ میں احمدیت کا شدید مخالف ہوا کرتا تھا اتنا سخت مخالف کہ ایک دفعہ کوئی احمدی اس کے ساتھ دریا کے کنارے جا رہا تھا کہ اس احمدی نے اُسے تبلیغ شروع کر دی وہ دریا کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ دیکھو یہ دریا اِدھر سے اُدھر بہہ رہا ہے۔ اگر یہ دریا یکدم اپنا رُخ بدل لے اور نیچے سے اُوپر کی طرف اُلٹا بہنا شروع کر دے تو یہ ممکن ہے۔ لیکن میرا احمدی ہونا ناممکن ہے۔ مگر کچھ دنوں کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ کوئی بڑا عالم فاضل نہیں بلکہ ایک لوکل افریقن احمدی اسے ملا اور چند دن اس سے باتیں کیں تو وہ احمدی ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی مدد کی اور اُس کی مالی حالت پہلے سے بہت اچھی ہو گئی۔“ [1]

عیسائی پادریوں کو ایک اور چیلنج

فروری ۱۹۵۹ء کے شروع میں انگلینڈ سے عیسائی پادریوں کا ایک وفد سیرالیون آیا۔ وفد نے فری ٹاؤن میں دعویٰ کیا کہ وہ لنگڑے لُولے اور اندھے لوگوں کو یسوع مسیح کے طفیل تندرست کر سکتے ہیں۔ بعض لوگوں نے جو اندرونی طور پر اُن سے ملے ہوئے

---

[1] حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ کا انصار اللہ سے خطاب مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۶ء روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۵۷ء۔

تھے اعلان بھی کر دیا کہ انہیں اُن پادریوں کی دعاؤں کی وجہ سے معجزانہ طور پر شفا ملی ہے۔ احمدیہ مشن سیرالیون کی طرف سے ایک پمفلٹ میں وفد کے لیڈر پادری سکادرن کو چیلنج کیا گیا کہ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ہم اُن کے سامنے بیس لنگڑے لُولے اور اندھے پیش کرتے ہیں۔ وہ اُن کو تندرست کر کے دکھائیں مگر پادری صاحب جواب دینے کی بجائے پمفلٹ شائع ہونے کے اگلے روز ہی سیرالیون کو خیرباد کہہ گئے۔"[1]

سیرالیون کے جشن آزادی میں شیخ بشیر احمد صاحب (سابق جج ہائیکورٹ لاہور) کی شمولیت

سیرالیون کا ملک قریباً ۱۶۰ سال تک برطانوی تاج کے ماتحت رہنے کے بعد ۲۷ اپریل ۱۹۶۱ء کو آزاد ہوا۔ اس تقریب پر حکومت سیرالیون نے جہاں دوسری مذہبی جماعتوں اور مشنوں کے نمائندوں کو مدعو کیا۔ وہاں جماعت احمدیہ کے مرکز ربوہ میں بھی ایک خاص نمائندہ بھجوانے کا دعوت نامہ ارسال کیا جس پر مرکز احمدیت کی طرف سے مکرم جناب شیخ بشیر احمد صاحب بی۔اے۔ ایل ایل۔بی (سابق جج ہائیکورٹ لاہور) بطور نمائندہ سیرالیون تشریف لے گئے اور تقریبات آزادی میں شامل ہوئے۔[2]

شیخ صاحب موصوف ۲۲ اپریل ۱۹۶۱ء کو فری ٹاؤن پہنچے۔ اور ۲۳ اپریل ۱۹۶۱ء کو آپکی ملاقات سیرالیون مسلم کانگرس کے جنرل سیکرٹری الحاج جبرئیل سیسے سے ہوئی اور اسلام و احمدیت کے موضوع پر تبادلہ خیالات کیا۔ وہ آپ کی گفتگو سے بہت متاثر ہوئے۔ اسی روز آپ نے سیرالیون کے نائب وزیراعظم اور وزیر خزانہ آنریبل مصطفےٰ سنوسی سے ملے۔ ۲۴ اپریل ۱۹۶۱ء کو میئر آف فری ٹاؤن (MR. A.F. RAHMAN) وزیراعظم سیرالیون اور آنریبل کانڈبورے منسٹر آف ورکس اور آنریبل مسٹر ڈائی ڈی سیسے اور آنریبل پیرامونٹ چیف بُو اور پارلیمنٹ کے دوسرے ممبروں سے ملاقات کا موقعہ ملا۔ ہر ایک نے احمدیہ جماعت اور احمدی مجاہدین کی انتھک کوششوں کی تعریف کی اور شیخ صاحب کی گفتگو سے بہت متاثر ہوئے۔ ۲۵ اپریل ۱۹۶۱ء کو سیرالیون کے چیف جسٹس (MR JUSTICE S.A. BANKA-COKER) نے آپ کو ایک پارٹی میں مدعو کیا۔ اس پارٹی میں آپ نے سیرالیون کے ججوں اور بیرونی ممالک کے ججوں سے تبادلہ خیالات کیا۔[3] ۲۷ اپریل ۱۹۶۱ء کو آپ نے حکومت سیرالیون کے تمام وزراء اور بیرونی نمائندوں (جن میں ایک روسی نمائندے بھی شامل تھے) سے ملاقات کی۔ شیخ صاحب نے نصف گھنٹہ

۱؎ ۔ الفضل ۳۰ اگست ۱۹۵۹ء صفحہ ۳ کالم ۲-۳ ۔ ۲؎ ۔ الفضل ۱۸ جون ۱۹۶۱ء صفحہ ۳ کالم ۴

۳؎ ۔ الفضل ۱۸ جون ۱۹۶۱ء صفحہ ۴

تک اشتراکیت اور اسلامی اصولوں پر گفتگو کی۔ ۲۸ر اپریل ۱۹۶۱ء کو آپ نے مسلمانوں کے نام ایک پیغام ریکارڈ کرایا جو اسی شام نشر ہوا۔ اسی روز فری ٹاؤن مشن کی طرف سے آپ کے اعزاز میں ایک پارٹی دی گئی۔ جس میں مسلم کانگرس کے صدر الحاج بخاری اور بعض دوسرے معززین شریک ہوئے۔ محترم شیخ صاحب کافی دیر تک اُن سے تبادلہ خیالات کرتے رہے اور سوالوں کے جوابات دیتے رہے۔

یکم مئی ۱۹۶۱ء کو آپ نے برٹش کونسل ہال میں تبلیغی لیکچر دیا۔ اس اہم لیکچر کی خبر ریڈیو سیرالیون پر نشر ہوئی اور اخبار "ڈیلی میل" میں بھی اس پر ایک نوٹ شائع ہوا۔ ۳ر مئی ۱۹۶۱ء کو آپ نے وزیر اعظم سیرالیون سے ملاقات کی اور تعلیمی و مذہبی امور پر بات چیت کی۔ اس گفتگو کے بعد آپ کی ملاقات گورنر جنرل سیرالیون سے ہوئی۔ گورنر جنرل آپ کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے۔

غرضیکہ شیخ بشیر احمد صاحب نے اپنے قیام سیرالیون کے دوران حکومت کے اعلیٰ طبقوں تک حق کی آواز پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ شیخ بشیر احمد صاحب دینی و تبلیغی خدمات بجا لانے کے بعد ۴ر مئی ۱۹۶۱ء کو سیرالیون سے بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہوئے۔ اور حج بیت اللہ کے بعد ۳۱ر مئی ۱۹۶۱ء کو لاہور تشریف لے آئے۔

مشن ہاؤس دار التبلیغ سیرالیون کی تاریخ پر روشنی ڈالنے کے بعد ہم اس کے بعض دوسرے اہم کوائف بیان کرتے ہیں۔ سیرالیون میں دو مقامات پر مشن ہاؤس قائم ہیں۔

(۱) بو۔ (۲) فری ٹاؤن (دو مشن ہاؤس ہیں ایک مسجد سے ملحق اور ایک نیا ماڈل ٹاؤن میں جس کا سنگِ بنیاد صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے ۱۹۶۵ء میں رکھا)

سیرالیون کے احمدیوں کی تعداد تازہ اعداد و شمار کے مطابق سیرالیون میں احمدیوں کی تعداد ۱۰ ہزار کے قریب ہے۔ منظم جماعتوں کی تعداد اور اُن کے نام یہ ہیں:-

فری ٹاؤن۔ بو۔ روکوپر۔ ملگبورکا۔ بولیجے بو۔ باڈو۔ قالہ۔ بلاما۔ سیرالیو۔ ڈالیہون۔ لیوما۔ مماجو۔ جمی بامبو۔ باندا جمہ سوڈا۔ پوٹے ہون۔ مانوکوٹوہون۔ کیبیما۔ بوآبو۔ ٹانیباہون۔ بونگو۔ مونگیرے۔ بیجاؤن۔ موبیماٹونگیا۔ پانگوما۔ موینڈو۔ ماباڈماں۔ باڈماہون۔ جالہ۔ مینڈے وا۔ تیاما۔ لاگو۔ پایندرائے بو۔ کونیا۔ ہانگا۔ موٹی۔ بونگور۔ باڈماں۔ سیاؤں۔ ینگورنالا۔ ٹونگو فیلڈ۔ گیہون۔ بائیسما۔ سگبیما ل۔ ڈارو۔ بمباؤں۔ کامبیما۔ کامارو۔ مانووا۔ ٹومبوما۔ میکہ بیہا۔ بالاہون۔ جامہ۔ لیمی۔ ڈوڈا بو۔ ٹوباندا۔ بوتی بانا۔

کمرا باٸی ۔ ماٸوٹوکا ۔ مکابو ۔ مکالی ۔ ماسنگبی ییلیے ۔شنیگی ۔ روٹی فونک ۔کبالہ ۔ ماجبوما "

احمدیہ مساجد سیرالیون کے مندرجہ ذیل مقامات پر احمدیہ مساجد تعمیر ہو چکی ہیں :۔
فری ٹون ۔ بو ۔ باڈو ۔ فالا ۔ بالاہون ۔ مپرابو ۔ پوٹے ہون ۔ مانوکوٹوہون ۔ بوابو ۔
ٹانیتاڈن ۔ بونگوڈوہون ۔ بلاما ۔ لواجے بواور لیٹر ۔

تعلیمی ادارے آجکل سیرالیون میں مندرجہ ذیل احمدیہ سکول کامیابی سے چل رہے ہیں :۔

۱ ۔ بُو احمدیہ پرائمری سکول ۔ یہ سکول ۱۹۴۶ء میں مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کے ذریعہ جاری ہوا ۔ STD VI تک اس میں تعلیم دی جاتی ہے ۔

۲ ۔ مگبورکا سکول ۔ یہ بھی مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کے ذریعہ شروع ہوا ۔ STD VI تک اس میں تعلیم دی جاتی ہے ۔

۳ ۔ روکوپر احمدیہ پرائمری سکول ۔ یہ الحاج مولوی نذیر احمد علی صاحب مرحوم کے ذریعہ ۱۹۳۸ء میں شروع ہوا ۔ اور STD VI تک اس میں تعلیم دی جاتی ہے ۔

۴ ۔ فری ٹاؤن پرائمری سکول ۔ مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کے ذریعہ ۱۹۵۸ء میں شروع ہوا ۔ اور اور اس میں STD VI تک بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے ۔

۵ ۔ مکا عثمانی پرائمری سکول ۔ یہ ملک غلام نبی صاحب کے ذریعہ سے ۱۹۵۹ء سے شروع ہوا ۔ اور STD V تک اس میں تعلیم دی جاتی ہے ۔

۶ ۔ باڈماہون پرائمری دوبارہ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی کے ذریعہ ۱۹۵۹ء میں شروع ہوا ۔

۷ ۔ بواجیبو پرائمری سکول ۔ یہ مولوی شیخ نصیرالدین احمد صاحب کے ذریعہ ۱۹۶۰ء میں شروع ہوا ۔

۸ ۔ لونسر پرائمری سکول ۱۹۶۰ء میں شیخ نصیرالدین احمد صاحب کے وقت شروع ہوا ۔

۹ ۔ ۲۷ میل[1] پرائمری سکول ۔ یہ ۱۹۶۰ء میں شیخ نصیرالدین احمد صاحب کے وقت شروع ہوا ۔

۱۰ ۔ مسلائی سوکو پرائمری سکول ۱۹۶۰ء " " " " ۔

۱۱ ۔ کبالہ سکول مولوی عبدالقدیر صاحب شاہد کے ذریعہ قائم ہوا ۔

۱۲ ۔ سرکپولیا پرائمری سکول ۔ ملک غلام نبی صاحب کے ذریعہ ۱۹۶۲ء میں شروع ہوا ۔

۱۳ ۔ رکن احمدیہ پرائمری سکول ۱۹۶۲ء میں مولوی بشارت احمد صاحب بشیر امیر انچارج سیرالیون کے ذریعہ شروع ہوا ۔

---

[1] اس مقام کا انگریزی میں نام ۲۷ MALIE ہے ۔

۱۴- روسینو احمدیہ پرائمری سکول ۱۹۶۲ء میں مولوی بشارت احمد صاحب بشیر کے ذریعہ شروع ہوا۔

۱۵- بلاما۔ احمدیہ پرائمری سکول " " " " " -

۱۶- ٹیناؤں احمدیہ پرائمری سکول " " " " " -

۱۷- فری ٹاؤن احمدیہ سیکنڈری سکول ۱۹۶۴ء میں مولوی بشارت احمد صاحب بشیر امیر و مبلغ انچارج کے ذریعہ قائم ہوا۔

۱۸- بو احمدیہ سیکنڈری سکول ۱۹۶۰ء میں شیخ نصیر الدین احمد صاحب کے ذریعہ قائم ہوا۔ اور اسوقت سے لے کر جولائی ۱۹۶۲ء تک وہ خود ہی پرنسپل رہے۔ اس کے بعد جولائی ۱۹۶۲ء سے ستمبر ۱۹۶۳ء تک چوہدری سمیع اللہ سیال صاحب[1] ایم۔اے پرنسپل رہے۔ آپ کے بعد ستمبر ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۷ء تک مرزا حنیف احمد صاحب[2] بی۔اے۔ ایل ایل۔بی کی زیر قیادت چلتا رہا۔ اس سکول میں محترم صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب کے علاوہ جناب منور احمد صاحب ایم۔ایس۔سی۔ جناب حمید اللہ ظفر صاحب ایم۔اے۔ جناب مرزا ناصر احمد صاحب بی۔اے۔ بی ایڈ۔ جناب رشید احمد صاحب ایم۔اے۔ اور مبارک احمد علی صاحب بی۔ایس۔سی اور سجاد حیدر صاحب بھی کام کر رہے ہیں یا کر چکے ہیں۔

سیرالیون کے بعض مخلصین

جماعت سیرالیون کے مخلص ترین احمدیوں کے نام درج ذیل ہیں:-
۱- پاہ سانتگی بکرے آف ردکوپر ضلع کا بیا۔ ۲- السید حسن محمد ابراہیم ۱۹۳۹ء میں باڈو موبوں میں احمدیت قبول کی۔ ۳- الحاج علی روجرز آف بو۔ ۴- پاہ سعید ڈبنگورا آف بو۔ ۵- السید امین خلیل سکیکی بیلی۔ سیرالیون مشن کی ابتدائی مشکلات اور تنگی کے وقت انہوں نے سلسلہ کی ہزاروں روپیہ کے ساتھ مدد کی۔ ہر وقت ان کو اسلام کی مدد کے لئے تیار پایا۔ خدا تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے۔ آمین۔ ۶- السید مصطفےٰ حدرج آف بیلی۔ ۷- پاہ کالی سانکو آف مگبورکا۔ ۸- مصطفےٰ آدم آف مگبورکا۔ ۹- پیراموٹ چیف الحاج الماحی مسعوری آف مکالی۔ ۱۰- پاہ سنفا آدم آف مگبورکا۔ ۱۱- پیراماؤنٹ چیف ناصر الدین گامانگا آف بولبجے بو۔ ۱۲- پاہ[3]۔ ٹی۔بی کو لیکا آف باڈو۔ ۱۳- چیف۔ وی۔ وی کالون یہ وہ چیف ہیں جنہوں نے قرآن مجید کا مینڈے زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ ۱۴- پاہ علی مانسر آف فری ٹاؤن۔ ۱۵- پاہ عمارا کانو فری ٹاؤن۔ ۱۶- بائی ٹورے فری ٹاؤن۔ ۱۷- امام عبد اللہ کول۔ ۱۸- مسٹر محمد بشیر آف فری ٹاؤن۔ ۱۹- مسٹر ایم۔ ایس دربن آف فری ٹاؤن۔ ۲۰- الفاعمارا ادریس آف جاہاجو۔ ۲۱- مسٹر

۱- روانگی از ربوہ ۲۴ راکتوبر ۱۹۶۰ء واپسی یکم جولائی ۱۹۶۳ء ۲- پہلی بار روانگی از ربوہ
۳- پاہ کا لفظ احتراماً سیرالیون میں جناب کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

عبدل گامانگا آف بواجےبو ۔۲۲۔ الفا الحسینی فیکا امام آف سیرابو ۔۲۳۔ محمد عبداللہ امام باڈو ۔۲۴۔ حاجی سبیسے آف پون بانا ۔۲۵۔ الفا یحیٰی کمارا آف رو کوپر ۔ ۲۶۔ پاہ وانڈی کرما پاہ صالحو کونے پاہ سنسی کمارا ۔ بیڈم ٹونگیار۔

لٹریچر دار التبلیغ سیرالیون کی طرف سے مینڈے زبان میں مندرجہ ذیل لٹریچر طبع ہو چکا ہے :۔
(۱) لائف آف محمدؐ ۔ تالیف حکیم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم ۔ (۲) "میں اسلام کو کیوں مانتا ہوں" (ترجمہ مینڈے مضمون سیدنا خلیفۃ المسیح الثانیؓ) ۔ (۳) ۔ نماز ۔ ترجمہ پارہ اوّل قرآن مجید ۔ اسکے علاوہ انگریزی زبان میں مندرجہ ذیل پمفلٹ بھی شائع ہوئے :۔

(۱) "A CHALLENGE TO U.B.C. MISSION" (مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری)

(۲) "A COMPLIMENTARY LETTER TO THE ARCHBISHOP OF CANTERBUAY" (مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری)

(۳) "DO YOU WANT TO KNOW" (" " " ")

(۴) "WHAT IS ISLAM" (مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیل)

(۵) "MUSLIM CATECHISM" (" " " ")

اسلامک بُک ڈپو مولوی بشارت احمد صاحب بشیر نے ۱۹۶۳ء میں ایک بُک شاپ "اسلامک بکڈپو" کے نام سے جاری کی جس میں سٹیشنری ۔ سکول کی کتابوں کے علاوہ سلسلہ کی ضروری کتب موجود رہتی ہیں۔

فروغ احمدیت کے اسباب میں خدائی نشانات کا نمایاں حصہ ملک سیرالیون میں احمدیت کی اشاعت و فروغ کے اسباب و محرکات میں مبلغین احمدیت کی مجاہدانہ جدوجہد احمدیان سیرالیون کی قربانیاں اور مصائب و مشکلات[۱] کا مردانہ وار اور مومنانہ روح سے مقابلہ، اُن کا ذاتی کردار اور نمونہ اور جماعت کی تعلیمی درسگاہوں کو خدا کے فضل سے بہت عمل دخل ہے۔

---

[۱] ۔ جن جماعتوں نے احمدیت کی خاطر بہت مصائب اور مشکلات برداشت کیں اُن کے نام درج ذیل ہیں :۔
۱۔ جماعت مانڈوا ضلع کیلاہون ÷ ۲۔ جماعت پوٹے ہون ضلع کینما ÷ ۳۔ جماعت مانو گوٹوہون ضلع کینما ÷
۴۔ " جوئی " کینما ÷ ۵۔ " باڈو " ÷ ۶۔ " بوابوا تا نیناڈوں " ÷
۷۔ " بوادر باڈ ماہوں ضلع بو ÷

مگر اس مُلک میں احمدیت کی ترقی میں شروع ہی سے قبولیت دُعا، رویاء و کشوف کا نمایاں حصّہ رہا ہے۔ ان آسمانی نشانات کا سلسلہ حیرت انگیز طور پر وسیع ہے۔ اور اب تک جاری ہے۔ بطور نمونہ چند ایمان افروز واقعات کا بیان کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

پہلا واقعہ

مولوی نذیر احمد علی صاحب ۱۹۳۹ء کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"باؤماہوں سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر پہاڑی علاقہ میں ایک ریاست واقع ہے۔ جسے گورانا کہتے ہیں۔ ریاست کے رئیس اعلیٰ یعنی PARAMOUNT CHIEF ٹونگے نامی گاؤں میں رہتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے ٹونگے کو ریاست کا صدر مقام کہا جاتا ہے۔ ستمبر کے مہینہ میں خاکسار باؤماہوں سے چار مزدوروں کے ہمراہ جنہوں نے میرا سامان اٹھایا ہوا تھا۔ پیدل ٹونگے پہنچا۔ باؤماہوں کے چند مخلصین بھی میرے ہمراہ تھے۔ چیف کا نام باؔیو (BAYO) ہے۔ جو پہلے مُشرک اور نیم عیسائی تھا اور دس سال کے عرصہ سے عیسائی مبلغین اس کے ہاں کام کر رہے تھے۔ یہ چیف ایک نہایت پرانی اور خطرناک بیماری میں مُبتلا تھا جس کے علاج پر وہ ہزاروں روپیہ برباد کر چکا تھا۔ مَیں نے یہاں آکر بہت سے لیکچر دیئے۔ لیکن چیف ہمیشہ اپنی بیماری کا قصہ چھیڑ دیتا اور اس ملک کے علماء کے طریق کے مطابق مجھ سے کسی مؤثر تعویذ کا مطالبہ کرتا اور کہتا کہ جس قدر بھی خرچ ہو وہ ادا کرنے کیلئے تیار ہے۔ مَیں نے اسے احمدیت کی دعوت دی اور حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کو دُعا کیلئے لکھنے کا وعدہ کیا چنانچہ اس نے نہایت اخلاص سے احمدیت قبول کی اور ابھی ہمارا خط حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پہنچا بھی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غیر معمولی فضل سے نہایت معمولی سی دوا کے ذریعہ جو میرے پاس موجود تھی اسے شفاء عطاء کر دی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک[1]۔

دوسرا واقعہ

مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری تحریر فرماتے ہیں:۔

"۱۹۴۰ء میں سیرالیون مغربی افریقہ کے ایک عیسائی نوجوان K. GAMANGA جو کہ اپنی ریاست کے شاہی خاندان کے فرد تھے۔ اسلام قبول کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ ۱۹۴۲ء میں ان کی ریاست کے نواب یعنی اُس نوجوان کے چچا کے فوت ہونے پر وہ خود اس عہدہ کے حصول کیلئے بطور امیدوار کھڑے ہوئے اور مجھ سے اپنی کامیابی کیلئے دُعا کرنے کی درخواست کی۔ مَیں نے انہیں کہا کہ ہم اس شرط پر سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمتِ عالیہ میں دُعا کیلئے عرض کریں گے اور خود بھی

---

[1] ۔ اخبار الفضل ۲۲ر ستمبر ۱۹۴۰ء صہ ۴۔

دعا کریں گے کہ آپ پختہ عہد کریں کہ آپ گذشتہ نوابوں کے تتبع میں چار سے زیادہ ایک وقت میں بیویاں نہیں رکھیں گے۔ اور اپنے علاقہ کے عیسائیوں کا مقابلہ کر کے اسلام پھیلانے اور مضبوط کرنے میں ہماری مدد کریں گے۔ اور اپنے قصبہ میں مسجد اور اسلامیہ سکول ریاست کے خرچ پر تعمیر کریں گے۔ چنانچہ اُن کے یہ شرطیں قبول کر لینے پر خاکسار نے حضور پُرنور کی خدمت میں مفصل طور پر عرض کیا کہ حضور ان کی کامیابی کیلئے دُعا فرمائیں۔ نیز لوکل احباب میں بھی دُعا کی تحریک کی۔ حضور کی طرف سے الیکشن کے ایک ہفتہ قبل جواب ملا کہ "ہم نے دُعا کی ہے اللہ تعالیٰ اُنہیں کامیاب کریگا انشاء اللہ تعالیٰ"۔ مَیں نے گامانگا صاحب کو قبل از وقت اطلاع دیدی اور اُنکی تسلی کیلئے حضور کی طرف سے آمدہ چِٹھی بھی دکھادی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے باوجود سخت مخالف حالات کے وہ سات امیدواروں کو شکست دیکر اپنی ریاست کے نواب یا چیف منتخب ہو گئے۔"[1]

تیسرا واقعہ روکوپر کے ایک احمدی دوست الفا احمد کمارا کا بیان ہے کہ

"۱۹۳۶ء میں جبکہ میں روکوپر سے منتقل ہو کر روفو نبو نامی گاؤں میں رہائش رکھتا تھا۔ ایک رات نمازِ تہجد کے بعد کچھ دیر کیلئے لیٹ گیا اس حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ دو شخص سفید ریش لمبے لمبے چوغوں میں ملبوس جنکے سروں پر عمامے ہیں۔ میرے پاس آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مشرق سے آئے ہیں اور تمہیں یہ بشارت دیتے ہیں کہ جس مہدی کا دیر سے انتظار تھا وہ ظاہر ہو چکا ہے۔ سو اٹھو اور اپنے اصل گاؤں میں جا کر لوگوں کو یہ خوشخبری سُنا اور انہیں نماز کی پابندی کی تلقین کر۔ اگر لوگوں نے اس بات پر کان نہ دھرا تو وہ خدائی سزا کے مستوجب ہو نگے اس پر میری آنکھ کھل گئی...... اس واقعہ کے چار سال بعد الحاج مولوی نذیر احمد علی صاحب مرحوم تشریف لائے جنہیں دیکھتے ہی الفا شیخنا امام مسجد نے کہا کہ مسٹر احمد آپکی خواب پوری ہو گئی۔ کیونکہ الحاج مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کا لباس و پیغام بعینہٖ وہی ہے جو مجھے خواب میں دکھایا گیا۔ اس موقعہ پر نہ صرف خاکسار کو بلکہ ایک کثیر تعداد کو ہدایت نصیب ہوئی۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت اس عاجز کو مہدی علیہ السلام کے ظہور کی خبر سے نواز کر ایک گرانقدر احسان کیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔"[2]

چوتھا واقعہ مگبورکا کے ایک احمدی دوست پا سانفا تو لا پر عجیب رنگ میں رؤیا کے ذریعہ احمدیت کی صداقت کا انکشاف ہوا۔ چنانچہ اُن کا بیان ہے کہ

"ایک موقعہ پر جبکہ مَیں بادُماں نامی گاؤں میں رہائش رکھتا تھا مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں وہاں کی مالکیہ مسجد کے

---

[1] آجکل مذکورہ بالا چیف آنریبل ناصر الدین کے گامانگا جے پی ایم پی ای سیرالیون پارلیمنٹ کے ممبر اور سیرالیون کی PRO - DUCE AND MARKETTING BOARD کے ڈائریکٹر ہیں اور جماعت احمدیہ سیرالیون کے پریذیڈنٹ بھی آپ خدا کے فضل سے نہایت مخلص نوجوان ہیں۔ ناصر الدین ان کا نام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ہی رکھا تھا۔

[2] الفضل ۱۱ جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ کالم ۱ تا ۳۔

اردگرد سے گھاس اکھاڑ رہا ہوں اور کچھ دیر کے بعد کچھ تھکان محسوس کرنے پر مَیں مسجد کے قریب ہی ایک پام کے درخت تلے کچھ سستانے کے لئے کھڑا ہوگیا - اسی اثنا میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے کی جانب سے ایک سفید رنگ کے اجنبی دوست ہاتھ میں قرآن کریم اور بائیبل پکڑے میری طرف آرہے ہیں - میرے قریب پہنچ کر سب سے پہلے ہدیہ السلام علیکم پیش کیا - اور پھر مجھ سے دریافت کیا کہ جس مسجد کے اردگرد سے مَیں گھاس صاف کر رہا تھا اُس کا امام کون ہے - مَیں اُس سے ملنا چاہتا ہوں - اس پر مَیں نے آپ سے چند منٹ کی رخصت لی اور امام کو بلانے کے لئے چلا گیا - جس کا نام الفا تھا - ہماری دونوں کی واپسی پر ہم یہ دیکھ کر سخت متعجب ہوئے کہ مسجد کے باہر ایک سایہ دار کھڑکی تیار ہو چکی ہے اور وہ اجنبی شخص خود امام کی جگہ پر محراب میں کھڑا ہے - ہمیں دیکھتے ہی اُس نے حکم دیا کہ ہم اُس سایہ دار جگہ میں بیٹھ کر اُسے قرآن کریم سنائیں - اس کے بعد ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ وہ اجنبی دوست مسجد سے نکل کر ہمارے پاس آئے اور امام سے مخاطب ہو کر کہا کہ مَیں تمہیں صحیح طریق نماز سے آگاہ کرنے آیا ہوں - اس پر میری آنکھ کھل گئی اور صبح ہوتے ہی مَیں نے اس کا ذکر اپنے مسلمان دوستوں سے کر دیا - (یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ سیرالیون میں تمام مالکی مسلمان ہاتھ چھوڑ کر نماز ادا کرتے ہیں - جیسے ہمارے ملک میں شیعہ صاحبان پڑھتے ہیں) اس خواب کے قریباً ایک ہفتہ بعد صبح کے وقت مَیں نے اپنا کدال لیا اور اپنی مالکیہ مسجد کا گردونواح صاف کرنے لگا - قریباً نصف گھنٹہ کے کام کے بعد مَیں نے کچھ تھکان محسوس کی اور قریب ہی ایک پام کے درخت کے نیچے آرام کرنے کیلئے کھڑا ہوگیا - ابھی چند ہی منٹ گذرے تھے کہ کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے سے الحاج مولوی نذیر احمد صاحب علی مرحوم تشریف لا رہے ہیں - آپ نے قریب آنے پر مجھے السلام علیکم کہی اور رہائش کیلئے جگہ وغیرہ دریافت کی - میرے لئے یہ ایک نہایت ہی تعجب انگیز بات تھی کہ جو خواب میں ابھی چند یوم پہلے دیکھ چکا تھا بعینہٖ آج پوری ہو رہی تھی - یعنی الحاج مولوی نذیر احمد علی صاحب مرحومؓ ہی وہ دوست تھے جو مجھے خواب میں دکھائے گئے تھے - سو میرے لئے ایسے مہمان کی خدمت ایک خوش قسمتی تھی - لہٰذا مَیں نے آپ کو کسی اور کے پاس جانے کی اجازت نہ دی - بلکہ اپنا گھر خالی کر کے رہائش کیلئے پیش کر دیا - اسکے بعد مَیں اپنے مسلمان دوستوں کے پاس گیا اور انہیں بتایا - کہ جو کچھ مَیں نے خواب میں دیکھا تھا وہ پورا ہو گیا ہے - یعنی وہ دوست تشریف لے آئے ہیں - اور میرے گھر میں تشریف رکھتے ہیں - اسکے بعد میری اور الحاج مولوی نذیر احمد علی صاحب مرحوم کی تبلیغ پر

اِس گاؤں کے اکثر مسلمانوں کو احمدیت قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی - اور اُس وقت سے بفضلِ تعالیٰ احمدی ہوں " [1]

پانچواں واقعہ موضع بلاما (BLAMA) کے ایک احمدی الفافوڈے موسیٰ کرنوما تحریر کرتے ہیں :-

"جبکہ مَیں ابھی عین جوانی کی حالت میں تھا اور پنڈمبو (PENDEMBU) نامی گاؤں میں رہائش رکھتا تھا۔ ایک روز دوپہر کے وقت جبکہ میں قیلولہ کر رہا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت وجیہہ شکل فرشتہ صورت انسان میرے پاس آئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ میں ہی وہ مہدی ہوں جس کی فی زمانہ مسلمانوں کو انتظار ہے۔ اس پر مَیں نے سوال کیا کہ کیا آپ فی الواقعہ صحیح کہہ رہے ہیں کہ آپ ہی موعود مہدی ہیں۔ جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ہاں مَیں سچ کہتا ہوں کہ میں ہی مہدی موعود ہوں - پھر مَیں نے کہا کہ ہم نے اپنے علماء سے سُنا ہوا ہے کہ مہدی علیہ السلام کے وقت مسلمانوں اور کفار کے درمیان جنگ ہوگی سو آج سے مَیں آپ کے سپاہیوں میں شامل ہوتا ہوں - اور اس راستہ میں اگر میرا باپ بھی حائل ہوا تو اسکی بھی کوئی پرواہ نہیں کروں گا۔ میرے اس اقرار پر حضرت مہدی علیہ السلام نے سوال کیا کہ کیا تم نے صدقِ دل سے یہ اقرار مجھ سے کیا ہے ؟ جس کا جواب مَیں نے اثبات میں دیا اور اسکے بعد میری آنکھ کھل گئی - اس رویاء پر ایک کافی لمبا عرصہ گذر گیا - مگر مہدی کے ظہور کی کوئی خبر موصول نہ ہوئی - حتیٰ کہ آہستہ آہستہ یہ خواب بھی میرے ذہن سے محو ہو گئی۔ کچھ مدت کے بعد میں پنڈمبو سے منتقل ہو کر بلاما چلا آیا اور وہاں کے پیراموئنٹ چیف کے کمپاؤنڈ میں رہائش اختیار کر لی - اس گاؤں میں میری رہائش پر ابھی چند ہی سال گذرے تھے کہ الحاج مولوی نذیر احمد صاحب علی اور مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری بلاما تشریف لائے اور لوگوں کو ظہور مہدی علیہ السلام کی بشارت دی - مَیں اُس وقت وہاں موجود نہیں تھا - بلکہ چند یوم کے لئے کسی ذاتی کام کے ضمن میں اس کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں مقیم تھا - جب یہ مبشرین بلاما پہنچے وہاں سے الفاموسیٰ کمارا نے فوراً میری ایک بیوی میرے پاس بھیجی تاکہ مجھے تمام حالات سے آگاہ کر سکے - چنانچہ میری بیوی نے مکمل واقعات سے مجھے مطلع کیا اور حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کی خبر سُنتے ہی مَیں نے بجائے بلاما جانے کے وہاں ہی خدا تعالیٰ کے حضور دُعا شروع کر دی کہ اسے خداوند تعالیٰ تیری ذات عالم الغیب ہے - سو اگر ان لوگوں کا پیغام واقعی صداقت پر مبنی ہے - اور مہدی علیہ السلام فی الواقع ظہور فرما چکے ہیں - جیسا کہ ان کا کہنا ہے تو تُو خود ہی میری راہنمائی فرما - تاکہ ایسا نہ ہو کہ

---

[1] - الفضل ۱۱ر جولائی ۱۹۵۶ء صہ ۳ و صہ ۴ کالم ۴ - ۱ +

میں اِس سعادت سے محروم رہ کر منکرین میں داخل ہو جاؤں - چند یوم متواتر میں نے یہ دُعا کی - اس پر ایک رات کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص جس کے ہاتھ لمبے لمبے ہیں اور براؤن رنگ کا چوغہ پہنے ہوئے ۔ میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہنے لگے - میں مہدی ہوں اور تم اپنی پہلی خواب کو یاد کرو جبکہ تم نے صدق دل سے میرے ساتھ عہد کیا تھا کہ آج سے تم میرے سپاہیوں میں داخل ہو رہے ہو - سو اس وعدے کو مت بھولو - اس کے بعد اس شخص کے ہاتھ لمبے ہوتے چلے گئے اور میں اُن سے دُور ہوتا چلا گیا - اور آخر اُن میں اور مجھ میں کافی فاصلہ ہو گیا مگر اُن کا ہاتھ ابھی تک میرے ہاتھ میں تھا - اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی - اس کے بعد مجھے کامل انشراح صدر حاصل ہو گیا - اور مزید تحقیق کی ضرورت پیش نہ آئی - اور صبح ہوتے ہی سیدھا بلاما گیا اور الحاج مولوی نذیر احمد صاحب علی[۲] اور مولوی محمد صدیق صاحب سے مل کر احمدیت قبول کرنے کی سعادت حاصل کی" [۱]

دارالتبلیغ سیرالیون کی اسلامی خدمات دوسروں کی نظر میں

دارالتبلیغ سیرالیون کے قیام کی تاریخ نامکمل رہے گی اگر ہم بالآخر یہ نہ بتائیں کہ احمدیہ دارالتبلیغ سیرالیون کی شاندار دینی و ملّی خدمات اور اس کے عظیم الشان مذہبی اور علمی انقلاب کی نسبت دوسروں کے تاثرات کیا ہیں؟ - اس ضمن میں ضروری آراء بطور نمونہ درج کی جاتی ہیں -

۱- آنریبل ایم - ایس مصطفٰے وزیر زراعت و معدنیات نے بیان دیا کہ :-

"گو میں مالکی سکول آف تھاٹ کا مسلمان ہوں اور احمدی نہیں ہوں مگر ان احمدی مبلغین کی مساعی کو دیکھکر اور ان کی بے لوث قربانیوں کی وجہ سے ہمیشہ ان کا مداح رہا ہوں - اور جس رنگ میں بھی میں ان کے اس مقدس کام میں ان کا ہاتھ بٹا سکتا ہوں بٹاتا رہا ہوں - افسوس ہے مسلمان سیرالیون کے اس سیکشن کے . . . . راستہ میں مخالفانہ روڑے اٹکاتے ہیں"

"یہ وہ نوجوان ہیں جنہوں نے اِس خطہ سیرالیون میں اسلامی نُور کی شعاعوں کو تیز تر کر کے ہمیں جگا دیا ہے - یہ لوگ تقریباً عرصہ ۲۰ سال سے مصائب و مشکلات برداشت کرتے ہوئے اس ملک کی دینی اور تعلیمی حالت کو بہتر بنانے میں مشغول ہیں - آپ نے فرمایا پھر یہ امر بھی قابل قدر و ستائش ہے کہ ان نوجوان مشنریوں کی انتھک خدمات صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں اور انہیں تک محدود نہیں بلکہ یہ لوگ ہر ایک کا بھلا چاہتے اور خدمتِ خلق کا جذبہ ان کے ہر کام اور سکیم میں نمایاں نظر آتا ہے -

---

[۱] - الفضل یکم نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ و صفحہ ۸ +

تعلیمی لحاظ سے اس ملک کے سینکڑوں بچے ان کے سکول میں پڑھ کر اور ان کے زیر تربیت رہ کر بہترین شہری بن چکے ہیں۔ اور ملک کے ہر شعبہ اور محکمہ میں پائے جاتے ہیں۔" [1]

۲۔ پیرا مونٹ چیف آف بو[2] نے سیرالیون کی احمدیہ کانفرنس (منعقدہ ۱۳ تا ۱۵ دسمبر ۱۹۵۷ء) کو خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

"آپ سب لوگ اس امر کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں ایک کیتھولک چرچ کا عیسائی ممبر ہوں۔ مگر اس کے باوجود وہ کونسی چیز ہے جو مجھے اکثر اوقات جماعت احمدیہ کے مختلف اجتماعوں میں رواں دواں کھینچ لئے آتی ہے۔ یہ چیز سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ آپ لوگ ایک فعّال جماعت ہیں اور جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں۔ اور میں ایک ایسا انسان ہوں جو قول سے زیادہ عمل کو حیثیت اور وقعت دیتا ہوں'۔ ..... میں خوش ہوں کہ یہ جماعت یعنی جماعت احمدیہ میرے شہر اور میری چیفڈم میں ترقی کر رہی ہے۔ احمدیہ مبلّغین کا میں اس وجہ سے بہت احترام کرتا ہوں کہ وہ عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں بہترین استاد ثابت ہوئے ہیں اور ان کے ذریعہ یہ دونوں زبانیں ہمارے ملک میں روبہ ترقی ہیں"۔ [3]

۳۔ سیرالیون گورنمنٹ کے وزیر آبادکاری اور پبلک ورکس آنریبل چیف کانڈے بوئے۔

"ہر وہ انسان جو کسی دُور دراز کے ملک سے کسی دُور دراز ملک میں جاتا ہے اس کی مدّ نظر کچھ وجوہ اور مقاصد ضرور ہوتے ہیں۔ بلکہ ہر اجنبی جو کسی دوسرے مقام سے آتا ہے۔ اس کی آمد کے لئے کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔ یہ احمدیہ مشنری جنہیں آج ہم اپنے درمیان دیکھ رہے ہیں۔ یہ بھی ایک خاص غرض اور خاص مقصد کے پیش نظر یہاں آئے۔ وہ غرض اور مقصد کیا تھی؟ وہ اسلام کی اس ملک میں ڈگمگاتی ہوئی کشتی کی ناخدائی تھی۔ دیکھنے اور سُننے والوں نے دیکھا اور سُنا۔ بعض نے ان پر ہنسنا شروع کر دیا۔ اور شدید مخالفت کی۔ بعض نے ایک حد تک توجہ بھی دی۔ لیکن محض سُننے کی حد تک اور بعض نے سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا۔ کیونکہ اس وقت کہ جب ان کے پہلے احمدیہ مشنری الحاج نذیر احمد علی صاحب رضی اللہ عنہ مرحوم نے سرزمین سیرالیون پر قدم رکھا۔ یہ زمین عیسائیت سے انتہائی طور پر متاثر تھی اور لوگ سمجھتے تھے کہ اسلام کو عیسائیت کے مقابل پر دیکھنا یا کھڑا کرنا اب ناممکن اور محال ہے۔ لیکن چند اسلام کے محبّوں نے اس مبلّغ کی دعوت پر توجہ دی۔ اور لبیک کی صدا بلند کی۔ آج کچھ بہت عرصہ نہیں گزرا کہ مذہبی احمدیت یا حقیقی اسلام جس کے متعلق اس وقت یعنی آج سے تقریباً بیس سال

---

[1] بحوالہ الفضل ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۶ء ص ۳-۴ ۔ [3] الفضل ۱۲ مارچ ۱۹۵۸ء ص ۳-۴ ۔

[2] نام۔ چیف بوما نگوا۔

قبل یہ سمجھا جاتا تھا۔ کہ ایک چھوٹا سا پودا ہے۔ جو چند یوم کے بعد اپنی موت خود مر جائے گا۔ وہی پودا آج پنپ رہا ہے۔ اور اپنی جڑوں کو اس مضبوطی سے سرزمین سیرالیون میں پیوست کر چکا ہے۔ کہ اب خطرناک سے خطرناک آندھی بھی اس کو اُکھاڑنے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ آپ نے فرمایا۔ احمدیت نے ان چند سالوں میں باوجود مخالفت کی آندھیوں اور نا مساعد حالات کے جو غیر معمولی اور حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ یہ اس امر کا پیش خیمہ ہے۔ کہ ایک بڑا انقلاب جلد ہی احمدیت کے ذریعہ اس ملک کی کایا پلٹ دینے والا ہے۔ اور وہ وقت کوئی بہت دُور نہیں جب سیرالیون کا ہر فرد لوائے احمدیت کے نیچے کھڑا ہو کر اسلام اور توحید کا نعرہ بلند کر رہا ہو گا۔ گو آج اس دعویٰ کو مجنون کی بڑ ہی سمجھا جائیگا۔ اور اس پر طاقتور عیسائی مشن ہنسی اُڑائیں گے"۔ لہ

"مَیں عام احمدیوں کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر میرے ذریعہ میرے خاندان اور قبیلے کے کئی آدمی احمدی ہوئے ہیں۔ میرے قبیلے کے ان لوگوں میں احمدیت نے جو اخلاقی تبدیلی اور مذہبی دلچسپی پیدا کی ہے وہ یقیناً حیرت انگیز ہے۔ مَیں نے کئی بار عام مجالس میں اس امر کا ذکر کیا ہے۔ حتّٰی کہ بعض عام جلسوں میں جہاں کہ بعض نے احمدیت کے خلاف بھی تقریریں کیں۔ مَیں نے اس بات کو احمدیت کی صداقت میں پیش کرتے ہوئے لوگوں سے اپیل کی ہے کہ احمدی کوئی بُرا کام تو نہیں کر رہے ہیں۔ آخر تم میں سے جو چند لوگ نکل کر ان سے مل گئے ہیں نہ چور۔ ڈاکو۔ جھوٹے تو نہیں بن گئے۔ ان کی اخلاقی حالت تو پہلے سے اچھی نظر آرہی ہے۔ جو لوگ ان سے معاملہ کرتے ہیں وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ ان کا معاملہ منصفانہ اور نیکیوں والا ہے۔ اگر احمدی حضرت مرزا صاحب کو نبی کہتے ہیں۔ تو ہمارا کیا بگاڑتے ہیں۔ آخر ہمارے لوگوں کی حالت کو سدھارتے ہی ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ فریٹون کے احمدیوں کی اکثریت ٹمنی لوگوں کی ہے (یعنی ان کے اپنے قبیلہ کے لوگ) اور یہ عجیب بات ہے۔ کہ میری کورٹ میں ہر قسم کے لوگوں کے خلاف مقدمات پیش ہوتے ہیں۔ مگر اب تک کہ مجھے آپ لوگوں کا چیف بنے تیرہ سال سے زائد عرصہ ہو چکا ہے۔ میرے پاس کبھی کسی ٹمنی احمدی کے خلاف کوئی مقدمہ آج تک نہیں آیا۔ حالانکہ بطور ٹمنی میری چیف کورٹ میں میرے اور میرے درزاء کے پاس سینکڑوں مقدمات پیش ہوئے ہیں کیا اس کا صاف یہ مطلب نہیں۔ کہ احمدی چونکہ قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ اور نہ کسی پر زیادتی کرتے ہیں۔ اسلئے اُنہیں کورٹ میں نہیں لایا جاتا۔ آخر اگر دوسرے ٹمنی لوگوں میں سے کئی چوریاں کرتے۔ ڈاکے مارتے

لہ۔ الفضل ۱۹ر جنوری ۱۹۵۸ء صد ۳ ؎

جھوٹ بولتے ۔ حرام مال کھاتے ۔ بیویوں سے بدسلوکی کرتے اور دوسروں کے حقوق غصب کرتے ہیں تو احمدیہ جماعت کے افراد کیوں ان باتوں میں ملوث نہیں ہوتے ۔ یہ امر واضح کرکے ہمیشہ احمدیت کی مخالفت کرنیوالوں سے کہتا ہوں کہ اگر تم احمدی نہیں ہونا چاہتے تو نہ ہو مگر تمہیں چاہیئے کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں کیونکہ تمہیں ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے ۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ عملاً تمہاری مدد ہے ۔ اور وہ ہمارے لوگوں کی عملی اصلاح کر رہے ہیں۔ انسان کا انجام بخیر اسکے اعمال نے کرنا ہے ۔ مسلمان کے اس اسلام کا کیا فائدہ جو دن رات احمدیوں کی مخالفت کرتا ہے ۔ لیکن اعمال اسکے کافروں سے بھی بدتر ہوں ۔ ہمارا مخالفت کرنا تب ہی ہمیں فائدہ دے سکتا ہے جبکہ ہم اپنے آپ کو اپنے مال اور اخلاق کے لحاظ سے بھی احمدیوں سے بالاتر ثابت کر سکیں مگر معاملہ بالکل اسکے برعکس ہے ۔ اور اخلاقی لحاظ سے ہم میں اور ان میں بہت فرق ہے ۔" [1]

۴۔ وزیر خزانہ آنریبل مصطفیٰ اسنوسی جبریل سیسے صدر مسلم ریفارمیشن سوسائٹی :۔

"جماعت احمدیہ دُنیا میں اسلام کی ترقی اور اسکے غلبہ کی علمبردار ہے ۔ اور خاص طور پر سیرالیون میں جماعت احمدیہ نے جو خدمات مسلمانوں میں دینی رُوح اور تعلیم کو فروغ دینے کے سلسلہ میں سرانجام دی ہیں ان کی وجہ سے میں عوام سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ احمدیہ جماعت کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں ۔" [2]

"سیرالیون کے لوگوں پر جماعت احمدیہ کے لٹریچر کے ذریعہ ہی اسلام کی حقیقت روشن ہوئی ہے اس لئے یہاں کے لوگ احمدیہ مشن کے بیحد شکر گزار ہیں ۔" [3]

۵۔ آنریبل مصطفےٰ اسنوسی ۔ سابق ڈپٹی پرائم منسٹر سیرالیون نے دوبارہ اپنے ایک بیان میں کہا :۔

"احمدیت کے ذریعہ ہی درحقیقت یہاں پر اسلام کی بنیادیں مضبوط ہوئی ہیں ۔ حضرت مولانا نیر صاحب جیسے اسلام کے نڈر سپاہیوں نے عیسائیت کو شکست فاش دی ۔ میں اس حقیقت کے برملا اظہار سے نہیں رُک سکتا کہ پاکستانی احمدی مبلغین نے باوجود تکالیف اور مصائب کے اسلام کی خاطر عظیم الشان قربانیاں کی ہیں ۔ ہمارے یہ پاکستانی بھائی ہندوستانی تاجروں کی طرح کسی تجارت اور دولت کی غرض سے نہیں آئے ۔ انہوں نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ اور دیگر دینی لٹریچر مہیا کرکے ہمیں حقیقی اسلام سے روشناس کرایا ہے ۔" [4]

۶۔ سیسل نارتھ کاٹ (CECIL NORTH COTT) کا ایک مقالہ اخبار "پاکستان ٹائمز" (۱۱ دسمبر ۱۹۶۰ء) میں شائع ہوا جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے :۔

"مغربی افریقہ کے ممالک کی آزادی نے ساحلی علاقوں میں اسلام کے حق میں ترقی کی ایک نئی رُوح پیدا کر دی

---

[1] الفضل ۹ جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۳ ۔ [2][3] الفضل ۱۲ دسمبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۳ ۔ [4] الفضل ۹ فروری ۱۹۶۵ء صفحہ ۴ ۔

ہے۔ اسلام افریقن لوگوں کے لئے ایک پیغام ہے۔ کیونکہ افریقہ میں یہ اس طرح پیش کیا گیا ہے۔ کہ گویا یہ افریقہ کی کالی اقوام کا ہی مذہب ہے۔ عیسائیت کے برخلاف اسلام انسانی کمزوریوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر نئے آنیوالے کو سہولت سے اپنے اندر سمو لیتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی سادہ تعلیم کے پیش نظر اس کو رسمی قباحتوں سے دوچار نہیں ہونا پڑتا۔ اس ضمن میں سیرالیون اور مغربی نائیجیریا دو اہم علاقے ہیں۔ سیرالیون بھی اگلے اپریل میں آزاد ملکوں کی برادری میں شامل ہو جائے گا۔ مغربی نائیجیریا وہ علاقہ ہے۔ جہاں عیسائیت کا ماضی نہایت شاندار روایات کا حامل رہا ہے۔ لیکن اب انہی دو علاقوں میں اسلام کو نمایاں ترقی حاصل ہو رہی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ سیرالیون تو احمدی مسلمانوں کی منتخب سرزمین ہے۔ جہاں وہ پاکستان سے آئے ہوئے منظم مشنوں کے ماتحت نہایت مضبوط حیثیت میں سرگرم عمل ہیں۔ احمدیہ جماعت اس مقصد کو لے کر کھڑی ہوئی ہے کہ اسلام کو عیسائیت کے مقابلہ میں موجودہ دنیا کی راہ نمائی کے لئے پیش کرے۔ اور یہ عیسائیت کے لئے ایک چیلنج ہے۔ اور اب تو انہوں نے سیرالیون میں باقاعدہ ڈاکٹری مشن کھولنے کا بھی عزم کر لیا ہے۔ اور وہاں احمدیہ سکولوں کی تعداد بھی بتدریج بڑھ رہی ہے۔ باوثوق ذرائع سے آمدہ اطلاعات کے مطابق مغربی افریقہ کے ساحلی علاقوں میں اسلام عیسائیت کے مقابلہ میں دس گنا زیادہ ترقی کر رہا ہے۔ نائیجیریا کا وسیع شمالی علاقہ اسلام کا گڑھ بن چکا ہے۔ جو باوجود عیسائی مشنوں کی سالہا سال کی کوششوں کے مذہبی اعتبار سے ناقابل تسخیر اسلامی ملک ثابت ہوا ہے۔ بلکہ خود جنوب کے جنگلاتی علاقہ میں جہاں عیسائی مشنز نہایت مضبوط ہیں۔ دفود بھیج کر اسلامی اثر و رسوخ بڑھ رہا ہے اور اب نائیجیریا کے آزاد ہو جانے پر ان دونوں بڑے مذاہب کے ایسے تصادم کا امکان ہے۔ جو ابتک کہیں اور رونما نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ یہاں اسلام اور عیسائیت نہایت جوش و خروش کے ساتھ ایکدوسرے کے مقابلہ میں کمربستہ ہیں۔ تاکہ ان قبائل کو اپنے زیر اثر لائیں۔ جو کسی مذہب سے وابستہ نہیں۔ بلکہ توہماتی شرکت میں مبتلا ہیں۔ اس مقابلہ کے نتیجہ پر ہی افریقہ کے مستقبل کا انحصار ہے " ؎۱

۶۔ مسٹر عبداللہ بیٹ سیرالیون نے کہا:۔

"مجھے وہ وقت خوب یاد ہے کہ جب حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر مرحوم کا مبارک قدم سرزمین سیرالیون میں پڑا۔ اس وقت یہ اندازہ لگانا محال امر تھا کہ ایک دن احمدیت یہاں پر اتنی مضبوط ہو جائیگی انہوں نے بتایا کہ مولانا نیر صاحب مرحوم کے ساتھ ان کے دوستانہ مراسم ہو گئے مگر ان کا قیام بہت

؎۱ الفضل ۲۳ دسمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۳

عارضی تھا۔ تاہم وہ احمدیت کا بیج لیکر آئے جنکے بعد مکرم فضل الرحمٰن صاحب حکیم مرحوم نے اِس بیج کی آبیاری کی مگر اس ملک میں مکرم الحاج نذیر احمد صاحب علی مرحوم کی یاد ہمیشہ زندہ رہے گی۔ کیونکہ وہی پہلے مبلغ ہیں جنہوں نے یہاں پر مستقل قیام کیا۔ انہوں نے احمدیت کی خاطر بہت مصائب و مشکلات برداشت کیں۔ حتیٰ کہ اسکی خاطر اپنی جان بھی اس ملک میں قربان کر کے تبلیغ کے میدان میں شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔ ان احمدی مبلغین نے یہاں آکر عیسائیت کو للکارا۔ اور انہیں لائی کے میدان میں شکست فاش دی۔ اس سے قبل ہمارے دل میں کبھی وہم بھی نہ گزر سکتا تھا کہ عیسائیت کے خلاف کوئی مسلمان بھی بولنے کی جرأت رکھتا ہے۔ مسلمانوں میں سے اکثر عیسائیت کی طرف مائل ہوتے جا رہے تھے۔ یہانتک کہ احمدی مبلغین کی آمد سے حالات میں تبدیلی ہوئی اور عیسائیت کو شکست ہونے لگی۔ اور اسلام ہر میدان میں کامیاب ہوتا چلا گیا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو زیادہ سے زیادہ قوت اور طاقت عطا فرمائے۔ تاکہ جلد از جلد اسلام کی برتری دوسرے ادیان پر ثابت ہو۔" [1]

۸۔ "ورلڈ کرسچن ڈائجسٹ" (WORLD CHRISTIAN DIGEST) میں ایک مضمون شائع ہوا جس کا عنوان تھا "ISLAM PROGRESS IN WEST AFRICA" "یعنی مغربی افریقہ میں اسلام کی ترقی"۔ مضمون نگار نے لکھا کہ:۔

"عیسائی مشنریوں نے مغربی افریقہ کے وسیع و عریض ساحلی علاقہ میں اپنی جدوجہد کو جاری رکھا مگر سوال یہ ہے کہ کیا آج چرچ نے اس علاقے میں آگے بڑھنے اور پھلنے پھولنے سے انکار کر دیا ہے؟ - کیا تیز تر مشنری جدوجہد نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتی اور کیا اس علاقے میں عیسائیت کو زندہ رکھنے کیلئے اس جدوجہد سے فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکتا؟ کیا اسلام کی روز افزوں ترقی اور اس سارے علاقے کو بہت جلد اپنی لپیٹ میں لے لینے کے اسلامی چیلنج کا ہمارے پاس کوئی مؤثر اور موزوں جواب ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو پورے غور و فکر اور سوچ بچار کے محتاج ہیں۔ اور ضروری ہے کہ حقائق کی روشنی میں ان کا جواب معلوم کیا جائے ...... جس دن مجھے سیرالیون روانہ ہونا تھا۔ عین اُسی روز وہاں اسلام کا پہلا میڈیکل مشنری وارد ہوا۔ اخبارات میں اسکی آمد کی خبروں کو جگہ دی گئی اور اسطرح ملک بھر میں اسکی آمد کا بہت چرچا ہوا۔ اس ملک میں اسلام کے پہلے میڈیکل مشنری کی آمد نتیجہ ہے اُس دُور رس پالیسی کا جو اسلام کو سربلند کرنے اور پھیلانے کے سلسلہ میں جماعت احمدیہ نے اختیار کر رکھی ہے۔ جماعت احمدیہ ایک تبلیغی جماعت ہے اور اس کی کوششوں کے نتیجے میں وہاں اسلام ترقی کر رہا ہے ...... سیرالیون ایک عجیب و غریب

[1] ۔ الفضل ۳ مارچ ۱۹۶۶ء ص ۳

ملک ہے۔ اسمیں اسلام اور عیسائیت کے علاوہ PAGANISM کے پیرو بھی پائے جاتے ہیں۔ اندرون ملک میں بسنے والے قبائل زیادہ تر مسلمان ہیں۔ کرسچین کونسل کا اندازہ ہے کہ اس ملک میں عیسائی پانچ فیصد سے بھی کم ہیں۔ کیا آزاد سیرالیون بھی مغربی افریقہ کے دوسرے آزاد ملکوں کی طرح اسلام کی آغوش میں چلا جائے گا؟ ....

اسی طرح گھانا میں بھی جماعت احمدیہ سرگرم عمل ہے۔ مگر سیرالیون میں اسکی کوشش زیادہ نمایاں ہے۔ گھانا کے شمالی علاقے کے لوگ مذہبی ہیں اسلئے وہاں تھوڑی سی کوشش بھی اسلام کو وسیع پیمانے پر پھیلانے کا موجب ہوسکتی ہے۔ نائیجیریا میں اسلام کی طاقت زیادہ ہے اور وہاں اسلام بڑی تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ یورو بہ نسل کے لوگ جنہوں نے ایک صدی قبل عیسائیت کو خوش آمدید کہا تھا۔ اب بڑی تیزی سے اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ صرف ابادان شہر میں ہی تقریباً چھ صد مساجد پائی جاتی ہیں۔ شمالی نائیجیریا میں چرچ کی انتہائی کوشش کے باوجود اسلام کی طاقت ناقابل تسخیر دکھائی دیتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فرنچ مغربی افریقہ سیرالیون اور مغربی نائیجیریا میں اسلام عیسائیت کے مقابلے میں دس گنا زیادہ ترقی کر رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ہمہ گیر اجتماعیت کا حامی ہے۔ اور افریقن لوگ اس قسم کی اجتماعیت کے شدت سے دلدادہ ہیں۔ اسلامی تعلیم میں اخوت کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ رنگ و نسل کی کوئی تمیز نہیں۔ علاوہ ازیں اسلام تعدد ازدواج کی بھی اجازت دیتا ہے۔ لہٰذا لوگ اس کو پسند کرتے ہیں۔ اور بڑی آسانی سے اس کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ اسلام کے نزدیک امیر و غریب اور ایک متمدن شہری اور بادیہ نشین میں کوئی فرق نہیں۔ بحیثیت انسان سب ایک ہیں اور یکساں سلوک کے مستحق۔ برخلاف اسکے عیسائیت ان چیزوں کو پیش تو کرتی ہے لیکن عمل اُس کا ان کے بالکل برعکس ہے۔ برطانوی دورِ حکومت میں یہ باور کیا جاتا تھا کہ افریقہ آہستہ آہستہ عیسائیت کی آغوش میں آجائیگا۔ مگر اب افریقن باشندے اپنے خیالات اندازِ فکر اور اندازِ زیست کے لحاظ سے بالکل آزاد ہیں۔ اب وہ جو مذہب چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ ان حالات میں افریقہ میں عیسائیت کے پنپنے کے امکانات بہت کم ہیں۔ سوائے اس کے کہ خود افریقہ کے باشندے اپنی ہمت سے چرچ کو سنبھال لیں۔“ [1]

۹۔ نائب وزیرِ اعظم سیرالیون کی ایک تقریر:۔

”جماعت احمدیہ کا وجود اس ملک میں اسلام کے لئے ایک بہت بڑی طاقت کا موجب ہے۔ اس جماعت نے اسلام کی جس طرح خدمت کی ہے۔ صدیوں سے کسی نے نہیں کی۔ جماعت کا لٹریچر اسلام

---

[1] بحوالہ رسالہ ”انصار اللہ“ ربوہ جولائی ۱۹۶۱ء صفحہ ۴۱-۴۳ ÷

کی صحیح تصویر پیش کرتا ہے۔ اور ایک معمولی لکھا پڑھا آدمی اِس سے بہت فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اس ملک میں اسلام صدیوں سے ہے۔ مگر اسلام کو ایسی شکل میں پیش کیا گیا جو ناقابلِ عمل نہیں تو کم از کم مشکل ضرور نظر آتا ہے۔ مگر جماعت احمدیہ نے اسلام کی صحیح تصویر پیش کر کے ملک و ملّت کی بہت خدمت کی ہے۔ مجھے یاد ہے جب میں فری ٹاؤن کے ایک سکول میں طالب علم تھا۔ تو جماعت احمدیہ کا مبلّغ فری ٹاؤن میں آیا۔ لوگوں نے اس کی مخالفت کی۔ مگر اِس کے علم و فضل کی اس قدر دھاک بیٹھ گئی کہ لوگ اس کے علم و فضل کا اقرار برملا کرنے لگے۔ اس کے ایک ہاتھ میں قرآن تھا تو دوسرے میں بائبل۔ اور وہ دونوں کا مقابلہ کر کے قرآن کی فضیلت اس طرح ثابت کرتا تھا کہ کوئی عیسائی پادری اسکا جواب دے سکتا تھا۔ احمدیہ مشن نے اسلام پر نیا لٹریچر پیدا کرنے کے علاوہ قرآن کریم کے تراجم کر کے دُنیا پر خصوصاً مسلمانوں پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ ہم نوجوان جنہوں نے انگریزی تعلیم حاصل کی ہے۔ اور وہ بھی عیسائی سکولوں میں۔ ہمارے لئے اسلام کا سمجھنا بہت ہی مشکل تھا۔ اگر ہمیں اسلام کے بارے میں واقفیت حاصل ہوئی ہے تو وہ صرف جماعت احمدیہ کے لٹریچر سے ہوئی ہے۔

اور آج ہم بڑے سے بڑے اسلام دشمن کو اسلام کی صداقت کے بارہ میں چیلنج کر سکتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب مَیں طالب علم تھا ایک عیسائی نے اخبار میں ایک مضمون لکھا جس میں اسلام پر ناروا حملے کئے گئے تھے۔ مَیں نے چیلنج کو قبول کیا۔ اور جواب دینے کی تیاری میں مشغول ہوا۔ عیسائیوں کے اعتراضات کا مکمل جواب احمدیہ مشن کی کتابوں میں موجود تھا۔ مَیں نے مشن کی کتابیں لیکر اس کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب دیا۔ میں احمدیہ مشن کی اسلامی خدمات کا دل و جان سے معترف ہوں اور جہاں بھی مجھے جانے کا اتفاق ہوا۔ مَیں نے اس کا اعتراف کیا ہے اور جہاں بھی گیا ہوں احمدیہ مشن کو خدمتِ دین کرتے ہوئے پایا ہے۔ امریکہ۔ جرمنی۔ اٹلی۔ انگلینڈ۔ غانا۔ نائیجیریا وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ مَیں مشن کو یقین دلاتا ہوں کہ جو بھی امکانی مدد مجھ سے ہو سکی مَیں کروں گا۔ کیونکہ یہ مشن اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور حفاظت کیلئے لڑ رہا ہے۔

آپ لوگوں کے سامنے کام کرنے کا وسیع میدان ہے آپ کو چاہیئے کہ اِس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ آپ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ قربانیاں کر کے مشن کی مدد کرنی چاہیئے۔ تا اسلام کا بول بالا ہو۔ حضرت خدیجہ کا نمونہ عورتوں کے سامنے ہے۔ بچوں کی صحیح رنگ میں تربیت کر کے عورتیں بہت بڑا کام کر سکتی ہیں۔ مَیں اپنا نمونہ آپکے سامنے پیش کرتا ہوں۔ میرا کرسچین سکولوں میں تعلیم پانے کے باوجود تہہ دل سے مسلمان رہنا صرف

اس وجہ سے ہے کہ میری والدہ نے میری صحیح رنگ میں اور دینی ماحول میں تربیّت کی ہے۔ دیکھا گیا ہے۔ کہ مسلمان بچے جب سیکنڈری سکولوں میں پہنچتے ہیں۔ تو وہ اپنا مذہب تبدیل کر لیتے ہیں۔ اسکی وجہ یہی ہے۔ کہ ان کی بچپن میں صحیح رنگ میں تربیّت نہیں ہوتی۔ اس سرزمین میں اسلام گذشتہ صدی میں بڑے نازک دَور سے گزرا۔ ایک گورنر نے مسلمانوں کو بہت تکلیفیں پہنچائیں۔ اور بعض مسلمان قبیلوں کو فری ٹاؤن سے باہر بھجوانے کا حکم صادر کیا۔ انہوں نے اپیل کی مگر وہ نہ سُنی گئی۔ آخر وہ گورنر چھٹی گیا اور وہیں فوت ہو گیا۔ جب اسکی جگہ پر دُوسرا گورنر آیا۔ تو اس نے کہا اسلام ایک اچھا مذہب ہے۔ اور اسطرح کونسل نے اپنا فیصلہ منسوخ کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ فری ٹاؤن میں تا حال مسلمان بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اب آپ آسانی سے تبلیغ کر سکتے ہیں۔ مگر مجھے وہ وقت یاد ہے جب کہ تبلیغ کی اجازت نہ تھی اور مسلمان کہلانا بھی مشکل تھا۔ دو ماہ ہوئے لیگوس (نائیجیریا) میں عیسائیوں کی ایک بہت بڑی میٹنگ ہوئی جسمیں یہ سوال بھی زیر بحث آیا۔ کہ مغربی افریقہ میں اسلام کیوں ترقی کر رہا ہے۔ بڑی بحث کے بعد میٹنگ کے ممبر اس نتیجہ پر پہنچے کہ احمدی مبلّغین سیاست میں نہیں اُلجھتے۔ اور اپنی سرگرمیوں کو خالص مذہبی امور تک محدود رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بخوبی اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ غانا کی مثال لیجئے جہاں کی سیاسی حالت مختلف ہے۔ مگر وہاں پر بھی احمدی بڑے آرام سے اپنا کام کرتے جا رہے ہیں۔ مَیں نے تمام غانا کا سفر کیا ہے اور دیکھا ہے کہ احمدی مبلّغین اپنے کام میں شب و روز مشغول ہیں۔ سالٹ پانڈ میں احمدیہ مسجد ہے اور اسکے مقابلہ میں چرچ بھی ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے درمیان ایک جرمن احمدی بیٹھا ہوا ہے۔ جرمن قوم بڑی ہوشیار ہے۔ انہوں نے سائنس میں بہت ترقی کی ہے۔ ان کا اسلام کی طرف مائل ہونا بھی اسلام کی حقانیّت کی دلیل ہے۔ احمدیہ مشن مسلمانوں کیلئے لڑ رہا ہے اور انکو جو گمراہ ہو چکے ہیں راہ راست پر لانے کی دن رات کوشش میں ہے۔ مَیں آپ لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ اس کار خیر میں مشن کا ہاتھ بٹائیں اسلام میں نجات ہے۔ آپ پوری طرح مسلمان بن جائیں۔ اور اپنی اولادوں کی تربیّت اس رنگ میں کریں کہ وہ مسلمان رہیں۔ تعلیم کے میدان میں احمدیہ مشن نہایت ہی اچھا کام کر رہا ہے۔ آپ کو چاہیئے۔ کہ انکی امداد کریں۔ تا وہ آپکے بچوں کو اسلامی تعلیم سے مزیّن کر سکیں۔ احمدیوں کی دیکھا دیکھی اب بعض دوسرے لوگ بھی مجالس منعقد کر رہے ہیں۔ اور سکول بھی کھولنے کی کوشش میں ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ احمدیہ مشن ان سب کا پیشرو ہے۔"[1]

---

[1] الفضل (ربوہ) ۲ رفروری ۱۹۶۳ء صفحہ ۴-۵

فصل پنجم

حضرت امیر المومنینؓ کا سفر سندھ و بمبئی

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے گلے میں لگاتار لمبی تقاریر کرنے اور خطبات دینے کی وجہ سے مزمن تکلیف ہوگئی تھی اور سالہا سال سے کاسٹک استعمال کرایا جا رہا تھا۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ کاسٹک لگانا چھوڑ دیا جائے۔ ورنہ گلے کا گوشت بالکل جل جائیگا۔ ڈاکٹری رائے میں چونکہ اس مرض کے لئے سمندر کا سفر خاص طور پر مفید ہوتا ہے[1]۔ اس لئے حضور اس سال بمبئی تشریف لے گئے۔ چنانچہ حضور ۱۳ر اکتوبر ۱۹۳۷ء کو قادیان سے بذریعہ موٹر لاہور پہنچے[2]۔ جہاں نیشنل لیگ کے ایک اجتماع سے خطاب فرمایا[3]۔ اور دوسرے روز ۱۴ر اکتوبر کو صبح ساڑھے نو بجے کراچی میل کے ذریعہ سندھ روانہ ہوئے[4]۔

۱۴ر اکتوبر ۱۹۳۷ء کو ناصر آباد اسٹیٹ سے روانہ ہوکر ۱۵ر اکتوبر کو ۹ بجے صبح کراچی پہنچے اور ۹ بجے شام "ڈارسی لونا" نامی بحری جہاز سے روانہ ہوکر ۱۶ر اکتوبر کی صبح کو بمبئی میں وارد ہوئے[5]۔

بمبئی میں حضور ڈیڑھ ہفتہ کے قریب فروکش رہے۔ اور ۲۹ر اکتوبر ۱۹۳۷ء کو "سناوتی" جہاز پر سوار ہوکر صبح نو بجے کراچی پہنچے[6]۔ اور ۳ر نومبر ۱۹۳۷ء کو سفر سے واپس قادیان تشریف لے آئے[7]۔

اس سفر میں پہلے تو گلے کی تکلیف بڑھ گئی۔ مگر بعد میں نمایاں فائدہ ہوا۔ اور روزانہ دوائیں لگانے کی جو ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اس میں بہت کمی آگئی[8]۔

روایات صحابہ محفوظ کرنے کی اہم تحریک

سلسلہ احمدیہ کے قیام کو ۱۹۳۷ء میں اڑتالیس سال اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال مبارک پر انتیس سال کا عرصہ بیت چکا تھا۔ اس لمبے عرصہ کے دوران حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کثیر التعداد صحابہ رحلت فرما گئے اور اس تشویش انگیز صورت حال کو دیکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جماعت کو ۱۹ر نومبر ۱۹۳۷ء کے خطبہ جمعہ میں[9]

---

[1] "سیر روحانی" (تقریر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ۲۸ر دسمبر ۱۹۳۸ء) صفحہ ۷، ۸ طبع اول اپریل ۱۹۴۱ء طبع دوم صفحہ اول ÷

[2] الفضل ۵ر اکتوبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۱ ÷ [3] ایضاً صفحہ ۱ - ۵ر اکتوبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۱ ÷ [4] الفضل ۶ر اکتوبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۱ کالم ۱ ÷

[5] الفضل ۲۰ر اکتوبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۱ ÷ [6] الفضل ۳ر نومبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۱ ÷ [7] الفضل ۵ر نومبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۱ ÷

[8] "سیر روحانی" جلد اول صفحہ ۸ طبع اول اپریل ۱۹۴۱ء ÷ [9] حضور نے سالانہ جلسہ ۱۹۳۶ء پر دوبارہ یہ تحریک فرمائی (رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان یکم مئی ۱۹۳۸ء تا ۳۰ر اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۰۰) ÷

باقیماندہ صحابہ کی روایات کے محفوظ کرنے کی خاص تحریک فرمائی چنانچہ فرمایا:-

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ۱۹۰۸ء کی ابتداء میں ہوئی ہے۔ اور اُس وقت جن لوگوں کی عمر پندرہ سال کی سمجھی جائے۔ کیونکہ یہی کم سے کم عمر ہے جس میں بچہ سمجھ رکھتا ہے۔ تو ایسے لوگوں کی عمر بھی اب ۴۴ سال ہوگی۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ ایسے لوگ بھی زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس سال اور جماعت میں رہ سکتے ہیں۔ اور بظاہر آج سے ۲۰ - ۲۵ سال بعد شائد ہی کوئی صحابی جماعت کو مل سکے۔ ایسا صحابی[1] جس نے حضور کی باتوں کو سُنا اور سمجھا ہو۔

میں سمجھتا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور سیرت کے حالات کی کتابیں اور احادیث اگر جمع کی جائیں تو تین چار سو ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں جن میں سے ہر ایک جلد پانسو صفحات کی ہوگی اگر ایسی تین سو جلدیں بھی ہوں تو یہ ڈیڑھ لاکھ صفحات ہوں گے ..... غرض صحابہ کرامؓ نے اتنا ذخیرہ چھوڑا ہے کہ آج ہمیں بہت ہی کم یہ خیال آ سکتا ہے کہ کاش رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فلاں بات ہمیں معلوم ہوتی۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات و اقوال اور واردات کا بہت ہی کم حصہ محفوظ ہوا ہے۔ مَیں نے بارہا دوستوں کو توجہ دلائی ہے کہ جو بات کسی کو معلوم ہو۔ وہ لکھا دے اور دوسروں کو سُنا دے۔ مگر افسوس کہ اس کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ اور اگر کسی نے توجہ کی بھی ہے تو ایسی طرز پہ کہ اس کا نتیجہ صفر کے برابر ہے۔ پس ..... مَیں دوستوں بالخصوص نظارت تالیف و تصنیف اور تعلیم کو توجہ دلاتا ہوں کہ یہ اس قسم کا کام ہے کہ اس میں سے بہت سا ہم ضائع کر چکے ہیں۔ اور اس کے لئے ہم خدا کے حضور کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اب جو باقی ہے اسے ہی محفوظ کرنے کا انتظام کیا جائے۔ ہمارا سالانہ بجٹ تین لاکھ کا ہوتا ہے۔ مگر اس میں ایک ایسا آدمی نہیں رکھا گیا۔ جو ان لیکچروں اور تقریروں کو جو صحابہ کریں۔ قلمبند کرتا جائے۔ اب بھی اگر ایسا انتظام کر دیا جائے تو جو کچھ محفوظ ہو سکتا ہے اُسے کیا جا سکتا ہے۔ اور اس میں سے سال دو سال کے بعد جو جمع ہو شائع ہوتا رہے۔ اور باقی لائبریریوں میں اور لوگوں کے پاس بھی محفوظ رہے۔ مَیں سمجھتا ہوں۔ اب بھی جو لوگ باقی ہیں۔ وہ اتنے ہیں کہ ان سے چالیس پچاس فیصدی باتیں محفوظ ہو سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بہت بڑے مصنّف بھی تھے۔ اس لئے آپؑ کی کتابوں میں بھی بہت کچھ آ چکا ہے۔ لیکن جو باتیں صحابہ کو معلوم ہیں اگر اُن کو محفوظ کرنے کا کوئی انتظام نہ کیا گیا تو ہم ایک ایسی

---

[1] حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے نزدیک صحابی کی تعریف "جس شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پہ بیعت کی ہو۔ اور پھر ارتداد نہیں کیا۔ خواہ درمیان میں کس قدر کمزور ہو گیا ہو۔ وہ یقیناً صحابی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔"
(الفضل ۲۴ فروری ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۱)

قیمتی چیز کھو بیٹھیں گے جو پھر کسی صورت میں بھی ہاتھ نہ آسکے گی۔ مَیں کئی سال سے اِس امر کی طرف توجہ دلا رہا ہوں مگر افسوس ہے کہ ابھی تک اس کی اہمیّت کو نہیں سمجھا گیا۔“ [1]

حضور کے اس فرمان مبارک پر حضرت مرزا شریف احمدؓ صاحب ناظر تالیف و تصنیف نے حافظ بشیر احمد صاحب مولوی فاضل جالندھری کا انتخاب روایات صحابہ جمع کرنے کے لئے کیا۔ لیکن حافظ صاحب ابھی اس کام کا چارج لینے نہ پائے تھے کہ ۲۱ رمئی ۱۹۳۸ء کو اچانک انتقال کر گئے اور عارضی طور پر یہ کام ملک محمد عبداللہ صاحب مولوی فاضل کے سپرد کیا گیا۔ ملک صاحب آخر اگست ۱۹۳۸ء تک یہ کام سرانجام دیتے رہے۔ انہوں نے صحابہ کرامؓ سے روایات حاصل کر کے اُن کو ”اخبار الفضل“ میں شائع بھی کرانے کا اہتمام کیا۔ اور تبرکات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فہرست بھی مرتب کی۔ اسی اثناء میں حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے قادیان کے تمام محلّہ جات کا بار بار دورہ کر کے صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اسم وار فہرست سنِ بیعت کے لحاظ سے مرتب کی۔ [2]

ملک محمد عبداللہ صاحب کے بعد شیخ عبدالقادر صاحبؓ (سابق سوداگرمل) مبلغ کراچی نے ستمبر ۱۹۳۸ء سے اس اہم کام کا چارج لیا۔ اور اس کیلئے اپنے سب اوقات وقف کر دئے۔ اور نہ صرف بذریعہ ڈاک ہی روایات منگوائیں بلکہ بٹالہ۔ امرتسر۔ لاہور اور سیالکوٹ وغیرہ علاقوں کے دورے کر کے روایات کا ایک نہایت قیمتی ذخیرہ فراہم کر کے اُن کو رجسٹروں کی صورت میں نقل کرانا شروع کر دیا اور اصل کے ساتھ ساتھ مقابلہ بھی جاری رکھا۔ اِس کے ساتھ ہی شیخ صاحب موصوف تبرّکات مسیح موعودؑ کی فہرستوں کو زیادہ سے زیادہ مکمّل کر کے اخبار الفضل میں شائع کرنے لگے۔ [3]

جناب شیخ عبدالقادر صاحب ۴ رجون ۱۹۴۰ء تک یہ قومی خدمت بجالاتے رہے۔ اِس عرصہ میں آپ نے سینکڑوں صحابہؓ کی روایات تیرہ رجسٹروں کی صُورت میں محفوظ کر لیں۔ [4]

شیخ صاحبؓ کے بعد ۴ رجون ۱۹۴۰ء کو دوبارہ ملک محمد عبداللہ صاحب مولوی فاضل نے اس کام کا چارج لیا۔ آپ نے قریباً ڈھائی ماہ کام کیا اور ۱۰۵ صفحات پر مشتمل روایات حاصل کر کے درج رجسٹر کیں ازاں بعد ۱۵ راگست ۱۹۴۰ء کو یہ فریضہ مہاشہ ملک فضل حسین صاحب مہاجر کے سپرد کیا گیا۔ [5]

---

[1] الفضل ۲۲ رنومبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ ؛ ۳ ۔ [2] یہ فہرست جو خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہے ضمیمہ کتاب میں شامل کر دی گئی ہے۔
[3] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۸ء لغایت ۳۰ راپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۳۰ - ۲۳۲ ۔ [4] جن صحابہ کی روایات محفوظ کی گئیں اُن کی مکمل فہرست ضمیمہ کتاب میں موجود ہے۔ [5] ملاحظہ ہو رجسٹر ”روایات صحابہ“ جلد ۱۳ ۔ ان رجسٹروں کے مجموعی صفحات ۳۸۱۳ ہیں۔

مہاشہ صاحب نے پہلے سالوں کی جمع شدہ روایات پر نظرِ ثانی اور مناسب تحقیق کے بعد اُن میں سے بعض الفضل، الحکم، رسالہ ریویو آف ریلیجنز[1] اور مصباح میں شائع کرا کے سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں محفوظ کر دیں[2]۔

حضرت امیر المومنینؓ کیطرف سے احیاءِ شریعت و سُنّت میں سرگرم ہو جانے کا پُرجلال اعلان اور عالمگیر اسلامی انقلاب کی بشارت

خدا تعالیٰ کے قائم کردہ خلفاء اپنے آسمانی آقا کے وعدوں اور بشارتوں پر غیر متزلزل اور مستحکم ایمان رکھتے، اور اپنے مولیٰ پر توکل کرتے ہوئے تمکینِ دین کا پھریرا لہراتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اِس حقیقت و صداقت کا ایک رُوح پرور نظّارہ سالانہ جلسہ ۱۹۳۷ء پر دیکھنے میں آیا۔ ان ایّام میں "مصری فتنہ"[3] پُورے عروج پر تھا۔ مگر خدا تعالیٰ کے موعود و برحق خلیفہ سیّدنا محمودؓ نے سالانہ جلسہ پر جمع ہونے والے احمدیوں کو احیاءِ سُنّت کے لئے سرگرم عمل ہونے کا حکم دیتے ہوئے یہ خوشخبری سُنائی۔ کہ احمدیت کے ذریعہ سے مستقبل میں عالمگیر اسلامی انقلاب برپا ہونا مقدّر ہے اور دُنیا کی حکومتیں اور بادشاہتیں احمدیوں کو عطا ہونے والی ہیں۔

یہ عظیم الشان بشارت حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنی ۲۸ر دسمبر ۱۹۳۷ء کی معرکۃ الآراء اور اپنے اندر "الہامی رنگ رکھنے والی"[4] پر شوکت تقریر کے آخر میں سُنائی جو "انقلابِ حقیقی" کے اہم موضوع پر تھی اور جس کے ابتداء میں حضور نے دُنیا کی مشہور تمدّنی[5] اور مذہبی[6] تحریکات کی خصوصیات پر بالتفصیل روشنی ڈالنے کے بعد اعلان فرمایا:۔

"اب وقت آگیا ہے کہ ہماری جماعت اپنی ذمہ داری کو سمجھے اور احیاءِ سُنّت و شریعت کے لئے سرگرم عمل ہو جائے۔

---

[1] ملاحظہ ہو رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۴۲ء ٭ [2] رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۴۲ء لغایت ۳۰ر اپریل ۱۹۴۳ء صفحہ ۴۴، ۴۵ ٭ [3] یعنی مصری پارٹی کا فتنہ جس کی تفصیلات پر حضور نے ۲۷ر دسمبر ۱۹۳۷ء کی تقریر میں بڑی شرح و بسط سے روشنی ڈالی اور اسکی نسبت حضرت مسیح موعودؑ کے متعدد الہامات بیان فرمائے اور بتایا کہ الہام الٰہی میں خوارج کا ایک گروہ پیدا ہونے کی خبر موجود تھی جو پُوری ہوگئی۔ اِس وضاحت کے بعد حضور نے خوارج کی فتنہ انگیزیوں کی تفصیل بتائی۔ اور خوارج اور مصری پارٹی میں عقائد کے لحاظ سے تیرہ زبردست مشابہتیں اور تاریخی لحاظ سے پانچ مشابہتیں بیان فرمائیں۔ حضرت امیر المومنینؓ کی اِس معرکۃ الآراء تقریر نے اِس فتنہ کا تار و پود بکھیر کے رکھ دیا۔ اور جماعت احمدیہ پہلے سے بھی زیادہ عقیدت و الفت کے ساتھ یقین کی اِس مستحکم چٹان پر قائم ہوگئی کہ خلیفہ خدا بناتا ہے۔ اور دُنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت اسے معزول نہیں کر سکتی۔ (مفصّل تقریر کے لئے ملاحظہ ہو۔ الفضل ۱۴ر اگست ۱۹۶۴ء صفحہ ۳ تا ۲۲ر اگست ۱۹۶۱ء ٭ [4] حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے کتاب "انقلابِ حقیقی" کی نسبت فرمایا کہ "اِس کتاب کے بعض حصے ایسے ہیں جو اپنے اندر الہامی رنگ رکھتے ہیں۔" (الفضل ۳ر جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۶ کالم ۲) ٭ [5] یعنی آرین تحریک۔ رومن تحریک۔ ایرانی تحریک۔ بابلی تحریک۔ مغربی تحریک ٭ [6] حضرت آدمؑ۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دورِ مذہبی ٭

جب تک میں نے اعلان نہ کیا تھا۔ لوگوں کے لئے کوئی گناہ نہیں تھا۔ مگر اب جبکہ امام اعلان کرتا ہے کہ احیاء سنّت و شریعت کا وقت آگیا ہے کسی کو پیچھے رہنا جائز نہیں ہوگا۔ اور اب اگر سستی ہوئی تو کبھی بھی کچھ نہ ہوگا۔ آج گو صحابہ کی تعداد ہم میں قلیل رہ گئی ہے۔ مگر پھر بھی یہ کام صحابہ کی زندگی میں ہی ہو سکتا ہے۔ اور اگر صحابہ نہ رہے۔ تو پھر یاد رکھو۔ کہ یہ کام کبھی نہیں ہوگا۔" ؎۱

اس اعلان کے بعد حضور نے اسلامی تمدّن کے متعلق بطور نمونہ دس احکام بیان فرمائے اور احمدیوں سے عہد لیا کہ وہ "اپنی جائیداد سے اپنی لڑکیوں اور دوسری رشتہ دار عورتوں کو وہ حصّہ دے گا۔ جو خدا اور اُس کے رسول نے مقرر کیا ہے۔" ؎۲

اسکے علاوہ حضور نے احیاء شریعت و سُنّت کے پہلے مرحلہ کے طور پر عورتوں کے حقوق، امانت، خدمتِ خلق اور احمدی دارالقضاء کی طرف رجوع کرنے کے متعلق تاکیدی ہدایات دیں اور فرمایا:۔

"بے شک آج ہم وہ کام نہیں کر سکتے جو حکومت اور بادشاہت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں مگر وہ باتیں جو ہمارے اختیار میں ہیں۔ اُن پر آج سے ہی عمل شروع ہو جانا چاہیئے۔" ؎۳

حضور نے تقریر کے آخر میں یہ بشارت دی کہ:۔

"دنیا میں انسان جب ایک سبق یاد کر لیا کرتا ہے تو اُستاد اُسے دوسرا سبق دیتا ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ جب تم اس سبق کو یاد کر لوگے۔ تو اللہ تعالےٰ دُنیا کی حکومتیں اور بادشاہتیں تمہارے قدموں میں ڈال دے گا۔ اور کہے گا جب تم نے ان تمام احکام اسلام کو جاری کر دیا۔ جن کے لئے حکومت کی ضرورت نہیں تھی۔ تو آؤ اَب میں حکومتیں بھی تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ تا جو چند احکام شریعت کے باقی ہیں اُن کا بھی عالم میں نفاذ ہو۔ اور اسلامی تمدن کی چاروں دیواریں پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں۔ پس اگر تم میری ان باتوں پر عمل شروع کر دو۔ تو اللہ تعالیٰ حکومتوں کو بھی تمہارے سپرد کر دے گا۔ اور جو حکومتیں اسکے لئے تیار نہیں ہونگی اللہ تعالیٰ اُنہیں تباہ کر دے گا اور اپنے فرشتوں کو حکم دے گا کہ جاؤ اور اُن کا تختہ اُلٹ کر حکومت کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں دو۔ جو میرے اسلام کو دُنیا میں رائج کر رہے ہیں۔" ؎۴

؎۱ "انقلاب حقیقی" طبع اوّل صفحہ ۱۱۳ ؛ ؎۲ ایضاً صفحہ ۱۲۵۔ حضرت امیر المومنین رضؓ نے ۱۹۳۹ء کے سالانہ جلسہ پر اس عہد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "بعض زمینداروں نے شاندار نمونہ دکھایا ہے مگر لاکھوں کی جماعت میں یہ مثالیں بہت کم ہیں" (الفضل ۳ر جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ، کالم ۱) ایضاً الفضل ۴ر فروری ۱۹۳۸ء صفحہ ۳ کالم ۲ ؎۳ "انقلاب حقیقی" صفحہ ۱۲۹ء۔
؎۴ "انقلاب حقیقی" طبع اول صفحہ ۱۳۱ و ۱۳۲۔ حضرت امیر المومنین کا یہ لیکچر دوبارہ کتابی شکل میں شائع کیا جا چکا ہے (الفضل ۳ر جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۷)

بعض جلیل القدر صحابہ کا انتقال

۱۹۳۷ء میں جو بزرگ صحابہ انتقال فرما گئے۔ اُن کے نام نامی یہ ہیں:- (۱) شیخ نواب الدین صاحب سیکرٹری جماعت احمدیہ جانگڑیاں ضلع سیالکوٹ (تاریخ وفات ۱۱؍جنوری ۱۹۳۷ء بعمر ۷۵ سال) [1]

(۲) حضرت منشی عبدالرحمٰن صاحب کپورتھلوی (تاریخ وفات ۲۶؍جنوری ۱۹۳۷ء بعمر ۹۰ سال قریباً) [2] قدیم ترین صحابہ میں سے تھے بیعت اُولیٰ کے موقعہ پر پہلے ہی دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ [3]

(۳) حضرت ماسٹر نواب الدین صاحب بی اے بی ٹی (تاریخ وفات ۲۰؍فروری ۱۹۳۷ء) [4] نہایت مخلص اور پُرجوش بزرگ تھے۔

(۴) حکیم مرزا خدا بخش صاحب غیر مبائع مؤلف "عسل مصفّٰی" (تاریخ وفات ۵؍اپریل ۱۹۳۷ء) [5]

(۵) حضرت بابا میر اسلام صاحب افغان (تاریخ وفات ۲۰/۱۹ مئی ۱۹۳۷ء بعمر ۱۰۶ سال) [6]

(۶) حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب (تاریخ وفات ۲۳؍جون ۱۹۳۷ء)۔ آپ کا شمار جماعت احمدیہ کے ممتاز اہل کشوف والہام میں ہوتا ہے ۱۹۰۱ء میں بیعت مسیح موعودؑ سے مشرف ہوئے۔ ۲۵ برس تک رعیہ ضلع سیالکوٹ میں سینئر سب اسسٹنٹ سرجن کے عہدہ پہ ملازم رہے۔ ۱۹۲۰ء میں پنشن لینے کے بعد قادیان آ گئے اور مستقل طور پر رہائش اختیار کر لی۔ [7] حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ نے آپکی وفات پر آپکے بیٹے حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ کو ایک تعزیت نامہ لکھا۔ جس میں تحریر فرمایا کہ "وہ ایک نہایت ہی پاک نفس انسان تھے جن کا وجود سراسر برکت تھا۔ ایسے وجود دنیا میں بہت کم نظر آتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ ہر ایک کے محسن اور سب کے خیر خواہ تھے۔ اُن کی برکت سے اور اُنکی دعاؤں سے ایک دنیا فیض حاصل کر رہی تھی"۔ [8] ....

(۷) حضرت مولوی نور احمد صاحب لودی ننگل (تاریخ وفات ۲۴؍جون ۱۹۳۷ء)۔ بیعت کرنے کا عجیب

---

[1] الفضل ۵؍جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۱ ﴿ [2] الفضل ۲۸؍جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۱ کالم ۱ ﴿ [3] ملاحظہ ہو بیان حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی مطبوعہ "تاریخ احمدیت" جلد دوم طبع دوم صفحہ ۱۷۲) مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۶؍جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۵ ﴿ [4] الفضل ۲۳؍فروری ۱۹۳۷ء صفحہ ۱ کالم ۱ ﴿ الفضل ۱۶؍مارچ ۱۹۳۷ء میں اُن کے ایک مباحثہ کے کوائف درج ہیں جو انہوں نے ۲۴-۱۹۲۳ء میں غیر مبائعین سے کیا۔ اور جس سے اُن کے گہرے مطالعہ، حاضر جوابی اور حکمت عملی کا پتہ چلتا ہے ﴿ [5] اخبار "پیغام صلح" ۷؍اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۴ کالم ۱ ﴿

[6] الفضل ۲۲؍مئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۱ کالم ۱ ﴿ [7] الفضل ۲۵؍جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۲ ﴿ [8] الفضل ۲۰؍جولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۸ و ۹ ﴿

واقعہ سُنایا کرتے تھے فرماتے ہیں نے دیکھا کہ ایک آدمی عطر فروخت کر رہا ہے۔ میں نے بھی ایک پیکٹ لیا۔ جب کھولا۔ تو اُس میں ایک اور پیکٹ تھا۔ حتیٰ کہ کئی ایک پیکٹ کھولنے کے بعد ایک شیشی نکلی جس کے کھولنے سے سارا جہان معطّر ہوگیا۔ جب پڑھا تو شیشی پر مرقوم تھا "براہین احمدیہ" اِس لطیف خواب پر آپ مسیح موعودؑ کی غلامی میں آگئے۔ بہت متبحر عالم تھے۔ کہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایکدفعہ کسی حدیث کی ضرورت پڑی۔ اسپر حضورؑ نے ایک سانڈنی سوار گورداسپور سے لودی ننگل بھیجا کہ اُن کو لے آؤ۔ قاصد جونہی اُن کے پاس پہنچا اور آپ اُسی وقت چل دئے۔ عصر کی نماز گاؤں سے باہر ادا کی اور آدھی رات کے بعد آپ گورداسپور پہنچے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مطلوبہ حدیث پیش کردی۔

حضرت مولوی صاحب کے ذریعہ لودی ننگل، نیجہ کلاں، کھوکھر اور چھچھر بالہ میں احمدی جماعتیں قائم ہوئیں۔ آپ تینتالیس برس تک تبلیغ احمدیت میں منہمک رہے۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں پر آپ کو بہت عبور حاصل تھا۔ سطروں کی سطریں زبانی سُنا دیتے تھے۔ کوئی کام دُعا کے بغیر شروع نہ کرتے۔ بہت مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔[1]

(۸) حضرت میاں شادیخاں صاحب ساکن ننگل باغباناں متصل قادیان (تاریخ وفات ۲۶ر جون ۱۹۳۷ء بعمر ۸۹ سال)[2]

(۹) حضرت بابا محمد کریم صاحب متوطن علاقہ خوست (تاریخ وفات ۲۶ر جولائی ۱۹۳۷ء بعمر ۶۰ سال)[3]

(۱۰) کپتان اللہ داد خاں صاحب آف کھاریاں (تاریخ وفات ۱۲ر اگست ۱۹۳۷ء) ۸۶-۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعا کے طفیل معمولی سپاہی سے ترقی کرتے کرتے کپتان کے عہدہ تک پہنچے۔[4]

(۱۱) میاں محمد اسماعیل صاحب مالیرکوٹلوی (تاریخ وفات ۲۹ر اگست ۱۹۳۷ء بعمر ۸۰ سال)[5]

مندرجہ بالا صحابہ کے علاوہ مندرجہ ذیل مخلصین سلسلہ کا بھی وصال ہوا:-

۱- سیٹھ غلام محمد ابراہیم صاحب (تاریخ وفات ۱۷ر اپریل ۱۹۳۷ء)[6]

۲- میر مہدی حسین صاحب مالک احمدیہ فرنیچر سٹور دہلی۔ (تاریخ وفات ۲۹ر اپریل ۱۹۳۷ء)[7]

---

[1] الفضل ۲ر ستمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۸، ۹ ÷ [2] الفضل ۲۹ر جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۱ ÷ [3] الفضل ۲۸ر جولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۱ کالم ۱ ÷ [4] الفضل ۱۲ر اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۹ کالم ۳ ÷ [5] الفضل ۲۹ر اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۱ کالم ۱ ÷ [6] حضرت سیٹھ عبداللہ الٰہ دین صاحبؓ کے ماموں ۱۹۲۰ء کے قریب داخل احمدیت ہوئے بہت ہی مخلص تھے، تہجد گزار اور سلسلہ کے فدائیوں میں سے تھے ۵۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ (الفضل ۳۰ر اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۲) ÷ [7] الفضل ۲ر مئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ جماعت دہلی کے مخلص اور جوشیلے احمدی تھے۔ انکے والد میر احمد حسن صاحب (صحابی حضرت مسیح موعودؑ) نے مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کے مریدوں کے ہاتھوں بہت تکالیف اٹھائیں۔ کئی بار ماریں کھائیں (الفضل ۲ر مئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۹)

(۴) حکیم محمد احمد ابو طاہر صاحب امیر جماعت احمدیہ کلکتہ (تاریخ وفات ۴؍ستمبر ۱۹۳۶ء) [1]

فصل ششم

بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں خوشی اور مسرت کی تقاریب

۱۔ ۱۳؍مارچ ۱۹۳۶ء کو حُجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ آف مالیر کوٹلہ کے فرزند صاحبزادہ میاں محمد احمد خاں صاحب کے مشکوئے معلّی میں میاں حامد احمد خاں کی ولادت ہوئی۔ [2]

۲۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے ہاں ۱۸؍اپریل بروز ہفتہ دو بجے دوپہر مرزا انس احمد صاحب کی ولادت باسعادت ہوئی۔ [3] اس تقریب پر حضرت خان ذوالفقار علی خاں صاحب گوہر نے ایک قصیدہ لکھا۔ جس کے چند اشعار یہ تھے:۔

اِک شگوفہ ہے نیا باغِ مسیحا میں کھلا — جس کی خوشبو سے معطر ہے دماغِ گردوں

ابنِ ناصر کی ولادت ہے عجب مژدہ خبر — برکات اُس کی زمیں کے لئے ہیں گونا گوں

حق نے اب حضرتِ محمودؓ کو پوتا بخشا — مَیں بھی یہ ہدیہ تبریک نہ کیوں پیش کروں

ہو یہ فرزند سعید اور خدا کا محبوب — اس سے لے عقل و خرد آکے ہر اِک افلاطون

نورِ اسلام کو پھیلائے یہ دُنیا بھر میں — عاشقِ احمدؑ کا ہو محمودؓ کا ہو یہ مجنوں

علمِ توحید کا گنجینہ ہو اُس کا سینہ — دل ہو عرفانِ الٰہی سے لبالب مسیحوں [4]

۳۔ صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب (خلف الرشید حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ) کے ہاں ۱۲؍مارچ ۱۹۳۶ء کو میاں ادریس احمد صاحب پیدا ہوئے۔ [5]

---

[1] الفضل ۹؍ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۱ - مرحوم اواخر ۱۹۱۸ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بیعت کرکے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ سلسلہ کے ساتھ محبت اور خدمات کے اعتبار سے آپ مخلصین کی صفِ اوّل میں تھے۔ کئی بار قادیان تشریف لاکر کافی عرصہ قیام کرتے رہے۔ ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بے حد اخلاص و عقیدت رکھتے تھے۔ (الفضل ۱۰؍ستمبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۳) ؛ [2] الفضل ۲؍اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ ؛ [3] الفضل ۲۰؍اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۱ - الفضل ۲۵؍اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ کالم ۱ ؛ [4] الفضل ۲۷؍اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ ؛ [5] الفضل ۱۲؍مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ کالم ۱ ؛

۴۔ ۱۲/۱۳ ؍اکتوبر ۱۹۳۷ء کی درمیانی شب کو مرزا رشید احمد صاحب (خلف الصدق حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب رضی اللہ عنہ) کے ہاں فرزند تولد ہُوا۔[۵۱]

۵۔ اسی طرح صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب آئی سی ایس کے امتحان میں ساتویں نمبر پر پاس ہوئے۔ نامزدگی کے موقعہ پر جو سات مسلمان اُمیدوار منتخب کیے گئے اُن میں آپ کا تیسرا درجہ تھا۔ کل نمبر ۱۰۰۹ حاصل کئے[۵۲]

۶۔ صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب بی اے بیرسٹرایٹ لاء (ابن حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ) چار سال انگلستان رہ کر بار ایٹ لاء (BAR AT LAW) کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ۶؍دسمبر ۱۹۳۷ء کو ساڑھے نو بجے صبح کی گاڑی سے واپس تشریف لائے۔ اس موقعہ پر استقبال کیلئے خاندان حضرت مسیح موعودؑ اور مقامی جماعت کے علاوہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بھی اسٹیشن پر رونق افروز تھے[۵۳]

نمائندہ سلطان مسقط قادیان میں

مسٹر عبد المنعم نمائندہ سلطان مسقط ۵؍جنوری ۱۹۳۷ء کو قادیان تشریف لائے۔[۵۴]

اڑیسہ پراونشل انجمن احمدیہ کا پہلا جلسہ

۱۲؍مارچ ۱۹۳۷ء کو اڑیسہ پراونشل انجمن احمدیہ کا پہلا تنظیمی جلسہ کٹک میں منعقد ہُوا۔ جس میں مرکز سے مولوی ظہور حسین صاحب نے بطور نمائندہ شرکت فرمائی۔ اڑیسہ کے مختلف مقامات مثلاً سونگڑہ، کیرنگ، کندراپاڑا، پوری نگریا، بالیسر، سری پار، سیرلوخوردہ سے عہدیداران پراونشل اور دیگر مہمان ۵۲ کی تعداد میں شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں ایک سکیم بھی مرتب کی گئی اور عہدیداران کے فرائض واضح کئے گئے[۵۵]

پروفیسر جان کلارک آرچر قادیان میں

پروفیسر کلارک آرچر جو ییل (YALE) یونیورسٹی امریکہ میں شعبہ مذاہب کے پروفیسر تھے اور اُن دنوں پنجاب میں آئے ہوئے تھے، ۷؍جون ۱۹۳۷ء کو قادیان آئے۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے شرف ملاقات بخشا اور اُن سے مختلف اسلامی مسائل پر گفتگو فرمائی۔ پروفیسر صاحب دفاتر دیکھنے کے بعد شام کی گاڑی سے واپس چلے گئے۔[۵۶]

---

۵۱ الفضل ۱۵؍اکتوبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۲ ٭ ۵۲ الفضل ۱۴؍جولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۱ ٭ ۵۳ الفضل ۸؍دسمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۱ ٭ ۵۴ الفضل ۷؍جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۱ ٭ ۵۵ الفضل ۶؍اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۹ کالم ۱ ٭ ۵۶ الفضل ۱۹؍جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ پروفیسر مذکور نے ۱۳؍جولائی ۱۹۳۷ء کو ناظر اعلیٰ صاحب کے نام شکریہ کا ایک مکتوب لکھا جو الفضل ۲۲؍جولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۶ پر شائع ہو چکا ہے۔

سنگِ بنیاد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے یکم اکتوبر ۱۹۳۷ء کو سید بشیر احمد صاحب کارکن نظارت دعوت و تبلیغ کے مکان کی محلہ دار الانوار میں بنیاد رکھی۔ [1]

مذاہب عالم کانفرنسوں میں احمدی مبلغوں کی تقریریں بمبئی:۔ آل فیتھس لیگ (ALL FAITHS LEAGUE) بمبئی کا پہلا اجلاس ناسک میں ۱۹۳۳ء میں۔ اور دوسرا اس سال ۲۴، ۲۵، ۲۶ اپریل ۱۹۳۷ء بمبئی میں منعقد ہوا۔ جس میں

مبلغ اسلام حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب نیّر رضؓ نے انگریزی میں "اسلام ایک احمدی کے نقطۂ نگاہ سے" کے موضوع پر تقریر فرمائی جو بہت پسند کی گئی اور تعلیم یافتہ طبقہ نے یہاں تک کہا کہ ہم نے پہلی مرتبہ اسلام سے متعلق ایسی تقریر سنی ہے۔ حضرت مولوی عبد الرحیم صاحبؓ نیّر لیگ کی سب جیکٹ کمیٹی کے ممبر بھی منتخب کئے گئے۔ اور آپ کے دو ریزولیوشن بھی کانفرنس میں بالاتفاق رائے پاس ہوئے۔ پہلے ریزولیوشن کا مفہوم یہ تھا کہ تمام مذاہب کے نمائندے اپنے وعظوں کو صرف اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے تک محدود کردیں اور دوسرے مذاہب پر ہرگز حملہ نہ کریں۔ حضرت نیّر صاحبؓ نے دوسرا ریزولیوشن یہ پیش کیا کہ ہندو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ کے جلسوں میں اور مسلمان دوسرے بانیانِ مذاہب کے جلسوں میں شرکت کرکے صلح و محبت کا ماحول پیدا کریں۔ [2]

سرگودھا:۔ ۲۵ر اپریل ۱۹۳۷ء کو "سناتن دھرم سبھا" سرگودھا کے زیر انتظام بھی ایک مذہبی کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں جماعت احمدیہ کی طرف سے (ابو البشارت) مولوی عبد الغفور صاحبؓ فاضل نے مقررہ موضوع "انسانی زندگی کا مُدّعا کیا ہے" پر اپنا مضمون پڑھا۔ [3]

سہارنپور:۔ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۳۷ء کو آریہ سماج سول لائن سہارنپور کی طرف سے ایک مذاہب کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ جس میں جماعت احمدیہ کی طرف سے ماسٹر محمد حسن صاحب آسان[4] دہلوی اور مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل نے اسلام کی خوبیاں بیان کیں جن سے پبلک بہت متاثر ہوئی۔

وچھووالی لاہور:۔ سناتن دھرم سبھا وچھووالی لاہور نے ۲۶ر نومبر ۱۹۳۷ء کو ایک مذاہب کانفرنس کا انتظام کیا جس میں نمائندہ جماعت احمدیہ مولوی ابو العطاء صاحب فاضل نے تقریر فرمائی۔ [5]

---

[1] الفضل ۳ر اکتوبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۱ ٭ [2] الفضل یکم مئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۱ ٭ [3] الفضل ۴ر مئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۲ ٭ [4] الفضل ۹ر نومبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۳ - اخبار الفضل میں آسان کی بجائے احسان چھپ گیا ہے۔ جو سہو ہے ٭ [5] الفضل ۸ر دسمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۹ ٭

دو مخلصین کی عیادت

جماعت احمدیہ کے دو مخلص کارکن حضرت مولوی غلام رسول صاحبؓ وزیر آبادی اور ملک فضل حسین صاحب مینجر احمدیہ بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان بعارضہ فالج بیمار تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۱۵ر جون ۱۹۳۷ء کو حضرت مولوی صاحبؓ کی عیادت کے لئے نور ہسپتال[1] میں اور ۲۱ر جون ۱۹۳۷ء کو ملک صاحب کے مکان (واقع محلہ دار الفضل) پر تشریف لے گئے۔[2]

مبلغین احمدیت کی بیرونی ممالک کو روانگی

اس سال مندرجہ ذیل مبلغین بیرونی ممالک میں روانہ کئے گئے:۔

۱۔ مولوی عبد الغفور صاحب (تاریخ روانگی ۹ر جنوری[3] ۱۹۳۷ء برائے جاپان)

۲۔ مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری (تاریخ روانگی ۵ر مئی[4] ۱۹۳۷ء برائے حیفا[5])

۳۔ مولانا رحمت علی صاحبؓ (تاریخ روانگی ۲۷ر ستمبر ۱۹۳۷ء برائے جاوا[6])

۴۔ چوہدری محمد اسحاق صاحب (تاریخ روانگی ۲۷ر ستمبر ۱۹۳۷ء برائے چین[7])

بیرونی مشنوں کے بعض اہم واقعات

بلاد عربیہ مشن۔ مولوی محمد سلیم صاحب مبشر بلاد اسلامیہ نے اوائل ماہ فروری ۱۹۳۷ء میں ڈاکٹر نذیر احمد صاحب، اور دو اور احمدی دوستوں کی رفاقت میں شرق اردن کا تبلیغی سفر کیا۔ سفر کے دوران امیر عبد اللہ والئے شرق اردن سے "شونہ[8]" کے مقام پر ملاقات کی۔ نیز عمان میں احمدیت کا پیغام پہنچایا۔ اور واپسی پر بیت المقدس میں مسلمانوں اور عیسائیوں سے دلچسپ بحث کی۔[9]

مغربی افریقہ مشن:۔ سالٹ پانڈ (مغربی افریقہ) میں پندرہ ہزار روپیہ سے احمدیہ دار التبلیغ کی تعمیر ہوئی جس کا افتتاح مولوی نذیر احمد صاحب مبشر نے ۱۸ر فروری ۱۹۳۷ء کو فرمایا۔ دار التبلیغ کی شاندار عمارت زیادہ تر حکیم فضل الرحمٰن صاحبؓ کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔[10]

جاوا مشن:۔ جماعت احمدیہ برانچ بٹاویہ نے ۱۲۰۰ گلڈر خرچ کر کے اپنے سرمایہ سے ایک مسجد اور

---

[1] الفضل ۱۷ر جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۱ ؛ [2] الفضل ۲۳ر جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۱ کالم ۱ ؛ [3] الفضل ۱۲ر جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۲۔ آپ ۵ر مارچ ۱۹۳۷ء کو کوبے (جاپان) میں پہنچ گئے (الفضل ۷ر مارچ ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ ؛ [4] الفضل ۶ر مئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۱ کالم ۱ ؛ [5] آپ نے قادیان سے حیفا تک کے حالات الفضل ۲۶ر جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۷ پر شائع کرادئے تھے ؛ [6] الفضل ۲۹ر ستمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۱ ؛ [7] الفضل ۲۹ر ستمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۱ ؛
[8] بیت المقدس سے عمان کی راہ میں واقع ہے ؛ [9] الفضل یکم اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۵ تا ۸ ؛ [10] الفضل ۹ر اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۷ کالم ۱ ؛

کلب ہاؤس تعمیر کیا جس سے تبلیغی جلسوں میں بہت آسانیاں ہوگئیں۔ حضرت امیرالمومنین نے مسجد کا نام "مسجد الہدایت" تجویز فرمایا۔[1]

مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری نے ۱۲؍جولائی ۱۹۳۷ء کو جماعت گاروت (جاوا) کی مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا۔[2] اگست ۱۹۳۷ء میں اسلامی اصول کی فلاسفی کا ملایا زبان کا ترجمہ اشاعت پذیر ہوا۔[3]

جماعت احمدیہ پاڈانگ کے ایک مخلص رکن ڈمنگ صاحب ڈاٹو مواجہ ۱۳؍نومبر ۱۹۳۷ء کو ۶۵ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ مرحوم مولوی رحمت علی صاحب کے ہاتھ پر داخلِ احمدیت ہوئے تھے اور سماٹرا میں سابقون میں شمار کئے گئے۔ اخلاص کی وجہ سے جماعت سماٹرا میں نہایت عزت اور وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض سے غایت درجہ عقیدت و محبت تھی۔ ۱۹۲۹ء میں اپنے اہل و عیال سمیت مولانا رحمت علی صاحب کے ہمراہ قادیان تشریف لائے۔ اور جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کی اجازت سے مکہ تشریف لے گئے اور حکومت مکہ نے اُن کو جیل میں ڈال دیا۔ تو اس وقت آپ نے ایمان کی مضبوطی اور پختگی کا شاندار نمونہ پیش کیا۔ جماعت پاڈانگ کئی سال سے متفقہ طور پر آپکو پریذیڈنٹ بنانے کی کوشش کرتی مگر آپ یہی چاہتے کہ کوئی دوسرا پریذیڈنٹ ہو لیکن ۱۹۳۷ء میں جب حضرت امیرالمومنین کی طرف سے آپ کا تقرر ہوا تو سرِ تسلیم خم کر لیا۔ مگر اس انتخاب پر ایک سال بھی نہیں گذرا تھا کہ آپ انتقال کر گئے۔[4]

جاوا میں ایک شہر چانجر ہے جس سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ "پچت" نامی ہے۔ جہاں کے لوگ اپنے آپ کو محققین کہتے تھے اور اُن کے لیڈر کا نام پیر ابوبکر تھا۔ ملک عزیز احمد صاحب مبلغ جاوا کو شروع ۱۹۳۷ء میں ابوبکر کے ایک معتمد مرید مسٹر وریاتا سے ملاقات کا موقعہ ملا جنہوں نے دوران گفتگو میں کہا کہ جو کچھ آپ بتاتے ہیں بالکل درست ہے اور میرے پیر صاحب نے ۱۹۲۸ء میں ایک رات ۲ بجے کے قریب مجھے خاص طور پر یاد فرمایا اور کہا کہ سنو۔ یہ علم جو ہم پکڑے ہوئے ہیں اصل نہیں ہے۔ اصل علم جو تمام اُمتِ اسلام کیلئے ہے وہ امام مہدی لائے گا۔ اور امام مہدی ہندوستان میں لاہور کے قریب آچکا ہے اُس کا نام "احمد" ہے۔ لوگ اُن کے مریدوں کی بہت مخالفت کر رہے ہیں۔ اُن کی جماعت ہم سے یہاں ملے گی اور وہ سچی جماعت ہوگی۔[5]

۱۹۳۷ء کی نئی مطبوعات

اس سال مندرجہ ذیل لٹریچر شائع کیا گیا:-

(۱) "بشارت احمد" (پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ناظم دارالترجمہ عثمانیہ کی

---

[1] الفضل ۲۴؍مئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۸۔ [2] الفضل ۲۹؍جولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۸ کالم ۲۔ [3] الفضل ۲۵؍ستمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۸ کالم ۲۔
[4] الفضل ۱۶؍دسمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۸ کالم ۱۔ [5] الفضل ۲۴؍اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

کتاب "قادیانی مذہب" کا مدلّل و مفصل جواب جو سیّد بشارت احمدؐ صاحبؓ امیر جماعت احمدیہ حیدرآباد دکن نے شائع کیا)

(۲) "مباحثہ راولپنڈی" (مابین جماعت احمدیہ وغیر مبائعین)

(۳) "اہلِ پیغام کے بعض خاص کارنامے" (تالیف منیف حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ حلالپوری پروفیسر جامعہ احمدیہ)

(۴) "وید مقدس اور قرآن کریم" (تالیف مولوی ناصرالدین عبداللہ صاحبؓ فاضل سنسکرت)

(۵) "آسمانی پرکاش" بجواب "ستیارتھ پرکاش" (از مولوی ناصرالدین عبداللہ صاحبؓ)

(۶) "تحقیقِ جدید متعلقہ قبر مسیح" (حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کی سفرِ مسیح پر ایک فاضلانہ تصنیف)

(۷) "پہلا پارہ جامع صحیح مسند بخاری" (ترجمہ و شرح حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ)

(۸) "احمدیہ البم" (شائع کردہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؓ درد ایم اے۔ امام مسجد لنڈن۔ اکتیس نہایت عمدہ اور جاذب نظر تصویروں پر مشتمل پہلا مطبوعہ احمدیہ البم)

اندرونِ ملک کے بعض مشہور مناظرے

۱۔ مباحثہ خانقاہ ڈوگراں۔ شروع ۱۹۳۶ء میں یہاں جماعت احمدیہ کا شیعہ اصحاب سے مناظرہ ہوا۔ پہلا مناظرہ اصحابِ ثلاثہ کے مومن ہونے اور اُن کی خلافت پر تھا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے ماسٹر غلام احمد صاحب لکھوکی اور شیعوں کی طرف سے سیّد عبدالغنی صاحب مناظر تھے۔ ماسٹر صاحب نے تیئیس ثبوت قرآن مجید سے پیش کئے۔ شیعہ مناظر نے چند اعتراض کئے جن کا جواب دیا گیا۔ شیعہ مناظر صاحب نے اپنے مؤقف کی تائید میں صرف دو ثبوت پیش کئے جنہیں احمدی مناظر نے قرآن مجید ہی سے غلط ثابت کر دکھایا۔ شیعہ مناظر صاحب چونکہ صرف پانچ منٹ بول کر بیٹھ جاتے تھے اسلئے پبلک کے اصرار پر اُن کا بقیہ وقت ماسٹر صاحب کو دے دیا جاتا۔ دو گھنٹے کے اس مناظرہ کے بعد صداقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تین گھنٹے مناظرہ مقرر تھا لیکن شیعہ مناظر پندرہ منٹ کی پہلی اور دس منٹ کی دوسری تقریر کے دلائل کی تاب نہ لاکر اپنے مولویوں سمیت میدانِ مناظرہ سے بھاگ نکلے۔

مناظرہ کے بعد بہت سے لوگوں نے احمدیوں کو مبارکباد دی اور ایک گریجویٹ نے تو یہ بھی کہا کہ میں نے ایسے واضح دلائل آج تک نہیں سُنے۔ پہلے میں کچھ مذبذب تھا مگر آج تو یقین ہو گیا کہ خلفاء ثلاثہ واقعی خدا کے مقرر کردہ اور اسکے برگزیدہ خلیفہ تھے۔[1]

۲۔ مباحثہ دہلی۔ ۶ر مارچ ۱۹۳۶ء کو مولوی ابوالعطاء صاحب کا "ختم نبوت" کے موضوع پر انجمن سیف الاسلام دہلی کے ایک عالم کے ساتھ مناظرہ ہوا۔ مولوی صاحب موصوف کی فصاحت و بلاغت سے لبریز مدلل تقاریر کا پبلک پر بہت عمدہ اثر تھا۔ مولوی ابوالوفا شاہجہانپوری نے مناظرہ میں ناکامی دیکھ کر مولوی ابوالعطاء صاحب اور دوسرے

---

[1] الفضل ۱۸ر فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۶۔

احباب جماعت پر لاٹھیوں سے حملہ کرادیا۔ کئی احمدیوں کو شدید ضربیں آئیں اور لاٹھیاں تو اکثر دوستوں اور علماء سلسلہ کے بھی لگیں۔ بشرفائے دہلی نے احمدیوں کے صبر و تحمل کی بہت تعریف کی۔ اور انجمن سیف الاسلام والوں کو لعنت ملامت۔ رات کے وقت سناتن دھرمیوں کا انجمن والوں سے مناظرہ تھا۔ مگر انہوں نے کہہ دیا کہ جہاں ایسے اخلاق کا مظاہرہ ہو وہاں ہم جانا نہیں چاہتے۔[۱]

۳۔ **مباحثہ کراچی**۔ کراچی میں مولوی ابوالعطاء صاحب نے ۲۸-۲۹ مارچ ۱۹۳۶ء کو پنڈت رامچندر صاحب آریہ مناظر سے مسئلہ تناسخ اور حدوث روح و مادہ پر مناظرہ کیا۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں، آریوں اور سکھوں نے بھی احمدی مناظر کے زوردار دلائل کی از حد تعریف کی اور کھلم کھلا اقرار کیا کہ پنڈت صاحب موصوف مولوی صاحب موصوف کے اعتراضات کا جواب نہیں دے سکے اور نہ دے سکتے تھے کیونکہ وہ ایسے مسائل کی حمایت میں کھڑے تھے جو غیر فطرتی تھے اور سلیم الفطرت انسان کا کانشنس یہ خلاف عقل عقائد قبول کرنے کیلئے کبھی تیار نہیں ہو سکتا۔[۲]

۴۔ **ضلع ڈیرہ غازیخاں**۔ مارچ ۱۹۳۶ء میں احمدی مناظرین (چوہدری محمد شریف صاحب، مولوی ظفر محمد صاحب، مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشرؔ اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحبؓ موگا) نے سائیں لال حسین صاحب اختر سے ڈیرہ غازیخاں، بستی بزدار اور جام پور میں کامیاب مناظرے کئے۔[۳]

۵۔ **مباحثہ ملتان**۔ ملتان شہر میں ۴ / اپریل ۱۹۳۶ء کو صبح سے لیکر ظہر تک جماعت احمدیہ اور جمعیتہ احناف ملتان کے درمیان جمعیتہ کی جلسہ گاہ میں صداقت حضرت مسیح موعودؑ پر مناظرہ ہوا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولوی ابوالعطاء صاحب مناظر تھے۔ اور جمعیتہ احناف کی طرف سے سائیں لال حسین صاحب اختر!! حسب قاعدہ مدعی ہونے کے باعث احمدی مناظر کی پہلی اور آخری تقریر تھی۔ اسی طرح دوسرے شرائط مناظرہ میں ایک شرط تہذیب و متانت کی تھی۔ مولوی ابوالعطاء صاحب نے اپنی پہلی تقریر میں قرآن مجید، احادیث اور دیگر معقول اور ٹھوس دلائل سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت واضح کی اور آخر وقت تک نہایت ہی سنجیدگی، متانت اور فاضلانہ پیرایہ میں اپنا مضمون نبھاتے رہے۔ مگر فریق ثانی قرآنی معیاروں کی طرف آنے کی بجائے دروغ بیانی، تحریف و تلبیس، بدزبانی اور اشتعال انگیزی پر اُتر آیا اور گالیاں دینے میں حد کردی۔ اور جب احمدی مناظر کی آخری تقریر کا وقت آیا۔ تو فریق مخالف کے پریذیڈنٹ صاحب اور اُن کے ساتھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور محفل مناظرہ درہم برہم ہوگئی۔ احمدیوں نے اس خلاف ورزی کی جانب توجہ دلائی مگر کوئی

---

[۱] الفضل ۱۰ / مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۲ ٭ [۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۴ / اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۸ کالم ۲ و ۴ ٭
[۳] الفضل یکم اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۹ ٭

شنوائی نہ ہوئی۔ آخر بعض پولیس افسروں کے کہنے پر احمدی اصحاب جلسہ گاہ سے باہر آ گئے۔ اس مناظرہ میں حاضرین کی تعداد قریباً دو تین ہزار ہوگی۔ ؎۱

۶۔ مباحثہ لائل پور۔ قاضی محمد نذیر صاحب فاضل نے لائل پور میں ۱۱-۱۲ اپریل ۱۹۳۷ء کو پادری میلارام صاحب سے "صداقت مسیح موعود" اور "الوہیتِ مسیح ناصری" پر مناظرے کئے۔ غیر احمدی اصحاب نے احمدی مناظر کو مبارک باد پیش کی اور اُن کے گلے میں ہار ڈالے۔ ؎۲

۷۔ مباحثہ جھنگ مگھیانہ۔ ۱۹/۲۰ اپریل ۱۹۳۷ء کی درمیانی شب کو آریہ سماج مگھیانہ کے چیلنج پر میونسپل کمیٹی جھنگ مگھیانہ کے باغ میں آریہ سماج اور جماعت احمدیہ کے درمیان ایک معرکۃ الآراء مناظرہ ہوا۔ زیر بحث موضوع مسئلہ تناسخ تھا۔ احمدیوں کی طرف سے قاضی محمد نذیر صاحب فاضل مناظر تھے اور آریہ سماج کیطرف سے پنڈت چرنجی لال صاحب پریم۔ مناظرہ سوا نو بجے شب سے سوا بارہ بجے شب تک نہایت پُرسکون ماحول میں جاری رہا۔ مناظرہ کے خاتمہ پر مسلمانوں نے احمدی مناظر کو مبارک باد دی۔ ؎۳

۸۔ مباحثہ جہلم۔ جہلم میں جماعت احمدیہ اور آریہ سماج کے درمیان ۲۵/۲۶ اپریل ۱۹۳۷ء کو تین مناظرے ہوئے۔ پہلے مناظرہ میں جماعت احمدیہ کی نمائندگی مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل نے اور آریوں کی نمائندگی پنڈت ست دیو صاحب نے کی۔ موضوع یہ تھا کہ "کیا وید الہامی کتاب ہے"۔ مہاشہ صاحب کی طرزِ گفتگو اور سنسکرت کی علمی قابلیت نے سامعین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ دوسرا مناظرہ "کیا قرآن مجید کامل الہامی کتاب ہے" کے مضمون پر تھا۔ جو مولوی ابو العطاء صاحب نے کیا۔ آپ نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ۱۱ دلائل قرآن مجید سے پیش کئے۔ آریہ مناظر صاحب کو ان میں سے ایک دلیل بھی توڑنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ مناظروں کے اختتام پر مسلمان، ہندو، اور سکھ سب کی زبان پر احمدی مناظر کی کامیابی اور آریہ مناظر کی کھلی شکست کے چرچے تھے۔ حتّٰی کہ خود آریہ صاحبان نے اپنے مناظر کی کمزوری اور احمدی مناظر کی کامیابی کا اقرار کیا۔

پنڈت ست دیو صاحب آریہ مناظر چونکہ دونوں مناظروں میں زک اُٹھا چکے تھے اسلئے آریوں نے اپنا خاص قاصد لاہور بھیجا جو پنڈت چرنجی لال صاحب کو بُلا لائے جنہوں نے "مسئلہ تناسخ" پر مناظرہ کیا۔ جماعت احمدیہ کیطرف سے مولوی ابو العطاء صاحب نے نظریہ تناسخ کے ردّ میں قریباً چالیس عقلی اور علمی دلائل پیش کئے۔ ان مناظروں میں سامعین کی تعداد قریباً ۲ ہزار تک رہی۔ مناظروں کے خاتمہ پر اسلام کی فتح اور آریوں کی شکست پر مسلمانوں کیطرف سے بہت خوشی اور مسرّت کا اظہار کیا گیا۔ بعض مسلمان معززین نے یہاں تک اقرار کیا کہ اُنکے دل میں حضرت مرزا صاحبؑ کی عزت گھر کر گئی ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اُنکا زبردست معجزہ ہے کہ اُنکے پیرو مخالفینِ اسلام کی کچلیاں توڑنے میں مصروف ہیں اور

؎۱ الفضل ۹ اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۲ ؎۲ الفضل ۱۴ اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۲ کالم ۱ ؎۳ الفضل ۲۷ اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۷

ہر میدان میں فتح حاصل کر رہے ہیں۔[۱]

۹۔ مباحثہ راولپنڈی [۱]:۔ راولپنڈی کے غیر مبائعین کا ایک جلسہ ۱-۲ رمئی ۱۹۳۷ء کو منعقد ہوا۔ ۲ رمئی کو میر مدثر شاہ صاحب پشاوری نے تقریر کی جس میں حضرت مسیح موعودؑ کی ۱۹۰۱ء سے قبل کی تحریرات پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت اقدسؑ نے اپنے تئیں مجازی نبی اور اُمتی نبی قرار دیا ہے جس سے مُراد یہ ہے کہ آپ محدث ہیں۔ تقریر کے بعد ایک گھنٹہ سوال و جواب کے لئے تھا۔ جماعتِ احمدیہ راولپنڈی کی طرف سے اس موقعہ پر قاضی محمد نذیر صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی واضح تحریرات کی روشنی میں مدثر شاہ صاحب کی تقریر پر متعدد اعتراضات کئے جنہیں سُنکر میر مدثر شاہ صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں گستاخی اور تمسخر پر اُتر آئے اور احراریوں کو اپنے ساتھ ملانے اور اُن کی ہمدردی حاصل کرنے کیلئے عجیب قسم کی حرکات کرنے لگے اور پبلک نے پُورے طور پر محسوس کر لیا کہ میر صاحب جماعتِ احمدیہ کے مطالبات کا جواب دینے سے سراسر قاصر رہے ہیں۔[۲]

۱۰۔ مباحثہ راولپنڈی [۲]:۔ راولپنڈی میں پہلے زبانی مباحثہ کے بعد غیر مبائعین سے ۲۰ رجون سے لیکر ۲۶ رجون ۱۹۳۷ء تک ایک فیصلہ کن تحریری مناظرہ بھی ہوا۔ یہ مناظرہ ماسٹر دیوان چند صاحب سیکرٹری برہمو سماج کے ہال میں منعقد ہوا اور اس میں مولوی ابو العطاء صاحب فاضل نے جماعت احمدیہ کیطرف سے اور مولوی اختر حسین صاحب گیلانی اور مولوی عمر الدین صاحب[۳] شملوی نے غیر مبائعین کی جانب سے بطور مناظر شرکت کی۔ مناظرہ کے دوران قاضی محمد نذیر صاحب فاضل نے جماعت احمدیہ راولپنڈی کیطرف سے پریذیڈنٹ کے فرائض انجام دیئے۔ آپ کے علاوہ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ، مولوی محمد صادق صاحب مبلغ سماٹرا اور چودھری خلیل احمد صاحب ناصر بھی بطور معاون موجود رہے مضامین زیر بحث یہ تھے (۱) پیشگوئی مصلح موعود (۲) مسئلہ خلافت و انجمن (۳) مسئلہ نبوّت حضرت مسیح موعود علیہ السلام (۴) مسئلہ کفر و اسلام روزانہ تمام دن پرچے لکھے جاتے اور رات کے وقت نو بجے سُنائے جاتے تھے۔[۴]

یہ عظیم الشان مناظرہ بعد کو مشترکہ اخراجات پر "مباحثہ راولپنڈی" کے نام سے شائع کر دیا گیا۔

۱۱۔ مباحثہ سنگرور:۔ سنگرور میں ۱۷، ۱۸، ۱۹ رجولائی کو تینوں اختلافی مسائل پر مناظرے ہوئے جس میں جماعت احمدیہ کیطرف سے مولوی محمد یار صاحب عارف سابق مبلغ انگلستان نے اور اہلسنت و الجماعت کیطرف سے سائیں لال حسین صاحب اختر نے بحث کی۔ بہت سے غیر احمدی معززین اور غیر مسلم شرفاء نے جماعت احمدیہ کے فاضل مناظر کی فاضلانہ تقریروں کی داد دی۔ اور فریق ثانی کی بد اخلاقی اور بدزبانی کا کھلا اعتراف کیا۔[۵]

---

[۱] الفضل ۶ رمئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۰ ؛ [۲] قاضی محمد نذیر صاحب کے اعتراضات کی تفصیل اخبار الفضل ۱۲ رمئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۸ پر چھپی ہوئی موجود ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے ؛ [۳] مسئلہ نبوت پر مناظرہ آپ نے کیا تھا ؛ [۴] اس مناظرہ کی ستائیس شرائط تھیں جن پر عنایت اللہ صاحب سیکرٹری تبلیغ جماعت احمدیہ اور مرزا غلام ربانی صاحب سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام راولپنڈی نے دستخط کئے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "مباحثہ راولپنڈی" صفحہ ا-ج) ؛ [۵] الفضل ۲۵ رجولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۰ ؛

پانچواں باب

مجلس خدام الاحمدیہ کی بنیاد سے
"سیر رُوحانی" کے پُر معارف لیکچروں کے آغاز تک

خلافتِ ثانیہ کا پچیسواں ۲۵ سال

شوال ۱۳۵۶ھ — تا — ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ
جنوری ۱۹۳۸ء — دسمبر ۱۹۳۸ء

فصل اوّل

مجلس خدام الاحمدیہ کا قیام اور اُسکی ابتدائی دس سالہ مختصر تاریخ

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی نے اللہ تعالیٰ کی مشیّتِ خاص کے ماتحت عالمگیر غلبۂ اسلام کے لئے جن عظیم الشان تحریکات کی بنیاد رکھی اُن میں سے نہایت شاندار نہایت اہم اور مستقبل کے اعتبار سے نہایت دُور رس نتائج کی حامل تحریک مجلس خدام الاحمدیہ ہے جس کا قیام ۱۹۳۸ء کے آغاز میں ہُوا۔ حضور کو اپنے عہدِ خلافت کی ابتداء ہی سے احمدی نوجوانوں کی تنظیم و تربیت کی طرف ہمیشہ توجہ رہی کیونکہ قیامت تک اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبۂ اسلام کے لئے ضروری تھا کہ ہر نسل پہلی نسل کی پوری قائم مقام ہو اور جانی اور مالی قربانیوں میں پہلوں کے نقشِ قدم پر چلنے والی ہو اور ہر زمانے میں جماعت احمدیہ کے نوجوانوں کی تربیت اس طور پر ہوتی رہے کہ وہ اسلام کا جھنڈا بلند رکھیں۔

حضرت امیر المومنین نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے وقتاً فوقتاً مختلف انجمنیں قائم فرمائیں مگر ان سب تحریکوں کی جملہ خصوصیات مکمل طور پر مجلس خدام الاحمدیہ کی صورت میں جلوہ گر ہوئیں اور حضرت امیر المومنین کی براہِ راست قیادت غیر معمولی توجہ اور حیرت انگیز قوتِ قدسی کی بدولت مجلس خدام الاحمدیہ میں تربیت پانے کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ کو

ایسے مخلص اور ایثار پیشہ اور دردمند دل رکھنے والے اور انتظامی قابلیتیں اور صلاحیتیں رکھنے والے مدبر دماغ میسر آ گئے جنہوں نے آگے چل کر سلسلہ احمدیہ کی عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ نہایت خوش اسلوبی اور کامیابی سے اپنے کندھوں پر اٹھایا اور آئندہ بھی ہم خدا تعالیٰ سے یہی امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر نسل میں ایسے لوگ پیدا کرتا چلا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس مجلس کی بنیاد رکھتے ہوئے پیشگوئی فرمائی تھی کہ

"میں دیکھ رہا ہوں کہ ہماری طرف سے (دشمن کے[1]) ان حملوں کا کیا جواب دیا جائیگا۔ ایک ایک چیز کا اجمالی علم میرے ذہن میں موجود ہے اور اسی کا ایک حصہ خدام الاحمدیہ ہیں اور درحقیقت یہ رُوحانی ٹریننگ اور روحانی تعلیم و تربیت ہے ...... بے شک وہ لوگ جو ان باتوں سے واقف نہیں وہ میری ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے کیونکہ ہر شخص قبل از وقت ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے جو وہ اپنے کسی بندے (کو) دیتا ہے ......

...... آج نوجوانوں کی ٹریننگ کا زمانہ ہے اور اُن کی تربیت کا زمانہ ہے اور ٹریننگ کا زمانہ خاموشی کا زمانہ ہوتا ہے۔ لوگ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ کچھ نہیں ہو رہا۔ مگر جب قوم تربیت پاکر عمل کے میدان میں نکل کھڑی ہوتی ہے تو دنیا انجام دیکھنے لگ جاتی ہے۔ درحقیقت ایک ایسی زندہ قوم جو ایک ہاتھ کے اُٹھنے پر اُٹھے اور ایک ہاتھ کے گرنے پر بیٹھ جائے دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا کرتی ہے۔"[2]

خدام الاحمدیہ کے قیام کی بنیادی غرض

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مجلس خدام الاحمدیہ کی تاسیس کے زمانہ میں واضح لفظوں میں اس کی غرض و غایت یہ بیان فرمادی تھی:-

"میری غرض اس مجلس کے قیام سے یہ ہے کہ جو تعلیم ہمارے دلوں میں دفن ہے اُسے ہوا نہ لگ جائے بلکہ وہ اسی طرح نسلاً بعد نسلٍ دلوں میں دفن ہوتی چلی جائے۔ آج وہ ہمارے دلوں میں دفن ہے تو کل وہ ہماری اولادوں کے دلوں میں دفن ہو اور پرسوں اُن کی اولادوں کے دلوں میں۔ یہاں تک کہ یہ تعلیم ہم سے وابستہ ہو جائے۔ ہمارے دلوں کے ساتھ چمٹ جائے اور ایسی صورت اختیار کرے جو دنیا کے لئے مفید اور بابرکت ہو۔ اگر ایک یا دو نسلوں تک

---

[1] ناقل [2] الفضل ۷ر اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ، کالم ۳

یہ تعلیم محدود رہی تو کبھی ایسا پختہ رنگ نہ دیگی جس کی اس سے توقع کی جاتی ہے[۵]۔"

مجلس خدّام الاحمدیہ کی داغ بیل

مجلس خدام الاحمدیہ کے قیام کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۳۱ جنوری ۱۹۳۸ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خصوصی اجازت اور شیخ محبوب عالم صاحب ایم۔اے کی دعوت پر قادیان کے مندرجہ ذیل دس نوجوان ان کے مکان (متصل بورڈنگ مدرسہ احمدیہ) پر جمع ہوئے۔

(۱) مولوی قمر الدین صاحب (۲) حافظ بشیر احمد صاحب (۳) مولانا ظہور حسین صاحب۔

(۴) مولوی غلام احمد صاحب فرخ (۵) مولوی محمد صدیق صاحب (۶) سید احمد علی صاحب (۷) حافظ قدرت اللہ صاحب (۸) مولوی محمد یوسف صاحب (۹) مولوی محمد احمد صاحب جلیل

(۱۰) چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر

ان احباب نے صدارت کے لئے مولوی قمر الدین صاحب کا اور سیکرٹری کے لئے شیخ محبوب عالم صاحب خالد کا انتخاب کیا۔ان نوجوانوں نے خدا تعالیٰ کے فضل و نصرت پر بھروسہ رکھتے ہوئے تائیدِ خلافت میں کوشاں رہنے اور اس کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ کے خلاف سینہ سپر ہونے کا عزم کیا۔

اس مجلس کی بنیاد چونکہ حضرت امیر المومنین کی اجازت سے رکھی جا رہی تھی اس لئے حضور ہی سے اس کا نام رکھنے کی درخواست کی گئی۔حضور نے ۴ر فروری ۱۹۳۸ء کو اس تنظیم کو "مجلس خدام الاحمدیہ" کے نام سے موسوم فرمایا اور فروری اور مارچ میں قادیان کے مختلف حلقوں میں اس کی شاخیں قائم کر دی گئیں۔ان دوران میں مجلس کا کام یہ تھا کہ اس کے ارکان قرآن و حدیث۔تاریخ۔فقہ اور احمدیت و اسلام کے متعلق کتب دینیہ کا مطالعہ کرتے اور مخالفِ احمدیت و خلافت فتنوں کے جواب میں تحقیق و تدقیق کرتے۔ان دنوں شیخ عبدالرحمن صاحب مصری کا فتنہ برپا تھا۔چنانچہ مجلس نے یکے بعد دیگرے دو ٹریکٹ شیخ مصری صاحب کے اشتہارات کے رد میں لکھے جو بہت مقبول ہوئے۔پہلا ٹریکٹ "شیخ مصری صاحب کا صحیح طریق فیصلہ سے فرار" کے عنوان سے شائع ہوا۔دوسرے کا عنوان "روحانی خلفاء کبھی معزول نہیں ہو سکتے" تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ارکانِ مجلس کی ان ابتدائی علمی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

---

[۵] الفضل ۱۷ر فروری ۱۹۳۹ء صفحہ ۳ کالم ۱-۲

"اگر دوست چاہتے ہیں کہ وہ تحریک جدید کو کامیاب بنائیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ جس طرح ہر جگہ لجنات اماء اللہ قائم ہیں اسی طرح ہر جگہ نوجوانوں کی انجمنیں قائم کریں۔ قادیان میں بعض نوجوانوں کے دل میں اس قسم کا خیال پیدا ہوا تو انہوں نے مجھ سے اجازت حاصل کرتے ہوئے ایک مجلس خدام الاحمدیہ کے نام سے قائم کر دی ہے ...... میں نے خاص طور پر انہیں یہ ہدایت دی ہے کہ جن لوگوں کی شخصیتیں نمایاں ہو چکی ہیں ان کو اپنے اندر شامل نہ کیا جائے تا انہیں خود کام کرنے کا موقعہ ملے ہاں دوسرے درجہ یا تیسرے درجہ کے لوگوں کو شامل کیا جا سکتا ہے تا انہیں خود کام کرنے کی مشق ہو اور قومی کاموں کو سمجھ سکیں اور انہیں سنبھال سکیں۔ چنانچہ میں نے دیکھا ہے کہ اس وقت تک انہوں نے جو کام کیا ہے اچھا کیا ہے اور محنت سے کیا ہے ...... شروع میں وہ بہت گھبرائے انہوں نے ادھر اُدھر سے کتابیں لیں اور پڑھیں اور لوگوں سے دریافت کیا کہ فلاں بات کا کیا جواب دیں۔ مضمون لکھے اور بار بار کاٹے مگر جب مضمون تیار ہو گئے اور انہوں نے شائع کئے تو وہ نہایت اعلیٰ درجہ کے تھے[۵۱]"

اپریل ۱۹۳۸ء میں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے مسلسل خطبات کے ذریعہ قادیان اور باہر کی جماعتوں میں اس مجلس کے قیام کا ارشاد فرمایا۔ قبل ازیں مجلس کا کام صرف علمی حد تک تھا۔ مگر اب اس کا پروگرام مندرجہ ذیل تجویز ہوا:۔

۱۔ اپنے ہاتھ سے روزانہ اجتماعی صورت میں آدھ گھنٹہ کام کرنا۔

۲۔ درس و تدریس۔

۳۔ تلقین پابندئ نماز۔

۴۔ بیوگان معذوروں اور مریضوں کی خبر گیری۔

۵۔ تکفین و تدفین اور تقاریب میں امداد وغیرہ

اس بنیادی پروگرام کے ساتھ ساتھ حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ نے جماعت کے نوجوانوں کو انسداد آوارہ گردی اور فریضہ تبلیغ کی ادائیگی کی طرف بھی متوجہ فرمایا۔

---

۵۱ الفضل ۱۰ اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۵۔

ان ابتدائی مراحل سے گذرنے کے بعد مجلس خدام الاحمدیہ کا مستقل لائحہ عمل حسب ذیل قرار پایا اور اسی کے مطابق مجلس کا کام بھی مختلف شعبوں میں تقسیم کیا گیا :-

۱- سلسلہ عالیہ احمدیہ کے نوجوانوں کی تنظیم ۔

۲- سلسلہ عالیہ احمدیہ کے نوجوانوں میں قومی رُوح اور ایثار پیدا کرنا ۔

۳ - اسلامی تعلیم کی ترویج و اشاعت ۔

۴ - نوجوانوں میں ہاتھ سے کام کرنے اور صاف ماحول میں رہنے کی عادت پیدا کرنا ۔

۵ - نوجوانوں میں مستقل مزاجی پیدا کرنے کی کوشش کرنا ۔

۶ - نوجوانوں کی ذہانت کو تیز کرنا ۔

۷ - نوجوانوں کو قومی بوجھ اٹھانے کے قابل بنانے کیلئے ان کی ورزشِ جسمانی کا اہتمام ۔

۸ - نوجوانوں کو اسلامی اخلاق میں رنگین کرنا (مثلاً سچ - دیانت اور پابندیٔ نماز وغیرہ)

۹ - قوم کے بچوں کی اس رنگ میں تربیت اور نگرانی کہ ان کی آئندہ زندگیاں قوم کے لئے مفید ثابت ہو سکیں ۔

۱۰ - نوجوانوں کو سلسلہ کے کاموں میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینے کی ترغیب و تحریص ۔

۱۱ - نوجوانوں میں خدمتِ خلق کا جذبہ

۱۲ - نوجوانانِ سلسلہ کی بہتری کے لئے حتی الوسع ہر مفید بات کو جامۂ عمل پہنانا ۔

عہدہ دارانِ مرکزیہ

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے پہلے سال کی صدارت کے لئے مولانا قمرالدین صاحب اور سیکرٹری شپ کے لئے شیخ محبوب عالم صاحب خالد کا انتخاب ہُوا اور چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر نائب سیکرٹری مقرر ہوئے ۔ نومبر ۱۹۳۸ء میں سیکرٹری شپ کے فرائض چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر کے سپرد ہوئے اور اسسٹنٹ سیکرٹری سید مختار احمد صاحب ہاشمی منتخب ہوئے اور رضاکارانہ طور پر دفتری فرائض بجا لانے لگے ۔

دوسرے سال انتخاب میں حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کے نام صدارت کا قرعہ پڑا ۔ اور چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر سیکرٹری تجویز کئے گئے ۔

قادیان میں مجلس خدام الاحمدیہ کا پہلا مرکزی دفتر چوہدری علی محمد صاحب کے مکان میں (متصل ریتی چھلہ)

قائم کیا گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ کے لئے بڑے بازار میں سید محمد اسمٰعیل صاحبؓ (برادر حضرت ڈاکٹر سیّد غلام غوث صاحبؓ) کی دکانوں کے چوبارہ میں اور پھر قصرِ خلافت کی طرف جانے والی گلی کے کونہ میں واقع منوّر بلڈنگ[۵۱] کے چوبارہ میں بھی رہا۔ اور ازاں بعد اسے گیسٹ ہاؤس (دارالانوار) میں منتقل کر دیا گیا۔

سید مختار احمد صاحب ہاشمی کا بیان ہے کہ خدام الاحمدیہ کے ابتدائی ایّام میں حضور نے ہدایت دے رکھی تھی کہ جب بھی ہمیں کسی معاملہ میں کوئی دِقّت پیش آئے تو ہم حضور سے مِل سکتے ہیں اور راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حضور کی اس اجازت سے کئی مرتبہ استفادہ کر کے ہدایات حاصل کی جاتی رہیں۔ ایک مرتبہ حضور نے نصیحت فرمائی کہ نوجوانوں کو غلط قیاس آرائی سے بچایا جائے۔ مثلاً اگر حکم دیا جائے کہ خدّام فلاں جگہ جمع ہو جائیں مگر وقت مقررہ پر آندھی آجائے یا بارش ہونے لگے تو کوئی خادم یہ قیاس نہ کرے کہ اس آندھی یا بارش میں کون آئیگا؟ بہرحال خواہ کچھ ہو خادم کو وقت مقررہ پر ضرور پہنچ جانا چاہیئے اور اگر وہاں اُس کے سوا کوئی نہیں آئے تب بھی خادم مقررہ وقت تک وہاں ٹھہرا رہے اس طرح نوجوان غلط اجتہاد سے بچ جائیں گے۔

شروع شروع میں دفتری ذمہ داریاں اکثر و بیشتر سید مختار احمد صاحب ہاشمی کے سپرد تھیں اور آپ انہیں نہایت محنت و عرقریزی سے نبھاتے آرہے تھے مگر ایک سال کے بعد کام اسقدر وسیع ہوگیا کہ مرکزی دفتر کے لئے ۱۰ر مارچ ۱۹۳۹ء کو ایک باتنخواہ محرر کی اسامی کے لئے قرارداد پاس کی گئی۔ جس پر سیّد عبدالباسط[۵۲] صاحب ۱۸ر مارچ ۱۹۳۹ء کو دفتر مجلس خدّام الاحمدیہ مرکزیہ سے وابستہ ہوئے جو اپنی محنت، خلوص، استقلال کی بدولت یکم فروری ۱۹۴۸ء کو معتمد تجویز ہوئے اور ۱۵ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو نائب معتمد مقرر کئے گئے اور اڑھائی برس تک مجلس کی اہم خدمات بجالاتے رہے۔ آپ کے علاوہ ۱۳ر جولائی ۱۹۴۳ء کو ایک نئے کارکن ملک فضل دین صاحب کا اضافہ ہوا جو آج تک دفتری کام کر رہے ہیں۔

۵۱

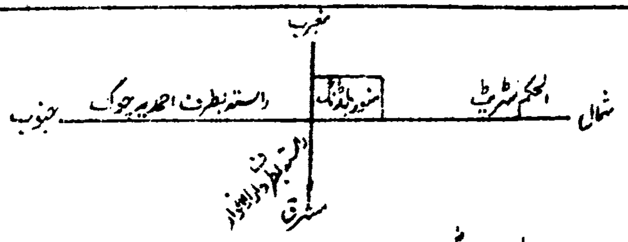

۵۲ آپ کی ولادت حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے عہدِ خلافت میں ۲۸ر جولائی ۱۹۱۳ء کو ہوئی (بدر ۱۴ر اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۵) اور لمبا عرصہ سلسلہ کی خدمت کرنے کے بعد ۲۳ر اپریل ۱۹۶۷ء کو فوت ہوئے اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں سپردِ خاک کئے گئے

دستور اساسی و قواعد و ضوابط

اس دوران میں مجلس عاملہ مرکزیہ نے دو مہینہ کی محنت سے اپنا دستور اساسی تیار کیا[1] جسے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے شرف منظوری عطا فرمایا اور مجلس کا نظم و ضبط انہیں قواعد و ضوابط کی بنیادوں پر استوار کیا گیا۔ ان قواعد کے لحاظ سے ہر سال دسمبر کے پہلے ہفتہ میں مجالس عاملہ حلقہ ہائے قادیان اور مجلس عاملہ مرکزیہ کے اراکین صدر و جنرل سیکرٹری کے لئے دو دو ناموں کی تعیین کی جانے لگی۔ اور ان اسماء کو مجلس کے سالانہ اجتماع میں تمام اراکین کے سامنے پیش کیا جاتا جو کثرت رائے سے صدر و جنرل سیکرٹری کا انتخاب کرتے مجلس کا انتخاب حضرت امیر المومنین کی خدمت میں پیش کیا جاتا۔ حضور کی منظوری کے بعد صدر مجلس مختلف شعبہ جات کے لئے مہتمم خود نامزد کرتے جس سے مجلس عاملہ مرکزیہ کی تشکیل ہوتی۔ چنانچہ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی کی راہنمائی سے خدام الاحمدیہ کے کام کو مندرجہ ذیل شعبوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر شعبہ کے چلانے کے لئے ایک مہتمم مقرر ہوتا رہا:-

شعبہ وقار عمل۔ شعبہ خدمت خلق۔ شعبہ تبلیغ۔ شعبہ تربیت و اصلاح۔
شعبہ تعلیم۔ شعبہ اطفال۔ شعبہ صحت جسمانی۔ شعبہ تجنید۔ شعبہ مال۔
شعبہ اشاعت۔ شعبہ اعتماد[2]۔

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے ابتدائی عہد صدارت میں کام کرنے والے مہتممین

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب فروری ۱۹۳۹ء سے لے کر اکتوبر ۱۹۴۹ء تک صدر مجلس اور بعد ازاں نومبر ۱۹۵۴ء تک نائب صدر[3] منتخب کئے گئے۔ آپ نے اپنے زمانہ صدارت کے ابتدائی دس سالوں میں ۱۹۴۷ء تک وقتاً فوقتاً جن خدام کو مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا عہدیدار مقرر فرمایا ان کی فہرست یہ ہے:-

---

[1] مجلس کے اولین دستور اساسی کا ایک حصہ الفضل ۵ نومبر ۱۹۳۹ء میں شائع شدہ ہے۔

[2] رپورٹ مجلس خدام الاحمدیہ سال اول و دوم سے ملخصاً۔

[3] حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی نے سالانہ اجتماع ۱۹۴۹ء پر اعلان فرمایا کہ "آئندہ مجلس کا صدر میں خود ہوں گا۔"

نمبر شمار	نام عہدہ	سنہ ۳۸-۳۹ء	سنہ ۳۹-۴۰ء	سنہ ۴۰-۴۱ء	سنہ ۴۱-۴۲ء	سنہ ۴۲-۴۳ء	سنہ ۴۳-۴۴ء	سنہ ۴۴-۴۵ء	سنہ ۴۵-۴۶ء	سنہ ۴۶-۴۷ء	سنہ ۴۷-۴۸ء
۱	نائب صدر	مولوی ظہور حسین صاحب	مولوی قمر الدین صاحب فاضل	مرزا منصور احمد صاحب	مرزا منصور احمد صاحب	مرزا منصور احمد صاحب	مرزا منصور احمد صاحب	چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر	چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ	چوہدری غلام یٰسین صاحب	صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب
۲	معتمد و مہتمم اشاعت	محبوب عالم صاحب خالد خلیل احمد صاحب ناصر	خلیل احمد صاحب ناصر	خلیل احمد صاحب ناصر	خلیل احمد صاحب ناصر	خلیل احمد صاحب ناصر	خلیل احمد صاحب ناصر	ملک عطاء الرحمن صاحب	ملک عطاء الرحمن صاحب	عباس احمد خان صاحب مرزا رفیع احمد صاحب	چوہدری ظہور احمد صاحب
۳	نائب معتمد	نذیر احمد صاحب مبارک غلام احمد صاحب فرخ	سید مختار احمد صاحب ہاشمی	مرزا منیر احمد صاحب حافظ قدرت اللہ صاحب	حافظ قدرت اللہ صاحب	سعید احمد صاحب فاروقی	مولوی محمد صدیق صاحب	شیخ ناصر احمد صاحب	مرزا رفیع احمد صاحب	مرزا رفیع احمد صاحب چوہدری عزیز احمد صاحب	مرزا بشیر احمد بیگ صاحب
۴	مہتمم تربیت و اصلاح	—	—	ملک عمر علی صاحب	چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ	مولوی نور الحق صاحب انور	محبوب عالم صاحب خالد مولوی ناصر الدین صاحب	چوہدری غلام یٰسین صاحب	چوہدری غلام یٰسین صاحب	شیخ مبارک احمد صاحب	مرزا منور احمد صاحب
۵	مہتمم مال	—	مولوی ظہور حسین صاحب	مرزا منیر احمد صاحب	ملک عطاء الرحمن صاحب	ملک عطاء الرحمن صاحب	ابو المنیر نور الحق صاحب مرزا منور احمد صاحب	مرزا منور احمد صاحب	مرزا منور احمد صاحب	چوہدری عبد الباری صاحب	چوہدری عزیز احمد صاحب
۶	مہتمم ایثار و استقلال	—	—	مولوی قمر الدین صاحب	ماسٹر محمد ابراہیم صاحب	مرزا مبارک احمد صاحب	چوہدری ولی محمد صاحب	مولوی ناصر الدین محمود صاحب	صوفی بشارت الرحمن صاحب	چوہدری محمد علی صاحب	مشتاق احمد صاحب ظہیر
۷	مہتمم ذہانت و صحت جسمانی	—	—	مرزا منصور احمد صاحب	چوہدری غلام یٰسین صاحب	چوہدری غلام یٰسین صاحب	چوہدری غلام یٰسین صاحب	مرزا منصور احمد صاحب	سید فضل احمد صاحب	مرزا مبارک احمد صاحب	" " "
۸	" خدمت خلق	—	—	مولوی سیف الرحمن صاحب	شیخ ناصر احمد صاحب	ملک سیف الرحمن صاحب	میاں عباس احمد خان صاحب کرم الٰہی صاحب ظفر	مولوی محمد صدیق صاحب	چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر	ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب	ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب
۹	" وقار عمل	—	چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ	شیخ ناصر احمد صاحب	مرزا منور احمد صاحب	شیخ ناصر احمد صاحب	چوہدری غلام حسین صاحب	چوہدری ظہور احمد صاحب	شیخ ناصر احمد صاحب	چوہدری ظہور احمد صاحب	محبوب عالم صاحب خالد
۱۰	" اطفال	—	—	محبوب عالم صاحب خالد	محبوب عالم صاحب خالد	محبوب عالم صاحب خالد	مشتاق احمد صاحب باجوہ مولوی محمد حفیظ صاحب	مشتاق احمد صاحب باجوہ	چوہدری محمد علی صاحب	محبوب عالم صاحب خالد	" " "
۱۱	" تجنید	—	—	ملک عطاء الرحمن صاحب	مرزا مبارک احمد صاحب	چوہدری عبد اللطیف صاحب	چوہدری عبد اللطیف صاحب	حافظ قدرت اللہ صاحب	چوہدری ظہور احمد صاحب	مرزا بشیر احمد بیگ صاحب	مرزا مبارک احمد صاحب
۱۲	" تبلیغ و اصلاح وارد	—	—	—	—	—	—	—	میاں عباس احمد خان صاحب	مرزا منور احمد صاحب	مرزا رفیع احمد صاحب
۱۳	مہتمم عمومی	—	—	ملک عطاء الرحمن صاحب	—	مرزا منصور احمد صاحب	—	محبوب عالم صاحب خالد	ملک عطاء الرحمن صاحب	چوہدری غلام یٰسین صاحب	چوہدری عبد الباری صاحب
۱۴	" تنفیذ	—	—	—	—	مرزا منور احمد صاحب	حافظ قدرت اللہ صاحب	چوہدری غلام یٰسین صاحب	غلام احمد صاحب بشیر	ملک عزیز الرحمن صاحب	" " "
۱۵	" تحریک جدید	—	—	—	—	—	—	—	—	—	—
۱۶	" تعلیم	—	—	مشتاق احمد صاحب باجوہ	چوہدری عبد اللطیف صاحب	مشتاق احمد صاحب باجوہ	ملک عطاء الرحمن صاحب	خلیل احمد صاحب ناصر	مشتاق احمد صاحب باجوہ	صوفی بشارت الرحمن صاحب	چوہدری محفوظ الرحمن صاحب
۱۷	" محاسب	—	مشتاق احمد صاحب باجوہ	ملک عطاء الرحمن صاحب	—	ماسٹر محمد ابراہیم صاحب	مرزا مبارک احمد صاحب	چوہدری شبیر احمد صاحب	عبد الرحمن صاحب ناصر	چوہدری عزیز احمد صاحب	" " "
۱۸	نگران - امین مجالس خدام الاحمدیہ قادیان	—	راجہ محمد اسلم صاحب بی اے چوہدری محمد شریف صاحب باجوہ								

ارکان مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ قادیان (۱۹۴۵-۱۹۴۶ء)

کرسیوں پردائیں سے بائیں:۔ا۔مرزا منور احمد صاحب فاضل ۲۔پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد ۳۔صاحبزادہ عباس احمد خان صاحب ۴۔سیدنا حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب۔۵۔ملک عطاء الرحمٰن صاحب۔۶۔چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر۔۷۔صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب۔

کرسیوں سے پیچھے پہلی قطار میں۔صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب۔۲ مولوی غلام احمد صاحب شیر۔۳۔صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب۔

۴۔ حافظ قدرت اللہ صاحب۔۵۔چوہدری ظہور احمد صاحب۔۶۔سیٹھ معین الدین صاحب حیدرآبادی۔

دوسری قطار۔ا۔چوہدری عبداللطیف صاحب۔۲۔چوہدری ظہور احمد صاحب بی اے۔۳۔صوفی بشارت الرحمٰن صاحب

سالانہ اجتماع مجلس خدام الاحمدیہ قادیان کا ایک منظر ۱۹۴۴ء ''اندازا''

خدمتِ خلق سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشادات کے ماتحت شعبۂ خدمتِ خلق کو شروع ہی سے مجلس خدام الاحمدیہ کے لائحہ عمل میں کلیدی اور بنیادی حیثیت دی جاتی تھی۔ کیونکہ جماعتِ احمدیہ کے قیام کی ایک اہم غرض بنی نوع انسان کی خدمت تھی۔

قادیان اور بیرونِ قادیان کے خدام کی انفرادی اور اجتماعی مساعی مختلف الاقسام تھیں جن کی تفصیل بہت زیادہ طویل ہو جائیگی۔ مختصر یہ کہ مقامی اور بیرونی مجالس اس زمانہ میں جو کام کرتی تھیں ان کو حسب ذیل موٹی موٹی شقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :-

۱ - بلاتفریق مذہب و ملّت ناداروں، معذوروں، بیواؤں اور غرباء کی نقدی، سامان خورد و نوش اور ملبوسات وغیرہ سے امداد۔

۲ - بیواؤں، بیماروں اور ان احباب کی جو چلنے پھرنے سے عاری ہوں خبر گیری۔ اُن کو سودا سلف لا کر دینا اور حتی المقدور خدمت کرنا۔

۳ - مسافروں کی راہنمائی۔ انکے لئے ریزگاری مہیّا کرنا۔ اُنکا سامان اٹھا کر منزل مقصود تک لے جانا۔

۴ - انسداد امراض کے لئے تدابیر کرنا۔ مثلاً عام گذرگاہوں اور نالیوں کی صفائی۔ مکھی مچھر تلف کرنے کی کوشش۔

۵ - غرباء کے لئے محلّوں سے آٹا اکٹھا کرکے اُن کی امداد کرنا۔

۶ - جلسہ سالانہ اور مجلس مشاورت پر مہمانوں کی خدمت۔ کھانا کھلانا اور حتی المقدور دوسری ضروریات بہم پہنچانا۔

۷ - شادی بیاہ کی تقاریب کے انتظامات۔

۸ - آتش زدگیوں کے مواقع پر اپنی خدمات پیش کرنا۔

۹ - بچوں کی گمشدگی پر ان کی ممکن ذرائع سے تلاش۔

۱۰ - تجہیز و تکفین کے انتظامات میں امداد۔ ناداروں کیلئے کفن وغیرہ مہیّا کرنا اور پسماندگان کی امداد۔

۱۱ - غیر مذاہب کی سوسائٹیوں اور جلسوں میں رضاکارانہ اپنی خدمات پیش کرنا۔

۱۲ - اپنی جماعت کے جلسوں وغیرہ میں انتظامات کرنا اور دوسرے کاموں میں امداد دینا۔

مجلس کا بیج آغاز کار ہی میں اراکینِ مجلس خدام الاحمدیہ کے لئے ایک امتیازی بیج بنوایا گیا جسکی

زمین سیاہ تھی اور اس کے نقوش میں منارۃ المسیح تھا۔ جس کے اوپر ایک جھنڈا لہرا رہا تھا جس پر کلمہ طیبہ مندرج تھا۔ ساتھ ہی ہلال نے ستارے کے نشان ثبت تھے۔ ہلال کے ساتھ واستبقوا الخیرات کے الفاظ نقش تھے نیچے پیور رکن مجلس خدام الاحمدیہ" بھی لکھا ہوا تھا۔

مجلس کا پہلا شہید حافظ بشیر احمد صاحب جالندھری

حافظ بشیر احمد صاحب جالندھری مجلس خدام الاحمدیہ کے بالکل ابتدائی ارکان میں سے تھے اور نہایت جوش اور اخلاص کے ساتھ مجلس کے پروگرام کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ حلقہ وار مجالس کے قیام کے بعد آپ مجلس خدام الاحمدیہ دارالرحمت کے زعیم مقرر ہوئے۔ آپ نے نہایت ہی جوش اور اخلاص کے ساتھ مجلس کے لئے انتھک محنت کی اور اس سرگرمی کے دوران ۲ رمئی ۱۹۳۸ء کو خدام الاحمدیہ کا اجتماعی کام کرتے ہوئے دماغ کی رگ پھٹ جانے سے وفات پاگئے۔ انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون

حافظ صاحب مجلس خدام الاحمدیہ کے پہلے شہید تھے جنہوں نے اپنے خون سے نوجوانانِ احمدیت کی اس تنظیم کی آبیاری کی۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس سانحہ کا مندرجہ ذیل الفاظ میں تذکرہ فرمایا:-

"حافظ بشیر احمد[۵] حافظِ قرآن۔ جامعہ کے فارغ التحصیل۔ وقف کنندہ۔ خدام الاحمدیہ کے مخلص کارکن اور اُن نوجوانوں میں سے تھے جن کے مستقبل کی طرف سے نہایت اچھی خوشبو

۵ے حافظ صاحب مرحوم ۸ راپریل ۱۹۱۲ء کو صوفی علی محمد صاحب پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ لاہور چھاؤنی کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت خان صاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ ناظر بیت المال کی چھوٹی ہمشیرہ تھیں۔ آپ نے بچپن میں ہی قرآن مجید حفظ کیا۔ ۱۹۲۴ء میں مدرسہ احمدیہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۴ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کرکے مبلغین کلاس میں شامل ہوگئے اور یکم اگست ۱۹۳۶ء کو مبلغ کے فرائض سرانجام دینے لگے۔ وفات سے صرف دو روز قبل آپ ایک تبلیغی دورے سے واپس آئے۔ ۲ رمئی ۱۹۳۸ء کی صبح کو قریباً چار بجے بیدار ہوئے۔ نماز فجر ادا کی۔ بعد ازاں خدام الاحمدیہ کے دیگر ممبروں کے ساتھ نالیوں کی درستی کا کام شروع کر دیا۔ اسی اثناء میں درد سر کی شکایت ہوئی جو لحظہ بلحظہ شدت اختیار کرتی گئی حتیٰ کہ بیہوشی طاری ہوگئی۔ اسپر آپ کو فوراً ہسپتال لے جایا گیا۔ جہاں ہر ممکن تدابیر کے باوجود پونے نو بجے آپ کی رُوح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ (شیخ خورشید احمد صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل کے مضمون مطبوعہ الفضل ۲۸ راکتوبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۶ سے ملخصاً)

آ رہی تھی مگر اللہ تعالیٰ کی مشیئت کچھ اور تھی۔ اُس نے انہیں خدام الاحمدیہ کے لئے ایک مثال اور نمونہ بنانا تھا۔ جس جماعت کے بنتے ہی اس کے کارکنوں کو شہادت کا موقعہ مل جائے۔ اُس کے مستقبل کے شاندار ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا اور اس کے عزت مند افراد اپنی روایات قائم رکھنے کے لئے ہمیشہ جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ پس یہ موت تکلیف دِہ تو ہے لیکن اس کے پیچھے خدا تعالیٰ کی ایک حکمت کام کرتی نظر آ رہی ہے۔[۵۱]"

خدام الاحمدیہ کا عہد نامہ

مجلس کے ابتدائی دَور میں ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے احمدی نوجوانوں کے لئے ایک عہد تجویز فرما دیا تھا جس کے الفاظ یہ تھے :۔

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (ایک مرتبہ)
مَیں اقرار کرتا ہوں کہ قومی اور ملّی مفاد کی خاطر اپنی جان مال اور عزت کی قربانی کی پرواہ نہیں کروں گا۔
(تین بار)"

جون ۱۹۴۲ء میں حضور نے عہد نامہ کے اردو الفاظ میں حسب ذیل ترمیم فرمائی :۔

"مَیں اقرار کرتا ہوں کہ قومی اور ملّی مفاد کی خاطر مَیں اپنی جان مال اور عزت کو قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہوں گا۔[۵۲]"

اس کے بعد حضور نے ۱۹ر اکتوبر ۱۹۵۶ء[۵۳] کو عہد نامہ میں کچھ ترمیم کی اور اُس کی آخری صورت یہ تھی :۔

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ دینی، قومی اور ملّی مفاد کی خاطر مَیں اپنی جان، مال، وقت اور عزت کو قربان کرنے کے لئے ہر دم تیار رہوں گا۔
اسی طرح خلافتِ احمدیہ کے قائم رکھنے کی خاطر ہر قربانی کے لئے تیار رہونگا۔
اور خلیفۂ وقت جو بھی معروف فیصلہ فرمائیں گے اس کی پابندی کرنی ضروری سمجھونگا۔[۵۴]"

---

۵۱ رپورٹ خدام الاحمدیہ سال اوّل صفحہ ۳۸ — ۵۲ الفضل ۷ر جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۲

۵۳ الفضل ۲۱ر اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ کالم ۲

۵۴ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا ۱۲ر جون ۱۹۶۱ء کا منظور شدہ دستور اساسی مجلس خدام الاحمدیہ۔

پہلا سالانہ اجتماع اور حضرت امیر المومنین کی نصائح

مجلس خدام الاحمدیہ کا پہلا سالانہ اجتماع ۲۵ دسمبر ۱۹۳۸ء کو ۳ بجے بعد دوپہر مسجد نور میں منعقد ہوا جس میں صرف حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ہی نے خطاب فرمایا۔ اور خدام کو نہایت بیش قیمت پندو نصائح فرمائیں۔ جن کا ملخص یہ تھا کہ:-

"قومی ترقی کا تمام تر انحصار نوجوانوں پر ہوتا ہے اگر کسی قوم کے نوجوان ان روایات کے صحیح طور پر حامل ہوں جو اس قوم میں چلی آتی ہوں تو وہ قوم ایک لمبے عرصہ تک زندہ رہ سکتی ہے۔ لیکن اگر آئندہ پود نکمی ہو تو قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی بلکہ جو ترقی حاصل ہو چکی ہو وہ بھی تنزّل سے بدل جاتی ہے۔ اس ضمن میں حضور نے نظام سلسلہ کی کامل پابندی کی طرف اور ان امور مشفقیہ کی طرف نوجوانوں کو توجہ دلائی جن کا خدام الاحمدیہ کے لائحہ عمل میں ذکر ہے۔ اور نوجوانوں کو نصیحت فرمائی کہ (۱) احمدیت کے متعلق اپنے دلوں میں جذبۂ احترام پیدا کریں (۲) استقلال کا مادہ پیدا کریں (۳) محنت کی عادت ڈالیں (۴) اجتہادات اور قیاسات سے کام لینے سے اجتناب کریں۔ (۵) وسعتِ نظر پیدا کریں اور حالاتِ حاضرہ سے گہری واقفیت حاصل کریں (۶) دیانت کی روح پیدا کی جائے (۷) خدمتِ خلق کے کاموں میں حصّہ لیا جائے (۸) سچائی کو اختیار کیا جائے (۹) اپنے مقصود کو ہر وقت اپنے سامنے رکھا جائے۔ (۱۰) اپنے آپ کو کام کے نتائج کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ (۱۱) اگر کوئی قصور ہو جائے تو سزا برداشت کرنے کے لئے تیار رہیں (۱۲) اس امر کو سمجھا جائے کہ جو شخص قوم کے لئے فنا ہوتا ہے وہ فنا نہیں ہوتا اور یہ کہ جب تک قوم زندہ ہے اس وقت تک ہی حقیقی زندگی باقی ہے۔ پس قومی زندگی کے قیام کے مقابلہ میں انفرادی قربانی کوئی حقیقت نہیں رکھتی (۱۳) صرف اپنی اصلاح نہ کی جائے بلکہ اپنے ماحول کی بھی اصلاح کی جائے۔ (۱۴) عقل سے کام لیا جائے (۱۵) اطاعت کا مادہ اپنے اندر پیدا کیا جائے (۱۶) ہمیشہ یہ خیال رکھا جائے کہ جماعت کا قدم ترقی کی طرف ہی بڑھے"[۲]

---

[۱] یاد رہے کہ پہلے یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ یہ اجتماع ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو کیا جائے مگر چونکہ اس کے دو ایک دن بعد ماہ رمضان شروع ہونے والا تھا اس لئے یہ اجتماع سالانہ جلسہ پر کرنا پڑا۔ (الفضل ۲۸ ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۳)

[۲] روزنامہ الفضل قادیان ۲۷ دسمبر ۱۹۳۸ء۔

خدام الاحمدیہ سے متعلق حضرت امیرالمومنینؓ کا اہم سلسلہ خطبات

۱۹۳۹ء کے نصف اوّل میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خدام الاحمدیہ کی اہمیت و ضرورت اور خدام کے فرائض کے متعلق خطباتِ جمعہ کا ایک نہایت اہم اور خصوصی سلسلہ جاری فرمایا اور مندرجہ ذیل تاریخوں کو خطباتِ جمعہ ارشاد فرمائے :-

۳ رفروری ۱۹۳۹ء[۵۱] - ۱۰ رفروری ۱۹۳۹ء[۵۲] - ۱۷ رفروری ۱۹۳۹ء[۵۳] - ۲۴ رفروری ۱۹۳۹ء[۵۴]
۳ رمارچ ۱۹۳۹ء[۵۵] - ۱۰ رمارچ ۱۹۳۹ء[۵۶] - ۱۷ رمارچ ۱۹۳۹ء[۵۷]

یہ سب خطبات مجلس خدام الاحمدیہ کی اہمیت و ضرورت کو واضح کرتے ہیں اور جماعت کیلئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ذیل میں بطور نمونہ ۳ رفروری ۱۹۳۹ء کے خطبہ جمعہ کا صرف ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے :-

"قوموں کی کامیابی کے لئے کسی ایک نسل کی درستی کافی نہیں ہوتی جو پروگرام بہت لمبے ہوتے ہیں وہ اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جبکہ متواتر کئی نسلیں ان کو پورا کرنے میں لگی رہیں۔ جتنا وقت اُن کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہو اگر اتنا وقت اُن کو پورا کرنے کیلئے نہ دیا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ کسی صورت میں مکمل نہیں ہو سکتے اور اگر وہ مکمل نہ ہوں تو اس کے معنے یہ ہونگے کہ پہلوں نے اِس پروگرام کی تکمیل کے لئے جو محنتیں کوششیں اور قربانیاں کی ہیں وہ بھی سب رائگاں گئیں ...... اِس لئے مَیں نے جماعت میں مجلس خدام الاحمدیہ کی بنیاد رکھی ہے۔"[۵۸]

وقارِ عمل

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپریل ۱۹۳۸ء میں مجلس کیلئے جو پروگرام تجویز فرمایا اس میں ایک اہم امر یہ تھا کہ ہر احمدی اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالے اور کسی کام کو حقیر نہ سمجھے۔ اِس بات کے پیشِ نظر حضور نے ۳ رفروری ۱۹۳۹ء کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ

---

۵۱ مطبوعہ الفضل ۱۷ رفروری ۱۹۳۹ء ص۲
۵۲ مطبوعہ الفضل ۱۱ رمارچ ۱۹۳۹ء ص۱
۵۳ مطبوعہ الفضل ۱۵ رمارچ ۱۹۳۹ء ص۱ تا ۵
۵۴ مطبوعہ الفضل ۱۷ رمارچ ۱۹۳۹ء ص۳
۵۵ " الفضل ۲۱ رمارچ ۱۹۳۹ء ص۱
۵۶ مطبوعہ الفضل ۲۸ رمارچ ۱۹۳۹ء ص۱
۵۷ " الفضل ۷ راپریل ۱۹۳۹ء ص۳
۵۸ الفضل ۱۷ رفروری ۱۹۳۹ء ص۱ و ۲

مجلس خدام الاحمدیہ کو چاہیئے کہ وہ مہینہ دو مہینہ میں ایک دن ایسا مقرر کر دیں جس میں ساری جماعت مل کر اپنے ہاتھ سے اجتماعی کام کرے[1]۔ خدام الاحمدیہ نے اس اجتماعی کام کی شکل کو وقارِ عمل کے نام سے موسوم کیا۔

اگرچہ وقارِ عمل کا مبارک سلسلہ جس میں حضور انور بھی بنفسِ نفیس شمولیت فرماتے تھے پہلے سے جاری تھا مگر حضور کے ارشاد کی تعمیل میں وقارِ عمل کو عروج تک پہنچانے کا سہرا خدام الاحمدیہ کے سر ہے۔ اس سلسلہ میں مجلس خدام الاحمدیہ کے تحت ۳۰ر مارچ ۱۹۳۹ء کو قادیان میں پہلا اجتماعی وقارِ عمل ہوا جو دارالرحمت اور دارالعلوم کی سڑک کے درمیان منایا گیا۔ جس کے بعد ہر دو ماہ کے بعد اس کا باقاعدہ انتظام جاری کر دیا گیا۔[2]

شروع شروع میں مجلس کو کام کرنے کے لئے مختلف محلّوں سے کُدالیں اور ٹوکریاں جمع کرنی پڑتیں جیسا کہ مجلس کے دوسرے صدر حضرت حافظ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ "ابتداء میں خدام الاحمدیہ کے پاس سامان نہیں ہوتا تھا۔ ہم محلّے میں مختلف دوستوں سے کدالیں۔ ٹوکریاں وغیرہ جمع کرتے اور اُن پر نشانی لگا لیتے اور وقارِ عمل کے بعد پھر انہیں واپس پہنچا دیتے تھے اس لئے وقارِ عمل کے بعد کئی گھنٹے تک مجھے وہاں ٹھہرنا پڑتا تھا تاکہ کوئی چیز ضائع نہ ہو۔ اس سے عزّت اور اعتماد قائم رہتا ہے اگر کوئی چیز ضائع ہو جاتی یا ٹوٹ جاتی تو ہم اُس کی قیمت ادا کر دیتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ خدا تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی کہ کئی سو کدالیں اور کئی سو ٹوکریاں جو وقارِ عمل کے لئے ضروری تھیں خدام الاحمدیہ نے خود خرید لیں[3]۔"

اُن دنوں مجلس خدام الاحمدیہ کے ارکان میں وقارِ عمل منانے کا جو بے پناہ جذبہ موجزن تھا وہ اپنی مثال آپ تھا جس کا نقشہ قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اپنی مشہور تالیف "سلسلہ احمدیہ" میں بایں الفاظ کھینچا:۔

"حضرت خلیفۃ المسیح کی ہدایت یہ ہے کہ "خدام الاحمدیہ" ہر دوسرے مہینہ ایک دن ایسا منایا کرے جس میں قادیان کے سارے احمدی مرد (یعنی بچے۔ جوان اور بوڑھے) بلا امتیاز حیثیت اکٹھے ہو کر کسی قسم کے رفاہِ عام کے کام میں اپنے ہاتھ سے مزدوروں کی طرح کام کیا کریں۔ اور اس وقت

---

[1] الفضل ۱۷ر فروری ۱۹۳۹ء صفحہ ۸ کالم ۳

[2] مطبوعہ رپورٹ خدام الاحمدیہ سال اوّل و دوم صفحہ ۷

[3] الفضل ۶ر مارچ ۱۹۶۶ء صفحہ ۴ کالم ۱

ہر غریب و امیر، افسر و ماتحت اور نوکر و آقا اور خورد و کلاں اپنے سارے امتیازات کو ایک طرف رکھ کر مزدور کے لباس میں حاضر ہو جایا کرے۔ چنانچہ یہ دن باقاعدہ منایا جاتا ہے اور اس دن کا نظارہ بہت ہی رُوح پرور ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس دن سب لوگ بلا امتیاز اور بلا تفریق ایک ہی کام میں ہاتھ ڈال کر اسلامی مساوات کی رُوح کو زندہ کرتے ہیں۔ اگر آقا کے ہاتھ میں ٹوکری ہوتی ہے تو نوکر کسّی سے مٹی کھودتا ہے۔ اور اگر آقا مٹی کھودتا ہے تو نوکر ٹوکری اٹھائے پھرتا ہے اور غریب اور امیر اور افسر و ماتحت سب مٹی کے اندر لت پت نظر آتے ہیں۔ یہ سلسلہ کئی گھنٹہ تک جاری رہتا ہے اور پھر اس عمل محبت کو روحانیت کا خمیر دینے کے لئے ایک گھنٹی بجتی ہے اور سب لوگ کام سے ہاتھ کھینچ کر خدا کے دربار میں دُعا کے لئے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اور یہاں پھر وہی محتاج و غنی کی مساوات اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ یہ سلسلہ کئی لحاظ سے بہت مفید ثابت ہو رہا ہے۔

اوّل۔ اس طرح ہر شخص کو ہاتھ سے کام کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ اور مغرور انسان اس مکروہ جذبہ سے رہائی پاتا ہے کہ بعض کام میری شان سے نیچے ہیں۔

دوم۔ آپس میں اخوت و مساوات اور اختلاط کی رُوح ترقی کرتی ہے اور سوسائٹی کے مختلف طبقات میں کسی قسم کی ناگوار خلیج حائل ہونے نہیں پاتی۔

سوم۔ بعض مفید قومی یا شہری کام آنریری طریق پر بغیر کسی خرچ کے سرانجام پا جاتے ہیں اور پھر جب کبھی خود حضرت خلیفۃ المسیح اس مبارک تقریب میں شریک ہو جاتے ہیں اور گرد و غبار سے ڈھکے ہوئے اِدھر اُدھر ٹوکری اُٹھائے پھرتے نظر آتے ہیں تو پھر تو یہ وقارِ عمل کا سبق دنیا کے سارے سبقوں میں سے زیادہ گہرا اور زیادہ دیرپا نقش پیدا کر دیتا ہے۔[1]"

ابتداء میں وقارِ عمل کا طریق اگرچہ قادیان میں جاری ہوا مگر جلد ہی ملک کی دوسری مجالس نے بھی اس کی طرف جوش و خروش سے توجہ دینا شروع کر دی۔

وقارِ عمل اور خواجہ حسن نظامی دہلوی — خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے مجلس خدام الاحمدیہ دہلی کے ایک اجتماعی وقارِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:۔

---

[1] "سلسلہ احمدیہ" مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ ایم۔ اے صفحہ ۴۲۵-۴۲۶

"آج دہلی کی قادیانی جماعت کے چالیس[۴۰] افراد خدمتِ خلق کے لئے آئے تھے۔ مجھ سے پوچھا۔ کہیں کا راستہ صاف کرنا ہو تو بتا دیجئے۔ مَیں نے اپنے مسافر خانہ کا راستہ خود جا کر بتایا۔ اور اِن لوگوں نے مزدوروں کی طرح پھاوڑے لے کر راستہ صاف کیا۔ ان میں وکیل بھی تھے اور بڑے بڑے عہدوں کے سرکاری نوکر بھی تھے۔ اور مرزا صاحب کے قرابت دار بھی تھے۔ ان کے اِس مظاہرے کا درگاہ کے زائرین اور حاضرین پر بہت اثر ہوا۔ ایک صاحب نے کہا کہ پراپیگنڈا کے لئے یہ کام کر رہے ہیں۔ مَیں نے کہا حضرت سلطان المشائخؒ نے فرمایا ہے۔ جو شخص ظاہر داری کے لئے خدمت کرتا ہے اس کو ایک اجر ملتا ہے اور جو محض خدا کی رضاء کے لئے خدمتِ خلق کرتا ہے اس کو دو اجر ملتے ہیں۔ درگاہوں سے اعتقاد رکھنے والے اپنی ذات کے لئے مجاہدے کرتے ہیں۔ اس قسم کے مجاہدے جن کا تعلق عوام کی آسائش سے ہو بہت کم دیکھے جاتے ہیں۔"[۱] (منادی ۱۶ر ستمبر ۱۹۴۱ء)

تعلیم ناخواندگان کا انتظام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۹۳۹ء کے شروع میں مجلس خدام الاحمدیہ کو ناخواندگان کا شمار کرنے اور ان کی تعلیم کا انتظام کرنے کا حکم دیا[۲]۔ چنانچہ مجلس نے دو دو تین تین افراد کی جماعتیں بنا کر حسب لیاقت مختلف اوقات میں کلاسز ترتیب دیں۔ مجلس کو شروع شروع میں معلّمین کے حصول میں بہت دقتیں پیش آئیں۔ اور جب معلّمین مل جاتے تو اکثر متعلّمین عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے پڑھنے سے احتراز کرتے اور پڑھانے والوں کو متعلّمین کے کھیتوں اور ان کے کام کی جگہوں میں پہنچکر پڑھانا ہوتا۔ ناداروں کے لئے قاعدے تختیاں قلمیں اور دواتیں تک مہیا کی گئیں۔ محلّہ دارالصحت[۳] قادیان کے اَن پڑھوں کے لئے اعزازی اور رضا کار استادوں کے علاوہ باتنخواہ معلّم کا تقرر بھی کیا گیا۔ بعض ایسے متعلمین بھی تھے جو نہایت ذوق و شوق اور محنت کے ساتھ خود اساتذہ کے پاس پہنچکر اسباق لیتے مگر پیرانہ سالی کے باعث وہ جلدی بھول جاتے اور دوسرے دن پھر وہی سبق پڑھانا پڑتا۔

قادیان کی مقامی مجالس کے علاوہ انبالہ کیرنگ۔ برہمن بڑیہ۔ نواب شاہ سندھ۔ دہلی۔ لودھراں

---

[۱] بحوالہ رپورٹ خدام الاحمدیہ سال چہارم صفحہ ۱۲ تا ۱۳ [۲] الفضل ۲۹ر اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۱

[۳] قادیان کے نومسلم خاکروبوں کے محلہ کا نام۔

جمشید پور۔ عارف والا۔ ملتان۔ کریام اور جہلم میں بھی تعلیم ناخواندگان کا سلسلہ جاری کیا گیا[۱] جو دوسری مجالس تک آہستہ آہستہ ممتد ہوتا چلا گیا

حضرت صدر مجلس کے بیرونی دورے

مجلس خدام الاحمدیہ کا نظام چونکہ روز بروز وسعت پکڑتا جا رہا تھا اس لئے ملک بھر کی مجالس کو منظم اور انکی نگرانی کرنے کے لئے ضرورت تھی کہ صدر محترم بیرونی مقامات پر تشریف لے جائیں۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ۸ راکتوبر ۱۹۳۹ء[۲] کو بہ نفس نفیس کاٹھ گڑھ تشریف لے گئے۔ پھر ۴۲۔۱۹۴۱ء میں بعض مجالس کا دورہ فرمایا جس سے ان مجالس میں خاطر خواہ بیداری پیدا ہو گئی[۳]۔

دوسرا سالانہ اجتماع

مجلس کا دوسرا سالانہ اجتماع بھی ۲۵ر دسمبر ۱۹۳۹ء کو مسجد نور سے متصل میدان[۴] میں منعقد ہوا جس کے پہلے اجلاس میں چوہدری حاجی احمد خان صاحب ایاز۔ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔اے۔ ایل ایل بی۔ پیر صلاح الدین صاحب بی۔اے۔ ایل ایل بی۔ اور مولوی قمر الدین صاحب نے تقاریر کیں اور حضرت صدر محترم نے بھی تقریریں فرمائیں۔ دوسرے اجلاس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک بصیرت افروز خطاب[۵] فرمایا جس کا ملخص یہ تھا کہ

"اگر کوئی کام کرنا چاہتے ہو تو واقعات کی دنیا میں قیاسات سے کام لینا چھوڑ دو۔ جسے کوئی کام سپرد کیا جائے وہ جب تک خود نہ دیکھ لے کہ ہو گیا ہے۔ یا جس نے خود کیا ہے وہ نہ بتادے کہ وہ خود کر آیا ہے۔ تسلی پا لینا اوّل درجہ کی نالائقی اور حماقت ہے۔ کام کی نگرانی ایسے رنگ میں کرنی چاہیئے کہ اس کے ساتھ دینی تعلق اور محبت ظاہر ہو۔

دیکھو! بچہ جب ماں کی آنکھوں سے اوجھل ہو تو اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ اس کی انتہائی محبت کا تقاضا ہوتا ہے۔ اسی طرح تمہارے ذمہ

---

[۱] مطبوعہ رپورٹ خدام الاحمدیہ سال اوّل و دوم صفحہ ۱۵۔۱۶۔ شائع کردہ جنرل سیکرٹری مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ تعلیم ناخواندگان سے متعلق کے ریکارڈ کا ایک حصہ دفتر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ میں محفوظ ہے۔

[۲] الفضل ۱۰ر اکتوبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۹

[۳] رپورٹ خدام الاحمدیہ سال چہارم صفحہ ۴۴۔۴۵

[۴] الفضل ۱۹ر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۲

[۵] مطبوعہ رپورٹ سال اوّل و دوم صفحہ ۲۸، ۲۹

جو کام کیا جائے اس کے متعلق تمہیں اس وقت تک اطمینان نہیں ہونا چاہیئے جب تک اس کو تکمیل تک نہ پہنچا لو۔ پھر کسی بات کے متعلق یہ خیال نہ کرو کہ ہو نہیں سکتی۔ کام تجویز کرنے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ یہ ناممکن تو نہیں۔ اور طاقت سے زیادہ بوجھ تو نہیں ڈال رہے۔ اور جب ایک دفعہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لو کہ فلاں کام مفید ہے اور اسے کرنا ضروری ہے تو پھر یہ خیال مت کرو کہ کوئی اور کریگا یا نہیں۔ کوئی تمہارے ساتھ چلے گا یا نہیں۔ تم یہ تہیہ کر لو کہ اسے ضرور کرنا ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ لوگ فلاں بات مانتے نہیں یہ اوّل درجہ کی بُزدلی ہے۔ تمہیں لوگوں سے کیا واسطہ۔ اگر وہ کام اچھا ہے تو تم اکیلے ہی اس کو شروع کر دو۔ یہ صحیح توکّل ہے اور اس کے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی۔ پس ہمارے نوجوان اس توکّل سے کام لیں کہ جب کام اچھا ہے تو ہم نے اسے ضرور کرنا ہے۔ خواہ کوئی ہمارے ساتھ مِلے یا نہ ملے۔ پس کام سے پہلے پوری احتیاط سے سوچ لو اور وہ کام اپنے یا کسی دوسرے کے ذمہ نہ لگاؤ جو جانتے ہو کہ نہیں ہو سکتا لیکن جب اطمینان کر لو کہ کام اچھا ہے اور ہو سکتا ہے تو پھر دوسروں پر نگاہ نہ رکھو۔ اسی طرح جب دیکھو کہ کوئی کام ضروری ہے اور اچھا ہے لیکن نفس کہتا ہے کہ تم اسے نہیں کر سکتے تو اُسے کہو کہ تُو جھوٹا ہے اور اس کام میں لگ جاؤ۔ خدا تمہاری مدد کے لئے دوسروں کے دِلوں میں الہام کرے گا۔ اور تم ضرور کامیاب ہو کر رہوگے[1]۔"

لوائے خدام الاحمدیہ کی تیاری اور پرچم کشائی

جیسا کہ چھٹے باب میں تفصیلی ذکر آرہا ہے سلسلہ احمدیہ کے پچاس ۵۰ سالہ قیام اور خلافتِ ثانیہ پر پچیس ۲۵ سال مکمل ہونے پر جلسہ ۱۹۳۹ء پر خلافت جوبلی منائی گئی۔ اس تقریب سعید پر جہاں لوائے احمدیت بنانے اور اس کے بلند کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا وہاں مجلس خدام الاحمدیہ نے بھی فیصلہ کیا کہ لوائے احمدیت کے ساتھ ساتھ خدام الاحمدیہ کی تنظیم کے نشان کے طور پر لوائے خدام الاحمدیہ بھی تیار کیا جائے اور اسے بلند کیا جائے۔ جس کے متعلق جملہ مساعی مجلس کے مخلص اور محنتی کارکن ملک عطاء الرحمٰن صاحب مجاہد تحریک جدید کی مرہونِ منت تھیں۔ یہ ایک لمبا مرحلہ تھا جس کی ہر منزل وقت طلب تھی

[1] الفضل ۲۷ر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱ و ۲

لوائے خدام الاحمدیہ کا ڈیزائن مجلس عاملہ مرکزیہ نے پاس کیا جس کی ڈرائنگ ملک صاحب موصوف نے کی۔ سب سے مشکل معاملہ کپڑے پر ہر دو طرف یکساں نقوش چھپوانے کا تھا۔ ہندوستان کے مختلف کپڑا بنانے والے کارخانوں کو لکھا گیا۔ مگر کوئی بھی اس کام کے لئے تیار نہ ہوا۔ آخر ملک صاحب نے لاہور کی ایک فیکٹری میں اپنی نگرانی میں یہ کام کرایا۔

لوائے خدام الاحمدیہ ۱۸ فٹ لمبا اور ۹ فٹ چوڑا تھا۔ جس کے ایک تہائی حصہ میں لوائے احمدیت کے نقوش تھے بقیہ حصہ تیرہ سیاہ و سفید دھاریوں پر مشتمل تھا۔ لہرانے کی تقریب کے لئے ۵۶ فٹ لمبا چیل کے تین درختوں کا ڈنڈا تیار کروایا گیا۔ اور اُس کو بھی سیاہ و سفید دھاریوں میں روغن کیا گیا۔ لوائے خدام الاحمدیہ کے نئے جلسہ سالانہ کی سٹیج کے بائیں طرف لوائے احمدیت سے ذرا پیچھے ہٹ کر پلیٹ فارم تیار کرایا گیا۔

نوجوانانِ احمدیت کے محبوب مقدس رہنما حضرت سیدنا فضل عمر نے لوائے احمدیت کے بعد لوائے خدام الاحمدیہ کے بلند کرنے اور لہرانے کی رسم ادا فرمائی کہ خدام الاحمدیہ بھی ایک ایسی تنظیم ہے جو امٹ ہے جو احمدیت کے ساتھ ساتھ انشاء اللہ قائم رہے گی۔ اور نوجوانوں کو ہمیشہ ہی نظام و اطاعت۔ ایثار و استقلال۔ مکارم اخلاق اور ادائیگی حقوق اللہ و حقوق العباد کا سبق دیتی رہے گی۔ اس موقعہ پر خدام الاحمدیہ نے بھی ایک عہد دہرایا جسکا مسودہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ نے تیار فرمایا۔ اس عہدنامہ کے الفاظ دہرانے کا شرف چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر مجاہد تحریک جدید کو حاصل ہوا۔ جس کے ساتھ ساتھ تمام اراکین بھی اس کے الفاظ دہراتے گئے۔ عہد کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ط

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ قومی اور ملی مفاد کی خاطر اپنی جان مال اور عزت کی پرواہ نہیں کروں گا۔
مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اپنی جان مال اور عزت کو قربان کر دونگا اور اس صداقت کی عزت کو قائم رکھونگا جس کے ظاہری نشان کے طور پر یہ جھنڈا اس وقت حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نصب کر رہے ہیں۔ اور جو علامت ہے ان تمام خوبیوں کی جو حضور خدام الاحمدیہ کے ذریعہ خدام میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور مَیں ہر ممکن کوشش کرونگا کہ یہ جھنڈا سب دنیا کے جھنڈوں کے اوپر لہراتا رہے اور کبھی اسے شکست نہ دیکھنی پڑے۔"

حفاظتِ لوائے احمدیت حضرت امیرالمومنینؓ نے لوائے احمدیت اور لوائے خدام الاحمدیہ کے لہرانے کے بعد یہ اعلان فرمایا کہ آج سے کل نماز جمعہ تک خدام الاحمدیہ اس کی حفاظت کریں اور ہر وقت کم از کم بارہ[12] خدام اس کے پہرہ پر رہیں۔ حضور نے چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر کو خدام کے پہلے گروہ کے انتخاب کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ حسب ذیل اراکین کا تقرر لوائے احمدیت کے پہلے محافظین کے طور پر ہوا :۔

۱۔ میرزا منصور احمد صاحب ۲۔ میرزا داؤد احمد صاحب ۳۔ میرزا منور احمد صاحب

۴۔ میاں عباس احمد خانصاحب۔ ۵۔ سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدر آبادی۔ ۶۔ سیٹھ محمد معین الدین صاحب حیدر آبادی

۷۔ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔ ۸۔ سعید احمد صاحب فاروقی ۹۔ مولوی دل محمد صاحب مبلّغ

۱۰۔ مولوی محمد عبد اللہ صاحب اعجاز ۱۱۔ شیخ ناصر احمد صاحب ۱۲۔ ملک عمر علی صاحب

۱۳۔ چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر ۱۴۔ مولوی عبد الکریم صاحب شرما ۱۵۔ مولوی محبوب عالم صاحب خالد

۱۶۔ حافظ قدرت اللہ صاحب ۱۷۔ چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر[۵]

صدر محترم حضرت حافظ میرزا ناصر احمد صاحب اور چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر نے پہرہ کی نگرانی کی۔ اسکے بعد اراکین کا انتخاب کر کے ہر چار گھنٹہ کے لئے علیحدہ علیحدہ گروپ بنا دیئے گئے۔ اس پہرہ کے دوران میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب لوائے احمدیت کے اردگرد پہرہ دینے والے محافظین سب کے سب خاندان مسیح موعودؑ کے درخشندہ و تابندہ گوہر تھے جن کی فہرست حسب ذیل ہے :۔

۱۔ میرزا مبارک احمد صاحب ۲۔ میرزا منور احمد صاحب ۳۔ میرزا مظفر احمد صاحب

۴۔ میرزا حمید احمد صاحب ۵۔ میرزا منیر احمد صاحب ۶۔ میرزا بشیر احمد صاحب

۷۔ میرزا مجید احمد صاحب ۸۔ میرزا ظفر احمد صاحب ۹۔ میرزا منصور احمد صاحب

۱۰۔ میاں مسعود احمد خان صاحب۔ ۱۱۔ میاں عباس احمد خان صاحب۔ ۱۲۔ میرزا مبارک احمد صاحب ابن میرزا عزیز احمد صاحب

نگران :۔ حضرت صاحبزادہ میرزا ناصر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ صدر مجلس خدام الاحمدیہ

صاحبزادگان خاندانِ حضرت مسیح موعود کی اس فہرست میں میرزا داؤد احمد صاحب اور میاں محمد احمد خان صاحب کا نام نہیں ہے کیونکہ بارہ کی تعداد پوری ہو گئی تھی مگر وہ اور دوسرے صاحبزادگان دوسرے اوقات میں بھی پہرہ دیتے رہے۔ بلکہ پہرہ کے شروع سے لیکر آخر تک خاندانِ مسیح موعود کا کوئی نہ کوئی فرد محافظین کی قیادت کے فرائض

۵؎ جناب سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدر آبادی کے بیان کے مطابق ۔

ادا کرتا رہا۔ یہ گویا اس امر سے عبارت تھا کہ وہ مقدس پارامانت جو ابنائے فارس کے سپرد کی گیا ہے انشاء اللہ وہ اس کے پوری طرح حامل رہیں گے۔ ہاں وہی خزینۂ ایمان و عرفان جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ثریا سے لائے تھے۔ یہ اس کے محافظین ہیں اور قیامت تک اس نعمتِ ایمان کو صفحۂ ارض پر توفیق ایزدی قائم و راسخ رکھیں گے۔ انشاء اللہ

دوسرے دن نماز جمعہ کے بعد لوائے احمدیت حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زیر ہدایت صدر انجمن احمدیہ کے دو ناظروں (خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب ناظر بیت المال اور سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ) کے سپرد کر کے رسید لے لی گئی۔ جو حضور کی خدمت میں چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر نے اسی دن پیش کی حضور نے فرمایا۔ "میں نے دیکھ لی ہے اب دفتر خدام الاحمدیہ میں بطور سند رکھ لی جائے"۔ رسید حسب ذیل تھی :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

آج بروز جمعہ بتاریخ ۲۹ ر دسمبر ۱۹۳۹ء ۲۹ ر ماہ صلح ۱۳۱۸ ہجری شمسی ہم نے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے ماتحت صدر انجمن احمدیہ کے ریزولیوشن کے مطابق صدر مجلس خدام الاحمدیہ سے لوائے احمدیت تین بجکر پچپن منٹ پر وصول پایا۔

دستخط :- (سید) زین العابدین (ولی اللہ شاہ) ناظر امور عامہ ھ ش ۱۳۱۸ / ۱۲ / ۲۹

دستخط :- (خان صاحب) فرزند علی عفی عنہ ناظر بیت المال ھ ش ۱۳۱۸ / ۱۲ / ۲۹

کاتب محمد اعظم حیدر آباد دکن [۵۱]

انعامی علم خدام الاحمدیہ کی تیاری

خلافت جوبلی کی مبارک تقریب پر مجلس خدام الاحمدیہ نے ایک انعامی علم بھی تیار کروایا۔ یہ علم ہر سال اس مجلس کو دیا جاتا ہے جس کا کام سب مجالس سے ممتاز ہوتا ہے۔ ۱۹۴۶ء تک جن مجالس کو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے دست مبارک سے یہ یادگار جھنڈا مرحمت فرمایا ان کے نام یہ ہیں :-

[۵۲] مجلس کیرنگ اڑیسہ (۱۹۳۹ء) مجلس گوجرانوالہ (۱۹۴۰ء) مجلس چک ۹۹ شمالی سرگودھا (۱۹۴۱ء) مجلس دارالرحمت قادیان (۱۹۴۲ء)

---

۵۱ رپورٹ مجلس خدام الاحمدیہ سال اول و دوم ۴ ر فروری ۱۹۳۸ء تا فروری ۱۹۴۰ء صفحہ ۳۱ تا ۳۳

۵۲ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۹ ر دسمبر ۱۹۴۲ء کو اپنی تقریر سے قبل مجلس دارالرحمت کے زعیم بابو غلام حسین صاحب کو علم انعامی عطا کرتے ہوئے فرمایا کہ "میں اس محلہ کی مجلس خدام الاحمدیہ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ کام میں اوّل رہی ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ اس مجلس کے ممبر اس جھنڈے کے احترام کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کریں گے اور اپنی زندگیوں کو احمدیت کے مطابق بنا کر یہ ثابت کر دیں گے کہ وہ واقعی اس انعامی جھنڈے کے مستحق تھے اور انتخاب غلط نہ تھا۔" (الفضل ۲۸ ر فروری ۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۴)

مجلس لاہور (۱۹۴۳ء) مجلس دار البرکات قادیان (۱۹۴۴ء) مجلس حلقہ مسجد مبارک قادیان (۱۹۴۵ء) مجلس کراچی (۱۹۴۹ء تا ۱۹۵۱ء)

اس جھنڈا کی نسبت حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ اور ملک عطاء الرحمٰن صاحب مہتمم لوائے خدام الاحمدیہ نے اپنے دستخط سے مندرجہ ذیل ہدایات جاری کیں :۔

۱۔ یہ جھنڈا (خلافت جوبلی علم انعامی) ہر سال سب سے پیش پیش رہنے والی مجلس حاصل کر سکے گی۔

۲۔ جو مجلس یہ جھنڈا انعام کے طور پر حاصل کریگی اس کے لئے لازمی ہوگا کہ ۲۵ دسمبر تک اس کو مرکز میں پہنچا دے۔

۳۔ جھنڈے کی حفاظت کی تمامتر ذمہ داری اس عرصہ کے لئے جب تک یہ جھنڈا اس کے پاس رہے گا اس مجلس پر ہوگی جو اس کو انعام کے طور پر حاصل کرے گی۔

۴۔ جو مجلس انعام کے طور پر اس جھنڈے کو حاصل کریگی اس جھنڈے کو لے جانے اور واپس مرکز میں پہنچانے کے تمام اخراجات کی متحمل ہوگی۔

۵۔ علم انعامی پر اس کو حاصل کرنے والی مجلس کا نام چاندی کی ایک تختی پر لکھوا کر لگایا جائیگا جس کے اخراجات اس مجلس کے ذمہ ہونگے۔

۶۔ جھنڈے کو کسی عمارت پر نہ لگایا جائے۔ اس طرح اس کے خراب ہونے کا احتمال ہے۔

۷۔ جب کبھی جھنڈے کو بلند کیا جائے سب خدام کا اس موقعہ پر کھڑے ہوکر عہد دہرانا ضروری ہے۔

۸۔ جھنڈے کو ہر تین ماہ کے بعد نہایت احتیاط کے ساتھ کسی خادم سے دھلوا کر دھوپ میں سکھایا جائے۔[1]

مرزا ناصر احمد صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ
۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء ہش ۱۳۱۸ ۲۸/۱۲/

ملک عطاء الرحمٰن مہتمم لوائے خدام الاحمدیہ
ہش ۱۳۱۸ ۲۸/۱۲/

کتب حضرت مسیح موعودؑ کا امتحان

خدام الاحمدیہ کے تیسرے سال میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پُرمعارف کتب کے امتحان کا سلسلہ بھی جاری کر دیا گیا۔ ابتداء میں مندرجہ ذیل کتب کے امتحانات لئے گئے :۔

کشتی نوح۔ ضرورۃ الامام۔ لیکچر سیالکوٹ[2] فتح اسلام۔ توضیح مرام۔ لیکچر لاہور[3]
تجلیات الٰہیہ۔ برکات الدعا۔ شہادت القرآن۔ سراج منیر۔ ضیاء الحق[4]

---

[1] بحوالہ "خدام کی ذمہ داریاں" مطبوعہ دسمبر ۱۹۵۰ء
[2] رپورٹ خدام الاحمدیہ سال سوم صفحہ ۱۸
[3] رپورٹ خدام الاحمدیہ سال چہارم صفحہ ۱۷
[4] رپورٹ خدام الاحمدیہ سال پنجم صفحہ ۹

خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ کی لازمی تجنید

۲۶ر جولائی ۱۹۴۰ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ارشاد فرمایا کہ "آج سے قادیان میں خدام الاحمدیہ کا کام طوعی نہیں بلکہ جبری ہو گا۔ ہر وہ احمدی جس کی پندرہ سے چالیس سال تک عمر ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پندرہ دن کے اندر اندر خدام الاحمدیہ میں اپنا نام لکھا دے۔"[1] نیز اعلان فرمایا کہ "ایک مہینہ کے اندر اندر خدام الاحمدیہ آٹھ سے پندرہ برس کی عمر تک کے بچوں کو منظم کریں اور اطفال الاحمدیہ کے نام سے ان کی جماعت بنائی جائے۔"[2]

حضور کی ہدایت تھی کہ خدام کی تجنید کے لئے احباب سے زبردستی فارم پُر نہ کروائے جائیں بلکہ صرف اطلاع پہنچانے تک ہی اکتفاء کیا جائے۔ اس ارشاد کی تعمیل میں مجلس مرکزیہ کے نمائندے ہر محلّہ کی مسجد میں ایک معین وقت میں (جس کا اعلان نمازوں کے وقت میں کر دیا جاتا) حاضر رہتے اور اگرچہ حضور کی طرف سے ایک فوری بھرتی کے لئے پندرہ دن کی میعاد مقرر تھی لیکن ایک قلیل تعداد کے سوا بقیہ سب نوجوان ابتدائی دو تین روز ہی میں مجلس کے رکن بن گئے۔[3]

علاوہ ازیں مجلس نے اطفال الاحمدیہ کی تنظیم کے لئے قادیان کے ۸۰۴ بچوں کے ۵۷ گروپ بنائے۔ ان پر مانیٹر مقرر کئے اور انہیں مربیوں کے سپرد کیا۔ مجلس نے اطفال کے متعلق ذیلی قواعد کا تفصیلی ڈھانچہ بھی تیار کیا اور بچوں کے لئے تربیتی نصاب بھی۔ نیز خدام کی طرح اطفال الاحمدیہ کا بیج یعنی امتیازی نشان بھی تیار کرایا۔ جس پر نقوش تو وہی تھے جو خدام الاحمدیہ کے بیج کے تھے مگر یہ ذرا چھوٹا اور بیضوی شکل کا بنایا گیا تھا۔ اور اس پر "امیدوار رکن مجلس خدام الاحمدیہ" کے الفاظ کندہ تھے۔ پہلے سال قادیان سے باہر مندرجہ ذیل مقامات پر بھی مجالس اطفال قائم ہو گئیں:۔ بھیرہ۔ سیالکوٹ چھاؤنی و شہر۔ جہلم۔ بسیدوالا۔ لائل پور۔ ملتان۔ لودھراں۔ کریام۔ کاٹھ گڑھ۔ شملہ۔ کیرنگ۔ یادگیر دکن۔ محمود آباد ضلع جہلم۔ کنری سندھ۔ لاہور۔ شکار ماچھیاں۔ دہلی۔ منٹگمری۔ برہمن بڑیہ۔ شاہ پور۔ امرگڑھ۔ ننگلی۔ امرتسر۔ گوجرانوالہ۔ نیروبی (مشرقی افریقہ)۔[4]

---

[1] الفضل یکم اگست ۱۹۴۰ء صفحہ ۶ کالم ۳ [2] الفضل یکم اگست ۱۹۴۰ء صفحہ ۷ کالم ۲۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ اپریل ۱۹۳۸ء کے مطابق ۲۲ اپریل ۱۹۳۸ء سے مجلس خدام الاحمدیہ میں احمدی بچوں کی شاخ کھل چکی تھی۔ اور ۱۹۳۸ء کے ابتداء میں مندرجہ ذیل مجالس اطفال قائم ہوئیں۔ "دارالرحمت۔ دارالفضل۔ مسجد مبارک اور محلہ دارالبرکات قادیان۔ وزیرآباد۔ فیروزپور۔ کریام۔ سرگودھا۔ نیروبی (شعبہ اطفال کے پہلے قواعد الفضل ۱۲ جون ۱۹۴۰ء صفحہ ۳ پر شائع شدہ)"

[3] رپورٹ سال سوم (مطبوعہ) صفحہ ۷۔ ۸ [4] رپورٹ خدام الاحمدیہ سال سوم صفحہ ۲۰ و ۲۱۔

مجلس خدام الاحمدیہ کی قانونی و دستوری حیثیت نظامِ جماعت میں

شملہ کے ایک دوست کی طرف سے ۱۹ ستمبر ۱۹۴۰ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں استفسار کیا گیا کہ کیا امیر جماعت خدام الاحمدیہ سے کوئی کام نہیں لے سکتا؟ حضرت امیر المومنینؓ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ

"ہاں یہ درست ہے مجلس خدام الاحمدیہ کا نظام مَیں نے الگ بنا دیا ہے اور ان کا الگ مرکز قائم ہے میں چاہتا ہوں کہ نوجوان اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔ اُن میں خود کام کرنے کی اور اپنی ذمہ داری محسوس کرنے کی عادت پیدا ہو جائے۔ امیر جماعت مجلس کے نظام میں دخل نہیں دے سکتا۔ اگر وہ کوئی خامی دیکھے تو مجلس کے مرکز میں رپورٹ کر سکتا ہے۔ اگر اسے کوئی کام لینا ہو تو مجلس کو حکم نہیں دے سکتا۔ البتہ جماعتی کاموں (مثلاً جلسے وغیرہ) کے متعلق مجلس کو Request (یعنی گذارش) کر سکتا ہے۔ اور مجلس خدام الاحمدیہ کو ایسے کاموں میں تعاون کرنا چاہیئے کیونکہ وہ بنائی ہی اس غرض کے لئے ہے۔ اگر وہ تعاون نہ کرے گی تو اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گی نیز امیر کسی فرد جماعت سے بحیثیت فرد ہونے کے کام لے سکتا ہے نہ بحیثیت رکن ہونے کے۔ ایک شخص جماعت کا سیکرٹری ہے اور مجلس خدام الاحمدیہ کا رکن بھی ہے۔ جب جماعتی کام ہو گا اسے بہرحال مجلس کے کام پر جماعتی کام کو مقدم رکھنا ہو گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص گورنمنٹ کا ملازم ہو تو اسے بہرحال پہلے گورنمنٹ کا کام کرنا ہو گا[1]"

ایک اور موقعہ پر فرمایا: — "ہر احمدی جو چالیس سال سے کم عمر کا ہے وہ خدام الاحمدیہ کا ممبر ہے۔ ہر احمدی جو چالیس سال سے اوپر ہے وہ انصار اللہ کا ممبر ہے۔ اور ہر احمدی جو چالیس سال سے نیچے یا چالیس سال سے اوپر ہے وہ مقامی انجمن کا بھی ممبر ہے اس سے کوئی علیحدہ چیز نہیں۔ پس خدام الاحمدیہ کے یہ معنے نہیں کہ وہ جماعت احمدیہ کے مقامی ممبر نہیں ہیں بلکہ خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کے مجموعے کا نام مقامی انجمن ہے[2]"

جہاں تک خدام الاحمدیہ کے پروگرام کا تعلق ہے سیدنا حضرت امیر المومنینؓ نے مجلس کے ابتدائی ایام میں ہی یہ ہدایت فرمائی تھی کہ "کوئی نیا پروگرام بنانا تمہارے لئے جائز نہیں۔ پروگرام تحریک جدید کا ہی ہو گا اور تم تحریک جدید کے والنٹیئر ہو گے۔ تمہارا فرض ہو گا کہ تم اپنے ہاتھ سے کام کرو۔ تم سادہ زندگی بسر کرو۔ تم دین کی تعلیم دو۔ تم نمازوں کی پابندی کی نوجوانوں میں عادت پیدا کرو۔ تم تبلیغ کے لئے اوقات وقف کرو[3]"

---

[1] روزنامہ الفضل قادیان ۲۵ ستمبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ — [2] الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۱، ۲

[3] الفضل ۱۰ اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۰ کالم ۳

سالانہ جلسہ پر ذیلی دفتر

جلسہ سالانہ ۱۹۴۰ء سے جلسہ گاہ کے سامنے مجلس مرکزیہ کا ایک ذیلی دفتر بھی کھولا جانے لگا۔ اس دفتر سے جلسہ پر آنے والے احباب سے براہ راست رابطہ ممکن ہو گیا۔[1]

تیسرا سالانہ اجتماع

خدام الاحمدیہ کا تیسرا سالانہ اجتماع ۶-۷ فروری ۱۹۴۱ء کو مسجد اقصیٰ میں منعقد ہوا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بعض وقتوں کے باعث یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع کے لئے جلسہ سالانہ کے علاوہ کوئی اور دن مقرر کئے جائیں۔ اس اجتماع میں مندرجہ ذیل مقامات کے خدام نے شرکت کی:-

سیالکوٹ شہر۔ گوجرانوالہ۔ فیروزپور شہر۔ صوبہ سرحد۔ شملہ۔ ملتان۔ امرتسر۔ دہلی۔ جموں۔ جالندھر۔ بہاولپور۔ گجرات۔ جہلم۔ شاہ پور۔ ہوشیارپور۔ سیالکوٹ چھاؤنی۔ دانہ زید کا۔ نوشہرہ چھاؤنی۔ کاٹھ گڑھ۔ بٹالہ۔ بنگہ۔ تہال (ضلع گجرات) دوالمیال ضلع جہلم۔ فیروزپور چھاؤنی۔ پشاور شہر۔ کیمبل پور۔ نرائن گڑھ۔ شاہدرہ۔ نیروبی۔

۶ر فروری ۱۹۴۰ء کو صبح ساڑھے نو بجے سالانہ اجتماع کا پہلا اجلاس ہوا جس میں تین مقامی مقررین (شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر۔ مولوی دل محمد صاحب مولوی فاضل۔ اور خلیل احمد صاحب ناصر) کے علاوہ بیرونی مجالس کے تین قائدین کرام (پیر صلاح الدین صاحب قائد مجلس فیروزپور۔ میاں محمود احمد صاحب قائد مجلس لاہور۔ سید بہاول شاہ صاحب قائد مجلس امرتسر) نے تقاریر کیں۔ ان تقاریر میں مجلس کے لائحہ عمل کے مختلف حصص پر روشنی ڈالی گئی۔ سالانہ کارگذاری کے جستہ جستہ واقعات کی رپورٹ بھی پیش کی گئی۔ صدر اجلاس حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ نے آخر میں ایک بصیرت افروز اور ولولہ انگیز تقریر فرمائی جس میں خدام کو انکی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا۔

نماز ظہر کے بعد دوسرا اجلاس منعقد ہوا جس میں سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے قریباً سوا دو گھنٹے تک نہایت ہی ایمان افروز اور پُر معارف تقریر فرمائی۔ اور خدام کو مفید اور قیمتی ہدایات سے مستفید فرمایا۔

تیسرا اجلاس رات کو بعد نماز عشاء منعقد ہوا جس میں اراکین مجلس سے خدام الاحمدیہ کے کاموں میں پیش آنیوالی دقتوں کے متعلق مشورے کئے گئے۔ یہ اپنی طرز کا پہلا اجتماع تھا۔ اراکین نے بے تکلفی کے ساتھ اپنی آراء کا اظہار کیا اور خدام الاحمدیہ کے لائحہ عمل کو کامیاب تر بنانے کے لئے مفید مشورے دیئے۔

دوسرے دن صبح نو بجے سے بارہ بجے تک خدام الاحمدیہ کے ورزشی مقابلے ہوئے۔ یہ خدام الاحمدیہ کی تاریخ میں پہلا موقعہ تھا جب کہ باہر کے نمائندگان ورزشی اجتماع میں شریک ہوئے۔ حضرت سیدنا امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ

[1] رپورٹ مجلس خدام الاحمدیہ سال سوم صفحہ ۳۲

بھی از راہ حوصلہ افزائی شرکت فرمائی۔ حضور انور نے مختلف کھیلوں میں اوّل۔ دوم۔ سوم رہنے والے کھلاڑیوں کو انعامات تقسیم فرمائے۔[۵۸]

دکانوں کی نگرانی کا فرض

۵ رجون ۱۹۴۲ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ قادیان میں اس امر کی نگرانی رکھیں کہ نماز کے اوقات میں کوئی دوکان کھلی نہ رہے۔[۵۹]

چوتھا سالانہ اجتماع اور مجلس لاہور کے ایک خادم کا قابل تعریف فعل

مجلس خدام الاحمدیہ کا چوتھا سالانہ اجتماع ۱۷ - ۱۸ راکتوبر ۱۹۴۲ء کو منعقد ہوا۔ اس اجتماع کے لئے حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کی کوٹھی کے شمالی جانب واقع دارالشکر کے غربی میدان کا انتخاب کیا گیا۔ مقام اجتماع میں تمام رہائشی خیمے اور دفاتر نصب کئے گئے۔ عین وسط میں چھتیس ۳۶ چھتیس ۳۶ فٹ کی دو سڑکیں ایک دوسری کو قطع کرتی ہوئی بنائی گئیں جن کے مرکز میں لوائے خدام الاحمدیہ لہرا رکھا تھا۔ چوک کے قریبی بلاکوں پر ہسپتال۔ دفتر سپلائی سٹور۔ دفتر خوراک اور مرکزی کارکنوں کے خیمے تھے۔ مقام اجتماع میں داخلہ کے لئے مشرق کی طرف دروازہ بنایا گیا جس کے دونوں طرف خدام الاحمدیہ کے لائحہ عمل سے متعلق حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشادات کپڑے کے موزوں بورڈوں پر لکھے ہوئے آویزاں کئے گئے۔ اس دروازہ کے قریب ہی مرکزی دفتر خدام الاحمدیہ اور انکوائری آفس کے خیمے نصب تھے۔ مقام اجتماع کے ارد گرد خدام کے پہرہ کا چوبیس گھنٹے باقاعدہ انتظام رہا۔ دفتر مرکزیہ کے ساتھ خدام کو وقت سے مطلع کرنے کیلئے گھنٹہ بھی نصب کیا گیا۔ جس پر ہر نصف گھنٹہ کے بعد وقت کا اعلان ہوتا رہا اس دفعہ کھانے کا انتظام خدام الاحمدیہ نے اس صورت میں کیا کہ قادیان کے ہر خادم کے گھر سے وقت مقررہ پر مجلس اطفال الاحمدیہ کے اراکین خادم اور اس کے ایک مہمان کا کھانا لاتے۔ قادیان کی تمام مجالس میں باہر سے آنے والی مجالس کو ان کی میزبانی کے لئے باقاعدہ تقسیم کر دیا گیا تھا۔ انتظام کو سہولت سے چلانے کیلئے اطفال الاحمدیہ کے خیمے بھی مقام اجتماع میں ہی نصب تھے۔

اس اجتماع میں مندرجہ ذیل مقامات سے خدام شریک ہوئے:- بگول۔ سیکھواں۔ ونجواں۔ پھیروچیچی۔ دھرم کوٹ بگہ۔ طوئڈی جھنگلاں۔ ہرسیاں۔ لودھی ننگل۔ پیرو شاہ۔ خان فتح۔ سابہ چور۔ اٹھوال

---

[۵۸] خدام الاحمدیہ کی رپورٹ سال سوم صفحہ ۲۸ - ۲۹ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۸ رفروری ۱۹۴۱ء صفحہ ۳۔

[۵۹] الفضل ۷ رجون ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۱

تیجہ کلاں. شکار ماچھیاں. سیالکوٹ شہر۔ داتہ زید کا۔ گھٹیالیاں۔ امرتسر۔ لاہور۔ جالندھر۔ کریام۔ ہوشیارپور۔ کھیرپاں۔ گوجرانوالہ۔ گجرات۔ لائل پور۔ دُنیا پور ضلع ملتان۔ حیدرآباد دکن۔ کراچی۔ دہلی۔ خیرپور سندھ۔ شملہ۔ سید والا۔ بہلول پور ضلع لائلپور۔ ڈلہوزی۔ بمبئی۔ پشاور۔ بریلی۔ [1]

اس اجتماع کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں شامل ہونے والے خدام میں سے مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کے ایک رکن مرزا محمد سعید بیگ صاحب ولد مرزا محمد شریف بیگ صاحب نے لاہور سے قادیان آتے ہوئے مجلس کے جھنڈا کی حفاظت کے لئے شجاعت و بہادری کا شاندار نمونہ دکھایا۔ اور دوسرے خدام بھائیوں کے سامنے شعائر اللہ کے تحفظ کی قابل تقلید مثال قائم کی۔ اس اجمال کی تفصیل خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے الفاظ میں درج کی جاتی ہے۔ حضور نے ۲۳ اکتوبر ۱۹۴۲ء کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:۔

"واقعہ یہ ہے کہ لاہور کے خدام جب جلسہ میں شمولیت کے لئے آ رہے تھے تو اس وقت جبکہ ریل سٹیشن سے نکل چکی تھی اور کافی تیز ہوگئی تھی ایک لڑکے سے جس کے پاس جھنڈا تھا ایک دوسرے خادم نے جھنڈا مانگا۔ وہ لڑکا جس نے اس وقت جھنڈا پکڑا ہوا تھا ایک چھوٹا بچہ تھا۔ اُس نے دوسرے کو جھنڈا دے دیا اور یہ سمجھ لیا کہ اس نے جھنڈا پکڑ لیا ہے۔ مگر واقعہ یہ تھا کہ اُس نے ابھی جھنڈے کو نہیں پکڑا تھا۔ اس قسم کے واقعات ہو جاتے ہیں۔ گھروں میں بعض دفعہ دوسرے کو کہا جاتا ہے کہ پیالی یا گلاس پکڑانا اور دوسرا برتن اٹھا کر دے دیتا ہے اور یہ خیال کر لیتا ہے کہ اُس نے پیالی یا گلاس کو پکڑ لیا ہوگا۔ مگر اس نے ابھی ہاتھ نہیں ڈالا ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ برتن گر جاتا ہے۔ اسی طرح جب اُس سے جھنڈا مانگا گیا اور اُس نے جھنڈا دوسرے کو دینے کے لئے آگے بڑھا دیا تو اُس نے خیال کیا کہ دوسرے نے جھنڈا پکڑ لیا ہوگا۔ مگر اُس نے ابھی پکڑا نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جھنڈا ریل سے باہر جا پڑا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ چھوٹا لڑکا جس کے ہاتھ سے جھنڈا گرا تھا فوراً نیچے کودنے لگا۔ مگر وہ دوسرا لڑکا جس نے جھنڈا مانگا تھا اُس نے اسے فوراً روک لیا اور خود نیچے چھلانگ لگا دی۔ لاہور کے خدام کہتے ہیں ہم نے اُسے اُوندھے گرے ہوئے دیکھ کر سمجھا کہ وہ مر گیا ہے۔ مگر فوراً ہی اٹھا اور جھنڈے کو پکڑ لیا۔ اور پھر ریل کے پیچھے دوڑ پڑا۔ ریل تو وہ کیا پکڑ سکتا تھا۔ بعد میں کسی دوسری سواری میں بیٹھ کر اپنے قافلہ سے آ ملا۔ میں سمجھتا ہوں اس کا یہ فعل نہایت ہی اچھا ہے اور اس قابل ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔ خدام الاحمدیہ نے اس کیلئے انعام مقرر کیا تھا اور تجویز کیا تھا کہ اُسے ایک تمغہ دیا جائے۔ مگر اس وقت یہ روایت میرے پاس غلط طور پر پہنچی

[1] الفضل ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۵۔

تھی۔ اس نے میں نے وہ انعام اسے نہ دیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ صحیح بات یہ ہے کہ جھنڈا اس کے ہاتھ سے نہیں گرا تھا۔ بلکہ دوسرے کے ہاتھ سے گرا تھا۔ پہلے مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ اسی کے ہاتھ سے جھنڈا گرا تھا۔

بہرحال یہ ایک نہایت ہی قابل تعریف فعل ہے۔ خدام الاحمدیہ سے ہمیشہ اس بات کا اقرار لیا جاتا ہے کہ وہ شعائر اللہ کا ادب و احترام کریں گے۔ اسی طرح قومی شعار کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ اس اقرار کو پورا کرنے میں لاہور کے اس نوجوان نے نمایاں حصہ لیا ہے۔ اور میں اس کے اس فعل کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا اس نوجوان کا نام مرزا سعید احمد ہے اور اس کے والد کا نام مرزا شریف احمد ہے۔ بظاہر یہ سمجھا جائیگا کہ اس نوجوان نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا مگر جہاں قومی شعار کی حفاظت کا سوال ہو وہاں اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اور درحقیقت وہی لوگ عزت کے مستحق سمجھے جاتے ہیں جو اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ وہ لوگ جو اپنی جان کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں انہی کی جانیں دنیا میں سب سے زیادہ سستی اور بے حقیقت سمجھی جاتی ہیں۔ آخر غلام قومیں کون ہوتی ہیں؟ وہی لوگ غلام بنتے ہیں جو اپنی جانوں کو قربان کرنے سے ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم مر نہ جائیں۔ وہ ایک وقت کی موت قبول نہیں کرتے تو خدا تعالیٰ انہیں بعض دفعہ صدیوں کی موت دے دیتا ہے۔[1]"

اختلافی مسائل کے لئے ہفتۂ تعلیم و تلقین

وسط ۱۹۴۱ء سے مجلس خدام الاحمدیہ اور مجلس انصار اللہ کی مشترکہ مساعی سے احباب جماعت کو اختلافی مسائل سے آگاہ کرنے کے لئے تعلیم و تلقین کے خاص ہفتے منانے کا انتظام شروع ہوا۔ اس سلسلہ میں پہلا ہفتہ مسئلہ نبوت کے لئے ۲۴ مئی سے ۳۰ مئی ۱۹۴۱ء میں اور دوسرا ہفتہ ۲۲ تا ۲۸ نومبر ۱۹۴۱ء میں منایا گیا جو مسئلہ خلافت کی تعلیم و تلقین کے لئے مخصوص تھا۔[2] اس کے بعد ۹ نومبر ۱۹۴۲ء کو تیسرا ہفتہ منایا گیا جس کا موضوع تلقین پیشگوئی مصلح موعود تھا۔[3] ۱۹۴۳ء کے ہفتہ تعلیم و تلقین کے حسب ذیل موضوع تھے (۱) اقتداء نماز غیر احمدیاں (۲) رشتہ ناطہ غیر احمدیان (۳) جنازہ غیر احمدیاں۔[4]

دفتر مجلس مرکزیہ کی بنیاد

۱۰ اکتوبر ۱۹۴۲ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بعد نماز عصر دارالانوار میں مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے دفتر کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔[5]

---

[1] الفضل ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۴ و ۵ [2] رپورٹ خدام الاحمدیہ سال چہارم صفحہ ۴۴ [3] رپورٹ خدام الاحمدیہ سال پنجم صفحہ ۹
[4] روزنامہ الفضل ۲۶ جنوری ۱۹۴۶ء صفحہ ۷ کالم ۱ [5] رپورٹ خدام الاحمدیہ سال پنجم صفحہ ۵ و الفضل ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱

عمارت کے لئے حضرت نواب محمد عبد اللہ خان صاحبؓ نے آٹھ کنال کا قطعہ زمین بطور عطیہ دیا۔ جس کی قیمت ان دنوں ڈھائی ہزار کے لگ بھگ ہوگی[1] نقشہ کی تیاری کے سلسلہ میں قاضی عبد المجید صاحب اور قاضی محمد رفیق صاحب نے گہری دلچسپی لی[2] یہ عمارت مکمل ہوگئی تو مجلس کا دفتر جو گیسٹ ہاؤس میں کھلا ہوا تھا اس میں منتقل کر دیا گیا جو قادیان سے ہجرت (۱۹۴۷ء) تک قائم رہا۔

مہتممین کے دوروں کا آغاز

۱۹۴۲-۴۳ء میں ملک عطاء الرحمٰن صاحب بنگال بھجوائے گئے۔ آپ نے ڈیڑھ ماہ تک تمام بڑی بڑی جماعتوں کا دورہ کر کے مجالس خدام الاحمدیہ کا قیام اور سابقہ مجالس کا احیاء کیا۔ اسی سال چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ اور چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر نے سندھ کی مجالس کا معائنہ اور احیاء کیا[3]

بزم حسن بیان کا قیام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام "حسن بیان"[4] سے تفاؤل کے ساتھ سالانہ جلسہ ۱۹۴۳ء پر بزم حسن بیان کا افتتاح کیا گیا۔ یہ بزم تقریری مشق کے لئے قائم کی گئی تھی[5]

"الطارق" کا اجراء

جنوری ۱۹۴۵ء سے مجلس خدام الاحمدیہ کی طرف سے "الطارق" کے نام سے ٹریکٹوں کا ایک سلسلہ جاری کیا گیا جس کی حیثیت مجلس کے گزٹ کی سی تھی جس میں صدر مجلس اور مہتممین مرکزیہ کی طرف سے ضروری ہدایات و اطلاعات شائع ہوتی تھیں۔ یہ سلسلہ پانچ نمبروں کی اشاعت کے بعد بند کر دیا گیا[6]

مخالفین احمدیت کی طرف سے مجلس خدام الاحمدیہ کو خراج تحسین

مجلس احرار کے اخبار "زمزم" نے ۲۳ جنوری ۱۹۴۵ء نے مجلس خدام الاحمدیہ کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے

---

[1] رپورٹ خدام الاحمدیہ سال چہارم صفحہ ۲۷۔ تعمیر دفتر میں نمایاں حصہ لینے والوں کے نام :- سیٹھ عبد اللہ الہ دین صاحب۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب۔ شیخ محمود الحسن صاحب آئی۔ سی۔ ایس۔ سیٹھ محمد اعظم صاحب و سیٹھ معین الدین صاحب۔ خانصاحب نعمت اللہ صاحب۔ ملک عبد الرحمٰن صاحب قصور۔ محمد الدین صاحب پال سیالکوٹ۔

[2] رپورٹ خدام الاحمدیہ سال پنجم صفحہ ۱۵   [3] الفضل یکم فروری ۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۳

[4] تذکرہ طبع دوم ص ۵۱۶ والحکم جلد ۸ نمبر ۱۷ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۴ء ص ۲   [5] الفضل ۲۶ جنوری ۱۹۴۵ء صفحہ ۷ کالم ۱ و ۲

[6] یہ قیاساً لکھا گیا ہے کیونکہ دفتر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے ریکارڈ میں "الطارق" کا پانچواں ٹریکٹ ہی موجود ہے۔

لکھا کہ:۔

"ایک ہم ہیں کہ ہماری کوئی بھی تنظیم نہیں اور ایک وہ ہیں کہ جن کی تنظیم در تنظیم کی تنظیمیں ہیں - ایک ہم ہیں کہ آوارہ منتشر اور پریشان ہیں - ایک وہ ہیں کہ حلقہ در حلقہ محدود و محصور اور مضبوط اور منظم ہیں - ایک حلقہ احمدیت ہے، اس میں چھوٹا بڑا، زن و مرد، بچہ بوڑھا ہر احمدی مرکز "نبوت" پر مرکوز و مجتمع ہے مگر تنظیم کی ضرورت اور برکات کا علم و احساس ملاحظہ ہو کہ اس جامع و مانع تنظیم پر بس نہیں۔ اس وسیع حلقہ کے اندر متعدد چھوٹے چھوٹے حلقے اور بنا کر ہر فرد کو اس طرح جکڑ دیا گیا ہے کہ ہل نہ سکے۔ عورتوں کی مستقل جماعت لجنہ اماء اللہ ہے۔ اس کا مستقل نظام ہے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر اس کا جداگانہ سالانہ جلسہ ہوتا ہے۔ خدام الاحمدیہ نوجوانوں کا جدا نظام ہے - پندرہ تا چالیس سال کے ہر فرد جماعت کا خدام الاحمدیہ میں شامل ہونا ضروری ہے۔ الفضل ۱۲/۴۴ ۲۱ - چالیس سال سے اوپر والوں کا مستقل ایک اور حلقہ ہے۔ انصار اللہ جس میں چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان تک شامل ہیں - میں ان واقعات اور حالات میں مسلمانوں سے صرف اسقدر دریافت کرتا ہوں کہ کیا ابھی تمہارے جاگنے اور اٹھنے کا وقت نہیں آیا؟ تم نے ان متعدد موروچوں کے مقابلہ میں کوئی ایک بھی مورچہ لگایا؟ حریف نے عورتوں تک کو میدانِ جہاد میں لا کھڑا کیا..... میرے نزدیک ہماری ذلّت و رسوائی اور میدانِ کشاکش میں شکست و پسپائی کا ایک بہت بڑا سبب یہی غلط معیارِ شرافت ہے[1]۔"

پہلی دینیات کلاس

۱۹۴۵ء کے اوائل میں مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے شعبۂ تعلیم کے زیر اہتمام میٹرک کا امتحان دینے والے طلباء کے لئے قادیان میں دینیات کلاس کھولی گئی جو ۲۰ راپریل ۱۹۴۵ء سے لے کر ۱۰ رمئی ۱۹۴۵ء تک جاری رہی۔ کلاس کے منتظم صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے تھے اور نائب مولوی صدر الدین صاحب مولوی فاضل - پڑھائی آٹھ بجے سے لیکر بارہ بجے تک تعلیم الاسلام کالج میں ہوتی تھی اور عام لیکچر بعد نماز عصر مسجد اقصیٰ میں ہوتے تھے۔ مولانا قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری - مولوی نور الحق صاحب انور - مولوی بشارت احمد صاحب سندھی نے قرآن مجید - صرف و نحو اور حدیث پڑھائی - دینیات کلاس کے طلباء کو بعض دوسرے فاضل اصحاب کے علاوہ مندرجہ ذیل بزرگوں نے بھی خطاب فرمایا:۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب - حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری حضرت مولوی خیر الدین صاحب سیکھوانی - حضرت سردار عبدالرحمٰن صاحب (سابق مہر سنگھ) - حضرت مولوی شیر علی صاحب۔

---

[1] بحوالہ روزنامہ الفضل قادیان ۱۸ راپریل ۱۹۴۵ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴۔

طلباء ظہر سے عصر تک کا وقت مسجد مبارک میں گذارتے اور مرکزی لائبریری سے کتابیں لے کر پڑھتے۔ شریک کلاس ہونے والے طلباء کی تعداد پچیس ۲۵ تھی اور ان کی رہائش کا انتظام مہمان خانہ میں کیا گیا تھا۔ آخری روز (۱۰ مئی ۱۹۴۵ء) حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے طلباء کو بعد نماز عصر مسجد مبارک میں شرف ملاقات بخشا اور قیمتی نصائح کیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ ان طلباء کے لئے ۲۴ گھنٹوں کا پروگرام ہونا چاہیئے تھا جس میں ہر کام کے اوقات مقرر ہوتے۔ ان ایام میں ان طلباء کو سخت اور مسلسل محنت کرنے کی مشق کرائی جانی چاہیئے تھی۔

اس سلسلہ میں حضور نے تفصیلی ہدایات دیں۔ اسی طرح فرمایا کہ باہر سے آنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ کم از کم سو طالب علم باہر سے آنا چاہیئے تھا۔ آئندہ سال بہت پہلے تحریک شروع ہونی چاہیئے یہ سب طلباء ایک جگہ رہیں۔ تین چار نگران ہر وقت اُن کے ساتھ رہیں اور اپنے عمل سے ان پر نیک اثر ڈالیں[1]

اس پہلی کلاس کے بعد خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے مستقل طور پر تعلیم و تربیت کا یہ اہم طریق رائج کر دیا جو اب تک بدستور جاری ہے۔

پہلی تعلیم القرآن کلاس حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر دینیات کلاس کے بعد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ اور نظارت تعلیم و تربیت کے اشتراک سے ۱۹۴۵ء میں پہلی تعلیم القرآن کلاس بھی شروع کی گئی جو ۲۵ راگست سے ۲۵ رستمبر تک جاری رہی۔ نمائندگان کی تعداد ۷۳ تھی جو حسب استعداد دو جماعتوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ ہر ایک جماعت تعداد کے لحاظ سے دو دو فریقوں میں منقسم تھی اور قرار پایا کہ جماعت اوّل کو پانچ سپارے تک ترجمہ پڑھایا جائے اور جماعت دوم کو دس پارے تک۔ کلاس کے طلباء کو مولوی تاج الدین صاحب فاضل لائلپوری۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری اور منشی محمد نذیر صاحب ملتانی نے قرآن کریم کا ترجمہ پڑھایا اور صرف و نحو کی تعلیم مولوی ظل الرحمن صاحب بنگالی، مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی اور مولوی شریف احمد صاحب امینی نے دی۔ اور طبی خدمات کے لئے خانصاحب ڈاکٹر محمد عبد اللہ صاحب میڈیکل انچارج تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی خدمات حاصل کی گئیں۔ تعلیم القرآن کمیٹی کے سیکرٹری چوہدری عبد السلام صاحب اختر تھے۔ اور نمائندگان کی رہائش اور دیگر متعلقہ امور کی نگرانی کے فرائض مولوی شریف احمد صاحب امینی نے انجام دیئے۔

---

[1] الفضل ۲۶ رمئی ۱۹۴۵ء صفحہ ۵۔

حضور کی خدمت میں جب تعلیم القرآن کلاس کے انتظامات اور روزانہ اسباق کی رپورٹ پیش ہوئی تو حضور نے اپنے قلم مبارک سے تحریر فرمایا کہ

"جزاکم اللہ تعالیٰ یہ انتظام بہت مناسب ہے اور ہر سال ہونا چاہیئے اور بڑھاتے جانا چاہیئے۔"[1]

حضرت امیر المومنین کی طرف سے نئے ہفت سالہ دَور کا پروگرام

۱۹۴۵ء میں چونکہ مجلس خدام الاحمدیہ اپنی زندگی کے سات سال مکمل کر چکی تھی اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس سال کے سالانہ اجتماع پر اس کے گذشتہ ہفت سالہ دَور کا جائزہ لینے کے بعد آئندہ کے سات سالوں کے لئے ایک جامع مانع اور تفصیلی پروگرام پیش فرمایا جس کا خلاصہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے الفاظ میں درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

وقارِ عمل :۔ ۱ ۔ قادیان کی عدم صفائی اور محلوں کے گند کو دُور کرنے کی طرف توجہ دے کر ہمیں اس بات کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہیئے کہ قادیان ایک نہایت صاف ستھرا مقام بن جائے۔ اس کی سڑکیں ہموار ہوں اور گھروں کا کوڑا کرکٹ سڑکوں پر پھینکا ہوا نظر نہ آئے (جس سے مکھی اور مچھر کثرت سے پیدا ہوتے ہیں جن سے وبائی امراض پھیلتے ہیں۔)

۲ ۔ یہ ضروری ہے کہ روزانہ کام کرنے کی عادت پیدا کی جائے یہ کام "عملِ اجتماعی" کے رنگ میں ہو۔ خواہ دو دو تین تین خدام مل کر کام کریں۔ مگر کریں روزانہ ۔ اس عمل اجتماعی کا بیشتر حصہ وقارِ عمل کی نوعیت کا ہو۔ محلہ کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر دیا جائے ۔ خدام محلہ محلہ کی صفائی کے ذمہ دار ہوں اور جو مجالس اس کام میں سبقت لے جائیں انہیں انعام دیا جائے ۔ اور مقابلہ کی رُوح پیدا کی جائے ۔

۳ ۔ قادیان میں برسات کے پانی کے نکاس کی طرف توجہ دی جائے ۔ اوورسیروں سے مشورہ کر کے ایک تفصیلی پروگرام بنایا جائے جس کے مطابق کام ہو۔

۴ ۔ ایسے کام اس غرض کے مدنظر کئے جائیں کہ کسی خادم میں تکبّر کا شائبہ باقی نہ رہے اور اس کا نفس مر جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہر ایک کام کرنے کے لئے تیار ہو جائے ۔

---

[1] الفضل ۸ ستمبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۶ ۔

۵ - **خدمتِ خلق** :- یتامیٰ - بیوگان - اور مساکین کی خبر گیری خدام و اطفال اپنا اوّلین فرض قرار دیں - اور بیماروں کو دوا وغیرہ لا کر دینا - ضرورت منداحباب کے مکانوں کی لپائی وغیرہ کرنا اور ایسے گھرانوں میں جس کے مرد کام کاج کے لئے باہر گئے ہوئے ہوں سودا سلف لا کر دینا خدام و اطفال کی ذمہ داریوں میں سے ہے اور خدام کو چاہیئے کہ قومی کاموں کے علاوہ جہاں تک ہو سکے انفرادی کام بھی کریں اور غریبوں یتیموں اور بیواؤں کے کام کرنے میں عار محسوس نہ کریں -

۶ - **تربیت و اصلاح** :- نماز باجماعت کی سختی سے نگرانی کی جائے -

۷ - جو خدام نماز باجماعت کے عادی نہ ہوں انہیں پہلے خدام کے عہدہ دار سمجھائیں - پھر محلہ کے پریذیڈنٹ اور دوسرے دوست انہیں سمجھائیں اور پھر مرکز کی وساطت سے حضور کے سامنے ان کے نام پیش کئے جائیں -

۸ - خدام و اطفال کے سامنے وقتاً فوقتاً اخلاق کے متعلق بحث آتی رہنی چاہیئے اور انہیں بتانا چاہیئے کہ کون کون سے اعمال ہیں جو آجکل عام ہیں - اور درحقیقت اسلامی نقطۂ نگاہ سے بُرے ہیں اور کونسے اعمال ہیں جو بُرے سمجھے جاتے ہیں اور وہ درحقیقت اسلامی نقطۂ نگاہ کے مطابق ہیں -

۹ - اسلامی اخلاق پر چھوٹی چھوٹی کتابیں اور رسالے تصنیف کئے جائیں جن میں اصول اخلاق پر بحث ہو -

۱۰ - خدام و اطفال کو یہ کتابیں اور رسالے بار بار پڑھائے جائیں تا یہ باتیں انکے ذہن نشین ہو جائیں -

۱۱ - ایسی اخلاقی کمزوری جس سے دوسروں کو بھی نقصان پہنچتا ہو اور اسکے نقصان کا دائرہ وسیع ہو تو اس کے انسداد کے متعلق شریعت کا حکم ہے کہ اُسے فوراً روکا جائے - اور اس کے کرنے والے کو سزا دی جائے -

۱۲ - مجالس خدام الاحمدیہ اپنے حلقوں میں اخلاقی نگرانی کا کام کسی مقامی عہدہ دار کے سپرد کریں -

۱۳ - **تبلیغ** :- مجالس میں تبلیغی سیکرٹری مقرر کئے جائیں جو خدام کو تبلیغ کی طرف متوجہ رکھیں اور انہیں تحریک کریں کہ وہ تبلیغ کے لئے کچھ نہ کچھ وقت دیا کریں -

۱۴ - تبلیغ کرنے والوں سے دریافت کیا جائے کہ وہ رشتہ داروں میں تبلیغ کرنا چاہتے ہیں یا دوسرے لوگوں میں اس دوسری صورت میں اُن سے معلوم کیا جائے کہ انہیں ہندوؤں میں تبلیغ کرنے کا شوق ہے یا سکھوں میں یا یہودیوں میں یا عیسائیوں میں اور ہر گروہ کو اُن کے مناسب حال معلومات بہم پہنچائی جائیں اور دلائل وغیرہ نوٹ کروا دیئے جائیں -

۱۵ - جو نوجوان تبلیغ کے لئے جائیں اُن پر جس قسم کے اعتراضات ہوں خواہ وہ معقول ہوں یا غیر معقول - منطقی ہوں یا جاہلانہ اُن کو تبلیغی رجسٹروں میں درج کیا جائے -

۱۶ - قیادتیں ان اعتراضات کو ہر تین ماہ کے بعد مرکز میں بھجوا دیں -

۱۷ - مرکز ان اعتراضات کے جوابات شائع کرنے کا انتظام کرے -

۱۸ - یہ کام اس طریق پر کیا جائے کہ ہر مضمون کے متعلق پاکٹ بکیں بن جائیں اور لوگوں کے معتدبہ حصہ کے مرضوں کی تشخیص ہو جائے اور اس بات کا علم ہوتا رہے کہ آجکل دشمن کس پہلو سے حملہ کرنا چاہتا ہے -

۱۹ تعلیم - خدام و اطفال تعلیم کی طرف خاص توجہ دیں۔

۲۰- مجالس اپنے حلقوں میں ایک ایک سیکرٹری مقرر کریں جو بیس سال سے بیس سال کے خدام و اطفال کی فہرست تیار کرے اور نوٹ کرے کہ ان میں سے کتنے تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور کتنے تعلیم حاصل نہیں کر رہے۔ اس عمر کے جو خدام و اطفال تعلیم حاصل نہ کر رہے ہوں ان کے والدین کو توجہ دلائی جائے کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم دلائیں۔ بوقت ضرورت مرکز سے بھی ایسے والدین پر دباؤ ڈلوایا جائے۔

۲۱- طلبہ خدام و اطفال کی نگرانی کی جائے کہ سٹڈی کے وقت گلیوں میں نہ پھریں۔

۲۲- اس نگرانی کے لئے کچھ خادم ہر روز مقرر کئے جائیں جو سٹڈی کے وقت گلیوں میں پھرنے والے طلبہ خدام و اطفال سے پوچھیں کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ (اس سے طلبہ میں آوارگی کی عادت نہ رہے گی۔ اور وہ پڑھائی میں بھی زیادہ دلچسپی لیں گے۔)

۲۳- سٹڈی کے وقت آوارگی کرنے والوں سے باز پرس کی جائے۔

۲۴- گو مدرسے جاری کرنا خدام الاحمدیہ کا کام نہیں مگر تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کرنا ان کا فرض ہے پس مجالس نوجوانوں اور بچوں کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھیں۔ عام تعلیم کے ساتھ دلچسپی پیدا کرنے اور عام طور پر نوجوانوں کے اندر دینی تعلیم کا شوق پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کریں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ سمجھتے ہیں کہ اگر خدام الاحمدیہ پوری محنت اور کوشش سے کام کریں تو دو تین سال میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد پہلے کی نسبت دگنی تگنی ہو سکتی ہے۔

۲۵- مجالس ایسے طریق سوچتی رہیں جن کی وجہ سے خدام میں تعلیم کا شوق ہمیشہ رُو بہ ترقی رہے۔

۲۶- یہ سائنس کی ترقی کا زمانہ ہے اس لئے خدام الاحمدیہ کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ ہماری جماعت کا ہر فرد سائنس کے ابتدائی اصولوں سے واقف ہو جائے۔ اور ابتدائی اصول اس کثرت کے ساتھ جماعت کے سامنے دہرائے جائیں کہ ہمارے نائی اور دھوبی بھی یہ بات جانتے ہوں کہ پانی دو گیسوں آکسیجن اور ہائیڈروجن سے بنا ہوا ہے۔ یا یہ کہ آگ آکسیجن لیتی اور کاربن چھوڑتی ہے۔ اور اگر اسے آکسیجن نہ ملے تو بجھ جاتی ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ جہاں ہمارے دوست دینی علوم سے واقف ہوں وہاں انہیں کچھ نہ کچھ سائنس کے ابتدائی اصول سے بھی واقفیت ہو۔

۲۷- **ذہانت و صحت جسمانی** :- نوجوانوں کی صحتوں کو درست کرنے کی انتہائی کوشش کی جانی چاہیئے۔ یہ نہ ہو کہ جوانی آنے سے پہلے ہی ان پر بڑھاپے کا زمانہ آجائے۔ بڑھاپے کے زمانہ میں بھی وہ نوجوانوں والی صحت رکھتے ہوں۔ صحت کی درستی کے لئے عام ورزشوں کے علاوہ ایسے کام تجویز کئے جائیں جو محنت کشی کے ہوں۔ جن سے ان کی ورزش ہو اور ان کے جسم میں طاقت پیدا ہو۔ مثلاً سائیکل چلانا اور اس کی مرمت وغیرہ کرنا۔ موٹر چلانا جاننا اور موٹر کی مرمت وغیرہ گھوڑے کی سواری وغیرہ وغیرہ۔

۲۸ - خدام کو یہ ذہنیت اپنے اندر پیدا کرنی چاہیئے کہ یہ مشینوں کا زمانہ ہے اور آجکل مشینوں میں اللہ تعالیٰ نے بہت برکت دی ہے۔ پس انہیں مشینری کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔

۲۹ - اسی طرح خدام الاحمدیہ کو لوہارا - ترکھانا اور بھٹی وغیرہ کا کام بھی بطور ایک شغل (Hobby) سیکھنا چاہیئے۔

۳۰ - بچوں کو انجینیرنگ کی طرف مائل کرنے والی کھیلیں کھلائی جائیں۔ مثلاً لوہے کے چھوٹے چھوٹے پرزوں سے چھوٹی چھوٹی مشینیں بنانا اور پل وغیرہ بنانا۔

عام ہدایات

۳۱ - کوشش کرنی چاہیئے کہ ہر کام کے نتائج کسی معین صورت میں ہمارے سامنے آسکیں۔ اس کے لئے گذشتہ ریکارڈ کا محفوظ رکھنا ضروری ہے جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ پچھلے سال سے اس سال نمازوں میں کتنے فی صدی ترقی ہوئی تعلیم میں کتنے فیصدی ترقی ہوئی۔ اخلاق میں کتنے فی صدی ترقی ہوئی۔ کتنے خدام پچھلے سال باہر کی مجالس سے سالانہ اجتماع میں شمولیت کے لئے آئے اور کتنے اس سال آئے۔

۳۲ - قیادتوں میں بھی ایسا ریکارڈ رکھا جائے جس کی رپورٹ اجتماع کے موقعہ پر سُنی جائے۔

۳۳ - تمام مجالس کا آپس میں مقابلہ کیا جائے کہ تبلیغی طور پر کونسی مجلس اوّل ہے تعلیم میں کونسی۔ وقار عمل میں کونسی وغیرہ وغیرہ۔ جو مجالس رُو بہ ترقی نہ ہوں اُن کی مرض کی تشخیص کرکے اُس کا کوئی علاج سوچا جائے۔

۳۴ - حضور ایدہ اللہ تعالیٰ آئندہ ایسے نتائج دیکھا کریں گے۔

۳۵ - بے کاروں کو کام پر لگانے کی کوشش کی جائے اور بہترین کام وہ ہے جو وقف کے ماتحت ہو۔ وقف تجارت وقف ہی کی ایک قسم ہے جو ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہے۔

۳۶ - اپنے ہاتھ سے کام کرنا ہمارا طرۂ امتیاز ہونا چاہیئے۔[1]

مجلس کا شائع کردہ دس (۱۰) سالہ لٹریچر

مجلس خدام الاحمدیہ نے ۱۹۳۸ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک حسب ذیل لٹریچر شائع کیا[2]:—

تحریک قیام خدام الاحمدیہ - دستور اساسی و قواعد و ضوابط - مشعل راہ -

---

[1] "خدام الاحمدیہ کے نئے سات سالہ دور کا پروگرام" صفحہ ۳۸ تا ۴۴ ناشر نشر و اشاعت قادیان -

[2] رجسٹر - رپورٹ فارم - پرچہ جات اور سندات وغیرہ اس کے علاوہ تھیں -

رپورٹ ہائے خدام الاحمدیہ سال اوّل تا پنجم - ہدایات تعلیم - قوانین صحت - "اخلاق احمدؑ"[۵۱] - "شمائل احمدؑ"[۵۲] - ہمارے نغمے (کلام محمد صدیق صاحب ثاقب زیروی) - ہمارا نظام - ہمارا کام - ذرائع اصلاح - دَورِ خسروی (کلام محمد صدیق صاحب ثاقب زیروی) - "خدام الاحمدیہ کے نئے سات سالہ دَور کا پروگرام" (تقریر سیدنا المصلح الموعود فرمودہ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۴۵ء)

یہ ہے ایک مختصر سا خاکہ مجلس خدام الاحمدیہ کی اُن دس سالہ سنہری خدمات کا جو احمدی نوجوانوں کی اس عالمی تنظیم نے تقسیم ہند سے قبل انجام دیں۔ اور جو آزادئ ملک کے بعد مجلس کی نشأۃ ثانیہ، تنظیم اور موجودہ عروج و ارتقاء کے منازل تک پہنچانے کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔

قیام پاکستان کے بعد یہ مجلس کن مراحل میں سے گذری اور آج اسے دنیا کے موجودہ دینی اور اخلاقی نقشہ میں کتنی اہمیت و وسعت حاصل ہو چکی ہے؟ اس کی تفصیلات دَورِ پاکستان کی تاریخ میں آرہی ہیں +

---

[۵۱] و [۵۲] یہ دونوں کتابچے جو حضرت مسیح موعودؑ کی سیرت کے ایمان افروز حالات پر مشتمل تھے شعبۂ اطفال کی طرف سے شائع کئے گئے۔

[۵۳] اس مرکزی لٹریچر کے علاوہ مجلس خدام الاحمدیہ لائل پور کے سیکرٹری ملک حسن محمد صاحب نے "اسلام کی پیاری اور دلربا تعلیم" کے نام سے ایک دو ورقہ ٹریکٹ بھی شائع کیا تھا۔

فصل دوم

قادیان سے ہجرت کی نسبت ایک اہم خط و کتابت

۲۶ اپریل ۱۹۳۸ء کا واقعہ ہے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ "تذکرہ" کا مطالعہ کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچے کہ جماعت احمدیہ کو کبھی قادیان چھوڑنا پڑے گا۔ اس انکشاف پر آپ نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں مندرجہ ذیل خط لکھا:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدنا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج کل میں تذکرہ کا کسی قدر بغور مطالعہ کر رہا ہوں۔ مجھے بعض الہامات وغیرہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید جماعت احمدیہ پر یہ وقت آنے والا ہے کہ اُسے عارضی طور پر مرکز سلسلہ سے نکلنا پڑے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت حال غالباً گورنمنٹ کی طرف سے پیدا کی جائے گی۔ اگر میرا یہ خیال درست ہو تو اس وقت کے پیش نظر ہمیں کچھ تیاری کرنی چاہیئے مثلاً مذہبی اور قومی یادگاروں اور شعائر اللہ کی حفاظت کا انتظام وغیرہ تاکہ اگر ایسا وقت مقدر ہے تو جماعت کے پیچھے ان کی حفاظت رہے۔ اور نشانات محفوظ رہیں۔ اسی طرح دوسری باتیں سوچ رکھنی چاہئیں۔

فقط والسلام

(دستخط) خاکسار مرزا بشیر احمد ۲۶/۴/۳۸"[1]

اس خط پر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل نوٹ تحریر فرمایا:-

"عزیزم مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں تو بیس سال سے یہ بات کہہ رہا ہوں۔ حق یہ ہے کہ جماعت اب تک اپنی پوزیشن کو نہیں سمجھی۔ ابھی ایک ماہ ہوا میں اس سوال پر غور کر رہا تھا کہ مسجد اقصیٰ وغیرہ کے لئے گہرے زمین دوز نشان لگائے جائیں جن سے دوبارہ مسجد تعمیر ہو سکے۔ اسی طرح چاروں کونوں پر دُور دُور مقامات پر

---

[1] بحوالہ "الفضل" ۲۵ مئی ۱۹۴۸ء صفحہ ۳۔

مستقل زمین دوز نشانات رکھے جائیں جن کا راز مختلف ممالک میں محفوظ کر دیا جائے تاکہ اگر ان مقامات پر دشمن حملہ کرے تو اُن کو از سرِ نَو اپنی اصل جگہ پر تعمیر کیا جا سکے۔ پاسپورٹوں* کا سوال بھی اسی پر مبنی تھا

(دستخط) مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح)

* اس میں جو یہ فقرہ ہے کہ پاسپورٹوں کا سوال بھی اسی پر مبنی تھا۔ اس کا اشارہ اس طرف ہے کہ انہی پیشگوئیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے حکم دیا تھا کہ تمام خاندان کے اور سلسلہ کے بڑے بڑے کارکنوں کے غیر ممالک کے پاسپورٹ ہر وقت تیار رہنے چاہئیں۔ تاکہ جب ہجرت کا وقت آئے پاسپورٹ بنوانے پر دقت نہ لگے۔ اسی طرح اسی وقت سے میں نے یہ حکم دیا ہوا تھا کہ ایک ایک سٹ سلسلہ کی کتب کا سات آٹھ مختلف ملکوں میں بھجوا کر سلسلہ کا لٹریچر محفوظ کر لیا جائے۔

(دستخط) مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح)

۲۲ مئی ۱۹۳۸ء "[1]

حضرت امیر المومنینؓ کا سفرِ سندھ اور صداقتِ احمدیت کا عجیب نشان

حسبِ سابق اس سال بھی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سفرِ سندھ اختیار کیا۔ حضور ۲۷ اپریل ۱۹۳۸ء[2] کو قادیان سے بذریعہ ٹرین روانہ ہوئے اور ایک ماہ کے بعد ۳۰ مئی ۱۹۳۸ء[3] کو بوقت ½ ۱۲ بجے شب واپس قادیان میں تشریف لائے۔

سفرِ سندھ سے واپس آتے ہوئے احمدیت کی صداقت کا ایک عجیب آسمانی نشان ظاہر ہوا۔ اور وہ یہ کہ جب حضور کی گاڑی (کراچی میل) لودھراں کے اسٹیشن پر پہنچی تو دوسرے اسٹیشنوں کی طرح یہاں بھی حضور کی زیارت کے لئے بہت سے احمدی موجود تھے جو گاڑی کے پہنچنے پر مصافحہ کرنے لگے۔ اسی دوران گاڑی میں سوار ملتان کے ایک ہندو رئیس لالہ کلیان داس صاحب نے حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب سے (جو اس وقت حضرت امیر المومنین کے کمپارٹمنٹ میں دریچہ کے قریب کھڑے تھے) حضور سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ حضور کی اجازت پر یہ صاحب گاڑی کے اندر تشریف لائے اور گفتگو کرنے کی بجائے دیر تک خاموش رہے۔ ڈاکٹر صاحب کی نگاہ پڑی تو دیکھا کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی۔ کچھ دیر تک تو رقّت کی یہ کیفیت طاری

---

[1] بحوالہ "الفضل" ۲۵ مئی ۱۹۴۸ء صفحہ ۳ کالم ۲ ۔
[2] "الفضل" ۲۹ اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۲ ۔
[3] "الفضل" یکم جون ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱ ۔

ہی۔ مگر آخر انہوں نے تفصیل کے ساتھ اپنا ایک کشفی واقعہ بیان کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں چار سال ہوئے۔ کربلا معلّی، نجف اشرف، کوفہ، کاظمین اور بغداد شریف وغیرہ زیارتوں پر گیا تھا۔ بغداد شریف میں حضرت سلمان فارسیؓ کی درگاہ میں پہنچا تو مجھے بہت شانتی نصیب ہوئی اور میں نے کھڑے ہو کر اور آنکھیں بند کر کے دُعا کی تو مجھے حضرت سلمان فارسی کی زیارت نصیب ہوئی۔ اس کے بعد میں نے ایران، بلوچستان اور ہندوستان کا چپہ چپہ دیکھا مگر مجھے اُس جیسی یا اس سے ملتی جلتی کوئی شکل نظر نہیں آئی۔ مگر آج جو میں نے حضور کو خانپور اسٹیشن میں دیکھا تو مجھے حضرت سلمان فارسیؓ کی زیارت کا واقعہ یاد آگیا۔ حضور کی شکل بالکل ویسی ہے جیسی مجھے سلمان فارسی کے مزار پر نظر آئی تھی۔ اس بیان کے بعد لالہ کلیان داس صاحب نے اگلے سٹیشن پر حضور سے رخصت چاہی۔ حضور نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مگر وہ ہاتھ کی بجائے پاؤں کی طرف جُھکے اور حضور کے منع کرتے کرتے پاؤں چُوم لئے اور کہا کہ ہاتھ تو اَوروں کے لئے ہے، میرے لئے تو پاؤں ہے اور یہ کہہ کر گاڑی سے اُتر گئے۔[۱]

لالہ صاحب اس واقعہ کے قریباً ایک ماہ بعد ۲۷ جولائی ۱۹۳۸ء کو قادیان بھی گئے اور حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب کے ہاں قیام کیا اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ملاقات سے بھی مشرف ہوئے۔ قادیان کی رُوحانی فضا نے اُن پر گہرا اثر ڈالا۔ چنانچہ انہوں نے خود تسلیم کیا کہ

"قادیان میں مَیں نے جو کچھ دیکھا اس کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک پاک بستی ہے۔ لوگ محبت کرنے والے اور خلیق ہیں۔ ہر طرف نیکی کا ہی چرچا ہے"[۲]

عُلمائے سلسلہ کے فرائض

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۰ جون ۱۹۳۸ء کے خطبہ جمعہ میں علمائے سلسلہ احمدیہ کو اُن کے فرائض کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:-

"ایک طرف یہ علماء کا فرض ہے کہ اسلام نے دُنیوی معاملات کے متعلق جو وسطی تعلیم پیش کی ہوئی ہے اُسے جماعت کے دوستوں پر اچھی طرح واضح کریں۔ صرف وفاتِ مسیح یا ختمِ نبوت یا صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مسائل پر تقریریں کر دینا ان کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ ان کا یہ بھی کام ہے کہ وہ اسلام کے تمدّنی اور اقتصادی احکام کا مطالعہ کریں۔ ان پر غور کریں اور جماعت کے دوستوں تک انہیں پہنچائیں اور جماعت کا یہ کام ہے کہ وہ ان مسائل کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ مثلاً مجلس خدام الاحمدیہ کے جو ممبر

---

[۱] "الفضل" ۷ جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۴-۵

[۲] "الفضل" ۳۰ جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ لالہ صاحب نے اپنے سفرِ قادیان کے تاثرات و مشاہدات قلمبند کر کے قادیان بھجوا دیئے تھے جو "الفضل" ۲۲ اگست ۱۹۳۸ء صفحہ ۵ پر شائع شدہ ہیں۔

ہیں وہ اگر چاہیں تو اس سلسلہ میں بہت مفید کام کر سکتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ تحریک جدید کے مطالبات کو اور ان تمام مسائل کو جو ان مطالبات کی بنیاد ہیں اچھی طرح سمجھ لیں اور پھر انہیں لوگوں کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیں۔ اسی طرح اسلام کے جو مسائل تفقّہ سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا مطالعہ کریں اور انہیں پھیلائیں۔ خالی یہ مسائل نہیں کہ وضو میں اتنی بار ہاتھ دھونا چاہیئے یا اتنی بار کُلّی کرنی چاہیئے۔ بلکہ وہ مسائل جن کا تعلق تفقّہ سے ہے انہیں نکالیں اور لوگوں کے سامنے بیان کریں۔ اسی طرح اسلام کے جو اقتصادی احکام ہیں ان کا پہلے خود مطالعہ کریں۔ پھر یہ سوچیں کہ دیگر مذاہب کے احکام پر اسلام کے ان حکموں کو کیا کیا فضیلتیں حاصل ہیں۔ اور جب وہ اپنے معلومات کو مکمل کر لیں تو لوگوں کو ان مسائل سے آگاہ کریں اور مختلف جگہوں میں لیکچر دے کر ہر احمدی کو اس سے واقف کریں اور اسے بتائیں کہ اسلام میں کیسی اعلیٰ تعلیم موجود ہے۔ اگر وہ اس رنگ میں جد وجہد کر کے تمام جماعت کو اسلامی مسائل سے آگاہ کر دیں تو یقیناً جماعت کا ایک کثیر حصہ ان پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ کیونکہ میرا تجربہ جماعت کے متعلق یہ ہے کہ اس میں ایمان کی رُوح کی کمی نہیں۔ جس چیز کی کمی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ بہت سے لوگ عربی نہیں جانتے اور اسلامی تعلیم کا بیشتر حصہ عربی میں ہے اس لئے وہ اسلام کی تعلیم سے ناواقف رہتے ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ اسلام کی ان امُور کے متعلق کیا تعلیم ہے تو میں یقین رکھتا ہوں کہ سو میں سے پچانوے نقصان اُٹھا کر بھی اسلام کی تعلیم پر عمل کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔ کیونکہ ایمان اللہ تعالیٰ کے فضل سے موجود ہے۔ جس چیز کی کمی ہے وہ علم ہے۔"[1]

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا سفر مصر

اس سال کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے ۲۹؍جون ۱۹۳۸ء کو اپنے لخت جگر صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کو عربی اور زرعی تعلیم میں ترقی کے لئے مصر روانہ فرمایا۔[2]

حضور کے الفاظ میں اس اہم سفر کی غرض وغایت یہ تھی کہ

"عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ چونکہ انگریزی تعلیم میں لگ گئے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اب پھر عربی کا میلان تازہ ہو جائے۔ میاں ناصر احمد بھی جو اپنی عربی کی تعلیم کے بعد انگریزی تعلیم کی تکمیل کے لئے انگلستان گئے تھے واپس آرہے ہیں اور وہ بھی عربی کے ساتھ دوبارہ مَس پیدا کرنے کے لئے مصر میں ٹھہریں گے

---

[1] "الفضل" ۷؍جون ۱۹۳۸ء صفحہ ۸-۹

[2] "الفضل" یکم جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱

اور میاں مبارک احمد صاحب بھی وہاں جا رہے ہیں۔ دونوں بھائی وہاں آپس میں بھی عربی میں بات چیت کریں گے وہاں کے علمی مذاق کے لوگوں سے بھی ملیں گے۔ لائبریریوں کو دیکھنے کا موقعہ بھی ان کو ملے گا۔ اور اس طرح زبانِ عربی کے ساتھ مس اور ذوق پھر تازہ ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ مصر میں کاٹن انڈسٹری کے ماہرین موجود ہیں اور وہاں کپاس خاص طور پر کاشت کی جاتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ اس کا بھی مطالعہ کریں"[1]

حضرت امیر المومنینؓ کی زرّیں نصائح

حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے صاحبزادہ صاحب کو اپنے قلم مبارک سے جو زرّیں نصائح لکھ کر دیں وہ آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں حضور نے تحریر فرمایا کہ

"عزیزم مبارک احمد سلمک اللہ تعالےٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ تعالےٰ خیریت سے لے جائے اور خیریت سے لائے اور اپنی رضامندی کی راہ پر چلنے کی توفیق دے تمہارا سفر تو عربی اور زراعت کی تعلیم اور ترقی کے لئے ہے۔ لیکن چھوٹے سفر میں اس بڑے سفر کو نہیں بھولنا چاہیئے جو ہر انسان کو درپیش ہے۔ جرنیل جرنیلوں کے، مدبّر مدبّروں کے، بادشاہ بادشاہوں کے حالات پڑھتے رہتے ہیں تاکہ اپنے پیشروؤں کے حالات سے فائدہ اُٹھائیں۔ اگر تم لوگ اہلبیت نبویؐ کے حالات کا مطالعہ رکھو تو بہت سی ٹھوکروں سے محفوظ ہو جاؤ۔ انسان کا بدلہ اس کی قربانیوں کے مطابق ہوتا ہے۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، یہ نہ ہوگا کہ لوگ تو قیامت کے دن اپنے عمل لے کر آئیں اور تم وہ غنیمت کا مال جو تم نے دُنیا کا حاصل کیا ہے۔ اے میرے صحابہ تم کو بھی اپنے اعمال ہی لاکر خدا کے سامنے پیش کرنے ہوں گے اہلبیت نبوی کو جو عزّت آج حاصل ہے وہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونے کے سبب سے نہیں بلکہ اپنی ذمہ داری کو سمجھ کر جو قربانیاں کی ہیں، ان کی وجہ سے ہے۔

۱۔ تم اب بالغ جوان مرد ہو۔ میرا یہ کہنا کہ نماز میں باقاعدگی چاہیئے ایک فضول سی بات ہو گی۔ جو خدا تعالےٰ کی نہیں مانتا وہ بندہ کی کب سُنتا ہے۔ پس اگر تم میں پہلے سے باقاعدگی ہے تو میری نصیحت صرف ایک زائد ثواب کا رنگ رکھے گی اور اگر نہیں تو وہ ایک صدا بصحرا ہے۔ مگر پھر بھی میں کہنے سے نہیں رُک سکتا۔ کہ نماز دین کا ستُون ہے۔ جو ایک وقت بھی نماز کو قضا کرتا ہے دین کو کھو دیتا ہے۔ اور نماز پڑھنے کے

---

[1] "الفضل" ۱۵ر جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۴ ٭

یہ معنے ہیں کہ باجماعت ادا کی جائے۔ اچھی طرح وضو کر کے ادا کی جائے، ٹھہر کر سوچ کر اور معنوں پر غور کرتے ہوئے ادا کی جائے۔ اور اس طرح ادا کی جائے کہ توجہ کلی طور پر نماز میں ہو اور یوں معلوم ہو کہ بندہ خدا کو دیکھ رہا ہے یا کم سے کم یہ کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے۔ جہاں دو مسلمان بھی ہوں اُن کا فرض ہے کہ باجماعت نماز ادا کریں بلکہ جمعہ بھی ادا کریں۔ اور نماز سے قبل اور بعد ذکر کرنا نماز کا حصّہ ہے۔ جو اس کا تارک ہو وہ نماز کو اچھی طرح پکڑ نہیں سکتا اور اس کا دل نماز میں نہیں لگ سکتا۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نمازوں کے بعد تینتیس تینتیس دفعہ سُبحان اللہ اور الحمدللہ پڑھا جائے اور چونتیس دفعہ اللہ اکبر۔ یہ سَو دفعہ ہوا۔ اگر تم کو بعض دفعہ اپنے بڑے نماز کے بعد اُٹھ کر جاتے نظر آئیں تو اس کے یہ معنی نہیں بلکہ وہ ضرورتاً اُٹھتے ہیں اور ذکر دل میں کرتے جاتے ہیں الّا ماشاء اللہ۔

تہجد غیر ضروری نماز نہیں۔ نہایت ضروری نماز ہے۔ جب میری صحت اچھی تھی اور جس عُمر کے تم اب ہو اس سے کئی سال پہلے سے خدا تعالیٰ کے فضل سے گھنٹوں تہجد ادا کرتا تھا۔ تین تین چار چار گھنٹہ تک اور رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اس سُنّت کو اکثر مدنظر رکھتا تھا کہ آپؐ کے پاؤں کھڑے کھڑے سُوج جاتے تھے۔

رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسجد میں نماز کا انتظار کرتا اور ذکرِ الٰہی میں وقت گذارتا ہے وُہ ایسا ہے جیسے جہاد کی تیاری کرنے والا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کسی کا رشتہ دار نہیں۔ وُہ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے۔ اس کا تعلق ہر ایک سے اُس احساس کے مطابق ہوتا ہے جو اس کے بندے کو اس کے متعلق ہو۔ جو اس سے سچی محبت رکھتا ہے وہ اُس کے لئے اپنے نشانات دکھاتا ہے اور اپنی قدرت ظاہر کرتا ہے۔ دُنیا کا کوئی قلعہ کوئی فوج انسان کو ایسا محفوظ نہیں کر سکتا جس قدر کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور اس کی امداد۔ کوئی سامان ہر وقت میسّر نہیں آسکتا لیکن اللہ تعالیٰ کی حفاظت ہر وقت میسّر آتی ہے۔ پس اسی کی جستجو انسان کو ہونی چاہیئے جسے وہ مل گئی اُسے سب کچھ مل گیا۔ جسے وہ نہ ملی اُسے کچھ بھی نہ ملا۔

۳۔ زیادہ گفتگو دل پر زنگ لگا دیتی ہے۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب مجلس میں بیٹھتے ستّر دفعہ استغفار پڑھتے۔ اسی وجہ سے کہ مجلس میں لغو باتیں بھی ہو جاتی ہیں اور یہ آپ کا فعل اُمّت کی ہدایت کے لئے تھا نہ کہ اپنی ضرورت کے لئے۔ جب آپ اس قدر احتیاط اس مجلس کے متعلق کرتے

تھے جو اکثر ذکرِ الٰہی پر مشتمل ہوتی تھی تو اس مجلس کا کیا حال ہو گا جس میں اکثر فضول باتیں ہوتی ہوں۔ یہ امورِ عادت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مَیں دیکھتا ہوں ہمارے بچے جب بیٹھتے ہیں لغو اور فضول باتیں کرتے ہیں۔ ہم لوگ اکثر سلسلہ کے مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے اس وجہ سے بغیر پڑھے ہمیں سب کچھ آتا تھا۔ انسان کی مجلس ایسی ہونی چاہیئے کہ اس میں شامل ہونے والا جب وہاں سے اُٹھے تو اس کا علم پہلے سے زیادہ ہو نہ یہ کہ جو علم وہ لے کر آیا ہو اُسے بھی کھو کر چلا جائے۔

۴۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے دعویٰ یا اسلام کی تبلیغ کرنا دوسروں کا ہی کام نہیں ہمارا بھی کام ہے اور دوسروں سے بڑھ کر کام ہے۔ پس سفر میں، حضر میں تبلیغ سے غافل نہ ہوں۔ رسُول کریمؐ فداہ نفسی دروحی فرماتے ہیں۔ تیرے ذریعہ سے ایک آدمی کو ہدایت کا ملنا اس سے بڑھ کر ہے کہ ایک وادی کے برابر تجھ کو مال مل جائے۔

۵۔ بنیادی نیکیوں میں سے سچائی ہے۔ جس کو سچ مل گیا اُسے سب کچھ مل گیا۔ جسے سچ نہ ملا اُس کے ہاتھوں سے سب نیکیاں کھوئی جاتی ہیں۔ انسان کی عزّت اس کے واقفوں میں اس کے سچ کی عادت کے برابر ہوتی ہے۔ ورنہ جو لوگ سامنے تعریف کرتے ہیں پس پشت گالیاں دیتے ہیں اور جس وقت وہ بات کر رہا ہوتا ہے لوگوں کے مُنہ اس کی تصدیق کرتے ہیں لیکن دِل تکذیب کر رہے ہوتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ بُرا حال کس کا ہوگا کہ اُس کا دُشمن تو اُس کی بات کو ردّ کرتا ہی ہے، مگر اس کا دوست بھی اس کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اس سے زیادہ قابلِ رحم حالت کس کی ہوگی۔ اس کے برخلاف سچے آدمی کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس کے دوست اس کی بات مانتے ہیں اور اس کے دشمن خواہ مُنہ سے تکذیب کریں لیکن اُن کے دل تصدیق کر رہے ہوتے ہیں۔

۶۔ انسانی شرافت کا معیار اس کے استغناء کا معیار ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ کبھی دوسرے کی دولت پر نگہ نہ رکھے اور کبھی کسی کا حسد نہ کرے۔ جو ایک دفعہ اپنے درجہ سے اُوپر نگہ اُٹھاتا ہے اس کا قدم کہیں نہیں ٹکتا۔ اگلے جہان میں تو اُسے جہنّم ملے گی ہی وہ اس جہان میں بھی جہنّم میں رہتا ہے۔ یعنی حسد کی آگ میں جلتا ہے یا سوال کی غلاظت میں لوٹتا ہے۔ کیسا ذلیل وجود ہے وہ کہ اکیلا ہوتا ہے تو حسد اس کے دل کو جلاتا ہے اور لوگوں میں جاتا ہے تو سوال اس کا مُنہ کالا کرتا ہے۔ انسان اپنے نچلوں کو دیکھے کہ وہ کس طرح

اس سے تھوڑا رکھ کر قناعت سے گذارہ کر رہے ہیں اور اس پر شکر کرے جو خدا تعالیٰ نے اُسے دیا ہے اور اس کی خواہش نہ کرے جو اُسے نہیں ملا۔ اس کے شکر کرنے سے اس کا مال ضائع تو نہیں ہوتا۔ ہاں اُسے دل کا سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اور طمع کرنے سے دوسرے کا مال اُسے نہیں مل جاتا۔ صرف اس کا دل جلتا اور عذاب پاتا ہے جس طرح بچہ بڑوں کی طرح چلے تو گرتا اور زخمی ہوتا ہے اسی طرح جو شخص اپنے سے زیادہ سامان رکھنے والوں کی نقل کرتا اور گرتا اور زخمی ہوتا ہے اور چند دن کی جھوٹے دوستوں کی واہ واہ کے بعد ساری عمر کی ملامت اس کے حصہ میں آتی ہے۔ اور انسان کو ہمیشہ اپنے ذرائع سے کم خرچ کرنے کی عادت ڈالنی چاہیئے کیونکہ اس کے ذمہ دوسرے بنی نوعِ انسان کی ہمدردی اور امداد بھی ہے۔ ان کا حصہ خرچ کرنے کا اسے کوئی اختیار نہیں اور پھر کون کہہ سکتا ہے کہ کل کو اس کا حال کیا ہوگا؟

۷۔ جفاکشی اور محنت ایسے جوہر ہیں کہ اُن کے بغیر انسان کی اندرونی خوبیاں ظاہر نہیں ہوتیں۔ اور جو شخص اس دُنیا میں آئے اور اپنا خزانہ مدفون کا مدفون چھوڑ کر چلا جائے اس سے زیادہ بدقسمت کون ہوگا؟

۸۔ ہر شخص جو باہر جاتا ہے اس کے مُلک اور اس کے مذہب کی عزت اس کے پاس امانت ہوتی ہے۔ اگر وہ اچھی طرح معاملہ نہ کرے تو اس کی عزت نہیں بلکہ اس کے مُلک اور مذہب کی عزت برباد ہوتی ہے۔ لوگ اُسے بھُول جاتے ہیں لیکن عرصہ دراز تک وہ یہ کہتے رہتے ہیں کہ ہم نے ہندوستانی دیکھے ہوئے ہیں۔ وہ ایسے خراب ہوتے ہیں۔ ہم نے احمدی دیکھے ہوئے ہیں وہ ایسے خراب ہوتے ہیں۔

۹۔ مسافر کو جھگڑے سے بہت بچنا چاہیئے۔ اس سے زیادہ حماقت کیا ہوگی کہ دوسرا شخص تو جھگڑا کر کے اپنے گھر چلا جاتا ہے اور یہ ہوٹلوں میں جھگڑے کے تصفیہ کا انتظار کرتا ہے۔ مسافر تو اگر جیتا تب بھی ہارا۔ اور اگر ہارا تب بھی ہارا۔

۱۰۔ غیر ملکوں کے احمدی ہزاروں بار دل میں خواہش کرتے ہیں کہ کاش ہمیں بھی قادیان جانے کی توفیق ملے کہ وہاں کے بزرگوں کے تقویٰ اور اچھے نمونہ سے فائدہ اُٹھائیں اور خصوصاً اہلبیت کے ساتھ ان کی بہت سی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ وہ اپنے گھروں کو ایمان کے حصول کے لئے چھوڑنا چاہتے ہیں اور ہمارے پاس آنا چاہتے ہیں۔ سخت ظلم ہوگا اگر ہم اُن کے پاس جا کر اُن کے ایمانوں کو ضائع کریں۔

اور اُن کی امیدوں کو سراب ثابت کریں۔ ہمارا عمل ایسا ہونا چاہیئے کہ وہ سمجھیں کہ ہماری امید سے بڑھ کر ہمیں ملا نہ یہ کہ ہماری امید ضائع ہو گئی۔

۱۱۔ ہر جماعت میں کچھ کمزور لوگ ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی چغلیاں کرتے ہیں۔ مومن کو چغلی سُننے سے پرہیز چاہیئے اور سُن کر یقین کرنے سے تو کُلّی اجتناب واجب ہے جو دوسرے کی نسبت عیب بغیر ثبوت کے تسلیم کر لیتا ہے، خدا تعالیٰ اس پر ایسے لوگ مسلّط کرتا ہے جو اس کی خوبیوں کو بھی عیب بتاتے ہیں۔ مگر چاہیئے کہ چغلی کرنے والے کو بھی ڈانٹے نہیں بلکہ محبت سے نصیحت کرے کہ اگر آپ کا خیال غلط ہے تو بدظنّی کے گناہ سے آپ کو بچنا چاہیئے۔ اور اگر درست ہے تو اپنے دوست کے لئے دُعا کریں تا اُسے بھی فائدہ ہو اور آپ کو بھی۔ اور عفو سے کام لو کہ خدا تمہارے گناہ بھی معاف کرے۔

۱۲۔ تم کو مصر فلسطین اور شام کے احمدیوں سے ملنا ہوگا۔ ان علاقوں میں احمدیت ابھی کمزور ہے۔ کوشش کرو کہ جب تم لوگ ان ممالک کو چھوڑو تو احمدی بلحاظ تعداد کے زیادہ اور بلحاظ نظام کے پہلے سے بہتر ہوں اور تم لوگوں کا نام ہمیشہ دُعا کے ساتھ لیں اور کہیں کہ ہم کمزور تھے اور کم تھے۔ فلاں لوگ آئے اور ہم طاقتور بھی ہو گئے اور زیادہ بھی ہو گئے اور ان پر رحم کرے اور انہیں جزائے خیر دے۔ مومن کی مخلصانہ دُعا ہزاروں خزانوں سے قیمتی ہوتی ہے۔

۱۳۔ جمعہ کی پابندی جماعت کے ساتھ خواہ کس قدر ہی تکلیف کیوں نہ ہو ادا کرنے کی اور دن میں کم سے کم ایک نماز اجتماعی جگہ پر پڑھنے کی اگر وہ دُور ہو ورنہ جس قدر زیادہ توفیق مل سکے کوشش کرنی چاہیئے اور جماعتوں میں جمعہ کی اور ہفتہ واری اجلاسوں اور نماز باجماعت کی خاص تلقین کرنی چاہیئے۔

۱۴۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہر اجتماع کے موقعہ پر دعا فرماتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَآ اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرَضِیْنَ السَّبْعِ وَمَآ اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّیَاطِیْنِ وَمَآ اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّیَاحِ وَمَا ذَرَیْنَ فَاِنَّا نَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ وَخَیْرَ اَھْلِھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ وَشَرِّ اَھْلِھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْھَا وَارْزُقْنَا جَنَاھَا وَحَبِّبْنَآ اِلٰٓی اَھْلِھَا وَحَبِّبْ صَالِحِیْ اَھْلِھَآ اِلَیْنَا۔ یعنی اے ساتوں آسمانوں کے رب اور جن چیزوں پر آسمانوں نے سایہ کیا ہوا ہے اور اے ساتوں زمینوں کے رب اور جن کو انہوں نے اٹھایا ہوا ہے اور اے

شیطانوں کے رب اور جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں اور ہواؤں کے رب اور جن چیزوں کو وہ کہیں سے کہیں اُڑا کر لے جاتی ہیں۔ ہم تجھ سے اس بستی کی اچھی چیزوں اور اس کے بسنے والوں کے حُسنِ سلوک اور جو چیز بھی اُس میں ہے اُس کے فوائد طلب کرتے ہیں اور اس بستی کی بدیوں اور اس کے رہنے والوں کی بدسلوکیوں اور اس میں جو کچھ بھی ہے اس کے نقصانات سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمارے لئے اس بستی کی رہائش کو بابرکت کر دے اور اس کی خوشحالی سے ہمیں حصہ دے اور اس کے باشندوں کے دل میں ہماری محبت پیدا کر اور ہمارے دل میں اس کے نیک بندوں کی محبت پیدا کر۔ آمین۔

یہ دُعا نہایت جامع اور ضروری ہے۔ ریل میں داخل ہوتے وقت، کسی شہر میں داخل ہوتے وقت، جہاز میں بیٹھتے اور اس سے اُترتے وقت خلوصِ دل سے یہ دُعا کر لینی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر شرارت سے حفاظت کا موجب ہوتی ہے۔

۱۵۔ مصر میں انگریزی اور فرانسیسی کا عام رواج ہے۔ مگر تم عربی سیکھنے جا رہے ہو، پورا عہد کرو کہ عرب سے سوائے عربی کے اور کچھ نہیں بولنا خواہ کچھ ہی تکلیف کیوں نہ ہو۔ ورنہ سفر بیکار جائیگا۔ ہاں وہاں کی خراب عربی سیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر غیر تعلیمیافتہ طبقہ سے زراعت کی اغراض یا اَور کسی غرض سے گفتگو کی ضرورت ہو تو خود بولنے کی ضرورت نہیں۔ ساتھ ترجمان رکھ لیا۔ عربی پڑھ تو چکے ہی ہو۔ تھوڑی سی محنت سے زبان تازہ ہو جائے گی۔

۱۶۔ اپنے ساتھ قرآنِ کریم، اس کے نوٹ، جو درس تم نے لکھے ہیں اور میری شائع شدہ تفسیر رکھ لو۔ کام آئے گی۔ یہ عُلوم دُنیا میں اَور کہیں نہیں ملتے۔ بڑے سے بڑا عالم ان کی برتری کو تسلیم کرے گا اور انشاءاللہ احمدیت کے عُلوم کا مُصدِّق ہوگا۔

۱۷۔ ایک مُنجد، کتاب الصرف اور کتاب النحو ساتھ رکھو اور جہاز میں مطالعہ کرتے جاؤ۔ کیونکہ لمبے عرصہ تک مطالعہ نہ رکھنے کی وجہ سے زبان میں بہت نقص آجاتا ہے۔

۱۸۔ شریعت کا حکم ہے جہاں بھی ایک سے زیادہ آدمی رہیں اپنے میں سے ایک کو امیر مقرر کریں تا فتنہ کا سدِّباب ہو۔

اَسْتَوْدِعُكَ اللّٰهَ وَكَانَ اللّٰهُ مَعَكَ اَيْنَمَا كُنْتَ۔ والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد "

فصل سوم

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کی انگلستان سے روانگی اور بلادِ عرب میں قیام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے یورپ کے حالات اور مدبرین یورپ کے افکار و خیالات کا قریبی مطالعہ کرنے کے لئے اپنے فرزند اکبر حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کو انگلستان بھجوایا تھا جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے آپ پہلی بار ۶ ستمبر ۱۹۳۴ء کو لنڈن تشریف لے گئے اور ۴ جولائی ۱۹۳۶ء کو موسمی رخصتوں پر قادیان آئے اور دوبارہ ۷ ستمبر ۱۹۳۶ء کو عازم ولایت ہوئے اور اپنے دینی مقاصد میں ہر طرح کامیاب و کامران ہونے کے علاوہ آکسفورڈ یونیورسٹی سے بی۔ اے آنرز کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۲۱ جولائی ۱۹۳۸ء کو لنڈن سے روانہ ہوئے۔[1]

جماعت احمدیہ انگلستان نے آپ کی روانگی سے دو روز قبل آپ کے اعزاز میں الوداعی ڈنر پارٹی دی جس میں مسٹر محمد حارث نے حسب ذیل ایڈریس پڑھا:۔

"مخلصانہ ایڈریس

حضرت مرزا ناصر احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

رنج واندوہ اور مسرت وانبساط کے مشترکہ جذبات کے ساتھ ہم ممبرانِ جماعت احمدیہ برطانیہ آپ کی ہندوستان کو روانگی کے موقعہ پر آپ کی خدمت میں الوداعی ایڈریس پیش کرتے ہیں۔ یہ موقعہ ہمارے لئے اس وجہ سے موجب خوشی ہے کہ آپ جس مقصد کے حصول کے لئے یہاں آئے تھے اُسے حاصل کرنے کے بعد کامیاب و کامران اپنے وطن جا رہے ہیں۔ آپ یہاں اس لئے آئے تھے کہ مغرب کے بہترین دماغوں کے خیالات و افکار کا براہِ راست علم حاصل کریں اور برطانیہ کی اوّل درجہ کی یونیورسٹیوں میں سے ایک میں چار سال تک مطالعہ کر کے اس مقصد کے حصول کے لئے آپ نے اس موقعہ سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھایا ہے۔ جہاں آپ کو مغرب کے فضلاء کے ساتھ براہِ راست میل جول کے مواقع اکثر ملتے رہے ہیں۔

---

[1] "الفضل" ۷ اگست ۱۹۳۸ء صفحہ ۳ کالم ۱۔ قیام انگلستان کے دوران آپ جرمنی اور ناروے بھی تشریف لے گئے۔

تعلیمی ترقی لیکن ہم جانتے ہیں کہ آپ نے اپنے مطالعہ کو یونیورسٹی تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ دوسرے ممالک اور مغرب کے دوسرے تعلیمی مراکز کی سیاحت کا جو بھی آپ کو موقعہ ملا اُس سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھا کر اپنے دامنِ علم کو مالا مال کرنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح آپ نے مغرب کے سوشل، پولیٹیکل، اقتصادی اور مذہبی سوالات کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ مغربی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق آپ نے جو وسیع معلومات حاصل کی ہیں اور مغربی اقوام کے مخصوص کیریکٹر کے متعلق جو وسعت نظر آپ نے پیدا کی ہے اور ان کی مجالس وغیرہ کے متعلق جو واقفیت بہم پہنچائی ہے وہ ہمیں یقین ہے کہ ان عظیم الشان فرائض کی بجا آوری میں آپ کے لئے بہت ممدّ و معاون ہوگی جو مستقبل قریب میں آپ کے سپرد ہونے والے ہیں۔

جرمن زبان کا مطالعہ علاوہ ازیں اس موقعہ سے آپ نے ایک اور فائدہ بھی اُٹھایا ہے یعنی انگریزی میں پرافیشنسی حاصل کرنے کے علاوہ آپ نے یورپ میں ایک اور اہم زبان یعنی جرمن کا بھی خاص طور پر مطالعہ کیا ہے جو نہ صرف یہ کہ آپ کے معلومات میں مغرب کے بڑے بڑے لیڈروں کے آراء و افکار کے اضافہ کا موجب ہوگی بلکہ آپ کو ان لوگوں سے ان کی اپنی زبان میں اپیل کرنے کے قابل بنا دیگی۔

وقت کا صحیح استعمال ہمیں یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے یہاں پر قیام کے دوران میں اپنے وقت کا صحیح استعمال کیا ہے اور دورِ حاضرہ کی تمام دُنیا کے رہنما حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک قابلِ قدر فرزند کی حیثیت سے آپ کے سامنے جو عظیم الشان کام ہے اس کے لئے بخوبی تیار ہو کر واپس جا رہے ہیں۔ ہمیں علم ہے کہ آپ یہاں کسی نئی صداقت کی تلاش میں نہیں آئے تھے بلکہ اس غرض سے مغرب کا مطالعہ کرنے آئے تھے تاکہ ان لوگوں کو صداقت کے سرچشمہ کی طرف لانے کے طریق اور ذرائع معلوم کر سکیں۔ ہم یورپ میں آپ کی آمد کو یہاں کے لوگوں کے لئے ایک نیک فال سمجھتے ہیں۔ ان ممالک میں آپ کی آمد بتاتی ہے کہ مغربی اقوام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر مقدّر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ اور اس لئے اس نے اپنے مقدس پیغمبر کے موعود فرزندوں میں سے ایک کو ان لوگوں کی برائیوں اور ان کے عوارض کے مطالعہ کے لئے بھیجا تا جب موقعہ آئے تو وہ اُن کے لئے صحیح علاج تجویز کر سکے۔

سچے احمدی کا نمونہ آپ کی یہاں آمد سے ایک اور بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ آپ نے ہمارے سامنے ایک سچے احمدی کا نمونہ پیش کیا ہے۔ ہم میں سے جن کو حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام یا حضور کے بلند مرتبت

ہیٹے یعنی جماعت کے موجودہ امام کو دیکھنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی۔ آپ نے ان کے سامنے ایک ایسا نمونہ رکھ دیا ہے کہ جس سے وہ اصل کا صحیح تصور کر سکتے ہیں۔

جُدائی کا صدمہ اب کہ آپ ہم سے رخصت ہو رہے ہیں ہمیں آپ کی جُدائی کا سخت صدمہ ہوگا کیونکہ اب ہم اس وجود کو جو ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت تھی اپنے درمیان نہ پائیں گے۔ آپ کی محبت آمیز یاد ہمارے دلوں میں تازہ رہے گی۔ اور اگر ہم آپ کے کیریکٹر کے نہایت نمایاں خوبصورت خدوخال کی نقل کرنے میں کامیاب ہو سکیں تو اُسے اپنی خوش بختی سمجھیں گے۔ ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ آپ کچھ عرصہ ہم میں رہے اور یقین رکھتے ہیں کہ اس سے آپ کو جماعت احمدیہ کے برطانوی حلقہ کے ساتھ خاص دلچسپی پیدا ہوگئی ہوگی اور اس وجہ سے ہمیشہ اس کی خیر خواہی کا آپ کو خیال رہے گا اور اس کی رُوحانی ترقی کے لئے آپ ہمیشہ دعا فرماتے رہیں گے۔ اگر مغرب اس وجہ سے خوش قسمت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پوتا ایک لمبے عرصے تک وہاں رہا تو گریٹ برٹن کو اس سے بیّن خصوصیت حاصل ہے۔

دُعا اب جبکہ آپ ہم سے رخصت ہو رہے ہیں ہم غمگین مگر پُر خلوص قلوب کے ساتھ آپ کو الوداع کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کرتے ہیں کہ آپ کو اسلام کی تاریخ میں زرّیں اور نمایاں خدمات کی توفیق دے۔

ہم ہیں آپ کے مخلص

ممبران جماعت احمدیہ گریٹ برٹین "[1]

ایڈریس کے جواب میں حضرت صاحبزادہ صاحب نے موزون الفاظ میں شکریہ ادا کرتے ہوئے نہایت اختصار کے ساتھ اپنے جذبات و تاثرات کا اظہار فرمایا۔ آپ کے بعد چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اور مولانا عبدالرحیم صاحب درد نے بھی مختصر تقریریں کیں۔[2]

حضرت صاحبزادہ صاحب کو ۲۱ جولائی ۱۹۳۸ء کو گیارہ بجے وکٹوریہ اسٹیشن (لندن) پر اپنی دُعاؤں سے الوداع کیا[3] اور آپ ۲۸ جولائی ۱۹۳۸ء کو قاہرہ تشریف لائے۔[4]

جماعت احمدیہ مصر کی طرف سے آپ کا اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا قاہرہ اسٹیشن پر شاندار استقبال کیا گیا۔ بلکہ السید احمد حلمی اور السید محی الدین الحصنی اور بعض دوسرے مخلصین تو پورٹ سعید میں جہاز پر بھی تشریف

۱؎ "الفضل" ۷ اگست ۱۹۳۸ء صفحہ ۳-۴ ۔ ۲؎ ایضاً ۔

۳؎ "الفضل" ۷ اگست ۱۹۳۸ء صفحہ ۳ ۔ ۴؎ "الفضل" ۳۰ جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۱ ۔

لے گئے۔

صاحبزادگان والاتبار نے اقامت مصر کے دوران جماعت احمدیہ کی تربیت اور زیر تبلیغ دوستوں تک پیغام حق پہنچانے کے علاوہ مشہور مصری زعماء سے بھی ملاقاتیں کیں۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے شیخ الازہر مصطفےٰ المراغی سے ملاقات کی اور ان کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا ذکر کر کے ایمان لانے کی ترغیب دی اور حضور کے صدق پر قرآن مجید سے واضح دلائل و براہین دیئے لیکن افسوس شیخ صاحب نے بجائے علمی رنگ میں جواب دینے کے یہ کہہ کر پیچھا چھڑایا کہ آپ عجمی ہیں اور ہم "صَوَاحِبُ لُغَۃِ الْقُرْاٰن" ہیں۔ قرآن ہماری زبان میں اُترا ہے۔ اس لئے ہم اس کے معنے بہتر سمجھتے ہیں۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنی ملاقات میں جماعت احمدیہ کی عالمگیر تبلیغی مساعی اور اُن کے شاندار نتائج پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ

"آج اسلام اگر ترقی کر سکتا ہے تو اس کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ دُنیا کو اسلام کا پیغام پہنچایا جائے اور ہر مسلمان والہانہ طور پر ہر غیر مُسلم کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جھنڈے تلے لانے کی کوشش کرے۔ اس کے بعد اُن سے پوچھا کہ آپ نے غیر مسلموں میں تبلیغ کا کیا پروگرام بنایا ہے وہ جواباً کہنے لگے کہ سید جمال الدین افغانی مرحوم (مصر کے ایک مشہور عالم) سے کسی نے سوال کیا کہ تم چین وجاپان کے لوگوں کو جن کی تعداد دُنیا کے اکثر حصوں سے زیادہ ہے، کیوں جا کر تبلیغ نہیں کرتے اور کیوں انہیں مسلمان نہیں بنا لیتے۔ تو سیّد جمال الدین صاحب نے جواب دیا کہ مَیں ان میں جا کر انہیں کیا کہوں کس چیز کی طمع دلاؤں جو اُن کے پاس نہیں ہے اور اسلام قبول کرنے سے انہیں کیا مل جائے گا۔ اگر انہیں یہ کہوں کہ اسلام قبول کرو تم تعداد میں ترقی کرو گے، مال میں ترقی کرو گے یا سیاست میں ترقی کرو گے یا تم ایک آزاد مستقل اُمّت ہونے کا انعام پاؤ گے یا تمہارا علم زیادہ ہوگا اور عقل تیز ہوگی تو چونکہ یہ سب چیزیں اُن کو اب بھی حاصل ہیں۔ اس لئے وہ مجھے جواب دے سکتے ہیں کہ جن چیزوں کی خاطر تم ہمیں اسلام کی دعوت دیتے ہو وہ ہمارے پاس پہلے سے ہی موجود ہیں۔ ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا اگر میں جاپان و چین میں جا کر تبلیغ کروں تو کوئی نتیجہ نہیں نکلیگا بلکہ وہ بالعکس کہہ سکتے ہیں۔ اگر اسلام امتوں کو آزاد کراتا ہے اور ترقی و علم و برتری عطا کرتا ہے تو کیوں تم مسلمان اس طرح ذلیل حالت میں ہوتے۔ اس کے بعد کہنے لگے یہی جواب ہمارا آج ہے۔ اگر ہم یورپ میں جا کر تبلیغ کریں تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں سب کچھ بحمداللہ بغیر اسلام حاصل ہے ہمیں اسلام کی ضرورت نہیں ہے"۔

سیدی حضرت صاحبزادہ صاحب نے جواباً فرمایا اسلام کا مقصد صرف یہ عارضی ترقی نہیں بلکہ اسلام تو ابدی زندگی پیش کرتا ہے۔ جو دُنیا میں بھی ابدی ہے اور عالم ثانی میں بھی ابدی۔ جن ترقیاتِ رُوحانی کو اسلام پیش کرتا ہے۔ یہ دنیاوی معمولی ترقیات اُن کے عشرِعشیر بھی نہیں ہیں۔ پھر نہایت واضح صورت میں اسلامی انعامات بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ اگر آپ کا یہ نظریہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو اسلامی تاریخ اس سے موافقت نہیں کرتی کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے زمانے میں بھی مثلاً رُوم اور عجم کی قومیں بہت ترقی یافتہ اور مستقل آزاد حکومتیں تھیں پھر اُن کو کیوں صحابہ کرامؓ نے اسلام کا پیغام پہنچایا؟

اس ملاقات کا ذکر مصر کے تقریباً تمام بڑے بڑے روزناموں نے کیا[1]

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی آمد اور قاہرہ میں اقامت کے دوران مصری احمدیوں نے انتہائی اخلاص، محبت اور خوشی کا ایمان افروز مظاہرہ کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوتوں سے فائدہ اُٹھانے کے لئے ہر ممکن جدوجہد کی۔

صاحبزادگان قریباً تین ماہ تک مصر میں قیام فرما رہے اور جماعت قاہرہ کو سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کی ذریت مقدسہ اور سیدنا خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے جلیل القدر فرزندوں کو براہ راست قریب سے دیکھنے کی سعادت میسر آئی جس سے اُن کے اندر نہایت اعلیٰ تبدیلی پیدا ہوئی اور سلسلہ سے اخلاص و محبت میں اور بھی ترقی کر گئے۔

اگرچہ اہلِ فلسطین کی بھی دلی خواہش تھی کہ وہ ان بزرگ وجودوں کی زیارت کر سکیں مگر نامساعد حالات کے باعث وہ محروم رہے۔[2]

ہندوستان کو روانگی

مصر میں تین ماہ تک مقیم رہنے اور بلادِ اسلامیہ کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب اور مرزا مبارک احمد صاحب پورٹ سعید سے بذریعہ بحری جہاز عازم بمبئی ہوئے۔ اسی جہاز میں حضرت مولوی شیر علی صاحب، مولوی عبدالرحیم صاحب درد اور صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب بھی انگلستان سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ پانچ بزرگوں پر مشتمل یہ مقدس قافلہ، نومبر ۱۹۳۸ء[3] کو ساحل بمبئی پر وارد ہوا۔ اور بمبئی سے بذریعہ ریل ۹ نومبر ۱۹۳۸ء کو بٹالہ اسٹیشن پر پہنچا۔ جہاں اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ بہ نفسِ نفیس بذریعہ کار ساڑھے آٹھ بجے کے قریب ریلوے اسٹیشن بٹالہ پر

---

[1] "الفضل" ۷ راکتوبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۵-۶۔ [2] رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۳۸ء لغایت ۳۰ اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۷۶۔ [3] "الفضل" ۹ نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۲۔

تشریف لے گئے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے، حضرت مولوی عبد المغنی خاں صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ اور بہت سے دیگر اصحاب قادیان سے پہنچ گئے تھے۔ نیز بٹالہ اور اس کے قرب و جوار کے دیہات ساہچور، اٹھوال، لودی ننگل، دھرمکوٹ بگہ، ونجواں، پارووال، لنگروال، تیجہ کلاں، کھوکھر، قادیان راجپوتاں، دیال گڑھ۔ تتہ غلام نبی، بہبل چک، فیض اللہ چک، پھیچھر یالہ، وڈالہ بانگر، خاں فتاح، شاہ پور کے احمدی احباب صبح ہی صبح اپنے معزز مہمانوں کے استقبال کے لئے آگئے تھے۔ ان میں سے بعض جماعتیں بارہ بارہ، چودہ چودہ میل کے فاصلہ پر سے آئیں اور اس طرح ایک بہت بڑا اجتماع ہو گیا۔ گاڑی ٹھیک وقت پر پہنچی۔ جس کے پہنچنے پر نعرہ ہائے تکبیر، حضرت امیر المومنین، حضرت مولوی شیر علی صاحب، مولانا درد صاحب اور صاحبزادگان "زندہ باد" کے نعرے بلند کئے گئے۔

گاڑی میں سے سب سے پہلے حضرت مولوی شیر علی صاحب اور آپ کے بعد بالترتیب حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد، صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب اُترے۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے سب کے ساتھ معانقہ فرمایا اور ہر ایک کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے۔ حضور کے بعد جناب مولوی عبد المغنی صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ نے سب کے ساتھ معانقہ فرمایا۔ اور حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ اور قافلہ کے جملہ ممبران کو ہار پہنائے۔ اس کے بعد اہلِ قافلہ نے تمام اصحاب کے ساتھ مصافحہ کیا اور پھر حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور جناب ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ گاڑی میں سوار ہو گئے۔ گاڑی جب قادیان اسٹیشن پر پہنچی تو نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے گئے۔ حضرت امیر المومنین کے گاڑی سے اُترنے کے بعد ارکانِ قافلہ اسی ترتیب سے اُترے جس سے بٹالہ اسٹیشن پر اُترے تھے۔ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ناظر اعلیٰ، حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ اور حضرت نواب عبد اللہ خاں صاحب نے اُن کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے اور پلیٹ فارم پر موجود بہت سے اصحاب سے مصافحہ کرنے کے بعد باہر تشریف لائے۔ جہاں سب اصحاب نے مصافحہ کیا۔ مصافحہ کے ختم ہونے تک حضرت امیر المومنین پلیٹ فارم پر ہی رونق افروز رہے۔ پھر حضور کے ہمراہ ارکان قافلہ قصبہ میں آگئے اور مسجد مبارک میں نفل ادا کرنے کے بعد بہشتی مقبرہ میں تشریف لے گئے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار مبارک پر دُعا کی۔ پھر اپنے گھروں کو تشریف لے گئے۔ [1]

---

[1] "الفضل" ۱۱ نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۱ تا ۳۔

ولایت سے آنے والے قافلہ کے اعزاز میں دعوت اور حضرت امیر المومنینؓ کا خطاب

۱۱ر نومبر ۱۹۳۸ء کو جامعہ احمدیہ، مدرسہ احمدیہ اور تعلیم الاسلام ہائی سکول کے اساتذہ اور طلبہ نے ولایت سے آنے والے قافلہ کو چائے کی دعوت دی جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک مبسوط تقریر فرمائی۔ اور احباب جماعت کو مبلغین سلسلہ سے متعلق فرائض کی طرف توجہ دلانے کے علاوہ اپنی پیاری اولاد کو نہایت قیمتی نصائح فرمائیں۔ چنانچہ حضور نے فرمایا :-

"مولوی شیر علی صاحب دو اڑھائی سال کام کرنے کے بعد واپس آئے ہیں۔ مولوی صاحب ایسے کام کے لئے باہر بھیجے گئے تھے جو اس وقت جماعت کے لئے بہت ضروری ہے۔ اس کام کا مشکل حصہ یعنی ترجمہ کا کام پورا ہو چکا ہے۔ اب دوسرا کام نوٹوں کا ہے جو لکھے جا رہے ہیں۔ گذشتہ دنوں یورپ میں جنگ کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے مَیں نے مناسب سمجھا کہ مولوی صاحب کو واپس بُلا لیا جائے تاکہ وہ یہاں آکر کام کریں۔ ایسا نہ ہو کہ جنگ کی صورت میں رستے بند ہو جائیں۔ پس دوستوں کی بہترین دعوت تو یہ ہے کہ مولوی صاحب جلد سے جلد اس کام کو ختم کریں تاکہ یہ ایک ہی اعتراض جو مخالفین کی طرف سے جماعت پر کیا جاتا ہے کہ اس جماعت نے ابھی تک ایک بھی قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ شائع نہیں کیا دُور ہو جائے اور ہماری انگریزی تفسیر شائع ہو جائے۔

درد صاحب ایک لمبے عرصہ کے بعد واپس آئے ہیں ۱۹۳۳ء کے شروع میں وہ گئے تھے اور اب ۱۹۳۸ء کے آخر میں واپس آئے ہیں۔ ان دونو سالوں کا درمیانی فاصلہ پونے چھ سال کا بنتا ہے اور پونے چھ سال کا عرصہ انسانی زندگی میں بہت بڑے تغیرات پیدا کر دیتا ہے۔ بعض دفعہ باپ کی عدم موجودگی میں اولاد کی تربیت میں نقص پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اُن کے اخلاق پر بُرا اثر پڑ جاتا ہے۔ بعض دفعہ گھر سے ایسی تشویشناک خبریں موصول ہوتی ہیں جو انسان کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی ہیں۔ عام لوگ ان مشکلات کو نہیں سمجھتے جو ایک مبلغ کو پیش آتی ہیں۔ بسا اوقات مبلغ کو ایسی قربانیاں کرنی پڑتی ہیں جو عام لوگ نہیں کر سکتے۔ بلکہ اکثر اوقات اُسے ایسی قربانیاں کرنی پڑتی ہیں جو دوسروں کے لئے ناممکن ہوتی ہیں۔ جماعت کے کئی آدمی ان قربانیوں کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ اور وہ گھر میں بیٹھے بیٹھے اعتراض کر دیتے ہیں۔ اگر وہ ان قربانیوں کی حقیقت کا اندازہ لگائیں تو وہ مبلغوں کے ممنون ہوں، . . . .

. . . . غرض ہمارے مبلّغ جو خدمتِ دین کے لئے باہر جاتے ہیں، اُن کا جماعت پر بہت بڑا حق ہے۔ نادان ہے جماعت کا وہ حصّہ جو اُن کے حقوق کو نہیں سمجھتا۔ یورپ کے لوگ ایسے لوگوں کو بیش بہا تنخواہیں دیتے اور اُن کیلئے ہر قسم کے آرام و آسائش کے سامان مہیّا کرتے ہیں۔ جب ان کے ڈپلومیٹ یعنی سیاسی حکّام اپنے ملکوں میں واپس آتے ہیں تو مُلک ان کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتا ہے۔ فرانس کے AMBASSADOR کی تنخواہ وزیرِاعظم کی تنخواہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ مگر جب وہ اپنے مُلک میں آتا ہے تو اہلِ مُلک اُس کی قربانیوں کی اس قدر تعریف کرتے ہیں اور اس کے اس قدر ممنون ہوتے ہیں کہ گویا وہ فاقے کرتا رہا ہے اور بڑی مشکلات برداشت کرنے کے بعد واپس آیا ہے۔ اور دُور جانے کی کیا ضرورت ہے، ہندوستان کے وائسرائے کو دیکھو کہ اس کے کھانے اور آرام و آسائش کے اخراجات خود گورنمنٹ برداشت کرتی ہے اور بیس ہزار روپیہ ماہوار جیب خرچ کے طور پر اُسے ملتے ہیں۔ وہ پانچ سال کا عرصہ ہندوستان میں گذارتا ہے۔ اور اس عرصہ میں بارہ لاکھ روپیہ لے کر چلا جاتا ہے۔ صرف لباس پر اس کو اپنا خرچ کرنا پڑتا ہے یا اگر کسی جگہ کوئی چندہ وغیرہ دینا ہو تو دے دیتا ہے ورنہ باقی تمام اخراجات گورنمنٹ برداشت کرتی ہے۔ لیکن باوجود اس کے جب وہ اپنے ملک کو واپس جاتا ہے تو اس کی قربانیوں کی تعریف میں ملک گونج اُٹھتا ہے اور ہر دل جذبہ تشکر و امتنان سے معمور ہوتا ہے۔ اور یہ جذبہ ان میں اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ گویا اُن کے جذبات کا پیالہ چھلکا کہ چھلکا۔ یہی گُر ہے قومی ترقی کا جب کسی قوم میں کوئی فرد ایک عزم لیکر کھڑا ہوتا ہے تو اس کو یقین ہوتا ہے کہ میری قوم میری قدر کریگی۔ بیشک دینی خدمتگذاروں کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی لیکن اگر اس کی قوم اس کی قربانیوں کی پرواہ نہیں کرتی تو یہ اس قوم کی غلطی ہے۔ بیشک ایک مومن کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہونا چاہیئے اور پھر ایک ایسی قوم کا نمائندہ جو اپنے آپ کو نیک کہتی ہے وہ تو ان خیالات سے بالکل الگ ہوتا ہے۔ اس کو صرف اپنی ہی ذمہ واریوں کا احساس ہوتا ہے مگر اسلام نے جہاں فرد پر ذمہ واریاں رکھی ہیں، وہاں قوم پر بھی ذمہ واریاں رکھی ہیں۔ جس طرح کسی فرد کا حق نہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کی پرواہ نہ کرے اسی طرح قوم کا بھی حق نہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کی پرواہ نہ کرے۔ قوم کے فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ قوم نے میری قربانیوں کی پرواہ نہیں کی۔ اور اگر وہ یہ خیال اپنے دل میں لایا ہے تو دوسرے الفاظ میں وہ یہ کہتا ہے کہ مَیں نے تمہارے لئے یہ کام کیا ہے خدا تعالیٰ کے لئے نہیں کیا۔ پس فرد کے

دل کے کسی گوشے میں بھی یہ خیال نہیں ہونا چاہیئے اور نہ فکر کے کسی حصّہ میں کہ قوم نے میری قربانیوں کی پروا نہیں کی یا جیسا کہ میری خدمت کرنے کا حق تھا وہ اس نے ادا نہیں کیا۔ ایسا آدمی اپنے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتا ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرد پر ذمہ داریاں عائد کی ہیں اسی طرح قوم پر بھی ذمہ داریاں رکھی ہیں اور وہ یہ کہ قوم اس فرد کی خدمات اور قربانیوں کی قدر کرے۔ کیونکہ قوم بھی ویسے ہی اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہے جیسے فرد " [1]

جماعت کو اُن کے فرائض منصبی کی طرف توجّہ دلانے کے بعد صاحبزادگان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

" . . . . ہماری سب عزتیں احمدی ہونے کی وجہ سے ہیں اور کوئی امتیاز ہم میں نہیں۔ بعض کاموں کی مجبوریوں کے لحاظ سے ایک افسر بنا دیا جاتا ہے اور دوسرا ماتحت ورنہ حقیقی امتیاز ہم میں کوئی نہیں۔ حقیقی بڑائی خدمت کرنے سے حاصل ہوتی ہے . . . . . حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان میں سے ہونا یا میرا بیٹا ہونا یہ تو مانگا ہوا چوغہ ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ تم خود اپنے لئے لباس مہیا کرو۔ وہ لباس جسے قرآن مجید نے پیش کیا ہے یعنی لِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَيْرٌ۔ تقویٰ کا لباس سب لباسوں سے بہتر ہے۔

. . . . اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھر سے وہ آواز اُٹھائی جس کے سُننے کے لئے تیرہ سو سال سے مسلمانوں کے کان ترس رہے تھے اور وہ فرشتے نازل ہوئے جن کے نزول کے لئے جیلانیؒ، غزالیؒ، اور ابن العربیؒ کے دل للچاتے رہے مگر اُن پر نازل نہ ہوئے۔ گو بیشک یہ بہت بڑی عزت ہے مگر اس کو اپنی طرف منسوب کرنا صرف ایک طفیلی چیز ہے۔ دُنیا کے بادشاہوں کی اولاد اپنے باپ دادوں کی عزتوں کو دینی عزت کہتے ہیں۔ حالانکہ دراصل وہ اُن کے لئے عزت نہیں ہوتی بلکہ لعنت ہوتی ہے۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ کون لوگ زیادہ اشرف ہیں۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو تمہارے اندر اشرف ہیں بشرطیکہ ان میں تقویٰ ہو۔ تو رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی پہلی قسم کی عزت کو تسلیم فرمایا ہے مگر حقیقی عزت وہی تسلیم فرمائی ہے جس میں ذاتی جوہر بھی مل جائے۔

پس تم اپنے اندر ذاتی جوہر پیدا کرو۔ جماعت احمدیہ کے ہر فرد کا خیال رکھو۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرد ہونے کی وجہ سے تمہیں کوئی امتیاز نہیں۔ امتیاز خدمت کرنے میں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر فضل نازل فرمایا۔ تم بھی اگر

[1] "الفضل" ۷ اپریل ۱۹۶۱ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲-۳

خدمت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر بھی اپنا فضل نازل کرے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

ع منہ از بہر ما کرسی کہ ماموریم خدمت را

یعنی میرے لئے کرسی مت رکھو کہ میں دنیا میں خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ اسی طرح تم بھی کرسیوں پر بیٹھنے کے متمنی نہ ہو بلکہ ہر مسکین اور غریب سے ملو اور اگر تمہیں کسی غریب آدمی کے پاؤں سے زمین پر بیٹھ کر کانٹا بھی نکالنا پڑے تو تم اسے اپنے لئے فخر سمجھو۔ خود تقویٰ حاصل کرو اور جماعت کے دوستوں سے مل کر ان کو فائدہ پہنچاؤ۔ اور جو علم تم نے سیکھا ہے وہ ان کو بھی سکھاؤ۔

. . . . پس میں تم کو مل کر تربیت کرنے کے لئے کہتا ہوں۔ جماعت میں بعض کمزور دوست بھی ہوتے ہیں۔ اُن میں اسلام کی حقیقی رُوح کا پیدا کرنا بہت ہی ضروری کام ہے۔ جماعت کو علوم دینیہ سے واقف کرنا، عرفانِ الٰہی کی منازل سے آگاہ کرنا، خدمتِ خلق، محبتِ الٰہی اور اسلام کی حکمتوں کا بیان کرنا بہت بڑا کام ہے۔ اسی طرح جماعت میں ایثار اور قربانی کی رُوح پیدا کرنا بھی ایک ضروری کام ہے۔ یہ ایسے کام ہیں جن سے تم لوگوں کی نظروں میں معزز ہو جاؤ گے۔ جماعت میں کئی آدمی اخلاق کے لحاظ سے کمزور ہیں ان کو اخلاق کی درستی کی تعلیم دو۔ اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق جو تحریک جماعت میں ہوتی ہے اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کرو۔

. . . . اگر تم اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کی خدمت کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم دوہرے اجر کے مستحق ہو گے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہود کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر تم اس دین کو قبول کرلو تو تم کو دوہرا اجر ملے گا اور اگر اعراض کرو گے تو پھر عذاب بھی دوہرا ہے۔ پس تمہارا تعلیم کے بعد واپس آنا تم پر بہت بڑی ذمہ واریاں عائد کرتا ہے۔ تم لوگوں کو احمدیت کی تعلیم سے رُوشناس کرانے کی کوشش کرو اور لوگوں کو سچائی کی تلقین کرو اور جماعت سے جہالت دُور کرو اور اپنے فرائض کی طرف جلد سے جلد توجہ کرو۔ میں اللہ تعالیٰ کے حضور تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ صرف خدا کا رحم ہی ہے جو میرے کام بھی آ سکتا ہے اور تمہارے کام بھی آ سکتا ہے۔“ [1]

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب جامعہ احمدیہ کے سٹاف میں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کی انگلستان سے واپسی کے بعد ان کو جامعہ احمدیہ کے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کے اہم کام پر مقرر فرمایا اور آپ ۲۷ نومبر ۱۹۳۸ء سے

[1] "الفضل" ۱۰ اپریل ۱۹۶۱ء صفحہ ۱ کالم ۱-۲

جامعہ احمدیہ کے سٹاف میں شامل ہو گئے[۱] اور قریباً پانچ ماہ بعد حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ کی ریٹائرمنٹ پر یکم مئی ۱۹۳۹ء کو اس مرکزی درسگاہ کے پرنسپل مقرر کئے گئے جہاں آپ اپریل ۱۹۴۴ء تک اس عہدہ پر فائز رہے[۳]۔ آپ کے زمانہ میں جامعہ احمدیہ نے ہر لحاظ سے نمایاں ترقی کی۔ آپ کے تربیت یافتہ بہت سے "جامعی" شاگرد اس وقت سلسلہ احمدیہ کی اہم خدمات دینیہ بجا لا رہے ہیں۔

احرار کے پاؤں تلے سے زمین نکل جانے کا حیرت انگیز اعتراف

جماعت احمدیہ کے خلاف ۱۹۳۴ء کی احراری شورش اور اس کے عبرتناک انجام کی تفصیل جلد ہفتم میں آچکی ہے۔ اس مقام پر اس کا اعادہ کئے بغیر صرف یہ بتانا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۴ مئی ۱۹۳۵ء[۴] کو یہ پُرجلال پیشگوئی فرمائی تھی کہ "زمین ہمارے دشمنوں کے پاؤں سے نکل رہی ہے" اس اہم آسمانی خبر کا پہلا ظہور ۱۹۳۵ء کے حادثہ شہید گنج میں اور دوسرا ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں ہوا جس کے بعد بھی متعدد ایسے حالات پیش آئے کہ ۱۹۳۸ء۔۳۹ میں احرار کے موافق اور مخالف حلقے برملا پکار اٹھے کہ احرار کے پاؤں تلے سے واقعی زمین نکل چکی ہے چنانچہ اخبار "احسان" (لاہور) نے اپنے ۸ اکتوبر ۱۹۳۸ء کے شمارہ میں لکھا:-

"پنجاب والوں نے کانگرس کی تجاویز کا نہایت کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ شہید گنج کی تحریک جسے احرار نے جو کانگرس کے اشاروں پر ناچتے ہیں، چلایا تھا۔ کچھ عرصہ تک ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سکندری وزارت کی جڑیں کھوکھلی کر دے گی۔ لیکن سر سکندر نے انہیں انہی کے داؤں پر مارا۔ وہ ایک دلیرانہ بیان لے کر قوم کے سامنے آئے جس سے احراریوں کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور یہ ایسی تدبیر تھی کہ جس پر کانگرسی لیڈروں نے بھی انہیں مبارکباد کے تار بھیجے"[۵]

اگلے سال ۱۹۳۹ء میں ایک غیر مسلم صحافی ارجن سنگھ عاجز نے اشتہار دیا کہ

"تھوڑا عرصہ ہوا کہ مرزا بشیر الدین محمود امام جماعت مرزائیہ نے پیشینگوئی کی تھی کہ میں دیکھتا ہوں۔ کہ "احراریوں کے پاؤں تلے سے زمین نکلتی جا رہی ہے" یہ پیشینگوئی آج بالکل پوری ہو رہی ہے۔ مخالفین

---

[۱] "الفضل" ۲۹ نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

[۲] "الفضل" ۳ مئی ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۔

[۳] اس عرصہ میں آپ حضرت مولوی محمد الدین صاحب بی۔ اے کے ریٹائر ہونے کے بعد (۲۰ اکتوبر ۱۹۴۰ء تک تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر بھی رہے (الفضل ۲ نومبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۵)۔

[۴] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ احمدیت" جلد ہفتم صفحہ ۵۳۲۔

[۵] اخبار "احسان" لاہور ۸ اکتوبر ۱۹۳۸ء بحوالہ "الفضل" ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۲-۳۔

غور سے توجہ فرماویں۔

بھرتی کے سلسلہ میں سارے ہندوستان کے خلاف احرار نے مخالفت کا جو بیڑا اُٹھایا تھا۔ اس پر جب حکومت نے ایکشن لیا اور چند احراری لیڈروں کو گرفتار کر کے ان کے خلاف مقدمہ چلایا تو احراریوں کی یہ حالت ہوئی کہ "سچ مچ اُن کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی" سُرخ قمیضیں اتار کر پھاڑ کر نالیوں میں پھینک دی گئیں اور آگ میں بھی جلا دی گئیں۔ چنانچہ آج امرتسر میں ایک بھی سُرخ قمیص نظر نہیں آتی۔ کئی گرفتار شدہ احراریوں نے تحریری معافی مانگ کر رہائی حاصل کی۔ اور کئی جن کی پولیس تلاش کر رہی ہے، مفرور ہیں۔ چوہدری افضل حق صاحب کی گرفتاری پر ہڑتال کا اعلان کیا گیا لیکن ایک دوکان بھی بند نہ ہوئی۔ یہ ہے احرار کی کامیابی کا ایک نمونہ۔ اب یوں نظر آتا ہے کہ شہر امرتسر میں کبھی کوئی احراری تھا ہی نہیں اور نہ کوئی لال قمیص"

(المشتہر ارجن سنگھ عاجز ایڈیٹر اخبار رنگین امرتسر ۔) [1]

فصل چہارم

قادیان کے ماحول میں زبردست تبلیغی مہم

۱۹۳۸ء کو یہ بھاری خصوصیت حاصل ہے کہ اس سال سے قادیان اور اُس کے مضافات میں تبلیغ پر خاص توجہ دی جانے لگی اور اس کے لئے چودھری فتح محمد صاحب سیال (ناظر اعلیٰ) کی زیر نگرانی ضلع گورداسپور میں وسیع پیمانہ پر سرگرمیاں شروع کر دی گئیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا تبلیغی مرکز سٹھیالی اور دوسرا کلانور اور تیسرا چودھریوالہ میں قائم کیا گیا۔[2] اس کے بعد جگہ جگہ مراکز قائم کر دیئے گئے اور نگران اعلیٰ چودھری فتح محمد صاحب سیال کے ساتھ مولانا احمد خاں صاحب نسیم تحصیل بٹالہ کے اور مولوی دل محمد صاحب تحصیل گورداسپور کے انچارج بنائے گئے۔ اور دیہاتی مبلغین[3] کے علاوہ جامعہ احمدیہ اور تعلیم الاسلام ہائی سکول کے اساتذہ اور طلبہ

[1] بحوالہ "الفضل" ۱۷ر اکتوبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۸۔ [2] "الفضل" ۲۰ر مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۶۔

[3] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۴۲-۴۳ء صفحہ ۶۔

اور قادیان کے دوسرے مخلص اور سرگرم احمدی بڑی کثرت سے تشریف لے جانے اور گاؤں گاؤں میں پیغام احمدیت پہنچانے لگے۔[1] اس مہم میں آنریری خدمت دین کرنے والوں میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مرزا شریف احمد صاحب، حضرت میر محمد اسحٰق صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ، چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب[2]، میاں نواب عباس احمد خاں صاحب[3] مہتمم تبلیغ خدام الاحمدیہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور چودھری نذیر احمد صاحب بھنگواں[4] خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب جو اُن دنوں صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ تھے، نہ صرف ضلع گورداسپور کے اکثر دیہات کے جلسوں میں شرکت فرماتے تھے[5] بلکہ دوسرے احمدیوں کو بھی باہر جانے کی خصوصی تحریک کرتے تھے چنانچہ تبلیغ مقامی کی رپورٹ ۴۳-۱۹۴۲ء کے مطابق اس سال آپ کی تحریک پر ۳۲ مجاہدین تبلیغ کے لئے روانہ ہوئے۔

تبلیغ مقامی کی توسیع کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مرزا شریف احمد صاحب، چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب، نواب محمد الدین صاحب، سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب سکندر آباد دکن، میرزا مظفر احمد صاحب، پیر اکبر علی صاحب، شیخ اعجاز احمد صاحب سب جج، سیٹھ محمد اعظم صاحب، نواب اکبر یار جنگ

---

[1] ۴۳-۱۹۴۲ء میں قادیان کی تبلیغ مقامی میں تیس مبلّغین مصروف عمل تھے۔ بعض مقامی مبلّغین کے نام:- مولوی احمد خاں صاحب نسیم، مولوی سید احمد علی صاحب، مولوی عبدالرحیم صاحب عارف، مولوی غلام احمد صاحب ارشد، مولوی محمد منشی خاں صاحب، مولوی میر ولی صاحب ہزاروی، حکیم اللہ بخش صاحب، مولوی عبدالعزیز صاحب، ماسٹر محمد رمضان صاحب، سید احمد شاہ صاحب۔ (بحوالہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۴۳-۱۹۴۲ء صفحہ ۵)

[2] رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۴۱ء لغایت ۳۰ اپریل ۱۹۴۲ء صفحہ ۴-۵

[3] شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے اپنی کتاب سیرت امّ المومنین حصہ دوم میں لکھا ہے کہ "صاحبزادہ عباس احمد خاں سلمہ اللہ تعالیٰ علاقہ سری گوبند پور میں تبلیغ کے لئے گئے ہوئے تھے۔ ان کا ہیڈ کوارٹر ماڑی بچیاں نامی گاؤں میں تھا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ یہ امیر ابن امیر کا نونہال جو ناز و نعمت کے گہوارے میں پرورش پائے ہوئے تھا۔ دھوپ کی بھی پروا نہ کرتا ہوا گاؤں گاؤں شوقِ تبلیغ میں پھرتا رہتا تھا۔ اور کبھی اگر کھانا نہ ملا تو صرف چنے چبا کر گذارہ کر لیا کرتا تھا۔ یہ بات ایک ایسے گھرانے کے نونہال میں جو ہمیشہ متنعمانہ زندگی بسر کرنے کا عادی ہو نہیں پیدا ہو سکتی جب تک وہ خاندان اور خصوصاً والدین ایک پاکیزہ زندگی گذارنے کے عادی نہ ہوں۔ میاں عباس احمد کا یہ جذبہ اور یہ شوق خان محمد عبداللہ خاں صاحب اور صاحبزادی امۃ الحفیظ صاحبہ کی اپنی ذاتی پاکیزگی اور دینداری کا نتیجہ ہے"۔
(سیرت ام المومنین حصہ دوم صفحہ ۷۹)

[4] "الفضل" ۶ جولائی ۱۹۴۵ء صفحہ ۵

[5] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ یکم مئی ۱۹۴۰ء تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۴

بہادر، چودھری فقیر محمد صاحب، ڈاکٹر میجر غلام احمد صاحب، مرزا منصور احمد صاحب، خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب، خانصاحب منشی برکت علی صاحب، چودھری نعمت اللہ خاں صاحب بیگم پور، اخوند محمد اکبر صاحب اور دوسرے مخلصین باقاعدگی سے مالی امداد فرماتے رہے۔

ان سب مخلصانہ کوششوں کے بہت شاندار نتائج برآمد ہوئے۔ کئی مقامات پر نئی جماعتیں قائم ہوگئیں۔ اور جہاں احمدیوں کی تعداد کم تھی وہاں بکثرت احمدی ہونے لگے۔ اور یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کی ایک ابتدائی جھلک نظر آنے لگی جیسا کہ پانچ برسوں کی درج ذیل مختصر کارگذاری سے عیاں ہو سکتا ہے۔

سال	خلاصہ مساعی
مئی ۱۹۳۸ء تا ۳۰؍ اپریل ۱۹۳۹ء	۱۲۱ دیہات میں دورہ کیا گیا۔ چار اشتہارات اور پانچ ٹریکٹوں کی اشاعت کی گئی۔ ۵۵ جلسے منعقد کئے گئے۔ ۵۰۰ کے قریب احباب نے قبول احمدیت کی اور ۲۵ نئی جماعتیں قائم ہوئیں۔
یکم مئی ۱۹۳۹ء تا ۳۰؍ اپریل ۱۹۴۰ء	قادیان کے ۱۰۸ احباب نے تبلیغ کے لئے پندرہ پندرہ روز وقف کئے۔ چار ابتدائی مدارس جاری کئے گئے۔ چار ٹریکٹ بارہ ہزار کی تعداد میں شائع کئے گئے۔ چالیس نئی جماعتیں قائم ہوئیں اور ساڑھے پانچ سو افراد نے بیعت کی۔
یکم مئی ۱۹۴۰ء تا ۳۰؍ اپریل ۱۹۴۱ء	اس سال ایک ہزار پانچ سو پچاس افراد احمدیت میں شامل ہوئے۔ پچیس نئی جماعتیں قائم ہوئیں۔ اور نو (۹) جماعتوں کی تعداد پہلے سے دو چند ہوگئی۔
یکم مئی ۱۹۴۱ء تا ۳۰؍ اپریل ۱۹۴۲ء	اس سال پندرہ سو چوالیس (۱۵۴۴) دوست حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔
یکم مئی ۱۹۴۲ء تا ۳۰؍ اپریل ۱۹۴۳ء	اس سال کے نومبائعین کی تعداد ۸۴۰ تھی۔ صیغہ مقامی تبلیغ نے اب اپنی سرگرمیاں قریبی اضلاع مثلاً امرتسر، سیالکوٹ، جالندھر، ہوشیارپور اور اور کپورتھلہ میں بھی شروع کر دیں

۱۹۴۶ء کے قریب مقامی تبلیغ کے انچارج مولانا احمد خاں صاحب نسیم بنائے گئے۔ مگر آپ کو اپنے فرائض کی بجا آوری میں تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا کہ پورا مشرقی پنجاب فسادات کے شعلوں کی لپیٹ میں آگیا اور آپ

۲۹ستمبر ۱۹۴۷ء[1] کو زیر دفعہ ۳۹۶ - ۳۹۷ آئی پی سی گرفتار کر لئے گئے اور نظر بندی کی مسلسل ناقابل بیان اور دردناک تکالیف برداشت کرنے کے بعد بالآخر ۱۱ اپریل ۱۹۴۸ء کو رہا کئے گئے۔[2]

نوجوان علماء کو حضرت امیرالمومنینؓ کی قیمتی نصائح جماعت احمدیہ کے ایک مشہور و معروف اور ممتاز عالم دین نے "الفضل" ۲۱ جون و ۲۷ اگست ۱۹۳۸ء میں مسئلہ قتل انبیاء کے متعلق مضمون لکھے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید نہیں کئے گئے۔ یہ مسلک چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عقیدہ و مسلک کے بالکل خلاف تھا۔ اس لئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۶ اگست، ۲ ستمبر اور ۹ ستمبر ۱۹۳۸ء کو تین مفصل خطبات جمعہ دئے[3] جن میں تاریخ، انجیل، اقوام عالم اور احادیث کی متفقہ شہادت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نظریہ کی تائید میں پیش کی اور نوجوان علماء کو نصیحت فرمائی کہ

"صحابہؓ کی موجودگی میں نئے علماء کو یہ ہرگز کوئی حق نہیں کہ وہ اپنی طرف سے استنباط اور اجتہاد کریں۔ اگر دنیا نے اپنے استنباط اور اجتہاد سے یہ کام لینا تھا تو کسی نبی کے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ ہمارا حق ہے کہ اگر کوئی اختلاف ہو تو ہم اس کو نپٹائیں اور صحیح طریق جماعت کے سامنے پیش کریں۔ اور نئے علماء کا بھی یہ فرض ہے کہ جب کوئی اختلافی مسئلہ سامنے آجائے تو وہ اُسے مجلس صحابہ کے سامنے پیش کریں۔ بیشک وہ خود اس امر کا اختیار نہیں رکھتے کہ صحابہ کی ایک مجلس قائم کریں مگر وہ سلسلہ کی وساطت سے ایسا کر سکتے ہیں۔ اُن کا فرض ہے کہ وہ اختلافی مسئلہ میرے سامنے رکھیں۔ اگر میں اس کے متعلق ضرورت سمجھوں گا تو خود بخود صحابہ کو جمع کروں گا۔ اور اس طرح جو بات طے ہوگی وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء کے عین مطابق ہوگی۔ اگر ہم یہ طریق اختیار کریں تو آئندہ کے لئے بالکل امن ہو جائے گا۔ اور کوئی ایسا اختلاف پیدا نہیں ہوگا۔ جو جماعت کی گمراہی کا موجب ہو۔ لیکن اگر ہر شخص اپنے طور پر ایسے مسائل پر رائے زنی کرنا شروع کر دے۔ جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کھلے حوالے موجود ہوں اور ایسا استدلال پیش کرے۔ جو اُن کو ردّ کرتا ہو تو آئندہ نسلوں کے لئے بڑی مشکل پیش آئیگی اور وہ حیران ہوں گی کہ ہم کونسا مسلک اختیار کریں۔ لیکن اگر نئے مسائل یا اختلافی مسائل ہمارے

---

[1] "QADIAN DIARY" مؤلفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب؛ [2] "الفضل" ۱۳ اپریل ۱۹۴۸ء صفحہ ۲ کالم ۲؛

[3] مفصل خطبات کے لئے ملاحظہ ہو "الفضل" ۳ ستمبر ۱۹۳۸ء، ۱۰ ستمبر ۱۹۳۸ء، ۱۷ ستمبر ۱۹۳۸ء؛

سامنے پیش کئے جائیں اور ہم اس بارہ میں اپنا فیصلہ نافذ کریں۔ تو اگلے لوگ بہت سی گمراہیوں سے بچ جائیں گے۔ کیونکہ ان کے سامنے وہ فیصلے ہوں گے جو صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متفقہ ہوں گے یا ایسے فیصلے ہوں گے۔ جن پر صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اکثریت کا اتفاق ہوگا۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں سے کوئی مسئلہ صاف ہوجائے تو پھر صحابہ کے فیصلوں کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر کتابوں میں کوئی بات وضاحت سے نہ ملے۔ یا اختلاف ہوجائے۔ تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کی روایات اور ان کے ان تاثرات کو دیکھنا پڑے گا۔ جو وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ سے رکھتے چلے آرہے ہیں اور جو سُنّت کے قائم مقام ہیں۔"[۱]

پھر فرمایا :-

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت تھی کہ آپ دن کو جو کچھ لکھتے، دن اور شام کی مجلس میں آکر بیان کر دیتے۔ اس لئے آپ کی تمام کتابیں ہم کو حفظ ہیں۔ اور ہم ان مطالب کو خوب سمجھتے ہیں۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء اور آپ کی تعلیم کے مطابق ہوں۔ بیشک بعض باتیں ایسی بھی ہیں جو صرف اشارہ کے طور پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ تفصیلات کا اُن میں ذکر نہیں۔ اور اُن باتوں کے متعلق ہمیں ان دوسرے لوگوں سے پوچھنا پڑتا ہے جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت اُٹھائی ہے۔ اور اگر اُن سے بھی کسی بات کا علم حاصل نہیں ہوتا تو پھر ہم قیاس کرتے اور اس علم سے کام لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بخشا ہے۔ مگر باوجود اس کے میرا اپنا طریق یہی ہے کہ اگر مجھے کسی بات کے متعلق یہ معلوم ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی تحریر اس کے خلاف ہے تو مَیں فوراً اپنی بات کو رَدّ کر دیتا ہوں۔ اسی مسجد میں ۲۲ء یا ۲۸ء کے درس القرآن کے موقع پر مَیں نے عرش کے متعلق ایک نوٹ دوستوں کو لکھوایا۔ جو اچھا خاصہ لمبا تھا۔ مگر جب میں وہ تمام نوٹ لکھوا چکا تو شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی یا حافظ روشن علی صاحب مرحوم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک حوالہ نکال کر میرے سامنے پیش کیا اور کہا کہ آپ نے تو یُوں لکھوایا ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یُوں فرمایا ہے۔ مَیں نے اس حوالہ کو دیکھ کر اسی وقت دوستوں سے کہدیا کہ مَیں نے عرش کے متعلق آپ لوگوں کو جو کچھ لکھوایا ہے وہ غلط ہے اور اُسے اپنی کاپیوں میں سے کاٹ ڈالیں۔ چنانچہ جو لوگ اُس وقت

---

[۱] "الفضل" ۲۴ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۵ کالم ۲-۳

میرے درس میں شامل تھے وہ گواہی دے سکتے ہیں۔ اور اگر ان کے پاس اس وقت کی کاپیاں موجود ہوں تو وہ دیکھ سکتے ہیں کہ میں نے عرش کے متعلق نوٹ لکھوا کر بعد میں جب مجھے معلوم ہوا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ اس کے خلاف ہے۔ اسے کاپیوں سے کٹوا دیا اور کہا کہ ان اوراق کو پھاڑ ڈالو کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے خلاف لکھا ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمان کے مقابلہ میں بھی ہم اپنی رائے پر اڑے رہیں اور کہیں کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہی صحیح ہے اور اپنے نفس کی عزت کا خیال رکھیں تو اس طرح تو دین اور ایمان کا کچھ بھی باقی نہیں رہ سکتا۔

پس یاد رکھو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حَکَم، عدل ہیں۔ اور آپ کے فیصلوں کے خلاف ایک لفظ کہنا بھی کسی صورت میں جائز نہیں۔ ہم آپ کے بتائے ہوئے معارف کو قائم رکھتے ہوئے قرآن کریم کی آیات کے دوسرے معانی کرسکتے ہیں۔ مگر اسی صورت میں کہ ان میں اور ہمارے معانی میں تناقض نہ ہو" [1]

فصل پنجم

حضرت امیر المومنینؓ کا سفر حیدرآباد دکن

۱۹۳۸ء کا ایک نہایت اہم اور ناقابلِ فراموش واقعہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا سفر حیدرآباد ہے۔

حضور کا یہ مبارک سفر ایک رؤیا کی بناء پر تھا۔ اور اس کی غرض وغایت یہ تھی کہ ریاست حیدرآباد جو مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد مسلمانان ہند کی تہذیب و تمدن اور علم و فن کا سب سے بڑا مرکز تھی۔ وہاں کے حالات کا جائزہ لیا جائے اور عام مسلمانوں کی بہبود اور جماعت احمدیہ کی تبلیغی سرگرمیوں میں اضافہ کی عملی تدابیر سوچی جائیں۔

حضرت امیر المومنینؓ کا مکتوب سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کے نام

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ قادیان سے یکم اکتوبر ۱۹۳۸ء کو روانہ ہوئے [2] اور روانگی سے قبل ۲۷ ستمبر ۱۹۳۸ء کو سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب امیر جماعت احمدیہ سکندرآباد کے نام مندرجہ ذیل مکتوب لکھا :-

---

[1] "الفضل" ۳ ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۶ - ۱۷ ؎

[2] اس سفر میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ، حضرت سیدہ ام متین صاحبہ صاحبزادی امۃ القیوم صاحبہ حضور کے ہمراہ تھیں۔ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے (مؤلف "اصحاب احمد") پرائیویٹ سکرٹری کی حیثیت سے شامل سفر تھے اور خان میر خانصاحب اور میاں عطا محمد صاحب ننگلی پہرہ دار کے طور پر بمبئی سے حیدرآباد تک کے سفر اور وہاں کے قیام میں مولانا ابو العطاء صاحب (مبلغ بمبئی) بھی حضور کے ساتھ رہے۔

"قادیان۔ ضلع گورداسپور

پنجاب

۳۸ - ۹ - ۲۷

مکرمی سیٹھ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

. . . . مدت سے میرا ارادہ حیدرآباد آنے کا تھا۔ کیونکہ میرے نزدیک کسی جگہ کو دیکھنے کے بعد وہاں کے کام کی اہمیت کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ لیکن کچھ تو کم فرصتی کی وجہ سے اور کچھ وہاں کے سیاسی حالات کی وجہ سے اور کچھ اس خیال سے کہ وہ علاقہ دُور ہے۔ اخراجات زیادہ ہوں گے۔ مَیں آنے سے رُکا رہا۔

لیکن اب حالات اس طرف کے ایسے ہوگئے ہیں۔ شاید مجھے ان علاقوں کی طرف زیادہ توجہ کرنی پڑے۔ . . . . میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ چاہے تو اِس دفعہ سندھ سے مَیں حیدرآباد ہوتا آؤں۔ مجھے اس کا زیادہ خیال اس لئے بھی ہوا ہے کہ جو رویاء مَیں نے حیدرآباد کے متعلق دیکھی تھی اس میں ایک حصہ یہ تھا کہ مَیں پہلے حیدرآباد کا معائنہ کرنے گیا ہوں اور پھر مَیں نے آکر فوج کو حملہ کا حکم دیا ہے۔ اس سے مَیں سمجھتا ہوں کہ پہلے ایک سرسری معائنہ حیدرآباد کا ضروری ہے۔

اس لئے اگر ہوسکا تو مَیں انشاءاللہ سندھ سے حیدرآباد کی طرف روانہ ہوں گا۔ پروگرام یہ ہے پندرہ بمبئی ورود ۱۶ - ۱۷ - ۱۸ - ۱۹ بمبئی قیام ، ۱۹ر کو ہوائی جہاز کے ذریعہ سے حیدرآباد ، ساڑھے چھ بجے ورود حیدرآباد ۔ ۲۰ - ۲۱ - ۲۲ر حیدرآباد قیام ، ۲۲ر کی شام کو سات بجے دہلی جانے والی گاڑی سے پنجاب کی طرف رجُوع ۔

میرے ساتھ ایک میری بیوی مریم صدیقہ ، لڑکی امۃ القیوم اور ہمشیرہ مبارکہ بیگم ہونگی ۔ چھ سات دوسرے ہمراہی ہونگے ۔ یہ لوگ ریل سے سفر کرکے بمبئی سے حیدرآباد پہنچیں گے ۔

مَیں یہ چاہتا ہوں کہ یہ ہمارا سفر صرف غیر رسمی رہے یعنی کوئی لیکچر وغیرہ یا شور نہ ہو۔ اگر بعض خاص آدمیوں سے ملاقات کی ضرورت سمجھی گئی تو جماعت کے مشورہ سے مَیں ان کو ملنے کا موقعہ دے دوں گا ۔ اس سے زیادہ نہیں ۔

میرا پروگرام یہ ہوگا جس کے متعلق آپ مذکورہ دوستوں سے مشورہ کر کے تفصیلات طے کرلیں۔(۱) حیدر آباد کا موٹر میں ایک عام چکر جس سے اس کی عظمت اس کے علاقہ کی وسعت، آبادی کی طرز وغیرہ کا علم ہو جائے (۲) علمی اداروں کا دیکھنا (۳) تاریخی یادگاروں کا دیکھنا (۴) موجودہ ترقی یا جدوجہد کا معائنہ۔

آپ اس مشورہ میں اگر چاہیں تو نواب اکبر یار جنگ صاحب کو بھی شامل کر سکتے ہیں۔ایک مجلس ایسی رکھی جا سکتی ہے جس میں سب جماعت کے دوست جمع ہوں اور میں انہیں مختصر ہدایات دوں جمعہ کا دن اس دوران میں آئے گا۔ وہ لازماً میں مسجد میں پڑھوں گا اور جماعت سے ملاقات ہو جائے گی۔

. . . . چونکہ مجھے مردوں کے ساتھ پھرنا ہوگا اس لئے عورتوں کی سیر کا الگ انتظام کر دیا جائے۔ یعنی روزانہ پروگرام طے ہو کر پہلے بتا دیا جائے کہ عورتیں اپنا وقت اس طرح خرچ کریں گی۔ اور میرا پروگرام اس اس طرح ہوگا۔

تحریک جدید نے جہاں کھانے کے متعلق سادگی پیدا کر دی ہے وہاں میرے جیسے بیمار کے لئے مشکلات بھی پیدا کر دی ہیں ایک کھانے کی وجہ سے۔سوائے خاص حالات کے چاول میں نہیں کھا سکتا روٹی کھاتا ہوں کیونکہ چاول کم پچتے ہیں۔اگر ایک سالن ہماری پنجابی طرز کا پک سکے اور تنور کی یا توے کی چپاتی مل سکے تو مجھے سہولت رہیگی۔حیدر آباد کی طرف پیاز کی کثرت اور میٹھا اور کھٹا کھانے میں ملا دیتے ہیں جو میرے معدے کے لئے سخت مُضر ہوتا ہے اور مجھے بہت جلد ایسے کھانوں سے بخار ہو جاتا ہے۔گو مجھے کھانے کے متعلق یہ ہدایت دینے سے شرم محسوس ہوتی ہے مگر چونکہ میری صحت سخت کمزور ہے اور میری زندگی درحقیقت ایسی ہے جیسے ربڑ کی گڑیا میں پھونک مار کر بٹھا دیتے ہیں اس طرح اللہ تعالےٰ کی پھونک ہی کچھ زندہ رکھے جاتی ہے اس وجہ سے مجھے باوجود حیا کے یہ امر لکھنا پڑا۔

میں پرسوں سندھ جا رہا ہوں۔اس بارے میں اگر کوئی اور بات آپ نے پوچھنی ہو تو ناصر آباد (کنجیجی) ضلع میر پور خاص سندھ کے پتہ پر خط لکھیں۔

بمبئی ہم جہاز کے ذریعہ سے آئیں گے، میرے ساتھ پرائیویٹ سکرٹری کے علاوہ صرف چند معاون کارہونگے شائد کوئی دوست قادیان سے میری ہدایت کے مطابق آجائیں۔ والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد "[1]

---

[1] اصل مکتوب حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحبؓ کے ورثاء کے پاس محفوظ ہے۔

قادیان سے بمبئی تک

حضرت اقدس قادیان سے بذریعہ ٹرین ۳؍اکتوبر ۱۹۳۸ء[1] کو سندھ پہنچے اور اراضی سندھ کا معائنہ فرمانے اور ضروری ہدایات دینے کے بعد ۲۳؍اکتوبر ۱۹۳۸ء[2] کو لاہور میل سے کراچی وارد ہوئے اور اسی روز بحری جہاز سے روانہ ہو کر ۱۶؍اکتوبر ۱۹۳۸ء[3] کو بمبئی پہنچے بندرگاہ پر جماعت احمدیہ بمبئی نے اپنے امیر حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب اور مقامی مبلغ مولانا ابوالعطاء صاحب کی قیادت میں حضور کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ بمبئی میں اس وقت امیر جماعت حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب تھے اور انہوں نے ہی ایک محلہ میں رہائش کے لئے ایک بالاخانہ کرایہ پر حاصل کیا تھا۔ حضور پہلے روز بارہ بجے رات تک مجلس میں نماز مغرب و عشاء جمع کرنے کے بعد گفتگو فرماتے رہے۔ اس میں ایک سابق گورنر پنجاب سرایبرسن کا واقعہ بھی بیان فرمایا تھا جو کہ حضور کے وصال کے بعد اخبار بدر میں ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے کے ایک مضمون میں شائع ہو چکا ہے۔ وہاں حضرت سیٹھ صاحب نے اپنے مکان پر حضور اور حضور کے رفقاء کی دعوت بھی فرمائی تھی۔ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کی بھتیجی بمبئی میں ہی مقیم تھیں۔ ان کے خاندان نے دعوت کی۔ جائے قیام سے غالباً دس بارہ میل دُور ان کی جائے رہائش تھی۔ وہ موٹروں میں سارے قافلہ کو اپنے ہاں لے گئے۔

جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے کا بیان ہے کہ

"بمبئی میں حضور نے ایک بار خود ہی ایک ہوائی جہاز کے پانچ ٹکٹ خرید کئے۔ چار اپنے خاندان کے لئے اور ایک میرے لئے۔ وہاں ایسے ہوائی جہاز کا انتظام غالباً کسی کمپنی کی طرف سے تھا جو مختصر وقت میں بمبئی کی سیر کراتی تھی۔ صرف پانچ ہی سیٹیں اس میں تھیں۔ مَیں ہوا باز کے پاس کی سیٹ پر تھا اور حضور اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ پیچھے تشریف فرما تھے۔ تیرہ صد پچاس فٹ تک جہاز نے اُڑان کی تھی اور نصف گھنٹہ کے قریب صرف ہوا تھا ہوائی اڈہ تک اور واپسی پر مکرم شیخ محمود احمد صاحب عرفانی اور مکرم مولوی ابوالعطاء صاحب (جو اس وقت بمبئی کے مبلغ تھے ساتھ تھے"[4]

حیدرآباد دکن میں آمد اور مصروفیات

حضور چند دن تک بمبئی میں فروکش رہنے کے بعد بذریعہ ریل ۱۹؍اکتوبر ۱۹۳۸ء کو بوقت دوپہر روانہ ہو کر ۲۰؍اکتوبر ۱۹۳۸ء بروز پنجشنبہ صبح

---

[1] "الفضل" ۵؍اکتوبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ [2] "الفضل" ۱۶؍اکتوبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[3] "الفضل" ۱۹؍اکتوبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

[4] مکتوب ملک صلاح الدین صاحب ایم اے بنام مؤلف محررہ ۱۰؍جولائی ۱۹۶۴ء۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا حیدرآباد کے مضافاتی ریلوے اسٹیشن بیگم پیٹھ پر ورود مسعود

(ناموں کی تفصیل ضمیمہ میں ملاحظہ ہو)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ خان بہادر احمد الہ دین نواب احمد نواز جنگ بہادر کی کوٹھی میں رونق افروز ہیں۔

(ناموں کی تفصیل ضمیمہ میں درج ہے)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ مشہور تاریخی مسجد نواب خان دوران خان دہلی میں

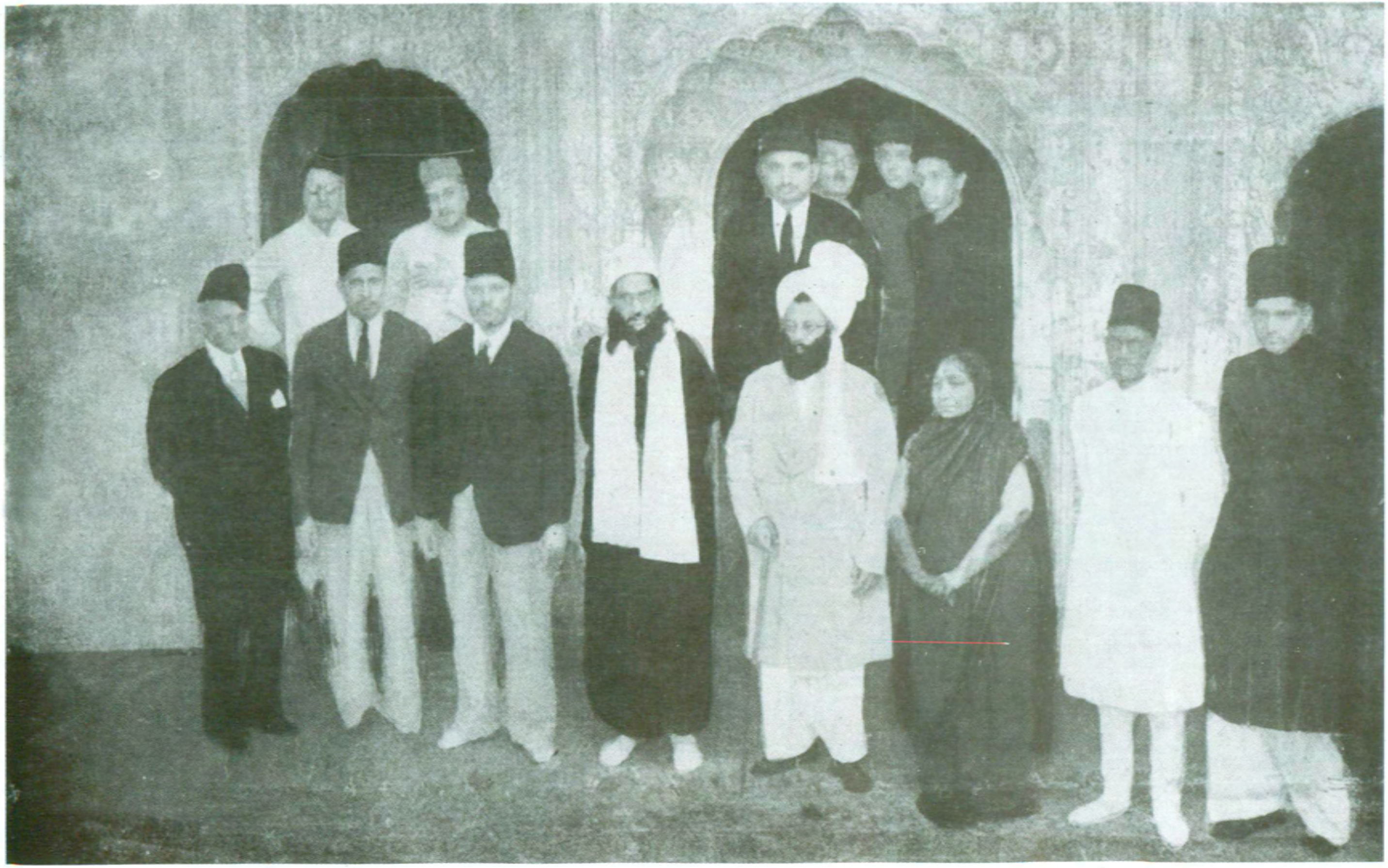

پہلی قطار دائیں سے بائیں ۔۱۔ چوہدری نصیر احمد پرسنل اسسٹنٹ سر ظفر اللہ خان صاحب ۔۲۔ سید اشتیاق احمد چشتی عرف چشتی ناتھ۔
۳۔ مسز سروجنی نائیڈو ۔۴۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۔۵۔ شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی ۔۶۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب۔
۷۔ شیخ اعجاز احمد کمرشل جج ۔۸۔ ڈاکٹر لطیف صاحب۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ایک دعوت ولیمہ میں ''۲۲ دسمبر ۱۹۳۸ء

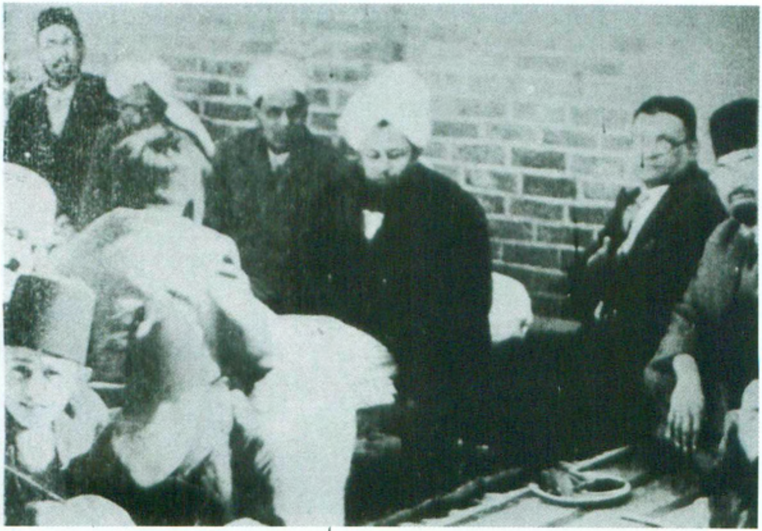

دائیں سے بائیں:۔۱۔۔۔؟ ۲۔ڈاکٹر محمد عمر صاحب لکھنوی۔۳۔سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۔۴۔بابو عبدالمجید صاحب۔۵ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیّر مبلغ انگلستان ونائیجیریا۔۶۔بابو عبدالحمید صاحب ریلوے آڈیٹر محلّہ دارالرحمت شریف منزل قادیان

بیرونی ممالک کے لئے چھ مبلغین کی روانگی (یکم فروری ۱۹۳۶ء)

۸½ بجے حیدر آباد کے مضافاتی ریلوے اسٹیشن بیگم پیٹھ پر رونق افروز ہوئے۔

جماعت احمدیہ حیدر آباد نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی آمد کے سلسلہ میں نہایت وسیع پیمانے پر ریاستی روایات کے تحت شاندار انتظامات حضرت سیٹھ محمد غوث صاحبؓ کے زیر انتظام کئے تھے۔ حضور کے مکتوب موصولہ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کی ہدایات کی روشنی میں اس امر کو پیش نظر رکھا گیا تھا کہ سارے شہر کی سیر ہو جائے جس سے حضور کو حیدر آباد کے تاریخی و اسلامی شہر کی عظمت اور اس کی وسعت کا ایک اندازہ ہو جائے اور اس کے علاوہ حیدر آباد کے علمی اداروں اور تاریخی یادگاروں اور حالیہ صنعتی ترقی کے معاینہ کا بھی موقعہ مل جائے۔ حضور کی اس سیر کا انتظام سیٹھ محمد اعظم صاحب کے سپرد تھا اور حضور کی اس ہدایت پر کہ حضور کے ساتھ جو خواتین تھیں اُن کی سیر کا علیحدہ انتظام کیا جائے اس کے انچارج سیٹھ محمد معین الدین صاحب[1] مقرر کئے گئے تھے۔ حضرت سیٹھ عبداللہ بھائی صاحب کے چھوٹے بھائی خان بہادر احمد الہ دین صاحب المخاطب نواب احمد نواز جنگ بہادر جو اگرچہ سلسلہ بیعت میں شامل نہ تھے لیکن حضور سے بیحد عقیدت رکھتے تھے انہوں نے حضور کے قیام بمبئی کے دوران تحریری طور پر درخواست کی تھی کہ حضور سکندر آباد میں جو حیدر آباد ہی کا ایک حصہ ہے اُن کی کوٹھی پر اُن کے معزز مہمان کے طور پر قیام فرماویں جس کو حضور نے قبول فرما لیا تھا۔

حضور کے ورودِ مسعود کی اطلاع ریاست حیدر آباد کے اضلاع کے احباب کو دے دی گئی تھی اور وہ کثیر تعداد میں حیدر آباد پہنچ گئے تھے۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو جب حضور حیدر آباد کے مضافاتی ریلوے اسٹیشن بیگم پیٹھ پر رونق افروز ہوئے تو وہاں جماعت ہائے احمدیہ کے صرف نمائندہ اصحاب نیز حیدر آباد و سکندر آباد کے بعض اور مخصوص احباب موجود تھے جن میں سے بعض حضور کے خویش و اقارب تھے۔ حضور کے ریل سے اُترتے ہی احمدیہ گروپ نے سلامی دی اور نعرۂ تکبیر سے سارا سٹیشن گونج اُٹھا۔ اس کے بعد مولوی سیّد بشارت احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ حیدر آباد نے حضور کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے اور اسی رنگ میں اظہارِ اخلاص مقامی خواتین نے ان خواتین محترم کے ساتھ کیا جو حضور کی معیت میں تشریف لائی تھیں۔ احباب جماعت پلیٹ فارم پر خطِ مستقیم کی صورت میں استادہ تھے۔ حضور بکمال شفقت و مہربانی ہر ایک سے مصافحہ کرتے گئے۔ ساتھ ساتھ مولوی سیّد بشارت احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ حیدر آباد ہر ایک کا مختصر تعارف بھی کراتے گئے۔ اسٹیشن کا بیرونی احاطہ موٹروں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ علاوہ خدام میں جب حضور سٹیشن سے باہر تشریف لائے تو اس موقعہ کا فوٹو لیا گیا۔ حضور اہلبیت اور کارکنوں کی معیت میں موٹروں میں سوار ہو کر نواب احمد نواز جنگ بہادر کی کوٹھی موسومہ الہ دین بلڈنگ سکندر آباد تشریف لائے جہاں حضور نے چار روز قیام فرمایا۔

---

[1] فرزند حضرت سیٹھ محمد غوث صاحب مرحوم۔

پہلے روز کی مصروفیات

پہلے روز حضور کی مصروفیات میں شہر کی وسعت کا معائنہ[1] اور آپ کی قیامگاہ پر معززین کی ملاقات رہی۔ شام کو حضور نے جناب عبداللہ الہ دین صاحب امیر جماعت احمدیہ سکندر آباد کے تعمیر کردہ احمدیہ جوبلی ہال واقع افضل گنج میں جماعت ہائے احمدیہ سلطنت آصفیہ کے دو سو[۲۰۰] سے زائد احباب جماعت سے ملاقات فرمائی۔ بعد ادائے نماز مغرب و عشاء سید حسین صاحب ذوقی نے نہایت رقت آمیز لہجہ میں ایک سلام (منظوم) حضور کی خدمت میں عرض کیا۔ اس کے بعد حضور نے جماعت کے ساتھ لمبی دعا فرمائی اور مجلس برخاست ہوئی۔ یہاں سے حضور مع خدام جناب سیٹھ محمد غوث صاحب سکرٹری بیت المال کے شہر والے مکان پر دعوتِ طعام میں تشریف لے گئے جہاں اپنے خدام سے عام ملکی حالات پر تبادلۂ خیال فرماتے رہے اور پھر حضور الہ دین بلڈنگ سکندر آباد تشریف لے گئے۔

دوسرے روز کی مصروفیات

دوسرے روز دوپہر تک عام ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ پھر ایک بجے زبدۃ الحکماء حکیم میر سعادت علی صاحب کے مکان چوک اسپان پر تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے گئے۔ اس کے بعد مولوی سید بشارت احمد صاحب کے ہاں "بشارت منزل" پر حضور تشریف لے گئے جہاں جماعت کی جانب سے حضور کی دعوت کا انتظام کیا گیا تھا۔ اور جس میں علاوہ بلدہ کے اضلاع کی جماعتوں کے احباب بھی شریک تھے۔ اثنائے تناولِ طعام میں جناب سید حسین صاحب ذوقی نے نظم "خوش آمدید"[2] سنائی جناب سہرز صاحب ایک حیدر آبادی شاعر نے قطعات مدحیہ عرض کئے جس میں حضور کی اس دعوت میں شرکت کی برجستہ تاریخ حیدر آباد کے سرکاری سال (فصلی) کی برآمد کی۔ مصرع تاریخ ہے :-

"مکانِ بشارت میں محمود مہماں"

۱۳۴۸ فصلی

خطبہ جمعہ و نکاح

دعوتِ طعام کے بعد حضور کا فوٹو عہدہ دارانِ جماعت کے ساتھ لیا گیا۔ جس کے بعد حضور نماز جمعہ کے لئے مکان انجمن موسومہ "احمدیہ لیکچر ہال" واقع بی بی بازار تشریف لے گئے۔

---

[1] ملک صلاح الدین صاحب ایم اے کا بیان ہے کہ الہ دین بلڈنگ میں پہنچنے کے بعد حضور نے دو کاروں میں حیدر آباد دکن کے شہر کا چکر لگایا۔ ہمیشہ وہاں حضور والی کار میں حضرت سید بشارت احمد صاحب وکیل، حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اور حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب اور سیٹھ محمد اعظم صاحب لازماً ساتھ ہوتے تھے۔ شہر کے چکر میں خاکسار اور دیگر بعض احباب دوسری کار میں تھے۔ حضور نے ایک دفعہ رؤیا دیکھی تھی کہ حضور نے اس شہر کا چکر لگایا ہے اور معائنہ کیا ہے اس بناء پر حضور نے یہ چکر لگایا تھا۔

[2] یہ نظم "الحکم" ۷ اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ پر چھپ گئی تھی۔

جہاں ایک ہزار مردوں اور عورتوں کا مجمع تھا۔ احباب جماعت کے علاوہ شہر کے رؤسا، نواب، جاگیر دار و دیگر معززین بصد شوق و اخلاص تشریف لائے۔ حضور نے ایک دل ہلا دینے والا حقائق و معارف سے لبریز خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں صحابۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جاں نثاریوں، قربانیوں کا نقشہ نہایت دلکش و درد انگیز پیرایہ میں کھینچا اور اسی جذبہ کو کامیابی و کامرانی کی کنجی قرار دیا۔ اس کے بعد اپیل کی کہ اب بھی حُبِّ رسولؐ کے جذبہ کی ضرورت ہے۔ اپنے اعمال کو ہمیشہ دیکھ لیا کرو کہ آیا وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق ہیں یا نہیں۔ کچھ اس انداز میں یہ خطبہ ارشاد ہوا کہ سامعین بے تاب ہو گئے اور بعض کی چیخیں نکل گئیں۔ اور وہ زار و قطار رونے لگے۔ نماز جمعہ و عصر جمع کرائی گئیں۔ اس کے بعد حضور نے تین اصحاب کے نکاحوں کا ایک مشترکہ خطبہ پڑھا جس میں پھر خطبہ جمعہ کے خیالات کا عکس جلوہ گر ہوا۔ آپ نے تبلیغ کے متعلق اس قدر پُراثر پیرایہ میں سامعین کو مخاطب فرمایا کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں ہو سکتا۔ آپ نے گمراہ مخلوق کو خدا تعالیٰ کے گمشدہ بچے قرار دیا اور فرمایا کہ یہ واقعہ مجھے سب سے بڑھ کر متاثر کرتا ہے جب مَیں سُنتا ہوں کہ کسی کا بچہ گم ہو گیا۔ اگر کسی کا بچہ فوت ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ اُسے چند دن کے بعد صبر آجائے۔ لیکن بچہ گم ہو جانے کا واقعہ اس قدر دردناک ہوتا ہے کہ ہمیشہ تازہ رہتا ہے۔ یہ خیالات سامنے ہوتے ہیں کہ نہ معلوم وہ کس بیدرد کے ہاتھ لگ گیا۔ معلوم نہیں وہ کس درجہ مصیبت و آفت میں مبتلا ہو گا۔ شاید وہ مار کھا رہا ہو یا بیمار ہو۔ اس کی بیکسی پر کسی دم نہ ماں کو چین آتا ہے نہ باپ کو۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے بڑھ کر قلق خدا تعالیٰ کو اپنے بچھڑے ہوئے بندوں کے متعلق ہوتا ہے جب گمشدہ بچہ ماں باپ کو مل جاتا ہے تو اُن کی خوشی کا کیا کہنا۔ اس سے بہت بڑھ کر خوشی خدا تعالیٰ کو ہوتی ہے جب اُس کا ایک بندہ اُس سے آکر ملتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم خدا سے ملنے کا ذریعہ ہے۔ جو اس تعلیم سے آگاہ وہ خدا سے ملا۔ پس تم اُٹھو، بیدار ہو، کوشش کرو کہ خدا کی بھٹکی ہوئی مخلوق کو اُس کے آستانہ پر لا ڈالو اور خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کے وارث ہو۔

اس خطبہ کے آخر میں حضور نے تحریک فرمائی کہ احباب جماعت ایک ایک ماہ کے لئے اپنے اوقات وقف کریں اور یہ واقفین ریاست کے مختلف اضلاع میں پہنچیں اور حضور کے خطبہ کی روشنی میں تبلیغ کریں اور سب سے زیادہ زور اتحاد بین المسلمین پر دیں۔

اس اثر انگیز خطبہ کے دوران ہر شخص نے جان لیا کہ یہی نصب العین اس کے لمحاتِ زندگی کا بہترین سرمایہ ہے جن غیر احمدی اکابر نے ان خطبات کو سُنا وُہ بیساختہ کہہ اُٹھے کہ ہمیں بڑا مغالطہ تھا۔ احمدیوں کی زبان سوائے آنحضرتؐ

صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے کسی اَور کا گُن گاتی ہی نہیں۔ ہم باور نہ کریں گے کہ یہ جماعت اسلام سے ہٹی ہوئی ہے۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عین اسلام ہے۔ اِن باتوں کا چرچا وہ اپنے اَور دوست احباب سے بھی کرنے لگے۔ اور ایک عام خوشگوار رَدِّعمل پڑی۔

حضور نے خطبہ نکاح کے بعد درجن سے زائد زیرِ تبلیغ اصحاب کی بیعت لی۔ ان کے علاوہ اس بیعت میں وہ اصحاب بھی شامل ہوئے جنہیں حضور کے ہاتھ پر بیعت کا شرف اب تک حاصل نہیں ہوا تھا۔ احمدیہ ہال رنگارنگ کی جھنڈیوں سے مُزیّن تھا اور ایک سُرخ رنگ کے کپڑے پر " اَے آمدنت باعثِ آبادیٔ ما " و " اَھْلاً وَّسَھْلاً وَّ مَرْحبًا " کے الفاظ لکھے تھے۔

نواب اکبر یار جنگ بہادر کی طرف سے عصرانہ

یہاں سے فارغ ہونے کے بعد نواب اکبر یار جنگ بہادر کی بیرونِ شہر کوٹھی واقع عنبر پیٹھ پر حضور تشریف لے گئے جہاں حضور کے اعزاز میں نہایت وسیع پیمانہ پہ پُرتکلّف عصرانہ دیا گیا اور شب میں دعوتِ طعام بھی تھی۔ احمدیہ لیکچر ہال سے حضور کے تشریف لے جانے کے بعد اسی مقام پر ایک اور عصرانہ کا انتظام تھا۔ جس میں جُملہ احمدی مستورات نے حضور کے اہلِ بیت کا پُرخلوص خیر مقدم کیا۔ جناب حکیم میر سعادت علی صاحب کی اہلیہ صاحبہ نے ایک مدحیہ نظم سُنائی جسے فریم میں مزیّن کرکے پیش کیا گیا۔

عمائدینِ حیدرآباد کا اجتماع

نواب اکبر یار جنگ بہادر کی طرف سے دی گئی دعوت میں عمائدینِ سلطنت و عہدہ دارانِ ذی شان و امراء جاگیرداران و دیگر معززین و وکلائے ہائیکورٹ وغیرہ کی کثیر تعداد مدعو تھی جن میں قابلِ ذکر یہ ہیں :-

(۱) سریمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد بہادر (۲) نواب فخر یار جنگ بہادر صدرالمہام فنانس (۳) نواب کاظم یار جنگ بہادر چیف سکرٹری پیشی اعلیحضرت حضور نظام (۴) نواب رحمت یار جنگ بہادر کمشنر پولیس۔ (۵) نواب صمد یار جنگ بہادر معتمد فوج[۱] (۶) نواب عسکر نواز جنگ بہادر معتمد و مشیر قانونی سرکار عالی۔ (۷) رائے بہادر بشیشر ناتھ صاحب جج ہائیکورٹ (۸) نواب ناظر یار جنگ بہادر جج ہائیکورٹ (۹) دیوان بہادر کشتماچاری سابق مشیرِ قانونی (۱۰) نواب بہادر یار جنگ بہادر صدر مجلس اتحادالمسلمین (۱۱) نواب دوست محمد خاں صاحب جاگیردار (۱۲) مولوی سید ابوالحسن صاحب قیصر مددگار صدارت العالیہ (۱۳) سیّد سراج الحسن صاحب ترمذی وکیل ہائیکورٹ (۱۴) مولوی ابوالحسن سید علی صاحب معتمد مجلس اتحادالمسلمین (۱۵)

[۱] مشہور جنرل اعظم خاں (پاکستان)۔

محمد یامین صاحب زبیری ایڈووکیٹ (۱۶) اکبر علی صاحب اخبار صحیفہ دکن وغیرہم۔

ان اصحاب سے ہندوستان کے سیاسی و معاشی و زرعی مسائل پر حضور کی گفتگو ہوتی رہی۔ ہر مسئلہ پر حضور کی وسیع معلومات، اصابت رائے، انوکھے طرز استدلال و برمحل لطائف و ظرائف سے حاضرین مجلس ششدر و حیران ہوئے۔ کئی گھنٹوں کی مصروفیت کے بعد مجلس برخاست ہوئی اور حضور اپنی فرودگاہ کو تشریف لے جاتے ہوئے سیٹھ محمد غوث صاحب کی بیرون شہر کی کوٹھی پر تشریف لے گئے اور وہاں سے چائے نوشی کے بعد گیارہ بجے شب واپس الٰہ دین بلڈنگ پہنچے۔

تیسرے روز کی مصروفیات

تیسرے روز حضور نے اپنے رشتہ داروں میں اپنا کافی وقت صرف فرمایا۔ حیدر آباد و سکندر آباد کے اطراف و جوانب کے مقامات ملاحظہ فرمائے۔ حضور نے حیدر آباد کے صنعتی علاقے اور عثمانیہ یونیورسٹی کی زیر تعمیر عمارات بھی دیکھیں۔

اس کے بعد حضور اپنے عزیزان مرزا حسین احمد بیگ صاحب اور نواب مرزا مقصود احمد خاں صاحب کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپسی پر حضور سیٹھ مومن حسین صاحب سکرٹری امور خارجہ کے مکان واقع سعید آباد پر چند منٹ ٹھہرے۔ یہاں سے حضور نواب اکبر یار جنگ بہادر کی کوٹھی پر تشریف لائے۔ حضور نے سیٹھ محمد اعظم صاحب کو ارشاد فرمایا تھا کہ وہ نواب رحمت یار جنگ بہادر کمشنر پولیس سے حضور کی ملاقات کا انتظام کریں چنانچہ سیٹھ صاحب موصوف نے اس ملاقات کا انتظام کیا تھا اور نواب رحمت یار جنگ بہادر نواب اکبر یار جنگ بہادر کی کوٹھی پر آکر حضور سے ملے۔ حضور نے اُن سے ریاست کے حالات سے واقفیت حاصل کی اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے مسائل پر تخلیہ میں اُن سے گفتگو فرمائی اور مشورے دیئے۔ دوپہر کا کھانا جناب مکرم فدا حسین خاں صاحب شاہجہان پوری کی انور منزل واقع کاچی گوڑہ پر تناول فرمایا۔ جہاں بہت سے معززین اور تمام اقرباء حضور مدعو تھے۔ اختتام طعام کے بعد مولوی غلام یزدانی صاحب ناظم آثار قدیمہ و جناب مرزا مقصود احمد خاں صاحب و نواب اکبر یار جنگ بہادر و مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب انسپکٹر جنرل عدالتہائے حکومت نظام سے حضور مصروف گفتگو رہے۔ طبقات الارض، خواص زرعی، نسلوں کے ارتقاء، شاعری کے حسن و قبح وغیرہ پر نقادانہ بحث رہی۔ اس کے بعد حضور نے فدا حسین خاں صاحب کے ایک اَور مکان دارالارشاد کو ملاحظہ فرمایا۔ جس کو صاحب موصوف سلسلہ کے لئے وقف کر چکے تھے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کی طرف سے دعوت

حضور چار بجے چائے نوشی کے لئے ملک کے ممتاز

ادیب جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب انسپکٹر جنرل عدالت ہائے حکومت نظام کے ہاں تشریف لے گئے حضرت امیر المومنینؓ کی طرف سے حضور کے رشتہ میں بعض ماموں حیدر آباد میں معزز عہدوں پر فائز تھے مثلاً مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب مرحوم جو اس وقت انسپکٹر جنرل عدالتہائے حکومت نظام تھے اور بعد میں وہ جج ہائیکورٹ ہو کر پنشن یاب ہوئے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نثر نگار ہونے کے علاوہ اعلیٰ شاعر بھی تھے۔ ان کے ہاں دعوت کے موقعہ پر انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنی ایک نعت خود خوش الحانی سے سنائی۔ اس کے بعد حضور کے ارشاد پر عطا محمد صاحب (پہریدار) خادم نے حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کی مشہور نعت " عَلَيْكَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكَ السَّلَامُ " خوش الحانی سے سنائی۔[۱]

چوتھے روز کی مصروفیات

چوتھے روز علی الصبح بعد نماز فجر قبل ناشتہ آپ مع متعلقین وخدام تاریخی مقامات کے معائنہ کے لئے روانہ ہوئے۔ قلعہ گولکنڈہ[۲] وشاہان قطب شاہی کے مقبرے ملاحظہ فرمائے۔ سلطان قلی قطب شاہ کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ اس کے بعد حضور بالا حصار (قلعہ کی انتہائی بلندی) پر چڑھ گئے۔ اور موجود الوقت خدام کے ساتھ لمبی دُعا کی۔ قلعہ کے محل وقوع، مضبوطی و برمحل موزوں فوجی ضروریات کا اس کی تعمیر میں جو لحاظ رکھا گیا ہے اس کے معائنہ سے حضور بہت متاثر ہوئے۔ اِس معائنہ سے فارغ ہو کر حضور عثمان ساگر تشریف لے گئے جو شہر حیدر آباد سے گیارہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں حضور کے میزبان جناب خان بہادر احمد الہ دین المخاطب نواب احمد نواز صاحب او۔بی۔ای کی جانب سے ضیافت کا اعلیٰ پیمانہ پر اہتمام تھا۔ بعد معائنہ تالاب آپ اپنی قیامگاہ پر تشریف لائے جہاں احباب بکثرت ملاقات کے منتظر تھے۔ ملاقاتوں سے فارغ ہو کر آپ نے مدرسہ آصفیہ ملک پیٹھ کا معائنہ فرمایا جس کے بانی نواب ممتاز یار الدولہ بہادر ہیں۔ ایک مرتبہ قادیان شریف بھی تشریف لے گئے تھے۔ حضور نے مدرسہ کی عمارات اور اس کے محل وقوع وطالب علموں کی آسائش کے انتظامات ملاحظہ فرما کر انتہائی پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور مدرسہ کی وزیٹرز بک میں تعریفی کلمات بھی تحریر فرمائے۔ دوپہر کے وقت والدہ نواب منظور جنگ بہادر کی دعوتِ طعام سے فراغت حاصل کر کے واپس ہوئے۔

---

[۱] مکتوب محررہ ۱۵ر جولائی ۱۹۶۷ء

[۲] ملک صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ " وہاں قلعہ گولکنڈہ وغیرہ کے دیکھنے کے وقت اور ایک تالاب کے پاس تفریح کے وقت بلکہ ایسے تمام مواقع پر ہم ساتھ ہوتے تھے۔ قلعہ گولکنڈہ کی سیر کے موقعہ پر مکرم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب وکیل یادگیر جو مدرسہ احمدیہ کے تعلیم یافتہ تھے گلے میں پانی کی چھاگل لئے ہر وقت خدمت کے لئے ساتھ ہوتے تھے"۔

زنانہ میں بعض خواتین کی حضور نے بیعت لی۔ پھر خان بہادر جناب احمد الٰہ دین صاحب او۔بی۔ای کا کارخانہ برف سازی اور اس کی مشینری کو ملاحظہ فرمایا۔ اس کے بعد بعض حاضر الوقت خدام کی معیّت میں حضور کا فوٹو لیا گیا۔ بعد نماز مغرب حضور عازم اسٹیشن ناپیلی (حیدر آباد) ہوئے۔

واپسی

بوقت روانگی اسٹیشن ناپیلی (حیدر آباد) پر جماعت حیدر آباد، سکندر آباد و اضلاع کے کثیر احباب موجود تھے۔ بعض دوست ریاست میسور سے بھی حیدر آباد پہنچ گئے تھے۔ ان کے علاوہ غیر از جماعت مسلمانوں کا خاصہ مجمع بھی جوش و خروش کے ساتھ حضور کی ملاقات کے لئے بیتاب تھا۔ مصافحہ کے لئے ایک پر ایک سبقت کر رہا تھا۔ جب مجمع بے قابو ہونے کے درجہ تک پہنچنے لگا تو مولوی سید بشارت احمد صاحب کی درخواست پر حضور نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور دیر تک مصروفِ دُعا رہے۔ اس کے بعد جناب اعظم علی خاں صاحب وکیل و معتمد انجمن اتحاد المسلمین ضلع پربھنی نے جنہوں نے حضور کے اسٹیشن میں داخلہ کے وقت مسلمانانِ حیدر آباد کی جانب سے حضور کو پھولوں کے ہار زیبِ گلو کئے تھے خواہش کی کہ حضور اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے مسلمانانِ حیدر آباد کے نام کوئی پیغام دیں۔

حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا پیغام مسلمانانِ حیدر آباد دکن کے نام

اس پر حضور نے ناپیلی سٹیشن (حیدر آباد) پر ایک اہم پیغام دیا جو حیدر آباد دکن کے تمام روزناموں میں بھی چھپ گیا تھا۔ اخبار "رہبر" دکن ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۸ء نے اس کا متن درج ذیل الفاظ میں شائع کیا:

حضور نے فرمایا:-

"مَیں آج اس بلدہ سے جا رہا ہوں۔ ایک صاحب نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ مَیں اس موقعہ پر کوئی پیغام مسلمانانِ حیدر آباد کے نام دوں۔ اس مختصر سے وقت میں مَیں ایک ضروری بات کی طرف تمام احباب کو توجہ دلاتا ہوں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت ایسی ہے، جیسے بتّیس دانتوں میں زبان ہوتی ہے۔ اس جگہ کی حالت مَیں نے خود کسی قدر دیکھی ہے اور بہت سے لوگوں کی زبان سے سُنا ہے جس سے مَیں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ کام جو ہمارے آباؤ اجداد نے اشاعتِ اسلام کے بارہ میں کیا تھا، آج مسلمان اس سے غافل ہیں بلکہ اختلافات کا شکار ہو رہے ہیں۔ آج مسلمان قلت میں ہیں۔ اُن کے پاس اسباب نہایت محدود ہیں۔ اور اُن کا مقابلہ اُن لوگوں سے ہے جو بہت بڑی اکثریت رکھتے ہیں اور جن کی تنظیم نہایت اچھی ہے۔ اگر ان حالات میں بھی مسلمان یک جہتی سے کھڑے نہ ہوئے تو قریب زمانہ میں ان کی تباہی کے

آثار نظر آتے ہیں۔ اس لئے اپنی جماعت سے بھی اور دوسرے فرقہ والے دوستوں سے بھی مَیں یہ چاہتا ہوں کہ وہ اِن حالات میں اتحاد و اتفاق کی قیمت کو سمجھیں اور اختلافات کو اپنی تباہی کا ذریعہ نہ بنائیں۔

مَیں دیکھتا ہوں کہ مسلمان ایسے حالات میں سے گذر رہے ہیں جن میں جانور بھی اکٹھے ہو جاتے ہیں اور لڑائی جھگڑے چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ چڑیاں آپس میں لڑتی ہیں۔ لیکن جب کوئی بچہ انہیں پکڑنا چاہتا ہے تو لڑائی چھوڑ کر الگ الگ اُڑ جاتی ہیں۔ اگر چڑیاں خطرہ کی صورت میں اختلاف کو بھول جاتی ہیں تو کیا انسان اشرف المخلوقات ہو کر خطرات کے وقت اپنے تفرقہ و اختلاف کو نظرانداز نہیں کر سکتا؟ مجھے افسوس ہے کہ مسلمانوں میں موجودہ وقت میں یہ احساس بہت کم پایا جاتا ہے۔

اسلام جس کی عظمت کو اس کے دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں اور جس کی تعلیم کے ارفع و اعلےٰ ہونے کو مخالف بھی مانتے ہیں اس کی اشاعت و نصرت سے مُونہہ پھیر کر ذاتی اختلافات میں وقت ضائع کرنا کوئی دانشمندی نہیں ہے۔ موجودہ خطرات اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ مسلمان باہمی اختلاف کو ایسا رنگ دیں جس سے اسلام کے غلبہ اور اس کی ترقی میں روک پیدا ہو۔ سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ پرچمِ اسلام کو بلند رکھنے کے لئے ہر قسم کی قربانی کریں۔ جنوبی ہند میں ہمارے بزرگوں نے اسلام کی شوکت کو قائم کیا۔ اس زمانہ میں ہمارا فرض ہے کہ اس عظمت کو دوبارہ قائم کریں اور اس کے لئے تمام مسلمانوں کی متحدہ کوشش نہایت ضروری ہے۔

پس اس موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مَیں تحریک کرتا ہوں کہ **ہندوستان کے جنوب میں مرکزِ اسلام** کی حفاظت کیلئے جملہ مسلمان مِل کر کوشش کریں۔ اللہ تعالےٰ اُن کے ساتھ ہو۔"[1]

حضور انور کا یہ پیغام عام طور پر گہری دلچسپی سے پڑھا گیا۔ حیدرآبادی مسلمانوں کی ایک سیاسی انجمن کے رُوحِ رواں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ مسلمانوں کی آج کی مصیبت میں اگر کوئی کام دے سکتے ہیں تو وہ احمدی ہیں جو امام جماعت احمدیہ کے تحت پورے منظم اور حالات سے باخبر ہیں۔ اس پیغام کے بعد ریل نے سیٹی دی۔ حضورؓ "اللہ اکبر" و "امیر المؤمنین زندہ باد" کے فلک بوس نعروں میں براستہ بلہارشاہ آگرہ کے لئے روانہ ہوئے۔ بعض احباب دُور ایک جنکشن قاضی پیٹھ تک الوداع کہنے کے لئے آئے تھے۔ جہاں حضور نے نماز مغرب و عشاء جمع کروا کر پڑھائیں۔

---

[1] "الفضل" ۱۰ر نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۷۔

خصوصی خدمت بجالانے والے مخلص دورانِ قیام میں حضور کے ہمراہ مولوی سید بشارت احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ حیدرآباد، سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب امیر جماعت احمدیہ سکندرآباد، حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی، شیخ محمود احمد صاحب عرفانی، سیٹھ محمد اعظم صاحب، سیٹھ معین الدین صاحب نیز مختلف مواقع پر دیگر خدام میں سے سیٹھ محمد غوث صاحب سکرٹری بیت المال، نواب اکبر یار جنگ بہادر، مولوی فضل حق خاں صاحب ناظم عدالت ضلع، نواب غلام احمد خاں صاحب وکیل ہائیکورٹ، عبدالقادر صاحب صدیقی سکرٹری دعوة و تبلیغ، مولوی حیدر علی صاحب سکرٹری تالیف و تصنیف، مولوی محمد لقمان صاحب اور جناب حکیم میر سعادت علی صاحب بھی ساتھ رہے۔

خدام الاحمدیہ کے رضاکار حضور کے استقبال و انتظامات آمدورفت کے لئے خدام الاحمدیہ کے رضاکاروں کا انتظام زیر نگرانی مولوی محمد لقمان صاحب (حال لائل پور) کیا گیا تھا۔ ان خدام کے ذمہ یہ بھی ڈیوٹی تھی کہ شب و روز حضور کی قیامگاہ پر باری باری پہرہ دیں۔ ڈاکٹر میر احمد سعید صاحب سالار احمدیہ کور نے باوردی حضور کے باڈی گارڈ کے فرائض انجام دیئے۔ ابو حامد صاحب ان کے مددگار تھے [1] جیسا کہ پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے۔

ریاست حیدرآباد کی ایک اہم خصوصیت ریاست حیدرآباد کو ایک یہ خصوصیت حاصل ہے کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے کئی ایک رشتہ دار دہلی اور لوہارو سے ہجرت کر کے وہاں آباد ہو گئے ہیں اور جہاں وہ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہیں۔ ان میں سے مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب (انسپکٹر جنرل عدالتہائے حکومت حیدرآباد) نواب منظور جنگ بہادر (کلکٹر) **نواب مرزا مقصود احمد خاں صاحب** (گورنمنٹ کنٹریکٹر) مرزا منصور احمد خاں صاحب۔ مرزا حسین احمد بیگ صاحب جج ہائیکورٹ، مرزا سلیم بیگ صاحب، مرزا رفیق بیگ صاحب اور فدا حسین خاں صاحب سے ملاقات کے لئے حضور اُن کے مکانوں پر تشریف لے گئے۔ اور ان سب لوگوں نے حضور کے اعزاز میں پُرتکلف دعوتیں دیں۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر غلام یزدانی صاحب ناظم آثار قدیمہ جو بین الاقوامی شہرت رکھتے تھے۔ اور مرزا نصیر احمد بیگ صاحب بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے تھے۔ ان میں سے سوائے فدا حسین خاں صاحب کے دوسرے تمام اصحاب جماعت احمدیہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔

حضور کا پروگرام حیدرآباد میں تین دن ٹھہرنے کا تھا۔ چنانچہ تیسرے دن شام کی ٹرین سے روانگی کیلئے سیٹھوں

---

[1] "الفضل" ۲۹ نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۶ تا ۸ و اور سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدرآبادی کی یادداشتوں سے ماخوذ۔

کی ریزرویشن ہو چکی تھی اس لئے مرزا سلیم بیگ صاحب کی دعوت کے لئے کوئی وقت نہ تھا۔ اس پر مرزا سلیم بیگ صاحب نے حضور سے عرض کیا کہ بزرگوں سے سُنا تھا کہ آپ ہمارے رشتہ دار ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر آپ کو اپنے ایک عزیز کی دعوت قبول کرنا ہو گی خواہ اس کے لئے ایک دن اَور قیام کرنا پڑے۔ اس پر حضور نے نہایت خوشی سے اپنے قیام کی مدت میں ایک دن کا اضافہ کر کے اور ریزرویشن منسوخ کروا کر مرزا سلیم بیگ صاحب کی دعوت کو منظور فرمایا۔ اس طرح حضور نے اپنے ننھیالی رشتہ داروں کے جذبات و احساسات کا خاص خیال رکھا اور دوسروں کے لئے نمونہ قائم فرمایا۔

حضور نے حیدر آباد کے قیام کے دوران میں حیدر آباد کی تہذیب و تمدن، وہاں کے لوگوں کے اخلاق، شائستگی، مہمان نوازی اور رواداری، اُن کے لباس، رہن سہن، نفاست و صفائی اور شہر حیدر آباد کی عمارتوں کی خوبصورتی کی جو اسلامی فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے، بڑی تعریف فرمائی۔ ۱۶؍ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو جمعہ کا دن تھا۔ اس دن نماز جمعہ کے وقت حضور شہر کی مرکزی مسجد (مکہ مسجد) کے آگے سے گذرے اور وہاں سینکڑوں موٹر کاروں کو کھڑے دیکھ کر اور یہ معلوم کر کے کہ یہ ان لوگوں کی کاریں ہیں جو نماز جمعہ ادا کرنے آئے ہیں بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ اُمراء اور صاحبِ حیثیت لوگوں میں نماز جمعہ کی ادائیگی کا یہ شوق بہت قابلِ تعریف ہے۔

حیدر آباد سے آگرہ تک

حیدر آباد سے رخصت ہو کر حضرت امیر المومنینؓ آگرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے کا بیان ہے کہ آگرہ سے ایک دو سٹیشن قبل حضور نے فرمایا کہ چونکہ تاج محل کو چاندنی میں دیکھنا ہی اصل دیکھنا ہوتا ہے اس لئے بہت جلد ٹیکسی کا انتظام کرنا چاہیئے۔ چنانچہ وہاں اُترتے ہی خاکسار نے انتظام کر دیا۔ حضور مع خاندان تاج محل کو تشریف لے گئے اور خاکسار ایک ہوٹل میں سامان لے گیا اور حضور کے ارشاد کے مطابق کھانے کا آرڈر دیا اور پھر تاج محل پہنچ گیا۔ پھر وہاں سے حضور قلعہ دیکھنے تشریف لے گئے۔ وہاں اتفاقاً بشیر احمد صاحب سکھروی (جو وہاں کاروبار کرتے تھے اور قادیان میں تعلیم پائی تھی) اور حضرت بابو اکبر علی صاحب انسپکٹر ورکس (والد کرنل ڈاکٹر عطاء اللہ صاحب) کو علم ہو گیا اور وہ اور مکرم سیٹھ اللہ جوایا صاحب آگرہ (جو آجکل ملتان میں مہاجر ہیں) قلعہ میں آ گئے اور قلعہ کے دیکھنے تک ساتھ رہے۔ پھر ہوٹل سے کھانا لیا اور حضور مع تمام قافلہ فتح پور سیکری ٹیکسیوں پر گئے۔ اور ایک مسلمان بھی ساتھ لیا جو اس دوران میں ان لوگوں کے معمول کے مطابق ہر طرح کے قصے بیان کرتا رہا۔ وہاں دیوانِ خاص وغیرہ کی عمارت کے اُوپر ہی کھانا کھایا گیا۔ حضور نے حضرت سلیم چشتیؒ کے مزار پر دُعا فرمائی اور مزار سے باہر نکل کر حضور کے فرمان پر اُن مجاوروں کو چند روپے خاکسار نے دیئے۔ وہاں سے فارغ ہو کر حضور ہوٹل میں تشریف لائے ظہر و عصر

کی نمازیں پڑھائیں جس میں مقامی احباب بھی شامل ہوئے اور ایک یا دو احباب نے بیعتیں بھی کیں۔ مجھے ارشاد فرمایا کہ پہلے جاکر حضور اور حضور کے خاندان کے لئے سیکنڈ کلاس میں سیٹیں دہلی کے لئے ریزرو کرالوں۔ اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر نے جو مسلمان تھا وعدہ کیا اور گاڑی آنے پر حضور کے حسب منشاء انتظام کر دیا۔"[1]

دھلی میں آمد

حضرت امیرالمومنینؓ آگرہ سے روانہ ہو کر ۲۵؍ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو بوقت ۸½ بجے شب دھلی تشریف لائے۔ جماعت احمدیہ دھلی و شملہ نے نئی دہلی کے اسٹیشن پر حضور پُرنور کا استقبال کیا۔ حضور نے گاڑی سے اُتر کر تمام احباب کو جو ایک لمبی قطار میں کھڑے تھے، شرف مصافحہ بخشا اور پھر آنریبل چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کی معیت میں ڈاکٹر ایس۔ اے لطیف صاحب کی کوٹھی پر تشریف لے گئے جہاں ڈاکٹر صاحب موصوف نے حضور پُرنور کی دعوت طعام کا انتظام کر رکھا تھا۔ اس دعوت میں پچاس کے قریب غیر احمدی معززین شہر اور اتنی تعداد میں احمدی بھی مدعو تھے۔ یہاں حضور نے نواح دھلی کے سرسیوڑ گاؤں کے پچیس آدمیوں کی (معہ اہل و عیال) بیعت لی۔[2] حضور نے اس موقعہ پر بیعت کرنے والوں کو نماز سمجھ کر ادا کرنے کی تاکید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جھوٹ کسی حالت میں بھی نہیں بولنا چاہیئے۔ یہ خطرناک بیماری ہے۔ بعد ازاں حضور اپنے قیام کے لئے آنریبل چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی کوٹھی پر تشریف لے گئے۔[3]

۲۸؍ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو حضور نے نماز جمعہ پڑھائی۔ اسی روز شام کو خواجہ حسن نظامی صاحب کے ہاں دعوت

---

[1] مکتوب محررہ ۱۵؍ جولائی ۱۹۶۷ء

[2] نذیر احمد صاحب ہومیو گنگا پور چک ۵۹۱ اپنے مکتوب مؤرخہ ۴؍ جنوری ۱۹۵۸ء میں لکھتے ہیں:۔ "خاکسار موضع سرسیوڑ صوبہ دہلی کا مہاجر ہے اور میں نے ۱۹۳۴ء میں بیعت کی تھی۔ اسی وقت سے مخالفت شروع ہو گئی اور میرے گھر والوں نے بغیر کسی پیسہ روپیہ دیئے گھر سے الگ کر دیا تھا۔ خاکسار نے مزدوری یا پھیری وغیرہ کر کے اپنا گذارہ کیا اور گھر والوں کو تبلیغ کرتا رہا۔ چار سال کی قربانی اور دعاؤں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے گھر والوں کے دلوں میں احمدیت کی سچائی ظاہر کر دی۔ اور جس وقت حضور دہلی آئے ۔ ۱۹۳۸ء . . . . کے موقع پر میرے والد صاحب اور میرے بھائیوں نے اور بھائیوں کی بیویوں اور رشتہ داروں نے حضور کے ہاتھ پر دہلی پہنچ کر ڈاکٹر عبداللطیف صاحب کی کوٹھی میں بیعت کرنے کی اللہ تعالیٰ سے توفیق پائی ۔ اس وقت حضور کھانا کھا چکے تھے۔ مگر اس وقت تک کھانے کے برتن اُٹھائے نہیں تھے۔ دہلی کے بڑے بڑے امراء اور عہدیدار دعوت میں شامل تھے اور سب کی موجودگی میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے بیعت لی تھی"

[3] "الفضل" ۳۰؍ اکتوبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۲ ؎

ہوئی اور درگاہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے قریب مسجد نواب خاں دوراں میں حضور کا ایک گروپ فوٹو بھی کھینچا گیا جس میں حضور کے ہمراہ چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب، شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی، مسز سروجنی نیڈو وغیرہ عمائد معززین موجود تھے۔

خواجہ حسن نظامی صاحب کے بعد خان بہادر اکبر علی صاحب کے ہاں دعوت تھی جس میں بہت سے معززین شہر مدعو تھے۔

حضور کی ان ملاقاتوں کا دہلی کے معززین پر خاص اثر ہوا۔ اور کئی لوگ سلسلہ احمدیہ میں بھی داخل ہوئے۔[1]

دہلی سے روانگی

۲۸ اکتوبر ۱۹۳۸ء کی شب کو حضور فرنٹیر میل سے روانہ ہوئے۔ اسٹیشن پر الوداع کہنے کے لئے چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب، خان بہادر محمد سلیمان صاحب، خان صاحب ایس۔ سی حسنین، شیخ رحمت اللہ صاحب انجنیئر، جناب جوش ملیح آبادی، خان بہادر کے۔ ایم حسن، شیخ اعجاز احمد صاحب سب جج، چودھری بشیر احمد صاحب سب جج، چودھری نصیر احمد صاحب بی اے ایل ایل بی، ڈاکٹر ایس۔ اے لطیف صاحب اور احباب جماعت دہلی و شملہ حاضر تھے۔[2]

قادیان میں تشریف آوری

حضرت امیرالمومنینؓ دہلی سے روانہ ہو کر اگلے روز ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو مع خدام بخیریت دارالامان تشریف لائے۔[3]

تبلیغی نقطۂ نگاہ سے سفر کے تاثرات

یہ سفر دورِ خلافتِ ثانیہ کے ان تمام مشہور اور کامیاب سفروں میں نمایاں اور منفرد شان رکھتا ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت کے دوران اندرونِ مُلک میں اختیار کئے۔ اور جن کے دائمی نقوش تبلیغی اور علمی دونوں اعتبار سے حضور کے قلب و دماغ پر زندگی بھر قائم رہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے تبلیغی نقطۂ نگاہ سے سفر حیدرآباد و دہلی کی نسبت حسب ذیل تاثرات کا اظہار فرمایا:۔

"میرے دل پر ان گالیوں کی وجہ سے ایک ناخوشگوار اثر تھا جو احرار ایجی ٹیشن کی وجہ سے ہمیں ملتی رہی ہیں اور اب بھی مل رہی ہیں۔ کیونکہ گالیاں فتح اور شکست سے تعلق نہیں رکھتیں۔ بلکہ گرا ہوا آدمی زیادہ گالیاں دیا کرتا ہے۔ بہرحال میری طبیعت پر یہ اثر تھا کہ مسلمانوں نے اِس موقعہ پر ہمارے

---

[1] "الفضل" یکم نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۲۔ [2] ایضاً

[3] ایضاً

ساتھ اچھا معاملہ نہیں کیا اور مجھے اُن کی طرف سے رنج تھا۔ شاید میرا گذشتہ سفر اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ماتحت اسی غرض کے لئے تھا کہ تا میری طبیعت پر جو اثر ہے وہ دُور ہو جائے۔ مَیں نے اس سفر میں یہ اندازہ لگایا ہے کہ میرا وہ اثر کہ مسلمان شرفاء بھی اس گند میں مبتلا ہیں اس حد تک صحیح نہیں جس حد تک میرے دل پر اثر تھا۔ مجھے اس سفر میں مُلک کا ایک لمبا دَورہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ پہلے مَیں سندھ گیا۔ وہاں سے بمبئی گیا۔ بمبئی سے حیدر آباد چلا گیا اور پھر حیدر آباد سے واپسی پر دہلی سے ہوتے ہوئے قادیان آگیا۔ اس طرح گویا نصف مُلک کا دَورہ ہو جاتا ہے۔ اس سفر کے دوران میں شرفاء کے طبقہ کے اندر مَیں نے جو بات دیکھی ہے۔ اُس سے جو میرے دل میں مسلمانوں کے متعلق رنج تھا وہ بہت کچھ دُور ہو گیا ہے۔ اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ شریف طبقہ اب بھی وہی شرافت رکھتا ہے جو شرافت وہ پہلے رکھا کرتا تھا اور ان خیالات سے جو احرار نے پیدا کرنے چاہے تھے وہ متاثر نہیں بلکہ اُن کی گالیوں کی وجہ سے وہ ہم سے بہت کچھ ہمدردی رکھتا ہے۔ اگر مجھے یہ سفر پیش نہ آتا تو شاید یہ اثر دیر تک میرے دل پر رہتا۔ اور مَیں سمجھتا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے مجھے اس سفر کا موقع دیا اور وہ اثر جو میرے دل پر تھا کہ اتنے گند میں مسلمانوں کا شریف طبقہ کس طرح شامل ہو گیا وہ اِس سفر کی وجہ سے دُور ہو گیا۔ حیدر آباد میں مَیں نے دیکھا کہ جس قدر بھی بڑے آدمی تھے اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ۔ تھوڑے سے باہر بھی رہے ہوں گے۔ وہ اُن پارٹیوں میں شامل ہوتے رہے جو میرے اعزاز میں وہاں دی گئیں۔ ان لوگوں میں وزراء بھی تھے، امراء بھی تھے اور نواب بھی تھے۔ چنانچہ نواب اکبر یار جنگ صاحب بہادر نے جو پارٹی دی اس میں بہت سے نواب شامل ہوئے اور سارے سو دو سو کے قریب معزّزین ہوں گے جو اُن کی ٹی پارٹی میں شامل ہوئے۔ اسی طرح دوسری جگہوں میں بھی مَیں نے دیکھا کہ شرفاء، آفیسرز، ججز، اور بڑے بڑے اُمراء ان دعوتوں میں شریک ہوتے رہے اور مَیں دیکھتا رہا کہ اُن کے دلوں میں یہ احساس ہے کہ احرار کی طرف سے ہم پر سخت مظالم توڑے گئے ہیں بلکہ بہتوں نے بیان بھی کیا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں جماعت احمدیہ مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے بہت کچھ کر رہی ہے۔ اسی طرح دہلی میں جو ایک دو تقریبات ہوئیں اُن میں مَیں نے دیکھا کہ شہر کے ہر طبقہ کے لوگ اور بڑے بڑے رؤساء شامل ہوتے رہے۔ مسلمانوں میں سے زیادہ اور ہندوؤں اور سکھوں میں سے قلیل۔ اور یہ قدرتی بات ہے کہ جس شخص کے اعزاز میں کوئی تقریب پیدا کی جائے گی اس میں وہی لوگ زیادہ بُلائے

جائیں گے جو اُس کے ہم مذہب ہوں گے۔ پس ان دعوتوں میں ہر طبقہ کے لوگ شامل ہوئے اور اُن کی باتوں سے مَیں نے معلوم کیا کہ درحقیقت احرار کا یہ دعویٰ کہ اُن کا مسلمانوں پر بہت بڑا اثر ہے اور یہ کہ وہ گند جسے شرافت برداشت بھی نہیں کرسکتی مسلمانوں کے دلوں میں گھر کر چکا ہے یہ بالکل غلط ہے۔ اور اس طرح میرے ان خیالات کا ازالہ ہوا جو شرفاء کے متعلق میرے دل میں پیدا ہو چکے تھے اور مَیں نے سمجھا کہ اگر ان ایام میں مسلمان خاموش رہے تھے تو محض مخالفت کی ہیبت کی وجہ سے۔ نہ اس وجہ سے کہ احرار کا اُن کے دلوں پر کوئی اثر ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے بدظنّی کے گناہ سے بچالیا۔ مجھے پرسوں اترسوں ہی حیدرآباد سے ایک معزز آدمی کا خط ملا ہے۔ وہ لکھتا ہے میں خود آپ سے ملنا چاہتا تھا کہ دیکھوں تو جس شخص کی اس قدر تعریف اور اس قدر مذمّت ہوتی ہے وہ ہیں کیسے۔ خیالات ہر شخص کے مختلف ہوتے ہیں۔ اس کے لحاظ سے جو چاہے آپ کے متعلق کہہ لیا جائے۔ مگر اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ آپ کے اخلاق اور آپ کی محبت ناقابلِ اعتراض اور قابلِ تقلید ہے یہی اثر مَیں سمجھتا ہوں عام طور پر دوسرے لوگوں کے دلوں پر بھی تھا اور بجائے اس کے کہ وہ اس گند سے متاثّر ہوتے سوائے چند لوگوں کے باقی تمام شرفاء صورتِ حالات کو حیرت سے دیکھتے تھے۔ اور خواہش رکھتے تھے کہ ہم معلوم کریں یہ کیسی جماعت ہے اور اس کا امام کیسا شخص ہے۔ پس احرار کے گند سے مسلمانوں کے شریف طبقہ میں صرف تجسّس پیدا ہوا۔ ایک رَو تحقیق کی پیدا ہوئی۔ اس سے زیادہ اُنہوں نے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ اسی طرح میرے یہاں پہنچنے پر دو چار دن کے بعد ایک مشہور مسلمان لیڈر نے جنہیں گورنمنٹ کی طرف سے سَر کا خطاب بھی ملا ہوا ہے مجھے لکھا کہ مَیں آپ کے سفر کے حالات اخبار میں غور سے پڑھتا رہا ہوں اور مَیں اس دَورہ کی کامیابی پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں حالانکہ اُن کا اس سفر سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ نہ وہ اُن شہروں میں سے کسی ایک میں رہتے تھے جہاں مَیں گیا۔ نہ وہ اُن علاقوں کے باشندے ہیں۔ ایک دُور دراز کے علاقہ میں وہ رہتے ہیں اور مسلمانوں کے مشہور لیڈر ہیں۔ مگر اُنہوں نے بھی اس دورہ کی کامیابی پر مبارکباد کا خط لکھنا ضروری سمجھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرفاء کے دلوں میں ایک کُرید تھی اور بجائے اس گند سے متاثّر ہونے کے شریف طبقہ ایک تجسّس کی نگاہ سے تمام حالات کو دیکھ رہا تھا اور اندرونی طور پر وہ ہم سے ہمدردی رکھتا تھا۔ مَیں سمجھتا ہوں ان حالات میں مسلمانوں کے متعلق میری بدظنّی گناہ کا موجب تھی اور مَیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا

ہوں کہ اُس نے مجھے اس سفر کا موقع دے دیا تا وہ خیال جو ایک شکوہ کے رنگ میں مسلمان شرفاء کے متعلق میرے دل میں پیدا ہو چکا تھا کہ اُنہوں نے وہ اُمید پُوری نہیں کی جو اُن پر مجھے تھی وہ دُور ہو جائے۔ چنانچہ مجھ پر اس سفر نے یہ ثابت کر دیا کہ میرا پہلا خیال غلط تھا اور درحقیقت اُن کی خاموشی صرف ہیبت کی وجہ سے تھی ورنہ شریف دل میں شریف ہی تھے اور وہ اس گند کو پسند نہیں کرتے تھے جو احرار کی طرف سے اُچھالا گیا۔" [1]

مادّی یادگاروں سے عالمِ رُوحانی کا انکشاف

جہاں تک علمی پہلو کا تعلق ہے اس سفر کو یہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ حیدر آباد دکن اور آگرہ کی قدیم تاریخی یادگاروں اور عمارتوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد جب حضور نے دہلی میں غیاث الدین تغلق کا تعمیر کردہ قلعہ ملاحظہ فرمایا تو حضور پر گویا بدھ کی طرح عالمِ رُوحانی کے انکشاف کی ایسی زبردست تجلّی ہوئی کہ آپ کی زبان پر بیساختہ جاری ہو گیا۔

"مَیں نے پا لیا۔ مَیں نے پا لیا"

اس ایمان افروز واقعہ کی تفصیلات خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے مبارک الفاظ میں درج کرنا ضروری ہے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"حیدر آباد میں مَیں نے بعض نہایت ہی اہم تاریخی یادگاریں دیکھیں جن میں سے ایک گولکنڈہ کا قلعہ بھی ہے۔ یہ قلعہ ایک پہاڑ کی نہایت اُونچی چوٹی پر بنا ہوا ہے اور اس کے گرد عالمگیر کی لشکر کشی کے آثار اور اہم قابلِ دید اشیاء ہیں۔ یہاں کسی زمانہ میں قطب شاہی حکومت ہوا کرتی تھی اور اس کا دارالخلافہ گولکنڈہ تھا۔ یہ قلعہ حیدر آباد سے میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ایک نہایت اُونچی چوٹی پر بڑا وسیع قلعہ بنا ہوا ہے۔ یہ قلعہ اتنی بلند چوٹی پر واقعہ ہے کہ جب ہم اس کو دیکھنے کے لئے آگے بڑھتے چلے گئے تو حیدر آباد کے وہ دوست جو ہمیں یہ قلعہ دکھانے کے لئے اپنے ہمراہ لائے تھے اور جو گورنمنٹ کی طرف سے ایسے محکموں کے افسر اور ہمارے ایک احمدی بھائی کے عزیز ہیں انہوں نے کہا کہ اب آپ نے اسے کافی دیکھ لیا ہے آگے نہ جائیے۔ اگر آپ گئے تو آپ کو تکلیف ہوگی۔ چنانچہ خود تو انہوں نے شریف لئے اور وہیں کھانے بیٹھ گئے۔ مگر ہم اس قلعہ کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ جب مَیں واپس آیا تو مَیں نے دریافت کیا کہ مستورات کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ وہ بھی اُوپر گئی ہیں۔ خیر تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آگئیں۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ تم کیوں گئی تھیں؟ وہ کہنے لگیں۔ انہوں نے ہمیں روکا تو تھا

---

[1] "الفضل" ۲۴ نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۴، ۵۔

اور کہا تھا کہ اُوپر مت جاؤ اور حیدر آبادی زبان میں کوئی ایسا لفظ بھی استعمال کیا تھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ اُوپر گئے تو بڑی تکلیف ہوگی مگر ہمیں تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ شاید حیدر آبادی دوستوں کو تکلیف ہوتی ہو تو خیر ہم وہاں سے پھر پھرا کر واپس آ گئے۔ یہ قلعہ نہایت اُونچی جگہ پر ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نہایت شاندار اور اسلامی شان و شوکت کا ایک پُر شوکت نشان ہے۔ اس قلعہ کی چوٹی پر مَیں نے ایک عجیب بات دیکھی اور وہ یہ کہ وہاں ہزاروں چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک ایک مسجد اس سٹیج کے چوتھے یا پانچویں حصہ کے برابر تھی۔ پہلے تو مَیں نے سمجھا کہ یہ مقبرے ہیں۔ مگر جب مَیں نے کسی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ سب مسجدیں ہیں اور اس نے کہا کہ جب عالمگیر نے اس جگہ حملہ کیا ہے تو اُسے ریاست کو فتح کرنے کے لئے کئی سال لگ گئے اور مسلسل کئی سال تک لشکر کو یہاں قیام کرنا پڑا۔ اس وجہ سے اُس نے نمازیوں کے لئے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ہزاروں مسجدیں بنا دیں۔ مجھے جب یہ معلوم ہوا تو میرا دل بہت ہی متاثر ہوا اور مَیں نے سوچا کہ اس وقت کے مسلمان کس قدر باجماعت نماز ادا کرنے کے پابند تھے کہ وہ ایک ریاست پر حملہ کرنے کے لئے آتے ہیں مگر جہاں ٹھہرتے ہیں وہاں ہزاروں مسجدیں بنا دیتے ہیں تاکہ نماز باجماعت کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔

اسی طرح آگرہ اسلامی دُنیا کے عظیم الشان آثار کا مقام ہے۔ وہاں کا تاج محل دُنیا کے سات عجائبات میں سے ایک عجوبہ سمجھا جاتا ہے۔ وہاں کا قلعہ، فتح پور سیکری اور سلیم چشتی صاحب جو خواجہ فرید الدین صاحب گنج شکر پاکپٹن کی اولاد میں سے تھے، اُن کا مقبرہ عالمِ ماضی کی کیف انگیز یادگاریں ہیں۔ مَیں نے اُن میں سے ایک ایک چیز دیکھی اور جہاں ہمیں یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ اسلامی بادشاہ نہایت شوکت و عظمت کے ساتھ دُنیا پر حکومت کرتے رہے ہیں وہاں یہ دیکھ کر رنج اور افسوس بھی ہوا کہ آج مسلمان ذلیل ہو رہے ہیں اور کوئی اُن کا پُرسانِ حال نہیں۔

فتح پور سیکری کا قلعہ درحقیقت مغلیہ خاندان کے عُروج کی ایک حیرت انگیز مثال ہے چند سال کے اندر اندر اکبر کا اس قدر زبردست قلعہ اور شہر تیار کر دینا جس کے آثار کو اب تک امتدادِ زمانہ نہیں مٹا سکا، بہت بڑی طاقت اور سامانوں کی فراوانی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اتنا وسیع قلعہ ہے کہ دُوربین سے ہی اس کی حدوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ خالی نظر سے انسان اس کی حدوں کو اچھی طرح نہیں دیکھ سکتا اور اب تک اس کے بعض حصے بڑے محفوظ اور عمدگی سے قائم ہیں۔ یہ باتیں بتاتی ہیں کہ مسلمانوں کو بہت

بڑی طاقت اور سامانوں کی فراوانی حاصل تھی ورنہ چند سالوں کے اندر اندر اکبر اس قدر وسیع شہر اور اتنا وسیع قلعہ ہرگز نہ بنا سکتا۔ مغلیہ خاندان کے جو قلعے مَیں نے دیکھے ہیں اُن میں سے درحقیقت یہی قلعہ کہلانے کا مستحق ہے ورنہ آگرہ کا قلعہ اور دلّی کا قلعہ صرف محل ہیں۔ قلعہ کا نام انہیں اعزازی طور پر دیا گیا ہے۔ قلعہ کی اغراض کو دکّن کے قلعے زیادہ پُورا کرتے ہیں اور یا پھر فتح پور سیکری کے قلعہ میں جنگی ضرورتوں کو مدّنظر رکھا گیا ہے۔ دہلی میں مَیں نے جامع مسجد دیکھی۔ دہلی کا قلعہ دیکھا۔ خواجہ نظام الدین صاحب اولیاءؒ کا مزار دیکھا منصور اور ہمایوں کے مقابر دیکھے۔ قطب صاحب کی لاٹ دیکھی۔ حوضِ خاص دیکھا۔ پُرانا قلعہ دیکھا۔ جنتر منتر دیکھا۔ تغلق آباد اور اوکھلا بند دیکھا۔ ہم نے ان سب چیزوں کو دیکھا اور عبرت حاصل کی۔ اچھے کاموں کی تعریف کی اور لغو کاموں پر افسوس کا اظہار کیا۔ مسلمانوں کی ترقّی کا خیال کرکے دل میں ولولہ پیدا ہوتا تھا اور ان کی تباہی کو دیکھ کر رنج اور افسوس پیدا ہوتا تھا۔ جن لوگوں نے ہمّت سے کام لیا اُن کے لئے دل سے آفرین نکلتی تھی اور جنہوں نے آثارِ قدیمہ کی تحقیق کی۔ بعض گڑی ہوئی عمارتوں کو کھودا، پُرانے سکّوں کو نکالا اور جو آثار ملے انہیں محفوظ کر دیا۔ اُن کے کاموں کی ہم تعریف کرتے تھے۔

ان میں سے بعض مقامات میرے پہلے بھی دیکھے ہوئے تھے جیسے دہلی اور آگرہ کے تاریخی مقامات ہیں۔ مگر بعض اس دفعہ نئے دیکھے اور ہر ایک مقام سے اپنے اپنے ظرف کے مطابق ہم نے لُطف اُٹھایا۔ مَیں نے اپنے ظرف کے مطابق۔ میرے ساتھیوں نے اپنے ظرف کے مطابق، اور مستورات نے اپنے ظرف کے مطابق۔ یوں تو ہر جگہ میری طبیعت ان نشانات کو دیکھ دیکھ کر ماضی میں گُم ہو جاتی تھی۔ مَیں مسلمانوں کے ماضی کو دیکھتا اور حیران رہ جاتا کہ انہوں نے کتنے بڑے بڑے قلعے بنائے اور وہ کس طرح ان قلعوں پر کھڑے ہو کر دُنیا کو چیلنج کیا کرتے تھے کہ کوئی ہے جو ہمارا مقابلہ کر سکے۔ مگر آج مسلمانوں کو کوئی پُوچھتا بھی نہیں۔ پھر مَیں اُن کے حال کو دیکھتا اور افسردہ ہو جاتا تھا۔ لیکن تغلق آباد کے قلعے کو دیکھ کر جو کیفیت میرے قلب کی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ یہ قلعہ غیاث الدین تغلق کا بنایا ہوا ہے اور اس کے پاس ہی غیاث الدین تغلق کا مقبرہ بھی ہے۔ یہ قلعہ ایک بلند جگہ پر واقع ہے۔ خاصہ اُوپر چڑھ کر اس میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ جہاں تک ٹُوٹے پھُوٹے آثار سے مَیں سمجھ سکا ہوں اُس کی تین فصیلیں ہیں۔ اور ہر فصیل کے بعد زمین اَور اُونچی ہو جاتی ہے۔ جب ہم اس پر چڑھے تو میرے ساتھ میری بڑی ہمشیرہ بھی تھیں جن کے متعلق حضرت مسیح موعود

علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا الہام ہے کہ "نواب مبارکہ بیگم"۔ اسی طرح میری چھوٹی بیوی اور امۃ الحی مرحومہ کے بطن سے جو میری بڑی لڑکی ہے وہ بھی میرے ہمراہ تھیں۔ ہمشیرہ تو تھک کر پیچھے رہ گئیں۔ مگر مَیں، میری ہمراہی بیوی اور لڑکی ہم تینوں اُوپر چڑھے اور آخر ایک عمارت کی زمین پر پہنچے جو ایک بلند ٹیکرے پر بنی ہوئی تھی۔ یہاں سے ساری دہلی نظر آتی تھی۔ اس کا قطب مینار، اُس کا پُرانا قلعہ، نئی اور پُرانی دہلی اور ہزاروں عمارات اور کھنڈر چاروں طرف سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھ رہے تھے اور قلعہ اُن کی طرف گھور رہا تھا۔ مَیں اس جگہ پہنچکر کھڑا ہو گیا۔ اور پہلے تو اس عبرتناک نظارہ پر غور کرتا رہا کہ یہ بلند ترین عمارت جو تمام دہلی پر بطور پہرہ دار کھڑی ہے اس کے بنانے والے کہاں چلے گئے۔ وہ کس قدر اولُوالعزم، کس قدر باہمّت اور کس قدر طاقت و قوت رکھنے والے بادشاہ تھے جنہوں نے ایسی عظیم الشّان یادگاریں قائم کیں۔ وہ کس شان کے ساتھ ہندوستان میں آئے اور کس شان کے ساتھ یہاں مرے۔ مگر آج اُن کی اَولادوں کا کیا حال ہے۔ کوئی اُن میں سے بڑھئی ہے، کوئی لوہار ہے، کوئی معمار ہے، کوئی موچی ہے اور کوئی میراثی ہے۔ مَیں انہی خیالات میں تھا کہ میرے خیالات میرے قابو سے باہر نکل گئے اور مَیں کہیں کا کہیں جا پہنچا۔

سب عجائبات جو سفر میں مَیں نے دیکھے تھے میری آنکھوں کے سامنے سے گذر گئے۔ دہلی کا یہ وسیع نظارہ جو میری آنکھوں کے سامنے تھا، میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔ اور آگرہ اور حیدر آباد اور سمندر کے نظارے ایک ایک کر کے سامنے سے گذرنے لگے۔ آخر وہ سب ایک اَور نظارہ کی طرف اشارہ کر کے خود غائب ہو گئے۔ مَیں اس محویّت کے عالم میں کھڑا رہا، کھڑا رہا اور کھڑا رہا اور میرے ساتھی حیران تھے کہ اُس کو کیا ہو گیا یہاںتک کہ مجھے اپنے پیچھے سے اپنی لڑکی کی آواز آئی کہ ابّا جان دیر ہو گئی ہے۔ مَیں اس آواز کو سُنکر پھر اسی مادّی دُنیا میں آ گیا۔ مگر میرا دل اس وقت رِقّت انگیز جذبات سے پُر تھا، نہیں وہ خُون ہو رہا تھا اور خون کے قطرے اُس سے ٹپک رہے تھے۔ مگر اس زخم میں ایک لذّت بھی تھی اور وہ غم سُرُور سے ملا ہوا تھا۔ مَیں نے افسوس سے اِس دُنیا کو دیکھا اور کہا کہ مَیں نے پا لیا۔ مَیں نے پا لیا!

جب مَیں نے کہا "مَیں نے پا لیا۔ مَیں نے پا لیا!" تو اس وقت میری وہی کیفیت تھی۔

جس طرح آج سے دو ہزار سال پہلے گیا کے پاس ایک بانس کے درخت کے نیچے گوتم بدھ کی تھی۔ جبکہ وہ خدا تعالیٰ کا قرب اور اُس کا وصال حاصل کرنے کے لئے بیٹھا اور وہ بیٹھا رہا اور بیٹھا رہا۔ یہانتک کہ بدھ مذہب کی روایات میں لکھا ہے کہ بانس کا درخت اُس کے نیچے سے نکلا اور اُس کے سر کے پار ہوگیا مگر محویت کی وجہ سے اُس کو اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ یہ تو ایک قصہ ہے جو بعد میں لوگوں نے بنا لیا۔ اصل بات یہ ہے کہ بدھ ایک بانس کے درخت کے نیچے بیٹھا اور وہ دُنیا کے راز کو سوچنے لگا۔ یہانتک کہ خدا نے اُس پر یہ راز کھول دیا۔ تب گوتم بدھ نے یک دم اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا "مَیں نے پالیا۔ مَیں نے پالیا" میری کیفیت بھی اُس وقت یہی تھی جب مَیں اِس مادّی دُنیا کی طرف واپس لوٹا تو بے اختیار مَیں نے کہا "مَیں نے پالیا۔ میں نے پالیا" اُس وقت میرے پیچھے میری لڑکی امۃ القیّوم بیگم چلی آرہی تھی۔ اُس نے کہا۔ ابا جان! آپ نے کیا پالیا؟ مَیں نے کہا میں نے بہت کچھ پالیا۔ مگر مَیں اس وقت تم کو نہیں بتا سکتا۔ مَیں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو جلسہ سالانہ پر بتاؤں گا کہ میں نے کیا پایا۔ اُس وقت تم بھی سُن لینا"[1]

فصل ششم

"سَیرِ رُوحانی" کے پُر معارف اور علمی لیکچروں کا آغاز

حضور انور رضؓ نے اپنے وعدہ کے مطابق اسی سال "سَیرِ رُوحانی" کے عنوان سے سالانہ جلسہ ۱۹۳۸ء پر علمی لیکچروں کے ایک مبارک سلسلہ کا آغاز فرما دیا جو ۱۹۵۸ء میں پایہ تکمیل کو پہنچا اور بعد ازاں کتابی صورت میں چھپ کر اپنوں اور بیگانوں میں بیحد مقبول ہوا۔[2]

---

[1] "سیرِ رُوحانی" جلد اوّل طبع اوّل صفحہ ۸ تا ۱۲ (نیا اڈیشن صفحہ ۲ تا ۶) تقریر جلسہ سالانہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۸ء۔

[2] حضور کے یہ یادگار لیکچر تین جلدوں میں شائع ہوئے۔ پہلی جلد میں ۱۹۳۸ء، ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۱ء کے لیکچر شامل تھے جن میں عالمِ رُوحانی کے آثارِ قدیمہ، جنتر منتر، سمندر، مساجد، قلعے، مقبرے، مینا بازار کا لطیف نقشہ کھینچا گیا تھا۔ دوسری جلد ۱۹۴۸ء، ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۱ء کی تقریروں پر مشتمل تھی اور اس میں دُنیائے رُوحانیت کے مینار، دیوانِ عام اور دیوانِ خاص کی سَیر کرائی گئی تھی۔ تیسری جلد میں مندرجہ ذیل مضامین پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ عالمِ رُوحانی کا نوبت خانہ (تقریر ۱۹۵۳ء) عالمِ رُوحانی کے دفاتر (تقریر ۱۹۵۴ء) عالمِ رُوحانی کی نہریں (تقریر ۱۹۵۵ء) قرآنی باغات (تقریر ۱۹۵۶ء) عالمِ رُوحانی کے لنگر خانے (تقریر ۱۹۵۷ء) رُوحانی عالم کے کتب خانے (تقریر ۱۹۵۸ء)۔

حضور نے اس سلسلہ کے پہلے لیکچر کی ابتداء میں فرمایا :-

"آج مَیں آپ لوگوں کو بتاتا ہوں کہ مَیں نے وہاں کیا پایا اور وہ کیا تھا جسے میری اندرونی آنکھ نے دیکھا۔

"مَیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ مَیں نے اس وقت وہاں دیکھا وہ وہی تھا جو مَیں آج بیان کرونگا۔ اس وقت میری آنکھوں کے سامنے سے جو نظارے گذرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو راز مجھ پر کھولا گیا گو وہ تفصیل کے لحاظ سے بہت بڑی چیز ہے اور کئی گھنٹوں میں بھی بیان نہیں ہوسکتی مگر چونکہ فکر میں انسان جلدی سفر طے کر لیتا ہے، اس لئے اس وقت تو اس پر چند منٹ شاید دس یا پندرہ ہی خرچ ہوئے تھے۔ پس جو انکشاف اس وقت ہوا وہ بطور بیج کے تھا اور جو کچھ میں بیان کروں گا وہ اپنے الفاظ میں اس کی ترجمانی ہوگی اور اس کی شاخیں اور اس کے پتّے اور اس کے پھل بھی اپنی اپنی جگہ پر پیش کئے جائیں گے۔ اب مَیں قدم بقدم آپ کو بھی اپنے اس وقت کے خیالات کے ساتھ لے جانے کی کوشش کرتا ہوں" [۵]

اس وضاحت کے بعد حضور نے بتایا کہ مَیں نے اس سفر میں سولہ [۱۶] چیزیں دیکھی ہیں (۱) قلعے ، (۲) مقابر ، (۳) مساجد ، (۴) مینار ، (۵) نوبت خانے ، (۶) باغات ، (۷) دیوان عام ، (۸) دیوانِ خاص ، (۹) نہریں ، (۱۰) لنگر خانے ، (۱۱) دفاتر ، (۱۲) کتب خانے ، (۱۳) مینا بازار ، (۱۴) جنتر منتر ، (۱۵) سمندر ، (۱۶) محکمہ آثار قدیمہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ان مادّی اشیاء میں سے ایک ایک چیز کو لیا اور پھر قرآن مجید کے عالمِ روحانی میں اس کے مشابہ اور متماثل امور کو نہایت وجد آفرین طریق اور اثر انگیز پیرایہ سے بیان فرمایا اور ثابت کیا کہ حضور پر کھلنے والی نئی دُنیا کے عظیم الشّان آثار قدیمہ اس سفر میں دکھائی دینے والے آثار قدیمہ سے بہت زیادہ شاندار ہیں۔ اُس رُوحانی دُنیا کے جنتر منتر انسانی طاقت سے بالا ، اُس کی روحانی نہریں عدیم المثال، اُس کے سمندر بے کنار، اُس کے محلّات عالیشان ، اس کے لنگر خانے جاری، اُس کے دیوان عام، دیوان خاص، بازار ، کتب خانے اور دفاتر عدیم النظیر، اُس کے مینار بے انتہا بلند اور پُر شکوہ ، اُس کی مساجد غیر محدود اور وسیع و عریض ، اُس کے مقبرے دلوں کو ہلا دینے والے اور اُس کے قرآنی نوبت خانے دنیوی نوبت خانوں سے زیادہ شاندار ہیں جن سے پانچوں وقت خدائے واحد کی بادشاہت کا پُر ہیبت اور پُر جلال اعلان کیا جاتا ہے۔

---

[۵] "سیر روحانی" طبع اول صفحہ ۱۲-۱۳ (طبع ثانی صفحہ ۷) ؛

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے "سیر روحانی" کی علمی تقریروں میں ایسے ایسے قرآنی حقائق و معارف کے دریا بہا دیئے، اتنے بے شمار نکاتِ معرفت بیان فرمائے کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے اور دل اس یقین سے لبریز ہو جاتا ہے کہ خدا نے علوم ظاہری و باطنی کے پُر کئے جانے کی جو پیشگوئی اپنے مقدس مسیح موعودؑ کو عطا فرمائی تھی، وہ پوری شان و شوکت سے پوری ہوئی۔

"سیر روحانی" کے بیشمار کمالات میں سے یہ تھا کہ سلطان البیان حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جہاں خدا کی دی ہوئی توفیق سے تفسیر قرآن اور تاریخ اسلام کے امتزاج سے اسلامی حقائق بالکل نئے اور اچھوتے رنگ میں پیش فرمائے وہاں اپنی شانِ خطابت سے اُن حقائق کے ذریعہ جماعتِ احمدیہ کے سامنے ایک بلند نصب العین رکھا اور اُن میں رُوحانی زندگی کی ایک نئی رُوح پھونک دی۔ اس حقیقت کے ثبوت میں "سیر رُوحانی" کا صرف ایک اقتباس درج کرنا کافی ہوگا۔

حضورؓ نے ۲۸؍ دسمبر ۱۹۵۲ء کو عالمِ روحانی کے نوبت خانہ کا بالتفصیل تذکرہ کرنے کے بعد پُر جلال لب و لہجہ میں ارشاد فرمایا:۔

> "اِس نوبت خانہ سے جو یہ نوبت بجی، یہ کیا شاندار نوبت ہے۔ پھر کیسی معقول نوبت ہے وہاں ایک طرف بینڈ بج رہے ہیں۔ ٹوں، ٹوں، ٹوں۔ ٹیں، ٹیں، ٹیں۔ اور یہ کہتا ہے۔
> اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ! اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ! اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ! حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ!! حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ!!
> کیا معقول باتیں ہیں۔ کیسی سمجھ دار آدمیوں کی باتیں ہیں۔ بچہ بھی سُنے تو وجد کرنے لگ جائے اور اُن کے متعلق کوئی بڑا آدمی سوچے تو شرمانے لگ جائے۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ ٹوں، ٹوں، ٹوں۔ ٹیں، ٹیں، ٹیں۔ مگر افسوس! کہ اس نوبت خانہ کو آخر مسلمانوں نے خاموش کر دیا۔ یہ نوبت خانہ حکومت کی آواز کی جگہ چند مرثیہ خوانوں کی آواز بن کر رہ گیا۔ اور اِس نوبت کے بجنے پر جو سپاہی جمع ہوا کرتے تھے دہ کروڑوں سے دسیوں پر آگئے اور اُن میں سے بھی ننانوے فیصدی صرف رسماً اُٹھک بیٹھک کر کے چلے جاتے ہیں۔ تب اِس نوبت خانہ کی آواز کا رُعب جاتا رہا۔ اسلام کا سایہ کھچنے لگ گیا۔ خدا کی حکومت پھر آسمان پر چلی گئی۔ اور دُنیا پھر شیطان کے قبضہ میں آگئی۔

اب خدا کی نوبت جوش میں آئی ہے۔ اور تم کو، ہاں تم کو، ہاں تم کو، خدا تعالیٰ نے پھر اس نوبت خانہ کی ضرب سپرد کی ہے۔ اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!!! ایک دفعہ پھر اس نوبت کو اس زور سے بجاؤ کہ دنیا کے کان پھٹ جائیں۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اس قرنا میں بھر دو۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اس قرنا میں بھر دو کہ عرش کے پائے بھی لرز جائیں اور فرشتے بھی کانپ اُٹھیں تاکہ تمہاری دردناک آوازیں اور تمہارے نعرہ ہائے تکبیر اور نعرہ ہائے شہادتِ توحید کی وجہ سے خدا تعالےٰ زمین پر آجائے اور پھر خدا تعالےٰ کی بادشاہت اس زمین پر قائم ہو جائے۔ اسی غرض کے لئے مَیں نے تحریکِ جدید کو جاری کیا ہے اور اسی غرض کے لئے مَیں تمہیں وقف کی تعلیم دیتا ہوں۔ سیدھے آؤ اور خدا کے سپاہیوں میں داخل ہو جاؤ۔ محمد رسول اللہؐ کا تخت آج مسیح نے چھینا ہوا ہے۔ تم نے مسیح سے چھین کر پھر وہ تخت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِؐ کو دینا ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِؐ نے وہ تخت خدا کے آگے پیش کرنا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کی بادشاہت دُنیا میں قائم ہونی ہے۔ پس میری سُنو! اور میری بات کے پیچھے چلو کہ مَیں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ خدا کہہ رہا ہے۔ میری آواز نہیں۔ مَیں خدا کی آواز تم کو پہنچا رہا ہوں۔ تم میری مانو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو! خدا تمہارے ساتھ ہو!! خدا تمہارے ساتھ ہو اور تم دُنیا میں بھی عزت پاؤ اور آخرت میں بھی عزت پاؤ۔" [۵]

---

[۵] "سیرِ روحانی" جلد سوم صفحہ ۲۸۵ تا ۲۸۷ (تقریر سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بر موقع جلسہ سالانہ ۲۸ دسمبر ۱۹۵۴ء)

فصل ہفتم

جلیل القدر صحابہؓ کا انتقال

۱۹۳۸ء میں مندرجہ ذیل بزرگ داغ مفارقت دے گئے:۔

۱۔ صوفی محمد یوسف صاحبؓ متوطن مالیر کوٹلہ (بیعت نومبر ۱۹۰۵ء وفات ۸ فروری ۱۹۳۸ء)[1] ۲۔ حضرت حاجی محمد خان صاحبؓ ساکن بستی دریام کملانہ (بیعت دسمبر ۱۹۰۰ء وفات ۳۰ مارچ ۱۹۳۸ء)[2] مرحوم فارسی کے عالم تھے اور اپنے علاقہ میں امانت و دیانت اور حق گوئی میں مشہور تھے۔ آپ کا نیک نمونہ دیکھ کر آپ کی برادری کے اکثر لوگ داخلِ احمدیت ہوئے اور جھنگ کے ضلع میں بستی دریام کملانہ احمدیوں کی بستی سمجھی جانے لگی ہے[3] ۳۔ حضرت مولوی عبدالحمید صاحبؓ امیر جماعت احمدیہ سکندر آباد دکن (وفات اپریل ۱۹۳۸ء)[4] ۴۔ شیخ جان محمد صاحب وزیر آبادی (وفات ۲۷ اپریل ۱۹۳۸ء)[5] ۵۔ حضرت حسین بی بی صاحبہؓ والدہ ماجدہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب (بیعت ۱۹۰۴ء وفات ۱۶ مئی ۱۹۳۸ء)[6] نہایت عابدہ۔ زاہدہ اور ملہمہ خاتون تھیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ان کے مزار کا کتبہ اپنے قلم سے تحریر فرمایا جو یہ ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حسین بی بی بنت چوہدری الٰہی بخش صاحب مرحوم

زوجہ حاجی چوہدری نصر اللہ خان صاحب مرحوم

سال پیدائش ۱۸۶۳ء سال بیعت ۱۹۰۴ء

تاریخ وفات ۱۶ مئی ۱۹۳۸ء بروز شنبہ

"چوہدری نصر اللہ خان صاحب مرحوم کی زوجہ۔ عزیزم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی والدہ، صاحبِ کشف و رؤیا تھیں۔ رؤیا کے ذریعہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شناخت نصیب ہوئی اور اپنے مرحوم شوہر سے پہلے بیعت کی۔ پھر رؤیا کے ذریعہ ہی سے خلافتِ ثانیہ کی شناخت کی اور مرحوم خاوند سے پہلے بیعت خلافت کی۔ دین کی غیرت بدرجہ کمال

---

[1] الفضل ۱۰ فروری ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ یاد رہے کہ اس مضمون میں صوفی صاحبؓ کی بیعت کا سن ۱۹۰۴ء لکھا ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ آپ نے لیکچر لدھیانہ نومبر ۱۹۰۵ء کے موقعہ پر بیعت کی تھی۔ [2] الفضل ۱۴ اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۵ کالم ۱-۲

[3] الفضل ۱۴ اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۵ کالم ۱-۲ [4] الفضل ۱۴ اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۵ [5] اخبار "پیغام صلح" لاہور ۳۰ اپریل ۱۹۳۸ء۔

[6] الفضل ۱۸ مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۱

تھی۔ اور کلامِ حق کے پہنچانے میں نڈر تھیں۔ غرباء کی خبرگیری کی صفت سے متصف اور غریبانہ زندگی بسر کرنے کی عادی۔ نیک اور وَدُوْد والدہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کے شوہر کو جو نہایت مُؤدب و مخلص خادمِ سلسلہ تھے اپنے انعامات سے حصّہ دے اور اپنے قرب میں جگہ دے اور ان کی اولاد کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین

مرزا بشیر الدین محمود احمد"[1]

۶۔ حضرت صوفی رحمت اللہ صاحبؓ پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ گنج مغلپورہ لاہور (وفات ۴ر جون ۱۹۳۸ء)[2] ۷۔ نور جان صاحبہؓ تائی صاحبہ مرزا اسلام اللہ بیگ صاحب (وفات ۴ر جون ۱۹۳۸ء)[3] ۸۔ میاں نبی بخش صاحبؓ ساکن بٹالہ (وفات ۲ر جولائی ۱۹۳۸ء بعمر ۱۱۱ سال)[4]۔ ۹۔ چوہدری دین محمد صاحبؓ کمپونڈر شفاخانہ وزیرآباد (وفات ۵ر جولائی ۱۹۳۸ء بعمر ۶۹ سال)[5]۔ ۱۰۔ حضرت مولوی محمد ابو الحسن صاحبؓ بزدار (تاریخ وفات ۲۹ر اکتوبر ۱۹۳۸ء)[6]۔ ۱۱۔ چراغ بی بی صاحبہؓ اہلیہ محترمہ حضرت ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب امرتسری (وفات ۱۷ر نومبر ۱۹۳۸ء)[7] ۱۲۔ حضرت پیر شمس الدین صاحبؓ گولیکی ضلع گجرات (بیعت غالباً ۱۹۰۳ء وفات ۱۰ر دسمبر ۱۹۳۸ء بعمر سَو سال) گولیکی کے خاندان پیرزادگان میں سب سے معمر بزرگ جن کو قبول احمدیت کی سعادت نصیب ہوئی۔[8] ۱۳۔ سید گل حسن صاحبؓ متوطن پنج ڈریاں تحصیل کھاریاں ضلع گجرات (وفات دسمبر ۱۹۳۸ء)[9]۔ ۱۴۔ حضرت حکیم احمد دین صاحبؓ شاہدرہ۔ موجد طب جدید وفات ۲۲ دسمبر ۱۹۳۸ء[10] اسی سال حضرت حکیم مولانا عبید اللہ بسمل نے انتقال کیا۔

(تاریخ وفات ۲۹ ستمبر ۱۹۳۸ء) بعمر ۱۰۰ سال[11] ان کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی چچا مرزا غلام محی الدین صاحب کی بیٹی مرزا احمد بیگ صاحب ہوشیارپوری کی اہلیہ اور محمدی بیگم صاحبہ کی والدہ مسماۃ عمر بی بی صاحبہؓ[12] سید عبد المجید صاحبؓ پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ منصوری[13] چوہدری شیخ احمد صاحبؓ

---

[1] اصحاب احمد جلد یازدہم مؤلفہ صلاح الدین صاحب ملک ایم۔ اے قادیان دسمبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۲-۴۔ [2] الفضل ۷ر جون ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ [3] الفضل ۷ر جون ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱ [4] الفضل ۵ر جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۱ [5] الفضل ۱۲ر جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[6] حالات زندگی الحکم ۱۴ فروری ۱۹۳۸ء تا ۷ مارچ ۱۹۳۹ء [7] الفضل ۱۹ر نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱ [8] حضرت قاضی ظہور الدین صاحب اکمل نے الفضل ۷ر جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۵-۷ میں حضرت پیر صاحبؓ کے سوانح شائع کرا دیئے تھے [9] الفضل ۱۴ر دسمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ میں آپ کے حالات زندگی چھپ چکے ہیں۔ [10] الفضل ۲۷ر دسمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۱

[11] الحکم ۷/۱۴ نومبر ۱۹۳۸ء تا ۷ مئی ۱۹۳۹ء (مفصل حالات) تاریخ سن بیعت ۱۹۲۱ء سن وصیت ۱۹۳۱ء تاریخ وفات ۲۱ر جنوری ۱۹۳۸ء (الفضل ۲ر فروری ۱۹۳۸ء صفحہ ۲) آپ کے حالات کیلئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا مضمون مطبوعہ الفضل ۱۱ر مارچ ۱۹۳۸ء صفحہ ۴-۵ ملاحظہ ہو [12] وفات ۹ر اپریل ۱۹۳۸ء (الفضل ۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱) حافظ سید عبد المجید صاحب منصوری مرحوم کے چھوٹے بھائی سید فضل الرحمٰن صاحب فیضی کمرشل پارس منصوری نے انکے حالات زندگی اخبار الفضل ۲۱-۲۳-۲۴-۲۸ جولائی ۱۹۳۸ء میں شائع کرا دیئے تھے۔

سیکرٹری تعلیم و تربیت شملہ[۵۱]۔ خانصاحب فقیر محمد صاحب ایگزیکٹو انجنیئر آف چارسدہ[۵۲]۔ خان بہادر محمد علی خان صاحبؓ[۵۳] احمد نگر ضلع کوہاٹ اور ڈاکٹر غلام علی صاحبؓ ساکن چہور ضلع لائل پور[۵۴] نے بھی اسی سال وفات پائی۔

حضرت امیر المومنینؓ کی طرف سے بعض وفات یافتگان کا ذکر خیر

یہ عجیب بات ہے کہ اس سال مئی میں یکے بعد دیگرے کئی اصحاب انتقال کر گئے۔ غموں کے اس اجتماع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک مضمون تحریر فرمایا۔ جس میں لکھا:۔

"یوں تو مئی کا مہینہ ہمارے لئے ہمیشہ ہی ایک بڑے رنج و غم کی یاد کو تازہ کر دیتا ہے لیکن اس سال کی مئی میں یہ خصوصیت ہے کہ اس میں غم پر مشتمل تازہ واقعات کا بھی اجتماع ہو گیا ہے..... جن مرحومین کا میں نے ذکر کیا ہے اُن میں سے ہر ایک خاص رنگ رکھتا تھا۔

چوہدری عبدالقادر صاحب مرحوم ..... چوہدری عبدالقادر صاحب پلیڈر[۵۵] ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کے بڑے بڑے افراد سلسلہ کے سخت مخالف تھے اور ہیں۔ نوجوانی میں احمدی ہوئے اور سب مخالفتوں کا خاموش مقابلہ کرتے ہوئے اپنے پختہ ایمان کا ثبوت دیا۔ باوجود ایک مکروہ پیشہ سے تعلق رکھنے کے ایک نیک اور سعید نوجوان تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی رُوح کو بخشش سے ڈھانپ لے۔

خان فقیر محمد خان صاحب مرحوم ..... خان صاحب فقیر محمد خان صاحب مرحوم وہی ہیں جنہوں نے آج چند سال پہلے مجھے دہلی میں کہا تھا کہ ہماری دو والدہ تھیں اور ہر ایک سے دو دو بیٹے ہیں۔ ہم نے انصاف سے کام لیا ہے اور ہر ایک والدہ کا ایک ایک بیٹا احمدیوں کو دے دیا ہے اور ایک ایک بیٹا سنیوں کو۔ گویا روپے میں سے آٹھ آٹھ آنے ہم نے دونوں میں تقسیم کر دیئے ہیں۔ اور میں نے اِس پر انہیں جواب دیا تھا کہ خدائی سلسلے اِس تقسیم پر خوش نہیں ہوتے بلکہ وہ تو سارا ہی لیا کرتے ہیں۔ وہ اُس وقت اپنے اہل و عیال سمیت ولایت جا رہے تھے ان کو خدا نے انگلستان میں ہی ہدایت دی اور وہیں سے بیعت کا خط لکھ دیا اور لکھا۔ آپ کی بات کس قدر جلد پوری ہو گئی۔ میں تیسری چونی آپ کے پاس بیعت کے لئے آتا ہوں۔ دُعا کریں چوتھی چونی یعنی بقیہ بھائی بھی احمدی

---

۵۱ وفات ۸/۷ اپریل ۱۹۳۸ء۔ حالات زندگی کیلئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۶ اپریل ۱۹۳۹ء ص ۷
۵۲ وفات ۴ مئی ۱۹۳۸ء الفضل ۷ مئی ۱۹۳۸ء ص ۲ کالم ۱
۵۳ وفات ۱۳ جون ۱۹۳۸ء الفضل ۱۶ جون ۱۹۳۸ء ص ۲) کوہاٹ کے ایک رئیس افغان خاندان بنگش سے تعلق رکھتے تھے۔ سرحد میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ پر فائز رہے۔ بہت منکسر المزاج تھے اور معمولی سے معمولی احمدی کو دیکھ کر ان کا دل باغ باغ ہو جاتا تھا آپ کی خاص یادگار مسجد احمدیہ کوہاٹ ہے جس کیلئے اپنی زمین دی اور ایک متوفی بیٹی کے زیور فروخت کر کے روپیہ مہیا کیا اور ایک کثیر رقم نقد بھی دی۔ الفضل ۵ جولائی ۱۹۳۸ء ص ۷ کالم ۳-۴۔
۵۴ وفات ۹ جولائی ۱۹۳۸ء الفضل ۱۳ جولائی ۱۹۳۸ء ص ۸ کالم ۲
۵۵ اس مضمون میں حضور نے حقانی نمبر پر حافظ بشیر احمد صاحب جالندھری کا ذکر فرمایا تھا۔ اس ضمن میں حضور نے جو کلمات تحریر فرمائے وہ مجلس خدام الاحمدیہ کے حالات میں درج کئے۔

ہو جائے۔ انہوں نے پہلا چندہ اُسی دن بھجوایا۔ اور پھر نہایت استقلال سے دینی خدمت میں حصّہ لیتے رہے۔ گذشتہ سال اُن کے اکلوتے لڑکے عزیز کیپٹن ڈاکٹر نثار احمد کا لڑائی میں گولی لگنے سے انتقال ہو گیا۔ اب ایک سال کے بعد وہ چھت کے گرنے کی وجہ سے وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ۔ ہمارا لاؤڈ سپیکر عرصہ تک اُنکی رُوح کے لئے ثواب کا ذریعہ بنا رہے گا اور اسکی گونج میں اُن کی آواز ہمیں اُن کی یاد دلاتی رہے گی۔

چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کی والدہ صاحبہ کی وفات آخر میں عزیزم چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کی والدہؓ کی وفات کی خبر آئی ہے۔

مرحومہ کا اخلاص اس میں کوئی شک نہیں کہ مرحومہ کے خاوند چوہدری نصر اللہ خان صاحب مرحوم ایک نہایت مخلص اور قابلِ قدر احمدی تھے اور انہوں نے سب سے پہلے میری آواز پر لبیک کہی۔ اور اپنی زندگی وقف کی اور قادیان آکر میرا ہاتھ بٹانے لگے۔ اس لئے اُن کے تعلق کی بناء پر اُن کی اہلیہ کا مجھ پر اور میری وساطت سے جماعت پر ایک حق تھا۔ پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ عزیزم چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب جنہوں نے اپنی عمر کے ابتدائی حصّہ سے ہی رُشد و سعادت کے جوہر دکھائے ہیں اور شروع ایّامِ خلافت سے ہی مجھ سے اپنی محبت اور اخلاص کا اظہار کرتے چلے آئے ہیں۔ مرحومہ اُن کی والدہ تھیں اور اس تعلق کی بناء پر بھی ان کا مجھ پر حق تھا لیکن باوجود اس کے کہ اکثر عورتوں کا تعلق طفیلی ہوتا ہے یعنی اپنے باپ یا بیٹے یا بھائی کے سبب سے ہوتا ہے مرحومہ اُن مستثنیٰ عورتوں میں سے تھیں جن کا تعلق براہِ راست اور بلا کسی واسطہ کے ہوتا ہے۔ وہ اپنے مرحوم خاوند سے پہلے سلسلہ میں داخل ہوئیں۔ اُن سے پہلے انہوں نے بیعتِ خلافت کی اور ہمیشہ غیرت و حمیّت کا ثبوت دیا۔ چندوں میں بڑھ بڑھ کر حصّہ لینا۔ غرباء کی امداد کا خیال رکھنا اُن کا خاص امتیاز تھا۔ دعاؤں کی کثرت اور اس کے نتیجہ میں سچی خوابوں کی کثرت سے خدا تعالیٰ نے ان کو عزّت بخشی تھی۔ انہوں نے خوابوں سے ہی احمدیت قبول کی اور خوابوں سے ہی خلافتِ ثانیہ کی بیعت کی"[1]

قادیان میں ۱۹۳۸ء کی عید الفطر

۲۴ر نومبر ۱۹۳۸ء کو عید الفطر تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے قادیان میں نماز عید حسبِ معمول عید گاہ میں پڑھائی۔ چونکہ دس ہزار کے قریب مجمع تھا اس لئے حضور نے اس دفعہ بھی خطبہ ارشاد فرمانے سے قبل حسبِ ذیل خاکہ کے مطابق بعض احباب کو مقرر فرما دیا جو باری باری مجمع تک آواز پہنچاتے تھے:[2]

[1] روزنامہ الفضل قادیان ۲۴ر مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۱-۲
[2] الفضل ۲۷ر نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲

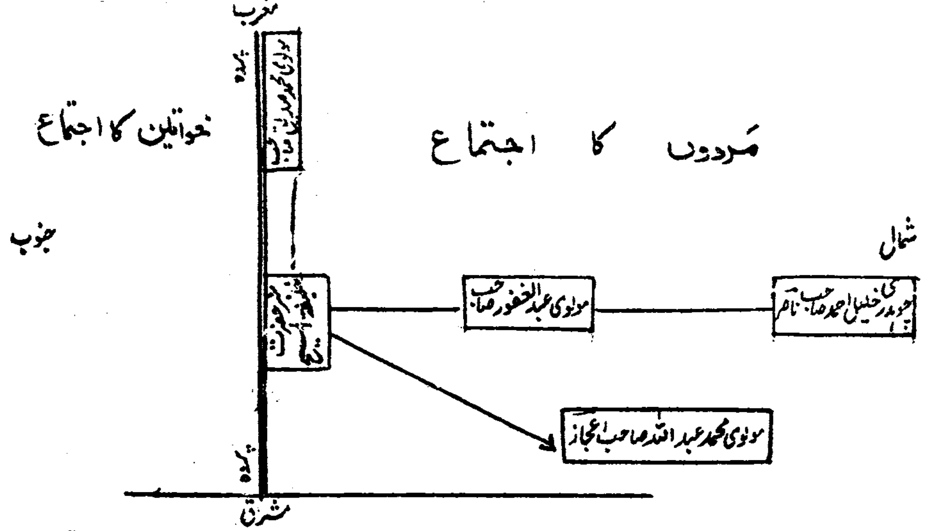

اگلے سال (۱۹۳۹ء) سے عیدگاہ میں بھی لاؤڈ سپیکر نصب کیا جانے لگا اور آئندہ کیلئے عارضی انتظام کی ضرورت نہ رہی

سالانہ جلسہ قادیان ایک سکھ ودوان کی نظر میں

ایک سکھ سردار دھرم اننت سنگھ صاحب پرنسپل خالصہ پرچارک ودیالہ ترن تارن ۳۶-۱۹۳۷ء کے دو سالانہ جلسوں پر قادیان آئے۔ اور حضرت امیرالمومنین کی تقریر اور زیارت سے بہت محظوظ ہوئے اور اپنے خیالات کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا:—

"اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ مختصر الفاظ میں انسانی زندگی کا مقصد کیا ہے تو میرا جواب یہ ہوگا کہ نیک بننا اور نیکوں کی زیارت کرنا۔ ہز ہولی نس مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب آف قادیان اُن خوش قسمت اور بلند ہستیوں میں سے ہیں جو اپنی زندگی میں اس اصول پر عمل کرتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کی زیارت کرنا اور آپ کے ارشادات کو سُننا ایک سعادت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض مخصوص لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ کرسمس کے ایام میں جبکہ لوگ بکثرت دریاؤں پہاڑوں عمارتوں دوسری بے جان چیزوں اور بے معنی نظاروں کو دیکھنے پر اپنا وقت پیسہ اور قوتِ عمل ضائع کرتے ہیں خدا تعالیٰ کے بعض مخصوص بندے قادیان کو بھاگتے ہیں تا ان بابرکت مسرتوں سے لطف اندوز ہو سکیں جو تمام مذاہب کے نیک اور مخلص لوگوں کے لئے آئندہ زندگی میں مقدر ہیں۔ میں نے جماعت احمدیہ کے دو[2] سالانہ جلسے یعنی ۱۹۳۷ء و ۱۹۳۸ء کے دیکھے ہیں۔ وہاں میں نے خوبی ہی خوبی دیکھی ہے۔ میں نے کسی کو تمباکو نوشی کرتے۔ فضول بکواس کرتے۔ لڑتے جھگڑتے۔ بھیک مانگتے۔ عورتوں پر آوازے کستے۔ دھوکا بازی کرتے لوٹتے اور لغو طور پر ہنستے نہیں دیکھا۔ شرابی۔ جواری۔ جیب تراش۔ اس قسم کے بدمعاش لوگ قادیان کی احمدی

آبادی میں قطعاً مفقود ہیں - یہ کوئی معمولی اور نظر انداز کرنے کے قابل خصوصیت نہیں - کیا یہ بات اس وسیع براعظم کے کسی اور مقدس شہر میں نظر آسکتی ہے؟ یقیناً نہیں - مَیں بہت مقامات پر پھرا ہوں اور پورے زور کے ساتھ ہر جگہ یہ بات کہنے کو تیار ہوں کہ بجلی کے زبردست جینریٹر کی طرح قادیان کا مقدس وجود اپنے سچے متبعین کے قلوب کو پاکیزہ علوم سے منور کرتا ہے اور قادیان میں احمدیوں کی قابلِ تقلید زندگی اور کامیابی کا راز یہی ہے۔

حضرت مرزا صاحب ایسی روانی کے ساتھ پانچ سے نو گھنٹوں تک بولتے ہیں کہ ہندوستان یا اس سے باہر اس کی مثال نہیں مل سکتی - دسمبر ۱۹۳۸ء میں مَیں نے مرزا صاحب کی تقریر سُنی - جو آپ نے کھڑے ہو کر پانچ گھنٹہ کی - اور سامعین جن میں مَیں خود بھی شامل تھا بُت بنے سُنتے رہے اور نہایت غور کے ساتھ آپ کے مسکراتے ہوئے چہرہ مبارک کو دیکھتے رہے۔

جلسہ کی تمام تقریریں مذہبی ہوتی ہیں - جن کا استدلال قرآن مجید سے کیا جاتا ہے لیکن ان میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو بالواسطہ یا بلا واسطہ کسی دوسرے کے لئے دلآزار ہو - اسلام کا بول بالا ہوتا ہے مگر دوسرے مذاہب کی تحقیر کر کے نہیں - حضرت مرزا صاحب اور آپ کے خدام کی مہمان نوازی - باقاعدگی اخلاص اور دوسری خوبیاں یقیناً بے نظیر ہیں - جتنا عرصہ میں قادیان میں رہا - میرے دل میں وہی جذبات پیدا ہوتے رہے جو ہمارے روحانی پیشوا نے ان الفاظ میں بیان فرمائے ہیں کہ

"وہی واحد لاشریک سب میں موجود ہے - نانک اُسے دیکھتا اور خوش ہوتا ہے۔"[1]

فصل ہشتم

۱۹۳۸ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

السیّد عبدالحمید خورشید قادیان میں مصر کے پہلے احمدی السید عبدالحمید خورشید ۱۳ر جنوری ۱۹۳۸ء کو قادیان دارالامان تشریف لائے[2] اور قریباً ڈیڑھ ماہ تک مرکزِ احمدیت کی برکات سے مستفید ہو کر ۱۳ر فروری ۱۹۳۸ء کو اپنے وطن روانہ ہو گئے۔[3]

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۸ جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۴
[2] روزنامہ الفضل ۱۶ر جنوری ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۱
[3] روزنامہ الفضل ۱۵ر فروری ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۱ -

مسجد اقصیٰ میں لاؤڈ سپیکر (آلۂ نشر الصوت) کی تنصیب

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے نمازیوں کی تعداد میں اضافہ کے پیش نظر ۳۱ دسمبر ۱۹۳۷ء کو مسجد اقصیٰ میں لاؤڈ سپیکر لگانے کی تاکید فرمائی۔ جس پر صوبہ سرحد کے خان صاحب فقیر محمد خان صاحب نے اپنے آقا کا منشاء مبارک اپنے خرچ سے پورا کر دیا۔ اور حضور نے پہلی بار ۷ جنوری ۱۹۳۸ء کو اس آلہ کے ذریعہ خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا[1] جس میں ثابت کیا کہ آلہ نشر الصوت نے عقیدہ شرک پر کاری ضرب لگائی ہے۔[2]

حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحبؓ نومسلم کی قید اور رہائی

حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نومسلم (سابق مہر سنگھ) نے سکھ لٹریچر کی روشنی میں صداقتِ اسلام پر کئی کتابیں لکھی تھیں اس سلسلہ میں آپ نے ایک تبلیغی ٹریکٹ "بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کا دین و دھرم" بھی لکھا جس کی بناء پر آپ کو سکھ مجسٹریٹ علاقہ بھائی جسونت سنگھ نے ۲۲ جنوری ۱۹۳۸ء کو زیر دفعہ ۱۸۔ الف ایکٹ ۲۳ ۱۹۳۱ء چھ ماہ قید بامشقت اور ایک سو روپیہ جرمانہ (عدم ادائیگی کی صورت میں ڈیڑھ ماہ مزید سخت قید) کی سزا دی۔ سزا کا حکم حضرت ماسٹر صاحب نے نہایت بشاشت اور خوشی کے ساتھ سُنا۔ اور جب ہتھکڑی پہنائی گئی تو انہوں نے اسے چُوما اور جیل خانہ جاتے ہوئے نوجوانانِ احمدیت کو پیغام دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلمان ہونے کی جو صداقت پیش کی ہے۔ وہ دنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں۔[3] حضرت ماسٹر صاحب اس کے بعد پہلے گورداسپور جیل میں رہے پھر میانوالی جیل کی طرف منتقل کر دیئے گئے۔

اخبار "ریاست" کا نوٹ

مجسٹریٹ علاقہ کا یہ فیصلہ اس درجہ نافہم اور غیر معقول تھا کہ سکھ شرفاء کے حلقوں میں بھی اسے حیرت و استعجاب کی نظر سے دیکھا گیا۔ چنانچہ مشہور سکھ صحافی سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون نے اپنے جریدہ "ریاست" (۱۷ جنوری ۱۹۳۸ء) میں "گورو نانک کو مسلمان کہنا جرم ہے؟" کے عنوان سے حسب ذیل لیڈنگ آرٹیکل لکھا:۔

"گورو نانک ایک ایسی مقدس شخصیت اور صلح کی پالیسی کے بزرگ تھے کہ ہندو اُن کو ہندو کہتے ہیں۔ اور مسلمان اپنا بزرگ تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ گورو نانک صاحب کے انتقال پر

---

[1] الفضل ۹ جنوری ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱   [2] الفضل ۱۳ جنوری ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۔۴

[3] روزنامہ الفضل ۱۴ جنوری ۱۹۳۸ء صفحہ ۲۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جھگڑا پیدا ہو گیا ہندو آپ کے جسم کو جلانا چاہتے تھے اور مسلمان اسلامی طریقہ کے ساتھ دفن کرنا۔ آخر آپ کے جسم کی چادر کے کپڑے کو آدھا مسلمانوں نے لیا اور آدھا ہندوؤں نے اور دونوں نے اپنے رسم و رواج کے مطابق دفن کیا۔ اور جلایا۔ گورو نانک کی اس ہر دل عزیز پوزیشن میں جبکہ ہندو اور مسلمان دونوں ہی آپ کو اپنا سمجھتے ہیں۔ بٹالہ ضلع گورداسپور کے ایک مجسٹریٹ کا فیصلہ تعجب اور حیرانی کے ساتھ پڑھا جائے گا جس میں اس مجسٹریٹ نے ایک مسلمان ماسٹر عبدالرحمٰن کو چھ ماہ قید کی سزا اس جرم میں دی ہے کہ آپ نے ایک پمفلٹ "بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کا دین و دھرم" میں گورو نانک کو مسلمان ظاہر کیا تھا۔ اس فیصلہ کی نقل ہمارے پاس موجود نہیں اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سزا کی تائید میں مجسٹریٹ نے کیا دلائل دی ہیں مگر اس صورت میں کہ الزام وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا تو اس مجسٹریٹ کی کوتہ نظری میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آج وہ پادری بھی اس مسلمان ملزم کی طرح ہی مجرم ہیں جو مہاتما گاندھی کو انتہائی نیک اور پارسا ہونے کے باعث عیسائیوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ کیونکہ اس مقدمہ کے ملزم ماسٹر عبدالرحمٰن نے بھی اگر گورو نانک کو مسلمان کہا تو اس لئے کہ آپ اسلام کو حق و صداقت کا سرچشمہ سمجھتے ہیں اور آپ کے خیال میں گورو نانک انتہائی نیک اور مقدس ہونے کے باعث مسلمانوں کی صفات رکھتے ہوئے مسلمان تھے۔

اگر ماسٹر عبدالرحمٰن نے اپنے خیال کے مطابق گورو نانک کو مسلمان لکھا تو آپ نے گورو نانک کی توہین نہیں کی بلکہ مسلمانوں کے دلوں میں بھی عزت و احترام پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس صورت میں ماسٹر عبدالرحمٰن گورو نانک کی توہین کرنے کے کیونکر مجرم ہوئے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ماسٹر عبدالرحمٰن اس فیصلہ کی اپیل کریں اور صحیح پوزیشن بتاتے ہوئے اعلیٰ عدالت سے بری ہوں۔ کیونکہ قانوناً اور اصولاً ماسٹر عبدالرحمٰن کو مجرم قرار دینا ایک تمسخر انگیز فیصلہ ہے اور اس فیصلہ کے مطابق ہر وہ شخص جو دوسری اقوام کے بزرگوں کو بزرگ سمجھے مجرم قرار دیا جا سکتا ہے۔"

اخبار "الحدیث" کا تبصرہ

اسی طرح جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اخبار "اہلحدیث" میں لکھا:۔

"قادیان کے ایک مصنف کو سزائے قید اور جرمانہ:۔ قادیان میں ایک صاحب ماسٹر عبدالرحمٰن نومسلم ہیں جنہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "بابا نانک کا دین و دھرم" ہے۔ چونکہ مصنف مذکور اس سے پہلے

سکھ قوم میں سے تھا اس لئے اس نے اپنی تحقیق کے ماتحت بابا نانک کو مسلمان لکھ دیا۔ ہم اُن کی تحقیق پر تنقید نہیں کرتے صرف اتنا کہتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ دراصل مرزا صاحب کی تصنیفات پر مبنی ہے۔ عرصہ ہوا مرزا صاحب قادیانی نے بصورت رسالہ "ست بچن" یہی آواز اٹھائی تھی۔ مرزا صاحب سے جو کچھ بن پڑا انہوں نے اپنے دعویٰ پر اس رسالے میں دلائل دیئے ہیں جن کو آپ گورونانک جی کے مسلمان ہونے کے ثبوت میں کافی سمجھتے تھے۔ اس وقت حکومت کی طرف سے اُن کو کوئی باز پرس نہیں ہوئی اور نہ وہ کتاب ضبط ہوئی۔ اب جو رسالہ دین دھرم شائع ہوا تو مصنف مذکور پر مقدمہ چلایا گیا جس کے نتیجہ میں مصنف مذکور کو چھ ماہ قید سخت اور سَو روپیہ جرمانہ ہوا۔ یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ گورنمنٹ نے مصنف مذکور پر مقدمہ کیوں چلایا۔ ایک تو یہ کہ اس مضمون کے اصل موجد مرزا صاحب قادیانی تھے جن سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ مصنف مذکور نے بابا نانک جی کی ہتک نہیں کی بلکہ اپنے عندیہ میں اُن کی بڑی عزت کی ہے کیونکہ اُن کے نزدیک اسلام ایک معزز مذہب ہے۔ اس کی تائید میں ہم ایک اقتباس "آریہ مسافر" لاہور سے نقل کر کے گورنمنٹ کے سامنے رکھتے ہیں جو یہ ہے:۔

"حضرت محمد صاحب نے آریہ برہم چاریوں کی طرح چوبیس[۲۴] سال کی عمر میں شادی کی × × حضرت صاحب کا جیون (سوانح عمری) آریہ برہمنوں کی مانند نہایت سادہ اور فقیرانہ تھا۔"

کیا گورنمنٹ ایسا لکھنے والے پر بھی مقدمہ چلائے گی؟ ــــ جہاں تک ہمارا خیال ہے "نہیں"۔ تو پھر اس میں اور اُس میں کیا فرق ہے؟ اس لئے ہم اس سزا کو کسی صحیح قانون پر مبنی نہیں سمجھتے۔ امید ہے کہ محکمہ اپیل اس پر غور کر کے ہمیں راہ راست دکھلائیگا۔"[۵۱]

اپیل کا فیصلہ اور رہائی

اس مقدمہ کی اپیل سشن جج صاحب گورداسپور کی عدالت میں دائر کی گئی جس کا فیصلہ ۱۶؍ مارچ ۱۹۳۸ء کو سنا دیا گیا۔ فاضل جج نے قید کی اسی قدر سزا کافی قرار دی جو حضرت ماسٹر صاحب بھگت چکے تھے اور جرمانہ سَو کی بجائے پچاس روپے کر دیا۔[۵۲] چنانچہ جرمانہ کی ادائیگی کے بعد آپ رہا کر دیئے گئے اور ۲۲؍ مارچ ۱۹۳۸ء کو قادیان تشریف لے آئے۔[۵۳]

حضرت ماسٹر صاحب نے اسیری کا زمانہ کس قدر صبر، استقلال اور جوش ایمانی کے رنگ میں گذارا اس کا اندازہ اس سے بخوبی لگ سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے ایک بیٹے کو (جو ملاقات کیلئے میانوالی جیل میں گئے تھے) یہ پیغام دیا کہ اگر کسی احمدی کو میری قید و بند کے باعث اشتعال آئے تو وہ گورمکھی سیکھ کر تبلیغ احمدیت کر کے اپنا غصہ ٹھنڈا کر لے۔

---

[۵۱] "اہلحدیث" صفحہ ۱۵ کالم ۱ مورخہ ۲۱؍ جنوری ۱۹۳۸ء [۵۲] الفضل ۱۸؍ مارچ ۱۹۳۸ء صفحہ ۸ کالم ۳-۴
[۵۳] الفضل ۲۴؍ مارچ ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

صاحبزادہ مرزا سعید احمد صاحب کی وفات کا المناک حادثہ

صاحبزادہ مرزا سعید احمد مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پڑپوتے اور حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کے بہت سعید الفطرت، شریف مزاج ہوشیار اور ہونہار فرزند تھے۔ آپ ۶ ستمبر ۱۹۳۴ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی رفاقت میں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان گئے۔ جہاں انہوں نے ۱۹۳۶ء میں لنڈن یونیورسٹی سے بی۔ اے کی سند حاصل کرنے کے علاوہ آئی۔ سی۔ ایس کا امتحان بھی دیا اور اچھے نمبروں پر پاس ہو گئے۔ بعد ازاں بیرسٹری کے متعدد امتحانات پاس کئے مگر عمر نے وفا نہ کی اور آپ لنڈن میں ہی ۱۲/۱۳ جنوری ۱۹۳۸ء کی درمیانی شب کو انتقال کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔[1]

مرزا سعید احمد صاحب کی تشویشناک علالت کی اطلاع ملنے پر حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب بذریعہ ہوائی جہاز ۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء کو لنڈن پہنچے اور ہسپتال میں اپنے لخت جگر کے پاس تشریف لے گئے۔ مرزا سعید احمد صاحب پر غنودگی سی طاری تھی۔ اسی حالت میں انہوں نے اپنے پیارے ابا جان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوما اور کہا۔ ابا جی فکر نہ کرنا۔ بس یہی آخری الفاظ تھے۔[2]

مرحوم کا تابوت ۱۲ فروری ۱۹۳۸ء کو سوا آٹھ بجے شب کی گاڑی سے قادیان پہنچا۔ اگلے روز پونے دس بجے صبح کے قریب حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بورڈنگ مدرسہ احمدیہ کے وسیع صحن میں نماز جنازہ پڑھائی اور مرحوم بچوں کے قبرستان کے ملحقہ قطعہ میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔[3] اللّٰھم ادخلہ فی جنّات النعیم۔

حضرت امیر المومنینؓ کا خطاب احمدیہ انٹر کالجییٹ ایسوسی ایشن کو

۴ فروری ۱۹۳۸ء کو احمدیہ انٹر کالجییٹ ایسوسی ایشن کے چھپن [56] طلباء قادیان آئے۔ اس موقعہ پر ایسوسی ایشن مختلف کالجوں کے غیر احمدی طلبہ کو بھی ساتھ لائی۔ ۵ فروری کو اس تنظیم کی ٹیموں نے کرکٹ اور فٹ بال کے میچ کھیلے۔ ۶ فروری ۱۹۳۸ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ان کو ایک خطاب فرمایا جو تین گھنٹہ تک جاری رہا۔ یہ وفد اسی روز شام کی گاڑی واپس لاہور چلا گیا۔ ان دنوں اس ایسوسی ایشن کے سیکرٹری صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب تھے۔[4]

---

[1] مرحوم کے تفصیلی حالات قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور امام مسجد لنڈن حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد نے اپنے قلم سے تحریر فرمائے تھے جو الفضل ۲۵ جنوری اور ۵ فروری ۱۹۳۸ء میں شائع شدہ ہیں۔ انگریز نو مسلم نٹل ہال کے تاثرات کیلئے ملاحظہ ہو الفضل ۵ مارچ ۱۹۳۸ء صفحہ ۲۔

[2] الفضل ۲۵ جنوری ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱ [3] الفضل ۱۵ فروری ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ [4] الفضل ۸ فروری ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

سنگِ بنیاد

اس سال حضور نے دو مکانات کی بنیاد اپنے دستِ مبارک سے رکھی۔ (۱) ۱۶ مارچ ۱۹۳۸ء کو شیخ یوسف علی صاحب بی۔ اے نائب ناظر امور عامہ کے مکان کی دار العلوم میں[1] اور (۲) ۷ جون ۱۹۳۸ء کو میاں عبد الرحیم صاحب زرگر کے مکان کی بنیاد محلہ دار الرحمت میں[2]۔

احمدیہ دار التبلیغ کلکتہ میں کانگرسی لیڈر مسٹر سرت چندربوس کا لیکچر

کلکتہ میں اشاعت احمدیت کو فروغ دینے کے لئے نواب اکبر یار جنگ صاحب بہادر حیدر آباد دکن نے ۵ مارچ ۱۹۳۸ء کو احمدیہ دار التبلیغ کا افتتاح کیا۔ اس تقریب پر شری یت سنت کمار رائے صاحب چودھری میئر آف کلکتہ کی زیر صدارت البرٹ ہال میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں نواب صاحب موصوف کے علاوہ مسٹر آرڈ شیرڈین شا۔ مسز نرا پرادا چکرورتی۔ پروفیسر ادھکاری اور خان بہادر چودھری ابوالہاشم خان صاحب امیر بنگال پراونشل احمدیہ ایسوسی ایشن نے بھی تقریریں کیں اور روزنامہ "امرت بازار پتر کا" (مجریہ ۶ مارچ ۱۹۳۸ء) نے افتتاح کی کارروائی شائع کی[3]۔ اگلے روز ۶ مارچ ۱۹۳۸ء کو بابو سبھاش چندر بوس صدر آل انڈیا کانگرس کے بھائی مسٹر سرت چندر بوس نے انگریزی میں لیکچر دیتے ہوئے کہا:-

"میرے لئے یہ بات بہت بڑے فخر اور عزت کا موجب ہے کہ آپ نے مجھے اس جلسہ کی صدارت کی دعوت دی اور جہاں میں اس کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں وہاں بلا تأمل یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں آپ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے بہت بڑی جھجک محسوس کر رہا ہوں۔ جماعت احمدیہ میں بکثرت ایسے اہل علم۔ قربانی کرنے والے اور ایثار پیشہ اصحاب موجود ہیں۔ جن کی متواتر سرگرمیوں کے باعث آپ کی جماعت کے بانی کی تبلیغ زمین کے آخری کناروں تک پہنچ چکی ہے .... آپ کی جماعت کے بانی حضرت مرزا غلام احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے متواتر مذہبی اتحاد کی تلقین فرمائی۔ میرے نزدیک اس ہمہ گیر وسعتِ خیال اور تلاش حق کے لئے اس آمادگی کی سب سے بہترین مثال آپ کی وہ تعلیم ہے جس میں آپ نے اس امر پر زور دیا ہے کہ ہر زمانہ اور دنیا کی ہر قوم کو الہام الٰہی سے نوازا گیا ہے۔ آپ نے اسلامی عقیدہ کی تشریح کرتے ہوئے اس امر کو واضح فرمایا کہ قرآن کریم الہام کے متعلق کسی قسم کی قید کو تسلیم نہیں کرتا۔ نہ وقت کی قید کو اور نہ اس فرد کی قومیت کی قید کو جسے خدا تعالیٰ اپنے مکالمہ کے لئے منتخب کرے۔ پس آپ کا نظریہ یہ تھا کہ تمام لوگوں پر

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۹ مارچ ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱ [2] الفضل ۹ جون ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱

[3] الفضل ۱۱ مارچ ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

کسی نہ کسی زمانہ میں الہامِ الٰہی کے دروازے کھولے گئے .... جماعت احمدیہ کے عقائد کی وسعتِ نظر اور ہمہ گیری کی ایک اور مثال اسلامی مسئلہ جہاد کے متعلق آپ کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم میں ملتی ہے۔ ہم غیر مسلموں کے لئے یہ مسئلہ دارالحرب اور دارالاسلام کی یہ تقسیم مسلموں اور غیر مسلموں کے درمیان مستقل تنازعہ کا یہ تصوّر ہمیشہ سے ناقابلِ فہم اور پریشان کن رہا ہے۔ ہندو مذہب اپنے اندر ایک ہمہ گیر اور وسیع اپیل رکھتا ہے۔ یہ رُوحانی صداقت کو کسی ایک فرقہ یا قوم کے اجارہ میں متصوّر نہیں کرتا۔ ہمارے نزدیک تمام انسان یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن جس رنگ میں ہندوستان کی دوسری سب سے بڑی مذہبی جماعت کے لوگ یعنی مسلمان مسئلہ جہاد کو پیش کرتے ہیں اس سے ہمیں ہمیشہ تعجب ہوتا ہے۔ لیکن آپ کی جماعت کے بانی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے جو کہ صلح اور آشتی کی تعلیم پر بہت زیادہ زور دیتے رہے ہیں جہاد کو ایک اعلیٰ اخلاقی سطح پر پہنچا دیا۔ چنانچہ آپ نے اس امر کی اشاعت فرمائی کہ جہاد جسے دوسرے مسلمان غیر مسلموں سے جنگ کرنے کے مترادف سمجھتے ہیں وہ فی الحقیقت اس کوشش کا نام ہے جو حق و انصاف کے لئے کی جائے اور اس سے مراد وہ سعی اور جنگ ہے جو ہر قسم کی بُرائی کے خلاف عمل میں لائی جائے۔

جہاد کی اِس تشریح سے آپ نے دارالحرب یعنی جنگ و جدال کی دنیا کے اندوہناک تصوّر کا خاتمہ کر دیا ہے اور تمام دنیا کو دارالاسلام (صلح و آشتی کی دنیا) میں تبدیل کر دیا ہے۔ فی الحقیقت جماعت احمدیہ کی تعلیم اپنی نوعیت میں دَورِ حاضرہ کے لئے نہایت ہی ضروری ہے۔ بانیٔ جماعتِ احمدیہ نے جب یہ دعویٰ کیا کہ وہ گذشتہ پیشگوئیوں کے مطابق مبعوث ہوئے ہیں اور وہی مہدیٔ معہود اور مسیح موعود نیز عیسیٰ زماں ہیں تو میرے خیال میں اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ ہر زمانہ کے لئے ایک نبی ہونا چاہیئے جو صداقتِ ازلی کو اس زمانہ کی ضروریات کی روشنی میں دوبارہ دنیا کے سامنے واضح کرے اور اسے اس فریبانہ تنگ ظرفی سے پاک کر دے جو مرورِ زمانہ سے تمام مذاہب کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اس نقطۂ نگاہ سے وہ لوگ بھی جو خود آپ کی جماعت کے احکام پر پوری طرح عمل پیرا نہ ہوں جماعت احمدیہ کے بانی کو دل سے ایک سچّا اور بہت بڑا نبی تسلیم کر سکتے ہیں۔ بہرحال خالص دُنیوی اور تاریخی زاویۂ نگاہ سے یہ امر تمام دنیا کو مسلّم ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تحریک دَورِ حاضرہ میں اسلام کی ایک بہت بڑی اصلاحی تحریک ہے جس میں خیر و برکت کی لاانتہا قوتیں

پنہاں ہیں۔ ہم صدق دل سے اس کی ترقی کے خواہاں ہیں۔"[1]

مسجد اقصیٰ کی توسیع

چونکہ قادیان کی آبادی ہر سال تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ اسلئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مسجد اقصیٰ کی توسیع کی ہدایت فرمائی اور ۱۲؍ اپریل ۱۹۳۸ء کو دس بجے صبح جنوبی جانب کے نئے حصہ کی بنیاد رکھی۔ اس تقریب کی خبر اخبار "الفضل" نے مندرجہ ذیل الفاظ میں شائع کی:۔

"حضور سوا نو بجے ہی تشریف لے آئے اور توسیع مسجد کا نقشہ ملاحظہ فرمانے کے بعد دیر تک حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سے گفتگو فرماتے رہے۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب۔ جناب مولوی عبدالمغنی خان صاحب اور جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب بھی ہمراہ تھے۔ مقامی احباب کثیر تعداد میں اس مبارک تقریب پر جمع تھے۔ دس بجے کے قریب حضور نے مغربی کونہ میں خشت بنیاد رکھی۔ بنیاد کے لئے چند چھوٹی اینٹیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ مبارک کی تھیں مسجد اقصیٰ کی چھت کی ایک برجی سے ..... لائی گئی تھیں بنیاد رکھنے کے وقت حضور کے ارشاد سے حافظ محمد رمضان صاحب نے باآواز بلند قرآن کریم کی وہ دعائیں بار بار دہرائیں جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خانہ کعبہ کی بنیاد رکھتے وقت اللہ تعالیٰ سے کیں۔ اس کے بعد حضور نے مجمع سمیت لمبی دعا فرمائی"۔[2]

طہران کا ایک زرتشتی سیاح قادیان میں

۳؍ مئی ۱۹۳۸ء کو ایک زرتشتی ایرانی سیاح منوچہر آرین صاحب (جو ایگریکلچر انجنیئر اور سند یافتہ ہوا باز تھے) مرکز احمدیت دیکھنے کے لئے قادیان آئے[3] اور مرکز احمدیت کے خالص اسلامی ماحول سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔[4]

دو عیسائی مشنری قادیان میں

۲۲؍ جولائی ۱۹۳۸ء کو دو پادری مسٹر پرنجا ایم۔ اے اور مسٹر فرانسس جو بالترتیب ہسپانیہ اور بلجیم کے اصل باشندے تھے قادیان کی زیارت کے لئے آئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے شرف ملاقات حاصل کیا۔[5]

---

[1] روزنامہ الفضل قادیان ۲۳؍ مارچ ۱۹۳۸ء صفحہ ۳ [2] روزنامہ الفضل قادیان ۱۴؍ اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۲

[3] الفضل ۵؍ مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۲ [4] اس ضمن میں ان کا فارسی مکتوب الفضل ۷؍ مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۲ پر شائع شدہ ہے۔ [5] الفضل ۲۹؍ جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۲۔

مذہبی کانفرنس کراچی

۲۱ر ستمبر ۱۹۳۸ء کو آریہ سماج کراچی کی مذہبی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مولینا غلام احمد صاحب فرخ نے محاسن اسلام پر تقریر کی۔ کانفرنس کے صدر رائل چند کے مشہور ہندو وکیل تھے جنہوں نے دوبار آپ کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا احمدی بھائیوں کی یہ کوشش ایک نہ ایک دن ضرور ہندوستان میں خوشگوار فضا پیدا کردیگی۔[۱]

قبر مسیح کا اعلان یورپ میں

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۴ر جون ۱۹۰۲ء کو ارشاد فرمایا کہ "یورپ اور دوسرے ملکوں میں ہم ایک اشتہار شائع کرنا چاہتے ہیں جو بہت ہی مختصر ایک چھوٹے سے صفحے کا ہو تاکہ سب اُسے پڑھ لیں۔ اس کا مضمون اتنا ہی ہو کہ مسیح کی قبر سری نگر کشمیر میں ہے جو واقعاتِ صحیحہ کی بناء پر ثابت ہو گئی ہے۔ اس کے متعلق مزید حالات اور واقفیت اگر کوئی معلوم کرنا چاہے تو ہم سے کرے۔ اس قسم کا اشتہار ہو جو بہت کثرت سے چھپوا کر شائع کیا جائے۔"[۲]

امام الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دیرینہ خواہش کی تکمیل میں مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن نے اس سال "مسیح کی قبر ہندوستان میں" کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا[۳] جس میں مقبرہ مسیح کا فوٹو بھی دیا۔ اس اشتہار کی دارالتبلیغ لنڈن کی طرف سے وسیع پیمانہ پر اشاعت کی گئی۔[۴]

مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب قادیان میں

مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب ۱۸ر دسمبر ۱۹۳۸ء کی شام کو قادیان آئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کو دعوت طعام دی۔ اگلے روز دوپہر کا کھانا حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کے ہاں تناول فرمایا اور نواب محمد عبداللہ خان صاحب نے دعوت عصرانہ دی۔ آپ سوا چھ بجے شام کی ٹرین سے واپس روانہ ہوئے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور دوسرے کئی احباب الوداع کے لئے اسٹیشن پر تشریف فرما تھے۔[۵]

---

[۱] الفضل ۱۸ر ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱ [۲] الحکم ۱۰ر جولائی ۱۹۰۲ء صفحہ ۳ ۔ ملفوظات جلد سوم صفحہ ۲۹۲۔

[۳] اشتہار کا متن الفضل یکم جنوری ۱۹۳۹ء میں شائع شدہ ہے۔ [۴] اشتہار کی اشاعت کے بعض معاونین خاص:- میاں غلام محمد صاحب اختر۔ شیخ مسعود احمد صاحب ۔ ایس۔ ڈی اوبھا۔ سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدر آباد دکن حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب ریٹائرڈ سول سرجن قادیان۔ ڈاکٹر محمد الدین صاحب بنوں۔ منشی عبدالعزیز صاحب قادیان۔ حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب۔ صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب (الفضل ۳ر جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۳ کالم ۴ و ۴ر جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۱ و ۸ر جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۲) [۵] الفضل ۲۲ر دسمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۱ و الفضل ۲۴ر دسمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۳

خاندانِ مسیح موعودؑ میں خوشی کی تقاریب

۱۸؍دسمبر ۱۹۳۸ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے نکاحوں کا اعلان فرمایا۔[51]

دعوتِ ولیمہ میں شمولیت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی بابو عبدالحمید صاحب آڈیٹر نے ۱۲؍دسمبر ۱۹۳۸ء کو اپنے لڑکے جناب عبدالمجید صاحب کی دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کیا جس میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی شمولیت فرمائی۔[52]

مباہلہ کمال ڈیرہ سندھ

۱۹؍دسمبر ۱۹۳۷ء کو کمال ڈیرہ (ضلع نواب شاہ سندھ) میں احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان مباہلہ ہوا[53] جس کا نتیجہ ایک سال کے اندر اندر یہ نکلا کہ فریق مخالف کے دس مباہلین کسی نہ کسی مصیبت کا شکار ہو گئے۔ ایک شخص جو مخالفت میں بہت سرگرم اور نمایاں حصہ لیتا تھا مر گیا۔ باقیوں کو جانی، مالی اور عزت و آبرو کے لحاظ سے غیر معمولی حوادث پیش آئے۔ اس کے مقابل مباہلہ کرنے والے سب احمدی زندہ و سلامت رہے اور غیر احمدی رئیس نے جو دورانِ مباہلہ میں فریقین کے صدر تھے احمدیت قبول کر لی۔ اور اس کے علاوہ تین اور احمدی ہو گئے۔ اس طرح سندھ میں احمدیت کی صداقت کا ایک چمکتا ہوا نشان ظاہر ہوا۔[54]

مبلغینِ احمدیت کی روانگی اور آمد

۱۹۳۸ء میں مندرجہ ذیل مبلغین بیرونی ممالک کو روانہ کئے گئے:۔

۱۔ مولوی محمد صادق صاحب مبلغ سماٹرا (تاریخ روانگی ۲۱؍مارچ ۱۹۳۸ء)[55]

۲۔ مولوی محمد شریف صاحب مبلغ بلادِ عربیہ (تاریخ روانگی ۷؍ستمبر ۱۹۳۸ء)[56]

اس سال حسب ذیل مبلغین تبلیغ اسلام کا فریضہ بجا لانے کے بعد مرکز احمدیت میں واپس تشریف لائے:۔

۱۔ مولوی محمد سلیم صاحب مبلغ بلادِ عربیہ (تاریخ آمد ۱۰؍مارچ ۱۹۳۸ء)[57] ۲۔ صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز مبلغ جاپان (تاریخ آمد ۱۲؍جولائی ۱۹۳۸ء)[58]

---

[51] الفضل ۲۰؍دسمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ [52] الفضل ۲۳؍دسمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۱ [53] مباہلہ میں شامل ہونے والے احمدیوں کے نام:۔ ماسٹر محمد پریل صاحب۔ محمد شفیع صاحب۔ عمر الدین صاحب۔ شمس الدین صاحب۔ مٹھا خان صاحب۔ بڈھل خان صاحب۔ غلام محمد صاحب۔ حاجی نبی محمد صاحب۔ اللہ ڈنہ صاحب۔ محمد موہیل صاحب۔ غیر احمدی مباہلین:۔ ملا دوس محمد صاحب۔ محرم صاحب۔ محمد عثمان صاحب۔ محمد پریل صاحب۔ غلام حسین صاحب۔ غلام محمد صاحب۔ اللہ بخش صاحب۔ نبی بخش صاحب۔ عطا محمد صاحب۔ محمد الیاس صاحب۔ (الفضل ۱۲؍جنوری ۱۹۳۸ء صفحہ ۵ کالم ۳-۴)

[54] الفضل ۲۴؍جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۶ کالم ۳-۴ [55] الفضل ۲۳؍مارچ ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۲ [56] الفضل ۹؍ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۳

[57] الفضل ۱۱؍مارچ ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۲-۳ [58] الفضل ۱۴؍جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۲

۲۔ حاجی احمد خان صاحب ایاز مبلغ ہنگری و یوگوسلاویہ (تاریخ آمد ۲۶ جولائی ۱۹۳۸ء)[۵۱]

نئی مطبوعات جماعت احمدیہ کی طرف سے ۱۹۳۸ء میں شائع ہونے والی مطبوعات کی فہرست یہ ہے:۔
۱۔ قواعد وضوابط صدر انجمن احمدیہ قادیان (مرتبہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ۔ مرزا محمد شفیع صاحب)

۲۔ "امام المتقین" (منظوم پنجابی تالیف ڈاکٹر مولوی منظور احمد صاحب خلف الرشید مولوی حاجی محمد دلپذیر صاحبؓ بھیروی)

۳۔ "میری والدہ" (چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے قلم سے انکی والدہ ماجدہ حسین بی بی صاحبہؓ کے ایمان افروز حالات)

۴۔ "سلسلہ عالیہ احمدیہ" (مؤلفہ مولوی محمد شریف صاحب فاضل مبلغ بلاد عربیہ)

۵۔ دوسرا پارہ جامع مسند صحیح بخاری (ترجمہ و شرح حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب)

۶۔ "تفہیمات مثنوی معنوی" (مؤلفہ منشی گلاب الدین صاحب پنشنر کالانوری)

۷۔ "تاثراتِ قادیان" (مرتبہ ملک مبارک فضل حسین صاحب)

اندرون ملک کے مشہور مناظرے ۱۹۳۸ء میں مناظروں کی تعداد گذشتہ سالوں کی نسبت کم رہی۔ اس سال کے چند مشہور و کامیاب مناظرے مندرجہ ذیل مقامات پر ہوئے:۔

مباحثہ دہلی:۔ دہلی میں مولوی ابو العطاء صاحب جالندھری نے ۱۲ اپریل ۱۹۳۸ء کی شام کو ایک آریہ سماجی پنڈت سے "ضرورتِ قرآن مجید" پر مناظرہ کیا[۵۲] ایک معزز غیر احمدی نے مناظرہ کی کامیابی پر مولوی صاحب کو تحریری مبارکباد بھیجی۔ اور اپنے مکتوب میں لکھا کہ:۔

"جناب کا مناظرہ آریہ سماج سے بمقام دہلی جلسہ میں ہوا تھا جس میں بندہ بھی شامل تھا یعنی جلسہ گاہ میں بغرض سماع مناظرہ حاضر ہوا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ جناب نے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے اعداء اسلام کو مرعوب کیا اور دنیا پر یہ روشن اور واضح کر دیا کہ قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب منزل من اللہ ہے کہ جو ہر ضرورتِ انسانی کی مکتفی اور ضامن ہے میں جناب کو اس کامیابی پر تہ دل سے ہدیہ مبارکباد پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ افسوس کہ میں حاضر خدمت دہلی میں نہ ہو سکا۔ اگر زندگی نے وفا کیا تو ممکن ہے کہ جناب کی زیارت اور خیالات سے مستفید ہو سکوں

---

[۵۱] الفضل ۲۸ جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۳

[۵۲] الفضل ۱۷ اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۹ کالم ۱

فی الحال اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ میں فی الحال آپ کے خیالات کا جو بہ نسبت مرزا صاحب ہیں مخالف ہوں جس کے متعلق تبادلہ خیالات کا متمنی اور متقاضی ہوں۔ علاوہ ازیں جو "ضرورت قرآن کریم" پر آپ نے دلائل قائم کئے تھے کیا وہ آپ مجھے ارسال فرما کر ممنون فرمائیں گے؟"[۵۱]

مباحثہ کراچی :-

کراچی میں اس سال بھی ۱۷-۱۸ر اپریل ۱۹۳۸ء کو جماعت احمدیہ کا آریہ سماج سے دو موضوع پر مناظرہ ہوا۔

(۱) "کیا وید دھرم عالمگیر ہے" (مابین مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل و پنڈت رام چند صاحب)

(۲) "کیا اسلام عالمگیر مذہب ہے۔" (مولوی ابو العطاء صاحب فاضل و پنڈت رام چند صاحب)

آریہ سماجی مناظر کو ان مناظروں میں شکست فاش ہوئی۔ جس کی خفت پر پردہ ڈالنے کے لئے آریوں نے احمدیوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے موضوع پر مناظرہ کا چیلنج دے دیا۔ اس پر مولوی ابو العطاء صاحب نے اعلان فرمایا کہ ہاں ہم ہر وقت تیار ہیں۔ آپ آج ہی اسی وقت اور اسی پنڈال میں کر لیجیئے۔ اور پنڈت لیکھرام سے متعلق بحث کے لئے بھی تیار رہیئے[۵۲] مگر آریوں کو مرد میدان بننے کی جرأت نہ ہو سکی۔

مباحثہ لکھنؤ :-

جون ۱۹۳۸ء میں مولوی عبد المالک خان صاحب اور پنڈت ودیانند صاحب آف کانتی کا چھاؤنی لکھنؤ میں مناظرہ ہوا۔ موضوع بحث تھا "کیا ویدک دھرم الہٰیشوری دھرم ہے؟" مولوی صاحب نے ثابت کیا کہ آریہ دھرم اب ایک بجھا ہوا چراغ، مرجھایا ہوا پھول، اور اجڑا ہوا بوستان ہے جس کی پیروی میں اب خدا سے شرف مکالمہ و مخاطبہ پانا ممکن نہیں۔ آریہ مناظر صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر لاتعلق اور بے بنیاد اعتراضات شروع کر دیئے جس پر مسلمانوں نے کہا کہ وہ اس طرح مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کی کوشش صرف اس لئے

---

۵۱ روزنامہ الفضل قادیان ۱۴ر اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۴ ۵۲ الفضل ۲۶ر اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۹ کالم ۱-۲

کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فاضل احمدی مقرر کے دلائل کا کوئی جواب نہیں ۔ بالآخر مجمع کے پُرزور مطالبہ پر پنڈت جی نے اپنے لاجواب ہونے کا اقرار کیا اور دو گھنٹہ بعد مناظرہ ختم ہوا۔ اور مسلمان جناب مولوی صاحب کو نہایت عزت و تکریم سے ایک مکان پر لے گئے جہاں آپ کی شربت وغیرہ سے تواضع کی اور آپ کا شکریہ ادا کیا۔[1]

مباحثہ نبی سر روڈ سندھ :-

۲۱-۲۲ر جولائی ۱۹۳۸ء کو بمقام نبی سر روڈ سندھ ضلع تھرپارکر جمعیۃ العلماء تھرپارکر اور جماعت احمدیہ احمد آباد کے درمیان مناظرہ ہوا ۔ ۲۱ر جولائی ۱۹۳۸ء کو مولوی عبد القادر صاحب فاضل نومسلم نے "وفاتِ مسیح" پر اور ۲۲ر جولائی ۱۹۳۸ء کو قریشی محمد نذیر صاحب فاضل نے "صداقتِ مسیح موعودؑ" پر مناظرہ کیا۔ جمعیۃ العلماء کی طرف سے مولوی عبد اللہ صاحب معمار امرتسری پیش ہوئے۔

معمار صاحب نے دوران مباحثہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ مبارک میں نہایت گستاخانہ کلمات کہے مگر چیلنج دینے کے باوجود احمدی مناظر کے قرآنی دلائل کا ردّ نہ کر سکے۔[2]

مباحثہ شملہ :-

ستمبر ۱۹۳۸ء میں مولوی ابوالعطاء صاحب نے "قدامت رُوح و مادہ" اور پیشگوئی متعلقہ لیکھرام کی نسبت پنڈت رام چندر دہلوی اور پنڈت چرنجی لال پریم سے بحث کی۔

تمام پبلک بلکہ خود آریہ سماجیوں نے مولانا صاحب کی متانت اور شائستگی کا کھلے بندوں اقرار کیا۔ دوسرا مضمون نازک تھا۔ کمالِ حکمت سے انہوں نے ساری بات کہہ دی لیکن ایسے الفاظ میں کہ دلآزاری نہ ہونے پائے۔[3]

مباحثہ لالہ موسیٰ :-

لالہ موسیٰ میں ۲۴-۲۵ر ستمبر ۱۹۳۸ء کو تین اختلافی مسائل پر مناظرے ہوئے۔ ایک مناظرہ

---

[1] الفضل ۲۱ر جون ۱۹۳۸ء صفحہ ۸ کالم ۳ [2] الفضل ۹ر اگست ۱۹۳۸ء صفحہ ۷
[3] الفضل ۱۸ر ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۲

میں جماعت احمدیہ کی طرف سے مولوی محمد سلیم صاحب فاضل اور غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی ظہور احمد صاحب پیش ہوئے۔

دوسرا مناظرہ ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتی نے کیا۔ مدمقابل سے مولوی محمد شفیع صاحب نے بحث کی۔

تیسرا مناظرہ مولوی محمد سلیم صاحب نے کیا۔

ان مناظروں کا غیر احمدی پبلک پر بہت اچھا اثر تھا۔ کئی لوگوں نے تسلیم کیا کہ ہمارے مولویوں کے پاس ٹھٹھے اور مخول کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مناظرہ کے آخر میں غیر احمدی مولویوں نے ایک غیر احمدی کو کھڑا کر دیا کہ تم کہو میں احمدیت سے توبہ کرتا ہوں۔ حالانکہ وہ شخص احمدی ہی نہیں تھا۔ نہ اس نے کبھی بیعت کی تھی۔[1]

مباحثہ ڈیرہ وال:-

اکتوبر ۱۹۳۸ء میں ڈیرہ وال میں مولوی محمد سلیم صاحب نے مسئلہ "وفات وحیات مسیح علیہ السلام" اور "آخری فیصلہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری" کے موضوع پر اور مولوی دل محمد صاحب نے مسئلہ نبوت اور صداقت مسیح موعود علیہ السلام" پر مناظرے کئے۔

غیر احمدیوں کے مناظر عبداللہ صاحب معمار امرتسری تھے۔ غیر احمدیوں اور غیر مسلموں دونوں نے مناظرہ میں فتح پر احمدیوں کو مبارک باد دی۔ بالخصوص شیعہ اصحاب نے نہایت واضح الفاظ میں احمدیوں کی کامیابی کا اقرار کیا۔[2]

مباحثہ سندھ:-

صوبہ سندھ کے مبلغ قریشی محمد نذیر صاحب ملتانی نے صوبہ بھر میں بکثرت لیکچر دیئے تھے اور اس کے نتیجہ میں سندھ کی احمدیہ جماعتیں بھی تبلیغ میں سرگرم عمل ہو گئی تھیں۔ یہ بیداری دیکھ کر غیر احمدیوں نے جماعت احمدیہ سندھ سے مناظرہ کی طرح ڈالی اور باہر سے متعدد علماء بلائے۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے دو مناظرے ہوئے۔

---

[1] الفضل ۶ر اکتوبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۸ [2] الفضل ۹ر اکتوبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۵ کالم ۴

اِن مناظروں میں اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو نمایاں کامیابی عطا فرمائی جس کا واضح اقرار شیعہ حضرات نے بھی کیا۔ مخالفین احمدیت نے فساد برپا کرنے کی ہر چند کوشش کی مگر کوئی موقعہ میسّر نہیں آیا۔ یہ دیکھ کر غیر احمدی علماء صاحبان خود آپس میں اُلجھ پڑے اور جمعیۃ العلماء کے تیس چالیس علماء راتوں رات واپس تشریف لے گئے۔[1]

غرض اللہ تعالیٰ نے حق کا بول بالا کیا اور اِنِّیْ مُهِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِهَانَتَكَ کا نظارہ ایک بار پھر آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔

---

[1] رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ ۴۰-۱۹۳۹ء صفحہ ۴۸

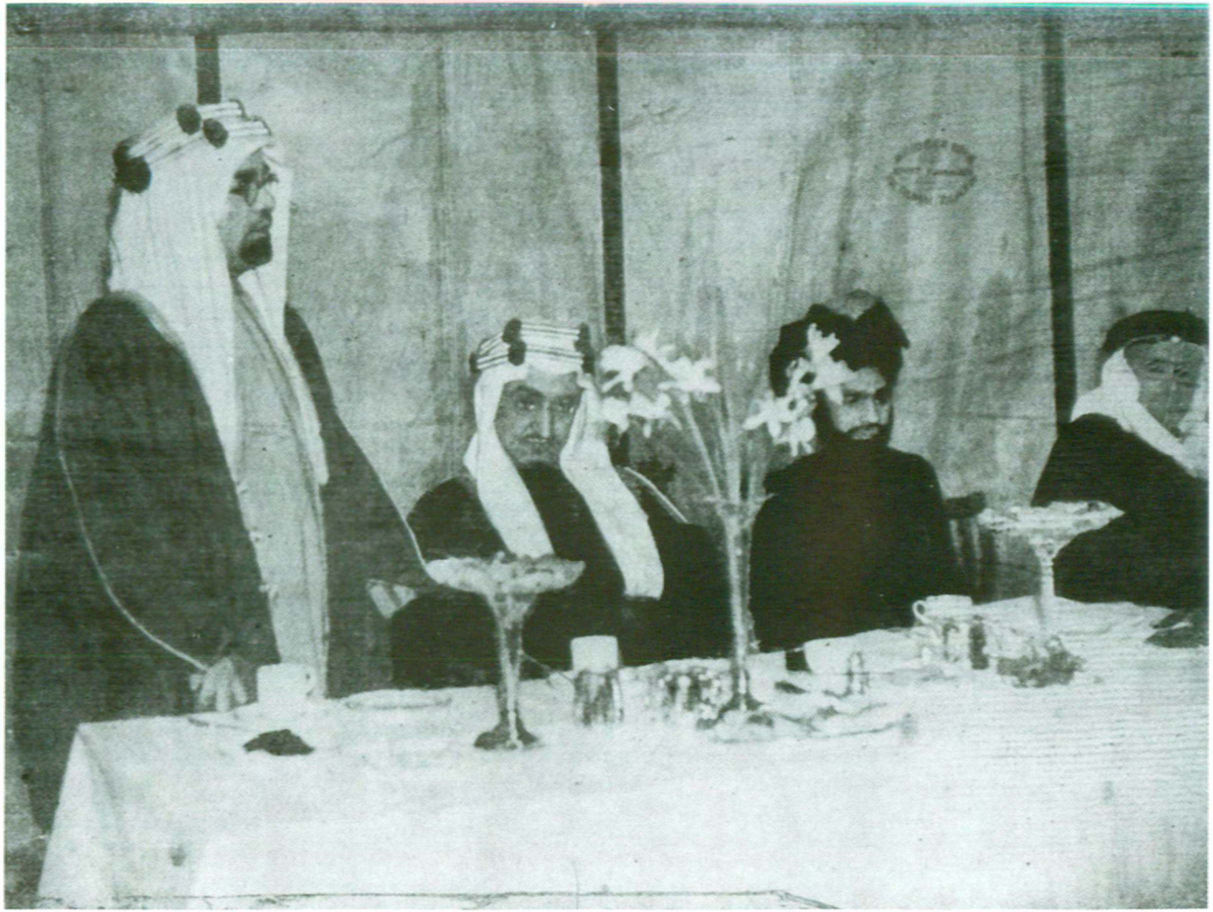

شہزادہ امیر فیصل صاحب (حال شاہ فیصل) اور دیگر عربی نمائندوں کے اعزاز میں دعوت استقبالیہ فروری ۱۹۳۹ء
مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لندن کے دائیں جانب امیر فیصل تشریف فرما ہیں۔
سعودی عرب کے ایک وزیر امیر فیصل کی طرف سے جوابی تقریر کر رہے ہیں۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جلسہ ۱۹۳۹ء کی تقریب پر اپنے خدام کے ہمراہ۔ پہلی قطار (دائیں سے بائیں) عبدالرشید صاحب،
سردار کرم داد خان صاحب، حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب، چوہدری اسداللہ خان صاحب، سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ، خان میر صاحب،
مولوی نورالحق انور صاحب، سید ولی اللہ صاحب (مبلغ افریقہ) منیر احمد صاحب وغیرہ،
حضور کے پیچھے (دائیں سے بائیں) صاحبزادہ سید محمد طیب صاحب، ملک صلاح الدین صاحب ایم اے۔

چھٹا باب

قضیۂ فلسطین میں عربوں کی پُرزور حمایت سے لیکر خلافت جوبلی کے جلسہ تک

خلافتِ ثانیہ کا چھبیسواں (۲۶) سال

ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ تا ذی قعدہ ۱۳۵۸ھ
جنوری ۱۹۳۹ء — دسمبر ۱۹۳۹ء

مسئلہ فلسطین کا پس منظر

فلسطین کو یہودیت کا مرکز بنانے کی موجودہ تحریک انیسویں صدی کے آخر (۱۸۹۷ء) میں شروع ہوئی۔ اس سال ہرزل نے عالمی صیہونی انجمن کی بُنیاد ڈالی۔ اور بیل کے مقام پر طے پایا کہ فلسطین میں یہودیوں کا ایک وطن بنایا جائے۔ صیہونی تحریک کے لیڈروں نے پہلے تو سلطان ترکی کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ یہودی وطن کے قیام کی اجازت دیجائے۔ مگر ترکی حکومت نے انکار کر دیا۔ ۱۹۰۳ء میں حکومت برطانیہ نے تجویز پیش کی کہ یہودی کینیا (افریقہ) کو اپنا وطن بنالیں۔ لیکن یہودی رضامند نہ ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں جب پہلی عالمگیر جنگ چھڑی تو یہودیوں نے جرمنی اور برطانیہ دونوں سے جوڑ توڑ شروع کر دئے۔ جنگِ عظیم کے دوران حالات نے پلٹا کھایا۔ ترک جنگ میں اتحادیوں کے خلاف جرمنی کا ساتھ دے رہے تھے۔ اِدھر برطانیہ کو عربوں کی (جو اس وقت ترکی حکومت سے مطمئن نہ تھے) ضرورت محسوس ہوئی۔ انگریزوں نے حُسین شریف مکّہ کو پیغام بھیجا۔ کہ اگر فلسطین کے عربوں نے جنگ میں ان کا ساتھ دیا۔ تو ترکوں کے عربی مقبوضات آزاد کر دیئے جائیں گے۔ ان مقبوضات میں فلسطین بھی شامل تھا۔ عرب برطانیہ کے داؤ میں آگئے اور انہوں نے اسے منظور کر لیا۔ اور جنگ میں ترکوں کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے۔ کرنل لارنس کی زیر ہدایت اور عربوں کی مدد سے جنرل ایلن بی نے ۱۹۱۷ء میں ترکوں کو شکست دیکر یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ صیہونی تحریک کے لیڈر بھی خاموش نہیں بیٹھے تھے۔ فلسطین کو اپنا قومی گھر بنانے کی پرانی خواہش از سرِ نو تازہ ہو گئی۔ ادھر جنگ کے مصارف کی وجہ سے انگریزوں کو یہودی سرمایہ کی سخت ضرورت تھی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اسی سال برطانوی وزیر امورِ خارجہ لارڈ بالفور (LARD BAL FOUR) اور یہودی لیڈر لارڈ روتھسچائیلڈ (LORD ROTH SCHILD)

کے مابین ایک خفیہ معاہدہ ہوا جس کی ذریعہ طے پایا کہ یہودی جنگ میں برطانیہ کی مدد کریں۔ اس کے عوض برطانیہ اختتام جنگ پر فلسطین کو یہودیوں کا وطن بنا دیگا ۔ یہ معاہدہ ۱۹۲۰ء یعنی اختتام جنگ کے ایک سال بعد تک خفیہ رکھا گیا۔ جنگ کے بعد تھوڑے عرصہ تک سکون رہا۔ ۱۹۲۰ء میں فلسطین کی باگ دوڑ مجلس اقوام کی زیر نگرانی برطانیہ کے سپرد ہوئی۔

عربوں کو کامل یقین تھا کہ عنقریب فلسطین ایک آزاد ملک اُن کے سپرد کر دیا جائیگا۔ مگر ۱۹۲۰ء میں انہیں پہلی بار محسوس ہوا۔ کہ برطانیہ کسی صورت میں بھی ان کو فلسطین کا اقتدار سونپنے کیلئے آمادہ نہیں ہے۔ اس عرصہ میں یہودی لوگ کافی تعداد میں فلسطین پہنچ چکے تھے اور اُسوقت سے ہی علاقہ میں گڑبڑ شروع ہو گئی تھی۔ یہودی علانیہ طور پر فلسطین کو اپنا ملک بنانے پر مُصر تھے۔ عرب جو پہلے ہی مضطرب بیٹھے تھے اور بھڑک گئے۔ یہودیوں کی بڑھتی ہوئی درآمد نے انکی آنکھیں کھول دیں۔ اور ملک میں فسادات کا دَور دَورہ شروع ہو گیا۔

۱۹۲۹ء میں حالات انتہائی نازک حالت تک پہنچ گئے۔ بغاوت فرو کرنے کیلئے انگریز فوجیں منگائی گئیں اور وقتی طور پر ہنگاموں پر قابو پالیا گیا مگر ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۶ء میں دوبارہ شدید فسادات اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بہت کچھ مالی و جانی نقصان ہوا ۔ برطانوی مدبرین کا خیال تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد عرب اور یہودی شیر و شکر ہو جائیں گے۔ لیکن اختلاف کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی۔ پندرہ سال کے کُشت و خون کے بعد جب حالات قابو سے باہر نظر آنے لگی تو برطانیہ نے نومبر ۱۹۳۶ء میں لارڈ پیل (LARD PEEL) کی صدارت میں ایک شاہی کمیشن نامزد کر دیا۔ جس نے حالات کا مطالعہ کر کے جولائی ۱۹۳۷ء میں اپنی رپورٹ اور اپنی سفارشات پیش کر دیں۔ پیل کمیشن نے اعتراف کیا۔ کہ عرب اور یہودی دونوں سے وعدہ خلافی اور ناانصافی کی گئی ہے۔ جس کا حل اُس نے یہ پیش کیا۔ کہ ملک کے حصے بخرے کر دئیے جائیں۔ ایک علاقہ جو سب سے زرخیز اور تجارتی مرکز تھا اور جس میں وہاں کی صرف ایک ہی کارآمد بندرگاہ حیفا بھی شامل تھی یہودیوں کے حوالے کر دیا جائے اور فلسطین کا بیشتر حصہ جو عموماً ریتلا صحرا اور بنجر ہے عربوں کو دیدیا جائے۔ نیز سفارش کی کہ باقی مقامات مقدسہ یروشلم اور درمیانی علاقہ پر انگریزی حکومت کی عملداری رہے۔ عرب اور یہود دونوں نے اس تجویز کی سخت مذمت کی۔ اور فلسطین میں یکایک فریقین کی طرف سے ملک گیر اور منظم فسادات اُٹھ کھڑے ہوئے۔ عربوں کا نشانہ پہلے تو یہودی ہوا کرتے تھے مگر پھر انگریزی فوجوں پر یورش شروع کر دی گئی۔ متعدد برطانوی فوجی بیڑے حیفا اور جافا پہونچ گئے۔ اور ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ حریت پسند عرب لیڈر گرفتار کئے گئے۔ مجلسیں توڑ دی گئیں۔ اور عرب

دیہات نہ صرف تعزیری چوکیوں سے زیر بار کر دیئے گئے ۔ بلکہ ہوائی جہازوں سے اُن پر گولہ باری کی گئی ۔
اِن حالات نے صورت حال بدل دی ۔ ملک کے حصے بخرے کرنے کی سکیمیں وقتی طور پہ معرضِ التوا میں پڑ گئیں ۔ اور پیل کمیشن کی رپورٹ پر غور کرنے کیلئے ایک اور کمیشن (وُوڈ ہڈ کمیشن) مقرر ہوا ۔ مگر عرب نہ مطمئن ہو سکتے تھے نہ ہوئے ۔ اب برطانوی حکومت نے مفاہمت کے لئے ایک نئی تجویز سوچی اور وہ یہ کہ لنڈن میں عربوں اور یہودیوں کی ایک مشترکہ کانفرنس کا فیصلہ کیا گیا ۔ یہ کانفرنس فروری ۱۹۳۹ء میں بمقام لنڈن منعقد ہوئی جس میں سعودی عرب، مصر اور عراق کے مندوبین نے شرکت کی ۔ مگر یہ بھی ناکام ہو گئی ۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا آف بریٹینکا ۔ زیر لفظ (ZIONISM) ۔

قضیۂ فلسطین اور جماعتِ احمدیہ

قضیۂ فلسطین کے پس منظر پر روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم بتاتے ہیں ۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور حضور کی قیادت میں احمدیہ پریس[۱] سلسلہ احمدیہ کے مبلّغین بلادِ عربیہ و غربیہ کی تمام ہمدردیاں شروع سے ہی مسئلہ فلسطین کے بارے میں مسلمانانِ عالم کے ساتھ تھیں اور وہ یہودیوں کے ناپاک عزائم کو سخت نفرت و حقارت سے دیکھتے اور ان کی سازشوں کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے سخت خطرہ سمجھتے اور عرب مفادات اور مطالبات کی ترجمانی کا کوئی موقعہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے ۔ ۳۱ر جنوری ۱۹۳۹ء کو عید الاضحیہ کی تقریب تھی ۔ اس موقعہ پر امام مسجد لنڈن مولوی جلال الدین صاحب شمس رضؓ نے ایک جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے فلسطین میں یہودیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد پر سخت تشویش کا اظہار کیا[۲]۔

اس اہم جلسہ کی رپورٹ لنڈن کے ایک باثر اور مقتدر اخبار ساؤتھ ویسٹرن سٹار نے اپنی ۲ر فروری ۱۹۳۹ء کی اشاعت میں یہ لکھی کہ :۔

"عید الاضحیٰ کی تقریب پر جو عید قربان ہے مسجد احمدیہ لنڈن میں ایک جلسہ ہوا ۔ لیفٹننٹ کرنل سر فرانسس ینگ ہسبنڈ کے ۔ سی ۔ ایس ۔ آئی کے ۔ سی ۔ آئی ۔ ای صدر تھے ۔ امام مسجد مولوی جلال الدین شمس نے قیام امن کی کوشش کے لئے وزیر اعظم برطانیہ کو خراجِ تحسین ادا کیا ۔ نیز مسئلہ فلسطین پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ۔ آپ نے کہا ۔ ...... اپنی تعداد کے لحاظ سے یہودیوں کا عربوں سے بڑھ جانے اور

---

[۱] ۔ بطور نمونہ الفضل ۲۷ر جون ۱۹۳۶ء صہ ۳ اور الفضل ۴ر اکتوبر ۱۹۳۶ء صہ ۶ ۔ الفضل ۳۰ر ستمبر ۱۹۳۷ء کے نوٹ ملاحظہ ہوں ؟

[۲] ۔ یاد رہے کہ ۱۹۱۴ء میں فلسطینی یہودی آبادی صرف نوّے ہزار تھی مگر ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۶ء تک کے عرصہ میں جو یہودی بیرونی ممالک سے یہاں آکر آباد ہوئے ان کی تعداد قریباً دو لاکھ اسّی ہزار تھی ۔ (انسائیکلوپیڈیا آف بریٹینکا زیر لفظ (ZIONSM)

اس طرح ان پر چھا جانے کا خیال عربوں کے لئے نہایت خوفناک ہے۔ اور وہ اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔ جو نمائندے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ان کو اور حکومت کو چاہیئے کہ اس مسئلہ پر اخلاص اور غیر جانبدارانہ رنگ میں غور کریں۔ اور اس کا کوئی حل تلاش کریں۔ کیونکہ اگر آج اس کا کوئی حل نہ ملا تو پھر کبھی نہیں ملے گا۔

اس موقعہ پر بہت سے معززین جمع تھے۔ مسلمان۔ ہندو۔ عیسائی۔ غرض کہ ہر قوم کے مرد و عورتیں موجود تھیں۔ حاضرین میں سے سر ٹیلفورڈ واڈ اور سر فنڈلیٹر سٹوارٹ۔ میجر جنرل جے۔ اپچ بیمچ۔ سر آرتھر واؤکوپ (سابق ہائی کمشنر فلسطین)، کاؤنٹس کارلائل۔ ریورنڈ ایس ہاپکنسن۔ ریورینڈ مسٹر سٹیونسن ڈاکٹر مس ہاتھرلی اور کیپٹن عطاء اللہ آئی۔ ایم۔ ایس شامل تھے"۔[۱]

مسجد احمدیہ لنڈن میں شہزادہ امیر فیصل (مملکت کے موجودہ سربراہ) اور دیگر عرب ممالک کے نمائندوں کی تشریف آوری

عید کے چند روز بعد برطانوی حکومت نے ماہ فروری ۱۹۳۹ء میں قضیہ فلسطین کے تعلق میں جب عربی ممالک کی ایک نمائندہ کانفرنس کا انعقاد کیا تو مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن نے اس اجتماع کو غنیمت سمجھتے ہوئے مکہ مکرمہ کے وائسرائے اور فلسطین۔ عراق۔ یمن کے نمائندوں کے اعزاز میں ایک پارٹی دی جس میں شہزادہ امیر فیصل اور شیخ ابراہیم سلیمان رئیس النیابۃ العامہ اور شیخ حافظ وہبہ اور عونی بیک الہادی اور القاضی علی العمری اور القاضی محمد الشامی وغیرہ مندوبین کانفرنس کے علاوہ لنڈن کے اکابر اور ریٹائرڈ افسران۔ مختلف ممالک کے سفراء اور پارلیمنٹ کے ممبر اور نائٹ۔ جرنیل۔ میجر۔ اور بڑے بڑے عہدیدار اور اہل منصب اور معزز ہندوستانیوں میں سے ہائی کمشنر فار انڈیا۔ سردار بہادر موہن سنگھ آف راولپنڈی (ممبر کونسل فار انڈیا) وغیرہ دو سو کے قریب مہمان شامل ہوئے۔ اس تقریب پر حضرت امیر المومنینؓ نے امیر فیصل اور دوسرے عرب نمائندگان کے نام بذریعہ تار برقی مندرجہ ذیل پیغام بھیجا۔ (جو مولانا شمس صاحب نے عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں سنایا)۔

"میری طرف سے ہز رائل ہائنس امیر فیصل اور فلسطین کانفرنس کے ڈیلیگیٹوں کو خوش آمدید کہیں۔ اور ان کو بتا دیں کہ جماعت احمدیہ کامل طور پر ان کے ساتھ ہے۔ اور دعا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی عطا کرے۔ اور تمام عرب ممالک کو کامیابی کی راہ پر چلائے۔ اور ان کو مسلم ورلڈ کی لیڈر شپ عطا کرے۔

---

[۱] (ترجمہ) بحوالہ الفضل ۱۴ مارچ ۱۹۳۹ء صفحہ ۴

وہ لیڈر شپ جوان کو اسلام کی پہلی صدیوں میں حاصل تھی۔"

سعودی عرب کے وزیر نے امیر فیصل کی طرف سے جوابی تقریر کی۔ اور پورے عالم اسلام کی یگانگت اور اتحاد پر زور دیا۔[۱]

امیر فیصل اور دوسرے نمائندوں نے اس موقعہ پر نومسلموں سے قرآن مجید سُنا جس سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ امیر فیصل نے فرمایا۔ میرا خیال تھا کہ چھوٹی سی مسجد ہوگی۔ اور یہ بعد میں بڑی کی گئی ہے۔ مولانا شمس صاحب نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ ابتداء ہی سے اتنی بڑی بنائی گئی تھی۔ عرب نمائندے دار التبلیغ دیکھکر بھی خوش ہوئے۔ مولانا شمس صاحب نے امیر فیصل کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تالیفات میں سے منن الرحمٰن، دار التبلیغ اور بعض اپنی عربی کتب مثلاً "توضیح مرام۔ میزان الاقوام اور دلیل المسلمین خوبصورت جلدیں بندھوا کر بطور ہدیہ پیش کیں۔ جو انہوں نے شکریہ اور مسرت کیساتھ قبول کیں۔ اور جاتے ہوئے وزٹنگ بک میں اپنے قلم کر یہ الفاظ لکھ گئے:۔

"لِاِثْبَاتِ عِنْدِ یَّتِیْ وَ شُکْرِیْ لِحَضْرَةِ الْاِمَامِ وَ اِعْجَابِیْ بِذٰلِکَ الْبِنَاءِ فیصل"

اس شاندار تقریب کے فوٹوگرافرز نے متعدد فوٹو لئے جو سنڈے ایکسپریس اور سوتھ ویسٹرن سٹار اور وومبلڈن بورونیوز اور وانڈز ورتھ بارو نیوز میں بھی شائع ہوئے۔[۲]

قضیہ فلسطین کو آئندہ چل کر کن مراحل میں سے گذرنا پڑا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی۔ اور حضور کی قیادت میں جماعت احمدیہ نے مسلمانان فلسطین کی تائید میں کس طرح آواز بلند کی اس کی تفصیل اگلی جلدوں میں آئے گی۔ مگر یہاں ضمناً یہ بتانا ضروری ہے کہ جہاں جماعت احمدیہ یہودی سرگرمیوں کو عالم اسلام کے لئے ہمیشہ خطرۂ عظیم سمجھتی رہی ہے وہاں مجلس احرار اسلام کے عمائد و اکابر کا ۱۹۳۹ء میں یہ واضح نظریہ تھا۔ کہ

"ہم خطرات کے شمار کے قائل نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک مسلمانوں کیلئے اور اسلام کے لئے کوئی خطرہ نہیں اسلام خدا کا پسندیدہ دین ہے وہ اس لئے دُنیا میں آیا ہے کہ تمام دُنیا کے مذاہب پر غالب ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اسلام کا غلبۂ مجموعی تھا۔ یہ غلبہ اپنی قدرتی رفتار کے ساتھ جاری ہے۔ اس رفتار کو نہ کوئی شخص روک سکتا ہے اور نہ وہ رُکنے والی ہے۔ اسلئے اسلام کی زندگی کے سامنے نہ ایک خطرہ ہے نہ خطرے۔ اسی طرح ملت اسلامیہ بھی زندہ رہنے اور نہ صرف زندہ رہنے بلکہ غالب ہو کر رہنے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ افراد میں ردّ و بدل ہو۔ ہو سکتا ہے کہ قبائل و اقوام میں تغیر و انقلاب ہو۔ لیکن ملت بحیثیت مجموعی "خیر امت" ہے۔ اور وہ باقی۔ برقرار اور قائم رہے گی جسطرح بنی امیہ کے زوال نے بنی عباس کو جگہ دی۔ بنی عباس نے فاطمیین کو جانشین بنایا۔ اور فاطمیین کا علم

۱۔ الفضل ۱۶ مارچ ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۔ ۲۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۹-۱۹۳۸ء صفحہ ۵۶-۵۷۔

عثمانیوں نے سنبھال لیا۔ اسی طرح ملت میں بھی مختلف قومیں اٹھتی اور بیٹھتی رہیں گی۔ اس لئے نہ اسلام کو خطرہ ہے نہ مسلمانوں کو۔ لیکن اگر ان حضرات کے طرز استدلال کو قبول کر لیا جائے جو خدا کی دو مغضوب قوموں سے خدا کے پسندیدہ دین اور خدا کی منعم علیہ قوم کے لئے خطروں کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتے تو ہم عرض کریں گے کہ خطرہ نہ یہود سے ہے نہ ہنود سے بلکہ "خطرہ" خود ان نیک دل اور سادہ لوح تیمارداروں سے ہے جو ملتِ اسلامیہ کے مرد بیمار کے مداوا کیلئے مُسلم لیگ اور اس کے رہنماؤں کی جدوجہد اور عملی پروگرام میں آس لگائے بیٹھے ہیں۔"[۱]

ولیداد خانصاحب کی شہادت

افغانستان کی سنگلاخ زمین ابتداء ہی سے شہدائے احمدیت کے خون سے لالہ زار بنتی آرہی تھی۔ چنانچہ اس سال بھی ۱۵ فروری ۱۹۳۹ء کو مجاہدِ تحریکِ جدید ولیداد خانصاحب نے اپنے خون سے اس ملک کی آبیاری کی۔

ولیداد خاں صاحب ایک لمبا عرصہ دارالامان میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر وہ تحریکِ جدید کے سلسلہ میں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد پر اپنے گاؤں (واقع علاقہ خوست) میں (جو اُن دنوں برطانوی اور افغانی گورنمنٹ کے حدِ فاصل پہاڑ کی چوٹی پر واقع اور بالکل آزاد علاقہ تھا) تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے اپنے چچازاد بھائی خالیداد خاں کی لڑکی سے نکاح کیا۔ اور خدا تعالیٰ نے ایک بچہ بھی دیا۔ لڑکے کی عمر ابھی ڈیڑھ ماہ کی ہوئی تھی۔ کہ ان کے برادرانِ نسبتی نے اس ننھے معصوم بچہ کو جس کا نام فضل داد تھا قتل کر دیا۔ اور پھر اُن کو بھی غالباً چوتھے دن ۱۵ فروری ۱۹۳۹ء کو نہایت بیدردی اور بے رحمی سے تین گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم تین دن تک بے گور و کفن رہے۔ اس کے بعد ظالموں نے انکی نعش مبارک کہیں پھینک دی۔[۲]

مجلس ناصرات الاحمدیہ کا قیام

فروری ۱۹۳۹ء میں احمدی بچیوں کے لئے "مجلس ناصرات الاحمدیہ" کے نام سے ایک انجمن کا قیام عمل میں آیا جس کی صدر محترمہ استانی میمونہ صوفیہ صاحبہ، سیکرٹری صاحبزادی امۃ الرشید صاحبہ (بنت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ) اور اسسٹنٹ سیکرٹری طاہرہ بیگم صاحبہ مقرر ہوئیں۔[۳]

---

[۱] "مجلس احرار اور مسلم لیگ" مؤلفہ شیخ نظام الدین صاحب نائب صدر مجلس احرار حلقہ باغبانپورہ لاہور۔
[۲] الفضل ۲۶ مارچ ۱۹۳۹ء صفحہ ۳۔ [۳] الفضل ۵ جولائی ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

مجلس ناصرات الاحمدیہ کا قیام صاحبزادی امۃ الرشید صاحبہ کی تحریک پر ہوا۔ چنانچہ صاحبزادی صاحبہ کا بیان ہے کہ

"جب میں دینیات کلاس میں پڑھتی تھی۔ میرے ذہن میں یہ تجویز آئی کہ جس طرح خواتین کی تعلیم و تربیت کے لئے لجنہ اماء اللہ قائم ہے۔ اسی طرح لڑکیوں کے لئے بھی کوئی مجلس ہونی چاہیئے۔ چنانچہ مکرم محترم ملک سیف الرحمٰن صاحب کی بیگم صاحبہ اور مکرم محترم حافظ بشیر الدین صاحب کی بیگم صاحبہ اور اسی طرح اپنی کلاس کی بعض اور بہنوں سے اس خواہش کا اظہار کیا۔ اور ہم سب نے مل کر لڑکیوں کی ایک انجمن بنائی جس کا نام حضرت اقدس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی منظوری سے ناصرات الاحمدیہ رکھا گیا۔

شروع میں تو اس کے اجلاس بھی ہمارے اسکول میں ہی ہوتے رہے۔ اور اسکول کی طالبات ہی اسکی ممبر رہیں۔ لیکن میری شادی کے بعد جب میں سندھ چلی گئی۔ تو اس مجلس کا انتظام لجنہ اماء اللہ نے سنبھال لیا۔ اور اسکے زیرِ انتظام اس مجلس کے امور سرانجام پاتے رہے ہے[1]"

حضرت امیر المؤمنینؓ کی طرف سے آل انڈیا مسلم لیگ کی زبردست تائید

حضرت امیر المومنین اپنے زمانہ خلافت کے ابتدا ہی سے مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ سیاسی جماعت سمجھتے تھے اور اس کی بجائے کانگرس سے وابستگی مسلم مفادات سے بے اعتنائی کے مترادف قرار دیتے تھے۔ چنانچہ جولائی ۱۹۳۹ء کا واقعہ ہے کہ منڈی بوریوالہ ضلع ملتان کے ایک دوست چوہدری محمد اکبر صاحب نے ۴ر جولائی ۱۹۳۹ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں تحریر کیا کہ

"ہمارے علاقہ میں یہ یقین کیا جاتا ہے کہ مسلم لیگ کی قوت دو کانوں اور لنگڑیانوں کی قوت کے مترادف ہے۔ جبتک اُن کو شکست نہ ہو ہم آباد کار اٹھ نہیں سکتے۔ اگر یہاں ہم نے کانگرس کو تقویت دی اور کانگرس کامیاب ہوگئی تو یقیناً کانگرس ہمارے مفاد کا خیال رکھے گی اور اگر یہاں کانگرس فیل بھی ہوگئی پھر بھی دو کانوں کو ہماری قدر کرنی پڑیگی اور اگر ہم الگ الگ رہے تو ہمیں کوئی بھی نہیں پوچھے گا"[2]

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس خط پر اپنے قلم مبارک سے جو الفاظ رقم فرمائے وہ احمدیت اور مسلم لیگ دونوں کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ حضورؓ نے تحریر فرمایا کہ:۔

"مجھے آپکے متعلق ذاتی واقفیت نہیں۔ بہتر ہوتا آپ کسی واقف احمدی سے لکھواتے بہرحال

---

[1] خط صاحبزادی امۃ الرشید صاحبہ (بیگم میاں عبدالرحیم احمد صاحب) [2] مکتوب محررہ ۴ر جولائی ۱۹۳۹ء

مجھے تو مسلمانوں کے فائدہ سے ہمدردی ہے۔ کسی خاص پارٹی سے نہیں۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ کانگرس مسلمانوں کی دشمن ہے۔ اگر چھوٹے فائدوں کیلئے مسلمان کانگرس سے ملیں گے تو قومی طور پر ذلیل ہو جائیں گے ہم نے کانگرس سے خط و کتابت کر کے دیکھا ہے۔ کانگرس کا ارادہ مسلمانوں کے حق میں ہرگز اچھا معلوم نہیں دیتا۔ اس صورت میں اس سے ملنا اچھا نہیں۔ ہاں آپ مقامی مُسلم لیگ بنا لیں اس میں اپنے ممبر زیادہ کر لیں۔ آپ کو کوئی نہیں روک سکتا۔ اس مُسلم لیگ کی طرف سے بیشک مُسلمان کھڑے ہوں مسلمان اکٹھے بھی رہیں گے اور کانگرس کو بھی طاقت حاصل نہ ہوگی اس صورت میں بھی مالدار لوگ آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا مکتوب مُبارک آل انڈیا مُسلم لیگ اور نیشنل کانگرس کی نسبت

[illegible] آپ سول [illegible] ہمارا بہتر ہوگا آپ [illegible]
کرتے - بہرحال مجھے تو مسلمانوں کے فائدہ سے ہمدردی ہے کسی خاص پارٹی
سے نہیں لیکن یہ یقینی ہے کہ کانگرس مسلمانوں کی دشمن ہے اگر چھوٹے فائدوں
کیلئے مسلمان کانگرس سے ملیں گے تو قومی طور پر ذلیل ہو جائیں گے
ہم نے کانگرس سے خط و کتابت کر کے دیکھا ہے کانگرس کا ارادہ مسلمانوں کے
حق میں ہرگز اچھا معلوم نہیں دیتا - اس صورت میں اس سے ملنا اچھا نہیں ہاں
آپ مقامی مسلم لیگ بنا لیں اس میں اپنے ممبر زیادہ کر لیں آپ کو کوئی
نہیں روک سکتا اس مسلم لیگ کی طرف سے بیشک
مسلمان کھڑے ہوں مسلمان اکٹھے بھی رہیں گے اور کانگرس

کیونکہ کلی مطالبات کا حصول نہ [illegible] اس صورت میں [illegible]

[illegible]

مسلمانانِ چمبہ پر مظالم کے خلاف احتجاج

چمبہ ایک چھوٹی سی پہاڑی ریاست ہے جو ریاست جموں کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس ریاست میں ہندو لوگ بھاری اکثریت میں آباد تھے۔ اور مسلمانوں کی آبادی سات فیصدی کے قریب تھی جو اہل کشمیر کی طرح ہمیشہ غیر زراعت پیشہ متصور ہوتے تھے اور وہ (خاص اجازت کے سوا) جو عام طور پر نہیں دی جاتی تھی زمین خریدنے کے بھی مجاز نہیں تھے۔ حتیٰ کہ مسلمان کسی مسلمان سے بھی سرکاری اجازت نامہ کے بغیر زمین کی خرید و فروخت نہیں کر سکتے تھے اور ہندو سے زمین کا مل جانا تو قریباً ناممکن تھا۔ اس کے برعکس ہندو لوگ مسلمانوں سے قانوناً خرید سکتے تھے۔ اور اس کیلئے کسی اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔ ایک اور پابندی یہ تھی۔ کہ حدود ریاست میں کوئی شخص قبول اسلام نہیں کر سکتا تھا۔ حد یہ ہے کہ جہاں ہر اچھوت کیلئے ہندو دھرم قبول کرنے یا عیسائی بننے کے دروازے ہر وقت کھلے تھے مگر اسے حدود ریاست میں اسلام لانے کی اجازت نہ تھی۔ غرضیکہ غریب مسلمان ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ اور خصوصاً احمدیان چمبہ کو بہت تکالیف پہنچائی جا رہی تھیں۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں یہ حالات پہنچے تو حضور نے چوہدری غلام احمد صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی مشیر قانونی اور مولوی ظہور الحسن صاحب فاضل کو چمبہ بھجوایا[۱] اور باشندگان چمبہ کو مشورہ دیا کہ وہ ریذیڈنٹ کو اپنی شکایات و مطالبات بھجوائیں اور خاص طور پر مندرجہ ذیل مطالبات اس میں شامل کریں کہ

۱۔ شہر چمبہ میں میونسپل کمیٹی قائم کی جائے۔

۲۔ زمینداروں کو زمین کا مالک قرار دیا جائے۔

۳۔ زمینداروں کو اُن کی زمین پر پیدا شدہ درخت کاٹنے اور فروخت کرنے کی اجازت دی جائے۔

۴۔ سیاسی قیدی شیخ غلام نبی صاحب کو رہا کیا جائے۔

۵۔ ایک غیر جانبدار تحقیقاتی کمیٹی جس میں غیر سرکاری ممبروں کی اکثریت ہو قائم کی جائے جو رعایا کی شکایات سُنکر اُن کے تدارک کیلئے تجاویز پیش کرے۔

---

[۱] ۔ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۳۹-۱۹۳۸ء +

مسلمانانِ چمبہ نے حضور کی ان ہدایات کی روشنی میں اپنے مطالبات مرتب کرکے ریذیڈنٹ کو بھجوا دیئے جو ریذیڈنٹ نے مطالعہ کے بعد حکام ریاست کے پاس ارسال کر دیئے۔ حکام ریاست مطالبات پڑھ کر غضبناک ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں پر ناجائز رُعب ڈال کر میموریل کے خلاف اور اپنے حق میں دستخط کروانے کی مہم شروع کر دی۔ جس پر غلام احمد صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی نے ریذیڈنٹ کو تار دینے کے علاوہ حکومتِ ہند کے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کو اطلاع دی اور اخبارات سے درخواست کی کہ وہ حکام چمبہ کے خلاف آواز اٹھائیں اور چمبہ کے مسلمانوں کو لکھا کہ وہ احتیاطاً اپنی شکایات کے ثبوت مہیا کریں۔ چنانچہ جماعت احمدیہ کا آرگن روزنامہ "الفضل" نے کئی بار اس ظلم کے خلاف آواز بلند کی اور سخت احتجاج کیا۔

اِس مرحلہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے چوہدری غلام احمد صاحب کو ہدایت فرمائی کہ

"میرے نزدیک خاموشی مناسب نہیں۔ ہندوؤں سے ان شکایات کا ذکر ضرور کر دینا چاہیئے۔"[1]

حضرت امیر المومنینؓ کا سفر دھرمسالہ

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی تبدیلیٔ آب و ہوا کیلئے بذریعہ کار ۵ راگست ۱۹۳۹ء کو دھرم سالہ تشریف لے گئے۔[2] جہاں سے ۱۲ راگست ۱۹۳۹ء کو منالی گئے۔[3] اور پھر ۲۰ راگست کو واپس دھرم سالہ پہنچے[4] اور پھر چند روز قیام فرمانے کے بعد ۲۶ راگست ۱۹۳۹ء کو قادیان دار الامان میں رونق افروز ہوئے۔[5]

اگست ۱۹۳۹ء میں قبولیتِ دعا کا پہلا نشان

سفر منالی میں اللہ تعالیٰ کے فضل کا ایک ایمان افروز نشان کا ظہور ہوا۔ جس کی تفصیل حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی زبان مبارک سے درج کی جاتی ہے۔ فرمایا:۔

"عزیزم مرزا ناصر احمد صاحب منالی جا رہے تھے۔ ہم بھی دھرمسالہ سے انہیں کے لئے دوسرے موٹر میں گئے۔ جب پالم پور تک انہیں چھوڑ کر واپس آ رہے تھے۔ راستہ میں موٹر خراب ہو گئی۔ اور ڈرائیور نے بتایا کہ پٹرول پہنچانے والی نلکی بیچ میں سے ٹوٹ گئی ہے۔ بارش تیز ہو رہی تھی۔ اور ساتھ مستورات تھیں۔ قریباً شام کا وقت تھا۔ اور منزل سے قریباً ۲۲ میل دُور تھے۔ اور وہ بھی پہاڑی سفر کہ جو مرد بھی دو میل فی گھنٹہ مشکل سے چل سکے۔ اور اِدھر اُدھر میل تک کوئی ایسی جگہ نہ تھی۔ جہاں آبادی ہو۔ مَیں نے سامنے

---

[1] غلام احمد صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی کے مکتوبات مرقومہ ۱۰ راگست ۱۹۳۹ء و ۲۲ راگست ۱۹۳۹ء سے ماخوذ۔
[2] الفضل ۸ راگست ۱۹۳۹ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ [3] الفضل ۱۵ راگست ۱۹۳۹ء صفحہ ۱ کالم ۱۔
[4] " ۲۶ راگست " صفحہ ۲ " ۔ [5] " ۳۱ راگست " " " ۔

دیکھا۔ تو ایک جھونپڑی سی نظر آئی۔ جو بعد میں معلوم ہوا کہ دوکان ہے۔ مَیں نے دل میں دُعا کی کہ وہاں تک ہی پہنچ جائیں۔ شاید وہاں سے کوئی صورت پیدا ہو سکے۔ مَیں نے دُعا کی کہ یا الٰہی یہ حالت ہے۔ ہم تو چل بھی سکتے ہیں۔ باہر بھی سو سکتے ہیں۔ مگر ساتھ پردہ دار مستورات ہیں۔ تو کوئی صورت پیدا کر دے۔ اس سامنے کے مکان تک پہونچ جائیں۔ اتنے میں موٹر میں اصلاح ہوگئی اور وہ چل پڑی اور ہم دل میں بہت خوش ہوئے۔ لیکن عین اس دوکان کے سامنے جاکر وہ پھر کھڑی ہوگئی۔ جس تک پہنچنے کیلئے مَیں نے دُعا کی تھی مَیں نے ساتھیوں سے کہا۔ کہ دیکھو خدا تعالیٰ نے کس طرح عین اُس جگہ لاکر کھڑا کر دیا ہے۔ جہاں کے متعلق مَیں نے دل میں دُعا کی تھی۔ یہ عجیب بات ہے۔ کہ ہماری موٹر جا کر ایسی جگہ رُکی۔ کہ جو اس دوکان کے دروازہ کے دونوں سِروں کے عین درمیان تھی۔ نہ ایک فٹ ادہر نہ ایک فٹ اُدھر۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ سامان بھی کر دیا۔ کہ وہاں ہم نے دیکھا۔ کہ ایک لاری بھی کھڑی ہے۔ حالانکہ وہ جنگل تھا۔ ہم نے دریافت کیا۔ تو لاری والے نے بتایا۔ کہ ہم پر مقدمہ ہے اور جوابدہی کیلئے افسر کے پاس جا رہے ہیں۔ مالک گاؤں میں گیا ہوا ہے۔ اور وہ اس کا منتظر ہے۔ ہم نے اسے کچھ اُمید دلائی۔ اور کچھ لالچ دیا۔ کہ اگر ہماری موٹر ٹھیک نہ ہو۔ تو لاری کیساتھ باندھ کر ہمیں گھر پہنچا دے۔ یا کم سے کم کسی قصبہ تک جہاں موٹر ٹھیک ہو سکے۔ اور اگر ٹھیک ہو جائے تو احتیاطاً ساتھ چلے۔ کہ پھر موٹر کے دوبارہ خراب ہونے کی صورت میں ہماری مدد کرے۔ اوّل تو وہ نہ مانا۔ لیکن قریباً ایک گھنٹہ تک مرمت کرنے کے بعد جب موٹر درست ہوا۔ تو وہ ڈرائیور بھی ساتھ چلنے پر رضامند ہو گیا۔ وہ علاقہ کچھ میدانی تھا۔ اور چڑھائی کم تھی۔ لیکن جب ہم اسجگہ پہنچے۔ جہاں سے دھرم سالہ کی چڑھائی شروع ہوتی ہے۔ اور تیرہ میل سفر باقی رہ گیا۔ تو اُس نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ ہم نے اسے بہت اُمید دلائی۔ انعام کا لالچ دیا۔ مالک کی ناراضگی کی صورت میں اسکے پاس سفارش کرنے کو کہا۔ مگر وہ آمادہ نہ ہوا۔ وہ کہنے لگا۔ کہ آپ کی موٹر ٹھیک چل رہی ہے۔ اب کیا حرج ہے۔ آپ اکیلے چلے جائیں۔ مَیں نے پھر دُعا کی۔ کہ یا الٰہی پھر جنگل کا جنگل ہی رہا۔ رات کا وقت تھا۔ اور اگر موٹر خراب ہوگئی۔ تو دوسری سواری ملنے کی امید بھی نہیں۔ کیونکہ وہاں رات کے وقت موٹروں اور لاریوں کا چلنا منع ہے۔ مَیں نے دُعا کی۔ اور میرے یہی الفاظ تھے۔ کہ اب انسانی حد تو ختم ہوگئی۔ اب تُو ہی اپنے فضل سے انتظام فرما۔ یہ دُعا کرکے مَیں نے موٹر چلانے کا اشارہ کیا۔ قریب ترین جگہ وہاں سے لوئر دھرم سالہ تھی جو سات میل تھی۔ ہماری موٹر ٹھیک چلتی رہی جب لوئر دھرم سالہ پہونچے تو مَیں نے عزیزم مرزا مظفر احمد صاحب سے جو میرے ساتھ تھے۔ کہا کہ چلو دیکھیں شاید کوئی دوسری موٹر مل جائے۔ تو

اُسے ساتھ لے چلیں۔ وہاں موٹر وغیرہ نہیں ہوتے۔ مگر جب گئے تو دیکھا۔ کہ اتفاق سے وہاں ایک موٹر موجود ہے۔ اور معلوم ہوا۔ کہ صبح اسکی کوئی سواری لے جانی ہے۔ اسلئے پٹھانکوٹ سے آئی ہے۔ ہم نے اسسے پوچھا تو ڈرائیور نے کہا۔ کہ بہت اچھا میں اِدھر مسالہ تک چھوڑ آتا ہوں۔ اس وقت دوسری موٹر کے لینے کا خیال اسلئے ہوا۔ کہ ہماری موٹر پر سواریاں زیادہ تھیں۔ خیال تھا۔ کہ سواریاں کم ہو جائیں گی۔ تو ہماری موٹر کا خطرہ دُور ہو جائیگا۔ مگر جب سواریاں تقسیم کرکے چلنے لگے۔ تو معلوم ہوا کہ موٹر کا وہ پُرزہ جو تکلیف دے رہا تھا پھر ٹوٹ گیا ہے۔ اور اب ہماری موٹر کے چلنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس پر سب سواریاں کرایہ کی موٹر پر سوار ہو گئیں اور ہم آرام سے گھر پہونچ گئے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کتنا بڑا فضل تھا۔ کہ عین اُسوقت آکر موٹر خراب ہوئی۔ جب دوسری سواری میسر آگئی۔ اور ایسی خراب ہوئی کہ وہ تین دن میں جاکر درست ہوئی مگر ہم بخیریت گھر پہنچ گئے۔ تو دیکھو اگر ایک بات ہو تو اسے اتفاق کہہ سکتے ہیں۔ مگر اس کو کس طرح اتفاق کہا جاسکتا ہے۔ کہ پہلے عین اُسجگہ پر پہونچ کر موٹر خراب ہوتی ہے۔ جس کیلئے مَیں نے دُعا کی تھی۔ اور وہاں جنگل میں ایک لاری بھی کھڑی ہوئی ملجاتی ہے۔ جسے ساتھ لے کر ہم بقیہ سفر پُورا کرنے کیلئے چل کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر جب وہ لاری والا ہمیں جواب دیتا ہے اور اصل چڑھائی شروع ہوتی ہے۔ مَیں پھر دُعا کرتا ہوں۔ اور نہایت سخت چڑھائی پر موٹر بالکل آرام سے چڑھ جاتی ہے۔ لیکن جب راستہ میں ایک اور شہر آتا ہے تو وہاں غیر متوقع طور پر پھر ایک موٹر مل جاتی ہے۔ اور اس موٹر کے مل جانے پر پھر ہماری موٹر بُری طرح خراب ہو جاتی ہے۔ لیکن ہم تکلیف سے بچ جاتے ہیں۔ اور دوسری موٹر میں سوار ہو کر گھر پہونچ جاتے ہیں۔ غرض مومن تو دعاؤں کی قبولیت کے نشان ہر روز دیکھتا ہے"۔[۱]

قبولیتِ دُعا کا دوسرا[۲] نشان

اگست ۱۹۳۹ء میں قبولیت دُعا کا ایک اور نشان بھی ظاہر ہوا۔ جس کا ذکر سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی نے حسب ذیل الفاظ میں فرمایا:۔

"نمازِ استسقاء احمدیوں[۳] نے ادا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فضل کیا۔ اور کچھ بارش ہو گئی۔ اسکے بعد دوسروں نے بھی ضد کی وجہ سے نماز پڑھنا چاہی۔ مگر چونکہ انہوں نے یہ کہا۔ کہ ہم احمدیوں کے مقابلہ کیلئے کرتے ہیں انکی نہ سُنی گئی۔ اگر وہ ایسا نہ کہتے۔ تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کی دُعا بھی سُن لیتا۔ مجھے بعض احمدیوں کی طرف سے بھی ایسے خطوط ملے۔ کہ غیر احمدیوں نے دُعا کی ہے۔ اور ہندوؤں نے بھی جگ وغیرہ کیا ہے۔ دُعا کریں اللہ تعالیٰ ان کی دُعا نہ سُنے۔ مجھے اسسے تکلیف ہوئی۔ اور جب مجھے غیر احمدیوں اور ہندوؤں کی نسبت یہ

۱۔ الفضل ۹ ستمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۵-۶۔

۲۔ قادیان کے احمدیوں کی طرف اشارہ ہے (ناقل)

معلوم ہوا۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ اب احمدی تو دُعا کر چکے۔ اب ہم دُعا کریں گے۔ اور ہماری دعاؤں سے بارش ہوگی۔ تو مجھے اس سے بھی تکلیف ہوئی۔ اور میں نے دل میں کہا۔ کہ افسوس یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی دینی نعمت سے تو محروم تھے ہی۔ مگر دُنیوی نعمتوں کا دروازہ کھلا تھا۔ جسے اُنہوں نے اس طرح بند کر لیا۔ جب مجھے اس کی اطلاع ہوئی تو مَیں نے کہا۔ کہ چونکہ انہوں نے مقابلہ کا رنگ اختیار کیا ہے۔ اس لئے اب انکی دُعا نہیں سُنی جائے گی۔ اور تین روز تک تو بارش نہیں ہوگی۔ جب میں واپس آیا۔ تو رستہ میں مجھے مولوی ابوالعطاء صاحب ملے۔ مَیں نے دریافت کیا۔ کہ احرار نے ۲۶ر تاریخ کو دُعا کی تھی۔ اب تک بارش تو نہیں ہوئی۔ اُنہوں نے کہا۔ نہیں ہوئی۔ مَیں نے کہا۔ خیر اب تین دن گزر گئے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا۔ کہ آپ کا انتظار تھا۔ اب ہو جائے گی۔ مَیں نے اسی وقت آسمان کی طرف نگاہ کر کے دُعا کی۔ کہ الٰہی تیرا بارش کا قانون تو عام ہے۔ وُہ خاص بندوں سے تعلق نہیں رکھتا۔ مگر بعض اوقات دل میں اُمید پیدا ہو جاتی ہے۔ جو اگر پوری نہ ہو۔ تو بعض اوقات ابتلاء پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر پوری ہو جائے۔ تو تقویتِ ایمان کا موجب ہوتا ہے۔ اور مَیں نے دُعا کی۔ کہ ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر بارش ہو۔ رات کو مَیں نے انتظار کیا صبح دس بجے کے قریب مَیں اندر بیٹھا تھا۔ کہ روشندانوں پر چھینٹے پڑنے کی آواز آئی۔ بالکل معمولی ترشح تھا۔ مَیں نے دُعا کی۔ خدایا ایسی بارش تو کافی نہیں۔ مخلوق کو تو ایسی بارش کی ضرورت ہے جس سے لوگ سیراب ہوں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد مَیں باہر نکلا۔ کہ باہر جو دفتر کے آدمی صفائی کر رہے تھے انہیں دیکھوں کہ کام ختم کر چکے ہیں یا نہیں۔ مَیں نے دُور ایک چھوٹی سی بدلی دیکھی اور دُعا کی۔ کہ خدایا اسے بڑھا دے اور پھیلا دے۔ اور پندرہ منٹ کے بعد مَیں نے دیکھا۔ کہ بارش شروع ہو گئی۔ اور پانی بہنے لگا۔ تو یہ ایک نشان ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے"۔ [1]

ترکستان کے پہلے احمدی خاندان کی ہجرت

اب تک ترکستان کے علاقہ میں احمدیت کی آواز نہ پہنچی تھی۔ مگر مجاہد تحریک جدید محمد رفیق صاحب افغانی کی تبلیغ سے ۱۹۳۶ء میں احمدیت کا بیج بو یا گیا اور سب سے پہلے کاشغر کے ایک نوجوان حاجی جنود اللہ صاحب [2] حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔ جو اپنے وطن سے چل کر چینی ترکستان اور کشمیر کے برفانی اور دشوار گذار کوہستانی علاقے طے کرتے ہوئے

---

[1] الفضل ۹ ستمبر ۱۹۳۹ء صہ۵ ۔

[2] حاجی جنود اللہ صاحب کاشغر کے ایک ایسے مقتدر خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کا شمار وہاں کے چوٹی کے سربرآوردہ اور معزز خاندانوں میں ہوتا تھا۔ مگر کمیونزم کے اثر و اقتدار کی وجہ سے جہاں دوسرے مسلمان تباہ حال ہوئے۔ وہاں اس خاندان کی ظاہری شان و شوکت بھی خاک میں مل گئی۔ (الفضل ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۹ء صہ۴)

ستمبر ۱۹۳۸ء میں وارد قادیان ہوئے۔ اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دستِ مُبارک پر بیعت کر کے احمدیت میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ حاجی صاحب موصوف کی اپنے وطن سے روانگی ایسے موسم میں ہوئی۔ جب برف پگھلنی شروع ہو گئی تھی۔ آپ پیدل چلتے ہوئے کئی بار گلے تک برف میں دھنس گئے۔ ان خطرات اور مصائب کے علاوہ کئی ماہ کے اس لمبے سفر کے اخراجات اور راہداری اور پاسپورٹ کے ملنے میں تکالیف کو برداشت کر کے اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے آخر منزل مقصود تک پہنچ گئے۔

حاجی صاحب کے ساتھ ان کی معمّر والدہ اور ہمشیرہ بھی آنا چاہتی تھیں۔ لیکن پاسپورٹ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے رُک گئیں۔ حاجی صاحب کے وارد قادیان ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا۔ اور حضرت امیر المومنینؓ کی دعاؤں کی برکت سے ان کو بھی پاسپورٹ مل گیا۔ اور وہ بھی ۱۸؍ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو ایک دوسرے قافلہ کے ہمراہ قادیان کیلئے روانہ ہو گئیں۔ اور بذریعہ تار اپنی روانگی کی اطلاع حاجی صاحب کو دی۔ اس پر حاجی صاحب قادیان سے براہِ کشمیر گلگت کی طرف روانہ ہو گئے۔

حاجی صاحب قادیان سے گلگت تک چودہ پندرہ روز کا سفر آٹھ نو روز میں طے کر کے پہنچے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ آپ کی والدہ و ہمشیرہ کرایہ کشوں کی سُستی اور غفلت کے باعث ترکستان سے آنیوالے پہلے قافلہ سے رہ گئی ہیں۔ اس بات کے معلوم ہونے پر آپ گلگت سے روانہ ہو گئے۔ تیسری منزل طے کر رہے تھے۔ کہ راستہ میں آپ کو وہ دوسرا قافلہ ملا۔ جس میں آپ کی والدہ اور ہمشیرہ سفر کر رہی تھیں۔ حاجی صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ جس وقت اس قافلہ کو مَیں نے دیکھا تو خیال کیا کہ ممکن ہے۔ یہ وہی قافلہ ہو۔ جس کے ہمراہ میری والدہ اور ہمشیرہ آرہی ہیں۔ اور جب آپ نے قافلہ کے افراد پر نگاہ ڈالی۔ تو پہاڑ کی چوٹی پر دو سیاہ بُرقعہ پوش سوار نظر آئے۔ جن کے گھوڑوں کی لگامیں دو کرایہ کشوں نے تھامی ہوئی تھیں۔ قافلہ کے نزدیک پہنچنے پر جب انہوں نے دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ واقعی ان کی والدہ اور ہمشیرہ ہی ہیں۔ یہ ۲۲؍ نومبر ۱۹۳۸ء کی تاریخ اور عید الفطر کا مبارک دن تھا۔ مگر جب آپ گلگت پہنچے۔ تو معلوم ہوا کہ کشمیر کی طرف جانے کا راستہ برف باری کی وجہ سے بند ہو چکا ہے۔ آپ نے گلگت میں دس روز قیام کیا اور اس کے بعد اپنی والدہ و ہمشیرہ کو لے کر گیارہ دن میں چترال پہنچے۔ یہ تمام سفر بھی گھوڑوں پر کیا گیا۔

چترال میں پانچ چھ روز ٹھہرنے کے بعد بذریعہ لاری مالاکنڈا اور درگئی کی طرف چل پڑے۔ اور جب اشرست نام ایک پڑاؤ تک پہنچے۔ تو پشاور کی طرف سے آنیوالے ایک سرکاری افسر سے معلوم

ہوا۔ کہ برف باری کی وجہ سے دیرا اور دُرگئی کا راستہ سخت خطرناک اور ناقابل عبور ہے۔ نیز اس افسر نے کہا۔ کہ مَیں ایک سو قلی کے ساتھ بڑی مشکل سے پہنچا ہوں۔ آپ کے قافلہ میں تو چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں راستہ میں پچیس ۲۵ پچیس ۲۵ فٹ برف پڑی ہے۔ اور پیدل چلنے کے سوا چارہ نہیں۔ اسلئے آپ واپس دَرُوش چلیں۔ وہاں سے آپ کے جانے کے لئے جلال آباد والے راستہ سے انتظام کردیا جائیگا۔

آخر پچیس ۲۵ میل واپس ہوکر دَرُوش نامی پڑاؤ میں ٹھہرے۔ لیکن پندرہ روز تک انتظار کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ کسی دوسرے راستہ سے جانے کا امکان نہیں۔ اور بہر صورت واپسی والے راستہ ہی کو طے کرنا پڑے گا۔

آخر اُسی راستہ پر دوبارہ چل کھڑے ہوئے اور پہلے اسرات۔ اور پھر چھ میل کا سفر پیدل برف پر طے کرکے شام زیارت نامی پڑاؤ پر پہنچے۔ اگلے دن کا سفر نہایت ہی مشکل تھا۔ کیونکہ چھ سات میل کی چڑھائی تھی۔ اور برف نے راستہ کو زیادہ دشوار گزار بنا دیا تھا۔ لیکن سوائے اسکے کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ آخر علی الصبح تین قلیوں اور حاجی صاحب کی مدد سے ان کی والدہ اور ہمشیرہ نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا۔ دوسرے افراد قافلہ کے ساتھ بھی بیس بائیس قلی تھے۔ برف بہت گہری تھی۔ بعد مشکل صبح سے لیکر ظہر تک پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے۔ راستہ میں حاجی صاحب کی والدہ کئی دفعہ برف سے پھسل کر گر پڑیں۔ انکی ہمشیرہ بھی اور خود حاجی صاحب بھی۔ لیکن اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں موسم زیادہ خراب نہ ہو جائے۔ اور مزید برفباری نہ شروع ہو جائے۔ یہ مسافت طے کی۔

حاجی جنود اللہ صاحب کا بیان ہے کہ اس سے زیادہ سخت دن ہم پر کم آیا ہوگا۔ آخر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر کچھ دیر آرام کیا۔ اور آگ جلا کر گرمی حاصل کی۔ پھر تمام قافلہ نو میل کی اترائی کی طرف روانہ ہوا۔ جسطرح چڑھائی سخت مشکل تھی۔ اسی طرح برف پر جو ڈھلوان تھی یعنی اترنا اس سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ حاجی صاحب کی والدہ صاحبہ اب چلنے سے بالکل عاجز آگئیں اس لئے قلیوں نے اُن کو اٹھا اٹھا کر اتارنا شروع کیا۔ جوں جوں رات قریب ہوتی جاتی تھی۔ خطرہ بڑھتا جاتا تھا۔ آخر جوں توں کرکے بخیریت و عافیت رات کو اگلی منزل گوجر پڑاؤ پہنچ گئے۔ لیکن رات کو حاجی صاحب کی والدہ کو سفر کی بعید تکلیف کی وجہ سے۔ بخار۔ سردی اور تمام بدن میں دردیں شروع ہو گئیں۔ اور بعد کا سفر مشکل نظر آنے لگا۔ حاجی صاحب رات بھر اپنی والدہ صاحبہ کی تیمارداری میں مصروف رہے۔ صبح تک انکی طبیعت قدرے

بحال ہوگئی۔ اور وہ تھوڑا بہت سفر کرنے کے قابل ہوگئیں۔

گوجر پڑاؤ سے چل کر دو تین میل کے فاصلہ پر گھوڑے کی سواری مل گئی۔ جس پر حاجی صاحب کی والدہ سوار ہوگئیں۔ اور اس کے بعد تھوڑی دُور جانے پر ہمشیرہ کے لئے بھی سواری کا انتظام ہوگیا۔ سامان وغیرہ قلیوں نے اُٹھایا ہوا تھا۔ اس روز کا سفر نسبتاً آرام سے ہوا۔ اور عصر کے وقت یہ قافلہ ریاست دِیر میں پہنچا۔ یہاں رات آرام سے بسر کرکے صبح ۱۲ر جنوری کو لاری پر دُرگئی پہنچ گئے۔ وہاں سے ریل پر سوار ہوکر ۱۳ر جنوری کو امرت سر آ پہنچے۔ اور ۱۴ر جنوری کی صبح قادیان دارالامان میں وارد ہوئے[1]۔

اس کے بعد ۷ر ستمبر ۱۹۳۹ء کو حاجی صاحب کے بڑے بھائی حکیم سید آل احمد صاحب اور حکیم صاحب کے بیٹے امان اللہ خاں[2] بھی انہی دشوار گزار رستوں سے گزرتے ہوئے قادیان آ پہنچے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک پر بیعت کرلی۔ اور پھر یہ خاندان قادیان میں ہی رہائش پذیر ہوگیا۔ مگر ۱۹۴۷ء کے فسادات میں اسے دوسرے احمدیوں کے ساتھ ہی پاکستان میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ پاکستان آکر حاجی جنود اللہ صاحب نے سرگودھا میں بودوباش اختیار کرلی۔ اور حکیم سید آل احمد صاحب مسجد احمدیہ راولپنڈی (واقع مری روڈ) کے ایک کمرہ میں مقیم ہوگئے۔ جہاں آپ کا ۱۰ر دسمبر ۱۹۵۸ء کو انتقال ہوا۔ اور موصی نہ ہونے کے باوجود محض اپنے تقویٰ و پرہیزگاری اور دینداری کے سبب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی اجازت سے بہشتی مقبرہ میں دفن کئے گئے[3]۔

قریشی محمد نذیر صاحب فاضل ملتانی پر قاتلانہ حملہ اور معجزانہ شفایابی

احمد آباد (کاٹھیاواڑ) کی احمدیہ جماعت تین نفوس پر مشتمل تھی۔ جن میں شیخ رحمت اللہ صاحب کا گھرانہ سب سے پرانے اور غریب احمدی تھے۔ اس کے مقابل قصبہ میں اٹھارہ ہزار سرحدی پٹھان بودوباش رکھتے تھے۔ جن کے مُلّاؤں نے احمدیوں کو کافر و واجب القتل قرار دیکر قصبہ میں سخت اشتعال پیدا کردیا۔ ان کافرگروں نے ایک بار حکیم شیخ رحمت اللہ صاحب سے کہا کہ یا توبہ کرو یا ہمارے ساتھ مباحثہ کرو۔ حکیم صاحب نے قادیان میں اطلاع دی جس پر مرکز کی طرف سے قریشی محمد نذیر صاحب فاضل ملتانی روانہ کردئے گئے۔ جو ۱۲ر نومبر ۱۹۳۹ء کو احمد آباد پہنچے۔ اور ۱۵ر نومبر ۱۹۳۹ء کو شوکت میدان میں مناظرہ قرار پایا۔ مگر

---

[1] روزنامہ الفضل قادیان ۲۰ جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۵۔
[2] آپ جلد ہی ایک قافلہ کے ہمراہ واپس چلے گئے۔
[3] الفضل ۲۰ر اکتوبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۴۔

قریشی صاحب جب مقررہ وقت پر شوکت میدان کے ہوٹل میں پہنچے تو ایک شخص نے آپ کے پیٹ میں چاقو گھونپ دیا[1]۔ اور ناف کے قریب بائیں جانب چھ انچ گہرا زخم ہو گیا۔ آپ خود ہی بھاگے ہوئے شوکت میدان سے تھانہ میں گئے۔ جہاں سے آپ ہسپتال پہنچا دئے گئے۔ پہلے پٹی باندھی گئی پھر اپریشن کیا گیا۔ تین روز تک حالت سخت تشویشناک رہی۔

قادیان سے ایک تو حکومت بمبئی اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ احمد آباد کو توجہ دلائی گئی۔ دوسرے قادیان سے ملک عبدالعزیز صاحب اور حکیم فیروزدین صاحب مولوی صاحب کی تیمارداری کے لئے احمد آباد بھیجے گئے۔ یہ اصحاب ۱۷؍نومبر ۱۹۳۹ء کو احمد آباد پہنچے اور اطلاع دی کہ اگرچہ پہلے تین روز زندگی کی کوئی اُمید نہیں تھی۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور دوسرے بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی حالت خطرہ سے باہر ہے[2]۔

قریشی صاحب موصوف اکیس روز تک سول ہسپتال میں صاحب فراش رہنے کے بعد ۹؍دسمبر ۱۹۳۹ء[3] کو قادیان تشریف لے آئے۔ جہاں آپ کے زخم خدا کے فضل وکرم سے جلد جلد مندمل ہونے لگے۔ اور آپ شفایاب ہو کر بدستور خدمتِ سلسلہ میں مصروف ہو گئے۔

"یوم پیشوایانِ مذاہب" کی بُنیاد

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دُنیا میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً مذہبی نفرت وحقارت اور کشیدگی کم کرنے کیلئے ۱۹۲۸ء میں سیرت النبیؐ کے مبارک جلسوں کی بنیاد رکھی تھی۔ جو عوامی فضا کو

---

[1] اخبار الفضل (۲۲؍نومبر ۱۹۳۹ء ص ۲ کالم ۱) پر اس حادثہ کی تفصیلات یوں لکھی ہے۔ کہ

"معلوم ہوا ہے ایک پٹھان کا اس واردات میں ہاتھ ہے۔ اور اس واردات کا منصوبہ ان لوگوں نے پہلے باندھا ہوا تھا۔ حکیم رحمت اللہ صاحب کو بھی انہوں نے یہ کہہ کر کہ مناظرہ میں ہم حقیقت معلوم کر کے تمہارے ساتھ ہو جائیں گے۔ دھوکہ دیا۔ اسی دھوکے میں آکر حکیم صاحب نے مناظرہ کا ارادہ کیا۔ اور شوکت میدان میں مناظرہ قرار پایا۔ پاس کے ایک ہوٹل میں جس کا نام بسم اللہ ہے۔ اسکے متعلق بات چیت ایک ہندوستانی مولوی سے ہو رہی تھی کہ چند پٹھان وہاں پہنچے۔ مولوی محمد نذیر صاحب نے پوچھا۔ مناظرہ کی اجازت لی گئی ہے یا نہیں؟ ۔ اور کیا حفظِ امن کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہجوم زیادہ ہونے پر سب لوگ ہوٹل سے باہر آگئے۔ اور باہر آنے پر یہ حادثہ ہو گیا۔ حملہ آور ایک گجراتی نوجوان ہے۔ یہاں حکیم صاحب کے علاوہ صرف دو اور احمدی ہیں۔ جنکو قتل کی دھمکی دی گئی ہے۔"

[2] الفضل ۲۲؍نومبر ۱۹۳۹ء ص ۲ ÷

[3] الفضل ۱۵؍دسمبر ۱۹۳۹ء ص ۲ کالم ۲ ÷

درست کرنے اور مسلم و غیر مسلم حلقوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں بہت ممد و معاون ثابت ہوئی۔ اس سلسلہ میں حضور نے دوسرا قدم قیام امن و اتحاد عالم کے لئے یہ اُٹھایا کہ اپریل ۱۹۳۹ء کی جماعتی مجلس شوریٰ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک دیرینہ خواہش کے مدنظر آئندہ کیلئے پیشوایان مذاہب کی سیرت بیان کرنے کے لئے بھی سال میں ایک دن مقرر فرما دیا۔ اور ہدایت فرمائی کہ اس دن تمام لوگوں کو دعوت دی جائے کہ وہ اپنے مذہب کی خوبیاں یا اپنے بانیٔ مذہب کے حالات اس موقع پر بیان کریں۔ [1]

اس فیصلہ کی تعمیل میں جماعت احمدیہ کی طرف سے دنیا بھر میں پہلا یوم پیشوایان مذاہب نہایت جوش و خروش سے ۳ دسمبر ۱۹۳۹ء کو منایا گیا[2] اور بہت سے غیر مسلم معززین نے ان جلسوں میں شمولیت کی۔ اور بعض جگہ تو خود غیر مسلموں نے جلسوں کا انتظام کیا۔ اور اشتہار وغیرہ شائع کرائے۔ اور حضرت امام جماعت احمدیہ کا شکریہ ادا کیا۔ کہ انہوں نے اس جلسہ کی بناء رکھ کر ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے[3]

غرض یہ جلسے ہر طرح کامیاب رہے اور آئندہ کے لئے جلسہ "سیرت النبیؐ" کی طرح ہر سال باقاعدگی کے ساتھ ان کا انعقاد ہونے لگا۔ جو اب تک کامیابی سے جاری ہے۔

جلیل القدر صحابہؓ کا انتقال

۱۹۳۹ء میں وفات پانے والے جلیل القدر صحابہ کے نام یہ ہیں:-

۱- حضرت میاں محمد سعید صاحب سعدی خلف الصدق حضرت میاں چراغ الدین صاحب رئیس لاہور۔ (وفات ۳ جنوری ۱۹۳۹ء) [4]

۲- چوہدری محمد حیات خاں صاحب تمیم متوطن حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ۔ (بیعت فروری ۱۸۹۲ء بمقام سیالکوٹ تاریخ وفات ۷ جنوری ۱۹۳۹ء بعمر ۷۰ سال)۔ [5]

---

[1] - رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۹ء صفحہ ۹۵-۹۶۔ (منعقدہ ۷-۸-۹ اپریل ۱۹۳۹ء) ÷

[2] - اس تقریب پر ماہنامہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو کا ایک خاص نمبر بھی شائع کیا گیا۔ جو بہت بلند پایہ مضامین پر مشتمل تھا ÷ [3] رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ ۱۹۴۰-۱۹۴۱ء صفحہ ۱۶۷ ÷

[4] - الفضل ۲۲ جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۲ ÷ [5] ریکارڈ دفتر بہشتی مقبرہ۔ آپ کے فرزند (۱) چوہدری ہارون رشید صاحب (۲) چوہدری بشارت حیات صاحب۔ (۳) میجر محمد اسلم حیات صاحب۔ (۴) چوہدری خالد رشید صاحب ÷

۳۔ حضرت اخوند محمد افضل خاں صاحب پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ ڈیرہ غازی خاں۔ (تاریخ بیعت اکتوبر ۱۹۰۱ء۔ تاریخ وفات ۲ر جنوری ۱۹۳۹ء)۔ ؎۱

۴۔ میاں کریم بخش صاحب ساکن دھرم کوٹ بگہ (تاریخ وفات ۲۵ر جنوری ۱۹۳۹ء بعمر ۸۵ سال)۔ ؎۲

۵۔ حضرت منشی امام الدین صاحب (والد ماجد چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ اور برادر نسبتی حضرت منشی عبدالعزیز صاحب اوجلوی)۔ ولادت ۱۸۶۳ء۔ قبول احمدیت ۱۸۹۲ء۔ وفات ۲۶ر جولائی ۱۹۳۹ء ؎۳

اللہ تعالیٰ کے فضل اور آپ کی تبلیغ اور کوشش سے ضلع گورداسپور میں تین نئی جماعتیں قائم ہوئیں۔ (۱) تلونڈی جھنگلاں۔ (۲) لودہ چیچ (۳) قلعہ گلانوالی۔ ان جماعتوں میں سے تلونڈی جھنگلاں (ضلع گورداسپور) کی جماعت خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں ایک اشاعتی ادارہ "انجمن اشاعت اسلام" کے نام سے قائم ہوا تھا جس کی سرپرست حضرت اقدس علیہ السلام۔ پریذیڈنٹ حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ خلیفۃ المسیح الاوّل۔ اور وائس پریذیڈنٹ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ تھے۔ اس ادارہ کے حصص خریدنے والوں میں آپ بھی شامل تھے۔ (الحکم ۱۷ر اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۱ کالم ۳ سطر ۹-۱۰)۔

حضرت منشی صاحب ایک عظیم الشان نشان کے گواہ بھی تھے۔ چنانچہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۲۶ پر مندرجہ ذیل روایت درج فرمائی ہے:۔

"منشی امام الدین صاحب سابق پٹواری نے مجھ سے بیان کیا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی والے مقدمہ زیر دفعہ ۱۰۷ کی پیشی دھاریوال میں مقرر ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور محمد بخش تھانیدار کہتا ہے۔ کہ آگے تو مرزا مقدمات سے بچ کر نکل جاتا رہا ہے۔ اب میرا ہاتھ دیکھے گا۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ "میاں امام الدین! اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا" اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھ کی ہتھیلی میں سخت درد شروع ہوگئی۔ اور وہ اس درد سے تڑپتا تھا۔ اور آخر اسی نامعلوم بیماری میں وہ دنیا سے گذر گیا۔"

؎۱۔ حضرت مولوی محمد عثمان صاحبؓ سابق امیر جماعت احمدیہ ڈیرہ غازیخاں نے انکی سوانح الفضل ۱۰ر مارچ ۱۹۳۹ء صفحہ ۴ پر شائع کردی تھیں۔

؎۲۔ الفضل ۱۵ر جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

؎۳۔ الفضل ۲۸ر جولائی ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۱ (چوہدری ظہور احمد صاحب نے آپ کے حالات الفضل ۱۷ر نومبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۴-۵ میں شائع کردیئے تھے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "اصحاب احمد" جلد اوّل (مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے)۔

۶۔ راجہ اکبر خاں صاحب (متوطن بلانی ضلع گجرات۔ تاریخ وفات ۲؍اگست ۱۹۳۹ء۔ نہایت متواضع اور منکسر المزاج بزرگ تھے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان مبارک میں بے ادبی کا لفظ قطعاً نہیں سن سکتے تھے۔ مخالفین میں احمدیت کا ذکر بڑی دلیری سے کرتے تھے۔ ایک خواب کی بناء پر اپنے ہاتھ سے ماہوار چندہ ادا کیا۔ اور کہا یہ میرا آخری چندہ ہے اس کے بعد میں اپنے ہاتھ سے چندہ نہیں دے سکوں گا۔ اپنے اکلوتے بچے (محمد شریف صاحب) کیلئے وصیت کی کہ اسے پڑھنے کے لئے قادیان بھیج دینا [1]

۷۔ میاں مولا بخش صاحب دارالرحمت قادیان (سن بیعت ۱۸۹۱ء۔ تاریخ وفات ۲۶؍ستمبر ۱۹۳۹ء بعمر ۸۵ سال [2]۔ تبلیغ احمدیت کا بہت جوش رکھتے اور نہایت احسن طرز پر پیغام حق پہنچاتے تھے۔

۸۔ حکیم حاجی عبدالخالق صاحب متوطن ڈیرہ غازی خاں (تاریخ وفات ۷؍نومبر ۱۹۳۹ء) مولانا ابوالعطاء صاحب کے الفاظ میں۔ "جماعت ڈیرہ غازی خاں کے رُوحِ رواں، عبادت گزار، ملنسار، تبلیغ کے لئے سرگرم احمدی تھے"۔ [3]

۹۔ بابا شہزادت علی صاحب بھاگلپوری (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ڈیوڑھی کے دربان)۔ تاریخ وفات ۹؍نومبر ۱۹۳۹ء۔ بعمر ۹۵ سال۔ [4]

علاوہ ازیں صحابیاتِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں سے والدہ مولانا غلام احمد صاحب فرخ (تاریخ وفات ۱۵؍جنوری ۱۹۳۹ء) [5] اور - - - -

خلافتِ اولیٰ کے مبائعین میں سے مولوی شیخ علی محمد صاحب ساکن شام چوراسی ضلع ہوشیارپور [6] کا بھی اس سال وصال ہوا۔

---

[1] ۔ الفضل ۱۲؍ستمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۶۔
[2] ۔ الفضل ۲۸؍ستمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ تفصیلی حالات زندگی کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۰؍دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۵۔
[3] ۔ الفضل ۱۶؍نومبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۶ کالم ۳۔
[4] ۔ الفضل ۱۱؍نومبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
[5] ۔ الفضل ۱۴؍فروری ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
[6] ۔ تاریخ وفات ۸؍جون ۱۹۳۹ء بعمر ۸۰ سال نوٹ ہیا۔ (الفضل ۱۴؍اکتوبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۶)۔

فصل دوم

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی طرف سے خلافت جوبلی منانے کی تحریک

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی اجازت سے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے سالانہ جلسہ ۱۹۲۷ء کے موقعہ پر احباب جماعت کے سامنے یہ تحریک رکھی کہ ۱۹۳۹ء میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے مبارک عہد خلافت پر پچیس سال کا عرصہ ہو جائے گا جو خدا تعالیٰ کا جماعت احمدیہ پر ایک بہت بڑا احسان ہے۔ جس کی شکر گذاری کا عملی ثبوت دینے کے لئے ہمیں اپنے پیارے امام ہمام اور محبوب آقا کے حضور تین لاکھ کی حقیر سی رقم بطور شکرانہ پیش کرنی چاہیئے۔ جسے حضور جہاں پسند فرمائیں خرچ کریں۔[1]

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے خلافت جوبلی سے متعلق یہ اہم تحریک مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش فرمائی:۔

"قریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ گزرا۔ میرے دل میں یہ تحریک ہوئی۔ کہ جس طرح دنیاوی نظام رکھنے والے لوگ اپنے نظام پر ایک عرصہ گزر جانے کے بعد خوشی اور مسرت کے اظہار کی کوئی صورت پیدا کرتے ہیں۔ ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم بھی کامیاب دینی نظام پر ایک عرصہ گزرنے پر اللہ تعالیٰ کے شکر کا اظہار کریں۔ اُس وقت شہنشاہ جارج پنجم کی جوبلی کا موقع تھا۔ اسکے بعد حضور نظام حیدر آباد اور سر آغا خاں کی جوبلی آئی۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ بیشک بادشاہ بھی اور حکومتیں بھی اگر وہ عمدہ طریق پر چلائی جارہی ہوں۔ نعمت ہوتی ہیں اور اعلیٰ لیڈر بھی نعمت ہوتے ہیں۔ لیکن ہمیں سب سے بڑھ کر قیمتی نعمت ملی ہوئی ہے۔ اس کے لئے ہمیں بھی خدا تعالیٰ کا شکر گذار ہونا چاہیئے۔ اِس نعمت کو عطا ہوئے پچیس ۲۵ سال ہونے کو آئے ہیں۔ اور وہ نعمت خلافتِ ثانیہ ہے۔ خلافت ثانیہ ۱۹۱۴ء میں خدا تعالیٰ نے قائم کی۔ اور مارچ ۱۹۳۹ء کو اسپر پچیس ۲۵ سال پورے ہو جائیں گے۔ اِس خیال سے میرے دل میں جوش پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور نمونہ کے طور پر اور اس نعمت کے شکریہ کے طور پہ ہماری طرف سے بھی نذرانہ پیش ہونا چاہیئے۔ اس وقت مالی رنگ میں میرے ذہن نے ایک تجویز سوچی۔ اور وہ یہ تھی کہ

---

[1] یہاں یہ ذکر کرنا دلچسپی کا موجب ہوگا۔ کہ غیر مبائع اخبار پیغام صلح نے ابتداء میں تو چوہدری صاحب کی اس تحریک کو "قادیانی پیر پرستی کا نیا کارنامہ" سے تعبیر کیا۔ (پیغام صلح ۱۱ر جنوری ۱۹۳۸ء صفحہ ۵) مگر اگلے مہینے خود امیر غیر مبائعین جناب مولوی محمد علی صاحب ایم اے نے ۲۵، ۲۶ر فروری ۱۹۳۸ء کو اپنی خود ساختہ انجمن کی سلور جوبلی منانے اعلان کر دیا (پیغام صلح ۱۲ر مارچ ۱۹۳۸ء صفحہ ۵) اور پھر یہ جوبلی اسی سال دسمبر ۱۹۳۸ء میں بڑی دھوم دھام سے منائی۔

جماعت میں اِس کے متعلق ایک تحریک کی جائے۔ مَیں نے اُس وقت یہ تحریک اپنے بعض دوستوں کی خدمت میں پیش کی۔ تاکہ وُہ اس میں خصوصیت کے ساتھ حصّہ لیں۔ وُہ تحریک یہ ہے کہ ہم ایک ایسی رقم جمع کریں جو کم از کم پہلے ایک وقت میں جماعت نے جمع نہ کی ہو۔ اور وُہ رقم مارچ ۱۹۳۹ء میں یا اسکے قریب کسی مناسب موقع پر مثلاً اس سال کی مجلس مشاورت پر حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کی جائے اور حضور سے درخواست کی جائے کہ یہ جماعت کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کا اظہار ہے۔ حضور اِس کو جس طرح پسند فرمائیں خرچ کریں۔

اس رقم کا اندازہ مَیں نے تین لاکھ روپیہ کیا ہے۔ مَیں نے اس رقم کو دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک حصّہ مَیں نے اپنے دوستوں کے لئے چھوڑا ہے اور اس کی مقدار ایک لاکھ روپیہ ہے۔ دُوسرا حصّہ یہ ہے کہ ایک عام تحریک کر کے جماعت کے دوسرے احباب سے دو لاکھ روپیہ جمع کیا جائے۔ پہلا حصّہ تو اُسی وقت شروع کر دیا گیا تھا۔ اور دوستوں نے توقع سے بڑھ کر اس میں حصّہ لیا۔ اور بعض نے مجھے لکھا کہ اُن کے ذہن میں بھی یہ بات موجود تھی کہ کسی رنگ میں خلافت ثانیہ کی نعمت کے متعلق اظہار شکر کیا جائے۔ لیکن اُنکے ذہن میں کوئی تجویز نہیں آئی تھی کہ کس رنگ میں اظہار شکر کیا جائے۔ جب مَیں نے حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں عرض کیا۔ کیونکہ مَیں سمجھتا تھا کہ اس قسم کی کوئی تحریک حضور کی اجازت کے بغیر نہیں ہونی چاہیئے جس میں جماعت مخاطب ہو تو حضور نے میری درخواست قبول کرتے ہوئے مجھے اِس امر کی اجازت دی کہ مَیں اسے جماعت کے سامنے پیش کروں۔ اور مَیں اِسکے متعلق فخر اور خوشی محسوس کرتا ہوں کہ اِس قسم کی تحریک کو جماعت کی خدمت میں پیش کرنے کی مجھے سعادت حاصل ہوئی۔

تحریک کے پہلے حصّہ کے متعلق شرط یہ ہے کہ جو دوست کم سے کم ایک ہزار روپیہ کی رقم اپنے ذمّہ لیں اور وعدہ کریں کہ وُہ اتنے عرصہ کے اندر ادا کر دیں گے۔ وُہ شریک ہوں۔ اِس کے بعد آہستہ آہستہ مارچ ۱۹۳۹ء تک اس کی ادائیگی ہوتی رہے۔ کیونکہ مَیں جانتا ہوں کہ جماعت کی طرف سے اُن پر اور بھی بہت سی مالی ذمّہ واریاں ہیں۔ اور خصوصاً وُہ تحریک جو خود حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے جاری فرمائی ہے۔ اُس کا پُورا کرنا جماعت کا فرضِ اوّلین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مَیں اس تحریک کو قبل از وقت پیش کر رہا ہوں۔ تاکہ سہولت سے رقم فراہم کی جاسکے۔ جن لوگوں نے پہلے سال وعدے کئے تھے۔ وُہ گذشتہ دو سالوں میں ادائیگی کرتے رہے ہیں۔ اور جو احباب اب وعدہ کریں۔ وُہ باقی ماندہ عرصہ میں اُنہیں پُورا کریں گے۔ پہلی

تحریک پر ۸۵ ہزار کے وعدے آچکے ہیں اور کچھ رقم ادا بھی کی گئی ہے۔ یہ رقم خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں داخل ہوتی رہی ہے۔ کیونکہ میں نے تحریک کی تھی کہ روپیہ یہاں ہی بھیجا جائے۔ میرا ارادہ تھا کہ میں تفصیل کے ساتھ اس کے متعلق بیان کرتا۔ لیکن اب میں مختصراً پہلے حصہ کے متعلق تحریک کرتا ہوں کہ جن احباب کو خدا تعالیٰ توفیق دے۔ وہ ایک ہزار کی رقم اپنے ذمہ لیں اور بیت المال میں مارچ ۱۹۳۹ء تک یعنی پندرہ ماہ کے عرصہ میں بھجوا دیں۔ تحریک کا دوسرا حصہ عام ہے اور وہ دو ۲ لاکھ روپیہ کی فراہمی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس وقت اس کو بھی میں پیش کرتا ہوں۔ تاکہ احباب جماعت مارچ ۱۹۳۹ء تک اس رنگ میں جو عشقیہ رنگ ہے اور جس میں وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو عظیم الشان نعمت انہیں دی ہے اس پر ۱۹۳۹ء کے مارچ میں پورے پچیس ۲۵ سال ہو جائیں گے۔ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کے طور پر دو لاکھ روپیہ کی رقم پیش کریں۔ بے شک باقی تحریکوں کا بوجھ بھی ہے جن کا پورا کرنا ان کے لئے لازمی ہے۔ لیکن احمدی جماعت جسے اس نعمت کا احساس ہے۔ اور اس محبت کو مدنظر رکھتے ہوئے جو اسے خلافت سے ہے۔ اگر اس تحریک پر لبیک کہے۔ تو پندرہ ماہ میں اس رقم کا جمع کرنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ پس جو احباب وعدہ لکھائیں۔ وہ دفتر محاسب میں اقساط ادا کریں وہیں حساب رکھا جائیگا۔ احباب انفرادی حیثیت میں بھی اور جماعتی طور پر بھی اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔ جماعتوں کے جو نمائندے یہاں موجود ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ جماعتوں میں جا کر اس کی تحریک کریں۔" [1]

اسکے بعد ۲۷ اپریل ۱۹۳۸ء کو چودھری صاحب موصوف نے اس تحریک کی خصوصیت و اہمیت پر تقریر کرتے ہوئے مزید بتایا کہ :- "خلافت جوبلی فنڈ کو چونکہ میرے نام سے ایک گونہ تعلق ہے۔ خصوصاً اسلئے کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اس تحریک کو جماعت کے سامنے پیش کرنے کی مجھے اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ لہذا اسکے متعلق میں ایک دو باتیں خصوصیت سے بیان کر دیتا ہوں۔

یہ عجیب اتفاق ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ آئندہ سال ہمیں وہ تین نوع کی خوشیوں کا موقع عطا فرمانے والا ہے۔ دو تو پہلے بھی میرے ذہن میں تھیں۔ لیکن تیسری نوع کی خوشی کا بعد میں علم ہوا۔ پہلی خوشی تو یہ ہے کہ خلافت ثانیہ کا عہد مبارک آئندہ مارچ یعنی ۱۹۳۹ء میں پچیس ۲۵ سال کا ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ دوسری یہ کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی عمر کے پچاس سال بھی آئندہ سال پورے ہونگے۔ کیونکہ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء آپکی پیدائش کا دن ہے۔ اور پچاس سال بھی جوبلی کا موقع ہوتا ہے۔ اسکے

[1] الفضل ۲۹ دسمبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۲۸ و ۲۹

علاوہ ایک تیسری بات بھی ہے۔ جس کی طرف مولوی جلال الدین صاحب شمس نے اپنے ایک مضمون میں جو الفضل میں شائع ہو چکا ہے۔ توجہ دلائی ہے اور وہ یہ ہے کہ آئندہ سال خود سلسلہ کے قیام پر بھی پچاس سال پورے ہو جائیں گے۔

ہمارے ذہن میں تو پچیس سالہ جوبلی ہی تھی۔ لیکن یہ حسن اتفاق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے اخلاص کی قبولیت اور اسکے متعلق خوشنودی کا اظہار ہی کہ ہمارے لئے ایک کی بجائے تین جوبلیاں آنیوالی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیعت کے لئے جو پہلا اشتہار دیا۔ اس کی تاریخ ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء ہے۔ اور اسے ایک رنگ میں سلسلہ کی ابتداء سمجھنا چاہیئے۔ اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جس روز حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیعت کے لئے پہلا اشتہار شائع فرمایا۔ یعنی ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کو۔ اسی روز حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی پیدائش ہوئی۔ غرض ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ تین مواقع خوشی کے عطا فرمائے ہیں۔ ان کے شکرانہ کے طور پر ہمیں کم از کم تین لاکھ روپیہ جمع کر کے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنا چاہیئے۔" ؎۱

مخلصین کی شاندار قربانی

جوبلی فنڈ کی اس تحریک پر مخلصین جماعت نے خلافت سے عقیدت و محبت اور ایثار و قربانی کا ایسا شاندار نمونہ دکھایا کہ اغیار بھی عش عش کر اُٹھے۔ دُنیا بھر کی احمدی جماعتوں میں سے قادیان کی مقامی احمدی جماعت نے اور افراد جماعت میں سب سے زیادہ چندہ خود چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے دیا۔ ؎۲

جوبلی منانے کیلئے مشورہ

یہ تو خلافت جوبلی فنڈ کے جمع کئے جانے کا ذکر ہے۔ جہاں تک جوبلی کی تقریب کے انعقاد کا تعلق ہے۔ اس کی تفصیلات طے کرنے میں بڑی حزم و احتیاط اور باریک نظری سے کام لیا گیا۔ تا اس موقعہ پر جذبات تشکر و امتنان کے اظہار کا طریق خالص دینی ہو۔ اس اہم مقصد کے پیش نظر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ۹ر فروری ۱۹۳۹ء کے الفضل میں ایک مفصل مضمون شائع کیا۔ جس میں احباب جماعت سے یہ مشورہ طلب کیا گیا کہ خلافت جوبلی کب اور کس رنگ میں منائی جائے؟۔ اس مضمون پر احمدی دوستوں نے کثرت کے ساتھ اپنے مشورے اور

؎۱ الفضل یکم مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۵ ؎۲ خلافت جوبلی فنڈ میں حصہ لینے والے مخلصین کی فہرستیں اخبار "الفضل" قادیان کے مندرجہ ذیل شماروں میں شائع شدہ ہیں:۔ ۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء - ۲۹ر اپریل ۱۹۳۸ء - ۱۵ر جون ۱۹۳۸ء - ۱۹ر جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۹ و ۹ - نیز ۲۵ر مارچ ۱۹۳۹ء

تجاویز مرکز میں بھجوائیں۔

"سب کمیٹی تکمیل پروگرام جوبلی" کی تشکیل

یہ پہلا مرحلہ بخیر و خوبی طے ہو چکا۔ تو ۲۶ر مارچ ۱۹۳۹ء کو جلسہ خلافت جوبلی کے پروگرام کی تشکیل و تکمیل کیلئے ایک سب کمیٹی مقرر کی گئی۔ جس کے صدر حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ اور ممبر حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب اور حضرت مولوی عبد المغنی خان صاحبؓ ناظر دعوۃ و تبلیغ اور سیکرٹری مولانا عبد الرحیم صاحب درد تھے۔ جو تجاویز احباب کی طرف سے موصول ہوئی تھیں۔ وہ سب کمیٹی کے سپرد کر دی گئیں۔

اس کمیٹی نے ۲۹ر مارچ ۱۹۳۹ء کو اپنا پہلا اجلاس کیا۔ بالآخر ۲۵ تجاویز پاس کیں جو مشاورت ۱۹۳۹ء میں نظارت علیا کی سب کمیٹی کے سامنے رکھی گئیں۔

مجلس مشاورت ۱۹۳۹ء میں سب کمیٹی نظارت علیا کی رپورٹ

سب کمیٹی نظارت علیاء نے کچھ ترمیم کے ساتھ ان پچیس ۲۵ تجاویز میں سے اکیس تجاویز کی سفارش کرتے ہوئے مجلس مشاورت میں حسب ذیل رپورٹ پیش کی:۔

"سب کمیٹی کے سامنے ایک دوسری رپورٹ" رپورٹ سب کمیٹی تکمیل پروگرام جوبلی" کے زیر عنوان پیش ہوئی۔ جو ایک سب کمیٹی کی مرتب کردہ ہے۔ جو ۲۹ر مارچ ۱۹۳۹ء کو منعقد ہوئی اور جس کے صدر حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ۔ سیکرٹری مولوی عبد الرحیم صاحب درد ایم اے۔ اور ممبران حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب اور مولوی عبد المغنی خاں صاحبؓ تھے۔

اس سب کمیٹی نے اس امر کے متعلق تجاویز پیش کی ہیں کہ خلافت جوبلی کو کب اور کس طرح منایا جائے۔

اس رپورٹ پر بھی ہماری سب کمیٹی نے شروع سے آخر تک پورا غور کیا۔ اور اس میں مناسب تغیر و تبدل کے ساتھ کمیٹی ہذا مندرجہ ذیل تجاویز عرض کرتی ہے:۔

(۱) جلسہ سالانہ ۱۹۳۹ء کو جوبلی کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ تا جماعت دو سفروں کی تکلیف اور دوہرے اخراجات کے بوجھ سے بچ جائے۔ اور زمیندار احباب اور ملازمت پیشہ اصحاب ہر دو کو سہولت بھی رہے۔ (۲) جوبلی کا جلسہ قادیان میں نہایت شاندار اور وسیع پیمانے پر ہونا چاہیئے۔ اور اس میں شرکت کے لئے ہندوستان کے مختلف حصوں سے بلکہ ممکن ہو تو بیرونی ممالک سے بھی کثیر تعداد میں غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب اور نمائندگان پریس کو قادیان آنے کی دعوت دی جائے۔ اور یہی کوشش

کی جائے کہ احمدی احباب اس جلسے میں زیادہ سے زیادہ شریک ہوں۔ اس کیلئے یہ بھی مناسب ہوگا کہ ہندوستان میں کسی اور جگہ اس تقریب پر جلسہ وغیرہ نہ کیا جائے۔ (۳) اس تقریب پر "الفضل" کا ایک خاص جوبلی نمبر بھی نکالا جائے جس میں خلافت سے تعلق رکھنے والے مسائل پر بحث ہو۔ اور خلافت ثانیہ کی برکات پر بھی مناسب مضامین ہوں اور کچھ حصہ سلسلے کے متعلق عام تبلیغی اور علمی مضامین کا بھی ہو۔ اور اگر ممکن ہو تو اس "جوبلی نمبر" میں مناسب تصاویر بھی درج کی جائیں۔ (۴) صدر انجمن احمدیہ سے سفارش کی جائے کہ اس جلسہ سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی تصنیفات، (جو تصنیفات اسوقت نایاب ہوں) انہیں دوبارہ طبع کراکر شائع کیا جائے۔ تاکہ اس قیمتی خزانہ میں سے کوئی حصہ نایاب نہ رہے۔ اور سلسلہ کی تبلیغ میں ایک نئی جان پیدا ہو جائے۔ اور تقطیع مقرر کر دی جائے۔ جسکے مطابق آئندہ تمام کتب چھپا کریں۔ (۵) قادیان میں ایک مکمل لائبریری کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ صادق لائبریری میں کچھ قیمتی کتابیں موجود تو ہیں۔ لیکن اُن کو حفاظت سے رکھنے اور انکو استعمال کرنے کی جگہ کا مناسب انتظام نہیں ہے اور سائنس۔ فلسفہ۔ اقتصادیات اور مغربی تحریکات اور اخبارات اور رسائل نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اسلئے اسکی ترقی اور توسیع نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ قادیان ایک بہت بڑا علمی مرکز ہے۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے اس ضمن میں ایک تجویز کی ہے جسے صدر انجمن احمدیہ منظور کر چکی ہے۔ اگر وہ اسی سال اس کام کو شروع کر سکیں تو بہت مناسب ہوگا۔ یعنی لائبریری کی اپنی عمارت کا سنگ بنیاد اس موقعہ پر رکھ دیا جائے۔ (۶) سلسلہ عالیہ احمدیہ کی پچاس سالہ ترقیات کا ایک چارٹ نظارت دعوۃ و تبلیغ کو تیار کرانا چاہیئے۔ تاکہ ایک طرف تو سلسلہ کا ریکارڈ محفوظ ہو۔ اور دوسری طرف سعید رُوحیں سلسلہ کی ترقیات پر یکجائی نظر ڈال سکیں اور اس طرف کھچی آئیں۔ یہ چارٹ اگر سہ رنگا ہو۔ تو بہت اچھا ہوگا۔ یعنی ایک رنگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ترقیات کو دکھائے، دوسرا حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے زمانے کو۔ اور تیسرا خلافت ثانیہ کی برکات کو۔

(۷) جماعت احمدیہ کا کوئی مناسب جھنڈا مقرر کیا جائے۔ جسے باقاعدہ طور پر جلسہ جوبلی کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہُ اللہ بنصرہ العزیز سے نصب کرانے کی درخواست کی جائے۔

(۸) اس تقریب پر ایک پاکیزہ مشاعرہ بھی منعقد کیا جائے۔ جس میں سلسلہ کے چیدہ شعراء سلسلہ احمدیہ، اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلافت کی برکات کے متعلق اپنے اشعار پڑھ کر سُنائیں۔

(۹) سب کمیٹی تیار کنندہ خلافت جوبلی پروگرام کی ایک تجویز یہ ہے کہ اس موقع پر قادیان میں ایک عظیم الشان

جلوس بھی نکالا جائے۔ جس میں ہر جماعت کا علیحدہ علیحدہ دستہ ہو۔ اور ہر دستے کا علیحدہ علیحدہ جھنڈا ہو۔ جس پر مناسب عبارت لکھی ہُوئی ہو۔ اور اس جلوس میں حمد اور مدح کے گیت گائے جائیں۔ اور مناسب موقعوں پر مختصر تقریریں بھی ہوں۔ اور جلوس کسی مناسب جگہ اور مناسب رنگ میں حضرت اقدس کے سامنے سے گذرے۔

گر کمیٹی ہذا کے خیال میں جلوس والے حصّۂ تجویز میں بعض عملی دقّتیں ہیں۔ اس لئے کمیٹی ہذا یہ تجویز کرتی ہے کہ بیرونی جماعتیں اپنے اپنے مقام سے ہی حتی الامکان جلوس کی صورت میں روانہ ہوں اور قادیان میں ریلوے سٹیشن پہ مرکز کی طرف سے استقبال کے لئے کوئی ایسا انتظام کیا جائے کہ ریلوے اسٹیشن سے کسی مخصوص مقام تک احباب جلوس کی صورت میں ہی آئیں۔ علاوہ ازیں کمیٹی ہذا یہ بھی تجویز کرتی ہے کہ اگر ممکن ہو تو دہلی، پشاور اور ملتان، وغیرہ مقامات سے سپیشل گاڑیاں چلوائی جائیں۔ جو کہ براہ راست قادیان تک آئیں۔ اور راستہ میں آنے والی جماعتیں ان سپیشل گاڑیوں پر سوار ہوں۔

(۱۰) اس تقریب پر ایک رات معیّن کر کے قادیان کی تمام مساجد۔ منارۃ المسیح۔ بہشتی مقبرہ۔ قصرِ خلافت اور سلسلے کی دیگر پبلک عمارات پر چراغاں کیا جائے۔ اور پبلک بھی اپنے اپنے گھروں میں چراغاں کرے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں بھی بعض خوشی کے مواقع پر ہُوا ہے۔ یہ چراغاں خوشی کے طبعی اظہار کے علاوہ تصویری زبان میں اس بات کی بھی علامت ہوگا کہ جماعت کی دِلی خواہش اور کوشش ہے کہ اللہ تعالیٰ سلسلے کے نور کو بہتر سے بہتر صورت میں اور جلد سے جلد دُنیا کے تمام کناروں تک پہنچائے۔

(۱۱) مرکزی لجنہ اماء اللہ بھی اپنا ایک جلسہ منعقد کرے اور اس کے ساتھ صنعتی نمائش بھی ہو۔

(۱۲) حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی سالانہ دو تقریروں کے علاوہ باقی تقریریں مندرجہ ذیل مضامین پر ہوں۔ اور ہر ایک تقریر کا جُدا جُدا مضمون ہو:۔

شانِ محمود۔ نظامِ خلافت۔ برکاتِ خلافت سلسلہ عالیہ احمدیہ۔

(۱۳) ہر ایک جماعت کو چاہیئے کہ اپنا اپنا جھنڈا یعنی ماٹو تیار کر کے اپنے ہمراہ لائے۔ تا تمام اطرافِ عالم میں تبلیغ ہو۔ اور سلسلے کا تنظیمی رعب قائم ہو۔

(۱۴) اس تقریب پر جلسے سے پہلے یا بعد وقارِ سلسلہ کو مدنظر رکھتے ہُوئے اگر کوئی جسمانی کھیلوں کی نمائش یا ورزشی مقابلے بعض ادارے اپنی طرف سے کرنا چاہیں تو انہیں روکا نہ جائے۔

(۱۵) ہو سکے تو جلسہ اور جلوس وغیرہ کی ایک مناسب فلم تیار کروائی جائے جو تبلیغی لحاظ سے مفید ہو سکے۔

لیکن اسپر ہماری طرف سے کچھ خرچ نہ ہو۔ بلکہ کسی بیرونی کمپنی وغیرہ کو دعوت دیکر کوئی انتظام کروایا جائے۔
(۱۶) کوشش کی جائے کہ اس تقریب پر قادیان سے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ایک مختصر تقریر ساری دنیا میں ریڈیو کے ذریعہ براڈکاسٹ کروائی جائے۔
(۱۷) اس تقریب پر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی خدمت میں مندرجہ ذیل ایڈریس پیش کئے جائیں:۔
(ا) تمام جماعتہائے احمدیہ ہندوستان کیطرف سے (ب) لجنہ اماء اللہ کیطرف سے (ج) صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے۔
(د) خدام الاحمدیہ نیشنل لیگ کی طرف سے (ہ) بلاد عربیہ کی طرف سے (و) بلاد عجم کی طرف سے (ز) یورپ و امریکہ کی طرف سے (ح) مشرقی افریقہ کی طرف سے (ط) مغربی افریقہ کیطرف سے (ی) جزائر شرق الہند کیطرف سے۔
(نوٹ) یہ ضروری ہوگا کہ ایڈریس پڑھنے والا اُسی ملک کا احمدی ہو جسکی طرف سے ایڈریس پیش کیا جائے۔
(۱۸) خلافت جوبلی فنڈ کے جمع شدہ روپے کا چیک حضور کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ کہ حضور اِس روپے کو جس مصرف اور جس رنگ میں پسند ہو۔ خرچ فرمائیں۔
(۱۹) اُوپر کے تمام اور دیگر انتظامات متعلقہ جوبلی کے سرانجام دینے کے لئے ایک سب کمیٹی مقرر کی جائے جس کے ممبر حسب ذیل اصحاب ہوں:۔
(۱) مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب صدر (۲) حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب۔
(۳) ناظر دعوۃ و تبلیغ (حضرت مولوی عبدالمغنی خاں صاحبؓ ناقل) (۴) ناظر ضیافت (حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ ناقل)
(۵) مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم اے سیکرٹری۔
(۲۰) اُوپر کی سب کمیٹی کا بجٹ مندرجہ ذیل ہونا چاہیئے:۔
چراغاں ۳۰۰ روپیہ۔ جلوس ۱۰۰ روپیہ۔ کاسٹک ایڈریس ۲۰۰ روپیہ۔ پروگرام وغیرہ ۲۰۰ روپیہ
جھنڈا ۱۰۰ روپیہ۔ متفرق ۲۵۰ روپیہ۔ میزان = ۱۱۵۰ روپے
(۲۱) اِس رقم کی فراہمی کے لئے خاص اپیل کی جائے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کیطرف سے ارشاد

مجلس مشاورت میں رپورٹ پیش ہونے پر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا:۔

”جو تجاویز اس وقت سب کمیٹی کی طرف سے پیش ہُوئی ہیں۔ اُن میں سے بعض سفارشات کا رنگ رکھتی ہیں۔ بعض ایسی ہیں جن کا تعلق شوریٰ سے نہیں ہے۔ اُنکے متعلق شوریٰ سے مشورہ لینا فائدہ مند نہیں۔

وہ تو محکموں کو بھجوا دینی چاہئیں۔ مثلاً "الفضل کا خاص نمبر" یا یہ کہ "تصنیفات شائع کی جائیں" یا "قادیان میں ایک اَپ ٹو ڈیٹ لائبریری ہو"۔ اس تجویز کی صدر انجمن احمدیہ پہلے منظوری دے چکی ہے۔ ہم نے اگر یہاں اِس کو پاس کر دیا۔ تو صدر انجمن کی طرف سے جھٹ اِس کا بجٹ آ جائیگا۔ اسلئے اسکو سفارش تک محدود کیا جائے۔

"پچاس سالہ" ترقیات کے چارٹ کی تجویز۔ یہ بھی صدر انجمن بنوائے۔ لجنہ اماء اللہ کا جلسہ اور صنعتی نمائش کی تجویز پر بحث کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح تجویز ۱۴ - ۱۷ - ۱۹- ایسی ہیں کہ یہ مشورہ یا سفارش تک تعلّق رکھتی ہیں۔ پس یہ کہہ دیا جائے کہ یہ "سفارشات شوریٰ پیش کرتی ہے"۔ مَیں پہلے صرف اُنکو لیتا ہوں جو سفارش کا رنگ رکھتی ہیں۔ شوریٰ کو انکے فیصلہ سے تعلّق نہیں۔ میں پھر بتا دیتا ہوں کہ وہ تجاویز یہ ہیں:۔ (۱) الفضل کا خاص نمبر۔ (۲) نایاب کتب کی اشاعت کا انتظام (۳) پچاس سالہ ترقیات کا چارٹ (۴) تمام احباب کی رہائش کا انتظام نظارت کرے (۵) مشاعرہ (۶) لجنہ اماء اللہ کا جلسہ ہو (۷) ہر جماعت کا جھنڈا ہو (اس کو مَیں نے کاٹ دیا ہے)۔ (۸) جسمانی کھیلیں"۔ ؎۱

لوائے احمدیت سے متعلّق تجویز کی منظوری

اِس وضاحت کے بعد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیحؓ نے خلافت جوبلی سے متعلّق سب کمیٹی کی ہر ضروری تجویز پر خدام سے مشورہ کرکے فیصلے فرمائے۔ چنانچہ احمدیت کے جھنڈے کی نسبت فرمایا:۔

"یہ تو ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا قائم رکھا جاتا تھا۔ بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ اب تک ترکوں کے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا موجود ہے۔ یہ صحیح ہو یا نہ ہو۔ بہرحال ایک لمبے عرصہ تک مسلمانوں کے پاس جھنڈا قائم رہا۔ اِس لئے اِس زمانہ میں بھی جو ابھی احمدیت کا ابتدائی زمانہ ہے۔ ایسے جھنڈے کا بنایا جانا اور قومی نشان قرار دینا جماعت کے اندر خاص قومی جوش کے پیدا کرنے کا موجب ہو سکتا ہے۔ . . . . . میرا خیال ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ سے پیسہ پیسہ یا دھیلہ دھیلہ کرکے مخصوص صحابہ سے ایک مختصر سی رقم لیکر اُس سے رُوئی خریدی جائے اور صحابیات کو دیا جائے کہ وُہ اُس کو کاتیں اور اُس سُوت سے صحابی درزی کپڑا تیار کریں۔ اسی طرح صحابہ ہی اچھی سی لکڑی تراش کر لائیں۔ پھر اُس کو باندھنے کے بعد جماعت کے نمائندوں کے سپرد کر دیا جائے کہ یہ ہمارا پہلا قومی جھنڈا ہے۔ پھر آئندہ اس کی نقل کروالی جائے۔ اس طرح جماعت کی روایات اُس سے اِس طرح وابستہ ہو جائیں گی۔ کہ آئندہ آنے والے لوگ اس کیلئے ہر قربانی کے لئے تیار ہوں گے"۔ ؎۲

؎۱ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۹ء صفحہ ۴۷ تا ۵۱ ؎۲ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۹ء صفحہ ۶۳

مشاعرہ کی ممانعت

سب کمیٹی نظارت عُلیاء نے "خلافت جوبلی" پر مشاعرہ کی سفارش کی تھی۔ جس کی اجازت حضور نے نہیں دی۔ چنانچہ فرمایا :۔

" موجودہ حالات میں میری رائے یہی ہے کہ مشاعروں میں تکلّف زیادہ پایا جاتا ہے اور اس لئے بجائے اس کے عام تحریک کردینی چاہیئے کہ دوست شعر کہیں۔ اور اسی رنگ میں اعلان کردینا چاہیئے۔ اور اس طرح جو نظمیں آئیں اُن کو تقریروں کے دوران میں ہی پڑھنے کا موقعہ دے دیا جائے۔ ان نظموں کو پہلے دیکھ بھی لینا چاہیئے۔ . . . . کہ بلاوجہ لمبی نہ ہوں۔ خلافِ ادب مضامین اُن میں نہ ہوں۔ خلافِ علم نہ ہوں۔ اور صرف وُہی نظمیں پڑھنے کی اجازت دی جائے جو دینی جوش کے ماتحت کہی گئی ہوں"۔ لے

چراغاں کی مشروط منظوری

حضرت امیرالمومنین ؓ نے "خلافت جوبلی" پر چراغاں کی اجازت دیتے ہُوئے فیصلہ صادر فرمایا :۔

"میری خلافت کی جوبلی جو منائی جارہی ہے۔ یہ کوئی انفرادی تقریب نہیں۔ بلکہ اس لئے ہے۔ کہ مَیں نظام سلسلہ کی ایک کڑی ہوں۔ اور میرے خلیفہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور یہ مجلس بھی جماعت کی نمائندہ ہے۔ اس لئے روپیہ ایسے طور پر خرچ کرنا چاہیئے کہ ضائع نہ ہو۔ اور اس بات کا خیال رکھا جائے۔ کہ حیوانی جذبات پُورے کرنے کا سامان نہ ہو۔ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے اندر کشش رکھتی ہیں۔ اور چراغاں بھی ایسی ہی چیزوں میں سے ایک ہے۔ شادی بیاہ کے مواقع پر لوگ چراغاں کرتے ہیں اور اُس موقعہ پر اس کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ مہمان آئے ہوتے ہیں۔ سامان بکھرا ہُوا ہوتا ہے۔ اس لئے اس موقعہ پر اس کا فائدہ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر اس تقریب پر اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔ اس لئے اس تحریک کو یُوں بدل دیا جائے کہ منارہ پر روشنی کا انتظام کردیا جائے۔ منارہ پر جو بڑے لیمپ ہیں وُہ روشن کردیئے جائیں۔ اور اُن کے نیچے چھوٹے لیمپ لگا دیئے جائیں۔ تا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نشان بھی پُورا ہو۔ اِس طرح فضول خرچی بھی نہیں ہوگی۔ ایک ایسی تقریب جو اپنی نوعیت کی پہلی تقریب ہے۔ ہمیں ایسے رنگ میں منانی چاہیئے کہ اس میں کوئی بات فضول نہ ہو۔

اگرچہ جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے۔ بعض اوقات عبث کام بھی کرنا پڑتا ہے کیونکہ مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے شاہی جوبلیوں کے مواقع پر چراغاں کیا ہے۔ کیونکہ سارے ملک میں یہ کیا گیا تھا۔ اور اُس وقت اگر آپ ایسا نہ کرتے۔ تو سیاسی رنگ میں یہ قابلِ اعتراض بات ہوتی۔ پس ضرورت کے موقعہ پر بے شک جائز ہے۔ اُس وقت چُونکہ ضرورت تھی۔ آپ نے ایسا کردیا۔

لے رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۹ء صفحہ ۶۷ تا ۶۸

پس مَیں یہی فیصلہ کرتا ہوں کہ منارۃ المسیح پر روشنی کا انتظام کر دیا جائے۔ تا اللہ تعالیٰ نے احمدیت کی روشنی کو جو بڑھایا ہے۔ اس کا ظاہری طور پر بھی اظہار ہو جائے۔ باقی اس موقعہ پر صدقہ خیرات کر دیا جائے۔ اور چونکہ قادیان کے غریب احمدی تو لنگر خانہ سے کھانا کھائیں گے ہی۔ اس لئے جہاں جو صدقہ کیا جائے وہ غیر احمدیوں بلکہ ہندوؤں اور سکھوں کو بھی دیا جائے۔" [۱]

جلوس کی نسبت فیصلہ

حضور نے مندرجہ ذیل الفاظ میں جلوس کی اجازت مرحمت فرمائی:۔

"میرا خیال ہے جلوس کا سوال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے بھی آیا ہے۔ اور آپؑ نے اسے پسند فرمایا ہے۔ کہ اس سے لوگ یہ سمجھیں گے۔ کہ ہزاروں احمدی ہو چکے ہیں۔ اس طرح کے جلوس صحابہ سے بھی ثابت ہیں کہ ہجوم کر کے بعض موقعہ پر چلتے تھے۔ عید کے متعلق ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک رستہ سے جاؤ اور دوسرے سے آؤ۔ اس سے بھی ایک جلوس کی صورت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جہاں تک ہو سکے۔ اکٹھے آؤ۔ جاؤ۔ اس سے دشمنوں پر رعب ہوتا ہے۔ اور اُن کو یہ دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے کہ سلسلہ کو کتنی ترقی ہو چکی ہے۔ اور ویسے جلوس کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔ مگر ہمارے ہاں جلوس کا طریق غلط ہے۔ اسے تماشا بنا لیا جاتا ہے۔ بجائے سنجیدہ بنانے کے، مَیں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ہجوم اپنے طور پر چلتا جائے اور ہر شخص اپنی پسند کے مطابق شعر پڑھے یا سُنے۔ بناوٹ اور تصنّع کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"پس مَیں سب کمیٹی کی تجویز کو اس شرط پر منظور کرتا ہوں کہ وقار اسلامی کو مدّنظر رکھا جائے۔ ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے احمدیت کی شوکت کا اظہار ہو۔ اور ایسا نہ ہو جس سے اسکے وقار کو صدمہ پہنچے۔" [۲]

فلم بنانے کے خلاف فیصلہ

جہاں تک اس سفارش کا تعلق تھا کہ جلسہ خلافت جوبلی پر کسی فلم کمپنی کو دعوت دی جائے کہ وُہ جلسہ کی فلم لے۔ حضور نے یہ سفارش بالکل مسترد کر دی۔ مگر ساتھ ہی فرمایا:۔ "اس تجویز کو مَیں رد کرتا ہوں۔ مگر اسکے باوجود مَیں بعض باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ میرا یہ فیصلہ اس بنیاد پر ہے کہ فلم لئے جانے کی کوئی چیز ہی اس تقریب میں نہ ہوگی۔ پھر اگر ہو بھی۔ تو کسی کمپنی کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ آکر اس جماعت کی کسی تقریب کی فلم تیار کرے۔ جس نے جا کر اس کو دیکھنا ہی نہیں۔ فلم کمپنیوں کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ وُہ اصل کھیل سے پہلے کوئی حصّہ علمی یا اخباری رکھ دیتے ہیں۔ اور اُس وقت بعض لوگ سگریٹ پیتے اور چاکلیٹ کھاتے ہیں۔ اور کچھ اُسے دیکھ بھی لیتے ہیں جن کو اس سے

---

[۱] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۹ء صفحہ ۷۵، ۷۶ ⁂ [۲] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۹ء صفحہ ۷۰، ۷۱ ⁂

کوئی دلچسپی ہو۔ اگر تو احمدیوں نے جاکر دیکھنا ہو۔ تو کوئی کمپنی فلم تیار کرسکتی ہے۔ وُہ سمجھے گی۔ کہ کیا ہوا۔ اگر ہزار روپیہ خرچ ہوگیا۔ تو ہزارہا کی آمد بھی تو ہوگی۔ مگر ہم نے جب دیکھنا ہی نہیں۔ تو کیا ہم کسی سے کہیں گے کہ آپ تشریف لائیں اور فلم تیار کریں مگر ہم دیکھیں گے نہیں۔ بلکہ دُوسروں کو بھی نصیحت کریں گے۔ کہ آپ کے پاس نہ پھٹکیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی انشورنس کمپنی قادیان میں آکر اپنا دفتر کھول دے۔ اس لئے یہ بات ہی غلط ہے کہ کوئی کمپنی آکر فلم تیار کرے گی۔" [1]

"سب کمیٹی تکمیل پروگرام جوبلی" کی زبردست جدّوجہد

خلافت جوبلی کمیٹی نے دوران سال میں اپنے متعدد اجلاس کئے۔ اور ہر امر پر پُورے غور و مشورہ کے بعد جملہ امور کا انتظام کیا۔ مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب چونکہ قادیان سے بلکہ ہندوستان سے بھی باہر تشریف لے گئے تھے۔ اِس لئے وُہ تمام اجلاسوں میں شریک نہیں ہوسکے۔ مگر اُن کے منشاء کے ماتحت اُنکی عدم موجودگی میں حضرت مرزا بشیر احمدؐ صاحبؓ صدارت کے فرائض نہایت عمدگی سے سرانجام دیتے رہے۔ حضرت امیرالمومنین نے بعد میں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ کو بھی اس کمیٹی کا ممبر مقرر فرما دیا تھا۔

لوائے احمدیّت کا اہتمام

کمیٹی کے سامنے جو کام درپیش تھے۔ ان میں سب سے اہم "لوائے احمدیّت" کا تیار کرنا تھا۔ جس کے متعدد پہلو قابلِ غور تھے۔ اوّل جھنڈے کے 'ڈیزائن' یعنی شکل کا فیصلہ۔ دوم صحابہ اور صحابیات حضرت مسیح موعودؑ سے اسکے اخراجات کیلئے چندہ وصول کرنا۔ سوم اُن سے کپڑا تیار کرانا۔ چہارم جھنڈے کی لمبائی چوڑائی وغیرہ کا فیصلہ کرکے اسکو بنوانا۔ پنجم پول تیار کرانا۔ ششم جھنڈے کا نصب کرنا۔ ہفتم اس کا لہرانا۔ چونکہ یہ کام اپنی نوعیت کے لحاظ سے کمیٹی کیلئے بالکل نئی قسم کا تھا۔ اسلئے ہر مرحلہ پر اور آخر وقت تک کمیٹی کو مختلف قسم کی مشکلات کا سامنا رہا جسکی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

اِس سلسلہ میں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک کمیٹی مقرر فرمادی تھی جسکے ممبران حضرت مرزا بشیر احمدؐ صاحبؓ۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ اور حضرت حافظ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب تھے۔ اس کمیٹی نے نومبر میں اپنی رپورٹ تیار کرکے بھیجی۔ جو حضور کی خدمت مبارک میں پیش کی گئی۔ اور بالآخر حضور نے جھنڈے کی ایک معیّن شکل منظور فرمالی۔

حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیحؑ کے فیصلہ مشاورت کی تعمیل میں کمیٹی نے صحابہ کرام سے چندہ کی اپیل کی اور اس فنڈ میں دفتر محاسب کے پاس تیئیس ۲۳ روپے آٹھ آنے تین پیسے جمع ہوئے۔ لیکن یہ محسوس کیا گیا کہ اخراجات

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۹ء صفحہ ۸۵؎

اس سے بہت زیادہ ہونگے۔ نیز معلوم ہوا کہ بعض صحابہ کو غلط فہمی ہوگئی ہے کہ ایک پیسہ سے زیادہ چندہ نہیں لیا جائے گا۔ اسلئے مزید روپے کے لئے دوبارہ اپیل شائع کی گئی۔ اور ایک خاص محصّل کے ذریعہ کوشش کی۔ اور قادیان اور اسکے ارد گرد کے علاقہ میں اُن دنوں جو صحابہ موجود تھے۔ اُن سے خاص طور پر چار آنے تک کی رقم فراہم کی۔ اور بعض نے اس سے بھی زیادہ رقم عطا فرمائی۔ اس طرح ایک سو تیس روپے کے قریب جمع ہوگیا۔

رُوئی کی خرید کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کو یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ اگر ایسی کپاس مل جائے، جسے صحابیوں نے کاشت کیا ہو۔ تو بہت اچھا ہو۔ چنانچہ حضور کو اطلاع ملی کہ سندھ میں اس قسم کی کپاس موجود ہے۔ گو وہاں سے تو ایسی کپاس نہ مل سکی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضور کی اس مبارک خواہش کو اور طرح پورا فرما دیا۔ اور وہ اس طرح کہ میاں فقیر محمدؐ صاحب امیر جماعت احمدیہ وِنجواں ضلع گورداسپور جو صحابی ہیں' قادیان تشریف لائے۔ اور کچھ سوت حضرت اُمّ المومنینؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ اور عرض کیا کہ میں نے حضرت مرزا بشیر احمدؐ صاحبؓ کے ارشاد کی تعمیل میں اپنے ہاتھ سے بیج بویا اور پانی دیتا رہا۔ اور پھر چُنا اور صحابیوں سے دُھنوایا اور اپنے گھر میں اُسکو کتوایا ہے۔ یہ سُوت پہنچنے پر مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ سیکرٹری خلافت کمیٹی نے امیر جماعت احمدیہ وِنجواں کو پیغام بھیجا کہ اُن کے پاس اگر اُن کی کاشت کی ہوئی رُوئی میں سے کچھ اور ہو تو وہ بھی بھجوا دیں۔ جسپر حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ قادیانی کے ذریعے مزید آٹھ دس سیر رُوئی قادیان پہنچ گئی۔ جو مولانا دردؔ صاحب نے حضرت سیدہ اُمّ طاہر صاحبہ جنرل سیکرٹری لجنہ اماء اللہ کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ بھیجدی کہ وہ صحابیات کے ذریعہ حضرت اقدسؓ کے ارشاد کے ماتحت اس رُوئی کا سُوت طیار کروا لیں۔ چنانچہ انہوں نے نہایت مستعدی کے ساتھ دارالمسیح موعودؑ میں صحابیات سے سُوت کتوا دیا۔ جسے صحابی بافندگانؔ[1] کے ذریعے قادیان اور ننگلو نڈی میں کپڑا بنوایا گیا۔

جھنڈے کا سائز کیا ہو؟ اس امر کی نسبت کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ کپڑا اٹھارہ فٹ لمبا اور ۹ فٹ چوڑا ہو۔ اس فیصلہ کے مطابق تیار شدہ کپڑے کو مطلوبہ سائز میں بدلنے میں صحابی درزیوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔

مگر ابھی اس کپڑے کے اُوپر جھنڈے کی شکل نقش کروانا باقی تھا۔ اس اہم کام کیلئے ملک عطاء الرحمان صاحب مجاہد تحریک جدید نے بہت دوڑ دھوپ کی۔ اور شاہدرہ سے اس کام کو تکمیل تک پہنچایا۔ نیز حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمدؐ صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے مجلسی اور ذاتی دونوں لحاظ سے بہت دلچسپی لی۔

جھنڈے کے پول کے معاملہ میں ممبران کمیٹی کو بہت غور و خوض کرنا پڑا۔ ایک لمبی بحث کے بعد

---

[1] ان میں سے ایک بزرگ میاں خیر الدین صاحبؓ دری باف تھے۔ جو وفات پا چکے ہیں۔

آخر یہی فیصلہ کرنا پڑا۔ کہ پائپ کرائے پر لیکر کام چلایا جائے۔ کیونکہ لکڑی ۶۲ فٹ لمبی، خوبصورت اور سیدھی ملنا مشکل تھی۔ اور اس کے کھڑے کرنے کا سوال بہت ٹیڑھا تھا۔ گو وقت بہت تھوڑا تھا۔ لیکن بابو اکبر علی صاحبؓ کی کوشش سے کام خیر و خوبی سے انجام پاگیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک [۱]

فصل سوم

خلافت جوبلی سے متعلق ابتدائی تجاویز اور اُن کے عملی جامہ پہنانے کی تفصیلات پر روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ جلسہ خلافت جوبلی کی تقریب کس طرح شاندار طریق سے مگر سادہ۔ پُروقار اور خالص اسلامی ماحول میں منائی گئی۔

منارۃ المسیح پر چراغاں

خلافت جوبلی کی تقریب کی خوشی میں حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے صرف منارۃ المسیح پر چراغاں کرنے کی اجازت دی تھی۔ اس لئے منارۃ المسیح کو چوٹی سے لیکر پہلی منزل تک بجلی کے قمقموں سے مرصع کیا گیا۔ اور گو دُوسرے ایام میں بھی تھوڑے تھوڑے وقت کے لئے یہ قمقمے روشن کئے جاتے رہے۔ لیکن ۲۷ر دسمبر کو رات بھر مینار جگمگاتا رہا جس نے قادیان کی فضاء کو سچ مچ بقعہ نُور بنا دیا۔

جماعتوں کا جلسہ گاہ میں جانے کا نظارہ

۲۸ر دسمبر ۱۹۳۹ء کی صبح سے خلافت جوبلی کی مبارک تقریب کا پروگرام شروع ہوا۔ تمام جماعتیں ساڑھے نو بجے اپنی اپنی فرودگاہ سے جلسہ گاہ کی طرف آنے لگیں۔ ہر جماعت کے ساتھ اُس کا جھنڈا تھا جسے دو آدمی اُٹھائے ہوئے تھے، اور جس پر اُس جماعت کا نام اور بعض دُعائیہ فقرات لکھے تھے۔ اس طرح مختلف علاقوں اور مختلف ممالک کی جماعتیں دُرِّثمین کے اشعار پڑھتی اور خدا تعالیٰ کی حمد کے گیت گاتی ہوئی جلسہ گاہ میں پہنچیں۔ تمام جھنڈے جلسہ گاہ کی گیلریوں کے اُوپر کے حصّہ میں کھڑے کر دیئے گئے۔ ایسے جھنڈوں کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب تھی۔

۱۰ بجکر ۵۰ منٹ پر حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ سٹیج پر (جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت کی جلسہ گاہ کے برابر تھا) تشریف لائے۔ اُس وقت سٹیج کا سائبان اُتار دیا گیا۔ تاکہ تمام مجمع

---

[۱] "روئیداد جلسہ خلافت جوبلی" مرتبہ مولانا عبدالرحیم صاحبؓ درد ایم اے سیکرٹری خلافت جوبلی۔ ناشر مینیجر بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان * [۲] الفضل ۲۴ر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۱*

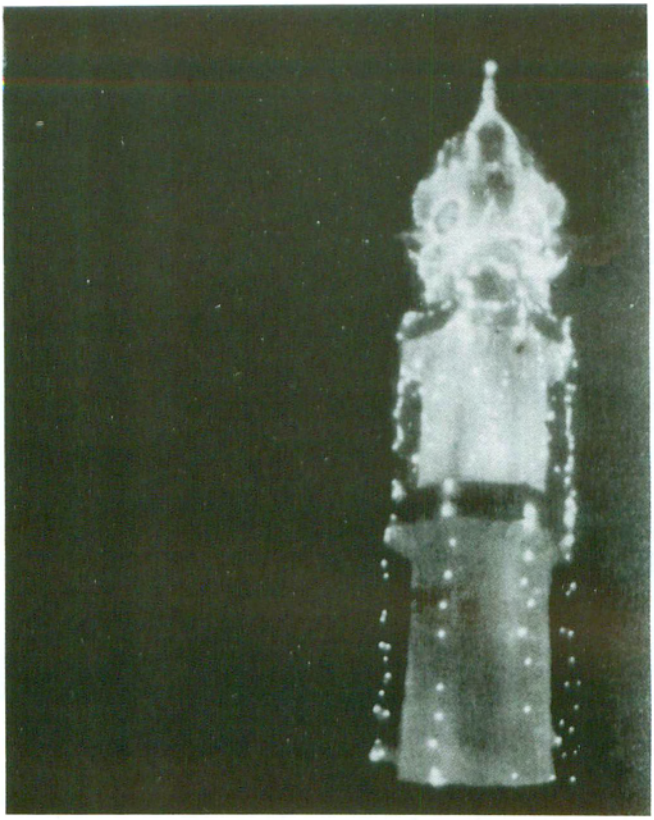

منارۃ المسیح پر چراغاں (۲۷ دسمبر ۱۹۳۹ء)

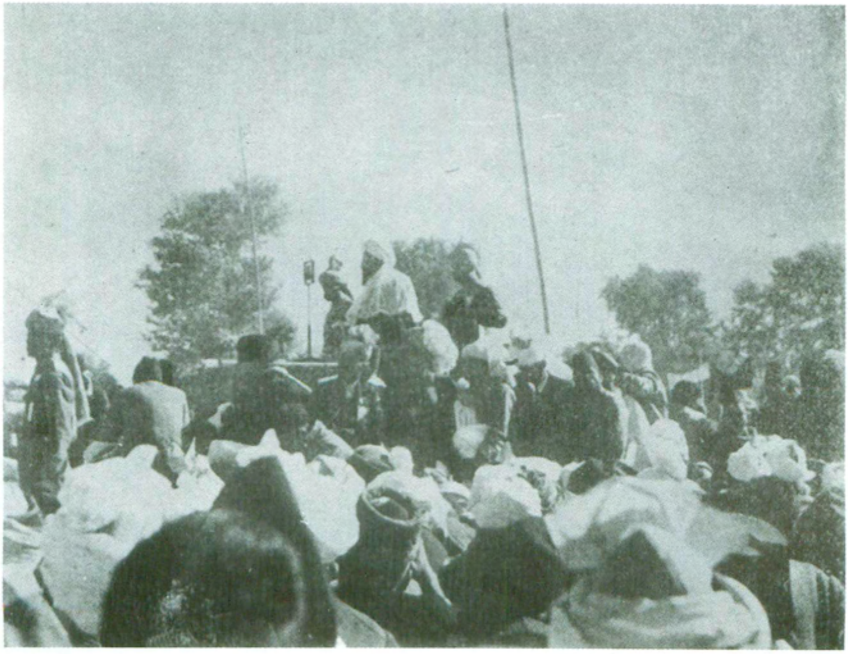

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جلسہ خلافت جوبلی میں تقریر فرما رہے ہیں (۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حضور چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب چیک پیش کر رہے ہیں۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب خلافت جوبلی فنڈ میں نمایاں حصہ لینے والوں کے نام سنا رہے ہیں۔

آسانی سے اس موقعہ کا نظارہ کر سکے۔ حضرت صوفی غلام محمد صاحبؓ سابق مبلغ ماریشس نے تلاوت قرآن کریم کی۔ اور حافظ شفیق احمد صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مشہور نظم "آمین" کا ایک حصہ خوش الحانی سے پڑھ کر سُنایا۔

سپاس نامے

اسکے بعد حضور کی خدمت میں ایڈریس پیش کئے گئے۔ جناب چودھری بشیر احمد صاحب سب جج نام لیتے۔ اور ایڈریس پڑھنے والے صاحب حضور کی خدمت میں پیش ہو کر ایڈریس پڑھتے۔ اس موقعہ پر حسب ذیل اصحاب نے اپنے اپنے حلقہ کی طرف سے اپنے پیارے امام کے حضور نہایت ہی مخلصانہ جذبات کا اظہار کیا۔

(۱) حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم اے ناظر اعلیٰ نے صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے اُردو میں ایڈریس پیش کیا۔ (۲) آنریبل چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے جماعتہائے ہندوستان کی طرف سے اُردو میں ایڈریس پیش کیا۔ (۳) جناب پروفیسر عطاء الرحمٰن صاحب ایم اے اسسٹنٹ ڈائریکٹر محکمہ تعلیم آسام نے جماعتہائے آسام کی طرف سے انگریزی میں ایڈریس پیش کیا۔ (۴) خان بہادر چودھری ابُوالہاشم خان صاحب ایم اے نے جماعتہائے احمدیہ بنگال کی طرف سے انگریزی میں ایڈریس پیش کیا۔ (۵) حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری نے جماعتہائے صوبہ بہار کیطرف سے اُردو میں ایڈریس پیش کیا۔ (۶) حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ نے جماعتہائے صوبہ سرحد کی طرف سے اُردو میں۔ (۷) جناب مولوی عبدالمنان صاحب عمر خلف حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے احمدیوں کیطرف سے انگریزی میں۔ (۸) جناب شیخ محمود احمد صاحبؓ عرفانی سیکرٹری آل انڈیا نیشنل لیگ نے لیگ کیطرف سے اُردو میں۔ (۹) چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر بی اے جنرل سیکرٹری مجلس خدام الاحمدیہ نے خدام الاحمدیہ کیطرف سے اُردو میں۔ (۱۰) السید عبدالعزیز دمشقی نے بلاد عربیہ کی جماعتوں کی طرف سے عربی میں۔ (۱۱) مسٹر غلام حسین افریقی نے جماعتہائے مشرقی افریقہ کی طرف سے سواحلی میں۔ (۱۲) حاجی جنود اللہ صاحب ترکستانی نے چینی ترکستان کی طرف سے ترکستانی میں۔ (۱۳) مسٹر محمد زُہدی صاحب سنگاپوری نے جماعتہائے سنگاپور اور ملایا کی طرف سے ملایا میں۔ (۱۴) مولوی احمد سدوسی صاحب سماٹری نے جزائر شرق الہند کی طرف سے سماٹری میں ایڈریس پیش کیا۔ [1]

---

[1] الفضل ۳ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۸ ؎

صوبہ سرحد کے احمدیوں کا سپاسنامہ یہ تمام ایڈریس روئیداد جلسہ خلافت جوبلی میں شائع شدہ ہیں۔ جن کا نقل کرنا غیر ضروری بھی ہے اور باعثِ طوالت بھی۔ اِس لئے بطور نمونہ صوبہ سرحد اور ہندوستان کے احمدیوں کے ایڈریس درج کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ * نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

وَالسَّلَامُ عَلٰی اَحْمَدَ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

سیّدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح ایدک اللہ بنصرہ العزیز۔

ہم احمدیان صوبہ سرحد (جو ہندوستان کے شمال مغرب میں رہتے ہیں) آج اِس جگہ حاضر ہو کر حضور کی خلافت جوبلی یا خلافتِ ثانیہ پر پچیس ۲۵ سال کا زمانہ دراز گزارنے پر جو کامیابی اور کامرانی سے گذرا۔ خدا کا شکر بجالاتے ہیں۔ اور حضور کو تہ دل سے مبارکباد عرض کرتے ہیں۔ بے شک وُہ قابلِ ستائش ہے جس نے حضور کو اِس دوران میں نہ صرف سلسلہ کے اندرونی فتنوں اور سازشوں کی سرکوبی کا موقعہ بخشا۔ بلکہ سلسلہ کے باہر دُنیا میں بھی اسکی عزّت اور وقار کو قائم کیا۔ اور حضرت احمدؑ کے نام اور پیغام کو زمین کے کناروں تک پہنچانے میں بامُراد کیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِكَ" [1]

جماعت احمدیہ ہندوستان کا سپاسنامہ اِس تقریب پر ہندوستان کے احمدیوں کی طرف سے خلافت جوبلی کے محرّک حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے مندرجہ ذیل سپاس نامہ پڑھ کر سُنایا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ❊ نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

ایڈریس بخدمت حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی ایدہُ اللہ بنصرہ العزیز

منجانب جماعتہائے احمدیہ ہندوستان بتقریب خلافت جوبلی

سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی ایّدہُ اللہ بنصرہ العزیز۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ خاکسار حضور کی خدمت میں اِس نہایت مبارک اور پُر از مسرّت تقریب پر جب کہ حضور اپنے عہدِ خلافت کے پچیس ۲۵ سال پُورے فرما رہے ہیں۔ جماعتہائے احمدیہ ہندوستان کیطرف سے دِلی مبارکباد پیش کرتا ہے۔

سیّدنا ہمارے لئے یہ خوشی کا دِن حقیقۃً ایک عید کا دِن ہے۔ کیونکہ جس طرح اسلام کی عیدیں عبادتوں اور قربانیوں کے بعد منائی جاتی ہیں۔ اِسی طرح حضور کی خلافت کے پچیس سالہ زمانہ نے جو خدا کی نصرتوں اور اُسکے

---

[1] روئیداد جلسہ جوبلی ص۲۶ ❊

نشانوں اور حضور کی قیادت میں جماعت کی قربانیاں اور دینی سرگرمیوں سے معمور ہے۔ ہمارے لئے خوشی کی عید کو ممکن اور جائز کر دیا ہے۔ یہ خوشی حقیقتاً حضور کی خوشی ہے۔ کیونکہ اس پچیس سالہ دور میں جو شاندار ترقیات جماعت کو نصیب ہوئی ہیں۔ اور جو خدمت حضور نے رضائے الٰہی اور اعلائے کلمۃ اللہ کی سرانجام دی ہے۔ وہ حقیقتاً حضور ہی کے انفاس قدسیہ کی برکت سے ہے۔ مگر خادم اپنے آقا سے الگ نہیں۔ اور دراصل آقا کی عید ہی خادم کی حقیقی عید ہوتی ہے۔

سیّدنا! حضور کی تربیت کے ماتحت ہمارے دلوں میں اس بات کا پُورا پُورا احساس ہے کہ اسلامی عید دو پہلو رکھتی ہے۔ ایک یہ کہ بندہ اُس توفیق پر جو خدا تعالیٰ نے اُسے ماضی میں خدمت اور قربانی کی عطاء فرمائی۔ اپنے دل میں ایک غیر معمولی خوشی محسوس کرتا ہے۔ اور دُوسرے یہ کہ وہ اِس احساس کو آئندہ کی خدمات اور قربانیوں کے لئے اپنے دل میں ایک بیج کے طور پر جگہ دیتا ہے۔ اور یہ بیج اس طرح سے ایک عہد کا رنگ رکھتا ہے کہ وہ آئندہ اپنے خالق و مالک کے رستہ میں بیش از بیش قربانی اور خدمت کا نمونہ دکھائیگا پس جہاں ہم گذشتہ پر حضور کی خدمت میں مبارکباد عرض کرتے ہیں۔ وہاں آئندہ کے متعلق حضور سے یہ درخواست بھی کرتے ہیں کہ حضور دُعا فرمائیں کہ جماعت کی تاریخ کا ابتدائی پچاس سالہ دور اور حضور کی خلافت کا پچیس سالہ زمانہ جماعت کی آئندہ قربانیوں اور ترقیات کیلئے بطور ایک بیج کے ہو جائے اور آئندہ ترقیات کے ساتھ اسکی وہی نسبت ہو۔ جو ایک چھوٹے سے بیج کو ایک شاندار درخت کے ساتھ ہُوا کرتی ہے۔

سیّدنا! اس مبارک تقریب پر جو جذباتِ عشق و وفا ہمارے دلوں میں اس وقت موجزن ہیں ہم الفاظ میں اُنکے اظہار کی طاقت نہیں پاتے۔ ؎

قلم را آں زباں نبود کہ سرِّ عشق گوید باز ✣ ورائے حدِّ تقریر است شرحِ آرزومندی

لیکن ہمارے قلوب کی کیفیت کا اندازہ وہ شخص کر سکتا ہے کہ جس کی آنکھوں کے سامنے ایک طرف اُس حالت کی تصویر موجود ہو۔ جو آج سے پچیس ۲۵ سال قبل جماعت کی تھی۔ اور دوسری طرف اُسکے سامنے اُس حالت کی تصویر بھی موجود ہو۔ جو خدا کے فضل سے آج جماعت کی ہے۔ اور وہ اُن خطرات سے بھی واقف ہو جو اس عرصہ میں جماعت کو پے درپے پیش آتے رہے ہیں۔ اور اُن دُعاؤں اور قربانیوں سے بھی آگاہی رکھتا ہو۔ جو حضور نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اور احمدیت کے کمزور نازک پودے کی حفاظت اور آبپاشی کی خاطر فرمائیں۔

سیّدنا! اس پچیس سالہ دَور میں کوئی دن بلکہ کوئی لحظہ جماعت پر ایسا نہیں گزرا۔ کہ جس میں وہ حضور کی قیادت

کی برکات سے متمتع نہ ہوئی ہو۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ خود جماعت بھی پُورے طور پر ان خطرات کی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ جن سے حضور نے جماعت کی حفاظت کا انتظام فرمایا۔ اور نہ ہی وُہ پُورے طور پر اُن برکتوں اور نعمتوں پر آگاہی رکھتی ہے۔ جو حضور کی خلافت کے دوران اسے حاصل ہوئی۔

سیّدنا! حضور کی خلافت صرف تبلیغی اور تربیتی برکات سے ہی مزیّن نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہر رنگ کی برکات اور ہر میدان کے فضائل اور حسنات سے نوازا ہے۔ ہم اس بات کے اظہار کی طاقت نہیں پاتے۔ کہ ہمارے دِلوں میں کس قدر انبساط و امتنان کی لہریں موجزن ہوتی ہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا سردار اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید کے ساتھ ذیادت کے ہر میدان کا شہسوار ہے۔ وُہ معرفتِ الٰہی اور تقویٰ اللہ کا ایک زبردست مجسمہ ہے۔ وُہ نُورِ قرآن اور علومِ دین کا ایک وسیع سمندر ہے۔ وُہ احکامِ اسلام اور شریعت کی باریک در باریک حکمتوں کا ایک کامل اُستاد ہے۔ اور انسان یُوں محسوس کرتا ہے کہ گویا اس زمانہ میں یہ شعر اُسی کے لئے کہا گیا ہے کہ ؎

از رموزِ شرع و حکمت با ہزاراں اختلاف ٭ نکتۂ ہرگز نہ شد فوت از دلِ دانائے تو

سیّدنا! ابتدائے ایّامِ خلافت سے ہی حضور نے نظامِ جماعت کی بنیاد ایسے اسلوب پہ رکھی۔ جو اعلیٰ سے اعلیٰ دماغوں کیلئے باعثِ رشک و عبرت اور وابستگانِ خلافت کیلئے باعثِ ناز و فخر ہے۔ سیاسیاتِ دینیہ اور مُلکیہ میں حضور نے ہر موقعہ پر نہ صرف جماعت کی۔ بلکہ تمام ملک کی وُہ رہنمائی فرمائی۔ جن پر اغیار بھی صدقِ دل سے شاہد ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ اگر دنیوی میدان میں بھی مدبّران اور سیاست دان ان اصولوں پر کاربند ہوتے۔ جن کی حضور نے آج سے ۱۵ سال قبل تلقین فرمائی تھی۔ تو دُنیا اس خطرناک مُصیبت میں گرفتار ہونے سے بچ جاتی۔ جس کا دُہ آج شکار بن رہی ہے۔ غرض چمنستانِ حیاتِ انسانی کا کوئی قطعہ ایسا نہیں۔ جس کی آبپاشی کا سامان اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں اپنے فضل و رحم کے ساتھ حضور کے ذریعہ نہ فرمایا ہو۔ وُہ لوگ جو خدا تعالیٰ سے محبت کرتے اور اُس کے قُرب کی تڑپ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ وُہ اِس چشمہ سے سیراب ہو رہے ہیں۔ اور اِس چشمہ کی دعوتِ عام ہے کہ جو چاہے آئے۔ اور اپنی پیاس کو بُجھائے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں کہ دُنیا کی وُہ قومیں بھی جو ابھی تک اس چشمہ کے حیات بخش پانی سے محروم ہیں۔ جلد یا بدیر اِس سے شادابی حاصل کریں گی۔

سیّدنا! ہماری نظر میں وہ وسعت نہیں۔ اور نہ ہمارے قلم میں وُہ طاقت ہے کہ حضور کے فضائل

کے کسی پہلو کو بھی پورے طور پر بیان کر سکیں۔ کیونکہ ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حُسنِ تو بسیار ⁂ گل چینِ بہارِ تو بداماں گلہ دارد

مگر ہم اِس مُبارک موقعہ پر حضور کی اُس حسین رُوحانی تصویر کو جو ہمارے دِلوں کی گہرائیوں میں جاگزین ہے۔ اپنی آنکھوں کے سامنے لانے کی تڑپ بھی رکھتے ہیں۔ اِس لئے ہم اُن پیارے الفاظ کو اِس جگہ دُہرانے کی اجازت چاہتے ہیں جو خداوند علیم و خبیر نے اپنے برگزیدہ مسیحؑ کی زبان پر حضور کی نسبت حضورؓ کی ولادت سے بھی پہلے جاری فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے فرمایا:۔

"تجھے بشارت ہو۔ کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام تجھے ملیگا۔۔۔۔۔ وُہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وُہ دُنیا میں آئے گا۔ اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وُہ کلمۃ اللہ ہے۔ کیونکہ خدا کی رحمت اور غیوری نے اُسے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وُہ سخت ذہین و فہیم اور دل کا حلیم اور عُلوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائیگا۔۔۔۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مَظْهَرُ الْأَوَّلِ وَ الْآخِرِ۔ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَ الْعَلَاءِ كَأَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نُور آتا ہے نُور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا ہے۔ ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے۔ اور خدا کا سایہ اُس کے سر پر ہوگا۔ وُہ جلد جلد بڑھے گا۔ اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائیگا اور قومیں اُس سے برکت پائینگی۔۔۔۔ وُہ اُولوالعزم ہوگا اور حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا۔

۔۔۔۔ اے فخرِ رُسل قُربِ تو معلومم شُد ⁂ دیر آمدہٖ ز راہِ دُور آمدہٖ"

آخر میں ہم پھر حضور کی خدمت میں اپنی دِلی مبارکباد عرض کرتے ہیں۔ اور حضور سے درخواست کرتے ہیں کہ حضور ہمارے لئے دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں کو دُور فرمائے۔ اور ہمیں اپنی رضا کے رستوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم سے وُہ کام لے جو اُسکی خوشنودی کا موجب ہو۔ اور پھر وُہ ہم پر ایسا خوش ہو کہ اسکے بعد ہم اور ہماری نسلیں قیامت تک اُسکی خوشنودی اور رضا کی وارث رہیں۔ اور اے ہمارے پیارے امام! ہم حضور کیلئے دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضور کو ایک لمبی اور بامُراد زندگی عطا کرے۔ بیش از پیش ترقیات دکھائے۔ اور حضور کے آنے والے زمانہ کو گزرے ہوئے زمانہ کی نسبت بھی زیادہ مقبول اور زیادہ مبارک اور زیادہ شاندار بنائے۔ آمین اَللّٰھُمَّ آمین۔ ہم ہیں حضور کے خادمان جماعتہائے احمدیہ ہندوستان

۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء [1]

---

[1] روئیداد جلسہ خلافت جوبلی صفحہ ۳۹ تا ۴۲۔

مقامی ہندوؤں کا اظہارِ اخلاص

اِس موقعہ پر قادیان کے باشندہ لالہ داتارام صاحب سیٹھ ابن لالہ ملاوامل صاحب نے اپنے خاندان کی طرف سے حضور کے پچیس سالہ عہدِ خلافت کے متعلق مبارکباد پیش کی۔ اور سیٹھ وزیر چند صاحب آف "پیارے دی ہٹی" صرافاں قادیان نے اپنے خاندان کی طرف سے حضرت امیرالمومنینؓ کی خدمت میں مبارکباد عرض کرتے ہوئے چاندی کی خوشنما پلیٹ میں ایک چاندی کی انگوٹھی جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ لکھا تھا بطور تحفہ پیش کی۔ انہوں نے یہی تحفہ جناب چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کو بھی دیا۔

عربی۔ افریقی۔ ملائی۔ سماٹری اور ترکستانی نمائندگان اپنے اپنے وطنی لباسوں میں ملبوس تھے۔ اور اس طرح مختلف ممالک اور مختلف تمدّن کے لوگوں کا حضرت امیرالمومنینؓ کے حضور نذرِ عقیدت پیش کرنا نہایت رُوح پرور نظارہ تھا۔

بیرونی جماعتوں کی طرف سے مبارک باد کے تار

اِس کے بعد حسب ذیل بیرونی جماعتوں کی طرف سے مبارک باد کے تار سُنائے گئے:-

(۱) مولوی جلال الدینؓ صاحب شمس امام مسجد احمدیہ لنڈن کا تار جماعت احمدیہ لنڈن کی طرف سے۔ (۲) صُوفی مطیع الرحمان صاحبؓ ایم اے کا تار امریکہ کی احمدی جماعتوں کی طرف سے۔ (۳) حکیم فضل الرحمان صاحبؓ کا تار جماعتہائے احمدیہ نائیجیریا کی طرف سے۔ (۴) جناب عبدالغفور صاحب کرک کا تار جماعت احمدیہ زنجبار کی طرف سے۔ (۵) جماعتہائے مشرقی افریقہ کا تار۔ (۶) ڈاکٹر احمدؐ الدین صاحب کا تار جماعت ٹانگانیکا کی طرف سے۔ (۷) جماعت احمدیہ سیلون کا تار۔ (۸) جماعت احمدیہ ڈچ ایسٹ انڈیا کا تار۔ (۹) جماعت احمدیہ یوگنڈا کا تار۔ (۱۰) جماعت احمدیہ قاہرہ (مصر) کا تار۔ (۱۱) جماعت احمدیہ برما کا تار۔ [1]

سپاسناموں کے جواب میں حضرت امیرالمومنینؓ کی تقریر

اِس کے بعد ۱۲ بجکر ۴۰ منٹ سے ایک بجکر ۳۰ منٹ تک سیّدنا حضرت امیرالمومنینؓ نے اُن ایڈریسوں کے جواب میں ایک نہایت ایمان افروز اور رُوح پرور تقریر فرمائی جس کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے۔ حضور نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"میں جب سے تقریر کے میدان میں آیا ہوں۔ اور جب سے مجھے تقریر کرنے یا بولنے کا موقعہ ملا ہے

---

[1] الفضل ۳؍جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۸

میں نے شروع دن سے یہ بات محسوس کی ہے کہ ذاتی بناوٹ کے لحاظ سے تقریر کرنا میرے لئے بڑا ہی مشکل ہوتا ہے۔ اور میری کیفیت ایسی ہو جاتی ہے جسے اُردو میں گھبرا جانا کہتے ہیں۔ اور انگریزی میں NERVOUS ہو جانا کہتے ہیں۔ مَیں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا ہے کہ اپنی دماغی کیفیت کے لحاظ سے میں ہمیشہ نروس ہو جاتا ہوں یا گھبرا جاتا ہوں۔ مجھے یاد ہے۔ جب مَیں نے پہلی تقریر کی اور اُس کے لئے کھڑا ہوا۔ تو آنکھوں کے آگے اندھیرا آگیا۔ اور کچھ دیر تک تو حاضرین مجھے نظر نہ آتے تھے۔ اور یہ کیفیت تو پھر کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن یہ ضرور ہوتا ہے کہ ایک خاص وقت میں جس کی تفصیل مَیں آگے چل کر بیان کروں گا۔ میرے دل میں اضطراب سا پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن وُہ حالت اُس وقت تک ہوتی ہے جب تک کہ بجلی کا وُہ کنکشن قائم نہیں ہوتا۔ جو شروع دن سے کسی بالا طاقت کے ساتھ میرے دماغ کا ہو جایا کرتا ہے۔ اور جب یہ دَور آجاتا ہے۔ تو یُوں معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا کے تمام بڑے بڑے مقرّر اور لسّان جو اپنی اپنی زبانوں کے ماہر ہیں۔ میرے سامنے بالکل ہیچ ہیں۔ اور میرے ہاتھوں میں کھلونے کی طرح ہیں۔ جب میں پہلے پہل تقریر کے لئے کھڑا ہوا۔ اور قرآن کریم سے آیات پڑھنے لگا۔ تو مجھے الفاظ نظر نہ آتے تھے۔ اور چونکہ وُہ آیات مجھے یاد تھیں۔ مَیں نے پڑھ دیں۔ لیکن قرآن گو میرے سامنے تھا۔ مگر اس کے الفاظ مجھے نظر نہ آتے تھے۔ اور جب مَیں نے آہستہ آہستہ تقریر شروع کی۔ تو لوگ میری نظروں کے سامنے سے بالکل غائب تھے۔ اس کے بعد یکدم یُوں معلوم ہوا کہ کسی بالا طاقت کے ساتھ میرے دماغ کا اتّصال ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ جب مَیں نے تقریر ختم کی۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کھڑے ہُوئے اور فرمایا۔ کہ یہ تقریر سُن کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اور انہوں نے قرآن کریم کے جو معارف بیان کئے ہیں۔ باوجود اسکے کہ مَیں نے بڑی بڑی تفاسیر پڑھی ہیں۔ اور میری لائبریری میں بعض نایاب تفاسیر موجود ہیں۔ مگر یہ معارف نہ مجھے پہلے معلوم تھے۔ اور نہ مَیں نے کہیں پڑھے ہیں۔ سو جب دورانِ تقریر میں وُہ کیفیت مجھ پر طاری ہوتی ہے۔ تو مَیں محسوس کرتا ہُوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے وُہ کل دبائی گئی ہے۔ اور اب اللہ تعالیٰ میرے دماغ میں ایسے معارف نازل کرے گا۔ کہ جو میرے علم میں نہیں ہیں۔ اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ قرآن شریف پڑھاتے ہُوئے بھی وُہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ آج بھی وُہ کیفیت شروع ہوئی تھی۔ مگر اس وقت جو ایڈریس پڑھے گئے ہیں۔ انکو سُنکر وُہ دُور ہو گئی۔ ایک دفعہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے۔ تو دو شخص آپسمیں لڑ

رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کے متعلق بتایا تھا کہ وُہ کونسی رات ہے۔ مگر اُن کی لڑائی کو دیکھ کر مجھے بھول گئی۔ اِس طرح مجھ پر بھی وُہ کیفیت طاری ہُوئی تھی۔ مگر اس کے بعد ایڈریس شروع ہُوئے۔ ان میں سے بعض ایسی زبانوں میں تھے کہ نہ میں کچھ سمجھ سکا۔ اور نہ آپ لوگ۔ اور مَیں نے محسوس کیا کہ یہ بناوٹ ہے۔ اور منتظمین دُنیا کو دکھانا چاہتے ہیں کہ ہم میں ایسی ایسی زبانیں جاننے والے لوگ موجود ہیں اور اس ظاہر داری کو دیکھ کر میری طبیعت پر ایسا بُرا اثر ہُوا۔ کہ وُہ کیفیت جاتی رہی۔ ہم لوگ تو اپنے جذبات کو دبانے کے عادی ہیں۔ اور جن لوگوں نے بڑے کام کرنے ہوتے ہیں۔ اُن کو یہ مشق کرنی پڑتی ہے۔ سرکاری افسروں کو دیکھ لو۔ مثلاً تحصیلدار اور تھانیدار وغیرہ ہیں۔ سب قسم کے لوگ اُن کے پاس آتے اور باتیں کرتے ہیں۔ اور وہ سب کی باتیں سُنتے جاتے ہیں۔ لیکن اس مجلس میں ایسے لوگ بھی تھے۔ جو جذبات کو دبانے کے عادی نہیں۔ اِس لئے ان میں ایک بے چینی سی تھی۔ اور وُہ بھاگ رہے تھے۔ اور یہ نظارہ میرے لئے تکلیف دِہ تھا۔ اور اس وجہ سے وُہ کیفیت دُور ہو گئی۔ گو اب مَیں اگر اس مضمون کو بیان کرنا شروع کر دُوں۔ تو وُہ مُنہ پھر دَب جائے گا۔ مگر پہلے جو کچھ میرے ذہن میں تھا۔ وُہ اب یاد نہیں آسکتا۔ بہرحال مجھے کچھ کہنا چاہیئے۔ اور اس کارروائی کے متعلق جہاں تک دنیوی عقل کا تعلق ہے۔ مَیں اب بھی بیان کر سکتا ہوں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ ہر ایک نمائندہ نے وعدہ کیا تھا کہ تین منٹ کے اندر اندر اپنا ایڈریس ختم کر دے گا۔ لیکن سوائے اُس ایڈریس کے جو سرحد[1] کی جماعتوں کی طرف سے پیش کیا گیا۔ اور کسی نے یہ وعدہ پورا نہیں کیا۔ پھر وہ جس طرح پیش کیا گیا ہے۔ اس میں حقیقی اسلامی سادگی کا نمونہ نظر آتا ہے۔ اور اِس لئے مَیں انہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ محض چھاپ لینے کو مَیں سادگی کے خلاف نہیں سمجھتا۔ باقی جو ایڈریس پیش کئے گئے ہیں۔ اُن میں سادگی کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ حقیقی سادگی وُہ ہوتی ہے جسے انسان ہر جگہ اور ہمیشہ نباہ سکے۔ اور اس کی قدردانی کے طور پر مَیں اُن سے وعدہ کرتا ہوں کہ اُن کا سارا ایڈریس پڑھوں گا۔ جب سے یہ خلافت جوبلی کی تحریک شروع ہُوئی ہے۔ میری طبیعت میں ہمیشہ ایک پہلو سے انقباض سا رہتا آیا ہے۔ اور مَیں سوچتا رہا ہوں کہ جب ہم خود یہ تحریک منائیں تو پھر جو لوگ برتھ ڈے یا ایسی ہی دیگر تقاریب مناتے ہیں۔ انہیں کس طرح روک سکیں گے۔ اب تک اسکے لئے کوئی دلیل میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ اور مَیں ڈرتا ہوں کہ اِس کے نتیجہ میں ایسی رسوم جماعت میں پیدا نہ ہو جائیں جن کو مٹانے کے لئے احمدیت

---

[1] رُوئیداد خلافت جوبلی" میں سرحد کی بجائے غلطی سے "ہندوستان" کا لفظ شائع ہو گیا تھا۔
(الفضل ۷ رجنوری ۱۹۴۱ء صفحہ ۵ کالم ۳)

آئی ہے۔ ہماری کامیابی اور فتح یہی ہے کہ ہم دین کو اُسی طرح دوبارہ قائم کر دیں جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے لائے تھے۔ اور ایسے رنگ میں قائم کر دیں کہ شیطان اس پر حملہ نہ کر سکے۔ اور کوئی کھڑکی اور کوئی روشندان اور کوئی دَرْ اُسکے لئے کھلا نہ رہنے دیں۔ اور جب سے یہ تقریب منانے کی تحریک شروع ہوئی ہے۔ میں یہی سوچتا رہا ہوں کہ ایسا کرتے ہوئے ہم کوئی ایسا روشندان تو نہیں کھول رہے کہ جس سے شیطان کو حملہ کا موقعہ مل سکے۔ اور اس لحاظ سے مجھے شروع سے ہی ایک قسم کا انقباض سا رہا ہے کہ میں نے اسکی اجازت کیوں دی۔ اور اسکے متعلق سب سے پہلے انشرح صدر مجھے مولوی جلال الدین صاحب شمس کا ایک مضمون الفضل میں پڑھ کر ہوا۔ جس میں لکھا تھا کہ اس وقت گویا ایک اور تقریب بھی ہے اور وہ یہ کہ سلسلہ کی عمر پچاس سال پوری ہوتی ہے۔ تب میں نے سمجھا کہ یہ تقریب کسی انسان کی بجائے سلسلہ سے منسوب ہو سکتی ہے۔ اور اس وجہ سے مجھے خود بھی اس خوشی میں شریک ہونا چاہیئے۔ دوسرا انشراح مجھے اُس وقت پیدا ہوا۔ جب درثمین سے وہ نظم پڑھی گئی جو آمین کہلاتی ہے۔ اسکو سُنکر مجھے خیال آیا کہ یہ تقریب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک پیشگوئی کو بھی پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔ جو اس میں بیان کی گئی ہے۔ اور اس کا منانا اس لحاظ سے نہیں کہ یہ میری ۲۵ سالہ خلافت کے شکریہ کا اظہار ہے۔ بلکہ اس لئے کہ خدا تعالیٰ کی بات کے پورا ہونے کا ذریعہ ہے۔ نامناسب نہیں۔ اور اس خوشی میں میں بھی شریک ہو سکتا ہوں۔ اور میں نے سمجھا کہ گو اپنی ذات کیلئے اسکے منائے جانے کے متعلق مجھے انشراح نہ تھا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے پورا ہونے کے لحاظ سے انشراح ہو گیا۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک صحابی کے متعلق فرمایا تھا کہ میں نے دیکھا ہے کہ اُسکے ہاتھ میں کسریٰ کے کڑے ہیں۔ چنانچہ جب ایران فتح ہوا۔ اور وہ کڑے جو کسریٰ دربار کے موقعہ پر پہنا کرتا تھا۔ غنیمت میں آئے۔ تو حضرت عمرؓ نے اُس صحابی کو بلایا۔ اور باوجودیکہ اسلام میں مردوں کیلئے سونا پہننا ممنوع ہے۔ آپنے اُسے فرمایا کہ یہ کڑے پہنو۔ حالانکہ خلفاء کا کام قیام شریعت ہوتا ہے نہ کہ اُسے مٹانا۔ مگر جب اس صحابی نے یہ کہا کہ سونا پہننا مردوں کیلئے جائز نہیں۔ تو آپنے فرمایا کہ یہ پہنو۔ ورنہ میں کوڑے لگاؤں گا۔ اس طرح میں نے یہ خیال کیا کہ گو یہ کڑے مجھے ہی پہنائے گئے ہیں۔ مگر چونکہ اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی پوری ہوتی ہے۔ اس لئے اسکے منانے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اس لئے میرے دل میں جو انقباض تھا۔ وہ دُور ہو گیا۔ اور میری نظریں اس مجلس سے اُٹھ کر خدا تعالیٰ

کی طرف چلی گئیں اور مَیں نے کہا۔ ہمارا خدا بھی کیسا سچا خدا ہے۔ مجھے یاد آیا کہ جب یہ پیشگوئی کی گئی۔ اُس وقت میری ہستی ہی کیا تھی۔ پھر وُہ نظارہ میری آنکھوں کے سامنے پھر گیا جب ہمارے نانا جان نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس شکایت کی کہ آپ کو پتہ ہی نہیں۔ یہ لڑکا کیسا نالائق ہے۔ پڑھنا لکھنا کچھ نہیں۔ اِس کا خط کیسا خراب ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے بُلایا۔ مَیں ڈرتا اور کانپتا ہُوا گیا۔ کہ پتہ نہیں کیا فرمائیں گے۔ آپؑ نے مجھے ایک خط دیا کہ اسے نقل کرو۔ مَیں نے وہ نقل کرکے دیا۔ تو آپؑ نے حضرت خلیفہ اوّل رضؓ کو جج کے طور پر بلایا۔ اور فرمایا۔ میر صاحب نے شکایت کی ہے کہ یہ پڑھتا لکھتا نہیں۔ اور کہ اس کا خط بہت خراب ہے۔ مَیں نے اس کا امتحان لیا ہے۔ آپ بتائیں کیا رائے ہے۔ لیکن جیسا امتحان لینے والا نرم دل تھا۔ ویسا ہی پاس کرنے والا بھی تھا۔ حضرت خلیفہ اوّل رضؓ نے عرض کیا کہ حضور میرے خیال میں تو اچھا لکھا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ ہاں اس کا خط کچھ میرے خط سے ملتا جلتا ہی ہے۔ اور بس ہم پاس ہوگئے۔ ماسٹر فقیر اللہ صاحب جو اَب پیغامیوں[1] میں شامل ہیں۔ ہمارے اُستاد تھے اور ہمیں حساب پڑھایا کرتے تھے جس سے مجھے نفرت تھی۔ میری دماغی کیفیت کچھ ایسی تھی۔ جو غالباً میری صحت کی خرابی کا نتیجہ تھا۔ کہ مجھے حساب نہیں آتا تھا۔ ورنہ اب تو اچھا آتا ہے۔ ماسٹر صاحب ایک دن بہت ناراض ہوئے اور کہا کہ مَیں تمہاری شکایت کروں گا۔ کہ تم حساب نہیں پڑھتے۔ اور جاکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہہ بھی دیا۔ مَیں بھی چُپ کرکے کمرہ میں کھڑا رہا۔ حضورؑ نے ماسٹر صاحب کی شکایت سُن کر فرمایا۔ کہ اس نے دین کا کام ہی کرنا ہے۔ اس نے کونسی کسی دفتر میں نوکری کرنی ہے۔ مسلمانوں کے لئے جمع تفریق کا جاننا ہی کافی ہے۔ وُہ اسے آتا ہے یا نہیں۔ ماسٹر صاحب نے کہا۔ وُہ تو آتا ہے۔ اس سے پہلے تو مَیں حساب کی گھنٹیوں میں بیٹھتا اور سمجھنے کی کوشش کرتا تھا۔ مگر اس کے بعد مَیں نے وُہ بھی چھوڑ دیا۔ اور خیال کر لیا کہ حساب جتنا آنا چاہیئے تھا مجھے آگیا۔ تو یہ میری حالت تھی۔ جب یہ "آمین" لکھی گئی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے دُعائیں کیں۔ کہ اسے دین کی خدمت کی توفیق عطا کر۔ دُنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ سب بی اے اور ایم اے لائق نہیں ہوتے۔ لیکن جو لوگ لائق ہوتے ہیں۔ وُہ انہی میں سے ہوتے ہیں۔ سارے وکیل لائق نہیں ہوتے۔ مگر جو ہوتے ہیں۔ وُہ انہی میں سے ہوتے ہیں۔ سب ڈاکٹر خدا تعالیٰ کی صفت شافی کے مظہر نہیں ہوتے مگر بہترین ڈاکٹر انہی میں سے ہوتے ہیں جنہوں نے ڈاکٹری کے امتحان پاس کئے ہوں۔ ہر زمیندار مٹی سے سونا نہیں بنا سکتا۔ مگر جو بناتے ہیں وُہ انہی میں سے ہی ہوتے ہیں۔ ترکھانوں میں سے نہیں۔ ہر ترکھان اچھی عمارت

[1] حضرت ماسٹر صاحبؓ نے ۱۰ر مارچ ۱۹۴۴ء کو بیعتِ خلافتِ ثانیہ کرلی (ناقل)

نہیں بنا سکتا۔ مگر جو بناتے ہیں وُہ ترکھانوں میں سے ہی ہوتے ہیں۔ لوہاروں میں سے نہیں۔ پھر ہر انجینئر ماہرِ فن نہیں۔ مگر جو ہوتا ہے وُہ انہی میں سے ہوتا ہے۔ ہر معمار دہلی اور لاہور کی شاہی مساجد اور "تاج محل" نہیں بنا سکتا۔ مگر ان کے بنانے والے بھی معماروں میں سے ہوتے ہیں۔ کپڑا بُننے والوں میں سے نہیں ہوتے۔ پس ہر فن کا جاننے والا ماہر نہیں ہوتا۔ مگر جو ماہر نکلتے ہیں۔ وُہ انہی میں سے ہوتے ہیں۔ مگر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ دُعا کی۔ اُس وقت مَیں ظاہری حالات کے لحاظ سے اپنے اندر کوئی بھی اہلیت نہ رکھتا تھا لیکن اس وقت اس آمین کو سُن کر مَیں نے کہا۔ کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی دُعائیں سُن لیں۔ جب یہ دُعائیں کی گئیں۔ میں معمولی ریڈریں بھی نہیں پڑھ سکتا تھا۔ مگر اب خدا تعالیٰ کا ایسا فضل ہے کہ مَیں کسی علم کی کیوں نہ ہو۔ انگریزی کی مشکل سے مشکل کتاب پڑھ سکتا ہوں اور سمجھ سکتا ہوں۔ اور گو مَیں انگریزی لکھ نہیں سکتا۔ مگر بی اے اور ایم اے پاس شدہ لوگوں کی غلطیاں خوب نکال سکتا ہوں۔ دینی علوم میں مَیں نے قرآن کریم کا ترجمہ حضرت خلیفہ اوّل سے پڑھا ہے۔ اور اس طرح پڑھا ہے کہ اور کوئی اس طرح پڑھے تو کچھ بھی نہ سیکھ سکے۔ پہلے تو ایک ماہ میں آپ نے مجھے دو تین سیپارے آہستہ آہستہ پڑھائے۔ اور پھر فرمایا میاں آپ بیمار رہتے ہیں۔ میری بھی صحت کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ آؤ کیوں نہ ختم کر دیں۔ اور مہینہ بھر میں سارا قرآن کریم مجھے ختم کرا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ پھر کچھ اُن کی نیّت اور کچھ میری نیّت ایسی مبارک گھڑی میں ملیں۔ کہ وُہ تعلیم ایک ایسا بیج ثابت ہُوا۔ جو برابر بڑھتا جا رہا ہے۔ اِس طرح بخاری آپؓ نے مجھے تین ماہ میں پڑھائی۔ اور ایسی جلدی جلدی پڑھاتے کہ باہر کے بعض دوست کہتے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں اگر کوئی سوال کرتا۔ تو آپؓ فرماتے پڑھتے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ خود سب کچھ سمجھا دے گا۔ حافظ روشن علی صاحب مرحوم کو کُریدنے کی بہت عادت تھی۔ اور اُن کا دماغ بھی منطقی تھا۔ وُہ درس میں شامل تو نہیں تھے۔ مگر جب مجھے پڑھتے دیکھا تو آکر بیٹھنے لگے اور سوالات دریافت کرتے۔ اُن کو دیکھ کر مجھے بھی جوش آیا اور مَیں نے اسی طرح سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔ ایک دو دن تو آپؓ نے جواب دیا۔ اور پھر فرمایا۔ تم بھی حافظ صاحب کی نقل کرنے لگے ہو۔ مجھے جو کچھ آتا ہے وُہ خود بتا دوں گا۔ بُخل نہیں کرونگا۔ اور باقی اللہ تعالیٰ خود سمجھا دیگا۔ اور مَیں سمجھتا ہوں۔ سب سے زیادہ فائدہ مجھے اسی نصیحت نے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود سمجھا دیگا۔ یہ ایک کبھی نہ ختم ہونے والا خزانہ میرے ہاتھ آگیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسا سمجھایا ہے کہ مَیں غرور تو نہیں کرتا مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ حالت ہے۔ کہ مَیں کوئی کتاب یا کوئی تفسیر پڑھ کر مرعوب نہیں ہوتا۔ کیونکہ مَیں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو کچھ مجھے ملا ہے

اُن کو نہیں ملا۔ بیس۲ بیس۲ جلدوں کی تفسیریں ہیں۔ مگر مَیں نے کبھی ان کو بالاستیعاب دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اور اُن کے مطالعہ میں مجھے کبھی لذّت محسوس نہیں ہُوئی۔ اللہ تعالیٰ مجھے قرآن کریم کے چھوٹے سے لفظ میں ایسے مطالب سِکھا دیتا ہے کہ مَیں سمجھتا ہوں۔ مَیں ان کتابوں کے مطالعہ میں کیوں وقت ضائع کروں۔ اور کبھی کوئی مسئلہ وغیرہ دیکھنے کے لئے اُن کو دیکھتا ہوں۔ تو یُوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اس مقام سے بہت دُور کھڑے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطاء کیا ہے۔ اور یہ سب اُس کا فضل ہے۔ ورنہ بظاہر مَیں نے دُنیا میں کوئی علم حاصل نہیں کیا۔ حتّٰی کہ اپنی زبان تک بھی صحیح نہیں سیکھی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعاؤں کو قبول کرکے اُس نے مجھے ایک ایسا گُر بتا دیا کہ جس سے مجھے ہر موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت حاصل ہو جاتی ہے۔ مَیں ہمیشہ یہی کہا کرتا ہوں کہ مَیں تو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ہتھیار کی مانند ہوں۔ اور مَیں نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ کوئی چیز چاہیئے اور اُس نے مجھے نہ دی ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے دُعا کی تھی کہ اُس سے ہر اندھیرا دُور رہو۔ دشمنوں کی طرف سے مجھ پر کئی حملے کئے گئے۔ اعتراضات کئے گئے اور کہا کہ ہم خلافت کو مٹا دینگے۔ اور یہی وُہ اندھیرا تھا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے دُور کر دیا۔ اور خلافت جوبلی کی تقریب منانے کے متعلق میرے دل میں جو انقباض تھا۔ وُہ اِس وقت یہ نظم سُنکر دُور ہوگیا۔ اور مَیں نے سمجھا کہ آج حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پیشگوئی کے پُورا ہونے کا اظہار ہو رہا ہے۔ دشمنوں نے کہا کہ ہم جماعت کو پھاڑینگے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اور بھی زیادہ لوگوں کو لائیں گے۔ اور جب ہم روشنی کرنا چاہیں تو کوئی اندھیرا رہ نہیں سکتا۔ اور اس طرح اِس تقریب کے متعلق میرے دِل میں جو انقباض تھا۔ وُہ یہ نظارہ دیکھکر دُور ہوگیا۔ ورنہ مجھے تو شرم آتی ہے کہ میری طرف یہ تقریب منسوب ہو۔ مگر ہمارے سب کام اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔ اور اسکے ذریعہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی باتیں پُوری ہوتی ہیں۔ اسلئے اسکے منانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ اگر وُہ نہ کرتا۔ تو نہ مجھ میں طاقت تھی اور نہ آپ میں۔ نہ میرے علم نے کوئی کام کیا اور نہ آپکی قربانی نے۔ جو کچھ ہوُا۔ خدا کے فضل سے ہوُا۔ اور ہم خوش ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور نشان دکھایا۔ دُنیا نے چاہا۔ کہ ہمیں مٹا دیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے نہ مٹایا۔ اور یہ نظارہ دیکھکر میرے دل میں جو انقباض تھا۔ وُہ سب دُور ہوگیا۔

اِس لئے جن دوستوں نے اِس تقریب پر اپنی انجمنوں کی طرف سے ایڈریس پڑھے ہیں۔ مثلاً چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ پروفیسر عطاء الرحمن صاحب۔ حکیم خلیل احمد صاحب۔ چوہدری ابوالہاشم خان صاحب۔ حاجی جنود اللہ صاحب۔ اِسی طرح دمشق۔ جاوا۔ سماٹرا اور علی گڑھ اور بعض دوسری جگہوں کے دوستوں نے

اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ پھر بعض ہندو صاحبان نے بھی اس موقعہ پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔ مَیں ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور ان سب کو جزاکم اللہ احسن الجزاء کہتا ہوں۔ اور یہ ایسی دُعا ہے کہ جس میں سارے ہی شکریئے آجاتے ہیں۔ پس مَیں ان دوستوں کا اور ان کے ذریعہ ان کی تمام جماعتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور جزاکم اللہ احسن الجزاء کہتا ہوں۔ اور دُعا کرتا ہوں کہ میری زندگی کے اور جو دن باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دین کی خدمت۔ اسلام کی تائید اور اس کے غلبہ اور مضبوطی کے لئے صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تاجب اُسکے حضور پیش ہونے کا موقعہ ملے تو شرمندہ نہ ہوں اور کہہ سکوں کہ تُو نے جو خدمت میرے سپرد کی تھی۔ تیری ہی توفیق سے مَیں نے اسے ادا کر دیا۔ پھر مَیں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنے فضل نازل کرے اور نیک اعمال کی توفیق عطاء فرمائے۔ اور ہم میں سے جس کے دل میں بھی کوئی کمزوری ہو اُسے دُور کرے۔ اخلاص میں مضبوط کرے۔ اور ہماری زندگیوں کو اپنے لئے وقف کر دے۔ ہماری زندگیوں کو بھی خوشگوار بنائے۔ اور ہماری موتوں کو بھی۔ تاجب جنّتی سُنیں تو خوش ہوں کہ اور پاکیزہ رُوحیں ہمارے ساتھ شامل ہونے کے لئے آرہی ہیں۔"

حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی ایک مختصر تقریر

حضور کی تقریر کے بعد حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ سٹیج پر تشریف لائے اور کہا کہ پروگرام میں اس وقت میری کوئی تقریر نہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظم آمین کے جو ابھی پڑھی گئی ہے۔ ایک شعر کے متعلق میں مختصراً کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اِس وقت جماعت کی طرف سے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی خدمت میں ایک حقیر سی رقم پیش کی جانے والی ہے جس سے حضورؑ کی وُہ دُعا کہ " دے اُس کو عمر و دولت " کی قبولیت بھی ظاہر ہو گئی۔ آج ہم حضور کی خلافت پر ۲۵ سال گذرنے پر حضور کی خدمت میں حقیر سی رقم پیش کرتے ہیں۔ اور مَیں آنریبل چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وُہ تشریف لاکر یہ رقم حضور کی خدمت میں پیش کریں۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی طرف سے چیک دیا جانا

اس کے بعد جناب چوہدری صاحب نے چیک کی صُورت میں یہ رقم[ل] پیش کی۔ اور عرض کیا کہ حضور اسے قبول فرمائیں۔ اور جس رنگ میں پسند فرمائیں اسے استعمال کریں۔ اور حضور مجھے اجازت دیں۔ کہ مَیں دوستوں کے نام پڑھ کر سُنا دوں۔ جنہوں نے اِس فنڈ میں نمایاں حصّہ لیا ہے۔ تا حضور خصوصیت سے

ل یہ رقم دولاکھ ستر ہزار کے قریب تھی۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۰۰-۱۰۷)

اُن کیلئے دُعا فرمائیں۔ اور حضور کی اجازت سے جناب چوہدری صاحب نے وُہ نام پڑھ کر سُنائے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی دُوسری تقریر

بعدہٗ حضور نے فرمایا:۔

"مَیں نے جو کہا تھا۔ کہ جس وقت آمین پڑھی جارہی تھی۔ میرے دِل میں ایک تحریک ہوئی تھی۔ وُہ دراصل یہی مصرعہ تھا۔ جس کا ذِکر میر صاحبؓ نے کیا ہے۔ مگر چونکہ ابھی تک وُہ رقم مجھے نہ دی گئی تھی۔ اس لئے مَیں نے مناسب نہ سمجھا کہ پہلے ہی اس کا ذِکر کردوں اسکے لئے مَیں سب کا شکریہ ادا کرتا ہُوں۔ اور یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری حقیقی دولت تو دین ہی ہے۔ دین کے بغیر دولت کوئی چیز نہیں۔ اور اگر دین ہو۔ اور دولت نہ ہو۔ تو بھی ہم خوش نصیب ہیں۔ مجھے یہ علم پہلے سے تھا کہ یہ رقم مجھے اس موقعہ پر پیش کی جائے گی۔ اور اس دوران میں مَیں یہ غور بھی کرتا رہا ہوں۔ کہ اسے خرچ کس طرح کیا جائے۔ لیکن بعض دوست بہت جلد باز ہوتے ہیں۔ اور وہ اس عرصہ میں مجھے کئی مشورے دیتے رہے کہ اسے یوں خرچ کیا جائے۔ اور فلاں کام پر صرف کیا جائے۔ یہ بات مجھے بہت بُری لگتی تھی۔ کیونکہ مَیں دیکھتا تھا کہ ایک طرف تو اس کا نام تحفہ رکھا جاتا ہے۔ اور دُوسری طرف اسکے خرچ کرنے کے متعلق مجھے مشورے دیئے جارہے ہیں۔ اگر یہ تحفہ ہے تو اس سے مجھے اتنی تو خوشی حاصل ہونی چاہیئے۔ کہ مَیں نے اسے اپنی مرضی سے خرچ کیا ہے۔ بہر حال مَیں اس امر پر غور کرتا رہا ہوں۔ کہ اسے کس طرح خرچ کیا جائے۔ اور اللہ تعالےٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی۔ کہ اس سے برکاتِ خلافت کے اظہار کا کام لیا جائے۔ یہ امر ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلفاء اِس کام کے کرنے والے تھے۔ جو آپ کے اپنے کام تھے۔ یعنی یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیۡہِمۡ وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ۔ قرآن کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار کام بیان کئے گئے ہیں۔ کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے نشان بیان کرتا ہے۔ ان کا تزکیہ کرتا۔ ان کو کتاب پڑھاتا اور حکمت سکھاتا ہے۔ کتاب کے معنے کتاب اور تحریر کے بھی ہیں۔ اور حکمت کے معنی سائنس کے بھی ہیں۔ اور قرآن کریم کے حقائق و معارف اور مسائل فقہ کے بھی ہیں۔ پھر مَیں نے خیال کیا کہ خلیفہ کا کام استحکام جماعت بھی ہے۔ اس لئے اس روپیہ سے یہ کام بھی کرنا چاہیئے۔ بیشک بعض کام جماعت کر بھی رہی ہے۔ مگر یہ چونکہ نئی چیز ہے۔ اس سے نئے کام ہونے چاہئیں اور اس پر غور کرنے کے بعد مَیں نے سوچا کہ ابھی کچھ کام اس سلسلہ میں ایسے ہیں۔ کہ جو نہیں ہو رہے۔ مثلاً یہی نہیں ہو رہا کہ غیر مسلموں کے آگے اسلام کو ایسے رنگ میں پیش کیا جائے کہ وہ اس طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ مَیں نے ارادہ کیا کہ

یہ سلسلہ پہلے ہندوستان میں اور پھر بیرونی ممالک میں شروع کیا جائے۔ اور اس غرض سے ایک چار یا آٹھ صفحہ کا ٹریکٹ لکھا جائے۔ جسے لاکھوں کی تعداد میں ہندوستان کی مختلف زبانوں میں چھپوا کر شائع کیا جائے۔ اس وقت تک ان زبانوں میں تبلیغی لٹریچر کافی تعداد میں شائع نہیں ہوا۔ اُردو کے بعد میرا خیال ہے۔ سب سے زیادہ اس ٹریکٹ کی اشاعت ہندی میں ہونی چاہیئے۔ ابھی تک یہ سکیم میں نے مکمل نہیں کی۔ فوری طور پر اس کا خاکہ ہی میرے ذہن میں آیا ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ کم سے کم ایک لاکھ اشتہار یا ہینڈبل وغیرہ اذان اور نماز کی حقیقت اور فضیلت پر شائع کئے جائیں۔ تا ہندوؤں کو سمجھایا جاسکے۔ کہ جس وقت آپ لوگ مساجد کے سامنے سے باجہ بجاتے ہوئے گذرتے ہیں۔ تو مسلمان یہ کہہ رہے ہوتے ہیں۔ یہ بات معقول رنگ میں ان کے سامنے پیش کی جائے۔ کہ مسلمان تو یہ کہہ رہے ہوتے ہیں۔ کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اور آپ اس وقت ڈھول کے ساتھ ڈم ڈم کا شور کرتے ہیں۔ آپ سوچیں کہ کیا یہ وقت اس طرح شور کرنے کے لئے مناسب ہوتا ہے۔ جب یہ آواز بلند ہو رہی ہو۔ کہ خدا تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ تو اس وقت چپ ہو جانا چاہیئے یا ڈھول اور باجہ کے ساتھ شور مچانا چاہیئے۔ تو ان کو ضرور سمجھ آجائے گی۔ کہ ان کی ضد بے جا ہے۔ اور اس طرح اس سے ہندو مسلمانوں میں صلح و اتحاد کا دروازہ بھی کھل جائے گا۔ تعلیم یافتہ غیر مسلم اب بھی ان باتوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اس طرح میں نے جلسہ ہائے سیرت کی جو تحریک شروع کی ہوئی ہے۔ اُسے بھی وسعت دینی چاہیئے۔ یہ بھی بہت مفید تحریک ہے۔ اور سیاسی لیڈر بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔ بابو بپن چندر پال کانگرس کے بہت بڑے لیڈروں میں سے ہیں۔ انہوں نے ان جلسوں کے متعلق کہا تھا۔ کہ ہندو مسلم اتحاد کے لئے بہترین تجویز ہے۔ اور میں ان جلسوں کو سیاسی جلسے کہتا ہوں۔ اسلئے کہ ان کے نتیجہ میں ہندو مسلم ایک ہو جائیں گے۔ اور اس طرح دونوں قوموں میں اتحاد کا دروازہ کھل جائے گا۔ میرا ارادہ ہے۔ کہ ایسے اشتہار ایک لاکھ ہندی میں۔ ایک لاکھ گورمکھی میں پچاس ہزار تامل میں۔ اور اسی طرح مختلف زبانوں میں بکثرت شائع کئے جائیں۔ اور ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اسلام کے موٹے موٹے مسائل غیر مسلموں تک پہنچا دیئے جائیں۔ اشتہار ایک صفحہ دو صفحہ یا زیادہ سے زیادہ چار صفحہ کا ہو۔ اور کوشش کی جائے۔ کہ ہر شخص تک اسے پہنچا دیا جائے۔ اور زیادہ نہیں تو ہندوستان کے ۳۳ کروڑ باشندوں میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک اشتہار پہنچ جائے۔ یہ اسلام کی بہت بڑی خدمت ہوگی اسی طرح میرا ارادہ ہے۔ کہ ایک چھوٹا سا مضمون چار یا آٹھ صفحات کا مسلمانوں کیلئے لکھ کر ایک لاکھ

شائع کیا جائے۔ جن میں مسلمانوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد اور آپؑ کے دعاوی سے آگاہ کیا جائے۔ اور بتایا جائے کہ آپؑ نے آکر کیا پیش کیا ہے۔ تا لوگ غور کر سکیں۔ پہلے یہ کام چھوٹے پیمانہ پر ہوں۔ مگر کوشش کی جائے کہ آہستہ آہستہ ان کو وسیع کیا جائے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ اس رقم کو ایسے طور پر خرچ کیا جائے۔ کہ اس کی آمد میں سے خرچ ہوتا رہے۔ اور سرمایہ محفوظ رہے۔ جیسے تحریک جدید کے فنڈ کے متعلق میں کوشش کر رہا ہوں۔ تا کسی سے پھر چندہ مانگنے کی ضرورت نہ پیش آئے۔ اس میں دینی تعلیم جو خلفاء کا کام ہے۔ وُہ بھی آجائے گی۔ پھر آرٹ اور سائنس کی تعلیم نیز غُرباء کی تعلیم و ترقّی بھی خلفاء کا اہم کام ہے۔ ہماری جماعت کے غرباء کی اعلیٰ تعلیم کے لئے فی الحال انتظامات نہیں ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ کند ذہن لڑکے جن کے ماں باپ استطاعت رکھتے ہیں تو پڑھتے جاتے ہیں۔ مگر ذہین بوجہ غربت کے رہ جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ایک یہ بھی ہے کہ ملک کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔ اِسلئے مَیں چاہتا ہوں کہ اس رقم سے اِس کا بھی انتظام کیا جائے۔ اور مَیں نے تجویز کی ہے کہ اس کی آمد سے شروع میں فی الحال ہر سال ایک ایک وظیفہ مستحق طلباء کو دیا جائے۔ پہلے سال مڈل سے شروع کیا جائے۔ مقابلہ کا امتحان ہو۔ اور جو لڑکا اوّل رہے۔ اور کم سے کم ستّر فی صدی نمبر حاصل کرے۔ اُسے انٹرنس تک بارہ روپیہ ماہوار وظیفہ دیا جائے۔ اور پھر انٹرنس میں اوّل دوم اور سوم رہنے والوں کو تیس روپیہ ماہوار۔ جو ایف اے میں یہ امتیاز حاصل کریں۔ انہیں ۴۵ روپے ماہوار۔ اور پھر جو بی اے میں اوّل آئے۔ اُسے ۶۰ روپے ماہوار دیا جائے۔ اور تین سال کے بعد جب اِس فنڈ سے آمد شروع ہو جائے۔ تو احمدی نوجوانوں کا مقابلہ کا امتحان ہو۔ اور جو لڑکا اوّل آئے۔ اُسے انگلستان یا امریکہ میں جاکر تعلیم حاصل کرنے کے لئے اڑھائی سو روپیہ ماہوار تین سال کے لئے امداد دی جائے۔ اِس طرح غرباء کی تعلیم کا انتظام ہو جائے گا۔ اور جُوں جُوں آمد بڑھتی جائے گی۔ ان وظائف کو ہم بڑھاتے رہیں گے۔ کئی غرباء اِس لئے محنت نہیں کرتے کہ وُہ سمجھتے ہیں۔ ہم آگے تو پڑھ نہیں سکتے۔ خواہ مخواہ کیوں مشقّت اٹھائیں۔ لیکن اِس طرح جب اُن کے لئے ترقّی کا امکان ہوگا۔ تو وُہ محنت سے تعلیم حاصل کریں گے۔ مڈل میں اوّل رہنے والوں کے لئے جو وظیفہ مقرر ہے۔ وُہ صرف تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے طلباء کیلئے ہی مخصوص ہوگا۔ کیونکہ سب جگہ مڈل میں پڑھنے والے احمدی طلباء میں مقابلہ کے امتحان کا انتظام ہم نہیں کر سکتے۔ یونیورسٹی کے امتحان میں امتیاز حاصل کرنے والا خواہ کسی یونیورسٹی کا ہو۔ وظیفہ حاصل کر سکے گا۔ ہم صرف زیادہ نمبر

دیکھیں گے۔ کسی یونیورسٹی کا فسٹ سیکنڈ اور تھرڈ رہنے والا طالب علم بھی اسے حاصل کر سکے گا۔ اور اگر کسی بھی یونیورسٹی کا کوئی احمدی طالب علم یہ امتیاز حاصل نہ کر سکے۔ تو جس کے بھی سب سے زیادہ نمبر ہوں۔ اُسے یہ وظیفہ دے دیا جائے گا۔ انگلستان یا امریکہ میں حصولِ تعلیم کے لئے جو وظیفہ مقرر ہے۔ اس کے لئے ہم سارے ملک میں اعلان کرکے جو بھی مقابلہ میں شامل ہونا چاہیں۔ اُن کا امتحان لیں گے۔ اور جو بھی فسٹ رہے گا۔ اُسے یہ وظیفہ دیا جائے گا۔ یُزَکِّیْہِمْ کے ایک معنے ادنیٰ حالت سے اعلیٰ کی طرف لے جانے کے بھی ہیں۔ اور اس طرح اس میں اقتصادی ترقی بھی شامل ہے۔ اس کی فی الحال کوئی سکیم میرے ذہن میں نہیں۔ مگر میرا ارادہ ہے۔ کہ انڈسٹریل تعلیم کا کوئی معقول انتظام بھی کیا جائے۔ تا پیشہ وروں کی حالت بھی بہتر ہو سکے۔ اسی طرح اگریکلچرل تعلیم کا بھی ہو۔ تا زمینداروں کی حالت بھی درست ہو سکے۔ خلفاء کا ایک کام میں سمجھتا ہوں۔ اس عہدہ کا استحکام بھی ہے۔ میری خلافت پر شروع سے ہی پیغامیوں کا حملہ چلا آتا ہے۔ مگر ہم نے اس کے مقابلہ کے لئے کماحقہٗ توجہ نہیں کی۔ شروع میں اس کے متعلق کچھ لٹریچر پیدا کیا تھا۔ مگر اب وہ ختم ہو چکا ہے۔ پس اس فنڈ سے اس قوم کی ہدایت کے لئے بھی جدوجہد کی جانی چاہیئے۔ اور اس کے لئے بھی کوئی سکیم میں تجویز کروں گا۔ ہماری جماعت میں بعض لوگ اچھا لکھتے ہیں۔ مَیں نے الفضل میں ان کے مضامین پڑھے ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھانے کی کوئی صورت کی جائے گی۔

پس یہ خلفاء کے چار کام ہیں۔ اور انہی پر یہ روپیہ خرچ کیا جائیگا۔ پہلے اسے کسی نفع مند کام میں لگا کر ہم اس سے آمد کی صورت پیدا کریں گے۔ اور پھر اس آمد سے یہ کام شروع کریں گے۔ ایک تو ایسا اصولی لٹریچر شائع کریں گے۔ کہ جس سے ہندو، سکھ اسلامی اصول سے آگاہی حاصل کر سکیں۔ اب تک ہم نے ان کی طرف پوری طرح توجہ نہیں کی۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض الہامات سے پتہ لگتا ہے۔ کہ ان لوگوں کے لئے بھی ہدایت مقدر ہے۔ مثلاً آپ کا ایک الہام ہے۔ کہ آریوں کا بادشاہ" ایک ہے "جے سنگھ بہادر اسے رُدّر گوپال تیری مہما گیتا میں ہے"۔ مگر ہم نے ابھی تک ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ پس اب ان کیلئے لٹریچر شائع کرنا چاہیئے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ یہ اتنا مختصر ہو۔ کہ اسے لاکھوں کی تعداد میں شائع کر سکیں۔ پھر ایک حصہ مسلمانوں میں تبلیغ پر خرچ کیا جائے۔ ایک آرٹ۔ سائنس۔ انڈسٹری اور زراعت وغیرہ کی تعلیم پر اور ایک حصہ نظام سلسلہ پر دشمنوں کے حملہ کے مقابلہ کیلئے۔ آہستہ آہستہ کوشش کی جائے۔ کہ اس کی آمد میں اضافہ ہوتا رہے۔ اور پھر اس آمد سے یہ کام چلائے جائیں۔ اس روپیہ کو خرچ

کرنے کے لئے یہ تجویزیں ہیں۔ اِس کے بعد مَیں جھنڈے کے نصب کرنے کا اعلان کرتا ہوں منتظمین اس کیلئے سامان لے آئیں۔

جھنڈا نصب کرنے کے متعلق بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کانگرس کی رسم ہے۔ لیکن اس طرح تو بہت سی رسمیں کانگرس کی نقل قرار دینی پڑیں گی۔ کانگرسی جلسے بھی کرتے ہیں۔ اس لئے یہ جلسہ بھی کانگرس کی نقل ہوگی۔ گاندھی جی دُودھ پیتے تھے۔ دُودھ پینا بھی ان کی نقل ہوگی۔ اور اس اصل کو پھیلاتے پھیلاتے یہاں تک پھیلانا پڑیگا کہ مسلمان بہت سی اچھی باتوں سے محروم رہ جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کانگرس کی نقل نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جھنڈا باندھا۔ اور فرمایا کہ یہ مَیں اُسے دُوں گا۔ جو اس کا حق ادا کرے گا۔ پس یہ کہنا کہ یہ بدعت ہے۔ تاریخ اسلام سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ جھنڈا لہرانا ناجائز نہیں۔ ہاں البتہ اس ساری تقریب میں مَیں ایک بات کو برداشت نہیں کرسکا۔ اور وُہ ایڈریسوں کا چاندی کے خولوں وغیرہ میں پیش کرنا ہے۔ اور چاہے آپ لوگوں کو تکلیف ہو۔ مَیں حکم دیتا ہوں کہ ان سب کو بیچ کر قیمت جوبلی فنڈ میں دے دیجائے۔

پس جھنڈا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور لڑائی وغیرہ کے مواقع پر اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے تو جہاد سے ہی منع کر دیا ہے۔ پھر جھنڈے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر مَیں کہوں گا۔ کہ اگر لوہے کی تلوار کے ساتھ جہاد کرنے والوں کے لئے جھنڈا ضروری ہے۔ تو قرآن کی تلوار سے لڑنے والوں کے لئے کیوں نہیں؟ اگر اب ہم لوگ کوئی جھنڈا معین نہ کریں گے۔ تو بعد میں آنے والے ناراض ہونگے۔ اور کہیں گے۔ کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے صحابہ ہی جھنڈا بنا جاتے تو کیا اچھا ہوتا۔ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مُنہ سے ایک مجلس میں یہ سُنا ہے کہ ہمارا ایک جھنڈا ہونا چاہیئے۔ جھنڈا لوگوں کے جمع ہونے کی ظاہری علامت ہے۔ اور اس سے نوجوانوں کے دلوں میں ایک ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ

”لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود“

یعنی میرے جھنڈے کی پناہ ہر سعید کو حاصل ہوگی۔ اور اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ ہم اپنا جھنڈا نصب کریں۔ تا سعید رُوحیں اس کے نیچے آکر پناہ لیں۔ یہ ظاہری نشان بھی بہت اہم چیزیں ہوتی ہیں۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضؓ ایک اُونٹ پر سوار تھیں۔ دشمن نے فیصلہ کیا کہ اُونٹ کی ٹانگیں کاٹ دیجائیں تا آپ نیچے گر جائیں۔ اور آپؓ کے ساتھی لڑائی بند کر دیں۔ لیکن جب آپ کے ساتھ والے صحابہؓ نے دیکھا۔ کہ اس طرح آپؓ گر جائیں گی۔ تو گو آپؓ دین کا ستون نہ تھیں مگر بہر حال رسول کریمؐ

صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی مظہر تھیں۔ اِسلئے صحابہؓ نے اپنی جانوں سے اُن کے اُونٹ کی حفاظت کی۔ اور تین گھنٹہ کے اندر اندر ستر جلیل القدر صحابی کٹ کر گر گئے۔ قربانی کی ایسی مثالیں دِلوں میں جوش پیدا کرتی ہیں۔ پس جھنڈا نہایت ضروری ہے۔ اور بجائے اس کے کہ بعد میں آکر کوئی بادشاہ اسے بنائے یہ زیادہ مناسب ہے کہ یہ صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ہاتھوں اور موعود خلافت کے زمانہ میں بن جائے۔ اگر اب کوئی جھنڈا نہ بنے۔ تو بعد میں کوئی جھنڈا کسی کے لئے سَنَد نہیں ہو سکتی۔ چینی کہیں گے ہم اپنا جھنڈا بناتے ہیں۔ اور جاپانی کہیں گے اپنا۔ اور اس طرح ہر قوم اپنا اپنا جھنڈا ہی آگے کرے گی۔ آج یہاں عرب۔ سماٹری۔ انگریز سب قوموں کے نمائندے موجود ہیں۔ ایک انگریز نو مسلمہ آئی ہوئی ہیں اور انہوں نے ایڈریس بھی پیش کیا ہے۔ جاوا۔ سماٹرا کے نمائندے بھی ہیں۔ افریقہ کے بھی ہیں۔ انگریز گویا یورپ اور ایشیا کے نمائندے ہیں۔ افریقہ کا نمائندہ بھی ہے۔ امریکہ والوں کی طرف سے بھی تار آگیا ہے۔ اور اِس لئے جو جھنڈا آج نصب ہوگا۔ اِس میں سب قومیں شامل سمجھی جائیں گی۔ اور وُہ جماعت کی شوکت کا نشان ہوگا۔ اور یہی مناسب تھا کہ جھنڈا ابھی بن جاتا۔ تا بعد میں اِس کے متعلق کوئی اختلاف پیدا نہ ہوں۔ پھر یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت بھی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ایک شعر کو بھی پُورا کرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ کہ مسیح دمشق کے منارہ شرقی پر اُترے گا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ہزاروں روپیہ خرچ کر کے وُہ منارہ بنوایا۔ تا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ظاہری رنگ میں بھی پُوری ہو۔ اور خدا تعالیٰ کا شُکر ہے کہ اُس نے ہمیں یہ جھنڈا بنانے کی توفیق دی۔ کہ جس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک شعر ظاہری رنگ میں بھی پُورا ہوتا ہے اور اِس وجہ سے کہ ہم لوگوں کو باطن کا بھی خیال رہے۔ اور یہ محض ظاہری رسم ہی نہ رہے۔ مَیں نے ایک اقرار نامہ تجویز کیا ہے۔ پہلے مَیں اِسے پڑھ کر سُنا دیتا ہوں۔ اِس کے بعد مَیں کہتا جاؤں گا۔ اور دوست اسے دُہراتے جائیں۔ اقرار نامہ یہ ہے :-

"مَیں اقرار کرتا ہوں کہ جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے۔ اسلام اور احمدیت کے قیام اسکی مضبوطی اور اس کی اشاعت کے لئے آخر دم تک کوشش کرتا رہوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے اِس امر کے لئے ہر ممکن

قربانی پیش کروں گا۔ کہ احمدیت یعنی حقیقی اسلام دوسرے سب دینوں اور سلسلوں پر غالب رہے۔ اور اس کا جھنڈا کبھی سرنگوں نہ ہو۔ بلکہ دوسرے سب جھنڈوں سے اونچا اڑتا رہے۔"[۱]

اَللّٰھُمَّ آمِیْن۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ؕ

لوائے احمدیت بلند کیا گیا

اس کے بعد پروگرام کا وہ حصہ شروع ہوا جو سلسلہ کی تاریخ میں نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اور جماعت احمدیہ میں جوش اور ولولہ پیدا کرنے کا خاص ذریعہ ہے۔ یعنی جماعت احمدیہ کے جھنڈے کو بلند کرنا جیساکہ پہلے تفصیلی ذکر آ چکا ہے۔ جھنڈا سیاہ رنگ کے کپڑے کا تھا۔ جس کے درمیان منارۃ المسیحؑ۔ ایک طرف بدر، اور دوسری طرف ہلال کی شکل سفید رنگ میں بنائی گئی تھی۔ کپڑے کا طول اٹھارہ فٹ اور عرض نو فٹ تھا۔ اور اسے بلند کرنے کے لئے سٹیج کے شمال مشرقی کونہ کے ساتھ باسٹھ فٹ بلند آہنی پول پانچ فٹ اونچا چبوترہ بنا کر نصب کیا گیا تھا۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ سٹیج سے اتر کر ۲ بجکر ۴ منٹ پر اس چبوترہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ تمام احباب رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ کی دعا پڑھتے رہیں۔ یہ دعا پڑھتے ہوئے اور اس نظارہ سے متاثر ہو کر بہنوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور تمام مجمع پر رقت طاری ہو گئی حضرت امیر المومنینؓ بھی رقت انگیز آواز میں رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ باواز بلند پڑھ رہے تھے۔ لپٹے ہوئے پھریرے کے کھلنے کے بعد حضور نے نعرہ ہائے تکبیر کے درمیان جھنڈے کی رسی کو کھینچا اور جھنڈا اوپر کو بلند ہونا شروع ہوا۔ اور نعرہ ہائے تکبیر کے دوران میں پوری بلندی پر پہنچ گیا۔

قدرت الٰہی کا ایک عجیب کرشمہ

جھنڈے کے بلند ہونے وقت ہوا بالکل ساکن تھی اور جھنڈا اوپر تک اس طرح لپٹا ہوا گیا۔ کہ اسکے نقوش نظر نہ آسکتے تھے۔ لیکن اسکے اوپر پہنچتے ہی ہوا کا ایک ایسا جھونکا آیا کہ تمام جھنڈا کھل کر لہرانے لگا۔

[۱] روئیداد جلسہ خلافت جوبلی صفحہ ۹ تا ۲۴ ؂

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دست مبارک سے لوائے احمدیت کی پرچم کشائی۔

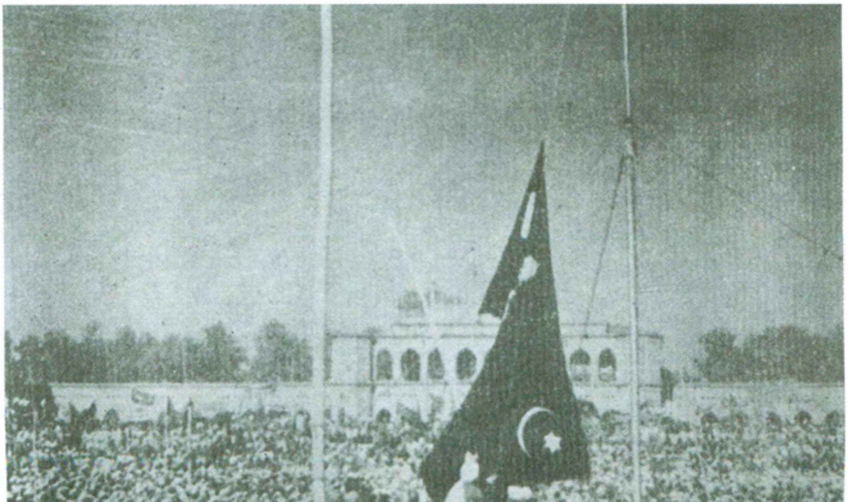

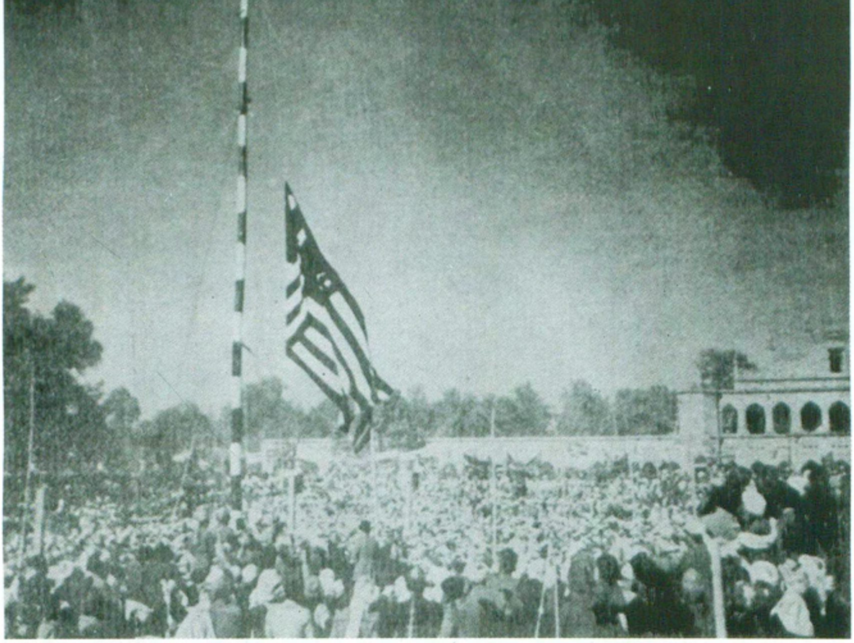

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ لوائے خدام الاحمدیہ لہرا رہے ہیں

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جلسہ خلافت جوبلی کے اختتام پر واپس تشریف لے جا رہے ہیں۔

اور تھوڑی دیر کے بعد جب تمام مجمع نے اچھی طرح دیکھ لیا۔ تو ہوا پھر تھم گئی۔

لوائے احمدیت بلند کرنیکے بعد جماعت سے اقرار

اس تقریب کی تکمیل کے بعد حضورؓ سٹیج پر تشریف لائے۔ اور احباب جماعت سے وہ اقرار نامہ لیا۔ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ [1]

مجلس خدام الاحمدیہ کا جھنڈا

ازاں بعد حضورؓ نے ۲ بجکر ۱۲ منٹ پر مجلس خدام الاحمدیہ کا جھنڈا بلند فرمایا۔ اس کے لئے بھی سٹیج کے شمال مغربی کونہ کے ساتھ لکڑی کا پول چبوترہ بنا کر کھڑا کیا گیا تھا۔ یہ جھنڈا سیاہ رنگ کے کپڑے کا تھا۔ جس پر چھ سفید دھاریاں تھیں۔ درمیان میں منارۃ المسیح۔ ایک طرف بدر۔ اور دوسری طرف ہلال کا نشان تھا۔

احمدیہ جھنڈے کی حفاظت کا انتظام

اس کے بعد حضورؓ نے فرمایا:۔ اس وقت سے اس جھنڈے کی حفاظت کے لئے مجلس خدام الاحمدیہ بارہ آدمیوں کا پہرہ مقرر کرے۔ اور کل نماز جمعہ کے بعد اسے دو ناظروں کے سپرد کرے۔ جو اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔ وہ نہایت مضبوط تالہ میں رکھیں جس کی دو چابیاں ہوں اور وہ دونوں ملکر اسے کھول سکیں۔

۲ بجکر ۲۵ منٹ پر اس اجلاس کی کارروائی اختتام پذیر ہوئی۔ [2]

حضرت امیر المؤمنینؓ مردانہ جلسہ میں لوائے احمدیت اور لوائے خدام الاحمدیہ لہرانے کے بعد زنانہ جلسہ گاہ میں تشریف لائے اور دعا کرتے ہوئے خواتین جماعت احمدیہ کا جھنڈا اپنے دست مبارک سے لہرایا۔ جھنڈے کا بانس ۲۵ فٹ لمبا اور اس کا کپڑا پونے چار گز لمبا اور سوا دو گز چوڑا تھا۔ جس پر لوائے احمدیت کے علاوہ کھجور کے تین درخت بھی تھے۔ جن کے نیچے چشمہ تھا۔ اس جھنڈے کے نقوش ریشم کے مختلف رنگ کے دھاگوں کے تھے۔ جو مشین سے کاڑھے

---

[1] حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے لوائے احمدیت اپنے دست مبارک سے ۲ بجکر دس منٹ پر رسّی سے باندھا۔ دو بجکو گیارہ منٹ پر بلند کرنا شروع کیا اور حضورؓ کے ہاتھوں کی تین* مرتبہ کی جنبش سے دو بجکر بارہ منٹ پر جھنڈا پول کی اونچائی تک پہنچا۔ اس دوران میں حضور رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ پڑھتے رہے اور تمام مجمع کو پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔ اور دو بجکر ۳ منٹ پر حضورؓ نے جھنڈے کی رسّی کو ستون سے باندھنا شروع کیا اور ۲ بجکر ۵ منٹ پر باندھ چکے۔ [1]

*نوٹ:۔ الفضل میں تیس لکھا گیا ہے اصل میں تین معلوم ہوتا ہے۔ [1] الفضل ۵ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[2] الفضل ۲ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۸۔۹ [3] یہ جھنڈا افسوس اپریل ۱۹۴۸ء میں لاہور سے ربوہ کے درمیان گاڑی میں کہیں کھو گیا نقشہ جو سید عبدالباسط صاحب نے بنوا کر دیا تھا حضرت سیدہ ام متین صاحبہ کے پاس محفوظ ہے اور ضمیمہ ۵۶ پر بھی موجود ہے۔

گئے تھے۔ کپڑا سیاہ ساٹن کا تھا۔ ؎

جماعت احمدیہ کو نظام خلافت سے وابستہ رہنے اور اس کے لئے دُعائیں کرنے کی وصیت

حضرت امیر المومنینؓ نے سالانہ جلسہ ۱۹۳۹ء پر لوائے احمدیت کی پرچم کشائی کے علاوہ ۲۸-۲۹ دسمبر ۱۹۳۹ء کو "خلافتِ راشدہ" کے عنوان پر ایک معرکتہ الآراء تقریر فرمائی۔ جس میں اسلامی نظام خلافت پر نہایت شرح و بسط سے روشنی ڈالی۔ اور اس پر وارد کئے جانے والے اعتراضات کے مفصل اور مسکت جوابات دینے کے بعد جماعت احمدیہ کو نظام خلافت کی قدر کرنے اور اس کے دائمی طور پر قائم رہنے کی ہمیشہ دُعائیں کرتے رہنے کی وصیت فرمائی۔ چنانچہ حضورؓ نے فرمایا:-

"جہاں تک خلافت کا تعلق میرے ساتھ ہے۔ اور جہاں تک اِس خلافت کا اُن خُلفاء کے ساتھ تعلق ہے۔ جو فوت ہو چکے ہیں۔ اِن دونوں میں ایک امتیاز اور فرق ہے۔ اُن کے ساتھ تو خلافت کی بحث کا علمی تعلق ہے۔ اور میرے ساتھ نشاناتِ خلافت کا معجزاتی تعلق ہے۔ پس میرے لئے اِس بحث سے کوئی حقیقت نہیں۔ کہ کوئی آیت میری خلافت پر چسپاں ہوتی ہے یا نہیں۔ میرے لئے خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ نشانات اور اُس کے زندہ معجزات اِس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ مجھے خُدا نے خلیفہ بنایا ہے۔ اور کوئی شخص نہیں جو میرا مقابلہ کر سکے۔ اگر تم میں کوئی ماں کا بیٹا ایسا موجود ہے جو میرا مقابلہ کرنے کا شوق اپنے دل میں رکھتا ہو تو وُہ اَب میرے مقابلہ میں اُٹھ کر دیکھ لے۔ خدا اُس کو ذلیل اور رُسوا کرے گا۔ بلکہ اُسے ہی نہیں۔ اگر دُنیا جہان کی تمام طاقتیں مل کر بھی میری خلافت کو نابُود کرنا چاہیں گی۔ تو خدا اُن کو مچھر کی طرح مَسل دیگا۔ اور ہر ایک جو میرے مقابلہ میں اُٹھے گا۔ گرایا جائے گا۔ جو میرے خلاف بولے گا۔ خاموش کرایا جائیگا۔ اور جو مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کریگا۔ وُہ خود ذلیل و رسوا ہوگا۔ پس اَے مومنوں کی جماعت! اور اَے عمل صالح کرنے والو! مَیں تم سے یہ کہتا ہوں۔ کہ

؎ الفضل ۲۰ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۴

خلافت خدا تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اِس کی قدر کرو۔ جب تک تم لوگوں کی اکثریت ایمان اور عمل صالح پر قائم رہے گی۔ خدا اِس نعمت کو نازل کرتا چلا جائے گا۔ لیکن اگر تمہاری اکثریت ایمان اور عمل صالح سے محروم ہوگئی۔ تو پھر یہ امر اُس کی مرضی پر موقوف ہے۔ کہ وُہ چاہے تو اِس انعام کو جاری رکھے۔ چاہے تو بند کردے۔ پس خلیفہ کے بگڑنے کا سوال نہیں۔ خلافت اُس وقت چھینی جائے گی جب تم بگڑ جاؤ گے۔ پس اللہ تعالیٰ کی اِس نعمت کی ناشکری مت کرو۔ اور خدا تعالیٰ کے الہامات کو تحقیر کی نگاہ سے مت دیکھو۔ بلکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ہے۔ تم دُعاؤں میں لگے رہو۔ تا قُدرتِ ثانیہ کا پے در پے تم میں ظہور ہوتا رہے۔ تم اُن ناکاموں اور نامُرادوں اور بے علموں کی طرح مت بنو۔ جنھوں نے خلافت کو رَدّ کردیا۔ بلکہ تم ہر وقت اِن دُعاؤں میں مشغول رہو۔ کہ خدا قُدرتِ ثانیہ کے مظاہر تم میں ہمیشہ کھڑے کرتا رہے۔ تا اُس کا دین مضبوط بُنیادوں پر قائم ہوجائے اور شیطان اُس میں رخنہ اندازی کرنے سے ہمیشہ کے لئے مایوس ہو جائے۔"

قُدرتِ ثانیہ کے نزول کیلئے ہمیشہ دُعاؤں میں مشغول رہو

"تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قدرتِ ثانیہ کے لئے دُعاؤں کی جو شرط لگائی ہے۔ وُہ کسی ایک زمانہ کے لئے نہیں۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی زندگی میں اِس ارشاد کا یہ مطلب تھا۔ کہ میرے زمانہ میں تم یہ دُعا کرو کہ تمہیں پہلی بار خلافت نصیب ہو۔ اور پہلی خلافت کے زمانہ میں اِس دُعا کا یہ مطلب تھا کہ الٰہی اِس کے بعد ہمیں دُوسری خلافت ملے۔ اور دُوسری خلافت میں اِس دُعا کے یہ معنے ہیں کہ تمہیں تیسری خلافت ملے۔ اور تیسری خلافت میں اس دُعا کے یہ معنی ہیں کہ تمہیں چوتھی خلافت ملے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ تمہاری شامتِ اعمال سے اِس نعمت کا دروازہ تم پر بند ہو جائے۔

پس ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور دُعاؤں میں مشغول رہو۔ اور اِس امر کو اچھی طرح یاد رکھو کہ جب تک تم میں خلافت رہے گی۔ دُنیا کی کوئی قوم تم پر غالب نہیں آسکے گی۔ اور ہر میدان میں تم مظفّر و منصور رہو گے۔ کیونکہ خدا کا وعدہ ہے۔ جو اُس نے اِن الفاظ

میں کیا۔ کہ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ۔ مگر اس کو بھی یاد رکھو کہ مَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ

خدا تمہارے ساتھ ہو۔ اور ابدالآباد تک تم اُس کی برگزیدہ جماعت رہو۔" [۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ایک اہم وصیّت کی وسیع اشاعت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے خلافت جوبلی کے اس تاریخی جلسہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وُہ آخری وصیت بڑی کثرت سے شائع فرمائی۔ جو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام (فداہ ابی و اُمّی و رُوحی جنانی) نے حجّۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ کے مجمع میں فرمائی تھی اور ارشاد فرمایا تھا کہ ہر مُسلمان دُوسرے مُسلمان بھائی تک یہ فرمان پہنچادے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے اس کی تعمیل میں ایک پمفلٹ شائع کیا۔ جس میں تحریر فرمایا کہ:۔

وَصِیَّۃُ الرَّسُوْلِ

"برادرم!

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حجّۃ الوداع میں جب کہ آپؐ کی وفات قریب آگئی۔ بطور وصیّت سب مسلمانوں کو جمع کرکے فرمایا۔ اِنَّ دِمَاءَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ (اور ابی بکرۃ کی حدیث میں ہے۔ وَاَعْرَاضَکُمْ) حَرَامٌ عَلَیْکُمْ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا۔ اس شہر میں اِس مہینہ میں اس دن کو اللہ تعالیٰ نے جو حفاظت بخشی ہے۔ (حج کے ایّام کی بات ہے) وُہی تمہاری جانوں اور تمہارے مالوں (اور ابی بکرۃ کی روایت کے مطابق تمہاری عزّتوں) کو خدا تعالیٰ نے حفاظت بخشی ہے۔ یعنی جس طرح مکّہ میں حج کے مہینہ اور حج کے وقت کو اللہ تعالےٰ نے ہر طرح پُر امن بنایا ہے۔ اِسی طرح مومن کی جان اور مال اور عزّت کی سب کو حفاظت کرنی چاہیئے۔ جو اپنے بھائی کی جان۔ مال اور عزّت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ گویا وُہ ایسا ہی ہے جیسے حج کے ایّام اور مقامات کی بےحُرمتی کرے۔

پھر آپؐ نے دو دفعہ فرمایا۔ کہ جو یہ حدیث سُنے۔ آگے دُوسروں تک پہنچادے۔ مَیں

---

[۱] "خلافتِ راشدہ" صفحہ ۲۶۶ تا ۲۷۰ تقریر دلپذیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ بر موقعہ جلسہ سالانہ ۲۸-۲۹ر دسمبر ۱۹۳۹ء بمقام قادیان۔ ناشر:۔ الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ۔

اِس حکم کے ماتحت یہ حدیث آپ تک پہنچا تا ہوں۔ آپ کو چاہیئے کہ اِس حکم کے ماتحت آپ آگے دُوسرے بھائیوں تک مناسب موقع پر یہ حدیث پہنچادیں۔ اور انہیں سمجھا دیں کہ ہر شخص جو یہ حدیث سُنے۔ اُسے حکم ہے کہ وُہ آگے دُوسرے مسلمان بھائی تک اسکو پہنچا تا چلا جائے۔ وَالسَّلام

خاکسار:۔ مرزا محمود احمدؓ خلیفۃ المسیح ؑ " [1]

جلسہ خلافت جوبلی کے انتظامات

"جلسہ خلافت جوبلی" کے انتظامات حسب ذیل تین مقامات پر کئے گئے :۔ (۱) اندرون قصبہ (۲) محلہ دارالعلوم اور (۳) محلہ دار الفضل میں۔ دار العلوم کے کچن سے حسب معمول محلہ دار الرحمت کے مہمانوں کیلئے۔ اور دار الفضل کے کچن سے محلہ دار البرکات کے مہمانوں کو کھانا دِیا جاتا رہا۔ اندرون قصبہ کے لنگرخانہ میں ۳۷ دار العلوم میں ۵۰ اور دار الفضل میں ۲۶ تنوروں پر دن رات روٹیاں پکائی جاتیں۔ ان انتظامات کے علاوہ محلہ دار الانوار میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمدؓ صاحب کے ماتحت خاص انتظام بھی تھا۔

عام انتظامات کی صورت یہ تھی کہ افسر جلسہ سالانہ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ تھے۔ ان کے ماتحت ہر سہ مقامات پر تین ناظم تھے۔ یعنی اندرون قصبہ حضرت ماسٹر محمد طفیل خان صاحبؓ۔ دار العلوم میں حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمدؓ صاحبؓ اور دار الفضل میں مکرم ماسٹر علی محمدؓ صاحب۔ ان کے ساتھ متعدد نائب اور پھر ان کے معاون تھے۔

پہرہ کا انتظام نیشنل لیگ کور کے سپرد تھا۔ مقامی نیشنل لیگ کور کے والنٹیئرز اپنے سالار اعظم چوہدری اسد اللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء اور سالار جیش جناب مرزا گل محمدؓ صاحب کے ماتحت کام کرتے تھے۔ مختلف راستوں پر آنے جانے والے مہمانوں کو راستہ بتانا۔ جلسہ گاہ میں جانے کیلئے مستورات اور مردوں کیلئے علیحدہ علیحدہ راستے مقرر کرنا۔ اور حضرت امیر المومنینؓ کے جلسہ گاہ میں تشریف لے جانے اور واپس آنے کے وقت پہرہ کا انتظام اُنکے سپرد تھا۔

انکوائری آفس ہر سہ مقامات پر علیحدہ علیحدہ تھے۔ جو چوبیس گھنٹے کھلے رہتے۔ اور مہمانوں کو ہر قسم کی معلومات بہم پہنچاتے۔ گم شدہ اشیاء اور بچوں کی نگہداشت رکھتے۔ نیز پرائیویٹ مکانات میں مہمانوں کو پہنچاتے رہتے تھے۔

---

[1] الفضل ۳ر جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۷ ؂

طبّی انتظام۔ حسب دستور نُور ہسپتال کے علاوہ مدرسہ احمدیہ۔ بورڈنگ تعلیم الاسلام ہائی سکول۔ اور محلہ دارالفضل میں طبّی امداد کا انتظام تھا۔

مہمانوں کی تعداد سخت گرانی اور مالی مشکلات کے باوجود اس مقدس تقریب پر مہمانوں کی تعداد سال گذشتہ کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ ۱۹۳۸ء میں مہمانوں کی تعداد تیس ہزار کے قریب تھی جو جلسہ جوبلی پر تقریباً چالیس ہزار تک پہنچ گئی۔

فصل چہارم

جلسۂ خلافت جوبلی پر اکابرِ مُلک کے پیغامات جلسۂ خلافت جوبلی کی مفصل رُوداد بیان کی جاچکی ہے۔ اب ہمیں یہ بتانا ہے کہ مُلک کے غیر احمدی اور غیر مسلم حلقوں کی طرف سے اِس تقریب پر کیا ردِّ عمل ہُوا؟

اِس ضمن میں سب سے پہلے ہم ذیل میں بعض معزّزین و اکابر قوم و ملّت کے وُہ پیغامات درج کرتے ہیں جو اُن کی طرف سے جشن جوبلی پر پہنچے:۔

۱۔آنریبل خان بہادر شیخ عبد القادر صاحب لاء ممبر گورنمنٹ ہند دہلی: نے پیغام دیا:۔

"میں[۱۴۱] جماعت احمدیہ کی خدمت میں اُن کے موجودہ ذی شان عہدہ میں پچیس ۲۵ سال کامیابی سے گزرنے کی تقریب پر دِلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

مجھے امام جماعت احمدیہ کے ساتھ مسلمانوں کے عام مفاد کے سلسلہ میں تعلق کا موقع ملتا رہا ہے۔مسلمانوں کی عام بہبودی اور ترقی کے سوال سے آپ کی گہری دِلچسپی کا میرے دِل پر بہت بھاری اثر ہے ـــــــ!"

۲۔میجر نواب ممتاز یاور الدّولہ بہادر آف حیدر آباد دکن نے پیغام دیا کہ:۔

"امام جماعت احمدیہ قادیان کی سلور جوبلی پر مَیں اپنی طرف سے دِلی پُر خلوص مُبارکباد پیش کرتا ہوں"

۳۔جناب خان بہادر سیٹھ احمد الہ دین صاحب آف سکندر آباد نے پیغام دیا کہ:۔

"میں نے مسلمانوں کی مختلف فرقہ داری اختلافات سے ہمیشہ اپنے آپکو الگ رکھا اور ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے۔ کہ مسلمانوں کے لئے توحید، رسالت اور قرآن کے مشترکہ مسائل میں سب کچھ ہے۔ لیکن احمدی جماعت اور اسکی کوششوں سے احمدی نہ ہونے کے باوجود مجھے ابتداء سے ہمدردی رہی ہے۔ خود میرے بڑے بھائی سیٹھ عبداللہ الہ دین، اللہ اُن کی عمر میں برکت دے، احمدیت کے ایک عملی مبلّغ ہیں۔ مَیں اِس جماعت کی اشاعت و تبلیغ کی مساعی کو دیکھ کر خصوصیّت کے ساتھ بہت پسند کرتا ہوں۔ اور اس میں حتّی الامکان امداد کرتا رہتا ہوں۔ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ صاحب کی مجھ پر خاص توجہ اور عنایت ہے۔ اور ان کی عملی زندگی، وسیع النظری اور خدا پرستی نے مجھے ہمیشہ متأثر کیا۔ اپنے والد کے منصب خلافت کو ادا کرتے ہوئے پچیس سال کی تکمیل میں اُن کو اور جماعت احمدیہ کو دل سے مبارک باد دیتا ہوں۔"

۴۔ سر ڈگلس ینگ بالقابہ چیف جسٹس ہائی کورٹ لاہور نے پیغام دیا کہ:۔

"مَیں حضرت امام جماعت احمدیہ کو اُنکی خلافت پر پچیس ۲۵ سال گزرنے کی تقریب پر دِلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

مَیں جماعت احمدیہ کے افراد کو جو ڈیشنل محکمہ میں ملازم رکھتے ہوئے ہمیشہ خوشی محسوس کرتا ہوں۔ کیونکہ مجھے اُن کی دیانت داری کے خلاف کبھی کسی کی طرف سے اشارۃً وکنایۃً بھی شکایت نہیں پہنچی۔"

۵۔ آنریبل کنور سر جگدیش پرشاد بہادر ایجوکیشنل ممبر گورنمنٹ آف انڈیا دہلی:

نے پیغام دیا کہ:۔ "میں جماعت احمدیہ کے ذی شان امام کی جوبلی کی تقریب پر نیک دُعاؤں اور تمنّاؤں کا ہدیہ پیش کرتا ہوں۔" [1]

شمس العلماء خواجہ حسن نظامی اور خلافت جوبلی

جلسہ خلافت جوبلی کے انعقاد کی ابھی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے ۲۴ر دسمبر ۱۹۳۹ء کے اخبار "منادی" میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ۱۹۳۸ء کے مشہور سفر دہلی کا گروپ فوٹو شائع کیا۔ اور اس کے نیچے یہ نوٹ شائع کیا:۔

---

[1] الحکم ۲۸ر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۲

"یہ تصویر درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے قریب مسجد نواب خاں دوراں خاں میں گزشتہ سال لی گئی تھی جس میں قادیانی جماعت کے خلیفہ صاحب اور چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب اور بلبلِ ہندوستان سروجنی نائیڈو صاحبہ شریک ہوئی تھیں۔ سامنے نواب خاں دوراں کا مزار ہے جو نادر شاہ ایرانی کی لڑائی میں بمقام پانی پت شہید ہوئے تھے اور جن کے پوتے حضرت خواجہ میر دردؒ کی اولاد میں وہ خاتون ہیں جو جناب مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ کی والدہ ہیں۔ آجکل مرزا صاحب کی خلافت کی پچیس سالہ جوبلی قادیان میں ہو رہی ہے۔ اور میں اپنے تعلقات کی یادگار میں جو حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب سے میرے تھے۔ اور اُن کے فرزند اور خلیفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ سے ہیں اور مرزا صاحب نے اپنی خلافت کے پچیس سالہ ایام میں اسلام کی اور مسلمانوں کی بڑی بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ اور سر محمد ظفر اللہ خاں جیسے خادمِ اسلام اور مسلمین افراد تیار کئے ہیں۔ اس لئے مَیں یہ تصویر اپنی جماعت اور ناظرین منادی کی معلومات کے لئے اور جوبلی کی خوشی میں دل سے شریک ہونے کے لئے شائع کرتا ہوں۔ حسن نظامی" [1]

جلسہ خلافت جوبلی کا ذکر ملکی پریس میں

خلافت جوبلی کی رُوح پرور تقریب پر احمدیوں کے علاوہ غیر مبائع [2]، غیر احمدی [3] اور غیر مسلم [4] معززین کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی حیرت انگیز قیادت اور احمدیوں کی اپنے محبوب امام سے بے نظیر فدائیت و عقیدت کے نظارے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کئے۔ اس سلسلہ میں بعض اخبارات کے تأثرات درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

(۱) اخبار "پارس" (۱۱ جنوری ۱۹۴۰ء) نے لکھا:۔

"گو تعصب کے باعث مُلک کے مسلم اور غیر مسلم اخبارات نے قادیان کے

---

[1] بحوالہ الفضل ۵ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ [2] مثلاً حضرت مولوی غلام حسن خان صاحب پیشاوری جنہوں نے جنوری ۱۹۴۰ء میں بیعتِ خلافت کر لی۔ جیسا کہ اگلی جلد میں آرہا ہے۔ مرزا معصوم بیگ صاحب [3] مثلاً ابو ظفر نازش صاحب رضوی۔ ڈاکٹر مرزا محمد یعقوب بیگ صاحب ڈویژنل آفیسر بڑودا ریلویز۔ نقیر محمد خورشید صاحب ڈی اے ایل ایل بی ضلع جھنگ۔ سید اقبال حسین صاحب ایڈووکیٹ لکھنؤ۔ ادر

گذشتہ عظیم الشان اجتماع اور جماعت احمدیہ کی سرگرمیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ لیکن جنہوں نے اِس سالانہ تقریب کو بچشم خود دیکھا ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ جماعت احمدیہ کی تنظیم، اپنے پیشوا میں اسکی عقیدت اور مذہبی اصولوں پر عمل قابلِ رشک ہے۔" [1]

(۲) اخبار "اہلحدیث" امرتسر نے ۱۲ر جنوری ۱۹۴۰ء کی اشاعت میں بعنوان "قادیان میں سالانہ جلسہ اور سلور جوبلی" حسب ذیل نوٹ دیا:۔

"قادیان میں اِس دفعہ جلسہ بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ جس کی تیاری بڑے زور شور سے ہو رہی تھی۔ روپیہ بھی کافی جمع ہوا۔ آدمی بھی۔ بہ تعداد پرچیاں لنگر خانہ "بقول خلیفہ صاحب" ۲۶ ہزار کا شمار تھا۔ اِس کی تہ میں یہ راز ہے۔ کہ قادیان سے تاکید پر تاکید شائع ہوئی تھی۔ کہ ہر احمدی اپنے پاس سے بھی کرایہ دیکر ایک دو مسلمانوں کو ساتھ لائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جلسہ سے واپسی کے وقت حسب معمول دُور دراز کے مرزائی صاحبان دفتر اہلحدیث میں تشریف لاتے رہے۔ جن سے معلوم ہوا کہ مسلمان (غیر مُرید مرزا) جلسہ میں کثرت سے آئے تھے۔ اُن کو مُریدانِ مرزا اپنے خرچ سے لائے تھے تاکہ وُہ اچھا اثر لیکر جائیں اور ساتھ ہی جلسہ میں شامل ہونے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہو جائے۔" [2]

افریقہ کے ایک غیر احمدی دوست کے تأثرات

اِس تاریخی جلسہ میں دُوسرے غیر احمدی دوستوں کے ساتھ افریقہ کے ایک غیر احمدی دوست شیدا صاحب بھی شامل ہُوئے تھے۔ جنہوں نے جوبلی دیکھنے کے بعد اپنے دِلی خیالات و جذبات کا اظہار حسب ذیل الفاظ میں کیا:۔

"چند احمدی دوستوں کی ایماء پر مَیں جلسہ خلافت جوبلی میں شرکت کی غرض سے ۲۷ر دسمبر کی شام کو قادیان پہنچا۔ اس وقت حضرت امیر جماعت جلسہ میں تقریر فرما

بقیہ حاشیہ:۔ سیّد خورشید حسن صاحب ریٹائرڈ جج لکھنؤ۔ ڈاکٹر ایچ۔ ایس ملک آف کراچی۔ ملک محمد خاں صاحب نمائندہ جناب پیر لال بادشاہ صاحب آف مکھڈ۔ [4] سردار پریتم سنگھ صاحب ایم۔ اے۔ بھائی دھرمانندجی۔ پرنسپل خالصہ کالج ترنتارن۔ W.S.SCHRVPT آف سنگھا پور۔ ڈاکٹر جیون داس آف امرتسر۔ بھائی پرتاب سنگھ صاحب امرتسر۔ (الفضل ۲ر جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۰)

[1] بحوالہ الفضل ۱۱ر جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۹ کالم ۱۔ [2] اہلحدیث امرتسر ۱۲ر جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۶ کالم ۲

رہے تھے۔ میں پنڈال میں اختتام تقریر تک موجود رہا۔ ۲۸ ر ۲۹ ر دسمبر کو بھی تقریروں سے محظوظ ہوتا رہا۔ حضرت امیر سلسلہ کی تقاریر سننے کا خاص طور پر آرزومند تھا۔ کیونکہ میں اُن کی ایک شاندار تقریر سے جو لاہور بریڈلا ہال میں آپ نے شاید ۱۹۱۹ء میں فرمائی تھی۔ مسرور ہو چکا تھا۔ جو بین الاقوامی اتحاد پر کیگئی تھی۔ اور پسند خاص و عام تھی۔

۲۹ ر کی شام کی ٹرین سے میں لاہور واپس آگیا۔ تمام اجلاس خدا کے فضل و کرم سے حد درجہ کامیاب اور پُر شکوہ تھے۔ انتظام کے لحاظ سے بھی ہر چیز قابلِ داد تھی۔

میں ایک غیر احمدی ہوں۔ مُدت سے افریقہ میں رہتا ہوں۔ ہاں میرے احمدی احباب کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ قادیان سے واپسی پر میں اپنے دِل میں جماعت احمدیہ کی تنظیم اور اس کی اسلامی خدمات خصوصاً حضرت امیر سلسلہ کی تبلیغی سرگرمیوں کی نسبت بہت سے تأثرات لیکر آیا ہوں۔ اسی سلسلہ میں جشن خلافت جوبلی پر میں نے چند اشعار کہے ہیں۔ جو درج ذیل کرتا ہوں:۔ ؎

دو روز قادیاں میں رہا ہے میرا قیام
دیکھا رو پہلی جوبلی کا خُوب اہتمام
اِس جشن جوبلی کے لئے آئے شوق سے
ہر صُوبہ و دیار کے افرادِ خاص و عام
عیسائی ہنؔدو سِکھؔ وَ مُسلماں پہ مشتمل
ہر فرقہ و عقیدہ کا مجمع تھا لا کلام
جلسے میں یُوں تو سارے مُقرّر تھے باخبر
لیکن امیر سلسلہ کرتے تھے دِل کو رام
رُوحانیت کے پھُول بکھرتے تھے ہر طرف
ہوتے تھے اہلِ جلسہ سے جسدم وُہ ہم کلام[1] الخ

---

[1] بحوالہ الفضل ۱۱ر جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۹ کالم ۲ ؎

فصل پنجم

۱۹۳۹ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندان مسیح موعودؑ میں پُرمسرت تقاریب

۱۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی تقریبِ شادی کوٹھی دارالسلام قادیان میں ۲۲ جنوری ۱۹۳۹ء کو بعد نماز عصر عمل میں آئی۔[۱] آپکا نکاح صاحبزادی طیبہ بیگم صاحبہ (دختر نیک اختر حضرت نواب محمد عبد اللہ خاں صاحبؓ) سے ہوا تھا۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۵ جنوری ۱۹۳۹ء کو اپنے فرزند ارجمند کی دعوتِ ولیمہ دی۔ اس دعوت میں تیرہ سو کے قریب نفوس شامل ہوئے۔ (۱) قادیان کے تمام وہ اصحاب مدعو تھے جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ ہونے کا شرف حاصل تھا۔ (۲) مدرسہ احمدیہ۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول اور جامعہ احمدیہ کے سٹاف۔ (۳) دفاتر کے اکثر کارکن۔ (۴) واقفین تحریک جدید۔ (۵) محلہ دار الفضل سے پچاس ۵۰۔ محلہ دارالرحمت سے پچاس ۵۰۔ محلہ مسجد مبارک سے پچاس ۵۰۔ محلہ دارالبرکات سے تیس ۳۰۔ محلہ دارالعلوم سے تیس ۳۰۔ محلہ ریتی چھلہ سے بیس ۲۰۔ محلہ مسجد فضل سے بیس ۲۰۔ محلہ مسجد اقصیٰ سے دس ۱۰۔ دارالانوار سے پانچ ۵ دارالسعتہ سے پانچ ۵۔ ناصر آباد سے دس ۱۰ اصحاب مدعو تھے۔ ان کے علاوہ تمام محلوں کے غرباء اور مساکین نیز دار الصحت کے کچھ نومسلم بھی بلائے گئے تھے۔ (۶) مہمان خانہ کے بہت سے مہمان۔ (۷) مقامی سرکاری اداروں کے ملازمین۔ (۸) بھینی۔ ننگل۔ قادر آباد۔ احمد آباد اور کھارا کے بعض اصحاب۔ (۹) بعض غیر احمدی اصحاب۔

دعوت کا انتظام حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی کوٹھی دار الحمد کے صحن میں کیا گیا تھا کھانا کھلانے کا انتظام نہایت اعلیٰ تھا۔ حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی نے بھی اپنے خدام میں بیٹھکر کھانا تناول فرمایا۔ کھانے کے بعد دُعا کی گئی۔ اسکے بعد یہ مبارک تقریب ختم ہوئی۔ دعوت کے منتظم اعلیٰ حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب فاضل (جٹ) تھے۔[۲]

۱۔ الفضل ۲۴ جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۔

۲۔ روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ ۲۷ جنوری ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

۲- ۱۵/ اپریل ۱۹۳۹ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کی دختر نیک اختر صاحبزادی امۃ اللہ بیگم صاحبہ کا نکاح پیر صلاح الدین صاحب (خلف الرشید پیر اکبر علی صاحب) کے ساتھ اڑھائی ہزار روپیہ مہر پر پڑھا۔ اگلے روز (۱۶/ اپریل ۱۹۳۹ء کو) تقریبِ رخصتانہ عمل میں آئی۔ [۱]

۳- ۱۱/ مئی ۱۹۳۹ء کو حضرت امیر المومنین نے بعد نماز عصر مسجد اقصیٰ میں صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب کا نکاح سیّدہ نصیرہ بیگم صاحبہ (بنت حضرت مرزا عزیز احمد صاحب) کے ساتھ ایک ہزار روپیہ مہر پر پڑھا اور نہایت پُر معارف خطبہ [۲] ارشاد فرمایا۔ [۳]

۴- ۲۷/ دسمبر ۱۹۳۹ء کو حضور نے مسجد نور میں مندرجہ ذیل نکاحوں کا اعلان فرمایا:-

۱- صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کا نکاح صاحبزادی محمودہ بیگم صاحبہ بنت حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ کے ساتھ گیارہ سو (۱۱۰۰) روپیہ مہر پر۔

۲- صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب ابن قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا نکاح صاحبزادی طاہرہ بیگم صاحبہ بنت حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحبؓ کے ساتھ گیارہ سو (۱۱۰۰) روپیہ مہر پر۔

۳- صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب ابن حضرت مرزا شریف احمد صاحب کا نکاح صاحبزادی زکیہ بیگم صاحبہ بنت حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب کے ساتھ پانچ ہزار (۵۰۰۰) روپیہ مہر پر۔

۴- خان مسعود احمد خاں صاحب ابن حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کا نکاح صاحبزادی طیبہ بیگم صاحبہ بنت حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کے ساتھ بعوض پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) روپیہ مہر پر۔ [۴]

سنگِ بُنیاد

اس سال ۲۹/ جنوری ۱۹۳۹ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے محلہ دارالعلوم میں ڈاکٹر احمد دین صاحب آف ٹانگانیکا [۵] کے مکان کی اور ۸/ مارچ ۱۹۳۹ء کو محلہ دارالبرکات میں ڈاکٹر محمد شفیع صاحب ویٹرنری اسسٹنٹ کے مکان کی بُنیاد رکھی۔ [۶]

مسجد فضل لنڈن میں مذاہب کانفرنس

۸/ جنوری ۱۹۳۹ء کو مسجد احمدیہ لنڈن میں سر فیروز خاں نون (کے سی آئی ای ہائی کمشنر فار انڈیا) کے زیر صدارت ایک مذہبی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اسلام عیسائیت اور یہودیت کے نمائندوں نے معزز اور تعلیم یافتہ انگریزوں کے

۱- الفضل ۱۸/ اپریل ۱۹۳۹ء ص۲ کالم ۱۔
۲- مفصل خطبہ الفضل ۳/ مئی ۱۹۶۱ء ص۲ پر شائع شدہ ہے۔
۳- الفضل ۱۳/ مئی ۱۹۳۹ء ص۳۔
۴- الفضل ۳/ جنوری ۱۹۴۰ء ص۵۔
۵- الفضل ۳۱/ جنوری ۱۹۳۹ء ص۱ کالم ۱۔
۶- الفضل ۱۰/ مارچ ۱۹۳۹ء ص۲ کالم ۱۔

ایک بہت بڑے مجمع میں "امن عالم" کے موضوع پر مقالے پڑھے۔ اسلام کی نمائندگی مولوی جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن نے فرمائی اور "امن عالم اور اسلام" کے موضوع پر ایک پُرمغز مقالہ پڑھا۔[۱]

اس کانفرنس کا ذکر ولایت اور ہندوستان کے متعدد اور باثر اخبارات نے بھی کیا۔ اور بعض نے تقریروں کی تفصیل شائع کی۔[۲]

سیٹھ محمد غوث صاحب کی دختر کا نکاح

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۰ر اپریل ۱۹۳۹ء کو سیٹھ محمد غوث صاحب حیدرآباد دکن کی دختر امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کا نکاح چودھری خلیل احمد صاحب ناصر بی۔ اے مجاہد تحریک جدید سے پڑھا۔ اور خطبہ نکاح میں ارشاد فرمایا۔ کہ

"سیٹھ محمد غوث صاحب پرانے احمدی ہیں۔ ان کے تعلقات میرے ساتھ نہایت مخلصانہ ہیں۔ ان کے بچوں کے تعلقات بھی بہت اخلاص پر مبنی ہیں۔ ان کی بچیوں کے تعلقات میری بچیوں سے نہایت گہرے ہیں۔ غرض ان کے تعلقات ہمارے خاندان سے ایسے ہیں کہ گویا وہ ہمارے ہی خاندان کا حصہ ہیں۔ ان کی بچیوں کو میں اپنی بچیاں سمجھتا ہوں۔ اس لئے نکاح گویا ہمارے ہی خاندان میں ہے"۔[۳]

قادیان میں روسی ترک عالم موسیٰ جار اللہ اور الاستاذ عبد العزیز ادیب مدیر "رابطہ اسلامیہ" کی تشریف آوری

وسط اپریل ۱۹۳۹ء میں عالم اسلام کے دو مشہور عالم قادیان کی شہرت سُنکر مرکز احمدیت میں تشریف لائے۔

۱۔ حاجی موسیٰ جار اللہ۔[۴]

۲۔ الاستاذ عبد العزیز ادیب مدیر ماہنامہ "رابطہ اسلامیہ" دمشق۔

علامہ موسیٰ جار اللہ نہ صرف قادیان کے مقامی اداروں اور بالخصوص مرکزی لائبریری میں نایاب کتابیں دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ بلکہ آپ پر جماعت احمدیہ کے عقائد و تعلیمات کا بھی گہرا اثر ہوا۔ جس کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ آپ نے تین سال بعد فروری ۱۹۴۲ء میں کتاب "حروف اوائل السّور" شائع فرمائی جس میں آیت وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ (الجمعۃ) کی یہ تفسیر لکھی کہ:۔

۱-۲ ۔ مقالہ کا ترجمہ ریویو آف ریلیجنز اُردو اگست ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۳ تا ۵۱ میں موجود ہے۔

۳ ۔ الحکم ۲۱ر اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۳۔ ۴۔ سید رئیس احمد جعفری جیسے مایہ ناز ادیب و مورخ نے آپ کو ایک روسی عالم قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ "علامہ موسیٰ جار اللہ روسکی ان ارباب فضل و کمال اصحاب زہد و تقویٰ سعدنشان علم و فضل میں سے تھے جن پر نہ صرف روس کو بلکہ عالم اسلام کو ناز تھا۔" (دید و شنید صفحہ ۲۳۔ مؤلفہ رئیس احمد جعفری ناشر کتاب منزل کشمیری بازار لاہور۔ بار اوّل ۱۹۴۷ء)۔

۵۔ الفضل ۲۰ر اپریل ۱۹۳۹ء۔

"وَمَعْنٰی هٰذِهِ الْاٰیَةِ الْکَرِیْمَةِ الثَّالِثَةِ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلًا مِّنَ الْاُمِّیِّیْنَ وَبَعَثَ فِیْ اٰخَرِیْنَ رُسُلًا مِّنْ اٰخَرِیْنَ فَکُلُّ اُمَّةٍ لَّهَا رَسُوْلٌ مِّنْ نَفْسِهَا۔ وَهٰؤُلَاءِ الرُّسُلُ هُمْ رُسُلُ الْاِسْلَامِ فِی الْاُمَمِ۔ مِثْلُ اَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ هُمْ رُسُلُ التَّوْرَاتِهِ فِیْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ" ؎۱

یعنی اس تیسری آیت کریمہ کے معنے یہ ہیں کہ وہ خدا جس نے امیوں میں سے رسول بھیجا۔ آخرین میں سے بھی اپنے پیغمبر مبعوث فرمائے گا۔ کیونکہ ہر اُمّت کے رسول اس میں سے برپا ہوتے ہیں۔ اور یہ رسول جن کی یہاں پیشگوئی کی گئی ہے وہ اسلام کے رسول ہیں جو اُمّتِ مسلمہ میں مبعوث ہوں گے۔ جیساکہ بنی اسرائیل کے انبیاء تھے۔ جو بنی اسرائیل میں قیام تورات کی خاطر بھیجے گئے تھے۔

اسی طرح علامہ موسیٰ جار اللہ نے اس کتاب کے صفحہ ۱۲۱ پر جماعت احمدیہ کے نظریہ معراج کی تائید کرتے ہوئے لکھا:۔

"کُلُّ ذٰلِكَ فِی الْوَاقِعَةِ فِی الْیَقْظَةِ فِیْ عَالَمِ الْمِثَالِ فِیْ اَوْسَعِ عَالَمٍ مِّنْ عَوَالِمِ اللّٰهِ یَقُوْلُ الصُّوْفِیَّةُ فِیْ تَحْقِیْقِ الْمِعْرَاجِ تَجَسَّدَتْ کَمَالَاتُهُ الْاِنْسَانِیَّةُ عَلٰی شَکْلِ بَدَنِهٖ وَتَجَسَّدَتْ کَمَالَاتُهُ الرُّوْحِیَّةُ الْحَیْوِیَّةُ عَلٰی شَکْلِ الْبُرَاقِ فَکَانَ کُلُّ مَا کَانَ فِی الْیَقْظَةِ وَاقِعَةً وَاَعْظَمُ مَا کَانَ هُوَ مِعْرَاجُهُ الرُّوْحَانِیُّ فَاِنَّ طَیَّ الْمَسَافَةِ شَیْءٌ سَهْلٌ طَبْعِیٌّ قَدْ وَقَعَ لِاَفْرَادٍ۔ اَمَّا قَطْعُ کُلِّ دَرَجَاتِ النُّبُوَّةِ وَکُلِّ مَدَارِجِ الْکَمَالَاتِ الْاِنْسَانِیَّةِ وَالْمَلَکِیَّةِ فِیْ زَمَنٍ یَّسِیْرٍ فَلَمْ یَکُنْ اِلَّا لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ الْکَرِیْمِ۔ تَقَدَّمَ فِیْهِ النَّبِیُّ نَبِیُّ الْاِسْلَامِ عَلٰی کُلِّ اَنْبِیَاءِ کُلِّ الْاُمَمِ وَاَمَّهُمْ فِی الصَّلٰوةِ وَقَامَ فِی الْوَسْطِ مُتَقَابِلِیْنَ کُلٌّ یَرٰی وَجْهَ الْاٰخَرِ وَکَانَ الْاِسْرَاءُ تَمْثِیْلًا لِمَا سَیَقَعُ فِیْ مُسْتَقْبَلِ الْاَیَّامِ مِنْ اجْتِمَاعِ کُلِّ الْاُمَمِ تَحْتَ لِوَاءِ نَبِیِّ الْاِسْلَامِ وَرَسُوْلِ السَّلَامِ" ؎۲

ترجمہ:۔ یعنی اسراء کا پورا واقعہ بیداری میں اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ جہانوں میں سب سے وسیع مثالی جہان میں ہوا۔ صوفیاء کرام کی معراج کے بارے میں یہ تحقیق ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انسانی کمالات حضور کے بدن کی صورت میں اور روحانی کمالات براق کی شکل میں متجسم ہوئے۔ اور یہ سارا واقعہ بیداری

؎۱ "کتاب فی حروف اوائل السور" ناشر لاہور بیت الحکمۃ ۱۱ فروری ۱۹۴۲ء صفحہ ۳۳ ؎۲ ایضاً صفحہ ۱۲۱

میں ہُوا۔ اور اہم ترین بات یہ ہے کہ حضور کا یہ معراج روحانی تھا۔ کیونکہ مسافت کا طے کرنا نہایت ہی آسان بات اور کئی افراد کا تجربہ شدہ امر ہے۔ لیکن جملہ مقاماتِ نبوت کا طے کر لینا اور سب انسانی کمالات کا تھوڑے سے عرصہ میں پا لینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکا۔ حضور تمام امتوں کے انبیاء پر سبقت لے گئے اور نماز میں اُن کے امام بنے اور وسط میں اس طور پر کھڑے ہوئے کہ اُن میں سے ہر ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔ تمثیلِ اسراء کے ذریعہ سے مستقبل میں پیش آنیوالے واقعات سب بتا دیئے گئے۔ اور خبر دی گئی کہ دُنیا کی تمام قومیں بالآخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پرچم تلے جمع ہو جائیں گی۔

لاہور ہائیکورٹ کے چیف جسٹس کا قادیان میں وُرود

لاہور ہائیکورٹ کے چیف جسٹس سر جان ڈگلس ینگ جو پنجاب سکاؤٹس کے ہائی کمشنر بھی تھے۔ پنجاب کا دورہ کرتے ہوئے ۱۶ر اپریل ۱۹۳۹ء کو قادیان تشریف لائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے صاحب موصوف سے چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کی کوٹھی بیت الظفر میں ملاقات فرمائی۔ اس موقعہ پر چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحبؓ کی قائم مقامی میں چودھری اسد اللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء نے ضیافت کا انتظام کیا۔ جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی شرکت فرمائی۔

صاحب موصوف قادیان کے بعض مقامات اور اداروں دیکھنے کے بعد اسی روز دو بجے بعد دوپہر واپس تشریف لے گئے۔[۱]

ترکی ہوا بازکی آمد

علامہ موسیٰ جار اللہ، الاستاذ عبد العزیز اور چیف جسٹس کے علاوہ جو شخصیتیں اس سال قادیان میں آئیں ان میں ترکی کے مشہور ہوا باز لیفٹننٹ سیف الدین بے اور ترکی فوج کے ڈاکٹر محمد سعیم بے بھی تھے۔ جو ۸ر نومبر ۱۹۳۹ء کو قادیان تشریف لائے۔[۲]

۱۲ر نومبر کی شام کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ان مہمانوں کو دعوتِ طعام دی۔[۳]

مُبلغین احمدیت کی بیرونی ممالک کو روانگی اور مراجعت

اس سال مولانا شیخ مبارک احمد صاحب ۴ر جون ۱۹۳۹ء کو عازم مشرقی افریقہ ہوئے۔[۴] اور شیخ عبد الواحد صاحب فاضل مبلغ ہانگ کانگ تبلیغی فرائض بجا لانے کے بعد ۶ر مارچ ۱۹۳۹ء[۵] کو وارد

---

[۱] الفضل ۱۶ر اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۱ ٭ [۲] الفضل ۱۱ر نومبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۱ ٭ [۳] الفضل ۱۴ر نومبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ ٭
[۴] الفضل ۱۲ر فروری ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۱ ٭ [۵] الفضل ۸ر مارچ ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۲ ٭

مولوی رحمت علی صاحب مجاہد جاوا ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۹ء کو واپس تشریف لائے۔ [1]

بیرونی مشنوں کے بعض اہم واقعات

۱۔ ماریشس مشن :۔ مازو احمد ابراہیم اچھا صاحب (پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ ماریشس) حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہونے کے بعد ۲۲ر فروری ۱۹۳۹ء کو قادیان میں تشریف لائے۔[2] اور برکات مرکز سے فیضیاب ہونے کے بعد شروع مارچ ۱۹۳۹ء میں ڈاکٹر محمد احسان صاحب[3] کو (جو قبل ازیں ایک عرصہ تک ماریشس میں آنریری طور پر تبلیغ احمدیت کا فریضہ کامیابی سے بجا لاتے رہے تھے) اپنے ہمراہ لیکر ماریشس کیلئے روانہ ہوگئے۔ وہاں پہنچ کر ڈاکٹر صاحب کے سپرد پورٹ لوئیس کی بندرگاہ پر درس و تدریس اور دیگر تبلیغی کام کئے گئے۔ اسی اثناء میں آپ کو اپنے والد حکیم مہربان علی صاحب کے انتقال پُرملال کی اطلاع پہنچی۔ اور آپ کو مجبوراً اپنے وطن واپس آنا پڑا۔[4] جماعت احمدیہ ماریشس نے آپ کی روانگی پر ایڈریس پیش کیا جس میں اپنے جذبات و تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا :۔

"جناب ڈاکٹر صاحب! آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ چھوٹے بڑے ہندو، سکھ، مسلم وغیرہ سے ملاقاتیں کرکے آپ نے اپنا حق ادا کیا۔ اس کے علاوہ جب سے آپ آئے ہیں، آپ نے پوکی میں جمعہ کی نماز پڑھائی ہے۔ ان تمام کاموں میں جو امر زیادہ قابل تحسین ہے وہ یہ کہ آپ اپنی گرہ سے کرایہ خرچ کرکے جمعہ پڑھانے کے لئے جاتے رہے۔ نیز ہم ممنون ہیں کہ آپ نے خدام الاحمدیہ کے ممبروں میں ایک نئی روح پھونک دی اور اپنے فرائض سے آگاہ کیا۔ جماعت احمدیہ ماریشس آپکی مساعی جمیلہ پر آپ کو مبارکباد دیتی ہے"۔[5]

۲۔ ایک غیر احمدی عالم مولوی عبدالعلیم صاحب (میرٹھی) نے ماریشس میں احمدیت کے خلاف بہت بدزبانی کی اور کہا کہ میں نے ہندوستان میں ڈاکٹر سر محمد اقبال اور الیاس برنی سے مل کر احمدیت مٹا ڈالی ہے اور اب کوئی شخص اس جماعت میں داخل نہیں ہوتا۔ اور اُن کا خلیفہ (معاذ اللہ) روتا پھرتا ہے۔ مولوی صاحب کی تعلّیاں دیکھکر اُن کے ایک مالدار ذی اثر عقیدتمند نے ایک جلسہ اور جلوس کا انتظام کیا جس میں گورنر کو بھی دعوت دی۔ مگر جب سارے انتظامات مکمل ہوگئے تو جلوس کی روانگی سے چند منٹ پہلے خبر آگئی کہ جلسہ کا بانی مبانی مُلکِ عدم کو روانہ ہو چکا ہے۔ اس پر

---

[1] الفضل ۲۳ر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ [2] الفضل ۲۶ر فروری ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

[3] ولادت ۱۶ر اکتوبر ۱۹۰۵ء بمقام سادھورا ضلع انبالہ۔ ڈاکٹر صاحب پہلی بار غالباً ۱۹۲۲ء میں ماریشس تشریف لے گئے۔ جہاں آپ اپنے طبی فرائض ادا کرنے کے علاوہ حضرت صوفی غلام محمد صاحب اور حضرت مولوی عبیداللہ صاحب کا ہاتھ بٹاتے۔ آپ اندازاً تین سال تک تبلیغ و تربیت کا کام بھی کرتے رہے۔ اور ۸ر اپریل ۱۹۲۵ء کو واپس ہندوستان آگئے۔

[4] تاریخ واپسی ۱۰ر جون ۱۹۳۹ء۔ [5] انگریزی سے ترجمہ (الفضل ۱۳ر اگست ۱۹۳۹ء صفحہ ۳ کالم ۲)۔

تمام مجمع روتا ہوا منتشر ہوگیا۔[1] غرض مولوی عبدالعلیم جنہوں نے حضرت امیر المومنین کے متعلق کذب بیانی کی تھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے سمیت تمام مجمع کو رُلایا گیا۔ جو ماریشس میں احمدیت کی صداقت کا ایک واضح نشان تھا۔

۲۔ جاوا مشن:۔ اس سال سے احمدیت گاربت (جاوا) اور اردگرد کے دیہات میں بڑی تیزی سے ترقی کرنے لگی۔ خاص طور پر نقشبندی فرقہ کے متعدد لوگ داخل احمدیت ہوئے جن کے ذریعہ مبلغ جاوا مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری کو معلوم ہوا کہ بقول مشائخ اہل طریقہ سلطان الاولیاء حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مُریدوں کو ۲۰ مراقبے بطور وصیت لکھ کر دیئے ہیں جن کو یاد کرنے اور ہمیشہ اپنے پاس رکھنے کی تاکید کر گئے۔ پھر انہوں نے وہ تمام مراقبے تفصیل کے ساتھ بتادیئے۔ تیرھواں مراقبہ یہ بیان کیا کہ:۔

اَلْمُرَاقَبَةُ الْمَحْبُوْبِيَّةُ الذَّاتِيَّةُ وَهِيَ حَقِيْقَةُ الْمُحَمَّدِيَّةِ۔ اور اس کی دلیل میں وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ والی قرآنی آیت لکھی ہے۔ اور چودھواں مراقبہ اَلْمُرَاقَبَةُ الْمَحْبُوْبِيَّةُ الصُّوْفِيَّةُ وَهِيَ حَقِيْقَةُ الْاَحْمَدِيَّةِ ہے۔ اور اس کی دلیل میں وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ والی قرآنی آیت لکھی ہے۔ جب وہ تمام مراقبے بیان کر چکے۔ تو مولوی عبدالواحد صاحب نے ان سے کہا۔ کہ آپ تمام اخوان اہل طریقہ کو ہماری مسجد میں جمع کریں۔ میں ان مراقبوں سے احمدیت کی صداقت واضح کروں گا۔ چنانچہ تمام اہل طریقہ مسجد احمدیہ میں جمع ہوئے اور مولوی صاحب موصوف نے تین گھنٹہ تک بذریعہ لیکچر ان مراقبوں کی تشریح کی۔ اور ان کی روشنی میں احمدیت کی صداقت کو بیان کیا۔ اور بتایا۔ کہ کوئی شخص طریقۃ المحمدیہ پر چلنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ وفاتِ مسیحؑ کا قائل نہ ہو۔ کیونکہ اس مراقبہ کی دلیل وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ بتائی گئی ہے۔ جس میں بلا استثناء آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل تمام انبیاء کے فوت ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ اور اس مراقبہ کو نمبر ۱۳ پر رکھ کر تیرھویں صدی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جبکہ حیاتِ مسیحؑ کا عقیدہ مسلمانوں کی گمراہی کا خصوصیت سے موجب ہوا۔

پھر اس گمراہی سے بچنے کے لئے چودھواں مراقبہ وہ رکھا جس کا نام الطریقۃ الاحمدیّہ ہے اور اس میں بتایا۔ کہ چودھویں صدی میں ایک غیر تشریعی نبی احمد (علیہ السلام) مبعوث ہوگا۔ جو لوگوں کی اصلاح کریگا۔ کیونکہ مراقبہ کی صداقت میں آیت وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ کو پیش کیا گیا ہے۔

---

[1] الفضل ۶ اگست ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

غرض مولوی عبدالواحد صاحب نے بالترتیب تمام مرافعوں سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت واضح کی۔ اُس وقت قریباً چار پانچ صد اصحاب کا مجمع تھا۔ تقریر کے اختتام پر ۲۵ اشخاص نے بیعت کی۔ اور اس کے بعد ہر جمعہ کو تین چار آدمی اس فرقہ کے داخل سلسلہ ہونے لگے۔[۱]

۲۔ گارت کے علاوہ وسطی جاوا میں بھی احمدیت کی ترقی ہوئی اور مجاہد تحریک جدید شاہ محمد صاحب کے ذریعہ پوروکرتو کے مقام پر ایک مخلص جماعت کا قیام عمل میں آیا۔[۲]

مغربی افریقہ مشن:۔ مغربی افریقہ کے احمدی مبلغین نے ۱۹۳۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زلازل سے متعلق پیشگوئیاں بذریعہ اشتہار شائع کی تھیں اور ان کو ملک میں بکثرت تقسیم کیا تھا۔ اس انذار کے کچھ عرصہ بعد وسط مئی ۱۹۳۹ء میں ایک حاجی صاحب مغربی افریقہ میں وارد ہوئے جنہوں نے گاؤں گاؤں پھر کر پراپیگنڈا کیا۔ کہ اگر امام مہدی آگیا ہے تو زلزلہ کیوں نہیں آتا۔ خدا کی قدرت! ۲۲ جون ۱۹۳۹ء کو ساڑھے سات بجے شام کو گولڈ کوسٹ میں ایک خوفناک زلزلہ آیا جس سے جانی اور مالی لحاظ سے بھاری نقصان ہوا۔ زلزلہ کے بعد گولڈ کوسٹ کے عیسائیوں بلکہ مشرکوں کو بھی اقرار کرنا پڑا۔ کہ جماعت احمدیہ نے قبل از وقت بذریعہ اشتہار زلزلے کی خبر دی تھی اور عوام کو احمدیہ لٹریچر سے خاص طور پر دلچسپی پیدا ہو گئی۔[۳]

امریکہ مشن:۔ صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی ایم۔ اے نے کنساس کا تبلیغی دورہ کیا۔ اس شہر میں ۳۱ مئی ۱۹۳۹ء سے ۱۳ جون ۱۹۳۹ء تک روزانہ لیکچر ہوئے جو غیر مسلموں میں بھی بہت مقبول ہوئے۔[۴]

مصر مشن:۔ (۱) مصر میں ایک عرصہ سے احمدیت کی نسبت جمود اور تعطل کی سی کیفیت جاری تھی۔ کہ اس سال ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے مصری پریس نے احمدیوں کی مخالفت یا موافقت میں لکھنا شروع کر دیا۔[۵] واقعہ یہ ہوا کہ ان دنوں دو البانوی طالب علم جن کا تعلق (فریق لاہور سے تھا) الازہر میں داخل تھے۔ دوران تعلیم انہوں نے "تعالیم الاحمدیۃ" اور "الاحمدیۃ کما عرفناھا" کے نام سے دو رسالے شائع کر دیئے۔ جس پر شیخ الازہر محمد مصطفیٰ المراغی نے احمدیوں سے متعلق ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کر دی جس کے صدر شیخ عبدالمجید اللبان عمید کلیہ اصول دین قرار پائے۔ اور شیخ ابراہیم الجبالی، شیخ محمد فتاح المنان،

---

[۱] روزنامہ الفضل ۱۳ اگست ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴۔ [۲] الفضل ۲۸ اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۱ کالم ۲۔
[۳] الفضل ۵ اگست ۱۹۳۹ء صفحہ ۶ کالم ۳-۴۔ مولوی نذیر احمد صاحب مبشر کے قلم سے اس واقعہ کی تفصیل "برہان ہدایت" (مؤلفہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر فاضل) کے صفحہ ۱۳۷ تا صفحہ ۱۴۰ پر بھی درج ہے۔
[۴] الفضل ۹ اگست ۱۹۳۹ء صفحہ ۷۔ [۵] الفضل ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۶-۷۔

شیخ محمود آلسی اور شیخ محمد العددی ۔ یہ چار علماء رکن مقرر ہوئے ۔ یہ اطلاع ہندوستان میں پہنچی تو پروفیسر محمد الیاس برنی صاحب صدر شعبہ معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے کمیٹی کے علماء کے علاوہ اخبار الفتح کے مالک و مدیر سید محب الدین الخطیب سے رابطہ قائم کر کے احمدیت کے خلاف مواد عربی میں ترجمہ کرا کے بھیجا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مصری اخبارات (الفتح ۔ الدستور) میں احمدیت کے خلاف بحث چل نکلی۔ تحقیقاتی کمیٹی (لجنۃ التحقیق) نے کیا فتویٰ صادر فرمایا؟ اس کی نسبت پروفیسر محمد الیاس برنی صاحب تحریر کرتے ہیں:۔

"لجنۃ التحقیق نے ہر طرح خوب تحقیق کی۔ اور تحقیق پختہ ہو جانے پر دونوں قادیانی البانوی طلبہ کو کلیۂ اصول دین سے خارج کر دیا۔ کہ مسلمانوں کے سوا اور کوئی اس کلیہ میں تعلیم نہیں پا سکتے"۔[1] اس فیصلہ کے بہت جلد بعد شیخ الازہر محمد مصطفیٰ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ۔

۲ ۔ احمد آفندی حلمی جو جماعت احمدیہ مصر کے ابتدائی مخلص ارکان میں سے تھے اور ۱۹۳۰ء میں داخل احمدیت ہوئے تھے خلیفہ وقت کی زیارت کے لئے ۵ راگست ۱۹۳۹ء کو قاہرہ سے قادیان تشریف لائے[2] اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور دوسرے بزرگان سلسلہ سے ملاقات کرنے اور مرکز احمدیت کی فیوض سے متمتع ہونے کے بعد ۲۶ راگست ۱۹۳۹ء کو عازم مصر ہو گئے[3]۔ احمد حلمی کا یہ سفر اُن کے اندر ایک تغیر عظیم پیدا کرنیکا موجب ہوا۔ اور وہ جماعتی کاموں میں پہلے سے بھی زیادہ دلچسپی لینے لگے۔ ان کی والدہ ایک اعلیٰ پایہ کی تعلیم یافتہ خاتون تھیں اور ہمیشہ احمدی مبلغوں کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتی رہتی تھیں۔ مگر اب صرف ان کے اندر غیر معمولی تبدیلی دیکھکر کسی بحث و مباحثہ کے بغیر از خود داخلِ احمدیت ہو گئیں ۔[4]

فلسطین مشن:۔ اس سال فلسطین کے دہشت انگیزوں (ثوّار) نے بعض فلسطینی احمدیوں کے قتل کا فتویٰ جاری کر دیا۔ مگر چند ایام ہی گذرے تھے کہ ان ظالموں کا لیڈر قتل کر دیا گیا ۔[5]

۱۹۳۹ء کی نئی مطبوعات

۱۹۳۹ء میں خلافت جوبلی کے باعث متعدد دینی علمی کتابیں شائع کی گئیں جن سے احمدیہ لٹریچر میں شاندار اضافہ ہوا ۔

اس سال کی سب سے نمایاں کتاب "سلسلہ احمدیہ" تھی جو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے تصنیف فرمائی جس میں آپ نے اختصار مگر نہایت جامعیت سے سلسلہ احمدیہ کی پچاس سالہ تاریخ کے علاوہ اس کے

---

۱ ۔ "مقدمہ قادیانی مذہب" صفحہ ۱۲۶-۱۲۷ ÷ ۲ ۔ الفضل ۸ راگست ۱۹۳۹ء صفحہ ۱ کالم ۱ ÷ ۳ ۔ الفضل ۲۹ راگست ۱۹۳۹ء صفحہ ۱ کالم ۱ ÷
۴ ۔ رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ ۔ از یکم مئی ۱۹۳۹ء لغایت ۳۰ راپریل ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۰۴ ÷
۵ ۔ الفضل ۲۸ راکتوبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۶-۷ ملخصاً ÷

مخصوص عقائد اور اس کی غرض وغایت پر مستند معلومات کا ایک بیش بہا ذخیرہ جمع کر دیا۔ اس اہم تصنیف نے جماعت کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کیا۔ خصوصاً غیر احمدی اور غیر مسلم محققین اور نو احمدیوں اور نو عمر پیدائشی احمدیوں کو تحریک احمدیت سے روشناس کرانے میں بہت مفید ثابت ہوئی۔

"سلسلہ احمدیہ" کے علاوہ ۱۹۳۹ء میں مندرجہ ذیل کتب بھی شائع ہوئیں:۔

۱۔ "خلافتِ حقہ" (تصنیف لطیف حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ)۔ (۲) "فضل عمر کے زریں کارنامے" (مؤلفہ مولوی ظفر اسلام صاحب مرحوم)۔ (۳) "فضل عمر" (انگریزی) مؤلفہ صوفی عبد القدیر صاحب سابق مبلغ جاپان) (۴) "سیرت سید الانبیاء" (از مولوی عبد القادر صاحبؓ فاضل نو مسلم (سابق سوداگرمل)۔ (۵) "خطبات النکاح جلد اوّل۔ جلد دوم (سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے روح پرور خطبات مرتبہ ملک فضل حسین صاحب) (۶) "خطبات عیدین" جلد اوّل (سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ایمان افروز خطبات مرتبہ ملک فضل حسین صاحب) (۷) "تمدن اسلام"۔ (ملک محمد عبد اللہ صاحب فاضل)۔ (۸) "بشارات رحمانیہ" جلد اوّل (مرتبہ مولوی عبد الرحمٰن صاحب مبشر) (۹) "ایک عزیز کے نام خط" (از چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب)۔ (۱۰) "احمدیہ البم انگریزی" (شائع کردہ تحریک جدید قادیان)۔ (۱۱) "خلیل احمد" (مؤلفہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل دیال گڑھی)۔ (۱۲) "حفاظتِ ریش" (حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ) (۱۳) "تاثرات قادیان" (مؤلفہ ملک فضل حسین صاحب)۔ (۱۴) "شاہانِ اسلام کی رواداریاں" (مؤلفہ ملک فضل حسین صاحب)۔ (۱۵) نجات المسلمین۔ (۱۶) تفسیر سورہ کوثر (پمفلٹ مرتبہ مولانا ابو العطاء صاحب)۔ (۱۷) "احمدیت کی پہلی کتاب" (مؤلفہ ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم سابق امیر المجاہدین علاقہ ملکانہ)۔ (۱۸)۔ ٹریکٹ "آسمانی آواز"[1] (مرتبہ مولوی عبد الرحمٰن صاحب مبشر)۔

اخبارات و رسائل کے خاص نمبر

مندرجہ بالا لٹریچر کے علاوہ مرکز احمدیت سے نکلنے والے جملہ اخبارات و رسائل نے بلکہ رسالہ نیپیئر ا یا منگو (مشرقی افریقہ) نے بھی خلافت جوبلی کی خوشی میں نہایت قیمتی مضامین پر مشتمل نمبر شائع کئے۔ جن سے سلسلہ احمدیہ کی ترقیات اور خلافت کی برکات و فتوحات کا نہایت دلکش نقشہ اپنوں اور بیگانوں کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔

اندرونِ ملک کے مشہور مناظرے

اس سال مندرجہ ذیل مقامات پر اہم مناظرے ہوئے جنہیں خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیہ علم کلام کو فتح نصیب ہوئی۔

۱۔ مباحثہ پونچھ:۔ ۹ر اپریل ۱۹۳۹ء کو پونچھ میں احمدیوں اور اہل حدیث کا مسئلہ "وفات مسیح" پر

---

[1] اس ٹریکٹ کا اردو کے علاوہ انگریزی، سندھی اور بنگالی میں بھی ترجمہ کیا گیا۔

ایک مناظرہ ہوا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولوی محمد حسین صاحب مبلغ تھے اور غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی محمد بخش صاحب۔ غیر احمدی اور غیر مسلم شرفاء نے مولوی محمد بخش صاحب کی شکست کا اعتراف کیا۔[۱]

۲۔ مباحثہ ڈیریوالہ:۔ ۴ اپریل ۱۹۳۹ء کو مولوی غلام احمد صاحب ارشد نے موضع ڈیریوالہ ضلع گورداسپور میں ایک احراری مولوی صاحب (محمد حیات نامی) سے ختم نبوت اور صداقت مسیح موعودؑ پر مناظرہ کیا۔ احمدی مناظر کے پیش کردہ دلائل فریق ثانی آخر تک نہ توڑ سکا۔[۲]

۳۔ مباحثہ انبالہ:۔ ۲۹ مئی ۱۹۳۹ء کو مولوی ابوالعطاء صاحب نے پادری عبدالحق صاحب سے مسجد احمدیہ انبالہ میں مناظرہ کیا۔ آپ نے دوران بحث بائیبل سے حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیبی موت کے عینی گواہوں کا مطالبہ کیا۔ اور بائیبل سے حضرت مسیح کی صلیبی موت سے نجات اور کفارہ کی عدم ضرورت پر اس قدر عقلی محالات وارد کئے کہ پادری صاحب پوری بحث میں صرف چند سطحی باتوں میں محصور ہو کر رہ گئے۔ ایک غیر احمدی دوست نے اس مباحثہ کی نسبت یہ رائے قائم کی۔ کہ

"پادری عبدالحق صاحب مولوی ابوالعطاء صاحب کے مطالبہ عینی گواہاں بر صلیبی موت مسیح کو آخر وقت تک پورا نہ کر سکا۔ اور دیگر سوالات کا بھی معقول جواب نہ دے سکا اسلئے کامیابی کا سہرا مولوی ابوالعطاء اللہ دتا صاحب کے سر بندھا"۔[۳]

۴۔ مباحثہ لودھراں:۔ قریشی محمد نذیر صاحب ملتانی نے ۱۸ اگست ۱۹۳۹ء کو احرار کانفرنس لودھراں کے موقع پر غیر احمدی علماء سے دو گھنٹے تک تبادلہ خیالات کیا جس میں غیر احمدی علماء کی طرف سے بہت بدتہذیبی کا مظاہرہ کیا گیا۔ اور کئی غیر احمدی معززین نے اس بات کا عین مجمع میں اقرار کیا کہ احمدی نہایت شرافت سے گفتگو کرتے ہیں۔ مناظرہ کے خاتمہ پر ایک سرکاری افسر نے احراری علماء کی نسبت کہا کہ ان لوگوں نے آج اسلام کو بہت بدنام کیا ہے۔ اور بہت گندی باتیں منہ سے نکالی ہیں۔ یہ لوگ ہماری مستورات کی موجودگی میں ناشائستہ حرکات کرتے رہے۔ کیا ہم ان سے یہ اسلام سیکھنے آئے تھے۔ ہمارے لئے احمدی جماعت ہی قابل عزت ہے۔ اور ہم ایسے علماء پر احمدیوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک احراری مولوی صاحب کے یہ کہنے پر کہ ابتداء احمدیوں نے کی ہے صاحب موصوف نے کہا کہ ہرگز نہیں ابتداء اور انجام سب تمہاری طرف سے ہوا۔[۴]

۱۔ الفضل ۲۰ اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۲ ÷ ۲۔ الفضل ۱۶ اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۲ ÷
۳۔ الفضل ۹ جون ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ کالم ۱ ÷ ۴۔ الفضل ۵ ستمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۲ ÷

۵۔ مباحثہ منڈی ملوٹ (ضلع فیروزپور) ۲۸-۲۹ ستمبر ۱۹۳۹ء کو مولوی ابوالعطاء صاحب نے سائیں لال حسین صاحب اختر سے تینوں اختلافی (وفات مسیح، مسئلہ نبوت اور صداقت مسیح موعودؑ) مسائل پر مناظرہ کیا۔ مناظرہ کے دوران غیر احمدی مناظر اور صدر نے گالیاں دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا حتی کہ ہندوؤں نے بآواز بلند کہا۔ کہ غیر احمدی مولوی گالیوں پر اتر آئے ہیں آپ ان کی گالیوں کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ مگر احمدی مناظر نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کے عین مطابق آخر وقت تک متانت و شائستگی سے بحث جاری رکھی۔ [1]

نئے مبائعین

۱۹۳۹ء میں بہت سے افراد داخل احمدیت ہوئے۔ خصوصاً جلسہ خلافت جوبلی کے موقعہ پر سینکڑوں اصحاب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دست مبارک پر بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ سے وابستہ ہوئے۔[2] جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی قوت قدسی اور روحانی جذب و کشش کا واضح نتیجہ اور سلسلہ احمدیہ کی حقانیت کا بھاری ثبوت تھا۔

فصل ششم

۱۹۳۹ء میں سلسلہ احمدیہ کا مرکزی نظام

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے قیام خلافت ثانیہ کے بالکل ابتدائی ایام میں (جبکہ انجمن کا خزانہ خالی تھا۔ اور منکرین خلافت نظام خلافت کو صفحۂ ہستی سے مٹانے پر تلے ہوئے تھے) ۱۲؍ اپریل ۱۹۱۴ء کو پیشگوئی فرمائی تھی کہ:۔

"خدا ہی کے حضور سے سب کچھ آویگا۔ میرا خدا قادر ہے جس نے یہ کام میرے سپرد کیا ہے۔ وہی مجھے اس عہدہ برآ ہونے کی توفیق اور طاقت دیگا۔ کیونکہ ساری طاقتوں کا مالک تو وہ آپ ہی ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اس مقصد کے لئے بہت روپیہ کی ضرورت ہے بہت آدمیوں کی ضرورت ہے۔ مگر اُس کے خزانوں میں کس چیز کی کمی ہے؟ کیا اس سے

---

[1] الفضل ۲۴؍ اکتوبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۵۔ [2] فہرست کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۳؍ فروری ۱۹۴۰ء صفحہ ۸۔ ۱۵؍ فروری ۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔ ۲۳؍ فروری ۱۹۴۰ء صفحہ ۹۔

پہلے ہم اس کے عجائبات قدرت کے تماشے دیکھ نہیں چکے؟ یہ جگہ جس کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا اس کے مامور کے باعث دُنیا میں شہرت یافتہ ہے اور جس طرح پر خدا نے اس سے وعدہ کیا تھا ہزاروں نہیں لاکھوں لاکھ روپیہ اُس کے کاموں کی تکمیل کے لئے اُس نے آپ بھیجدیا اس نے وعدہ کیا تھا۔ یَنۡصُرُکَ رِجَالٌ نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ تیری مدد ایسے لوگ کریں گے جن کو ہم خود وحی کریں گے۔ پس میں جبکہ جانتا ہوں کہ جو کام میرے سپرد ہوا ہے یہ اسی کا کام ہے اور میں نے یہ کام خود اس سے طلب نہیں کیا۔ خدا نے خود دیا ہے۔ تو وہ انہی رجال کو وحی کرے گا جو مسیح موعودؑ کے وقت وحی کیا کرتا تھا۔ پس میرے دوستو! روپیہ کے معاملہ میں گھبرانے اور فکر کرنے کی کوئی بات نہیں۔ وہ آپ سامان کرے گا۔ آپ اپنی سعادتمند روحوں کو میرے پاس لائے گا جو ان کاموں میں میری مددگار ہوں گی" [1]

یہ خدائی بشارت خلافت ثانیہ کی پہلی ربع صدی میں انتہائی مخالف حالات کے باوجود جس شان و شوکت سے پوری ہوئی اُس کا کسی قدر اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ سلسلہ احمدیہ کا مرکزی نظام جو خلافت ثانیہ کے آغاز میں مختصر پیمانہ میں جاری تھا خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خلافت ثانیہ کے پہلے پچیس [۲۵] سالہ عہد خلافت میں ہی حیرت انگیز طور پر وسعت پکڑ گیا۔ جس کا کسی قدر اندازہ ۱۹۳۹ء کے مرکزی نظام (صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید) کے مختلف شعبوں پر ایک نظر ڈالنے سے بآسانی ہو سکے گا۔

صدر انجمن احمدیہ

۱۹۳۹ء میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کی ہندوستان میں ۶۸۷ شاخیں موجود تھیں اور اس کے حسب ذیل مرکزی محکمے قائم تھے:-

۱۔ نظارت عُلیا:- [2] (ناظر اعلیٰ حضرت چوہدری فتح محمد صاحبؓ سیال)

۲۔ نظارت دعوۃ و تبلیغ:- [3] (ناظر حضرت مولوی عبد المغنی خاں صاحبؓ)

۳۔ نظارت تعلیم و تربیت:- [4] (ناظر حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ، نائب ناظر ...)

---

[1] منصب خلافت صفحہ ۱۸-۱۹ طبع اوّل (تقریر حضرت خلیفہ ثانیؓ فرمودہ ۱۲ اپریل ۱۹۱۴ء بمقام قادیان)

[2] نائب ناظر:- حضرت خانصاحب منشی برکت علی صاحبؓ۔ ہیڈ کلرک:- قاضی عبد الرحمن صاحب۔ سپرنٹنڈنٹ:- سید محمد اسمٰعیل صاحبؓ۔

[3] معاون ناظر:- مرزا عبد الغنی صاحب۔ انچارج شعبہ نشر و اشاعت و ترقی اسلام:- حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب نیرؓ۔ مہتمم نشر و اشاعت:- گیانی عباد اللہ صاحب و خلیفہ صلاح الدین صاحب (مرحوم) ہیڈ کلرک:- پیر خلیل احمد صاحب (مرحوم)۔

[4] انسپکٹر تعلیم و تربیت:- مولوی قمر الدین صاحب فاضل۔ ہیڈ کلرک نظارت تعلیم و تربیت:- چوہدری ظہور احمد صاحب۔

۴۔ نظارت بیت المال:[۱]۔ (ناظر۔ حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ)

۵۔ سیکرٹری مجلس کارپرداز بہشتی مقبرہ:۔ (حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ)

۶۔ نظارت تالیف تصنیف:۔ (ناظر حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ)

۷۔ نظارت اُمور خارجہ[۲]:۔ (ناظر حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ)

۸۔ نظارت اُمور عامہ[۳]:۔ (ناظر۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ)

۹۔ نظارت ضیافت[۴]:۔ (ناظر۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ)

۱۰۔ صیغہ پرائیویٹ سیکرٹری[۵]:۔ (ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے)

۱۱۔ صیغہ محاسب:۔ (محاسب مرزا محمد شفیع صاحب ریٹائرڈ انسپکٹر ڈاکخانہ جات)

۱۲۔ صیغہ آڈیٹر:۔ (افسر چوہدری برکت علی خاں صاحبؓ)

۱۳۔ صیغہ امانت:۔ (افسر خاں صاحب منشی برکت علی خاں صاحبؓ شملوی)

۱۴۔ محکمہ قضاء:۔ (انچارج مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل)

قاضی صاحبان۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ۔ مولانا ارجمند خاں صاحب۔ مولانا ظہور حسین صاحب حضرت صوفی غلام محمد صاحبؓ مبلغ ماریشس۔ مولانا تاج الدین صاحب۔ مرزا عبدالحق صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ مرزا برکت علی صاحب۔

۱۵۔ صیغہ افتاء:۔ (انچارج۔ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ)۔ (مفتی سلسلہ۔ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؓ ہلال پوری)۔

۱۶۔ نظامت جائیداد[۶]:۔ (ناظم۔ ملک مولا بخش صاحبؓ ریٹائرڈ کلرک آف کورٹ)

---

[۱]۔ نائب ناظر بیت المال:۔ حضرت منشی برکت علی صاحب۔ معاون ناظر بیت المال:۔ بابو عبدالعزیز صاحب۔ ہیڈ کلرک بیت المال:۔ منشی عبدالرحیم صاحب نومسلم ÷ [۲]۔ ہیڈ کلرک نظارت امور خارجہ:۔ قریشی رشید احمد صاحب رشید احمدیہ کمپنی انڈین ٹیریٹوریل فورس کے افسر۔ مرزا داؤد احمد صاحب ÷ [۳]۔ معاون ناظر:۔ شیخ یوسف علی صاحب بی۔ اے (مرحوم) ہیڈ کلرک:۔ منشی کظیم الرحمٰن صاحب۔ نگران شعبہ تنفیذ:۔ میاں حامد حسین خانصاحب۔ نگران شعبہ رشتہ ناطہ:۔ بابو فقیر علی صاحب۔ انچارج کار خاص:۔ مولوی نذر احمد صاحب۔ (مشیر قانونی) مولوی فضل الدین صاحب وکیل ÷ [۴] پرسنل اسسٹنٹ:۔ حاجی سراج الدین صاحب ریٹائرڈ اسٹیشن ماسٹر ÷ [۵]۔ معاون۔ ملک محمد عبداللہ صاحب فاضل ÷ [۶] مختار عام:۔ منشی محمد الدین صاحب ملتانی۔ افسر تعمیرات:۔ سید سردار حسین صاحب (مرحوم) ÷ (بحوالہ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۴۰-۱۹۳۹ء)

تحریکِ جدید صدر انجمن کے بعد اب ذرا تحریک جدید کی وسعت پر ایک نظر ڈالئے۔ ۱۹۳۹ء تک تحریکِ جدید کے مندرجہ ذیل شعبے قائم ہو چکے تھے:۔

۱۔ دفتر تحریکِ جدید:۔ (انچارج مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور)

۲۔ دفتر فنانشل سیکرٹری:۔ (فنانشل سیکرٹری چوہدری برکت علی خاں صاحب)

۳۔ صیغہ امانت جائیداد تحریکِ جدید (سیکرٹری قمرالانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ) اور انچارج دفتر۔ مولوی بابو فخرالدین صاحب)۔

۴۔ دفتر تجارت:۔ (حضرت خانصاحب ذوالفقار علی خاں صاحب گوہر)۔

۵۔ بورڈنگ تحریک جدید:۔ (وارڈن خانصاحب ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب۔ سپرنٹنڈنٹ صوفی غلام محمد صاحب بی۔ ایس۔ سی)۔

۶۔ دارالصناعت:۔ (نگران۔ بابو اکبر علی صاحب ریٹائرڈ انسپکٹر آف ورکس)۔

۷۔ بورڈنگ دارالصناعت:۔ (سپرنٹنڈنٹ مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی)۔[۱]

خلافتِ ثانیہ کے پہلے پچیس[۲۵] سالہ عہد میں اموال کی ترقی خلافتِ ثانیہ کے قیام کے وقت غیر مبائع اصحاب خزانہ قریباً خالی چھوڑ کر گئے تھے۔ مگر ۳۹-۱۹۳۸ء میں صدر[۲] انجمن کی سالانہ آمد تین لاکھ اٹھائیس ہزار دو صد ستاسی تھی۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

گوشوارہ آمد ۴۰-۱۹۳۹ء نظارت بیت المال قادیان

(باستثناء صیغہ جات تجارتی)

مدات	بجٹ	آمد	کمی	بیشی
چندہ عام	۱۰۴۰۰۰	۹۶۲۸۳	۷۷۱۷	-
چندہ مستورات	۲۵۰۰	۱۶۷۸	۸۲۲	-

۱۔ الحکم ۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۵۸ سے ملخصاً۔ ۲۔ تحریک جدید، خدام الاحمدیہ، انصاراللہ۔ لجنہ اماء اللہ وغیرہ عظیم الشان تنظیموں کی آمد اس میں شامل نہیں ہے۔

مدات	بجٹ	آمد	کمی	بیشی
حصہ آمد	۱۲۵۰۰۰	۱۳٦۲۵۵	-	۱۱۲۵۵
میزان	۲۳۱۵۰۰	۲۳۴۲۱٦	-	۲۷۱٦
حصہ جائیداد بہشتی مقبرہ	۹۰۰۰	۱۲۷۷۵	-	۳۷۷۵
اشاعت اسلام	۱۵۰۰	۹۸۳	۵۱۷	-
جلسہ سالانہ	۳۰۰۰۰	۱۹۲۴٦	۱۰۷۵۴	-
زکوٰۃ	۵۰۰۰	۳۷۳۸	۱۲٦۲	-
صدقات	۹۰۰۵	۸۷۲۵	۲۸۰	-
دیگر چندے	٦۱۲۴	۷۳۲۸	-	۱۲۰۴
میزان	٦۰٦۲۹	۵۲۷۹۵	۷۸۳۴	-
چندہ خاص توسیع مساجد وغیرہ	۳۵۰۰۰	۵۷۴۰	۲۹۲٦۰	-
(توسیع مساجد)	-	۳۹۳۷	-	۳۹۳۷
میزان جملہ چندہ ہائے مع چندہ خاص	۳۲۷۱۲۹	۲۹٦٦۸۸	۳۰۴۴۱	-
واپسی قرضہ	۱٦۰۰	۲۴۰۸	-	۸۰۸
گرانٹ سرکاری	۱۳۰۵۷	۱۲۸۸٦	۱۷۱	-
فیس	۱۷۱۵۰	۱۵۵۹٦	۱۵۵۴	-
متفرق	۱۰۲۴	۷۰۹	۳۱۵	-
میزان آمد صیغہ جات	۳۲۸۳۱	۳۱۵۹۹	۱۲۳۲	-
میزان کل آمد چندہ و آمد صیغہ جات	۳۵۹۹٦۰	۳۲۸۲۸۷	۳۱٦۷۳	- [۱]

[۱] - رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ ۱۹۳۹ء-۱۹۴۰ء صفحہ ۱۰۹

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۱۴ر مارچ ۱۹۱۴ء کو مسند خلافت پر متمکن ہوئے تھے۔ اور اس طرح ۱۴ر مارچ ۱۹۳۹ء کو آپ کی خلافت پر ـــــ ہاں کامیاب و کامران مظفر و منصور، مبارک و مسعود، شاہد و شہود، عامر و معمور خلافت پر پچیس سال کا عرصہ پورا ہو گیا۔

صداقت اور خدمت کی شان عرصوں اور زمانوں کی قید سے بالا ہے۔ اور شہید امت سلطان فتح علی ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ کے بقول "گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے"۔[1] مگر ان پچیس برسوں کا کیا کہنا۔ جس کے ایک ایک دن کی ایک ایک ساعت اسلام واحمدیت کی خدمت، بنی نوع انسان کی ہمدردی اور حق وصداقت کی اشاعت کے لئے وقف رہی۔ یہ ایک نہایت مبارک دَور تھا۔ جس کے پہلے سال جماعتِ احمدیہ انشقاق و افتراق اور تشتت اور ادبار کی پُرخطر اور عمیق وادیوں میں گھری ہوئی پائی گئی۔ مگر جس کے پچیسویں سال میں وہ عظمت و شوکت کے بلند اور پُرشکوہ مینار تک جا پہنچی۔ اور یہ سب کامیابیاں، کامرانیاں اور فتوحات خدا کے فضل اور رحم کیساتھ اُس کمزور نحیف اور بیمار انسان کو نصیب ہوئیں۔ جو خود اپنے ہی بعض ساتھیوں کی نگاہ میں حقیر اور ناچیز سمجھا جاتا تھا۔ اور جمہوریت کے دلدادہ مغربیت کے خوگر محض غیروں میں مقبول ہونیکی خاطر اُسے بچہ کہکر اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے مگر اس "بچہ" کے ہاتھوں ہر جہاندیدہ اور ہر تجربہ کار کو شکستِ فاش ہوئی۔ فرزانے ہار گئے اور دیوانوں کی جیت ہوئی۔ کوئی دقیقہ اُس کو ناکام بنانے کیلئے اٹھا نہیں رکھا گیا اور کوئی حملہ نہیں جو اُس کے بڑھتے ہوئے قدم کو روکنے کی خاطر نہیں کیا گیا۔ مگر جونہی دشمن خدا کے اس بندہ کو شکست دینے کا یقین کر لیتا آسمان سے اس کی فتح کے شادیانے بجا دیئے جاتے اور نصرتوں کی فوج اس کی مدد کیلئے اتر آتی۔ اور یہ اس لئے ہوا تا دنیا کو یقین ہو کہ نفسِ عمر کی خلافت۔ خلافتِ حقہ ہے۔ جس کا محافظ خود عرش کا خدا ہے۔ کوئی نہیں جو اُس کی مقدس قبا پر ہاتھ ڈال سکے۔ کوئی نہیں جو اس کی تقدیروں کو بدل سکے۔ اور یہی وہ اٹل حقیقت تھی جسکا اعلان حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اوائل خلافت میں ہی کر دیا تھا۔ چنانچہ حضور نے ۲۱ر مارچ ۱۹۱۴ء کو ایک ٹریکٹ شائع کیا جس میں تحریر فرمایا:۔

---

[1] "تاریخ سلطنت خداداد میسور" صفحہ ۳۰۳ (مؤلفہ محمود بنگلوری ناشر پبلشرز یونائیٹڈ چوک انارکلی لاہور طبع سوم)۔

"مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں نے کبھی انسان سے خلافت کی تمنا نہیں کی اور یہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے بھی کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ وہ مجھے خلیفہ بنا دے۔ یہ اس کا اپنا فعل ہے۔ یہ میری درخواست نہ تھی۔ میری درخواست کے بغیر یہ کام میرے سپرد کیا گیا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے کہ اُس نے اکثروں کی گردنیں میرے سامنے جھکا دیں۔ مَیں کیونکر تمہاری خاطر خدا تعالیٰ کے حکم کو ردّ کر دوں۔ مجھے اُس نے اسی طرح خلیفہ بنایا جس طرح پہلوں کو بنایا تھا۔ گو مَیں حیران ہوں کہ میرے جیسا نالائق انسان اسے کیونکر پسند آ گیا۔ لیکن جو کچھ بھی ہو اُس نے مجھے پسند کر لیا اور اب کوئی انسان اس کُرتہ کو مجھ سے نہیں اتار سکتا جو اُس نے مجھے پہنایا ہے۔ یہ خدا کی دین ہے۔ اور کونسا انسان ہے جو خدا کے عطیہ کو مجھ سے چھین لے۔ خدا تعالیٰ میرا مددگار ہو گا۔ مَیں ضعیف ہوں مگر میرا مالک بڑا طاقتور ہے۔ مَیں کمزور ہوں مگر میرا آقا بڑا توانا ہے۔ مَیں بلا اسباب ہوں مگر میرا بادشاہ تمام اسبابوں کا خالق ہے۔ مَیں بے مددگار ہوں مگر میرا رب فرشتوں کو میری مدد کے لئے نازل فرمائے گا (انشاء اللہ) مَیں بے پناہ ہوں مگر میرا محافظ وہ ہے جس کے ہوتے ہوئے کسی پناہ کی ضرورت نہیں۔" [1]

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؏

(خدائے عزّ وجل کی دی ہوئی توفیق اور محض اُس کے فضل و عنایت سے جماعت احمدیہ کے پہلے پچاس سالہ دور کی تاریخ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوئی)

---

[1] پمفلٹ "کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے" صفحہ ۲ مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۱۴ء مطبوعہ اللہ بخش سٹیم پریس قادیان۔

ضمیمہ

۱۔ ۱۹۳۸ء کے پہلے وقف زندگی فارم کا نمونہ (صفحہ ۱)
۲۔ موجودہ فارم معاہدۂ وقفِ زندگی کا نمونہ (صفحہ ۲)
۳۔ مجاہدین بیرون ہند کے لئے ضروری ہدایات کی نقل (صفحہ ۴)
۴۔ نقل فارم وقف جائیداد و آمد (صفحہ ۵)
۵۔ نقل معاہدہ وقف آمد (")
۶۔ چربہ مکتوب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بنام چوہدری برکت علی صاحبؓ فنانشل سیکرٹری تحریک جدید (صفحہ ۶)
۷۔ غیر ملکی طلباء کی فہرست (صفحہ ۸)
۸۔ رجسٹر ''روایات صحابہ'' کے راویوں کی فہرست (صفحہ ۱۰)
۹۔ قادیان کے صحابہ کی فہرست (صفحہ ۳۴)
۱۰۔ نمونہ لوائے احمدیت (صفحہ ۵۵)
۱۱۔ نمونہ لوائے خدام الاحمدیہ (صفحہ ۵۶)
۱۲۔ نمونہ لوائے لجنہ اماء اللہ (")

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ضمیمہ

"تاریخ احمدیت" جلد ہشتم

ا۔ ۱۹۳۸ء کے پہلے فارم وقفِ زندگی کا نمونہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم — وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

فارم معاہدہ وقفِ زندگی

مَیں اپنی ساری زندگی برضاء و رغبت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بغیر کسی قسم کی شرط کے وقف کرتا ہوں۔ اور دفتر تحریک جدید سے مندرجہ ذیل عہد کرتا ہوں:۔

۱۔ اس عرصہ میں اگر میرے گزارہ کے لئے کوئی رقم مقرر کی جائے گی تو اسے انعام شمار کرتے ہوئے قبول کروں گا۔ اور کسی رقم کو بطور اپنے حق کے شمار نہیں کروں گا۔

۲۔ اس عرصہ میں جو صورت میری ٹریننگ کے لئے دفتر تحریک جدید کی طرف سے تجویز کی جاویگی اس کی پورے طور پر پابندی کروں گا۔

۳۔ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام سے بھی جو میرے لئے تجویز کیا جاویگا رُوگردانی نہ کرونگا۔ بلکہ نہایت خندہ پیشانی اور اپنی پوری کوشش سے سرانجام دوں گا۔

۴۔ اگر میرے لئے بیرون ہند کوئی کام سپرد کیا جائے تو بخوشی اسے سرانجام دوں گا۔

۵۔ اگر میرے وقف کردہ عرصہ کے اندر دفتر تحریک جدید مجھے علیحدہ کردے تو اس میں مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن مجھے یہ اختیار نہ ہوگا کہ عرصہ معہودہ میں اپنی مرضی سے اپنے آپ کو ان فرائض سے علیحدہ کرسکوں جو میرے سپرد کئے گئے ہوں۔

۶۔ جس شخص کے ماتحت مجھے کام کرنے کے لئے کہا جائیگا اسکی کامل تابعداری کروں گا۔

دستخط ـــ ـــ ـــ ـــ

نام ـــ ـــ ـــ ـــ

تاریخ ـــ ـــ ـــ

مکمل پتہ ـــ ـــ ـــ ـــ

میرے کوائف حسب ذیل ہیں :-

۱- عمر
۲- تعلیم دنیوی و دینی -
۳- کون کونسی زبانوں سے واقف ہیں اور ان زبانوں کی تحریر و تقریر میں کس حد تک مہارت ہے ؟
۴- شادی شدہ ہیں یا بغیر شادی شدہ -
۵- کیا اپنے حالات کے ماتحت مستقل طور پر کسی بیرون ہند ملک میں رہائش کر سکتے ہیں ؟
۶- دیگر متفرق ضروری حالات -

انچارج تحریک جدید ربوہ پاکستان

نوٹ - زائد امور کو فارم ہذا کی پشت پر بھی درج کیا جا سکتا ہے -

۲- موجودہ فارم معاہدہ وقف زندگی کا نمونہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم وعلی عبدہ المسیح الموعود

مَیں اپنی ساری زندگی برضا و رغبت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے بغیر کسی قسم کی شرط کے وقف کرتا ہوں -

(۱) مَیں ہر قسم کی خدمت کو جو میرے لئے تجویز کی جائے گی بغیر کسی معاوضہ کے ان ہدایات کے مطابق بجالاؤں گا جو میرے لئے تجویز ہوں گی -

(۲) مَیں کسی وقت بھی نظام سلسلہ کے خلاف عملاً یا قولاً کوئی حرکت نہیں کروں گا - بلکہ ہمیشہ جملہ ہدایات مرکزیہ کی پابندی کروں گا - اسی طرح نظام وقف تحریک جدید کا بھی پورا احترام کروں گا - اور لفظاً اور معناً اس کی اتباع کروں گا -

(۳) اگر میرے لئے یا میرے اہل و عیال کے گذارہ کے لئے کوئی رقم دفتر تحریک جدید کی طرف سے منظور کی جائے گی تو اسے بطور اپنے حق کے شمار نہیں کروں گا - بلکہ اسے انعام سمجھتے ہوئے قبول کرونگا -

(۴) جو صورت میری تعلیم یا تربیت کے لئے تجویز کی جائے گی اس کی پورے طور پر پابندی کروں گا -

(۵) کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام سے بھی جو میرے لئے تجویز کیا جائے گا روگردانی نہیں کروں گا - بلکہ نہایت خندہ پیشانی اور پوری کوشش سے سرانجام دوں گا -

(۶) اگر میرے لئے کسی وقت کوئی سزا تجویز کی جائے گی تو بلا چون و چرا اور بلا عذر اسے برداشت کرونگا -

(۷) جب مجھے تحریک جدید کی طرف سے خواہ اندرون پاکستان یا بیرون پاکستان جہاں بھی مقرر کیا جائیگا وہاں بخوشی دفتر کی ہدایات کے مطابق کام کروں گا -

(۸) اگر کسی وقت مجھے کسی وجہ سے وقف سے علیحدہ کیا جائے گا تو اس میں مجھے کوئی اعتراض نہیں

ہوگا۔ لیکن مجھے یہ اختیار نہ ہوگا کہ کسی وقت بھی اپنی مرضی سے اپنے آپ کو ان فرائض سے علیحدہ کرسکوں جو میرے سپرد کئے گئے ہوں گے۔

(۹) میں ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہوں۔ خواہ وہ مالی ہو یا جانی ہو۔ عزت کی ہو یا جذبات کی ہو۔

(۱۰) جس شخص کے ماتحت مجھے کام کرنے کیلئے کہا جائیگا اسکی کامل تابعداری کروں گا۔

(۱۱) میں نے فارم معاہدہ وقف زندگی کی جملہ شرائط کو خوب سوچ کر اور ان کی پابندی کا پورا عزم کرکے پُر کیا ہے۔

نام

دستخط　　　　مکمل پتہ

تاریخ

:فارم کوائف:

۱۔ نام اور مکمل پتہ :۔

۲۔ تاریخ پیدائش :۔

۳۔ والد صاحب کا نام اور مکمل پتہ :۔

۴۔ سرپرست کا نام اور مکمل پتہ :۔

۵۔ تعلیم کیا ہے؟ کون کون سے امتحان کن مضامین میں، کس کس ڈویژن میں پاس کئے ہیں۔ نمبر حاصل کردہ۔

۶۔ اگر تعلیم جاری ہے تو کس کلاس میں پڑھ رہے ہیں .... کس سکول یا کالج میں ....

۷۔ کن مضامین میں زیادہ دلچسپی ہے۔

۸۔ دینی معلومات کسقدر ہیں ...... دینیات اور سلسلہ کی کون کونسی کتب پڑھی ہیں ....

۹۔ کیا پیدائشی احمدی ہیں؟ .... اگر نہیں تو تاریخ بیعت لکھیں۔

۱۰۔ مجرد ہیں یا شادی شدہ؟

۱۱۔ اگر شادی شدہ ہیں تو کتنے بچے ہیں۔ ان کی عمریں کیا کیا ہیں۔

۱۲۔ پیشہ کیا ہے؟

۱۳۔ اصل وطن کونسا ہے؟

۱۴۔ موجودہ مستقل رہائش کہاں ہے اور کتنے عرصہ سے۔

۱۵۔ گزارہ کی موجودہ صورت کیا ہے۔ اپنی / والد یا سرپرست کی۔

۱۶۔ والد یا سرپرست کی ماہوار آمد کتنی ہے؟

۱۷۔ اگر خود برسرِ روزگار ہیں تو ماہوار آمد کتنی ہے؟
۱۸۔ ملازمت کی صورت میں کس قسم کے کام کا تجربہ ہے؟
۱۹۔ ملازمت کے علاوہ کس کام کا تجربہ ہے۔ صنعت کاروبار وغیرہ (تفصیل لکھیں)
۲۰۔ کیا کبھی تقریر کرنے کا موقع ملا ہے؟
۲۱۔ طبیعت کا ذاتی رجحان کس طرف ہے۔ جیسے زمینداری۔ تبلیغی۔ دفتری کام۔ تجارت وغیرہ۔
۲۲۔ کس مجلس خدام الاحمدیہ یا انصار اللہ سے تعلق ہے؟
۲۳۔ کیا کسی مجلس کا کوئی عہدہ آپ کے سپرد تھا؟
۲۴۔ عام صحت کیسی رہتی ہے؟
۲۵۔ امیر جماعت یا پریذیڈنٹ کا مکمل پتہ۔
۲۶۔ اپنے خاندان کے چند معروف احمدی احباب کے نام و پتہ لکھیں۔ ان سے کیا رشتہ ہے؟
۲۷۔ کیا کبھی قادیان یا ربوہ میں قیام رہا ہے؟
(ا) کب اور کتنے عرصے کے لئے۔
(ب) کس سلسلہ میں۔
۲۸۔ انگریزی عربی یا کوئی غیر ملکی زبان جانتے ہیں؟ کس حد تک۔
۲۹۔ کیا مضامین لکھتے رہے ہیں۔ کس زبان میں۔ کس قسم کے موضوع پر؟
۳۰۔ کیا کبھی کسی غیر ملک میں قیام رہا ہے۔ کتنا عرصہ...... کس غرض کے لئے؟
۳۱۔ کوئی خاص قابلِ ذکر امر۔

دستخط　　　　　　　　　　تاریخ

نام و مکمل پتہ

۳۔ مجاہدین بیرون ہند کے لئے ضروری ہدایات کی نقل

۱۔ ہفتہ وار مکمل رپورٹ ڈائری کی صورت میں بلاناغہ بھیجا کریں۔ کہ یہ بھی اُن کے فریضہ کا ایک ضروری حصہ ہے۔ ہر روز سونے سے پیشتر صبح سے شام تک کے حالات کو اپنی ڈائری میں درج کر لیا کریں۔ ڈائری اور رپورٹ باقاعدہ نہ بھیجنے سے اُس کا نام واقفین کی لسٹ سے کاٹا بھی جا سکتا ہے۔

۲۔ ہر قسم کی معلومات دینی ہوں۔ دُنیوی ہوں۔ سیاسی ہوں۔ اقتصادی ہوں۔ مرکز کو بھجواتے رہیں۔

۳۔ تبلیغ کے قیمتی مواقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

۴۔ جو لوگ احمدی ہوں اُن کا تعلق مرکز سے مضبوط کیا جاوے۔ اور اُن کو باقاعدہ اور باشرح چندہ دینے والا بنایا جائے۔

۵۔ شائع شدہ لٹریچر کو نہایت احتیاط سے تقسیم کیا جائے اور مضامین کی ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے۔

۶۔ ہندوستان کے احمدیوں اور مقامی احمدیوں میں باہمی تجارتی تعلقات کو قائم کیا جاوے۔

۷۔ کوشش کریں کہ جلد از جلد اپنے اخراجات کا بوجھ خود اٹھانے کے قابل ہو جائیں۔ تا کہ مرکز اُن کے خرچ سے بے نیاز ہو کر دوسرے ممالک میں مشن قائم کر سکے اور کام کو اور وسیع کیا جائے۔

۸۔ جس قدر رقم چندوں میں وصول ہو۔ اُس کا ۳/۴ مقامی اخراجات پر باقاعدہ طریق پر خرچ ہو سکے گا جس کے لئے مرکز سے بجٹ کی منظوری حاصل کرنی ضروری ہوگی۔ باقی ۱/۴ حصہ مرکز میں بھجوانا ضروری ہوگا۔ تا کہ اس ملک کے لوگ دوسرے ممالک میں تبلیغ کے وسیع کام میں شامل ہو کر ثواب حاصل کر سکیں۔

(مطالبات تحریک جدید صفحہ نمبر ۵۷-۵۶)

۴۔ نقل فارم وقف جائیداد و آمد

معاہدۂ وقف جائیداد میں اپنی جائیداد اسلام اور احمدیت کی ضرورت کے لئے وقف کرتا ہوں۔ اور عہد کرتا ہوں۔ کہ مطالبہ کے وقت وقف شدہ جائیداد میں سے جو جائیداد موجود ہوگی۔ اس پر جو حصہ رسدی مطلوبہ رقم بموجب ہدایات دفتر تحریک جدید۔ میرے ذمہ ڈالی جائے گی اُسے ادا کر دُونگا۔ میری وقف شدہ جائیداد کی موجودہ قیمت اندازاً .... روپے ہے۔

نوٹ:۔ مکان اور زمین کی صورت میں یہ بھی لکھیں کہ کہاں واقع ہے۔ زیور کی صورت میں وزن بھی لکھیں۔

______ تفصیل جائیداد وقف شدہ: ______

....

(مطالبات تحریک جدید صفحہ ۱۵۲)

۵۔ نقل معاہدۂ وقف آمد

معاہدۂ وقف آمد میں اپنی .... ماہ کی آمد اسلام اور احمدیت کی ضرورت کے لئے وقف کرتا ہوں۔ اور عہد کرتا ہوں کہ مطالبہ کے وقت جو ماہوار آمد ہوگی اس کے حساب سے جو حصہ رسدی مطلوبہ رقم بحسب ہدایت دفتر تحریک جدید میرے ذمہ ڈالی جائے گی۔ میں اُسے ادا کر دُوں گا۔ میری موجودہ ماہوار آمد بعد وضع وصیت و ٹیکس ....

.... روپے ہے۔

نوٹ:۔ دو ۲/۳ ماہ سے زائد آمد کا وقف قبول نہیں کیا جائے گا۔

تاریخ   باقی تفصیل فارم کی پشت پر لکھیں۔

دستخط: نام مع ولدیت:

موجودہ پتہ:

مستقل پتہ:

(مطالبات تحریک جدید صفحہ ۱۵۳)

(چربہ)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا ایک مکتوب گرامی (مورخہ ۳؍جولائی ۱۹۳۵ء)

بنام چوہدری برکت علی صاحب رضی اللہ عنہ فنانشل سیکرٹری تحریک جدید

نزد ظہیر شہری

مکرم چوہدری برکت علی خان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ

کا شکر گزار ہوں کہ خواہ مرکز کا ہو یا جماعت کا عشق کی لہر

تمام ان احباب کو جنہوں نے میری تحریک کو پورا کیا شکریہ ادا کرتے ہوئے

کہ وہ تحریک جدید اور اس کا اپنے کام میں تعاون سے حصہ دے اللہ جو

باقی میں امید ہے تفضل فرما کر اپنا فرض ادا کرنے کی توفیق دے اور
اپنے فضل سے حصہ لینے کی توفیق بخشے

[illegible] یہ رپورٹ پیش ہے کہ کل وعدے کتنا [illegible]
اول [illegible] سال ترجمہ قرآن [illegible] اس وقت تک جتنے ہیں
کا اندازہ [illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible] وعدے ترجمہ [illegible] کا [illegible] اعلان ہے

اس جو لوگ [illegible] باقاعدہ [illegible] کی کوشش کریں [illegible]
اور ادا [illegible] سے [illegible] لینے کی کوشش کریں

الحمد للہ کہ [illegible] وصول ہو گیا ہے [illegible]
جو لوگ [illegible] کوشش کی جائے

والسلام
خاکسار
مرزا محمود احمد

[illegible] بیرونی ممالک

نائب [illegible] سیکرٹری

پتہ:-

تحریک جدید

قادیان۔ ضلع گورداسپور

تحریک جدید کے زیر انتظام مرکز سلسلہ میں دینی تعلیم حاصل کرنیوالے غیر ملکی طلباء

کی

فہرست

نمبر شمار	نام	ملک	تاریخ آمد	تاریخ فراغت	کیفیت
۱	محمد زہدی	ملایا	۱۳-۵-۴۳	۲۱-۴-۴۴	مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا
۲	محمد عبداللہ پاشا	مالا بار	۱۳-۶-۴۴	۱۲-۶-۴۴	″ ″ ″
۳	عبدالشکور کنزے	جرمنی	۱۰-۱-۴۹	۲۱-۶-۵۱	
۴	رشید احمد	امریکہ	۲۴-۱۲-۴۹	۱۷-۳-۵۳	
۵	ابراہیم عباس	سوڈان	۳-۳-۵۰	۱۹-۳-۵۷	
۶	احمد سپرجا	جاوا	۲-۵-۵۰		
۷	رضوان عبداللہ	حبشہ	۳-۱۲-۵۰	۹-۱-۵۳	
۸	صالح شبیبی	جاوا	۲۵-۱۲-۵۰	۲-۵-۵۳	
۹	عثمان چینی	چین	۷-۹-۴۹	۱۲-۶-۵۲	
۱۰	ابراہیم چینی	″	″	″	
۱۱	ادریس چینی	″	″	″	
۱۲	علی چینی	″	۱۶-۱-۵۰	۳۰-۸-۵۳	

نمبر شمار	نام	ملک	تاریخ آمد	تاریخ فراغت	کیفیت
۱۳	بختیار ذکریا	سماٹرا	۲۲-۷-۵۱	۱۳-۳-۵۳	
۱۴	عارف نعیم	سائپرس	۱۱-۱۱-۵۱	۱۷-۹-۵۶	
۱۵	زہیر السلام	انگلستان	۱۴-۱-۵۲	۱۵-۶-۵۶	
۱۶	محمد سلیم الجابی	شام	۲۶-۳-۵۲	۲-۲-۵۳	
۱۷	علی امین خلیل	سیرالیون	۱۵-۴-۵۲	۸-۸-۵۶	
۱۸	محی الدین شاہ	سماٹرا	۳۰-۵-۵۲	۱۷-۴-۵۳	
۱۹	محمود عبداللہ شبوطی	عدن	۲۶-۵-۵۲	۱۷-۲-۵۷	
۲۰	رحیم بخش	برٹش گی آنا		۸-۱۲-۵۴	
۲۱	مسٹر پی۔ای۔ڈی۔ایم اسمٰعیل	برما	۲۸-۸-۵۲	۲۶-۱۱-۵۲	
۲۲	محمد ابراہیم چینی	چین			
۲۳	منصور احمد انڈونیشین	انڈونیشیا			
۲۴	ادریس احمد	چینی			
۲۵	عبدالوہاب بن آدم	افریقہ			شاہد
۲۶	بشیر بن صالح	”			
۲۷	علی صالح	ٹورا افریقہ	۱-۱۱-۵۶		
۲۸	یوسف عثمان	” ”	۱-۱۱-۵۶		جامعہ میں ہیں۔ تعلیم جاری ہے
۲۹	محمد عبداللہ شبوطی	عدن	۲۳-۹-۵۷		مولوی فاضل و شاہد ہے
۳۰	محمد ابراہیم سنگاپوری	سنگاپور	۱-۱۲-۶۰	۱۴-۱۰-۶۲	
۳۱	ظفر احمد ولیم	آئورشس	۱۰-۴-۶۱		
۳۲	اے۔ایس داؤدا	سیرالیون افریقہ	۲۳-۵-۶۲	۱۰-۱-۶۵	شہادت الاجانب
۳۳	احمد شمیر سوکیہ	ماریشس	۹-۱۲-۶۲	۲۸-۷-۶۶	” ”
۳۴	عبدالغنی کریم	پاڈانگ۔انڈونیشیا	۱۴-۱۰-۶۳		ربوہ میں تعلیم پا رہے ہیں۔
۳۵	سفنی ظفر احمد	انڈونیشیا	۱۸-۷-۶۳		” ” ”
۳۶	حسن بصری	”	”		” ” ”
۳۷	عبدالقاہر	ترکستان	۳-۹-۶۳	۱۳-۲-۶۵	خارج شد
۳۸	یوسف پاسن	کماسی۔غانا	۳-۱۰-۶۳	-	تعلیم پا رہے ہیں
۳۹	عبدالواحد بن داؤد	غانا۔افریقہ	”	-	” ”

نمبر شمار	نام	ملک	تاریخ آمد	تاریخ فراغت	کیفیت
۴۰	احمد یوشیدا جاپانی	جاپان	۲-۳-۶۵	-	تعلیم ادھوری چھوڑ کر چلے گئے
۴۱	عبد المالک افریقی	غانا - افریقہ	۱۲-۹-۶۵	-	پڑھ رہے ہیں۔
۴۲	لقمان ادریس	جاکارتا - انڈونیشیا	۱۹-۵-۶۶	۱۰-۲-۶۷	خود چھوڑ کر چلے گئے
۴۳	ذو الکفلی لوبس	" "	"	-	پڑھ رہے ہیں۔
۴۴	سید علی عزنیہ	" "	"	-	"
۴۵	محمد عبدی ردیلے	تنزانیہ افریقہ	۸-۱۰-۶۶	-	"
۴۶	حسن بصری	بوگور - انڈونیشیا	۱۸-۷-۶۶	-	"
۴۷	سفنی ظفر احمد	سماٹرا "	"	-	"
۴۸	عبد الرؤف فجی	فجی	۱۹-۱۱-۶۳	-	"

۷۔ صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فہرست

(یعنی اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء جن کی روایات حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خاص تحریک پر جمع کی گئیں۔ اور جو چودہ رجسٹروں کی صورت میں خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہیں)۔

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر	نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
	رجسٹر نمبر ۱		۷	چوہدری غلام حسین صاحب چک ۹۸ شمالی ضلع سرگودہا	۲۱
			۸	مخدوم محمد صدیق صاحب گھوگھیاٹ (زیارت ۱۹۰۳)	۲۴
۱	شیخ عبد الکریم صاحب کراچی	۱	۹	حاجی غلام احمد صاحب کریام ضلع جالندھر	۲۶
۲	محمد اکبر صاحب محلہ قدیر آباد ملتان	۴	۱۰	حافظ ملک محمد صاحب احمدیہ مسجد لاہور	۳۱
۳	ملک رسول بخش صاحب سب اوورسیر ڈیرہ غازیخان	۸	۱۱	ڈاکٹر محمد عبد اللہ صاحب میڈیکل پریکٹیشنر قلعہ صوبا سنگھ ضلع سیالکوٹ	۳۳
۴	شیخ صالحین صاحب سیکرٹری تبلیغ گوجرانوالہ	۱۰			
۵	چوہدری بدر دین صاحب مبلغ قادیان	۱۳	۱۲	حکیم احمد الدین صاحب شاہدرہ موجد "طب جدید" شاہدرہ	۳۶
۶	منشی سکندر علی صاحب بھینی بانگر متصل قادیان	۱۶			

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۱۳	مولوی مہر دین صاحب لالہ موسیٰ ضلع گجرات	۳۹
۱۴	فضل احمد صاحب پٹواری حلقہ گوندواس ننگل	۴۸
۱۵	شیخ قدرت اللہ صاحب نابھہ سٹیٹ	۵۰
۱۶	ڈاکٹر محمد الدین صاحب انچارج ہاسپٹل بنوں	۵۳
۱۷	چوہدری فتح محمد صاحب سکنہ بھینی بانگر متصل قادیان	۵۵
۱۸	مستری فقیر محمد صاحب قادر آباد متصل قادیان	۵۸
۱۹	〃 روڑا صاحب 〃 〃	۶۰
۲۰	خواجہ غلام نبی صاحب چکوال	۶۱
۲۱	میاں عطاء اللہ صاحب پھمبیاں ضلع ہوشیارپور	۶۳
۲۲	شیخ ڈاکٹر احمد الدین صاحب ووڈالہ بانگر حال محمود آباد سندھ	۶۵
۲۳	حاجی محمد عبد اللہ خانصاحب شکار ماچھیاں ضلع گورداسپور	۶۷
۲۴	چوہدری علی محمد صاحب گوندل چک 99 شمالی ضلع سرگودھا	۶۹
۲۵	〃 غلام رسول صاحب 〃 〃	۷۱
۲۶	〃 میاں خاں صاحب 〃 〃	۷۲
۲۷	〃 غلام محمد صاحب 〃 〃	۷۳
۲۸	نظام الدین صاحب سب پوسٹماسٹر نبی پور	۷۵
۲۹	چوہدری غلام سرور صاحب چک 55/2	۷۷
۳۰	مولوی غلام محمد صاحب پھیروچیچی ضلع گورداسپور	۸۲
۳۱	شیخ زین العابدین صاحب برادر شیخ حامد علی صاحب تھہ غلام نبی ضلع گورداسپور	۸۷
۳۲	مرزا دین محمد صاحب لنگروال	۹۳
۳۳	حکیم اللہ دتہ صاحب شاہ پور ضلع گورداسپور	۱۰۰
۳۴	میر عنایت علی صاحب لدھیانہ	۱۰۷
۳۵	اہلیہ 〃 〃 〃	۱۲۸
۳۶	چوہدری باغ محمد صاحب شاہ پور ضلع گورداسپور	۱۳۰
۳۷	گلاب خانصاحب پنشنر شہر سیالکوٹ	۱۳۳ تا ۲۲۱

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۳۸	شیر خاں صاحب شہر سیالکوٹ	۱۳۷
۳۹	عنایت اللہ صاحب 〃 〃	۱۳۹
۴۰	نور محمد صاحب امیر پور ضلع ملتان	۱۴۶
۴۱	سلطان علی صاحب پھیروچیچی ضلع گورداسپور	۱۵۳
۴۲	میاں نظام الدین صاحب نظام اینڈ کو سیالکوٹ شہر	۱۵۶
۴۳	محمد علی صاحب شاہ عالمی دروازہ لاہور	۱۵۷
۴۴	میاں محمد یوسف صاحب مزنگ لاہور	۱۶۰
۴۵	شیخ محمد حسین صاحب اسلامیہ پارک لاہور	۱۶۲
۴۶	شیخ عطاء اللہ صاحب 〃 〃	۱۶۴
۴۷	شیخ محب الرحمٰن صاحب دہلی دروازہ لاہور	۱۶۹
۴۸	سید ولایت شاہ صاحب قادیان۔ افریقہ	۱۷۳
۴۹	ڈاکٹر عمر الدین صاحب گجرات ملازم افریقہ	۱۷۸
۵۰	قریشی شیر محمد صاحب امین جماعت احمدیہ نیروبی افریقہ	۱۸۵
۵۱	میاں محمد علی صاحب ولد گامے خاں شکار ماچھیاں ضلع امرتسر	۱۹۰
۵۲	میاں عزیز دین صاحب جانگریال ضلع سیالکوٹ	۱۹۲
۵۳	مولوی عبد الرحمٰن صاحب کپورتھلہ	۱۹۵
۵۴	منشی خدا بخش صاحب بجا گوارائیں	۲۱۸
۵۵	حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلہ	۲۱۷ تا ۲۲۷
۵۶	مولوی علی شیر صاحب زیرہ	۲۱۹
۵۷	شیخ محمد حیات صاحب موگہ	۲۲۰
۵۸	میاں جی عبد الرحمٰن صاحب جالندھر چھاؤنی	۲۲۵

رجسٹر نمبر ۲

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۱	بقیہ روایات حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلہ	۱
۲	چوہدری اللہ بخش صاحب کٹڑہ خزانہ بازار سورج کنڈ امرتسر	۱۲

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۳	مولوی عبید اللہ صاحب بھوسے وال ضلع امرتسر حال لائل پور	۱۹
۴	محترمہ خدیجہ بیگم صاحبہ بنت میاں جمال الدین صاحب سیکھوانی	۲۱
۵	میاں شیر محمد صاحب تونڈی جھنگلاں ضلع گورداسپور	۲۵
۶	میاں رحمت اللہ صاحب باغانوالہ بنگہ	۲۶
۷	میاں نظام دین صاحب نگری تحصیل نواں شہر ضلع جالندھر	۶۱
۸	ڈاکٹر سلطان علی صاحب ممباسہ افریقہ	۶۸
۹	میاں عبدالعزیز صاحب گلی آسا ملتانیاں گوجرانوالہ	۶۹
۱۰	چوہدری بشیر احمد صاحب ایڈیشنل جج مطالبہ خفیفہ دہلی متوطن جیوہر کاہلواں تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ	۷۰
۱۱	حکیم دین محمد صاحب دارالرحمت حال کراچی	۷۱
۱۲	خان زادہ امیر اللہ خانصاحب موضع اسمٰعیلیہ سب آفس کالوخان ضلع مردان	۷۳
۱۳	چوہدری کرم دین صاحب کھاریاں والد حاجی احمد خانصاحب ایاز بی۔اے۔ ایل ایل بی	۸۰
۱۴	مولاداد صاحب پنشنر سارچور ضلع ہوشیارپور	۸۴
۱۵	نیاز اللہ خان صاحب شاہجہانپور حال فیض آباد	۸۶
۱۶	میاں غلام حسین صاحب نمبردار سیالکوٹی عارف والا ضلع منٹگمری	۸۸
۱۷	قاضی قمرالدین صاحب سیکرٹری تعلیم و تربیت جماعت احمدیہ شکار ڈاکخانہ دھاریوال ضلع گورداسپور	۹۵
۱۸	میاں محمد اسد اللہ خانصاحب تیجہ کلاں حال امرتسر سٹیشن رائل ہوٹل دکان نمبر ۲	۱۰۵

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۱۹	ڈاکٹر عبداللہ صاحب مشرقی افریقہ	۱۰۷
۲۰	چوہدری غلام احمد خانصاحب ایڈووکیٹ میونسپل کمشنر و امیر جماعت احمدیہ پاک پٹن	۱۱۳
۲۱	حافظ مولوی عبدالسمیع صاحب امروہی	۱۲۱
۲۲	میاں جمال الدین صاحب فیض اللہ چک ضلع گورداسپور	۱۳۱
۲۳	عطاء اللہ صاحب چک ۱۶۳ ملتان	۱۳۴
۲۴	عبدالمجید خان صاحب پنشنر پالم پور	۱۳۵
۲۵	میاں عبداللہ صاحب جنڈ ساہی تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ	۱۳۷

رجسٹر نمبر ۳

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۱	جناب برکت علی صاحب مرزا پنجاب سپورٹ امین آباد لکھنؤ	۱
۲	میاں غلام رسول صاحب ولد میاں چراغ دین صاحب گوجرانوالہ	۴
۳	قاضی عبدالقادر صاحب ولد قاضی نور علی صاحب	۸
۴	خواجہ محمد شریف صاحب ڈھینگرہ ہاؤس گوجرانوالہ	۹
۵	میاں اللہ بخش صاحب کلرک ڈاکخانہ راولپنڈی ڈویژن گوجرانوالہ	۱۰
۶	میاں میراں بخش صاحب محلہ احمدپورہ "	۱۲
۷	سردار کرم داد خانصاحب دوالمیال	۱۸
۸	بقیہ روایات حضرت منشی ظفر احمد صاحب	۲۰
۹	میاں نواب خان صاحب ہرانا تحصیل پنڈی گھیب	۲۳
۱۰	میاں فضل کریم صاحب درزی اندرون دروازہ ٹھاکر سنگھ گوجرانوالہ	۳۶
۱۱	منشی احمد دین صاحب محلہ کشمیری سیالکوٹ	۳۸

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۱۲	سید سیف اللہ شاہ صاحب ساکن بیج بیاڑہ تحصیل و ضلع اسلام آباد کشمیر	۴۱ / ۸۹
۱۳	خانصاحب سید ضیاء الحق صاحب ضلع کٹک	۵۶
۱۴	میاں رحمت اللہ صاحب سنگرور ریاست جنید	۵۸
۱۵	میاں اللہ دتا صاحب ترگڑی ضلع گوجرانوالہ	۶۱
۱۶	حامد حسین خانصاحب مراد آباد	۶۳
۱۷	محمد عبد اللہ صاحب رانداس ضلع شاہ پور	۷۰
۱۸	مولوی فتح علی صاحب ددالمیال ضلع جہلم	۷۲
۱۹	میاں فضلدین صاحب تیجہ کلاں ضلع گورداسپور	۷۴
۲۰	مستری علی احمد صاحب نائی والا ضلع سیالکوٹ	۷۷
۲۱	شیخ قدرت اللہ صاحب سکرٹری انجمن احمدیہ نابھہ	۷۹
۲۲	دولت خاں صاحب بیری ضلع گورداسپور	۸۳
۲۳	دلیداد خان صاحب مراڑہ تحصیل نارووال	۸۴
۲۴	میاں عبد اللہ صاحب بھوانی گڑھ پٹیالہ	۸۶
۲۵	میاں نورالدین صاحب کھاریاں گجرات	۸۸
۲۶	ماسٹر محمد پریل صاحب کاال ڈیرہ سندھ	۹۲
۲۷	میاں غلام محمد صاحب تلونڈی جھنگلاں ضلع گورداسپور	۹۴
۲۸	میاں احمد دین صاحب ڈنگہ ضلع گجرات	۹۵
۲۹	میاں عظیم صاحب حاجی کاند ضلع ڈیرہ غازیخاں	۹۷
۳۰	میاں نظام صاحب "نظام وینڈکو" سیالکوٹ	۹۸
۳۱	میاں عبد العزیز صاحب جلال پور سرگودہا	۱۰۹
۳۲	میاں فضلدین صاحب نمبردار پیر شاہ ضلع گورداسپور	۱۱۰
۳۳	میاں غلام رسول صاحب چانگریاں تحصیل سیالکوٹ	۱۱۱
۳۴	میاں شکر الہی صاحب نبی پور ضلع گورداسپور	۱۱۳

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۳۵	مرزا اکبر بیگ صاحب ننگر وال ضلع گورداسپور	۱۱۸
۳۶	حکیم اللہ دتا صاحب موضع شاہ پور امرگڑھ	۱۱۹
۳۷	چوہدری عبد الحکیم صاحب گھاکر چیمای تحصیل وزیر آباد	۱۲۱
۳۸	میاں محمد اکبر صاحب غازی ڈیرہ غازی خاں	۱۲۶
۳۹	چوہدری فضلداد صاحب چک ۱۴۶ کھیوہ ضلع لائلپور	۱۳۰
۴۰	میاں عبد اللہ صاحب گلاں والی گورداسپور	۱۳۲
۴۱	میاں محمد یحیی خانصاحب شاہ آباد ضلع ہردوئی	۱۳۴
۴۲	میاں تصدق حسین صاحب ہوجن ضلع شاہ پور	۱۴۰
۴۳	پیر فیض احمد صاحب رنمل ضلع گجرات	۱۴۲
۴۴	حافظ عبد العلی صاحب ضلع شاہ پور	۱۴۴
۴۵	فہرست صحابہ کرام (۳۶) جماعت احمدیہ سیالکوٹ شہر	۱۴۸
۴۶	میاں عبد العزیز صاحب المغل مبارک منزل لاہور	۱۵۰
۴۷	منشی عبد اللہ صاحب اسلام آباد سیالکوٹ	۱۵۴
۴۸	مولوی الف دین صاحب " "	۱۵۶
۴۹	مہر غلام حسین صاحب اراضی یعقوب "	۱۵۸
۵۰	مستری غلام قادر صاحب شہر "	۱۶۰
۵۱	میاں مراد بخش صاحب راجپوت چوہان احمد نگر	۱۶۱
۵۲	میاں نظام دین صاحب دھیو کی تحصیل پسرور	۱۶۲
۵۳	میاں عبد الرحمن صاحب معلم صدر بازار محلہ ۲۲ جالندھر	۱۶۴
۵۴	میاں غلام محمد صاحب پوہلہ مہاراں۔ سیالکوٹ	۱۷۰
۵۵	منشی سربلند خاں صاحب ہیڈ منشی دفتر نہر ڈویژن مظفر گڑھ	۱۷۸
۵۶	میاں امیر دین صاحب گجراتی	۱۸۵
۵۷	میاں اللہ دتا صاحب بستی رنداں ضلع ڈیرہ غازیخاں	۱۹۳

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۵۸	شیخ محمد شفیع صاحب سیٹھی محلہ خواجگان جہلم	۱۹۶
۵۹	میاں علی محمد صاحب گھانوالی ضلع سیالکوٹ	۲۰۲
۶۰	چوہدری عبدالعزیز صاحب نجے شہرہ گگے زئیاں ضلع سیالکوٹ	۲۱۳
۶۱	روایات مولوی برہان دین صاحب جہلمی رضی	۲۲۰
۶۲	ملک نیاز محمد صاحب راہوں ضلع جالندھر حال محلہ دارالفضل قادیان	۲۲۶
	رجسٹر نمبر ۴	
۱	میاں محمد فضل خاں صاحب ولد قائم دین صاحب محلہ دارالفضل قادیان	۱
۲	ڈاکٹر نعمت خانصاحب ولد امان خان صاحب سکنہ ریاست نادون دارالفضل قادیان	۲
۳	مولوی محمد عبدالعزیز صاحب آف بھینی شرقپور ولد مولوی محمد عبداللہ صاحب صحابی دارالرحمت قادیان	۷
۴	سید محمود عالم صاحب ولد سید مبارک حسین صاحب حال خزانچی صدر انجمن احمدیہ قادیان	۲۵
۵	مولوی عبدالرحمن صاحب جٹ ولد شیخ برکت علی صاحب سکنہ فیض اللہ چک حال محلہ باب الابواب قادیان	۴۳
۶	میاں اللہ دتا صاحب ولد میاں مکھن خانصاحب ماہل پورہ ضلع ہوشیارپور حال قادیان	۴۹
۷	چراغ دین صاحب ولد میاں صدر دین صاحب قادیان	۵۵
۸	حکیم اللہ بخش صاحب ولد شاہ دین صاحب دربان ڈیوڑھی حضرت ام المومنین صاحبہ سکنہ بیتے حالی دارالبرکات قادیان	۶۰
۹	حافظ محمد امین صاحب ولد میاں علم الدین صاحب سکنہ نکودر ضلع کیمل پور محلہ ناصر آباد قادیان	۶۸
۱۰	چوہدری عبدالحکیم صاحب ولد چوہدری شرف دین صاحب سکنہ موضع عادل گڑھ تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ دارالبرکات قادیان	۷۹
۱۱	مدد خانصاحب ولد راجہ فتح محمد خانصاحب سکنہ باڑی پورہ کشمیر حال انسپکٹر بیت المال قادیان	۸۲
۱۲	علاؤالدین صاحب زرگر ولد میاں معراج دین صاحب عمر لاہور۔ حال قادیان	۱۰۰
۱۳	محمد یعقوب صاحب ولد محمد اکبر صاحب سکنہ بٹالہ حال دارالرحمت قادیان	۱۰۵
۱۴	مستری اللہ دتا صاحب ولد صدر دین صاحب بھانبڑی حال دارالفضل قادیان	۱۰۶
۱۵	سید بہاول شاہ صاحب ولد سید شیر محمد صاحب سکنہ مکودال ضلع انبالہ حال دارالفضل قادیان	۱۰۷
۱۶	دین محمد صاحب ولد میراں بخش صاحب سکنہ مکودال تحصیل روپڑ ضلع انبالہ حال دارالفضل قادیان	۱۱۸
۱۷	حافظ محمد ابراہیم صاحب ولد نادر علی صاحب سکنہ مکودال۔ حال قادیان	۱۲۰
۱۸	خلیل الرحمن صاحب چھبر ولد نیک عالم صاحب ساکن پنجیڑی تحصیل بھمبر (ریاست جموں)	۱۲۱
۱۹	حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادی ولد حافظ محمد حسین صاحب وزیرآباد حال قادیان	۱۲۹
۲۰	مرزا محمد شفیع صاحب ولد حمید مرزا صاحب سکنہ دہلی محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان	۱۳۴
۲۱	خانصاحب منشی برکت علی صاحب ولد محمد فاضل صاحب جوائنٹ ناظر بیت المال قادیان	۱۳۶
۲۲	محمد اسمٰعیل صاحب ولد مولوی جمال الدین صاحب سکنہ سیکھواں حال قادیان	۱۵۰

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۲۳	ابوبکر یوسف صاحب ولد محمد جمال یوسف صاحب سکنہ پٹن ریاست بڑودہ حال قادیان	۱۶۰
۲۴	خدا بخش صاحب ولد چوہدری پیر بخش صاحب سکنہ سیالکوٹ صدر بازار حال قادیان	۱۶۳
۲۵	قریشی ولی محمد باقرخانی والا ولد شاہ محمد صاحب حلقہ مسجد فضل قادیان	۱۶۴
۲۶	شیخ اصغر علی صاحب ولد شیخ بدر الدین صاحب سکنہ امین آباد ضلع گوجرانوالہ	۱۶۵
۲۷	مہر دین صاحب ولد رحیم بخش صاحب سکنہ قادیان	۱۷۳
۲۸	مرزا قدرت اللہ صاحب ولد مولوی ہدایت اللہ صاحب کوچہ چابک سواراں لاہور حال دارالفضل قادیان	۱۷۴
۲۹	عبد اللہ خان صاحب ولد عبد الغفار صاحب سکنہ سید گاہ خوست ۔ حال قادیان	۱۷۸
۳۰	ڈاکٹر مرزا محمود بیگ ولد مرزا محمد بیگ صاحب سکنہ قادیان	۱۷۹
۳۱	محمد علی صاحب ولد نظام الدین صاحب ننگل خورد حال سکنہ قادیان	۱۸۰
۳۲	حکیم عبد الرحمٰن صاحب ولد عبد اللہ فضل دین صاحب ۔ قادیان	۱۸۱
۳۳	مرزا احمد بیگ صاحب ولد مرزا بڈھا بیگ صاحب ۔ قادیان	۱۸۱
۳۴	عبد القادر صاحب تہتہ ابن بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی سکنہ قادیان دارالامان	۱۸۳

رجسٹر نمبر ۵

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۱	سردار کرم داد خان ابن ملی داد خان صاحب ساکن جمالی بوجیاں ضلع شاہ پور حال دارالفضل قادیان	۱
۲	محمد ابراہیم صاحب ولد محمد بخش صاحب دارالعلوم قادیان	۴
۳	ابو البشارت مولوی عبد الغفور صاحب مبلغ سلسلہ قادیان	۸
۴	محمد شریف صاحب ولد میراں بخش صاحب ریتی چھلہ قادیان	۱۱
۵	ماسٹر محمد علی صاحب اظہر ولد غلام قادر صاحب سکنہ ملسیاں ضلع جالندھر	۱۲
۶	چراغ محمد صاحب ولد چوہدری امیر بخش صاحب کھارہ	۱۵
۷	عبد اللہ صاحب حاجی ڈومیلی ریاست کپورتھلہ حال دارالرحمت قادیان	۱۶
۸	غلام محمد صاحب زرگر ولد محمد قاسم صاحب سکنہ بگوالا ضلع سیالکوٹ	۱۸
۹	مرزا عبد الکریم صاحب ولد مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم سکنہ ترگڑی ضلع گوجرانوالہ	۲۰
۱۰	ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب ولد نبی بخش صاحب سکنہ بیجا ضلع لدھیانہ حال قادیان	۲۱
۱۱	مرزا مہتاب بیگ صاحب ولد مرزا محمد علی صاحب محلہ کشمیری سیالکوٹ	۲۹
۱۲	عمر دین صاحب حجام ولد احمد یار صاحب سکنہ حال قادیان	۳۲
۱۳	علی گوہر صاحب ولد میاں منگل صاحب سکنہ کوٹلی ڈوڈ شاہ ضلع امرتسر حال قادیان	۳۵
۱۴	کریم الدین صاحب ٹیچر گورنمنٹ سکول ولد چوہدری امیر بخش صاحب سکنہ سیالکوٹ	۳۸
۱۵	منظور احمد صاحب ولد مولوی محمد دلپذیر صاحب بھیرہ حال قادیان	۳۹
۱۶	صوفی نبی بخش صاحب ولد میاں عبد الصمد صاحب محلہ میاں قطب دین راولپنڈی حال قادیان	۴۱

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۱۷	محمد قاسم صاحب ولد خطر دین صاحب دروازہ ہاتھی کوچہ حاجی امرتسر۔ قادیان	۴۴
۱۸	نظام الدین صاحب ٹیلر ولد میاں محمد علی محلہ ملاحاں جہلم حال قادیان	۴۵
۱۹	اللہ یار صاحب ولد گلاب دین بلہووال ضلع گورداسپور حال قادیان	۵۰
۲۰	امام دین صاحب ولد محمد صدیق صاحب سیکھواں ضلع گورداسپور	۵۴
۲۱	منشی عبدالعزیز صاحب پٹواری ولد میاں امام دین صاحب اوجلہ ضلع گورداسپور	۶۹
۲۲	ملک نادر خاں صاحب ولد ملک جہان خاں موضع سرکال کہ ضلع جہلم	۷۲
۲۳	حکیم رحمت اللہ صاحب ولد حکیم محمد بخش جاگووال جٹاں ضلع گورداسپور	۷۴
۲۴	لال دین صاحب ولد شیخ امام الدین صاحب محلہ شہر سیالکوٹ حال قادیان	۷۵
۲۵	نور محمد صاحب ولد منشی فتح محمد صاحب پنشنر موچی پورہ ضلع ملتان	۷۶
۲۶	شاہ محمد صاحب قریشی ولد غلام قادر صاحب مسجد فضل قادیان	۸۰
۲۷	ملک خان بادشاہ ولد گل بادشاہ سکنہ (درگئی) خوست	۸۲
۲۸	حکیم قطب الدین صاحب ولد غلام حسین صاحب سکنہ چیندھڑ ضلع گوجرانوالہ حال قادیان	۸۳
۲۹	عبدالرزاق صاحب ولد میاں رحیم بخش صاحب سیالکوٹ حال قادیان	۸۸
۳۰	شیخ اللہ بخش صاحب ولد مراد بخش صاحب سکنہ بنوں	۹۴
۳۱	محمد حسین خاں ٹیلر ماسٹر ولد خدا بخش۔ گوجرانوالہ	۹۷
۳۲	عبدالحق صاحب ولد عبداللہ فضل دین قادیان	۱۰۴
۳۳	عبداللہ صاحب ولد جنڈو۔ قادیان	۱۰۵
۳۴	میاں بابو صاحب ولد چھمن سکنہ ماہل پور ضلع ہوشیار پور	۱۰۶
۳۵	ماسٹر علی محمد صاحب بی۔ اے بی۔ ٹی قادیان	۱۰۷
۳۶	سیّد علی احمد صاحب ولد سیّد نیاز احمد صاحب ضلع انبالہ	۱۰۹
۳۷	خیر الدین صاحب ولد سراج دین صاحب سکنہ کوٹ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ حال قادیان	۱۱۰
۳۸	غلام نبی صاحب ولد محکم دین صاحب موضع جھاوڑیاں (پٹیالہ)	۱۱۳
۳۹	شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ولد شیخ محمد علی صاحب۔ قادیان	۱۱۴
۴۰	مفتی محمد صادق صاحب ولد مفتی عنایت اللہ صاحب سکنہ بھیرہ	۱۱۵
۴۱	خواجہ عبدالرحمن صاحب کارکن دفتر الفضل قادیان	۱۱۷
۴۲	رحمت خانصاحب ولد چوہدری سوہنے خان صاحب سکنہ سردمہ حال قادیان	۱۲۲
۴۳	غلام حیدر صاحب ولد میاں خدا بخش صاحب سکنہ احمد نگر ضلع گوجرانوالہ دارالرحمت قادیان	۱۲۳
۴۴	قریشی امیر احمد صاحب ولد حکیم سردار محمد صاحب سکنہ بھیرہ	۱۲۵
۴۵	محمد شریف خاں صاحب ولد عبدالقادر خانصاحب سکنہ لدھیانہ	۱۳۱
۴۶	ضمیر علی صاحب ولد محمد علی صاحب مسجد اقصیٰ قادیان	۱۳۲

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۴۷	محمد حمید الدین صاحب احمدی ولد بابو فضل دین سکنہ مکیری ضلع شاہ پور۔ قادیان	۱۳۳
۴۸	احمد نور صاحب کابلی ولد اللہ نور کابلی قادیان	۱۳۵
۴۹	نظام دین صاحب ریٹائرڈ ڈپوسٹ ماسٹر ولد دوست علی نبی پور ضلع گورداسپور۔ قادیان	۱۳۷
۵۰	محمد وارث صاحب ولد پیر بخش صاحب سکنہ بھڑی شاہ رحمٰن حال حلقہ مسجد فضل قادیان	۱۴۱
۵۱	عبد اللہ صاحب ولد حاکم دین مسجد فضل قادیان	۱۴۲
۵۲	پیر اندتہ صاحب ولد دین محمد حلقہ مسجد اقصیٰ "	۱۴۳
۵۳	محمد ابراہیم صاحب ولد نظام دین سکنہ سڑوعہ ضلع ہوشیار پور۔ حال قادیان	۱۴۵
۵۴	نظام دین ولد کریم بخش عرف میاں کالو سکنہ سڑوعہ ضلع ہوشیار پور۔ حال قادیان	۱۴۶
۵۵	محمد شریف خانصاحب ٹیوٹر محلہ دار العلوم "	۱۴۷
۵۶	سکندر علی صاحب ولد چوہدری دلیداد صاحب نمبردار مکھن کلاں حال بھینی بانگر۔ قادیان	۱۴۸
۵۷	عبد الکریم احمدی بٹالوی مہاجر قادیان سکنہ عثمان پور ریاست جیند تحصیل سنگرور	۱۵۵
۵۸	عبد العزیز صاحب احمدی مبلغ علاقہ بیٹ بیاس	۱۵۸
۵۹	محمد رحیم الدین سکنہ حبیب والا تحصیل رامپور ضلع بجنور حال دار الرحمت قادیان	۱۶۰
۶۰	عطاء محمد صاحب ولد چوہدری نتھے خانصاحب سکنہ بھوڑ ڈالکی نزد خاص لدھیانہ حال قادیان	۱۶۶
۶۱	غلام احمد صاحب ولد میاں محمد بخش صاحب سکنہ رسول پور تحصیل کھاریاں ضلع گجرات حال قادیان	۱۶۹
۶۲	چوہدری عبد الرحیم صاحب ولد سردار چند ر سنگھ صاحب سکنہ سدر سنگھ ضلع لاہور حال قادیان	۱۷۳

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۶۳	محمد صادق صاحب جہلمی ولد میاں نظام الدین صاحب سکنہ جہلم حال قادیان	۱۸۱
۶۴	قاضی محمد ظہور دین صاحب اکمل ولد قاضی امام دین صاحب فیض سکنہ گولیکی ضلع گجرات حال قادیان	۱۸۲

رجسٹر نمبر ۶

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۱	چوہدری اللہ بخش صاحب ولد چوہدری فضلدین صاحب سکنہ سین وال اتلے ضلع سیالکوٹ	۱
۲	فقیر علی صاحب ولد شیخ سلطان بخش صاحب سکنہ فیض اللہ چک ضلع گورداسپور	۳
۳	مرزا عمر بیگ صاحب ولد مرزا امیر بیگ سکنہ قادیان	۵
۴	نتھو راجپوت ولد گھلا راجپوت حلقہ مسجد فضل "	۶
۵	فضل الٰہی صاحب ولد مولوی کرم دین سکنہ احمد آباد جہلم	۸
۶	نور محمد صاحب ولد غلام دین صاحب قادر آباد متصل قادیان	۱۰
۷	میاں جان محمد صاحب ولد میاں عبد العزیز سکنہ ہیلاں ضلع گجرات	۱۱
۸	محمد شاہ صاحب ولد عبد اللہ شاہ صاحب ملوڑی کلاں ضلع لدھیانہ	۱۶
۹	محمد جمیل صاحب ولد میاں میراں بخش صاحب ننگل باغباناں۔ قادیان	۲۱
۱۰	غلام رسول صاحب ولد حاجی محمد صاحب متوطن درگئی علاقہ خوست	۲۳
۱۱	مولوی امام دین صاحب فیض ولد بدر الدین صاحب گولیکی ضلع گجرات	۲۵
۱۲	رحیم دین صاحب ولد جمال دین صاحب سکنہ مالیر کوٹلہ	۳۲

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر	نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۱۳	چراغدین صاحب ولد محمد بخش سکنہ قادر آباد متصل قادیان	۳۵	۲۸	منشی عبدالخالق صاحب ولد مولوی محمد حسین صاحب صحابی نمبر ۳۱۳ سکنہ پریم جیت پورہ۔ کپورتھلہ	۵۹
۱۴	علی احمد ولد چوہدری رحیم بخش صاحب کٹڑہ خزانہ امرتسر	۳۹	۲۹	قطب الدین صاحب ولد حامد علی صاحب حلقہ مسجد فضل قادیان	۶۳
۱۵	محمد دین صاحب ولد چراغ دین مرحوم سکنہ چھرماکٹا نے ہوشیارپور حال قادیان	۴۰	۳۰	مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے سابق مبلغ انگلستان	۶۵
۱۶	عبیداللہ صاحب ولد حکیم عمر بخش صاحب سکنہ بقاپور ضلع گوجرانوالہ	۴۲	۳۱	شیخ محمد اسمٰعیل صاحب ولد شیخ مسیتا صاحب سرساوہ ضلع سہارنپور۔ حال قادیان	۶۶
۱۷	محمد رحیم الدین صاحب نمبر ۳۰۲ ولد کریم الدین صاحب حبیب والا ضلع بجنور	۴۳	۳۲	چوہدری امیر احمد صاحب ریٹائرڈ سب انسپکٹر اشتمال اراضی ولد چوہدری سکندر خانصاحب سکنہ ایرانہ تحصیل و ضلع ہوشیارپور حال قادیان	۹۹
۱۸	فیروزدین ولد مرزا امام دین سکنہ قادیان	۴۴	۳۳	عبدالرحیم صاحب ولد قادر بخش صاحب بوٹ میکر و جلد ساز۔ قادیان	۱۶۶
۱۹	شیر محمد صاحب ولد دتے خاں سکنہ خاں فتا ضلع گورداسپور	۴۵	۳۴	غلام صاحب ولد محمد نامدار صاحب سکنہ لکھن کلاں کلانور (گورداسپور)	۱۷۱
۲۰	محمدی ولد بھاگو قادر آباد متصل قادیان	۴۷	۳۵	عبدالستار صاحب ولد عبداللہ سکنہ کلسوہل ضلع گورداسپور	۱۷۵
۲۱	اللہ دتا صاحب ولد میراں بخش صاحب سکنہ ننگل باغباناں متصل قادیان	۴۸	۳۶	دیانت خانصاحب ولد امان خاں صاحب سکنہ نادون ضلع کانگڑہ حال قادیان	۱۹۶
۲۲	نور محمد صاحب ولد عبداللہ موضع بسرائے۔ قادیان	۴۹	۳۷	مرزا محمد شریف صاحب ولد مرزا دین محمد صاحب سکنہ لنگروال ضلع گورداسپور۔ قادیان	۱۹۸
۲۳	محمد اسمٰعیل صاحب ولد جمال دین صاحب سکنہ کاٹھ گڑھ ضلع ہوشیارپور	۵۰	۳۸	مرزا عبداللہ بیگ صاحب ولد مرزا بوڑا بیگ صاحب سکنہ قادیان	۲۰۱
۲۴	عبدالحق صاحب ولد سردار علی سکنہ میانی بھیرہ حال قادیان	۵۱	۳۹	عبداللہ صاحب المعروف (عبدل) ولد گلاب سکنہ قادیان	۲۰۳
۲۵	ممتاز علی صاحب صدیقی ولد خانصاحب حضرت مولوی ذوالفقار علی خانصاحب سکنہ رامپور سٹیٹ ضلع مرادآباد حال قادیان	۵۳	۴۰	امین اللہ صاحب ولد محمد بخش سکنہ ملہیاں ضلع امرتسر۔ حال دارالرحمت قادیان	۲۰۷
۲۶	مستری دین محمد صاحب ولد مستری امام دین صاحب سکنہ کھنٹاں تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیارپور	۵۶	۴۱	محمد ابراہیم صاحب ولد میاں محمد اکبر صاحب سکنہ بٹالہ حال قادیان	۲۰۹
۲۷	امیر دین صاحب ولد بہاری صاحب سکنہ بہادر حسین ضلع گورداسپور	۵۸			

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۴۲	مرزا محمد افضل صاحب ولد مرزا محمد جلال الدین صاحب سکنہ بلانی ضلع گجرات	۲۲۴
۴۳	میاں بھاگ صاحب ولد محمد بخش صاحب کمہار سکنہ علقہ مسجد اقصیٰ قادیان	۲۲۷
۴۴	محمد یوسف صاحب ولد احمد دین صاحب سکنہ مالیر کوٹلہ۔ حال دارالرحمت قادیان	۲۲۹
۴۵	چوہدری نظام الدین صاحب ولد میاں نبی بخش صاحب سکنہ ڈیرہ بابا نانک حال دارالرحمت قادیان	۲۳۰
۴۶	مولوی محمود احمد صاحب عرفانی قادیان	۲۳۵
۴۷	محمد عبد اللہ صاحب جلد ساز ولد محمد اسمٰعیل مالیر کوٹلہ۔ قادیان	۲۳۶
۴۸	مولوی جلال الدین صاحب شمس امام مسجد فضل لنڈن ولد مولوی امام الدین صاحب سیکھوانی (قادیان)	۲۴۳
۴۹	چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب ولد چوہدری نصر اللہ خانصاحب۔ سیالکوٹ	۲۴۴
۵۰	خان محمد علی خانصاحب ولد خان غلام محمد خان صاحب رئیس۔ مالیر کوٹلہ۔ قادیان	۲۵۴
۵۱	فضل احمد صاحب ولد شیخ علی بخش صاحب سکنہ بٹالہ ضلع گورداسپور	۲۶۸
۵۲	نور احمد خانصاحب ولد چوہدری بدر بخش صاحب قوم راجپوت سڑوعہ۔ قادیان	۲۷۱
۵۳	محمد رشید خاں جھنڈ کی دلیپ سنگھ گوجرانوالہ حال دارالرحمت قادیان	۲۷۵
۵۴	ماسٹر عبد الرؤف صاحب بھیروی پنشنر (قادیان)	۲۷۶
۵۵	چوہدری غلام محمد صاحب موضع ڈھپئی ڈاکخانہ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ حال ہیڈ ماسٹر گرلز سکول۔ قادیان	۲۸۲
۵۶	سید حسن شاہ صاحب ولد فضل شاہ صاحب ساکن موضع مدینہ ضلع گجرات حال قادیان	۲۸۷
۵۷	ملک گوہر صاحب دوکاندار لوہا۔ قادیان	۲۸۹
۵۸	سید محمود عالم صاحب موضع سرسا ڈاکخانہ جہان آباد ضلع گیا۔ حال قادیان	۲۹۰
۵۹	عطا محمد صاحب ولد میراں بخش صاحب سکنہ شرقپور ضلع شیخوپورہ	۲۹۲
۶۰	حافظ نبی بخش صاحب فیض اللہ چک ضلع گورداسپور	۲۹۷
۶۱	چوہدری سلطان بخش صاحب نمبردار لنگا ضلع امرتسر	۳۰۵
۶۲	فضل الٰہی صاحب ریٹائرڈ ڈپوسٹ مین قادیان	۳۱۱
۶۳/۶۴	سراج بی بی صاحبہ اہلیہ بدر الدین احمد بن منشی فرزند علی خاں صاحب	۳۱۶
۶۵	سیٹھی غلام نبی صاحب۔ قادیان	۳۳۱
۶۶	مولوی ذوالفقار علی خانصاحب ولد عبد العلی خاں ریاست رام پور حال قادیان	۳۳۷ تا ۳۷۹
	رجسٹر نمبر ۳	
۱	پیر افتخار احمد صاحب ولد صوفی احمد جان صاحب لدھیانوی	۱
۲	میاں فضل دین صاحب ولد میاں محمد بخش صاحب سکنہ کالا افغاناں ضلع گورداسپور	۱۳
۳	خیر الدین صاحب ولد محمد بخش صاحب قادر آباد۔ متصل قادیان	۲۳
۴	احمد دین صاحب ولد جانا صاحب قادر آباد متصل قادیان	۲۵
۵	جلال الدین صاحب ولد کالو صاحب ” ”	۲۷
۶	فضل الدین صاحب ولد میرا صاحب ” ”	۲۸
۷	چراغ دین صاحب ولد فضل الدین صاحب ” ”	۲۹

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۸	برکت علی صاحب ولد ماناں صاحب - قادر آباد متصل قادیان	۳۰
۹	ننھا صاحب ولد دین محمد صاحب 〃 〃	۳۱
۱۰	کھیڑا صاحب ولد بھاگو صاحب 〃 〃	۳۲
۱۱	جان محمد صاحب ولد عبدالغفار صاحب ڈسکوی محلہ دارالبرکات قادیان	۳۳
۱۲	میاں محمد الدین صاحب ولد میاں نور الدین صاحب کھاریاں ضلع گجرات حلقہ مسجد مبارک قادیان	۴۳
۱۳	احمد دین صاحب ولد حیات محمد صاحب گوریکی ضلع گجرات - دارالبرکات قادیان	۵۰
۱۴	لبھو صاحب ولد ماندا صاحب حجام محلہ دارالانوار قادیان	۵۱
۱۵	منشی محمد حسین صاحب کاتب ولد میاں نبی بخش صاحب قادیان -	۵۲
۱۶	مولوی قمر الدین صاحب ولد میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی	۵۷
۱۷	مرزا غلام اللہ صاحب - قادیان	۵۸
۱۸	ماسٹر نذیر حسین صاحب ولد حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ لاہور	۶۰
۱۹	صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ولد مرزا سلطان احمد صاحب قادیان	۷۷
۲۰	جناب شیر محمد صاحب ساکن خان فتہ - قادیان	۸۰
۲۱	پیر رشید احمد صاحب ارشد ولد پیر محمد رمضان صاحب گولیکی ضلع گجرات -	۸۳
۲۲	رحمت اللہ صاحب شاکر ولد حافظ نور محمد صاحب سکنہ فیض اللہ چک حال قادیان	۸۴
۲۳	ماسٹر محمد دین صاحب ولد گھسیٹا صاحب بلاڈوالی لاہور حال قادیان	۸۵
۲۴	دین محمد صاحب ولد میاں عمر دین صاحب تونڈی عنایت خاں ضلع سیالکوٹ	۸۵

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۲۵	محمد لطیف صاحب ولد چوہدری محمد حسین صاحب سب جج ریٹائرڈ -	۸۵
۲۶	مستری عبدالسبحان صاحب ولد چوہدری رحمن میر صاحب محلہ سمیاں لاہور حال قادیان	۸۶
۲۷	مستری عبدالحکیم صاحب ولد مستری عمر بخش صاحب ساکن سیالکوٹ حال قادیان	۸۷
۲۸	چوہدری نبی بخش صاحب ولد چوہدری ز دلو صاحب بھینی بانگر متصل قادیان	۸۸
۲۹	ماسٹر عبدالرؤف صاحب ولد غلام محمد صاحب ساکن بھیرہ حال قادیان	〃
۳۰	میاں محمد حسین صاحب ولد میاں محمد بخش صاحب بٹالوی	۹۵
۳۱	چوہدری بدرالدین صاحب ولد چوہدری کندن خاں صاحب راہوں ضلع جالندھر حال کارکن نظارت دعوت و تبلیغ قادیان	۹۸
۳۲	عبدالرحمن صاحب نومسلم ولد اکبر صاحب ریاست ٹونک راجپوتانہ	۱۰۰
۳۳	چوہدری نور احمد خاں صاحب ولد چوہدری بدر بخش صاحب ساکن سڑوعہ ضلع ہوشیارپور حال دارالفضل قادیان	〃
۳۴	مرزا مبارک بیگ صاحب ولد مرزا اکبر بیگ صاحب کلانور ضلع گورداسپور حال دارالرحمت قادیان	۱۰۱
۳۵	ماسٹر محمد اللہ داد صاحب ولد چوہدری محمد بخش صاحب سابق گجراں تحصیل شکرگڑھ ضلع گورداسپور حال دارالرحمت قادیان	۱۰۳
۳۶	حکیم عبدالرشید صاحب قریشی ولد حکیم شہاب الدین صاحب سابق لدھے کی ٹمنہ قصور تحصیل و ضلع لائل پور	۱۰۸
۳۷	میاں عبدالواحد صاحب ولد حاجی غلام محمد صاحب بٹالوی حال دارالفضل قادیان	۱۱۱

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۳۸	چوہدری غلام قادر صاحب ولد چوہدری فخر الدین صاحب سابق سیالکوٹ حال دار الفضل قادیان	۱۱۲
۳۹	مرزا منظور احمد صاحب ولد مرزا غلام اللہ صاحب قادیان	۱۱۵
۴۰	میاں خلیل الرحمن صاحب ولد میاں ابراہیم صاحب جہلم پنڈوری	۱۱۶
۴۱	چوہدری غلام مجتبیٰ صاحب ولد محمد بخش صاحب رسولپور تحصیل کھاریاں ضلع گجرات معاون ناظر امور عامہ	۱۱۶
۴۲	حکیم قریشی محمد فیروزدین صاحب ولد حکیم قریشی چراغ علی صاحب علی پور تحصیل کبیر والا ضلع ملتان	۱۱۸
۴۳	ماسٹر اللہ دتہ صاحب ہیڈ ماسٹر ولد میاں عبد الستار صاحب سابق قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ حال دار الرحمت قادیان	۱۱۹
۴۴	نظام الدین صاحب ولد فضل الدین صاحب لاہور حال محلہ دار العلوم قادیان	۱۲۲
۴۵	خیر الدین صاحب ولد نظام الدین صاحب سابق تھہ غلام نبی ضلع گورداسپور	۱۲۳
۴۶	فرمان علی صاحب ولد پیر بخش صاحب سکنہ رہتاس ضلع جہلم حال محلہ دار الرحمت قادیان	۱۲۴
۴۷	ڈاکٹر محمد بخش صاحب ولد میاں کالیخاں صاحب کھیڑانوالی ریاست کپورتھلہ حال محلہ دار الرحمت قادیان	۱۲۶
۴۸	مستری رحیم بخش صاحب ولد مستری صدر الدین صاحب بھانبڑی ضلع گورداسپور حال دار الرحمت قادیان	۱۲۷
۴۹	میاں محمد یعقوب صاحب ولد میاں سراج الدین صاحب سابق لاہور حال دار الرحمت قادیان	۱۲۸
۵۰	میاں عبد السمیع صاحب ولد منشی عبد الرحمن صاحب سابق ریاست کپورتھلہ۔ حال محلہ دار الفضل قادیان	۱۲۹
۵۱	الحاج مولوی چوہدری غلام حسین صاحب ولد میاں گل محمد صاحب سابق پی سی ایس جھنگ حال دار الفضل قادیان	۱۳۱
۵۲	محمد عبد اللہ صاحب ولد مولوی رحیم بخش صاحب سابق تونڈی جھنگلاں۔ حال دار الرحمت قادیان	۱۳۲
۵۳	جناب محمد اسمٰعیل صاحب ولد فخر الدین صاحب سابق سیالکوٹ۔ حال دار الفضل قادیان	۱۳۲
۵۴	میاں نبی بخش صاحب ولد میاں جھنڈا صاحب ساکن بگٹروال ضلع امرتسر۔ حال حلقہ مسجد اقصیٰ قادیان	۱۳۶
۵۵	مرزا محمد حسین صاحب ولد مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ترگڑی ضلع گوجرانوالہ۔ حال دار الرحمت قادیان	۱۳۷
۵۶	ڈاکٹر احسان علی صاحب ولد ڈاکٹر فیض علی صاحب صابر۔ قادیان	۱۳۹
۵۷	میاں رحیم بخش صاحب ولد محمد ولایت صاحب بھنانوالہ ضلع گورداسپور حال دار الرحمت قادیان	۱۴۰
۵۸	جناب نبی بخش صاحب ولد جیوا صاحب قادرآباد متصل قادیان	۱۴۱
۵۹	مرزا نذیر علی صاحب ولد مرزا احمد علی صاحب حلقہ مسجد اقصیٰ قادیان	۱۴۲
۶۰	جناب محمد رمضان صاحب ولد عیدے خانصاحب موضع جانگریاں ضلع سیالکوٹ حال دار الفضل قادیان	۱۴۳
۶۱	سید ولایت شاہ صاحب ولد سید حسین علی شاہ صاحب کوٹلی ننگل متصل گورداسپور۔ حال دار الرحمت قادیان	۱۴۴
۶۲	جناب محمد رمضان صاحب ولد بڈھا صاحب سابق ترگڑی ضلع گوجرانوالہ۔ حال قادیان	۱۴۵
۶۳	ماسٹر مولا بخش صاحب ولد عمر بخش صاحب سابق موضع منیلا تحصیل روپڑ ضلع انبالہ۔ دار الانوار قادیان	۱۴۶
۶۴	جناب عبد اللہ صاحب ولد اللہ بخش صاحب سابق بھینی ضلع رہتک حال دار الرحمت قادیان	۱۴۷
۶۵	مامون خانصاحب ولد کالو خانصاحب سابق ماچھیواڑہ تحصیل سمرالہ ضلع لدھیانہ حال حلقہ مسجد اقصیٰ قادیان	۱۴۹

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۶۶	میاں اللہ رکھا صاحب ولد میاں امیر بخش صاحب سابق ناروال ضلع سیالکوٹ حال دارالرحمت قادیان	۱۵۱
۶۷	جناب عبداللہ صاحب ولد غلام الدین صاحب سابق گکھووال ضلع لائلپور حال ریتی چھلہ قادیان	۱۵۲
۶۸	جناب خیر الدین صاحب ولد مستقیم صاحب سابق ددجووال ضلع امرتسر حال ناصر آباد قادیان	۱۵۳
۶۹	ملک حسن محمد صاحب ولد ملک امیر بخش صاحب سابق سمبڑیال ضلع سیالکوٹ حال قادیان	۱۶۲
۷۰	جناب نور الٰہی صاحب ولد احمد دین صاحب سابق بھیرہ حال قادیان	۱۶۵
۷۱	ملک شادی خانصاحب ولد ملک امیر بخش صاحب سابق سیکھواں حال دارالرحمت قادیان	۱۶۹
۷۲	جناب بدر الدین صاحب ولد گل محمد صاحب سابق مالیر کوٹلہ حال دارالرحمت قادیان	۱۷۰
۷۳	حکیم عطا محمد صاحب ولد حافظ غلام محمد صاحب موتی بازار لاہور حال مسجد فضل قادیان	۱۷۴
۷۴	میاں جمال الدین صاحب سیکھوانی	۱۸۰
۷۵	جناب نظام الدین صاحب سابق موضع نبی پور متصل ضلع گورداسپور	۱۸۶
۷۶	جناب عبدالرشید صاحب ولد نواب صاحب سابق کالو خورد تحصیل و ضلع کیملپور علاقہ چھچھ حال ملاکنڈ ایجنسی	۱۹۲
۷۷	قاضی محمد یوسف صاحب ولد قاضی محمد صدیق صاحب ہوتی مردان حال مقیم شہر پشاور (کوچہ گلباد شاہ علاقہ جہانگیر پورہ)	۱۹۳
۷۸	ماسٹر عبدالعزیز صاحب ساکن نوشہرہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ	۲۰۳
۷۹	منشی نور احمد صاحب جہلم	۲۰۴

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۸۰	میاں غلام حسن صاحب سیکرٹری تعلیم و تربیت محمود آباد تحصیل جہلم	۲۰۶
۸۱	چوہدری محمد عالم صاحب جہلم	۲۰۹
۸۲	مستری کرم الٰہی صاحب محمود آباد تحصیل جہلم	۲۱۰
۸۳	میاں عبدالرحمٰن صاحب 〃	۲۱۱
۸۴	سید اختر الدین احمد صاحب کٹکی محلہ کوسمی سونگھڑا۔ ضلع کٹک اڑیسہ	۲۱۳
۸۵	میاں معراج الدین صاحب پہلوان محلہ پیڑ نگاں لاہور	۲۱۵
۸۶	حافظ عبدالعلی صاحب ولد مولوی نظام الدین صاحب متوطن ادرحمہ ضلع شاہ پور حال مقیم سرگودھا	۲۱۷
۸۷	شیخ محمد افضل صاحب نزد سبزی منڈی پٹیالہ	۲۱۸
۸۸	حاجی محمد صدیق صاحب پٹیالوی حال وائسرے ہاؤس نئی دہلی	۲۲۵
۸۹	سید ناظر حسین صاحب ساکن کالووالی سیدان ضلع سیالکوٹ	۲۲۶
۹۰	جناب سلطان علی صاحب قریشی۔ گوئیکی ضلع گجرات	۲۲۷
۹۱	محمد فاضل صاحب ولد نور محمد صاحب سکنہ کبیر والا ضلع ملتان	۲۲۸
۹۲	حکیم محمد عبدالجلیل صاحب بھیروی حال قلعہ شیخوپورہ	۲۴۳
۹۳	ڈاکٹر عطر دین صاحب وٹرنری انسپکٹر بمبئی ۱۱	۲۴۴
۹۴	مستری نظام دین صاحب چانگریاں ضلع سیالکوٹ	۲۴۷
۹۵	منشی کظیم الرحمٰن صاحب ولد منشی شیخ حبیب الرحمٰن صاحب حاجی پورہ ریاست کپورتھلہ	۲۵۲
۹۶	بابو اکبر علی صاحب ریٹائرڈ انسپکٹر آف ورکس اکبر منزل قادیان	۲۵۷
۹۷	شیخ عبدالوہاب صاحب نومسلم	۲۶۴
۹۸	چوہدری حکم دین صاحب ولد چوہدری نبی بخش صاحب سابق دیالگڑھ حال دارالرحمت قادیان	۲۶۸

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۹۹	حافظ صوفی غلام محمد صاحب ولد میاں دل محمد صاحب سابق بچھرالہ تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ حال دارالرحمت قادیان	۲۶۹
۱۰۰	احمد اللہ خانصاحب ولد قدرت اللہ خانصاحب سابق شاہجہان پور۔ حال قادیان	۳۲۹
۱۰۱	میاں اللہ دین صاحب ولد میاں احمد دین صاحب سابق شاہدرہ - حال قادیان	۳۳۱
۱۰۲	سلطان احمد صاحب ولد چوہدری نور علی صاحب سابق بہادر تحصیل و ضلع گورداسپور حال دارالبرکات قادیان	۳۳۲
۱۰۳	شیخ غلام مرتضیٰ صاحب ولد شیخ عمر بخش صاحب سابق ڈڈالہ بانگر تحصیل و ضلع گورداسپور حال دارالعلوم قادیان	۳۳۶
۱۰۴	محمد اسمٰعیل صاحب ولد محمد اکبر صاحب سابق بٹالہ حال حلقہ مسجد اقصیٰ قادیان	۳۴۱
۱۰۵	مولوی برکت علی صاحب ولد میاں امیر بخش صاحب سابق بھیڑوال ضلع ہوشیارپور حال دارالفضل قادیان	۳۴۷
۱۰۶	والدہ قاضی بشیر احمد صاحب بھٹی ولد عبدالرحیم صاحب بھٹی ۔کوٹ قاضی	۳۴۸
۱۰۷	ماہی صاحب ولد محمدی صاحب ننگل باغباناں	۳۵۱
۱۰۸	فضل الٰہی صاحب ولد محمد بخش صاحب قادرآباد متصل قادیان	۳۵۳
۱۰۹	محمد حسن صاحب تاج ولد مولوی تاج محمد صاحب سابق لدھیانہ حال دارالرحمت قادیان	۳۵۴
۱۱۰	حامد حسین خاں صاحب ولد محمد حسین صاحب سابق مرادآباد حال قادیان	۳۵۷
۱۱۱	جناب حاکم علی صاحب سابق چک پنیار ضلع گجرات و چک ۹ شمالی سرگودہا حال قادیان	۳۶۲
۱۱۲	جناب حکیم ہدایت اللہ صاحب پنڈوری کھنگور سڑیاں ضلع ہوشیارپور	۳۶۶
۱۱۳	رحمت علی شاہ صاحب ولد فتح علی شاہ صاحب بھینی بانگر ضلع گورداسپور	۳۶۸
۱۱۴	ملک عزیز احمد صاحب دارالفضل قادیان	۳۷۱
۱۱۵	خطوط سیدنا المسیح الموعود بنام سید ناصر شاہ صاحب	۳۷۵
۱۱۶	محمد رشید خانصاحب اسٹیشن ماسٹر ٹشکنی رشید منزل دارالرحمت قادیان	۳۸۱
۱۱۷	جناب اللہ دتہ صاحب ہیڈماسٹر قادیان	۳۹۷
۱۱۸	ڈاکٹر قاضی لعل دین صاحب پنشنر سابق ہوشیارپور حال قادیان	۴۰۵
۱۱۹	میر مہدی حسین صاحب - قادیان	۴۰۸
۱۲۰	میاں نظام الدین صاحب ٹیلر ماسٹر جہلمی - قادیان	۴۱۰
۱۲۱	میاں امام الدین صاحب سیکھوانی قادیان	۴۲۰
۱۲۲	میاں نور محمد صاحب سابق کوئٹہ - بلوچستان	۴۳۳
۱۲۳	میر مہدی حسین صاحب - قادیان	۴۳۶
۱۲۴	ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب قادیان	۴۳۹
۱۲۵	مفتی فضل الرحمٰن صاحب "	۴۴۳
۱۲۶	ملک غلام حسین صاحب رہتاسی دارالرحمت قادیان	۴۶۰
	رجسٹر نمبر ۸	
۱	مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری - قادیان	۱ تا ۷۵
۲	میاں رحمت اللہ صاحب سابق طفل دالا محلہ ریتی چھلہ قادیان	۷۵
۳	قاضی نور محمد صاحب دارالرحمت قادیان	۷۶
۴	بھائی محمود احمد صاحب "	۸۰
۵	صوفی غلام محمد صاحب بی ایس سی بی ٹی ٹیچر ہائی سکول قادیان	۸۳

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۶	سید شاہ عالم صاحب قادیان	۸۴
۷	بابا محمد حسن صاحب ״	۸۸
۸	میاں روشن دین صاحب ״	۹۳
۹	ملک غلام حسین صاحب رہتاسی قادیان	۹۵
۱۰	سید حسن شاہ صاحب ناصر آباد قادیان	۱۰۰
۱۱	میاں وزیر محمد صاحب سکنہ رہتاس حال ״	۱۰۳
۱۲	علی محمد صاحب گوکھووال ضلع لائل پور حال ریتی چھلہ قادیان	۱۰۴
۱۳	ماہی کمہار صاحب حلقہ مسجد فضل قادیان	״
۱۴	میاں بڈھا صاحب ״ ״	۱۰۵
۱۵	میاں صدر الدین صاحب ״ ״	۱۰۶
۱۶	شیخ احمد دین صاحب ڈنگوی حال ״	۱۰۸
۱۷	خان بہادر غلام محمد صاحب بھیروی حال حلقہ مسجد فضل قادیان	۱۱۰
۱۸	ملک نور خانصاحب سکنہ سرو الا حال کارکن دفتر بیت المال قادیان	۱۱۵
۱۹	مفتی فضل الرحمن صاحب بھیروی - قادیان	۱۲۱
۲۰	مستری خدا بخش صاحب عرف مومن جی پٹیالوی دارالرحمت قادیان	۱۲۷
۲۱	مولوی محمد جی صاحب سکنہ کوکھنگ ضلع ایبٹ آباد حال دارالفضل قادیان	۱۳۶
۲۲	میاں فضل محمد صاحب سکنہ ہرسیاں ضلع گورداسپور حال قادیان	۱۴۷
۲۳	ڈاکٹر فیض علی صاحب صابر قادیان	۱۴۹
۲۴	میاں محمد یسین صاحب موٹر ڈرائیور حضرت نواب محمد علی خاں سکنہ گوہد پور ضلع سیالکوٹ حال دارالعلوم قادیان	۱۶۸

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۲۵	رحمت اللہ صاحب دامن دارالبرکات قادیان	۱۶۹
۲۶	چوہدری مولا بخش صاحب ننگل باغبانان متصل قادیان	۱۷۰
۲۷	بھائی شیر محمد صاحب تاجر قادیان	۱۸۱
۲۸	بابو فقیر علی صاحب ریٹائرڈ اسٹیشن ماسٹر دارالبرکات قادیان	۱۸۱
۲۹	ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب پٹیالوی انچارج نور ہسپتال قادیان	۱۸۶
۳۰	میاں فضل الدین عبد اللہ حجام قادیان	۲۰۲
۳۱	مرزا افضل بیگ صاحب ساکن قصور ضلع لاہور حال محلہ دارالرحمت قادیان	۲۰۹
۳۲	میر مہدی حسین صاحب ساکن موضع سید کھیڑی تحصیل راجپورہ علاقہ ریاست پٹیالہ	۲۱۴
۳۳	چوہدری حاکم دین صاحب شادیوال ضلع گجرات حال دارالفضل قادیان	۲۱۸
۳۴	مرزا عمر دین صاحب ٹوبہ ٹیک سنگھ حال حلقہ مسجد اقصیٰ قادیان	۲۱۹
۳۵	میاں محمد شفیع صاحب اوورسیر ڈی ڈبلیو ڈی ڈیرہ اسمٰعیل خاں متوطن اوجلہ متصل گورداسپور	۲۲۱
۳۶	میاں عبد الرحیم صاحب قادیان	۲۲۲
۳۷	مولوی فخر الدین صاحب گھوگھیاٹ سیکرٹری امانت جائیداد تحریک جدید - قادیان	۲۲۳
۳۸	میاں سلطان احمد صاحب گھوگھیاٹ ضلع شاہ پور	۲۲۷
۳۹	قاری غلام یسین صاحب سکنہ رسول پور تحصیل کھاریاں ضلع گجرات حال دارالفتوح قادیان	۲۲۸
۴۰	میاں گوہر دین صاحب قادر آباد متصل قادیان	۲۴۶
۴۱	شیخ مہر دین صاحب دارالضعفاء ״	۲۵۱
۴۲	میاں حشمت اللہ خاں سکنہ بدایوں حال دارالعلوم قادیان	۲۵۳

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۴۳	منشی محمد اسمٰعیل صاحب سابق ملہیاں ضلع امرتسر حال محلہ دار الرحمت قادیان	۲۵۵
۴۴	مولوی کرم الٰہی صاحب سکنہ کھارا متصل قادیان	۲۵۷
۴۵	حکیم عبد الغنی صاحب سابق دو سوہہ ضلع ہوشیارپور حال کارکن نظارت بیت المال قادیان	۲۶۰
۴۶	میاں کرم الٰہی صاحب سکنہ بھیرہ حال قادیان	۲۶۴
۴۷	میاں محمد اکبر علی صاحب سکنہ بہادر ضلع گورداسپور حال دار الرحمت قادیان	۲۶۶
۴۸	ملک فضل الدین صاحب سکنہ دھرم کوٹ بگا ضلع گورداسپور حال حلقہ مسجد فضل قادیان	۲۶۸
۴۹	مولوی غلام احمد صاحب فاضل بدوملہی محلہ دار الرحمت قادیان	۲۶۹
۵۰	چوہدری کریم بخش صاحب سکنہ پنجگرائیں تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ	۲۷۱
۵۱	چوہدری برکت علی خانصاحب گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور فنانشل سیکرٹری تحریک جدید قادیان	۲۷۷
۵۲	امۃ العزیز بیگم صاحبہ بیوہ حکیم دین محمد صاحب مرحوم سابق امیر جماعت احمدیہ گوجرانوالہ حال محلہ دار العلوم قادیان	۲۸۰
۵۳	جیون بی بی صاحبہ آف گوجرانوالہ حال نواں پنڈ احمد آباد قادیان	۲۸۲
۵۴	میاں غلام حیدر صاحب ساکن ترگڑی ضلع گوجرانوالہ۔ حال دار الفضل قادیان	۲۸۳
۵۵	مولوی حکیم انوار حسین صاحب شاہ آبادی	۲۸۴
۵۶	مولوی فخر الدین صاحب پنشنر گھوگھیاٹ حال محلہ دار الفضل قادیان	۲۸۸
۵۷	میاں محمد اسمٰعیل صاحب سیالکوٹی محلہ دار الفضل قادیان	۲۹۵
۵۸	بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی متوطن کنجرڑ دتاں تحصیل شکرگڑھ ضلع گورداسپور حال قادیان	۲۹۶
	رجسٹر نمبر ۹	
۱	مفتی چراغ دین صاحب بٹالہ	۱۱
۲	میاں عبد العزیز صاحب (المعروف مغل) لاہور	۱۰۳-۱۵ ۲۵۶
۳	میاں خیر الدین سراج صاحب سکنہ لودھیانہ حال دار الرحمت قادیان	۵۸
۴	میاں عبد اللہ خاں صاحب سکنہ مالوکے بھگت ضلع سیالکوٹ	۶۴
۵	ملک خدا بخش صاحب لاہور	۹۶ الف
۶	روایات بابو غلام محمد صاحب ثانی۔ لاہور	۶۸، ۱۴۰ ۲۱۰
۷	محب الرحمٰن صاحب کپور تھلوی لاہور	۸۴
۸	میر مسعود احمد صاحب سیالکوٹ	۹۹
۹	قاضی محبوب عالم صاحب لاہور	۱۳۰، ۱۳۲ ۲۰، ۲۲۰ ۲۶۰
۱۰	بابو فقیر اللہ صاحب ولد منشی غلام محمد صاحب پنشنر	۱۳۱
۱۱	میاں محمد شریف صاحب ریٹائرڈ ای اے سی لاہور	۱۷۳
۱۲	قاضی عبد الغفور صاحب ساکن جھانسی حال راولپنڈی	۱۷۶
۱۳	میاں معراج الدین صاحب عمر لاہور	۱۷۹
۱۴	میاں اللہ یار صاحب ٹھیکیدار متوطن بلہووال ضلع گورداسپور حال قادیان	۱۹۰
۱۵	روایات سید محمد شاہ صاحب شاہ مسکین	۲۴۰
۱۶	روایات حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ لاہور	۲۴۴
۱۷	سید محمد اشرف صاحب لاہور	۲۰۰
۱۸	مرزا محمد صادق صاحب لاہور	۲۰۶

رجسٹر نمبر ۱۰

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۱	مولانا غلام رسول صاحب فاضل راجیکی	۱
۲	شیخ عبدالغفور صاحب تاجر کتب گجرات	۲۰
۳	میاں ہاشم خاں صاحب گجرات	۲۱
۴	میاں شرف الدین صاحب راجیکے ضلع گجرات (برادر مولانا غلام رسول صاحب راجیکی)	۲۲
۵	ڈاکٹر علم الدین صاحب کڑیانوالہ ضلع گجرات	۴۱
۶	ملک برکت علی صاحب گجرات (والد ماجد ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم)	۴۷
۷	میاں امیرالدین صاحب باشندہ گجرات	۶۰
۸	چوہدری احمد دین صاحب وکیل "	۶۶
۹	ملک عطاء اللہ صاحب گجرات	۷۹
۱۰	میاں رحیم بخش صاحب گجرات	۸۲
۱۱	میاں غلام محمد صاحب باشندہ محلہ باغبانپورہ گوجرانوالہ	۱۰۳
۱۲	خلیفہ نظام الدین صاحب سیالکوٹی حال گوجرانوالہ	۱۰۴
۱۳	میاں کرم الٰہی صاحب جراح گوجرانوالہ	۱۰۵
۱۴	شیخ صاحب دین صاحب ڈھینگرا "	۱۰۶
۱۵	چوہدری عبدالعزیز صاحب گلی آسا ملتانیاں "	۱۰۷
۱۶	شیخ محمد اسمٰعیل صاحب " "	۱۰۹
۱۷	میاں محمد ابراہیم صاحب " "	۱۱۱
۱۸	خواجہ محمد شریف صاحب ولد شیخ صاحب دین صاحب گلی آسا ملتانیاں گوجرانوالہ	۱۱۶
۱۹	میاں میراں بخش صاحب ٹیلر ماسٹر گلی آسا ملتانیاں گوجرانوالہ	۱۱۷
۲۰	حکیم عبدالرحمٰن صاحب گلی آسا ملتانیاں "	۱۲۱

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۲۱	منشی غلام حیدر صاحب قادیانی گلی آسا ملتانیاں گوجرانوالہ	۱۲۵
۲۲	میاں فیروزالدین صاحب سیالکوٹ	۱۲۷
۲۳	میاں محمد عبداللہ صاحب محلہ کوچہ حسین شاہ سیالکوٹ	۱۳۴
۲۴	میاں گلاب الدین صاحب محلہ حکیم حسام الدین سیالکوٹ	۱۳۶
۲۵	میاں اللہ دتہ صاحب ولد میاں قمرالدین ورک محلہ حکیم حسام الدین سیالکوٹ	۱۳۷
۲۶	میاں شیخ مہرالدین صاحب محلہ حکیم حسام الدین سیالکوٹ	۱۴۰
۲۷	میاں محمد نواز خان صاحب ساکن ڈیرہ اسمٰعیل خاں حال سیالکوٹ	۱۴۱
۲۸	حافظ محمد شفیع صاحب محلہ جھنڈانوالہ سیالکوٹ	۱۴۲
۲۹	میاں عبدالعزیز صاحب محلہ حکیم حسام الدین "	۱۵۱
۳۰	میاں نبی بخش صاحب " "	۱۵۲
۳۱	مستری محمد الدین صاحب " "	۱۵۳
۳۲	میاں عمرالدین صاحب محلہ امامی یعقوب "	۱۵۶
۳۳	میاں مہر عمرالدین صاحب " "	۱۵۷
۳۴	میاں میراں بخش صاحب " "	۱۵۸
۳۵	حاجی عبدالعظیم صاحب " "	۱۶۱
۳۶	چوہدری محمد الدین صاحب ٹیلر ماسٹر " "	۱۶۲
۳۷	مہر غلام حسین صاحب "	۱۶۷
۳۸	منشی احمد دین صاحب "	۱۷۶
۳۹	حسین بی بی صاحبہ زوجہ مستری غلام قادر صاحب سیالکوٹی محلہ امامی یعقوب سیالکوٹ	۱۷۸
۴۰	میاں محمد شریف صاحب گوندل زرگر " "	۱۷۹
۴۱	میاں محمد امام الدین صاحب موضع بیکا گڑھا تحصیل سیالکوٹ	۱۸۰

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر	نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۴۲	میاں رحیم بخش صاحب چونڈہ ضلع سیالکوٹ	۱۸۳	۶۵	چوہدری اللہ بخش صاحب منگولے ضلع سیالکوٹ	۲۶۳
۴۳	عالم بی بی صاحبہ بنت مستری کرم الٰہی صاحب چونڈہ ضلع سیالکوٹ	۱۹۳	۶۶	میاں سیف اللہ صاحب چندر کے "	۲۶۴
			۶۷	" فضل الدین صاحب منگولے "	۲۶۵
۴۴	چوہدری حسن محمد صاحب " "	۱۹۴	۶۸	" محمد اسحٰق صاحب " "	۲۶۶
۴۵	" رسول بخش صاحب " "	۱۹۵	۶۹	" نصر اللہ خانصاحب نمبردار "	۲۶۷
۴۶	" نبی بخش صاحب " "	۲۰۱	۷۰	چوہدری عالم دین صاحب میانوالی خانانوالی ضلع سیالکوٹ	۲۶۸
۴۷	میاں امام الدین صاحب " "	۲۰۵			
۴۸	چوہدری رحمت خانصاحب " "	۲۰۶	۷۱	چوہدری عبد اللہ خانصاحب داتا زید کا "	۲۷۰
۴۹	سردار بیگم صاحبہ زوجہ چوہدری محمد حسین صاحب سکنہ تلونڈی عنایت خاں ضلع سیالکوٹ	۲۰۷	۷۲	" غلام حسین صاحب گھٹیالیاں "	۲۷۴
			۷۳	میاں محمد رشید صاحب سکنہ ڈلہ حال گھنو کے ضلع سیالکوٹ	۲۷۵
۵۰	میاں اللہ رکھا صاحب نوشہرہ لکے زئیاں ضلع سیالکوٹ	۲۱۴	۷۴	میاں طالب دین صاحب " "	۲۷۶
۵۱	میاں عبد اللہ صاحب موضع کھیوا "	۲۱۵	۷۵	چوہدری جیون خانصاحب " "	۲۷۷
۵۲	" موسیٰ خانصاحب " "	۲۱۶	۷۶	بقیہ روایات میاں فضل احمد صاحب پٹواری حلقہ گورداس ننگل	۲۷۸
۵۳	" جلال الدین صاحب " "	۲۱۷			
۵۴	مولوی محمد عبد اللہ صاحب " "	۲۱۸	۷۷	میاں اللہ یار صاحب ٹھیکیدار	۲۸۰
۵۵	چوہدری نواب دین صاحب معہ ابو بعنڈیار "	۲۳۴	۷۸	چوہدری محمد دین صاحب قلعہ صوبا سنگھ ضلع سیالکوٹ	۲۸۸
۵۶	" محمد علی صاحب گھٹیالیاں "	۲۳۵	۷۹	" عبد الرحیم صاحب " "	۲۸۹
۵۷	سید نذیر حسین صاحب " "	۲۳۷	۸۰	دیوان شاہ صاحب ڈوگر باجوہ متصل نارووال حال قلعہ صوبا سنگھ ضلع سیالکوٹ	۲۹۰
۵۸	حسین کاشمیری صاحب " "	۲۵۲			
۵۹	چوہدری مہتاب الدین صاحب " "	۲۵۴	۸۱	منشی نور محمد صاحب ہرسیاں ضلع گورداسپور	۲۹۱
۶۰	" شاہ محمد صاحب "	۲۵۵	۸۲	حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل پروفیسر جامعہ احمدیہ قادیان۔ ہلال پور تحصیل بھلوال	۲۹۲
۶۱	میاں گلاب الدین صاحب " "	۲۵۶			
۶۲	چوہدری حیات محمد صاحب " "	۲۵۷	۸۳	ماسٹر عبد الرؤف صاحب بھیروی سابق ہیڈ کلرک تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان	۲۹۴
۶۳	میاں بدر الدین صاحب " "	۲۵۸			
۶۴	" سندر حسین صاحب کمہار سکنہ چینڈے کے ضلع سیالکوٹ	۲۶۱	۸۴	حضرت مولانا شبیر علی صاحب قادیان	۲۹۷
			۸۵	ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب قادیان	۳۰۷

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۸۶	میاں فتح دین صاحب ساکن ستوکے ضلع لاہور	۳۰۹
۸۷	سید مہدی حسین صاحب قادیان	″
۸۸	ملک غلام حسین صاحب رہتاسی دارالرحمت قادیان	۳۱۰
۸۹	میاں خدا بخش صاحب مومن جی پٹیالوی دارالرحمت قادیان	۳۴۴
۹۰	شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی قادیان	۳۴۵
۹۱	شیخ عطاء محمد صاحب سابق پٹواری ونجواں ضلع گورداسپور	۳۵۵
۹۲	ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب انچارج نور ہسپتال قادیان	۳۵۷
۹۳	حضرت مولانا سرور شاہ صاحب	۳۵۹
۹۴	مولوی حکیم نظام الدین صاحب ساکن موضع کھیرانوالی متصل کپورتھلہ	۳۶۲
۹۵	میاں جمال الدین صاحب سیکھوانی	۳۶۵

رجسٹر نمبر ۱۱

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۱	بابا رحیم بخش صاحب ساکن قصبہ سنور محلہ تیواں ارائیاں دربان غربی ڈیوڑھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی	۱
۲	شیخ مشتاق حسین صاحب لاہور	۴
۳	میاں امام الدین صاحب سیکھوانی محلہ دارالرحمت قادیان	۵
۴	حاجی محمد موسیٰ صاحب نیلا گنبد لاہور	۷
۵	مستری اللہ رکھا صاحب ترگڑی ضلع گوجرانوالہ حال لاہور	۲۰
۶	چوہدری عبدالقادر صاحب سکنہ سجووال تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور	۲۱
۷	ماسٹر ودھاوے خاں صاحب شریف پورہ امرت سر	۲۵
۸	میاں عبدالرشید صاحب ولد میاں چراغ دین صاحب لاہور چیف ڈرافٹمین پی۔ڈبلیو۔ڈی سنٹرل ورکشاپ امرتسر	۲۸
۹	میاں عبدالغفار صاحب جراح بازار قلعہ بھنگیاں امرتسر	۳۸
۱۰	میاں محمد اسمٰعیل صاحب حجام بازار حکیماں امرتسر	۴۴
۱۱	ڈاکٹر غلام مصطفٰے صاحب ولد شیخ غلام قادر صاحب سکنہ بٹالہ حال امرتسر کوٹ ککے زئیاں	۴۵
۱۲	میاں شرف الدین صاحب سکنہ نوشہرہ ننگواں حال کٹڑہ خزانہ گلی مسجد والی امرتسر	۴۶
۱۳	شیخ زین العابدین صاحب عقب غلام نبی ضلع گورداسپور	۴۷
۱۴	ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب قادیان	۷۷
۱۵	ملک غلام حسین صاحب رہتاسی قادیان	۸۹
۱۶	میاں محمد دین صاحب ولد میاں نورالدین صاحب ضلع گجرات	۱۰۰
۱۷	سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب قادیان	۱۳۹
۱۸	مرزا برکت علی صاحب متوطن بیٹو ضلع لاہور حال قادیان	۱۴۴
۱۹	اللہ بخش صاحب ولد حاجی نبی بخش صاحب قادیان	۱۴۵
۲۰	ماسٹر محمد طفیل صاحب محلہ دارالفضل ″	۱۵۴
۲۱	ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب سابق مہر سنگھ سکنہ ڈڈمیال تحصیل پھگواڑہ ریاست کپورتھلہ حال دارالفضل قادیان	۱۵۷
۲۲	میاں عبدالرزاق صاحب سیالکوٹی حال قادیان	۱۵۸
۲۳	شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی ″	۱۶۴
۲۴	مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری	۱۶۵
۲۵	مولوی خان ملک صاحب کھیوالی ضلع جہلم	۱۶۶

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۲۶	ملک غلام حسین صاحب رہتاسی خادم المسیح دارالرحمت قادیان	۱۷۰
۲۷	چوہدری عبدالرحیم صاحب محلہ دارالرحمت ،،	۱۷۵
۲۸	میاں وزیر محمد خاں صاحب منی پور آسام	۱۷۹
۲۹	ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب	۱۸۲
۳۰	شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر "نور"	۱۹۷
۳۱	چوہدری نعمت اللہ خاں صاحب گوہر سکنہ پھگور ضلع لدھیانہ	۲۰۱
۳۲	ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب	۲۰۶
۳۳	صوفی عطاء محمد صاحب راہوں ضلع جالندھر	۲۰۷
۳۴	میاں محمد حسین صاحب آف دھرم سالہ	۲۱۲
۳۵	مولوی عزیز دین صاحب پٹی ضلع لاہور	۲۱۳
۳۶	سید محمد قاسم صاحب سکنہ شاہجہان پور	۲۲۰
۳۷	حکیم چراغ دین صاحب سکنہ جوڑا ضلع گجرات (ابو المنیر مولوی نور الحق صاحب کے دادا جان) ناقل	۲۲۲
۳۸	مرزا غلام نبی صاحب سکنہ پنڈی لالہ تحصیل پھالیہ ضلع گجرات	۲۲۵
۳۹	ڈاکٹر غلام مصطفٰے صاحب کھاریاں	۲۲۷
۴۰	میاں محمد اسحٰق صاحب سکنہ کھر پیپڑ ضلع لاہور	۲۲۸
۴۱	میاں فتح دین صاحب سکنہ رتے والا ضلع ،،	۲۲۹
۴۲	میاں فتح محمد صاحب سکنہ سرشت پور ضلع ہوشیارپور	۲۳۱
۴۳	میاں نور محمد صاحب سکنہ دتجوال حال امرتسر	۲۳۲
۴۴	میاں محمد دین صاحب سکنہ سیدوالا ضلع شیخوپورہ	۲۳۳
۴۵	میاں عبدالعزیز صاحب المعروف مغل لاہور	۲۳۴
۴۶	حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادی - قادیان	۲۳۶
۴۷	مولوی عبدالرحیم صاحب نیر قادیان	۲۴۹ و ۳۰۱ و ۳۱۲
۴۸	مولوی فضل الٰہی صاحب دارالرحمت قادیان	۲۵۹
۴۹	شیخ غلام قادر صاحب سکنہ نورغلام نبی حال ،،	۲۶۳

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۵۰	میر مہدی حسین صاحب قادیان	۲۶۶ و ۲۸۲
۵۱	ملک غلام حسین صاحب رہتاسی قادیان	۲۹۸
۵۲	میر حسین صاحب قریشی ،،	۳۰۰
۵۳	ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب ،،	۳۰۵
۵۴	چوہدری عبدالرحیم صاحب ،،	۳۰۶
۵۵	صوفی نبی بخش صاحب دارالرحمت ،،	۳۱۵
۵۶	منشی امام الدین صاحب پٹواری ،،	۳۱۶
۵۷	شیخ مشتاق حسین صاحب سکنہ گوجرانوالہ حال لاہور	۳۲۹
۵۸	حکیم محمد ثناء اللہ صاحب نظامی سکنہ پھلور ضلع جالندھر - محلہ قاضیاں قادیان	۳۳۴
۵۹	میاں غلام قادر صاحب متوطن سنگڑ دعہ ضلع جالندھر	۳۳۶
۶۰	مبارک علی صاحب قریشی سکنہ لدہیان ضلع ،،	۳۳۹
۶۱	حکیم شیخ محمد صاحب سکنہ دہرالہ دارد میاں	۳۴۰
۶۲	حافظ عبدالعلی صاحب برادر حضرت مولانا شیر علی صاحب سرگودھا	۳۴۷
۶۳	چوہدری فقیر محمد صاحب سکنہ محمود آباد ضلع جہلم	۳۴۸
۶۴	میاں محمد ظہور الدین صاحب سکنہ ڈڈلی کہار اگرہ	۳۵۰
۶۵	خانصاحب سید غلام حسین صاحب وٹرنری ڈاکٹر بھیرہ ضلع شاہپور	۳۷۱
۶۶	میاں امام الدین صاحب ملک پور رجٹاں تحصیل کھاریاں ضلع گجرات	۳۷۳

رجسٹر نمبر ۱۲

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۱	حافظ نبی بخش صاحب متوطن فیض اللہ چک حال دارالفضل قادیان	۱

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۲	حضرت مولوی سیّد سردر شاہ صاحب مفتی سلسلہ عالیہ احمدیّہ	۵
۳	چوہدری محمد عبد اللہ صاحب سکنہ گوکھووال ضلع لائلپور	۷
۴	شیخ نور الدین صاحب تاجر کتب قادیان (متوطن دھرم کوٹ رندھاوا)	۹
۵	مولوی عبد الرحیم صاحب نیّر	۱۲
۶	حکیم عبد الصمد خاں صاحب دہلوی	۱۳
۷	میاں خیر الدین صاحب سکنہ ڈھاڈیوال متصل اجنالہ	۲۳
		۲۵
۸	میاں غلام محمد صاحب ساکن بٹالہ	۴۸-۲۴
۹	شیخ عبد الرشید صاحب بٹالوی	۴۹-۲۶
۱۰	سیّد دلاور شاہ صاحب آف لاہور	۵۱
۱۱	چوہدری بڈھا صاحب سکنہ رجوعہ تحصیل پھالیہ ضلع گجرات	۵۳
۱۲	میاں محمد اسمٰعیل صاحب سیکھوانی	۵۵
۱۳	ڈاکٹر محمد منیر صاحب آف امرتسر	۵۶
۱۴	حضرت خلیفہ نور الدین صاحب جموّنی	۵۸
۱۵	ڈاکٹر عبد المجید خانصاحب شاہجہانپوری	۸۸
۱۶	میاں غلام حسن صاحب بھٹی سکنہ فتاکپور تحصیل کبیر والا ضلع ملتان	۹۲
۱۷	میاں ڈاکٹر محمد اشرف صاحب سرجن سکنہ ملی وال ضلع گجرات	۹۷
۱۸	شیخ عبد الکریم صاحب ولد شیخ غلام محمد صاحب جلد ساز ۔ کراچی	۱۱۴
۱۹	میاں محمد شریف صاحب کشمیری سکنہ پکھیوال ضلع گورداسپور	۱۱۵
۲۰	میاں محمد صدیق صاحب پٹیالوی حال دہلی	۱۲۲
۲۱	مولانا محمد ابو الحسن صاحب سکنہ کالا ماڑ کوہ سلیمان ضلع ڈیرہ غازی خاں	۱۲۶
۲۲	میاں جان محمد صاحب المعروف جند وڈا صاحب سکنہ بستی بزدار تحصیل سنگھڑ ضلع ڈیرہ غازی خاں	۱۲۷
۲۳	میاں اللہ بخش صاحب بستی بزدار ضلع ڈیرہ غازی خاں	۱۲۸
۲۴	میاں اللہ دتا صاحب سکنہ ترگڑی ضلع گوجرانوالہ	۱۳۱
۲۵	بابو عبد العزیز صاحب اوورسیر گلی آسا ملتانیاں گوجرانوالہ	۱۳۴
۲۶	بابو محمد عبد اللہ صاحب سگنیلر سکنہ فیض اللہ چک ضلع گورداسپور	۱۳۵
۲۷	بقیہ روایات حضرت مولانا راجیکی صاحب	۱۳۸
۲۸	منشی سلطان عالم صاحب سکنہ گوہڑیالہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات	۱۴۳
۲۹	چوہدری عالم علی صاحب چک پنیار ضلع گجرات	۱۴۷ ۱۵۶
۳۰	میاں قطب الدین صاحب لودی ننگل ضلع گورداسپور	۱۴۸
۳۱	میاں حیات محمد صاحب سکنہ دیروالہ تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ	۱۴۹
۳۲	ڈاکٹر سیّد محمد حسن شاہ صاحب سکنہ سرانوالی ضلع سیالکوٹ	۱۵۰
۳۳	سیّد تاج حسین صاحب بخاری ہیڈ ماسٹر ۳۱۰ ج ۔ ب سکول براستہ گوجرہ ضلع لائلپور	۱۵۲
۳۴	میاں الٰہی بخش صاحب سابق پیٹھی رسان گنڈا سنگھ والا	۱۵۴
۳۵	حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادی	۱۵۸ ۱۶۰

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۳۶	میاں عبدالعزیز صاحب ولد میاں عدل الدین صاحب سابق شکار ماچھیاں ضلع گورداسپور حال محلہ دارالعلوم قادیان	۱۶۸
۳۷	مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سکنہ تنگرالی ضلع گوجرانوالہ	۱۷۸
۳۸	میاں صوبہ صاحب " "	۱۸۱
۳۹	روایات میاں سوہنے خانصاحب سکنہ مٹیانہ ڈاکخانہ راجپور ضلع ہوشیارپور	۱۹۳
۴۰	شیخ غلام حسین صاحب لودھیانوی سکرٹری مال دہلی	۲۰۲
۴۱	میاں جان محمد صاحب سکنہ علاقہ تیراہ	۲۰۶
۴۲	مائی کاکو صاحبہ سکنہ سیکھواں	۲۰۹
۴۳	ڈاکٹر عبدالغنی صاحب کڑک بازید چک حال افریقہ	۲۱۱
۴۴	بابو شاہ عالم صاحب سکنہ جہلم	۲۲۸
۴۵	میاں محمد حنیف صاحب ضلعدار نہر محبوب منزل امرت سر	۲۲۹
۴۶	حکیم نواب علی صاحب فاروقی	۲۳۱
۴۷	بابو عبدالرحمٰن صاحب امیر جماعت احمدیہ انبالہ	۲۳۷
۴۸	میاں عبدالرحیم صاحب سکنہ انبالہ (برادر حقیقی بابو عبدالرحمٰن صاحب انبالوی)	۲۶۴
۴۹	مرزا قدرت اللہ صاحب دارالفضل قادیان	۲۶۵ ۲۹۱
۵۰	مولوی جلال الدین صاحب کھریپڑ ضلع لاہور	۲۷۰
۵۱	منشی محبوب عالم صاحب لاہور	۲۸۳
۵۲	میاں عبدالمجید صاحب انبالوی (پسر بابو عبدالرحمٰن صاحب)	۲۸۴
۵۳	حاجی میراں بخش صاحب انبالوی تاجر چرم بازار سبزی منڈی انبالہ شہر	۲۸۶
۵۴	میاں کریم بخش صاحب قصبہ ٹینڈہ نیکشن ریاست پٹیالہ	۲۸۹

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۵۵	میاں عبدالعزیز صاحب سکنہ چک سکندر ڈاکخانہ کھاریاں ضلع گجرات	۲۹۲
۵۶	شیخ عطاء اللہ صاحب نومسلم اسلامیہ پارک پونچھ روڈ مزنگ لاہور	۲۹۶
۵۷	میاں عبدالمجید صاحب سکنہ قصبہ آنولہ ضلع بانس بریلی	۳۱۱
۵۸	خانزادہ امیر اللہ خان صاحب سکنہ اسماعیلیہ تحصیل صوابی ضلع مردان	۳۱۵
۵۹	مولوی فضل الٰہی صاحب دارالبرکات قادیان	۳۲۲

رجسٹر نمبر ۱۳

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۱	چوہدری غلام محمد صاحب سکنہ گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ	۱
۲	چوہدری غلام احمد صاحب سکنہ چک نمبر ۹۰۸ ڈاکخانہ نقیروالی ضلع بہاولنگر اصل سکونت تونڈی جھنگلاں ضلع گورداسپور	۳
۳	میاں مولا بخش صاحب لوہار سکنہ بھیرہ	۴
۴	مسماۃ طالع بی بی اہلیہ مستری کرم الدین صاحب بھیرہ	۷
۵	مولوی امیر الدین صاحب سکنہ گجرات	۸
۶	مرزا محمد اکرم بیگ صاحب ولد میرزا جیون بیگ صاحب	۱۰
۷	ملک عطاء محمد صاحب گجراتی	۱۱
۸	مستری علی احمد صاحب سکنہ کھیوہ والی ضلع گوجرانوالہ	۱۲
۹	مولوی عبیداللہ صاحب قریشی سکنہ لائل پور	۱۳
۱۰	حکیم عبدالعزیز صاحب سکنہ گوجرہ	۱۴-۱۵

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۱۱	حکیم دین محمد صاحب اکونٹنٹ ملٹری اکونٹس ڈیپارٹمنٹ متوطن بہ اہون ضلع جالندھر حال محلہ دار الفضل قادیان	۲۰
۱۲	میاں محمد دین صاحب سکنہ تھہ غلام نبی ضلع گورداسپور (برادر اصغر حافظ حامد علی صاحب)	۸۴
۱۳	میاں علی بخش صاحب سکنہ رہتاس ضلع جہلم	۸۵
۱۴	مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سکنہ بھڈال ضلع سیالکوٹ	۸۷
۱۵	چوہدری کرم الٰہی صاحب سکنہ تلونڈی کھجور والی ضلع گوجرانوالہ	۹۰
۱۶	حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری	۹۲
۱۷	چوہدری عبداللہ خاں صاحب سکنہ بہلولپور ضلع لائل پور	۹۵
۱۸	میاں محمد اسمٰعیل صاحب سکنہ پڑھتی پور ریاست کپورتھلہ حال چک ۳ پوددھری والا ضلع نوابشاہ	۱۰۴
۱۹	میاں جیوا صاحب سکنہ مانگا ضلع سیالکوٹ حال ریاست بہاولپور	۱۰۵
۲۰	میاں پیر بخش صاحب سکنہ بستی رنداں ضلع ڈیرہ غازی خاں	۱۰۶
۲۱	حسن رہتاسی صاحب	۱۰۷
۲۲	میاں اللہ دتا صاحب سکنہ بستی رنداں ضلع ڈیرہ غازی خاں	۱۰۸
۲۳	میاں محمد عظیم صاحب ساکن موضع حاجی کمال ضلع ڈیرہ غازیخاں	۱۱۱
۲۴	میاں حسن الدین صاحب سکنہ بوچھال کلاں ضلع جہلم	۱۱۲
۲۵	میاں غوث محمد صاحب سکنہ ہرسیاں ضلع گورداسپور	۱۱۳
۲۶	چوہدری بھنبے خاں صاحب سکنہ سڑوعہ ضلع ہوشیارپور	۱۱۴
۲۷	شیخ نیاز محمد خاں صاحب انسپکٹر پولیس سندھ ولد محمد بخش سکنہ گوجرانوالہ حال دار الرحمت قادیان	۱۱۵
۲۸	میاں غلام حسن صاحب سکنہ محمود آباد ضلع جہلم	۱۳۱
۲۹	میاں میاں خانصاحب سکنہ چک ۹۹ شمالی ضلع سرگودہا	۱۳۲
۳۰	منشی نور احمد صاحب سکنہ محمود آباد ضلع جہلم	۱۳۳
۳۱	میاں نور محمد صاحب سکنہ ددالمیال "	۱۳۴
۳۲	" علی حیدر صاحب " "	۱۳۵
۳۳	حاجی غلام محمد صاحب " "	۱۳۷
۳۴	میاں کرم الدین صاحب سکنہ چکوال "	۱۳۸
۳۵	" احمد علی صاحب سکنہ ددالمیال "	۱۳۹
۳۶	حضرت مفتی محمد صادق صاحب	۱۴۱
۳۷	ملک علی حیدر صاحب سکنہ ددالمیال ضلع جہلم	۱۴۲
۳۸	چوہدری غلام سرور صاحب سکنہ چک ۵۵/۲-ایل تحصیل اوکاڑہ ضلع ساہیوال	۱۴۳
۳۹	میر عنایت علی شاہ صاحب سکنہ محلہ صوفیاں لودھیانہ	۱۴۹
۴۰	میاں محمد سلطان صاحب سکنہ لودھراں ضلع ملتان	۱۵۱
۴۱	میاں عنایت اللہ صاحب سکنہ ناروال ضلع سیالکوٹ	۱۵۵
۴۲	حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب	۱۵۷
۴۳	ملک عبدالرحمٰن صاحب سکنہ پیرکوٹ ثانی ضلع گوجرانوالہ	۱۶۰
۴۴	مولوی احمد دین صاحب سکنہ منارہ ضلع جہلم	۱۶۵
۴۵	مولوی محمد عظیم صاحب سکنہ حاجی کمال ضلع ڈیرہ غازیخاں	۱۶۸

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۴۶	حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب نومسلم محلہ دارالرحمت قادیان	۱۶۹
۴۷	میاں احمد خاں صاحب ولد میاں باز خانصاحب سکنہ ڈیریوالہ ضلع گورداسپور	۱۷۰
۴۸	چوہدری فیض احمد صاحب نمبردار ڈیریوالہ ضلع گورداسپور	۱۷۲
۴۹	ملک برکت علی صاحب ولد ملک نذیر علی صاحب قوم راجپوت کھوکھر	۱۷۳
۵۰	مستری فقیر محمد صاحب قادر آباد متصل قادیان	۱۷۶
۵۱	عبدالمجید خانصاحب ولد غلام حسین خان قوم پٹھان ساکن قصبہ آنو ضلع بانس بریلی	۱۷۹
۵۲	حاجی محمد الدین صاحب سکنہ تیال تحصیل کھاریاں ضلع گجرات	۱۸۲
۵۳	ملک محمود خانصاحب رئیس بیار تحصیل مردان ضلع پشاور	۱۸۵
۵۴	حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلہ	۱۸۸
۵۵	قریشی شیخ محمد صاحب چھٹی رسان قادیان	۱۹۴
۵۶	قاضی محمد عالم صاحب سکنہ کوٹ قاضی ضلع گوجرانوالہ	۲۰۱
۵۷	چوہدری حاکم علی صاحب ۔ قادیان	۲۰۸
۵۸	چمن خاں صاحب سکنہ بیگم کوٹ ضلع گوڑگاؤں	۲۱۱
۵۹	نظام الدین صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر سکنہ نبی پور ضلع گورداسپور	۲۱۳
۶۰	میاں محمد صاحب احمدی ببیل چک ضلع گورداسپور	۲۱۷
۶۱	خاں صاحب عبداللہ خاں صاحب رہانہ ضلع ہوشیارپور	۲۲۲
۶۲	منشی عبدالسمیع صاحب سکنہ امروہہ ضلع مرادآباد	۲۲۵

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۶۳	میاں خیر الدین صاحب دری باف مرحوم قادیان	۲۳۳
۶۴	مرزا اسمٰعیل بیگ صاحب مرحوم "	۲۳۸
۶۵	مرزا عبداللہ بیگ صاحب قادیان	۲۳۹
۶۶	چوہدری فتح محمد صاحب ایم۔اے سیال	"
۶۷	میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی	۲۴۰
	رجسٹر نمبر ۱۴	
۱	بقیہ روایات میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی	۱
۲	حاجی محمد عبداللہ صاحب شکار ماچھیاں ضلع گورداسپور	۳۵
۳	محمد بخش صاحب ساکن پتھناں والا	۳۷
۴	چوہدری غلام محمد صاحب بی۔اے ہیڈ ماسٹر نصرت گرلز ہائی سکول قادیان	۳۹
۵	میاں عطاء اللہ صاحب ساکن بھمیاں ہوشیارپور	۳۹
۶	حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ و خارجہ قادیان	۴۰
۷	حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ قادیان ۔ موضع سلطان سیداں عرف گھنڈی پیراں ضلع مظفرآباد ریاست کشمیر)	۵۵
۸	چوہدری محمد عظیم صاحب نائب تحصیلدار شیخوپورہ متوطن تلونڈی عنایت اللہ خاں ضلع سیالکوٹ	۱۳۷
۹	منشی محمد الدین صاحب واصلباقی نویس کھاریاں ۔ حال قادیان	۱۳۸
۱۰	ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ساکن کوٹ رندھاوا ۔ حال قادیان	۲۰۲

نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر	نمبر شمار	نام صحابی	صفحہ رجسٹر
۱۱	حضرت علامہ حافظ روشن علی صاحب	۲۲۳	۲۰	بابا فضل محمد صاحب ہرسیاں والے قادیان	۲۷۵
	مستری قطب الدین صاحب بھیروی	۳۵۲	۲۱	مسماۃ بڈھو ساکن دھرم کوٹ بگہ ضلع گورداسپور	۲۸۸
۱۲	پیر حاجی احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ ہوشیارپور	۲۳۸	۲۲	مولوی محمد عثمان صاحب ساکن قصبہ مادن ضلع ہردوئی حال رحمت منزل احاطہ خانم فقیر محمد خاں لکھنؤ	۲۹۰
۱۳	میاں عطاء اللہ صاحب ساکن بڈھانول تحصیل راجوری صوبہ جموں کشمیر	۲۴۲	۲۳	پیر محمد عبداللہ صاحب گولیکی۔ گجرات	۲۹۱
۱۴	ملک غلام محمد صاحب ولد ملک بستو صاحب لاہور	۲۴۴	۲۴	شہامت خاں صاحب ساکن نادون حال قادیان	۲۹۶
۱۵	میر مہدی حسین صاحب قادیان	۲۴۵	۲۵	منشی عبدالسمیع صاحب امروہہ	۲۹۹
۱۶	ڈاکٹر عطر دین صاحب امیر جماعت احمدیہ بمبئی	۲۴۹	۲۶	منشی محمد اسلم صاحب کلرک قادیان	۳۰۶
			۲۷	حکیم مولوی قطب الدین صاحب ”	۳۱۶
۱۷	ڈاکٹر انوار حسین صاحب میونسپل کمشنر بلب گڑھ ضلع گوڑگانوں	۲۵۲	۲۸	میاں وزیر خاں صاحب غوری بلب گڑھ حال قادیان	۳۵۶
۱۸	ملک عبدالعزیز صاحب ساکن اڑیالا ضلع مونگھیر	۲۵۳	۲۹	مرزا غلام رسول صاحب ریڈر جوڈیشل کمشنر پشاور	۳۶۶
۱۹	حکیم عبدالعزیز خاں صاحب مالک طبیہ عجائب گھر قادیان		۳۰	منشی محمد علی صاحب پٹواری سنور۔ پٹیالہ	۳۶۸
			۳۱	منشی عبدالرحمن صاحب سنور ”	۳۶۹

قادیان کے صحابہ کی فہرست

جو

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کی نگرانی میں حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانیؓ نے مرتب فرمائی

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
الف	سیدنا امیر المومنین حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب				
ب	صاحبزادہ حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے				

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
ج	صاحبزادہ حضرت میرزا شریف احمد صاحب				
د	جناب میرزا عزیز احمد صاحب ایم۔ اے	خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب	قادیان ضلع گورداسپور	۱۹۰۳ء ۱۹۰۵	۱۸۹۷ء سے
ہ	جناب میرزا رشید احمد صاحب	"	"	پیدائشی احمدی ۱۹۰۳ء	۱۹۰۳ء
و	حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب	حضرت میر ناصر نواب صاحب	"	-	۲ سال کی عمر میں پیدائش ۱۸۸۱ء
ز	حضرت میر محمد اسحاق صاحب	"	دہلی حال قادیان	پیدائشی احمدی ۸ ستمبر ۱۸۹۰ء	۱۸۹۰ء
ح	حضرت نواب محمد علی خان صاحب				
ط	حضرت نواب عبد الرحمٰن خان صاحب				
ی	حضرت نواب محمد عبد اللہ خان صاحب				
ک	حضرت نواب عبد الرحیم خان صاحب				
ل	حضرت مولوی شیر علی صاحب بی۔ اے				
م	حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد امام مسجد لنڈن				
ن	حضرت مولوی جلال الدین صاحب شمس نائب " "				
س	مرزا گل محمد صاحب	میرزا نظام الدین صاحب	قادیان	۱۹۱۳ء	۱۹۰۶ء

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۱	حضرت مفتی محمد صادق صاحب	مفتی عنایت اللہ صاحب مرحوم	بھیرہ ضلع شاہپور حال قادیان دارالامان	دسمبر ۱۸۹۰ء یا جنوری ۱۸۹۱ء	دسمبر ۱۸۹۰ء یا جنوری ۱۸۹۱ء
۲	چوہدری برکت علی خان صاحب	چوہدری میراں بخش صاحب	محلہ کوٹلہ فرمیانہ گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور حال آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ قادیان	۱۹۰۲ء	۱۹۰۲ء
۳	چوہدری امیر محمد خان صاحب	چوہدری سکندر خان صاحب	اہرانہ تحصیل و ضلع ہوشیارپور حال معاون آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ قادیان	۱۹۰۲ء	۱۹۰۳ء
۴	مرزا احمد شفیع صاحب	حمید مرزا صاحب	دہلی حال محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان	۱۹۰۱ء	۱۹۰۳ء
۵	پیرجی مظہر حق صاحب (مظہر الحق احمد)	پیرجی افتخار احمد صاحب	قادیان دارالامان کارکن دفتر محاسب صدر انجمن احمدیہ	پیدائشی ۱۸۸۸ء	۱۸۹۴ء
۶	سید محمود عالم صاحب	سید مبارک حسین صاحب	موضع اررہ ڈاکخانہ جہان آباد پرگنہ بھلاور ضلع گیا۔ بہار حال رکن جنرل صدر انجمن احمدیہ	-	۱۹۰۷ء
۷	محمد حمید الدین صاحب	بابو فضل الدین صاحب	کیریاں ضلع ہوشیارپور حال کارکن دفتر محاسب صدر انجمن احمدیہ	۴ جنوری ۱۸۹۹ء	۱۹۰۵ء
۸	منشی عبد الرحیم صاحب نو مسلم سابق پنڈت کشن لعل	پنڈت رلیارام صاحب	نعوڈ ڈاکخانہ خاص ریاست پٹیالہ حال کارکن نظارت بیت المال صدر انجمن احمدیہ	۱۹۰۴ء	۱۹۰۴ء

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۹	منشی شیخ کظیم الرحمٰن صاحب	منشی شیخ حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم	حاجی پورہ ڈاکخانہ پھگواڑہ۔ کپورتھلہ حال کارکن بیت المال صدر انجمن احمدیہ قادیان	پیدائشی سنہ ۱۸۹۳ء	سنہ ۱۹۰۴ء
۱۰	ملک نور خان صاحب	ملک فتح خان صاحب	سروالہ ڈاکخانہ تحصیل و ضلع کیملپور حال کارکن دفتر بیت المال صدر انجمن احمدیہ قادیان	سنہ ۱۸۹۹ء	سنہ ۱۸۹۹ء
۱۱	حکیم عبد الغنی صاحب	سید عظیم شاہ صاحب	قصبہ دسوہہ ضلع ہوشیارپور کارکن بیت المال ″	سنہ ۱۹۰۶ء	سنہ ۱۹۰۶ء
۱۲	مولوی فخر الدین صاحب	مولوی قطب الدین صاحب	گھوگھیاٹ ضلع شاہ پور سکریٹری امانت جائیداد تحریک جدید قادیان	سنہ ۱۸۹۸ء	سنہ ۱۸۹۸ء
۱۳	میاں سلطان احمد صاحب	مولوی قطب الدین صاحب	گھوگھیاٹ ضلع شاہ پور	سنہ ۱۹۰۴ء	سنہ ۱۹۰۴ء
۱۴	منشی عبد السمیع صاحب	منشی عبد الرحمٰن صاحب	کپورتھلہ ریاست حال قادیان محلہ دار الفضل	سنہ ۱۸۹۸ء	سنہ ۱۸۹۸ء
۱۵	بابو فضل احمد خان صاحب	شیخ علی بخش صاحب	بٹالہ ضلع گورداسپور حال کارکن دفتر سکریٹری احمد آباد سنڈیکیٹ قادیان	سنہ ۱۹۰۴ء	سنہ ۱۹۰۷ء
۱۶	چوہدری بدر الدین صاحب	چوہدری کندو خان صاحب	راہوں ضلع جالندھر حال کارکن دفتر نظارت دعوۃ و تبلیغ	سنہ ۱۹۰۵ء	سنہ ۱۹۰۵ء
۱۷	حضرت مولوی محمد سرور شاہ صاحب	سید محمد حسن شاہ صاحب	سلطان سیداں عرف گھنڈی چھائی ڈاکخانہ گوڑی تحصیل و ضلع مظفر آباد۔ حال پرنسپل جامعہ احمدیہ و سیکرٹری مجلس کارپرداز مصالح قبرستان قادیان	سنہ ۱۸۹۳ء	سنہ ۱۸۹۴ء
۱۸	میاں عبد الرحیم صاحب بوٹ میکر و جلد ساز	میاں قادر بخش صاحب	مالیر کوٹلہ ریاست حال قادیان دار الامان محلہ دار الرحمت	سنہ ۱۹۰۱ء بیعت کی تھی رشتہ داروں نے خوف کی وجہ سے ظاہراً بیعت نہ کرنے دی تھی	سنہ ۱۹۰۷ء
۱۹	مولوی عبد الرحمٰن صاحب فاضل جنرل پریذیڈنٹ قادیان	شیخ برکت علی صاحب	فیض اللہ چک ضلع گورداسپور حال جنرل پریذیڈنٹ قادیان	پیدائشی احمدی سنہ ۱۸۹۳ء	سنہ ۱۹۰۳ء
۲۰	ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب	مولوی حکیم قطب الدین صاحب	جنگبد کوٹ تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ حال مالک احمدیہ نیشنل میڈیکل ہال قادیان	پیدائشی احمدی سنہ ۱۸۹۶ء	سنہ ۱۹۰۴ء
۲۱	بھائی شیر محمد صاحب	میراں بخش صاحب	دھرم کوٹ رندھاوا ضلع گورداسپور حال تاجر قادیان	سنہ ۱۹۰۷ء	سنہ ۱۹۰۷ء
۲۲	قاری غلام مجتبیٰ صاحب	مولوی محمد بخش صاحب مرحوم	رسولپور تحصیل کھاریاں ضلع گجرات حال معاون ناظر امور عامہ سلسلہ عالیہ احمدیہ قادیان	سنہ ۱۹۰۶ء	سنہ ۱۹۰۶ء
۲۳	ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب	سید نبی بخش صاحب	بیجہ تحصیل کھرالہ لدھیانہ حال دار الامان قادیان	سنہ ۱۹۰۰ء	سنہ ۱۹۰۱ء
۲۴	شیخ اللہ بخش صاحب	شیخ مراد بخش صاحب	بنوں صوبہ سرحد حال دار الرحمت قادیان	سنہ ۱۹۰۵ء	سنہ ۱۹۰۵ء
۲۵	بابو فقیر علی صاحب	میاں شادی صاحب	کوٹلہ چاہلاں ضلع گورداسپور حال ریٹائرڈ سٹیشن ماسٹر دار البرکات قادیان	″	″

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۲۶	مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل	مولوی محمد بخش صاحب	ہلالپور ضلع شاہ پور حال پروفیسر جامعہ احمدیہ قادیان	۱۹۰۸ء	۱۹۰۸ء
۲۷	ماسٹر مولا بخش صاحب	عمر بخش صاحب	منیلا تحصیل روپڑ ضلع انبالہ حال ریٹائرڈ مدرس مدرسہ احمدیہ محلہ دارالانوار قادیان	۱۹۰۴ء	۱۹۰۵ء
۲۸	حاجی ابوبکر یوسف صاحب	محمد جمال یوسف	پٹن ریاست بڑودہ حال قادیان دارالامان	۱۹۰۷ء	۱۹۰۷ء
۲۹	بھائی مدد خاں صاحب	فتح محمد خانصاحب	باڑی پورہ ریاست کشمیر حال انسپکٹر بیت المال قادیان	۱۸۹۶ء	۱۹۰۴ء
۳۰	ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحب	رحیم بخش صاحب	پٹیالہ ریاست حال انچارج نور ہسپتال و فیملی ڈاکٹر خاندان مسیح موعود قادیان	۱۹۰۱ء	۱۹۰۵ء
۳۱	صوفی محمد یعقوب صاحب	غلام نبوری شاہ صاحب	کٹری افغاناں گورداسپور حال نور ہسپتال قادیان	۱۹۰۷ء	۱۹۰۷ء
۳۲	فضل دین عبداللہ حجام	محمد بخش صاحب	قادیان	۱۹۰۴ء	۱۹۰۴ء
۳۳	شیخ غلام قادر خانصاحب	شیخ الٰہی بخش صاحب	ٹھہ غلام نبی ضلع گورداسپور حال قادیان کارکن لنگرخانہ	۱۸۹۲ء	۱۸۹۳ء
۳۴	میاں عبدالرحیم صاحب باورچی	میاں محمد بخش صاحب	قادیان	۱۹۰۳ء	۱۹۰۳ء
۳۵	منشی عبدالخالق صاحب	مولوی محمد حسین صاحب	لرجیت پور کیور تھلہ ریاست حال کارکن ضیافت	۱۹۰۲ء	۱۹۰۲ء
۳۶	میاں محمد الدین صاحب	میاں نور الدین صاحب	کھاریاں ضلع گجرات حال قادیان	۱۸۹۴ء	۱۸۹۵ء
۳۷	مرزا محمد اشرف صاحب	منشی جلال الدین صاحب	بلانی ضلع گجرات حال قادیان	۱۸۹۵ء	۱۹۰۴ء
۳۸	محمد وزیر خاں صاحب	لال محمد خاں صاحب	بلب گڑھ ضلع دہلی حال قادیان دارالامان	۱۸۹۲ء	۱۸۹۳ء
۳۹	شیخ نور الدین صاحب	شیخ میراں بخش صاحب	دھرم کوٹ رندھاوا ضلع گورداسپور حال قادیان	۱۸۹۸ء	۱۸۹۸ء
۴۰	شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی	شیخ مستیا صاحب	سرساوہ ضلع سہارنپور حال قادیان	۱۸۹۴ء	۱۸۹۴ء
۴۱	ڈاکٹر محمد افضل صاحب	مرزا افضل بیگ صاحب	قصور ضلع لاہور حال دارالامان قادیان محلہ دارالرحمت	۱۸۹۸ء	۱۸۹۸ء
۴۲	چوہدری علی احمد صاحب	چوہدری رحیم بخش صاحب	کٹڑہ خزانہ امرتسر حال " "	۱۸۹۶ء پیدائشی احمدی	۱۹۰۲ء ۱۹۰۵
۴۳	سید حسن شاہ صاحب	سید فضل شاہ صاحب	مدینہ گجرات حال مہاجر ناصر آباد قادیان	۱۹۰۷ء	۱۹۰۷ء
۴۴	مستری لال دین صاحب	شیخ امام الدین صاحب	شہر سیالکوٹ محلہ بٹہ حال محلہ ریتی چھلہ "	۱۹۰۳ء	۱۹۰۴ء
۴۵	چوہدری خدا بخش صاحب سیالکوٹی	چوہدری پیر بخش صاحب	صدر بازار سیالکوٹ " "	۱۸۹۸ء	۱۹۰۳ء
۴۶	ملک حسن محمد صاحب	ملک امیر بخش صاحب	سمبڑیال ضلع سیالکوٹ حال حلقہ مسجد مبارک "	۱۹۰۴ء	۱۹۰۴ء
۴۷	میاں عبدالعزیز صاحب	میاں امام الدین صاحب	ادہ جلا متصل گورداسپور حال " "	۱۸۹۲ء	۱۸۹۲ء
۴۸	میر مہدی حسین صاحب	میر فرزند علی صاحب	سید کھیڑی علاقہ راجپورہ ریاست پٹیالہ حال "	۱۸۹۳ء	۱۹۰۰ء
۴۹	مولوی قطب الدین صاحب	مولوی غلام حسن صاحب	چندھڑ تحصیل و ضلع گوجرانوالہ مہاجر قادیان دارالامان بیعت بڈھی سیالکوٹ سے	۱۸۹۲ء	۱۸۹۲ء

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۵۰	شیخ احمد دین صاحب	شیخ علی محمد صاحب مرحوم	ڈنگہ ضلع گجرات حال ہجابور قادیان دارالامان	۱۸۹۸ء	۱۸۹۸ء
۵۱	مفتی فضل الرحمن صاحب	مفتی شیخ عبد اللہ صاحب	بھیرہ ضلع شاہ پور حال ” ”	۱۸۹۱ء	۱۸۹۱ء
۵۲	مولوی محمد جی صاحب فاضل	میر محمد زمان خان صاحب	دانہ ضلع ہزارہ حال دارالفضل قادیان	۱۹۰۰ء	۱۹۰۳ء
۵۳	مرزا مہتاب بیگ صاحب	مرزا محمد علی صاحب	شہر سیالکوٹ محلہ کشمیریاں حال قادیان حلقہ مسجد اقصیٰ	۱۹۰۱ء	۱۹۰۱ء
۵۴	سید محمد علی شاہ صاحب انسپکٹر بیت المال	سید امیر علی شاہ صاحب	کاٹھگڑھ ضلع ہوشیار پور حال قادیان محلہ دارالبرکات	۱۹۰۳ء	۱۹۰۳ء
۵۵	قریشی امیر احمد صاحب	قریشی حکیم سردار محمد صاحب	بھیرہ میانی ضلع شاہ پور حال محلہ دارالبرکات قادیان	۱۹۰۱ء	۱۹۰۱ء
۵۶	نور محمد صاحب	منشی فتح محمد صاحب پنشنر تحصیلدار موچی پورہ ڈاکخانہ کبیر والا ضلع ملتان	موضع جبلن ضلع گوجرانوالہ	۶ر جنوری ۱۹۰۶ء	۲۲ر دسمبر ۱۹۰۱ء
۵۷	حکیم محمد فیروز الدین صاحب قریشی کارکن انسپکٹر بیت المال	حکیم چراغ علی قریشی	موضع علی پور تحصیل کبیر والا ضلع ملتان حال قادیان کارکن انسپکٹر بیت المال	۱۹۰۵ء	۱۹۰۸ء
۵۸	خانصاحب منشی برکت علی صاحب	محمد فاضل صاحب	پتہ سابق ـ ملازم دفتر ڈائریکٹر جنرل انڈین میڈیکل سروس شملہ حال قائمقام ناظر بیت المال سلسلہ عالیہ احمدیہ قادیان دارالامان	۱۹۰۱ء	۱۹۰۱ء
۵۹	قاضی محمد ظہور الدین اکمل صاحب	مولانا امام الدین صاحب فیض	پتہ سابق گولیکی ضلع گجرات حال ” ”	۱۸۹۷ء	۱۹۰۴ء
۶۰	مولانا امام الدین صاحب فیض	مولانا بدر الدین صاحب	” ” ” ”	۱۸۹۷ء ۱۸۹۶	۱۸۹۷ء
۶۱	افتخار احمد صاحب	احمد جان صاحب	سابق لدھیانہ حال ” ”	۱۸۸۹ء	۱۸۸۹ء
۶۲	قاضی نور محمد صاحب	قاضی علی محمد صاحب	قادیان دارالامان	فروری ۱۸۹۸ء	۱۸۹۸ء
۶۳	نظام الدین صاحب ٹیلر	میاں محمد دلی صاحب	پتہ سابق جہلم محلہ ملاحاں حال قادیان محلہ دارالرحمت	۱۹۰۲ء	۱۹۰۲ء
۶۴	عبدالرحمن نومسلم ڈاکٹر دوکاندار	انگد صاحب	ٹونک ریاست راجپوتانہ حال قادیان حلقہ مسجد فضل	۱۹۰۳ء	۱۹۰۳ء
۶۵	محمد عبد اللہ جلد ساز	محمد اسمٰعیل صاحب جلد ساز	ریاست مالیر کوٹلہ ” ” ”	۱۵ر مئی ۱۹۰۲ء	اپریل ۱۹۰۳ء
۶۶	خان بہادر مولوی غلام محمد صاحب	میاں خدا بخش صاحب	بھیرہ ضلع شاہ پور ” ” ”	دسمبر ۱۸۹۱ء	دسمبر ۱۸۹۱ء
۶۷	ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے	ملک نور الدین صاحب	کنجاہ ضلع گجرات حال ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز انگریزی قادیان	۱۹۰۵ء	۱۹۰۸ء
۶۸	بابا محمد حسن صاحب	چوہدری کرم دین صاحب	ادجلہ متصل گورداسپور حال قادیان دارالامان	۱۸۹۵ء	۱۸۹۵ء
۶۹	ماسٹر عبد الرؤف صاحب	غلام محمد صاحب	بھیرہ ضلع شاہ پور ”	۱۸۹۸ء	۱۸۹۸ء

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۷۰	ملک غلام حسین صاحب رہتاسی	ملک کرم بخش صاحب	رہتاس ضلع جہلم حال قادیان محلہ دارالرحمت	سنہ ۱۸۹۰ء ۱۸۹۱ تحریری	دسمبر سنہ ۱۸۹۲ء
۷۱	مولوی کرم الٰہی صاحب	امیر صاحب	کھارہ متصل قادیان	سنہ ۱۹۰۷ء	سنہ ۱۹۰۷ء
۷۲	شیخ غلام مرتضیٰ صاحب	شیخ عمر بخش صاحب	سابق سکنہ وڈالہ بانگر تحصیل و ضلع گورداسپور حال معرفت یوسف علی صاحب پرائیویٹ سکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانی قادیان	سنہ ۱۹۰۰ء	سنہ ۱۹۰۰ء
۷۳	غلام محمد صاحب بی ایس سی بی ٹی ٹیچر تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ تحریک جدید	میاں محمد الدین صاحب	موضع [illegible] کھاریاں ضلع گجرات حال قادیان	پیدائشی پیدائشی ۱۹ر اکتوبر سنہ ۱۸۹۸ء	سنہ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک قادیان میں تعلیم پاتا رہا
۷۴	محمد یحییٰ خان صاحب	مولوی انوار حسین خان صاحب	شاہ آباد ضلع ہردوئی حال کارکن دفتر پرائیویٹ سیکرٹری - قادیان	پیدائشی احمدی سنہ ۱۸۹۴ء	سنہ ۱۹۰۴ء
۷۵	نور احمد خان صاحب	چوہدری بدر بخش صاحب	موضع سڑوعہ ضلع ہوشیارپور حال محلہ دارالفضل قادیان کارکن دفتر بہشتی مقبرہ	سنہ ۱۹۰۲ء ۱۹۰۳	سنہ ۱۹۰۵ء
۷۶	عطا محمد صاحب کارکن دفتر بہشتی مقبرہ	چوہدری نتھے خان	ساکن ہٹھور ڈاکخانہ خاص ضلع لدھیانہ حال کارکن دفتر بہشتی مقبرہ قادیان	سنہ ۱۹۰۵ء	سنہ ۱۹۰۷ء
۷۷	مولوی غلام نبی صاحب	محکم دین صاحب	ریاست پٹیالہ تحصیل سرہند تھانہ کھماناں موضع چھاؤڈیاں حال محلہ دارالفضل قادیان	سنہ ۱۸۹۸ء	سنہ ۱۸۹۸ء
۷۸	مرزا عمر بیگ صاحب پریذیڈنٹ حلقہ مسجد اقصیٰ	مرزا امیر بیگ صاحب مرحوم	قادیان - حلقہ مسجد اقصیٰ	سنہ ۱۹۰۲ء	سنہ ۱۹۰۲ء
۷۹	چوہدری فتح محمد خان صاحب سیال ایم اے	چوہدری نظام الدین صاحب	جوڑہ قصور لاہور حال قادیان محلہ دارالانوار	سنہ ۱۸۹۹ء	سنہ ۱۸۹۹ء
۸۰	سید محمد اسمٰعیل صاحب سپرنٹنڈنٹ دفاتر صدر انجمن احمدیہ	سید نبی بخش صاحب	بیجہ ڈاکخانہ کھنہ تحصیل سمرالہ - لودھیانہ حال شہر قادیان دارالامان	سنہ ۱۹۰۱ء	سنہ ۱۹۰۱ء
۸۱	قاری غلام یٰسین صاحب	محمد بخش صاحب	رسول پور تحصیل کھاریاں گجرات حال دارالسعۃ قادیان	سنہ ۱۸۹۷ء	سنہ ۱۸۹۷ء
۸۲	حکیم عطاء محمد صاحب	حافظ غلام محمد صاحب	موتی بازار لاہور حال قادیان حلقہ مسجد فضل	سنہ ۱۹۰۱ء	سنہ ۱۹۰۱ء
۸۳	مولوی نظام الدین صاحب	عبد الکریم صاحب	کپورتھلہ ریاست - کھیرانوالی موضع حال قادیان حلقہ مسجد مبارک	سنہ ۱۹۰۳ء	سنہ ۱۹۰۳ء
۸۴	محمد حسین خان صاحب ٹیلر المعروف مرزا محمد حسین	خدا بخش صاحب	گوجرانوالہ حال قادیان محلہ دارالرحمت	سنہ ۱۸۹۷ء	سنہ ۱۸۹۷ء
۸۵	چوہدری کریم الدین صاحب	چوہدری امیر بخش صاحب مرحوم	ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول سیالکوٹ اسلام پورہ محلہ گورنمنٹ پنشنر حال قادیان دارالرحمت	سنہ ۱۸۹۶ء	سنہ ۱۸۹۶ء

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۸۶	منشی کرم علی صاحب کاتب	حکیم حاجی کرم الٰہی صاحب	لمبانوالی ضلع وتحصیل گوجرانوالہ حال قادیان محلہ دارالبرکات شرقی	۱۸۹۷ء	۱۸۹۷ء
۸۷	حکیم رحمت اللہ صاحب	حکیم محمد بخش صاحب	بوگووال جٹاں ضلع گورداسپور حال دارالرحمت قادیان	دسمبر ۱۹۰۷ء	دسمبر ۱۹۰۷ء
۸۸	حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی	میاں کرم الدین صاحب	راجیکی ضلع گجرات حال مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ "	۱۳۱۴ھ ۱۸۹۷ء	۱۳۱۶ھ ۱۸۹۹ء
۸۹	بھائی محمود احمد صاحب	حکیم پیر بخش صاحب	ڈنگہ ضلع گجرات حال دارالرحمت "	۱۹۰۳ء	۱۹۰۳ء
۹۰	حاجی مفتی گلزار محمد صاحب	مفتی محمد بخش صاحب	بٹالہ محلہ مفتیاں حال " "	۱۹۰۲ء	۱۹۰۲ء
۹۱	چوہدری حکم الدین صاحب	چوہدری نبی بخش صاحب	دیالگڑھ۔ بٹالہ۔ گورداسپور " "	۱۹۰۲ء	۱۹۰۳ء
۹۲	میاں امام الدین صاحب سیکھوانی	میاں محمد صدیق صاحب	سیکھواں ضلع " " "	۱۸۹۰ء ۱۸۹۱	۱۸۹۰ء ۱۸۹۱
۹۳	ملک نادر خان صاحب دوکاندار	ملک جہان خان صاحب	سرکال کسر ضلع جہلم حال " "	۱۸۹۷ء	۱۹۰۱ء
۹۴	خدا بخش صاحب مستری (مومن جی)	مستری کرم بخش صاحب	پٹیالہ ریاست " " "	۱۹۰۳ء	۱۹۰۴ء
۹۵	بابو غلام حیدر صاحب پنشنر	میاں خدا بخش صاحب	احمد نگر ضلع گوجرانوالہ " "	۱۹۰۳ء	۱۹۰۴ء
۹۶	مرزا مبارک بیگ صاحب	مرزا اکبر بیگ صاحب مرحوم	کلانور ضلع گورداسپور " "	فروری ۱۹۰۶ء	فروری ۱۹۰۶ء
۹۷	ماسٹر محمد حسن صاحب تاج	مولوی تاج محمد صاحب	لدھیانہ حال دارالرحمت "	پیدائشی احمدی پیدائش ۱۸۹۴ء	۱۹۰۴ء
۹۸	ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب	نظام الدین صاحب	سڑوعہ ضلع ہوشیارپور " "	۱۹۰۳ء	۱۹۰۴ء
۹۹	ماسٹر اللہ دتہ صاحب	میاں عبدالستار صاحب	قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ " "	۱۸۹۸ء	۱۹۰۰ء
۱۰۰	ڈاکٹر محمد بخش صاحب	میاں کالیخاں صاحب	کھیرانوالی ریاست کپورتھلہ " "	۱۹۰۳ء	۱۹۰۴ء
۱۰۱	منشی محمد اسمٰعیل صاحب (حکمہ نہر)	میاں محمد بخش صاحب	ٹھیٹھ ڈاکخانہ جنڈیالہ گرو ضلع امرتسر " "	۱۹۰۰ء	۱۹۰۰ء
۱۰۲	میاں خیر الدین صاحب لدھیانوی	غلام قادر صاحب	لدھیانہ محلہ ڈھولیوال حال دارالرحمت "	۱۹۰۲ء	۱۹۰۲ء
۱۰۳	بابو محمد ایوب احمد صاحب	مولوی محمد علی صاحب مرحوم	بدوملہی ضلع سیالکوٹ " "	۱۹۰۲ء	۱۸۹۸ء
۱۰۴	سید ولایت شاہ صاحب	سید حسین علی شاہ صاحب	کوٹلی ننگل متصل دنیا ضلع گورداسپور " "	۱۹۰۶ء	۱۹۰۶ء
۱۰۵	میاں محمد یعقوب صاحب (میاں فیملی) لاہور	میاں سراج الدین صاحب مرحوم	لاہور۔ حال دارالرحمت "	پیدائشی احمدی ۱۹۰۰ء	۱۹۰۴ء
۱۰۶	میاں تاج الدین صاحب "	میاں عمر الدین صاحب	لاہور حال دارالعلوم "	۱۸۹۱ء	۱۸۹۱ء
۱۰۷	حکیم مشتاق احمد صاحب	علی محمد صاحب	توت نکا ضلع کیمل پور حال دارالرحمت "	۱۸۹۳ء	۱۸۹۳ء
۱۰۸	ماسٹر عبدالعزیز خان صاحب مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان	نبی بخش صاحب	ایمن آباد محلہ ککے زئیاں ضلع گوجرانوالہ حال دارالفضل قادیان	۱۹۰۵ء	۱۹۰۴ء
۱۰۹	حافظ صوفی غلام محمد صاحب	ولی محمد صاحب	مجھرالہ تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ حال دارالرحمت قادیان	۱۸۹۵ء	۱۸۹۳ء

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	مستوطن	سن بیعت	سن زیارت
۱۱۰	ماسٹر محمد الدین صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول	گھسیٹا صاحب	لاہور ۔ حال دارالفضل قادیان	۱۹۰۱ء	۱۹۰۱ء
۱۱۱	سید منظور علی شاہ صاحب	سید محمد علی شاہ صاحب	قادیان ۔ حلقہ مسجد فضل	پیدائشی احمدی پیدائش ۱۸۹۷ء	۱۹۰۳ء ۱۹۰۴
۱۱۲	ماسٹر محمد اللہ داد صاحب	چوہدری محمد بخش صاحب	ممکاگجراں تحصیل شکرگڑھ ضلع گورداسپور حال دار رحمت قادیان	۱۹۰۱ء	۱۹۰۷ء
۱۱۳	ماسٹر محمد علی صاحب اظہر مدرس تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان	مولوی غلام قادر صاحب	ملسیاں ضلع جالندھر ۔ حال دار الرحمت قادیان	۱۹۰۶ء	۱۹۰۶ء
۱۱۴	میاں فضل محمد صاحب ہرسیاں	سندھی خان صاحب	ہرسیاں ضلع گورداسپور حال دارالفضل قادیان	دسمبر ۱۸۹۶ء	۱۸۹۷ء
۱۱۵ / ۲۸۹	محمد فضل خان صاحب	قائم دین صاحب	چنگا بنگیال تحصیل گوجرخان ضلع راولپنڈی حال دارالفضل قادیان	۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء تحریری	۱۹۰۷ء دستی
۱۱۶	میر قاسم علی صاحب	میر عصمت اللہ صاحب	دہلی حال دارالفضل قادیان	۷ مارچ ۱۹۰۲ء	جولائی ۱۹۰۲ء
۱۱۷	حکیم عبدالصمد صاحب	حکیم عبدالغنی صاحب	" " "	۱۹۰۵ء تحریری	۱۹۰۷ء دستی و زیارت
۱۱۸	مولوی ابوالبشارت عبدالغفور صاحب فاضل	میاں فضل محمد صاحب	ہرسیاں ضلع گورداسپور حال دارالفضل قادیان	پیدائشی احمدی پیدائش ۱۸۹۸ء	۱۹۰۷ء یا ۱۹۰۸ء
۱۱۹	چوہدری غلام محمد صاحب بی ۔ اے ہیڈ ماسٹر نصرت گرلز ہائی سکول	چوہدری محمد دیوان صاحب	ڈھینی ڈاکخانہ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ حال دارالفضل قادیان	۱۹۰۵ء	۱۹۰۵ء
۱۲۰	میاں عبدالرزاق صاحب سیالکوٹی	میاں رحیم بخش صاحب	شہر سیالکوٹ حال دارالفضل قادیان	۱۹۰۰ء	۱۹۰۰ء
۱۲۱	چوہدری غلام حسین صاحب ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز	میاں گل محمد صاحب مرحوم	تھنگ حال دارالفضل قادیان	۱۹۰۱ء میں ایمان بالغیب لاکر احمدی ہوا۔ تحریری بیعت ۱۹۰۵ء میں کی دستی بیعت ۱۹۱۲ء میں	۱۹۰۸ء میں بمقام لاہور ۔ اس سے پہلے کی تفصیل علیحدہ درج ہے
۱۲۲	مستری عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی	مستری عمر بخش صاحب	سیالکوٹ شہر حال " "	۱۹۰۰ء اندازاً صحیح نہیں بتا سکے	۱۹۰۲ء اندازاً
۱۲۳	مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی	مولوی محمد الدین صاحب	بوتالہ سردار جھنڈا سنگھ تحصیل و ضلع گوجرانوالہ حال سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ دارالصناعت	۱۹۰۰ء	۱۹۰۵ء
۱۲۴	صوفی نبی بخش صاحب	میاں عبدالصمد صاحب	شہر راولپنڈی محلہ میاں قطب الدین حال دارالبرکات قادیان	۱۸۹۲ء	۱۸۹۶ء
۱۲۵	چوہدری عبدالحکیم صاحب ریٹائرڈ سٹیشن ماسٹر	چوہدری شرف الدین صاحب	گکھڑ چیمہ تحصیل وزیرآباد ضلع گوجرانوالہ حال دارالبرکات متصل سٹیشن قادیان	۱۹۰۲ء	۱۹۰۲ء
۱۲۶	محمد ابراہیم صاحب بقاپوری	صدر الدین صاحب مرحوم	بقاپور ضلع گوجرانوالہ حال دارالفضل "	فروری ۱۹۰۵ء دستی بیعت	۱۸۹۱ء
۱۲۷	رحمت اللہ صاحب شاکر	حافظ فتح محمد صاحب	شیخوپورہ قلعہ ضلع گورداسپور حال دارالعلوم "	پیدائشی احمدی پیدائش ۱۹۰۱ء	۱۹۰۶ء زیارت

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۱۲۸	(بھائی) مرزا برکت علی صاحب	مرزا ناصر علی صاحب	سید مٹھا لاہور ڈیپٹی ضلع لاہور حال دارالعلوم قادیان	سنہ ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء دستی	سنہ ۱۹۰۱ء / ۱۹۰۲ء
۱۲۹	قاضی رشید احمد ارشد	پیر محمد رمضان صاحب	گولیکی ضلع گجرات حال دارالرحمت "	۲۵ مئی سنہ ۱۹۰۸ء	۲۵ مئی سنہ ۱۹۰۶ء
۱۳۰	بابو محمد ابراہیم صاحب ریٹائرڈ کلرک سپلائی ٹرانسپورٹ	محمد بخش صاحب	گوہد پور ضلع سیالکوٹ حال دارالعلوم قادیان	سنہ ۱۹۰۳ء	سنہ ۱۹۰۳ء
۱۳۱	ڈاکٹر محمد طفیل خاں	منشی محمد علی خانصاحب	بٹالہ نور منزل دارالفضل قادیان	سنہ ۱۹۰۰ء / ۱۹۰۱	سنہ ۱۸۹۹ء
۱۳۲	چراغ دین صاحب چپڑاسی مدرسہ احمدیہ	صدر الدین صاحب	قادیان	سنہ ۱۹۰۲ء	سنہ ۱۹۰۲ء
۱۳۳	غلام رسول صاحب افغان	حاجی محمد صاحب	درگئی خوست حال قادیان دارالامان	سنہ ۱۹۰۲ء تحریری	سنہ ۱۹۰۴ء
۱۳۴	میاں محمد عبدالرحمن صاحب ٹھیکیدار	میاں محمد بخش صاحب	سیالکوٹ شہر۔ دارالبرکات قادیان	سنہ ۱۹۰۳ء یا ۱۹۰۴	سنہ ۱۸۸۴ء / ۱۸۸۵
۱۳۵	حاجی عبداللہ صاحب نومسلم	بیلا سنگھ	ڈڈمیل ریاست کپورتھلہ حال دارالرحمت "	سنہ ۱۸۹۱ء یا ۱۸۹۲	سنہ ۱۸۹۱ء / ۱۸۹۲
۱۳۶	ڈاکٹر احسان علی صاحب	ڈاکٹر فیض علی صاحب صابر	قادیان محلہ دارالعلوم	پیدائشی احمدی ۴ مئی سنہ ۱۹۰۵ء قادیان میں	سنہ ۱۹۰۸ء زیارت
۱۳۷	نبی بخش صاحب	جیوا	قادرآباد متصل قادیان (نواں پنڈ)	سنہ ۱۸۹۴ء	سنہ ۱۸۹۴ء
۱۳۸	عبداللہ خانصاحب افغان	عبدالغفار خانصاحب افغان	سیدگاہ۔ علاقہ خوست (یہ گاؤں حضرت شہید مرحوم کا گاؤں ہے۔ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب رضی) حال قادیان دارالامان	سنہ ۱۹۰۲ء تحریری	سنہ ۱۹۰۵ء
۱۳۹	مولوی عبدالعزیز صاحب	حکیم شہاب الدین صاحب	لدھیکے تحصیل و ضلع لاہور حال " محلہ دارالانوار	سنہ ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء دستی	سنہ ۱۹۰۱ء
۱۴۰	پیرجی منظور محمد صاحب	حاجی منشی احمد جان صاحب مرحوم	لدھیانہ۔ پیدائش حال قادیان دارالامان	۲ فروری سنہ ۱۸۹۲ء	-
۱۴۱	مولوی اللہ بخش صاحب دربان	میاں شہاب دین صاحب	بہے ہالی ضلع گورداسپور متصل گورداسپور حال قادیان۔ دربان ڈیوڑھی حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا	سنہ ۱۹۰۵ء	سنہ ۱۸۸۰ء زمانہ تصنیف براہین احمدیہ
۱۴۲	شیخ نیک علی صاحب دربان	شیخ سلطان علی صاحب	قادیان۔ دربان ڈیوڑھی حضرت امی جان سیدہ ام مرزا ناصر احمد صاحب	سنہ ۱۹۰۴ء	سنہ ۱۹۰۴ء
۱۴۳	مولوی قمر الدین صاحب فاضل	مولوی خیر الدین صاحب	سیکھواں ضلع گورداسپور حال دارالرحمت قادیان	پیدائشی احمدی مئی سنہ ۱۹۰۰ء	سنہ ۱۹۰۷ء / ۱۹۰۸
۱۴۴	سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ و خارجہ	حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب	رعیہ ضلع سیالکوٹ سہالہ ضلع راولپنڈی حال دارالانوار قادیان	سنہ ۱۹۰۳ء	سنہ ۱۹۰۳ء
۱۴۵	حکیم شیخ عبدالرحمن صاحب زرگر لدھیانوی	لالہ نرائن داس صاحب	شیرپور تحصیل سمرالہ ضلع لدھیانہ حال قادیان حلقہ مسجد اقصیٰ	سنہ ۱۸۹۹ء	سنہ ۱۸۹۹ء

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۱۴۶	ملک مولا بخش صاحب ریٹائرڈ کلرک آف کورٹ	ملک سلطان بخش صاحب	امرتسر کوچہ وکیلاں کڑہ جیمں سنگھ حال دارالفضل قادیان	سنہ ۱۹۰۱ء	سنہ ۱۹۰۱ء
۱۴۷	میاں رحیم بخش صاحب (مولا بخش)	محمد لائق صاحب	بھینی نوالہ ضلع گورداسپور حال دارالرحمت قادیان	سنہ ۱۸۹۵ء تخمیناً	سنہ ۱۸۹۵ء تخمیناً
۱۴۸	میاں نذیر محمد صاحب (میاں فیملی)	میاں غلام محمد صاحب	لاہور حال دارالفضل قادیان	پیدائشی احمدی پیدائش سنہ ۱۸۸۷ء	سنہ ۱۹۰۴ء
۱۴۹	حافظ محمد امین صاحب	میاں علم دین صاحب	نکودر ڈاکخانہ منج جنگ ضلع کیمبلپور حال ناصر آباد قادیان	سنہ ۱۸۹۷ء	سنہ ۱۸۹۵ء
۱۵۰	میاں خیر دین صاحب کشمیری	میاں نظام دین صاحب کشمیری	تھہ غلام نبی ضلع گورداسپور حال دارالرحمت قادیان	سنہ ۱۹۰۳ء تخمیناً ۱۹۰۵	[illegible] ۱۹۰۵
۱۵۱	میاں نبی بخش صاحب کمہار	میاں جھنڈا صاحب	بلہڑ نال ضلع امرتسر حال محلہ مسجد اقصیٰ "	سنہ ۱۸۹۷ء تخمیناً	سنہ ۱۸۹۰ء
۱۵۲	میاں دین محمد صاحب ٹکہ پاؤ دکاندار	میاں عمر دین صاحب	" " حال دارالرحمت قادیان	سنہ ۱۹۰۵ء	سنہ ۱۹۰۵ء
۱۵۳	بابو عبدالواحد صاحب ٹھیکیدار بھٹہ	حاجی غلام محمد صاحب	بٹالہ حال دارالفضل "	سنہ ۱۹۰۰ء	سنہ ۱۹۰۰ء
۱۵۴	میاں اللہ دیا صاحب ٹھیکیدار	گلاب دین صاحب	بلہووال متصل علیوال ضلع گورداسپور حال محلہ مسجد فضل قادیان	سنہ ۱۸۸۹ء	سنہ ۱۸۸۹ء
۱۵۵	میاں صدرالدین صاحب کمہار	میاں رحیم بخش صاحب	قادیان "	سنہ ۱۸۹۲ء	سنہ ۱۸۹۲ء
۱۵۶	میاں چھنو نظام الدین صاحب ٹیلر	" نبی بخش صاحب	ڈیرہ بابا نانک ضلع گورداسپور حال دارالرحمت قادیان	سنہ ۱۹۰۶ء	سنہ ۱۸۹۵ء
۱۵۷	چوہدری حاکم دین صاحب دوکاندار	چوہدری احمد دین صاحب	شادیوال ضلع گجرات حال دارالفضل "	سنہ ۱۹۰۴ء تحریری	سنہ ۱۹۰۸ء دستی بمقام لاہور
۱۵۸	مستری اللہ رکھا صاحب بیکر	میاں امیر بخش صاحب	ناروال ضلع سیالکوٹ حال دارالرحمت "	سنہ ۱۹۰۱ء	سنہ ۱۹۰۱ء
۱۵۹	چوہدری علی محمد صاحب امیر حلقہ ریتی چھلہ	چوہدری غلام دین صاحب مرحوم	گوکھووال ضلع گورداسپور دلائل پور حال حلقہ مسجد ریتی چھلہ قادیان	پیدائشی احمدی سنہ ۱۸۹۵ء تخمیناً	سنہ ۱۹۰۵ء
۱۶۰	بھائی چوہدری عبدالرحیم صاحب	سردار جیندا سنگھ صاحب	سرسنگھ ضلع لاہور حال دارالرحمت قادیان	سنہ ۱۸۹۴ء	سنہ ۱۸۹۴ء
۱۶۱	شیخ فرمان علی صاحب	شیخ پیر بخش صاحب	رہتاس ضلع جہلم " "	سنہ ۱۹۰۰ء	سنہ ۱۹۰۰ء
۱۶۲	مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سیالکوٹی	چوہدری فخر الدین صاحب	سیالکوٹ شہر حال دارالفضل "	سنہ ۱۹۰۰ء	سنہ ۱۸۹۳ء
۱۶۳	مرزا محمد حسین صاحب چٹھی مسیح	مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم چٹھی مسیح	سکنہ ترگڑی ضلع گوجرانوالہ حال دارالرحمت قادیان	سنہ ۱۹۰۲ء	سنہ ۱۹۰۲ء دستی بیعت
۱۶۴	چوہدری نبی بخش صاحب چپڑاسی	چوہدری نندو صاحب	بھینی بانگر متصل قادیان	پیدائشی احمدی سنہ ۱۸۹۹ء	سنہ ۱۹۰۷ء
۱۶۵	مرزا عبدالرحیم صاحب دواساز	مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم چٹھی مسیح	سکنہ ترگڑی ضلع گوجرانوالہ حال محلہ دارالعلوم قادیان	سنہ ۱۹۰۳ء	۱۹۰۳
۱۶۶	بھائی غلام قادر صاحب	فخر الدین صاحب	سیالکوٹ حال قادیان دارالفضل	سنہ ۱۹۰۲ء	سنہ ۱۹۰۲ء

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۱۶۷	میاں مہر دین صاحب کمہار	میاں رحیم بخش صاحب	قادیان۔ حلقہ مسجد فضل	۱۹۰۳ء	۱۹۰۳ء
۱۶۸	میاں عبداللہ بوڑی صاحب	جھنڈو	״ ״	۱۹۰۵ء	۱۹۰۵ء
۱۶۹	بابو محمد جمیل صاحب	میاں میراں بخش صاحب مرحوم	ننگل اغواناں متصل قادیان	۱۹۰۱ء	۱۹۰۱ء
۱۷۰	بابو فتح محمد صاحب شمس	مولوی کرم الٰہی صاحب	چوہکی تھانہ گوجرانوالہ حال کلرک جنرل پوسٹ آفس کراچی شہر	پیدائشی احمدی ۱۹۰۳ء پیدائشی	۱۹۰۸ء
۱۷۱	سردار کرم داد خانصاحب	دلیداد خانصاحب	جمالی بلوچاں ضلع شاہپور حال دارالفضل قادیان	۱۹۰۲ء	۱۹۰۲ء
۱۷۲	رحمت علی شاہ صاحب	فتح علی شاہ صاحب	سڑوعہ ضلع ہوشیارپور حال جھنبی باغ متصل قادیان	۱۹۰۲ء	۱۹۰۲ء
۱۷۳	سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور	سردار بسنت سنگھ صاحب	ضلع امرتسر حال دارالفضل قادیان	۱۹۰۷ء	۱۹۰۷ء
۱۷۴	میاں خیر الدین صاحب	میاں محمد بخش صاحب	قادر آباد متصل قادیان	۱۹۰۴ء	۱۹۰۴ء
۱۷۵	چوہدری سلطان احمد صاحب	چوہدری غلام نبی صاحب	بسیدد ضلع گوجرانوالہ حال دارالبرکات قادیان	۱۸۹۲ء	۱۸۹۲ء
۱۷۶	مستری اللہ دتہ صاحب	میاں حمد دین صاحب	میانی بجری ضلع ״ حال دارالفضل ״	۱۸۹۴ء	۱۸۹۴ء
۱۷۷	مولوی عبید اللہ صاحب بسمل مرحوم	میاں غلام محی الدین نقشبندی مجددی خلیفہ میاں امام علی شاہ صاحب رتڑ چھتڑ	امرتسر ״ ״ ״	۱۹۰۰ء تحریری بیعت	۱۹۰۰ء دستی
۱۷۸	مرزا قدرت اللہ صاحب	مرزا ہدایت اللہ صاحب	محلہ چابک سواراں لاہور حال دارالفضل قادیان	۱۹۰۳ء	۱۹۰۳ء
۱۷۹	محمد رمضان صاحب	عیدے خانصاحب	جانگریاں ضلع سیالکوٹ ״ ״ ״	۱۹۰۳ء تحریری	۱۹۰۴ء زیارت و دستی بیعت
۱۸۰	حافظ محمد ابراہیم صاحب	میاں نادر علی صاحب	کھودال ضلع انبالہ ״ ״ ״	۱۹۰۰ء	۱۹۰۰ء
۱۸۱	منشی غلام محمد صاحب مدرس	محمد مدار صاحب	بھکھن کلاں کلانور گورداسپور ״ ״	۲۹ مارچ ۱۹۰۳ء	۱۸۹۷ء
۱۸۲	سید محمد شاہ صاحب	عبد اللہ شاہ صاحب	لوہر کلاں ضلع لدھیانہ ״ ״ ״	۱۹۰۵ء	۱۹۰۲ء
۱۸۳	محمد حسن صاحب رہتاسی	منشی گلاب خانصاحب	رہتاس ضلع جہلم ״ ״ ״	۱۸۹۵ء	۱۸۹۵ء
۱۸۴	شیخ اصغر علی صاحب پنشنر	شیخ بدر الدین صاحب	امین آباد ضلع گوجرانوالہ ״ ״	۱۸۹۶ء	۱۸۹۶ء
۱۸۵	میاں جان محمد صاحب	میاں عبدالعزیز صاحب	ہیلاں ضلع گجرات ״ ״ ״	۱۸۹۹ء تحریری	۱۹۰۳ء دستی۔ زیارت
۱۸۶	سردار محمد خان صاحب	دلیداد خان صاحب	جمالی بلوچاں ضلع شاہپور ״ ״ ״	۱۸۹۷ء	۱۸۹۷ء
۱۸۷	چوہدری غلام حسن صاحب	چوہدری صوبے خانصاحب	چک ۱۵ علیا آباد جھنگ برانچ ضلع لائلپور حال دارالفضل قادیان	۱۹۰۰ء	۱۹۰۰ء
۱۸۸	چوہدری محمد لطیف صاحب ریٹائرڈ سب جج	چوہدری محمد حسین	تونڈی عنایت خان ڈاکخانہ پسرور ضلع سیالکوٹ	پیدائشی ۱۸۹۶ء	۱۹۰۵ء

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۱۸۹	مرزا منظور احمد صاحب	مرزا غلام اللہ صاحب مرحوم	قادیان حلقہ مسجد اقصیٰ	سنہ ۱۹۰۱ء	سنہ ۱۹۰۷ء
۱۹۰	شیخ محمود احمد صاحب عرفانی	شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی	قادیان دارالامان	پیدائشی احمدی ۲۸ اکتوبر ۱۸۹۷ء	سنہ ۱۹۰۳ء
۱۹۱	شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی	شیخ محمد علی صاحب	"	سنہ ۱۸۹۲ء دستی بیعت	سنہ ۱۸۹۲ء
۱۹۲	مستری دین محمد صاحب	امام الدین صاحب	کھٹانے تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیارپور حال محلہ ریتی چھلہ قادیان	سنہ ۱۸۹۹ء	سنہ ۱۸۹۹ء
۱۹۳	میاں بدرالدین صاحب مالیرکوٹلی	گل محمد صاحب	مالیرکوٹلہ ریاست حال دارالرحمت قادیان	سنہ ۱۹۰۰ء	سنہ ۱۹۰۰ء
۱۹۴	میاں محمد یوسف صاحب "	احمد دین صاحب	" " "	سنہ ۱۹۰۵ء	سنہ ۱۹۰۵ء
۱۹۵	مستری عبدالسبحان صاحب	رمضان میر صاحب	محلہ سمیاں لاہور حال قادیان	سنہ ۱۹۰۳ء	سنہ ۱۹۰۳ء
۱۹۶	مولوی عبدالستار صاحب	عبداللہ صاحب	سوہل ضلع گورداسپور حال حلقہ مسجد اقصیٰ "	سنہ ۱۸۹۲ء	سنہ ۱۸۹۲ء
۱۹۷	چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب	چوہدری جمال الدین صاحب	کاٹھگڑھ ضلع ہوشیارپور حال دارالفضل "	سنہ ۱۹۰۷ء	سنہ ۱۹۰۷ء
۱۹۸	سید بہادر شاہ صاحب	سید شیر محمد صاحب	مکوڈال تحصیل و ضلع انبالہ " "	سنہ ۱۸۹۷ء	سنہ ۱۸۹۷ء
۱۹۹	میاں دین محمد صاحب دھوبی	میراں بخش صاحب	" " حال دارالبرکات "	سنہ ۱۹۰۳ء	سنہ ۱۹۰۴ء
۲۰۰	منشی دیانت خان صاحب	مان خان صاحب	نادون ضلع کانگڑہ " دارالفضل "	سنہ ۱۸۹۶ء	سنہ ۱۸۹۶ء
۲۰۱	چوہدری اللہ بخش صاحب	چوہدری فضل دین صاحب	سیدوال اُتلے ناردوال ضلع سیالکوٹ حال دارالفضل قادیان	سنہ ۱۹۰۶ء	سنہ ۱۹۰۶ء
۲۰۲	بھاگ شاہ صاحب	میاں بھیوا صاحب	امرتسر " " "	سنہ ۱۹۰۳ء تحریری	سنہ ۱۹۰۴ء
۲۰۳	احمد دین صاحب	مانا صاحب	قادر آباد (نواں پنڈ) متصل قادیان	سنہ ۱۹۰۵ء	سنہ ۱۹۰۵ء
۲۰۴	فضل دین صاحب	ہیرا صاحب	" " " "	سنہ ۱۸۹۳ء	سنہ ۱۸۹۴ء
۲۰۵	فضل الٰہی صاحب	محمد بخش صاحب	" " " "	پیدائشی احمدی پیدائش ۱۸۹۶ء	سنہ ۱۹۰۸ء
۲۰۶	برکت علی صاحب	مانا صاحب	" " " "	" " سنہ ۱۹۰۰ء	سنہ ۱۹۰۸ء
۲۰۷	چراغ دین صاحب	فضل دین صاحب	" " " "	" " سنہ ۱۹۰۰ء	سنہ ۱۹۰۸ء
۲۰۸	جلال الدین صاحب	کالو مرحوم صاحب	" " " "	" " سنہ ۱۹۰۰ء	سنہ ۱۹۰۸ء
۲۰۹	محمد دین صاحب (مہندی) سقہ	عبدا سقہ صاحب	قادیان دارالامان	سنہ ۱۹۰۵ء	سنہ ۱۹۰۵ء
۲۱۰	فضل دین صاحب (پیچا)	جیوا صاحب	ڈھپئی ضلع گورداسپور حال قادیان دارالامان	سنہ ۱۹۰۴ء	سنہ ۱۹۰۴ء
۲۱۱	سیٹھی خلیل الرحمٰن صاحب	میاں ابراہیم صاحب مرحوم	جہلم پنڈدادی حال دارالرحمت قادیان	پیدائشی احمدی۔ پیدائش سنہ ۱۸۹۸ء	سنہ ۱۹۰۳ء بمقام جہلم
۲۱۲	جان محمد (چیمٹی رسان)	میاں نبی بخش صاحب	قادیان حلقہ مسجد اقصیٰ	سنہ ۱۸۹۸ء	سنہ ۱۸۹۸ء
۲۱۳	پیر عبدالمجید صاحب	پیر اکبر علی شاہ صاحب	کوٹلی پیراں تحصیل شاہدرہ ضلع شیخوپورہ حال قادیان محلہ دارالانوار	سنہ ۱۹۰۳ء	سنہ ۱۹۰۳ء

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۲۱۴	میاں اللہ دتہ (گھسیٹا) صاحب	میراں بخش	ننگل باغباناں متصل قادیان حال قادیان	۱۹۰۵ء	۱۹۰۵ء
۲۱۵	منشی امام الدین صاحب	عکم الدین صاحب	قلعہ درشن سنگھ ضلع گورداسپور حال دارالرحمت قادیان	۱۸۹۳ء / ۱۸۹۵	۱۸۸۸ء
۲۱۶	محمد الدین گھڑی ساز	مستری چراغ الدین	چھری کھمانے ضلع ہوشیارپور حال حلقہ مسجد اقصیٰ قادیان	۱۹۰۴ء	۱۹۰۴ء
۲۱۷	مرزا نذیر علی صاحب	مرزا محمد علی صاحب (مرحوم)	قادیان حال حلقہ مسجد " "	پیدائشی احمدی پیدائش ۱۸۹۹ء	۱۹۰۷ء
۲۱۸	مرزا سلام اللہ صاحب	مرزا غلام اللہ صاحب	" " "	۱۸۹۹ء	۱۸۹۹ء
۲۱۹	قریشی شاہ محمد صاحب	قریشی غلام قادر صاحب	" " "فضل "	۱۸۹۰ء	۱۸۹۰ء
۲۲۰	منشی امیر محمد صاحب	بیٹھے خانصاحب	کھارہ متصل قادیان حال کلرک اخبار "الفضل"	۱۹۰۲ء	۱۹۰۲ء
۲۲۱	مولوی محمد حسین صاحب احمدی مبلغ	میاں محمد بخش صاحب مرحوم	بٹالہ حال دارالرحمت قادیان	پیدائشی احمدی ۱۸۹۳ء	۱۹۰۱ء
۲۲۲	منشی محمد حسین صاحب کاتب	میاں نبی بخش صاحب	قادیان حال قادیان دارالامان	۱۹۰۴ء	۱۹۰۴ء
۲۲۳	ڈاکٹر منظور احمد صاحب	مولوی محمد دلپذیر صاحب	بھیرہ ضلع شاہ پور حال دارالعلوم قادیان	۱۹۰۸ء	۱۹۰۸ء
۲۲۴	مرزا محمد شریف صاحب	مرزا دین محمد صاحب	لنگروال ضلع گورداسپور	۱۹۰۵ء	۱۹۰۵ء
۲۲۵	چوہدری عبدالرحیم صاحب	قاضی ضیاء الدین قاضی کوٹی	قاضی کوٹ ضلع گوجرانوالہ حال حلقہ ریتی چھلہ قادیان	پیدائشی احمدی ۱۳۰۰ء ہجری	۱۹۰۰ء
۲۲۶	سید محمد عبداللہ صاحب	سید عزیز الرحمن صاحب مرحوم	بریلی حال دارالفضل قادیان	پیدائشی احمدی پیدائش ۱۹۰۱ء	۱۹۰۶ء
۲۲۷	ماسٹر نور الٰہی صاحب ڈرائنگ ماسٹر	میاں احمد دین صاحب	بھیرہ ضلع شاہ پور حال دارالفضل قادیان	۱۹۰۶ء	۱۹۰۶ء
۲۴۳	ممتاز علی صاحب صدیقی	ذوالفقار علی خانصاحب	رامپور ریاست مراد آباد حال دارالرحمت "	۱۹۰۸ء	۱۹۰۴ء
۲۴۴	میاں خیر دین صاحب	میاں سراج الدین صاحب	ڈسکہ ضلع سیالکوٹ حال دارالفضل "	۱۹۰۰ء	۱۹۰۰ء
۲۴۵	حشمت اللہ خانصاحب	نعمت اللہ خانصاحب	بدایوں۔ حال دارالعلوم قادیان	۱۹۰۵ء	۱۹۰۵ء
۲۴۶	ماسٹر نعمت اللہ خانصاحب گوہر	ننھے خان صاحب	آجھور تحصیل جگراؤں ضلع لدھیانہ حال دارالبرکات قادیان		
۲۴۷	بابا رحیم بخش صاحب سنوری (عرف کریم بخش)	اسلام خانصاحب	سنور۔ ریاست پٹیالہ حال قادیان دارالامان (نور ہسپتال)	۱۸۸۱ء	۱۸۸۶ء / ۱۸۸۷
۲۴۸	گوہر دین صاحب مستری	بھاگو	قادر آباد (نواں پنڈ) متصل قادیان حال دارالامان قادیان	۱۸۹۴ء	۱۸۹۴ء
۲۴۹	عبداللہ صاحب	میاں خدا بخش	گلاں والی۔ ضلع گورداسپور	۱۹۰۰ء	۱۹۰۰ء
۲۵۰	میاں احمد دین صاحب سیالوی	غلام مصطفٰے	شاہدرہ ضلع شیخوپورہ حال حلقہ ریتی چھلہ قادیان	۱۹۰۵ء	۱۹۰۵ء

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۲۵۱	میاں محمد حیات صاحب پنشنر جمعدار	میاں نظام الدین صاحب	چک جانی تحصیل پنڈ دادن خاں ضلع جہلم	۱۸۹۲ء تحریری	۱۹۰۳ء دستی
۲۵۲	محمد دین صاحب	جمال دین صاحب	قلعہ سوبہ سنگھ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ حال بدوملہی ضلع سیالکوٹ	۸ جون ۱۹۰۳ء	۸ جون ۱۹۰۳ء
۲۵۳	میاں روشن دین صاحب	میاں مطیع اللہ صاحب	چینڈ کے منگولے ضلع سیالکوٹ حال دارالرحمت قادیان	۱۹۰۲ء	۱۹۰۲ء
۲۵۴	ملک شادی خانصاحب	ملک امیر بخش	سیکھواں ضلع گورداسپور " "	۱۹۰۵ء	۱۹۰۵ء
۲۵۵	ماسٹر علی محمد صاحب بی۔اے بی ٹی کارکن نظارت تعلیم	چوہدری سہتے خانصاحب	سٹھوڑ ضلع لدھیانہ حال دارالفضل "	۱۹۰۵ء	۱۹۰۷ء
۲۵۶	میاں بھاگ صاحب کمہار	میاں محمد بخش کمہار	قادیان حال حلقہ مسجد اقصیٰ قادیان	۱۹۰۷ء	۱۹۰۷ء
۲۵۷	بڈھا تیلی صاحب	فتا صاحب	" " " فضل "	۱۸۹۲ء	۱۸۹۲ء
۲۵۸	قطب الدین صاحب	حامد علی صاحب	" " " "	۱۸۹۴ء	۱۸۹۴ء
۲۵۹	منشی عبدالکریم صاحب	یوسف علی صاحب	سنگرور عثمان پور " "	۱۸۹۷ء تحریری	۱۹۰۲ء
۲۶۰	سید علی احمد صاحب	سید نیاز احمد صاحب	رجادلی ضلع انبالہ حال دارالعلوم و دارالفضل ۔ قادیان	ستمبر ۱۹۰۷ء	ستمبر ۱۹۰۷ء
۲۶۱	مولوی خیر دین صاحب	میاں مستقیم صاحب	روڑجہ دال ضلع امرتسر حال ناصر آباد قادیان	۱۹۰۶ء	۱۹۰۶ء
۲۶۲	محمد علی صاحب	نظام الدین صاحب	ننگل خورد متصل قادیان	۱۹۰۶ء	۱۹۰۶ء
۲۶۳	عبداللہ صاحب دکاندار	میاں محمد بخش صاحب	قادیان حال قادیان حلقہ مسجد اقصیٰ	۱۹۰۰ء	۱۹۰۰ء
۲۶۴	منشی محمد اسمٰعیل صاحب	میاں محمد اکبر صاحب مرحوم	بٹالہ " " "	۱۸۹۸ء پیدائشی احمدی	۱۸۹۸ء
۲۶۵	میاں محمد وارث صاحب	پیر بخش صاحب	بھڑی شاہ رحمن حال " " "	۱۹۰۵ء	۱۹۰۵ء
۲۶۶	میاں غلام محمد صاحب زرگر	میاں محمد قاسم صاحب	بیگووالہ ضلع سیالکوٹ حال قادیان	۱۸۹۵ء	۱۸۹۵ء
۲۶۷	ڈاکٹر فضل کریم صاحب	چوہدری بوٹے خانصاحب	بدھی تحصیل شکر گڑھ ضلع گورداسپور	۱۹۰۳ء	۱۹۰۳ء
۲۶۸	ماہی کمہار صاحب	عمرا کمہار صاحب	قادیان حال قادیان حلقہ مسجد فضل	۱۹۰۵ء	۱۹۰۵ء
۲۶۹	میاں خیرالدین صاحب سیکھوانی	میاں محمد صدیق صاحب	سیکھواں ۔ گورداسپور حال دارالرحمت قادیان	۱۸۸۹ء	۱۸۸۹ء
۲۷۰	میاں بابو صاحب	پھمن صاحب	ماہل پور ضلع ہوشیارپور حال احمدآباد متصل "	۱۹۰۵ء	۱۹۰۵ء
۲۷۱	میاں عبداللہ صاحب مالی	میاں حکم دین "	قادیان حال قادیان حلقہ مسجد فضل	۱۸۹۲ء	۱۸۹۲ء
۲۷۲	مستری فضل دین صاحب	نہال چند	کلا افغاناں ضلع گورداسپور حال دارالرحمت قادیان	۱۸۹۷ء	۱۸۹۷ء

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۲۷۳	منشی سکندر علی صاحب پنشنر مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام	چوہدری ولیداد صاحب	لکھن کلاں ضلع گورداسپور حال بھینی بانگر متصل قادیان	مارچ ۱۹۰۲ء	مارچ ۱۹۰۲ء
۲۷۴	ماسٹر مامون خان صاحب	میاں کالو خان صاحب	ماچھیواڑہ ضلع لدھیانہ حال قادیان حلقہ مسجد اقصیٰ	۱۹۰۴ء تحریری	۱۹۰۶ء دستی
۲۷۵	ملک عبدالحق صاحب	ملک غلام رسول صاحب	کنجاہ ضلع گجرات حال ناصر آباد قادیان	۱۹۰۳ء	۱۹۰۳ء
۲۷۶	قاضی دین محمد صاحب	قاضی علی محمد صاحب	قادیان حال قادیان حلقہ مسجد اقصیٰ	۱۹۰۷ء	۱۹۰۷ء
۲۷۷	چراغ دین صاحب	محمد بخش صاحب	قادر آباد (نواں پنڈ) متصل قادیان	۱۹۰۵ء	۱۹۰۵ء
۲۷۸	مرزا ضمیر علی صاحب	مرزا محمد علی صاحب	قادیان حال قادیان حلقہ مسجد اقصیٰ	احمدی پیدائشی پیدائش ۱۹۰۱ء	۱۹۰۷ء
۲۷۹	مرزا عمر دین صاحب	مرزا بوٹا بیگ صاحب	" " " "	۱۸۹۷ء	۱۸۹۷ء
۲۸۰	امام الدین صاحب (چنے فروش)	پیرا اندتہ صاحب	" " " "	۱۹۰۲ء	۱۹۰۲ء
۲۸۱	خواجہ عبدالرحمٰن صاحب	خواجہ محمد شاد یخان صاحب	سیالکوٹ حال ناصر آباد قادیان	۱۹۰۲ء	۱۹۰۲ء
۲۸۱ الف	مرزا اکبر بیگ صاحب	مرزا دین محمد صاحب	لنگروال ضلع گورداسپور	۱۹۰۴ء	۱۹۰۴ء
۲۸۲	عبدالحق صاحب دوکاندار	عبداللہ فضل دین صاحب	قادیان	۱۹۰۵ء	۱۹۰۵ء
۲۸۳	محمد رمضان سابق دوکاندار حال ملازم حضرت میر محمد اسحٰق صاحب	بڈھا صاحب	ننگل ضلع گورداسپور حال قادیان	۱۹۰۷ء تحریری	مئی ۱۹۰۸ء
۲۸۴	میاں عبداللہ صاحب ہندوستانی ٹوپی فروش	میاں اللہ بخش صاحب	بنی ضلع روہتک حال دارالرحمت قادیان	۱۹۰۵ء	۱۹۰۵ء
۲۸۵	قریشی ولی محمد صاحب بکرا قرخانی	قریشی شاہ محمد صاحب	قادیان حلقہ مسجد فضل	پیدائشی احمدی پیدائش ۱۸۹۵ء	۱۹۰۶ء
۲۸۶	عبدالمجید خاں صاحب	غلام حسین خانصاحب	قصبہ آنولہ ضلع بانس بریلی حال حلقہ مسجد فضل قادیان	۱۹۰۷ء	۱۹۰۷ء
۲۸۷	میاں پیرا اندتہ صاحب کمہار	میاں دین محمد صاحب	قادیان حلقہ مسجد اقصیٰ قادیان	۱۸۹۷ء	۱۸۹۷ء
۲۸۸	بابو محمد عبداللہ صاحب اوورسیر	مولوی رحیم بخش صاحب	تونڈی جھنگلاں ضلع گورداسپور حال دارالرحمت قادیان	پیدائشی احمدی پیدائش فروری ۱۹۰۴ء	۱۹۰۷ء
۲۸۹	بابا محمد فضل خانصاحب	میاں قائم الدین خانصاحب	چنگا بنگیال ضلع راولپنڈی حال دارالفضل قادیان	۱۹۰۱ء ۱۹۰۳ء تحریری	۱۹۰۷ء دستی
۲۸۹	مولوی غلام احمد صاحب مولوی فاضل	مولوی عبدالحق صاحب	بدوملہی ضلع سیالکوٹ حال دارالرحمت قادیان	پیدائشی احمدی پیدائش ۱۹۰۰ء	۱۹۰۶ء

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۲۹۰	مولوی عبد الحق صاحب	میاں امام الدین صاحب مرحوم	بدو ملہی ضلع سیالکوٹ	سنہ ۱۸۹۳ء	سنہ ۱۸۹۳ء
۲۹۱	مولوی غلام رسول صاحب	"	"	"	"
۲۹۲	چوہدری رحمت خاں صاحب بکیر	چوہدری سوہنے خاں صاحب	سڑوعہ ضلع ہوشیارپور حال دار الفضل قادیان	سنہ ۱۹۰۳ء تحریری	سنہ ۱۹۰۵ء دستی
۲۹۴	قریشی عبد الحق صاحب	قریشی سردار علی صاحب	میانی بھیرہ ضلع شاہپور حال دار الرحمت "	سنہ ۱۸۹۵ء	سنہ ۱۸۹۵ء
۲۹۵	ماسٹر محمد شریف خانصاحب	مولوی عبد القادر صاحب لدھیانوی	لدھیانہ۔ حال دار الرحمت قادیان	پیدائشی احمدی سنہ ۱۸۹۸ء	سنہ ۱۹۰۷ء
۲۹۶	مستری رحیم بخش صاحب	صدر دین صاحب	بھانبڑی ضلع گورداسپور "	سنہ ۱۹۰۵ء	سنہ ۱۹۰۵ء
۲۹۷	بابو اکبر علی صاحب ریٹائرڈ ورک انسپکٹر ریلویز	چوہدری امیر علی صاحب	ایل ساہنسی ضلع گوجرانوالہ حال دار العلوم قادیان	سنہ ۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۷	سنہ ۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۷
۲۹۸	مولوی فضل الدین صاحب	میاں الہ دین صاحب	نون ضلع گجرات حال دار الرحمت "	سنہ ۱۹۰۲ء	سنہ ۱۹۰۱ء
۲۹۹	مستری عمر دین	بھاگو صاحب	قادر آباد (نواں پنڈ) متصل قادیان حال دار الفضل قادیان	سنہ ۱۹۰۷ء	سنہ ۱۹۰۷ء
۳۰۰	حافظ نبی بخش صاحب	شیخ کریم بخش صاحب	فیض اللہ چک حال دار الفضل قادیان	تخمیناً سنہ ۱۸۹۱ء ۱۸۹۲	تخمیناً سنہ ۱۲۹۶ ہجری ۱۸۷۷ء
۳۰۱	میاں فضل دین صاحب دکاندار	میاں عیدا صاحب	دھرم کوٹ بگہ ضلع گورداسپور حال حلقہ مسجد فضل قادیان	سنہ ۱۹۰۲ء	سنہ ۱۹۰۲ء
۳۰۲	محمد شریف صاحب (خواجہ) کشمیری دکاندار سبزی	میاں میراں بخش صاحب	قادیان۔ حال حلقہ ریتی چھلہ قادیان	پیدائشی احمدی سنہ ۱۸۹۸ء	سنہ ۱۹۰۶ء
۳۰۳	محمد عبد العزیز صاحب	مولوی محمد عبد اللہ صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام	قوم راجپوت کھوکھر ساکن بھینی ڈاکخانہ ترتی لویا ضلع شیخوپورہ حال مہاجر محلہ دار الرحمت قادیان	سنہ ۱۹۰۶ء	سنہ ۱۹۰۶ء
۳۰۴	محمد قاسم احمد صاحب	عطر الدین صاحب	امرتسر۔ دروازہ ہاتھی کوچہ مکل حاجی حال قادیان محلہ دار الرحمت	سنہ ۱۹۰۴ء	سنہ ۱۹۰۴ء
۳۰۵	حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی	حافظ محمد حسین صاحب	وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ حال دار العلوم قادیان	سنہ ۱۸۹۷ء	سنہ ۱۸۸۶ء
۳۰۶	مستری امین اللہ صاحب	محمد بخش صاحب احمدی	ٹھیٹھل ضلع امرتسر حال دار الرحمت "	سنہ ۱۸۹۹ء	سنہ ۱۸۹۹ء
۳۰۷	احمد نور صاحب کابلی	اللہ نور صاحب کابلی	قرم خوست ایوب قلعہ جدوان حال دار الامان قادیان	سنہ ۱۸۹۸ء	سنہ ۱۹۰۲ء
۳۰۸	میاں نور محمد صاحب	غلام دین صاحب	قادر آباد (نواں پنڈ) متصل قادیان	سنہ ۱۹۰۴ء	سنہ ۱۹۰۴ء
۳۰۹	میاں رحم دین صاحب باورچی حضرت نواب صاحب	جمال الدین صاحب	مالیرکوٹلہ حال قادیان دار العلوم	سنہ ۱۹۰۲ء یا ۱۹۰۳	سنہ ۱۹۰۲ء یا ۱۹۰۳

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۳۱۰	منشی عبدالحق صاحب کاتب	حکیم چراغ الدین صاحب	جوڑہ کرنالہ ضلع گجرات حال دارالعلوم قادیان	۱۸۹۷ء	۱۸۹۷ء
۳۱۱	ڈاکٹر فیض علی صاحب صابر فیض عام میڈیکل ہال	مولوی عبدالغنی صاحب نومسلم مرحوم	امرتسر حال دارالعلوم قادیان	سنہ ء	سنہ ء
۳۱۲	محمد یٰسین صاحب موٹر ڈرائیور حضرت نواب صاحب	بابو محمد ابراہیم صاحب	گوہد پور ضلع سیالکوٹ حال دارالعلوم قادیان	۱۹۰۴ء	۱۹۰۴ء
۳۱۳	میاں محمد اسمٰعیل صاحب سیکھوانی	میاں جمال الدین صاحب سیکھوانی	سیکھواں ضلع گورداسپور	پیدائشی احمدی ۱۸۹۷ء	۱۹۰۴ء
۳۱۴	خانصاحب حامد حسین خانصاحب	خانصاحب محمد حسین خانصاحب	حال دارالرحمت قادیان	۱۹۰۴ء	۱۹۰۴ء
۳۱۵	مرزا فیروز الدین صاحب	مرزا امام الدین صاحب مرحوم	قادیان حلقہ مسجد اقصیٰ قادیان	پیدائشی احمدی ۱۸۹۷ء	۱۹۰۶ء
۳۱۶	منشی فیض احمد صاحب بھٹی کاتب الفضل	چوہدری محمد الدین صاحب بھٹی	مہاراجکے چیچے ضلع گوجرانوالہ حال دارالبرکات قادیان	پیدائشی احمدی ۱۸۹۹ء	۱۹۰۴ء
۳۱۷	میاں احمد دین صاحب	میاں حیات محمد صاحب مرحوم	گوئیکی ضلع گجرات حال " "	۱۹۰۶ء	۱۹۰۶ء
۳۱۸	میاں ملاؤالدین صاحب جیولر میاں فیملی	میاں معراج الدین صاحب عمر	لاہور حال دارالرحمت قادیان	پیدائشی احمدی ۱۸۹۸ء تخمیناً	۱۹۰۴ء
۳۱۹	ڈاکٹر نعمت خانصاحب پنشنر	امان خان صاحب	نارون ضلع کانگڑہ حال دارالفضل قادیان	۱۸۹۶ء تحریری	۱۹۰۰ء
۳۲۰	میاں محمد شفیع صاحب اوورسیر	میاں عبدالعزیز صاحب	اوجلہ متصل گورداسپور حال قادیان	۱۸۹۹ء	۱۸۹۵ء
۳۲۱	بابا شیر محمد صاحب	دتے خان صاحب	خان فتا ضلع گورداسپور، دارالعلوم قادیان	۱۸۹۴ء	۱۸۹۴ء
۳۲۲	مولوی فضل الٰہی صاحب	مولوی کرم دین صاحب	پنڈدادنخان ضلع جہلم حال دارالبرکات "		
۳۲۳	کرم الٰہی صاحب	میاں محمد الدین صاحب	بھیرہ ضلع شاہ پور حال دارالعلوم "	پیدائشی احمدی ۱۹۰۱ء	۱۹۰۶ء
۳۲۴	ملک خان بادشاہ مہاجر	گل بادشاہ صاحب	درگئی۔ خوست حال قادیان	۱۹۰۲ء	۱۹۰۲ء
۳۲۵	ڈاکٹر مرزا محمود بیگ صاحب	مرزا محمد بیگ صاحب مرحوم	قادیان	۱۹۱۰ء	۱۹۰۰ء
۳۲۶	چوہدری مبارک احمد صاحب ہیڈ کلرک دفتر ایجنسی سرحد شمالی وزیرستان۔ میرام شاہ	چوہدری امان اللہ خان سکنہ بہلول پور ضلع سیالکوٹ	بہلول پور ضلع سیالکوٹ حال میرام شاہ		
۳۲۷	قاضی تاج الدین صاحب	مولوی غلام رسول صاحب	ادھوالی ضلع گوجرانوالہ حال دارالانوار قادیان	۱۸۹۵ء	۱۸۹۵ء
۳۲۸	میاں نور محمد صاحب (سی پی)	عبداللہ صاحب	بسرا۔ متصل قادیان	۱۹۰۵ء	۱۹۰۵ء
۳۲۹	میاں نتھو صاحب راجپوت	گھلا (راجپوت)	قادیان حلقہ مسجد فضل قادیان	۱۹۰۵ء	۱۹۰۵ء

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۳۳۰	مولوی عبید اللہ صاحب رانجھا	حکیم عمر بخش صاحب المعروف عمر الدین قوم جٹ رانجھا	ساکن چنڈیاں تحصیل ضلع لاہور ڈاکخانہ جلو حال دار الفضل قادیان	سنہ ۱۹۰۶ء	سنہ ۱۹۰۷ء
۳۳۱	مستری مہر دین صاحب	مستری گوہر دین صاحب	قادر آباد متصل قادیان حال دار الفضل قادیان		
۳۳۲	منشی محمد ابراہیم صاحب	میاں محمد اکبر صاحب مرحوم	بٹالہ ضلع گورداسپور حال حلقہ مسجد اقصیٰ "		
۳۳۳	مرزا صالح علی صاحب	مرزا صفدر بیگ صاحب	مالیر کوٹلہ حال " " "		
۳۳۴	مرزا احمد بیگ صاحب	مرزا بڈھا بیگ مرحوم	قادیان دار الامان	تخمیناً سنہ ۱۸۸۹ء	تخمیناً سنہ ۱۸۸۰ء
۳۳۵	منشی رحمت اللہ صاحب واثق	منشی کرم علی صاحب کاتب	حال دار البرکات قادیان	پیدائشی احمدی سنہ ۱۹۰۳ء	سنہ ۱۹۰۷ء
۳۳۶	میاں محمد صادق صاحب جہلمی	میاں نظام الدین صاحب	جہلم " دار الفضل "	سنہ ۱۹۰۳ء	سنہ ۱۹۰۳ء
۳۳۷	حکیم عبد الرحمٰن صاحب	میاں عبد اللہ فضل دین صاحب	قادیان دار الامان	پیدائشی احمدی سنہ ۱۹۰۲ء	سنہ ۱۹۰۸ء
۳۳۸	میاں شیخ محمد صاحب چیٹھی رسان	میاں غلام قادر صاحب	" حلقہ مسجد اقصیٰ قادیان	سنہ ۱۹۰۳ء	سنہ ۱۸۹۳ء
۳۳۹	ڈاکٹر چوہدری عبد الرحمٰن صاحب	چوہدری عبد الرحیم صاحب	قادیان	پیدائشی احمدی سنہ ۱۹۰۲ء	سنہ ۱۹۰۷ء
۳۴۰	مہتہ عبد القادر صاحب قادیانی	عبد الرحمٰن صاحب قادیانی	"	پیدائشی احمدی سنہ ۱۹۰۴ء	سنہ ۱۹۰۴ء
۳۴۱	چوہدری شریف احمد صاحب	چوہدری محمد ابراہیم صاحب	گوہد پور ضلع سیالکوٹ حال دار العلوم قادیان	پیدائشی احمدی سنہ ۱۸۹۹ء	سنہ ۱۹۰۷ء
۳۴۲	" عبد الرحمٰن صاحب کشمیری	" شادی صاحب کشمیری	قادیان - حلقہ مسجد اقصیٰ	سنہ ۱۹۱۰ء	سنہ ۱۹۰۰ء
۳۴۳	محمد رحیم الدین احمد صاحب تین سو تیرہ میں ۳۰۲	کریم الدین صاحب	ضلع بجنور رجب والا۔ حال دار الرحمت قادیان	سنہ ۱۸۹۴ء جون تحریری	اگست سنہ ۱۸۹۶ء
۳۴۴	حکیم اللہ دتہ صاحب	نظام الدین صاحب	موضع شاہ پور امرگڑھ ضلع گورداسپور	دستی سنہ ۱۹۰۲ء	سنہ ۱۸۹۸ء
۳۴۵	فضل دین صاحب (عرف فجا) کشمیری	نظام الدین دفعدار مرحوم	قادیان حلقہ مسجد اقصیٰ	سنہ ۱۹۰۴ء	سنہ ۱۸۹۰ء
۳۴۶	محمد یعقوب صاحب	محمد اکبر صاحب مرحوم	بٹالہ ضلع گورداسپور حال قادیان دار الرحمت	پیدائشی احمدی سنہ ۱۸۹۸ء	سنہ ۱۹۰۸ء
۳۴۷	ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب بی۔ اے (مہر سنگھ)	سردار شیخ سندا سنگھ صاحب	ڈومیلی۔ ضلع جالندھر حال دار الفضل قادیان		
۳۴۸	مولوی عبد الرحیم صاحب نیر	مولوی حافظ حکیم محمد سلیمان	اکونہ۔ ضلع بہرائچ " " "	سنہ ۱۹۰۱ء	سنہ ۱۹۰۱ء
۳۴۹	مرزا محمد افضل صاحب	مرزا محمد جلال الدین صاحب مرحوم	بلانی ضلع گجرات حال دار الرحمت قادیان	سنہ ۱۹۰۴ء	سنہ ۱۹۰۳ء
۳۵۰	ماسٹر خلیل الرحمٰن صاحب	نیک عالم صاحب	بنجیرلی براستہ جہلم ریاست جموں حال دار الرحمت قادیان		
۳۵۱	ذو الفقار علی خاں صاحب	عبد العلی خاں صاحب	ریاست رام پور ساکن حال قادیان دار الامان	سنہ ۱۹۰۰ء	سنہ ۱۹۰۴ء

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۳۵۲	عبدالرحمٰن صاحب قادیانی وصیت ۱۴۹ فہرست ۳۱۲ میں ۱۰۱	مہتہ گوراندتہ مل صاحب موہیال	کنجروڑ دتاں - ضلع گورداسپور حال قادیان دارالامان	۱۳۱۲ھ ۱۸۹۵ء	۱۳۱۲ھ ۱۸۹۵ء
+					
=۱۵	نمبرات ابجد اراکین خاندان مسیح موعودؑ متعلقین				
۱					
۳۶۸ (-) ۱ ۳۶۷	غلطی سے دو نمبر مثلاً ۲۸۱ نمبر دو مرتبہ ہے۔ اور ۱۱۵ دو مرتبہ درج ہوا۔ ۱۱۵ پر بھی یہی نام ہے اور ۲۸۹ پر بھی وہی۔ اس طرح ایک نمبر کم ہو گیا۔ کل نمبر ۳۶۷ ہوئے ہیں ؎				
۳۶۸	سید شاہ عالم صاحب	حافظ سید صوفی محمد حسین صاحب مرحوم	بریلی حال قادیان دارالامان	پیدائشی احمدی ۱۸۹۹ء پیدائش ۲۲ اکتوبر	۱۹۰۵ء
۳۶۹	مولوی جان محمد صاحب	مولوی عبدالغفار صاحب	ڈسکہ ضلع سیالکوٹ حال قادیان دارالبرکات	۳ مئی ۱۹۰۱ء	دسمبر ۱۹۰۰ء
۳۷۰	میاں وزیر محمد صاحب	-	رہتاس ضلع جہلم	۱۸۹۳ء	۱۸۹۳ء
۳۷۱	بابو مولا بخش صاحب	چوہدری بڈھا صاحب	ننگل باغباناں	پیدائشی	تخمیناً ۱۹۰۳ء
۳۷۲	محمد اکبر علی صاحب	مولوی محمد علی صاحب	موضع بہادر ضلع گورداسپور حال قادیان محلہ دارالرحمت	"	۱۹۰۲ء
۳۷۳	کپتان محمد دین صاحب	خانصاحب امام الدین خاں	بٹالہ حال کھارہ متصل قادیان	۱۸۹۸ء متوفی	۱۹۰۰ء
۳۷۴	شیخ مہر دین صاحب	شیخ فضل الٰہی صاحب	سیالکوٹ شہر قادیان دارالصناعت تحریک جدید	۱۹۰۶ء	۱۹۰۶ء
۳۷۵	سید محمود شاہ صاحب	-	کلانور	-	-
۳۷۶	ماسٹر نذیر حسین صاحب	حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ لاہور	سابق - لاہور بیرون دہلی دروازہ حال محلہ دارالعلوم غربی برلب سڑک قادیان	پیدائشی احمدی پیدائش ۱۸۹۴ء	۱۹۰۰ء
۳۷۷	گلزار محمد صاحب	شیخ عطا محمد صاحب مرحوم	چنیوٹ ضلع جھنگ حال معرفت میاں شمس دین فیروز دین صاحب	۱۹۰۸ء جنوری	۱۹۰۸ء
۳۷۸	میاں عبدالعزیز صاحب المعروف مغل	میاں چراغ دین صاحب	لاہور لنگے منڈی بیرون دہلی دروازہ لاہور	۱۸۸۹ء	۱۸۸۹ء
۳۷۹	خان بہادر شیخ رحمت اللہ صاحب ریٹائرڈ	شیخ امیر اللہ صاحب	سیالکوٹ حال دارالعلوم قادیان	۱۹۰۵ء	۱۹۰۵ء
۳۸۰	شیخ احمد اللہ صاحب	شیخ الٰہی بخش صاحب	چھاؤنی سیالکوٹ " " "	سنہ ء	سنہ ء

نمبر شمار	اسماء گرامی	ولدیت	متوطن	سن بیعت	سن زیارت
۳۸۱	ملک نور الدین صاحب	ملک الٰہی بخش صاحب	کنجاہ ضلع گجرات حال دار الفضل قادیان	۱۸۹۷ء	۱۸۹۷ء
۳۸۲	مرزا احمد ابراہیم صاحب	مرزا عبداللہ بیگ صاحب	ملتان حال دار العلوم "	۱۹۰۷ء	۱۹۰۶ء
۳۸۳	بھو صاحب	نامدار صاحب	قادیان - دار الانوار	۱۹۰۴ء	۱۹۰۴ء
۳۸۴	میاں خیر دین صاحب	میاں وزیرا صاحب	ننگل باغباناں حال قادیان	۱۹۰۳ء	۱۸۹۳ء
۳۸۵	حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب	حضرت چوہدری نصر اللہ خانصاحب	ڈسکہ ضلع سیالکوٹ حال قادیان حلقہ دار الانوار قادیان	۱۸۹۹ء یا ۱۹۰۰ء	۱۹۰۵ء یا ۱۹۰۶ء
۳۸۶	چوہدری بشیر احمد صاحب	چوہدری غلام احمد صاحب مرحوم	چھور کاہلواں تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ حال ایڈیشنل جج مطالبہ دہلی		
۳۸۷	میاں چوہدری علی حسن صاحب	میاں احمد بخش صاحب مرحوم	سنور ریاست پٹیالہ - حال دار الامان قادیان	پیدائشی احمدی ۱۸۸۰ء	۱۸۸۴ء ۱۸۸۵
۳۸۸	میاں محمد اسد اللہ صاحب	مولوی عزیز بخش صاحب	تیجہ کلاں تحصیل بٹالہ حال دار الرحمت قادیان	۱۹۰۳ء	۱۹۰۴ء ۱۹۰۵
۳۸۹	اخوند محمد اکبر صاحب	اخوند رحیم بخش خانصاحب	محلہ مسجد فضل "	اپریل ۱۸۸۵ء	۱۹۰۴ء
۳۹۰	شیخ محمد حسین صاحب قانونگو پنشنر	شیخ غلام حیدر صاحب	" " "	قریباً ۱۸۸۲ء	۱۹۰۶ء
۳۹۱	میاں عبد العزیز صاحب	میاں علاؤ الدین صاحب	شکار ماچھیاں ضلع گورداسپور حال محلہ دار العلوم قادیان	۱۹۰۶ء	۱۹۰۶ء
۳۹۲	میاں محمد وارث صاحب	میاں پیر بخش صاحب	بھڑی شاہ رحمان ضلع گوجرانوالہ حال قادیان دار الامان	۱۸۹۴ء ۱۸۹۵	۱۹۰۲ء اندازاً
۳۹۳	حکیم محمد چراغ الدین صاحب	عبد الکریم صاحب	جوڑہ کرنانہ ضلع گجرات حال محلہ دار العلوم قادیان	۱۹۰۲ء	۱۹۰۳ء بمقام جہلم

جہاں تک ہمارا علم ہے یہ فہرست مکمل ہے

نوٹ ۱- حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں صحابی کی تعریف یہ ہے کہ "جس شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی ہو اور پھر ارتداد نہیں کیا خواہ درمیان میں کسی قدر کمزوری کیوں نہ ہو گیا ہو۔ وہ یقیناً صحابی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔"
(الفضل ۲۴ فروری ۱۹۴۰ء صفحہ ۲)

۲- مندرجہ بالا رجسٹر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دستخط بھی موجود ہیں (ناقل)

جہاں تک ہمارا علم ہے یہ فہرست مکمل ہے۔
(حضرت) مرزا شریف احمد ۳۰.۳.۴۵

30/3/45

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے سفرِ حیدرآباد کے گروپ فوٹو

۱- خان بہادر احمد اللہ الدین المخاطب نواب احمد نواز جنگ بہادر صاحب کی کوٹھی۔

کُرسیوں پر (دائیں سے بائیں) (۱) نور محمد اللہ الدین صاحب (غیر احمدی)۔ (۲) خانصاحب دوست محمد اللہ الدین صاحب (غیر احمدی)۔ (۳) نواب احمد نواز جنگ بہادر (غیر احمدی)۔ (۴) سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ۔ (۵) حضرت سیٹھ عبداللہ بھائی صاحبؓ (۶) مولوی سیّد بشارت احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ حیدرآباد۔ (۷) فدا حسین خانصاحب۔ (۸) غلام دستگیر صاحب (غیر احمدی)۔ سیٹھ علی محمد عبداللہ الہ الدین۔ حضور کے قدموں میں بیٹھے ہوئے حضرات (دائیں سے بائیں) (۱) میاں عبدالرحیم صاحب۔ (۲) حضرت حافظ مالک محمد صاحب۔ (۳) عبدالجلیل صاحب فیض۔ (۴) محمد عبداللہ صاحب بی۔ ایس۔ سی۔ (۵) پروفیسر حبیب اللہ خانصاحب۔ (۶) سیٹھ محمد اعظم صاحب۔ (۷) حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ۔ (۸) عبدالغفور صاحب۔ (۹) عبدالقادر صاحب یوحنا۔ (۱۰) سیّد منیر الدین صاحب۔ (حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی پُشت پر حکیم میر سعادت علی صاحب اور اُن کے دائیں بازو مولوی عبدالقادر صاحب صدیقی کھڑے ہیں۔ ان کے علاوہ اس تصویر میں اور جو لوگ ہیں اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ (۱) سیٹھ سید جعفر صاحب۔ (۲) سیٹھ محمد علی صاحب۔ (۳) سیٹھ محمد علی صاحب رڈکوری (۴) شیخ علی صاحب ظہیرآبادی۔ (۵) حیدر علی صاحب۔ (۶) سیٹھ فاضل الہ الدین صاحب۔ (۷) ڈاکٹر میر احمد سعید صاحب فوجی لباس میں۔ (۸) ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے پرائیویٹ سیکرٹری۔ (۹) عطا محمد صاحب پہرہ دار حضرت صاحب (۱۰) محمد یعقوب صاحب عثمان آباد۔ (۱۱) مولوی محمد لقمان صاحب۔ (۱۲) نذیر احمد صاحب بنگلوری ؛

۲- حیدرآباد کے مضافاتی ریلوے اسٹیشن بیگم پیٹھ پر۔

حضرت خلیفۃ المسیحؓ کے دائیں طرف ایستادہ چند اصحاب:- (۱) مولوی سید بشارت احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ حیدرآباد۔ (۲) حضرت سیٹھ عبداللہ بھائی الہ الدین صاحب۔ (۳) سیٹھ محمد غوث صاحب۔ (۴) سید محمد عقیل صاحب۔ (۵) مولوی مومن حسین صاحب (ترکی ٹوپی اور سفید ڈاڑھی)۔ حضور کے بائیں جانب۔ (۱) نواب احمد نواز جنگ بہادر صاحب۔ (۲) حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ۔ (۳) نواب اکبر یار جنگ بہادر صاحب (عینک اور ترکی ٹوپی پہنے) اور ان کے پشت پر عینک لگائے ہوئے مولوی فضل حق خانصاحب ناظم عدالت۔ اور اُن کے دائیں جانب نواب غلام احمد خانصاحب ایڈووکیٹ۔

اس تصویر میں اور جو حضرات موجود ہیں اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ (۱) محترم شیخ محمود احمد صاحب عرفانی۔ (۲) سیٹھ محمد اعظم صاحب۔ (۳) پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب (۴) میاں عبدالرحیم صاحب۔ (۵) بشیر علی صاحب کنجاہی۔ (۶) محمد عبدالقادر صاحب صدیقی۔ (۷) حکیم میر سعادت علی صاحب۔ (۸) عبدالحی صاحب مجھلی بندان۔ (۹) عبدالغفور صاحب۔ (۱۰) شیخ علی صاحب ظہیرآبادی۔ (۱۱) سیٹھ فاضل الہ الدین صاحب۔ (۱۲) احمد حسین صاحب سعید تیماپوری۔ (۱۳) نواب سید محمد رضوی صاحب (۱۴) سیٹھ غلام قادر صاحب شرق۔ (۱۵) سیٹھ علی محمد صاحب۔ (۱۶) مرزا سلیم بیگ صاحب (۱۷) حیدر علی صاحب۔ (۱۸) محترم یوسف عرفانی صاحب ÷

لوائے احمدیّت

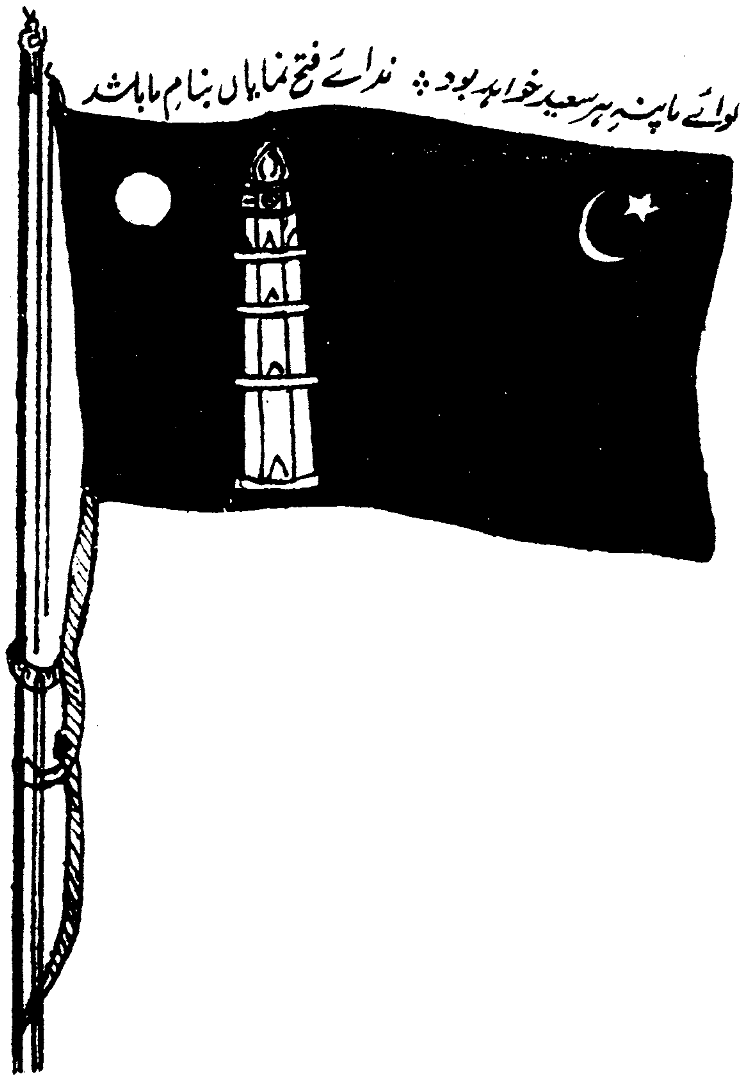

لوائے خدّام الاحمدیّہ

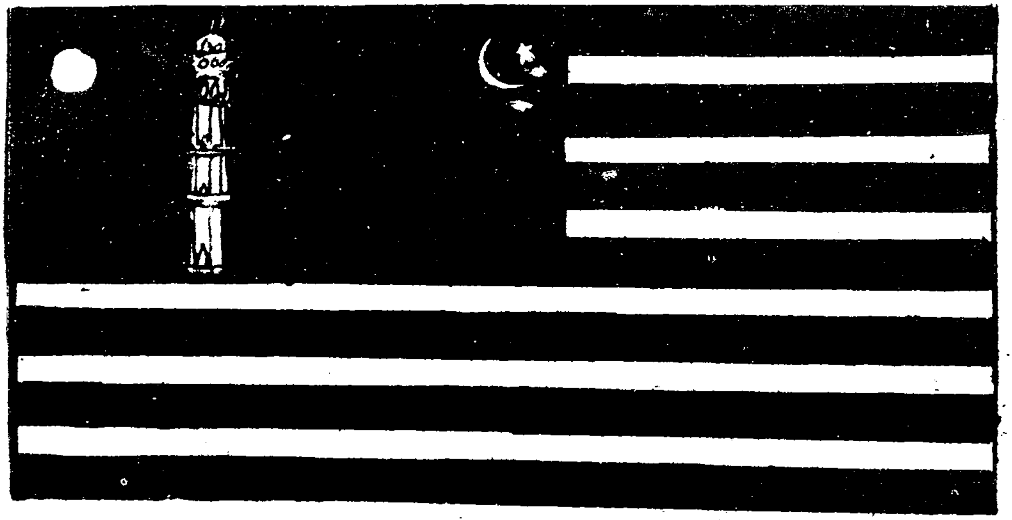

لوائے لجنہ اماء اللہ

مینیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین ربوہ نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ سے چھپوا کر شائع کیا۔ طبع اوّل - دسمبر ۱۹۶۷ء

تاریخ احمدیت

جلد نہم

تقویم ہجری شمسی کے اجرائے سے لیکر حضرت
امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دعویٰ
مصلح موعود تک

۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء تا ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء

مؤلفہ
دوست محمد شاہد

ادارۃ المصنفین ربوہ۔ ضلع جھنگ

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد ہشتم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر واشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-115-1

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-8 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt. Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-115-1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جابجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرّخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گزشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنّفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۹ کو جلد نمبر ۸ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد ہشتم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر و اشاعت قادیان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
—— وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ ——

تاریخ احمدیّت جلد نہم

(رقم فرمودہ مکرم و محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب)

یہ امر میرے لئے باعث خوشی ہے کہ امسال ادارۃ المصنفین کی طرف سے تاریخ احمدیّت کی نویں جلد احباب کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔ عنوانات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جلد سلسلہ کے بہت ہی اہم واقعات پر مشتمل ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو قومیں اپنی تاریخ کو زندہ رکھتی ہیں اُن کی تاریخ انہیں زندہ رکھنے میں ممدّ و معاون ثابت ہوتی ہے۔ اور اپنے اسلاف کو بھلا دینے والی قومیں رفتہ رفتہ بھولی بسری قوموں کے انبوہ میں شامل ہو کر اپنی انفرادیت کو کھو دیتی ہیں۔ لیکن وہ قومیں جو دُنیاوی رشتوں اور بندھنوں سے تالیف پاتی ہیں اُن سے کہیں زیادہ مذہبی قوموں کا فرض ہوتا ہے کہ اپنی تاریخ اور اپنے اسلاف کے اعمال اور کردار کو زندہ و پائندہ رکھیں۔

دنیاوی قوموں کی تاریخ تو بسا اوقات یاد رکھنے کے قابل واقعات سے ہی خالی ہوتی ہے بلکہ اکثر و بیشتر ظلم، حق تلفی، خود فراموشی اور خدا فراموشی کے واقعات کی کثرت کے باعث انتہائی بدزیب اور بھیانک نظر آتی ہے اس کے باوجود دُنیاوی قومیں اپنے اسلاف کی یادوں کو زندہ رکھنے کے لئے کثیر اموال صرف کر کے اپنی تاریخ کے مٹتے ہوئے باریک نقوش کو محفوظ کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہتی ہیں پھر کیا مذہبی اقوام کا اس سے کہیں زیادہ یہ فرض نہیں کہ حقائق پر مشتمل اپنی قیمتی تاریخ کو محفوظ کرنے کی پوری کوشش کریں۔

جماعتِ احمدیہ کی تاریخ کا یہ دَور جو اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا اوّلین دَور ہے اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم، تابعین اور تبع تابعین کی تاریخ کے بعد دُنیا کی ہر دوسری تاریخ سے زیادہ بلند مرتبہ اور ذی شان ہے۔ اور یقیناً اس لائق ہے کہ مقدور بھر کوشش کے ساتھ اس کے تمام حسین خدّ و خال کو علمی اور عملی دونوں لحاظ سے زندہ رکھا جائے۔

میری دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ادارۃ المصنّفین کو یہ مقدس فریضہ کماحقہٗ عمدگی اور احتیاط کے ساتھ سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قدم پر ان کارکنان کی راہ نمائی فرمائے جو اِس عظیم الشان خدمت پر مامور ہیں۔

جماعت کے تمام ذی استطاعت اصحاب کو چاہیئے کہ وہ جلد از جلد اس قیمتی سرمایہ کو اپنے گھروں اور سینوں میں محفوظ کرنے کی کوشش کریں۔ خود بھی اس سے استفادہ کریں اور اپنے اعزّاء اور اقرباء کو بھی اس سے استفادہ کرنے کی پُر زور تحریک کریں۔

موجودہ زمانہ میں اس امر کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ ہماری نئی نسل اپنے اسلاف کے کارناموں، اخلاق اور اطوار سے پُوری طرح واقف ہو اور ان تمام نیک روایات کو اپنے کردار میں محفوظ کرے جن کے باعث ہمارے بزرگ، اسلاف آسمانِ ہدایت کے روشن ستارے بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اپنے فرائض کو سمجھنے اور پُوری طرح ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

والسلام

خاکسار

محمد ظفر اللہ خان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

پیش لفظ

یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ تاریخ احمدیت کی نویں جلد طبع ہو کر احباب کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ کئی سالوں سے ہر جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ادارۃ المصنّفین تاریخ احمدیت کی ایک ضخیم جلد احباب کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ تقریباً سات صد صفحات پر مشتمل کتاب کا مرتب کرنا، اس پر نظر ثانی کرنا، اس کو لکھوانا اور طبع کرانا بہت ہی محنت شاقہ کو چاہتا ہے اور اس کا اندازہ وہی اصحاب کر سکتے ہیں جو تصنیف و طباعت کا تجربہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد کو جزائے خیر دے اور اپنی برکتوں اور فضلوں سے نوازے کہ وہ نہایت ہی محنت اور جانفشانی سے ہر سال ایک جلد کا مواد اکٹھا کرتے اسے مرتب کرتے اور لکھتے ہیں۔ اور مواد اکٹھا کرنے اور تصاویر حاصل کرنے کے لئے انہیں کئی سفر بھی کرنے پڑتے ہیں ادارۃ المصنّفین کے عملہ کو تاریخ کی طباعت کے سلسلہ میں بہت جد و جہد کرنی پڑتی ہے۔ مضمون کو لکھوانا، پروف پڑھنا اور تصاویر کے بلاک تیار کر چھپوانا کافی تگ و دو چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہماری محنت ٹھکانے لگ رہی ہے اور ہر سال ہم اپنی منزل مقصود کے قریب پہنچ رہے ہیں۔

تاریخ احمدیت کی ہر جلد ہی اہم واقعات پر مشتمل ہوتی ہے لیکن یہ جلد اس لحاظ سے خصوصیت رکھتی ہے کہ اس میں تین ایسے اہم واقعات کا ذکر آرہا ہے جو رہتی دنیا تک اثر انداز ہوں گے (۱) سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا دعویٰ مصلح موعود اور اس کے اثرات (۲) تفسیر کبیر جلد سوم کی تصنیف اور اس کی اشاعت (۳) مجلس انصار اللہ کا قیام۔ یہ تینوں واقعات تاریخ سلسلہ میں بہت ہی اہم واقعات ہیں اور بڑے دور رس نتائج کے حامل ہیں۔ اس جلد میں جس قدر واقعات کا ذکر ہے ان سب کا خاکسار عینی شاہد ہے جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق دعویٰ مصلح موعود فرمایا تو وہ دن جماعت کے لئے عید کا دن تھا اور ہر شخص کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی صداقت کا زندہ ثبوت دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ وہ پیشگوئی جو بائیبل میں ہزاروں سال سے موجود تھی اور پھر اس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور پھر اولیائے امت نے اسے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اس زمانہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مفصل خبر پا کر لوگوں کو اس کی اطلاع دی۔ وہ پیشگوئی پوری ہو رہی تھی۔ دعویٰ مصلح موعود کے بعد ہوشیارپور، لاہور، لدھیانہ اور دہلی میں جلسے ہوئے

لاہور میں حضور نے تقریر فرماتے ہوئے جب یہ فرمایا کہ اس وقت میں نہیں بول رہا بلکہ خدا میری زبان سے بول رہا ہے۔ آج بھی ان الفاظ کی گونج کانوں میں موجود ہے۔ دعویٰ مصلح موعود کے بعد حضور نے ہر روز مغرب کی نماز کے بعد مسجد مبارک میں بیٹھنا شروع کیا۔ تاکہ آپ لوگوں کا تزکیہ نفوس اور تربیت کر سکیں۔ تقریباً روزانہ یہ مجلس ہوتی۔ گرمیوں میں مسجد مبارک کی چھت پر اور سردیوں میں مسجد مبارک کے اندرونی حصہ میں جب حضور مسند پر رونق افروز ہوتے تو گویا یوں نظر آتے جیسے چاند ستاروں کے درمیان چمک رہا ہو۔ عشاق تکلیف کی پروا کئے بغیر سردیوں اور گرمیوں میں دُور دُور سے مجلس میں پہنچتے۔ حضور اپنے نکتوں سے نوازتے۔ رؤیا و کشوف و الہامات سُناتے۔ قرآن مجید کے معارف بیان فرماتے اور علمی گفتگو سے ایسا محظوظ کرتے کہ وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی جب حضور نے تفسیر کبیر تصنیف فرمائی تو از راہ شفقت خاکسار کو کتابت و طباعت کے انتظام و انصرام کے لئے منتخب فرمایا۔ خاکسار وقتاً فوقتاً حضور کی خدمت میں مضمون لینے کے لئے حاضر ہوتا۔ بعض اوقات حوالہ جات کے ضمن میں یا اور کوئی بات پوچھنے کے لئے جانا پڑتا تو دیکھا کہ حضور صبح آٹھ بجے سے کام شروع کر کے رات تین چار بجے تک اور بعض اوقات پانچ بجے تک تصنیف کے کام میں مشغول ہوتے اور اس ضمن میں آپ نے اپنی صحت کا بھی خیال نہ رکھا۔ اور اپنی صحت کو خطرے میں ڈال کر آپ نے قرآن مجید کی وہ تفسیر دُنیا کے سامنے پیش کر دی جو قیامت تک قرآن مجید کی سچائی پر شاہد ناطق ہوگی۔ مجلس علم و عرفان میں بھی انتظام کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور ہر روز حضور کے بیٹھنے کے لئے مسندوں کو رکھوانے، باہر سے آنے والے احباب کی ملاقات کروانے اور دیگر متعلقہ انتظامات کرنے کا موقعہ ملتا رہا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

کتاب کے مسودہ پر نظر ثانی بھی کافی محنت چاہتی ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے امسال بھی مسودہ پر نظر ثانی کرنے کی توفیق دی۔ اللہ تعالیٰ مکرم سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدرآبادی کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے قیمتی وقت خرچ کر کے اوّل سے آخر تک مسوّدہ کو دیکھا اور مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب اور مکرم شیخ نور احمد صاحب منیر نے مسودہ کے بعض حصوں کو دیکھا اور مکرم قاضی محمد نذیر صاحب ناظر اصلاح و ارشاد بھی قابل شکریہ ہیں کہ انہوں نے مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو مفید اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔ مکرم شیخ خورشید احمد صاحب نے کاپیاں پڑھنے اور پروف ریڈنگ کا اہم فریضہ ادا کیا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء

ہر سال کوشش کی جاتی ہے کہ کتاب میں بیان ہونے والے واقعات کے ساتھ تعلق رکھنے والی تصاویر بھی محفوظ کر دی جائیں۔ ان تصاویر کے حصول کے لئے کافی جدّوجہد کرنی پڑتی ہے۔ امسال مواد اور تصاویر مہیا کرنے میں مندرجہ ذیل اصحاب نے ہمارے ساتھ تعاون فرمایا:۔

۱۔ مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل

۲۔ مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لائل پور

۳۔ مکرم شیخ محمد حنیف صاحب امیر جماعت احمدیہ کوئٹہ

۴۔ الحاج خلیفہ عبدالرحمٰن صاحب کوئٹہ

۵۔ مکرم میجر سید سعید احمد صاحب لاہور

۶۔ مکرم میاں بشیر احمد صاحب نائب امیر جماعت احمدیہ و ناظم علاقائی انصار اللہ کوئٹہ

۷۔ مکرم عبدالرحمٰن خاں صاحب کوئٹہ

۸۔ مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور فاضل

۹۔ مکرم جناب شیخ بشیر احمد صاحب سابق جج ہائیکورٹ لاہور

۱۰۔ مکرم جناب عزیز احمد صاحب ایزنک سٹوڈیو لاہور

۱۱۔ مکرم پیر خلیل احمد صاحب گولیکی

۱۲۔ مکرم چودھری غلام حیدر صاحب تعلیم الاسلام کالج ربوہ

۱۳۔ مکرم عبدالرشید صاحب ساٹری ناظم اشاعت خدام الاحمدیہ کراچی

۱۴۔ مکرم قائد صاحب مجلس خدام الاحمدیہ کراچی

مندرجہ ذیل احباب نے مسودہ نقل کرنے میں مدد دی:۔

(۱) مکرم قاضی منیر احمد صاحب ادارۃ المصنفین (۲) چودھری نذیر احمد صاحب اکونٹنٹ سی۔ ایم۔ اے کراچی (۳) عزیزم منیر الحق صاحب شاہد ایم۔ اے۔ اسی طرح چودھری محمد صدیق صاحب ایم۔ اے انچارج خلافت لائبریری اور اُن کے رفقاء کار مکرم راجہ محمد یعقوب صاحب، ملک محمد اکرم صاحب اور مبارک احمد صاحب خاص شکریہ کے مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے مکرم مولانا دوست محمد صاحب کے ساتھ خاص تعاون فرمایا۔ مکرم چودھری شاہ محمد صاحب اور مکرم محمد اسمٰعیل صاحب کاتب نے نہایت توجہ اور عمدگی سے کتابت کی۔ قاضی منیر احمد صاحب اور لطیف احمد صاحب کارکنان ادارہ نے نہایت محنت اور توجہ سے کتاب کی طباعت کا کام سرانجام دیا۔ الغرض سب احباب جنہوں نے مواد مہیا کیا۔ کتابت عمدگی سے کی۔ کاپیاں اور پروف پڑھے۔ کتاب کو عمدگی سے چھاپا۔ سبھی قابلِ شکریہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان سب کو اپنے فضلوں، احسانوں اور برکتوں سے نوازے۔ آمین ۔

خاکسار

ابوالمنیر نورالحق مینجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین ربوہ

بروز جمعۃ المبارک ۱۳ ماہ فتح دسمبر ۱۳۴۷ ہش ۱۹۶۸ء

فہرست مضامین "تاریخ احمدیت" جلد نہم

عنوان	صفحہ
پہلا باب	
تقویم ہجری شمسی کے اجراء سے لیکر تفسیر کبیر (جلد سوم) کی اشاعت تک	
خلافت ثانیہ کا ستائیسواں سال	
۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء	
فصل اوّل	
خلافت جوبلی سے پیدا شدہ نئی ذمہ داریوں کو پورے اخلاص اور جذبہ کے ساتھ ادا کرنے کی تلقین	۲
تقویم ہجری شمسی کا اجراء	۸
سیدنا حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں سنہ ہجری کی بنیاد	۹
ہجری شمسی تقویم کی ضرورت	۱۰
ہجری شمسی تقویم جاری کرنے کی اسلامی کوششیں	۱۰
حضرت سیدنا فضل عمرؓ کی توجہ تقویم ہجری شمسی کی طرف	۱۱
تقویم کے لئے کمیٹی کی تشکیل	۱۲
تقویم ہجری شمسی کی ترتیب و تجویز	۱۴
ہجری شمسی سال کا آغاز اور اس کے دنوں کی اس کے مہینوں پر تقسیم	۱۵
ہجری شمسی مہینوں کے نام	۱۵
قمری مہینوں کی تعیین	۱۸
تقویم قمری کا اجمالی خاکہ	۱۸
ہجری شمسی تقویم (کیلنڈر) بابت ۱۳۱۹ہش مطابق ۱۹۴۰ء	۱۹
نشر و اشاعت کی طرف سے پہلے کیلنڈر کی اشاعت	۲۵
دائمی ہجری شمسی کیلنڈر	۲۵
حضرت مولانا غلام حسن خاں صاحبؓ پشاوری کی بیعت خلافت اور ہجرت	۲۶
فصل دوم	
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کا سفر سندھ و دہلی	۳۲
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی تقریر بمبئی ریڈیو اسٹیشن سے	۳۸
نواب بہادر یار جنگ مرحوم اور جماعت احمدیہ	۴۳
نواب صاحب کے تاثرات حضرت مصلح موعودؓ کی ذات مبارک کے متعلق	۴۴
مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں شرکت کے بعد قادیان میں آمد	۴۷
نواب صاحب کے تاثرات قادیان کے متعلق	۴۷
چودھری محمد ظفراللہ خانصاحب علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں	۴۹

عنوان	صفحہ
فصل سوم	
غیر مبائعین کو محبت و خلوص سے تبلیغ کرنے کی تحریک خاص اور اس کے ثمرات	۵۱
ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس قادیان میں	۵۴
ایک اندرونی فتنہ	۵۴
صاحبزادی امۃ الودود بیگم صاحبہؓ کی وفات کا المناک حادثہ	۶۰
حضرت مسیح موعودؑ کے احاطہ مزار مبارک کی توسیع	۶۷
حضرت امیر المومنینؓ کی وصیت	۶۷
فصل چہارم	
مجلس انصار اللہ کا قیام	۷۰
مجلس انصار اللہ اور دوسری مجالس کے بنیادی اغراض و مقاصد	۷۴
انصار اللہ کی حیثیت جماعتی نظام میں	۷۸
مجلس انصار اللہ کا پہلا دور	۷۸
انصار اللہ کے اولین فرائض	۸۰
بیرونی مقامات کی ابتدائی مجالس	۸۰
مجلس انصار اللہ کا دوسرا دور	۸۱
مرکزی دفتر کا قیام	۸۱
مرکزی سکرٹریوں کو شعبوں کی تفویض	۸۲
قادیان میں انصار اللہ کی تبلیغی جدوجہد	۸۳
قادیان میں مجلس انصار اللہ کے اجلاسوں کی ابتداء	۸۳
زعماء انصار اللہ اور گروپ لیڈروں کے مشاورتی اجلاس	۸۴
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کا اہم خطبہ انصار اللہ کے متعلق	۸۴
مجلس انصار اللہ کا دستور اساسی	۸۸
زعیم اعلیٰ کا عہدہ	۹۲
انصار اللہ کا عہد	۹۲
مجلس انصار اللہ کا پہلا بجٹ	۹۲
انصار اللہ کا پہلا سالانہ اجتماع اور حضرت امیر المومنینؓ کی تقریر	۹۳
دور ثانی کے بعض متفرق کوائف	۹۷
مجلس انصار اللہ کا دوسرا سالانہ اجتماع	۹۸
مجلس انصار اللہ کا تیسرا دور	۹۹
مجلس انصار اللہ کی تنظیم کا چوتھا سنہری دور	۹۹
حضرت امیر المومنینؓ سے اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" اور "سٹیٹسمین" کے نامہ نگاروں کی ملاقات	۱۰۰
ضلع کانگڑہ میں تبلیغ اسلام کی خاص مہم	۱۰۲

عنوان	صفحہ

فصل پنجم

عنوان	صفحہ
کمال یار جنگ ایجوکیشن کمیٹی کا وفد قادیان میں	۱۰۲
نقشہ ماحول قادیان	۱۰۴
قادیان کے قریب اکالی کانفرنس اور احمدیوں کا امن پسند رویہ	۱۰۴
سکھ اخبار "ریاست" کی طرف سے احمدیوں کی امن پسندی کا اعتراف	۱۰۹
اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کی جھوٹی خبر	۱۱۰
اخبار "الفضل" کا چیلنج	۱۱۲
حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال رضؓ کا وضاحتی بیان	۱۱۲
مرزا سلیم بیگ صاحب کارکن اعلیٰ ہائیکورٹ حیدر آباد دکن و سیاح بلاد اسلامیہ قادیان میں	۱۱۴
مرزا سلیم بیگ صاحب کا تحریری بیان	۱۱۹
مولوی محمد رفیق صاحبؓ مجاہد تحریک جدید کا انتقال	۱۲۲

فصل ششم

تفسیر کبیر جلد سوم کی اشاعت

عنوان	صفحہ
۱۹۲۸ء کا مشہور درس القرآن اور (۳۱) کے نوٹ	۱۲۳
حضرت امیر المومنینؓ کا بے مثال مجاہدہ	۱۲۷
دعائے خاص کی تحریک	۱۲۷
مسودہ پر نظر ثانی کی تکمیل	۱۲۹
تفسیر کبیر کا نام اور اس کی وجہ تسمیہ	۱۳۱
"کچھ تفسیر کبیر کے متعلق" (دیباچہ تفسیر کبیر جلد سوم)	۱۳۲
تفسیر کبیر کی پہلی جلد حضرت امیر المومنینؓ کی خدمت میں	۱۳۷
تفسیر کبیر جلد سوم کی جناب الٰہی میں مقبولیت	۱۴۰
تفسیر کبیر جلد سوم کا انڈیکس	۱۴۲
تفسیر کبیر کی دوسری جلدوں کی اشاعت	۱۴۲
آخری پارہ کی تفسیر کے لئے اخراجات	۱۴۳
تفسیر کبیر کے مسودات کی حفاظت کا خاص اہتمام	۱۴۴
تفسیر کبیر کی دوسری جلدوں کی اشاعت	۱۴۵
"کلام اللہ" (دیباچہ تفسیر کبیر جلد اوّل)	۱۴۶
تفسیر کبیر کی تالیف کے دوران القاء	۱۴۷
تفسیر کبیر کی نو اہم خصوصیات	۱۵۱
تفسیر کبیر کے انقلاب انگیز اثرات	۱۵۷
تفسیر کبیر اور علامہ نیاز فتحپوری مدیر "نگار"	۱۵۷
تفسیر کبیر اور نواب بہادر یار جنگ	۱۵۸
تفسیر کبیر اور پروفیسر عبدالمنان بیدل سابق صدر شعبہ فارسی پٹنہ کالج	۱۵۸
تفسیر کبیر اور سید جعفر حسین صاحب ایڈووکیٹ حیدر آبادی	۱۵۹

عنوان	صفحہ
فصل ہفتم	
حضرت امیرالمومنینؓ کی طرف سے تصفیۂ مسائل کے بعض آسان طریق	۱۶۳
جناب مولوی محمد علی صاحب کے ایک مضمون کی مع جواب "الفضل" میں اشاعت	۱۶۶
جناب مولوی محمد علی صاحب کو قادیان آنے اور لیکچر دینے کی دعوت	۱۶۸
سالانہ جلسہ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں حضرت امیرالمومنینؓ کا خطاب	۱۷۹
حضرت امیرالمومنینؓ کی تقریر کا ذکر اخبار "سٹیٹسمین" میں	۱۸۰
مختلف مذاہب اور مختلف فرقوں کے معززین کی سالانہ جلسہ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں شرکت	۱۸۱
سالانہ جلسہ پر بیعت کرنے والوں کی تعداد	۱۸۳
فصل ہشتم	
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۱۸۳
فصل نہم	
۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	
خاندان مسیح موعودؑ میں خوشی کی تقاریب	۱۹۶

عنوان	صفحہ
اناطولیہ (ترکی) میں ہولناک زلزلہ اور جماعت احمدیہ	۱۹۷
سناتن دھرم سبھا شام چوراسی میں ایک احمدی مبلغ کی تقریر	۱۹۹
فرقہ ست سنگ (بنگال) کے مرکز میں تبلیغ احمدیت	۱۹۹
سب سے پہلا احمدی ہوا باز	۱۹۹
ونجواں کے احمدیوں پر پولیس کے مظالم	۲۰۰
چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا دوبارہ تقرر اور اخبار "انقلاب"	۲۰۰
محلہ دارالانوار کی مسجد کا افتتاح	۲۰۱
ملک غلام محمد صاحب قادیان میں	۲۰۱
نمائندہ اخبار "لائف" (نیویارک) کی حضرت اقدسؓ سے ملاقات	۲۰۱
مسجد احمدیہ مونگی بتی (بہار) کا افتتاح	۲۰۱
ایک احمدی طالب علم کی شاندار کامیابی	۲۰۲
مکانات کے سنگ بنیاد	۲۰۲
بدھوں کے جلسہ میں ایک احمدی کا پیغام احمدیت	۲۰۲
جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا ایک دلچسپ مشورہ	۲۰۳
زکریہ صنعتی سکول قادیان	۲۰۴
بچوں کو تیراکی سکھانے کیلئے تالاب کی تعمیر	۲۰۴
احمدیہ مسجد سرینگر کی بنیاد	۲۰۵
سناتن دھرم سبھا لاہور کی مذہبی کانفرنس میں احمدی مبلغ کی کامیاب تقریر	۲۰۶

عنوان	صفحہ
انگلستان میں پہلا کامیاب مناظرہ	۲۰۷
مولانا رحمت علی صاحبؓ کی جزائر شرق الہند کو روانگی	۲۱۰
مشرقی جاوا کے پہلے احمدی کا انتقال	۲۱۰
۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کی نئی مطبوعات	۲۱۰
اندرونِ ملک کے مشہور مباحثات	۲۱۴
شیخ روشن الدین صاحب تنویر کا قبول احمدیت	۲۲۱
دوسرا باب	
اشاعت احمدیت کی خصوصی تحریک سے لیکر واقعہ ڈلہوزی تک	
خلافت ثانیہ کا اٹھائیسواں (۲۸) سال	
۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء	
فصل اوّل	
صحابہ کرام کو اشاعت احمدیت کے لئے سرگرم عمل ہونے کی تحریک	۲۲۵
حضرت امیر المومنینؓ کا خطاب خدام الاحمدیہ کے تیسرے سالانہ اجتماع پر	۲۲۶
سفر سندھ	۲۲۷
حضرت امیر المومنینؓ کی آل انڈیا ریڈیو سٹیشن سے حالات عراق کی نسبت تقریر	۲۲۷
اخبار "ریاست" دہلی کا تبصرہ	۲۳۰
فصل دوم	
حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی کا وصال	۲۳۱
حضرت امیر المومنینؓ کی زبان مبارک سے حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ اور کپورتھلہ کے دوسرے عشاق احمدیت کا مفصل تذکرہ	۲۳۳
فصل سوم	
حضرت امیر المومنینؓ کی طرف سے افغانستان سے حیدر آباد تک پھیلی ہوئی مخلص احمدی جماعتوں کا ذکر	۲۴۲
حافظ آباد، گکھڑ، چنیوٹ اور کوئٹہ میں مسجدوں کی تعمیر	۲۴۵
فصل چہارم	
واقعہ ڈلہوزی	۲۴۸
واقعہ ڈلہوزی کی تفصیل حضرت امیر المومنینؓ کے الفاظ میں	۲۴۹
مخلصین جماعت کا ردّ عمل	۲۶۰
اخبارات کا احتجاج	۲۶۱
حکومت پنجاب کی طرف سے کمشنر صاحب لاہور کو معذرت کرنے کی ہدایت	۲۶۷
حکومت پنجاب کا تحریری معذرت نامہ	۲۶۸
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اعلان	۲۶۹
واقعہ ڈلہوزی میں حکومت کے اعلیٰ حکام کے ملوث ہونے کا ثبوت	۲۷۰

عنوان	صفحہ
فصل پنجم	
قادیان سے ہجرت کر کے پہاڑیوں کے دامن میں نیا مرکز تعمیر کرنے کا آسمانی انکشاف	۲۷۳
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۲۷۶
حضرت امیر المومنینؓ کی تقریریں سالانہ جلسہ ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء پر	۲۸۰
فصل ششم	
۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	
خاندانِ مسیح موعودؑ میں خوشی کی تقاریب	۲۸۰
مہاراجہ صاحب بہادر آف ریاست پٹیالہ قادیان میں	۲۸۱
عبدالرحمٰن صاحب سماٹری کی وفات	۲۸۲
فلسطین کے معمّر ترین احمدی کا انتقال	۲۸۲
بیرونی مبلّغین احمدیت کی آمد اور روانگی	۲۸۳
۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء کی نئی مطبوعات	۲۸۵
اندرونِ ملک کے بعض مشہور مناظرے	۲۸۵
تیسرا باب	
رسالہ "فرقان" کے اجراء سے لیکر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے لیکچر "نظامِ نو" تک	
خلافت ثانیہ کا انتیسواں (۲۹) سال	
۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء	

عنوان	صفحہ
فصل اوّل	
ماہنامہ "فرقان" کا اجراء	۲۹۱
مرکزی اسمبلی میں "قاضی بل" اور جماعت احمدیہ کا احتجاج	۲۹۳
حکومت انگریزی سے شیخ الاسلام مقرر کرانے کی درخواست اور اخبار "الفضل"	۲۹۴
علامہ محمود شلتوت کا فتویٰ وفات مسیحؑ	۲۹۶
ردِّ عمل	۳۰۸
علامہ محمود شلتوت کی طرف سے مدلّل اور مسکت جواب	۳۱۲
کتاب "الفتاویٰ" میں اشاعت	۳۱۳
فصل دوم	
قادیان کے غرباء کیلئے غلّہ کی تحریک اور اس کا شاندار اثر	۳۱۳
غلّہ کی تحریک کے دو اہم اغراض	۳۱۶
قادیان کی دیگر احمدی آبادی کے لئے غلّہ کا انتظام اور مخلصین کا شاندار نمونہ	۳۱۸
مجلس ارشاد کے ماتحت علمی تقریروں کا سلسلہ	۳۲۰
نماز باجماعت کیلئے حضرت امیر المومنینؓ کا تاکیدی ارشاد	۳۲۱
شعارِ اسلامی کی پابندی کے لئے اہم ارشاد	۳۲۲
فصل سوم	
مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لئے دُعا کی تحریک	۳۲۴

عنوان	صفحہ
احمدی نوجوانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی تحریک	۳۳۱
بیرونی مبلغین کے لئے خصوصی دعا کی تحریک	۳۴۱
مبلغینِ سلسلہ کو ذکرِ الٰہی کے لئے اہم تحریک	۳۴۵
چینی مسلمانوں کے نمائندہ شیخ عثمان صاحب قادیان میں	۳۴۸
ہندوستان میں پیغامِ حق کی منظم اشاعت کے لئے "تبلیغِ خاص" کی تحریک	۳۴۹
حضرت امیرالمومنینؓ سے پروفیسر سید اختر احمد صاحب اورینوی کی ایک ملاقات	۳۵۳
مولوی محمد الدین صاحب مجاہد البانیہ کی المناک شہادت	۳۵۸
فصل چہارم	
تحریک جدید کے جاری کرنے کی ایک غرض	۳۵۹
سلسلہ احمدیہ کے مصنفوں اور ناشروں کے لئے فرمان	۳۶۲
حضرت امیرالمومنینؓ کا لیکچر "نظامِ نو"	۳۶۵
فصل پنجم	
جلیل القدر صحابہؓ کا انتقال	۳۷۱
فصل ششم	
۱۳۲۱ ہش/۱۹۴۲ء کے متفرق اہم واقعات	
خاندانِ مسیح موعودؑ میں پُرمسرت تقاریب	۳۸۷
نامدھاری سکھوں کی اتحاد کانفرنس میں احمدی مبلغین کی شمولیت	۳۸۸
میجک لینٹرن کے ذریعہ تبلیغی لیکچر	۳۸۸
آل انڈیا احمدیہ کانفرنس سونگڑہ	۳۸۹
آل انڈیا مسلم گوجرہ کانفرنس میں احمدی مبلغ کی کامیاب تقریریں	۳۸۹
طلباءِ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی نمایاں کامیابی	۳۸۹
آریہ سماج کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی اور اخبار "شیر پنجاب"	۳۹۰
سرینگر میں مذاہب کانفرنس	۳۹۰
بیرونی مشنوں کے بعض اہم واقعات	۳۹۱
مشرق بعید کی احمدی جماعتوں اور مبلغوں کے لئے دورِ ابتلاء	۳۹۱
۱۳۲۱ ہش/۱۹۴۲ء کی نئی مطبوعات	۳۹۵
اندرونِ ملک کے بعض مشہور مناظرے	۳۹۷
۱۳۲۱ ہش/۱۹۴۲ء کے قادیان پر ایک اچٹتی نظر	۳۹۷
چوتھا باب	
ترکی وفد سے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے وضاحتی خطبہ سے لیکر سالانہ جلسہ کے لیکچر "اسوۂ حسنہ" تک	
خلافت ثانیہ کا تیسواں سال	
۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء	
فصل اوّل	
ترکی وفد سے متعلق حضرت امیرالمومنینؓ کا وضاحتی خطبہ	۴۰۱
حضرت امیرالمومنینؓ کا خطاب سندھ کی صوبائی انجمن احمدیہ کے سالانہ اجلاس میں	۴۰۶

عنوان	صفحہ
ملک عبدالرحمن صاحب خادمؓ کی گرفتاری اور رہائی	۴۰۷
مخلوط تعلیم کی ممانعت اور اسلامی پردہ کی ترویج کے متعلق پُرشوکت پیشگوئی	۴۰۷
مشقی مباحثات پر اظہار ناپسندیدگی	۴۱۲

فصل دوم

عنوان	صفحہ
حادثہ بھامڑی	۴۱۶
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا پیغام جماعت احمدیہ کے نام	۴۲۸
ملکی پریس میں ذکر	۴۲۹
مظلوم احمدیوں کے خلاف مقدمہ کا تکلیف دہ سلسلہ	۴۲۹
حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کا مقدمہ بھامڑی میں مبارک طرز عمل	۴۳۰

فصل سوم

عنوان	صفحہ
سفر ڈلہوزی	۴۳۴
احمدیہ لائبریری یادگیر	۴۳۶
بنگال اور اڑیسہ کے قحط زدگان کی امداد	۴۳۷
مدراس یونیورسٹی میں ظہور اسلام پر کامیاب لیکچر	۴۳۹
تبلیغ اسلام کے جہاد کی خاص تحریک اور مباحثات سے ممانعت	۴۴۰
حضرت امیر المومنینؓ کی خفگی ایک غیر اسلامی حرکت پر اور مجلس خدام الاحمدیہ کا ریزولیوشن	۴۴۶

فصل چہارم

عنوان	صفحہ
حضرت امیر المومنینؓ کی ایک اہم نصیحت	۴۴۸
حضرت امیر المومنینؓ کی طرف سے سلسلہ احمدیہ کی تاریخ محفوظ کرنے والے تین بزرگوں کو خراج تحسین	۴۵۱
افتاء کمیٹی کا قیام	۴۵۵
حضرت امیر المومنینؓ کی شاندار تقاریر سالانہ جلسہ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء	۴۵۶

فصل پنجم

عنوان	صفحہ
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۴۵۸

فصل ششم

عنوان	صفحہ
۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	
خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں خوشی کی تقاریب	۴۶۷
مرکزی مبلغین کا تبلیغی وفد صوبہ یُو۔پی میں	۴۶۷
بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں	۴۶۸
جاوا۔ ہانگ کانگ۔ سنگاپور اور اٹلی کے مجاہدین کی نسبت اطلاعات	۴۷۲
نئی مطبوعات	۴۷۲
مباحثہ ہیرزم	۴۷۵

پانچواں باب

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دعویٰ المصلح موعود سے لیکر مجلس علم و عرفان کے قیام تک

خلافت ثانیہ کا اکتیسواں سال ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء

عنوان	صفحہ
فصل اوّل	
پیشگوئی متعلقہ مصلح موعود کے مصداق ہونے کا اعلان اور جماعت احمدیہ کیلئے ایک نئے اور مبارک دور کا آغاز	
پیشگوئی مصلح موعود کا پسِ منظر	۴۷۶
سفر ہوشیارپور	۴۷۷
مصلح موعود کے عطا کئے جانے کی بشارت	۴۸۰
پنڈت لیکھرام کا اشتہار	۴۸۲
مصلح موعود کے متعلق مزید انکشافات	۴۸۲
سبز اشتہار کے موعود کی ولادت	۴۸۳
بزرگانِ سلسلہ کا مسلک	۴۸۴
غیر مبائع اصحاب کا مطالبہ	۴۸۵
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کا موقف	۴۸۶
خداتعالیٰ کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ پر انکشاف	۴۹۰
سیدنا المصلح الموعودؓ کا پُرشوکت دعویٰ کہ میں ہی پیشگوئی مصلح موعود کا مصداق ہوں	۴۹۱
قادیان میں جشنِ مسرت و شادمانی	۵۰۶
بیرونی جماعتوں کو اطلاع اور مبارکباد کے خطوط اور تاریں	۵۰۷
انکشاف کے متعلق مخلصین جماعت کی خوابیں	۵۰۸
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی رویا مصلح موعود سے متعلق	۵۰۹
رسالہ "فرقان" کا مصلح موعود نمبر	۵۱۲
حضرت خلیفہ اوّلؓ کی ایک حیرت انگیز پیشگوئی کا انکشاف	۵۱۴
بعض سعید الفطرت غیر مبائعین کا قبولِ حق	۵۱۸

عنوان	صفحہ
مولوی محمد علی صاحب اور ان کے بعض دوسرے رفقاء کا ناروا طرزِ عمل	۵۱۸
مولوی عزیز بخش صاحب کی چٹھی اور حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کا رُوح پرور جواب	۵۲۱
فصل دوم	
حضرت اُمّ طاہر سیدہ مریم بیگمؓ اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی المناک وفات	۵۲۳
حضرت سیدہ امّ طاہرؓ کے جنازہ اور تجہیز و تکفین کے رقت انگیز حالات	۵۲۳
سیدنا المصلح الموعودؓ کی طرف سے جماعت کو رضا بالقضاء کی تلقین	۵۲۶
حضرت مصلح موعودؓ کے قلم مبارک سے حضرت سیدہ امّ طاہرؓ کا ذکرِ خیر	۵۲۷
حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کا المناک وصال	۵۳۹
حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء میں علالت اور وصیت	۵۴۰
بیماری کا آخری شدید حملہ اور وفات	۵۴۶
حضرت امیر المومنینؓ کی درد انگیز تقریر	۵۴۸
تدفین کا رُوح فرسا اور دلخراش منظر	۵۵۱
حضرت میر صاحبؓ کی بلند پایہ اور انقلاب انگیز تصانیف و تالیف	۵۵۲
فصل سوم	
سیدنا المصلح الموعودؓ کی جاری فرمودہ مبارک تحریکیں	۵۵۳
جماعت کو عظیم الشان قربانیوں کے لئے تیار ہوجانے کا ارشاد	۵۵۵
خاندانِ مسیح موعودؑ کو خدمتِ دین کیلئے وقف ہوجانے کی تحریک	۵۵۸
تحریکِ وقفِ جائیداد	۵۵۸
تحریکِ وقفِ زندگی	۵۵۹
تعلیم الاسلام کالج کیلئے ڈیڑھ لاکھ روپیہ چندہ کی تحریک	۵۶۱

عنوان	صفحہ
جماعت کو ماہرین علوم پیدا کرنے کی تحریک	۵۶۱
حفاظ پیدا کرنے کی تحریک	۵۶۴
رضاکارانہ تبلیغ کرنے کی ولولہ انگیز تحریک	۵۶۴
تسبیح و تحمید اور درود شریف پڑھنے کی تحریک	۵۶۵
اصلاح نسواں کے لئے الہامی تحریک	۵۶۶
بھوکوں کو کھانا کھلانے کی تحریک	۵۶۶
تحریک حلف الفضول	۵۶۶
نوجوانانِ احمدیت کو باالتزام نماز تہجد پڑھنے کی تحریک	۵۶۸
ہندوستان میں سات مراکز بنانے کی تحریک	۵۶۸
بیویوں میں عدل و انصاف کرنے کی تحریک	۵۶۸
دنیا کی مشہور زبانوں میں تراجم قرآن اور دوسرا تبلیغی لٹریچر شائع کرنے کی تحریک	۵۶۹
کمیونسٹ تحریک کا مطالعہ کرنے اور اس کا ردّ سوچنے کی تحریک	۵۷۳
خدا تعالیٰ کا پیغام جماعت احمدیہ کے نام "روز جزا قریب ہے اور رہ بعید ہے"	۵۷۵

فصل چہارم

عنوان	صفحہ
ہوشیارپور، لاہور، لدھیانہ اور دہلی میں عظیم الشان جلسوں کا انعقاد	
جلسہ ہوشیارپور	۵۷۸
قادیان سے ہوشیارپور جانے والوں کا پہلا اور دوسرا قافلہ	۵۷۹
حضرت مصلح موعودؓ کی ہوشیارپور میں تشریف آوری	۵۸۳
حضرت سیدنا المصلح الموعود کی تقریر	۵۸۳
جلسہ لاہور	۵۸۴
حضرت امیرالمومنینؓ کی ابتدائی تقریر	۵۹۳
مبلّغین کی تقریریں	۵۹۵
حضرت سیدنا المصلح الموعود کا حلفیہ اعلان	۵۹۶
اخبار "ٹریبیون" میں جلسہ لاہور کی خبر	۵۹۹
جلسہ لدھیانہ	۶۰۰
چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی مختصر تقریر	۶۰۴
سیدنا المصلح الموعود کی آخری تقریر	۶۰۶
جلسہ دہلی	۶۰۹
حضرت امیرالمومنینؓ کی دہلی میں آمد	۶۱۱
حضرت امیرالمومنین کی ایمان افروز تقریر	۶۱۱
دہلی کی بعض سعید روحیں احمدیت کی آغوش میں	۶۱۴
جلسہ دہلی کے تفصیلی حالات سیدنا المصلح الموعود کی زبان مبارک سے	۶۱۴

فصل پنجم

عنوان	صفحہ
مجلس علم و عرفان کا آغاز	۶۲۱
مسجد مبارک کی توسیع	۶۲۶
غلبہ اسلام کے لئے چالیس روزہ دعاؤں کا سلسلہ	۶۲۷
ضمیمہ "تاریخ احمدیت" جلد نہم	۶۳۰

فہرست تصاویر

نمبر شمار		بالمقابل صفحہ
	جلسہ مُصلح موعود دہلی	١٠
	حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ کی زیرِ صدارت جلسہ	٩٨
	اجتماع انصار اللہ سنہ ١٣٣٤ ہش / ١٩٥٥ء (دو عدد	
	دیباچہ تفسیر کبیر رقم فرمودہ سیدنا المصلح الموعودؓ	١٤٩
	مبلّغین سلسلہ عالیہ احمدیہ	٢٢٠
	سالانہ جلسہ قادیان	٢٢١
	عکس مکتوب سیدنا المصلح الموعودؓ بنام جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر	٢٣٢
	حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا سفر ڈلہوزی	٢٣٣
	حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ گولیکی میں	٣٤٠
	عکس اخبار "ریاض ہند" یکم مارچ ١٨٨٦ء (چھ صفحات)	٤٨٠
	جلسہ ہوشیار پور کے مناظر	٥٨٢
	حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ اور مبلّغین کی تقاریر	٥٨٣ ٥٨٤ ٥٩٢
	جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور کے مکان کا کمرہ جہاں سیدنا المصلح الموعودؓ پر انکشاف ہوا	٤٩١
	حضرت مصلح موعودؓ جماعت احمدیہ لاہور کے ساتھ	٤٩٠
	گروپ فوٹو قدیم اساتذہ وطلبہ مدرسہ احمدیہ قادیان	٥٤٠
	حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کا کمرہ مدرسہ احمدیہ قادیان میں	٥٤١

سیدنا حضرت خلیفة المسیح الثانی المصلح الموعودؓ جلسہ دہلی کو خطاب فرما رہے ہیں (۱۶ شہادت ۱۳۲۳ ہش / اپریل ۱۹۴۴ء)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٭ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

وَعَلٰى عَبْدِهِ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ

پہلا باب

تقویم ہجری شمسی کے اجراء سے لیکر تفسیر کبیر (جلد سوم) کی اشاعت تک

خلافت ثانیہ کا ستائیسواں ۲۷ سال

ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ (مطابق صلح ۱۳۱۹ہش / جنوری ۱۹۴۰ء) تا ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ (مطابق فتح ۱۳۱۹ہش / دسمبر ۱۹۴۰ء)

فصل اوّل

"تاریخ احمدیت" کی آٹھویں جلد خلافت جوبلی (منعقدہ دسمبر ۱۹۳۹ء) کے ایمان افروز حالات پر ختم ہوئی تھی۔ اب اس جلد سے ۱۹۴۰ء کے واقعات کا آغاز کیا جارہا ہے۔ یہ سال اپنے اندر بہت سی خصوصیتیں رکھتا ہے جن میں سے درج ذیل تین خصوصیات کو بالخصوص شہرتِ دوام حاصل رہے گی۔

(۱) تقویم ہجری شمسی کا اجراء

(۲) مجلس انصار اللہ کا قیام

(۳) تفسیر کبیر (جلد سوم) کی اشاعت

علاوہ ازیں اس سال متعدد ایسے اہم واقعات پیش آئے جو مستقبل میں بڑے دُور رس نتائج کے حامل ثابت ہوئے اور بالآخر جماعت احمدیہ کی ترقی اور عروج کا موجب بنے۔

۱۹۴۰ء کا ایک نہایت رنجدہ اور تکلیف دہ پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ اس میں حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ حلالپوری، حضرت ماسٹر عبدالرؤف صاحبؓ بھیروی، حضرت مولوی امام الدین صاحبؓ گولیکی، حضرت میاں معراجدین صاحب عمرؓ اور دوسرے کئی اکابر صحابہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نشانوں کے عینی گواہ تھے ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے گئے۔

۱۹۴۰ء کے واقعات و حوادث کا نہایت مختصر سا خاکہ پیش کرنے کے بعد اب اس سال کے تفصیلی امور پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقُنَا اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

خلافت جوبلی سے پیدا شدہ نئی ذمہ داریوں کو پُورے اخلاص اور جذبہ کیساتھ ادا کرنے کی تلقین

جماعت احمدیہ چونکہ ۱۹۳۹ء کی خلافت جوبلی کی عظیم الشان تقریب کے بعد اپنی زندگی کے پہلے پنجاہ۵۰ سالہ دَور سے گذر کر اگلی نصف صدی میں داخل ہو چکی تھی اور ساتھ ہی الٰہی سُنّت و قانون کے مطابق نئی ذمہ داریوں اور نئے فرائض کا بارگراں بھی اس کے کندھوں پر آن پڑا تھا، اس لئے جونہی یہ پُروقار مگر تصنّع اور تکلف سے خالی اور اسلامی سادگی کا آئینہ دار رُوحانی جشن بخیر و خوبی ختم ہوا، قافلۂ احمدیت کے اولوالعزم سپہ سالار اور آسمانی قائد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۹۴۰ء کے آغاز میں ۱۲؍صلح ۱۳۱۹ہش (مطابق ۱۲؍جنوری ۱۹۴۰ء) کو ایک نہایت پُرمعارف اور لطیف خطبہ خاص اسی موضوع پر ارشاد فرمایا جس میں جماعت احمدیہ پر عائد ہونے والی نئی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرتے ہوئے پہلے تو یہ بتایا کہ:۔

"دُنیا میں جب کسی شخص کو کوئی خوشی پہنچتی ہے یا جب کوئی شخص ایسی بات دیکھتا ہے جو اُس کے لئے راحت کا موجب ہوتی ہے تو اگر وہ اللہ تعالٰے پر یقین رکھتا ہے تو وہ ایسے موقعہ پر یہی کہتا ہے کہ اللہ تعالٰے کا بڑا شکر ہے کہ ہم کو یہ بات حاصل ہوئی اور جب کسی مسلمان کو ایسی خوشی پہنچتی ہے تو وہ اس مفہوم کو عربی زبان میں ادا کرتا اور کہتا ہے الحمد للہ۔ تو اس جلسہ پر ہماری جماعت نے جو خوشی منائی اس کا اگر خلاصہ بیان کیا جائے تو وہ یہی بنے گا کہ پیغام نبوت

اور پیغامِ خلافت کی کامیابی پر ہماری جماعت نے اس سال اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہا۔ مگر باقی دنیا اور اسلام کی تعلیم میں ایک فرق ہے۔ باقی دنیا الحمد للہ کو اپنی آخری آواز سمجھتی ہے مگر اسلام الحمد للہ کو نہ صرف آخری آواز قرار دیتا ہے بلکہ اس کو ایک نئی آواز بھی قرار دیتا ہے۔" ؎

اس ایمان افروز تمہید کے بعد حضور نے بتایا کہ :۔

" پس یہ جو خوشی کا جلسہ ہوا اس نے درحقیقت ہماری ذمہ داریوں کو بہت بڑھا دیا ہے . . . . . ایک خاص جلسے کے منانے کے معنے ہی یہ ہیں کہ وہ ایک منزل پر پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے اپنے کام میں ایک درجہ کو حاصل کر لیا ہے۔ پس اس کے بعد ایک نئی ولادت کی ضرورت ہے گویا پہلا سلسلہ ختم ہوا۔ اور اب ایک نیا سلسلہ شروع ہوگا۔ جیسے ایک دانہ بویا جاتا ہے تو اُس سے مثلاً ستر یا سَو دانے نکل آتے ہیں۔ اب ستر اور سَو دانوں کا نکل آنا اپنی ذات میں ایک بڑی کامیابی ہے مگر وہ پہلے بیج کا ایک تسلسل ہوتا ہے اور زمیندار اُسے کوئی نیا کام نہیں سمجھتا بلکہ وہ سمجھتا ہے میرے پہلے کام کا ہی سلسلہ جاری ہے۔ لیکن جب زمیندار اُن نئے دانوں کو پھر زمین میں ڈال دیتا ہے تو اُسے یہ احساس ہوتا ہے کہ اب میرے کام کا نیا دَور شروع ہوا . . . . . اسی طرح جب ہماری جماعت نے اس جلسہ کو خوشی کا جلسہ قرار دیا تو بالفاظ دیگر انہوں نے یہ اعلان کیا کہ ہمارا پہلا بیج جو بویا ہوا تھا اس کی فصل پک گئی۔ اب ہم نیا بیج بو رہے ہیں اور نئی فصل تیار کرنے میں مصروف ہو رہے ہیں۔ یہ اقرار بظاہر معمولی نظر آتا ہے لیکن اگر جماعت کی حالت کو دیکھا جائے تو اس اقرار کی اہمیت بہت بڑھ جاتی اور اس پر ایسی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ اگر اس کے افراد رات دن کوشش نہ کریں تو اس ذمہ داری سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اس پچاس سالہ دَور کے متعلق ہم نے جو خوشی منائی، ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ اس دَور کی پہلی فصل کس طرح شروع ہوئی تھی۔ جب ہم اس نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس پہلی فصل کا بیج صرف ایک انسان تھا۔ رات کو دُنیا سوئی۔ ساری دُنیا اس بات سے ناواقف تھی کہ خدا اُس کے لئے کل کیا کرنے والا ہے۔ کوئی نہیں جانتا تھا۔ کہ اللہ تعالٰے کی مشیّت کل کیا ظاہر کرنے والی ہے۔ یہ آج سے پچاس سال پہلے کی بات ہے کہ

؎ " الفضل " ۲۵ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۴ .

ایک خود بھی دنیا کا نہیں تھا جسکو معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ایک انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یکدم بغیر اس کے کہ پہلے کوئی انتباہ ہو، بغیر اس کے کہ پہلے کوئی انذار ہو، بغیر اس کے کہ پہلے کوئی اعلان ہو، ایک شخص جس کو خود بھی یہ معلوم نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے خدا نے اُس کو جگایا اور کہا کہ ہم دنیا میں ایک نئی زمین اور نیا آسمان بنانا چاہتے ہیں اور تم کو اُس زمین اور آسمان کے بنانے کے لئے معمار مقرر کرتے ہیں۔"

"نبی کے بُلائے جانے کے بعد دُنیا میں جو بیج بوئے ہوئے ہوتے ہیں وہ پھر نئی جد وجہد شروع کر دیتے ہیں۔ نبوت خلافت کا جامہ پہن لیتی ہے اور خلافت کے ذریعہ پھر خدا کے لئے نئے قلوب کی فتح شروع ہو جاتی ہے۔ یہی اس زمانہ میں ہوا۔ اور جب ہم نے ایک جشن منایا، ایک خوشی کی تقریب سرانجام دی تو کسان کی زبان میں ہم نے یہ کہا کہ ہم نے پہلی فصل کاٹ لی۔ مگر کیا جانتے ہو کہ دوسرے لفظوں میں ہم نے کیا کہا؟ دوسرے لفظوں میں ہم نے یہ کہا کہ آج سے پچاس سال پہلے جو ایک بیج بویا گیا تھا، اُس بیج کی فصل ہم نے کاٹ لی۔ اب ہم اِن بیجوں سے جو پہلی فصل سے تیار ہوئے تھے ایک نئی فصل بونے لگے ہیں۔ اِس عظیم الشان کام کے آغاز کے بعد تم سمجھ سکتے ہو کہ تم پر کتنی عظیم الشان ذمہ داریاں عائد ہو گئی ہیں۔ تم نے اب اپنے اوپر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ جس طرح ایک بیج بڑھ کر اتنی بڑی فصل ہو گیا اِسی طرح اب تم ان بیجوں کو بڑھاؤ گے جو اِس فصل پر تم نے بوئے ہیں اور اِسی رنگ میں بڑھاؤ گے جس رنگ میں پہلی فصل بڑھی۔ پس ہم نے جشنِ مسرت منا کر اس بات کا اعلان کیا ہے کہ جس طرح ایک بیج سے لاکھوں نئے بیج پیدا ہو گئے تھے۔ اسی طرح اب ہم ان لاکھوں بیجوں کو از سرِ نو زمین میں بوتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ پچھلے پچیس۲۵ یا پچاس سال میں جس طرح سلسلہ نے ترقی کی ہے اسی طرح اتنے ہی گُنے اگلے پچیس۲۵ یا پچاس سال میں ہم آج کی جماعت کو بڑھا دیں گے۔ یہ کوئی معمولی ذمہ داری نہیں جو تم نے اپنے اُوپر عائد کی۔ گذشتہ پچاس سال میں ایک بیج سے لاکھوں بیج بنے تھے۔ اب جب تک اگلے پچاس سال میں اِن لاکھوں سے کروڑوں نہیں بنیں گے اس وقت تک ہم اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں سمجھے جائیں گے . . . . . . غرض اِس جشن کے منانے سے ہم نے یہ اعلان کیا ہے کہ ہم نے پہلی فصل کاٹ لی اور نئے سرے سے اِس سے حاصل شدہ بیجوں کو زمین میں ڈال دیا۔ میرا تو جسم کا ذرہ ذرہ کانپ جاتا ہے۔ جب مجھے یہ خیال آتا ہے

کہ کتنی اہم ذمہ داری ہے جو جماعت نے اپنے اُوپر عائد کی۔ اگر ہم پہلی فصل نہ کاٹتے تو ہماری ذمہ داریاں کم تھیں۔ مگر جب ہم نے اس فصل کو کاٹ کر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا تو اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا سامان بھی ہمیں مہیا کرنا پڑا۔ پس مَیں جماعت کے دوستوں کو اُن کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اِس جلسہ کے نتیجہ میں ہم نے لاکھوں نئے بیج زمین میں بو دیئے ہیں۔ اب ہمارا فرض ہے کہ اگلے پچیس ۲۵ یا پچاس ۵۰ سال میں ہم جماعت میں حیرت انگیز طور پر تغیر پیدا کریں۔ کیا بہ لحاظ آدمیوں کی تعداد کے اور کیا بہ لحاظ مالی قربانی کے اور کیا بہ لحاظ تبلیغ کے اور کیا بلحاظ تربیت کے اور کیا بلحاظ تعلیم کے۔ آج سے مثلاً پچیس ۲۵ یا پچاس ۵۰ سال کے بعد اگر ہم نئی فصل کے ویسے ہی شاندار نتائج نہ دکھائیں جیسے پہلی پچاس سالہ فصل کے نتائج نکلے تو ہماری اَلْحَمْد بے معنی اور ہماری اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن جھوٹی ہو جاتی ہے۔ پس مَیں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس جلسہ کے بعد ان کو اپنی نئی ذمہ داریاں بہت جوش اور توجہ کے ساتھ ادا کرنی چاہئیں۔ اب ہماری پہلی فصل کے جو نتائج رونما ہوئے ہیں ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ اگر اس سے زیادہ نہیں تو کم سے کم اتنے ہی گُنے نتائج نئی فصل کے ضرور رونما کر دیں۔ اور اگر پہلے ایک سے لاکھوں ہوئے تو آج سے پچاس سال بعد وہ کروڑوں ضرور ہو جائیں۔ اگر آج سے پچیس ۲۵ سال پہلے جماعت دس بارہ گُنے بڑھی تھی، تو اگلے پچیس ۲۵ سال میں کم سے کم دس بارہ گُنے ضرور بڑھ جانی چاہیئے۔ مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب تک ہر احمدی کیا مرد اور کیا عورت اور کیا بچہ اور کیا بوڑھا، اور کیا کمزور اور کیا مضبوط، اپنے ذمہ یہ فرض عائد نہ کر لے کہ مَیں احمدیت کی ترقی کے لئے اپنے اوقات صرف کروں گا اور اپنی زندگی کا اوّلین مقصد اشاعتِ دین اور اشاعتِ احمدیت سمجھوں گا۔ اسی طرح علمی طور پر کب ترقی ہو سکتی ہے جب تک ہماری جماعت کا ہر فرد دین سیکھنے اور دینی باتیں سُننے اور پڑھنے کی طرف توجہ نہ کرے۔ اسی طرح مالی قربانی میں کب ترقی ہو سکتی ہے جب تک ہماری جماعت نہ صرف قربانیوں میں بیش از پیش ترقی کرے بلکہ اپنے اخراجات میں بھی دیانتداری سے کام لے۔ مال ہمیشہ دونوں طرح سے بڑھتا ہے۔ زیادہ قربانیوں سے بھی بڑھتا ہے اور زیادہ دیانتداری سے خرچ کرنے سے بھی بڑھتا ہے۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک

شخص کو ایک دینار دیا اور فرمایا جاکر قربانی کے لئے کوئی عمدہ سا بکرا لا دو۔ اس نے کہا۔ بہت اچھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ یا رسُول اللہ یہ بکرا موجود ہے اور ساتھ ہی اس نے دینار بھی رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دیا۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم حیران ہوئے اور فرمایا " یہ کس طرح ؟" وہ کہنے لگا۔ یا رسُولَ اللہ مدینہ میں شہر کی وجہ سے چیزیں گراں ملتی ہیں۔ مَیں دس بارہ میل باہر نکل گیا۔ وہاں آدھی قیمت پر بکرے فروخت ہو رہے تھے مَیں نے ایک دینار میں دو بکرے لے لئے اور واپس چل پڑا۔ جب مَیں آ رہا تھا تو رستہ میں ایک شخص مجھے ملا۔ اسے بکرے پسند آئے اور کہنے لگا اگر فروخت کرنا چاہو تو ایک بکرا مجھے دے دو۔ مَیں نے ایک بکرا ایک دینار میں اُسے دے دیا۔ پس اب بکرا بھی حاضر ہے اور دینار بھی۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس سے بہت ہی خوش ہوئے اور آپؐ نے اس کے لئے دعا فرمائی کہ " خدا تجھے برکت دے " صحابہؓ کہتے ہیں کہ اس دُعا کے نتیجہ میں اُسے ایسی برکت ملی کہ اگر وہ مٹی میں بھی ہاتھ ڈالتا تو وہ سونا بن جاتی اور لوگ بڑے اصرار سے اپنے روپے اُسے دیتے اور کہتے کہ یہ روپیہ کہیں تجارت پہ لگا دو۔ غرض کروڑوں کروڑ روپیہ اُسے آیا۔ تو اچھی طرح خرچ کرنے سے بھی مال بڑھتا ہے۔ مال بڑھنے کی صرف یہی صورت نہیں ہوتی کہ ایک کے ڈو بن جائیں بلکہ اگر تم ایک روپیہ کا کام اٹھنّی میں کرتے ہو تو بھی تمہارے دو بن جاتے ہیں۔ بلکہ اگر تم روپیہ کا کام اٹھنّی میں کرتے ہو اور ایک روپیہ زائد بھی کما لیتے ہو تو تمہارے دُو نہیں بلکہ چار بن جائیں گے پس صرف یہی کوشش نہیں ہونی چاہیئے کہ مالی قربانیوں میں زیادتی ہو بلکہ اخراجات میں کفایت کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیئے اور مَیں کارکنوں کو بالخصوص اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ایک روپیہ کا کام اٹھنّی میں کرنے کی کوشش کیا کریں۔

غرض اب جو ہمارے پاس جماعت موجود ہے، اب جو ہمارے پاس روپیہ ہے، اب جو ہمارے پاس تبلیغی سامان ہیں، اب جو ہمارے دنیا میں مشن قائم ہیں، اب جو ہماری تعلیم اور اب جو ہماری تربیت ہے، ان سب کو نیا بیج تصور کر کے آئندہ پچاس سال میں جماعت کی ترقی کے لئے سرگرم جدوجہد کرنی چاہیئے تاکہ آئندہ پچاس سال میں موجودہ حالت سے ہماری تعداد بھی بڑھ جائے، ہمارا مال بھی بڑھ جائے، ہمارا علم بھی بڑھ جائے، ہماری تبلیغ بھی بڑھ جائے۔ اور اسی نسبت سے بڑھے جس نسبت سے وہ پہلے پچاس سال

میں بڑھا۔"

حضرت امیر المومنین نے اپنے اس پُر شوکت خطبہ کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ :-

"اگر ہم اس رنگ میں کوشش نہیں کریں گے تو اس وقت تک ہماری نئی فصل کبھی کامیاب نہیں کہلا سکتی۔ مگر یہ کام ویسا ہی ناممکن ہے جیسا آج سے پچاس سال پہلے نظر آتا تھا۔ پھر اس وقت خدا کا ایک نبی کھڑا تھا۔ بے شک اس وقت کوئی احمدی نہ تھا مگر خدا کا نبی دُنیا میں موجود تھا جو اس پیغام کو لے کر دُنیا میں کھڑا تھا۔ مگر آج وہ نبی ہم میں موجود نہیں اور اس وجہ سے ہماری آواز میں وہ شوکت نہیں جو اس کی آواز میں شوکت تھی۔ پس آج ہمیں اس سے زیادہ آواز بلند کرنی پڑے گی اور ہمیں اس سے زیادہ قربانیاں کرنی پڑیں گی۔ اس کے لئے دُعائیں بھی کرو اور اللہ تعالیٰ کے دروازہ کو کھٹکھٹاؤ اور یاد رکھو کہ جب تک جماعت دُعاؤں پر یقین رکھے گی جب تک تم ہر بات میں اللہ تعالیٰ سے امداد کے طالب رہوگے اس وقت تک تمہارے کاموں میں برکت رہے گی۔ مگر جس دن تم یہ سمجھو گے کہ یہ کام تم نے کیا، جس دن تم یہ سمجھوگے کہ یہ نتائج تمہاری محنت سے نکلے اور جس دن تم یہ سمجھوگے کہ یہ ترقی تمہاری کوششوں کا نتیجہ ہے اُس دن تمہارے کاموں میں سے برکتیں بھی جاتی رہیں گی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ آج دنیا میں تم سے بہت زیادہ طاقتور قومیں موجود ہیں مگر ان سے کوئی نہیں ڈرتا اور تم سے سب لوگ ڈرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ تمہاری مثال اس تار کی سی ہے جس کے پیچھے بجلی کی طاقت ہوتی ہے۔ اب اگر تار یہ خیال کرے کہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں تو یہ اس کی حماقت ہوگی۔ کیونکہ لوگ تار سے نہیں بلکہ اس بجلی سے ڈرتے ہیں جو اس تار کے پیچھے ہوتی ہے۔ جب تک اس میں بجلی رہتی ہے ایک طاقتور آدمی بھی اگر تار پر ہاتھ رکھے تو وہ اس کے ہاتھ کو جلا دے گی۔ لیکن اگر بجلی نہ رہے تو ایک کمزور انسان بھی اُس تار کو توڑ پھوڑ سکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھو اور اس بجلی کو اپنے اندر سے نکلنے نہ دو۔ بلکہ اُسے بڑھاؤ اور ترقی دو۔ تبھی تم کامیابی کو دیکھ سکتے اور نئی فصل زیادہ شاندار اور زیادہ عمدگی کے ساتھ پیدا کر سکتے ہو۔ لیکن اگر یہ بجلی نکل گئی تو پھر تم کچھ بھی نہیں رہوگے۔ ہاں اگر یہ بجلی رہی تو دنیا کی کوئی طاقت تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گی اور اس صورت میں تمہارا یہ عزم کہ تم اگلے پچاس سال میں تمام دُنیا پر چھا جاؤ، ناممکن نہیں ہوگا۔ کیونکہ کام خدا نے کرنا ہے اور خدا

کے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں" ؎۱

تقویم ہجری و شمسی کا اجراء

سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ اگرچہ اہلِ مغرب کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کے بہت فکرمند اور اسی وجہ سے ان کے دلی خیرخواہ اور مخلص و غمخوار تھے۔ مگر آپ کو فطری طور پر مغربیت سے شدید نفرت تھی اور اس کا اظہار اپنی تقریروں اور تحریروں میں ہمیشہ برملا فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی یہ بھی قلبی خواہش تھی کہ جماعتِ احمدیہ کا ایک ایک فرد مغربیت کی ایک ایک یادگار کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر اُن کی جگہ اسلامی تہذیب اور اسلامی تعلیم کی شاندار عمارت استوار کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو جائے۔

حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس سلسلہ میں اپنے زمانۂ خلافت کے آغاز ہی سے مختلف عملی اقدامات کرتے آرہے تھے۔ نومبر ۱۹۳۴ء میں حضور نے تحریک جدید کی بنیاد رکھی جس کے متعدد مطالبات میں مغربیت سے بغاوت کی رُوح نمایاں طور پر کارفرما تھی۔ بعد ازاں حضور نے سالانہ جلسہ ۱۹۳۷ء کے موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام اور الہامات کی روشنی میں جماعت احمدیہ کے سامنے غلبۂ اسلام کا یہ واضح تصور پیش فرمایا کہ :-

"جس طرح آج باوجود مذاہب کے اختلاف کے مغربی تہذیب دُنیا پر غالب آئی ہوئی ہے اسی طرح ہمارا کام ہے کہ ہم اسلامی تمدّن اور اسلامی تہذیب کو اس قدر رائج کریں کہ لوگ خواہ عیسائی ہوں مگر اُن کی تہذیب اور اُن کا تمدّن اسلامی ہو۔ لوگ خواہ یہودی ہوں مگر اُن کی تہذیب اور اُن کا تمدّن اسلامی ہو۔ لوگ خواہ مذہباً ہندو ہوں مگر اُن کی تہذیب اور اُن کا تمدّن اسلامی ہو۔ یہ چیز ہے جس کے پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا۔ کہ تہذیب اسلامی کو اتنا رائج کیا جائے اتنا رائج کیا جائے کہ اگر کچھ حصہ دنیا کا اسلام سے باہر بھی رہ جائے پھر بھی اسلامی تہذیب اُن کے گھروں میں داخل ہو جائے۔ اور وہ وہی تمدّن قبول کریں جو اسلامی تمدّن ہو۔ گویا جس طرح آجکل لوگ کہتے ہیں کہ مغربی تمدّن بہتر ہے۔ اسی طرح دُنیا میں ایسی رَو چل پڑے کہ ہر شخص یہ کہنے لگ جائے کہ اسلامی تمدّن ہی سب سے بہتر ہے"۔ ؎۲

؎۱ اخبار "الفضل" قادیان دارالامان مؤرخہ ۲۵ رجنوری ۱۹۴۰ء بمطابق ۱۵ ذوالحجہ ۱۳۵۸ھ

؎۲ "انقلاب حقیقی" صفحہ ۹۹ - ۱۰۰ (تقریر فرمودہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۷ء برموقعہ جلسہ سالانہ قادیان)

مروّجہ عیسوی کیلنڈر

مغربیت کے عالمگیر ورثوں میں سے مروّجہ عیسوی سنہ بھی ہے جو دراصل قدیم رُومی کیلنڈر (ROMAN CALENDAR) ہے جسے پہلے اگسٹس (AUGUSTUS) پھر جولین (JULIAN) نے ترمیم کیا اور جولین کیلنڈر کہلانے لگا۔ اس کے بعد بھی کئی بار اس میں ترمیم کی گئی۔ آخری بار مارچ ۱۵۸۲ء میں پاپائے گریگوری سیزدہم (POPE GREGORY XIII) کے حکم سے اس میں ترمیم ہوئی۔ جولین کے چھ سو سال بعد ایک عیسائی راہب ڈینس ایگزیگوس (DIONYSIOUS EXIGUUS) نے اس رومن کیلنڈر سے حضرت مسیحؑ کی پیدائش کے زمانہ سے قبل کے سال خارج کر کے اسے مسیحی سنہ قرار دے دیا[1]

سیدنا حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں سنہ ہجری کی بُنیاد

جہاں تک اسلامی کیلنڈر کا تعلق ہے اس کا آغاز خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا۔ چنانچہ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی مشہور تالیف "الفاروق" میں لکھا ہے:-

"عام واقعات کے یاد رکھنے کے لئے جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سنہ کا حساب کرتے تھے مثلاً ایک زمانہ تک کعب بن لوئی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا۔ پھر عام الفیل قائم ہوا۔ یعنی جس سال ابراہتہ الاشرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا۔ پھر عام الفجار اور اس کے بعد اور مختلف سنہ قائم ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مختلف سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ۱۶ھ میں حضرت عمرؓ کے سامنے ایک چیک پیش ہوئی جس پر شعبان کا لفظ تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ گذشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ۔ اُسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی۔ تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ اکثروں نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کی جائے۔ چنانچہ ہرمزان جو خوزستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لا کر مدینہ منوّرہ میں مقیم تھا۔ طلب کیا گیا۔ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے اس کو ماروز کہتے ہیں اور اس میں مہینہ

---

[1] امریکن وپیپل انسائیکلوپیڈیا (زیر لفظ کیلنڈر) بحوالہ "تقویم تاریخی" صفحہ م۔ن مرتبہ عبدالقدوس صاحب ہاشمی مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی ۱۹۶۵ء۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مسیحی جغرافیہ نویسوں نے تسلیم کیا ہے کہ مسیحی کیلنڈر میں غلطی ہو گئی ہے چنانچہ آرچ بشپ اشرز (USHERS) نے اپنی کتاب علم تاریخ (CHRONOLGY) میں اور ڈاکٹر کٹو (KITTO) نے اپنی کتاب "ڈیلی بائبل السٹریشنز (DAILY BIBLE ILLUSTRATIONS) میں ثابت کیا ہے کہ جو تاریخ مسیحی کیلنڈر میں واقعہ صلیب کی دی گئی ہے وہ غلط ہے اور یہ غلطی ۲۷ھ میں لگی ہے۔

اور تاریخ دونوں کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ کی ابتدا کب سے قرار دی جائے۔ حضرت علیؓ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی۔ سال میں دو مہینے آٹھ دن گذر چکے تھے۔ اس لئے ربیع الاوّل سے آغاز ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے اس لئے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا"[1]

ہجری شمسی تقویم کی ضرورت

ہجری تقویم کی بنیاد چاند کی تاریخوں پر رکھی گئی تھی۔ مگر جیسا کہ قرآن مجید میں لکھا ہے کہ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ[2] یعنی سورج اور چاند دونوں ہی حساب کے لئے مفید ہیں۔ اور عقلی طور پر بھی اگر دیکھا جائے تو ان دونوں میں فوائد نظر آتے ہیں چنانچہ عبادتوں کو شرعی طریق پر چلانے کے لئے چاند مفید ہے۔ چاند کے لحاظ سے موسم بدلتے رہتے ہیں اور انسان سال کے ہر حصہ میں اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنے والا قرار پا سکتا ہے۔ پس عبادت کو زیادہ وسیع کرنے کے لئے اور اس لئے کہ انسان اپنی زندگی کے ہر لحظہ کے لئے کہہ سکے کہ وہ اس نے اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لئے گذارا ہے۔ عبادت کا انحصار قمری مہینوں پر رکھا گیا ہے لیکن وقت کی صحیح تعیین کے لئے سُورج مفید ہے اور سال کے اختتام یا اس کے شروع ہونے کے اعتبار سے انسانی دماغ سُورج سے ہی تسلّی پاتا ہے۔

ہجری شمسی تقویم جاری کرنے کی اسلامی کوششیں

یہی وہ ضرورت تھی جس کی وجہ سے ہجری تقویم کے اجراء کے بعد قرنِ اوّل کے مسلمان بادشاہوں میں یہ خیال بڑی شدّت سے اُٹھا کہ ہجری قمری کی طرح ہجری شمسی بھی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ خلفائے عباسیہ مثلاً ہشام بن عبدالملک، ہارون الرشید، معتضد باللہ، متوکل الطائع للہ نے ہجری شمسی تقویم جاری کرنے کی پے در پے کوششیں کیں[3] مگر اس میں بعض رکاوٹیں پیدا ہو گئیں۔ ازاں بعد دولتِ عثمانیہ نے ۱۲۰۹ھ میں تقویم بنائی مگر وہ بھی رائج نہ ہو سکی۔

[1] "الفاروق" جلد دوئم صفحہ ۲۰۳ - ۲۰۴ (ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار لاہور)۔

[2] سورۃ الرحمٰن آیت ۵ پارہ ۲۷۔

[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تقویمنا الشمسی" (از محب الدین خطیب) صفحہ ۱۰ تا ۱۵۔ (ناشر "المطبعۃ السلفیہ و مکتبتہا" قاہرہ ۱۳۴۶ھ)۔

ہندوستان میں سلطنت خداداد میسور کے آخری تاجدار سلطان ابوالفتح فتح علی ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ (۱۷۵۲ء ۔ ۱۷۹۹ء) نے ہجری شمسی تقویم کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے ایک نئی تقویم تیار کی۔ چنانچہ محمود خاں محمود بنگلوری اپنی کتاب "تاریخ سلطنت خداداد" میں لکھتے ہیں:-

"سلطان سے پہلے ملک میں مغلیہ زمانے سے سنہ ہجری کا رواج چلا آتا تھا اور اُس میں یہ نقص تھا کہ لگان کی وصولی میں بہت سی مشکلات پیش آتی تھیں۔ اس لئے کہ لگان فصلوں کی تیاری کے بعد لیا جاتا تھا۔ سنہ ہجری کے مہینے آگے پیچھے ہو جاتے تھے۔ اس نقص کو محسوس کرتے ہوئے اس نے ایک نئی تقویم بنائی جس کی وجہ سے ہر مہینہ ٹھیک اسی موسم میں آتا تھا، جیسے اگلے موسم میں تھا۔ تقویم بنانے کے بعد اس نے مہینوں کے نام ابجد و ابتث کے حساب پر رکھے۔ اس سے سلطان کی مراد یہ تھی کہ حروف تہجی کی ترتیب یا ابجد کے حساب پر اگر نام رکھے جائیں تو لوگوں کو یاد رکھنے میں زیادہ سہولت ہوگی۔"

سلطان شہیدؒ نے حروف ابجد کے حساب سے بارہ مہینوں کے حسب ذیل نام رکھے۔ احمدی۔ بہاری۔ جعفری۔ دارائی۔ ہاشمی۔ واسعی۔ زبرجدی۔ حیدری۔ طلوعی۔ یوسفی۔ یازدی۔ بیاسی۔ بحساب ابتث انہی مہینوں کو بالترتیب مندرجہ ذیل ناموں سے موسوم کیا۔ احمدی۔ بہاری۔ تقی۔ ثمری۔ جعفری۔ حیدری۔ خسروی۔ دینی۔ ذکری۔ رحمانی۔ راضی۔ ربانی۔[1]

سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد یہ تقویم جاری نہ رہ سکی۔ تاہم مسلمان مدبّروں کے دلوں میں یہ خیال برابر پرورش پاتا رہا کہ تقویم شمسی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ مصر کے مشہور عالم السید محب الدین خطیب نے ۱۳۴۶ھ میں قاہرہ کے المطبعۃ السلفیہ سے "تَقْوِيْمُنَا الشَّمْسِيُّ" کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں ہجری شمسی تقویم کے لئے گذشتہ مسلم سلاطین کی جدوجہد کی تاریخ بیان کی اور آخر میں اس کے اجراء کی ضرورت و اہمیت واضح کی۔

حضرت فضل عمرؓ کی توجہ تقویم ہجری شمسی کی طرف

مگر جو سعادت ازل سے حضرت فضل عمرؓ کے عہد زرّیں کے ساتھ وابستہ تھی اس کی تکمیل کسی اَور دَور میں کیسے ہو سکتی۔ واقعہ یہ ہوا کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۹۳۸ء میں اپنے سیر

[1] "تاریخ سلطنت خداداد" (میسور) صفحہ ۴۹۹ ... ۵۰۰ مؤلفہ محمود خاں محمود بنگلوری ناشر پبلشرز یونائیٹڈ لاہور طبع چہارم ۱۹۴۷ء

رُوحانی" والے مشہور سفر کے دَوران جب دہلی میں رصدگاہیں اور جنتر منتر دیکھے تو اسی وقت سے تہیہ کر لیا کہ اس بارہ میں کامل تحقیق کر کے عیسوی شمسی سنہ کی بجائے ہجری شمسی سنہ جاری کر دیا جائے اور آئندہ کے لئے عیسوی سنہ کا استعمال چھوڑ دیا جائے۔ خواہ مخواہ عیسائیت کا ایک طوق ہماری گردنوں میں کیوں پڑا رہے۔[1]

تقویم کے لئے کمیٹی کی تشکیل

چنانچہ حضور نے جنوری ۱۹۳۹ء کے شروع میں تقویم ہجری شمسی کی ترویج سے متعلق ایک کمیٹی قائم فرما دی اور اس کے لئے مندرجۂ ذیل ممبر نامزد فرمائے:-

۱۔ حضرت سید محمد اسحاق صاحب فاضل ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ قادیان (صدر کمیٹی)

۲۔ حضرت صاحبزادہ حافظ میرزا ناصر احمد صاحب فاضل پرنسپل جامعہ احمدیہ قادیان۔

۳۔ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ حلالپوری (سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ قادیان)

۴۔ مولوی ابو العطاء صاحب فاضل سابق مبلغ بلاد عربیہ[2]

چونکہ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کمیٹی کی تشکیل سے قبل از خود ایک قمری تقویم تیار کر رہے تھے اس لئے ارکان کمیٹی کی طرف سے تقویم کا ڈھانچہ تجویز کرنے کا اہم فریضہ آپ ہی کے سپرد کیا گیا۔

تقویم کی منظوری اور اجراء

آپ نے اس کا ایک خاکہ کمیٹی کے سامنے رکھ دیا جو کمیٹی نے اپنی رائے کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ جس کی منظوری حضرت امیر المؤمنین سیدنا فضل عمرؓ نے جنوری ۱۹۴۰ء کے آغاز میں دے دی۔

حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ حلالپوری نے "الفضل" ۲۶ صلح/جنوری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں یہ تقویم شائع کر دی اور جماعت احمدیہ کے اولوالعزم امام ہمام کی برکت اور توجہ سے عالم اسلام کی ایک قدیم ضرورت پُوری ہوئی۔ اور ہجری شمسی تقویم جاری ہو گئی۔

تقویم ہجری شمسی کی امتیازی حیثیت

خلافت عثمانیہ نے ۱۲۰۹ھ میں جو ہجری شمسی تقویم رائج کی وہ شمسی مہینہ مارچ سے شروع ہوتی تھی[3] مگر موجودہ تقویم مروجہ

---

[1] "سیر روحانی" (تقریر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرمودہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۸ء) صفحہ ۹۹، ۱۰۱۔ [2] "الفضل" قادیان ۲۶ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۳ کالم ۱ و ۲۔ [3] "تقویمنا الشمسی" صفحہ ۱۷ (از محب الدین الخطیب) ناشر "المطبعۃ السلفیہ ومکتبتہا" القاہرہ ۱۳۴۶ھ۔

عیسائی کیلنڈر کے بالکل متوازی چلتی تھی۔ یعنی اُس کے ہر نئے سال کا آغاز اور اس کے مہینوں کی تقسیم بالکل رومن کیلنڈر کی طرح تھی۔ دولتِ عثمانیہ کے ہجری شمسی کیلنڈر میں مہینوں کے نام رومن سے مخلوط سُریانی زبان سے اخذ کئے گئے تھے۔ جو یہ تھے:۔

مارت ، نیسان ، مایس ، حزیران ، تموز ، اغسطس ، ایلول ، تشرین الاوّل ، تشرین الثانی ، کانون الاوّل ، کانون الثانی ، شباط [1]

اس کے مقابل حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے جاری فرمودہ تقویم ہجری شمسی کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مہینوں کے نام ایسے مناسب تجویز کئے گئے جو اسلامی تاریخ کے مشہور واقعات کے لئے بطور یادگار تھے تا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فیضان اور دنیا کے لئے دینِ کامل کی یاد قیامت تک ہر لحظہ تازہ ہوتی رہے۔ بالفاظ دیگر ہجری شمسی سال کے بارہ مہینوں میں زمانہ نبوی کے بارہ ایسے ضروری واقعات آنکھوں کے سامنے پھر جاتے تھے جو تاریخ اسلام کا نقطۂ مرکزیہ اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ کی جان ہیں۔ بہر حال حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تقویم ہجری شمسی کے مہینوں کے مندرجہ ذیل نام تجویز فرمائے:۔

(۱) صلح (جنوری) (۲) تبلیغ (فروری) (۳) امان (مارچ)
(۴) شہادت (اپریل) (۵) ہجرت (مئی) (۶) احسان (جون)
(۷) وفاء (جولائی) (۸) ظہور (اگست) (۹) تبوک (ستمبر)
(۱۰) اخاء (اکتوبر) (۱۱) نبوت (نومبر) (۱۲) فتح (دسمبر)

ہجری شمسی کی نسبت تفصیلی معلومات حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ کے قلم سے

تقویم ہجری شمسی میں کیا کیا امور مدنظر رکھے گئے، ہجری شمسی مہینوں کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ نیز اس تقویم کے عملی نفاذ کے سال اوّل کا کیلنڈر کیا ہے؟ ان سب امور پر حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ حلالپوری کے ایک مضمون میں (جو "الفضل" ۲۶ صلح ۱۳۱۹ ہش مطابق ۲۶ جنوری ۱۹۴۰ء میں شائع ہو چکا ہے) بڑی شرح وبسط سے روشنی پڑتی ہے جسے بجنسہٖ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔ [2]

---

[1] "تقویمنا الشمسی" صفحہ ۱۷

[2] حضرت مولوی صاحبؓ نے ۲ ماہ تبلیغ / فروری ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء کے "الفضل" میں اپنے مضمون کے بعض الفاظ کی اصلاح کی تھی جس کے مطابق متن میں بھی ترمیم و تصحیح کر دی گئی ہے۔ (ناقل)

ہجری شمسی تقویم (کیلنڈر)

(منظور فرمودہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز)

تقویم ہجری شمسی کی ترتیب و تجویز:-

ہجری شمسی تقویم کے مرتب کرنے کے ساتھ تعلق رکھنے والے ضروری امور پر غور کر کے اس بارے میں رپورٹ پیش کرنے کے لئے حضرت سیدنا و امامنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۹۳۹ء کے اوائل میں ایک کمیٹی مقرر فرمائی اور اس کے چار ممبر متعین فرمائے حضرت سید محمد اسحاق صاحب فاضل ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ قادیان (صدر کمیٹی)، حضرت صاحبزادہ حافظ میرزا ناصر احمد صاحب فاضل پرنسپل جامعہ احمدیہ قادیان، مولوی ابو العطاء صاحب فاضل مبلغ سلسلہ احمدیہ، خاکسار محمد اسمٰعیل (سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ قادیان) اور ارشاد فرمایا کہ اس کیلنڈر کا ڈھانچہ تیار کر کے پیش کیا جائے اور اس میں دوسرے مروجہ شمسی کیلنڈروں کی نسبت مروجہ عیسوی کیلنڈر کو مقدم طور پر سامنے رکھا جائے (جو درحقیقت عیسوی کیلنڈر نہیں بلکہ رُومی کیلنڈر ہے جسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے ۵۲۷ سال بعد صرف اس قدر تبدیلی کے ساتھ کرسچین کیلنڈر بنا لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کے سالوں کے اعداد اس میں سے کم کر دیئے اور بس) لیکن چونکہ اس کے کئی ایک مہینوں کے نام مشرکانہ ہیں اس لئے مہینوں کے نام کوئی اَور تجویز کئے جائیں جو مناسب اور موزوں ہوں اور عیسوی کیلنڈر کی اصلاح کے لئے جو تبدیلی اس میں عیسائیوں نے کی ہے جس کے ماتحت اس کیلنڈر کو اب چلایا جا رہا ہے اس مجوزہ کیلنڈر میں شروع سے ہی ملحوظ رکھا جائے۔

چونکہ اس کمیٹی کے ارکان کو معلوم تھا کہ خاکسار راقم ایک قمری تقویم تیار کر رہا ہے اس لئے کمیٹی نے قرار دیا کہ ہجری شمسی تقویم کا ڈھانچہ بھی خاکسار ہی تجویز کرے۔ اور اُسے کمیٹی کے سامنے پیش کرے۔ چنانچہ مَیں نے اس کا ایک خاکہ مرتب کر کے کمیٹی کے آگے پیش کیا۔ اور کمیٹی نے اس کے ساتھ اپنی رائے شامل کر کے اُسے حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور نے اس کے متعلق تمام ممبران کی آراء سُن کر حسب ذیل فیصلہ فرمایا:-

ہجری شمسی سال کا آغاز اور اس کے دنوں کی اس کے مہینوں پر تقسیم :-

مروجہ عیسوی کیلنڈر کا کوئی نیا سال جس روز سے شروع ہوگا اسی روز سے ہجری شمسی سال کا آغاز شمار ہوگا۔ اور سال کے دنوں کی تقسیم بھی مہینوں پر مروجہ عیسوی کیلنڈر کی طرح ہی ہوگی اور لیپ سال بھی وہی شمار ہوں گے جو مروجہ عیسوی کیلنڈر میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اور پہلے ہجری شمسی سال کا آغاز بھی ۶۲۲ء کے آغاز کے وقت سے محسوب ہوگا۔ لیکن چونکہ عیسوی کیلنڈر کے سابقہ طریق شمار میں غلطی سے ہر صدی میں لیپ کے ۲۵ سال گنے جاتے تھے اور ساتویں صدی عیسوی کے آغاز کے وقت تک اس غلطی کی وجہ سے تین دن زائد شمار ہو چکے تھے اس لئے ۱ ہش (ہجری شمسی) کے آغاز کے دن کی عیسوی تاریخ یکم جنوری ۶۲۲ء نہیں بلکہ ۲۹ دسمبر ۶۲۱ء محسوب ہوگی۔ اور چونکہ اس کے بعد بھی ۱۵۸۲ء تک یہ غلط طریق شمار برابر جاری رہا اس لئے یہ فرق بڑھتا چلا گیا اور سولھویں صدی عیسوی میں دس دن تک پہنچ گیا اور ۱۵۸۲ء میں آکر اس غلطی کی اصلاح کی طرف توجہ کی گئی مگر وہ بھی بیک وقت نہیں بلکہ مختلف ممالک میں ۱۵۸۲ء سے لے کر قریباً ساڑھے تین سو سال کے لمبے عرصہ میں مختلف اوقات میں مختلف طریقوں سے اس کی اصلاح کی گئی حتیٰ کہ بعض اقوام نے اب بیسویں صدی میں آکر اس اصلاح کا اجرا کیا ہے جبکہ یہ فرق تیرہ دن تک پہنچ چکا تھا۔ ہاں اب چونکہ اس فرق کا ازالہ کیا جا چکا ہے اس لئے مروجہ عیسوی کیلنڈر کے کسی سال اور کسی مہینہ کے آغاز کے دن اور اس کے مقابل کے ہجری شمسی سال اور مہینہ کے آغاز کے دن میں اب کوئی فرق نہیں ہوگا اور ۱۳۱۹ ہش کے آغاز کا دن وہی محسوب ہوگا جو ۱۹۴۰ء کے آغاز کا دن تھا۔

ہجری شمسی مہینوں کے نام :-

ہجری شمسی سنہ کے مہینوں کے نام حضور نے حسب ذیل منظور فرمائے ہیں :-

۱۔ **ماہ صلح** بمقابل جنوری۔ اس مہینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک رؤیا کی بنا پر تین ہزار صحابہ کرامؓ کی معیت میں عمرہ کے لئے بیت اللہ شریف کی طرف روانہ ہوئے مگر کفار قریش

مزاحم ہوئے۔ اس وجہ سے حدیبیہ کے مقام سے آپ کو واپس ہونا پڑا۔ لیکن اس موقعہ پر ان لوگوں کے ساتھ آپ کا ایک صلح کا معاہدہ ہوگیا جس کا نام اللہ تعالیٰ نے فتح مبین رکھا ہے۔ اس صلح کے نتیجہ میں لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہونے شروع ہوگئے۔ گویا دریا کا بند ٹوٹ گیا۔

۲۔ ماہ تبلیغ بمقابل فروری۔ اس مہینہ میں حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادشاہوں کی طرف تبلیغی خطوط ارسال فرمائے اور انہیں اسلام کی دعوت پہنچائی۔

۳۔ ماہ امان بمقابل مارچ۔ اس مہینہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری جانوں، تمہارے مالوں اور تمہاری عزت و آبرو کو ویسی حرمت بخشی ہے جیسی کہ اس نے حج کے دن کو، حج کے مہینہ کو اور حج کے مقام مکہ معظمہ کو حرمت عطا کی ہے۔

۴۔ ماہ شہادت بمقابل اپریل۔ اس مہینہ میں دشمنانِ اسلام نے دھوکہ اور غداری سے کام لے کر اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ درخواست کر کے کہ ہمیں دینِ اسلام کی تعلیمات سکھانے کے لئے ہمارے ہاں معلّم اور مبلّغ بھیجے جائیں اور اس طرح اکابر صحابہؓ کو اپنے ہاں بلا کر بے دردی کے ساتھ انہیں شہید کیا اور ایک مہینہ میں دو بار یہ غدّاری کی۔ ایک تو رجیع کے مقام پر جہاں آپؐ نے چھ یا سات اکابر صحابہ کرام کو بھیجا تھا جن میں سے ایک یا دو کو تو ان لوگوں نے پکڑ کر کفار قریش کے پاس جا کر بیچ دیا اور باقی سب کو شہید کر دیا۔ اور دوسرے بئر معونہ کے مقام پر، جہاں آپؐ نے ابو براء کلابی رئیس بنی کلاب کی درخواست پر اور اس کی ذمہ داری پر ستّر انصار کو جو نہایت مقدس لوگ اور قرآن کریم کے حافظ اور ماہر تھے، ان لوگوں کی تعلیم و تربیت کی غرض سے بھیجا۔ ان لوگوں نے سوائے ایک انصاری کے جسے وہاں کے سردار نے ایک غلام کو آزاد کرنے کے متعلق اپنی ماں کی نذر پُوری کرنے کے لئے چھوڑ دیا تھا باقی تمام کو شہید کر دیا۔

۵۔ ماہ ہجرت بمقابل مئی۔ اس مہینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں قیام اختیار فرمایا۔

۶۔ ماہ احسان بمقابل جُون۔ اس مہینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بنی طی کے اسیروں کو

حاتم کے ساتھ ان کی قومی نسبت کی وجہ سے ازراہِ کرم و احسان آزادی بخشی۔

۷۔ ماہ وفا بمقابل جولائی۔ اس مہینہ میں غزوہ ذات الرقاع ہوا تھا جس میں سفر کی شدت اور سواری کی کمی کی وجہ سے پیدل چلنے کے باعث صحابہ کرامؓ کے پاؤں چھلنی ہو گئے اور صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ کے تو پاؤں کے ناخن بھی جھڑ گئے اور انہوں نے اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر اور پاؤں پر لپیٹ لپیٹ کر اس کا راستہ طے کیا اور اسی وجہ سے اس مہم کا نام ذات الرقاع مشہور ہو گیا اور اسی موقع پر صلوٰۃ الخوف کا حکم نازل ہوا۔ غرض اس جنگ میں بھی صحابہ کرامؓ نے خارق عادت طور پر اپنے صدق و وفا اور تسلیم و رضا کا نمونہ دکھایا تھا۔

۸۔ ماہ ظہور بمقابل اگست۔ اس مہینہ میں جنگ موتہ کے سلسلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے بیرونِ عرب میں اسلام کی اشاعت اور ظہور یعنی غلبہ کی بنیاد رکھوائی۔ اس واقعہ سے قبل آپ نے ہرقل کے مقرر کردہ امیر بصری کی طرف حضرت حارث ابن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک تبلیغی خط بھیجا تھا۔ جب وہ موتہ کے مقام پر پہنچے تو شرحبیل غسانی نے انہیں باندھ کر قتل کر دیا جس پر حضورؐ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی امارت کے ماتحت تین ہزار صحابہ کرام کی فوج وہاں بھیجی۔ اور ارشاد فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائے تو اس کی جگہ جعفرؓ بن ابی طالب لے لے۔ وہ شہید ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہؓ اس کی جگہ پر کھڑا ہو جائے اور وہ شہید ہو جائے تو مسلمان اپنے میں سے کسی کو امیر بنا لیں اور اسی ترتیب سے وہ اس جنگ میں شہید ہوئے۔

۹۔ ماہ تبوک بمقابل ستمبر۔ اس مہینہ میں جنگ تبوک کے موقعہ پر مخلصین کے اخلاص کا مختلف صورتوں میں امتحان ہوا۔ اور انہوں نے اپنے اپنے رنگ میں اعلیٰ سے اعلیٰ جوہر ایمان دکھائے۔

۱۰۔ ماہ اخاء بمقابل اکتوبر۔ اس مہینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں سے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کے درمیان خاص طور پر اخوت کا تعلق قائم کیا جس کے نتیجہ میں مہاجرین اور انصار کے تعلقات سگے بھائیوں سے بھی بڑھ کر ہو گئے۔

۱۱۔ ماہ نبوت بمقابل نومبر۔ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منصب نبوت و رسالت بخشا۔

۱۲۔ ماہ فتح بمقابل دسمبر۔ اس مہینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے موقعہ پر اپنے خونخوار دشمنوں کو لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر عفو عام کا اعلان فرمایا۔

قمری مہینوں کی تعیین

ان واقعات کو ان شمسی مہینوں کی طرف منسوب کرتے وقت اس بات کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ آئندہ ہر ایک قمری سال بارہ مہینوں کا شمار ہوگا۔ اس سے پہلے عرب میں جو تاریخ شماری کا یہ طریق قریباً دو اڑھائی سو سال سے جاری تھا کہ مہینے قمری گنے جاتے تھے اور سال شمسی۔ اور ان دونوں شماروں کو ملانے کے لئے ہر آٹھ سال میں تین سال ۱۳۔۱۳ ماہ کے شمار کئے جاتے تھے۔ اس کی بناء پر ہجرت کے ابتدائی دس سالوں میں چار سال ۱۳۔۱۳ مہینوں کے گنے گئے تھے اور وہ اس طور پر کہ نویں اور دسویں سنہ کے درمیان یعنی ان میں ایک سال کے اختتام اور دوسرے سال کے آغاز کے موقعہ پر ایک مہینہ زائد شمار کیا گیا جس سے پہلے، ساتویں اور آٹھویں سال کے درمیان اور ان سے پہلے، چوتھے اور پانچویں سال کے درمیان اور اس سے قبل پہلے اور دوسرے سال کے درمیان ایک ایک مہینہ زائد شمار کیا گیا تھا۔ پس ابتدائی دس ہجری سالوں کا عرصہ ۱۲۰ قمری مہینوں کا نہیں بلکہ ۱۲۴ قمری مہینوں کا شمار ہوا تھا۔

تقویم قمری کا اجمالی خاکہ

اس تقویم میں نئے قمری دَور کا آغاز سنہ ہجری کے شروع سے شمار کیا گیا ہے۔ اور ۳۰۔ ۳۰ دنوں کے اور ۲۹۔ ۲۹ دنوں کے قمری مہینوں کی تعیین کے لئے قمری مہینہ کی اوسط مقدار کو سامنے رکھا گیا ہے اور تواریخ کی تعیین کے لئے ایک طرف اس بات کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ حجۃ الوداع کے دن یعنی ۹ ذوالحجہ سنہ ہجری کو جمعہ تھا۔ اور دوسری طرف یہ کہ ابتدائی دس ہجری سالوں میں سے پہلا مہینہ جمعہ کے روز شروع ہوا تھا۔ اور پانچواں مہینہ (جو ہر ایک سال کو بارہ ماہ کا شمار کرنے کی صورت میں سنہ ہجری کا پہلا مہینہ ہوتا ہے) پنجشنبہ کو یعنی جمعرات کے روز اور طول البلد کی رو سے بیت اللہ

شریف اور حرمین شریفین کی رؤیت کو معیار قرار دیا گیا ہے۔

حرمین شریفین کی رؤیت میں اور ہندوستان کی رؤیت میں بعض اوقات طول البلد کے اختلاف کی وجہ سے ایک دن کا فرق پیدا ہو سکتا ہے اور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہندوستان کی نسبت عرب میں سورج کسی قدر دیر سے غروب ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں چاند بعض دفعہ ایک دن پہلے نظر آجاتا ہے۔

اب ذیل میں سنہ ۱۳۱۹ ہش مطابق سنہ ۱۹۴۰ء موافق سنہ ۱۳۵۸ھ اور سنہ ۱۳۵۹ھ کا کیلنڈر دیا جاتا ہے۔

ہجری شمسی تقویم (کیلنڈر) بابت سنہ ۱۳۱۹ ہش مطابق سنہ ۱۹۴۰ء

ماہ صلح سنہ ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء

ایام ہفتہ	ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم
اتوار / یکشنبہ		۷ / ۲۶ ذیقعدہ	۱۴ / ۴ ذوالحجہ	۲۱ / ۱۱ ذوالحجہ	۲۸ / ۱۸ ذوالحجہ
سوموار / دوشنبہ	۱ / ۲۰ ذیقعدہ	۸ / ۲۷ ذیقعدہ	۱۵ / ۵ ذوالحجہ	۲۲ / ۱۲ ذوالحجہ	۲۹ / ۱۹ ذوالحجہ
منگل / سہ شنبہ	۲ / ۲۱ ذیقعدہ	۹ / ۲۸ ذیقعدہ	۱۶ / ۶ ذوالحجہ	۲۳ / ۱۳ ذوالحجہ	۳۰ / ۲۰ ذوالحجہ
بدھ / چہار شنبہ	۳ / ۲۲ ذیقعدہ	۱۰ / ۲۹ ذیقعدہ	۱۷ / ۷ ذوالحجہ	۲۴ / ۱۴ ذوالحجہ	۳۱ / ۲۱ ذوالحجہ
جمعرات / پنجشنبہ	۴ / ۲۳ ذی قعدہ	۱۱ / یکم ذوالحجہ سنہ ۱۳۵۸ھ	۱۸ / ۸ ذوالحجہ	۲۵ / ۱۵ ذوالحجہ	
جمعہ	۵ / ۲۴ ذیقعدہ	۱۲ / ۲ ذوالحجہ	۱۹ / ۹ ذوالحجہ	۲۶ / ۱۶ ذوالحجہ	
ہفتہ / شنبہ	۶ / ۲۵ ذیقعدہ	۱۳ / ۳ ذوالحجہ	۲۰ / ۱۰ ذوالحجہ	۲۷ / ۱۷ ذوالحجہ	

ماہ تبلیغ ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ فروری ۱۹۴۰ء

ایام ہفتہ	ہفتہ اول	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم
اتوار یکشنبہ	✤	۴ ۲۵ ذوالحجہ	۱۱ ۲ محرم	۱۸ ۹ محرم	۲۵ ۱۶ محرم
سوموار دوشنبہ	✤	۵ ۲۶ ذوالحجہ	۱۲ ۳ محرم	۱۹ ۱۰ محرم	۲۶ ۱۷ محرم
منگل سہ شنبہ	✤	۶ ۲۷ ذوالحجہ	۱۳ ۴ محرم	۲۰ ۱۱ محرم	۲۷ ۱۸ محرم
بدھ چہارشنبہ	✤	۷ ۲۸ ذوالحجہ	۱۴ ۵ محرم	۲۱ ۱۲ محرم	۲۸ ۱۹ محرم
جمعرات پنجشنبہ	۱ ۲۲ ذوالحجہ	۸ ۲۹ ذوالحجہ	۱۵ ۶ محرم	۲۲ ۱۳ محرم	۲۹ ۲۰ محرم
جمعہ ”	۲ ۲۳ ذوالحجہ	۹ ۳۰ ذوالحجہ	۱۶ ۷ محرم	۲۳ ۱۴ محرم	✤
ہفتہ شنبہ	۳ ۲۴ ذوالحجہ	۱۰ یکم محرم ۱۳۵۹ھ	۱۷ ۸ محرم	۲۴ ۱۵ محرم	✤

ماہ امان ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۰ء

ایام ہفتہ	ہفتہ اول	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم	ہفتہ ششم
اتوار یکشنبہ	✤	۳ ۲۳ محرم	۱۰ یکم صفر	۱۷ ۸ صفر	۲۴ ۱۵ صفر	۳۱ ۲۲ صفر
سوموار دوشنبہ	✤	۴ ۲۴ محرم	۱۱ ۲ صفر	۱۸ ۹ صفر	۲۵ ۱۶ صفر	✤
منگل سہ شنبہ	✤	۵ ۲۵ محرم	۱۲ ۳ صفر	۱۹ ۱۰ صفر	۲۶ ۱۷ صفر	✤
بدھ چہارشنبہ	✤	۶ ۲۶ محرم	۱۳ ۴ صفر	۲۰ ۱۱ صفر	۲۷ ۱۸ صفر	✤
جمعرات پنجشنبہ	✤	۷ ۲۷ محرم	۱۴ ۵ صفر	۲۱ ۱۲ صفر	۲۸ ۱۹ صفر	✤
جمعہ ”	۱ ۲۱ محرم ۱۳۵۹ھ	۸ ۲۸ محرم	۱۵ ۶ صفر	۲۲ ۱۳ صفر	۲۹ ۲۰ صفر	✤
ہفتہ شنبہ	۲ ۲۲ محرم	۹ ۲۹ محرم	۱۶ ۷ صفر	۲۳ ۱۴ صفر	۳۰ ۲۱ صفر	✤

ماہ شہادت سنہ ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء

ایام ہفتہ	ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم
یکشنبہ (اتوار)	✤	۷ ۲۹ر صفر	۱۴ ۶ر ربیع الاوّل	۲۱ ۱۳ر ربیع الاوّل	۲۸ ۲۰ر ربیع الاوّل
دوشنبہ (سوموار)	۱ ۲۳ر صفر ۱۳۵۹ھ	۸ ۳۰ صفر	۱۵ ۷ر ربیع الاوّل	۲۲ ۱۴ر ربیع الاوّل	۲۹ ۲۱ر ربیع الاوّل
سہ شنبہ (منگل)	۲ ۲۴ر صفر	۹ یکم ربیع الاوّل	۱۶ ۸ر ربیع الاوّل	۲۳ ۱۵ر ربیع الاوّل	۳۰ ۲۲ر ربیع الاوّل
چہارشنبہ (بدھ)	۳ ۲۵ صفر	۱۰ ۲ر ربیع الاوّل	۱۷ ۹ر ربیع الاوّل	۲۴ ۱۶ ربیع الاوّل	✤
پنجشنبہ (جمعرات)	۴ ۲۶ر صفر	۱۱ ۳ر ربیع الاوّل	۱۸ ۱۰ر ربیع الاوّل	۲۵ ۱۷ر ربیع الاوّل	✤
جمعہ	۵ ۲۷ر صفر	۱۲ ۴ر ربیع الاوّل	۱۹ ۱۱ر ربیع الاوّل	۲۶ ۱۸ر ربیع الاوّل	✤
شنبہ (ہفتہ)	۶ ۲۸ر صفر	۱۳ ۵ر ربیع الاوّل	۲۰ ۱۲ر ربیع الاوّل	۲۷ ۱۹ر ربیع الاوّل	✤

ماہ ہجرت سنہ ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۴۰ء

ایام ہفتہ	ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم
یکشنبہ (اتوار)	✤	۵ ۲۷ر ربیع الاوّل	۱۲ ۵ر ربیع الثانی	۱۹ ۱۲ر ربیع الثانی	۲۶ ۱۹ر ربیع الثانی
دوشنبہ (پیر)	✤	۶ ۲۸ر ربیع الاوّل	۱۳ ۶ر ربیع الثانی	۲۰ ۱۳ر ربیع الثانی	۲۷ ۲۰ر ربیع الثانی
سہ شنبہ (منگل)	✤	۷ ۲۹ر ربیع الاوّل	۱۴ ۷ر ربیع الثانی	۲۱ ۱۴ر ربیع الثانی	۲۸ ۲۱ر ربیع الثانی
چہارشنبہ (بدھ)	۱ ۲۳ر ربیع الاوّل	۸ یکم ربیع الثانی	۱۵ ۸ر ربیع الثانی	۲۲ ۱۵ر ربیع الثانی	۲۹ ۲۲ ربیع الثانی
پنجشنبہ (جمعرات)	۲ ۲۴ر ربیع الاوّل	۹ ۲ر ربیع الثانی	۱۶ ۹ر ربیع الثانی	۲۳ ۱۶ر ربیع الثانی	۳۰ ۲۳ر ربیع الثانی
جمعہ	۳ ۲۵ر ربیع الاوّل	۱۰ ۳ر ربیع الثانی	۱۷ ۱۰ر ربیع الثانی	۲۴ ۱۷ر ربیع الثانی	۳۱ ۲۴ر ربیع الثانی
شنبہ (ہفتہ)	۴ ۲۶ر ربیع الاوّل	۱۱ ۴ر ربیع الثانی	۱۸ ۱۱ر ربیع الثانی	۲۵ ۱۸ر ربیع الثانی	✤

ماہ احسان ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ جون ۱۹۴۰ء

ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم	ہفتہ ششم	
♣	۲ ۲۶، ربیع الثانی	۹ ۳، جمادی الاولیٰ	۱۶ ۱۰، جمادی الاولیٰ	۲۳ ۱۷، جمادی الاولیٰ	۳۰ ۲۴، جمادی الاولیٰ	۱
♣	۳ ۲۷، ربیع الثانی	۱۰ ۴، جمادی الاولیٰ	۱۷ ۱۱، جمادی الاولیٰ	۲۴ ۱۸، جمادی الاولیٰ	♣	۲
♣	۴ ۲۸، ربیع الثانی	۱۱ ۵، جمادی الاولیٰ	۱۸ ۱۲، جمادی الاولیٰ	۲۵ ۱۹، جمادی الاولیٰ	♣	۳
♣	۵ ۲۹، ربیع الثانی	۱۲ ۶، جمادی الاولیٰ	۱۹ ۱۳، جمادی الاولیٰ	۲۶ ۲۰، جمادی الاولیٰ	♣	۴
♣	۶ ۳۰، ربیع الثانی	۱۳ ۷، جمادی الاولیٰ	۲۰ ۱۴، جمادی الاولیٰ	۲۷ ۲۱، جمادی الاولیٰ	♣	۵
♣	۷ یکم جمادی الاولیٰ	۱۴ ۸، جمادی الاولیٰ	۲۱ ۱۵، جمادی الاولیٰ	۲۸ ۲۲، جمادی الاولیٰ	♣	۶
۱ ۲۵، ربیع الثانی	۸ دوم جمادی الاولیٰ	۱۵ ۹، جمادی الاولیٰ	۲۲ ۱۶، جمادی الاولیٰ	۲۹ ۲۳، جمادی الاولیٰ	♣	۷

ماہ وفا ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۰ء

ایام ہفتہ	ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم
یکشنبہ (اتوار)	♣	۷ ۲، جمادی الاخریٰ	۱۴ ۹، جمادی الاخریٰ	۲۱ ۱۶، جمادی الاخریٰ	۲۸ ۲۳، جمادی الاخریٰ
دوشنبہ (پیر)	۱ ۲۵، جمادی الاولیٰ	۸ ۳، جمادی الاخریٰ	۱۵ ۱۰، جمادی الاخریٰ	۲۲ ۱۷، جمادی الاخریٰ	۲۹ ۲۴، جمادی الاخریٰ
سہ شنبہ (منگل)	۲ ۲۶، جمادی الاولیٰ	۹ ۴، جمادی الاخریٰ	۱۶ ۱۱، جمادی الاخریٰ	۲۳ ۱۸، جمادی الاخریٰ	۳۰ ۲۵، جمادی الاخریٰ
چہارشنبہ (بدھ)	۳ ۲۷، جمادی الاولیٰ	۱۰ ۵، جمادی الاخریٰ	۱۷ ۱۲، جمادی الاخریٰ	۲۴ ۱۹، جمادی الاخریٰ	۳۱ ۲۶، جمادی الاخریٰ
پنجشنبہ (جمعرات)	۴ ۲۸، جمادی الاولیٰ	۱۱ ۶، جمادی الاخریٰ	۱۸ ۱۳، جمادی الاخریٰ	۲۵ ۲۰، جمادی الاخریٰ	♣
جمعہ	۵ ۲۹، جمادی الاولیٰ	۱۲ ۷، جمادی الاخریٰ	۱۹ ۱۴، جمادی الاخریٰ	۲۶ ۲۱، جمادی الاخریٰ	♣
شنبہ (ہفتہ)	۶ یکم جمادی الاخریٰ	۱۳ ۸، جمادی الاخریٰ	۲۰ ۱۵، جمادی الاخریٰ	۲۷ ۲۲، جمادی الاخریٰ	♣

ماہ ظہور سنہ ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ اگست سنہ ۱۹۴۰ء

ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم	
✣	۴ ۳۰ر جمادی الاخریٰ	۱۱ ۷ر رجب	۱۸ ۱۴ر رجب	۲۵ ۲۱ر رجب	۱
✣	۵ یکم رجب	۱۲ ۸ر رجب	۱۹ ۱۵ر رجب	۲۶ ۲۲ر رجب	۲
✣	۶ ۲ر رجب	۱۳ ۹ر رجب	۲۰ ۱۶ر رجب	۲۷ ۲۳ر رجب	۳
✣	۷ ۳ر رجب	۱۴ ۱۰ر رجب	۲۱ ۱۷ر رجب	۲۸ ۲۴ر رجب	۴
۱ ۲۷ر جمادی الاخریٰ	۸ ۴ر رجب	۱۵ ۱۱ر رجب	۲۲ ۱۸ر رجب	۲۹ ۲۵ر رجب	۵
۲ ۲۸ر جمادی الاخریٰ	۹ ۵ر رجب	۱۶ ۱۲ر رجب	۲۳ ۱۹ر رجب	۳۰ ۲۶ر رجب	۶
۳ ۲۹ر جمادی الاخریٰ	۱۰ ۶ر رجب	۱۷ ۱۳ر رجب	۲۴ ۲۰ر رجب	۳۱ ۲۷ر رجب	۷

ماہ تبوک سنہ ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ ستمبر سنہ ۱۹۴۰ء

ایام ہفتہ	ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم
یکشنبہ (اتوار)	۱ ۲۸ر رجب	۸ ۶ر شعبان	۱۵ ۱۳ر شعبان	۲۲ ۲۰ر شعبان	۲۹ ۲۷ر شعبان
دوشنبہ (پیر)	۲ ۲۹ر رجب	۹ ۷ر شعبان	۱۶ ۱۴ر شعبان	۲۳ ۲۱ر شعبان	۳۰ ۲۸ر شعبان
سہ شنبہ (منگل)	۳ یکم شعبان	۱۰ ۸ر شعبان	۱۷ ۱۵ر شعبان	۲۴ ۲۲ر شعبان	✣
چہار شنبہ (بدھ)	۴ ۲ر شعبان	۱۱ ۹ر شعبان	۱۸ ۱۶ر شعبان	۲۵ ۲۳ر شعبان	✣
پنجشنبہ (جمعرات)	۵ ۳ر شعبان	۱۲ ۱۰ر شعبان	۱۹ ۱۷ر شعبان	۲۶ ۲۴ر شعبان	✣
جمعہ	۶ ۴ر شعبان	۱۳ ۱۱ر شعبان	۲۰ ۱۸ر شعبان	۲۷ ۲۵ر شعبان	✣
شنبہ (ہفتہ)	۷ ۵ر شعبان	۱۴ ۱۲ر شعبان	۲۱ ۱۹ر شعبان	۲۸ ۲۶ر شعبان	✣

ماہ اخاء سنہ ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء

ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم	
✣	۶ ۴ر رمضان	۱۳ ۱۱ر رمضان	۲۰ ۱۸ر رمضان	۲۷ ۲۵ رمضان	۱
✣	۷ ۵ر رمضان	۱۴ ۱۲ر رمضان	۲۱ ۱۹ رمضان	۲۸ ۲۶ رمضان	۲
۱ ۲۹ر شعبان	۸ ۶ر رمضان	۱۵ ۱۳ر رمضان	۲۲ ۲۰ر رمضان	۲۹ ۲۷ر رمضان	۳
۲ ۳۰ر شعبان	۹ ۷ر رمضان	۱۶ ۱۴ر رمضان	۲۳ ۲۱ر رمضان	۳۰ ۲۸ر رمضان	۴
۳ یکم رمضان	۱۰ ۸ر رمضان	۱۷ ۱۵ر رمضان	۲۴ ۲۲ر رمضان	۳۱ ۲۹ر رمضان	۵
۴ ۲ر رمضان	۱۱ ۹ر رمضان	۱۸ ۱۶ر رمضان	۲۵ ۲۳ر رمضان	✣	۶
۵ ۳ر رمضان	۱۲ ۱۰ر رمضان	۱۹ ۱۷ر رمضان	۲۶ ۲۴ر رمضان	✣	۷

ماہ نبوت سنہ ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ نومبر سنہ ۱۹۴۰ء

ایام ہفتہ	ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم
یکشنبہ (اتوار)	✣	۳ ۳ر شوال	۱۰ ۱۰ر شوال	۱۷ ۱۷ر شوال	۲۴ ۲۴ر شوال
دوشنبہ (پیر)	✣	۴ ۴ر شوال	۱۱ ۱۱ر شوال	۱۸ ۱۸ر شوال	۲۵ ۲۵ شوال
سہ شنبہ (منگل)	✣	۵ ۵ر شوال	۱۲ ۱۲ر شوال	۱۹ ۱۹ر شوال	۲۶ ۲۶ر شوال
چہار شنبہ (بدھ)	✣	۶ ۶ر شوال	۱۳ ۱۳ر شوال	۲۰ ۲۰ر شوال	۲۷ ۲۷ر شوال
پنجشنبہ (جمعرات)	✣	۷ ۷ر شوال	۱۴ ۱۴ر شوال	۲۱ ۲۱ر شوال	۲۸ ۲۸ر شوال
جمعہ	۱ یکم شوال	۸ ۸ر شوال	۱۵ ۱۵ر شوال	۲۲ ۲۲ر شوال	۲۹ ۲۹ر شوال
شنبہ (ہفتہ)	۲ ۲ر شوال	۹ ۹ر شوال	۱۶ ۱۶ر شوال	۲۳ ۲۳ر شوال	۳۰ ۳۰ر شوال

ماہ فتح ۱۳۱۹ سنہ ش مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۰ سنہ ء					
ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم	
۱ یکم ذیقعدہ	۸ ۸ ر ذیقعدہ	۱۵ ۱۵ ر ذیقعدہ	۲۲ ۲۲ ر ذیقعدہ	۲۹ ۲۹ ر ذیقعدہ	۱
۲ ۲ ر ذیقعدہ	۹ ۹ ر ذیقعدہ	۱۶ ۱۶ ر ذیقعدہ	۲۳ ۲۳ ر ذیقعدہ	۳۰ یکم ذوالحجہ	۲
۳ ۳ ر ذیقعدہ	۱۰ ۱۰ ر ذیقعدہ	۱۷ ۱۷ ر ذیقعدہ	۲۴ ۲۴ ر ذیقعدہ	۳۱ ۲ ر ذوالحجہ	۳
۴ ۴ ر ذیقعدہ	۱۱ ۱۱ ر ذیقعدہ	۱۸ ۱۸ ر ذیقعدہ	۲۵ ۲۵ ر ذیقعدہ	✣	۴
۵ ۵ ر ذیقعدہ	۱۲ ۱۲ ر ذیقعدہ	۱۹ ۱۹ ر ذیقعدہ	۲۶ ۲۶ ر ذیقعدہ	✣	۵
۶ ۶ ر ذیقعدہ	۱۳ ۱۳ ر ذیقعدہ	۲۰ ۲۰ ر ذیقعدہ	۲۷ ۲۷ ذیقعدہ	✣	۶
۷ ۷ ر ذیقعدہ	۱۴ ۱۴ ر ذیقعدہ	۲۱ ۲۱ ر ذیقعدہ	۲۸ ۲۸ ذیقعدہ	✣	۷

نشر و اشاعت کی طرف سے پہلے کیلنڈر کی اشاعت

ہجری شمسی تقویم کا یہ پہلا کیلنڈر تھا جو اسی سال کے آغاز میں نظارت دعوت و تبلیغ کے شعبہ نشر و اشاعت[1] کی طرف سے نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب صورت میں شائع کر دیا گیا۔ اس کیلنڈر کی خصوصیات یہ تھیں :-

(۱) اس میں سنہ ہجری شمسی، سنہ ہجری قمری اور سنہ عیسوی تینوں دیئے گئے تھے۔

(۲) دن، مہینے اور سال اردو کے علاوہ انگریزی میں بھی لکھے گئے۔

(۳) کیلنڈر کے درمیان لوائے احمدیت کا خوشنما بلاک تھا۔

(۴) کیلنڈر اعلیٰ آرٹ پیپر پر چار رنگوں میں شائع کیا گیا اور اس کا سائز ۱۸ انچ × ۲۲ انچ تھا۔ کیلنڈر پر سبز رنگ میں اسلامی تعطیلات، سرخ رنگ میں سرکاری تعطیلات اور سیاہ رنگ میں عام تاریخیں درج تھیں[2]

دائمی ہجری شمسی کیلنڈر

اس پہلے کیلنڈر کے بعد بھی وقتاً فوقتاً مختلف سالوں کے کیلنڈر شائع ہوتے رہے۔ مگر ضرورت اس امر کی تھی کہ سالانہ کیلنڈروں کی اشاعت کے علاوہ پوری تحقیق و تفحص

---

[1] ان دنوں خلیفہ صلاح الدین صاحب ناظم نشر و اشاعت تھے۔ [2] الفضل ۴ ماہ شہادت / اپریل ۱۳۱۹ سنہ ہش / ۱۹۴۰ء۔ الفضل ۵ ہجرت / مئی ۱۳۱۹ سنہ ہش / ۱۹۴۰ء

کے ساتھ ایک دائمی شمسی ہجری کیلنڈر بھی تیار کیا جائے۔ اس نہایت کٹھن، دشوار اور محنت طلب کام کا بیڑا جمعدار فضل الدین صاحب کمبوہ[۱] نے اُٹھایا۔ اور نہایت درجہ محنت شاقہ اور دیدہ ریزی کے بعد ۱۹۶۰ء میں "فضلِ عمر ہجری شمسی دائمی تقویم" کے نام سے ایک مستقل تقویم شائع کر دی۔ جس میں چودہ کیلنڈر ہیں جن کی مدد سے ہزاروں سال قبل اور ہزاروں سال آئندہ کی صحیح تاریخ، دن، مہینہ اور سال بڑی آسانی سے معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے "مجمع البحرین" کے نام سے اس تقویم کا ایک ضمیمہ بھی شائع کیا۔ جس میں ہجری سال سے عیسوی اور عیسوی سال سے ہجری سال معلوم کرنے کا بہترین فارمولا پیش کیا۔[۲]

حضرت مولوی غلام حسن خاں صاحب پشاوری کی بیعتِ خلافت

۱۹۴۰ء کا ایک نہایت اہم واقعہ حضرت مولوی غلام حسن خاں صاحب پشاوری کی بیعت خلافت ہے۔ حضرت مولوی صاحب ۱۷ مئی ۱۸۹۰ء[۳] کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے داخلِ احمدیت ہوئے اور صوبہ سرحد میں جماعتِ احمدیہ کے ایک بھاری ستون بن گئے۔ جولائی اگست ۱۸۹۱ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام لدھیانہ تشریف لے گئے تو آپ بھی محض زیارت کے لئے حضور کی خدمت میں پہنچے۔ چنانچہ حضور نے "ازالہ اوہام" میں اپنے دوسرے مبائعین و محبّین کا نام بنام ذکر کرتے ہوئے ۳۲ نمبر پر آپ کی نسبت مندرجہ ذیل تعریفی کلمات تحریر فرمائے:۔

> "حبی فی اللہ مولوی غلام حسن صاحب پشاوری اس وقت لدھیانہ میں میرے پاس موجود ہیں محض ملاقات کی غرض سے پشاور سے تشریف لائے ہیں۔ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وہ وفادار مخلص ہیں اور لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ میں داخل ہیں۔ جوش ہمدردی کی راہ سے دو روپیہ ماہواری چندہ دیتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ بہت جلد للّٰہی راہوں اور دینی معارف میں ترقی کریں گے کیونکہ فطرت نورانی رکھتے ہیں۔"[۴]

---

[۱] ۸ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو بمقام حمزہ (تحصیل امرتسر) پیدا ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کا شرف خواجہ کمال الدین صاحب کی کوٹھی (واقع برانڈرتھ روڈ لاہور) میں مئی ۱۹۰۸ء میں حاصل کیا۔ اگست ۱۹۱۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے دست مبارک پر بیعت کی۔

[۲] دونوں کتابچے میسرز فورٹین کیلنڈر پبلشرز کوارٹر ۱۶ بلاک جی ٹمپل روڈ لاہور نے شائع کئے۔ آپ نے ایک معلومات افزا کتاب "تطبیقات لدنیہ" کے نام سے بھی لکھی ہے جس میں نہایت تحقیق کے ساتھ ۱ھ سے ۱۴۰۰ھ کی تقویم سنہ عیسوی کے ساتھ درج کی ہے۔ مگر یہ کتاب ابھی شائع نہیں ہوئی۔

[۳] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ مبارک کے بیعت رجسٹر میں آپ کا نام ۱۹۲ نمبر پر درج ہے۔

[۴] "ازالہ اوہام" طبع اوّل صفحہ ۸۱۲، ۸۱۳۔

جنوری ۱۸۹۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ضمیمہ انجام آتھم میں اپنے ۳۱۳ اصحاب کبار کی فہرست شائع فرمائی تو آپ کا نام نمبر اکاون پر درج کیا۔ ۱۹۰۲ء میں آپکی ایک صاحبزادی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے عقد میں آئیں۔ ۱۹۰۶ء کے اوائل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو صدر انجمن احمدیہ کے معتمدین میں شامل فرمایا۔

حضرت مولوی غلام حسن صاحب خلافت اولیٰ کے عہد میں سلسلہ کی خدمات بجا لاتے رہے۔ مگر ۱۹۱۴ء کے شروع میں جماعت میں آئندہ نظامِ خلافت کے خاتمہ کی نسبت مولوی محمد علی صاحب کے خیالات سے متاثر ہو کر ان کے زبردست مؤید و ہمنوا بن گئے۔ چنانچہ جب مولوی محمد علی صاحب نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی زندگی کے آخری ایام میں "ایک نہایت ضروری اعلان" کے نام سے براہمن سٹیم پریس لاہور سے جو خفیہ ٹریکٹ شائع کیا تو اس پر آپ کی مندرجہ ذیل مصدقہ عبارت درج تھی کہ

"مذکورہ بالا مضمون کی میں تصدیق اور تائید کرتا ہوں اور سلسلہ کی بھلائی اسی پر عامل ہونے میں یقین رکھتا ہوں۔ غلام حسن سب رجسٹرار پشاور" [۱]

حضرت مولوی صاحب ایک لمبے عرصہ تک احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے نہایت ممتاز رکن رہے اور دیانتداری سے سلسلہ احمدیہ کی خدمت میں مصروف رہے۔ لیکن اپنی فطرتِ نورانی کے باعث بالآخر لاہوری فریق سے بھی الگ ہو گئے۔

اسی دوران میں ۱۹۳۹ء کا جلسہ قریب آگیا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس تقریب سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے حضرت مولوی صاحب کو قادیان تشریف لانے کی دعوت دی۔ نیز لکھا کہ پشاور سے قادیان تک آنے کے لئے موٹر وغیرہ کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ مگر اُن کی طرف سے قریباً نفی میں جواب آیا۔ ایک، تو انہوں نے بیماری اور کمزوری کا عذر کیا اور لکھا کہ اب ایسی حالت ہے کہ ڈرتا ہوں کہ کہیں سفر میں ہی پیغام آخرت نہ آجائے۔ دوسری بات انہوں نے جوبلی کی تقریب کے متعلق لکھی کہ یہ ایک بدعت ہے۔ [۲]

اس پر حضرت میاں صاحبؓ نے ادب کے طریق پر جواب لکھا اور اس میں جوبلی کی تقریب سے متعلق

---

[۱] ٹریکٹ "ایک نہایت ضروری اعلان" صفحہ ۲۱ (شائع کردہ مولوی محمد علی صاحب) مارچ ۱۹۱۴ء

[۲] یہ تفصیلات حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے ایک مکتوب سے ملتی ہیں جو آپ نے ۱۷ دسمبر ۱۹۳۹ء کو قاضی محمد یوسف صاحب (امیر جماعت احمدیہ سابق صوبہ سرحد) کے نام لکھا تھا اور جس میں انہیں تاکید کی تھی کہ وہ مولوی صاحب سے دوبارہ ملیں اور وعدہ یاد دلا کر کوشش فرمائیں کہ آپ تشریف لانے کے لئے تیار ہو جائیں۔

وضاحت فرمائی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ آپ خدا کے فضل و کرم سے قادیان تشریف لے آئے اور اس مبارک جلسہ پر خلافت کے تازہ انوار اور اس کی زندہ برکات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور ۲۲ جنوری ۱۹۴۰ء کو دوبارہ خلافت سے وابستہ ہو گئے اور تبلیغ ۱۳۱۹ ہش (فروری ۱۹۴۰ء) کو "میری بیعت" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس میں اپنی بیعتِ خلافت کے مختصر وجوہ لکھے۔ آپ کا یہ مضمون ۷ تبلیغ ۱۳۱۹ ہش (۷ فروری ۱۹۴۰ء) کو اخبار الفضل میں شائع ہوا جو آپ نے اپنے سارے بیٹوں اور سرکردہ غیر مبائعین کے نام بھجوا دیا۔ بیعت نامہ کی اشاعت پر مولوی محمد علی صاحب نے سخت تنقید کی اور پیغام صلح میں مضامین لکھے جس پر حضرت مولوی غلام حسن خاں صاحب نے دوبارہ قلم اُٹھایا اور ایک اور مضمون لکھا جس میں اپنی بیعت کے اہم وجوہ پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی اور لکھا کہ:۔

"مَیں نے جو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی بیعت اختیار کی ہے۔ تو جیسا کہ مَیں اپنے سابقہ مضمون میں تشریح کر چکا ہوں۔ وہ تین وجوہات پر مبنی ہے:۔

اوّل یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے بعض الہامات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صدر انجمن کا انتظام وقتی اور عارضی تھا جو حضرت مسیح موعودؑ نے اُس وقت کے حالات کے ماتحت اپنی رائے سے قائم کیا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس انتظام کو مٹا کر اس کی جگہ اپنے پسند کردہ نظامِ خلافت کو قائم کر دیا اور ایسا تصرّف فرمایا کہ خود ارکانِ صدر انجمن کے ہاتھ سے ہی یہ تبدیلی عمل میں آئی جس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا احترام بھی قائم رہا اور خدا کی مشیّت بھی پوری ہو گئی۔ اس کی تائید میں مَیں اپنے سابقہ مضمون میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو واضح الہامات جو حقیقۃ الوحی (صفحہ ۱۰۵ طبع دوم) میں بالکل پاس پاس درج ہیں، بیان کر چکا ہوں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انجمن کے نظام کو مٹا کر اس کی جگہ خلافت کے نظام کو قائم کر دیا۔

دوسری دلیل:۔ جو مجھے قادیان میں آکر نظر آئی، وہ اس تائید اور نُصرتِ الٰہی سے تعلق رکھتی ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی قیادت میں مرکزی جماعت کو حاصل ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔ اور چونکہ مذہبی اختلافات میں سب سے بڑی دلیل خدا تعالیٰ کی عملی اور فعلی شہادت ہوا کرتی ہے، اس لئے میں نے اسی شہادت کو قبول کر کے بیعت اختیار کی۔ مولوی محمد علی صاحب کا یہ فرمانا کہ ان کی انجمن کو قرآن مجید کا ترجمہ چھاپنے اور بعض اور کتب کی اشاعت کی توفیق ملی ہے، میری اس دلیل کو باطل نہیں کرتا۔ محض بعض کتب کی

اشاعت کوئی فیصلہ کن امر نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے ترجمے اور تفاسیر تو بعض غیر مسلموں نے بھی شائع کئے ہیں۔ اور دوسری طرف قادیان کی جماعت کی طرف سے بھی نہایت عمدہ لٹریچر شائع ہو رہا ہے اور قرآنی علوم کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے اور خدا نے چاہا تو تفسیر کی صورت میں بھی ترجمہ قرآن کریم کی اشاعت ہو جائے گی۔ مگر جس بات کو مَیں نے لیا ہے وہ خدا تعالےٰ کی فعلی شہادت ہے جو نُصرت اور تائید الٰہی کی صورت میں ظاہر ہو رہی ہے جس کی وجہ سے مولوی محمد علی صاحب کے رفقاء تو اب بھی اسی جگہ کھڑے ہیں جس جگہ وہ آج سے چھبیس سال پہلے کھڑے تھے بلکہ شاید بعض لحاظ سے گر گئے ہیں۔ مگر مرکزی جماعت کو اللہ تعالیٰ ہر رنگ میں ترقی دے رہا ہے اور برومند کر رہا ہے۔

تیسری وجہ:۔ میری بیعت کی یہ ہوئی ہے کہ میری توجہ اس طرف مبذول ہوئی کہ اسلام کا یہ منشاء ہے کہ باوجود اختلاف رکھنے کے انسان کو چاہیئے کہ وہ جماعت میں منسلک ہو کر رہے چنانچہ حضورؐ نے فرمایا ہے اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمِ نیز فرمایا تَلْزِمُ الْجَمَاعَةَ ۔ مولوی محمد علی صاحب کا یہ کہنا، کہ مَیں قادیان میں جا کر کثرت سے مرعوب ہو گیا ہوں، خوش فہمی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ جو دلائل میری بیعت کے ہیں وہ بیّن اور واضح ہیں۔ جن میں کسی بات سے مرعوب ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

ضمناً مَیں یہ بات بھی کہنا چاہتا ہوں کہ مولوی محمد علی صاحب نے جو اصول کثرت اور قلّت کے متعلق بیان کیا ہے اس میں اُن کو سخت غلطی لگی ہے۔ قرآن شریف کے جس اصول کو انہوں نے جماعت کی اندرُونی حالت پر لگایا ہے وہ مرسلین کے ماننے والوں اور انکار کرنے والوں کے باہمی مقابلہ سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ ایک مامور کی جماعت کے اندرونی اختلافات سے۔ اگر مولوی صاحب کے اصول کو اس قدر وسعت حاصل ہے جو مولوی صاحب نے بیان کی ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ ہر حال میں ہر کثرت ہر قلّت کے مقابل پر غلطی خوردہ ہوتی ہے جو بالبداہت باطل ہے۔ مثلاً کیا مولوی صاحب اس بات کو ماننے کے لئے تیار ہیں کہ ان کی انجمن میں ہر فیصلہ قلت رائے سے طے پانا چاہیئے۔ یا یہ کہ صحابہؓ نے جو فیصلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات پر کثرت رائے سے ایک خلیفہ کے انتخاب کے متعلق کیا۔ اس کے مقابل پر بعض انصار کی یہ قلت رائے درست تھی کہ دوؔ خلیفے ہونے چاہئیں؟ مجھے افسوس ہے کہ جو نتیجہ مولوی صاحب نے قرآن شریف کی آیات سے نکالا ہے وہ ایک سطحی خیال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔" [۵]

---

[۵] "الفضل" ۱۳ر تبلیغ ۱۳۱۹ہش/ ۱۳ر فروری ۱۹۴۰ء

آخر میں جناب مولوی محمد علی صاحب (امیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور) کو یہ دردمندانہ تحریک فرمائی کہ اگر ان کو بعض مسائل میں شرح صدر نہیں تو پھر بھی آپ اختلافات کو حوالہ بخدا کرتے ہوئے مرکز کے ساتھ پیوند کرلیں۔ چنانچہ لکھا :-

"مَیں دیانتداری کے ساتھ یہ ظاہر کر چکا ہوں کہ مجھے ابھی تک بعض مسائل میں حضرت خلیفہ ثانی سے اختلاف ہے۔ لیکن باوجود اس قلیل اختلاف کے مَیں اُن کے اصول کے مطابق اور اپنی ضمیر سے ہدایت لینے کے بعد خدا کی قولی اور فعلی شہادت کو دیکھ کر اُن کی بیعت میں داخل ہوا ہوں . . . . حضرت خلیفہ ثانی تو مامور نہیں ہیں۔ حضرت مسیح موعود نے بھی جو مامور اور مرسل تھے نواب محمد علی خاں صاحب کو بعض اختلافات کے باوجود بیعت کی اجازت دی تھی حالانکہ نواب صاحب شیعہ خیالات رکھتے تھے۔ . . . . تو پھر میرے معاملہ میں یہ صورت کس طرح قابلِ اعتراض ہو سکتی ہے اور اس کی بنا پر اعتراضات اُٹھانا کس طرح جائز سمجھا جا سکتا ہے بلکہ مَیں بڑی ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ مولوی محمد علی صاحب سے بھی تحریک کروں گا کہ اب جبکہ وہ بھی اپنی آخری عمر میں پہنچ رہے ہیں وہ اپنا محاسبہ کر کے اس بات پہ غور فرمائیں کہ کیا جماعت کا اتحاد اور وحدت کی برکات اور خدائی نصرتوں سے مستفید ہونے کے مواقع اس قابل نہیں کہ اپنے بعض اختلافی عقائد کے باوجود جماعت کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہونے دیا جائے۔ مولوی محمد علی صاحب کے جذبات خواہ میرے متعلق کچھ ہوں، میری ہمدردی اور نیک نیتی صرف اسی ایک بات سے ظاہر ہے کہ جب بیعت کے بعد مَیں نے حضرت خلیفہ ثانی سے پہلی ملاقات کی تو اس ملاقات میں مَیں نے حضرت خلیفہ صاحب سے مولوی صاحب کی ہدایت کے متعلق خصوصیت کے ساتھ دعا کے لئے عرض کیا تھا اور میں خود بھی دُعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ مولوی صاحب کو پھر مرکزی سلسلہ کے جھنڈے کے نیچے لے آئے اور "الوصیت" کے منشاء کے ماتحت سب کو مل کر کام کرنے کی توفیق دے" [1]

قادیان کے قیام کے دوران میں حضرت مولوی صاحب نے بیعت کے بعد انشراح و انبساط کے معاملہ میں بہت جلد جلد ترقی کی۔ خود اپنی خوشی سے وصیت بھی کر دی اور اس کے بعد طوعاً چندہ تحریک جدید میں بھی شرکت فرمائی۔ حضرت مولوی صاحب کو یہ بہت خوشی تھی کہ حضرت خلیفہ ثانی کے عہد میں جماعت نے ہر

[1] "الفضل" ۱۳ر تبلیغ ۱۳۱۹ھ ہش/۱۳ر فروری ۱۹۴۰ء صفحہ ۵-۶

رنگ میں ترقی کی ہے۔"[1]

حضرت مولوی صاحب کی پشاور کی طرف واپسی اور قادیان کی طرف ہجرت

حضرت میرزا بشیر احمد صاحب رضؓ کا منشاء تھا کہ اب حضرت مولوی صاحب قادیان ہی میں رہیں اور وہ بھی یہاں رہنے میں خوش تھے مگر آپ کے عزیزوں کی طرف سے تقاضا تھا کہ واپس پشاور آجائیں مگر آپ کے مشورہ سے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضؓ نے انہیں لکھ دیا کہ اب انہیں خدمت کا موقعہ ملنا چاہیئے "البتہ کبھی مناسب وقت پر حسب ضرورت عارضی طور پر پشاور جانے کا انتظام ہو تو اور بات ہے"[2] خود حضرت مولوی صاحب نے یہ ارادہ فرمایا کہ محرم کی چھٹیوں میں کچھ عرصہ کے لئے پشاور واپس تشریف لے جائیں اور اسی غرض کے لئے اُن کے صاحبزادہ عبدالرحمٰن صاحب قادیان آگئے اور حضرت مولوی صاحب قریباً دو ماہ تک قادیان کی برکات سے متمتع ہونے کے بعد ۱۸ تبلیغ / فروری ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء کو بذریعہ موٹر پشاور روانہ ہو گئے اور اگلے روز بخیریت پشاور پہنچ گئے۔ اس سفر میں صاحبزادہ عبدالرحمٰن صاحب کے علاوہ محترم ملک محمد عبداللہ صاحب مولوی فاضل بھی آپ کے ہمراہ تھے۔[3]

حضرت مولوی صاحب نے پشاور پہنچتے ہی یہ جدوجہد شروع کر دی کہ کسی طرح دوسرے بچھڑے ہوئے غیر مبائع اصحاب بھی سلسلہ احمدیہ کے اتحاد کی خاطر نظام خلافت سے وابستہ ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے انہی دنوں قاضی محمد یوسف صاحب کے نام ۲۶ تبلیغ / فروری ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء کو ایک مکتوب میں اطلاع دی کہ

> "جو خط آج میرے نام حضرت مولوی صاحب کا آیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کامل انشراح ہے۔ اور وہ اپنے دوستوں میں بھی اس بات کی کوشش فرما رہے ہیں کہ وہ ادھر کھینچے آئیں۔ مگر جیسا کہ مولوی صاحب تحریر فرماتے ہیں چھبیس سال کی دُوری کی وجہ سے بعض لوگوں کے ذہنوں میں ایک رنگ کی تاریکی آگئی ہے جو اب خاص کوشش سے ہی نکلے گی"

---

[1] واوین کے الفاظ تبرکاً حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضؓ کے ایک مکتوب سے اخذ کئے گئے ہیں (۲۶ تبلیغ / فروری ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء بنام قاضی محمد یوسف صاحب احمدیہ مسجد پشاور)۔

[2] مکتوب حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب بنام قاضی محمد یوسف صاحب پشاور محررہ ۲۷ صلح / جنوری ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء

[3] الفضل ۲۰ فروری / تبلیغ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

حضرت مولوی صاحب نبوت / نومبر ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء کے آخر میں مستقل طور پر پشاور سے ہجرت کر کے قادیان آ گئے[۱] اور بالآخر یکم تبلیغ / فروری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو ساڑھے دس بجے شب انتقال کیا[۲] جیسا کہ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کے حالات میں ذکر آئے گا۔

فصل دوم

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا سفر سندھ و دہلی

اس سال کے اہم واقعات میں سے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا سفر سندھ و دہلی ہے جو حضور نے شروع سال میں اختیار فرمایا۔ حضرت امیرالمومنین صلح / جنوری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے آخر میں قادیان سے روانہ ہوئے اور ۲۶ صلح / جنوری کو کراچی پہنچے[۳]

۵ تبلیغ / فروری کو سندھ سے دہلی تشریف لے گئے اور آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی کوٹھی میں فروکش ہوئے[۴] اور دو روزہ قیام کے بعد واپس کراچی تشریف لے آئے۔ واپسی کے وقت دہلی اسٹیشن پر دہلی اور شملہ کے بکثرت احمدی احباب (جن میں آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب، چوہدری بشیر احمد صاحب سب جج، شیخ اعجاز احمد صاحب سب جج، حافظ عبدالسلام صاحب امیر جماعت احمدیہ شملہ، بابو نذیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ دہلی بھی شامل تھے) مشایعت کے لئے موجود تھے۔ حضور نے سب سے مصافحہ فرمایا اور دعا کی۔[۵]

قیام کراچی کے دوران حضور کے اعزاز میں دو پُر تکلف دعوتیں دی گئیں۔ پہلی دعوت کپتان سلطان احمد

---

۱ "الفضل" ۲۹ نبوت / نومبر ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۱ کالم ۲۔ قاضی محمد یوسف صاحب فاروقی قاضی خیل ہوتی مردان نے "تاریخ احمدیہ سرحد" میں تحریر فرمایا ہے کہ اس دفعہ آپ میری تحریک پر قادیان تشریف لے گئے تھے صفحہ ۲۹۔

۲ "الفضل" ۳ تبلیغ / فروری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

۳ "الفضل" ۲۸ صلح / جنوری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۳۔ اس سفر میں حضرت سیدہ ام ناصر اور صاحبزادی امۃ القیوم صاحبہ بھی حضور کے ہمراہ تھیں۔

۴ "الفضل" ۸ تبلیغ / فروری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

۵ "الفضل" ۱۳ تبلیغ / فروری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء

صاحب کھتانہ نے ۱۶؍تبلیغ ۱۳۱۹ہش (مطابق ۱۶؍فروری ۱۹۴۰ء) کو چار بجے شام دی جن میں دوسرے بہت سے معززین شہر کے علاوہ مندرجہ ذیل احباب بھی شامل ہوئے۔

۱۔ کرنل بگم (ملک معظم جارج ششم کے طبّی مشیر)
۲۔ میجر ایس۔ دی پامر کمانڈنگ سنسر ڈیپارٹمنٹ
۳۔ مسٹر ویورٹ کارنک
۴۔ مسٹر نائمیٹن ایجنٹ بجرین پیٹرولیم کمپنی
۵۔ مسز نائیٹن
۶۔ مسٹر ہیلی فیلکس آئی سی ایس ریٹائرڈ کمشنر
۷۔ مس کریچیٹ
۸۔ حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب ناظر بیت المال قادیان
۹۔ حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحبؓ آف مالیر کوٹلہ
۱۰۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحبؓ (خصوصی طبّی مشیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ)
۱۱۔ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے پرائیویٹ سکرٹری حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ
۱۲۔ عبدالکریم صاحب آئی۔ ایم۔ ایس۔ ایم پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ کراچی
۱۳۔ محمد نواز صاحب کٹکی سیکرٹری انجمن احمدیہ کراچی
۱۴۔ الشیخ کاظم الدجیلی عراق قونصل
۱۵۔ مسٹر رؤف آفندی سیکرٹری عراق قونصل
۱۶۔ مسٹر محمد ابراہیم خاں صاحب
۱۷۔ خاں صاحب محمد اکبر خانصاحب سول سنسر آفیسر
۱۸۔ خانصاحب اللہ بخش خاں صاحب سول سنسر آفیسر
۱۹۔ لیفٹیننٹ خالد حمید سنسر آفیسر
۲۰۔ لیفٹیننٹ غلام سرور سنسر آفیسر
۲۱۔ محمد عبداللہ صاحب بی۔ اے ایل ایل بی پریذیڈنٹ خوجہ فرقہ
۲۲۔ محمد قاسم خاں صاحب
۲۳۔ نصیر احمد صاحب کھتانہ
۲۴۔ مسٹر ڈی سوزا صاحب
۲۵۔ قریشی محمد یوسف صاحب

چائے نوشی کے بعد کپتان سلطان احمد صاحب کھتانہ نے ایڈریس پیش کیا جس کے جواب میں حضور نے مختصر تقریر فرمائی جس میں دوسری جنگ عظیم میں حکومت سے اہل ہند کے تعاون کی ضرورت و اہمیت واضح فرمائی۔[۱]

دوسری پارٹی ۲۹؍تبلیغ/فروری کو خاں بہادر اللہ بخش صاحب وزیراعظم سندھ کی طرف سے دی گئی مدعوین میں سر غلام حسین ہدایت اللہ صاحب وزیر قانون، پیر الٰہی بخش صاحب وزیر تعلیم، مسٹر حاتم علوی،

---

[۱] "الفضل" ۲۳؍تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔۲

مسٹر جمشید این آر مہتہ ایم ایل اے، حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحبؓ آف مالیر کوٹلہ، صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب بی۔اے، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ، ملک صلاح الدین صاحب ایم اے اور عبدالکریم صاحب پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ شامل تھے۔[1]

ناصر آباد میں قیام

پارٹی کے بعد حضور معہ قافلہ کراچی سے روانہ ہوئے اور اگلے روز یکم امان/مارچ کو بذریعہ گاڑی کنجیجی پہنچے اور کنجیجی سے ناصر آباد تشریف لے گئے۔

یکم امان/مارچ کو مسجد ناصر آباد کا افتتاح کرتے ہوئے پہلی نماز جمعہ کی پڑھائی اور ایک لطیف خطبہ ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

مسجد کا حق ہے کہ اُسے آباد اور صاف رکھا جائے۔ اس میں بدبودار چیز کے ساتھ نہیں آنا چاہیئے اگر اس بات پر عمل کیا جائے تو ہمارے دیہات میں صفائی پیدا ہو سکتی ہے۔ دیہاتی لوگ اس وقت تک بدن سے کپڑا نہیں اُتارتے جب تک پھٹ نہ جائے۔ مگر عرب کے لوگ خواہ امیر ہوں یا غریب کپڑے صاف رکھتے ہیں۔ اب جبکہ مسجد بن گئی ہے اس کا حق ادا کرنا چاہیئے۔ ازاں بعد بتایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک نابینا صحابی (حضرت عتبان بن مالکؓ) نے اجازت چاہی تھی کہ وہ گھر میں نماز پڑھ لیا کریں۔ مسجد آتے وقت ٹھوکریں لگتی ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کیا اذان کی آواز سُنائی دیتی ہے۔ عرض کیا۔ ہاں۔ اس پر حضور نے فرمایا۔ پھر گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں[2]

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضور نے فرمایا کہ

چونکہ زمینداروں کو باہر جا کر کام کرنا ہوتا ہے اس لئے انہیں وقت مقرر کر لینا چاہیئے تا اُن کے کام میں حرج نہ ہو اور وہ نماز باجماعت بھی ادا کر سکیں۔[3]

قادیان میں تشریف آوری

ناصر آباد میں چند روز قیام کے بعد حضور کنجیجی سے بذریعہ گاڑی عازم قادیان ہوئے۔ گاڑی ۱۱ امان/مارچ کو ۶ بجے شام لاہور پہنچی جہاں سے بذریعہ کار پورے سات بجے روانہ ہوئے اور نو بج کر چالیس منٹ پر قادیان میں رونق افروز ہوئے۔ احمدیہ چوک میں بہت

---

[1] "الفضل" ۶ امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۴۳ پر حضرت عتبانؓ بن مالک کی یہ روایت درج ہے۔

[3] "الفضل ۶ امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ (کچھ خفیف سے لفظی تغیر کے بعد)

سے اصحاب استقبال کے لئے جمع تھے جنہیں حضور نے شرف مصافحہ بخشا۔[1]

دوبارہ روانگی حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی قادیان میں قریباً دو ماہ کے قیام کے بعد ۵ ہجرت (مئی) ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو دوبارہ کراچی تشریف لے گئے۔[2] اور ۲۵ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو ۹½ بجے شب بخیریت قادیان پہنچے۔[3] اس سفر میں خاندان مسیح موعودؑ میں سے حضرت سیدہ ام متین صاحبہ، صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ، صاحبزادی امۃ الرشید بیگم صاحبہ، صاحبزادی امۃ العزیز بیگم صاحبہ، صاحبزادی امۃ الودود بیگم صاحبہ اور صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب اور بعض خدام و حباب میں سے حضرت مولوی فرزند علی خاں صاحب ناظر بیت المال، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحبؓ، ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے پرائیویٹ سکرٹری، منشی فتح دین صاحب، خاں میر صاحب افغان بھی حضور کے ہمرکاب تھے۔[4]

سمندر کی سیر اور عارفانہ کلام اس سفر میں حضور ایک شب کلفٹن کی سیر کے لئے بھی تشریف لے گئے جہاں سمندر کے کنارے پر چاند کا دلکش نظارہ کرتے ہوئے حضور کی توجہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس مشہور شعر کی طرف منعطف ہو گئی کہ

؎ چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بیکل ہو گیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا

اس شعر کا خیال آتے ہی حضور پر محبوب حقیقی کی یاد میں ایک خاص کیفیت طاری ہوئی اور حضور کے قلب صافی سے عارفانہ کلام جاری ہوگیا چنانچہ حضور خود ہی فرماتے ہیں:۔

"سمندر کے کنارے چاند کی سیر نہایت پُرلطف ہوتی ہے۔ اس سفر کراچی میں ایک دن ہم رات کو کلفٹن کی سیر کے لئے گئے۔ میری چھوٹی بیوی صدیقہ بیگم سلمہا اللہ تعالےٰ میری تینوں لڑکیاں ناصرہ بیگم سلمہا اللہ تعالےٰ، امۃ الرشید بیگم سلمہا اللہ تعالےٰ، امۃ العزیز سلمہا اللہ تعالےٰ، امۃ الودود مرحومہ اور عزیزم منصور احمد سلمہ اللہ تعالےٰ میرے ساتھ تھے۔ رات کے گیارہ بجے چاند سمندر کی لہروں میں ہلتا ہوا بہت ہی بھلا معلوم دیتا تھا اور اُوپر آسمان پہ وہ اُدھر بھی اچھا معلوم دیتا تھا۔

---

[1] "الفضل" ۱۳/ امان/ مارچ ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔
[2] "الفضل" ۷/ ہجرت/ مئی ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء
[3] "الفضل" ۲۸/ ہجرت/ مئی ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء
[4] "الفضل" ۷/ ہجرت/ مئی ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱

جوں جوں ریت کے ہموار کنارہ پر ہم پھرتے تھے لُطف بڑھتا جاتا تھا اور اللہ تعالےٰ کی قدرت نظر آتی تھی۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر ٹہلنے کے بعد ناصرہ بیگم سلمہا اللہ اور صدیقہ بیگم جن دونوں کی طبیعت خراب تھی تھک کر ایک طرف ان چٹائیوں پر بیٹھ گئیں جو ہم ساتھ لے گئے تھے۔ اُن کے ساتھ عزیزم منصور احمد سلمہ اللہ تعالیٰ بھی جا کھڑے ہوئے اور پھر عزیزہ امۃ العزیز سلمہا اللہ تعالیٰ بھی وہاں چلی گئی۔ اب صرف مَیں عزیزہ امۃ الرشید بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ اور عزیزہ امۃ الودود مرحومہ پانی کے کنارے پر کھڑے رہ گئے۔ میری نظر ایک بار پھر آسمان کی طرف اُٹھی اور مَیں نے چاند کو دیکھا جو رات کی تاریکی میں عجیب انداز سے اپنی چمک دکھا رہا تھا۔ اس وقت قریباً پچاس سال پہلے کی ایک رات آنکھوں میں پھر گئی جب ایک عارف باللہ محبوب ربانی نے چاند کو دیکھ کر ایک سرد آہ کھینچی تھی۔ اور پھر اس کی یاد میں دوسرے دن دُنیا کو یہ پیغام سُنایا تھا ؎

چاند کو کل دیکھ کر مَیں سخت بیکل ہو گیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا

پہلے تو تھوڑی دیر مَیں یہ شعر پڑھتا رہا۔ پھر مَیں نے چاند کو مخاطب کرکے اسی جمالِ یار والے محبوب کی یاد میں کچھ شعر خود کہے" [1]

اس موقعہ پر حضور نے کل آٹھ اشعار کہے جن کو حضور نے لطیف اور پُر معارف تشریح کے ساتھ "چاند میرا چاند" کا عنوان دے کر اخبار "الفضل" (۶ وفا/جولائی ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء) میں شائع فرمادیا اور جو بعد کو "کلام محمود" میں بھی شامل کر دیئے گئے۔

بطور نمونہ حضور کے قلم سے اس پاکیزہ کلام کے دو شعر اور ان کی وضاحت درج کی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں :-

"میری نظر سمندر کی لہروں پر پڑی جن میں چاند کا عکس نظر آتا تھا اور مَیں اس کے قریب ہوا۔ اور چاند کا عکس اور پرے ہو گیا۔ مَیں اَور بڑھا اور عکس اَور دُور ہو گیا۔ اور میرے دل میں ایک درد اُٹھا اور مَیں نے کہا۔ بالکل اسی طرح کبھی سالک سے سلوک ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ کی ملاقات کے لئے کوشش کرتا ہے مگر بظاہر اس کی کوششیں ناکامی کا مُنہ دیکھتی ہیں۔ اُس کی

---

[1] "الفضل" ۶ وفا/جولائی ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱-۲۔

عبادتیں، اُس کی قربانیاں، اُس کا ذکر، اُس کی آہیں کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرتیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اُس کے استقلال کا امتحان لیتا ہے اور سالک اپنی کوششوں کو بے اثر پاتا ہے۔ کئی تھوڑے دل والے مایوس ہو جاتے ہیں اور کئی ہمت والے کوشش میں لگے رہتے ہیں یہانتک کہ اُن کی مُراد پوری ہو جاتی ہے۔ مگر یہ دن بڑے ابتلاء کے دن ہوتے ہیں اور سالک کا دل ہر لحظہ مرجھایا رہتا ہے اور اس کا حوصلہ پست ہو ہو جاتا ہے۔ چونکہ چاند کے عکس کا اس طرح آگے آگے دوڑتے چلے جانے کا بہترین نظارہ کشتی میں بیٹھ کر نظر آتا ہے جو میلوں کا فاصلہ طے کرتی جاتی ہے مگر چاند کا عکس آگے ہی آگے بھاگا چلا جاتا ہے، اس لئے میں نے کہا ؎

بیٹھ کر جب عشق کی کشتی میں آؤں تیرے پاس
آگے آگے چاند کی مانند تُو بھاگا نہ کر

مَیں نے اس شعر کا مفہوم دونوں بچیوں کو سمجھانے کے لئے اُن سے کہا کہ آؤ ذرا میرے ساتھ سمندر کے پانی میں چلو اور مَیں انہیں لے کر کوئی پچاس ساٹھ گز سمندر کے پانی میں گیا اور مَیں نے کہا۔ دیکھو چاند کا عکس کس طرح آگے آگے بھاگا جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی کبھی بندہ کی کوششیں اللہ تعالےٰ کی ملاقات کے لئے بیکار ہو جاتی ہیں اور وہ جتنا بڑھتا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور اس وقت سوائے اس کے کوئی علاج نہیں ہوتا کہ انسان اللہ تعالےٰ ہی سے رحم کی درخواست کرے اور اسی کے کرم کو چاہے تاکہ وہ اس ابتلاء کے سلسلہ کو بند کر دے اور اپنی ملاقات کا شرف اُسے عطا کرے۔

اس کے بعد میری نظر چاند کی روشنی پر پڑی۔ کچھ اَور لوگ اس وقت کہ رات کے بارہ بجے تھے سَیر کے لئے سمندر پر آگئے۔ ہوا تیز چل رہی تھی۔ لڑکیوں کے بُرقعوں کی ٹوپیاں ہوا سے اُڑی جا رہی تھیں۔ اور وہ زور سے اُن کو پکڑ کر اپنی جگہ پر رکھ رہی تھیں۔ وہ لوگ گو ہم سے دُور تھے مگر مَیں لڑکیوں کو لے کر اَور دُور ہو گیا اور مجھے خیال آیا کہ چاند کی روشنی جہاں دلکشی کے سامان رکھتی ہے وہاں پردہ بھی اُٹھا دیتی ہے اور میرا خیال اس طرف گیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کبھی بندہ کی کمزوریوں کو بھی ظاہر کر دیتے ہیں اور دشمن انہیں دیکھ کر ہنستا ہے اور مَیں نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہا ؎

اے شعاعِ نور یُوں ظاہر نہ کر میرے عیوب غیر ہیں چاروں طرف اُن میں مجھے رسوا نہ کر"[1]

---

[1] "الفضل" ۶ر وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱-۲

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تقریر بمبئی ریڈیو اسٹیشن سے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن بمبئی کے کارپردازوں کی خواہش پر "میں اسلام کو کیوں مانتا ہوں" کے عنوان سے ایک اردو تقریر لکھی جو ۱۹ ؍ تبلیغ / فروری ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء کو ساڑھے آٹھ بجے شام بمبئی نمبر ا کے براڈکاسٹنگ اسٹیشن سے نشر کی گئی۔ ریڈیو والوں نے تقریر سے قبل اور بعد یہ معذرت کی۔ کہ بعض مجبوریوں کے باعث حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کی زبان مبارک سے ہم یہ تقریر نہیں سُنا سکے بلکہ دوسرے شخص کو پڑھنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

قادیان میں حضور کی تقریر سُننے کے لئے میاں عبدالغفور خاں صاحب پٹھان نے نظارت تعلیم و تربیت کی اجازت سے اپنا ریڈیو سیٹ لگا دیا۔ جہاں مردوں اور عورتوں نے تقریر سُنی۔ مستورات کے لئے پردہ کا الگ انتظام موجود تھا۔[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنی لطیف تقریر کے شروع میں بتلایا کہ

"چونکہ مَیں خدا تعالیٰ کے فضل سے ان صاحب تجربہ لوگوں میں سے ہوں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود کو متعدد بار اور خارق عادت طور پر ظاہر کیا۔ اس لئے میرے لئے اس سے بڑھ کر کہ مَیں نے اسلام کی سچائی کو خود تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے اَور کسی دلیل کی ضرورت نہیں"۔

اس تمہید کے بعد حضور نے اُن لوگوں کے لئے جنہیں یہ تجربہ حاصل نہیں ہوا۔ اسلام کے دینِ حق ہونے پر پانچ بنیادی دلائل دیئے جو حضور ہی کے الفاظ میں درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

"**اوّل**۔ مَیں اسلام پر اس لئے یقین رکھتا ہوں کہ وہ ان تمام مسائل کو جن کا مجموعہ مذہب کہلاتا ہے، مجھ سے زبردستی نہیں منواتا۔ بلکہ ہر امر کے لئے دلیل دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا وجود، اُس کی صفات، فرشتے، دُعا اور اس کا اثر، قضاء و قدر اور اس کا دائرہ، عبادت اور اس کی ضرورت، شریعت اور اس کا فائدہ، الہام اور اس کی اہمیت، بعث مابعد الموت، جنّت، دوزخ، ان میں سے کوئی امر بھی ایسا نہیں جس کے متعلق اسلام نے تفصیلی تعلیم نہیں دی۔ اور جسے عقلِ انسانی کی تسلّی کے لئے زبردست دلائل کے ساتھ ثابت نہیں کیا۔ پس اس نے مجھے ایک مذہب ہی نہیں دیا بلکہ ایک یقینی علم بخشا ہے جس سے کہ میری عقل کو تسکین حاصل ہوتی ہے اور وہ مذہب کی ضرورت کو مان لیتی ہے۔

[1] "الفضل" ۱۲ ؍ تبلیغ / فروری ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

دوم۔ مَیں اسلام پر اس لئے یقین رکھتا ہوں کہ اسلام صرف قصّوں پر اپنے دعویٰ کی بنیاد نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ ہر شخص کو تجربہ کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر سچائی کسی نہ کسی رنگ میں اسی دُنیا میں پرکھی جا سکتی ہے اور اس طرح وہ میرے دل کو اطمینان بخشتا ہے۔

سوم۔ مَیں اسلام پر اس لئے یقین رکھتا ہوں کہ اسلام مجھے یہ سبق دیتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام اور اس کے کام میں اختلاف نہیں ہوتا اور وہ مجھے سائنس اور مذہب کے جھگڑوں سے آزاد کر دیتا ہے۔ وہ مجھے یہ نہیں سکھاتا کہ مَیں قوانینِ قدرت کو نظر انداز کر دُوں اور ان کے خلاف باتوں پر یقین رکھوں۔ بلکہ وہ مجھے قوانینِ قدرت پر غور کرنے اور اُن سے فائدہ اُٹھانے کی تعلیم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ چونکہ کلام نازل کرنے والا بھی خدا ہے اور دُنیا کو پیدا کرنے والا بھی خدا ہے اس لئے اس کے فعل اور اس کے قول میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ پس چاہیئے کہ تُو اس کے کلام کو سمجھنے کے لئے اس کے فعل کو دیکھ اور اس کے فعل کو سمجھنے کے لئے اس کے قول کو دیکھ۔ اور اس طرح اسلام میری قوتِ فکریہ کو تسکین بخشتا ہے۔

چہارم۔ مَیں اسلام پر اِس لئے یقین رکھتا ہوں کہ وہ میرے جذبات کو کچلتا نہیں بلکہ ان کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ وہ نہ تو میرے جذبات کو مار کر میری انسانیت کو جمادیت سے تبدیل کر دیتا ہے اور نہ جذبات اور خواہشات کو بے قید چھوڑ کر مجھے حیوان کے مرتبہ پر گرا دیتا ہے۔ بلکہ جس طرح ایک ماہر انجنیئر آزاد پانیوں کو قید کر کے نہروں میں تبدیل کر دیتا ہے اور بنجر علاقوں کو سرسبز و شاداب بنا دیتا ہے اسی طرح اسلام بھی میرے جذبات اور میری خواہشات کو مناسب قیود کے ساتھ اعلیٰ اخلاق میں تبدیل کر دیتا ہے۔ وہ مجھے یہ نہیں کہتا کہ خدا تعالیٰ نے تجھے محبت کرنے والا دل تو دیا ہے مگر ایک رفیقِ زندگی کے اختیار کرنے سے منع کیا ہے، یا کھانے کے لئے زبان میں لذّت اور دل میں خواہش تو پیدا کی ہے مگر عمدہ کھانوں کو تجھ پر حرام کر دیا ہے۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ تو محبت کر مگر پاک محبت اور جائز محبّت جو تیری نسل کے ذریعہ سے تیرے پاک ارادوں کو ہمیشہ کے لئے دُنیا میں محفوظ کر دے اور تُو بے شک اچھے کھانے کھا مگر حدّ کے اندر رہ کر۔ تا ایسا نہ ہو کہ تُو تو کھائے مگر تیرا ہمسایہ بُھوکا رہے۔ غرض وہ تمام طبعی تقاضوں کو مناسب قیود کے ساتھ طبعی تقاضوں کی حد سے نکال کر اعلیٰ اخلاق میں داخل کر دیتا ہے اور میری انسانیت کی تسکین کا مُوجب ہوتا ہے۔

پنجم:- پھر مَیں اسلام پر اس لئے یقین رکھتا ہوں کہ اس نے نہ صرف مجھ سے بلکہ سب دُنیا ہی سے انصاف بلکہ محبت کا معاملہ کیا ہے۔ اس نے مجھے اپنے نفس کے حقوق ادا کرنے ہی کا سبق نہیں دیا بلکہ اس نے مجھے دُنیا کی ہر چیز سے انصاف کی تلقین کی ہے اور اس کے لئے میری مناسب رہنمائی کی ہے۔ اس نے اگر ایک طرف ماں باپ کے حقوق بتائے ہیں اور اولاد کو اُن سے نیک سلوک کرنے بلکہ انہیں اپنے ورثہ میں حصہ دار قرار دینے کی تعلیم دی ہے تو دوسری طرف انہیں بھی اولاد سے نیک سلوک کرنے، انہیں تعلیم دلانے، اعلیٰ تربیت کرنے، اچھے اخلاق سکھانے اور ان کی صحت کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے اور انہیں اپنے والدین کا ایک خاص حد تک وارث قرار دیا ہے۔ اسی طرح اس نے میاں بیوی کے درمیان بہترین تعلقات قائم کرنے کے لئے احکام دیئے ہیں۔ اور انہیں آپس میں نیک سلوک کرنے اور ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔ وہ کیا ہی زرین فقرہ ہے جو اس بارے میں بانیٔ اسلام نے فرمایا ہے کہ وہ شخص کس طرح انسانی فطرت کے حُسن کو بھول جاتا ہے جو دن کو اپنی بیوی کو مارتا اور رات کو اس سے پیار کرتا ہے۔ اور فرمایا تم میں سے بہتر اخلاق والا وہ شخص ہے جو اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرتا ہے۔ اور پھر فرمایا۔ عورت شیشہ کی طرح نازک مزاج ہوتی ہے۔ تم جس طرح نازک شیشہ کو استعمال کرتے ہوئے احتیاط کرتے ہو اسی طرح عورتوں سے معاملہ کرتے ہوئے احتیاط سے کام لیا کرو۔

پھر اس نے لڑکیوں کے حقوق کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ انہیں تعلیم دلانے پر خاص زور دیا ہے۔ اور فرمایا ہے جو اپنی لڑکی کو اچھی تعلیم دیتا ہے اور اس کی اچھی تربیت کرتا ہے۔ اس کے لئے جنّت واجب ہو گئی۔ اور وہ لڑکیوں کو بھی ماں باپ کی جائیداد کا وارث قرار دیتا ہے۔

پھر اس نے حکّام سے بھی انصاف کیا ہے اور رعایا سے بھی۔ وہ حاکموں سے کہتا ہے کہ حکومت تمہاری جائیداد نہیں بلکہ ایک امانت ہے۔ پس تم ایک شریف آدمی کی طرح اس امانت کو پُوری طرح ادا کرنے کا خیال رکھو۔ اور رعایا کے مشورہ سے کام کیا کرو۔ اور رعایا سے کہتا ہے کہ حکومت خدا تعالیٰ نے ایک نعمت کے طور پر تم کو دی ہے۔ اپنے حاکم انہیں چُنو جو حکومت کرنے کے اہل ہوں۔ اور پھر اُن لوگوں کا انتخاب کرکے اُن سے پُورا تعاون کرو۔ اور بغاوت نہ کرو۔ کیونکہ اس طرح تم اپنا گھر بنا کر اپنے ہی ہاتھوں اس کو برباد کرتے ہو۔

اور اس نے مالک اور مزدور کے حقوق کا بھی انصاف سے فیصلہ کیا ہے۔ وہ مالک سے کہتا ہے کہ جب تُو کسی کو مزدوری پر لگائے تو اُس کا حق پُورا دے اور اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری ادا کر۔ اور جو تیرا دستِ نگر ہو، اُسے ذلیل مت سمجھ کیونکہ وہ تیرا بھائی ہے جس کی نگرانی اللہ تعالیٰ نے تیرے ذمّہ لگائی ہے اور اُسے تیری تقویت کا مُوجب بنایا ہے۔ پس تُو اپنی طاقت کو نادانی سے آپ ہی نہ توڑ۔ اور مزدور سے کہا ہے کہ جب تو کسی کا کام اُجرت پر کرتا ہے تو اس کا حق دیانتداری سے ادا کر اور سُستی اور غفلت سے کام نہ لے۔

اور وہ جسمانی صحت اور طاقت کے مالکوں سے کہتا ہے کہ کمزوروں پر ظُلم نہ کرو اور جسمانی نقص والوں پر ہنسو نہیں۔ بلکہ شرافت یہ ہے کہ تیرے ہمسایہ کی کمزوری تیرے رحم کو اُبھارے نہ کہ تجھے اس پر ہنسائے۔

اور وہ امیروں سے کہتا ہے کہ غریبوں کا خیال رکھو اور اپنے مالوں میں سے چالیسواں حصہ ہر سال حکومت کو دو تا وہ اُسے غربا، کی ترقی کے لئے خرچ کرے۔ اور جب کوئی غریب تکلیف میں ہو تو اُسے سُود پر روپیہ دے کر اس کی مشکلات کو بڑھاؤ نہیں بلکہ اپنے اموال سے اس کی مدد کرو کیونکہ اس نے تمہیں دولت اس لئے نہیں دی کہ تم عیّاشی کی زندگی بسر کرو بلکہ اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے دُنیا کی ترقی میں حصہ لے کر اپنے لئے ثوابِ دارین کماؤ۔ مگر وہ غریب سے بھی کہتا ہے کہ اپنے سے امیر کے مال پر لالچ اور حرص سے نگاہ نہ ڈال کہ یہ تیرے دل کو سیاہ کر دیتا ہے اور صحیح قوتوں کے حصول سے محروم کر دیتا ہے بلکہ تم خدا تعالےٰ کی مدد سے اپنے اندر وہ قوتیں پیدا کرو جن سے تم کو بھی ہر قسم کی ترقی حاصل ہو۔ اور حکومت کو ہدایت دیتا ہے کہ غربار کی اس جد وجہد میں اُن کی مدد کرے۔ اور ایسا نہ ہونے دے کہ مال اور طاقت صرف چند ہاتھوں میں محدود ہو جائے۔ اور وہ ان لوگوں سے جن کے باپ دادوں نے کوئی بڑا کام کر کے عزت حاصل کر لی تھی جس سے ان کی اولاد بھی لوگوں میں معزز ہو گئی، کہتا ہے کہ تمہارے باپ دادوں کو اچھے کاموں سے عزت ملی تھی، تم بھی اچھے کاموں سے اس عزّت کو قائم رکھو اور دوسری قوموں کو ذلیل اور ادنیٰ نہ سمجھو کہ خدا تعالیٰ نے سب انسانوں کو برابر بنایا ہے۔ اور یاد رکھو کہ جس خدا نے تمہیں عزّت دی ہے وہ اس دوسری قوم کو بھی عزّت دے سکتا ہے۔ پس اگر تم نے ان پر ظلم کیا تو کل کو وہ قوم تم پر ظلم

کرے گی۔ سو دوسروں پر بڑائی جتا کر فخر نہ کرو بلکہ دوسروں کو بڑا بنا کر فخر کرو۔ کیونکہ بڑا وہی ہے جو اپنے گرے ہوئے بھائی کو اُٹھاتا ہے۔

اور وہ کہتا ہے کہ کوئی مُلک دوسرے ملک سے اور کوئی قوم دوسری قوم سے دشمنی نہ کرے۔ اور ایک دوسرے کا حق نہ مارے بلکہ سب مل کر دُنیا کی ترقی کے لئے کوشش کریں۔ اور ایسا نہ ہو کہ بعض قومیں اور ملک اور افراد آپس میں مل کر بعض دوسری قوموں اور ملکوں اور افراد کے خلاف منصوبہ کریں۔ بلکہ یوں ہو کہ قومیں اور ملک اور افراد آپس میں یہ معاہدے کریں کہ وہ ایک دوسرے کو ظلم سے روکیں گے اور دوسرے ملکوں اور قوموں اور افراد کو اُبھاریں گے۔"[1]

حضور نے اسلام کی حقانیت پر مندرجہ بالا دلائل دینے کے بعد آخر میں فرمایا:-

"غرض مَیں دیکھتا ہوں کہ اس دنیا کے پردہ پر مَیں اور میرے پیارے کوئی بھی ہوں، کیا ہوں، اور کچھ بھی ہوں، اسلام ہمارے لئے امن اور آرام کے سامان پیدا کرتا ہے۔ مَیں اپنے آپ کو جس پوزیشن میں بھی رکھ کر دیکھتا ہوں، مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیم کی وجہ سے مَیں اس پوزیشن میں ہوتے ہوئے بھی ترقی اور کامیابی کی راہوں سے محروم نہیں ہو جاتا۔ پس چونکہ میرا نفس کہتا ہے کہ اسلام میرے لئے اور میرے عزیزوں کے لئے اور میرے ہمسایوں کے لئے اور اس اجنبی کے لئے جسے مَیں جانتا تک نہیں، اور عورتوں کے لئے اور مردوں کے لئے اور بزرگوں کے لئے اور خوردوں کے لئے، اور غریبوں کے لئے اور امیروں کے لئے، اور بڑی قوموں کے لئے اور ادنیٰ قوموں کے لئے اور ان کے لئے بھی جو اتحادِ اُمم چاہتے ہیں اور حُبّ الوطنی میں سرشاروں کے لئے بھی یکساں مفید اور کارآمد ہے۔ اور میرے اور میرے خدا کے درمیان یقینی رابطہ اور اتحاد پیدا کرتا ہے۔ پس مَیں اس پر یقین رکھتا ہوں اور ایسی چیز کو چھوڑ کر اور کسی چیز کو مَیں مان بھی کیونکر سکتا ہوں"[2]

لیکچر کی اشاعت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا یہ لیکچر "WHY I BELIEVE IN ISLAM" (مَیں اسلام کو کیوں مانتا ہوں) کے نام سے پہلی بار صیغہ نشر و اشاعت قادیان نے وزیر ہند پریس امرتسر سے طبع کروا کے شائع کیا تھا۔

[1] "ریویو آف ریلیجنز" امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲۷ تا ۳۱۔
[2] " " " صفحہ ۳۱۔

نواب بہادر یار جنگ اور جماعت احمدیہ

نواب بہادر یار جنگ کل ہند شہرت کے ممتاز قائد، مملکت حیدر آباد کی واحد نمائندہ مسلم سیاسی جماعت انجمن "اتحاد المسلمین" کے صدر ہونے کے علاوہ آل انڈیا مسلم لیگ کی شاخ کل ہند ریاستی مسلم لیگ کے صدر بھی تھے اور "لسان الامت" کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ آپ قائداعظم محمد علی جناح کے بہترین اور بے تکلف دوستوں اور گہرے رفقاء میں سے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی نظر میں اُن کی شخصیت کتنی بلند پایہ تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگ سکتا ہے کہ ایک بار نظام حیدر آباد دکن نے قائداعظم سے ایک ملاقات کے دوران کہا کہ "بہادر یار جنگ حیدر آباد کے ایک جاگیردار اور جمعدار ہیں۔ میں انہیں شہر بدر کر سکتا ہوں، انہیں سزا دے سکتا ہوں" قائداعظم نے اس کے جواب میں فرمایا:-

"کیا میں اسے آپ کا چیلنج سمجھوں؟ اگر یہ واقعہ ہے تو میں اسے اپنے اور مسلمانانِ ہند کی طرف سے قبول کرتا ہوں۔ میں اسے جانتا ہوں کہ یہاں بہادر یار جنگ کی وہی حیثیت ہے جس کی آپنے ابھی توضیح کی ہے لیکن اس کے سوا بھی ایک مقام ہے جس پر آپ نے غور نہیں کیا۔ وہ نہ صرف حیدر آباد بلکہ سارے ہندوستان کے مسلمانوں کے رہنما سمجھے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے متعلق جو کچھ بھی ہوگا اسے لازماً سارے مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر محسوس کریں گے۔ پھر میں جانتا ہوں کہ جاگیر اور منصب سے زیادہ انہیں قوم کی عظمت اور خود آپ کی سلامتی عزیز ہے تاکہ حیدر آبادی مسلمان اقلیت کی زد میں نہ آجائیں۔ آپ سے جو کچھ کہا گیا ہے وہ نتیجہ ہے اس سازش کا جو حیدر آباد میں قومی تحریک کو کچلنے کے لئے کی جا رہی ہے۔"[۱]

تحریک پاکستان کو برطانوی ہند کے طول و عرض میں پھیلانے اور مقبول بنانے میں قائداعظم کے دوش بدوش جن زعمائے مسلم لیگ نے نمایاں حصہ لیا، ان میں نواب بہادر یار جنگ مسلمہ طور پر صفِ اوّل میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ جون ۱۹۴۴ء (احسان ۱۳۲۳ہش) میں آپ نے انتقال کیا۔ جس پر قائداعظم نے فرمایا کہ ریاستی مسلم لیگ کے صدر کا انتقال نہیں ہوا بلکہ میرا ایک بازو ٹوٹ گیا ہے۔[۲]

---

۱ - کتاب "قائداعظم میری نظر میں" صفحہ ۲۱۲-۲۱۳۔

۲ - رسالہ "نقوش" (لاہور) خطوط نمبر ۲ صفحہ ۲۸۱۔ جموں کے ممتاز لیڈر چودھری غلام عباس صاحب نے اپنی کتاب "کشمکش" میں لکھا ہے کہ جن دنوں نواب بہادر یار جنگ کی وفات ہوئی قائداعظم سرینگر میں فروکش تھے۔ میں نے نواب صاحب کی وفات کے المناک حادثہ کی اطلاع دی تو پانچ منٹ کے بعد قائداعظم نے فرمایا کہ غالباً پہلی دفعہ مجھے کسی کی موت سے اتنا شدید صدمہ ہوا ہے پھر نواب صاحب کی خوبیاں بیان کیں۔ ۔ ۔ ۔ اس کے بعد مرحوم کی بیگم کو بذریعہ تار پیغام تعزیت بھجوایا"
("کشمکش" صفحہ ۲۴۷ ناشر اردو اکیڈیمی لوہاری دروازہ لاہور)

نواب صاحب کے تاثرات حضرت مصلح موعودؓ کی ذاتِ مبارک کے متعلق

نواب بہادر یار جنگ کو جہاں مسلم لیگ اور تحریکِ پاکستان سے ازحد محبت تھی وہاں آپ جماعت احمدیہ کی اسلامی تنظیم اور اسلامی خدمات سے سے نہایت درجہ متاثر اور حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ازحد مداح تھے۔ چنانچہ جناب سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدرآبادی کا بیان ہے کہ

"حضرت مصلح موعود کی آمد حیدرآباد (اکتوبر ۱۹۳۸ء) کے موقع پر نواب بہادر یار جنگ بہادر الہ دین بلڈنگ سکندرآباد پر جہاں حضور فروکش تھے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ اور اس موقع پر مسلمانان حیدرآباد کے مسائل پر حضور نے تخلیہ میں طویل گفتگو کی تھی . . . . نواب بہادر یار جنگ بہادر مجلس اتحاد المسلمین مملکت اسلامیہ آصفیہ کے صدر رہے۔ ان کے طویل دورِ صدارت میں راقم الحروف ان کی مجلس عاملہ کا سینئر رکن تھا۔ کئی مرتبہ اپنی مجلس عاملہ کے اجلاسوں میں انہوں نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں دو شخصیتوں کی سیاسی بصیرت اور اعلیٰ دماغی صلاحیتوں سے متاثر تھے۔ ایک "حضرت امام جماعت احمدیہ" کی دوسری قائداعظم محمد علی جناح کی۔ ان کے اس بیان اور تاثر کے گواہ پاکستان میں اُن کے اور میرے قدیم ساتھی اور دوست اور اتحاد المسلمین کی مجلس عاملہ کے رکن احمد عبداللہ المسدوسی مصنّف "مذاہب عالم" اور "افریقہ۔ ایک چیلنج" وغیرہ ہیں۔ حال میں مجھ سے مسدوسی صاحب نے حضرت مصلح موعود کی وفات پر نواب بہادر یار جنگ کے مذکورہ بالا تاثر کا ذکر کیا تھا۔ ان کے ذہن میں حضور کے نام کے ساتھ دوسرا نام مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی کا تھا۔ بہرحال میری اور ان کی یادداشت میں حضرت امیرالمومنین کا نام مشترک ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نواب صاحب نے کسی موقعہ پر مفتی اعظم فلسطین کا بھی نام لیا ہو" [۵]

سیٹھ صاحب مزید لکھتے ہیں کہ

"میں نے اپنی توضیح میں اس امر کا ذکر کیا تھا کہ نواب بہادر یار جنگ نے کئی مرتبہ اس امر کا ذکر کیا تھا کہ وہ دو اصحاب کی سیاسی بصیرت اور اعلیٰ دماغی صلاحیت سے متاثر تھے۔ ایک حضرت امام جماعت احمدیہ اور دوسری قائداعظم محمد علی جناح کی ذات۔ حُسنِ اتفاق سے ۲۰ مئی کو مولوی محمد لقمان

---

۵ مکتوب جناب سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدرآبادی (بنام مؤلف "تاریخ احمدیت") مرقومہ ۱۹ ہجرت/مئی ۱۳۴۵ہش/۱۹۶۶ء از سی/۴۲ ہوزنگ کالونی اسکندرآباد (ضلع میانوالی)۔

صاحب پریذیڈنٹ جماعت ۷۰ گ۔ب تحصیل وضلع لائل پور جو تقریباً دس سال غالباً ۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۴ء تک حیدر آباد میں مقیم رہے تھے مجھ سے ملنے یہاں اسکندر آباد[1] آئے تھے۔ ان کے قیام حیدر آباد کے زمانے کی باتیں چل نکلیں۔ انہوں نے بغیر میرے ذکر کرنے کے خود کہا کہ وہ ایک مرتبہ نواب بہادر یار جنگ سے ملے تھے اور اس موقعہ پر نواب صاحب موصوف نے ان سے وہی بات کہی تھی جو مَیں نے اپنے بیان میں کہی ہے۔ دوسری بات جو مولوی صاحب موصوف نے بیان کی وہ یہ تھی کہ نواب صاحب موصوف نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی تقریر "سیر روحانی"[2] کے تعلق میں ان سے کہا تھا کہ وہ اس تقریر سے اس قدر متاثر تھے کہ اس کو انہوں نے تین دفعہ پڑھا تھا۔

. . . . نواب صاحب موصوف نے غالباً فروری یا مارچ ۱۹۳۹ء میں دہلی میں سر محمد یعقوب کی ایک دعوت میں چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی زبانی اس تقریر کا خلاصہ سُنا تھا چنانچہ حیدر آباد واپس آن کر ایک علمی صحبت میں بہت تفصیل کے ساتھ انہوں نے یہ خلاصہ سُنایا تھا (نواب صاحب کا حافظہ ایسا تھا کہ وہ کسی کی گفتگو یا تقریر کو تقریباً لفظ بلفظ سُنا دیا کرتے تھے۔ خود اُن کی اپنی جو تقریریں شائع شدہ ہیں وہ تقریر کے بعد انہوں نے لفظ بلفظ لکھوائی تھیں . . .) حضرت مصلح موعودؓ کی یہ تقریر "سیر روحانی" جب شائع ہوئی تو محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اس کی ایک جلد جس پر انہوں نے نواب صاحب کا نام اور اپنے دستخط فرمائے تھے میرے ذریعے نواب صاحب کو بھجوائی تھی اور نواب صاحب اس کے مطالعہ کے بعد اکثر اپنی مجلسوں میں اس پر بڑے تعریفی کلمات کہا کرتے تھے"[3]

جماعت احمدیہ سے گہرے روابط

نواب بہادر یار جنگ کے جماعت احمدیہ سے مراسم کا یہ عالم تھا کہ پروفیسر الیاس برنی (ولادت ۱۸۹۲ء — وفات ۱۹۵۸ء) نے ۲۲ر تبلیغ / فروری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو شاہ حسین میاں پھلواری شریف کے نام ایک خط میں نواب صاحب اور جماعت احمدیہ کے تعلقات پر بڑی تشویش و اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:۔

---

[1] (ضلع میانوالی)
[2] اس کا تذکرہ جلد ہشتم میں ہو چکا ہے
[3] مکتوب سیٹھ محمد اعظم صاحب (بنام مولف "تاریخ احمدیت") محررہ ۲۵ر ہجرت / مئی ۱۳۴۵ہش/۱۹۶۶ء سی / ۴۲ ہوزنگ کالونی اسکندر آباد ضلع میانوالی

"یہاں مہدویوں[1] کی اچھی خاصی جماعت ہے جس میں نواب بہادر یار جنگ بھی شامل ہیں۔ یہ جماعت حضرت سیّد محمد جونپوری کو مہدی مانتی ہے اور اگرچہ شاید صریحاً ان کو نبی نہیں کہتی تاہم عقیدۃً اُن کو رسُول اللہ ؐ کے ہم پلہ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر مانتی ہے اور اپنے طرز پر تاویلات کرتی ہے۔ قادیانیوں سے ملتے جلتے عقائد ہیں۔ البتہ عقاید کی عام اشاعت نہیں کی جاتی بلکہ ایک حد تک عقائد مخفی رکھے جاتے ہیں . . . . . چونکہ نواب بہادر یار جنگ مسلمانوں کی سیاسیات میں شامل ہو گئے ہیں اور نمایاں حصہ لے رہے ہیں مسلمانوں نے بھی تفریق کو نظر انداز کر دیا اور اُن کو اپنا سرگروہ بنا لیا۔ مولوی ابوالحسن سیّد علی صاحب کا بھی یہی معاملہ ہے۔ مسلمانوں میں لیڈر مانے جاتے ہیں اور ہر دلعزیز ہیں۔ جب سے قادیانیوں کا بھانڈا پھوٹا، وہ دینیات، اسلامیات اور سیاسیات میں بہت نامور ہو گئے۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں کے علی الرغم نواب بہادر یار جنگ قادیانیوں سے میل جول بڑھا رہے ہیں بلکہ واقف لوگ سازباز کا شبہ کرتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں میں بددلی پیدا ہو رہی ہے توجہ بھی دلائی گئی مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ خدا کرے آئندہ سمجھ آئے۔ مَیں تو سیاسیات سے الگ تھلگ رہتا ہوں۔ تاہم میرا جو علم تھا آپ کو لکھ دیا۔ لیکن یہ بات آپ ہی تک رہے باہر نہ جائے . . . . اپنے اثرات اور مسلمانوں کی عدم توجہی سے فائدہ اُٹھا کر اسی جماعت نے سرکار[2] کی جنتری میں حضرت سید محمد جونپوری کی تعطیل میں لفظ "میلاد شریف" درج کرا لیا . . . . علیٰ ہذا جو نظم رسُول اللہ کی توصیف میں لکھی جاتی ہے وہ نعت کہلاتی ہے لیکن مہدوی لوگ سید محمد جونپوری کی منظوم توصیف کو بھی نعت کہتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کی اصطلاح میں ایسی نظمیں منقبت کہلاتی ہیں۔"[3]

---

[1] فرقہ مہدویہ کے تفصیلی حالات و عقائد کے لئے ملاحظہ ہو "رود کوثر" صفحہ ۱۹ تا ۲۹ مرتبہ جناب شیخ محمد اکرام صاحب ایم۔ اے شائع کردہ فیروز سنز لاہور۔

[2] اس مراسلہ سے یہ بات بھی پوری طرح واضح ہے کہ تحریک پاکستان کی کامیابی کا سب سے بڑا راز اس میں مضمر تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی زبردست ذہانت اور فراست سے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر ہر قسم کے نقطۂ خیال رکھنے والے مسلمانوں کو جمع کر دیا تھا اور آپ سیاسیات کے میدان میں اختلاف عقائد کا لحاظ نہیں کرتے تھے اور ہر مسلمان کہلانے والے کو مسلم لیگ کے سٹیج پر آکر کام کرنے کا موقعہ دیتے تھے۔

[3] رسالہ "نقوش" لاہور خطوط نمبر ا صفحہ ۴۸۰۔

مُسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں شرکت کے بعد قادیان میں آمد

۲۱-۲۲-۲۳ امان/مارچ ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو لاہور میں مسلم لیگ کا وہ تاریخی اجلاس منعقد ہوا جس میں قرارداد پاکستان پاس کی گئی۔ اس اجلاس میں شرکت کے لئے نواب بہادر یار جنگ ۱۸ امان/مارچ ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو حیدر آباد سے عازم لاہور ہوئے۔ آپ کے ساتھ مسٹر سید احمد محی الدین ایڈیٹر رہبر دکن، مسٹر ابوالحسن سید علی (مجلس اتحاد المسلمین)، مولانا سید بادشاہ حسین صاحب (سکرٹری مجلس علمائے دکن) بھی تھے۔[۵۱]

مسلم لیگ کے اجلاس میں سرگرم حصہ لینے اور دوسری متعدد مجالس سے پُر اثر خطاب[۵۲] کرنے کے بعد حیدر آباد واپس جاتے ہوئے آپ قادیان بھی تشریف لے گئے جہاں چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی کوٹھی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے مفصل ملاقات ہوئی۔ جس میں چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے علاوہ سیٹھ محمد اعظم صاحب بھی موجود تھے۔ اس اہم ملاقات کے علاوہ آپ نے مرکز احمدیت کے اداروں اور تنظیم کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ اور اپنے تاثرات اپنے قلم سے لکھ کر شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مدیر "الحکم" کو ارسال فرمائے جو اُن کی کتاب "مرکز احمدیت قادیان" کے آخری صفحات میں طبع شدہ ہیں۔

نواب صاحب کے تاثرات قادیان کے متعلق

نواب بہادر یار جنگ صاحب نے اپنے تاثرات میں لکھا کہ

"مارچ ۱۹۴۰ء کے اواخر میں لاہور مسلمانانِ ہند کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ وہاں آل انڈیا مُسلم لیگ کا وہ اہم اجلاس منعقد ہو رہا تھا جس نے ہندوستان کی سیاسیات میں ایک نئے باب کو کھولا۔ دوسرے اس لئے کہ خاکساروں کی جماعت پر حکومت پنجاب کی بے دردانہ آتشباری نے سارے ہندوستان کے مسلمانوں کو آتش زیرپا کر دیا تھا۔ اجلاس مسلم لیگ کے اختتام پر میری تمام تر توجہ خاکساروں کے مسئلہ پر مرکوز تھی۔ اسی سلسلہ میں ضرورت پیش آئی کہ مَیں اپنے کرم فرما چوہدری سر ظفر اللہ خاں صاحب سے ملاقات کروں جو اس زمانہ میں وائسرائے

---

۵۱ روزنامہ "انقلاب" لاہور ۲۰ مارچ ۱۹۴۰ء

۵۲ ملاحظہ ہو کتاب "انجمن" (مؤلفہ فقیر سید وحید الدین مرحوم) ناشر لائن آرٹ پریس (کراچی) لمیٹڈ فریئر روڈ کراچی طبع اوّل اپریل ۱۹۶۶ء

کی مجلس وزراء کے اہم ترین رکن تھے اس لئے . . . . مارچ سنہ ۱۹۴۷ء میں چند گھنٹوں کے لئے قادیان گیا جہاں چوہدری صاحب مقیم تھے۔ گو میں نے قادیان میں چند گھنٹے بسر کئے لیکن ان چند گھنٹوں کی یاد ابھی تک باقی ہے۔

اسٹیشن پر میرے قدیم کرمفرما مولوی عبدالرحیم صاحب نیّر اور مولوی محمد اعظم صاحب نے استقبال کیا۔ مولوی عبدالرحیم صاحب نیّر جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے کئی سال تک حیدرآباد میں مقیم رہے ہیں۔ اور ان چند اصحاب میں سے ہیں جنہوں نے مجلس اتحادالمسلمین حیدرآباد کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اور مولوی محمد اعظم صاحب حیدرآباد کی مشہور دوکان محمد اعظم معین الدین کے مالک اور مجلس اتحادالمسلمین کی مجلس عاملہ کے قدیم ترین رکن اور میرے رفیق کار ہیں اور ان چند نوجوانوں میں سے ہیں جن کی رفاقت پر میں فخر کرتا ہوں۔ ان دونوں حضرات نے زوالِ آفتاب تک مجھے قادیان کی ایک ایک گلی میں گھمایا اور جماعت احمدیہ کے ایک ایک ادارہ کی سیر کرائی۔

قادیان پنجاب کے ضلع گورداسپور کی ایک چھوٹی سی آبادی ہے لیکن جماعت کا مرکز ہونے کی وجہ سے آج اس کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ ہر سال ماہ دسمبر میں وہاں اس جماعت کے متوصلین کا کثیر اجتماع ہوتا ہے جس کی خصوصیت مرزا غلام احمد صاحب کے جانشین مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کا خطبہ ہے۔ ان خطبات کو احمدی عقائد سے اپنے کامل اختلاف کے باوجود میں التزاماً پڑھا کرتا ہوں۔ تمام ہندوستان کے احمدیوں کی نمائندگی کا دوسرا اجتماع ہر سال ایسٹر کی تعطیلات میں ہوا کرتا ہے جس کو یہ لوگ اپنا بجٹ سشن کہتے ہیں۔ اتفاق سے میں اسی زمانہ میں قادیان پہنچا تھا اور ان نمائندوں میں سے بعض سے مجھے ملاقات کا موقعہ ملا۔

احمدی جماعت کو اپنی بقا و استحکام کے لئے جن شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے قدرتاً اُن میں ایک مکمل تنظیم پیدا کر دی ہے۔ اور چونکہ کوئی تنظیم ایثار کے بغیر نہیں پیدا ہو سکتی۔ اس لئے میں قادیان کے تمام اداروں کے تفصیلی معائنہ کے بعد یہ یقین رکھتا ہوں کہ اس جماعت کے پیرو اپنے اندر اطاعت امیر اور ایثار کے حقیقی جذبات رکھتے ہیں۔

قادیان کا مدرسۃ العلوم، عربی کی درسگاہ، دارالاقامۃ، دارالاشاعت، بین الاقوامی تبلیغ کا مرکز، نوجوان فدائیانِ احمدیت کا تنظیمی ادارہ، مہمان خانہ، میرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب امیر جماعت

کا دفتر، یہانتک کہ قبرستان، ان میں سے ہر ایک اپنی باقاعدگی اور خوش سلیقگی کے اعتبار سے کارکنوں کی دلچسپی اور فرض شناسی کا ثبوت دے رہے تھے اور یہ محسوس ہوتا تھا کہ میں کسی جماعت کے تنظیمی اداروں کو نہیں بلکہ کسی حکومت کے مختلف محکمہ جات کا معائنہ کر رہا ہوں۔

. . . . . .خذ ما صفا کے اصول کے ماتحت میری دلی تمنا ہے کہ میں تمام دنیا کے مسلمانوں کو اس چھوٹی سی جماعت کی طرح منظّم اور ایک مرکز کے تحت جو اصول اسلامی کے مطابق ہے حرکت کرتا ہوا دیکھوں۔ اس وجہ سے قادیان کے سفر کو میں اپنی زندگی کے وہ لمحات سمجھتا ہوں جن میں میری نظر ہوشیار نے کچھ دیکھا اور حاصل کیا۔

لال گڑھی (جاگیر) ۲۰ رشوال المکرم مطابق ۱۳ر اکتوبر ۱۹۴۲ء "[1]

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب علیگڈھ مسلم یونیورسٹی میں

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایک اہم تقریب منعقد ہو رہی تھی۔ جس میں تقسیم انعامات کے لئے آنریبل چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی خدمت میں درخواست کی گئی جسے آپ نے بخوشی قبول فرمایا۔ اور آپ ۹ر امان / مارچ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء کو دہلی سے بذریعہ کالکا کلکتہ میل سوا نو بجے وارد علی گڑھ ہوئے۔ ریلوے اسٹیشن پر معززین نے آپ کا پُرتپاک استقبال کیا جن میں حسب ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:-

۱۔ آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی و جج فیڈرل کورٹ دہلی۔

۲۔ مسٹر اے۔بی۔اے حلیم صاحب پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

۳۔ مسٹر اے۔ٹی نقوی آئی سی ایس کلکٹر ضلع علیگڈھ۔

۴۔ ڈاکٹر ہادی حسن صاحب صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی۔

۵۔ کیپٹن حیدر خانصاحب صدر شعبہ کیمسٹری مسلم یونیورسٹی۔

۶۔ ڈاکٹر طاہر رضوی صاحب صدر شعبہ جغرافیہ مسلم یونیورسٹی۔

۷۔ خان بہادر شیخ محمد عبداللہ صاحب

۸۔ مسٹر عبداللہ بٹ لیکچرر مسلم یونیورسٹی۔

آنریبل چودھری صاحب اسٹیشن سے بذریعہ کار مسلم یونیورسٹی کی طرف روانہ ہوئے جہاں وکٹوریہ گیٹ پر یونیورسٹی

---

[1] "مرکز احمدیت قادیان" صفحہ ۲۵۴ تا ۲۵۶ مصنفہ شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر "الحکم" قادیان۔

کے رائڈنگ سکواڈ (RIDING SQUAD) نے آپ کو سلامی دی۔ پھر آنریبل چودھری صاحب نے آنریبل سرشاہ محمد سلیمان صاحب کے ہمراہ تمام یونیورسٹی کا چکر لگایا اور قریباً ہر شعبہ کا معائنہ فرمایا۔ ساڑھے چار بجے بعد دوپہر آپ کے اعزاز میں یونیورسٹی کی طرف سے دعوتِ چائے دی گئی۔ اس کے بعد کھیلوں کے جلسہ تقسیم انعامات میں جناب چودھری صاحب نے انعامات تقسیم فرمائے۔ اختتام پر مسٹر اے بی اے حلیم صاحب پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے آپ کا انگریزی میں شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ ہم آنریبل چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے نہایت شکرگزار ہیں۔ جو اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اپنے کام کا حرج کر کے یہاں تشریف لائے۔ نیز آپ کی غیر معمولی قابلیت، اعلیٰ پایہ کے مدبّر، سیاستدان اور پارلیمنٹیرین ہونے کا ذکر نہایت شاندار الفاظ میں کیا۔

اس کے جواب میں چودھری صاحب نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد اُردو میں تقریر کی جس میں فرمایا کہ میں آپ لوگوں کا نہایت شکرگزار ہوں کہ آپ نے میری عزت افزائی کی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ میں بھی آپ کی تواضع کروں۔ آپ حیران ہونگے، کیونکہ آپ کا خیال ہوگا کہ میں انگریزی میں تقریر کروں گا۔ لیکن میں آج چونکہ ایسے موضوع پر کچھ کہنا چاہتا ہوں جس کے لئے اُردو زبان زیادہ موزوں ہے۔ اس لئے میں اسی سے کام لوں گا۔ آپ نے بارہا سیاست اور دیگر مسائل پر عالمانہ تقریریں سُنی ہوں گی۔ لیکن آج میں ایسے موضوع پر کچھ کہنا چاہتا ہوں جو میرے نزدیک سب سے اہم ہے۔ آپ نے حدیث اِنّما الاعمال بالنّیات کی تشریح و تفسیر نہایت پُراثر اور لطیف پیرایہ میں کی۔ جس میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات اور دیگر بزرگوں کے حالات بیان کئے۔

آپ نے فرمایا۔ جو کام کیا جائے اس کے لئے نیت نیک ہونی چاہیئے اور وہ کام خدا ہی کے لئے ہونا چاہیئے تمہارا اُٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا سب کچھ خدا تعالیٰ کے لئے ہونا چاہیئے۔ اور ہر کام کرتے وقت تمہاری نیت نیک ہونی چاہیئے۔ اگر کھیلوں کے میدان میں کھیلو تو اس میں بھی خدا تعالےٰ کی رضا اور خوشی کو مدنظر رکھ کر کھیلو۔ اس موقعہ پر آپ نے حضرت اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کیا کہ آپ جب دریائے اٹک پر پہنچے تو آپ کو معلوم ہوا کہ یہاں ایک غیرمُسلم ہے جو بہت بڑا تیراک ہے اور کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس پر آپ کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہاں سے آگے بڑھیں۔ وہیں ڈیرے ڈال دیئے اور تیرنا شروع کر دیا۔ آخر اتنی مشق کر لی کہ اس غیرمسلم کو چیلنج دے کر شکست دی۔ ہمارے نوجوانوں کو چاہیئے کہ ہر کام میں اسلام کی برتری، ترقی اور بہبودی کی کوشش کریں۔

یہ مختصر ذکر ہے اس تقریر کا جو آنریبل چودھری صاحب نے کی۔ سامعین پر اس کا بے حد اثر ہوا۔ طلباء نے دوران تقریر کئی مرتبہ خوشی کے اظہار کے لئے چیئر کیا۔ جلسہ کے اختتام پر طلبار نے جناب چودھری صاحب کو تین دفعہ چیئر کیا۔ اس کے بعد آپ ریلوے سٹیشن پر تشریف لے گئے جہاں آپ کو مسلم یونیورسٹی کے خاکساروں نے سلامی دی اور آپ نے اُن کا معائنہ کیا۔ ۷½ بجے شام کی گاڑی کلکتہ میل سے آپ واپس دہلی تشریف لے گئے۔[1]

فصل سوم

غیر مبائعین کو محبت و خلوص سے تبلیغ کرنے کی خاص تحریک اور اس کے اثرات

حضرت مولوی غلام حسن خاں صاحب کی بیعتِ خلافت نے غیر مبائعین میں بہت جوش و خروش پیدا کر دیا۔ جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے ۲۹ امان/مارچ ۱۳۱۹ہش ۱۹۴۰ء کو ایک تحریک خاص فرمائی کہ نہایت درد اور اخلاص کے ساتھ اپنے بچھڑے ہوئے بھائیوں کی اصلاح کی پوری کوشش کی جائے۔[2] نیز ہدایت فرمائی کہ ہر جماعت میں "سکرٹری اصلاح مابین" کے نام سے ایک عہدیدار مقرر کیا جائے جس کا یہ فرض ہو کہ وہ غیر مبائعین سے ملے، انہیں تبلیغ کرے، پرانا لٹریچر مہیا کرے اور جماعت کو اس لٹریچر سے آگاہ کرے۔ دوسرے یہ حکم دیا کہ جماعتیں غیر مبائعین کی مفصل لسٹیں مرکز میں بھجوائیں تا اُن کو مرکز سے بھی تبلیغی لٹریچر بھجوایا جا سکے۔ ساتھ ہی نظارت دعوت و تبلیغ کو توجہ دلائی کہ وہ اس قسم کے علماء اور انگریزی خوانوں کی ایک لسٹ تیار کرے جو غیر مبائعین کے متعلق مفید مضامین لکھ سکتے ہوں۔ اور پھر انہیں اخباروں اور رسالوں میں مضامین لکھنے کی تحریک کرے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے غیر مبائعین کو تبلیغ کرنے والوں یا ان کی نسبت مضمون لکھنے والوں کو خاص طور پر یہ نصیحت فرمائی کہ

"دوستوں کو محبت اور پیار سے کام لینا چاہیئے اور کبھی بھی سختی نہیں کرنی چاہیئے۔ یاد رکھو سختی سے تم دوسرے کو چُپ کرا سکتے ہو۔ سختی سے تم دوسرے کو شرمندہ کر سکتے ہو۔ سختی سے تم

---

[1] "الفضل" مؤرخہ ۱۶ امان ۱۳۱۹ہش / ۱۶ مارچ ۱۹۴۰ء صفحہ ۶
[2] "الفضل" مؤرخہ ۵ شہادت ۱۳۱۹ہش / اپریل ۱۹۴۰ء صفحہ ۶، ۷ -

دوسرے کو ذلیل کرسکتے ہو مگر سختی سے تم دوسرے کے دل کو فتح نہیں کرسکتے۔ اگر تم دل فتح کرنا چاہتے ہو تو تمہارے اپنے دل میں یہ اخلاص اور درد ہونا چاہیئے کہ میرا ایک بھائی گمراہ ہو رہا ہے اُسے کسی طرح مَیں ہدایت پر لاؤں۔ جب تک یہ احساس اور یہ جذبہ تمہارے اندر نہ ہوگا۔ . . . اس وقت تک تمہاری تبلیغ موثر نہیں ہوسکتی چاہے تمہیں بظاہر شاندار معلوم ہو اور چاہے بظاہر جب تم مضمون لکھو تو لوگ کہیں کہ خوب مضمون لکھا۔ کیونکہ کامیابی یہ نہیں کہ لوگ تمہاری تعریف کریں بلکہ کامیابی یہ ہے کہ دوسروں کی ہدایت کا موجب ہو۔ پس جو مضمون لکھنے والے ہیں انہیں بھی مَیں کہتا ہوں کہ سنجیدگی اور محبت سے مضامین لکھو اور جو زبانی تبلیغ کرنے والے ہوں انہیں بھی مَیں نصیحت کرتا ہوں کہ سنجیدگی اور محبت سے تبلیغ کرو۔"

اس سلسلہ میں اصلاح مابین کے سکرٹریوں کو ارشاد فرمایا کہ

"جب انہیں مرکز سے ٹریکٹ وغیرہ بھجوائے جائیں تو وہ محنت سے انہیں غیر مبائعین کے گھروں تک پہنچائیں تا اُن میں سے جو سعید لوگ ہیں وہ سلسلہ کی طرف توجہ کریں۔" [۵۱]

اس تحریک کے بعد حضور نے ۱۹ شہادت / اپریل ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کو ایک اَور خطبہ جمعہ بھی اس مضمون پر دیا [۵۲] چنانچہ حضور نے فرمایا :۔

"مَیں دوستوں کو ہدایت کرتا ہوں کہ جو مضمون بھی لکھیں نرمی اور محبت سے لکھیں۔ یہ صحیح ہے کہ جہاں کوئی تلخ مضمون آئے گا اس کی کچھ نہ کچھ تلخی تو باقی رہے گی۔ لیکن جہاں تک ہوسکے الفاظ نرم استعمال کرنے چاہئیں۔ . . . مَیں مانتا ہوں کہ پیغامیوں کی طرف سے ہمیشہ سختی کی جاتی ہے۔ اس لئے بعض دوست جواب میں سختی سے کام لیتے ہیں۔ مگر مجھے یہ طریق سخت ناپسند ہے۔ مَیں نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ شدید سے شدید دشمن کے متعلق بھی سخت کلامی مجھے پسند نہیں۔ میرے نزدیک مولوی ثناء اللہ

---

۵۱ "الفضل" ۵ شہادت / اپریل ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۶ - ۷۔

۵۲ اس خطبہ کے چند ایام بعد اخبار "الفضل" (۳۰ شہادت / اپریل ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء) میں ایک مضمون نکلا جس میں لاہوری فریق کی نسبت سخت الفاظ استعمال کئے گئے تھے۔ اس پر حضرت امیر المومنینؓ نے ناظر صاحب اعلیٰ کو فوری ارشاد فرمایا کہ "باوجود ممانعت کے ایسا کیا گیا ہے۔ اس لئے جب تک انجمن مجھے اس امر کی نسبت تسلی نہ دلائے کہ آئندہ سخت الفاظی نہیں ہوگی مَیں اخبار کی اشاعت بند کرتا ہوں" اس کے بعد جب تک صدر انجمن احمدیہ نے مضامین کی اشاعت میں نرم پالیسی اختیار کرنے کا واضح وعدہ نہیں کر لیا حضور نے اخبار کی اشاعت پر پابندی نہیں اُٹھائی (ملاحظہ ہو ریکارڈ نظارت علیا رجسٹر ۵ غ - م ۱۳۱۹ہش۔

صاحب ہمارے اشد ترین دشمن ہیں۔ مگر مَیں نے کئی بار دل میں غور کیا ہے۔ ان کے متعلق بھی اپنے دل میں کبھی بغض نہیں پایا۔ اور مَیں سمجھتا ہوں اگر کسی دشمن کے متعلق دل میں بغض رکھا جائے تو اس سے اسلام کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے . . . . ہر شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اگر کسی نے سزا دینی ہو تو اس نے، اگر کسی نے بخشنا ہو تو اس نے، مَیں کیوں اپنے دل میں بغض رکھ کر اُسے سیاہ کروں۔ پس دل میں بغض اور کینہ رکھ کر کام نہ کرو بلکہ محبّت و اخلاص رکھ کر کرو"[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی اس خاص تحریک پر احمدی جماعتوں نے منظم طریق پر غیر مبائعین تک پیغام حق پہنچانے کی طرف توجہ دی۔ اہلِ قلم بزرگوں اور دوستوں نے "الفضل"، "فاروق" اور "ریویو آف ریلیجنز" میں معلومات افزا مضامین سنہ ۱۳۱۹-۲۰ ہش / ۱۹۴۰-۴۱ء کے دوران لکھے۔ تحریک غیر مبائعین سے متعلق لکھنے والوں میں مکرم مولوی ابوالعطاءؔ صاحب فاضل، مکرم قاضی محمد نذیر صاحب فاضل، لائلپوری، مکرم ملک محمد عبد اللہ صاحب فاضل، مکرم مولوی سید احمد علی صاحب، حضرت ابوالبرکات مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ، ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم بی۔اے، ایل ایل بی پلیڈر گجرات، اور شیخ خورشید احمد صاحب[2] سکرٹری مجلس خدام الاحمدیہ بھاٹی دروازہ لاہور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

علاوہ ازیں نظارت دعوت و تبلیغ قادیان نے غیر مبائعین کے لئے مناسب ٹریکٹ اور اشتہارات شائع کئے اور ایک کمیٹی اصلاح مابین کے لئے قائم کر دی جس کے فرائض میں سے ایک فرض یہ بھی تھا کہ غیر مبائع اصحاب کے استفسارات کا جواب دیا جائے۔ اس کمیٹی کے سکرٹری مکرم قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری مولوی فاضل مقرر کئے گئے۔[3] کمیٹی کے پاس متعدد اعتراضات پہنچتے رہے جن کا مدلّل جواب علمائے سلسلہ کی طرف سے دیا جاتا رہا۔

ان سب اصلاحی کوششوں کا مجموعی نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں جماعت احمدیہ کے نوجوان خصوصاً اور دوسرے افراد

---

[1] "الفضل" ۲۴ ہجرت / مئی سنہ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۳ کالم ۱-۲ ؛

[2] (حال اسسٹنٹ ایڈیٹر "الفضل") حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے ان کی نسبت خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ "ابھی ایک بچہ ان کے ردّ میں مضامین لکھ رہا ہے جس کا نام خورشید احمد ہے اور اس وقت لاہور میں رہتا ہے۔ اس کے مضمون ایسے اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں کہ پہلے مَیں سمجھتا تھا کہ یہ کوئی بڑی عمر کا آدمی ہے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا ہے کہ خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب کا نواسہ ہے اور ۱۷-۱۸ سال عمر ہے ("الفضل" ۲۶ وفا / جولائی سنہ ۱۳۲۰ ہش / ۱۹۴۱ء) ؛

[3] "الفضل" ۲۵ ہجرت / مئی سنہ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۴ کالم ۲-۴ ؛

عموماً متنازعہ مسائل کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصل موقف کو پہلے سے زیادہ عمدہ طریق پر سمجھنے لگے وہاں بعض سعید الفطرت[۱] غیر مبائعین کے حلقہ سے نکل کر نظامِ خلافت سے وابستہ ہو گئے۔

ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس قادیان میں

چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی دعوت پر ۱۴؍ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس سر مارس گوائر کے سی بی۔ کے سی ایس آئی اور ان کے فرزند مسٹر جان گوائر ساڑھے نو بجے صبح کی گاڑی سے قادیان تشریف لائے[۲] اور ۱۶؍ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو ساڑھے دس بجے بذریعہ کار واپس چلے گئے۔[۳] اس مختصر قیام میں چیف جسٹس صاحب نے . . . . جماعتی اداروں اور مرکزی کارخانوں کا معائنہ کرنے کے علاوہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے وسیع ہال میں چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی زیر صدارت ایک لیکچر بھی دیا اور اپنے تاثرات مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کئے:-

"میں نے دیکھا ہے کہ آپ کی جماعت کے لوگوں میں ایمان کی آگ شعلہ زن ہے اور اس کے ساتھ بعض مقاصد اور اصول ہیں جن کے مطابق وہ اپنی زندگیوں کو ڈھالنا چاہتے ہیں۔ میں نے آپس میں مساوات، مختلف قوموں میں مساوات کے عظیم الشان اصول کو یہاں ایک نئی قوت کے ساتھ کام کرتے پایا ہے۔ انسانی اخوت کا یہ اصول انسانی زندگی کا اساس ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ مساوات اور اخوت کی روح آپ کی جماعت میں موجود ہے اور اسی ضمن میں میں سمجھتا ہوں کہ میرے اصول آپ کے اصول سے مشترک ہیں"۔[۴]

ایک اندرونی فتنہ

ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں یکایک ایک اندرونی فتنہ کا انکشاف ہوا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ محمد اسمٰعیل نامی ایک صاحب نے (جو پہلے صوفی کہلاتے تھے پھر اپنے نام کے ساتھ

۱۔ مثلاً خان عبدالحمید خان صاحب پلیڈر (فرزند حضرت مولانا غلام حسن خان صاحب پشاوری و داماد ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ مرحوم) خان عبدالمجید خان صاحب اور خان عبدالوحید خان صاحب (خان عبدالحمید خان صاحب پلیڈر کے خلف الرشید) سید ممتاز علی صاحب سابق مہتمم مہمان خانہ احمدیہ بلڈنگس لاہور (الفضل ۲۱؍ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲، ۱۴؍ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء، ۲۴؍ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء)۔

۲۔ "الفضل" ۱۷؍ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱-۲۔

۳۔ "الفضل" ۱۸؍ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

۴۔ "الفضل" ۱۷؍ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

خواجہ کا لفظ لکھنے لگے) چند سال قبل احمدیہ سپلائی سٹور کے نام سے قادیان میں ایک کمپنی جاری کی جس کا آخر میں دیوالہ نکال دیا گیا اور کمپنی کے حصہ دار اور کمپنی سے لین دین کرنے والے کئی لوگ شکائتیں لئے نظارت امور عامہ کے پاس گئے[1] اور تحقیقات شروع ہو گئی۔ ابھی یہ معاملہ چل ہی رہا تھا کہ ان صاحب نے بونس کارپوریشن کے نام سے ایک خفیہ کمپنی بنائی اور ملازمت کے خواہشمند لوگوں سے بعض مالی شرائط پر درخواستیں طلب کیں اور منی آرڈر اور درخواستیں بھی ایک دوسرے شخص کے نام پر منگوانے لگے اور خط و کتابت بھی ایک دوسرے شخص کے پتہ پر کرتے رہے۔ نظارت امور عامہ کو جلد ہی اس کمپنی کا پتہ چل گیا اور شکایات کی تحقیق کرنے پر صاف کھل گیا کہ بونس کارپوریشن کا قیام محض حصول زر کے لئے عمل میں لایا گیا ہے۔ غرض ایک سال سے ان صاحب کی بدمعاملگی، نادہندگی اور کوئی جائز معاش پیدا نہ کرنے کی متعدد شکایات موصول ہوئیں۔ تحقیقات سے ان کے ذمہ مطالبات درست ثابت ہوئے اور انہوں نے تحریری وعدے ان کی ادائیگی کے لئے نظارت سے کئے مگر عملاً ان سے کوئی وصولی نہ ہوئی۔ اسی اثناء میں ان کی اہلیہ صاحبہ نے ۲۶ ستمبر ۱۹۳۹ء کو نظارت سے درخواست کی کہ مجھے خرچ کی بہت تنگی رہتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جن کے اخراجات پریشان کرتے رہتے ہیں۔ کوئی معین صورت گذارہ کی نہیں۔ میرے خاوند عرصہ دراز سے بیکار ہیں۔ چاہیئے کہ حضرت امیرالمومنین یا نظارت امور عامہ کی طرف سے انہیں کوئی روزگار کرنے کے لئے کہا جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو یہ میری صحیح امداد ہوگی۔[2]

ان صاحب کو مختلف طریق اور مختلف مواقع پر سمجھایا گیا کہ بیکار رہنے کی عادت اچھی نہیں۔ لیکن ان پر کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی بلکہ اس کا ردعمل یہ ہوا کہ انہوں نے قادیان ہی میں "انجمن اتحاد عالمین"[3] کے نام سے "دعاگوؤں" کی ایک خفیہ انجمن قائم کرلی۔ اور اس کا پتہ ایک غیر معروف گاؤں دتیال ڈاکخانہ سموال براستہ جہلم ظاہر کرنے لگے۔ انجمن کا نام خفیہ رکھا جاتا۔ اور لوگوں کو اپنی خوابیں بتاتے اور ان سے رقمیں اور نذرانے وصول کرکے دعائیں کی جاتیں۔

یہی نہیں۔ اس پارٹی کے ممبر مسجد کے قرب میں ہونے کے باوجود لوگوں کو مسجد میں جانے سے روکتے تھے اور کہتے تھے کہ مسجد میں تو رسمی نمازیں پڑھی جاتی ہیں جن سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اپنی بیٹھک ہی کو مسجد کیوں نہ بنائیں اور یہاں لمبی لمبی نمازیں پڑھ کر خدا تعالےٰ کا قرب حاصل کریں[4]۔ عبدالواحد خاں صاحب (پسر حافظ ملک

---

[1] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ "اہم شہادات" مرتبہ مہتمم نشر و اشاعت نظارت اصلاح و ارشاد ربوہ۔

[2] "الفضل" ۱۵ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵۔

[3] اسی نام کا ایک ٹریکٹ بھی شائع کیا گیا تھا۔

[4] "اہم شہادات" صفحہ ۵ (ناشر مہتمم نشر و اشاعت نظارت اصلاح و ارشاد ربوہ)۔

محمد صاحب پٹیالوی) کا بیان ہے کہ انہی دنوں خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھے بتایا کہ "ہم رات کو اکٹھے ہو کر رات کے ایک بجے تک بعض بعض اوقات ڈھائی بجے تک دعائیں کرتے ہیں۔ ہمیں بڑے بڑے نظارے خدا تعالیٰ دکھاتا ہے۔ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہم صبح کے وقت یا ہر دُور ایک دو میل نکل کر نفل ادا کرتے ہیں، دُعا کرتے ہیں۔ اس لئے آپ آجایا کریں۔ دعاؤں میں شامل ہو جایا کریں۔ یہ جو مسجد میں جا کر نماز ادا کی جاتی ہے یہ تو ایک وقت ضائع کرنے والی بات ہے۔ اصل نماز تو وہی ہے جو انسان بالکل الگ پڑھے . . . . ان الفاظ پر فوراً میرے دل نے یہی گواہی دی کہ یہ شخص تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے خلاف ایک نئی قسم کا دین بناتا ہے"[1]

حضرت امیر المومنینؓ کا پہلا انتباہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں یہ اطلاعات پہنچیں تو حضور نے ۳؍نومبر ۱۹۲۹ء کے خطبہ جمعہ میں انتباہ فرمایا کہ

"مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت میں بعض خواب بینوں نے اپنی خوابوں اور دُعاؤں کو آمد کا ذریعہ بنایا ہوا ہے اور وہ آنوں بہانوں سے لوگوں سے سوال بھی کرتے رہتے ہیں جس شخص کو اللہ تعالیٰ بندوں سے مانگنے پر مقرر کر دیتا ہے وہ تو ایک عذاب ہے۔ ایسے شخص کی خوابیں بھی یقیناً ابتلاء کے ماتحت ہو سکتی ہیں۔ انعام کے طور پر نہیں۔ ہاں یہ جائز ہے کہ دین کے لئے انسان دعا کے پورا ہونے پر خدمت مقرر کرے جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے۔ اپنے نفس کے لئے جائز نہیں اور کامل مومن کی فطرت ہی کے یہ امر خلاف ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی دُعا سُنے اور پھر جس کے حق میں دُعا کی گئی ہے۔ اس کے دل میں تحریک کرے کہ وہ خود اپنی خوشی سے دُعا کرنے والے کی خدمت کرے"[2]

انتباہ کا افسوسناک ردّعمل

اس تنبیہ پر بھی خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب اور ان کے ساتھی اپنی روش پر بدستور قائم رہے۔ اور اس بدعت شنیعہ کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے جب یہ فتنہ بڑھنے لگا تو جماعت احمدیہ کو اس کے اخلاقی، دینی اور مالی نقصانات سے بچانے کے لئے انجمن اتحاد عاملین توڑ دینے کی ہدایت کی گئی۔ ان لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ جس پر ۲ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو قادیان میں اُن کے مقاطعہ کا اعلان کرنا پڑا۔ اعلان کے بعد اس پارٹی نے نظام سلسلہ کے خلاف ضد و تعصب

---

[1] "اہم شہادات" صفحہ ۱۲۔

[2] "الفضل" ۸؍نومبر ۱۹۲۹ء صفحہ ۸ کالم ۲۔

بلکہ باقاعدہ مقابلہ کی صورت اختیار کر لی جس پر یہ لوگ جماعت سے نکال دیئے گئے۔[1]

دُعا گو پارٹی کی نسبت حضرت امیر المومنینؓ کا جلالی خُطبہ

یہ لوگ ابھی پوشیدہ ہی تھے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو ایک خواب میں اس فتنہ کے آغاز اور اس کی ناکامی کا نظارہ دکھا دیا۔ حضور نے یہ پوری خواب ۱۰ ہجرت ۱۳۱۹ ہش کے خطبہ جمعہ میں سُنائی اور نظامِ خلافت کی موجودگی میں ایسی تحریکوں کو سراسر باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا:۔

"یہ خواب جب میں نے دیکھا یہ لوگ ابھی پوشیدہ تھے اور اندر ہی اندر اتحاد عالمین کے نام سے اپنی گدّی بنانے کی سکیمیں بنا رہے تھے۔ ان کے اندر خود پسندی اور خود ستائی تھی اور اپنی ولایت بگھارتے پھرتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے ہم سے دعائیں کراؤ۔[2] حالانکہ خلافت کی موجودگی میں اس قسم کی گدّیوں والی ولایت کے کوئی معنی ہی نہیں۔ جیسے گوریلا وار کبھی جنگ کے زمانہ میں نہیں ہوا کرتی۔ چھاپے اسی وقت مارے جاتے ہیں جب باقاعدہ جنگ کا زمانہ نہ ہو۔ خلفاء کے زمانہ میں اس قسم کے ولی نہیں ہوتے۔ نہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں کوئی ایسا ولی ہوا نہ حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ کے زمانہ میں۔ ہاں جب خلافت نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے ولی کھڑے کئے کہ جو لوگ اُن کے جھنڈے تلے جمع ہو سکیں انہیں جمع کر لیں تا قوم بالکل ہی تتر بتر نہ ہو جائے۔ لیکن جب خلافت قائم ہو اس وقت اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے جب منظم فوج موجود ہو تو گوریلا جنگ نہیں کی جاتی۔ پس خلافت کی موجودگی میں ولایت کا وسوسہ دراصل کبر اور بڑائی ہے۔ اس خواب میں جو سانپ مَیں نے دیکھے ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں اُن میں سے ایک سے مُراد اندرونی فتنہ ہے اور ایک سے بیرونی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں قسم کے فتنے اس وقت مل کر حملہ کر رہے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ دونوں کو دُور کر دے گا اور فرشتوں کے ذریعہ اُن کے ہاتھ بند کر دے گا۔ انسانی ہتھکڑیاں کوئی چیز نہیں اصل وہی ہیں جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے لگائی جائیں۔ حکومتیں کسی کو نظر بند کرتی ہیں تو اس کے ساتھی موجود رہتے ہیں جو اس کی آواز کو پہنچاتے رہتے ہیں۔ لیکن خدا تعالےٰ کسی کو ہتھکڑی لگائے

---

[1] "الفضل" ۱۵ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء۔

[2] یہ صاحب خود لکھتے ہیں کہ "بعض لوگوں نے اپنی خصوصیت جتانے کے لئے یہ نرالا ڈھنگ اختیار کیا ہے کہ اپنی بعض دُعاؤں کی قبولیت اور کچھ خوابوں کی بناء پر عوام کو راغب کر کے انہیں اپنا غلام بنا لیتے ہیں۔" شخص مذکور کا رسالہ "تعلق باللہ" صفحہ ۳، ۴۔

تو اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ اس تحریک کو کامیابی نہیں ہو سکتی"

اس ضمن میں یہ بھی بتایا کہ

"ایسے فتنے دراصل جماعت کی بیداری کے لئے ہوتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں ایک طبقہ ایسا ہے جو احمدیت میں داخلہ کے بعد رُوحانی ترقی کی طرف بہت کم توجہ کرتا ہے۔ وہ اس طرح دُنیا کے کاموں میں لگے رہتے ہیں جس طرح احمدیت میں داخلہ سے پہلے تھے۔ اسلام دنیا کے کاموں سے روکتا نہیں بلکہ اجازت دیتا ہے۔ انبیا بھی یہ کام کرتے رہے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے کام ثابت ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کام ثابت ہیں۔ وہ زراعت بھی کرتے تھے۔ اولیاء اور صحابہ کا کام کرنا بھی ثابت ہے۔ اسلام جس چیز سے منع کرتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اسی کام کا ہو جائے۔ بعض لوگ قادیان میں ہجرت کر کے آتے ہیں۔ مگر یہاں آکر دُنیا کے کاموں میں ہی لگ جاتے ہیں اور دین کا کام بالکل نہیں کرتے . . . . ان کے اندر بیداری پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ایسے فتنے پیدا کرتا رہتا ہے۔ جب کوئی فتنہ اٹھتا ہے تو ایسے کمزور لوگوں میں بھی جوش پیدا ہو جاتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ان مخالفوں کا خوب مقابلہ کرنا چاہیئے۔ خوب تقریریں ہوں اور رسالے لکھے جائیں حالانکہ اگر وہ پہلے ہی تقریروں اور رسالوں کا انتظام کرتے تو وہ فتنہ پیدا ہی نہ ہوتا۔ اور اب بھی اگر وہ اپنی اصلاح کر لیں اور اپنے اندر بیداری پیدا کر لیں تو اللہ تعالےٰ فتنوں کے سلسلہ کو روک سکتا ہے۔ یہ فتنے تو محض جگانے کے لئے ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص نیند سے بیدار نہ ہو تو ہم اسے ہلاتے ہیں۔ پھر بھی ہوش میں نہ آئے تو پانی کا چھینٹا دیتے ہیں۔ اور پھر بھی نہ جاگے تو چارپائی اُلٹا دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ بھی اسی طرح کرتا ہے"

آخر میں حضور نے نصیحت فرمائی کہ

"جماعت کو چاہیئے کہ اپنے اندر بیداری پیدا کرے، تبلیغ میں لگ جائے، نمازوں کی پابند ہو اور ہر لحاظ سے اپنی اصلاح کرے۔ پھر یہ لوگ آپ ہی آپ خاموش ہو جائیں گے۔ ان کی نہ تو علم کے لحاظ سے کوئی حیثیت ہے اور نہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ان کو کوئی تائید یا نصرت حاصل ہے۔ وہ جانتے بھی نہیں کہ تقویٰ[1] کیا ہے۔ ان کو صرف بڑائی[2] کا خیال ہے۔ جماعت کو چاہیئے کہ وہ ان کی باتوں

---

[1] و [2] حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کی یہ فراست حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ یہ صاحب کچھ عرصہ بعد انگلستان چلے گئے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی طرف کوئی دھیان ہی نہ دے۔ وہ آپ ہی آپ جھاگ کی طرح بیٹھ جائیں گے۔ اپنی اصلاح میں لگ جائے دین سیکھنے اور سکھانے کی طرف متوجہ ہو۔ زبان کو پاک رکھا جائے۔ گالی گلوچ نہ کی جائے۔ نمازوں کی پابندی کی جائے۔ کیونکہ ان باتوں کے بغیر خدا تعالیٰ کا فضل حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر جماعت اپنی اصلاح کرے اور تبلیغ میں لگ جائے۔ تو ان لوگوں کے فتنے خود بخود مٹ جائیں گے کیونکہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹ بولنے والا کامیاب نہیں ہو سکتا۔"[1]

ایک نقص کی اصلاح جماعت کے بعض دوستوں میں یہ مرض پیدا ہو رہا تھا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات یا تو سرے سے پڑھتے ہی نہیں تھے اور اگر پڑھتے تھے تو سارے الہامات کو گذرے ہوئے واقعات پر چسپاں کر دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ جماعت احمدیہ ابتلاؤں کے بغیر اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے گی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے ۱۲ ماہ احسان/جون ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو ایک خطبہ جمعہ خاص اسی موضوع پر ارشاد فرمایا جس میں اس خطرناک نقص کی اصلاح کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:-

"ہماری جماعت کے لوگوں میں یہ وہم ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں ہماری جماعت ہمیشہ پھولوں کی سیج پر ترقی کرتی چلی جائے گی . . . . میں اس ناواقفیت اور تجاہل کے متعلق کیا کہوں۔ مجھے ہمیشہ تعجب آتا ہے کہ ہماری جماعت کے دوست اس غلط فہمی میں کیوں مبتلا ہیں۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات سے صاف ظاہر ہے کہ جماعت احمدیہ بڑے بڑے ابتلاؤں میں سے گذرے گی۔ وہ ابتلا سیاسی بھی ہوں گے۔ وہ ابتلا اقتصادی بھی ہوں گے۔ وہ ابتلا مالی بھی ہوں گے۔ وہ ابتلا علمی بھی ہوں گے۔ وہ ابتلا قومی بھی ہوں گے۔ غرض ہر قسم کے ابتلاؤں کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں ہے حکومتوں کی طرف سے تشدد اور جھگڑوں کا بھی ان الہامات میں ذکر ہے۔ اقوام کی طرف سے تشدد اور سختیوں کا بھی ان میں ذکر ہے بعض سیاسی ابتلاؤں کا بھی الہامات میں ذکر ہے۔ بعض ہجرتوں کا بھی ذکر ہے۔ اسی طرح قتلوں اور طرح طرح کے دکھوں سے جماعت احمدیہ کے ستائے جانے کا بھی ذکر ہے۔ لیکن باوجود اس کے کہ میں نے بار بار کہا۔ ہماری جماعت کے دوست حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جہاں انہوں نے شعار اسلامی تک کو خیرباد کہدیا اور ڈاڑھی منڈوا کر اپنے "المسیح الموعود" ہونے کی علامت بنانے لگے اور پھر "خاتم النبیین" ہونے کا دعویٰ کر دیا ("مقام شہادت" صفحہ ۳۸ - "فصل الخطاب" صفحہ ۲۵ مصنفہ خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب)

[1] الفضل ۱۶/ احسان/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۴ تا ۶ ❋

الہامات کو پڑھنے کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اور جو پڑھتے ہیں ان میں یہ مرض ہے کہ وہ سارے الہامات گذرے ہوئے واقعات پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ اور یہ ایک نہایت ہی خطرناک نقص ہے"[1]

صاحبزادی امۃ الودود بیگم صاحبہ کی وفات کا المناک حادثہ

ماہ احسان ۱۳۱۹ ہش (مطابق جون ۱۹۴۰ء) کے آخری عشرہ کی ابتداء میں حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کی لخت جگر صاحبزادی امۃ الودود بیگم صاحبہ کی اچانک وفات کا حادثہ پیش آیا جس نے خاندان مسیح موعودؑ بلکہ پوری جماعت کو سوگوار کر دیا۔

صاحبزادی صاحبہ ۲۰/ جون کی نصف شب تک بظاہر بالکل تندرست تھیں اور چارپائی پر لیٹی ہوئی تھیں کہ یکایک گھبرا کر اٹھیں اور سر درد کی شکایت کی۔ تشنج کا عارضہ بھی لاحق ہو گیا۔ منہ متورم ہو گیا اور بیہوشی طاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد دو دفعہ قے ہوئی۔ ہوش آیا تو سخت سر درد اور سردی کی شکایت کی۔ پھر قے ہوئی جس کے معاً بعد دوبارہ بیہوش ہو گئیں اور ساتھ ہی سانس میں رکاوٹ کی تکلیف ہونے لگی۔ علاج کے لئے حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحبؓ، ڈاکٹر محمد ثناء اللہ صاحب، ڈاکٹر محمد احمد صاحب اور ظفر نور صاحبہ نرس کو بلایا گیا۔[2] بعض ضروری ادویہ کے ٹیکے کئے گئے لیکن سانس اور بیہوشی میں کوئی فرق نہ آیا۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ نے پہلی بار دیکھتے ہی حالت مایوس کن بتلائی اور کہا کہ "یہ موت کا وقت ہے۔ اس بیماری کا کوئی علاج نہیں"[3]

حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ نے صاحبزادی صاحبہ کی شدید تکلیف دیکھ کر حضرت ام المومنینؓ اور سیدنا امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو اطلاع کرائی اور حضور اپنے اہلبیت سمیت فوراً حضرت میاں صاحبؓ کی کوٹھی (واقع محلہ دار الفضل) میں تشریف لے گئے۔ حضور کی موجودگی میں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ نے لمبر پنکچر[4] کیا یعنی ریڑھ کی ہڈی سے پانی نکالنا چاہا تو پانی کی بجائے خون نکلا جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ

---

[1] "الفضل" ۱۸/ احسان/ جون ۱۳۱۹ ہش/ ۱۹۴۰ء صفحہ ۳ کالم ۱ و ۲۔

[2] یہ کوائف "الفضل" ۲۲/ احسان/ جون ۱۳۱۹ ہش/ ۱۹۴۰ء میں شائع شدہ ہیں۔ مگر ڈاکٹر محمد احمد صاحب (ابن حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحبؓ) نے اپنی یہ عینی شہادت لکھی ہے کہ علاج معالجہ کے لئے حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ، والد محترم حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ اور خاکسار ڈاکٹر محمد احمد کو حضرت میاں صاحب کی کوٹھی پر بلایا گیا۔ ہم تینوں ڈاکٹروں کے مشورے سے علاج شروع ہوا۔ (مکتوب بنام مؤلف کتاب "تاریخ احمدیت" محررہ ۲/ ہجرت/ مئی ۱۳۴۷ ہش/ ۱۹۶۸ء)۔

[3] "الفضل" ۲۲/ احسان/ جون ۱۳۱۹ ہش/ ۱۹۴۰ء صفحہ ۱ و "الفضل" ۲۳/ احسان/ جون ۱۳۱۹ ہش/ ۱۹۴۰ء صفحہ ۳ کالم ۱۔

[4] LUMBER PUNCTURE۔ اس موقعہ پر ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے معاون کی خدمت انجام دی۔

دماغ کی رگ پھٹ گئی ہے۔

ڈاکٹر محمد احمد صاحب کا بیان ہے کہ "حضرت میر صاحبؓ نے جب دیکھا کہ خون نکل رہا ہے تو فوراً سُوئی (NEEDLE) کو ہڈی سے باہر نکال دیا اور کمرے سے یہ کہتے ہوئے تشریف لے گئے کہ اس کے بچنے کی اب کوئی امید نہیں ہے۔ مَیں بھی حضرت میر صاحبؓ کے ساتھ باہر کو چلا مگر مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے زور سے آواز دے کر کہا کہ ڈاکٹر محمد احمد اِدھر آؤ اور جب تک مریض کی نبض چل رہی ہے علاج کرتے جاؤ۔ چنانچہ مَیں اپنی سمجھ کے مطابق کچھ انجکشن وغیرہ کرتا رہا" [1]

لیکن خدا کی مشیت پُوری ہوئی اور صاحبزادی صاحبہ ساڑھے تین [2] بجے صبح اس جہان فانی سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہوگئیں۔ فانا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے قلم سے بیماری کے حالات

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ صاحبزادی امۃ الودود صاحبہ کی بیماری کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"کوئی دو بجے کا وقت تھا کہ میری بیوی نے مجھے جگایا اور یہ فقرہ میرے کان میں پڑا کہ" میاں شریف احمد صاحب کی طرف سے اماں جان کے پاس آدمی آیا ہے کہ امۃ الودود کو درد کا دَورہ ہوا ہے اور وہ بیہوش ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر جمع ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس کا آخری وقت ہے۔ مُنہ دیکھنا ہے تو آکر دیکھ لیں" حضرت ام المومنین لاہور تھیں۔ مَیں گھبرا کر اُٹھا اور گو بوجہ بیماری چلنا پھرنا منع تھا۔ مگر ایسے وقت میں بیماری کا خیال کیسے رہ سکتا ہے۔ مَیں انا للّٰہ پڑھتا ہوا اُٹھا۔ اور چونکہ موٹر کوئی موجود نہ تھا۔ ٹانگہ کے لئے آدمی دوڑایا۔ مریم صدیقہ کو جگایا۔ مریم ام طاہر کو اطلاع دی۔ عزیزہ ناصرہ بیگم کو جو امۃ الودود کی بھاوج ہے اور دو دن کے لئے ہمارے گھر آئی ہوئی تھی جگایا۔ اور ٹانگہ میں بیٹھ کر مَیں، ناصرہ سلمہا اللّٰہ تعالےٰ، ام وسیم اور مریم صدیقہ عزیزم میاں شریف احمد صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ مَیں اب تک کی رپورٹ سے یہی سمجھ رہا تھا کہ اپنڈے سائیٹس کا دورہ ہوا ہوگا۔ یا کبھی خیال آتا تھا کہ جوان لڑکیوں کو بعض دفعہ ایام میں ٹھنڈے

---

[1] مکتوب ڈاکٹر محمد احمد صاحب بنام مؤلف کتاب "تاریخ احمدیت" محررہ ۲۷ ہجرت / مئی ۱۳۴۷ہش / ۱۹۶۸ء

[2] "الفضل" ۲۲ احسان / جون ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۱ کالم ۴

پانی کے استعمال سے کچھ روک پیدا ہو کر شدید درد ہو جاتی ہے۔ شاید ایسی ہی کوئی تکلیف ہو۔ مَیں نے احتیاطاً اپنی ہومیوپیتھک دواؤں کا بکس بھی ساتھ لے لیا۔ لیکن جب وہاں پہنچے تو کمرے میں امۃالودود لیٹی ہوئی تھی اور لمبے سانس جن میں بلغم کی خرخراہٹ شامل تھی لے رہی تھی۔ وہ بالکل بیہوش تھی اور آج اس کے "چچا ابا" کی آمد اس کے لئے بالکل کوئی معنے نہ رکھتی تھی۔ باہر ڈاکٹر تھے۔ مَیں نے اُن سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ درد کی رپورٹ غلط تھی۔ اس کے دماغ کی رگ سوتے سوتے پھٹ گئی ہے اور طبّی معلومات کی رُو سے اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ جب حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ رات کو بارہ بجے کے قریب لیٹیں اور تھوڑی دیر بعد کراہنے کی آواز آئی۔ اس کے ابا میاں شریف احمد صاحب نے اس کی آواز سُنی اور اس کے پاس آئے اور دیکھا کہ بیہوش ہے اور تشنّج کے دَورے پڑ رہے ہیں۔ وہ اس کی چارپائی برآمدے میں لائے اور اس وقت اس نے قے کی اور قے کے بعد اس قدر لفظ کہے کہ میرا سر پھٹا جاتا ہے، سر پکڑو اور خود ہاتھ اُٹھا کر سر پکڑ لیا۔ بس یہ ہی اس کی ہوش تھی اور یہ ہی اس کے آخری الفاظ۔ فوراً ڈاکٹروں کو بُلوایا گیا اور انہوں نے جو کچھ وہ کر سکتے تھے کیا۔ مگر ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے شروع ہی سے کہہ دیا تھا کہ یہ موت کا وقت ہے اس بیماری کا کوئی علاج نہیں۔ میرے سامنے لمبر پنکچر کیا گیا تاکہ تشخیص مکمل ہو جائے چنانچہ لمبر پنکچر سے بجائے پانی کے خون نکلا۔ جس سے یہ امر یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ سر کی رگ پھٹ کر دماغ کو خون نے ڈھانک لیا ہے۔ چند منٹ کے بعد سانس رکنے لگا۔ اور میرے آنے کے نصف گھنٹہ بعد یہ بچی ہم سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔"[1]

تجہیز و تکفین ساڑھے چھ بجے شام تابوت اُٹھایا گیا۔ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ اور خاندان مسیح موعودؑ کے دوسرے افراد تابوت کو اُٹھا کر باہر لائے۔ جہاں ایک جمِ غفیر انتظار میں موجود تھا۔ بہت سے لوگوں کو باری باری کندھا دینے کا موقع ملا۔ تابوت باغ میں پہنچا تو قریباً سات بجے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے کئی ہزار کے مجمع سمیت نمازِ جنازہ پڑھائی۔ قبر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار کی چار دیواری میں کھودی گئی تھی۔ نعش حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ، حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ

---

[1] "الفضل" ۲۳ احسان / جون ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ تا ۳۔

اور صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نے قبر میں رکھی۔ تدفین مکمل ہو چکی تو حضور نے اجتماعی دُعا کرائی اور واپس تشریف لے آئے۔[۱]

حضرت امیر المومنینؓ کا مفصّل مضمون امۃ الودود کی یاد میں

صاحبزادی صاحبہ کا انتقال چونکہ ایک جماعتی المیہ تھا اس لئے اس موقعہ پر نہ صرف بزرگان جماعت کی طرف سے متعدد مضامین شائع ہوئے بلکہ خود حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے "امۃ الودود میری بچی" کے عنوان سے ایک مفصل مضمون سپردِ قلم فرمایا۔ جس کے شروع میں لکھا کہ

"سب ہی مرتے چلے آئے ہیں۔ کچھ مَر رہے ہیں اور کچھ مَر جائیں گے۔ اور کچھ پیدا ہوں گے، پھر وہ بھی مریں گے۔ اگلی نسلیں نئے جذبات لے کر آئیں گی۔ ہمارے فانی جذبات ہمارے ساتھ ختم ہوجائیں گے۔ جو موتیں آج ہمارا دل زخمی کرتی ہیں وہ اُن کا ذکر ہنس ہنس کر کریں گے۔ جن موتوں سے وہ ڈر رہے ہوں گے اُن کا خیال کر کے ہمارے دل میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ باوجود ہماری نسلوں میں سے ہونے کے زمانہ کے بُعد کی وجہ سے ہم انہیں نہیں جانتے اور وہ ہم میں سے کئی کو نہ جانیں گے۔ مثلاً اگر خدا تعالیٰ نے میری نسل کو قائم رکھا تو چھٹی ساتویں پشت کے کتنے بچے ہوں گے جو اپنی بڑی پھوپھی امۃ الودود کے نام سے بھی واقف ہوں گے۔ مگر باوجود اس کے کہ وہ چھٹی ساتویں نسل کے بچے میری اپنی نسل سے ہوں گے۔ ان کے غموں اور دکھوں کا احساس مجھے آج کس طرح ہو سکتا ہے اور ان کی خوشیوں میں مَیں کس طرح حصّہ لے سکتا ہوں مگر امۃ الودود جسے ہم پیار سے دُودی کہا کرتے تھے، جو کل ہم سے جدا ہوئی گو میری بھتیجی تھی، مگر ان میری آئندہ نسلوں کے غم اس کے غم کو کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہ ہی قانون ہے کہ زمانہ، رشتہ، اور تعلق یہ تین چیزیں مل کر دلوں میں محبّت کے جذبات پیدا کیا کرتی ہیں۔ پھر اگر ان میں سے کوئی ایک چیز زور پکڑ جائے تو وہ دوسری چیزوں کو دبا دیتی ہے۔ اور جب تینوں جمع ہو جائیں تو جذبات بھی شدید ہو جاتے ہیں۔ دُودی میری بھتیجی تو تھی۔ مگر زمانہ کے قُرب اور تعلق نے اسے میرے دل کے خاص گوشوں میں جگہ دے رکھی تھی۔ بعدکی نسلیں تو الگ رہیں۔ میرے اپنے بچوں میں سے کم ہی ہیں جو مجھے اس کے برابر پیارے تھے۔ . . . ."[۲]

---

[۱] "الفضل" ۲۲ احسان / جون ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔

[۲] " ۲۳ احسان " " صفحہ ۱۔

حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اس تمہید کے بعد اپنے اس قیمتی مضمون کے آخری حصہ میں صاحبزادی صاحبہ کے بچپن اور زمانہ تعلیم کے حالات پر روشنی ڈالی اور پھر اپنی آخری ملاقات کا ذکر نہایت درد انگیز پیرایہ میں کیا چنانچہ تحریر فرمایا کہ

"صحت کی درستی کے بعد اُسے تعلیم کا شوق پیدا ہوا۔ اور وہ برابر تعلیم میں بڑھتی گئی۔ انٹرنس تک تو مجھے خیال رہا کہ یونہی مدرسہ میں جاتی ہے لیکن جب وہ انٹرنس میں اچھے نمبروں پر پاس ہوئی تو مجھے زیادہ توجہ ہوئی اور جب وہ ملتی مَیں اس سے اس کی تعلیم کے متعلق بات کرتا۔ پھر ایف اے میں وہ پاس ہوئی اور مَیں نے زور دیا کہ صدیقہ بیگم اور امۃ الودود بی اے کا امتحان دیں اور دونوں نے تیاری شروع کر دی مگر پہلی دفعہ کامیاب نہ ہوئیں۔ پھر دوسری دفعہ پڑھائی کی۔ پھر بھی کامیاب نہ ہوئیں۔ مَیں نے اصرار کیا کہ امتحان دیتے جاؤ۔ چنانچہ اس دفعہ پھر تیاری کی۔ جب امتحان کے دن قریب آئے۔ عزیزہ کے منجھلے بھائی عزیزم مرزا ظفر احمد بیرسٹر ایٹ لاء اپنی شادی کے لئے قادیان آئے۔ امتحان کے دنوں میں شادی کی تاریخ تھی۔ انہوں نے کہا کہ امتحان نہ دو۔ تم نے پاس تو ہونا نہیں۔ گھر کے اور آدمیوں نے بھی کہا اور اس نے امتحان دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ مجھے معلوم ہوا تو مَیں نے عزیزم میاں شریف احمد صاحب کو کہا کہ یہ ٹھیک نہیں۔ مجھے اس دفعہ ان کے پاس ہونے کی امید ہے۔ اگر صدیقہ پاس ہو گئیں تو امۃ الودود کے لئے اکیلا امتحان دینا مشکل ہو گا چنانچہ انہوں نے جا کر اُسے امتحان کے لئے پھر تیار کر دیا۔ امتحان کے بعد کراچی سے واپس آ کر ایک دن صدیقہ بیگم کو رقعہ لکھا کہ چچا ابا سے کہہ دیں کہ اگر آپ دعا کریں تو مَیں پاس کیوں نہ ہو جاؤں۔ اب کہ انہوں نے خود امتحان دلایا ہے۔ اگر میں پاس نہ ہوئی تو میں نہیں مانوں گی کہ انہوں نے دعا کی ہے۔ مَیں نے کہلا بھیجا کہ مَیں دعا کر رہا ہوں اور اب کے مجھے یقین ہے کہ تم دونوں پاس ہو جاؤ گی اور خدا تعالیٰ نے دونوں کو پاس کر ہی دیا۔ پاس ہونے کے بعد دونوں سہیلیوں نے مبارکباد کا تبادلہ کیا۔ ہفتہ کی شام کو امۃ الودود صدیقہ کو مبارکباد دینے آئی اور اتوار کی صبح کو صدیقہ اُسے مبارکباد دینے گئیں۔ مَیں اس دن بہت بیمار تھا۔ وہ میرے پاس بیٹھ گئی۔ صدیقہ بیگم ساتھ تھیں بعد میں اس کی چھوٹی بہن اور میری بڑی لڑکی اس کی بھاوج بھی آ گئیں۔ مَیں نے کہا۔ وُدی تم پاس نہیں ہوئیں مَیں پاس ہوا ہوں کیونکہ تم تو امتحان کا ارادہ چھوڑ بیٹھی تھیں۔

پھر میں نے کہا کہ پڑھائی کے دن تو اب ختم ہوئے اب کام کا وقت آگیا۔ اب میں تم کو اور صدیقہ کو مضامین کے نوٹ لکھوایا کروں گا اور تم انگریزی میں مضمون تیار کر کے ریویو وغیرہ میں دیا کرو۔ کہنے لگی کہ میں نے تو کبھی مضمون لکھا نہیں۔ چھوٹی آپا کو لکھوایا کریں۔ میں نے کہا تم دونوں ہی نے پہلے مضمون نہیں لکھے۔ اب تم کو کام کرنا چاہیئے۔ کہنے لگی اچھا۔ یہ واقعہ میں نے اس لئے بیان کیا کہ مرحومہ میں یہ خوبی تھی کہ باوجود شرمیلی طبیعت کے جب کوئی مفید کام اُسے کہا جاتا وہ اس پر کاربند ہونے کے لئے تیار ہو جاتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں اپنی لڑکیوں سے کہتا تو ان میں سے اکثر شرم کی وجہ سے انکار پر اصرار کرتیں۔ مگر اُسے جب میں نے دُہرا کر کہا کہ اب تم کو اپنے علم سے دنیا کو فائدہ پہنچانا چاہیئے تو باوجود ناتجربہ کاری اور حیا کے اس نے میری بات کو منظور کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ناصرہ بیگم سلمہا اللہ تعالےٰ نے کہا کہ چھوٹی بچی دودھ کے لئے رو رہی ہوگی میں نے جانا ہے۔ اور ساتھ ہی امۃ الودود بھی اُٹھی۔ میری عادت رہی ہے کہ امۃ القیوم اور امۃ الودود جب پاس سے اٹھا کرتیں تو میں کہا کرتا تھا کہ میری بچی اللہ تمہارا حافظ ہو اور پھر پیار کر کے رخصت کیا کرتا تھا۔ اس دن میں نے یہ الفاظ تو کہے مگر اُٹھ کر اُسے پیار دے کر رخصت نہیں کیا۔ میں نے اس کے چہرہ پر کچھ ملال کے آثار دیکھے اور کہا۔ میں آج بیمار ہوں۔ اُٹھ نہیں سکتا چوتھے دن اسی بیماری کی حالت میں مجھے اس کی بیماری کی وجہ سے جانا پڑا۔ اور میں نے جاتے ہی اس کے ماتھے کو چُوما۔ مگر اب وہ بیہوش تھی۔ اب اس کے چچا ابا کا پیار اس کے لئے خوشی کا موجب نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اسی بیہوشی کی حالت میں وہ فوت ہو گئی۔ ہاں وہ بچی جس نے اپنی ساری عمر علم سیکھنے میں خرچ کر دی اور باوجود شرمیلی طبیعت کے میرے کہنے پر اس پر آمادہ ہو گئی کہ اپنی جنس کی بہتری کے لئے وہ مضمون لکھا کرے گی۔ جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کا منشاء کچھ اَور تھا۔ وہ اسے وہاں لے گیا جہاں باتیں نہیں کی جاتیں جہاں کام کیا جاتا ہے۔ جہاں کوئی کسی انسان کی نصیحت کا محتاج نہیں جہاں صرف اللہ ہی ہر ایک کا ہادی ہوتا ہے۔

امۃ الودود! جب تم اس دنیا میں تھیں میں تمہاری عارضی رخصت پر نہایت محبت سے کہا کرتا تھا۔ جاؤ میری بچی تمہارا اللہ حافظ ہو۔ اب تو تم دیر کے لئے ہم سے جُدا ہو رہی ہو۔ اب تو اس سے بھی زیادہ درد

کے ساتھ میرے دل سے یہ نکل رہا ہے کہ جاؤ میری بچی تمہارا اللہ حافظ ہو۔

نادان کہیں گے۔ دیکھو یہ ایک مُردہ سے باتیں کرتا ہے۔ مگر مُردہ تم نہیں وہ ہے۔ نمازیں پڑھنے والے، اپنے رب سے رو رو کر دعائیں کرنے والے بھی مَرا کرتے ہیں؟ اور تم تو بڑی دعائیں کرنے والی اور دعاؤں پر یقین رکھنے والی بچی تھیں۔ . . . . . تو اے بچی! تُو جو دنیا کی تکلیف کے احساس سے اپنے رب کے آگے رویا کرتی تھی تجھے اللہ تعالیٰ کب موت دے سکتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہماری آوازیں تیرے تک پہنچاتا رہے گا اور تیری آواز ہمارے تک پہنچاتا رہیگا۔ ہماری جُدائی عارضی ہے اور تیری نئی جگہ یقیناً پہلی سے اچھی ہے۔ دنیوی خیالات کے ماتحت تیری اس بے وقت موت کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا تھا کہ ؎

پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

اور میرے دل میں بھی ایک دفعہ یہ شعر آیا۔ مگر جب مَیں نے غور کیا تو یہ شعر تیرے حالات کے بالکل خلاف تھا۔ تُو تو اس باغ میں گئی ہے جس پر کبھی خزاں ہی نہیں آتی۔ حیّ و قیّوم خدا کی جنّاتِ عدن میں مرجھانے کا کیا ذکر۔ اے ہمارے باغ کے غنچے تُو کل سے اللہ تعالیٰ کے باغ کا پھول بن چکا ہے۔ ہمارے دل مُرجھا بھی سکتے ہیں۔ غمگین بھی ہو سکتے ہیں مگر تیرے لئے اب کوئی مُرجھانا نہیں۔ اب تیرا کام یہی ہے کہ ہر روز پہلے سے زیادہ سرسبز ہو، پہلے سے زیادہ پُر رونق ہو۔

جب تیری جان نکلی تو مَیں ایک کونے میں جا کر سجدہ میں گر گیا تھا اور بعد میں بھی وقتاً فوقتاً دُعا کرتا رہا۔ یہانتک کہ تجھے دفن کر کے واپس آئے۔ اور وہ دعا یہ تھی کہ اے اللہ تعالیٰ یہ ناتجربہ کار رُوح تیرے حضور میں آئی ہے۔ تیرے فرشتے اس کے استقبال کو آئیں کہ اُسے تنہائی محسوس نہ ہو۔ اس کے دادا کی رُوح اُسے اپنی گود میں اُٹھالے کہ یہ اپنے آپ کو اجنبیوں میں محسوس نہ کرے محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اس کے سر پر ہو کہ وہ بھی اس کے رُوحانی دادا ہیں۔ اور تیری آنکھوں کے سامنے تیری جنّت میں یہ بڑھے۔ یہاں تک کہ تیری بخشش کی چادر اوڑھے ہوئے ہم بھی وہاں آئیں۔ اور اس کے خوش چہرہ کو دیکھ کر مسرور ہوں۔ اس دُعا کے ساتھ مَیں اب بھی تجھے رخصت کرتا ہوں۔ جا میری بچی تیرا اللہ حافظ ہو ـــــــ اللہ حافظ ہو۔ مرزا محمود احمد"[1]

---

[1] "الفضل" ۲۳ احسان / جون ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۴-۵

نقشہ توسیع احاطہ مزار مبارک حضرت مسیح موعودؑ ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء

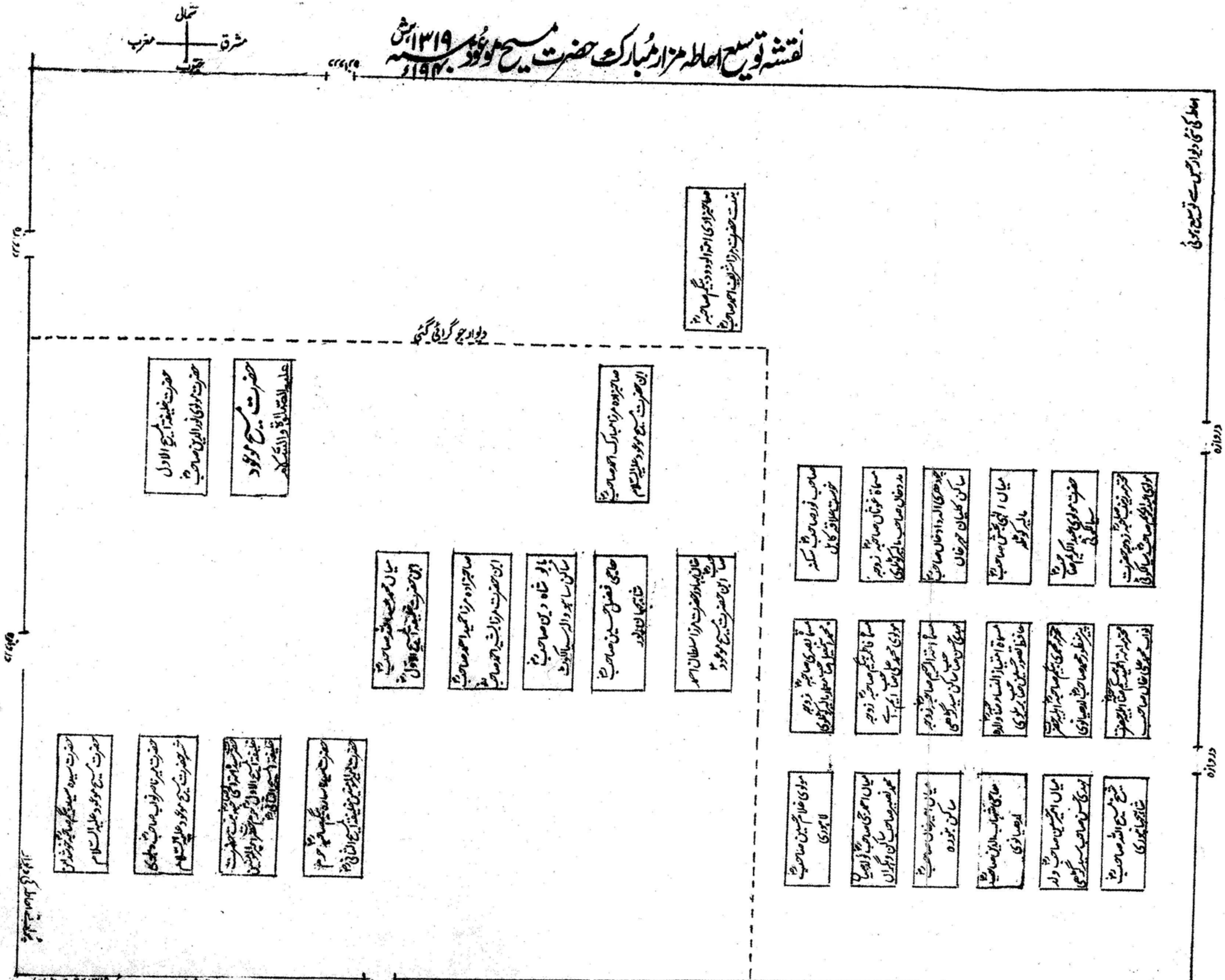

(منقولہ "الفضل" ۲۳ وفا ۱۳۱۹ہش / ۲۳ جولائی ۱۹۴۰ء صفحہ ۴)

حضرت مسیح موعودؑ کے احاطہ مزار مبارک کی توسیع

اس سال کا ایک قابل ذکر کام یہ بھی ہے کہ اس میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احاطہ مزار مبارک کی مشرق اور شمال دونوں طرف توسیع کی گئی۔ قبل ازیں احاطہ میں بارہ قبریں تھیں مگر نئے اضافہ کے نتیجہ میں مزید انیس قبریں اس مقدس حلقہ میں شامل کر دی گئیں۔ باہر دفن ہونے والے موصیوں کے کتبے اُن کے علاوہ تھے۔ یہ توسیع سال کے وسط میں کی گئی تھی۔

حضرت امیر المومنینؓ کی وصیت

کئی ماہ سے بعض احمدیوں کو بذریعہ خواب یہ دکھایا جا رہا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی وفات قریب ہے۔ نیز یہ کہ صدقہ سے یہ تقدیر ٹل بھی سکتی ہے۔

اس پر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے جہاں صدقات کا انتظام فرمایا وہاں ۲۳ وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو اپنے قلم سے مندرجہ ذیل وصیت لکھی جو "الفضل" ۲۵ وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے پہلے صفحہ پر شائع ہوئی۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کیساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

میری وصیت

(حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے قلم سے)

برادران! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

کئی ماہ سے دوستوں کی طرف سے مجھے ایسی خوابوں کی اطلاع آ رہی ہے جس میں میری وفات کی خبر انہیں معلوم ہوئی ہے۔ بعض خوابوں میں یہ ذکر بھی ہے کہ صدقے سے یہ امر ٹل سکتا ہے۔

چونکہ خواب میں جو بات دکھائی جائے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔ مَیں نے ان خوابوں کی بناء پر اس قسم کے صدقات کا بھی انتظام کیا ہے جو بعض لوگوں کو بتائے

گئے ہیں اور عام صدقہ کا بھی انتظام کیا ہے۔ مگر چونکہ آخر ہر انسان نے مرنا ہے مَیں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ تقویٰ، خدا تعالیٰ پر توکّل اور دین کی اشاعت کے لئے اپنے اندر جوش پیدا کریں۔ اور اتحاد جماعت کو کبھی ترک نہ کریں۔ اگر وہ ان باتوں پر قائم رہیں گے۔ اگر قرآن کریم کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں گے۔ اگر وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز پر ہمیشہ کان رکھیں گے اور اُن کے پیغام کا جواب اپنے دلوں سے دیتے ہوئے دنیا تک اُسے پہنچاتے رہیں گے، تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کا حافظ و ناصر رہے گا اور کبھی دشمن ان کو ہلاک نہ کر سکے گا بلکہ ان کا قدم ہمیشہ آگے ہی آگے پڑے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

مَیں یہ بھی اعلان کرتا ہوں کہ میری نیّت ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بغیر وصیت کے مقبرہ بہشتی میں دفن ہونے کا حق دیا ہے اس لئے اس کے شکریہ میں نہ کہ مقبرہ بہشتی کی وصیت کے طور پر اپنی جائداد کا، وہ تھوڑا ہو یا بہت، ایک حصہ ان اغراض کے لئے جو مقبرہ بہشتی کے قیام کی ہیں وقف کر دوں۔ سو اس کے مطابق مَیں اعلان کرتا ہوں کہ میری جائیداد جو بھی قرضہ کی ادائیگی کے بعد بچے اس کی آمد کا دسواں حصہ میرے ورثاء صدر انجمن احمدیہ کے حوالے کر دیا کریں تاکہ وہ اشاعت اسلام کے کام پر خرچ کیا جائے۔ مگر یہ شکریہ بھی کافی نہیں۔ ایک کام جماعت کا اَور بھی ہے جو توجہ کا مستحق ہے اور جس کی طرف سے جماعت کے احباب اکثر غافل رہتے ہیں اور وہ اس کے غرباء ہیں۔ سو مَیں یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ میری جائیداد کا ایک اَور دسواں حصہ (جو قرض کے ادا کرنے کے بعد بچے) غرباء، مساکین، یتامیٰ، اور بیواؤں کے لئے وقف ہوگا۔ پس میری جائیداد کی جو بھی آمد ہو، کم یا زیادہ، اس میں سے دسواں حصہ سلسلہ کے مساکین، غرباء، یتامیٰ اور بیواؤں کی امداد کے لئے خرچ کیا جائے۔ اس رقم کو خرچ کرنے کے لئے مَیں ایک کمیٹی تجویز کرتا ہوں جس میں دو نمائندے میرے ورثاء کی طرف سے ہوں اور ایک خلیفہ وقت کی طرف سے۔ وہ باہمی مشورہ سے مذکورہ بالا مستحقین پر اس رقم کو خرچ کریں۔ اگر کبھی اختلاف ہو تو خلیفۂ وقت کا فیصلہ اس بارہ میں ناطق ہوگا۔ مَیں اپنی اولاد سے امید کرتا ہوں کہ وہ اپنی زندگیوں کو دین کے لئے خرچ کریں گے اور دنیاوی ترقیات کو دین کی ضرورتوں پر قربان کریں گے۔

میرا ارادہ اپنی بقیہ جائیداد کو وقف علی الاولاد کرنے کا ہے جس کے لئے میں الگ قواعد مقرر کرونگا اس صورت میں اگر کسی وقت میری اولاد باقی نہ رہے یا میری جائیداد سے فائدہ نہ اٹھا سکے، تو کل جائیداد یا اس کا کوئی جزو جس پر بھی اس کا اثر ہو وہ سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف ہو جائے گی۔

خدا تعالیٰ ہمارا انجام بخیر کرے اور ہمیں اپنی رضا پر چلنے کی توفیق دے اور ہمارا مرنا جینا اسی کے لئے ہو۔ آمین اللّٰھم آمین،

خاکسار مرزا محمود احمد ۲۳ ماہ وفا ۱۳۱۹ہش" [1]

اس وصیت کا شائع ہونا ہی تھا کہ پوری جماعت میں درد و اضطراب کی ایک زبردست لہر پیدا ہو گئی اور ہر جگہ صدقات اور دعاؤں کا ایک وسیع سلسلہ شروع ہو گیا۔[2] اللہ تعالیٰ نے اپنے کمزور بندوں پر رحم فرمایا اور ان کی دعاؤں اور صدقات کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے تقدیر بدل دی اور حضرت امیر المومنینؓ کو اس کے بعد پچیس ۲۵ سال کی کامیابی و کامرانی سے معمور لمبی عمر جماعت کی قیادت کے لئے عطا فرما دی۔ فالحمد للہ علیٰ احسانہ۔

---

[1] "الفضل" ۲۵ وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء نیز "فاروق" ۲۸ وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء۔

[2] "الفضل" ۷ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲، ۹ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲، ۱۵ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲، ۱۷ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

فصل چہارم

مجلس انصار اللہ کا قیام

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی تحریک اور رہنمائی میں دسمبر ۱۳۰۱ھش / ۱۹۲۲ء[۱] سے عورتوں کی تربیت کے لئے لجنہ اماء اللہ اور جنوری ۱۳۱۷ھش / ۱۹۳۸ء[۲] سے نوجوانوں کی تربیت کے لئے مجلس خدام الاحمدیہ کی تنظیمیں قائم تھیں اور بہت جوش و خروش سے اپنی تربیتی ذمہ داریاں ادا کر رہی تھیں اور ان کی وجہ سے جماعت میں خدمت دین کا ایک خاص ماحول پیدا ہو چکا تھا۔ مگر ایک تیسرا طبقہ ابھی ایسا باقی تھا جو اپنی پختہ کاری ، لمبے تجربہ اور فراست کے اعتبار سے اگرچہ سلسلہ احمدیہ کی بہترین خدمات بجا لا رہا تھا مگر کسی مستقل تنظیم سے وابستہ نہ ہونے کے باعث قوم کی اجتماعی تربیت میں پورا حصہ نہیں لے سکتا تھا۔ حالانکہ اپنی عمر اور اپنے تجربہ کے لحاظ سے قومی تربیت کی ذمہ داری براہ راست اسی طبقہ پر پڑتی تھی۔ علاوہ ازیں خدام الاحمدیہ کے نوجوانوں کے اندر خدمت دین کے جوش کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے بھی ضروری تھا کہ جب جوانی کے زمانہ کی دینی ٹریننگ کا دور ختم ہو اور وہ عمر کے آخری حصہ میں داخل ہوں تو وہ دوبارہ ایک تنظیم ہی کے تحت اپنی زندگی کے بقیہ ایام گزاریں اور زندگی کے آخری سانس تک دین کی نصرت و تائید کے لئے سرگرم عمل رہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کو "مجلس خدام الاحمدیہ" کی بنیاد رکھتے وقت بھی اس اہم ضرورت کا شدید احساس تھا۔ مگر حضور چاہتے یہ تھے کہ پہلے مجلس خدام الاحمدیہ کی رضاکارانہ تنظیم کم از کم قادیان میں اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائے تو بتدریج کوئی نیا عملی قدم اٹھایا جائے۔ چنانچہ دو ڈھائی سال کے بعد جبکہ یہ مجلس حضور کی تجویز فرمودہ لائنوں پر چل نکلی اور نوجوانوں نے رضاکارانہ طور پر حضور کے منشاء مبارک کے مطابق کام کرنے کی پوری طرح اہلیت ثابت کر دکھایا تو حضور نے ۲۶ وفا / جولائی ۱۳۱۹ھش / ۱۹۴۰ء کو اعلان فرمایا کہ:-

"آج سے قادیان میں خدام الاحمدیہ کا کام طوعی نہیں بلکہ جبری ہوگا۔ ہر وہ احمدی جس کی پندرہ سے

۱؎ تفصیل "تاریخ احمدیت" جلد پنجم صفحہ ۳۱۳ تا ۳۲۱ میں گزر چکی ہے۔

۲؎ دیکھئے "تاریخ احمدیت" جلد ہشتم صفحہ ۴۴۵ تا ۴۸۰۔

چالیس سال تک عمر ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پندرہ دن کے اندر اندر خدام الاحمدیہ میں اپنا نام لکھا دے" [1] اور خدام الاحمدیہ کو یہ ارشاد فرمایا کہ

"ایک مہینہ کے اندر اندر خدام الاحمدیہ آٹھ سے پندرہ سال کی عمر تک کے بچوں کو منظم کریں۔ اور اطفال احمدیہ کے نام سے ان کی ایک جماعت بنائی جائے اور میرے ساتھ مشورہ کر کے ان کے لئے مناسب پروگرام تجویز کیا جائے۔"

اس اعلان کے ساتھ ہی حضور نے چالیس سال سے اوپر کے احمدیوں کی ایک مستقل تنظیم کی بنیاد رکھی، جس کا نام "مجلس انصار اللہ" تجویز فرمایا۔ اور فی الحال قادیان میں رہنے والے اس عمر کے تمام احمدیوں کی شمولیت اس میں لازمی اور ضروری قرار دی۔ انصار اللہ کی تنظیم کا عارضی پریذیڈنٹ مولوی شیر علی صاحبؓ کو نامزد فرمایا اور ان کی اعانت کے لئے مندرجہ ذیل تین سکرٹری مقرر فرمائے :-

۱۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحبؓ درد ایم اے،
۲۔ حضرت چودھری فتح محمد صاحبؓ سیال ایم اے
۳۔ حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب [2]

اس موقعہ پر حضرت امیر المؤمنین نے مجلس انصار اللہ کی نسبت بعض بنیادی ہدایات بھی دیں جن کا تذکرہ حضور ہی کے الفاظ میں کیا جانا چاہیئے۔ حضور نے فرمایا :-

"چالیس سال سے اُوپر عمر والے جس قدر آدمی ہیں وہ انصار اللہ کے نام سے اپنی ایک انجمن بنائیں اور قادیان کے وہ تمام لوگ جو چالیس سال سے اُوپر ہیں اس میں شریک ہوں۔ ان کے لئے بھی لازمی ہوگا کہ وہ روزانہ آدھ گھنٹہ خدمتِ دین کے لئے وقف کریں۔ اگر مناسب سمجھا گیا۔ تو بعض لوگوں سے روزانہ آدھ گھنٹہ لینے کی بجائے مہینہ میں ۳ دن یا کم وبیش اکٹھے بھی لئے جا سکتے ہیں۔ مگر بہر حال تمام بچوں بوڑھوں اور نوجوانوں کا بغیر کسی استثنا کے قادیان میں منظم ہوجانا لازمی ہے۔

مجلس انصار اللہ کے عارضی پریذیڈنٹ مولوی شیر علی صاحب ہوں گے اور سکرٹری کے فرائض سرانجام دینے کے لئے میں مولوی عبدالرحیم صاحب درد، چودھری فتح محمد صاحب اور

---

[1] "الفضل" یکم ظہور / اگست ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۶ کالم ۳
[2] " " " " صفحہ ۷ کالم ۲

خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب کو مقرر کرتا ہوں۔ تین سکرٹری میں نے اس لئے مقرر کئے ہیں کہ مختلف محلوں میں کام کرنے کے لئے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے ان کو فوراً قادیان کے مختلف حصوں میں اپنے آدمی بٹھا دینے چاہئیں اور چالیس سال سے اُوپر عمر رکھنے والے تمام لوگوں کو اپنے اندر شامل کرنا چاہیئے۔ یہ بھی دیکھ لینا چاہیئے کہ لوگوں کو کس قسم کے کام میں سہولت ہو سکتی ہے۔ اور جو شخص جس کام کے لئے موزوں ہو اس کے لئے اس سے نصف گھنٹہ روزانہ کام لیا جائے۔ یہ نصف گھنٹہ کم سے کم وقت ہے اور ضرورت پر اس سے بھی زیادہ وقت لیا جا سکتا ہے۔ یا یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ کسی سے روزانہ آدھ گھنٹہ لینے کی بجائے مہینہ میں دو چار دن لے لئے جائیں جس دن وہ اپنے آپ کو منظم کر لیں اسی دن میری منظوری سے نیا پریذیڈنٹ اور نئے سکرٹری مقرر کئے جا سکتے ہیں۔ سر دست میں نے جن لوگوں کو اس کام کے لئے مقرر کیا ہے وہ عارضی انتظام ہے اور اس وقت تک کے لئے ہے جب تک سب لوگ منظم نہ ہو جائیں۔ جب منظم ہو جائیں تو وہ چاہیں تو کسی اور کو پریذیڈنٹ اور سکرٹری بنا سکتے ہیں مگر میری منظوری اس کے لئے ضروری ہوگی۔ میرا ان دونوں مجلسوں سے ایسا ہی تعلق ہوگا جیسا مربی کا تعلق ہوتا ہے اور ان کے کام کی آخری نگرانی میرے ذمہ ہوگی یا جو بھی خلیفہ وقت ہو۔ میرا اختیار ہوگا کہ جب بھی مناسب سمجھوں ان دونوں مجلسوں کا اجلاس اپنی صدارت میں بُلا لوں اور اپنی موجودگی میں ان کو اپنا اجلاس منعقد کرنے کے لئے کہوں۔

یہ اعلان پہلے صرف قادیان والوں کیلئے ہے اس لئے ان کو میں پھر متنبہ کرتا ہوں کہ کوئی فرد اپنی مرضی سے ان مجالس سے باہر نہیں رہ سکتا۔ سوائے اس کے جو اپنی مرضی سے ہمیں چھوڑ کر الگ ہو جانا چاہتا ہو۔ ہر شخص کو حکماً اس تنظیم میں شامل ہونا پڑے گا۔ اور اس تنظیم کے ذریعہ علاوہ اور کاموں کے اس امر کی بھی نگرانی رکھی جائے گی کہ کوئی شخص ایسا نہ رہے جو مسجد میں

نماز باجماعت پڑھنے کا پابند نہ ہو

سوائے ان زمینداروں کے جنہیں کھیتوں میں کام کرنا پڑتا ہے۔ یا سوائے ان مزدوروں کے جنہیں کام کے لئے باہر جانا پڑتا ہے۔ گو ایسے لوگوں کے لئے بھی میرے نزدیک کوئی نہ کوئی ایسا انتظام ضرور ہونا چاہیئے جس کے ماتحت وہ اپنی قریب ترین مسجد میں نماز باجماعت پڑھ سکیں۔

اس کے ساتھ ہی مَیں بیرونی جماعتوں کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ خدام الاحمدیہ کی مجالس تو اکثر جگہ قائم ہی ہیں۔ اب انہیں ہر جگہ چالیس سال سے زائد عمر والوں کے لئے مجالس انصار اللہ قائم کرنی چاہئیں۔ ان مجالس کے وہی قواعد ہوں گے جو قادیان میں مجلس انصار اللہ کے قواعد ہوں گے۔ مگر سر دست باہر کی جماعتوں میں داخلہ فرض کے طور پر نہیں ہوگا۔ بلکہ ان مجالس میں شامل ہونا ان کی مرضی پر موقوف ہوگا۔ لیکن جو پریذیڈنٹ یا امیر یا سکرٹری ہیں ان کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ کسی نہ کسی مجلس میں شامل ہوں۔ کوئی امیر نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی عمر کے لحاظ سے انصار اللہ یا خدام الاحمدیہ کا ممبر نہ ہو۔ کوئی پریذیڈنٹ نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی عمر کے لحاظ سے انصار اللہ یا خدام الاحمدیہ کا ممبر نہ ہو۔ اور کوئی سکرٹری نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی عمر کے لحاظ سے انصار اللہ یا خدام الاحمدیہ کا ممبر نہ ہو۔ اگر اس کی عمر پندرہ سال سے اوپر اور چالیس سال سے کم ہے تو اس کیلئے خدام الاحمدیہ کا ممبر ہونا ضروری ہوگا اور اگر وہ چالیس سال سے اوپر ہے تو اس کیلئے انصار اللہ کا ممبر ہونا ضروری ہوگا۔ اس طرح ڈیڑھ سال تک دیکھنے کے بعد خدا نے چاہا تو آہستہ آہستہ باہر بھی ان مجالس میں شامل ہونا لازمی کر دیا جائیگا۔ کیونکہ احمدیت صحابہ کے نقش قدم پر ہے صحابہ سے جب جہاد کا کام لیا جاتا تھا تو ان کی مرضی کے مطابق نہیں لیا جاتا تھا بلکہ کہا جاتا تھا کہ جاؤ کام کرو۔ مرضی کے مطابق کام کرنے کا مَیں نے جو موقعہ دینا تھا وہ قادیان کی جماعت کو مَیں دے چکا ہوں اور جنہوں نے ثواب حاصل کرنا تھا انہوں نے ثواب حاصل کر لیا ہے۔ اب پندرہ سے چالیس سال تک کی عمر والوں کے لئے خدام الاحمدیہ میں شامل ہونا لازمی ہے۔ اور اس لحاظ سے اب وہ ثواب نہیں رہا جو طوعی طور پر کام کرنے کے نتیجے میں ہوسکتا تھا۔ بیشک خدمت کا اب بھی ثواب ہوگا لیکن جو طوعی طور پر داخل ہوئے اور وفا کا نمونہ دکھایا وہ سابق بن گئے۔ البتہ

انصار اللہ کی مجلس

چونکہ اس شکل میں پہلے قائم نہیں ہوئی اور نہ کسی نے میرے کسی حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لئے اس میں جو بھی شامل ہوگا اُسے وہی ثواب ہوگا جو طوعی طور پر نیک تحریکات میں شامل ہونے والوں کو ہوتا ہے۔"[1]

---

[1] "الفضل" یکم ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش ۱۹۴۰ء صفحہ ۷-۸

مجلس انصار اللہ اور دوسری مجالس کے بنیادی اغراض و مقاصد

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے پیش نظر مجلس انصار اللہ اور دوسری تنظیموں کے قیام کا مقصد کیا تھا اور حضور کی ان سے کیا توقعات وابستہ تھیں؟ اس کی وضاحت خود حضور ہی کے الفاظ میں کیا جانا مناسب ہے۔ حضور فرماتے ہیں:-

"مَیں نے انصار اللہ، خدام الاحمدیہ اور اطفال احمدیہ تین الگ الگ جماعتیں قائم کی ہیں تا کہ نیک کاموں میں ایک دوسرے کی نقل کا مادہ جماعت میں زیادہ سے زیادہ پیدا ہو۔ بچے بچوں کی نقل کریں، نوجوان نوجوانوں کی نقل کریں اور بوڑھے بوڑھوں کی نقل کریں جب بچے اور نوجوان اور بوڑھے سب اپنی اپنی جگہ یہ دیکھیں گے کہ ہمارے ہم عمر دین کے متعلق رغبت رکھتے ہیں وہ اسلام کی اشاعت کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اسلامی مسائل کو سیکھنے اور ان کو دنیا میں پھیلانے میں مشغول ہیں۔ وہ نیک کاموں کی بجا آوری میں ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لیتے ہیں تو اُن کے دلوں میں بھی یہ شوق پیدا ہوگا کہ ہم بھی ان نیک کاموں میں حصہ لیں اور اپنے ہم عمروں سے آگے نکلنے کی کوشش کریں۔ دوسرے وہ جو رقابت کی وجہ سے عام طور پر دلوں میں غصہ پیدا ہوتا ہے وہ بھی پیدا نہیں ہوگا جب بوڑھا بوڑھے کو نصیحت کرے گا، نوجوان نوجوان کو نصیحت کرے گا اور بچہ بچے کو نصیحت کرے گا تو کسی کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہوگا کہ مجھے کوئی ایسا شخص نصیحت کر رہا ہے جو عمر میں مجھ سے چھوٹا یا عمر میں مجھ سے بہت بڑا ہے۔ وہ سمجھے گا کہ میرا ایک ہم عمر جو میرے جیسے خیالات اور میرے جیسے جذبات اپنے اندر رکھتا ہے مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے اور اس وجہ سے اس کے دل پر نصیحت کا خاص طور پر اثر ہوگا اور وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ مگر یہ تغیر اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جب جماعت میں یہ نظام پورے طور پر رائج ہو جائے . . . . . ہماری جماعت کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے کہ ہم نے تمام دنیا کی اصلاح کرنی ہے۔ تمام دنیا کو اللہ تعالیٰ کے آستانہ پر جھکانا ہے۔ تمام دنیا کو اسلام اور احمدیت میں داخل کرنا ہے۔ تمام دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کو قائم کرنا ہے۔ مگر یہ عظیم الشان کام اس وقت تک سرانجام نہیں دیا جا سکتا، جب تک ہماری جماعت کے تمام افراد خواہ بچے ہوں یا نوجوان ہوں یا بوڑھے ہوں، اپنی

اندرونی تنظیم کو مکمل نہیں کر لیتے اور اس لائحہ عمل کے مطابق دن اور رات عمل نہیں کرتے۔ جو اُن کے لئے تجویز کیا گیا ہے . . . . جب ہم تمام جماعت کے افراد کو ایک نظام میں منسلک کر لیں گے تو اس کے بعد ہم بیرونی دنیا کی اصلاح کی طرف کامل طور پر توجہ کر سکیں گے اس اندرونی اصلاح اور تنظیم کو مکمل کرنے کے لئے میں نے خدام الاحمدیہ، انصاراللہ اور اطفال احمدیہ تین جماعتیں قائم کی ہیں اور یہ تینوں اپنے اس مقصد میں جو اُن کے قیام کا اصل باعث ہے اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہیں جب انصاراللہ، خدام الاحمدیہ اور اطفال احمدیہ اس اصل کو اپنے مدنظر رکھیں جو حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهٗ میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ ہر شخص اپنے فرض کو سمجھے اور پھر رات اور دن اس فرض کی ادائیگی میں اس طرح مصروف ہو جائے جس طرح ایک پاگل اور مجنون تمام اطراف سے اپنی توجہ کو ہٹا کر صرف ایک بات کے لئے اپنے تمام اوقات کو صرف کر دیتا ہے۔ جب تک رات اور دن انصاراللہ اپنے کام میں نہیں لگے رہتے جب تک رات اور دن خدام الاحمدیہ اپنے کام میں نہیں لگے رہتے جب تک، رات اور دن اطفال الاحمدیہ اپنے کام میں نہیں لگے رہتے اور اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے تمام اوقات کو صرف نہیں کر دیتے اُس وقت تک ہم اپنی اندرونی تنظیم مکمل نہیں کر سکتے اور جب تک ہم اپنی اندرونی تنظیم کو مکمل نہیں کر لیتے اس وقت تک ہم بیرونی دنیا کی اصلاح اور اس کی خرابیوں کے ازالہ کی طرف بھی پوری طرح توجہ نہیں کر سکتے۔“[۵۱]

”سلسلہ کے رُوحانی بقاء کے لئے مَیں نے خدام الاحمدیہ، انصاراللہ اور لجنہ اماءاللہ کی تحریکات جاری کی ہوئی ہیں اور یہ تینوں نہایت ضروری ہیں . . . . ان تحریکات کو معمولی نہ سمجھیں۔ اس زمانہ میں ایسے حالات پیدا ہو چکے ہیں کہ یہ بہت ضروری ہیں۔ پرانے زمانہ میں اَور بات تھی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں آپؐ کی ٹریننگ سے ہزاروں استاد پیدا ہو گئے تھے جو خود بخود دوسروں کو دین سکھاتے تھے اور دوسرے شوق سے سیکھتے تھے۔ مگر اب حالات ایسے ہیں کہ جب تک دو دو تین تین آدمیوں کی علیحدہ علیحدہ نگرانی کا انتظام نہ کیا جائے کام نہیں ہو سکتا۔

ہمیں اپنے اندر ایسی خوبیاں پیدا کرنی چاہئیں کہ دوسرے ان کا اقرار کرنے پر مجبور ہوں

۵۱؎ ”الفضل“ ۱۱ر اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء

اور پھر تعداد بھی بڑھانی چاہیئے۔ اگر گلاب کا ایک ہی پھول ہو اور وہ دوسرا پیدا نہ کر سکے تو اس کی خوبصورتی سے دُنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ فتح تو آئندہ زمانہ میں ہونی ہے اور معلوم نہیں کب ہو۔ لیکن ہمیں کم سے کم اتنا تو اطمینان ہو جانا چاہیئے کہ ہم نے اپنے آپ کو ایسی خوبصورتی کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے کہ دُنیا احمدیت کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ احمدیت کو دنیا میں پھیلا دینا ہمارے اختیار کی بات نہیں۔ لیکن ہم اپنی زندگیوں کا نقشہ ایسا خوبصورت بنا سکتے ہیں کہ دنیا کے لوگ بظاہر اس کا اقرار کریں یا نہ کریں مگر ان کے دل احمدیت کی خوبی کے معترف ہو جائیں اور اس کے لئے جماعت کے سب طبقات کی تنظیم نہایت ضروری ہے۔" [۱]

ایک اور موقعہ پر فرمایا:۔

"عوام سُست ہوں تو حکّام ان پر نگرانی کے لئے موجود ہوتے ہیں اور حکّام سست ہوں تو عوام ان پر نگرانی کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ اسی نکتہ کو مدنظر رکھ کر مَیں نے جماعت میں خدام خلق اور انصاراللہ دو الگ الگ جماعتیں، قائم کیں۔ کیونکہ مَیں سمجھتا ہوں ایسا ہو سکتا ہے کہ کبھی "حکومت" کے افراد سُست ہو جائیں اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کبھی عوام سُست ہو جائیں۔ عوام کی غفلت اور اُن کی نیند کو دُور کرنے کے لئے جماعت میں ناظر وغیرہ موجود تھے۔ مگر چونکہ ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ کبھی ناظر سُست ہو جائیں اور وہ اپنے فرائض کو کماحقہٗ ادا نہ کریں۔ اس لئے اُن کی بیداری کے لئے بھی کوئی نہ کوئی جماعتی نظام ہونا چاہیئے تھا جو اُن کی غفلت کو دور کرتا اور اس غفلت کا بدل جماعت کو مہیا کرنے والا ہوتا۔ چنانچہ خدام الاحمدیہ اور انصاراللہ اور لجنہ اماء اللہ اسی نظام کی دو کڑیاں ہیں اور ان کو اسی لئے قائم کیا گیا ہے تاکہ وہ نظام کو بیدار رکھنے کا باعث ہوں۔ مَیں سمجھتا ہوں اگر عوام اور حکام دونوں اپنے اپنے فرائض کو سمجھیں تو جماعتی ترقی کے لئے خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ ایک نہایت ہی مفید اور خوشکن لائحہ عمل ہوگا۔ اگر ایک طرف نظارتیں جو نظام کی قائم مقام ہیں، عوام کو بیدار کرتی رہیں اور دوسری طرف خدام الاحمدیہ اور انصاراللہ اور لجنہ اماء اللہ جو عوام کے قائمقام ہیں نظام کو بیدار کرتے رہیں تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کسی وقت جماعت کُلّی طور پر گر جائے اور اس کا قدم ترقی کی طرف اُٹھنے سے رُک جائے۔ جب بھی ایک غافل ہوگا دوسرا اُسے جگانے کے لئے تیار ہوگا۔ جب بھی ایک سُست ہوگا دوسرا اُسے ہوشیار کرنے کے لئے آگے نکل آئے گا کیونکہ

---

[۱] الفضل یکم اپریل ۱۹۴۵ء (امان ۱۳۲۴ ہش) صفحہ ۲ کالم ۱، ۲ (تقریر حضرت مصلح موعودؓ بر موقعہ جلسہ سالانہ ۱۳۲۱ ہش۔

وہ دونوں ایک ایک حصہ کے نمائندہ ہیں۔" ۵۱

نیز فرمایا:۔

" انصاراللہ کا وجود اپنی جگہ نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ تجربہ جو قیمت رکھتا ہے وہ اپنی ذات میں بہت اہم ہوتی ہے۔ اسی طرح امنگ اور جوش جو قیمت رکھتا ہے وہ اپنی ذات میں بہت اہم ہوتی ہے۔ خدام الاحمدیہ نمائندے ہیں جوش اور امنگ کے، اور انصاراللہ نمائندے ہیں تجربہ اور حکمت کے، اور جوش اور امنگ اور تجربہ اور حکمت کے بغیر کبھی کوئی قوم کامیاب نہیں ہو سکتی" ۵۲

اسی سلسلہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا:۔

" میری غرض انصاراللہ اور خدام الاحمدیہ کی تنظیم سے یہ ہے کہ عمارت کی چاروں دیواروں کو میں مکمل کر دوں۔ ایک دیوار انصاراللہ ہیں، دوسری دیوار خدام الاحمدیہ ہیں اور تیسری دیوار اطفال الاحمدیہ ہیں اور چوتھی دیوار لجنات اماء اللہ ہیں۔ اگر یہ چاروں دیواریں ایک دوسری سے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تو یہ لازمی بات ہے کہ کوئی عمارت کھڑی نہیں ہو سکے گی۔ عمارت اس وقت مکمل ہوتی ہے جب اس کی چاروں دیواریں آپس میں جڑی ہوئی ہوں۔ اگر علیحدہ علیحدہ ہوں تو وہ چار دیواریں ایک دیوار جتنی قیمت بھی نہیں رکھتیں۔ کیونکہ اگر ایک دیوار ہو تو اس کے ساتھ ستون کھڑے کر کے چھت ڈالی جا سکتی ہے لیکن اگر ہوں تو چاروں دیواریں، لیکن چاروں علیحدہ علیحدہ کھڑی ہوں تو ان پر چھت نہیں ڈالی جا سکے گی۔ اور اگر اپنی حماقت کی وجہ سے کوئی شخص چھت ڈالے گا تو وہ گر جائے گی۔ کیونکہ کوئی دیوار کسی طرف ہو گی اور کوئی دیوار کسی طرف۔ ایسی حالت میں ایک دیوار کا ہونا زیادہ مفید ہوتا ہے بجائے اس کے کہ چار دیواریں ہوں اور چاروں علیحدہ علیحدہ ہوں۔

پس خدام الاحمدیہ اور انصاراللہ دونوں کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ انہیں اپنے آپ کو تفرقہ اور شقاق کا موجب نہیں بنانا چاہیئے۔ اگر کسی حصہ میں شقاق پیدا ہوا تو خدا تعالیٰ کے سامنے تو وہ جوابدہ ہوں گے ہی میرے سامنے بھی جوابدہ ہوں گے یا جو بھی امام ہو گا اس کے سامنے انہیں جوابدہ ہونا پڑے گا۔ کیونکہ ہم نے یہ مواقع ثواب حاصل کرنے کے لئے مہیا کئے ہیں اس لئے مہیا نہیں کئے کہ جماعت

---

۵۱ "الفضل" ۱۷ نبوت / نومبر ۱۳۲۲ ہش ۱۹۴۳ء صفحہ ۳ کالم ۳-۴

۵۲ "الفضل" ۳۰ وفا / جولائی ۱۳۲۴ ہش ۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۴

کو جو طاقت پہلے سے حاصل ہے اس کو بھی ضائع کر دیا جائے" [1]

انصار اللہ کی حیثیت جماعتی نظام میں

انصار اللہ کی حیثیت جماعتی نظام میں کیا ہے؟ اس کی وضاحت بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے مجلس کی بنیاد کے زمانہ میں فرمادی تھی۔ چنانچہ فرمایا:۔

"انصار اللہ گو تنظیم کے لحاظ سے علیحدہ ہیں مگر بہر حال وہ لوکل انجمن کا ایک حصہ ہیں۔ ان کو بھی کوئی پریذیڈنٹ بحیثیت جماعت حکم نہیں دے سکتا۔ ہاں فرداً فرداً وہ انصار اللہ کے ہر ممبر کو اپنی مدد کے لئے بُلا سکتا ہے اور انصار اللہ کا فرض ہے کہ وہ لوکل انجمن کے ہر پریذیڈنٹ کے ساتھ پورے طور پر تعاون کریں۔ بہر حال کوئی پریذیڈنٹ انصار اللہ کو بحیثیت انصار اللہ یا خدام الاحمدیہ کو بحیثیت خدام الاحمدیہ کسی کام کا حکم نہیں دے سکتا۔ وہ یہ تو کہہ سکتا ہے کہ چونکہ تم احمدی ہو اس لئے آؤ، اور فلاں کام کرو۔ مگر وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ آؤ انصار یہ کام کرو یا آؤ خدام یہ کام کرو۔ خدام کو خدام کا زعیم مخاطب کر سکتا ہے اور انصار کو انصار کا زعیم مخاطب کر سکتا ہے۔ مگر چونکہ لوکل انجمن ان دونوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ انصار بھی اس میں شامل ہوتے ہیں اور خدام بھی اس میں شامل ہوتے ہیں اس لئے گو وہ بحیثیت جماعت خدام اور انصار کو کوئی حکم نہ دے سکے مگر وہ ہر خادم اور انصار اللہ کے ہر ممبر کو ایک احمدی کی حیثیت سے بُلا سکتا ہے اور خدام اور انصار دونوں کا فرض ہے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں۔" [2]

مجلس انصار اللہ کا پہلا دَور
وفا ۱۳۱۹ہش / جولائی ۱۹۴۰ء تا فتح ۱۳۲۱ہش / دسمبر ۱۹۴۲ء

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی ہدایات و ارشادات کی روشنی میں مجلس انصار اللہ کی تنظیم قائم کرنے اور اس کے لئے ابتدائی طریق کار تجویز کرنے اور ڈھانچہ بنانے کے لئے ۲۷ وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو مسجد مبارک قادیان میں صبح ساڑھے نو بجے ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ، آپ کے تینوں سکرٹری (حضرت مولوی عبدالرحیم صاحبؓ درد، حضرت چودھری فتح محمد صاحبؓ سیال اور خانصاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ) شامل ہوئے اور حسب ذیل فیصلے کئے گئے:۔

---

[1] "الفضل" ۳۰ وفا/جولائی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۱، ۲۔

[2] " " " صفحہ ۴ کالم ۳۔

۱۔ قادیان کے انصار کی مردم شماری اور تجنید کے لئے دو ہزار فارم چھپوا لیا جائے۔ فارم کا نمونہ حسب ذیل منظور کیا گیا:۔

نمبر شمار۔ نام۔ ولدیت۔ عمر۔ تعلیم۔ تربیت۔ پتہ۔ تاریخ

(حاشیہ) سابق سکونت۔ تاریخ ہجرت (اُن لوگوں کی جو ۱۹۳۰ء کے بعد قادیان آئے)

۲۔ قادیان کو تین حلقوں میں تقسیم کر کے ان کی نگرانی کا کام مندرجہ ذیل طریق سے تینوں سکرٹریوں کے سپرد کیا گیا:۔

نام	حلقہ
حضرت چودھری فتح محمد صاحبؓ سیال	دارالسعتہ مع کھارا، دارالبرکات مع بھینی دارالانوار مع قادر آباد
حضرت مولوی عبدالرحیم صاحبؓ درد	مسجد مبارک، مسجد اقصیٰ، مسجد فضل مع دارالصحت، ناصر آباد مع ننگل
حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب	دارالرحمت، دارالعلوم مع احمد آباد، دارالفضل دارالفتوح

(۳۰؍اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو بعض مشکلات کی وجہ کھارا، بھینی اور ننگل کے احباب انصاراللہ کی ہدایات کی پابندیوں سے ایک سال کے لئے مستثنیٰ کر دیئے گئے تھے)

اس اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ ہر حلقہ میں سکرٹریان اپنے معاون خود مقرر کر لیں گے۔[1]

اس پہلے اجلاس کے بعد قادیان کے محلوں میں انصاراللہ کی تنظیم کا عملی دور شروع ہو گیا۔ ۲؍ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو فیصلہ کیا گیا کہ ہر محلہ میں انصاراللہ کے دس دس افراد کے گروپ بنائے جائیں اور ہر ایک گروپ کا ایک ایک لیڈر ہو۔ اسی دن کے اجلاس میں شرح چندہ کم از کم ایک آنہ ماہوار رکھی گئی اور قرار پایا کہ جو دوست ایک آنہ ماہوار بھی نہ دے سکیں اُن کو تخفیف یا معافی دینا سکرٹری حلقہ کے اختیار میں ہوگا۔

چندہ کی فراہمی کا کام ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء سے شروع ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی انجمن انصاراللہ کے نام سے خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں امانت کا حساب کھولا گیا۔ جس کا لین دین صدر مجلس انصاراللہ کے

[1] ریکارڈ مجلس انصاراللہ۔

دستخطوں سے ہوتا تھا چندہ کی ایک ایک آنہ کی رسیدیں دینے کی بجائے اس کے ریکارڈ کا یہ محتاط طریق اختیار کیا گیا کہ جو چندہ جمع کیا جاتا وہ فوراً چندہ دینے والے کے سامنے اور اسے دکھلا کر رجسٹر میں درج کر دیا جاتا اور وصول شدہ چندہ کی ایک فہرست ہر محلہ کی مسجد میں کسی کی زیر نگرانی نمازوں کے وقت آویزاں کر دی جاتی۔

ماہ نبوت/نومبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں مجلس انصاراللہ کی تنظیم کو مضبوط تر بنانے کے لئے ہر محلہ میں حلقہ کے سکرٹری کے تحت ایک زعیم مقرر کیا گیا جو سکرٹری حلقہ کے سامنے ہر قسم کے کام کی نگرانی کا ذمہ دار تھا اور سیکرٹری حلقہ کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی سے مندرجہ ذیل چھ عہدیدار بطور معاون اپنے حلقہ میں سے چُن لے:۔

۱ جنرل سیکرٹری ، ۲ ناظم مال ، ۳ ناظم تربیت ، ۴ ناظم تعلیم ، ۵ ناظم تبلیغ ، ۶ ناظم امور دنیا

انصاراللہ کے اوّلین فرائض

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے انصاراللہ کے ذمہ شروع میں پانچ کام لگائے:۔

۱۔ تبلیغ کرنا ۲۔ قرآن شریف پڑھانا ۳۔ شرائع کی حکمتیں بتانا ۴۔ اچھی تربیت کرنا ۵۔ قوم کی دنیوی کمزوریوں کو دُور کر کے اسے ترقی کے میدان میں بڑھانا [1]

بیرونی مقامات کی ابتدائی مجالس

پہلے سال قادیان کے علاوہ جن بیرونی مقامات پر انصاراللہ کی مجالس کا قیام عمل میں آیا ان کے نام یہ ہیں:۔

کلکتہ ۔ برہمن بڑیہ (بنگال) ۔ گوجرہ (ضلع لائل پور) ۔ چک سکندر (ضلع گجرات)۔ رنگون۔ درگانوالی، پنڈال، پھاگو بیشے، پھاگو وال، کوٹ کریم بخش (ضلع سیالکوٹ) ۔ کیرنگ (ضلع پوری اڑیسہ) کراچی۔ مالیرکوٹلہ ۔ عالم گڑھ (ضلع گجرات) ۔ لاہور ۔ شاہ مسکین (ضلع شیخوپورہ) شاہدرہ (لاہور) ۔ داتا زید کا (ضلع سیالکوٹ) کوئٹہ ۔ کوٹ رحمت خاں (ضلع شیخوپورہ) ۔ کپور تھلہ ۔ جہلم ۔ فیروز پور۔ لالہ موسیٰ ۔ چک ۹۹ شمالی (سرگودھا) ۔ چوہدریوالہ رکھ ۱۰۸ (ضلع لائل پور) منٹھیانہ (ضلع ہوشیارپور) ۔ لکھنؤ۔ گجرات ۔ بہادر کوٹ (ڈاکخانہ کوہاٹ)۔ لاچی بالا (ضلع کوہاٹ)۔ گورداسپور ۔ جادر (وسطی ہند) ۔ محمد آباد ٹالی (سندھ)۔ گولیکی (ضلع گجرات) بمبئی۔ مردان (صوبہ سرحد)۔ کولابہ (بمبئی) ۔ سکندر آباد ۔ بالاکوٹ (ہزارہ) ۔ بانکی پور (پٹنہ) ۔ نوشہرہ ککے زئیاں (پسرور) ۔ چار کوٹ (ریاست جموں) ۔ چک ۳۳۲ ج ب (ضلع لائلپور)

---

[1] الفضل ۲۰ شہادت ۱۳۲۰ہش/اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۶

جبل پور (سی پی) ۔ چاہ ڈیڈی (ضلع سمرا) ۔ نودھراں (ضلع ملتان) ۔ چاہ قادر ز موضع ٹھٹا[1]

مجلس انصاراللہ نے اپنے قیام کے ابتدائی دو ڈھائی سال خدام الاحمدیہ کے مختلف جماعتی کاموں مثلاً ہفتہ تعلیم وتلقین، وقار عمل اور امتحان کتب مسیح موعودؑ میں اشتراک عمل کی طرف خاص توجہ دی مگر خدام الاحمدیہ کے مقابل اس کی تنظیمی سرگرمیوں کی رفتار نہایت غیر تسلی بخش اور سُست رہی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سالانہ جلسہ ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء کے موقعہ پر ارشاد فرمایا:۔

"مجھے افسوس ہے کہ احباب جماعت نے تاحال انصاراللہ کی تنظیم میں وہ کوشش نہیں کی جو کرنی چاہیئے تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اس کا ابھی کوئی دفتر وغیرہ بھی نہیں۔ مگر دفتر قائم کرنا کس کا کام تھا، بے شک اس کے لئے سرمایہ کی ضرورت تھی۔ مگر سرمایہ مہیا کرنے سے انہیں کس نے روکا تھا شاید وہ کہیں کہ خدام الاحمدیہ کو تحریک جدید سے مدد دی گئی ہے۔ مگر ان کی مدد سے ہم نے کب انکار کیا۔ ان کو بھی چاہیئے تھا کہ دفتر بناتے اور چندہ جمع کرتے۔ اب بھی انہیں چاہیئے کہ دفتر بنائیں کلرک وغیرہ رکھیں۔ خط وکتابت کریں۔ ساری جماعتوں میں تحریک کر کے انصاراللہ کی مجالس قائم کریں اور چالیس سال سے زیادہ عمر کے سب دوستوں کی تنظیم کریں"[2]

مجلس انصاراللہ کا دوسرا دور

۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء سے مجلس انصاراللہ کی تحریک دوسرے دَور میں داخل ہوئی جبکہ باقاعدہ مرکزی دفتر قائم ہوا۔ مقامی سکرٹریوں کو مستقل شعبے سپرد کئے گئے۔ سالانہ بجٹ تجویز ہوا۔ دستور اساسی مرتب کیا گیا۔ مرکزی قائدین کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ مجلس کے آنریری انسپکٹر، آڈیٹر اور نمائندگان مشاورت منتخب کئے گئے۔ سالانہ اجتماعات کا آغاز ہوا۔ اور انصاراللہ کے ارکان قادیان اور بیرونی مقامات پر تبلیغی سرگرمیوں کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ دینے لگے۔

مرکزی دفتر کا قیام

اب تک مجلس انصاراللہ کا کوئی مرکزی دفتر نہیں تھا۔ صدر مجلس (حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ) اور دوسرے تین مرکزی عہدیدار جو مرکزی سیکرٹری کہلاتے تھے، مسجد مبارک میں جمع ہوتے اور مجلس کی تنظیم اور دوسرے امور کے بارہ میں باہمی مشورہ کرتے اور کارروائی باقاعدہ ایک رجسٹر[3] میں محفوظ کرلی جاتی۔ دفتری نوعیت کے کام مجلس کے آنریری کارکن شیخ عبدالرحیم صاحب شرما (نومسلم سابق کشن لعل)

---

[1] "الفضل" ۲۰ شہادت/اپریل ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۶

[2] "الفضل" یکم امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۲

[3] یہ رجسٹر اب تک مجلس انصاراللہ مرکزیہ ربوہ کے ریکارڈ میں موجود ہے۔

انجام دیا کرتے تھے۔ لیکن صلح/جنوری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء سے مجلس کا مرکزی دفتر فی الحال گیسٹ ہاؤس دارالانوار کے ایک مغربی کمرہ میں قائم کیا گیا اور ساتھ ہی ایک کلرک کی اسامی بیس روپیہ مشاہرہ پر منظور کی گئی جس پر شیخ عبدالرحیم صاحب نومسلم شرما ہی مقرر کئے گئے۔[1]

ابتدائی تین سالوں میں دفتر مرکزیہ انصاراللہ کے لئے اپنا کوئی سامان فرنیچر وغیرہ نہیں تھا۔ "مجلس تعلیم" اور "ترجمۃ القرآن" کے دفتر کا فرنیچر مستعار لے کر استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن ۷ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو ایک درمیانی میز، چار کرسیاں اور ایک بنچ خریدنے کے لئے مبلغ ساٹھ روپیہ کی منظوری دی گئی۔

اسی روز فیصلہ ہوا کہ مرکزی دفتر گیسٹ ہاؤس سے شہر میں منتقل کر دیا جائے۔ ۲ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو قرار پایا کہ مجلس مرکزیہ کا مستقل دفتر تعمیر کیا جائے اور اخراجات کے لئے پندرہ ہزار روپیہ کا تخمینہ لگایا گیا۔ تعمیر دفتر کے علاوہ نشر و اشاعت، کی مضبوطی کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ ان ہر دو کاموں کے لئے مجلس انصاراللہ مرکزیہ نے قائم مقام (حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ) کو عطیات کی فراہمی کا اختیار دیا گیا۔ چنانچہ سالانہ اجتماع ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء پر اس چندہ کی تحریک کی گئی۔ نیز ایک سب کمیٹی بھی مقرر کی گئی۔ جس کے صدر ماسٹر خیرالدین صاحب (نائب ناظر تعلیم و تربیت)، سیکرٹری منشی محمدالدین صاحب مختار عام، نائب سیکرٹری مولوی عطا محمد صاحب ہیڈ کلرک دفتر بہشتی مقبرہ اور ممبر بابو فضل دین صاحب ریڈر ہائیکورٹ اور بابو قاسم دین صاحب گورداسپور تھے۔[2] ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں ہر دو مدات میں صرف ۱۴۷۶ روپے وصول ہو سکے۔ ان دنوں مجلس کی مالی حالت نہایت درجہ مخدوش تھی، جس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں مجلس کو چندہ کی آمد صرف مبلغ آٹھ صد نو روپے (۸۰۹) ایک آنہ چھ پائی ہوئی۔[3]

مرکزی سیکرٹریوں کو شعبوں کی تفویض

ابتدا میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے ارشاد بلکہ نامزدگی پر مجلس انصاراللہ کے تین مرکزی سیکرٹری مقرر تھے جن کے سپرد

۱۔ حضرت شیخ صاحبؓ کا اصل وطن قصبہ نوڑ ریاست پٹیالہ تھا۔ پیدائش ۱۸۸۸ء میں ہوئی۔ وسط ۱۹۰۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۱۰ء کو مستقل طور پر ہجرت کر کے قادیان آگئے۔ مولوی عبدالکریم صاحب شرما مبلغ مشرقی افریقہ آپ ہی کے خلف الرشید ہیں۔ "اصحاب احمد" جلد دہم صفحہ ۴۱ تا ۶۹ (مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے) میں آپ کے خود نوشت حالات شائع شدہ ہیں۔

۲۔ "الفضل" ۱۰ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۵ کالم ۳

۳۔ "الفضل" " " " " " "

قادیان کے کئی کئی محلے تھے جن کو مجموعی طور پر ہر ایک شعبہ (مثلاً تبلیغ، تعلیم و تربیت اور چندوں کی فراہمی وغیرہ) کے کام اپنے اپنے حلقوں میں کرنے پڑتے تھے۔ مگر ۱۰ اصلح/جنوری ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو سابقہ انتظام بدل دیا گیا اور اس کی بجائے مرکزی سیکرٹریوں کو علیحدہ علیحدہ شعبے تقسیم کر دیئے گئے۔ چنانچہ اس نئی تقسیم کے مطابق:-

۱۔ حضرت خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب مہتمم مال اور مہتمم تعلیم و تربیت مقرر کئے گئے۔

۲۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحبؓ درد کو جنرل سیکرٹری کا فریضہ سپرد ہوا۔ آپ صدر مجلس کی نگرانی میں مرکزی دفتر کے انچارج بھی تھے اور بیرونی مجالس کا کام بھی آپ کے ماتحت تھا۔

۳۔ شعبہ تبلیغ کے مہتمم حضرت چوہدری فتح محمد صاحبؓ سیال قرار پائے۔[۱]

قادیان میں انصاراللہ کی تبلیغی جدوجہد

اگرچہ انصاراللہ کے والنٹیر پہلے دَور میں بھی شعبہ مقامی تبلیغ صدر انجمن احمدیہ کی ہدایت پر بیرونی مقامات پر جاتے تھے اور تبلیغی خدمات انجام دیتے تھے۔ مگر منظم رنگ میں اس مہم کا آغاز ۵ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو ہوا۔ اس دن تبلیغی اغراض کے لئے قادیان کو آٹھ حلقوں میں تقسیم کر دیا گیا کہ ان میں سے دو حلقوں کی دو کانیں جمعرات کو اور جمعہ کو نماز جمعہ کے اختتام تک بند رہا کریں گی اور دو دو کاندار ہر جمعرات کو تبلیغ کے لئے باہر چلے جائیں گے اور جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات باہر گذار کر جمعہ کی نماز قادیان آکر ادا کریں گے۔[۲]

اس فیصلہ کے بعد انصار ایک تنظیم کے ساتھ قادیان کے گرد و نواح میں تشریف لے جاتے اور پیغام حق پہنچاتے تھے۔ بعد کو قادیان کے علاوہ بیرونی مجالس میں بھی تبلیغی وفود بھجوائے جانے لگے جن کی رپورٹیں اس زمانہ کے "الفضل" میں شائع شدہ موجود ہیں۔

قادیان میں مجلس انصاراللہ کے اجلاسوں کی ابتداء

قبل ازیں مجلس انصاراللہ کے کام سے متعارف کرانے کے لئے محلوں میں کوئی جلسے نہ ہوتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ اکثر لوگ اس اہم تحریک سے ابھی پوری طرح واقف نہیں تھے اور اس امر کی سخت ضرورت تھی کہ مجلس کے لئے محلہ وار اجلاس کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ چنانچہ ۶ امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو فیصلہ کیا گیا کہ تمام انصاراللہ قادیان کا ایک ایک ماہ کے وقفہ کے بعد باری باری اجلاس منعقد ہوا کرے

---

[۱] ریکارڈ مجلس انصاراللہ مرکزیہ۔

[۲] " " " قادیان کے ماحول میں انصاراللہ کی تبلیغی مساعی کی رپورٹیں "الفضل" ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء اور ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء میں ملتی ہیں۔

جس میں انصاراللہ کو ان کے کام کی اہمیت سے واقف کرایا جائے اور کام کرنے کا شوق دلا کر بیداری پیدا کی جائے۔ انصاراللہ کی تحریک کو زیادہ سے زیادہ روشناس کرانے کے لئے زعماء انصاراللہ کو یہ بھی ہدایت دی گئی کہ وہ ان مرکزی اجلاسوں کے علاوہ اپنے محلوں میں بھی اجلاس کیا کریں

زعماء انصاراللہ اور گروپ لیڈروں کے مشاورتی اجلاس

مجلس کی طرف سے تنظیمی اجلاس کے آغاز کے ساتھ ہی یہ لازم قرار دے دیا گیا کہ قادیان کے محلوں کے جملہ زعماء انصار اور گروپ لیڈروں کا بھی ماہوار اجلاس ہوا کرے جن میں پیش آمدہ مشکلات پر غور کر کے اصلاح احوال کی مناسب تجاویز سوچیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اہم خطبہ انصاراللہ کے متعلق

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۲ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کے خطبہ جمعہ میں انصاراللہ کے فرائض اور ذمہ داریوں کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی اور مجلس کی بیداری اور تنظیم کی کامیابی کے لئے بعض نہایت سنہری اصول پیش فرمائے۔ چنانچہ فرمایا :-

"میرا مقصد ان جماعتوں کے قیام سے ہر فرد کے اندر ایک بیداری پیدا کرنا تھا مگر ..... جتنی بیداری خدام الاحمدیہ اور انصاراللہ کے ذریعہ جماعت میں پیدا ہوئی ہے وہ ہرگز کافی نہیں بلکہ کافی کا ہزارواں حصہ بھی نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انصاراللہ خصوصیت کے ساتھ اپنے کام کی عمدگی سے نگرانی کریں تا کہ ہر جگہ اور ہر مقام پر ان کا کام نمایاں ہو کر لوگوں کے سامنے آجائے اور وہ محسوس کرنے لگ جائیں کہ یہ ایک زندہ اور کام کرنے والی جماعت ہے۔ مگر مَیں سمجھتا ہوں کہ جب تک انصاراللہ اپنی ترقی کے لئے صحیح طریق اختیار نہیں کریں گے اس وقت تک انہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ مثلاً مَیں نے انہیں توجہ دلائی تھی کہ وہ اپنے کام کی توسیع کے لئے روپیہ جمع کریں اور اُسے مناسب اور ضروری کاموں پر خرچ کریں۔ مگر میری اس ہدایت کی طرف انہوں نے کوئی توجہ نہیں کی۔ اب مَیں دوسری بات انہیں یہ کہنا چاہتا ہوں گو غالباً مَیں ایک دفعہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اگر انہیں مالی مشکلات ہوں تو سلسلہ کی طرف سے کسی حد تک انہیں مالی مدد بھی دی جاسکتی ہے مگر بہرحال پہلے انہیں خود عملی قدم اُٹھانا چاہیئے اور روپیہ خرچ کر کے اپنے کام کی توسیع کرنی چاہیئے۔ مَیں سمجھتا ہوں۔ بڑی عمر کے لوگوں کو ضرور یہ احساس اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے کہ وہ شباب کی عمر میں

سے گذر کر اب ایک ایسے حصّہ عمر میں سے گذر رہے ہیں جس میں دماغ تو سوچنے کے لئے موجود ہوتا ہے مگر زیادہ عمر گذرنے کے بعد ہاتھ پاؤں محنت و مشقت کے کام کرنے کے قابل نہیں رہتے اس وجہ سے ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے کاموں کے سر انجام دینے کیلئے کچھ نوجوان سیکرٹری (چالیس سال کے اوپر کے مگر زیادہ عمر کے نہ ہوں) مقرر کریں۔ جن کے ہاتھ پاؤں میں طاقت ہو۔ اور وہ دوڑنے بھاگنے کا کام آسانی سے کر سکیں۔ تاکہ ان کے کاموں میں سُستی اور غفلت کے آثار پیدا نہ ہوں۔ مَیں سمجھتا ہوں اگر وہ چالیس[۴۰] سال سے پچپن[۵۵] سال کی عمر تک کے لوگوں پر نظر دوڑاتے تو انہیں ضرور اس عمر کے لوگوں میں سے ایسے لوگ مل جاتے جن کے ہاتھ پاؤں بھی ویسے ہی چلتے جیسے اُن کے دماغ چلتے ہیں۔ مگر انہوں نے اس طرف توجہ نہ کی اور صرف انہی کو سکرٹری مقرر کر دیا جن کا نام مَیں نے ایک دفعہ لیا تھا۔ . . . . . حالانکہ مَیں نے وہ نام اس لئے لئے تھے کہ میرے نزدیک وہ اچھا دماغ رکھنے والے تھے۔ ان کی رائے صائب اور سلجھی ہوئی تھی اور وہ مفید مشورہ دینے کی اہلیت رکھتے تھے۔ اس لئے نام نہیں لئے تھے کہ ان میں کام کرنے کی ہمت اور قوت بھی نوجوانوں والی موجود ہے اور وہ دوڑ بھاگ بھی کر سکتے ہیں۔ ان کا کام صرف نگرانی کرنا تھا اور ضروری تھا کہ ان کے ماتحت ایسے نوجوان لگائے جاتے جو دوڑنے بھاگنے کا کام کر سکتے۔ اب بھی اگر وہ اچھا کام کرنا چاہتے ہیں تو انہیں سابق سکرٹریوں کے ساتھ بعض نوجوان مقرر کر دینے چاہئیں۔ چاہے نائب سکرٹری بنا کر یا جائنٹ سکرٹری بنا کر تاکہ انصاراللہ میں بیداری پیدا ہو اور ان پر غفلت اور جمود کی جو حالت طاری ہو چکی ہے وہ دُور ہو جائے۔ ورنہ یاد رکھیں عمر کا تقاضا ایک قدرتی چیز ہے۔ . . . . مَیں سمجھتا ہوں انصاراللہ پر بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ وہ اپنی عمر کے آخری حصّہ میں سے گذر رہے ہیں۔ اور یہ آخری حصّہ وہ ہوتا ہے جب انسان دنیا کو چھوڑ کر اگلے جہان جانے کی فکر میں ہوتا ہے اور جب کوئی انسان اگلے جہان جا رہا ہو تو اس وقت اسے اپنے حساب کی صفائی کا بہت زیادہ خیال ہوتا ہے اور وہ ڈرتا ہے کہ کہیں وہ ایسی حالت میں اس دنیا سے کوچ نہ کر جائے کہ اس کا حساب گندہ ہو۔ اس کے اعمال خراب ہوں اور اس کے پاس وہ زادِ راہ نہ ہو جو اگلے جہان میں کام آنے والا ہے۔ جب احمدیت کی غرض یہی ہے کہ بندے اور خدا کا تعلق درست ہو جائے تو ایسی عمر میں اور عمر کے ایسے حصّہ میں اس کا جس قدر احساس ایک مومن کو ہونا چاہیئے وہ

کسی شخص سے مخفی نہیں ہو سکتا۔ نوجوان تو خیال بھی کر سکتے ہیں کہ اگر ہم سے خدمتِ خلق میں کوتاہی ہوئی تو انصاراللہ اس کام کو ٹھیک کر لیں گے۔ مگر انصاراللہ کس پہ انحصار کر سکتے ہیں؟ وہ اگر اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیں گے اور اگر دین کی محبت اپنے نفوس میں اور پھر تمام دنیا کے قلوب میں پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوں گے۔ وہ اگر احمدیت کی اشاعت کو اپنا اوّلین مقصد قرار نہ دیں گے اور وہ اگر اس حقیقت سے اغماض کر لیں گے کہ انہوں نے اسلام کو دنیا میں پھر زندہ کرنا ہے۔ تو انصاراللہ کی عمر کے بعد اور کونسی عمر ہے جس میں وہ یہ کام کرینگے۔ انصاراللہ کی عمر کے بعد تو پھر ملک الموت کا زمانہ ہے۔ اور ملک الموت اصلاح کے لئے نہیں آتا بلکہ وہ اس مقام پر کھڑا کرنے کے لئے آتا ہے جب کوئی انسان سزا یا انعام کا مستحق ہو جاتا ہے۔

پس میں ایک دفعہ پھر انصاراللہ کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے فرائض کو سمجھیں ایک دفعہ پہلے بھی مَیں نے انہیں کہا کہ وہ بھی خدام الاحمدیہ کی طرح سال میں ایک دفعہ خاص طور پر لوگوں کو باہر سے بلوایا کریں تاکہ ان کے ساتھ مل کر اور گفتگو اور بحث و تمحیص کر کے انہیں دوسروں کی مشکلات کا احساس ہو اور وہ پہلے سے زیادہ ترقی کی طرف قدم اُٹھا سکیں . . . . مگر اب تک انصاراللہ کا کوئی جلسہ نہیں ہوا . . . . پس میں ایک دفعہ پھر جماعت کے مخلصین کو توجہ دلاتا ہوں کہ اُن پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہے۔

یاد رکھو اگر اصلاح جماعت کا سارا دار و مدار نظارتوں پر ہی رہا تو جماعت احمدیہ کی زندگی کبھی لمبی نہیں ہو سکتی۔ یہ خدائی قانون ہے جو کبھی بدل نہیں سکتا۔ ایک حصہ سوئے گا لیکن ایک حصہ جاگیگا۔ ایک حصہ غافل ہوگا اور ایک حصہ ہوشیار ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے دنیا کو گول بنا کر فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے قانون میں یہ بات خاص ہے کہ دنیا کا ایک حصہ سوئے اور ایک حصہ جاگے۔ یہی نظام اور عوام کے کام کا تسلسل دنیا میں دکھائی دیتا ہے۔ درحقیقت پرتو ہیں تقدیر اور تدبیر کے کبھی عوام سوتے ہیں اور نظام جاگتا ہے۔ اور کبھی نظام سوتا ہے اور عوام جاگتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نظام بھی جاگتا ہے اور عوام بھی جاگتے ہیں اور وہ وقت بڑی بھاری کامیابی اور فتوحات کا ہوتا ہے وہ گھڑیاں جب کسی قوم پر آتی ہیں۔ جب نظام بھی بیدار ہوتا ہے اور عوام بھی بیدار ہوتے ہیں تو وہ اس قوم کے لئے فتح کا زمانہ ہوتا ہے۔ وہ اس قوم کے لئے کامیابی کا زمانہ ہوتا ہے۔ وہ اس قوم کے لئے ترقی کا زمانہ ہوتا ہے وہ شیر کی طرح گرجتی اور سیلاب کی طرح بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ہر روک جو اس کے راستہ میں حائل

ہوتی ہے اُسے مٹا ڈالتی ہے۔ ہر عمارت جو اس کے سامنے آتی ہے اُسے گرا دیتی ہے۔ ہر چیز جو اس کے سامنے آتی ہے اُسے بکھیر دیتی ہے اور اس طرح وہ دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف، اس طرف بھی اور اس طرف بھی بڑھتی چلی جاتی ہے اور دنیا پہ اس طرح چھا جاتی ہے کہ کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر پھر ایک وقت ایسا آجاتا ہے جب نظام سو جاتا ہے اور عوام جاگتے ہیں۔ یا عوام سو جاتے ہیں اور نظام جاگتا ہے۔ اور پھر آخر میں وہ وقت آتا ہے جب نظام بھی سو جاتا ہے اور عوام بھی سو جاتے ہیں۔ تب آسمان سے خدا تعالیٰ کا فرشتہ اُترتا ہے اور اس قوم کی رُوح کو قبض کر لیتا ہے۔ یہ قانون ہمارے لئے بھی جاری ہے جاری رہے گا اور کبھی بدل نہیں سکے گا۔ پس اس قانون کو دیکھتے ہوئے ہماری پہلی کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ ہمارا نظام بھی بیدار رہے اور ہمارے عوام بھی بیدار رہیں۔ اور درحقیقت یہ زمانہ اسی بات کا تقاضا کرتا ہے۔ خدا کا مسیحؑ ہم میں قریب ترین زمانہ میں گذرا ہے۔ اس لئے اس زمانہ کے مناسب حال ہمارا نظام بھی بیدار ہونا چاہیئے۔ اور ہمارے عوام بھی بیدار ہونے چاہئیں۔ مگر چونکہ دنیا میں اضمحلال اور قوتوں کا انکسار انسان کے ساتھ ساتھ لگا ہوا ہے اس لئے عوام کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ وہ نظام کو جگاتے رہیں اور نظام کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ وہ عوام کو جگاتا رہے تا خدانخواستہ اگر ان دونوں میں سے کوئی سو جائے، غافل ہو جائے اور اپنے فرائض کو بھول جائے تو دوسرا اس کی جگہ لیلے۔ اور اس طرح ہم زیادہ سے زیادہ اس دن کو بعید کر دیں جب نظام اور عوام دونوں سو جاتے ہیں اور خدائی تقدیر موت کا فیصلہ صادر کر دیتی ہے۔ پس دونوں کو اپنے اپنے فرائض ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ اگر دونوں نہ جاگیں تو کم از کم ایک تو جاگے اور اس طرح وہ دن جو موت کا دن ہے ہم سے زیادہ سے زیادہ دُور رہے . . . . . . پس میں اس نصیحت کے ساتھ انصار اللہ کو بھی بیدار کرنا چاہتا ہوں۔ اور خدام الاحمدیہ کو بھی بیدار کرنا چاہتا ہوں . . . . اگر یہ دونوں یعنی خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ مل کر جماعت میں بیداری پیدا کرنے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی وقت ہمارا نظام سو جائے تو یہ لوگ اس کی بیداری کا باعث بن جائیں گے اور اگر یہ خود سو جائیں گے تو نظام ان کو بیدار کرتا رہے گا"[۱]

---

[۱] "الفضل" ۷ار نبوت / نومبر ۱۳۲۲ ہش ۱۹۴۳ء صفحہ ۴ تا ۸۔

مجلس انصار اللہ کا پہلا دستور اساسی

حضرت امیر المؤمنینؓ کے اس خطبہ پر عہدیداران مجلس نے پہلا قدم یہ اُٹھایا کہ ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو مجلس کا ایک فوری اجلاس بُلایا جس میں حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ (صدر مجلس) کے علاوہ حضرت چودھری فتح محمد صاحبؓ سیال، حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب بھی شامل ہوئے۔ صدر مجلس کی درخواست پر قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی شرکت فرمائی۔ اس اجلاس میں انصار اللہ کا پہلا دستور اساسی تیار کیا گیا۔ جس کی منظوری حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی عطا فرما دی اور تحریر فرمایا کہ

"منظور ہے عمل کیا جائے" ۵

مجلس انصار اللہ کا یہ پہلا دستور اساسی مجلس کی تاریخ میں چونکہ ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے لہذا اس کا مکمل متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

"مورخہ ۲۷/۱۰/۴۴ کو مجلس مرکزیہ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل ممبران شریک ہوئے۔ شیر علی، چودھری فتح محمد صاحب، مولوی فرزند علی صاحب۔ ان کے علاوہ میری درخواست پر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بھی شریک ہوئے۔ یہ اجلاس خصوصیت سے حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے گذشتہ جمعہ کے خطبہ کے ارشادات کی بناء پر منعقد کیا گیا جس میں حضور نے انصار اللہ کو اس طرف توجہ دلائی تھی کہ اُن کے کام میں ابھی تک زندگی اور چستی کے آثار مفقود ہیں۔ مشورہ کے بعد مندرجہ ذیل فیصلہ جات ہوئے جنہیں بغرض منظوری حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں پیش کیا گیا اور حضور نے منظور فرمائے۔

(۱) علاوہ صدر کے آئندہ مجلس مرکزیہ کے چار عہدہ دار ہوں گے۔ اوّل قائد تبلیغ، دوم قائد تعلیم و تربیت، سوم قائد مال، چہارم قائد عمومی (سابق نام جنرل سیکرٹری)۔ یہ جملہ عہدہ داران اپنے اپنے کام کے نگران اور ذمہ دار ہوں گے اور انصار اللہ کا سارا حلقہ خواہ وہ قادیان میں ہو یا بیرونجات میں ان کی نگرانی اور قیادت کے ماتحت ہوگا۔

(۲) مجلس مرکزی میں تین مزید ممبر بغرض مشورہ مقرر ہوا کریں گے۔ ان کے پاس کوئی صیغہ نہیں ہوگا بلکہ وہ صرف مشورہ کی غرض سے مرکزی مجلس میں شریک ہوا کریں گے۔

---

۵ "الفضل" ۲ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۲-۳۔

(۳) صدر بدستور مولوی شیر علی صاحب رہیں گے۔ قائد تبلیغ چوہدری فتح محمد صاحب سیال، قائد تعلیم و تربیت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب، قائد مال میر محمد اسحاق صاحب[1] اور قائد عمومی مولوی عبدالرحیم صاحب درد ہوں گے۔ زائد ممبر فی الحال چوہدری سر محمد ظفراللہ خاں صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور خان بہادر چوہدری ابوالہاشم خاں صاحب[2] ہوں گے۔

(۴) الف۔ قائد صاحبان کے ساتھ امداد کے لئے مندرجہ ذیل نائب قائد ہوں گے:-

تبلیغ	مولوی ابوالعطاء صاحب
تعلیم و تربیت	مولوی قمرالدین صاحب
مال	مولوی ظہور حسین صاحب
عمومی	مولوی عبدالرحمان صاحب جٹ

(۵) قادیان شریف کے ہر محلہ میں اور بیرون جات کی ہر جماعت میں انصاراللہ کے نظام کے ماتحت سارے کاموں کی عمومی نگرانی کے لئے ایک ایک مقامی عہدہ دار مقرر ہوگا جس کا نام زعیم انصاراللہ ہوگا۔ اُسے مقامی نظام میں وہی حیثیت حاصل ہوگی جو مرکزی نظام میں صدر کو۔

(۶) اسی طرح قادیان شریف کے ہر محلہ اور بیرونجات کی ہر جماعت میں ہر شعبہ کی علیحدہ علیحدہ نگرانی کے لئے ایک کارکن ہوگا جو اپنے شعبہ کے کام کا ذمہ وار ہوگا اور مقامی نظام کے زعیم اور مرکزی نظام کے قائد کی نگرانی کے ماتحت کام کرے گا۔ ایسے عہدہ دار مہتمم تبلیغ، مہتمم تعلیم و تربیت، مہتمم مال و مہتمم عمومی کہلائیں گے۔

(۷) تمام مہتمم صاحبان کا فرض ہوگا کہ اپنے اپنے کام کے متعلق پندرہ روزہ رپورٹ اپنے اپنے زعیم کی معرفت اپنے اپنے شعبہ کے قائد کے پاس ارسال کریں۔ اور قائد صاحبان کا فرض ہوگا کہ اپنے اپنے شعبہ کی رپورٹ پندرہ روزہ صدر صاحب کے پاس ارسال کریں۔ جس کا خلاصہ صدر صاحب کی طرف سے حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ارسال کیا جائے گا۔

(ب) ایسی جماعتیں جن کی طرف سے پندرہ روزہ رپورٹ کا آنا غیر ضروری یا دقّت طلب ہو۔ ان کے متعلق صدر صاحب کو بمشورہ قائد و زعیم صاحبان مناسب ترمیم یا استثناء کرنے کا اختیار ہوگا۔

---

[1] حضرت میر صاحبؓ کا ۱۷؍امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو وصال ہوگیا اور ان کی جگہ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب قائد مال مقرر کئے گئے۔ (مرتب)

[2] تاریخ وفات ۳؍احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء۔

(۸) قادیان میں مرکزی مجلس انصاراللہ کا ایک باقاعدہ دفتر مقرر کیا جائے۔ جس میں جملہ ریکارڈ باقاعدہ طور پر رکھا جائے۔ ہر قائد کو دفتر کے عملہ سے اپنے اپنے شعبہ کے تعلق میں کام لینے کا اختیار ہوگا مگر ویسے انتظامی طور پر عملہ دفتر صدر کی ماتحتی میں سمجھا جائے گا۔

(۹) قادیان کے ہر محلہ میں مہینہ میں کم از کم انصاراللہ کا ایک مقامی جلسہ منعقد ہونا ضروری ہوگا اور سال کے کسی مناسب حصّہ میں سارے انصاراللہ کا ایک مشترکہ جلسہ منعقد کیا جائے گا جس میں بیرونی عہدے داران و نمائندگان کو شرکت کی دعوت دی جائے اور اس موقعہ پر حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالےٰ کی خدمت میں بھی درخواست کی جایا کرے کہ حضور اس موقعہ پر انصاراللہ کو اپنے رُوح پرور نصائح سے مستفیض ہونے کا موقعہ عطا فرماویں۔

(۱۰) جماعت کا ہر فرد جو چالیس سال یا چالیس سے اوپر کی عمر کا ہے وہ قادیان شریف میں لازمی طور پر انصاراللہ کا رُکن سمجھا جائے گا۔ بیرونجات میں مقامی انجمنوں کے عہدہ دار جو اس عمر کے ہوں، وہ بھی لازماً انصاراللہ کے ممبر سمجھے جائیں گے اور باقیوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ بھی انصاراللہ کے ممبر بنیں اور ایسی تحریک ہوتی رہنی چاہیئے۔

(۱۱) تمام ممبروں سے کم از کم ایک آنہ ماہوار کے حساب سے چندہ لیا جائے گا جس کا باقاعدہ حساب رکھا جائے گا۔

(نوٹ):۔ بیرونی انجمنیں اپنے مقامی چندوں کا ۵۰ فیصدی اپنے پاس رکھ کر اپنے طور پر خرچ کر سکتی ہیں۔ باقی مرکز میں آنا چاہیئے۔ لیکن حساب کتاب بہرحال باقاعدہ ہونا چاہیئے۔

(۱۲) اپنے ممبروں کی علمی اور عملی ترقی کے لئے مرکزی نظام انصاراللہ کی طرف سے سال میں ایک دفعہ کتب سلسلہ کا امتحان مقرر کیا جائے گا جو حتی الوسع سب جگہوں پر منعقد ہوا کرے گا اور نتیجہ اخبار میں شائع کیا جایا کرے گا۔ [illegible] اور اول و دوم و سوم نکلنے والوں کو مناسب انعام دیئے جائیں۔ امتحان کی شرکت کے لئے زیادہ سے زیادہ وسیع پیمانہ پر تحریک کی جائے۔

(۱۳) جن ممبران انصاراللہ کا کام سال کے دوران میں خصوصیت سے نمایاں ہو۔ انہیں جلسہ سالانہ کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ہاتھ سے مناسب انعام دلوایا جائے تاکہ کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہو۔

(۱۴) قائد تبلیغ اور جملہ مہتممان تبلیغ کا فرض ہوگا کہ اپنے اپنے حلقہ میں تبلیغ کا بہترین انتظام کریں۔ کہ ہر

انصاراللہ کو ذریعہ جماعت میں سال بھر میں کم از کم ایک کس احمدی پیدا ہو۔ تبلیغ زیادہ تر انفرادی صورت میں کی جائے اور نامناسب بحث و مباحثہ کے رنگ سے احتراز کیا جائے۔ اسی طرح قائد و مہتمان تعلیم و تربیت کا یہ کام ہوگا کہ وہ جماعت میں اسلام اور احمدیت کی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ وسیع طور پر اور تفصیلی صورت میں جاری کریں اور لوگوں کے اخلاق اور عادات کی نگرانی رکھیں۔ مقامی درسوں اور بڑی عمر کے ناخواندہ اصحاب کی تعلیم کا انتظام بھی مہتمم صاحبان کے سپرد ہوگا۔ قائد و مہتمم صاحب مال کا کام انصاراللہ کے لئے مختلف قسم کے چندہ جات کی وصولی کا انتظام کرنا اور حساب رکھنا ہوگا اور دیگر جملہ قسم کا کام جو کسی دوسرے قائد کے حلقہ کار میں نہیں آتا وہ قائد و مہتمم صاحبان عمومی کے حلقہ میں سمجھا جائے گا۔

(۱۴)[۱] صدر کی ہدایت اور نگرانی کے ماتحت قائد عمومی کے یہ کام بھی ہوں گے :-

الف:- ایسی ماتحت انجمنان انصاراللہ کا قیام ہو (جو)[۲] سارے قائدوں کے حلقہ کار سے یکساں تعلق رکھتی ہوں۔

ب :- قاعدہ ۹ کے ماتحت انصاراللہ کے ماہوار اور سالانہ جلسوں کا انتظام۔

ج :- مرکزی دفتر کا چارج

نوٹ : مگر ہر وہ کام جو دوسرے قائدوں کے حلقہ کار سے تعلق رکھتا ہو وہ ان قائدوں کے مشورہ سے سرانجام دیا جائیگا اور بصورت اختلاف صدر کا فیصلہ سب کے لئے واجب القبول ہوگا۔

(۱۵) مرکزی مجلس انصاراللہ اور اس کے عہدہ داروں نیز مقامی مجالس اور مقامی عہدہ داروں کا یہ فرض ہوگا کہ اپنے اپنے حلقہ کار میں صدر انجمن احمدیہ اور اس کی ماتحت مجالس اور اس کے عہدہ داروں اور اسی طرح خدام الاحمدیہ کی مرکزی مجلس اور مقامی مجالس اور عہدہ داروں کے ساتھ پورا پورا تعاون کا طریق اختیار کریں اور ان کے کام سے آگاہ رہنے اور اپنے کام سے ان کو آگاہ رکھنے کی حتی الوسع کوشش کریں۔

(۱۶) مرکزی اور مقامی نظام ہر دو میں ہر بالا افسر کو ہر ماتحت افسر کا کام پڑتال کرنے اور ہدایات جاری کرنے کا اختیار ہوگا۔"[۳]

---

[۱] نقل مطابق اصل۔ ۱۴ دو مرتبہ ہی درج شدہ ہے (ناقل)

[۲] سہواً رہ گیا ہے (ناقل)

[۳] "الفضل" مورخہ ۲ر فتح / دسمبر ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۳ کالم ۳ تا صفحہ ۴ کالم ۱

زعیم اعلیٰ کا عہدہ

۲۳ ؍امان/ مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو فیصلہ کیا گیا کہ اگر کسی بڑی جماعت میں کئی زعماء انصاراللہ مقرر ہوں تو وہاں ایک زعیم اعلیٰ کا عہدہ بھی ہونا چاہیئے۔ جس کا کام زعماء کے کام کی نگرانی ہو۔

پہلے آنریری انسپکٹر

انصاراللہ کا کام چونکہ رفتہ رفتہ بڑھ رہا تھا اس لئے مجلس مرکزیہ کی طرف سے قادیان میں اور حسب ضرورت بیرونی مقامات میں بھی جملہ شعبہ جات کے اعتبار سے اس کا جائزہ لینے اور پڑتال کرنے کے لئے ایک انسپکٹر کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی چنانچہ ۴ ہجرت/ مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو شیخ نیاز محمد صاحب پنشنر مجلس کے پہلے آنریری انسپکٹر مقرر کئے گئے۔[1]

انصاراللہ کا پہلا عہد

انصاراللہ کے جلسوں میں کوئی عہد نہیں دہرایا جاتا تھا۔ ۳۰ نبوت/ نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو مجلس کا ماہانہ جلسہ نماز فجر کے بعد زیر صدارت حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ منعقد ہوا جس میں حضرت مولوی عبدالرحیم صاحبؓ درد قائد عمومی نے اس طرف توجہ دلائی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے جلسہ جوبلی پر لوائے احمدیت سے متعلق عہد لیا تھا۔ مجالس انصاراللہ کو چاہیئے کہ اپنے اجلاسوں میں اس کو دوہرایا کریں۔ اس تجویز کے مطابق اسی اجلاس میں مندرجہ ذیل الفاظ میں یہ عہد دہرایا گیا:۔

"میں اقرار کرتا ہوں کہ جہانتک میری طاقت اور سمجھ ہے اسلام اور احمدیت کے قیام اس کی مضبوطی اور اس کی اشاعت کے لئے آخر دم تک کوشش کرتا رہوں گا اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس امر کے لئے ہر ممکن قربانی پیش کروں گا کہ احمدیت یعنی حقیقی اسلام دوسرے سب دینوں اور سلسلوں پر غالب رہے اور اس کا جھنڈا کبھی سرنگوں نہ ہو بلکہ دوسرے سب جھنڈوں سے اونچا اڑتا رہے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔"

مجلس انصاراللہ کا پہلا بجٹ

شروع میں مجلس انصاراللہ کا کوئی بجٹ نہیں بنایا جاتا تھا۔ لیکن اس دوسرے دَور میں باقاعدہ بجٹ تیار کیا جانے لگا۔ مجلس مرکزیہ کا پہلا بجٹ ۲؍ فتح/ دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو منظور کیا گیا جس کی تفصیل یہ تھی:۔

(تفصیل اگلے صفحہ پہ ملاحظہ ہو)

---

[1] ریکارڈ مجلس انصاراللہ مرکزیہ۔

بجٹ آمد ۱۳۲۳-۲۴ ہش / ۱۹۴۴-۴۵ء

	روپے
آمد چندہ جات مقامی و بیرونی مجالس	۱۲۰۰
عطیات از ذی ثروت احباب	۶۰۰
میزان آمد	۱۸۰۰

بجٹ اخراجات

عملہ	۷۲۰
سائر	۲۸۰
فرنیچر	۶۰
اخراجات غیر معمولی۔ طبع فارم رپورٹ و لیبٹر فارم۔ حاضری نماز کی کاپیوں کی طباعت (برائے قادیان)، طباعت قواعد وضوابط انصاراللہ۔ مرکزی قائد صاحبان کے لئے مُہر تخمینہ اخراجات بر موقعہ جلسہ سالانہ	۴۷۵
میزان کل اخراجات	۱۵۳۵

انصاراللہ کا پہلا سالانہ اجتماع اور حضرت امیر المومنینؓ کی تقریر

انصاراللہ مرکزیہ کے ماہانہ اجلاس تو اکثر ہوتے رہتے تھے مگر قادیان اور بیرونی مقامات کے انصار میں کام کی اجتماعی رُوح پیدا کرنے کے لئے کوئی سالانہ اجتماع منعقد نہیں ہوتا تھا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے خطبہ جمعہ (۲۲ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء) میں خاص توجہ دلائی تھی۔ چنانچہ حضور کے منشاء مبارک کی تعمیل میں اس سال ۲۵ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو مسجد اقصیٰ قادیان میں ۴ بجے بعد نماز ظہر پہلا سالانہ اجتماع منعقد ہوا جس کا افتتاح حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا اور ایک مختصر مگر ایمان افروز خطاب فرمایا جو درج ذیل کیا جاتا ہے:-

"سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں صرف مجلس انصاراللہ کی خواہش کے مطابق اس جلسہ کے افتتاح کے لئے آیا ہوں اور صرف چند کلمات کہہ کر دعا سے اس جلسہ کا افتتاح کرکے واپس چلا جاؤں گا۔ انصاراللہ کی مجلس کے قیام کو

کئی سال گذر چکے ہیں۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اب تک اس مجلس میں زندگی کے آثار پیدا نہیں ہوئے۔ زندگی کے آثار پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اوّل تنظیم کامل ہو جائے۔ دوسرے متواتر حرکتِ عمل پیدا ہو جائے اور تیسرے اس کے کوئی اچھے نتائج نکلنے شروع ہو جائیں۔ میں ان تینوں باتوں میں مجلس انصاراللہ کو ابھی بہت پیچھے پاتا ہوں۔ انصاراللہ کی تنظیم ابھی ساری جماعتوں میں نہیں ہوئی۔ حرکتِ عمل ابھی ان میں پیدا ہوتی نظر نہیں آتی۔ نتیجہ تو عرصہ کے بعد نظر آنے والی چیز ہے مگر کسی اعلیٰ درجہ کے نتیجہ کی امید تو ہوتی ہے۔ اور کم از کم اس نتیجہ کے آثار کا ظہور تو شروع ہو جاتا ہے مگر یہاں وہ امید اور آثار بھی نظر نہیں آتے۔ غالباً مجلس انصاراللہ کا یہ پہلا سالانہ اجتماع ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس اجتماع میں وہ ان کاموں کی بنیاد قائم کرنے کی کوشش کریں گے اور قادیان کی مجلس انصاراللہ بھی اور بیرونی مجالس بھی اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کریں گی کہ بغیر کامل ہوشیاری اور کامل بیداری کے کبھی قومی زندگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور ہمسایہ کی اصلاح میں ہی انسان کی اپنی اصلاح بھی ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو ایسا بنایا ہے کہ اس کے ہمسایہ کا اثر اس پر پڑتا ہے۔ نہ صرف انسان بلکہ دنیا کی ہر ایک چیز اپنے پاس کی چیز سے متاثر ہوتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ پاس پاس کی چیزیں ایک دوسرے کے اثر قبول کرتی ہیں۔ بلکہ سائنس کی موجودہ تحقیق سے تو یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ جانوروں اور پرندوں وغیرہ کے رنگ ان پاس پاس کی چیزوں کی وجہ سے ہوتے ہیں جہاں وہ رہتے ہیں۔ مچھلیاں پانی میں رہتی ہیں، اس لئے ان کا رنگ پانی کی وجہ سے اور سورج کی شعاعوں کی وجہ سے جو پانی پر پڑتی ہیں سفید اور چمکیلا ہو گیا۔ مینڈک کناروں پر رہتے ہیں اس لئے ان کا رنگ کناروں کی سبز سبز گھاس کی وجہ سے سبزی مائل ہو گیا۔ ریتلے علاقوں میں رہنے والے جانور مٹیالا رنگ کے ہوتے ہیں۔ سبز سبز درختوں پر بسیرا رکھنے والے طوطے سبز رنگ کے ہو گئے۔ جنگلوں اور سوکھی ہوئی جھاڑیوں میں رہنے والے تیتروں وغیرہ کا رنگ سوکھی ہوئی جھاڑیوں کی طرح ہو گیا۔ غرض پاس پاس کی چیزوں کی وجہ سے اور ان کے اثرات قبول کرنے کی وجہ سے پرندوں کے رنگ بھی اسی قسم کے ہو جاتے ہیں۔ پس اگر جانوروں اور پرندوں کے رنگ پاس پاس کی چیزوں کی وجہ سے بدل جاتے ہیں۔ حالانکہ ان میں دماغی قابلیت نہیں ہوتی تو انسانوں کے رنگ جن میں دماغی قابلیت بھی ہوتی ہے

پاس کے لوگوں کو کیوں نہیں بدل سکتے۔ خدا تعالیٰ نے اسی لئے قرآن مجید میں فرمایا ہے، کہ کُونُوْا مَعَ الصَّادِقِیْن یعنی اگر تم اپنے اندر تقویٰ کا رنگ پیدا کرنا چاہتے ہو تو اس کا گر یہی ہے کہ صادقوں کی مجلس اختیار کرو تاکہ تمہارے اندر بھی تقویٰ کا وہی رنگ تمہارے نیک ہمسایہ کے اثر کے ماتحت پیدا ہو جائے جو اُس میں پایا جاتا ہے۔

پس جماعت کی تنظیم اور جماعت کے اندر دینی رُوح کے قیام اور اس روح کو زندہ رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے ہمسایہ کی اصلاح کی کوشش کرے کیونکہ ہمسایہ کی اصلاح میں اس کی اپنی اصلاح ہے۔ ہر شخص جو اپنے آپ کو اس سے مستغنی سمجھتا ہے وہ اپنی روحانی ترقی کے راستہ میں خود روک بنتا ہے۔ بڑے سے بڑا انسان بھی مزید روحانی ترقی کا محتاج ہوتا ہے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر دم تک اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کی دعا کرتے رہے۔ پس اگر خدا کا وہ نبی جو پہلوں اور پچھلوں کا سردار ہے جس کی رُوحانیت کے معیار کے مطابق نہ کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہوگا اور جس نے خدا تعالےٰ کا ایسا قرب حاصل کیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی اور نہ مل سکتی ہے۔ اگر وہ بھی مدارج پر مدارج حاصل کرنے کے بعد پھر مزید روحانی ترقی کا محتاج ہے اور روزانہ خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو کر اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کہتا ہے اکیلا نہیں بلکہ ساتھیوں کو ساتھ لے کر کہتا ہے تو آج کون ایسا انسان ہو سکتا ہے جو خدا تعالےٰ کے سامنے کھڑا ہو کر اھدنا الصراط المستقیم کہنے سے اور جماعت میں کھڑے ہو کر کہنے سے اپنے آپ کو مستغنی قرار دے۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اس سے مستغنی قرار دیتا ہے تو وہ اپنے لئے ایک ایسا مقام تجویز کرتا ہے جو مقام خدا تعالیٰ نے کسی انسان کے لئے تجویز نہیں کیا۔ پس جو شخص اپنے لئے ایسا مقام تجویز کرتا ہے وہ ضرور ٹھوکر کھائے گا۔ کیونکہ اس قسم کا استغناء عزّت نہیں بلکہ ذلّت ہے۔ ایمان کی علامت نہیں بلکہ وہ شخص کفر کے دروازے کی طرف بھاگا جا رہا ہے۔

پس تنظیم کے لئے ضروری ہے کہ اپنے متعلقات اور اپنے گرد و پیش کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔ اس سے انسان کی اپنی اصلاح ہوتی ہے۔ اس سے قوم میں زندگی پیدا ہوتی

ہے۔ اور کامیابی کا یہی واحد ذریعہ ہے۔

دُعائیں بھی وہی قبول ہوتی ہیں جو خدا تعالیٰ کے قانون کے ماتحت کی جائیں۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے دعا مانگنے کے لئے اھدنا الصراط المستقیم میں جمع کا صیغہ رکھ کر ہمیں بتا دیا ہے کہ اگر تم روحانی طور پر زندہ رہنا اور کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہارے لئے صرف اپنی اصلاح کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ اپنے گرد و پیش کی اصلاح کرنا اور مجموعی طور پر اس کے لئے کوشش کرنا اور مل کر خدا سے دُعا مانگنا ضروری ہے۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے مَیں نے مجلس انصار اللہ لجنہ اماء اللہ، مجلس خدام الاحمدیہ اور مجلسِ اطفال قائم کی ہیں۔ پس مَیں امید کرتا ہوں کہ مجلس انصار اللہ مرکزیہ اس اجتماع کے بعد اپنے کام کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ کر پوری تندہی اور محنت کے ساتھ ہر جگہ مجالس انصار اللہ قائم کرنے کی کوشش کرے گی تاکہ ان کی اصلاحی کوششیں صرف اپنے تک ہی محدود نہ ہوں بلکہ گرد و پیش کی اصلاح کے لئے بھی ہوں اور ان کی کوششیں دریا کی طرح بڑھتی چلی جائیں اور دنیا کے کونے کونے کو سیراب کر دیں۔

اب مَیں دُعا کے ذریعہ جلسہ کا افتتاح کرتا ہوں۔ خدا کرے مجلس انصار اللہ کا آج کا اجتماع اور آج کی کوششیں بیج کے طور پر ہوں جن سے آگے خدا تعالیٰ ہزاروں گُنا اور بیج پیدا کرے اور پھر وہ بیج آگے دوسری فصلوں کے لئے بیج کا کام دیں یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی رُوحانی بادشاہت اسی طرح دنیا پر قائم ہو جائے جس طرح کہ اس کی مادی بادشاہت دنیا پر قائم ہے۔ آمین“ [1]

پہلے اجتماع کے دُوسرے مقررین

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مندرجہ بالا افتتاحی خطاب کے بعد دُعا فرمائی اور تشریف لے گئے اور اجتماع کی بقیہ کارروائی حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کی صدارت میں شروع ہوئی اور مندرجہ ذیل انصار نے تقریریں فرمائیں۔

۱۔ آنریبل چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب (پابندی نظام)

۲۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ (انصار اللہ کے فرائض)

۳۔ حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب (تعلیم و تربیت)

---

[1] ”الفضل“ ۹ ظہور/اگست ۱۳۲۴ہش ۱۹۴۵ء صفحہ ۱ و ۲۔

۴۔ جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور (اطاعت)

۵۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی (قربانی اور تقویٰ)

۶۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب (تحریک برائے تعمیر دفتر مرکزیہ و نشر و اشاعت)

حضرت شاہ صاحب کی تحریک پر کچھ رقم چندہ کی جمع ہوئی۔ زاں بعد یہ پہلا اجتماع دعا کے ساتھ ۶½ بجے شام برخاست ہوا۔[۱]

دورِ ثانی کے بعض متفرق کوائف

اس مقام پر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی ابتدائی تاریخ کے بعض متفرق کوائف کا درج کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

اوّل۔ اس دَور کے ابتدائی سالوں میں مجلس مشاورت کے لئے مندرجہ ذیل انصار نے مجلس کی نمائندگی کے فرائض انجام دیئے:۔

۱۔ میاں محمد شریف صاحب ای۔ اے۔ سی[۲]

۲۔ شیخ نیاز محمد صاحب (انسپکٹر پولیس)[۳]

۳۔ مرزا برکت علی صاحب[۴]

۴۔ ماسٹر خیر الدین صاحب[۵]

دوم۔ ۲۳ شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو مندرجہ ذیل فیصلے ہوئے:۔

(۱) قائدین اور نائب قائدین باری باری ہر دو ماہ میں ایک دفعہ محاسبہ اور تحریک کی غرض سے مختلف محلوں کا دورہ کیا کریں۔

(۲) مرکزی اجلاس مہینہ میں کم از کم ایک بار ضرور منعقد ہوا کرے۔ اگر کوئی قائد کسی مجبوری کی وجہ سے خود نہ آسکیں تو استثنائی حالات میں نائب قائد ان کی جگہ بطور قائم مقام شامل ہوں تا اجلاس ملتوی

---

[۱] "الفضل" ۲۶ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء

[۲] ریکارڈ مجلس انصار اللہ مرکزیہ، رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱۶۱ کالم ۱

[۳] و [۴] " " " " ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۸۷۔ رپورٹ میں غلطی سے نام نیاز احمد لکھا گیا ہے۔ آپ کا نام مشاورت ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کے نمائندوں میں بھی درج ہے (صفحہ ۱۷۱)

[۵] ریکارڈ مجلس انصار اللہ مرکزیہ، رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱۷۱ کالم ۲

نہ ہوتے رہیں۔

(۳) مقامی اور بیرونی زعماء مجالس میں سے بہترین کام کرنے والے کو حسن کارکردگی کا سرٹیفکیٹ صدر اور قائد متعلقہ کے دستخطوں سے ہر سال سالانہ جلسہ کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے دستِ مبارک سے دلایا جایا کرے۔

زعماء اور عہدیداران مجالس انصاراللہ کا انتخاب سالانہ ہوا کرے۔

بیرونی مجالس انصاراللہ سے ۱/۴ کی بجائے ۱/۲ شرح سے وصول شدہ چندہ کی رقم مرکز میں بھجوائی جایا کرے۔

مجلس کے حساب کی پڑتال کے لئے فی الحال ملک نادر خاں صاحب کو آڈیٹر مقرر کیا جائے۔[۱]

سوم۔ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء تک صرف ۲۴۸ بیرونی مجالس کا قیام عمل میں آیا جن میں سے ۱۲۵ شہری اور ۱۲۳ دیہاتی تھیں۔[۲]

مجلس انصاراللہ کا دوسرا سالانہ اجتماع

مجلس انصاراللہ کا دوسرا سالانہ اجتماع ۲۵ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو مسجد اقصیٰ میں زیر صدارت حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ ناظر دعوۃ و تبلیغ منعقد ہوا۔[۳] تلاوت و نظم کے بعد مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری نائب قائد تبلیغ نے تبلیغ کی اہمیت کے متعلق، آنریبل چودھری محمد ظفراللہ خاں صاحب نے انصاراللہ کے فرائض پر، نواب اکبر یار جنگ بہادر حیدرآباد دکن نے انصاراللہ اور توسیع تعلیم کے عنوان پر، مولوی قمرالدین صاحب مولوی فاضل نے انصاراللہ اور قیام اسلام و احمدیت پر اور حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیّر نے تبلیغ و تربیت کے موضوع پر تقریریں کیں۔ اجتماع میں حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد قائد عمومی مجلس انصاراللہ نے مجلس کی مساعی کی عمومی رپورٹ اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب قائد مال نے اخراجات سے متعلق رپورٹ پیش فرمائی۔ چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا "انصاراللہ کے نام ایک پیغام" کے عنوان سے ایک نہایت ہی مفید اور دلچسپ مقالہ پڑھ کر سنایا۔ آخر میں حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ نے بعض مفید نصائح فرمائیں اور دعا پر اجتماع کی کارروائی اختتام پذیر ہوئی۔[۴]

۱؎ ریکارڈ مجلس انصاراللہ مرکزیہ۔

۲؎ "الفضل" ۱۰ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء۔ افسوس انصاراللہ کے مرکزی ریکارڈ اور "الفضل" دونوں سے اس بارہ میں کوئی رہنمائی نہیں ملتی کہ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء تک ملک میں کل کتنی اور کہاں کہاں مجالس قائم ہو چکی تھیں۔

۳؎ حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ صدر مجلس اپنی علالت کے باعث شامل اجتماع نہ ہوسکے تھے۔

۴؎ "الفضل" ۲۷ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء۔ تفصیلی روداد "الفضل" ۱۰ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء میں چھپ گئی تھی۔

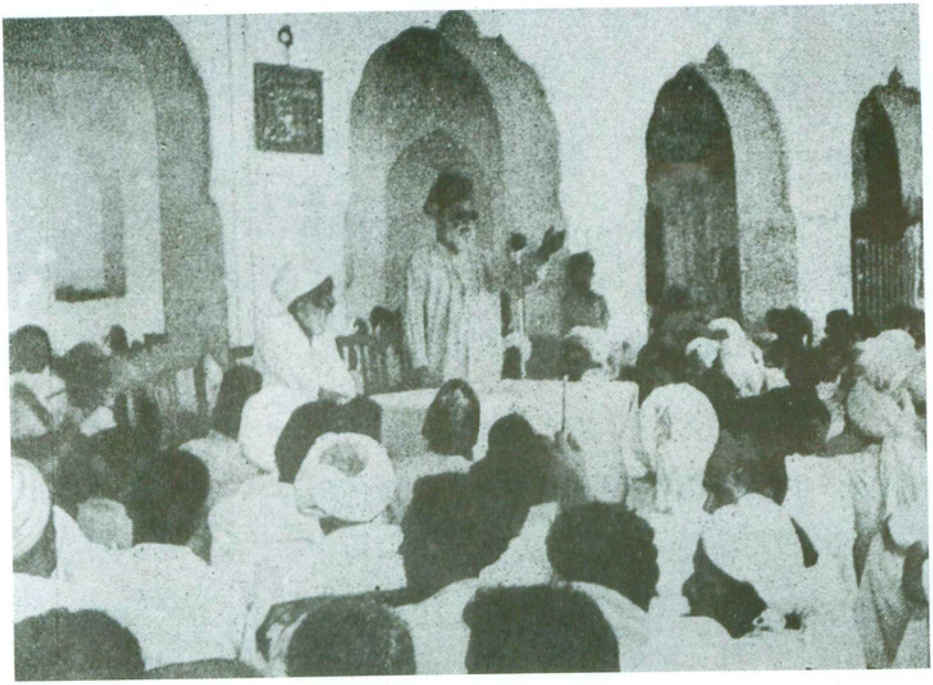

حضرت مفتی محمد صادق صاحب، مسجد اقصیٰ قادیان میں حضرت مولانا شیر علی صاحب
صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی زیر صدارت تقریر فرما رہے ہیں

سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ مجلس انصاراللہ مرکزیہ پاکستان کے پہلے سالانہ اجتماع میں رونق افروز ہیں اور انصار کو شرف مصافحہ عطا فرمارہے ہیں

ارکان مجلس انصاراللہ مرکزیہ (نبوت / نومبر ۱۳۳۴ ہش ۱۹۵۵ء)

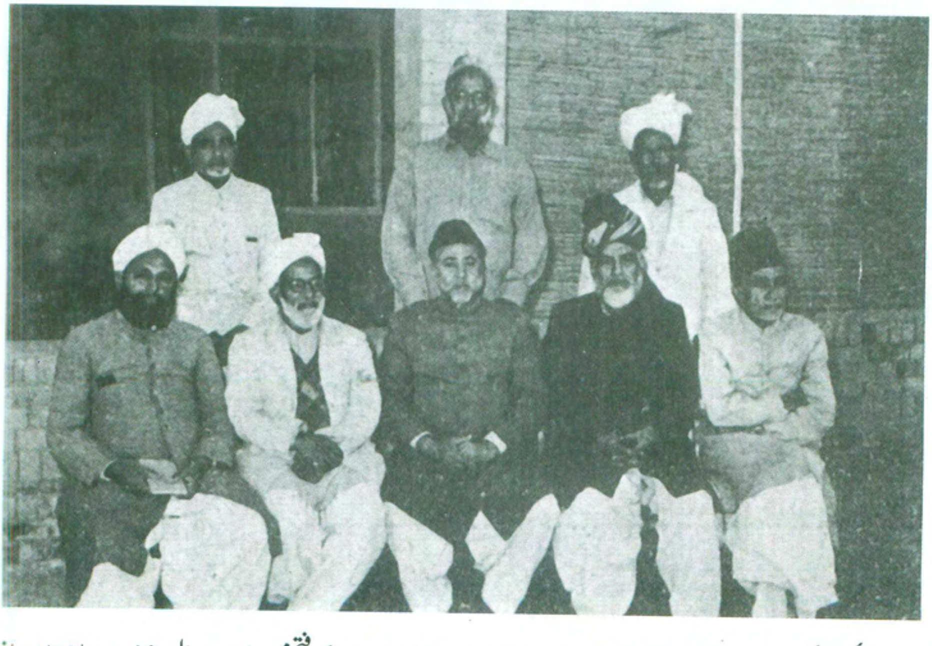

(دائیں سے بائیں) کرسیوں پر حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب، حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال، حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نائب صدر مجلس انصاراللہ مرکزیہ، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد۔ مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری قائد تبلیغ

(پیچھے) مولانا ظہور حسین صاحب مبلغ بخارا۔ مولانا احمد خان صاحب نسیم۔ چوہدری ظہور احمد صاحب

مجلس انصار اللہ کا تیسرا دور

۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں ملک بدنظمی اور فسادات کی لپیٹ میں آگیا۔ اور ساتھ ہی مجلس انصار اللہ کے دوسرے سرگرم قائد حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو بھارتی حکومت نے گرفتار کرلیا اور وہ کئی ماہ تک نظر بند رکھے گئے۔ اس دوران میں مجلس انصار اللہ کے پہلے صدر حضرت مولانا شیر علی صاحب جو مشرقی پنجاب اور قادیان کی کثیر احمدی آبادی کے ساتھ ہجرت کرکے لاہور آگئے تھے۔ ۱۳ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو رحلت فرماگئے جس کے بعد برصغیر میں پیدا شدہ حالات کے باعث مجلس انصار اللہ کی تنظیم بھی کچھ عرصہ تک بالکل معطل رہی۔ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب شہادت/اپریل ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں رہا ہوکر پاکستان پہنچے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ان کو مجلس کا صدر مقرر فرمایا اور نظارت علیا کے ایک کمرہ میں انصار اللہ کا عارضی دفتر بنایا گیا۔

نبوت/نومبر ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء میں حضرت امیر المومنینؓ نے چودھری صاحب کی بجائے حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ناظر اعلیٰ کو صدر تجویز فرمایا۔ علاوہ ازیں اس کی مجلس عاملہ میں کچھ اور بھی تبدیلیاں کی گئیں مثلاً حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل جٹ[۱] کی بجائے چودھری ظہور احمد صاحب آڈیٹر نائب قائد عمومی مقرر کئے گئے۔ اسی طرح مولانا ابوالعطاء صاحب حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال کی جگہ قائد تبلیغ (بعد ازاں قائد رشد و اصلاح) اور نائب قائد تبلیغ مولوی احمد خاں صاحب نسیم بنائے گئے۔

مجلس انصار اللہ کی تنظیم کا چوتھا سنہری دور

حضرت میاں عزیز احمد صاحب چار برس تک صدر مجلس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بالآخر نبوت/نومبر ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس اہم مجلس کی عنان قیادت صاحبزادہ حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کو سپرد فرمائی اور مجلس کی نشأۃ ثانیہ کا ایک سنہری دور شروع ہوا جس سے نہ صرف زندگی کی زبردست روح پھونکی گئی بلکہ اس کے اندر روحانی و اخلاقی اعتبار سے ایک عظیم انقلاب کے آثار نمایاں ہوگئے اور یہ جلد جلد ترقی کی منازل طے کرنے لگی

اس اہم دور کی بہت سی خصوصیات ہیں جن میں سے بطور نمونہ چند کا تذکرہ کرنا ضروری ہے:۔

(۱) انصار اللہ مرکزیہ کے روح پرور سالانہ اجتماعات کا آغاز ہوا جن سے نہ صرف انصار اللہ میں بلکہ جماعت کے دوسرے طبقات میں بھی تربیت، تزکیۂ نفس اور نظام خلافت سے وابستگی کے لئے ایک مثالی ماحول میسر آیا۔

---

[۱] حال امیر جماعت احمدیہ ہندوستان۔

(۲) مجلس کی تنظیم مضبوط اور فعّال صورت اختیار کر گئی۔ انصاراللہ کا ضلع وار نظام قائم کیا گیا۔

(۳) حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی کتب کے امتحانات کا بابرکت سلسلہ جاری ہوا۔

(۴) دستور اساسی کی ازسرِ نو تدوین ہوئی۔

(۵) مجلس کا مستقل دفتر تعمیر ہوا۔

(۶) مستعد مجالس کو عَلَم انعامی دیا جانے لگا۔

(۷) مجلس مرکزیہ نے قابل قدر لٹریچر شائع کیا۔

(۸) حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے متعدد صحابہ کرام کے حالات اور ان کی روایات اُن کی آواز میں ریکارڈ کی گئیں۔

(۹) "انصاراللہ" ہی کے نام سے مجلس کا ایک بلند پایہ علمی و تربیتی ماہنامہ اور مرکزی ترجمان جاری کیا گیا۔

مگر اس عہد زریں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے انصاراللہ کی تنظیم جن بنیادوں پر رکھی تھی اس دَور میں ٹھیک ٹھیک انہی بنیادوں پر یہ ازسرِ نو قائم اور مستحکم ہوئی اور ہو رہی ہے جس کی پُوری تفصیلات انشاء اللہ اپنے مقام پر آئیں گی۔

حضرت امیر المومنین رضؓ سے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ اور سٹیٹسمین کے نامہ نگاروں کی ملاقات

مجلس انصاراللہ کی تحریک پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم دوبارہ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء کے بقیہ واقعات کی طرف آتے ہیں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی وصیت کے شائع ہونے کے بعد لاہور کے مشہور نیم سرکاری انگریزی روزنامہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے تین نمائندے (مسٹر ایچ۔ آر وہرہ، مسٹر اوم پرکاش کھوسلہ اور ملک محمد یوسف صاحب) بذریعہ کار قادیان آئے اور چھ بجے شام سے قریباً ساڑھے نو بجے تک (نماز مغرب کا وقت نکال کر) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ سے ملاقات کی۔[۱]

اس طویل ملاقات کے تاثرات و مشاہدات اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کی یکم ستمبر ۱۹۴۰ء کی اشاعت میں "لاہور ڈائری" کے مستقل کالم کے تحت "مغل خلیفہ سے ملاقات، خاندان کی تاریخ، خوابیں اور پیشگوئیاں" کے عنوان سے شائع ہوئے۔

اخبار کے نامہ نگار نے اپنے تاثرات میں اگرچہ تعصب، تنگدلی اور بیجا قیاس آرائی اور رنگ آمیزی کا

---

[۱] "الفضل" ۲۷ ظہور / اگست ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱ و ۲۔

خوب مظاہرہ کیا۔ مگر بعض باتیں غیر شعوری طور پر اس کے قلم سے ایسی بھی نکل گئیں جن سے اس اہم ملاقات کے بعض گوشے کسی حد تک اپنی اصلی صورت میں نمایاں ہو گئے۔ مثلاً اس نے لکھا[1]

"خلیفہ صاحب سے میری ملاقات تین گھنٹے تک رہی۔ اس دوران میں شام کی نماز کا وقفہ بھی پڑا۔ اُن کے پرائیویٹ سیکرٹری نے مجھے اُن کے حضور میں پہنچایا۔ اس نے سیڑھیوں پر سے بلند آواز کے ساتھ السلام علیکم کہہ کر میری آمد کی اطلاع دی جس کا پُرتپاک جواب خلیفہ صاحب کی طرف سے وعلیکم السلام کی صورت میں آیا . . . خلیفہ صاحب کی دلکش آواز ایک اشارہ تھی کہ ہم چلے آئیں"

"مَیں ایک طویل برآمدہ میں داخل ہوا جس میں ایک درجن کے قریب کُرسیاں پڑی تھیں خلیفہ صاحب نے اُٹھ کر میرا استقبال کیا اور بہت جلد نہایت دلچسپ انٹرویو شروع ہو گیا۔ گو ماحول غیر دلکش تھا۔ برآمدہ تنگ اور بہت لمبا تھا جسے چلمنوں نے دنیا کی نظروں سے چھپایا ہوا تھا۔ اس پُرانی طرز کی عمارت میں ملاقات میرے لئے ایک معمہ ہی رہی۔ مَیں متوقع تھا کہ ملاقات کسی پُرتکلف کمرہ میں کی جائے گی جس میں ایرانی قالین بچھے ہوئے ہوں گے"۔

"جونہی کہ مَیں خلیفہ صاحب کے مقابل پر بیٹھا تو محویت سے اس انسان کی شکل و صورت دیکھنے لگا جسے دعویٰ ہے کہ اُسے تعلق باللہ حاصل ہے۔ میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ خلیفہ صاحب ہندوستانی نہیں ہیں۔ ان کی آنکھوں کی بناوٹ سے یُوں معلوم دیتا تھا کہ وہ وسط ایشیاء کے رہنے والے ہیں۔ ان کی لمبی . . . . . ڈاڑھی میں اُبھرے ہوئے رخساروں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ عجیب طرز کی آنکھیں اور خواب آلود وضع . . . سے بخوبی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ایشیا کے کسی عالی خاندان کا خون اُن کی رگوں میں گردش کر رہا ہے"[2]

"سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے علاوہ ہندوستان کے مشہور انگریزی روزنامہ "سٹیٹسمین" کے بھی ایک نامہ نگار قادیان میں آئے اور حضور سے ملاقات کی جو تاثرات وہ لے کر گئے ان کی نسبت اس نے "سٹیٹسمین" مورخہ ۳۱ اگست ۱۹۴۰ء میں اپنے الفاظ اور اپنے رنگ میں ایک بیان شائع کیا۔ جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی وصیت، جماعت کے صدقہ و خیرات وغیرہ دینے اور بعض دیگر امور کا بھی تذکرہ تھا۔[3]

---

[1] یہاں یہ وضاحت کرنا از بس ضروری ہے کہ اخبار مذکور "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کا اصل پرچہ ہمارے مطالعہ میں نہیں آسکا۔ نامہ نگار کے مضمون کے بعض حصوں کا ترجمہ اخبار "پیغام صلح" مجریہ ۲۱ ستمبر و ۸ اکتوبر ۱۹۴۰ء نے اپنے گمراہ کن اور مخالفانہ تبصرہ کے ساتھ شائع کیا تھا متن میں مندرجہ اقتباسات اسی ترجمہ ہی سے نقل کئے گئے ہیں۔

[2] "پیغام صلح" لاہور ۲۱ ستمبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

[3] رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" (اردو) صلح / جنوری ۱۳۲۰ہش / ۱۹۴۱ء صفحہ ۲۔

ضلع کانگڑہ میں تبلیغ اسلام کی عظیم مہم

علاقہ کانگڑہ کے اچھوت اگرچہ آریہ سماج نے ہندو بنا لئے تھے مگر راجپوت زمیندار اُن کو اپنے چشموں سے پانی نہیں بھرنے دیتے تھے اچھوتوں نے اس ظلم سے تنگ آکر جلسے کئے اور اعلان کیا کہ وہ پچاس ہزار کی تعداد میں مسلمان ہو جائیں گے۔ اس پر چوٹی کے آریہ اور ہندو لیڈر راجہ نریندر ناتھ اور سر گوکل چند نارنگ کانگڑہ پہنچے اور اچھوتوں کو چشموں سے پانی بھرنے کی جبراً اجازت دلوا دی مگر ہندوؤں نے پھر بائیکاٹ کر دیا اور پانی لینے کی اجازت نہ دی جس پر اخبارات میں شور اُٹھا اور مقدمات شروع ہو گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر مسلمانوں کی مختلف انجمنوں نے نمائندے بھیجے۔ مرکز احمدیت کی طرف سے تبوک/ستمبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء میں مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل (سابق یوگندر پال) اور شیخ محمد سلیم صاحب نومسلم وہاں بھجوائے گئے۔ دوسری انجمنوں کے علماء تو سب واپس آگئے مگر مہاشہ صاحب نے زیادہ عرصہ تک قیام کیا اور اچھوتوں میں آزادی کی سپرٹ قائم رکھنے کے علاوہ مسلمانوں کی حفاظت کا کام بھی کرتے رہے اور ان کے حوصلے اس بروقت امداد سے بلند ہو گئے۔[1]

صدر انجمن احمدیہ کی سالانہ رپورٹ کے مطابق مہاشہ صاحب فتح/دسمبر ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء تک کانگڑہ کے دیہات کا دورہ کر کے اچھوتوں کو پیغام اسلام پہنچاتے رہے۔[2] مہاشہ صاحب کی کوششوں سے بعض لوگ اسلام لانے پر بھی آمادہ ہو گئے تھے۔

فصل پنجم

کمال یار جنگ ایجوکیشن کمیٹی کا وفد قادیان میں

کلکتہ میں نواب کمال یار جنگ بہادر کی صدارت میں ایک آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس منعقد ہوئی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ ایک کمیشن مقرر کیا جائے جو یہ رپورٹ پیش کرے کہ مسلمانوں کی تعلیمی اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے؟ بعد ازاں تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء میں فیصلہ کیا گیا کہ ہندوستان کے مسلم اداروں

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء تا شہادت/اپریل ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۷۔

[2] 〃 〃 〃 ہجرت/مئی ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء تا شہادت/اپریل ۱۳۲۱ ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۹۔

کا معائنہ کر کے مفصل کوائف مرتب کئے جائیں[۱] اور اس غرض کے لئے ایک تعلیمی کمیٹی مقرر کر دی گئی جس کے ارکان حسب ذیل تھے :-

۱۔ سر عزیز الحق صاحب سپیکر بنگال لیجسلیٹو اسمبلی۔ وائس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی (صدر)

۲۔ مولوی حاجی ابوالحسن صاحب ایم اے، آئی ای ایس ریٹائرڈ سابق ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن ریاست کشمیر

۳۔ مولوی کے علی افضل صاحب بی ایس سی (ایڈنبرا) بار ایٹ لاء سکرٹری بنگال لیجسلیٹو اسمبلی۔

۴۔ مسٹر بقا محمد خان چیف انسپکٹر آف سکولز بہاولپور سٹیٹ

۵۔ مولوی اسد الحق صاحب ایم۔ اے پرسنل اسسٹنٹ ٹو وی چیئرمین[۲]

فیصلہ کے مطابق کمیٹی کے ارکان نے تین ماہ تک جنوبی ہند کے مسلم اداروں کا اس نقطۂ نگاہ سے معائنہ کیا کہ مختلف مدرسوں میں دینیات اور اسلام کی تعلیم کس طریق پر دی جا رہی ہے۔ ۲۲ تبوک/ستمبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو یہ تعلیمی وفد دو ماہ کے لئے شمالی ہند میں آیا جہاں صوبہ کے مختلف اسلامی مدارس کا دورہ کرنے کے بعد ۲۳ اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو ساڑھے آٹھ بجے شب کی گاڑی سے قادیان پہنچا[۳]

ارکان کمیٹی نے قادیان میں اپنے مختصر قیام کے دوران نہ صرف مرکزی درسگاہوں کا قریب سے مطالعہ کیا بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کی ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا اور بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ خان بہادر مولوی عزیز الحق صاحب صدر کمیٹی نے مولوی حاجی ابوالحسن صاحب ایم اے کی موجودگی میں نمائندہ "الفضل" (ماسٹر محمد ابراہیم صاحب بی اے) کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں اپنے مقصد میں بہت کامیابی ہوئی ہے ہم نے جماعت احمدیہ کے طریق عمل اور طریقہ تعلیم کا مطالعہ کیا ہے۔ بہت سے دوستوں سے گفتگو کر کے اُن کے خیالات کو سُنا ہے۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُن کے خیالات سے ہمارے خیالات کو بہت مدد ملی ہے۔

۱۔ "الفضل" ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵؀

۲۔ "الفضل" ۲۵ اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱؀

۳۔ " " " " ؀ قبل ازیں اس وفد نے ۶ اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو سرینگر کا بھی دورہ کیا۔ وفد کا استقبال کرنے والے معززین میں احمدی صحافی مولوی عبدالواحد صاحب ایڈیٹر اخبار "اصلاح" (و پریذیڈنٹ کشمیر جرنلسٹس ایسوسی ایشن) بھی شامل تھے۔ وفد نے ۹ اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو جماعت احمدیہ کے وفد سے بھی ملاقات کی اور ضروری معلومات حاصل کیں۔ (اخبار "اصلاح" سرینگر ۱۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱ کالم ۳)

ہم نے قادیان میں بہت کچھ دیکھا اور بہت کچھ سُنا۔ اور اس کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہم قدر اور تعریف کے جذبات سے لبریز ہیں۔

حضرت امیر المومنینؓ سے ملاقات کے بارے میں ان کے تاثرات یہ تھے کہ

"ہم نے آج ایک گھنٹہ کے قریب امام جماعت احمدیہ سے ملاقات کی اور ہم نے ان سے جو خیالات سُنے۔ وہ ہماری کمیٹی کے مقصد کے لئے بہت ہی مفید ہیں۔ ہم نے ان سے بہت کچھ حاصل کیا ہے اور ہمارے دل فی الحقیقت آپ کی قدر اور تعریف سے پُر ہیں" [۱]

سلسلہ احمدیہ کی تنظیم کی نسبت انہوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ

"ہم نے جماعتی نظام کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہے۔ آپ کی جماعت اسلام کی بہت خدمت کر رہی ہے اور آپ کا کام اسلام کے لئے بہت مفید ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ مسلمانوں کے ایک حصّہ کو آپ کے عقائد سے اختلاف ہے۔ لیکن آپ کا کام واقعی قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔" [۲]

نقشہ ماحول قادیان

اس سال حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے نہایت محنت اور عرقریزی سے تبلیغ، تنظیم، اور خرید اراضیات کے پیش نظر مرکز احمدیت قادیان کے ماحول کا ایک مفصّل نقشہ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں شائع فرمایا۔ جس میں قادیان کے ارد گرد کا دس دس میل تک کا علاقہ دکھایا گیا تھا۔ اور دیہات کی حدود، اہم راستوں اور نہروں کے علاوہ تھانے، ذیلوں کے صدر مقام، موٹروں کے اڈے، ڈاک بنگلے اور سکول بھی دکھائے گئے تھے۔ نقشہ میں ہر گاؤں کے متعلق یہ اندراج بھی تھا کہ اس میں کس قوم کی آبادی ہے۔ یہ نقشہ پُشت پہ کپڑا لگا کر مجلد کرا دیا گیا تھا۔ اور کتاب کی طرز سے جیب میں بھی رکھا جا سکتا تھا۔ [۳]

اکالی کانفرنس اور احمدیوں کا امن پسندانہ رویہ

قادیان کا نقشہ محض تبلیغی اور تنظیمی مقاصد کے پیش نظر شائع کیا گیا تھا جس کے پیچھے

---

[۱] ان کے انگریزی الفاظ یہ تھے:-

" FULL OF PRAISE AND APPRECIATION FOR HIM "

[۲] "الفضل" ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵ کالم ۱ و ۲۔

[۳] "الفضل" ۷ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ نقشہ کی ایک کاپی خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہے۔

کوئی سیاسی مصلحت ہرگز کارفرما نہ تھی۔ مگر افسوس کہ احمدیت کی مخالف طاقتوں نے جو برسوں سے مخالفت کا محاذ قائم کئے ہوئے تھیں، اس نقشہ کو بھی جماعت احمدیہ کے خلاف اشتعال پھیلانے کا ایک ذریعہ بنا لیا اور سکھوں کو اکسانے کے لئے یہ پراپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ احمدی حکومت سے گٹھ جوڑ کر کے اپنی ریاست قائم کرنے کے منصوبے باندھ رہے ہیں۔[1]

اس سلسلہ میں گورمکھی کا ایک اشتہار بھی شائع کیا گیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ احمدیوں کی طرف ہند کو یہ تحریک کی جا رہی ہے کہ قادیان کے اردگرد دس دس کوس تک ان کی ریاست مان لی جائے جس کے بدلے میں پیسہ اور آدمیوں کے ذریعہ یہ موجودہ گورنمنٹ کی جنگ میں امداد کریں گے۔ اس اشتہار میں ناواقف اور سادہ لوح سکھوں کو بھڑکایا گیا تھا کہ ۱۷ - ۱۸ / نومبر ۱۹۴۰ء کو صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے قادیان کے قریب بوہڑ صاحب میں جمع ہو جائیں۔ یہ بوہڑ صاحب وہی مقام تھا جہاں ۷/ اگست ۱۹۳۹ء کو سکھوں کے مشتعل ہجوم نے مذبح گرایا تھا۔[2]

سکھ وفد قادیان میں

یہ پراپیگنڈہ جب یکایک زور پکڑ گیا تو علاقہ کے سکھوں کا ایک وفد حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لئے قادیان پہنچا۔ تحقیق و تفتیش کے بعد جب یہ سب کہانی من گھڑت نکلی تو وفد مطمئن ہو کر واپس چلا گیا اور اس نے حسب ذیل بیان دیا:-

"ہم نے بصورت وفد قادیان جا کر چوہدری فتح محمد صاحب سیال ناظر اعلیٰ قادیان سے ملاقات کی ہے۔ چودھری صاحب خلیفہ صاحب قادیان کے چیف سکرٹری بھی ہیں۔ ہم نے ان سے دریافت کیا ہے۔ انہوں نے رجسٹر اخبار نقشہ وغیرہ دکھا کر ہماری پوری طرح تسلی کر دی ہے کہ یہ افواہ کہ مرزا صاحب قادیان والے دس دس کوس تک قادیان کے گرد اگرد ریاست بنا رہے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ احمدیوں نے اخبار میں بھی اس افواہ کی تردید کر دی ہے۔ یہ افواہ احراریوں نے اڑائی ہے۔ اور ان کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ احمدیوں اور سکھوں کے تعلقات کو کشیدہ کر دیں۔ . . . ہم اکالی بھائیوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ اگر وہ کانفرنس کریں تو مذہبی کانفرنس کریں۔ . . . ایسی افواہ پر سیاسی تقاریر کر کے علاقہ کی فضا کو خراب نہ

[1] "الفضل" ۲/ نبوت/ نومبر ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۰۔

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ احمدیت" جلد ششم صفحہ ۱۶۹ - ۱۷۰۔

کریں کیونکہ اس علاقہ میں احمدیوں کے سکھوں سے بہت اچھے تعلقات ہیں اور مرزا صاحب قادیان والے ہمیشہ معزز سکھوں سے ہمدردانہ سلوک کرتے رہے ہیں"

دستخط (سردار) نونہال سنگھ ذیلدار کھبالہ، (سردار) بخشیش سنگھ آف بھام، (سردار) بھگت سنگھ ذیلدار پنڈ اروڑی، (سردار) اندر سنگھ ڈسٹرکٹ درباری ڈلہ"[1]

سکھوں کا جلوس اور اجتماع

اس واضح تہدید کے باوجود دشمنانِ احمدیت نے سکھ عوام کو مشتعل کر کے اجتماع کرنے کی تیاریاں اندر ہی اندر جاری رکھیں۔ اور آخر اُن کے جتھے ۱۷ ار نبوت/نومبر ۱۳۱۹ھش/۱۹۴۰ء کو قادیان میں داخل ہو گئے۔[2] پولیس افسروں نے پہلے خود ہی ایک راستہ اُن کے لئے تجویز کیا اور احمدیوں سے کہا کہ وہ ان کے علاقہ سے نہیں گذرے گا۔ مگر جب سکھوں نے احمدی علاقہ سے گذرنے کے لئے اپنا رُخ تبدیل کر لیا تو پولیس روکنے کی بجائے ان کے آگے آگے چل پڑی اور اپنا فیصلہ خود ہی رد کر دیا۔[3]

یہ موقعہ انتہائی نازک تھا اور قریب تھا کہ تصادم تک نوبت پہنچ جاتی۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بروقت راہنمائی اور صبر و تحمل کی تلقین کی بدولت احمدیوں نے حیرت انگیز طور پر اپنے جذبات پر قابو رکھا اور قادیان میں فرقہ دارانہ فساد کرانے کی سب کوششیں ناکام ہوگئیں۔

حُکام کے معاندانہ رویہ پر تنقید

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکام کے معاندانہ رویہ پر زبردست تنقید کی۔ اور فرمایا:-

"ہمیں ضلع کے حکام کی طرف سے یقین دلایا گیا تھا کہ سکھوں کے جلوس کے لئے ایک راستہ معیّن کر دیا گیا ہے اور یہ کہ وہ اسی راستہ کو اختیار کریں گے دوسرا راستہ اختیار نہیں کریں گے لیکن بطور احتیاط ہم نے دوسرے راستے پر اپنے آدمی کھڑے کر دیئے تھے۔ مگر سکھوں نے اپنے معیّن راستہ کو چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کیا جس کے متعلق یقین دلایا گیا تھا کہ وہ اس طرف نہیں جائیں گے۔ اگر احمدی احباب کو یہ ہدایت نہ ہوتی کہ جو سکھ قادیان میں اکٹھے کئے گئے ہیں انہیں اصل حقیقت کا علم نہیں۔ وہ اگر اس دوسرے راستے سے آرہے ہیں تو انہیں گذرنے دیا جائے۔

---

[1] "الفضل" ۱۶ ار نبوت/نومبر ۱۳۱۹ھش/۱۹۴۰ء صفحہ ۶ کالم ۱۔

[2] "الفضل" ۱۹ ار نبوت/نومبر ۱۳۱۹ھش/۱۹۴۰ء صفحہ ۸ کالم ۱۔

[3] "الفضل یکم صلح/جنوری ۱۳۲۰ھش/۱۹۴۱ء صفحہ ۱ کالم ۱-۲۔

توفساد ہونے کا احتمال غالب تھا۔ لیکن بجائے اس کے کہ (حکام ناقل) اس شریفانہ سلوک کی قدر کرتے، انہوں نے سمجھا کہ احمدی ڈر گئے "[۱]

" وہ حکام جو فتنہ پردازوں کے سامنے جیسا کہ گذشتہ اکالی کانفرنس میں ہوا دب جاتے ہیں اور شرفاء کی شرافت سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں وہ ہرگز انتظام حکومت کے قابل نہیں۔ اور وہ اپنے اس قسم کے رویہ سے شرفاء کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ بھی مقابلہ میں شرافت کو چھوڑ کر مفسدہ پردازی کا انسداد جبر اور زور سے کریں۔"[۲]

کانفرنس میں اشتعال انگیز تقریریں

بہرحال جلوس قادیان کی احمدی آبادی میں سے گذرنے کے بعد بیراؤں کے کھُلے میدان میں اکالی کانفرنس دو دن جاری رہی[۳] اور اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اور جماعت احمدیہ کے خلاف بہت بیہودہ سرائی کی گئی۔ اور انتہائی اشتعال انگیز تقریروں کے بعد یہ تجویز پاس کی گئی کہ

" چونکہ اس علاقہ میں اس خبر کے پھیلنے سے کہ مرزا صاحب دس دس میل تک ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں سخت بے چینی پھیلی ہوئی ہے اس لئے حکومت کو چاہیئے کہ اس تجویز کو کامیاب نہ ہونے دے ورنہ علاقہ میں سخت اشتعال پھیلے گا جس کے نتائج بھیانک ہوں گے "[۴]

اس تجویز کی تائید قادیان کے مُلّا عنایت اللہ صاحب احراری نے پُرجوش انداز میں کی۔ اور یہانتک کہا کہ "جب تک ہم زندہ ہیں، مسلمان زندہ ہیں، جب تک گورو گوبند سنگھ کے سنگھ زندہ ہیں، مرزا نواب نہیں ہو سکتا۔"

کانفرنس میں آخری تقریر سردار تیجا سنگھ صاحب کی تھی۔ جنہوں نے کہا :-

" پرسوں مرزائیوں کا ایک وفد ماسٹر تارا سنگھ صاحب سے ملنے گیا تھا۔ ہم لوگ وہاں نہ تھے۔ ماسٹر صاحب پر ان کی باتوں کا کچھ اثر ہو گیا۔ ہمیں کہنے لگے وہ تو اس خبر کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم سکھوں کی دلآزاری نہیں کرتے۔ مَیں نے کہا اس سے زیادہ دلآزاری کیا ہو گی، کہ

---

[۱] و [۲] " الفضل " ۳۱ فتح / دسمبر ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۵ کالم ۱ ۔

[۳] " الفضل " ۱۹ نبوت / نومبر ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۸ کالم ۱ ۔

[۴] " الفضل " ۲۰ نبوت / نومبر ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۱ - ۲ - اس پرچہ میں اکالی کانفرنس کی مفصل روئداد شائع شدہ ہے

گورونانک کو مسلمان کہتے ہیں ۔ پھر کہتے ہیں صاحبزادے شہید نہیں ہوئے ۔ گورو تیغ بہادر نے خودکشی کی ۔ کس قدر ڈوب مرنے کا مقام ہے ۔ ہماری ساری اتہاس پر پانی پھیرنے کی کوشش کی جارہی ہے ۔ اور دلآزاری کیا ہوگی ۔ باقی رہی یہ بات کہ ریاست بنانے سے انکار کرتے ہیں ۔ مَیں تو کہتا ہوں کہ تم ریاست بنانے والے کب پیدا ہوئے ۔ اگر ریاست قائم ہو تو جو لوگ اکالی دَل کی رہنمائی میں قربانیوں کے لئے تیار ہوں وہ ہاتھ اٹھائیں "

لوگوں نے یہ سُنتے ہی ہاتھ اُٹھا دیئے[1] اور عہد کیا کہ وہ کٹ مریں گے مگر احمدیوں کی ریاست نہیں قائم ہونے دیں گے ۔

قیام امن کیلئے انتظامیہ کمیٹی کی تشکیل

اس موقعہ پر چونکہ قادیان اور اس کے ماحول کی فرقہ دارانہ فضا کے مکدّر ہونے کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا اس لئے کانفرنس کے انعقاد سے ایک روز قبل ۱۶ نبوت / نومبر ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کو مرکز احمدیت میں امن عامہ کے قیام ، مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت اور سکھ لیڈروں اور سرکاری افسروں سے گفتگو کرنے اور ان کی مہمان نوازی کے فرائض انجام دینے کے لئے ایک انتظامیہ کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے سیکرٹری اور نگرانِ عمومی حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ مقرر کئے گئے ۔ اس کمیٹی کے ممبروں میں صدر انجمن احمدیہ کے ناظر اعلیٰ اور انجمن کے دوسرے ممتاز ممبر شامل تھے ۔ سرکاری افسروں کے سامنے جماعت کے موقف کی سیاسی نمائندگی کا فریضہ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم اے اور حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی خانصاحب کے سپرد ہوا ۔ سکھوں کے ساتھ گفتگو کے لئے حضرت مولوی عبدالمغنی خاں صاحب کا نام تجویز ہوا ۔ مہمان نوازی کی خدمت حضرت میر محمد اسحٰق صاحب ناظر ضیافت کے ذمہ لگائی گئی ۔ انتظامیہ کمیٹی کے ایک ممبر حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی بھی تھے جن کے فرائض میں پہرہ داروں کا تقرر اور ان کی نگرانی کا کام تھا ۔

اس بروقت اقدام کا یہ فائدہ ہوا کہ اگرچہ سکھ جلوس اصل رستہ چھوڑ کر احمدی آبادی میں سے گذرا اور پھر اس کے مقرروں نے اپنی تقریروں میں جماعت احمدیہ کے خلاف سخت زہر اُگلا اور علاقہ میں زبردست اشتعال پھیلانے میں اپنا پُورا زور صرف کر دیا ۔ مگر اس کے باوجود ان ایام میں کسی قسم کا کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا ۔

---

[1] " الفضل " ۲۱ نبوت / نومبر ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ - ۸ ۔

سکھ اخبار "ریاست" کی طرف سے احمدیوں کی امن پسندی کا اعتراف

جماعت احمدیہ کے نظام اور اس کے صلح کُن اصولوں کی یہ عظیم الشان اخلاقی فتح تھی جس کا اعتراف مشہور سکھ اخبار نویس سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون نے اپنے اخبار "ریاست" دہلی (۲؍دسمبر ۱۹۴۰ء) میں بھی کیا چنانچہ انہوں نے صاف لکھا کہ

"مسلمانوں میں غالباً احمدیوں کا ہی ایک ایسا فرقہ ہے جو گورونانک اور سری کرشن وغیرہ غیر مسلم بزرگوں کو پیغمبر سمجھتے ہوئے اُن کی عزت کرتا ہے اور قادیان کی احمدی جماعت کا یہ ملک پر بہت بڑا احسان ہے جس نے ہندو مسلم اتحاد کی اس راہ کو اختیار کیا۔ احمدیوں کی اس قابل تعریف سپرٹ میں اتفاق پسند حلقوں کے اندر یہ انتہائی افسوس کے ساتھ سُنا جائے گا کہ پچھلے ہفتے جب سکھوں نے قادیان سے دو میل کے فاصلہ پر اکالی کانفرنس کی تو سکھوں کے غیر دوستانہ اور تحکمانہ رویہ کے باعث قادیان کے احمدی حضرات نے اپنے بچّوں اور عورتوں کو گھروں سے نکلنے کی ممانعت کر دی تاکہ فساد نہ ہو اور سکھوں کو اگر احمدیوں کے خلاف کوئی دوسری شکایت نہیں تو اب یہ کہا جا رہا ہے کہ احمدی گورونانک کو مسلمان کہہ کر سکھوں کی توہین کر رہے ہیں۔ ہمیں یاد ہے چند برس ہوئے سکھوں نے ایک احمدی کے خلاف اس الزام میں مقدمہ بھی دائر کیا تھا کہ اس نے گورونانک کو مسلمان کہا۔ اور ہم نے اس مقدمہ پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے سکھوں سے پوچھا تھا کہ اگر کسی نیک مسلمان کو کوئی سکھ یہ کہہ دے کہ "آپ تو نیکی کے لحاظ سے سکھ ہیں" تو کیا اس مسلمان کی توہین ہوگی۔ اسی طرح ہی ہم سکھوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر احمدی گورونانک سے اظہار محبت کرتے اور اپنا سمجھتے ہوئے گورو صاحب کو مسلمان کہتے ہیں تو اس میں سکھوں کی توہین ہے یا احمدی حضرات کے اخلاص و محبت کا انتہائی ثبوت!

ہمیں افسوس ہے کہ سکھوں کا قادیان کی اکالی کانفرنس میں احمدیوں کے خلاف تحکمانہ رویہ اختیار کرنا یا دوستانہ سپرٹ کا ثبوت نہ دینا اتحاد پسند حلقوں میں برچھا گردی اور وحشیانہ پن قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اشاعت مذہب اور اشاعت خیالات کے لئے ضروری ہے کہ رواداری اور محبت کا اظہار ہو تاکہ لوگ اس سے متاثر ہو سکیں نہ کہ غنڈہ پن کا جس سے کہ لوگ نفرت کریں"[1]

---

[1] بحوالہ اخبار "الفضل" ۶؍فتح/دسمبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱-۲

اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کی جھوٹی خبر

اکالی اجتماع کے بعد اگرچہ فضا بہت ہی مکدر ہوگئی تھی مگر اس کشیدگی میں لاہور کے نیم سرکاری اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" نے ۲۸ دسمبر ۱۹۴۰ء کے پرچہ میں یہ غلط خبر شائع کرکے اور بھی اضافہ کر دیا کہ حضرت امام جماعت احمدیہ نے حکومت پنجاب کو سالانہ جلسہ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے موقعہ پر دھمکی دی ہے کہ جماعت احمدیہ عدم تشدد کی قائل نہیں۔ لہٰذا اگر اس نے جماعت احمدیہ کے خلاف پالیسی میں تبدیلی نہ کی تو اس کے بد نتائج کے لئے تیار رہے۔

ہندو پریس کی اشتعال انگیزی

اس سراسر بے بنیاد اور غلط خبر کی تردید سالانہ جلسہ کے موقعہ پر ۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے اجلاس میں کئی ہزار کے مجمع میں کر دی گئی اور پھر ۳۱ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے "الفضل" میں بھی شائع کر دی گئی مگر ہندو پریس نے اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کی پھیلائی ہوئی خبر کو بڑی اہمیت دی اور اخبار "پرتاپ" (۳۰ دسمبر) نے تو پورے صفحہ کی یہ جلی سرخی قائم کی کہ "پنجاب گورنمنٹ اپنی انٹی احمدیہ پالیسی ترک کر دے نہیں تو ہم جوابی کارروائی کریں گے" اور اس کے نیچے یہ عنوان دیا "خلیفہ قادیان مرزا بشیر الدین احمد کی حکومت کو دھمکی کہ ہمارا مذہب ہمیں عدم تشدد کی تعلیم نہیں دیتا"۔[1]

اخبار "پرتاپ" کے علاوہ اخبار "احسان" بھی اس مہم میں شامل ہوگیا اور اس نے سول اینڈ ملٹری گزٹ اور پرتاپ میں شائع شدہ غلط بیانی کا ایک فقرہ لے کر "قادیانی اور کانگرس" کے عنوان سے یکم جنوری ۱۹۴۱ء کی اشاعت میں ایک مقالہ افتتاحیہ بھی لکھ دیا۔[2]

اخبار "پرتاپ" کی دوبارہ زہر چکانی

اصل حقیقت کھل جانے پر اخبار "پرتاپ" نے جماعت احمدیہ کی مخالفت کے لئے پھر پہلی افواہ کو پھیلانا شروع کر دیا۔ چنانچہ ۷ جنوری ۱۹۴۱ء کے شمارہ میں لکھا:-

"معلوم ہوتا ہے کہ احمدیہ جماعت قادیان کو ایک ایسی سٹیٹ بنانا چاہتی ہے جس میں ان کی مطلق العنان حکومت ہو جس میں سوائے اس جماعت کے کوئی جماعت یا فرقہ اپنے دھارمک یا

---

[1] بحوالہ "الفضل" ۲ صلح/جنوری ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء

[2] " " " " صفحہ ۱

مجلسی جلسے بھی منعقد نہ کر سکے۔ مگر قادیانی اصحاب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک علیحدہ سٹیٹ بنانے کے متعلق ان کے خواب پورے نہیں ہوسکتے۔ یہ بیسویں صدی ہے۔ اس میں اس قسم کی مطلق العنانی نہیں چل سکتی "۔ [1]

فتنہ دوسری شکل میں

چند ماہ بعد فتنہ نے ایک نئی کروٹ لی۔ ہوا یہ کہ سکھوں کے ایک اخبار "شیر پنجاب" نے ۲۷ اپریل ۱۹۴۱ء کے پرچہ میں "قادیان میں فرقہ دارانہ جنگ کی تیاریاں" کے عنوان سے چودھری فتح محمد صاحب سیال کی ۱۹۲۹ء کی ایک ذاتی یادداشت کو "گشتی چٹھی" اور "ایک خفیہ سرکلر" کا نام دے کر لکھا کہ جماعت احمدیہ کے ناظر اعلیٰ نے ایک خفیہ سرکلر یا گشتی مراسلہ احمدیوں کو بھیجا ہے جس میں فرقہ دارانہ جنگ کے لئے تیاری کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ منافرت پھیلانے کی یہ ایک خطرناک کوشش تھی جس کا سدّباب کرنے کے لئے اخبار "الفضل" نے ۳، ۱۷ ہجرت/مئی ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء کی اشاعتوں میں پُر زور اداریئے لکھے اور بتایا کہ جماعت احمدیہ کے ناظر اعلیٰ نے ایسا کوئی مراسلہ جاری نہیں کیا اور جو تحریر سرکلر قرار دی جارہی ہے وہ حضرت چوہدری صاحب کے محض پرائیویٹ اور ذاتی نوٹ تھے جو "حفاظت قادیان" کے عنوان سے اُس زمانہ میں لکھے گئے جبکہ سکھوں نے ۷ اگست ۱۹۲۹ء [2] کو پولیس کی موجودگی میں مذبح گرا دیا تھا اور قادیان پر حملہ کر کے اُسے لُوٹ لینے کی دھمکیاں دی تھیں۔ چوہدری صاحب نے از خود چند حفاظتی تجاویز کاغذ کے ایک پُرزہ پر لکھیں جو نہ شائع ہوئیں نہ کہیں بھیجی گئیں۔ نہ ان پر کوئی عملدرآمد ہوا۔ کاغذ کا یہ پرزہ کسی طرح مصری پارٹی [3] کے ہاتھ آگیا۔ یہ لوگ پہلے تو عام سکھوں کو یہ کاغذ دکھاتے رہے مگر اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔ البتہ سکھ اخبار "شیر پنجاب" نے اُسے خوب اُچھالا اور ہندو اور مسلمان اخباروں میں اس کی بازگشت سُنائی دینے لگی۔ ہندو پریس جو اُن دنوں جماعت احمدیہ کی مخالفت میں بہت پیش پیش تھا۔ (الفضل کی تردید کے باوجود) برابر اس کی اشاعت کرتا رہا۔ بلکہ اخبار "پرتاپ" (۲۳ مئی ۱۹۴۱ء) نے تو حکومت کو مخاطب کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ

"کیا وہ خفیہ سرکلر جو جماعت احمدیہ کے صدر مقام سے احمدیوں کے نام جاری ہوا ہے پنجاب گورنمنٹ کی نظر سے گذرا ہے؟ اور گذرا ہے تو اس نے اس بارہ میں کیا کارروائی کی ہے۔ یہ

---

[1] بحوالہ "الفضل" ۸ صلح/جنوری ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۱۔

[2] اس واقعہ کی تفصیل "تاریخ احمدیت" جلد ششم (صفحہ ۱۶۹ - ۱۷۱) میں موجود ہے۔

[3] "الفضل" یکم احسان/جون ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۵۔

سرکلر یقیناً اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے خلاف ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت کارروائی کی جائے۔" ؎۱

اخبار "الفضل" کا چیلنج

اخبار "الفضل" (۲۴ ہجرت/مئی ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء) نے اخبار "پرتاپ" اور اس کے ہم نوا دوسرے اخباروں کو جو مسلسل تردید کے باوجود غلط بیانی اور مغالطہ انگیزی سے باز نہیں آرہے تھے، کھلا انعامی چیلنج کیا کہ اگر وہ اس نام نہاد سرکلر کی کاپیاں مہیا کر دیں تو انہیں ہر کاپی پر سو روپیہ انعام دیا جائے گا۔ مگر ایسا کوئی سرکلر تھا ہی نہیں تو وہ کہاں سے لاتے۔ اور جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے وضاحت فرمائی کہ

"اگر کوئی ایسا سرکلر بھیجا جاتا تو وہ ناظر امور عامہ کی طرف سے ہونا چاہیئے تھا نہ کہ ناظر اعلیٰ کی طرف سے۔ ہمارے نظام کے لحاظ سے اس کا تعلق ناظر امور عامہ سے ہے ناظر اعلیٰ سے نہیں یہ امر بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ ایسا کوئی سرکلر ہے ہی نہیں۔ ناظر اعلیٰ تو آئینی لحاظ سے ایسا سرکلر بھیجنے کا مجاز ہی نہیں۔ ناظر اعلیٰ کی طرف سے ایسے سرکلر کا بھیجا جانا تو ہمارے کانسٹی ٹیوشن کے ہی خلاف ہے۔ اگر ایسا سرکلر بھیجا جاتا تو ناظر امور عامہ کی طرف سے بھیجا جاتا۔ پس یہ بات سرے سے بناوٹی ہے۔" ؎۲

سرکلر کا دوبارہ شاخسانہ

اب حقیقت پوری طرح کھل چکی تھی۔ مگر چونکہ جماعت احمدیہ کی مخالفت کرنے والے ہندو، سکھ اور کانگرس نواز عناصر کا مقصد جماعت احمدیہ کو بدنام کر کے اسے عوام اور حکومت کی نظروں میں گرانا اور نقصان پہنچانا تھا۔ اس لئے کچھ عرصہ کے بعد اس مفروضہ سرکلر کا شاخسانہ دوبارہ کھڑا کر دیا گیا۔ اور اس دفعہ اس پراپیگنڈے کا آغاز حکومت کے ایک آفیسر یعنی سردار بچن سنگھ سب انسپکٹر پولیس بٹالہ کی طرف سے کیا گیا اور حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال ناظر اعلیٰ کے خلاف اس زور اور شدت سے افواہیں پھیلائی گئیں کہ حکومت کے بعض وزراء بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئے اور جماعت احمدیہ کی نسبت بدگمانیوں کا دروازہ پہلے سے بہت زیادہ وسیع ہو گیا۔

حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال کا وضاحتی بیان

جب صورت حال اس درجہ پیچیدہ ہو گئی تو نمائندہ "الفضل" نے چودھری فتح محمد صاحب کا مفصل انٹرویو

؎۱ بحوالہ "الفضل" ۲۴ ہجرت/مئی ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۱ کالم ۳-۴۔

؎۲ "الفضل" یکم ماہ احسان/جون ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۵ کالم ۳-۴۔

شائع کیا جس میں اصل واقعات اور ان کے پس منظر پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی تھی۔ اس اہم انٹرویو کا ایک حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"مَیں گذشتہ پندرہ سال میں متواتر ضلع گورداسپور کے دیہات کا دورہ کرتا رہا ہوں اور مختلف دیہات میں میرے لیکچر ہوتے رہے ہیں جن کی تعداد ایک سال میں اوسطاً پچاس تک رہی ہے لیکن پولیس ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کر سکتی جس سے ثابت ہو کہ مَیں نے کبھی سکھوں اور مسلمانوں یا سکھوں اور احمدیوں کو ایک دوسرے کے خلاف اکسایا۔ اس کے برعکس مَیں نے ہمیشہ انہیں آپس میں پُرامن اور محبت سے رہنے کی تلقین کی۔ پولیس میری تقریروں کو نوٹ کرتی رہی ہے۔ اور وہ دیکھ سکتی ہے کہ مَیں نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے مسلمانوں یا احمدیوں کو سکھوں کے خلاف مشتعل کیا گیا ہو۔ ہاں مَیں سکھ اور مسلمان دیہاتیوں کو یہ تلقین کرتا رہا ہوں کہ سودی لین دین سے پرہیز کیا جائے اور ساہوکاروں کے پنجے سے بچیں علاوہ ازیں قانون انتقال اراضی کی بعض دفعات کی وضاحت کی جاتی رہی ہے تا عوام اس سے فائدہ اُٹھائیں۔

نیز مَیں عوام کو یہ بھی کہتا رہا ہوں کہ بدمعاشوں کے خلاف پولیس کی امداد کی جائے تا گاؤں کے پُرامن لوگ نقصانات سے بچ جائیں۔ علاوہ ازیں جنگی امداد کی تحریک کرتا رہا ہوں اور حضرت امام جماعت احمدیہ کے جنگی امداد سے متعلق خطبات کو دیہاتیوں تک پہنچاتا رہا ہوں۔

شرارت کے وجوہ کے ذکر میں جناب چوہدری صاحب نے فرمایا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ میرے خلاف ایجی ٹیشن پھیلانے والے دو طبقے ہیں۔ اوّل پولیس کا رشوت خور عنصر اور دوسرے ساہوکار طبقہ۔ ظاہر ہے کہ ان ہر دو گروہوں میں انسانی ہمدردی کا جذبہ بالکل مفقود ہوتا ہے۔ اور اب چونکہ یہ عناصر ختم ہونے پر ہیں اس لئے انہیں گھبراہٹ ہو رہی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ مجھے اس بات سے سخت رنج ہے کہ میرے سکھ دوستوں میں میرے خلاف پروپاگنڈہ کر کے خطرناک قسم کی بدظنی پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن مَیں اس کے متعلق فی الحال صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں اور سکھوں میں جو جاٹ قوم کا حصہ ہے اُن کو یقین دلاتا ہوں کہ میری تکالیف کی اصل وجہ زمینداروں کی خیر خواہی ہے خواہ وہ مسلمان

ہوں یا ہندو یا سکھ۔ ان کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ جب کسی غیر زراعت پیشہ سکھ کی طرف سے پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے تو اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

اس ضمن میں اس امر کا بھی ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ ۱۹۴۰ء میں اس علاقہ میں زمینداروں نے اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے ایک کمیٹی بنائی تھی جس میں علاقہ کے معزز ہندو سکھ اور مسلمان زمیندار شامل تھے۔ ان لوگوں نے بالاتفاق مجھے صدر منتخب کیا تھا اور اس کے متعدد اجلاس موضع بگول۔ قادیان اور دیگر مقامات پہ ہوئے۔ اس کمیٹی کی اغراض میں یہ بھی تھا کہ زمینداروں کو ساہوکاروں سے اور رشوت خور افسروں سے بچایا جائے۔ نیز زمینداروں کی فلاح و بہبود کے لئے جو قوانین پاس کئے گئے ہیں ان کی وضاحت مقصود تھی تا زمیندار اُن سے کماحقہٗ فائدہ اُٹھا سکیں۔ ایک ساہوکار نے اٹھتیس سالہ گروی ناموں کو واپس کر کے بعض بیوقوف زمینداروں سے بیس سالہ یا دس سالہ مستاجری لکھوانی شروع کر دی تھی۔ ان جلسوں میں زمینداروں کو بتایا گیا کہ وہ ساہوکاروں کے اس قسم کے ہتھکنڈوں سے بچیں۔ انہی دنوں اسی ساہوکار کی سازش سے میرے خلاف ایک غیر زراعت پیشہ تھانیدار کے زمانے میں ایک خود غرض اور پولیس کے ہاتھ میں کھیلنے والے زمیندار سے رپورٹیں لکھوائی گئیں اور مجھے بدنام کرنے کی کوشش کی گئی" [1]

مرزا سلیم بیگ صاحب کارکن اعلیٰ ہائیکورٹ حیدرآباد دکن وسیاح بلاد اسلامیہ قادیان میں

مرزا سلیم بیگ صاحب کے دادا مرزا عبدالقادر بیگ صاحب اور حضرت ام المومنین کی نانی اماں محترمہ حضرت قادری بیگم صاحبہ دونوں حقیقی بھائی بہن تھے۔ ان خاندانی تعلقات کی تجدید مرزا سلیم بیگ صاحب کو دوبارہ فتح / دسمبر ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء میں قادیان لے آئی۔ مرزا سلیم بیگ صاحب کی آنکھ نے مرکز احمدیت میں کیا دیکھا؟ اس کی تفصیل خود ان کے قلم سے لکھی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"۱۹۰۹ء کی بات ہے جبکہ میں دہلی میں میاں بشیرالدین محمود احمد (خلیفۃ المسیح) اور آپا نصرت جہاں بیگم (امّ المومنین) سے ملا تھا۔ عرصہ تک پھر ملنا نہیں ہوا۔ حالانکہ ڈاکٹر.. محمد اسمٰعیل صاحب سے بارہا دہلی میں ملنا جلنا رہا۔ حیدرآباد کی ملازمت نے وطن سے دُور کر دیا۔ بیگانے

---

[1] "الفضل" ۱۹ / صلح / جنوری ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۱۔

اپنے ہوگئے اور اپنے بیگانے۔ کنبہ کے بہت سے لوگ نئی پیداوار کے ہیں۔ یہ نہ جانتے ہیں نہ پہچانتے ہیں۔ اور ان باتوں کا موقع بھی نہیں ملتا۔ دہلی کا کنبہ ہندوستان کے چاروں کھونٹوں میں آباد ہوگیا ہے۔ ہر شخص نے اپنا نیا کنبہ بنا لیا ہے اور نئی جنت بنا ڈالی ہے۔ مَیں بھی اپنی دُنیا میں بہرحال آباد ہوں۔ اسی طرح قادیان میں ایک کنبہ آباد ہے جو لوگ جانتے ہیں وہ جانتے ہیں۔ زندگی میں دوچار دفعہ ملنا ہوگیا ہے۔ ہم ختم ہوئے اور کنبہ داری کی زنجیر ٹوٹی۔ شجرے کی کسی ٹہنی میں ہمارا بھی نام لٹکا ہوگا۔ گرچہ بسے گذشت کہ نوشیروان نماند۔

اکثر دل چاہتا تھا کہ قادیان جاؤں اور ایک دفعہ تو مل آؤں۔ مگر دہلی تک جا کر اتنی دلچسپیاں بڑھ جاتی تھیں کہ رخصت کا مختصر زمانہ دہلی کی جنت میں ختم ہو جاتا اور قادیان جانے کی نوبت نہ آتی۔ تمنا تو ہمیشہ رہی مگر کبھی شرمندہ تعمیل نہ ہوئی۔ بالکل اتفاق تھا کہ ۱۹۳۹ء میں حضرت میاں محمود احمد صاحب حیدرآباد تشریف لائے اور عزیزوں سے ملنے کا انہوں نے خاص انتظام کیا۔ دید اور بازدید ملاقاتوں میں تجدید محبت ہوئی۔ یا یوں کہئے کہ بچھڑے ہوئے اپنی زندگی میں پھر ملے۔ حیدرآباد کی یہ ملاقاتیں میرے قدیم خیال کو تقویت پہنچانے لگیں۔ سن ۱۹۴۰ء میں کلکتہ گیا تو جنگ کی وجہ سے بازاروں میں سرد بازاری پائی اور طبیعت نے قرار نہ لیا۔ اور قادیان کے ارادہ سے کلکتہ سے دہلی پہنچا۔ اور دہلی سے قادیان۔ قادیان اور جماعت احمدیہ کی جو تصویر مَیں نے ذہن میں تیار کی تھی، وہ اس کے خدوخال تازہ کرنا چاہتا تھا کہ علی الصبح گاڑی بدلنے کے لئے امرتسر کے اسٹیشن پر اُترنا پڑا۔ پلیٹ فارم پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ بہت سے مسافر قادیان کا ارادہ رکھتے ہیں۔ نماز اور ضروریات سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کا پُرسان حال ہوا۔ چنانچہ میرا تعارف بھی بہت سے اشخاص سے ہوا۔ اور کرایا گیا۔ . . . . ناشتہ کے لئے کئی اصحاب نے مجبور کیا۔ . . . بعض احباب نے تو اتنا کھلایا کہ مَیں نے اُن کے دسترخوان پر سے اُٹھنے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ کھانا وہ لوگ کھا رہے تھے اور مَیں ہاضمہ کی دوا اور ہیضہ کے انسداد پر غور کر رہا تھا۔ گاڑی جب بٹالہ پہنچی تو چاء میں مجھے شریک ہونا پڑا۔ تواضع اور اخلاق کی مشین گن نے ایک پیالی چاء کی گنجائش نکال ہی لی اور قہر درویش برجان درویش شکریہ کے ساتھ چاء پی۔ بٹالہ سے گاڑی بدل کر قادیان جانے والی گاڑی میں سوار ہوگئے۔

لیجئے صاحب! مَیں قادیان پہنچ گیا۔ ڈاکٹر صاحب اور عرفانی صاحب نے اسٹیشن پر ہی گلے لگایا۔ گلے ملتے اور باتیں کرتے ڈاکٹر صاحب کے ہاں پہنچے۔ ہاتھ مُنہ دھویا۔ چاء اور تکلفات تو یہاں بھی بہت تھے مگر مجھے اپنی سلامتی کی ضرورت تھی۔ محمود احمد صاحب عرفانی کو لے کر نکل گیا۔ یہ وہ شہر ہے جس کا نام برسوں سے سُنتا آرہا تھا۔ ہر مکان کو دیکھتا۔ ہر مکین پر نظریں جماتا، بازار کو دیکھتا، اور دوکانداروں کو گھورتا، اس شہر نما قصبہ میں گذرتا رہا۔ قادیان کی وضع تو پنجاب کے اور قصبوں کی سی ہے مگر جماعت کے اتحاد، اتفاق اور تنظیم نے اس کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ بڑے بڑے بنگلہ خانہ باغ، سڑک، مدرسے، بورڈنگ ہاؤس، اسپتال، بازار اور ساہوکارہ، برقی پریس، اطبار یُونانی، ویدک دواخانہ، کارخانے جیسی چیزیں یہاں موجود ہیں۔ یہاں کی آبادی میں حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان کے افراد آباد ہیں، جماعت کے کارکن آباد ہیں۔ وہ بھی آباد ہیں جو اعتقاد و ایمان سے قربت چاہتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو قربت حاصل کر چکے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو ترکِ وطن کر کے آباد ہوئے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو جماعت کی خاطر مقیم ہیں۔ ایسے طالب علم بھی ہیں جو شوق تبلیغ میں علم حاصل کر رہے ہیں۔ ایسے طالب علم بھی ہیں جو مدارس میں ابتدائی تعلیم کے لئے بورڈنگ میں ہیں۔ جماعت کا ہر شعبہ ایک افسر کی نگرانی میں ہے اور اس افسر کا عملہ اور دفتر علیحدہ ہے۔ تمام دُنیا کے ڈاک خانوں سے یہاں ڈاک آتی ہے اور جاتی ہے تار آتے ہیں اور جاتے ہیں۔ اس لئے قادیان کو قصبہ کہنا تو غلطی ہے۔ اچھا خاصہ شہر ہے اور انشاء اللہ تعالےٰ روز بروز اس میں ترقی ہی ہوگی کیونکہ جواں ہمت اور جواں عزم جماعت کام کر رہی ہے اور پابند ملت مسلمانوں کی بستی ہے جو بستے بستے بسی ہے۔

عرفانی صاحب کے ساتھ مَیں جماعت کے مقامات دیکھتا، یادگاروں پر نظر ڈالتا قدیم بستی میں آپا نصرت جہاں بیگم کے پاس پہنچا۔ یہاں جماعت کی طرف سے مسلح پہرہ ہے۔ اطلاع کرائی گئی اور زنانہ میں بُلا لیا گیا۔ آپا نے بڑھ کر مجھے اپنے کمرہ میں لیا اور نہایت کماری آواز سے سلام علیکم کہا۔ مزاج پوچھا۔ خیریت دریافت کی۔ حالات پوچھے۔ گذرے ہوؤں کا ذکر کیا۔ زندوں کو دعا دی۔ عزیزوں کو نام بنام دریافت کیا اور پھر حاضر ہونے کے وعدہ پر میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب سے ملنے باہر چل دیا۔ میاں مجھ سے ایک سال چھوٹے ہیں۔

پنجاب کی آب و ہوا میں رہ کر وہ کسبِ علم اور جماعت کی ضروریات کے انہماک میں رہ کر مجھ سے بڑے معلوم ہوتے ہیں۔ قوی مغلوں کے سے ہیں۔ آنکھوں میں چمک ویسی ہی ہے چہرے کی دونوں ہڈیاں اُبھری ہوئی ہیں۔ کشادہ پیشانی، بلند قامت ہیں۔ گفتار اور رفتار میں مردانہ وضع ہیں۔ میاں جس مکان میں رہتے ہیں یہ اُور بھائیوں کے مکانات سے ملا ہوا ہے۔ حصّے جُدا جُدا ہیں مگر آپس میں سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ ان مکانوں تک موٹر آجاتی ہے۔ یہاں سے قریب ہی مسجد اقصیٰ ہے اور اسی مسجد میں مینارۃ المسیح ہے۔ یہیں نمازِ جمعہ ہوتی ہے۔ مسجد شاندار نہیں کیونکہ تھوڑی تھوڑی بنی ہے اور ہر حصّہ اپنے پہلے حصّہ سے جدا معلوم ہوتا ہے۔

قادیان کے قیام میں میرا ناشتہ تو ڈاکٹر صاحب کے ہاں ہوتا۔ اُور وقتوں کے کھانے دعوتوں کی صورت میں ہوتے۔ دعوتوں سے وقت بچتا تو قادیان کے قرب وجوار کے مقامات دیکھنے میں صرف کرتا۔ محمود احمد عرفانی میرے ساتھ تھے اور جدھر مونہہ اُٹھتا اُدھر نکل جاتے۔ پنجاب کی آب و ہوا دسمبر کا مہینہ، مرغّن اور مکلّف کھانے کھاتا بھی اور ہضم بھی کر جاتا۔ اگر حیدر آباد میں ایک ہفتہ بھی بد پرہیزی کر جاتا تو اپریشن نہیں تو کم از کم تنقیہ معدہ کی ضرورت لاحق ہو جاتی۔ عزیزوں نے محبّت سے کھلایا اور ایک عزیز مسافر نے آنکھیں بند اور دل کھول کر مسافر نوازی کی داد دی۔ میرا قیام تو ڈاکٹر صاحب کے ہاں تھا مگر مہمانی پورے قادیان نے ادا کی۔ ڈاکٹر صاحب اکثر جگہ ساتھ ہوتے مگر وہ نقرس کے مرض سے مجبور ہو گئے ہیں آہستہ چلتے ہیں۔ آہستہ بات کرتے ہیں۔ نہایت متین، سنجیدہ اور حلیم ہیں۔ سب سے محبّت سے پیش آتے ہیں۔ سب کی خاطر کرتے ہیں۔ سب سے خوش ہو کر ملتے ہیں۔ دہلی کی قدیم وضع کا مکان ہے جس میں پائین باغ ہے۔ پنشن لے لی ہے اور قادیان میں اطمینان کی زندگی گذار رہے ہیں۔

جب تک مَیں قادیان میں رہا گویا مَیں دارالسلام میں رہا۔ نہ تو موسم کی تیزی نے کوئی بُرا اثر کیا اور نہ میری بد پرہیزی نے میرا کچھ بگاڑا۔ آپا صاحبہ (ام المومنین) کا یہ وطیرہ رہا کہ علی الصبح مرے پاس پہنچ جاتیں اور دروازہ کو کھٹک کر اندر آجاتیں۔ سلام علیکم کرتیں اور باتیں شروع

کر دیتیں۔ ئیں لحاف اوڑھے پلنگ پر بیٹھا ہوتا اور ٹہل ٹہل کر باتیں کرتی جاتیں۔ آواز میں کرارہ پن باقی ہے۔ ہاتھ پاؤں تندرست اور سیدھے ہیں۔ آنکھیں کام دیتی ہیں۔ قویٰ میں توانائی اور چستی معلوم ہوتی ہے اور بات کو معقولیت سے سنتی ہیں اور معقولیت سے جواب دیتی ہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ پر گفتگو کرتی ہیں اور بے دھڑک خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔ پان کا زیادہ شوق ہے باتیں کرتی جاتیں ہیں اور پان کھاتی جاتی ہیں۔ دِلّی والوں کا سا لباس ہے۔ اُونی پائتابہ پہن کر گرم رنگین تنگ موری پاجامہ پہنتی ہیں۔ گرم اُونی کُرتہ پر سویٹر پہن کر کشمیری شال سر سے اس طرح اوڑھتی ہیں کہ سر بھی ڈھک جاتا ہے اور مفلر بھی معلوم ہوتا ہے۔ اوورکوٹ پہن کر ان سب کو ایک جگہ کر لیتی ہیں۔ ایک ہاتھ میں تسبیح اور ایک میں دستانہ ہوتا ہے۔ علی الصبح بعد نماز گھر سے نکلتی ہیں۔ پہلے عزیزوں کے ہاں، دوستوں کے ہاں، اخلاص مندوں اور معتقدوں کے ہاں جاتی ہیں۔ اس میں مزاج پُرسی، دریافتِ حال، عیادت اور تیمارداری سب ہی کچھ ہوتا ہے۔ کہیں بچوں کا علاج کرتی ہیں اور کہیں بڑوں کی مزاج پُرسی، کسی جگہ دوا بتاتی ہیں اور کہیں دوا خود تیار کر کے دیتی ہیں۔ دِلّی کی بڑی بوڑھی بیگمات کا یہ طریقہ تھا کہ بچوں کے درد دُکھ کا علاج گھر کی بڑی بوڑھی بیگمیں کیا کرتی تھیں۔ وہی آپا صاحبہ کا طریقہ کار ہے اور اس علاج معالجہ میں ان کو اچھی دستگاہ ہے۔ چھوٹے چھوٹے چٹکلے بچوں کے معمولی امراض میں بہت مفید ہوتے ہیں۔ دس گیارہ بجے تک وہ اپنی اس مصروفیت سے فارغ ہو کر گھر پہنچ جاتی ہیں۔ دوپہر کا کھانا کھا کر آرام کرتی ہیں۔ ظہر اور عصر کی نماز تک گھر میں بہو بیٹیوں سے ملتی رہتی ہیں اور شام کو پھر چہل قدمی کو نکل جاتی ہیں۔ اس پروگرام کی وہ حتی المقدور پابندی کرتی ہیں۔ اس وقت ان کی عمر (۷۵)[1] سال ہے مگر ارادہ میں جوان ہیں عمل میں جوان ہیں۔ پنے عزم میں جوان ہیں۔ ایک بارُعب کمانڈر کی طرح قادیان کی آبادی پر اثر ہے۔ جس طرح خلوص اور محبت سے ملتی ہیں۔ اسی طرح رُعب اور اثر سے کام لیتی ہیں۔ ان امور میں اُن کو دلچسپی ہے اور اسی کو انہوں نے اپنا شغل بنا رکھا ہے۔ جس طرح کُنبہ کو اُن کی ضرورت ہے۔ اسی طرح قادیان کی

---

[1] اصل بیان میں واوین کے درمیان کوئی لفظ نہیں تھا۔ مگر چونکہ حضرت ام المومنین کی ولادت ۱۸۶۵ء میں ہوئی اس لئے یہاں مرتب کی طرف سے معیّن عمر لکھ دی گئی ہے۔

آبادی کو ان کی ضرورت ہے۔ یہ بلالحاظ مذہب و ملت ہر ایک سے حسن سلوک کے ساتھ ملتی ہیں۔ جو کچھ ممکن ہوتا ہے اس کی خدمت کرتی ہیں۔ اطمینان اور دلاسہ دیتی ہیں۔

بہرحال برسوں کی آرزو پوری کرکے عزیزوں سے مل کے، قادیان کو دیکھ کے، قادیان سے رخصت ہوگیا۔ جی تو چاہتا ہے کہ ایک دفعہ اور ہو آؤں مگر

"اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"

اب تک تو یہی ہو رہا ہے آئندہ کی خبر خدا جانے۔ والسلام۔

سلیم بیگ" [1]

مرزا سلیم بیگ صاحب کا ایک اور تحریری بیان

مرزا سلیم بیگ صاحب نے اپنے سفر قادیان کے تاثرات کا اظہار اپنے ایک دوسرے تحریری بیان میں بھی کیا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا:-

"۱۹۲۷ء میں پہلی مرتبہ مجھے قاہرہ (مصر) جانے کا اتفاق ہوا۔ میں قاہرہ میں ٹھہر گیا۔ اور مرے ہمسفر دوست دو روز قاہرہ میں ٹھہر کر یورپ چلے گئے۔ تقریباً ایک ہفتہ کے بعد مجھے قاہرہ میں محمود احمد صاحب عرفانی سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ کچھ وطنیت کچھ سلسلہ واقفیت نے ہم دونوں کو اس طرح متحد کیا کہ میرا اکثر وقت محمود احمد صاحب عرفانی کے ساتھ گذرنے لگا۔ عرفانی صاحب قاہرہ میں جماعت احمدیہ کی طرف سے مبلغ اسلام تھے اور وہاں اپنے مشن کا کام مصریوں میں نہایت ہی خوبیوں کے ساتھ کر رہے تھے۔ اجنبیت اور غیر ملکی ہونے کے باوجود عرفانی صاحب نے مصری شرفاء کی مجلسوں میں اچھا رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ نامور اور ذمہ دار ہستیوں سے مراسم رکھتے تھے۔ اس لئے عرفانی صاحب کی وجہ سے مجھے قاہرہ اور زندگی قاہرہ کے مطالعہ کا کافی موقع ملا۔ اور میں اس مشن کی کوششوں کو بھی دیکھتا رہا جو عرفانی صاحب مبلغ کی حیثیت سے وہاں انجام دے رہے تھے۔ عرفانی صاحب کی ہی رہبری سے فلسطین اور شام میں جماعت احمدیہ کے تبلیغی مشن کی کوششوں کو دیکھا۔ دوسری مرتبہ ۱۹۳۰ء میں قاہرہ جانے کا اتفاق

---

[1] "سیرۃ حضرت سیدۃ النساء ام المومنین نصرت جہاں بیگم" صفحہ ۱۹۶ تا ۱۹۸ (حصہ دوم) ناشر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کبیر حیدر آباد دکن۔ تاریخ اشاعت ۲۵ جولائی ۱۹۴۵ء (مطبوعہ انتظامی پریس حیدر آباد دکن)

ہوا۔ اور یہ میری خوش نصیبی تھی کہ عرفانی صاحب موجود تھے۔ اور ان کا مشن نہایت کامیابی سے اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ اس مرتبہ کی ملاقات تجدید اتحاد کا باعث ہوئی اور مشن کی کارگذاری پر مشن کے رسوخ پر، مبلغ کے خلوص پر غور کرنے کا بہت زیادہ موقع ملا۔ میں ان تاثرات کو لئے ہوئے فلسطین، شام، استنبول اور برلن وغیرہ گیا۔ یہاں مجھے جماعت احمدیہ کی تنظیم اور کوششوں کا ثبوت ملتا گیا۔ مجھے حقیقتاً نہایت صدق دل سے اس کا اعتراف ہے کہ میں نے ہر جگہ جماعت احمدیہ کے مبلغوں کی کوششوں کے نقوش دیکھے۔ ہر جگہ اسلامی روایات کے ساتھ تنظیم دیکھی۔ ہر جگہ اس جماعت میں خلوص اور نیک نیتی پائی۔ جماعت احمدیہ میں سب سے بڑی خوبی اتحاد عمل اور امام جماعت کے احکام کی پابندی ہے۔ اس لئے اس کے ارکین کہیں اور کسی حال میں شعار اسلام اور احکام اسلام کو نظرانداز نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی اصلی غرض اور فرض سے انجان ہوتے ہیں۔ تقریروں، تحریروں یا ملاقاتوں میں ان کا نقطۂ نظر موجود ہوتا ہے اور وہ اشارۃً کنایۃً اپنا کام کئے جاتے ہیں۔ محنت برداشت کرتے ہیں۔ غیر مانوس اور غیر مشرب لوگوں میں رسوخ پیدا کر کے اپنے فرائض کی تکمیل کرتے ہیں۔ اور اپنی تبلیغی حیثیت کو نمایاں رکھتے ہیں۔ محمود احمد صاحب عرفانی نے ۱۹۳۰ء میں قاہرہ سے ایک اخبار "اسلامی دنیا" بھی اُردو زبان میں ٹائپ پریس سے شائع کیا تھا۔ یہ اخبار مصور بھی تھا اور اُردو میں اسلامی دُنیا کی خبریں نہایت شرح و بسط سے شائع ہوتی تھیں۔ افسوس ہے کہ ناگزیر مجبوریوں نے اس اخبار کو جاری نہ رہنے دیا اور اشاعت بند ہو گئی۔ اس اخبار میں کچھ حصہ میرے سفر کا بھی شائع ہوا تھا۔

شام و مصر کی ان ملاقاتوں کا یہ اثر ہوا کہ مجھے جماعت احمدیہ کے صدر مرکز قادیان جانے کا اتفاق ہوا۔ دسمبر ۱۹۴۰ء میں قادیان دارالسلام پہنچا۔ قادیان امرتسر سے تقریباً ۵۰ میل ہے۔ ریل جاتی ہے مگر دو تین جگہ اس کو بدلنا پڑتا ہے۔ یہ ایک گاؤں ہے جہاں جماعت احمدیہ کے عروج کے ساتھ اس قصبہ کو بھی عروج ہو رہا ہے۔ سڑکیں بن گئی ہیں۔ مکانات تعمیر ہو گئے ہیں۔ باغ اور کھیلوں کے میدان تیار کئے جا رہے ہیں۔ اسپتال، مدارس اور بورڈنگ ہاؤس تیار ہیں۔ جہاں اس جماعت کے اساتذہ جماعت کے ہونہار بچوں کی تعلیم و

تربیت پر لگے ہوئے ہیں۔ ہسپتال جس کا خرچ جماعت احمدیہ برداشت کرتی ہے۔ منظم اور ایک حد تک آلات و ادویات سے آراستہ ہے۔ بورڈنگ ہاؤس کی عمارت بہت وسیع اور شاندار شاہجہانی وضع پر تعمیر کی گئی ہے جو ایک پُرفضا مقام پر سکول کے متصل ہے۔ اس کے قریب وہ میدان ہے جہاں جماعت کے ضروری اور سالانہ اجلاس ہوتے ہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ سالانہ اجلاس کی تیاری اس میدان میں نہایت وسیع پیمانے پر ہو رہی تھی۔ مہمانوں کے قیام، مہمانوں کے طعام و ضروریاتِ زندگی کی فراہمی پر اراکین کی سعیٔ بلیغ قابلِ تحسین و قابلِ تقلید تھی۔ اوقات و اہتمام کی تقسیم جو اس جماعت کی نمایاں خوبی ہے، سُرعت و خلوص نیّت کے ساتھ کارفرما تھی۔ گو مَیں سالانہ اجلاس کے وقت تک قیام نہ کر سکا مگر انتظام و اہتمام کے نقوش میرے سامنے تھے اور ہر وقت مَیں اُن کی یک جہتی کا قائل اور اُن کی مدنیت کا شیدا ہوتا گیا۔

قبرستان کا اہتمام اور اس میں صف بندی مَیں نے پہلی مرتبہ قادیان میں دیکھی۔ بغیر کسی آرائش اور لحاظ منصب کے اس قبرستان میں قبور ایک صف میں بنائی گئی ہیں مدفن کی لوح، مدفونوں کی ایک مختصر تاریخ وفات اور وصیت نامہ کے نمبر رجسٹری کے ساتھ کندہ ہوتی ہے۔ ہر قبر پر بالالتزام یہ لوح ہوتی ہے۔ ہر قبر دوسری قبر سے معقول فاصلہ پر ہوتی ہے ہر صف کے آمد و رفت کے لئے راستہ چھوڑا جاتا ہے اور ممکن طریقہ پر اس قبرستان کو سایہ دار درختوں سے خوش نما کیا گیا ہے۔ قادیان میں اکثروں نے ترک وطن کر کے سکونت اختیار کر لی ہے۔ یہاں ایک ایسی انجمن بھی ہے جو اپنی جماعت کو قادیان میں تعمیر مکان کیلئے قرضہ دیتی ہے۔ بالاقساط وصول کرتی ہے۔ اس جماعت کے اراکین اپنی املاک جماعت کے لئے وقف کر دیتے ہیں اور اس کا انتظام بھی ایک خاص محکمہ کی نگرانی میں ہوتا ہے۔ خزانہ، داد و ستد، امور مذہبی، نشر و اشاعت، اہتمام ترکہ و وقف کے لئے محکمہ جات قائم ہیں۔ ہر ایک کے لئے مقررہ عملہ اور عہدہ دار ہیں۔ ان سب دفاتر پر خلیفہ ثانی حضرت میاں بشیر الدین محمود صاحب کی نگرانی ہے جو بالذات روزانہ اس کی خدمات کی جانچ کرتے ہیں: جس زمانہ میں مجھے قادیان جانے کا اتفاق ہوا حضرت خلیفہ صاحب تفسیر قرآن لکھنے میں مصروف

تھے۔ یہ تفسیر قادیاں میں شب و روز کی محنت سے بروقت شائع ہوئی اور حضرت صاحب کی عنایت سے اس تفسیر کبیر کی ایک جلد مجھے بھی حیدرآباد میں ملی جس کا میں بے حد ممنون ہوں۔ خداوند تعالیٰ اُن کے کام میں برکت دے اور ہمیں احکام قرآنی کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ فقط "[1]

مولوی محمد رفیق صاحب مجاہد تحریک جدید کا انتقال

اس سال کا ایک المناک واقعہ مولوی محمد رفیق صاحب مجاہد تحریک جدید کا انتقال ہے جو ترکستان کے مشہور شہر کاشغر میں ہوا۔ مولوی صاحب موصوف چاچڑ ضلع شاہ پور کے رہنے والے تھے۔ تحریک جدید کے دسویں مطالبہ کے تحت وہ تحریک جدید سے صرف زاد راہ لے کر وطن سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ۱۹۳۶ء میں آپ مولوی (راجہ) عدالت خاں صاحب کی قیادت میں کشمیر پہنچے۔ مولوی عدالت خاں صاحب کو اپنے ضلع سے غیر تسلی بخش رپورٹ آنے پر پاسپورٹ نہ مل سکا مگر آپ کو مل گیا اور آپ کچھ عرصہ سرینگر ٹھہرنے کے بعد گلگت پہنچے۔ گلگت سے کاشغر تک کا سفر نہایت دشوار گذار ہے۔ راستہ میں سر بفلک پہاڑ اور خوفناک برفانی میدان آتے ہیں۔ مولوی محمد رفیق صاحب دو ماہ میں یہ لمبا سفر طے کر کے صحیح وسالم کاشغر پہنچے۔ قیام سرینگر کے دوران آپ نے کچھ چینی زبان سیکھ لی تھی۔ کاشغر پہنچ کر آپ نے درزی کا کام شروع کر دیا۔ پھر پارچہ فروشی بھی کرنے لگے۔ روسی حکومت کے حکم سے چند دن نظر بند رہے مگر تبلیغ احمدیت کا کام برابر سرگرمی سے کرتے رہے۔ ترکستان میں احمدیت کا بیج بو دیا یعنی حاجی آل احمد صاحب اور حاجی جنود اللہ صاحب معہ خاندان احمدی ہو گئے جیسا کہ جلد ہفتم میں ذکر کیا جا چکا ہے۔[1] مولوی صاحب موصوف کاشغر میں تبلیغی جہاد میں مصروف تھے کہ یکایک استسقاء کی مہلک بیماری میں مبتلا ہو گئے اور اس سال ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء کے آخر میں اپنے مولائے حقیقی کو جا ملے۔ فانّا للہ وانّا الیہ راجعون۔[2]

---

[1] "مرکز احمدیت قادیان" صفحہ ۲۴۴ تا ۲۶۳ مؤلفہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم۔ [2] "الفضل" ۲۰ فتح / دسمبر ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

آپ قیام پاکستان کے بعد سرگودھا میں آباد ہو گئے تھے اور شہر میں ایک اعلیٰ معالج دندان کی حیثیت سے خاصی شہرت رکھتے تھے۔ ۲۳ ظہور / اگست ۱۳۴۷ ہش / ۱۹۶۸ء کو آپ کا اسی شہر میں انتقال ہوا۔ اور اگلے روز بہشتی مقبرہ ربوہ میں سپرد خاک کئے گئے۔ آپ نے گیارہ بچے اپنی یادگار چھوڑے ہیں (" الفضل" مورخہ ۲۵ - ۲۷ ظہور / اگست ۱۳۴۷ ہش / ۱۹۶۸ء)۔

فصل ششم

تفسیر کبیر جلد سوم کی اشاعت

۲۰ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کا دن سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ کیونکہ یہی وہ مبارک دن ہے جبکہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے مقدس ہاتھوں سے "تفسیر کبیر" جلد سوم جیسی معرکۃ الآراء تفسیر کی تالیف کا عظیم الشان کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔[1] اس کے تین روز بعد (یعنی ۲۴ فتح کو) اس کی طباعت کا مرحلہ ختم ہوا۔ اور ۲۴-۲۵ فتح/دسمبر کی درمیانی شب کو میاں عبداللہ صاحب مالیر کوٹلوی جلد ساز نے اس کی ابتدائی مجلد کاپیاں تیار کیں اور یہ رُوحانی خزانہ سالانہ جلسہ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء پر پہلے بیرونی احباب کو حاصل ہوا،[2] اور بعد کو قادیان کے احمدیوں کے ہاتھوں تک پہنچا۔ اس طرح دنیائے تفسیر میں ایک ایسے انقلاب انگیز دور کا آغاز ہوا جس سے لاکھوں قلوب واذہان میں خدائے عزّوجل کے کلام پاک کی نئی شمعیں روشن ہوگئیں اور قرآن مجید کے غیر محدود حقائق و معارف معلوم کرنے کے لئے بیشمار دریچے کھُل گئے۔

۱۹۲۸ء کا مشہور درس القرآن اور اُس کے نوٹ

جیسا کہ جلد ششم کی چوتھی فصل (صفحہ ۷۷ تا ۸۲) میں بالتفصیل بتایا جاچکا ہے کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ۸ اگست ۱۹۲۸ء سے لے کر ۸ ستمبر ۱۹۲۸ء تک ایک نہایت رُوح پرور درسِ قرآن دیا تھا جو سُورۂ یُونس سے سُورۂ کہف کے پانچ پاروں پر مشتمل تھا۔ اس درس کے لکھنے کی سعادت حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جٹ، مولانا ارجمند خان صاحب، مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی، مولوی ظہور حسین صاحب (مبلغ بخارا و رُوس)، مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری، حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی، مولانا عبدالغفور صاحب، مولوی محمد یار صاحب عارف، مولوی ظفر الاسلام صاحب اور شیخ چراغ الدین صاحب کو نصیب ہوئی۔[3]

---

[1] و [2] "الفضل" ۲۷ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۴ کالم ۲-۳۔

[3] "تاریخ احمدیت" جلد ششم صفحہ ۷۸۔

حضرت امیرالمومنین کا ابتدا ہی سے منشاء مبارک تھا کہ درس کے نوٹ نظرثانی کے بعد کتابی صورت میں شائع کر دیئے جائیں تا حضور کے بیان فرمودہ قرآنی معارف محفوظ ہو جائیں۔ حضرت اقدس نے اس غرض کے لئے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل حلالپوری کو مقرر فرمایا۔ حضرت مولوی صاحب کی نگرانی میں سورۂ یونس و سورۂ ہود کے تفسیری نوٹ ۲۵۶ صفحات تک طبع ہوئے۔ جس کے بعد عرصہ تک تفسیر کا کام ملتوی رہا۔ البتہ جن دوستوں کو تفسیر کے پڑھنے کا ازحد شوق تھا انہیں تفسیر کے مطبوعہ صفحات ہی دے دیئے گئے۔[1]

حضور نے سالانہ جلسہ ۱۹۳۹ء پر قرآن مجید کی تفسیر کے جلد شائع کئے جانے کا اعلان فرمایا اور ارادہ کیا کہ قرآن کریم کی تفسیر کا کام ابتدا ہی سے شروع کر دیں۔ چنانچہ حضور نے ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے آغاز میں بہت محنت اور عرقریزی سے کئی سو صفحے نوٹوں کے تیار بھی کر لئے مگر پھر خیال آیا کہ اس طریق سے قرآن کریم کی تفسیر کا چھپا ہوا حصہ پڑا رہے گا۔ لیکن اگر درس کے نوٹ ترمیم و اصلاح یا اضافہ کے ساتھ شائع کر دیئے جائیں تو کاغذ بھی ضائع نہ ہوگا اور کام بھی جلد مکمل ہو جائے گا۔[2] حضور نے اس خیال کے آتے ہی پہلے پارہ کے نوٹ لکھنے بند کر دیئے اور اس کی بجائے سورۂ یونس تا کہف کی تفسیر مکمل کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ ابھی کام شروع نہیں ہوا تھا کہ حضور ۲۴/صلح کو کراچی تشریف لے گئے۔ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب حلالپوری بھی حضور کے ہمراہ تھے اور تفسیر کے کام کی خاطر بہت سی کتب اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ دراصل حضور کا منشاء یہ تھا کہ حضرت مولوی صاحب کی صحت بحال ہو جائے اور وہ سلسلہ کی خدمت کے لئے تازہ دم ہو جائیں۔ لیکن افسوس کراچی جا کر وہ سخت بیمار ہو گئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد سے ۱۴/تبلیغ/فروری کی شام کو کراچی میل سے واپس تشریف لے آئے۔[3] قادیان پہنچتے ہی آپ کی حالت اور زیادہ دگرگوں ہو گئی اور آپ ۸/امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو انتقال کر گئے۔

ماہ شہادت/اپریل کے شروع میں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ارادہ فرمایا کہ جس قدر درس القرآن طبع ہو چکا ہے اس سے آگے مزید کام شروع کر کے اس کو مکمل کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں حضور نے مولوی نورالحق صاحب واقف زندگی[4] کو قصر خلافت میں یاد فرمایا اور ان کو درس القرآن کے

---

[1] "الفضل" ۲۴/اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء۔

[2] خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۸/اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء مطبوعہ "الفضل" ۲۴/اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴۔

[3] "الفضل" ۱۲/امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵۔

[4] ابوالمنیر مولوی نورالحق صاحب حال پروفیسر جامعہ احمدیہ و مینیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین مراد ہیں۔

غیر مطبوعہ مسودہ کا ایک حصہ (جو سُورۂ ہُود کی آیت ۱۱۰ سے لے کر سُورۂ یُوسف کی آخری آیت تک کے مضامین پر مشتمل تھا) سپرد فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ منشی عبد الحق صاحب خوشنویس[1] سے اس کی کتابت کروائی جائے۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں منشی صاحب موصوف نے کتابت شروع کر دی۔ اس کے ساتھ ہی حضور نے ہدایت فرمائی کہ سورۃ رعد سے لے کر سورۃ بنی اسرائیل تک کے مرتب شدہ نوٹ دوبارہ نقل کروائے جائیں اور حل لغات درج کرانے اور حوالہ جات لگانے کے بعد حضور کی خدمت میں پیش کئے جائیں۔ چنانچہ مولوی نور الحق صاحب، حافظ قدرت اللہ صاحب، مولوی محمد صدیق صاحب، مولوی صدر الدین صاحب اور مرزا منور احمد صاحب (واقفین تحریک جدید) نے بقیہ مسودہ صاف اور خوشخط کر کے نقل کیا۔ حل لغات اور حوالوں کے نکالنے کا کام مولوی نور الحق صاحب نے انجام دیا۔ حضرت امیر المومنین نے سورہ رعد اور سورہ ابراہیم کے مسودہ پر ماہِ ظہور (اگست) میں نظر ثانی فرمائی اور بالترتیب منشی عبد الحق صاحب اور قاضی نور محمد صاحب[2] نے اس مضمون کی کتابت کی۔ ماہ تبوک (ستمبر) میں حضور انور نے بذریعہ تار سُورہ حِجر کا مسودہ شملہ منگوایا۔ حضور شملہ سے ۳ اخاء (اکتوبر) کو واپس قادیان دارالامان تشریف لائے۔ اس وقت تک تفسیر کے ۴۹۶ صفحات کی کتابت ہو چکی تھی۔ حضور نے فرمایا کہ سالانہ جلسہ تک تفسیر مکمل طور پر تیار ہو جانی چاہیئے۔ وقت نہایت تنگ تھا اور صورت یہ تھی کہ سورۂ حِجر کے بعد کی سورتوں پر نظر ثانی تک کا کام ابھی باقی تھا۔ حضور درحقیقت تقریباً سارا مسودہ دوبارہ ہی اپنے قلم مبارک سے لکھ رہے تھے۔[3] کیونکہ پہلا لکھا ہوا مسودہ بہت ہی مختصر تھا۔ علاوہ ازیں کتابت، طباعت، اور جلد بندی کے مراحل باقی تھے۔ حضور نے کتابت کا کام بر وقت مکمل کرانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ متعدد کاتب مقرر کر دیئے جائیں تا نظر ثانی کے ساتھ ساتھ مضمون کی کتابت بھی جاری رہے۔ چنانچہ منشی عبد الحق صاحب اور قاضی نور محمد صاحب کے علاوہ (جو پہلے سے مصروف کتابت تھے) قاضی بشیر احمد صاحب بھٹی[4]، منشی محمد اسمٰعیل صاحب[5] اور منشی احمد حسین صاحب[6] کی خدمات حاصل کی گئیں۔ جس سے کام کی رفتار میں

---

[1] والد ماجد ابو المنیر مولوی نور الحق صاحب۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی ہیں۔ آپ کی بیعت ۱۸۹۷ء کی ہے۔ آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کی متعدد کتب کی کتابت کا موقعہ ملا۔ اور حضور رض کو آپ کا خط بہت پسند تھا (تاریخ احمدیت جلد سوم میں بھی آپ کا ذکر آچکا ہے)۔ [2] تفسیر کبیر جزو ششم یعنی تیسویں پارہ کی تفسیر کی کتابت کی ان کو سعادت نصیب ہوئی۔ اب وفات پا چکے ہیں۔ [3] ان تاریخی مسودات کا اکثر و بیشتر حصہ اب بھی خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہے۔ [4] ابن حضرت قاضی عبد الرحیم صاحب رض بھٹی۔ آجکل آپ راولپنڈی میں رہتے ہیں۔ عربی طرز قاعدہ یسرنا القرآن میں آپ حضرت پیر منظور محمد صاحب کے شاگرد خاص ہیں۔ حضرت پیر صاحب (معذوری کے بعد) آپ ہی سے قرآن مجید لکھوایا کرتے تھے۔ [5] آپ ہجرت ۱۹۴۷ء کے بعد فیروز والا ضلع گوجرانوالہ میں رہائش پذیر ہیں۔ حضرت مسیح موعود ع کی کتب کا مکمل سیٹ جو الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ نے "روحانی خزائن" کے نام پر شائع کیا ہے آپ ہی نے لکھا ہے۔ [6] ولد محمد حسین صاحب (کاتب "بدر" و "الفضل")۔ ۳ جنوری ۱۹۳۱ء سے اخبار "الفضل" میں کتابت کر رہے ہیں۔

حیرت انگیز طور پر اضافہ ہو گیا۔[1] ان کاتبوں کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ معرکہ درپیش ہے جس کو سر کرنے کے لئے یہ انتھک سپاہی سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ اسی طرح قادیان کے دو نو پریس ضیاء الاسلام پریس اور اللہ بخش سٹیم پریس شب و روز تفسیر کی چھپائی کے لئے وقف تھے۔ مولوی نورالحق صاحب کا بیان ہے کہ آخری دو ماہ کے عرصہ میں روزانہ انہیں چند منٹ کرسی پر اونگھنا ہی نصیب ہوتا تھا۔ کیونکہ اُن کے کمرہ[2] میں حضور کی طرف سے گھنٹی لگی ہوئی تھی اور حضور رات اور دن کے اوقات میں کام کے لئے یاد فرماتے تھے۔ اسی طرح کاپیاں پڑھنا، کاتبوں سے انہیں درست کروانا، پروف دیکھنا یہ سب کام بمشکل ہی ختم ہوتے تھے آخری ایام میں حضور نے مولانا ابوالعطاء صاحب کو بھی پروفوں کے دیکھنے اور حل لغات وغیرہ چیک کرنے کے لئے مقرر فرمادیا چنانچہ آپ نے سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ کہف کے حوالوں کو بھی چیک کرنے کے علاوہ کاتبوں کی لکھی ہوئی کاپیاں اور پروف بھی پڑھے۔ تاہم اس نوعیت کے کام کی اصل ذمہ داری ابوالمنیر مولوی نورالحق صاحب پر عائد رہی چنانچہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنی ایک تقریر میں ارشاد فرمایا کہ

"تفسیر کبیر جلد سوم . . . کی لغت، ترجمہ اور تدوین کا اکثر کام اُن کے (یعنی مولانا محمد اسماعیل صاحب فاضل حلالپوری ناقل) کے سپرد کیا گیا تھا۔ گو آخری حصہ کے وقت مولوی صاحب وفات پا چکے تھے۔ تاہم تیسری جلد . . . کی تدوین لغت اور ترجمہ کا بہت کچھ کام انہوں نے ہی کیا ان کی وفات کے بعد مولوی نورالحق صاحب کے سپرد یہ کام کیا گیا۔ باوجود اس کے کہ ان کا علمی پایہ مولوی محمد اسماعیل صاحب جیسا نہیں اور باوجود نوجوان اور ناتجربہ کار ہونے کے انہوں نے میرے منشاء کو سمجھا اور خدا تعالیٰ نے انہیں میرے منشاء کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی" [3]

---

[1] مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب کا بیان ہے کہ "کاتبوں کے متعلق حضور کا خاص طور پر ارشاد تھا کہ ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھا جائے تا کسی کی صحت میں نقص پیدا ہو کر کام میں روک نہ پیدا ہو جائے چنانچہ رات دن ان کاتبوں کو ہر وہ چیز مہیا کی جاتی تھی جس کے وہ عادی تھے اور ہر طرح ان کی دلداری کی جاتی تھی"۔

[2] یہ کمرہ دفتر تحریک جدید قادیان کی بالائی منزل میں دفتر پرائیویٹ سیکرٹری سے متصل تھا اور اسی کمرہ میں تفسیر لکھنے والے کاتب کام کرتے تھے۔

[3] "الفضل" ۱۹ وفا / جولائی ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے اس اظہار خوشنودی کی ایک عملی صورت یہ بھی فرمائی کہ قصر خلافت میں انہیں خصوصی طور پر شرف باریابی بخشا اور اپنے مبارک ہاتھوں سے اپنا ایک چوغہ پہنایا جو ابتک اُن کے پاس موجود ہے۔

حضرت امیر المومنین کا بےمثال مجاہدہ

جب دوسرے خدام کی مصروفیت، استغراق اور انہماک کا یہ عالم ہو کہ وہ دن رات خدمتِ قرآن میں مصروف ہوں تو آقا کی محنت اور عرقریزی کس درجہ پہنچ چکی ہوگی؟ اس کا اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں۔ حق یہ ہے کہ ایک رُوحانی جرنیل حتی المقدور جس شان سے علمی جہاد میں حصّہ لے سکتا ہے اس شان کا حقیقی رنگ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے وجود مبارک میں ان دنوں پوری طرح جلوہ گر تھا۔ حضور کو صبح آٹھ بجے سے لے کر رات کے چار پانچ بجے تک منہمک رہنا پڑتا تھا۔ چنانچہ حضرت سیّدہ ام متین صاحبہ فرماتی ہیں:۔

"قرآن مجید سے آپ کو جو عشق تھا اور جس طرح آپ نے اس کی تفسیریں لکھ کر اس کی اشاعت کی وہ تاریخ احمدیت کا ایک روشن باب ہے۔ خدا تعالیٰ کی آپ کے متعلق پیشگوئی کہ کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اپنی پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی۔ جن دنوں میں تفسیر کبیر لکھی نہ آرام کا خیال رہتا تھا نہ سونے کا نہ کھانے کا۔ بس ایک دُھن تھی کہ کام ختم ہو جائے۔ رات کو عشاء کی نماز کے بعد لکھنے بیٹھے ہیں تو کئی دفعہ ایسا ہوا کہ صبح کی اذان ہو گئی"[۱]

دُعائے خاص کی تحریک

اگرچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو مسلسل محنت اور جانفشانی سے کام کرنے کی ایک اعجازی طاقت و قوت حاصل تھی مگر ان دنوں حضور پر اتنا بوجھ آن پڑا کہ حضور نے ۱۳ ماہ فتح/دسمبر کو تفسیر القرآن کی تکمیل کے لئے خطبہ جمعہ میں خاص طور پر دعائے خاص کی تحریک فرمائی۔ اور اس میں اپنی اور دوسرے کام کرنے والوں کی غیر معمولی محنت و مشقت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ

"میری طبیعت کچھ دنوں سے زیادہ علیل رہتی ہے اور چونکہ قرآن شریف کے ترجمہ اور تفسیر کے کام کا بہت بڑا بوجھ ان دنوں ہے اور جلسہ تک دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ مگر ابھی کوئی ایک سَو صفحہ کتاب کا یا چار سَو کالم مضمون کا لکھنا باقی ہے اور آجکل اکثر ایام میں رات کے ۳-۴ بلکہ ۵ بجے تک بھی کام کرتا رہتا ہوں۔ اس لئے اس قسم کی جسمانی کمزوری محسوس کرتا ہوں کہ اس قدر بوجھ طبیعت زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتی۔ چونکہ جلسہ تک دن تھوڑے رہ گئے ہیں اس لئے دوستوں سے چاہتا ہوں کہ دُعا کریں اللہ تعالیٰ خیریت سے اس کام کو پورا کرنے کی توفیق دے۔

---

[۱] "الفضل" ۲۵ امان/مارچ ۱۳۴۵ ہش/۱۹۶۶ء صفحہ ۵ کالم ۱

وہ لوگ جو میرے ساتھ کام کر رہے ہیں اور جن کا کام کتابت، کاپیوں کی تصحیح کرنا اور مضمون صاف کر کے لکھنا وغیرہ ہے وہ بھی بہت محنت سے کام کر رہے ہیں۔ اتنی دیر تک روزانہ کام کرنے کی انہیں عادت نہیں پھر بھی ۲ - ۳ بجے رات تک کام کرتے ہیں۔ ممکن ہے اس سے بھی زیادہ دیر تک کام کرتے ہوں مگر ۲ - ۳ بجے تک تو کئی دفعہ بات پوچھنے کے لئے میرے پاس آتے رہتے ہیں۔ اسی طرح کاپیاں لکھنے والے کاتب ہیں۔ بے شک وہ اُجرت پر کام کرتے ہیں مگر جس قسم کی محنت انہیں کرنی پڑتی ہے اور وہ کر رہے ہیں وہ اخلاص کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ روزانہ کام کیا جائے، معمول سے دُگنا کیا جائے اور اچھا کیا جائے، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ کاتب کا کام آنکھوں کا تیل نکالنا ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک منٹ کے لئے بھی آنکھ اُوپر نہیں اُٹھا سکتا۔ آنکھ کاغذ پر اور قلم ہاتھ میں لے کر بیٹھا رہتا ہے اور بیٹھنا بھی ایک خاص طریق سے ہوتا ہے۔ مَیں تو اس کام کے متعلق سمجھتا ہوں کہ عمر قید کی سزا ہے اور دیکھا گیا ہے کہ کاتب لوگ بہت جلد بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ کتابت کے کام میں انہیں سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ آنکھیں ہر وقت ایک ہی طرف لگی رہتی ہیں۔ اس وجہ سے ان کی صحت ضائع ہو جاتی ہے۔ ہم لوگ جو تصنیف کا کام کرتے ہیں۔ اُن سے زیادہ وقت کام میں دیتے ہیں مگر اس حصہ میں ان کا کام زیادہ مشقت طلب ہوتا ہے۔ ہم تو کبھی پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ کبھی بیٹھ جاتے ہیں۔ کبھی کوئی حوالہ تلاش کرنے لگتے ہیں۔ کبھی لکھنا شروع کر دیتے ہیں اور پھر جو کچھ لکھتے ہیں وہ مضمون ہمارے ذہن میں ہوتا ہے۔ اگر ہم آنکھیں بند بھی کر لیں تو لکھ سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ سطریں ٹیڑھی ہو جائیں گی۔ مگر کاتب بیچارے کو دو طرف نظر رکھنی پڑتی ہے۔ ادھر وہ ہمارے لکھے ہوئے کو دیکھتا ہے اور اُدھر کاپی پر نظر جمائے رکھتا ہے۔ پھر ہم تو جو چاہیں لکھتے جائیں لیکن کاتب کو اجازت نہیں ہوتی کہ اپنی طرف سے کچھ کرے۔ اور کاتبوں کا اتنا علم بھی نہیں ہوتا کہ مضمون میں دخل دے سکیں"۔ ..

. . . اس وقت جو کاتب کام کر رہے ہیں ان پر کام کا بڑا بار ہے۔ کاتب اگر اچھا لکھے تو ۶ سے ۸ صفحے روزانہ لکھ سکتا ہے۔ مگر اب کام کی زیادتی کی وجہ سے ۱۲ سے ۱۶ صفحے تک روزانہ ایک ایک کاتب سے لکھوایا جا رہا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ کریں تو کام جلسہ تک ختم نہ ہو سکیگا

اس کے بعد اہم کام چھپوائی کا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس کے لئے بہت کچھ سہولت عطا کر رکھی ہے۔ ایک وقت تو وہ تھا جب کہ دستی پریس چلانا بھی مشکل تھا۔ مگر اب ڈو پریس کام کر رہے ہیں[لہ] اور ایک میں دو مشینیں چل رہی ہیں۔ کجا تو یہ کہ دستی پریس بھی نہ تھا اور کجا یہ کہ مشینیں کام کر رہی ہیں اور بجلی سے دو دو پریس چل رہے ہیں۔ پریس والوں نے وعدہ کیا ہے کہ ۴۸ صفحے روزانہ چھاپ کر دیتے رہیں گے۔ اس وقت تک ساڑھے سات سَو صفحے چھپ چکے ہیں۔ اور پونے دو سَو کے قریب چھپنے باقی ہیں۔ مگر ان کے متعلق کوئی فکر نہیں ہے۔ البتہ کاتبوں کا کام ایسا ہے کہ اگر ایک کی بھی صحت خراب ہو گئی تو کام رُک جانے کا اندیشہ ہے۔ پھر جلد سازی کا مرحلہ طے ہونا باقی ہے۔ جلد ساز سے عہد لے لیا گیا ہے کہ تمام کاپیاں چھپ جانے کے بعد کم از کم ۷۵ جلدیں روزانہ کے حساب سے دے گا۔ . . . . پس بہت ہی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اس کام کی وجہ سے دو ماہ سے انتہائی بوجھ مجھ پر اور ایک ماہ سے میرے ساتھ دوسرے کام کرنے والوں پر پڑا ہوا ہے۔ یہ بوجھ عام انسانی طاقت سے بڑھا ہوا ہے اور زیادہ دیر تک برداشت کرنا مشکل ہے جب تک خدا تعالےٰ کا فضل اور نصرت نہ ہو۔ پس دوست دعا کریں کہ خدا تعالےٰ کامیابی عطا کرے" [کہ]

مسودہ پر نظرِ ثانی کی تکمیل

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جماعت احمدیہ کو تفسیر قرآن کے لئے دعاؤں کی توفیق بھی بخشی اور پھر ان کی قبولیت کا خود ہی یہ سامان کر دیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۰ فتح/دسمبر تک یعنی ایک ہفتہ کے اندر تفسیر کے باقی ماندہ مسودہ پر نظر ثانی کر کے کاتبوں کے سپرد کر دیا چنانچہ حضور نے اسی روز جماعت کو خطبہ جمعہ کے دوران یہ خوشخبری سُنائی اور فرمایا کہ

"جہانتک ان نَو سُورتوں کا تعلق ہے یعنی سورۃ یُونس سے شروع کر کے سورۃ کہف تک پرسوں مَیں نے کام ختم کر دیا ہے اور پرسوں شام تک پریس والے ختم کر دیں گے۔ ہم نے ۷ - ۸ سَو صفحات حجم کا اندازہ کیا تھا۔ پھر اندازہ لگانے والوں نے کہا کہ ۸ - ۹ سَو کے درمیان صفحات ہوں گے۔ پھر ۹ - ۱۰ سَو صفحات کا اندازہ کیا گیا۔ اور اب رپورٹ ملی ہے کہ ۱۰۰۶ صفحات

لہ ضیاء الاسلام پریس اور اللہ بخش سٹیم پریس۔

کہ خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء مطبوعہ "الفضل" ۱۷ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲

ہو جائیں گے۔ جس محنت کے ساتھ کام کیا گیا ہے اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ آخری حصّہ ایسا اچھا نہیں چھپ سکتا جیسا کہ ارادہ تھا۔ کاتبوں سے دن رات کام لیا گیا ہے۔ اسی طرح پریس والوں سے بھی۔ انسانی طاقت جتنا بوجھ اُٹھا سکتی ہے اُسے اُٹھانے کا بہت اعلیٰ نمونہ کارکنوں نے دکھایا ہے۔ مگر اس محنت کے باوجود کتابت وغیرہ کی بعض غلطیاں ہوں گی۔ مَیں دوبارہ تو پروف دیکھ ہی نہیں سکا اور اس لئے مجھے خیال ہے کہ بعض جگہ ضرور غلطیاں رہ گئی ہوں گی۔ لکھتے ہوئے بعض اوقات مَیں نوٹ دے دیتا ہوں کہ حوالہ دے دیا جائے یا فلاں معنی لغت سے نکال کر لکھ دیئے جائیں۔ عین ممکن ہے ان میں سے کوئی حوالہ لکھنا رہ جائے یا معنے نقل کرنے رہ جائیں۔ بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تمام کارکنوں نے بہت محنت اور اخلاص سے کام کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بعض غلطیاں رہ گئی ہوں گی۔ ہم غلط نامہ کی اشاعت کی بھی کوشش کر رہے ہیں جہاں تک مَیں سمجھتا ہوں آخری حصّہ میں پہلے سے کم غلطیاں ہوں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب عالم تو بہت تھے مگر ان کو کاپی اور پروف دیکھنے کی مشق نہ تھی۔ اس لئے اس حصّہ میں بہت غلطیاں رہ گئی ہیں۔ کوئی حصّہ کہیں چھوٹ گیا ہے، کوئی غلط جوڑ دیا گیا ہے ہم نے اس کی درستی بھی کی ہے۔ بعض جگہ علیحدہ پرچیاں چھپوا کر لگا دی گئی ہیں۔ غلط نامہ بھی چھپ جائے گا اور اس طرح صحت کی پوری پوری کوشش کی جا رہی ہے۔

اب جماعت کا فرض ہے کہ اُس سے فائدہ اُٹھائے جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے قرآن کریم کی تفسیر تو کوئی انسان نہیں لکھ سکتا اور اس لحاظ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قرآنی مطالب سارے یا آدھے یا سواں حصّہ بلکہ ہزارواں حصہ بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ قرآن غیر محدود خدا کا کلام ہے اس لئے اس کے علوم بھی غیر محدود ہیں۔ اور اس نسبت سے ہم اس کے مطالب کا نہ کروڑواں نہ اربواں حصہ بیان کر سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانہ کی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ضروری باتوں پر روشنی ڈال دی گئی ہے۔ مجھے اس خیال سے شدید ترین نفرت ہے کہ تفاسیر میں سب کچھ بیان ہو چکا ہے۔ ایسا خیال رکھنے والوں کو مَیں اسلام کا بدترین دشمن خیال کرتا ہوں اور احمق سمجھتا ہوں گو وہ کتنے بڑے بڑے جُبّے اور پگڑیوں والے کیوں نہ ہوں۔ اور جب میرا دوسری تفسیروں کے متعلق یہ خیال ہے تو مَیں اپنی تفسیر کی نسبت

یہ کیونکر کہہ سکتا ہوں۔ ہم یہ تو کوشش کر سکتے ہیں کہ اپنے زمانہ کے علوم ایک حد تک بیان کر دیں مگر یہ کہ قرآن کریم کے اپنے زمانہ کے بھی سارے علوم بیان کر دیں۔ اس کا تو مَیں خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا۔ قرآن کریم کے نئے نئے معارف ہمیشہ کھلتے رہتے ہیں۔ آج سے سَو سال کے بعد جو لوگ آئیں گے وہ ایسے معارف بیان کر سکتے ہیں جو آج ہمارے ذہن میں بھی نہیں آسکتے۔ اور پھر دو سو سال بعد غور کرنے والوں کو اَور معارف ملیں گے۔ بعض نادان خیال کرتے ہیں کہ اس طرح کہنے سے لوگوں کی توجہ تفسیر کی طرف سے ہٹ جائے گی اور بعض دفعہ بعض نادان یہ بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ انہوں نے تو خود کہہ دیا ہے کہ یہ کچھ نہیں۔ مگر مَیں قرآن کریم کے متعلق سچائی کے بیان کو ہر چیز سے زیادہ ضروری خیال کرتا ہوں۔ لاکھوں کا تفسیر نہ پڑھنا بہت کم نقصان دہ ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک بھی شخص ہو جو یہ خیال کرے کہ اس تفسیر میں سب کچھ آچکا ہے۔ اگر دس کروڑ آدمی بھی خیال کرلیں کہ اس میں کچھ نہیں تو کوئی نقصان نہیں بہ نسبت اس کے کہ ایک بھی یہ خیال کرے کہ اس میں سب کچھ آگیا ہے۔ جو یہ خیال کرے گا کہ اس میں کچھ نہیں وہ تو میرے کلام سے محروم رہے گا لیکن یہ سمجھنے والا کہ اس میں سب کچھ آگیا ہے خدا تعالیٰ کے کلام سے محروم رہ جائے گا"

پھر فرمایا:۔

"چونکہ یہ خدائی تائید سے لکھی گئی ہے اس لئے مَیں کہہ سکتا ہوں کہ اس میں اس زمانہ یا آئندہ زمانہ کے ساتھ تعلق رکھنے والی دینی اور رُوحانی باتیں جو لکھی گئی ہیں وہ صحیح ہیں۔ ہاں بعض آئندہ ہونے والی باتوں کے متعلق یہ احتمال ضرور ہے کہ ہم اُن کے اَور معنے کریں اور جب وہ ظاہر ہوں تو صورت اَور نکلے۔ پس جہاں تک علوم، اخلاق، رُوحانیت اور دین کا تعلق ہے مَیں امید کرتا ہوں کہ یہ بہتوں کے لئے ہدایت کا اور ان کو گمراہی سے بچانے کا موجب ہوگی" [۱]

"تفسیر کبیر" کا نام اور اس کی وجہ تسمیہ

اس عظیم الشان تفسیر کا نام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک خواب کی بنا پر "تفسیر کبیر" رکھا گیا۔

[۱] "الفضل" ۲۷ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۳ و ۴۔

حضرت مسیح موعودؑ کا وہ خواب مندرجہ ذیل ہے:۔

"آج ہی[5] ایک خواب میں دیکھا کہ ایک چوغہ زریں جس پر بہت سنہری کام کیا ہوا ہے۔ مجھے غیب سے دیا گیا ہے۔ ایک چور اس چوغہ کو لے کر بھاگا۔ اس چور کے پیچھے کوئی آدمی بھاگا جس نے چور کو پکڑ لیا اور چوغہ واپس لے لیا۔ بعد اس کے وہ چوغہ ایک کتاب کی شکل میں ہو گیا جس کو تفسیر کبیر کہتے ہیں اور معلوم ہوا کہ چور اس کو اس غرض سے لے کر بھاگا تھا کہ اس تفسیر کو نابود کر دے۔

فرمایا۔ اس کشف کی تعبیر یہ ہے کہ چور سے مراد شیطان ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ ہمارے ملفوظات لوگوں کی نظر سے غائب کر دے۔ مگر ایسا نہیں ہوگا اور تفسیر کبیر جو چوغہ کے رنگ میں دکھائی گئی اس کی یہ تعبیر ہے کہ وہ ہمارے لئے موجب عزت اور زینت ہوگی۔ واللہ اعلم" [2]

دیباچہ

تفسیر کبیر کے مسودات پر نظر ثانی مکمل ہو چکی[3] تو حضور نے ۲۰ فتح/دسمبر ہی کو اپنے دستِ مبارک سے ایک دیباچہ تحریر فرمایا۔ جس میں نہایت اختصار مگر جامعیت کے ساتھ اس تفسیر کے پس منظر، اس کی خصوصیات اور اس کے ماخذوں پر روشنی ڈالی اور اُن امور کی نشاندہی فرمائی جو اس کی تصنیف کے وقت حضور کے پیش نظر تھے۔ اس اہم دیباچہ کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ——— نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّاصِرُ

کچھ "تفسیر کبیر" کے متعلق

سورۂ یونس سے سورۂ کہف تک کے تفسیری نوٹ شائع ہو رہے ہیں۔ میں نے اپنی طرف

---

[1] مورخہ ۱۴ر ستمبر ۱۹۰۶ء ✦ [2] "بدر" مورخہ ۲۰ر ستمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۳ ، "الحکم" ۱۰ر ستمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۱

[3] یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ تفسیر کبیر جلد سوم نہایت ہی تنگ وقت اور عجلت میں طبع ہوئی تھی جس کی وجہ سے سورہ کہف کی آیت ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا کی تفسیر جو اصل مسودہ میں موجود تھی سہو کتابت سے رہ گئی تھی۔ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء میں جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ڈلہوزی میں قیام فرما تھے مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب نے حضور کی خدمت میں اس امر کا ذکر کیا تو حضور نے دوبارہ اس آیت کی مفصل تفسیر لکھوا دی جسے مولوی صاحب موصوف نے "الفضل" ۲۰ر شہادت/اپریل ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳ میں شائع کرا دیا ✦

سے پوری کوشش کی ہے کہ قرآن کریم کا صحیح مفہوم پیش کروں اور مجھے یقین ہے کہ اس تفسیر کا بہت سا مضمون میرے غور کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے مگر بہر حال چونکہ میرے دماغ نے بھی اس کام میں حصہ لیا ہے اس لئے ممکن ہے کہ کوئی بات اس میں ایسی ہو جو قرآن کریم کے منشاء کو پوری طرح واضح نہ کرتی ہو۔ اس لئے مَیں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے کلام کی خوبیوں سے اپنے بندوں کو نفع پہنچائے اور انسانی غلطیوں کے نقصان سے محفوظ رکھے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق عطاء فرمائی تو انشاء اللہ اگلی جلد سورۃ فاتحہ سے شروع کی جائیگی۔ یہ جلد پہلے اس لئے شائع کی گئی ہے کہ ان سورتوں کے متعلق میرے ایک درس کے نوٹ اڑھائی سَو صفحات تک چھپ چکے تھے اور ان کے ضائع ہونے کا ڈر تھا۔ پس مناسب سمجھا گیا کہ پہلے سُورۃ یُونس سے سُورۃ کہف تک تفسیری نوٹوں پر مشتمل جلد شائع ہو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے تو بعد میں قرآن کریم کی بقیہ سُورتوں کے تفسیری نوٹ شروع سے ترتیب وار شائع کئے جائیں۔

مَیں نے تفسیری نوٹوں کو لکھتے ہوئے اس امر کو مدنظر رکھا ہے کہ آیات اور سورتوں کی ترتیب اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ جہاں تک مَیں سمجھتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے معانی کا ایک سلسلہ پوری ترتیب کے ساتھ پڑھنے والے کی سمجھ میں آجائے گا۔ اور وہ کسی صورت یا کسی آیت کو بے جوڑ نہ سمجھے گا۔ ترتیب کا مضمون ان مضامین میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے خاص طور پر سمجھائے ہیں۔ وَلَا يُحِيطُ اَحَدٌ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔

رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قرآن کریم کے سات بطن ہیں اور ہر بطن کے کئی معانی ہیں۔ اس سورۃ میں قرآن کریم کی کوئی ایسی تفسیر لکھنا جو سب معانی پر مشتمل ہو، ناممکن ہے۔ اور جو شخص کہے کہ اس نے قرآن کریم کی مکمل تفسیر لکھ لی ہے وہ دیوانہ ہے یا جاہل۔ جو شخص میرے نوٹوں کی نسبت کوئی ایسی بات منسوب کرے مَیں اُس سے بَری ہوں۔ میرے نزدیک ان نوٹوں کی خوبی یہی بہت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل فرما کر موجودہ زمانہ کی ضرورتوں کے متعلق بہت کچھ انکشاف فرمایا ہے۔ مگر ہر زمانہ کی ضرورت الگ ہوتی ہے اور ہر زمانہ

کی ضرورت الگ ہوتی ہے اور ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق قرآن کریم میں علوم موجود ہیں جو اپنے موقع پر کھولے جاتے ہیں۔ پہلے مفسرین نے اپنے زمانہ کی ضرورتوں کے مطابق بہت بڑی خدمت قرآن کریم کی کی ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہ دو غلطیاں نہ کرتے تو اُن کی تفاسیر دائمی خوبیاں رکھتیں۔

(۱) منافقوں کی باتوں کو جو انہوں نے مسلمانوں میں مل کر شائع کیں۔ ان تفاسیر میں جگہ دے دی گئی ہے اور اس وجہ سے بعض مضامین اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لئے ہتک کا موجب ہو گئے ہیں۔

(۲) انہوں نے یہودی کتب پر بہت کچھ اعتبار کیا ہے اور ان میں سے بھی مصدقہ بائیبل پر نہیں بلکہ یہود کی روایات پر۔ اور اس طرح دشمنوں کو اعتراض کا موقع دے دیا ہے۔ اگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ لَا تُصَدِّقُوْهُمْ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ ان کے ذہن میں رہتا تو یہ مشکل پیش نہ آتی۔ بہر حال ان دو غلطیوں کو چھوڑ کر جو محنت اور خدمت ان لوگوں نے کی ہے اللہ تعالےٰ ہی اُن کی جزا ہو سکتا ہے۔

دو اَور غلطیاں بھی اُن سے ہوئی ہیں۔ مگر مَیں سمجھتا ہوں وہ زمانہ کے اثر کے نیچے تھیں ایک بعض آیات کو منسوخ قرار دے دینا، دوسرے مضامین قرآن کی ترتیب کو خاص اہمیت نہ دینا۔ مگر میرے نزدیک باوجود زمانہ کی رَو کے خلاف ہونے کے اس بارہ میں انہوں نے مفید جد و جہد ضرور کی۔ اور بالعموم (گو اصولی طور پر نہیں) آیات زیر بحث کو غیر منسوخ ثابت کرنے کے لئے محقق مفسرین نے ضرور کوشش کی ہے۔ اسی طرح مطالب کی ترتیب کے متعلق بھی بہت زور لگایا ہے

میرے نزدیک ان محقق مفسرین میں علامہ ابن کثیرؒ علامہ ابوحیان صاحب محیط اور علامہ زمخشری صاحب کشاف خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ گو آخر الذکر پر اعتزال کا داغ ہے۔ طبری نے تفسیر کے متعلق روایات جمع کرنے میں خاص کام کیا ہے اور علامہ ابوالبقاء نے اعراب قرآن کے متعلق املاء ما من به الرحمٰن کتاب لکھ کر ایک احسانِ عظیم کیا ہے۔

گذشتہ صدی کی کوششوں میں تفسیر رُوح المعانی علوم نقلیہ کی جامع کتاب ہے۔ مگر تجربہ

سے معلوم ہوا ہے کہ بالعموم وہ روایت کو اپنے الفاظ میں درج کر دیتے ہیں۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سی تفاسیر کا خلاصہ اس میں آجاتا ہے۔

اب مَیں ان ماخذوں کا ذکر کرتا ہوں جن سے مجھے نفع ہوا ہے۔ اور سب سے پہلے اس ازلی ابدی مأخذِ علوم کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس سے سب علوم نکلتے ہیں اور جس کے باہر کوئی علم نہیں۔ وہ علیم وہ نور ہی سب علم بخشتا ہے۔ اسی نے اپنے فضل سے مجھے قرآن کریم کی سمجھ دی اور اس کے بہت سے علوم مجھ پر کھولے اور کھولتا رہتا ہے۔ جو کچھ ان نوٹوں میں لکھا گیا ہے ان علوم میں سے ایک حصّہ ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ دوسرا مأخذ قرآنی علوم کا حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے آپؐ پر قرآن نازل ہوا۔ اور آپ نے قرآن کو اپنے نفس پر وارد کیا حتّٰی کہ آپ قرآن مجسّم ہو گئے آپ کی ہر حرکت اور آپ کا سکون قرآن کی تفسیر تھے۔ آپ کا ہر خیال اور ہر ارادہ قرآن کی تفسیر تھا۔ آپ کا ہر احساس اور ہر ہر جذبہ قرآن کی تفسیر تھا۔ آپ کی آنکھوں کی چمک میں قرآنی نور کی بجلیاں تھیں اور آپ کے کلمات قرآن کے باغ کے پھول ہوتے تھے۔ ہم نے اس سے مانگا اور اس نے دیا۔ اس کے احسان کے آگے ہماری گردنیں خم ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔

پھر اس زمانہ میں علوم قرآنیہ کا مأخذ حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدیٔ مسعود کی ذات علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے جس نے قرآن کے بلند و بالا درخت کے گرد سے جھوٹی روایات کی آکاس بیل کو کاٹ کر پھینکا اور خدا سے مدد پا کر اس جنتی درخت کو سینچا اور پھر سرسبز و شاداب ہونے کا موقعہ دیا۔ الحمدللہ ہم نے اس کی رونق کو دوبارہ دیکھا اور اس کے پھل کھائے اور اس کے سائے کے نیچے بیٹھے۔ مبارک وہ جو قرآنی باغ کا باغبان بنا۔ مبارک وہ جس نے اُسے پھر سے زندہ کیا اور اس کی خوبیوں کو ظاہر کیا۔ مبارک وہ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے آیا۔ اور خدا تعالےٰ کی طرف چلا گیا۔ اس کا نام زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔

مجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علوم سے بہت کچھ دیا ہے اور حق یہ ہے کہ اس میں میرے فکر یا میری کوشش کا دخل نہیں۔ وہ صرف اس کے فضل سے ہے۔ مگر اُس فضل

کے جذب کرنے میں حضرت استاذی المکرّم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کا بہت ساحصہ ہے۔ مَیں چھوٹا تھا اور بیمار رہتا تھا۔ وہ مجھے پکڑ کے اپنے پاس بٹھا لیتے تھے اور اکثر یہ فرماتے تھے کہ میاں تم کو پڑھنے میں تکلیف ہوگی۔ مَیں پڑھتا جاتا ہوں تم سُنتے جاؤ اور اکثر اوقات خود ہی قرآن پڑھتے خود ہی تفسیر بیان کرتے۔ اس کے علوم کی چاٹ مجھے انہوں نے لگائی اور اس کی محبت کا شکار بانی سلسلہ احمدیہ نے بنایا۔ بہرحال وہ عاشق قرآن تھے اور ان کا دل چاہتا تھا کہ سب قرآن پڑھیں۔ مجھے قرآن کا ترجمہ پڑھایا اور پھر بخاری کا۔ اور فرمانے لگے لو میاں سب دُنیا کے علوم آگئے۔ ان کے سوا جو کچھ ہے یا زائد یا ان کی تشریح ہے۔ یہ بات ان کی بڑی سچی تھی۔ جب تک قرآن و حدیث کے متعلق انسان کا یہ یقین نہ ہو علوم قرآنیہ سے حصہ نہیں لے سکتا۔

مَیں آخر میں ان سب کام کرنے والوں کے لئے جنہوں نے ان نوٹوں کی طباعت میں حصہ لیا ہے دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اُن پر اپنا فضل فرمائے۔ انہوں نے رات دن محنت کر کے اس کام کو تھوڑے سے وقت میں ختم کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ ان سب کی محنت اور قربانی کا بدلہ اپنے پاس سے دے۔ آمین۔

پھر اے پڑھنے والو! مَیں آپ سے کہتا ہوں، قرآن پڑھنے پڑھانے اور عمل کرنے کے لئے ہے۔ پس ان نوٹوں میں اگر کوئی خوبی پاؤ تو انہیں پڑھو پڑھاؤ اور پھیلاؤ، عمل کرو عمل کراؤ اور عمل کرنے کی ترغیب دو۔ یہی اور یہی ایک ذریعہ اسلام کے دوبارہ احیاء کا ہے۔ اے اپنی فانی اولاد سے محبت کرنے والو اور خدا تعالیٰ سے ان کی زندگی چاہنے والو! کیا اللہ تعالےٰ کی اس یادگار اور اس تحفہ کی رُوحانی زندگی کی کوشش میں حصہ نہ لوگے ہم اس کو زندہ کرو، وہ تم کو اور تمہاری نسلوں کو ہمیشہ کی زندگی بخشے گا۔ اُٹھو کہ ابھی وقت ہے۔ دوڑو کہ خدا کی رحمت کا دروازہ ابھی کھلا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں پر بھی رحم فرمائے اور مجھ پر بھی کہ ہر طرح بیکس بے بس اور پر شکستہ ہوں اگر مجرم بنے بغیر اس کے دین کی خدمت کا کام کر سکوں تو اس کا بڑا احسان ہوگا۔ یَاسَتَّارُ یَاغَفَّارُ ارْحَمْنِیْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ ۔

مرزا محمود احمد

۲۰ ماہ فتح ۱۳۱۹ ہش ـ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۹ ہجری

۲۰ دسمبر ۱۹۴۰ء

تفسیر کبیر کی پہلی جلد حضرت امیر المومنین کی خدمت میں

تفسیر کبیر کی اشاعت کا انتظام مولوی عبدالرحمن صاحب انور (سابق انچارج دفتر تحریک جدید) کے ذمہ تھا۔ ان کا بیان ہے کہ جب "تفسیر کبیر کی سورۂ یونس کی تفسیر والی پہلی جلد رات کو چار بجے[1] کے قریب مکمل ہوئی تو حضور کی ہدایت کے بموجب کہ جونہی کتاب کی پہلی جلد تیار ہو حضور کی خدمت میں فوراً پیش کی جائے۔ جب پیش کرنے کے لئے دستک دی تو حضور فوراً تشریف لے آئے اور تیار شدہ جلد کو ملاحظہ فرما کر بہت خوش ہوئے"[2]

تفسیر کبیر جلد سوئم کی اشاعت

تفسیر کبیر جلد سوم[3] ایک ہزار سات صفحات کی ضخیم کتاب تھی جو تین ہزار کی تعداد میں طبع ہوئی تھی اور اس کا پہلا ایڈیشن ہجرت/مئی ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء تک بالکل ختم ہو گیا[4] اور مرکز کو بیرونی مشنوں کے لئے بعض دوسری جماعتوں مثلاً حیدرآباد دکن وغیرہ سے اس کے نسخے خریدنے پڑے۔[5] دنیا کی احمدی جماعتوں نے تفسیر کبیر کی اشاعت میں کتنا حصہ لیا؟ اس کی تفصیل خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنی زبان مبارک سے سالانہ جلسہ ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء میں بیان فرما دی تھی جو حضور ہی کے الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے۔ فرمایا:-

"تفسیر کبیر جو چھپوائی گئی تھی وہ ختم ہو چکی ہے۔ بلکہ اب تو ہم بیرونی مشنوں کے لئے بعض جماعتوں سے اس کے نسخے خرید رہے ہیں۔ کچھ حیدرآباد سے خریدے ہیں۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ جماعت کے معتدبہ حصہ نے اس کی اشاعت میں حصہ نہیں لیا۔ اس کی اشاعت میں غیر احمدیوں کا بھی کافی حصہ ہے۔ تین ہزار میں سے پانسو سے کچھ زائد غیر احمدیوں نے خریدی ہے اور باقی اڑھائی ہزار احباب جماعت نے۔ مجھے افسوس ہے کہ جماعت کے دوستوں نے اس کی اشاعت کی طرف پوری توجہ نہیں کی۔ . . . ہر احمدی باپ کا فرض تھا کہ اپنی اولاد کے لئے تفسیر کبیر خریدتا۔ میں نے خود اپنی ہر لڑکی اور ہر لڑکے سے دریافت کیا کہ کیا انہوں نے تفسیر خریدی ہے یا نہیں

---

[1] ۲۴-۲۵ دسمبر کی درمیانی شب مراد ہے۔

[2] رسالہ "الفرقان" ربوہ۔ فضل عمر نمبر شمارہ فتح/دسمبر ۱۳۴۴ہش/۱۹۶۵ء و صلح ۱۳۴۵ہش/۱۹۶۶ء صفحہ ۶۲-۶۳۔

[3] اس کا سرورق حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا تجویز کردہ ہے جس کا اصل کاغذ خلافت لائبریری کے ریکارڈ میں اب تک محفوظ ہے۔

[4] "الفضل" ۲۰/ ہجرت/مئی ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

[5] "الفضل" ۱۶/ صلح/جنوری ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۱۔ کالم ۱ (تقریر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ)

اور جب تک ان سب نے نہیں خریدی مجھے اطمینان نہیں ہوا۔ مَیں نے تو خود سب سے پہلے اسے خریدا اور حق تصنیف کے طور پر اس کا ایک بھی نسخہ لینا پسند نہیں کیا کیونکہ مَیں اس پر اپنا کوئی حق نہ سمجھتا تھا۔ مَیں نے سوچا کہ مجھے علم خدا تعالیٰ نے دیا ہے وقت بھی اسی نے دیا ہے اور اسی کی توفیق سے مَیں یہ کام کرنے کے قابل ہوا۔ پھر میرا اس پر کیا حق ہے اور میرے لئے یہی مناسب ہے کہ خود بھی اسے اسی طرح خریدوں جس طرح دوسرے لوگ خریدتے ہیں۔ . . . . . افسوس ہے کہ بعض بڑے بڑے شہروں کی جماعتوں نے بھی اس کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ مَیں تمام جماعتوں کی خریداری کی فہرست سُنا دیتا ہوں۔ اس سے احباب اندازہ کر سکیں گے کہ کس کس نے اس کی اشاعت کی طرف توجہ کی ہے۔ ضلع گورداسپور ۶۰۷۔ اس میں سے قادیان میں ۵۸۲ اور باقی ضلع میں ۲۵ فروخت ہوئیں۔ . . . دہلی ۵۲ . . . امرتسر ۴۶۔ یہ جماعت عام طور پر غرباء کی جماعت ہے اور گو شہر کے لحاظ سے زیادہ چاہیئے لیکن جماعت کی حالت کے لحاظ سے یہ تعداد ایسی بُری نہیں۔ لائل پور ۵۱ . . . ملتان ۹ ۴، شہر اور جماعت کی حالت کے لحاظ سے یہ تعداد اچھی ہے۔ شیخوپورہ ۲۰۔ ڈیرہ غازیخاں ۲۷۔ سرگودھا ۳۵۔ گجرات ۲۷۔ سیالکوٹ ۲۷ . . . گوجرانوالہ ۱۹۔ جہلم ۸۔ انبالہ ۷۔ جالندھر ۳۔ جھنگ ۷۔ میانوالی ۴۔ فیروز پور ۲۰۔ گوڑگانواں ۸۔ رہتک ۱۔ حصار ۲۔ ریاست کپورتھلہ ۱۔ مالیر کوٹلہ ۲۔ شملہ ۲۔ جے پور ۳۔ جودھ پور ۳۔ حیدر آباد[ك] سکندر آباد ۲۴۱ مگر میرا خیال ہے یہ تعداد ۱۰۳ ہے۔ معلوم نہیں دفتر نے کس طرح غلط رپورٹ کی ہے۔ صوبہ سرحد ۷۶۔ مدراس ۲۔ بہار ۲۳۔ بمبئی ۴۔ یوپی ۱۱۔ رامپور ۴۔ سی پی ۱۴۔ نواں نگر ۱۰۰۔ مانگرول ۲۔ بذریعہ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب[ك] ۵۹۶۔ برما ۲۴۔ عراق ۲۔ فلسطین ۸۔ جاوا سماٹرا ۴۔ یہ کل تعداد ۲۹۰۹ ہے۔ اسے دیکھ کر دوست اندازہ کر سکتے ہیں کہ جماعت نے زیادہ کوشش نہیں کی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ جماعت میں ہی

[ك] و [ك] یاد رہے انفرادی طور پر جن احمدیوں نے تفسیر کبیر کی اشاعت میں نمایاں حصّہ لیا ان میں سر فہرست چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب اور دوسرے نمبر پر سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدر آبادی تھے۔

یہ تمام بک کر کم سے کم ۳ - ۴ ہزار کا مطالبہ اور ہوتا۔ مگر ہوا یہ کہ قریباً ۲۴۰۰ جماعت میں فروخت ہوئی اور باقی پانچ سو دوسروں نے لی۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ جماعت ایسی غفلت نہ کرے گی . . . . یہ تفسیر ایک بہترین تحفہ ہے جو دوست دوست کو دے سکتا ہے۔ ایک بہترین تحفہ ہے جو خاوند بیوی کو اور بیوی خاوند کو دے سکتی ہے۔ باپ بیٹے کو دے سکتا ہے۔ بھائی بہن کو دے سکتا ہے۔ یہ بہترین جہیز ہے جو لڑکیوں کو دیا جا سکتا ہے۔"[1]

تفسیر کبیر جلد سوم کا ہدیہ چونکہ تفسیر کبیر کی اشاعت محض قرآنی علوم و انوار کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی غرض سے ہوئی تھی اور کوئی ذاتی مقصد مدنظر نہیں تھا اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جنگ کی ہوشربا گرانی کے باوجود اس کا ہدیہ ابتداءً صرف پانچ روپے مقرر فرمایا مگر بعد کو جب حجم اندازہ سے بھی بہت زیادہ بڑھ گیا مزید ایک روپیہ کا اضافہ کر دیا گیا ہاں پیشگی رقم دینے والوں کو پانچ روپے میں ہی کتاب دی گئی۔ تفسیر کبیر بہت جلد نایاب ہو گئی اور پہلے آٹھ دس[2] پھر پچیس اور بعد ازاں سو سو روپے میں فروخت ہوئی چنانچہ حضور انور نے مجلس مشاورت ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء کے دوران خود یہ واقعہ بیان فرمایا کہ

"پرسوں[3] ہی میرے پاس عراق سے ایک خط آیا جسے پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ وہاں ایک احمدی ڈاکٹر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مجھ سے تفسیر کبیر ایک غیر احمدی ڈاکٹر[4] نے پڑھنے کے لئے لی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد اُن کا تبادلہ ہو گیا اور میں نے اپنی کتاب واپس لے لی۔ انہیں معلوم ہوا کہ ایک اور احمدی کے پاس یہ کتاب ہے۔ چنانچہ وہ غیر احمدی ڈاکٹر اس کے پاس گئے اور ایک سو روپیہ میں انہوں نے یہ کتاب اس سے خرید لی"[5]

یہی نہیں ایک وقت ایسا بھی آیا جبکہ بعض غیر احمدی شائقین نے ایک سو روپیہ دینے کی پیشکش

---

[1] "الفضل ۱۵ صلح/جنوری ۱۳۲۱ ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۱-۲۔
[2] " " " صفحہ ۲۔ کالم ۲۔
[3] مورخہ ۲۸ امان/مارچ ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء۔
[4] یہ کرنیل بھی تھے ("الفضل" ۳ شہادت/اپریل ۱۳۳۸ ہش/۱۹۵۹ء صفحہ ۷، کالم ۱)۔
[5] رپورٹ مجلس مشاورت منعقدہ ۳۰-۳۱ امان/مارچ و یکم شہادت/اپریل ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳۹-۴۰۔

کی۔مگر تفسیر کبیر کی قیمت ایک سو پچیس روپیہ تک پہنچ گئی۔اس تعلق میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کا بیان فرمودہ ایک واقعہ درج کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔حضور نے ۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۳۴ ہش/۱۹۵۵ء کو اپنی سالانہ جلسہ کی تقریر میں بتایا کہ

"سُورۂ یونس سے سُورۂ کہف تک جو تفسیر ہے اس کے متعلق ایک غیر احمدی کا مجھے خط آیا کہ ایک احمدی نے مجھے یہ جلد دی تھی جسے وہ واپس مانگ رہا ہے۔مَیں سَو روپیہ دیتا ہوں مگر وہ تفسیر نہیں دیتا۔آپ مجھے سَو روپیہ پر لے دیں۔مَیں نے پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ ابھی اس کی ایک جلد ایک سو پچیس روپیہ میں بکی ہے۔مَیں نے کہا تم سَو سمجھ کے کہتے ہوگے کہ تم بڑی قربانی کر رہے ہو وہ تو ۱۲۵ کو ابھی بکی ہے۔" [1]

تفسیر کبیر جلد سوم کی جناب الٰہی میں مقبولیت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض نے سالانہ جلسہ ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء کے موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ

"تفسیر کبیر کا اثر تعلیم یافتہ طبقہ پر بہت اچھا ہے اور بعض لوگ اس سے گہرے طور پر متاثر ہوئے ہیں اور سب سے بڑی چیز تو یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے حضور مقبول ہو چکی ہے۔اور اس کی دلیل یہ ہے کہ دشمن نے اس کی مخالفت شروع کر دی ہے۔حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک واقعہ سُنایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ نے ایک کام بڑی نیک نیتی کے ساتھ کیا . . . اور وہ اس پر بہت خوش تھے کہ اس کی توفیق ملی۔مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ آپ سے ملے اور کہا معلوم ہوتا ہے میری نیت میں ضرور کوئی خرابی تھی کیونکہ میرا یہ کام خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوا۔مَیں نے کہا کہ آپ کی تحریک تو کامیاب ہوئی ہے بہت سے لوگ ممبر بھی ہو گئے ہیں، چندہ بھی آنے لگا ہے۔پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ مقبول نہیں ہوا۔اس بزرگ نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کے ہاں کسی نیک کام کی قبولیت کا ثبوت یہ نہیں ہوتا کہ لوگ اس میں مدد کرنے لگیں۔بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول عمل وہ ہوتا ہے جس کی لوگ مخالفت کریں اور چونکہ میرے اس کام کی مخالفت کسی نے نہیں کی اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوا۔اور اس پر وہ بہت افسردہ

[1] "الفضل" ۱۵ شہادت/اپریل ۱۳۳۵ ہش/۱۹۵۶ء صفحہ ۳ کالم ۴۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا مکتوب گرامی شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ کپورتھلوی کے نام (۱۵ دسمبر ۱۹۳۷ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

عزیزم مظہر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ [illegible]
کہ جنت میں اعلیٰ مقامات میں جگہ دے۔ [illegible]
نومولود کی ولادت کی خبر سے مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ
[illegible] بابرکت کرے [illegible]
[illegible] [illegible]

[illegible] صاحب کی بیماری کی خبر سے افسوس ہوا [illegible]
[illegible] ایک کتاب میں [illegible]
حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق لکھی [illegible]
میں [illegible] ملفوظات ہی نہیں بلکہ سلسلہ کی تاریخ اور حضور
علیہ السلام کے واقعات [illegible]
[illegible]
والسلام خاکسار
مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی 15.12.37

حضرت مصلح موعودؓ کے رقم فرمودہ دیباچہ کا عکس مشمولہ تفسیر کبیر جلد اول جز اول (۲۳ مئی ۱۹۴۸ء)

کلام اللہ

قرآن کریم ایک ہی کتاب ہے جو کلام اللہ کہلا سکتی ہے کیونکہ دوسری کتب
خواہ الہامی بھی ہوں کلام اللہ نہیں کیونکہ ان میں انسانی کلام بھی شامل ہے خالص
کلام اللہ الف سے لیکر یا تک یعنی الحمد سے لیکر والناس تک صرف قرآن کریم ہے
یہ کتاب جو اس وقت سے کہ نازل ہوئی [illegible] ہمارے زمانہ تک جوں کی توں
ہے نہ ایک لفظ کم نہ ایک نقطہ زیادہ نہ کوئی حکم ناقابل عمل نہ کوئی آیت منسوخ
ہر ایک زیر زبر ہر نقطہ ہر ایک حرکت و وقف بعینہ [illegible] اس کا سوا
[illegible] کوئی کتاب نہیں جسے اس کی یقینی [illegible] اللہ اپنے مستقل راہ بنایا
ہو کہ [illegible] اس سے کوئی شبہ نہ ملیگا [illegible] مگر دوسری کتب کا نزول

اس قیمتی کتاب کو جلد دیکھنے وہ دیکھ حیدرآباد کے دوسرے کتب کا طرف متوجہ

ہیں* الحمد قدرت کا کام فکر خود سامنے پیش رو دن کا پیچھے چل رہے ہیں یا تو کس

رسید کا ساتھ اس کلام اللہ کا تفسیر [illegible] کہ [illegible] جو لوگ عزل بنی یا تہ

یا یہ قسمتی ہے اس کلام پر عقدہ کرنے کا وقت میں ہاتھ آیا جب دل اس پر خواہش

میں بعد اس کو اپنی کلام اللہ کہف کا ترجمہ [illegible] الحمد کا اندر دن

تو بیوی کا یہ وہ واقف ہو گئی [illegible] جلد تفسیر کا [illegible] ہے

سب دنیا جہان سلطان [illegible] ربیع [illegible] تین جلد میں دریا

الحمد [illegible] متعلق [illegible] ربیع [illegible] الحمد [illegible] چیز گوشہ

کہ شہد لکھا [illegible] الحمد [illegible] ذریعے قرآن [illegible] کرنا رد یا

ہم لوگ [illegible] الحمد [illegible] تفسیر [illegible] کا توفیق [illegible]

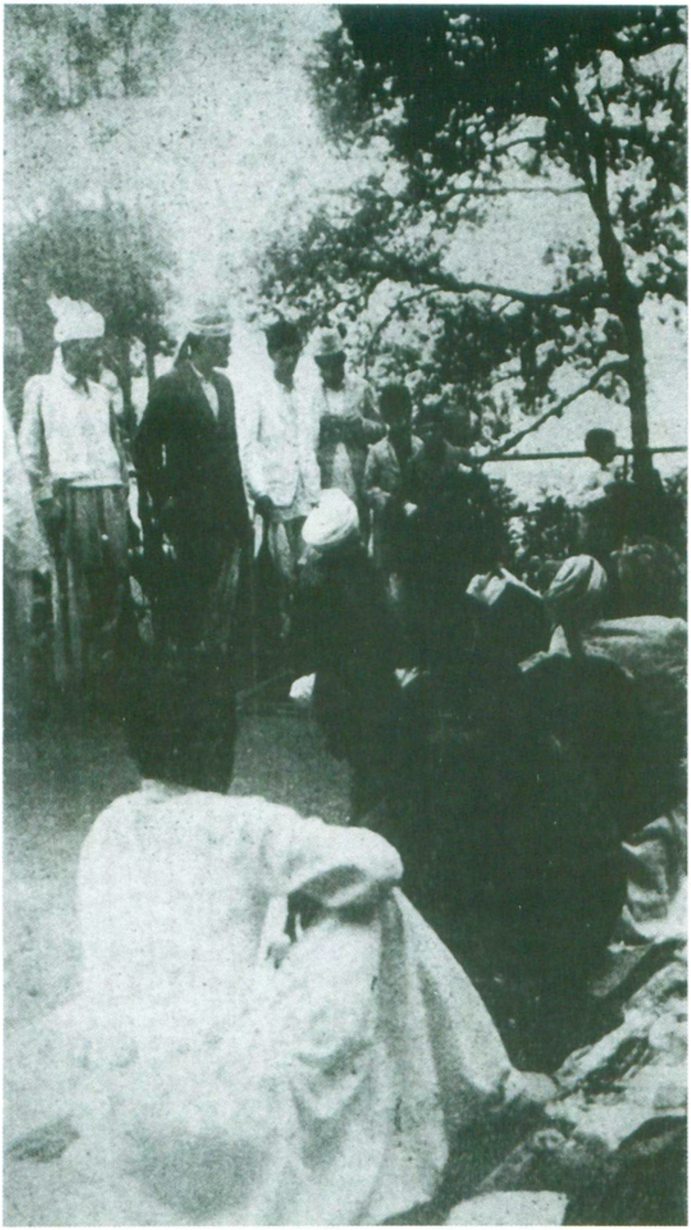

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ڈلہوزی میں

تھے۔ مگر پھر کچھ دنوں کے بعد ملے تو بہت خوش تھے۔ چہرہ بشاش تھا۔ مَیں نے اس کی وجہ پوچھی تو جیب سے ایک خط نکال کر دکھایا کہ دیکھو یہ گالیوں کا خط آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کاموں کا مقابلہ شیطان ضرور کرتا ہے اور اس کے کام کے لئے جو آدمی مقرر ہوتے ہیں وہ خواہ علماء سے ہوں یا رؤساء میں سے اور خواہ عام لوگوں میں سے، وہ ضرور اپنا کام کرتے ہیں چنانچہ اس تفسیر پر مولوی ثناء اللہ صاحب نے بھی اعتراض کئے ہیں اور بہت غصّہ کا اظہار کیا ہے کہ امام جماعت احمدیہ نے تفسیر بالرائے لکھی ہے اور پھر اس کے جواب کی ضرورت اس قدر محسوس کی ہے کہ لکھا ہے کہ مَیں اس تفسیر کے مکمل ہونے کا انتظار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ممکن ہے اس وقت تک مَر ہی جاؤں۔ اس لئے ابھی سے اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر دیتا ہوں۔ چنانچہ ایک رسالہ چند اعتراضات پر مبنی شائع بھی کیا ہے۔ پیغامیوں کی طرف سے بھی اس کی مخالفت شروع ہے اور ایک پیغامی مبلّغ نے تو یہانتک کہا ہے کہ مَیں اپنی عاقبت کی درستی کے لئے اس تفسیر کا جواب لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ دشمن کو یہ تفسیر بہت چبھی ہے خصوصاً پیغامی صاحبان کے لئے تو یہ بے حد تکلیف اور اذیّت کا موجب ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے تفسیر کو خاص طور پر جلبِ زر کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ جب ضرورت ہوتی تحریک شروع کر دیتے کہ فلاں جگہ اتنی جلدوں کی ضرورت ہے۔ فلاں ملک میں ایک ہزار جلد بھجوائی جانی چاہیئے اور اس طرح فروخت کر کے اس میں سے اپنا حصّہ حاصل کر لیتے۔ اس لئے ان کو خاص طور پر دُکھ ہوا ہے۔ یہ نبوّت وغیرہ کے مسائل اور تقریریں کرنے کے جو سوال اُٹھائے جا رہے ہیں یہ دراصل تفسیر ہی کی جلن کا اظہار ہے۔ حال میں مجھے ایک دوست نے لکھا ہے کہ ان کے ایک مصنّف نے اپنی انجمن کو لکھا ہے کہ اب کمیشن کی آمد بہت کم ہو گئی ہے اس لئے یا تو ۴½ سو روپیہ ماہوار رقم کا انتظام کیا جائے اور یا پھر اتنی رقم مجھے قرض ہی دے دی جایا کرے۔ گویا اُس کی آمد پر اس کا اثر پڑا ہے اور اس وجہ سے وہ چیخ اُٹھے ہیں۔ یہ مقابلہ جواب ان کی طرف سے شروع ہوا ہے یہ دراصل تفسیر کا ہے، نبوّت وغیرہ کا نہیں۔ بہر حال ان گالیوں سے ہم ناراض نہیں ہیں کیونکہ یہ دراصل ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ کام خدا تعالیٰ نے قبول فرما لیا ہے

مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر کو شائع ہوئے بہت عرصہ ہو چکا ہے اور ہماری جماعت کے دوست بھی حسب ضرورت اُسے خریدتے رہے ہیں۔ کئی دفعہ بعض علاقوں کے احمدیوں نے مجھ سے پوچھا کہ کونسی انگریزی تفسیر خریدیں تو میں نے اُن کو کہا کہ سردست مولوی صاحب کی تفسیر خریدلیں۔ لیکن ان کی یہ حالت ہے کہ ابھی ایک ہی جلد شائع ہوئی ہے اور وہ مخالفت پر کھڑے ہو گئے ہیں"[۱][۲]

تفسیر کبیر جلد سوم کا انڈیکس

اگرچہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور انچارج تحریک جدید نے تفسیر کبیر جلد سوم کے مضامین کی ایک مختصر سی فہرست اس کے آخر میں شامل کر دی تھی مگر ضرورت تھی کہ اس کی مفصّل فہرست بھی شائع کی جائے۔ اس اہم خدمت کی تکمیل قاضی محمد اسلم صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور[۳] کے ذریعہ ہوئی جنہوں نے ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء میں اس کا مفصّل انڈیکس[۴] شائع کر دیا۔ اور جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

"تفسیر کبیر" کی دوسری جلدوں کی اشاعت

تفسیر کبیر جلد سوم کی اشاعت کے بعد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے قرآن مجید کے تیسویں پارہ کی تفسیر کی طرف توجہ فرمائی اور وفا/جولائی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء سے اس کے درس کا آغاز فرمایا اور پہلے ڈلہوزی میں سورۃ النّبا سے سورۂ طارق تک، پھر صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں قادیان آکر سورۂ اعلیٰ سے سورۂ قدر تک کا درس دیا۔ ازاں بعد ظہور/اگست ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں بمقام ڈلہوزی، سورۂ البیّنہ سے سورۂ الھمزۃ تک اور ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں بمقام کوئٹہ سورۂ الفیل سے سورۂ کوثر تک درس دیا۔[۵]

---

[۱] "الفضل" ۱۶/صلح ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۲-۳۔

[۲] معترضین نے ان دنوں "تفسیر کبیر" پر اعتراضات شائع کئے۔ ان کے جواب میں مندرجہ ذیل علماء نے قلم اُٹھایا اور نہایت مدلّل مضامین شائع کئے۔ مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ، مولانا ابوالعطاء صاحب، مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب، مولانا محمد شریف صاحب فاضل مبلغ بلاد عربیہ۔ مولانا ابوالمنیر صاحب کا جواب "الفضل" میں کئی قسطوں میں شائع ہوا جس پر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے گھبرا کر یہ تبصرہ کیا کہ "قادیانی پارٹی نے اس کے جواب میں یک سلسلہ مضمون بظاہر ایک نوجوان کے نام سے شروع کیا ہوا ہے (ہفت روزہ "اہلحدیث" ۲۸ نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۴)۔

[۳] حال پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ و ناظر تعلیم صدر انجمن احمدیہ ربوہ۔

[۴] فہرست کا پورا نام "تفسیر کبیر جلد ۳ تالیف منیف حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ کا انڈیکس" ناشر جماعت احمدیہ لاہور۔

[۵] "تاریخ احمدیت" جلد پنجم صفحہ ۱۴۵۔ تفسیر کبیر (سورۃ الفجر) صفحہ ۴۸۳-۴۸۴۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے یہ سارے درس مولوی محمد یعقوب صاحب فاضل (انچارج شعبہ زود نویسی) نے قلمبند کئے جو نبوت (نومبر ۱۳۲۱ ہش/۱۹۴۲ء) سے حضور کے ارشاد کے ماتحت دفتر "الفضل" قادیان سے تفسیر القرآن کے کام پر منتقل ہو گئے تھے[1]۔ تاہم حل لغات اور حوالہ جات کی فراہمی کا فریضہ مولوی ابو المنیر نور الحق صاحب فاضل (پروفیسر جامعہ احمدیہ) ہی کے سپرد رہا اور انہی کی زیر نگرانی ان درسوں کی کتابت، پروف ریڈنگ اور طباعت بھی ہوئی۔

حضور کے یہ اہم درس تین جلدوں میں شائع کئے گئے۔

پہلی جلد سورۃ النبا سے سورۃ البلد تک کے معارف پر مشتمل تھی (تعداد تین ہزار ۳۰۰۰ ضخامت ۶۲۸ صفحات، تاریخ اشاعت ظہور/اگست ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء)

دوسری جلد میں سورۃ الشمس سے سورۃ الزلزال تک کے مضامین شائع ہوئے (تعداد تین ہزار ۳۰۰۰ ضخامت ۷۰۲ صفحات، تاریخ اشاعت ۲۵ فتح/دسمبر ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء)

تیسری جلد سورۃ العادیات تا سورۃ الکوثر کی تفسیر پر مشتمل تھی[2] (ضخامت ۵۰۰ صفحات تاریخ اشاعت فتح/دسمبر ۱۳۲۹ ہش/۱۹۵۰ء)

تیسویں پارہ کی آخری اور چوتھی جلد جس میں سورۃ الکافرون سے سورۃ الناس تک کے مطالب موجود تھے، اخاء/اکتوبر ۱۳۳۵ ہش/۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔ یہ جلد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے لکھے ہوئے نوٹوں اور حضور کے دیئے ہوئے درسوں سے مرتب کی گئی تھی اور حضور رضی اللہ عنہ نے ان نوٹوں کو اوّل سے آخر تک سُن کر ان میں ترمیم و تصحیح فرمائی۔[3] (تعداد اشاعت تین ہزار ۳۰۰۰، ضخامت ۲۱۲ صفحات، سن اشاعت اخاء/اکتوبر ۱۳۳۵ ہش/۱۹۵۶ء)

آخری پارہ کی تفسیر کیلئے اخراجات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مندرجہ بالا جلدوں کی طبع و اشاعت کے لئے دس ہزار روپے مرحمت فرمائے جیسا کہ حضور نے

---

[1] رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم ہجرت/مئی ۱۳۲۱ ہش/۱۹۴۲ء لغایت ۳۰ شہادت/اپریل ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء مرتبہ چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے ناظر اعلیٰ ناشر صدر انجمن احمدیہ قادیان ص۵۔

[2] ان سب جلدوں کی کتابت مکرم قاضی نور محمدؐ صاحب کاتب مرحوم نے کی۔

[3] ان نوٹوں کے سُنانے کی سعادت مکرم ابو المنیر نور الحق صاحب کو ملی۔

آخری پارہ کی پہلی جلد کے دیباچہ میں رقم فرمایا کہ

"پارہ عم کی تفسیر کی طباعت کے لئے میں نے دس ہزار روپیہ دیا ہے اور یہ پارہ اس رقم سے شائع کیا جائے گا۔ یہ رقم اور اس کا منافع بطور صدقہ جاریہ میری مرحومہ بیوی مریم بیگم ام طاہر غَفَرَ اللّٰہُ لَھَا وَ اَحْسَنَ مَثْوٰھَا کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے وقف رہے گا اور اس کی آمد سے قرآن کریم، احادیث اور سلسلہ احمدیہ کی ایسی کتب جو تائید اسلام کے لئے لکھی جائیں۔ شائع کی جاتی رہیں گی اور اس کا انتظام تحریک جدید کے ماتحت رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس صدقہ جاریہ کو مرحومہ کی درجات کی بلندی اور قرب الٰہی کا موجب بنائے" [1]

تفسیر کبیر کے مسوّدات کی حفاظت کا خاص اہتمام

اس جگہ یہ بتانا ضروری ہے کہ متحدہ ہندوستان میں اس کی دو جلدیں ہی شائع ہوئی تھیں اور بقیہ جلدوں کے مسوّدات (تا سورۃ الھمزۃ) اشاعت کے بغیر پڑے تھے کہ ہندوستان تقسیم ہو گیا جس پر حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ابو المنیر مولوی نور الحق صاحب کو بتاریخ ۲ ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء مسودات تفسیر دے کر لاہور بھجوا دیا۔ چنانچہ آپ کا بیان ہے:۔

"پاکستان کے قیام پر فسادات کے پیش نظر حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلا قافلہ ۲۵/۸/۴۷ کو لاہور بھجوایا تھا۔ اس میں حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواتین مبارکہ تھیں اور خاندان کے صرف چند ایک مرد فرد تھے۔ اس قافلہ میں حضور نے مجھے بھی شامل فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ تفسیر کبیر کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ سب مسودات لے کر لاہور پہنچوں۔ چنانچہ خاکسار ان سب مسودات کو لے کر لاہور پہنچ گیا۔ حضور نے یہ سب اس لئے کیا۔ تا ایسا نہ ہو کہ مسوّدات ضائع ہو جائیں"

ازاں بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی خود بھی ۳۱ ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے۔ یہاں پہنچتے ہی آپ نے جن امور کی طرف فوری توجہ فرمائی اُن میں تفسیر کا کام بھی تھا۔ چنانچہ حضرت امیر المؤمنین نے مورخہ ۳ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء حضرت میاں بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ

---

[1] حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد مبارک کی تعمیل میں تفسیر کبیر (پارہ عم) کی پہلی تین جلدیں دفتر تحریک جدید نے شائع کیں مگر چوتھی جلد ام طاہر ٹرسٹ کے لئے الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ کی نگرانی میں طبع ہوئی۔

(امیر مقامی قادیان) کے نام حسب ذیل ہدایت جاری فرمائی۔ فرمایا:۔

"جو کنوائے آئے گا اس کے ساتھ تفسیر کے تین بکس دفتر سے ضرور بھجوا دیں۔ اور مولوی محمد یعقوب کو، تاکہ دو چار دن میں تفسیر کی آخری جلد مکمل کر دوں تا اس طرف سے دلجمعی ہو جائے۔ باقی کام ہوتا رہے گا۔ کون شخص ہے جس نے سارے دُنیا کے کام کئے ہوں" [۱]

اس حکم کی تعمیل میں حضرت میاں صاحبؓ نے تفسیر کے تین بکس بھی لاہور بھجوا دیئے اور مولوی محمد یعقوبؓ صاحب (انچارج شعبہ زود نویسی) کو بھی روانہ کر دیا۔

تفسیر کبیر کی دوسری جلدوں کی اشاعت

تیسویں پارہ کی مکمل تفسیر لکھنے کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تفسیر کبیر کی مندرجہ ذیل پانچ جلدیں بھی شائع ہوئیں:۔

۱۔ تفسیر کبیر جلد اوّل جزء اوّل [۲] (سورۃ البقرہ کے پہلے نو رکوع پر مشتمل صفحات ۵۴۸، تاریخ اشاعت ۲۳ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء) یہ تفسیر ضیاء الاسلام پریس [۳] قادیان میں چھپی مگر سرورق اتحاد پریس لاہور میں طبع ہوا۔ اس جلد کا مسودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے اپنے ہاتھوں کا تحریر کیا ہوا ہے۔ اس جلد کی نسبت حضور نے قبل ازیں سالانہ جلسہ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے موقعہ پر بتایا:۔

"اُردو تفسیر کے متعلق مجھے افسوس ہے کہ وہ شائع نہیں ہو سکی۔ پانسو صفحات سے زیادہ کا مضمون مَیں دے چکا ہوں اور اس سال پچھلے سال کی نسبت زیادہ کام ہوا ہے۔ میری صحت بہت خراب رہی ہے ورنہ اس سے بھی زیادہ کام ہو سکتا تھا۔ میری صحت کی خرابی میں دانتوں کا دخل ہے۔ بعض اوقات دانت کا ٹکڑا آپ ہی آپ ٹوٹ کر گر جاتا ہے اور اس وجہ سے مَیں کھانا وغیرہ چبا کر نہیں کھا سکتا۔ روٹی بہت کم کھا سکتا ہوں۔ بسا اوقات چھٹانک سے بھی کم وزن کا پھلکا ہوتا ہے جو کھاتا ہوں۔ مگر اس کے باوجود پیٹ میں خرابی رہتی ہے۔ خون کم پیدا ہوتا ہے اور پیچش بھی ہو جاتی ہے اور اس

---

[۱] اقتباس از مکتوب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض محررہ ۳ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء۔

[۲] اس جلد کی کتابت مکرم منشی عبدالحق صاحب نے کی صرف آخری ایک رکوع مکرم قاضی نور محمد صاحبؓ نے لکھا۔

[۳] یہ پریس تحریک جدید نے انجمن سے خرید لیا تھا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض نے ۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کی تقریر میں فرمایا:۔
"دو مہینے کی بات ہے کچھ کاپیاں ایک پریس پر لگائی گئیں تو وہ سب کی سب اُڑ گئیں۔ اب مَیں نے تحریک جدید کی طرف سے ایک پریس خرید لیا ہے اور دس ہزار روپیہ اس پر صرف آیا ہے۔ انشاء اللہ جنوری میں فٹ ہو کر تفسیر کی چھپوائی شروع ہو جائیگی"
("الفضل" ۲۵ صلح ۱۳۲۴ہش (۲۵ جنوری ۱۹۴۵ء) صفحہ ۲ کالم ۳)۔

وجہ سے ہاتھ کی انگلیاں بھی پوری طرح کام نہیں کر سکتیں۔ آخر سوچنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ مضمون کاتب کو لکھوا دیا کروں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میں بڑی کامیابی ہوئی ہے اور بڑی جلدی کام ہونے لگا ہے۔ جنہوں نے دیکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس طرح لکھے ہوئے اور میرے ہاتھ کے لکھے ہوئے میں فرق نہیں۔ اس طرح بعض اوقات میں نے ساٹھ ساٹھ کالم مضمون لکھوا دیا ہے اور امید ہے کامیابی ہوگی۔ مشکل یہ ہے کہ مضامین اس طرح الجھتے ہیں کہ جیسے ایک خزانہ کے اندر دوسرا خزانہ مخفی ہو۔ اور آٹھ رکوع میں ہی پانچ سو صفحات ختم ہو گئے ہیں اور اتنا بھی مضامین کا گلا گھونٹ گھونٹ کر کیا گیا ہے۔ پہلے تجویز تھی کہ تین سورتیں پہلی جلد میں ختم ہو جائیں۔ پھر یہ خیال کیا کہ دو سورتیں پہلی جلد میں ختم کی جائیں۔ مگر اب یہ بھی مشکل نظر آتا ہے۔ میں بہت سی باتیں چھوڑتا بھی ہوں۔ مگر چونکہ ابتدائی مضمون ہے اس لئے یہ بھی خیال ہے کہ ممکن ہے تفصیل آگے فائدہ دے اس لئے ہر بات بیان کرنی پڑتی ہے اور اس لئے پانچ سو صفحات میں صرف آٹھ رکوع ختم ہوئے ہیں[1]"

تفسیر کبیر کی اس پہلی جلد کے ابتدا میں حضور نے "کلام اللہ" کے عنوان سے حسب ذیل دیباچہ رقم فرمایا:-

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

کلام اللہ

قرآن کریم ایک ہی کتاب ہے جو کلام اللہ کہلا سکتی ہے۔ دوسری کتب خواہ الہامی بھی ہوں کلام اللہ نہیں۔ کیونکہ ان میں انسانی کلام بھی شامل ہے۔ خالص کلام اللہ الف سے لیکر ی تک بسم اللہ سے لے کر وَالنَّاس تک صرف قرآن کریم ہے۔

یہ کتاب اس وقت سے کہ نازل ہوئی ہمارے زمانہ تک جوں کی توں ہے۔ نہ ایک لفظ کم نہ ایک لفظ زیادہ، نہ کوئی حکم ناقابل عمل نہ کوئی آیت منسوخ، ہر ایک زبر زیر محفوظ، ہر ایک حرکت و وقف بعینہٖ۔ پس اس کے سوا اور کوئی کتاب نہیں جسے اس تعیین کے ساتھ اپنے لئے مشعل

[1] "الفضل" یکم امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳-۴

راہ بنایا جاسکے کہ اس سے کوئی مشتبہ حکم نہ ملے گا۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے اس قیمتی کتاب کو بھلا دیا ہے۔ وہ اسے چھوڑ کر دوسری کتب کی طرف متوجہ ہیں اور خدا تعالیٰ کی جگہ خود ساختہ لیڈروں کے پیچھے چل رہے ہیں۔ مَیں نے اس امید کے ساتھ کلام اللہ کی تفسیر لکھی ہے کہ جو لوگ عربی نہیں جانتے یا بدقسمتی سے اس کلام پر غور کرنے کا وقت نہیں پاتے یا جن کے دل میں یہ خواہش پیدا نہیں ہوتی انہیں کلام اللہ سمجھنے کا موقعہ مل جائے اور اس کی اندرونی خوبیوں سے وہ واقف ہوجائیں۔ پہلی جلد تفسیر کی یہ ہے جس کا دیباچہ مَیں ان سطور کے ذریعے سے لکھ رہا ہوں۔ تین جلدیں درمیانی اور آخری حصہ کے متعلق پہلے چھپ چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ میری حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور اس تفسیر کے ذریعہ سے قرآن کریم کے مطالب کو ظاہر و باطن میں پھر زندہ فرمائے اور مجھے بھی اس تفسیر کے مکمل کرنے کی توفیق بخشے (آمین)

میرزا محمود احمد

رتن باغ لاہور ۲۳ $\frac{۵}{۴۸}$

۲۔ تفسیر کبیر جلد چہارم (مشتمل بر سورۃ مریم و سورۃ طٰہٰ و سورۃ انبیاء) صفحات ۵۸۰، تاریخ اشاعت ۲۰ امان/مارچ ۱۳۳۷ہش (۱۹۵۸ء) یہ جلد حضرت ام طاہر فنڈ کی رقم سے الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ نے شائع کی۔

۳۔ تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اوّل (سورۃ الحج، سورۃ المومنون اور سورۃ النّور کی تفسیر، صفحات ۴۱۲، تاریخ اشاعت فتح/دسمبر ۱۳۳۶ہش (۱۹۵۷ء)، ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ)

۴۔ تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ دوم (سورۃ الفرقان اور سورۃ الشعراء کی تفسیر صفحات ۵۰۰، تاریخ اشاعت ۳۰ نبوت/نومبر ۱۳۳۸ہش (۱۹۵۹ء)، ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ)

۵۔ تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ سوم (سورۃ النّمل، سورۃ القصص اور سورۃ العنکبوت کی تفسیر، صفحات ۳۹۰، تاریخ اشاعت ۱۵ نبوت/نومبر ۱۳۳۹ہش (۱۹۶۰ء)، ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ)[۱]

تفسیر کبیر کی تالیف کے دوران القاء

جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے تفسیر کبیر جلد سوم کے شروع میں لکھا ہے کہ "اس تفسیر کا بہت

---

[۱] تفسیر کبیر کی یہ پانچوں جلدیں (باستثناء سورۃ مریم) حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درسوں اور نوٹوں سے مرتب ہوئیں اور حضور نے مکرم مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم اور ابوالمنیر نورالحق صاحب سے ان نوٹوں کو سُنا اور ان میں تصحیح و ترمیم فرمائی۔

سا مضمون میرے غور کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے" اس خدائی عطیہ کا ایک خصوصی پہلو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفسیر کبیر کی تالیف کے دوران حضور کو بعض مشکل مقامات کا حل یکایک القاء کیا جاتا رہا۔ بطور مثال ایک اہم واقعہ کا بیان کرنا ضروری ہے جو حضور نے سورۃ الفجر کے درس کا آغاز کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ

" قرآن کریم کی کئی مشکل آیات کے معنی اللہ تعالیٰ نے اپنے القاء اور الہام کے ذریعہ مجھ پر منکشف فرمائے ہیں۔ اور اس قسم کی بہت سی مثالیں میری زندگی میں پائی جاتی ہیں۔ انہی مشکل آیات میں سے میرے لئے ایک یہ سورۃ بھی تھی۔ میں جب بھی سوچتا اور غور کرتا مجھے اس کے معانی کے متعلق تسلی نہیں ہوتی تھی بلکہ ہمیشہ دل میں ایک خلش سی پائی جاتی تھی اور مجھے بار بار یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ جو معانی بتائے جاتے ہیں، وہ قلب کو مطمئن کرنے والے نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مفسرین نے بہت سے معانی کئے ہیں جو لوگوں کی نگاہ میں اس سورۃ کو حل کر دیتے ہیں۔ مگر میری اپنی نگاہ میں وہ اطمینان بخش معانی نہیں تھے اور اس لئے ہمیشہ ایک بے چینی سی میرے اندر پائی جاتی تھی۔ میں سوچتا اور غور کرتا مگر جو بھی معنے میرے ذہن میں آتے اُن کو مزید غور کے بعد میں خود ہی رَدّ کر دیتا اور کہتا کہ یہ درست نہیں ہیں۔ آخر بڑی مدتوں کے بعد ایک دفعہ جب میں عورتوں میں قرآن کریم کے آخری پارہ کا درس دینے لگا تو اُس کا ایک حصہ حل ہوگیا۔ مگر پھر بھی جو حل ہوا وہ صرف ایک حصہ ہی تھا۔ مکمل مضمون نہیں تھا۔ جو معنے مجھ پر اس وقت روشن ہوئے ان سے چاروں کھونٹے قائم نہیں ہوتے تھے۔ دو تو بن جاتے تھے مگر دو رہ جاتے تھے۔ یہ حالت چلتی چلی گئی اور مجھے کامل طور پر اس کے معانی کے متعلق اطمینان حاصل نہ ہوا۔

اب جو میں نے درس دینا شروع کیا تو پھر یہ سورۃ میرے سامنے آگئی (یعنی سورۃ الفجر۔ ناقل) اور میں نے اس پر غور کرنا شروع کر دیا۔ میں نے آخری پارے کا درس جولائی ۱۹۴۴ء میں شروع کیا تھا۔ اور ڈلہوزی میں اس کی ابتداء کی تھی۔ اس وقت سے لے کر اب تک کئی دفعہ اس سورۃ پر نظر ڈالی اور مجھے سخت فکر ہوا کہ اس سورۃ کا درس تو قریب آ رہا ہے مگر ابھی اس کے معانی ترتیب سُوَر کے لحاظ سے مجھ پر روشن نہیں ہوئے۔ بار بار میں اس سورۃ کو دیکھتا، اس کے مطالب پر غور کرتا اور کوئی مضمون میرے ذہن میں بھی آجاتا۔ مگر پھر سوچتے سوچتے میں اس کو ناکافی قرار دے دیتا۔ غرض بیسیوں دفعہ میں نے اس سورۃ پر نگاہ دوڑائی مگر مجھے اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی یہانتک کہ سورۃ الغاشیہ کے درس کا وقت آگیا۔ اور میں اس کے نوٹ لکھنے لگا۔ مگر اس وقت

بجائے حاشیہ پر نگاہ ڈالنے کے میری نظر بار بار آگے کی طرف نکل جاتی اور سورۃ الفجر میرے سامنے آجاتی۔ حاشیہ کے متعلق مَیں سمجھتا تھا کہ یہ تو حل شدہ ہی ہے۔ اور اگر کوئی مشکل آیت بھی ہوئی تو ترتیب میں آکر وہ خود بخود حل ہو جائے گی۔ جس طرح ایک انسان جب گیند پھینکتا ہے تو اُسے پتہ ہوتا ہے کہ یہ گیند اتنی دُور جائے گا، اسی طرح جو شخص قرآن کریم کی تفسیر ترتیبِ آیات اور ترتیبِ سُوَر کو مدّنظر رکھ کر کرتا ہے وہ سمجھ جاتا ہے کہ اسی ترتیب کے مطابق فلاں آیت کے فلاں معنے بنیں گے مگر اس بات کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے اپنی عمر اس فن میں صرف کر دی ہو۔ وہی جانتا ہے کہ نہر کا رُخ کس طرف ہے اور پانی کا بہاؤ کدھر ہے۔ دوسرا شخص جسے قرآن پر اس رنگ میں غور کرنے کا موقعہ نہ ملا ہو وہ ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتا۔ جب مَیں سُورۃ کہف کی تفسیر لکھ رہا تھا تو لَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (الکہف ۲۴:۱۶) کے معنے میری سمجھ میں نہیں آتے تھے مگر تفسیر لکھتے وقت مَیں نے سمجھا کہ مَیں صحیح ترتیب پر چل رہا ہوں۔ جب مَیں اس آیت پر پہنچوں گا تو دیکھوں گا کہ اس کے کیا معنے بنتے ہیں۔ چنانچہ ترتیبِ آیات کو مدّنظر رکھتے ہوئے مَیں تفسیر کرتا چلا گیا یہانتک کہ جب مَیں اس آیت پر پہنچا تو اس وقت یہ آیت اپنے معانی کے لحاظ سے یوں واضح ہو گئی کہ مَیں نے سمجھ لیا کہ اس کے سوا اس آیت کے اور کوئی معنے ہو ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ پہلی آیتیں مجبور کر کے ان معنوں کی طرف لے جا رہی تھیں۔ لطیفہ یہ ہوا کہ انگریزی ترجمۃ القرآن کے سلسلہ میں مولوی شیر علی صاحب کے نوٹ جب میرے پاس آئے تو ان میں وہی معنے لکھے ہوئے تھے مگر وہ نوٹ انہوں نے یہاں نہیں لکھے تھے بلکہ ولایت میں لکھے تھے۔ مَیں نے ملک غلام فرید صاحب سے پوچھا کہ مولوی صاحب نے یہ نوٹ اب ٹھیک کئے ہیں یا پہلے سے اسی طرح لکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ ولایت کے لکھے ہوئے ہیں۔ مَیں نے کہا اگر یہ ولایت کے نوٹ ہیں تو پھر اس آیت کے یہ معنے ولایت میں کس طرح پہنچ گئے؟ مَیں تو اس آیت پر بڑا غور کرتا رہا تھا مگر اس کے معنے پندرھویں پارہ کی تفسیر لکھتے ہوئے میری سمجھ میں آئے تھے۔ اس پر انہوں نے بتایا کہ آپ نے جو درس ۱۹۲۲ء میں دیا تھا اس میں یہی معنے بیان کئے تھے اور اس وقت کے نوٹوں سے مولوی صاحب نے یہ معنے درج کئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ۱۹۲۲ء کا درس دیتے وقت جب مَیں اس آیت پر پہنچا تو خود بخود یہ آیت

حل ہو گئی۔ مگر چونکہ عین وقت پر حل ہوئی اس لئے میرے قرآن کریم کے حاشیہ پر وہ معنی نہ لکھے گئے۔ اور کچھ عرصہ بعد مجھے بھول گئے۔ اب گو ان معنوں کو مَیں بھول چکا تھا مگر جب ترتیبِ آیات کے لحاظ سے غور کرتے ہوئے مَیں اس آیت پر پہنچا تو فوراً وہی معنے پھر ذہن میں آ گئے۔ تو ترتیب کے لحاظ سے جو شخص آیات کے معنے کرنے کا عادی ہو وہ اِدھر اُدھر جا ہی نہیں سکتا۔ وہ اسی رَو اور اسی نالی میں بہہ رہا ہوتا ہے جس کی طرف مضمون زبانِ حال سے اشارہ کر رہا ہوتا ہے۔

غرض جوں جوں سورۃ فجر کا درس نزدیک آتا گیا میرا اضطراب بھی بڑھتا چلا گیا۔ مَیں نے کہا جب اس سُورۃ کے متعلق میری اپنی تسلّی ہی نہیں ہوئی تو مَیں دوسروں کو کیسے مطمئن کر سکتا ہوں۔ مفسّرین نے جو معنی بیان کئے ہیں وہ مَیں بیان کر سکتا تھا۔ مگر جو ترتیب گذشتہ سُورتوں سے مَیں بتاتا آ رہا ہوں اس کے لحاظ سے چاروں کھُونٹے قائم نہیں ہوتے تھے۔ پہلے خیال آیا کہ مَیں دوسروں کے معانی ہی نقل کر دوں کیونکہ یہ درس اب جلد کتابی صورت میں چھپنے والا ہے کب تک میں ان معانی کا انتظار کروں جو ترتیب کے مطابق ہوں۔ شاید ترتیب کے مطابق معنے اللہ تعالیٰ پھر کسی وقت کھول دے۔ آخر پُرانے مفسّروں نے کوئی نہ کوئی معنے ان آیات کے کئے ہی ہیں۔ رازی نے بھی اس کے معنے لکھے ہیں۔ بحرِ محیط والوں نے بھی معنے لکھے ہیں۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے بھی معنے کئے ہوئے ہیں۔ اور ان تمام معانی کو ملحوظ رکھ کر کچھ نہ کچھ بات بن ہی جاتی ہے۔ مگر چونکہ میرا دل کہتا تھا کہ ترتیب آیات کو مدّنظر رکھتے ہوئے وہ معانی پوری طرح باہم منطبق نہیں ہوتے۔ مجھے اطمینان نہ ہوا۔ یہانتک کہ ۱۷ ماہ صلح ۱۳۲۴ ہش مطابق ۱۷ جنوری ۱۹۴۵ء بروز بدھ میں سورۃ غاشیہ کا درس دینے کے لئے مسجد مبارک میں آیا۔ مَیں نے درس سُورۃ غاشیہ کا دینا تھا مگر مَیں غور سورۃ فجر پر کر رہا تھا۔ اسی ذہنی کشمکش میں مَیں نے عصر کی نماز پڑھانی شروع کی اور میرے دل پر ایک بوجھ تھا لیکن خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ جب مَیں عصر کی نماز کے آخری سجدہ سے سر اُٹھا رہا تھا تو ابھی سر زمین سے ایک بالشت بھر اُونچا آیا ہو گا کہ ایک آن میں یہ سُورۃ مجھ پر حل ہو گئی۔ پہلے بھی کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ سجدہ کے وقت خصوصاً نماز کے آخری سجدہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے بعض آیات کو مجھ پر حل کر دیا مگر اس دفعہ بہت ہی زبردست تفہیم تھی کیونکہ وہ ایک نہایت مشکل اور نہایت وسیع مضمون

پڑھاوی تھی۔ چنانچہ جب میں نے عصر کی نماز کا سلام پھیرا تو بے تحاشہ میری زبان سے الحمد للہ کے الفاظ بلند آواز سے نکل گئے" [1]

"تفسیر کبیر" کی بعض اہم خصوصیات

"تفسیر کبیر" کے ذریعہ" کلام اللہ کا مرتبہ" اس شان سے ظاہر ہوا ہے کہ اس کی نظیر خلفاء کی گذشتہ تاریخ میں تلاش کرنا محال ہے۔ یہ تفسیر دنیا کے تفسیر کی ایک بے نظیر تفسیر ہے جس نے نہ صرف قرآن کے حسین چہرہ کو صحیح صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے بلکہ زمانہ مستقبل کے مفسّرین کے لئے صحیح راستوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ عظیم الشان تفسیر اپنے اندر بے شمار خصوصیات رکھتی ہے جن میں سے بعض کا نہایت مختصر سا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:۔

پہلی خصوصیت اس تفسیر کی پہلی عظیم خصوصیت یہ ہے کہ اس سے آیتوں اور سُورتوں کی ترتیب اور ربط کا محکم قرآنی نظام آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ ترتیب کا یہ مضمون ان مضامین میں سے ہے ۔جو اللہ تعالیٰ نے سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو خاص طور پر عطا فرمائے تھے۔ چنانچہ حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔

"میرا ترجمہ اور میری تفسیر ہمیشہ ترتیب آیات اور ترتیب سُوَر کے ماتحت ہوتی ہے۔ اور یہ لازمی بات ہے کہ جو شخص اس نکتہ کو مدّنظر رکھے گا وہ فوراً یہ نتیجہ نکال لے گا کہ اس ترتیب کے ماتحت فلاں فلاں آیات کے کیا معنی ہیں۔ فرض کرو، ایک نقطہ یہاں ہے اور ایک وہاں اور درمیان میں جگہ خالی ہے تو ہوشیار آدمی دونوں کو دیکھ کر خود بخود درمیانی خلا کو پُر کر سکیگا اور وہ سمجھ جائے گا کہ جب یہ نقطہ فلاں بات کی طرف توجہ دلاتا ہے اور وہ نقطہ فلاں بات کی طرف تو درمیان میں جو کچھ ہوگا وہ بہرحال وہی ہوگا جو ان دونوں نقطوں کے مطابق ہو۔ اگر درمیانی مضمون کسی اور طرف چلا جائے تو دائیں بائیں کے مضامین بھی لازماً ادھورے رہ جائیں گے اور سلسلہ مطالب کی کڑی ٹوٹ جائے گی۔

پس مَیں چونکہ ہمیشہ ترتیب آیات اور ترتیب سُوَر کو ملحوظ رکھ کر تفسیر کیا کرتا ہوں اس لئے اگر کوئی شخص میری ترتیب کو سمجھ لے تو گو مَیں نے کسی آیت کی کہیں تفسیر کی ہوگی اور کسی آیت کی کہیں۔ درمیانی آیات کا حل کرنا اس کے لئے بالکل آسان ہوگا کیونکہ ترتیب مضمون

[1] تفسیر کبیر جلد ششم جزو چہارم نصف اوّل سورۃ الفجر ص ۴۸۴ - ۴۸۵۔

اُسے کسی اَور طرف جانے ہی نہیں دے گی اور وہ اس بات پر مجبور ہو گا کہ باقی آیتوں کے وہی معنی کرے جو اُس ترتیب کے مطابق ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسی طرح میری تفسیر کے نوٹوں سے انسان سارے قرآن کریم کی تفسیر سمجھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ ہوشیار ہو اور قرآن کریم کو سمجھنے کا مادّہ اپنے اندر رکھتا ہو" [۱]

اسی ضمن میں حضورؓ نے سُورۂ کہف کے درس کے دوران کا ایک واقعہ بھی تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں :-

" مَیں جب سُورۂ کہف کا درس دینے لگا اور مَیں نے اس سُورۃ پر غور کیا تو اَور سُورۃ تو سب حل ہو گئی مگر ایک آیت کی مجھے سمجھ نہ آئی - مَیں نے بہت سوچا اور غور کیا مگر وہ آیت مجھے بالکل بے جوڑ معلوم ہوتی تھی - آخر مَیں نے درس دینا شروع کر دیا - جوں جوں وہ آیت قریب آتی جائے میری گھبراہٹ بڑھتی چلی جائے کہ اب اُس آیت کے متعلق کیا ہو گا یہانتک کہ صرف دو یا تین آیتیں رہ گئیں مگر پھر بھی وہ میری سمجھ میں نہ آئی ۔ اُس وقت میری گھبراہٹ بہت زیادہ ہو گئی - مگر جس وقت مَیں اس سے پہلی آیت پر پہنچا تو مجھے یوں معلوم ہوا کہ وہ آیت تو بالکل حل شدہ ہے اور اس کے نہایت صاف اور سیدھے معنے ہیں جن میں کسی قسم کی الجھن نہیں۔

تو حقیقت یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کی ترتیب کو مدِّنظر رکھا جائے اور اس پر غور اور تدبّر کرنے کی عادت ڈالی جائے تو اس کی بہت سی مشکلات خود بخود حل ہو جاتی ہیں " [۲]

دوسری خصوصیت | تفسیر کبیر میں قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ اور تفسیر عربی زبان کی مستند لغات (مثلاً تاج العروس ، المنجد ، کلیات ابو البقاء ، اقرب الموارد ، مفردات ، لسان العرب ، قاموس) کی روشنی میں کی گئی اور وہی معنے اختیار کئے گئے جن کی اجازت لغت دیتی ہے ۔

تیسری خصوصیت | اس تفسیر کی تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں الفاظ کے مختلف لغوی معانی بیان کر کے مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے قرآنی حقائق و معارف کا انکشاف کیا گیا ہے ۔ یہ وہ علم ہے جو حضرت

---

[۱] " الفضل " ۱۱ وفا / جولائی ۱۳۴۱ ہش / ۱۹۶۲ء (تقریر فرمودہ سالانہ جلسہ ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء) ۔

[۲] " تفسیر کبیر " (سورۃ مریم) صفحہ ۳۲۲ - ۳۲۳ ۔

خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر عطا فرمایا گیا۔حضور خود ہی ارشاد فرماتے ہیں:۔

"رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے کئی بطن ہیں۔ایک بطن تو قرآن کریم کا یہ ہے کہ کسی آیت کے معنی کرتے وقت اس کے سیاق وسباق کی تمام آیات کو دیکھا جاتا ہے اور اس کے معنی سیاق و سباق کو مدنظر رکھ کر کئے جاتے ہیں۔کیونکہ اگر سیاق و سباق کو مدنظر نہ رکھا جائے تو معنوں میں غلطی کا امکان ہوتا ہے پھر ایک بطن یہ ہے کہ کسی آیت کے معنے کرتے وقت اس کے کچھ آگے آنے والی آیتوں اور کچھ پیچھے آنے والی آیتوں کو دیکھا جاتا ہے اور ان کے معنوں میں تطابق کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔پھر ایک بطن یہ ہے کہ جس آیت کے معنے مطلوب ہوں اس ساری سُورۃ کو دیکھا جاتا ہے۔پھر ایک بطن یہ ہے کہ کئی سُورتوں کو ملا کر اس کے معنے اخذ کئے جاتے ہیں۔پھر ایک بطن یہ ہے کہ سارے قرآن مجید کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔یہ علم اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے عطا فرمایا ہے۔بعض دفعہ ایک مضمون کا تعلق ابتدائی سُورتوں کے ساتھ ہوتا ہے اور بعض دفعہ بعد والی سُورتوں کے ساتھ۔پھر ایک معنے کسی آیت کے منفرداً ہوتے ہیں اور ایک معنے دوسری آیتوں کے ساتھ ملا کر کئے جاتے ہیں" [1]

چوتھی خصوصیت | چوتھی خصوصیت تفسیر کبیر کی یہ ہے کہ اس میں روز روشن کی طرح ثابت کر دیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی بیان فرمودہ موسوی تاریخ ہی مستند ہے۔اور اس کے مقابلے میں بائیبل پر اعتماد کرنا کسی طرح درست نہیں۔[2]

پانچویں خصوصیت | "تفسیر کبیر" عہد حاضر کی واحد تفسیر ہے جس میں نولڈکی تھیوڈر (NOLDEK THEODOR) ریورنڈ ویری (REVEREND VERE) جے۔ایم راڈول (J.M. RODELL) سر ولیم میور (SIR WILLIAM MUIR) اور آرنلڈ (ARNOLD) وغیرہ مستشرقین کے اسلام اور قرآن مجید پر کئے ہوئے اعتراضات کے مسکت اور مدلل جواب دیئے گئے ہیں بلکہ اسلام کے بارے میں ان کی جہالت اور عربی زبان کی باریک خوبیوں سے محرومی بے نقاب کی گئی ہے۔

چھٹی خصوصیت | قرآن مجید چونکہ الہامی کتاب ہے۔اس میں ہر زمانہ کے متعلق پیشگوئیاں موجود ہیں۔

[1] "تفسیر کبیر" (سُورۃ الشعراء) صفحہ ۴۸۳ کالم ۱۔

[2] بطور مثال ملاحظہ ہو سُورۃ یوسف کی تفسیر۔

جو اپنے اپنے وقت پر پُوری ہو کر قرآن کریم کی صداقت کا ثبوت بنتی رہیں اور بنتی رہیں گی۔ مگر ہر پیشگوئی کی حقیقت اس کے ظہور سے ہی کھُلتی ہے۔ یہ بات پہلے متعدد مفسرین سے اوجھل رہی۔ اور انہوں نے مستقبل سے متعلق تمام قرآنی پیشگوئیوں کو یا قیامت پر چسپاں کر دیا یا گذشتہ واقعات پر، مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تفسیر کبیر میں قرآن شریف کی ایسی بہت سی پیشگوئیوں کی نشاندہی فرمائی جو قرآن مجید میں موجود تھیں اور اب اس زمانہ میں پُوری ہو چکی ہیں اور قرآن مجید اور آنحضرت کی صداقت پر زندہ نشان کی حیثیت رکھتی ہیں مثلاً مغربی اقوام اور رُوس کی ترقی کی پیشگوئی، نہر سویز اور نہر پانامہ کی پیشگوئی، دخانی جہازوں کی پیشگوئی، ریل موٹر اور ہوائی جہازوں کی ایجاد کی پیشگوئی، ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کی پیشگوئی، کاسمک ریز اور بموں کی پیشگوئی، بادشاہتوں کی تباہی اور جمہوریتوں کے قیام کی پیشگوئی، چڑیا گھروں کے قیام کی پیشگوئی، فرعونِ موسیٰ کی لاش کی حفاظت کے متعلق پیشگوئی، وحشی اقوام کے متمدن بن جانے کی پیشگوئی، پریس اور کتابوں کی بکثرت اشاعت کی پیشگوئی، علم ہیئت کی ترقی کی پیشگوئی، علم طبقات الارض کی ترقی کی پیشگوئی، چاند اور مریخ کے زمین کے ساتھ وابستہ ہونے کی پیشگوئی، علماء ظواہر کے علم دین سے بے بہرہ ہو جانے کی پیشگوئی وغیرہ سینکڑوں پیشگوئیاں تفسیر کبیر میں ملتی ہیں جن سے قرآن مجید کا زندہ کتاب ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

ساتویں خصوصیت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے قرآنی آیات کی روشنی میں مستقبل میں آنے والے متعدد انقلابات اور حوادث کا استدلال تفسیر کبیر میں فرمایا ہے جن میں سے بعض اس تفسیر کی اشاعت کے بعد ظاہر ہو چکے ہیں مثلاً فلسطین میں یہود کی حکومت اور مسلمانوں پر دورِ ابتلاء[1]، جماعت احمدیہ پر ۱۹۵۳ء میں ایک تکلیف دہ دَور آنے کی خبر[2] اور جماعت کے ساتھ تائید خداوندی کی خبر[3]، اپنی وفات کے وقت جماعت کے نظام خلافت سے بالاتفاق وابستہ ہونے کی پیشگوئی[4] مگر بہت سے واقعات ایسے ہیں جن کا ظہور مستقبل میں مقدر ہے مثلاً ایٹم بم سے زیادہ مہلک ہتھیار ایجاد ہونے کی پیشگوئی[5] فلسطین پر اسلامی پرچم لہرانے کی پیشگوئی[6]، چوتھی عالمگیر جنگ کے بعد مغربی اقوام کی مکمل تباہی اور اسلام کے عالمگیر غلبہ کی پیشگوئی[7] اردو زبان کے شاندار مستقبل کی نسبت پیشگوئی وغیرہ وغیرہ[8]۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد سوم۔ [2] تفسیر کبیر (سورۃ الفجر) صفحہ ۵۲۹۔ [3] تفسیر کبیر (سورۃ الفجر) صفحہ ۵۴۸۔
[4] تفسیر کبیر (سورۃ الفلق) صفحہ ۱۸۹ کالم ۲۔ [5] تفسیر کبیر (سورۃ النمل) صفحہ ۱۴۸۔
[6] تفسیر کبیر (سورۃ الانبیاء) صفحہ ۵۷۶ تا ۵۷۹۔ [7] تفسیر کبیر (سورۃ التطفیف) صفحہ ۳۰۷۔
[8] تفسیر کبیر جلد سوم (سورۃ ابراہیم) صفحہ ۴۴۴ کالم ۲۔

آٹھویں خصوصیت تفسیر کبیر کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ تفسیر عہد حاضر کے جدید علمی و روحانی تقاضوں کو پورا کرتی اور مشرقی اور مغربی دنیا کو قرآن مجید کی پاکیزہ تعلیمات سے روشناس کرانے کی بہترین اور کامیاب ترین کوشش ہے خصوصاً اس لئے کہ اس میں قرآنی صداقتوں کی تائید میں سائنس کے موجودہ انکشافات و نظریات پیش کئے گئے ہیں مثلاً رنگوں کے خواص، ہر چیز کا نر و مادہ ہونا، زمین کا گول اور متحرک ہونا اور سورج کی روشنی کا ذاتی اور چاند کی روشنی کا انعکاسی ہونا، آسمانوں اور ستاروں کا ظاہری ستونوں کے بغیر قیام و بقاء، اجرام فلکی میں حرکت کی نوعیت، اعمال انسانی کی ریکارڈنگ، زمین و آسمان کی تخلیق کا مختلف ادوار میں ہونا، آغاز کائنات کی دخانی حالت وغیرہ انکشافات جن تک سائنس کی موجودہ دنیا ایک لمبے تجربہ کے بعد پہنچنے میں کامیاب ہوئی ہے، قرآن مجید نے نہایت مختصر مگر جامع رنگ میں چودہ سو ۱۴۰۰ سال پیشتر بیان فرما دیئے ہیں۔

تفسیر کبیر نے امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس نظریہ کی حقانیت سائنسی انکشافات سے بھی منوالی ہے کہ مذہب خدا کا کلام اور سائنس خدا کا فعل ہے۔ اس زمانہ میں اگر کوئی محقق اس بارے میں مفصل تحقیق کرنا چاہے تو اس کی معلومات کا بہترین ماخذ "تفسیر کبیر" ہوگی۔

نویں خصوصیت تفسیر کبیر کی بہت سی اوّلیات ہیں۔ مثلاً حروف مقطعات کو قرآنی علوم کے سمجھنے کے لئے کلید قرار دینا، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں جدید تحقیق، قرآن مجید سے ولادتِ حضرت عیسیٰ کے ایام کی تعیین، وحی کی تفصیلی اقسام، سورۃ التین میں عظیم الشان مذہبی ادوار کا ذکر وغیرہ سینکڑوں تفسیری نکات ہیں جو پہلی بار تفسیر کبیر ہی کے ذریعہ سے پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

یہ چند خصوصیات بطور مثال بیان کی گئی ہیں ورنہ ہر صاحب علم و عرفان اپنے اپنے ذوق اور اپنے اپنے زاویۂ نگاہ سے اس کے امتیازات و خصائص پر روشنی ڈال سکتا ہے۔ مفسّر، مورّخ، فقیہ، سیاستدان، سائنسدان، صوفی، ماہر اخلاق، ماہر نفسیات، ماہر اقتصادیات، غرضکہ ہر شخص قرآن مجید کی اس بیش بہا تفسیر سے برابر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے مشہور ادیب جناب اختر اورینوی ایم اے، ڈی لٹ صدر شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی (بہار) تفسیر کبیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"حضرت مرزا محمود احمدؓ کے تصنیفی کارناموں میں گلِ سرسبد تفسیر صغیر اور تفسیر کبیر کی تابناک

جلدیں ہیں۔ یہ تفسیریں سراج منیر ہیں۔ ان سے قرآن حکیم کی حیات بخش شعاعوں کا انعکاس ہوتا ہے۔ تفسیر قرآنی کی یہ دولت سرمدی دنیا اور عقبیٰ کے لئے لاکھوں سلطنتوں اور ہزاروں ہزار جنتوں سے افضل ہے۔ علوم قرآنی کے گہرہائے آبدار کانِ معانی و معدنِ عرفان سے نکالے گئے ہیں۔ غواصِ معارف پر فدا ہونے کو جی چاہتا ہے۔

ان تفسیروں کی خوبیاں بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے . . . . . میری ناچیز رائے میں تفسیر کبیر مندرجہ ذیل خوبیوں کی حامل ہے۔ اس میں قرآن کریم کے تسلسل، ربط، تنظیم، ترتیب، تعمیر اور سورتوں کے موضوعات و معانی کی ہم آہنگی کو صاف، روشن و مدلل طور پر ثابت کیا گیا ہے قرآن مجید صرف ایک سلکِ مروارید نہیں بلکہ یہ ایک رُوحانی قصر الحمراء ہے۔ ایک زندہ تاج محل ہے۔ اس کے عناصر ترکیبی کے حسن کارانہ نظم و ضبط، اس کے تراشیدہ ایجاز بیان، اس کی معجزانہ صنعت گری، اس کی گہری، وسیع اور بلند معنی آفرینی اور اس کے غیر مختتم خزینۂ علم و عرفان کا شعور تفسیر کبیر کے مطالعہ سے حاصل ہونے لگتا ہے۔ قرآنِ کریم کے اس مقام عظیم کی دریافت دراصل مجدد عصر ظلِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی دریافت ہے۔ انگریز مصنفؔ ادیب کارلائل نے قرآن مجید کے محاسن کو تسلیم کرنے کے باوجود یہ بات کہہ دی تھی کہ " قرآن ایک خوبصورت مگر بے ربط بیان ہے "

" *It is a beautiful jargon* "

حضرت مرزا محمود احمدؓ نے نہایت لطیف و بلیغ انداز میں اس امر کو درجہ یقین تک پہنچا دیا کہ قرآن مجید ایک کتابِ عظیم ہے اور اس کے ابواب و عناصر، اس کی سُورتیں اور آیات گُل و میدہ کی طرح حُسنِ یُوسف کی مانند، نظامِ شمسی کی مثال مربُوط و منظم، متناسب ہم آہنگ اور حسین ہیں۔

تفسیر کبیر کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ اس میں انسانی تقاضوں، ضرورتوں اور مسئلوں سے وابستہ بہ کثرت نئے مضامین، نکتے اور تفصیلیں ملتی ہیں اور ہماری رُوح اور ذہن کی تشنگی بجھاتی ہیں۔ ہر سورۃ ہر پارہ کی تفسیر میں معارف اور علوم کا دریائے رواں جوش مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے ذریعہ نئے علوم اور نئے مسائل پر گہری تنقیدیں ملتی ہیں اور اسلامی نظریوں کا اتنا تسلی بخش اظہار و بیان ملتا ہے کہ آخر الذکر کی برتری ثابت ہو جاتی ہے۔

تفسیر کبیر میں قصصِ قرآنی کی عارفانہ تعبیریں اور تفصیلیں ملتی ہیں۔ علم و حکمت، رُوحانیت و عرفان، نکتہ دانی و وضاحت کی تجلّیاں شکوک و شبہات کے خس و خاشاک کو دور کر کے تفہیم و تسکین کی راہیں صاف و روشن کر دیتی ہیں۔ تاریخِ عالم، قوموں کے عروج و زوال، اسباب زوال، سامانِ عروج، نفسیاتِ اجتماعی، فرد و جماعت کے روابط اور بندے کے اللہ سے تعلّق کی اعلیٰ تحقیق و توضیح ملتی ہے۔

معجزات، پیش گوئیوں، انبیاء اور غیر انبیاء کے خوابوں، رموزِ استعاراتِ قرآنی و مقطعات کی حقیقی، حکمتی اور ایمان افروز تعبیروں سے تفسیر کبیر کے اوراق تابناک ہیں۔

اس عظیم تفسیر میں تعلیماتِ اسلامی کا فلسفہ نہایت عمدہ طور پہ پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے مذاہب کی تعلیموں اور معروف فلسفوں سے موازنہ و مقابلہ بھی عالمانہ و منصفانہ رنگ میں کیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی پُرشوکت فضیلت سے دل کو طمانیت راحت و تسکین ملتی ہے اور ذہن کو رفعت حاصل ہوتی ہے۔ اس تفسیر کا اندازِ نظر عصری اور سائنسی بھی ہے۔ فلسفیانہ اور حکمتی بھی اور وجدانی و عرفانی بھی۔

اس تفسیر اکبر کے عالمِ علم و عرفان کی تجلّیات بیان کرنے کے لئے دفتر در دفتر چاہیئے۔

یہ تفسیر ملّتِ اسلامیہ کی بے بہا دولت ہے۔ قرآن حکیم کی اس تفسیر سے امت محمدیہ کا مستقبل وابستہ ہے" [۱]

تفسیر کبیر کے انقلاب انگیز اثرات

بالآخر یہ بتانا ازبس ضروری ہے کہ تفسیر کبیر نے علمی اور عملی طور پہ دنیا کے قلوب و اذہان پہ نہایت گہرا اثر ڈالا ہے۔

اس ضمن میں بعض واقعات درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

تفسیر کبیر اور علامہ نیاز فتحپوری

اُردو کے مایہ ناز محقق اور بلند پایہ نقاد جناب نیاز محمدؐ خاں نیاز فتحپوری مرحوم پر تفسیر کبیر "جلد سوم" کے مطالعہ کا ایسا زبردست اثر ہوا کہ ان کے خیالات و تصورات کی کایا پلٹ گئی اور وہ عمر کے آخری دَور میں تحریک احمدیت کے زبردست مدّاح بن گئے۔ اور اپنے قلم سے احمدیت کی تائید اور دفاع میں متعدد زوردار مضامین اپنے رسالہ "نگار" میں "ملاحظات" [۲] کے زیرِ عنوان لکھے اور یہ انقلاب نتیجہ

---

[۱] "مجلۃ الجامعہ" ربوہ شمارہ ۹ صفحہ ۶۳-۶۴-۶۵ ۔ [۲] ان لاجواب مضامین کا مجموعہ "ملاحظات نیاز فتحپوری" کے نام سے اس سال زیرِ طبع ہے جو مولوی محمد اجمل صاحب ایم اے شاہد مربی سلسلہ احمدیہ کراچی نے مرتب کیا ہے اور "ناصر بک سنٹر فیڈرل بازار کراچی نمبر ۲۸" کی طرف سے شائع ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ (یہ سطور ماہ نبوت ۱۳۴۷ھش کے آغاز میں لکھی جا رہی ہیں۔ مرتب)

تھا تفسیر کبیر کی مافوق العادت تاثیر اور مقناطیسی قوت کا ؛ چنانچہ علامہ نیاز نے حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کی خدمت میں لکھا :-

"تفسیر کبیر جلد سوم آجکل میرے سامنے ہے اور مَیں اسے بڑی نگاہِ غائر سے دیکھ رہا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ مطالعہ قرآن کا ایک بالکل نیا زاویہ فکر آپ نے پیدا کیا ہے اور یہ تفسیر اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل پہلی تفسیر ہے جس میں عقل و نقل کو بڑے حُسن سے ہم آہنگ دکھایا گیا ہے۔ آپ کی تبحر علمی، آپ کی وسعتِ نظر، آپ کی غیر معمولی فکر و فراست، آپ کا حسنِ استدلال اس کے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے اور مجھے افسوس ہے کہ مَیں کیوں اس وقت تک بے خبر رہا۔ کاش کہ مَیں اس کی تمام جلدیں دیکھ سکتا۔ کل سُورۃ ہود کی تفسیر میں حضرت لوطؑ پر آپ کے خیالات معلوم کر کے جی پھڑک گیا اور بے اختیار یہ خط لکھنے پر مجبور ہو گیا۔ آپ نے ھٰؤُلَآءِ بَنَاتِیْ کی تفسیر کرتے ہوئے عام مفسرین سے جدا بحث کا جو پہلو اختیار کیا ہے اس کی داد دینا میرے امکان میں نہیں۔ خدا آپ کو تا دیر سلامت رکھے"[1]

تفسیر کبیر اور نواب بہادر یار جنگ جناب سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدر آبادی بیان کرتے ہیں کہ برصغیر ہند و پاکستان کی معروف شخصیت نواب بہادر یار جنگ (جن سے سیٹھ صاحب کے بڑے دوستانہ تعلقات تھے اور سالہا سال ان کے رفیق کار رہے ہیں) جس کمرہ میں سویا کرتے تھے اس کی ایک دیوار پر قرآن کریم رکھنے کے لئے انہوں نے ایک خوبصورت تختہ لگوایا تھا۔ تفسیر کبیر جلد سوم کی اشاعت پر اس کی ایک جلد نواب اکبر یار جنگ بہادر نے سیٹھ صاحب موصوف کے ذریعہ نواب بہادر یار جنگ کو بھجوائی تھی جس کا انہوں نے بالاستیعاب مطالعہ ایک سے زیادہ مرتبہ کیا تھا اور ان کی وفات تک جو جون ۱۹۴۴ء میں واقع ہوئی وہ جلد اس تختہ پر قرآن کریم کے نسخہ کے نیچے رکھی ہوئی سیٹھ صاحب نے دیکھی ہے۔ سیٹھ صاحب کہتے ہیں کہ نواب بہادر یار جنگ اپنی صحبتوں میں تفسیر کبیر کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے اور اس کی عظمت کا ہمیشہ اعتراف کرتے اور کہا کرتے تھے کہ اس کے بیان کردہ معارف سے انہوں نے بہت استفادہ کیا ہے۔

تفسیر کبیر اور پروفیسر عبدالمنان بیدل سابق صدر شعبہ فارسی پٹنہ کالج جناب اختر اورینوی ایم اے صدر شعبہ اردو پٹنہ یونیورسٹی اپنا ایک چشمدید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

"مَیں نے یکے بعد دیگرے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی تفسیر کبیر کی چند جلدیں پروفیسر عبدالمنان بیدل

---

[1] "الفضل" ۱۷ نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳ کالم ۲۔

سابق صدر شعبہ فارسی پٹنہ کالج، پٹنہ وحال پرنسپل شبینہ کالج پٹنہ کی خدمت میں پیش کیں۔ اور وہ ان تفسیروں کو پڑھ کر اتنے متأثر ہوئے کہ انہوں نے مدرسہ عربیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے شیوخ کو بھی تفسیر کی بعض جلدیں پڑھنے کے لئے دیں۔ اور ایک دن کئی شیوخ کو بُلوا انہوں نے ان کے خیالات دریافت کئے۔ ایک شیخ نے کہا کہ فارسی تفسیروں میں ایسی تفسیر نہیں ملتی۔ پروفیسر عبدالمنان صاحب نے پوچھا کہ عربی تفسیروں کے متعلق کیا خیال ہے۔ شیوخ خاموش رہے۔ کچھ دیر کے بعد اُن میں سے ایک نے کہا۔ پٹنہ میں ساری عربی تفسیریں ملتی نہیں ہیں۔ مصر و شام کی ساری تفاسیر کے مطالعہ کے بعد ہی صحیح رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ پروفیسر صاحب نے قدیم عربی تفسیروں کا تذکرہ شروع کیا اور فرمایا۔ مرزا محمود کی تفسیر کے پایہ کی ایک تفسیر بھی کسی زبان میں نہیں ملتی۔ آپ جدید تفسیریں بھی مصر و شام سے منگوا لیجئے اور چند ماہ بعد مجھ سے باتیں کیجئے۔ عربی و فارسی کے علماء مبہوت رہ گئے"[1]

تفسیر کبیر اور سید جعفر حسین صاحب ایڈووکیٹ حیدر آبادی

تفسیر کبیر کے مبارک اثرات کا چوتھا واقعہ جناب سید جعفر حسین صاحب ایڈووکیٹ حیدر آبادی کا ہے جو حیدر آباد کی مشہور تنظیم اتحاد المسلمین کے معروف کارکن تھے اور اسی کی پاداش میں ۲۶ تبوک/ستمبر ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء کو نظر بند کر دیئے گئے۔ سکندر آباد جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں تفسیر کبیر پڑھنے کا موقعہ ملا جس کے مطالعہ سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ جیل کے اندر امان/مارچ ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء میں بیعت کا فارم بھی پُر کر دیا۔ اور اپنی زندگی بھی اسلام و احمدیت کے لئے وقف کر دی۔[2] ۹ احسان/جون ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء کے دن رہا ہو گئے جس کے بعد آپ نے اولین فرصت میں یہ کام کیا کہ اخبار "صدق جدید" کے ایڈیٹر مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی کو اپنے حلقہ بگوش احمدیت ہونے کی اطلاع کے لئے ایک مختصر مکتوب لکھا جو مولانا صاحب نے "صدق جدید" (لکھنؤ) کی ۲۰ اپریل ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں "ایک صدق خواں کا قبول احمدیت" کے عنوان مع تعارفی نوٹ کے شائع کر دیا جس کا متن یہ تھا:۔

---

[1] مجلہ "الجامعہ" ربوہ شمارہ ۹ صفحہ ۶۳-۶۴-۶۵۔

[2] تاریخ ولادت ۱۵ستمبر ۱۹۱۷ء۔ ۱۳۴۳-۴۴ہش/۱۹۶۴-۶۵ء میں عثمانیہ یونیورسٹی سے بی۔ ایڈ کی تکمیل کی۔ ۲۶ تبوک/ستمبر ۱۳۴۵ہش/۱۹۶۶ء کو صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کی تحریک پر مستقل طور پر قادیان ہجرت کر کے آگئے۔ ۳ ہجرت/مئی ۱۳۴۷ہش/۱۹۶۸ء کو حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثالث حضرت حافظ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد پر صدر انجمن احمدیہ کے مشیر قانونی مقرر کئے گئے اور اب تک اسی منصب پر فائز ہیں۔ اس کے علاوہ حضور ایدہ اللہ کی اجازت سے صلح/جنوری ۱۳۴۷ہش/۱۹۶۸ء سے مشرقی پنجاب میں وکالت بھی کر رہے ہیں۔

"دکن کے ایک بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی ایڈووکیٹ کا جو سالہا سال انجمن اتحاد المسلمین کے بڑے پُرجوش رکن رہے اور اسی سلسلہ میں جیل بھی گئے اور صدق سے بھی مخلصانہ تعلق برسوں قائم رکھا، تازہ مکتوب صرف ان کے نام اور سابق مستقر کے حذف کے بعد:-

حیدر آباد دکن ۲۸ر مارچ ۱۹۶۲ء

حضرت قبلہ ۔ السلام علیکم

دارالسلام مجلس اتحاد المسلمین کے سلسلے میں گورنمنٹ اندھرا پردیش نے مجھے ۲۶ر ستمبر ۶۰ء کو نظر بند کیا اور حال میں میری رہائی ہوئی۔ ان دنوں میرا مستقر . . . . تھا۔ جیل لے جانے والے عہدہ داروں سے مَیں نے درخواست کی کہ (مجھے اسٹیشن پر گرفتار کیا گیا تھا جبکہ مَیں ایک پیشی کر کے . . . . سے واپس ہو رہا تھا) مجھے گھر لے جا کر قرآن کریم ساتھ لینے کی اجازت دیں۔ پولیس کے عہدیدار بڑے شریف مزاج تھے۔ اپنی حراست میں مجھے گھر لے گئے . . . . میرے ایک دوست تھے جنہوں نے مجھے حضور خلیفہ صاحب جماعت احمدیہ کی لکھی ہوئی تفسیر کبیر کی جلد دی تھی۔ مجھے پڑھنے کی فرصت نہ ملتی تھی۔ ایک دن دوپہر کے وقت جب مَیں کھانے کے لئے آفس سے گھر آیا تو بیوی نے دسترخوان چُننے میں کچھ دیر کی۔ تفسیر کبیر کی جلد میز پر بازو میں تھی۔ مَیں نے اُٹھا لی اور چند اوراق اُلٹ کر دیکھنے شروع کئے۔ یہ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا کی تفسیر کے صفحات تھے۔ مَیں حیران ہو گیا کہ قرآن مجید میں ایسے مضامین بھی ہیں۔ پھر مَیں نے قادیان خط لکھا اور تفسیر کبیر کی جملہ جلدیں منگوائیں۔ لیکن پڑھنے کا مجھے وقت نہ ملتا تھا۔ جیل کو روانگی کے وقت مَیں نے یہ جلدیں ساتھ رکھ لیں اور نو ماہ کے عرصہ میں جب کہ مَیں جیل میں تھا متعدد بار صرف یہی تفسیر پڑھتا رہا۔ جیل ہی میں مَیں نے بیعت کر لی اور جماعت احمدیہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ آپ بھی دُعا فرمائیں"[1]

سید جعفر حسین صاحب ایڈووکیٹ نے اس مختصر مکتوب کے بعد ایک مفصّل مضمون بھی اخبار "صدقِ جدید" کو بھجوایا جس میں انہوں نے تفسیر کبیر کے مبارک اثرات اور قبول حق کے حالات پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی۔ یہ مضمون "صدق جدید" کے دو نمبروں میں قسط وار (۸ - ۱۵ جون ۱۹۶۳ء) شائع ہوا۔ اس

[1] بحوالہ "الفضل" ۵ ہجرت/مئی ۱۳۴۱ہش/۱۹۶۲ء

اہم مضمون کا متعلقہ حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے :-

"حصول دارالسلام کی جدوجہد میں مجھے جب جیل پہنچایا گیا تو تیسرے دن مجھے وجوہات نظربندی تحریری شکل میں مہیا کئے گئے۔ جن میں میری گذشتہ تین چار برسوں کی تقریروں کے اقتباسات تھے۔ اور الزام یہ تھا کہ میں ہندوستان کی حکومت کا تختہ اُلٹ کر اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتا ہوں۔ میں حیران تھا کہ مجھ جیسا چھوٹا آدمی اور یہ پہاڑ جیسا الزام۔ لیکن مجھے آہستہ آہستہ محسوس ہوا کہ میری تقریروں سے کچھ ایسا ہی مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے۔ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ میں بھٹکا ہوا مسافر تھا جس کی منزل تو متعین تھی لیکن راستہ کا پتہ نہ تھا۔ مسلمانوں کی انجمن اتحاد المسلمین ہو یا کوئی اور جماعت ان سب کی حالت یہی ہے۔

دوسرے دن میں نے تفسیر کبیر کا مطالعہ شروع کیا جو میں اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ تو مجھے اس تفسیر میں زندگی سے معمور اسلام نظر آیا۔ اس میں وہ سب کچھ تھا جس کی مجھ کو تلاش تھی۔ تفسیر کبیر پڑھ کر میں قرآن کریم سے پہلی دفعہ روشناس ہوا جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اپنا مسلک چھوڑ کر احمدیہ جیسی جماعت میں داخل ہونا جس کو تمام علمائے اسلام نے ایک ہوّا بنا رکھا ہے۔ کچھ معمولی بات نہیں لیکن حق کے کھُل جانے کے بعد یہاں خطرات کی پروا بھی کسی کو نہ تھی۔ تاہم سجدہ میں گر کر شب و روز میں نے دعائیں شروع کیں کہ یا اللہ مجھے صراط المستقیم دکھا۔ کئی ماہ اسی حالت میں گذر گئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری سجدہ کی زمین آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ میری دعائیں قبول ہوئیں کیونکہ احمدیت کو سچا سمجھنے کے عقیدے میں مستحکم ہو گیا اور قادیان سے حضرت میاں مرزا وسیم احمد صاحب کی خدمت میں ایک خط کے ذریعہ سے میں نے درخواست کی کہ میں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ جواب میں ایک بیعت فارم آیا جو آپ کے ملاحظہ کے لئے منسلک ہے۔

میری قید کا بڑا حصہ سکندر آباد جیل میں گذرا۔ وہاں کے جیلر ایک مسلمان اور علم دوست بھی تھے۔ قیدیوں کی پوری خط و کتابت ان لوگوں کے علم میں رہتی ہے کیونکہ ان کے دستخط کے بعد ہی قیدیوں کے خطوط روانہ یا حوالہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ بات کچھ اچھی نہ تھی لیکن جرأت کی کمی کے باعث میری یہ کوشش رہتی تھی کہ قادیان کو لکھے ہوئے میرے خطوط حکام جیل کے علم میں آنے پائیں۔ مجلس اتحاد المسلمین حیدرآباد ایک بڑی ہی ہر دلعزیز جماعت ہے۔ جیل کا عملہ جمعیت حتیٰ کہ

جیل کے سارے ہی قیدی مجھ سے بڑی محبت اور عقیدت سے پیش آتے تھے۔ اگرچہ پہرہ والوں کے سوا مجھ سے کوئی نہ مل سکتا تھا۔ ان وجوہ سے حکام کے علم میں آئے بغیر میرے خطوط قادیان کو پوسٹ ہو جاتے تھے۔ لیکن جو خط قادیان سے آتا تھا وہ بہر صورت جیلر کے علم میں آنا ضروری تھا۔ جب قادیان سے بیعت کا فارم آیا تو جیل میں بڑی گڑبڑ ہوئی۔ راز باقی نہ رہ سکا۔ کمرہ کی صفائی کرنے والے قیدی، کھانا پہنچانے والے، اخبار لانے والے وغیرہ وغیرہ کسی نہ کسی بہانے آتے اور مجھ سے پوچھتے کہ کیا آپ قادیانی ہو گئے ہیں؟ میں انہیں غلط نہ کہہ سکتا تھا۔ لیکن ابھی چونکہ میں نے بیعت نہیں کی تھی اس لئے میں اُن سے کہتا کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ بالآخر جیلر میرے پاس آئے اور میرا خط معہ بیعت فارم کے اُن کے پاس تھا مجھ سے بڑی ہی ہمدردانہ گفتگو کی کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ قرآن کی اس تفسیر کو چھوڑیئے میں آپ کو مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا مودودی کی تفسیر قرآن دیتا ہوں آپ کے خیالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے وہ دو تفسیریں لا دیں جو اصل میں ترجمہ تھے اور کہیں کہیں تفسیر تھی۔ بیعت کا فارم تکمیل کر کے بھیجنے سے قبل میں نے ان دونوں تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ تفسیر کبیر کے طالب علم میں اتنی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دیگر تمام تفاسیر پر تنقید کر سکے۔ چنانچہ میں نے جیلر صاحب کو بتلایا کہ ان دونوں تفاسیر میں کون کون سے مقامات مبہم ہیں کہاں کہاں ترجمہ کی غلطی ہے اور کہاں کہاں معنی محدود ہیں۔ مجھے ایسا کرنے میں آسانی اس لئے ہوئی کہ تفسیر کبیر میں لغت قرآن بھی موجود ہے۔ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ صرف مطہر لوگ ہی قرآن کریم کے مطالب کو سمجھ سکیں گے۔

جیلر صاحب ۲۴ گھنٹے اپنے سرکاری فرائض میں مشغول رہتے۔ قرآن کریم کو دیکھنے کا بھی انہیں موقعہ نہ ملتا۔ میری بات میں انہوں نے دلچسپی نہ لی۔ پھر میں نے جیلر صاحب کو تفسیر کبیر کی پہلی جلد دی اور اُن سے درخواست کی کہ وہ کم از کم اس میں سے سُورۃ فاتحہ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ جو بہ مشکل (۵۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ وہ لے گئے لیکن چند دن کے بعد یہ کہہ کر واپس کر گئے کہ مجھے تو پڑھنے کی فرصت نہ ملی۔ البتہ میری خوشدامن صاحبہ یہ کتاب دیکھ چکی ہیں وہ اس کی بڑی تعریف کرتی ہیں میں نے بیعت کا فارم پُر کر کے بھیج دیا۔

یہ تفصیل آپ کی خدمت میں اس لئے لکھی کہ مجھ پر سے یہ الزام دُور ہو جائے کہ میں نے بیعت

میں عجلت کی۔ بیعت کا فارم بھیج کر مَیں دُعاؤں میں لگ گیا کہ میری بیعت کے قبول ہونے میں کچھ رکاوٹیں ہوں تو اللہ تعالیٰ اُن کو دُور فرمائے۔ میرا اندیشہ غلط نہ نکلا۔ میری بیعت قبول کرنے سے پہلے حضور خلیفہ صاحب نے دریافت فرمایا کہ ایک احمدی مسلمان کا فرض ہے کہ وہ حکومت وقت کا بھی وفادار رہے۔ اور قانون کے اندر رہ کر کام کرے۔ مَیں نے جواب دیا کہ حضور کی تفسیر نے یہ ساری باتیں میرے دل پر نقش کر دی ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد جب قادیان سے مجھے معلوم ہوا۔ کہ میری بیعت قبول کر لی گئی تو مَیں سجدہ میں گر گیا۔

تفسیر کبیر میں ایک مقام پر مَیں نے پڑھا تھا کہ خلیفہ جو مصلح موعود ہوگا وہ اسیروں کی رہائی کا باعث ہوگا۔ مَیں نے حضور سے درخواست کی کہ وہ میری رہائی کے لئے دُعا فرمائیں۔ حضور خلیفہ صاحب نے دُعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی رہائی کے سامان کرے۔ اس کے چند ہی دنوں بعد مَیں رہا ہو گیا۔ خلیفہ موعود کی نسبت یہ پیشین گوئی کہ وہ اسیروں کی رہائی کا باعث ہوگا مَیں اس کا زندہ ثبوت ہوں" [1]

فصل ہفتم

حضرت امیر المومنین کی طرف سے تصفیۂ مسائل کے بعض آسان طریق

۱۳۱۹-۲۰ ہش / ۱۹۴۰-۴۱ء کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان دو برسوں میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جماعت سے بچھڑے ہوئے غیر مبائع بھائیوں کو نہ صرف دلائل و براہین کے ذریعہ قریب تر لانے کی انتہائی کوشش کی۔ بلکہ جناب مولوی محمد علی صاحب (امیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور) کے سامنے تصفیۂ مسائل کے لئے یکے بعد دیگرے پانچ نہایت آسان طریق پیش کر کے مفاہمت کی راہ بالکل صاف کر دی۔ اس سلسلہ میں پہلا طریق فیصلہ حضور نے یہ پیش فرمایا کہ:-

"دونوں فریق کی وہ تحریرات جو زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہیں اکٹھی شائع کر دی

---

[1] بحوالہ "الفضل" ۲۳ احسان / جون ۱۳۴۱ ہش / ۱۹۶۲ء صفحہ ۳ و ۴۔

جائیں اور دونوں ان پر لکھ دیں کہ آج بھی ہمارے عقائد یہی ہیں۔ اس کے بعد دُنیا خود فیصلہ کریگی کہ اُس زمانہ میں میرے عقائد اَور تھے یا مولوی محمد علی صاحب کے؟ اگر یہ ثابت ہو جائے گا کہ مَیں نے اب اپنے عقائد بگاڑ لئے ہیں تو میرا اثر جاتا رہے گا اور اگر یہ ثابت ہوگا کہ اُن کے عقائد اُس زمانہ میں اَور تھے تو اُن کے ساتھیوں کے لئے یہ بات ہدایت کا موجب ہو جائے گی اور وہ یہ سمجھ جائیں گے کہ مولوی محمد علی صاحب کے زمانہ صحابیت کے عقائد اَور تھے اور آج اَور ہیں یہ نہایت آسان طریق ہے اور بہترین طریق ہے۔ اگر وہ اس پر متفق ہوں تو فیصلہ نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا مباحثہ ہوگا جو گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت ساتھ رکھتا ہوگا" [۱]

اس کے علاوہ حضور نے فیصلہ کے چار اور طریق بھی رکھے جو حضور ہی کے الفاظ میں درج ذیل کئے جاتے ہیں:-

فیصلہ کا پہلا طریق

"پہلا طریق فیصلہ کا میرے نزدیک یہ ہے کہ نبوت کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود ہی غلطیوں کا ازالہ فرما دیا ہے۔ یعنی "ایک غلطی کا ازالہ" لکھ کر ان غلطیوں کو دُور فرمایا ہے جو اس بارہ میں اپنوں اور بیگانوں کو لگ رہی تھیں۔ میں تجویز کرتا ہوں کہ آئندہ دونوں فریق نبوت کے متعلق بحث مباحثہ کو بالکل بند کر دیں اور صرف یہ کیا جائے کہ میری طرف سے اور آپ کی طرف سے دو چار سطر میں یہ مضمون لکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کے متعلق ہمارا مذہب وہی ہے جو اس اشتہار میں درج ہے۔ تمام لوگ اسی کو ہمارا مذہب تصور فرمائیں اور اس کے خلاف اگر ہماری کوئی تحریر ہو تو اسے غلط سمجھیں اور ہم دونوں کی اس تحریر کے بعد "ایک غلطی کا ازالہ" اشتہار بغیر کسی حاشیہ کے شائع کر دیا جائے اور ہر سال کم سے کم پچاس ہزار کاپی اس اشتہار کی ملک میں تقسیم کر دی جائے۔ ½ خرچ اس کا ہم دیں گے اور ½ اس کا خرچ مولوی صاحب اور ان کے رفقاء دیں۔ اس کے بعد دونوں فریق کے لئے جائز نہ ہوگا کہ اپنی طرف سے کوئی اور مضمون اپنے اخباروں یا رسالوں یا ٹریکٹوں میں لکھیں بلکہ جو اس امر کے متعلق سوال کرے اُسے اشتہار کی ایک کاپی دے دی جائے کیونکہ اس میں خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے غلطیوں کا ازالہ کر دیا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر پانچ سال تک بھی دونوں فریق اس پر کاربند رہیں تو نزاع بہت

---

[۱] "الفضل" ۲۴ وفا/جولائی ہش ۱۳۱۹ صفحہ ۴-۵

کچھ کم ہو جائے گا اور شاید اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ مزید صلح کے راستے کھول دے"

فیصلہ کا دوسرا طریق "دوسرا طریق فیصلہ کا میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کی اصطلاح میں (چشمۂ معرفت صفحہ ۳۲۵) قرآن کریم کی اصطلاح میں (ایک غلطی کا ازالہ) اسلام کی اصطلاح میں (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۱۷-۱۸ نیز الحکم ٦ مئی ۱۹۰۸ء) سابق انبیاء کی اصطلاح میں (الوصیۃ صفحہ ۱۲) اور خدا تعالیٰ کے حکم سے میرے نزدیک (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ٦۸) اور لغت کی اصطلاح میں (مکتوب مندرجہ اخبار عام ۲٦ مئی ۱۹۰۸ء) نبی اُسے کہتے ہیں جس پر کثرت سے امور غیبیہ ظاہر کئے جائیں اور اس کو شرفِ مکالمہ و مخاطبہ حاصل ہو اور یہ کہ ان معنوں کے رُو سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی ہیں اور کسی معنوں میں نہیں۔ پس ایک اشتہار ہم دونوں کے دستخط سے ملک میں شائع کر دیا جائے کہ ہم دونوں فریق اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو صرف خدا تعالیٰ کی اصطلاح کے مطابق، اسلام کی اصطلاح کے مطابق، سابق انبیاء کی اصطلاح کے مطابق، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے جو حکم دیا تھا اس کے مطابق اور عربی اور عبرانی لغتوں کے مطابق نبی سمجھتے ہیں۔ اس کے سوا کسی اور تعریف کے مطابق نبی نہیں سمجھتے بلکہ دوسری اصطلاحوں کے مطابق ہم صرف استعارۃً آپ کے لئے نبی کے لفظ کا استعمال جائز سمجھتے ہیں۔ حقیقی طور پر نہیں"

فیصلہ کا تیسرا طریق "اگر الحکم کے حوالہ (۱۷ اگست ۱۸۹۹ء) کی وجہ سے باوجود لیکچر سیالکوٹ کے حوالہ کے اور الحکم کی ڈائری (۶ مئی ۱۹۰۸ء) کے آپ کو ایسی تحریر پر دستخط کرنے پر اعتراض ہو تو میری تیسری تجویز یہ ہے کہ آپ ایک اشتہار اس مضمون کا دے دیں کہ مَیں صرف اللہ تعالیٰ کی اصطلاح کے مطابق قرآن کریم کی اصطلاح کے مطابق سابق انبیاء کی اصطلاح کے مطابق اور اس حکم کے مطابق جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی سمجھتا ہوں۔ باقی اسلام کی اصطلاح کے رو سے مَیں آپ کو حقیقی نبی نہیں سمجھتا۔ اس اصطلاح کے رو سے آپ کو صرف مجازی نبی یقین کرتا ہوں۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ اگر آپ ایسا اشتہار دے دیں گے تو اس سے بھی دنیا کو بہت کچھ اس مسئلہ کے سمجھنے میں سہولت ہو جائے گی۔"

فیصلہ کا چوتھا طریق "فیصلہ کا چوتھا طریق یہ ہے کہ آپ ایک اشتہار اس مضمون کا دے دیں کہ

جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ خدا تعالےٰ کی اصطلاح میں قرآن کریم کی اصطلاح میں اسلام کی اصطلاح میں سابق انبیاء کی اصطلاح میں اور نبی کے لفظ کے متعلق خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو حکم دیا تھا اس کے مطابق جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ نبی کی یہ تعریف ہے کہ جو شخص خدا تعالےٰ سے کثرت سے امورِ غیبیہ پر اطلاع پاتا ہے وہ نبی ہے وہ غلطی خوردہ ہے اور اسلام کی تعلیم کے خلاف کہتا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ ان طریقوں میں سے آپ کسی طریق کو بھی اختیار کرلیں۔ فیصلہ تک پہنچنا آسان ہوگا۔ وماعلینا الّا البلاغ المبین "[1]

اگر جناب مولوی محمد علی صاحب مندرجہ بالا پانچ طریقوں میں سے کسی ایک طریق ہی کو قبول فرما لیتے تو فریقین میں اختلافات کی خلیج یقیناً بہت کم ہو جاتی اور جماعت کی باہمی طاقتیں ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہونے کی بجائے بہت حد تک تبلیغ اسلام کے متحدہ مقصد کی تکمیل میں مرکوز ہو جاتیں۔ مگر افسوس آپ اپنی گذشتہ روایات کے مطابق باہمی تصفیہ کی ان سیدھی، صاف اور آسان تجاویز کو بھی مختلف حیلوں بہانوں سے ٹال گئے

مولوی محمد علی صاحب کے ایک مضمون کی معہ جواب "الفضل" میں اشاعت

جناب مولوی محمد علی صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے ایک خطبہ جمعہ[2] (فرمودہ ۶ر احسان / جون ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا کہ

"میاں صاحب نے جو دلائل حضرت مسیح موعود کی نبوت کے متعلق دیئے ہیں۔ مَیں ان تمام کو قارئینِ پیغام کے سامنے لانے کو تیار ہوں بشرطیکہ جناب میاں صاحب میرے اس جواب کو جو اصل مضمون کے متعلق مَیں اب لکھتا ہوں اپنے اخبار الفضل میں شائع کرا دیں . . . . لیکن اس کے ساتھ مَیں یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ میاں صاحب اس تجویز کو کبھی منظور نہ کریں گے۔ اس کی وجہ اپنے مخالف کے دلائل کو اپنی جماعت کے سامنے لانے سے وہی شخص ڈرتا ہے جسے یہ خوف ہو کہ اس کی جماعت مخالف کے دلائل سے متاثر ہو کر پھسل جائے گی۔ سو یہی خوف جناب میاں صاحب کے دل میں ہے . . . . . منہ سے جناب میاں صاحب جس قدر بلند دعاوی چاہیں کریں مگر ان

---

[1] "الفضل" مورخہ ۴ر ظہور / اگست ۱۳۲۰ہش / ۱۹۴۱ء صفحہ ۲۲ و ۲۳ +

[2] خطبہ کا عنوان تھا "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کے متعلق خدا تعالیٰ، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خود مولوی محمد علی صاحب کی شہادت" ("الفضل" ۱۸ر احسان / جون ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۳)

کا طرز عمل یہ بتا رہا ہے کہ ان کا دل ہمارے دلائل کی مضبوطی کے خوف سے کانپ رہا ہے۔ اور ان کے نزدیک اس کے سوائے اپنی جماعت کی حفاظت کا اور کوئی طریق نہیں کہ وہ ہمارے دلائل کو ان کے سامنے نہ آنے دیں" [۱]

حضرت امیرالمومنین نے اپنے زمانہ خلافت میں کبھی غیر مبائعین کا لٹریچر پڑھنے سے نہیں روکا تھا اور اس وقت تک اخبار" الفضل "، اخبار" فاروق "، " تشحیذ الاذہان "، " ریویو آف ریلیجنز "(اردو) میں بہت سے مضامین شائع ہو چکے تھے جن کے لکھنے والے سینکڑوں افراد تھے جو متفرق مقامات کے رہنے والے تھے اگر حضرت امیرالمومنین کی طرف سے ان کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے کی ممانعت کر رکھی تھی تو انہوں نے ان لوگوں کے خلاف قلم کیسے اُٹھایا اور اپنے مضامین میں ان کی کتابوں، رسالوں اور پمفلٹوں کے حوالے کیسے درج کر دیئے۔ مگر حضرت امیرالمومنین رض کی فراخدلی اور وسعت حوصلہ ملاحظہ ہو کہ حضور نے مولوی صاحب کی یہ تجویز بھی مان لی اور فرمایا کہ

"میں ان کے مضمون کو " الفضل " میں شائع کرانے کو تیار ہوں بشرطیکہ وہ میرا جواب الجواب بھی " پیغام صلح " میں شائع کرائیں یا اگر وہ پسند کریں تو یہ سب یعنی میرا خطبہ اُن کا جواب اور میرا جواب الجواب کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے جس پر خرچ دونوں کا آدھا آدھا ہو اور کتابیں بھی آدھی آدھی لے لیں۔ اس سے بڑھ کر میں ان کے لئے ایک اور آسانی کر دیتا ہوں پہلے تو میں نے کہا تھا کہ وہ اگر میری اس تجویز کو مانیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی دونوں کی تحریریں اکٹھی شائع کر دی جائیں تو میں ان کی اس تجویز کو مان لوں گا۔ مگر ان پر اتمام حجت کے لئے میں یہ بھی مان لیتا ہوں کہ چلو میں اس کو بھی چھوڑ دیتا ہوں بشرطیکہ وہ میری اس تجویز کو مان لیں یعنی میرا جواب الجواب بھی ساتھ شائع ہو . . . . بلکہ ایک اور آسانی ان کے لئے پیدا کر دیتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ اگر وہ میرا جواب الجواب شائع کرنے پر تیار ہوں تو خرچ کے دو حصے ہم دے دیں گے اور صرف ایک حصہ وہ دیں اور دو حصے کتب ہم لے لیں اور ایک حصہ وہ۔ اور میری طرف سے اتنی رعایتوں کے باوجود اگر وہ میری بات ماننے کے لئے تیار نہ ہوں تو ہم سوائے اس کے کیا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں سچ

---

[۱] " پیغام صلح " ۱۲ جولائی ۱۹۴۷ء صفحہ ۵-۶

کو سچ سمجھنے کی توفیق دے اور ان کا وہ غصہ دُور ہو جو ان کے لئے صداقت کے سمجھنے میں روک ہو رہا ہے" لے

اس مخلصانہ پیشکش پر مولوی محمد علی صاحب نے اخبار پیغام صلح ۱۲ر جولائی ۱۹۴۰ء میں ایک مضمون لکھا جسے حضرت امیرالمومنین کے حکم سے اخبار "الفضل" ۱۳ر ظہور/ اگست ۱۳۱۹ھش/۱۹۴۰ء میں چھاپ دیا گیا اور اگلے شمارہ میں حضور نے اپنا جواب الجواب ایک مفصل مضمون کی صورت میں شائع کر دیا۔ اب مولوی محمد علی صاحب کو چاہیئے تھا کہ وہ حضور کا مضمون اپنے اخبار میں شائع کرا کے . . . . اپنے موقف کے مضبوط اور دلائل کے مستحکم ہونے کا عملی ثبوت دیتے یا حضور کی فراخدلانہ تجویز کے مطابق اُسے اپنے مضمون کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کر دیتے مگر مولوی صاحب موصوف نے حضور کا مضمون تو شائع کرنا گوارا نہیں کیا البتہ خود ایک اَور مضمون "پیغام صلح" ۴ ستمبر ۱۹۴۰ء کے پرچہ میں لکھ کر اوپر یہ نوٹ دے دیا کہ "مَیں امید رکھتا ہوں کہ میاں صاحب اسے اپنے اخبار الفضل میں شائع کر دیں گے۔"

یہی نہیں بلکہ جب "الفضل" میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا مضمون اُن کے مضمون کے جواب میں شائع ہوا تو حضرت اقدس اور مولوی محمد علی صاحب دونوں ڈلہوزی میں فروکش تھے۔ حضور نے "الفضل" کا وہ پرچہ دے کر چودھری خلیل احمد صاحب ناصر بی۔اے مجاہد تحریک جدید اور ایک اَور نوجوان کو بھیجا کہ جا کر مولوی صاحب موصوف کے لڑکے کو دے آئیں اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ میرا خیال ہے کہ وہ نہیں لے گا۔ وہ لے کر گئے مگر اس نے "الفضل" کا پرچہ لینے سے انکار کر دیا۔ لے

مولوی محمد علی صاحب کو قادیان آنے اور لیکچر دینے کی دعوت اور ان کا افسوسناک مظاہرہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مولوی محمد علی صاحب پر اتمام حجت کرنے اور ان کے اس وہم کا ازالہ کرنے کے لئے کہ گویا آپ نے اپنے خدام کو غیر مبائعین کی تحریرات پڑھنے سے روک رکھا ہے مولوی صاحب کو قادیان تشریف لانے اور یہاں آکر تین لیکچر دینے کی دعوت دی۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:-

"مَیں اس کے لئے بھی تیار ہوں کہ وہ قادیان آجائیں مَیں یہاں اُن کے تین لیکچر اپنی جماعت میں کرا

لے "الفضل" ۲۶ وفا/جولائی ۱۳۲۰ھش/۱۹۴۱ء صفحہ ۶۔

لے "الفضل" ۱۶ صلح/جنوری ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء صفحہ ۴ کالم ۴۔

دوں گا اور ان لیکچروں میں وہ دل کھول کر اپنے عقائد اور دلائل بیان کرلیں اور اس بات کی تسلّی کر لیں کہ ان کے خیالات اچھی طرح ہماری جماعت تک پہنچ گئے ہیں اور اگر وہ کسی طرح بھی ماننے کو تیار نہ ہوں اور اپنی ہی بات دہراتے چلے جائیں تو اس کا علاج میرے پاس کوئی نہیں۔ اس کا علاج خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہے"[1]

جناب مولوی محمد علی صاحب نے قادیان میں لیکچر دینے کی اس دعوت کو لفظاً منظور کرنے کے باوجود یہ مطالبہ کیا کہ "مَیں حاضر ہوں مگر اس کے لئے بہترین موقعہ جلسہ سالانہ ہے"[2]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس انوکھے مطالبہ کے جواب میں فرمایا:-

"جلسہ سالانہ کے موقع پر ہماری جماعت لاکھ ڈیڑھ لاکھ کرایہ کا خرچ کرکے اس لئے جمع ہوتی ہے کہ وہ میرے اور دوسرے علماء سلسلہ کے خیالات سُنے اور ہمارا اس وقت ان کی مہمانی پر پچیس تیس ہزار روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ کیا دوسرے کے خیالات سُننے کی اجازت دینے میں یہ اخراجات بھی شامل ہوتے ہیں کہ مَیں اپنے جلسہ کو اور لاکھوں کے خرچ کو مولوی صاحب کی خاطر برداشت کروں۔ ہاں مَیں یہ کر سکتا ہوں کہ اگر جلسہ کے موقعہ پر ہی مولوی صاحب کو اپنے خیالات سُنانے کا شوق ہو، تو جلسہ کے دو۲ دن اَور بڑھا دوں مگر اس شرط پر کہ ان دنوں کی مہمان نوازی کا خرچ مولوی صاحب برداشت کریں جو ان دنوں کے لحاظ سے اوسطاً تین ہزار روپیہ روزانہ ہوگا۔ پس مولوی صاحب چھ ہزار روپیہ اس غرض سے ادا کر دیں تو مَیں جلسہ کے دنوں کے بعد دو۲ دن اُن کے لیکچروں کے لئے مقرر کر دوں گا۔ اور اعلان کر دوں گا کہ جو دوست جانے پر مجبور نہ ہوں، دو۲ دن اَور ٹھہر جائیں اور مولوی صاحب کے خیالات سُنتے جائیں۔ اگر یہ نہیں تو مَیں یہ ہزاروں کا خرچ ان کے لئے برداشت کرنے پر تیار نہیں اور نہ جماعت کو جو لاکھ ڈیڑھ لاکھ خرچ کرکے قادیان آتی ہے اسے اس کی خواہش سے محروم کر سکتا ہوں۔ ہاں میری دعوۃ جو قادیان میں لیکچر کے متعلق ہے جس میں مجھے کوئی خاص خرچ کرنا نہیں پڑتا وہ موجود ہے۔ اگر مولوی صاحب کو وہ منظور ہو تو بڑی خوشی سے تشریف لے آئیں"[3]

---

[1] "الفضل" ۲۶ وفا/جولائی ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۶ کالم ۳، ۴۔
[2] "پیغام صلح" ۸ اگست ۱۹۴۱ء صفحہ ۶ کالم ۱۔
[3] "الفضل" ۱۴ ظہور/اگست ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۲۳۔

جناب مولوی محمد علی صاحب نے اس کے جواب میں لکھا کہ

"قادیان میں جا کر ہم آپ کے مہمان ہوں گے اور آپ اور آپ کی جماعت کی حیثیت میزبان کی ہوگی اور میزبان کا یہ مطالبہ کہ مہمان اپنا ہی نہیں میزبان کا خرچ بھی ادا کرے مہمان نوازی کے اسلامی خُلق کی بالکل ضد ہے۔"[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے اس "زبردستی کی دعوت" کا جواب یہ دیا کہ

"مَیں نے جو دعوت دی تھی وہ ایسے موقعہ کے لئے تھی جب میرے لئے سہولت ہو۔ مولوی صاحب کا مطالبہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر تقریر کا ہے۔ لیکن جلسہ کے موقعہ پر ہماری جماعت کے لوگ لاکھوں روپیہ خرچ کرکے یہاں پر میری اور میرے ساتھ کام کرنے والوں کی باتیں سُننے کے لئے آتے ہیں، مولوی صاحب کی نہیں۔ اگر انہیں ان کی باتوں کا شوق ہوتا تو یہاں نہ آتے بلکہ لاہور جاتے۔ پس جو لوگ لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ کرکے میری اور میرے ساتھ کام کرنے والوں کی باتیں سُننے آتے ہیں انہیں مَیں مولوی صاحب کی خاطر کیوں مایوس کروں اور کیوں تکلیف میں ڈالوں۔ البتہ مَیں نے یہ کہا تھا کہ اگر وہ اس موقعہ پر باتیں سُنانا چاہیں تو ہم جلسہ کی تاریخوں سے آگے یا پیچھے دو دن بڑھا دیں گے اور مَیں اعلان کر دوں گا کہ دوست کوشش کرکے ان دنوں کے لئے ٹھہر جائیں۔ مگر ان مہمانوں کو چونکہ مولوی صاحب کی باتیں سُننے کے لئے ہی ٹھہرایا جائیگا اس لئے ان دنوں کا خرچ بھی انہی کو دینا چاہیئے۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ میرا یہ مطالبہ کہ مہمان اپنا ہی نہیں میزبان کا خرچ بھی ادا کرے مہمان نوازی کے اسلامی خُلق کی بالکل ضد ہے" لیکن مَیں کہتا ہوں کہ میزبان تو مَیں ہوں اور مَیں نے تو اپنا خرچ نہیں مانگا۔ باہر سے آنے والے تو مہمان ہیں اور جن مہمانوں کو ان کی دعوت پر اور ان کی باتیں سُننے کے لئے ٹھہرایا جائے ان کا خرچ تو بہرحال انہی پر پڑنا چاہیئے اور یہ اسلامی خُلق کے بالکل خلاف بات نہیں۔ . . . . اگر تو مولوی صاحب کہیں کہ مَیں خود آتا ہوں تو ہم ان کی مہمانوازی کریں گے۔ لیکن یہ کہ مہمان کہے میرے ساتھ اتنے ہزار آدمیوں کی بھی دعوت کرو اور ان کے لئے بھی کھانے کا انتظام کرو یہ کوئی اسلامی خُلق نہیں ہے اور ایسی بات نہ کر سکنے کا نام اسلامی خُلق کی ضد مَیں نے تو کسی جگہ نہیں پڑھا۔ اگر جیسا کہ وہ

---

[1] اخبار "پیغام صلح" ۳۱ نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۵ کالم ۱۔

کہتے ہیں یہی اسلامی خلق ہے تو وہ ہمیں اجازت دیں کہ ہم بھی اس طرح مہمان نوازی کی دعوت دے دیا کریں اور لکھ دیا کریں کہ آپ اس قدر آدمیوں کی مہمان نوازی کا انتظام کریں۔ ہمارے آدمی آپ کو کچھ باتیں سُنانے کے لئے آتے ہیں۔ ہم دیکھیں گے کہ وہ کس طرح اس اسلامی خُلق پر عمل کرتے ہیں۔ ہماری تو لاہور کی جماعت ہی خدا تعالیٰ کے فضل سے کافی ہے۔ باہر سے بھی لے جانے کی ضرورت نہیں۔ اگر وہی ان کے اس اسلامی خلق کا امتحان کرنے لگے تو ان کو دو چار دفعہ میں ہی پتہ لگ جائے۔

غرض مہمان کا یہ حق نہیں کہ وہ کہے کہ میری تقریر سُننے کے لئے بیس پچیس ہزار آدمی جمع کئے جائیں اور ان کو کھانا بھی کھلایا جائے اور ایسا مطالبہ پورا نہ کر سکنے کا نام اسلامی خُلق کی ضد رکھنا زبردستی اور دھینگا مشتی ہے۔ اگر مولوی صاحب ثابت کر دیں کہ یہ بھی مہمانوازی میں شامل ہے کہ کوئی شخص کہے۔ مَیں اپنی تقریر سُنانے آ رہا ہوں اور اُسے سُننے کے لئے بیس پچیس ہزار آدمی جمع کئے جائیں اور ان کے لئے کھانے وغیرہ کا انتظام کیا جائے تو وہ ایسی آیت اور حدیث جس میں اسے مہمان نوازی کا حصہ قرار دیا گیا ہو لکھ کر بھیج دیں تو مَیں مان لُوں گا چاہے مجھے کتنا نقصان ہو۔ مَیں فوراً تسلیم کر لوں گا۔ لیکن اگر واقعی ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اس قسم کی مہمان نوازی اسلامی خُلق میں داخل ہے تو اس خُلق کا تجربہ ہمیں ایک سال کے لئے کر لینے دیں۔ اس کے بعد ہم سے مطالبہ کریں۔

ہاں مولوی صاحب اگر میری دعوت کے مطابق آنا چاہتے ہیں تو اپنی سہولت کے لحاظ سے جس موقعہ پر انہیں مَیں دعوت دوں آ جائیں۔ لیکن ان کا ہمارے جلسہ کے وقت کو اپنے لئے حاصل کرنے کا مطالبہ کرنا اور یہ کہنا کہ زائد وقت دے کر اپنے بھی اور ان کے بھی ہزاروں آدمیوں کے کھانے کا انتظام کروں یہ کوئی اسلامی خُلق میں شامل بات نہیں . . . . جو جائز صورت تھی وہ تو مَیں نے خود پیش کر دی تھی اور اس کے لئے مَیں اب بھی تیار ہوں۔ اس صورت میں میرے لئے صرف اتنا کام ہوتا کہ میں قادیان کے لوگوں کو جمع کر دیتا مگر ان کا یہ مطالبہ کہ جلسہ کے دنوں میں ہم ہزاروں لوگوں کو روکیں اور ان پر خرچ کریں یہ مہمان نوازی کا طریق اسلام کی کسی تعلیم میں مَیں نے نہیں پڑھا ہاں میری دعوت موجود ہے۔ جلسہ کے موقعہ کے سوا جب وہ آ سکیں اور مجھے سہولت

ہو وہ تشریف لے آئیں۔ مَیں قادیان کے لوگوں کو جمع کر دُوں گا بلکہ باہر بھی اعلان کر دوں گا کہ جو دوست آنا چاہیں آجائیں۔ وہ اپنی باتیں سُنا دیں اور مَیں یا میرا نمائندہ اپنی سُنا دے گا . . .

. . . مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کے جلسہ پر بھی اتنے آدمی نہیں ہوتے جتنے یہاں عام جمعہ کے دن جمع ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت بھی جمعہ کے لئے جتنے لوگ بیٹھے ہیں اتنے کبھی بھی انہیں اپنے جلسہ میں نصیب نہیں ہوتے۔ اگر مَیں ان کے جلسہ پر جاؤں یا میرا نمائندہ جائے۔ فرض کرو مولوی ابوالعطاء صاحب جائیں تو انہیں وہاں اتنے سامعین تو نہیں مل سکتے جتنے یہاں جمعہ میں بیٹھے ہیں۔ پس انہیں اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ اور حق تو یہ ہے کہ باتیں ایک دوسرے کی سُننے والے سُنتے اور پہنچانے والے پہنچاتے ہی رہتے ہیں۔ اس انتظام کی بھی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ یہ تو ہم نے ان کی خواہش کو پُورا کرنے کے لئے بطورِ احسان دعوت دی تھی مگر انہوں نے اس احسان کی قدر نہ کی اور غیر معقول مطالبات شروع کر دیئے "[1]

حضرت امیرالمؤمنین نے جناب مولوی محمد علی صاحب کو اپنے خیالات قادیان کی مرکزی جماعت کو سُنانے کے لئے جو سنہری موقعہ دیا تھا اُسے انہوں نے اپنے عقائد کی کمزوری کو بھانپ کر خود ہی ضائع کر دیا۔ مگر اپنے رفقاء کو طفل تسلّیاں دیتے ہوئے کہا:۔

" ان کی جماعت وہ تو نہیں جو قادیان میں ہے وہ تو اُن کے ملازمین اور ایسے لوگ ہیں۔ جن کی ضروریات اُن سے وابستہ ہیں۔ جماعت تو وہ چیز ہے جو اس سلسلہ کو قائم رکھنے والی ہے۔ بیرونی لوگ جو جلسہ پر آتے ہیں اصلی جماعت وہ ہے "[2]

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حضرت مسیح موعودؑ پر اس نئے حملہ کا پُرزور دفاع کرتے ہوئے فرمایا کہ

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو قادیان میں رہنے کی تعلیم دی ہے[3] اور آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص سب کچھ چھوڑ کر اس جگہ آکر آباد نہیں ہوتا یا کم سے کم یہ تمنا دل میں نہیں رکھتا وہ منافق ہے اور مولوی محمد علی صاحب کے نزدیک جو لوگ قادیان میں آبسے ہیں وہ منافق ہیں۔ گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جتنی باتیں بیان فرمائی تھیں۔ غیر مبائعین کے نزدیک وہ سب

---

[1] "الفضل" ۱۲ فتح / دسمبر ۱۳۲۰ ہش / ۱۹۴۱ء صفحہ ۵-۶

[2] "پیغام صلح" ۸ دسمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۵ کالم ۱-۲ [3] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

بلتی جاتی ہیں . . . . غرض قادیان کے رہنے والوں کے متعلق یہ اتنا بڑا اتہام اور بہتان ہے کہ خود مولوی محمد علی صاحب بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے۔ اوّل تو یہی دیکھ لو کہ قادیان میں انجمن کے ملازم کتنے ہیں۔ قادیان میں دس ہزار احمدی بستے ہیں۔ ان میں سے ملازم زیادہ سے زیادہ سو دو سو ہوں گے۔ اگر ان کے ساتھ ان کے بیوی بچوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو پانچ چھ سو بن جائیں گے۔ ان کے علاوہ چھ سات ہزار وہ لوگ ہیں جو زمیندار ہیں یا پیشہ ور ہیں۔ اور ایک اچھی خاصی تعداد ان لوگوں کی ہے جن کے باپ بھائی یا خاوند وغیرہ گورنمنٹ کی ملازمت میں ہیں اور انہوں نے اپنے بچوں یا دوسرے عزیزوں کو قادیان میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیج دیا ہے۔ ان پر بھلا انجمن کا کیا دباؤ ہو سکتا ہے۔ یا میرا ان پر کیا دباؤ ہو سکتا ہے۔ وہ تو خود چندے دیتے اور سلسلہ کے لئے قربانیاں کرتے ہیں۔ بہرحال کثرت ان لوگوں کی ہے جو پنشن یافتہ ہیں یا پیشہ ور ہیں یا زمیندار وغیرہ ہیں یا پھر قادیان میں وہ لوگ رہتے ہیں جن کے باپ بھائی وغیرہ گورنمنٹ کی ملازمت میں ہیں اور وہ انہیں تعلیم کے لئے اخراجات بھیج دیتے ہیں۔ یا اگر وہ پڑھتے نہیں تو ان کا گذارہ بہرحال اپنے باپ یا بھائی کی آمد پر ہے۔ اس قسم کے تمام لوگ کونسے جماعت کے دباؤ کے ماتحت ہیں۔ . . . . خود پیغامیوں میں ایک خاصہ طبقہ ایسے لوگوں کا ہے جو گورنمنٹ کی ملازمت میں ہے مگر ان کے نزدیک گورنمنٹ کی ملازمت ان کے اعتقادات پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی۔ میاں غلام رسول صاحب

حاشیہ متعلقہ صفحہ گذشتہ[۳]:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعودؑ پر قادیان میں ہجرت کر کے آنے والے احمدیوں کی نسبت الہام ہوا " اَصْحٰبُ الصُّفَّةِ وَمَا اَدْرٰكَ مَا اَصْحٰبُ الصُّفَّةِ تَرٰى اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ يُصَلُّوْنَ عَلَيْكَ " اس الہام کی تشریح حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنے قلم سے یہ فرمائی کہ "خدا تعالیٰ نے انہی اصحاب الصفہ کو تمام جماعت میں سے پسند کیا اور جو شخص سب کو چھوڑ کر اس جگہ آکر آباد نہیں ہوتا اور کم سے کم یہ تمنا دل میں نہیں رکھتا اس کی حالت کی نسبت مجھ کو بڑا اندیشہ ہے کہ وہ پاک کرنے والے تعلقات میں ناقص نہ رہے اور یہ ایک پیشگوئی عظیم الشان ہے اور ان لوگوں کی عظمت ظاہر کرتی ہے کہ جو خدا تعالیٰ کے علم میں تھے کہ وہ اپنے گھروں اور وطنوں اور املاک کو چھوڑ دیں گے اور میری ہمسائیگی کے لئے قادیان میں آکر بود و باش رکھیں گے"

(تریاق القلوب طبع اوّل صفحہ ۶۰)

تمیم، میاں محمد صادق صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، یہ سب عیسائی حکومت کے ملازم تھے کیا یہ سب ان ایام میں عیسائی ہو گئے تھے یا عیسائیوں کی ہاں میں ہاں ملانے لگ گئے تھے؟ کیا اس وقت جو لوگ انجمن اشاعت اسلام کے ملازم ہیں وہ سب کے سب مولوی صاحب کے تجربہ کے مطابق منافق ہیں کیونکہ وہ مولوی صاحب اور ان کی انجمن کے لڑ لگے ہوئے ہیں۔ اگر مولوی صاحب کے نزدیک یہ لوگ منافق نہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ لوگ تو انگریزوں یا انجمن اشاعت اسلام کی ملازمت کر کے منافق نہ ہوئے مگر قادیان کے احمدی صدر انجمن احمدیہ کی ملازمت کر کے اپنے ایمان کو سلامت نہ رکھ سکے۔ اگر صدر انجمن احمدیہ کی نوکری کرنے سے عقیدہ بھی بدل جاتا ہے تو پیغامیوں میں جتنے لوگ گورنمنٹ کے ملازم ہیں ان سب کے متعلق یہ سمجھا جانا چاہیئے کہ یہ سب عیسائی ہیں۔ کیونکہ مولوی محمد علی صاحب کے اس اصل کے مطابق یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ گورنمنٹ کے ملازم ہو کر انہوں نے اپنے ایمان کو محفوظ رکھا ہو۔

پھر میں کہتا ہوں مولوی محمد علی صاحب کو اپنا تجربہ بھی یاد ہونا چاہیئے۔ اب تو قادیان کی آبادی کا ایک کثیر حصہ ایسا ہے جو صدر انجمن احمدیہ کا ملازم نہیں مگر جب مولوی محمد علی صاحب قادیان میں رہتے تھے تو یہاں کے اسّی فی صد انجمن کے نوکر یا ان نوکروں سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔ اور مولوی محمد علی صاحب کو یاد ہوگا کہ باوجود اس کے کہ وہی سیکرٹری تھے اور باوجود اس کے کہ خزانہ اُن کے پاس تھا، قادیان کے لوگوں نے مولوی صاحب کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ جب ایمان کا معاملہ آیا تو انہی قادیان والوں نے جس طرح مکھی کو دودھ سے نکال کر باہر پھینک دیا جاتا ہے، اسی طرح انہوں نے مولوی محمد علی صاحب کو نکال کر باہر کر دیا۔ حالانکہ یہ وہ لوگ تھے جن کے مال اور جن کی جانیں اسی طرح مولوی محمد علی صاحب کے قبضہ میں تھیں جس طرح اب وہ ہمارے متعلق کہتے ہیں کہ ہمارے قبضہ میں لوگوں کے مال اور ان کی جانیں ہیں اگر اس وقت قادیان والوں نے ایمان کے معاملہ میں کسی قسم کی کمزوری نہیں دکھائی تو اب وہ کس طرح خیال کر سکتے ہیں کہ قادیان کے رہنے والے ایمان کے معاملہ میں کمزوری دکھاتے اور منافقت سے کام لیتے ہیں۔ ان کو تجربہ ہے کہ قادیان والوں نے اپنے ایمان کو فروخت نہیں کیا

تھا بلکہ جب انہیں معلوم ہوا کہ اب دین اور ایمان کا سوال پیدا ہو گیا ہے تو انہوں نے مقابلہ کیا اور اس بات کی انہوں نے کوئی پروا نہ کی کہ وہ صدر انجمن احمدیہ کے ملازم ہیں۔ پھر میں مولوی محمد علی صاحب سے کہتا ہوں۔ مولوی صاحب! آپ بھی قادیان کی نوکری کرتے رہے ہیں۔ کیا اس وقت آپ کا ایمان بگڑا ہوا تھا یا سلامت تھا۔ آپ تو اس وقت اڑھائی سو روپیہ ماہوار تنخواہ لیا کرتے تھے جن پر آپ اعتراض کر رہے ہیں ان میں سے اکثر تو بلیس تیس چالیس لینے والے ہیں مگر آپ اڑھائی سو روپیہ ماہوار وصول کیا کرتے تھے۔ پس آپ بتائیں کہ آپ کے اعتقاد کا اس وقت کیا حال تھا۔

پھر ہمارے اعتقادات کے بدلنے کا تو اُن کے پاس کوئی ثبوت نہیں مگر مولوی محمد علی صاحب کے متعلق ہمارے پاس اس بات کا قطعی اور یقینی ثبوت ہے کہ جب تک وہ قادیان سے اڑھائی سو روپیہ ماہوار تنخواہ لیتے رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی کہتے کہتے ان کی زبان خشک ہوتی تھی۔ مگر جب وہ اڑھائی سو روپیہ ماہوار ملنے بند ہو گئے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجدد کہنے لگ گئے۔ جس شخص کے ایمان کا یہ حال ہو کہ وہ اڑھائی سو روپیہ کے بدلے کسی کو نبی کہنے کے لئے تیار ہو جائے اور عدالتوں میں قسمیں کھا کھا کر کہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی تھے اُسے یہ کس طرح زیب دیتا ہے کہ وہ دوسروں پر طعنہ زنی کرے۔ پھر جس شخص کو اس دن کی روٹی بھی اسی ترجمہ کے طفیل ملی ہو جو اُس نے قادیان میں بیٹھ کر اور جماعت احمدیہ سے تنخواہ پا کر کیا تھا اس کو کب یہ زیب دیتا ہے کہ وہ قادیان والوں کی عیب چینی کرے۔ حالانکہ اُس نے اُس روز صبح کو جو ناشتہ کیا تھا وہ بھی اسی ترجمہ کے طفیل تھا جو اُس نے قادیان میں باقاعدہ تنخواہ لے کر کیا۔ اور اس نے اس روز جو روٹی کھائی تھی وہ بھی اسی ترجمہ کے طفیل تھی جو اس نے قادیان میں تنخواہ پر کیا اور اس نے اس روز جو کپڑے پہنے تھے وہ بھی اسی ترجمہ کے طفیل تھے جو اس نے قادیان میں تنخواہ پا کر کیا۔ کیونکہ اس کا کون انکار کر سکتا ہے کہ جس ترجمہ کے کمشن پر مولوی صاحب کا گذارہ ہے وہ ترجمہ مولوی صاحب نے اپنے گھر سے کھا کر نہیں کیا بلکہ صدر انجمن احمدیہ سے تنخواہ لے کر اور اس کی خریدی ہوئی لائبریری کی مدد سے کیا تھا۔ اُس لائبریری کو وہ بعد میں دھوکا دے کر کہ میں چند روز کے لئے لے جاتا

ہوں غصب کر بیٹھے ہیں) ایسا انسان بھلا کس مونہہ سے یہ کہہ سکتا ہے کہ قادیان والے منافق ہیں۔ مولوی صاحب نے شاید سمجھا ہوگا کہ باہر والے اتنے کمزور ہیں کہ جب وہ یہ سُنیں گے کہ قادیان والوں کو انہوں نے اصل جماعت احمدیہ قرار نہیں دیا ہے بلکہ اصل جماعت احمدیہ باہر کے رہنے والوں کو قرار دیا ہے تو وہ خوش ہو جائیں گے۔ مگر یہ ان کی غلطی ہے۔ ان سے پہلے اور بھی بعض لوگ اس قسم کی باتوں سے تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کر چکے ہیں۔ چنانچہ مدینہ میں ایک شخص نے ایک دفعہ انصار اور مہاجرین میں تفرقہ پیدا کرنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا (المنافقون ۱: ۱۳) ارے یہ لوگ روٹیاں کھانے کے لئے یہاں بیٹھے ہیں۔ تم ذرا ان کی روٹیاں تو بند کر دو پھر دیکھو گے کہ کس طرح یہ لوگ یہاں سے بھاگ نکلتے ہیں۔ مگر جانتے ہو کہ یہ بات کہنے والے کا کیا حشر ہوا۔ اسی کا بیٹا حضرت رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے باپ کے فعل پر لعنت ڈالی۔

پس مولوی محمد علی صاحب کو بھی یاد رہے کہ ان کا یہ حملہ جو انہوں نے قادیان کی جماعت احمدیہ پر کیا ہے اس سے باہر کے لوگ خوش نہیں ہوں گے بلکہ باہر کی جماعتیں خود اس حملہ کا جواب دیں گی اور وہ ان کی تائید نہیں کریں گی بلکہ اُن کے اس دعوے کی پُر زور تردید کریں گی۔ کیونکہ ان کا اخلاص اس بات کا تقاضا کرتا ہے اور اُن کے دل اس حسرت سے پُر ہیں کہ کاش انہیں بھی قادیان میں رہنے کی توفیق ملتی۔ وہ قادیان میں آنے کو نفاق نہیں سمجھتے بلکہ ایمان اور اخلاص کی علامت سمجھتے ہیں۔" [۱]

یہ اعلان چونکہ بیرونی مخلصین احمدیت کے دلوں کا ترجمان اور ان کی قلبی کیفیت کا آئینہ دار تھا اس لئے جونہی حضرت امیر المؤمنین کی آواز اُن کے کانوں تک پہنچی انہوں نے مولوی محمد علی صاحب کے رویہ کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کیا [۲] اور ریزولیوشن پاس کر کے قادیان کے احمدیوں کی فضیلت کا اقرار کیا۔ اس سلسلہ میں انبالہ کی

---

[۱] "الفضل" ۲۱ر فتح/دسمبر ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۵، ۶، ۷۔

[۲] حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:۔ "مولوی صاحب کے یہ الفاظ جب شائع ہوئے تو یہاں کے لوگوں نے ان کے خلاف احتجاج کے لئے جلسہ کرنا چاہا اور مجھ سے اس کے لئے اجازت طلب کی۔ مگر میں نے کہا۔ ہرگز نہیں یہ حملہ تم پر ہوا ہے۔ پس یہ بات وقار کے خلاف ہے کہ تم ہی اس کا جواب بھی دو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن مومن بھائی ہوتے ہیں جب ایک پر حملہ ہو تو دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اس وقت باہر کی جماعتوں کے اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کا جواب دیں اور تم چپ رہو۔ ہاں جب ان پر حملہ ہو تو اس وقت تمہارا فرض ہے کہ جواب دو" ("الفضل" ۱۶ر صلح/جنوری ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۵)۔

جماعت اوّل نمبر پر آئی جس نے سب سے پہلے تار دیا کہ وہ مولوی صاحب کے اس حملہ کو بُری نظر سے دیکھتے اور اس کی مذمت کرتے ہیں۔ اسی طرح مجوکہ ضلع سرگودھا کے ایک احمدی نے حقیقی مومنانہ جذبہ دکھایا۔ اور نہایت معقول رنگ میں جواب دیا۔ انہوں نے لکھا کہ مولوی محمد علی صاحب اس بات پر مُصر ہیں کہ میں باہر کی جماعتوں کو اپنی تقریر سُنانا چاہتا ہوں۔ ان کے دل میں یہ وہم ہے کہ باہر کے لوگ چونکہ عموماً ناخواندہ ہوتے ہیں اس لئے ممکن ہے قادیانی جماعت کا ساتھ چھوڑ دیں۔ مگر مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے میں موضع مجوکہ ضلع سرگودھا کا رہنے والا ہوں۔ اس علاقہ کی جماعتیں آپ کے عقیدہ سے خوب واقف ہیں۔ میں ان جماعتوں کے متعلق قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اگر سُورج بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع ہونے لگے تو بھی وہ ہرگز ہرگز حضرت امیر المومنین کا پاک دامن چھوڑنے والی نہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے سالانہ جلسہ ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء پر جماعت انبالہ کی اوّلیت کا ذکر کیا اور مجوکہ کے احمدی کے اس جواب پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "یہ جواب ہے تو بہت سادہ مگر ایمان کا نہایت عمدہ مظاہرہ ہے" [1]

بیرونی جماعتوں نے محض اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ باہر سے قرار دادیں بھجوا دیں۔ بلکہ انہوں نے سالانہ جلسہ ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء کے اجلاس اوّل (منعقدہ ۲۶ فتح/دسمبر) میں جبکہ وہ ہزاروں کی تعداد میں جمع تھیں حسب ذیل قرارداد پاس کی:-

"مولوی محمد علی صاحب امیر غیر مبائعین کا مطالبہ کہ ان کو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر تقریر کرنے کی اجازت دی جائے حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا جائے۔ بیرونی جماعتوں میں سے کوئی بھی ان کا لیکچر سُننا نہیں چاہتی۔ چونکہ انہوں نے ہمارے مقدس اور جان سے پیارے امام حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور جماعت قادیان دارالامان کی جس کو تمام جماعتیں سب سے بہتر و افضل جماعت یقین کرتی ہیں سخت ہتک کی ہے اس لئے وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کو اس سٹیج پر بولنے کی اجازت دی جائے۔ ہم میں سے کوئی شخص بھی ان کی بات سننے کے لئے طیار نہیں"

یہ قرارداد ملک عبدالرحمن صاحب خادم بی اے، ایل ایل بی نے پیش کی اور متفقہ طور پر پاس کی گئی۔ [2]

اب بیرونی احمدی جماعتوں کے جذبات وخیالات کا پوری طرح اظہار ہو چکا تھا اور مولوی محمد علی صاحب

[1] "الفضل" ۱۶ صلح/جنوری ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۵

[2] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۳

کی گہری تدبیر جو انہوں نے ان جماعتوں کو خوش کر کے مرکز احمدیت سے بدظن کرنے کے لئے کی تھی پوری طرح ناکام ہو چکی تھی مگر اس کے باوجود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اگلے دن اپنی تقریر کے دوران دوبارہ تمام حاضرین سے رائے طلب کی کہ

"اگر آپ لوگ جلسہ کے موقعہ پر ان کی تقریریں سننا چاہتے ہیں تو بتا دیں۔ مَیں کل کا دن انہیں دے سکتا ہوں اور ابھی تار دے کر ان کو بُلا لیتا ہوں" ؎۱

یہ سُن کر جلسہ میں شامل سب احباب نے بالاتفاق کہا کہ ہم ان کی کوئی بات نہیں سُننا چاہتے۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا :۔

"اگر جماعت سُننا نہیں چاہتی تو ہم نے کونسا اُن کا قرض دینا ہے کہ اُن کو ضرور موقعہ دیں اور اس طرح سال میں تین دن قادیان میں گذارنے اور میری اور سلسلہ کے علماء کی تقریریں سُننے کا جو موقعہ دوستوں کو ملتا ہے وہ ان کی نذر کر دیں"

پھر فرمایا :۔

"یہ وہی چالاکی ہے جیسے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مہاجرین اور انصار کو باہم لڑانے کے لئے منافقین کیا کرتے تھے۔ مولوی صاحب نے سمجھا یہ جماعت بیوقوف ہے۔ جب مَیں کہوں گا کہ قادیان کی جماعت تو اصل جماعت نہیں تو باہر والے خوش ہوں گے اور کہیں گے کہ مولوی صاحب نے ہماری تو تعریف کر دی ہے۔ لیکن انہیں پتہ نہیں کہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اس دھوکے میں آنے والی نہیں اور ہمارے دوست انہیں خوب سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من اندازِ قدت را مے شناسم

یعنی تم خواہ کسی قسم کا لباس پہن کر آؤ مَیں چال سے اور قد کے انداز سے سمجھ جاتا ہوں کہ کون ہوگا" ؎۲

؎۱ "الفضل" ۱۲ر صلح / جنوری ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۴ ۔

؎۲ " " " " ۔

سالانہ جلسہ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں حضرت امیر المومنین کا خطاب

سالانہ جلسہ پر اللہ تعالیٰ کے بہت سے افضال کا نزول ہوا جن میں سے ایک نمایاں فضل یہ تھا کہ اگرچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی صحت بیماری اور کام کی وجہ سے بہت کمزور تھی مگر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف معجزانہ طور پر حضور کو سالانہ جلسہ پر حسب دستور ایمان افروز تقاریر کرنے کی طاقت بخشی بلکہ جہاں گذشتہ سالوں میں ان ایام کی مصروفیات کے باعث کھانسی کا شدید حملہ ہوجاتا تھا وہاں اس سال اس تکلیف میں نمایاں کمی واقع ہوگئی۔ چنانچہ حضور نے ۳؍صلح/جنوری ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء کو خطبہ جمعہ میں فرمایا:-

"مَیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے باوجود اس کے کہ میری طبیعت جلسہ سے قبل بیماری اور کام کی زیادتی کی وجہ سے بہت ضعیف تھی اور مَیں اپنے نفس میں سمجھتا تھا کہ غالباً مَیں جلسہ کے موقع پر اس حد تک بھی تقریریں نہ کر سکوں گا جس حد تک کہ پہلے کیا کرتا تھا۔ اور دوسرے کاموں میں بھی غالباً کمی کرنی پڑے گی۔ مگر اللہ تعالےٰ کا فضل ہے کہ کسی کام میں کوئی کمی نہیں کرنی پڑی۔ بلکہ پہلے جلسوں کے بعد مَیں جس قدر کوفت محسوس کیا کرتا تھا۔ اس سال اس سے بہت کم کوفت محسوس ہوئی۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا جلسہ آیا ہی نہیں۔ بلکہ کئی لحاظ سے میں اس وقت اپنی طبیعت کو جلسہ سے پہلے کی نسبت بہت بہتر پاتا ہوں۔ گویا ایک قسم کا علاج ہوگیا۔ بے شک جلسہ کے بعد کھانسی ضرور ہوئی ہے مگر یہ کھانسی حلق کی معلوم ہوتی ہے اور اس کھانسی سے ضعف نہیں ہوتا۔ اور پھر پہلے سالوں کی نسبت اس سال کھانسی میں بھی کمی ہی رہی ہے۔ گو دو چار روز قبل کھانسی کچھ زیادہ تھی مگر کل نہیں اٹھی۔ آج کچھ کچھ اُٹھ رہی ہے۔ مگر اس دفعہ کا حملہ اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں جو پہلے سالوں میں جلسہ کے بعد ہوا کرتا تھا۔ پہلے تو جلسہ کے بعد ایسی شدید کھانسی ہوا کرتی تھی کہ مجھے رات کے ایک ایک دو دو بجے تک بستر میں بیٹھ کر وقت گذارنا پڑتا تھا۔ اور نیند نہیں آتی تھی۔ اس سال گو صبح شروع ہوتی ہے مگر دس بجے تک ہٹ جاتی ہے۔ اور پھر شام کو کچھ شروع ہو کر سونے کے وقت تک رُک جاتی ہے۔ اس کے علاوہ سردی لگنے کی وجہ سے متلی کی بھی کچھ شکایت ہوئی اور جگر کی خرابی کا کچھ دورہ ہوا۔ مگر مجموعی لحاظ سے اور توقع کے بالکل خلاف میری طبیعت بہت اچھی رہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسی نصرت کی ہے کہ کام بھی ہوگیا اور طبیعت میں بھی کوئی خرابی نہیں ہوئی۔ بلکہ طبیعت پہلے کی نسبت اچھی ہے۔ اس میں

کچھ دخل ایک اَور بات کا بھی ہے مگر وہ بھی خدا تعالےٰ کا فضل ہی ہے۔ اور وہ یہ کہ مَیں ہمیشہ عام طور پر جلسہ کی تقریروں کے نوٹ دوران جلسہ میں لیا کرتا ہوں۔ چونکہ فرصت نہیں ہوتی اس لئے میرا قاعدہ ہے کہ سفید کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا کرتا ہوں اور دوسرے کاموں کے دوران میں جو وقت مل جائے اس میں کاغذ نکال کر نوٹ کرتا رہتا ہوں۔ مثلاً ڈاک دیکھ رہا ہوں۔ دفتر والے کاغذات پیش کرنے کے لئے لانے گئے اور اس دوران میں مَیں نوٹ کرنے لگ گیا یا نماز کے لئے تیاری کی۔ سُنّتیں پڑھیں اور جماعت تک جتنا وقت ملا اس میں نوٹ کرتا رہا۔ اس طرح یہ تیاری پندرہ سولہ ستمبر سے شروع کر دیتا تھا۔ اور قریباً ۲۲-۲۳ دسمبر تک کرتا رہتا تھا اور اس کے بعد دوسرے کاموں سے فراغت حاصل کر کے نوٹوں کی تیاری میں لگ جاتا۔ ان کو درست کر کے لکھنے کا کام مَیں بالعموم ۲۷-۲۸ کو کرتا۔ اور اس کے لئے وقت انہی تاریخوں میں ملتا تھا۔ اس وجہ سے طبیعت میں کچھ فکر بھی رہتا تھا کہ صاف کر کے لکھ بھی سکوں گا یا نہیں۔ لیکن اس دفعہ قرآن کریم کی تفسیر کا کام رہا اور اس کے لئے وقت نہ تھا۔ ۲۲ کی شام کو ہم تفسیر کے کام سے فارغ ہوئے۔ ۲۳ کو بعض اَور کام کرنے تھے وہ کئے۔ ۲۴ کی شام کو نوٹوں کا کام شروع کیا اور فکر تھا کہ یہ کس طرح کروں گا۔ مگر اللہ تعالےٰ کا ایسا فضل ہوا کہ نوٹوں کی تیاری میں بہت آسانی ہو گئی حوالے وغیرہ بہت جلد جلد ملتے گئے اور ۲۵ کی شام کو تینوں لیکچروں کے نوٹوں سے مَیں فارغ ہو چکا تھا یہ بھی ایک وجہ ہے کہ مجھے زیادہ کوفت نہیں ہوئی۔ کیونکہ زیادہ محنت نہ کرنی پڑی۔ اگر مضمون پیچیدہ ہو جاتا تو مجھے زیادہ محنت کرنی پڑتی اور پھر بوجھ بھی زیادہ محسوس ہوتا اور تکلیف ہوتی مگر اللہ تعالےٰ نے اس سے بچا لیا" [1]

حضرت امیر المومنین کی تقریر کا ذکر اخبار "سٹیٹسمین" میں

دہلی کے مشہور اخبار "سٹیٹسمین" نے اپنی ۲۹ دسمبر ۱۹۴۰ء کی اشاعت میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی سالانہ جلسہ کی ایک تقریر فرمودہ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۰ء کی حسب ذیل رپورٹ شائع کی:-

"قادیان ۲۸ دسمبر۔ آج جماعت احمدیہ کے سالانہ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ نے فرمایا کہ دنیا اس وقت نہایت ہی نازک دَور میں سے گذر رہی ہے

[1] "الفضل" ۱۴ صلح/جنوری ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۱-۲

اور ابھی اور نازک دَور آنے والا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ انسانیت کی موجودہ مشکلات اور دکھوں میں ایک نیا نظام پیدا ہوگا جو موجودہ نظام سے بہت مختلف اور اس سے بہت بہتر ہوگا۔ تقریر کے دوران میں آپ نے جماعت کی تعمیری سرگرمیوں نیز اندرونی مخالفین کی شرارتوں اور بیرونی دشمنوں کے حملوں پر بھی تبصرہ کیا اور آئندہ سال کے لئے ایک عملی پروگرام جماعت کے سامنے رکھا حکومت کے ساتھ جماعت کے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ قادیان میں سکھوں کی کانفرنس کے موقعہ پر جو سلوک ہم سے کیا گیا ہم اُسے سخت ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے جماعت کو سادہ زندگی اختیار کرنے کی تاکید فرمائی اور نوجوانانِ جماعت سے پُرزور اپیل کی کہ وہ اسلام کی خدمت کے لئے میدان میں نکلیں۔ آپ نے عورتوں کے جلسہ میں بھی تقریر کی جو لجنہ اماء اللہ کے زیرِ اہتمام ایک علیحدہ پنڈال میں منعقد ہوا" ؎۱

مختلف مذاہب اور مختلف فرقوں کے معززین کی سالانہ جلسہ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء میں شرکت

حسب معمول اس سال بھی غیر احمدی اور غیر مسلم معززین نے سالانہ جلسہ میں شرکت کی۔ ایسے اصحاب کی تعداد دو سو کے قریب تھی۔ اکثر نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض سے شرفِ ملاقات بھی حاصل کیا اور مقاماتِ مقدسہ دیکھے۔ ذیل میں بعض چیدہ اصحاب کے نام درج کئے جاتے ہیں:۔

(۱) مسٹر ولفریڈ سی سمتھ آف ٹورنٹو سٹی کینیڈا۔ امریکہ۔ جو سینٹ جان کالج کیمبرج انگلستان کے طالب علم تھے اور "اسلام میں نئی مذہبی اور نیم مذہبی تحریکات" پر مضمون تیار کر رہے تھے۔

(۲-۳) مسٹر دلتے جال صاحب آف چیکوسلواکیہ مع اہلیہ صاحبہ

(۴-۵) مسٹر بامک صاحب آف چیکوسلواکیہ مع اہلیہ صاحبہ

(۶) رائے صاحب لالہ نتھولال صاحب پوری۔ پی۔ سی۔ ایس (ریٹائرڈ) وزیر ریاست شاہ پورہ (راجپوتانہ)

(۷) پنڈت راجندر کشن صاحب کول سب جج درجہ اوّل لائل پور۔

(۸) لالہ کرم چند صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی پلیڈر کانگڑہ

(۹) لالہ اوم پرکاش صاحب امپیریل سکرٹریٹ دہلی۔

؎۱ "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۰ ہش / ۱۹۴۱ء صفحہ ۴ +

(۱۰) مسٹر انیس احمد صاحب عباسی ایڈیٹر روزنامہ "حقیقت" لکھنؤ۔

(۱۱) چودھری عنایت علی صاحب آنریری مجسٹریٹ گوجرانوالہ۔

(۱۲) خانصاحب میاں مراد بخش صاحب آنریری مجسٹریٹ جلال پور بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ

(۱۳) چودھری محمد نواز خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ رسول پور ضلع گوجرانوالہ۔

(۱۴) پنڈت نگندر موہن پرشاد صاحب تیوری جج ریاست جے پور۔

(۱۵) ملک علی بہادر خاں صاحب آف گوٹھی آوان ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ ضلع گوجرانوالہ۔

(۱۶) چودھری اکرام اللہ خانصاحب رئیس ایمن آباد۔

(۱۷) لفٹیننٹ کرتی سنگھ اہلو والیہ آف پٹھانکوٹ ڈائرکٹر واہ سیمنٹ کمپنی۔

(۱۸) سردار منظور احمد خانصاحب تمندار د آنریری مجسٹریٹ کوٹ قیصرانی ضلع ڈیرہ غازیخاں۔

(۱۹) چودھری فیض علی خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ و جاگیردار ضلع گوجرانوالہ

ان کے علاوہ بہت سے معزز غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب، آنریبل چودھری محمد ظفراللہ خاں صاحب کی کوٹھی بیت الظفر میں فروکش تھے جن میں سے بعض کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:-

(۲۰) ملک غلام محمد صاحب[1] کنٹرولر جنرل پرچیز دہلی

(۲۱) مسٹر زاہد حسین صاحب[2] فنانشل ایڈوائزر سپلائی ڈیپارٹمنٹ دہلی

(۲۲) اے۔ کے ملک آئی۔سی۔ایس انڈین سٹورز ڈیپارٹمنٹ دہلی

(۲۳) خان بہادر ڈاکٹر عبدالحمید صاحب بٹ اسسٹنٹ ڈائرکٹر پبلک ہیلتھ پنجاب۔

(۲۴) خان بہادر راجہ اکبر علی صاحب دہلی۔

(۲۵) شیخ محمد تیمور صاحب وائس پرنسپل اسلامیہ کالج پشاور۔

(۲۶) باوا جھنڈا سنگھ صاحب ریٹائرڈ سب جج امرتسر

(۲۷) مسٹر فضل الرحمٰن صاحب شریف امرتسر۔

(۲۸) مسٹر مظہر شریف صاحب ایم۔اے امرتسر۔

---

[1] آپ ۱۷ راکتوبر ۱۹۵۱ء سے ۶ راگست ۱۹۵۵ء تک پاکستان کے گورنر جنرل رہے۔

[2] گورنر بنک دولت پاکستان۔

(۲۹) خان بہادر میاں غلام قادر محمد شعبان صاحب ایم۔ ایل۔ اے سنٹرل کراچی۔

(۳۰) مسٹر شوندر بہادر سہگل حیدر آباد دکن۔

(۳۱) لالہ کرم چند صاحب ایڈیٹر "پارس" لاہور۔

(۳۲) مسٹر اے۔ کے مشتاق صاحب حیدر آباد دکن۔

(۳۳) میاں محمد رشید صاحب آسٹریلین دواخانہ (لاہور)

(۳۴) بخشی جان شاہ صاحب لاہور۔

(۳۵) شیخ لائق علی صاحب سینئر سب جج امرتسر۔

(۳۶) چودھری عبدالکریم صاحب آنریری مجسٹریٹ لاہور۔

(۳۷) شیخ عبدالعزیز صاحب امرتسر۔

(۳۸) شیخ عبدالرشید صاحب امرتسر۔

(۳۹) رفعت پاشا صاحب امرتسر[1]

سالانہ جلسہ پر بیعت کرنے والوں کی تعداد

۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر جو اصحاب سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دست مبارک پر بیعت کر کے داخل احمدیت ہوئے ان کی تعداد تین سو چھیاسی (۳۸۶) تھی۔ جن میں ۱۹۹ مرد اور ۱۸۷ خواتین تھیں۔[2]

فصل ہشتم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

اس سال سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعدد جلیل القدر صحابہ ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ ان کے نام مع مختصر حالات کے

---

[1] پہلے سرگودھا ڈویژن کے کمشنر رہے۔ اس کے بعد ملتان ڈویژن کے کمشنر بنے اور اب ریونیو بورڈ حکومت مغربی پاکستان کے ممبر ہیں۔ (روزنامہ "الفضل" قادیان۔ یکم صلح/جنوری ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء)

[2] "الفضل" ۲ صلح/جنوری ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

درج ذیل کئے جاتے ہیں :-

۱- میاں خیر دین صاحب کھماچوں (ضلع جالندھر) وفات : امان / مارچ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء [1]

۲- حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب حلالپوری - (زیارت مسیح موعودؑ : نومبر ۱۹۰۴ء بمقام لاہور بیعت تحریری : ۱۷ر فروری ۱۹۰۸ء، دستی ۱۳ر اپریل ۱۹۰۸ء - وفات : ۸ر امان / مارچ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء)

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سلسلہ احمدیہ کے ایک بلند پایہ عالم، بہت بڑے محقق، علوم شرقیہ کے ماہر، نہایت منکسر المزاج، طبیعت کے سادہ، دل کے غنی اور محبت و اخلاص کے مجسمہ تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک کے آخری ایام میں قادیان آئے اور حضورؑ کے دستِ مبارک پر بیعت کرکے واپس چلے گئے۔ پھر ۱۹۰۹ء میں ہجرت کرکے مستقل طور پر قادیان میں رہائش پذیر ہو گئے - پہلے مدرسہ احمدیہ میں مدرّس ہوئے - آخر میں جامعہ احمدیہ کے پروفیسر مقرر ہو کر ۱۹۳۹ء میں ریٹائر ہوئے [2] ریٹائر ہونے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے ان کے سپرد دو اہم کام کئے :-

۱- مجاہدین تحریک جدید کی تعلیم و تربیت

۲- ترجمہ قرآن کریم کے لئے لغات کے حوالوں کی تخریج [3]۔

حضرت مولوی صاحب بوڑھے ہو چکے تھے اور مسلول بھی تھے مگر آپ یہ دونوں کام آخر دم تک نہایت خوش اسلوبی سے نبھاتے رہے - آپ کی المناک وفات نے جماعت احمدیہ کے افراد کو عموماً اور علمی ذوق رکھنے والی شخصیتوں کو محسوس کرا دیا کہ جماعت سے صرف ایک عالم جدا نہیں ہوا بلکہ علوم کا ایک سُورج اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا ہے - چنانچہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب [4]، حضرت مفتی محمد صادق صاحب [5]، مولانا ابو العطاء صاحب [6] اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب [7] نے آپ کے علم و فضل اور اخلاق و شمائل کی نسبت درد و گداز سے ڈوبے ہوئے مضامین لکھے اور شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ اور حضرت مولانا ذوالفقار علیخاں صاحب گوہرؔ نے آپ کی یاد میں مرثیے کہے [8]۔

---

[1] "الفضل" ۹ر امان / مارچ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۔

[2] " ۱۲ر " " صفحہ ۴۔

[3] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۸۰۔

[4-5] "الفضل" ۱۲ر امان / مارچ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۴ و صفحہ ۵۔

[6] " ۱۵ر " " صفحہ ۶۔ [7] "الفضل" ۱۹ر امان / مارچ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۳۔

[8] "الفضل" ۱۹ر امان / مارچ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲، "الفضل" ۲۲ر امان / مارچ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۴۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کے شاگردوں کا سلسلہ بہت وسیع تھا۔ آپ نے ایک بیش بہا لٹریچر اپنے پیچھے بطور یادگار چھوڑا۔ آپ کی مشہور تالیفات و تصنیفات حسب ذیل ہیں :۔

تنویر الابصار ۔ نشانِ رحمت ۔ تبدیلی عقائد مولوی محمد علی صاحب ۔ درود شریف ۔ محامد خاتم النبیین ۔ اہلِ پیغام کے بعض خاص کارنامے ۔ تعلیمات مسیح موعود دربارہ درود شریف ۔ میرا عقیدہ دربارہ نبوت مسیح موعود ۔ تبدیلی عقیدہ کے جواب الجواب ۔ احمدی لڑکی کا رشتہ ۔ اہلِ پیغام کا کچا چٹھا۔[1]

۳۔ قاضی تاج الدین صاحب (وفات ۱۶ مارچ ۱۹۴۰ء بعمر ۷۷ سال) حضرت قاضی کرم الٰہی صاحب کے چھوٹے بھائی اور قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔ اے احال پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ) کے چچا تھے۔[2]

۴۔ حضرت شیخ میاں فقیر علی صاحب برادر حضرت حافظ حامد علی صاحب بقہ غلام نبی۔
(وفات ۲۷ امان / مارچ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء بعمر نوے[۹۰] سال)[3]

قدیم صحابہ میں سے تھے۔ پہلی بار آپ ۱۸۹۲ء کے سالانہ جلسہ پر شامل ہوئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضرین جلسہ کی فہرست میں آپ کا نام ۱۵۶ نمبر پر درج فرمایا۔[4] اس کے علاوہ جلسہ احباب (منعقدہ ۲۰ تا ۲۲ جون ۱۸۹۷ء) میں بھی آپ کی شرکت ثابت ہے۔[5] آپ بقہ غلام نبی میں فوت ہوئے۔ اور موضع بازید چک میں دفن کئے گئے۔[6]

۵۔ مہراروڑا صاحب سیالکوٹ (وفات ۲ شہادت / اپریل ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء بعمر ننانوے سال)[7]

۶۔ حضرت ماسٹر عبدالرؤف صاحب بھیروی (تاریخ پیدائش اپریل ۱۸۷۷ء، بیعت: ۱۸۹۸ء، وفات ۱۰ ہجرت / مئی ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء بعمر ۷۰ سال)[8]

---

[1] کتابچہ "وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ" صفحہ ۳۳، ۳۴ مرتبہ مکرم عبدالعظیم صاحب درویش قادیان مینیجر احمدیہ بکڈپو قادیان۔

[2] "الفضل" ۱۹ امان / مارچ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

[3] "الفضل" ۱۰ ہجرت / مئی ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

[4] "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۶۲۲۔

[5] ملاحظہ ہو اشتہار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بعنوان "جلسہ احباب" صفحہ ۳۰۶ (روحانی خزائن جلد ۱۲)۔
نوٹ :۔ تبلیغ رسالت جلد ششم میں "جلسہ احباب" کے مہمانوں کی فہرست حذف کر دی گئی ہے۔

[6] "اصحاب احمد" جلد سیزدہم صفحہ ۸۸ (مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے)۔

[7] "الفضل" ۵ شہادت / اپریل ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۔

[8] "الفضل" ۱۲ ہجرت / مئی ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

مئی ۱۸۹۹ء سے لے کر دسمبر ۱۹۰۲ء تک مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان میں مدرس رہے۔ ۱۹۰۳ء و ۱۹۰۴ء میں پہلے خانصاحب عجب خاں صاحب تحصیلدار کے ہاں اور پھر حضرت سید ناصر شاہ صاحب کے ہاں قیام کیا۔ ۱۹۰۵ء میں واپس قادیان تشریف لے آئے۔ ۱۹۰۶ء کے آغاز سے پھر تعلیم الاسلام سکول کی خدمت پر بطور کلرک دوم اور بالآخر ہیڈ کلرک بن کر ۲۷ نومبر ۱۹۲۷ء کو پنشن یاب ہوئے۔[1]

۷- ابو اکمل حضرت مولوی امام الدین صاحبؓ گجراتی (ولادت: نومبر ۱۸۵۱ء، بیعت: ۱۸۹۷ء،
وفات: ۱۲/۱۳ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء بعمر ۹۱ اکانوے سال)[2]

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے آپ کے انتقال پر لکھا کہ

"حضرت مولانا صاحب ایک جید عالم اور عارف تھے اور حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت پر ایک عالمانہ و عارفانہ یقین کے ساتھ نہایت پختگی سے قائم تھے۔ پہلے گولیکی میں رہائش تھی پھر ہجرت کرکے قادیان چلے آئے اور یہاں متفرق کلاس میں اور اس کے علاوہ بھی مولوی فاضل کلاس اور اس کے اوپر دینیات کی جماعت کے طلباء کو پڑھانے میں مصروف رہتے تھے۔ باوجود پیرانہ سالی اور ضعیفی کے ہر نماز باجماعت ادا کرتے اور باقاعدگی سے تہجد پڑھتے۔ آپ صاحب کشف و الہامات تھے"[3]

۸- چوہدری نواب خاں صاحب آف گھٹیالیاں (ضلع سیالکوٹ)
(وفات: ۱۲/ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء)[4]

۹- چوہدری محمد اسماعیل خاں صاحب نمبردار و صدر جماعت احمدیہ بگول ضلع گورداسپور (بیعت ۱۹۰۴ء،
وفات ۲۳/ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء)

احمدیت کے شیدائی اور نہایت عابد و زاہد انسان! جن کی تبلیغ سے بگول، بھیرو چیچی، گھوڑیواہ، شیں بھٹی، جلال پور اور بھٹیاں میں کئی لوگوں نے احمدیت قبول کی۔ پروفیسر ناصر الدین عبد اللہ وید بھوشن

---

[1] مزید تفصیل حضرت ماسٹر عبد الرؤف صاحبؓ کا مضمون مطبوعہ "الحکم" ۷، ۲۱ اپریل ۱۹۳۹ء میں ملاحظہ ہو۔

[2] "الفضل" ۱۶/ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[3] "الفضل" ۲۰/ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "الفضل" ۲۷/ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۴ تا ۶، نیز "الفضل" ۱۹/ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴۔

[4] "الفضل" ۱۰/ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔

کادیہ تیرتھ پروفیسر جامعہ احمدیہ کے والد) اوائل عمر میں کٹر عیسائی ہو گئے تھے بلکہ اسلام کے خلاف دو کتابیں بھی لکھیں۔ حتیٰ کہ اپنے بیٹے (ناصرالدین عبداللہ صاحب) کو مشن کالج میں تعلیم دلا کر عیسائیت کا مُناد بنانے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے۔ چوہدری محمد اسماعیل صاحب کو پتہ چلا تو آپ ناصرالدین عبداللہ صاحب کو (جو تیری پاس کر چکے تھے) قادیان لے گئے۔ اگلے روز اُن کے والد بھی قادیان پہنچ گئے جنہیں چودھری صاحب نے اس رنگ میں تبلیغ کی کہ وہ عیسائیت چھوڑ کر پرجوش احمدی ہو گئے۔

چودھری صاحب موصوف کو تبلیغ کا گویا ایک جنون سا تھا۔ آپ جس افسر کے پاس تشریف لے جاتے، سرکاری کام کرنے کے بعد اُسے ضرور حق کا پیغام پہنچاتے تھے۔[۱]

۱۰- سردار محمد علی صاحب ساکن جوڑہ کرنانہ ضلع گجرات (مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب کے دادا جان کے بھائی)[۲]

تاریخ بیعت: ۲۱ اپریل ۱۹۰۲ء، وفات: ۲۵ امان/مارچ ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء۔ آپ ۱۹۰۲ء میں فوج میں بطور وٹرنری آفیسر مرٹھ چھاؤنی میں ملازم تھے تو کچھ عرصہ چکر دتہ پہاڑ پر آپ کو حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم کے ساتھ اکٹھا رہنے کا موقعہ ملا اور انہی کی بدولت آپ نے احمدیت قبول کی۔ آپ جماعت کی ہر تحریک کے چندہ میں باقاعدہ حصہ لیا کرتے تھے چنانچہ آپ کا نام منارۃ المسیح پر بھی کندہ ہے۔ آپ موصی تھے۔ آپ کی وصیت کا نمبر $\frac{۳۰۷۹}{۲۹-۶-۱۲ء}$ ہے۔ آپ کی نعش بعض وجوہات کی بناء پر قادیان نہ لائی جا سکی اور آپ کو اپنے گاؤں کے قبرستان میں بطور امانت دفن کر دیا گیا۔ بہشتی مقبرہ قادیان میں آپ کا یادگار کتبہ ۲۲۴ نمبر کے تحت نصب ہے۔ آپ مورخہ یکم اگست ۱۹۲۱ء کو پنشن حاصل کر کے اپنے وطن آ گئے اور تا وفات وہیں رہے۔ آپ کے گھر کے سامنے ایک مسجد ہے۔ شروع میں ایک دن ظہر کے وقت آپ اس مسجد میں تشریف لے گئے تو ایک مخالف نے اُن سے پانی کا لوٹا چھین لیا اور کہا کہ تم کافر ہو اس مسجد سے چلے جاؤ۔ چنانچہ اس کے بعد آپ اپنے مکان ہی پر نماز ادا کرنے لگے۔ پنشن پر آنے کے بعد آپ اٹھارہ سال زندہ رہے۔ اس عرصہ میں آپ ہر روز بلاناغہ صبح کی نماز کے بعد دو گھنٹہ تک اپنے دروازہ کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز میں احمدیت کی تبلیغ کیا کرتے تھے حالانکہ آپ عمر رسیدہ تھے اور قصبہ کے تمام لوگ مخالف تھے۔ آپ کے مکان ہی پر دوسرے احمدی اکٹھے ہو کر نماز پڑھتے اور جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے۔ وفات کے وقت عمر ۸۴ سال تھی۔

۱۱ چودھری محمد شفیع صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ۔ بیعت ۔۔۔ وفات ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء[۳]

۱۲- حاجی احمد الدین صاحب محلہ ناصر آباد۔ قادیان (وفات: احسان/جون ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء)[۴]

۱۳- حضرت حافظ قاری غلام یٰسین صاحب (بیعت: ۱۸۹۷ء، وفات: ۲۲ وفا/جولائی ۱۹۴۰ء بعمر ۷۲ سال)[۵]

---

[۱] "الفضل" ۴ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۶ کالم ۱-۲۔ [۲] "الفضل" ۵ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

[۳] " ۳۰ " " صفحہ ۲۔ [۴] " ۲۳ احسان/جون ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

[۵] " ۲۵ وفا/جولائی ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

۱۴۔ حضرت میاں معراجدین صاحب عمرؓ

(بیعت: ۱۶؍جولائی ۱۸۹۱ء) وفات: ۲۸؍وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء بعمر ۷۵ سال)[۱]

مؤلف "لاہور تاریخ احمدیت" کی تحقیق کے مطابق شہر لاہور کے اصل باشندوں میں سے حضرت میاں چراغ دین صاحبؓ رئیس لاہور کے خاندان نے سب سے پہلے احمدیت قبول کی اور اس خاندان میں جو بزرگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں سب سے پہلے آئے وہ حضرت میاں معراجدین صاحب عمرؓ تھے۔ جنہیں حضرت مولوی رحیم اللہ صاحبؓ کے فیض تربیت سے شناختِ حق کی توفیق ملی[۲]۔ جیسا کہ خود ہی تحریر فرماتے ہیں:۔

"خاکسار مولوی رحیم اللہ مرحوم کے حق میں دُعا کرتا ہے کہ ان کی صحبت اور تربیت کے طفیل مجھے اس امام سے اس وقت میں بیعت کا شرف نصیب ہوا جبکہ آپ نے ابھی دعویٰ کا اعلان کیا تھا اور اس وقت میری عمر بھی بہت تھوڑی تھی"[۳]

بیعت کے قدیم ریکارڈ سے تو یہانتک ثابت ہے کہ آپ حضرت مولوی رحیم اللہ صاحب سے بھی قریباً ڈیڑھ ماہ پہلے حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔ چنانچہ اس ریکارڈ میں جہاں آپ کی تاریخ بیعت ۱۶؍جولائی ۱۸۹۱ء درج ہے وہاں حضرت مولوی رحیم اللہ صاحبؓ کی بیعت کا دن ۳۰؍اگست ۱۸۹۱ء لکھا ہے[۴]۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت میاں معراجدین صاحبؓ کی مشہور تالیفات و مطبوعات یہ ہیں:۔

(۱) صداقت مریمیہ

(۲) واقعہ صلیب کے چشمدید حالات

(۳) تقویم عمری (۱۷۸۳ء سے ۱۹۰۷ء تک، ایک سو پچیس سال کی جنتری)

۱؎ "الفضل" ۳۰؍وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

۲؎ "لاہور تاریخ احمدیت" صفحہ ۸۷ مولفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحبؓ فاضل (سابق سوداگرمل) طابع و ناشر شیخ عبدالشکور صاحب مسجد احمدیہ بیرون دہلی دروازہ لاہور (حال مکان نمبر ۵ گلی نمبر ۲۰ سلطان پورہ جناح پارک لاہور)

۳؎ "حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام مولف براہین احمدیہ کے مختصر حالات" مشمولہ براہین احمدیہ بار چہارم صفحہ ف۔

۴؎ "لاہور تاریخ احمدیت" صفحہ ۹۱ پر آپ کی بیعت کا یہ اندازہ درج ہے کہ آپ نے "حضرت میاں عبدالعزیز صاحب مغلؓ سے آٹھ دن پہلے کی تھی" مگر یہ صحیح نہیں ہے وجہ یہ کہ حضرت میاں عبدالعزیز صاحب مغلؓ کی تاریخ بیعت ۱۰؍جنوری ۱۸۹۲ء ہے (ملاحظہ ہو بیعت کا قدیم رجسٹر)

علاوہ ازیں آپ نے اپریل ۱۹۰۶ء میں اپنے مطبع بدر لاہور سے براہین احمدیہ کے پہلے چار حصے شائع کئے اور حصہ اولی کے شروع میں اپنے قلم سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سوانحِ عمری بھی لکھی جو اٹھانوے صفحات پر مشتمل تھی۔

۲۱ مارچ ۱۹۰۵ء کو اخبار "بدر" کے مالک و مدیر حضرت بابو محمد افضل صاحبؓ انتقال فرما گئے۔ تو اخبار حضرت میاں معراج الدین صاحب عمرؓ نے خرید لیا جو آپ کے زیر انتظام "بدر" کے نام سے ۱۹۱۳ء تک برابر جاری رہا اور سلسلہ کی نہایت مخلصانہ خدمات انجام دیتا رہا۔

۱۵۔ حاجی میراں بخش صاحب قریشی محلہ فلوت انبالہ شہر

(بیعت: ۱۹۰۴ء / وفات: ۱۳/۱۴ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء)

نہایت نیک طینت اور خوش اخلاق بزرگ تھے۔ جماعت کی ہر تحریک میں حصہ لیتے تھے۔ تبلیغ احمدیت کا بہت شوق تھا۔ مسجد احمدیہ انبالہ[1] جس کی زمین بابو عبدالرحمٰن صاحب امیر جماعت احمدیہ انبالہ نے دی تھی آپ ہی کی زیر نگرانی تعمیر ہوئی۔

۱۳/۱۴ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کی درمیانی شب آپ اور آپ کی اہلیہ صاحبہ نہایت سفاکانہ رنگ میں شہید کر دیئے گئے۔ ملک محمد مستقیم صاحب وکیل نے "الفضل" ۲۰ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں اس المناک واقعہ کی تفصیل حسب ذیل الفاظ میں شائع کی:۔

"مورخہ ۱۳، ۱۴ اگست کی درمیانی شب کے گیارہ بجے جبکہ آپ اور آپ کی اہلیہ اپنے مکان میں سوئے ہوئے تھے۔ آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ پہلے حاجی صاحب مرحوم پر قاتلوں نے تیز چاقو سے حملہ کیا اور پسلی کے قریب ایک گہرا زخم لگایا۔ جس پر حاجی صاحب فوراً ہی جان بحق ہو گئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اس ہیبت ناک واقعہ کو دیکھ کر ان کی اہلیہ کی آنکھ کھلی اور وہ شور مچا کر مدد حاصل کرنے کے لئے چھت پر چڑھنے لگی کہ سنگدل قاتلوں نے مرحومہ کو سیڑھیوں سے نیچے گرا لیا اور ایک دو وار میں ہی کام ختم کر دیا۔ چھوٹی بچی بعمر دس ماہ ان کی گود میں تھی۔ وہ اُن کے نیچے دب گئی اور ان کی لاش تڑپ کر ٹھنڈی ہو گئی۔ بوقت ملاحظہ . . . . . اُن کے جسم پر گہرے زخم آئے تھے اور جسم خون میں تر تھا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

---

[1] یہ مسجد محلہ پختہ باغ کے چوک میں واقع تھی۔

یہ سنسنی خیز خبر ہوا کی طرح شہر میں پھیل گئی اور صبح تک مردوں اور عورتوں کا تانتا لگ گیا۔ پولیس آگئی اور تفتیش شروع ہوئی۔ لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لئے سول ہسپتال بھیجا گیا اور واپسی پر جماعت احمدیہ نے ان لاشوں کا مطالبہ کیا۔ مگر ان کے نام نہاد رشتہ داروں نے کہا۔ کہ یا تو حاجی صاحب اور ان کی بیوی کی لاش کو فوراً قادیان لے جاؤ۔ ورنہ ہم ان کو بکس میں بطور امانت دفن نہیں کرنے دیں گے۔ مقامی پولیس نے بھی جماعت احمدیہ کی مدد نہ کی۔ چنانچہ مرحوم و مرحومہ کی لاشوں کو بلا بکس کے ہی سپرد خاک کر دیا۔"[1]

۱۶۔ میاں سندھی شاہ صاحب ساکن بنگہ (تحصیل نوانشہر دوآبہ ضلع جالندھر)

(وفات : ۱۹ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء بعمر ۷۵ سال)[2]

۱۷۔ حکیم غلام محمد صاحب قبولہ ضلع منٹگمری۔[3]

۱۸۔ چودھری فضل الدین صاحب پٹواری سیکھواں ضلع گورداسپور۔[4]

۱۹۔ رعایت اللہ صاحب بھوبچال کلاں ضلع جہلم[5]

۲۰۔ حضرت میاں اللہ بخش صاحب بزدار متوطن بزدار تحصیل سنگھڑ ضلع ڈیرہ غازی خاں۔

(وفات : ۷ تبوک/ستمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء بعمر قریباً ستّر سال)

ڈیرہ غازی خاں کے علاقہ میں سب سے پہلے ۱۹۰۱ء میں حضرت مولوی محمد ابوالحسن صاحب نے قبولِ احمدیت اور صحابیت کا شرف پایا۔ حضرت مولوی صاحب کی تبلیغ و تحریک پر جن لوگوں کو شناخت حق کی توفیق ملی۔ ان میں بستی بزدار کے حضرت مولوی جند وڈا صاحب اور حضرت میاں اللہ بخش صاحب بھی تھے۔ یہ دونوں بزرگ پہلے تحریری بیعت کے چھ ماہ یا زیادہ سے ایک سال بعد حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کے شوق میں بزدار سے پاپیادہ چل دیئے پہلے موضع کالہ (ضلع ڈیرہ غازیخان) میں پہنچے جہاں مولوی ہوت خاں صاحب احمدی مدرس تھے۔[6]

---

[1] "الفضل" ۲۰ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۶ کالم ۳-۴۔

[2] " ۲۲ " " صفحہ ۲ کالم ۱۔

[3] " ۸ تبوک/ستمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

[4] " " " " " ۔

[5] " " " " " ۔

[6] ان کی بیعت کا ذکر "الحکم" ۲۴ اگست ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۶ کالم ۲ میں موجود ہے۔

پھر وہاں سے پیدل چل کر ملتان آئے۔ میاں محمد بخش صاحب احمدی چھاپ گر کے ہاں رات بسر کی۔ زادِ راہ کم تھا اس لئے صرف ملتان سے لاہور تک گاڑی میں سفر کیا اور پھر پیدل سفر کرتے اور تکلیف اُٹھاتے پروانہ وار قادیان پہنچے۔ صبح کی نماز کے وقت حضرت اقدس مسیحِ زماں مہدیٔ دوراں تشریف لائے۔ حضرت مولوی جند وڈا مرحوم نے اپنے رویاء کی بناء پر حضور کو پہچان لیا۔

حضرت میاں اللہ بخش صاحب فرمایا کرتے تھے۔ مَیں نے چہرہ مبارک کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو دل باغ باغ ہوگیا۔ دیکھنے سے دل کی سیری نہ ہوتی تھی۔ چاہتے تھے کہ دنیا و مافیہا کو چھوڑ کر آپ کا دیدار کرتے رہیں۔ حضرت اقدس نماز کے بعد تھوڑی دیر تک مسجد میں جلوہ افروز رہے۔ پھر اندرون خانہ تشریف لے گئے ہم نے بیعت کی درخواست کی۔ فرمایا کچھ دن ٹھہرو۔ ہم شنبہ یعنی سنیچر کے دن دارالامان بوقت شام پہنچے۔ اور جمعہ پڑھ کر واپس لوٹے۔ گویا ہمارا قیام دارالامان میں صرف سات دن رہا۔ جمعہ کے دن ہم دونوں نے بیعت کی۔ کچھ اور آدمیوں نے بھی بیعت کی اور ہم واپس لوٹے۔ حضرت اقدس نے ہمارے لئے دُعا فرمائی۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ سے جب ہم رخصت ہونے لگے تو آپ نے بھی دُعا فرمائی۔ . . . . . . ہمارے وطن کے حالات بھی دریافت فرمائے اور نہایت ہمدردی سے پیش آئے۔ ہم جمعہ پڑھ کر واپس روانہ ہوئے۔ جب ہم دارالامان سے واپس آ گئے تو ہماری سخت مخالفت شروع ہوگئی۔ مولوی جند وڈا صاحب بچوں کو قرآن مجید پڑھاتے تھے۔ بچوں کو اُن سے پڑھانا بند کر دیا۔ اُن کی جو خدمت کرتے تھے اس سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ اُن کا اس کے سوا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ مگر اس متوکّل انسان نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ میرے رشتہ داروں نے قطع تعلق کر لیا۔ ہر طرح ستایا اور مَیں اکیلا رہ گیا۔ چھ سات سال بعد شیر محمد خاں نمبردار جو ہماری برادری کے معزّز فرد تھے۔ حضرت خلیفہ اوّل کے زمانۂ خلافت میں شاملِ احمدیت ہو گئے۔ پھر میرے خُسر نے بیعت کر لی اور آہستہ آہستہ ایک اچھی جماعت بستی بزدار میں قائم ہو گئی [1]

حضرت میاں اللہ بخش صاحبؓ کو حدیث شریف پڑھنے اور سُننے کا ازحد شوق تھا۔ قرآن و حدیث یا سیدنا المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب کا مطالعہ کرتے تو آپ کی آنکھیں پُرنم ہو جاتیں۔ نمازیں

---

[1] "الحکم" ۷-۲۸ ہجرت/مئی ۱۳۲۱ ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۱۹-۲۰، "الحکم" ۷-۲۸ احسان/جون ۱۳۲۱ ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۸ میں آپ کے مفصّل حالات شائع ہو چکے ہیں +

خشوع و خضوع سے ادا فرماتے اور نماز تہجد میں رقت و سوز کا عجیب رنگ پایا جاتا تھا۔ صاحب رویا تھے۔

۲۱۔ محمد یحییٰ خاں صاحب کارکن دفتر پرائیویٹ سکرٹری۔

(ولادت: ۱۸ جون ۱۸۹۴ء ، وفات: ۲۱ تبوک/ستمبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء)[1]

حضرت حکیم مولوی محمد انوار حسین خاں صاحب[2] ساکن شاہ آباد ضلع ہردوئی کے فرزند! ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۴ء[3] میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے فیض یاب ہوئے۔ آپ قادیان میں اپنی پہلی آمد کا ذکر ان لفظوں میں فرماتے ہیں:۔

"۱۹۰۲ء میں میرے بڑے بھائی عبدالغفار خاں کو تعلیم کی غرض سے دارالامان بھیجا۔ اور اس کے بعد ۱۹۰۴ء میں جب بڑے بھائی صاحب گرمی کی رخصتیں ختم کرنے کے بعد واپس آنے لگے مجھے بھی بھیج دیا۔ اور اس کے بعد میرے منجھلے بھائی عبدالستار خاں کو۔ مَیں جب قادیان آیا اس وقت میری عمر دس سال کی تھی اور بورڈران میں سب سے چھوٹا تھا۔ والد صاحب مرحوم جب کبھی قادیان آتے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اطلاع ہوتی تو حضور حافظ حامد علی صاحب مرحوم کو بھیج کر بلوا لیتے۔ مَیں بھی والد صاحب کے ہمراہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ ان دنوں اکثر حضور مسجد مبارک کی بغلی کوٹھڑی جہاں امّ المومنین ایدہا اللہ کا راستہ ہے یا مسجد میں ملاقات فرمایا کرتے تھے اور وہاں کے علماء اور اعزا کی مخالفت کا حال دریافت فرماتے رہتے۔"[4]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے ایک مکتوب[5] سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ خلافت ثانیہ کے اوائل میں ایک "احمدیہ ایجنسی" قائم ہوئی تھی جس کے کام کو وسیع کرنے نیز ایک اور تجارتی کام کے لئے حضور انہیں قادیان بلوانا چاہتے تھے۔ مگر اس مکتوب سے یہ ظاہر ہے کہ فی الحال وہ تجاویز عملی صورت اختیار کرنے سے رہ گئیں۔ تاہم اس کے جلد بعد ہی حضور نے انہیں یاد فرمایا اور وہ حضور کے دفتر میں بعض خصوصی خدمات

---

[1] "الفضل" ۲۴ تبوک/ستمبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
[2] ۳۱۳ اصحاب کی فہرست میں آپ کا نام نامی ۵۲ نمبر پر درج ہے۔
[3] رجسٹر "روایات صحابہ" جلد ۳ صفحہ ۱۳۴۔
[4] رجسٹر "روایات صحابہ" جلد ۳ صفحہ ۱۳۵۔
[5] اس خط کا چربہ اگلے صفحہ پر دیا گیا ہے۔

عزیزم مکرم

السلام علیکم - آپکے دونوں خط بوجہ سفر کے جواب نہیں لکھ
سکا - میں نے آپکو اس لئے خط لکھا تھا کہ لاہور ایجنسی کے لئے تجویز تھی کہ
ایجنٹ مقرر کر کے کام کو وسیع کیا جائے میرا خیال تھا کہ اگر مناسب ہو تو آپکو
یہاں بلوا لوں - ایک اور کام بھی تھا جس کے متعلق امید تھی کہ جلد
شروع ہو جائیگا - چونکہ آپکی ایک دفعہ کی گفتگو سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ
آپکو تجارت سے دلچسپی ہے میں نے آپکو خط لکھدیا لیکن فی الحال وہ
تجاویز عملی صورت اختیار کرنے سے رہ گئی ہیں اسلئے جب کام
شروع ہوا میں آپکو لکھونگا انشاء اللہ - جہاں تک میں
سمجھتا ہوں آپ اس کام کو اچھی طرح کر سکیں گے

والدہ عبد المنان کی بیماری کے سبب سے افسوس ہوا اللہ تعالیٰ انکو
شفا عطا فرمائے اور سب خیریت ہے والسلام خاکسار
مرزا محمود احمد

بجا لانے لگے۔ حضرت امیر المومنینؓ کی ذاتی لائبریری کا انتظام، ڈاک کے ضروری کاغذات اور اخبارات کے تراشوں کی حفاظت، حضور کے سفروں کے انتظامات اور بعض دوسرے اہم فرائض آپ کے سپرد ہوتے تھے۔ آپ کا شمار حضرت خلیفہ ثانیؓ کے خاص خدام میں ہوتا تھا جو خلیفۂ وقت سے غایت درجہ ادب و احترام کے ساتھ ساتھ نہایت بے تکلفی سے گفتگو کر سکتے تھے اور مجالس کی رونق ہوتے تھے

آپ نہایت خوبصورت، وجیہہ و شکیل، باذوق، زندہ دل اور غایت درجہ مستعد اور فرض شناس بزرگ تھے۔

۲۲۔ حضرت حافظ عبدالرحمٰن صاحب بھیروی (والد ماجد مکرم حافظ مبارک احمد صاحب سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ۔)

(وفات: ۲۳ر تبوک/ستمبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء)[1]

۲۳۔ نواب خاں صاحب ساکن پراند تحصیل پنڈی گھیپ ضلع کیمبلپور

(وفات: ۲ر فتح/دسمبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء)[2]

بقول حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ایک درویش صفت عاشقانہ رنگ کے احمدی تھے[3]

حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ نے ان کی وفات پر لکھا:۔

"مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک مخلص صحابی تھے۔ سلسلہ اور مرکزِ سلسلہ قادیان سے ازحد محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ باوجود اپنی غربت اور افلاس کے اخلاص کے ساتھ سال میں ایک دفعہ اور بعض اوقات دو دفعہ ضرور قادیان آتے تھے۔ اپنے دور دراز وطن سے اکثر پیدل ہی قادیان آتے۔ اور پیدل ہی اپنے وطن واپس جاتے تھے۔ کئی دفعہ اپنے بچوں کو بھی ہمراہ لاتے تاکہ اپنے ساتھ اپنے بچوں کو بھی قادیان کی مقدس بستی اور سلسلہ کے ساتھ اخلاص میں ثابت قدم رکھیں۔ مخالفوں میں بھی صداقت کا اظہار کرنے سے کبھی نہ چوکتے تھے۔ ان کے لڑکے نے اطلاع دی ہے کہ انہوں نے وفات کے وقت نزع کی حالت میں بھری مجلس میں جو کہ غیر احمدیوں کی تھی فرمایا کہ "تم سب گواہ رہو کہ میں احمدی ہوں" یہ ان کے آخری الفاظ تھے۔"[4]

---

[1] "الفضل" ۲۴ر تبوک/ستمبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
[2] " ۱۲ر فتح/دسمبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۴۔
[3] " ۲۶ر صلح/جنوری ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۵ کالم ۳۔
[4] " ۱۷ر صلح/جنوری ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۶۔

۲۴- حضرت مولوی فخر الدین صاحبؓ آف گھوگھیاٹ - میانی (ضلع شاہ پور) (والد ماجد مولانا محمد یعقوب صاحبؓ فاضل طاہر انچارج شعبہ زود نویسی) ولادت قریباً :- ۱۸۸۰ء

(بیعت : ۱۸۹۸ء وفات : ۱۰/ نبوت / نومبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء بعمر ۵۹ سال)

پنشن لینے کے بعد قادیان میں ہجرت کر کے آ گئے تھے۔ تین سال نظارت بیت المال میں ناظر صاحب کے پرسنل اسسٹنٹ کے طور پر کام کرتے رہے۔ کچھ عرصہ نظارت دعوۃ و تبلیغ میں بھی کام کیا اور چھ سال تک سیکرٹری امانت فنڈ تحریک جدید کے فرائض انجام دیئے۔ علاوہ ازیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور حضور کے برادرانِ عالی مقام کے مختارِ عام بھی رہے۔[1]

۲۵- میاں مولا بخش صاحب بنگوی (وفات ۲۱/ نبوت / نومبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء)[2]

۲۶- بابو غلام نبی صاحب ریٹائرڈ انجنیئر ساکن ہریانہ ضلع ہوشیارپور

(وفات : ۱۳/ فتح / دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء)[3]

۲۷- میاں محمد صاحب مکی متوطن چکنی ضلع پشاور

(بیعت : ۱۹۰۱ء ، وفات : ۱۴/ فتح / دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء بعمر ۷۵ سال)

آپ ایک عالم، عمدہ شاعر اور باخبر بزرگ تھے۔ اگرچہ ۱۹۱۴ء میں اختلاف سلسلہ کے دوران غیر مبائعین کا ساتھ دیا مگر وفات سے قبل دوبارہ خلافت سے وابستہ ہو گئے۔[4]

۲۸- شیخ عطا محمد صاحب سیالکوٹی

(ڈاکٹر سر محمد اقبال کے بڑے بھائی اور شیخ اعجاز احمد صاحب کے والد بزرگوار)

(وفات : فتح / دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء)[5]

۱؎ "الفضل" ۱۲/ نبوت / نومبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۲؎ " " ۲۸/ " " صفحہ ۲ کالم ۱۔
۳؎ " " ۷/ صلح / جنوری ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۴؎ " " ۹/ " " " " ۔
۵؎ " " ۲۵/ فتح / دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ شیخ عطا محمد صاحب نے تین بیٹے اپنی یادگار چھوڑے۔
(۱) شیخ اعجاز احمد صاحب (۲) شیخ امتیاز احمد صاحب (۳) شیخ مختار احمد صاحب

فصل نہم

۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندان مسیح موعودؑ میں خوشی کی تقاریب

۱۔ صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کے ہاں ۲۱ صلح / جنوری ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کو صاحبزادی امۃ القدوس پیدا ہوئیں۔[1]

۲۔ ۲۲ امان / مارچ ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مسجد نور میں اپنی صاحبزادی امۃ الرشید بیگم صاحبہ کا نکاح میاں عبدالرحیم احمد صاحب[2] بھاگلپوری (ابن مولوی علی احمد صاحب ایم۔اے) سے ایک ہزار مہر پر اور اپنی دوسری صاحبزادی امۃ العزیز بیگم صاحبہ کا نکاح مرزا حمید احمد صاحب (خلف الرشید حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحبؓ) کے ساتھ ایک ہزار روپیہ مہر پر پڑھا۔[3]

۳۔ ۱۱ شہادت / اپریل ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کو مرزا ظفر احمد صاحب بی۔اے کی تقریب شادی منعقد ہوئی۔[4]

۴۔ خان مسعود احمد خاں صاحب بی۔اے کی شادی ۱۷ شہادت / اپریل ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کو ہوئی۔[5]

۵۔ حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) کے ہاں ۲۶ شہادت / اپریل ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کو صاحبزادی امۃ الشکور صاحبہ کی ولادت ہوئی۔[6]

۶۔ ۸ فتح / دسمبر ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کو بعد نماز عصر حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی صاحبزادی سیدہ بیگم صاحبہ کی تقریب رخصتانہ عمل میں آئی۔ اس تقریب پر حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ نے ایک مفصل مضمون پڑھا جس میں ازدواجی تعلقات کے متعلق اسلام کی تعلیم پیش کی اور میاں بیوی کے حقوق بیان کئے۔ آخر میں حضرت

---

[1] "الفضل" ۲۵ صلح / جنوری ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[2] پہلے آپ کا نام عبدالرب تھا جو حضرت خلیفہ ثانیؓ نے ایک رویاء کی بناء پر بدل دیا اور یہ نیا نام رکھا ("الفضل" ۲۴ امان / مارچ ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۱)

[3] "الفضل" ۲۴ امان / مارچ ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

[4] "الفضل" ۱۳ شہادت / اپریل ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء۔

[5] "الفضل" ۱۹ " " " ۔

[6] "الفضل" ۲۸ " " " ۔

خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے مختصر سی تقریر فرمائی اور رشتہ کے بابرکت ہونے کے لئے مجمع سمیت دعا کی[۱]

اگلے دن شام کو ملک عمر علی صاحب بی۔ اے نے اپنی کوٹھی واقع دارالانوار میں وسیع پیمانہ پر دعوت ولیمہ دی۔ سیدنا حضرت امیر المومنینؓ نے بھی شرکت فرمائی اور دعا کی۔[۲]

اناطولیہ (ترکی) میں ہولناک زلزلہ اور جماعت احمدیہ

ایشیائے کوچک (ASIA MINOR) میں اناطولیہ کے نام سے ایک جزیرہ نما ہے جو آرمینیا اور کردستان کی سطح مرتفع کے مغرب، بحیرۂ اسود کے جنوب اور شام و لبنان کے شمال میں مشہور مسلمان ملک ترکی کے حدود سلطنت میں واقع ہے۔

۲۶۔۲۷ دسمبر ۱۹۳۹ء کی درمیانی رات کو اس خطہ میں ایک ہولناک زلزلہ آیا جس کے شدید جھٹکے ۳؍صلح (جنوری) ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء تک محسوس ہوتے رہے۔ ترکی وزارت داخلہ کے بیان کے مطابق قریباً ۴۵ ہزار نفوس زخمی اور تیس ہزار کے قریب لقمۂ اجل ہو گئے۔ ضلع ارزنجان کی کل آبادی ۶۵ ہزار تھی جس میں سے ۳۰ فیصدی ہلاک اور ۲۰ فیصدی مجروح ہوئے۔ ۱۶ صوبائی شہر اور ۹۰ دیہات پیوند زمین ہوئے اور ساٹھ ہزار مربع میل کا علاقہ زلزلہ کی تباہ کاری سے ہسپتال اور قبرستان کا منظر پیش کرنے لگا۔ اس آفتِ ناگہانی کے علاوہ ترکی کا وسیع علاقہ سیلاب کی زد میں آگیا۔ خصوصاً سمرنا، بروسا اور اڈریا نوپل کے اضلاع میں بے شمار انسان اور مویشی بہہ گئے اور جو لوگ زلزلہ سے بچ گئے وہ بے خانماں ہو کر ادھر ادھر مارے مارے پھرنے لگے اور ناقابل برداشت سردی اور برفباری سے مرنے لگے۔

ترکی کے طول و عرض میں اس زلزلہ سے کہرام مچ گیا اور صفِ ماتم بچھ گئی اور خصوصاً عالمِ اسلام کو اس ہولناک اور قیامت خیز زلزلہ سے شدید صدمہ پہنچا۔ قادیان میں جب زلزلہ کی یہ ہوشربا خبر پہنچی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور خارجہ نے صدر جمہوریہ ترکی عصمت انونو کے نام حسب ذیل تار بھیجا:-

"جماعت احمدیہ اور اس کے امام کو زلزلہ کی مصیبت اور آفت پر سخت صدمہ ہوا ہے۔
مہربانی فرما کر عمیق ہمدردی کا پیغام ترک قوم اور بالخصوص مصیبت زدگان تک پہنچا دیں"[۳]

ہمدردی کے اس تار کا جواب جمہوریہ ترکی کی طرف سے سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو فرانسیسی

---

[۱] "الفضل" ۱۰؍فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ [۲] "الفضل" ۱۱؍فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۸-۹
[۳] "الفضل" ۱۰؍جنوری/صلح ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء

زبان میں موصول ہوا جس کا ترجمہ یہ ہے :۔

"آپ کے ہمدردانہ پیغام سے ہم بہت ہی متاثر ہوئے ہیں اور صدر جمہوریہ ترکیہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کے متعلق آپ کا شکریہ ادا کروں۔

کمال گیدیلگ جنرل سیکرٹری انقرہ" [1]

مصیبت زدگانِ ترکی کی حالت زار پر اخبار "الفضل" نے متعدد نوٹ شائع کئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کے خاص ارشاد پر ناظر بیت المال قادیان نے ستم رسیدہ ترکوں کے لئے امدادی چندہ کی اپیل شائع کی جس میں لکھا :۔

"کسی کی مصیبت میں ہمدردی کرنا ایک عام انسانی جذبہ ہے جس سے کوئی فرد خالی نہیں لیکن سب سے زیادہ اور مناسب اور لازمی طریق پر یہ جذبہ مومنین کی جماعت سے ہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ خدا شناسی کے نور کے باعث شفقت علیٰ خلق اللہ کا رنگ ان پر سب سے زیادہ چڑھا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے مجھے یقین ہے کہ ہر احمدی جس نے زلزلہ کی اس تباہی کا کچھ بھی حال سُنا ہے۔ وہ مصیبت زدگان کے لئے ہمدردی کا جوش اپنے اندر ضرور رکھتا ہوگا۔ یُوں تو بلغیر کسی امتیاز مذہب و ملّت کے بھی اس قسم کے مصائب و آلام میں اظہار ہمدردی کرنا واجب ہوتا ہے۔ لیکن جس سلطنت اور علاقہ میں یہ تباہی آئی ہے وہ چونکہ اسلام سے نسبت رکھتا ہے اس وجہ سے بھی ان لوگوں سے ہماری ہمدردی دوسروں سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ پس حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالےٰ کے ارشاد کے ماتحت میں اناطولیہ کے مصیبت زدگان کی امداد کے متعلق اپیل کرتا ہوں کہ ہر احمدی اپنی اپنی حیثیت اور حالات کو مدّنظر رکھتے ہوئے ضرور چندہ دے اور عہدیداران جماعت ہائے احمدیہ اس کا انتظام کریں کہ تمام احمدی افراد سے ان کی حیثیت کے مطابق چندہ جمع کر کے محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام پر امداد مصیبت زدگانِ اناطولیہ کی مدّ میں بھجوا دیں۔ لیکن اس چندہ کی فراہمی اور ترسیل میں جلد کوشش کرنی چاہیئے تاحتی الوسع مرکز سے جماعت کی طرف سے یکجائی طور پر بروقت مصیبت زدگان کو معتد بہ رقم امداد کے طور پر بھیجی جا سکے" [2]

---

[1] "الفضل" ۱۴ ار صلح / جنوری ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱ ۔

[2] "الفضل" ۱۳ ار صلح / جنوری ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۱ ۔

حضور کی اس اہم تحریک پر جس قدر رقم جماعت کی طرف سے جمع ہوئی وہ ترکی کے مفلوک الحال باشندوں کی بہبودی کے لئے بھجوا دی گئی۔

سناتن دھرم سبھا شام چوراسی میں ایک احمدی مبلغ کی تقریر

۱۰/تبلیغ ۱۳۱۹ہش مطابق ۱۰/فروری ۱۹۴۰ء کو سناتن دھرم سبھا شام چوراسی کی طرف ایک مذہبی کانفرنس منعقد کی گئی جس میں ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم نے "میرا دھرم مجھے کیوں پیارا ہے" کے مقررہ موضوع پر ایک گھنٹہ تقریر کی۔ آپ کی تقریر کے بعد سناتن دھرمی پنڈت گوپال مصر صاحب نے کہا کہ

"آج سے قبل جن مسلمانوں یا عیسائیوں سے مجھے ملنے کا موقع ملا، انہوں نے یہی کہا کہ ہمارے نبی کے بعد خدا کسی سے کلام نہیں کرتا۔ اور میں یہ کہتا کہ اگر آپ کا خدا کلام نہیں کرتا تو کیا وہ گونگا ہے مگر آج مولوی صاحب کی تقریر سے مجھے اپنا خیال بدلنا پڑا۔ اور مجھے خوشی ہوئی کہ آج بھی مسلمانوں کے اندر ایسے خیال کے لوگ موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا بولتا ہے اور اس نے فلاں شخص سے کلام کیا"

کانفرنس میں ہر مذہب کے لوگ کثیر تعداد میں موجود تھے سب نے احمدی مبلغ کی تقریر پسند کی۔[۱]

فرقہ ست سنگ (بنگال) کے مرکز میں تبلیغ احمدیت

کلکتہ کے ایک ممتاز احمدی محمد شمس الدین صاحب ۱۰/تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو ہندوؤں کے مشہور فرقہ "ست سنگ" کے مرکز میں (جو پبنہ شہر سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے) گئے۔ اور فرقہ کے بانی شری ٹھاکر انوکل چندرا جی سے ملاقات کر کے ان تک احمدیت کا پیغام پہنچایا۔ شمس الدین صاحب نے کلکتہ واپس آکر ٹھاکر صاحب کے مطالعہ کے لئے ٹیچنگز آف اسلام، پارہ اوّل مترجم انگریزی اور پیغام صلح (انگریزی ترجمہ) وغیرہ کتب بھی بھجوا دیں۔[۲]

سب سے پہلا احمدی ہواباز

میاں محمد لطیف صاحب (ابن میاں محمد شریف صاحب ای۔اے۔سی پنشنر) جو کچھ عرصہ سے لاہور فلائنگ کلب میں ہوا بازی کی ٹریننگ لے رہے تھے۔ انہیں ۱۹۴۰ء کے شروع میں سرکاری طور پر بطور ہواباز منتخب کر لیا گیا۔[۳] میاں صاحب سب سے پہلے احمدی ہواباز ہیں۔

---

[۱] "الفضل" ۲۵/تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵ کالم ۳-۴۔
[۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "فاروق" ۱۴/تبوک/ستمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۳-۴۔
[۳] "الفضل" ۲۷/تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

ونجواں کے احمدیوں پر پولیس کے مظالم

۲۳ تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو بٹالہ صدر پولیس نے پولیس سٹیشن میں علاقہ کے چند بدمعاشوں کو طلب کیا اور ساتھ ہی مخالفین احمدیت کے ایماء سے ونجواں (تحصیل بٹالہ) کے تین احمدیوں کو بلا کر اُن میں سے دو بیکسوں کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک کیا یعنی ان غریبوں کو مُنہ کے بل زمین پر لٹا کر اُن کے ہاتھوں پر مضبوط جوان کھڑے کر دیئے اور پھر اُن کو برہنہ کر کے ایک سب انسپکٹر نے اُن کی کمر پر گھٹنے ٹیک دیئے اور ایک حوالدار نے دوسرے کی گردن اپنے پاؤں میں دبا لی اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان کی رانوں اور سرینوں پر جُوتے ماریں۔ پھر بدمعاشوں نے ایک ایک طمانچہ پُورے زور سے لگایا اور یہ سب کارروائی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس گورداسپور کی موجودگی میں ہوئی۔[1]

اس تشدد بیجا پر جماعت احمدیہ کے پریس نے زبردست احتجاج کیا اور ڈی۔ آئی۔ جی پولیس پنجاب نے خاص تحقیقات کا حکم دے دیا۔

احمدی ہوا باز کی قادیان پر پرواز

احمدی ہوا باز میاں محمد لطیف صاحب ۱۲/امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو لاہور سے پرواز کر کے قادیان آئے اور دُعا کے لئے بکثرت پرچیاں پھینکتے رہے۔[2]

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا دوبارہ تقرر اور اخبار "انقلاب"

آنریبل چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر کی حیثیت سے ملک و قوم کی شاندار خدمات بجا لا رہے تھے۔ آپ کے اس عہدہ کی میعاد ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ ملک معظم نے آپ کا دوبارہ تقرر ایگزیکٹو کونسل وائسرائے ہند کی ممبری کے لئے منظور کر لیا جس پر شمالی ہند کے مشہور مسلم اخبار "انقلاب" نے اپنی ۱۴/مارچ ۱۹۴۰ء کی اشاعت میں لکھا:-

"مسلمانانِ پنجاب بجا طور پر اس امر پر فخر کر سکتے ہیں کہ آج تک وائسرائے کی کونسل میں جتنے پنجابی مسلمان ممبر مقرر ہوئے ہیں، انہوں نے اپنی قابلیت، محنت، ہوشمندی اور تدبّر کا بہترین ثبوت دیا ہے اور مجالسِ وضع قوانین سے ہمیشہ تحسین و اعتراف کا خراج حاصل کیا ہے سر محمد شفیع مرحوم اور سر فضل حسین نے حکومت ہند میں اپنی قابلیت کے روشن نقوش چھوڑے

---

[1] "فاروق" قادیان ۲۸ تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۸۔

[2] "الحکم" ۱۴ امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

ہیں اور اب سر محمد ظفر اللہ خاں کا وجود بھی مسلمانانِ پنجاب کے لئے افتخار اور نیک نامی کا باعث ہے۔ ہم ان کو توسیع[1] عہدہ پر دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں"[2]

محلہ دارالانوار کی مسجد کا افتتاح

۲۲/ امان/ مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قادیان کے محلہ دارالانوار کی مسجد کا افتتاح فرمایا اور مغرب و عشاء کی نمازیں اس میں پڑھائیں۔[3]

ملک غلام محمد صاحب قادیان میں

۲۱/ شہادت/ اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو ملک غلام محمد[4] صاحب چیف کنٹرولر آف ریلوے سٹورز قادیان تشریف لائے اور چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے ہاں قیام پذیر ہوئے اور مرکزی اداروں اور کارخانوں کا معائنہ کرنے کے بعد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی ملاقات سے بھی مشرف ہوئے۔[5]

نمائندہ اخبار "لائف" (نیویارک) کی حضرت اقدس رضی اللہ عنہ سے ملاقات

مسٹر ویلیس کرک لینڈ آف شکاگو جو نیویارک کے مشہور اخبار "لائف" (LIFE) کے نمائندہ تھے۔ ۲/ شہادت/ اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور شام کو واپس چلے گئے۔[6]

مسجد احمدیہ موسیٰ بنی (بہار) کا افتتاح

۵/ ہجرت/ مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو حضرت الحاج مولوی عبدالرحیم صاحب نیر رضی اللہ عنہ نے مسجد احمدیہ موسیٰ بنی (بہار) کا افتتاح کیا اور سب سے پہلی اذان (ابوالبشارت) مولوی عبدالغفور صاحب نے دی۔[7]

---

[1] جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ یہ توسیع میعاد کی صورت نہیں تھی بلکہ اسی عہدہ پر پانچ سال کے لئے دوبارہ تقرر تھا۔

[2] "انقلاب" لاہور (۱۴/ مارچ ۱۹۴۰ء) بحوالہ "الفضل" ۱۵/ امان/ مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء

[3] "الفضل" ۲۴/ امان/ مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

[4] یہ وہی ملک غلام محمد صاحب ہیں جو قیام پاکستان کے بعد پہلے مرکزی حکومت کے وزیر خزانہ رہے پھر گورنر جنرل کے عہدہ پر ممتاز ہوئے۔

[5] "فاروق" ۲۸/ شہادت/ اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

[6] "الفضل" ۲۳ شہادت/ اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔

[7] "الفضل" ۱۲/ مئی/ ہجرت ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۶۔ یہ مسجد انڈین کاپر کارپوریشن لمیٹڈ کے افسروں نے کمپنی کے خرچ پر بنوا کر دی تھی۔

ایک احمدی طالب علم کی شاندار کامیابی

۱۹۴۰ء میں تیس ہزار طلباء پنجاب یونیورسٹی کے میٹرک کے امتحان میں شریک ہوئے جن میں سے بائیس ہزار کے قریب پاس ہوئے جن میں سے جھنگ کے ایک احمدی طالب علم عبد السلام جو چودھری محمد حسین صاحب ہیڈ کلرک سررشتہ تعلیم جھنگ کے صاحبزادے ہیں نہ صرف ۷۶۵ نمبر لے کر پنجاب بھر میں اوّل آئے بلکہ یونیورسٹی کا گذشتہ ریکارڈ توڑ دیا۔ یہی وہ طالب علم ہیں جو آج پروفیسر عبد السلام کے نام سے دنیائے سائنس میں عالمگیر شہرت رکھتے ہیں اور صدر مملکت پاکستان کے سائنسی مشیر کی حیثیت سے اہم قومی خدمات بجا لا رہے ہیں۔[۱]

مکانات کے سنگِ بنیاد

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس سال مندرجہ ذیل مکانات کا سنگِ بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھا۔

۱۔ مرزا احمد بیگ صاحب انکم ٹیکس آفیسر
(تاریخ سنگ بنیاد: ۲۴ صلح/جنوری ۱۳۱۹ھ ش/۱۹۴۰ء)[۲] دار الانوار

۲۔ ملک عمر علی صاحب بی۔ اے کھوکھر
(تاریخ سنگ بنیاد: ۳ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ھ ش/۱۹۴۰ء)[۳] دار الانوار

۳۔ چودھری ابوالہاشم خاں صاحب
(تاریخ سنگ بنیاد: ۳ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ھ ش/۱۹۴۰ء)[۴] دار الانوار

۴۔ ڈاکٹر احمدی صاحب آف افریقہ
(تاریخ سنگ بنیاد: ۳ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ھ ش/۱۹۴۰ء)[۵] دار البرکات

بدھوں کے جلسہ میں ایک احمدی کا پیغام احمدیت

نالندہ (بنگال) میں بدھوں کی ایک مشہور قدیم درسگاہ قائم تھی جس کے نام پر ہندوؤں نے نالندہ ودیا بھون کے نام سے ایک ادارہ جاری کیا۔ جس میں بدھسٹ علوم کی ہر شاخ، جین ازم، زمانہ وسطیٰ کی ہندوستانی فلاسفی اور ہندوستان کی قدیم و جدید زبانوں کے مطالعہ کا انتظام کیا جہاں بدھ طلباء

---

[۱] "الفضل" ۲۱ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ھ ش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲، الفضل ۲۳ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ھ ش/۱۹۴۰ء

[۲] "الفضل" ۲۵ صلح/جنوری ۱۳۱۹ھ ش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱ کالم ۱

[۳] "الفضل" ۵ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ھ ش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۲

[۴] " " " " " "

[۵] " " " " " "

بنگال کے علاوہ برما اور سیام سے بھی آتے تھے۔ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں اچاریہ جگدیش چندر اچیٹرجی ہندو اور بدھ علوم کے مشہور سکالر اس کے انچارج تھے۔ اس درسگاہ کے طلبا نے ۱۷ وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو ½ ۵ بجے شام جلسہ کیا جس میں مسٹر پدم راج (مشہور ہندو مہاسبھائی لیڈر) کی زیر صدارت اچاریہ جگدیش چندر چیٹرجی، ڈاکٹر کالیداس ناگ ایم۔اے ڈی لٹ اور بعض دوسرے اصحاب کے علاوہ احمدیہ ایسوسی ایشن کلکتہ کے سیکرٹری مولوی دولت احمد خاں صاحب خادم نے بھی تقریر کی جس میں بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہی تعلیم ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں جس میں کوئی نہ کوئی نبی اور رسول نہ گذرا ہو۔ اور حضرت بُدھ، حضرت کرشن، حضرت زرتشت اور حضرت کنفیوشس تمام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے مولوی دولت احمد خاں صاحب نے اپنی تقریر میں یہ بھی بتایا کہ حضرت بُدھ نے جو اپنی آمد ثانی کی خبر دی تھی وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ظہور سے پُوری ہو چکی ہے۔ نیز آپ نے بدھوں کو احمدیہ لٹریچر کا مطالعہ کرنے کی تحریک کی۔

ایک اعلیٰ کلاس کے طالب علم نے یہ تقریر سُنکر اِس رائے کا اظہار کیا کہ اسلام کی یہ تشریح میرے لئے ایک انکشاف جدید ہے کیونکہ مَیں اسلام کو اس سے قبل ایک محدود اور فرقہ دارانہ مذہب خیال کرتا تھا۔[1]

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا ایک دلچسپ مشورہ

اس سال مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر مجاہد تحریک جدید کو دہلی سے ۱۳ میل دور رقبہ مہرولی میں ولی کامل حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جانے کا اتفاق ہوا جہاں مسلمانوں کی قبر پرستی کا افسوسناک مظاہرہ بچشم خود دیکھا جس کی تفصیل انہوں نے "الفضل" (۲۳ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء) میں شائع کر دی جسے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اپنے اخبار اہلحدیث مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۴۰ء میں نقل کر کے حسب ذیل دلچسپ نوٹ لکھا:۔

"برادران توحید! کیا یہ آواز سُن کر بھی آپ لوگ بزم توحید قائم کرنے میں غفلت سے کام لیں گے کیا ابھی کچھ اَور بھی سُننا چاہتے ہیں۔ میری رائے کو کوئی صاحب غلط نہ ٹھیرائیں تو مَیں یہ کہنے سے نہیں رُک سکتا کہ مسلمان قوم آپس میں تقسیم کار کر لے۔ سیاسی مسلمان جن میں مرزائی بھی شامل ہیں۔ بیشک غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت کریں اور ان کو کلمہ پڑھا کر مردم شماری کی

---

[1] "الفضل" ۲ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۴ کالم ۳۔

حیثیت میں مسلمانوں کی تعداد بڑھاتے جائیں جو ان کی اصلی غرض ہے۔ مگر اہل توحید اصحاب یہ کام اپنے ذمّہ لیں کہ مسلمانوں میں جو رسوم شرکیہ رائج ہو چکی ہیں وہ اُن کی اصلاح پر توجہ کریں تاکہ وہ لوگ صحیح معنیٰ سے عنداللہ مسلمان ہو جائیں۔ پس دونوں فریق اپنا اپنا کام کرتے جائیں۔ ہمارے مشورہ پر عمل کریں تو دونوں اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں“ [۱]

زکیہ صنعتی سکول قادیان

زکیہ خانم صاحبہ بنت شیخ محمد لطیف صاحب نے گرلز سکول قادیان کے نزدیک اپنے سرمایہ سے ایک صنعتی سکول جاری کیا جس کا افتتاح حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے ۱۵ تبوک / ستمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو فرمایا۔ اس موقعہ پر حضرت ام ناصر احمد صاحب، حضرت ام طاہر احمد، حضرت ام مظفر احمد صاحب اور صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ بھی موجود تھیں۔ خاندان مسیح موعودؑ کی خواتین ہی نے نہیں خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے بھی سکول کے صنعتی نمونوں کو پسند فرمایا۔[۲]

بچوں کو تیراکی سکھانے کیلئے تالاب کی تعمیر

حضرت مولوی محمد دین صاحب سابق ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول کی تحریک اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں محلہ دارالعلوم میں بچوں کو تیراکی سکھانے کے لئے ایک تالاب تعمیر کیا گیا۔ جس کا افتتاح ۱۰ اخاء / اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو ہوا۔ اس تقریب پر تلاوت و نظم کے بعد حضرت مرزا شریف احمد صاحب نے تقریر فرمائی جس میں بتایا کہ

”اس کے متعلق سب سے پہلے تحریک مولوی محمد الدین صاحب سابق ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول نے کی تھی اور یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس تحریک کو عملی صورت دی جائے مگر اس کے لئے کوئی فنڈ نہ تھا۔ باوجود اس کے اسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی گئی اور یہ تالاب سکول کے طلباء نے خود کھودا۔ اس وقت یہ خیال تھا کہ کچا تالاب کام دے جائے گا۔ صرف ارد گرد کی دیواریں پختہ کرائی جائیں۔ لیکن جب تعمیر شروع ہوئی تو بعض دوستوں نے مشورہ دیا کہ جب تک فرش پختہ نہ ہو تالاب نہلانے کے قابل نہ بنے گا۔ اس لئے تعمیر کے وقت دیواروں کے ساتھ ہی فرش بھی پختہ تیار کیا گیا۔ اس وقت اخراجات سپورٹس فنڈ کے چندہ سے اور باقی قرض لے کر پورے

---

[۱] ”اہلحدیث“ ۳ شعبان المعظم ۱۳۵۹ ہجری مطابق ۶ ستمبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۸

[۲] ”الفضل“ ۱۵ تبوک / ستمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۲

کئے گئے۔ لیکن پھر جب دیکھا گیا کہ تالاب کے کنارے کچے ہونے کی وجہ سے مٹی نہانے والوں کے پاؤں کے ساتھ لگ کر تالاب میں جاتی ہے اور اردگرد روک نہ ہونے کی وجہ سے بعض بیمار بھی نہاتے ہیں جن کی بیماری سے دوسروں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو سکتا ہے تو کوشش کی گئی کہ تالاب کے اردگرد بھی پختہ فرش بنا دیا جائے اور تالاب کے گرد چار دیواری ہو۔ نیز دوسری ضروریات کے لئے بھی انتظام کیا جائے۔ ان حالات میں موجودہ صورت میں اُسے تعمیر کیا گیا ہے تاکہ بچے تیرنے کی مفید ورزش کر سکیں اور حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالےٰ تیراکی کی ورزش کے متعلق جو ارشاد کئی بار فرما چکے ہیں اس پر عمل کیا جائے۔ اس تعمیر اور پچنگ کے انتظام پر چھ ہزار سے کچھ اوپر رقم خرچ ہو چکی ہے جس میں ۹۵۰ روپے صدر انجمن نے دیئے ہیں۔ کچھ چندہ جمع ہوا۔ اور باقی قرض ہے۔ امید ہے کہ تعلیم الاسلام سکول کے اولڈ بوائز اس قرض کی ادائیگی کی طرف توجہ کریں گے۔ اس موقعہ پر دُعا کی جائے کہ یہ کام بابرکت ہو۔ بچوں کی صحت، ایمان اور سلسلہ کے مفاد کے لئے جو بچے اس میں تیرنا سیکھیں انہیں جسمانی طور پر ہی فائدہ نہ ہو بلکہ وہ دین کی خدمت کرنے کے قابل بھی بن سکیں اور کسی ڈوبتے ہوئے کو بچا سکیں" [۱]

حضرت صاحبزادہ صاحب کے خطاب کے بعد بالترتیب حضرت ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے، حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے، حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے تقریریں کیں اور بالآخر حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے دعا کرائی۔

ان تقاریر کے بعد تالاب کا عملی افتتاح اس طرح ہوا کہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال، حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور بعض اور بزرگ تالاب میں تیرتے رہے اور ان کے ساتھ سکول کے بہت سے بچوں نے بھی اس کی مشق کی [۲]

احمدیہ مسجد سرینگر کی بنیاد

۲۰ اخاء ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء کو دس بجے دن مسجد احمدیہ سرینگر کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ اس تقریب پر سرینگر اور ناسنور کے احباب جماعت موجود تھے۔

---

[۱] "الفضل" ۱۲ اخاء / اکتوبر ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۱ ۔

[۲] " " " صفحہ ۱ - ۲ ۔

سب سے قبل حضرت مسیح موعودؑ کے قدیم صحابی حضرت خلیفہ نور الدین صاحب جمونی نے دُعا کرائی۔ ازاں بعد مولانا ابوالعطاء صاحب نے اللہ تعالیٰ کے اس گھر کا پہلا بنیادی پتھر رکھا۔ پھر سب احباب نے مل کر دُعا کی[1]

مسجد کا ایک کمرہ اگلے سال ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء میں تیار ہوا تو اس میں پہلا خطبہ جمعہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ صوبہ سرحد نے پڑھایا اور ۷۰ افراد کے قریب احمدی احباب نے نماز ادا کی۔[2]

چندہ مسجد کی فراہمی کے سلسلہ میں چودھری عبدالواحد صاحب نے سندھ[3] حیدرآباد دکن، بہار، بنگال، اڑیسہ، یوپی اور دہلی کی جماعتوں کا دورہ کیا اور احباب جماعت نے عموماً اور جماعت ٹاٹا نگر جمشید پور موسٹی بنی نے خصوصاً نہایت اخلاص سے تعاون کیا۔ ان دنوں چودھری عبداللہ خاں صاحب ٹاٹا نگر کی جماعت احمدیہ کے امیر تھے۔[4]

سناتن دھرم سبھا لاہور کی مذہبی کانفرنس میں احمدی مبلغ کی کامیاب تقریر

۲۹ نبوت/نومبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو سناتن دھرم سبھا لاہور نے ایک مذہبی کانفرنس منعقد کی۔ مضمون "ایشور اپاسنا" یعنی عبادتِ الٰہی تھا۔ دوسرے مختلف مذاہب کے نمائندوں کے علاوہ ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم بی۔اے۔ ایل۔ایل۔بی نے بھی تقریر فرمائی اور دس منٹ کے مختصر سے وقت میں نہایت پُر فصاحت اور پُرجوش طریق سے اس موضوع پر اسلام اور احمدیت کے نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالی اور بتایا کہ خدا تعالیٰ کی کامل اطاعت اس کے نقش کو قبول کرنا اور اُس کے صفات کو اپنے اندر پیدا کرنا اصلی عبادت ہے۔ آپ نے یہ بھی واضح کیا کہ اسلام نے عبادت الٰہی کا ایک بہترین طریق نماز کا قائم کیا ہے۔ جس کی ابتداء اللہُ اکبرُ سے ہوتی ہے اور انتہاء سلامتی کی کیفیت پر۔ اسلامی نماز میں صفوں کا قیام دُنیا میں مساوات کا بہترین طریق ہے۔ یہ وہ طریق ہے جس سے ایمان کا شجر ہمیشہ سرسبز اور باثمر رہتا ہے جس کا زندہ ثبوت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود مبارک ہے۔[5]

۱؎ "الفضل" ۲۹ اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

۲؎ "الفضل" ۶ و ۱۶ تبوک/ستمبر ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

۳؎ "الفضل" ۸ تبلیغ/فروری ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب نے خصوصاً بہت معاونت فرمائی۔

۴؎ "الفضل" ۴ شہادت/اپریل ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴۔

۵؎ "الفضل" ۳ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۴۔

انگلستان میں پہلا کامیاب مناظرہ اگرچہ عالمگیر جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے انگلستان کا پورا ملک فضائی حملوں کی زد میں آچکا تھا مگر مولانا جلال الدین صاحب شمس مبلغ انگلستان پرائیویٹ ملاقاتوں، لیکچروں اور لٹریچر کی اشاعت اور دوسرے ذرائع سے تبلیغ اسلام کا فریضہ پوری سرفروشی سے بجا لا رہے تھے۔ خصوصاً ہائیڈ پارک میں آپ نے متعدد لیکچر دیئے اور دوسرے لیکچراروں پر بھی سوالات کرتے رہے۔

اس سال کا ایک خاص واقعہ یہ ہے کہ آپ نے ہائیڈ پارک میں "حضرت مسیح کی صلیبی موت" کے موضوع پر پہلا کامیاب مناظرہ کیا جو اس سرزمین میں اپنی طرز کا مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان پہلا مباحثہ تھا۔ اس دلچسپ مباحثہ کی تفصیل حضرت مولانا شمس صاحب کے الفاظ میں لکھنا زیادہ مناسب ہوگا۔ فرماتے ہیں :-

"متعدد مرتبہ میر عبدالسلام صاحب اور خاکسار نے ہائیڈ پارک میں تقریریں کیں۔ نیز دوسرے لیکچراروں پر سوالات کئے۔ ۳۱ جولائی کو میں ابطالِ الوہیتِ مسیح کے موضوع پر بولا۔ سوال وجواب کے دوران میں مسیح کی صلیبی موت کا بھی ذکر آیا۔ لیکچر کے بعد ایک پادری نے اس مسئلہ کے متعلق مجھ سے گفتگو کی۔ آخر قرار پایا کہ ۷ راگست کو اس موضوع پر مباحثہ کیا جائے۔ چنانچہ وقتِ مقررہ پر جب میں نے بولنا شروع کیا تو وہ پادری بھی آگیا۔ اس نے وقت مانگا۔ میں نے کہا اپنا پلیٹ فارم لے آؤ۔ چنانچہ وہ اپنا پلیٹ فارم لے آئے۔ ۸ بجے سے ۱۰ بجے شام تک دو گھنٹے مباحثہ ہوا۔ دس دس منٹ بولنے کی باری مقرر ہوئی۔ ایک شخص کو ٹائم کیپر مقرر کیا گیا۔ مباحثہ ہوتے دیکھ کر پبلک خوب اکٹھی ہو گئی۔ میں نے اپنی پہلی تقریر میں مسیح کے صلیب پر نہ مرنے کے ثبوت میں انجیل سے مسیح کی دعا پیش کی کہ اے خدا! ہر ایک طاقت تجھ کو ہے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹال دے۔ چنانچہ عبرانیوں ۵ میں لکھا ہے کہ وہ دعا اس کی سنی گئی۔ نیز زبور سے اس دعا کی قبولیت کے لئے پیشگوئیوں کا بھی ذکر کیا اور کہا۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ دعا قبول نہیں ہوئی تھی تو مسیح مطابق یوحنّا گناہگار ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے جواب میں عیسائی مناظر نے کہا کہ مسیح کی دعا پوری نہیں پیش گئی۔ اس کے ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ میری مرضی نہیں بلکہ جو تیری مرضی ہے وہی ہو۔ اور وہ اس لئے آیا تھا کہ صلیب پر مر کر لوگوں کے گناہوں کا کفّارہ ہو۔ میں نے کہا۔ اگر اس فقرہ کا یہ مطلب ہے کہ اگر تیری مرضی ہے کہ میں صلیب پر مارا جاؤں تو پھر مجھے مارا جانا چاہئے

تو یہ دُعا بے معنی ہوگی کیونکہ اس دُعا کا خلاصہ یہ ہوگا کہ اے خدا! ہر ایک طاقت تجھ کو ہے۔ تُو یہ موت کا پیالہ مجھ سے ٹال دے۔ .. ..

.. ..

.. .. ۔ پر اگر تُو نہیں چاہتا تو نہ ٹال۔ کیا یہ بامعنیٰ دُعا کہلا سکتی ہے خدا کی مرضی تو ہو کر ہی رہے گی چاہے کوئی کہے یا نہ کہے۔ دُعا صرف اتنی ہوگی کہ اے خدا تو موت کا پیالہ مجھ سے ٹال دے اور اگر یہ درست ہے کہ وہ لوگوں کی خاطر مرنے کے لئے آئے تھے تو پھر انہیں موت کے پیالہ سے بچنے کے لئے دُعا کرنا درست نہ تھا۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ پادری صاحبان مسیح کے اس قول کا کہ (اے خدا میری نہیں بلکہ تیری مرضی پوری ہو) کا مطلب نہیں سمجھے۔ مسیح کی دعا کے الفاظ جیسا کہ مرقس میں لکھا ہے یہ تھے "اے خدا ہر ایک چیز تیرے لئے ممکن ہے سو یہ پیالہ تو مجھ سے ٹال دے لیکن اس لئے نہیں کہ جو میں کہتا ہوں وہ ہو۔ بلکہ اس لئے کہ تا تیری مرضی پوری ہو" اس کا مطلب یہ تھا کہ میں جو موت سے بچنے کے لئے دُعا کرتا ہوں تو وہ اس لئے نہیں کہ میں تیرے راستے میں اپنی جان دینے سے ڈرتا ہوں۔ میں تو حاضر ہوں لیکن چونکہ میں تیرا رسُول ہوں اور تُو میری صداقت کو دُنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے اس لئے اگر میں جیسا کہ میرا دشمن چاہتا ہے مارا گیا تو ان کے نزدیک میں جھوٹا ثابت ہوں گا۔ اس لئے میری یہ درخواست ہے کہ مجھ سے موت کا پیالہ ٹال دیا جائے یہ صرف تیری مرضی اور ارادہ پورا کرنے کے لئے ہے نہ موت کے ڈر سے۔ اور اگر یہ معنیٰ نہ لئے جائیں تو وہ دُعا ہی بے معنی ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب وہ آخر تک نہ دے سکے۔ اسی طرح دیگر دلائل پر بحث ہوئی دورانِ بحث میں اس نے بعض سخت الفاظ استعمال کئے اور کہا کہ تم جھُوٹ بولتے ہو۔ اگر یہی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے سکھایا اور قرآن میں لکھا ہے تو یہ جھُوٹ سکھایا۔ نیز لوگوں کو اُکسانے کے لئے کہا یہ عیسائیت کو تباہ و برباد کرنے کیلئے آئے ہیں۔ ان کی جرأت تو دیکھو کہ عیسائیت کے سینٹر میں ہاں لنڈن کے ایک پارک میں عیسائیت کے عقائد کی اس طرح تردید کی جاتی ہے۔ اگر مسیح صلیب پر نہیں مرے تو وہ کفارہ بھی نہیں ہوئے۔ اس سے تو عیسائیت باطل ہو جاتی ہے مگر اس سے بڑھ کر جھُوٹ کیا ہو سکتا ہے۔ یہ اس جگہ جہاں سے کہ دنیا میں مشنری بھیجے جاتے ہیں عیسائیت کی تردید کرتے ہیں اور اسلام پھیلانا چاہتے ہیں۔ اس کے سخت الفاظ پر حاضرین نے شیم شیم کے آوازے

گئے۔ مَیں نے کہا مَیں اسلام کی تعلیم کے مطابق گالیوں کا جواب گالی سے نہیں دُوں گا اور نہ ہی مَیں اس پر دوسرے انگریزوں کو قیاس کر سکتا ہوں۔ کیونکہ مَیں نے بہت سے چھوٹے اور بڑوں سے گفتگوئیں کی ہیں لیکن مَیں نے انہیں نہایت متین اور شریف پایا۔ معلوم ہوتا ہے۔ اس نے ایسے ماحول میں پرورش پائی ہے جس قسم کے اخلاق کا اُس نے مظاہرہ کیا ہے۔ مَیں نے اپنی آخری تقریر میں کہا۔ کہ اسلام سے پہلے یہود نے اس عقیدہ کی بناء پر کہ مسیح مصلوب ہو گئے انہیں لعنتی اور مفتری قرار دیا اور عیسائیوں نے بھی جیسا کہ پولوس نے کہا اُسے ملعون تسلیم کیا چنانچہ مناظر نے بھی اقرار کیا کہ اُن کی غلط ملعون ہوا۔ لیکن انہوں نے ملعون پر غور نہیں کیا۔ ایک انسان ملعون اس وقت کہلاتا ہے جب اس کا خدا سے تعلق بالکل منقطع ہو جائے اور وہ اپنے اقوال و اعمال میں شیطان کی مانند ہو جائے۔ اسی لئے شیطان کا نام ملعون ہے اور ایک ملعون شخص دوسرے کو لعنت سے کیونکر بچا سکتا ہے۔ کیا اندھا اندھے کی راہنمائی کر سکتا ہے۔ پس یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا احسان تھا کہ آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اس لعنت کے داغ سے بَری قرار دیا اور فرمایا وہ صلیب پر نہیں بلکہ طبعی موت سے مَرے اور ہماری تحقیقات کی رُو سے صلیب سے بچ کر کشمیر میں آئے اور وہیں وفات پائی۔ چنانچہ ان کی قبر محلہ خانیار سرینگر کشمیر میں موجود ہے۔ اس نے اپنی تقریر میں چونکہ یہ بھی کہا تھا۔ کہ اناجیل میں لکھا ہے مسیح نے اپنی جان دے دی۔ اس کا مَیں نے تفصیل سے جواب دیتے ہوئے کہا کہ اناجیل میں ایسے اختلافات موجود ہیں جن کے درمیان مطابقت نہیں دی جا سکتی اور یقینی طور پر بعض بیانات غلط ہیں۔ اس لئے مَیں اپنے مدِ مقابل کو چیلنج دیتا ہوں کہ وہ آئندہ ۱۴ اگست کو اختلافات اناجیل پر مجھ سے مباحثہ کر لے۔ لیکن اس چیلنج کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ پبلک پر اچھا اثر ہوا۔ کئی حاضرین نے مجھ سے کہا کہ آپ کے دلائل زبردست تھے۔ اور اس کی سخت کلامی کی مذمت کی۔ ۱۴ اگست کو مَیں نے انجیل سے اختلافات پیش کئے جن پر بعض نے سوالات کئے جن کے مَیں نے جوابات دیئے۔ ایک اختلاف مَیں نے یہ پیش کیا تھا کہ مسیح نے جب اپنے بارہ شاگردوں کو تبلیغ کے لئے بھیجنا چاہا تو بعض ہدایات دیں۔ متی کہتا ہے کہ اس نے یہ ہدایت بھی دی کہ وہ اپنے ساتھ سونٹا نہ لیں لیکن مرقس کہتا ہے کہ اس نے یہ ہدایت دی تھی کہ وہ سوائے سونٹے کے اَور کچھ نہ لیں۔ یہ ایک صریح تناقض ہے جو کسی طرح نہیں اُٹھ سکتا۔ ہر ایک عقلمند یہی کہے گا کہ دونوں

میں سے ایک نے ضرور غلط بیانی کی ہے کیونکہ دونوں ایک ہی واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک عورت نے کہا مثلاً جرمن کہتے ہیں کہ آج ہم نے برٹش کے سو ہوائی جہاز گرائے۔ لیکن انگریز کہتے ہیں صرف پچیس گرائے۔ اس اختلاف سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی واقعہ ہی نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ میں واقعہ کا تو انکار نہیں کرتا۔ میں تو صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ متی اور مرقس میں سے انگریز کون ہے اور جرمن کون؟ کس کا خلاف واقعہ بیان ہے۔ میرے علم کے مطابق اس طرز کا مباحثہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان پہلا مباحثہ ہے۔"[۱]

مولانا رحمت علی صاحب کی جزائر شرق الہند کو روانگی

مولوی رحمت علی صاحب مبلغ انچارج جزائر شرق الہند ۱۴ اخاء / اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو گیارہ بجے صبح کی گاڑی سے چوتھی بار جزائر شرق الہند میں تبلیغ کے لئے روانہ ہوئے۔[۲]

مشرقی جاوا کے پہلے احمدی کا انتقال

مسٹر مانکو وی آسترو جو مشرقی جاوا میں پہلے احمدی تھے۔ ۲ فتح / دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو ستر سال کی عمر میں انتقال کر گئے مرحوم نہایت مخلص احمدی تھے۔ دن رات تبلیغ میں مصروف رہتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عشق تھا۔ مسجد سرو بایا کے لئے نہ صرف اپنی زمین وقف کر دی تھی بلکہ اس کی تعمیر کے لئے چندہ بھی دیا۔ جماعتی چندوں میں بھی بہت باقاعدہ اور جماعتی کاموں میں بہت سرگرم تھے۔[۳]

۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کی نئی مطبوعات

۱۔ "خطبات عیدین" (سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے حقائق و معارف سے لبریز خطبات کا مجموعہ جو ملک فضل حسین صاحب نے مرتب کر کے شائع کیا)

۲۔ "روئیداد جلسہ خلافت جوبلی" (مرتبہ مولوی عبد الرحیم صاحب درد ایم۔ اے سیکرٹری خلافت جوبلی)

۳۔ "بہائی تحریک پر تبصرہ" (مولفہ مولوی ابو العطاء صاحب)

بہائیت کے متعلق تاریخی معلومات کا مستند مجموعہ جس میں بہائی شریعت اقدس کا اصل نسخہ اور اس کا ترجمہ

۱۔ "الفضل" ۷ اخاء / اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵۔

۲۔ " " ۱۶ " " صفحہ ۷ کالم ۲۔

۳۔ " ۱۷ شہادت / اپریل ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

شامل کرنے کے علاوہ اسلامی شریعت سے اس کا موازنہ بھی کیا گیا ہے اور احمدیہ عقائد اور بہائی عقائد کا مقابلہ بھی کیا گیا ہے۔

رسالہ "معارف" (بابت ماہ فروری ۱۹۴۲ء) نے اس پر حسب ذیل ریویو کیا :-

"ابوالعطاء صاحب نے اس کتاب میں خود بہائی لٹریچر اور ان کی کتابوں سے اس تحریک کی تاریخ اور اس کے عقائد پر تبصرہ کر کے اس کی گمراہیوں کو آشکارا کیا ہے۔ بہائیوں کی کتاب اقدس کا عربی متن بھی معہ ترجمہ کے دیدیا ہے۔ کتاب مفید اور دلچسپ ہے لیکن لائق مصنف اپنے فرقہ کی تبلیغ سے نہیں چوکے ہیں"

۴۔ "مسلم نوجوانوں کے سنہری کارنامے" (مرتبہ جناب رحمت اللہ خان صاحب شاکر اسسٹنٹ ایڈیٹر "الفضل") یہ کتاب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی کی تحریک پر لکھی گئی تھی چنانچہ اس کے دیباچہ میں آپ نے تحریر فرمایا کہ

"شاکر صاحب نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ وہ ایک عرصہ دراز سے بلکہ طالب علمی کے زمانے سے میرے مدنظر تھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب یہ خاکسار سکول کی نہم اور دہم جماعت میں تعلیم پاتا تھا تو اس وقت ہمیں ایک انگریزی کی کتاب "گولڈن ڈیڈز" پڑھائی جاتی تھی جس میں بعض مغربی بچوں اور نوجوانوں کے سنہری کارناموں کا ذکر درج تھا۔ مجھے اس کتاب کو پڑھ کر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ایک کتاب اردو میں مسلمان نوجوانوں کے کارناموں کے متعلق لکھی جائے جس میں مسلمان بچوں کے ایسے کارنامے درج کئے جائیں۔ جو مسلمان نونہالوں کی تربیت کے علاوہ دوسری قوموں کے لئے بھی ایک عمدہ سبق ہوں۔ یہ خواہش طالب علمی کے زمانہ سے میرے دل میں قائم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد جب میں نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا۔ تو یہ خواہش اور بھی ترقی کر گئی کیونکہ میں نے دیکھا کہ جو کارنامے مسلمان نوجوانوں کے ہاتھ پر ظاہر ہو چکے ہیں۔ وہ ایسے شاندار اور زُوح پرور ہیں کہ ان کے مقابل مسیحی نوجوانوں کے کارناموں کی کچھ بھی حیثیت نہیں اور میں نے ارادہ کیا کہ جب بھی خدا توفیق دے گا میں اس کام کو کروں گا۔ مگر افسوس ہے کہ ایک لمبے عرصہ تک میری یہ خواہش عملی جامہ نہ پہن سکی۔ بالآخر گذشتہ سال اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ تقریب پیدا کر دی کہ شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر نے مجھ سے مشورہ پوچھا کہ میں آجکل رخصت کی وجہ سے فارغ

ہوں۔ مجھے کوئی ایسا مضمون بتایا جائے جس پر مَیں ایک مختصر کتاب لکھ کر اسلام اور احمدیت کی خدمت کر سکوں۔ اس پر مَیں نے شاکر صاحب کو اپنی یہ خواہش بتا کر یہ تحریک کی کہ وہ اس موضوع پر مطالعہ کر کے کتاب تیار کریں اور مَیں نے چند ایسی کتابوں کے نام بھی بتا دیئے جس سے وہ اس مضمون کی تیاری میں مدد لے سکتے تھے اور انتخاب وغیرہ کے متعلق بھی مناسب مشورہ دیا اور مجھے خوشی ہے کہ شاکر صاحب نے مطلوبہ کتاب کے تیار کرنے میں کافی محنت سے کام لے کر ایک اچھا مجموعہ تیار کر لیا ہے۔ مَیں نے اس سارے مجموعہ کو بالاستیعاب نہیں دیکھا۔ مگر بعض حصے دیکھے ہیں اور بعض جگہ مشورہ دے کر اصلاح بھی کروائی ہے اور مَیں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ یہ کتاب نوجوانوں کے لئے مفید ثابت ہوگی" [1]

۵۔ "گورو گوبند سنگھ کے بچوں کا قتل" (مؤلفہ گیانی واحد حسین صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ)

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء کے موقعہ پر جماعت کے اہل قلم کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا تھا کہ

"اگر علمی مذاق رکھنے والے لوگ اپنی فرصت کے اوقات میں کوئی کتاب ہی لکھ دیں تو اس میں کیا حرج ہے . . . . مگر یہ ضروری بات ہے کہ جو کتاب لکھیں وہ معقول ہو اور علمی رنگ میں لکھی گئی ہو . . . . مصنف وہ ہوں جو ہوش و حواس قائم رکھتے ہوں اور عقل و فکر سے کام لینے والے ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ کوئی ایسا فلسفہ نکالیں جس سے دنیا میں تہلکہ مچ جائے بلکہ ایسی باتیں لکھی جائیں جو عام سمجھ کے مطابق ہوں اور جن میں اسلام پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا حل کیا گیا ہو مثلاً مورخین کی کتابیں ہیں ان میں مسلمان بادشاہوں پر سخت ظلم کئے گئے اور ان پر نہایت گندے الزامات لگائے گئے ہیں . . . . مثال کے طور پر کہتا ہوں۔ اورنگ زیب کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مجدد کہا کرتے تھے . . . . لیکن اورنگ زیب کی شکل تاریخوں میں نہایت ہی تاریک دکھائی گئی ہے . . . . غرض تاریخوں میں مسلمان بادشاہوں پر بہت سے اعتراضات عائد کئے گئے ہیں۔ ہماری جماعت کے مصنف اس طرف بھی توجہ کریں تو سلسلہ کے لئے مفید لٹریچر مہیا کر سکتے ہیں۔" [2]

گیانی واحد حسین صاحب کا یہ رسالہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے مندرجہ بالا ارشاد کی تعمیل کی ایک کامیاب

---

[1] دیباچہ "مسلم نوجوانوں کے سنہری کارنامے" صفحہ ۱ و ۲۔ [2] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۵۳ و ۱۵۴۔

کوشش تھی جس میں ٹھوس واقعات کی روشنی میں پانچ زبردست دلائل سے اس الزام کو بے بنیاد اور فرضی ثابت کیا گیا کہ حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں اس کی پالیسی کے ماتحت گورو گوبند صاحب کے دو لڑکے مسلمانوں کے ہاتھوں چمکور میں قتل ہو گئے اور دو اور چھوٹے بچوں کو محض اسلام قبول نہ کرنے کی پاداش میں قلعہ سرہند کی دیواروں میں زندہ چنوا دیا گیا ۔ گیانی صاحب نے اس رسالہ میں یہ بھی بتایا کہ مسلمانوں نے گورو گوبند سنگھ صاحب اور ان کے بچوں پر کبھی ظلم نہیں کیا بلکہ ہمیشہ نرمی و ملاطفت سے پیش آتے رہے۔ تبھی تو گورو صاحب ہمیشہ حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے مدح سرا رہے جیسا کہ ظفر نامہ میں لکھا ہے۔ اس رسالہ کا دیباچہ ملک کے بلند پایہ ادیب مولانا عبدالمجید خاں صاحب سالک ایڈیٹر روزنامہ "انقلاب" نے لکھا۔

۶۔ "احمدیت کی نہفتہ کتاب" (مؤلفہ ماسٹر محمد شفیع ... [illegible])

۷۔ "مولوی محمد علی صاحب کا جنگ موعود نبی سے" (مؤلفہ ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم سابق مبلغ ... علاقہ ملکانہ)

۸۔ "مولوی محمد علی اور اس کی تفسیر بیان القرآن خلاف مذہب آخر الزمان" (مؤلفہ قاضی محمد یوسف صاحب فاروقی امیر جماعتہائے احمدیہ سرحد) یہ رسالہ میاں حیات محمد صاحب احمدی بھیروی سب ڈویژنل آفیسر پشاور کی تحریک اور ان کے خلف الرشید میاں محمد انور صاحب کی خاص دلچسپی سے لکھا گیا۔

۹۔ "چشمہ عرفان" (مرتبہ مبارک احمد خاں صاحب ایمن آبادی سابق مدیر جریدہ "عبرت" کلکتہ) یہ کتاب چودھری محمد مالک خاں صاحب تسنیم بی۔اے متعلم لا کالج رئیس ایمن آباد کی یادگار کے طور پر شائع کی گئی جو مبارک احمد خاں صاحب کی تحریک و تبلیغ سے دسمبر ۱۹۳۸ء میں حلقہ بگوش احمدیت ہوئے اور اپنے اخلاص، سعادت منشی اور دینی ذوق میں جلد جلد ترقی کرنے لگے مگر افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی۔ اور تقریباً ایک ماہ تک تپ محرقہ میں مبتلا رہ کر ۱۸ جولائی ۱۹۳۹ء کو ۲۳ برس کی عمر میں اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔[1] "چشمہ عرفان" دینی اور روحانی نکات و مضامین کا ایک مختصر مگر نہایت مفید مجموعہ ہے۔

۱۰۔ "گلدستہ دینیات" (احمدی لڑکوں کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے خلفاء

---

[1] آپ کی وفات پر جن بزرگان سلسلہ نے تعزیت نامے لکھے۔ ان میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب مبلغ انگلستان و امریکہ، حضرت مولوی محمد دین صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول، ملک خدابخش صاحب جنرل سکرٹری جماعت احمدیہ لاہور، ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم، پیر اکبر علی صاحب ایم۔بی۔اے، ایم۔ایل۔اے ایڈووکیٹ فیروزپور اور پیر محمد بخش صاحب پلیڈر امیر جماعت احمدیہ گوجرانوالہ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ مرحوم کا جنازہ بھی پیر محمد بخش صاحب نے پڑھایا تھا۔

اور دوسرے بزرگان سلسلہ کی تحریرات پر مشتمل دینی اسباق جو پیر صلاح الدین صاحب بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی اور ملک مبارک احمد خاں صاحب نے مرتب کئے۔ رسالہ کے آخر میں بہت سی دلچسپ، مفید اخلاقی و روحانی کہانیاں درج تھیں جو وہ بھی بیشتر انہی علماء کی بیان فرمودہ تھیں۔

۱۱۔ "غلبہ اسلام بذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام" (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایمان پرور تحریرات کا مجموعہ مرتبہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر مولوی فاضل)

اندرونِ ملک کے مشہور مباحثات

مباحثہ امین آباد (ضلع گوجرانوالہ)

۲۴ تبلیغ ۱۳۱۹ہش مطابق ۲۴ فروری ۱۹۴۰ء کو امین آباد ضلع گوجرانوالہ میں مسئلہ ختم نبوت پر مناظرہ ہوا۔ احمدیوں کی طرف سے مولوی محمد سلیم صاحب اور غیر احمدیوں کی طرف سے سائیں لال حسین صاحب اختر نے بحث کی۔ لال حسین صاحب کو دوبار اپنی بدزبانی پر احمدیوں سے معافی مانگنی پڑی اور دوبار حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کے ادھورے اقتباس پیش کرکے اور اعتراض کرکے شرمندگی اور رسوائی کا منہ دیکھنا پڑا۔ غیر احمدی شرفاء نے اعتراف کیا کہ ان کا نمائندہ احمدی مناظر کے مقابلہ میں دلائل پیش کرنے سے قاصر رہا۔ ہندو پبلک نے عام طور پر یہ رائے ظاہر کی کہ احمدی مناظر علم، دلائل اور شرافت و متانت میں اپنی نظیر آپ تھے۔[1]

مباحثہ قادیان

۱۰ امان / مارچ ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کو حضرت سید محمد اسحاق صاحب کے زیر اہتمام مولوی ناصر الدین عبداللہ صاحب وید بھوشن مولوی فاضل کا وید تیرتھ پروفیسر جامعہ احمدیہ اور پنڈت ترلوک چند صاحب شاستری ٹیچر ڈی۔اے۔وی ہائی سکول قادیان کے درمیان نہایت دوستانہ ماحول میں تحریری مناظرہ ہوا۔ مولوی ناصر الدین عبداللہ صاحب کا دعویٰ یہ تھا کہ ہندو دھرم کی مقدس کتاب اتھرووید کانڈ[2] میں ایک رشی کی آمد کا ذکر ہے جس کی آمد کا مقام قادیان اور نام احمد بتایا گیا ہے حسب تجویز مولوی عبداللہ ناصر الدین صاحب، پنڈت ترلوک چند صاحب اپنے بعض رفقاء سمیت حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کے دفتر میں آگئے اور فریقین نے اپنے اپنے پرچے آپ کی نگرانی میں لکھے۔ پہلا پرچہ مولوی صاحب نے اپنے دعویٰ کے اثبات میں لکھا جس کا جواب پنڈت صاحب نے تحریر کیا۔ اس طرح باری

---

[1] ملاحظہ ہو مضمون ملک مبارک احمد خاں صاحب امین آبادی مطبوعہ "الفضل" ۳ امان / مارچ ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۷ کالم ۲۔

[2] اتھرووید کانڈ نمبر ۲۰ سوکت ۵۰ منتر ۱-۲ نیز سوکت ۶۷ منتر ۱-۲-۳، سوکت ۱۱۵ منتر ۱، سوکت نمبر ۱۲۷ منتر ۷، سوکت ۹۷ منتر ۳، سوکت نمبر ۷۳ منتر ۶۔

باری چار پرچے مولوی صاحب نے اور تین پرچے پنڈت صاحب نے لکھے۔ اس کے بعد اسی روز ۹ بجے شب مسجد اقصیٰ میں حضرت میر صاحبؓ کی صدارت میں ایک پبلک جلسہ منعقد ہوا جس میں احمدیوں کے علاوہ بہت سے آریہ صاحبان اور احراری بھی شامل ہوئے اور حسب ترتیب ساتوں پرچے باری باری سنائے گئے۔ جلسہ گیارہ بجے ختم ہوا۔[1،2]

یہ مناظرہ اسی سال "ویدوں میں احمد اور قادیان" کے نام سے چھپ گیا تھا جس کا دیباچہ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ نے تحریر فرمایا۔[3]

مباحثہ گوجرانوالہ

۳۱ امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو گوجرانوالہ شہر میں مولانا ابوالعطاء صاحب کا مولوی احمد یار صاحب (غیر مبائع) سے مسئلہ کفر و اسلام اور مسئلہ نبوت پر کامیاب مناظرہ ہوا۔ اگرچہ باہمی فیصلہ کے مطابق "مسئلہ خلافت" پر بھی مباحثہ قرار پایا تھا مگر غیر مبائعین نے کہلا بھیجا کہ وہ اس کے لئے تیار نہیں۔ مجلس مناظرہ میں بعض غیر احمدی بھی شامل ہوئے تھے جنہوں نے مولانا ابوالعطاء صاحب کی علمی قابلیت اور شستہ حاضر جوابی کی تعریف کی اور غیر مبائع مناظر کی بے بسی، بے علمی اور کم حوصلگی پر اظہار ناپسندیدگی کیا۔[4]

مباحثہ کوٹ گورایا (تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور)

موضع دیوانی وال (تحصیل بٹالہ) کے قریب ایک گاؤں کوٹ گورایا ہے جہاں دیوانی وال کے بعض احمدی تبلیغ کے لئے گئے۔ تبلیغ شروع ہوئی تو گاؤں والے مسائیاں کے ایک مخالف عالم مولوی فیروزالدین صاحب، دو مددگار علماء اور ایک حافظ قرآن

۱؎ "الفضل" ۱۲ امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

۲؎ بلدیہ گڑھ ضلع پوری اڑیسہ میں بابو بیراگی چرن مصر صاحب نے جلسہ عام میں تسلیم کیا کہ وید میں احمد اور قادیان کا ذکر ہے مگر ساتھ ہی عذر کیا کہ ابھی کلجگ پورا نہیں ہوا تو اوتار کیسے آسکتا ہے (الفضل ۱۲ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲) پروفیسر عبداللہ ناصرالدین صاحب نے "الفضل" (۱۸ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء) میں یہ جواب دیا کہ حضرت کرشن نے گیتا میں خود ہی فیصلہ فرمادیا ہے کہ "سمبھوامی یگے یگے" یعنی کرشن یگ کے دوران میں آتا ہے نہ کہ یگ کے خاتمہ پر۔ (اس سلسلہ میں پروفیسر صاحب کے ایک اہم مضمون کے لئے ملاحظہ ہو "الفضل ۲۱ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۳ تا ۵)

۳؎ حضرت میر صاحب نے اپنے دیباچہ میں لکھا "میرے نزدیک یہ بحث ہمارے نقطہ نگاہ سے کوئی اصولی بحث نہیں ہے اگر اتھروید میں احمد کا نام یا قادیان کا لفظ ثابت نہ ہو تو اس سے ہمیں کوئی نقصان نہیں۔ قادیان کی اہمیت یا احمد کی صداقت خود ان کے وجود سے ظاہر ہو رہی ہے۔ اگر اتھروید ان کے ذکر سے خالی ہو تو کیا مضائقہ؟ لیکن اگر یہ دونوں نام اتھروید میں ثابت ہو جائیں تو آریوں پر بے شک یہ بڑی حجت ہے۔ کیونکہ اگر ان کی الہامی کتاب احمد کے ذکر اور قادیان کے نام پر مشتمل ہو تو اُن کا فرض ضرور ہے کہ وہ ان کی صداقت کے قائل ہو جائیں"

(رسالہ "ویدوں میں احمد اور قادیان" صفحہ ۲-۳)

۴۔ "الفضل" ۹ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۶۔

اور چالیس پچاس سید صاحبان کو لے آئے۔ احمدیوں نے مسئلہ وفات مسیح پر گفتگو کے لئے کہا مگر انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے کوئی حضرت عیسیٰؑ کی وراثت تقسیم کرنی ہے۔ ہمیں حضرت عیسیٰؑ کی موت سے کیا تعلق ہم تو یہ ثابت کرنے آئے ہیں کہ مرزا صاحب مسلمان ہیں یا نہیں۔ آخر لمبی گفتگو کے بعد سامعین کے اصرار پر قرآن مجید کی رو سے مسئلہ ختم نبوت پر مناظرہ کرنے پر رضامند ہو گئے۔ فریقین نے اپنے اپنے صدر مقرر کئے۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولوی محمد اعظم صاحب مولوی فاضل اور فریق ثانی کی طرف سے مولوی فیروز دین صاحب فاضل مدرسہ عثمانیہ مناظر قرار پائے۔ مولوی محمد اعظم صاحب نے نہایت عمدگی کے ساتھ قرآن مجید سے ثابت کر دیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضورؐ کی غلامی سے فیض نبوت جاری ہے مگر مد مقابل عالم قرآنی دلائل کا کوئی جواب نہ دے سکے اور خلاف شرط صرف حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِی پر سارا زور صرف کرتے رہے۔ بعد ازاں انہوں نے احمدی مناظر کی تقریر کے دوران شور ڈالنا شروع کر دیا۔ آخر کار قرآن وحدیث سے پیش شدہ دلائل کے سامنے جب بالکل عاجز اور بے بس ہو گئے تو مناظرہ چھوڑ کر میدان مناظرہ میں اپنا جلسہ شروع کر دیا۔ جماعت کی طرف سے اس وقت صدر مناظرہ محمد ملک صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ دیوانی وال تھے۔ انہوں نے درخواست کی کہ احمدی مناظر کو بھی اختتام جلسہ پر جواب دینے کا تھوڑا سا وقت دیا جائے مگر انہوں نے بالکل انکار کر دیا جس پر سب احمدی دوست واپس دیوانی وال آ گئے۔[1]

مباحثہ غازی کوٹ (ضلع گورداسپور)

۱۵، ۱۶ احسان / جون ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء کو گورداسپور سے تین میل کے فاصلہ پر واقع گاؤں غازی کوٹ میں تین مناظرے ہوئے۔ طے شدہ شرائط کے مطابق پہلا مناظرہ ختم نبوت پر مولوی ابو العطاء صاحب اور لال حسین صاحب اختر کے مابین، دوسرا صداقت حضرت مسیح موعودؑ پر مولوی دل محمد صاحب اور اختر صاحب کے مابین اور تیسرا وفات مسیح پر مولوی ابو العطاء صاحب اور حافظ محمد شفیع صاحب کے مابین ہوا۔ تینوں مناظروں میں احمدی علماء نے قرآن کریم اور حدیث شریف سے واضح استدلال کئے اور اپنی تائید میں بزرگان احناف کے اقوال بھی پیش کئے مگر دوسرے علماء زیادہ تر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض تحریروں کو غلط انداز میں پیش کر کے عوام کو مغالطہ دینے کی کوشش کرتے رہے مگر خدا کے فضل و کرم سے اس میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ دوسرا مناظرہ شروع ہونے سے قبل لال حسین صاحب اختر نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی شان مبارک میں خواہ مخواہ بدزبانی شروع کر دی جس پر احمدیوں نے احتجاج کیا اور صدر جلسہ مولانا ابو العطاء صاحب نے پورے زور کے ساتھ مجسٹریٹ صاحب علاقہ کو (جو مناظرہ میں موجود تھے) توجہ دلائی کہ اس شخص کو ان الفاظ کے واپس لینے پر مجبور

---

[1] "الفضل" ۳۱ ہجرت / مئی ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲

کیا جائے۔ انسپکٹر صاحب پولیس نے شہادت دی کہ واقعی لال حسین صاحب نے سخت ناروا کلمہ کہا ہے اور احمدیوں کی واقعی دلآزاری کی گئی ہے۔ اس پر مجسٹریٹ صاحب نے احراری نمائندہ شریف حسین صاحب وکیل کو بلوا کر حکم دیا کہ مولوی لال حسین صاحب یہ الفاظ واپس لیں ورنہ مناظرہ بند کر دیا جائے اور آپ لوگ یہاں سے فوراً چلے جائیں۔ اس پر سائیں لال حسین صاحب نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ اس پر مناظرہ شروع ہوا۔[1]

اس مناظرہ کو سننے کے لئے قادیان دارالامان سے بہت سے احباب تشریف لے گئے تھے۔

مباحثہ پٹھانکوٹ آریہ سماج پٹھانکوٹ نے اپنے جلسہ کے موقعہ پر اشتہار کے ذریعے تبادلہ خیالات کی عام دعوت دی جسے جماعت احمدیہ دولت پور پٹھانکوٹ نے قبول کرتے ہوئے شرائط مناظرہ طے کیں اور آریوں کا جلسہ ختم ہونے کے دوسرے دن ۱۹ اگست کو پہلے پہر اصول آریہ سماج پر اور پچھلے پہر اصولِ احمدیت پر مناظرہ ہوا۔ ہر مضمون کے لئے سوا تین گھنٹے وقت تھا۔ پہلی تقریریں آدھ آدھ گھنٹہ اور بعد کی تقریریں پندرہ پندرہ منٹ کی تھیں۔ پہلے مضمون میں جماعت احمدیہ کی طرف سے مہاشہ محمد عمر صاحب مولوی فاضل مناظر اور مولوی ظہور حسین صاحب مبلغ بخارا پریذیڈنٹ تھے۔ آریہ مناظر پنڈت شانتی پرکاش صاحب نے اپنی پہلی تقریر میں ویدوں کے متعلق کہا کہ وہ ابتدائے دنیا میں اُتارے گئے تھے اور اُن میں سائنس کی باتیں ہیں۔ پرمیشور کے متعلق اعلیٰ تعلیم ہے وغیرہ۔ مہاشہ صاحب نے اپنی تقریر میں بتایا کہ پرمیشور کے متعلق ویدک تعلیم یہ ہے کہ وہ مالوں کو چُراتا اور چُرواتا ہے۔ سوم رس پیتا ہے اور ایسی مثالوں سے بعض نصائح کی گئی ہیں کہ انسان کو بیان کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ ویدوں کے محرّف و مبدّل ہونے کے ثبوت میں مختلف مثالیں پیش کیں اور مختلف ایڈیشنوں سے دکھایا کہ بعض ویدوں میں سے منتر کے منتر اُڑا دیئے گئے ہیں۔ اور بعض جگہ بیس پچیس منتروں تک زائد کر دیئے گئے ہیں۔ ویدوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ کس پر نازل ہوئے اور ویدک تعلیم کے متعلق مثالوں سے بتایا کہ وہ ہرگز قابلِ عمل نہیں۔ آریہ مناظر نے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن آخر تک مہاشہ صاحب کے اعتراضات کا قطعاً کوئی جواب نہ دے سکا۔ قرآن مجید اور مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات پر جو اعتراضات پنڈت صاحب نے کئے۔ مہاشہ صاحب مکرم نے ان کے تسلی بخش جواب دیئے اور ایسا اچھا اثر ہوا کہ غیر احمدی مسلمانوں نے بھی تعریف کی۔ دوسرے مناظرہ میں جماعت احمدیہ کی طرف سے چودھری محمد یار صاحب عارف مناظر تھے۔ آپ نے پہلی تقریر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض حوالے جن سے احمدیت اور اسلام کے اصول ایک ہی ثابت ہوتے ہیں سُنانے کے بعد دس اصول جماعت احمدیہ کے بیان کئے مثلاً آپ نے بتایا کہ ہم

---

[1] "الفضل" ۱۹ ہجرت/جون ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲، ایضاً "الفضل" ۲۶ احسان/جون ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵

خدا کو ایک مانتے ہیں۔ آریوں کی طرح صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ رُوح و مادہ کو پیدا کرنے والا مان کر اس کی حقیقی توحید کے قائل ہیں۔ پھر یہ کہ ہم زندہ خدا کو ماننے والے ہیں۔ اس کو کامل صفات والا مانتے ہیں۔ ایسی تعلیم دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں جس پر ہر انسان عمل کر سکتا ہے۔ ایسی الہامی کتاب ماننے کی دعوت دیتے ہیں جس کی زبان زندہ اور جو ہر ضروری دعویٰ خود کرتی اور خود ہی اس کے دلائل دیتی ہے وغیرہ۔ آپ نے ہر بات کے لئے قرآن مجید سے ثبوت دیا اور ساتھ ساتھ آریوں کے پرمیشور اور ویدوں کا اور ویدک تعلیم کا نہایت موثر طریق سے مقابلہ کیا۔ آریہ مناظر نے کھڑے ہوتے ہی کہا کہ یہ مناظرہ مسلمانوں سے نہیں بلکہ احمدیوں سے ہے۔ اس لئے میں بیان کردہ امور کی بجائے حضرت مرزا صاحب (علیہ السلام) کی باتیں پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد اُس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اعتراضات کئے اور بعد کی تقریروں میں بھی پیشگوئیوں اور الہامات وغیرہ پر اعتراض کرتا رہا۔ عارف صاحب نے جواب میں ستیارتھ پرکاش کے دو چار حوالے پڑھ کر جن میں اسلام پر گندے اعتراضات کئے گئے ہیں بتایا کہ آریہ سماج کے مقابلہ میں سب مسلمان ایک ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیشک مامور ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنا ماننا ضروری قرار دیا۔ لیکن آپ کی بعثت کی غرض تو اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنا تھی۔ پھر پیشگوئیوں اور الہامات پر اعتراضات کے مدلّل جواب دیئے۔ بعد کی تقریروں میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اسلام کا نمائندہ ثابت کیا اور پنڈت لیکھرام کی پیشگوئی اور مقابلہ کا وضاحت سے ذکر کر کے اسلام کی افضلیت ثابت کی۔ آریہ مناظر نے ہر ممکن کوشش کی کہ مسلمانوں کو جماعت احمدیہ کے خلاف بھڑکائے لیکن احمدی مناظر ایسی عمدگی سے جواب دیتا رہا کہ آریہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بلکہ دورانِ مناظرہ میں جب بعض آریہ ہمارے مناظر کے ناقابل تردید مطالبات اور اپنے پنڈت کی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے بول پڑے تو مسلمانوں نے نہایت سختی سے ان کا مقابلہ کیا۔ احمدی مناظر نے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے اپنے بیان کردہ اصول کو بھی بار بار دُہرا کر پنڈت شانتی پرکاش صاحب کو چیلنج کیا کہ ان کے مقابلہ میں ویدک اصول کی کمزوری کا جواب دیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات پر اعتراض کا جواب دے کر ویدوں کے چالیس پچاس بے معنی منتر پیش کر کے بار بار پُوچھا کہ کیا یہی وہ کامل الٰہی کتاب ہے جس کے قبول کرنے کی دعوت آپ مسلمانوں کو دیتے ہیں اور خواب دیکھا کرتے ہیں کہ اوم کا جھنڈا مکہ اور مدینہ میں بھی گاڑا جائے گا۔ لیکن آریہ مناظر آخر دم تک ان مطالبات کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ آخری تقریر میں عارف صاحب نے نہایت احسن پیرایہ میں تبلیغ کی اور آریوں کو مخاطب کر کے کہا کہ مذہب کوئی کھیل تماشا نہیں۔ جو باتیں ہم نے پیش کی ہیں اُن پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے مناظرہ بہت کامیاب رہا۔ آریہ مناظر نے ہر چند کوشش

کی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات اور تحریرات پر اعتراض کر کے مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرے اور اس کوشش میں اس نے ویدوں اور بانی آریہ سماج پر ہمارے مناظر کے کئے ہوئے اعتراضات کو بالکل نظر انداز کر دیا اور کسی ایک اعتراض کا بھی جواب نہ دیا۔ اس سے جہاں آریہ سماج کے اصولوں کی کمزوری حاضرین پر واضح ہو گئی وہاں جماعت احمدیہ پر عام اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دیئے گئے اور ایسے مسلمان جو احمدیت پر محض اعتراض کرنا ہی جانتے ہیں اور جوابات سننا بھی جنہیں گوارا نہیں ان پر ان اعتراضات کی لغویت اچھی طرح واضح کی گئی اور اس طرح غیر احمدیوں کو تبلیغ کرنے کا ایک نہایت ہی اچھا موقع مل گیا اور تقریباً دو ہزار لوگ جو نصف کے قریب مسلمان تھے نہایت اچھا اثر لے کر گئے۔[1] الحمد للہ علی ذالک۔

مباحثہ مردان ۱۷ ارتبوک/ستمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو بمقام مردان احمدیوں اور غیر احمدیوں کے مابین وفات مسیح اور ختم نبوت کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ احمدیوں کی طرف سے مناظر مولوی چراغ الدین صاحب مبلغ سلسلہ تھے اور غیر احمدی اصحاب کی طرف سے مولوی مصلح الدین صاحب۔ مناظرہ میں غیر احمدی عالم لاجواب ہو گئے۔[2]

مباحثہ کُلشنا (بنگال) بنگال میں کُلشنا اہلحدیث کا مشہور گاؤں تھا جہاں قریشی محمد حنیف صاحب قمر سائیکل سیاح کا مولوی نعمت اللہ صاحب اور دیگر چار علماء سے مسئلہ حیات و وفات مسیح پر مباحثہ ہوا۔ پندرہ منٹ کے بعد مولوی نعمت اللہ صاحب مجلس سے فرار کر گئے اور اُن کے باقی رفقاء گالیوں پر اُتر آئے۔ قریشی صاحب نے جب اہلحدیث کتب خانہ سے بعض کتابیں لے کر انہی سے حوالے دکھانے شروع کئے تو اُن سے کتابیں چھین لی گئیں اور کتب خانہ مقفل کر دیا۔[3]

مباحثہ مونگ (ضلع گجرات) جماعت احمدیہ اور جماعت حنفیہ مونگ کے درمیان ۲۹-۳۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو مباحثہ قرار پایا تھا۔ شرائط حسب ذیل تھیں:-

(۱) مبحث تین ہوں گے (۱) وفات مسیح (۲) ختم نبوت (۳) صداقت حضرت مسیح موعود

(۲) مابہ الاستدلال قرآن، حدیث و اقوال اہلسنت والجماعت و اقوال حضرت مرزا صاحب و بزرگان احمدی

(۳) پہلی تقریر بیس بیس منٹ کی اور اس کے بعد ہر تقریر دس منٹ کی۔ مباحثہ تین گھنٹے دس منٹ ہوگا۔ پہلی اور پچھلی تقریر مدعی کی ہوگی۔ (۴) مباحثہ زبانی ہوگا (۵) ہر فریق کے مناظر دائرہ تہذیب میں رہ کر مناظرہ

---

[1] "الفضل" ۵ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۶، ۷۔ [2] "الفضل" ۱۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵ کالم ۴۔
[3] "الفضل" ۱۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵ کالم ۱، ۲۔

کریں گے۔ ہر فریق جو بد زبانی کرے یا تالی بجائے شکست خوردہ سمجھا جائے گا۔ (۶) ہر فریق کے تین تین آدمی حفظ امن کے ذمہ دار ہوں گے۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے سید حیدر شاہ صاحب، خان محمد صاحب اور روشن خاں صاحب قرار پائے، فریق مخالف کی طرف سے راجہ مہدی خاں صاحب، مولوی اللہ دتہ صاحب اور راجہ حاکم خاں صاحب (۷) مباحثہ دائرہ راجہ احمد خاں میں ہوگا (۸) حضرت مرزا صاحب کا صرف قول ہی پیش کیا جائے گا تشریح نہیں کرنی ہوگی۔

حسب قرارداد ۲۹ اکتوبر کو ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے مناظرہ شروع ہوا۔ سامعین کی تعداد خاصی تھی اور اُن میں ہندو اور سکھ بھی شامل تھے۔ پہلے مباحثہ میں جو حیات ممات مسیح پر تھا مدعی لال حسین اختر اور مجیب مولانا محمد یار صاحب عارف تھے۔ مباحثہ نہایت خوش اسلوبی سے ہوا۔ اگرچہ لال حسین صاحب نے لوگوں کو مشتعل کرنے کی کوشش کی مگر عارف صاحب کی تقریر کچھ ایسی مؤثر ہوئی تھی کہ لوگ لال حسین صاحب کے دھوکے میں نہ آئے۔ میدان مناظرہ میں بالکل سکوت چھایا ہوا تھا۔ مخالفین بھی آپ کی تقریر کے وقت ہمہ تن گوش ہو کر سُن رہے تھے۔

دوسرا مباحثہ اسی تاریخ کو زیر صدارت عارف صاحب شیخ عبد القادر صاحب فاضل نومسلم نے کیا۔ آپ نے بھی اپنے وقت میں اچھے دلائل دیئے اور ختم نبوت کے مسئلہ کو بہت عمدگی سے واضح کیا۔

تیسرا مباحثہ ۳۰ اکتوبر کی صبح کو ۹ بجے شروع ہوا۔ اور ایک بجے ختم ہوا۔ اس مباحثہ میں جو صداقت حضرت مسیح موعودؑ پر تھا ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم بی اے۔ ایل ایل بی پلیڈر گجرات کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ اور مناظر چودھری محمد یار صاحب عارف تھے۔ اس مباحثہ میں نقضِ امن کا زیادہ خطرہ تھا مگر قابل صدر کی کوشش سے اور قابل مقرر کی عالمانہ تقریر سے جو درحقیقت خدا کے فضل کے اسباب تھے کوئی ناگوار واقع پیش نہ آیا۔ اگرچہ مخالف احمدیت نے بڑی کوشش کی کہ لوگوں کو مشتعل کرے۔ غلط باتیں پیش کر کے حاضرین کو اُکسایا مگر وہ اپنے بد ارادہ میں کامیاب نہ ہوا۔[۱]

مباحثہ پیرول (بہار) پیرول صوبہ بہار (انڈیا) کی ایک بستی ہے جہاں ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے آخر میں ابو البشارت مولوی عبد الغفور صاحب فاضل نے ایک غیر احمدی عالم سے ایک گھنٹہ تک مناظرہ کیا۔ جب غیر احمدیوں نے دیکھا کہ ان کے مولوی صاحب احمدیت کے معقول دلائل تسلیم کر چکے ہیں اور بعض سے ساکت آ گئے ہیں تو انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا اور سلسلہ گفتگو ختم ہو گیا۔[۲]

مباحثہ لاہور مسجد احمدیہ (بیرون دہلی دروازہ) لاہور میں ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو مسئلہ نبوت پر اور ۱۷ نبوت/نومبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو مسئلہ کفر و اسلام پر غیر مبائع اصحاب سے نہایت کامیاب مناظرے ہوئے۔

[۱] "الفضل" ۹ نبوت/نومبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۶
[۲] "الفضل" ۲۳ نبوت/نومبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵ کالم ۲-۳

مبلغین سلسلہ عالیہ احمدیہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کے ساتھ (دسمبر ۱۹۳۹ء) ناموں کی تفصیل ضمیمہ میں درج ہے

سالانہ جلسہ قادیان

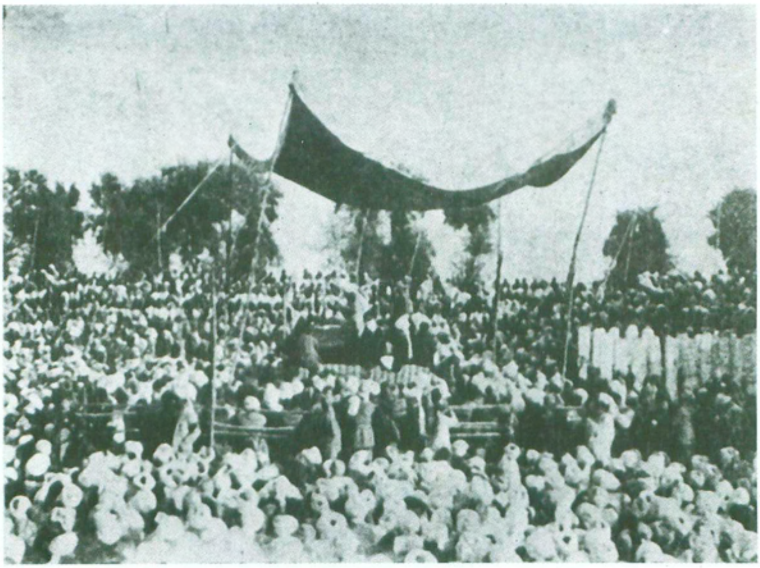

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ تقریر فرما رہے ہیں

اوّل الذکر موضوع میں جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے میاں محمد عمر صاحب بی۔ایس۔سی۔ایل۔ایل۔بی نے اور فریق لاہور کی طرف سے مولوی احمد یار صاحب نے بحث کی۔میاں محمد عمر صاحب نے اثبات نبوت مسیح موعودؑ میں چار فیصلہ کن دلائل پیش کئے اور ہر دلیل کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی واضح تحریرات پیش کیں اور غیر مبائعین کے غلط استدلال کے دندان شکن جوابات دیئے مگر فریق لاہور کے مناظر صاحب بار بار دو ایک حوالوں کو ہی دہراتے رہے[1]

شیخ روشن دین صاحب تنویر کا قبول احمدیت

اس سال جو خوش نصیب سلسلہ احمدیہ سے وابستہ ہوئے۔ان میں شیخ روشن دین صاحب تنویر[2] بی۔اے، ایل ایل بی سیالکوٹ (حال مدیر "الفضل") خاص طور پہ قابل ذکر ہیں۔آپ نے ۲۰؍صلح؍جنوری ۱۳۱۹ھش؍۱۹۴۰ء کو بیعت کا فارم پُر کیا۔شیخ صاحب نے انہی دنوں اپنے قبول احمدیت کے حالات "الفضل" میں بھی شائع کرا دیئے تھے جن کا ایک ضروری حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"دسمبر ۱۹۳۹ء کے شروع میں میری ایک مربیّہ[3] نے جو نہایت مخلص احمدی ہیں مجھے قادیان دارالامان کی زیارت کی دعوت دی۔مَیں نے یونہی کچا پکا وعدہ کر لیا۔انہی دنوں محترمی محمد نذیر صاحب فاروقی ضلعدار ریاست بہاولپور نے بھی (جو میرے لنگوٹیے یار ہیں) ایک خط میں اسی قسم کی دعوت دی۔ان کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ دیرینہ مفارقت کے بعد ملاقات کا اچھا موقعہ ہاتھ آجائے گا۔مزید برآں مرکز سے بھی ایک فارمل دعوت ایک عزیز نے بھجوا دی۔اس سہ گونہ دعوت کا مقابلہ میری بے پروائی سے نہ ہو سکا۔

۲۴ دسمبر ۱۹۳۹ء کی مبارک صبح کو مَیں قادیان کا واپسی ٹکٹ خرید کر پلیٹ فارم پہ گاڑی کی روانگی کے انتظار میں ٹہل رہا تھا کہ اخویم چودھری شاہنواز صاحب ایڈووکیٹ سے مڈھ بھیڑ ہوئی مَیں نے اُن سے قادیان جانے کا تذکرہ کیا مگر ان کو یقین نہ آیا۔اور آتا بھی کس طرح۔ان کو خوب معلوم تھا کہ مَیں احمدیت کا سخت مخالف ہوں جب مَیں نے اُن کو ٹکٹ دکھایا تو وہ حیران رہ گئے۔انہوں نے فرمایا۔قادیان سے تم ضرور احمدی ہو کر پلٹو گے۔مَیں نے جواب دیا یہ ناممکن ہے۔آپ جانتے ہیں مجھ جیسا آزاد منش آدمی ایسی قیدوں میں نہیں سما سکتا۔مَیں تو صرف ایک

---

[1] عبدالرحمٰن صاحب مغل سیکرٹری تبلیغ حلقہ دہلی دروازہ لاہور نے اس مباحثہ کی مفصل روئیداد "الفضل" ۲۹؍نبوت؍نومبر ۱۳۱۹ھش؍۱۹۴۰ء میں شائع کرادی تھی۔

[2] ولادت ۲۰؍اپریل ۱۸۹۲ء۔۱۶؍اخاء؍اکتوبر ۱۳۲۵ھش؍۱۹۴۶ء سے اخبار "الفضل" کی ادارت کے فرائض ادا کر رہے ہیں۔آپ کی تالیفات: "صور اسرافیل" (ابتدائی دینی نظموں کا مجموعہ) "اسلام میں ارتداد کی سزا" اس کے علاوہ "الامام المہدی" اور "الجہاد" کے عنوان سے آپ کے معرکۃ الآراء مضامین رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو میں شائع ہوئے۔

[3] ان کا نام سکینہ بی بی ہے۔

تماشہ دیکھنے جا رہا ہوں تعطیلات ہیں، لاہور نہ سہی قادیان سہی - اتنے میں روانگی کی سیٹی بجی اور ہم سوار ہو گئے - ویرکا ریلوے سٹیشن تبدیلی کے لئے اُترنا پڑا - پلیٹ فارم پر، احمدی خاندانوں کے خاندان اُتر پڑے پلیٹ فارم سوٹ کیسوں، ٹرنکوں اور بستروں سے پٹ گیا - اس منظر نے ایک عجیب و غریب اثر میرے دل پر کیا - مجھے ایسا معلوم ہوا کہ صدیوں کی سوئی ہوئی کوئی چیز میرے رگ پے میں بھاگ رہی ہے - مرد، عورتیں اور بچے، بچے کچھ ماؤں کی گودوں میں، اور کچھ ننھے ننھے قدم اُٹھاتے ہوئے، انگلیاں پکڑے، اس سردی کے موسم میں، کنبوں کے کنبے، گھروں کو تالے لگا کر، کس شوق و ذوق سے آمادۂ سفر ہیں پختگیٔ اعتقاد کا ایک مقدس پہاڑ میری نگاہوں میں بلند ہو رہا تھا - مرد، عورتیں اور بچے، ماؤں کی گودوں میں ہمکتے ہوئے بچے چلتے پھرتے بچے، سب میری آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر رہے تھے میں ایک اور ہی دنیا میں چلا گیا - ایسی دُنیا میں جو گذشتہ دنیا سے پاکیزہ تر اور ارفع و اعلیٰ تھی - جو مقدس اعتقاد کی دنیا ہے - جہاں سوائے صفائی قلب اور جذب رُوحانی کے اور کچھ نہیں - یہ اثر تھا جو میری رُوح پر ہوا - یہ پہلا اثر تھا جس نے زیارتِ قادیان کا جوش پوری طاقت کے ساتھ میرے دل میں پیدا کر دیا - انتظار کی گھڑیاں مجھے قیامت کی صدیاں معلوم ہونے لگیں - خدا خدا کر کے ہماری گاڑی آ پہنچی اور میں بڑے اشتیاق کے ساتھ سوار ہوا - اگرچہ گاڑی میں اس قدر بھیڑ تھی کہ بہت سے لوگوں کو کھڑے ہونے کے لئے بھی جگہ میسر نہ تھی اور مسافر سخت تنگی میں تھے مگر مجھے اشتیاق قادیان کی وجہ سے اس کھچا کھچی میں بھی ایک لطف آ رہا تھا - اور میں اپنے آپ کو جنت میں بیٹھا ہوا تصور کرتا تھا - گو گاڑی کی رفتار مجھے سُست معلوم ہوتی تھی - میں چاہتا تھا کہ میری رُوح اور جسم کی تمام طاقت بھی انجن کی قوت کے ساتھ مل جائے اور گاڑی فوراً قادیان پہنچ جائے - غروبِ آفتاب کے وقت آخر گاڑی قادیان کے سٹیشن پر جا کھڑی ہوئی سٹیشن پر اتنا ہجوم تھا کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا - یہ ابھی پہلا روز تھا چھبیس تاریخ کو جلسہ کا آغاز ہونا تھا - ایک حشر تھا کہ بپا ہو گیا تھا - تقدس کا ایک سمندر تھا کہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور میں اس کی موجوں کی آغوش میں ہچکولے کھا رہا تھا جس مکان میں ہم ٹھہرے وہ محلہ دارالبرکات میں واقع تھا - محلوں کے نام سُنتے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہم خلد بریں میں آ گئے ہیں - عزت و تکریم کی لہر میری رگ رگ میں دوڑ گئی اور ایک رُوحانی بارش میری رُوح پر برس رہی تھی - ایک بیرونی کمرے میں ہم اُترے - نیچے کماد کا چھلکا بچھا تھا - سردی کا موسم تھا - نرم گدیلوں میں یہ لطف کہاں - آرام و تعیش پر موت وارد ہو چکی تھی - سوا تسکین کے اور کوئی بات ہی نہ تھی لنگر سے کھانا منگوایا - کھایا اور سو رہے -

صبح اُٹھ کر بازار سے ہوتے ہوئے بہشتی مقبرہ کی زیارت کی - قبروں کی قطاریں زندہ انسانوں کی صفیں معلوم

ہوتی تھیں۔ مُردوں کی پاک نفسی قبروں کے گوشوں سے نکل نکل کر میری رُوح سے ہم آغوش ہو گئی۔ تربتوں کی سادگی نہایت جاذب نظر تھی۔ زندہ مُردوں کی ایک دُنیا! ایسے مُردے کہ جن کے سامنے مجھ جیسا زندہ ایک مُردہ معلوم ہوتا۔ یہ اُن عقیدت کیش لوگوں کی آخری آرام گاہ ہے جنہوں نے اپنا تن، من، دھن اسلام کے نام پہ قربان کر دیا۔ پاک نفسوں کا اتنا بڑا جمگھٹا شاید ہی کسی اور جگہ دیکھنے میں آئے۔ بے اختیار میرے ہاتھ فاتحہ کے لئے اُٹھ گئے اور میری رُوح ان مٹی کی پاک قبروں کے ساتھ لپٹ گئی۔ بعدۂ ہم اس چار دیواری میں داخل ہوئے جہاں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مزار مقدس ہے۔ سادگی پہ ہزاروں بناوٹیں قربان ہو رہی تھیں۔ خاک کے ذرّے ذرّے سے صداقت کی آواز اُٹھ رہی تھی۔ یہ قبر اس انسان کی تھی جس نے اپنے مسیحائی کے دعوے کی وجہ سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کے ساتھ عمر بھر نبرد آزمائی کی جس کی تکفیر کے فتوے لکھے گئے جس پر عیاذاً باللہ صرف عیاشی کے ہی اتہام نہ لگائے گئے بلکہ جس کو قتل کی دھمکیاں بھی دی گئیں اور جس کی اہانت کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا۔ مگر خدا نے اس کو ہر ایک گزند سے بچایا۔ وہی انسان آج اس سادہ سے اور تہی از تکلّف مزار کی آغوش میں جاودانی نیند پڑا سو رہا ہے۔ اس مٹی کی ڈھیری نے میرے دل میں ایمان کا شعلہ بھڑکا دیا اور مَیں ایک مضطرب جان لے کر وہاں سے لوٹا۔

. . . . . بعد دوپہر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی باتیں، انجمن خدام احمدیہ کے جلسہ میں سُنیں۔ اس گرانمایہ شخصیت کے متعلق جتنے شکوک مَیں اپنے دل میں لے کر آیا تھا تمام کے تمام اس طرح مِٹ گئے کہ گویا کبھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ اتنا سادہ اور پُرزور کلام مَیں نے پہلے کبھی نہیں سُنا۔ تقریر میں کوئی دقیق مسائل نہیں بیان کئے گئے تھے۔ سادہ روزمرّہ کی باتیں تھیں۔ مگر انہی سادہ باتوں میں خدا جانے کہاں کی جاذبیت تھی کہ مَیں نے ایک ایک لفظ ہمہ تن گوش ہو کر سُنا۔ اور اپنے آپ کو زندہ سے زندہ تر پایا۔ دورانِ جلسہ میں حضور کی دیگر تقاریر بھی سُنیں جو اپنی سادگی، برجستگی، اور تاثیر کے لحاظ سے بے مثل تھیں۔ باوجود ان تاثرات کے مَیں پکا غیر احمدی رہا اور مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۹ء کو صبح کی گاڑی قادیان سے رخصت ہو کر گھر کو روانہ ہوا۔ میرے ہمراہ اور بھی بہت سے لوگ اس گاڑی پہ واپس ہو رہے تھے جو عموماً احمدی تھے۔ میرے ڈبے میں ایک شخص کے پاس چند کتب تھیں جو وہ قادیان سے خرید کر لایا تھا۔ مَیں نے دفع الوقتی کے لئے ایک کتاب اُن میں سے اُٹھائی اور پڑھنے لگا۔ یہ کتاب حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی تقریر ”انقلاب حقیقی“ تھی۔ اس تقریر کے ختم کرنے تک مَیں

دل میں احمدی ہو چکا تھا۔ زمین تو پہلے تیار تھی۔ صرف بیج ڈالنے کی دیر تھی جو "انقلاب حقیقی" نے ڈال دیا۔ اور خدا کی رحمت یکبارگی مجھ پر نازل ہو گئی۔ پہلے مَیں نے احمدیہ لٹریچر کا مطالعہ ایک مخالفانہ نکتہ نگاہ سے کیا ہوا تھا۔ وہ تمام مطالعہ اب یکدم مجھ پر کریمانہ انداز سے جھپٹا اور مَیں شکار ہو گیا۔ مجھے اپنے آپ پر خود یقین نہ آتا تھا۔ میری رگ رگ میں ایک ہیجان بپا تھا اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ابھی ابھی میری روح میرے جسم کو چھوڑ دے گی جس طرح اچانک کسی ہتھیلی پر جلتا ہوا کوئلہ رکھ دیا جائے اور وہ اس اثر سے تلملانے لگے یہی حال میری رُوح کا تھا۔ عید قربان کی نماز جامع احمدیہ سیالکوٹ میں ادا کی اور گھر آ کر بیعت کا فارم پُر کر کے امیر جماعت احمدیہ سیالکوٹ کو بھیجدیا جس کے زیر عنوان مندرجہ ذیل فی البدیہہ رُباعی تھی ؎

عید قُربان ہے آج اے تنویرؔ
مجھ پر ہے فضلِ ربِّ سُبحانی
پیش کرتا ہوں رُوح و قلب و دماغ
کاش منظور ہو یہ قُربانی "[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۲؍ شہادت/اپریل $\frac{۱۳۱۹}{۱۹۴۰ء}$ ہش کو خطبہ جمعہ کے دوران شیخ صاحب موصوف کے شامل احمدیت ہونے کا ذکر بایں الفاظ فرمایا:۔

"ابھی سیالکوٹ میں ایک دوست احمدیت میں داخل ہوئے ہیں۔ شیخ روشن الدین صاحب تنویرؔ ان کا نام ہے اور وکیل ہیں۔ جب مجھے ان کی بیعت کا خط آیا تو مَیں نے سمجھا کہ کالج کے فارغ التحصیل نوجوانوں میں سے کوئی نوجوان ہوں گے مگر اب جو وہ ملنے کے لئے آئے اور شوریٰ کے موقع پر مَیں نے انہیں دیکھا تو اُن کی ڈاڑھی میں سفید بال تھے۔ مَیں نے چوھری اسد اللہ خاں صاحب سے ذکر کیا کہ مَیں سمجھتا تھا کہ یہ نوجوان ہیں اور ابھی کالج میں سے نکلے ہیں مگر ان کی تو ڈاڑھی میں سفید بال آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ تو دس بارہ سال سے وکیل ہیں۔ پہلے احمدیت کے سخت مخالف ہوا کرتے تھے مگر احمدی ہو کر تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی کایا ہی پلٹ دی ہے۔"[2]

---

[1] "الفضل" ۱۵؍ امان/مارچ $\frac{۱۳۱۹}{۱۹۴۰ء}$ ہش صفحہ ۴-۵ ؁
[2] "الفضل" ۲۱؍ شہادت/اپریل $\frac{۱۳۱۹}{۱۹۴۰ء}$ ہش صفحہ ۱۲ کالم ۲ ؁

دوسرا باب

اشاعتِ احمدیت کی خصوصی تحریک سے لیکر واقعہ ڈلہوزی تک

خلافتِ ثانیہ کا اٹھائیسواں[۲۸] سال

ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ (صلح ۱۳۲۰ ہش / جنوری ۱۹۴۱ء) تا ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ (فتح ۱۳۲۰ ہش / دسمبر ۱۹۴۱ء)

فصل اوّل

صحابہ کرام کو اشاعتِ احمدیت کیلئے سرگرمِ عمل ہونے کی تحریک

۳/ صلح ۱۳۲۰ ہش / جنوری ۱۹۴۱ء کو سال کا پہلا جمعہ تھا جس کے خطبہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سالِ نو کا پروگرام رکھتے ہوئے صحابہ مسیح موعودؑ کو تلقین فرمائی کہ وہ احمدیت کی عمارت کو دنیا میں مضبوط و مستحکم بنانے کے لئے ہر ممکن جلد جلد سے کام لیں۔ چنانچہ حضور نے فرمایا :-

"ہر دن اور ہر رات ہمیں موت کے قریب کرتی جا رہی ہے اور صحابیوں کے بعد جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا یہ کام تابعین کے ہاتھ میں اور پھر ان کے بعد تبع تابعین کے ہاتھوں میں جائیگا۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ آئندہ احمدی ہونے والے جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں دیکھا وہ یہ تو کہہ سکیں کہ ہم نے آپ کے دیکھنے والوں کو دیکھا یا یہ کہ آپ کے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا۔ پس جن لوگوں نے حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا اُن کی زندگیاں بہت قیمتی ہیں اور جتنا کام وہ کر سکتے ہیں دوسرے نہیں کر سکتے، اس لئے اُن کو کوشش کرنی چاہیئے کہ مرنے سے قبل احمدیت کو مضبوط کر دیں تا دُنیا کو معلوم ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ نے ایسی محنت سے کام کیا کہ احمدیت کو دنیا میں پھیلا کر مرے۔"[۵۱]

حضرت امیر المومنینؓ کا خطاب خدام الاحمدیہ کے تیسرے سالانہ اجتماع پر

خدام الاحمدیہ کا تیسرا سالانہ اجتماع ۶ ؍ تبلیغ ۱۳۲۰ ہش ؍ فروری ۱۹۴۱ء کو مسجد اقصیٰ میں منعقد ہوا[۵۲] جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے نماز ظہر کے بعد ایک نہایت ایمان افروز خطاب فرمایا اور نوجوانانِ احمدیت کو خاص طور پر اس طرف توجہ دلائی کہ :-

"....... حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے کہ اپنی زندگیوں میں اسلامی تعلیم کا کامل نمونہ پیش کر کے توڑ دو اُس تہذیب اور تمدن کی عمارت کو جو اس وقت دنیا میں اسلام کے خلاف کھڑی ہے ٹکڑے ٹکڑے کر دو اُس قلعہ کو جو شیطان نے اس میں بنا لیا ہے اُسے زمین کے ساتھ لگا دو بلکہ اس کی بنیادیں تک اکھیڑ کر پھینک دو۔ اور اس کی جگہ وہ عمارت کھڑی کرو جس کا نقشہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کو دیا ہے۔ یہ کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا اور اس کام کی اہمیت بیان کرنے کے لئے کسی لمبی چوڑی تقریر کی ضرورت نہیں ہر انسان سمجھ سکتا ہے کہ دنیا کے جس گوشہ میں ہم جائیں، دُنیا کی جس گلی میں سے ہم گذریں، دُنیا کے جس گاؤں میں ہم اپنا قدم رکھیں وہاں ہمیں جو کچھ اسلام کے خلاف نظر آتا ہے اپنے نیک نمونہ سے اُسے مٹا کر اس کی جگہ ایک ایسی عمارت بنانا جو قرآن کریم کے بنائے ہوئے نقشہ کے مطابق ہو ہمارا کام ہے۔ پس تم سمجھ سکتے ہو کہ تمہارا عمل اور تمہارا طور اور تمہارا طریق اُسی وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشا کو پورا کرنے والا ہو سکتا ہے جبکہ تم دنیا میں خدا نما وجود ہو۔ اور اسلام کی اشاعت کے لئے کفر کی ہر طاقت سے ٹکر لینے کے لئے تیار رہو"[۵۳]

---

[۵۱] الفضل ۱۴ ؍ صلح ۱۳۲۰ ہش ؍ جنوری ۱۹۴۱ء صفحہ ۴ کالم ۱ [۵۲] اس اجتماع کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں پہلی بار بیرونی خدام نے بھی شرکت کی۔ [۵۳] یہ تقریر "الفضل" ۲-۴-۶-۷ اکتوبر ۱۹۶۰ء میں بالاقساط شائع ہوئی۔

[۵۳] "الفضل" ۲ ؍ اخاء ۱۳۳۹ ہش ؍ اکتوبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۴ کالم ۱

سفر سندھ

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس سال بھی سندھ تشریف لے گئے۔ حضور ۲۱ شہادت/اپریل کو روانہ ہوئے اور ۲۱ ہجرت/مئی کو واپس قادیان دارالامان میں تشریف لائے۔[۵۱] حضور اپنے سفر کے دوران ۴ ہجرت ۱۳۲۰ ہش / مئی ۱۹۴۱ء کو معہ اہلبیت بذریعہ کار ناصر آباد سے کراچی تشریف لے جا رہے تھے کہ [illegible] سٹیشن کے راستہ میں کار کو ایک خطرناک حادثہ پیش آیا۔ مگر حضور معجزانہ طور پر محفوظ رہے۔[۵۲]

حضرت امیر المومنینؓ کی آل انڈیا ریڈیو سٹیشن سے حالات عراق کی نسبت تقریر

دوسری جنگ عظیم کے دوران مشہور مسلم مملکت عراق کو ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں شیخ رشید علی جیلانی اور ان کے ساتھیوں نے شورش برپا کر دی جس پر مسلمانانِ عالم نے سخت نفرت و حقارت کا اظہار کیا۔ شیخ رشید علی کے طرزِ عمل سے نازی طاقتوں کی حوصلہ افزائی ہوئی اور عالم اسلام کے مقدس ترین مقامات خطرہ میں گھر گئے۔ ان حالات میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خاموش رہنا گوارا نہ فرمایا اور ۲۵ ہجرت ۱۳۲۰ ہش / مئی ۱۹۴۱ء کو آٹھ بجکر پچاس منٹ پر لاہور ریڈیو سٹیشن سے "عراق کے حالات پر تبصرہ" کے عنوان سے ایک اہم تقریر فرمائی جسے دہلی اور لکھنؤ کے سٹیشنوں نے بھی نشر کیا۔ اس تقریر کا متن درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"عراق کی موجودہ شورش دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے بھی اور ہندوستانیوں کے لئے بھی تشویش کا موجب ہو رہی ہے۔ عراق کا دارالخلافہ بغداد اور اس کی بندرگاہ بصرہ اور اس کے تیل کے چشموں کا مرکز موصل ایسے مقامات ہیں جن کے نام ایک مسلمان بچپن ہی سے روشناس ہو جاتا ہے۔ بنو عباس کی حکومت علوم و فنون کی ترقی کو مدنظر رکھتے ہوئے طبعًا مسلمانوں کے لئے ایک خوشکن یادگار ہے لیکن الف لیلہ جو عربی علوم کی طرف توجہ کرنے والے بچوں کی بہترین دوست ہے اسی نے تو بغداد اور بصرہ اور موصل کو ان سے اس طرح روشناس کر رکھا ہے کہ آنکھیں بند کرتے ہی بغداد کے بازار اور بصرہ کی گلیاں اور موصل کی سڑکیں ان کے سامنے اس طرح آکھڑی ہوتی ہیں گویا کہ انہوں نے ساری عمر انہی میں بسر کی ہے۔ میں اپنی نسبت تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ بچپن میں بغداد اور بصرہ مجھے لنڈن اور پیرس سے کہیں زیادہ دلکش نظر آیا کرتے تھے کیونکہ اول الذکر میرے علم کی دیواروں کے باہر نہ تھے اور ثانی الذکر میری قوتِ واہمہ کے ساتھ تمام عالم میں پرواز کرتے نظر آتے تھے۔ جب ذرا بڑے ہوئے تو علم حدیث نے امام احمد بن حنبلؒ کو نقشہ

---

۵۱ "الفضل" ۲۳ شہادت ۱۳۲۰ ہش / اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۳ ۔
۵۲ "الفضل" ۲۳ ہجرت ۱۳۲۰ ہش / مئی ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۱ ۔
۵۳ "الفضل" ۷ ہجرت ۱۳۲۰ ہش / مئی ۱۹۴۱ء صفحہ ۱ کالم ۳ ۔ "الفضل" ۱۵ ہجرت ۱۳۲۰ ہش / مئی ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۱

امام ابوحنیفہؒ اور امام یوسفؒ کو تصوّف نے، جنیدؒ۔ شبلیؒ اور سید عبدالقادر جیلانیؒ کو تاریخ نے، عبدالرحمٰن بن فہیمؒ کو علمِ تدریس نے، نظام الدین طوسیؒ کو ادب نے، مبردؒ۔ سیبویہؒ۔ جریرؒ اور فرزدقؒ کو سیاست ہارون۔ مامون اور ملک شاہ جیسے لوگوں کو جو اپنے دائرہ میں یادگار زمانہ تھے اور ہیں ایک ایک کرکے آنکھوں کے سامنے لاکر اس طرح کھڑا کیا کہ اب تک اُن کے کمالات کے مشاہدہ سے دِل اُمید سے پُر ہیں اور افکار بلند پروازیوں میں مشغول۔

اِن کمالات کے مظہر اور دلکشیوں کے پیدا کرنے والے عراق میں فتنہ کے ظاہر ہونے پر مسلمانوں کے دِل دُکھے بغیر کس طرح رہ سکتے ہیں، کیا اِن ہزاروں بزرگوں کے مقابر جو دنیوی نہیں روحانی رشتہ سے ہمارے ساتھ منسلک ہیں اِن پر بمباری کا خطرہ ہمیں بے فکر رہنے دے سکتا ہے؟ عراق سُنی اور شیعہ دونوں کے بزرگوں کے مقدس مقامات کا جامع ہے۔ وہ مقام کے لحاظ سے بھی اسلامی دُنیا کے قلب میں واقع ہے۔ پس اس کا امن ہر مسلمان کا مقصود ہے۔ آج وہ امن خطرہ میں پڑ رہا ہے اور دنیا کے مسلمان اِس پر خاموش نہیں رہ سکتے اور خاموش نہیں ہیں۔ دُنیا کے ہر گوشہ کے مسلمان اِس وقت گھبراہٹ ظاہر کر رہے ہیں اور ان کی یہ گھبراہٹ بجا ہے کیونکہ وہ جنگ جس کے تصفیئے کی افریقہ کے صحراء میڈیٹرینین کے سمندر میں اُمید کی جاتی تھی اب وہ مسلمانوں کے گھروں میں لڑی جائیگی۔ اب ہماری مساجد کے صحن اور ہمارے بزرگوں کے مقابر کے احاطے اُس کی آماجگاہ بنیں گے۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جرمنوں نے جن ملکوں پر قبضہ جما رکھا ہے اُن کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ اگر شیخ رشید علی جیلانی اور ان کے ساتھی جرمنی سے سازباز نہ کرتے تو اسلامی دُنیا کے لئے یہ خطرہ پیدا نہ ہوتا۔

اِس فتنہ کے نتیجہ میں ٹرکی گِھر گیا ہے، ایران کے دروازہ پر جنگ آگئی ہے، شام جنگ کا راستہ بن گیا ہے، عراق جنگ کی آماجگاہ ہو گیا ہے، افغانستان جنگ کے دروازہ پر کھڑا ہوا ہے، اور سب سے بڑا خطرہ یہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ مقامات جو ہمیں ہمارے وطنوں، ہماری جانوں، اور ہماری عزتوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں جنگ اُن کی عین سرحد تک آگئی ہے۔ وہ بے فصیلوں کے مقدس مقامات، وہ ظاہری حفاظت کے سامانوں سے خالی جگہیں جن کی دیواروں سے ہمارے دل لٹک رہے ہیں اب بمباروں اور چھاتہ بردار طیاروں کی زد میں ہیں۔ اور یہ سب کچھ ہمارے ہی چند بھائیوں کی غلطی سے ہوا ہے کیونکہ اُن کی اس غلطی سے پہلے جنگ اِن مقاماتِ مقدسہ سے سینکڑوں میل پرے تھی۔

ان حالات میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اِس فتنہ کو اس کی ابتداء میں ہی دبا دینے کی کوشش کرے - ابھی وقت ہے کہ جنگ کو پرے دھکیل دیا جائے کیونکہ ابھی تک عراق اور شام میں جرمنی اور اٹلی کی فوجیں کسی بڑی تعداد میں داخل نہیں ہوئیں۔ اگر خدانخواستہ بڑی تعداد میں فوجیں یہاں داخل ہوگئیں تو یہ کام آسان نہ رہیگا ۔جنگ کی آگ سُرعت کے ساتھ عرب کے صحراء میں پھیل جائے گی۔

اِس فتنہ کا مقابلہ شیخ رشید علی صاحب یا مفتی یوروشلم کو گالیاں دینے سے نہیں کیا جاسکتا، انہیں غدّار کہکر ہم اس آگ کو نہیں بجھا سکتے۔ مَیں شیخ رشید صاحب کو نہیں جانتا لیکن مفتی صاحب کا ذاتی طور پر واقف ہوں ۔میرے نزدیک وہ نیک نیّت آدمی ہیں اور اُنکی مخالفت کی یہ وجہ نہیں کہ اُنکو جرمنی والوں نے خرید لیا ہے بلکہ اُن کی مخالفت کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جنگِ عظیم میں جو وعدے اتحادیوں نے عربوں سے کئے تھے وہ پورے نہیں کئے گئے۔ ان لوگوں کو بُرا کہنے سے صرف یہ نتیجہ نکلے گا کہ اُن کے واقف اور دوست اشتعال میں آجائینگے ۔کیونکہ جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اپنے تجربے کی بناء پر دیانتدار سمجھتا ہے تو جب کوئی اس دوسرے شخص پر بددیانتی کا الزام لگائے تو خواہ جس فعل کی وجہ سے بددیانتی کا الزام لگایا گیا ہے بُرا ہی کیوں نہ ہو چونکہ اس پہلے شخص کے نزدیک وہ فعل بددیانتی کے باعث سے نہیں ہوتا وہ اُس الزام کی وجہ سے جسے وہ غلط خیال کرتا ہے اس دوسرے مجرم شخص سے ہمدردی کرنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ اُس کے افعال میں شریک ہوجاتا ہے ۔پس ان ہزاروں لاکھوں لوگوں کو جو عالمِ اسلامی میں شیخ رشید اور مفتی یوروشلم سے حسنِ ظنّی رکھتے ہیں ٹھوکر اور ابتلاء سے بچانے کے لئے ہمارا فرض ہے کہ اس نازک موقع پر اپنی طبائع کو جوش میں نہ آنے دیں اور جو بات کہیں اس میں صرف اصلاح کا پہلو مدّنظر ہو اظہارِ غضب مقصود نہ ہو تاکہ فتنہ کم ہو بڑھے نہیں۔ یاد رہے کہ اس فتنہ کے بارہ میں اس قدر سمجھ لینا کافی ہے کہ شیخ رشید علی صاحب اور اُن کے رفقاء کا یہ فعل اسلامی ملکوں اور اسلامی مقدس مقامات کے امن کو خطرہ میں ڈالنے کا موجب ہوا ہے ہمیں ان کی نیتوں پر حملہ کرنے کا نہ حق ہے اور نہ اس سے کچھ فائدہ ہے اِسوقت تو مسلمانوں کو اپنی ساری طاقت اس بات کے لئے خرچ کردینی چاہئیے کہ عراق میں پھر امن ہوجائے۔ اور یہ اُسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ مسلمان جان اور مال سے انگریزوں کی مدد کریں اور اس فتنہ کے پھیلنے اور بڑھنے سے پہلے ہی اس کے دبانے میں اُن کا ہاتھ بٹائیں تاکہ جنگ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ سے دُور رہے اور ترکی ایران عراق اور شام اور فلسطین اس خطرناک آگ کی لپٹوں سے محفوظ رہیں - یہ وقت

بھنوں کا نہیں کام کا ہے۔ اس وقت ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے ہمسایوں کو اس خطرے سے آگاہ کرے جو عالم اسلام کو پیش آنے والا ہے تاکہ ہر مسلمان اپنا فرض ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائے اور جو قربانی بھی اُس سے ممکن ہو اُسے پیش کردے۔ جنگ کے قابل آدمی اپنے آپ کو بھرتی کے لئے پیش کریں اور روپیہ والے لوگ روپیہ سے اور اہل دین، اہل قلم اپنی علمی قوتوں کو اس خدمت میں لگا دیں اور جس سے اور کچھ نہیں ہو سکتا وہ کم سے کم دُعا کرے کہ اللہ تعالےٰ اس جنگ سے اسلامی ملکوں کو محفوظ رکھے۔ اور ہمارے جن بھائیوں سے غلطی ہوئی ہے اُن کی آنکھیں کھول دے کہ وہ خود ہی پشیمان ہو کر اپنی غلطی کا ازالہ کرنے میں لگ جائیں۔

میرے نزدیک عراق کا موجودہ فتنہ صرف مسلمانوں کے لئے تازیانۂ تنبیہہ نہیں بلکہ ہندوستان کی تمام اقوام کے لئے تشویش اور فکر کا موجب ہے کیونکہ عراق میں جنگ کا دروازہ کھلنے کی وجہ سے جنگ ہندوستان کے قریب آگئی ہے اور ہندوستان اب اس طرح محفوظ نہیں رہا جس طرح کہ پہلے تھا۔ جو فوج عراق پر قابض ہو عرب یا ایران کی طرف سے آسانی سے ہندوستان کی طرف بڑھ سکتی ہے۔ پس ہندوستان کی تمام اقوام کو اس وقت آپس کے جھگڑے بھلا کر اپنے ملک کی حفاظت کی خاطر برطانوی حکومت کی امداد کرنی چاہیئے کہ یہ اپنی ہی امداد ہے۔ شاید شیخ رشید علی جیلانی کا خیال ہو کہ سابق عالمگیر جنگ میں عربوں کو یقین دلایا گیا تھا کہ ایک متحد عرب حکومت کے قیام میں اُن کی مدد کی جائیگی مگر ہوا یہ کہ عرب جو پہلے ترکوں کے ماتحت کم سے کم ایک قوم تھے اب چار پانچ ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئے ہیں۔ بے شک انگریزوں نے عراق کو ایک حد تک آزادی دی ہے مگر عربوں نے بھی سابق جنگ میں کم قربانیاں نہ کی تھیں۔ اگر اس غلطی کے ازالہ کا عہد کر لیا جائے تو مَیں یقین رکھتا ہوں کہ سب اسلامی دنیا متحد ہو کر اپنے علاقوں کو جنگ سے آزاد رکھنے کی کوشش کرے گی .... اس جنگ کے بعد پولینڈ اور زیکوسلوکیہ کی آزادی ہی کا سوال حل نہیں ہونا چاہیئے بلکہ متحدہ عرب کی آزادی کا بھی سوال حل ہو جانا چاہیئے ... . شام فلسطین اور عراق کو ایک متحد اور آزاد حکومت کے طور پر ترقی کرنیکا موقع ملنا چاہیئے۔ انصاف اس کا تقاضا کرتا ہے۔"[۵۱]

اخبار "ریاست" دہلی کا تبصرہ یہ نشری تقریر ملک کے مختلف حلقوں میں بہت پسند کی گئی[۵۲]۔ چنانچہ دہلی کے

---

۵۱ "الفضل" ۲۷ رمئی ۱۹۴۱ء / ۲۷ ہجرت ۱۳۲۰ ہش صفحہ ۱ و ۲ + ۵۲ اخبار اصلاح ۲۹ رمئی ۱۹۴۱ء صفحہ ۱

مشہور سکھ اخبار "ریاست" ۲؍جون ۱۹۴۱ء نے اس پر حسب ذیل الفاظ میں تبصرہ کیا:۔

"غلام اقوام اور غلام ممالک کے کیریکٹر کا سب سے کمزور پہلو یہ ہوتا ہے کہ ان کے افراد اخلاقی سچائی اور جراُت سے محروم ہو جاتے ہیں اور چاپلوسی جھوٹ خوشامد اور بزدلی کی سپرٹ ان میں نمایاں ہو جاتی ہے۔ عراق کا رشید علی برطانوی حکومت یا برطانوی رعایا کے نقطۂ نگاہ سے غلطی پر ہو یا اس کا برطانیہ سے جنگ کرنا غیر مناسب ہو مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ شخص اپنے ملک کی سیاسی آزادی کے لئے لڑ رہا ہے اور اس کو کسی قیمت پر بھی اپنے ملک کا غدار یا ٹریٹر[1] قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مگر ہمارے غلام ملک کے والیان ریاست اور لیڈروں کا کیریکٹر دیکھیئے جو والی ریاست عراق کے متعلق تقریر کرتا ہے رشید علی کو غدار[2] کہہ کر پکار رہا ہے اور جو لیڈر جنگ کے متعلق بیان دیتا ہے سب سے پہلے وہ رشید علی کو ٹریٹر قرار دیتا ہے اور پھر اپنے بیان کی بسم اللہ کرتا ہے۔ اور ان والیانِ ریاست اور لیڈروں کا کیریکٹر غلامی کے باعث اسقدر پست ہے کہ یہ غلط خوشامد اور چاپلوسی کو ہی ملک یا حکومت کی خدمت سمجھ رہے ہیں۔ ہمارے والیانِ ریاست اور لیڈروں کی اس احمقانہ خوشامد کی موجودگی میں قادیان کی احمدی جماعت کے پیشوا کی اخلاقی جراُت آپ کا بلند کیریکٹر اور آپ کی صاف بیانی دلچسپی اور مسرت کے ساتھ محسوس کی جائیگی جس کا اظہار آپ نے پچھلے ہفتہ اپنی ریڈیو کی ایک تقریر میں کیا"[3]

فصل دوم

حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی کا وصال

۱۳۲۰ ہش / ۱۹۴۱ء میں جن جلیل القدر صحابہ نے انتقال کیا اُن میں سب سے ممتاز اور سب سے قدیم اور انتہائی پاک نفس بزرگ حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی تھے جنہوں نے ۱۸۸۹ء میں لدھیانہ کی بیعت اولیٰ کے موقعہ پر حضرت منشی اروڑا صاحب کے بعد بیعت کا شرف حاصل کیا اور ساری عمر سلسلہ احمدیہ کی نہایت درجہ عاشقانہ اور والہانہ خدمات بجا لانے کے بعد ۲۰؍ظہور ۱۳۲۰ ہش / ۲۰؍اگست ۱۹۴۱ء کی صبح کو انتقال فرما گئے۔[4]

جماعت احمدیہ کی کوئی تاریخ آپ کے تذکرہ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔[5] حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۳۱۳ اصحاب

---

[1] "Traitor" [2] دغاباز [3] "الفضل" ۷؍احسان ۱۳۲۰ ہش / جون ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۳ [4] الفضل ۹؍تبوک ۱۳۲۰ ہش / ستمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۲
[5] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "اصحاب احمد" جلد چہارم مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے قادیان

کی فہرست میں آپ کا نام نمبر ۹ پر درج فرمایا[۵۱]۔ علاوہ ازیں حضور علیہ السلام کی کتب اشتہارات اور مکتوبات میں آپ کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً "ازالہ اوہام" میں آپ کی نسبت حسب ذیل تعریفی کلمات موجود ہیں:۔

"حبی فی اللہ[۵۲] منشی ظفر احمد صاحب۔ یہ جوان صالح، کم گو اور خلوص سے بھرا دقیق فہم آدمی ہے۔ استقامت کے آثار و انوار اس میں ظاہر ہیں۔ وفاداری کی علامات و امارات اس میں پیدا ہیں۔ ثابت شدہ صداقتوں کو خوب سمجھتا ہے اور اُن سے لذت اٹھاتا ہے۔ اللہ اور رسول سے سچی محبت رکھتا ہے اور ادب جس پر تمام مدار حصولِ فیض کا ہے۔ اور حسن ظن جو اس راہ کا مرکب ہے دونوں سیرتیں ان میں پائی جاتی ہیں جزاھم اللہ خیر الجزاء"[۵۳]

حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ دسمبر ۱۹۳۷ء میں بیمار ہوئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۶ دسمبر ۱۹۳۷ء کو اُن کے فرزند شیخ محمد احمد صاحب مظہر[۵۴] ایڈووکیٹ کپورتھلہ کو اپنے قلم مبارک سے ایک مکتوب میں لکھا کہ:۔

"منشی صاحب کی بیماری کی خبر سے افسوس ہوا۔ آپ یہ کام ضرور کریں کہ بار بار پوچھ پوچھ کر اُن سے ایک کاپی میں سب روایات حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق لکھوا لیں۔ اس میں تاریخی اور واعظانہ امور سب ہی قسم کی ہوں یعنی صرف ملفوظات ہی نہ ہوں بلکہ سلسلہ کی تاریخ اور حضور علیہ السلام کے واقعاتِ تاریخی بھی ہوں۔ یہ آپ کے لئے ثواب اور اُن کے لئے بہترین یادگار اور سلسلہ کے لئے ایک کار آمد سامان ہوگا۔ والسلام

خاکسار

مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی) ۱۵-۱۲-۳۷

محترم شیخ محمد احمد صاحب نے اپنے آقا کے اس ارشاد کی تعمیل میں ۱۹ دسمبر ۱۹۳۷ء سے روایات تحریر کرنا شروع کر دیں۔ حضرت منشی صاحبؓ جو واقعات لکھاتے تھے آپ انہی کے الفاظ میں اور اُسی ترتیب سے قلمبند کرتے گئے۔ حضرت منشی صاحبؓ نے قریباً سوا سو نہایت مؤثر پُر در روایات[۵۵] لکھوائیں۔ اس سلسلہ کی آخری روایت یہ تھی کہ:۔

"حضور میں یہ ایک خاص بات ہم نے دیکھی کہ اگر معترض کے پاس اعتراض کرنے کے کافی الفاظ نہ ہوتے تھے تو حضور اس کو اظہار مدعا میں مدد دیتے تھے حتیٰ کہ معترض سمجھتا کہ اب جواب نہیں ہو سکیگا پھر حضور جب جواب دیتے تو سماں بندھ جاتا۔"

[۵۱] ضمیمہ "انجام آتھم" صفحہ ۴۱ کالم ۱ [۵۲] ایضاً "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۵۸۲ (حاشیہ) [۵۳] "ازالہ اوہام" طبع اوّل صفحہ ۸۰۰۔
[۵۴] حال امیر جماعت ہائے احمدیہ ضلع لائلپور مغربی پاکستان [۵۵] صفحہ ۸۶ تا ۱۴۰ (طبع اوّل) مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے قادیان۔

جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہرؔ یہ روایت درج کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"۶/ اگست ۱۹۴۱ء کو عاجز نے مندرجہ بالا روایات لکھیں اور اس روایت کے بعد کہ "حضور میں یہ ایک خاص بات میں نے دیکھی" عرض کیا کہ کچھ اور لکھوائیں۔ والد صاحبؓ نے نہایت دردمندانہ الفاظ میں آبدیدہ ہو کر فرمایا " محمد احمد! ہمیں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسی خاص الخاص خدمات کا موقع ملا ہے کہ ہم تو وہ باتیں اب بیان بھی نہیں کر سکتے"۔ روایات کے متعلق آپ کے یہ آخری الفاظ تھے جو بعد میں مضمون کو ختم کرنے والے ثابت ہوئے۔ کیونکہ اس کے بعد روایات لکھنے کا عاجز کو موقع نہیں ملا۔ ۱۳/ اگست ۱۹۴۱ء کو آپ بیمار ہو گئے۔ ۱۹/ اگست ۱۹۴۱ء کو بہت کمزور ہو چکے تھے۔ .... ۲۰/ اگست ۱۹۴۱ء کو صبح ۶½ بجے آپ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون"۔

حضرت منشی صاحبؓ کی بیان فرمودہ یہ سب روایات پہلی بار ریویو آف ریلیجنز اردو (صلح ۱۳۲۱ ہش / جنوری ۱۹۴۲ء) میں چھپیں۔ بعد ازاں ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے نے انکو "اصحاب احمد" کی چوتھی جلد میں بھی شائع کر دیا۔

حضرت امیر المومنینؓ کی زبانِ مبارک سے حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ اور کپورتھلہ کے دوسرے عشاقِ احمدیت کا مفصّل تذکرہ

حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی کی رحلت جماعت احمدیہ کے لئے ایک بہت بڑا قومی المیہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۲/ ماہ ظہور ۱۳۲۰ ہش (۲۲/ اگست ۱۹۴۱ء) کو ایک مفصّل خطبہ ارشاد فرمایا جس کے شروع میں اُن کے جنازہ کی نسبت فرمایا کہ :-

"اس ہفتہ جماعت کو ایک نہایت ہی درد پہنچانے والا اور تکلیف میں مبتلا کرنے والا واقع پیش آیا ہے یعنی منشی ظفر احمد صاحبؓ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتدائی صحابہ میں سے ایک تھے وہ اس ہفتہ میں فوت ہو گئے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس وقت ڈلہوزی میں تھا جب اُنکی نعش یہاں لائی گئی اور میں اس جنازہ میں جو اُن کی لاش پر پڑھا گیا شامل نہیں ہو سکا۔ مجھے ایسے وقت میں اطلاع ہوئی جبکہ میں کل صبح ہی آ سکتا تھا۔ پہلے تو میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ تار دوں کہ جنازہ کو اس وقت تک روک لیا جائے جب تک میں نہ پہنچ جاؤں لیکن گرمی کی وجہ سے اور اس خیال سے کہ کہیں اس عرصہ تک روکنے سے نعش کو نقصان نہ پہنچے میں نے تار دینا مناسب نہ سمجھا اور اس بات کو مقامی لوگوں پر چھوڑ دیا کہ اگر نعش رہ سکتی ہے تو وہ میرا انتظار کریں گے کیونکہ انہیں علم ہے کہ

میں آنے والا ہوں اور اگر مناسب نہ ہوا تو وہ انتظار نہیں کریں گے۔ چنانچہ جب میں یہاں پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ پرسوں رات ہی انہیں دفن کیا جا چکا ہے۔ سو میں جمعہ کے بعد اُن کا جنازہ پڑھوں گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کس حد تک یہاں کے لوگوں کو اس جنازہ کا علم ہوا اور وہ کس حد تک اس میں شامل ہوئے لیکن بہرحال جو لوگ اُن کے جنازہ میں شامل نہیں ہو سکے تھے اب اُن کو بھی موقع مل جائیگا اور جو لوگ شامل ہو چکے ہیں انہیں دوبارہ دُعا کا موقعہ مل جائیگا۔ .... میں سمجھتا ہوں لوگوں کو یہ احساس ہونا چاہیئے کہ وہ لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کے ابتدائی ایام میں آپ پر ایمان لائے، آپ سے تعلق پیدا کیا اور ہر قسم کی قربانیاں کرتے ہوئے اس راہ میں انہوں نے ہزاروں مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کیں اُن کی وفات جماعت کے لئے کوئی معمولی صدمہ نہیں ہوتا۔ میرے نزدیک ایک مومن کو اپنی بیوی اپنے بچوں اپنے باپ اپنی ماں اور اپنے بھائیوں کی وفات سے اِن لوگوں کی وفات کا بہت زیادہ صدمہ ہونا چاہیئے اور یہ واقعہ تو ایسا ہے کہ دل اُس کا تصوّر کر کے سخت دردمند ہوتا ہے کیونکہ منشی ظفر احمد صاحبؓ ان آدمیوں میں سے آخری آدمی تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ابتدائی ایام میں اکٹھے رہے اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ یہ رتبہ پنجاب کی دو ریاستوں کو ہی حاصل ہوا۔ پٹیالہ میں میاں عبد اللہ صاحبؓ سنوری کو خدا تعالیٰ نے یہ رُتبہ دیا۔ اور کپورتھلہ میں منشی اروڑے خان صاحبؓ، عبد المجید خان صاحب کے والد منشی محمد خان صاحبؓ اور منشی ظفر احمد صاحبؓ کو یہ رُتبہ ملا۔ یہ چار آدمی تھے جن کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دعویٰ ماموریت اور بیعت سے بھی پہلے کے تعلقات تھے اور اس قسم کے خادمانہ تعلقات تھے کہ ایک منٹ کے لئے بھی دُور رہنا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ پس ایسے لوگوں کی وفات ایک بہت بڑا اور اہم مسئلہ ہوتا ہے اور اِن لوگوں کے لئے دُعا کرنا اُن پر احسان کرنا نہیں ہوتا بلکہ اپنے اوپر احسان ہوتا ہے۔"[1]

ازاں بعد حضور نے حضرت منشی عبد اللہ صاحبؓ سنوری، حضرت منشی روڑے خان صاحبؓ، حضرت منشی محمد خان صاحبؓ اور حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کے بلند مقام کا تذکرہ کرتے ہوئے اُن کے والہانہ اخلاص و فدائیت کے متعدد واقعات بیان کئے۔ چنانچہ فرمایا:—

"وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ابتدائی زمانہ میں خدمات کی ہیں ایسی ہستیاں ہیں کہ جو

---

[1] الفضل ۲۸ ظہور ۱۳۲۰ ہش / اگست ۱۹۴۱ء صفحہ ۱، ۲ ❖

دنیا کے لئے ایک تعویذ اور حفاظت کا ذریعہ ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے انبیاء کا قرب رکھتے ہیں، خدا تعالیٰ کے نبیوں اور اُس کے قائم کردہ خلفاء کے بعد دوسرے درجہ پر دنیا کیلئے امن اور سکون کا باعث ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسے لوگ بڑے لیکچرار ہوں، یہ ضروری نہیں کہ ایسے لوگ خطیب ہوں، یہ ضروری نہیں کہ ایسے لوگ پھر پھر کر لوگوں کو تبلیغ کرنے والے ہوں اُن کا وجود ہی لوگوں کے لئے برکتوں اور رحمتوں کا موجب ہوتا ہے اور جب کبھی خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی نافرمانی کی وجہ سے کوئی عذاب نازل ہونے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس عذاب کو روک دیتا ہے اور کہتا ہے ابھی اِس قوم پر مت نازل ہو کیونکہ اِس میں ہمارا ایسا بندہ موجود ہے جسے اس عذاب کی وجہ سے تکلیف ہوگی پس اُس کی خاطر دنیا میں امن اور سکون ہوتا ہے۔ مگر یہ لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے یہ تو اس عام درجہ سے بھی بالا تھے۔ اِن کو خدا نے آخری زمانہ کے مامور اور مُرسَل کا صحابی اور پھر ابتدائی صحابی بننے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور ان کی والہانہ محبت کے نظارے ایسے ہیں کہ دنیا ایسے نظارے صدیوں میں بھی دکھانے سے قاصر رہے گی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے وہ نظارہ نہیں بھولتا اور نہیں بھول سکتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر ابھی چند ماہ ہی گذرے تھے کہ ایک دن باہر سے مجھے کسی نے آواز دے کر بلوایا اور خادمہ یا کسی بچہ نے بتایا کہ دروازہ پر ایک آدمی کھڑا ہے اور وہ آپ کو بُلا رہا ہے میں باہر نکلا تو منشی روڑے خاں صاحب مرحومؓ کھڑے تھے۔ وہ بڑے تپاک سے آگے بڑھے مجھ سے مصافحہ کیا اور اس کے بعد انہوں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے انہوں نے اپنی جیب سے دو یا تین پاؤنڈ نکالے اور مجھے کہا کہ یہ اماں جان کو دے دیں اور یہ کہتے ہی اُن پر ایسی رقّت طاری ہوئی کہ وہ چیخیں مار کر رونے لگ گئے اور اُن کے رونے کی حالت اس قسم کی تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے بکرے کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ میں کچھ حیران سا رہ گیا کہ یہ رو کیوں رہے ہیں۔ مگر میں خاموش کھڑا رہا۔ انتظار کرتا رہا کہ وہ خاموش ہوں تو ان سے رونے کی وجہ دریافت کروں۔ اِس طرح وہ کئی منٹ تک روتے رہے۔ منشی روڑے خاں صاحب مرحومؓ نے بہت ہی معمولی ملازمت سے ترقی کی تھی۔ پہلے کچہری میں وہ چپڑاسی کا کام کرتے تھے، پھر اہلمد کا عہدہ آپ کو مل گیا۔ اس کے بعد نقشہ نویس ہو گئے۔ پھر اور ترقی کی تو سررشتہ دار ہو گئے اس کے بعد ترقی پا کر نائب تحصیلدار ہو گئے اور پھر تحصیلدار بن کر ریٹائر ہوئے۔ ابتداء میں اُن کی تنخواہ دس پندرہ روپے سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ جب اُن کو

ذرا صبر آیا تو مَیں نے اُن سے پُوچھا کہ آپ روئے کیوں ہیں۔ وہ کہنے لگے۔ مَیں غریب آدمی تھا۔ مگر جب بھی مجھے چھٹی ملتی قادیان آنے کے لئے چل پڑتا تھا۔ سفر کا بہت سا حصّہ مَیں پیدل ہی طے کرتا تھا تاکہ سلسلہ کی خدمت کے لئے کچھ پیسے بچ جائیں مگر پھر بھی روپیہ ڈیڑھ روپیہ خرچ ہو جاتا۔ یہاں آکر جب مَیں امراء کو دیکھتا کہ وہ سلسلہ کی خدمت کے لئے بڑا روپیہ خرچ کر رہے ہیں تو میرے دل میں خیال آتا کہ کاش میرے پاس بھی روپیہ ہو اور مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں چاندی کا تحفہ لانے کی بجائے سونے کا تحفہ پیش کروں۔ آخر میری تنخواہ کچھ زیادہ ہو گئی (اُس وقت اُن کی تنخواہ شاید بیس پچیس روپیہ تک پہنچ گئی تھی) اور مَیں نے ہر مہینے کچھ رقم جمع کرنی شروع کر دی اور مَیں نے اپنے دل میں یہ نیّت کی کہ جب یہ رقم اِس مقدار تک پہنچ جائے گی جو مَیں چاہتا ہوں تو مَیں اسے پونڈوں کی صورت میں تبدیل کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرونگا۔ پھر کہنے لگے کہ میرے پاس ایک پونڈ کے برابر رقم جمع ہو گئی۔ پھر وہ رقم دے کر مَیں نے ایک پونڈ لے لیا۔ پھر دوسرے پونڈ کے لئے رقم جمع کرنی شروع کر دی۔ اور جب کچھ عرصہ کے بعد اس کے لئے رقم جمع ہو گئی تو دوسرا پونڈ لے لیا۔ اِس طرح مَیں آہستہ آہستہ کچھ رقم جمع کر کے انہیں پونڈوں کی صورت میں تبدیل کرتا رہا اور میرا منشا یہ تھا کہ مَیں یہ پونڈ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کرونگا۔ مگر جب میرے دل کی آرزو پوری ہو گئی اور پونڈ میرے پاس جمع ہو گئے تو یہاں تک وہ پہنچے تھے کہ پھر اُن پر رقّت کی حالت طاری ہو گئی اور آخر روتے روتے انہوں نے اس فقرہ کو اِس طرح پورا کیا کہ جب پونڈ میرے پاس جمع ہو گئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔ یہ اخلاص کا کیسا شاندار نمونہ ہے کہ ایک شخص چندے بھی دیتا ہے قربانیاں بھی کرتا ہے۔ مہینہ میں ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں بلکہ تین تین دفعہ جمعہ پڑھنے کے لئے قادیان پہنچ جاتا ہے سلسلہ کے اخبار اور کتابیں بھی خریدتا ہے۔ ایک معمولی سی تنخواہ ہوتے ہوئے جبکہ آج اس تنخواہ سے بہت زیادہ تنخواہیں وصول کرنے والے اس قربانی کا دسواں بلکہ بیسواں حصّہ بھی قربانی نہیں کرتے اُس کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ امیر لوگ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں سونا پیش کرتے ہیں تو مَیں اُن سے پیچھے کیوں رہوں۔ چنانچہ وہ ایک نہایت ہی قلیل تنخواہ میں سے ماہوار کچھ رقم جمع کرتا اور ایک عرصہ دراز تک جمع کرتا رہتا ہے، نامعلوم اِس دوران میں اُس نے اپنے گھر میں کیا کیا تنگیاں برداشت کی

ہونگی کیا کیا تکلیفیں تھیں جو اُس نے خوشی سے جھیلی ہونگی محض اِس لئے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں اشرفیاں پیش کر سکے۔ مگر جب اُس کی خواہش پورا کرنے کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حکمت اُس کو اِس رنگ میں خوشی حاصل کرنے سے محروم کر دیتی ہے جس رنگ میں وہ اُسے دیکھنا چاہتا تھا۔ مَیں نے کئی دفعہ سُنایا ہے کہ منشی روڑے خاں صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ بعض غیر احمدی دوستوں نے کہا کہ تم ہمیشہ ہمیں تبلیغ کرتے رہتے ہو فلاں جگہ مولوی ثناء اللہ صاحب آئے ہوئے ہیں تم بھی چلو اور اُنکی باتوں کا جواب دو۔ منشی روڑے خاں صاحب مرحوم کچھ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے دورانِ ملازمت میں ہی انہیں پڑھنے لکھنے کی جو مشق ہوئی وہی انہیں حاصل تھی۔ وہ کہنے لگے جب ان دوستوں نے اصرار کیا تو مَیں نے کہا اچھا چلو۔ چنانچہ وہ انہیں جلسہ میں لے گئے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے احمدیت کے خلاف تقریر کی اور اپنی طرف سے خوب دلائل دیئے۔ جب تقریر کر کے وہ بیٹھ گئے تو منشی روڑے خاں صاحبؓ سے اُن کے دوست کہنے لگے کہ بتاؤ اِن دلائل کا کیا جواب ہے؟ منشی روڑے خاں صاحبؓ فرماتے تھے مَیں نے اُن سے کہا۔ یہ مولوی ہیں مَیں اَن پڑھ آدمی ہوں اِن کی دلیلوں کا جواب تو کوئی مولوی ہی دے گا۔ مَیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ مَیں نے مرزا صاحبؑ کی شکل دیکھی ہے وہ جھوٹے نہیں ہو سکتے۔ اِسی طرح ایک دفعہ کسی دوست نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک واقعہ سُنایا جس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہنسے اور مجلس میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگ بھی بہت محظوظ ہوئے۔ منشی روڑے خاںؓ صاحبؓ شروع میں قادیان بہت زیادہ آیا کرتے تھے۔ بعد میں چونکہ اہم کام اُن کے سپرد ہو گئے اسلئے جلدی چھٹی ملنا اُن کے لئے مشکل ہو گیا تھا مگر پھر بھی وہ قادیان اکثر آتے رہتے تھے۔ ہمیں یاد ہے۔ جب ہم چھوٹے بچے ہوا کرتے تھے تو ان کا آنا ایسا ہی ہوا کرتا تھا جیسے کوئی مدتوں کا بچھڑا ہوا بھائی سالہا سال کے بعد اپنے کسی عزیز سے آکر ملے۔ کپورتھلہ کی جماعت میں سے منشی روڑے خاں صاحبؓ منشی ظفر احمد صاحبؓ اور منشی محمد خان صاحبؓ جب بھی آتے تھے تو اُن کے آنے سے ہمیں بڑی خوشی ہوا کرتی تھی۔ غرض اُس دوست نے بتایا کہ منشی روڑے خاں صاحبؓ تو ایسے آدمی ہیں کہ یہ مجسٹریٹ کو بھی ڈرا دیتے ہیں۔ پھر اُس نے سُنایا کہ ایک دفعہ انہوں نے مجسٹریٹ سے کہا مَیں قادیان جانا چاہتا ہوں مجھے چھٹی دے دیں۔ اُس نے انکار کر دیا۔ اُسوقت وہ سیشن جج کے دفتر میں لگے ہوئے تھے انہوں نے کہا۔ قادیان میں مَیں نے ضرور جانا ہے مجھے آپ چھٹی دے دیں۔ وہ کہنے لگا کام بہت ہے اِس وقت

آپ کو چھٹی نہیں دی جاسکتی ۔ وہ کہنے لگے بہت اچھا ! آپ کا کام ہوتا رہے میں تو آج ہی بددعائیں لگ جاتا ہوں ۔ آپ اگر نہیں جانے دیتے تو نہ جانے دیں ۔ آخر اُس مجسٹریٹ کو کوئی ایسا نقصان پہنچا کہ وہ سخت ڈر گیا اور جب بھی ہفتہ کا دن آتا وہ عدالت والوں سے کہتا کہ آج کام ذرا جلدی بند کر دینا ۔ کیونکہ منشی روڑے خاں صاحب کی گاڑی کا وقت نکل جائیگا ۔ اِس طرح وہ آپ ہی جب بھی منشی صاحبؓ کا ارادہ قادیان آنے کا ہوتا انہیں چھٹی دے دیتا ۔ اور وہ قادیان پہنچ جاتے ۔ پھر اُن کی محبت کا یہ نقشہ بھی مجھے کبھی نہیں بھولتا جو گو انہوں نے مجھے خود ہی سُنایا تھا مگر میری آنکھوں کے سامنے وہ یوں پھر رہا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے اس واقعہ کے وقت میں بھی وہیں موجود تھا ۔ انہوں نے سُنایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک دفعہ ہم نے عرض کیا کہ حضور کبھی کپور تھلہ تشریف لائیں ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وعدہ فرما لیا کہ جب فرصت ملی تو آ جاؤں گا ۔ وہ کہتے تھے ایک دن کپور تھلہ میں میں ایک دکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شدید ترین دشمن اڈے کی طرف سے آیا ۔ اور مجھے کہنے لگا لو تمہارا مرزا کپور تھلے آ گیا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب مہلت ملی وہ اطلاع دینے کا وقت نہ تھا اس لئے آپ بغیر اطلاع دیئے ہی چل پڑے ۔ منشی روڑے خاں صاحب نے یہ خبر سُنی تو وہ خوشی میں ننگے سر اور ننگے پاؤں اڈے کی طرف بھاگے مگر چونکہ خبر دینے والا شدید ترین مخالف تھا ۔ وہ ہمیشہ احمدیت سے تمسخر کرتا رہتا تھا اُن کا بیان تھا کہ تھوڑی دُور جا کر مجھے خیال آیا کہ یہ بڑا خبیث دشمن ہے اِس نے ضرور مجھ سے ہنسی کی ہوگی ۔ چنانچہ مجھ پر جنون سا طاری ہو گیا اور یہ خیال کر کے کہ نا معلوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئے بھی ہیں یا نہیں ۔ میں کھڑا ہو گیا اور میں نے اُسے بے تحاشہ بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا کہ تو بڑا خبیث اور بدمعاش ہے ۔ تو کبھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتا اور ہمیشہ ہنسی کرتا رہتا ہے بھلا ہماری قسمت کہاں کہ حضرت صاحب کپور تھلہ تشریف لائیں ۔ وہ کہنے لگا کہ آپ ناراض نہ ہوں اور جا کر دیکھ لیں مرزا صاحب واقع میں آئے ہوئے ہیں ۔ اُس نے یہ کہا تو میں پھر دوڑا مگر پھر خیال آیا کہ اس نے ضرور مجھ سے دھوکہ کیا ہے چنانچہ پھر میں اُسے کوسنے لگا کہ تو بڑا جھوٹا ہے ہمیشہ مجھ سے مذاق کرتا رہتا ہے ہماری ایسی قسمت کہاں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے ہاں تشریف لائیں ۔ مگر اُس نے پھر کہا ۔ منشی صاحب وقت ضائع نہ کریں مرزا صاحب واقع میں آئے ہوئے ہیں ۔ چنانچہ پھر اسی خیال سے کہ شاید آ ہی گئے ہوں میں دوڑ پڑا مگر پھر یہ خیال آ جاتا کہ کہیں

اس نے دھوکہ ہی نہ دیا ہو۔ چنانچہ پھر اسے ڈانٹا۔ آخر وہ کہنے لگا۔ مجھے بُرا بھلا نہ کہو اور جاکر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو واقع میں مرزا صاحب آئے ہوئے ہیں۔ غرض میں کبھی دوڑتا اور کبھی یہ خیال کرکے کہ مجھ سے مذاق ہی نہ کیا گیا ہو ٹھہر جاتا۔ میری یہی حالت تھی کہ میں نے سامنے کی طرف جو دیکھا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لا رہے تھے۔ اب یہ والہانہ محبت اور عشق کا رنگ کتنے لوگوں کے دلوں میں پایا جاتا ہے۔ یقیناً بہت ہی کم لوگوں کے دلوں میں۔ میاں عبداللہ صاحبؓ سنوری بھی اپنے اندر ایسا ہی عشق رکھتے تھے۔ ایک دفعہ وہ قادیان میں آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُن سے کوئی کام لے رہے تھے اس لئے جب میاں عبداللہ صاحبؓ سنوری کی چھٹی ختم ہوگئی اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جانے کیلئے اجازت طلب کی تو حضور نے فرمایا۔ ابھی ٹھہر جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے مزید رخصت کے لئے درخواست بھجوا دی مگر محکمہ کی طرف سے جواب آیا کہ اور چھٹی نہیں مل سکتی تو انہوں نے اس امر کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ذکر کیا تو آپ نے پھر فرمایا کہ ابھی ٹھہرو۔ چنانچہ انہوں نے لکھ دیا کہ میں ابھی نہیں آسکتا۔ اس پر محکمہ والوں نے انہیں ڈسمس کر دیا۔ چار یا چھ مہینے جتنا عرصہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں رہنے کے لئے کہا تھا وہ یہاں ٹھہرے رہے۔ پھر جب واپس گئے تو محکمہ نے یہ سوال اُٹھا دیا کہ جس افسر نے انہیں ڈسمس کیا تھا اُس افسر کا یہ حق ہی نہیں تھا کہ وہ انہیں ڈسمس کرتا۔ چنانچہ وہ پھر اپنی جگہ پر بحال کئے گئے اور پچھلے مہینوں کی جو قادیان میں گذر گئے تھے تنخواہ بھی مل گئی۔ اسی طرح منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی کے ساتھ واقعہ پیش آیا جو کل ہی ڈلہوزی کے راستہ میں میاں عطاء اللہ صاحب وکیل سلمہ اللہ تعالیٰ نے سُنایا۔ یہ واقعہ الحکم ۱۴ اپریل ۱۹۳۴ء میں بھی چھپ چکا ہے اس لئے منشی صاحب کے اپنے الفاظ میں اسے بیان کرتا ہوں:۔

"میں جب سررشتہ دار ہوگیا اور پیشی میں کام کرتا تھا تو ایک دن مسلیں وغیرہ بند کرکے قادیان چلا آیا۔ تیسرے دن میں نے اجازت چاہی تو فرمایا ابھی ٹھہریں۔ پھر عرض کرنا مناسب نہ سمجھا کہ آپ ہی فرمائیں گے۔ اس پر ایک مہینہ گذر گیا۔ ادھر مسلیں میرے گھر میں تھیں کام بند ہوگیا اور سخت خطوط آنے لگے مگر یہاں یہ حالت تھی کہ ان خطوط کے متعلق وہم بھی نہ آتا تھا۔ حضور کی صحبت میں ایک ایسا لطف اور محویت تھی کہ نہ نوکری جانے کا خیال تھا اور نہ کسی بات پُرسی کا اندیشہ

آخر ایک نہایت ہی سخت خط وہاں سے آیا۔ مَیں نے وہ خط حضرت صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ پڑھا اور فرمایا لکھ دو ہمارا آنا نہیں ہوتا۔ مَیں نے وہی فقرہ لکھ دیا۔ اس پر ایک مہینہ اور گذر گیا۔ تو ایک دن فرمایا کتنے دن ہو گئے۔ پھر آپ ہی گننے لگے اور فرمایا اچھا آپ چلے جائیں۔ مَیں چلا گیا اور کچہری میں پہنچ کر لالہ ہرچرن داس مجسٹریٹ کے مکان پر گیا تاکہ معلوم کروں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا۔ منشی جی! آپ کو مرزا صاحب نے نہیں آنے دیا ہوگا۔ مَیں نے کہا۔ ہاں۔ تو فرمایا اُن کا حکم مقدم ہے۔"

میاں عطاء اللہ صاحب کی روایت میں اسقدر زیادہ ہے کہ منشی صاحب مرحومؓ نے فرمایا۔ کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ لکھ دو ہم نہیں آسکتے۔ مَیں نے وہی الفاظ لکھ کر مجسٹریٹ کو بھجوا دیئے۔ یہ ایک گروہ تھا جس نے عشق کا ایک اعلیٰ درجہ کا نمونہ دکھایا کہ ہماری آنکھیں اب پچھلی جماعتوں کے آگے نیچی نہیں ہو سکتیں۔"[۵۷]

جماعتِ احمدیہ کو نصیحت

حضرت امیر المومنینؓ نے اپنے خطبہ کے آخر میں احباب جماعت کو نصیحت فرمائی کہ:-

"یہ وہ لوگ ہیں جن کے نقشِ قدم پر جماعت کے دوستوں کو چلنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کہنے والے کہیں گے کہ یہ شرک کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ جنون کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ پاگل پن کی تعلیم دی جاتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ پاگل وہی ہیں جنہوں نے اس رستہ کو نہیں پایا اور اُس شخص سے زیادہ عقلمند کوئی نہیں جس نے عشق کے ذریعہ خدا اور اُس کے رسولؐ کو پا لیا۔ اور جس نے محبت میں محو ہو کر اپنے آپ کو اُن کے ساتھ وابستہ کر لیا۔ اب اُسے خدا سے اور خدا کو اُس سے کوئی چیز جُدا نہیں کر سکتی کیونکہ عشق کی گرمی ان دونوں کو آپس میں اس طرح ملا دیتی ہے جس طرح ویلڈنگ کیا جاتا ہے اور دو چیزوں کو جوڑ کر آپس میں بالکل پیوست کر دیا جاتا ہے مگر وہ جسے محض فلسفیانہ ایمان حاصل ہوتا ہے اُس کا خدا سے ایسا ہی جوڑ ہوتا ہے جیسے قلعی کا ٹانکہ ہوتا ہے ذرا گرمی لگے تو ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر جب ویلڈ ہو جاتا ہے تو ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے کسی چیز کا جزو ہو۔ پس اپنے اندر عشق پیدا کرو اور وہ راہ اختیار کرو جو ان لوگوں نے اختیار کی۔ پیشتر اس کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جو صحابی باقی ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں

---

۵۷ الفضل ۲۸ ظہور ۱۳۲۰ہش/ ۲۸ اگست ۱۹۴۱ء صفحہ ۳ تا ۶ +

بیشک ابتدائی گہرا تعلق رکھنے والے لوگوں میں سے منشی ظفر احمد صاحبؓ آخری صحابی تھے مگر ابھی بعض اَور پُرانے لوگ موجود ہیں گو اتنے پُرانے نہیں جتنے منشی ظفر احمد صاحبؓ تھے۔ چنانچہ کوٹلہ میں میر عنایت علی صاحب ابھی زندہ ہیں جنہوں نے ساتویں نمبر پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی تھی مگر پھر بھی یہ جماعت کم ہوتی جا رہی ہے اور وہ لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں آپ سے گہرا تعلق اور بے تکلفی رکھتے تھے اُن میں سے غالباً منشی ظفر احمد صاحب آخری آدمی تھے۔ کپورتھلہ کی جماعت کو ایک یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس جماعت کو یہ لکھکر بھیجا تھا کہ مجھے یقین ہے جس طرح خدا نے اس دنیا میں ہمیں اکٹھا رکھا ہے اسی طرح اگلے جہان میں بھی کپورتھلہ کی جماعت کو میرے ساتھ رکھیگا۔ مگر اس سے کپورتھلہ کی جماعت کا ہر فرد مراد نہیں بلکہ صرف وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ساتھ دیا۔ جیسے منشی روڑے خان صاحبؓ تھے یا منشی محمد خان صاحبؓ تھے یا منشی ظفر احمد صاحبؓ تھے۔ یہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہزاروں نشانوں کا چلتا پھرتا ریکارڈ تھے۔ نامعلوم لوگوں نے کس حد تک ان ریکارڈوں کو محفوظ کیا مگر بہر حال خدا تعالیٰ کے ہزاروں نشانات کے وہ چشم دید گواہ تھے۔ ان ہزاروں نشانات کے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ اور آپ کی زبان اور آپ کے کان اور آپ کے پاؤں وغیرہ کے ذریعے ظاہر ہوئے۔ تم صرف وہ نشانات پڑھتے ہو جو الہامات پورے ہو کر نشان قرار پائے مگر ان نشانوں سے ہزاروں گُنے زیادہ وہ نشانات ہوتے ہیں جو خدا تعالےٰ اپنے بندوں کی زبان ناک کان ہاتھ اور پاؤں پر جاری کرتا ہے اور ساتھ رہنے والے سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ خدا کے نشانات ظاہر ہو رہے ہیں وہ انہیں اتفاق قرار نہیں دیتے کیونکہ وہ نشانات ایسے حالات میں ظاہر ہوتے ہیں جو بالکل مخالف ہوتے ہیں اور جن میں ان باتوں کا پورا ہونا بہت بڑا نشان ہوتا ہے۔ پس ایک ایک صحابی جو فوت ہوتا ہے وہ ہمارے ریکارڈ کا ایک رجسٹر ہوتا ہے جسے ہم زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔ اگر ہم نے ان رجسٹروں کی نقلیں کر لی ہیں تو یہ ہمارے لئے خوشی کا مقام ہے اور اگر ہم نے ان کی نقلیں نہیں کیں تو یہ ہماری بدقسمتی کی علامت ہے۔ بہر حال ان لوگوں کی قدر کرو۔ ان کے نقشِ قدم پر چلو اور اس بات کو اچھی طرح یاد رکھو کہ فلسفیانہ ایمان انسان کے کسی کام نہیں آتا۔ وہی ایمان کام آ سکتا ہے جو مشاہدہ پر مبنی ہو اور مشاہدہ کے بغیر

عشق نہیں ہو سکتا۔ جو شخص کہتا ہے کہ بغیر مشاہدہ کے اُسے محبت کامل حاصل ہو گئی ہے وہ جھوٹا ہے مشاہدہ ہی ہے جو انسان کو عشق کے رنگ میں رنگین کرتا ہے۔ اور اگر کسی کو یہ بات حاصل نہیں تو وہ سمجھ لے کہ فلسفہ انسان کو محبت کے رنگ میں رنگین نہیں کر سکتا۔ فلسفہ فرعونی پیدا کرتا ہے۔" لہ

فصل سوم

حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی طرف سے افغانستان سے حیدرآباد تک پھیلی ہوئی مخلص احمدی جماعتوں کا ذکر۔

حضرت سیٹھ محمد غوث صاحب حیدرآبادی رضی اللہ عنہ ایک نہایت مخلص اور سلسلہ کے فدائی بزرگ تھے۔ ۱۴ ارتبوک /ستمبر کو اُن کی چھوٹی لڑکی (امۃ الحی صاحبہ) کی تقریب نکاح تھی جس کا اعلان حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ حضور نے خطبۂ نکاح میں افغانستان سے لیکر حیدرآباد تک پھیلی ہوئی احمدی جماعتوں کا بڑی شرح و بسط سے ذکر کرتے ہوئے بعض مخلصین کی خاص طور پر تعریف کی۔ چنانچہ فرمایا:—

"اللہ تعالیٰ کی سُنت کے ماتحت جو قدیم سے ماموروں کے متعلق چلی آتی ہے اُس نے ہماری جماعت کو بھی مختلف علاقوں میں پھیلایا ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت ہے کہ الٰہی جماعتیں بطور بیج کے پھینکی جاتی ہیں۔ جس طرح ہم اگر ایک فٹ سے زمین پر دانے پھینکیں تو وہ تھوڑی سی جگہ میں پھیلیں گے لیکن اگر ایک بلند مینار پر سے پھینکیں تو دُور دُور گریں گے اور کسی بلند پہاڑ پر سے پھینکیں تو اَور بھی دُور زمین پر پھیلیں گے۔ اِسی طرح چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان آسمان سے پھینکا جاتا ہے وہ ساری دنیا پر پھیل جاتا ہے۔ .... اِسی پھینکنے میں مختلف علاقوں میں مختلف مدارج کے لوگ پیدا ہوئے ہیں۔ افغانستان میں سید عبداللطیف صاحب شہید۔ نعمت اللہ صاحب شہید اور اَور کئی شہداء پیدا ہوئے۔ پھر کئی اُن میں سے قادیان آگئے۔ اور اُن کے ذریعہ تمام علاقہ میں تبلیغ ہو گئی ورنہ کہاں ہندوستان اور کہاں افغانستان۔ ہمارے لئے تو سرحدوں پر تبلیغ کرنا مشکل تھا مگر یہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت تھی کہ وہ ان لوگوں کو سرحدوں سے پار لے گیا تاکہ تمام علاقہ میں تبلیغ ہو سکے ....

لہ الفضل ۲۸ ظہور ۱۳۲۰ہش / اگست ۱۹۴۱ء صفحہ ۷، ۸، ۹۔

...... کسی کو بہار میں اور کسی کو بنگال میں اور کسی کو یوپی میں بیعت کی توفیق ہوئی، اور ان سب نے اپنی اپنی جگہ پر احمدیت کو پھیلانا شروع کر دیا۔ انہی میں سے ایک حیدر آباد کی جماعت ہے جو یہاں سے قریباً ڈیڑھ ہزار میل دُور ہے۔ بیچ میں ایک لمبا علاقہ ہے جہاں نام کو بھی کوئی احمدی نہیں سی پی کا علاقہ بیچ میں ہے اس میں جتنے احمدی ہیں وہ سب ملا کر بھی شاید شہر حیدر آباد کی جماعت کے برابر نہ ہوں۔ یوپی میں بھی بہت کم ہیں۔ اور ان سب علاقوں کو پار کر کے اللہ تعالےٰ نے حیدر آباد میں ایک جماعت پیدا کر دی اور وہاں ایسے مخلص احباب پیدا ہوئے جنہوں نے احمدیت کے لئے بہت قربانیاں کی ہیں اور ایثار سے کام کیا وہاں جماعت مولوی محمد سعید صاحب کے ذریعہ قائم ہوئی۔ اڑیسہ میں ایک گاؤں سنبل پور سارے کا سارا احمدی ہے۔ اور وہ بھی دراصل حیدر آباد کی ہی پیدا شدہ جماعت ہے۔ سید عبدالرحیم صاحب وہاں کے رہنے والے حیدر آباد آگئے تھے وہاں وہ مولوی محمد سعید صاحب سے ملے۔ مولوی صاحب نے انہیں تبلیغ کی اور بعض کتابیں بھی دیں جن کے مطالعہ سے وہ احمدی ہوگئے اور پھر اُن کے اثر کی وجہ سے یہ گاؤں سارے کا سارا احمدی ہو گیا۔ اس وقت میں جن کی لڑکی کے نکاح کا اعلان کرنے والا ہوں وہ حیدر آباد کے رہنے والے سیٹھ محمد غوث ہیں وہ بھی اُن مخلصین میں ہیں جنکا دل خدمتِ سلسلہ کے لئے گداز ہے اور وہ اسکا بہت ہی احساس رکھتے ہیں۔ ہیں تو وہ پہلے سے احمدی مگر میرے ساتھ اُن کی واقفیت جو ہوئی تو وہ حج کو جاتے ہوئے ۱۹۱۲ء میں ہوئی تھی۔ شاید اُن کو علم ہو کہ میں جا رہا ہوں یا شاید وہ تجارت کے سلسلے میں وہاں آئے ہوئے تھے۔ بہر حال اُن سے میری پہلی ملاقات وہاں ہوئی اور پھر ایسے تعلقات ہو گئے کہ گویا واحد گھر کی صورت پیدا ہو گئی مستورات کے بھی آپس میں تعلقات ہو گئے۔ حج کے موقعہ پر عبدالحی عرب بھی میرے ساتھ تھے وہاں سے روانگی کے وقت سیٹھ صاحب نے اُن کو بعض چیزیں دیں جن میں ایک گلاس بھی تھا۔ وہ انہوں نے عبدالحی صاحب کو یہ کہہ کر دیا تھا کہ جب آپ اس میں پانی پئیں گے تو میں یاد آجاؤنگا اور اس طرح آپ میرے لئے دُعا کی تحریک کر سکیں گے۔ غرض سیٹھ صاحب حیدر آباد کے نہایت مخلص لوگوں میں سے ہیں۔ چندہ کی فراہمی کے لحاظ سے، جماعت میں اتحاد و اتفاق قائم رکھنے کے لحاظ سے انہوں نے بہت اچھا کام کیا ہے اور بغیر اس کے کہ کوئی دقتہ پڑا ہو کیا ہے۔ اور اُن کے اخلاص کا ہی نتیجہ ہے کہ اُن کو اولاد بھی اللہ تعالےٰ نے مخلص دی ہے۔ بعض لوگ خود تو مخلص ہوتے ہیں مگر اُن کی اولاد میں وہ اخلاص نہیں ہوتا مگر سیٹھ صاحب

کی اولاد بھی مخلص ہے۔ ان کے بڑے لڑکے محمد اعظم صاحب میں ایسا اخلاص ہے جو کم نوجوانوں میں ہوتا ہے تبلیغ اور تربیت کی طرف انہیں خاص توجہ ہے۔ میں نے دیکھا ہے ریاستوں میں تبلیغ کرنے سے لوگ عام طور پر ڈرتے ہیں اور کوئی بات ہو بھی تو کوشش کرتے ہیں کہ بڑے بڑے لوگوں کو اس کی اطلاع نہ ہو سکے۔ مگر میں نے دیکھا ہے کہ محمد اعظم صاحب کو شوق ہے کہ ریاست میں کھلی تبلیغ اور اشاعت کی جائے اس کے متعلق وہ مجھ سے بھی مشورہ لیتے رہتے ہیں اور وہاں بھی نوجوانوں میں جوش پیدا کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے لڑکے معین الدین ہیں وہ بھی بہت اخلاص سے سلسلہ کے کاموں میں حصہ لیتے اور خدام الاحمدیہ کی تحریک میں بہت جدوجہد کرتے ہیں۔ ہاتھ سے کام کرنے کی تحریک کو مقبول بنانے کا بھی انہیں شوق ہے۔ لڑکیوں میں سے اُن کی بڑی لڑکیوں کے تعلقات امۃ الحی مرحومہؓ کے ساتھ تھے۔ پھر اُن کی چھوٹی لڑکی خلیل کے ساتھ بیاہی گئی جو تحریک جدید کا مجاہد ہے۔ اس لڑکی کے امۃ القیوم کے ساتھ بہنوں جیسے تعلقات ہیں اور شروع سے اب تک اس خاندان نے ایسے اخلاص کے ساتھ تعلق رکھا اور اسے نبھایا ہے کہ اس میں کبھی بھی کمی نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ ایسے مخلصین کے لئے ذرائع بھی خود مہیا کرتا ہے۔ ان کے لڑکوں کی شادیاں بھی ایسے گھرانوں میں ہوئی ہیں جو بہت مخلص ہیں۔ محمد اعظم کی شادی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص اور فدائی صحابی حکیم محمد حسین صاحبؓ قریشی موجد مفرح عنبری کی لڑکی سے ہوئی ہے قریشی صاحب بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی صحابہ میں سے تھے اور ایسے مخلص تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ابتلاء سے انہیں بچا لیا۔ جب پہلے پہل خلافت کا جھگڑا اُٹھا تو خواجہ صاحب اور اُن کے ساتھیوں نے لاہور کی جماعت کو جمع کیا اور کہا کہ دیکھو سلسلہ کس طرح تباہ ہونے لگا ہے۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی خلافت کا زمانہ تھا جب میر محمد اسحاق صاحبؓ نے بعض سوالات لکھ کر آپ کو دیئے تھے اور آپ نے جواب کے لئے وہ باہر کی جماعتوں کو بھجوا دیئے۔ اُس وقت لاہور کی ساری کی ساری جماعت اس پر متفق ہو گئی تھی کہ دستخط کر کے خلیفہ اوّلؓ کو بھجوائے جائیں کہ خلافت کا یہ طریق احمدیہ جماعت میں نہیں بلکہ اصل ذمہ وار جماعت کی انجمن ہے۔ جب سب لوگ اس امر کی تصدیق کر رہے تھے قریشی صاحب خاموش بیٹھے رہے کہ میں سب سے آخر میں اپنی رائے بتاؤں گا۔ آخر پر اُن سے پوچھا گیا تو انہوں نے بڑے زور سے اس خیال کی تردید کی اور کہا کہ یہ گستاخی ہے کہ ہم خلیفہ کے اختیارات معیّن کریں۔ ہم نے اُن کی بیعت کی ہے اس لئے ایسی باتیں جائز نہیں۔ وہ آخری آدمی تھے اُن سے پہلے سب اپنی اپنی رائے ظاہر کر چکے تھے مگر ان کے اخلاص کا نتیجہ تھا کہ سب لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور خواجہ صاحب کے مؤید صرف وہ لوگ رہ گئے جو اُن کے ساتھ خاص تعلقات رکھتے تھے۔ اسی طرح میری خلافت کے ابتدائی ایام میں بھی غیر مبائعین سے مقابلہ کرنے میں بڑی

تندہی سے حصہ لیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام انہی کی معرفت لاہور سے سامان وغیرہ منگوایا کرتے تھے۔ حضور خط لکھ کر کسی آدمی کو دے دیتے جو اُسے حکیم صاحب کے پاس لے جاتا اور وہ سب اشیاء خرید کر دیتے۔ گویا وہ لاہور میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایجنٹ تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اُن سے بہت محبت رکھتے تھے اور لاہور کی احمدیہ مسجد بھی انہی کا کارنامہ ہے۔ دوسروں کا تو کیا کہنا مَیں خود بھی اس کا مخالف تھا کیونکہ مَیں سمجھتا تھا کہ یہ اتنا بڑا بوجھ ہے کہ جو لاہور کی جماعت سے اٹھایا نہ جاسکیگا مگر انہوں نے پیچھے پڑ کے مجھ سے اجازت لی اور ایک بڑی بھاری رقم کے خرچ سے لاہور میں ایک مرکزی مسجد بنادی۔ سیٹھ صاحب کے دوسرے لڑکے کی شادی خانصاحب ذوالفقار علی خان صاحبؓ کی لڑکی سے ہوئی ہے۔ خانصاحب بھی مخلص آدمی ہیں اور گو بہت پُرانے نہیں مگر پیچھے آکر بھی انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنے تعلقات مضبوط کئے اور بڑھائے تو ان کے لڑکوں کے رشتے بھی اللہ تعالیٰ نے مخلص گھرانوں میں کرا دیئے۔ لڑکیوں کی شادیاں بھی وہ چاہتے تھے پنجاب میں ہی ہوں۔ غرض امۃ الحفیظ کا نکاح تو خلیل احمد صاحب سے ہوگیا .... اور چھوٹی لڑکی امۃ الحی کے نکاح کا اعلان میں اِس وقت کر رہا ہوں جو خانصاحب ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب کے ایک قریبی عزیز اور شاید بھانجے محمد یونس صاحب کے ساتھ قرار پایا ہے۔ اِس رشتہ میں بھی سیٹھ صاحب نے اخلاص کو مدنظر رکھا ہے۔ تمدن کے اختلاف کی وجہ سے مَیں انکو لکھتا تھا کہ حیدر آباد میں ہی رشتہ کریں۔ مگر اُن کی خواہش تھی کہ قادیان یا پنجاب میں ہی رشتہ ہو تا قادیان آنے کے لئے ایک اور تحریک اُن کیلئے پیدا ہو جائے۔ محمد یونس صاحب ضلع کرنال کے رہنے والے ہیں جو دہلی کے ساتھ لگتا ہے مگر حیدر آباد کی نسبت قادیان سے بہت نزدیک ہے۔ سیٹھ صاحب کا خاندان ایک مخلص خاندان ہے اُنکی مستورات کے ہمارے خاندان کی مستورات سے ان کی لڑکیوں کے میری لڑکیوں سے اور ان کے اور ان کے لڑکوں کے میرے ساتھ ایسے مخلصانہ تعلقات ہیں کہ گویا خانہ واحد والا معاملہ ہے۔ ہم اُن سے اور وہ ہم سے بے تکلف ہیں اور ایک دوسرے کی شادی و غمی کو اس طرح محسوس کرتے ہیں جیسے اپنے خاندان کی شادی و غمی کو۔"[1]

حافظ آباد، گکھڑ، چنیوٹ اور کوئٹہ میں مسجدوں کی تعمیر

سنہ ۱۳۲۰ ہش (۱۹۴۱ء) کے دوران مندرجہ ذیل چار مقامات پر احمدی مساجد تعمیر کی گئیں:۔

۱۔ حافظ آباد ۲۔ گکھڑ ۳۔ چنیوٹ ۴۔ کوئٹہ

[1] الفضل ۵ نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۳ و ۴

مسجد احمدیہ حافظ آباد :- اس مسجد کے لئے قطعہ زمین ناصر الدین صاحب صدیقی تحصیلدار حافظ آباد کی کوشش سے فراہم ہوا۔ اور اس کی بنیادی اینٹ حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی نے ۱۳ شہادت ۱۳۲۰ ہش / اپریل ۱۹۴۱ء کو رکھی۔[51]

مسجد احمدیہ گکھڑ :- اس سال کے آغاز میں ضلع گوجرانوالہ کے قصبہ گکھڑ میں ایک احمدیہ مسجد کی تعمیر ہوئی۔[52]

مسجد احمدیہ چنیوٹ :- چنیوٹ ضلع جھنگ کا ایک مشہور تجارتی شہر ہے۔ جہاں ظہور ۱۳۲۰ ہش / اگست ۱۹۴۱ء میں ایک خوبصورت احمدیہ مسجد پایۂ تکمیل کو پہنچی[53] سیٹھ محمد صدیق صاحب بانی (کلکتہ) مسجد احمدیہ چنیوٹ کے ابتدائی حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"غالباً ۱۹۱۸ء کا ذکر ہے جماعت احمدیہ چنیوٹ کے احباب غیر احمدیوں کی مسجد میں جو بڑے بازار کے عقب میں واقع ہے اور "اندر والی مسجد" کہلاتی ہے جمعہ کی نماز ادا کیا کرتے تھے کیونکہ اس ایریا کے غیر احمدی مسجد ٹاہلی والی میں جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک جمعہ کی نماز کے معاً بعد ان لوگوں کے سرکردہ ممبر ایک حاجی صاحب نے اعلان کیا کہ دو سنتیں پڑھنے کے بعد بیٹھ جائیں کیونکہ "مرزائی" ہماری مسجد میں جمعہ پڑھتے ہیں اس مسجد سے ان کو نکال دینا چاہیئے۔ .... بعد ازاں یہ قریباً دو تین صد اشخاص کا جم غفیر حاجی صاحب مذکور کی سرکردگی میں "مسجد اندر والی" پہنچا۔ اس وقت احمدیوں کا خطبہ ہو رہا تھا۔ ان حاجی صاحب نے آگے بڑھکر احمدیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بڑے غصہ اور درشت الفاظ میں کہا کہ "یہ مسجد ہماری ہے۔ تم لوگ یہاں نماز پڑھنے کیوں آتے ہو۔ اگر آئندہ یہ حرکت کی تو نہایت برا سلوک کیا جائیگا"۔ یہ کہکر وہ جواب کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔ اس وقت شیخ مولا بخش صاحب مگوں مرحوم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ انہوں نے خطبہ کے دوران ہی میں آسمان کی طرف منہ کرتے ہوئے کہا کہ "خدایا! ہم تو اس مسجد کو تیرا گھر سمجھ کر تیری عبادت کرنے یہاں آیا کرتے تھے۔ اب یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تیرا گھر نہیں ہے بلکہ ان کا ہے۔ سو ان کے گھر میں تو ہم تیری عبادت کرنے نہیں آئیں گے"۔ اس جواب کو سنکر وہ لوگ چلے گئے۔ ان ایام میں ہی خاکسار کلکتہ سے چنیوٹ گیا ہوا تھا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے احباب جماعت سے درخواست کی کہ آئندہ سے جمعہ کی نمازیں وہ میرے مکان پر ادا کیا کریں۔ اور اس کے لئے ضروری انتظام بھی کیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس جمعہ سے تین ہفتہ قبل انجمن اسلامیہ چنیوٹ نے اپنی مملوکہ زمین واقعہ محلہ راجن پورہ کو فروخت کرنے کا بذریعہ منادی اعلان کیا۔ زمین کے

---

۵۱ الفضل ۱۶ شہادت ۱۳۲۰ ہش / اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۵ کالم ۲ ۔ ۵۲ الفضل ۱۹ شہادت ۱۳۲۰ ہش / اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۵ کالم ۲ ۔ ۵۳ الفضل ۲۷ ظہور ۱۳۲۰ ہش / اگست ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۲

مختلف پلاٹ بنائے گئے تھے۔ اور مذکورہ حاجی صاحب کو جو اُس انجمن کے آنریری نائب منتظم تھے نیلام کنندہ کی ڈیوٹی پر مامور کیا تھا۔ نیلام کے لئے مذکورہ واقعہ والے جمعہ کے بعد آنے والی جمعرات کا دن بعد از نمازِ عصر مقرر تھا جب نیلامی شروع ہوئی تو مَیں بھی تماشائی کے طور پر اُس مجمع میں اُن حاجی صاحب کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ جب اس پلاٹ کی باری آئی جس پر اب مسجد احمدیہ بنی ہوئی ہے تو نیلام کنندہ نے سرگوشی کے ساتھ مجھے مخاطب کرتے ہوئے آہستہ سے کہا کہ "تمہارے پاس کوئی مسجد نہیں یہ بہت موقعہ کا چوکور پلاٹ ہے کیوں اسے خرید نہیں لیتے؟" ان کے یہ الفاظ میرے کانوں سے گذر کر اس طرح دل میں اُتر گئے جس طرح سوئچ کے دبانے سے بجلی کا بلب روشن ہو جاتا ہے۔ اس بارہ میں احباب جماعت سے مشورہ تو الگ رہا سرسری ذکر بھی کبھی نہیں ہُوا تھا مگر مَیں نے توکّل بخدا بولی میں حصّہ لینا شروع کر دیا۔ دوسرے خریدار چونکہ دنیاوی اغراض کے لئے اِس پلاٹ کے خواہشمند تھے اِس لئے وہ قیمت کے بارہ میں محتاط رنگ میں بولی دے رہے تھے مگر میرے دل میں تو خدا کے گھر کی تعمیر کی خاطر ایک خاص جوش پیدا ہو چکا تھا اس لئے مَیں نے اِس بولی میں حصہ لینا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں چھ مرلہ کا یہ ٹکڑا دو سو ستّر روپے فی مرلہ کے حساب سے میرے نام پر ختم ہُوا۔ گو مَیں نے نیلام کنندہ کی تحریک کے جواب میں ایک لفظ بھی اپنے مُنہ سے نہیں نکالا تھا مگر انہی نیلام کنندہ حاجی صاحب نے فی الفور اُس مجمع میں اعلان کر دیا کہ "بھائیو! یہاں مرزائیوں کی مسجد بنے گی"۔ خدا تعالےٰ کے کیا ہی عجیب تصرّفات ہیں کہ جس شخص نے احمدیوں کو اپنی مسجد سے نکالا تھا دوسرا جمعہ آنے سے قبل اُسی کی تحریک پر احمدیوں نے مسجد کے لئے زمین خریدی اور خود اُسی کی زبان سے اللہ تعالےٰ نے اِس کا اعلان بھی کرا دیا۔ سُبحان اللہ العظیم۔ دوسرے دن جمعہ کی نماز کے لئے حسبِ انتظام جب احمدی احباب میرے مکان پر جمع ہوئے تو مَیں نے ان کو یہ خوشخبری سُنائی اور اُسی وقت زمین کی قیمت وغیرہ کے لئے چندہ کی اپیل کی۔ چنیوٹ کے جو احباب کلکتہ لاہور آگرہ وغیرہ مقامات پر تجارت کرتے تھے سب کو تحریک کی گئی مولا کریم کی مہربانی سے سب نے حسبِ توفیق دل کھول کر چندہ دیا۔ کافی عرصہ تک وہ زمین یونہی پڑی رہی اور غالباً بیس بائیس سال بعد جماعت کے دوستوں کو خدا تعالیٰ نے توفیق دی کہ وہ اس خانۂ خدا کی تعمیر کریں۔ میرے نہایت ہی واجب الاحترام بزرگ چچا میاں جناب حاجی تاج محمود صاحب مرحوم کی سرپرستی میں اور میرے چھوٹے بھائی میاں محمد یوسف صاحب بانی کی نگرانی میں اللہ تعالےٰ کے فضل سے یہ

خوبصورت مسجد تیار ہو گئی۔ چنیوٹ کے اور بھی بعض دوستوں نے اس کی تعمیر میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔"[٥١]

مسجد احمدیہ کوئٹہ:۔ اس سال جماعت احمدیہ کی چوتھی مشہور مسجد[٥٢] کوئٹہ میں تعمیر ہوئی۔ اس مسجد کا سنگ بنیاد ۲۴؍ظہور ۱۳۲۰ہش/اگست ۱۹۴۱ء کو رکھا گیا۔ سب سے پہلے امیر جماعت کوئٹہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا مسجد فضل لندن سے متعلق افتتاحی خطاب پڑھ کر سنایا۔ ازاں بعد کوئٹہ میں موجود صحابہ نے مسجد مبارک کی دو اینٹیں (جن پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے دعا فرمائی تھی) ایک رومال میں رکھ کر محراب کی بنیاد تک پہنچائیں۔ اور امیر جماعت نے اُن کو نصب کردیا[٥٣]۔ مسجد کی تعمیر جب تمام مراحل طے کرتی ہوئی چھت تک پہنچی تو احمدیوں نے کنکریٹ کی چھت ڈالنے کے لئے ۱۲؍اخاء(اکتوبر) کو رمضان شریف کے مبارک مہینہ میں ڈھائی بجے دوپہر سے لیکر نو بجے شب تک نہایت جوش و خروش سے وقارِ عمل منایا[٥٤]۔ ۲۸؍نبوت ۱۳۲۰ہش/نومبر ۱۹۴۱ء کو نمازِ جمعہ کے بعد اس کا افتتاح عمل میں آیا[٥٥]۔ اس مسجد کی تعمیر میں کوئٹہ کے مخلص احمدیوں کے علاوہ سمنار پار کے احمدیوں نے بھی فراخدلی سے چندہ دیا[٥٦]۔

فصل چہارم

واقعۂ ڈلہوزی حکومت پنجاب کے بعض اعلیٰ افسر سالہا سال سے جماعت احمدیہ کو باغی ثابت کرکے اس کے خلاف جارحانہ اور منتقمانہ کارروائیوں پر تُلے ہوئے تھے۔ اس خوفناک منصوبہ نے جو اندر ہی اندر ایک خاص سکیم کے تحت جاری تھا ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء میں یکایک ایک نئی اور بھیانک شکل اختیار کرلی جس کی نسبت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے یہ رائے ظاہر فرمائی کہ "سلسلہ کی تاریخ میں ایک نرالا واقعہ ہے۔ ایسا نرالا کہ میں اسے ۱۹۳۴ء کے اس واقعہ سے بڑھ کر سمجھتا ہوں جبکہ گورنر پنجاب نے مجھ کو رات کے وقت نوٹس بھجوایا تھا کہ تم احمدیہ جماعت کے افراد کو روک دو کہ وہ قادیان میں نہ آئیں اور بعد میں گورنران کونسل نے اس کے متعلق دو دفعہ معذرت کی اور اپنی غلطی کا اقرار کیا۔"[٥٧]

---

٥١ الفضل ۳۰؍ظہور ۱۳۴۳ہش/اگست ۱۹۶۴ء صفحہ ۵ + ٥٢ پہلی مسجد ۱۹۳۵ء کے زلزلے میں شہید ہو گئی تھی اور احمدی ایک عارضی عمارت میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ + ٥٣ ایک اینٹ جو مسجد مبارک کی شمال مغربی کھڑکی کی تھی محراب کے مغربی حصہ میں اور دوسری اینٹ جو مسجد مبارک کی سیڑھیوں کی تھی محراب کے دائیں طرف نصب کی گئی۔ الفضل ۲۹؍ظہور ۱۳۲۰ہش/اگست ۱۹۴۱ء صفحہ ۳ میں مفصل روئیداد موجود ہے۔ ٥٤ تفصیل الفضل ۵؍نبوت ۱۳۲۰ہش/نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۶ پر شائع شدہ ہے +

٥٥ الفضل ۲؍فتح ۱۳۲۰ہش/دسمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ + ٥٦ تعمیر مسجد میں نمایاں حصہ لینے والوں کا نام مسجد کی شرقی دیوار کے کتبہ پر کندہ ہے۔

٥٧ الفضل ۱۴؍تبوک ۱۳۲۰ہش (ستمبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۱ کالم ۲ +

یہ اہم واقعہ ۱۰ ر تبوک ہش ۱۳۲۰ (۱۰ ر ستمبر ۱۹۴۱ء) کو پیش آیا جبکہ حضور ڈلہوزی میں تبدیلیٔ آب و ہوا کے لئے تشریف فرما تھے۔

واقعہ ڈلہوزی کی تفصیلات حضرت امیر المومنین کے الفاظ میں

یہ واقعہ جسے ہم آئندہ "واقعہ ڈلہوزی" کے نام سے موسوم کریں گے اپنی اہمیت کے لحاظ سے تقاضا کرتا ہے کہ اس کی تفصیلات خود حضرت امیر المومنین کی زبانِ مبارک سے بیان کی جائیں۔ حضور نے ۱۲ ر تبوک ستمبر ہش ۱۳۲۰ / ۱۹۴۱ء کو اس واقعہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

" بارہ بجے کا وقت تھا کہ میرا لڑکا خلیل احمد جس کی عمر اس وقت پونے سترہ سال ہے میرے پاس آیا اُس کے ہاتھ میں ایک پیکٹ تھا جو بند تھا۔ وہ پیکٹ گول تھا اُس کے باہر ایک کاغذ لپٹا ہوا تھا اور اُس کاغذ پر اُس کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ خلیل احمد نے وہ پیکٹ مجھے دکھاتے ہوئے کہا کہ یہ پیکٹ کسی نے میرے نام بھجوایا ہے اور گورنمنٹ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ مَیں نے وہ پیکٹ اُس کے ہاتھ سے لیا اور چونکہ وہ بند تھا اس لئے طبعاً مجھے خیال پیدا ہوا کہ اُسے کیونکر معلوم ہوا کہ یہ پیکٹ گورنمنٹ کے خلاف ہے۔ چنانچہ مَیں نے اس سے کہا یہ پیکٹ تو بند ہے تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ اس میں کوئی ایسے کاغذات ہیں جو گورنمنٹ کے خلاف ہیں۔ اُس نے کہا کہ اس پیکٹ کا خول کچھ ڈھیلا سا ہے مَیں نے بغیر اوپر کا کور پھاڑنے کے اندر سے کاغذات نکال کر دیکھے تو معلوم ہوا کہ اس میں گورنمنٹ کے خلاف باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ اس پر مَیں نے بھی دیکھا تو واقعہ میں کور کچھ ڈھیلا سا تھا۔ پھر تجربہ کے طور پر مَیں نے بھی بغیر کور پھاڑنے کے اُس میں سے کاغذات نکالے اور مجھے فوراً معلوم ہو گیا کہ خلیل احمد جو کچھ کہتا ہے ٹھیک ہے۔ مَیں نے وہ اشتہار سب کا سب نہیں پڑھا بلکہ صرف ایک سطر دیکھی اس کا مضمون کچھ اس قسم کا تھا کہ گورنمنٹ نے بعض ہندوستانی سپاہیوں کو کسی جگہ مروا دیا ہے۔ غرض بغیر اس کے کہ مَیں اس اشتہار کو پڑھتا صرف ایک سطر دیکھ کر اور خلیل احمد کی بات کو درست پا کر مَیں نے وہ پلندا کور میں ڈال دیا اور درد صاحب کی طرف آدمی بھجوایا کہ وہ فوراً مجھ سے آکر ملیں۔ درد صاحب ایک دو منٹ بعد ہی سیڑھیوں پر آ گئے۔ مَیں سیڑھیوں میں اُن کے پاس گیا اور مَیں نے اُن کے ہاتھ میں وہ پیکٹ دیتے ہوئے کہا کہ یہ پیکٹ خلیل احمد کے نام آیا ہے اور اس نے مجھے ابھی آکر دیا ہے اُس نے مجھے بتایا تھا کہ یہ پیکٹ گورنمنٹ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اور جب مَیں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کس طرح

پتہ لگا کہ یہ گورنمنٹ کے خلاف ہے تو اُس نے بتایا کہ مَیں نے بغیر کور پھاڑنے کے اندر کے کاغذات نکال کر دیکھے تھے اور مجھے اس کا مضمون گورنمنٹ کے خلاف معلوم ہُوا۔ اِس پر مَیں نے بھی بغیر پھاڑنے کے اس میں سے کاغذات نکال کر دیکھے تو وہ آسانی سے باہر آگئے اور اس پر نظر ڈالتے ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ گورنمنٹ کے خلاف ہیں۔ نہ صرف اِس لئے کہ ایک سطر جو مَیں نے پڑھی اس کا مضمون گورنمنٹ کے خلاف تھا بلکہ اس لئے بھی کہ گورنمنٹ کے خلاف جو اشتہارات وغیرہ شائع کئے جاتے ہیں وہ دستی پریس پر چھاپے جاتے ہیں اور وہ کاغذات بھی دستی پریس پر ہی چھپے ہوئے تھے اس پیکٹ کے اوپر جو پتہ لکھا ہُوا تھا وہ خوشخط لکھا ہُوا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی مسلمان نے لکھا ہے۔ یہ تو مَیں نہیں کہہ سکتا کہ اس میں مرزا کا لفظ بھی تھا یا نہیں مگر "صاحبزادہ خلیل احمد" ضرور لکھا ہُوا تھا۔ ص کا دائرہ بھی بڑا اچھا تھا اور ح کے گوشے بھی خوب نکالے ہوئے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے پتہ کسی مسلمان کے ہاتھ کا لکھا ہُوا ہے۔ خیر مَیں نے وہ پیکٹ درد صاحب کو دیا اور کہا کہ یہ کسی کی شرارت معلوم ہوتی ہے اور چونکہ ممکن ہے کہ اِس قسم کے ٹریکٹ تمام پنجاب کے نوجوانوں میں عام طور پر تقسیم کئے جا رہے ہوں اس لئے آپ فوراً یہ پیکٹ ہز ایکسی لینسی گورنر صاحب پنجاب کو بھجوا دیں اور انہیں لکھ دیں کہ میرے لڑکے خلیل احمد کے نام ایسا پیکٹ آیا ہے۔ اور چونکہ ممکن ہے کہ اور پنجاب کے نوجوانوں کے نام بھی اِسی طرح ٹریکٹ اور اشتہارات وغیرہ بھیجے گئے ہوں اس لئے یہ پیکٹ آپ کو بھجوایا جاتا ہے آپ اس کے متعلق جو محکمانہ کارروائی کرنا مناسب سمجھیں کریں۔ مَیں یہ بات کر کے واپس ہی لوٹا تھا کہ ایک آدمی پیچھے سے آیا اور درد صاحب سے کہنے لگا کہ پولیس والے آئے ہیں اور وہ آپ کو بلاتے ہیں۔ مَیں نے اُس آدمی کو نہیں دیکھا کیونکہ وہ سیڑھیوں کے موڑ کے پیچھے تھا۔ یہ بات سُنکر مَیں نے درد صاحب سے کہا کہ آپ جائیں اور جا کر معلوم کریں کہ پولیس والے کیا کہتے ہیں۔ درد صاحب گئے اور تین چار منٹ کے بعد ہی واپس آگئے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ پولیس کے کچھ سپاہی آئے ہوئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے مرزا خلیل احمد صاحب سے ملنا ہے۔ درد صاحب کہنے لگے کہ مَیں نے انہیں کہا کہ خلیل تو بچہ ہے اُس سے آپ نے کیا بات کرنی ہے۔ جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں وہ مجھے لکھ کر دیدیں۔ مگر انہوں نے اصرار کیا اور کہا کہ ہم اُسی سے بات کرنا چاہتے ہیں اور اس بارہ میں ہم کچھ لکھ کر نہیں دے سکتے۔ درد صاحب کچھ اور باتیں بھی کرنا چاہتے تھے

گر مَیں نے اس خیال سے کہ معمولی بات ہے اُن سے کہا۔ کوئی حرج کی بات نہیں میں خلیل کو بھجوا دیتا ہوں۔ چنانچہ مَیں نے اُسی وقت خلیل احمد کو بھجوا دیا۔ چند منٹ کے بعد ہی خلیل احمد واپس آیا اور اُس نے مجھے کہا کہ سپاہیوں نے مجھ سے یہ پوچھا تھا کہ کیا اس قسم کا پیکٹ تمہارے نام آیا ہے اور مَیں نے کہا کہ ہاں آیا ہے مگر مَیں نے اپنے ابا کو دے دیا ہے۔ پھر پولیس والوں نے اس پیکٹ کی طرف اشارہ کرکے (جو درد صاحب نیچے لے گئے تھے) کہا کہ یہ پیکٹ اپنے ہاتھ میں لے کر کھول دو گر مَیں نے کہا کہ مَیں اِسے نہیں کھول سکتا خلیل احمد سے جب یہ بات مَیں نے سُنی تو مَیں نے کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا جو پیکٹ اپنے ہاتھ سے نہیں کھولا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اس کے ہاتھ سے پیکٹ کھلوانے کا منشاء یہ تھا کہ وہ شرارتاً اس طرح اپنی کانشنس کو یہ تسلی دلانا چاہتے تھے کہ انہوں نے خلیل کے ہاتھ سے یہ پیکٹ لیا ہے۔ خیر وہ بات کر کے ہٹا تو اُسی وقت درد صاحب نے سیڑھیوں پر سے آواز دی اور میرے جانے پر انہوں نے کہا کہ ان لوگوں نے مجھ سے وہ پیکٹ مانگا تھا مگر مَیں نے دینے سے انکار کر دیا اور اُن سے کہا کہ تم مجھے وہ قانون بتاؤ جس کے ماتحت تم مجھ سے یہ پیکٹ لینا چاہتے ہو۔ پھر مَیں نے اُن سے آپ کا نام لے کر کہا کہ مجھے خلیفۃ المسیح کی طرف سے یہ پیکٹ ایک بڑے افسر کو بھجوانے کیلئے ملا ہے اس لئے مَیں یہ پیکٹ تمہیں نہیں دے سکتا۔ اس پر انہوں نے وہ پیکٹ مجھ سے چھین کر باہر پھینک دیا اور ایک سپاہی اُسے لیکر بھاگ گیا۔ مَیں نے پھر جلدی میں اُن کی پوری بات نہ سُنی اور مَیں سمجھ گیا کہ یہ ہم سے شرارت کی گئی ہے۔ چنانچہ مَیں نے اوپر آکر گورنر صاحب کو ایک تار لکھا جس میں وہ اہم واقعات جو اس وقت تک ہوئے تھے لکھ دیئے۔ یہ تار لے کر مَیں پھر سیڑھیوں میں آیا تو اُس وقت درد صاحب واپس جا چکے تھے مَیں نیچے اُتر کر بیٹھک میں آیا تو مَیں نے دیکھا کہ ہماری کوچ اور کرسیوں پر پولیس والے اپنی لاتیں دراز کرکے یوں بیٹھے ہیں کہ گویا اُن کا گھر ہے مَیں جھٹ دروازہ بند کرکے برآمدہ کی طرف سے دفتر کے کمرہ میں آیا تو مَیں نے دیکھا کہ برآمدہ میں بھی پولیس والے کھڑے ہیں۔ خیر مَیں نے درد صاحب کو تار دیا اور کہا کہ یہ ابھی گورنر صاحب کو بھجوا دیا جائے۔ پھر مَیں گورنر صاحب کو ایک مفصل چٹھی لکھنے بیٹھ گیا۔ اِس عرصہ میں دو دفعہ مجھے پھر نیچے جانا پڑا۔ ایک دفعہ تو مَیں درد صاحب کو یہ کہنے کے لئے گیا کہ آپ اِس تار کا مضمون پولیس کے سپاہیوں کو بھی سُنا دیں اور اُن سے پُوچھ لیں کہ اس میں کوئی غلط بات تو بیان نہیں کی گئی اور اگر کسی واقعہ کا وہ انکار کریں تو

مجھے بتایا جائے تاکہ اگر کسی قسم کی اس میں غلطی ہو تو اُس کو دُور کر دیا جائے ۔ میرے اس کہنے کی وجہ یہ تھی کہ نیچے جو واقعات درد صاحب کو پیش آئے تھے وہ مَیں نے نہیں دیکھے تھے اور میرا فرض تھا کہ ان واقعات کے بیان کرنے میں دوسروں کو صفائی کا موقعہ دوں ۔ اور اگر کوئی خلاف واقعہ بات درج ہو گئی ہو تو اس کی تصحیح کر دوں ۔ پھر بعد میں مجھے ایک اور بات کی نسبت خیال آیا کہ اُس کا لکھنا بھی تار میں ضروری تھا اس لئے میں دوسری دفعہ پھر نیچے اُترا اور مَیں نے درد صاحب کو اس واقعہ کے لکھنے کی بھی ہدایت کی اور ساتھ ہی پھر انہیں کہہ دیا کہ یہ واقعہ بھی ان کو سُنا دینا ۔ اُس وقت بھی پولیس برابر ہمارے مکان کے نچلے حصّہ پر قبضہ جمائے بیٹھی رہی ۔ اتفاق کی بات ہے کہ اُس دن ہمارے اکثر آدمی باہر کام پر گئے ہوئے تھے ۔ عزیزم مرزا مظفر احمد صاحب جو ڈلہوزی میں ہمارے ہاں مہمان آئے ہوئے تھے وہ بھی مرزا ناصر احمد کو ملنے کے لئے اُنکی کوٹھی پر گئے ہوئے تھے ۔ خیر کچھ دیر کے بعد مجھے خیال آیا کہ ہمیں تو قانون کی واقفیت نہیں مرزا مظفر احمد اور مرزا ناصر احمد کو بلوا لیا جائے ۔ چنانچہ مَیں پھر نیچے اُترا اور ایک شخص سے کہا کہ درد صاحب سے جا کر کہیں کہ فوری طور پر مرزا مظفر احمد اور مرزا ناصر احمد کو بلوا لیا جائے ۔ اُس وقت مجھے پھر معلوم ہُوا کہ ابھی تک پولیس مکان پر قابض تھی ۔ خیر اس شخص نے مجھے بتایا کہ درد صاحب پہلے ہی ایک آدمی اُن کی طرف بھجوا چکے ہیں ۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد مرزا مظفر احمد اور مرزا ناصر احمد دونوں پہنچ گئے اور انہوں نے بتایا کہ پیچھے آرمڈ پولیس رائفلیں لے کر چلی آ رہی ہے ۔ درد صاحب نے مرزا عبدالحق صاحب پلیڈر کی طرف بھی آدمی بھجوا دیا اور وہ بھی تھوڑی دیر کے بعد آ گئے ۔ اُس وقت تک بھی پولیس کمرہ اور برآمدہ پر قابض تھی ۔ مجھے اس وقت خیال گذرا کہ پولیس والوں نے ضرور تھانہ میں کوئی رقعہ بھیجا ہے اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ آرمڈ پولیس رائفلیں لے کر ہمارے مکان پر پہنچ گئی ۔ اس کے بعد مَیں پھر خط لکھنے میں مشغول ہو گیا ۔ اور تھوڑی دیر کے بعد مَیں نے مرزا مظفر احمد سے کہا کہ مجھے تو قانون کا علم نہیں تم قانون پڑھے ہوئے ہو کیا پولیس کا کسی کے مکان کے اندر داخل ہونا جائز ہے ۔ انہوں نے کہا کہ قانون کی رُو سے یہ بالکل ناجائز ہے مَیں نے کہا تو پھر تم جاؤ اور پولیس والوں سے بات کرو ۔ اتنے میں مرزا ناصر احمد بھی آ گئے اور کہنے لگے کہ پولیس والے ہمارے مکان کے اندر کیوں بیٹھے ہیں اور درد صاحب نے انہیں بیٹھنے کیوں دیا یہ بالکل خلافِ قانون حرکت ہے جو پولیس والوں نے کی ہے ۔ پولیس والے بغیر اجازت کے کسی گھر میں داخل

نہیں ہو سکتے۔ اور اگر وہ داخل ہوں تو اس صورت میں انہیں اپنی تلاشی دینی ضروری ہوتی ہے۔ کیونکہ کیا پتہ کہ وہ کوئی ناجائز چیز اندر پھینک جائیں۔ اس لئے قانون یہی کہتا ہے کہ پولیس کی پہلے تلاشی ہونی ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی طرف سے کوئی ناجائز چیز پھینک دے اور گھر والوں کو مجرم بنا دے۔

پھر انہوں نے پوچھا کہ کیا پولیس والوں کی تلاشی لے لی گئی تھی۔ میں نے کہا کہ میرے علم میں تو یہ بات نہیں آئی کہ پولیس والوں کی تلاشی لی گئی ہو۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ یہ درد صاحب کا فرض تھا کہ پولیس والوں کو اندر نہ آنے دیتے۔ مرزا ناصر احمد نے چونکہ بیرسٹری کی بھی کچھ تعلیم پائی تھی وہ کچھ قانون سے واقف ہیں۔ میں نے کہا کہ جب پولیس والوں کو قانوناً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے کے مکان میں داخل ہوں تو پھر جاؤ اور ان کو قائل کرو۔ اس پر وہ نیچے آئے اور پولیس والوں سے اونچی باتیں کرنے لگے۔ مرزا ناصر احمد کی آواز ذرا زیادہ بلند تھی میں نے اس وقت یہ خیال کیا کہ یہ بچہ ہے ابھی پورا تجربہ نہیں ہم اس وقت چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اگر اس نے کوئی بات کی تو ممکن ہے کہ پولیس والے اس پر کوئی الزام لگا دیں کہ اس نے ہم پر دست درازی کی ہے اس لئے میں جلدی سے نیچے اترا اُس وقت پولیس والے اندر کمرے سے نکل کر برآمدہ میں آچکے تھے اور مرزا ناصر احمد انہیں یہ کہہ رہے تھے کہ تم جہاں اندر بیٹھے تھے وہیں جا بیٹھو میں اسی حالت میں تمہاری تصویر لینا چاہتا ہوں اور وہ کہہ رہے تھے کہ ہم وہاں نہیں جاتے۔ میں نے جب اُن کی یہ باتیں سُنیں تو میں نے سپاہیوں سے کہا کہ تم سب پہلے اندر بیٹھے ہوئے تھے اور کئی بھلے مانس اس کے گواہ ہیں میں نے خود تمہیں اندر بیٹھے دیکھا۔ درد صاحب نے تمہیں اندر بیٹھے دیکھا۔ مرزا مظفر احمد اور مرزا ناصر احمد نے تمہیں اندر بیٹھے دیکھا۔ ہمارے عملہ کے اور کئی آدمیوں نے تم کو اندر بیٹھے دیکھا ہے۔ اب اس میں تمہارا کیا حرج ہے کہ پھر تم وہیں جا بیٹھو اور تمہاری اس وقت کی تصویر لے لی جائے۔ اگر تمہارا اندر آنا قانون کے مطابق تھا تو تم اب بھی وہیں بیٹھ سکتے ہو اور اگر تمہارا اندر بیٹھنا قانون کے خلاف تھا تو تم اپنی غلطی کا اقرار کرو۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ہم تو اندر بیٹھے ہی نہیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ تین دفعہ تو میں نے تمہیں اندر بیٹھے دیکھا ہے۔ اسی طرح درد صاحب نے تمہیں اندر بیٹھے دیکھا ہے۔ خلیل احمد سے جو تم نے باتیں کیں وہ اندر ہی کیں۔ اسی طرح تمہیں مظفر احمد نے اندر دیکھا ناصر احمد نے اندر دیکھا۔ اب تم کس طرح کہہ رہے ہو کہ تم اندر بیٹھے ہی نہیں اور اتنا بڑا جھوٹ بولتے ہو۔ مگر اس پر بھی انہوں نے

یہی کہا کہ ہم اندر بالکل نہیں بیٹھے۔ اتنے میں مرزا مظفر احمد نے کہا کہ میں جب آیا تھا تو اس وقت بھی یہ سب سپاہی اندر بیٹھے تھے۔ اور نہ صرف اندر بیٹھے ہوئے تھے بلکہ ایک سپاہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ خلافِ قانون اپنی پیٹی کھول کر بیٹھا تھا۔ مگر وہ یہی کہتے چلے گئے کہ ہم اندر نہیں گئے۔ اس پر میں نے انہیں کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ آج مجھے ذاتی طور پر اس بات کا تجربہ ہوا کہ عدالتیں کن جھوٹے آدمیوں کی گواہیوں پر لوگوں کو سزا دیتی ہیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ تم وہ ہو کہ تمہیں اس بات کا علم ہے کہ میں تمہارے پاس آیا اور میں نے تمہیں اندر بیٹھے دیکھا ایک دفعہ نہیں بلکہ تین دفعہ۔ پھر تم نے درد صاحب سے یہاں باتیں کیں۔ تم نے خلیل احمد سے یہاں باتیں کیں تم نے مظفر احمد سے یہاں باتیں کیں۔ تم نے ناصر احمد سے یہاں باتیں کیں اور تم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ درست ہے مگر اتنے گواہوں کے باوجود تم کہہ رہے ہو کہ تم اندر نہیں بیٹھے۔ جس قسم کا جھوٹ تم لوگ بول رہے ہو اس قسم کی گواہیوں پر عدالتوں کی طرف سے لوگوں کو سزاؤں کا ملنا یقیناً نہایت ہی افسوسناک اور ظالمانہ فعل ہے۔ اس پر وہ کچھ کھسیانے سے ہو گئے مگر اقرار انہوں نے پھر بھی نہ کیا کہ وہ کمرہ کے اندر بیٹھے تھے۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ اس طرح کھلے طور پر جھوٹ بول رہے ہیں تو میں نے خیال کیا کہ نامعلوم ہمارے متعلق وہ اور کیا باتیں بنالیں۔ شاید وہ یہی کہہ دیں کہ ہم پر انہوں نے حملہ کر دیا تھا اور ہمیں مارنے پیٹنے لگ گئے تھے۔ اس لئے میں نے مرزا مظفر احمد سے کہا کہ مظفر اس ملک میں احمدیوں کے قول پر کوئی اعتبار نہیں کرتا تم تعلیم یافتہ ہو عہدیدار ہو لیکن پھر بھی اگر کوئی واقعہ ہوا تو تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کیا جائیگا بلکہ اعتبار انہی لوگوں کی بات پر کیا جائیگا۔ اس لئے بہتر ہے کہ ان واقعات کی شہادت کے لئے کسی اور کو بھی بُلا لیا جائے۔ ہمارے ہمسایہ میں ایک غیر احمدی ڈپٹی کمشنر صاحب چھٹی پر آئے ہوئے تھے میں نے مرزا مظفر احمد سے کہا کہ فوراً انکی طرف ایک آدمی دوڑا دیا جائے اور کہا جائے کہ ایک ضروری کام ہے آپ مہربانی کر کے تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے آئیں۔ میرا منشاء یہ تھا کہ وہ آئیں تو اس واقعہ کے گواہ بن جائیں گے۔ چنانچہ مرزا مظفر احمد نے ان کی طرف ایک آدمی دوڑا دیا کہ ضروری کام ہے آپ جلدی تشریف لائیں۔ اسکے بعد میں پھر اوپر چلا گیا۔ اتنے میں نیچے سے مجھے آوازیں آئیں۔ اور میں نے آواز سے پہچان لیا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب آ گئے ہیں اور وہ اُن سپاہیوں سے بات کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے تم نے صریحاً خلافِ قانون

حرکت کی ہے۔ یہ باتیں سُن کر میں بھی نیچے اُتر آیا اور میں نے اُن کے سامنے تمام پہلی باتوں کو دہرانا شروع کیا۔ میں نے کہا کہ اِس طرح خلیل احمد کے نام ایک پیکٹ آیا تھا جو میں نے وردؔ صاحب کو اِس لئے دیا کہ وہ گورنر صاحب پنجاب کو بھجوا دیں۔ انہوں نے وردؔ صاحب سے وہ پیکٹ چھین لیا۔ اور پھر انہوں نے تھانہ میں کوئی جھوٹی رپورٹ بھیج دی جس پر مسلح پولیس آگئی۔ پھر میں نے ان سپاہیوں سے کہا کہ یہ جو مسلح پولیس آئی ہے یہ ضرور کسی تمہاری رپورٹ کے نتیجہ میں آئی ہے۔ تم نے لکھا ہو گا کہ یہ لوگ ہمیں مارنے اور قتل کرنے کے درپے ہیں۔ یقیناً تم نے ایسا ہی لکھا ہے ورنہ تھانے والوں کو کیا پڑی تھی کہ وہ مسلح پولیس یہاں بھیج دیتے۔ پھر میں نے اُن سے کہا کہ جب وردؔ صاحب سے تم نے پیکٹ چھینا تھا تو کیا اس سے تمہاری غرض یہ نہیں تھی کہ تم یہ بات بنا سکو کہ تم نے یہ پیکٹ خلیل سے لیا ہے۔ اس پر وہ کہنے لگے جس طرح آپ نے کوئی بات بنانی تھی اسی طرح ہم نے بھی کوئی بات بنانی ہی تھی۔ یہ باتیں انہوں نے اُن ڈپٹی کمشنر صاحب کے سامنے کیں۔ اور میں نے بھی اُن سے اِس لئے کہلوائیں تاکہ وہ ڈپٹی کمشنر صاحب اِن باتوں کے گواہ بن جائیں (گو میں نہیں کہہ سکتا ان باتوں میں سے انہوں نے کتنی سُنیں کیونکہ اس وقت مختلف باتیں ہو رہی تھیں۔) اِسی طرح ابھی ڈپٹی کمشنر صاحب نہیں آئے تھے کہ مجھے نیچے سے ایک سپاہی کی آواز آئی جو دوسرے سپاہی سے بات کر رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کوئی سپاہی بدمعتی سے اندر آنا چاہتا تھا کہ ہمارے آدمیوں نے اُسے اندر داخل ہونے سے روک دیا۔ اِس پر دوسرا سپاہی اُسے کہنے لگا۔ "ایدھر آجا اوئے اینہاں دا کی اعتبار ہے جو چاہن گل بنا لین۔" یعنی ان کا کیا اعتبار ہے ان کا جو جی چاہے گا ہمارے خلاف بات بنا لیں گے۔ گویا ہمارے سب لوگ جھوٹے تھے اور وہ لوگ جو روزانہ جھوٹی قسمیں کھاتے اور ہمارے سامنے جھوٹ بول رہے تھے وہ سچے تھے۔ خیر اُن ڈپٹی کمشنر صاحب نے کچھ دیر اُن سے باتیں کرنے کے بعد مجھ سے کہا کہ ان سپاہیوں سے باتیں کرنی فضول ہیں اِن میں کوئی افسر نہیں ہے اور نہ ہی اِن کا کوئی اختیار ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر صاحب کی طرف آدمی بھجوا دیں اور انہیں ان تمام حالات سے اطلاع دیں۔ میں نے کہا۔ اِس کا میں پتہ کرا چکا ہوں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب اور سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس دونوں اِس وقت باہر ہیں اسی وجہ سے ہم حیران ہیں کہ کیا کریں۔ انہوں نے کہا کہ پھر یہ جو کانسٹیبل یا ہیڈ کانسٹیبل ہیں اِن سے بات کرنی فضول ہے انہیں دیکھ کر تو یہ بھی پتہ نہیں لگتا کہ اِن کا افسر کون ہے۔ پھر انہوں نے کہا۔

یہاں مسٹر سلیبر ایس ڈی او ہیں - مرزا مظفر احمد صاحب اُن کے پاس چلے جائیں - مَیں نے کہا مظفر احمد کا جانا ٹھیک نہیں - وہ یہاں گواہ کے طور پر ہیں - مَیں درد صاحب اور مرزا ناصر احمد کو بھجوا دیتا ہوں - چنانچہ مَیں نے اِن دونوں کو مسٹر سلیبر کی طرف بھجوا دیا اور خود ان سپاہیوں سے پوچھا کہ تم میں افسر کون ہے - اِس پر پہلے تو وہ کہنے لگے کہ ہمیں پتہ نہیں ہمارا کون افسر ہے - پھر جب مزید اصرار کیا تو اُن میں سے کوئی کہے کہ یہ افسر ہے اور کوئی کہے وہ افسر ہے - آخر ایک کی طرف اشارہ کر کے وہ کہنے لگے کہ ہم میں سے یہ سب سے بڑا ہے اور وہ بغیر وردی کے تھا - اُس سے پوچھا تو وہ کہنے لگا مَیں وردی میں ہی نہیں فلاں شخص ہے - اُس نے اس سے پُوچھا تو اُس نے کہا کہ وہ بے وردی شخص سینیئر ہے مَیں افسر نہیں - جب اُسے کہا گیا کہ وہ تو منکر ہے تو اُس نے جواب دیا کہ "جینہوں سمجھ لو" یعنی جسے چاہیں افسر سمجھ لیں - آخر ان ڈپٹی کمشنر صاحب نے ان سے پُوچھا کہ تم کو یہ تو بتانا چاہیئے تم میں سے بڑا کون ہے - اِس پر بھی انہوں نے کچھ ایسا ہی جواب دیا - غرض اسی قسم کی آئیں بائیں شائیں کرتے رہے - خیر انہوں نے کہا مسٹر سلیبر ایس ڈی او ابھی آجائیں گے - ان لوگوں سے بات کرنی فضول ہے آپ اندر چل بیٹھیں - چنانچہ وہ اور مَیں اور عزیزم مظفر احمد کمرہ میں بیٹھ گئے - تھوڑی دیر میں مسٹر سلیبر ناصر احمد کے ساتھ آ گئے - مسٹر سلیبر نے کوٹ اتارا اور بیٹھتے ہی کہا کہ مَیں پولیس افسر نہیں - میرے پاس تو جب کیس آتا ہے اُس وقت اُسے سُنتا ہوں - وہ مجھے ذاتی طور پر نہیں جانتے تھے - یونہی یہ سُنکر کہ کوئی شخص باہر سے یہاں چند دنوں کے لئے آیا ہُوا ہے اور اُسے پولیس والوں کے متعلق کوئی شکایت پیدا ہوئی ہے چلے آئے - مَیں نے بھی اُن کا شکریہ ادا کیا کہ آپ بغیر اس علم کے کہ کیا واقعہ ہوا ہے اور ہم پر کیا گذری ہے تشریف لے آئے ہیں - خیر انہیں تمام واقعات بتلائے گئے - انہوں نے کہا کہ ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت پولیس بغیر وارنٹ دکھائے گرفتار کر سکتی ہے - ڈپٹی کمشنر صاحب کہنے لگے یہ اختیارات انسپکٹر پولیس یا سب انسپکٹر پولیس کو حاصل ہیں ہر ایک کو حاصل نہیں - اس پر مسٹر سلیبر نے بتایا کہ انسپکٹر پولیس بیمار تھا اور تھانہ دار دورہ پر تھا اُس وقت انچارج ایک ہیڈ کانسٹیبل ہی ہے اس لئے اُسے اختیار حاصل ہے - پھر وہ واقعات سُنتے رہے اور انہوں نے اس پر افسوس کا بھی اظہار کیا - اور کہا کہ کیا آپ کے نزدیک یہ کافی نہ ہوگا کہ مَیں انسپکٹر کو کہوں کہ وہ اِن لوگوں کے متعلق مناسب کارروائی کرے - مَیں نے انہیں کہا کہ مَیں تو اس کے متعلق گورنر صاحب کو بھی تار دے چکا ہوں -

اِس لئے اُن کے فیصلہ کا مجھے انتظار کرنا پڑے گا۔ اِسی دوران میں پولیس کے بعض نقائص کو بھی انہوں نے تسلیم کیا۔ اور جب انہیں بتایا گیا کہ وہ بغیر تلاشی کے اندر آ گئے تھے تو انہوں نے کہا کہ یہ واقعہ میں خلافِ قانون حرکت ہے۔ اور انہیں اندر نہیں آنا چاہیئے تھا۔ مگر انہوں نے کہا کہ مَیں مجسٹریٹ ہوں اور صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ جب کیس میرے سامنے آئے تو اس کا فیصلہ کر دوں۔ پولیس کی کارروائی میں دخل نہیں دے سکتا۔ البتہ لڑکے کی ضمانت ابھی لے لیتا ہوں۔ ڈی سی صاحب نے کہا۔ مَیں اِس بارہ میں تجربہ کار ہوں۔ آپ یہ بات نہ کریں کیونکہ اِس طرح آپ خود الزام کے نیچے آ جائیں گے۔ پولیس نے ابھی تک آپ کے پاس رپورٹ نہیں کی اور قاعدہ یہ ہے کہ پہلے پولیس رپورٹ کرے۔ اور پھر اس پر کسی قسم کا ایکشن لیا جائے۔ انہوں نے کہا۔ بہت اچھا۔ مَیں انچارج کو بلا لیتا ہوں۔ اُن کے ساتھ نائب تحصیلدار تھا۔ انہوں نے اُسے بھیجا کہ جا کر تھانیدار انچارج کو بلا لاؤ۔ اِس پر وہی شخص آیا جو بے وردی تھا۔ مسٹر سلیٹر نے اُس سے پوچھا کہ کیا تم انچارج ہو؟ اُس نے کہا مَیں تو وردی میں نہیں میں کس طرح انچارج ہو سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا اچھا تو پھر کسی وردی والے کو بلاؤ۔ اِس پر وہ کسی دوسرے کو بلا لایا جو وردی پہنے ہوئے تھا۔ اُس سے جب پُوچھا گیا کہ کیا تم انچارج ہو؟ تو وہ کہنے لگا میں کس طرح انچارج ہو سکتا ہوں مَیں تو جونیئر ہوں انچارج تو یہ ہے جو بغیر وردی کے ہے۔ اِس پر مسٹر سلیٹر بھی حیران ہوئے اور انہوں نے اُسی شخص سے جو بغیر وردی کے تھا کہا کہ تم اس کیس کے متعلق میرے پاس رپورٹ کرو۔ پھر مَیں اس کا فیصلہ کروں گا۔ مَیں نے اس دوران میں انہیں توجہ دلائی کہ آپ دیکھیں یہ لوگ کس قسم کی حرکات کر رہے ہیں کہ اصل انچارج بغیر وردی کے ہے اور جو وردی میں ہے وہ انچارج ہونے سے منکر ہے۔ اِس سے وہ بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ انسپکٹر بیمار تھا۔ اگر وہ اچھا ہوتا تو شائد اس طرح واقعات نہ ہوتے۔ خیر وہ بے وردی شخص تو رپورٹ لکھنے کیلئے چلا گیا اور مسٹر سلیٹر انتظار کرتے رہے۔ مگر جب دیر ہو گئی ہم نے اُن سے کہا کہ آپ تشریف لے جائیے جب رپورٹ آئیگی اور آپ چاہیں گے لڑکے کو آپ کے پاس ضمانت کے لئے پیش کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اِس پر رضامند ہو کر چلے گئے۔ اور کہہ گئے کہ ڈی سی بھی شام کو آ جائیں گے مَیں نو بجے اطلاع دونگا۔ اگر ضرورت ہوئی تو مرزا مظفر احمد خلیل احمد کو لے کر آ جائیں مَیں ضمانت لے لوں گا۔ وہ تو چلے گئے مگر پولیس والے برابر ۱۲ بجے سے لیکر رات بجے شام تک رائفلیں لے کر

ہمارے مکان کے صحن میں کھڑے رہے۔ پھر میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ اب تم ان سے پوچھو کہ یہ کس قانون کے ماتحت یہاں کھڑے ہیں اور ان سے لکھوا لو تا کہ بعد میں یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو اس وقت تک وہاں نہیں ٹھہرے۔ انہوں نے کہا ہم کچھ لکھ کر دینے کے لئے تیار نہیں۔ اس پر مرزا عبدالحق صاحب نے کہا کہ اس کا تو یہ مطلب ہے کہ جس طرح تم نے آج جھوٹ بولا ہے۔ اسی طرح کل جھوٹ بول دو اور کہہ دو کہ ہم تو وہاں گئے ہی نہیں تھے۔ پھر مرزا عبدالحق صاحب پلیڈر نے اُن سے کہہ دیا کہ اگر لکھ کر نہیں دیتے کہ ہم اس وقت تک بالا افسروں کے حکم سے مکان پر قبضہ کئے ہوئے ہیں تو پھر تمہارا کوئی حق یہاں ٹھہرنے کا نہیں پھر تم نکل جاؤ۔ میں نے مرزا صاحب سے کہا کہ آپ انہیں یہ نہ کہیں کہ یہاں سے نکل جاؤ کیونکہ ممکن ہے یہ لوگ جا کر یہ رپورٹ کریں کہ ہمیں مارا گیا ہے اور بات آخر وہی مانی جائیگی جو یہ کہیں گے۔ آجکل چونکہ جنگ ہو رہی ہے اس لئے مجسٹریٹوں کا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ پولیس والوں کو کیا ضرورت تھی کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں میں نے اُن سے کہا آپ یہ نہ کہیں کہ نکل جاؤ بلکہ کہیں کہ نہیں لکھ کر دیتے تو تمہاری مرضی ہم یہ لکھ لیں گے کہ تم فلاں وقت تک یہاں ٹھہرے ہو اور دوبارہ اُن کی تصویر لے لو اور اس تصویر پر وقت بھی لکھ دو کہ اتنے بجے یہ تصویر لی گئی ہے۔ آخر شام کو اطلاع ملی کہ ایس ڈی او صاحب کے حکم کے مطابق جب پولیس نے رپورٹ کی تو معلوم ہوا کہ جس دفعہ کے ماتحت پولیس والوں نے کارروائی کرنی چاہی تھی اس کے ماتحت کارروائی کرنے کا پولیس کو اختیار ہی حاصل نہیں تھا۔ غرض اُن کی اور بے ضابطگیوں میں ایک بڑی بے ضابطگی یہ بھی پائی گئی کہ جس دفعہ کے ماتحت انہوں نے کارروائی کرنی چاہی اس دفعہ کے ماتحت مجسٹریٹ کے حکم کے بغیر کارروائی کرنے کا انہیں حق ہی حاصل نہیں تھا۔ سُنا گیا ہے کہ اس رپورٹ پر ایس ڈی او صاحب نے انچارج ہیڈ کانسٹیبل کو بلا کر کہا کہ تم نے اس دفعہ کے ماتحت کس طرح کارروائی کی ہے جبکہ کارروائی کرنے کا تمہیں کوئی حق ہی حاصل نہیں تھا مجسٹریٹ نے کہا۔ قانون تمہیں اس بات کا اختیار نہیں دیتا البتہ مجسٹریٹ کے حکم سے تم ایسا کر سکتے ہو۔ اس کے بعد انہوں نے اُسی وقت آدمی بھجوا دیا کہ وہاں جو پولیس کھڑی ہے اُسے کہہ دیا جائے کہ وہ کوٹھی سے واپس چلے جائیں۔ چنانچہ سات بجے شام کو پولیس وہاں سے ہٹی۔ رات کو ایس ڈی او صاحب کا پھر رقعہ آیا کہ صبح میں مرزا خلیل احمد کے بارہ میں اطلاع دونگا۔ دوسرے دن

حسب وعدہ گیارہ بجے کے قریب اُن کا رقعہ آیا کہ آپ خلیل احمد کو بے شک لے جائیں - ہماری طرف سے اِس میں کسی قسم کی روک نہیں - چنانچہ اِس پر ہم قادیان آ گئے - صبح کے شور و شر کے بعد جب مختلف لوگوں کی گواہیاں لینے کے لئے میں نے مرزا عبدالحق صاحب کو مقرر کیا تا کہ تازہ بتازہ شہادت قلمبند ہو جائے تو مجھے معلوم ہُوا کہ پولیس ڈاک آنے سے پہلے ہی ڈاکخانہ کے پاس بیٹھی تھی حالانکہ ابھی پیکٹ نہیں آیا تھا - اسی طرح وہ سڑکوں پر بھی مختلف جگہوں پر کھڑی تھی - جس کے معنے یہ ہیں کہ پولیس پیکٹ کے منصوبہ میں شامل تھی اِس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہُوا کہ ڈاکیہ نے اصرار کر کے خلیل احمد کو پیکٹ دیا تھا - واقعہ یہ ہے کہ جب ڈاکیہ پیکٹ لایا تو خلیل احمد وہ پیکٹ درد صاحب کے پاس لایا اور کہنے لگا کہ یہ میرے نام بیرنگ پیکٹ آیا ہے کیا میں لے لوں ؟ درد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اُس سے کہا ایسا پیکٹ نہیں لینا چاہیئے - مگر وہ باہر جا کر پھر آیا اور اُس نے دو آنہ ڈاکیہ کو دینے کے لئے طلب کئے - جب اُس سے پوچھا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو اُس نے کہا کہ ڈاکیہ اصرار کرنے لگا تھا کہ ضرور پیکٹ لے لیا جائے اور کہنے لگا کہ دو آنے خرچ کرنا کونسی بڑی بات ہے - جس کے معنے یہ ہیں کہ ڈاکیہ کو بھی پولیس نے یہ کہکر بھجوایا تھا کہ تم اصرار کرنا تا کہ خلیل احمد اس پیکٹ کو وصول کر لے - یہ واقعات ہیں جو میں نے بغیر کسی قسم کی جرح کے اور بغیر اپنے جذبات کو ظاہر کرنے کے بیان کر دیئے ہیں - میں نے یہ نہیں بتایا کہ کس کس طرح ان واقعات سے سلسلہ اور ہم پر حرف آیا ہے یا ان واقعات سے اور ان سے جن کو میں نے ظاہر نہیں کیا کس طرح پولیس والوں کی بدنیتی اور ان کی جماعت کو ذلیل کرنے کی کوشش ظاہر ہوتی ہے - میں ان امور کو اس وقت تک ملتوی رکھتا ہوں جب تک گورنمنٹ سے اِس بارہ میں میں گفتگو نہ کر لوں اور یہ نہ معلوم کر لوں کہ اِس کی ذمہ داری کس پر ہے - مگر جو چیز مجھے عجیب لگی ہے جو میرے دل میں کھٹکتی ہے اور جس کے بیان کرنے سے میں نہیں رُک سکتا وہ یہ ہے کہ اگر اس ایکٹ کا وہی مفہوم ہے جو اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر اس ایکٹ کے ماتحت کسی کو بھی کوئی پیکٹ بھجوا کر گرفتار کرا دینا بالکل آسان امر ہے اور اس طرح ہماری جماعت کا کوئی فرد اس سے محفوظ نہیں رہ سکتا - کل ممکن ہے میرے پاس اِس طرح کا کوئی پیکٹ آ جائے اور پولیس مجھے گرفتار کر لے - آخر سوشلسٹوں کے لئے یا پولیس کے لئے اس قسم کا پیکٹ بھجوانا کیا مشکل ہے - سوشلسٹوں کے اشتہارات وغیرہ اس کے قبضہ میں آتے ہی رہتے ہیں

وہ آسانی سے کسی دوسرے کے نام وہی اشتہارات بصورت پیکٹ بھیج کر اُسے گرفتار کرا سکتی ہے۔ گویا تمام معززین کی عزتیں اور جانیں خطرہ میں ہیں اور امن محض سی۔آئی۔ڈی کے چند افسروں کے ہاتھ میں رہ گیا ہے۔ میں نے اس خط میں جو ہز ایکسی لینسی گورنر پنجاب کو بھجوایا ہے یہی لکھا ہے۔ اور اُن سے پوچھا ہے کہ کیا قانون کا یہی منشاء ہے۔ میں کسی بڑے افسر کا نام ادب کی وجہ سے نہیں لیتا لیکن کیا اُن کو اس قسم کا پیکٹ اگر کوئی بھیج دے تو پولیس تین چار منٹ کے بعد ہی اُن کو گرفتار کرے گی حالانکہ تین چار منٹ میں کوئی انسان خواہ کتنا ہی سمجھدار ہو کتنا ہی طاقتور ہو کتنے ہی وسیع ذرائع رکھنے والا ہو یہ نہیں کر سکتا کہ اس پیکٹ کو ڈپٹی کمشنر یا سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس بھجوائے۔ آخر وہ کونسا ذریعہ ہے جس کے ماتحت اس قسم کا پیکٹ پہنچنے کے تین چار منٹ بعد ہی انسان اُسے کسی ذمہ وار افسر تک پہنچا سکے۔ اور اس طرح اپنی بریّت ثابت کر سکے میں سمجھتا ہوں انگریزوں کے جنیل اور کرنیل بھی یہ طاقت نہیں رکھتے کہ وہ باوجود بڑی طاقت رکھنے کے باوجود ہوائی جہاز رکھنے کے اس قسم کا پیکٹ پہنچنے کے بعد تین چار منٹ کے اندر اندر اس کے متعلق کوئی کارروائی کر سکیں۔ پس اگر اس قانون کا یہی مفہوم ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ ہندوستان کے ہر شخص کی عزت خطرے میں ہے۔ فرض کرو میں اُس وقت وہاں موجود نہ ہوتا تو کیا اس قانون کے ماتحت خلیل احمد مجرم نہیں تھا۔ یا فرض کرو وہ اس کی اہمیت کو نہ سمجھتا اور اس پیکٹ کو کمرہ میں پھینک دیتا تو کیا وہ مجرم نہ بن جاتا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس قانون کا یہ منشاء ہو جو پولیس نے سمجھا۔ لیکن چونکہ میں نے اس کے متعلق گورنمنٹ کو توجہ دلائی ہے اس لئے میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ گورنمنٹ اس کا کیا جواب دیتی ہے۔ اگر گورنمنٹ کا یہی منشاء ہے تو بغیر مزید تحقیق کئے ابھی سے یہ کہے دیتا ہوں کہ اس کے ماتحت ہندوستان میں کسی شخص کی عزت محفوظ نہیں۔ اور اگر اس قانون کا یہ منشاء نہیں اور اگر گورنمنٹ نے ایسے اصول تجویز کئے ہیں جن سے اس قسم کے خطرات کا ازالہ ہو سکتا ہے تو یقیناً گورنمنٹ کا فرض ہے کہ اِن لوگوں کو جو اس واقعہ کے ذمہ دار اور اصل مجرم ہیں سزا دے۔"[1]

مخلصینِ جماعت کا ردِّ عمل

اِس واقعہ کا منظرِ عام پر آنا ہی تھا کہ مخلصینِ جماعت کے دلوں میں زبردست ہیجان اور جوش پیدا ہو گیا۔ اور انہوں نے حضرت امیر المومنینؓ کے حضور اپنے نام پیش کرنے شروع کر دیئے کہ اس موقعہ پر ہم سے انفرادی طور پر جس جس قربانی کا مطالبہ

---

[1] الفضل ۱۴ر تبوک ۱۳۲۰ہش (۱۴ر ستمبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲ تا ۷

کیا جائے گا اس سے دریغ نہیں کریں گے۔ تاہم جذبات کے حد درجہ مجروح ہونے کے باوجود انہوں نے ہر نوع کے غیر آئینی اقدام سے کلیتۃً اجتناب کیا اور صبر و تحمل کا بے نظیر نمونہ دکھایا۔

دوسروں کا ردِّ عمل

جماعتِ احمدیہ کی مظلومیت کا یہ نظارہ دیکھ کر ملک کے سنجیدہ اور معزز مسلم و غیر مسلم حلقوں نے بھی پولیس کی ظالمانہ کارروائی کو سخت نفرت و حقارت سے دیکھا اور جماعت سے ہمدردی کا اظہار کیا۔[1]

اخبارات کا زبردست احتجاج

سب سے عمدہ نمونہ ہندوستان کے پریس نے دکھایا جس نے اس واقعہ کی تفصیلات شائع کرنے کے علاوہ اس پر زوردار احتجاجی نوٹ لکھے۔

اخبار "انقلاب" لاہور:۔ شمالی ہند کے مشہور مسلمان اخبار "انقلاب" (لاہور) نے ۱۴ ستمبر ۱۹۴۱ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"قادیانیوں کے متعلق کسی سرکاری یا غیر سرکاری آدمی کو یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ حکومت کے خلاف باغیانہ لٹریچر کی اشاعت میں شریک ہو سکتے ہیں۔ حکومت کے ساتھ تعاون اور مساعی جنگ کی پُرزور حمایت کے باب میں اُن کی پالیسی ساری دنیا پر آشکارا ہے، پھر اگر اس گروہ کے امام کا صاحبزادہ بھی ایک ایسے معاملے میں محلِّ شبہات بن سکتا ہے جس سے نظر بظاہر اس کا کوئی تعلق نہ تھا تو ان لوگوں کی آزادیاں اور عزتیں کیونکر محفوظ سمجھی جا سکتی ہیں جن کے متعلق حکومت یا عوام کو وفاداری کا ویسا یقین نہیں ہو سکتا جیسا کہ قادیانی اصحاب کے متعلق ہے۔

ہم مرزا صاحب کی اس رائے سے متفق ہیں کہ قانون کا ایسا استعمال جو آن پڑھ یا قریباً آن پڑھ پولیس کے معمولی جوانوں کو مختار بنا دینا یقیناً بے حد خطرناک ہے اور جن حوادث سے مرزا صاحب کو سابقہ پڑا وہ کسی شریف انسان کے لئے بھی اطمینان بخش نہیں ہو سکتے۔

حکومت کا فرض ہے کہ اس قسم کے واقعات کا سختی سے انسداد کرے حکومت کے وقار، امن و تحفظ سے

---

[1] پورے ملک میں غالباً غیر مبائعین کی ہی واحد پارٹی تھی جس کے ساتھ تعلق رکھنے والے بعض لوگوں نے کھلم کھلا سراسر خلافِ فاضلہ، مومنانہ وقار اور شرافت و انسانیت سے گرا ہوا رویہ اختیار کیا حتّٰی کہ ڈلہوزی میں موجود غیر مبائعین نے پولیس کی کارروائی پر اظہار خوشیاں منائیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ذات اقدس کیلئے نہایت درجہ نازیبا الفاظ استعمال کئے "الفضل" ۲۲ ستمبر ۱۹۴۱ء (تحریک جدید نمبر) صفحہ ۳۔

کوئی آئین پسند انسان اختلاف نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس شخص کے نام کوئی شخص خلافِ آئین لٹریچر بھیج دے اُسے معاً مجرم سمجھ لیا جائے اور اُس کی زندگی کے محکم حقائق کی طرف سے آنکھیں بالکل بند کر لی جائیں۔ یہ طرزِ عمل سراسر غلط اور دل آزار ہے۔ حکومت پنجاب کا فرض ہے کہ وہ اس واقعہ کی مناسب تلافی کرے اور آئندہ کے لئے قانون کے صحیح استعمال کے متعلق تمام لوگوں کو یقین دلائے کہ یہ کم سے کم صورت ہے۔ معاملہ مرزا صاحب یا اُن کی جماعت کا نہیں بلکہ ہر ہندوستانی کو اس کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔"[۵]

اخبار "پارس" لاہور:۔ لاہور کے ہندو اخبار "پارس" نے "امیر جماعت احمدیہ سے بدسلوکی" کے عنوان سے (۲۷ ستمبر ۱۹۴۱ء کو) حسب ذیل اداریہ لکھا:۔

"ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت سے مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو ملک میں جو قابلِ رشک پوزیشن حاصل ہے اُس سے ہر شخص واقف ہے۔ جماعت احمدیہ کے ہر فرد کے لئے اُن کا لفظ حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ ایک ایسی جماعت کے رہبر ہیں جس کے بانی نے بادشاہِ وقت کی اطاعت کو ایک اصول کا درجہ دیا۔ حکومت برطانیہ کی وفاداری اور اُس سے دوستی کو جماعت مذکور نے اپنا فرض قرار دیا جس کیلئے اُسے اپنے ہم وطنوں کے طعن و تشنیع برداشت کرنے پڑے۔ گذشتہ اور موجودہ جنگ میں مرزا صاحب اور اُن کے پیروکاروں نے حکومت کی مالی اور بھرتی کے سلسلہ میں جو مدد کی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن اُن کے ساتھ حکومت کے کارندوں کی طرف سے جو نامناسب سلوک روا رکھا گیا ہے وہ اس قابل نہیں کہ جسے آسانی سے نظر انداز کیا جائے۔

مرزا صاحب موصوف کو ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے استعمال پر اپنے ساتھ پیش آمدہ مذکورہ بالا واقعہ سے کس قدر ذہنی تکلیف ہوئی ہے اس کا اندازہ اُن کے ذیل کے تلخ الفاظ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ آپ اپنے خطبہ کے دوران میں فرماتے ہیں۔ (آگے حضور کے خطبہ سے اقتباس دیا گیا ہے۔ ناقل)

جہاں ہمیں اس رنجدہ معاملہ میں خلیفہ صاحب قادیان سے دلی ہمدردی ہے وہاں ہم حکومت کے اس نظام کی خامیوں پر ماتم کئے بغیر نہیں رہ سکتے جس کی رُو سے ایک ایسی جماعت کے پیشوا کی توہین ہوئی جو حکومت برطانیہ کی بہت بڑی مددگار اور دوست سمجھی جاتی ہے۔ اگر مرزا صاحب کے خاندان

---

[۵] الفضل ۱۹ تبوک ۱۳۲۰ھش (۱۹ ستمبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲ کالم ۲

کے کسی فرد پر محض ایک پیکٹ کے وصول ہونے کی وجہ سے سڈیشن[۵] کا شبہ کیا جا سکتا ہے اور مرزا صاحب ایسی پوزیشن کے بلند مرتبت بزرگ کے ساتھ پولیس کے معمولی سپاہی بدسلوکی سے پیش آ سکتے ہیں تو پھر کسی بھی شخص کی عزت محفوظ نہیں سمجھنی چاہیئے۔ حکومت کو چاہیئے کہ اس معاملہ کو معمولی سمجھ کر ٹال نہ دے بلکہ کسی خاص افسر کے ذریعہ اس کی تحقیقات کروائے اور اس سازش کا پتہ لگائے جس کے ذریعہ مرزا صاحب کو نقصان پہنچانے کی مذموم حرکت کی گئی۔ سازش کنندگان کو قرار واقعی سزائیں دے تاکہ آئندہ کسی کو اس قسم کی جسارت کی جرأت نہ ہو سکے۔ ہماری رائے میں بلا لحاظ مذہب و ملت ہر جماعت اور ہر اخبار کو اس واقعہ کی جو مرزا صاحب قادیان کے ساتھ پیش آیا پُرزور الفاظ میں مذمت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اسے اگر نظر انداز کیا گیا تو اس قسم کے واقعات بڑی سے بڑی پوزیشن کے مذہبی اور سیاسی رہنما کے ساتھ پیش آ سکتے ہیں۔"

اخبار "حق" لکھنؤ:۔ لکھنؤ کے اخبار "حق" نے ۲۷ ستمبر ۱۹۴۱ء کی اشاعت میں "جماعت احمدیہ کی توہین" کے عنوان سے حسب ذیل نوٹ لکھا:۔

"اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو ہم گورنمنٹ پنجاب سے یہ پوچھنے کا پورا حق رکھتے ہیں کہ ایک ایسی محترم اور باعثِ عزت شخصیت کے خلاف کہ جو ایک طاقتور جماعت کا سردار اور امیر ہے اور جس کی شخصی اور جماعتی وفاداری حکومت کے ساتھ ضرب المثل کا درجہ رکھتی ہے اس سے پولیس نے اس قسم کا اہانت آمیز برتاؤ کیوں کر کیا۔ اور کس کے حکم سے اس جماعت کے بارے میں ظاہر ہے کہ یہ شبہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ اس کا کوئی فرد چہ جائیکہ اس کا خود امیر حکومت کے خلاف کسی باغیانہ لٹریچر کی نشر و اشاعت کا سبب بن سکتا ہے۔ اس لئے کہ نہ صرف سابقہ موقعوں پر بلکہ موجودہ جنگ میں بھی ان کا گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ اتحادِ عمل اور اتحادی حکومتوں کی تائید میں اُن کا پروپیگنڈا ہر ایک کے علم میں ہے۔ اور اگر اس کے باوجود بھی کسی ایسی ممتاز و محترم شخصیت کے ساتھ حکومت پنجاب اس قسم کے طرز عمل کو جائز قرار دے سکتی ہے تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی دوسرے کو اس سے کیا توقع رکھنی چاہیئے۔ اور یہ بھی تو دیکھئے کہ انصاف اور قانون کے کس ضابطہ اور اصول کے ماتحت ایسے شخص کو کہ جس کا وفاداری کا ریکارڈ اتنا

---

[۵] "SEDITION"۔ فساد، بغاوت، بلوہ، حکومت کے خلاف اشتعال انگیزی۔

شاندار ہو محض معویانہ لٹریچر کے ڈاک سے وصول کرنے کی پاداش میں مجرم قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر قصوروار کوئی ہوسکتا ہے تو اس کا بھیجنے والا نہ کہ اس کا پانے والا۔ بہرحال ہم ان زبردست مذہبی اور سیاسی اختلافات کے باوجود کہ جو ہمارے اس جماعت سے ہیں پنجاب پولیس کے اِس غیر شریفانہ طرزِ عمل کے خلاف اپنے دلی غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے حکومتِ پنجاب سے اس کی تحقیقات اور تلافی اور آئندہ کے لئے اس کے انسداد کی پُرزور خواہش کرینگے۔ اگر واقعات وہ نہیں ہیں کہ جو اس سلسلہ میں ہمارے علم میں آئے .... تو حکومت پنجاب کا یہ ایک ضروری اور اخلاقی فرض ہے کہ وہ امیر جماعت احمدیہ کے اس بیان کے جواب میں جو انہوں نے روزنامہ "الفضل" میں اس کے متعلق شائع کیا ہے اپنا جوابی بیان شائع کرکے اپنی پوزیشن کی صفائی پیش کردے تاکہ عام قلوب میں اس کے اس طرزِ عمل سے جو بے چینی پیدا ہوئی ہے وہ رفع ہو جائے۔ کیا سر سکندر کی حکومت ہمارے اس جائز مطالبہ کو پورا کرنے پر تیار ہوسکتی ہے؟"[۱]

اخبار "سرفراز" لکھنؤ:۔ شیعہ اصحاب کے جماعتی آرگن روزنامہ "سرفراز" لکھنؤ نے "جماعتِ احمدیہ کی ایک قابل لحاظ شکایت" کے عنوان سے ۱۲ ستمبر ۱۹۴۱ء کو لکھا:۔

"ہم کسی مذہب و ملّت کے پیشوا کی توہین پسند نہیں کرتے اس لئے ہمیں یہ سُنکر افسوس ہوا کہ جماعت احمدیہ (قادیان) کے موجودہ پیشوا کے ساتھ کوہ ڈلہوزی پر جہاں آپ بغرض تبدیل آب وہوا معہ اپنے متعلقین کے مقیم تھے پنجاب کی پولیس نے غالباً کسی خفیہ رپورٹ کی بناء پر اتنا زیادہ نامناسب برتاؤ کیا جس سے خود آپ کو نیز آپ کے معتقدین کو بڑی تکلیف پہنچی۔

ہم کو اُمید ہے کہ حکومت اس معاملہ کی چھان بین کرکے اس کی مناسب تلافی کرے گی۔ تاکہ ہندوستان کی ہر ملّت و قوم کو یہ اطمینان ہو سکے کہ اس کے پیشوا کی عزت سرکاری عمّال کے ہاتھوں معرضِ خطر میں نہیں لائی جائیگی۔"[۲]

اخبار "حقیقت" لکھنؤ:۔ صوبہ متحدہ کے سُنّی مسلمانوں کے ترجمان اخبار "حقیقت" نے ۱۹ ستمبر کو "جماعت احمدیہ کے پیشوا کی توہین" کی سُرخی سے حسب ذیل شذرہ سپردِ قلم کیا:۔

"معاصر "الفضل" (قادیان) سے ہمیں یہ معلوم کرکے بہت افسوس ہوا کہ امام جماعت احمدیہ قادیان

---

[۱] بحوالہ اخبار "الفضل" قادیان مورخہ ۳ اخاء ۱۳۲۰ ہش / ۳ اکتوبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۴ + [۲] الفضل ۱۵ اخاء ۱۳۲۰ ہش / ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۴؛

کے ساتھ کوہ ڈلہوزی پر جہاں آپ بغرض تبدیل آب و ہوا معہ اپنے متعلقین کے مقیم تھے پنجاب پولیس کی جانب سے غالباً پنجاب سی۔آئی۔ڈی کی کسی رپورٹ کی بناء پر بہت ہی نازیبا اور قابل اعتراض برتاؤ کیا گیا ...... اگر کسی اور جماعت کے لیڈر کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا گیا ہوتا تو ہمارا خیال ہے کہ اس وقت ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایسی آگ لگ چکی ہوتی جو آسانی سے بجھائی نہیں جا سکتی تھی .... عام مسلمانوں کو احمدی جماعت سے عقائد میں یقیناً اختلاف ہے لیکن اس وقت ہم جس واقعہ کا ذکر کر رہے ہیں وہ ان عقاید کے سوال سے بالا ہے اور یہ وہ امور ہیں جن پر سب کو متفق ہو کر پنجاب گورنمنٹ کے اس نازیبا فعل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا چاہیے۔ کیونکہ ایک ایسی حکومت کے لئے جس کا وزیر اعظم ایک مسلمان ہو اس قسم کے امور ضرور شرمناک کہے جائیں گے۔ یہ ایسی بات ہے جس کے بارے میں اگر احتجاج نہ کیا گیا تو کسی بڑے سے بڑے ہندوستانی لیڈر کی عزّت اور آبرو محفوظ نہ رہے گی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سر سکندر کی حکومت میں ہندوستان کے سب سے زیادہ اطاعت شعار وفادار اور پابند قانون جماعت کے لیڈر کے ساتھ ایسا انسانیت سوز برتاؤ ہو سکتا ہے تو پھر کانگرسی رہنماؤں سے کیا کچھ سلوک نہ ہوتے ہونگے۔ کاش! اسی واقعہ سے احمدیوں کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ اس زمانہ میں حکومت کی وفاداری اور اطاعت شعاری کی نہ تو پبلک میں کچھ قدر ہے اور نہ خود گورنمنٹ کی نظروں میں کچھ وقعت ہے۔"[۱]

نیشنل هیرلڈ" لکھنؤ:۔ لکھنؤ کے مؤقر انگریزی جریدہ "نیشنل ہیرلڈ" نے لکھا:۔

"ڈیفنس آف انڈیا رولز کا ایسا غلط استعمال بہت خطرناک ہے اور حکومت کا فرض ہے کہ اس کا انسداد کرے۔ یہ بالکل غلط اصول ہے کہ جس کسی کے نام کوئی باغیانہ لٹریچر ڈاک میں آئے اُسے مجرم گردان لیا جائے اور اُس کی وفاداری کے گذشتہ ریکارڈ کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ بات واضح ہے کہ ڈیفنس آف انڈیا رولز پاس کرتے وقت لیجسلیچر کا منشاء وہ نہ تھا جو پنجاب پولیس سمجھ رہی ہے۔"[۲]

---

[۱] الفضل ۱۵/ اخاء ۱۳۲۰ہش/ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۳۔ [۲] الفضل ۱۵/ اخاء ۱۳۲۰ہش/ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۳۔

اودھ اخبار لکھنؤ:۔ لکھنؤ کے "اودھ اخبار" نے ۳۰ راکتوبر ۱۹۴۱ء کے پرچہ میں مندرج ذیل نوٹ لکھا:۔

" ابھی چند روز ہوئے کہ ڈلہوزی میں ایک ایسا ناگوار واقعہ پیش آیا جس پر مختلف اخباروں نے احتجاجی مقالے لکھے اور حکومت پنجاب کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ وہ ایسے واقعہ کے متعلق پوری تحقیقات کرے اور اگر یہ واقعہ صحیح ہو تو اس کی تلافی کرے۔ اسی سلسلہ میں واقعہ کی تفصیل پر تبصرہ کرتے ہوئے بتایا تھا کہ گذشتہ ستمبر کی کسی تاریخ کو جبکہ ڈلہوزی میں امام جماعتِ احمدیہ مقیم تھے ایک چٹھی رساں نے ایک پیکٹ امام جماعت احمدیہ کے صاحبزادے خلیل احمد کے نام تقسیم کیا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ پیکٹ بیرنگ تھا اور اس نے پہلے وصول کرنے سے انکار کر دیا لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ چٹھی رساں نے صاحبزادہ خلیل احمد صاحب سے اصرار کیا کہ وہ اس پیکٹ کو لے لیں۔ بہر حال انہوں نے اس پیکٹ کو وصول کر لیا اور اس کے فوراً ہی بعد صاحبزادہ موصوف اپنے والد صاحب کے پاس پہنچے اور پیکٹ حوالہ کرتے ہوئے کہا کہ اس پیکٹ میں کوئی باغیانہ لٹریچر ہے۔ چنانچہ امام جماعت احمدیہ نے بھی چونکہ پیکٹ ڈھیلا تھا اس کا لٹریچر نکال کر ملاحظہ کیا تو یہ بات صحیح معلوم ہوئی کہ اس میں کسی انقلابی جماعت کی طرف سے یہ لٹریچر نوجوانوں کے نام روانہ کیا گیا تھا۔ امام جماعت احمدیہ نے فوراً ہی پرائیویٹ سکرٹری کو بلا کر اس بات کی ہدایت کی کہ وہ اس خبر کو گورنر صاحب پنجاب کو روانہ کر دیں کہ ایسا لٹریچر پیکٹ میں کسی نے شرارتاً ان کے لڑکے کے پاس روانہ کیا ہے ممکن ہے اور نوجوانوں کو بھی بھیجا گیا ہو اس لئے اس کے متعلق فوری کارروائی کی جائے۔ ظاہر ہے کہ امام جماعت احمدیہ کا یہ فعل بر بنائے خلوص ہی تھا لیکن ابھی یہ ہدایات دی ہی جا رہی تھیں کہ فوراً پولیس کی ایک جماعت بھی امام جماعت احمدیہ کی کوٹھی میں پہنچ گئی۔ معاً اس پیکٹ کے متعلق تحقیقات شروع کر دی۔ اس پیکٹ کو بھی چھین لیا اور مکان کے اس ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی جہاں خود امام جماعت احمدیہ کی نشست گاہ تھی اور وہاں پولیس کی جماعت نے نہایت توہین آمیز طریقہ اختیار کیا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اصل واقعات کیا ہیں لیکن اگر یہ واقعہ صحیح ہو سکتا ہے تو ہمیں پنجاب پولیس کے اس رویہ پر سخت افسوس اور تکلیف ہے کہ اس نے ایک جماعت کے پیشوا اور رہنما کے ساتھ نہایت توہین آمیز رویہ اختیار کر کے اس جماعت کے وفادارانہ جذبات کو ٹھیس لگائی۔ جماعت احمدیہ کے متعلق یہ بتانے کی ضرورت

نہیں ہے کہ اس جماعت کے پیشوا سے لیکر افراد تک جن کی تعداد ہندوستان اور بیرون ہند میں لاکھوں تک ہے برطانوی حکومت کے ساتھ کسقدر وفادارانہ وابستگی رکھتے ہیں۔ دنیا میں ہزاروں قسم کی سیاسی اور غیر سیاسی تحریکات شروع ہوتی رہیں اور ختم ہو جاتی ہیں۔ ہزاروں تحریکات ایسی ہوتی ہیں جن کا براہ راست اثر حکومت پر بھی پڑتا ہے لیکن جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس سے یہ اندازہ ہو کہ اس نے کسی ایسی تحریک میں حصہ لیا ہو جو حکومت کی مخالفت میں پیش کی جاسکے بلکہ یہ جماعت ہمیشہ حکومت کی ایک نہ صرف وفادار جماعت رہی ہے ایسی وفادار کہ جس کی کوئی مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔ پھر اس جماعت کے قائد کے ساتھ یہ توہین آمیز رویہ ناجائز اور غیر قانونی تھا جیسا کہ مختلف اخبارات سے ظاہر ہوتا ہے یہ طریقہ اختیار کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور ہم پولیس کے ایسے ناروا طریقہ پر اظہار رنج کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ حکومت پنجاب کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ان واقعات کی تحقیقات خاص طور پر کرائے ورنہ جب پولیس حکومت کے ایک ایسے وفادار دوست کے ساتھ یہ سلوک کرسکتی ہے تو پھر ظاہر ہے کہ اس کی زد سے کسی اور کا دامن کیسے بچ سکتا ہے۔ اصل میں ان لوگوں کی تلاش کرنا چاہیئے جو اس قسم کی شرارتیں کرتے ہیں جن کی زندگی ہی ایسے ہنگاموں کے لئے وقف ہے۔ اخبار "الفضل" میں اس واقعہ کی جو تفصیل دی گئی ہے وہ کافی بے چینی پیدا کرنے والی ہے اور اس جماعت کے پیروؤں میں تو یقیناً بہت زیادہ بے چینی ہوگی۔ اس لئے حکومت کو بھی جلد از جلد اس سلسلہ میں اپنی پوزیشن کی وضاحت کردینا چاہیئے۔"[1]

حکومتِ پنجاب کی طرف سے کمشنر صاحب لاہور کو معذرت کرنے کی ہدایت

واقعہ ڈلہوزی کی نسبت جماعتِ احمدیہ اور حکومت کے درمیان نو ماہ تک خط و کتابت جاری رہی حکومت نے تحقیقات بھی کرائی اور پھر پولیس کے ڈی۔آئی۔جی نے بھی تفتیش کی۔[2] بعد ازاں شہادت ۱۳۲۱ھش (اپریل ۱۹۴۲ء) میں کمشنر صاحب لاہور کو اس غرض کے لئے مقرر کیا کہ وہ اس معاملہ میں حضرت امام جماعتِ احمدیہ کے پاس اظہار افسوس کریں۔ چنانچہ کمشنر صاحب لاہور گورداسپور آئے اور اُن کی چٹھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں آئی کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مجھے یہاں آکر مل سکتے ہیں؟ اگر آپ نہ مل سکتے ہوں تو اپنے کسی رشتہ دار کو ہی بھجوا دیں

---

[1] الفضل ۱۲ نبوت ۱۳۲۰ھش / نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۵ ۔ [2] الفضل ۳۰ ہجرت ۱۳۲۱ھش / مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ کالم ۱ ۔

کیونکہ گورنمنٹ کی طرف سے مَیں ایک پیغام لایا ہوں جو آپ کو پہنچانا چاہتا ہوں۔ حضور کو قبل از وقت معلوم ہو چکا تھا کہ کمشنر صاحب لاہور اس غرض کے لئے آنے والے ہیں۔ چنانچہ حضور نے انہیں کہلا بھیجا کہ مجھے اگر آپ سے ملاقات کی ضرورت ہوتی تو مَیں خود آپ کے پاس آتا مگر چونکہ کام آپ کو ہے اس لئے میرے آنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کسی افسر کو مجھ سے کوئی کام ہے تو اُس کا فرض ہے کہ وہ میرے پاس آئے نہ یہ کہ مَیں اُنہی کے پاس جاؤں۔ باقی مجھے معلوم ہے کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو واقعۂ ڈلہوزی پر اظہار افسوس کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ مگر آپ مجھے یہ بتائیں کہ وہ واقعہ گورنمنٹ کی نادانی سے پریس میں آچکا اور سارے ہندوستان میں مشہور ہو چکا ہے۔ اب اگر مَیں یہ اعلان کر دوں کہ گورنمنٹ نے اپنی غلطی کا ازالہ کر دیا ہے اور اُس نے اپنے فعل پر اظہار افسوس کیا ہے تو دشمن ہنسے گا اور کہے گا کہ خود ہی ایک بات بنالی گئی ہے ورنہ گورنمنٹ نے اظہار افسوس نہیں کیا۔ جیسے ہماری پنجابی زبان میں ضرب المثل ہے کہ "آپے میں رَجی پُجی آپے میرے بچے جیون"۔ اگر گورنمنٹ اس فعل پر اظہار ندامت کرنا چاہتی ہے تو اُسے چاہیئے کہ تحریر اکرے تاکہ دنیا کے سامنے اُس تحریر کو رکھا جاسکے"۔

کمشنر صاحب لاہور نے اس پیغام کے جواب میں کہلا بھیجا کہ مَیں تو ایسی تحریر نہیں دے سکتا کیونکہ مجھے اجازت نہیں البتہ مَیں گورنمنٹ کو آپ کی یہ بات پہنچا دونگا۔[1]

حکومتِ پنجاب کا تحریری معذرت نامہ

چنانچہ کمشنر صاحب لاہور کی رپورٹ پر حکومت پنجاب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں تحریری طور پر معذرت نامہ بھیجا۔ اِس سلسلہ میں حکومت پنجاب کے ہوم سیکرٹری (الیف۔ بی ویسن) نے جو چٹھی لکھی اُس کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

نمبر ۲۹۵۲ - ایچ (جی) ۴۲/۲٦۳۹۵ منجانب ایف بی ویس سی آئی ای آئی سی ایس

ہوم سیکرٹری حکومت پنجاب

بنام خلیفۃ المسیح حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ

قادیان ضلع گورداسپور

---

[1] الفضل ۳۰ ہجرت ۱۳۲۱ھش/مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۴

N. 2952—H (G) 42/26395 Dated 27. 4. 1942

From

F.B. Wace Esquire,
C.I.E., I.C.S. Home Secretary to
Government Punjab.

To

Khalifatul Masih
Hazrat Mirza Bashiruddin Mahmud Ahmad
Head of the Ahmadiyya Community
Qadian' Disst, Gurdaspur.

Your Holiness,

The Punjab Government have had under examination the incident in Dalhousie last September at your residence there, when certain action was taken by the police in connection with unauthorised news sheets.

Owing to achain of unfortunate circumstances, no superior police officer was available in Dalhousie, to take charge of this action and enquiry seems to show that the junior officer who was in charge displayed a lack of tact and consideration in carrying out his duties. Suitable action has been taken against this officer and the subordinate officials concerned and I am to express the great regret of the Punjab Government for any unnecessary inconvenience which may have been caused to you and your household in consequence. It need hardly be said that no kind of insult or indignity was intented to you personally or to the religious body of which you are the respected head.

I have the honour to be
Your holiness
Your most obedient servent
Sd/-
F.B. Wace
Home Secretary to
Government Punjab.

تقدس مآب!

پنجاب گورنمنٹ اس واقعہ کے متعلق جو گذشتہ ستمبر میں ڈلہوزی میں آپ کے گھر پر ہوا تھا اور جس میں پولیس نے ایک ضبط شدہ ٹریکٹ کے متعلق کارروائی کی تھی اِس وقت تک تحقیقات کرتی رہی ہے اور اب اس کے متعلق مندرجہ ذیل تحریر بھجواتی ہے:۔

بعض اتفاقی واقعات کی وجہ سے جو قابلِ افسوس ہیں پولیس کا کوئی اعلیٰ افسر اُس وقت ڈلہوزی میں موجود نہیں تھا جو اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیتا۔ مگر یہ بات تحقیقات سے ثابت ہے کہ جونیئر افسر انچارج نے اپنے فرائض کے ادا کرنے میں عقل اور پوری توجہ سے کام نہیں لیا۔ گورنمنٹ نے اس افسر اور ماتحت افسروں کے خلاف جن کا اس واقعہ سے تعلق تھا مناسب کارروائی کی ہے۔ اور مجھے گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے ہدایت ہوئی ہے کہ مَیں اِس بارہ میں تحریر کروں کہ گورنمنٹ پنجاب کو اس تکلیف پر جو آپ کو یا آپ کے خاندان کے لوگوں کو پہنچی ہوگی شدید افسوس ہے۔ آخر میں مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس امر کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ اِس واقعہ سے کسی قسم کی ہتک یا تحقیر مدّنظر نہیں تھی۔ آپ کی ذات کی یا اس مذہبی جماعت کی جس کے آپ معزز سردار ہیں۔"[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اعلان

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اِس چٹھی کے پہنچنے پر ۲۲/ہجرت ۱۳۲۰ھش/مئی ۱۹۴۲ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"جہاں تک امام جماعت احمدیہ کا سوال ہے گورنمنٹ شروع میں ہی اظہارِ افسوس کر چکی تھی لیکن ہماری بحث گورنمنٹ سے یہ نہیں تھی کہ امام جماعت احمدیہ سے یہ واقعہ پیش نہیں آنا چاہیئے تھا بلکہ ہماری بحث یہ تھی کہ کسی ہندوستانی سے بھی ایسا واقعہ نہیں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ گورنمنٹ نے جو مجھے اُس وقت چٹھی لکھی تھی اُس میں اس نے لکھا تھا کہ افسوس ہے ہمیں غلطی لگی اور ہمیں اس وقت یہ معلوم نہیں ہُوا کہ امام جماعت احمدیہ کا اس سے کوئی تعلق ہے۔ مَیں نے اُسی وقت اس چٹھی کے جواب میں گورنمنٹ کو لکھ دیا تھا کہ میری اِس جواب سے تسلّی نہیں ہو سکتی کیونکہ میرا سوال انصاف کے قیام کے متعلق ہے۔ میرا سوال یہ نہیں کہ امام جماعت احمدیہ سے اس قسم کا واقعہ پیش نہیں آنا چاہیئے تھا بلکہ میرا سوال یہ ہے کہ کسی ہندوستانی کو بھی ایسا واقعہ پیش نہ آئے۔ پس اس کا

---

[1] الفضل ۳۰/ہجرت ۱۳۲۱ھش/مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۵ +

یہ اعتراض کہ جماعت کے نظام کا کوئی فائدہ نہ ہوا بے محل اعتراض تھا۔ کیونکہ جہاں تک امام جماعت احمدیہ کا تعلق تھا گورنمنٹ چند دنوں کے اندر اندر معذرت کا اظہار کر چکی تھی اور میں نے اس معذرت کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس لئے کہ میرے نزدیک امام جماعت احمدیہ ہونے کی حیثیت سے حکومت کی معذرت کافی نہ تھی۔"[۵۱]

اس وضاحت کے بعد حضور نے کمشنر صاحب لاہور کے گورداسپور آنے اور پھر حکومت کے تحریری معذرت نامہ کرنے کا ذکر کرنے کے بعد حکومت پنجاب کے ہوم سیکرٹری کی انگریزی چٹھی اور اس کا ترجمہ سنایا اور پھر اعلان فرمایا:۔

"گو اس چٹھی میں اُن بعض سوالات کا جو ہم نے اٹھائے ہوئے تھے جواب نہیں دیا گیا مگر بہر حال اس میں گورنمنٹ نے اس طریق کو اختیار نہیں کیا جو پہلے کیا تھا کہ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ اس میں آپ کا تعلق ہے تو ایسا واقعہ نہ ہوتا۔ بلکہ محض واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ قابلِ افسوس ہے اور اُن افسروں کو سزا دی گئی ہے جو اس کے ذمہ وار ہیں۔ میں نے جنگ کے حالات کو مدّنظر رکھتے ہوئے گورنمنٹ کے اسی اظہار افسوس کو قبول کر لیا ہے اور اسے لکھ دیا ہے کہ ہم اس واقعہ کو اب ختم شدہ سمجھتے ہیں۔"[۵۲]

واقعہ ڈلہوزی میں حکومت کے اعلیٰ حکام کے ملوّث ہونے کا ثبوت

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے گو حکومت پنجاب کی معذرت قبول فرمانے کا اعلان کر دیا مگر ساتھ ہی اس واقعہ کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے پوری وضاحت سے بتایا کہ:۔

"میں جہاں تک سمجھتا ہوں گو گورنمنٹ کے لئے یہ ماننا مشکل ہے کہ اس واقعہ کی بنیاد بعض اعلیٰ حکام کی سلسلہ احمدیہ سے مخالفت ہے کیونکہ واقعات بتاتے ہیں کہ جن امور کی وجہ سے یہ کارروائی کی گئی ہے وہ ڈیڑھ سال پہلے کے تھے۔ اور اس کی ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بھی اطلاعیں دی جا چکی تھیں۔ ان مخالف افسروں میں سے مثال میں سی آئی ڈی کے ایک اعلیٰ افسر کا ذکر کرتا ہوں۔ سال سوا سال ہوا انہوں نے ہمارے مبلغ صوفی عبدالقدیر صاحب کو بلایا اور اُن سے کہا کہ

---

[۵۱] الفضل ۲۰ ہجرت ۱۳۲۱ ہش / ۲۰ مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ کالم ۳، ۴ + [۵۲] الفضل ۳۰ ہجرت ۱۳۲۱ ہش / ۳۰ مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۵ کالم ۲ +

جاپان کے متعلق مجھے وہ معلومات دو جو تم نے وہاں رہ کر حاصل کی ہیں۔ اور جو کارروائیاں وہاں ہو رہی ہیں وہ مجھے بتاؤ۔ صوفی عبدالقدیر صاحب نے درست طور پر جواب دیا کہ میں جماعت کا ایک فرد ہوں اور اس کی طرف سے میں جاپان میں تبلیغی خدمت پر مقرر رہا ہوں۔ میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا ہوں۔ ایک مبلّغ کی حیثیت سے اُن کا یہ جواب بالکل صحیح اور درست تھا۔ دُنیا کی تمام مہذّب گورنمنٹیں پادریوں کو اس قسم کے معاملات میں نہیں گھسیٹا کرتیں۔ اور اگر وہ مبلّغوں کو بھی اس لپیٹ میں لے لیں تو تبلیغ کرنی مشکل ہو جائے۔ آخر مبلّغ دوسرے ملکوں میں تبلیغ کرنے کے لئے جاتا ہے جاسوسی کرنے کے لئے تو نہیں جاتا۔ اگر جاپان اور امریکہ اور روس اور اٹلی اور سپین اور جرمن وغیرہ حکومتوں کو یہ خیال پیدا ہو جائے کہ احمدی مبلّغ انگریزوں کے جاسوس ہوتے ہیں تو وہ انہیں تبلیغ کی کہاں اجازت دیں گے۔ ایسی صورت میں تو جب کوئی مبلّغ اُن کے ملک میں جائیگا وہ اُسے پکڑ کر باہر نکال دیں گے۔ پس یہ نہایت ہی نامناسب بات ہے کہ کسی جماعت کے مبلّغوں کو اس کام پر مامور کیا جائے۔ اُس افسر نے صوفی صاحب سے یہ بھی کہا کہ اگر آپ جاپان کے حالات نہیں بتائیں گے تو ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت آپ کو گرفتار کر لیا جائیگا۔ صوفی صاحب نے کہا کہ اگر آپ نے مجھے گرفتار ہی کرنا ہے تو بے شک کر لیں۔ اس واقعہ کے بعد ہمیں معلوم ہوا ہے کہ انہیں نمبر دس کے بستے میں رکھ لیا گیا۔ چنانچہ اب تک اُن کی مخفی نگرانی کی جاتی ہے۔ یوں مخفی تو نہیں کہ کسی کو اس کا پتہ نہیں جس شخص کی نگرانی کی جاتی ہے اُسے تو پتہ لگ ہی جاتا ہے۔ البتہ ظاہر میں پولیس ان کے دروازے پر نہیں بیٹھتی۔ اب یہ یکدم وہ پرانا واقعہ جو سال ڈیڑھ سال کا تھا اُٹھانا شروع کر دیا گیا۔ پس ہمارے لئے اس بات کے یقین کرنے کی وجوہ موجود ہیں کہ اس میں بعض اعلیٰ حکّام اور بعض سی آئی ڈی کے افسروں کا ہاتھ تھا۔ چنانچہ ہمارے دوسرے مبلّغ مولوی عبدالغفور صاحب کو جو مولوی ابوالعطاء صاحب کے بھائی ہیں انہیں بھی دھوکہ دے کر امرتسر بُلایا گیا اور اُن سے کہا گیا کہ کیا تم جاپان کے متعلق ہمیں معلومات دے سکتے ہو یا اگر تمہیں جاسوس بنا کر بھیجا جائے تو تم یہ کام کر سکتے ہو۔ حالانکہ جس افسر نے یہ بات کہی اس کا ضلع گورداسپور کے کسی فرد کو گورداسپور کی پولیس کی وساطت کے بغیر بُلانے کا کوئی اختیار ہی نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے یہ دھمکی بھی دی کہ جاپان سے جو لوگ

آئے ہیں انہیں گورنمنٹ پکڑ رہی ہے اگر تم نے حالات نہ بتائے تو تمہیں بھی پکڑ لیا جائے گا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ ہزاروں لوگ ایسے ہیں جو جاپان سے آئے مگر انہیں کسی نے گرفتار نہیں کیا۔ صرف سی آئی ڈی کے بعض افسر معلومات حاصل کرنے کے لئے اس قسم کی دھمکی دے دیتے ہیں۔ پس اگر گورنمنٹ کے معنے وزراء کی باقاعدہ مجلس کے ہیں تو مَیں مان سکتا ہوں کہ اس واقعہ میں گورنمنٹ کا ہاتھ نہیں تھا لیکن دوسرے بعض حکام اور سی آئی ڈی کے بعض افسروں کا اس میں ہاتھ ضرور تھا۔ .... جب یہاں ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس آئے تو مَیں نے اُن کے سامنے ایسے واقعات رکھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ ڈیڑھ سال کا ایک پُرانا واقعہ ہے اور مَیں نے اُن سے پوچھا کہ یہ ڈیڑھ سال کا واقعہ نئی صورت کس طرح اختیار کر گیا۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ ایک عجیب اتفاق ہے مگر دنیا میں عجیب اتفاقات ہو ہی جایا کرتے ہیں پھر مَیں نے دوسری مثال دی۔ کہنے لگے یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے۔ مَیں نے کہا یہ سارے عجوبے یہاں کس طرح اکٹھے ہو گئے۔ اور ان پُرانے واقعات نے نئی صورت کس طرح اختیار کر لی؟

غرض ہمارے پاس اس بات کے ثبوت موجود ہیں کہ درحقیقت اس واقعہ میں بعض بالا افسروں کا ہاتھ تھا لیکن جو فعل ہوا وہ مقامی آدمیوں سے ہوا۔ گویا وہی لفظ جو اس چٹھی میں استعمال کیا گیا ہے یعنی "اَن فارچونیٹ"+ وہ اس واقعہ پر پوری طرح منطبق ہوتا ہے کہ بدقسمتی سے بعض اَور لوگ مارے گئے۔ حالانکہ اصل مجرم اَور تھے۔ مَیں اس وقت ساری باتیں اپنے خطبہ میں بیان نہیں کر سکتا اور بعض باتیں تو ایسی ہیں جن کا بیان کرنا مناسب بھی نہیں۔ صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے پاس ایسے یقینی ثبوت ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض بالا افسر اس کارروائی میں شامل تھے۔ مَیں یہ ماننے کے لئے تیار ہوں کہ قانوناً جس شکل کو گورنمنٹ کہتے ہیں وہ اس واقعہ کی ذمہ وار نہ تھی۔ مگر بعض اَور بھی بالا افسر ایسے ہوتے ہیں جو گورنمنٹ کے قائم مقام سمجھے جاتے ہیں۔ اور جب اُن کی رائے کسی کے خلاف ہوتی ہے تو ماتحت افسر اسے خود بخود نقصان پہنچانا شروع کر دیتے ہیں۔ پس بیشک اصطلاحی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ گورنمنٹ کا ہاتھ اس واقعہ میں نہیں تھا مگر حقیقی طور پر گورنمنٹ کے بعض افسروں کا اس میں ہاتھ تھا۔ بہرحال چونکہ گورنمنٹ نے قطع نظر

+ UNFORTUNED "بدقسمتی سے"

اِس سے کہ اِس واقعہ کا تعلق امام جماعت احمدیہ سے تھا یا نہیں ...... اقرار کیا ہے کہ اس کے افسروں نے عقل اور تدبیر سے کام نہیں لیا بلکہ ہتک آمیز طریق اختیار کیا جس پر اُس نے اظہار افسوس کرتے ہوئے اُن افسروں کے خلاف ایکشن لیا ہے جو اس فعل کے مرتکب ہوئے تھے۔"[۱]

فصل پنجم

قادیان سے ہجرت کر کے پہاڑیوں کے دامن میں نیا مرکز تعمیر کرنے کا آسمانی انکشاف

سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں ۱۳۲۰ھش/۱۹۴۱ء کی ایک عظیم خصوصیت یہ ہے کہ اِس سال کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ پر بذریعہ رؤیا انکشاف فرمایا کہ حضور کو مستقبل میں قادیان سے ہجرت کر کے پہاڑیوں کے دامن میں تنظیم کی غرض سے ایک نیا مرکز قائم کرنا پڑے گا۔ چنانچہ حضور نے ۱۲ / فتح ۱۳۲۰ھش (۱۲ / دسمبر ۱۹۴۱ء) کے خطبہ جمعہ میں فرمایا :-

"ایک رؤیا ہوا۔ مَیں نے دیکھا کہ مَیں ایک مکان میں ہوں۔ جو ہمارے مکانوں سے جنوب کی طرف ہے۔ اور اُس میں ایک بڑی بھاری عمارت ہے جو کئی منزلوں میں ہے۔ اُس کئی منزلہ عمارت میں مَیں بھی ہوں اور یُوں معلوم ہوتا ہے کہ یکدم غنیم حملہ کر کے آ گیا ہے اور اس غنیم کے حملہ کے مقابلہ کے لئے ہم سب لوگ تیاری کر رہے ہیں۔ مَیں اُس وقت اپنے آپ کو کوئی کام کرتے نہیں دیکھتا مگر مَیں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مَیں بھی لڑائی میں شامل ہوں۔ یوں اُس وقت مَیں نے نہ توپیں دیکھی ہیں نہ کوئی اور سامانِ جنگ مگر مَیں سمجھتا یہی ہوں کہ تمام قسم کے آلاتِ حرب استعمال کئے جا رہے ہیں۔ اِسی دوران میں مَیں نے محسوس کیا کہ وہاں ... . پھر یہ نظارہ بدل گیا اور مجھے یوں معلوم ہوا کہ جیسے ہم اس مکان سے نکل آئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن غالب آ گیا ہے اور ہمیں وہ جگہ چھوڑنی پڑی ہے۔ باہر نکل کر ہم حیران ہیں کہ کس جگہ جائیں اور کہاں جا کر اپنی حفاظت کا سامان کریں۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اُس نے کہا کہ میں آپ کو ایک جگہ بتاتا ہوں

---

[۱] الفضل ۳۰ / ہجرت ۱۳۲۱ھش / مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۵ و ۶

آپ پہاڑوں پر چلیں وہاں ایک اٹلی کے پادری نے گرجا بنایا ہوا ہے اور ساتھ ہی اُس نے بعض عمارتیں بھی بنائی ہوئی ہیں جنہیں وہ کرایہ پر مسافروں کو دے دیتا ہے۔ وہاں چلیں وہ مقام سب سے بہتر رہے گا۔ میں کہتا ہوں بہت اچھا۔ چنانچہ میں گائیڈ کو ساتھ لیکر پیدل چل پڑتا ہوں۔ ایک دو دوست اور بھی میرے ساتھ ہیں۔ چلتے چلتے ہم پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچ گئے مگر وہ ایسی چوٹیاں ہیں جو ہموار ہیں۔ اس طرح نہیں کہ کوئی چوٹی اونچی ہو اور کوئی نیچی جیسے عام طور پر پہاڑوں کی چوٹیاں ہوتی ہیں بلکہ وہ سب ہموار ہیں جس کے نتیجہ میں پہاڑ پر ایک میدان سا پیدا ہو گیا ہے۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک پادری کالا سا کوٹ پہنے کھڑا ہے اور پاس ہی ایک چھوٹا سا گرجا ہے۔ اُس آدمی نے پادری سے کہا کہ باہر سے کچھ مسافر آئے ہیں انہیں ٹھہرنے کے لئے مکان چاہیئے۔ وہاں ایک مکان بنا ہوا نظر آتا ہے وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پادری لوگوں کو کرایہ پر جگہ دیتا ہے۔ اُس نے ایک آدمی سے کہا کہ انہیں مکان دکھا دیا جائے۔ وہ مجھے مکان دکھانے کے لئے لے گیا۔ ایک دو دوست اور بھی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ کچا مکان ہے اور جیسے فوجی بارکیں سیدھی چلی جاتی ہیں اسی طرح وہ مکان ایک لائن میں سیدھا بنا ہوا ہے۔ مگر کمرے صاف ہیں۔ میں ابھی غور ہی کر رہا ہوں کہ جو شخص مجھے کمرے دکھا رہا تھا اُس نے خیال کیا کہ کہیں میں یہ نہ کہہ دوں کہ یہ ایک پادری کی جگہ ہے ہم اس میں نہیں رہتے ایسا نہ ہو کہ ہماری عبادت میں کوئی روک پیدا ہو۔ چنانچہ وہ خود ہی کہنے لگا۔ آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی کیونکہ یہاں مسجد بھی ہے۔ میں نے اسے کہا کہ اچھا مجھے مسجد دکھاؤ۔ اُس نے مجھے مسجد دکھائی جو نہایت خوبصورت بنی ہوئی تھی مگر چھوٹی سی تھی مسجد مبارک سے نصف ہوگی لیکن اُس میں چٹائیاں اور دریاں وغیرہ بچھی ہوئی تھیں اسی طرح امام کی جگہ ایک صاف قالینی مصلّٰی بھی بچھا ہوا تھا مجھے اس مسجد کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ اور میں نے کہا کہ ہمیں یہ جگہ منظور ہے۔ خواب میں میں نے یہ خیال نہیں کیا کہ مسجد وہاں کس طرح بنائی گئی ہے مگر بہرحال مسجد دیکھ کر مجھے مزید تسلی ہوئی اور میں نے کہا کہ اچھا ہوا مکان بھی مل گیا اور ساتھ ہی مسجد بھی مل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں باہر نکلا اور میں نے دیکھا کہ اِکّا دُکّا احمدی وہاں آ رہے ہیں خواب میں میں حیران ہوتا ہوں کہ میں نے تو ان سے یہاں آنے کا ذکر نہیں کیا تھا ان کو میرے یہاں آنے کا پتہ کیسے لگ گیا۔

تو معلوم ہُوا کہ یہ کوئی محفوظ جگہ نہیں - چاہے یہ دوست ہی ہیں لیکن بہرحال اگر دوست کو ایک مقام کا علم ہوسکتا ہے تو دشمن کو بھی ہوسکتا ہے - محفوظ مقام تو نہ رہا - چنانچہ خواب میں مَیں پریشان ہوتا ہوں اور مَیں کہتا ہوں کہ ہمیں پہاڑوں میں اور زیادہ دُور کوئی جگہ تلاش کرنی چاہیئے - اتنے میں مَیں نے دیکھا کہ شیخ محمد نصیب صاحب آ گئے ہیں - مَیں اس وقت مکان کے دروازے کے سامنے کھڑا ہوں - انہوں نے مجھے سلام کیا - مَیں نے اُن سے کہا کہ لڑائی کا کیا حال ہے - انہوں نے کہا - دشمن غالب آگیا ہے - مَیں کہتا ہوں مسجد مبارک کا کیا حال ہے - انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ مسجد مبارک کا حلقہ اب تک لڑ رہا ہے - مَیں نے کہا کہ اگر مسجد مبارک کا حلقہ اب تک لڑ رہا ہے تب تو کامیابی کی اُمید ہے - مَیں اس وقت سمجھتا ہوں کہ ہم تنظیم کے لئے رہیں اور تنظیم کرنے کے بعد دشمن کو پھر شکست دے دیں گے -

اس کے بعد مَیں نے دیکھا کہ کچھ اور دوست بھی وہاں پہنچ گئے ہیں - اُن کو دیکھ کر مجھے اور پریشانی ہوئی اور مَیں نے کہا کہ یہ تو بالکل عام جگہ معلوم ہوتی ہے - حفاظت کے لئے یہ کوئی خاص مقام نہیں - ان دوستوں میں ایک حافظ محمد ابراہیم صاحب بھی ہیں - اور لوگوں کو مَیں پہچانتا نہیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ احمدی ہیں - حافظ صاحب نے مجھ سے مصافحہ کیا اور کہا کہ بڑی تباہی ہے - بڑی تباہی ہے - پھر ایک شخص نے کہا کہ نیلے گنبد میں ہم داخل ہونے لگے تھے مگر وہاں بھی ہمیں داخل نہیں ہونے دیا گیا - مَیں نے تو نیلا گنبد لاہور کا ہی سُنا ہُوا ہے - واللہ اعلم کوئی اَور بھی ہو - بہرحال اس وقت مَیں نہیں کہہ سکتا کہ نیلے گنبد کے لحاظ سے اس کی کیا تعبیر ہوسکتی ہے البتہ اس وقت بات کرتے کرتے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا ہے کہ نیلا سمندر کا رنگ ہوتا ہے . . . . اس کے بعد حافظ صاحب نے کوئی واقعہ بیان کرنا شروع کیا اور اُسے بڑی لمبی طرز سے بیان کرنے لگے جس طرح بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بات کو جلدی ختم نہیں کرتے بلکہ اُسے بلاوجہ طول دیتے چلے جاتے ہیں - اسی طرح حافظ صاحب نے پہلے ایک لمبی تمہید بیان کی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جالندھر کا کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہاں بھی بڑی تباہی ہوئی ہے اور ایک "منشی" کا جو غیر احمدی ہے اور پٹواری یا گرداور ہے

بار بار ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ منشی جی ملے اور انہوں نے بھی اسی طرح کہا۔ مَیں خواب میں بڑا گھبراتا ہوں کہ یہ موقعہ تو حفاظت کے لئے انتظام کرنے کا ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی مرکز تلاش کیا جائے۔ انہوں نے منشی جی کی باتیں شروع کر دی ہیں۔ چنانچہ مَیں ان سے کہتا ہوں کہ آخر ہوا کیا؟ وہ کہنے لگے منشی جی کہتے تھے کہ ہماری تو آپ کی جماعت پر ہی نظر ہے مَیں نے کہا بس اتنی ہی بات تھی نہ کہ منشی جی کہتے تھے کہ اب ان کی جماعت احمدیہ پر نظر ہے یہ کہکر مَیں انتظام کرنے کے لئے اٹھا اور چاہا کہ کوئی مرکز تلاش کروں کہ میری آنکھ کھل گئی۔[۱]

مندرجہ بالا رؤیا میں اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل خبریں دیں:۔

۱۔ قادیان اور اس کے گرد و نواح میں دشمن یکدم حملہ کر کے آجائے گا۔

۲۔ دشمن کی طرف سے جنگ خفیہ رنگ میں ہوگی۔

۳۔ قادیان سے جالندھر تک بڑی خوفناک تباہی آئے گی اور لوگ نیلا گنبد یعنی کھلی فضا کے نیچے پناہ گزین ہونگے۔

۴۔ دشمن قادیان پر بھی غالب آجائے گا۔ مگر مسجد مبارک کا حلقہ استقلال اور پامردی سے ڈٹا رہے گا اور محفوظ رہے گا۔

۵۔ اس تباہی کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اپنے خاندان کے علاوہ بعض اپنے جاں نثار خدام کے ساتھ قادیان سے کسی دوسرے ملک میں مرکز کی تلاش میں ہجرت کر آئیں گے۔

۶۔ اور بالآخر پہاڑیوں کے دامن میں جماعت احمدیہ کا ایک نیا مرکز تعمیر کرینگے جہاں پہلے فوجی بارکوں کی طرز پر مکان بنانے پڑیں گے۔

یہاں اس امر کا ذکر کرنا مناسب نہ ہوگا کہ یہ سب واقعات تقسیم ہند کے بعد جماعت احمدیہ کے نئے مرکز ربوہ کی تعمیر سے لفظاً لفظاً پورے ہوئے جیسا کہ اس کا ذکر اپنے مقام پر آئیگا۔

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی کی وفات کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے اب یہاں ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء میں رحلت کرنے والے دوسرے سترہ[۱۷] جلیل القدر صحابہ کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:۔

---

[۱] الفضل ۲۱ فتح ۱۳۲۰ہش/ دسمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۳

۱۔ حضرت شیخ عبدالرشید صاحبؓ پٹیالوی (وفات ۷؍تبلیغ ۱۳۲۰ہش / فروری ۱۹۴۱ء)[1]

۲۔ میاں شمس الدین صاحب سوداگر چرم لاہورؓ (بیعت ۱۹۰۶ء وفات تبلیغ ۱۳۲۰ہش / فروری ۱۹۴۱ء بعمر ۶۲ سال)

مخیّر بزرگ تھے۔ لاہور کی مسجد احمدیہ بیرون دہلی دروازہ کیلئے آپ نے پانچ ہزار روپیہ چندہ دیا۔ تجارتی حلقوں میں آپ ایک نمونہ تھے۔ ہمیشہ عمدہ مال خریدتے اور فروخت کرنے میں بھی نہایت دیانتداری سے کام لیتے۔ حلقہ سلطان پورہ لاہور کے امام الصلوٰۃ تھے۔[2]

۳۔ بابو وزیر خان صاحب اوورسیرؓ (وفات ۲۸؍تبلیغ ۱۳۲۰ہش / فروری ۱۹۴۱ء)[3]

۴۔ مولوی محمد عبداللہ صاحبؓ امیر جماعت احمدیہ بھیرہ چکی (بیعت ۱۹۰۶ء وفات ۵؍امان ۱۳۲۰ہش / مارچ ۱۹۴۱ء)[4]

۵۔ عبداللہ صاحبؓ ساکن داتہ ضلع ہزارہ (وفات ۳۱؍امان ۱۳۲۰ہش / مارچ ۱۹۴۱ء)[5]

۶۔ میاں امام الدین صاحبؓ ساکن قادیان (وفات ۱۲؍شہادت ۱۳۲۰ہش / اپریل ۱۹۴۱ء) نہایت سادہ طبع اور محنتی انسان تھے۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے انہیں اُبلے ہوئے چنے فروخت کرکے معاش پیدا کرنے کا ارشاد فرمایا جس پر مرحوم آخر وقت تک کاربند رہے اور خدا تعالیٰ نے اس میں بہت برکت ڈالی۔[6]

۷۔ حضرت میاں امام الدین صاحبؓ سیکھوانی والد ماجد حضرت مولانا جلال الدین صاحبؓ شمس (بیعت ۲۳؍نومبر ۱۸۸۹ء وفات ۸؍ہجرت ۱۳۲۰ہش / مئی ۱۹۴۱ء بعمر تقریباً اسّی سال) آپ دعویٰ مسیحیت سے قبل بھی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے اور کھانا اپنے رشتہ داروں کے ہاں کھایا کرتے تھے مگر دعویٰ کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ اب سے آپ ہمارے مہمان ہیں چنانچہ اس کے بعد جب قادیان آتے تو اکثر حضرت اقدس کے دسترخوان اور لنگر خانہ سے ہی کھانا کھاتے۔ حضرت میاں امام الدین صاحبؓ اور اُن کے دونوں حقیقی بھائی (حضرت میاں جمال الدینؓ صاحب اور حضرت میاں خیر دین صاحبؓ) باوجودیکہ نہایت غریب تھے لیکن ہر حال میں قانع اور خدا تعالیٰ کے شکرگذار رہتے تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہنے اور مالی قربانی میں اپنی طاقت اور بساط سے بڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے جس کا تذکرہ خود حضور علیہ السلام نے بھی اپنی کتب و اشتہارات میں نہایت محبت اور پیار کے الفاظ میں فرمایا ہے۔ چنانچہ ضمیمہ انجام آتھم کی ۳۱۳ صحابہ کی فہرست میں

---

[1] الفضل ۷؍تبلیغ ۱۳۲۰ہش / فروری ۱۹۴۱ء صفحہ ۲۔ [2] الفضل ۲۷؍تبلیغ ۱۳۲۰ہش / فروری ۱۹۴۱ء صفحہ ۶ کالم ۱۔ [3] الفضل ۲۸؍تبلیغ ۱۳۲۰ہش / فروری ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۱

[4] الفضل ۹؍ہجرت ۱۳۲۰ہش (۹؍مئی ۱۹۵۱ء) صفحہ ۵ کالم ۳۔ [5] الفضل ۲۶؍شہادت ۱۳۲۰ہش (۲۶؍اپریل ۱۹۴۱ء) صفحہ ۵

[6] الفضل ۲۱؍شہادت ۱۳۲۰ہش (۲۱؍اپریل ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲ کالم ۱۔

میاں امام الدین صاحبؓ کا نام (معہ اہلبیت) ۳۲ پر اور اُن کے بھائیوں کے نام (معہ اہلبیت) ۳۰-۳۱ نمبر پر لکھے[۵۱] اور تحریر فرمایا:۔

"میں اپنی جماعت کے محبت اور اخلاص پر تعجب کرتا ہوں کہ اُن میں سے نہایت ہی کم معاش والے جیسے میاں جمال الدین اور خیر دین اور امام الدین کشمیری میرے گاؤں سے قریب رہنے والے ہیں وہ تینوں غریب بھائی ہیں جو شاید تین آنہ یا چار آنہ روزانہ مزدوری کرتے ہیں سرگرمی سے ماہواری چندہ میں شریک ہیں۔ ان کے دوست میاں عبدالعزیز پٹواری کے اخلاص سے بھی مجھے تعجب ہے کہ وہ باوجود قلت معاش کے ایک دن سو روپیہ دے گیا کہ میں چاہتا ہوں کہ خدا کی راہ میں خرچ ہو جائے۔ وہ سو روپیہ شاید اُس غریب نے کئی برسوں میں جمع کیا ہوگا۔ مگر للّٰہی جوش نے خدا کی رضا کا جوش دلایا۔"[۵۲]

پھر اکتوبر ۱۸۹۹ء کو اپنے اشتہار بعنوان "جلسۃ الوداع" میں وفد نصیبین کے اخراجات کے تعلق میں تحریر فرمایا:۔

"منشی عبدالعزیز صاحب پٹواری ساکن اوجلہ ضلع گورداسپورہ نے باوجود قلت سرمایہ کے ایک سو پچیس (۱۲۵) روپے دیئے ہیں۔ میاں جمال الدین کشمیری ساکن سیکھواں ضلع گورداسپورہ اور اُن کے دو برادر حقیقی میاں امام الدین اور میاں خیر دین نے پچاس روپے دیئے ہیں۔ ان چاروں صاحبوں کے چندہ کا معاملہ نہایت عجیب اور قابلِ رشک ہے کہ وہ دنیا کے مال سے نہایت ہی کم حصہ رکھتے ہیں گویا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح جو کچھ گھروں میں تھا وہ سب لے آئے ہیں اور دین کو آخرت پر مقدم کیا جیسا کہ بیعت میں شرط تھی۔"[۵۳]

علاوہ ازیں جب حضور علیہ السلام نے یکم جولائی ۱۹۰۰ء کو منارۃ المسیح قادیان کے لئے سو سو روپیہ دینے والے مخلصین کی فہرست شائع فرمائی تو ان تینوں بھائیوں اور اُن کے والد محمد صدیق صاحبؓ چاروں کی طرف سے ایک سو روپیہ منظور فرما کر اُن کے نام نمبر ۴۸ پر درج فرمائے۔[۵۴] المختصر حضرت مولوی امام الدین صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہایت عالی مرتبہ صحابہ میں سے تھے۔

۸۔ منشی احمد دین صاحبؓ نقشہ نویس پورہ لاہور (وفات ۵ ر احسان ۱۳۲۰ھش مطابق ۵ رجون ۱۹۴۱ء)[۵۵]

---

۵۱ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴۱ کالم ۳ ؛ ۵۲ ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۲۹، ۳۰ ؛ ۵۳ ضمیمہ اشتہار "الانصار" ۴ر اکتوبر ۱۸۹۹ء مشمولہ "تبلیغ رسالت" جلد ہشتم صفحہ ۷۶ ؛ ۵۴ اشتہار یکم جولائی ۱۹۰۰ء مشمولہ "تبلیغ رسالت" جلد نہم صفحہ ۶۳
۵۵ الفضل ۷ ر احسان ۱۳۲۰ھش (۷ رجون ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲ کالم ۱ +

۹ - بابا علی محمد صاحبؓ ساکن مدّ ضلع امرتسر (وفات وفا ۱۳۲۰ ہش / جولائی ۱۹۴۱ء بعمر ۷۰ سال)[1]

۱۰ - مولوی جان محمد صاحبؓ متوطن ڈسکہ مہاجر محلہ دارالبرکات ربوہ (وفات ۲۸ وفا ۱۳۲۰ ہش / ۲۸ جولائی ۱۹۴۱ء بعمر ۸۲ سال)[2]

۱۱ - محمد حسین صاحبؓ ناظر و پنشنر دھرم سالہ (بیعت ۱۸۹۴ء وفات وفا ۱۳۲۰ ہش / جولائی ۱۹۴۱ء)[3]

۱۲ - حضرت سید مہدی حسین صاحبؓ موج متوطن سید کھیڑی علاقہ راجپورہ ریاست پٹیالہ (ولادت ۱۰ محرم الحرام ۱۲۸۵ھ / ۳۰ اپریل ۱۸۶۸ء[4] بیعت مارچ ۱۸۹۳ء وفات ۳۱ ظہور ۱۳۲۰ ہش / ۳۱ اگست ۱۹۴۱ء بعمر ۷۵ سال)[5] ۳۱۳ صحابہ کبار کی فہرست میں آپکا نام ۱۶۷ پر درج ہے۔[6] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشہور خدام میں سے تھے۔ کتب خانہ مسیح موعود علیہ السلام کے مہتمم بھی رہے۔ "نزول المسیح" آپ ہی کی زیر نگرانی شائع ہوئی۔ کاپیوں کی تصحیح میں آپ کو خاص دسترس تھی۔ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں بغرض تبلیغ ایران تشریف لے گئے اور چھ ماہ تک اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف رہنے کے بعد ۲ مئی ۱۹۳۵ء کو واپس آئے۔[7] حضرت میر صاحبؓ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی روایات اور اپنے حالات اخبار الحکم (۲۸ اکتوبر - ۸ دسمبر ۱۹۳۶ء و الحکم ۲۱ اگست ۱۹۳۸ء و ۱۴ - ۲۱ ستمبر ۱۹۳۸ء میں شائع کرائے تھے۔

۱۳ - میاں غلام خسم صاحبؓ (تاریخ وفات ۶ تبوک ۱۳۲۰ ہش / ۶ ستمبر ۱۹۴۱ء بعمر ۷۷ سال)[8]

۱۴ - حاجی مفتی گلزار محمد صاحبؓ بٹالوی (بیعت ۱۹۰۲ء وفات ۱۶ تبوک ۱۳۲۰ ہش / ۱۶ ستمبر ۱۹۴۱ء بعمر ۷۶ سال)[9]

۱۵ - مولوی غلام حسین صاحبؓ ڈنگوی (وفات ۱۸ نبوت ۱۳۲۰ ہش / ۱۸ نومبر ۱۹۴۱ء)[10]

۱۶ - میاں احمد بخش صاحبؓ امام مسجد احمدیہ تلونڈی جھنگلاں (وفات نبوت ۱۳۲۰ ہش / نومبر ۱۹۴۱ء)[11]

۱۷ - میاں رحمت اللہ صاحبؓ باغانوالہ ساکن بنگہ ضلع جالندھر (وفات ۵ ماہ فتح ۱۳۲۰ ہش مطابق ۵ دسمبر ۱۹۴۱ء)[12]

۱۸ - چوہدری محبوب عالم صاحبؓ بقاپوری برادر اصغر مولانا محمد ابراہیم صاحبؓ بقاپوری واعظ مقامی (بیعت ۱۹۰۶ء وفات ۲۷ فتح ۱۳۲۰ ہش مطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۴۱ء)[13]

---

۱ الفضل ۲۲ وفا ۱۳۲۰ ہش مطابق ۲۲ جولائی ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۱ + ۲ الفضل ۳۰ وفا ۱۳۲۰ ہش / ۳۰ جولائی ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۱ + ۳ الفضل ۲۰ وفا ۱۳۲۰ ہش / ۲۰ جولائی ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۱

۴ الحکم ۲۱ اگست ۱۹۳۸ء صفحہ ۶ کالم ۱ + ۵ الفضل ۳ تبوک ۱۳۲۰ ہش / ۳ ستمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۱ + ۶ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴۳ +

۷ تفصیل "تاریخ احمدیت" جلد ہفتم صفحہ ۲۴۴ تا ۲۵۰ پر گذر چکی ہے۔ ۸ الفضل ۹ تبوک (ستمبر) ۱۳۲۰ ہش / ۱۹۴۱ء صفحہ ۱ کالم ۲

۹ الفضل ۱۸ تبوک ۱۳۲۰ ہش (۱۸ ستمبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۱ + ۱۰ الفضل ۲۰ نبوت ۱۳۲۰ ہش (۲۰ نومبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۱ کالم ۲ +

۱۱ الفضل ۱۷ نبوت ۱۳۲۰ ہش (۱۷ نومبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۱ کالم ۲ + ۱۲ الفضل ۱۰ فتح ۱۳۲۰ ہش (۱۰ دسمبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۱ کالم ۳ +

۱۳ الفضل ۲۰ تبلیغ ۱۳۲۱ ہش (۲۰ فروری ۱۹۴۲ء) صفحہ ۵ +

مندرجہ بالا صحابہ کے علاوہ اس سال حضرت شیخ محمد یعقوب صاحب پانی پتی (والد ماجد شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی) نے بھی وفات پائی۔ آپ حضرت خلیفہ اولؓ کے زمانہ خلافت میں احمدیت سے مشرف ہوئے تھے۔[۵۱]

حضرت امیر المومنین کی تقریریں سالانہ جلسہ ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء پر

حسب معمول اس سال بھی ۲۶، ۲۷، ۲۸ فتح/دسمبر کو جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا جس میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تین ایمان افروز تقاریر فرمائیں۔

(۱) افتتاحی تقریر جو "اپنی نیتوں کو درست کرکے خدا تعالیٰ کے حضور جھک جانے کی نصیحت" پر مشتمل تھی (۲) مسائل حاضرہ پر تقریر جو پونے تین بجے سے شروع ہو کر پونے سات بجے ختم ہوئی۔ (۳) "سیر روحانی" کے موضوع پر علمی تقریر جو اڑھائی بجے سے شروع ہو کر ساڑھے سات بجے تک مسلسل پانچ گھنٹے جاری رہی۔[۵۲]

فصل ششم

۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء کے متفرق مگر اہم واقعات

خاندان مسیح موعودؑ میں خوشی کی تقاریب

۱۔ یکم تبلیغ ۱۳۲۰ ہش (یکم فروری ۱۹۴۱ء) کو صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب (خلف الرشید حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ) کے ہاں صاحبزادی امۃ المومن صاحبہ کی ولادت ہوئی۔[۵۳]

۲۔ ۱۲ ماہ شہادت (اپریل) کو خان مسعود احمد خان صاحب (ابن حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خان صاحب

---

۵۱ تاریخ وفات ۲۸ وفا ۱۳۲۰ ہش مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۴۱ء بعمر ۸۰ سال (الفضل ۲ ظہور ۱۳۲۰ ہش/۲ اگست ۱۹۴۱ء) آپ پانی پت کے پہلے احمدی تھے۔ قبول احمدیت کی وجہ سے آپ کو عمر بھر سخت مخالفت جاری رہی۔ شہر کے لوگ ان کو ہمیشہ جانی مالی اور جسمانی تکالیف پہنچاتے رہے ایک دفعہ ایک مولوی جورت نامی نے یو پی سے آکر آپ کے خلاف شہر میں آگ سی لگا دی نتیجہ یہ ہوا کہ کنبہ والوں نے متفقہ طور پر ان سے بائیکاٹ کر دیا جو دو اڑھائی سال تک قائم رہا۔ مگر حضرت شیخ صاحب نے انکی کوئی پروا نہ کی اور ہمیشہ تبلیغ حق اور پیغام احمدیت پھیلانے میں مصروف رہے مخالفت کرنیوالوں نے چونکہ دہلی اور پانی پت کے مولویوں سے فتویٰ حاصل کیا کہ یہ مرنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے نہ پائیں گے اسلئے ان کی وفات کے بعد جب انکے آبائی قبرستان میں قبر کھدنے لگی تو روک دی گئی مگر خدا کا کچھ ایسا تصرف ہوا کہ خود کنبے والے اس ننگ انسانیت فعل کے خلاف اٹھ کھڑے ہوگئے اور خود موقعہ پر پہنچکر اپنی نگرانی میں قبر کھدوائی تفصیلی حالات کیلئے ملاحظہ ہو جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی کا مضمون مطبوعہ "الفضل" ۶ نبوت ۱۳۲۰ ہش۔ ۵۲ "الفضل" یکم ماہ صلح ۱۳۲۱ ہش (یکم جنوری ۱۹۴۲ء)۔ ۵۳ "اصحاب احمد" جلد دوم صفحہ ۳۰۲ (مؤلفہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے قادیان) الفضل ۴ تبلیغ ۱۳۲۰ ہش (۴ فروری ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲ کالم ۱

رئیس مالیر کوٹلہ رضی اللہ عنہ) کے ہاں صاحبزادہ میاں محمود احمد خان پیدا ہوئے [۵۱]

۳ - ۹ / نبوت (نومبر) کو صاحبزادی امۃ العزیز بیگم صاحبہ (بنت حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ) کے رخصتانہ کی تقریب عمل میں آئی۔ صاحبزادی صاحبہ کا نکاح مرزا حمید احمد صاحب (ابن حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ) سے ۹ / شہادت ۱۳۲۰ھش / ۱۹۴۱ء میں پڑھا گیا تھا۔ اس مبارک تقریب پر (جو قصر خلافت میں ہوئی) حضرت امیر المومنینؓ کی طرف سے ڈیڑھ سو کے قریب اصحاب مدعو تھے اور برات میں شامل ہونے والے اصحاب کی تعداد قریباً چالیس تھی۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، صاحبزادہ حضرت مرزا مبارک احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب اور دیگر افرادِ خاندان نے برات کا استقبال کیا۔ اور حضور نے اپنے دستِ مبارک سے مرزا حمید احمد صاحب کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا اور ساڑھے پانچ بجے مجمع سمیت دُعا فرمائی [۵۲]

۴ - حضرت امیر المومنین کے فرزند ارجمند صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کی برات ۱۴ / نبوت ۱/۲-۶ بجے شام کی گاڑی سے مالیر کوٹلہ گئی۔ برات میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب، مرزا منصور احمد صاحب اور مرزا منیر احمد صاحب شریک تھے۔ علاوہ ازیں حضرت سیدہ ام ناصر احمد صاحبہؓ حرم اوّل حضرت خلیفۃ المسیح اور حضرت سیدہ ام متین صاحبہ حرم رابع حضرت خلیفۃ المسیح بھی ہمراہ تھیں۔ برات ۱۶ / ماہ نبوت (نومبر) کو دس بجے صبح کی گاڑی سے واپس پہنچی تو مقامی جماعت کے ہزاروں افراد نے اس کا پُرتپاک استقبال کیا۔ اور سب سے پہلے سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بعد ازاں بعض اور اصحاب نے صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کے گلے میں ہار ڈالے [۵۳]

مہاراجہ صاحب بہادر آف ریاست پٹیالہ قادیان میں

۱۴ / شہادت ۱۳۲۰ھش / اپریل ۱۹۴۱ء کو مہاراجہ یادوندر سنگھ مہندر بہادر مہاراجہ آف ریاست پٹیالہ ڈیڑھ بجے بعد دوپہر بذریعہ کار قادیان آئے۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ ناظر امور عامہ وخارجہ نے احمدیہ کور کے رضاکاروں کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ مہاراجہ صاحب نے چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی کوٹھی بیت الظفر میں قیام کیا۔ اسی روز عصر کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنی کوٹھی دار الحمد میں دعوت چائے

[۵۱] الفضل ۱۶ / شہادت ۱۳۲۰ھش / اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ + [۵۲] الفضل ۱۱ / نبوت ۱۳۲۰ھش / نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۱ + [۵۳] الفضل ۱۸ / نبوت ۱۳۲۰ھش / نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۱

دی۔ جس میں آنریبل چوہدری صاحب اور بعض اور معززین سلسلہ بھی مدعو تھے۔ شام کو آنریبل چوہدری صاحب نے مہاراجہ صاحب کے اعزاز میں دعوتِ طعام دی جس میں سیدنا حضرت امیرالمومنین نے بھی شرکت فرمائی[1]۔ اگلے روز (۱۵ر شہادت کو) مہاراجہ صاحب بہادر نے صدر انجمن احمدیہ کے مختلف ادارے دیکھے اور سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار "نور" کی طرف سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی گورمکھی زبان میں مطبوعہ سیرت تحفۃً قبول کی۔ مہاراجہ صاحب بہادر اداروں کے معائنہ کے بعد سوا دس بجے قبل دوپہر قادیان سے روانہ ہوگئے[2]۔

اس سال مہاراجہ صاحب پٹیالہ کے علاوہ جو لوگ قادیان میں زیارت کے لئے آئے ان میں ڈائرکٹر ڈاکخانہ جات سر فریڈرک جیمز[3]۔ سیٹھ حسن بھائی لال جی صاحب تاجر بمبئی و رکن مرکزی اسمبلی[4] خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عبدالرحمن صاحب سماٹری کی وفات

مولوی ابوبکر صاحب سماٹری کے ایک بھائی عبدالرحمن صاحب ۱۹۳۸ء سے مرکز سلسلہ میں آکر دینی تعلیم حاصل کر رہے تھے اسی سال کے وسط میں تپ محرقہ میں مبتلا ہوگئے اور ایک ماہ کے بعد ۱۳ر ظہور ۱۳۲۰ہش / اگست ۱۹۴۱ء کو ۲۴-۲۵ سال کی عمر میں رحلت کر گئے۔ آپ جب قادیان تشریف لائے تو اردو سے بالکل ناآشنا تھے مگر بہت جلد اردو سمجھنے اور بولنے لگے۔ اور مدرسہ احمدیہ کی تیسری اور چوتھی جماعت کا امتحان ایک ہی سال میں پاس کر کے چھٹی جماعت میں داخلہ لے لیا۔ آپ اپنی جماعت کے چوٹی کے طلباء میں سے تھے۔ اور صرف و نحو میں ہمیشہ اوّل رہتے تھے۔ بہت شریف، بہت شرمیلے اور بہت پُرجوش احمدی نوجوان تھے۔ آپ اگرچہ موصی نہ تھے مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد سے مقبرہ بہشتی میں دفن کئے گئے[5]۔

فلسطین کے معمّر ترین احمدی کا انتقال

الحاج عبدالقادر عودہ جو جماعت احمدیہ فلسطین کے معمّر ترین احمدی تھے۔ اس سال کے آخر میں ۲۲ر رمضان ۱۳۶۰ھ (اکتوبر ۱۹۴۱ء) کو ایک سو بارہ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ آپ علامہ جلال الدین صاحب شمس کے قیام فلسطین کے زمانہ میں داخل احمدیت ہوئے اور آخر دم تک نہایت اخلاص جوش اور ایثار سے اپنا عہد بیعت نبھایا۔ آپ سچ مچ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں خدا کے کلام میں ابدال الشام کہا گیا ہے۔ دعا اُن کا روز و شب کا مشغلہ تھا۔ آخر عمر تک بڑھاپے کے باوجود قیام اللیل کے پابند رہے اور ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے تھے

---

[1] الفضل ۱۶ر شہادت ۱۳۲۰ہش / اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۱ ۔ [2] الفضل ۱۷ر شہادت ۱۳۲۰ہش / اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۲ ۔ [3] الفضل ۲۵ر تبلیغ ۱۳۲۰ہش / فروری ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ و تاریخ احمدیت ۲۳ر تبلیغ ۱۳۲۰ہش / فروری ۱۹۴۱ء ۔ [4] الفضل ۱۸ر امان ۱۳۲۰ہش / مارچ ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۴ و تاریخ احمدیت ۱۶ر امان ۱۳۲۰ہش۔
[5] الفضل ۱۵ر ظہور ۱۳۲۰ہش (۱۵ر اگست ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲۔

بارہا ازراہ مذاق کہا کرتے۔ تم جوان میرے ساتھ اب بھی کشتی نہیں کر سکتے۔ حضرت امیرالمومنین کی ذات بابرکات سے تو انہیں والہانہ عشق تھا۔ جب ہندوستان کی ڈاک پہنچتی تو سارے حالات دریافت فرماتے اور خیریت کا علم ہونے پر خوشی کا اظہار کرتے۔ حضور کی درازئ عمر کے لئے ہمیشہ دُعا کرتے رہتے۔ ہر شخص کے سامنے اپنے احمدی ہونے کو فخریہ طور پر پیش کرتے۔ اور جب کوئی شخص ملنے کے لئے آتا تو اُس سے ضرور یہ سوال کرتے کہ کیا تم احمدی ہو۔ اگر وہ کہتا کہ مَیں احمدی نہیں ہوں تو کہتے کہ فوراً احمدی ہو جاؤ۔ یہ دن پھر کہاں نصیب ہونگے۔ لوگ جب اُن سے پوچھتے کہ کیا آپ احمدی ہیں؟ تو زور سے کہتے "اَنَا اَحْمَدِیٌّ غَضْبًا عَنْکُمْ" تم خواہ کتنے ناراض ہو مَیں تو بہرحال احمدی ہوں۔ حضرت الحاج عبدالقادر آخری سانس تک ذکرِ الٰہی کرتے رہے اور آخری پیغام یہ دیا کہ میری طرف سے حضرت امیرالمومنین کی خدمت میں السلام علیکم پہنچا دیا جائے۔ آپ نے اپنے پیچھے ایک مخلص خاندان اور قربانی کرنے والے بیٹے اور پوتے چھوڑے۔ آپ کے پوتے السید محمد صالح العودی پہلے احمدی ہیں جن کو فلسطین کی سرزمین سے وصیت کرنے کی توفیق ملی [۱]

بیرونی مبلغین احمدیت کی آمد اور روانگی

۱۔ مولوی محمد الدین صاحب فاضل مجاہد البانیہ و مصر اٹلی البانیہ اور مصر وغیرہ میں قریباً پانچ سال تک تبلیغی فرائض انجام دینے کے بعد ۱۴؍امان ۱۳۲۰ہش (۱۴؍مارچ ۱۹۴۱ء) کو ساڑھے نو بجے صبح کی گاڑی سے واپس تشریف لائے [۲]

۲۔ چوہدری محمد اسحاق صاحب سیالکوٹی مجاہد ہانگ کانگ (چین) ۸؍شہادت ۱۳۲۰ہش (۸؍اپریل ۱۹۴۱ء) کو صبح کی گاڑی سے وارد قادیان ہوئے [۳]

۳۔ مولوی عبدالغفور صاحب مولوی فاضل جالندھری مبلغ جاپان ۳۰؍اخاء ۱۳۲۰ہش (۳۰؍اکتوبر ۱۹۴۱ء) کو دس بجے کی گاڑی جاپان سے قادیان پہنچے [۴]

۴۔ ملک عزیز احمد صاحب مجاہد تحریک جدید (معہ صدرالدین یحییٰ صاحب [۵]) جاوا کے لئے روانہ ہوئے [۶]

---

[۱] الفضل ۳؍فتح ۱۳۲۰ہش / دسمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۵ + [۲] الفضل ۱۶؍امان ۱۳۲۰ہش / مارچ ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ + [۳] الفضل ۱۰؍شہادت ۱۳۲۰ہش / اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۲

[۴] الفضل ۲؍نبوت ۱۳۲۰ہش / نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ + [۵] آپ جزیرہ سیلے بیز سے تعلیم دین حاصل کرنے کے لئے قادیان تشریف لائے اور سات سال تک اس کی برکات سے فیضیاب ہونے کے بعد ملک صاحب کے ساتھ عازم وطن ہوئے (الفضل ۲؍نبوت ۱۳۲۰ہش / نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۲)

[۶] الفضل ۴؍نبوت ۱۳۲۰ہش (۴؍نومبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲

بیرونی مشنوں کے ضروری واقعات

گولڈ کوسٹ اس سال کے شروع میں کماسی (علاقہ شانٹی) میں مدرسہ احمدیہ کی عمارت پایۂ تکمیل تک پہنچی اور ۱۳ر صلح ۱۳۲۰ہش کو اس کا افتتاح عمل میں آیا۔ اس موقعہ پر شاہ اشانٹی نے اپنے ایک خاص نمائندہ کو اپنا ایک پیغام دے کر بھجوایا اور مولانا نذیر احمد صاحب مبشر مبلغ گولڈ کوسٹ (غانا) نے اسلام کی خوبیوں اور اس کے تعلیمی نظریات پر دو گھنٹہ تک لیکچر دیا۔[1]

سیلون مولانا بی عبداللہ صاحب مالاباری ۱۰ر رمضان (مارچ) کو کولمبو سے کنڈی تشریف لے گئے۔ تین روز وہاں قیام کر کے پیغام حق پہنچایا۔ علاوہ ازیں ایک غیر احمدی عالم سے ایک شب دو گھنٹے اور دوسری رات سات گھنٹے تک اختلافی مسائل پر کامیاب تبادلہ خیالات کیا۔[2]

جزائر شرق الہند مولانا رحمت علی صاحب مبلغ جزائر شرق الہند نے اسی سال کے شروع میں جاوا اور سماٹرا کا وسیع تبلیغی دورہ کیا۔ پہلے پندرہ دن سماٹرا کے شہر میدان میں رہے۔ پھر دو ماہ تک پاڈانگ میں قیام کیا اور ۱۶ر امان ۱۳۲۰ہش (۱۶ر مارچ ۱۹۴۱ء) کو جاوا میں پہنچے۔ جہاں آپ نے تیس لیکچرز دیئے۔ ان لیکچروں کا پروگرام پہلے سے اخبارات میں شائع کر دیا جاتا تھا۔ جاوا میں آپ یکم ہجرت ۱۳۲۰ہش (یکم مئی ۱۹۴۱ء) تک قیام فرما رہے۔[3]

مولوی محمد صادق صاحب مبلغ سماٹرا نے وفا ۱۳۲۰ہش (جولائی ۱۹۴۱ء) میں ایک تبلیغی دورہ کیا جس کے دوران آپ نے میدان سے بارہ میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ کے راجہ لیبوآن (LABUAN) سے بھی ملاقات کی اور احمدیت سے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچائیں۔ راجہ صاحب نے کہا کہ ان کے کئی شکوک کا ازالہ ہو گیا ہے۔ نیز خواہش ظاہر کی کہ مجھے علاماتِ مہدی پر مشتمل احادیث بھی بھجوا دیں اور ان کے پورا ہونے کا ثبوت بھی، میں اپنے علماء سے مزید تحقیق کراؤں گا۔ راجہ صاحب کو "اسلامی اصول کی فلاسفی" (انگریزی) اور "تصدیق المسیح" (سماٹری زبان) دو کتابیں پیش کی گئیں جو انہوں نے بخوشی قبول کیں۔[4]

---

[1] الفضل ۲ر امان ۱۳۲۰ہش / مارچ ۱۹۴۱ء صفحہ ۶ کالم ۱ و ۲ ۔ [2] الفضل ۲۹ر شہادت ۱۳۲۰ہش / اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۵ کالم ۴۔ آپ پینتیس[35] سال تک مالابار و سیلون میں نہایت درجہ اخلاص و فدائیت سے تبلیغی جہاد کرنے کے بعد ۹ر تبوک ۱۳۴۷ہش (۹ر ستمبر ۱۹۶۸ء) کو انتقال فرما گئے ہیں۔ [3] الفضل ۴ر وفا ۱۳۲۰ہش / جولائی ۱۹۴۱ء صفحہ ۵ کالم ۳ ۔ [4] الفضل ۳۱ر ظہور ۱۳۲۰ہش / اگست ۱۹۴۱ء صفحہ ۶ کالم ۳ و ۴

مشرقی افریقہ مکرم شیخ مبارک احمد صاحب نے ہزہائی نس سلطان آف زنجبار سے تین بار ملاقات کرکے اُن تک احمدیت کا پیغام پہنچایا جو ہزہائینس نے نہایت خوشی اور شوق سے سُنا اور کہا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں درست ہے۔ ایک زمانہ آئے گا کہ ہم سب ایک ہوجائیں گے۔[1]

نائیجیریا احمدیہ مشن لیگوس کی طرف سے ایک ٹریکٹ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی موجودہ جنگ کے متعلق پیشگوئیاں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے الہامات" کے عنوان پر ایک ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا۔[2]

ہش ۱۳۲۰ / ۱۹۴۱ء کی نئی مطبوعات

۱۔ "مسئلہ جنازہ کی حقیقت" مؤلفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔ اے۔

۲۔ "احمدیت"۔ نظارت تعلیم و تربیت قادیان کا شائع کردہ تربیتی چارٹ۔[3]

۳۔ "علمِ طبّ مسیح موعود علیہ السلام"۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طبّی نسخہ جات کا مجموعہ۔ ناشر محمد یامین صاحب تاجر کتب قادیان۔

اندرونِ ملک کے بعض مشہور مناظرے

۱۔ مباحثہ فجوپورہ دھاریوال۔ ۱۲؍ صلح ہش ۱۳۲۰ / جنوری ۱۹۴۱ء کو جماعت احمدیہ فجوپورہ دھاریوال اور غیر احمدیوں میں مسئلہ ختم نبوت پر ایک کامیاب مناظرہ ہوا۔ احمدیوں کی طرف سے مولوی ابوالعطاء صاحب اور غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی محمد حیات صاحب مقرر ہوئے۔ سامعین احمدی مناظر کے بیان کردہ دلائل آیات واحادیث سے بہت متاثر ہوئے۔ دو افراد داخلِ سلسلہ احمدیہ بھی ہوئے۔ خاتمۂ بحث پر احمدی صدر[4] نے درخواست کی کہ اسکا پُرامن طریق سے مسئلہ حیات و وفاتِ مسیح پر بھی بحث کرلی جائے مگر غیر احمدی مناظر نے بالکل انکار کردیا۔[5]

۲۔ مباحثہ مدرسہ چٹھہ (ضلع گوجرانوالہ)۔ ۳۰؍ صلح ہش ۱۳۲۰ (۳۰؍ جنوری ۱۹۴۱ء) کو مدرسہ چٹھہ ضلع گوجرانوالہ میں جماعت احمدیہ اور اہلِ سُنّت والجماعت کے درمیان ایک شاندار مباحثہ ہوا۔ موضوع زیرِ بحث مسئلہ ختم نبوت تھا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ اور غیر احمدیوں

---

[1] الفضل ۸؍ نبوت ہش ۱۳۲۰ / نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۴ کالم ۳ ۔ [2] الفضل ۸؍ نبوت ہش ۱۳۲۰ / نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۴ کالم ۲ ۔ [3] الفضل ۲۵؍ فتح ہش ۱۳۲۰ / دسمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۳ کالم ۳
[4] مولوی عنایت اللہ صاحب جالندھری ۔ [5] الفضل ۱۵؍ صلح ہش ۱۳۲۰ (۱۵؍ جنوری ۱۹۴۱ء) صفحہ ۶ کالم ۳ ۔

کی طرف سے مولوی محمد نذیر صاحب مناظر تھے۔ مناظرہ تین گھنٹہ جاری رہا۔ غیر احمدی مناظر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد فیضانِ نبوت کے بالکل مسدود ہونے کی تائید میں جس قدر دلائل پیش کئے اُن سب کو حضرت مولانا راجیکی صاحب نے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے بے بنیاد ثابت کیا۔ نیز سامعین پر واضح کیا کہ ایک طرف تو فریق ثانی کے مناظر یہ دعویٰ پیش کر رہے ہیں کہ آیت خاتم النبیین کے معنے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نبیوں کو ختم کر دیا بند کر دیا اور دوسری طرف اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت مسیح ناصری دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ گویا اُن کا اپنا عقیدہ ہی اُن کے دعویٰ کو غلط اور بے حقیقت ثابت کر رہا ہے۔ غیر احمدی مناظر آخر وقت تک اِس کا کچھ جواب نہ دے سکے اور غیر متعلقہ باتیں پیش کر کے پبلک کو غلط فہمی میں ڈالنے کی کوشش کرتے رہے۔ مختصر یہ کہ خدا کے فضل سے اس مناظرہ نے احمدیت کے زوردار دلائل کی دھاک بٹھا دی[۱]

۲۔ مباحثہ روہڑی سکھر۔ ۲۳ر تبلیغ ۱۳۲۰ھش (۲۳ر فروری ۱۹۴۱ء) کو انجمن اسلامیہ روہڑی اور جماعت احمدیہ سکھر کے مابین ایک مناظرہ بمقام روہڑی منعقد ہوا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولانا ابوالعطاء صاحب نے اور اہل سنت والجماعت کی طرف سے لال حسین صاحب اختر نے مناظرہ کیا۔ پہلا مناظرہ حیاتِ مسیحؑ اور رفع الی السماء پر تھا۔ مولوی ابوالعطاء صاحب نے پندرہ آیات۔ دس احادیث اور اقوالِ بزرگانِ سلف اور اجماعِ صحابہ سے وفاتِ مسیح ثابت کر دکھائی۔ مگر غیر احمدی مناظر ان دلائل کا جواب دینے اور اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کی بجائے اِدھر اُدھر کی باتوں میں اُلجھے رہے۔ دوسرا مناظرہ مسئلہ ختم نبوت پر تھا۔ احمدی مناظر نے لغت کی مستند کتاب مفردات القرآن (امام راغبؒ) پیش کر کے بتایا کہ خاتم النّبیّین کے حقیقی معنے کسی چیز کا دوسری چیز میں اپنی تاثیر پیدا کرنا اور اپنے نقوش قائم کر دینے کے ہوتے ہیں[۲] اِن حقیقی معنوں کی رُو سے خاتم النّبیین کا مفہوم یہ ہو گا کہ وہ نبی جس کی رُوحانی توجہ نبی تراش ہو۔ فاضل مناظر نے اپنے موقف کی تائید میں مسئلہ ختم نبوت پر نحوی نکتہ نگاہ سے روشنی ڈالنے کے علاوہ قرآن مجید، احادیثِ صحیحہ اور اقوال

---

[۱] الفضل ۵ر تبلیغ ۱۳۲۰ھش / فروری ۱۹۴۱ء صفحہ ۷ کالم ۱ و ۲ + [۲] حضرت امام راغب رحمۃ اللہ علیہ کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

اَلْخَتْمُ وَالطَّبْعُ يُقَالُ عَلٰى وَجْهَيْنِ مَصْدَرُ خَتَمْتُ وَطَبَعْتُ وَهُوَ تَاْثِيْرُ الشَّيْءِ كَنَقْشِ الْخَاتَمِ وَالطَّابِعِ وَالثَّانِيْ اَلْاَثَرُ الْحَاصِلُ عَنِ النَّقْشِ" (زیر لفظ ختم) یعنی ختم اور طبع کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ یہ خَتَمْتُ اور طَبَعْتُ کا مصدر ہے جس کے معنے ہیں دوسری چیز میں اثرات پیدا کر دینا جیسا کہ مُہر کا نقش دوسری چیز میں اپنے نقش و اثرات پیدا کرتا ہے۔ اور دوسری صورت اس نقش کی تاثیر کا اثر حاصل ہے۔

بزرگانِ سلف کے متعدد واضح دلائل پیش کئے۔ احمدی مناظر کی برجستہ مدلّل اور متین و شائستہ تقریروں کا اہلِ علم طبقہ پر نہایت ہی عمدہ اثر ہوا[۱]

۳۔ مباحثہ فجو پورہ دھاریوال[۲]:۔ فجو پورہ میں پہلے مناظرہ کے ایک ماہ بعد دوسرا مناظرہ "صداقت مسیح موعود علیہ السلام" کے موضوع پر ہوا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل ہی مناظر تھے مگر اہلِ سنّت والجماعت کی طرف سے مولوی عبداللہ معمار صاحب امرتسری پیش ہوئے۔ مولوی ابوالعطاء صاحب نے قرآن مجید کی متعدد آیات، احادیث نبویہ اور معیارہائے صداقتِ انبیاء کے رُو سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی ثابت کی مگر معمار صاحب نے دورانِ مباحثہ لاجواب ہو کر مرزا احمد بیگ والی پیشگوئی پر اعتراض شروع کر دیئے اور دعویٰ کیا کہ مرزا احمد بیگ کا چھ ماہ میں مرجانا پیشگوئی کے خلاف ہے کیونکہ اس کے لئے تین سال کی میعاد مقرر تھی۔ مولوی ابوالعطاء صاحب نے جواب دیا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں تحریر فرمایا تھا کہ وہ تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس سے قریب فوت ہو جائیگا[۳] یعنی تین سال پورے ہونے ضروری نہیں۔ معمار صاحب نے جواب میں کہا کہ اگر ایک ہفتہ میں بھی یہ حوالہ دکھادیں تو میں پچاس روپے انعام دونگا مگر مولوی ابوالعطاء صاحب کے بار بار مطالبہ کے باوجود کہ وہ چیلنج لکھ کر دے دیں انہیں آخر وقت تک تحریر دینے کی جرأت نہ ہو سکی۔ جونہی مناظرہ ختم ہوا وہ چپکے سے احمدیوں کے سٹیج پر آکر کہہ گئے کہ فساد کا اندیشہ ہے اس وقت تحریر کا مطالبہ نہ کریں مولوی ابوالعطاء صاحب نے ایک معزز غیر احمدی بابو عبدالستار صاحب کے ہاتھ مندرجہ ذیل تحریر لکھ بھیجی۔

"میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہار سے جو تبلیغ رسالت میں شائع ہو چکا ہے دکھاؤں گا کہ آپ نے لکھا ہے کہ احمد بیگ نکاح کے بعد تین سال بلکہ قریب عرصہ میں مرجائیگا اگر میں کل مورخہ ۲ مارچ ۱۹۳۲ء کو موضع فجو پورہ میں نہ دکھا سکا تو اپنے وعدہ میں جھوٹا ہونگا۔" خاکسار ابوالعطاء جالندھری ۳۲/۳/۲

بابو عبدالستار صاحب موصوف یہ رقعہ لے کر معمار صاحب کے پاس پہنچے اور جلد ہی واپس آکر بتایا کہ معمار صاحب اب اس تحریر پر بھی فیصلہ کرنا نہیں چاہتے اور حسب ذیل الفاظ میں اپنا بیان لکھ دیا:۔

"یہ اصل میں سید اولاد حسین صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب معمار کے پاس لیکر گیا۔ لیکن

---

[۱] الفضل یکم امان ۱۳۲۱ھش/مارچ ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ • [۳] تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۶۱ حاشیہ

انہوں نے اسے قبول نہیں کیا اور اس پر فیصلہ کرنا منظور نہیں کیا۔" دستخط (انگریزی) بابو عبدالستار ۲/۳/۴۱[1]

۴۔ **مباحثہ موضع بیری** (ضلع گورداسپور) :۔ ۱۳؍امان ۱۳۲۰ہش (۱۳؍مارچ ۱۹۴۱ء) کو موضع بیری میں مولوی ابوالعطاء صاحب فاضل نے وفات حضرت مسیح علیہ السلام اور صداقتِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر مولوی عبداللہ صاحب معمار سے ایک کامیاب مناظرہ کیا جس میں قادیان سے بھی بکثرت لوگ شامل ہوئے۔[2]

۵۔ **مباحثات دہلی** : امان ۱۳۲۰ہش / مارچ ۱۹۴۱ء کا آخری ہفتہ غیر مبائعین سے مناظرات کا مرکز بنا رہا۔ اس ہفتہ تین مناظرے ہوئے اور تینوں میں مولانا ابوالعطاء صاحب مناظر تھے۔

پہلا مناظرہ ۲۲؍امان (مارچ) کی شب کو ہوا جس میں غیر مبائعین کی طرف سے مولوی اختر حسین صاحب مقرر تھے۔ بحث کا موضوع حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ظلّی نبوت قرار پایا۔ جناب مولوی ابوالعطاء صاحب نے پہلے نصف گھنٹہ اس موضوع پر تقریر فرمائی اور اس کے بعد مناظرہ شروع ہوا۔ جو دو گھنٹہ تک جاری رہا۔ فاضل مناظر نے ظلّی۔ بروزی اور امتی نبی وغیرہ اصطلاحوں کی حقیقت کو حضرت اقدسؑ کے کلام مبارک سے نہایت احسن طریق پر سامعین کے ذہن نشین کرایا۔ جس کے جواب میں مولوی اختر حسین صاحب آخیر تک کوئی معقول بات پیش نہ کر سکے۔ غیر مبائع مناظر نے اس بات پر زور دیا کہ حضرت اقدسؑ نے کہیں ظلّی مجدّد یا ظلّی محدث کے الفاظ استعمال نہیں فرمائے ہاں ظلّی نبی لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اپنے آپ کو مجدّد، محدّث سمجھتے تھے اس لئے نبی کے لفظ کے ساتھ ظلّی کا استعمال فرمایا ہے۔ ہمارے فاضل مناظر نے اُن کی اس غلطی کو بھی نہایت عمدہ طریق پر ظاہر کر دیا اور "ازالہ اوہام" کے حوالہ سے واضح فرما دیا کہ حضور فرماتے ہیں کہ ہمیں جو کچھ ملتا ہے ظلّی طور پر ملتا ہے۔ پس جب سب کچھ ظلّی طور پر ملا ہے تو مجددیت یا محدثیت کہاں باہر رہ سکتی ہے اس کا کوئی جواب مولوی اختر حسین صاحب نے باوجود بار بار توجہ دلانے کے نہ دیا۔

دوسرا مناظرہ ۲۳؍امان (۲۳؍مارچ) کو ہوا۔ غیر مبائعین کی طرف سے شیخ عبدالحق صاحب مناظر تھے۔ موضوع مناظرہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت بر مسیح ناصری علیہ السلام اور اُس کی بنیاد نبوت پر ہے یا نہیں قرار پایا۔ مولوی ابوالعطاء صاحب نے دورانِ مناظرہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دوسرے حوالے سُنانے کے بعد خاص طور پر "نزول المسیح" کی مندرجہ ذیل عبارت پڑھی کہ:۔

---

[1] الفضل ۸؍امان ۱۳۲۰ہش (۸؍مارچ ۱۹۴۱ء) صفحہ ۵۔ [2] الفضل ۱۵؍امان ۱۳۲۰ہش (۱۵؍مارچ ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲ کالم ۱

"خدا تعالیٰ نے اور اُس کے پاک رسول نے بھی مسیح موعود کا نام نبی اور رسول رکھا ہے اور تمام خدا تعالیٰ کے نبیوں نے اُس کی تعریف کی ہے .... جس شخص کو خدا تعالیٰ بصیرت عطا کرے گا وہ مجھے پہچان لیگا۔ مَیں مسیح موعود ہوں۔ مَیں وہی ہوں جس کا نام سرورِ انبیاءؐ نے نبی اللہ رکھا ہے اور اُس کو سلام کہا ہے۔"[1] اِس حوالہ کا کوئی معقول جواب فریقِ لاہور کے مناظر سے نہ بن سکا۔

تیسرا مناظرہ ۲۶ر مارچ (امان) کی شب کو ہوا۔ غیر مبائعین کی طرف سے مولوی اختر حسین صاحب مناظر تھے۔ جناب مولوی ابو العطاء صاحب نے نصف گھنٹہ تقریر فرمائی اور قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ نیز لغت محاورات اور بزرگان کے اقوال سے فیضانِ ختمِ نبوت کا ثبوت دیا اور نہایت احسن طریق پر ثابت کیا کہ اُمتِ محمدیہ میں صرف تشریعی نبوت کا دروازہ بند ہے۔ یہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اور یہی بزرگانِ اُمت کے اقوال سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ مناظرے نہایت کامیاب ثابت ہوئے اور سامعین پر ان کا بہت اچھا اثر ہوا۔[2]

۵۔ مباحثہ مکیریاں:۔ ~~۱۳۲۰ ہش~~ ۱۹۴۱ء کے وسط میں مکیریاں (ضلع ہوشیارپور) میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب موگا نے مسئلہ ختمِ نبوت پر اور شیخ عبدالقادر صاحب فاضل (نومسلم) نے صداقتِ مسیح موعودؑ پر مباحثہ کیا۔ ان ہر دو مباحثات میں غیر احمدیوں کی طرف سے لال حسین صاحب اختر نے بحث کی۔[3]

۶۔ مباحثہ داتہ زید کا:۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل دیا لگڑھی نے ماہ شہادت ۱۳۲۰ ہش (مئی ۱۹۴۱ء) میں عیسائیوں کے ساتھ دو مناظرے کئے ایک "صداقتِ مسیح موعود" پر اور دوسرا "انجیل کا پیشگوہ مسیح" پر۔ عیسائیوں اور غیر احمدیوں نے احمدیہ علمِ کلام کی فوقیت تسلیم کی۔[4]

۷۔ مباحثہ لاہور:۔ ۲۵ر احسان (جون) کو چند غیر مبائعین اپنے عقاید خصوصی کی اشاعت کیلئے بھاٹی گیٹ لاہور کے احمدی حلقہ میں آئے۔ ۲۷ر احسان (جون) کو لمبی دیر تک گفتگو ہوتی رہی جس نے اگلے روز (۲۸ر احسان کو) باقاعدہ مناظرہ کی صورت اختیار کرلی جس میں جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے میاں محمد عمر صاحب بی۔ایس سی۔ ایل ایل بی وکیل اور غیر مبائع اصحاب کی طرف سے مولوی احمد یار صاحب ایم۔ اے مناظر تھے اور موضوع بحث تھا "مسئلہ نبوت مسیح موعود"۔ میاں محمد عمر صاحب نے اپنی اصولی بحث میں ثابت کیا کہ تعریفِ نبوت حضور علیہ السلام پر منطبق ہوتی ہے نیز واضح کیا کہ (۱) خدا تعالیٰ (۲) انبیاء علیہم السلام (۳) اسلام اور (۴) خود حضرت مسیح موعود

[1] نزول المسیح صفحہ ۴۸۔ [2] الفضل ۱۲ر شہادت ۱۳۲۰ ہش / اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۶۔ [3] الفضل ۲۵ر ہجرت ۱۳۲۰ ہش / مئی ۱۹۴۱ء۔ [4] الفضل ۲۵ر ہجرت ۱۳۲۰ ہش / مئی ۱۹۴۱ء صفحہ ۶ کالم ۳۔

کے نزدیک بھی نبی کو محدَث سے ممتاز کرنے کے لئے صرف ایک شرط ضروری ہے اور وہ ہے۔ بکثرت اظہار امور غیبیہ اور یہ شرط یقیناً حضرت مسیح موعودؑ میں موجود ہے۔ غیر مبائع مناظر دلائل کا جواب دینے سے قاصر رہے اور اس کی تلافی انہوں نے ذاتی حملوں اور غلط بیانیوں سے کی۔ البتہ اپنے نامناسب الفاظ بار بار بلا تامل واپس بھی لیتے رہے۔[1]

۸۔ **مباحثہ لائل پور:**۔ ماہ اخاء/ نبوت (اکتوبر/ نومبر) میں لائل پور کے مشہور غیر مبائع حاجی شیخ میاں محمد صاحب کی کوٹھی کے احاطہ میں جماعتِ احمدیہ قادیان اور فریق لاہور کا مناظرہ ہوا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری اور فریق ثانی کی طرف سے مولوی اختر حسین صاحب مناظر تھے۔ قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری اور مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع نے پریذیڈنٹ کے فرائض انجام دیئے۔ مولانا ابوالعطاء صاحب نے قرآن کریم، احادیث، اقوالِ بزرگان، کتب مسیح موعود علیہ السلام، لغتِ عرب سے ثابت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں فیضانِ نبوت جاری ہے۔ غیر مبائع مناظر نے نہایت واضح اقتباسات کو نظر انداز کر کے "منن الرحمٰن" کے ایک حوالہ پر بہت زور دیا لیکن جب اس حوالہ کا ترجمہ نیچے سے پڑھ کر سنایا گیا تو کہنے لگے یہ ترجمہ غلط ہے لہذا حضرت صاحب کا نہیں ہو سکتا۔ پھر کہا کسی غیر احمدی عالم سے دریافت کر لیا جائے کہ آیا ترجمہ غلط ہے یا صحیح۔ جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے کہا گیا کہ ہم ہرگز کسی غیر احمدی عالم کو اس بارہ میں حَکَم ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس پر غیر مبائع مناظر نے اپنی پارٹی کے ایک مولوی صاحب کو کھڑا کرنا چاہا مگر انہوں نے بھی کہہ دیا کہ میں حضرت صاحب کے ترجمہ کو احمدی ہو کر کیسے غلط کہہ سکتا ہوں۔ ازاں بعد غیر مبائع مناظر نے ایک غیر احمدی سے یہ کہلایا کہ یہ ترجمہ غلط ہے۔ فَانَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔[2]

---

[1] الفضل ۲ ر وفا/ جولائی ۱۳۲۰ھش (۲ ر جولائی ۱۹۴۱ء) صفحہ ۵ + [2] الفضل ۱۲ ر نبوت ۱۳۲۰ھش (۱۲ ر نومبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۶۔

تیسرا باب

رسالہ "فرقان" کے اجراء سے لیکر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے لیکچر "نظام نو" تک

خلافتِ ثانیہ کا انتیسواں (۲۹) سال

ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ مطابق صلح ۱۳۲۱ھش/جنوری ۱۹۴۲ء تا ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ مطابق فتح ۱۳۲۱ھش/دسمبر ۱۹۴۲ء

فصل اوّل

ماہنامہ "فرقان" کا اجراء

۱۳۲۰ھش (۱۹۴۲ء) کا آغاز قادیان کے ماہنامہ "فرقان" سے ہوتا ہے جو مجلس رفقاءِ احمدؐ کی طرف سے جاری کیا گیا۔ اِس مجلس کے سب ارکان[۱]

۱۔ مجلس کے ابتدائی ارکان:۔ ۱۔ مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری سابق مبلغ بلادِ عربیہ ۲۔ مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری ۳۔ شیخ ناصر احمد صاحب ۴۔ مولوی عبدالغفور صاحب فاضل ۵۔ مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی۔ ۶۔ مولوی محمد سلیم صاحب ۷۔ شیخ عبدالقادر صاحب ۸۔ مولوی ظہور حسین صاحب فاضل ۹۔ مولوی تاج الدین صاحب لائلپوری ۱۰۔ صاحبزادہ عبدالمنان صاحب ایم۔اے ۱۱۔ حافظ قدرت اللہ صاحب مولوی فاضل ۱۲۔ مولوی محمد عبداللہ صاحب اعجاز ۱۳۔ مرزا منور احمد صاحب مولوی فاضل ۱۴۔ محمد سعید احمد صاحب فاروقی ۱۵۔ قریشی محمد نذیر صاحب ملتانی۔ ۱۶۔ چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر ۱۷۔ مولوی محمد یار صاحب عارف ۱۸۔ ملک محمد عبداللہ صاحب ۱۹۔ مولوی علی محمد صاحب اجمیری ۲۰۔ مولوی احمد خان صاحب نسیم ۲۱۔ حافظ عبدالغفور صاحب جالندھری ۲۲۔ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ ۲۳۔ ملک عطاء الرحمٰن صاحب ۲۴۔ سید اعجاز احمد صاحب مولوی فاضل ۲۵۔ چوہدری محمد شریف صاحب بی۔اے

(باقی اگلے صفحہ ۲۹۲ پر)

اور عہدیدار آنریری کام کرتے اور حسب توفیق ماہوار چندہ بھی دیتے تھے۔ جس کی کم از کم مقدار چار آنہ مقرر تھی[۵۱] چنانچہ اس مجلس نے سب سے پہلے ایک ٹریکٹ کی اشاعت کی۔ بعد ازاں حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کی تحریک پر صلح ۱۳۲۱ہش (جنوری ۱۹۴۲ء) سے "فرقان" کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کر دیا۔[۵۲]

رسالہ "فرقان" کے پہلے پرچہ میں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا مندرجہ ذیل ارشاد گرامی شائع ہوا:۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَالنَّاصِرُ

میری تحریک پر بعض نوجوانوں نے لاہور کی انجمن احمدیہ اشاعت اسلام کی طرف سے جو ہماری نسبت اور سلسلہ احمدیہ جس کا مرکز قادیان ہے، کے عقائد کی نسبت بدظنیاں پھیلائی جاتی ہیں اُن کا جواب دینے کیلئے ایک ماہواری رسالہ کا اجراء کیا ہے۔ میں اس رسالہ کی پہلی اشاعت کے لئے یہ سطور بطور تعارف لکھ کر دے رہا ہوں۔ اور صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی نیتوں کو نیک کر کے کام کرو۔ کبر، ریاء اور نخوت سے آزاد ہو کر کام کرو۔ خدا تعالیٰ پر توکل کر کے کام کرو اس صورت میں خدا تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تم اس جنگ سے فاتح لوٹو گے۔ خدا تعالیٰ تمہاری مدد کرے۔ والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد

۲۲ر فتح ۱۳۲۰ہش - ۲۲ر دسمبر ۱۹۴۱ء[۵۳]

بقیہ حاشیہ - ۲۶۔ مرزا محمد یعقوب صاحب ۲۷۔ صوفی عبدالقدیر صاحب بی۔اے ۲۸۔ مولوی قمر الدین صاحب۔ ۲۹۔ حکیم عبداللطیف صاحب گجراتی ۳۰۔ مولوی محمد صدیق صاحب ۳۱۔ مولوی محمد دین صاحب مجاہد ۳۲۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر ۳۳۔ چوہدری غلام لیسین صاحب بی۔اے ۳۴۔ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے ۳۵۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور ۳۶۔ چوہدری عبداللطیف صاحب ۳۷۔ مولوی صدرالدین صاحب فاضل۔ ۳۸۔ میاں عبدالحی صاحب ۳۹۔ چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب خالد ۴۰۔ ملک سیف الرحمٰن صاحب مولوی فاضل ("فرقان" صلح ۱۳۲۱ہش (جنوری ۱۹۴۲ء) صفحہ ۳۲)

[۵۱] الفضل ۲ر صلح ۱۳۲۲ہش (۲۰ر جنوری ۱۹۴۳ء) صفحہ ۲ کالم ۲۔

[۵۲] رسالہ "فرقان" صلح ۱۳۲۱ہش (جنوری ۱۹۴۲ء) صفحہ ۳۲۔ [۵۳] رسالہ "فرقان" صلح ۱۳۲۱ہش (جنوری ۱۹۴۲ء) صفحہ ۳۔

پہلے تین سالہ دَور میں رسالہ کی ادارت کے فرائض مولانا ابوالعطاء صاحب نے انجام دیئے اور نائب کے طور پر چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر نے کام کیا۔ ان تین برسوں میں رسالہ نے غیر مبائعین اصحاب پر نہایت درجہ معقولیت، سنجیدگی اور مدلّل طریق سے حجّت تمام کر دی جس سے ایک طرف سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں ٹھوس مستند اور قیمتی معلومات کا اضافہ ہوا اور دوسری طرف احمدی نوجوانوں اور دوسرے احمدیوں پر مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے اور اُن کے رفقاء کے عقائد و خیالات کی حقیقت بھی خوب واضح ہوئی۔ اور کئی سعید روحیں نظامِ خلافت سے بھی وابستہ ہو گئیں۔

رسالہ کے دوسرے دَور میں میاں عبدالمنان صاحب عمر مدیر تھے اور مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی، ملک عطاء الرحمٰن صاحب اور مولوی ابوالمنیر نور الحق صاحب نائب مدیر۔ "فرقان" کے دَور جدید کا ہر شمارہ غیر مبائعین اور بہائیوں کے متعلق مضامین پر مشتمل ہوتا تھا۔ رسالہ "فرقان" کا آخری ایشوع ظہور ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء میں شائع ہوا جس کے بعد ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے اور اسے بند کر دینا پڑا۔[1]

یہ رسالہ ایک ہزار کی تعداد میں چھپتا تھا اور کثیر تعداد میں غیر مبائعین اور بہائیوں کو مفت بھیجا جاتا تھا حکیم عبداللطیف صاحب منشی فاضل ہر دو دَور میں اس کے طابع و ناشر کے فرائض انجام دیتے رہے۔

مرکزی اسمبلی میں "قاضی بل" اور جماعتِ احمدیہ کا احتجاج

امان ۱۳۲۱ھش/اپریل ۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے کہ کانگرسی علماء[2] کی کوششوں سے ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں ایک مسودہ قانون "قاضی بل" کے نام سے پیش کیا گیا۔ جس کا مفاد یہ تھا کہ مسلمانوں کا نکاح پڑھنے کے لئے سرکاری طور پر قاضی مقرر کئے جائیں جو شادیوں کا ریکارڈ رکھیں۔ اس بل کی بڑی دفعات یہ تھیں:-

۱۔ صوبائی حکومتیں موزوں اشخاص کو بطور قاضی مقرر کریں گی۔ نامزدگی ڈسٹرکٹ کمیٹیاں کریں گی۔

۲۔ ڈسٹرکٹ کمیٹی مندرجہ ذیل اشخاص پر مشتمل ہوگی:-

ڈسٹرکٹ جج۔ ڈپٹی کمشنر۔ ایک مسلم وکیل۔ میونسپل بورڈ کا ایک مسلم ممبر۔ دو علماء لیجسلیٹو اسمبلی کے مسلمان ممبر جو ضلع کی طرف سے منتخب شدہ ہوں۔ یہ ڈسٹرکٹ کمیٹی

---

[1] رسالہ "فرقان" امان ۱۳۲۶ھش (مارچ ۱۹۴۷ء) صفحہ ۳۶ + [2] پمفلٹ "مسلم لیگ کے شاندار اسلامی کارنامے" صفحہ ۲۔ (مرتبہ جمعیۃ العلماء صوبہ دہلی۔ ناشر سید انظار الدین قاسمی) جمعیۃ العلماء کی طرف سے اس بل کا بظاہر یہ مقصد بتایا گیا کہ مسلمانوں کو اُن کے شرعی معاملات میں سہولتیں حاصل ہو جائیں گی۔ (ایضاً صفحہ ۲)

ضلع کے لئے قاضیوں کی تعداد اور اُن کے ناموں کی لوکل گورنمنٹ سے سفارش کرے گی۔
قاضیوں کے کام کی نگرانی کرے گی۔ اور وقتاً فوقتاً اُن کے کام کے متعلق گورنمنٹ کو رپورٹ کریگی۔

۳۔ قاضی کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ حسب ذیل مدرسوں کا فارغ التحصیل ہو:۔

دار العلوم دیو بند۔ مظاہر العلوم سہارن پور۔ مدرسہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھوانی۔
مدرسہ شاہی مراد آباد۔ مدرسہ امروہہ۔ مدرسہ گولائی۔ مدرسہ بدایون۔ مدرسہ بریلی۔
مدرسہ الٰہیات کانپور۔ عربی مدرسہ الٰہ آباد[1]

اس بل میں چونکہ اسلامی نکاحوں پر ناجائز قیود اور بے معنی پابندیاں عائد کرکے مسلمانانِ ہند کے لئے گوناگوں مشکلات پیدا کی گئی تھیں اور ملک کے تمام مختلف الخیال اسلامی فرقوں کے ایک اہم مذہبی و معاشرتی معاملہ کو سرکاری طور پر چند مخصوص مدرسوں کے فارغ التحصیل علماء کے ہاتھ میں دے دیا گیا تھا اس لئے احمدیہ پریس[2] اور احمدیہ جماعتوں نے اس کے خلاف مؤثر آواز بلند کی۔ اور آل انڈیا مسلم لیگ نے بھی اسی کی شدید مخالفت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ "قاضی بل" اسمبلی میں پاس نہ ہو سکا اور مسلمانانِ ہند ایک نہایت درجہ ضرر رساں قانون کی زد سے بچ گئے۔

حکومت انگریزی سے شیخ الاسلام مقرر کرانیکی درخواست اور اخبار "الفضل"

ہندوستان کے مشہور و ممتاز عالم مولوی سید محمد سلیمان صاحب ندوی نے ۱۳۲۱ھش (۱۹۴۲ء) کے شروع میں "مسلمانانِ ہند کا نظامِ شرعی" کے عنوان سے ملکی اخبارات میں ایک مضمون شائع کیا جس میں ہندوستانی مسلمانوں کی پراگندگی اور زبون حالی کا دردناک نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا:۔

"ہندوستان میں مسلمانوں میں مذہبی امور سخت انتشار اور بے ترتیبی کی حالت میں ہیں مسجدیں ویران ہیں۔ اماموں اور مؤذنوں کی حالت سخت قابلِ اصلاح ہے۔ مدرسے کس مپرسی میں پڑے ہیں۔ ہندوستان میں جس قدر مذہبی مدارس ہیں اُن میں کوئی باہمی نظم و سلسلہ نہیں۔ اوقاف کی حالت سخت قابلِ افسوس ہے۔ مسلمانوں کی ابتدائی مذہبی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں۔ ملک کے بڑے بڑے رقبے مذہبی جہالت کی بناء پر اسلام اور حکومت دونوں کے لئے خطرناک ہیں۔ طلاق و نکاح فسق و تفریق کے ہزاروں معاملات جو رات دن پیش آتے رہتے ہیں تمام ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے انکا کوئی انتظام

---

[1] الفضل ۱۳ اماں ۱۳۲۱ھش / ۱۳ مارچ ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ [2] ملاحظہ ہو الفضل ۱۳، ۲۰ و ۲۵ امان / مارچ و ۲ شہادت / اپریل ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء

نہیں۔ جناب مولوی صاحب موصوف نے مسلمانوں کی اس ناگفتہ بہ حالت کا علاج یہ تجویز کیا کہ حکومت انگریزی ایک مذہبی صیغہ قائم کرے جس کا ناظم اعلیٰ شیخ الاسلام ہو جو مسلمانوں کے انتخاب اور حکومت کی منظوری سے مقرر کیا جائے اور تنخواہ دار ہو۔ چنانچہ انہوں نے لکھا :- "اسلام کی گذشتہ روایات اور موجودہ رسوم جاریہ کے مطابق مسلمانوں کیلئے ایک مذہبی صیغہ ہندوستان میں قائم کیا جائے جس کا اعلیٰ عہدیدار شیخ الاسلام ہو جس کی عزت اور وقار کا سرکاری طور سے اعتراف کیا جائے اس کو ایک بڑی تنخواہ دے کر اس کے اعزاز کو بڑھایا جائے۔ اُس کا تقرر مسلمان جماعتوں کے انتخاب اور گورنمنٹ کی منظوری سے ہو۔ اس کے ماتحت صوبوں میں اور صوبوں کے ماتحت ضلعوں میں اس کے عہدیدار ہوں جو اپنے حدود کے انتظامات کریں۔"

اس مضمون کے آخر میں لکھا :- "گورنمنٹ کی اعانت کے بغیر یہ کام انجام نہیں پا سکتا۔"[۵]

اس مضمون کی اشاعت پر اخبار "الفضل" نے (اپنی ۲۴ ماہ شہادت ۱۳۲۱ھش (۲۴ اپریل ۱۹۴۲ء) کی اشاعت میں) ایک اداریہ نوٹ لکھا جس میں اس تجویز کو غیر معقول اور ناقابل عمل قرار دیتے ہوئے بتایا کہ :-

"موجودہ غیر مسلم حکومت کی قائم کردہ عدالتیں تو اکثر علماء کے نزدیک اس بات کی مجاز نہیں کہ وہ مسلمانوں کے کسی جھگڑے کا فیصلہ کریں لیکن اس کا مقرر کردہ اور اس کا "تنخواہ دار شیخ الاسلام" مسلمانوں کو دین و دنیا کی برکات سے مالا مال کر دے گا۔ اُن کی مسجدوں کو آباد کر دے گا۔ اُن کے اماموں اور مؤذنوں کی اصلاح کر دے گا اور اُن کے ہر قسم کے جھگڑے فساد مٹا کر انہیں اسلام کی اصل تعلیم کا پابند بنا دے گا۔ یہ سب کچھ سہی مگر سوال یہ ہے کہ ایسا انسان حکومت کہاں سے ڈھونڈ کر لائیگی اگر ایسی قابلیت اور اس قسم کی استعداد رکھنے والا کوئی انسان ہندوستان کی سرزمین میں موجود ہی نہیں جو مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اُٹھا سکے اور اُن کی پراگندگی اور انتشار کو دُور کر کے ایک مسلک میں منسلک کر سکے۔ انہیں اسلامی تعلیم پر چلا سکے تو حکومت کیونکر مہیا کرے گی۔ لیکن اگر کوئی موجود ہے تو کیا وہ کسی گوشۂ تنہائی میں بیٹھا اس بات کا انتظار کر رہا ہے کہ گورنمنٹ انگریزی اُس کی عزت اور وقار کا سرکاری طور پر اعتراف کرے اور اُس کو ایک بڑی تنخواہ دے کر اُس کے اعزاز کو بڑھائے تب وہ نمودار ہو اور پھر مسلمانوں کی دینی اصلاح کی طرف متوجہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ شان کسی دینی مصلح

---

[۵] بحوالہ الفضل ۲۴ شہادت ۱۳۲۱ھش (۲۴ اپریل ۱۹۴۲ء) صفحہ ۱ +

کی نہیں ہو سکتی ہاں ایک خود غرض اور نفس پرست انسان کی ہو سکتی ہے مگر اُس سے کسی قسم کی اصلاح کی توقع بالکل فضول ہے۔

افسوس مسلمانوں کی پراگندہ حالی نے اُن سے قوتِ غور و فکر بھی سلب کر لی ہے۔ وہ اوّل تو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔ اور اگر متوجہ ہوتے ہیں تو اس قسم کی سکیمیں بناتے اور ایسی تجاویز کے پیچھے پڑتے ہیں جو نہ تو قابلِ عمل ہوتی ہیں اور نہ اُن کا کوئی اچھا نتیجہ نکل سکتا ہے حکومتِ انگریزی سے تنخواہ دار "شیخ الاسلام" مقرر کرانے کی التجا بھی ایسی ہی ہے۔ اس سے یہ تو ممکن ہے کہ کسی عالِم کہلانے والے کو معقول تنخواہ مل جائے اور وہ اپنے ڈھب کے مولویوں کو اپنے ماتحت عہدیدار مقرر کر کے حکومت کے تنخواہ دار ایجنٹ بنا دے۔ لیکن اس طرح مسلمانوں کی دینی لحاظ سے اصلاح ہو سکے اور دنیوی لحاظ سے وقار حاصل کر سکیں قطعاً محال ہے۔ کاش مسلمان حکومت برطانیہ سے "شیخ الاسلام" مقرر کرانے کی بجائے خدا تعالیٰ کے حضور سچے دل سے التجا کریں کہ الٰہی ہمیں کسی ایسے مصلح کا دامن پکڑنے کی توفیق عطا فرما جسے تُو نے ہمارے لئے مقرر کیا ہو اور اسکی اطاعت کے لئے ہمارے دل کھول دے تاکہ ہم تیرا قرب اور تیری رضا حاصل کر سکیں"۔[1]

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علمِ کلام کی شاندار فتح
شیخ الازہر علامہ محمود شلتوت کا فتویٰ وفاتِ مسیح

جیسا کہ سلسلہ احمدیہ کی ابتدائی تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ مسیحیت کے بعد دنیائے اسلام کے سامنے جو مخصوص علم کلام پیش فرمایا اُس میں نظریہ وفاتِ مسیح کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸۹۱ء سے یعنی اس زمانہ سے جبکہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہاماً انکشاف ہوا کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اُس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق آپ آئے ہیں[2] مخالف علماء نے نہ صرف آپ پر فتویٰ کفر لگایا بلکہ بڑے زور شور سے مسئلہ حیاتِ مسیح کی تائید کے لئے مناظروں کا بازار گرم کر دیا اور اپنے موقف کی تائید میں پے در پے کتابیں اور رسائل شائع کرنے لگے۔ یہ علمی جنگ پوری شدت سے جاری تھی کہ اس سال مشرقِ وسطیٰ کے بعض مسلم ممالک سے یکایک وفاتِ مسیح کے حق میں ایک مفصل فتویٰ شائع ہو گیا جس نے قائلین حیاتِ مسیح کے کیمپ میں زبردست کھلبلی مچا دی۔

---

[1] الفضل ۲۴ر شہادت ۱۳۲۱ھش / اپریل ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۔ [2] ازالہ اوہام طبع اوّل صفحہ ۵۶۱-۵۶۲

یہ فتویٰ عالَمِ اسلام کی قدیم ترین یونیورسٹی[1] جامعہ ازہر کی جماعت کبار العلماءؔ کے رُکن فضیلۃ الاستاذ علامہ محمود شلتوت[2] کا تھا جو قاہرہ کے ہفت روزہ "الرسالہ" کی جلد ۱۰ شمارہ ۴۶۲ مورخہ ۱۱ رمئی ۱۹۴۲ء میں "رفع عیسیٰ" کے عنوان سے شائع ہوا۔

علامہ محمود شلتوت کے فتویٰ کا مکمل متن

علامہ محمود شلتوت کے اس معرکۃ الاراء فتویٰ کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے:-

(اداریہ) وَرَدَ اِلٰی مَشْیَخَۃِ الْاَزْھَرِ الْجَلِیْلَۃِ مِنْ حَضْرَۃِ عَبْدِ الْکَرِیْمِ خَان بِالْقِیَادَۃِ الْعَامَّۃِ بِجُیُوْشِ الشَّرْقِ الْاَوْسَطِ سُؤَالٌ جَاءَ فِیْہِ "ھَلْ عِیْسٰی حَیٌّ اَوْ مَیِّتٌ فِیْ نَظْرِ الْقُرْاٰنِ الْکَرِیْمِ وَالسُّنَّۃِ الْمُطَھَّرَۃِ ، وَمَا حُکْمُ الْمُسْلِمِ الَّذِیْ یُنْکِرُ اَنَّہٗ حَیٌّ - وَمَا حُکْمُ مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِہٖ اِذَا فُرِضَ اَنَّہٗ عَادَ اِلَی الدُّنْیَا مَرَّۃً اُخْرٰی؟ وَقَدْ حُوِّلَ ھٰذَا السُّؤَالُ اِلٰی فَضِیْلَۃِ الْاُسْتَاذِ الْکَبِیْرِ الشَّیْخِ مَحْمُوْد شَلْتُوْت عُضْوِ جَمَاعَۃِ کِبَارِ الْعُلَمَاءِ فَکَتَبَ مَا یَاْتِیْ -

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْقُرْاٰنَ الْکَرِیْمَ قَدْ عَرَضَ لِعِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْمَا یَتَّصِلُ بِنِھَایَۃِ شَاْنِہٖ مَعَ قَوْمِہٖ فِیْ ثَلَاثِ سُوَرٍ -

---

[1] مولانا محی الدین الالوائی ایم۔اے فاضل الازہر اپنی کتاب "عرب دنیا" میں لکھتے ہیں:- "یہ یونیورسٹی دنیا کی سب سے قدیم ترین یونیورسٹی ہے۔ جامعہ ازہر ۳۶۱ھ سے علمی ادبی اور مذہبی خدمات انجام دے رہا ہے۔ جامعہ ازہر اپنے پیچھے ایک عظیم تاریخ رکھتا ہے...... جامعہ ازہر قاہرہ میں ہے اور قاہرہ شہر کے بانی المعزلدین اللہ الفاطمی نے اس کو قائم کیا تھا" (صفحہ ۳۸-۳۹ ناشر مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی)

[2] علامہ محمود شلتوت ۲۳ راپریل ۱۸۹۳ء کو قریہ مُنیہ بنی منصور (بحیرہ) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں عالمیہ نظامیہ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۲۷ء میں قاہرہ میں اعلیٰ تعلیم کے استاذ بنے۔ ۱۹۲۸ء میں جب الشیخ مراغی شیخ الازہر مقرر ہوئے تو آپ نے ازہر کی اصلاح و تجدید میں ان کا ہاتھ بٹایا۔ ۱۹۳۵ء میں آپ کو کلیہ شریعۃ الاسلامیہ کی وکالت سپرد ہوئی۔ ۱۹۴۱ء میں آپ علماء کبار کی جماعت کے رکن تجویز کئے گئے۔ ۱۹۴۲ء میں آپ نے وفات مسیحؑ سے متعلق معرکۃ الآراء فتویٰ دیا۔ ۱۹۵۷ء میں آپ موتمر اسلامی کے مشیر مقرر کئے گئے۔ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو منصب شیخ الازہر پر فائز کئے گئے اور دسمبر ۱۹۶۳ء میں انتقال فرما گئے۔ علامہ محمود شلتوت نے نہایت قابل قدر لٹریچر اپنے پیچھے علمی یادگار کے طور پر چھوڑا ہے (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "مجلۃ الازہر" جلد ۳۰ شمارہ ۴-۵ ربیع الآخر و جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ)

١ - فِيْ سُوْرَةِ اٰلِ عِمْرَانَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى " فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ. قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ - اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ" ٥٣-٥٥ -

٢ - وَفِيْ سُوْرَةِ النِّسَآءِ قَوْلُهٗ تَعَالٰى " وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝" ١٥٧، ١٥٨ -

٣ - وَفِيْ سُوْرَةِ الْمَآئِدَةِ قَوْلُهٗ تَعَالٰى - " وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ" - ١١٦ - ١١٧

هٰذِهِ هِيَ الْاٰيَاتُ الَّتِيْ عَرَضَ الْقُرْاٰنُ فِيْهَا لِنِهَايَةِ شَاْنِ عِيْسٰى مَعَ قَوْمِهٖ وَالْاٰيَاتُ الْاَخِيْرَةُ (اٰيَةُ الْمَائِدَةِ) تَذْكُرُ لَنَا شَاْنًا اُخْرَوِيًّا يَتَعَلَّقُ بِعِبَادَةِ قَوْمِهٖ لَهٗ وَلِاُمِّهٖ فِي الدُّنْيَا وَقَدْ سَاَلَهُ اللّٰهُ عَنْهَا وَهِيَ تَقَرَّرُ عَلٰى لِسَانِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ لَمْ يَقُلْ لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرَهُ اللّٰهُ بِهٖ اُعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَاِنَّهٗ كَانَ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مُدَّةَ اِقَامَتِهٖ بَيْنَهُمْ وَاِنَّهٗ لَا يَعْلَمُ مَا حَدَثَ مِنْهُمْ بَعْدَ اَنْ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ -

وَكَلِمَةُ "تَوَفّٰى" قَدْ وَرَدَتْ فِي الْقُرْاٰنِ كَثِيْرًا بِمَعْنَى الْمَوْتِ حَتّٰى صَارَ

هٰذَا الْمَعْنٰى هُوَ الْغَالِبَ عَلَيْهَا الْمُتَبَادِرَ مِنْهَا وَلَمْ تُسْتَعْمَلْ فِيْ غَيْرِ هٰذَا الْمَعْنٰى إِلَّا وَبِجَانِبِهَا مَا يَصْرِفُهَا عَنْ هٰذَا الْمَعْنَى الْمُتَبَادِرِ -

" قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ - إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْ أَنْفُسِهِمْ - وَلَوْ تَرٰى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ - تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا - وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفّٰى - حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ - تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّأَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ "

وَمِنْ حَقِّ كَلِمَةِ " تَوَفَّيْتَنِيْ " فِي الْآيَةِ أَنْ تُحْمَلَ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنَى الْمُتَبَادِرِ وَهُوَ الْإِمَاتَةُ الْعَادِيَّةُ الَّتِيْ يَعْرِفُهَا النَّاسُ وَيُدْرِكُهَا مِنَ اللَّفْظِ وَمِنَ السِّيَاقِ النَّاطِقُوْنَ بِالضَّادِ وَإِذَنْ فَالْآيَةُ لَوْ لَمْ يَتَّصِلْ بِهَا غَيْرُهَا فِيْ تَقْرِيْرِ نِهَايَةِ عِيْسٰى مَعَ قَوْمِهٖ لَمَّا كَانَ هُنَالِكَ مُبَرِّرٌ لِلْقَوْلِ بِأَنَّ عِيْسٰى حَيٌّ لَمْ يَمُتْ -

وَلَا سَبِيْلَ إِلَى الْقَوْلِ بِأَنَّ الْوَفَاةَ هُنَا مُرَادٌ بِهَا وَفَاةُ عِيْسٰى بَعْدَ نُزُوْلِهٖ مِنَ السَّمَآءِ بِنَاءً عَلٰى زَعْمِ مَنْ يَرٰى أَنَّهٗ حَيٌّ فِي السَّمَآءِ وَأَنَّهٗ سَيَنْزِلُ مِنْهَا اٰخِرَ الزَّمَانِ لِأَنَّ الْآيَةَ ظَاهِرَةٌ فِيْ تَحْدِيْدِ عَلَاقَتِهٖ بِقَوْمِهٖ هُوَ لَا بِالْقَوْمِ الَّذِيْنَ يَكُوْنُوْنَ اٰخِرَ الزَّمَانِ وَهُمْ قَوْمُ مُحَمَّدٍ بِاتِّفَاقٍ لَا قَوْمُ عِيْسٰى -

أَمَّا اٰيَةُ النِّسَآءِ فَإِنَّهَا تَقُوْلُ " بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ " وَقَدْ فَسَّرَهَا بَعْضُ الْمُفَسِّرِيْنَ بَلْ جُمْهُوْرُهُمْ بِالرَّفْعِ إِلَى السَّمَآءِ وَيَقُوْلُوْنَ إِنَّ اللّٰهَ أَلْقٰى عَلٰى غَيْرِهٖ شِبْهَهٗ وَرَفَعَهٗ بِجَسَدِهٖ إِلَى السَّمَآءِ فَهُوَ حَيٌّ فِيْهَا وَسَيَنْزِلُ مِنْهَا اٰخِرَ الزَّمَانِ فَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَعْتَمِدُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ -

أَوَّلًا عَلٰى رِوَايَاتٍ تُفِيْدُ نُزُوْلَ عِيْسٰى بَعْدَ الدَّجَّالِ وَهِيَ رِوَايَاتٌ مُضْطَرِبَةٌ مُخْتَلِفَةٌ فِيْ أَلْفَاظِهَا وَمَعَانِيْهَا اِخْتِلَافًا لَا مَجَالَ مَعَهٗ لِلْجَمْعِ بَيْنَهَا - وَقَدْ نَصَّ عَلٰى ذٰلِكَ عُلَمَآءُ الْحَدِيْثِ - وَهِيَ فَوْقَ ذٰلِكَ مِنْ رِوَايَةِ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ وَكَعْبِ الْأَحْبَارِ وَهُمَا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ الَّذِيْنَ اعْتَنَقُوا الْإِسْلَامَ وَقَدْ عُرِفَتْ دَرَجَتُهُمَا فِي الْحَدِيْثِ عِنْدَ عُلَمَاءِ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيْلِ -

وَثَانِيًا عَلٰى حَدِيْثٍ مَرْوِيٍّ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ اُقْتُصِرَ فِيْهِ عَلَى الْإِخْبَارِ بِنُزُوْلِ عِيْسٰى

وَإِذَا صَحَّ هٰذَا الْحَدِيْثُ فَهُوَ حَدِيْثُ اٰحَادٍ ۔ وَقَدْ اَجْمَعَ الْعُلَمَآءُ عَلٰی اَنَّ اَحَادِيْثَ الْاٰحَادِ لَا تُفِيْدُ عَقِيْدَةً وَلَا يَصِحُّ الْاِعْتِمَادُ عَلَيْهَا فِیْ شَاْنِ الْمُغَيَّبَاتِ ۔

وَثَالِثًا عَلٰی مَا جَآءَ فِیْ حَدِيْثِ الْمِعْرَاجِ مِنْ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَمَا صَعِدَ اِلَی السَّمَآءِ وَاَخَذَ يَسْتَفْتِحُهَا وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ فَتُفْتَحُ لَهٗ وَيَدْخُلُ رَاٰی عِيْسٰی عَلَيْهِ السَّلَامُ هُوَ وَابْنَ خَالَتِهٖ يَحْيٰی فِی السَّمَآءِ الثَّانِيَةِ وَيَكْفِيْنَا فِیْ تَوْهِيْنِ هٰذَا الْمُسْتَنَدِ مَا قَرَّرَهٗ كَثِيْرٌ مِنْ شُرَّاحِ الْحَدِيْثِ فِیْ شَاْنِ الْمِعْرَاجِ وَفِیْ شَاْنِ اِجْتِمَاعِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاَنْبِيَاءِ وَاَنَّهٗ كَانَ اِجْتِمَاعًا رُوْحِيًّا لَا جِسْمَانِيًّا اُنْظُرْ فَتْحَ الْبَارِیْ وَزَادَ الْمَعَادِ وَغَيْرَهُمَا وَمِنَ الطَّرِيْفِ اَنَّهُمْ يَسْتَدِلُّوْنَ عَلٰی اَنَّ مَعْنَی الرَّفْعِ فِی الْاٰيَةِ هُوَ رَفْعُ عِيْسٰی بِجَسَدِهٖ اِلَی السَّمَآءِ بِحَدِيْثِ الْمِعْرَاجِ بَيْنَمَا تَرٰی فَرِيْقًا مِنْهُمْ يَسْتَدِلُّ عَلٰی اَنَّ اِجْتِمَاعَ مُحَمَّدٍ بِعِيْسٰی فِی الْمِعْرَاجِ كَانَ اِجْتِمَاعًا جَسَدِيًّا بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی (بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ) وَهٰكَذَا يَتَّخِذُوْنَ الْاٰيَةَ دَلِيْلًا عَلٰی مَا يَفْهَمُوْنَهٗ مِنَ الْحَدِيْثِ دَلِيْلًا عَلٰی مَا يَفْهَمُوْنَهٗ مِنَ الْاٰيَةِ حِيْنَ يَكُوْنُوْنَ فِیْ تَفْسِيْرِ الْاٰيَةِ ۔

وَنَحْنُ اِذَا رَجَعْنَا اِلٰی قَوْلِهٖ تَعَالٰی "اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ" فِیْ اٰيَاتِ اٰلِ عِمْرَانَ مَعَ قَوْلِهٖ "بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ" فِیْ اٰيَاتِ النِّسَآءِ وَجَدْنَا الثَّانِيَةَ اِخْبَارًا عَنْ تَحَقُّقِ الْوَعْدِ الَّذِیْ تَضَمَّنَتْهُ الْاُوْلٰی وَقَدْ كَانَ هٰذَا الْوَعْدُ بِالتَّوْفِيَةِ وَالرَّفْعِ وَالتَّطْهِيْرِ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاِذَا كَانَتِ الْاٰيَةُ الثَّانِيَةُ قَدْ جَاءَتْ خَالِيَةً مِنَ التَّوْفِيَةِ وَالتَّطْهِيْرِ وَاقْتَصَرَتْ عَلٰی ذِكْرِ الرَّفْعِ اِلَی اللّٰهِ فَاِنَّهٗ يَجِبُ اَنْ يُلَاحَظَ فِيْهَا مَا ذُكِرَ فِی الْاُوْلٰی جَمْعًا بَيْنَ الْاٰيَتَيْنِ ۔

وَالْمَعْنٰی اَنَّ اللّٰهَ تَوَفّٰی عِيْسٰی وَرَفَعَهٗ اِلَيْهِ وَطَهَّرَهٗ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَدْ فَسَّرَ الْاٰلُوْسِیُّ قَوْلَهٗ تَعَالٰی (اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ) بِوُجُوْهٍ مِنْهَا وَهُوَ اَظْهَرُهَا "اِنِّیْ مُسْتَوْفِیْ اَجَلَكَ وَمُمِيْتُكَ حَتْفَ اَنْفِكَ لَا اُسَلِّطُ عَلَيْكَ مَنْ يَقْتُلُكَ وَهُوَ كِنَايَةٌ عَنْ عِصْمَتِهٖ مِنَ الْاَعْدَآءِ وَمَا هُمْ بِصَدَدِهٖ مِنَ الْفَتْكِ بِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

لأنّه يلزم من استيفاء الله أجله وموته حتف أنفه ذلك ظاهر أنّ الرّفع الّذي يكون بعد التّوفية هو رفع المكانة لا رفع الجسد خصوصاً وقد جاء بجانبه قوله (ومطهّرك من الّذين كفروا) ممّا يدلّ على أنّ الأمر أمر تشريف وتكريم۔ وقد جاء الرّفع في القرآن كثيراً بهذا المعنى "في بيوت أذن الله أن ترفع"۔ "نرفع درجٰت من نّشاء"۔ "ورفعنا لك ذكرك"۔ "ورفعنٰه مكاناً عليّاً"۔ "يرفع الله الّذين اٰمنوا..." الخ

وإذن فالتّعبير بقوله "ورافعك إليّ" وقوله "بل رفعه الله إليه"۔ كالتّعبير في قولهم "لحق فلان بالرّفيق الأعلى"۔ وفي "إنّ الله معنا" وفي "عند مليك مّقتدر"۔ وكلّها لا يفهم منها سوى معنى الرّعاية والحفظ والدّخول في الكنف المقدّس۔ فمن أين تؤخذ كلمة السّماء من كلمة (إليه)؟ اللّهمّ إنّ هذا لظلم للتّعبير القرآني الواضح خضوعاً لقصص وروايات لم يقم على الظّنّ بها فضلاً عن اليقين برهان ولا شبه برهان۔

وبعد فما عيسى إلّا رسول قد خلت من قبله الرّسل ناصبه قومه العداء وظهرت على وجوههم بوادر الشّرّ بالنّسبة إليه فالتجأ إلى الله شأن الأنبياء والمرسلين فأنقذه الله بعزّته وحكمته وخيّب مكر أعدائه وهذا هو ما تضمّنته الآيات "فلمّا أحسّ عيسى منهم الكفر قال من أنصاري إلى الله" إلى آخرها بيّن الله فيها دقّة مكره بالنّسبة إلى مكرهم وأنّ مكرهم في اغتيال عيسى قد ضاع أمام مكر الله في حفظه وعصمته "إذ قال الله يا عيسى إنّي متوفّيك ورافعك إليّ ومطهّرك من الّذين كفروا" فهو يبشّره بإنجائه من مكرهم وردّ كيدهم في نحورهم وإنّه سيستوفي أجله حتّى يموت حتف أنفه من غير قتل ولا صلب ثمّ يرفعه الله إليه وهذا هو ما يفهمه القارئ للآيات الواردة في شأن نهاية عيسى مع قومه متى وقف على سنّة الله مع أنبيائه حين يتألّب عليهم خصومهم

وَمَتٰی خَلَا ذِهْنُهٗ مِنْ تِلْكَ الرِّوَايَاتِ الَّتِیْ لَا يَنْبَغِیْ اَنْ تُحَكَّمَ فِی الْقُرْاٰنِ وَلَسْتُ اَدْرِیْ كَيْفَ يَكُوْنُ اِنْقَاذُ عِيْسٰی بِطَرِيْقِ انْتِزَاعِهٖ مِنْ بَيْنِهِمْ وَرَفْعِهٖ بِجَسَدِهٖ اِلَی السَّمَآءِ مَكْرًا؟ وَكَيْفَ يُوْصَفُ بِاَنَّهٗ خَيْرٌ مِّنْ مَكْرِهِمْ مَعَ اَنَّهٗ شَیْءٌ لَيْسَ فِی اسْتِطَاعَتِهِمْ اَنْ يُغَادِمُوْهُ شَیْءٌ لَيْسَ فِیْ قُدْرَةِ الْبَشَرِ اَلَا اِنَّهٗ لَا يَتَحَقَّقُ مَكْرٌ فِیْ مُقَابَلَةِ مَكْرٍ اِلَّا اِذَا كَانَ جَارِيًا عَلٰی اُسْلُوْبِهٖ غَيْرَ خَارِجٍ عَنْ مُقْتَضَی الْعَادَةِ فِيْهِ وَقَدْ جَآءَ مِثْلُ هٰذَا فِیْ شَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ" وَالْخُلَاصَةُ مِنْ هٰذَا الْبَحْثِ :-

(۱) اَنَّهٗ لَيْسَ فِی الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ وَلَا فِی السُّنَّةِ الْمُطَهَّرَةِ مُسْتَنَدٌ يَصْلُحُ لِتَكْوِيْنِ عَقِيْدَةٍ يَطْمَئِنُّ اِلَيْهَا الْقَلْبُ بِاَنَّ عِيْسٰی رُفِعَ بِجِسْمِهٖ اِلَی السَّمَآءِ وَاَنَّهٗ حَیٌّ اِلَی الْاٰنَ فِيْهَا وَاَنَّهٗ سَيَنْزِلُ مِنْهَا اٰخِرَ الزَّمَانِ اِلَی الْاَرْضِ۔

(۲) اَنَّ كُلَّ مَا تُفِيْدُهُ الْاٰيٰتُ الْوَارِدَةُ فِیْ هٰذَا الشَّانِ هُوَ وَعْدُ اللّٰهِ عِيْسٰی بِاَنَّهٗ مُتَوَفِّيْهِ اَجَلَهٗ وَرَافِعُهٗ اِلَيْهِ وَعَاصِمُهٗ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاِنَّ هٰذَا الْوَعْدَ قَدْ تَحَقَّقَ فَلَمْ يَقْتُلْهُ اَعْدَاءُهٗ وَلَمْ يَصْلُبُوْهُ وَلٰكِنْ وَفَّاهُ اللّٰهُ اَجَلَهٗ وَرَفَعَهٗ اِلَيْهِ۔

(۳) اَنَّ مَنْ اَنْكَرَ اَنَّ عِيْسٰی قَدْ رُفِعَ بِجِسْمِهٖ اِلَی السَّمَآءِ وَاَنَّهٗ فِيْهَا حَیٌّ اِلَی الْاٰنَ وَاَنَّهٗ سَيَنْزِلُ مِنْهَا اٰخِرَ الزَّمَانِ فَاِنَّهٗ لَا يَكُوْنُ بِذٰلِكَ مُنْكِرًا لِمَا ثَبَتَ بِدَلِيْلٍ قَطْعِیٍّ فَلَا يَخْرُجُ عَنْ اِسْلَامِهٖ وَاِيْمَانِهٖ وَلَا يَنْبَغِیْ اَنْ يُحْكَمَ عَلَيْهِ بِالرِّدَّةِ بَلْ هُوَ مُسْلِمٌ مُؤْمِنٌ اِذَا مَاتَ فَهُوَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ يُصَلّٰی عَلَيْهِ كَمَا يُصَلّٰی عَلَی الْمُؤْمِنِيْنَ وَيُدْفَنُ فِیْ مَقَابِرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا شُبْهَةَ فِیْ اِيْمَانِهٖ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌ بَصِيْرٌ۔

اَمَّا السُّؤَالُ الْاَخِيْرُ فِی الْاِسْتِفْتَاءِ وَهُوَ (مَا حُكْمُ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهٖ اِذَا فُرِضَ اَنَّهٗ عَادَ مَرَّةً اُخْرٰی اِلَی الدُّنْيَا) فَلَا مَحَلَّ لَهٗ بَعْدَ الَّذِیْ قَرَّرْنَاهُ وَلَا يَتَّجِهُ السُّؤَالُ عَنْهُ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

" (محمود شلتوت)

مندرجہ بالا عربی فتویٰ کا ترجمہ حسب ذیل ہے :۔

ترجمہ :۔ ازہر کی سب سے بڑی مجلس کے پاس جناب عبدالکریم خان صاحب[۵] نے جو ان دنوں مشرق وسطیٰ کی فوجوں کی قیادت عامہ میں شامل ہیں ۔ ایک استفسار بھیجا کہ کیا قرآن کریم اور سنّت نبویہ سے حضرت عیسیٰؑ فوت شدہ ثابت ہوتے ہیں یا زندہ ؟ نیز اس مسلمان کے متعلق کیا فتویٰ ہے جو حیاتِ مسیحؑ کا منکر ہے ؟ اور اگر حضرت عیسیٰ کا دوبارہ دنیا میں آنا درست ہو تو جو شخص اس وقت ان پر ایمان نہ لائے گا اس کا کیا حکم ہے ؟ یہ استفسار جواب کے لئے جماعت کبار العلماء کے رُکن فضیلت الاستاذ علّامہ محمود شلتوت کے سپرد کیا گیا ۔ جنہوں نے حسب ذیل جواب تحریر کیا ہے :۔

امابعد قرآن کریم نے تین سورتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایسے طور پر ذکر فرمایا ہے جس سے اس انجام کا پتہ لگتا ہے جو ان کا اپنی قوم کے ساتھ ہوا ۔

۱ ۔ سورۃ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ فَلَمَّا اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ (الآیۃ)

۲ ۔ سورۃ النّساء میں آتا ہے وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ (الآیۃ)

۳ ۔ سورۃ المائدہ میں فرمایا ۔ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ (الآیۃ)

یہی آیات ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انجام کو قرآن پاک نے بیان کیا ہے ۔ آخری آیت (سورۃ مائدہ والی) اس معاملہ کا ذکر کرتی ہے جو دنیا میں نصاریٰ کے مسیح اور ان کی والدہ کی عبادت کرنے سے متعلق ہے اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں حضرت مسیح سے سوال کیا ہے ۔ آیت مذکورہ حضرت مسیحؑ کی زبانی بتاتی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو ہمیشہ وہی کہا جس کا اللہ تعالیٰ نے انکو حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے نیز آیت بتلاتی ہے کہ جب تک حضرت عیسیٰؑ ان کے درمیان رہے اُن کے نگران تھے اور انہیں اپنی توفّی کے بعد اپنی قوم میں پیدا ہونے والے واقعات وحالات کا مطلقاً علم نہیں ہے ۔

لفظ توفّی قرآن مجید میں موت کے معنوں میں بکثرت آیا ہے یہاں تک کہ توفّی کے یہ معنے ہی غالب اور متبادر ہو گئے ہیں ۔ اور لفظ توفّی موت کے معنے کے سوا کسی اور معنی میں صرف اُسی وقت استعمال ہوا ہے جبکہ اس کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ پایا جاتا ہو جو اُسے ان متبادر الی الذہن معنوں میں استعمال ہونے سے روکتا ہو ۔ آیاتِ ذیل

[۵] عبدالکریم خان صاحب یوسف زئی نومبر ۱۹۰۶ء میں بمقام کریوپ (جموں) پیدا ہوئے اور غالباً ۸ رجون ۱۹۳۳ء کو تحریری بیعت کرکے حلقہ بگوشِ احمدیت ہوئے (الحکم ۲۸ رجولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۹، ۱۰) دوسری جنگ عظیم کے دوران آپ مشرق وسطیٰ میں مقیم تھے اور اسی زمانہ میں آپنے علماء مصر سے یہ فتویٰ طلب کیا تھا جس پر مخالفین نے پوری کوشش کی آپ کو مصری عدالت میں گھسیٹا جائے مگر ناکام رہے ۔ افسوس!! ۱۳۲۲ ہش (۱۹۴۳ء) میں پونچھ میں شہید کر دیئے گئے ۔ (الفضل ۳ ظہور ۱۳۲۲ ہش)

بطور نمونہ یہ ہیں :-

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ - اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْ اَنْفُسِهِمْ + وَلَوْ تَرٰى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ - تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا + وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ - تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ +

اور آیت قرآنی فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ میں لفظ تَوَفَّيْتَنِيْ کا حق ہے کہ اُسے مذکورہ بالا متبادر معنوں پر ہی محمول کیا جائے اور وہ یہ کہ توفی کے معنے موت کے ہیں۔ اس لفظ کے یہ معنے تمام لوگ جانتے ہیں اور خود لفظ توفی سے نیز آیت کے سیاق سے بھی سب عربی بولنے والے یہی معنی سمجھتے ہیں۔ اندریں صورت اگر اس آیت میں کچھ اور نہ ملایا جائے جس سے مسیح کے انجام کی وضاحت کی جائے تو یہ کہنے کی ہرگز گنجائش نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ فوت نہیں ہوئے یا یہ کہ زندہ ہیں۔ اس آیت میں اس رکیک تاویل کا بھی موقعہ نہیں کہ وفات سے مراد اسجگہ وہ وفات ہے جو آسمان سے اُترنے کے بعد واقع ہوگی۔ یہ تاویل وہ لوگ کرتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ آسمان میں زندہ ہیں اور وہی آخری زمانہ میں آسمان سے اُتریں گے کیونکہ زیر نظر آیت واضح طور پر اس تعلق کی حدبندی کر رہی ہے جو ان کا اپنی قوم سے تھا باقی وہ لوگ جو آخری زمانہ میں ہیں وہ تو بالاتفاق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہیں نہ کہ حضرت عیسیٰؑ کی قوم اسلئے ان سے حضرت عیسیٰؑ کا کیا تعلق؟

سورۃ نساء کی آیت میں "بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ" آیا ہے۔ بعض بلکہ اکثر مفسرین نے اس کی تفسیر آسمان پر اٹھائے جانے کے ساتھ کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے مسیح کی شکل کسی اَور پر ڈال دی اور انہیں جسم سمیت آسمان پر اُٹھالیا۔ وہ اب آسمان میں زندہ ہیں۔ وہاں سے آخری زمانہ میں اُتریں گے۔ سؤروں کو قتل کرینگے اور صلیبوں کو توڑیں گے مفسرین اپنے اس عقیدہ کی بنیاد اوّل تو اُن روایات پر رکھتے ہیں جو بتاتی ہیں کہ عیسیٰؑ دجّال کے بعد نازل ہونگے۔ یہ روایات مضطرب ہیں۔ ان کے الفاظ اور معانی میں اتنا شدید اختلاف ہے کہ تطبیق ناممکن ہے خود علماء حدیث نے اس کی تصریح کی ہے۔ علاوہ ازیں یہ وہب بن منبہ اور کعب الاحبار کی روایات ہیں جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہوئے تھے۔ علماءِ جرح وتعدیل کے نزدیک ان راویوں کا جو درجہ ہے وہ آپ خود جانتے ہیں۔ دوسری بنیاد مفسرین کے نزدیک حضرت ابو ہریرۃ کی وہ روایت ہے جس میں انہوں نے نزول عیسیٰ کی خبر ذکر کرنے پر حصر کیا ہے۔ یہ حدیث اگر صحیح بھی ہو تو بھی حدیث احاد ہے اور علماء کا اسپر اجماع ہے کہ احادیث احاد

کسی عقیدہ کی بنیاد نہیں بن سکتیں اور نہ پیشگوئیوں کے سلسلہ میں اُن پر اعتماد کیا جاسکتا ہے مفسّرین کے دعویٰ کی تیسری بنیاد حدیث معراج ہے جس میں آتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر گئے تو یکے بعد دیگرے آسمان کھلتے جاتے تھے اور حضور اُن میں داخل ہوتے جاتے تھے اسی اثناء میں حضور نے دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰؑ اور اُن کے خالہ زاد بھائی حضرت یحییٰؑ کو دیکھا۔ ہمارے نزدیک اِس سند سے اس استدلال کی کمزوری ظاہر کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ اکثر شارحین حدیث نے معراج کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبیوں سے ملنا صرف رُوحانی قرار دیا ہے اور جسمانی ملاقات کی نفی کی ہے ملاحظہ ہو فتح الباری زاد المعاد وغیرہ۔ کتنی عجیب بات ہے کہ مفسّرین بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ میں رفع کے معنے حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر لے جانے کا استدلال حدیث معراج سے کرتے ہیں جبکہ ان میں سے ہی ایک گروہ حدیث معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عیسیٰؑ سے ملاقات کو جسمانی قرار دینے کیلئے آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ سے سند پکڑتا ہے گویا اس طرح جب وہ حدیث کی شرح کرنے لگتے ہیں تو اپنے مفہوم کے لئے آیت کو دلیل گردانتے ہیں اور جب آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو اپنے مفہوم کے لئے آیت پر حدیث کو دلیل بنا لیتے ہیں۔

ہم جب سورۃ آل عمران کی آیت إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ کو سورۃ نساء کی آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ سے ملاتے ہیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ مؤخر الذکر آیت میں پہلی آیت کے وعدہ کے ایفاء کی خبر دی گئی ہے اور یہ وعدہ وفات، رفع اور کفار کے الزامات سے تطہیر کا تھا۔ دوسری آیت (بل رفعه الله اليه) میں اگرچہ وفات اور تطہیر کا ذکر موجود نہیں صرف رفع الی اللہ کا بیان ہے لیکن ضروری ہے کہ اس آیت کی تفسیر کے وقت دونوں آیتوں کو اکٹھا کرنے کے لئے پہلی آیت میں مذکور جملہ امور کو ملحوظ رکھا جائے۔ پس معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو وفات دی اُن کا رفع فرمایا اور کفار سے انہیں تطہیر بخشی۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے إِنِّي مُتَوَفِّيكَ کی تفسیر میں متعدد معانی ذکر کئے ہیں۔ جن میں سے زیادہ واضح اور موزون تر یہ ہیں کہ اے عیسیٰ! میں تیری مدتِ حیات کو مکمل کرکے تجھے طبعی موت سے وفات دینے والا ہوں، تجھ پر اُن کو مسلط نہ ہونے دونگا جو تجھے قتل کردیں۔ یہ دشمنوں سے محفوظ رکھنے

اور اُن کے منصوبۂ قتل سے بچانے کے لئے کنایہ ہے کیونکہ خدا کے پوری عمر دینے اور طبعی عمر سے وفات دینے سے یہی لازم آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو رفع بعد وفات ہوتا ہے وہ مرتبہ کی بزرگی کے معنوں میں ہی ہوتا ہے نہ کہ جسم کا اٹھانا بالخصوص جبکہ رَافِعُكَ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قول وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بھی موجود ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر صرف حضرت مسیحؑ کے اعزاز و تکریم کا معاملہ مذکور ہے۔ لفظ رفع اِن معنوں میں قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے جیسا کہ آیاتِ ذیل سے ظاہر ہے:۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ + نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ + وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ + وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا + يَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا +

پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد رَافِعُكَ اِلَيَّ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں اسی مطلب کو ظاہر کیا ہے۔ جو عربوں کے قول لَحِقَ فُلَانٌ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى اور آیت اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا. نیز عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ میں بیان کیا گیا ہے۔ اِن تمام الفاظ سے بجز نگہداشت، نگرانی اور خدائی حفاظت میں داخل ہو جانے کے کچھ اور مُراد نہیں ہوتا۔ نامعلوم لفظ اِلَيْهِ سے آسمان کا لفظ کیسے نکال لیا گیا ہے۔ یقیناً یہ قرآن کریم کی واضح عبارت پر ظلم ہے اور محض اُن روایات اور قصّوں کو ماننے کی بناء پر یہ ظلم کیا گیا ہے جن کی یقینی صحت تو کُجا ظنّی صحت پر بھی کوئی دلیل یا آدھی دلیل بھی قائم نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں حضرت عیسیٰؑ محض ایک رسول تھے۔ ان سے پہلے رسول گذر چکے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی قوم نے اُن سے دشمنی کی اور ان کے متعلق ان کے بُرے ارادے ظاہر ہو گئے۔ تب وہ جملہ انبیاء و مرسلین کی سنّت کے مطابق ذاتِ باری کی طرف ملتجی ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے غلبہ و حکمت کے مطابق اُن کو دشمنوں کے ہاتھوں سے بچایا اور اُن کے منصوبہ کو ناکام کر دیا۔ یہی وہ امر ہے جو آیت قرآنیہ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ الخ میں مذکور ہوا ہے۔ اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی تدبیر کی نسبت اپنی تدبیر کے زیادہ مخفی ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ کہ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے تباہ کرنے کے لئے جو مکر کیا تھا اس خدائی تجویز کے سامنے جو حضرت عیسیٰؑ کی حفاظت کے لئے تھی ناکام ہو گیا۔ فرمایا اِذْ قَالَ اللّٰهُ

یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے مسیحؑ کو بشارت دی ہے کہ وہ دشمنوں کی تدبیر کو ناکام کر دے گا اور مسیحؑ کو اُن کے مکر سے بچائیگا۔ مسیحؑ کو پوری عمر دے گا یہاں تک کہ مسیحؑ قتل وصلب کے بغیر طبعی موت سے فوت ہوگا پھر خدا اس کا رفع کرے گا۔ یہ وہ مفہوم ہے جو ہر پڑھنے والے کو ان آیات سے سمجھ آتا ہے۔ جن میں حضرت عیسٰیؑ کے انجام کی خبر دی گئی ہے بشرطیکہ وہ پڑھنے والا خدا تعالیٰ کی اس سنّت سے واقف ہو جو وہ نبیوں کے ساتھ اختیار کرتا رہا ہے جبکہ اُن کے دشمن اُن پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ نیز اس قاری کا ذہن ان روایات سے بھی خالی ہو جو کسی صورت میں قرآن مجید پر حَکَم نہیں بن سکتیں۔

میری تو سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ حضرت عیسٰیؑ کو یہود کے درمیان سے چھین کر آسمان پر لے جانا مکر کیسے کہلا سکتا ہے! اور پھر اُسے اُن کی تدبیر سے بہتر تدبیر کیسے قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ اس کا مقابلہ کرنا یہود کی اور نہ کسی اَور کی طاقت میں ہے۔ یاد رکھیئے کہ لفظ مکر کا اطلاق اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ بات اسی طریق پر ہو اور عادت سے خارج نہ ہو۔ چنانچہ بالکل اسی طرح کی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وارد ہوئی ہے۔ فرمایا:۔

وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمَاكِرِیْنَ۔

خلاصہ بحث:۔ مندرجہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) قرآن مجید اور احادیث نبویؐ میں کوئی ایسی سند موجود نہیں ہے جو تسلّی بخش طریق پر اس عقیدہ کی بنیاد بن سکے کہ حضرت عیسٰیؑ اپنے جسم سمیت آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور وہ اب تک وہاں زندہ ہیں اور وہیں سے کسی وقت زمین پر نازل ہونگے۔

(۲) اس بارے میں آیات قرآنیہ صرف یہ ثابت کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰیؑ سے وعدہ فرمایا کہ وہ اُن کی مدّتِ عمر کو پورا کرے گا۔ اور پھر اس کا اپنی طرف رفع کرے گا اور اسے کافروں سے بچا لیگا۔ اور یہ کہ یہ وعدہ پورا ہو چکا۔ دشمن حضرت عیسٰیؑ کو نہ قتل کر سکے نہ صلیب سے مار سکے بلکہ اللہ نے انکی مدّت زندگی کو پورا کر کے اُن کو وفات دی اور اُن کا رفع کیا۔

(۳) یقیناً جو شخص حضرت عیسٰیؑ کے زندہ جسم سمیت آسمان پر جانے اور آج تک وہاں بیٹھے رہنے

اور آخری زمانہ میں اُترنے کا منکر ہے وہ کسی ایسی بات کا منکر نہیں جو کسی قطعی دلیل سے ثابت ہو پس ایسا شخص اپنے اسلام و ایمان سے ہرگز خارج نہیں ہوتا۔ اور اُس کو مرتد قرار دینا ہرگز مناسب نہیں بلکہ وہ پکا مومن مسلم ہے۔ جب وہ فوت ہوگا تو مومن ہوگا۔ اس کی نماز جنازہ اسی طرح پڑھی جائے گی جس طرح مومنوں کی پڑھی جاتی ہے اور اُسے مومنوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ اللہ کے نزدیک ایسے شخص کے ایمان میں کوئی داغ نہیں ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو جاننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

باقی رہا استفتاء میں مندرج آخری سوال کہ اگر حضرت عیسیٰؑ دوبارہ آئیں گے تو اُن کے منکر کا کیا حکم ہوگا؟ تو ہمارے مندرجہ بالا بیان کے بعد اس سوال کا کوئی موقعہ ہی نہیں اور یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

محمود شلتوت

فتویٰ کا ردِ عمل

اس فتویٰ کا منظرِ عام پر آنا ہی تھا کہ مصر کے قدامت پرست علماء نے علّامہ محمود شلتوت کے خلاف مخالفت کا زبردست طوفان کھڑا کر دیا اور اخبارات میں سبّ و شتم اور طعن و تشنیع سے بھرے ہوئے سخت اشتعال انگیز مضامین شائع کئے اور لکھا کہ یہ فتویٰ قادیانیوں کی موافقت میں ہے اور یہی وہ کامیاب ہتھیار ہے جس سے قادیانی ہمارے ساتھ مباحثات و مناظرات کرتے ہیں اور یہ فتویٰ قادیانیت کی عظیم الشان فتح ہے اس لئے ازہر کو چاہیئے کہ اس کو واپس لے لے۔

علماء مصر و ازہر نے اس فتویٰ پر کس قدر گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کیا؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے ذیل میں فضیلۃ الاستاذ الشیخ عبداللہ محمد الصدیق الغماری کے ایک مضمون کے بعض اہم اقتباسات[1] کا اردو ترجمہ دیا جاتا ہے۔ الشیخ محمد الصدیق الغماری نے لکھا:-

"ایک ہندوستانی عبدالکریم نامی نے ایک سوال مشائخ ازہر کے نام ارسال کیا جس میں یہ دریافت کیا گیا کہ آیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام از روئے قرآن کریم و حدیث زندہ ہیں یا وفات یافتہ۔

یہ اس سوال کا خلاصہ ہے۔ اگر سائل کا مقصد استفادہ اور استرشاد کا ہوتا تو وہ اس سوال کا جواب اُن ہندوستانی علماء کی کتب میں دیکھتا جو اس موضوع میں اردو اور عربی زبان میں تحریر کی گئی ہیں۔

---

[1] جناب شیخ نور احمد صاحب منیر مبلّغ بلادِ عربیہ کے ایک مفصّل مضمون (مطبوعہ الفضل ۵/۹ رفاء ۱۳۲۵ھش ۹/۵ رجولائی ۱۹۴۶ء) سے ماخوذ۔

لیکن یہ ہندوستانی اس سوال سے مستفید ہونا نہیں چاہتا تھا بلکہ وہ تو اس فتویٰ کو باقاعدہ قانونی طریقہ سے حاصل کرکے اپنے دعاوی کے اثبات میں بطور ایک دلیل اور سہارا بنانا چاہتا تھا۔ اس کا یہ حیلہ کارگر ہوگیا اور دنیا کے عجائبات میں سے ایک اعجوبہ ہوگیا ہے بلکہ یہ حیلہ اپنی نوع کے لحاظ سے اوّل نمبر پر ہے۔

یہ وہ اعجوبہ ہے جس سے ایک اندھے ہندوستانی نے ایک عالم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا کہ چنانچہ الرسالة والرواية کے ۴۶۲ صفحہ میں ایک فتویٰ شیخ محمود شلتوت کے دستخطوں سے شائع ہوا ہے جس کا عنوان "رفع عیسیٰ" ہے اور اس فتویٰ کا مضمون یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام حقیقی موت سے وفات پا چکے ہیں۔ اور آپ کا رفع آسمان کی طرف نہیں ہوا۔ اور نہ ہی وہ آخری زمانہ میں نزول فرمائیں گے۔ اور اس بارہ میں جتنی احادیث وارد ہیں وہ احاد کا درجہ رکھتی ہیں اور عقائد کے بارہ میں احاد کا کوئی درجہ نہیں۔ نیز یہ روایت وہب بن منبہ اور کعب الاحبار کی ہے اور ان دونوں کا درجہ محدثین کے نزدیک معروف ہے یعنی غیر مقبولین اور غیر ثقتین۔

یہ وہ فتویٰ ہے جس نے امت محمدیہ کے اجماع کو پاش پاش کر دیا ہے اور احادیث متواترہ کے خلاف ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فتویٰ اس وجہ سے ایک بہت بڑی مصیبت اور ایک اہم واقعہ ہے۔ اس فتویٰ میں پہلی غلطی تو یہ ہے کہ اس کا دینے والا جلد باز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جب قاری اس فتویٰ اور غیر مصر کے علماء کی تحقیق کے درمیان موازنہ کرے گا تو وہ مندرجہ ذیل امور پر پہنچیگا کہ جامعہ ازہر کو علم حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ نتیجہ اس سے نکلتا ہے کہ مفتی نے دعویٰ کیا ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی حدیث احاد میں سے ہے۔ دوسرے اُسے اس حدیث کی صحت میں شک ہے جو کہ بخاری شریف اور مسلم میں موجود ہے۔ سوم وہ مفتی کہتا ہے کہ حدیث نزول وہب اور کعب سے مروی ہے۔ چہارم اس کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ دونوں راوی ضعیف ہیں۔ حالانکہ ان کی احادیث صحیح ہیں۔ اور پنجم یہ کہ احادیث نزول میں اضطراب پایا جاتا ہے۔

دوم۔ ازہر میں کوئی ایسا فرد نہیں پایا جاتا جو اجماع اور خلاف کے مواقع کو جانتا ہو کیونکہ مفتی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور نزول سے انکار کیا ہے۔ دوم یہ کہ احاد احادیث عقائد اور مغیبات میں عمل نہیں ہوتا۔ یہ وہ امور ہیں جو قاری کے ذہن میں موازنہ کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس فتویٰ کو ازہر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ ازہر کے علماء کبار میں سے

ایک عالم نے یہ فتویٰ دیا ہے۔ اور لوگ آجکل ظاہری حالات کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور وہ جزو کو کُل پر محمول کرتے ہیں چاہے وہ صحیح امر کے خلاف ہی ہو۔

قادیانی جماعت نے اس فتویٰ کو اپنے لئے بطور ایک دلیل اور ہتھیار اختیار کر لیا ہے اور اس فتویٰ کو لے کر وہ مسلمانوں کے پاس جاکر ان کو بیوقوف بناتے اور اُن کے خیال کو خطا پر محمول کرتے ہیں اور وہ خوش اور مسرور ہیں اور وہ کامیاب اور فخرمند لہجہ میں کہتے ہیں هٰذَا هُوَ الْاَزْهَرُ مُوَافِقُنَا وَ مُخَالِفُكُمْ فَلَيْسَ عِيْسٰى بِحَيٍّ وَلَا هُوَ مَرْفُوْعٌ وَلَا هُوَ نَازِلٌ كَمَا تَزْعَمُوْنَ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ۔

یہ وہ جامعہ ازہر کا فتویٰ ہے جو ہماری تائید میں ہے اور تمہارے مخالف۔ پس عیسیٰ علیہ السلام نہ تو زندہ ہیں اور نہ ہی انکو آسمان پر اُٹھایا گیا ہے اور نہ ہی وہ تمہارے گمان اور خیال کے مطابق آسمان سے نزول فرمائیں گے تم کس خیال میں گھوم رہے ہو ....

ہم نے اس فتویٰ اور ان حالات کو چشم دید دیکھا اور حضرت مفتی صاحب سے کہدیا جو کچھ اس فتوے کے متعلق سُنا اور دیکھا اور اس کی وجہ سے جو کچھ ہوا اور جو آئندہ ہوگا اس کا بھی ذکر کیا مگر مفتی صاحب نے اس کا یہ جواب دیا اَنَا اَبْدَیْتُ رَاْیِیْ وَلَا یَضُرُّنِیْ اَنْ اُوَافِقَ الْقَادِیَانِیَّةَ اَوْ غَیْرَھُمْ ۔ یعنی میں نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے قادیانی جماعت یا غیر کی تائید مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتی ....

اسی سلسلہ میں یہ بھی لکھا :- بعض اوقات مصلحت عامہ اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ بعض آراء کو ظاہر نہ کیا جائے اور ان کو زاویۂ خمول اور طاقِ نسیان میں رکھ دیا جائے۔ حضرت مفتی صاحب عالم مریخ میں زندگی بسر نہیں کرتے کہ اُن کے متعلق یہ خیال کیا جائے کہ ان کو زمانہ کے حالات کا علم نہیں۔ سرزمین ہند میں ایک گروہ جو قادیانی فرقہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس کی بحث اور کلام کا نکتۂ مرکزی موتِ عیسیٰؑ اور عدم رفع ہے۔ اس جماعت نے اپنے مبلغین ترکی البانیہ۔ شام۔ مصر۔ امریکہ اور انگلستان وغیرہ میں بھیجے ہوئے ہیں ....

.... مفتی صاحب پر یہ واجب تھا کہ وہ اس گروہ کی مخالفت کرکے خدا کا قرب حاصل کرتے اور مسلمانوں کی تائید کرتے۔ اگر وہ اس خیال سے بھی نہ کرتے تو کم از کم اُن علماء کبار کی

تائید کرتے جنہوں نے اپنی زندگی ان قادیانیوں کے دفاع کی خاطر وقف کر رکھی ہے ۔

اے مفتی : تجھے تیرے رب کی ہی قسم ہے دیکھ کہ ہمارے ان ہندوستانی علماء بھائیوں کی کیا حالت ہوگی جنہوں نے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کو ، احادیث سے اور حیات عیسیٰ و رفع عیسیٰ کو ثابت کردیا .... جب ان کو قادیانی جماعت کے ذریعہ سے یہ اطلاع ہوگی کہ ازہر اُن کی مخالفت کرتا ہے اور اس کی رائے ہے کہ ان مسائل میں نہ تو کوئی دلیل ہے اور نہ شبہ دلیل ۔خدا کی قسم میں تجھ سے پھر پوچھتا ہوں کہ وہ کیا کہیں گے ؟ اور اُن کی کیا حالت ہوگی ؛ مجھے یقین ہے کہ علماءِ ہند دو احتمالوں میں مبتلا ہو جائیں گے اور وہ دونوں ہی عار کا باعث ہیں ۔ یا تو وہ یہ کہیں گے کہ ازہر علماء سے خالی ہو چکا ہے ۔ یا وہ کتبِ ستّہ یعنی صحاح ستّہ اور کتب تفاسیر اور اُن کی احادیث کی کتب سے جو کہ اہل علم کے درمیان متداول ہیں اُن سے ناواقف ہیں ۔ یا وہ اس امر کا اظہار کریں گے کہ علماءِ ازہر میں دینی جرأت نہیں ہے جو کہ خصوصًا ایک مومن کے شامل حال ہونی چاہیئے ۔ چاہے وہ پہلی رائے کا اظہار کریں یا دوسری کا جامعہ ازہر کا رُتبہ اُن کی آنکھوں سے گر جائے گا ۔ اور قلوب سے تعظیم جاتی رہے گی اور علمائے ازہر کے متعلق وہ شاعر کا یہ قول پڑھیں گے ؎

وَاِخْوَانًا حَسِبْتُمُوْا دُرُوْعًا　　فَكَانُوْهَا، وَلٰكِنْ لِلْاَعَادِيْ

اور کئی بھائی ہیں جن کو میں نے اپنے لئے زرہ یعنی بچاؤ کا ذریعہ خیال کیا تھا ۔ بے شک وہ آفات و مصائب سے بچانے کے لئے زرہیں تھیں لیکن حقیقت میں دشمنوں نے اُن سے فائدہ اٹھایا ۔[1]

الشیخ نے علامہ شلتوت کو وفاتِ مسیح علیہ السلام کا صاف صاف اقرار کرنے کی پاداش میں بُرا بھلا کہنے کے علاوہ ان کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا :-

(۱) استاذ شلتوت نے اپنی رائے کے اظہار میں غلطی کی ہے ۔ مفتی کو چاہیئے کہ وہ قواعدِ افتاء اور اصول سے کماحقّہٗ واقف ہو ۔ انہیں چاہیئے تھا کہ وہ از روئے علم غور سے دیکھتے اس معاملہ میں جو اُن کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اور وہ مستفتی (فتویٰ دریافت کرنے والے) کے

[1] بحوالہ الفضل ، ربوہ ، ۲۵ ۱۳ ، (۸ ، جولائی ۱۹۴۶ء) صفحہ ۴ : ۵ ۔

احوال کا خیال رکھتے ہوئے فتوٰی دیتے ۔ نیز یہ خیال کرتے کہ اس سوال کا مقصد کیا تھا ۔ کیونکہ بعض اوقات مفتی کے سامنے ایسا واقعہ پیش کرنے سے یہ غرض ہوتی ہے کہ اُسے فتنہ برپا کرنے میں بطور جواب استعمال کیا جائے ۔ اس لئے مفتی کو چاہیئے کہ وہ بیدار اور روشن بصیرت ہو اور سوال کے مطابق جواب دے جیسے علماء سابقین کیا کرتے تھے ...."

یہ فتوے ہمارے ایک ہندوستانی احمدی بھائی بابو عبدالکریم صاحب یوسف زئی نے دریافت کیا تھا اُن کے متعلق شیخ الغماری نے تحریر کیا :-

" ایک ہندوستانی فوجی جو کہ چوبیس گھنٹے موت کے مُنہ کے سامنے کھڑا ہے اور وہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ محتاج ہے کہ وہ احکام توبہ پر عمل کرے اور مظالم سے خلاصی کا طریقہ معلوم کرے اور حقوق اللہ والعباد کا علم حاصل کرے ۔ کیونکہ ان حالات میں اسے ان باتوں کی معرفت زیادہ ضروری ہے لیکن اُسے کیا سوجھتا ہے ؟ یہ کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں ، وہ آسمان سے نزول فرمائیں گے یا نہیں ؟ اُسے یہ کیا خیال آیا اور ان سوالات سے اُسے کیا تعلّق ؟ کیا اس نے تمام عقائد سے واقفیت حاصل کر لی ہے ۔ اور اُس کے لئے سوائے اس عقیدہ کی تحقیق کے کوئی چیز باقی نہیں رہی ؟ کیا اُس نے ہر واجب علم حاصل کر لیا ہے ؟ کیا احکام الصلوٰۃ والصوم کو اُس نے معلوم کر لیا ؟ اور سمجھ لیا ہے ؟ اگر فاضل استاذ جلدی نہ کرتے اور ان سوالوں پر غور کرتے تو وہ حقیقی راز معلوم کر لیتے جس کی وجہ سے یہ امر دریافت کیا گیا تھا اور پھر اس کو درست جواب دیتے لیکن علّامہ شلتوت نے ان امور پر غور نہ کیا اور جلدی سے جواب دیکر ایک بہت بڑی مصیبت خرید لی ہے۔"[۵]

علّامہ محمود شلتوت کی طرف سے علماء کو مدلّل اور مسکت جواب

الغرض الشیخ عبداللہ محمد الصدیق الغماری اور دوسرے مصری علماء نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ علّامہ شلتوت فتوٰی وفات مسیح واپس لے لیں مگر علّامہ موصوف نے قرآن و حدیث کو چھوڑ کر نام نہاد علماء کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے صاف انکار کر دیا

---

۵ الفضل ۹ ر وفا ۱۳۲۵ہش (۹ر جولائی ۱۹۴۶ء) صفحہ ۴ +

اور خم ٹھوک کر میدانِ مقابلہ میں آگئے اور "الرسالۃ والروایۃ" کی پانچ اشاعتوں[۵۱] میں مخالفین کے چھوٹے بڑے سب اعتراضات کے عالمانہ رنگ اور شستہ اور پاکیزہ زبان میں نہایت درجہ مدلّل اور مسکت جوابات[۵۲] دیئے جن سے مسئلہ وفاتِ مسیح کے تمام پہلو بالکل نمایاں ہو کر سامنے آگئے۔

کتاب "الفتاویٰ" میں اشاعت

علّامہ محمود شلتوت نے ایک عرصہ بعد اپنا یہ مکمل فتویٰ اور اس پر اعتراضات کے جوابات کا ملخص اپنی مشہور کتاب "الفتاویٰ"[۵۲] میں بھی چھاپ دیا۔ یہ کتاب قاہرہ کے مشہور ادارہ "الادارۃ العامۃ للثقافۃ الاسلامیۃ" نے جمادی الآخرہ ۱۳۷۹ھ (دسمبر ۱۹۵۹ء) میں شائع کی جبکہ علّامہ محمود شلتوت شیخ الازہر (RECTOR OF AL-AZHAR UNIVERSITY CAIRO) کے منصب جلیلہ پر فائز تھے۔ اس طرح اس فتویٰ کو[۵۳] مصری حکومت کے مفتی اعظم کے سرکاری فتویٰ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

فصل دوم

قادیان کے غرباء کے لئے غلّہ کی تحریک اور اُس کا شاندار اثر

اس سال کے شروع میں ہندوستان کے اندر خطرناک قحط رونما ہو گیا اور غلّہ کی سخت قلت ہو گئی۔ اس ہولناک قحط کے آثار ماہ صلح ۱۳۲۱ھش/فروری ۱۹۴۲ء میں شروع ہو گئے تھے لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جنہیں خدائی بشارتوں میں "یوسف" کے نام سے بھی پکارا گیا تھا سالانہ جلسہ ۱۳۲۰ھش/۱۹۴۱ء پر احباب جماعت کو توجہ دلائی کہ انہیں غلّہ وغیرہ کا انتظام کرنا چاہیئے اور اعلان فرمایا کہ جو دوست غلّہ خرید سکتے ہیں وہ فوراً خرید لیں۔ بعض نے خریدا مگر بعض نے توجہ نہ دی کہ ہمارے پاس پیسے ہیں جب چاہیں گے لے لیں گے۔ مگر جب آٹا وغیرہ ملنا بند ہوا اور سیاہ دانوں کی گندم ڈیوڑھی دی

---

۵۱ ملاحظہ ہو الرسالۃ جلد ۱۱ شمارہ ۵۱۴ و ۵۱۶ و ۵۱۷ و ۵۱۸ و ۵۱۹ (ایضاً "الفتاویٰ" صفحہ ۵۹-۷۵ ناشر "الادارۃ العامۃ للثقافۃ الاسلامیہ" جمادی الآخرہ ۱۳۷۹ھ (دسمبر ۱۹۵۹ء) ۵۲ علّامہ محمود شلتوت نے یہ کتاب شیخ نور احمد صاحب منیر مبلّغ بلادِ عربیہ کو بطور تحفہ دی تھی جو آج تک ان کے پاس موجود ہے۔ ۵۳ "مجلۃ الازہر" فروری ۱۹۶۰ء میں بھی یہ فتویٰ انگریزی زبان میں چھپ چکا ہے جس کا اردو ترجمہ مہتمم نشر و اشاعت صدر انجمن احمدیہ ربوہ (پاکستان) نے "رفع عیسیٰ علیہ السلام" کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

جانے لگی تو انکو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس کے بعد جب فصل نکلی تو حضور نے پھر ارشاد فرمایا کہ دوست غلّہ جمع کر لیں۔ اور ساتھ ہی زمیندار دوستوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ غلّہ زیادہ پیدا کریں اور اسے حتی الوسع جمع رکھیں[۱]۔ اس ضمن میں حضور نے ۲۲ ہجرت ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء کو ملک کی سب احمدی جماعتوں کو نصیحت فرمائی کہ وہ ہر جگہ اپنے غریب احمدی بھائیوں کے لئے غلّہ کا انتظام کریں۔ نیز خاص طور پر یہ تحریک فرمائی کہ قادیان کے غرباء کے لئے زکوٰۃ کے رنگ میں اپنے غلّہ میں سے چالیسواں حصّہ بطور چندہ ادا کریں۔ اور جو لوگ غلّہ نہ دے سکیں وہ رقم بھجوا دیں کہ ہماری طرف سے اتنا غلّہ غرباء کو دے دیا جائے۔ مقصود یہ تھا کہ غرباء کو کم از کم اتنی مقدار میں تو گندم مہیّا کر دی جائے کہ وہ سال کے آخری پانچ مہینوں[۲] میں جو گندم کی کمی کے مہینے ہوتے ہیں بآسانی گذارہ کر سکیں۔ اور تنگی اور مصیبت کے وقت انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ اس غرض کے لئے حضور نے پانچسو من غلّے کا مطالبہ جماعت سے فرمایا۔ اور اس میں سے بھی پچاس من خود دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ فرمایا:۔

"مومنوں کے متعلق قرآن کریم میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ وہ بھوک اور تنگی کے وقت غرباء کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں اور درحقیقت ایمان کے لحاظ سے یہی مقام ہے جس کے حاصل کرنے کی ہر مومن کو کوشش کرنی چاہیئے۔ مگر موجودہ زمانہ میں ہمیں وہ نمونہ دکھانے کا موقعہ نہیں ملتا جو صحابہ نے مدینہ میں دکھایا۔ اس لئے ہمیں کم سے کم اس موقعہ پر غرباء کی مدد کر کے اپنے اس فرض کو ادا کرنا چاہیئے جو اسلام کی طرف سے ہم پر عائد کیا گیا ہے۔ اور اگر ہم کوشش کریں تو اس مطالبہ کو پورا کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ پانچسو من غلّے کا اندازہ بھی درحقیقت کم ہے۔ اور یہ بھی سارے سال کا اندازہ نہیں بلکہ آخری پانچ مہینوں کا اندازہ ہے جبکہ قحط کا خطرہ ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آئندہ فصل اچھی کر دے اور جوار وغیرہ نکل آنے کی وجہ سے گندم سستی ہو جائے۔ بہرحال ہم میں سے ہر ایک کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کے غریب بندے خدا تعالیٰ کے رزق کے ہم سے کم حصہ دار نہیں۔ خدا کی نامعلوم کس حکمت نے ہم کو رزق دے دیا اور اُن کو نہیں دیا شاید خدا تعالیٰ کو ہمارا امتحان منظور ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ ہم اس رزق کو کس طرح استعمال

---

[۱] تقریر فرمودہ جلسہ سالانہ ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء (مطبوعہ الفضل ۲۸ تبلیغ ۱۳۲۴ھش/فروری ۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۴) [۲] یعنی دسمبر سے اپریل تک کے مہینے۔

کرتے ہیں یا شاید بعض کے لئے اس میں سزا کا کوئی پہلو مخفی ہو۔ یا شاید اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں ثواب دینا چاہتا ہو کہ چونکہ ان کو رزق نہیں ملا اسلئے تم ان کو رزق دے کر اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرو۔ نامعلوم ان تینوں باتوں سے کونسی بات اللہ تعالیٰ کے مدّنظر ہے۔ لیکن بہرحال یہ یقینی بات ہے کہ غریب بندے خدا تعالیٰ کے رزق میں ہم سے کم حصہ دار نہیں اور ہم میں سے کوئی فرد ایسا نہیں جو بشر ہونے کے لحاظ سے ایک غریب پر فوقیت رکھتا ہو۔ بلکہ بشر ہونے کے لحاظ سے نبی اور کافر بھی برابر ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں بار بار اللہ تعالیٰ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے۔ قُلْ مَا اَنَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ یعنی اے رسول! کہدے۔ ابوجہل سے کہدے، عتبہ سے کہدے، شیبہ سے کہدے کہ بشر ہونے کے لحاظ سے مَیں تمہاری طرح ہی ہوں اور مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں۔ اگر فرق ہے تو یہ کہ مَیں نے خدا تعالیٰ کے قرب کو پا لیا اور تم نے اس کا انکار کرکے اُسے ناراض کر دیا۔ اگر تم بھی نیکی اور تقویٰ اختیار کرو اور تم بھی قربانیوں میں حصہ لو۔ تو اللہ تعالیٰ تم کو بھی ویسا ہی محبوب بنا سکتا ہے جیسے اس نے اور لوگوں کو بنایا۔ آخر خدا نے ابوجہل کو ابوجہل اور ابوبکرؓ کو ابوبکرؓ اسلئے بنایا کہ ابوبکرؓ نے اپنی بشریت کا صحیح استعمال کیا۔ ابوجہل نے صحیح استعمال نہ کیا۔ اگر ابوجہل بھی اپنی بشریت کا صحیح استعمال کرتا تو وہ بھی ابوبکرؓ بن جاتا۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں جن کے ماتحت وہ کسی کو رزق دے دیتا ہے اور کسی کو نہیں دیتا۔ یہ بات غلط ہے کہ اگر کوئی عالِم ہو تو اسے رزق مل جاتا ہے اور اگر عالِم نہ ہو تو رزق نہیں ملتا۔ ہزاروں انٹرنس پاس ہیں جو چار چار سو پانچ پانچ سو روپیہ تنخواہ لے رہے ہیں اور ہزاروں بی۔ اے اور ایم۔ اے ہیں جنہیں بیس بیس تیس تیس روپے کی بھی نوکری نہیں ملتی اور اگر ملتی ہے تو عارضی طور پر۔ پس یہ کوئی خدا کی مشیت ہے جس کے ماتحت وہ اپنے بندوں کا امتحان لیتا رہتا ہے۔ ہر شخص کو کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ اس امتحان میں کامیاب ہو۔[1]

---

[1] الفضل ۳۰ ہجرت ۱۳۲۱ ہش (۳۰ مئی ۱۹۴۲ء) صفحہ ۷، ۸

غلّہ کی تحریک کی دو اہم اغراض حضور کے مدنظر اس اہم تحریک کی دو اغراض تھیں۔ جن کی حضور نے خود ہی وضاحت فرمائی کہ:-

"اس اعلان کے کرنے میں میری دو غرضیں ہیں .... ایک تو یہ کہ قرآن کریم نے خرچ کرنے کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں۔ اُن اقسام میں سے ایک قسم خرچ کی اپنے دوستوں اپنے رشتہ داروں اور اپنے بھائیوں کی امداد ہے.... مگر یہ اخراجات ان معنوں میں صدقہ نہیں کہلاتے جن معنوں میں غرباء کو روپیہ دینا صدقہ کہلاتا ہے۔ عربی زبان میں صدقہ کا مفہوم بہت وسیع ہے اور اس میں صرف اتنی بات داخل ہے کہ اپنے اس خرچ کے ذریعہ سے اس تعلق کا ثبوت دیا جائے جو انسان کو اپنے پیدا کرنے والے سے ہے۔ صدقہ کے معنے خداتعالیٰ سے اپنے سچے تعلق کا اظہار ہے........ تو صدقہ کی کئی اقسام ہیں اور لوگ عام طور پر قرآنی صدقہ کی بہت سی قسموں سے غافل ہوتے ہیں۔ پس اس تحریک سے میرا ایک مطلب تو یہ ہے کہ عربی زبان میں صدقہ کا جو مفہوم ہے وہ بھی پورا کرنے کا دوستوں کو موقعہ مل جائے اور یہ مفہوم یہ نہیں کہ ردّ بلا کے لئے خرچ کیا جائے بلکہ یہ ہے کہ خداتعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خرچ کیا جائے۔ پس میرا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جن دوستوں کو پہلے ایسا خرچ کرنے کا موقعہ نہیں ملا انہیں اس کا موقع مل جائے اور نیکی کا یہ خانہ خالی نہ رہے۔

دوسری غرض میری یہ ہے کہ ہماری جماعت میں جہاں بھی اور باہر بھی بعض سادات قابلِ امداد ہیں اور سادات کو معروف صدقہ دینا منع ہے۔ پس اگر یہ انہی معنوں میں صدقہ کی نیت سے دیا جائے جو ہمارے ملک میں اس کا مفہوم ہے تو اس سے ہم سادات کی مدد نہیں کر سکتے۔ ہاں ہدیہ اور تحفہ سے ان کی مدد بھی کر سکتے ہیں۔ تحفہ انسان ماں باپ بھائی بہن بیوی بچوں دوستوں رشتہ داروں غرضیکہ سب کو دے سکتا ہے۔ پس میری یہ دو اغراض ہیں جن کی وجہ سے مَیں نے کہا ہے کہ جو دوست میری اس تحریک میں حصہ لیں وہ صدقہ کی نیت نہ کریں"[1]

اس اہم تحریک پر قادیان میں سب سے پہلے مولوی ملک سیف الرحمٰن صاحب، مولوی عبدالکریم صاحب (ابن حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ) اور میاں مجید احمد صاحب ڈرائیور نے وعدے بھجوائے جس پر

[1] الفضل ۵ احسان ۱۳۲۱ھش / جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۱، ۲ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ ہجرت ۱۳۲۱ھش / مئی ۱۹۴۲ء)۔

حضور نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے تحریر فرمایا :-

"آج (۲۲رمئی) مَیں نے خطبہ جمعہ میں اس امر کی تحریک کی ہے کہ قادیان کے غرباء کے لئے بھی غلّہ کا انتظام کیا جائے تاکہ جن دنوں میں غلّہ کم ہو انہیں تکلیف نہ ہو۔ پانچسو من غلّہ کے لئے مَیں نے جماعت سے مطالبہ کیا ہے۔ قادیان سے باہر میری کچھ زمین ہے وہ بٹائی پر دی ہوئی ہے کچھ گرو ہے جو پھر واپس مقاطعہ پر لی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس دفعہ فصل ماری گئی ہے اس کا مقاطعہ اور گورنمنٹ کا معاملہ اور اوپر کے اخراجات ادا کرکے کوئی پچاس من غلّہ بچتا ہے۔ وہ سب مَیں نے اس تحریک میں دے دیا ہے۔ اس کے علاوہ اس وقت تک مندرجہ ذیل وعدے آئے ہیں :-

مولوی سیف الرحمٰن صاحب ۱۶ سیر غلّہ۔ مولوی عبدالکریم صاحب خلف مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم ایک من

میاں مجید احمد صاحب ڈرائیور ایک من

خدا کی قدرت ہے کہ سب سے پہلے لبیک کہنے کی توفیق اُن کو ملی ہے جو خود غریب ہیں۔ شاید تبھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی وروحی) نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے غرباء میں شامل کرے۔ اس تحریک میں چندہ غلّہ کی صورت میں لیا جائے گا۔ یعنی گو بھیجنے والا روپیہ ارسال کرے مگر اس کا وعدہ غلّہ کی صورت میں ہونا چاہیئے۔ اس کے روپیہ وعدہ کے مطابق غلّہ خرید دیا جائیگا۔ لمبا وعدہ کوئی صاحب نہ کریں۔ جو ایک مہینہ کے اندر غلّہ دے سکیں وہی وعدہ کریں۔

خاکسار مرزا محمود احمد (۲۲رمئی)"[۱]

بیرونی جماعتوں میں سب سے پہلے وعدے بھجوانے والی جماعت لائل پور تھی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ۲۹ ہجرت ۱۳۲۱ھش (۲۹رمئی ۱۹۴۲ء) کے خطبہ جمعہ میں فرمایا :-

"باہر کی جماعتوں میں سے سب سے بڑھ کر حصہ لینے والی اور اوّل نمبر حاصل کرنے والی لائلپور کی جماعت ہے۔ اس جماعت نے سب سے پہلے اور فوری طور پر اور جماعتی رنگ میں اپنا وعدہ بھجوایا۔ اس کے سوا باہر کی کوئی ایسی جماعت نہیں جس نے اس وقت تک جماعتی طور پر حصہ لیا ہو

---

[۱] الفضل ۲۴ ہجرت ۱۳۲۱ھش (۲۴رمئی ۱۹۴۲ء) صفحہ ۲

گو یہ جماعت چھوٹی ہے اور اس لحاظ سے اس نے حصہ بھی تھوڑا ہی لیا ہے اور خطبہ شائع ہونے سے بھی پہلے لیا ہے اور اجتماعی رنگ میں لیا ہے اور اس وجہ سے وہ بیرونی جماعتوں میں سے اوّل نمبر نے گئی ہے سوائے اُن جماعتوں کے جن تک ابھی یہ اطلاع نہیں پہنچی اور نہ پہنچ سکتی تھی"۔[۱]

یہ تو صرف اوّلیت کا شرف پانے والے افراد کا تذکرہ کیا گیا ہے ورنہ قادیان اور قادیان سے باہر دوسری مخلص احمدی جماعتوں نے اس تحریک پر جس والہانہ انداز میں لبیک کہا۔ اس کا نظارہ ہمیں سلسلۂ ماموریں کے سوا کہیں نظر نہیں آتا۔ اُن سے مطالبہ صرف پانچسو من غلہ کا کیا گیا تھا مگر انہوں نے پندرہ سو من جمع کر دیا[۲] جس پر حضرت امیرالمومنینؓ نے اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مَیں نے تحریک کی تھی کہ غرباء کے لئے بھی دوست بطور امداد غلّہ جمع کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے قادیان کے غرباء کو پندرہ سو من گندم جو ان کی پانچ ماہ کی خوراک ہے تقسیم کی گئی اور انہیں ہدایت کی گئی کہ وہ اسے آخری پانچ ماہ کے لئے محفوظ رکھیں۔ اور خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ قحط بھی عین اسی وقت شروع ہوا۔ مَیں نے کہا تھا کہ جن لوگوں کو یہ گندم مہیا کی گئی ہے وہ اسے دسمبر میں کھانا شروع کریں۔ اور قحط بھی دسمبر میں ہی شروع ہوا ہے۔ یہ بھی نظام کی ایک ایسی خوبی ظاہر ہوئی ہے کہ ساری دنیا میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ کہ ہر غریب کے گھر میں پانچ ماہ کا غلّہ جمع کر دیا گیا"۔[۳]

قادیان کی دوسری احمدی آبادی کیلئے غلّہ کا انتظام اور مخلصین کا شاندار نمونہ۔

یہ تو غرباء کی بات ہے جہاں تک قادیان کی دوسری احمدی آبادی کا تعلق تھا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر صدر انجمن احمدیہ کے کارکنوں کو غلّہ کے لئے پیشگی رقم دے دی گئی تھی اور جو احمدی از خود غلّہ خرید سکتے تھے انہوں نے ذاتی کوشش سے خرید لیا مگر بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے استطاعت کے باوجود بر وقت غلّہ کا انتظام نہ کیا اور غفلت کا ثبوت دیا۔ ایسے لوگوں کے لئے بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہدایت اور بیرونی جماعتوں کے تعاون سے گندم کا انتہائی تسلّی بخش انتظام کر دیا گیا جس کی تفصیل خود حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کی زبانِ مبارک سے بیان کی جاتی ہے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

---

[۱] الفضل ۵ / احسان ۱۳۲۱ہش / جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۱ ۔ [۲] الفضل ۲ / فتح ۱۳۲۱ہش / دسمبر ۱۹۴۲ء ۔ [۳] الفضل ۲۸ / تبلیغ ۱۳۲۴ہش / فروری ۱۹۴۵ء صفحہ ۴

باہر کے بعض لوگوں نے اس موقعہ پر قادیان والوں کی مدد کی ہے اور انہوں نے میری ہدایت پر نہایت اخلاص سے عمل کیا ہے۔ چنانچہ مَیں اُس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں جس کی کوئی اور نظیر مجھے ساری جماعت میں نہیں ملی۔ اور وہ چوہدری عبداللہ خان صاحب داتہ زید کا والوں کی مثال ہے۔ انہوں نے گذشتہ سال شروع میں ہی اپنی ضرورت سے زائد گندم محفوظ کر لی۔ تاکہ اگر قادیان والوں کو دَوران سال میں ضرورت پیش آجائے تو وہ دے سکیں۔ چنانچہ اس کے بعد جب گندم کی قیمتیں بہت زیادہ چڑھ رہی تھیں انہوں نے گورنمنٹ کے مقرر کردہ ریٹ پر اڑھائی سومن غلہ ہمیں مہیا کر دیا۔ حالانکہ اگر وہ چاہتے تو اس سے پہلے چھ بلکہ سات روپے پر منڈی میں اسے فروخت کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے غلّے کو روکے رکھا اور جلسہ سالانہ پر مجھ سے کہا کہ ہم نے آج تک اپنے غلّہ کو اس لئے روک رکھا ہے کہ اگر قادیان والوں کو ضرورت ہو تو ہم انہیں دے دیں۔ تم خود سوچ لو کہ ایک زمیندار کی یہ کس قدر قربانی ہے کہ وہ اپنے غلّہ کو اچھے داموں پر فروخت نہیں کرتا محض اس لئے کہ اگر قادیان والوں کو ضرورت پیش آگئی تو ان کا کیا انتظام ہوگا۔ غرض یہ ایک ایسے اخلاص کی مثال ہے جس کے مقابلہ میں اس معاملہ میں مجھے کوئی دوسری مثال اپنی جماعت میں سے نہیں ملی گو ایسی جماعت میں جو خدا تعالیٰ کی جماعت ہو اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہونی چاہئیں۔ بعض جماعتوں نے بے شک ایسا نمونہ دکھایا۔ چنانچہ قادیان میں جب غلّہ کی سخت قلّت ہوگئی تو سرگودھا کی جماعت نے تمام جماعتوں سے بڑھ کر غلّہ مہیا کر کے دیا۔ مگر یہ ایک جماعت کی مثال ہے اور چوہدری عبداللہ خان صاحب کی مثال ایک فرد کی ہے۔ سرگودھا کی جماعت نے اس موقعہ پر ہمیں ۸۲۲ من غلّہ مہیا کر کے دیا۔ اسی طرح شیخوپورہ کے ضلع والوں نے تقریباً ۸۰ من غلّہ دیا۔ بعض اور دوستوں نے بھی اپنے طور پر بعض واقف غیر احمدیوں سے غلّہ لے کر بھجوایا۔ ضلع منٹگمری کی طرف سے ۱۴۴ من غلّہ پہنچا۔ اور اسی طرح ان سب جماعتوں نے اپنے اپنے درجہ کے مطابق اخلاص اور محبّت کا ثبوت دیا۔ بہرحال ان دنوں میں اپنی ضرورت پوری کرنے کیلئے قادیان والوں کو جو سہولتیں میسّر آسکتی تھیں وہ باہر کی جماعتوں کی قربانی کی وجہ سے میسّر آگئیں۔ بیرونی شہروں میں ان دنوں غلّہ کی قلّت کی وجہ سے لوگوں کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ جو لوگ اخبارات پڑھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ لوگوں کو آٹے کیلئے سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔ "انقلاب" اخبار میں بھی کئی دفعہ یہ بات

چھپی ہے کہ تھوڑے سے آٹے کے لئے لوگوں کو کئی کئی گھنٹے ڈپو کے سامنے کھڑے رہنا پڑتا تھا۔
مگر قادیان میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسا کوئی دن نہیں آیا جب کسی شخص کو آٹے کے لئے اس قدر تکلیف ہوئی ہو۔ سوائے اس کے کہ کسی نے بہت ہی نادانی کر کے اپنے حق کو زائل کر دیا ہو کیونکہ یہاں یا تو لوگوں کو غلّہ کے لئے قرض روپے دے دیئے گئے تھے یا غرباء میں غلّہ مفت تقسیم کر دیا گیا تھا۔ یا پھر باہر کی جماعتوں نے قادیان والوں کے لئے غلّہ مہیا کر دیا تھا جو قادیان والوں کو باہر کے ریٹوں سے بہت سستا دیا جا رہا تھا۔ جب باہر سوا چھ اور سات روپے گندم کا بھاؤ تھا ہم قادیان میں سوا پانچ روپے پر دیتے رہے اور جب باہر آٹھ اور نو روپیہ ریٹ تھا ہم سات روپیہ پر دیتے رہے اور جب باہر گندم سولہ روپے پر بک رہی تھی ہم نے جو انتظام کیا اُس کے مطابق قادیان والوں کو آٹھ روپے پر گندم ملتی رہی۔ گویا باہر کے بھاؤ میں اور اُس بھاؤ میں جس پر ہم نے قادیان میں گندم دی دو گنا فرق تھا۔ اس وقت بھی ہمارے پاس کچھ گندم باقی تھی مگر باوجود اس کے کہ اس وقت امرتسر میں ساڑھے نو اور دس روپیہ قیمت ہے میں نے دفتر والوں سے کہا اعلان کر دو کہ جن لوگوں نے روپیہ جمع کرا دیا ہوا ہے وہ آٹھ روپیہ کے حساب سے گندم لے لیں اور وہ نہ لیں تو دوسروں کو اسی قیمت پر گندم دیں۔
درحقیقت یہ قیمت بھی اس لئے مقرر کرنی پڑی کہ جب گندم بہت گراں ہو گئی تو اس وقت بعض جگہ ساڑھے نو اور پونے دس روپے پر گندم خریدی گئی مگر اس کے مقابلہ میں بعض احمدیوں نے ہمیں سستی گندم دے دی۔ اس لحاظ سے ہمیں اوسطاً آٹھ روپے قیمت مقرر کرنی پڑی۔ ورنہ جو گندم ہم نے آٹھ روپے پر فروخت کی ہے اس کا کچھ حصہ ایسا ہے جو ساڑھے نو اور دس پر خریدا گیا ہے۔ مگر چونکہ اس کے مقابلہ میں بعض احمدیوں سے سستی گندم مل گئی اس لئے تمام اخراجات ملا کر ایک اوسط قیمت مقرر کر دی گئی اور اس طرح قادیان والوں کو باہر کے مقابلہ میں پھر بھی سستی گندم مل گئی۔"[۸]

مجلس ارشاد کے ماتحت علمی تقریروں کا سلسلہ

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ کو ہر وقت یہ تڑپ رہتی تھی کہ سب احمدی سلطان القلم حضرت

---

[۸] الفضل ۲۰؍شہادت ۱۳۲۲ھش (۲۰؍اپریل ۱۹۴۳ء) صفحہ ۲، ۳ ٭

مسیح موعود علیہ السلام کے حقیقی معنوں میں وارث بن جائیں اور حضور علیہ السلام کی طرح اسلام کی خوبیوں اور قرآنی معارف کے بیان کرنے اور غیر مذاہب کے ردّ اور اُن کے اعتراضات کے دفاع میں ہر وقت منہمک رہیں۔ اِسی غرض سے آپ نے قادیان میں مجلس ارشاد قائم کی تھی جو بہت مفید کام انجام دے رہی تھی[۵۱] اِس مجلس کے زیرِ انتظام آپ نے اِس سال علمی تقریروں کا ایک مفید سلسلہ جاری فرمایا۔ جو آپ کی وفات (امان ۱۳۲۳ھش / مارچ ۱۹۴۴ء) تک برابر جاری رہا۔ اِس تعلق میں آپ کی زیرِ صدارت پہلا علمی جلسہ ۲۳ ہجرت ۱۳۲۱ھش (۲۳ مئی ۱۹۴۲ء) کو مسجد اقصیٰ قادیان میں بعد نماز مغرب منعقد ہوا۔ جس میں حسب ذیل مقالے پڑھے گئے:۔

۱۔ "مسیح اور ان کی والدہ کا مسِ شیطان سے پاک ہونا۔" (مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل)

۲۔ "مسیح کا مُردے زندہ کرنا۔" (ڈاکٹر حضرت مفتی محمد صادق صاحب ڈی ڈی پی ایچ ڈی)

۳۔ "مسیح کا خالقِ طیور ہونا" (حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب بی۔ اے آکسن)

۴۔ "مسیح کا بن باپ پیدا ہونا" (مولوی عبدالمنان صاحب مولوی فاضل ایم۔ اے علیگ)

۵۔ "مسیح کا روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونا" (حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ)[۵۲]

یہ پانچوں مقالے نہایت پُرمغز اور بہت معلومات افزا تھے۔ جن میں سے چار "ریویو آف ریلیجنز اردو" کی مختلف اشاعتوں میں بھی چھپ گئے۔[۵۳]

نماز باجماعت کے لئے حضرت امیرالمومنینؓ کا تاکیدی ارشاد

حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں یہ افسوسناک اطلاعات موصول ہوئیں کہ قادیان کے بعض احمدی نمازوں میں سُست ہیں۔ حضور نے ۵ احسان / جون ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء کو خاص طور پر اسی مسئلہ پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں نماز باجماعت کی شرعی اہمیت واضح کرنے کے بعد انصار اللہ اور خدام احمدیہ کا فرض مقرر فرمایا کہ وہ قادیان میں اس امر کی نگرانی رکھیں کہ نمازوں کے اوقات میں کوئی دکان کھلی نہ رہے اور نماز کے متعلق ہر شخص اپنے ہمسایہ کی اس طرح جاسوسی کرے جسطرح پولیس مجرموں کی جاسوسی کا کام کرتی ہے۔ نیز فرمایا کہ میں اس کے بعد ان لوگوں کو مذہبی مجرم سمجھوں گا جو

۵۱ الفضل ۲۱ ہجرت ۱۳۲۱ھش (۲۱ مئی ۱۹۴۲ء) صفحہ ۱ + ۵۲ الفضل ۲۱ - ۲۶ ہجرت ۱۳۲۱ھش (۲۱/۲۶ مئی ۱۹۴۲ء) ملخصاً

۵۳ ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز اردو احسان/جون - وفا/جولائی - ظہور/اگست ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء و صلح/جنوری ۱۳۲۲ھش / ۱۹۴۳ء -

نماز باجماعت ادا نہیں کریں گے۔ اور انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کو قومی مجرم سمجھوں گا کہ انہوں نے نگرانی کا فرض ادا نہیں کیا۔ اس کے ساتھ ہی حضور نے بیرونی جماعتوں کو بھی توجہ دلائی کہ" انہیں بھی اپنے بچوں اور نوجوانوں اور عورتوں اور مردوں کو نماز باجماعت کی پابندی کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ اگر اس بات میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے تو وہ ہرگز خدا تعالیٰ کے حضور سرخرو نہیں ہو سکتے چاہے وہ کتنے ہی چندے دیں اور چاہے وہ کتنے ہی ریزولیوشن پاس کر کے بھجوا دیں"۔ [1]

شعائرِ اسلامی کی پابندی کیلئے اہم ارشاد

سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ ہمیشہ ہی مختلف طریق سے جماعت کو اس طرف توجہ دلاتے رہتے تھے کہ جماعت احمدیہ کسی انجمن کا نام نہیں یہ ایک مذہبی نظام ہے جس کا مقصد دنیا میں اسلامی شریعت کا قیام و احیاء ہے۔

یہ حقیقت احباب جماعت کے ذہن نشین کرانے کے لئے اس سال بھی حضور نے ۱۹ احسان ۱۳۲۱ھش / جون ۱۹۴۲ء کو ایک مفصل خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں شعائرِ اسلامی کی پابندی کی ازحد تاکید کی اور بتایا کہ داڑھی منڈوانے والے احمدی شکست خوردہ ذہنیت رکھتے ہیں۔ انہیں جماعت کے کسی عہدہ کے لئے منتخب نہ کیا جائے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:۔

"جہاں شریعت کے احکام کا سوال آجائے وہاں اگر ہم دوسروں کی نقل کریں تو یقیناً ہم اسلام کی ذلت کے سامان کر کے دشمنوں کی مدد کرنیوالے قرار پاتے ہیں۔ انہی نقلوں میں سے ایک نقل داڑھی منڈوانا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نہیں متواتر داڑھی منڈوانے سے منع فرمایا ہے۔ اور داڑھی منڈوا کر کوئی خاص فائدہ انسان کو نہیں پہنچتا ...... جو شخص رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اتنی چھوٹی سی بات بھی نہیں مان سکتا اس سے یہ کب توقع کی جا سکتی ہے کہ اگر اس کے سامنے کوئی بڑی بات پیش کی جائے تو وہ اُسے مان لیگا"۔

نیز فرمایا:۔

"میں نے متواتر جماعتوں کو توجہ دلائی ہے اور ہمارے ہاں قانون بھی ہے کہ کم سے کم جماعت کے عہدیدار ایسے نہیں ہونے چاہئیں جو داڑھی منڈواتے ہوں۔ اس طرح اسلامی

[1] الفضل ۷ احسان ۱۳۲۱ھش (۷ جون ۱۹۴۲ء) صفحہ ۱-۲

احکام کی ہتک کرتے ہوں۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ اب بھی دنیا داری کے لحاظ سے جس کی ذرا تنخواہ زیادہ ہوئی یا چلتا پرزہ ہُوا یا دنیوی لحاظ سے اسے کوئی اور اعزاز حاصل ہُوا اسے جماعت کا عہدیدار بنا دیا جاتا ہے خواہ وہ داڑھی منڈواتا ہی ہو۔ حالانکہ دنیوی لحاظ سے ہماری جماعت کے بڑے سے بڑے آدمی بھی ان لوگوں کے پاسنگ بھی نہیں جو اس وقت دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ اور اگر دنیوی لحاظ سے ایسے لوگوں کو عہدیدار بنایا جاسکتا ہے تو عیسائیوں اور ہندوؤں کو کیوں نہیں بنایا جا سکتا۔ وہ بہت زیادہ دولتمند اور دنیوی لحاظ سے بہت زیادہ معزز ہوتے ہیں۔ مگر درحقیقت یہ کام وہی کرسکتا ہے جسے اسلام اور احمدیت کے جیتنے کی امید نہیں اور جو اسلام اور احمدیت کو ایک شکست خوردہ مذہب سمجھتا ہے۔ ورنہ جو شخص اسلام اور احمدیت کو جیتنے والا مذہب سمجھتا ہے اس کے سامنے تو اگر کروڑپتی بھی آجائیں تو وہ اُن کو حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے اور دنیا کے تمام بادشاہوں کو بھی ایک سچے مومن کے مقابلہ میں ذلیل سمجھتا ہے۔ دنیا آخر ہے کیا چیز؟ کیا یہ خدا کے نبیوں کے مقابلہ میں کھڑی ہوئی اور کامیاب ہوئی؟ آخر ہزاروں نبی دنیا میں آئے ہیں۔ اِن ہزاروں نبیوں میں سے کب کوئی ایسا نبی آیا کہ اُسے دنیوی لحاظ سے کوئی عزت حاصل تھی لیکن کب اس کا سلسلہ ختم ہُوا اور وہ فاتح اور حکمران نہیں تھا۔ یہی حال احمدیت کا ہے۔ پس ایسی شکست خوردہ ذہنیت کے لوگ جنہوں نے مغربیت کے آگے اپنے ہتھیار ڈال رکھے ہیں وہ ہرگز کسی عہدہ کے قابل نہیں ہیں۔ وہ کھگوڑے ہیں اور بھگوڑوں کو حکومت دے دینا اوّل درجہ کی حماقت اور نادانی ہے۔

...... پس مَیں ایک دفعہ پھر جماعتوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ یہاں سوال چند بالوں کا نہیں بلکہ یہاں سوال اس ذہنیت کا ہے جو مغربیت کے مقابلہ میں اسلام اور احمدیت نے پیدا کرنی ہے اور جس ذہنیت کو ترک کرکے انسان مغربیت کا غلام بن جاتا ہے .... تمہارا ایمان تو ایسا ہونا چاہیئے کہ اگر دس کروڑ بادشاہ بھی آکر کہیں کہ ہم تمہارے لئے اپنی بادشاہتیں چھوڑنے کے لئے تیار ہیں تم ہماری صرف ایک بات مان لو جو اسلام کے خلاف ہے تو تم ان دس کروڑ بادشاہوں سے کہدو کہ تُف ہے تمہاری اس حرکت پر۔ مَیں تو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات کے مقابلہ میں تمہاری اور تمہارے باپ دادا کی بادشاہتوں کو جوتی بھی نہیں مارتا

یہ ہے ایمان کی کیفیت۔ جو شخص یہ کیفیت اپنے دل میں محسوس نہیں کرتا اُس کا یہ دعویٰ کہ اس کا ایمان پکّا ہے ہم ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے۔"[۵]

فصل سوم

مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کیلئے دُعا کی تحریک

دوسری جنگِ عظیم کے دوران وسط ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء میں محوری طاقتوں کا دباؤ مشرقِ وسطی میں زیادہ بڑھ گیا اور جرمن فوجیں جنرل رومیل کی سرکردگی میں ۲۱ احسان (جون) کو طبروق کی قلعہ بندیوں پر حملہ کر کے برطانوی افواج کو شکست فاش دینے میں کامیاب ہو گئیں جس کے بعد اُن کی پیشقدمی پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی۔ اور یکم وفا (جولائی) تک مصر کی حدود کے اندر گھس کر العالمین کے مقام تک پہنچ گئیں جو اسکندریہ سے تھوڑی دُور مغرب کی جانب برطانی مدافعت کی آخری چوکی تھی جس سے مصر براہ راست جنگ کی لپیٹ میں آ گیا اور مشرقِ وسطی کے دوسرے اسلامی ممالک خصوصاً حجاز کی ارضِ مقدس پر محوری طاقتوں کے حملہ کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا۔

ان پُر خطر حالات میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۶ احسان (جون) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء کے خطبہ جمعہ میں عالمِ اسلام کی نازک صورتِ حال کا دردناک نقشہ کھینچتے ہوئے بتایا کہ:۔

"اب جنگ ایسے خطرناک مرحلہ پر پہنچ گئی ہے کہ اسلام کے مقدس مقامات اس کی زد میں آ گئے ہیں۔ مصری لوگوں کے مذہب سے ہمیں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو وہ اسلام کی جو توجیہہ و تفسیر کرتے ہیں ہم اُس کے کتنے ہی خلاف کیوں نہ ہوں مگر اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ ظاہراً طور پر وہ ہمارے خدا ہمارے رسولؐ اور ہماری کتاب کو ماننے والے ہیں۔ اُنکی اکثریت اسلام کے خدا کے لئے غیرت رکھتی ہے، اُن کی اکثریت اسلام کی کتاب کیلئے غیرت رکھتی ہے اور ان کی اکثریت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے غیرت رکھتی ہے۔ اسلامی لٹریچر شائع کرنے اور اُسے محفوظ رکھنے میں یہ قوم صفِ اوّل میں رہی ہے۔ آج ہم اپنے مدارس میں

[۵] الفضل ۳۰ احسان ۱۳۲۱ھش / جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۳-۵-۶

بخاری اور مسلم وغیرہ احادیث کی جو کتابیں پڑھاتے ہیں وہ مصر کی چھپی ہوئی ہی ہیں۔ اسلام کی نادر کتابیں مصر میں ہی چھپتی ہیں اور مصری قوم اسلام کے لئے مفید کام کرتی چلی آئی ہے۔ اس قوم نے اپنی زبان کو بھلا کر عربی زبان کو اپنا لیا۔ اپنی نسل کو فراموش کر کے یہ عربوں کا حصہ بن گئی۔ اور آج دونوں قوموں میں کوئی فرق نہیں۔ مصر میں عربی زبان، عربی تمدن اور عربی طریق رائج ہیں۔ اور محمدؐ عربی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مذہب رائج ہے۔ پس مصر کی تکلیف اور تباہی ہر مسلمان کے لئے دکھ کا موجب ہونی چاہیئے خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھنے والا ہو۔ اور خواہ مذہبی طور پر اُسے مصریوں سے کتنے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں۔ پھر مصر کے ساتھ ہی وہ مقدس سرزمین شروع ہو جاتی ہے جس کا ذرہ ذرہ ہمیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہے نہر سویز کے اِدھر آتے ہی آجکل کے سفر کے سامانوں کو مدنظر رکھتے ہوئے چند روز کی مسافت کے فاصلہ پر ہی وہ مقدس مقام ہے جہاں ہمارے آقا کا مبارک وجود لیٹا ہے جس کی گلیوں میں محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے مبارک پڑا کرتے تھے۔ جس کے مقبروں میں آپ کے والا وشیدا خدا تعالٰے کے فضل کے نیچے میٹھی نیند سو رہے ہیں اُس دن کی انتظار میں کہ جب صُور پھونکا جائے گا وہ لبّیک کہتے ہوئے اپنے ربّ کے حضور حاضر ہو جائینگے وہ اڑھائی سو میل کے فاصلہ پر ہی وہ وادی ہے جس میں وہ گھر ہے جسے ہم خدا کا گھر کہتے ہیں اور جس کی طرف دن میں کم سے کم پانچ بار مُنہ کر کے ہم نماز پڑھتے ہیں اور جس کی زیارت اور حج کے لئے جاتے ہیں جو دین کے ستونوں میں سے ایک بڑا ستون ہے۔ یہ مقدس مقام صرف چند سو میل کے فاصلہ پر ہے اور آجکل موٹروں اور ٹینکوں کی رفتار کے لحاظ سے چار پانچ دن کی مسافت سے زیادہ فاصلہ پر نہیں۔ اور اُن کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں وہاں جو حکومت ہے اُس کے پاس نہ ٹینک ہیں، نہ ہوائی جہاز اور نہ ہی حفاظت کا کوئی اور سامان کھلے دروازوں اسلام کا خزانہ پڑا ہے بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ دیواریں بھی نہیں ہیں۔ اور جوں جوں دشمن ان مقامات کے قریب پہنچتا ہے ایک مسلمان کا دل لرز جاتا ہے۔" [1]

---

[1] الفضل ۳ر وفا ھش ۱۳۲۱ / جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ و ۳ +

حضور نے خطبہ کے دوران مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کے خدائی وعدوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یقین دلایا کہ " اللہ تعالیٰ خود ہی ان کی حفاظت فرمائے گا "۔ لیکن ساتھ ہی مسلمانوں کو اُن کی عملی ذمہ داریوں کی طرف بھی توجہ دلائی۔ اور فرمایا :۔

" یہ ہمارا یقین ہمیں اپنی ذمہ داریوں سے نہیں چھڑا سکتا۔ جس طرح مکّہ کے متعلق خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ اُسکی حفاظت کریگا۔ جس طرح اسلام کی حفاظت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا اُسی طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا بھی وعدہ اُس نے کیا ہوا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔ (المائدہ ع ۹ / ۱۳)

مگر باوجود اس وعدہ کے ایسے ہی مقدس اور یقینی وعدہ کے جیسا کہ مکّہ مکرمہ اور خانہ کعبہ کی حفاظت کے متعلق ہے پھر بھی صحابہ کرامؓ اِس وعدہ پر کفایت کر کے بے فکر نہیں ہو گئے تھے اور انہوں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ خدا تعالےٰ خود آپ کو دشمنوں سے بچائیگا ہمیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ مدینہ میں آپکے داخلہ سے لیکر آپ کی وفات تک برابر وہ آپ کے گھر کا پہرہ دیتے رہے۔ مدینہ کے لوگوں یعنی انصار پر اللہ تعالیٰ بڑی بڑی برکتیں نازل کرے وہ بڑی ہی سمجھ دار اور قربانی کرنے والی قوم تھی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو انہوں نے فوراً اِس بات کا فیصلہ کیا کہ اب آپ کی ذات کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ اور ہر رات الگ الگ گروہ آپ کے مکان پر پہرہ کے لئے آتا تھا۔ پہلے تو انصار بغیر ہتھیاروں کے پہرہ کے لئے آتے تھے۔ انہوں نے یہ خیال کیا کہ مدینہ اسلامی شہر ہے یہاں خطرہ کی کوئی بات نہیں ہر قبیلہ باری باری پہرہ کے لئے اپنے آدمی بھیجتا تھا مگر وہ بغیر ہتھیاروں کے ہوتے تھے۔ ایک رات رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تھے کہ باہر آپ نے تلواروں اور نیزوں کی جھنکار سُنی۔ آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ انصار کا ایک گروہ سر سے پاؤں تک مسلّح آپ کے مکان کے گرد پہرہ کے لئے کھڑا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا بات ہے تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! لوگ تو بغیر ہتھیاروں کے پہرہ کے لئے آیا کرتے تھے مگر ہمارے قبیلہ نے فیصلہ کیا ہے کہ پہرہ کے انتظام کے معنے یہ ہیں کہ خطرہ کا احتمال ہے۔ اور جب خطرہ ہو سکتا ہے تو اُسے روکنے کیلئے ہتھیار بھی ضرور ہونے چاہئیں۔ اس لئے ہم مسلّح ہو کر پہرہ کیلئے آئے ہیں

آپ نے اُن لوگوں کے لئے دُعا فرمائی اور اندر تشریف لے گئے۔ اِس کے بعد باقی قبائل نے بھی مسلح ہوکر پہرہ دینا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ مدینہ میں کچھ شور ہُوا اور خیال تھا کہ شاید رُومی حملہ کرینگے۔ اِس لئے مسلمان ہتھیار لے کر باہر کی طرف بھاگے۔ مگر چند صحابی دوڑ کر مسجد نبویؐ میں جمع ہوگئے۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے، حملہ کا خوف تو باہر سے تھا۔ آپ لوگ مسجد میں کیوں آبیٹھے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں تو یہی جگہ حفاظت کئے جانے کے قابل نظر آتی ہے اِس لئے یہیں آگئے۔ . . . . یہ قربانیاں کرنے والے جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہُوا ہے اور فرمایا ہے کہ وَ اللّٰہُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں کے حملوں سے بچائے گا مگر باوجود اِس وعدہ کے جو قربانیاں انہوں نے آپؐ کی حفاظت کے لئے کیں کیا اِس کے یہ معنے ہیں کہ اُن کا ایمان کمزور تھا اور وہ خدا تعالیٰ کو ایسے وعدہ کے پورا کرنے پر قادر نہ سمجھتے تھے ؟ یا کیا وہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی وعدہ نہیں فرمایا بلکہ نعوذ باللہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنے پاس سے بنالیا ہے ؟ اُن کی قربانیاں اور اُن کا اخلاص دونوں بتاتے ہیں کہ اِن میں سے کوئی بات بھی اُن کے وہم یا خیال میں نہ تھی۔ اُن کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ وہ آپ کو بچانے کی طاقت رکھتا ہے اور اپنے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے سامان مہیا کرسکتا ہے مگر اُن کی تمنّا اُن کی آرزو اور اُن کی خواہش یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بچانے کے لئے جو ہتھیار اپنے ہاتھ میں لے وہ ہم ہوں۔ انہیں خدا تعالیٰ کے وعدے پر شک نہ تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان پر شک نہ تھا بلکہ حرص تھی کہ اِس وعدہ کو پورا کرنے کا جو ذریعہ اللہ تعالیٰ اختیار کرے وہ ہم ہوں۔ وہ چاہتے تھے کہ کاش وہ ذریعہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچانے کا اختیار کرنا ہے وہ ہم بن جائیں اور وہ بن گئے۔ اور انہوں نے متواتر دس سال تک اپنی جانوں اور عزیز ترین رشتہ داروں کی جانوں کو قربان کرکے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا ہتھیار ثابت کردیا۔ وہ مہاجر اور وہ انصار اس وعدہ کو پورا کرنے کا ذریعہ بن گئے جنہوں نے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے اور پیچھے ہوکر ہر موقعہ پر جنگ کی۔ اُن کی اوّل خواہش اور تمنّا بھی

اور اُن کی آخری خواہش اور تمنّا بھی یہی تھی کہ کاش وہ فنا ہو جائیں وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی آنچ نہ آئے۔ ایک صحابی کو کچھ لوگ قید کر کے لے گئے اور مکّہ والوں کے پاس بیچ دیا۔ مکّہ والوں کا کوئی آدمی کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اور وہ اُس کے بدلہ میں کسی مسلمان کو مارنا چاہتے تھے اِس لئے اُسے خرید لیا۔ انہوں نے اُس کے گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالی ہوئی تھیں اور قتل کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ اُن میں سے کسی نے اُس صحابی کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا تم یہ پسند نہ کرو گے کہ تم اِسوقت آرام سے اپنے بیوی بچوں میں بیٹھے ہو اور تمہاری جگہ یہاں محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم) ہمارے قبضہ میں ہو۔ اُس صحابی نے جواب دیا کہ تم لوگ بڑے بیوقوف ہو جو یہ سوال کرتے ہو۔ تم تو یہ کہتے ہو کہ مَیں یہ پسند کرتا ہوں یا نہیں کہ مَیں مدینہ میں اپنے بیوی بچوں میں بیٹھا ہوں اور میری جگہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم یہاں تمہاری قید میں ہوں مَیں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ مَیں اپنے گھر میں بیٹھوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے تلوے میں مدینہ کی گلیوں میں کوئی کانٹا بھی چبھ جائے۔ پھر ایک صحابی کے متعلق لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ایک جنگ کے لئے تشریف لے گئے اور وہ صحابی کسی اتفاقی حادثہ کی وجہ سے پیچھے رہ گئے وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے اُن کی بیوی بیٹھی تھیں۔ دونوں کی باہم بہت محبت تھی وہ صحابی جوش سے پیار کے لئے اپنی بیوی کی طرف بڑھے مگر وہ حقارت سے پیچھے ہٹ گئیں اور کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم تو لڑائی کے لئے تشریف لے گئے ہیں اور تم بیوی کو پیار کرنے لگے ہو۔ یہ بات سُنکر وہ فوراً باہر نکلے اور جنگ کے لئے چل پڑے۔ یہ وہ قربانیاں تھیں جو باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی حفاظت کے وعدہ کے صحابہؓ نے آپ کی حفاظت کے لئے کیں۔ پس اس میں شبہ نہیں کہ مکّہ اور مدینہ کی حفاظت کے لئے اللہ تعالےٰ کے وعدے ہیں مگر اللہ تعالےٰ حفاظت کے لئے آسمان سے فرشتے نہیں اُتارا کرتا۔ بلکہ بعض انسانوں کو ہی فرشتے بنا دیتا ہے۔ اور اُن کے دلوں میں اخلاص پیدا کر دیتا ہے کہ اُس کے وعدوں کو پورا کرنے کے لئے ہتھیار بن جائیں۔ وہ گو انسان نظر آتے ہیں مگر اُن کی رُوحوں کو فرشتہ کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جاتے

ہیں اُن کو مُردہ مت کہو وہ زندہ ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کام فرشتوں سے لینا تھا اُسے کرنے کے لئے وہ آگے بڑھتے ہیں اسلئے وہ فرشتے بن جاتے ہیں۔ اور جب وہ فرشتے ہوگئے تو مر کیسے سکتے ہیں۔ فرشتے نہیں مرا کرتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ شہداء کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں اور اپنے خدا کے حضور رزق دیئے جاتے ہیں۔ پس گو ان مقامات کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ مسلمان اُن کی حفاظت کے فرض سے آزاد ہوگئے ہیں۔ بلکہ ضروری ہے کہ ہر سچا مسلمان اُن کی حفاظت کے لئے اپنی پوری کوشش کرے جو اُس کے بس میں ہے۔"[1]

خطبہ کے آخر میں حضور نے خاص تحریک فرمائی کہ احمدی ممالک اسلامیہ کی حفاظت کیلئے نہایت تضرّع اور عاجزی سے دُعائیں کریں۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:-

"یہ مقامات روز بروز جنگ کے قریب آ رہے ہیں اور خدا تعالیٰ کی مشیت اور اپنے گناہوں کی شامت کی وجہ سے ہم بالکل بے بس ہیں اور کوئی ذریعہ ان کی حفاظت کا اختیار نہیں کر سکتے۔ ادنیٰ ترین بات جو انسان کے اختیار میں ہوتی ہے یہ ہے کہ اس کے آگے پیچھے کھڑے ہو کر جان دیدے مگر ہم تو یہ بھی نہیں کر سکتے اور اس خطرناک وقت میں صرف ایک ہی ذریعہ باقی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور دُعائیں کریں کہ وہ جنگ کو ان مقامات مقدسہ سے زیادہ سے زیادہ دُور لے جائے اور اپنے فضل سے اُن کی حفاظت فرمائے۔ وہ خدا جس نے ابرہہ کی تباہی کے لئے آسمان سے وبا بھیجدی تھی اب بھی طاقت رکھتا ہے کہ ہر ایسے دشمن کو جس کے ہاتھوں سے اس کے مقدس مقامات اور شعائر کو کوئی گزند پہنچ سکے کچل دے .... پس میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ واریوں کو سمجھیں اور خدا تعالیٰ سے دُعائیں کریں کہ وہ خود ہی اِن مقامات کی حفاظت کے سامان پیدا کر دے۔ اور اس طرح دُعائیں کریں جس طرح بچہ بھوک سے تڑپتا ہوا چلّاتا ہے جس طرح ماں سے جُدا ہونے والا بچہ یا بچّہ سے محروم ہو جانے والی ماں آہ و زاری کرتی ہے اسی طرح اپنے رب کے حضور رو رو کر دُعائیں کریں کہ اے اللہ! تُو خود اِن مقدس مقامات کی حفاظت فرما۔ اور ان لوگوں کی اولادوں کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جانیں فدا کر گئے

[1] الفضل ۳ وفا ۱۳۲۱ھش / جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۳ و ۴ ۔

اور ان کے ملک کو ان خطرناک نتائج جنگ سے جو دوسرے مقامات پر پیش آ رہے ہیں بچالے۔

اور اسلام کے نام لیواؤں کو خواہ وہ کیسی ہی گندی حالت میں ہیں اور خواہ ہم سے اُن کے کتنے اختلافات ہیں اُن کی حفاظت فرما اور اندرونی و بیرونی خطرات سے محفوظ رکھ جو کام آج ہم اپنے ہاتھوں سے نہیں کر سکتے وہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ کر دے اور ہمارے دل کا دُکھ ہمارے ہاتھوں کی قربانیوں کا قائم مقام ہو جائے۔"[۵۱]

بعض متعصّب ہندو ہمیشہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ مسلمانوں کے دلوں میں ہندوستان کی نسبت مکّہ اور مدینہ کی محبّت بہت زیادہ ہے۔ اِس موقعہ پر حضور نے اِس اعتراض کا یہ نہایت لطیف جواب دیا کہ:۔

"بے شک، دین کی محبت ہمارے دلوں میں زیادہ ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ وطن کی محبّت نہیں ہے۔ اگر ہمارا ملک خطرہ میں ہو تو ہم اس کے لئے قربانی کرنے میں کسی ہندو سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ لیکن اگر دونوں خطرہ میں ہوں یعنی ملک اور مقاماتِ مقدّسہ تو مؤخر الذکر کی حفاظت چونکہ دین ہے اور زندہ خدا کے شعار کی حفاظت کا سوال ہے اس لئے ہم اُسے مقدّم کرینگے۔ بیشک ہم عرب کے پتھروں کو ہندوستان کے پتھروں پر فضیلت نہ دیں لیکن ان پتھروں کو ضرور فضیلت دیں گے جن کو خدا تعالےٰ نے ہمارے لئے فضیلت کا مقام بنایا ہے .... ایک مادّہ پرست ہندو کیا جانتا ہے کہ وطن اور خدا تعالےٰ کے پیدا کردہ شعائر میں کیا فرق ہے۔ وہ عرفان اور نیکی نہ ہونے کی وجہ سے اس فرق کو سمجھ نہیں سکتا ..... حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ ہمارے ایمان کا جزو ہے مگر وہ گلیاں جن میں ہمارے پیارے آقا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم چلتے رہے ہیں۔ وہ پتھر جنہیں خدا تعالےٰ نے ہمارے لئے عبادت کا مقام بنایا ہمیں وطن سے زیادہ عزیز ہیں۔ اگر کوئی ہندو یا عیسائی حاسد جلتا ہے تو جل مرے ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں۔"[۵۲]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی اس تحریک پر قادیان اور بیرونی احمدی جماعتوں میں مقاماتِ مقدسہ کے لئے مسلسل نہایت پُردرد دُعاؤں کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے محبوب خلیفہ اور اپنی پیاری جماعت کی تضرّعات کو بپایۂ قبولیت جگہ دی اور جلد ہی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ چنانچہ ۲۳ ر اخاء ۱۳۲۱ھش (۲۳ ر اکتوبر ۱۹۴۲ء) کو برطانی فوجوں نے العالمین پر جوابی یلغار شروع کی۔ اُدھر

---

[۵۱] الفضل ۳ ر جولائی ۱۹۴۲ء / وفا ۱۳۲۱ھش صفحہ ۴، ۵ + [۵۲] الفضل ۳ ر جولائی ۱۹۴۲ء / وفا ۱۳۲۱ھش صفحہ ۵ +

بھرتی کے سلسلہ میں حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی گولیگی ضلع گجرات میں تشریف آوری (۲۶ تبلیغ ۱۳۲۲ہش/فروری ۱۹۴۳ء)

دائیں سے بائیں ۱۔ پیر بشیر احمد صاحب ۲۔ پیر محمد عالم صاحب جاوید ۔۳۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب ۔۴ چوہدری اعظم علی صاحب سب جج ۔ پیچھے چوہدری سردار خان صاحب

شمالی افریقہ کے مغربی حصے (یعنی مراکش اور الجزائر) میں امریکہ نے اپنی فوجیں اتار دیں جو مغرب سے مشرق کو بڑھنے لگیں۔ ۱۳ ماہ نبوت ھ۱۳۲۱ش (۱۳ نومبر ۱۹۴۲ء) کو برطانی فوجوں نے طبرق پر اور ۲۰ ماہ نبوت (۲۰ نومبر) تک بن غازی پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔[۵۱]

حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اس مرحلہ پر غیرت اسلامی کا جو اظہار فرمایا اسے مخالفین احمدیت نے بھی بہت سراہا۔ چنانچہ احراری اخبار "زمزم" نے اپنی ۱۹ جولائی ۱۹۴۲ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"موجودہ حالات میں خلیفہ صاحب نے مصر اور حجاز مقدس کیلئے اسلامی غیرت کا جو ثبوت دیا ہے وہ یقیناً قابل قدر ہے۔ اور انہوں نے اس غیرت کا اظہار کرکے مسلمانوں کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے۔"

نیز لکھا:۔

"زمزم" معترف ہے کہ مقدس مقامات کی طرف سے خلیفہ صاحب کا اندیشہ بالکل حق بجانب ہے۔"[۵۲]

احمدی نوجوانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی تحریک

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جماعت احمدیہ کے سامنے بار بار اور مختلف پیرایوں میں یہ حقیقت بیان فرمائی کہ:۔

"جس دن کفر کو یہ معلوم ہوگیا کہ تم اُسے دنیا سے مٹا دینے والے ہو وہ یقیناً سختی سے تمہارا مقابلہ کریگا۔ اور تمہاری گردنوں میں تمہارے سینوں میں تمہارے جگر میں خنجر گاڑ دے گا۔ اور کفر اپنا سارا زور لگائیگا کہ اسلام کو قتل کردے اور اسلامی عمارت کو منہدم کردے۔ گو ابھی وہ دن دُور ہیں لیکن آہستہ آہستہ قریب آتے جاتے ہیں۔ اب بھی کئی ممالک ایسے ہیں جن میں احمدیت کا داخلہ بند ہے۔ اور ہمارے مبلغین کو جانے سے روکا جاتا ہے۔ غرض مالی لحاظ سے تو جماعت کئی سال سے قربانیاں کرتی آ رہی ہے گو اعلیٰ معیار تک ابھی تک نہیں پہنچی مگر جانی قربانی کے لحاظ سے ابھی ابتداء نہیں ہوئی۔ البتہ وقف زندگی کے مطالبہ کے ذریعہ بنیاد کا ایک نشان لگا دیا گیا ہے۔ جیسے بنیاد کھودتے وقت کسّی سے ٹک لگایا جاتا ہے پھر بنیاد کھودی جاتی ہے۔ جب بنیاد کی کھدائی ہو جاتی ہے تو اُس پر دیواریں کھڑی کرتے ہیں۔ جب دیواریں بن جاتی ہیں تو

---

[۵۱] "تاریخ اقوام عالم" صفحہ ۷۳۸ (مؤلفہ مرتضیٰ احمد خان) ناشر مجلس "ترقی ادب" ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور (سن اشاعت ۱۹۵۸ء)

[۵۲] بحوالہ اخبار الفضل ۲۲ وفا ھ۱۳۲۱ش (۲۲ جولائی ۱۹۴۲ء) صفحہ ۱ کالم ۴

ان دیواروں پر چھتیں ڈالی جاتی ہیں اس کے بعد پلستر کیا جاتا ہے۔ دروازے اور کواڑ لگائے جاتے ہیں تب کہیں جا کر مکان تیار ہوتا ہے۔ جس طرح مکان آہستہ آہستہ کچھ عرصہ کے بعد جا کر تیار ہوتا ہے اسی طرح جان دینے کی عمارت کے تیار ہونے میں کچھ دیر باقی ہے۔ کوئی عمارت بھی ایک دن میں تیار نہیں ہوتی۔ ایسے ہی یہ نہیں ہو سکتا کہ لوگ جمع ہو کر آئیں اور وہ کہیں کہ اگر تم میں سے پانچ ہزار آدمی اپنی گردنوں پر چھری پھیر لیں تو ہم اسلام کو قبول کریں گے۔ بلکہ یہ قربانیاں آہستہ آہستہ دینی پڑیں گی۔ پہلے ایک دو، پھر آٹھ دس، پھر پندرہ بیس اسی طرح آہستہ آہستہ یہ تعداد بڑھتی چلی جاتی ہے۔ آخر وہ دن آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو غلبہ عطا کرتا ہے۔ اور کفر ہتھیار ڈال دیتا ہے اور یہ کام ایک لمبے عرصہ میں جا کر ہوتا ہے۔"[۵۱]

اس سلسلہ میں مبلّغین احمدیت کو خاص طور پر انتباہ فرمایا کہ:۔

"تم یہ مت سمجھو کہ ہم چونکہ تبلیغی جماعت ہیں اس لئے کوئی دشمن ہماری گردنوں کو نہیں کاٹے گا۔ ایسا خیال کرنا اوّل درجہ کی نادانی اور حماقت ہے۔ مَیں نے بار بار تمہارے ذہنوں سے اس بات کو نکالا ہے مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ جب بھی کوئی ایسا ذکر آئے ہماری جماعت کے بعض لوگ فوراً کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ کیسی بیوقوفی کی بات ہے ہم تبلیغ کرنے والے ہیں لڑنے والے کہاں ہیں کہ ہماری گردنیں کاٹنے کے لئے قومیں آگے بڑھیں گی۔ مگر یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہے۔ دُنیا میں ہمیشہ مبلّغوں کی گردنیں کاٹی جاتی ہیں۔ مسیحیوں کی تین سو سال تک گردنیں کاٹی گئیں حالانکہ مسیحی جنگ سے جتنے متنفر تھے اتنے ہم نہیں۔ ہمیں تو اسلام وقت پر لڑائی کی اجازت دیتا ہے مگر مسیحیوں کو لڑائی کی کسی صورت میں اجازت نہیں تھی لیکن باوجود اس کے اُن کی گردنیں کاٹی گئیں۔ اور سینکڑوں سال تک کاٹی گئیں۔ اسی طرح جب ہم بھی صحیح معنوں میں تبلیغ کریں گے تو دُنیا اس بات پر مجبور ہوگی کہ ہماری گردنوں کو کاٹے۔ ابھی تک تو ہم نے تبلیغ کو اس رنگ میں جاری ہی نہیں کیا کہ ہماری جماعت کے آدمیوں کی گردنیں کاٹی جائیں، تمہارا مبلّغ امریکہ میں گیا اور اُسے وہاں کی حکومت نے نکال دیا مگر تم نے کیا کیا؟ تم اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر بیٹھ گئے۔ مگر جب حقیقی تبلیغ کا وقت آئیگا اُس وقت یہ طریق اختیار نہیں کیا جائیگا۔ فرض کرو

---

[۵۱] الفضل ۱۸ تبوک ۱۳۲۴ھش / ستمبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۳ +

تمہارا مبلّغ امریکہ میں جاتا ہے اور اُسے وہاں کی حکومت نکال دیتی ہے تو اُس وقت یہ نہیں ہوگا کہ تم خاموشی سے گھروں میں بیٹھے رہو بلکہ تمہارا دوسرا مبلّغ اُس جگہ جائیگا اور اُس کو نکال دیا جائیگا تو تیسرا مبلّغ جائیگا اُس کو نکال دیا جائیگا تو چوتھا مبلّغ جائیگا۔ اسی طرح ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے اور تیسرے کے بعد چوتھے شخص کو وہاں جانا پڑے گا۔ اور جب اس طرح بھی کوئی اثر نہیں ہوگا تو ہزاروں شخصوں سے کہا جائیگا کہ وہ اپنے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوں اور خواہ انہیں بھوکا رہنا پڑے خواہ پیاس کی تکلیف برداشت کرنی پڑے وہ جائیں اور اس ملک میں داخل ہو کر تبلیغ کریں جس ملک میں داخل ہونے سے حکومت نے روک رکھا ہے۔ ایسی صورت میں کیا تم سمجھتے ہو امریکہ والے تمہیں قتل نہیں کرینگے؟ وہ ہر اُس شخص کو جو اُن کے ہاتھ آئیگا قتل کرینگے اور کوشش کریں گے کہ اُن کے ملک میں ہمارا کوئی مبلّغ داخل نہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود جو مبلّغ داخل ہونے میں کامیاب ہو جائیگا وہ ایسی شان کا مبلّغ ہوگا کہ امریکہ کے لوگ خود بخود اُس کی باتیں سُننے پر مجبور ہونگے۔ مگر اب تو یہ ہوتا ہے کہ سیکنڈ یا تھرڈ کلاس میں ایک شخص سفر کرتا ہوا جاتا ہے۔ اُسے ہر قسم کی سہولتیں میسّر ہوتی ہیں اور وہ کسی غیر ملک میں جا کر تبلیغ کرنے لگ جاتا ہے۔ ایسا شخص مبلّغ نہیں سیّاح ہے۔ مبلّغ قومیں وہی ہیں کہ جب حکومتیں انہیں اپنے ملک میں داخل ہونے سے روکتی ہیں تو وہ خاموش نہیں بیٹھ جاتیں بلکہ اپنی تجارت اپنی زراعت اپنی ملازمت اور اپنے گھر بار کو چھوڑ کر نکل کھڑی ہوتی ہیں اور اُن میں سے ہر شخص یہ تہیّہ کئے ہوئے ہوتا ہے کہ اب میں اس ملک میں داخل ہو کر رہونگا۔ اور تبلیغ کرونگا۔ ایسی صورت میں دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں یا تو حکومت رستہ دے اور مبلّغوں کو اپنے ملک میں داخل ہونے دے یا انہیں داخل نہ ہونے دے اور ان سب کو اپنے حکم سے مروا ڈالے۔ اور یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جو قربانیوں کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اگر حکومت رستہ دیگی تو تم تبلیغ میں کامیاب ہو جاؤ گے اور اگر حکومت تمہیں مارے گی تو تم خون کی ندی میں بہہ کر اپنی منزلِ مقصود کو پہنچو گے۔

پس یہ خیال مت کرو کہ مبلّغوں کے لئے قربانیاں نہیں ہوتیں وہ تبلیغ جو لوگوں کو ہلا دیتی ہے ابھی تک ہم نے شروع ہی نہیں کی۔ لیکن اب اس جنگ کے بعد غالباً زیادہ انتظار نہیں کیا جائیگا اور تمہیں ان قربانیوں کے لئے اپنے گھروں سے باہر نکلنا پڑے گا۔"[1]

---

[1] الفضل ۵ رتبوک ۱۳۲۱ ہش (۵ ستمبر ۱۹۴۲ء) صفحہ ۵ +

اسلام اور کفر کا یہ فیصلہ کن معرکہ (جس کے بعد دنیا بھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بادشاہت قائم ہوگی اور ہر جگہ قانونِ اسلامی نافذ ہوگا) کب اور قربانیوں کے کن مراحل کے بعد پیش آئیگا؟ انکی تفصیلات پر تو سو ہویں سترھویں صدی ہجری کا مؤرخ ہی روشنی ڈال سکیگا۔ البتہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی سورۃ التطفیف سے یہ لطیف استنباط فرمایا کہ:-

"عیسائیت کی تباہی کے لئے دنیا میں تین جھٹکے لگیں گے اور چوتھا جھٹکا اسلام کے قیام کا موجب ہوگا۔ بظاہر جہاں تک عقل کام دیتی ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلی جنگِ عظیم جو ۱۹۱۸ء میں ختم ہوئی پہلا جھٹکا تھا جو عیسائیت کو لگا۔ اب دوسری جنگ جو شروع ہے یہ دوسرا جھٹکا ہے۔ اس کے بعد ایک تیسری جنگِ عظیم ہوگی جو مغرب کی تباہی کے لئے تیسرا اور آخری جھٹکا ہوگا۔ اس کے بعد ایک چوتھا جھٹکا لگیگا جس کے بعد اسلام اپنے عروج کو پہنچ جائیگا اور مغربی اقوام بالکل ذلیل ہو جائیں گی۔"[۵]

چنانچہ دوسری جنگِ عظیم (یکم ستمبر ۱۹۳۹ء تا مئی ۱۹۴۵ء) مغربی تہذیب و تمدن اور عیسائیت کی تباہی کے لئے سچ مچ دوسرا زبردست جھٹکا ثابت ہوئی اور سلطنت برطانیہ کو جس کا بادشاہ عیسائیت کا پاسبان (DEFENDER OF FAITH) کہلاتا ہے اور جس کے مقبوضات کے متعلق مشہور تھا کہ اُن پر کبھی آفتاب غروب نہیں ہوتا ہندوستان جیسے برصغیر سے بھی ہاتھ دھولینا پڑا اور ساتھ ہی سراسر مخالف حالات کے باوجود پاکستان کی عظیم ترین مسلمان حکومت معرضِ وجود میں آگئی۔ جیسا کہ آئندہ تفصیل سے ذکر آرہا ہے۔

خدائی تقدیر میں چونکہ دوسری جنگِ عظیم عیسائیت کی آخری تباہی اور اسلام اور مسلمانوں کے آخری غلبہ کو قریب سے قریب تر کرنے کے لئے لڑی جا رہی تھی اس لئے خدا تعالیٰ نے جنگ کے آغاز ہی سے اپنے خلیفۂ برحق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی توجہ خود بخود اس طرف منتقل فرما دی کہ فوجی ٹریننگ کا ایک نہایت اہم موقعہ پیدا ہوا ہے جس سے مسلمانانِ ہند کو عموماً اور جماعت احمدیہ کے نوجوانوں کو خصوصاً پورا پورا فائدہ اُٹھانا چاہیئے تا وہ اسلام کے جہاد میں حصہ لے سکیں۔ حصولِ آزادی کے بعد ملکی دفاع میں اپنے شایانِ شان اور مؤثر کردار ادا کرکے قوم و ملت کے سچے خادم بھی ثابت ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن میں ایسی بے مثال بہادری پیدا ہو جائے کہ جب حق و باطل کی آخری جنگ شروع ہو تو وہ صحابۂ رسولؐ

---

۵ تفسیر کبیر (سورۃ التطفیف) صفحہ ۳۰۷ کالم ا (مطبوعہ ظہور ۱۳۲۴ھش / اگست ۱۹۴۵ء)

(رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی طرح کفر کا ہر تیر پوری جانثاری اور جانبازی کے ساتھ اپنے کھلے سینوں پر تھام لیں اور ناموسِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور عظمتِ اسلام کی خاطر اپنی جانیں نچھاور کردیں اور اپنے خون سے اسلام کے مرجھائے ہوئے باغ کی آبیاری کرنا اپنی سب سے بڑی سعادت اور سب سے بڑا اعزاز سمجھیں۔ اس نوع کی متعدد اغراض کے پیش نظر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے دوسری جنگِ عظیم کے دوران جماعت کے نوجوانوں کو بار بار اور نہایت مؤثر رنگ میں توجہ دلائی کہ وہ فوج میں بکثرت بھرتی ہوں اور اس جنگ کو خدا تعالیٰ کی تقدیر کا ایک مظاہرہ سمجھتے ہوئے اسے نعمتِ غیر مترقبہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جاری کرکے ہمارے لئے یہ موقعہ بھی پیدا کردیا ہے کہ اگر چاہیں تو فنونِ جنگ سیکھ سکتے ہیں اور جرأت و بہادری پیدا کرنے کے سامان کر سکتے ہیں[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں جو خطبات ارشاد فرمائے وہ اخبار "الفضل" (قادیان) میں شائع شدہ ہیں۔ اس جگہ بطور نمونہ حضرت امیر المومنینؓ کے ایک خطبہ جمعہ (فرمودہ ۳ر وفا ۱۳۲۱ ہش / جولائی ۱۹۴۲ء) کا ایک اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے۔ حضور نے احمدی نوجوانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا :-

"کوئی جماعت زندہ نہیں رہ سکتی جب تک اُس کے افراد فوجی فنون کے ماہر نہ ہوں۔ قوموں کے مرنے کی علامت یہی ہوا کرتی ہے کہ موت کا خوف اُن کے دلوں میں بڑھ جاتا ہے اور قوموں کی زندگی کی علامت یہ ہوتی ہے کہ موت کا خوف اُن کے دلوں سے جاتا رہے۔ جو قومیں موت کا خوف اپنے دلوں میں بڑھا لیتی ہیں وہ کبھی فاتح نہیں ہو سکتیں اور جن قوموں کے دلوں میں سے موت کا خوف مٹ جاتا ہے انہیں کوئی مفتوح نہیں کر سکتا ..... صحابہؓ کو دیکھ لو۔ انہیں مارنے کیلئے دشمن نے کتنی کوششیں کیں، قریباً تیس چالیس جنگیں ہوئیں مگر سوائے ایک دو جنگوں کے جن میں چند مسلمان قید ہوگئے کبھی مسلمان قید نہ ہوتے ورنہ کافر تو بیسیوں کی تعداد میں قید ہوتے تھے مگر مسلمان ایک بھی قید نہیں ہوتا تھا۔ اور اُن کے قید نہ ہونے کے معنے یہی تھے کہ وہ اتنا لڑتے تھے کہ یا تو مارے جاتے تھے یا فتح حاصل کر لیتے تھے۔ گویا موت سے نڈر رہنے کی وجہ سے وہ قیدی نہیں بنتے تھے۔ اور یہی چیز اُن کے غلبہ کا موجب بن گئی۔ مگر کافر ہمیشہ قیدی بننے کو ترجیح دیتے اور

---

[1] الفضل ۱۷ر وفا ۱۳۲۱ ہش (۱۷ر جولائی ۱۹۴۲ء) صفحہ ۵ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰ر وفا ۱۳۲۱ ہش / جولائی ۱۹۴۲ء)

جب بھی دیکھتے کہ اُن کا پہلو لڑائی میں کمزور ہو رہا ہے تو وہ ہمت چھوڑ دیتے اور قیدی بن جاتے۔ رفتہ رفتہ یہی چیز اُن کی تباہی کا موجب ہو گئی۔ کیونکہ کچھ تو قید ہونے کی حالت میں ہی مسلمان ہو جاتے اور کچھ مسلمانوں سے ایسے مرعوب ہو جاتے کہ اُن کا مقابلہ کرنے کی رُوح کھو بیٹھتے۔ پس کافر قیدی یا تو مسلمان ہو جاتے تھے یا آجکل کی اصطلاح کے مطابق وہ مسلمانوں کا ففتھ کالم بن جایا کرتے تھے۔ اور اپنی قوم کو ڈرایا کرتے تھے کہ دیکھو مسلمانوں کا مقابلہ نہ کرنا وہ بڑے سخت لوگ ہیں۔ بالآخر اس کا وہی نتیجہ نکلا جو نکلنا چاہیئے تھا کہ مسلمان کامیاب ہو گئے اور کفار ناکام ہو گئے۔

ہماری جماعت کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں کے مطابق ایک زمانہ آنے والا ہے جب ہماری جماعت جو اسوقت سب سے زیادہ کمزور اور دُنیا کے ظلم کا نشانہ بنی ہوئی ہے دُنیا کی فاتح اور حکمران ہو گی۔ اور دُنیا کی سب قومیں، دُنیا کی سب حکومتیں اور دُنیا کی سب سلطنتیں اس کی تابع اور فرمانبردار ہونگی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب ہماری جماعت ساری دُنیا میں پھیل جائیگی۔ اور دوسری قومیں اُس کے مقابلہ میں ایسی ہی رہ جائیں گی جیسے چوہڑے اور چمار ہوتے ہیں۔ پس جب تک ہماری جماعت کے افراد کے اندر جرأت اور بہادری پیدا نہ ہو اور جب تک وہ فنونِ جنگ سے آشنا نہ ہوں وہ ایسے زمانہ میں کس طرح کام آسکتے ہیں۔ حکومت ہمارے پاس نہیں کہ اُسکے زور سے ہم اپنی جماعت کے افراد کو ابھی سے یہ ٹریننگ دے سکیں۔ صرف یہی طریق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فوجی ٹریننگ حاصل کرنے کا جو ذریعہ ہماری جماعت کے لئے نکالا ہے اُس سے ہماری جماعت کے دوست زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔ فوج میں داخل ہونے سے صرف ایک چیز کا خوف ہو سکتا ہے اور وہ موت ہے۔ مگر جیسا کہ میں نے بتایا ہے موت ایک ایسی چیز ہے جو گھر پر بھی آجاتی ہے اور ایسے ایسے طریق پر آتی ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ ایک شخص رات کو اچھا بھلا سوتا ہے مگر اچانک پچھلی رات اُسے ہیضہ ہوتا ہے اور وہ صبح ہونے سے پہلے پہلے فوت ہو جاتا ہے۔ یا چھت گرتا ہے اور وہ اُس کے نیچے دب کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ یا پاؤں پھسل جاتا ہے اور اُسکی ہڈی پسلی ٹوٹ جاتی ہے۔ اور ایسے بیسیوں واقعات روزانہ ہوتے رہتے ہیں۔ پس موت سے ڈرنا جہالت کی بات ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں ہماری جماعت چونکہ فوجی فنون سے ناآشنا ہے اسلئے اُسے سب سے زیادہ

فوجی کاموں میں حصّہ لینا چاہیئے تاکہ زیادہ سے زیادہ اُس کے اندر جرأت اور دلیری پیدا ہو ہمارے ملک میں سکھ بہت تھوڑے ہیں مگر عام طور پر لوگ اُن سے ڈرتے ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ زیادہ تر فوج میں ملازم ہیں۔ اور فوجی کاموں کی وجہ سے وہ نڈر ہو جاتے ہیں۔ تو فوجی خدمت قوم کو بہادر بناتی اور اس کے افراد کے اندر جرأت اور بہادری پیدا کرتی ہے۔ اِسی طرح انتظام کی پابندی کی عادت بھی فوج میں داخل ہونے سے پیدا ہوتی ہے ...... پھر جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے یہ جنگ اس قسم کی ہے کہ اسلام اور احمدیت پر اس کا بڑا بھاری اثر پڑنے والا ہے اس لئے اسلام اور احمدیت پر اس جنگ کا جو بھی اثر ہو اس کو مٹانے کا ذریعہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ زیادہ سے زیادہ فوج میں داخل ہوں تاکہ ان بد اثرات کو مٹا سکیں اور اگر ان بد اثرات کو نہ مٹا سکیں تو کم سے کم وقت پر اپنی جماعت کی حفاظت تو کر سکیں۔ اگر آج وہ فوجی فنون نہیں سیکھیں گے تو کل وہ ان برکات کو بھی حاصل نہیں کر سکیں گے جو فاتح قوموں کے لئے مقدر ہوتی ہیں .... موت اور حیات اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، جو قومیں موت سے ڈرتی ہیں اور اپنے بچوں کی جانوں کی حفاظت کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کے بچے دوسرے ذرائع سے اُن کے سامنے مار ڈالتا ہے۔ پس مَیں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں خصوصاً اُن اضلاع کی جماعتوں کو جن کا ناظر صاحب امور عامہ دورہ کر رہے ہیں کہ وہ ہمّت اور کوشش کر کے نوجوانوں کو بھرتی کرائیں اور انہیں اس دن کے لئے تیار کریں جس دن احمدیت اُن سے قربانی کا مطالبہ کرے گی۔ اگر آج وہ تیار نہیں ہونگے تو وہ وقت پر کچے دھاگے ثابت ہونگے۔ اور اسلام اور احمدیت کے لئے قربانی نہیں کر سکیں گے۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر فوج میں بھرتی ہوئے تو جرمنوں کے ہاتھوں مارے جائیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ فوج میں بھرتی نہ ہوئے تو کیا جرمن اُسی جگہ نہیں آجائیں گے۔ اِس صورت میں تو وہ اسی جگہ جرمنوں کے ہاتھوں مارے جائیں گے اور یہ ایک ذلّت کی موت ہوگی جس سے انہیں بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ پھر مَیں کہتا ہوں مومن تو وہ ہوتا ہے جو سوائے خدا تعالیٰ کے کسی سے ڈرتا ہی نہیں۔ آج وہ جرمن سے ڈر گئے ہیں کل جاپان سے ڈر جائیں گے۔ پرسوں کسی اور قوم سے خوف کھاتے پھریں گے۔ پھر وہ فتح کس پر حاصل کریں گے؟ حالانکہ مومن تو وہ ہوتا ہے جو

کسی کی پرواہ ہی نہیں کرتا اور وہ سمجھتا ہے کہ میرے مقابلہ میں کوئی دشمن نہیں ٹھہر سکتا جس مومن کے دل میں یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے وہ مقابلہ کے وقت سب پر بھاری ہوتا ہے .... پس میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اُن میں سے جو لوگ بھرتی کے قابل ہیں وہ اپنے آپ کو بھرتی کے لئے پیش کریں - ہر شخص بھرتی کے قابل نہیں ہوتا۔ گورنمنٹ نے اس کے لئے صحت کا ایک معیار مقرر کیا ہوا ہے جو دوست اس معیار پر پورے اُترتے ہوں انہیں زیادہ سے زیادہ تعداد میں بھرتی ہونا چاہیئے تاکہ زیادہ سے زیادہ نوجوان فنونِ جنگ سے آشنا ہو سکیں۔ کسی کو کیا معلوم کہ کب خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ آواز آنیوالی ہے کہ اپنا سب کچھ قربان کر کے خدا تعالیٰ کے دین کے لئے نکل کھڑے ہوں - اور یہ کام آسان نہیں بلکہ لڑائی سے بہت زیادہ مشکل ہے لڑائی میں توپیں اور تلواریں ساتھ جاتی ہیں مگر اس لڑائی میں نہ توپ ساتھ ہوتی ہے نہ تلوار ساتھ ہوتی ہے پس کون کہہ سکتا ہے کہ ہمارے ایمان کی آزمائش کا موقعہ کب آنیوالا ہے - یہ آزمائشیں جو اس وقت ہو رہی ہیں یہ تو بالکل ابتدائی ہیں - اور ایسی ہی ہیں جیسے معمار اپنی ہتھوڑی سے اینٹ کے کنارے صاف کرتا ہے - اینٹ کے کنارے صاف کرنا اس کا اصل کام نہیں ہوتا بلکہ اصل کام وہ ہوتا ہے جب اینٹ دیوار میں لگ جاتی ہے - اسی طرح ابھی تو ہمارے کنارے صاف کئے جا رہے ہیں پھر وہ وقت آئیگا جب ان اینٹوں کو دیوار میں لگا دیا جائے گا اور سارا بوجھ ان اینٹوں پر آ پڑے گا -

اسی طرح جماعت کے جو کارکن ہیں ان کو بھی میں توجہ دلاتا ہوں کہ اُن میں ایسے دوست اپنے نام مجھے یا دفتر امور عامہ میں لکھ کر بھجوا دیں جو اپنے اپنے علاقوں میں اس غرض کے لئے دورہ کرنے اور نوجوانوں کو بھرتی پر آمادہ کرنے کے لئے تیار ہوں - ہمارے خاندان میں سے ایک بچہ فوج میں گیا ہوا ہے - باقی بچے اس قابل نہیں - کسی کی آنکھیں کمزور ہیں اور کسی کی عمر نہیں - ہمارے ایک اور بچے نے تین دفعہ بھرتی ہونے کی کوشش کی مگر ناکام رہا - اُس نے اس غرض کے لئے اپنی پڑھائی بھی چھوڑ دی تھی مگر کامیابی نہ ہوئی - تو ہمارے خاندان نے اپنا نمونہ پیش کر دیا ہے یہ نہیں کہ ہم نے اپنے بچے چھپا کر رکھے ہوئے ہوں - ایک بچہ فوج میں گیا ہوا ہے اور دوسرے نے پوری کوشش کی مگر اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی - غرض اللہ تعالیٰ کے فضلوں پر یقین رکھتے ہوئے آئندہ سلسلہ کی خدمات کے لئے تیار کرنے اور اس وقت جنگی

خدمات میں حصہ لینے کے لئے اِس بات کی ضرورت ہے کہ ہماری جماعت کے نوجوان زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے آپ کو بھرتی کے لئے پیش کریں۔ اسی طرح مجھے یا ناظر صاحب امورعامہ کو وہ دوست اپنے اپنے نام بھجوا دیں جو اپنے اپنے علاقوں میں اس غرض کے لئے دورہ کرنے کو تیار ہوں۔ ایسے دوستوں کو چاہیئے کہ وہ گاؤں گاؤں میں پھر کر نوجوانوں کو تلقین کریں۔ اور اُن میں سے جو قابل ہوں انہیں فوج میں بھرتی کرائیں۔ مَیں نے جیسا کہ کہا ہے ایک دفعہ پھر اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ موت کا ڈر کسی زندہ قوم کے افراد کے دل میں نہیں ہو سکتا۔ اگر خدانخواستہ تمہارے دلوں میں موت کا ڈر ہے یا جاپانیوں کا ڈر ہے یا جرمنوں کا ڈر ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ تمہارے دل کا اتنا حصہ ایمان سے خالی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں صاف طور پر فرماتا ہے اِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ کہ مجھ سے ہی ڈرو۔ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے تین دفعہ اس بات پر زور دیا ہے کہ صرف خدا سے ہی ڈرنا چاہیئے کسی اَور سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔ چنانچہ اِيَّايَ سے پہلے فعل محذوف ہے جو اِرْهَبُوْا ہے یعنی اِرْهَبُوْا اِيَّايَ اس کے بعد ایک اور امر محذوف ہے جس پر فا کا حرف دلالت کرتا ہے اور وہ فعل بھی اِرْهَبُوْا ہے۔ تیسری بار فَارْهَبُوْنِ کہہ کر پھر تاکید کی گئی ہے گویا اس فقرہ کو اگر پھیلایا جائے تو یوں بنے گا کہ اِرْهَبُوْا اِيَّايَ۔ اِرْهَبُوْا فَارْهَبُوْنِ۔ یعنی مجھ سے ڈرو۔ ڈرو مجھ سے ہی ڈرو۔ یعنی سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔ یہی مومن کی علامت ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کے سوا کسی اَور سے نہیں ڈرتا اُس کو کوئی طاقت مغلوب نہیں کر سکتی۔ اسی طرح جب کسی قوم کے دل سے ڈر نکل جائے تو وہ قوم یا تو مر جائے گی یا فاتح ہو کر زندگی بسر کرے گی غلام کی زندگی نہیں بسر کرے گی۔ پس اپنے دلوں سے موت کا ڈر نکال دو اور سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرو۔ پھر دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی تم کو مغلوب نہیں کر سکے گی۔"[1]

حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا:۔

"تم مت سمجھو کہ احمدیت کی فتح اسی طرح ہو گی کہ ایک احمدی یہاں سے ہوا اور ایک وہاں سے۔ یہ تو ویسی ہی جنگ ہے جیسی بڑی جنگ سے پہلے ہراول دستوں سے چھوٹی چھوٹی

[1] الفضل ۹ رو فا ۱۳۲۱ہش (۹ رجولائی ۱۹۴۲ء) صفحہ ۳ تا ۹ +

جھڑپیں ہو جایا کرتی ہیں۔ ان معمولی ہراول دستوں کی جنگوں کو بڑی جنگ سمجھنا غلطی ہے۔ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب احمدیت کو دوسرے تمام مذاہب کے مقابلہ میں ڈٹ کر مقابلہ کرنا پڑے گا۔ تب دنیا کے مستقبل کا فیصلہ ہوگا اور تب دنیا کو معلوم ہوگا کہ کونسا مذہب اس کی نجات کے لئے ضروری ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ تلوار کی جنگ ہوگی مگر میں یہ ضرور کہونگا کہ یہ مضبوط دلوں کی جنگ ہوگی اور دلوں کی مضبوطی اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک انسان خطرات میں اپنے آپ کو ڈالنے کے لئے تیار نہ ہو جائیں۔ پس ہر جگہ جہاں کوئی شخص ڈوب رہا ہو وہاں ایک احمدی کو سب سے پہلے کودنا چاہیئے۔ اس لئے بھی کہ وہ مسلمان یا سکھ یا عیسائی یا ہندو اس کا ایک بھائی ہے جس کو بچانا اس کا فرض ہے اور اسلئے بھی کہ اس کے اندر جرأت اور بہادری پیدا ہو۔ ہر جگہ جہاں آگ لگ گئی ہو وہاں ایک احمدی کو اس آگ کے بجھانے کے لئے سب سے پہلے پہنچنا چاہیئے۔ اس لئے بھی کہ جس کے گھر کو آگ لگی ہے وہ خواہ مسلمان ہے یا ہندو ہے یا سکھ ہے یا عیسائی ہے بہرحال اس کا ایک بھائی ہے اور اس لئے بھی کہ اس کے نفس کو آگ میں کودنے کی مشق ہو اور جرأت اور دلیری اس کے اندر پیدا ہو۔ اسی طرح ہر جنگ جو وطن کی حفاظت کے لئے لڑی جائے اس میں ایک احمدی کو سب سے پہلے شامل ہونا چاہیئے اس لئے بھی کہ وطن کا حق ہے کہ اسکی حفاظت کے لئے جان دی جائے۔ اور اس لئے بھی کہ اس کے اندر جرأت اور بہادری پیدا ہو اور جب شیطان کی جنگ خدا تعالیٰ کی فوج کے ساتھ ہو تو اس وقت وہ اس جنگ میں خدا تعالیٰ کے لئے اپنی جان کو قربان کرنے والا ہو۔ جو شخص آج اپنے آپ کو اس رنگ میں تیار نہیں کرتا۔ جو شخص آج اپنے نفس کی اس طرح تربیت نہیں کرتا۔ جو شخص آج اپنے اندر یہ جرأت اور دلیری پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا کل اس پر کوئی امید نہیں کی جا سکتی۔ وہ کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ جائے گا۔ اور اس کی زبان کے دعوے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔"[1]

جنگ میں بھرتی ہونے کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ اور سلسلہ کے بعض اور کارکنوں نے ملک کے وسیع دورے کئے جس کے نتیجہ میں قریباً سولہ ہزار (۱۶۰۰۰) احمدی جنگ میں بھرتی ہوئے۔[2]

---

[1] الفضل ۲۴ وفا ۱۳۲۱ھش (۲۴ جولائی ۱۹۴۲ء) صفحہ ۶ و ۷۔ [2] الفضل ۱۱ اخاء ۱۳۲۴ھش / اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۱ (خطبہ جمعہ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرمودہ ۵ اخاء ۱۳۲۴ھش (۵ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

جن کا دسالانہ) چندہ ایک لاکھ کے قریب پہنچ گیا۔ احمدی سپاہیوں نے اندرون ملک اور ملک سے باہر مشرق وسطیٰ، مشرق بعید میں فرض شناسی اور شجاعت بہادری کے خوب جوہر دکھلائے۔ اس دوران میں انہیں ہانگ کانگ[۳] وغیرہ علاقوں میں ہندوستانی فوجیوں کی مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا اور جاپان کی قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلنا پڑیں مگر انہوں نے کمال صبر و تحمل کا نمونہ دکھلایا۔ اور نظربندی کے زمانہ میں نمازوں اور دعاؤں کا خاص التزام رکھا[۴] جو احمدیت کی تعلیم کا اعجاز تھا۔

بیرونی مبلغین کے لئے خصوصی دُعا کی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو سلسلہ کے مبلغین سے از حد محبت تھی اور حضور اپنے بیٹوں سے بڑھ کر اُن پر شفقت فرماتے تھے۔ اور خصوصاً باہر جانے والے مبلغوں کی نسبت تو فرمایا کرتے تھے کہ میرے دل میں اُن کے لئے جذباتِ ممنونیت اس درجہ پیدا ہوتے ہیں کہ اگرچہ وہ محض سلسلہ کی خاطر اپنے وطنوں کو خیرباد کہتے ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ گویا میرے ذاتی کام کے لئے جا رہے ہیں۔

جنگ کے ایام میں حضور اپنے اُن خدام کے لئے جو اکناف عالم میں مصروفِ تبلیغ تھے اور مصائب و آلام میں گھر گئے تھے بہت متشوش تھے اور اُن کی خیریت و سلامتی اور اُن کے مقاصد کی تکمیل کے لئے خود بھی دُعائیں فرماتے اور سالانہ جلسے کے موقعہ پر احبابِ جماعت کو بھی ارشاد فرماتے کہ وہ اپنی دعاؤں میں اُن مجاہدین کو خاص طور پر یاد رکھیں۔ اِس سال کے دوران میں جب رمضان کے مبارک ایام آئے جو دعاؤں کی قبولیت کے لئے خصوصیت رکھتے ہیں تو حضور نے ۱۵ ماہ تبوک ۱۳۲۱ ہش / ستمبر ۱۹۴۲ء کو اپنے خطبہ جمعہ میں مبلغین کے لئے خصوصی دُعا کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:—

"آج کل سینکڑوں نہیں ہزاروں احمدی لڑائی میں گئے ہوئے ہیں۔ شائد ہی کوئی ایسی جگہ ہو جہاں بڑی تعداد میں احمدی رہتے ہوں اور وہاں سے کوئی احمدی لڑائی میں نہ گیا ہو۔ پھر بہت سے احمدی ہیں جو لڑائی کی وجہ سے آجکل قید ہیں۔ اسی طرح ہمارے کئی مبلغ قید ہیں یا قید نما حالت میں ہیں۔ اُن میں سے دس بارہ تو مشرقی ایشیا میں ہی ہیں۔ مثلاً مولوی رحمت علی صاحب، مولوی شاہ محمد صاحب، ملک عزیز احمد صاحب، مولوی محمد صادق صاحب، مولوی

---

[۳] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۳۲۰-۱۹ ہش / ۴۰-۱۹۴۱ء صفحہ ۱۵۹ + [۴] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو محمد نصیب صاحب عارف (پسر بابو محمد شریف صاحب مرحوم محلہ دارالرحمت قادیان) کے مضامین مطبوعہ الفضل ۲۹ اخاء ۱۳۲۴ ہش / اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۵ و ۶ و الفضل ۱۹ فتح ۱۳۲۴ ہش / دسمبر ۱۹۴۵ء و الفضل ۲۹ صلح ۱۳۲۵ ہش / جنوری ۱۹۴۶ء و ۱۲ تبلیغ ۱۳۲۵ ہش / فروری ۱۹۴۶ء

غلام حسین صاحب۔ اِن کے علاوہ کچھ لوکل مبلّغ ہیں جو پانچ سات ہیں جن میں سے بعض کو یہاں سے مقرر کیا گیا تھا اور بعض کو وہاں کی جماعتوں نے اپنا مبلّغ بنا لیا تھا۔ ان تمام مبلغین کے متعلق نہ ہمیں کوئی خبر ہے نہ اطلاع۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان سب کو اپنی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں کیونکہ وہ ہماری طرف سے ان ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض باتوں کو فرض کفایہ قرار دیا ہے اور تبلیغ بھی انہی میں سے ایک ہے۔ یعنی اگر قوم میں سے کوئی شخص بھی تبلیغ نہ کرے تو ساری قوم گنہگار اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مورد ہوگی۔ لیکن اگر کچھ لوگ تبلیغ کے لئے کھڑے ہو جائیں تو باقی قوم گنہگار نہیں ہوگی۔ پس اگر یہ لوگ تبلیغ کے لئے غیر ممالک میں نہ جاتے تو احمدیہ جماعت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں گنہگار ٹھہرتی۔ اور وہ اس کے عذاب کی مورد بن جاتی کیونکہ وہ کہتا کہ اس قوم نے تبلیغ کو بالکل ترک کر دیا ہے جیسے مسلمانوں کی حالت ہے کہ جب انہوں نے فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیا اور اُن میں ایسے لوگ نہ رہے جو اپنے وطنوں کو چھوڑ کر اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر اور اپنے آرام و آسائش کے سامانوں کو چھوڑ کر غیر ممالک میں جائیں اور لوگوں کو داخلِ اسلام کریں تو وہ موردِ عذاب بن گئے۔ پس جن لوگوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کو اپنی خاص رحمتوں کا مورد بنایا ہوا ہے، یقیناً اُن کا حق ہے کہ ہم انہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اُن کے لئے دُعا کرنا اپنی ذاتی دعاؤں پر مقدّم سمجھیں اور متواتر الحاح اور عاجزی سے اُن کی صحت اور سلامتی کے لئے دُعائیں کریں۔ اسی طرح اور بہت سے مبلّغ ہیں جن کی قربانیوں کا صحیح اندازہ ہماری جماعت کے دوست نہیں لگا سکتے۔ بالخصوص دو مبلّغ تو ایسے ہیں جو شادی کے بہت تھوڑا عرصہ بعد ہی تبلیغ کے لئے چلے گئے اور اب تک باہر ہیں۔ اُن میں سے ایک دوست تو نو سال سے تبلیغ کے لئے گئے ہوئے ہیں حکیم فضل الرحمٰن اُن کا نام ہے۔ انہوں نے شادی کی اور شادی کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی انہیں تبلیغ کے لئے بھجوا دیا گیا۔ وہ ایک نوجوان اور چھوٹی عمر کی بیوی چھوڑ کر گئے تھے مگر اب وہ آئیں گے تو انہیں ادھیڑ عمر کی بیوی ملے گی۔ یہ قربانی کوئی معمولی قربانی نہیں میرے نزدیک تو کوئی نہایت ہی بے شرم اور بے حیا ہی ہو سکتا ہے جو اس قسم کی قربانیوں کی قیمت کو نہ سمجھے اور انہیں نظر انداز کر دے۔ اسی طرح مولوی جلال الدین صاحب شمس ہیں

انہوں نے بڑی عمر میں شادی کی اور دو تین سال بعد ہی انہیں تبلیغ کے لئے بھیج دیا گیا۔ اُن کے ایک بچے نے اپنے باپ کو نہیں دیکھا اور باپ نہیں جانتا کہ میرا بچہ کیسا ہے۔ سوائے اس کے کہ تصویروں سے انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا ہو۔ وہ بھی کئی سال سے باہر ہیں اور اب تو لڑائی کی وجہ سے اُن کا آنا اور بھی مشکل ہے۔ قائم مقام ہم بھیج نہیں سکتے اور خود وہ آ نہیں سکتے کیونکہ راستے مخدوش ہیں۔ اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کب واپس آئیں گے لڑائی ختم ہو اور حالات اعتدال پر آئیں تو اس کے بعد اُن کا آنا ممکن ہے اور نہ معلوم اس میں ابھی اور کتنے سال لگ جائیں۔ ان لوگوں کی ان قربانیوں کا کم سے کم بدلہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کا ہر فرد دعائیں کرے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے اور اُن کے اعزہ اور اقرباء پر بھی رحم فرمائے۔ مَیں تو سمجھتا ہوں جو احمدی ان مبلّغین کو اپنی دعاؤں میں یاد نہیں رکھتا اس کے ایمان میں ضرور کوئی نقص ہے۔ اور مجھے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے ایمان میں خلل واقع ہو چکا ہے اسی طرح اور بھی کئی مبلّغ ہیں جن کی قربانی گو اس حد تک نہیں مگر پھر بھی وہ سالہا سال سے اپنے اعزہ اور رشتہ داروں سے دُور ہیں اور قسم قسم کی تکالیف برداشت کر رہے ہیں۔ ان مبلّغین میں سے مغربی افریقہ کے دو مبلّغ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ایک مولوی نذیر احمد صاحب (ابن بابو فقیر علی صاحب) اور دوسرے مولوی محمد صدیق صاحب۔ یہ لوگ ایسے علاقوں میں ہیں جہاں سواریاں مشکل سے ملتی ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں بھی آسانی سے میسّر نہیں آتیں۔ رستہ میں کبھی ستّو پھانک کر گذارہ کر لیتے ہیں اور کبھی کوئی پھل کھا لیتے ہیں۔ پھر انہیں سینکڑوں میل کے دَورے کرنے پڑتے ہیں اور ان دَوروں کا اکثر حصّہ وہ پیدل طے کرتے ہیں۔ یہ قربانیاں ہیں جو سالہا سال سے یہ لوگ کر رہے ہیں۔ چیف اور رؤساء اُن کا مقابلہ کرتے ہیں بعض دفعہ (گو ہمیشہ نہیں) گورنمنٹ بھی اُن کے راستہ میں روڑے اٹکاتی ہے۔ عام پبلک اور مولوی بھی مقابلہ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان تمام روکوں کے باوجود وہ مختلف علاقوں میں جماعتیں قائم کرتے اور خانہ بدوشوں کی طرح دین کی اشاعت کے لئے پھرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ ایسے نہیں کہ جماعت ان کی قربانیوں کے واقعات کو تسلیم کرنے سے انکار کر سکے۔ مَیں قربانیوں کے واقعات کو تسلیم کرنے" کی بجائے "ان کے احسانات کو تسلیم کرنے" کے الفاظ استعمال کرنے لگا تھا مگر پھر مَیں نے

لفظ احسان اپنی زبان سے نہیں نکالا۔ کیونکہ دین کے لئے قربانی کرنا ہر مومن کا فرض ہے۔ اِسی لئے میں نے کہا ہے کہ جماعت ان لوگوں کی قربانیوں کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرسکتی۔ لیکن بہرحال اس میں کیا شبہ ہے کہ جو کام یہ لوگ کر رہے ہیں وہ ساری جماعت کا ہے اور اس لحاظ سے جماعت کے ہر فرد کو اپنی دعاؤں میں ان مبلغین کو یاد رکھنا چاہیئے۔

اِسی طرح اور مبلغ دوسرے مختلف ممالک میں اخلاص اور قربانی سے کام کر رہے ہیں۔ صوفی مطیع الرحمٰن صاحب امریکہ میں کام کر رہے ہیں اور بعض مشکلات میں ہیں۔ مولوی مبارک احمد صاحب مشرقی افریقہ میں کام کر رہے ہیں، مولوی رمضان علی صاحب ساؤتھ امریکہ میں کام کر رہے ہیں چوہدری محمد شریف صاحب فلسطین اور مصر میں کام کر رہے ہیں۔ حکیم فضل الرحمٰن صاحب کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں ان کے علاوہ مولوی نذیر احمد صاحب مبشر سیالکوٹی آجکل گولڈکوسٹ میں کام کر رہے ہیں۔ یہاں گو جماعتیں پہلے سے قائم ہیں مگر وہ اکیلے کئی ہزار کی جماعت کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ پھر اُن کی قربانی اس لحاظ سے بھی خصوصیت رکھتی ہے کہ وہ آنریری طور پر کام کر رہے ہیں۔ جماعت اُن کی کوئی مدد نہیں کرتی۔ وہ کبھی سات آٹھ سال سے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے جدا ہیں بلکہ تبلیغ پر جانے کی وجہ سے وہ اپنی بیوی کا رخصتانہ بھی نہیں کرا سکے۔"[۵۱]

خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور رحم سے حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ اور احباب کی متضرعانہ دعاؤں کو سُنا اور مجاہدین کی اعجازی رنگ میں حفاظت فرمائی۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن کی رہائش گاہ کے دائیں اور بائیں جرمن جہازوں نے بمباری کی مگر آپ محفوظ رہے۔ اسی طرح چوہدری محمد شریف صاحب مجاہد اٹلی بھی۔ ملک عزیز احمد خاں صاحب، مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری اور سید شاہ محمد صاحب کو جاوی علماء کی مخبری پر جاپانی حکام نے جیل میں ڈال دیا اور مولوی محمد صادق صاحب کو جاپانی حکومت نے پھانسی دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ مگر قبل اس کے کہ اس ناپاک منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا جاتا خدائے ذوالجلال نے اس ظالم حکومت کا تختہ ہی اُلٹ دیا۔[۵۲]

---

[۵۱] الفضل یکم اخاء ۱۳۲۱ہش (یکم اکتوبر ۱۹۴۲ء) صفحہ ۲، ۳ ۔ [۵۲] ملاحظہ ہو "تاریخ احمدیت" جلد پنجم صفحہ ۵۱۹ — ۵۲۱ ۔

مبلّغین سلسلہ کو ذکر الٰہی کیلئے اہم تحریک

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جہاں جماعت کے دوستوں کو بیرونی مبلّغین کے لئے دُعا کی تحریک فرمائی وہاں خود مبلّغوں کو بھی ارشاد فرمایا کہ وہ ہمیشہ ذکر الٰہی میں مصروف رہیں تا اُن کی تبلیغ میں جذب واثر پیدا ہو۔ چنانچہ فرمایا:۔

"حقیقت یہی ہے کہ اسی قوم کے دن زندہ ہوتے ہیں جس کی راتیں زندہ ہوں۔ جو لوگ ذکر الٰہی کی قدر و قیمت کو نہیں سمجھتے اُن کا مذہب کے ساتھ وابستگی کا دعویٰ محض ایک رسمی چیز ہے۔ کئی نوجوان ایسے ہوتے ہیں جو تبلیغ بڑے جوش سے کرتے ہیں چندوں میں بھی شوق سے حصہ لیتے ہیں مگر ذکر الٰہی کے لئے مساجد میں بیٹھنا اور اخلاق کی درستی کے لئے خاموش بیٹھنا اُن پر گراں ہوتا ہے اور جو وقت اس طرح گذرے اُسے وہ سمجھتے ہیں کہ ضائع گیا، اُسے تبلیغ پر صرف کرنا چاہیئے تھا۔ ایسے لوگ اِس بات کو بھول جاتے ہیں کہ تلوار اور سامانِ جنگ کے بغیر لڑائی نہیں جیتی جا سکتی جس طرح لڑائی کے لئے اسلحہ اور سامانِ جنگ کی ضرورت ہے اسی طرح تبلیغ بھی بغیر سامانوں کے نہیں ہو سکتی۔ تبلیغ کے میدانِ جنگ کے لئے ذکر الٰہی آرسنل اور فیکٹری ہے اور جو مبلّغ ذکر الٰہی نہیں کرتا وہ گویا ایک ایسا سپاہی ہے جس کے پاس تلوار نیزہ یا کوئی اور اسلحہ نہیں۔ ایسا مبلّغ جس چیز کو تلوار یا اپنا ہتھیار سمجھتا ہے وہ کرم خوردہ لکڑی کی کوئی چیز ہے جو اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ آخر یہ کیا بات ہے کہ وہی دلیل محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم دیتے تھے اور دل پر اثر کرتی تھی۔ لیکن وہی دلیل دوسرا پیش کرتا ہے لیکن سننے والا ہنس کر گذر جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا بیہودہ باتیں کر رہا ہے۔ یہ فرق کیوں ہے؟ اِس کی وجہ یہی ہے کہ اُس شخص کے پاس جو ہتھیار ہے وہ لکڑی کا کرم خوردہ ہتھیار ہے مگر محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لوہے کی ایسی تیز تلوار تھی جو ذکر الٰہی کے کارخانے سے تازہ ہی بن کر نکلی تھی۔ کیا وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتوں میں جو اثر تھا وہ دوسروں کی باتوں میں نہیں۔ ہمارے مبلّغوں کی تقریروں میں وہ اثر نہیں اِس کی وجہ یہی ہے کہ جس مبلّغ کی تقریر کو ذکر الٰہی نے تلوار نہیں بنایا ہوتا۔ اُس کے ہاتھ میں لکڑی کا کرم خوردہ ہتھیار ہے جسے گھن لگا ہوا ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

ہاتھ میں جو تلوار تھی وہ ذکر الٰہی کے کارخانہ سے نئی نئی بن کر آئی تھی۔ جسے نہ کوئی زنگ لگا تھا نہ چربی وغیرہ کوئی چیز لگی تھی۔ مبلّغ جو تلوار استعمال کرتا ہے وہ کسی پُرانی فیکٹری میں بنی ہوئی ہوتی ہے۔ جسے زمانے اور نشان وغیرہ پڑ چکے ہیں اور جو پہلے استعمال ہو چکنے کی وجہ سے خراب ہو چکی ہے اور پُرانی ہونے کی وجہ سے اُس کے ہینڈل کو کیڑا لگا ہوا ہے۔ یہ اُسے مارتا ہے تو بجائے دوسرے کو نقصان پہنچانے کے خود ہی ٹوٹ کر گر جاتی ہے۔ دوسرے پر اثر تبلیغ اور دلیل سے ہی نہیں پڑتا بلکہ اس کے پیچھے جو جذبہ ہوتا ہے اُسکا اثر ہوتا ہے ایک بزرگ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جہاں وہ رہتے تھے اُس محلّہ میں ایک بہت فسادی اور شریر آدمی تھا جو ہر وقت عیّاشی میں مصروف رہتا۔ اور دین سے ہمیشہ مذاق کرتا تھا وہ اُسے بہت سمجھاتے تھے مگر اُس پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ وہ بزرگ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حج کے لئے گیا۔ تو اُسے دیکھا کہ نہایت عجز و انکسار کی حالت میں طواف کر رہا ہے۔ جب فارغ ہوئے تو اس بزرگ نے اُس سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ تم حج کے لئے آ گئے ہا تم تو دین سے مذاق کیا کرتے تھے اور کسی نصیحت کا تم پر اثر ہی نہ ہوتا تھا۔ اُس نے کہا۔ میری ہدایت کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ میں بازار میں جا رہا تھا۔ عیّاشی کے خیالات میں محو تھا اور عیش و طرب کے مرکز کی طرف ہی جا رہا تھا کہ ایک مکان میں کوئی شخص قرآن شریف بلند آواز سے پڑھ رہا تھا کہ آیت اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ میرے کان میں پڑی یعنی کیا مومنوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ جب اُن کے دل خدا تعالےٰ کے ذکر کے لئے نرم ہو جائیں اور وہ ذکر الٰہی شروع کر دیں۔ اِس آواز میں ایسا سوز و گداز اور ایسی محبّت تھی کہ مجھے یوں معلوم ہوا کہ وہ دنیا میں سے کسی انسان کی آواز نہ تھی۔ اُس آواز کو سُنتے ہی میں گویا اُڑ کر کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ اُسی وقت گھر آیا اور عیش و طرب کے سب سامان توڑ ڈالے اور حج کے لئے روانہ ہو گیا۔ یہ قرآن کی وہی آیت ہے جو کئی لوگ پڑھتے اور سُنتے ہیں مگر اُن پر کوئی خاص اثر نہیں ہوتا۔ لیکن یہی آیت جب ایک ایسے دل سے نکلی جو ذکر الٰہی سے سرسبز اور شاداب تھا تو سُننے والے پر ایسا اثر کیا کہ اُسکی زندگی میں گویا ایک انقلاب پیدا کر دیا۔

اسی طرح ایک اور بزرگ کا واقعہ ہے کہ کسی شہر میں بادشاہ کا کوئی درباری رہتا تھا جس کے ہاں شب و روز گانا بجانا ہوتا اور محلہ والے سخت تنگ آ چکے تھے۔ محلہ کے لوگ اُس بزرگ کے پاس گئے اور کہا کہ اِس طرح رات بھر شور و شر کی وجہ سے عبادت میں خلل پڑتا ہے اگر عبادت کرنا چاہیں تو شور کی وجہ سے نہیں کر سکتے اور اگر سونا چاہیں کہ تہجد کے وقت اُٹھیں گے تو شور کی وجہ سے نیند نہیں آتی۔ اِن حالات میں ہم لوگ کیا کریں؟ کئی لوگ اس درباری کو سمجھاتے رہے وہ بزرگ بھی پیغام بھیجتے رہے مگر اس پر کوئی اثر نہ ہونا تھا اور نہ ہوا۔ آخر جب لوگوں نے اُس درباری سے کہا کہ اب سختی سے تمہارا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اُس نے جواب دیا کہ تم میرا کیا مقابلہ کر سکتے ہو؟ تم جانتے نہیں کہ مَیں بادشاہ کا درباری ہوں۔ مَیں بادشاہ سے کہہ کر کل یہاں پولیس مقرر کرا دوں گا۔ پھر تم کو اچھی طرح پتہ لگ جائے گا۔ اُس بزرگ نے کہا کہ تم پولیس مقرر کرا لو گے تو ہم بھی مقابلہ کریں گے۔ اُس نے جواب دیا کہ بڑے آئے مقابلہ کرنے والے۔ تمہارے پاس کیا رکھا ہے جس سے بادشاہ کی فوجوں کا مقابلہ کرو گے؟ اُس بزرگ نے کہا کہ ہم تو راتوں کے تیروں سے مقابلہ کریں گے۔ اُس بزرگ کو دُعاؤں کی طاقت اور اپنی دعاؤں کی قبولیت کا جو یقین تھا اُس کا یہ اثر ہوا کہ اُن کے مونہہ سے یہ بات نکلنے کے ساتھ ہی اُس درباری کی چیخیں نکل گئیں۔ اُس نے فوراً حکم دیا کہ سارنگیاں وغیرہ توڑ دی جائیں۔ اور اُس بزرگ سے کہا کہ راتوں کے تیروں کا مقابلہ ہم واقعی نہیں کر سکتے۔ تو ذکرِ الٰہی کی طاقت سے بات میں بہت زیادہ اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ دیکھو قرآن کریم وہی تھا مگر مسلمان اس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے تھے اس لئے کہ اُن کے دلوں میں حقیقی ایمان نہ تھا۔ مگر وہی قرآن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ میں آ کر کس طرح اسلام کے دشمنوں کو تہس نہس کر رہا ہے۔ اور چاروں طرف مُردے ہی مُردے نظر آتے ہیں۔ یہ اس لئے ہُوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ذکرِ الٰہی کی طاقت تھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وفاتِ مسیحؑ کے جو دلائل پیش فرمائے ہیں اُن میں بیس تیس بلکہ اَور سو کا اضافہ بھی بے شک کر لو لیکن اگر ذکرِ الٰہی نہیں تو ان تمام دلائل اور انہیں بیان کرنے والے

مبلّغوں کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ اثر زبان نہیں دل کا جذبہ کرتا ہے۔ خالی زبانی باتوں سے کچھ نہیں بنتا۔ اِس میں شبہ نہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے اور وہ معقول بات کو ہی قبول کرتا ہے۔ لیکن صرف بات کا معقول ہونا ہی اثر نہیں کر سکتا جب تک کہ اُس کے ساتھ محبت اور سنجیدگی نہ ہو۔ بات معقول بھی ہو اور پھر اس کے ساتھ محبت اور سنجیدگی بھی ہو تب اثر ہوتا ہے۔ اخلاص اور محبت کے بغیر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ یعنی دین اور اخلاص ایک چیز ہے۔ جب تک اخلاص نہیں دین بھی نہیں۔ اور جب اخلاص مٹے گا دین بھی مٹ جائیگا۔"[1]

چینی مسلمانوں کے نمائندہ شیخ عثمان صاحب قادیان میں

چین کے مسلمانوں کی ایک مرکزی تنظیم "نیشنل اسلامک سالویشن فیڈریشن"[2] کے نام سے قائم تھی جس کے نمائندہ شیخ عثمان صاحب نظارت دعوت و تبلیغ کی تحریک پر لاہور سے یکم اخاء ۱۳۲۱ھش (اکتوبر ۱۹۴۲ء) کو قادیان آئے۔ آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی کوٹھی بیت الظفر میں اُن کا پُرتپاک استقبال کیا گیا۔ بعض احباب سے انگریزی اور چینی میں گفتگو کی۔ جزائر شرق الہند کے احمدی نوجوانوں سے بھی ملے اور بہت خوش ہوئے۔ اس ملاقات کے بعد آپ نے مرکزی ادارے دیکھے۔ شام کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بیت الظفر میں انہیں اور بعض دوسرے معززین کو دعوت افطاری دی اور دعوت سے قبل انگریزی میں مسلمانان چین کے مذہبی تمدنی اور معاشرتی حالات سے متعلق گفتگو فرماتے رہے۔[3]

دوسرے روز (۲ اخاء کو) آپ نے ½۹ بجے صبح تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہال میں زیر صدارت حضرت مفتی محمد صادق صاحب مسلمانان چین کے کوائف پر لیکچر دیا۔ بعد ازاں آپ قصر خلافت میں آئے جہاں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کی درخواست پر الوداعی ملاقات کا شرف بخشا اور آپ ۱۱ بجے واپس لاہور روانہ ہو گئے۔

شیخ عثمان صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زیارت سے بہت متاثر تھے چنانچہ انہوں نے خود ہی بعض دوستوں کو بتایا کہ حضور کی شخصیت نے میرے دل پر بہت گہرا اثر کیا ہے، آپ بہت ہی

[1] الفضل ۶ اخاء ۱۳۲۱ھش / اکتوبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۳ [2] الفضل ۲۵ احسان ۱۳۲۱ھش صفحہ ۵ [3] الفضل ۲ اخاء ۱۳۲۱ھش / اکتوبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱

قابلِ تعریف شخصیت ہیں اور آپ کی معلومات نہایت وسیع ہیں۔ آپ ہر ایک اہم موضوع پر نہایت عمدگی کے ساتھ عالمانہ گفتگو فرما سکتے ہیں اور کئی زبانوں سے واقف ہیں۔[۵۱]

ہندوستان میں پیغامِ حق کی منظم اشاعت کیلئے "تبلیغ خاص" کی تحریک

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کو دوسری جنگِ عظیم کے دَوران میں اس طرف توجہ ہوئی کہ اب تک جماعتِ احمدیہ انفرادی رنگ میں تبلیغ کرتی رہی ہے۔ اب اسے اجتماعی تبلیغ کا رنگ اختیار کرنا چاہیئے اور جنگ کے خاتمہ سے پہلے ہندوستان میں تبلیغ احمدیت کے لئے پورا زور لگا دیا جائے اور جونہی جنگ ختم ہو اور بیرونی رستے کھلیں تو غیر ممالک پر روحانی اور تبلیغی حملہ کر دیا جائے تا دنیا میں جو خلا پیدا ہو وہ احمدیت کے ذریعہ باسانی پورا کیا جا سکے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:۔

"گو ہندوستان سے باہر مبلغ نہیں بھیجے جا سکتے مگر جنگ کے بعد بہت ضرورت ہوگی فی الحال ہمیں ہندوستان میں ہی تبلیغ کے کام کو بڑھانا چاہیئے اور باہر کا جو رستہ بند ہو چکا ہے اس کا کفّارہ یہاں ادا کرنا ضروری ہے۔ پس کیوں نہ ہم یہاں اتنا زور لگائیں کہ جماعت میں ترقی کی رفتار سوائی یا ڈیوڑھی ہو جائے۔ اور دو تین سال میں ہی جماعت دوگنی ہو جائے۔ جب تک ترقی کی یہ رفتار نہ ہو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ ہمارے سامنے بہت بڑا کام ہے۔ پونے دو ارب مخلوق ہے جن سے ہم نے صداقت کو منوانا ہے اور جب تک باہر کے راستے بند ہیں ہندوستان میں ہی کیوں نہ کوشش زیادہ کی جائے"۔[۵۲]

اس مقصد کے مدّنظر حضور نے ۹ ماہ اخاء ۱۳۲۱ھش / اکتوبر ۱۹۴۲ء کے خطبہ جمعہ میں ہندوستان کے چپّہ چپّہ تک پیغام احمدیت پہنچانے کے لئے ایک تبلیغ خاص کی نہایت اہم تحریک فرمائی جس کے دو حصّے تھے۔ اوّل:۔ غیر احمدی علماء، امراء اور مشائخ کے نام خطبہ نمبر "الفضل" اور "سن رائز" کے ہزار ہزار پرچے جاری کرائے جائیں۔ دوم:۔ ملک کے با اثر اور مقتدر طبقہ کو خطوط کے ذریعہ بھی بار بار تبلیغ کی جائے۔[۵۳]

تبلیغ خاص کی اس نئی تحریک کی تفصیلات پر حضور نے مندرجہ ذیل الفاظ میں روشنی ڈالی:۔

---

[۵۱] الفضل ۴ / اخاء ۱۳۲۱ھش / اکتوبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ + [۵۲] الفضل ۱۰ / تبلیغ ۱۳۲۱ھش / فروری ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ (تقریر فرمودہ جلسہ سالانہ ۱۳۲۰ھش / ۱۹۴۱ء)

[۵۳] الفضل ۲۲ / اخاء ۱۳۲۱ھش / اکتوبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۴۔ اُن دنوں "الفضل" کے خطبہ نمبر کا سالانہ چندہ اڑھائی روپے اور "سن رائز" کا (ہندوستان کیلئے) چار روپے تھا۔

"انبیاء کی جماعتیں جب حقیقی تبلیغ کے لئے اُٹھتی ہیں تو دیوانگی کا رنگ رکھتی ہیں - لوگ کہتے ہیں یہ لوگ پاگل ہیں - وہ بھی کہتے ہیں کہ ہاں ہم پاگل ہیں - مگر اس جنون سے پیاری چیز ہمیں اور کچھ نہیں - مگر اس دن کے آنے سے پہلے تبلیغ میں تیزی کی ضرورت ہے سمندر کو ایک دن میں کوئی شخص پار نہیں کر سکتا جو اُسے پار کرنا چاہے پہلے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو اُس کے قریب کرے - ایک چھلانگ میں ہی کوئی اُس تک نہیں پہنچ سکتا پس پہلے اس کے لئے تیاری کی ضرورت ہے -

اس سلسلہ میں میں نے یہ تجویز کی ہے کہ سردست ضرورت ہے کہ ایک حد تک اِس طبقہ میں جو علماء اور رؤساء اور امراء یا پیروں اور گدی نشینوں کا طبقہ ہے اُس تک باقاعدہ سلسلہ کا لٹریچر بھیجا جائے "الفضل" کا خطبہ نمبر یا انگریزی دان طبقہ تک "سن رائز" جس میں میرے خطبہ کا انگریزی ترجمہ چھپتا ہے باقاعدہ پہنچایا جائے - تمام ایسے لوگوں تک ان کو پہنچایا جائے جو عالم ہیں یا امراء رؤسا یا مشائخ میں سے ہیں اور جن کا دوسروں پر اثر و رسوخ ہے - اور اس کثرت سے اُن کو بھیجیں کہ وہ تنگ آکر یا تو اس طرف توجہ کریں اور یا مخالفت کا بیڑہ اُٹھائیں اور اس طرح تبلیغ کے اس طریق کی طرف آئیں جسے آخر ہم نے اختیار کرنا ہے - لٹریچر اور "الفضل" کا خطبہ نمبر یا "سن رائز" بھیجنے کے علاوہ ایسے لوگوں کو خطوط کے ذریعہ بھی تبلیغ کی جائے اور بار بار ایسے ذرائع اختیار کرکے اُن کو مجبور کردیں کہ یا وہ صداقت کی طرف توجہ کریں اور تحقیق کرنے لگیں اور یا پھر مخالفت شروع کردیں - مثلاً ایک چٹھی بھیج دی - پھر کچھ دنوں کے بعد اور بھیجی - پھر کچھ انتظار کے بعد اور بھیجدی جس طرح کوئی شخص کسی حاکم کے پاس فریاد کرنے کے لئے اُسے چٹھی لکھتا ہے مگر جواب نہیں آتا تو اور لکھتا ہے - پھر وہ توجہ نہیں کرتا تو ایک اور لکھتا ہے حتّٰی کہ وہ افسر توجہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے - پس تکرار کے ساتھ علماء اور امراء و رؤسا و مشائخ نیز راجوں مہاراجوں نوابوں اور بیرونی ممالک کے بادشاہوں کو بھی چٹھیاں لکھی جائیں - اگر کوئی شکریہ ادا کرے تو اس پر خوش نہ ہو جائیں اور پھر لکھیں کہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ آپ اس کی طرف توجہ کریں - جواب نہ آئے تو پھر چند روز کے بعد اور لکھیں کہ

اس طرح آپ کو خط بھیجا گیا تھا مگر آپ کی طرف سے اس کا کوئی جواب نہیں آیا۔ پھر کچھ دنوں تک انتظار کے بعد اور لکھیں حتی کہ یا تو وہ بالکل ایسا ڈھیٹ ہو کہ اس کے دل پر مہر لگی ہوئی ہے اور اس کی طرف سے اس کے سیکرٹری کا جواب آئے کہ تم لوگوں کو کچھ تہذیب نہیں بار بار دق کرتے ہو۔ راجہ صاحب نے یا پیر صاحب نے خط پڑھ لیا اور وہ جواب دینا نہیں چاہتے۔ اور یا پھر اس کی طرف سے جواب آئے کہ آؤ جو سنانا چاہتے ہو سنا لو۔ اس رنگ میں تبلیغ کے نتیجہ میں کچھ لوگ غور کے لئے تیار ہو جائیں گے مگر اس وقت تو یہ حالت ہے کہ غور کرتے ہی نہیں۔ پس اب اس رنگ میں کام شروع کرنا چاہیئے اس کے لئے ضرورت ہے ایسے مخلص کارکنوں کی جو اپنا وقت اس کام کے لئے دے سکیں بہت سی چٹھیاں لکھنی ہونگی۔ چٹھیاں چھپی ہوئی بھی ہو سکتی ہیں مگر پھر بھی ان کو بھیجنے کا کام ہوگا۔ اگر جواب آئے تو ان کا پڑھنا اور پھر ان کے جواب میں بعض چٹھیاں دستی بھی لکھنی پڑیں گی۔ بعض چٹھیوں کے مختلف زبانوں میں تراجم کرنے ہونگے اور یہ کافی کام ہوگا۔ اس کے لئے جن دوستوں کو اللہ تعالیٰ توفیق دے وہ اس کام میں مدد دیں۔ پھر جو دوست "الفضل" کا خطبہ نمبر اور "سن رائز" دوسروں کے نام جاری کرا سکیں وہ اس رنگ میں مدد دیں .... امداد دینے والے دوست اپنے نام میرے سامنے پیش کریں، میں خود تجویز کروں گا کہ کن لوگوں کے نام یہ پرچے جاری کرائے جائیں۔ پھر اس سلسلہ میں اور جو دوست خدمت کے لئے اپنے نام پیش کرنا چاہیں وہ بھی کر دیں۔ اُن کے ذمہ کام لگا دیئے جائیں گے۔ مثلاً یہ کہ فلاں قسم کے خطوط فلاں کے پاس جائیں اور اُن کے جواب بھی وہ لکھیں۔ اس کام کی ابتداء کرنے کے لئے میں نے ایک خط لکھا ہے جو پہلے اردو اور انگریزی میں اور اگر ضرورت ہوئی تو دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ کرا کے دنیا کے بادشاہوں اور ہندوستان کے راجوں مہاراجوں کی طرف بھیجا جائیگا۔ اس قسم کے خطوط بھی وقتاً فوقتاً جاتے رہیں۔ مگر اصل چیز "الفضل" کا خطبہ نمبر یا "سن رائز" ہے جو ہر ہفتہ اُن کو پہنچتا رہے۔ اور چونکہ خطبہ کے متعلق مسنون طریق یہی ہے کہ وہ اہم امور پر مشتمل ہو اس لئے اس میں سب مسائل پر بحثیں آجاتی ہیں۔ اس میں سلسلہ کے مسائل بھی ہوتے ہیں۔ جماعت کو قربانی کی طرف بھی توجہ دلائی جاتی ہے

اور مخالفوں کا ذکر بھی ہوتا ہے ۔ اور اس طرح جس شخص کو ہر ہفتہ یہ خطبہ پہنچتا رہے احمدیت گویا ننگی ہو کر اُس کے سامنے آتی رہے گی اور وہ بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ اس جماعت کی اُمنگیں اور آرزوئیں کیا ہیں؟ کیا ارادے ہیں؟ یہ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ دشمن کیا کہتا ہے اور یہ کس رنگ میں اُس کا مقابلہ کرتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں؟ اگر اس رنگ میں کام شروع کیا جائے تو ایک شور مچ سکتا ہے ۔ اگر دو ہزار آدمی بھی ایسے ہوں جن کے پاس ہر ہفتہ سلسلہ کا لٹریچر پہنچتا ہے تو بہت اچھے نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے ۔ ان لوگوں کو چٹھیاں بھی جاتی رہیں اور ان سے پُوچھا جائے کہ آپ ہمارا لٹریچر مطالعہ کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر کوئی کہے نہیں تو اس سے پوچھا جائے ، کیوں نہیں؟ یہ پوچھنے پر بعض لوگ لڑیں گے اور یہی ہماری غرض ہے کہ وہ لڑیں یا سوچیں ۔ جب کسی سے پوچھا جائے گا کہ کیوں نہیں پڑھتے؟ تو وہ کہے گا کہ یہ پوچھنے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ پوچھنا ضروری ہے کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی آواز ہے جو آپ تک پہنچائی جا رہی ہے ۔ اس پر وہ یا تو کہیگا سُنا لو اور یا پھر کہے گا کہ میں نہیں مانتا اور جس دن کوئی کہیگا کہ جاؤ میں نہیں مانتا اُسی دن سے وہ خدا تعالیٰ کا مدّ مقابل بن جائے گا اور ہمارے رستہ سے اُٹھا لیا جائے گا ۔ جن لوگوں تک یہ آواز ہم پہنچائیں گے اُن کے لئے دو ہی صورتیں ہونگی یا تو ہماری جو رحمت کے فرشتے ہیں سُنیں اور یا پھر ہماری طرف سے مُنہ موڑ کر خدا تعالیٰ کے عذاب کے فرشتوں کی تلوار کے آگے کھڑے ہو جائیں ۔ مگر اب تو یہ صورت ہے کہ کہ نہ وہ ہمارے سامنے ہیں اور نہ ملائکۂ عذاب کی تلوار کے سامنے ۔ بلکہ آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں ۔ نہ تو وہ خدا تعالیٰ کی تلوار کے سامنے آتے ہیں کہ وہ انہیں فنا کر دے اور نہ اُس کی محبت کی آواز کو سُنتے ہیں کہ ہدایت پا جائیں ۔ اب تو وہ ایک ایسی چیز ہیں جو اپنے مقام پر کھڑی ہے اور وہاں سے ہلتی نہیں ۔ لیکن نئی تعمیر کے لئے یہ ضروری ہے کہ اُسے وہاں سے ہلایا جائے ۔ یا تو وہ ہماری طرف آئے اور یا اپنی جگہ سے ہٹ جائے ۔"[1]

اسی ضمن میں حضورؓ نے اپنے ایک دوسرے خطبہ میں ان اخبارات کو اور ان کے متعلقہ محکموں کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے پرچوں کو زیادہ سے زیادہ مکمل اور دلچسپ بنانے کی کوشش کریں اور مواد اس طرح مرتب کریں کہ

---

[1] الفضل ۲۲ / اکتوبر ۱۹۴۲ء / اخاء ۱۳۲۱ ہش صفحہ ۴ و ۵

اسلام اور احمدیت کا صحیح نقشہ پڑھنے والوں کے سامنے آجائے اور ساتھ ہی اہل قلم اصحاب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :۔

"وہ مختصر عبارتوں میں ایسے مضامین لکھیں کہ جن سے یہ پرچے زیادہ دلچسپ اور زیادہ مفید بن سکیں اور لوگوں کی توجہ تبلیغ کی طرف کھینچ سکے۔ خالی دلچسپی بھی کوئی چیز نہیں۔ یہ تو بھانڈ پن ہے بلکہ دلچسپی کا مطلب یہ ہے کہ دین کے معاملات کو ایسی عمدگی اور خوبصورتی سے پیش کیا جائے کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں۔ قرآن کریم سے زیادہ دلچسپ کتاب اور کوئی نہیں ہو سکتی مگر اس میں کھیل تماشے کی کوئی بات نہیں۔ پھر بھی کافر یہ کہتے تھے کہ کانوں میں انگلیاں ڈال لو۔ خوب شور مچاؤ تا یہ کلام کانوں میں نہ پڑے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور قرآن کریم کو سحر کہتے تھے۔ یہ دلچسپی کی ہی بات ہے اور اس کا مطلب یہی ہے کہ جو سنے اس پر ضرور اثر ہوتا ہے بشرطیکہ اس کے دل میں خدا کا خوف ہو۔"[۱]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی دوسری تحریکوں کی طرح یہ تحریک بھی بہت کامیاب رہی اور مخلصین جماعت نے چند ہفتوں کے اندر اندر "الفضل" اور "سن رائز" کے پرچوں کے لئے مطلوبہ رقم پیش کر دی[۲] اسی طرح کئی احمدی خطوط کے ذریعہ تبلیغ کرنے کی مہم میں شامل ہو گئے۔ اس تحریک کے بہت عمدہ اور خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔

حضرت امیر المومنین رضؓ سے پروفیسر سید اختر احمد صاحب اورینوی کی ایک اہم ملاقات

اخاءھش ۱۳۲۱ (اکتوبر ۱۹۴۲ء) کا واقعہ ہے کہ پٹنہ کے مشہور ادیب پروفیسر سید اختر احمد صاحب اورینوی کو اشتراکیت اور اشتمالیت کے مطالعہ کے دوران اسلام کے معاشی نظام کے متعلق بعض الجھنیں پیدا ہو چکی تھیں اور آپ اُن کو حل کرنے کے لئے مختلف علماء سے تبادلہ خیالات بھی کر چکے تھے مگر آپ کا ذہن تسلی نہ پا سکا تھا۔ آخر آپ اس پریشانی کے عالم میں اپنے مسائل کی عقدہ کشائی کے لئے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور نے آدھ گھنٹہ کی گفتگو[۳] سے ان مسائل پر ایسے مؤثر انداز میں روشنی ڈالی کہ فکر و خیال کے نئے نئے زاویے کھل گئے اور اُن کی ذہنی منزلیں آسان ہو گئیں اور جب حضور کے لیکچر "نظام نو"[۴] اور "اسلام کا اقتصادی نظام"[۵]

---

[۱] الفضل ۵ نبوت ھش ۱۳۲۱ / نومبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۴ + [۲] الفضل ۲ فتح ھش ۱۳۲۱ / دسمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱، کالم ۲ + [۳] رسالہ مجلۃ الجامعہ ربوہ" جلد ۲ شمارہ ۱ ماہ جنوری۔ فروری، مارچ ۱۹۶۶ء + [۴] و [۵] ان کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اشاعت پذیر ہوئے تو اُن کی بصیرت میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

اِس اہم ملاقات کی تفصیل خود پروفیسر صاحب موصوف کے قلم سے لکھی جاتی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

"اکتوبر ۱۹۴۲ء کی بات ہے میں پٹنہ سے قادیان کے لئے روانہ ہوا۔ علی گڑھ دہلی اور لاہور ہوتا ہوا دارالامان پہنچا اور مہمان خانہ میں ٹھہرا۔ میرے ذہن و دماغ میں کئی اہم سوالات اضطراب پیدا کر رہے تھے .... میرے ذہن میں جو عُقدے تھے اور دل میں جو اضطراب تھا وہ اقتصادی مسائل کے متعلق تھا میں نے گذشتہ سالوں میں معاشی صنعتی اور سماجی تنظیم کے متعلق اشتراکی، اشتمالی، فسطائی اور سرمایہ دارانہ نظریوں کا مطالعہ کیا تھا۔ ۱۹۴۲ء میں فسطائیت نے دنیا کو آگ اور خون کی نذر کر رکھا تھا۔ سرمایہ دارانہ جمہوریتیں اور اشتمالی جمہوریت روس جسے ریاستی معاشیاتی آمریت بھی کہہ سکتے ہیں، فسطائیت کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ سُرخ فوج کی جرأت اور پامردی نے ذہنوں اور تخیّل کو گہرے طور پر متاثر کیا تھا میں رُوس کی اشتمالی تنظیم سے بہت متاثر ہو رہا تھا اور یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ مذہب دشمنی سے قطع نظر اشتمالیت کی معاشی اور صنعتی تنظیم کا پروگرام فلاکت زدہ انسانیت کے درد کا درماں ہے۔ سرمایہ داری تو بہت ہی رسوا طور پر ناکامیاب ثابت ہو چکی تھی۔ فسطائیت درد کا درماں نہیں بلکہ تجربۂ درد تھی۔ سرمایہ داری اور فسطائیت دونوں انسانیت آزار اور محبت کُش انتہا پسندانہ وطنیت کے شعلوں کو بھڑکا رہی تھیں مگر اشتمالیت بین القومیت کا خیال پیش کرتی تھی۔ سب کچھ تھا مگر اشتمالیت بے دین خدا دشمن اور دہریت پسند تھی۔ اور فسطائیت بھی بے دین، خدا ناآشنا اور مادیت نہاد تھی اور سرمایہ دارانہ جمہوریت بھی منافقانہ، بے یقین، سطحی، کاروباری مذہبیت کا ڈھونگ رچائے ہوئے تھی اور میں اسلامی اقتصادیات کی واضح شکل نہیں دیکھ سکا تھا اور اُس کی رُوح کو بھی نہیں سمجھ پایا تھا۔ لہٰذا میں متردّد اور متلاشی تھا۔ اور اس آزارِ جستجو کے درماں آفرین کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔

میں لاہور احمدیہ ہوسٹل میں چند دن ٹھہرا۔ وہاں خاندانِ مسیح موعود علیہ السلام کے بعض نوجوانوں سے ملنے کا موقعہ ملا۔ اُن سے میں نے اپنا عندیہ ظاہر کیا۔ سبھوں نے اِس موضوع سے

دلچسپی لی اور میرے سفرِ قادیان اور حضرت امام ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے ہدایت جوئی کے ارادہ کو بہت پسند کیا۔ اس وقت تک اسلام کا اقتصادی نظام تفصیلات کے ساتھ جماعت کے سامنے نہیں آیا تھا۔ "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" میں خود حضرت امام ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو چھیڑا تھا اور اس پر نظر ڈالی تھی لیکن حلقہ جماعت میں عالمی نظام ہائے معاشیات کی روشنی میں اس مسئلے پر بحث و نظر نہیں ہوئی تھی۔ احمدیہ علم الکلام نے بہت سے مسائل کے باب میں اغیار کے مقابلہ میں فتحیں حاصل کی تھیں مگر اس میدان میں ابھی کھل کے لڑائی نہیں لڑی گئی تھی متکلمینِ احمدیت، دانشورانِ جماعت، اس کے ذہین طبقے اور جمہور احمدی ہنوز اسلام کی معاشیاتی تعلیمات کا مقابلہ و موازنہ دوسرے نظاموں کے اصول سے اچھی طرح نہیں کر پائے تھے۔ دوسری طرف ملک کے تعلیم یافتہ طبقے میں کسان اور مزدوروں کے درمیان معاشی مسئلے چھڑے ہوئے تھے۔ اور دوسری عالمگیر جنگ نے عوام الناس اور دانشوروں کے احساسات و جذبات اور ذہن و ادراک کو اس طرف شدت سے منعطف کر دیا تھا۔

میں نے اس سے پہلے بھی بعض علمائے جماعت سے اپنی تشفی کرنا چاہی تھی مگر مجھے تسلی نہیں ملی تھی۔ قادیان پہنچ کر بھی میں نے بعض علماء سے ملاقاتیں کیں مگر مجھے شرح صدر نہ ہوا میں حضرت امیر المومنین کے سامنے جاکر تفصیلی سوال کرنے سے جھجک رہا تھا۔ دل میں خلش جستجو بھی تھی اور رعبِ خلافت بھی عجیب کشاکش کا عالم تھا۔ میں نے اپنی الجھن کا تذکرہ حضرت سید مختار احمد صاحب ۔ جناب ملک غلام فرید صاحب اور مولوی علی احمد صاحب پروفیسر سے کیا۔ ان بزرگوں نے مجھے اس بات پر مجبور کر دیا کہ میں حضرت امام سے ضرور مذکورہ مسئلہ کے بارہ میں جماعت کی فلاح کی خاطر رہبری حاصل کروں۔ اس کے باوجود محمود کے سامنے جاکر سرگرمِ سوال ہونے کی اس ایاز کو جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے پروفیسر علی احمد صاحب سے درخواست کی کہ وہ بھی میرے ساتھ دربارِ خلافت میں حاضر ہوں اور مجھے سہارا دیں۔

آخرش ایک روز میں نے باریاب ہونے کی اجازت حاصل کی اور پروفیسر علی احمد صاحب کی معیت میں حضرت امیر المومنین سے ملنے "قصرِ خلافت" میں حاضر ہوا۔ غالباً ان دنوں مکرم عبدالرحیم صاحب درد پرائیویٹ سیکرٹری کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ ہم لوگوں کی باری آئی۔

اور ہم زینوں پر سے ہوتے ہوئے اوپر کی منزل پر گئے۔ محرابوں اور دروں پر چلمین پڑی ہوئی تھی۔ اور برآمدہ میں مونڈھے اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضرت مُصلح موعود ایدہ اللہ اُن میں سے ایک کرسی پر رونق افروز تھے۔ جیسے ہی ہم آخری زینے طے کرتے ہوئے بالائی منزل پر پہنچے۔ آپ ہمارے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے اور از راہِ محبت و خادم نوازی خندہ پیشانی کے ساتھ آگے بڑھتے چلے آئے۔ ہم نے بھی بڑھ کر دلی جذبات کے ساتھ مصافحہ کیا۔ اللہ اللہ! کتنا کرم تھا! کیسی محبت تھی! کتنی سادگی! امیر المومنین خلیفۃ المسیح اپنے خادموں کے ساتھ مساوات، اخوت و محبت کا برتاؤ اس فطری انداز میں کر رہے تھے کہ میری جھجک کافور ہو گئی۔ اور میں اب اس قابل تھا کہ اپنے دل کی گرہیں اور ذہن کے عُقدے عقدہ کشا کے سامنے پیش کر دوں میں حضرت امیر المومنین سے جلسہ سالانہ کے دنوں میں ملتا رہا تھا۔ مگر ان موقعوں پر ہماری جماعت کے ساتھ باریابی ہوا کرتی تھی۔ ہمارا امام جماعتوں کے ساتھ فرش پر بیٹھ کر انہیں شرفِ ملاقات عطا کرتا تھا۔ وہ دلکش مسکراتا ہوا چہرہ سب کے لئے ابدی مسرت کا سامان ہوتا تھا۔ اجتماعی ملاقاتوں کے علاوہ مجھے اس سے پہلے انفرادی ملاقات کا موقعہ نہیں ملا تھا اور انفرادی ملاقات بھی اس رنگ کی کہ حضرت امیر المومنین سے ایک نہایت ہی اہم موضوع کے متعلق شرح صدر کے لئے گفتگو کرنے کی جرأت کرنی۔ لیکن حضرت امام نے ایسی خوشگوار فضا پیدا کر دی کہ میری ہمت بڑھ گئی اور میرے محبت آمیز اعتماد کو اتنی تقویت پہنچی کہ میں نے حضرت امیر المومنین سے اشتمالی نظام کے متعلق باتیں شروع کیں۔

میں نے مختصر تمہید کے بعد اپنی اُلجھنیں حضرت امیر المومنین کے سامنے پیش کیں اور تسلی چاہی حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنی دقتوں کی وضاحت بھی نہیں کی تھی کہ مصلح موعود نے اپنی غیر معمولی خداداد بصیرت کی وجہ سے سب کچھ سمجھ لیا اور ظاہری و باطنی علوم کی مہارت کے سبب اپنی تقریر اس رنگ میں شروع کی اور اس دل نشین انداز میں عقدہ کشائی فرماتے رہے کہ نہ صرف میرے ذہن و دماغ کے پردے اُٹھتے چلے گئے بلکہ دل کو بھی نہایت تسکین و طمانیت حاصل ہوئی۔ آدھ گھنٹہ حضور متانت و محبت سے باتیں کرتے رہے اور ہم (میں اور پروفیسر علی احمد صاحب) بیٹھے سُنتے رہے۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ حضور میرے دل و دماغ سے مرکزی اور

بنیادی سوالات چُنتے جاتے ہیں اور اُن کے جوابات تشفی بخش اور دلکشا طور پر دیتے جاتے ہیں۔

دُعائے مسیح اور وعدۂ خدائے ذوالجلال کے مطابق مصلح موعود بننے والے فوقِ فطرت طور پر اس ذہین و فہیم شخص نے اشتمالیت اور اسلام کا اصولی مقابلہ و موازنہ تاریخ عالم کی روشنی اور علم النفس کی شہادتوں کے ساتھ کیا۔

حضرت محمود نے اشتمالیت کی دو خصوصیات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اشتمالیت جبر کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کرنا چاہتی ہے۔ وہ جبر سے اہل سرمایہ کی دولت چھین کر سماج پر خرچ کرتی ہے۔ اور اپنے نظام کے قیام کے لئے بھی جبر اور قہر کو عملاً مرکزی اور بنیادی حیثیت دیتی ہے آپ نے فرمایا جبر یہ طریقہ شدید ردِ عمل پیدا کرتا ہے۔ اور اس کے ظاہرا اچھے نتائج دیرپا نہیں ہوتے۔ آپ نے امریکہ میں جبریہ شراب بندی کی اسکیم کی رسوائے عالم ناکامیابی کی مثال دی اور پھر اسلامی ممانعتِ خمر کی کامیابی کو پیش کیا۔ اسلام نے پہلے نفسی انقلاب اور اخلاقی اصلاح کی بنیادیں مضبوط کریں۔ پھر شراب ممنوع قرار دی۔ تو یہ علّت ایسی مٹی کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسی طرح اسلام دولت یا ذرائع پیداوار پر بالجبر قبضہ کرنا پسند نہیں کرتا۔ وہ سرمایہ داری کو جبر و قہر سے مٹانے کے اصول پیش نہیں کرتا بلکہ وہ ایسی تعلیمات دیتا ہے اور معاشرہ کی ایسی روحانی اور اخلاقی اصلاح کرتا ہے کہ طوعی طور پر رفتہ رفتہ مگر یقیناً وہ ساری معاشی برکتیں حاصل ہو جاتی ہیں جن کے حصول کا دعویٰ اشتمالیت کرتی ہے اور اسلامی تعلیم سے انفرادی تخلیقی روح اور قوتِ مسابقت فنا بھی نہیں ہوتی اور طوعی نیکی کی وجہ سے نیکی کی صلاحیت، سماجی احساس اور انسانی دردمندی کی حِس افرادِ معاشرہ میں بڑھتی جاتی ہے۔ برخلاف اسلام کے امیرالمومنین نے واضح کیا کہ اشتمالیت نادانستہ دماغی قوتوں کو تدریجی طور پر کچلنے کا سامان کرتی ہے۔ اوّل تو اس طرح کہ اشتمالیت بدنی محنت کی قدر و قیمت سب کچھ بتاتی ہے اور دماغی کام کی قدر و منزلت کو وہ مقام نہیں دیتی جو اس کا حق ہے۔ اور دوم اس طرح کہ جبر اور میکانکی اور یکسانی کے ذریعہ روحِ مسابقت، دماغی اُپج، قوتِ ایجاد و اقدام، فیصلہ اور ارادہ کی طاقت کو مٹاتی ہے۔ دیرپا طور پر اس اشتمالی نظام کے بُرے نتائج ظاہر ہونے لگتے ہیں اور عاجلانہ

کامیابی مستقل نامرادی میں بدل جاتی ہے، اسلام نفسیاتی اور فطری، اخلاقی اور روحانی، آزاد اور خود مختارانہ طریقوں سے معاشرہ میں مساوات، اخوّت اور حریّت پیدا کرتا ہے۔ اسلام نہایت لطیف اور پراثر رنگ میں تقسیم دولت کر کے موزوں معاشی مساوات پیدا کر دیتا ہے اور دماغی صلاحیتوں کی پرورش بھی کرتا ہے۔

امیرالمومنین کی دل میں گھر کر لینے والی تشریحات سے میری رُوح تسکین پاتی رہی اور جب حضور نے کلام ختم کیا تو مَیں نے ایک آخری سوال کرنے کی جرأت کی۔ مَیں نے پوچھا اگر بلا جبر و اکراہ معاشی تنظیم کے لئے حکومت اہل محنت اور ذرائع پیداوار کے مالک طبقہ کے درمیان کچھ ایسا سمجھوتہ ہو کہ اقتصادی منصوبہ بندی (PLANNED ECONOMY) ممکن ہو سکے اور متوازی حالات پیدا ہو سکیں تاکہ ملک کی معاشی قوت ضائع نہ ہو تو یہ جائز ہو گا یا نہیں۔ حضور نے فرمایا۔ یہ طریقہ جائز ہو گا۔ اس کے بعد مَیں نے اور پروفیسر علی احمد صاحب نے اجازت چاہی اور قصرِ خلافت سے واپس ہونے کیلئے اٹھے۔ ہمارے آقا نے ہمیں نہایت ہی محبت اور خاطرداری کے ساتھ رخصت کیا۔"[۵۱]

مولوی محمد الدین صاحب مجاہد البانیہ کی المناک شہادت!

اس سال کے المناک واقعات میں سے مولوی محمد الدین صاحب مبلّغ البانیہ و مصر کی المناک شہادت کا سانحہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مولوی صاحب موصوف حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد پر[۵۲] حکیم فضل الرحمٰن صاحب مبلّغ نائیجیریا سے چارج لینے کے لئے ۱۶ر نبوت ۱۳۲۱ہش / نومبر ۱۹۴۲ء کی شام کو قادیان سے روانہ ہوئے اور بمبئی سے تلاوہ نامی جہاز پر سوار ہو گئے۔ مگر بد قسمتی سے یہ جہاز محوریوں کے تارپیڈو سے غرق ہو گیا[۵۳] اور آپ میدانِ جہاد میں پہنچنے سے قبل ہی عالمِ جوانی میں اپنے ربّ کے حضور سُرخرو ہو کر حاضر ہو گئے۔ فانّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔

حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۷ر فتح ۱۳۲۳ہش / دسمبر ۱۹۴۴ء کو سالانہ جلسہ کے موقعہ پر مولوی محمد الدین صاحب کی یورپ میں تبلیغی مساعی پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

---

۵۱ ماہنامہ درویش تبلیغ ۱۳۳۱ہش / فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۱ تا ۲۴ و ۱۵، ۵۲ رجسٹر ریزولیوشن صدر انجمن احمدیہ مؤرخہ ۱۴ر تبلیغ ۱۳۲۱ہش / فروری ۱۹۴۲ء صفحہ ۲۱۴

۵۳ الفضل ۲۰ر فتح ۱۳۲۱ہش / دسمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۔ مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ "الفرقان" ربوہ احسان ۱۳۴۲ہش / جون ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۰۔

"مولوی محمد الدین صاحب اگرچہ انگریزی علوم سے ناواقف تھے اور اُن کو تجربہ بھی نہ تھا مگر یورپ میں تبلیغ کے زمانہ میں ایسا اعلیٰ نمونہ دکھایا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ وہ پہلے البانیہ گئے۔ اور وہاں تبلیغ شروع کی۔ متعدد لوگ داخلِ اسلام بھی ہوئے مگر مخالفین نے حکومت کے پاس شکایات کیں کہ یہ شخص مذہب کو بگاڑ رہا ہے۔ البانیہ کی حکومت مسلمان تھی۔ مسلمانوں نے شور کیا اور کنگ زوغو نے آرڈر دے دیا کہ مولوی صاحب کو وہاں سے نکال دیا جائے۔ پولیس اُن کو پکڑ کر سرحد پر چھوڑ آئی۔ وہاں سے نکالے جانے پر انہوں نے پہلے یونان میں تبلیغ شروع کر دی اور میرے لکھنے پر وہاں سے یوگوسلاویہ چلے گئے۔ البانیہ کی سرحد یوگوسلاویہ سے ملتی ہے۔ میں نے انہیں لکھا کہ وہاں بھی تبلیغ کرتے رہیں۔ اور اُن کی تبلیغ سے بعض ایسے لوگ بھی احمدی ہوئے جو مسلمانوں کے لیڈر سمجھے جاتے تھے اور پارلیمنٹ میں مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے شامل تھے حکومتِ یوگوسلاویہ کو حکومتِ البانیہ نے توجہ دلائی اور تحریک کی کہ مولوی صاحب کو وہاں سے بھی نکال دیا جائے۔ چنانچہ انہیں وہاں سے بھی نکال دیا گیا۔ اس پر وہ اٹلی آگئے۔ اور پھر وہاں سے مصر اور وہاں سے ہندوستان واپس آگئے۔ پھر اُن کو مغربی افریقہ بھیجا گیا تھا اور وہ وہاں جا رہے تھے کہ اُن کا جہاز ڈوب گیا۔"[1]

فصل چہارم

تحریک جدید جاری کرنے کی ایک اہم غرض

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ پر ماہ نبوت ۱۳۲۱ہش (نومبر ۱۹۴۲ء) میں نقرس کا شدید حملہ ہوا جس کی وجہ سے چلنا تو درکنار بیٹھنا بھی تقریباً ناممکن تھا۔ سوائے اس کے کہ تکیہ لگا کر اور سہارا لے کر بیٹھیں۔ ان حالات میں حضور نے ارادہ فرمایا کہ اس ماہ تحریک جدید کے سال نہم کا اعلان خطبہ جمعہ کی بجائے ایک مضمون کے ذریعہ سے کر دیں لیکن پھر حضور کے ذہن میں بعض تاریخی واقعات اس قسم کے آئے کہ بعض جرنیلوں نے میدان جنگ میں نقرس کے درد کی حالت میں فوجوں کی کمان کی ہے اور پالکیوں میں بیٹھے بیٹھے لوگوں کو احکام دیئے

---

[1] غیر مطبوعہ

اور فتوحات حاصل کی ہیں ۔ اس پر حضور نے سوچا کہ "گو یہ ایک تکلیف دہ امر ہے کہ انسان دوسروں کے کندھوں پر چڑھ کر آئے اور بظاہر یہ ایک معیوب سا فعل معلوم ہوتا ہے لیکن بہرحال جب تک ہمارا مقابلہ بھی دشمن سے ایک جنگ کے رنگ میں ہی ہے اگرچہ جسمانی نہیں بلکہ رُوحانی جنگ ہے اور پہلے انبیاءؑ نے بھی کہا ہے کہ آخری زمانہ میں خدا تعالیٰ کے فرشتوں اور شیطان کی آخری جنگ ہوگی تو کوئی وجہ نہیں کہ اگر دنیوی جنگیں نقرس کے حملہ میں پالکیوں میں بیٹھ کر لڑی گئی ہیں تو میں بھی اسی رنگ میں شامل نہ ہوں"۔ اس خیال کے آنے پر حضور نے فیصلہ کیا کہ " اس تکلیف کے باوجود میں خود جمعہ کے لئے جاؤں اور تحریک جدید کے نئے سال کے لئے اسی رنگ میں تحریک کروں جیسے گذشتہ سالوں میں ہمیشہ تحریک کرتا چلا آیا ہوں"۔[۱] اس فیصلہ کے مطابق حضور آرام کرسی پر بیٹھ کر (جسے چار دوستوں نے اُٹھایا ہوا تھا) مسجد اقصیٰ میں تشریف لائے اور بیٹھ کر ایک نہایت لطیف اور پُرجلال خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا[۲] جس میں تحریک جدید کے سال نہم کا اعلان فرمایا اور تحریک جدید کے بنیادی اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ:۔

"تحریک جدید سے میری غرض جماعت میں صرف سادہ زندگی کی عادت پیدا کرنا نہیں بلکہ میری غرض انہیں قربانیوں کے تنور کے پاس کھڑا کرنا ہے تاکہ جب ان کی آنکھوں کے سامنے بعض لوگ اس آگ میں کود جائیں تو اُن کے دلوں میں بھی آگ میں کودنے کے لئے جوش پیدا ہو۔ اور وہ بھی اس جوش سے کام لے کر آگ میں کود جائیں اور اپنی جانوں کو اسلام اور احمدیت کے لئے قربان کر دیں ۔ اگر ہم اپنی جماعت کے لوگوں کو اس بات کی اجازت دے دیتے کہ وہ باغوں میں آرام سے بیٹھے رہیں تو وہ گرمی میں کام کرنے پر آمادہ نہ ہو سکتے اور بزدلوں کی طرح پیچھے ہٹ کر بیٹھ جاتے ۔ مگر اب جماعت کے تمام افراد کو قربانیوں کے تنور کے قریب کھڑا کر دیا گیا ہے تاکہ جب اُن سے قربانیوں کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اپنی جان کو قربان کرتے ہوئے آگ میں کود جائیں ۔ چنانچہ جب قربانی کا وقت آئیگا اُس وقت یہ سوال نہیں رہیگا کہ کوئی مبلّغ کب واپس آئیگا۔ اُس وقت واپسی کا سوال بالکل عبث ہوگا۔ دیکھ لو عیسائیوں نے جب تبلیغ کی تو اسی رنگ میں کی ۔ تاریخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی حواری یا کوئی اور شخص کسی علاقہ میں تبلیغ کے لئے گیا تو پھر یہ نہیں ہوا کہ وہ واپس

[۱] الفضل ۲/ فتح ۱۳۲۱ھش / دسمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ تا ۳۔ [۲] الفضل ۲۹/ نبوت ۱۳۲۱ھش / نومبر ۱۹۴۲ء۔

آگیا ہو۔ بلکہ ہم تاریخوں میں یہی پڑھتے ہیں کہ فلاں مبلغ کو فلاں جگہ پھانسی دے دی گئی اور فلاں مبلغ کو فلاں جگہ قید کر دیا گیا۔ ہمارے دوست اس بات پر خوش ہوا کرتے ہیں کہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہیدؓ نے سلسلہ کے لئے اپنی جان کو قربان کر دیا حالانکہ ایک عبداللطیف نہیں جماعت کو زندہ کرنے کے لئے سینکڑوں عبداللطیف درکار ہیں جو مختلف ملکوں میں جائیں اور اپنی اپنی جانیں اسلام اور احمدیت کے لئے قربان کر دیں۔ جب تک ہر ملک اور ہر علاقہ میں عبداللطیف پیدا نہیں ہو جاتے اس وقت تک احمدیت کا رعب قائم نہیں ہو سکتا احمدیت کا رعب اُسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب سب لوگوں کو گھروں سے نکال کر ایک میدان میں قربانی کی آگ کے قریب کھڑا کر دیا جائے تا جب پہلی قربانی دینے والے قربانی دیں تو اُن کو دیکھ کر خود بخود آگ میں کودنا شروع کر دیں اور اسی ماحول کو پیدا کرنے کے لئے مَیں نے تحریک جدید جاری کی ہے۔"[۱]

ریڈیو کے متعلق حضرت امیر المومنینؓ کی اہم وصیّت

دنیا کی موجودہ بداخلاقی اور عیاشی کے پھیلانے میں جن ایجادوں کا براہ راست عمل دخل ہے اُن میں سینما اور ریڈیو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سینما کی ایجاد مشہور سائنسدان ایڈیسن نے ۱۸۹۳ء میں کی اور ریڈیو کا موجد مارکونی تھا جس نے ۱۹۰۲ء میں یہ آلہ تیار کیا۔ یہ دونوں ایجادیں اپنی ذات میں بہت مفید تھیں مگر جدید زمانہ کی نام نہاد تہذیب و تمدّن نے انہی کو بے حیائی اور فحاشی کا ذریعہ بنا دیا جس کے ہولناک نتائج اب پوری دنیا کے سامنے کھل کر آ گئے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی دُوربین نگاہ نے مدتوں قبل ہی سینما کی بڑھتی ہوئی رَو کے عواقب واثرات بھانپ لئے تھے اسی لئے حضور نے ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید کی بنیاد رکھتے ہوئے جماعت سے سینما بینی کو ترک کرنے کا مطالبہ فرمایا جس پر جماعت کی غالب اکثریت نے نہایت شاندار رنگ میں عمل کیا۔

اس سال حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے ۲۷ر نبوت (نومبر) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء کے خطبہ جمعہ میں نوجوانوں کو سینما اور ریڈیو دونوں کی نسبت ایک خاص وصیت بھی فرمائی جو حضور ہی کے مقدس الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے۔ حضور نے فرمایا:۔

---

[۱] الفضل ۲ر فتح ۱۳۲۱ھش (۲ر دسمبر ۱۹۴۲ء) صفحہ ۵

"بیشک ریڈیو کے ذریعہ بعض اچھی چیزیں بھی نشر کی جاتی ہیں مگر ناچ اور گانا ایسی گندی چیزیں ہیں جنہوں نے ہر گھر کو ڈوم اور میراثی بنا دیا ہے۔ اور ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور باقی دنیا کو اس کے ضرر سے بچائے اور اس کا صرف مفید پہلو قائم رکھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ (المائدہ ع۱۴) جب تم ہدایت پر ہو تو تمہیں دوسرے کی گمراہی کی پروا بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر تم صحیح راستہ پر چل رہے ہو اور دوسرا شخص تمہارے ساتھ یہ شرط کرنا چاہتا ہے کہ تم صحیح راستہ کو چھوڑ کر غلط راستے کو اختیار کر لو تو فرماتا ہے ایسے شخص کو بے شک تم گمراہ ہونے دو مگر صحیح راستے کو ترک نہ کرو۔ تو ان چیزوں کو دنیا سے تم نے مٹانا ہے اور تمہارا فرض ہے کہ خدا تعالیٰ تمہیں جب حکومت اور طاقت عطا فرمائے تو جس قدر ڈوم اور میراثی ہیں اُن سب کو رخصت کردو اور کہو کہ جاکر حلال کمائی کماؤ۔ ہاں جغرافیہ یا تاریخ یا مذہب یا اخلاق کا جو حصہ ہے اس کو بے شک رہنے دو۔ اور اعلان کر دو جس کی مرضی ہے ریڈیو سُنے اور جس کی مرضی ہے نہ سُنے۔ اس وقت ریڈیو والوں نے ایک ہی وقت میں دو نہریں جاری کی ہوئی ہیں۔ ایک نہر میٹھے پانی کی ہے اور دوسری نہر کڑوے پانی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بھی دو نہروں کا ذکر کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے ایک نہر میں تو میٹھا پانی ہے مگر دوسری نہر میں کڑوا پانی ہے۔ مَیں جب بھی ریڈیو سُنتا ہوں تو مجھ پر یہی اثر ہوتا ہے کہ یہی دو نہریں ہیں جن کا قرآن کریم نے ذکر کیا ہے۔ اس سے ایک طرف میٹھا پانی جاری ہوتا ہے اور دوسری طرف کڑوا پانی جاری ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے ان کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا اور یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ کڑوی نالی کے ہوتے ہوئے میٹھا پانی غالب آجائے۔ میٹھا پانی اُسی صورت میں غالب آسکتا ہے جب کڑوے پانی کی نالی کو بالکل بند کر دیا جائے۔"[۵]

سلسلہ احمدیہ کے مصنفوں اور ناشروں کیلئے اہم فرمان

شروع ماہ فتح ۱۳۲۱ھش (دسمبر ۱۹۴۲ء) کا واقعہ ہے کہ ایک احمدی نوجوان نے "الفضل" (۵ فتح ۱۳۲۱ھش) میں "تخت گاہِ رسول میں اہل اللہ کا عظیم الشان اجتماع" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا چونکہ قرینہ کے بغیر

---

۵ الفضل ۲ فتح ۱۳۲۱ھش (۲ دسمبر ۱۹۴۲ء) صفحہ ۸ و ۹

"رسول" کا لفظ نہ صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے لئے اور "تخت گاہِ رسول" کا لفظ صرف مدینہ منورہ کے لئے مخصوص ہے۔ اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مضمون پڑھتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ اُس روز جو خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اُس میں اس مضمون کو "فتنہ کی بنیاد" قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف پوری قوت و طاقت کے ساتھ آواز بلند کی اور اس ضمن میں احمدیوں کو نصیحت فرمائی کہ جماعت میں کوئی ایسی تحریک نہ اُٹھنے دیں جس میں حضرت مسیح موعودؑ اور حضور کے خلفاء کے متعلق غلو سے کام لیا گیا ہو۔ چنانچہ حضور نے فرمایا :-

"مَیں جماعت کے تمام مصنّفین وغیرہ کو توجہ دلاتا ہوں کہ اِس قسم کے الفاظ کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ تم قادیان کے متعلق "تخت گاہِ رسول" کے الفاظ استعمال مت کرو مَیں یہ کہتا ہوں کہ جب مکّہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے علاوہ دوسرے شہروں کا ذکر آجائے تو اس کے مقابلہ میں قادیان کو "تخت گاہِ رسول" کہا جاسکتا ہے۔ مگر جب شہروں کا عام ذکر ہو جن میں مکّہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھی شامل ہوں تب قادیان کے متعلق "تخت گاہِ رسول" کے الفاظ کا استعمال درست نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں "تخت گاہِ رسول" صرف مدینہ منورہ ہوگا۔ جیسے "بیت اللہ" کا لفظ ہم ہر مسجد کے لئے بول سکتے ہیں مگر اس صورت میں جب کوئی اشارہ اور قرینہ موجود ہو۔ لیکن جب بغیر قرینہ کے "بیت اللہ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہو تو اس سے مراد صرف بیت اللہ کی مسجد ہوگی لعد کوئی مسجد نہیں ہوگی۔ پس اس بارے میں ہمارے لئے احتیاط بہت ضروری ہے۔ ہمارا کام صرف یہ نہیں کہ ہم پیغامیوں کا مقابلہ کریں بلکہ ہمارا کام یہ بھی ہے کہ ایسی تحریکیں بھی جماعت میں نہ اُٹھنے دیں جن میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یا آپ کے خلفاء کے متعلق غلو سے کام لیا گیا ہو۔ مَیں نے دیکھا ہے حضرت خلیفۂ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بعض لوگ ایسے تھے جنہوں نے آہستہ آہستہ آپ کو ایک مستقل درجہ دینا شروع کردیا تھا۔ اور اب بھی اگر سلسلہ کے اخبارات کو گہرے غور سے پڑھا جائے جس طرح مَیں پڑھا کرتا ہوں تو تھوڑے تھوڑے مہینوں کے بعد اس کی لپک سی پیدا ہوجاتی ہے اور صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ بعض لوگ حضرت خلیفۂ اولؓ کو مستقل طور پر کوئی الگ درجہ دینا چاہتے ہیں۔ میرے ڈر کی وجہ سے یا سلسلہ کے

نظام کے ڈر کی وجہ سے اس قسم کے خیالات اُبھرتے نہیں۔ لیکن تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد اِس کی جھلک سی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور مجھے ہمیشہ ایسی باتوں کو پڑھ کر مزا آتا ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ مجھے ہی مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اور شاید اِسی لئے فرمایا کہ مَیں اِس کی نگرانی کروں کہ ہماری جماعت میں تین قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو حضرت مولوی صاحبؓ کی وجہ سے سلسلہ میں داخل ہو گئے ہیں (حضرت خلیفہ اوّلؓ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام عام طور پر مولوی صاحب کہا کرتے تھے) وہ مولوی صاحب کی قدر جانتے ہیں ہماری نہیں۔ چونکہ مولوی صاحب نے ہماری بیعت کرلی ہے اِس لئے وہ بھی بیعت میں شامل ہوگئے ہیں۔ اِس سے زیادہ اُن کا ایمان نہیں بیشک اُن کے دلوں میں ایمان ہے مگر اُن کا ایمان واسطے کا ایمان ہے۔ اِس کے مقابلہ میں ایک گروہ ہماری جماعت میں ایسا ہے جس نے یہ دیکھا کہ ایک جماعت بن گئی ہے اور اِس میں قربانی اور ایثار کا مادہ پیدا ہوگیا ہے تو قوم کی خدمت کے لئے وہ اِس جماعت میں شامل ہو گیا۔ کیونکہ قومی خدمت کے لئے قربانی اور ایثار کرنے والوں کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ سوائے ہماری جماعت کے اور کہیں نہیں مل سکتے۔ ایسے لوگ چاہتے ہیں کہ انجمنیں بنائیں، مدرسے بنائیں۔ دفاتر بنائیں اور دنیوی رنگ میں قوم کی بہبودی کے کام کریں۔ ایسے لوگ بیشک ہم کو مانتے ہیں مگر اپنے کاموں کا آلۂ کار بنانے کے لئے، ہمارے مقام کو مقدّم سمجھ کر نہیں مانتے۔ مگر ان کے علاوہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے ہم کو سچے دل سے مانا وہ ہمیں خدا کا مامور سمجھتے ہیں اور اُن کی نگاہ پہلے ہم پر پڑتی ہے اور ہم سے اُتر کر پھر کسی اَور پر پڑتی ہے اصل مخلص وہی ہیں باقی جس قدر ہیں وہ ابتلاء اور ٹھوکر کھانے کے خطرہ میں ہیں۔ یہ بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے سامنے بیان کی تھی حالانکہ میری عمر اُس وقت بہت چھوٹی تھی۔ آپ کا اِس بات کا میرے سامنے بیان کرنا بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے ماتحت آپ اِس بات کو جانتے تھے کہ لوگوں کی نگرانی کسی زمانہ میں میرے سپرد ہونے والی ہے اور آپ نے اُسی وقت مجھے ہوشیار کر دیا۔ چنانچہ ایک ٹکراؤ تو میری خلافت کے شروع ہوتے ہی انجمن والوں سے ہو گیا اور وہ قادیان سے نکل گئے۔ باقی جو غلو کرنے والے ہیں

وہ بھی ہمیشہ رہتے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ اُن کا سر کچلتے رہیں "[۵]

حضرت امیر المومنینؓ کا لیکچر "نظامِ نو"

دُنیا کی عالمی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء کا سال دنیا کی سب اقوام کے لئے نہایت درجہ پریشانی کا سال تھا جس میں ایک طرف خوفناک مادی جنگ لڑی جارہی تھی اور دوسری طرف سرمایہ داری اور اشتمالیت و اشتراکیت کے نظام ہائے زندگی آپس میں شدید طور پر متصادم ہو رہے تھے اور دنیا کا معاشرہ بے شمار سماجی۔ معاشی اور اقتصادی مصائب میں گھر چکا تھا اور ضرورت تھی کہ کوئی مردِ خدا دنیا کی راہنمائی کرے۔ یہ تھے وہ حالات جن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اقوامِ عالم کی قیادت کے لئے آگے بڑھے۔ اور حضور نے ۲۷ فتح ۱۳۲۱ھش (دسمبر ۱۹۴۲ء) کو (جلسہ سالانہ کے تیسرے دن) "نظامِ نو کی تعمیر" پر ایک معرکۃ الآراء خطاب فرمایا۔ جس میں پہلے تو عہدِ حاضر کی اُن اہم سیاسی تحریکات (مثلاً جمہوریت، اشتمالیت اور اشتراکیت وغیرہ) پر سیر حاصل روشنی ڈالی جو عام طور پر غریبوں کے حقوق کی علمبردار قرار دی جاتی ہیں۔ اور خصوصاً اشتراکیت کے سات بنیادی نقائص کی نشاندہی کی۔ ازاں بعد غرباء کی حالت سدھارنے کے لئے یہودیت، عیسائیت، ہندو ازم کی پیش کردہ تدابیر کا جائزہ لیا اور آخر میں اسلام کی بے نظیر تعلیم بیان کر کے اسلامی نقطۂ نگاہ کے مطابق دنیا کے نئے نظام کا نقشہ ایسے دلکش اور مؤثر پیرائے میں پیش کیا کہ سُننے والے عش عش کر اُٹھے۔

اس ضمن میں حضور نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن مجید کی عظیم الشان تعلیم کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کے مامور کے ہاتھوں دسمبر ۱۹۰۵ء میں نظامِ نو کی بنیاد قادیان میں رکھی گئی جس کو مضبوط کرنے اور قریب تر لانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید جیسی عظیم الشان تحریک کا القاء فرمایا گیا۔ اِس عظیم الشان لیکچر کے آخر میں حضور نے پُرشوکت الفاظ میں فرمایا:۔

"غرض تحریک جدید گو وصیّت کے بعد آئی ہے مگر اس کے لئے پیشرو کی حیثیت میں ہے۔ گویا وہ مسیح کے لئے ایک ایلیاہ نبی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا ظہور مسیح موعود کے غلبہ والے ظہور کے لئے بطور ارہاص کے ہے۔ ہر شخص جو تحریک جدید میں حصّہ لیتا ہے وصیّت کے نظام کو وسیع کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اور ہر شخص جو نظامِ وصیّت کو وسیع کرتا ہے وہ

---

[۵] الفضل ۱۰ فتح ۱۳۲۱ھش (۱۰ دسمبر ۱۹۴۲ء) صفحہ ۲ و ۳۔

نظامِ نو کی تعمیر میں مدد دیتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مَیں نے بتایا ہے وصیّت حاوی ہے اس تمام نظام پر جو اسلام نے قائم کیا ہے بعض لوگ غلطی سے یہ خیال کرتے ہیں کہ وصیّت کا مال صرف لفظی اشاعت اسلام کے لئے ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں وصیّت لفظی اشاعت اور عملی اشاعت دونوں کے لئے ہے جس طرح اس میں تبلیغ شامل ہے اسی طرح اُس میں اس نئے نظام کی تکمیل بھی شامل ہے جس کے ماتحت ہر فردِ بشر کی باعزت روزی کا سامان مہیا کیا جائے۔ جب وصیّت کا نظام مکمل ہو گا تو صرف تبلیغ ہی اس سے نہ ہو گی بلکہ اسلام کے منشاء کے ماتحت ہر فردِ بشر کی ضرورت کو اُس سے پورا کیا جائیگا اور دُکھ اور تنگی کو دنیا سے مٹا دیا جائیگا انشاء اللہ۔ یتیم بھیک نہ مانگے گا۔ بیوہ لوگوں کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے گی۔ بے سامان پریشان نہ پھرے گا۔ کیونکہ وصیّت بچّوں کی ماں ہوگی۔ جوانوں کی باپ ہوگی۔ عورتوں کا سُہاگ ہوگی اور جبر کے بغیر محبت اور دِلی خوشی کے ساتھ بھائی بھائی کی اس کے ذریعہ سے مدد کرے گا۔ اور اس کا دینا بے بدلہ نہ ہو گا بلکہ ہر دینے والا خدا تعالیٰ سے بہتر بدلہ پائیگا۔ نہ امیر گھاٹے میں رہے گا۔ نہ غریب۔ نہ قوم قوم سے لڑے گی بلکہ اس کا احسان سب دنیا پر وسیع ہو گا۔

پس اے دوستو! دنیا کا نیا نظام نہ مسٹر چرچل بنا سکتے ہیں نہ مسٹر روزویلٹ بنا سکتے ہیں۔ یہ اٹلانٹک چارٹر کے دعوے سب ڈھکوسلے ہیں۔ اور اس میں کئی نقائص، کئی عیوب اور کئی خامیاں ہیں۔ نئے نظام وہی لاتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں مبعوث کئے جاتے ہیں۔ جن کے دلوں میں نہ امیر کی دشمنی ہوتی ہے نہ غریب کی بے جا محبت ہوتی ہے۔ جو نہ مشرقی ہوتے ہیں نہ مغربی۔ وہ خدا تعالیٰ کے پیغامبر ہوتے ہیں اور وہی تعلیم پیش کرتے ہیں جو امن قائم کرنے کا حقیقی ذریعہ ہوتی ہے۔ پس آج وہی تعلیم امن قائم کرے گی جو حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ آئی ہے اور جس کی بنیاد الوصیۃ کے ذریعہ ۱۹۰۵ء میں رکھ دی گئی ہے ......

...... پس اے دوستو جنہوں نے وصیّت کی ہوئی ہے سمجھ لو کہ آپ لوگوں میں سے جس جس نے اپنی اپنی جگہ وصیت کی ہے اس نے نظامِ نو کی بنیاد رکھ دی ہے اُس نظامِ نو کی جو اُس کی اور اُس کے خاندان کی حفاظت کا بنیادی پتھر ہے اور جس جس نے تحریک جدید میں حصہ لیا ہے اور اگر وہ اپنی ناداری کی وجہ سے اس میں حصہ نہیں لے سکا تو وہ اس تحریک کی کامیابی کیلئے

مسلسل دُعائیں کرتا ہے اُس نے وصیت کے نظام کو وسیع کرنے کی بنیاد رکھدی ہے ۔ پس اَے دوستو! دنیا کا نیا نظام دین کو مٹا کر بنایا جا رہا ہے ۔ تم تحریک جدید اور وصیت کے ذریعہ سے اِس سے بہتر نظام دین کو قائم رکھتے ہوئے تیار کرو ۔ مگر جلدی کرو کہ دوڑ میں جو آگے نکل جائے وہی جیتتا ہے ۔

پس تم جلد سے جلد وصیت کرو تاکہ جلد سے جلد نظامِ نو کی تعمیر ہو ۔ اور وہ مبارک دن آ جائے جبکہ چاروں طرف اسلام اور احمدیت کا جھنڈا لہرانے لگے ۔ اِس کے ساتھ ہی مَیں ان سب دوستوں کو مبارکباد دیتا ہوں جنہیں وصیت کرنے کی توفیق حاصل ہوئی اور مَیں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی جو ابھی تک اس نظام میں شامل نہیں ہوئے توفیق دے کہ وہ بھی اِس میں حصہ لیکر دینی و دنیوی برکات سے مالا مال ہو سکیں اور دنیا اِس نظام سے ایسے رنگ میں فائدہ اُٹھائے کہ آخر اُسے تسلیم کرنا پڑے کہ قادیان کی وہ بستی جسے کوردہ کہا جاتا تھا ، جسے جہالت کی بستی کہا جاتا تھا اُس میں سے وہ نُور نکلا جس نے ساری دنیا کی تاریکیوں کو دُور کر دیا ۔ جس نے ساری دنیا کی جہالت کو دُور کر دیا ۔ جس نے ساری دنیا کے دُکھوں اور دردوں کو دُور کر دیا اور جس نے ہر امیر اور غریب کو ، ہر چھوٹے اور بڑے کو محبت اور پیار اور اُلفت باہمی سے رہنے کی توفیق عطا فرما دی ۔"[۵]

اخبار "سٹیٹسمین" میں ذکر

اخبار "سٹیٹسمین" (۳۰ ردسمبر ۱۹۴۲ء) نے "دنیا کا نظامِ جدید اسلامی نقطہ نظر" کے عنوان سے اِس لیکچر کا خلاصہ جن الفاظ میں شائع کیا اُن کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے :-

"جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ کے آخری دن کی آخری تقریر میں امام جماعت حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے دنیا کے نئے نظام کا ذکر کیا ۔ پہلے آپ نے اُن تمدنی ، اقتصادی اصولوں کا ذکر کیا جو مختلف طریق سے دنیا میں دولت کی غلط تقسیم کو مٹانے اور دنیا سے افلاس و محتاجی کو دُور کرنے کے لئے پیش کئے جاتے ہیں ۔ اور فرمایا کہ اب ملوکیت کا زمانہ نہیں رہا ۔ امپیریلزم کے ظالمانہ برتاؤ اور بے رحم اقتصادی دباؤ اور مختلف طبقوں کے

---

[۵] "نظامِ نو" صفحہ ۱۱۲ تا ۱۱۴

بڑھتے ہوئے باہمی مقابلہ اور تصادم کی مدّت اب ختم ہوگئی اور نئے نظام کا وقت آگیا ہے اٹلانٹک چارٹر کی نسبت فرمایا کہ اس سے بھی فائدہ نہ ہوگا۔ نیز فرمایا کہ اگرچہ اصول کے لحاظ سے کمیونزم کا اصول خوشکن معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص سے اس کی مالی حیثیت کے مطابق لے لیا جائے اور ہر شخص کو اس کی ضرورتوں کے مطابق دیا جائے مگر عمل میں یہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ ذاتی ملکیت سے محروم کرتا ہے اور اس سے انسان کا جوشِ عمل ضائع ہوجاتا ہے۔ نیز کمیونزم کے اصول میں یہ بڑا نقص ہے کہ وہ انسان کے وجدانِ روحانی کو خدا پرستی سے روک کر سخت صدمہ پہنچاتا ہے۔ اس کے ساتھ آپ نے جرمنی، جاپان اور اٹلی کے آمرانہ طریقِ حکومت پر سخت اعتراض کیا اور کہا کہ یہ وحشیانہ تخیّلات ہیں جن میں قومی منافرت، تنگ نظری اور فوجی طاقتوں کا بھیانک مظاہرہ ہوتا ہے۔ موجودہ جنگ ان ہی کے خراب منصوبوں کا نتیجہ ہے جن سے اُن کا یہ مقصد تھا کہ تمام دنیا پر غلبہ حاصل کریں اگر یہ کامیاب ہوئے تو انسانی تہذیب و تمدّن برباد ہوجائے گا بلکہ مذہب بھی مٹ جائیگا حضرت امام جماعت احمدیہ نے ایک نہایت خوش نما منظر اس نظام کا پیش کیا جس پر بعد جنگ دنیا کی تعمیر ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ حد سے زیادہ منافعے نہیں لئے جائینگے دولت کے ڈھیر سود کے ذریعہ جمع نہ ہوسکیں گے۔ اسلام اپنے قانونِ وراثت سے دولت کو وسیع حلقہ میں تقسیم کرے گا اور روپیہ چند ہاتھوں میں جمع نہ ہوسکے گا۔

زکوٰۃ ۲½ فیصدی ٹیکس آمدنی پر ہی نہ ہوگی بلکہ اصل اور منافع دونوں پر یہ ٹیکس ہوگا۔ بہت سی صورتوں میں خالص منافع کا پچاس فیصدی تقسیم ہوگا۔ اِن کے علاوہ اسلامی حکومت کو اختیار ہے کہ وہ اَور ذرائع سے بھی اپنا خزانہ پُر کرے۔

لیکن باوجود اس کے اسلامی حکومت جوشِ عمل کو برقرار رکھنے اور بڑھانے کے لئے ذاتی ملکیت کو تسلیم کرتی ہے اور اسلام یہ سبق بھی دیتا ہے کہ قدرتی تمام اشیاء تمام انسانوں کی ملکیت ہیں اور ان پر کوئی خاص انسان قبضہ نہیں کر سکتے"۔ [۵]

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا یہ لیکچر دفتر تحریک جدید کی طرف سے "نظام نو" کے نام سے

۵؎ بحوالہ اخبار الفضل ۱۳ صلح (جنوری) ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۴-۵ +

کتابی شکل میں شائع کردیا گیا۔ اور بہت مقبول ہوا جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امان ۱۳۲۴ھش (مارچ ۱۹۴۵ء) تک اس کے تین ایڈیشن شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ بک گئے۔[۱]

"نظامِ نو" کو بیرونی دنیا سے روشناس کرانے کے لئے اب تک اس کے عربی، انگریزی اور ترکی زبان میں تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں۔

مصر کے مشہور ادیب الاستاذ عباس محمود العقاد[۲] نے اس عظیم الشان لیکچر کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت پر مصر کے مشہور ادبی مجلہ "الرسالة" میں حسب ذیل تبصرہ کیا:۔

"اس لیکچر کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہے کہ فاضل لیکچرار (حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد) عالمگیر نظام کی توجہ اس طرف پھیرتے ہیں کہ فقر اور غربت کی مصیبت کو دُور کیا جائے۔ یا بالفاظ دیگر جمع شدہ اموال کو تمام دنیا کی قوموں اور لوگوں میں بحصّہ رسدی تقسیم کیا جائے۔ بلاشک آپ نے (لیکچرار صاحب نے) تمام دنیا کے جملہ نئے نظاموں پر جنہوں نے اس مصیبت اور مشکل کو دُور اور حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ یعنی فیسی ازم، نازی ازم اور کمیونزم اور بعض دیگر جمہوری نظام۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آپ کو ان سب نظاموں کے متعلق ہر جہت سے مکمل اطلاع اور علم حاصل ہے۔

لیکن ساتھ ہی آپ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں جو بالکل صحیح اعتقاد ہے کہ سیاست دان اور پارٹی لیڈرز اور حکومتیں اس مشکل کو حل نہیں کر سکتیں اس لئے ایسی مشکلات کو حل کرنے کے لئے روحانی قوت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہر ایسی مشکل جو تمام انسانوں سے تعلق رکھتی ہے اس کا حقیقی حل اور علاج تمام کے تمام انسان مل کر ہی کر سکتے ہیں۔ اس لئے سب سے بڑی چیز جو اطمینان پیدا کرتی ہے اور نیک کاموں اور اصلاح کے لئے دلیری پیدا کرتی ہے یعنی اعتقاد

---

[۱] پہلا ایڈیشن ۲۷؍فتح ۱۳۲۲ھش / دسمبر ۱۹۴۳ء اور دوسرا ایڈیشن ۴؍شہادت (اپریل) ۱۳۲۳ھش / ۱۹۴۴ء میں، تیسرا ایڈیشن ۲۹؍امان ۱۳۲۴ھش / مارچ ۱۹۴۵ء کو شائع ہوا۔ تیسرے ایڈیشن کی طباعت میں حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے۔ ابو منیر مولوی نور الحق صاحب واقف زندگی۔ حافظ بشیر الدین صاحب واقف زندگی اور چوہدری محفوظ الحق صاحب واقف زندگی نے معاونت کی۔

[۲] عباس محمود العقاد دنیائے عرب کی ایک مشہور ادبی شخصیت تھے جن کا شمار اس صدی کے گنے چُنے عرب مؤلفین و مصنفین میں ہوتا ہے۔ آپ کی تالیفات و تصنیفات کی تعداد پچاسی سے متجاوز ہے۔ ہر کتاب اپنے موضوع اور مواد کے اعتبار سے منفرد ہے۔

اور ایمان اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد آپ نے ہندوستان میں موجودہ بڑے بڑے مذاہب پر عموماً اور دنیا کے دوسرے مذاہب پر عموماً ایک محققانہ نظر ڈالی ہے تا اُن سے وہ علاج دریافت کیا جائے جو وہ اس مشکل کے دُور کرنے کیلئے جسے دنیا بڑی نظر سے دیکھتی ہے وہ پیش کرتے ہیں۔ اور تا اُن سے نیا نظام دریافت کیا جائے جو وہ موجودہ نظام کی بجائے پیش کر سکتے ہیں کیونکہ اُن کا بھی فرض ہے کہ وہ اِس مشکل کو حل کریں اور اس مصیبت کو دُور کریں۔

اِس کے بعد آپ نے بہت سے دلائل اس بات کے لئے پیش کئے ہیں کہ ان سب مذاہب میں سے صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے اندر ان مشکلات کو حل کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور تمام اقوام اور تمام لوگ پہلے بھی اِس پر عمل کر سکتے تھے اور اب اس موجودہ زمانہ میں بھی عمل کر سکتے ہیں۔ (اس کے بعد الاستاذ عباس محمود العقاد نے "نظام نو" اس حصّے کا خلاصہ اپنی زبان میں دیا ہے)

مؤلف یا بالفاظ دیگر فاضل لیکچرار صاحب نے صرف اُن مذہبی عقائد کا ہی جن کا ہم نے مذکورہ بالا سطور میں نہایت مختصر طور پر اشارۃً ذکر کیا ہے مقابلہ اور موازنہ کرنے میں ہی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی بلکہ آپ نے خاص طور پر اُن پر گہری نظر ڈالی ہے اور خاص اہتمام سے کام لیا ہے۔ کیونکہ صرف عقیدہ ہی جیسا کہ آپ نے فرمایا ایک ایسی چیز ہے جس سے اصلاح کی اُمید رکھی جا سکتی ہے۔ اور ساتھ ہی آپ نے ان عقاید کا مقابلہ اور موازنہ کرنے کے علاوہ ان تمام سیاسی اور سوشل نظاموں کا بھی مقابلہ اور موازنہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ سب کے سب عملی طور پر بھی اور رُوحانی طور پر بھی اپنے مقاصد میں ناکام رہے ہیں (اس کے بعد "نظام نو" کے اس حصہ کا خلاصہ دیا ہے جو سیاسی اور سوشل نظاموں پر مشتمل ہے)

لیکچر کا انگریزی ترجمہ جو مذکورہ بالا خلاصہ کی تفصیلات پر مشتمل ہے متوسط تقطیع کے ایک سو اور کچھ اوپر صفحات پر مشتمل ہے۔ اور ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ اگر یہ آواز یورپ اور امریکہ کے انگریزی خوان طبقہ میں پھیلائی جائے بلکہ خود اہل ہندوستان اور اہل مشرق کے درمیان بھی پھیلائی جائے تو یقیناً اپنا اثر دکھلائے گی۔ (ترجمہ)[1]

---

[1] الفضل ۱۶ ر فتح ۱۳۲۵ھش (۱۶ ر دسمبر ۱۹۴۶ء) صفحہ ۴ +

تقریر کے نوٹ لکھوانا

"نظام نو" کے تعلق میں بالآخر یہ بتانا بھی مناسب ہوگا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس تقریر کے نوٹ حضرت سیدہ ام متین کو املاء کرائے تھے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتی ہیں:۔

"حضور کی تقریروں کے نوٹ بے لے کر خدا تعالیٰ کے فضل سے تیز لکھنے کی عادت پڑی اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ کتنا ہی تیزی سے مضمون لکھواتے تھے لکھ لیتی تھی۔ سب سے پہلی دفعہ آپ نے جس تقریر کے نوٹ مجھے املاء کروائے تھے وہ "نظام نو" والی تقریر تھی۔ آپ لکھواتے گئے میں لکھتی گئی۔ جب نوٹ مکمل ہوگئے تو فرمانے لگے کچھ سمجھ آیا؟ میں نے جو کچھ آپ نے لکھوایا تھا وہ بتانا شروع کیا۔ کہنے لگے۔ نہیں! یہ تو تمہیدیں ہیں۔ یہ قرآن مجید اور احادیث کے حوالہ جات ہیں۔ ان سے میں کس مضمون کی طرف آنا چاہتا ہوں میں نے کہا۔ یہ تو سمجھ نہیں آئی۔ کہنے لگے۔ یہی تو کمال ہے کہ سارا مضمون اشاروں میں لکھوا گیا مگر تم بتا نہ سکیں کہ کیا موضوع میری تقریر کا ہوگا۔ میں نے کہا۔ پھر بتائیں۔ کہنے لگے۔ نہیں اب جلسہ پر ہی سننا"۔[1]

فصل پنجم

جلیل القدر صحابہؓ کا انتقال

۱۔ چوہدری حاکم علی صاحب چک پنیار ضلع گجرات۔ (تاریخ وفات ۶ ماہ صلح ۱۳۲۱ہش / جنوری ۱۹۴۲ء)[2]

نہایت قدیم صحابی: جو نہایت متقی اور سلسلہ کے ساتھ گہرا اور والہانہ اخلاص رکھنے والے تھے۔

۲۔ بھائی محمد اسمٰعیل صاحب ساکن ڈیہہ ضلع[3] علاقہ سندھ (بیعت ۱۹۰۷ء وفات ۱۱ صلح ۱۳۲۱ہش / جنوری ۱۹۴۲ء)

بہت غیور اور اپنے علاقہ میں احمدیت کا اعلیٰ نمونہ تھے۔[3]

۳۔ میاں محمد رمضان صاحب پنڈی چری (وفات ۲۱ صلح ۱۳۲۱ہش / جنوری ۱۹۴۲ء)[4]

آپ نہایت نیک اور صالح آدمی تھے۔ ایک عرصہ تک جماعت پنڈی چری کے امام الصلوٰۃ بھی رہے۔

---

[1] الفضل ۲۵ امان ۱۳۴۵ہش (مارچ ۱۹۶۶ء) صفحہ ۳ کالم ۲ + [2] الفضل ۸ صلح ۱۳۲۱ہش / ۸ جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ کالم ۲ +
[3] الفضل ۱۲ تبلیغ ۱۳۲۱ہش / فروری ۱۹۴۲ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴ + [4] الفضل ۱۷ تبلیغ ۱۳۲۱ہش (۱۷ فروری ۱۹۴۲ء) صفحہ ۲ کالم ۱ +

۴۔ چوہدری محمد حسین صاحب ریٹائرڈ سٹیشن ماسٹر ساکن محلہ دارالعلوم قادیان (وفات ۲۱ صلح ۱۳۲۱ھش / ۲۱ جنوری ۱۹۴۲ء)[1]

۵۔ حکیم سید احمد صاحب ساکن میانی ضلع گجرات خسر مکرم حکیم غلام حسین صاحب لائبریرین تابیا (وفات ۳۰ صلح ۱۳۲۱ھش / ۳۰ جنوری ۱۹۴۲ء)[2]

۶۔ حضرت مولوی غلام احمد صاحبؓ اختر اوچ شریف ریاست بہاولپور (وفات ماہ تبلیغ (فروری) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص صحابی اور فارسی کے متبحر عالم تھے[3] وفات کے وقت بچے چھوٹے تھے اور دیگر پسماندگان احمدی نہ تھے اس لئے مرکز قادیان میں ان کی وفات کی اطلاع ماہ وفا یعنی چار ماہ بعد پہنچی

۷۔ حضرت حافظ نبی بخش صاحبؓ متوطن فیض اللہ چک ضلع گورداسپور والد ماجد حکیم فضل الرحمن صاحب مجاہد مغربی افریقہ۔ (بیعت ۱۰ مارچ ۱۸۹۰ء۔ وفات ۲۳ امان (مارچ) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء بعمر ۸۵ سال)

حضرت حافظ صاحبؓ کو ۱۸۷۶ء-۱۸۷۷ء سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل تھا۔ حضور آپ کو گول کمرہ یا مسجد میں ٹھہرایا کرتے تھے۔ اوائل زمانہ میں آپ کو بیت الفکر میں کئی بار سونے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ اور کئی دفعہ حضور کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھانے کا موقعہ ملا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عصر کی ایک نماز آپ کی امامت میں بھی ادا فرمائی۔ ۱۹۰۷ء میں آپ کا لڑکا عبدالرحمن جو ہائی سکول قادیان کی ساتویں جماعت میں تعلیم پا رہا تھا وفات پا گیا۔ اس حادثہ کے چند دن بعد آپ قادیان آئے اور مسجد مبارک میں پہنچے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس وقت محراب میں کھڑکی کے درمیان اپنے خدام کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ حضور کی نظر شفقت جونہی آپ پر پڑی حضور نے پاس بلا کر بٹھا لیا۔ اور فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اپنے بچے کی وفات پر بڑا صبر کیا ہے۔ پھر سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا " ہم نے آپ کے لئے بہت دعا کی ہے اور کریں گے۔" یہ بھی فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نعم البدل دے گا"۔ اس دعا کے نتیجہ میں حضرت حافظ صاحبؓ کو جو بچہ نعم البدل کے طور پر عطا ہوا وہ حکیم فضل الرحمن صاحب تھے[4] جنہوں نے عین جوانی میں سلسلہ کی خدمت کے لئے اپنے تئیں وقف کیا اور قریباً ربع صدی تک مغربی افریقہ میں تبلیغی جہاد میں سرگرم عمل رہے اور ۲۸ ظہور (اگست) ۱۳۳۴ھش / ۱۹۵۵ء کو انتقال فرمایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ان کی وفات پر ان کی دینی قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ " حکیم فضل الرحمن صاحب ..... شادی کے تھوڑا عرصہ بعد ہی مغربی افریقہ میں

---

[1] الفضل ۲۳ ماہ صلح ۱۳۲۱ھش (۲۳ جنوری ۱۹۴۲ء) صفحہ ۱ ؛ [2] الفضل یکم ماہ تبلیغ ۱۳۲۱ھش (یکم فروری ۱۹۴۲ء) صفحہ ۱ کالم ۲

[3] الفضل ۸ وفا ۱۳۲۱ھش / ۸ جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۱ ؛ [4] الفضل ۶ ہجرت ۱۳۲۱ھش / ۶ مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۴

تبلیغ اسلام کے لئے چلے گئے۔ اور تیرہ چودہ سال تک باہر رہے۔ جب وہ واپس آئے تو اُن کی بیوی کے بال سفید ہو چکے تھے۔ اور اُن کے بچے جوان ہو چکے تھے۔"[۵۱]

حضرت حافظ صاحبؓ عابد زاہد بزرگ تھے۔ تہجد کا خاص طور پر اہتمام فرماتے۔ اوّل درجہ کے مہمان نواز تھے اور نہایت صابر و شاکر تھے۔ سلسلہ کے سب اخبارات خریدتے تھے۔ سلسلہ کی تحریکوں میں حتی الوسع حصہ لیتے تھے۔ وصیّت کی رقم اور جائیداد کا حصّہ زندگی میں ہی ادا فرما دیا تھا۔[۵۲] ۱۹۳۵ء میں چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ اور اس وقت سے مرض الموت تک فریش رہے۔ اس دوران میں اور بعد میں بھی مختلف عوارض کا حملہ آپ پر ہوتا رہا مگر کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لائے۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور ہر شخص سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات فرماتے۔

۸۔ حضرت چودھری نظام الدین صاحبؓ والد ماجد حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے ناظر اعلیٰ قادیان (بیعت ۱۸۹۵ء وفات ۲۹ر امان ۱۳۲۱ھش / مارچ ۱۹۴۲ء بعمر ۸۵ سال)[۵۳] آپ فرمایا کرتے تھے کہ میری پیدائش غدر سے کچھ پہلے ہوئی۔ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظیم شخصیت کا علم پہلے پہل ۱۸۸۴ء میں براہین احمدیہ سے ہوا جو سید عبدالوحید صاحب ڈپٹی کلکٹر نہر کے ذریعہ انہیں ملی۔ اوائل ۱۸۹۹ء میں آپ فریق مخالف کی شرارت سے قتل کے ایک مقدمہ میں ملوث کر دیئے گئے۔ مگر خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دُعا کی برکت سے بذریعہ کشف بریّت کی قبل از وقت اطلاع دے دی جس کا آپ نے لوگوں میں پہلے ہی اعلان کر دیا۔ دشمنوں نے اس کشف پر بہت ہنسی اُڑائی مگر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ بری ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد انہوں نے جون ۱۸۹۹ء میں اپنے بیٹے چوہدری فتح محمد صاحب سیال کو پڑھنے کے لئے قادیان بھیج دیا۔ جہاں آپ تعلیم الاسلام سکول میں داخل ہو گئے۔

حضرت چودھری نظام الدین صاحبؓ کو تبلیغ کا بہت شوق تھا کھریپڑ، لدھیکے نیوں، لدھیکے اونچے نلّھے کے، اور علی پور وغیرہ ضلع لاہور کی جماعتیں آپ ہی کے ذریعہ قائم ہوئیں۔[۵۴]

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے اُن کی وفات پر ایک مفصّل نوٹ لکھا جس سے اُن کے مخلصانہ مقام اور مرتبۂ فدائیت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت عرفانی الکبیر نے لکھا:-

---

[۵۱] الفضل ۲۲ر اخاء ۱۳۳۴ھش / اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ کالم ۴ + [۵۲] الفضل ۲۲ر شہادت (اپریل) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۴-۵ (مضمون حکیم فضل الرحمٰن صاحبؓ مبلغ نائیجیریا) + [۵۳] الفضل یکم شہادت ۱۳۲۱ھش / اپریل ۱۹۴۲ء صفحہ ۴ + [۵۴] الفضل ۵ر شہادت ۱۳۲۱ھش / اپریل ۱۹۴۲ء صفحہ ۵ (مضمون چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے) ایضاً ۱۰ر شہادت ۱۳۲۱ھش صفحہ ۲-۵ +

"وہ بیعت سے قبل بھی ایک عام عقیدت کے آغاز میں اس قدر غیور تھے کہ حضرت اقدسؑ کے خلاف کچھ سُن نہ سکتے تھے۔ ان ایام میں کثرت سے دکھانوالے سے آتے اور حضرت اقدسؑ کے اشتہارات اور تصنیفات کو سُنتے اور تصدیق کرتے۔ چونکہ اپنے علاقہ میں وہ ایک باثر اور دلیر معزز رئیس تھے اس لئے کسی کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ اُن کے سامنے سلسلہ کی مخالفت کرے۔ اس عہدِ جوانی میں باوجود زمیندار ہونے کے مَیں نے اُن کو منہیات شرعیہ سے ہمیشہ مجتنب پایا۔ اُن کی طبیعت میں خشونت تھی۔ شاید یہ لفظ ثقیل ہو مگر مَیں نے اس کو واقعات کی صورت میں لکھا ہے۔ لیکن جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ حالتِ اسلام میں صحیح مقام حاصل کر چکا تھا چوہدری نظام الدین صاحب کی خشونت غیرتِ دینی کے رنگ میں رنگین ہو گئی۔ وہ بہت صاف دل اور صاف گو تھے۔ دلیری اور جرأت قابل تقلید تھی۔ حق کہنے میں وہ کسی کی پروا نہ کرتے تھے۔ ان ایام میں باوجودیکہ ابھی انہوں نے بیعت نہ کی تھی مگر حضرت اقدسؑ کی تحریکاتِ چندہ میں حصہ لیتے تھے اور اشتہارات اور کتابوں کی اشاعت اور تبلیغ میں سرگرمی کا عملی اظہار کرتے تھے۔

چودھری فتح محمد صاحب کو جب قادیان مدرسہ میں داخل کیا تو انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ شیخ صاحب مَیں نے تو فتح محمد کو یہاں اسواسطے داخل کیا ہے کہ ہم زمیندار لوگ ہیں بچے جوان ہو جاتے ہیں تو اپنے کاروبار میں لگانا ہم کو عزیز ہوتا ہے۔ مَیں نے اِس کو یہاں بھیج دیا ہے کہ ہم تو اپنی زمینداری کے دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں فتح محمد جوان ہو کر کوئی دین کا کام کرے۔ ورنہ ہمارے پاس قصور میں کیا سکول نہیں۔ اس سے اُن کی مخلصانہ نیت کا پتہ لگتا ہے۔ انہوں نے اپنے دل میں چودھری فتح محمد صاحب کو بچپن میں وقف کر دیا تھا۔ اور ان کے صادق نیت اور اخلاص کا نتیجہ ہے کہ آخر فتح محمد سلسلہ کا ایک خادم سپاہی بن گیا۔

چودھری فتح محمد صاحب کی شادی کی تجویز جب مفتی فضل الرحمن صاحب مرحوم کی صاحبزادی ہاجرہ مرحومہ سے ہوئی تو چودھری صاحب مرحوم قادیان آئے۔ اُن کا معمول تھا کہ وہ قادیان آتے تو مجھے ضرور ملنے کے لئے آتے اور تمام ضروری باتیں اپنے معاملات کی بھی کرتے۔ وہ

اِس طرح پر عہدِ اخوّت و مودّت کا ایک قابلِ تقلید نمونہ پیش کرتے تھے۔ غرض میرے پاس آئے اور اِس واقعہ کا ذکر کر کے کہنے لگے کہ مَیں نے تو احمدی ہو کر اپنا ارادہ ختم کر دیا ہے۔ اب جو منشاء یہاں کا ہوتا ہے وہی میرا ہوتا ہے۔ اِس معاملہ میں میری رائے کا دخل ہی نہیں۔ اور مَیں خوش ہوں کہ فتح محمد کے لئے جو مَیں نے ارادہ کیا تھا خدا اُسے پورا کر رہا ہے ایسا ہی جب چوہدری صاحب کو ولایت بھیجا گیا تو وہ آئے اور مفتی صاحب مرحوم کے حجرہ میں ہی مقیم تھے۔ فرمایا کہ میری ایسی قسمت کہاں تھی کہ میرا بیٹا دین کی خدمت کے لئے لنڈن جائے۔ یہ تو خدا کا محض فضل ہے۔

غرض باوجود ایک زمیندار ہونے کے فہمِ دقیق رکھتے تھے اور سلسلہ کے لئے اُن کے دِل میں ہر قسم کی قربانی کا جذبہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے اہلبیت کے ساتھ انہیں فدائیانہ محبّت تھی۔"[۵۰]

۹۔ حضرت میر قاسم علی صاحبؓ ایڈیٹر "فاروق" قادیان (تاریخ بیعت جولائی ۱۹۰۲ء۔ وفات ۱۲ شہادت (اپریل) ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء) حضرت میر صاحب جماعت احمدیہ کے ابتدائی مصنّفوں میں سے ایک کامیاب مصنّف تھے اور سلسلہ احمدیہ کی تاریخ صحافت میں بھی اُن کو بلند مقام حاصل تھا انہوں نے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد دہلی میں ایک باقاعدہ تبلیغی مرکز قائم کر دیا اور اپنی انفرادی کوششوں سے بہت سے اشتہارات، ٹریکٹ اور رسالے تائیدِ احمدیت میں شائع کئے۔ حضرت اقدسؑ کی وفات کے بعد خلافتِ اُولیٰ میں جب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی بدزبانی حد سے بڑھ گئی تو آپ نے ۱۹۱۱ء میں دہلی سے رسالہ "احمدی" جاری کیا جس میں مولوی صاحب موصوف کے اعتراضات کے دندان شکن اور قرار واقعی جوابات دیئے جاتے تھے۔ اِس کے ساتھ ہی آریوں کے اسلام پر اعتراضات کے جوابات کے لئے بھی آپ نے دہلی ہی سے ایک ہفتہ وار اخبار "الحق" جاری کیا۔ جو ہندوستان کے نصف درجن سے زائد آریہ اخبارات کا نوٹس لیتا تھا۔ اور اُن کے اسلام کے خلاف زہریلے اثر کو دُور کرتا تھا۔ خلافتِ ثانیہ کے عہد میں آپ نے سلسلہ کے مشہور ہفتہ وار اخبار "فاروق" کی بنیاد ڈالی۔ جس کا سب سے پہلا پرچہ ۷ راکتوبر ۱۹۱۵ء کو قادیان دارالامان سے شائع ہوا جو بعض

---

۵۰ الفضل ۱۵ رشہادت ۱۳۲۱ ہش (۱۵ راپریل ۱۹۴۲ء) صفحہ ۴ +

ناگزیر درمیانی وقفوں کے ساتھ اخیر مارچ ۱۹۴۲ء تک جاری رہا۔

ان اخبارات کے علاوہ آپ نے تیس[۳۰] کے قریب چھوٹے بڑے رسالے اور کتابیں تصنیف فرمائیں۔[۵۱] جن میں سے بعض مولوی ثناء اللہ صاحب کے جواب میں ہیں۔ اور بعض آریوں کے ردّ میں۔ غیر مبائعین اور دوسرے اندرونی مخالفین احمدیت کے مقابلہ میں بھی آپ نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ خدا تعالے نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت سے آپ کو ایک زبردست قوتِ تحریر عطا فرمائی تھی۔ اور دشمن آپ سے مرعوب اور لرزاں و ترساں رہتا تھا۔

فنِ خطابت اور مناظرہ میں بھی آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ بڑے بڑے جلسوں اور مناظروں میں آپ کی تقریریں مخالفین تک سے دادِ تحسین حاصل کرتی تھیں۔ آپ کا اندازِ بیان بہت دلکش ہوتا تھا جب کبھی زمانہ میں غیر احمدی علماء مولوی ثناء اللہ صاحب، مولوی مرتضیٰ حسن صاحب دربھنگی اور مولوی انور شاہ صاحب دیوبندی وغیرہ سال بسال قادیان میں جلسہ کرنے آیا کرتے تھے تو جناب میر صاحب مرحوم بڑی دلیری سے اُن کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ ۲۳-۱۹۲۲ء میں جب آریہ سماج کے دریدہ دہن مصنفوں اور لیکچراروں نے ہندوستان کے طول و عرض میں آنحضرت صلے اللہ علیہ والہ وسلم اور اسلام کے خلاف گندے اعتراضات کر کے مسلمانوں کے دل دُکھائے اور ہر جگہ مناظرات کا میدان گرم ہوا تو جناب میر صاحب مرحوم نے اسلام کے ایک جری پہلوان کی طرح اس مقدس جنگ میں حصّہ لیا اور مخالفینِ اسلام کے دانت کھٹے کر دیئے۔ امرتسر اور لاہور وغیرہ مقامات میں آپ کے اس زمانہ کے لیکچروں کی مدتوں تک دھوم تھی۔ ہندوستان کے دُور اور نزدیک کے دیگر شہروں سے بھی غیر احمدی اصحاب آریوں کے مقابلہ کے لئے قادیان ہی سے مبلغ بلوایا کرتے تھے اور ان کی طرف سے جناب میر صاحب کو بھجوانے کی خاص طور پر فرمائش ہوتی تھی۔ آپ کی تصنیف "چودھویں صدی کا مہرشی" اُس وقت کی فضاء میں آریوں کا بہترین

---

[۵۱] فہرست:۔ فیصلہ خدائی بر مسلمات ثنائی۔ جھوٹ چھات۔ پچپن[۵۵] سوالات۔ دھرمپال کا کچا چٹھا۔ بھجن مقبول ازہاق باطل۔ جھوٹ کا بھوت۔ انیسویں صدی کا بلیدان۔ بطالوی کا انجام۔ صاعقہ ذوالجلال حصہ اوّل و دوم۔ ہدیہ قاسم منظوم مشین گن۔ تارپیڈو۔ ذوالفقارِ علی بر گردنِ دیوشقی۔ شدھی کی اشدھی الہامی۔ دین الحق یا ہمارا مذہب۔ علمائے فلقت۔ تصدیق الالہام۔ بلعم ثانی۔ النبوۃ فی غیر الامۃ۔ ثنائی ہرزہ سرائی۔ ثنائی فرار اور مباہلہ سے انکار۔ فیصلہ الٰہی۔ ثنائی روسیاہی۔ فیصلہ خدائی بر مسلمات ثنائی۔ تحفہ معترضان مباہلہ۔ مرقع ثنائی۔ انیسویں صدی کا مہرشی۔ مباحثہ منصوری۔ خلافتِ محمود و مصلح موعود۔ (وکتابچہ "داذا الصحف نشرت" مرتبہ میاں عبدالعظیم صاحب پروپرائٹر احمدیہ بکڈپو قادیان دارالامان) حضرت میر صاحبؓ کا ایک ناقابل فراموش کارنامہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے سب اشتہارات "تبلیغ رسالت" کے نام سے شائع کر کے انکو آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کر دیئے۔

جواب تھی۔ اس کتاب کی اشاعت نے آریوں میں ایک ہلچل ڈال دی اور اُن کو معلوم ہو گیا کہ دوسروں کے بزرگوں کی توہین ایک نہایت خطرناک کھیل ہے۔ اس کتاب کی ضبطی کے لئے آریوں کی طرف سے کئی مرتبہ کوشش کی گئی لیکن چونکہ یہ کتاب اُن کی کئی زہریلی اور گندی کتابوں کے جواب میں شائع ہوئی تھی اسلئے وہ اسے ضبط کرانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے آپ کے وصال پر لکھا :-

"حضرت میر قاسم علی صاحب مرحوم سلسلہ حقہ کے مشہور جرنلسٹ، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے مخلص شیدائی اور پُر جوش اور پُر محبّت خادم تھے۔ مضامین اخبار و رسائل اور تصنیف و تالیف کتب کے ذریعہ سے انہوں نے سلسلہ حقہ احمدیہ کی نہایت قابل قدر خدمات انجام دیں۔ دینِ اسلام کی تائید میں انہوں نے عیسائیوں اور آریوں کا ایسا مقابلہ کیا کہ خود دشمن بھی اُن کے بیان کی خوبی اور اُن کے دلائل کی قوت کا قائل تھا۔ مرحوم جب دہلی میں مقیم تھے اُسوقت عاجز کو جب کبھی تبلیغی دورے پر جانے کا اتفاق ہوتا تو مرحوم کے مکان پر ہی قیام ہوتا تھا۔ اور دیگر دوست بھی عموماً اُن کے ہاں قیام کرتے۔ اور اُنکی مہمان نوازی سے بہرہ ور ہوتے۔ اُسوقت دہلی کے مسلمان، آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ مناظرات کے واسطے میر صاحب مرحوم کو ہی لے جایا کرتے تھے اور ان کا دہلی میں ہونا ایک نعمتِ غیر مترقبہ یقین کرتے تھے۔

مرحوم کو اس عاجز کے ساتھ محبّت کا خاص تعلق تھا۔ اپنی عمر کے آخری سال میں اُن کا معمول تھا کہ روزانہ شام کو محلہ مسجد مبارک میں اپنی کتابوں کی دوکان فاروق ایجنسی میں آتے۔ عاجز بھی وہاں اُن کے پاس جا بیٹھتا اور بعض دیگر احباب بھی آ جاتے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی باتوں اور کاموں کا ذکر رہتا جو حاضرین کے واسطے موجب ازدیاد ایمان ہوتا۔ ممبرانِ خاندانِ نبوت کے ساتھ مرحوم کا اخلاص حنیفانہ رنگ اپنے اندر رکھتا تھا۔

مرحوم کی اگرچہ نسبی اولاد نہ تھی مگر اپنے بعض عزیزوں کے بچوں کو اُن کی پیدائش کے زمانہ سے لیکر اسقدر محبّت کے ساتھ اُن کی تعلیم و تربیت کی کہ اُن بچوں کو ہمیشہ یہی یقین رہا کہ میر صاحب ہی اُن کے باپ اور اُن کی مرحومہ بیوی اُن کی ماں ہے۔ اور اُن بچوں کو اچھے عہدوں پر ملازم کرایا۔ اور اُن میں سے بعض کی اولاد کی بھی پرورش کی۔"[2]

---

[1] الفضل ۳۰ رشہادت ۱۳۲۱ ہش (۳۰ راپریل ۱۹۴۲ء) صفحہ ۵

مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل مدیر "فرقان" نے مندرجہ ذیل الفاظ میں آپ کو خراجِ تحسین ادا کیا :-

" احمدیت کا پُرانا جرنیل مسیحِ پاک کا غیور صحابی، خلافت کا وفادار خادم اور دشمنانِ اسلام و سلسلہ کے سامنے ہمیشہ سینہ سپر ہونے والا سپاہی میر قاسم علی ۱۲ر اپریل کی شب کو فوت ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

جناب میر صاحب مرحوم کی زندگی میں غیرتِ دینی کا ایک بہترین نمونہ موجود تھا۔ جس طرح اپنی ذاتی متاع کی حفاظت میں انسان پوری قوت خرچ کر دیتا ہے اسی طرح حضرت میر صاحب مقدور بھر اسلام و احمدیت کی خدمت کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تحریر و تقریر میں خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ اور طبیعت بھی نکتہ رس اور بذلہ سنج تھی۔ تقریر کے وقت حاضرین کو مسحور کر لینا اور تحریر کے قارئین کی دلچسپی کو اخیر تک قائم رکھنا اُن کا نمایاں وصف تھا۔ بے شک حضرت میر قاسم علی صاحب نے طبعی عمر پائی اور جنت الفردوس کے وارث ہوئے لیکن انکی وفات ایک جماعتی صدمہ ہے اور ہر مخلص کے لئے رنجدہ حادثہ۔ زمانہ کی گردش ایسے جانباز خادمِ دین کے ذکر کو دلوں میں تازہ کرتی رہے گی اور رہتی دنیا تک احمدیت کی تاریخ میں میر قاسم علی کا نام عزت کے ساتھ یاد کیا جائیگا۔ مجھے ایامِ طالب علمی سے ہی میر صاحب سے واقفیت ہے۔ مَیں نے انہیں ہمیشہ سلسلہ کی عزت کے لئے غیور مومن پایا۔ غلطی انسان سے ہو جاتی ہے لیکن دینی غیرت کے ماتحت غلطی بھی انتظامی حصہ کو مستثنیٰ کر کے ایک خوبصورت فعل ہے۔ میر صاحب کے کارنامے ایک طویل کتاب کے محتاج ہیں۔ خدا جسے توفیق دے گا وہ آسمان احمدیت کے ان یکے بعد دیگرے نظروں سے اوجھل ہونے والے مگر ابد تک درخشندہ ستاروں کی تاریخ مرتب کر سکیگا۔ بہر حال میر صاحب مرحوم کی وفات سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُر نور چہرہ کو دیکھنے والا ایک اَور وجود کم ہوگیا۔ اے اللہ! تُو جناب میر صاحب کے درجات کو بلند فرما۔ اور ان کے پسماندگان پر رحم فرما۔ اور احمدیت کے جانباز سپاہیوں میں اضافہ فرما تا اسلام کا پرچم جلد تر دنیا کے سب ممالک پر لہرائے۔ اَللّٰھُمَّ آمین ۔"[1]

---

[1] رسالہ "فرقان" ہجرت ۱۳۲۱ ہش (مئی ۱۹۴۲ء) صفحہ ۳۴ *

۱۰۔ حکیم عبدالرحمٰن صاحب محلہ مسجد فضل قادیان (وفات ۲۵؍ہجرت ۱۳۲۱ ھش/مئی ۱۹۴۲ء)[۵۱]

۱۱۔ پیر محمد شاہ صاحب آف شاہ مسکین ضلع شیخوپورہ (ولادت ۱۸۷۹ء۔ بیعت ۱۸۹۶ء وفات ۱۲؍احسان ۱۳۲۱ ھش/جون ۱۹۴۲ء)

اپنے ماموں حضرت میاں معراج دین صاحب عمرؓ کی تبلیغ سے احمدیت قبول کی۔ ۱۹۰۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور تشریف لائے تو آپ کو دوران قیام حضور کی خدمت کا قیمتی موقعہ میسر آیا۔ جن پُرجوش مخلصین نے منٹگمری[۵۲] میں جماعت قائم کی اُن میں آپ بھی تھے۔ مسجد احمدیہ منٹگمری آپ کی تبلیغی کوششوں اور جماعتی استحکام کی جدوجہد کی ایک عمدہ یادگار ہے۔ منٹگمری کے علاوہ آپ (ملازم محکمہ نہر کی حیثیت سے) کئی اور مقامات میں بھی رہے۔ اور ہر جگہ احمدیت کا ایسا اچھا نمونہ پیش کیا کہ دشمن بھی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے[۵۳]

۱۲۔ حضرت خلیفہ نورالدین صاحبؓ جموّنی (ولادت ۱۹۰۸ بکرمی مطابق ۱۸۵۲ء بیعت ۲۷؍دسمبر ۱۸۹۱ء ۳۱۳ صحابہ کبار میں ۱۶۴ - وفات ۲؍تبوک ستمبر ۱۳۲۱ ھش/۱۹۴۲ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقرب صحابی اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مولانا نورالدینؓ کے مایۂ ناز شاگرد! حضرت اقدس علیہ السلام دعوئے مسیحیت سے قبل جب حضرت مولانا نورالدین (خلیفہ اوّلؓ) کی عیادت کے لئے جموں تشریف لے گئے تو حضور نے آپ ہی کے کمرہ میں قیام فرمایا تھا[۵۴]

حضرت خلیفہ صاحب رضی اللہ عنہ اپنے حالات زندگی میں لکھتے ہیں:۔

"مَیں ابتدائے جوانی میں گجرات میں رہتا تھا۔ اور اس وقت فرقہ اہل حدیث کا ابتدائی چرچا تھا اور پبلک میں اس کی سخت مخالفت تھی۔ اُن کی باتیں معقول پاکر مَیں بھی اہل حدیث میں شامل ہوگیا۔ ایک دفعہ سیال شریف جاتے ہوئے راستہ میں بھیرہ مولوی سلطان احمد صاحب مرحوم سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ذکر کیا کہ میرا بھائی نورالدین نام مکہ میں حدیث پڑھ رہا ہے۔ اس طرح پہلی دفعہ مَیں نے حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسیح الاوّل کا حال سُنا۔ پھر جب مَیں نے سُنا کہ مولوی صاحب مکہ سے واپس بھیرہ آگئے ہیں تو مَیں انہیں ملنے کے واسطے گیا۔ اور اُن کے عقائد اور تحقیقی مسائل سے متفق ہوکر ایک عرصہ اُنکے

---

۵۱ الفضل ۲۸؍ہجرت ۱۳۲۱ ھش/مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ا کالم ۲ + ۵۲ اب اس کا نام ساہیوال ہے + ۵۳ الفضل ۲۸؍احسان ۱۳۲۱ ھش/جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۵ (ملخصاً مضمون سلطان محمود صاحب شاہد بی۔ ایس سی حال پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ) ۵۴ الحکم ۲۸؍نومبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۵-۶ - اس پرچہ میں آپ کی املاء کردہ سوانح حیات درج ہے +

پاس رہا اور پھر اُن کے ساتھ ہی جموں آ گیا۔ جب حضرت مرزا صاحب کی خبر ملی۔ اُن کی ملاقات کے واسطے قادیان گیا۔ ایک عرصہ رہا۔ جب حضرت مرزا صاحب نے بیعت لینی شروع کی تو مَیں نے بھی بیعت کرنی چاہی مگر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا کہ ہمارے داماد عبدالواحد (پسر مولوی عبداللہ صاحب غزنوی ثم امرتسری) کو پہلے سمجھانا ضروری ہے۔ وہ بیعت کرنے والوں کی بات کو نہ سُنیگا تم ابھی بیعت نہ کرو اور اُسے سمجھاؤ۔ مَیں اُسے سمجھاتا رہا مگر اس نے نہ مانا۔ اور جب حضرت مسیح موعودؑ دہلی سے واپس آئے تو مَیں نے بیعت کر لی۔ اُس وقت "نشانِ آسمانی" لکھی گئی تھی۔ جب کشمیر میں ایک سخت ہیضہ ہوا اُسوقت مَیں سری نگر میں ملازم تھا۔ میری ڈیوٹی لگی کہ شہر کے مختلف حصّوں میں پھر کر لوگوں کو صفائی اور علاج وغیرہ کی طرف متوجہ کروں۔ اُسوقت سری نگر کے محلّہ خانیار میں مجھے معلوم ہُوا کہ یہاں ایک قبر ہے جسے شہزادہ نبی یوز آسف کی قبر کہتے ہیں اور بعض اُسے حضرت عیسٰی نبی کی قبر بھی کہتے ہیں۔ مَیں نے حضرت مولوی صاحب کے پاس اس بات کی رپورٹ کی وہ سُنکر چُپ ہو رہے۔ اِس کے بعد جب حضرت مولوی صاحب قادیان گئے اور ایک دفعہ اتفاقاً اس امر کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہُوا تو حضرت صاحب نے مجھے بلوایا اور اس امر کی تحقیقات کے واسطے کشمیر بھیجا"۔[۱]

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "آئینہ کمالاتِ اسلام" (صفحہ ۶۲۷ - ۶۳۴) "حجۃ الاسلام" (صفحہ ۵) "آریہ دھرم" (صفحہ ۱۲) "ضمیمہ انجام آتھم" (صفحہ ۴۳) "کتاب البریّہ" (صفحہ ۲۳) "تحفۂ گولڑویہ" (صفحہ ۱۵۱) "نزول المسیح" (صفحہ ۱۲۲ - ۲۲۸) اور اشتہار ۱۴ اکتوبر ۱۸۹۹ء (مشمولہ تبلیغ رسالت جلد ہشتم) میں آپ کا ذکر فرمایا ہے اور نہایت تعریفی کلمات سے نوازا ہے۔ چنانچہ تحفہ گولڑویہ میں لکھا ہے:-

"جب مَیں نے اس قصّہ کی تصدیق کے لئے ایک معتبر مرید اپنا جو خلیفہ نورالدین کے نام سے مشہور ہیں کشمیر سری نگر میں بھیجا تو انہوں نے کئی مہینے رہ کر بڑی آہستگی اور تدبیر سے تحقیقات کی۔ آخر ثابت ہو گیا کہ فی الواقعہ صاحب قبر حضرت عیسٰی علیہ السلام ہیں جو یوز آسف کے نام سے مشہور ہوئے"۔[۲]

---

[۱] "تحقیق جدید متعلق قبر مسیح" مؤلفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ناشر بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان طبع اوّل اکتوبر ۱۹۳۶ء۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۷ پر آپکا اور حضرت مستری فیض احمد صاحب جمونی کا فوٹو بھی موجود ہے۔ [۲] "تحفۂ گولڑویہ"

اسی طرح اپنے اشتہار ۴ر اکتوبر ۱۸۹۹ء میں تحریر فرمایا :—

"اور خلیفہ نورالدین صاحب ہیں جو ابھی محض للہ ایک خدمت پر مامور ہو کر کشمیر بھیجے گئے تھے اور چند روز ہوئے فائز المرام ہو کر واپس آ گئے ہیں .... میں اس تحقیقات کے متعلق ایک کتاب تالیف کر رہا ہوں جس کا نام ہے "مسیح ہندوستان میں"۔ چنانچہ میں نے اس تحقیق کے لئے مخلصی محبی خلیفہ نورالدین صاحب کو جن کا ابھی ذکر کر آیا ہوں کشمیر میں بھیجا تھا تاکہ وہ موقعہ پر حضرت مسیحؑ کی قبر کی پوری تحقیقات کریں۔ چنانچہ وہ قریباً چار ماہ کشمیر میں رہ کر ہر ایک پہلو سے تحقیقات کر کے اور موقع پر قبر کا ایک نقشہ بنا کر اور پانسو چھپن ۵۵۶ آدمیوں کی اس پر تصدیق کرا کر کہ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے جس کو عام لوگ شہزادہ نبی کی قبر اور بعض یوز آسف نبی کی قبر اور بعض عیسیٰ صاحب کی قبر کہتے ہیں۔ ۱۷ر ستمبر ۱۸۹۹ء کو واپس میرے پاس پہنچ گئے۔ سو کشمیر کا مسئلہ تو خاطر خواہ انفصال پا گیا۔ اور پانچ سو چھپن ۵۵۶ شہادات سے ثابت ہو گیا کہ درحقیقت یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے جو سری نگر محلہ خانیار کے قریب موجود ہے۔"

(حاشیہ) "خلیفہ نورالدین صاحب کو خدا تعالیٰ اجر بخشے کہ اس تمام سفر اور رہائش کشمیر میں انہوں نے اپنا خرچ اٹھایا۔ اپنی جان کو تکلیف میں ڈالا اور اپنے مال سے سفر کیا۔"[۵۱]

حضرت خلیفہ صاحبؓ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض نشانوں کے بھی گواہ تھے[۵۲]۔ بعض الہامات و رؤیا میں بھی آپ کا نام ملتا ہے[۵۳]۔ جنگ مقدس کے مباحثہ کی کارروائی آپ نے اور حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی نے قلمبند کی تھی۔

حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحبؓ نو مسلم (سابق مہر سنگھ) کا بیان ہے کہ :—

"میں نے دیکھا کہ ایک ایک وقت میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پانچ پانچ سو روپیہ نذر پیش کیا۔ جب سے آپ نے مخیرانہ طور پر چندہ میں حصہ لینا شروع کیا تب سے آپ کے کاروبار میں بھی خداوند کریم نے ترقی پر ترقی دی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۵۱ "تبلیغ رسالت" جلد ہشتم صفحہ ۷۰ تا ۷۲ ÷ ۵۲ ملاحظہ ہو "نزول المسیح" ÷ ۵۳ ملاحظہ ہو "نزول المسیح" صفحہ ۲۱۱ (تذکرہ طبع دوم صفحہ ۴۲۹ – ۴۳۰) البدر ۲۸ر نومبر و ۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۵ والحکم ۲۴ر نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۴ (تذکرہ طبع دوم صفحہ ۴۵۲)

کے مساعیٔ جمیلہ میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر امداد دیا کرتے تھے اور سیالکوٹ لاہور وغیرہ لیکچروں میں حاضر ہو کر ہر طرح امداد دیا کرتے تھے ...... حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کی نگرانی

طباعت میں اور پروف بینی میں بہت حصہ لیا کرتے تھے درثمین کا پہلا ایڈیشن[1] مولوی غلام قادر فصیح صاحب سیالکوٹی نے 1893ء میں دوسرا حضرت حکیم فضل الدین صاحب بھیروی نے 1896ء میں اور تیسرا ایڈیشن حضرت خلیفہ نورالدین صاحب نے "درثمین کامل" کے نام سے اکتوبر 1901ء میں شائع فرمایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آپ کے نام رقم فرمودہ خطوط یا اپنی تالیفات کے بعض قیمتی مسودات اور تبرکات اکثر و بیشتر جموں میں ہی ضائع ہو گئے تھے۔ البتہ دو خط اور کشتی نوح اور نزول المسیح کے بعض قیمتی مسودات جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قلم مبارک سے لکھے ہوئے ہیں اب تک ان کے فرزند الحاج خلیفہ عبدالرحمٰن صاحب کے پاس محفوظ ہیں[52]

۱۳ ۔ حضرت مستری فیض احمد صاحبؓ ۔ (ولادت ۶۸-۱۸۶۷ء ۔ بیعت ۱۸۹۷ء

وفات ۴ ر تبوک ۱۳۲۱ھ ش (۴ ر ستمبر ۱۹۴۲ء)[53]

میاں محمد ابراہیم صاحب بی۔ اے جمونی[54] نے ان کی مختصر سوانح ۱۱ ر تبوک ۱۳۲۱ھ ش / ستمبر ۱۹۴۲ء کے الفضل میں شائع کرادی تھی جس کا ایک ضروری حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے :۔

"ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی اہلحدیث اور حضرت مولوی فیض الدین صاحبؓ کے ساتھ پڑھتے رہے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کا شاگرد ہونے

---

[1] یہ ایڈیشن مؤلف کتاب ہذا کی "سلطان لائبریری" ربوہ میں موجود ہے۔

[52] حضرت خلیفہ صاحبؓ کی اولاد :۔ ۱۔ غلام فاطمہ صاحبہ زوجہ حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نومسلم۔ ۲۔ حضرت خلیفہ عبدالرحیم صاحبؓ (ولادت ۱۲ ر دسمبر ۱۸۹۳ء) آپ کی پیدائش حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خاص دعاؤں کا نتیجہ تھی۔ ۳۔ امۃ اللہ بیگم صاحبہ زوجہ حضرت مستری فیض احمد صاحبؓ جمونی۔ ۴۔ الحاج خلیفہ عبدالرحمٰن صاحب (ولادت ۱ ر مارچ ۱۹۱۰ء) آپ قریباً تین سال تک جماعت احمدیہ سری نگر کے پریذیڈنٹ بھی رہے ہیں۔ ان دنوں کوئٹہ میں مقیم ہیں۔ [53] الفضل ۶ ر تبوک (ستمبر) ۱۳۲۱ھ ش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

[54] حال ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ۔ محترم میاں صاحب موصوف آپ کے ہمشیرہ زاد بھائی ہیں جنہیں حضرت مستری صاحب نے آپ کے والد ماجد کی زندگی میں ہی اپنی تربیت میں لے لیا اور پھر آپ کی تعلیم پر اس قدر بے دریغ روپیہ خرچ کیا کہ بہت سے لوگ آپ کو حضرت مستری صاحب کا حقیقی بیٹا سمجھنے لگے۔

کا فخر حاصل تھا۔ ابتداء میں اہلحدیثوں کی طرف سے مناظروں میں شریک ہوتے تھے۔ بعد میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی تحریک پر احمدیت کی طرف توجہ ہوئی اور ۱۸۹۷ء میں بیعت کا شرف حاصل کیا۔ سیالکوٹ میں حکیم حسام الدین صاحب مرحوم اور حضرت میر حامد شاہ صاحب کے خاص مصاحبوں میں سے تھے اور ان کا دینی شغف اور علم انہیں بزرگوں کا رہینِ منت تھا کاروبار کے سلسلہ میں جموں سکونت اختیار کی تو حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی جو اُن دنوں ریاست جموں میں سرکار کے طبیب تھے معیت نصیب ہوئی اور ان سے خاص انس و محبت پیدا ہو گئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہو چکنے کے بعد اکثر قادیان آتے رہے اور وفات تک یہی معمول رہا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت سے فیضیاب ہونے کی وجہ سے تقویٰ و روحانیت سے خاص حصہ ملا تھا اور حضور علیہ السلام سے ایک خاص اُنس و عقیدت تھی۔ باوجود کاروباری آدمی ہونے کے دین کو صحیح معنوں میں دنیا پر مقدم رکھتے تھے۔ تبلیغ مسائل سلسلہ اُن کا من بھاتا مشغلہ تھا۔ دن رات یہی دھن لگی رہتی تھی۔ گھر میں اور باہر ہر جگہ یہی چرچا ہوتا تھا۔ گفتگو نہایت مؤثر اور مدلّل ہوتی تھی اور ہر مخالف کو خداداد قابلیت اور جوش ایمان کی وجہ سے شکست دے سکتے تھے۔ ایمان اور عقیدہ اسقدر پختہ تھا اور پھر خود حق پر ہونے کا اسقدر یقین تھا کہ نہ صرف غیر احمدی اور غیر مبائع بلکہ غیر مذاہب کے بڑے بڑے عالم کا بلا خوف و خطر مقابلہ کرتے تھے۔ چنانچہ مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی۔ مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری۔ کشمیر کے میرواعظ اور سیر و سیاحت پر کشمیر آنے والے بڑے بڑے آریہ لیڈروں کے ساتھ نہایت کامیاب گفتگو کرتے رہے۔ غیر مبائع کو ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ چنانچہ جموں کے غیر مبائع اصحاب نے جہاں تک مجھے یاد ہے یہ فیصلہ کیا ہوا تھا کہ ان سے گفتگو نہ کی جائے۔ ایمان بالرسالت اور خلافت کے مسئلہ پر خاص طور پر عبور تھا اور اہل حدیثوں کی مزعومہ توحید کی مخصوص تشریح فرمایا کرتے تھے اور عام فہم اور معقول دلائل دیتے ہوئے خود فرمایا کرتے تھے۔ اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ اِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔ گھر میں دینی فضاء پیدا کرنے کا موجب ہونے کے علاوہ جموں کی جماعت کے روحِ رواں تھے۔ اور جب پیغامیوں کا فتنہ پیدا ہوا اور خواجہ جمال الدین صاحب برادر خواجہ کمال الدین مرحوم انسپکٹر مدارس جموں اور دیگر سرکردہ لوگ جماعت کا ساتھ چھوڑ گئے تو نہایت استقلال

اور استقامت کے ساتھ اُن کا مقابلہ کر کے جماعت احمدیہ جموں کے قیام کا باعث ہوئے۔ ....

...... اور چونکہ خدا کے فضل سے کاروبار کے سلسلہ میں حکام سے واسطہ پڑتا رہتا اس لئے حکام اور عوام میں جماعت اُن کے اثر و رسوخ کے طفیل ایک باوقار جماعت سمجھی جاتی تھی مبلغین سلسلہ بلکہ افراد سلسلہ جنہیں جموں یا کشمیر ٹھہرنے یا جانے کا اتفاق ہوا ہے سبھی اس بات کے گواہ ہیں کہ احمدی احباب کی خاطر و مدارات کرنے میں وہ ایک گونہ راحت پاتے تھے۔ اور اُن کی خدمت کرنا بلکہ مالی امداد تک کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے اور خود کوشش کر کے دوستوں کو اپنے ہاں مہمان ٹھہراتے تھے .... خدا کے فضل سے صاحب کشوف و رؤیا تھے حتیٰ کہ خواب میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کر چکے تھے۔"[۵۱]

۱۴ - میاں زین العابدین صاحب رضؓ (برادر خورد حضرت حافظ حامد علی صاحبؓ) ساکن تھہ غلام نبی ضلع گورداسپور (وفات ۲۸ رتبوک (ستمبر) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء)[۵۲]

۱۵ - ڈاکٹر عالم الدین صاحب رضؓ کڑیانوالہ ضلع گجرات (وفات ۱۲ راخاء/اکتوبر ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء بعمر ۶۷ سال)[۵۳]

۱۶ - مرزا شریف اللہ خان صاحب رضؓ موضع مانیری پایاں تحصیل صوابی ضلع مردان۔

(ولادت ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳-۶۴ء۔ بیعت ۱۹۰۱ء وفات ۸ رنبوت (نومبر) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء)

آپ نے حضرت میاں محمد یوسف صاحبؓ اپیل نویس مردان کی کوشش سے احمدیت قبول کی۔ بڑے خلیق۔ مہمان نواز، خوش مزاج، حاضر جواب، متواضع اور جوانمرد انسان تھے۔ تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ اور صوبہ سرحد میں اشاعت احمدیت کے لئے بڑی دلچسپی لیتے اور مالی امداد بھی کرتے رہتے تھے۔[۵۴]

۱۷ - چوہدری غلام حیدر صاحبؓ نمبردار چک ۴۳ جنوبی ضلع سرگودہا۔ (وفات ۱۳ رنبوت/نومبر ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء)[۵۵]

۱۸ - حافظ محمد امین صاحبؓ تاجر کتب جہلم۔

(وفات فتح (دسمبر) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء)[۵۶]

حضرت مولانا نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے رضاعی بھائی تھے۔ آپ کا نام ۳۱۳ اصحاب مسیح موعود میں ۳۰۰ پر درج ہے۔[۵۷]

---

۵۱ الفضل ۱۱ رتبوک/ستمبر ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۵ ۔ ۵۲ الفضل ۳۰ رتبوک/ستمبر ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ کالم ۱ ۔ ۵۳ الفضل ۱۰ راخاء/اکتوبر ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۴

۵۴ الفضل ۵ رفتح/دسمبر ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۶ ۔ ۵۵ الفضل ۲۸ رنبوت/نومبر ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۱ ۔ ۵۶ الفضل ۲ رصلح/جنوری ۱۳۲۲ھش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۱

۵۷ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴۴ کالم ۳ ۔

مندرجہ بالا صحابہؓ کے علاوہ اس سال اہلیہ صاحبہ حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخلص صحابیہ تھیں ۱۲؍وفا/جولائی ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء کو انتقال کر گئیں۔ آپ ۱۸۹۹ء میں بعمر پندرہ سولہ برس ہجرت کر کے قادیان آئیں اور ۱۹۰۱ء میں داخل احمدیت ہوگئیں اور پھر وفات تک یہیں رہیں۔ پابند صوم و صلوٰۃ، شب بیدار اور اپنے واجب التعظیم شوہر کی حد درجہ فرمانبردار خاتون تھیں[۱]۔ حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ نے اُن کی وفات پر لکھا:۔

"مرحومہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی خواتین نہایت محبت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں اور یہ اسی دیرینہ محبت کا تقاضا تھا کہ حضرت ام المومنین مدظلہا العالی نے مرحومہ کے چہرہ پر اپنے مبارک ہاتھ پھیرے۔ مرحومہ غریبوں پر رحم کرنے والی اور مصیبت زدوں پر ترس کھانے والی تھیں۔ وہ کسی کو بھی خالی واپس کرنا پسند نہ کرتی تھیں۔ نہایت فیاض اور مہمان نواز تھیں۔ میرے لئے تو سراسر مجسمہ رحمت تھیں۔ جو سلوک اور برتاؤ انہوں نے میرے ساتھ کیا اُس کو دیکھ کر ہمیشہ مَیں یہی سمجھتا تھا کہ خدا تعالیٰ نے اِن کو خاص میرے لئے ہی بنایا تھا۔ مرحومہ ہمیشہ مجھے نماز کے لئے جگاتی رہیں اور اپنی اس ڈیوٹی کو اپنی بیماری کی شدید ترین حالت میں بھی ادا کرتی رہیں۔ مگر جب اُن کی کمزوری اِس حد تک پہنچ گئی کہ وہ اپنی آواز مجھ تک پہنچا نہ سکتی تھیں تو وہ اپنی نواسی کو جو اُن کے بالکل قریب سوئی ہوتی تھی جگاتیں تاکہ وہ مجھ کو جگا دے۔ اُن کو یقین تھا کہ یہ اُن کی آخری بیماری ہے۔ اس کے بعد وہ اِس دنیا سے رخصت ہونے والی ہیں۔ لیکن وہ نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی آخری گھڑی کا انتظار کرتی رہیں۔ اپنے بچّوں کو بھی صبر کی تلقین کرتے ہوئے کہتیں کہ رونا نہیں صبر کرنا۔ کسی قسم کا اضطراب یا بے چینی ان کی طبیعت میں نہ پائی جاتی تھی۔ اِس دنیا سے اور عزیزان سے آنے والی جدائی کے خیال پر کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا۔ بیمار پرسی کرنے والوں سے اُن کی اِس کے سوا اور کوئی درخواست نہ تھی کہ میرے نیک خاتمہ اور ایمان کے لئے دعا کرو۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ مرحومہ کے دادا نے جو ایک صالح انسان تھے غالباً رمضان شریف کے آخری عشرہ

---

[۱] الفضل ۱۴؍وفا ۱۳۲۱ھش/جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو "سیرت حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ" صفحہ ۸۳۔۹۴ (مؤلفہ ڈاکٹر ملک نذیر احمد صاحب ریاض)

کی راتوں میں جبکہ وہ اپنے کھیتوں میں کھڑے پانی دے رہے تھے ایک روشنی دیکھی اور اس روشنی میں دیکھا کہ فرشتے ایک پالکی اٹھائے لئے آ رہے ہیں۔ اس نظارہ کے متعلق میرا یہی خیال رہا ہے کہ ان کو دکھایا گیا کہ اُن کی اولاد سے ایک خوش قسمت خاتون پیدا ہوگی جن کے لئے یہ مقدر تھا کہ وہ نوعمری کی حالت میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں حاضر ہوئیں اور اپنی ساری عمر مسیح کی بستی میں گذاری۔ اور آخر خدا کے فضل سے حضرت فضل عمرؓ سے نماز جنازہ کا شرف حاصل کرتے ہوئے اور بہت سے بزرگوں اور خواتین کی دعائیں ساتھ لیتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں پہنچ گئیں۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ نے مزید احسان یہ کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے جنازہ کو کندھا دیا .... ابتدائی زمانہ میں مرحومہ کو دار مسیح موعود میں رہنے کا فخر حاصل ہوا۔ اوائل عمر میں اُن کو ہسٹیریا کے دورے بھی ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن سخت دورہ ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع دی گئی۔ آپ نے دعا بھی کی اور دوا بھی دی۔ مرحومہ کہا کرتی تھیں کہ یہ آخری دورہ تھا جو مجھ کو ہوا۔ اور یہ بات وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نشان کے طور پر ذکر کیا کرتی تھیں اسی طرح وہ اور نشانات کا ذکر بھی کیا کرتی تھیں۔"[۵۱]

بعض دوسرے مخلصین کی وفات

مندرجہ ذیل مخلصین بھی اس سال دارِ فانی سے رحلت کر گئے:۔

۱۔ خواجہ عبدالرحمٰن صاحب کارکن "الفضل"[۵۲] (ابن حضرت میاں شادی خان صاحبؓ)

۲۔ صوبیدار خوشحال خان صاحبؓ (شہید) مینی تحصیل صوابی ضلع مردان[۵۳]

۳۔ ڈاکٹر احمد خان صاحب شیخ پور ضلع گجرات[۵۴]

۴۔ مولوی محمد عثمان صاحب ضلع بستی (یو۔پی)[۵۵]

---

۵۱ الفضل ۲۶ ر تبوک (ستمبر) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء صفحہ ۴ و ۵ + ۵۲ وفات ۱۳ ر ہجرت (مئی) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء بعمر ۵۲ سال ("الفضل" ۱۶ ر ہجرت (مئی) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۳ + ۵۳ تاریخ شہادت ۲۹ ر ماہ ہجرت (مئی) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء (الفضل ۷ ر احسان (جون) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء صفحہ ۳ + ۵۴ وفات ۲۴ ر ظہور (اگست) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء بعمر ۴۷ سال (الفضل ۷ ر اخاء (اکتوبر) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء صفحہ ۲

۵۵ تاریخ وفات ۲۸ ر تبوک (ستمبر) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء (الفضل ۱۰ ر ماہ اخاء (اکتوبر) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء صفحہ ۲ +

۵ - چوہدری علی محمد صاحب چدھڑ نائب تحصیلدار رودکوہی تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خاں متوطن ضلع جھنگ تحصیل چنیوٹ۔[۵۱]

۶ - محمد ابراہیم صاحب (جنرل سیکرٹری جماعت ہائے احمدیہ برما)[۵۲]

۷ - ملک شیر محمد خان صاحب امیر جماعت احمدیہ کوٹ رحمت خان ضلع شیخوپورہ۔[۵۳]

فصل ششم

۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء کے متفرق اہم واقعات

خاندان مسیح موعودؑ میں پُرمسرّت تقاریب

۱۔ حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کے ہاں ۲۹ صلح ۱۳۲۱ھش / جنوری ۱۹۴۲ء کو صاحبزادی امۃ الحلیم صاحبہ کی ولادت ہوئی۔[۵۴]

۲۔ حضرت خان محمد عبداللہ خان صاحب کی صاحبزادی طاہرہ بیگم صاحبہ کی تقریب رخصتانہ ۲۸ امان ۱۳۲۱ھش / مارچ ۱۹۴۲ء کو بعد نماز عصر نہایت سادگی سے ان کی کوٹھی واقع دارالعلوم میں منعقد ہوئی۔ برات حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے فرزند صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کی تھی۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جو پہلے سے رونق افروز تھے اپنے دست مبارک سے دولہا میاں کو ہار پہنایا اور مجمع سمیت دعا فرمائی۔[۵۵] حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی طرف سے ۳۰ امان ۱۳۲۱ھش / مارچ ۱۹۴۲ء کو بعد نماز مغرب سابق زنانہ لنگرخانہ کے صحن میں دعوت ولیمہ دی گئی جس میں حضرت امیر المومنینؓ نے بھی شرکت فرمائی۔

۳۔ حضرت خان محمد عبداللہ خان صاحب کی صاحبزادی زکیہ بیگم صاحبہ کی تقریب رخصتانہ ۷ ہجرت ۱۳۲۱ھش / مئی ۱۹۴۲ء کو بعد نماز عصر کوٹھی دارالسلام کے باغ میں عمل میں آئی۔ صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب (ابن حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ) کی برات میں خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے صاحبزادگان کے علاوہ اور بھی بہت سے بزرگ تھے۔ اس موقعہ پر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اجتماعی دعا کرائی۔[۵۶] ۹ ہجرت ۱۳۲۱ھش / مئی ۱۹۴۲ء کو حضرت مرزا شریف احمد صاحب نے اپنی کوٹھی پر بعد نماز مغرب دعوت ولیمہ کا اہتمام فرمایا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی شرکت فرمائی اور دعا کرائی۔

---

۵۱ وفات ۱۰ اخاء (اکتوبر) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء (الفضل ۳ نبوت (نومبر) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۷) + ۵۲ وفات ۶ اخاء (اکتوبر) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء (الفضل ۸ اخاء (اکتوبر) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۶) + ۵۳ وفات یکم نبوت (نومبر) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء (الفضل ۲۲ نبوت (نومبر) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۶ کالم ۲)
۵۴ الفضل ۲۹ صلح ۱۳۲۱ھش / جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۱ + ۵۵ الفضل یکم شہادت ۱۳۲۱ھش / اپریل ۱۹۴۲ء صفحہ ۳ + ۵۶ الفضل ۹ ہجرت ۱۳۲۱ھش / مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۱

مدعوین کی تعداد پانچسو کے لگ بھگ تھی۔[۱]

۴۔ صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب (ابن حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ) کے ہاں ۲۸ ر نبوت ۱۳۲۱ ہش/ نومبر ۱۹۴۲ء کو صاحبزادی امۃ المجیب بیگم صاحبہ کی ولادت ہوئی۔[۲]

۵۔ حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کے فرزند میاں محمد احمد خان صاحب کے ہاں ۱۷ ر فتح ۱۳۲۱ ہش/ دسمبر ۱۹۴۲ء کو میاں حامد احمد خان صاحب کی ولادت ہوئی۔[۳]

نامدھاری سکھوں کی اتحاد کانفرنس میں احمدی مبلغین کی شمولیت

نامدھاری سکھوں کے گورو شری پرتاپ سنگھ جی نے اپنے صدر مقام بھینی صاحب ضلع لدھیانہ میں یکم شہادت ۱۳۲۱ ہش/ اپریل ۱۹۴۲ء کو ایک اتحاد کانفرنس منعقد کی۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے منتظمین کی خواہش پر مہاشہ محمد عمر صاحب[۴] اور گیانی عباد اللہ صاحب اس کانفرنس میں شامل ہوئے۔ احمدی مبلغین کی تقریریں بہت دلچسپی سے سُنی گئیں اور بھرے مجمع میں اس بات کا اقرار کیا گیا کہ ہندو سکھ مسلم اتحاد کا سہرا اصل میں جماعت احمدیہ کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے سر ہے جنہوں نے آج سے برسوں قبل اپنی جماعت کے ہر فرد کو اس بات کی تلقین فرمائی کہ ہر ایک احمدی کا اوّلین فرض ہے کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کے مذہبی پیشواؤں کی عزت اور عظمت کو دنیا میں قائم کرے۔ ایک صاحب نے اپنی تقریر میں بعض باتیں اسلام کے خلاف بیان کرنے کی کوشش کی مگر منتظمین نے اسے فوراً روک دیا اور وقت سے پہلے ہی اس کی تقریر بند کرا دی اور اُس کی اس حرکت پر اظہار نفرت کیا گیا۔ نامدھاری صاحبان کی طرف سے احمدی مبلغین کو سروپا* دیئے گئے جو نہایت محبت بھرے الفاظ میں پیش کئے گئے۔ گورو پرتاپ سنگھ صاحب جلسہ سے اُٹھ کر احمدی مبلغوں کو الوداع کہنے کے لئے آئے اور بغلگیر ہوئے۔ دوسرے نامدھاری اصحاب نے بھی معانقہ کیا۔[۵] اس کانفرنس میں تقریباً چالیس ہزار افراد نے شرکت کی۔

میجک لینٹرن پر تبلیغی لیکچر

اس سال ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم (امیر المجاہدین ملکانہ) نے اپنے ذاتی مصارف سے میجک لینٹرن مہیا کی تھی۔ اس سلسلہ میں آپ نے ایک لیکچر دوسری جنگ عظیم کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں پر تیار کیا۔ آپ پہلے حضور علیہ السلام کے الہامات اور نظم و نثر کے اقتباسات دکھاتے پھر جنگ کے ہولناک مناظر پیش کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام حق پہنچاتے تھے۔ یہ لیکچر سہنسدہ، لاہور، امین آباد، ڈسکہ، بدوملہی اور دوسرے بہت سے مقامات پر دیئے گئے جن سے بلا امتیاز

---

[۱] الفضل ۱۲ ر ہجرت ۱۳۲۱ ہش/ مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۳ ۔ [۲] الفضل ۲ ر فتح ۱۳۲۱ ہش/ دسمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۳ ۔ [۳] الفضل ۲۳ ر فتح ۱۳۲۱ ہش/ دسمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ ۔
[۴] تاریخ وفات ۲ ر تبوک ۱۳۴۷ ہش/ ستمبر ۱۹۶۸ء ۔ [۵] الفضل ۵ ر شہادت ۱۳۲۱ ہش/ اپریل ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۱ ۔ [۶] الفضل ۱۲ ر ہجرت ۱۳۲۱ ہش/ مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۲

* سروپا: [illegible]

مذہب و ملت ہزاروں لوگ متاثر ہوئے اور بعض نے تو علی الاعلان اقرار کیا کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ خواہ کچھ ہی ہو مگر یہ پیشگوئیاں جو آپ نے جنگ کی نسبت کی تھیں وہ حرف بحرف پوری ہو رہی ہیں۔ کئی لوگ لیکچر سُن کر حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔[51]

سنگِ بنیاد

۲۴/ ہجرت ۱۳۲۱ہش / مئی ۱۹۴۲ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے محلہ دارالانوار میں قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔ اے (پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور) کی کوٹھی کا سنگِ بنیاد رکھا۔[52]

آل اڑیسہ احمدیہ کانفرنس سونگڑہ

اس سال ۲۹۔۳۰۔۳۱ ماہ ہجرت ۱۳۲۱ہش / مئی ۱۹۴۲ء کو سونگڑہ میں آل اڑیسہ احمدیہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی، مہاشہ محمد عمر صاحب۔ گیانی عباد اللہ صاحب اور مولوی محمد سلیم صاحب نے شرکت کی۔ ہند و مسلم اتحاد۔ فضائل نبیؐ۔ احمدیت یعنی حقیقی اسلام۔ کرشن اوتار کا ظہور۔ صداقت مسیح موعودؑ از روئے سکھ دھرم۔ دُنیا کے مہاپرش۔ ختم نبوت کے موضوع پر بہت مؤثر۔ دلآویز اور پُر از حقائق تقاریر فرمائیں۔ یہ کانفرنس بہت کامیاب رہی اور غیر احمدی علماء کے روکنے کے باوجود ہر طبقہ کے لوگ بکثرت شامل جلسہ ہوئے۔ حضرت مولانا راجیکیؓ کی تقاریر سے سامعین از حد متاثر ہوئے۔ اسی طرح مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل کی سنسکرت دانی اور گیانی عباد اللہ صاحب کی سکھ لٹریچر سے واقفیت نے غیر مسلموں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔[53]

آل انڈیا مسلم گوجر کانفرنس میں احمدی مبلغ کی کامیاب تقریریں

۷۔۸/ احسان ۱۳۲۱ہش / جون ۱۹۴۲ء کو دوموپور (جموں) میں آل انڈیا مسلم گوجر کانفرنس منعقد ہوئی جس میں کانفرنس کے سیکرٹری کی درخواست پر نظارت دعوت و تبلیغ کی طرف سے ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب موگا (مرحوم) بھجوائے گئے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریریں قومی ترقی کے وسائل کے موضوع پر تھیں۔ یہ کانفرنس بہت کامیاب رہی اور کارکنان مجلس نے وعدہ کیا کہ وہ ہمیشہ اپنی کانفرنسوں میں احمدی مبلغین کو دعوت دیا کریں گے۔[54]

طلبائے تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی نمایاں کامیابی

۱۹۔۲۰۔۲۱/ احسان ۱۳۲۱ہش / جون ۱۹۴۲ء کو "پنجاب سوئمنگ چیمپئن شپ" کے تحت تیراکی کے مقابلے میڈیکل کالج لاہور اور گورنمنٹ کالج لاہور کے تالاب میں ہوئے۔ جن میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی آٹھویں جماعت کے طالب علم مصلح الدین صاحب بنگالی نے بارہ سال تک کے لڑکوں میں ۵۰ میٹر الٹا تیرنے اور ۵۰ میٹر

---

[51] الفضل ۲۶/ احسان ۱۳۲۱ہش / جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۵ ٭ [52] الفضل ۲۶/ ہجرت ۱۳۲۱ہش / مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ کالم ۲ ٭ [53] سید عبدالسلام صاحب پراونشل سکرٹری تبلیغ اڑیسہ سونگڑہ کی رپورٹ (الفضل ۱۴/ احسان ۱۳۲۱ہش صفحہ ۵) سے ملخصاً ٭ [54] الفضل ۱۶/ احسان ۱۳۲۱ہش / جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۲ ٭

چھاتی کے زور سے تیرنے کے گذشتہ ریکارڈ توڑ کر نئے ریکارڈ قائم کئے۔ علاوہ ازیں ۵۰ میٹر سیدھا تیرنے میں بھی اوّل رہے۔ خان بہادر افضل حسین صاحب وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی نے مصلح الدین کو ودنے ریکارڈ قائم کرنے پر خصوصیت سے شاباش دی[1]

آریہ سماج کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی اور اخبار "شیر پنجاب"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آریہ سماج کی نسبت ۱۹۰۳ء میں پیشگوئی فرمائی تھی کہ:۔

"جس مذہب میں رُوحانیت نہیں اور جس مذہب میں خدا کے ساتھ مکالمہ کا تعلق نہیں اور صدق و صفا کی رُوح نہیں اور آسمانی کشش اُس کے ساتھ نہیں اور فوق العادت تبدیلی کا نمونہ اس کے پاس نہیں وہ مذہب مُردہ ہے۔ اُس سے مت ڈرو۔ ابھی تم میں سے لاکھوں اور کروڑوں انسان زندہ ہونگے کہ اس مذہب کو نابود ہوتے دیکھ لوگے۔ کیونکہ یہ مذہب آریہ کا زمین سے ہے نہ آسمان سے اور زمین کی باتیں پیش کرتا ہے نہ آسمان کی۔"[2]

جن دنوں یہ پیشگوئی کی گئی آریہ سماجی تحریک پورے زوروں پر تھی۔ مگر کچھ عرصہ بعد ہی یہ زوال پذیر ہونے لگی۔ یہاں تک کہ ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء تک اس کی سرگرمیاں ایسی مدھم پڑ گئیں کہ خود غیر مسلموں نے اس حالت کو سکوتِ مرگ سے تعبیر کیا۔ چنانچہ سکھ اخبار "شیر پنجاب" (لاہور) نے اپنے ۱۲ رجولائی ۱۹۴۲ء کے پرچہ میں لکھا:۔

"انہی دنوں مرزا غلام احمد قادیانی نے اسلام کا علم بلند کیا۔ وقت کی رفتار کے مطابق انہوں نے دلیل اور عقل سے اسلام کے خلاف اعتراضات کا جواب دینے کے لئے تحریر و تقریر کا سلسلہ جاری رکھا۔ مرزا صاحب کی یہ تحریک اسقدر کامیاب ہوئی کہ انہوں نے پیغمبری کا دعویٰ کیا اور ان کا یہ دعویٰ بھی ایک بڑی جماعت نے صحیح تسلیم کر لیا۔ مسلمانوں میں احمدی، ہندوؤں میں آریہ سماجی مذہبی واقفیت کے اعتبار سے باقی جماعتوں پر فوقیت رکھتے تھے۔ احمدیوں کی تحریک تو اب تک زندہ ہے مگر آریہ سماج کی تحریک ختم ہو چکی ہے۔ سنگھ سبھائی تحریک کی جگہ اکالی تحریک نے لے لی۔ مگر اب سکھوں میں مذہب کیلئے نہ وہ جوش ہے نہ محبت دھرم سے واقفیت کا نوجوانوں کو کوئی شوق نہیں۔"[3]

سرینگر میں مذاہب کانفرنس

جماعت احمدیہ سری نگر کے زیر اہتمام ۲۷ ظہور ۱۳۲۱ھش/اگست ۱۹۴۲ء کو گول باغ (میونسپل گارڈن) میں ایک عظیم الشان مذاہب کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ جس میں اسلام۔ ہندو دھرم اور سکھ ازم کے نمائندوں نے "موجودہ بے چینی کا حل اپنی اپنی مذہبی کتاب اور بانی کی تعلیمات کی روشنی میں" کے موضوع پر تقریریں کیں۔

---

[1] الفضل ۲۵ احسان ۱۳۲۱ھش/جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۷۔ [2] تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۶ طبع اوّل۔ [3] الفضل ۲۱ وفا ۱۳۲۱ھش/جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

اس کانفرنس کے دو اجلاس تھے۔ پہلے اجلاس کی صدارت حضرت خان بہادر نواب چوہدری محمد الدین صاحب سابق ریونیو منسٹر جودھپور نے فرمائی اور مولوی عبدالواحد صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ، مسٹر صابر مدیر "البرق"، مسٹر دیا بھوشن (نمائندہ آریہ سماج)، چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر، پنڈت پرمانند صاحب، چوہدری اسد اللہ خان صاحب۔ ڈاکٹر دولت سنگھ صاحب راجہ نریندر ناتھ صاحب کول اور حضرت نواب محمد الدین صاحب نے خطاب کیا۔ دوسرا اجلاس خواجہ غلام السیدین صاحب ڈائریکٹر محکمہ تعلیم ریاست جموں و کشمیر کی صدارت میں ہوا۔ اور اس میں پنڈت امرناتھ صاحب کاک ممبر اسمبلی، مولانا ابو العطاء صاحب، لالہ چرنجیت لال صاحب نے تقریریں کیں۔ بعد ازاں صاحب صدر نے منتظمین کانفرنس کو سراہا۔ یہ کانفرنس توقع سے زیادہ کامیاب رہی۔[1]

بیرونی مشنوں کے بعض اہم واقعات

مشرقِ بعید کی احمدی جماعتوں اور مبلغوں کیلئے دَورِ ابتلاء

جنگِ عظیم کے دوران مشرقِ بعید کے احمدیوں اور اُنکے مبلغین کو نہایت درجہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ قید و بند کی زہرہ گداز صعوبتیں برداشت کیں اور جاوا اور سماٹرا کے مبلغین اور دوسرے احمدیوں پر جاپانی حکومت کی طرف سے بڑے بڑے مظالم ڈھائے گئے مگر اُن کا پتہ برسوں بعد چلا کیونکہ کئی سال تک مرکز کو ان کے حالات کی کچھ خبر نہیں مل سکی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۰ امان ۱۳۲۱ھش / ۲۰ مارچ ۱۹۴۲ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"ملایا کی فوجوں میں بڑے اور چھوٹے افسر اور سپاہی وغیرہ ملا کر سینکڑوں احمدی تھے اور اب وہ سارے ہی قید ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ زندہ ہیں یا مر گئے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ انہیں تکلیفیں دی جا رہی ہیں یا نہیں دی جا رہیں۔ اور اگر نہیں دی جا رہیں تو بھی قید بہر حال قید ہے۔ ہمارا ایک مبلغ سنگاپور میں تھا اور ہمارے آٹھ نو مبلغ سماٹرا اور جاوا میں تھے اب سب کے متعلق جب تک جنگ کا خاتمہ نہ ہو جائے ہمیں کچھ علم نہیں ہو سکتا کہ اُن کا کیا حال ہے۔"[2]

فلسطین مشن

جماعت احمدیہ فلسطین نے ہجرت (مئی) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء میں وسیع پیمانہ پر یوم تبلیغ منایا۔ اور اس تقریب پر مبلغ بلادِ عربیہ مولوی محمد شریف صاحب نے بیت المقدس۔ بیت لحم، خلیل و نابلس کا سفر کیا جس کی تفصیل مولوی صاحب موصوف کے الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے:۔

"ماہ مئی میں حسب ہدایت نظارت دعوۃ و تبلیغ غیر مسلموں میں یوم التبلیغ منایا گیا۔ اُس روز احباب کبابیر و حیفا کے حسب سابق وفود بنائے گئے اور فلسطین کے مندرجہ ذیل مشہور مقامات ناصرہ، یافا، تل ابیب

---

[1] الفضل ۱۵ تبوک / ۱۵ ستمبر ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۴ * [2] الفضل ۲۹ امان (۲۹ مارچ) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ *

بیت المقدس - بیت لحم - خلیل - حیفا - عکا - بصّہ - کفرکنا میں اسلام کا پیغام پہنچایا - اور اس موقعہ پر سات ہزار کے قریب مختلف اشتہارات و کتب تقسیم کیں - دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو راہِ حق کی طرف ہدایت دے اور ہمارے احمدی احباب کو اجرِ عظیم عطا فرمائے جنہوں نے سخت عدیم الفرصتی کے ایام میں اپنے اپنے اخراجات پر یہ سفر کئے - آمین - خاکسار نے یوم التبلیغ کے موقعہ پر بیت المقدس و بیت لحم و خلیل و نابلس کا سفر کیا - میرے ہمراہ مکرم مرزا محمد صادق صاحب احمدی ایس ڈی او لاہور نزیل مشرق اوسط بھی تھے - اِس سفر میں ہم نے زبانی اور بذریعہ اشتہارات حق تبلیغ ادا کیا - بازاروں اور چرچوں میں عربی اور انگریزی اشتہارات تقسیم کئے - ایک ارمنی چرچ میں جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہاں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام واقعہ صلیب سے پہلے قید خانہ میں رکھے گئے تھے (ایسے پانچ قید خانے بیت المقدس میں ہیں) ہم نے پادریوں کو اشتہارات دیئے - وہاں ایک مسلم شیخ طریقہ (پیر) الشیخ خلیل بھی موجود تھے جو اس چرچ کے قرب و جوار میں رہنے والے تھے - جب انہوں نے ہمارے اشتہارات کو دیکھا اور اُن کے ہیڈنگ پڑھے یعنی عیسائیوں وغیرہ کو رُوحانی مقابلہ کی دعوت - مسیحی اور اسلامی تعلیم کا مقابلہ - عیسائیوں سے بنیادی سوالات - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت بائبل سے - تو انہوں نے ہمارے متعلق خاص دلچسپی لینا شروع کر دی - چنانچہ جب ہم چرچ مذکور کے پادریوں سے فارغ ہوئے تو وہ ہمیں اپنے دولت خانہ پر لے گئے اور حسبِ دستور عرب قہوہ وغیرہ سے تواضع کی اُن سے دو گھنٹہ کے قریب مختلف موضوع سلسلہ عالیہ احمدیہ پر گفتگو ہوئی جس سے وہ خدا کے فضل سے متاثر ہوئے اور اپنے ہاں رات رہنے کیلئے بالحاح درخواست کی اور ہمارا مزید لٹریچر پڑھنے کیلئے مزید اشتیاق ظاہر کیا - جبل زیتون پر بھی وفاتِ مسیح کے متعلق ایک اجتماع میں گفتگو کی گئی جہاں قریباً سب حاضرین نے جو مسلمان تاجر تھے اس بات کو تسلیم کیا کہ آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي سے ہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت شدہ ہیں - وہاں جس مقام کے متعلق بعض مجاوروں نے مشہور کر رکھا تھا کہ وہاں سے حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے اور وہاں ایک مصنوعی قدم کا نشان بھی بنا رکھا ہے وہاں بھی گفتگو ہوئی - اگرچہ ایک غنڈے نے وہاں شرارت کرنی چاہی مگر الحمد للہ وہ اپنے مکر میں کامیاب نہ ہو سکا -

خلیل میں جہاں حضرت ابراہیم و سارہ علیہما السلام اور آپ کے دیگر اعزّہ اسحاق - رفقہ و یعقوب و یوسف علیہم السلام کی قبریں ہیں علاوہ اشتہارات وغیرہ تقسیم کرنے کے افسر اوقاف اسلامیہ الشیخ توفیق طبوب سے بھی خاص طور پر ملاقات کی گئی - اور ان کو اشتہارات وغیرہ دیئے گئے جنہیں دیکھ کر وہ بہت

خوش ہوئے ہماری مساعی کا اچھے رنگ میں بہت سے دیگر علماء کے سامنے اعتراف کیا اور ہماری بہت خاطر و مدارات کی۔ فجزاہ اللہ خیراً

آتے وقت خاکسار نے نابلس میں بھی قیام کیا اور دعوتِ حق پہنچائی وہاں پر حال ہی میں دو نوجوانوں نے بیعت کی ہے۔ انہوں نے خاکسار کی دعوت کی اور اپنے دیگر اعزہ کو پیغامِ حق پہنچوایا۔ اہالی نابلس کی ذہنیت عجیب واقعہ ہوئی ہے۔ ثورہ میں فتنہ پردازی کا یہی شہر اور اسکے نواحی دیہات مرکزی نقطہ تھے خاکسار کے آنے جانے کے بعد وہاں کے علماء کی طرف سے احمدی احباب کو قتل وغیرہ کی دھمکیاں دی گئیں۔ اور اب بھی ان کی مخالفت زوروں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے احمدی احباب کا حافظ و ناصر ہو۔ اور اُن کو ہر قسم کے مکروہات سے محفوظ رکھے۔ الغرض یہ سفر خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر لحاظ بہتر رہا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک"[1]

شام مشن

جماعت احمدیہ دمشق کی درخواست پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مولوی محمد شریف صاحب مبلغ فلسطین کو شام بھجوایا۔ آپ یکم اخاء (اکتوبر) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء کو فلسطین سے شام پہنچے۔ شام میں اُن دنوں جماعت کے خلاف سخت جوش تھا۔ کئی مشائخ مثلاً الشیخ صابونی اور الشیخ جوجانی وغیرہ۔ مناظرہ کی دعوت دے رہے تھے۔ اور ایک شیخ تو مباہلہ کا چیلنج بھی دے چکا تھا۔ ماہ تبوک (ستمبر) میں تین دمشقی احمدیوں الاستاذ منیر الحصنی صاحب، الحاج عبد الرؤوف الحصنی صاحب اور الاستاذ شفیق شبیب صاحب وغیرہ کو زد و کوب کیا جا چکا تھا۔ الاستاذ شفیق سبیب اور الاستاذ خیر المالکی ابھی داخلِ سلسلہ ہوئے تھے اس لئے علماءِ دمشق سخت غضب ناک تھے۔ مولوی محمد شریف صاحب نے یہاں باقاعدہ ایک پروگرام کے ماتحت کام شروع کر دیا۔ اور روزانہ انفرادی ملاقاتوں کے ذریعہ اکابرِ دمشق تک دعوتِ احمدیت پہنچانے لگے۔ یہ سب اصحاب نہایت حسنِ سلوک سے پیش آئے اور پیغامِ حق نہایت توجہ سے سُنا۔ ان اکابر میں سے الشیخ عبد القادر المغربی بھی تھے جنہوں نے ۱۹۲۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے دورانِ نزولِ دمشق کہا تھا کہ یہاں کوئی شخص احمدیت کو قبول نہیں کریگا جس پر حضور نے سفرِ ولایت سے واپسی پر حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور مولانا جلال الدین صاحب شمس کو بھجکر دمشق میں احمدیہ مشن قائم کر دیا اور کئی سعادتمند احمدیت میں شامل ہو گئے۔ خود الشیخ عبد القادر المغربی کے مسئلہ حیاتِ مسیح کے بارے میں خیالات میں انقلاب آگیا اور وہ وفاتِ مسیح کے قائل ہو چکے تھے۔ اور جماعتِ احمدیہ کی اسلامی خدمات کی تعریف کرتے تھے۔ جماعت کی طرف سے شام میں چونکہ کوئی ٹریکٹ نہیں شائع کیا جا سکتا تھا اسلئے مولوی محمد شریف صاحب نے مشائخ دمشق کو زبانی پیغامات بھجوائے کہ وہ مردِ میدان بنیں اور باقاعدہ مناظرہ کریں اور مباہلہ بھی بشرطیکہ شام کے پچاس مشاہیر علماء اس میں شامل ہوں تا لوگوں پر حق و باطل واضح ہو جائے۔ مگر کسی

---

[1] الفضل ۵ ظہور ۱۳۲۱ھش (۵ اگست ۱۹۴۲ء) صفحہ ۶ و ۷۔

غیر احمدی عالم کو یہ چیلنج قبول کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ جس سے دمشق کے احمدیوں خصوصاً نو مبائعین کے ایمانوں میں اور بھی اضافہ ہوا۔ مولوی محمد شریف صاحب دمشق میں تین ہفتہ قیام فرما ہونے کے بعد حمص تشریف لے گئے جہاں ایک ہفتہ تک پیغامِ احمدیت پہنچاتے رہے۔ ایک پرائیویٹ مناظرہ وفاتِ مسیح پر بھی کیا۔ آپ نے ایک مخالف عالم الشیخ ابو ذر نظامی (ہندی) کے گھر جا کر اُن سے گفتگو کرنا چاہی مگر وہ کچھ ایسے مرعوب ہوئے کہ تبادلہ خیالات کیلئے آمادہ ہی نہ ہوئے۔ اور یہ کہکر انکار کر دیا کہ میں خلوت نشین آدمی ہوں مناظرہ کرنا نہیں چاہتا۔ حالانکہ یہ وہ صاحب تھے جو ابتداء میں زمرۂ مکذبین کے سرخیل تھے۔ حمص میں مولوی محمد شریف صاحب موصوف کی بشپ آرتھوڈکس اور پادری علیسی سے واقعۂ صلیب کے موضوع پر گفتگو بھی ہوئی۔ حمص سے ہو کر آپ دوبارہ دس روز کے لئے دمشق میں نزیل ہوئے۔ اور رات دن تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ خطبۂ عید الفطر میں جماعت کو قربانیوں کی طرف توجہ دلائی۔ اور جمعہ کے خطبات میں رسالہ "الوصیت" پڑھ کر سُنایا۔ جسے سُنکر الاستاذ منیر الحصنی صاحب نے دسویں حصّہ کی وصیّت کی اور اپنی منقولہ جائیداد کے دسویں حصّہ کے طور پر دو سو شامی پونڈ نقد پیش کر دیئے۔ مولوی محمد شریف صاحب شام میں ایک ماہ سات دن رہ کر ۶ / نبوت ۱۳۲۱ ہش / نومبر ۱۹۴۲ء کو واپس فلسطین پہنچ گئے۔[۱]

شیخ علی القزق پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ حیفا کی وفات

اِس سال کے آخر میں فلسطین کے اوّلین احمدیوں میں سے ایک ممتاز بزرگ شیخ علی القزق ساٹھ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ مولوی ابو العطاء صاحب نے اُن کی وفات پر لکھا:۔

"آپ ایک نہایت درجہ غیور احمدی تھے۔ سلسلہ کی محبت اُن کے رگ و ریشہ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ سے بہت ہی عقیدت تھی۔ ہمیشہ حضور کی کامیابی کے لئے دُعا کرتے تھے۔ جس دن ڈاک ہندوستان سے جاتی تو پہلی خبر یہ پوچھتے کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی صحت کے متعلق کیا اطلاع ہے؟ نہایت زاہد اور متوکّل انسان تھے۔ ریلوے میں ملازم تھے مگر آخر ریٹائر ہو چکے تھے۔ اس وقت ان کی انتہائی خواہش یہ تھی کہ قادیان ہجرت کر کے چلے جائیں۔ مجھ سے بارہا اس نیّت کا ذکر کیا۔ چنانچہ جب میں ۱۹۳۶ء میں ہندوستان واپس آنے لگا تو رو کر کہنے لگے کہ وہ دن کب آئیگا جب ہم بھی دارالامان روانہ ہونگے۔ انہیں جملہ مبلّغین و خادمانِ دین سے دِلی محبت تھی۔ میرے قیامِ فلسطین کے عرصہ میں روزانہ بلا ناغہ تشریف لاتے اور جب کبھی نہ آئیں تو میں سمجھتا کہ بیمار ہونگے میں اُن کے مکان پر پہنچتا۔ دوستی اور دِلی محبت

[۱] الفضل ۱۷ / فتح ۱۳۲۱ ہش (۱۷ / دسمبر ۱۹۴۲ء) صفحہ ۵ +

کو آخر تک نبھانے والے بزرگ تھے۔ خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ میری بعض مجبوریوں کے باعث انہیں بجا شکوہ تھا کہ آپ کی طرف سے خط دیر سے اور بہت کم آتے ہیں شیخ علی القزقؓ نے سلسلہ کی خدمت کی ہر تحریک میں حصہ لیا اور احمدیت کے نام کو بلند کرنے کے کسی موقعہ کو ہاتھ سے نہیں کھویا۔ مرحوم سن رسیدہ ہونے کے باوجود جفاکش اور شگفتہ دل تھے۔ اُن کا ایک برجستہ جواب مجھے ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ ایک مرتبہ میرے پاس نابلس کے چند اساتذہ آئے تھے۔ اُن سے وفاتِ مسیحؑ پر سلسلہ گفتگو شروع تھا حضرت شیخ علی مرحوم بھی موجود تھے۔ اساتذہ میں سے ایک نے کہا کہ آپ ہمیں بتائیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی قبر کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ کشمیر میں اور اس پر دلیل قرآنی وَ اٰوَیْنٰھُمَآ اِلٰی رَبْوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ موجود ہے۔ وہ نوجوان استاد تعجب اور حقارت آمیز لہجہ میں کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰؑ فلسطین سے اتنی دُور کشمیر میں کیسے چلے گئے؟ میں ابھی جواب دینے نہ پایا تھا کہ مرحوم جلد بول اُٹھے اور کہنے لگے ھَلْ کَانَتْ بِلَادُ الْکَشَامِرَۃِ اَبْعَدَ مِنَ السَّمَآءِ کہ کیا کشمیر کا ملک آسمان سے بھی دُور ہے؟ اس پر سب ہنس پڑے اور اُس شخص کو شرمندہ ہو کر خاموش ہونا پڑا۔ شیخ علی مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے دینی امور میں نہایت عمدہ فراست عطا فرمائی تھی اور جرأت اور دلیری سے دین کا پیغام پہنچانا اُن کا مرغوب مشغلہ تھا۔ اُن کے گھر سے کبابیر اڑھائی تین میل کے بلند پہاڑ پر واقع تھا۔ مگر جب مدرسہ احمدیہ وہاں قائم ہُوا تو اپنے چھوٹے بچے عبدالوہاب کو وہاں داخل کیا اور خود اس کے ساتھ جاتے تھے۔ احمدیہ مطبعہ میں اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ اُن کے بڑے بیٹے السید خضر آفندی القزق جماعت کے سیکرٹری مال ہیں۔ الشیخ علی القزق کے تینوں بیٹے نہایت مخلص اور سلسلہ کے خادم ہیں۔ اُن کا گھر احمدیت کیلئے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔"[۵]

۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء کی نئی مطبوعات

اس سال جماعت کی طرف سے حسبِ ذیل لٹریچر شائع ہُوا:۔

۱۔ "مرکزِ احمدیت قادیان" مؤلفہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم قادیان) اس کتاب میں مرکزِ سلسلہ احمدیہ کی تاریخ ایسے مؤثر اور اچھوتے اور دلچسپ پیرایہ میں لکھی تھی کہ پڑھنے والوں کے سامنے قادیان کے قدیم اور جدید ادوار کا پورا نقشہ کھنچ جاتا تھا۔ اور اُسکے دل میں یہ خواہش پیدا ہو جاتی تھی کہ وہ ایک بار ضرور قادیان کی زیارت کرے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اِس کتاب پر یہ تبصرہ فرمایا کہ:۔

"ایک سرسری نظر میں نے اِس کے مضامین پر ڈالی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بہت سے

---

۵ الفضل ۲۴؍ فتح ۱۳۲۱ھش (۲۴؍ دسمبر ۱۹۴۲ء) صفحہ ۴

مفید معلومات قادیان اور سلسلہ کے متعلق جمع کر دیئے گئے ہیں۔ .... اس تنگی کے زمانہ میں انہوں نے اچھے موٹے کاغذ پر خوشخط کتاب چھپوائی ہے۔ جو دوست باہر کی دنیا کو قادیان اور سلسلہ کے حالات سے روشناس کرانا چاہیں اور اُن کی یہ بھی خواہش ہو کہ لمبے مضامین نہ ہوں بلکہ ایک مختصر کتاب میں جماعت کے کام اور مرکزی خصوصیّات کا ذکر ہو تاکہ اُسے خرید کر لوگوں کو اس کے مطالعہ کی تحریک کی جائے تو ایسے دوستوں کے لئے یہ کتاب بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے"۔[1]

۲۔ "اخلاقِ احمد" (مرتبہ پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے مہتمم اطفال مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ قادیان)
شعبۂ اطفال مجلس خدام الاحمدیہ قادیان کی طرف سے ہر چھ ماہ کے بعد کتب سلسلہ کے امتحانات کا انتظام کیا جاتا تھا یہ تالیف ماہ شہادت ۱۳۲۲ہش (اپریل ۱۹۴۳ء) کے امتحان کے لئے بطور نصاب مقرر کی گئی۔ صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ قادیان حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے اپنے قلم مبارک سے اس کا حسب ذیل دیباچہ لکھا:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام اخلاقِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کامل حامل اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد بہترین اخلاق کے مالک ہیں۔ آپ کے اخلاق ہمارے لئے نمونہ ہیں جنہیں بڑے اختصار کے ساتھ اس رسالہ میں احمدی بچوں کے سامنے رکھا جا رہا ہے تا اس نمونہ کی پیروی کرتے ہوئے ہمارے بچے حقیقی معنی میں اطفالِ احمدیت بن سکیں اور تا دنیا اُن کے نمونہ سے سبق لے اور تا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتوں کو بہتر سے بہتر نشوونما دے کر ہمارے بچے اس کی خوشنودی حاصل کر سکیں (اللّٰھم آمین)

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ انسان کی حقیقی اور کامیاب ترقی کا راز عقل کی پیروی میں ہے نہ جذبات کی پیروی میں حقیقی ترقی تبھی حاصل ہوتی ہے جب روحانیت کا سورج طلوع ہو کر عقل و جذبات کے حدود کو نمایاں کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو ان حدود میں رہنے کی توفیق عطا فرماتا ہے عقل اور جذبات کے اس صحیح استعمال کے بعد انسان جن عمدہ اخلاق کو اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے اُس کی بہترین مثال انبیاء علیہم السلام کے اخلاق ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اخلاق کا نمونہ اپنے بچوں کے سامنے رکھنے سے ہماری یہی غرض ہے کہ تا انہیں معلوم ہو سکے کہ انہیں کیا بننا ہے؟ اور کس راہ پر چل کر وہ ایسا بن سکتے ہیں۔ وباللہ التوفیق خاکسار مرزا ناصر احمد صدر مجلس خدام الاحمدیہ"[2]

۳۔ "چشمۂ ہدایت" (بعض اہم عنوانات پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلماتِ طیّبات کا مجموعہ جو مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر نے شائع کیا)

۱؎ الفضل ۲۰ صلح ۱۳۲۲ہش (۲۰ جنوری ۱۹۴۳ء) صفحہ ۱۔ ۲؎ "اخلاق احمد" نبوت ۱۳۲۱ہش / نومبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۔

اندرونِ ملک کے بعض مشہور مناظرے

مباحثہ امرتسر ۱۵ اور ۲۲ر تبلیغ ۱۳۲۱ھش (۱۵/۲۲ر فروری ۱۹۴۲ء) کو امرتسر میں مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل نے غیر مبائع مبلّغ مولوی احمد یار صاحب سے مسئلہ نبوت اور مسئلہ کفر اور اسلام پر کامیاب مناظرے کئے۔[۵۱]

مباحثہ بدوملہی بدوملہی (ضلع سیالکوٹ) غیر مبائعین کا گڑھ سمجھا جاتا رہا ہے۔ اس جگہ ۲۵ر ۲۷ر تبلیغ ۱۳۲۱ھش (۲۵-۲۷ر فروری ۱۹۴۲ء) کو مولوی غلام مصطفٰے صاحب مولوی فاضل نے مسئلہ ختم نبوت اور پیشگوئی مصلح موعود پر مباحثے کئے۔ غیر مبائع اصحاب کی طرف سے مولوی احمد یار صاحب نے بحث کی۔ غیر مبائع مناظر اصل موضوعات کو چھوڑ کر کفر و اسلام کے میدان میں گھومتے رہے۔ جس پر اُن کے اپنے پریذیڈنٹ نیز ایک اور معزز غیر مبائع دوست نے انہیں توجہ دلائی کہ آپ کیا کر رہے ہیں مگر وہ باز نہ آئے۔[۵۲]

۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء کے قادیان پر ایک اچٹتی نظر

اِس سال کے متفرق واقعات بیان کرنے کے بعد مناسب ہوگا کہ ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء کے قادیان کی مادّی ترقی پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے تا یہ معلوم ہو سکے کہ قادیان کی گمنام بستی کو خلافتِ ثانیہ کے بابرکت عہد میں نہ صرف علمی روحانی اور اخلاقی لحاظ سے دنیا بھر میں عروج نصیب ہوا بلکہ خدائی بشارتوں کے مطابق اسی محض احمدیت کی برکت سے مادّی لحاظ سے بھی حیرت انگیز ترقی کی جس کا نقشہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم ایڈیٹر الحکم نے اپنی کتاب "مرکز احمدیت قادیان" میں بایں الفاظ کھینچا:۔

"وہ قادیان جس کے بازاروں میں خریدنے کے لئے چیزیں دستیاب نہ ہوتی تھیں آج اس کے بازار دنیا کی چیزوں سے بھرے پڑے ہیں۔ وہ بازار جو اُجڑے ہوئے تھے آج پُررونق اور بھرے ہوئے ہیں۔ کئی نئے بازار نکل آئے ہیں جہاں ایک روپیہ

---

۵۱ الفضل ۲۳ر شہادت - ۲۵ر شہادت - ۶ر ہجرت - ۱۰ر احسان ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء میں ان مباحثات کی مفصل روئیداد چھپی ہوئی موجود ہے۔ ۵۲ الفضل ۵ر امان ۱۳۲۱ھش/۵ر مارچ ۱۹۴۲ء صفحہ ۵۔

ماہوار کو دوکان کرایہ پر نہ چڑھتی تھی اب دس دس بارہ بارہ روپے ماہوار کرایہ دینے والی دوکانیں موجود ہیں ۔ تجارت کا مال دنیا کے کونوں کونوں سے آتا ہے ۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ قادیان میں پان میسر نہ آتا تھا ۔ آج یہ وقت ہے کہ قادیان میں پان فروشوں کی متعدد دوکانیں موجود ہیں ۔ چند دن ہوئے کہ ایک پان فروش مولوی عبدالواحد نے مجھے بتلایا کہ اس کے پاس پچیس ہزار پان قادیان میں موجود ہیں ۔ ایک ایک چیز کی کئی کئی دوکانیں ہیں ۔ کپڑے کی دوکانوں کا یہ حال ہے کہ دوکان لالہ ہری رام راجہ رام پرتاب صاحب کی دوکان میں کم و بیش بیس ہزار کا کپڑا موجود ہے اور ویسے تو ایک درجن سے بھی زیادہ کپڑے کی دوکانیں موجود ہوں گی ۔ سینکڑوں من دودھ دس دس میل سے آتا ہے ۔ متعدد حلوائیوں کی دوکانیں ہیں جو سب خوب چلتی ہیں ۔ جہاں ایک آدھ موچی کام کرتا تھا وہاں بوٹ بنانے والے ایک درجن آدمی کام کر رہے ہیں ۔ دارالصناعت فٹ ویر کا کارخانہ الگ ہے جس میں خاصی مقدار میں مال تیار ہوتا ہے ۔ جہاں حجاموں کی یہ حالت تھی کہ وہ عید وغیرہ پر انعام ملنے کی اُمید پر کام کرتے تھے وہاں اب اعلیٰ درجہ کے ہیر کٹنگ سیلون بنے ہوئے ہیں ۔

دواخانے ہر قسم کے ڈاکٹر یونانی ۔ ویدک ۔ ڈاکٹری ۔ ہومیوپیتھی ۔ طبِّ جدید وغیرہ کے ماہر موجود ہیں ۔ خون ۔ تھوک ۔ بلغم ۔ پیشاب یا خانہ وغیرہ ٹسٹ کرنے کے لئے ڈاکٹر کوڑک جیسے تجربہ کار ڈاکٹر کی لیباراٹری موجود ہے ۔ دانتوں کے لئے ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب ڈینٹل سرجن ۔ ڈاکٹر حاجی جنود اللہ صاحب ڈینٹل سرجن ہمدرد خلیق اور دلسوزی سے کام کرنے والے موجود ہیں ۔ آنکھوں کیلئے ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب دہلی والے نہایت محبت سے علاج کرتے ہیں ۔ ان کے پاس ہر قسم کی عینکیں میسر آ سکتی ہیں ۔

طبّی عجائبات کے لئے دواخانہ خدمت خلق ۔ ایڈیٹر صاحب "نُور" کا دواخانہ ۔ حکیم نظام جان صاحب کا دواخانہ ۔ طبیہ عجائب گھر ۔ کاغانی صاحب کا دواخانہ ۔ ویدک یونانی دواخانہ دواخانہ نورالدینؓ ۔ دواخانہ رفیقِ حیات ۔ دواخانہ فاروقی وغیرہ اچھا کام کر رہے ہیں ۔ ان کے علاوہ متعدد انگریزی ڈسپنسریاں اور میڈیکل ہال کھلے ہوئے ہیں ۔

کارخانے

"سٹار ہوزری" :- ایک بہت بڑا کارخانہ ہے۔ ایک ہزار کے قریب مرد اور عورتیں اس کارخانے کے ذریعے اپنی زندگی کے ایام بخوبی بسر کر رہے ہیں۔ اس کارخانے کے طفیل متعدد گھروں میں مشینیں لگی ہوئی ہیں۔ کہیں درزی کام کر رہے ہیں، کہیں عورتیں گھروں پر لا کر کام کر رہی ہیں۔ یہ کارخانہ بابو اکبر علی صاحب جیسے لائق اور قابل انسان کے ہاتھ میں ترقی کر رہا ہے۔

"میک ورکس" :- قادیان کا قابلِ صد رشک کارخانہ ہے جس کی وجہ سے قادیان کی صنعتی شہرت دُور دُور کے شہروں تک پھیلی ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ اکبر علی اینڈ سنز - جنرل سروس - احمد برادرز - پیپر ورکس - مکینیکل انڈسٹریز آئرن سٹیل میٹل وغیرہ کارخانے لوہے کا کام کر رہے ہیں۔ جگہ جگہ بھٹیاں جل رہی ہیں۔ لوہے پگھل رہے ہیں۔ مختلف اشیاء ڈھل رہی ہیں۔ کہیں آٹا پیسنے کی مشینیں ہیں۔ کہیں روئی دُھننے کی کلیں کام کر رہی ہیں اور کہیں لکڑی چیرنے کی مشینیں چل رہی ہیں۔ موسم گرما میں متعدد سوڈا واٹر فیکٹریاں کام کرتی ہیں۔ عطریات کے لئے پرفیومری کا کارخانہ ہے شیشہ کا کارخانہ ہے۔ غرض ہر طرف کارخانوں کی شان نظر آ رہی ہے۔

سیمنٹ کی ایجنسیاں، لکڑی اور کوئلے کی متعدد دوکانیں ہیں۔ اینٹوں کیلئے بھٹے کام کر رہے ہیں۔ بجلی لگی ہوئی ہے۔ کئی مکانات میں الیکٹرک واٹر پمپ کام کر رہے ہیں عمدہ عمدہ باغات بن رہے ہیں۔ وسیع کوٹھیاں اور بنگلے بن رہے ہیں۔ سڑکیں اور راستے تیار ہو رہے ہیں۔

ڈاکخانہ

ڈاکخانہ کا ایسا اعلیٰ انتظام ہے۔ تار۔ رجسٹری۔ منی آرڈر۔ پارسل۔ وی پی وغیرہ کے لئے الگ کھڑکیاں ہیں متعدد پوسٹ مین کام کرتے ہیں۔ بابو لوگ معقول تنخواہیں لے رہے ہیں۔ ہزار ہا روپیہ کا کاروبار اور ساری دنیا کے ملکوں سے خط وکتابت ہوتی ہے۔ قادیان کے ڈاکخانہ میں سب سے پرانا آدمی منشی جان محمد صاحب پوسٹ مین ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کا صحابی ہے۔

تار و ٹیلیفون

احمدیت کے طفیل یہاں تار اور ٹیلیفون کے محکمے بھی کھل گئے ہیں۔

قادیان بیٹھ کر جس ملک سے چاہو منٹوں میں ٹیلیفون پر گفتگو کی جا سکتی ہے ۔ یہ ایک بہت بڑی سہولت ہے ۔ جو خدا نے قادیان کو مہیا کر دی ۔

ریلوے اسٹیشن ریلوے ہونے کی وجہ سے قادیان تک سفر بہت آسان ہو گیا ہے ۔ دُنیا بھر کے ملکوں سے ریلیں مہمانوں کو لے کر قادیان اسٹیشن پر آتی ہیں ۔ اور مبلغین کو لے کر دنیا کے ملکوں میں جاتی ہیں ۔

ٹاؤن کمیٹی یہاں ایک عرصہ سے ٹاؤن کمیٹی بھی قائم ہے جس کی وجہ سے صفائی کا اچھا انتظام ہو رہا ہے ۔ بجلی کی روشنی ہے ۔ اس وقت ملک مولا بخش صاحب پنشنر کمیٹی کے پریذیڈنٹ ہیں اور مرزا اسلم بیگ صاحب سیکرٹری ہیں ۔ اس ماہ نومبر سے محکمہ چونگی بھی قائم ہو گیا ہے ۔

پولیس اسٹیشن عرصہ سے قادیان کی حفاظت کے لئے پولیس چوکی قائم ہے ۔ اسوقت پولیس چوکی سرکاری عمارت میں ہے ۔ اور اس وقت چوہدری رادھا کرشن صاحب اسسٹنٹ سب انسپکٹر انچارج چوکی ہیں ۔

ڈی ۔ اے ۔ وی ہائی سکول مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول ۔ مدرسہ احمدیہ ۔ جامعہ احمدیہ اور نصرت گرلز ہائی سکول کے علاوہ ایک آریہ سماج کی طرف سے ڈی ۔ اے وی ہائی سکول بھی چل رہا ہے اور لڑکیوں کے لئے ایک پُتری پاٹھ شالہ بھی ہے ۔

الغرض ریل، تار، ٹیلیفون، ڈاکخانہ، شفاخانہ، ہر قسم کے کارخانے، بازار، تجارت کی فراوانی آج کی قادیان میں موجود ہیں اور یہ اس جدید قادیان کی مادی ترقی ہے ۔

دارالانوار کی شاندار کوٹھیاں، دارالحمد ۔ بیت الظفر ۔ بیت الحکمت ۔ گیسٹ ہاؤس سیٹھ عبداللہ بھائی کی کوٹھی ۔ بیت النصرت ۔ میر محمد اسحٰق صاحب مولانا درد صاحب، سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کی کوٹھیاں ۔ یہ سب کوٹھیاں قابلِ دید ہیں اس لئے یہ سب سلسلہ کی صداقت کی مُنہ بولتی تصویریں ہیں ۔"[۵۷]

---

[۵۷] "مرکز احمدیت قادیان" صفحہ ۴۱۵ تا ۴۱۹ ۔

چوتھا باب

ترکی وفد سے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے وضاحتی خطبہ سے لیکر سالانہ جلسہ کے لیکچر "اُسوہ حسنہ" تک

خلافت ثانیہ کا تیسواں سال

محرم ۱۳۶۳ھ مطابق صلح/جنوری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء تا محرم ۱۳۶۴ھ مطابق فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء

فصل اوّل

ترکی وفد سے متعلق حضرت امیر المومنین کا وضاحتی خطبہ

اس سال کے شروع میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے ہندوستان میں ایک ہیجان پیدا کر دیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ان دنوں ترک اخبار نویسوں کا ایک وفد دورہ کرتے ہوئے لاہور پہنچا تو اس کے لیڈر موسیو عطائی نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ ہم پہلے ترک ہیں پھر مسلمان۔ نیز کہا کہ سفر میں روزانہ نماز کی ضرورت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں بعض جوابات انہوں نے ایسے دیئے یا ہندوستانی پریس نے ان کی طرف منسوب کر کے شائع کئے[1] جو مسلمانان ہند کے ایک حصہ کے لئے افسوس اور دوسرے حصہ کے لئے پریشانی کا باعث بنے۔ چنانچہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری مدیر "اہلحدیث" (امرتسر) نے لکھا:۔

"لاہور میں اخبار نویسوں کی طرف سے ترکی وفد کو ٹی پارٹی (دعوت چائے) دی گئی جس میں رئیس وفد نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ "ہم پہلے ترک ہیں پھر مسلمان"۔ اس فقرہ سے ہم نے ترکوں کی اسلامی عقیدت کا جو نکتہ پایا ہے اس سے ہمیں سخت صدمہ ہوا۔ اس فقرے کا واضح اور صاف مطلب یہ ہے کہ ترکی قوم کی رسوم معاشرت اور سیاست ان کے نزدیک اسلامی رسوم اور معاشرت سے مقدم ہیں۔ مثلاً بعض جرائم پر جو سزائیں شرع شریف میں آئی ہیں ترکی قوانین کے خلاف ہوں تو ان کے ملکی قوانین ان کے نزدیک مقدم ہیں اور اسلامی احکام مؤخر۔ ایسا کہنا اور کرنا اسلام کے صریح خلاف ہے۔ ارشاد ہے۔ : مَا كَانَ

---

[1] "الفضل" ۳۱ صلح/جنوری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ میں "پربھات" کے حوالہ سے ان جوابات کی تفصیل شائع شدہ ہے ٭

لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

خدا اور رسُول کے حکم کے سامنے کسی مومن کو بجز تسلیم کے کوئی اختیار نہیں ہے۔ ترکوں کی سلطنت کو اور قومیت کو یورپ نے سخت نقصان پہنچایا ہے۔ اس پر بھی وہ یورپ کی تقلید سے نہیں ہٹے۔ ہندوستانی مسلمان ترکوں کی ہر مصیبت میں شریک غم رہے مگر ترکوں۔نے آخر یہی جواب دیا جو اُن کے منقولہ مقولہ سے پایا جاتا ہے " [۱]

اس موقعہ پر خصوصاً ہندو پریس نے ان جوابات کو بہت اُچھالا اور یہ نتیجہ نکالا کہ ترک اسلام سے بیزار ہیں۔ اور مسلمانانِ ہند کی سیاست سے ان کو اختلاف ہے۔ انہوں نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ ترکوں نے فیصلہ کر دیا کہ قومیت پہلے ہے اور مذہب بعد میں۔ اسی طرح ہندوستان میں قومیت کو مقدم رکھنا چاہیئے اور مذہب کو موخر سمجھنا چاہیئے چنانچہ اخبار "ملاپ" (۳ فروری ۱۹۴۳ء) نے لکھا :۔

"ترک اخبار نویسوں کے وفد کی وجہ سے پنجاب کے مسلم لیگیوں کو خصوصاً اور ہندوستان کے مسلم لیگیوں کو عموماً جو خفت اُٹھانی پڑی ہے اُسے شاید وہ ایک عرصہ تک فراموش نہ کر سکیں گے۔ . . . . ان باتوں نے مسلم لیگ کے اس سارے تخیل کو مٹی میں ملا کر رکھ دیا ہے جس پر وہ اپنی تمام سرگرمیوں کا محل کھڑا کر رہے تھے۔"

قبل ازیں ۳۱ جنوری ۱۹۴۳ء کی اشاعت میں لکھا :۔

"ترک اخبار نویسوں نے اُن کے مونہہ پر ایک ایسی چپت لگائی ہے جسے وہ عمر بھر یاد رکھیں گے . . . یہ چپت اتنی کراری اور زبردست ہے کہ کسی وضاحت کی ضرورت نہیں" [۲]

اخبار "پرتاپ" (یکم فروری ۱۹۴۳ء) نے لکھا :۔

"ترک جرنلسٹوں نے ہندی مسلمانوں اور ترک مسلمانوں کی بھائی بندی کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا" [۳]

ان حالات میں ملک بھر میں فقط قادیان ہی ایک مقدس بستی تھی جہاں سے ایک ایسی آواز اٹھی جس نے ہندوؤں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا اور مسلمانانِ ہند کو اسلام کے شاندار مستقبل کی خبر دے کر ان کے حوصلوں کو

---

[۱] اخبار "اہلحدیث" امرتسر مورخہ ۵ فروری ۱۹۴۳ء صفحہ ۹

[۲] بحوالہ "الفضل" مورخہ ۱۰ تبلیغ / فروری ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۱ [۳] ایضاً - ایضاً

بلند اور اُن کے عزائم کو مستحکم کیا اور ان کے ولولوں کو حیاتِ نو بخشی۔ یہ آواز امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی آواز تھی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۵ تبلیغ / فروری ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء کو قادیان کی مسجد اقصیٰ کے منبر سے ترکی وفد کے جوابات کی نسبت ایک خاص خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ترکی وفد کے اس جواب کے بارے میں کہ وہ "ترک پہلے اور پھر مسلمان ہیں" نہایت لطیف وضاحت کی کہ :-

"اس کا مفہوم محض یہ تھا کہ ہمیں باقی مسلمان قوموں سے بے شک ہمدردی ہے۔ لیکن اگر ہم کسی وقت دیکھیں گے کہ ہماری قوم کو نقصان پہنچنے والا ہے تو اس وقت ہم اپنی جان پہلے بچائیں گے اور دوسروں کا فکر بعد میں کریں گے۔ یہ معنی نہیں تھے کہ ہم ترکی نسل کو مقدم کریں گے اسلام کو مقدم نہیں کریں گے۔ کیونکہ وہاں تو کوئی اختلاف ہے ہی نہیں۔ سب لوگ مسلمان ہیں۔ یہ اختلاف تو ہندوستان میں ہی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہاں مختلف مذاہب کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ترک تو سب کے سب مسلمان کہلاتے ہیں۔ ان کا ذہن ان معنوں کی طرف جا ہی کس طرح سکتا ہے۔ کہ ہم قومیت کو مقدم کریں گے اور مذہب کو موخر کریں گے۔ پس ان کا جواب سیاسی جواب ہے۔ اور یہ سیاسی جواب نیا تو نہیں جب ان میں خلافت قائم تھی۔ اس وقت بھی ان کی طرف سے یہی بات پیش کی جاتی تھی اور آج بھی یہی بات پیش کی جاتی ہے"

جہانتک ترکی وفد کے اس جواب کا تعلق تھا کہ سفر میں نماز کیا پڑھنی ہے حضورؓ نے اس کو بہت اہمیت دی اور فرمایا کہ

"اگر وہ سچ ہے تو واقعہ میں افسوسناک ہے۔ . . . . یہ جواب بتاتا ہے کہ اگر یہ بات سچی ہے تو ترکوں کا وہ وفد جو ہندوستان میں آیا ہے اس کے دل میں اسلام کی تعلیم نے پوری طرح گھر نہیں کیا۔ ہم اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ ساری ترک قوم ایسی ہے۔ کیونکہ بہرحال یہ چند افراد کا جواب ہے اور وہ اپنے فعل کے آپ ذمہ دار ہیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ وہ ترکوں کے منتخب نمائندے ہیں۔ پس بیشک اُن کا فعل ایک قوم کا فعل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مگر چونکہ ترکوں نے انہیں اپنا نمائندہ منتخب کر کے بھیجا ہے۔ اس لئے یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ترکوں کی طرف سے جو نمائندے چُن کر بھیجے گئے ہیں ان کے دلوں میں نماز کی جو اسلام کے ارکان میں سے ایک بہت

بڑا رکن ہے کوئی عظمت نہیں"

اس ضمن میں ہندوؤں کی نسبت حضور نے فرمایا:۔

"مگر میرے نزدیک اس میں بھی ہندوؤں کے لئے خوش ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ مَیں نے خود ایک دفعہ ایک ہندو اخبار میں یہ لکھا ہوا دیکھا تھا کہ ہمارے ہاں سندھیا (یعنی صبح کی عبادت) کا جو طریق رائج ہے اس کا ہم میں سے ایک بھی پابند نہیں۔[1] پس جس قوم کی اپنی یہ حالت ہو اور جس قوم کا ایک فرد بھی عبادت کا پابند نہ ہو اُسے اس بات پہ کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ دو کروڑ ترکوں میں سے چھ ترک ایسے ہیں جو سفر کی حالت میں نماز نہیں پڑھتے۔"

حضور نے اس الزامی جواب پر اکتفا نہ کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ

"یہ اعتراض بھی تب ہوتا جب یہ تسلیم کیا جاتا کہ اسلام اپنی عملی صورت میں اس وقت دنیا میں موجود ہے مگر جہاں تک غیر احمدیوں کا سوال ہے وہ بھی یہ نہیں کہتے کہ اسلام اپنی اصل شکل میں دُنیا میں موجود ہے۔ اور احمدیوں کا تو سوال ہی نہیں۔ ہمارے تو دعویٰ کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھیجا ہے تاکہ آپ اسلام کو اس کی اصل شکل و صورت میں پھر قائم کریں۔ پس اگر ترکوں نے یہ کہا کہ سفر میں نماز کیا پڑھنی ہے، تو اس کے معنے صرف اتنے ہیں کہ انہوں نے اپنے اس جواب سے ایک اَور تصدیق اس امر کی بہم پہنچادی کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے دنیا کی اصلاح کے لئے ضرور کوئی مامور مبعوث ہونا چاہیئے کیونکہ آج خود مسلمانوں کی یہ حالت ہو رہی ہے کہ وہ اسلامی تعلیم پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ پس مسلمانوں کو اس جواب پر پریشان ہونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ . . .

. . . . آج سے پچاس سال پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تمام نقشہ کھینچ کر رکھ دیا تھا۔ ترکی وفد نے کونسی نئی بات بتائی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا۔ ؎

ہر کسے در کارِ خود با دینِ احمد کار نیست

ہر شخص کو اپنے اپنے کام سے تعلق ہے مگر رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین سے کسی کو کوئی واسطہ نہیں۔ اسی طرح آپ نے فرمایا تھا۔ ؎

بیکسے شُد دینِ احمد ہیچ خویش و یار نیست

---

[1] ملک فضل حسین صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے اس خطبہ کی تائید میں نہایت تحقیق کر کے ایک مضمون الفضل ۳ امان/مارچ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کی اشاعت میں لکھا اور اس میں متعدد مشہور آریہ سماجی لیڈروں اور اخباروں کے حوالے دیئے۔

دینِ اسلام بیکس ہو گیا ہے اور کوئی اس کا دوست و مددگار نہیں رہا۔ یہ وہ چیز ہے جسے سلسلہ احمدیہ پچاس سال سے پیش کر رہا ہے اور ہم تسلیم کر چکے ہیں کہ آج مسلمانوں کی یہی حالت ہو رہی ہے۔ پھر اس کو اسلام کی ایک نئی شکست کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ بیماری تو وہ ہے جس کا اعلان آج سے پچاس سال پہلے بلکہ اس سے بھی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کر دیا تھا۔ پس یہ کوئی نئی بیماری نہیں جو ہمارے سامنے پیش کی جائے۔ دشمنانِ اسلام کو جو کچھ دیکھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ کیا اس بیماری کے علاج کا کوئی شفاخانہ دُنیا میں قائم ہو چکا ہے یا نہیں۔ اگر دُنیا میں اس بیماری کے علاج کا شفاخانہ قائم ہو چکا ہے تو پھر اس میں اُن کے لئے خوشی کا کونسا موقعہ ہے۔ آج دوبارہ اسلام کی ترقی کے سامان خدا تعالیٰ نے پیدا کر دیئے ہیں اور دوبارہ اسلام کی بنیادوں کی تعمیر کیلئے قادیان میں اس نے اپنا ایک انجنیئر بھیج دیا ہے۔ اس انجنیئر نے اسلامی بُنیادوں کو مضبوط کر کے اس پر اسلام کے رفیع الشان محل کی عمارت کو کھڑا کرنا شروع کر دیا ہے۔ پس اگر کوئی دشمنِ اسلام، اسلام کی اس گرتی ہوئی بنیاد کو دیکھ رہا ہے تو وہ اُن اُٹھتی ہوئی بُنیادوں کو بھی دیکھے جس کے عظیم الشان محل میں دُنیا کی تمام پاکیزہ رُوحوں کو لا کر اکٹھا کر دیا جائے گا۔ ان کو وہ چھ شکست خوردہ ذہنیت کے مالک مسلمان نظر آتے ہیں مگر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے گھروں کے سامنے خدا تعالیٰ کی یہ آواز بلند کی جا رہی ہے کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" کیا یہ آواز ان کے کانوں میں نہیں آتی۔ وہ محل جس کی دیواریں ایک طرف گر رہی ہوں اور دوسری طرف اس کی نئی اور مضبوط دیواریں کھڑی کی جا رہی ہوں۔ اس محل کی دیواریں گرنے پر کسی دشمن کو کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ اگر ایک طرف اسلام کی کوئی دیوار گر رہی ہے تو دوسری طرف اس کی نئی اور مضبوط دیواریں خدا تعالیٰ کے فضل سے کھڑی کی جا رہی ہیں۔ پس دشمن کے لئے خوشی کا کوئی موقعہ نہیں۔ بیشک یہ ایک کمزوری ہے اور ہم اس کمزوری کو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر ہمارے لئے یہ کمزوری کوئی نئی چیز نہیں۔ آج سے تیرہ سو سال پہلے رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی خبر دے دی تھی۔ اور آپ بتا چکے تھے کہ ایک زمانہ میں مسلمانوں کی کیا حالت ہو جائے گی . . . . تو دشمن کے لئے خوش ہونے کا کوئی موقع نہیں۔ اسلام کی دیواریں اگر ایک طرف گر رہی ہیں تو ساتھ ہی ایک نئی بنیاد اسلام کی ترقی کے لئے اُٹھائی جا رہی ہے۔ اگر دشمن یہ دیکھتا ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلعہ میں سے آپ کے نام کی طرف منسوب ہونے والے چند شکست خوردہ لوگ ایک دروازہ سے نکلتے ہوئے اپنے ہتھیار پھینک رہے ہیں تو وہ آنکھیں اُٹھا کر

دیکھئے کہ دوسری طرف ایک اَور قوم جس کی رگوں میں جوانی، امید اور امنگوں کا خون تیزی سے دَورہ کر رہا ہے فتح کے جھنڈے اُڑاتی ہوئی محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام کو بلند کرنے اور اس کی حکومت کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے ایک دوسرے دروازے سے محمدی قلعہ میں داخل بھی ہو رہی ہے" [۱]

حضرت امیر المومنینؓ کا خطاب سندھ کی صوبائی انجمن احمدیہ کے سالانہ اجلاس میں

۱۲/امان/مارچ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو ناصر آباد (سندھ) میں صوبائی انجمن احمدیہ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس میں قرب وجوار کی احمدی جماعتوں کے صدر لعل کراچی، روہڑی، باڈا، کمال ڈیرہ اور ضلع حیدر آباد کے قریباً اسی نمائندے شامل ہوئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے نماز مغرب وعشاء کے بعد اس نمائندہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"ہمارا سندھ میں آنا اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت کے ماتحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں ایک وسیع رقبہ عطا فرمایا ہے جس کی وسعت تیس میل تک پھیلی ہوئی ہے اور اس میں احمدی آبادیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے احمدیت اور اسلام کی اشاعت کے لئے پنجاب کو مرکز بنایا ہے اور سندھ کو ایک طرف پنجاب اور دوسری طرف سمندر سے ملا کر اُسے دوسری دُنیا کے لئے پنجاب کی ڈیوڑھی بنایا ہے۔ اس لئے سندھ میں سلسلہ احمدیہ کا استحکام باہر کی تبلیغ کا ایک اہم اور بنیادی حصہ ہے۔

حضور نے فرمایا کہ دوستوں کو سندھ میں تبلیغ کو بہت وسعت دینی چاہیئے اور دیوانہ وار تبلیغ میں لگ جانا چاہیئے۔ ایک دُھن ہو اور ایک آگ سی لگی ہوئی ہو۔ مجلس منتظمہ کو بار بار اجلاس بُلا کر اپنی مشکلات کو دُور کرنا اور کار آمد اور مفید تجاویز پر غور کر کے ان پر عمل کرتے رہنا چاہیئے۔ مبلغ سندھ کو چاہیئے کہ وہ سندھی مبلّغ تیار کرے۔

حضور نے فرمایا۔ جب تک سندھی لوگ عقیدہ میں ہمارے ساتھ متفق نہیں ہوتے اس وقت تک پنجاب کام نہیں کر سکتا۔ سندھ کے ہمارے ساتھ شامل ہو جانے سے ....

...... غیر ممالک میں تبلیغ کے لئے آنے جانے کی سب دقتیں دور ہو کر آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اس وقت جو حالات پیدا ہو رہے ہیں وہ اسلام کے لئے نازک ہیں۔ اسلام کی ان حالات سے حفاظت کرنے اور اُسے ترقی دینے کے لئے ہمیں اپنی کوششوں کو وسیع اور ہمتوں کو بلند کرنا چاہیئے اور اپنا عملی نمونہ ایسا اعلیٰ درجہ کا بنانا چاہیئے کہ لوگوں کے دلوں میں احمدیت کو قبول کرنے کی کشش پیدا کر سکے" [۲]

---

[۱] "الفضل" ۲۸ تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲، ۴۔ [۲] "الفضل" ۲۵ امان/مارچ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۳۔

ملک عبدالرحمن صاحب خادم کی گرفتاری اور رہائی

۳۱ امان/مارچ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء[1] کا دن جماعت احمدیہ کے لئے ایک نہایت وحشت ناک خبر لے کر آیا اور وہ یہ کہ جماعت کے ممتاز مناظر اور عالم دین ملک عبدالرحمن صاحب خادم بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ (زیر دفعہ ۱۲۹) کے تحت گرفتار کئے گئے۔ یہ ظالمانہ کارروائی گجرات کے ہندو ڈپٹی کمشنر مسٹر گریوال کے خلاف شائع شدہ ایک نظم کی بناء پر کی گئی۔ حالانکہ جیسا کہ ملک صاحب نے حلفاً بیان دیا کہ ان کا اس نظم کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں تھا حتی کہ علم بھی نہیں تھا کہ یہ کس نے لکھی ہے۔[2]

جماعت احمدیہ کے سبھی حلقے اس نظربندی پر تڑپ اُٹھے اور انہوں نے ملک صاحب کے محترم والدین اور دیگر عزیزوں سے گہری ہمدردی کا اظہار کیا اور نہایت دردِ دل سے اُن کی باعزت بریت کے لئے دُعائیں کیں۔[3] احمدیہ پریس نے اس صریح دھاندلی پر جو مخالفین کی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں مچائی گئی تھی، زبردست احتجاج کیا۔ اور مرکز سلسلہ نے حکومت کی مشینری کو اس ظلم کی طرف بار بار توجہ دلائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے ملک صاحب کو دو ہفتہ کے بعد رہا کر دیا۔[4]

مخلوط تعلیم کی ممانعت اور اسلامی پردہ کی ترویج کے متعلق پُرشوکت پیشگوئی

اس سال کی مجلس مشاورت (منعقدہ ۲۳-۲۴-۲۵ شہادت/اپریل ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء) کے دوران مخلوط تعلیم کا معاملہ پیش ہوا۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فیصلہ فرمایا کہ

"مخلوط تعلیم کسی صورت میں بھی درست نہیں سمجھی جاسکتی۔ نظارت تعلیم و تربیت کو اس کے انسداد کے متعلق جماعتوں میں ایک عام اعلان کرنا چاہیئے تاکہ ہر شخص کو علم ہو جائے کہ مرکز اس بارہ میں کیا رائے رکھتا ہے۔ اس کے بعد جو لوگ اس جُرم کے مرتکب ہوں ان سے جواب طلبی کی جائے اور انہیں اصلاح کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اگر اس تنبیہ کے باوجود ان کی اصلاح نہ ہو تو انہیں سزا دی جائے جس کی حد اخراج از جماعت تک ہو سکتی ہے۔"[5]

اس فیصلہ کا اعلان کرنے کے بعد حضور نے اسلامی پردہ کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالی اور مستقبل میں برپا ہونے والے اسلامی انقلاب کی نسبت پیشگوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

---

[1] "الفضل" ۷ شہادت/اپریل ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۲ ؛ [2] "الفضل" ۳ شہادت/اپریل ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۳-۴ ؛
[3] " ۳۱ " " صفحہ ۴ ؛ [4] " ۲۷ " " صفحہ ۱ کالم ۱ ؛
[5] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲۶ ؛

"اچھی طرح یاد رکھو کہ پردہ اسلام کا اہم ترین حکم ہے۔ جو شخص پردہ کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ اسلام کی ہتک کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مغربیت کی رَو دلوں میں اباحت پیدا کر رہی ہے اور بعض احمدی بھی کہتے سُنائی دیتے ہیں کہ اب پردہ دُنیا میں قائم رہتا نظر نہیں آتا۔ مگر مَیں اُن سے کہتا ہوں تمہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود بھی دُنیا میں قائم ہوتا نظر نہیں آتا تھا پھر آج کیا یہ نظارہ تم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے کہ دُنیا کے کناروں تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام پھیل چکا ہے . . . . . . اسی طرح اب جو لوگ کہتے ہیں کہ پردہ قائم رہتا نظر نہیں آتا۔ مَیں اُن سے کہتا ہوں کہ تمہیں تو پردہ قائم ہوتا نظر نہیں آتا۔ اگر دُنیا ہمارے وعظ و نصیحت سے متاثر ہو کر بے پردگی سے باز نہیں آئے گی تو کیا تم سمجھتے ہو اس زمین کو پکڑ کر دینا خدا کے اختیار سے باہر ہے۔ یہ بگڑی ہوئی دُنیا جو آج تمہیں دکھائی دے رہی ہے خدا اُسے ایک ایسا چکّر دے گا کہ یہ مجبور ہوگی اس بات پر کہ اسلام کے احکام پر عمل کرے اور ہر قسم کی غلط آزادی کو خیر باد کہدے۔ اس زمانہ میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے بڑے بڑے اہم تغیرات مقدر ہیں۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی رات کو مومن سوئے گا اور صبح کو کافر اُٹھے گا۔ صبح کو کافر ہوگا اور رات اس پر ایسی حالت میں آئے گی جبکہ وہ مومن ہوگا۔ اس میں اسی امر کی٭ جو انسانی قیاسات سے بالکل بالا ہوں گے۔ ایک شخص مومن ہونے کی حالت میں سوئے گا اور دہریہ بن کر اُٹھے گا اور ایک دوسرا شخص دہریہ ہونے کی حالت میں صبح کرے گا اور شام کو وہ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حلقہ غلامی میں آچکا ہوگا۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم خدا کے حکم کے مطابق چلتے چلے جائیں اور اپنی اطاعت اور وفاداری کا نمونہ دکھا کر خدا تعالیٰ کے سچے سپاہی بنیں۔ اگر ایک فوج کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دے تو سپاہیوں کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ اعتراض کریں اور کہیں کہ ہم سمندر میں اپنے گھوڑے کیوں ڈالیں۔ ہماری جانوں کا اس میں خطرہ ہے۔ اُن کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ بے دھڑک سمندر میں کود جائیں اور اپنے افسر کے حکم کو بجا لائیں۔ اسی طرح ہمیں اگر رُوحانی فوج میں داخل ہونے کے بعد بعض ناقابلِ عبور سمندر نظر آتے ہیں یا وہ گڑھے نظر آتے ہیں جن میں گر کر ہماری پسلیاں چُور چُور ہو سکتی ہیں اور اللہ تعالےٰ کا حکم یہ ہے کہ ہم سمندر کو عبور کر جائیں اور گڑھوں پر سے چھلانگ لگا کر گذر جائیں۔ تو اگر خدا کا منشاء یہ ہوگا کہ وہ ہمیں زندہ رکھے اور ہمارے ذریعہ سے دُنیا کے احیاء کے سامان پیدا فرمائے تو پیشتر اس کے کہ ہم ان گڑھوں میں گریں خدا تعالیٰ کے فرشتے

٭ حضور کا منشاء یہ تھا کہ اس زمانہ میں جلد جلد تغیرات رونما ہوں گے اور ایسے ایسے انقلابات پیدا ہوں گے۔

آسمان سے اُتر کر اُن کو پُر کر دیں گے اور جب ہم پہنچیں گے وہ ہمیں گڑھے نہیں بلکہ ہموار اور سیدھا اور کھُلا راستہ نظر آئے گا۔ پس ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھیں بند کر کے چلتے چلے جائیں اور اس امر کی پروانہ کریں کہ دُنیا ہمارے متعلق کیا کہتی ہے۔ جس خندق کو عبور کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے وہ بہرحال عبور کی جائے گی۔ اگر ہمارے لئے یہ مقدر ہے کہ ہم اس میں گر کر مر جائیں تو اس موت سے زیادہ ہمارے لئے خوشی کی چیز اَور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ہمارے لئے بچنا مقدر ہے تو کوئی خطرہ ہمارے ارادوں کو پست اور ہماری ہمتوں کو کوتاہ نہیں کر سکتا۔ لیکن مَیں کہتا ہوں یہ خیال ہی غلط ہے کہ ہمارے رستے میں وہ گڑھے آنے والے ہیں جو ہمیں ہلاک کر دیں گے۔ اُن گڑھوں کو خدا کے فرشتے ہمارے پہنچنے سے پہلے پہلے ہی پُر کر دیں گے اور ہم سلامتی کے ساتھ دُنیا میں امن کا جھنڈا قائم کر کے رہیں گے۔ یہ خدا کی تقدیر ہے جسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ عرش پر خدا کا وہ فیصلہ ہے جسے بدلنے کی کوئی شخص طاقت نہیں رکھتا۔ ہمارا کام دین کی عظمت اور اس کے جلال کو دُنیا میں قائم کرنا ہے۔ ہمارا کام محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کو دُنیا میں بلند کرنا ہے۔ ہمیں نہیں چاہیئے کہ ہم کوئی ایسا کام کریں جو دشمنوں کی نظر میں اسلام کو بدنام کرنے والا اور اُن کو دین کے متعلق اَور زیادہ شُبہات میں مبتلا کرنے والا ہو۔ مجھے خدا تعالیٰ کے فضل سے کامل یقین ہے کہ یہ حالات جو بے پردگی وغیرہ کے سلسلہ میں دُنیا میں نظر آرہے ہیں چونکہ خدا تعالیٰ کے دین کے خلاف ہیں اس لئے اب دُنیا میں قائم نہیں رہ سکتے۔ بے پردگی مِٹ جائے گی۔ مرد اور عورت کا آزادانہ میل جول جاتا رہے گا۔ مغربیت اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھود رہی ہے جس میں وہ ایک دن ہمیشہ کی نیند سُلا دی جائے گی اور اسلام اپنی پُوری شان اور اپنی پُوری آب و تاب کے ساتھ دُنیا کے ہر گوشہ میں بلکہ ایک ایک گھر اور ایک ایک دل میں جلوہ نما ہوگا۔ اگر خُدا ہمیں کل ہی حکومت دے دے اور ہم وائسرائے کی طرح ایک آرڈی نَنس جاری کر دیں کہ جو عورتیں پردہ نہیں کریں گی انہیں قید کر دیا جائے گا، تو تم دیکھو گے کہ دوسرے ہی دن وہ عورتیں جو آج کھُلے مُنہ سڑکوں اور بازاروں میں گھومتی دکھائی دیتی ہیں دوڑی دوڑی جائیں گی اور گھروں میں سے نہیں نکلیں گی جبتک انہوں نے بُرقع پہنا ہوا نہ ہوگا۔ پھر یہ سوال تو رہ جائے گا کہ بُرقع کا سُرخ رنگ ہونا چاہیئے یا سبز ہونا چاہیئے، سیاہ ہونا چاہیئے یا سفید ہونا چاہیئے۔ کوئی طبقہ کسی رنگ کو پسند کرے گا اور کوئی کسی رنگ کو۔ مگر یہ نہیں ہوگا کہ کوئی ایک عورت بھی بے پردہ نظر آئے۔ پس ہمارے لئے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔

آسمان پر فرشتے اسلام کی تائید کے لئے کھڑے ہیں اور وہ زمین پر اُترنے والے ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم نڈر ہو کر کام کرتے چلے جائیں اور اسلام کی اصل شکل میں ایک خفیف سے خفیف تبدیلی بھی کبھی برداشت نہ کریں۔"[۱]

یہ انقلاب آہستہ آہستہ کیوں ہو رہا ہے؟ اس کا فلسفہ بھی حضور نے اسی مجلس مشاورت میں بیان کیا۔ چنانچہ فرمایا:-

"میں سمجھتا ہوں لڑائی کا یہ سلسلہ جو اس وقت جاری ہے زیادہ عرصہ تک نہیں رہ سکتا۔ ۴۵ء کے پہلے نصف حصہ میں یا تو جنگ بالکل ختم ہو جائے گی یا ایسی صورت اختیار کر لے گی کہ انسان اطمینان کے ساتھ یہ کہہ سکے گا کہ اس لڑائی کا کیا انجام ہوگا۔ اور اس کی بنیاد اسی سال یعنی ۴۳ء میں پڑے گی۔ مگر یہ فتنے ابھی ختم نہیں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان فتنوں کو لمبا کرے گا اور لمبا کرتا چلا جائے گا تاکہ وہ قوم اس عرصہ میں تیار ہو جائے جس نے آئندہ دُنیا کی حکومتیں اپنے ہاتھ میں لینی ہیں۔ سُورۂ کہف میں ذکر آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھی کے ساتھ جا رہے تھے کہ انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گِر رہی تھی۔ انہوں نے دیوار کو بغیر کسی اُجرت کے دوبارہ کھڑا کر دیا اور اسے گرنے سے محفوظ کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سورۃ میں یہ بتاتا ہے کہ دیوار کو مضبوط بنانے میں حکمت یہ تھی کہ اس کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ جب تک وہ بچے جوان نہ ہو جائیں اُن کا خزانہ دیوار کے نیچے محفوظ رہے۔ جنگ کی موجودہ حالت بھی ایسی ہی ہے۔ مگر وہاں تو دیوار بنانے سے خزانہ محفوظ رہا تھا اور یہاں دیواریں گرانے سے خزانہ محفوظ رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان دنیوی عمارتوں کو گرا رہا ہے مگر بجائے اس کے کہ وہ یکدم سب عمارتوں کو گرائے اُن کو آہستہ آہستہ گرا رہا ہے کیونکہ وہ لوگ جن کے سپرد اس عمارت کی نئی تعمیر ہے وہ خدا تعالیٰ کے انجنیرنگ کالج میں اس وقت پڑھ رہے ہیں اور ابھی اپنی تعلیم سے فارغ نہیں ہوئے۔ پس اگر آج تمام عمارتیں یکدم گر جائیں تو چونکہ وہ لوگ جنہوں نے نئی عمارتیں کھڑی کرنی ہیں، ابھی اپنی تعلیم کی تکمیل نہیں کر سکے۔ اس لئے خلا رہ جائے گا۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ ان دیواروں اور مکانات کو گرا رہا ہے۔ آج ایک دیوار کو گراتا ہے۔ تو کل دوسری دیوار کو گرا دیتا ہے۔ آج ایک چھت اُڑاتا ہے تو کل دوسری چھت کو اُڑا دیتا ہے۔ آج ایک کمرہ کو گراتا ہے تو کل دوسرے کمرے کو گرا دیتا ہے۔ اسی طرح وہ آہستہ آہستہ اور قدم بقدم دُنیا کی تمام

---

[۱] "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۵۴ تا ۵۶۔

عمارتوں، دُنیا کے تمام مکانوں اور دُنیا کے تمام سامانوں کو گرا رہا مٹا رہا اور تباہ و برباد کر رہا ہے اور اس کا منشاء یہ ہے کہ وہ اُس وقت تک ان عمارتوں کو مکمل طور پر برباد نہ کرے جب تک خدا تعالیٰ کے کالج میں جو لوگ تعلیم حاصل کر رہے ہیں وہ اس کالج سے تعلیم حاصل کر کے فارغ نہ ہو جائیں اور اُن پر قبضہ کرنے کے لئے تیار نہ ہو جائیں۔ پس یہ رستہ ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہماری جماعت کی ترقی کے لئے کھولا گیا ہے۔ یہ تغیر ایک دن ہوگا اور ضرور ہوگا مگر آہستگی سے اس لئے ہو رہا ہے تاکہ وہ لوگ جنہوں نے اس پر قبضہ کرنا ہے پوری طرح تیار ہو جائیں اور خدا تعالیٰ کے کالج میں تعلیم حاصل کر لیں۔" [1]

مغربی نظام کی تباہی اور اسلام کی عالمگیر حکومت کی نسبت دوبارہ پیشگوئی کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میں نے پہلے بھی بارہا کہا ہے اور اب پھر بڑے زور سے کہتا ہوں کہ دنیا میں مغربیت نے کافی حکومت کر لی۔ اب خدا تعالیٰ کا منشاء ہے کہ وہ مغربیت کو کچل کر رکھ دے۔ جو لوگ ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مغربیت کا مقابلہ کس طرح ہو سکتا ہے پردہ قائم رہتا ہوا نظر نہیں آتا۔ مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول کو کس طرح روکا جا سکتا ہے۔ یہ چیزیں ضروری ہیں۔ اور اگر ہم ان امور میں مغربیت کی پیروی نہ کریں تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ وہ لوگ یاد رکھیں کہ وہ اپنے ان افعال سے اسلام اور احمدیت کی کامیابی کے راستہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ یہ چیزیں مٹنے والی ہیں۔ مٹ رہی ہیں اور مٹ جائیں گی ابھی تم میں سے کئی لوگ زندہ ہوں گے کہ تم مغربیت کے در و دیوار اور اس کی چھتوں کو گرتا ہوا دیکھو گے اور مغربیت کے ان کھنڈرات پر اسلام کے محلات کی نئی تعمیر مشاہدہ کرو گے۔ یہ کسی انسان کی باتیں نہیں بلکہ زمین و آسمان کے خدا کا فیصلہ ہے۔ اور کوئی نہیں جو اس فیصلہ کو بدل سکے۔ پس ہماری طاقت کا سوال نہیں۔ نہ ہم نے پہلے کبھی کہا کہ یہ تغیر ہماری طاقت سے ہوگا اور نہ آئندہ کبھی کہہ سکتے ہیں۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس تغیر کا خدا نے وعدہ کیا ہے اور خدا تعالیٰ کے وعدوں کے اٹل ہونے کا ہم اپنی زندگی میں بارہا مشاہدہ کر چکے ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اس مشاہدہ کے بعد ہمارے ایمانوں میں تزلزل پیدا ہو۔ ہمارے اعتقادات میں کمزوری رونما ہو۔ یقیناً دنیا گھٹنوں کے بل گر کر عاجزی کرتی اور دانت پیستی ہوئی ہمارے سامنے آئے گی اور اُسے اپنے لئے قبول کرنا پڑے گا۔

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱۴۸ - ۱۴۹ ۔

پس تم مت ڈرو کہ اگر ہم نے پردہ یا مخلوط تعلیم کے خلاف آواز بلند کی تو لڑکیاں بغاوت کر دیں گی یا لڑکیوں کے ماں باپ بغاوت کر دیں گے۔ ان لڑکیوں اور ان کے ماں باپ کا تو کیا ذکر ہے۔ وہ لوگ جو ان خیالات کے بانی ہیں وہ خود گھٹنوں کے بَل گِر کر ہم سے معافی مانگنے والے ہیں۔ پس یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہماری عورتیں بے پردہ ہوں اور ہمیں اُن کے مقابلہ میں ندامت اور شرمندگی حاصل ہو۔ بلکہ وہ خود ہزار ندامت اور پشیمانی سے اپنی گردنیں جھکائے ہوئے ہمارے سامنے حاضر ہوں گے اور انہیں اقرار کرنا پڑے گا کہ وہ غلط راستہ پر چل رہے تھے۔ صحیح راستہ وہی ہے جو اسلام نے پیش کیا۔ یہ خدا کا فیصلہ ہے اور اس فیصلہ کے نفاذ کو دُنیا کی کوئی طاقت دُنیا کی کوئی حکومت اور دنیا کی کوئی بادشاہت روک نہیں سکتی . . . . . پس ان تغیرات کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دُعائیں کرتے رہو اور اپنے اندر یقین اور وثوق پیدا کرو جس دن تمہارے اندر یقین پیدا ہو گیا اس دن تمہارے سارے شک سارے شبہات اور سارے وساوس آپ ہی آپ دُور ہو جائیں گے۔ اور تم اپنے آپ کو ترقی کے ایک مضبوط اور بلند ترمینار پر کھڑا دیکھو گے" [۵]

مشقی مباحثات پر اظہارِ ناپسندیدگی

قادیان میں کئی سال قبل مختلف اداروں اور مجالس میں مشقی مباحثات نے زور پکڑ لیا اور ان میں گہری دلچسپی لی جانے لگی تھی۔ ابتداءً بچوں میں "قلم و تلوار" اور "علم و دولت" اور "صنعت و حرفت اور ملازمت" کے موضوع زیر بحث آئے۔ رفتہ رفتہ یہ شوق بڑوں میں بھی سرایت کر گیا حتیٰ کہ نوبت یہانتک جا پہنچی کہ معمولی مسائل کی بجائے سنجیدہ امور بھی زیر بحث لائے جانے لگے چنانچہ ایک بار مخلوط اور جداگانہ انتخاب پر بھی مبادلہ افکار ہوا۔ جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے خطبہ جمعہ (فرمودہ ۱۰ فروری ۱۹۳۹ء) میں اس قسم کے بحث مباحثہ کو آوارگی سے تعبیر کیا۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:-

"اچھے انداز میں گفتگو کرنا بھی ایک خاص فن ہے۔ ایسی مجلسوں میں علمی اور دینی باتیں ہوں لیکن بحث مباحثہ نہ ہو۔ اس چیز کو بھی مَیں آوارگی سمجھتا ہوں۔ اور میرے نزدیک یہ بات سب سے زیادہ دل پر زنگ لگانے والی ہے۔ مباحثہ کرنے والوں کے مدّنظر تقویٰ نہیں بلکہ مدِّ مقابل کو چُپ کرانا ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مَیں ہمیشہ مباحثات سے بچتا ہوں اور میری تو یہ عادت ہے کہ اگر کوئی مباحثانہ رنگ میں سوال کرے

---

[۵] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۵۰ تا ۱۵۲ ۔

تو ابتدا میں ایسا جواب دیتا ہوں کہ کئی لوگوں نے کہا ہے کہ انہوں نے کسی سوال پہ پہلے پہل میرا جواب سُن کر یہ خیال کیا کہ شاید مَیں جواب نہیں دے سکتا۔ اور دراصل ٹالنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر جب کوئی پیچھے ہی پڑ جائے تو مَیں جواب کی ضرورت محسوس کرتا ہوں اور پھر خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسا جواب دیتا ہوں کہ وہ بھی اپنی غلطی محسوس کر لیتا ہے۔ یاد رکھو۔ سچائی کے لئے کسی بحث کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مَیں نے ہمیشہ ایسی باتوں سے روکا ہے۔ ڈیبیٹنگ کلبیں بھی میرے نزدیک آوارگی کی ایک شاخ ہے اور مَیں اس سے ہمیشہ روکتا رہتا ہوں۔ لیکن یہ چیز بھی کچھ ایسی راسخ ہو چکی ہے کہ برابر جاری ہے۔ حالانکہ اس سے دل پر سخت زنگ لگ جاتا ہے۔ ایک شخص کسی چیز کو مانتا نہیں مگر اس کی تائید میں دلائل دینا جاتا ہے تو اس سے دل پہ زنگ لگنا لازمی امر ہے۔ مجھے ایک واقعہ یاد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریق ایمان کو خراب کرنے والا ہے۔ مولوی محمد احسن صاحب امروہوی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سُنایا کہ مولوی بشیر صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بہت مؤیّد اور مَیں مخالف تھا۔ مولوی بشیر صاحب ہمیشہ دوسروں کو براہین احمدیہ پڑھنے کی تلقین کرتے اور کہا کرتے تھے کہ یہ شخص مجدّد ہے۔ آخر مَیں نے اُن سے کہا کہ آؤ مباحثہ کر لیتے ہیں۔ مگر آپ تو چونکہ مؤید ہیں آپ مخالفانہ نقطہ نگاہ سے کتابیں پڑھیں اور مَیں مخالف ہوں اس لئے موافقانہ نقطہ نگاہ سے پڑھوں گا۔ سات آٹھ دن کتابوں کے مطالعہ کے لئے مقرر ہو گئے اور دونوں نے کتابوں کا مطالعہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مَیں جو مخالف تھا احمدی ہو گیا اور وہ جو قریب تھے بالکل دُور چلے گئے۔ ان کی سمجھ میں بات آگئی اور اُن کے دل سے ایمان جاتا رہا۔ تو علم النفس کی رُو سے ڈیبیٹیں کرنا سخت مضر ہے اور بعض اوقات سخت نقصان کا موجب ہو جاتا ہے۔ یہ ایسے باریک مسائل ہیں جن کو سمجھنے کی ہر مدرّس اہلیت نہیں رکھتا۔ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا۔ یہاں ایک ڈیبیٹ ہوئی اور جس کی شکایت مجھ تک بھی پہنچی تھی۔ اس میں اس امر پہ بحث تھی کہ ہندوستان کے لئے مخلوط انتخاب چاہیئے یا جُداگانہ۔ حالانکہ مَیں اس کے متعلق اپنی رائے ظاہر کر چکا ہوں۔ اور یہ سُوء ادبی ہے کہ اس بات کا علم ہونے کے باوجود کہ مَیں اس امر کے متعلق اپنی رائے ظاہر کر چکا ہوں پھر اس کو زیرِ بحث لایا جائے۔ جن امور میں خدا تعالیٰ یا اس کے رسُول یا اُس کے خلفاء اظہارِ رائے کر چکے ہوں ان کے متعلق بحث کرنا گستاخی اور بے ادبی میں داخل ہے۔ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ تو محض کھیل ہے لیکن کیا کوئی کھیل

کے طور پر اپنے باپ کے سر میں جُوتیاں مار سکتا ہے تو ڈیبیٹس سے زیادہ حماقت کی کوئی بات نہیں۔ ہر احمدی وفاتِ مسیح کا قائل ہے مگر ڈیبیٹ کے لئے بعض حیاتِ مسیح کے دلائل دینے لگتے ہیں۔ مَیں تو ایسے شخص سے یہی کہوں گا کہ بے حیا خدا تعالیٰ نے تجھے ایمان دیا تھا مگر تو کُفر کی چادر اوڑھنا چاہتا ہے۔ پس یہ ڈیبیٹس بھی آوارگی میں داخل ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے تمہیں یہ توفیق دی ہے کہ حق بات کو تم نے مان لیا تو اس کا شکریہ ادا کرو نہ کہ خواہ مخواہ اس کی تردید کرو۔ بعض نادان کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس سے عقل بڑھتی ہے۔ لیکن اس عقل کے بڑھانے کو کیا کرنا ہے جس سے ایمان جاتا رہے۔ دونوں باتوں کا موازنہ کرنا چاہیئے۔ اگر ساری دُنیا کی عقل مل جائے اور ایمان کے پہاڑ میں سے ایک ذرّہ بھی کم ہو جائے تو اس عقل کو کیا کرنا ہے۔ یہ کوئی نفع نہیں بلکہ سراسر خسران اور تباہی ہے۔ پس یہ بھی آوارگی میں داخل ہے۔ اور مَیں نے کئی دفعہ اس سے روکا ہے۔ مگر پھر بھی ڈیبیٹیں ہوتی رہتی ہیں۔ جس طرح کوڑھی کو خارش ہوتی ہے اور وہ رہ نہیں سکتا۔ اسی طرح ان لوگوں کو بھی کچھ ایسی خارش ہوتی ہے کہ جب تک ڈیبیٹ نہ کرالیں چین نہیں آتا اور پھر دینی اور مذہبی مسائل کے متعلق بھی ڈیبیٹیں ہوتی رہتی ہیں حالانکہ وہ تمام مسائل جن کی صداقتوں کے ہم قائل ہیں یا جن میں سلسلہ اظہارِ رائے کر چکا ہے ان پر بحث کرنا دماغی آوارگی ہے اور حقیقی ذہانت کے لئے سخت مضر ہے۔ مَیں نے سَو دفعہ بتایا ہے کہ اگر اس کے بجائے یہ کیا جائے کہ دوست اپنی اپنی جگہ مطالعہ کرکے آئیں اور پھر ایک مجلس میں جمع ہو کر یہ بتائیں کہ فلاں مخالف نے یہ اعتراض کیا ہے بجائے اس کے کہ یہ کہیں کہ مَیں یہ اعتراض فلاں مسئلہ پر کرتا ہوں۔ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب یا مولوی ابراہیم صاحب یا کسی اور مخالف کے اعتراض پیش کئے جائیں اور پھر سب مل کر جواب دیں اور خود اعتراض پیش کرنے والا بھی جواب دے تو یہ طریق بہت مفید ہو سکتا ہے۔ مگر ایسا نہیں کیا جاتا بلکہ ڈیبیٹوں کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور انگریزوں کی نقل کی جاتی ہے کہ "ہاؤس" یہ کہتا ہے۔ ہماری مجلسِ شوریٰ میں بھی یہ "ہاؤس" کا لفظ داخل ہو گیا تھا مگر مَیں نے تنبیہ کی۔ اس پر وہاں سے تو نکل گیا ہے مگر مدرسوں میں رواج پکڑ رہا ہے۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ اس طرح کہنے سے اس بات میں کونسا سرخاب کا پَر لگ جاتا ہے۔ سیدھی طرح کیوں نہیں کہہ دیا جاتا کہ جماعت کی یہ رائے ہے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ دماغ کو کُفر کی کاسہ لیسی میں لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے۔"[1]

[1] "الفضل" ۱۱؍مارچ ۱۹۳۹ء صفحہ ۸۔

حضور کے اس خطبہ کے بعد بعض مخلصین جماعت نے تقریری مقابلوں ہی کو سراسر ناجائز قرار دے لیا بعض لوگ یہ سمجھے کہ حضرت اقدس کی مباحثات سے مراد صرف ایسے مباحثات ہیں جن میں مذہبی مسائل زیر بحث لائے جائیں۔ دیگر مسائل پر مشتمل مباحثات قبیح اور ناپسندیدہ نہیں ہیں۔

اس پر پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد ایم۔ اے نے مزید وضاحت و راہ نمائی کے لئے حضرت امیر المومنین رضؓ کی خدمت اقدس میں حسب ذیل عریضہ تحریر کیا:۔

"پیارے آقا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ جامعہ احمدیہ کی طرف سے ایسے تقریری مقابلے کروائے جانے کا پروگرام مرتب کیا جا رہا ہے جس کے ماتحت مختلف اداروں سے مُقرِّر ایک ہی موضوع پر تقریر کریں۔ مثلاً دیانت و امانت موضوع رکھ دیا جائے جس پر تقریروں کے لئے مختلف اداروں کو دعوت دی جائے۔ چونکہ اس میں ایک پہلو پر تقریریں ہوں گی اس لئے اس میں مناظرہ کی صورت نہیں ہوگی۔

بعض اصحاب کا خیال ہے کہ حضور کے ایک گذشتہ خطبہ جمعہ کی روشنی میں ایسے مقابلوں کی بھی اجازت نہیں اس لئے حضور کی خدمت میں عاجزانہ درخواست ہے کہ حضور مطلع فرما دیں کہ اس قسم کے مقابلے حضور کے منشاء کے خلاف تو نہیں؟ بعض حلقوں میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضور کی مراد تو فقط مذہبی امور میں مناظروں کو بند کرنے سے ہے۔ سیاسی امور پر مناظرے حضور ناپسند نہیں فرماتے۔ بصد ادب عرض ہے کہ از راہِ شفقت اس پہلو پر بھی روشنی فرما دیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

حضور کا ادنیٰ غلام   خاکسار خالد   ۱۸ ۲/۳۹"

اس پر حضور نے اپنے قلم مبارک سے مندرجہ ذیل عبارت تحریر فرمائی:۔

"دونوں باتیں ایسی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ مختلف لوگوں کے ایک موضوع کی تائید میں مضمون لکھنا مباحثہ کس طرح ہو سکتا ہے اور جبکہ میں نے مثال ہی سیاسی مباحثہ کی دی تھی یعنی مخلوط انتخاب کی تو یہ کہنا کہ میری مراد سیاسی مباحثات سے نہیں ہے کسی احمق کا ہی خیال ہو سکتا ہے۔

مرزا محمود احمد" [1]

---

[1] "الفضل" ۱۶ احسان/جون ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۵۔

فصل دوم

حادثہ بھامڑی

اس سال کے آغاز میں حادثہ بھامڑی پیش آیا جس کے تفصیلی حالات حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ (ناظر ضیافت و ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ) کے قلم سے درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ حضرت میر صاحب تحریر فرمایا کہ:-

"شعبہ تبلیغ مقامی جماعت احمدیہ کا جب سے قیام ہوا ہے۔ اس کے افراد قانون رائج الوقت کی ہدایات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے چلے آئے ہیں۔ کیونکہ احمدی جماعت ایک تبلیغی جماعت ہے اور اس سلسلہ کی تاریخ انفرادی اور اجتماعی تبلیغی تقریبوں سے بھری پڑی ہے۔ احمدی جماعت کی تبلیغی مساعی کا ایک حصہ مقامی تبلیغ کے نام سے موسوم ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو علاقہ مرکزِ سلسلہ کے اردگرد واقع ہے اس کا حق ہے کہ اُسے خصوصیت سے تبلیغ کی جائے۔ اس کام کے انچارج جناب چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے اور نائب انچارج مولوی دل محمد صاحب مولوی فاضل ہیں۔ اس ادارہ نے علاوہ انفرادی تبلیغ کے اس سال کے لئے یہ سکیم تجویز کی کہ کم سے کم ہر ماہ کسی ایک گاؤں میں تبلیغی جلسہ ہو جایا کرے۔ چنانچہ ۱۹۴۳ء کے شروع سے اس سکیم کو عملی جامہ پہنایا گیا اور مجھ سے فرمائش کی گئی۔ کہ مَیں ان جلسوں کی صدارت کروں۔ چنانچہ میری صدارت میں ستکوہا، گھوڑیواہ، جاگووال، کھوکھر، اٹھوال اور قلعہ لال سنگھ میں جلسے ہو چکے ہیں۔ ایسے جلسوں کے انعقاد سے قبل اخبار "الفضل" میں ہمیشہ اعلان کر دیا جاتا رہا ہے کہ فلاں تاریخ فلاں جگہ جلسہ ہوگا۔ احباب اس میں شامل ہوں۔

بھامڑی کا جلسہ اور مخالفین کی مزاحمت

اس سکیم کے ماتحت ایک تبلیغی جلسہ موضع بھامڑی میں جو ایک بہت بڑا گاؤں قادیان سے پانچ میل کے فاصلہ پر جانبِ مشرق سری گوبند پور کے تھانہ میں واقع ہے تجویز کیا گیا۔ اس گاؤں میں ایک مخلص اور اہلِ علم احمدی گھرانہ ہے اور یہ گاؤں سکھوں اور مسلمان جاٹوں کی قریباً برابر آبادی پر مشتمل ہے اس جلسہ کے متعلق ۱۶؍ جون کے اخبار "الفضل" میں جو ۱۵؍ جون کو شائع ہوا تھا اعلان موجود ہے کہ ۱۷؍ جون کو یہ جلسہ ہوگا۔ چونکہ یہ موضع قادیان سے قریب ہے اور چونکہ مدرسہ احمدیہ دینی تعلیم کے لئے مقرر ہے اور طلباء کو تبلیغ کی عملی مشق کرانا بھی ہمارا فرض ہے۔ اس لئے مَیں نے بحیثیت ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ کے مدرسہ کی آرڈر بک میں درج کرکے یہ آرڈر جاری کیا کہ ہر طالب علم کے لئے اس جلسہ کی شمولیت ضروری ہے اور غیر حاضر طالب علم کو ۱۲؍ جرمانہ کیا جائے گا۔ چنانچہ ۱۷؍ جون کو صبح ۷ بجے مدرسہ کی گھنٹی بجائی گئی اور حاضری لے کر ہر جماعت کو ایک ایک اُستاد کی نگرانی

میں قطار وار موضع مذکور کی طرف روانہ کیا گیا۔ جب سب طلباء روانہ ہو گئے اور اُن میں کثرت کے ساتھ چھوٹے بچے اور حافظ کلاس کے نابینا بچے بھی شامل تھے تو مَیں خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب اور اپنے بچوں کو لے کر ٹانگہ میں سوار ہو کر روانہ ہوا۔ اور طلباء کے ساتھ آملا۔ اس وقت طلباء کی پہلی قطاروں کی طرف سے ایک طالب علم سائیکل پر آیا اور مجھے کہا کہ ہرچپو وال کے نہر والے پُل پر موضع بھامڑی کے بہت سے آدمی راستہ روکے کھڑے ہیں اور طلباء کو آگے جانے سے روکتے ہیں۔ مَیں نے اس طالب علم کو کہا کہ تم ابھی جا کر جناب سید ولی اللہ شاہ صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع دو۔ اور یہ کہہ کر مَیں ٹانگہ سے اُتر پڑا۔ اور مَیں نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ ہمارے طلباء پُل پر رُکے کھڑے تھے اور پُل کے سامنے راستہ روک کر موضع بھامڑی کے ۳۰۔۴۰ آدمی لاٹھیاں لے کر مشتعل صورت بنائے ہوئے اُونچی اُونچی آواز سے کہہ رہے تھے کہ ہم نے بھامڑی میں جلسہ نہیں ہونے دینا۔ اس مجمع میں بھامڑی کے مولوی محمد یعقوب اور اس کا بھائی محمد ابراہیم اور حاجی محمد حسین اور اس کا بھتیجا یحییٰ بھی موجود تھے جو سب مخالفینِ سلسلہ میں سے ہیں۔ مَیں خاموشی سے آگے بڑھا اور لڑکوں کو کہا کہ تمام طلباء چار چار افراد کی قطار میں ہو کر خاموشی اور امن کے ساتھ بھامڑی کی طرف چل پڑو۔ یہ دیکھ کر مجمع کے لوگ اعلان کے طور پر کہنے لگے کہ اچھا چلو گاؤں چلتے ہیں وہاں جا کر دیکھتے ہیں کہ یہ جلسہ کس طرح کرتے ہیں۔ اب فساد ہی ہو گا۔ یہ کہہ کر وہ مختلف فقروں میں فساد کا لفظ دُہراتے ہوئے موضع بھامڑی کی طرف بجائے راستہ پر جانے کے کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے چل پڑے اور مَیں طلباء کو لے کر راستہ پر چل پڑا۔ مَیں نے علاوہ خاموش رہنے کی ہدایت کے یہ بھی حکم دیا تھا کہ کوئی طالب علم کسی شخص کی طرف نہ دیکھے اور ہم سب نظریں سامنے رکھ کر چل پڑے۔ چنانچہ قطار وار آہستہ آہستہ طلباء روانہ ہوئے۔ جب ہم موضع بھامڑی میں پہنچے تو گاؤں سے باہر کھڑے ہو کر میری اقتداء میں سب نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی کہ اے خدا ہمیں خیر و عافیت اور عزت اور امن و سلامتی سے توفیق دے کہ ہم تیرا پیغام اس گاؤں تک پہنچا سکیں۔ دُعا کے بعد پھر ہم گاؤں کے اندر داخل ہوئے۔ راستہ میں گاؤں کے ساتھ ایک سایہ دار افتادہ کھُلی جگہ میں ایک بڑا مشتعل گروہ کھڑا تھا جو کہ ہمارے راستہ کے عین دائیں طرف تھا۔ گذرتے وقت طلباء نے اس مجمع کی طرف عجوبہ کے رنگ میں نظر کی تو مَیں نے سختی سے کہا کہ خبردار کسی شخص کی طرف نظر نہ کرو۔ یہ گروہ جو اُن لوگوں پر بھی مشتمل تھا جنہوں نے ہم کو نہر پر روکا تھا اُونچی اُونچی آواز سے کہہ رہا تھا کہ ہم نے جلسہ نہیں ہونے دینا۔ نہیں ہونے دینا۔ ہم وہاں سے گذر کر اس مکان میں داخل ہوئے جہاں جلسہ تجویز ہوا تھا۔

جلسے کے انعقاد میں روکاوٹیں

یہ مکان ایک غیر احمدی کا تھا جو اس احمدی گھرانے کے قریبی رشتہ داروں

میں تھا جو موضع بھاڑی میں رہتا اور وہاں کا باشندہ ہے۔ ہمارے والنٹیرز نے اس مکان کی چھت پر سائبان لگایا۔ میز اور کرسیاں رکھیں اور قریب تھا کہ میں تلاوت اور نظم کے بعد جلسہ کی کارروائی شروع کرتا کہ میں نے دیکھا کہ ارد گرد کی متصل چھتوں پر غیر احمدی نوجوان چڑھنے شروع ہوئے ہیں اور ان کی طرز سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہم کو گھیرنا چاہتے ہیں اور جلسہ میں مزاحم ہونا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس مکان کے مالک کو بُلا کر دھمکایا گیا۔ وہ شخص باوجود اس کے کہ وہ ایک احمدی کا بھتیجا تھا گاؤں والوں سے ڈر گیا۔ . . . اور اس نے آکر مجھے کہا کہ آپ یہاں جلسہ نہ کریں۔ میں نے کہا کہ تم نے خود ہمیں اجازت دی تھی اب یہ اجازت واپس کیوں لیتے ہو۔ وہ کہنے لگا۔ کہ کیا کروں مجھے طاقت نہیں کہ گاؤں والوں کا مقابلہ کروں۔ میں نے کہا کہ بہت اچھا۔ یہ کہہ کر میں نے طلباء سے کہا کہ یہاں سے سائبان اکھیڑ لو۔ میز اور کرسیاں اور صفیں لے چلو۔ اس کے بعد ہم اس احمدی گھر میں گئے جو اکیلا اُس گاؤں میں تھا۔ یہ مکان بہت تنگ تھا مگر مجبوراً اُس میں جلسہ کیا گیا اور چھت پر سائبان لگایا گیا اور نیچے سخت گرمی میں ہمارے آدمی بیٹھ گئے اور جلسہ شروع ہوا۔ یہاں پہنچ کر مجھے رپورٹ دی گئی کہ صبح کو ہم سے پہلے بھی دو موقعوں پر گاؤں والوں نے جلسہ کے منتظمین سے مزاحمت کی۔ ایک اس وقت جبکہ مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب مولوی فاضل ٹانگہ میں بیٹھ کر اور سائبان وغیرہ سامان لے کر بھاڑی روانہ ہوئے تو ہرچووال کے پل پر اس مجمع نے جس نے ہم کو روکا تھا اُن کے ٹانگہ کو بھی روکنا چاہا۔ مگر وہ کسی نہ کسی طرح اُن سے چھوٹ کر گاؤں میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح جب وہاں کے احمدی خاندان نے ایک مقامی باورچی کو کھانا پکانے پر مقرر کیا تو گاؤں والوں نے اُسے اس کام سے روک دیا۔ پھر جب لنگر خانہ کے باورچی میاں مولا بخش صاحب کام کرنے لگے تو گاؤں والوں نے انہیں مارنا چاہا۔ انہوں نے اپنی ٹوپی اُتار کر اپنا سر ان کی طرف کر دیا کہ لو مار لو مگر مجھے کھانا پکانے دو۔ بلکہ یہانتک سُنایا گیا ہے کہ جب صبح کے وقت ایک کنسٹیبل جس کا نام احمد حسین بتایا جاتا ہے بغیر وردی کے ہرچووال کے پُل پر سے گذرنے لگا تو اُسے بھی احمدی سمجھ کر روکا گیا مگر جب اس نے اپنی اصلیت ظاہر کی تب وہ گذر سکا۔ غرض مزاحمت کا سلسلہ صبح سے شروع تھا بلکہ جیسا کہ آگے چل کر ظاہر ہوگا اس سے بھی پہلے سے۔

ہمارے جلسہ کے مقابل مخالفین کا جلسہ بالآخر جب ہم نے مقامی احمدیوں کے مکان پر جلسہ شروع کیا۔ اور تلاوتِ قرآن کریم اور نظم کے بعد میں نے افتتاحی تقریر کی کہ مذہبی جماعتوں کو کبھی ہمت نہ ہارنی چاہیئے اگر کسی جلسہ میں ایک شخص بھی تقریر سُننے کے لئے نہ آئے تو یہ نہ سمجھا جائے کہ جلسہ ناکام رہا۔ کیونکہ کامیابی اور ناکامی کا معیار یہ ہے کہ ہم نے نیک نیتی اور حسنِ عمل کے ساتھ کام کیا ہے یا نہیں۔ اگر ہم نیت نیک رکھیں اور اپنی طرف سے کلمۂ حق سُنانے

میں کوشاں رہیں تو ہم کامیاب ہیں۔ خواہ کوئی سُنے یا نہ سُنے۔ پس ہم نیک نیتی سے آئے اور حُسنِ عمل کرتے ہوئے آئے۔ ہمدردی سے آئے۔ محض گاؤں والوں کی خیر خواہی سے، اور جب ایک جگہ جلسہ کرنے لگے تو ہمیں لوگوں نے روک دیا ہم تمام سامان وغیرہ لے کر یہاں آ گئے۔ اب ہم جلسہ شروع کرتے ہیں۔ خواہ کوئی سُنے یا نہ سُنے۔ اس پر جلسہ شروع ہوا۔ شروع میں میرے لڑکے محمود احمد نے تقریر کی اور پھر مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر نے تقریر کی۔ ابھی وہ پندرہ بیس منٹ ہی بول سکے تھے کہ یکدم ہماری چھت کے بالکل متصل چھت پر چند غیر احمدی چڑھنے شروع ہو گئے۔ اور مولوی محمد یعقوب بھامڑی والا ایک سائبان لے کر آیا اور جلدی سے سب نے مل کر سائبان لگایا۔ اور میز اور کرسی لگا کر فیض اللہ سُنانہ صدر بنا اور ایک شخص نے تلاوتِ قرآن مجید شروع کی۔ اس پر باوجود اس کے کہ ہمارے لئے شرعاً ایسا کرنا ضروری نہ تھا۔ میرے کہنے سے مولوی مبشر صاحب نے تلاوت کے احترام میں تقریر بند کر دی اور اُونچی آواز سے کہا کہ قرآن مجید پڑھا جا رہا ہے اس لئے میں تقریر بند کرتا ہوں۔ غیر احمدی تلاوت کنندہ دیر تک تلاوت کرتا رہا۔ جب وہ تلاوت ختم کر چکا تو ہمارے ایک آدمی نے تلاوت شروع کی اور پھر نظم شروع کی گئی۔ اور جب پھر مولوی صاحب تقریر شروع کرنے لگے تو غیر احمدیوں نے نعرے لگانے شروع کئے اور چونکہ وہ بالکل متصل چھت پر تھے اور دونوں چھتوں کے درمیان کوئی منڈیر بھی نہ تھی اس لئے ان نعروں کی وجہ سے ہماری تقریر کا ایک لفظ بھی سُنا نہ جا سکتا تھا۔ اس پر جلسہ کی کارروائی بند ہو گئی۔ اور ہمارے دوست صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وغیرہ وغیرہ نظمیں پڑھنے اور اللہ اکبر وغیرہ نعرے لگانے لگے۔

پولیس افسر کا عجیب فیصلہ

اتنے میں سُنایا گیا کہ سری گوبند پور کے اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس موقع پر پہنچ گئے ہیں (دو پولیس کانسٹیبل پہلے پہنچ چکے تھے) اس عرصہ میں قادیان سے جناب سید ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے اس پولیس افسر کی طرف رقعہ لکھا کہ ہمارا جلسہ شروع تھا اور وہ بھی احمدی کے مکان پر مگر غیر احمدیوں نے بالکل متصل جلسہ شروع کر کے ہماری کارروائی کو بند کر دیا ہے۔ اس کا انسداد کیا جائے۔ اس درخواست کی دو کاپیاں تھیں کہ ایک پر رسیدی دستخط کر کے واپس کر دی جائے۔ مگر اسسٹنٹ سب انسپکٹر صاحب نے ہمارا رقعہ تو لے لیا مگر رسید دینے سے انکار کیا۔ پھر دوبارہ رقعہ لکھ بھیجا۔ اور پھر تیسرا رقعہ بھیجا گیا جس میں چند مفسدین کے سرغنوں کے نام بھی تھے۔ اس وقت سب اسسٹنٹ انسپکٹر ہمارے جلسہ میں تشریف لائے اور ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور غیر احمدیوں کو بُلایا جس پر اُن کے چند آدمی آئے جن میں   نام کشمیری ساکنہ قادیان بھی تھا جو کہ ایک مقدمہ میں زیر ضمانت ہے۔ اسسٹنٹ سب انسپکٹر نے کہا کہ احمدیوں کا جلسہ پہلے سے

شروع ہے پھر تم یہاں کیوں جلسہ کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے ان کا جلسہ یہاں نہیں ہونے دینا۔ غرض دیر تک بحث اور ردّ و کد ہوتا رہا۔ آخر ان کا اصرار اور ضد دیکھ کر اور ہماری شرافت سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اسسٹنٹ سب انسپکٹر صاحب نے ہمیں کہا کہ آپ ہی کسی اَور جگہ جلسہ کر لیں۔ حالانکہ ہمارا جلسہ پہلے سے شروع ہو چکا تھا۔ اور جس مکان پر ہم جلسہ کر رہے تھے وہ ایک احمدی کا مکان تھا اور سائبان وغیرہ لگانے کی زحمت ہم برداشت کر چکے تھے۔ اور جلسہ شروع تھا۔ مگر پھر بھی ہم نے اسسٹنٹ سب انسپکٹر صاحب سے کہا کہ بہت اچھا آپ ہمیں کوئی اَور جگہ دیدیں ہم وہاں جلسہ کر لیں گے۔ اس پر وہ اُٹھ کر جگہ کی تلاش میں گئے۔ اور مخالف بدستور نعرے لگاتے رہے۔ جن میں احمدیت مردہ باد کے نعرے بھی تھے۔ اسسٹنٹ سب انسپکٹر صاحب کے ساتھ مولوی دل محمد صاحب گئے۔ پہلے اسسٹنٹ سب انسپکٹر صاحب نے ایک ایسی جگہ دکھلائی جو گندی اور بو سے اَٹی پڑی تھی۔ پھر جب ایک سکھ نے بطور خود کہا کہ ہمارے گوردوارہ کے پاس بڑ کے نیچے جلسہ کر لیا جائے تو سب انسپکٹر صاحب نے اس کی تائید کی جس پر مولوی دل محمد صاحب نے وہ جگہ صاف کروائی اور ہم کو اطلاع دی۔ ہم نے اپنا سامان صفوں وغیرہ کو اُٹھا لیا اور اُس بڑ کے نیچے جو گوردوارہ کے پاس تھا جلسہ شروع کیا۔

جب ہم اپنا سامان اٹھا کر نئی جگہ جانے لگے تو مخالفوں نے تالیاں بجائیں اور نعرے لگائے کہ گویا احمدی شکست کھا کر یہاں سے جا رہے ہیں۔ گوردوارہ میں جو کنواں تھا ہم اس سے پانی پینے لگے تو ہمیں پانی پینے سے روک دیا گیا اور غیر احمدیوں کی دھمکی سے گوردوارہ والے بھی متاثر ہوئے۔ اتنے میں ایک ہندو پرشوتم داس نے جو ڈی۔ اے۔ وی سکول قادیان کا طالب علم رہ چکا تھا اور ہمارے مدرسہ کے طلباء سے میچ وغیرہ کھیلنے کے سلسلہ میں ملاقات کی راہ و رسم رکھتا تھا۔ کہا کہ آپ ہمارے کنوئیں سے پانی لے سکتے ہیں۔ مگر بالآخر بعض لوگوں کے زور دینے پر گوردوارہ سے پانی ملنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد پھر گاؤں والوں نے گوردوارہ والوں پر زور ڈالنا شروع کیا کہ یہاں جلسہ نہ کرنے دیا جائے۔ چنانچہ سکھوں کی دو پارٹیاں ہو گئیں اور وہ آپس میں جھگڑنے لگے۔ مگر اکثریت ہمارے مخالفوں کی تھی۔ یہانتک کہ گوردوارہ والوں نے ڈر کر اسسٹنٹ سب انسپکٹر صاحب سے کہا کہ ہمیں لوگ تنگ کرتے ہیں اس لئے ہم جلسہ نہیں ہونے دیں گے۔ مگر چونکہ وہ اسسٹنٹ سب انسپکٹر کے سامنے جگہ دے چکے تھے اس لئے اس نے کسی طرح انہیں تسلی دی اور جلسہ شروع رہا۔ جلسہ کے دوران میں لوگ اُٹھ کر باری باری کھانا کھانے لگے اور تقریریں جاری رہیں۔ اس عرصہ میں ناظر صاحب امور عامہ اور خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب سیٹھ پرشوتم داس کی دعوت پر اس کے ہاں چائے پینے چلے گئے۔

جلسہ کا اختتام اور بعد کے واقعات | پانچ بجے کے قریب جب جلسہ ختم ہوا تو میں نے اعلان کیا کہ ہم ہرچووال کی نہر پر پہنچ کر اکٹھے نماز پڑھیں گے۔ اس پر لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ایک راستہ کی طرف رُخ کیا۔ اس وقت جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے بعض مقامی لوگوں نے ہمارے بعض آدمیوں سے کہا کہ اس راستہ سے نہ جائیں بلکہ دوسرے راستہ سے جائیں جس پر ہمارے لوگوں نے اس مشورہ کو نیک نیتی کا مشورہ سمجھ کر اُسے اختیار کر لیا۔ مگر یہ راستہ لمبا اور پیچیدہ ثابت ہوا۔ اور ہمیں بالآخر ساجیوں کی حویلی کے سامنے لے آیا۔ جہاں بہت سے مخالفین بدنیتی کے ساتھ جمع تھے۔ روانہ ہونے سے پہلے میں اپنا سامان درست کروانے لگا تاکہ سامان ٹانگہ پر رکھا جائے۔ اتنے میں بہت سا حصہ لوگوں کا روانہ ہو چکا تھا کہ میں بھی روانہ ہوا۔ میرے پیچھے چالیس پچاس لوگ ہوں گے باقی سب آگے تھے۔ راستہ میں سیٹھ پرشوتم داس کا مکان تھا۔ وہاں سے خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب اور سید ولی اللہ شاہ صاحب بھی ساتھ ہو لئے۔ اور ہم باتیں کرتے ہوئے اطمینان سے واپس چلنے لگے۔ ہمارے آگے پیچھے سے صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وغیرہ کی آوازیں آ رہی تھیں اور لوگ اطمینان سے واپس آ رہے تھے۔ اس جگہ میں ایک نقشہ دیتا ہوں جس سے احباب معلوم کر لیں گے کہ بعد کے واقعات کس طرح رُونما ہوئے۔

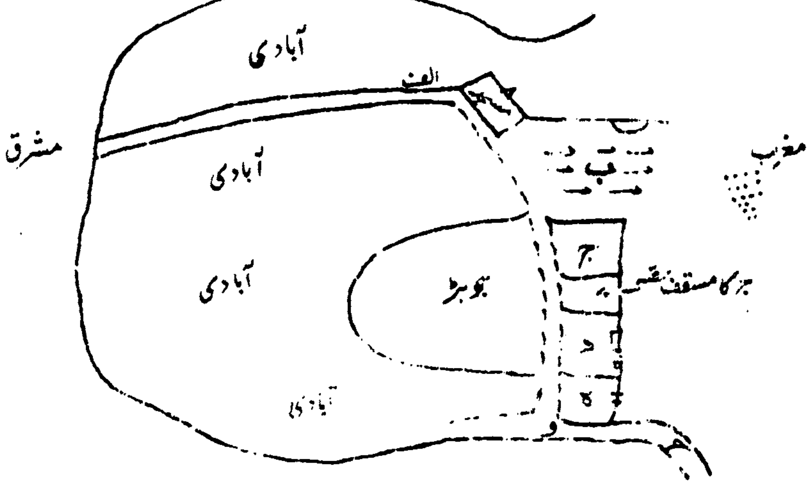

مخالفین کے ہجوم کی طرف سے شدید خشت باری | ہمارے لوگوں کا اگلا حصہ الف نام گلی سے نکل کر کھلے راستہ میں ہو کر ب شاب اور ج کے درمیان سے گذر کر د سے گذرا۔ اور د سے ہوتا ہوا ھ تک جو کہ قادیان کی طرف جانے کا راستہ ہے پہنچ گیا۔ اگلے حصہ میں دیہات کے مضبوط اور صحت مند آدمی تھے۔ مولوی دل محمد صاحب بھی اس حصہ میں جا رہے تھے جب ہمارے لوگوں کا پچھلا حصہ جس میں زیادہ تر چھوٹے لڑکے اور قادیان کے مدارس کے

طالب علم اور بوڑھے اور کمزور لوگ تھے ج نام حویلی کے سامنے جو حاجیوں کی حویلی کہلاتی ہے، قریب پہنچا۔ تو وہاں دو سو کے قریب مخالفین جمع تھے۔ چونکہ یہ مکان زیر تعمیر ہے اس لئے کم سے کم پانچ چھ ہزار کچی اینٹیں وہاں ڈھیر کی صورت میں رکھی تھیں۔ یہ لوگ احمدیت مُردہ باد کے نعرے لگا رہے تھے کہ اتنے میں نامی حاجی نے جو بھامڑی کے مخالفوں کا سرغنہ ہے تالی بجائی اور ہجوم نے سامنے راستہ پر چلنے والے احمدیوں پر اچانک خشت باری شروع کر دی۔ میں اس وقت الف مقام پر نہیں پہنچا تھا۔ اس لئے خشت باری کی ابتدا میں نے نہیں دیکھی۔ مگر جب میں الف کے مقام پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ حویلی ج سے ایک وقت میں سو سو اینٹیں سڑک پر ہمارے لوگوں پر پڑ رہی ہیں۔ خشت باری کیا تھی، اینٹوں کی موسلا دھار بارش تھی اور ٹڈی دل کی صورت میں فضا غبار آلود ہو رہی تھی۔ میرے ساتھ خانصاحب فرزند علی صاحب تھے۔ میرا لڑکا محمود احمد جس کی عمر ۱۳ سال ہے ذرا آگے تھا۔ سید ولی اللہ شاہ صاحب ذرا اور پیچھے تھے۔ میں نے جب اینٹوں کی بارش دیکھی تو میں دوڑ کر اینٹوں کی بوچھاڑ میں سے گذرتا ہوا حویلی ج کے کوٹھے کے سامنے کھڑا ہو گیا اور ایک لکیر کھینچ کر بڑے زور دارانہ لہجہ میں آگے گذرے ہوئے لوگوں کو واپس لوٹنے سے روک کر کہا کہ خبردار کوئی احمدی اس لکیر سے آگے نہ بڑھے۔ میرے ہاتھ میں چھتری تھی۔ مجھے دیکھ کر مخالفوں نے خشت باری زیادہ کر دی اور چھت پر بھی چند آدمی چڑھ گئے اور مکان کے نو تعمیر ہونے کی وجہ سے جو ملبہ وہاں پڑا تھا وہ اُوپر سے مجھ پر پھینکنے لگے۔ چنانچہ ایک شکستہ گھڑا مجھ پر پھینکا گیا۔ مگر خدا کا فضل رہا کہ مجھے باوجود اس کے کہ میں عین نیچے کھڑا تھا ایک ٹکڑا بھی نہیں لگا۔ حالانکہ میرے پاس جو لوگ کھڑے تھے وہ زخمی ہوئے۔ وہاں پہنچ کر جو نظارہ میں نے دیکھا وہ یہ تھا کہ اس وقت مجھے مخالف اور اُن کی اینٹیں یُوں معلوم ہوتی تھیں کہ جیسے مکھیاں بھنک رہی ہوں۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ میں اس وقت اپنی ذاتی حیثیت میں نہ تھا بلکہ مَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ۔ میں اس وقت خلیفۂ حق کا نمائندہ اور اس کی جماعت کا امیر تھا۔ غرض میں نے تمام مجمع کو واپس لوٹنے سے روک کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا۔ اب مجھے فکر ہوئی کہ شاہ صاحب اور خانصاحب کہاں ہیں؟ یہاں پر احباب نقشہ کو دیکھیں اور غور فرمائیں۔ جیسا کہ میں اُوپر لکھ آیا ہوں کہ میں راستہ چلنے والے احباب کے پچھلے حصہ میں تھا۔ میرے پیچھے چالیس پچاس کے قریب دوست ہوں گے جب یہ لوگ الف مقام پر پہنچے تو انہوں نے (ج) کے سامنے خشت باری دیکھی تو وہ بجائے اس کے کہ خشت باری کے سامنے سے گذر کر ہمارے پاس آجاتے وہ سامنے اینٹوں کی بارش دیکھ کر اور پہلو میں ایک کھلا میدان ایک طرف ہو کر نکل جانے کا پا کر اپنے بائیں جانب مُڑ کر (ب) کی طرف گھوم گئے اور غالباً گھبراہٹ سے بجائے اکٹھے

چلنے کے منتشر سورت میں چلنے لگے۔

چونکہ دشمنوں کا مقام (ج) سے اینٹیں مارنے کا بڑا مقصد بھی یہ تھا کہ وہ ہمارے پچھلے حصّہ کو ہم سے جُدا کر دیں اس لئے جب ہمارے پیچھے یہ چالیس کے قریب لوگ بائیں طرف مُڑے اور خشت باری کے مقام سے کترا گئے اور ہم سے کٹ گئے تو مخالفین فوراً حویلی میں سے باہر کُود کر نکل آئے اور لاٹھیوں کرپانوں اور تلواروں سے اُن کو گھیر کر بُری طرح زخمی کیا۔ چنانچہ میرے بالکل پیچھے جناب خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب تھے۔ یہ جب خشت باری دیکھ کر میرے پیچھے پیچھے آنے لگے تو انہیں دو اینٹیں لگیں۔ اس پر یہ بائیں جانب مُڑ کر اور کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے (ح) کی طرف جا کر ڈانگوں تک پہنچ گئے۔ اُن کے پیچھے جناب سیّد ولی اللہ شاہ صاحب تھے۔ جب وہ الف کے مقام پر پہنچے تو آگے اینٹوں کی بارش دیکھ کر مقام (ب) کی طرف مُڑے۔ اُن کے ہمراہ اُن کا تیرہ سالہ لڑکا بھی تھا۔ شاہ صاحب نہایت ثبات قلب کے ساتھ آہستہ آہستہ جا رہے تھے کہ گاؤں والوں نے اُنہیں گھیر لیا اور ڈانگوں سے حملہ کر دیا۔ پہلے تو شاہ صاحب ہاتھوں پر روکتے رہے مگر جب کندھوں اور کمر پر لاٹھیوں سے زور سے چوٹیں لگیں تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ مگر ان کے گر جانے پر بھی لوگ مارتے رہے۔ شاہ صاحب کے جسم پر ایک نشان تلوار کی ضرب کا بھی معلوم ہوتا ہے گو خدا کے فضل سے اس نے کاٹا نہیں۔ ان کے بچے کو بھی چوٹ لگی اور وہ بھی شاہ صاحب پر گر کر رونے لگا۔ اسی طرح بقیہ لوگ جب منتشر ہو کر بجائے اس کے کہ ہم کو آ ملتے بائیں طرف مُڑے تو گاؤں والوں نے انہیں الگ الگ اور منتشر پا کر کسی کو کرپان تلواروں سے کسی کو ڈانگوں سے غرض مختلف طریقوں سے سخت زخمی کیا۔ مگر اس سارے عرصہ میں ہم کو جو کہ مقام (ج) اور مقام (د) کے سامنے کھڑے تھے بالکل معلوم نہ تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل تھے۔ لیکن جب مَیں نے اپنے احمدیوں کو پُرسکون مجمع کی صورت میں کھڑا کر لیا تو اب شاہ صاحب اور خان صاحب کا خیال آیا۔ اتنے میں اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس بھی میرے پاس آ پہنچا۔ مَیں نے اُسے غصّے سے کہا کہ دیکھو اتنے لوگ کھڑے ہیں اور ہم پر اتنا ظلم ہوا ہے۔ یہ لوگ اگر دفاع کرتے تو ان مخالفوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے مگر مَیں نے ان کو روک رکھا ہے لیکن آپ نے گاؤں والوں کو روکا تک نہیں۔ وہ شرمندگی کے لہجہ میں کہنے لگا کہ مَیں کیا کروں۔ میرے پاس سپاہی نہیں صرف تین چار آدمی ہیں۔ مَیں کس طرح اس مجمع کو روک سکتا تھا۔ اتنے میں شاہ صاحب اور خانصاحب کی تلاش کے لئے مَیں خود چل پڑا کہ مجھے جامعہ احمدیہ کے طلبہ نے گھیرا ڈال کر روک لیا کہ آپ نہ جائیں۔ اس پر اسسٹنٹ سب انسپکٹر نے کہا کہ مَیں شاہ صاحب کا پتہ لیتا ہوں۔ یہ وہ وقت

تھا کہ ہمارے گروہ کے پچھلے لوگ بسبب منتشر ہو جانے کے گاؤں والوں کے ہاتھوں سے پٹ رہے تھے نقشہ میں جو کھیتوں اور مقام ب کے پیچھے نقطے دیئے گئے ہیں یہ وہ احمدی لوگ ہیں جو منتشر ہونے کی وجہ سے گاؤں والوں نے گھیر کر زخمی کر دیئے۔ یہ حالت جاری تھی اور ہمارے آدمی پٹ رہے تھے اور ہم کو معلوم نہ تھا کہ یکدم . . . . . . ایک جاوی طالب علم احمد رشدی . . . . نے شور مچا کر کہا کہ ہمارے آدمیوں کو گاؤں والوں نے گھیر لیا ہے اور انہیں مار رہے ہیں۔ اس پر ہمارا مجمع جسے میں نے روکا ہوا تھا قریباً ڈیڑھ سو آدمی . . . . اپنے آدمیوں کی حفاظت کے لئے بے تحاشا کھیتوں میں پہنچا۔ ان کو دیکھ کر وہ مخالف جو احمدیوں کا تعاقب کر کے انہیں زخمی کر رہے تھے مقام ب کی طرف واپس بھاگے۔ یہ دیکھ کر اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ شاید یہ افواہ غلط ہو کہ ہمارے آدمی زخمی ہوئے ہیں . . . . . میں نے بلند آواز سے لوگوں کو واپس بلانا شروع کیا کہ واپس آؤ۔ واپس آؤ۔ اس پر اس مجمع میں سے مختلف احمدی میرا نام لے کر احمدیوں کو بلانے لگے کہ میر صاحب بلاتے ہیں۔ واپس آؤ۔ واپس آؤ۔ غرض بڑے زور سے میں نے مجمع کو واپس بلایا جو پھر . . . . میرے پاس پہنچ گئے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ ہمارے بعض آدمی اپنے زخمیوں کو اٹھا کر مقام ح میں موٹر اور ٹانگوں کے پاس لے آئے ہیں۔ ان زخمیوں میں سے دو شخصوں کے سائیکل بھی مخالف چھین کر لے گئے۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کو چوٹ لگی ہے اور وہ بے ہوش ہو گئے تھے مگر اب ہوش میں ہیں اور ہمارے لوگ ان کو مقام ح تک لے آئے ہیں تو میں مقام ح تک تمام مجمع کو لے آیا۔ یہاں پر تمام زخمی موٹر اور ٹانگہ میں بٹھا دیئے گئے اور ہم مقام ح سے چل کر قادیان روانہ ہوئے۔

اس وقت اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ مقام ب سے چار پانچ سو آدمیوں کا مجمع جو کہ سب کا سب لاٹھیوں، ٹکوؤں، چھویوں اور تلواروں سے مسلح تھا اور جس میں مسلمانوں کے علاوہ سکھ بھی تھے نہایت تیزی سے ہماری طرف نعرے لگاتا اور چیلنج کرتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ یہ گویا دوسرا حملہ تھا۔ یہ مجمع ایسا خوفناک تھا کہ میں نے دیکھ کر اس وقت یہ یقین کر لیا کہ ہم وہاں سے زندہ بچ کر نہیں جا سکتے کیونکہ ہمارا مجمع غیر مسلح تھا۔ صرف تین یا چار فیصدی کے پاس لاٹھیاں تھیں۔ باقی سب نہتے تھے۔ مجمع میں نہایت خورد سال عمر کے بہت سے بچے تھے حتیٰ کہ آٹھ نو نابینا بچے بھی تھے۔ بوڑھے اور معذور اور کمزور لوگ بھی تھے۔ یہ مجمع دیکھ کر ہمارے بعض نوجوان بالخصوص جامعہ احمدیہ کے طالب علم دفاع کے خیال سے آگے بڑھے اور خدا نے انہیں قوت بخشی کہ وہ موت کے منہ میں جانے کے لئے تیار ہوئے۔ مگر میں نے آگے بڑھ کر ان کو روکا اور واپس لے آیا۔ اس وقت میرے پاس اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس

آیا کہ آپ اپنے آدمیوں کو راستہ راستہ لے چلیں۔ مَیں اس مجمع کو روکتا ہوں۔ مَیں نے آواز دے کر سب کو واپس چلنے کو کہا اور سب کو لے چلا اور جب مُڑ کر مَیں نے دیکھا تو یہ نظارہ نظر آیا کہ اسسٹنٹ سب انسپکٹر صاحب معہ سپاہیوں کے مخالفوں کے مجمع کی طرف آگے بڑھا ہے اور جیسا کہ بعض لوگوں نے مجھے بتایا ہے کہ اس موقع پر پولیس نے مخالفین پر لاٹھی چارج بھی کیا۔ بہرحال مَیں نے دیکھا کہ لوگ واپس بھاگ رہے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ یہ لاٹھی چارج کا نتیجہ تھا یا یہ کہ کوئی اَور بات تھی۔ بہرحال مَیں اپنے سب آدمیوں کو لے کر واپس قادیان روانہ ہوا۔ اور زخمیوں کو ہرچووال کی ڈسپنسری میں بھیج دیا۔ نہر پر پہنچ کر مولوی دل محمد صاحب کو کہا کہ آپ تمام مجمع کو نماز پڑھا کر قادیان لے جائیں اور خود موٹر میں جو مجھے ہاسپیٹل سے شاہ صاحب نے بُلانے کے لئے بھیجی تھی بیٹھ کر ہرچووال کی ڈسپنسری میں پہنچا۔ وہاں ڈاکٹر انچارج موجود نہ تھا۔ ایک کمپاؤنڈر تھا جس نے ایک مضروب احمد دین کی پٹی کی۔ باقیوں کو موٹر اور ٹانگہ میں واپس قادیان لے آیا اور فوراً ہسپتال میں داخل کرا دیا۔

پولیس کی کارروائی اور بعد کے حالات اسی رات قادیان میں پولیس پہنچی اور صبح کے چار بجے کے بعد نورؔ ہاسپیٹل میں زخمیوں کے بیانات لئے گئے۔ دوپہر کو سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی پہنچ گئے۔ اور قادیان کی پولیس چوکی میں خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب کے اور میرے بیانات ہوئے۔ پھر ہم موضع بھاڑی سپرنٹنڈنٹ صاحب کے ساتھ گئے اور انہیں موقع دکھلایا۔ وہاں بھی مخالف پارٹی کے تین اشخاص کے بیان قلمبند کئے گئے۔ پھر مورخہ ۲۵ ۶/۳۴ کو سری گوبندپور کے تھانہ دار صاحب نے قادیان آکر مجھ سمیت سولہ اشخاص کے چالان کی غرض سے حاضری عدالت کی ضمانتیں لیں۔

یہ ہیں مختصر سے کوائف اس جلسہ کے۔ اب معاملہ بظاہر عدالت انگریزی کے ہاتھ میں اور بباطن عدالتِ عالیہ سماویہ کے قبضہ میں ہے۔ وہی کچھ ہوگا جو آسمان پر مقدر ہے کیونکہ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ پر ہم ایمان لانے والے ہیں۔ ہماری دُعا یہی ہے کہ ہمارے لئے وہی ہو جو ہمارے حق میں خیر اور بہتر ہو۔ ان مسلسل واقعات کی لڑی کے علاوہ بعض اور باتیں احباب کی واقفیت کے لئے بیان کر دیتا ہوں۔

(۱) جب ۱۷ جون کو ہمیں ہرچووال کی نہر کے پُل پر بھاڑی والوں نے جانے سے روکنے کی کوشش کی تو مَیں نے ناظر صاحب امور عامہ کو اطلاع کے لئے دو سائیکلسٹ یکے بعد دیگرے بھیجے تو ناظر صاحب امور عامہ نے ایک تار گورداسپور میں دن کے دس بجکر دس منٹ پر سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس اور ایک خط سائیکلسٹ کے ہاتھ سری گوبندپور کے تھانیدار صاحب کو بھیجا کہ وہاں کے لوگ فساد پر آمادہ ہیں انہیں روکا جاوے۔

(۲) اس سے قبل   نے ہمارے جلسہ کا اعلان الفضل میں پڑھنے کے بعد ۱۶ ؍جون کو اپنے بورڈ پر قادیان میں اعلان کیا کہ بھاڑی میں ہم بھی ۱۷؍جون کو جلسہ کریں گے۔

(۳) جلسہ سے ایک روز قبل   کے بورڈ کی اطلاع پا کر جناب چودھری فتح محمد صاحب انچارج مقامی تبلیغ نے مولوی احمد خان صاحب نسیم کو اور مولوی عبدالعزیز صاحب سکنہ بھاڑی کو سری گوبند پور کے تھانیدار کے پاس رپورٹ دینے کے لئے بھیجا کہ بھاڑی والے فساد پر آمادہ ہیں مگر افسوس کہ تھانیدار صاحب نے یہ رپورٹ روزنامچہ میں درج نہیں کی۔

(۴) جب مَیں سپرنٹنڈنٹ صاحب کے سامنے بیان دے چکا تو ڈی۔ ایس۔ پی صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ میر صاحب آپ یہ فرمادیں کہ جب آپ کا جلسہ ختم ہو چکا تو پھر بھاڑی والوں نے فساد کیوں کیا؟ اگر ان کی فساد کی نیت ہوتی تو جلسہ کے دوران میں کرتے۔ مَیں نے کہا کہ یہی موقعہ تو فساد کا تھا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہم جلسہ کر سکیں اور ہمارے جلسہ کو روکنا چاہتے تھے۔ مگر جب ہم جلسہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انہیں اپنی ناکامی کی وجہ سے اشتعال پیدا ہوا۔ اور انہوں نے اس کا انتقام فساد کے ذریعہ لیا۔

(۵) ایک بات مَیں نے سپرنٹنڈنٹ صاحب اور ڈی۔ ایس۔ پی صاحب کو یہ کہی تھی کہ آپ یہ نقطہ خیال کبھی نہ بھولیں کہ اگر ہماری طرف سے اشتعال دلایا گیا اور فساد ہوا تو عجیب بات ہے کہ ہم لوگ ایک لمبا فاصلہ گاؤں کے اندر رہ کر کرتے رہے مگر انہیں اشتعال نہ آیا۔ مگر جب ہمارے لوگ اور وہ بھی طالب علم اور بچے اس حویلی کے پاس سے گذرے جہاں پر بہت سی اینٹیں ڈھیر کی صورت میں جمع تھیں اور جہاں ہمارے مخالفین دو سَو کی تعداد میں جمع تھے وہاں کیوں اشتعال آگیا۔ مَیں نے کہا۔ آپ یہ سوچیں کہ ہمارے مخالف اور کسی حویلی میں کیوں نہیں جمع ہوئے۔ کیوں حاجیوں کی حویلی میں جمع تھے جہاں اینٹیں جمع تھیں۔ کیا یہ دونوں اجتماع اتفاق سے ہو گئے علاوہ اس کے بعد میں معلوم ہوا کہ وہاں مخالفوں نے لاٹھیاں بھی جمع کر رکھی تھیں اور زیر تعمیر عمارت کے بالے وغیرہ بھی پڑے تھے۔

(۶) مَیں نے اپنے بیان میں یہ بھی لکھایا تھا کہ اگر ہماری نیت فساد کی تھی تو کیا وجہ ہے کہ

(الف) مدرسہ احمدیہ کے چھوٹے سے چھوٹے طالب علم بھی مَیں جلسہ میں لایا۔ (ب) مَیں اپنے تینوں لڑکوں کو ہمراہ لایا۔ (ج) حافظ کلاس کے آٹھ کم عمر اندھوں کو ہمراہ لایا۔ (د) ہم لوگ کثرت کے ساتھ بغیر لاٹھی کے آئے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہم فساد کی نیت سے نہیں آئے۔

(۷) مَیں اور خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب اور مولوی ولی محمد صاحب فساد کے دوسرے روز سپرنٹنڈنٹ

صاحب کے ساتھ موقعہ دکھانے کے لئے گئے تو اسسٹنٹ سب انسپکٹر نے جو ہمارے جلسہ کے انتظام کے لئے بھاٹری میں مقرر تھا سپرنٹنڈنٹ صاحب سے کہا کہ جب میں خشت باری کے موقعہ پر پہنچا تو میر صاحب اپنے لوگوں کو روک رہے تھے اور میں نے بھاٹری والوں کو روکا۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ تحریری طور پر اسسٹنٹ سب انسپکٹر نے کیا نوٹ درج کیا ہے؟ البتہ سُنا گیا ہے کہ ہمارے خلاف پولیس ہی کے بیان پر کارروائی کا آغاز ہوا ہے۔ گو مخالفین کے خلاف ہماری رپورٹ پر کارروائی کی گئی ہے۔

(۸) آخری بات میں احباب کی واقفیت کے لئے یہ کہتا ہوں کہ ہمارے گروہ میں اینٹوں کے ذریعہ جو لوگ زخمی ہوئے ہیں ان کے زخم خفیف ہیں۔ اور گو اینٹوں کی وجہ سے ۴۰ - ۵۰ کے قریب اشخاص کو معمولی چوٹیں آئی ہیں مگر جس قدر اشخاص شدید زخمی ہوئے ہیں وہ ڈانگوں، تلواروں اور کرپانوں وغیرہ سے ہوئے ہیں اور یہ سب وہ لوگ ہیں جو خشت باری دیکھ کر بجائے آگے بڑھ کر خشت باری کے مقام سے گذر کر ہمارے بڑے مجمع میں آملنے کے بائیں طرف مقام ب کی طرف مُڑ گئے تھے اور مُڑے بھی الگ الگ یعنی خانصاحب اکیلے شاہ صاحب اکیلے اور باقی احباب بھی اکیلے اکیلے اور اس طرح دشمن خشت باری کر کے اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گیا کہ اُس نے احمدیوں کے پچھلے حصہ کو اگلے حصہ سے الگ کر کے ایک ایک کو گھیر کر مار مار کر بیہوش کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اس میں ہم کو ایک سبق ملتا ہے کہ کبھی ہم لوگوں کو ایک دوسرے سے جُدا نہ ہونا چاہیئے بلکہ خواہ مصیبت ہو یا کیسی سخت آفت ہو سب کو مل کر اکٹھے رہنا چاہیئے۔

اس موقعہ پر میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جب مخالف خشت باری کر رہے تھے ہمارے بعض نوجوان اُن کے مظالم کو دیکھ کر ایسے جوش میں تھے کہ اگر میں انہیں آگے بڑھنے کی اجازت دیتا تو یقیناً وہ مخالفوں کو اس شرارت کا مزا چکھا دیتے۔ مگر میں نے باوجود مظلوم ہونے کے باوجود حق دفاع رکھنے کے باوجود قانون کی اجازت کے دوستوں کو روکے رکھا۔ اور دوستوں نے بھی مجھے امیر جلسہ سمجھ کر میرے احکام کی تعمیل کی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑے حادثہ سے ہم کو بچا لیا۔ اور ایک دفعہ پھر دُنیا پر ثابت کر دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء نے ایک ایسی جماعت تیار کی ہے جس سے بڑھ کر امن پسند اور عافیت پسند دُنیا میں اَور کوئی جماعت نہیں۔

مجھے میرے ساتھیوں میں سے بعض نے غصہ سے طعنہ دیا۔ . . . .

. . . مگر سچی بات یہ ہے کہ مجھے اس وقت صرف یہ خیال تھا کہ اگر میں باوجود قانون کی اجازت کے اپنے آدمیوں کو دفاع کی اجازت دوں تو قادیان میں جا کر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کو کیا مُونہہ دکھاؤں گا۔ اور میں نے اپنے دل

میں یہ فیصلہ کیا کہ حضرت صاحب کا یہ عتاب برداشت کر لوں گا کہ تم نے اپنے آدمیوں کو خشت باری سے (کیونکہ اس وقت مجھے لاٹھیوں کے حملہ کا علم نہیں تھا) پٹوایا۔ مگر دفاع کی اجازت نہ دی۔ مگر یہ دوسری جہت کا عتاب میری طاقت سے باہر ہے کہ تم نے مار کیوں نہ کھائی اور لڑائی سے دوستوں کو باز کیوں نہ رکھا۔ یہ عتاب میری برداشت سے باہر تھا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

(نوٹ) اُوپر کے مضمون میں مَیں نے صرف جلسہ و حادثہ بھامڑی کے متعلق اپنے چشمدید قریب سے سُنے ہوئے حالات درج کئے ہیں۔ اور مخالفین ظاہری و مخفی کی اُن کارروائیوں کا ذکر نہیں کیا جو جلسہ سے باہر یا بعد میں ہوئی ہیں اور نہ دوسری زائد باتوں کا ذکر کیا ہے۔" [۵۱]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا پیغام جماعت احمدیہ کے نام

بھامڑی کے تشویشناک حالات کی اطلاع سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں پہنچی تو حضور نے جماعت کے نام حسب ذیل پیغام دیا:۔

"برادران جماعت احمدیہ! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ . . . .

. . . اس وقت جماعت پر اس کے دشمنوں نے ایک سخت حملہ کیا ہے اور حکومت کے کچھ کَل پُرزے بھی اس میں شامل معلوم ہوتے ہیں۔ احمدیت کے لئے پھر ایک ابتلاء کی صورت پیدا ہو رہی ہے۔ گورنمنٹ کے دلی دشمن جو اس کے ملازموں میں شامل ہیں، انہیں ہماری جنگی خدمات نہیں بھائیں اور چونکہ کھلا مقابلہ وہ نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے دوسرے اوچھے ہتھیاروں سے کام لینا شروع کیا ہے۔ چند دنوں تک حقیقت واضح ہو جائے گی۔ مَیں زندہ رہوں یا مروں، جماعت کی عزت کی حفاظت کے لئے آپ لوگوں کا ہر قربانی کرنا فرض ہے۔ کیا پچاس سال شکست کھا کر دشمن اب غالب آجائے گا۔ کیا آج احمدیت کا ایمان جماعت کو گزشتہ قربانیوں سے زیادہ قربانیاں پیش کرنے کے لئے آمادہ نہ کرے گا۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ آپ میں سے ہر شخص کہے گا کہ ضرور ضرور اور آسمان آپ کی آواز پر تصدیق کرے گا اور احمدیت کے پوشیدہ دشمن ایک دفعہ پھر مُنہ کی کھائیں گے۔ اچھا خدا حافظ آج بھی اور ہمیشہ بھی۔ اس دُنیا میں بھی اور اگلے جہان میں بھی بہادر بنو اور کسی انسان سے نہ ڈرو سوائے خدا کے۔ والسّلام

خاکسار مرزا محمود احمد ۲۰/۶/۴۳" [۵۲]

---

[۵۱] "الفضل" ۳۰ احسان/جون ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ تا ۵ ۔ [۵۲] "الفضل" ۲۲ احسان/جون ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ ۔

ملکی پریس میں ذکر اس واقعہ کی خبر ملکی پریس نے نہایت گمراہ کن اور مسخ شدہ صورت میں شائع کی۔ البتہ شمالی ہند کے مشہور مسلمان اخبار "انقلاب" نے اپنے ایک شذرہ میں اس کے صحیح واقعات بیان کرنے کے بعد لکھا:-

"یہ واقعات نہایت افسوسناک ہیں۔ ہمیں فریقین میں سے کسی کے ساتھ بھی کوئی خصوصی تعلق نہیں لیکن آزادیٔ تقریر کے اس دَور میں کسی جماعت کے جلسہ کو بزورِ تشدد روکنا کسی اعتبار سے بھی جائز نہیں قرار دیا جا سکتا اور جس حالت میں جلسہ ہو چکا تھا اور قادیانی وہاں سے جا رہے تھے اس وقت اُن پہ حملہ کرنا صریح بلوہ و فساد تھا جو کسی حالت میں حق بجانب نہیں ہو سکتا"[1]

مظلوم احمدیوں کے خلاف مقدمہ کا تکلیف دہ سلسلہ بھامڑی میں معاندین نے حملہ بھی کیا اور بعد میں جماعت احمدیہ کے بزرگوں اور جلسہ میں شامل ہونے والے دوسرے احمدیوں کے خلاف پولیس میں جھوٹی رپورٹ بھی دے دی جس پر پولیس نے ہر دو فریق کے آدمیوں کا چالان کر دیا اور پندرہ سولہ مظلوم احمدی جن میں حضرت میر محمد اسحٰق صاحب، حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل جٹ جیسے بلند پایہ بزرگ بھی شامل تھے، مستغاث علیہ گردان کر مقدمہ کے ایک نہایت تکلیف دہ سلسلہ میں اُلجھا دیئے گئے۔

مقدمہ بھامڑی کی عدالتی کارروائی کا باقاعدہ آغاز ۱۳ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو یعنی اصل واقعہ کے تقریباً دو ماہ بعد ہوا[2]۔ چودھری محمد اسحٰق صاحب ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اس مقدمہ کی سماعت کی۔ ۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو عدالت نے زیر دفعات ۱۴۸، ۱۴۹، ۳۲۳، ۳۲۵ مندرجہ ذیل تیرہ[13] احمدی اصحاب پر فردِ جرم لگا دیا:-

۱۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحب ناظر ضیافت۔

۲۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ

۳۔ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل (جٹ) جنرل پریزیڈنٹ قادیان

۴۔ مولوی دل محمد صاحب مہتمم تبلیغ

۵۔ چودھری محمد نذیر صاحب لاہور ہاؤس قادیان

---

[1] "انقلاب" ۳۰ جون ۱۹۴۳ء بحوالہ "الفضل" ۲ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۱
[2] "الفضل" ۱۵ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴

۶۔ چودھری محمد لطیف صاحب لاہور ہاؤس قادیان ۔ ۷۔ ٹھیکیدار علی احمد صاحب قادیان

۸۔ چودھری بڈھا صاحب ساکن بسرا ۔ ۹۔ چودھری امیر احمد صاحب بسراواں

۱۰۔ چودھری فضل الدین صاحب ممرا ۔ ۱۱۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب فاضل بھامڑی

۱۲۔ مولوی عبدالعزیز صاحب بھامڑی ۔ ۱۳۔ چودھری محمد شفیع صاحب بگول [1]

اس مقدمہ میں سماعت دھاریوال، بٹالہ یا گورداسپور میں ہوتی تھی۔ تقریباً پچاس سے زائد پیشیاں بھگتنی پڑیں [2] اور جماعت احمدیہ کی طرف سے وقتاً فوقتاً مندرجہ ذیل وکلاء پیش ہوئے۔

مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ گورداسپور، میر محمد بخش صاحب ایڈووکیٹ گوجرانوالہ۔

شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ کپورتھلہ، مولوی فضل الدین صاحب پلیڈر۔

چودھری اسداللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء لاہور، شیخ ارشد علی صاحب پلیڈر۔

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کا مقدمہ بھامڑی میں مبارک طرز عمل

مقدمہ بھامڑی میں حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ امیر قافلہ ہوتے تھے۔ آپ نے اس مقدمہ کے دوران عدالت سے باہر اور عدالت کے اندر جو مبارک طرز عمل اختیار فرمایا وہ ایک مثالی چیز ہے جس کا تذکرہ ہمیشہ سنہری حروف میں کیا جائے گا۔ بطور مثال اس جگہ تین اہم بیانات درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل (جٹ) مقدمہ بھامڑی کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس مقدمہ کی تاریخ کے لئے ہمیں گورداسپور اور دھاریوال جانا پڑتا تھا۔ ہم صبح کی گاڑی قادیان سے چل کر بٹالہ اُتر جاتے اور پٹھانکوٹ کی گاڑی کے لئے اسٹیشن کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں آرام کرتے جو بابو محمد شریف صاحب احمدی مرحوم کے آباؤ اجداد نے بنوائی ہوئی تھی۔ اسی جگہ صبح کا ناشتہ بھی کرتے۔ اُن دنوں قادیان سے یہ گاڑی مُنہ اندھیرے ہی روانہ ہوتی تھی۔ اس لئے ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ مسجد میں حضرت میر صاحبؓ نے جو امیر قافلہ ہوتے تھے آنے والوں کی گنتی کی تو معلوم ہوا کہ چار پانچ آدمی زیادہ آئے ہیں۔ اس پر آپ نے مجھے حکم دیا کہ اسٹیشن سے اتنے ٹکٹ بٹالہ تا قادیان لائے جائیں۔ چنانچہ ٹکٹ آنے پر آپ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پھاڑ دیا اور فرمایا چونکہ یہ دوست

---

[1] "الفضل" ۱۱ نبوت / نومبر ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۵ کالم ۱۔

[2] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۱۳۲۳-۲۴ ہش / ۱۹۴۴-۴۵ صفحہ ۳۴۔

گاڑی میں سواری کر چکے ہیں اور محکمہ ریل نے پوچھا نہیں مگر سرکار کو اس کا حق ملنا چاہئیے !!

اسی مقدمہ کے دوران میں ایک دفعہ جبکہ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی شہادت ہمارے فریق مخالف کے خلاف ہو رہی تھی تو ایک ایسی بات جس سے فریق ثانی پر حرف آتا تھا وکیل مخالف کے سوال کرنے پر حضرت میر صاحبؓ نے بتائی۔ تب فریق مخالف کے وکیل نے آپ پر جرح کی۔ کہ یہ بیان آپ نے پولیس میں کیوں نہیں دیا تھا؟ کیونکہ آپ کے پولیس کے بیانوں میں یہ نہیں ہے جواب میں آپ نے فرمایا۔ مَیں تو اب بھی عدالت میں یہ بیان دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ لیکن آپ لوگوں نے پوچھا ہے تو مجھے مجبوراً جواب دینا پڑا۔ ورنہ مَیں قطعاً بیان نہ کرتا"[1]

۲۔ مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ گورداسپور[2] کا بیان ہے کہ

"شہادت استغاثہ کے ختم ہونے کے بعد ہماری طرف سے شہادتِ صفائی پیش ہوئی۔ محترم خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب مرحوم ہمارے گواہ صفائی تھے۔ آپ نے اپنے بیان میں حضرت میر صاحبؓ کے متعلق فرمایا کہ آپ ایک نہایت معزز سید خاندان سے ہیں۔ عالمِ قرآن و حدیث ہیں اور بعض اَور وجاہت کے پہلو بھی بیان فرمائے۔ حضرت میر صاحبؓ اس وقت میرے پاس ہی کرسی پر بیٹھے تھے۔ باوجود ملزم ہونے کے عدالت آپ کو ہمیشہ کرسی دیتی تھی۔ جب محترم خانصاحب مرحوم یہ بیان دے رہے تھے تو حضرت میر صاحبؓ کے آنسو رواں ہو گئے۔ آپ نے رُومال نکال کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا اور آہستہ سے نہایت رقّت سے مجھے فرمانے لگے۔ مرزا صاحب! ان چیزوں سے انسان بخشا نہیں جاتا۔ مومن اللہ تعالیٰ کے فضل سے بخشا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے آپ کے الفاظ تو مجھے پورے طور پر یاد نہیں۔ لیکن ان کا مفہوم وہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔ آپ کی آواز میں خاص درد انگیز رقّت تھی اور آپ کے آنسو بہہ رہے تھے۔

اسی کیس میں جس روز آپ کا بیان ہوا۔ آپ میرے پاس ہی میرے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ مجھے اندر سے بُلا کر اپنے ساتھ چارپائی پر بٹھا لیا اور بڑی رقّت کے ساتھ فرمانے لگے کہ مجھ سے کوئی نادانستہ غلط بیانی تو نہیں ہو گئی۔ مَیں نے تسلّی دی لیکن آپ کے آنسو بہنے لگ گئے۔ اور آپ فرماتے رہے۔ یا اللہ! اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو مجھے معاف فرمانا۔ آپ کا بیان واقعات کے

---

[1] "الفرقان" میر محمد اسحاق نمبر ستمبر، اکتوبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۴۵ +
[2] حال مقیم سرگودھا۔ امیر صوبائی جماعت ہائے احمدیہ مغربی پاکستان +

بالکل مطابق تھا۔ لیکن تقویٰ کا یہ حال تھا کہ ہر حال میں خدا سے ڈرتے " ؎[۱]

۴۳۔ شیخ محمد احمد صاحب مظہر کپورتھلوی[۲] ایڈووکیٹ کا بیان ہے کہ

"(الف) ہم چند وکلاء مقدمہ کی پیروی کرتے تھے۔ دھاریوال یا گورداسپور میں پیشی ہوتی تھی۔ دورانِ مقدمہ میں رمضان شریف آگیا۔ میر صاحبؓ فجر کی نماز کے بعد مسجد اقصیٰ قادیان میں درس دے کر بذریعہ موٹر دھاریوال پہنچ جاتے۔ باوجود مقدمہ کی پیشی کے آپ نے درس میں ناغہ نہ ہونے دیا۔

(ب) چونکہ میر صاحبؓ کی واپسی قادیان کو ہر روز ہو جاتی تھی۔ اس لئے آپ خود روزہ رکھتے تھے۔ اور احمدی وکلاء کے لئے جو بوجہ مسافرت روزہ نہ رکھ سکتے تھے قادیان سے دوپہر کا کھانا پکوا کر اپنے ہمراہ لاتے تھے۔

(ج) فریق مخالف کے بعض اشخاص کو میر صاحبؓ بڑی مہربانی سے عدالت سے باہر اپنے پاس بٹھاتے۔ انہیں تبلیغ وتلقین کرتے اور کسی قسم کا بغض وکینہ آپ کی طبیعت میں نہ تھا۔

(د) فریق ثانی کے وکیل نے میر صاحبؓ پر جرح کی اور یہ سوال بھی کیا کہ بھاڑی والوں نے آپ کے جلسے میں مزاحمت کی اس لئے آپ کے دل میں ان کے خلاف غم وغصہ ضرور پیدا ہوا ہوگا؟ میر صاحبؓ نے برجستہ جواب دیا کہ غم وغصہ نہیں بلکہ رحم وہمدردی کے جذبات میرے دل میں آپ کے موکلوں کے لئے پیدا ہوئے۔ اس جواب سے مجسٹریٹ متبسم اور محظوظ ہوا۔ اور وکیل فریق ثانی شرمسار۔

(ہ) مجسٹریٹ میر صاحبؓ سے باادب پیش آتا تھا۔ لیکن خاکسار نے دیکھا کہ میر صاحبؓ جب عدالت کے کمرہ میں داخل ہوتے تو تین چار منٹ تک ملزمان کے کٹہرے میں اکیلے اور غمزدہ سے ہو کر کھڑے رہتے۔ ہم سب بھی تعظیماً کھڑے رہتے۔ حتیٰ کہ میر صاحبؓ کٹہرے سے باہر نکلتے اور پھر ہم سب کرسیوں پر بیٹھ جاتے۔ یہ ماجرا میں نے کئی بار دیکھا لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ میر صاحبؓ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ آخر ایک دن میں نے میر صاحبؓ سے اس کا سبب دریافت کیا۔ آپ چشم پُرآب ہوگئے۔ فرمانے لگے کہ آتمارام مجسٹریٹ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عدالت میں کھڑا رہنے پر مجبور کیا۔ اس لئے جب کبھی مجھے عدالت میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو حضرت مسیح موعود

؎[۱] "الفرقان" حضرت میر محمد اسحاقؓ نمبر ماہ ستمبر واکتوبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۲۶-۲۷۔

؎[۲] حال امیر جماعت ہائے احمدیہ شہر وضلع لائل پور۔

علیہ السلام کی یاد میں چند منٹ میں بھی اسی طرح کھڑا رہتا ہوں۔

میر صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عزیز تھے اور آپ نے حضورؑ کے دامنِ تربیت میں پرورش پائی تھی اور نہایت قریب سے حضورؑ کو دیکھا تھا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت میر صاحبؓ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کس قدر عشق و محبت اور والہیت تھی ؎

ذوقِ ایں بادہ نیابی بخدا تا نچشی!!" ؎

سپرنٹنڈنٹ پولیس گورداسپور کا مخالفانہ رویّہ

مقدمہ بھامڑی کے معاملہ میں پولیس نے جماعت احمدیہ کے خلاف انتہائی معاندانہ رویہ اختیار کیا اور سپرنٹنڈنٹ پولیس گورداسپور سردار وریام سنگھ صاحب نے تو خاص طور پر مخالفین احمدیت کی پُرزور حمایت کی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ

"موضع بھامڑی میں جو جھگڑا ہوا تھا اس میں ایک سکھ سپرنٹنڈنٹ پولیس سردار وریام سنگھ صاحب نے جو اُن دنوں ضلع گورداسپور میں متعین تھے ظاہر طور پر ہماری جماعت کے خلاف حصہ لیا تھا۔ ہماری جماعت کے خلاف ان کے دل میں سخت غصّہ تھا۔ ایک دفعہ چوہدری فتح محمد صاحب سیال اُن سے ملے تاکہ اُن کو جماعت کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائیں تو انہوں نے کہا کہ مجھے آپ کی جماعت سے بہت شکوہ ہے کیونکہ آپ کی جماعت سکھوں کی دشمن ہے۔ بھامڑی کے کیس میں باوجود اس کے کہ جو حالات ہماری جماعت نے پیش کئے وہی صحیح تھے اور ہمارے مقابل پر جو باتیں فریقِ مخالف نے پیش کیں وہ صریحاً غلط تھیں۔ ان سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس نے فریقِ مخالف کی باتوں کو درست تسلیم کیا اور ہماری باتوں کو غلط سمجھا۔ بہرحال ہماری طبیعت پر اُن کے متعلق بُرا اثر تھا۔ اور ان کو گورداسپور سے تبدیل کرانے میں بہت کچھ حصہ ہمارا بھی تھا۔ اُن کے ایک ماتحت افسر نے خلافِ قانون کام کیا۔ سردار وریام سنگھ صاحب نے اپنے ماتحت افسر کی حمایت کی۔ ہماری جماعت نے اس معاملہ میں ان کی مخالفت کی اور افسرانِ بالا کو صحیح حالات سے آگاہ کر دیا۔ سردار وریام سنگھ صاحب یہ سمجھے کہ مجھے ذلیل کرنے کے لئے جماعت نے یہ سب کچھ کیا ہے۔ جب ڈپٹی کمشنر صاحب کو صحیح حالات پہنچائے گئے تو انہوں نے اس تھانیدار کو سزا دینی چاہی۔ اس بات پر سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس

؎ "الفرقان" حضرت میر محمد اسحاقؓ نمبر ستمبر، اکتوبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۵۳۔

اور ڈپٹی کمشنر صاحب میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ پہلے تو حکومت کی طرف سے ڈپٹی کمشنر صاحب کو بدلنے کا فیصلہ کیا گیا۔ لیکن جب صحیح حالات حکومت کے سامنے رکھے گئے تو اس نے سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کو تبدیل کر دیا"[1]

دشمنانِ احمدیت کی ناکامی پولیس نے جماعت احمدیہ کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنا خاص فضل فرمایا اور عدالت نے سب احمدی احباب کو بری قرار دے دیا۔ اس ضمن میں گورداسپور پولیس نے مقدمہ کے دوران چوبیس ۲۴ احمدی احباب کے خلاف ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی دفعات ۵۴، ۵۶، ۱۲۱ کے تحت ایک الگ مقدمہ بھی کھڑا کیا اور اس میں اُن تیرہ ۱۳ افراد کے علاوہ جن پر مقدمۂ بھامڑی کے دوران فردِ جرم عائد کی گئی تھی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرؓ، ماسٹر فضل داد صاحب وغیرہ گیارہ ۱۱ دوسرے احمدیوں کا بھی چالان کیا گیا اور اُن کو ضمانتیں داخل عدالت کرنا پڑیں[2] مگر پولیس کو اس منصوبہ میں بھی ناکامی ہوئی اور حکومت کو شروع ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں مقدمہ واپس لینا پڑا[3]۔ اور جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۰ احسان/جون ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو اپنے پیغام میں صریحاً خبر دی تھی کہ "احمدیت کے پوشیدہ دشمن ایک دفعہ پھر مُنہ کی کھائیں گے" معاندینِ احمدیت کو فی الواقعہ شکست فاش ہوئی اور وہ اپنے ناپاک عزائم میں ہر طرح ناکام و نامراد رہے۔

فصل سوم

سفرِ ڈلہوزی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ چونکہ اس سال (۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء میں) کئی ماہ تک صاحبِ فراش رہے اس لئے حضور نے ڈاکٹری مشورہ کے مطابق بحالیٔ صحت کے لئے ڈلہوزی میں قیام فرمایا۔

حضور ۲۰ احسان/جون ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو قادیان سے روانہ ہوئے[4] اور چار ماہ بعد ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو واپس تشریف لائے[5]۔ اس دوران میں حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ نے امیر مقامی اور حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ

---

[1] "الفضل" ۵ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱۔ [2] "الفضل" ۱۹ صلح/جنوری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳۔

[3] "الفضل" ۳ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔ [4] "الفضل" ۲۲ احسان/جون ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

[5] الفضل ۲۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش ۱۹۴۳ء صفحہ ۱، اگست میں حضور جمعہ پڑھانے چند دن کیلئے دار الامان میں آئے تھے

صاحبؓ نے امام الصلوٰۃ کے فرائض انجام دیئے۔[1] قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اس سفر کا ایک گھریلو واقعہ حسب ذیل الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:-

"حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ چونکہ گزشتہ سال ایک لمبی بیماری سے اُٹھے تھے۔ اس لئے قیام ڈلہوزی کے آخری ایام میں حضور نے صحت کے خیال سے بعض تفریحی سیروں کا انتظام فرمایا تھا۔ ان سیروں میں سے آخری سیر کالا ٹوپ پہاڑ تک کی تھی جو ڈلہوزی سے قریباً چھ سات میل چنبہ کی جانب واقع ہے۔ اس ٹرپ میں یہ خاکسار بھی ساتھ تھا۔ مستورات کے لئے عموماً گھوڑوں کا انتظام تھا۔ اور مرد پیدل تھے۔ اور ٹرپ کا اہتمام بدستور سیدہ ام طاہر احمد کے ہاتھ میں تھا۔ چونکہ سیدہ موصوفہ نے انتظام وغیرہ کی وجہ سے سب سے آخر میں آنا تھا۔ اس لئے میں نے دیکھا کہ جب ہم اپنے گھروں سے ایک میل نکل آئے تو سیدہ مرحومہ والے گھوڑے پر اُن کی بجائے ہماری بڑی ممانی آ رہی ہیں۔ مجھے حیرانی ہوئی کہ یہ کیا بات ہے۔ اور میں نے اس کا ذکر حضرت امیر المومنین سے بھی کیا۔ اس پر میں نے دیکھا کہ حضور کے چہرے پر کسی قدر فکر اور اس کے ساتھ ہی رنج کے آثار ظاہر ہوئے۔ فکر اس لئے کہ سیدہ ام طاہر کی غیر موجودگی میں کہیں انتظام میں کوئی دقت نہ ہو اور رنج اس لئے کہ ٹرپ کو رونق دینے والی رفیقۂ حیات پیچھے رہ گئیں۔ مگر حضور نے زبان سے صرف اس قدر فرمایا۔ کہ سارا انتظام امّ طاہر نے ہی کیا ہوا ہے اور انہیں ہی معلوم ہے کہ کونسی چیز کہاں ہے اور کونسی کہاں، کسی اَور کو تو کچھ خبر نہیں۔ میں نے اشارہ سمجھ کر جلدی سے ایک شخص کو آگے بھگا دیا کہ ڈاک خانہ کے چوک کے پاس جا کر کوئی گھوڑا تلاش کرو۔ اور اگر مل جائے تو فوراً لے کر چلے آؤ اور سیدہ ام طاہر کو لے آؤ۔ اور خدا کا شکر ہے کہ گھوڑا فوراً مل گیا۔ مگر ابھی یہ گھوڑا واپس جا ہی رہا تھا کہ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک خادمہ کو لے کر پیدل ہی چلی آ رہی ہیں۔ حالانکہ پیدل چلنے سے انہیں سخت تکلیف ہو جایا کرتی تھی۔ اس وقت میں نے محسوس کیا کہ انہیں دیکھ کر گویا حضرت صاحب کا فکر اور رنج سب دُور ہو گیا اور ہم خوشی خوشی آگے روانہ ہو گئے۔ ان کے پیچھے رہنے کی یہ وجہ معلوم ہوئی کہ جب وہ گھوڑے پر چڑھ کر روانہ ہو رہی تھیں تو حضرت ام المومنین اطال اللہ ظلہا نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ شوکت (ہماری بڑی ممانی صاحبہ) نے ضرور جانا ہے۔ ان کے لئے ضرور انتظام کر دو۔ سیدہ موصوفہ جنہیں حضرت اماں جان سے انتہائی محبت اور اخلاص تھا۔ فوراً اپنے گھوڑے سے

[1] "الفضل" ۲۲ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

اُتر آئیں اور ممانی جان کو اپنا گھوڑا دے کر روانہ کر دیا اور آپ پیدل چل پڑیں" [1]

احمدیہ لائبریری یادگیر

حضرت سیٹھ شیخ حسن صاحبؓ جماعت احمدیہ یادگیر کے روح رواں اور بہت مخیر اور بلند پایہ بزرگ تھے۔ آپ نے اپنی ذاتی کوشش سے یادگیر میں ایک شاندار احمدیہ لائبریری قائم کی اور اس کا افتتاح ۱۱ ظہور/اگست ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو عمل میں آیا۔ اور مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل وکیل اس کے پہلے ناظم مقرر ہوئے۔[2] یہ لائبریری آجتک قائم ہے اور اس علاقہ میں جماعت احمدیہ کی ایک بہت بڑی علمی ضرورت کو پورا کر رہی ہے۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ (عرفانی الکبیر) نے "حیاتِ حسن" میں اس لائبریری کا تذکرہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:۔

"سلسلہ کی اشاعت اور عوام میں مذہبی اور علمی مذاق پیدا کرنے کے لئے حضرت حسنؓ نے ۹ مہر ۱۳۲۲ھ کو یادگیر بازار میں احمدیہ لائبریری کو قائم کیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایک شخص جو بذاتِ خود عرفی دولتِ علم سے آشنا نہیں وہ اشاعتِ علم کا کس قدر جوش اپنے دل میں رکھتا ہے اور نہ صرف جوش بلکہ وہ خوب سمجھتا ہے کہ لوگوں کے معلومات میں کس طرح اضافہ کیا جا سکتا ہے اور کس طرح ان میں علمی مذاق پیدا ہو سکتا ہے۔ غرض ایک نیک مقصد کے پیشِ نظر یہ لائبریری قائم کی گئی۔ اور ایک فرد واحد کی طرف سے یہ پہلی لائبریری تھی۔ اس لائبریری کے قیام اور اس کے ابتدائی اخراجات تو خود حسنؓ اور اس کے خاندان کے افراد نے اپنے ذمہ لئے۔ پھر حضرت سیٹھ عبداللہ بھائی نے گرانقدر امداد دی اور اس کے جاریہ اخراجات کے لئے سالانہ اعانت مقرر کی تھی۔ وہ لائبریری جو چند کتابوں سے شروع ہوئی۔ آج اس میں چار ہزار کتابیں موجود ہیں جو تفسیر، حدیث، فقہ، سیرۃ و سوانح، تاریخ، کتب سلسلہ احمدیہ جو خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفاء سلسلہ کے علاوہ علمائے سلسلہ کی تصانیف پر مشتمل ہیں۔ اور ان کے علاوہ مذاہب مختلفہ، ہر قسم کی اخلاقی کہانیاں، اخلاقی ناول (انگریزی، اُردو) گویا ہر مذاق کے لوگوں کے لئے ایک ذخیرہ جمع کر دیا گیا۔ اور عام مُلکی اور غیر ملکی اخبارات کے علاوہ سلسلہ کے اخبارات و رسائل موجود رہتے ہیں۔ ماہانہ اوسطاً ۶۰۰ افراد اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ گویا ۸ ہزار کے قریب افراد دارالمطالعہ میں آتے ہیں۔ ایک ہزار روپیہ سالانہ اس پر خرچ ہوتا ہے۔ اور خرید

---

[1] "تابعین اصحاب احمد" حصہ سوم صفحہ ۳۰۰ - ۳۰۲ (مرتبہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان ناشر احمدیہ بکڈپو ربوہ پاکستان) طبع اول دسمبر ۱۹۶۳ء۔

[2] "الفضل" ۲۸ ظہور ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴۔

کتب و اخبارات ملا کر تین ہزار سالانہ خرچ ہے۔

اس لائبریری سے ہر طبقہ کے شوقین اور علم دوست لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ اس کا باقاعدہ انتظام سکرٹری بیت المال جماعت احمدیہ یادگیر کے سپرد ہے۔ مستقل ممبروں کے لئے قواعد و ضوابط ہیں۔ غرض یہ لائبریری اپنی طرز کی تعلقہ یادگیر میں ایک ہی ہے اور ہر روز ترقی کرتی جاتی ہے، کیا کتابوں کے ذخیرہ کی وجہ سے اور کیا دارالمطالعہ میں آکر استفادہ کرنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے۔

یہ حسنؓ کی ان مساعی جمیلہ میں سے ایک ہے جو اس نے اشاعت علوم اور مذہب سے دلچسپی پیدا کرنے کے لئے کی ہیں۔ اس قسم کی لائبریری ہر شخص قائم نہیں کر سکتا۔ یہ حکومت کا کام ہے مگر حسنؓ جس کے دل میں ملک اور قوم کی خدمت کا بے پناہ جذبہ تھا اور جو چاہتا تھا کہ گرے ہوئے انسانوں کو اٹھائے، اُن میں علمی مذاق پیدا ہو، اُن کی معاشی حالت درست ہو اور اُن کے اندر اخلاقِ فاضلہ پیدا ہوں۔ اس نے اس ضرورت کو اپنی ذاتی ضرورتوں پر مقدّم کر لیا۔ اپنی ضروریاتِ زندگی میں کفایت اور سادگی پیدا کر کے دوسروں کو جو اٹھ نہ سکتے تھے اپنے اموال کو اُن کے اُٹھانے پر خرچ کر دیا۔ اور آج اس کے وفات پا جانے پر بھی یہ سلسلہ بدستور قائم ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک "[1]

بنگال اور اڑیسہ کے قحط زدگان کی امداد

اس سال بنگال میں انتہائی ہولناک قحط رونما ہوا جس میں ہزاروں لوگ روزانہ فاقہ کشی، بیماری اور قسم قسم کے دوسرے وبائی امراض کا شکار ہو گئے۔ معصوم اور شیر خوار بچے دودھ نہ ملنے کی وجہ سے اپنی ماؤں کی گود میں سسک سسک کر مَر گئے۔ خاوند تنگ آکر اپنی بیویوں اور بال بچوں کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مائیں اپنے جگر گوشوں اور بچوں کو بازاروں اور گلیوں میں آوارہ چھوڑ گئیں۔ کئی جگہ والدین نے اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں دریا برد کر کے خودکشی کر لی۔ ایسے بیسیوں رُوح فرسا نظارے دیکھنے میں آئے کہ ماں بھوک کی وجہ سے مَر چکی ہے مگر اس کا شیر خوار بچہ اس کی خشک چھاتیاں چوس رہا ہے۔[2]

ان ہوشربا ایام میں جماعت احمدیہ کلکتہ کے امیر جناب شیخ دوست محمد صاحب شمس[3] اور مبلغ کلکتہ مولوی ظل الرحمٰن صاحب بنگالی تھے۔ علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوتے اور حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کے فرزند صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب بھی اُن دنوں کلکتہ میں مقیم اور ایک معزز عہدہ پر فائز تھے۔ جونہی

---

[1] "حیاتِ حسنؓ" (احمدی) مرتبہ عرفانی الکبیرؓ صفحہ ۵۶ تا صفحہ ۵۵ ۔ [2] مضمون سید اعجاز احمد صاحب مبلغ سلسلہ برہمن بڑیہ (مطبوعہ "الفضل" ۲۴ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴) سے ماخوذ ۔ [3] حال لائلپور۔

صوبہ میں قحط شروع ہوا۔ ان اصحاب نے جماعت احمدیہ کلکتہ کے دوسرے مخلص احمدیوں مثلاً میاں محمد حسین صاحب آف کینٹل موٹر ہاؤس، میاں محمد یسین صاحب، میاں نذر محمد صاحب، بہار الحق صاحب، سید ہمایوں جاہ صاحب، مولوی ظفر احمد صاحب (معتمد خدام الاحمدیہ کلکتہ) کے تعاون سے قحط زدگان کو کھانا کھلانے کا کام شروع کر دیا۔[1] مگر یہ ایک مختصر اور چھوٹے پیمانہ کی کوشش تھی جس میں وسعت اس وقت ہوئی جب حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ ناظر ضیافت قادیان نے ۳۱ ظہور/اگست ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو بذریعہ "الفضل" کلکتہ کے احمدی دوستوں سے خطاب" کے عنوان سے اپیل کی کہ

"میرا دل چاہتا ہے کہ عزیزم مرزا ظفر احمد صاحب سلّمہ اللہ جو کلکتہ میں ایک معزز عہدہ پہ فائز ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پوتے ہیں جب دفتر سے فرصت پائیں سب آرام اور آسائش چھوڑ کر ڈبل روٹی اور دودھ کی بوتلیں لے کر گلیوں میں دیوانہ وار پھریں اور سڑک پہ گرے ہوؤں کے پاس جاویں اور انہیں کہیں کہ میرے مقدس دادا کو اس کے پاک و برتر خدا نے حکم دیا تھا۔ یَا اَیُّہَا النَّبِیُّ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَالْمُعْتَرَ۔ یعنی اے خدا کے نبی بھوکوں اور محتاجوں کو کھانا کھلا۔ میرا دادا اب اس دُنیا میں نہیں اس لئے میں تمہارے پاس اس کا قائم مقام ہو کر آیا ہوں۔ مُنہ کھولو۔ مَیں تمہارے مُنہ میں دُودھ ڈالوں۔ پھر دُودھ پی کر بیٹھ جاؤ۔ مَیں تم کو کھانا کھلاؤں اور آؤ میرے ساتھ چلو۔ مَیں تم کو ٹریم کار میں بٹھا کر ایسی جگہ پہنچا دوں کہ تم وہاں آرام سے زندگی بسر کر سکو۔ یہی خواہش میری کلکتہ کے دوسرے احمدی دوستوں سے ہے کہ وہ فرصت نکالیں۔ اور کھانے کی چیزیں بالخصوص دودھ ضرور لیں کیونکہ یہ بھوک اور پیاس دونوں کا علاج ہے۔ اور خالی معدہ والوں کے لئے نہایت زندگی بخش غذا ہے۔ وہ سڑکوں پر گھومیں اور غیر احمدیوں سے بڑھ کر، ہندوؤں سے بڑھ کر، سرکاری افسروں سے بڑھ کر، سیوا سمتی والوں سے بڑھ کر، غرض دنیا کے ہر کارکن سے بڑھ کر، محنت سے، مشقّت سے، تکلیف سے مگر شوق اور محبت سے، بھوکوں، قحط زدہ لوگوں، سڑکوں پہ مرنے والوں کو دُودھ پلاویں اور کھانا کھلاویں اور پھر اُن کے بہترین مستقبل کا انتظام کر دیں۔ کیونکہ دنیا کے لوگ شہرت کے لئے یا تنخواہ کے لئے یا قومی ہمدردی سے یا طبعی اور فطری رأفت کی وجہ سے یہ کام کرتے ہیں۔ مگر تم خدا ہاں زندہ خدا کے لئے یہ کام کرتے ہو۔ پس تمہارا کام دُوسروں سے بڑھ کر ہونا چاہیئے"[2]

---

[1] "الفضل" ۱۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء نیز "الفضل" ۲۱-۲۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۵۔

[2] " ۳۱ ظہور/اگست ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۳ کالم ۱-۲۔

اس اپیل پر نہ صرف کلکتہ کے احمدیوں نے اپنی امدادی سرگرمیاں تیز کر دیں بلکہ کلکتہ کے علاوہ بعض دوسرے مقامات کے احمدیوں نے بھی اُن کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ چنانچہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور ان کے اہلبیت اور دیگر اعزہ نے ایک گرانقدر رقم بطور چندہ بھجوائی۔ علاوہ ازیں متعدد اور مخلصین نے قحط زدگان کے لئے امدادی رقوم دیں۔[1] اسی طرح خدام الاحمدیہ محمد آباد سندھ نے بھی مالی امداد کی[2] اور صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب کی خاص جدوجہد کے نتیجہ میں ۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء سے بلا تفریق مذہب و ملّت روزانہ ایک سو[3] افراد کو کھانا کھلانے کا بندوبست ہو گیا جو کئی ہفتوں تک جاری رہا۔

پارک سرکس ایریا میں صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب علی الصبح عبدالسلام صاحب مہتہ، مصلح الدین صاحب سعدی، اور چوہدری ظفر احمد صاحب کو ساتھ لے کر بھوکے اور شیر خوار بچوں کو تلاش کر کے ان کو دُودھ تقسیم کرتے تھے۔ احمدی مستورات میں سے محترمہ بلقیس بیگم صاحبہ اہلیہ مہتہ عبدالقادر صاحب اور اہلیہ صاحبہ چوہدری انور احمد صاحب کاہلوں نے خاص طور پر مصیبت زدہ مستورات اور بچوں کی دیکھ بھال کی خدمت نہایت اخلاص سے انجام دی۔[4]

بنگال کے علاوہ اڑیسہ کے بعض اضلاع میں بھی قحط نے بڑی تباہی مچائی اور بعض ساحلی خطوں میں لوگ دانہ دانہ کے محتاج ہو گئے۔ زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار ہو کر گھاس اور درختوں کے پتوں اور جڑوں پر گذارہ کر کے ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کے رہ گئے۔ اڑیسہ کے ان فلاکت زدہ لوگوں کے لئے حکومت اور عوام کی متحدہ کوششوں سے قریباً ایک درجن لنگر خانے جاری کئے گئے۔ اس کار خیر میں حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب (سکندر آباد دکن)، نواب احمد نواز جنگ بہادر (سکندر آباد)، زینب حسن صاحبہ اور سکرٹری لجنہ اماء اللہ سکندر آباد نے نمایاں حصہ لیا۔[5]

مدراس یونیورسٹی میں ظہورِ اسلام پر کامیاب لیکچر

مدراس یونیورسٹی کے ماتحت پرنسپل ملر آنجہانی کی یادگار میں عرصہ سے ہر سال کچھ لیکچر دیئے جاتے تھے۔ جن کا موضوع مقصدِ حیات اور تاریخ عالم کا کوئی معنیٰ خیز حصہ ہوتا تھا۔ اس سال یونیورسٹی کی طرف سے پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب (گورنمنٹ کالج لاہور) کو "ظہورِ اسلام" کے موضوع پر لیکچر دینے کا موقعہ دیا گیا۔ یہ لیکچر ۲۵-۲۷-۲۸ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو ہوئے[6] اور بہت کامیاب رہے۔ قاضی صاحب موصوف

---

[1] "الفضل" ۸ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۴
[2] "الفضل" ۱۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۱
[3] ″ ۱۰ ″ ″ صفحہ ۱ کالم ۴
[4] ″ ۲۶ تبوک/ستمبر ″ صفحہ ۳ نیز "الفضل" ۱۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۱
[5] "الفضل" ۱۲ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۳ کالم ۲
[6] "الفضل" ۸ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴ کالم ۱

نے پہلے لیکچر میں صداقتِ اسلام کے دلائل بیان کئے۔ دوسرے لیکچر میں ماہرین علم النفس میں سے بعض کی ظہورِ اسلام سے متعلق غلط توجیہات کا رد کیا اور تیسرے لیکچر میں اقتصادی، جغرافیائی اور سیاسی توجیہات کا رد پیش کرکے ثابت کیا کہ اسلام ایک عالمگیر رُوحانی تحریک ہے جو بنی نوع انسان کی رُوحانی تاریخ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے خدا تعالےٰ کی طرف سے جاری ہوئی اور جس کا دَورِ ثانی ہمارے موجودہ زمانہ میں شروع ہوا۔ پہلے لیکچر میں مدراس یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر لکشمن سوامی مدالیار نے صدارت کے فرائض انجام دیئے اور دوسرے اور تیسرے لیکچر کے صدر، صدر یونیورسٹی پروفیسر ڈاکٹر مہادیون تھے۔ لیکچروں میں یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کے اساتذہ طلباء اور مدراس کے اہلِ علم اصحاب نیز احمدی دوست بھی شامل ہوئے اور گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔[۱]

تبلیغِ اسلام کے جہاد کی خاص تحریک اور مباحثات سے ممانعت

یکم ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو عید الفطر تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضنے اس روز ایک نہایت ایمان افروز خطبہ ارشاد فرمایا جس میں احمدیوں کو تبلیغ اسلام میں دیوانہ وار منہمک ہو جانے کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاد کو دعوۃ و تبلیغ سے وابستہ قرار دیا ہے۔ یعنی صرف ممانعتِ جہاد[۲] کا آپ نے اعلان نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ہی آپ نے اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ اب اسلام کی اشاعت اور اس کی ترقی کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ لوگوں کو تبلیغ کی جائے اور انہیں اسلام کی طرف کھینچا جائے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسی ممانعتِ جہاد والی نظم کے خاتمہ پر فرماتے ہیں:۔

تم میں سے جس کو دین و دیانت سے ہے پیار
اب اس کا فرض ہے کہ وہ دل کرکے استوار
لوگوں کو یہ بتائے کہ وقتِ مسیح ہے
اب جنگ اور جہاد[۲] حرام اور قبیح ہے

یعنی یہ نہیں کہ مَیں تم کو صرف جنگ سے روکتا ہوں بلکہ اس کے ساتھ ہی تمہیں یہ بھی کہتا ہوں کہ اسلام کی فتح کا راستہ اور ہے اور اسی راستہ پر چلانے کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھ کو بھیجا ہے۔ پس میں تمہیں یہ بتاتا ہوں کہ اب تلوار کے ذریعہ تم کامیاب نہیں ہو سکتے بلکہ اگر تم دشمنوں پر فتح حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تم اسلام کو دوسرے تمام ادیان پر غالب اور برتر کرنا

---

[۱] "الفضل" ۹ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ [۲] مراد جہاد بالسیف مراد ہے۔ جیسا کہ "جنگ" اور "تلوار" کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ (ناقل)

چاہتے ہو تو تم میری تعلیم اور میرے لائے ہوئے براہین کو لوگوں کے سامنے پیش کرو۔ اور پھر دیکھو کہ کس طرح اسلام دنیا پر غالب آتا ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاد کی ممانعت کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں میں مایوسی پیدا نہیں کی بلکہ جہاد کے غلط راستہ پر چلنے سے روک کر تبلیغ کا راستہ ان کے سامنے کھول دیا اور اس طرح ان کے دلوں میں اسلام کی فتح اور اس کی کامیابی کے متعلق ایک غیر متزلزل یقین اور ایمان پیدا کر دیا۔ آج زمانہ کے حالات نے بھی بتا دیا ہے۔ کہ اب اسلام کے احیاء اور اس کی تبلیغ و اشاعت کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ تبلیغ سے دوسرے ادیان پر فتح پانا ہے۔ پس ہر وہ شخص جس کے دل میں دین کا درد ہے۔ جو اپنے اندر سچا ایمان اور سچا اخلاص رکھتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو بتائے کہ مسیح آ گیا ہے۔ وہ لوگوں کو یہ پیغام پہنچائے کہ اسلام کا خدا سچا خدا ہے۔ محمد رسول اللہؐ اس کے سچے رسول ہیں۔ اور قرآن اس کی سچی کتاب ہے تاکہ اگر کوئی شخص مقابلہ کرے تو وہ اسلام کے نشانات و معجزات کی تلوار سے کاٹا جائے اور فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار اس کے سر پر پڑے۔ آخر ہوائی جہاز کیوں غالب آتے ہیں اسی لئے کہ وہ اُوپر ہوتے ہیں اور لوگ نیچے ہوتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں۔ اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی۔ اُوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے ہمیشہ بہتر ہوتا ہے۔ ہوائی جہاز چونکہ اُوپر ہوتے ہیں اور لوگ نیچے ہوتے ہیں اس لئے وہ بمباری کر کے لوگوں کو تباہ کر دیتے ہیں لیکن خداوند تعالیٰ کے فرشتے تو ہوائی جہازوں سے بھی اُوپر ہوتے ہیں۔ پس جب کوئی خدا تعالیٰ کے دین کا مقابلہ کرتا ہے تو آسمان کی بلندیوں سے اس پر گولے برسائے جاتے ہیں اور کسی شخص کی طاقت میں نہیں ہوتا کہ ان کا مقابلہ کر سکے کیونکہ ہوائی جہاز بھی نیچے رہ جاتے ہیں اور دوسرے لوگ بھی نیچے رہ جاتے ہیں مگر فرشتے اُوپر سے ان پر گولے برساتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے موجودہ زمانہ کے حالات کے ذریعہ ہمیں بتا دیا ہے کہ اسلحہ کے ذریعہ دشمنوں کا کبھی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ . . . . دجالی طاقتوں کے کچلنے اور اسلام کو غالب کرنے کا ایک یہی ذریعہ ہے کہ ہر شخص تبلیغ میں منہمک ہو جائے اور لوگوں تک خدا تعالےٰ کی وہ آواز پہنچائے جو اس کے کانوں میں پڑی اور جسے قبول کرنے کی اُسے سعادت حاصل ہوئی۔ یہ ایسا

ذریعہ ہے کہ انسان بعض دفعہ یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ تلوار دوسرے کی بجائے وہ خود اپنے اُوپر چلا رہا ہے۔ وہ تبلیغ کرتا ہے اور مہینوں نہیں سالوں تبلیغ کرتا چلا جاتا ہے مگر اس کا اثر کوئی نہیں دیکھتا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ تلوار بے حقیقت ہے یا تبلیغ اپنے اندر کوئی اثر نہیں رکھتی۔ کیونکہ اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی نظارہ نظر آتا ہے کہ ایک مدت کے بعد جب تبلیغ کا اثر ہونے لگتا ہے تو لوگ یوں جوق در جوق حق کو قبول کرنے لگ جاتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دریا نے بڑی تیزی سے کناروں کو گرانا شروع کر دیا ہے۔ غلطی یہ ہے کہ صحیح طور پر تبلیغ نہیں کی جاتی اور استقلال سے تبلیغ نہیں کی جاتی۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرہ سال تبلیغ کی مگر مکّہ میں صرف اسّی آدمیوں نے آپ کو قبول کیا۔ اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لے گئے تو پانچویں سال کے آخر میں ہی قوموں کی قومیں، علاقوں کے علاقے اور قبیلوں کے قبیلے اسلام میں داخل ہونے لگ گئے اور وہ آپ کے پاؤں پر عقیدت کے پھُول نچھاور کرنے لگے۔ غرض اس جنگ[1] نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ اس زمانہ میں جہاد کا رستہ بند ہے تو تبلیغ کا رستہ پہلے سے زیادہ کھُلا ہوا ہے۔ مَیں نے جو کہا ہے کہ اس زمانہ میں تبلیغ کا رستہ پہلے سے زیادہ کھلا ہوا ہے تو اس کی میرے پاس دلیل بھی موجود ہے۔ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ کہ آخری زمانہ میں جنّت قریب کر دی جائے گی جس کے معنی یہ ہیں کہ تبلیغ کا راستہ پہلے کی نسبت زیادہ کھُل جائے گا کیونکہ جنّت تبھی قریب ہو سکتی ہے جب بغیر کسی خاص مشقّت کے جنّت میں داخل ہونے کے سامان میسّر آجائیں۔ چنانچہ موجودہ زمانہ میں ایسے ہی حالات پیدا ہو چکے ہیں کہ اب لوگوں کے دل خود بخود موجودہ دینوں سے متنفّر ہو رہے ہیں جس طرح یورپین لوگوں کے دل ایشیائیوں کی حقارت سے پُر ہیں اسی طرح اُن کے دل اپنے مذہب کی تحقیر سے بھی لبریز ہیں۔ پس اگر ایک طرف وہ ہمارا مٹی کا گھر توڑنے کی فکر میں ہیں تو دوسری طرف وہ اپنے رُوحانی گھر کو بھی توڑ رہے ہیں۔ پس یہ کیسا ہی اچھا موقعہ ہے کہ جب وہ ہمارے مٹی کے گھر کو توڑ رہے ہوں ہم انہیں تبلیغ کے ذریعہ اپنے رُوحانی گھر میں لے آئیں۔ اس کے بعد خانہ واحد کا معاملہ ہو جائے گا اور ہمارا نقصان ان کا نقصان اور ہمارا فائدہ اُن کا فائدہ ہو جائے گا۔ غرض یہ ایک ایسی آنکھیں کھولنے والی بات ہے کہ اگر اس کو دیکھتے ہوئے بھی کسی شخص کے دل میں تبلیغ کے متعلق

---

[1] یعنی جہاد بالسیف (ناقل)

بیداری پیدا نہ ہو اور وہ یہ عہدِ صمیم کر کے نہ اُٹھے کہ میں ارد گرد کے رہنے والوں کو اور اپنے ہمسائیوں کو اور جہاں جہاں مَیں پہنچ سکتا ہوں وہاں تک رہنے والوں کو اسلام کی تبلیغ کروں گا تو اس سے زیادہ بدقسمت انسان اَور کوئی نہیں ہو سکتا۔

آج اسلام کی ترقی کے لئے چاروں طرف تلوار کا راستہ بند ہے اور مسدود ہو چکا ہے۔ اسلام کی ترقی کے لئے بندوق کا راستہ بند اور مسدود ہو چکا ہے۔ اسلام کی ترقی کے لئے توپ کا راستہ بند اور مسدود ہو چکا ہے۔ اسلام کی ترقی کے لئے جہازوں اور ہوائی جہازوں کا راستہ بند اور مسدود ہو چکا ہے۔ ایک ایک قلعہ جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے صحابہؓ نے اپنے خون کو بہا کر قائم کیا تھا آج مسمار ہوتا نظر آ رہا ہے اور تلواروں، بندوقوں، توپوں اور ہوائی جہازوں سے اُن قلعوں کو محفوظ رکھنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ لیکن اسی دُنیا کے پردے پر ایک احمدیہ جماعت ایسی ہے جو اپنے دل میں یقین اور ایمان رکھتی ہے کہ توپوں کے ذریعہ سے نہیں، تلواروں کے ذریعہ سے نہیں، بندوقوں کے ذریعہ سے نہیں، ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے نہیں بلکہ تبلیغ اور تعلیم اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ سے پھر دوبارہ ان گرتے ہوئے قلعوں کی تعمیر کی جائے گی۔ پھر دوبارہ اسلام کے احیاء کی کوشش کی جائے گی۔ پھر دوبارہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کو کسی چوٹی پر نہیں، کسی پہاڑ پر نہیں، کسی قلعہ پر نہیں بلکہ دُنیا کے قلوب پر گاڑا جائے گا۔ اور اس میں کیا شبہ ہے کہ دلوں پر گاڑا ہوا جھنڈا اُس جھنڈے سے بہت زیادہ بلند اور بہت زیادہ مضبوط اور بہت زیادہ پائیدار ہوتا ہے، جسے کسی پہاڑ کی چوٹی یا قلعہ پر گاڑ دیا جائے۔

پس آج اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ تبلیغ میں لگ جائے۔ اور غیر احمدیوں کو بھی تلقین کرے کہ وہ دوسرے مذاہب والوں کو تبلیغ کیا کریں۔ کیونکہ گو احمدیت اور عام مسلمانوں کے عقائد میں بہت بڑا فرق ہے۔ مگر پھر بھی مشترکہ مسائل ایسے ہیں جن میں ہمارا اور اُن کا یکساں عقیدہ ہے۔ پس اگر غیر احمدی بھی تبلیغ کرنے لگ جائیں اور وہ غیر مذاہب والوں کو داخلِ اسلام کریں تو گو وہ حقیقی اسلام سے پھر بھی دُور ہوں گے مگر ہمارے نقطہ نگاہ سے وہ پہلے کی نسبت اسلام سے بہت زیادہ قریب ہو جائیں گے۔ آخر ہر جگہ ہم ہندوؤں میں تبلیغ نہیں کر سکتے۔ ہر جگہ ہم سکھوں میں تبلیغ نہیں کر سکتے۔ ہر جگہ ہم جینیوں میں تبلیغ نہیں کر سکتے۔ ہر جگہ ہم

زرتشتیوں میں تبلیغ نہیں کر سکتے۔ ہر جگہ ہم بدھوں میں تبلیغ نہیں کر سکتے۔ بلکہ سینکڑوں ایسے مقامات ہیں جہاں ایک بھی احمدی نہیں۔ پس اگر ہم ہی تبلیغ کریں تو ایک وسیع میدان تبلیغ سے خالی پڑا رہیگا لیکن اگر ہم ہر غیر احمدی کو سمجھانے کی کوشش کریں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب جہاد سے منع کیا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاؤ۔ اور اسلام کی ترقی کے لئے کوئی کوشش نہ کرو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو بجائے تلوار کے ذریعہ پھیلانے کے دلائل و براہین اور تبلیغ کے ذریعہ پھیلاؤ۔ اور اس لحاظ سے اب تمہارا بھی فرض ہے کہ تم یہی ہتھیار لے کر گھر سے نکلو اور ہر غیر مسلم کو تبلیغ کے ذریعہ اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کرو۔ تو اس کے بعد جو لوگ ان غیر احمدیوں کے ذریعہ اسلام میں داخل ہوں گے۔ . . . . وہ حقیقی اسلام کے پہلے کی نسبت بہت زیادہ قریب ہو جائیں گے۔ پس صرف خود ہی تبلیغ نہ کرو بلکہ ہر غیر احمدی کو جو تمہیں ملتا ہے، سمجھاؤ اور اُسے بتاؤ کہ آج اسلام کی ترقی کا صرف یہی ایک حربہ رہ گیا ہے اس کے سوا اور کوئی ذریعہ اسلام کی ترقی کا نہیں۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم میں سے جسے دین سے پیار ہے جسے دیانت سے پیار ہے جس کے اندر نورِ ایمان اور نورِ اخلاص پایا جاتا ہے اب اُس کا فرض ہے کہ وہ اپنے دل کو استوار کر کے

لوگوں کو یہ بتائے کہ وقت مسیح ہے
اب جنگ اور جہاد حرام اور قبیح ہے

اب اس کا یہی فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو تبلیغ کے لئے وقف کر دے اور لوگوں کو بتائے کہ یہ وقتِ مسیح ہے، جنگ و جدل کا زمانہ گذر گیا۔ اب تلوار کا زمانہ نہیں بلکہ تبلیغ کا زمانہ ہے پس ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ دن کو بھی تبلیغ کرے اور رات کو بھی تبلیغ کرے۔ صبح کو بھی تبلیغ کرے اور شام کو بھی تبلیغ کرے۔ اور جب عملی رنگ میں تبلیغ نہ کر رہا ہو تو دماغی رنگ میں تبلیغ کے ذرائع پر غور کرتا رہے۔ گویا اس کا کوئی وقت تبلیغ سے فارغ نہ ہو اور وہ رات اور دن اسی کام میں مصروف رہے" ؎

؎ "الفضل" قادیان ۱۲ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۲ہش /۱۹۴۳ء صفحہ ۶ - ۷ بحوالہ جہاد بالسیف دنا قل

اس ارشاد کے ساتھ ہی حضور نے بحث و مباحثہ کو پوری قوت سے کچل ڈالنے کی بھی ہدایت کی چنانچہ فرمایا:۔

"یاد رکھو۔ تبلیغ وہی ہے جو حقیقی معنوں میں تبلیغ ہو۔ بحث مباحثہ کا نام تبلیغ نہیں۔ مَیں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جس طرح تم اس سانپ کے مارنے کی فکر میں لگ جاتے ہو۔ جو تمہارے گھر میں نکلے۔ اسی طرح اگر تمہارے دلوں میں نورِ ایمان پایا جاتا ہے تو تم بحث مباحثہ کو اسی طرح کچل دو جس طرح سانپ کا سر کچلا جاتا ہے۔ جب تک تم میں بحث و مباحثہ رہے گا۔ اس وقت تک تمہاری تبلیغ بالکل محدود رہے گی اور تمہارا مشن ناکام رہے گا۔ اگر تم اپنی تبلیغ کو وسیع کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم اپنے مشن میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو تم بحث مباحثہ کو ترک کر دو۔ جس دن تبلیغ کے لئے صحیح معنوں میں نکلو گے اور اپنے دلوں میں لوگوں کے لئے درد اور سوز بھر کر اُن تک پہنچو گے وہی دن تمہاری کامیابی کا دن ہوگا اور اسی دن تم صحیح معنوں میں تبلیغ کرنے والے قرار پا سکو گے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تمہارے سامنے خدا تعالیٰ نے جو راستہ کھولا ہے اس پر چل پڑو اور اپنے دائیں بائیں مت دیکھو کہ مومن جب ایک صحیح راستہ پر چل پڑتا ہے تو اپنے ایمان اور اخلاص کے لحاظ سے وہ کسی اَور طرف دیکھنے سے اندھا ہو جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میرا کام یہی ہے کہ مَیں اس راستہ پر چلتا چلا جاؤں اور درمیان میں آنے والی کسی روک کی پرواہ نہ کروں۔ وہ بہادر اور نڈر ہو کر سچائی دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے اور بحث مباحثہ کو ترک کر دیتا ہے

میرے پاس ایک دفعہ ایک انگریز آیا اور مجھے کہنے لگا۔ آپ کس طرح کہتے ہیں کہ اسلام سچا مذہب ہے۔ مَیں نے اُسے اسلام کی سچائی کے متعلق کئی دلائل بتائے۔ مگر ہر دلیل جب میں پیش کرتا وہ اس کے مقابلہ میں انجیل کی کوئی آیت پڑھ دیتا اور کہتا۔ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ انجیل میں تو یہ لکھا ہے۔ مَیں نے اُسے کئی دلائل دیئے۔ مگر جب بھی کوئی دلیل دوں وہ ایسے رحم کے ساتھ کہ گویا مَیں پاگل ہو گیا ہوں، میری طرف دیکھتا تھا اور کہتا تھا۔ آپ کو یہ غلطی لگی ہے انجیل میں تو یہ لکھا ہے۔ مَیں نے اس وقت اپنے دل میں کہا کہ گو یہ ایک غلط راستہ پر ہی ہے مگر اپنے غلط مذہب سے ایسا اخلاص رکھتا ہے جو قابلِ رشک ہے۔ اگر وہ عیسائی ایک منسوخ اور غلط کتاب پر اتنا یقین رکھتا تھا کہ اس کے مقابلہ میں وہ کسی دلیل کو سُننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ تو کیا ہم سچی کتاب اپنے پاس رکھتے ہوئے یہ پسند کر سکتے ہیں کہ ہم عقلی بحثوں میں پڑے رہیں اور اس

کے دلائل لوگوں کے سامنے پیش نہ کریں۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم میں سے بعض کی یہ حالت ہے کہ وہ سچی کتاب اپنے پاس رکھتے ہوئے عقلی بحثوں میں پڑ جاتے ہیں۔ اور درد اور سوز کے ساتھ تبلیغ کرنے سے کتراتے ہیں۔ حالانکہ سچا دعویٰ خود اپنی ذات میں ایسا زبردست اثر رکھنے والا ہوتا ہے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی دلیل نہ ہو تو اس کا صرف تکرار ہی لوگوں پر اثر ڈالنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ تم اگر توحید کے دلائل پیش نہ کرو اور صرف اتنا ہی کہنا شروع کر دو کہ خدا ایک ہے۔ اس کی نافرمانی کرنا اور اس کے مقابلہ میں بُتوں کو کھڑا کرنا اچھی بات نہیں۔ تو گو اس دعویٰ کے ساتھ کوئی دلیل نہ ہو۔ چونکہ یہ ایک صداقت ہے اور صداقت خود اپنی ذات میں ایک شہادت رکھتی ہے۔ اس لئے یہی بات دل پر اثر کر جائے گی اور دُوسرا شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔

پس بحث مباحثہ کو ترک کر دو کہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا۔ بحث مباحثہ میں انسان کبھی مذاق کر بیٹھتا ہے۔ کبھی چبھتا ہوا کوئی فقرہ کہہ دیتا ہے۔ کبھی کسی بات پر اعتراض کر دیتا ہے۔ اور اس طرح بحث مباحثہ بجائے ہدایت دینے کے دوسرے کے دل کو اَور بھی زیادہ سخت کر دیتا ہے اور تمہارا اپنا ایمان بھی اس کے نتیجہ میں کمزور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب تم مذاق کرتے ہو یا کوئی چُبھتا ہوا فقرہ کہہ دیتے ہو تو تمہارے اپنے دل پر بھی زنگ لگ جاتا ہے اور تمہارا ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔ جب تک تم یہ تبدیلی اپنے اندر نہیں کرتے۔ اس وقت تک تم تبلیغ کے کبھی صحیح نتائج نہیں دیکھ سکتے۔ پس بحث مباحثہ کا سر کُچلو اور تبلیغ کی تلوار لے کر کھڑے ہو جاؤ“[1]

حضرت امیر المومنینؓ کی خفگی ایک غیر اسلامی حرکت پر اور مجلس خدام الاحمدیہ کا ریزولیوشن

۲۴؍اخاء/اکتوبر کو مجلس خدام الاحمدیہ کے پانچویں مرکزی سالانہ اجتماع کا تیسرا دن تھا۔ اس روز حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ مقام اجتماع (دارالشکر کے شمالی میدان) میں بارہ بج کر پانچ منٹ پر تشریف لائے۔ اور کبڈی کا فائنل میچ شروع ہوا۔ میچ کے دوران میں بعض ناتربیت یافتہ خدام اور اطفال نے تالیاں بجائیں۔ جس پر حضور نے میچ بند کرا دیا اور فرمایا۔ چونکہ اسلامی تعلیم کے خلاف عمل کیا گیا ہے اس لئے جلسہ برخواست کیا جاتا ہے۔ یہ کہہ کر حضور اسی وقت واپس تشریف لے گئے۔ اور ساڑھے چار بجے

---

[1] ”الفضل“ قادیان ۱۲؍اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ھش/۱۹۴۳ء صفحہ ۸ کالم ۱-۲

پیغام بھیجا کہ خدام قصرِ خلافت میں آجائیں تو مَیں ملاقات کروں گا۔ پانچ بجے خدام تنظیم کے ساتھ قصرِ خلافت میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور نے شرفِ مصافحہ بخشا۔ خدام پھر اپنے کیمپ میں لَوٹے اور آٹھ بجے کے قریب اجتماع کی بقیہ کارروائی اختتام پذیر ہوئی۔ [1]

چونکہ یہ نازیبا اور غیر اسلامی حرکت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی شدید خفگی کا موجب تھی اور اس کی اوّلین ذمہ داری مجلس عاملہ مرکزیہ اور قائدین و زعماء مجلس پر عائد ہوتی تھی۔ اس لئے مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے فوراً ایک اجلاس خصوصی منعقد کیا جس میں حسبِ ذیل قرارداد پاس کی :۔

"ہم میں سے بعض ناتربیت یافتہ خدام و اطفال کی طرف سے ایک آدابِ اسلامی کے خلاف سرزد ہونے والی حرکت کے باعث سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ہم سے ناراض ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کے تاریخی حالات سے ثابت ہے کہ جب بعض اوقات حضورؐ کے بعض صحابہ کرامؓ کی طرف سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہو گئی جس کا نتیجہ حضور علیہ السلام کی ناراضگی ہوا تو اُن اصحابِ رسولؐ نے اس لغزش کی پاداش میں اپنے پر کوئی سزا وارد کرلی۔ جو سزا اُن کی توبہ اور اصلاح کا موجب ہوئی۔ صحابہ کرامؓ کا اُسوۂ حسنہ ہم نوجوانانِ احمدیت کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ چنانچہ اس اُسوہ کی روشنی میں مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ چونکہ اس کی اوّلین ذمہ داری مجلس عاملہ مرکزیہ اور قائدین و زعماء پر ہے۔ اس لئے وہ سب پانچ روزے رکھیں۔ روزہ ہر اتوار کے روز رکھا جائے۔ دیگر اراکین تین روزے رکھیں اور اس حرکت کے قصوروار خدام کے لئے یہ اضافہ ہے کہ علاوہ تین روزوں کے وہ پہلے روزہ میں اعتکاف بیٹھیں اور ہفتہ کی مغرب (۳۰ اخاء) سے اتوار کی مغرب تک وقت مسجد میں گزاریں۔ روزوں میں سب خدام خدا تعالیٰ کے حضور پُوری توجہ اور الحاح کے ساتھ استغفار کریں۔ یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ اس ریزولیشن کی تعمیل ہر مقام کی ہر مجلس کے ہر خادم کے لئے لازمی اور ضروری ہے اور جملہ قائدین، زعماء اور قصوروار خدام انفرادی طور پر تعمیل کے بعد دفتر مرکزیہ کو رپورٹ کریں۔

قرار پایا کہ اس قرارداد کی نقول حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز، صدر مجلس انصار اللہ اور "الفضل" کو بھجوائی جائیں"۔ [2]

---

[1] "الفضل" ۲۶ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴ ۔ [2] "الفضل ۲۹ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴ ۔

فصل چہارم

حضرت امیر المومنینؓ کی ایک اہم نصیحت

کچھ عرصہ (خصوصاً ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کے آغاز) سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی صحت بےحد دماغی کام کرنے اور دوسری علمی مصروفیات میں دن رات منہمک رہنے کی وجہ سے گرتی جارہی تھی اور حالت یہ ہوگئی تھی کہ مہینہ میں ایک دن ایسا آتا تھا جس میں حضور اپنے تئیں تندرست کہہ سکتے تھے اور پندرہ بیس دن ایسے ہوتے تھے کہ جو نیم بیماری اور نیم تندرستی کے دن کہلا سکتے تھے۔ اور یہ علالت دراصل تفسیر کبیر جلد سوم کے زمانہ کی محنت شاقہ کا طبعی ردّعمل تھی۔ جیسا کہ حضور نے ۵ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کے خطبہ جمعہ میں خود بتایا کہ

> "تفسیر کبیر کا جو کام ۱۹۴۰ء میں میں نے کیا اور جس میں راتوں کو بعض اوقات تین تین چار چار بجے تک کام کرنا پڑتا۔ اُس میں روزانہ ۱۷ - ۱۸ گھنٹے کام کرنے کا عمل میری جدوجہد والی زندگی کا آخری دور ثابت ہوا۔ اور اس کے بعد قویٰ مضمحل ہو گئے" [۱]

پہلے نقرس کا عارضہ تھا۔ پھر ایگزیما، کھانسی اور نزلہ کے عوارض بھی لاحق ہو گئے۔ عمر مبارک بھی چوّن سال تک پہنچ گئی۔ مگر احمدی دوستوں خصوصاً قادیان کے احباب کو ابھی تک یہ احساس نہ ہوسکا کہ اعلاناتِ نکاح اور ولیمہ کی دعوتوں میں حضور کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ آخر بادلِ ناخواستہ حضور کو خود ہی اعلان کرنا پڑا۔ کہ میں ایک سال تک نہ کوئی نکاح پڑھاؤں گا اور نہ کسی دعوت میں شریک ہوں گا۔ مگر بعض دوستوں کی طرف سے کہا جانے لگا کہ ہم استثناء کے طور پر اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ اور اعلان کے بعد استثنیٰ کے طور پر بیس پچیس نکاح پڑھانے اور دس پندرہ دعوتوں میں شریک ہونے کی درخواستیں آگئیں۔ اور اس طرح بعض دوستوں نے بیماری میں بھی اپنے آقا پر زائد بوجھ ڈالنے سے گریز نہیں کیا۔ [۲]

ان حالات میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ پوری جماعت کے سامنے صورت حال رکھ دیں۔ چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر حضور نے ۵ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو ایک خاص اور اہم خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ جس میں اپنی خرابی صحت کی کیفیت پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ

---

[۱] "الفضل" ۱۴ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ + [۲] ایضاً [۳] ایضاً صفحہ ۲-۳ (خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ)

"تم سے بہت زیادہ مخلص رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں گذرے ہیں اور مجھ سے بے انتہا شان کا زیادہ آدمی اُن میں موجود تھا۔ مگر اُن کے اخلاص کا یہ رنگ نہ تھا اور نہ وہ لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس قربانی کا مطالبہ کرتے تھے جس کا مجھ سے کیا جاتا ہے۔ مَیں اسے اخلاص نہیں بلکہ عدم علم اور دین کی ناواقفیت سمجھتا ہوں۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑھے ہوئے نکاح بہت ہی محدود ہیں۔ مگر اب مَیں دیکھتا ہوں کہ ذہنیت یہ ہو رہی ہے کہ اسلام زندہ رہے یا مرے، اسلامی علوم پہ کتابیں لکھی جاسکیں یا نہ لکھی جاسکیں مگر یہ ضروری ہے کہ ہمارا نکاح خلیفہ پڑھے . . . . خواہ کتنا ضروری کام کیوں نہ ہو، خلیفہ کی صحت اجازت دے یا نہ دے، خرابیٔ صحت کی وجہ سے اس کی عمر ۱۰ سال کم ہوتی ہے تو ہو جائے مگر یہ ضروری ہے کہ اُسے ولیمہ کی دعوت میں آنا چاہئیے۔ ایک وقت تک مَیں نے اس بات کو برداشت بھی کیا جبکہ میرا ایسا کرنا اسلام کی خدمت کے راستہ میں روک نہ بن سکتا تھا۔ مگر اب میری صحت ایسی نہیں رہی کہ سوائے اس کام کے جو خدمتِ اسلام کا میرے ذمّہ ہے یا کسی ایسے کام کے جو صحت کو درست کرنے والا ہو کوئی اَور کام کر سکوں۔ اگر مَیں ایسا کروں تو اس کے معنٰی یہ ہونگے کہ مَیں اس کے لئے اسلام کے کام کو قربان کروں اور اس کے لئے مَیں تیار نہیں ہوں۔ مجھ سے جب بھی صحت کے متعلق کوئی سوال کرتا ہے تو . . . . تین جواب ہی مَیں دے سکتا ہوں۔ یا کہوں گا اچھا ہوں یا بیمار ہوں اور یا یہ کہ نیم بیمار اور نیم تندرست ہوں۔ مگر جب مَیں کہتا ہوں کہ اچھا ہوں تو اس کے معنے یہی ہوتے ہیں جیسے چراغِ سحری ٹمٹماتا ہے۔ اگر ایک دن بیچ میں حالت اچھی ہو جاتی ہے تو اس کے معنٰی یہ نہیں کہ مَیں تندرست ہو گیا ہوں۔ مُردہ بھی تو مرنے سے پہلے سانس لے لیتا ہے اور تجربہ بتاتا ہے کہ اگر ایک دن طبیعت اچھی رہتی ہے تو دوسرے دن پھر خراب ہو جاتی ہے۔ مومن کا کام ہے کہ ایک دن کے لئے بھی تکلیف میں کمی ہو۔ تو کہے الحمد للہ اچھا ہوں۔ مگر حالت یہ ہے کہ ایک دوست آتے ہیں۔ پوچھتے ہیں۔ کیا حال ہے۔ مَیں کہہ دیتا ہوں الحمد للہ اچھا ہوں۔ تو وہ جھٹ کہہ دیں گے اچھا پھر شام کو دعوت ہمارے ہاں ہے۔ یا اگر میری حالت کچھ اچھی ہے تو مَیں کہتا ہوں۔ الحمد للہ پہلے سے اچھا ہوں۔ تو وہ کہیں گے۔ اللہ تعالےٰ فضل کرے گا کل تک بالکل صحت ہو جائے گی اور کل دوپہر ہمارے ہاں آپ دعوت قبول فرمائیں۔

ایک حصّہ دوستوں کا بے شک ایسا ہے کہ اگر مَیں بیمار ہوں اور کہوں کہ بیمار ہوں تو افسردگی کا اظہار کرکے خاموش ہو جاتا ہے۔ مگر ایک حصّہ تو ایسا ہے کہ جب مَیں کہوں، مَیں بیمار ہوں تو کہتے ہیں کہ کوئی ہرج نہیں ہم سواری کا انتظام کرکے لے چلیں گے اور آپ کو ہرگز کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ گویا وہ اپنی دعوت کو نماز سے بھی زیادہ ضروری سمجھتے ہیں۔ مَیں بعض اوقات کہتا ہوں کہ نماز تو مجھے ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے مسجد میں جاکر ادا کرنا معاف کر دیا ہے مگر آپ کی دعوت معاف نہیں ہو سکتی"۔ ۱؎

یہ تمام تفصیلات بیان کرنے کے بعد فرمایا:۔

"پس مَیں جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ ابھی اسلام کے بہت سے کام کرنے والے ہیں . . . . حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت سے صحابہ فوت ہو چکے ہیں۔ اب بہت تھوڑے باقی ہیں۔ اور اُن میں سے بھی وہ جن کو حضور علیہ السلام کی صحبت نصیب ہوئی اور جن کو حضور علیہ السلام کی دُعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم، حدیث اور اسلامی علوم عطا کئے وہ تو اب بہت ہی تھوڑے ہیں۔ مخالفین نے اسلام کے ہر پہلو پر اور نئے نئے رنگ میں اعتراضات کئے ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ اسلام کے تمام پہلوؤں پر نئے سرے سے روشنی ڈالی جائے۔ ورنہ خطرہ ہے کہ پھر وہی گمراہی دنیا میں نہ پھیل جائے جسے دُور کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دُنیا میں تشریف لائے۔ پس ان کاموں سے جو دوست مجھ سے ہی کروانا ضروری سمجھتے ہیں، بہت بڑا کام باقی ہے اور شاید اس کام کا ابھی چوتھا حصّہ بھی مکمل نہیں ہوا۔ اور ضرورت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کریں کہ اللہ تعالےٰ ہمیں اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم میں سے جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحبت یافتہ ہیں اور جنہوں نے حضور کی دُعاؤں سے حصّۂ وافر پایا ہے یا جن پر آپ کا علم بذریعہ الہام اللہ تعالےٰ نے نازل کیا ہے، اُن کی موجودگی میں یہ کام مکمل کر سکیں تا آئندہ صدیاں اسلام سے قریب تر ہوں، دُور تر نہ ہوں۔ یہ اس کام کے کرنے کا زمانہ ہے۔ مگر موجودہ حالت یہ ہے کہ مَیں اِس سال کا اکثر حصّہ بیمار رہا ہوں اور کوئی کام نہیں کر سکا۔ لیٹے لیٹے ڈاک دیکھ لی یا بعض خطوط کے جواب نوٹ کرا دیئے تو یہ کوئی کام نہیں ہے۔ اصل کام اسلام کی اس روشنی میں توضیح و تشریح

۱؎ "الفضل" ۱۴؍ نبوت / نومبر ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۲۔

ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ نازل فرمائی اور یہ مَیں اس سال خطبات میں بھی بیان نہیں کر سکا۔

سال میں چھ ماہ مَیں بیمار رہا ہوں اور چھ ماہ نیم بیمار۔ گویا آدھا وقت تو یُوں ضائع ہو گیا۔ اور اب تو صحت بھی ایسی ہوتی ہے کہ پورا کام نہیں ہو سکتا۔ پہلے جہاں ۱۷ - ۱۸ گھنٹے کام کر لیتا تھا۔ اب چھ سات گھنٹے بھی نہیں کر سکتا۔ اور اس طرح سال کے تین ماہ ہی رہ جاتے ہیں۔ اور وہ بھی نیم بیمار کے۔ اور اس قلیل وقت میں سے بھی اگر اَور ضائع ہو۔ تو کام کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اچھی طرح یاد رکھو کہ اسلام پر ایسا دَور آنے والا ہے جب اسلام کفر سے آخری ٹکر لے گا۔ اور یہ زمانہ ان سامانوں کے جمع کرنے کا ہے جن سے عیسائیت اور دوسرے مذاہب کو پاش پاش کر دیا جائے۔ اگر یہ سامان جمع نہ ہوئے تو لڑائی کا یہ پہلو نمایاں طور پر کمزور رہ جائیگا۔ گو اللہ تعالیٰ معجزانہ فتح دے دے تو اَور بات ہے۔ پس اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ جس جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی جتنی جتنی سمجھ دی ہے۔ اس کے مطابق اسلامی علوم کو محفوظ کر دیا جائے۔ ورنہ جو جو لغویات اسلام کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ ان سے بہت زیادہ گمراہی پھیلنے کا اندیشہ ہے اور آنے والی نسلیں اس صداقت سے محروم رہ جائیں گی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظاہر کی ہے۔ پس میں پھر ایک دفعہ احباب جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ اب یہ حالت ہے کہ میرا نصف سے زیادہ وقت بیماری میں ضائع ہو جاتا ہے اور جو نصف وقت رہتا ہے اس میں کمزوری کی وجہ سے زیادہ کام نہیں کر سکتا۔ اس لئے دوستوں کو چاہیئے کہ ان باتوں میں عقل و خرد سے کام لیں اور اسلام سے محبت کا ثبوت دیں اور میرے وقت کو خواہ مخواہ ضائع ہونے سے بچائیں۔ ورنہ یہ مت سمجھیں کہ یہ باتیں برکت دینے والی ہیں۔ ایسی باتیں برکت دینے والی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہو جایا کرتی ہیں۔ یہ میرے ساتھ محبت کا اظہار نہیں بلکہ تکلیف دینے والی باتیں ہیں"[1]

حضرت امیر المومنین کیطرف سے سلسلہ احمدیہ کی تاریخ محفوظ کرنے والے تین بزرگوں کو خراج تحسین

سلسلہ احمدیہ کے پہلے مؤرّخ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے اگر اخبار "الحکم" اور متعدد تالیفات کے ذریعہ سے تاریخ احمدیت محفوظ کرنے کا عظیم کارنامہ انجام دیا تو

---

[1] "الفضل" قادیان ۱۴ نبوت / نومبر ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۳

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کو اخبار "بدر" کے مدیر کی حیثیت سے اس عہد مقدس کے حالات محفوظ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ علاوہ ازیں حضرت مفتی صاحبؓ نے دسمبر ۱۹۳۶ء میں "ذکرِ حبیب" کے نام سے ۴۴۰ صفحات پر مشتمل ایک نہایت ایمان افروز کتاب شائع فرمائی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک زمانہ کے اہم واقعات درج کئے جو سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کا ذکر ہے کہ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی خدمت میں یہ اطلاع پہنچی کہ کسی نوجوان سے ایک مجلس میں یہ سوال کیا گیا کہ کتاب "ذکرِ حبیب" کے بارہ میں اُن کی کیا رائے ہے، اور حضرت مفتی صاحبؓ کو ایک مورخ کی حیثیت سے وہ کیا سمجھتا ہے؟ اس پر اس نے جواب دیا کہ میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو ایک مورّخ کی حیثیت سے سند نہیں مانتا۔ اُن کا حافظہ اس قسم کا نہیں کہ کسی کے سوانح لکھنے کے وہ قابل ہوں۔[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے ۱۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو ایک مفصل خطبہ جمعہ میں اس حرکت پر سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ، حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ اور حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ کو اس عظیم خدمت پر خراجِ تحسین ادا کیا کہ انہوں نے سلسلہ احمدیہ کی تاریخ محفوظ کر کے جماعت احمدیہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:-

> "اس وقت صرف چند لوگ ایسے ہیں جن کے ذریعہ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی باتیں مل سکتی ہیں۔ مفتی صاحبؓ ہیں۔ شیخ یعقوب علی صاحبؓ ہیں۔ بڑے بڑے تو یہی ہیں۔ جو ایڈیٹر بھی تھے اور جن کو کثرت سے آپ کی باتیں سننے کا موقعہ ملا۔ تیسرے پیر سراج الحق صاحب مرحومؓ تھے۔ ان کو بھی خوب باتیں یاد تھیں۔ مفتی صاحبؓ اور شیخ یعقوب علی صاحبؓ بدر اور الحکم کے ایڈیٹر تھے۔ اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُن پر بعض دفعہ ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ تو ہمارے لئے اس طرح ہیں جس طرح مُردہ کے لئے منکر نکیر ہوتے ہیں۔ ہم یونہی بات کرتے ہیں اور یہ چھاپ دیتے ہیں اور دشمن پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے آپ اُن کی بہت قدر کرتے تھے۔ مفتی صاحبؓ کو تو آپ اپنے خاص صحابہؓ میں شمار کیا کرتے تھے۔ اسی طرح شیخ یعقوب علی صاحبؓ بھی آپ کے بڑے مقرب اور پیارے تھے۔ پس ان لوگوں کے متعلق یہ کہنا کہ یہ غیر مستند ہیں علمِ تاریخ

[1] "الفضل" ۲۴ ظہور/اگست ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۲ کالم ۱ ٭

سے ناواقفی کی بات ہے . . . . . بعض اوقات انسان بات کا مطلب غلط سمجھ لیتا ہے مگر اس وجہ سے اُسے غیر مستند نہیں کہا جا سکتا۔ غیر مستند اور ناقابلِ اعتبار اُسے کہا جاتا ہے جو غلط طریق اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل اور سمجھ دی ہے۔ اگر کوئی ایسی بات کسی روایت میں ہو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چلن اور کیریکٹر کے خلاف ہو، آپ کی عام تعلیم کے خلاف ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ راوی کو غلطی لگی ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ غیر مستند ہے۔

تو انسان کو اس علم کے بارے میں جسے وہ جانتا نہیں بات کرتے وقت بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔ ایسی بات کرنے والا شخص علمِ تاریخ سے قطعاً ناواقف ہے۔ تاریخ کا علم بڑا پیچیدہ علم ہے۔ کسی تاریخی بات کو سمجھنے کے لئے اس زنجیر کو سمجھنا بھی ضروری ہوتا ہے جس سے وہ بات چلتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے علم میں دسترس رکھتا ہے تو اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ تاریخ کے علم کا بھی ماہر ہے۔ ایک بڑے سے بڑے فلاسفر کا ڈاکٹری کے علم میں ماہر ہونا ضروری نہیں۔ اسی طرح ایک بڑے سے بڑا ڈاکٹر لازماً فلاسفر نہیں ہو سکتا۔ اور جس علم سے واقفیت نہ ہو اس میں دخل دینا غلط طریق ہے اور ایسی باتیں کرنا آداب کے خلاف ہے۔ مَیں بھی یہ مانتا ہوں کہ مُفتی صاحب کی روایات میں غلطی ہو سکتی ہے۔ اور اگر کہنے والے کے علم میں ایک بات غلط ہے تو ممکن ہے میرے نزدیک دس باتیں غلط ہوں۔ لیکن اس کے باوجود ان لوگوں کی خدمات اور اُس احسان میں جو تاریخ لکھ کر انہوں نے جماعت پر کیا ہے، کوئی فرق نہیں آسکتا۔ غلطیاں شاید مَیں دوسروں سے زیادہ جانتا ہوں۔ مگر اُن کی بناء پر ان کو ناقابلِ اعتبار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جس طرح مَیں نے بتایا ہے کہ پرانے مفسرین کی کسی غلط بات کی بنیاد پر اُن کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بعض نادان مجھ سے یہ بات سُن کر کہ پُرانے مفسرین نے فلاں بات لکھی ہے، کہہ دیا کرتے ہیں کہ ان تفسیروں میں کیا رکھا ہے۔ مگر مَیں جس سے کسی غلط بات کا علم حاصل کر کے وہ یہ الفاظ کہتے ہیں اُن کے احسان کو مانتا ہوں اور میری گردن ان کے بارِ احسان سے اُٹھ نہیں سکتی۔ اگر وہ لوگ لغوی، صرفی، نحوی بحثیں نہ کرتے اور وہ ذخائر جمع نہ کر جاتے، اگر وہ اس قدر وقت صرف نہ کرتے تو آج ان باتوں پر ہمیں وقت لگانا پڑتا۔ پھر اگر ہم اُن کے ممنون نہ ہوں تو یہ غداری اور ناشکری ہو گی۔ انہوں نے قرآن کریم کی ایسی خدمت کی ہے کہ اگر وہ آج ہوتے تو بے شک وہ اس احسان کی بھی قدر کرتے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے

ذریعہ کیا ہے۔ مگر اس حصہ میں جو خدمتِ قرآن میں اُن کا ہے ہم بھی ان کی شاگردی سے دریغ نہ کرتے۔

پس ہمارے نوجوانوں کو بہت احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہؓ کی عزت و احترام میں فرق نہ لانا چاہیئے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ وہ جو کچھ کہیں اُسے مان لیں۔ مَیں خود بھی ہر بات کو نہیں مانتا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ ناقابلِ اعتبار ہیں۔ اگر کوئی بات غلط ہے تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے اس وقت راوی کی توجہ کسی اَور طرف ہو۔ ممکن ہے۔ اس نے ساری بات سُنی ہی نہ ہو۔ پھر یہ بھی ممکن ہے، ساری بات سُنی تو ہو مگر غلط سمجھی ہو۔ مگر اس کی وجہ سے اسے ناقابلِ اعتبار نہیں کہا جا سکتا۔ . . . . . جن لوگوں کو انبیاء کی صحبت حاصل ہوتی ہے اُن سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ مگر وہ اتفاقی ہوتی ہیں۔ اور غلطی کے امکان کے باوجود یہ کام وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا ہی نہیں۔ اُسے اگر کہا جائے کہ آپ کے زمانہ کی تاریخ لکھو تو وہ کیا لکھ سکتا ہے۔ وہ بھی لازماً ان لوگوں کے پاس ہی جانے پر مجبور ہوگا۔ پس کسی بات کی وجہ سے انہیں غیر مستند اور ناقابلِ اعتبار قرار دینا درست نہیں۔ غلطی کا ہونا اَور بات ہے اور غلط کار ہونا اَور بات ہے۔ ہم کسی بڑے سے بڑے موقع کے متعلق بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ کُفر کی بات ہے مگر اس کی وجہ سے اُسے کافر نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح کسی بات کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ واقعات اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں ہوتے کہ مصنف ناقابلِ اعتبار اور غیر مستند ہے" [1]

افتاء کمیٹی کا قیام

اس سال کے آخر میں فقہ اسلامی کے مختلف مسائل پر غور و فکر کرنے کے لئے نظارت تعلیم و تربیت کی درخواست اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے ارشاد پر "افتاء کمیٹی" کے نام سے ایک نیا ادارہ معرض وجود میں آیا جس کے ابتداء میں حسب ذیل ممبران حضور کے حکم سے نامزد کئے گئے:۔

۱۔ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ (مفتی سلسلہ)

۲۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ

۳۔ مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری [2]

---

[1] "الفضل" ۲۴ ظہور/اگست ۱۳۳۹ ہش ۱۹۶۰ء صفحہ ۳ تا ۵ ؛ [2] "الفضل" ۳ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ ہش ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۲ ؛

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ اگلے سال ۱۷ امان / مارچ ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کو انتقال فرما گئے جس پر حضور نے ممبرانِ افتاء کمیٹی میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل (جٹ) کا اضافہ فرما دیا۔ اور کمیٹی کے صدر حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحبؓ اور سیکرٹری مولانا ابوالعطاء صاحب مقرر کئے گئے۔[1]

۳ احسان / جون ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء کو حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحبؓ کا وصال ہو گیا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے حکم سے ملک سیف الرحمٰن صاحب واقف زندگی تحریک جدید اس اہم منصب پر ممتاز ہوئے اور اب تک مفتی سلسلہ کے فرائض بجا لا رہے ہیں۔

ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ کی رپورٹ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ماہ نبوت / نومبر ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء میں افتاء کمیٹی کا ازسرِ نو قیام "مجلس افتاء" کے نام سے فرمایا۔ جس کے ابتدائی فرائض و قواعد یہ قرار پائے:۔

۱۔ فتویٰ کی غرض سے دفتر افتاء میں آمدہ اہم مسائل کے بارہ میں مُفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ کو مشورہ دینا۔

۲۔ فقہ اسلامیہ کے اہم اختلافی مسائل کے متعلق آئمہ فقہ کی آراء اور اُن کے دلائل سے واقفیت حاصل کرنا۔ اس سلسلہ میں ہر ممبر کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنے مطالعہ کے نتائج اور اس بارہ میں اپنی ذاتی رائے سے دفتر افتاء کو وقتاً فوقتاً مطلع کرتا رہے۔

۳۔ سیاسی، تمدّنی اور تاریخی حالات کی روشنی میں "علم الخلاف" کا مطالعہ خصوصی۔

۴۔ دفتر افتاء کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ہر اہم فتویٰ کے متعلق مجلس کے کم از کم تین ممبران کا مشورہ حاصل کرے۔ لیکن مفتی سلسلہ اس مشورہ کو قبول کرنے پر مجبور نہیں ہونگے۔ البتہ اگر مجلس کے تمام ممبران متفق الرائے ہوں اور مفتی سلسلہ کو پھر بھی اس سے اختلاف ہو۔ تو اس صورت میں دفتر افتاء پر واجب ہوگا کہ وہ تمام حالات حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت اقدس میں تحریر کر کے اس کے متعلق آخری فیصلہ حاصل کرے۔[2]

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے مجلسِ افتاء کے اوّلین ممبر مندرجہ ذیل علماء سلسلہ کو مقرر فرمایا:۔

۱۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس ناظر تالیف و تصنیف۔

---

[1] "الفضل" ۲۴ ہجرت / مئی ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔ [2] "الفضل" ۲۷ نبوت / نومبر ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

۲۔ مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعہ احمدیہ احمد نگر

۳۔ مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب واقف زندگی تحریک جدید

۴۔ مولوی محمد احمد صاحب ثاقب واقف زندگی تحریک جدید

۵۔ مولوی خورشید احمد صاحب واقف زندگی تحریک جدید

۶۔ مولوی محمد احمد صاحب جلیل واقف زندگی تحریک جدید

بیماری کے باوجود حضرت امیرالمومنینؓ کی شاندار تقاریر سالانہ جلسہ ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء

حضور پر ۴ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء کو دن کے ڈیڑھ بجے کے قریب گردے کے مقام پر شدید درد کا حملہ ہوا۔ اور متلی اور قے کی وجہ سے دل میں بھی بہت تکلیف شروع ہوگئی[1] اور پھر بخار بھی ہوگیا۔[2] ۷؍فتح کو نقرس اور کھانسی کی تکلیف بڑھ گئی۔[3] مگر خدا کے فضل سے بعد کو بتدریج ان سب عوارض میں افاقہ ہونے لگا اور ۱۳؍فتح کو نقرس سے بھی آرام آگیا۔ اور حضور چلنے پھرنے لگے[4] تاہم نقاہت بہت ہوگئی اور اسی بناء پر حضور نے احباب جماعت کو قبل از وقت آگاہ بھی فرما دیا کہ

"میری اپنی طبیعت بھی بہت کمزور ہے۔ پھر بڑے زور کا حملہ نزلہ اور کھانسی کا مجھ پر ہوا ہوا ہے۔ اور سینہ میں درد اور گلے میں سخت خراش ہے۔ متواتر بیماریوں کی وجہ سے مَیں بہت کمزور ہوچکا ہوں۔ اس لئے ملاقاتوں اور تقریروں کے وقت میں معتدبہ کمی کرنی ضروری ہوگی۔ اس لئے دوستوں کو چاہیئے کہ قربانی کرکے مجھے اس مالایُطاق بوجھ سے بچائیں۔ غالباً اگر مجھے بولنے کی توفیق ملی تو گھنٹہ دو گھنٹہ سے زیادہ مَیں نہ بول سکوں گا۔ اور ملاقاتیں رات کے وقت اگر کلّی طور پر بند نہ کی گئیں تو بہت حد تک محدود ضرور ہوں گی۔"[5]

پھر حضور کی توجہ کو بٹانے والی اور بہت بڑی تشویش کا موجب حضرت سیدہ ام طاہر احمد کی تشویشناک علالت تھی جنہیں حضور بےحد نازک حالت میں علاج کے لئے ۱۷؍ماہ فتح/دسمبر کو لاہور لے گئے تھے[6] اور وہاں لیڈی ولنگڈن ہسپتال میں داخل کرانے کے بعد محض سالانہ جلسہ پر آنے والے دوستوں کی خاطر ۲۲؍ماہ فتح/دسمبر کو واپس قادیان تشریف

---

[1] "الفضل" ۲؍فتح/دسمبر ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۲۔
[2] "الفضل" ۳؍فتح/دسمبر ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۲۔
[3] ″ ۸؍ ″ ″ ″ ″ ۔
[4] ″ ۱۵؍ ″ ″ ″ ″ ۔
[5] ″ ۱۹؍ ″ ″ ″ ″ ۔
[6] ″ ۱۹؍ ″ ″ ″ ″ ۔
[7] ″ ۲۴؍ ″ ″ ″ ″ ۔

لے آئے۔ ۲۶ر فتح/دسمبر تک اُن کی حالت میں کوئی افاقہ نہیں ہوا تھا بلکہ اس دن حضور کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا ہے کہ اپریشن کے سوا علاج کی اور کوئی صورت نہیں اور بُدھ کے دن (۲۹ر ماہ فتح) اپریشن کرنا تجویز کیا گیا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے عاجز بندوں کی دردمندانہ التجائیں قبول فرماتے ہوئے ایک طرف حضرت سیّدہ ام طاہر کو قدرے افاقہ بخشا اور اپریشن کی فوری ضرورت نہ رہی۔ دوسری طرف حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کو ان ایام میں غیر معمولی طور پر ایسی طاقت اور توانائی عطا فرمائی کہ حضور نے حسب معمول سالانہ جلسہ پر ملاقاتیں بھی کیں اور پانچ تقریریں بھی۔ جن میں سے ۲۷ر اور ۲۸ر فتح کی دو تقریریں لمبی تھیں۔[1] مؤخر الذکر تقریر "اسوۂ حسنہ" کے موضوع پر تھی اور جو بعد کو کتابی شکل میں بھی شائع ہو گئی۔

حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اپنی اس آخری معرکۃ الآراء تقریر میں بڑے دلنشیں انداز میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی کہ ہمیں اپنے ہر قول، ہر فعل اور ہر حرکت و سکون میں یہ امر مدّنظر رکھنا چاہیئے کہ ہمارا یہ کام محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریق عمل کے مطابق ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہماری نجات اسی میں ہے کہ ہم حضورؐ کی کامل متابعت اختیار کر کے نقوش محمدی اپنے آئینۂ قلب میں پیدا کر لیں۔

اسی تعلق میں حضور نے فرمایا :-

"لوگ کہتے ہیں۔ اسلام نے تصویر بنانا منع کر کے آرٹ کو نقصان پہنچایا ہے۔ وہ نادان یہ نہیں جانتے کہ اسلام تو ہر مسلمان کو آرٹسٹ بناتا ہے۔ وہ تصویر بنانے سے نہیں روکتا بلکہ ادنیٰ اور بے نفع تصویریں بنانے سے روکتا ہے اور وہ تصویر بنانے کا حکم دیتا ہے جو اس دُنیا میں بھی انسان کے کام آنے والی ہے اور آخرت میں بھی انسان کے کام آنے والی ہے۔

لوگ تصویریں بناتے ہیں تو کیا کرتے ہیں۔ وہ برش لے کر کبھی کُتّے کی تصویر بناتے ہیں۔ کبھی گدھے کی تصویر بناتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ انہوں نے کُتّے یا گدھے کی تصویر بنالی۔ مگر اسلام کہتا ہے۔ اے مسلمانو! تم میں سے ہر شخص رات اور دن۔ صبح اور شام، بچپن اور جوانی اور بڑھاپے میں عقل اور فہم کا برش لیکر محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تصویر کھینچتا رہے جو ہماری تصویر ہے۔

پس اس تصویر کو کھینچو اور بار بار کھینچو یہاں تک کہ تم بھی محمدؐ بن جاؤ اور چونکہ محمدؐ ہماری تصویر

---

[1] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۹۴۴ء/۱۳۲۳ ہش صفحہ ۱

ہے اس لئے جب تم محمدؐ بنو گے تو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح تم بھی ہمارے قرب میں آجاؤ گے۔

پس ہر مسلمان آرٹسٹ ہے۔ ہر مسلمان مصوّر ہے۔ مگر وہ اس قیمتی چیز کی تصویر بناتا ہے جو دنیا کے لئے بھی مفید ہے اور آخرت کے لئے بھی مفید ہے۔ وہ لغو چیزیں نہیں بناتا جن سے بہتر تصویریں نیچر نے پہلے ہی تیار کی ہوئی ہیں۔ ورنہ اسلام ہر مسلمان کو حکم دیتا ہے کہ جلوۂ الٰہی قلب محمدؐ پر پڑ رہا ہے۔ اُس نے خدا تعالےٰ کا قُرب حاصل کر کے اس کی تصویر اپنے دل پر کھینچ لی ہے مگر تم میں سے ہر شخص کو خدا تعالیٰ سے اس قدر قریب ہونے کی توفیق نہیں ہے اس لئے تم مُحمّد رَسُولُ اللّٰہؐ کے دل کی تصویر اپنے دلوں پر کھینچو۔ اس طرح اصل کو دیکھ نہ سکو تو اس کی تصویر سے تم ایک اَور تصویر کھینچ سکو گے۔

غرض تمام انسان محمدی تصویر سے جمالِ الٰہی کی تصویر کھینچنے کے قابل ہیں۔ صرف ہمّت کی ضرورت ہے اور کوشش کی ضرورت ہے ورنہ راستہ کُھلا ہے اور ہمیشہ کُھلا رہے گا۔"[1]

فصل پنجم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال اس سال کئی مقتدر اور بلند پایہ صحابہ نے وفات پائی۔ ان کے مختصر کوائف درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ چودھری رکن الدین صاحب لدھیانوی (وفات: ۴ صلح/جنوری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء)[2]

۲۔ عبدالمغنی خاں صاحب سنوری

(بیعت: ۱۹۰۳ء وفات: ۶ صلح/جنوری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء بعمر ۸۰ سال)[3]

بیعت سے پہلے آپ کے گھر میں محرم کی مجالس ہوا کرتی تھیں۔ مگر جب سے بیعت کی گھر کا رنگ ہی بدل گیا اور مجالس محرم کی جگہ درثمین کے اشعار نے لے لی۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمات بجا لانے کا

---

[1] "اسوۂ حسنہ" صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۳ (لیکچر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ) [2] "الفضل" ۷ صلح/جنوری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱
[3] "الفضل" ۹ صلح/جنوری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۲

بہت شوق تھا۔ سالانہ جلسہ کے علاوہ بار بار نہ صرف خود قادیان حاضر ہوتے رہتے بلکہ اپنے عزیزوں کو بھی بھیجتے آپ نے اپنے اکلوتے بیٹے عبدالغفور خاں معہ اس کی والدہ کے، اسی طرح اپنے بھانجے سید علی احمد صاحب ساکن رجادلی (انبالہ) کو تحصیل علم کے لئے لڑکپن ہی میں قادیان بھجوا دیا تھا۔ اور اپنے بیٹے اور نواسے اور پوتی اور نواسی کے رشتے قادیان ہی میں کئے۔ یہیں زمین خریدی اور پانچ چھ سو روپیہ لگا کر کنواں لگوایا۔ حضرت قاضی ظہور الدین صاحب اکمل رضی نے اُن سے پوچھا کہ آپ اسے اتنا مستحکم کیوں کر رہے ہیں؟ جواب دیا کہ پشتوں تک کام دے۔ فالج کا حملہ ہوا تو بالاصرار قادیان میں آ گئے۔ مگر پھر کچھ عرصہ بعد واپس جانا پڑا اور پٹیالہ میں وفات پائی اور بہشتی مقبرہ قادیان کے قطعہ صحابہ میں دفن کئے گئے۔[1]

۳۔ حافظ غلام محمد صاحب رضی ساکن دھیر کے کلاں ضلع گجرات (برادر خورد ابوعبیداللہ حضرت حافظ مولوی غلام رسول صاحب وزیر آبادی رضی)

(وفات: ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء بعمر ۸۲ سال)[2]

۴۔ حضرت مولوی غلام حسن خاں صاحب پشاوری رضی (ولادت: ۱۲۶۸ھ یا ۱۸۵۲ء)[3]

بیعت: ۱۷ مئی ۱۸۹۰ء وفات: یکم تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء[4]

حضرت مولوی صاحب رضی کی سلسلہ احمدیہ سے وابستگی، فدائیت اور بیعت خلافت ثانیہ کی تفصیل ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء میں گذر چکی ہے جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ نظام خلافت سے دوبارہ وابستہ ہونے کے بعد آپ نبوت/نومبر ۱۳۲۱ ہش/۱۹۴۲ء سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے ہاں قیام پذیر تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی نے آپ کا جنازہ ۳ تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء کو ایک بھاری مجمع کے ساتھ بہشتی مقبرہ سے متصل باغ میں پڑھایا۔ نعش کو کندھا دیا اور صحابہ کے قطعہ خاص میں تدفین کے بعد آپ کی قبر پر دعا کرائی۔[5]

آپ کی وفات پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی نے "ایک بزرگ صحابی کا وصال" کے عنوان سے ایک لطیف مضمون تحریر فرمایا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظر میں آپ کے مقام، آپ کی خدمات اور آپ کے خدا تعالیٰ کی تقدیر خاص سے بیعت خلافت سے مشرف ہونے اور خلافت ثانیہ کی تائید میں مضامین لکھنے اور بالآخر بہشتی مقبرہ میں سپرد خاک کئے جانے پر نہایت مؤثر اور پُرزور پیرایہ میں روشنی

---

[1] "الفضل" ۲۷ امان/مارچ ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴۔ [2] "الفضل" ۲۰ صلح/جنوری ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۲۔
[3] "الفضل" ۳ تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۳ (مختصر سوانح مرتبہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب آف مردان)۔
[4] "الفضل" ۳ ؍ ؍ صفحہ ۲ کالم ۱۔ [5] "الفضل" ۵ تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲۔

ڈالی اور اس کے آخر میں غیر مبائعین کے ایک معزز رکن مولوی محمد یعقوب خاں صاحب ایڈیٹر اخبار "لائٹ" کا ایک مبارک و مبشّر خواب بھی درج فرمایا جو یہ تھا:۔

"مَیں نے (حضرت مولانا مرحوم کی وفات سے چند دن قبل) رویا میں دیکھا کہ آپ ہی کے مکان میں مولانا چارپائی پر پڑے ہیں اور بیماری کی حالت میں ہیں۔ اس چارپائی کے ساتھ ساتھ بڑے موٹے موٹے انار لگے ہوئے ہیں جیسے ایک درخت کے ساتھ۔ مگر ہر ایک انار کٹا کٹایا ہے اور اس کے موٹے موٹے دانے ایسی چمک اور کشش رکھتے تھے کہ کھانے کو دل للچاتا تھا۔ اور جب مَیں نے بھی ہاتھ بڑھا کر اس کے دو چار دانے کھائے تو خیال گذرا کہ یہ تو مولانا کی چیز ہے اور ساتھ ہی یہ سمجھ آئی کہ یہ جنّت کا وہ نقشہ ہے جو قُطُوْفُھَا دَانِیَۃٌ میں کھینچا گیا ہے۔" [1]

یہ رویا جہاں ایک طرف حضرت مولوی صاحب مرحوم کے نہایت نیک انجام کی طرف اشارہ کرتی تھی، وہاں دوسری طرف ہمارے غیر مبائعین اصحاب کے لئے بھی ایک زبردست حجت تھی۔

۵۔ حضرت مفتی چراغ الدین صاحب بٹالوی رضؓ سابق ملازم ریاست کپورتھلہ

(وفات: ۲۵ ہجرت/مئی ۱۳۲۲ھش/۱۹۴۳ء بعمر قریباً سو سال) [2]

آپ کی بیان فرمودہ روایات الحکم ۱۴-۲۱ صلح/جنوری ۱۳۲۲ھش/۱۹۴۳ء میں شائع شدہ ہیں۔

۶۔ گلاب خاں صاحب سب ڈویژنل آفیسر ملٹری ورکس سیالکوٹ۔

(وفات: ۲۹ احسان/جون ۱۳۲۲ھش/۱۹۴۳ء)

آپ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضؓ کے خاص دوستوں میں سے تھے اور انہی کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میں داخل ہوئے تھے۔ نمازوں اور دُعاؤں کا خاص شغف تھا اور خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فدائی تھے۔ [3]

۷۔ حضرت چوہدری غلام احمد صاحب رضؓ امیر جماعت احمدیہ کریام (تحصیل نوانشہر دوآبہ ضلع جالندھر)

(ولادت: ۱۸۷۵ء/۱۸۷۶ء، بیعت: جنوری/فروری ۱۹۰۳ء، وفات ۲ وفا/جولائی ۱۳۲۲ھش/۱۹۴۳ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہایت مخلص اور فدائی صحابہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ شب بیدار،

---

[1] "الفضل" ۱۸ تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ھش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۳۔ [2] "الفضل" ۱۴ وفا/جولائی ۱۳۲۲ھش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
[3] "الفضل" ۲ وفا/جولائی ۱۳۲۲ھش/۱۹۴۳ء صفحہ ۵۔

مستجاب الدعوات اور صاحب رویا و کشف بزرگ تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی بیعت لینے کے بعد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے جلد جماعت پیدا کر دے گا" چنانچہ یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور چھ ماہ کے اندر کریام میں مضبوط جماعت بن گئی جو ۲۹ر نومبر ۱۹۳۷ء کو تین سو پندرہ نفوس تک اور ۱۹۴۷ء میں قریباً پانچسو تک پہنچ گئی۔[۱] آپ نے گرد و نواح میں بھی تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ آپ کو قصبہ راہوں کے چودھری فیروز خاں صاحب اور کاٹھ گڑھ کے مولوی عبدالسلام صاحب جیسے پُرجوش رفقاء مل گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی کے مبارک زمانہ میں کریام، راہوں، کاٹھ گڑھ، سڑوعہ، لنگڑوعہ، کریم پور، بنگہ، پنام، مکند پور، بکھلور اور لنگیری وغیرہ مقامات پر مخلص احمدی جماعتیں قائم ہو گئیں۔[۲]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۶ پر اپنے ایک عظیم الشان نشان کے گواہوں میں آپ کا نام پچاسویں نمبر پر درج فرمایا ہے۔ آپ اُن سابقون الاولون میں سے تھے جنہوں نے حضورؑ کے عہد مبارک میں (۲۹ر دسمبر ۱۹۰۷ء کو) وصیت کر کے اپنا حصہ جائداد بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان ہبہ کر کے قبضہ بھی دے دیا تھا۔[۳]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے کئی بار اپنے خطوط میں آپ کو لکھا کہ "مجھے آپ سے بہت محبت ہے"۔ ایک بار موضع کریم پور (ضلع جالندھر) کے احباب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے اُن کو نصیحت فرمائی کہ آپ لوگ بار بار قادیان آتے رہیں تا ایمان تازہ رہے۔ انہوں نے اپنی مجبوریاں پیش کیں۔ اس پر فرمایا۔ "اچھا اگر قادیان نہ آسکو تو حاجی غلام احمد صاحب کے پاس کریام ہو آیا کرو"[۴]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ساتھ غایت درجہ محبت تھی اور حضور کی ہر تحریک پر ابتداء ہی میں پُرجوش رنگ میں شمولیت سے انہیں خاص رُوحانی سرور حاصل ہوتا تھا۔ فرض اور طوعی ہر قسم کے چندوں میں نمایاں حصہ لیتے۔ اور مالی اور جانی قربانیوں میں پیش پیش رہتے تھے۔ اور اغراض سلسلہ کی تکمیل کے لئے شبانہ روز مصروف رہتے۔ تبلیغ میں انہماک کا یہ عالم تھا کہ آپ نے جماعت کریام کو دس حصوں میں تقسیم کر کے ان کے امیر وفد مقرر کر رکھے تھے۔ ہر گروہ آپ کی زیر نگرانی تبلیغ کے لئے باہر جاتا تھا۔ حلقہ تبلیغ ارد گرد کا پانچ میل تک کا علاقہ ہوتا

---

[۱] "اصحاب احمد" جلد دہم صفحہ ۹۶ (مؤلفہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان)۔ [۲] "الفضل" ۲۴ر جون ۱۹۲۸ء صفحہ ۷ (روایات حضرت حاجی صاحبؓ)۔ [۳] "اصحاب احمد" جلد دہم صفحہ ۹۹ حاشیہ و صفحہ ۱۲۴۔ [۴] "اصحاب احمد" جلد دہم صفحہ ۱۲۷ (حاشیہ)۔

تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کے ارشاد پر خود بھی سال بھر میں نئے احمدی بنانے کی تحریک میں حصہ لیتے اور دوسروں سے بھی وعدے لیتے۔[1] آپ نے ضلع جالندھر اور ہوشیار پور میں مبلغین احمدیت کے ساتھ کئی بار طویل دورے کئے۔ ۱۹۲۳ء میں جن مجاہدوں نے علاقہ ارتداد ملکانہ میں تبلیغی جہاد کیا۔ اُن میں آپ بھی شامل تھے ۱۹۳۵ء میں علاقہ مکیریاں کی تبلیغی مہم میں شرکت کی اور ایک ایک ماہ وقف کر کے پہلے سال موضع عمرا پور میں اور دوسرے سال خاص مکیریاں میں بطور امیر المجاہدین کام کیا۔ جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے خوشنودی کے سرٹیفکیٹ عطا فرمائے۔

ابتداء میں کریام اور کریہا کے[2] احمدی آپ کے مکان کی بیٹھک میں نمازیں پڑھتے تھے۔ ۱۹۱۵ء میں حضرت حاجی صاحب رض نے ایک فراخ اور عمدہ مسجد تعمیر کرائی جس کے اکثر اخراجات آپ نے برداشت کئے۔ تعمیر مسجد کے بعد اگلے سال آپ نے ۳ جون ۱۹۱۶ء سے ایک پرائمری سکول جاری فرمایا اور ابتداء میں اس کا پورا خرچ اپنی گرہ سے ادا کیا۔ بعد کو اگرچہ حکومت اور مرکز سلسلہ کی طرف سے بھی امداد ملنے لگی۔ مگر جب بھی گرانٹ بند ہو جاتی۔ آپ مدرسہ کی مالی ضروریات از خود پوری کر دیتے۔ اس مدرسہ کے نگران اور مینیجر کے فرائض ہمیشہ خود انجام دیتے اور بعض اوقات طلبہ کو خود بھی پڑھاتے تھے۔[3]

حضرت حاجی صاحب رض کی دیانتداری اور راست بازی ہر دوست دشمن کو مسلم تھی۔ ایک شخص (رام لال برہمن ساکن راہوں) نے پچاس گھماؤں اراضی آپ کے نام بغیر اطلاع دیئے کرا دی۔ عدالتیں آپ کو ثالث بناتیں اور کبھی کسی فریق کو اُن کے فیصلے پر اعتراض نہ ہوتا تھا۔[4] کہتے ہیں ایک بار آپ کے گاؤں میں ایک مجسٹریٹ نے موقع دیکھتے وقت مدعی فریق سے کہا کہ اگر اس جگہ کوئی سچ بولنے والا ہو تو پیش کرو۔ اس نے حضرت حاجی صاحب رض کا نام

---

[1] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میاں عطاء اللہ صاحب پلیڈر امرتسر (حال کینیڈا) کا مفصل مضمون مطبوعہ "الفضل" مورخہ ۳۱ وفا / جولائی ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۴۔

[2] کریام سے دو اڑھائی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں جو مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل کا وطن مالوف ہے اور جہاں آپ کے والد ماجد حضرت منشی امام الدین صاحب رض قیام فرما تھے اور جمعہ کی نماز کے لئے ہمیشہ بالالتزام کریام تشریف لے جایا کرتے تھے اور جب نہ پہنچ سکتے تو حضرت حاجی صاحب رض اور کریام کے دوسرے احمدی سمجھتے کہ آپ بیمار ہو گئے ہوں گے۔ حضرت منشی صاحب رض ۱۹۰۲ء کے قریب صحابہ کے زمرہ میں شامل ہوئے۔ اپنے گاؤں میں اکیلے احمدی تھے۔ قبول احمدیت پر آپ کے والد اور کریہا کے دوسرے لوگوں کی طرف سے سخت تکالیف دی گئیں اور ہر طرح ظلم وستم کا نشانہ بنائے گئے مگر آپ ثابت قدم رہے تبلیغ کا از حد شوق رکھتے تھے۔ استسقاء کی مرض سے بیمار ہوئے۔ علاج کیلئے قادیان آ گئے مگر جانبر نہ ہو سکے۔ ۷ دسمبر ۱۹۲۷ء کو انتقال کیا اور بہشتی مقبرہ میں دفن کئے گئے (الفضل ۱۳ دسمبر ۱۹۲۷ء صـ و الفضل ۶ جنوری ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۰ کالم ۳ مضمون حضرت حاجی غلام احمد صاحب رض)۔

[3] "اصحاب احمد" جلد دہم صفحہ ۹۶۔

[4] ایضاً صفحہ ۱۲۷۔

لیا۔ آپ کو طلب کیا گیا۔ حاکم نے عزت سے بٹھایا اور اصل حقیقت دریافت کی۔ آپ نے سچی بات کہہ دی۔ حاکم نے حاجی صاحبؓ کی شہادت کی بناء پر مدعی فریق کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ مدعا علیہ فریق احمدی تھا۔ اس نے مسجد میں آنا جانا بند کر دیا۔ حضرت حاجی صاحبؓ نے اپنے بعض دوستوں کی معیت میں جا کر اُسے سمجھایا کہ اگر ظالم مَیں تھا تو ترک نماز مجھے کرنا چاہیئے تھی۔ مگر آپ اپنے تئیں مظلوم سمجھ کر نماز چھوڑ بیٹھے۔ نیز کہا۔ مَیں نے تو خدا کے حکم کے مطابق سچی شہادت دی ہے۔ آپ کو ناراض نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ الغرض منت سماجت کر کے اُسے مسجد میں لے آئے اور نماز شروع کرا دی۔[1] [2]

۸۔ مرزا غلام سرور صاحب ساکن کوٹلہ مغلاں ضلع ڈیرہ غازیخان ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر ورنیکلر مڈل سکول۔

(وفات : ۲۱ ظہور / اگست ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء[3])

اپنے خاندان میں اکیلے احمدی تھے مگر سب سے بہت مشفقانہ اور ہمدردانہ سلوک کرتے۔ ان کی ہمدردی اور امداد کا دروازہ ہر قوم اور مذہب کے لوگوں کے لئے کھُلا رہتا تھا۔ طبیعت کے حلیم اور ملنسار تھے۔ اخوند محمد افضل خاں صاحبؓ سابق پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ ڈیرہ غازیخاں کی اکلوتی بیٹی اُن کے عقد میں تھی۔[4]

۹۔ حضرت سید میر عنایت علیشاہ صاحب لدھیانویؓ (ولادت : ۱۸۵۸ء ، بیعت : بموقعہ بیعتِ اولیٰ ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء نمبر ۹ پر ، وفات : ۳ تبوک / ستمبر ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء[5])

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب لدھیانہ میں بیعتِ اُولیٰ کا آغاز فرمایا تو اگرچہ اپنی باری کے اعتبار سے آپ کا تیسرا نمبر تھا۔ مگر آپ کو حضرت قاضی خواجہ علی صاحبؓ کو بُلانے کے لئے جانا پڑا۔ جس کے دوران پانچ احباب نے بیعت کر لی۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ آپ کی شادی اوائل عمری میں سید میر عباس علی شاہ صاحب کے ہاں ہوئی اور انہی کے ذریعہ سے حضرت مسیح موعودؑ کی

---

[1] "الفضل" ۸ اروفا / جولائی ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۶ کالم ۱ ۔ [2] حضرت حاجی صاحبؓ کی پہلی شادی سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ دوسری شادی میں خدا تعالیٰ نے ایک لڑکی اور تین لڑکے عطا کئے۔ لڑکی صغر سنی میں فوت ہو گئی۔ بڑا لڑکا ظہور الدین ۱۹۵۰ء میں ۲۶ سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ منجھلے صاحبزادے احمد الدین صاحب بی۔ اے لائل پور میں بینک آفیسر ہیں اور مقامی جماعت کے سرگرم رُکن ہیں۔ تیسرے اور چھوٹے صاحبزادے نور الدین صاحب ایم۔ ایس۔ سی لاہور میں ریسرچ آفیسر کے عہدہ پر فائز ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؓ کے مزید تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے کی تالیف "اصحاب احمد" جلد دہم ۔ [3] "الفضل" ۲۱ ظہور / اگست ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۴ کالم ۱ ۔

[4] "الفضل" ۲۸ نبوت / نومبر ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۴ ۔ [5] "الفضل" ۸ تبوک ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۴ کالم ۱ ۔

خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ مگر جب میر عباس علی صاحب کو ٹھوکر لگی تو مرحوم کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی اور اپنے قابلِ تعظیم چچا اور خسر کی پروا نہ کرتے ہوئے سچائی کا ساتھ دیا۔ حضرت خان نواب محمد علی خانصاحب رئیس مالیر کوٹلہ کے محاسب اور مصاحب کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ بڑے عبادت گذار تھے۔ جب سے ہوش سنبھالا، نماز روزہ تو درکنار تہجد بھی بہت کم قضا کی۔ ایمانداری، وفاداری اور صبر کی خوبیاں خاص طور پر نمایاں تھیں جن کی وجہ سے مرحوم مخالفین کی نظروں میں بھی عزیز تھے۔ دینی امور میں نہایت صفائی، صدق اور جوش سے کام کرتے تھے۔ لدھیانہ کی ایک خانقاہ کے ساتھ کافی زمین تھی اور آپ بھی اس کے وارثوں اور سجادہ نشینوں میں سے تھے مگر آپ کبھی وہاں جا کر کھڑے بھی نہ ہوتے یہانتک کہ جو لوگ وہاں جاروب کش تھے وہ مالک بن بیٹھے۔ پھر بھی کبھی خیال نہ کیا۔ مُریدوں سے فرمایا کرتے کہ ہم تو اصلی سرکار کے خود مرید ہیں۔ رشتہ داروں نے ۱۹۲۶ء میں دعویٰ دخلیابی اُن کی طرف سے کر دیا اور عدالت نے بھی ان کا حق ملکیت تسلیم کر لیا۔ لیکن مخالف نے ایک سوال یہ اُٹھا دیا کہ یہ تو مرزائی ہیں اور خانقاہوں کو مانتے نہیں۔ انہوں نے سوائے بےحرمتی کے وہاں کیا کرنا ہے جس پر جج نے آپ سے سوال کیا کہ کیا آپ مرزائی ہیں؟ اس وقت جو لوگ عدالت میں موجود تھے بتاتے ہیں کہ جوش کی وجہ سے مرحوم کی آواز بلند ہو گئی۔ کھڑے ہو کر فرمایا کہ "ہاں مَیں احمدی ہوں" چنانچہ فیصلہ آپ کے خلاف ہو گیا۔ آپ کو دینی کتب کا بیحد شوق تھا۔ بہت سی پُرانی کتب و رسالہ جات آپ نے جمع کئے تھے۔ جوانی میں اُن کا مطالعہ آپ برابر جاری رکھتے۔ چندوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ تبلیغ کا شوق اتنا کہ لوگوں میں مشہور تھا کہ میر صاحب تو چھوڑتے نہیں۔ غیرت اور محبت اتنی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام، خلفاء اور احمدیت کی شان میں کوئی گستاخی برداشت نہ کر سکتے۔ اخیر میں نظر کمزور ہو گئی تو عینک کے استعمال کے باوجود لکھ پڑھ نہ سکتے۔ اس لئے بیٹھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظمیں پڑھتے اور تلاوت قرآن مجید کرتے رہتے۔ بڑے مستجاب الدعوات تھے۔ حتیٰ کہ غیر احمدی دُعائیں کرواتے۔ صاحب کشف تھے۔ کثرت سے ایسی خوابیں دیکھتے جو اپنے وقت پر پُوری ہوتیں صحت شروع ہی سے بہت اچھی تھی۔ اور آخر وقت تک ہوش و حواس صحیح سالم رہے۔ ہمیشہ اپنے ہاتھ سے کام کرتے۔ بازار سے سودا سلف خود لاتے۔ ایک ماہ پیشتر اپنے بڑے لڑکے سید محمد عبدالرحیم صاحب کے ہمراہ قادیان تشریف لائے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے ملاقات کر کے ہشاش بشاش واپس ہوئے۔ معمولی بخار ہوا۔ جو تیسرے دن اُتر گیا مگر کمزوری غالب آ گئی۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ریٹائرڈ ڈی۔ ایم۔ او برما نے علاج میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ آخری بُلاوا آن پہنچا۔ مگر اس وقت بھی نہایت اطمینان سے لیٹے تھے۔ کوئی گھبراہٹ یا اضطراب نہ تھا۔

آہستہ آہستہ سانس میں کمی آنے لگی یہانتک کہ ۲ رمضان المبارک (مطابق ۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء) کو بروز جمعہ ۳ بجکر ۵۴ منٹ پر آخری سانس لیا۔ جنازہ دوسرے دن قادیان پہنچایا گیا۔ جس وقت گھر سے جنازہ اٹھایا بیشمار خلقت موجود تھی۔ سٹیشن قادیان پر حضرت نواب محمد عبد اللہ خان صاحبؓ آف مالیر کوٹلہ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے نے انتظام خاص سے اہتمام کیا۔ نماز جنازہ ایک جم غفیر نے باغ میں حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کی اقتداء میں پڑھی۔ صاحبزادگان خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور اکثر بزرگوں نے کندھا دیا۔ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ڈلہوزی سے ٹیلیفون پر افسوس کا اظہار فرمایا اور آپ قطعہ خاص صحابہ میں دفن کئے گئے۔[۱]

۱۰۔ سید محمد زاہد صاحبؓ سونگڑہ ضلع کٹک (وفات ۴ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء)

مرحوم اپنے خاندان میں اکیلے احمدی تھے۔ سلسلہ میں داخل ہوتے ہی آپ کے والد صاحب کی طرف سے سختی شروع کر دی گئی مگر بالآخر آپ کے نیک نمونہ سے وہ بہت متاثر ہوئے اور اکثر کہتے "زاہد زاہد ہی ہے" آپ ایک عرصہ تک جماعت سونگڑہ کے سکرٹری تعلیم و تربیت کے فرائض بجا لاتے رہے۔ ایک حلقہ کے محصل مقرر ہوئے تو آپ کا حلقہ چندہ کی ادائیگی میں سبقت لے گیا۔ نہایت خوش خصال، صوفی منش اور صاحب کشف بزرگ تھے۔[۲]

۱۱۔ قاسم خاں صاحب گھٹیالیاں (وفات ۸ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء)[۳]

دوسرے وفات یافتہ مخلصین

مندرجہ بالا صحابہ کے علاوہ مندرجہ ذیل احمدی مخلصین نے بھی اسی سال وفات پائی۔

۱۔ قاضی عبد المجید صاحبؓ[۴] (برادر قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔اے حال پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ)

۲۔ اخوندزادہ محمد شاہ صاحب ساکن دوبیاں تحصیل صوابی ضلع مردان[۵]

۳۔ مرزا ناصر علی صاحب امیر جماعت احمدیہ فیروز پور[۶]

---

[۱] "الفضل" ۱۴ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۳۔ [۲] "الفضل" ۱۲ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴۔
[۳] " ۱۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲۔ [۴] " ۱۳ صلح/جنوری " صفحہ ۱
مرحوم محکمہ نمک کے معزز عہدوں پر کھیوڑہ اور کالاباغ میں ملازم رہے اور اپنے نیک نمونہ سے احمدیت کی خوبیاں نقش کر دیں۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے ساتھ ان کی موانست دخیبت طالب علمی کے زمانہ سے تھی ("الفضل" ۲۰ اپریل/شہادت ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳)۔
[۵] وفات ۲۹ امان/مارچ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۴ء۔ ۱۹۲۱ء میں بیعت کی۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۴۳ء تک مسجد احمدیہ پشاور میں مقیم رہے اور سلسلہ احمدیہ کی خدمات بجا لاتے رہے ("الفضل" ۱۳ شہادت/اپریل ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳)۔ [۶] وفات ۲۰ ہجرت/مئی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۴ء میر اکبر علی صاحب ایم۔ایل۔اے کے نبیرہ اور مرزا ظفر علی صاحب ریٹائرڈ جج ہائیکورٹ کے بھائی۔ ۱۹۱۰ء میں داخل سلسلہ احمدیہ ہوئے۔ سالہا سال تک جماعت فیروز پور کے کامیاب امیر رہے (الفضل ۹ رصلح/جنوری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء، الفضل ۱۰ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵)

۴- شیخ یوسف علی صاحب بی۔ اے[۱]

۵- خان بہادر چودھری نعمت اللہ خانصاحب آنریری مجسٹریٹ ساکن مدار ضلع جالندھر[۲]

۶- بابو محمد عالم خانصاحب[۳] پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ ممباسہ (مشرقی افریقہ)

۷- خانصاحب نعمت اللہ خانصاحب برج انجنیئر (ریلوے) بیاس[۴]

۸- بابو اکبر علی صاحب[۵]

۹- عبدالقیوم خانصاحب بٹالوی[۶]

---

[۱] تاریخ وفات ۲۷ احسان/جون ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء بعمر ۵۴ سال۔ مرحوم سلسلہ کے ازحد مخلص اور انتھک کارکنوں میں سے تھے ۱۹۲۳ء سے لیکر ۱۹۲۵ء تک علاقہ ملکانہ میں مصروف جہاد رہے۔ ازاں بعد حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے آپ کو لاہور کے احمدیہ ہوسٹل کا سپرنٹنڈنٹ مقرر فرمایا۔ مارچ یا اپریل ۱۹۲۶ء تک آپ اسی کام پر مامور رہے۔ اسی اثناء میں حضرت امیرالمومنین رضؓ کی نگاہ انتخاب پرائیویٹ سکرٹری کے عہدہ کے لئے آپ پر پڑی (الفضل ۲۰ ظہور ۱۳۲۳ ہش صفحہ ۴) اور آپ کئی سال تک حضور کے ارشاد سے پرائیویٹ سکرٹری کے اہم فرائض بجا لاتے رہے۔ نیز ایک عرصہ تک پہلے نائب ناظر امور عامہ پھر نائب ناظر تعلیم و تربیت کی حیثیت سے کام کیا۔ غرضکہ پوری عمر خدمت سلسلہ میں گذاری ("الفضل" ۲۹ احسان/جون ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۱)۔

[۲] سیدنا المسیح الموعودؑ کے قدیم صحابی حضرت چودھری رستم علی صاحبؓ کورٹ انسپکٹر کے قریبی رشتہ دار تھے! جو اپنے گاؤں میں اکیلے احمدی تھے اور نہایت سادہ مزاج، خوش خلق اور غریب پرور بزرگ تھے (تاریخ وفات ۳ وفا/جولائی ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء۔ (الفضل ۱۱ وفا ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ ک ۲-۱)۔

[۳] تاریخ وفات ۳۱ وفا/جولائی ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء ("الفضل" یکم ظہور/اگست ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴ ک ۱) جماعت احمدیہ ممباسہ کے ایک ستون اور احمدیت کا بہت ہی عمدہ نمونہ تھے۔ خدمت دین اور تبلیغ کا بیحد جوش رکھتے تھے۔ گفتگو نہایت مدلل اور پُر اثر کرتے تھے جہیر الصوت تھے۔ ایسے جذبے سے کلام کرتے کہ معترض ساکت ہو کے رہ جاتا۔ تحریک جدید میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ نہایت متشرع اور تہجد گزار تھے۔ دین کے لئے بہت غیرتمند اور قرآن مجید کے عاشق صادق تھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا ذکر آتے ہی آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے طبیعت میں ہمدردی اور خدمت خلق کا جذبہ کمال تک پہنچا ہوا تھا (الفضل یکم ظہور/اگست ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴ ک ۱)۔

[۴] تاریخ وفات ۴ ظہور/اگست ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء ("الفضل" ۶ ظہور/اگست ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ ک ۱)۔

[۵] تاریخ وفات ۳۰ ظہور/اگست ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء ("الفضل" ۳۱ ظہور ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ نیز "الفضل" یکم اخاء ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء) حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے مرحوم کی وفات پر حسب ذیل نوٹ لکھا:- "بابو صاحب میرے پرانے دوستوں میں سے تھے جب میں اخبار بدر کی ایڈیٹری پر متعین تھا تو بابو صاحب جب قادیان آیا کرتے بمع اہل و عیال میرے ہی غریب خانہ پر قیام کرتے میرے سفر ولایت اور امریکہ کے زمانہ میں بھی ان کے ساتھ سلسلہ خط و کتابت جاری رہا۔ اور امریکہ سے واپسی پر جب میں عہدہ نظارت پر مامور ہوا۔ اور سلسلہ کی ضروریات کیلئے دہلی جانے کی ضرورت ہوئی تو اس وقت بابو صاحب دہلی میں ریلوے کے انسپکٹر تھے اور میں ان کے ہاں ہی عموماً قیام کرتا۔ بابو صاحب نہایت مہمان نواز دوستوں کے سچے خیر خواہ اور سلسلہ حقہ کے دلی خادم تھے۔ سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو کر انہوں نے قادیان میں مستقل رہائش اختیار کی۔ اپنا شاندار مکان بنوایا۔ گلاس فیکٹری اور موزری کا انتظام کیا اور سلسلہ کے محکمہ انجنیئری کے کئی کام سرانجام دیئے۔ غریبوں کی ہمیشہ امداد کرتے کبھی کسی سائل کو محروم نہ بھیجتے۔ نظام سلسلہ کی طرف سے قاضی مقرر ہو کر انہوں نے بہت سے مقدمات کا فیصلہ کیا اور بہتوں کی آپس میں مصالحت کرا دی غرض بابو صاحب موصوف بہت سی خوبیوں کا مجموعہ تھے" ("الفضل" ۷ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴)۔

[۶] تاریخ وفات ۱۳ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء تبلیغ کا خاص ولولہ رکھتے تھے۔ ایک بار سفر میں سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری سے گفتگو کرنے کا موقعہ ملا اور اپنے مخصوص طرز کلام سے اُن کو لاجواب کر دیا۔ شاہ صاحب کہنے لگے کہ اگر ان جیسے سب احمدیوں کے اخلاق اور دماغ ہوں تو احمدیت کی اشاعت کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی (الفضل ۹ فتح/دسمبر ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴)۔

فصل ششم

۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں خوشی کی تقاریب

۱۔ حضرت نواب محمد عبداللہ خانصاحب کے ہاں ۱۱/۱۲ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کی درمیانی شب میاں مصطفیٰ احمد خاں صاحب پیدا ہوئے۔[1]

۲۔ صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب (خلف الرشید حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ) کے ہاں مورخہ ۲۶ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو صاحبزادی امۃ الصمد کی پیدائش ہوئی۔[2]

۳۔ میاں عبدالرحیم احمد صاحب کے ہاں ۵ ظہور/اگست ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو صاحبزادی امۃ النور صاحبہ کی ولادت ہوئی۔[3]

مرکزی مبلغین کا تبلیغی وفد صوبہ یُو۔ پی میں

مبلغین سلسلہ کے ایک وفد نے جو مہاشہ محمد عمر صاحب، گیانی عباداللہ صاحب اور مولوی عبدالمالک خانصاحب پر مشتمل تھا ۲ تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء سے لے کر ۱۲ احسان ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء تک صوبہ یُو۔ پی کا نہایت کامیاب تبلیغی دورہ کیا۔ اور سہارنپور، دیوبند، میرٹھ، متھرا، بندرابن، ریاست الور، باندی کوئی، سانڈھن، کانپور، لکھنؤ، ڈیرہ دُون، ایودھیا، مسکرا ہمیر پور، رائے بریلی، شاہجہانپور، بریلی اور کٹیا وغیرہ اہم مقامات میں پبلک جلسوں، پرائیویٹ مجالس اور لٹریچر کے ذریعہ مُسلم اور غیر مُسلم طبقوں تک پیغام اسلام و احمدیت پہنچایا۔[4]

سیّد ارشد علی صاحب لکھنوی نے (جو کئی شہروں میں شریک وفد تھے) اس وفد کی نسبت اپنے ذاتی تاثرات حسب ذیل الفاظ میں شائع کئے:۔

---

[1] "الفضل" ۱۳ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲۔ [2] "الفضل" ۲۸ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[3] "الفضل" ۱۷ ظہور/اگست ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴ کالم ۱۔ [4] وفد کی تبلیغی رپورٹیں ۲۵ تبلیغ/فروری، ۱۰ امان/مارچ، ۲۴ امان/مارچ، ۱۰ شہادت/اپریل، ۲۵ شہادت/اپریل، ۵ ہجرت/مئی، ۲۸ ہجرت/مئی، ۶ احسان/جون، ۱۹ احسان/جون، ۱۳ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کے "الفضل" میں شائع شدہ ہیں۔

"اس وفد کے ذریعہ خدا کے فضل سے یُو۔ پی میں دس نئے افراد نے بیعت کی۔ یُو۔ پی کے رؤسا کو سلسلہ کے حالات اور تحریک احمدیت اس رنگ میں پہنچائی گئی ہے کہ اس سے ایک خاص دلچسپی پیدا ہو گئی ہے عام طور پر ہمارے مخالفین نے جو غلط اور بے بنیاد باتیں ہماری جماعت کے متعلق پھیلا رکھی ہیں ایک حد تک خدا کے فضل سے اُن کا بھی ازالہ ہو گیا ہے۔ یُو۔ پی کے اہلِ علم طبقہ میں سلسلہ کا وقار قائم ہو گیا ہے مقامی جماعتوں میں بھی وفد نے بہت کچھ رُوحِ عمل پیدا کی۔ ڈیرہ دُون میں وفد نے جو کام کیا ہے انشاء اللہ وقت آنے پر اس کے اظہار پر مسرت ہو گی۔ اس مختصر تفصیل کے بعد بعض دلچسپ واقعات آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

بنارس میں ہمارا وفد جناب پنڈت مدن موہن صاحب مالوی سے ملنے گیا۔ پنڈت صاحب ہندوستان میں جس شخصیت کے مالک ہیں اس کے لحاظ سے ہمارا وفد کوئی ظاہری توجہ کے اسباب اپنے اندر نہیں رکھتا تھا۔ لیکن محض خدا کے فضل سے ہمارے وفد کے علمی معیار نے موصوف کو متحیر کر دیا۔ ارکانِ وفد کے امیر صاحب نے سلسلہ کے پُورے حالات سُنائے اور حضرت کرشن قادیانی کی آمدِ ثانی کے متعلق ہندو کتب سے سنسکرت میں جو حوالے پڑھ کر سُنائے اُس سے مسلوح کو تعجب ہوا۔ اور اُن کی سنسکرت دانی نے ان پر بہت اثر کیا۔ وہ وفد سے بڑی محبت اور عقیدت سے پیش آئے اور سلسلہ کی کتب پڑھنے کا وعدہ فرمایا۔

اجودھیا میں حضرت کرشن کی آمد کی خبر سُناتے ہوئے ہمارے دوست اسی مضمون کا ایک رسالہ ہندی میں تقسیم کرتے رہے کہ ایک ہندو خاتون جن کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ بھی تھا۔ جب ایک تبلیغی رسالہ اس خاتون کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اس بچہ نے اپنی ماں کے ہاتھ سے وہ رسالہ لے لیا۔ اور سرورق پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام پڑھ کر اپنی ماں سے کہنے لگا کہ " ماتا یہ تو کسی مسلمان کا نام ہے۔ یہ اوتار کیسے ہو سکتا ہے ؟" بچہ کے سوال کے جواب میں اس ہندو دیوی نے بڑی متانت سے کہا کہ " بیٹا اوتار کے لئے ہندو مسلمان کی کوئی قید نہیں " اس حیرت انگیز جواب سے قلب کو جو سرور حاصل ہوا وہ ظاہر ہے " [1]

بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں

نائیجیریا مشن:۔ نائیجیریا مشن کی تاریخ میں ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کا دن بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس روز آئرِیل

---

[1] "الفضل" یکم ہجرت/مئی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اپنے سفر امریکہ و انگلستان سے واپسی پر لیگوس کی پہلی احمدیہ مسجد کا سنگ بنیاد بعد نماز عصر رکھا۔[1] مبلغ نائیجیریا حکیم فضل الرحمٰن صاحب نے ایڈریس پیش کیا جس کے جواب میں چودھری صاحب نے روحانیت سے لبریز تقریر فرمائی۔[2] اس تقریب پر نائیجیریا کی سب مشہور جماعتوں نے اپنے نمائندے بھیجے۔ ہز ایکسیلنسی گورنر، چیف سیکرٹری اور دوسرے معزز حکام اور غیر سرکاری یورپین اور افریقن نیز سر عزیز الحق صاحب اور بمبئی کے نامزد گورنر ہز ایکسیلنسی سر جان کالول بھی موجود تھے۔ اور غیر معمولی طور پر بہت بڑا مجمع تھا۔ سامعین حضرت چودھری صاحب کے خطاب سے بہت متاثر ہوئے اور پریس نے اس کی وسیع پیمانہ پر اشاعت کی۔[3]

ہندوستان کے اخباروں میں سے اخبار "سٹیٹسمین" (کلکتہ)[4] نے اپنی ۱۴ مارچ ۱۹۴۳ء کی اشاعت میں حسب ذیل خبر دی:-

"جمعہ کے روز سر ظفر اللہ خاں صاحب نے لیگوس میں پہلی مرکزی احمدیہ مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس تقریب پر گورنر نیز سر عزیز الحق صاحب ہائی کمشنر برائے ہند (لنڈن) بھی موجود تھے۔ نائیجیریا کے احمدی مسلمان اپنے مرکز کے ساتھ گہرا اور عقیدت مندانہ تعلق رکھتے ہیں۔ مرکز نے نئی مسجد کی تعمیر کے لئے پانچ ہزار روپیہ کی گرانقدر امداد دی ہے"[5] (ترجمہ)

لیگوس کی پہلی عالیشان مسجد قریباً ساڑھے پانچ ماہ میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس کا نام "مسجد فضل" رکھا اور فرمایا کہ لنڈن کی پہلی مسجد کا نام بھی "مسجد فضل" ہے۔ اس کا نام بھی "مسجد فضل" رکھا جائے۔ اس مسجد پر (جو حکیم فضل الرحمٰن صاحب مبلغ نائیجیریا کی نگرانی میں تعمیر ہوئی) قریباً ایک ہزار پونڈ خرچ ہوئے۔ لیگوس کے احمدیوں نے جن میں مرد، خواتین اور بچے بھی شامل تھے، مسجد کی زمین کا ملبہ اٹھانے، بنیادیں کھودنے، بنیادیں بھرنے اور فرش لگانے کا کام خود کیا۔

مسجد لیگوس کا افتتاح ۲۷ ظہور/اگست ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو جمعہ ہی کے دن ہوا جس کی خبر نائیجیریا پریس نے بھی شائع کی۔[6]

---

[1] رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ ۲۲-۱۳۲۱ہش/۴۳-۱۹۴۲ء صفحہ ۱۶۔ [2] ایڈریس اور اس کا جواب "الفضل" ۲۸ ہجرت/مئی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء میں شائع شدہ ہے۔ [3] "الفضل" ۱۹ امان/مارچ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ [4] اب یہ اخبار دہلی سے نکلتا ہے۔ [5] بحوالہ اخبار "الفضل" ۱۸ امان/مارچ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ حکیم فضل الرحمٰن صاحب مبلغ نائیجیریا نے اپنے ایڈریس میں بتایا "اس مسجد کے لئے پانچہزار روپیہ تو مرکزی بیت المال نے دیا ہے اور ایک ہزار پونڈ کے قریب نائیجیریا کے احمدیوں نے جمع کیا ہے۔ نائیجیریا کے اطراف و اکناف سے جو عطیے موصول ہوئے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں" ("الفضل" ۲۸ ہجرت/مئی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء)۔ [6] "الفضل" ۲۴ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴۔

مشرقی افریقہ مشن :۔

مکرم شیخ مبارک احمد صاحب مبلغ مشرقی افریقہ ایک عرصہ سے قرآن مجید کا سواحیلی زبان میں ترجمہ کر رہے تھے جو ۳ ہجرت/مئی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو خدا کے فضل سے مکمل ہوگیا۔[1]

فلسطین مشن :۔

فلسطین میں یہ قانون تھا کہ مسلمانوں کا نکاح عدالت شرعیہ کی اجازت کے بعد رجسٹرڈ نکاح خواں ہی پڑھ سکتا تھا۔ برسوں سے احمدیوں کے نکاح بھی اسی طرح پڑھے جاتے تھے۔ اس سال فتح/دسمبر ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء میں احمدی فریقین کی طرف سے سرکاری شرعی فارم پُر کرکے عدالتِ شرعیہ حیفا میں پیش کیا گیا۔ مگر عدالتِ شرعیہ نے اجازت دینے سے انکار کردیا اور کہا کہ جب تک تم "مسلمان" نہ بن جاؤ تمہارا نکاح نہیں پڑھا جا سکتا۔

اس پر چودھری محمد شریف صاحب مبلغ بلاد عربیہ نے ڈسٹرکٹ کمشنر حیفا سے ملاقات اور المجلس الاسلامی الاعلیٰ سے خط و کتابت کی۔ آخر آٹھ ماہ کی مراسلت اور ڈسٹرکٹ کمشنر سے دو تین ملاقاتوں کے بعد مسلم سپریم کونسل نے قاضی شرعی حیفا کا حکم کالعدم قرار دے دیا۔ اور یہ فیصلہ صادر کیا کہ احمدی مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ ہیں۔ اس لئے حسب دستور سابق احمدیوں کے نکاح پڑھے جایا کریں۔ چنانچہ وہ نکاح جس کا انعقاد آٹھ ماہ سے رُکا ہوا تھا۔ اس فیصلہ کے بعد قاضی شرعی حیفا کے حکم سے پڑھا گیا۔[2]

اس سال فلسطین مشن کو ایک رنجدہ واقعہ بھی پیش آیا۔ اور وہ یہ کہ چودھری محمد شریف صاحب مبلغ فلسطین کی اہلیہ صاحبہ ۲۷ تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو کبابیر میں وفات پاگئیں۔[3] مرحومہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر اپنے شوہر کے ہمراہ بلادِ عربیہ میں خدمت دین کے لئے گئیں اور وہیں خدمت کرتے کرتے حیفا کے قبرستان میں سپرد خدا کردی گئیں۔ دیارِ غیر میں وفات پانے والی یہ پہلی مہاجرہ احمدی خاتون تھیں۔ مرحومہ جب پہلے پہل اس ملک میں گئیں تو عربی زبان میں کلام نہ کرسکتی تھیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں مانگنا شروع کیں۔ آخر چند ماہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مرحومہ کی زبان کھول دی اور وہ عربی بولنے لگیں اور ڈیڑھ دو سال تک مدرسہ احمدیہ کبابیر میں بچیوں کی تین جماعتوں کو تعلیم دیتی رہیں۔ رسالہ البشریٰ کی تیاری اور ترسیل میں بھی خاص مدد کیا کرتی تھیں۔[4]

---

[1] "الفضل" ۶ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ ۔ [2] "الفضل" ۲۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء ۔ [3] "الفضل" ۳ امان/مارچ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ ۔ [4] "الفضل" ۲۱ شہادت/اپریل ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ (ملخصاً از مضمون چودھری محمد شریف صاحب سابق مبلغ بلاد عربیہ وحال مبلغ گیمبیا) ۔

انگلستان مشن :۔

ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں اتحادیوں کو افریقہ میں نمایاں فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر مولانا جلال الدین صاحب شمس رض امام مسجد لنڈن نے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کے بعض اہم رویاء درج کئے جن میں برطانیہ کی ابتدائی کمزور حالت کے بعد چھ ماہ کے اندر اندر رفتہ رفتہ طاقت پکڑنے ، شاہ لیوپولڈ کی تخت سے دستبرداری اور پھر شمالی افریقہ میں جنگ کے تغیرات اور بالآخر دشمن کی شکست کے نظارے دکھائے گئے تھے اور جو حیرت انگیز رنگ میں پُورے ہو گئے۔[1] صداقت اسلام اور احمدیت کے اس زندہ نشان کا انگلستان کے اہلِ علم طبقہ پر بہت گہرا اثر ہوا۔

ذیل میں اس کے متعلق بعض معزز اصحاب کی آراء اختصاراً درج کی جاتی ہیں :۔

۱۔ لارڈ برڈووڈ (سابق کمانڈر انچیف انڈیا) :۔ "بہت ہی دلچسپ رویاء جو ہو بہو پوری ہوئیں"

۲۔ مسٹر آئی۔ ایس۔ ایمری (وزیر ہند) "نہایت دلچسپ مطبوعہ ملفوف ہے جس سے امام جماعت احمدیہ کی روحانیت اور دُوربین نگاہ کا پتہ چلتا ہے۔"

۳۔ سر جیفرے ڈی۔ مونٹ مورنسی (سابق گورنر پنجاب) :۔ "مجھے رویاء کی تفصیل اور جس طرح وہ پوری ہوئیں اُن کے متعلق بہت دلچسپی ہے"

۴۔ سر لوئی ڈین :۔ "میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اُن کی پاکیزہ خواہشات کا ہم کو شکرگزار ہونا چاہیئے"

۵۔ سر فرینک براؤن (آنریری سکرٹری آف ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن) :۔ "پمفلٹ کے ارسال کرنے پر بہت بہت شکریہ۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی رویاء جو پیشگوئیوں پر مشتمل تھیں کس طرح لفظ بلفظ پُوری ہوئیں۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی پیشگوئی اتحادیوں کی فتح کی نسبت اس وقت کی گئی تھی جبکہ اتحادیوں کی حالت ۱۹۴۰ء کے موسم گرما میں بہت کمزور تھی اور سلطنت برطانیہ تنہا محوریوں کے مقابلہ میں کھڑی تھی۔ جب آپ حضرت کی خدمت میں تحریر کریں تو میری طرف سے بھی سلام اور پیشگوئیوں کے پُورا ہونے پر مبارکباد دیں۔"

۶۔ کرنل جے۔ اے۔ سائیکس (کمانڈنگ انڈین کنٹنجنٹ) :۔ "یہ پمفلٹ بڑا ہی دلچسپ ہے اور رویاء بھی نہایت عجیب"

---

[1] اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کو جنگ عظیم کے آغاز سے اختتام تک بہت سی غیبی خبریں بتائی گئیں جو پُوری شان سے ظہور پذیر ہوئیں جن کا تذکرہ خاتمہ جنگ کے حالات میں کیا جائے گا۔

ان اصحاب کے علاوہ لارڈ سیموئیل، سر سٹیفورڈ کرپس وغیرہ نے بھی یہ پمفلٹ بہت دلچسپی سے پڑھا۔[1]

اسی سال انگلستان مشن نے مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کا ایک کتابچہ بعنوان "اسلام" دو ہزار کی تعداد میں شائع کیا۔[2]

جاوا، ہانگ کانگ، سنگاپور اور اٹلی کے مجاہدین کی نسبت اطلاعات

دوسری جنگ عظیم کے دوران مشرقِ بعید کے مجاہدینِ احمدیت کا رابطہ مرکز سے کٹ چکا تھا اور کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کس حال میں ہیں۔ یہ پہلا سال تھا جس میں خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُن کی خیریت کی اطلاعات مرکز میں پہنچیں۔

۱۔ چنانچہ ریڈ کراس کمشنر شملہ کی طرف سے ۱۲ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو بذریعہ تار اطلاع ملی کہ دشمن کے ذرائع سے حاصل شدہ اطلاع مظہر ہے کہ مولوی رحمت علی صاحب (مبلغ جاوا) زندہ اور بخیریت ہیں۔[3]

۲۔ ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کے پہلے عشرہ میں ریڈ کراس شملہ نے دشمن کے ملک سے ریڈیو کا پیغام سُنا اور اس کی اطلاع جماعت احمدیہ کو دی کہ مولوی غلام حسین صاحب ایاز مبلغ سنگاپور اور وہاں کے دوسرے احمدی صحیح سالم ہیں۔[4]

۳۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس نے ۸ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو بذریعہ تار اطلاع دی کہ مولوی محمد شریف صاحب مبلغ اٹلی کے بخیریت ہونے کا خط موصول ہوا ہے۔[5]

۴۔ اس ماہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں انٹرنیشنل ریڈ کراس سوسائٹی جنیوا کی طرف سے ہانگ کانگ کے احمدیوں محمد یوسف، غلام احمد، رحمت خاں، محمود کی خیریت کی خبر بھی پہنچی۔[6]

نئی مطبوعاتِ سلسلہ

۱۔ "گذشتہ و موجودہ جنگ کے متعلق پیشگوئیاں" مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن کے اہم مضامین کا مجموعہ جو رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" (اردو) کے بعض نمبروں میں شائع ہوئے اور مکتبہ احمدیہ قادیان نے انہیں یکجائی طور پر چھاپ دیا۔ ان مضامین میں نہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے ظہور پذیر ہونے کی مستند معلومات فراہم کی گئیں جن کا تعلق پہلی عالمگیر

---

[1] "الفضل" ۱۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱۔ [2] "الفضل" ۳۱ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[3] " ۱۵ وفا/جولائی " صفحہ ۔ [4] " ۱۳ وفا/جولائی " صفحہ ۱۔

[5] " ۱۱ تبوک/ستمبر " صفحہ ۲۔ [6] " ۱۱ تبوک/ستمبر " صفحہ ۲۔

جنگ سے تھا بلکہ دوسری جنگ کی نسبت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی پیشگوئیاں بھی درج کی گئیں اور جنگ کے بارہ میں سپر چولسٹوں اور نجومیوں کی پیشگوئیوں کا از روئے واقعات غلط ہونا بھی بالبداہت ثابت کیا گیا تھا۔

۲۔ "سیرت مسیح موعودؑ" حصہ پنجم۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شمائل و اخلاق پر مشتمل ایک مفید اور مستند کتاب جو سلسلہ احمدیہ کے پہلے مؤرخ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے مرتب فرمائی۔

۳۔ "تاریخ اندلس" (مصنفہ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد سابق امام مسجد لنڈن) یہ ایک مختصر مگر عالمانہ کتاب تھی جس میں سپین کی اسلامی حکومت کے قیام اور اس کے عروج و زوال پر ٹھوس معلومات جمع کی گئیں۔ فاضل مصنف نے قیام انگلستان کے زمانہ میں سپین کا سفر کیا۔ اور پھر آکسفورڈ، کیمبرج اور لنڈن یونیورسٹیوں کی طرف سے "مسلم سپین" کے موضوع پر لیکچر دینے کی دعوت پر تاریخ اندلس کا گہرا مطالعہ کیا اور نوٹ لکھے۔ یہ کتاب ان سب معلومات کا نچوڑ اور خلاصہ تھی۔

۴۔ "سیرت حضرت ام المومنین" حصہ اول (مرتبہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی ایڈیٹر اخبار "الحکم" قادیان سابق مبلغ بلاد عربیہ) حضرت ام المومنین سیدہ نصرت جہاں بیگم رضی اللہ عنہا کی یہ پہلی اور مستند سوانح عمری تھی جو خاص اہتمام سے مرتب ہوئی اور شائع کی گئی۔ فاضل مولف کئی سال سے مریض چلے آرہے تھے اور مختلف اوقات میں مرض کے خطرناک حملے ہوئے۔ کتاب کی تالیف کے دوران بھی ایک بار پھر بیماری کا حملہ ہوا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس نہایت قیمتی کتاب کے پہلے حصہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی سعادت عطا کی۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ نے اس کے مسودہ پر نظر ثانی فرمائی۔ اور یہ رائے دی کہ "میری رائے میں یہ کتاب ایک اوریجنل (ORIGINAL) تصنیف ہے اور اکثر احباب تو اسے اوّل سے آخر تک بالکل نئی معلومات کا مجموعہ پائیں گے جو نہ صرف اُن کے لئے بلکہ اُن کی بیویوں اور لڑکیوں کے لئے سراسر رحمت اور برکت کا موجب ہوگی اور قرآن کریم، حدیث اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد یہ وہ کتاب ہوگی جسے احمدی آئندہ اپنی لڑکیوں کو التزاماً جہیز میں دیا کریں گے۔ . . . اللہ تعالےٰ مصنف کو جزائے خیر دے۔ . . . مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کا خیال بھی خدا کی طرف سے اُن کے دل میں ڈالا گیا ہے۔"[۵]

اس اہم تالیف سے جماعت کی ایک بہت بڑی ضرورت پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم

[۵] "الفضل" ۲۱ فتح/دسمبر ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۵۔

سے اس کو یہ قبولیت بھی بخشی کہ طبع ہونے سے پہلے تین ہزار کتاب فروخت ہوگئی۔ کتاب کی اشاعت میں سب سے زیادہ نمایاں حصہ الحاج حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحبؓ آف سکندرآباد نے لیا اور انہی کے نام نامی سے یہ کتاب مُعَنوَنَ و مُنتَسب ہوئی

۵۔ "قیامِ شریعت" حصہ اوّل۔ (مؤلفہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشّر مولوی فاضل) یہ کتاب انسانی زندگی کے دورِ اوّل یعنی پیدائش سے لیکر بلوغت تک کے ضروری اسلامی مسائل پر مشتمل تھی۔

۶۔ "انعاماتِ خداوندکریم" (نہایت قیمتی نصائح کا مجموعہ جو حضرت پیر افتخار احمد صاحبؓ لدھیانوی نے مرتب فرمایا)[1]

۷۔ "شمائلِ احمد" (مرتبہ چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی مہتمم شعبہ اطفال خدام الاحمدیہ مرکزیہ قادیان) خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے شعبۂ اطفال کی طرف سے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں پہلی کتاب "اخلاقِ احمد" چھپی تھی۔ اب دوسری کتاب "شمائلِ احمد" کے نام سے شائع کی گئی۔ اس تالیف کا نام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے تجویز کیا اور اس کے تعارف میں لکھا:-

"مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے ارکان ایک مجموعہ "شمائلِ احمد" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔ اس مجموعہ کے مسودہ کو مَیں نے سرسری نظر سے دیکھا ہے اور کہیں کہیں مشورہ کے رنگ میں بعض اصلاحات کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ غلطی کا تو ہر انسانی کام میں امکان ہوتا ہے۔ لیکن یہ مجموعہ زیادہ تر سلسلہ عالیہ احمدیہ کی شائع شدہ روایات پر مبنی ہے اور کارکنوں کی نیّت بھی خدا کے فضل سے صالح ہے۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ یہ مختصر مجموعہ جو بچوں اور نوجوانوں کی تربیت کی غرض سے شائع کیا جا رہا ہے انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شمائل کی تصویر صحیح طور پر پیش کی جائے تو وہ نیک اثر پیدا کرنے سے قاصر رہے۔ اس مجموعہ میں ایک اَور بھی خوبی ہے اور وہ یہ کہ بوجہ اس کے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں چشم دید حالات پر مبنی ہے جو روایات کے رنگ میں بیان کئے گئے ہیں۔ وہ نصیحت اور اُسوہ دونو کا کام دیتا ہے اور یہی دو چیزیں تربیت کی جان ہیں۔ یعنی یہ کہ اچھی نصیحت کے ساتھ ساتھ اچھا اسوہ بھی آنکھوں کے سامنے رہے۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ دوست اس مجموعہ کی اشاعت سے پُورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں گے۔

خاکسار مرزا بشیر احمد ۱۱ر دسمبر ۱۹۴۳ء مطابق ۱۱ر فتح ۱۳۲۲ہش"[2]

---

[1] کتاب کا یہ پہلا ایڈیشن نامکمل صورت میں تھا۔ [2] "شمائلِ احمد" صفحہ ۱۔

شرح قیمت اخبار ھذا

تفصیل خریداران	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
حکام و رئیسان ملک	ے	عمہ ۸ر	۱۲ر	۳ر	۱ر
تمام شائقین سے	عہ ۱۲ر	۱۴ر	ے ر	۳ر	۹
عام شائقین شہر سے	۱۳ر	۰۶ر	۳ر	۱ر	۳

بعد میعاد مقررہ کی دوگنی قیمت لیجائیگی

دستور العمل

یہہ اخبار ہفتہ مین ایکبار دوشنبہ کو شایع ہوتا ہے خریداران شرح قیمت نقشہ سے معلوم کرین سالانہ کیواسطے ایک ماہ ششماہی کیواسطے دو ہفتہ سہ ماہی کیواسطے

THE

RIAZHIND

اخبار

ریاض ہند

امرتسر

درخواست کے ساتھ قیمت آنی چاہیے خریداران کو چاہیے کہ درخواست کے ساتھ قیمت بھیجدین تحریر جوابی کیواسطے کارڈ جوابی بھیجین ورنہ تعمیل ناممکن سمجھین اجرت اشتہارات مفید خاص فی سطر ۲، مقرر ہے مفید عام مفت۔

— خریداروں کی تبدیلی ہو تو وہ اپنا پروگرام ہمارے پاس بھیجین تاکہ جس جگہہ ہون اخبار اوسی جگہہ پہنچے۔

— اس مطبع مین ہر قسم کا کام نہایت عمدگی اور صفائی سے کیا جاتا ہے۔

نمبر ۱۸ | مطبوعہ یکم مارچ ۸۶ء بروز دوشنبہ | جلد ۱

چیدہ خبرین

رنگون سے دسمبر ۲۵ کو ۲ بجے چلے شاہ تھیبا کی ایک خاص تلوار ہندوستان کو آئی ہے

اس مرتبہ پارلیمنٹ مین کم عمر لوگ بہت زیادہ ہین

۳۲ لاکھہ ۳۴ ہزار ایکڑ زمین چاول کی کاشت مین برہما مین ہے۔

برہما مین ضلع تھیو کانگ مین ۱۵ سو حسین عورتین اور لڑکے بھی شامل ہین ڈاکو برآمد ہوئی۔

مسٹر دلسن کی حیات کا اب بالکل اعتبار نہین ہے۔

مسٹر ملاباری کی جانب بنارس کے پنڈتون نے بھی منظور کرلیا کہ ۱۲ سال کے اندر شادی کرنا مذہب کا خلاف ہے۔

ابھی فرانس مین دو لیڈیون سے مقابلہ ہوا کہ کون سب سے جلد گفتگو کرتی ہے ایک حضرت ثالث نے انعام ایک ہزار پونڈ تھا میعاد گفتگو تین گھنٹہ تھی کہ جس عرصہ مین ایک نے ۱۲۳۵۰۰ الفاظ پڑھے اور دوسری نے ۱۱۳۶۲۹ الفاظ کہ جسکو انعام مقررہ ملا۔

جرمنی اپنے کتون کو بھی فوجی تعلیم دیا چاہتی ہے اونکی تعلیم ہو رہی ہے کہ وہ پہرہ دے سکین۔

بہت سے ولایت سے کرکٹ کے کھلاڑی ہندوستان آئیوالے ہین

بنگلور مین ایک ہندو لیڈی نے اول مرتبہ انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔

ریلوے درمیان سقم اور بربر کا تخمینہ ۸۶۵۲۶۹ کیا گیا ہے

چیف جسٹس ہائیکورٹ الہ آباد نے یہہ قرار دیا ہے کہ اگر کوئی مجسٹریٹ یا حاکم اہانت اہل مقدمہ کرے تو اوسپر نالش کرنے وقت مدعی کو ضرورت نہین ہے کہ سرکار سے اجازت لے کیونکہ یہہ تو اوسکی ذاتی بیوقوفی ہے سرکار سے کیا مطلب۔

راست گفتار کا بیان ہے کہ مسٹر ونشا مانک جی نے بتسور سوداگر بمبئی نے بمبئی بڑودہ ریلوے کا دفتر واقع فورٹ بمبئی ۲ لاکھہ روپیہ پر خرید کرلیا

اقرار ناموجات مہری پر جو اسٹامپ لگایا جاتا تھا گورنمنٹ نے اب موقوف کردیا ہے۔

ریاض ہند

رسالہ سراج المنیر مصنفہ مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان

مرزا صاحب کے فضائل صوری اور کمالات معنوی اوس سے زیادہ ہین کہ ہم اپنے اس ناچیز پرچہ مین اونکی نسبت کچھ لکھہ سکین مذہب اسلام کے اثبات اور احقاق حق مین دلایل قاطع اور براہین ساطع کو جس خوبی اور اسلوبی سے بیان کیا ہے الحق کہ سلاست زبان اور عمدگی بیان مین علمائے ماتقدم اور ماتاخر کی تحریر پر ایک گونہ خاص سبقت لیگئی ہین۔ چنانچہ جن صاحبون نے مرزا صاحب کی کتاب براہین احمدیہ کو ملاحظہ کیا ہے وہ بلا شبہ ہماری ساتھہ اس معاملہ مین ہم صفیر ہونگے۔ باوجودیکہ کتاب مذکور کئی سال سے مشتہر ہو چکی اور اوسکی جواب لکھنے والے کیواسطے دس ہزار روپیہ کے انعامی اشتہارات بہی شایع ہوئے لیکن مخالفین اسلام اور مشککین فی النبوۃ کو یہہ جرات نہوئی کہ اس انعام کے حاصل کرنیکیواسطے سچائی کے میدان مین قدم رکہین۔ مرزا صاحب نے کاغذی سوال جواب پر حصر نکرکے خاص اشتہارات اردو و انگریزی مین چہپوا کے اور ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہرون اور یورپ و امریکہ کی بلاد عظیمہ مین اونکو مشتہر کرایا کہ جس صاحب کو اسلام کے منجانب اللہ اور محمد صاحب کی نبی برحق ہونے مین شبہہ ہو اور کتابونکی ورق گردانی سے اوسکا اطمینان نہوتا ہو ایک برس تک ہماری پاس رہکر آسمانی نشانیان اپنی آنکہون سے ملاحظہ کرے اور اوسکے بعد مشرف باسلام ہو۔ بصورت معائنہ نہونے آسمانی نشانیون کے سال بہر کا خرچ خوراک اور کرایہ آمد و رفت بطور تاوان اپنی حیثیت کی موافق دو سو روپیہ ماہوار تک ہمسے وصول کرے لیکن جب اسپر بہی صدہا برخاستگان معاملہ پایا اور انتظار کی مدت حد سے زیادہ گذر گئی تو یہہ رسالہ لکہنا شروع ...

مختلف واقعات

جس سپاہی کا بغرض قتل کسی اپنے دشمن کے مقام مدگی سے فرار ہونا پچہلی ہفتہ مین لکہا گیا تہا اوسنے اپنے گانو موضع بہٹی والہ علاقہ فاضلکا ضلع فیروزپور مین جاکر ایک ذیلدار کے جوان لڑکے کو مار ڈالا۔ کہتے ہین وہ ذیلدار سے کسی دیوار کے مقدمہ کے سبب رنجیدہ تہا جب اوسنے مقتول پر بندوق کے فیر کئے اور گرا دیا۔ گانو کے تمام لوگ جمع ہوگئے۔ مگر ڈر کے مارے کوئی دست انداز نہو سکا آخر کار تہانہ دار ابو ہر نے پہنچکر انتظام کیا۔ اوسنے اپنے آپکو معہ بندوق تہانہ دار کے حوالہ کیا۔ پولیس نے چالان مرتب کرکے عدالت ضلع مین بہیجدیا ہے۔ کہتے ہین کہ قاتل کے چہرہ سے کوئی پریشانی یا پشیمانی معلوم نہین ہوئی خوش خوش باتین کرتا ہے اوسکا نام شام سنگہہ ہے اور عمر ۲۲ سال کی۔

جنوبی امریکہ مین سب سے مالدار عورت ایک کرنل کی بیوہ ہے اوسکا خاوند کئی کروڑ ایکڑ زمین اور کئی کروڑ روپیہ بہیڑ بکریان اور کوئیلہ تانبا اور چاندی کی کانین چہوڑ کر مرا۔ ایک بیڑہ آہنی جہازات کا اور کتنی ہی میل ریلوے سڑک اوسنے ترکہ مین پائی اور اوسکی سالانہ آمدنی کئی کروڑ روپیہ کی ہے صرف کوئیلہ کی کانون کی آمدنی ۸۰ ہزار ڈالر کی ہے جس مکان مین وہ رہتی ہے اوسکی تیاری مین ایک کروڑ ڈالر صرف ہوا ہے

ضمیمہ اخبار ریاض ہند امرتسر مطبوعہ یکم مارچ ۱۸۸۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جان و دلم فدای جمال محمد است — خاکم نثار کوچۂ آلِ محمد است

دیدم بعین قلب و شنیدم بگوش ہوش — در ہر مکان ندائی جمالِ محمد است

این چشمۂ روان کہ بخلق خدا دہم — یک قطرۂ ز بحر زلالِ محمد است

این آتشم ز آتش مہر محمدیست — واین آب من ز آبِ زلالِ محمد است

رسالہ سراج منیر مشتمل بر نشانہای ربِّ قدیر

یہہ رسالہ اس احقر (مؤلف براہین احمدیہ) نے اس غرض سے تالیف کرنا چاہا ہی کہ تا منکرین حقیت اسلام و مکذبین رسالت حضرت خیر الانام علیہ و آلہ الف الف سلام کی آنکھوں کے آگے ایک ایسا چمکتا ہوا چراغ رکھا جائے جسکی ہر ایک سمت سی گوہر آبدار کیطرح روشنی نکل رہی ہے اور بڑی بڑی پیشگویون پر جو ہنوز وقوع مین نہین آئین مشتمل ہے چنانچہ خود خداوند کریم جلشانہ وعز اسمہ نے جسکو پوشیدہ بہیدون کی خبر ہے اس ناکارہ کو بعض اسرار مخفیہ واخبار غیبیہ پر مطلع کر کے بار عظیم سے سبکدوش فرمایا حقیقت مین اُسیکا فضل ہے اور اُسیکا کام جس نے چارطرفہ کشاکش مخالفون و موافقون سی اس ناچیز کو مخلصی بخشی ع قصہ کوتاہ کرد ورنہ دردسر بسیار بود ؛ اب یہہ رسالہ قریب الاختتام ہی اور انشاء اللہ القدیر صرف چند ہفتون کا کام ہے اور اس رسالہ مین تین قسم کی پیشگویان ہین **اول** وہ پیشگویان کہ جو خود اس احقر کی ذات سی تعلق رکہتی ہین یعنی جو کچہہ راحت یا رنج یا حیات یا وفات اس ناچیز سے متعلق ہی یا جو کچہہ تفضلات و انعامات الہیہ کا وعدہ اس ناچیز کو دیا گیا ہے وہ اُن پیشگویون مین مندرج ہے **دوسری** وہ پیشگویان جو بعض احباب یا عام طور پر کسی ایک شخص یا بنی نوع سی متعلق ہین ابھی ان مین سی ابھی کچہہ کام باقی ہے اور اگر خدا تعالی نے چاہا تو وہ بقیہ بہی طے ہو جائیگا **تیسری** وہ پیشگویان جو مذہب غیر کے پیشواؤن یا واعظون یا ممبرون سے تعلق رکہتی ہین اور اس قسم مین ہمنے صرف بطور نمونہ چند نامی **آریہ** صاحبون اور چند قادیان کے ہندوون کو لیا ہے جنکی نسبت مختلف قسم کی پیشگویان ہین کیونکہ اونہین مین آجکل نئی نئی تیزی اور انکار اشد پایا جاتا ہی اور ہمین اس تقریب پر یہہ بہی خیال ہے کہ خداوند کریم ہماری محسن گورنمنٹ انگلشیہ کو جسکے احسانات سی ہمکو بتمامتر فراغت و آزادی گوشۂ خلوت میسر و کنج امن و آسائش حاصل ہے ظالمون کے ہاتہہ سے اپنی حفظ و حمایت مین رکہی اور روس منحوس کو اپنی سرگردانیون مین محبوس و معکوس و مبتلا کر کر ہماری گورنمنٹ کو فتح و نصرت نصیب کری تاہم وہ بشارتین بہی (اگر ملجائین) اس عمدہ موقعہ پر درج رسالہ کرین انشاء اللہ تعالی اور چونکہ پیشگویان کوئی اختیاری بات نہین ہی تا ہمیشہ اور ہر حال مین خوشخبری پر دلالت کرین اسلئے ہم بانکسار تمام اپنی موافقین و مخالفین کی خدمت مین عرض کرتے ہین کہ اگر وہ کسی پیشگوئی کو اپنی نسبت ناگوار طبع (جیسی خبر موت فوت یا کسی اور مصیبت کے نسبت) پاوین تو اس بندہ ناچیز کو معذور تصور فرماوین بالخصوص وہ صاحب جو باعث مخالفت و مغایرت مذہب اور بوجہ نامحرم اسرار ہونیکی حسن ظن کیطرف بمشکل رجوع کر سکتے ہین جیسے منشی **اندرمن** صاحب مرادآبادی و پنڈت **لیکہرام** صاحب پشاوری وغیرہ جنکی قضا و قدر کے متعلق غالباً اس رسالہ مین بقید

وقت وتاریخ کچھہ تحریر ہو گا اُن صاحبون کی خدمت مین دلی صدق سی ہم گذارش کرتے ہین جو ہمین فی الحقیقت کسی کی بدخواہی دل مین نہین بلکہ ہمارا خداوند کریم خوب جانتا ہی کہ ہم سب کی بہلائی چاہتے ہین اور بدی کی جگہہ نیکی کرنے کو مستعد ہین اور بنی نوع کے ہمدردی سی ہمارا سینہ منور ومعمور ہے اور سب کے لئی ہم راحت وعافیت کی خواستگار ہین لیکن جو بات کسی موافق یا مخالف کی نسبت یا خود ہماری نسبت کچھہ رنج دہ منکشف ہو تو ہم اسمین بکلی مجبور ومعذور ہین۔ ہان ایسی بات کی دروغ نکلنے کے بعد جو کسی دل کے دکھنے کا موجب ٹہرے۔ ہم سخت لعن وطعن کے لائق بلکہ سزا کے مستوجب ٹہرینگے۔ ہم قسمیہ بیان کرتے ہین اور عالم الغیب کو گواہ رکھہ کر کہتے ہین کہ ہمارا سینہ سراسر نیک نیتی سی بہرا ہوا ہے اور ہمین کسی فرد بشر سے عداوت نہین اور گو کوئی بدظنی کی راہ سے کیسی ہی بدگوئی وبدزبانی کی مشق کر رہا ہے اور ناخداترسی سے ہمین آزار دے رہا ہے ہم پہر بہی اُس کے حق مین دعا ہی کرتے ہین کہ ای خدای قادر وتوانا اِسکو سمجھہ بخش اور ہم اسکو اُسکے ناپاک خیال اور ناگفتنی باتون مین معذور سمجھتے ہین کیونکہ ہم جانتے ہین کہ ابہی اسکا مادہ ہی ایسا ہے اور ہنوز اُسکی سمجھہ اور نظر اسیقدر ہے کہ جو حقایق عالیہ تک نہین پہنچ سکتی۔

زاہد ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست
در حق ما ہرچہ گوید جای ہیچ اکراہ نیست

اور باوجود اِس رحمت عام کے کہ جو فطرتی طور پر خدای بزرگ وبرتر نے ہماری وجود مین رکہی ہے اگر کسی کی نسبت کوئی بات ناملایم یا کوئی پیشگوئی وحشت ناک بذریعہ الہام ہم پر ظاہر ہو تو وہ عالم مجبوری ہے جسکو ہم غم سی بہری ہوئی طبیعت کے ساتھ اپنی رسالہ مین تحریر کرینگے۔ چنانچہ ہم پر خود اپنی نسبت اپنے بعض جدی اقارب کی نسبت اکثر بعض دوستون کی نسبت اور بعض اپنی فلاسفر قومی بہائیون کی نسبت کہ گویا نجم الہند ہین اور ایک دیسی امیر نووارد پنجابی الاصل کی نسبت بعض متوحش خبرین جو کسی کے ابتلا اور کسی کے موت وفوت اعزہ اور کسی کے خود اپنی موت پر دلالت کرتی ہین جو انشاء اللہ القدیر بعد تصفیہ لکہی جائینگی منجانب اللہ منکشف ہوئی ہین اور ہر ایک کے لئے ہم دعا کرتے ہین کیونکہ ہم جانتے ہین کہ اگر تقدیر معلق ہو تو دعاؤن سے بفضلہ تعالیٰ ٹل سکتی ہے اِسی لئی رجوع کرنے والی مصیبتون کے وقت مقبولون کیطرف رجوع کرتے ہین اور شوخیون اور بیراہیون سے باز آجاتے ہین۔ باایںہمہ اگر کسی صاحب پر کوئی ایسی پیشگوئی شاق گذرے تو وہ مجاز ہین کہ یکم مارچ ۱۸۸۶ء سے یا اُس تاریخ سے جو کسی اخبار مین پہلی دفعہ یہ مضمون شائع ہو ٹہیک ٹہیک دو ہفتے کے اندر اپنی دستخطی تحریر سے مجھکو اطلاع دین تا وہ پیشگوئی جسکی ظہور سے وہ ڈرتے ہین اندراج رسالہ سے علیحدہ رکہی جاوے اور موجب دلآزاری سمجھہ کر کسی کو اُسپر مطلع نہ کیا جاوے اور کسی کو اُس کے وقت ظہور سے خبر نہ دیجاوے۔

اُن ہر سہ قسم کی پیشگوئیون مین سے جو انشاء اللہ رسالہ مین بہ بسط تمام درج ہونگی پہلی پیشگوئی جو خود اِس احقر سے متعلق ہے آج بیس فروری ۱۸۸۶ء مین جو مطابق پندرہ جمادی الاول ہے برعایت ایجاز واختصار کلمات الہامیہ نمونہ کے طور پر لکہی جاتی ہے اور مفصل رسالہ مین مندرج

ہو گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

پہلی پیشگوئی بالہام اللہ تعالیٰ و اعلامہ عزوجل

خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہر یک چیز پر قادر ہے (جل شانہ وعز اسمہ) مجھکو اپنے الہام سے مخاطب کرکے فرمایا کہ مین تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہون اُسی کے موافق جو تونے مجھسے مانگا سو مینے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤن کو اپنی رحمت سے بپایہ قبولیت جگہہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیارپور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر تجھ پر سلام خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہان ہین موت کے پنجہ سے نجات پاوین اور وہ جو قبرون مین دبے پڑے ہین باہر آوین اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگون پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتون کے ساتھہ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستون کے ساتھہ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھین کہ مین قادر ہون جو چاہتا ہون کرتا ہون اور تا وہ یقین لائین کہ مین تیرے ساتھہ ہون اور تا اونہین جو خدا کے وجود پر ایمان نہین لاتے اور خدا کے دین اور اسکی کتاب اور اسکے پاک رسول محمد مصطفےٰ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہین ایک کھلی نشانی ملے اور مجرمون کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائیگا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملیگا وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہو گا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے اسکا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اسکو مقدس روح دیگئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے۔ وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے اسکے ساتھہ فضل ہے جو اُس کے آنیکے ساتھہ آئیگا وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہو گا وہ دنیا مین آئیگا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتون کو بیماریون سے صاف کریگا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اُسے اپنے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہو گا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائیگا اور وہ تین کو چار کرنیوالا ہو گا (اسکے معنے سمجھہ مین نہین آئے) دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاول والآخر مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء۔ جسکا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہو گا۔ نور آتا ہے نور جسکو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا ہم اسمین اپنی روح ڈالین گے اور خدا کا سایہ اسکے سر پر ہو گا۔ وہ جلد جلد بڑھیگا اور اسیرون کی رستگاری کا موجب ہو گا اور زمین کے کنارون تک شہرت پائیگا اور قومین اُس سے برکت پائین گی تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کیطرف اُٹھایا جائیگا وکان امرًا مقضیًا۔

پھر خدائے کریم نے مجھے بشارت دیکر کہا کہ تیرا گھر برکت سے بھریگا اور مین اپنی نعمتین تجھہ پر پوری کرونگا اور خواتین مبارکہ سے جنمین سے تو بعض کو اس کے بعد پائیگا تیری نسل بہت ہو گی اور مین تیری ذریت کو

بہت بڑہاؤن گا اور برکت دون گا مگر بعض اُنمین سے کم عمری مین فوت بہی ہونگے اور تیری نسل کثرت سے ملکون مین پہیل جائیگی اور ہر یک شاخ تیرے جدّی بہائیون کی کاٹی جائیگی اور وہ جلد لاولد رہکر ختم ہو جائیگی۔ اگر وہ توبہ نہ کرین گے تو خدا اُنپر بلا پر بلا نازل کرے گا یہان تک کہ وہ نابود ہو جائین گے اون کے گہر بیوؤن سے بہر جائین گے اور اُن کی دیوارون پر غضب نازل ہوگا لیکن اگر وہ رجوع کرینگے تو خدا رحم کے ساتہہ رجوع کریگا۔ خدا تیری برکتین اردگرد پہیلائے گا اور ایک اُجڑا ہوا گہر تجہہ سے آباد کریگا۔ اور ایک ڈراتا گہر برکتون سے بہر دے گا۔ تیری ذرّیت منقطع نہین ہوگی اور آخری دنون تک سرسبز رہیگی۔ خدا تیرے نام کو اُس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزّت کے ساتہہ قایم رکہیگا اور تیری دعوت کو دُنیا کے کنارون تک پہنچا دیگا۔ مین تجہے اُٹہاؤنگا اور اپنی طرف بلالونگا پر تیرا نام صفحہ زمین سے کبہی نہین اُٹہیگا اور ایسا ہوگا کہ سب وہ لوگ جو تیری ذلّت کی فکر مین لگے ہوئے ہین اور تیرے ناکام رہنے کے درپے اور تیرے نابود کرنے کے خیال مین ہین وہ خود ناکام رہین گے اور ناکامی اور نامرادی مین مرین گے لیکن خدا تجہے بکلّی کامیاب کریگا اور تیری ساری مرادین تجہے دیگا۔ مین تیرے خالص اور دلی محبون کا گروہ بہی بڑہاؤن گا اور انکے نفوس و اموال مین برکت دون گا اور اُنمین کثرت بخشون گا اور وہ مسلمانون کے اُس دوسرے گروہ پر تا بروز قیامت غالب رہین گے جو حاسدون اور معاندون کا گروہ ہے خدا اُنہین نہین بہولیگا اور فراموش نہین کریگا اور وہ علی حسب الاخلاص اپنا اپنا اجر پائین گے۔ تو مجہسے ایسا ہے جیسی انبیاء بنی اسرائیل* (یعنی ظلّی طور پر اُن سے مشابہت رکہتا ہے) تو مجہسے ایسا ہے جیسی میری توحید۔ تو مجہہ سے اور مین تجہہ سے ہون اور وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا بادشاہون اور امیرون کے دلون مین تیری محبت ڈالیگا یہانتک کہ وہ تیرے کپڑون سے برکت ڈہونڈین گے۔ اے منکرو اور حق کے مخالفو اگر تم میرے بندہ کی نسبت شک مین ہو اگر تمہین اُس فضل و احسان سے کچہہ انکار ہے جو ہمنے اپنے بندہ پر کیا تو اِس نشان رحمت کی مانند تم بہی اپنی نسبت کوئی سچا نشان پیش کرو اگر تم سچے ہو اور اگر تم پیش نہ کر سکو اور یاد رکہو کہ ہرگز پیش نہ کر سکو گے تو اُس آگ سے ڈرو کہ جو نافرمانون اور جہوٹون اور حد سے بڑہنے والون کے لئے تیار ہے فقط

*حاشیہ۔ اُمتی کا کمال یہی ہے کہ اپنے نبی متبوع سے بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام سے مشابہت پیدا کرے یہی کامل اتباع کی حقیقت اور علت غائی ہے جس کے لئے سورہ فاتحہ مین دعا کرنیکے لئے ہم لوگ مامور ہین بلکہ یہی انسان کی فطرت مین تقاضا پایا جاتا ہے اور اسیوجہ مسلمان لوگ اپنی اولاد کے نام بطور تفاؤل عیسیٰ داؤد موسیٰ یعقوب محمد وغیرہ انبیاء علیہم السلام کے نام پر رکہتے ہین اور مطلب یہی ہوتا ہے کہ تا وہی اخلاق و برکات بطور ظلّی انمین بہی پیدا ہو جائین

راقم

خاکسار غلام احمد (مولف براہین احمدیہ) ازمقام ہوشیارپور

طویلہ شیخ مہر علی صاحب رئیس ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء

مباحثہ ہیزم اس سال اندرونِ ملک میں مباحثہ ہیزم کے سوا کوئی قابلِ ذکر مناظرہ نہیں ہوا۔ ہیزم ہوشیارپور کے ضلع میں ایک قصبہ ہے جہاں ۲ احسان/جون ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو غیر احمدیوں اور احمدیوں کے مابین مناظرہ کی شرائط طے ہو چکی تھیں۔ بموجب شرائط ہر فریق کے لئے لازم تھا کہ وہ سند یافتہ مولوی فاضل مناظر پیش کرے۔ بصورت دیگر مبلغ پچاس روپیہ جرمانہ فریق ثانی کو ادا کرنا ضروری تھا۔ غیر احمدی اصحاب چونکہ یہ شرط پوری نہ کر سکے اس لئے طویل بحث و تمحیص کے بعد انہوں نے پبلک میں اپنی معذوری پر ندامت کا اظہار کیا۔ جس پر "وفات و حیات مسیح" اور مسئلہ "ختم نبوت" پر مناظرہ کا آغاز ہوا۔

پہلا مناظرہ ۱۱ بجے شروع ہوا۔ غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی عبداللہ صاحب معمار امرتسری اور جماعت احمدیہ کی طرف سے مولوی سید احمد علی صاحب مولوی فاضل مناظر تھے۔ جماعت احمدیہ کے مناظر نے قرآن مجید، احادیث اور بزرگانِ سلف کے اقوال کی رُو سے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی وفات پر بحث کی۔

دوسرا مناظرہ سوا چار بجے بعد دوپہر شروع ہوا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولانا قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری مولوی فاضل اور غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی عبداللہ صاحب مناظر تھے۔ جناب قاضی صاحب نے ازروئے قرآن مجید اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اس قدر اعلیٰ اور ارفع ہے کہ آپ کی اتباع کامل سے انسان نبوّت کے انعام سے بھی فیضیاب ہو سکتا ہے۔ غیر احمدی مناظر اس کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے اور اپنی عادت کے مطابق گالیوں اور بدزبانی کے اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آئے۔ اس دوسرے مناظرہ کا ابھی نصف وقت بھی نہ گذرا تھا کہ پولیس نے مداخلتِ بیجا کر کے مناظرہ ختم کروا دیا۔ غیر احمدی علماء پولیس کی بات سنتے ہی سٹیج چھوڑ کر چلے گئے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے مناظرہ نہایت کامیاب رہا۔ پبلک نے نہایت اچھا اثر لیا۔ احمدی احباب مناظرہ سننے کے لئے دُور دُور سے آئے ہوئے تھے۔ لاہور سے جناب چوہدری اسد اللہ خاں صاحب بار ایٹ لاء اور میاں غلام محمد صاحب اختر مع دیگر احباب پہنچ گئے تھے۔ اور قادیان سے بہت سے احباب نے سائیکلوں پر اور پیدل چل کر مناظرہ میں شمولیت کی۔[1]

---

[1] "الفضل" ۷ احسان/جون ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴

پانچواں باب

حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے

دعویٰ مصلح موعود سے لیکر مجلس علم و عرفان کے قیام تک

— خلافتِ ثانیہ کا اکتیسواں (۳۱) سال —

محرم ۱۳۶۳ ہجری مطابق صلح / جنوری ۱۳۲۳ ہش ۱۹۴۴ء تا محرم ۱۳۶۴ ہجری مطابق فتح / دسمبر ۱۳۲۳ ہش ۱۹۴۴ء

فصل اوّل

پیشگوئی متعلقہ مصلح موعود کے مصداق ہونے کا اعلان

اور

جماعت احمدیہ کیلئے ایک نئے اور مبارک دور کا آغاز

پیشگوئی مصلح موعود کا پسِ منظر

دنیا کی قدیم مذہبی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مصلح موعود کی آمد کی پیشگوئی اصولی اور بنیادی اعتبار سے سب سے پہلے بنی اسرائیل کے سامنے منکشف کی گئی اور بتایا گیا کہ مسیح موعود کے انتقال کے بعد اُس کا فرزند اور اس کا پوتا اس کی آسمانی بادشاہت کا وارث ہوگا۔ چنانچہ طالمود[1] میں لکھا ہے:۔

"IT IS ALSO SAID THAT HE SHALL DIE, AND HIS KINGDOM DESCEND TO HIS SON AND GRANDSON."

---

[1] طالمود باب پنجم صفحہ ۳۷ مطبوعہ لنڈن ۱۸۷۸ء (از جوزف بارکلے ایل۔ ایل۔ ڈی) ناشر لنڈن جان مرے البیمرل سٹریٹ 1878

ترجمہ: "یہ بھی ایک روایت ہے کہ مسیح (موعود) کے وفات پانے کے بعد اُس کی بادشاہت (یعنی آسمانی بادشاہت) اُس کے فرزند اور پھر اُس کے پوتے کو ملیگی"

اس ابتدائی خبر کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حدیث "فَیَتَزَوَّجُ وَ یُوْلَدُ لَهٗ"[۱] میں اُمتِ مُسلمہ کو دوبارہ مُصلح موعود کی بشارت دی۔ اور پانچویں صدی ہجری کے شامی بزرگ حضرت امام یحییٰ بن عقب رحمۃ اللہ علیہ نے خدا سے اطلاع پا کر کھُلے لفظوں میں پسرِ موعود کے نام تک کی خبر دے دی چنانچہ وہ فرماتے ہیں :-

وَ مَحْمُوْدٌ سَیَظْهَرُ بَعْدَ هٰذَا
وَ یَمْلِكُ الشَّامَ بِلَا قِتَالٍ[۲]

یعنی مسیح موعود اور ایک عربی النسل انسان کے بعد محمود ظاہر ہوگا اور ملک شام کو کسی (مادی) جنگ کے بغیر فتح کرے گا۔

اس شامی بزرگ کے علاوہ ہندوستان کے مشہور ولی حضرت شاہ نعمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شہرۂ آفاق الہامی قصیدہ میں پیشگوئی فرمائی کہ

دورِ اُو چوں شود تمام بکام
پسرش یادگار مے بینم[۳]

یعنی "جب مسیح موعود کا زمانہ کامیابی کے ساتھ گذر جائے گا تو اس کے نمونہ پہ اس کا لڑکا یادگار رہ جائے گا۔ یعنی مقدر یوں ہے کہ خدائے تعالیٰ اس کو ایک لڑکا پارسا دے گا جو اس کے نمونہ پر ہوگا اور اس کے رنگ میں رنگین ہو جائے گا اور وہ اس کے بعد اس کا یادگار ہوگا"[۴]

سفرِ ہوشیارپور

اب چونکہ ان خدائی نوشتوں کے ظہور کا وقت آپہنچا تھا اس لئے جناب الٰہی کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جنوری ۱۸۸۶ء میں حصول نشان کیلئے ہوشیارپور میں خلوت گزیں ہو کر دعائیں کرنے کا حکم ملا اور الہام ہوا کہ "تمہاری عقدہ کشائی ہوشیارپور میں ہوگی"[۵]

---

[۱] "مشکوٰۃ" مجتبائی باب نزول عیسیٰ بن مریم صفحہ ۴۸۰ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام ۔ [۲] شمس المعارف الکبریٰ مصری صفحہ ۳۴۰ ۔ [۳] "اربعین فی احوال المہدیین" مؤلفہ حضرت سید اسمٰعیل شہیدؒ ۔ [۴] یہ ترجمہ سیدنا المسیح الموعودؑ کے قلم مبارک کا ہے (ملاحظہ ہو نشان آسمانی صفحہ ۱۲ طبع اوّل) ۔ [۵] سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۶۹ (مرتبہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ) ۔

جس پر حضور نے حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری کو قادیان بُلوا لیا اور شیخ مہر علی شاہ صاحب رئیس ہوشیار پور کے نام خط لکھا کہ مَیں دو ماہ کے لئے ہوشیار پور آنا چاہتا ہوں۔ کسی ایسے مکان کا انتظام کر دیں جو شہر کے کنارے پر ہو اور اس میں بالاخانہ بھی ہو۔ علاوہ ازیں ۱۳ جنوری ۱۸۸۶ء کو اپنے مخلص مُرید چودھری رستم علی صاحب (مدار ضلع جالندھر) کو اطلاع دی کہ:-

"اس خاکسار نے حسب ایماء خداوند کریم . . . اس شرط سے سفر کا ارادہ کیا ہے کہ شب و روز تنہا ہی رہے اور کسی کی ملاقات نہ ہو اور خداوند کریم جلّ شانہٗ نے اس شہر کا نام بتا دیا ہے جس میں کچھ مدّت بطور خلوت رہنا چاہیئے اور وہ ہوشیار پور ہے۔ آپ کسی پر ظاہر نہ کریں کہ بجز چند دوستوں کے اور کسی پر ظاہر نہیں کیا گیا ہے۔" [1]

چنانچہ اس پروگرام کے مطابق سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بہلی میں بیٹھ کر دریائے بیاس کے رستے ۲۲ جنوری ۱۸۸۶ء [2] (مطابق ۱۵ ربیع ثانی ۱۳۰۳ھ) بروز جمعہ ہوشیار پور تشریف لے گئے۔ اس مقدّس سفر میں حضرت اقدس [3] کے ساتھ حضور کے مخلص مُریدوں میں سے حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری اور حضرت شیخ حامد علی صاحبؓ کے علاوہ ایک صاحب فتح خاں (ساکن رسول پور متصل ٹانڈہ ضلع ہوشیار پور) بھی تھے۔

ہوشیار پور میں حضرت اقدس طویلہ شیخ مہر علی صاحب کے ایک بالاخانہ پر فروکش ہوئے اور پوری خلوت نشینی اختیار فرماتے ہوئے چلّہ کشی کی چنانچہ حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوریؓ کا بیان ہے کہ:-

"ہم راستہ میں فتح خاں کے گاؤں میں قیام کرتے ہوئے دوسرے دن ہوشیار پور پہنچے۔ وہاں جاتے ہی حضرت صاحب نے طویلہ کے بالاخانہ میں قیام فرمایا اور اس غرض سے کہ ہمارا آپس میں کوئی جھگڑا نہ ہو، ہم تینوں کے الگ الگ کام مقرر فرما دیئے۔ چنانچہ میرے سپرد کھانا پکانے کا کام ہوا۔ فتح خاں کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ بازار سے سودا وغیرہ لایا کرے۔ شیخ حامد علی کا یہ کام مقرر ہوا کہ گھر کا بالائی کام اور آنے

---

[1] حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوریؓ کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ ۱۸۸۸ء میں عالمگیر دعوت نشان نمائی کیلئے جو دو ہزار انگریزی اشتہار حضورؑ نے شائع فرمائے تھے ان کی چھپوائی اور قادیان میں لانے کا انتظام حضور نے انہی کے سپرد فرمایا تھا (ملاحظہ ہو مکتوب حضرت مسیح موعودؑ مورخہ ۹ فروری ۱۸۸۵ء مشمولہ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر پنجم صفحہ ۱۵۲)۔

[2] ہوشیار پور پہنچنے کی اس تاریخ کی تعیین خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ اور تقویم شمسی کی روشنی میں باسانی ہو سکتی ہے اور وہ اس طرح کہ حضور نے ۱۸ جنوری ۱۸۸۶ء کو حضرت چوہدری رستم علی صاحب مدار ضلع جالندھر کے نام خط لکھا کہ "اس وقت روانگی براہ راست ہوشیار پور تجویز ہو کر کل انشاء اللہ یہ عاجز روانہ ہو جاوے گا۔" بعد ازاں ۲۶ جنوری ۱۸۸۶ء کو بذریعہ مکتوب اطلاع دی کہ "یہ عاجز بروز جمعہ بخیر و عافیت ہوشیار پور پہنچ گیا ہے" (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر سوم صفحہ ۱۰-۱۱) اب اگر یہ حساب کیا جائے کہ ۱۸ اور ۲۶ جنوری کے درمیان جمعہ کا دن کس تاریخ کو آتا ہے تو وہ ٹھیک ۲۲ جنوری ۱۸۸۶ء ہی کی تاریخ بنتی ہے۔ حضرت المصلح الموعودؓ فرماتے ہیں:- "حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲۱ جنوری ۱۸۸۶ء کو روانہ ہوئے اور ایک رات رسول پور ٹھہرتے ہوئے ۲۲ جنوری جمعہ کے دن وہاں پہنچ گئے" (الموعود صفحہ ۱۲)۔

جانے والے کی مہمان نوازی کرے۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے بذریعہ دستی اشتہارات اعلان کر دیا کہ چالیس دن تک مجھے کوئی صاحب ملنے نہ آویں اور نہ کوئی صاحب مجھے دعوت کے لئے بلائیں۔ ان چالیس دن کے گذرنے کے بعد مَیں یہاں بیس دن اور ٹھہروں گا۔ ان بیس دنوں میں ملنے والے ملیں۔ دعوت کا ارادہ رکھنے والے دعوت کر سکتے ہیں اور سوال و جواب کرنے والے سوال جواب کرلیں اور حضرت صاحب نے ہم کو بھی حکم دے دیا کہ ڈیوڑھی کے اندر کی زنجیر ہر وقت لگی رہے اور گھر میں بھی کوئی شخص مجھے نہ بلائے۔ مَیں اگر کسی کو بلاؤں تو وہ اسی حد تک میری بات کا جواب دے جس حد تک کہ ضروری ہے اور نہ اوپر بالاخانہ میں کوئی میرے پاس آوے۔ میرا کھانا اُوپر پہنچا دیا جاوے۔ مگر اس کا انتظار نہ کیا جاوے کہ مَیں کھانا کھاؤں۔ خالی برتن پھر دوسرے وقت لے جایا کریں۔ نماز مَیں اُوپر الگ پڑھا کروں گا۔ تم نیچے پڑھ لیا کرو۔ جمعہ کے لئے حضرت صاحب نے فرمایا کہ کوئی ویران سی مسجد تلاش کرو جو شہر کے ایک طرف ہو جہاں ہم علیحدگی میں نماز ادا کرسکیں۔ چنانچہ شہر کے باہر ایک باغ تھا۔ اس میں ایک چھوٹی سی ویران مسجد تھی۔ وہاں جمعہ کے دن حضور تشریف لے جایا کرتے تھے اور ہم کو نماز پڑھاتے تھے اور خطبہ بھی خود پڑھتے تھے۔" [1]

یہ چلّہ کشی اور ریاضت شاقہ اوّل سے آخر تک چونکہ خدائے عزّوجلّ و قادر و توانا کے خاص اذن اور اُسی کی راہ نمائی سے تھی اس لئے حضور نے اس کے دوران ۱۱ فروری ۱۸۸۶ء کو چودھری رستم علی صاحب کو خط لکھا کہ

"ابھی تک مجھ کو کچھ خبر نہیں کہ کب تک اس شہر میں رہوں اور کس راہ سے جاؤں۔ یہ سب باتیں جناب الٰہی کے اختیار میں ہیں۔ اُفَوِّضُ اَمۡرِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ هُوَ نِعۡمَ الۡمَوۡلٰی وَ نِعۡمَ النَّصِیۡرُ" [2]

اس عظیم مجاہدہ کے دوران اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور پر آسمانی افضال و انوار کے بے شمار دروازے کھولے گئے اور بار بار مکالمات و مخاطبات سے نوازا گیا چنانچہ حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ

"مَیں کھانا چھوڑنے اُوپر جایا کرتا تھا اور حضور سے کوئی بات نہیں کرتا تھا مگر کبھی حضور مجھ سے خود کوئی بات کرتے تھے تو جواب دے دیتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ میاں عبداللہ! ان دنوں میں مجھ پر بڑے بڑے خدا تعالیٰ کے فضل کے دروازے کھلے ہیں اور بعض اوقات دیر دیر تک خدا تعالیٰ مجھ سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ اگر اُن کو لکھا جاوے تو کئی ورق ہو جاویں" [3]

---

[1] "سیرت المہدی" طبع دوم حصہ اوّل صفحہ ۷۰ (مرتبہ قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ)۔ [2] "مکتوبات احمدیہ" جلد پنجم نمبر سوم صفحہ ۱۳ (ناشر حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی الکبیر)۔ [3] "سیرت المہدی" طبع دوم حصہ اوّل صفحہ ۷۰-۷۱۔

مصلح موعود کے عطا کئے جانے کی بشارت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چلّہ کشی کے دوران اسلام کی آسمانی فتح کے لئے اپنے محبوب حقیقی کی بارگاہ میں ایک رحمت کے نشان کے لئے نہایت تضرع اور ابتہال کے ساتھ جو دُعائیں کیں وہ قبول ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ نے اس مجاہدہ عظیمہ کے خاتمہ پر آپ کو بذریعہ الہامات نہ صرف خود حضورؑ کی ذات، حضورؑ کی ذریت طیبہ اور مستقبل میں پیدا ہونے والی حضور کی جماعت کی نسبت بھاری بشارتیں دیں بلکہ آپ کی ذریّت و نسل اور تخم سے پیدا ہونیوالے ایک پسر موعود اور مصلح موعود کی خبر دی۔ نیز بتایا گیا کہ اس کا وجود دُنیا بھر میں خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسُول حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکروں اور مکذبوں پر حجّتِ قاطعہ کی حیثیت رکھے گا جس کے ذریعہ سے دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہوگا۔

علاوہ ازیں بذریعہ وحی خفی یہ بھی خبر دی گئی کہ

"ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی نو برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا خواہ جلد ہو خواہ دیر سے بہرحال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائے گا۔" [1]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"یہ صرف پیشگوئی ہی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان نشان آسمانی ہے جس کو خدائے کریم جلشانہٗ نے ہمارے نبی کریم رؤف و رحیم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت و عظمت ظاہر کرنے کے لئے ظاہر فرمایا ہے اور درحقیقت یہ نشان ایک مُردہ کے زندہ کرنے سے صدہا درجہ اعلےٰ و اولیٰ و اکمل و افضل و اتم ہے" [2]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مصلح موعود سے متعلق عظیم الشان نشان رحمت کی الہامی تفصیل ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں درج فرمائی جو پہلی بار اخبار ریاض ہند امرتسر مورخہ یکم مارچ ۱۸۸۶ء میں بطور ضمیمہ شائع ہوا۔ اور جس کا متن یہ تھا:۔

"پہلی پیشگوئی بالہام اللہ تعالیٰ و اعلامہ عزّوجلّ خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہریک چیز پر قادر ہے (جلّ شانہٗ و عزّ اسمہٗ) مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کرکے فرمایا کہ میں تجھے

---

[1] اشتہار واجب الاظہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۷۲)، اشتہار ۸ اپریل ۱۸۸۶ء (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۷۶)، و "اشتہار محک اخیار و اشرار" (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۸۴)۔

[2] اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۷۳-۷۴)۔

ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔ اُسی کے موافق جو تُو نے مجھ سے مانگا۔ سو مَیں نے تیری تضرّعات کو سُنا اور تیری دُعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لُدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے۔ اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفّر تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا۔ تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ یہ سمجھیں کہ مَیں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں کہ مَیں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسُول محمد مصطفیٰؐ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھُلی نشانی ملے اور مجرموں کا راہ ظاہر ہو جائے۔ سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملیگا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذرّیت و نسل ہوگا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اُس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدّس رُوح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے۔ وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اُس کے ساتھ فضل ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دُنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اُسے اپنے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علُومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مظہر الاوّل والاٰخر مظہر الحق والعلاء کانّ اللہ نزل من السّماء۔

جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نُور آتا ہے نُور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اُس میں اپنی رُوح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اُس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطۂ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا[۱] الخ"

پنڈت لیکھرام کا اشتہار

اس پیشگوئی کی اشاعت پر پنڈت لیکھرام نے ۱۸ مارچ ۱۸۸۶ء کو اشتہار دیا کہ

"آپ کی ذریّت بہت جلد منقطع ہو جائے گی۔ غایت درجہ تین سال تک شہرت رہے گی"

"ہمارا الہام یہ کہتا ہے کہ لڑکا کیا تین سال کے اندر اندر آپ کا خاتمہ ہو جائے گا اور آپ کی ذرّیت سے کوئی باقی نہ رہے گا۔"[۲]

مُصلح موعُود کی نسبت مزید انکشافات

اس اشتہار کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے مصلح موعود کے بارے میں مزید انکشافات کے لئے آستانۂ احدیت کی طرف توجّہ کی تو اللہ جلّشانہٗ کی طرف سے ۸ اپریل ۱۸۸۶ء کو یہ کھلا کہ :-

"ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے جو ایک مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ غالباً ایک لڑکا ابھی ہونے والا ہے یا بالضرور اس کے قریب حمل میں۔ لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جو اب پیدا ہوگا یہ وہی لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہوگا"[۳]

بشیر اوّل پیشگوئی کے اس حصّہ کے مطابق کہ "ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے" ۷ اگست ۱۸۸۷ء کو پیدا ہوئے اور ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء والی پیشگوئی "خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے" کی آسمانی خبر کو پُورا کرتے ہوئے ۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو فوت ہو گئے[۴] جس پر مخالفینِ اسلام نے شور مچا دیا کہ مصلح موعود والی پیشگوئی جھوٹی نکلی حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں الہاماً کبھی پسر موعود قرار نہیں دیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نو سالہ میعاد میں ایک مزید تعیین کی تصریح ہو گئی۔ یعنی اطلاع دی گئی کہ اب بشیر ثانی یا مصلح موعود

---

[۲] "کلیات آریہ مسافر" صفحہ ۴۹۳-۵۰۱ شائع کردہ رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز مطبع مفید عام لاہور مطبوعہ ۱۹۰۴ء

[۳] اشتہار ۸ اپریل ۱۸۸۶ء "تبلیغ رسالت" جلد اوّل صفحہ ۷۶۔

[۴] سبز اشتہار صفحہ ۱۔

بلاتوقف پیدا ہوگا۔ یہ تعیین اگرچہ اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے مندرجہ ذیل الہام میں موجود تھی کہ "اُس (یعنی بشیر اوّل ناقل) کے ساتھ فضل (یعنی بشیر ثانی یا مصلح موعود۔ ناقل) ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئیگا" لیکن بشیر اوّل کی وفات سے جہاں دشمنانِ اسلام کی اندرونی کیفیت بے نقاب ہوگئی وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید تسلی کے طور پر دربارہ صراحتاً بھی خبر دی گئی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بشیر اوّل کی وفات پر یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو سبز اشتہار شائع کیا کہ:۔

(ا) "بشیر اوّل جو فوت ہوگیا ہے بشیر ثانی کے لئے بطور ارہاص تھا اس لئے دونوں کا ایک ہی پیشگوئی میں ذکر کیا گیا۔" [۱]

(ب) "ظلمت اور روشنی دونوں اس لڑکے (بشیر اوّل۔ ناقل) کے قدموں کے نیچے ہیں۔ یعنی اُس کے قدم اُٹھانے کے بعد جو موت سے مُراد ہے ان کا آنا ضرور ہے۔ سو اے وے لوگو جنہوں نے ظلمت کو دیکھ لیا۔ حیرانی میں مت پڑو بلکہ خوش ہو اور خوشی سے اُچھلو کہ اس کے بعد اب روشنی آئے گی" [۲]

(ج) "دوسرا لڑکا جس کی نسبت الہام نے بیان کیا کہ دوسرا بشیر دیا جائیگا جس کا دوسرا نام محمود ہے وہ اگرچہ اب تک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا۔ زمین۔ آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔ نادان اس کے الہامات پر ہنستا ہے اور احمق اس کی پاک بشارتوں پر ٹھٹھا کرتا ہے کیونکہ آخری دن اس کی نظر سے پوشیدہ ہے اور انجام کار اس کی آنکھوں سے چھپا ہوا ہے" [۳]

سبز اشتہار کے موعود کی ولادت

سبز اشتہار کی اشاعت کے قریباً ڈیڑھ ماہ بعد ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو بشیر ثانی محمود المصلح الموعود کی ولادت باسعادت ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی دن ایک اشتہار بعنوان "تکمیل تبلیغ" شائع فرمایا جس میں دس شرائط بیعت شائع کرتے ہوئے اطلاع دی کہ

"خدائے عزّ وجلّ نے . . . اپنے لطف و کرم سے وعدہ دیا تھا کہ بشیر اوّل کی وفات کے بعد ایک دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا نام محمود بھی ہوگا . . . سو آج ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء میں

---

[۱] سبز اشتہار (طبع اوّل) حاشیہ صفحہ ۲۱ [۲] ایضاً صفحہ ۱۷ [۳] ایضاً حاشیہ صفحہ ۲۰

مطابق ۹ جمادی الاول ۱۳۰۶ھ روز شنبہ میں اس عاجز کے گھر میں بفضلہ تعالیٰ ایک لڑکا پیدا ہو گیا ہے۔ جس کا نام بالفعل محض تفاؤل کے طور پر بشیر اور محمود بھی رکھا گیا ہے اور کامل انکشاف کے بعد پھر اطلاع دی جائے گی"۔[1]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اس وعدہ کے مطابق بعد میں شائع ہونے والی متعدد تصانیف مثلاً سراج منیر،[2] سر الخلافہ،[3] ضمیمہ انجام آتھم،[4] تریاق القلوب[5] اور حقیقۃ الوحی[6] میں پُر زور طریق سے دُنیا بھر کو یہ اطلاع دے دی کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کا وہ موعود فرزند جسے وعدہ الٰہی کے مطابق نو سالہ میعاد کے اندر بشیر اوّل کے بعد بلا توقف پیدا ہونا تھا اور جس کو سبز اشتہار میں بشیر ثانی اور محمود اور مصلح موعود کے الہامی ناموں سے یاد کیا گیا تھا پیدا ہو چکا ہے۔ اور خدا کی پیشگوئی حرف بحرف صحیح نکلی ہے۔ چنانچہ حضور نے "حقیقۃ الوحی" میں تحریر فرمایا کہ:۔

"میرے سبز اشتہار کے ساتویں صفحہ میں اس دوسرے لڑکے کے پیدا ہونے کے بارے میں یہ بشارت ہے۔ دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا دوسرا نام محمود ہے۔ وہ اگرچہ اب تک جو یکم ستمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا۔ زمین آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔ یہ ہے عبارت اشتہار سبز کے صفحہ سات کی جس کے مطابق جنوری ۱۸۸۹ء میں لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام محمود رکھا گیا اور اب تک بفضلہ تعالیٰ زندہ موجود ہے اور سترھویں سال میں ہے"۔[7]

بزرگانِ سلسلہ کا مسلک

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فیصلہ کُن ارشاد کی وجہ سے سلسلہ احمدیہ کے مقتدر بزرگ شروع ہی سے حضرت سیدنا محمودؓ کو مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق یقین کرتے تھے چنانچہ حضرت مولوی محمد احسن صاحب امروہیؓ نے سالانہ جلسہ ۱۹۱۰ء کے موقعہ پر اپنی تقریر کے دوران واضح لفظوں میں اعلان کیا کہ

"ایک یہ بھی الہام تھا کہ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ الخ جو اس حدیث کی پیشگوئی کے مطابق تھا جو مسیح موعود کے بارے میں ہے یَتَزَوَّجُ وَ یُوْلَدُ لَهٗ یعنی آپ کے ہاں

---

[1] "تبلیغ رسالت" (طبع اوّل) جلد اوّل حاشیہ صفحہ ۱۴۷-۱۴۸۔ [2] ایضاً حاشیہ صفحہ ۳۴۔ [3] ایضاً صفحہ ۵۳۔
[4] ایضاً صفحہ ۱۵۔ [5] ایضاً صفحہ ۴۲۔ [6] ایضاً صفحہ ۳۶۰۔
[7] "حقیقۃ الوحی" (طبع اوّل) صفحہ ۳۶۰۔

ولد صالح عظیم الشان پیدا ہوگا چنانچہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب موجود ہیں" ؎۱

اسی طرح حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاول رضؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس عقیدہ و مسلک کا برملا اظہار فرمایا کہ پسر موعود میاں صاحب (یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد) ہی ہیں چنانچہ پیر منظور محمد صاحب نے ۱۰ستمبر ۱۹۱۳ء کو حضرت خلیفہ اول رضؓ سے عرض کیا کہ "مجھے آج حضرت اقدس ؑ کے اشتہارات کو پڑھ کر پتہ مل گیا ہے کہ پسر موعود میاں صاحب ہی ہیں" اس پر حضور نے ارشاد فرمایا :-

"ہمیں تو پہلے ہی سے معلوم ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم میاں صاحب کے ساتھ کس خاص طرز سے ملا کرتے ہیں اور ان کا ادب کرتے ہیں"

حضرت پیر صاحب موصوف ؓ نے یہی الفاظ لکھ کر تصدیق کے لئے پیش کئے تو حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے اپنے دست مبارک سے رقم فرمایا :-

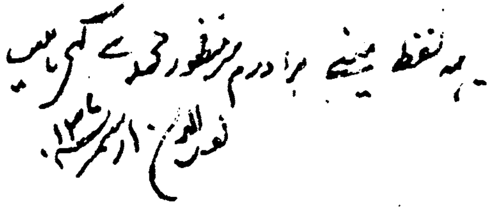

یہ لفظ میں نے برادرم پیر منظور محمد سے کہے ہیں

نورالدین ۔ ۱۰ستمبر ۱۳ء

حضرت پیر صاحب ؓ نے خلافت ثانیہ کے ابتدائی ایام میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے مصلح موعود ہونے کے ثبوت میں "پسر موعود" کے نام سے ایک لاجواب رسالہ شائع کیا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ کی اس تحریر کا چربہ بھی چھاپ دیا۔

غیر مبائع اصحاب کا مطالبہ

اس مرحلہ پر غیر مبائع اصحاب نے اس رائے کا اظہار کیا کہ اگر حضرت صاحبزادہ صاحب الہامی دعویٰ اور حلفیہ بیان دے دیں تو وہ بلا تامل آپ کو مصلح موعود مان لیں گے۔ چنانچہ اخبار "پیغام صلح" نے لکھا :-

"ہمیں حضرت صاحبزادہ میرزا محمود احمد صاحب کے موعود لڑکا ماننے میں کوئی بھی عذر نہیں۔ اور نہ

؎۱ ضمیمہ اخبار "بدر" ۲۶ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۲ ۔

ہمیں مسیح موعود کے لڑکوں میں سے کسی لڑکے کی جانشینی کا کوئی سوال ہے۔ صرف اس موعود لڑکے کے متعلق حضرت مسیح موعود نے الوصیت میں یہ علامت بتلائی کہ وہ قرب اور وحی کے ساتھ مخصوص کیا جائے گا۔ سو وحی اور مامور ہونے کا ہمیں انتظار ہے کسی بات سے انکار نہیں" [1]

اسی طرح جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے رسالہ "اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب" میں حلفیہ بیان کا مطالبہ کرتے ہوئے تحریر کیا:۔

"آخری التماس حضرت میاں صاحب کی خدمت میں یہ بھی کرتا ہوں . . . . اگر وہ الہاماً مامور ہیں تو بڑے حلف . . . . اعلان کریں کہ میں الہاماً کھڑا کیا گیا اور میں وہی ہوں جس کا وصیت میں ذکر ہے اور مجھے الہاماً اطلاع دی گئی ہے کہ قدرتِ ثانی کا میں مظہر ہوں۔ چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ کون چاہتا ہے کہ وہ دن قریب نہ آویں۔ کم از کم میں اپنے متعلق فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس حلف کے بعد مجھ پر حرام ہوگا کہ میں حضرت میاں صاحب کے عقائد کے خلاف کچھ لکھوں یا . . . . قبول کرلوں گا یا میں دعاؤں میں لگ جاؤں گا۔ بہرحال میں خاموش ہوجاؤں گا . . . . اگر وہ مصلح موعود ہیں تو پھر وہ حلفاً یہ بیان کریں کہ آیا الہاماً ان کو اطلاع ملی کہ وہ وہی فرزند ہیں جس کا اشارہ سبز اشتہار میں ہے۔ اگر وہ الہاماً نہیں تو پھر اپنے مریدوں کو روکیں کیونکہ وہ آپ کو مصلح موعود یا پسر موعود بنا رہے ہیں۔ آپ کیوں خاموش ہو رہے ہیں؟ یہ خاموشی نہایت خطرناک ہے۔ آپ کے مبائعین میں سے ایک نے مصلح موعود آپ کو بنایا اور ایک رسالہ میں لکھا۔ الخ" [2]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا موقف

اس مطالبہ کے جواب میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے یہ موقف اختیار فرمایا کہ میں مصلح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا نہ دعویٰ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ بطور نمونہ چند تحریرات ملاحظہ ہوں:۔

پہلی تحریر

حضور نے ۱۹۱۶ء میں فرمایا:۔

"مصلح موعود کے لئے نہ تو دعویٰ وحی سے ضروری ہے اور (نہ) [3] بلا وحی کے . . . . اور ہو سکتا ہے کہ وہ دعویٰ بھی نہ کرے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کئی پیشگوئیاں اُمت کے بڑے بڑے آدمیوں کی نسبت فرمائیں۔ بعض نے اُن کے مستحق ہونے کا دعویٰ بھی نہ کیا۔ ہاں لوگوں نے سمجھ کر ان پر چسپاں

---

[1] "الفضل" ۲۹ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۴ کالم ۱۔ [2] "اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب" صفحہ ۷۲-۷۳ (ناشر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ دسمبر ۱۹۱۴ء)۔ [3] یہ لفظ سہوِ کتابت کی وجہ سے رہ گیا ہے۔

کیں۔ مثلاً محمد مہدی فاتح قسطنطنیہ کی نسبت پیشگوئی موجود ہے اُس کا دعویٰ ثابت نہیں۔ اور بھی ہیں۔ پس مَیں مصلح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اگر مَیں ہوں تو الحمد للہ۔ دعویٰ سے فائدہ نہیں۔ اگر مَیں نہیں تو اس احتیاط سے مَیں ایک غلطی سے محفوظ ہو گیا۔ بعض لوگ مجھے وہ موعود سمجھتے ہیں۔ مَیں اُن کو بھی نہیں روکتا ہر ایک شخص کا اپنا خیال و تحقیق ہے اور خلاف شریعت نہیں"۔ ۵؎

دوسری تحریر پھر وسط جون ۱۹۲۷ء کی بات ہے کہ راولپنڈی میں غیر مبائعین سے ایک تحریری مناظرہ طے پایا۔ ایک موضوع "مصلح موعود" بھی مقرر تھا اور مناظر مولانا ابوالعطاء صاحب قرار پائے۔ آپ جب قادیان سے روانہ ہونے لگے تو حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل حلالپوریؓ نے فرمایا کہ اگر غیر مبائعین نے یہ کہا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تو دعویٰ نہیں کرتے اور آپ لوگ اپنی طرف سے انہیں مصلح موعود کہے جا رہے ہیں تو کیا جواب ہو گا؟ مولانا ابوالعطاء صاحب نے یہی سوال حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے سامنے رکھ دیا۔ اس پر حضور نے اپنے قلم سے حسب ذیل تحریر لکھ دی:۔

مکرمی مولوی ابوالعطاء صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اول۔ میرے نزدیک مصلح موعود بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا موعود ہے اور اولاد میں سے ایک شخص ہے نہ کہ گذشتہ زمانہ میں آچکنے والا کوئی مرد۔

[illegible] ۱۹۱۶ء صفحہ [illegible] کالم ۳

دوم میرے نزدیک جس حد تک میں نے ان پیشگوئیوں کا مطالعہ کیا ہے ان کا نوے فی صدی حصہ بالکل میرے زمانہ کے حالات مستقبل کا نقشہ آپ سے مطابق ہیں

سوم۔ چونکہ میں ان پیشگوئیوں کو موعود کی دعوت کا کسی طرح منطبق قرار نہیں دیتا بلکہ میرے نزدیک میری دعوت کا مرکز نہیں ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ان پیشگوئیوں کا جو غرض ہے وہ بڑی حد تک خدا تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے پورا کر دیا ہے لیکن میں کسی تعجب کی بات نہیں دیکھتا اگر میرے بعد میری اولاد میں سے کوئی دوسرے کے ذریعہ سے بقیہ حصہ پورا ہو جائے یا ان سے پیدا ہو

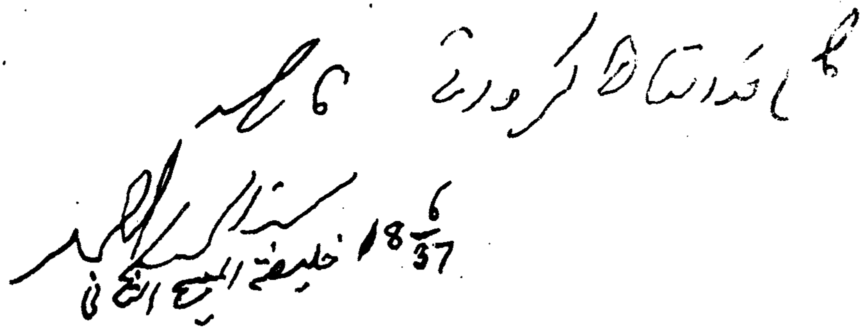

مکرمی مولوی ابوالعطاء صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اوّل۔ میرے نزدیک مصلح موعود بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی موجودہ اولاد میں سے ایک لڑکا ہے نہ کہ آئندہ زمانہ میں آنے والا کوئی فرد۔

دوم۔ میرے نزدیک جس حد تک مَیں نے اس پیشگوئی کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کی نوّے فیصدی باتیں میرے زمانہ خلافت کے کاموں سے مطابق ہیں۔

سوم۔ چونکہ مَیں اس پیشگوئی کے موعود کے لئے دعویٰ کو شرط قرار نہیں دیتا۔ اس لئے میرے نزدیک میرے لئے دعویٰ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں مَیں سمجھتا ہوں کہ اس پیشگوئی کی جو غرض ہے وہ بڑی حد تک خدا تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے پُوری کر دی ہے۔ لیکن مَیں اس میں تعجب کی بات نہیں دیکھتا۔ اگر میرے بھائیوں میں سے کسی دوسرے کے ذریعہ سے بھی اسی قسم کے کام یا ان سے بڑھ کر کام خدا تعالیٰ کروائے۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی ۱۸ ۶/۳۷

تیسری تحریر | اس تحریر کے تین برس بعد حضور نے ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء میں خطبہ جمعہ کے دوران ارشاد فرمایا:۔

"لوگوں نے کوشش بھی کی ہے کہ مجھ سے دعویٰ کرائیں کہ مَیں مصلح موعود ہوں۔ مگر مَیں نے کبھی اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔ مخالف کہتے ہیں۔ آپ کے مُرید آپ کو مصلح موعود کہتے ہیں۔ مگر آپ خود دعویٰ نہیں کرتے۔ مگر مَیں کہتا ہوں کہ مجھے دعویٰ کی ضرورت کیا ہے؟ اگر مَیں مصلح موعود ہوں تو میرے دعویٰ نہ کرنے سے میری پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ جب میرا عقیدہ یہ ہے کہ جو پیشگوئی غیر مامور کے متعلق ہو اس

کے لئے دعویٰ کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ تو پھر دعوے کی مجھے کیا ضرورت ہے؟ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ریل کے متعلق پیشگوئی فرمائی تھی۔ کیا ضروری ہے کہ ریل دعویٰ کرے۔ . . . اُمتِ مُسلمہ میں مجددین کی جو فہرست حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دکھانے کے بعد شائع ہوئی ہے، ان میں سے کتنے ہیں جنہوں نے دعویٰ کیا ہو؟ میں نے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سُنا ہے کہ مجھے تو اورنگ زیب بھی اپنے زمانہ کا مجدد نظر آتا ہے۔ مگر کیا اس نے کوئی دعوی کیا؟ عُمر بن عبد العزیزؓ کو مجدد کہا جاتا ہے کیا اُن کا کوئی دعویٰ ہے؟ پس غیر مامور کے لئے دعویٰ ضروری نہیں۔ دعویٰ صرف ماموُرین کے متعلق پیشگوئیوں میں ضروری ہے۔ غیر ماموُر کے صرف کام کو دیکھنا چاہیئے۔ اگر کام پورا ہوتا نظر آجائے تو پھر اس کے دعویٰ کی کیا ضرورت ہے۔ اس صورت میں تو وہ انکار بھی کرتا جائے تو ہم کہیں گے کہ وہی اس پیشگوئی کا مصداق ہے . . . پس میری طرف سے مصلح موعود ہونے کے دعوے کی کوئی ضرورت نہیں"[1]

خدا تعالےٰ کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ پر انکشاف

الغرض حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت کے ابتدائی اٹھائیس انتیس برس تک مسلسل اور متواتر اسی موقف پر قائم رہے۔ اس عرصہ میں بڑے بڑے انقلابات آئے اور پیشگوئی مصلح موعود سے متعلق ایک ایک کرکے قریباً سب علامات آپ کے وجود مبارک میں نہایت خارق عادت طریق سے پُوری ہوگئیں۔ خدا تعالےٰ کی اس فعلی شہادت کے مدّنظر اگرچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے علیٰ وجہ البصیرت اپنی اس رائے کا اظہار فرما دیا کہ

"سبز اشتہار میں جو (مصلح موعود) کی پیشگوئی ہے اس میں مجھے کوئی شبہ نہیں کہ وہ میرے ہی متعلق ہے"[2]

بایں ہمہ مصلح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا یہانتک کہ آپ کی عُمر مبارک پچپن سال کے لگ بھگ پہنچ گئی اور ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کا سال شروع ہوگیا۔

حضرت امیرالمومنینؓ کا جسم مبارک مسلسل بیماریوں اور دماغی محنتوں کی وجہ سے نڈھال ہوچکا تھا اور صحت روز بروز گرتی جارہی تھی اور بار بار بیماریوں میں مبتلا ہو رہے تھے۔ اسی حالت میں حضور نے سالانہ جلسہ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو خطاب فرمایا۔ پھر جلدی ہی حضرت سیدہ ام طاہر کی تشویشناک علالت کے باعث لاہور تشریف لے آئے جہاں حضرت

---

[1] "الفضل" ۲۳ امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۷، کالم ۲-۳ [2] "الفضل" ۲۷ فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۶

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ لاہور کے صحابہ اور دوسرے احباب کے ساتھ اوائل ۱۳۲۳ھش ۱۹۴۴ء

(ناموں کی تفصیل ضمیمہ میں درج ہے)

شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے مکان کا وہ تاریخی کمرہ
جہاں حضرت المصلح الموعودؓ پر انکشاف ہوا سامنے وہ چارپائی ہے
جہاں حضور انور بوقت رؤیا سو رہے تھے۔

بائیں طرف شیخ بشیر احمد صاحب مصروف گفتگو ہیں۔

سیدہ موصوفہ لیڈی ولنگڈن ہسپتال میں داخل تھیں۔ اس سفر میں حضور کا قیام مکرم شیخ بشیر احمد صاحب بی۔اے، ایل۔ایل۔بی ایڈووکیٹ کی کوٹھی واقع ۱۳ ٹمپل روڈ میں تھا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کے قیام لاہور کے دوران (غالباً[1] ۵-۶ صلح/جنوری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کی درمیانی شب کو ایک عظیم الشان رویا کے ذریعہ آپ پر یہ انکشاف فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو جس موعود بیٹے کی پیدائش کا اعلان ہوشیارپور کی سرزمین سے فرمایا تھا اور جس کے متعلق یہ بتایا گیا تھا کہ وہ مسیحی نفس ہوگا، جلد جلد بڑھے گا، علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی وغیرہ وغیرہ۔ اس پیشگوئی کے مصداق آپ ہی ہیں۔

عجیب مشابہتیں

عجیب بات یہ تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر سفر ہوشیارپور کے دوران مصلح موعود کے متعلق الہامات ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو بھی یہ کشف سفر میں ہی ہوا۔

مزید تحقیق کرنے پر یہ بھی علم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیارپور کے بالاخانہ میں ٹھہرے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ شیخ بشیر احمد صاحب کے جس مکان میں قیام فرما تھے وہ شیخ مہر علی صاحب ہوشیارپوری کی برادری ہی کے ایک فرد شیخ نیاز محمد مرحوم پلیڈر کا تھا۔[2]

سیدنا المصلح الموعود کا پُرشوکت دعویٰ کہ میں ہی پیشگوئی مصلح موعود کا مصداق ہوں

خدائے ذوالعرش کے اس انکشاف کے بعد حضور انور مورخہ[3] ۲۷ ماہ صلح/جنوری قادیان تشریف لائے اور اگلے روز ۲۸ ماہ صلح/جنوری کو مسجد اقصیٰ قادیان کے منبر پر رونق افروز ہو کر ایک مفصل خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں پہلے تو اپنی تازہ رویا بالتفصیل بیان فرمائی اور پھر یہ پُرشوکت اعلان فرمایا کہ **میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں۔**

چنانچہ حضور نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"آج میں ایک ایسی بات کہنا چاہتا ہوں جس کا بیان کرنا میری طبیعت کے لحاظ سے مجھ پر گراں گزرتا ہے۔ لیکن چونکہ بعض نبوتیں اور الٰہی تقدیریں اس بات کے بیان کرنے کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس لئے میں اس کے بیان کرنے سے باوجود اپنی طبیعت کے انقباض کے رُک بھی نہیں سکتا۔

---

۱ "الفضل" یکم تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں معین تاریخ کی بجائے بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات بتائی گئی ہے۔

۲ "الفضل" ۱۶ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۴۔ ۳ "الفضل" ۲۹ صلح/جنوری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔

جنوری کے پہلے ہفتہ میں غالباً بُدھ اور جمعرات کی درمیانی رات کو (مَیں نے غالباً کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ مَیں اندازہ سے کہہ رہا ہوں کہ وہ بُدھ اور جمعرات کی درمیانی رات تھی) مَیں نے ایک عجیب رؤیا دیکھا۔ مَیں نے جیسا کہ بارہا بیان کیا ہے۔ غیر مامورین کا اپنے کسی رؤیا کو بیان کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ اور مَیں خود تو سوائے پچھلے ایام کے جبکہ اس جنگ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بعض اہم خبریں مجھے دیں۔ بہت کم ہی رؤیا بتایا کرتا ہوں بلکہ (اللہ بہتر جانتا ہے۔ یہ طریق درست ہے یا نہیں) مَیں اپنے رؤیا و کشوف اور الہامات لکھتا بھی نہیں اور اس طرح وہ خود بھی کچھ عرصہ کے بعد میری نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ابھی لاہور میں مجھے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے ایک امر کے سلسلہ میں میرا ایک بیس پچیس سال کا پُرانا رؤیا یاد کرایا۔ پہلے تو وہ میرے ذہن میں ہی نہ آیا۔ مگر بعد میں جب انہوں نے اس کی بعض تفصیلات بیان کیں تو اس وقت مجھے یاد آگیا۔ تو میری یہ عادت نہیں ہے کہ مَیں رؤیا و کشوف بیان کروں۔ لیکن چونکہ اس رؤیا کا تعلق بعض اہم امور سے ہے، نہ صرف ایسے امور سے جو کہ میری ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ ایسے امور سے بھی جو بعض سابق انبیاء کی ذات اور ان کی پیشگوئیوں سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ صرف وہ بعض سابق انبیاء کی ذات اور ان کی پیشگوئیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ آئندہ رونما ہونے والے دُنیا کے اہم حالات سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے مَیں مجبور ہوں کہ اس رؤیا کا اعلان کروں اور مَیں نے اس کے اعلان سے پہلے خدا تعالیٰ سے اس بارہ میں دعا بھی کی ہے اور استخارہ بھی کیا ہے تاکہ اس معاملہ میں مجھ سے کوئی بات خدا تعالیٰ کے منشاء اور اس کی رضاء کے خلاف نہ ہو۔

وہ رؤیا یہ تھا کہ مَیں نے دیکھا۔ مَیں ایک مقام پر ہوں جہاں جنگ ہو رہی ہے۔ وہاں کچھ عمارتیں ہیں۔ نہ معلوم وہ گڑھیاں ہیں یا ٹرنچز ہیں۔ بہرحال وہ جنگ کے ساتھ تعلق رکھنے والی کچھ عمارتیں ہیں۔ وہاں کچھ لوگ ہیں جن کے متعلق مَیں نہیں جانتا کہ آیا وہ ہماری جماعت کے لوگ ہیں یا یونہی مجھے اُن سے تعلق ہے۔ مَیں ان کے پاس ہوں۔ اتنے میں مجھے یُوں معلوم ہوتا ہے جیسے جرمن فوج نے جو اس فوج سے جس کے پاس مَیں ہوں برسرپیکار ہے، یہ معلوم کر لیا ہے کہ مَیں وہاں ہوں اور اس نے اس مقام پر حملہ کر دیا ہے اور وہ حملہ اتنا شدید ہے کہ اس جگہ کی فوج نے پسپا ہونا شروع کر دیا۔ یہ کہ وہ انگریزی فوج تھی یا امریکن فوج یا کوئی اَور فوج تھی۔ اس کا مجھے اس وقت کوئی خیال نہیں آیا۔ بہرحال وہاں

جو فوج تھی اس کو جرمنوں سے دبنا پڑا۔ اور اس مقام کو چھوڑ کر وہ پیچھے ہٹ گئی۔ جب وہ فوج پیچھے ہٹی تو جرمن اس عمارت میں داخل ہو گئے جس میں مَیں تھا۔ تب مَیں خواب میں کہتا ہوں۔ دشمن کی جگہ پر رہنا درست نہیں اور یہ مناسب نہیں کہ اب اس جگہ ٹھہرا جائے۔ یہاں سے ہمیں بھاگ چلنا چاہیئے۔ اس وقت مَیں رویا ء میں صرف یہی نہیں کہ تیزی سے چلتا ہوں بلکہ دوڑتا ہوں۔ میرے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں اور وہ بھی میرے ساتھ ہی دوڑتے ہیں۔ اور جب مَیں نے دوڑنا شروع کیا تو رویا ء میں مجھے یوں معلوم ہوا۔ جیسے مَیں انسانی مقدرت سے زیادہ تیزی کے ساتھ دوڑ رہا ہوں۔ اور کوئی ایسی زبردست طاقت مجھے تیزی سے لے جا رہی ہے کہ میلوں میل مَیں ایک آن میں طے کرتا جا رہا ہوں۔ اس وقت میرے ساتھیوں کو بھی دوڑنے کی ایسی ہی طاقت دی گئی مگر پھر بھی وہ مجھ سے بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اور میرے پیچھے ہی جرمن فوج کے سپاہی میری گرفتاری کے لئے دوڑتے آ رہے ہیں۔ مگر شاید ایک منٹ بھی نہیں گذرا ہوگا کہ مجھے رویا ء میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ جرمن سپاہی بہت پیچھے رہ گئے ہیں مگر مَیں چلتا چلا جاتا ہوں اور یُوں معلوم ہوتا ہے کہ زمین میرے پیروں کے نیچے سمٹتی چلی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ مَیں ایک ایسے علاقہ میں پہنچا جو دامنِ کوہ کہلانے کا مستحق ہے۔ ہاں جس وقت جرمن فوج نے حملہ کیا ہے رویا ء میں مجھے یاد آتا ہے کہ کسی سابق نبی کی کوئی پیشگوئی ہے یا خود میری کوئی پیشگوئی ہے۔ اس میں اس واقعہ کی خبر پہلے سے دی گئی تھی اور تمام نقشہ بھی بتایا گیا تھا کہ جب وہ موعود اس مقام سے دوڑے گا تو اس اس طرح دوڑے گا اور پھر فلاں جگہ جائے گا۔ چنانچہ رویا ء میں جہاں مَیں پہنچا ہوں وہ مقام اس پیشگوئی کے عین مطابق ہے اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ پیشگوئی میں اس امر کا بھی ذکر ہے کہ ایک خاص رستہ ہے جسے مَیں اختیار کروں گا اور اس راستہ کے اختیار کرنے کی وجہ سے دنیا میں بہت اہم تغیرات ہوں گے اور دشمن مجھے گرفتار کرنے میں ناکام رہے گا۔ چنانچہ جب میں یہ خیال کرتا ہوں تو اس مقام پر مجھے کئی ایک پگ ڈنڈیاں نظر آتی ہیں جن میں سے کوئی کسی طرف جاتی ہے اور کوئی کسی طرف۔ مَیں ان پگ ڈنڈیوں کے بالمقابل دوڑتا چلا گیا ہوں تا معلوم کروں کہ پیشگوئی کے مطابق مجھے کس کس راستہ پر جانا چاہیئے اور مَیں اپنے دل میں یہ خیال کرتا ہوں کہ مجھے تو یہ معلوم نہیں کہ مَیں نے کس راستہ سے جانا ہے اور میرا کس راستہ سے جانا خدائی پیشگوئی کے مطابق ہے۔

ایسا نہ ہو میں غلطی سے کوئی ایسا راستہ اختیار کر لوں جس کا پیشگوئی میں ذکر نہیں۔ اس وقت میں اس سڑک کی طرف جا رہا ہوں جو سب کے آخر میں بائیں طرف ہے۔ اس وقت میں دیکھتا ہوں کہ مجھ سے کچھ فاصلہ پر میرا ایک اَور ساتھی ہے اور وہ مجھے آواز دے کر کہتا ہے کہ اس سڑک پر نہیں دوسری سڑک پر جائیں۔ اور میں اُس کے کہنے پر اس سڑک کی طرف جو بہت دُور ہٹ کر ہے واپس لوٹتا ہوں وہ جس سڑک کی طرف مجھے آوازیں دے رہا ہے انتہائی دائیں طرف ہے اور جس سڑک کو میں نے اختیار کیا تھا وہ انتہائی بائیں طرف تھی۔ پس چونکہ میں انتہائی بائیں طرف تھا اور جس طرف وہ مجھے بُلا رہا تھا وہ انتہائی دائیں طرف تھی۔ اس لئے میں لَوٹ کر اس سڑک کی طرف چلا۔ مگر جس وقت میں پیچھے کی طرف واپس ہٹا۔ ایسا معلوم ہوا کہ میں کسی زبردست طاقت کے قبضہ میں ہوں اور اس زبردست طاقت نے مجھے پکڑ کر درمیان میں سے گذرنے والی ایک پگ ڈنڈی پر چلا دیا۔ میرا ساتھی مجھے آوازیں دیتا چلا جاتا ہے کہ اُس طرف نہیں اِس طرف، اُس طرف نہیں اِس طرف۔ مگر میں اپنے آپ کو بالکل بے بس پاتا ہوں اور درمیانی پگ ڈنڈی پر بھاگتا چلا جاتا ہوں (اس جگہ کی شکل رؤیا کے مطابق اس طرح بنتی ہے)

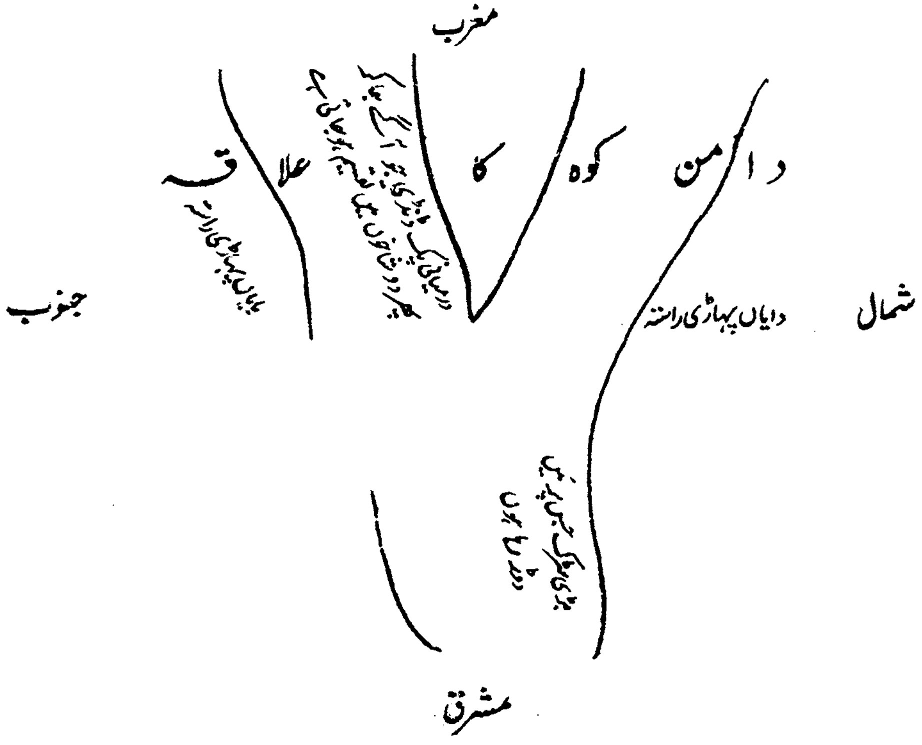

جب میں تھوڑی دُور چلا تو مجھے وہ نشانات نظر آنے لگے جو پیشگوئی میں بیان کئے گئے تھے۔ اور میں کہتا ہوں۔ مَیں اُسی راستہ پر آگیا جو خدا تعالیٰ نے پیشگوئی میں بیان فرمایا تھا۔ اُس وقت رویا میں مَیں اس کی کچھ توجیہہ بھی کرتا ہوں کہ مَیں درمیانی پک ڈنڈی پر جو چلا ہوں تو اس کا کیا مطلب ہے۔ چنانچہ جس وقت میری آنکھ کھُلی۔ معاً مجھے خیال آیا کہ دایاں اور بایاں راستہ جو رویا میں دکھایا گیا ہے اُس میں بائیں راستہ سے مراد خالص دُنیوی کوششیں اور تدبیریں ہیں اور دائیں راستہ سے مراد خالص دینی طریق دُعا اور عبادتیں وغیرہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ ہماری جماعت کی ترقی درمیانی راستہ پر چلنے سے ہوگی۔ یعنی کچھ تدبیریں اور کوششیں ہوں گی اور کچھ دُعائیں اور تقدیریں ہوں گی اور پھر یہ بھی میرے ذہن میں آیا کہ دیکھو قرآن شریف نے امت محمدیہ کو اُمۃً وسطاً قرار دیا ہے۔ اس وسطی راستہ پر چلنے کے یہی معنے ہیں کہ یہ اُمت اسلام کا کامل نمونہ ہوگی اور چھوٹی پک ڈنڈی کی یہ تعبیر ہے کہ راستہ گو درست راستہ ہے مگر اس میں مشکلات بھی ہوتی ہیں۔ غرض مَیں اُس راستہ پر چلنا شروع ہوا۔ اور مجھے یُوں معلوم ہوا کہ دشمن بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ اتنی دُور کہ نہ اس کے قدموں کی آہٹ سُنائی دیتی ہے اور نہ اس کے آنے کا کوئی امکان پایا جاتا ہے مگر ساتھ ہی میرے ساتھیوں کے پیروں کی آہٹیں بھی کمزور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور وہ بھی بہت پیچھے رہ گئے ہیں مگر مَیں دوڑتا چلا جاتا ہوں اور زمین میرے پاؤں کے نیچے سمٹتی چلی جا رہی ہے۔ اس وقت مَیں کہتا ہوں کہ اس واقعہ کے متعلق جو پیشگوئی تھی اس میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اس رستہ کے بعد پانی آئے گا اور اس پانی کو عبور کرنا بہت مشکل ہوگا۔ اس وقت مَیں رستے پر چلتا تو چلا جاتا ہوں مگر ساتھ ہی کہتا ہوں۔ وہ پانی کہاں ہے؟ جب مَیں نے یہ کہا۔ وہ پانی کہاں ہے۔ تو یکدم مَیں نے دیکھا کہ مَیں ایک بہت بڑی جھیل کے کنارے پر کھڑا ہوں اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اس جھیل کے پار ہو جانا پیشگوئی کے مطابق ضروری ہے۔ مَیں نے اُس وقت دیکھا کہ جھیل پر کچھ چیزیں تیر رہی ہیں۔ وہ ایسی لمبی ہیں جیسے سانپ ہوتے ہیں اور ایسی باریک اور ہلکی چیزوں سے بنی ہوئی ہیں جیسے بئے وغیرہ کے گھونسلے نہایت باریک تنکوں کے ہوتے ہیں وہ اُوپر سے گول ہیں جیسے اژدھا کی پیٹھ ہوتی ہے اور رنگ ایسا ہے جیسے بئے کے گھونسلے سے سفیدی زردی اور خاکی رنگ ملا ہوا۔ وہ پانی پر تیر رہی ہیں اور اُن کے اُوپر کچھ لوگ سوار ہیں جو اُن کو چلا رہے ہیں۔ خواب میں مَیں سمجھتا ہوں۔ یہ بُت پرست قوم ہے۔ اور یہ چیز جن پر یہ لوگ سوار ہیں۔ اُن کے

بُت ہیں اور یہ سال میں ایک دفعہ اپنے بُتوں کو نہلاتے ہیں اور اب بھی یہ لوگ اپنے بُتوں کو نہلانے کی غرض سے مقررہ گھاٹ کی طرف لے جا رہے ہیں اور جب مجھے اَور کوئی چیز پار لے جانے کے لئے نظر نہ آئی تو مَیں نے زور سے چھلانگ لگائی اور ایک بُت پر سوار ہو گیا۔ تب مَیں نے سُنا۔ بُتوں کے پجاری زور زور سے مشرکانہ عقائد کا اظہار منتروں اور گیتوں کے ذریعہ سے کرنے لگے۔ اس پر مَیں نے دِل میں کہا کہ اس وقت خاموش رہنا غیرت کے خلاف ہے اور بڑے زور زور سے مَیں نے توحید کی دعوت اُن لوگوں کو دینی شروع کی اور شرک کی بُرائیاں بیان کرنے لگا۔ تقریر کرتے ہوئے مجھے یُوں معلوم ہوا کہ میری زبان اُردو نہیں بلکہ عربی ہے۔ چنانچہ مَیں عربی میں بول رہا ہوں اور بڑے زور سے تقریر کر رہا ہوں۔ رویا میں ہی مجھے خیال آتا ہے کہ ان لوگوں کی زبان تو عربی نہیں۔ یہ میری باتیں کس طرح سمجھیں گے۔ مگر مَیں محسوس کرتا ہوں کہ گو اِن کی زبان کوئی اَور ہے مگر یہ میری باتوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مَیں اسی طرح ان کے سامنے عربی میں تقریر کر رہا ہوں اور تقریر کرتے کرتے بڑے زور سے اُن کو کہتا ہوں کہ تمہارے یہ بُت اس پانی میں غرق کئے جائیں گے اور خدائے واحد کی حکومت دنیا میں قائم کی جائے گی۔ ابھی مَیں یہ تقریر کر ہی رہا تھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ اس کشتی نما بُت والا جس پر مَیں سوار ہوں یا اس کے ساتھ کے بُت والا بُت پرستی چھوڑ کر میری باتوں پر ایمان لے آیا ہے اور موحّد ہو گیا ہے۔ اس کے بعد اثر بڑھنا شروع ہوا۔ اور ایک کے بعد دوسرا، اور دوسرے کے بعد تیسرا، اور تیسرے کے بعد چوتھا اور چوتھے کے بعد پانچواں شخص میری باتوں پر ایمان لاتا، مشرکانہ باتوں کو ترک کرتا اور مسلمان ہوتا چلا جاتا ہے۔ اتنے میں ہم جھیل پار کر کے دوسری طرف پہنچ گئے۔ جب ہم جھیل کے دوسری طرف پہنچ گئے تو مَیں حکم دیتا ہوں کہ ان بُتوں کو جیسا کہ پیشگوئی میں بیان کیا گیا تھا، پانی میں غرق کر دیا جائے۔ اس پر جو لوگ موحّد ہو چکے ہیں وہ بھی اور جو ابھی موحّد تو نہیں ہوئے مگر ڈھیلے پڑ گئے ہیں، میرے سامنے جاتے ہیں اور میرے حکم کی تعمیل میں اپنے بُتوں کو جھیل میں غرق کر دیتے ہیں اور مَیں خواب میں حیران ہوں کہ یہ تو کسی تیرنے والے مادے کے بنے ہوئے تھے یہ اِس آسانی سے جھیل کی تہہ میں کس طرح چلے گئے۔ صرف پجاری پکڑ کر اُن کو پانی میں غوطہ دیتے ہیں اور وہ پانی کی گہرائی میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کے بعد مَیں کھڑا ہو گیا اور پھر انہیں تبلیغ کرنے لگ گیا۔ کچھ لوگ تو ایمان لا چکے تھے مگر باقی قوم جو ساحل پر تھی۔ ابھی ایمان نہیں لائی تھی۔ اس لئے مَیں نے اُن کو تبلیغ کرنی شروع

کر دی۔ یہ تبلیغ مَیں اُن کو عربی زبان میں ہی کرتا ہوں۔ جب مَیں اُنہیں تبلیغ کر رہا ہوں تاکہ باقی لوگ بھی اسلام لے آئیں تو یکدم میری حالت میں تغیر پیدا ہوتا ہے اور مجھے یُوں معلوم ہوتا ہے کہ اب مَیں نہیں بول رہا بلکہ خدا تعالےٰ کی طرف سے الہامی طور پر میری زبان پر باتیں کی جا رہی ہیں، جیسے خطبہ الہامیہ تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے جاری ہوا۔ غرض میرا کلام اس وقت بند ہو جاتا ہے اور خدا تعالےٰ میری زبان سے بولنا شروع ہو جاتا ہے۔ بولتے بولتے مَیں بڑے زور سے ایک شخص کو جو غالباً سب سے پہلے ایمان لایا تھا۔ غالباً کا لفظ مَیں نے اس لئے کہا کہ مجھے یقین نہیں کہ وہی شخص پہلے ایمان لایا ہو۔ ہاں غالب گمان یہی ہے کہ وہی شخص پہلا ایمان لانے والا یا پہلے ایمان لانے والوں میں سے با اثر اور مفید وجود تھا۔ بہرحال مَیں یہی سمجھتا ہوں کہ وہ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہے اور مَیں نے اس کا اسلامی نام عبدالشکور رکھا ہے۔ مَیں اُس کو مخاطب کر کے بڑے زور سے کہتا ہوں کہ جیسا کہ پیشگوئیوں میں بیان کیا گیا ہے مَیں اب آگے جاؤں گا اس لئے اے عبدالشکور! تجھ کو مَیں اس قوم میں اپنا نائب مقرر کرتا ہوں۔ تیرا فرض ہوگا کہ میری واپسی تک اپنی قوم میں توحید کو قائم کرے اور شرک کو مٹا دے اور تیرا فرض ہوگا کہ اپنی قوم کو اسلام کی تعلیم پر عامل بنائے۔ مَیں واپس آکر تجھ سے حساب لوں گا اور دیکھوں گا کہ تجھے مَیں نے جن فرائض کی سرانجام دہی کے لئے مقرر کیا ہے ان کو تُو نے کہاں تک ادا کیا ہے۔ اس کے بعد وہی الہامی حالت جاری رہتی ہے اور مَیں اسلام کی تعلیم کے اہم امور کی طرف اُسے توجہ دلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ تیرا فرض ہوگا کہ ان لوگوں کو سکھائے کہ اللہ ایک ہے اور محمدؐ اُس کے بندہ اور اُس کے رسُول ہیں اور کلمہ پڑھتا ہوں اور اس کے سکھانے کا اُسے حکم دیتا ہوں۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کی اور آپ کی تعلیم پر عمل کرنے اور سب لوگوں کو اس ایمان کی طرف بُلانے کی تلقین کرتا ہوں۔ جس وقت مَیں یہ تقریر کر رہا ہوں (جو خود الہامی ہے) یُوں معلوم ہوتا ہے کہ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کے وقت اللہ تعالیٰ نے خود رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری زبان سے بولنے کی توفیق دی ہے اور آپؐ فرماتے ہیں اَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر پر بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور آپؑ فرماتے ہیں اَنَا الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ اس کے بعد مَیں اُن کو اپنی طرف توجہ دلاتا ہوں چنانچہ اس وقت میری زبان پر جو فقرہ جاری ہوا۔ وہ یہ

ہے۔ وَ اَنَا الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ مَثِیْلُہٗ وَخَلِیْفَتُہٗ اور مَیں بھی مسیح موعود ہوں یعنی اُس کا مثیل اور اُس کا خلیفہ ہوں۔ تب خواب میں ہی مجھ پر ایک رعشہ کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اور مَیں کہتا ہوں کہ میری زبان پر کیا جاری ہوا؟ اور اِس کا کیا مطلب ہے کہ مَیں مسیح موعود ہوں؟ اس وقت معاً میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اِس کے آگے جو الفاظ ہیں کہ مَثِیْلُہٗ مَیں اس کا نظیر ہوں وَخَلِیْفَتُہٗ اور اُس کا خلیفہ ہوں۔ یہ الفاظ اِس سوال کو حل کر دیتے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام کہ وہ حُسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا اس کے مطابق اور اُسے پُورا کرنے کے لئے یہ فقرہ میری زبان پر جاری ہوا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کا مثیل ہونے اور اس کا خلیفہ ہونے کے لحاظ سے ایک رنگ میں مَیں بھی مسیح موعود ہی ہوں کیونکہ جو کسی کا نظیر ہوگا اور اس کے اخلاق کو اپنے اندر لے لیگا وہ ایک رنگ میں اس کا نام پانے کا مستحق بھی ہوگا۔ پھر مَیں تقریر کرتے ہوئے کہتا ہوں۔ وہ مَیں ہوں جس کے ظہور کے لئے اُنیس سَو سال سے کنواریاں منتظر بیٹھی ہیں۔ اور جب مَیں کہتا ہوں **"مَیں وہ ہوں جس کے لئے اُنیس سَو سال سے کنواریاں اس سمندر کے کنارے پر انتظار کر رہی تھیں"** تو مَیں نے دیکھا کہ کچھ نوجوان عورتیں اور جو سات یا نَو ہیں۔ جن کے لباس صاف سُتھرے ہیں۔ دوڑتی ہوئی میری طرف آتی ہیں۔ مجھے السلام علیکم کہتی اور اُن میں سے بعض برکت حاصل کرنے کے لئے میرے کپڑوں پر ہاتھ پھیرتی جاتی ہیں اور کہتی ہیں " ہاں ہاں ہم تصدیق کرتی ہیں کہ ہم اُنیس سَو سال سے آپ کا انتظار کر رہی تھیں" اس کے بعد مَیں بڑے زور سے کہتا ہوں کہ مَیں وہ ہوں جسے عُلومِ اسلام اور عُلومِ عربی اور اس زبان کا فلسفہ ماں کی گود میں اُس کی دونوں چھاتیوں سے دُودھ کے ساتھ پلائے گئے تھے۔ رؤیا میں جو ایک سابق پیشگوئی کی طرف مجھے توجہ دلائی گئی تھی۔ اس میں یہ بھی خبر تھی کہ جب وہ موعود بھاگے گا تو ایک ایسے علاقہ میں پہنچے گا جہاں ایک جھیل ہوگی اور جب وہ اس جھیل کو پار کر کے دوسری طرف جائے گا تو وہاں ایک قوم ہوگی جس کو وہ تبلیغ کرے گا اور وہ اس کی تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جائے گی تب وہ دشمن جس سے وہ موعود بھاگے گا اس قوم سے مطالبہ کرے گا کہ اس شخص کو ہمارے حوالے کیا جائے مگر وہ قوم انکار کر دے گی اور کہے گی ہم لڑ کر مر جائیں گے مگر اسے تمہارے حوالے نہیں کریں گے چنانچہ خواب میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ جرمن قوم کی طرف سے مطالبہ ہوتا ہے کہ تم اُن کو ہمارے حوالے

کردو۔ اُس وقت مَیں خواب میں کہتا ہوں۔ یہ تو بہت تھوڑے ہیں اور دشمن بہت زیادہ ہے۔ مگر وہ قوم باوجود اس کے کہ ابھی ایک حصہ اس کا ایمان نہیں لایا، بڑے زور سے اعلان کرتی ہے کہ ہم ہرگز ان کو تمہارے حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہم لڑ کر فنا ہو جائیں گے مگر تمہارے اس مطالبہ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ تب مَیں کہتا ہوں دیکھو وہ پیشگوئی بھی پوری ہوگئی۔

اس کے بعد مَیں پھر ان کو ہدایتیں دے کر اور بار بار توحید قبول کرنے پر زور دے کر اور اسلامی تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کرکے آگے کسی اَور مقام کی طرف روانہ ہوگیا ہوں۔ اس وقت مَیں سمجھتا ہوں کہ اس قوم میں سے اَور لوگ بھی جلدی جلدی ایمان لانے والے ہیں۔ چنانچہ اسی لئے مَیں اس شخص سے جسے مَیں نے اُس قوم میں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے، کہتا ہوں۔ جب مَیں واپس آؤں گا تو اے عبدالشکور! مَیں دیکھوں گا کہ تیری قوم شرک چھوڑ چکی ہے، موحّد ہو چکی ہے اور اسلام کے تمام احکام پر کاربند ہو چکی ہے۔

یہ وہ رویاء ہے جو مَیں نے جنوری ۱۹۴۴ء مطابق صلح ۱۳۲۳ ہش[1] میں دیکھی اور جو غالباً پانچ اور چھ کی درمیانی شب بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات میں ظاہر کی گئی۔ جب میری آنکھ کھُلی تو میری نیند بالکل اُڑ گئی اور مجھے سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی کیونکہ آنکھ کھلنے پر مجھے یُوں محسوس ہوتا تھا گویا مَیں اُردو بالکل بھُول چکا ہوں اور صرف عربی ہی جانتا ہوں۔ چنانچہ کوئی گھنٹہ بھر تک میں اس رؤیا پر غور کرتا اور سوچتا رہا۔ مگر مَیں نے دیکھا کہ مَیں عربی میں ہی غور کرتا تھا اور اُسی میں سوال و جواب میرے دل میں آتے تھے۔[2]

اس رویاء میں تین پیشگوئیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایک پیشگوئی تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں نے ہی کی ہے یا کسی سابق غیر معروف نبی نے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کس نبی کی پیشگوئی ہے اور آیا دنیا کے سامنے اس رنگ میں یہ پیشگوئی پیش بھی ہو چکی ہے یا نہیں؟ لیکن اس کے

---

[1] "الفضل" میں سہو کتابت سے سنہ ۱۹۲۳ء چھپ گیا تھا۔

[2] سیّدنا المصلح الموعودؓ نے فرمایا:۔ "مجھ پر بھی جب یہ تازہ انکشاف ہوا۔ اور اس کے بعد میری آنکھ کھُلی تو ایک دو منٹ تو اس رویاء پر ہی مَیں غور کرتا رہا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے معاً مجھے سمجھ دی کہ اتنا وقت میں نے ناحق ضائع کر دیا۔ اور مَیں نے فوراً اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ یَا رَبِّ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْن"

("الفضل" ۱۴ امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۲ کالم ۲)

علاوہ دو اور پیشگوئیوں کی طرف اس میں اشارہ کیا گیا ہے۔ پہلی پیشگوئی جس میں یہ ذکر ہے کہ انیس سو سال سے کنواریاں میرا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک پیشگوئی ہے جس کا انجیل میں ذکر آتا ہے حضرت مسیح فرماتے ہیں جب میں دوبارہ دنیا میں آؤں گا تو بعض قومیں مجھے مان لیں گی اور بعض قومیں انکار کریں گی۔ آپ ان اقوام کا تمثیلی رنگ میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کچھ کنواریاں اپنی اپنی مشعلیں لے کر دولہا کے استقبال کو نکلیں وہ دولہا کے انتظار میں بیٹھی رہیں، بیٹھی رہیں اور بیٹھی رہیں مگر دولہا نے آنے میں بہت دیر لگائی۔ جو عقلمند تھیں انہوں نے تو اپنی مشعلوں کے ساتھ تیل بھی لے لیا تھا مگر جو بیوقوف تھیں انہوں نے مشعلیں تو لے لیں مگر تیل اپنے ساتھ نہ لیا۔ جب دولہا نے بہت دیر لگائی تو سب اونگھنے لگیں۔ تب وہ جو بے احتیاط عورتیں تھیں انہوں نے معلوم کیا کہ ان کا تیل ختم ہو رہا ہے اور انہوں نے دوسری عورتوں سے کہا اپنے تیل میں سے کچھ ہمیں بھی دے دو کیونکہ ہماری مشعلیں بجھی جاتی ہیں۔ انہوں نے کہا۔ ہم تمہیں تیل نہیں دے سکتیں۔ اگر دے دیں تو شاید ہمارا تیل بھی ختم ہو جائے۔ تم بازار میں جاؤ شاید تمہیں وہاں سے تیل مل جائے۔ جب وہ مول لینے کے لئے بازار گئیں تو پیچھے سے دولہا آپہنچا اور وہ جو تیار تھیں اس کو ساتھ لے کر قلعہ میں چلی گئیں اور دروازہ بند کر دیا گیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ بے احتیاط عورتیں بھی آئیں اور دروازے کو کھٹکھٹا کر کہنے لگیں ہمارے لئے بھی دروازہ کھولا جائے۔ ہم اندر آنا چاہتی ہیں۔ مگر دولہا نے جواب دیا۔ تم نے میرا انتظار نہ کیا۔ تم نے پوری طرح احتیاط نہ برتی۔ اس لئے اب صرف انہی کو حصہ ملے گا جو چوکس تھیں۔ تمہارے لئے دروازہ نہیں کھولا جا سکتا۔ یہ درحقیقت حضرت مسیح ناصری کی اپنی بعثت ثانیہ کے متعلق ایک پیشگوئی تھی جو انجیل میں پائی جاتی ہے۔ پس رویا میں میں نے جو یہ کہا کہ

> "میں وہ ہوں جس کے لئے ۱۹ سو سال سے کنواریاں اس سمندر کے کنارے پر انتظار کر رہی تھیں"

اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ میرے زمانہ میں یا میری تبلیغ سے یا اُن علوم کے ذریعہ سے جو اللہ تعالیٰ نے میری زبان اور قلم سے ظاہر فرمائے ہیں ان قوموں کو جن کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا مقدر ہے اور جو حضرت مسیح ناصریؑ کی زبان میں کنواریاں قرار دی گئی

ہیں۔ ہدایت عطا فرمائے گا اور اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ میرے ہی ذریعہ سے ایمان لانے والی سمجھی جائیں گی اور یہ جو فرمایا کہ مَثِیْلُہٗ وَخَلِیْفَتُہٗ اس خدائی الہام نے وہ بات جو ہمیشہ میرے سامنے پیش کی جاتی تھی اور جس کا جواب دینے سے ہمیشہ میری طبیعت انقباض محسوس کیا کرتی تھی آج میرے لئے بالکل حل کر دی ہے۔ یعنی اس الہامِ الٰہی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیشگوئی جو مصلح موعود کے متعلق تھی خدا تعالیٰ نے میری ہی ذات کے لئے مقدر کی ہوئی تھی۔ لوگوں نے کہا اور بار بار کہا کہ آپ کی ان پیشگوئیوں کے بارہ میں کیا رائے ہے؟ مگر میری یہ حالت تھی کہ مَیں نے کبھی سنجیدگی سے ان پیشگوئیوں کو پڑھنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی اس خیال سے کہ میرا نفس مجھے کوئی دھوکا نہ دے اور مَیں اپنے متعلق کوئی ایسا خیال نہ کر لوں جو واقعہ کے خلاف ہو۔

حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ مجھے ایک خط دیا اور فرمایا۔ میاں یہ خط جو تمہاری پیدائش کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے لکھا، اس خط کو "تشحیذ الاذھان" میں چھاپ دو۔ یہ بڑے کام کی چیز ہے۔ مَیں نے اس وقت ان کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ خط لے لیا۔ اور ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اُسے تشحیذ میں شائع کرا دیا مگر اللہ بہتر جانتا ہے مَیں نے اس وقت بھی اس خط کو غور سے نہیں پڑھا۔ صرف سرسری طور پر پڑھا اور اشاعت کے لئے دے دیا۔ لوگوں نے اس وقت بھی کئی قسم کی باتیں کیں مگر میں خاموش رہا۔ اس کے بعد بھی بار بار یہ سوال میرے سامنے لایا گیا مگر ہمیشہ مَیں نے یہی جواب دیا کہ اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ جس شخص کے متعلق یہ خبریں ہیں اُسے بتایا بھی جائے کہ تمہارے متعلق خبریں ہیں۔ یا ہرگز یہ ضروری نہیں کہ جس شخص کے متعلق یہ پیشگوئیاں ہیں وہ دعویٰ بھی کرے کہ مَیں ان پیشگوئیوں کا مصداق ہوں بلکہ مثال کے طور پر مَیں نے بعض دفعہ بیان کیا ہے کہ ریل کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ ماننے والے مانتے ہیں کہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ کیونکہ وہ واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اب یہ ضروری نہیں کہ ریل خود دعویٰ بھی کرے کہ مَیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فلاں پیشگوئی کی مصداق ہوں۔ ہماری جماعت کے دوستوں نے یہ اور اسی قسم کی دوسری پیشگوئیاں بارہا میرے سامنے رکھیں اور اصرار کیا کہ مَیں اُن کا اپنے آپ کو مصداق ظاہر کروں۔ مگر مَیں نے انہیں ہمیشہ یہی کہا کہ پیشگوئی اپنے مصداق کو آپ ظاہر کیا کرتی

ہے۔ اگر یہ پیشگوئیاں میرے متعلق ہیں تو زمانہ خود بخود گواہی دے دیگا کہ ان پیشگوئیوں کا میں مصداق ہوں۔ اور اگر میرے متعلق نہیں تو زمانہ کی گواہی میرے خلاف ہوگی۔ دونوں صورتوں میں مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ پیشگوئیاں میرے متعلق نہیں تو میں یہ کہہ کر کیوں گنہگار بنوں کہ یہ پیشگوئیاں میرے متعلق ہیں۔ اور اگر میرے ہی متعلق ہیں تو مجھے جلد بازی کی کیا ضرورت ہے، وقت خود بخود حقیقت ظاہر کر دے گا۔ غرض جیسے الہام الٰہی میں کہا گیا تھا۔

"اُنہوں نے کہا کہ آنے والا یہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ تکیں"

(تذکرہ صفحہ ۱۴۶)

دُنیا نے یہ سوال اتنی دفعہ کیا۔ اتنی دفعہ کیا کہ اس پر ایک لمبا عرصہ گذر گیا۔ اس لمبے عرصہ کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں خبر موجود ہے۔ مثلاً حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے یہ کہا تھا کہ تُو اسی طرح یُوسف کی باتیں کرتا رہے گا یہاں تک کہ قریب المرگ ہو جائے گا یا ہلاک ہو جائے گا اور یہی الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہُوا۔ (تذکرہ صفحہ ۱۶۵) اسی طرح یہ الہام کہ یُوسف کی خوشبو مجھے آرہی ہے (تذکرہ صفحہ ۴۸۵) بتاتا تھا کہ خدا تعالیٰ کی مشیّت کے ماتحت یہ چیز ایک لمبے عرصہ کے بعد ظاہر ہوگی۔

مَیں اب بھی اس یقین پر قائم ہوں کہ اگر ان پیشگوئیوں کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کے قریب وقت تک یہ علم نہ دیا جاتا کہ یہ میرے متعلق ہیں بلکہ موت تک مجھے علم نہ دیا جاتا اور واقعات خود بخود ظاہر کر دیتے کہ چونکہ یہ پیشگوئیاں میرے زمانہ میں اور میرے ہاتھ سے پُوری ہوئی ہیں اس لئے مَیں ہی ان کا مصداق ہوں تو اس میں کوئی حرج نہ تھا۔ کسی کشف یا الہام کا تائیدی طور پر ہونا ایک زائد امر ہوتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اپنی مشیّت کے ماتحت آخر اس امر کو ظاہر کر دیا اور مجھے اپنی طرف سے علم بھی دے دیا کہ مصلح موعود سے تعلق رکھنے والی پیشگوئیاں میرے متعلق ہیں چنانچہ آج مَیں نے پہلی دفعہ وہ تمام پیشگوئیاں منگوا کر اس نیّت کے ساتھ دیکھیں کہ مَیں ان پیشگوئیوں کی حقیقت سمجھوں اور دیکھوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں کیا کچھ بیان فرمایا ہے۔ ہماری جماعت کے دوست چونکہ میری طرف ان پیشگوئیوں کو منسوب کیا کرتے تھے اس لئے مَیں ہمیشہ ان پیشگوئیوں کو غور سے پڑھنے سے بچتا تھا اور ڈرتا تھا کہ کوئی غلط خیال قائم نہ ہو جائے۔ مگر آج پہلی دفعہ مَیں نے وہ تمام پیشگوئیاں

پڑھیں اور اب ان پیشگوئیوں کو پڑھنے کے بعد میں خدا تعالیٰ کے فضل سے یقین اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے یہ پیشگوئی میرے ذریعہ سے ہی پُوری کی ہے

مَیں اس کے متعلق اس وقت تفصیل سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر یہ جو آتا ہے کہ "وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا" اس کے متعلق ہمیشہ سوال کیا جاتا ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ اسی طرح "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" کے متعلق سوال کیا جاتا ہے۔ سو یہ جو الہام ہے کہ "وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا" حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذہن اس طرف گیا ہے کہ وہ تین بیٹوں کو چار کرنے والا ہوگا یعنی وہ چوتھا بیٹا ہوگا۔ اگر یہ مفہوم لے لیا جائے تو چوتھے بیٹے کے لحاظ سے بھی بات بالکل صاف ہے۔ مجھ سے پہلے مرزا سلطان احمد صاحب، مرزا فضل احمد صاحب اور مرزا بشیر احمد (اوّل) پیدا ہوئے اور چوتھا مَیں ہوا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مجھ سے پہلے ہماری والدہ سے تین بچے ہوئے۔ اس طرح بھی مَیں تین کو چار کرنے والا تھا۔ اسی طرح میرے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تین بیٹے ہوئے۔ اس لحاظ سے بھی مَیں تین کو چار کرنے والا ہوا۔ پھر میری خلافت کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے مرزا سلطان احمد صاحب کو احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق دی۔ اس طرح بھی مَیں تین کو چار کرنے والا ہوا۔ گویا تین کو چار کرنے والا مَیں تین[1] طرح ہوں۔ اوّل و دوم اس طرح

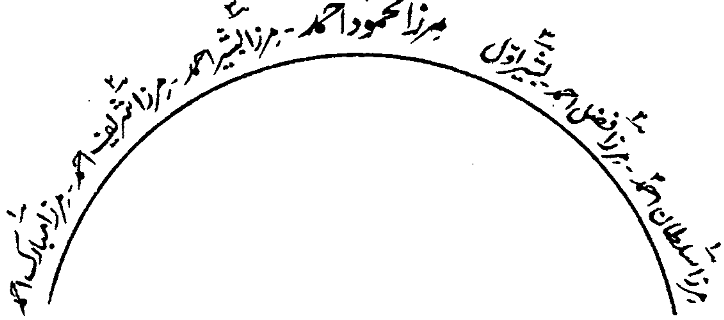

سوم۔ مرزا سلطان احمد۔ مرزا بشیر احمد۔ مرزا شریف احمد۔ مرزا محمود احمد۔ اس طرح مَیں نے تین کو چار کر دیا۔ لیکن میرا ذہن خدا تعالیٰ نے اس طرف بھی منتقل کیا ہے کہ الہامی طور پر یہ نہیں کہا گیا تھا کہ وہ تین بیٹوں کو چار کرنے والا ہوگا۔ الہام میں صرف یہ بتایا گیا تھا کہ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔

پس میرے نزدیک یہ اس کی پیدائش کی تاریخ بتائی گئی ہے۔ یہ پیشگوئی ابتداءً ۱۸۸۶ء میں کی

---

[1] تصحیح کے لئے ملاحظہ ہو سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کا رقم فرمودہ نوٹ مطبوعہ "الفضل" ۲ر تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء صفحہ ۲۔

گئی تھی۔ پس ۱۸۸۶ - ۱۸۸۷ - ۱۸۸۸ تین سال ہوئے۔ ان تین سالوں کو چار کونسا سال کرتا ہے؟ ۱۸۸۹ء کرتا ہے اور یہی میری پیدائش کا سال ہے۔ پس تین کو چار کرنے والی پیشگوئی میں یہ خبر دی گئی تھی کہ اس کی پیدائش چوتھے سال میں ہو گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اور یہ جو آتا ہے "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" اس کے اَور معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک اس کی ایک واضح تشریح یہ ہے کہ دوشنبہ ہفتے کا تیسرا دن ہوتا ہے۔ شنبہ پہلا، یک شنبہ دوسرا اور دوشنبہ تیسرا۔ دوسری طرف رُوحانی سلسلوں میں انبیاء اور اُن کے خلفاء کا الگ الگ دَور ہوتا ہے اور جس طرح نبی کا زمانہ اپنی ذات میں ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح خلیفہ کا زمانہ اپنی ذات میں ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے غور کر کے دیکھو۔ پہلا دَور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔ دوسرا دَور حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کا تھا اور تیسرا دَور میرا ہے۔ ادھر اللہ تعالےٰ کا ایک اَور الہام اس تشریح کی تصدیق کر رہا ہے اور وہ الہام ہے "فضلِ عُمر" (تذکرہ حاشیہ صفحہ ۱۴۱) حضرت عمرؓ بھی رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تیسرے مقام پر ہی خلیفہ تھے۔ پس "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" سے یہ مراد نہیں کہ کوئی خاص دن خاص برکات کا موجب ہوگا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کے زمانہ کی مثال احمدیت کے دَور میں ایسی ہی ہوگی جیسے دوشنبہ کی ہوتی ہے۔ یعنی اس سلسلہ میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے خدمتِ دین کے لئے جو آدمی کھڑے کئے جائیں گے اُن میں وہ تیسرے نمبر پر ہوگا۔ "فضلِ عمرؓ" کے الہامی نام میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ گویا کلام اللہ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا کے مطابق "فضلِ عمرؓ" کے لفظ نے "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" کی تفسیر کر دی۔

مگر اس الہام میں ایک اَور خبر بھی ہے اور خدا تعالیٰ مبارک دوشنبہ اب ایک ایسے ذریعہ سے بھی لانے والا ہے جو میرے اختیار میں نہیں تھا۔ اور کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ مَیں نے اپنے ارادہ سے اور جان بوجھ کر اس کا اجراء کیا۔

مَیں نے ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید کو ایسے حالات میں جاری کیا جو ہرگز میرے اختیار میں نہیں تھے۔ گورنمنٹ کے ایک فعل اور احرار کی فتنہ انگیزی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس تحریک کا القاء فرمایا اور اس تحریک کے پہلے دَور کی تکمیل کے لئے مَیں نے دس سال میعاد

مقرر کی۔ ہر انسان جب کوئی قربانی کرتا ہے تو اس قربانی کے بعد اس پر ایک عید کا دن آتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو۔ رمضان کے مہینہ میں لوگ روزے رکھتے اور تکلیف برداشت کرتے ہیں مگر جب رمضان گذر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ مومنوں کے لئے ایک عید کا دن لاتا ہے۔ اسی طرح ہماری دس سالہ تحریک جدید جب ختم ہوگی تو اس سے اگلا سال ہمارے لئے عید کا سال ہوگا۔ دوست جانتے ہیں تحریک جدید کا پہلا دس سالہ دَور اسی سال یعنی ۱۹۴۴ء میں ختم ہوتا ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ ۱۹۴۵ء جو ہمارے لئے عید کا سال ہے پیر کے دن سے شروع ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں یہ خبر بھی دی تھی کہ ایک زمانہ میں اسلام کی نہایت کمزور حالت میں اس کی اشاعت کے لئے ایک اہم تبلیغی ادارہ کی بنیاد رکھی جائے گی اور جب اس کا پہلا کامیابی سے دَور ختم ہوگا تو یہ جماعت کے لئے ایک مبارک وقت ہوگا۔ اس لئے وہ سال جب مومن اس عہد و قربانی کو پُورا کر چکیں گے جو وہ اپنے ذمہ لیں گے تو ایک مبارک بنیاد ہوگی اور اس سے اگلے سال سے خدا تعالیٰ ان کے لئے برکت کا بیج بوئے گا اور خوشی کا دن اُن کو دکھائے گا اور جس سال میں یہ وقوع میں آئے گا اس کا پہلا دن پیر یا دوشنبہ ہوگا۔ پس وہ سال بھی مبارک اور وہ دن بھی مبارک۔ پس "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" مگر جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے اس کے ایک معنے یہ بھی ہیں کہ مصلح موعود اس سلسلہ کی تیسری کڑی ہوگا۔ بعض دفعہ ایک چیز کی کسی اَور چیز سے مشابہت دے دی جاتی ہے مگر ضروری نہیں ہوتا کہ اس سے مُراد وہی ہو۔ پس میرے نزدیک اس کے معنے بالکل واضح ہیں۔ اور "فضل عمر" جو الہامی نام ہے وہ ان معنوں کی تائید کرتا ہے۔

مَیں اس امر کا بھی ذکر کر دینا چاہتا ہوں کہ جب رؤیا کے بعد میری آنکھ کھُلی تو مَیں اس مسئلہ پر سوچتا رہا اور جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے عربی میں ہی سوچتا رہا۔ سوچتے سوچتے میرے دماغ میں جو الفاظ آئے اور مَیں جس نتیجہ پر پہنچا۔ وہ یہ تھا کہ اب تو خدا نے بالکل فیصلہ کر دیا ہے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ آج جب مَیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اشتہار پڑھ رہا تھا تو اس میں مجھے یہی الفاظ نظر آئے کہ حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آگیا اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے میرے لئے، مَیں یہ نہیں کہتا کہ دوسروں کے لئے بھی، کیونکہ کوئی دوسرا شخص کسی غیر مامور کے کشف یا الہام

کو ماننے کا مکلف نہیں۔ لیکن بہرحال میرے لئے خدا تعالیٰ نے حقیقت کو کھول دیا ہے۔ اور اب میں بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کہہ سکتا ہوں کہ خدا تعالےٰ کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور خدا تعالیٰ نے ایک ایسی بنیاد تحریک جدید کے ذریعہ سے رکھ دی ہے جس کے نتیجہ میں حضرت مسیح ناصری ؑ کی وہ پیشگوئی کہ کنواریاں دولہا کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوں گی۔ ایک دن بہت بڑی شان اور عظمت کے ساتھ پوری ہوگی۔ مثیل مسیحؑ ان کنواریوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور لے جائے گا۔ اور وہ قومیں جو اس سے برکت پائیں گی خوشی سے پکار اٹھیں گی کہ ہُوشعنا۔ ہُوشعنا۔ اس وقت انہیں محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانا نصیب ہوگا اور اسی وقت انہیں حقیقی رنگ میں مسیح اوّل ؑ پر سچا ایمان نصیب ہوگا۔ اب تو وہ قومیں انہیں خدا تعالےٰ کا بیٹا قرار دے کر درحقیقت گالیاں دے رہی ہیں۔ لیکن مقدّر یہی ہے کہ میرے بوئے ہوئے بیج سے ایک دن ایسا درخت پیدا ہوگا کہ یہی عیسائی اقوام مثیل مسیحؑ سے برکت حاصل کرنے کے لئے اس کے نیچے بسیرا کریں گی اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت میں داخل ہو جائینگی اور جیسے خدا کی بادشاہت آسمان پر ہے ویسے ہی زمین پر آجائے گی"۔ [1][2]

قادیان میں جشن مسرت و شادمانی

حضور کی زبان مبارک سے یہ اعلان سُن کر خطبہ میں موجود سب احمدیوں کے دل نہایت درجہ خوشی، مسرت اور شادمانی سے بھر گئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مصلح موعود کا مبارک دَور دیکھنے کی سعادت عطا فرمائی ہے اور انہوں نے نماز جمعہ کے بعد ایک دوسرے کو مُبارک باد دی۔[3] اگرچہ سب سامعین پر اس نشان کا اثر تھا مگر حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ پر تو خطبہ جُمعہ کے دوران ہی وجد کی ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی۔[4]

اگلے روز اس نئے اور مبارک دَور کے آغاز پر قادیان میں "یوم مصلح موعود" منایا گیا۔[5] اور تین بجے بعد نماز ظہر

---

[1] "الفضل" قادیان یکم تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ تا ۸ ۔

[2] حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے ۲۸ صلح/جنوری ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں اپنی رویاء کی تفصیلات بیان کرکے اعلان فرمایا تھا کہ آپ ہی پیشگوئی مصلح موعود کے مصداق ہیں۔ اس اعلان کے بعد حضور نے ۴ تبلیغ/فروری کو ایک نہایت لطیف و پُرمعارف اور مفصل خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس کے پہلے حصہ میں نہایت شرح و بسط سے روشنی ڈالی کہ مصلح موعود کی نسبت ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں جو علامات بتائی گئی تھیں وہ آپ کی رویاء میں آپ پر چسپاں کرکے بتائی گئی ہیں اور دوسرے حصہ میں اپنے متعدد سابقہ الہامات بتائے جن میں آپ کے منصب مصلح موعود کی طرف واضح اشارات موجود تھے۔ (خطبہ کے لئے ملاحظہ ہو "الفضل" ۱۶ تبلیغ/فروری نیز ۷ امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء)۔

[3] "الفضل" ۳۰ صلح/جنوری ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۲ ۔ [4] "الفضل" ۱۶ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۸ کالم ۲ ۔

[5] "الفضل" یکم فروری/تبلیغ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۲ ۔

چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے ناظر اعلیٰ کی زیر صدارت مسجد اقصیٰ میں نہایت تزک و احتشام سے ایک جلسہ عام منعقد کیا گیا جس میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ، قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری، حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیرؓ، حضرت خانصاحب منشی برکت علی صاحبؓ، حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نومسلمؓ، حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ، مولوی ابوالعطاء صاحب اور مولوی عبدالرحیم صاحب دردؔ نے ایمان افروز تقریریں کیں۔ آخر میں حسب ذیل عرضداشت پاس کی گئی کہ

"ہم تمام افراد جماعت احمدیہ قادیان جو اس جلسہ میں شریک ہیں، حضور کی خدمت میں پیشگوئی مصلح موعود کے بارے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کامل انکشاف پر خادمانہ طور پر اجتماعی رنگ میں مبارکباد عرض کرتے ہیں۔ ہم سب ناچیز خدام اس شاندار موقعہ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے حضور کی خدمت میں اظہار عقیدت پیش کرتے ہیں کہ ہم اپنی جان، مال، عزت حضور کے حکم پر ہر وقت نثار کرنے کو تیار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے۔ ہم خادم حضور سے درخواست کرتے ہیں کہ حضور اپنی خاص قوت قدسیہ سے جو خدا تعالیٰ نے حضور کو عطا فرمائی ہے ہمارے لئے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں کو دُور فرمائے اور حضور کے ارشادات و ہدایات کے ماتحت خدمت دین کی توفیق دے۔"

اس عرضداشت کے بعد حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیالؓ نے تقریر فرمائی اور جلسہ ۶ بجے شام ختم ہوا۔[۵۰]

بیرونی جماعتوں کو اطلاع اور مبارکباد کے خطوط اور تاریں

حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود نے ۲۸ صلح/جنوری کو اپنے مصلح موعود ہونے کا اعلان فرمایا تھا۔ اخبار "الفضل" نے پہلی بار ۳۰ صلح/جنوری کی اشاعت میں بیرونی جماعتوں کو خوشخبری پہنچائی کہ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خدا تعالیٰ کے انکشاف کی بناء پر مُصلح موعود ہونے کا اعلان فرما دیا ہے۔ اس پرچہ میں خواجہ غلام نبی صاحب ایڈیٹر "الفضل" کے ادارتی نوٹ کے علاوہ جو "مبارک صد مبارک، جماعت احمدیہ کے لئے ایک عظیم الشان خوشخبری" کے دوہرے عنوان سے صفحہ اوّل و دوم پر چھپا۔ مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل اسسٹنٹ ایڈیٹر "الفضل" اور مولانا ابوالعطاء صاحب کے مضامین بھی شائع ہوئے۔

"الفضل" کے اس پرچہ کے معاً بعد اگلے شمارہ میں حضرت امیرالمومنین کا معرکۃ الآراء خطبہ جمعہ بھی شائع کر دیا گیا۔ جونہی یہ دونوں پرچے بیرونی جماعتوں میں پہنچے، دُنیا کے گوشہ گوشہ سے مبارکباد کے بکثرت خطوط اور تار حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی خدمت اقدس میں پہنچنا شروع ہو گئے۔

[۵۰] "الفضل" ۲ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲

انکشاف کے متعلق مخلصین جماعت کی خوابیں

ان خطوط کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے ایک عجیب اور حیرت انگیز تصرف کا بھی پتہ چلا اور وہ یہ کہ احمدیوں کی طرف سے ایسی رویا بھی بڑی کثرت سے موصول ہوئیں جن میں انہیں قبل از وقت بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور پُرنور کو ایک نئے اور عالی منصب پر سرفراز کیا جا رہا ہے۔ سب سے عجیب رویا منصف خاں صاحب اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر کا تھا جس میں حضرت مصلح موعودؓ کے خطبہ اور اس میں بیان فرمودہ خواب کا سارا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا گیا تھا۔ اور جس کا ذکر خود حضرت مصلح موعودؓ نے ۴؍ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کو خطبہ جمعہ میں اپنی زبان مبارک سے یوں فرمایا کہ

"وہ لکھتے ہیں کہ ۳۰ اور ۳۱ کی درمیانی شب کو مَیں نے یہ رویا دیکھا ہے خطبہ مَیں نے ۲۸ جنوری کو پڑھا تھا۔ اور یقیناً یہ خطبہ خواب دیکھنے کے وقت تک اُن کو نہیں ملا۔ "الفضل" میں اس بارہ میں پہلی خبر ۳۰ جنوری کے پرچہ میں شائع ہوئی ہے۔ اور "الفضل" کا یہ پرچہ ان کو ۳۱ جنوری کو مل سکتا تھا۔ لیکن انہوں نے ۳۰ اور ۳۱ جنوری کی درمیانی رات کو یہ خواب دیکھا اور پھر اُن کے خط میں بھی اس امر کا کوئی ذکر نہیں کہ اخبار میں انہوں نے یہ خبر پڑھ لی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رویا ان کو ایسے حالات میں ہوئی ہے جبکہ انہیں اس بات کا کوئی علم نہ تھا کہ مَیں نے اپنے خطبہ میں اس پیشگوئی کے مصداق ہونے کا اعلان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ رویا میں مَیں نے دیکھا کہ احمدیوں کا ایک بہت بڑا ہجوم ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کوئی عظیم الشان نشان ظاہر ہوا ہے جس پر وہ خدا تعالیٰ کی حمد اور اس کی تسبیح و تحمید کر رہے ہیں اور بڑے جوش سے ان کے مُنہ سے تسبیح کی آوازیں نکل رہی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ رویا میں مَیں نے دیکھا کہ اَور لوگوں پر بھی اس کا اثر ہے۔ لیکن مفتی محمد صادق صاحبؓ پر تو وجد کی حالت طاری ہے۔ اب دیکھو پچھلے خطبہ میں تمام احمدیوں پر اللہ تعالیٰ کے اس نشان کا اثر تھا۔ مگر مفتی صاحب پر تو اس کا ایسا اثر ہوا کہ وہ خطبہ جمعہ میں ہی بول پڑے۔ وہ لکھتے ہیں۔ مَیں حیران ہوا کہ یہ کیا بات ہے۔ اس کے بعد مجھے ایک کمرہ نظر آیا جس میں شیشے کی تین چوکھٹیں لگی ہوئی ہیں اور ان پر نہایت اعلیٰ پالش کیا ہوا ہے تاکہ اُن پر تصویر آ سکے۔ اس کے بعد مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ اُن پر دو تصویریں نمودار ہو گئی ہیں۔ ایک تصویر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے اور ایک آپ کی ہے اور یہ دونوں تصویریں اکٹھی کمرہ کے اندر چکر کھا رہی ہیں اور اُن کو دیکھ کر لوگ خوش ہو رہے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کر رہے ہیں۔ انہوں نے تیسری تصویر کا ذکر نہیں کیا۔ یعنی

محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصویر کو انہوں نے نہیں دیکھا یا شاید دیکھا تو ہو مگر چونکہ رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شکل انہوں نے دیکھی ہوئی نہیں تھی اور آپ کی تصویر بھی دُنیا میں کوئی موجود نہیں۔ اس لئے وہ نہ سمجھ سکے ہوں کہ یہ کس کی تصویر ہے۔ لیکن رویار میں انہوں نے شیشے تین ہی دیکھے ہیں۔ اور میری رویار میں بھی تین وجودوں کے بولنے کا ذکر آتا ہے۔ پہلے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم آئے۔ اور میری زبان سے بولے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور میری زبان سے بولے اور پھر مَیں خود بولا۔ پھر وہ لکھتے ہیں خواب میں عربی زبان میں کچھ باتیں ہو رہی ہیں جنہیں مَیں سمجھ نہیں سکا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نزول السمار۔ نزول السمار کہا جا رہا ہے۔ اس میں درحقیقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس الہام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو آنے والے موعود کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اشتہار میں پایا جاتا ہے کہ کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔ چونکہ وہ عربی سے ناواقف ہیں۔ اس لئے کہتے ہیں۔ مجھے اور تو کچھ یاد نہیں رہا۔ صرف اتنا یاد رہا کہ عربی میں کچھ باتیں ہو رہی ہیں۔ جن میں نزول السماء کے الفاظ ہیں۔ تو دیکھو کس طرح خدا تعالیٰ نے انہیں رویار میں خطبہ کے وقت کی کیفیت بتا دی اور کس طرح اس رویار کا نقشہ بھی بتا دیا جو مَیں نے دیکھی تھی۔ حالانکہ اس وقت تک انہیں میرے اس اعلان کا کوئی علم نہیں تھا۔ اسی طرح اور لوگوں کو بھی ان ایّام میں ایسی خوابیں دکھائی گئی ہیں۔"[1]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی رویاءِ مُصلح موعود سے متعلق

اُن سینکڑوں خوابوں میں سے جو جماعت کے کثیر التعداد دوستوں کو دعویٰ مصلح موعود سے قبل آئیں اور مومنوں کے ازدیادِ ایمان کا باعث بنیں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی خواب بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب ہمیشہ اپنی خوابوں کے اظہار سے طبعاً گریز کرتے تھے۔ مگر اس موقعہ پر آپ نے خاموش رہنا گوارا نہ فرمایا اور مرکزِ احمدیت سے رُوٹھے ہوئے بھائیوں کی ہدایت کی غرض سے اُسے شائع بھی کر دیا۔ اس ایمان افروز خواب کی تفصیل حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کے قلم سے لکھی جاتی ہے۔ فرمایا:-

"قریباً دو سال یا شاید سوا دو سال کا عرصہ ہوا جبکہ ابھی حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کی طرف سے مُصلح موعود کے بارے میں کوئی معیّن اعلان نہیں ہوا تھا اور نہ آپ پر اس بارے میں خدا کی طرف سے کوئی انکشاف ہی ہوا تھا اور میرے وہم و گمان میں بھی مصلح موعود والی پیشگوئی کا مضمون نہیں تھا کہ مَیں نے ایک

---

[1] "الفضل" ۱۶ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ ہش ۱۹۴۴ء صفحہ ۸۔

خواب دیکھی۔ مَیں نے دیکھا کہ مَیں اپنے مکان کے صحن میں کھڑا ہوں اور اسی صحن کے شرقی جانب جو مکان حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کا ہے جس میں آجکل حضور کی حرمِ اوّل سیّدہ اُمّ ناصر احمد صاحبہ رہتی ہیں اس کے سب سے بالائی حصہ میں جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک علیحدہ خانگی مسجد سی بنا رکھی تھی ایک خوبصورت نوجوان کھڑا ہوا ہمارے صحن کی طرف جھانک رہا ہے۔ اس نوجوان کا رنگ شفاف اور سفید تھا جو اپنی سفیدی کی وجہ سے گویا چمک رہا تھا۔ مَیں نے جب اُس نوجوان کی طرف نظر اُٹھائی تو اشارے کے ساتھ اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے اس کے جواب میں مجھے آہستہ سے کہا "خلیفہ . . . الدین" یعنی خلیفہ کے لفظ کے بعد کوئی لفظ بولا جو مَیں سمجھ نہ سکا اور آخری لفظ الدین تھا۔ اس پر مَیں نے تصریح کے خیال سے سوالیہ رنگ میں کہا۔ "**خلیفہ ناصر الدین**؟" اس نے غالباً سر ہلا کر جواب دیا کہ نہیں۔ بلکہ میرا نام کچھ اور ہے۔ جس پر مَیں نے کہا "**خلیفہ صلاح الدین**؟" اس پر اس نے آہستگی کے ساتھ گویا اس بات کو مخفی رکھ کر بتا رہا ہے، عربی میں جواب دیا "نَعَمْ" پھر مَیں قدم بڑھا کر اپنے کمرہ کی طرف جانے لگا تو جب مَیں دروازہ کے قریب پہنچا تو یہ نوجوان نہایت آہستگی اور وقار کے ساتھ ہوا میں اُترتا ہوا میرے دائیں کندھے پر اس طرح آبیٹھا کہ اس کی ایک ٹانگ میرے سامنے کی طرف آ گئی اور ایک پیچھے کی طرف پیٹھ کے ساتھ رہی اور مُنہ میری طرف تھا۔ جونہی کہ یہ نوجوان میرے کندھے پر اُترا۔ مَیں نے اس کی ٹانگوں کو سہارا دینے کے رنگ میں اپنے ہاتھوں کے ساتھ تھام لیا اور اُسے آہستگی کے ساتھ کہا "بڑی دیر سے آئے" اس کے بعد میری آنکھ کھُل گئی اور صبح اُٹھنے پر مجھے اُس کی کوئی تعبیر تو کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ البتہ مَیں نے اُسے ایک عجیب سی خواب سمجھ کر اس کا ذکر اپنے کئی عزیزوں کے ساتھ کیا۔ اور اس کے بعد مَیں اس خواب کو بھُول گیا اور دو سال تک بالکل بھُولا رہا۔ آخر جب حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ نے گذشتہ ایّام میں ایک رؤیا کی بناء پر اپنے مصلح موعود ہونے کا اعلان کیا تو اس وقت مجھے میری لڑکی عزیزہ امۃ الحمید بیگم اور میری بھانجی عزیزہ محمودہ بیگم سلّمہما اللہ نے یاد کرایا کہ دو سال ہوئے آپ نے یہ خواب دیکھی تھی اور ساتھ ہی کہا کہ ہمارے خیال میں یہ خواب حضرت صاحب کے دعویٰ مصلح موعود پر چسپاں ہوتی ہے۔ تب مَیں سمجھا کہ واقعی یہ خواب اسی امر کے متعلق تھی۔ چنانچہ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ اس خواب میں کئی باتیں خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) اُس نوجوان کا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کے مکان پر اور اُس کے بلند ترین حصہ میں نظر آنا جس میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے وجود کی طرف اشارہ تھا۔

(۲) اُس کا اپنا نام "خلیفہ صلاح الدین" ظاہر کرنا جو ان الفاظ کا لفظی ترجمہ ہے کہ وہ مصلح موعود جو حضرت مسیح موعود کا خلیفہ بھی ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کا بعینہٖ یہی دعویٰ ہے۔

(۳) اُس کا آہستگی اور اخفار کے رنگ میں بولنا گویا کہ ابھی پورے انکشاف اور اعلان کا وقت نہیں آیا تھا۔

(۴) اُس کا میرے سوال کے جواب میں عربی زبان میں "نَعَمْ" کہنا جو عین حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کے اُس رؤیا کے مطابق ہے جس میں آپ نے اپنے آپ کو عربی میں گفتگو فرماتے دیکھا ہے۔

(۵) میرا اُسے یہ الفاظ کہنا کہ "بڑی دیر سے آئے" جو مصلح موعود کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان الہامی الفاظ کا لفظی ترجمہ ہے کہ "دیر آمدہ"۔

پس یہ ایک واضح خواب تھی جو خدا تعالیٰ نے مجھے آج سے قریباً دو۲ سال قبل دکھائی اور اس خواب کی شہادت اس بات سے اَور بھی زیادہ قوی ہو جاتی ہے کہ جب مَیں نے یہ خواب دیکھی اُس وقت نہ میرے خیال میں یہ آیا کہ یہ خواب مصلح موعود کے متعلق ہے اور نہ ہی ان لوگوں کا خیال اُس طرف گیا جنہیں مَیں نے یہ خواب سُنائی۔ بلکہ مجھے تو یہ خواب بھی بھولی ہوئی تھی جو دو۲ سال بعد بعض عزیزوں کے یاد دلانے سے یاد آئی۔ مگر مَیں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں نے آج سے دو۲ یا سوا دو سال قبل یہ خواب دیکھی اور گو اس کا کوئی لفظ حافظہ کی غلطی سے بدل گیا ہو مگر مفہوم اور حقیقت بالکل یہی تھے اور اہم الفاظ بھی یہی تھے۔"[1]

اہلِ قلم بزرگوں کی خدمات

جماعتِ احمدیہ کے اہلِ قلم بزرگوں اور دوستوں نے اس نئے مرحلہ پر جبکہ جماعت احمدیہ ایک انقلابی دَور میں داخل ہو رہی تھی، پیشگوئی مصلح موعود کے مختلف پہلوؤں پر بہت قیمتی اور عمدہ اور سیر حاصل مضامین لکھے جو اخبار "الفضل"، رسالہ "فرقان" اور رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" میں شائع ہوئے۔ ان مضامین سے جماعت کے ہر طبقہ کو اس پیشگوئی کے پسِ منظر، اس کی عظمت و اہمیت اور مقاصد کے سمجھنے میں بھاری مدد ملی۔ بعض مضمون نگار بزرگوں اور دوستوں کے اسماء گرامی درج ذیل کئے جاتے ہیں:-

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب۔ مولانا ابو العطاء صاحب، خواجہ

---

[1] رسالہ "فرقان" بابت ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۹-۱۰۔

غلام نبی صاحب، حضرت مولوی شیر علی صاحب رضؓ بی۔اے، حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضؓ۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحب رضؓ، چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب، مولانا جلال الدین صاحب شمس رضؓ امام مسجد لنڈن، ملک عبدالرحمان صاحب خادم رضؓ، مولوی شریف احمد صاحب امینی مولویفاضل مدرس مدرسہ احمدیہ، مولوی محمد یعقوب صاحب رضؓ فاضل طاہر اسسٹنٹ ایڈیٹر "الفضل"، ملک محمد عبداللہ صاحب فاضل، پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب، حضرت پیر منظور محمد صاحب رضؓ، چودھری علی محمد صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی، چودھری خلیل احمد صاحب ناصر، قاضی محمد نذیر صاحب، حضرت حکیم محمد حسین صاحب رضؓ مرہم عیسیٰ۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضؓ، چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ، خواجہ خورشید احمد صاحب مجاہد سیالکوٹی، سید احمد علی صاحب، مرزا منور احمد صاحب واقفِ زندگی، مولوی محمد صدیق صاحب واقف زندگی۔ سید غلام حسین صاحب ویٹرنری آفیسر ریاست بھوپال۔ اخوند فیاض احمد صاحب،

علاوہ ازیں حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضؓ، حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل رضؓ، حضرت خانصاحب ذوالفقار علی خانصاحب گوہر رضؓ، شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ کپورتھلہ، مولوی برکت علی صاحب لائق لدھیانوی، جناب محمد صدیق صاحب ثاقب زیروی، شیخ روشن دین صاحب تنویر، جناب نسیم سیفی صاحب، عبدالمنان صاحب ناہید سیالکوٹی وغیرہ شعرائے احمدیت نے دورِ مصلح موعود کی آمد پر نہایت پُر زور نظمیں کہیں۔

رسالہ "فرقان" کا مُصلح موعُود نمبر

اگرچہ اس موقعہ پر پیشگوئی مصلح موعود کے پس منظر، اس کی تفصیلات اور اہمیت کے سلسلہ میں اخبار "الفضل" کا ایک خاص شمارہ ۲۰ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو شائع ہوا۔ مگر پیشگوئی پر مفصل روشنی ڈالنے کا حق صحیح معنوں میں رسالہ "فرقان" نے ادا کیا جس نے ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں ضخیم "مصلح موعود" نمبر نکالا۔ اس نمبر میں دیگر مشہور اور نامور بزرگان اور اہل قلم حضرات کے نہایت قیمتی اور بلند پایہ مضامین کے علاوہ (مدیرِ فرقان) مولانا ابوالعطاء صاحب کے قلم سے ایک مبسوط مقالہ بھی شاملِ اشاعت تھا۔

"فرقان" کے اس خصوصی شمارہ کو دو اور اہم خصوصیات بھی حاصل تھیں:۔

اوّل۔ اس رسالہ میں پہلی بار ہوشیارپور کے جلسہ[1] مصلح موعود کی تصاویر کی اشاعت ہوئی۔

دوم۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے دعویٰ مصلح موعود کے بعد جو پہلی نظم کہی وہ اسی میں شائع ہوئی۔ حضور رضؓ کے اپنے دست مبارک سے تحریر شدہ اس نظم کا چربہ سامنے کے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

[1] اعلان مصلح موعود کے جلسوں کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔

سیدنا المصلح الموعود کے قلم مبارک سے لکھے ہوئے اشعار کا چربہ

١ ہو فضل تیرا یارب یا کوئی ابتلا ہو — راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تری رضا ہو

٣ دل میں جو آرزوئیں ہیں تو ان کو پورا کردے — اخلاص و وفا میں کامل کر دیں کو عاجز ہو

٢ سینہ میں جوش غیرت اور آنکھ میں حیا ہو — لب پر ہو ذکر تیرا دل میں تری وفا ہو

٤ شیطاں کی حکومت مٹ جائے اس جہاں سے — حاکم تمام دنیا پہ میرا مصطفیٰ ہو

٥ محمود عمر میری کٹ جائے کاش یونہی — ہو روح میری سجدہ میں سامنے خدا ہو

15/6/62

ہو فضل تیرا یا رب یا کوئی ابتلاء ہو ٭ راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تری رضا ہو
سینہ میں جوشِ غیرت اور آنکھ میں حیا ہو ٭ لب پہ ہو ذکر تیرا دل میں تری وفا ہو
مٹ جاؤں میں تو اس کی پروا نہیں ہے کچھ بھی ٭ میری فنا سے حاصل گر دین کو بقا ہو
شیطان کی حکومت مٹ جائے اس جہاں سے ٭ حاکم تمام دنیا پہ میرا مصطفیٰؐ ہو
محمود عُمر میری کٹ جائے کاش یونہی ٭ ہو رُوح میری سجدہ میں سامنے خدا ہو

اس پُر معارف نظم کی تقریب یہ پیدا ہوئی کہ مکرم مولوی ابوالعطاء صاحب نے ۵ ارشہادت/اپریل ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو حضرت امیرالمؤمنینؓ کی خدمت میں مسجد مبارک کی سیڑھیوں کے پاس عرض کیا کہ حضور "فرقان" کے لئے کوئی تازہ نظم عطا فرمائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور اندر گھر سے واپس تشریف لائے اور اپنے دستِ مبارک سے یہ تازہ کلام عنایت فرمایا۔

کتاب "ظہورِ مُصلح موعُود" اعلان مصلح موعود کے معاً بعد علمی اعتبار سے ایک اہم ترین ضرورت یہ محسوس کی گئی کہ مصلح موعود کے تازہ نشانِ رحمت کے متعلق مرکز کی طرف سے ضروری لٹریچر شائع کیا جائے۔ اس تعلق میں سب سے پہلی کتاب مولوی شریف احمد صاحب امینی[1] مدرس مدرسہ احمدیہ قادیان نے "ظہور مصلح موعود" کے نام سے شائع کی جس کا دیباچہ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ نے لکھا اور نظر ثانی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے فرمائی۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ کی ایک حیرت انگیز پیشگوئی کا انکشاف میاں عبدالمنان صاحب عمر کے ذریعے حضرت مصلح موعودؓ کے دعویٰ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی اس عظیم الشان پیشگوئی کا انکشاف ہوا کہ مصلح موعود یکم دسمبر ۱۹۱۲ء سے تیس سال بعد ظاہر ہوگا۔ یہ اہم شہادت سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں سب سے پہلے جناب میاں عبدالمنان صاحب عمر ایم۔ اے نے شائع کی چنانچہ انہوں نے رسالہ "فرقان" (ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء) میں "نشانِ صداقت" کے عنوان سے ایک مفصل اداریہ سپرد قلم کیا جس میں لکھا:۔

"حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے یکم دسمبر ۱۹۱۲ء کو بعد نماز عصر سورۂ اعراف کی آیت وَلَقَدْ اَخَذْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ۔ ۔ ۔ الخ کا درس دیتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فتوحات کے وعدے کئے تھے لیکن قوم کی نافرمانی کی وجہ سے وہ چالیس برس پیچھے ڈال دیئے گئے اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی اللہ تعالیٰ نے وعدے کئے ہیں اور ضرور

---

[1] حال مبلغ سلسلہ احمدیہ بھارت۔

ہے کہ وہ پُورے ہوں۔ لیکن افسوس ہے کہ تم لوگوں کی گستاخیوں کی وجہ سے ان میں التوا ہو رہا ہے اور جس طرح حضرت موسیٰؑ کے وقت اُن وعدوں کے پُورا ہونے کا زمانہ چالیس برس پیچھے ڈال دیا گیا۔ اسی طرح تمہاری گستاخیوں کی وجہ سے احمدیت کی فتوحات کا زمانہ بھی پیچھے ڈال دیا گیا ہے لیکن آج سے تیس سال بعد مظہر قدرت ثانیہ ظاہر ہوگا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ اس بندہ کے ذریعہ اس بند کئے ہوئے دروازہ کو کھولنے کا سامان کر دے گا۔ اس موقعہ پر حضورؓ کے جو الفاظ قلمبند کئے گئے وہ میں ذیل میں درج کرتا ہوں :-

ہم اور دوسروں میں فرق ۔	کسی محدث ۱۴ سو برس سے یہ نہیں کہا۔ مجھے الہام ہوتا ہے۔ مجھے وحی ہوتی ہے۔ ہمارے مرزا صاحب کو وحی۔ الہام دونوں ہوتے تھے۔ پھر نبی کا لفظ اور کسی پر نہیں آیا۔ مجھ جیسی کامیابی باوجود اتنی مخالفت کے کسی کو نہ ہوئی۔
خطرہ عظیم الشان ۔	حضرت موسیٰؑ سے اللہ نے وعدہ کیا۔ کہ تیری قوم نے فلسطین زمین کو فتح کر لینا ہے۔ تم سب ساتھ جاؤ۔ لیکن قوم نے نافرمانی کی۔ کیا نتیجہ ہوا۔ ۴۰ برس ذلیل ہو گئے۔ اور انہیں میں حضرت موسیٰؑ بھی فوت ہو گئے۔

مجھے یہ ڈر ہے - کہ حضرت صاحب بھی اللہ تعالیٰ نہ
ولی ہو گئے ہیں۔ تمہارے عملوں نے انکو یہ دکھایا ہے

نوٹ - تیس برس کے بعد انشاء اللہ مجھے امید ہے - کہ محمود یعنی
موعود - و قدرت ثانیہ ظاہر ہوگا

نوٹ - انصار کی ذرا کی گستاخی سے حضور نبی کریم ﷺ
نے فرمایا - کہ قیامت تک تم پر سلطنت حرام
ہے - تم بھی گستاخ نہ بنو -

یہ الفاظ بالکل صاف اور ان کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ سے جو وعدے کئے تھے وہ ہم میں سے بعض لوگوں کی غلطی سے معرضِ التوا میں پڑ گئے ہیں اور اب سے تیس۳۰ سال بعد اللہ تعالیٰ کا ایک موعود بندہ جو قوم کی تجدید کرے گا اور مظہرِ قدرتِ ثانیہ ہوگا، ظاہر ہوگا اور پھر اس کے ہاتھ سے وہ وعدے پورے کئے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے مسیحؑ سے کئے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے اِن الفاظ کے کہے جانے کی تاریخ سے تیس سال بعد ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مظہر قدرتِ ثانیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز پر پیشگوئی مصلح موعود کے مصداق ہونے کا انکشاف کر دیا۔ اور آپ نے الٰہی الہام کی بنا اپنے مصلح موعود ہونے کا دعویٰ فرما دیا۔

احادیث میں آتا ہے۔ ایک جنگ کے موقعہ پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ حضور ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور آپ کے بائیں بھی، آگے بھی

لڑیں گے اور پیچھے بھی اور جس طرح یہود نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا ہم آپ سے نہیں کہیں گے اِذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ ۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کس طرح گذری ہوئی اقوام کے ان واقعات سے جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں عبرت و بصیرت حاصل کرتے تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کی جماعت کس طرح عبرت و موعظت حاصل کرتی ہے اور اب تو خدا کے ایک صدیق بندے نے ہمیں اس طرف متوجہ بھی کر دیا ہے۔ مبارک ہیں جو اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور مصلح موعود کے قدموں میں اپنے تئیں لا ڈالتے ہیں کہ وہ الٰہی خوشنودی کو حاصل کریں گے اور فتوحات کے ان وعدوں کی تکمیل میں شریک ہو کر دین و دنیا کی سرخروئی پانے والے بنیں گے۔

بنی اسرائیل کو جس قوم کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور جس سے انہوں نے انکار کر دیا وہ بُت پرست قوم تھی اور اُس رویا میں جو مصلح موعود کی پیشگوئی کا انکشاف کرنے والی ہے اُس میں بھی آپ ایک بُت پرست قوم ہی میں وعظ و تلقین فرماتے ہیں۔ گویا جس قوم کی سزا یا اصلاح کے فرض سے بنی اسرائیل نے پہلوتہی کی اور فتوحات سے محروم رہ گئے تھے۔ اب اس فرض کو مصلح موعود نے ادا کر کے فتوحات کے بند کئے ہوئے دروازہ کو کھولنے کے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے تیس سال کے بعد موعود مجدّد (قدرتِ ثانیہ) کے ظہور کی جس امید کا اظہار فرمایا ہے اس کی بنیاد دراصل باریک الٰہی اشارہ کے ماتحت اس واقعہ پر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی قوم سے بھی جو وعدے تھے وہ قوم کی گستاخیوں کی وجہ سے چالیس[۴۰] سال تک معرضِ التوا میں پڑ گئے۔ اسی طرح مسیح موعودؑ سے جو وعدے اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں اُن کی تکمیل بھی متاخر کر دی گئی اور اب قوم کو تیس سال مزید انتظار کرنا چاہیئے۔ اس پر میرے ذہن میں غلجان تھا کہ اصل بنیاد اربعین سنۃ یعنی چالیس سال کے الفاظ پر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حضرت خلیفہ اوّلؓ تعیین چالیس[۴۰] سال کی بجائے تیس سال کی فرماتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ چنانچہ جب مَیں نے یہ حوالہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کے سامنے پیش کیا تو حضور نے فرمایا "بہت لطیف حوالہ ہے" اور ساتھ ہی میری اس مشکل کو بھی حل فرما دیا کہ چالیس سال کی مدّت اس طرح بنتی ہے کہ بعض لوگوں نے دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی

ہی میں لنگر خانہ وغیرہ کے انتظامات پر اعتراضات شروع کر دیئے تھے اور اس طرح اُس وقت سے لے کر پیشگوئی مصلح موعود کے الٰہی انکشاف کے وقت تک جو ۱۹۴۴ء میں ہوا پُورے چالیس سال بنتے ہیں۔"[1]

بعض سعید الفطرت غیر مبائعین کا قبولِ حق

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دعویٰ مصلح موعود سے جہاں اہلِ حق کے ہاتھ میں اسلام کی صداقت کے لئے ایک زبردست ہتھیار مِل گیا وہاں غیر مبائعین پر خدا کی حجتِ ملزمہ قائم ہو گئی۔ اور اب اُن کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا کہ یا تو وہ خدا ترسی کا ثبوت دیتے ہوئے خلافتِ ثانیہ کے ساتھ وابستہ ہو جائیں یا سیدنا المصلح الموعود کی ذاتِ مبارک کے بارے میں کامل خاموشی اور سکوت اختیار کر لیں۔

چنانچہ غیر مبائعین میں سے جو طبقہ سنجیدہ اور سعید فطرت رکھتا تھا اور خدا کی جناب میں فی الفور ہدایت پا جانے کا مستحق قرار پا چکا تھا وہ آسمانی منادی کی آواز پر لبیک کہتا ہوا آگے بڑھا اور خلافتِ ثانیہ کی بیعت میں شامل ہو گیا۔ چنانچہ انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام لاہور کے حسب ذیل پانچ ممتاز ارکان کو دعویٰ مصلح موعود کے تھوڑے دنوں بعد نظامِ خلافت سے وابستہ ہونے کی توفیق ملی۔

۱۔ حضرت ماسٹر فقیر اللہ صاحب (احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے آڈیٹر اور مولوی محمد علی صاحب کے امام الصلوٰۃ)[2]

۲۔ خان بہادر میاں محمد صادق صاحب لاہور ریٹائرڈ ڈی۔ ایس۔ پی (آنریری جنرل سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)[3]

۳۔ سید امجد علی شاہ صاحب سیالکوٹ (آنریری جنرل سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)[4]

۴۔ کپتان سید محمد اسلم صاحب ایم بی بی ایس (زیر تجویز مبلغ سپین احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)[5]

۵۔ ڈاکٹر محمد شریف خان صاحب ریٹائرڈ سول سرجن بٹالہ[6]

۶۔ نعمت اللہ صاحب صدیقی (بمبئی) ابن ماسٹر فقیر اللہ صاحب[7]

مولوی محمد علی صاحب اور اُنکے بعض دوسرے رفقاء کا نادر واطرزِ عمل

زندہ خدا کے زندہ کلام کا نزول، اس کی پیشگوئی کا پُورا ہونا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

[1] "فرقان" قادیان بابت ۵۰ ہجرت/مئی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ تا ۰۔ [2] بیعت خلافت - امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء (افسوس خان بہادر میاں محمد صادق صاحب اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے عہد بیعت پر قائم نہ رہے)۔ [3] بیعت خلافت شروع ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء۔ [4] بیعت خلافت؛ رسالہ "فرقان" ماہ ہجرت/احسان/مئی۔جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵۲۔
[5] بیعت خلافت احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء۔ [6] "فرقان" ہجرت۔احسان/مئی۔جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵۳۔
[7] بیعت خلافت احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء ("الفضل" ۲۷ احسان/جون ۱۳۲۳ہش)۔

کی صداقت پر ایک عظیم الشان آسمانی نشان کا ظہور مومنوں کے لئے انتہائی مسرت و شادمانی کا موقعہ تھا اور یقیناً یہ رُوحانی عید تھی۔ چنانچہ اس انکشافِ الٰہی پر جماعت احمدیہ کا ہر فرد اللہ تعالیٰ کے حضور سجداتِ شکر بجا لایا۔ اس کا فضل دیکھ کر اُن کے دل خوشی سے بھر گئے اور وہ بیساختہ پکار اُٹھے مُبارک صد مُبارک۔ دُور کے اصحاب نے بذریعہ تار اس تہنیت میں شرکت کی۔ اور مبارک باد اور خوشیوں سے معمور یہ تقریب بھی ایک لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس واضح ارشاد کی تعمیل ہی میں تھی کہ

"اے دے لوگو جنہوں نے ظلمت کو دیکھ لیا حیرانی میں مت پڑو بلکہ خوش ہو اور خوشی سے اُچھلو کہ اس کے بعد اب روشنی آئے گی" [۱]

یہی نہیں خود اللہ تعالیٰ نے ایک موعود فرزند کے ملنے پر اپنے مسیح موعود کو الہام فرمایا:۔

"ساقیا آمدن عید مبارک بادت" [۲]

یعنی اے ساقی! عید کا آنا تجھے مبارک ہو

لیکن مولوی محمد علی صاحب (امیر احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور) نے نشانِ رحمت کے ایمان افزا اعلان کو "بے موسم کی عید" قرار دیتے ہوئے لکھا:۔

"ان ایام میں قادیان میں ایک بے موسم کی عید آگئی ہے۔ تاریں چل رہی ہیں، مبارکبادیں دی جا رہی ہیں سکول اور دفاتر بند ہو رہے ہیں اور جلسے منعقد ہو رہے ہیں . . . اگر کوئی مصلح موعود ہو بھی گیا تو یہ خوشی اور تاروں کا کونسا موقعہ ہے؟" [۳]

پھر لکھا:۔

"حدیث میں وعدہ ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آئے گا۔ اس کے علاوہ سب چیزوں کو فضول سمجھو [۴]۔ اور صدی کے سر کا انتظار کرو۔ شاید اللہ تعالےٰ کسی کو کھڑا کر دے۔ ابھی بڑا وقت

---

[۱] اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۱۴۷ ؛ [۲] "بدر" ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۴ ؛

[۳] "پیغام صلح" ۹ فروری ۱۹۴۴ء صفحہ ۱ و ۲ ؛ مولویصاحب کی بیگم صاحبہ نے لکھا۔ "ہمیں قادیان والوں کی اس اندھادھند عقیدت سے مرعوب ہونا چاہیئے بلکہ یہ ایک ابتلاء کا وقت ہے ہمیں اس میں ثابت قدم رہنا چاہیئے" (پیغام صلح ۲۹ مارچ ۱۹۴۴ء صفحہ ۳ بحوالہ "فرقان" شہادت / اپریل ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۲۰ ؛

[۴] عجیب بات ہے کہ مولوی محمد علی صاحب نے حضرت مصلح موعودؓ کا انکار اس لئے کیا کہ آپ کا دعویٰ صدی کے سر پر نہیں مگر اُن کے رفقاء نے اُن کی وفات کے بعد خود انہی کو احمدیت کا پہلا مجدد قرار دے لیا چنانچہ شیخ میاں محمد صاحب نے لکھا۔ "میرا ایمان ہے کہ جس طرح اسلامی دَور میں فتنوں کو دُور کرنے کے لئے ہر صدی میں مجدد آتے رہے اسی طرح احمدیت کے دَور میں پیدا ہونیوالے فتنوں کو دُور کرنے کے لئے سب

باقی ہے۔ چالیس سال باقی ہیں۔"[1]

مولوی صاحب موصوف کا یہ موقف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمودات کی روشنی میں کہانتک حق بجانب قرار دیا جا سکتا تھا۔ اس کا قطعی فیصلہ کرنے کے لئے صرف اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء اور اور سبز اشتہار میں مصلح موعود کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صلبی اولاد میں سے اور بشیر اوّل کے بعد بلا توقف پیدا ہونے والا فرزند قرار دیا گیا تھا نہ کہ آئندہ کسی اَور صدی کے سر پر ظاہر ہونے والا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ وضاحت بھی موجود تھی کہ

"یہ امام جو خدا تعالےٰ کی طرف سے مسیح موعود کہلاتا ہے وہ مجدّد صدی بھی ہے اور مجدّد الف آخر بھی"[2]

پھر فرمایا:۔

"یہ بھی اہلسنت میں متفق علیہ امر ہے کہ آخری مجدّد اس امت کا مسیح موعود ہے"[3]

جناب مولوی صاحب موصوف نے دعویٰ مصلح موعود کا مذاق اُڑاتے ہوئے اَور بھی بہت کچھ خامہ فرسائی کی چنانچہ لکھا:۔

۱۔ "اگر اس فساد کی اصلاح کی ضرورت ہے تو مَیں سمجھتا ہوں کہ جماعت احمدیہ لاہور کا ایک آدمی مصلح موعود ہے اور وہ ایسا دعویٰ کریں تو حق بجانب ہیں"[4]

۲۔ "اس (رویا) میں موعود کا لفظ کہیں نہیں نہ مصلح موعود نہ پسرِ موعود۔ رہا یہ کہ مثیل اور خلیفہ کہا ہے . . . تو خلیفے سینکڑوں اور ہزاروں ہو سکتے ہیں۔"[5]

---

[1] "پیغام صلح" ۹ر فروری ۱۹۴۵ء بحوالہ "فرقان" تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء ٭ یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ مولوی محمد علی صاحب سے قبل ازیں سوال کیا گیا کہ آیا گذشتہ مجددین کی طرح اس صدی کے آخر پر سلسلہ کا انجام بھی ہوگا ؟ مولوی محمد علی صاحب نے جواب دیا کہ "آنحضرت صلعم کے بعد جو مجدّدین کا سلسلہ چلتا ہے وہی قیامت تک چلے گا مگر چونکہ اس صدی کے مجدد کا کام محض وقتی تجدید نہیں بلکہ اسلام کو دنیا میں غالب کرنے کی بنیاد اس کے ظہور کے ساتھ رکھی گئی ہے اور یہ غلبہ قیامت تک ہوتا چلا جائے گا اور ہمیشہ رہے گا۔ اس لئے اس سلسلہ کا انجام بھی کوئی نہیں لیکن ہر مجدد اپنے وقت کا امام ہوگا اور غلبہ اسلام کی جن راہوں پر وہ چلائے۔ انہی پر چلنا ہوگا۔ خواہ وہ وہی ہوں جن پر اس صدی کے مجدّد نے چلنے کے لئے بلایا ہے اور خواہ کوئی اَور ہو" ("پیغام صلح" ۲۱ر جنوری ۱۹۴۳ء صفحہ ۶ کالم ۱) ٭

[2] "لیکچر سیالکوٹ" صفحہ ۲ (لیکچر فرمودہ ۲ نومبر ۱۹۰۴ء بمقام سیالکوٹ) ٭ [3] "حقیقۃ الوحی" صفحہ ۱۹۳ طبع اوّل ٭

[4] "پیغام صلح" ۹ر فروری ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ ٭

[5] ایضاً ایضاً ایضاً ٭

۳- "اس زمانہ میں خوابیں بھی لمبی آتی ہیں جبکہ لکھنے اور پراپیگنڈا کے سامان بہتر ہیں" [1]

۴- "ان خوابوں کی بناء پر خلافت بنی۔ اب خوابوں کی بناء پر مصلح موعود بن رہے ہیں" [2]

۵- "مُریدوں نے گواہی دے دی کہ کچھ ہو گیا ہے اور اوپر سے اللہ تعالیٰ نے بھی ایک ناواقف بادشاہ کی طرح ایک خطاب دے دیا۔" [3]

جناب مولوی محمد علی صاحب کے علاوہ ان کے ساتھیوں میں سے ایک صاحب نے اخبار "پیغام صلح" (۱۶ فروری ۱۹۴۴ء) میں ایک طویل مضمون شائع کرایا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی رویاء کے اس حصہ سے جس میں آپ کے دائیں اور بائیں راستہ کی بجائے وسطی راستہ پر چلنے کا ذکر ہے، یہ نتیجہ نکالا کہ مولوی محمد علی صاحب اصحاب الیمین میں سے ہیں اور (معاذ اللہ) حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اصحاب الشمال میں سے۔ حالانکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درمیانی راہ ہی کو صراط مستقیم قرار دیا ہے چنانچہ مسند احمد، نسائی اور دارمی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث ہے کہ

"عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطًا عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَالَ هٰذِهٖ سُبُلٌ عَلٰى كُلِّ سَبِيْلٍ مِّنْهَا شَيْطَانٌ يَّدْعُوْا إِلَيْهِ وَقَرَءَ وَإِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ اَلْاٰيَةَ" [4]

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار ہمارے سامنے ایک خط کھینچا اور ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کی راہ ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے اس خط کے دائیں اور بائیں بہت سے خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ ایسے راستے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک راستہ پر شیطان بیٹھا ہوا لوگوں کو اپنی طرف بُلا رہا ہے۔ یہ فرما کر حضورؐ نے آیت وَاِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا کی تلاوت فرمائی۔

مولوی عزیز بخش صاحب کی چٹھی اور حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کا رُوح پرور جواب

قصہ مختصر "پیغام صلح" میں یہ لمبا چوڑا مضمون شائع ہوا تو مولوی محمد علی صاحب کے بڑے بھائی مولوی عزیز بخش صاحب نے اُسے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ

[1] "پیغام صلح" ۹ فروری ۱۹۴۴ء صفحہ ۱ ۔ [2] "پیغام صلح" ۲۳ فروری ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ ۔ [3] "پیغام صلح" ۸ مارچ ۱۹۴۴ء ۔ [4] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ صفحہ ۳۰ ۔

کو رجسٹری کر کے بھیجدیا اور ساتھ ہی حسب ذیل مکتوب لکھا :-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

مکرم ومعظم صاحبزادہ میاں بشیرالدین محمود احمد صاحب قادیانی !　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج بذریعہ رجسٹرڈ بک پوسٹ ایک پرچہ اخبار پیغام صلح ۹ فروری ۱۹۴۴ء آپ کی خدمت میں ارسال ہے۔ اس کے صفحہ ۹-۱۰ پر آپ کے خواب کی صحیح تعبیر دی گئی ہے۔ لِلّٰہ اسے غور سے پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اپنے فضل وکرم سے آپ کو دائیں طرف والے رستہ پر آجانے کی توفیق عطا فرمائے جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا مسلک ہے۔ مَیں بھی دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین۔ والسلام۔

خاکسار عزیز بخش خادم مسیح موعود آنریری جائنٹ سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ۱۲/۲/۴۴ء"

اس کے جواب میں حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے لفافہ کی پُشت پر ہی تحریر فرمایا :-

"پرچہ مل گیا۔ مَیں نے جو اعلان کیا ہے۔ بڑی دُعاؤں کے بعد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بولا۔ باقی آپ جو مولوی عبدالرحمٰن صاحب مصری کی تعبیر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اس کا جواب رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں موجود ہے جب شائع ہوگا[1]۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ درمیانی راستہ پر جانے والا غلطی پر ہے یا ان تعبیروں کے مرتکب اور خدا تعالیٰ کے دین پر ہنسی کرنے والے! آپ کی دُعاؤں کا بہت بہت شکریہ۔ مگر یہ سمجھ میں نہ آیا کہ آپ کے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عُمر بھر کی دُعائیں آپ کی اولاد کے حق میں ردّ گئیں تو آپ کی ایک دُعا سے کیا بنے گا؟ آپ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعاؤں کو جس امر کے بارہ میں بیکار قرار دیتے ہیں تو اپنی دُعاؤں کو اس بارے میں کیا اور کیوں وقعت دیتے ہیں؟"[2]

---

[1] اس حدیث کا متن جلد ہی اخبار "الفضل" اور "فرقان" میں شائع کر دیا گیا تھا۔

[2] رسالہ "فرقان" بابت ماہ شہادت/اپریل ۱۹۴۴ء صفحہ ۴۔

فصل دوم

حضرت اُمِّ طاہر سیدہ مریم بیگم رضی اللہ عنہا اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ کی المناک وفات

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مصلح موعود کی نسبت یہ پُر اسرار اور ذوالوجوہ الہام ہوا کہ

"اِنَّا اَرْسَلْنٰهُ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا - كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ - كُلُّ شَيْءٍ تَحْتَ قَدَمَيْهِ"[1]

"یعنی ہم نے اس بچہ کو شاہد اور مبشر اور نذیر ہونے کی حالت میں بھیجا ہے اور یہ اس بڑے مینہ کی مانند ہے جس میں طرح طرح کی تاریکیاں ہوں اور رعد اور برق بھی ہو۔ یہ سب چیزیں اُس کے دونوں قدموں کے نیچے ہیں۔"[2]

اس الہام کے عین مطابق مصلح موعود سے متعلق انکشاف کے ساتھ ہی جہاں اسلام اور احمدیت کی شاندار ترقیات اور عظیم الشان فتوحات کے نئے سے نئے دروازے کھول دیئے گئے وہاں حوصلہ شکن حوادث اور صبر آزما ابتلاؤں کا ایک متوازی سلسلہ بھی جاری ہو گیا۔

اس تعلق میں انکشاف مصلح موعود کے معاً بعد جماعت احمدیہ کو حضرت سیدہ مریم بیگم رضی اللہ عنہا (اُمِّ طاہر) اور حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ کی مفارقت کے پے در پے اور انتہائی تکلیف دہ اور زہرہ گداز صدمات سہنے پڑے۔ ان مقدس اور مبارک اور محسن وجودوں کی وفات جماعت احمدیہ کے ہر طبقہ کے لئے ایک قیامت صغریٰ اور حشر کا نمونہ تھی۔ ہر آنکھ اشکبار تھی اور ہر دل غمزدہ اور زخم رسیدہ!

حضرت اُمِّ طاہر کے انتقال نے اگر جماعت کے غریبوں یتیموں اور مسکینوں کو محسوس کرا دیا کہ اُن کی ایک شفیق اور مہربان ماں کا سایہ اُٹھ گیا تو حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ کی جُدائی پر وہ فرطِ غم سے کہہ اُٹھے کہ ہمارا باپ بھی آج رخصت ہوا۔

حضرت سیدہ اُمِّ طاہر رضی اللہ عنہا کے جنازہ اور تجہیز و تکفین کے رقت انگیز حالات

حضرت سیدہ اُمِّ طاہر رضی اللہ عنہا گنگا رام ہسپتال لاہور میں زیرِ علاج تھیں کہ آپ کی مبارک و مطہر رُوح ۵ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو بارگاہِ الٰہی میں پہنچ گئی۔[3] اس حادثہ عظمیٰ کی دردناک اطلاع اسی روز

---

[1] [2] تاریخ الہام ۷ راگست ۱۸۸۶ء "سبز اشتہار" مورخہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء صفحہ ۱۵-۱۶۔ "تذکرہ" (طبع دوم) صفحہ ۱۵۴-۱۵۵۔

[3] "الفضل" ۷ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء۔

تین بجے بعد دوپہر حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی طرف سے بذریعہ فون امیر مقامی حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کے نام ان الفاظ میں پہنچی کہ

"ہمشیرہ سیدہ ام طاہر احمد صاحبہ کو اڑھائی بجے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون"[1]

ازاں بعد گیارہ بجے شب کے قریب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ اور دیگر افراد خاندان حضرت سیدہؓ کی نعش مبارک لے کر قادیان پہنچ گئے۔ اس وقت ایک بہت بڑا مجمع دو میل سے زیادہ لمبی سڑک پر بٹالہ کے موڑ سے لے کر مسجد مبارک تک پھیلا ہوا تھا اور حدِ نگاہ تک خلقت ہی خلقت نظر آتی تھی۔ لاری احمدیہ چوک میں پہنچی تو نعش چارپائی پر رکھ کر اُن کے مکان میں لے جائی گئی۔ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ بھی چارپائی اُٹھانے والوں میں شامل تھے۔

حضرت سیدہ مرحومہؓ کو وفات کے بعد لاہور ہی میں غسل دے دیا گیا تھا اور جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی کوٹھی (واقع ٹمپل روڈ لاہور) کے زنانہ صحن میں روانگی سے قبل حضور نے لاہور کی جماعت کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔ قادیان پہنچ کر رات کو احتیاطاً مرحومہ مغفورہ کی چارپائی کے نیچے اور ساتھ برف رکھ دی گئی۔ اور رات کو مستورات کے ذریعہ پہرہ کا بھی انتظام کرا دیا گیا۔

دن چڑھتے ہی مستورات زیارت کے لئے آنا شروع ہو گئیں اور دس بجے سے لے کر تین بجے بعد دوپہر تک نہ صرف قادیان اور بیرونجات سے آئی ہوئی خواتین بلکہ ارد گرد کے دُور دُور کے دیہات تک کی ہزاروں خواتین نے لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے زیر انتظام نہایت ہی اخلاص اور محبت سے اپنی بزرگ خاتون کی آخری زیارت کی۔ اس وقت تک لاہور، لدھیانہ، فیروزپور، کپورتھلہ، امرتسر، سیالکوٹ، گورداسپور وغیرہ مقامات کے بہت سے احباب بھی جنازہ میں شرکت کے لئے پہنچ چکے تھے۔ اور مسجد مبارک کے چوک سے لے کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے باغ تک ہزارہا افراد کا اجتماع ہو چکا تھا۔

۵ بجے کے قریب حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد نیز حضرت سیدہ مرحومہ مغفورہ کے برادران حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ و حضرت میجر سید حبیب اللہ شاہ صاحب نے جنازہ اُٹھایا۔ نماز جنازہ کا انتظام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باغ میں جانب مغرب کیا گیا تھا جہاں سیدھی صفیں باندھنے کے لئے زمین پر سفیدی سے خط کھینچ دیئے گئے تھے۔ احمدیہ چوک میں جنازہ

---

[1] "الفضل" ۷ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء

کے پہنچنے پر جماعت کے دوسرے احباب کو اُٹھانے کا موقعہ دیا گیا اور جنازہ گاہ تک ہزاروں افراد نے چارپائی کو کندھا دینے یا کم از کم درد بھری دُعاؤں کے ساتھ ہاتھ لگانے کا ثواب حاصل کیا۔ صفیں کھڑی ہونے کے بعد اندازہ لگایا گیا تو سات اور آٹھ ہزار کے درمیان صرف مردوں کی تعداد تھی۔ جو خواتین از خود باغ میں پہنچ گئی تھیں وہ اس کے علاوہ تھیں۔ ان کی تعداد بھی دو ڈیڑھ ہزار سے کم نہ ہوگی۔ نماز جنازہ میں شامل ہونے والوں کی اتنی بڑی تعداد یہاں پہلے نہیں دیکھی گئی۔

نماز جنازہ شروع کرنے سے قبل حضرت امیر المومنینؓ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا۔ پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ دوسری تکبیر کے بعد درود شریف اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دُعا کی جاتی ہے۔ چونکہ یہ آخری امداد ہے جو ایک بھائی اپنے بھائی کی یا ایک بھائی اپنی بہن کی کرتا ہے سوائے قریبی تعلق والوں کے کہ وہ فوت ہونے والوں کو پھر بھی یاد رکھتے اور اُن کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اس لئے چاہیئے کہ آج جو اس قسم کی دُعاؤں کا خاص موقعہ ہے خشوع وخضوع کے ساتھ دُعائیں کی جائیں۔ اس کے بعد حضور نے نماز جنازہ پڑھائی اور نماز کے بعض حصوں میں کسی قدر اُونچی آواز سے جسے صرف قریب کے چند افراد سُن سکتے تھے، نہایت تضرع اور رقت کے ساتھ مسنون دُعائیں کیں جنہیں سُننے والوں کی چیخیں نکل گئیں۔ یوں بھی تمام مجمع نے نہایت خشیت اور رقت کے ساتھ مرحومہ مغفورہ کے واسطے دُعائیں کیں۔

نماز جنازہ کے بعد جنازہ مقبرہ بہشتی کے اس خاص احاطہ میں لے جایا گیا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مزار ہے۔ قبر کی جگہ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے صبح ہی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو بہشتی مقبرہ میں بھجوا کر معین فرما دی تھی جو حضرت سیدہ امۃ الحی صاحبہ مرحومہ مغفورہ اور حضرت سیدہ سارہ بیگم مرحومہ مغفورہ کی قبروں کے ساتھ جانبِ مشرق اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قریباً قدموں میں تھی۔ میت کو لحد میں اُتارنے کے لئے حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ، جناب میجر سید حبیب اللہ شاہ صاحب، صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (حضرت سیدہ مرحومہ کے اکلوتے بیٹے) اور صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب اُترے۔ اور چارپائی پر سے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے صاحبزادگان نے میت کو اُٹھایا۔ لحد میں رکھنے اور لحد پر اینٹیں چُننے کے دوران میں حضرت امیر المومنینؓ نہایت ہی درد بھری آواز سے (جو بعض دفعہ شدت رقت وغم کی وجہ سے بالکل مدھم ہو جاتی تھی) مسنون دعائیں کرتے رہے۔ جب لحد تیار ہو چکی تو حضور نے دُعائیں کرتے ہوئے قبر میں تین دفعہ مٹی ڈالی۔ پھر دوسرے احباب کو مٹی ڈالنے کا موقعہ دیا گیا۔ اس کے بعد حضور نے سیدہ مرحومہ مغفورہ کی قبر پر تمام مجمع سمیت نہایت رقت کے ساتھ کسی قدر اونچی آواز میں دعا فرمائی اور اپنی پیاری رفیقہ حیات کو اپنے آسمانی بادشاہ کی سپردگی میں دے دیا۔

چونکہ سورج غروب ہونے میں تھوڑا ہی وقت تھا اس لئے حضور نے باغ میں اسی جگہ جہاں جنازہ پڑھا گیا تھا عصر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضور پھر سیدہ مرحومہ کی قبر پر تشریف لائے اور السلام علیکم کہہ کر اور پھر اُسے دوہرا کر واپس تشریف لے آئے۔[۵]

سیدنا المصلح الموعودؓ کی طرف سے جماعت کو رضا بالقضاء کی تلقین

سیدہ امِ طاہر رضی اللہ عنہا کی وفات اگرچہ پوری جماعت کے لئے المیہ کی حیثیت رکھتی تھی مگر طبعی طور پر اس کا سب سے زیادہ صدمہ خود سیدنا المصلح الموعودؓ کو پہنچا۔ لیکن حضور نے اس موقعہ پر نہ صرف بیمثال رضا بالقضاء کا نمونہ دکھایا بلکہ پوری زخم رسیدہ جماعت کو صبر کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ ۱۰ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:۔

"اس ہفتے جو میرے گھر میں ایک واقعہ ہوا ہے یعنی میری بیوی امِ طاہر فوت ہوئی ہیں اس کے متعلق میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں بہت بڑا درد پایا جاتا ہے خصوصاً عورتیں اور غریب عورتیں بہت زیادہ اس درد کو محسوس کرتی ہیں کیونکہ میری یہ بیوی جو فوت ہوئی ہیں ان کے دل میں غرباء کا خیال رکھنے کا مادہ بہت زیادہ پایا جاتا تھا۔ ان کی بیماری کے لمبے عرصہ میں جماعت نے جس قسم کی محبت اور ہمدردی کا اظہار کیا ہے وہ ایک ایسی ایمان بڑھانے والی بات ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ مومن واقعہ میں ایک ہی جسم کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ . . . جو لوگ ہمارے گھر کے حالات جانتے ہیں اُن کو معلوم ہے کہ مجھے اُن سے شدید محبت تھی لیکن باوجود اس کے جو خدا تعالیٰ کا فعل ہے اس پر کسی قسم کے شکوہ کا ہمارے دل میں پیدا ہونا ایمان کے بالکل منافی ہوگا۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ہے ہمیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی تعلیم دی ہے جب کوئی شخص وفات پا جائے ہمارا اصل کام یہی ہوتا ہے کہ ہم کہہ دیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ کیسی لطیف تعزیت ہے ہمارے رب کی طرف سے! اِس سے بڑھ کر بندہ بھلا کیا تعزیت کر سکتا ہے؟"

اس کے بعد اس خدائی تعزیت کی نہایت لطیف تشریح کی اور فرمایا:۔

"یہ زمانہ اسلام کی فتوحات کا ہے۔ بادشاہ کا کوئی نوکر یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ جس وقت اس کا بادشاہ کامیابی حاصل کر کے واپس آ رہا ہو اور فتح کا جشن منا رہا ہو تو وہ اس کے سامنے کسی قسم کے غم کا اظہار کرے خواہ

[۵] "الفضل" ۸ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲۔

اُس دن اُس کا باپ مر گیا ہو۔ اُس کا بیٹا مر گیا ہو۔ اُس کی بہن مر گئی ہو۔ اُس کی بیوی مر گئی ہو۔ وہ اپنی آنکھوں کو پونچھتا اور اپنی کمر کو سیدھی رکھتا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ آج میرے آقا کی خوشی کا دن ہے۔ آج میرے لئے غم کا اظہار کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح آج ہمارے لئے خوشی کا دن ہے۔ آج ہمارے لئے مسرت و شادمانی کا دن ہے کہ ۱۳۰۰ سال کے لمبے عرصہ اور ہزار سال فیج اعوج کے بعد خدا نے چاہا کہ اس کے بندے اس کی طرف واپس آئیں۔ خدا نے چاہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا میں پھیلے خدا نے چاہا کہ توحید کو دُنیا میں قائم کرے۔ خدا نے چاہا کہ شیطان کو آخری شکست دے کر دین کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دے۔ پس آج جبکہ ہمارے ربّ کے لئے خوشی کا دن ہے ہمارے رنج اس کی خوشی پر قربان۔ ہم اس کی خوشی کے دن منحوس باتیں کرنے والے کون ہیں۔ جتنے احسانات اللہ تعالیٰ نے ہم پر کئے ہیں واقعہ یہ ہے کہ اگر ہمارے جسم کا ذرّہ ذرّہ اور اگر ہماری بیویوں اور ہمارے بچوں کا ذرّہ ذرّہ آروں سے چیر دیا جائے تب بھی ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے اس کے احسانوں کا کوئی بھی شکریہ ادا کیا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں یا تم میں سے سارے اس مقام پر ہیں۔ مجھ میں بھی کمزوریاں ہیں اور تم میں بھی۔ لیکن سچی بات یہی ہے اور جتنی بات اس کے خلاف ہے وہ یقیناً ہمارے نفس کا دھوکا ہے۔ آج آسمان پر خدا کی فوجوں کی فتح کے نقارے بج رہے ہیں۔ آج دنیا کو خدا کی طرف لانے کے سامان کئے جا رہے ہیں۔ آج خدا کے فرشتے اُس کی حمد کے گیت گا رہے ہیں اور ہم بھی اس گیت میں ان فرشتوں کے ہمنوا اور شریک ہیں۔ اگر ہم جسمانی طور پر غمزدہ ہیں اور ہمارے دل زخم خوردہ ہیں تب بھی مومنانہ طور پر ہمارا یہی فرض ہے کہ ہم اپنے ربّ کی فتح اور اس کے نام کی بلندی کی خوشی میں شریک ہوں تا اس کی بخشش کے مستحق ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور ہمارے غموں کو خود ہلکا کرے کہ رُوح اُس کے آستانہ پر جھکی ہوئی مگر گوشت پوست کا دل دُکھ محسوس کرتا ہے۔"[1]

حضرت مصلح موعودؓ کے قلم مبارک سے
حضرت سیّدہ اُمِّ طاہر رضی اللہ عنہا کا ذکرِ خیر

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے قریباً ساڑھے تین ماہ تک حضرت سیّدہ اُمِّ طاہرؓ کی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ ازاں بعد ارشاد نبوی اُذْکُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ[2] کے مطابق ایک مضمون

---

[1] "الفضل" ۱۴ امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء

[2] (ترجمہ) اپنے مُردوں کے محاسن کا تذکرہ کیا کرو" ("نضرۃ النور" شرح مختارات الاحادیث النبویہ جزء اوّل صفحہ ۵۹) ناشر مصطفی البابی الحلبی مصر۔

رقم فرمایا جس میں حضور نے بڑی تفصیل سے حضرت سیدہ کے سوانح، ان کی خصائل و عادات، ان کے کارناموں اور بالآخر آخری بیماری کے الم انگیز حالات بیان فرمائے۔ اس اہم مضمون کے بعض جستہ جستہ مقامات درج ذیل کئے جاتے ہیں:

"۳۶ سال کے قریب ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب کی لڑکی مریم بیگم کا نکاح ہمارے مرحوم بھائی مبارک احمد صاحب سے پڑھوایا۔ اس نکاح کے پڑھوانے کا موجب غالباً بعض خوابیں تھیں جن کو ظاہری شکل میں پورا کرنے سے ان کے انذاری پہلو کو بدلنا مقصود تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہوئی اور مبارک احمد مرحوم اللہ تعالیٰ سے جا ملا اور وہ لڑکی جو ابھی شادی اور بیاہ کی حقیقت سے ناواقف تھی بیوہ کہلانے لگی۔ اس وقت مریم کی عمر دو اڑھائی سال کی تھی اور وہ اور اُن کی ہمشیرہ زادی عزیزہ نصیرہ اکھٹی گول کمرہ سے جس میں اس وقت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحبؓ مرحوم ٹھہرے ہوئے تھے، کھیلنے کے لئے اُوپر آجایا کرتی تھیں اور کبھی کبھی گھبرا کر جب مُنہ بسورنے لگتیں تو مَیں کبھی مریم کو اُٹھا کر کبھی نصیرہ کو اُٹھا کر گول کمرے میں چھوڑ آیا کرتا تھا۔ اُس وقت مجھے یہ خیال بھی نہ آسکتا تھا کہ وہ بچی جسے مَیں اُٹھا کر نیچے لے جایا کرتا ہوں، کبھی میری بیوی بننے والی ہے۔ اور یہ خیال تو اَور بھی بعید از قیاس تھا کہ کبھی وہ وقت بھی آئے گا کہ مَیں پھر اُس کو اُٹھا کر نیچے لے جاؤں گا۔ مگر گول کمرہ کی طرف نہیں بلکہ قبر کی لحد کی طرف۔ اس خیال سے نہیں کہ کل پھر اس کا چہرہ دیکھوں گا۔ بلکہ اس یقین کے ساتھ کہ قبر کے اس کنارہ پر پھر اس کی شکل کو جسمانی آنکھوں سے دیکھنا یا اس سے بات کرنا میرے نصیب میں نہ ہوگا۔

عزیز مبارک احمد فوت ہوگیا اور ڈاکٹر صاحب کی رخصت ختم ہوگئی۔ وہ بھی واپس اپنی ملازمت پر رعیہ ضلع سیالکوٹ چلے گئے۔ سید ولی اللہ شاہ صاحب اور ڈاکٹر سید حبیب اللہ شاہ صاحب اس وقت سکول میں پڑھا کرتے تھے۔ دونو میرے دوست تھے مگر ڈاکٹر حبیب عام دوستوں سے زیادہ تھے۔ ہم یک جان و دو قالب تھے۔ مگر اس وقت کبھی وہم بھی نہ آتا تھا کہ ان کی بہن پھر کبھی ہمارے گھر میں آئے گی۔ اُن کی دوستی خود اُن کی وجہ سے تھی۔ اس کا باعث یہ نہ تھا کہ اُن کی ایک بہن ہمارے ایک بھائی سے چند دن کے لئے بیاہی گئی تھی۔ دن کے بعد دن اور سالوں کے بعد سال گذر گئے اور مریم کا نام بھی ہمارے دماغوں سے مٹ گیا مگر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی وفات کے بعد ایک دن شاید ۱۹۱۷ء یا ۱۹۱۸ء تھا کہ مَیں امۃ الحی مرحومہ کے گھر میں بیت الخلاء سے نکل کر کمرہ کی طرف آرہا تھا۔ راستہ میں ایک چھوٹا سا صحن تھا۔ اس کے ایک طرف لکڑی کی دیوار تھی۔ مَیں نے دیکھا کہ ایک دُبلی پتلی سفید کپڑوں میں ملبوس لڑکی مجھے دیکھ کر اس لکڑی کی دیوار سے چمٹ گئی اور اپنا سارا لباس سمٹا لیا۔ مَیں نے کمرہ میں جا کر امۃ الحی مرحومہ سے پوچھا۔ امۃ الحی! یہ لڑکی باہر کون کھڑی ہے؟ انہوں نے کہا۔ آپ نے پہچانا نہیں۔

ڈاکٹر عبدالستار شاہ صاحب کی لڑکی مریم ہے۔ مَیں نے کہا۔ اُس نے تو پردہ کیا تھا۔ اگر سامنے بھی ہوتی تو مَیں اُسے کب پہچان سکتا تھا۔ ۱۹۰۷ء کے بعد اس طرح مریم دوبارہ میرے ذہن میں آئی۔

اب مَیں نے دریافت کرنا شروع کیا کہ کیا مریم کی شادی کی بھی کہیں تجویز ہے۔ جس کا جواب مجھے یہ ملا کہ ہم سادات میں ہمارے ہاں بیوہ کا نکاح نہیں ہوتا۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر میں کسی جگہ شادی ہوگئی تو کر دیں گے ورنہ لڑکی اسی طرح بیٹھی رہے گی۔ میرے لئے یہ سخت صدمہ کی بات تھی۔ مَیں نے بہت کوشش کی کہ مریم کا نکاح کسی اَور جگہ ہو جائے مگر ناکامی کے سوا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ آخر مَیں نے مختلف ذرائع سے اپنے بھائیوں سے تحریک کی کہ اس طرح اس کی عمر ضائع نہ ہونی چاہیئے ان میں سے کوئی مریم سے نکاح کرلے۔ لیکن اس کا جواب بھی نفی میں ملا۔ تب مَیں نے اس وجہ سے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فعل کسی جان کی تباہی کا موجب نہ ہونا چاہیئے اور اس وجہ سے کہ ان کے دو بھائیوں سید حبیب اللہ شاہ صاحب اور سید محمود اللہ شاہ صاحب سے مجھے بہت محبت تھی۔ مَیں نے فیصلہ کر لیا کہ مَیں مریم سے خود نکاح کر لوں گا۔ اور ۱۹۲۰ء میں ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب مرحوم سے مَیں نے درخواست کر دی۔ جو انہوں نے منظور کر لی اور ۷ فروری ۱۹۲۱ء کو ہمارا نکاح مسجد مبارک کے قدیم حصہ میں ہو گیا۔ وہ نکاح کیا تھا ایک ماتم کدہ تھا۔ دعاؤں میں سب کی چیخیں نکل رہی تھیں اور گریہ و زاری سے سب کے رخسار تر تھے۔ آخر ۲۱ فروری ۲۱ء کو نہایت سادگی سے جا کر مَیں مریم کو اپنے گھر لے آیا اور حضرت ام المومنین کے گھر میں ان کو اُتارا جنہوں نے ایک کمرہ اُن کو دے دیا جس میں اُن کی باری میں ہم رہتے تھے۔ وہی کمرہ جس میں اب مریم صدیقہ رہتی ہیں۔ وہاں پانچ سال تک رہیں اور وہیں اُن کے ہاں پہلا بچہ پیدا ہوا یعنی طاہر احمد (اوّل) مرحوم۔ اور اس کے چلّے میں وہ سخت بیمار ہوئیں جو بیماری بڑھتے بڑھتے ایک دن ان کی موت کا موجب ثابت ہوئی۔"

"مریم کو احمدیت پر سچا ایمان حاصل تھا۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر قربان تھیں۔ ان کو قرآن کریم سے محبت تھی اور اس کی تلاوت نہایت خوش الحانی سے کرتی تھیں۔ انہوں نے قرآن کریم ایک حافظ سے پڑھا تھا۔ اس لئے ط۔ ق خوب بلکہ ضرورت سے زیادہ زور سے ادا کرتی تھیں۔ علمی باتیں نہ کر سکتی تھیں مگر علمی باتوں کا مزہ خوب لیتی تھیں۔ جمعہ کے دن اگر کسی خاص مضمون پر خطبہ کا موقعہ ہوتا تھا تو واپسی میں اس یقین سے گھر میں گھستا کہ مریم کا چہرہ چمک رہا ہوگا اور وہ جاتے ہی تعریفوں کے پُل باندھ دیں گی اور کہیں گی کہ آج بہت مزہ آیا اور یہ میرا قیاس شاذ ہی غلط ہوتا تھا۔ مَیں دروازے پر انہیں منتظر پاتا۔ خوشی سے اُن کے جسم کے اندر ایک تھرتھراہٹ پیدا ہو رہی ہوتی تھی۔

مریم ایک بہادر دل کی عورت تھیں جب کوئی نازک موقعہ آتا ئیں یقین کے ساتھ اُن پر اعتبار کر سکتا تھا۔ اُن کی نسوانی کمزوری اس وقت دب جاتی۔ چہرہ پر استقلال اور عزم کے آثار پائے جاتے اور دیکھنے والا کہہ سکتا تھا کہ اب موت یا کامیابی کے سوا اس عورت کے سامنے کوئی تیسری چیز نہیں ہے۔ یہ مرجائے گی مگر کام سے پیچھے نہ ہٹے گی ضرورت کے وقت راتوں اس میری محبوبہ نے میرے ساتھ کام کیا ہے اور تھکان کی شکایت نہیں کی۔ انہیں صرف اتنا کہنا کافی ہوتا تھا کہ یہ سلسلہ کا کام ہے یا سلسلہ کے لئے کوئی خطرہ یا بدنامی ہے اور وہ شیرنی کی طرح لپک کر کھڑی ہو جاتیں اور بھول جاتیں اپنے آپ کو، بھول جاتیں کھانے پینے کو، بھول جاتیں اپنے بچوں کو بلکہ بھول جاتی تھیں مجھ کو بھی، اور انہیں صرف وہ کام ہی یاد رہ جاتا تھا۔ اور اس کے بعد جب کام ختم ہو جاتا۔ تو وہ ہوتیں یا گرم پانی کی بوتلیں ٹب میں بیٹھی ہوئی وہ اس طرح اپنے درد کرنے والے جسم اور متورم پیٹ کو چاروں طرف سے ڈھانپے ہوئے لیٹ جاتیں کہ دیکھنے والا سمجھتا تھا یہ عورت ابھی کوئی بڑا اپریشن کروا کر ہسپتال سے آئی ہے اور وہ کام اُن کے بیمار جسم کے لئے واقعہ میں بڑا اپریشن ہی ہوتا تھا۔"

"مہمان نواز انتہا درجہ کی تھیں۔ ہر ایک کو اپنے گھر میں جگہ دینے کی کوشش کرتیں اور حتی الوسع جلسہ کے موقعہ پر بھی گھر میں ٹھہرنے والے مہمانوں کا لنگر سے کھانا نہ منگواتیں۔ خود تکلیف اُٹھاتیں، بچوں کو تکلیف دیتیں لیکن مہمان کو خوش کرنے کی کوشش کرتیں بعض دفعہ اپنے پر اس قدر بوجھ لاد لیتیں کہ مَیں بھی خفا ہوتا کہ آخر لنگر خانہ کا عملہ اسی غرض کے لئے ہے تم کیوں اس قدر تکلیف میں اپنے آپ کو . . . ڈال کر اپنی صحت برباد کرتی ہو۔ آخر تمہاری بیماری کی تکلیف مجھے ہی اُٹھانی پڑتی ہے۔ مگر اس بارہ میں کسی نصیحت کا ان پر اثر نہ ہوتا۔ کاش اب جبکہ وہ اپنے رب کی مہمان ہیں اُن کی یہ مہمان نوازیاں ان کے کام آجائیں اور وہ کریم میزبان اس وادیٔ غربت میں بھٹکنے والی رُوح کو اپنی جنت الفردوس میں مہمان کر کے لے جائے۔

امۃ الحی مرحومہ کی وفات پر لڑکیوں میں تعلیم کا رواج پیدا کرنے کے لئے مَیں نے ایک تعلیمی کلاس جاری کی۔ اس میں مریم بھی داخل ہو گئیں مگر ان کا دل کتاب میں نہیں کام میں تھا۔ وہ اس بوجھ کو اُٹھا نہ سکیں اور کسی نہ کسی بہانہ سے چند ماہ بعد تعلیم کو چھوڑ دیا مگر حافظہ اس بلا کا تھا کہ اس وقت کی پڑھی ہوئی بعض عربی کی نظمیں اب تک انہیں یاد تھیں۔ ابھی چند ماہ ہوئے نہایت خوش الحانی سے ایک عربی نظم مجھے سُنائی تھی۔

جب مَیں نے تعلیم نسواں کے خیال سے سارہ بیگم مرحومہ سے شادی کی تو مرحومہ نے خوشی سے اُن کو اپنے ساتھ رکھنے کا وعدہ کیا مگر اس وعدہ کو نباہ نہ سکیں اور آخر الگ الگ انتظام کرنا پڑا۔ یہ باہمی رقابت سارہ بیگم کی وفات تک رہی مگر بعد میں ان کے بچوں سے ایسا پیار کیا کہ وہ بچے ان کو اپنی ماں کی طرح عزیز سمجھتے تھے۔"

"مریم بیگم کو پہلے بچہ کی پیدائش پر ہی اندرونی بیماری لگ گئی تھی جو ہر بچہ کی پیدائش پر بڑھ جاتی تھی اور جب بھی کوئی محنت کا کام کرنا پڑتا تو اس سے اور بھی بڑھ جاتی تھی۔ میں نے اس کے لئے ہر چند علاج کروایا مگر فائدہ نہ ہوا۔ دو دفعہ ایچی سن ہاسپٹل میں داخل کروا کر علاج کروایا۔ ایک دفعہ لاہور چھاؤنی میں رکھ کر علاج کروایا۔ کرنل نلسن، کرنل ہیز، کرنل کاکس وغیرہ چوٹی کے ڈاکٹروں سے مشورے بھی لئے، علاج بھی کروائے۔ مگر مرض میں ایسی کمی نہیں آئی کہ صحت عود کر آئے۔ بلکہ صرف عارضی افاقہ ہوتا تھا۔ چونکہ طبیعت حسّاس تھی کسی بات کی برداشت نہ تھی۔ کئی دفعہ ناراضگی میں بیہوشی کے دَورے ہو جاتے تھے اور ان میں اندرونی اعضاء کو اور صدمہ پہنچ جاتا تھا۔ آخر میں نے دل پر پتھر رکھ کر اُن سے کہہ دیا کہ پھر دَورہ ہوا تو میں علاج کے لئے پاس نہ آؤں گا۔ چونکہ دَورے ہسٹیریا کے تھے میں جانتا تھا کہ اس سے فائدہ ہو گا۔ اس کے بعد صرف ایک دَورہ ہوا۔ اور میں ڈاکٹر صاحب کو بُلا کر فوراً چلا گیا۔ اس وجہ سے آئندہ اُنہوں نے اپنے نفس کو روکنا شروع کر دیا۔ اور عمر کے آخری تین چار سالوں میں دَورہ نہیں ہوا۔

میں نے اُوپر لکھا ہے کہ ان کا دل کام میں تھا کتاب میں نہیں۔ جب سارہ بیگم فوت ہوئیں تو مریم کے کام کی رُوح اُبھری اور انہوں نے لجنہ کے کام کو خود سنبھالا۔*** انہوں نے لجنہ میں جان ڈال دی۔ آج کی لجنہ وہ لجنہ نہیں جو امۃ الحی مرحومہ یا سارہ بیگم مرحومہ کے زمانہ کی تھی۔ آج وہ ایک منظم جماعت ہے جس میں ترقی کرنے کی بے انتہاء قابلیت موجود ہے انہوں نے کئی کو ناراض بھی کیا مگر بہتوں کو خوش کیا۔ بیواؤں کی خبر گیری، یتامیٰ کی پرورش، کمزوروں کی پرسش، جلسہ کا انتظام، باہر سے آنے والی مستورات کی مہمان نوازی اور خاطر مدارات غرض ہر بات میں انتظام کو آگے سے بہت ترقی دی۔ اور جب یہ دیکھا جائے کہ اس انتظام کا اکثر حصہ گرم پانی سے بھری ہوئی ربڑ کی بوتلوں کے درمیان چارپائی پر لیٹے ہوئے کیا جاتا تھا تو احسان شناس کا دل اس کمزور ہستی کی محبت اور قدر سے بھر جاتا ہے۔ اے میرے ربّ! تُو اس پر رحم کر اور مجھ پر بھی۔

۱۹۴۲ء میں میں سندھ میں تھا کہ مرحومہ سخت بیمار ہوئیں اور دل کی حالت خراب ہو گئی۔ مجھے تار گیا کہ دل کی حالت خراب ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا میں آجاؤں تو جواب گیا کہ نہیں۔ اب طبیعت سنبھل گئی ہے۔ یہ دَورہ مہینوں تک چلا اور کہیں جون جولائی میں جا کر افاقہ ہوا۔ اس سال انہی دنوں میں امّ ناصر احمد کو بھی دل کے دَورے ہوئے۔ نہ معلوم اس کا کیا سبب تھا۔ ۱۹۴۳ء کے مئی میں میں اُن کو دہلی لے گیا کہ اُن کا علاج حکیموں سے کرواؤں۔ حکیم محمود احمد خانصاحب کے صاحبزادے کو دکھایا اور علاج تجویز کروایا۔ مگر مرحومہ علاج صرف اپنی مرضی کا کروا سکتی تھیں۔ چنانچہ وہ علاج انہیں پسند نہ آیا۔ اور انہوں نے پُوری طرح کیا نہیں۔ وہاں بھی چھوٹا سا ایک دَورہ اندرونی تکالیف کا ہوا۔

*** جماعت کی مستورات اس امر کی گواہ ہیں کہ انہوں نے باوجود علم کی کمی کے اس کام کو کیسا سنبھالا۔

مگر جلدی آرام آگیا۔ اس بیماری میں بھی جاتے آتے آپ ریل میں فرش پر لیٹتیں اور میری دوسری بیویوں کے بچوں کو سیٹوں پر لٹوایا۔

دہلی سے واپسی کے معاً بعد مجھے سخت دورہ کھانسی بخار کا ہوا۔ جس میں مرحومہ نے حد سے زیادہ خدمت کی۔ ان گرمی کے ایام میں رات اور دن میرے پاس رہتیں اور اکثر پاخانہ کے برتن تو خود اُٹھاتیں اور خود صاف کرتیں۔ کھانا بھی پکاتی تھی کہ پاؤں کے تلوے ان کے گھس گئے۔ مَیں جاگتا تو ساری ساری رات جاگتیں۔ سو جاتا اور کھانسی اٹھتی تو سب سے پہلے وہ میرے پاس پہنچ چکی ہوتی تھیں۔ جب کچھ افاقہ ہوا اور ہم ڈلہوزی آئے تو وہاں بھی باورچیخانہ کا انتظام پہلے انہوں نے لیا اور کوٹھی کو باقرینہ سجایا۔ یہاں اُن کو پھر شدید دورہ بیماری کا ہوا۔ مگر میری بیماری کی وجہ سے زیادہ تکلیف کا اظہار نہ کیا۔

جب مجھے ذرا اور افاقہ ہوا اور مَیں چنبہ گیا تو باوجود بیمار ہونے کے اصرار کے ساتھ وہاں گئیں اور گھوڑے کی سواری کی کیونکہ کچھ عرصہ سفر میں ڈانڈی نہ ملی تھی۔ مَیں نے سمجھایا کہ اس طرح جانا مناسب نہیں۔ مگر حسب دستور یہی جواب دیا کہ آپ چاہتے ہیں کہ مَیں سَیر نہ کروں۔ مَیں ضرور جاؤں گی۔ آخر اُن کی بیماری کی وجہ سے مَیں نے دوسروں کو روکا اور اُن کو ساتھ لے گیا۔

اس کے بعد رمضان آگیا اور ہندوستانی عادت کے ماتحت قافلہ کے لوگوں نے غذا کے بارہ میں شکایات شروع کیں۔ اور ملازم آخر ملازم ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مرحومہ نے اس جان لیوا بیماری میں رات کو اُٹھ اُٹھ کر تین تین چار چار سیر کے پراٹھے سحری کے وقت پکا کر لوگوں کے لئے بھیجے جس سے بیماری کے مقابلہ کی طاقت جسم سے بالکل جاتی رہی۔ مَیں تو کمزور تھا۔ روزے نہ رکھتا تھا۔ جب مجھے علم ہوا مَیں نے اُن کو روکا۔ مگر اس کا جواب انہوں نے یہی دیا کہ کیا معلوم پھر ثواب کمانے کا موقعہ ملے یا نہ ملے اور اس عمل سے نہ رکیں۔

ہم واپس آئے تو اُن کی صحت ابھی کمزور ہی تھی۔ تین چار ہفتوں کے بعد ہی پھر شدید دَورہ ہو گیا۔ مَیں اس وقت گُردے کے درد سے بیمار پڑا ہوا تھا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ دَورہ ایسا سخت ہے کہ بچنے کی امید نہیں۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ مریم کی موت میری آنکھوں کے سامنے آئی۔ مَیں ہِل تو نہ سکتا تھا۔ اس لئے جب میرا کمرہ خالی ہوا چارپائی پر اوندھا گر کر مَیں نے اپنے رب سے عاجزی اور انکسار کے ساتھ اُن کے لئے دُعائیں کیں اور اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور اس وقت موت ٹل گئی اور مَیں اچھا ہو کر وہاں جانے لگ گیا۔

کچھ دنوں بعد مجھے پھر نقرس کا دَورہ ہوا۔ اور پھر وہاں جانا چُھٹ گیا۔ اس وقت ڈاکٹروں کی غلطی سے ایک ایسا

ٹیکہ لگایا گیا جس کے خلاف مریم بیگم نے بہت شور کیا کہ یہ ٹیکہ مجھے موافق نہیں ہوتا۔ اس کے بعد اس ٹیکہ کے متعلق مجھے لاہور کے قیام میں بڑے بڑے ڈاکٹروں سے معلوم ہوا کہ مرحومہ کے مخصوص حالات میں وہ ٹیکہ واقعہ میں مضر تھا۔ اس ٹیکہ کا یہ اثر ہوا کہ ان کا پیٹ یکدم پھول گیا۔ اور اتنا پھولا کہ موٹے سے موٹے آدمی کا اتنا پیٹ نہیں ہوتا۔ میں بیماری میں لنگڑاتا ہوا وہاں پہنچا اور اُن کی حالت زیادہ خطرناک پا کر لاہور سے کرنل ہیز کو اور امرتسر سے لیڈی ڈاکٹر وائن کو بُلایا۔ دوسرے دن یہ لوگ پہنچے اور مشورہ ہوا کہ انہیں لاہور پہنچایا جائے جہاں سترہ دسمبر ۱۹۴۳ء کو موٹر کے ذریعہ انہیں پہنچایا گیا۔ کرنل کی رائے تھی کہ کچھ علاج کر کے کوشش کروں گا کہ دواؤں سے ہی فائدہ ہو جائے چنانچہ ۱۷ دسمبر سے آٹھ نو جنوری تک وہ اس کی کوشش کرتے رہے۔

مگر آخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ اپریشن کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کی رائے اس کے خلاف تھی۔ مگر اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا اس لئے میں نے مرحومہ سے ہی پوچھا کہ یہ حالات ہیں۔ تمہارا جو منشاء ہو اس پر عمل کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ اپریشن کروا ہی لیں۔ گو مجھے اس طرح محفوظ الفاظ میں مشورہ دیا مگر اُن کے ساتھ رہنے والی خاتون نے بعد میں مجھ سے ذکر کیا کہ وہ مجھ سے کہتی رہتی تھیں کہ دُعا کرو کہ کہیں وقت پر حضرت صاحب کا دِل اپریشن سے ڈر نہ جائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نزدیک اپریشن کو ضروری سمجھتی تھیں۔ بہرحال چودہ جنوری کو ان کا اپریشن ہوا۔ اس وقت ان کی طاقت کا پُورا خیال نہ رکھا گیا اور پندرہ جنوری کو ان کے دل کی حالت خراب ہونی شروع ہو گئی۔ اس وقت ڈاکٹروں نے توجہ کی اور انسانی خون بھی جسم میں پہنچایا گیا اور حالت اچھی ہو گئی اور اچھی ہوتی گئی۔

یہاں تک کہ ۲۵ تاریخ کو مجھے کہا گیا کہ اب چند دن تک ان کو ہسپتال سے رخصت کر دیا جائے گا اور اجازت لے کر چند دن کے لئے قادیان آ گیا۔ میرے قادیان جانے کے بعد ہی ان کی حالت خراب ہو گئی اور زخم جسے مندمل بتایا جاتا تھا پھر دوبارہ پُورا کا پُورا کھول دیا گیا مگر مجھے اس سے غافل رکھا گیا اور اس وجہ سے میں متواتر ہفتہ بھر قادیان ٹھہرا رہا۔ ڈاکٹر غلام مصطفٰے جنہوں نے اُن کی بیماری میں بہت خدمت کی جزاہم اللہ احسن الجزاء انہوں نے متواتر تاروں اور فون سے تسلی دلائی اور کہا کہ مجھے جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن جمعرات کی رات کو شیخ بشیر احمد صاحب کا فون ملا کہ برادرم سید حبیب اللہ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ ہمشیرہ مریم کی حالت خراب ہے آپ کو فوراً آنا چاہیئے۔ جس پر میں جمعہ کو واپس لاہور گیا اور اُن کو سخت کمزور پایا۔ یہ کمزوری ایسی تھی کہ اس کے بعد تندرستی کی حالت اُن پر پھر نہیں آئی۔

دو نرسیں ان پر رات اور دن پہرہ کے لئے رکھی جاتی تھیں اور چونکہ اُن کا خرچ پچاس ساٹھ روپے روزانہ ہوتا تھا مجھے معلوم ہوا کہ اس کا اُن کے دل پر بہت بوجھ ہے اور وہ بعض سہیلیوں سے کہتی ہیں کہ میری وجہ سے ان پر اس قدر بوجھ پڑا ہوا ہے۔ مجھے کسی طرح یہ بات معلوم ہوئی تو مَیں نے اُن کو تسلّی دلائی کہ مریم اس کی بالکل فکر نہ کرو۔ مَیں یہ خرچ تمہارے آرام کے لئے کر رہا ہوں تم کو تکلیف دینے کے لئے نہیں۔ اور اُن کی بعض سہیلیوں سے بھی کہا کہ ان کو سمجھاؤ کہ یہ خرچ میرے لئے عین خوشی کا موجب ہے اور میرا خدا جانتا ہے کہ ایسا ہی تھا۔ یہانتک کہ ان کی بیماری کے لمبا ہونے پر میرے دل میں خیال آیا کہ خرچ بہت ہو رہا ہے روپیہ کا انتظام کس طرح ہوگا تو دل میں بغیر ادنیٰ انقباض محسوس کئے مَیں نے فیصلہ کر لیا کہ مَیں کوٹھی دارالحمد اور اس کا ملحقہ باغ فروخت کر دوں گا۔ مَیں نے دل میں کہا کہ اس کی موجودہ قیمت تو بہت زیادہ ہے لیکن ضرورت کے وقت اگر اسے اونے پونے بھی فروخت کیا جائے تو پچھتر ہزار کو وہ ضرور فروخت ہو جائے گی اور اس طرح اگر ایک سال بھی مریم کے لئے خرچ کرنا پڑا تو چھ ہزار روپیہ ماہوار کے حساب سے ایک سال تک ان کے خرچ کی طرف سے بے فکری ہو جائے گی۔ اور یہی نہیں، میرا نفس مریم بیگم کے لئے اپنی جائداد کا ہر حصہ فروخت کرنے کے لئے تیار تھا تاکہ کسی طرح وہ زندہ رہیں خواہ بیماری ہی کی حالت میں۔

مگر کچھ دنوں کے بعد مَیں نے محسوس کیا کہ وہ بیماری سے سخت اذیت محسوس کر رہی ہیں جو زخم کے درد کی وجہ سے ناقابلِ برداشت ہے۔ تب مَیں نے اپنے ربّ سے درخواست کرنی شروع کی۔ اے میرے ربّ! تیرے پاس صحت بھی ہے پس تجھ سے میری پہلی درخواست تو یہ ہے کہ تُو مریم بیگم کو صحت دے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے تُو سمجھتا ہے کہ اب مریم بیگم کا اس دُنیا میں رہنا اس کے اور میرے دین و دنیا کے لئے بہتر نہیں تو اے میرے ربّ پھر اسے اس تکلیف سے بچا لے جو اس کے دین کو صدمہ پہنچائے۔

اس دُعا کے بعد جو اُن کی وفات سے کوئی آٹھ نَو دن پہلے کی گئی تھی مَیں نے دیکھا کہ اُن کی درد کی تکلیف کم ہونی شروع ہو گئی مگر اُن کے ضعف اور دل کے دَوروں کی تکلیف بڑھنے لگی۔ ظاہری سبب یہی پیدا ہوا کہ ڈاکٹر بڑوچہ نے جن کے علاج کے لئے اب ہم انہیں سر گنگارام ہسپتال میں لے آئے تھے انہیں افیون بھی دینی شروع کر دی تھی۔

بہرحال اب انجام قریب آ رہا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ پر امید قائم تھی، میری بھی اور اُن کی بھی۔ وفات سے پہلے دن ان کی حالت نازک دیکھ کر اقبال بیگم (جو اُن کی خدمت کے لئے ہسپتال میں اڑھائی ماہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ

انہیں دونوں جہان میں بڑے مدارج عطا فرمائے) رونے لگیں۔ ان کا بیان ہے کہ مجھے روتے دیکھ کر مریم بیگم محبت سے بولیں۔ پگلی روتی کیوں ہو۔ اللہ تعالیٰ میں سب طاقت ہے۔ دُعا کرو وہ مجھے شفا دے سکتا ہے۔ چار مارچ کی رات کو میر محمد اسمٰعیل صاحب اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے مجھے بتایا کہ اب دل کی حالت بہت نازک ہو چکی ہے۔ اب وہ دوائی کا اثر ذرا بھی قبول نہیں کرتا اس لئے میں دیر تک وہاں رہا۔ پھر جب انہیں کچھ سکون ہوا تو شیخ بشیر احمد صاحب کے گھر پر سونے کے لئے چلا گیا۔ کوئی چار بجے آدمی دوڑا ہوا آیا کہ جلد چلیں حالت نازک ہے۔ اس وقت میرے دل میں یہ یقین پیدا ہو گیا کہ اب میری پیاری مجھ سے رخصت ہونے کو ہے اور میں نے خدا تعالیٰ سے اپنے اور اس کے ایمان کے لئے دُعا کرنی شروع کر دی۔ اب دل کی حرکت کمزور سے کمزور تر ہوتی جا رہی تھی اور میرے دل کی ٹھنڈک دار الآخرت کی طرف اُڑنے کے لئے پَر تول رہی تھی۔

کوئی دس بجے کے قریب میں پھر ایک دفعہ جب پاس کے کمرہ میں سے جہاں میں معالجین کے پاس بیٹھا ہوا تھا اُن کے پاس گیا تو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ اور شدید ضعف کے آثار ظاہر ہو رہے تھے مگر ابھی بول سکتی تھیں۔ کوئی بات انہوں نے کی جس پر میں نے انہیں نصیحت کی۔ انہوں نے اس سے سمجھا کہ گویا میں نے یہ کہا ہے کہ تم نے روحانی کمزوری دکھائی ہے۔ رحم کو اُبھارنے والی نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا کہ میرے پیارے آقا! مجھے کافر کر کے نہ ماریں۔ یعنی اگر میں نے غلطی کی ہے تو مجھ پر ناراض نہ ہوں مجھے صحیح بات بتا دیں۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ موت تیزی سے اُن کی طرف آ رہی ہے۔ میرا احساس دل اب میرے قابو سے نکلا جا رہا تھا۔ میری طاقت مجھے جواب دے رہی تھی۔ مگر میں سمجھتا تھا کہ خدا تعالیٰ اور مرحومہ سے وفاداری چاہتی ہے کہ اس وقت میں انہیں ذکرِ الٰہی کی تلقین کرتا جاؤں اور اپنی تکلیف کو بھول جاؤں۔ میں نے اپنے دل کو سنبھالا اور ٹانگوں کو زور سے قائم کیا اور مریم کے پہلو میں جھک کر کہا۔ تم خدا تعالیٰ پر بدظنی نہ کرو۔ وہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نواسی (وہ سید تھیں) اور مسیح موعودؑ کی بہو کو کافر کر کے نہیں مارے گا۔

اس وقت میرا دل چاہتا تھا کہ ابھی چونکہ زبان اور کان کام کرتے ہیں میں ان سے کچھ محبت کی باتیں کر لوں مگر میں نے فیصلہ کیا کہ اب یہ اس جہان کی رُوح نہیں اُس جہان کی ہے۔ اب ہمارا تعلق اس سے ختم ہے۔ اب صرف اپنے رب سے اس کا واسطہ ہے۔ اس واسطہ میں خلل ڈالنا اس کے تقدس میں خلل ڈالنا ہے۔ اور میں نے چاہا کہ انہیں بھی آخری وقت کی طرف توجہ دلاؤں تاکہ وہ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جائیں۔ مگر صاف طور پر کہنے سے بھی ڈرتا تھا کہ ان کا کمزور دل کہیں ذکرِ الٰہی کا موقعہ پانے سے پہلے ہی بیٹھ نہ جائے۔ آخر سوچ کر میں نے

اُن سے اس طرح کہا کہ مریم مرنا تو ہر ایک نے ہے دیکھو اگر مَیں پہلے مر جاؤں تو مَیں اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں گا کہ وہ کبھی کبھی مجھ کو تمہاری ملاقات کے لئے اجازت دیا کرے اور اگر تم پہلے فوت ہو گئیں تو پھر تم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنا کہ وہ تمہاری رُوح کو کبھی کبھی مجھ سے ملنے کی اجازت دے دیا کرے اور مریم اس صورت میں تم میرا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سلام کہنا۔

اس کے بعد مَیں نے کہا۔ مریم تم بیماری کی وجہ سے قرآن کریم نہیں پڑھ سکتیں۔ آؤ مَیں تم کو قرآن کریم پڑھ کر سُناؤں۔ پھر مَیں نے سورۃ رحمٰن جو اُن کو بہت پیاری تھی پڑھ کر سُنانی شروع کی (مجھے اس کا علم نہ تھا بعد میں اُن کی بعض سہیلیوں نے بتلایا کہ ایسا تھا) اور ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ بھی سُنانا شروع کیا جب مَیں سورۃ پڑھ چکا تو انہوں نے آہستہ آواز میں کہا کہ اَور پڑھیں۔ تب مَیں نے سمجھ لیا کہ وہ اپنے آخری وقت کا احساس کر چکی ہیں اور اب مَیں نے سورۃ یٰسین پڑھنی شروع کر دی۔

اس کے بعد چونکہ اب اپنے آخری وقت کا انکشاف ہو چکا تھا۔ کسی بات پر جو انہوں نے مجھ سے کہا کہ میرے پیارے۔ تو مَیں نے اُن سے کہا۔ اب وہ وقت ہے کہ تم کو میرا پیار بھی بھول جانا چاہیئے۔ اب صرف اسی کو یاد کرو جو میرا بھی اور تمہارا بھی پیارا ہے۔ مریم! اسی پیارے کو یاد کرنے کا یہ وقت ہے۔ اور مَیں نے کبھی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اور کبھی رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ اور کبھی بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ پڑھنا شروع کیا۔ اور اُن سے کہا کہ وہ اُسے دہراتی جائیں۔ کچھ عرصہ کے بعد مَیں نے دیکھا کہ ان کی زبان اب خود بخود اذکار پر چل پڑی ہے۔ چہرہ پر عجیب قسم کی ملائمت پیدا ہو گئی اور علامات سے ظاہر ہونے لگا جیسے کہ خدا تعالےٰ کو سامنے دیکھ کر ناز سے اس کے رحم کی درخواست کر رہی ہیں۔ نہایت میٹھی اور پیاری اور نرم آواز سے انہوں نے بار بار يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ کہنا شروع کیا۔ یہ الفاظ وہ اس انداز سے کہتیں اور اَسْتَغِيْثُ کہتے وقت اُن کے ہونٹ اس طرح گول ہو جاتے کہ معلوم ہوتا تھا اپنے ربّ پر پُورا یقین رکھتے ہوئے اس سے ناز کر رہی ہیں اور صرف عبادت کے طور پر یہ الفاظ کہہ رہی ہیں ورنہ اُن کی رُوح اس سے کہہ رہی ہے کہ میرے ربّ مجھے معلوم ہے تُو مجھے معاف کر ہی دے گا۔ اس کے بعد مَیں نے ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کو بُلوایا کہ اب مجھ میں برداشت نہیں آپ تلقین کرتے رہیں۔ چنانچہ انہوں نے کچھ دیر تلاوت اور اذکار کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے بعد کچھ دیر کے لئے پھر مَیں آ گیا۔ پھر میر صاحب تشریف لے آئے۔ باری باری ہم تلقین کرتے رہے۔ اب اُن کی آواز رُک گئی تھی مگر ہونٹ ہل رہے تھے اور زبان بھی حرکت کر رہی تھی۔ اس وقت

ڈاکٹر لطیف صاحب دہلی سے تشریف لے آئے اور انہوں نے کہا کہ بیماری کی وجہ سے سانس پہ دباؤ ہے۔ اور ڈر ہے کہ جانکندن کی تکلیف زیادہ سخت نہ ہو اس لئے آکسیجن گیس سُنگھانی چاہیئے۔ چنانچہ وہ لائی گئی اور اُس کے سُنگھانے سے سانس آرام سے چلنے لگ گیا مگر آہستہ ہوتا گیا لیکن ہونٹوں میں اب تک ذکر کی حرکت تھی۔

آخر دو بجکر دس منٹ پر جبکہ مَیں گھبرا کر باہر نکل گیا تھا عزیزم میاں بشیر احمد صاحب نے باہر نکل کر مجھے اشارہ کیا کہ آپ اندر چلے جائیں۔ اس اشارہ کے معنی یہ تھے کہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ مَیں اندر گیا اور مریم کو بے حس و حرکت پڑا ہوا پایا۔ مگر چہرہ پر خوشی اور اطمینان کے آثار تھے۔ ان کی لمبی تکلیف اور طبیعت کے چڑچڑاپن کی وجہ سے ڈر تھا کہ وفات کے وقت کہیں کسی بے صبری کا اظہار نہ کر بیٹھیں۔ اس لئے ان کے شاندار اور مومنانہ انجام پر میرے مُنہ سے بے اختیار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نکلا۔ اور مَیں اُن کی چارپائی کے پاس قبلہ رُخ ہو کر سجدہ میں گر گیا۔ اور دیر تک خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہا۔ کہ اُس نے اُن کو ابتلاء سے بچایا اور شکر گزاری کی حالت میں اُن کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد ہم نے اُن کے قادیان لے جانے کی تیاری کی اور شیخ بشیر احمد صاحب کے گھر لا کر انہیں غسل دیا گیا۔ پھر موٹروں اور لاریوں کا انتظام کر کے قادیان خدا کے مسیح کے گھر اُن کو لے آئے۔ ایک دن اُن کو انہی کے مکان کی نچلی منزل میں رکھا اور دوسرے دن عصر کے بعد بہشتی مقبرہ میں اُن کو خدا کے مسیح کے قدموں میں ہمیشہ کی جسمانی آرامگاہ میں خود مَیں نے سر کے پاس سہارا دے کر اُتارا اور لحد میں لٹا دیا۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْھَا وَارْحَمْنِیْ

مرحومہ کی اولاد چار بچے ہیں۔ تین لڑکیاں اور ایک لڑکا۔ یعنی امۃ الحکیم۔ امۃ الباسط۔ طاہر احمد اور امۃ الجمیل۔ سلّمہم اللہ تعالیٰ وَکَانَ مَعَھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ جب مرحومہ کو لے کر ہم شیخ بشیر احمد صاحب کے گھر پہنچے تو چھوٹی لڑکی امۃ الجمیل جو اُن کی اور میری بہت لاڈلی تھی اور کُل سات برس کی عمر کی ہے۔ اُسے مَیں نے دیکھا کہ ہائے امی ہائے امی کہہ کر چیخیں مار کر رو رہی ہے۔ مَیں اُس بچّی کے پاس گیا اور اُسے کہا جمّی (ہم اُسے جمّی کہتے ہیں) اُمّی اللہ میاں کے گھر گئی ہیں۔ وہاں اُن کو زیادہ آرام ملے گا۔ اور اللہ میاں کی یہی مرضی تھی کہ اب وہ وہاں چلی جائیں۔ دیکھو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے، تمہارے دادا جان فوت ہو گئے۔ کیا تمہاری امی ان سے بڑھ کر تھی؟ میرے خدا کا سایہ اس بچّی سے ایک منٹ کے لئے بھی جُدا نہ ہو۔ میرے اس فقرہ کے بعد اس نے ماں کے لئے آجتک کوئی چیخ نہیں ماری اور یہ فقرہ سُنتے ہی بالکل خاموش ہو گئی بلکہ دوسرے دن جنازہ کے وقت جب اس کی بڑی بہن جو کچھ بیمار ہے صدمہ سے چیخ مار کر بیہوش ہو گئی تو میری چھوٹی بیوی مریم صدّیقہ کے پاس جا کر میری جمّی اُن سے کہنے لگی۔ چھوٹی آپا (انہیں بچے چھوٹی آپا کہتے ہیں) باجی کتنی پاگل ہے۔ ابّا جان کہتے ہیں۔ اُمّی کے مرنے

میں اللہ کی مرضی تھی۔ یہ پھر بھی روتی ہے۔ اے میرے رب! اے میرے رب!! جس کی چھوٹی بچی نے تیری رضا کے لئے اپنی ماں کی موت پر غم نہ کیا۔ کیا تو اُسے اگلے جہان میں ہر غم سے محفوظ نہ رکھے گا۔ اے میرے رحیم خدا! تجھ سے ایسی امید رکھنا تیرے بندوں کا حق ہے اور اس امید کو پورا کرنا تیرے شایانِ شان ہے۔"

اس درد بھرے مضمون کے آخر میں حضور نے تیمارداری کرنے والوں کا ذکر کرکے اُن کے لئے جنابِ الٰہی میں دعائیں کیں۔ چنانچہ فرمایا :-

"مریم بیگم کی بیماری میں سب سے زیادہ شیر محمد خانصاحب آسٹریلیا والوں کی بیوی اقبال بیگم نے خدمت کی۔ اڑھائی مہینہ اس نیک بخت عورت نے اپنے بچوں کو اور گھر کو بھلا کر رات اور دن اس طرح خدمت کی کہ مجھے وہم ہونے لگ گیا تھا کہ کہیں یہ پاگل نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اور اُن کے سارے خاندان پر اپنے فضل کا سایہ رکھے۔ پھر ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب ہیں جن کو ان کی بہت لمبی اور متواتر خدمت کا موقعہ ملا۔ شیخ بشیر احمد صاحب نے کئی ماہ تک بیماری مہمان نوازی کی اور دوسرے کاموں میں امداد کی۔ میاں احسان اللہ صاحب[۱] لاہوری نے دن رات خدمت کی یہانتک کہ میرے دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ ان کا خاتمہ بالخیر کرے۔ حکیم سراجدین صاحب بھاٹی دروازہ والوں نے برابر ان کی ہمراہی عورت کا اڑھائی ماہ تک کھانا پہنچایا اور خود بھی اکثر ہسپتال میں آتے رہے۔ ڈاکٹر معراجدین صاحب کو رعشہ کا مرض ہے اور بوڑھے آدمی ہیں۔ اس حالت میں کانپتے اور ہانپتے اور لرزتے ہوئے جب ہسپتال میں آکر کھڑے ہو جاتے کہ مَیں نکلوں تو مجھ سے مریضہ کا حال پوچھیں تو کئی دفعہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو دیکھ کر کہ مجھ ناکارہ کی محبت اس نے کس طرح لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی ہے میری آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ لاہور کے اور بہت سے احباب نے نہایت اخلاص کا نمونہ دکھایا اور بہت سی خدمات ادا کیں۔ سیٹھ محمد غوث صاحب حیدرآبادی کے خاندان نے اخلاص کا ایسا بے نظیر نمونہ دکھایا کہ حقیقی بھائیوں میں بھی اس کی مثال کم ملتی ہے۔ حیدرآباد ایسے دور دراز مقام سے پہلے اُن کی بہو اور بیٹیاں دیر تک قادیان رہیں اور بار بار لاہور جا کر خبر پوچھتی رہیں۔ آخر جب وہ وطن واپس گئیں تو عزیزم سیٹھ محمد اعظم اپنا کاروبار چھوڑ کر حیدرآباد سے لاہور آبیٹھے اور مرحومہ کی وفات کے عرصہ بعد واپس گئے۔ ڈاکٹر لطیف صاحب کئی دفعہ دہلی سے دیکھنے آئے۔ میرے خاندان کے بہت سے افراد نے بھی محبت سے قربانیاں کیں۔ مگر اُن پر تو حق تھا۔ مَیں ان لوگوں کو سوائے دعا کے اور کیا بدلہ دے سکتا ہوں۔ اے میرے رب! تو ان سب پر اور ان سب پر جن کے نام مَیں نہیں لکھ سکا یا جن کا مجھے علم بھی نہیں اپنی برکتیں اور فضل نازل کر۔

---

[۱] ملک احسان اللہ صاحب (سابق مبلغ مغربی افریقہ) مراد ہیں۔

مریم بیگم کی وفات پر جس اخلاص کا اظہار جماعت نے کیا وہ ایمان کو نہایت ہی بڑھانے والا تھا۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود علیہ السلام کی برکت ہی ہے جس نے جماعت میں ایسا اخلاص پیدا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص کو قبول کرے۔ ان کی غلطیوں کو دُور کرے اور نیکیوں کو بڑھائے اور ان کی آئندہ نسلوں کی اپنے ہاتھوں سے تربیت فرمائے۔ اللّٰھم آمین"[1]

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کا المناک وصال

حضرت اُمِّ طاہر رضی اللہ عنہا کی دردناک موت کے زخم ابھی تازہ ہی تھے کہ صرف بارہ روز بعد ۱۷ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء کو جماعتِ احمدیہ کے فقید المثال محدّث اور عظیم المرتبت عالم و منتظم حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ بھی رحلت فرما گئے۔ اِنّا للہ و اِنّا اِلیہ راجعُون۔

حضرت میر صاحبؓ کی خود نوشت سوانح حیات

قبل اس کے کہ اس انتہائی المناک سانحہ پر روشنی ڈالی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کے ابتدائی سوانح حیات کا تذکرہ آپ کے اپنے مبارک الفاظ میں کر دیا جائے۔ حضرت میر صاحب نے دسمبر ۱۹۳۰ء میں تحریر فرمایا کہ

"میری پیدائش ۸ ستمبر ۱۸۹۰ء کو بمقام لدھیانہ ہوئی۔ جہاں حضرت والد صاحب[2] مرحوم سرکاری ملازم تھے۔ غالباً ۱۸۹۴ء کے بعد سے مستقل سکونت قادیان میں ہے۔ قیام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں آپ کے دار میں تھا۔ بچپن سے ۱۸ سال کی عمر تک حضرت مسیح موعودؑ کے روز و شب کے حالات مشاہدہ میں آئے اور اب تک قریباً اسی طرح ذہن میں محفوظ ہیں۔ گورداسپور، بٹالہ، لاہور، سیالکوٹ اور دہلی کے سفروں میں ہمرکاب ہونے کا فخر حاصل ہے۔ آخری بیماری کی ابتداء سے وصال تک حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء کے پاس رہا۔ حضور نے متعدد مرتبہ مجھ سے لوگوں کو خطوط کے جوابات لکھوائے۔ حقیقۃ الوحی کا مسودہ مختلف جگہ سے فرماتے گئے اور مَیں لکھتا گیا۔ روزانہ سیر میں آپ کے ساتھ جاتا اور جانے کے اہتمام مثلاً قضاء حاجت و وضو کا انصرام اور ہاتھ میں رکھنے کی چھڑی تلاش کر کے دینے سے سینکڑوں دفعہ مشرف ہوا۔ آپ کی کتابوں میں بیسیوں جگہ میرا ذکر ہے۔ آپ کے بہت سے نشانوں کا عینی گواہ ہوں اور بہت سے نشانوں کا مورد بھی ہوں۔ جن دنوں حضور باہر مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے

---

[1] "الفضل" ۱۲ وفا/جولائی ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء
[2] حضرت میر ناصر نواب صاحب دہلویؓ (نبیرہ حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ)۔

تھے دونوں وقت مَیں بھی شریک ہوتا تھا۔ مجھے یاد ہے ہم عربی میں اَسْقِنِیْ الْمَاءَ کہہ کر پانی مانگا کرتے تھے بچپن میں بیسیوں دفعہ ایسا ہوا کہ حضور نے مغرب وعشاء اندر عورتوں کو جماعت سے پڑھائیں اور مَیں آپ کے دائیں طرف کھڑا ہوتا۔ عورتیں پیچھے کھڑی ہوتیں۔ غالباً مَیں پیدائشی احمدی ہوں۔ نہایت چھوٹی عمر سے اب تک حضورؑ کے دعاوی پر ایمان ہے۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کو دل سے صدیق اکبر اور سچا خلیفہ تسلیم کیا۔ حضرت خلیفہ اوّل سے بچپن سے نہایت بے تکلفی اور محبت و پیار کا تعلق تھا۔ اُن کی وفات پر سچے دل سے صاحبزادہ محمود احمد صاحب کو خلیفہ ثانی سمجھا اور سمجھتا ہوں باقاعدہ اور بے قاعدہ مولوی عبدالکریم صاحب، حافظ روشن علی صاحب، مولوی سرور شاہ صاحب، مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اور حضرت خلیفہ اولؓ سے عربی علوم کے پڑھنے کی کوشش کی۔ ۱۹۱۰ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۱۲ء میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کی ملازمت میں داخل ہوا۔ جامعہ احمدیہ کے قیام سے قبل مدرسہ احمدیہ میں مدرّس تھا۔ اب جامعہ احمدیہ میں پڑھاتا ہوں۔ اس ملازمت کے علاوہ بعض اور کام بھی خلافتِ ثانیہ میں سلسلہ کے سرانجام دینے کی کوشش کرتا رہتا ہوں حضرت مسیح موعودؑ کے وجود سے جو شرف حاصل ہوئے وہ اس لئے لکھے ہیں کہ ابتداء ایسی اچھی ہے۔ پڑھنے والے دعا کریں کہ انتہاء بھی ایسی ہی اچھی ہو کہ

عروسی بود نوبت ماتمت — اگر بر نکوئی بود خاتمت "[1]

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی ۱۳۱۹ھش/۱۹۴۰ء میں علالت اور وصیت

حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ ۱۹۳۲ء کے نصفِ اوّل تک جامعہ احمدیہ کے پروفیسر کی حیثیت سے اپنے فرائض بجا لاتے رہے۔ بعد ازاں آپ کو مدرسہ احمدیہ جیسی مرکزی درسگاہ کی قیادت سپرد ہوئی۔ اس اہم فریضہ کی ادائیگی کے علاوہ نظارت ضیافت، دارالشیوخ اور دوسرے جماعتی شعبوں کو جماعت میں مقبول اور محبوب بنانے میں آپ نے دن رات ایک کر دیا۔ حضرت میر صاحب نہایت قلیل گذارہ پر نہایت تنگی کی حالت میں بسر اوقات کرتے تھے۔ اور آپ کی زندگی سرتاپا جہاد تھی۔

۸-۹ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ھش/۱۹۴۰ء کا واقعہ ہے کہ حضرت میر صاحبؓ یکایک بیمار ہو گئے اور ناک کے دائیں نتھنے سے نیلے پانی کے قطرے گرنے لگے اور آنکھوں میں سخت آشوب کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ دماغ کھوکھلا معلوم ہونے

---

[1] رسالہ "جامعہ احمدیہ" (سالنامہ) قادیان صفحہ ۴۷۔

مدرسہ احمدیہ کے قدیم اساتذہ وطلبہ کا ایک نایاب فوٹو حضرت میر محمد اسحاق صاحب دائیں سے بائیں آٹھویں کرسی پر بیٹھے ہیں

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ضمیمہ)

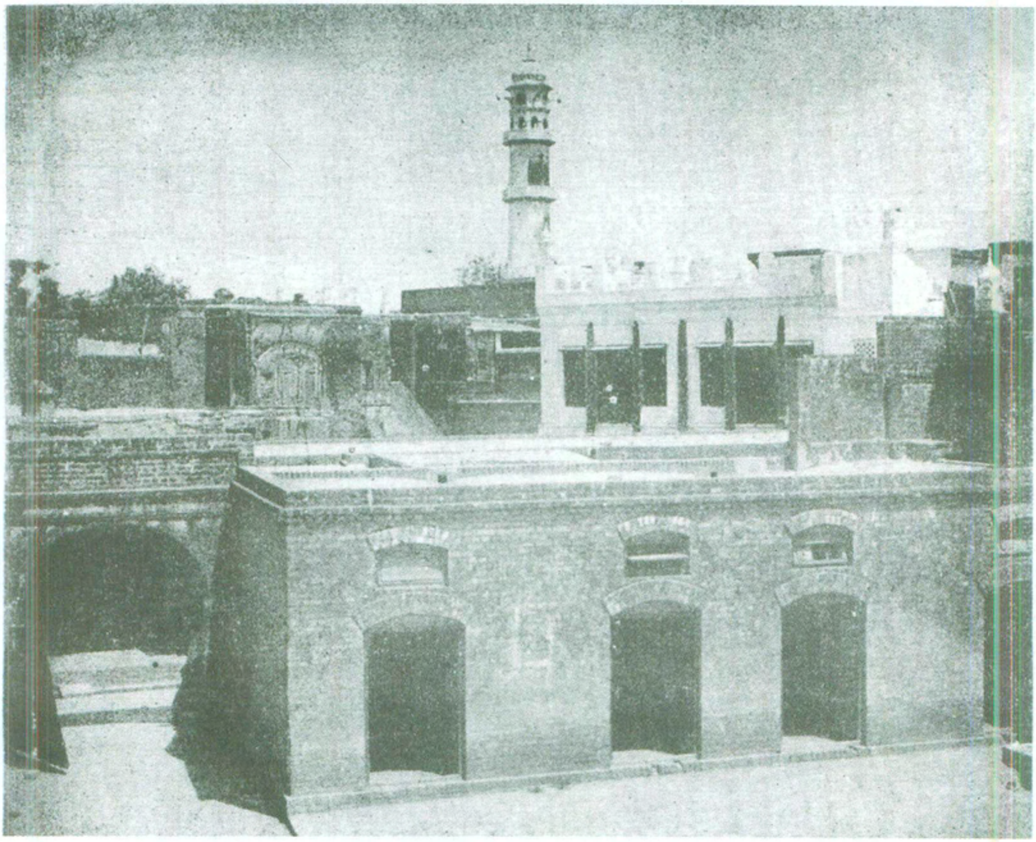

مدرسہ احمدیہ قادیان

پھاٹک سے متصل کمرہ میں حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ تشریف فرما ہوتے تھے

لگا۔ اور نظر میں زبردست کمی آنے لگی۔[1]

بیماری جب شدت اختیار کر گئی تو لاہور تشریف لے گئے اور ۵ ماہ ہجرت/مئی کو خان بہادر ڈاکٹر محمد بشیر صاحب سے معائنہ کرایا۔[2] اور گو علاج تجویز ہوا مگر بیماری کی کوئی خاص تشخیص بھی نہ ہو سکی۔ لہٰذا قیام لاہور کے دوران آپ نے ۱۰ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو اپنے قلم سے حسب ذیل وصیت لکھی:۔

(وصیت) الحمد للہ اس وقت میرے ہوش و حواس قائم ہیں

اشہد ان لا (الا) اللہ وحدہ لا شریک لہ

و

اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ

سچے دل یقین کے ساتھ زبان سے اس امر کا اقرار

ہے کہ اس وقت صرف مذہب اسلام موجب نجات ہے

---

[1] بیماری کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آپ کا رقم فرمودہ مضمون مطبوعہ "الفضل"، ۲ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵، ایضاً مراسلہ حضرت میر صاحب بنام حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب مطبوعہ رسالہ "الفرقان" تبوک/ستمبر ۱۳۴۱ہش/۱۹۶۲ء اخاء/اکتوبر صفحہ ۱۳۔

[2] "الفضل" ۱۲ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء۔

میں جمیع ارکان پر ایمان رکھتا ہوں اور انبیاء اللہ کا
قائل ہوں میں سنی ہوں شیعہ یا خوارج میں سے نہیں غیر
مقلد ہوں ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مقلد نہیں گو خاکپا ہوں
خاکپا ہوں اگر قرآن پھر تواتر ہو حدیث کو حجت سمجھتا
ہوں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کے تمام
دعاوی پر ایمان رکھتا ہوں بنابریں میں محمد صالح نمبر لدھیانہ
کو ابوبکر صدیق کا اور خلیفہ اول جماعت احمدیہ کو عمر فاروق کا مثیل
سمجھتا ہوں مجھے یقین ہے کہ ہماری جماعت کبھی صحیح معنوں
میں محفوظ رہ سکتی ہے جبکہ وہ ایک واجب الاطاعت
امام کے ہاتھ پر بیعت کرے والسلام خلیفہ
وقت کے ہاتھ پر ایک الحکم
۔۔۔ اسعدی ۔۔۔ مالک

معاملات کے لیے ہونی چاہئے تا کہ لوگ خدا اور رسول

کا مایہ تحت اور احمدیت کا ابدی مرکز یقین

کرتا ہوں بہشتی مقبرہ کو دوسروں کے لئے بغیر کسی تادیل

تقسیم بہشتیوں کا موقف سمجھتا ہوں یہی تو میں ہول تمام

حساب صاف ہے غیر تحجر عوید سپرد مدت

احمدیہ جو سلسلہ کا جمع ہے آخر میں ساد ...

کاوش میرا نقش طور اور سپاہیہ مقام جبر لیجادل ہاں سے

بہشتی مقبرہ کرتے ہیں اللہ جو کے تب میری دعا صرف خدا ہے کہ اللہ لو

میرا انجام بخیر ہوگا سلسلہ کا افکار عساف کر لو ہو

ھ

ہے ہم ہم ہم

قرآن کریم کی صورت میں نوماک دو صفت امر الرحمن کا ہوگا اور حضرت امام الزمان سلطان کو بڑا سلطان بنیادی

"(وصیّت) الحمد للہ اس وقت میرے ہوش وحواس قائم ہیں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

مجھے دلی یقین کے ساتھ زبان سے اس امر کا اقرار ہے کہ اس وقت صرف مذہب اسلام موجب نجات ہے۔ مَیں چھ ارکان پر ایمان رکھتا ہوں۔ پانچ بنار اسلام کا قائل ہوں۔ مَیں سُنّی ہوں۔ شیعہ یا خوارج میں سے نہیں۔ غیر مقلد ہوں۔ آئمہ اربعہ میں سے کسی کا مقلد نہیں گو چاروں کا خاکپا ہوں۔ اوّل قرآن پھر تواتر پھر حدیث کو حجّت سمجھتا ہوں۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کے تمام دعاوی پر ایمان رکھتا ہوں۔ مبائع ہوں۔ غیر مبائع نہیں۔ نورالدین کو ابوبکرؓ کا اور موجودہ امام جماعت احمدیہ کو عمرؓ کا مثیل سمجھتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ہماری جماعت تبھی صحیح معنوں میں احمدی رہ سکتی ہے جبکہ وہ ایک واجب الاطاعت امام کے ہاتھ پر بیعت کرے۔ خلیفہ وقت کے ماتحت ایک انجمن ضرور انتظامی اور مالی معاملات کے لئے ہونی چاہیئے۔ قادیان کو خدا کے رسُول کا پایۂ تخت اور احمدیت کا ابدی مرکز یقین کرتا ہوں بہشتی مقبرہ کو واقع میں بغیر کسی تاویل کے یقینی بہشتیوں کا مدفن سمجھتا ہوں۔ مَیں موصی ہوں۔ تمام حساب صاف ہے۔ میرے پچھتر روپے سپرنٹنڈنٹ احمدیہ ہوسٹل کے پاس جمع ہیں۔ اگر مَیں یہاں فوت ہو جاؤں میری نعش ضرور اس پاک مقام پر پہنچا دی جائے جسے بہشتی مقبرہ کہتے ہیں اور یہی میری واحد خواہش ہے اسے میرے اللہ تو میرا انجام بخیر فرما۔

سید محمد اسحٰق مسافر لاہور ۱۰ ۵/۴

نوٹ:۔ اگر مَیں فوت ہو جاؤں تو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ اور حضرت ام المومنین سلمہا اللہ کو میرا سلام پہنچا دیں۔"[1]

حضرت میر صاحبؓ لاہور میں چند روزہ قیام کے بعد ۱۴ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو واپس قادیان تشریف لے آئے[2]

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے نہایت ہی قیمتی اور گرانمایہ وجود تھے جو نہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقدس خاندان سے نہایت ہی قریبی تعلق رکھنے کی وجہ سے بلکہ اپنی ذاتی صفات کے لحاظ سے ایک نہایت ممتاز شخصیت اور دینی علوم و معارف کا بحرِ بیکراں تھے۔ ایسے بلند پایہ بزرگ کی بیماری سے جماعت کے ہر فرد کا متشوش ہونا طبعی امر تھا۔ جماعتوں تک جونہی آپ کی علالت کی خبر پہنچی انہوں نے اجتماعی دعائیں شروع کر دیں۔ بیمار پرسی کے بکثرت

---

[1] "الفضل" ۲۰ احسان/جون ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵۔ [2] "الفضل" ۱۶ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

خطوط لکھے۔ کثیر التعداد افراد نے آپ کی خدمت میں خود حاضر ہو کر اظہارِ محبت کیا۔ بعض نے نسخے تجویز کیے اور بعض نے بذریعہ پارسل ادویہ بھی ارسال کر دیں۔ اسی طرح بعض نے صدقے بھی دیئے۔

آپ قادیان میں حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ کے زیر علاج تھے اور اُن کی ہدایت کے ماتحت تمام کاموں سے فارغ ہو کر ہر وقت بستر پر لیٹے رہتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے بیماری اپنی جگہ رُک گئی اور ٹیکوں کی وجہ سے بدن اور سر میں آہستہ آہستہ طاقت محسوس ہونے لگی[1]۔ جب اس عارضہ سے ذرا افاقہ ہوا تو آپ دوبارہ مفوّضہ خدمات بجا لانے لگے۔

درس حدیث کا دوبارہ اجراء

جس طرح عشقِ قرآن میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ ضرب المثل تھے۔ اسی طرح عشقِ رسولؐ کے باب میں حضرت میر صاحبؓ کا مقام تھا۔ یہی وجہ ہے حضرت میر صاحبؓ نے بیماری سے اُٹھنے کے معاً بعد سب سے پہلا کام یہی کیا کہ مسجد اقصیٰ میں بخاری کا درس دوبارہ شروع کر دیا۔ جو آپ کی زندگی کا محبوب اور مقدس ترین مشغلہ تھا۔ چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں :-

"مجھے خدا کی بزرگ کتاب قرآن مجید کے بعد حضور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے عشق ہے اور سرورِ کائناتؐ کا کلام میرے لئے بطور غذا کے ہے کہ جس طرح روزانہ اچھی غذا ملنے کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح بغیر سیّد کونینؐ کے کلام کو ایک دو دفعہ پڑھنے کے میری طبیعت بےچین رہتی ہے۔ جب کبھی میری طبیعت گھبراتی ہے تو بجائے اس کے کہ میں باہر سَیر کے لئے کسی باغ کی طرف نکل جاؤں۔ مَیں بخاری یا حدیث کی کوئی اَور کتاب نکال کر پڑھنے لگتا ہوں اور مجھے اپنے پیارے آقاؐ کے کلام کو پڑھ کر خدا کی قسم وہی تفریح حاصل ہوتی ہے۔ جو ایک غمزدہ گھر میں بند رہنے والے کو کسی خوشبودار پھولوں والے باغ میں سَیر کرکے ہو سکتی ہے اور میری تو یہ حالت ہے کہ ؎

باغ احمدؐ سے ہم نے پھل کھایا
میرا بُستان کلامِ احمدؐ ہے

اور واقعہ میں میرے آقاؐ کا کلام ایسا پاکیزہ، ایسا پیارا، ایسا دلفریب اور ایسا دلرُبا ہے کہ کاش دُنیا اسے پڑھے اور پھر اسے معلوم ہو کہ میرے بادشاہ کا مُنہ ایسے پھول برساتا تھا کہ جن کی خوشبو اگر ایک دفعہ کوئی سونگھ لے۔ پھر اُسے دنیا کی کوئی خوشبو، کوئی عطر اور کوئی پھول اپنی طرف مائل نہیں کر سکتا۔ اور میری ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ لوگ میرے آقا کا کلام پڑھیں اور سُنیں۔ اسی لئے مَیں بخاری شریف کی حدیثیں لوگوں

[1] "الفضل" ۲۴ ہجرت ہش ۱۳۱۹ مئی ۱۹۴۰ء صفحہ ۵ (مضمون حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ)

کو سُناتا رہتا ہوں۔"[1]

بیماری کا آخری شدید حملہ اور وفات

۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے بعد آپ کئی بار پہلی بیماری میں مبتلا ہوئے مگر برابر خدمت دین میں مصروف رہے یہانتک کہ وسط امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو اس کا ایسا سخت حملہ ہوا کہ جانبر نہ ہو سکے۔ چنانچہ حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ فرماتے ہیں:۔

"میر صاحب رضی اللہ عنہ کو کئی سال سے ایک بیماری تھی جو عَود کر کر کے آتی تھی یعنی ان کے دماغ کا مصفّا پانی ناک کے راستے ٹپکنا شروع ہو جاتا اور پھر خود ہی بند ہو جایا کرتا تھا۔ یہ ایک بہت شاذ بیماری ہے جس کا کوئی علاج اب تک معلوم نہیں ہوا۔ ہر حملہ کے بعد مرحوم بہت کمزور ہو جاتے تھے اور اہلِ خانہ سے اسے چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔ تاکہ وہ گھبرا نہ جائیں۔ لاہور کے جلسہ مصلح موعود[2] سے واپس تشریف لائے تو نزلہ ہو گیا بُخار آنے لگا اور ناک میں سے پانی گرنا پھر شروع ہو گیا۔ ۱۴/مارچ کو مجھے بُلایا۔ مَیں نے نسخہ تجویز کیا۔ اشارہ سے کہا کہ والدہ داؤد کو اس پانی کے گرنے کی خبر نہ ہو۔ ۱۶/مارچ کی شام کو ۵ بجے شیخ احسان علی صاحب کی دوکان کے آگے ملے۔ فرمایا کہ سر میں شدید درد ہے۔ کئی ٹکیاں اسپرین کی کھا چکا ہوں۔ اب گھر جا رہا ہوں۔ (گیسٹ ہاؤس میں مقیم تھے) مَیں یہ سُنکر مسجد مبارک میں عصر کی نماز پڑھنے چلا گیا۔ نماز سے فارغ ہوا تھا کہ کسی نے کہا کہ میر صاحب دارالشیوخ میں بڑ کے درخت کے نیچے پڑے ہیں اور گِر کر بیہوش ہو گئے ہیں۔ جب مَیں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ لڑکے انہیں دبا رہے تھے اور پیر جھس رہے تھے۔ میاں عبدالمنان صاحب بھی پاس تھے۔ فرمایا کہ ناقابلِ برداشت درد میرے سر میں ہے اور بغیر مارفیا کے کسی چیز سے فائدہ نہ ہو گا۔ مَیں نے شیخ احسان علی صاحب کے ہاں سے مارفیا انجکشن تیار کرا کے منگائی اور لگا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد قدرے سکون ہو گیا۔ اتنے میں حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالٰے نے گیسٹ ہاؤس تک جانے کے لئے اپنی موٹر بھیج دی۔ تھوڑی دیر میں لیٹے لیٹے چارپائی پر بیٹھ گئے اور نہایت جوش سے کہا کہ مَیں گواہی دیتا ہوں (یا تم گواہ رہو) کہ اللہ تعالٰے وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ ہے۔ اس کے بعد ہم نے کہا کہ موٹر احاطہ سے باہر کھڑی ہے اس پر سوار ہو جائیں۔ فرمانے لگے۔ میرے لئے اب یہ بھی ناممکن ہے اس پر کئی لڑکوں نے ان کی چارپائی اُٹھائی اور باہر موٹر کے پاس لے گئے۔ فرمانے لگے یونہی گھر لے چلو مجھے اور مولوی عبدالمنان صاحب کو فرمایا کہ گھر تک ہمراہ رہیں۔ گھر میں لٹا دیا گیا۔ بیوی سامنے آئیں تو ہاتھ اُٹھا

---

[1] "الفضل" ۲۰ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء ۔ [2] منعقدہ ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء ۔ تفصیل آگے آئیگی انشاء اللہ ۔

کر فرمانے لگے۔ بالکل فکر نہ کرو۔ میں اچھا ہوں۔ مجھے کچھ تکلیف نہیں ہے۔ اور اس طرح ان کی تسلّی کی۔ اتنے میں انیما تیار کیا گیا اور کئی دفعہ کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ بعدہٗ دن کے کھانے کی قے آئی۔ پھر جلد جلد غنودگی بڑھنے لگی مگر قے جاری رہی۔ سخت دردِ سر قے اور غفلت کی وجہ سے نصف شب کے قریب خیال ہوا کہ یہ یوریمیا (UREMIA) ہے۔ پیشاب ربڑ کی نلکی سے نکالا گیا تو اس میں کافی البیومن (ALBUMIN) تھا۔ مگر بعض اور علامات سے رات کے دو بجے یہ فیصلہ کیا گیا کہ دماغ کا پانی یعنی (CEREBRO - SPINAL FLUID) کمر میں سوراخ کر کے نکالا جائے۔ وہ نکالا گیا تو بہت زور سے دھار باندھ کر اور دودھ کی طرح سفید یعنی پیپ سے ملا ہوا نکلا جس میں خوردبینی امتحان کرنے پر ہر قسم کے پیپ کے جراثیم پائے گئے۔ معلوم ہوا کہ وہ پانی جو ہمیشہ ناک سے نکلا کرتا تھا اور دماغ کے اندر اور پردوں میں اس کا منبع تھا وہ سپٹک (SEPTIC) ہو گیا ہے اور سرسامی کیفیت، غفلت، تشنّج، قے اور آنکھوں کا ایک طرف کو پھر جانا اور پتلیوں کا سکڑ جانا سب اسی وجہ سے ہے۔ اور صورت ورم دماغ (MENINGITIS) کی قائم ہو گئی ہے۔ ایک دفعہ بیہوش ہو کر پھر ہوش نہیں آیا۔ تیز بخار اس دوران میں برابر چڑھا رہا۔ ان چوبیس گھنٹوں میں انسان دُعا اور دوا سے کوشش اور جدوجہد کرتے رہے مگر تقدیرِ الٰہی انکار کرتی رہی“ [1]

حضرت میر صاحب کے آخری لمحات

۱۶ امان/مارچ کی شب اور ۱۷ امان/مارچ کا دن نہایت تشویش میں گذرا۔ اعلان عام کے ذریعہ سب احمدیوں تک آپ کی علالت کی اطلاع پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ سب نے نہایت ہی درد اور کرب کے ساتھ دعا کی۔ علاج معالجہ میں بھی ہر ممکن کوشش کی گئی مگر چھ بجے شام کے بعد نبض بہت زیادہ کمزور ہو گئی اور خطرہ بہت بڑھ گیا۔ حافظ محمد رمضان صاحب بلند آواز سے قرآن کریم کی دُعائیں پڑھنے لگے۔ نیز سورۂ یٰسین کی تلاوت کرتے رہے۔ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ بھی دوسرے صحن میں قرآن کریم پڑھتے رہے۔ پھر حضور اس کمرہ میں تشریف لے آئے جہاں حضرت میر صاحبؓ تھے اور اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بہت دیر تک رقّت بھری آواز میں قرآن کریم کی دُعائیں فرماتے رہے۔ یہ نظارہ نہایت ہی رقّت انگیز تھا۔ کمرہ کے اندر اور باہر لوگوں کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ اس وقت حضور نے فرمایا۔ اگر تو یہ رونا دعا کا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ گناہ ہے۔ حضور پھر باہر تشریف لے آئے چونکہ نمازِ مغرب کا وقت ہو چکا تھا حضور نے نماز کی تیاری کرنے کا ارشاد فرمایا۔ ابھی نماز شروع نہ ہوئی تھی [2] کہ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ پر عالم نزع طاری ہو گیا۔ حافظ محمد رمضان

[1] ”الفضل“ یکم اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴۔ [2] ”الفضل“ ۳۰ امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔

صاحب حضرت میر صاحبؓ کی چارپائی کے پاس بیٹھے پہلے دوسری قرآنی دُعائیں پڑھ چکے تھے اور اب سورۂ یٰسین کی تلاوت کر رہے تھے۔ جب حافظ صاحب موصوف سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (یٰسٓ آیت ۵۸) پر پہنچے تو حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحبؓ نے زور سے یہ آیت دہرائی۔ اور ساتھ ہی حافظ صاحب سے کہا کہ یہ آیت پھر پڑھئے۔ چنانچہ انہوں نے بھی اور دوسرے احباب نے بھی چار پانچ بار یہ آیت رقّت بھری آواز میں دوہرائی۔

حافظ محمد رمضان صاحب سورۂ یٰسین اور قرآن کریم کے اَور حصّوں اور دعاؤں کی تلاوت ختم کر چکے تو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حافظ قدرت اللہ صاحب کو بُلوایا۔ جنہوں نے پھر سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع کی جب آپ آیت سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ پر پہنچے تو انہوں نے بھی یہ آیت بار بار پڑھی۔ اسی دوران میں حضرت میر صاحبؓ نے آخری سانس لیا۔ حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ اس وقت برآمدہ میں تشریف فرما تھے اور نماز مغرب پڑھانے کے لئے کھڑے ہونے والے ہی تھے کہ حضور کو حضرت میر صاحبؓ کے المناک انتقال کی اطلاع دی گئی جس پر حضور فوراً اُس کمرہ میں تشریف لائے جہاں احمدیت کے اس بطلِ جلیل کی نعش رکھی تھی۔ جس کی زندگی کا ایک ایک سانس اسلام اور احمدیت کی خدمت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مقدّس کلمات کو پُرنم آنکھوں سے پہنچانے کے لئے وقف رہا۔ جس کا وجود شوکتِ اسلام کا نشان اور جس کی زبان شمشیر برّاں تھی اور جس کے دل و دماغ سے عشقِ رسُول کے دریا رواں تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ حضرت میر صاحبؓ کی نعش مبارک دیکھ کر رقّت سے بھر گئے اور پُرنم آنکھوں سے باہر تشریف لائے اور مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں۔[۵]

حضرت امیر المومنینؓ کی دردانگیز تقریر

نماز کے بعد حضرت امیر المومنینؓ نے ایک درد انگیز تقریر کی جس میں فرمایا۔

"جب رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کرامؓ کے لئے وہ ایک موت کا دن تھا۔ مگر جب حضرت ابوبکرؓ فوت ہوئے تو وہ تابعین جنہوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا تھا اور اسلام حضرت ابوبکرؓ سے ہی سیکھا تھا ان کو اس وفات کا شدید ترین صدمہ ہوا۔ ویسا ہی صدمہ جیسا کہ صحابہؓ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی وفات کا ہوا تھا۔ اسی طرح ایک کے بعد ایک زمانہ کے لوگ گذرتے چلے گئے۔ اور جب سارے گذر گئے تو کسی وقت عالمِ اسلامی کیلئے حسن بصریؒ یا جنید بغدادیؒ کی وفات ایسے ہی صدمہ کا باعث تھی جیسی صحابہ کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی وفات۔ مگر یہ احساس نتیجہ تھا اس بات کا کہ حسن بصریؒ اور جنید بغدادیؒ جیسے لوگ مسلمانوں میں بہت شاذ پیدا ہوتے تھے۔

---

۵ "الفضل" ۳ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۴

اگر ساری اُمت ہی حسنؒ اور جنیدؒ ہوتی تو وہ درد اور وہ چبھن جو ان بزرگوں کی وفات پر بلند ہوئیں یُوں بلند نہ ہوتیں۔ بدقسمتی سے اکثر لوگ رونا بھی جانتے ہیں۔ اظہارِ غم کرنا بھی جانتے ہیں مگر اکثر لوگ خدا تعالیٰ کیلئے زندگی وقف کرنا اور کام کرنا نہیں جانتے۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا پر حُزن وغم کی چادر پڑی رہتی ہے۔ اگر سب کے سب لوگ دین کی خدمت کرتے اور اللہ تعالےٰ کی رضا جوئی میں لگے ہوتے تو دنیا کا عرفان اور علم ایسے بلند معیار پر آجاتا کہ کسی قابلِ قدر خادمِ اسلام کی وفات پر جو یہ احساس پیدا ہوتا ہے اور یہ فکر لاحق ہوتا ہے کہ اب ہم کیا کرینگے یہ کبھی نہ ہوتا۔

میر محمد اسحاق صاحبؓ خدماتِ سلسلہ کے لحاظ سے غیر معمولی وجود تھے۔ درحقیقت میرے بعد علمی لحاظ سے جماعت کا فکر اگر کسی کو تھا تو اُن کو۔ رات دن قرآن وحدیث لوگوں کو پڑھانا اُن کا مشغلہ تھا وہ زندگی کے آخری دَور میں کئی بار موت کے مُنہ سے بچے۔ جلسہ سالانہ پر وہ ایسا اندھا دھند کام کرتے کہ کئی بار اُن پر نمونیہ کا حملہ ہوا۔ ایسے شخص کی وفات پر طبعًا لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم کیا کریں گے؟ لیکن اگر ہماری جماعت کا ہر شخص ویسا ہی بننے کی کوشش کرتا تو آج یہ احساس نہ پیدا ہوتا۔ جب ہر شخص اپنی ذمہ داری کو سمجھتا ہو تو کسی کا کسی کی وفات پر یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ اب ہم کیا کریں گے؟ بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ ہم سب یہی کر رہے ہیں۔ عزیز اور دوست کی جدائی کا غم تو ضرور ہوتا ہے مگر یہ احساس نہیں ہوتا کہ اب اس کا کام کون سنبھالے گا۔ موت کا رنج تو لازمی بات ہے مگر یہ رنج مایوسی پیدا نہیں کرتا۔ بلکہ ہر شخص ایسے موقع پر اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے وقت پر چاروں کونوں کو سنبھال لیا تھا۔ احباب کی اس غلطی کی وجہ سے کہ ہر ایک نے وقت پر اپنے آپ کو سلسلہ کا واحد نمائندہ تصور نہ کیا اور اس کے لئے کوشش نہ کی۔ آج میر صاحب کی وفات ایسا بڑا نقصان ہے کہ نظر آرہا ہے کہ اس نقصان کو پورا کرنا آسان نہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مولوی عبدالکریم صاحب مرحومؓ اس طرز کے آدمی تھے۔ ان کے بعد حافظ روشن علی صاحب مرحوم تھے اور تیسرے اس رنگ میں میر صاحبؓ رنگین تھے اور اُن کی وفات کا بڑا صدمہ اس وجہ سے بھی ہے کہ اُن جیسے اور لوگ جماعت میں موجود نہیں ہیں۔ اگر اَور لوگ بھی ایسے ہوتے تو بیشک اُن کی وفات کا صدمہ ہوتا۔ ویسا ہی صدمہ جیسا ایک عزیز کی وفات ہوتا ہے مگر جماعتی پہلو محفوظ ہوتا۔ اور یہ دیکھ کر کہ اگر ایک آدمی فوت ہوگیا ہے تو خواہ وہ کسی رنگ کا تھا اس کی جگہ لینے والے کئی اَور موجود ہیں۔ جماعت کے

لوگ مایوس نہ ہوتے اور وہ سمجھتے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیّت نے ایک آدمی ہم سے لے لیا ہے تو اس کے کئی قائم مقام موجود ہیں۔ مگر قحط الرجال ایسی چیز ہے کہ جو لوگوں کے دلوں میں مایوسی پیدا کر دیتی ہے اور جب کام کا ایک آدمی فوت ہوتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اب کیا ہوگا اور دشمن بھی کہتا ہے کہ اب یہ جماعت تباہ ہو جائے گی۔ اب اس کا کام چلانے والا کوئی نہیں۔ لیکن اگر ایک کے بعد کام کرنے والے کئی موجود ہوں تو پھر نہ اپنوں میں کوئی مایوسی پیدا ہوتی ہے اور نہ دشمن کو خوش ہونے کا موقعہ مل سکتا ہے۔ پس اگر جماعت کے دوست اپنی اپنی ذمہ داری کو سمجھتے تو آج جو یہ گھبراہٹ پائی جاتی ہے نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے بروقت سمجھ دی اور مَیں نے نوجوانوں کو زندگیاں وقف کرنے کی تحریک کی جس کے ماتحت آج نوجوان تعلیم حاصل کر رہے ہیں لیکن ہمارا کام بہت وسیع ہے۔ ہم نے دُنیا کو صحیح علوم سے آگاہ کرنا ہے اور اس کے لئے ہزارہا علماء درکار ہیں . . . . حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سُنّت تھی کہ جب کبھی سلسلہ کے لئے غم کا کوئی موقعہ ہوتا۔ آپ دوستوں سے فرماتے کہ دعائیں کرو اور استخارے کرو۔ تا اللہ تعالیٰ دلوں سے گھبراہٹ دُور کر دے اور بشارات دے کر دلوں کو مضبوط کر دے۔ پس آپ لوگ بھی آئندہ چند دنوں تک متواتر دُعائیں کریں۔ خصوصاً آج کی رات بہت دُعائیں کی جائیں کہ اگر جماعت کے لئے کوئی اَور ابتلاء مقدّر ہوں تو اللہ تعالیٰ انہیں ٹال دے اور اگر تمہارا خیال غلط ہو تو دلوں سے دہشت کو دور کر دے اور اپنے فضل سے ایسی سچّی بشارتیں عطا کرے کہ جن سے دل مضبوط ہوں اور کمزور لوگ ٹھوکر سے بچ جائیں۔ پس خوب دُعائیں کرو اور اگر کسی کو خواب آئے تو بتائے خصوصاً صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد بہت دُعائیں کریں۔ وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ پایا اور انہیں موقعہ ملا کہ وہ حضور علیہ السلام کی پاک صحبت میں رہے، خاص طور پر میرے مخاطب ہیں۔ وہ آج رات بھی اور آئندہ بھی بہت دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ جماعت کو ایسے واقعات اور ابتلاؤں سے بچائے جو کمزوروں کے لئے ٹھوکر کا موجب ہو سکتے ہیں اور جن سے افسردگی پیدا ہوتی ہے کہ یہ دین کی فتح کے دن ہیں اور ان دنوں میں افسردگی نہیں ہونی چاہیئے۔ بلکہ دلوں میں ایسا عزم صمیم ہونا چاہیئے کہ جس کے ماتحت دوست بڑھ بڑھ کر قربانیاں کر سکیں۔" [1]

---

[1] "الفضل" یکم شہادت/اپریل ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے یہ تقریر اس رقت اور سوز سے فرمائی کہ حضور کی آواز رُک رُک جاتی تھی۔ اور سُننے والوں کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ تقریر کے بعد حضور نے نہایت خشوع وخضوع سے دُعا کرائی۔ اس تقریر کے بعد حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ کو غسل دینے کا انتظام کیا گیا۔ غسل دینے اور کفن پہنانے کے بعد گیسٹ ہاؤس کے بیرونی حصہ میں جنازہ لایا گیا اور رات بھر کے لئے پہرہ دار مقرر کر دیئے گئے اور حضور رات ۱۲ بجے کے قریب واپس تشریف لائے۔

بیرونی جماعتوں کو حادثہ کی اطلاع

اس حادثہ کی اطلاع جماعتہائے احمدیہ لاہور، امرتسر، جالندھر، لدھیانہ، گوجرانوالہ، لائل پور، منٹگمری، سیالکوٹ، گجرات وغیرہ کو بذریعہ تار راتوں رات دے دی گئی۔ [1]

تدفین کا رُوح فرسا اور دلخراش منظر

اگلے روز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ پانچ بجے کے قریب نماز عصر مسجد مبارک میں پڑھا کر گیسٹ ہاؤس میں تشریف لائے جہاں حضرت میر صاحبؓ کی نعش مبارک رکھی تھی۔ اس وقت آخری بار اس مقدس اور خدا نما انسان کی زیارت کرائی گئی۔ چہرہ دیکھنے سے یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ فوت ہو چکے ہیں بلکہ اس طرح نظر آتا تھا کہ نہایت آرام اور اطمینان کی نیند سو رہے ہیں۔ ہلکی سی مسکراہٹ، جو ہر وقت آپ کے چہرہ مبارک پر رہتی تھی اس وقت بھی موجود تھی۔ آخر حضرت امیر المومنینؓ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے ارکان نے جنازہ اُٹھایا اور تھوڑی دُور لے جانے کے بعد باغ تک احباب جماعت نہایت اخلاص و محبت کے جذبات کے ساتھ کندھا دیتے اور باری باری ثواب حاصل کرتے گئے۔ نمازِ جنازہ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے حضرت مسیح موعودؑ کے باغ میں اسی جگہ پڑھائی جہاں چند روز قبل حضرت سیدہ امّ طاہر احمد صاحبہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی تھی اور جہاں ابھی سفیدی کے وہ خطوط موجود تھے جو خود حضرت میر صاحبؓ نے ہی صفیں سیدھی باندھنے کے لئے لگوائے تھے۔ صفیں کھڑی ہونے کے بعد تعداد کا اندازہ لگایا گیا تو مردوں کی تعداد ساڑھے چار ہزار معلوم ہوئی۔ نماز جنازہ نہایت رقت اور سوز کے ساتھ پڑھی گئی اور پھر جنازہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار کے احاطہ میں شرقی سڑک کی جانب سے لے جایا گیا۔ قبر حضرت نانی اماں صاحبہؓ (والدہ ماجدہ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ) اور حضرت نانا جان میر ناصر نواب صاحبؓ (والد ماجد حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ) کے پہلو میں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں کھودی گئی۔ میّت کو لحد میں رکھنے کے لئے حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ، حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ، حضرت مرزا عزیز احمد صاحب، سیّد داؤد احمد صاحب (حضرت میر صاحبؓ کے سب سے بڑے فرزند) اُترے۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے افراد نے

---

[1] "الفضل" ۱۹ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۱

میت اُٹھا کر اُن کے ہاتھوں پر رکھ دی اور جب وہ مقام پر پہنچا کر باہر آ گئے تو لحد پر اینٹیں چُنی گئیں۔ اس کام میں مولوی عبد المنان صاحب عمرؔ خلف حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضٰ شریک رہے۔ لحد میں رکھنے کے وقت سے مٹی ڈالنے تک حضرت امیر المومنین نہایت رقت سے مسنون دعائیں فرماتے رہے اور دعائیں کرتے ہوئے حضور نے* تمام مجمع سمیت دعا فرمائی۔ لاہور، امرتسر، گورداسپور، جالندھر، کپورتھلہ، فیروزپور وغیرہ کے بہت سے احباب نمازِ جنازہ میں شریک ہونے کے لئے پہنچ چکے تھے۔ نیز اردگرد کی جماعتوں کے احباب بھی بکثرت شریک ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار کے احاطہ میں جنازہ کے ساتھ داخل ہونے پر اوّل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار پر حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے دُعا فرمائی اور پھر حضرت سیدہ ام طاہر احمد صاحبہؓ کے مزار پر۔ آخر واپسی سے قبل ایک بار پھر تمام مجمع سمیت مزار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دُعا فرمائی اور واپس تشریف لے آئے۔ دوسرے سب لوگ بھی اس محبوب اور خادم اسلام کو جس نے ساری عمر اور اپنی ساری طاقتیں سلسلہ کی خدمت میں صرف کر دیں، سپردِ خاک اور حوالہ بخدا کر کے واپس آ گئے۔[1]

حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کے شمائل و اخلاق

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ بے شمار خوبیوں کے حامل، خدا نما شخصیت اور خدمت دین میں محویت کا ایک کامل نمونہ تھے دن رات خدا اور اس کے پاک رسول صلے اللہ علیہ وسلّم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر اُن کا شغل تھا صدر انجمن احمدیہ کے نہایت اہم صیغہ ضیافت کے ناظر اور دار الشیوخ کے ناظم اعلیٰ، جماعت احمدیہ کے قاضی، مجلس افتاء کے رُکن، مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر، مجلسِ تعلیم کے ممبر، مجلسِ ارشاد کے صدر کے فرائض باحسن وجوہ ادا کرنے کے علاوہ مسجد اقصیٰ میں روزانہ بخاری شریف کا درس دیتے تھے جس میں ایسی محبت اور رقت سے رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کا ذکر فرماتے کہ دل گداز ہو جاتے۔ تبلیغی اجتماعات اور جلسوں کے رُوحِ رواں ہوتے تھے۔ اور نوجوانوں کو دین کے سیکھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی دلکش اور نہایت مؤثر پیرایہ میں تلقین فرماتے تھے۔ باطل کے خلاف حق کی شمشیر برہنہ تھے مگر حلیمی و فروتنی، عجز و انکسار اور مروت و ملنساری میں بھی آپ عدیم المثال وجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قوتِ افہام و تفہیم اور بیان میں ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ بدترین معاند بھی قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ اخلاق ایسے اعلیٰ کہ دشمن بھی تعریف میں رطب اللسان تھے۔

حضرت میر صاحبؓ کی بلند پایہ اور انقلاب انگیز تصانیف و تالیفات

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ نے حسب ذیل لٹریچر بطور یادگار چھوڑا ہے۔

* یعنی مٹھی بھر مٹی ڈالی پھر دوسرے احباب کو اس کا موقعہ دیا گیا۔ قبر مکمل ہو جانے کے بعد حضور نے

[1] "الفضل" ۲۱ امان/مارچ ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ و ۲۔

خصوصیاتِ اسلام۔ ادعیۃ القرآن۔ چہل حدیث۔ اسلامی اخلاق۔ ندائے حق۔ رسالہ کسرِ صلیب۔ رسالۃ النحو۔ خلاصۃ النحو۔ ختمِ نبوت۔ گوشت خوری۔ ردّ تناسخ۔ نقشہ وفاتِ مسیح۔ خمسین احادیث مترجم۔ دلائل ہستی باری تعالیٰ۔ انسانِ کامل۔ مباحثہ سرگودھا۔ انذوداج۔ مباحثہ بمبئی۔ اسلام اور بُدھ مذہب۔ حدوثِ رُوح و مادہ۔[1]

حضرت میر صاحب کے بعد بعض متبادل انتظامات

حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی وفات سے جماعت میں ایک زبردست خلاء پیدا ہو گیا تھا۔ اس قومی نقصان کی تلافی تو ممکن نہ تھی البتہ جو بھی وقتی یا متبادل انتظامات ممکن تھے وہ کر دیئے گئے۔ درس الحدیث کی اہم خدمت مولانا ابو العطاء صاحب فاضل کے سپرد ہوئی۔ حضرت قاضی محمد عبد اللہ صاحب قائم مقام ناظر ضیافت تجویز ہوئے۔ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل جٹ مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر بنا دیئے گئے۔ دارالشیوخ چلانے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی۔ اسی طرح دوسرے شعبوں میں بھی حضرت میر صاحب کی بجائے دوسرے ممبروں کی نامزدگی ہو گئی۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ حضرت میر صاحبؓ جس سرفروشی للٰہیت اور فدائیت کے ساتھ تنہا یہ تمام خدمات بجا لاتے تھے۔ اس کا رنگ نہ اجتماعی نہ انفرادی صورت میں کسی سے پھر پیدا نہ ہو سکا (لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرًا)

فصل سوم

سیدنا المصلح الموعود کی جاری فرمودہ مبارک تحریکیں

حضرت امیر المومنینؓ کے وجود میں حیرت انگیز تغیّر

"مصلح موعود" کی آسمانی خلعت سے مفتخر ہوتے ہی سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے وجود مبارک میں یکایک ایک انقلاب عظیم برپا ہو گیا۔ تقریر میں جلال و جمال اور تحریر میں جذب و تاثیر کے رنگ ہی بدل گئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بیماریوں سے نڈھال اور بڑھاپے میں مضمحل ہونے کے باوجود خدائے قادر و توانا کی طرف سے آپ پر سچ مچ انوارِ شباب پلٹ آئے اور پھر سے عزمِ جواں عطا ہوا۔ اور آپ اس یقین سے لبریز ہو گئے کہ اس نئے منصب پر فائز ہونے کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے احیاءِ اسلام اور اشاعتِ دین کی اہم ذمہ داری اب براہ راست

---

[1] "واذا الصحف نشرت" صفحہ ۳۳ (از میاں عبدالعظیم صاحب پروپرائٹر احمدیہ بکڈپو قادیان دارالامان)۔

آپ کو سپرد کر دی گئی ہے اس لئے آپ نے فرمایا کہ جماعت کو اپنے سب جذبات و احساسات بکلّی ترک کر کے صرف انہی راہوں پر چلنا ہوگا جو خدا تعالےٰ کی طرف سے آپ پر کھولی جائیں گی۔ چنانچہ حضور نے اس دورِ جدید کی پہلی مجلس مشاورت[1] کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"مَیں نے ایک عرصہ تک جماعت کے جذبات اور اس کے احساسات کا خیال رکھا اور باوجود دوستوں کی ناتجربہ کاری، ان کی سیاست سے ناواقفیت اور دینی جماعتوں کے اصول سے لاعلم ہونے کے ہمیشہ ان کے مشوروں کو قبول کیا۔ اور اگر اپنی کوتاہ نظری سے گرد و پیش کے حالات سے غلط طور پر متاثر ہو کر انہوں نے بعض مشورے دیئے تو مَیں نے اُن کو بھی ردّ نہیں کیا۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ مَیں ایسے مشوروں کو قبول نہ کروں اور دوستوں کے جذبات اور ان کے احساسات کا خیال رکھے بغیر اُن کو کھلے طور پر ردّ کر دوں۔ مَیں جانتا ہوں کہ درحقیقت بات یہی ہے کہ اب جو کچھ مَیں کہوں گا اسی پر جماعت کا چلنا مفید اور بابرکت ہوگا نہ اس راہ پر چلنا جس کو وہ خود اپنے لئے تجویز کرے۔ اگر خدا نے مجھ پر یہ انکشاف کیا ہے کہ مَیں حُسن و احسان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نظیر ہوں تو درحقیقت اس کے یہی معنے ہیں کہ اب تمہاری ذمہ داری بحیثیت ایک شخص کے ہے۔ بحیثیت جماعت جو ذمہ داری سمجھی جاتی تھی وہ ختم ہو گئی ہے۔ اب مَیں خدا تعالیٰ کے سامنے اس کے دین کی اشاعت اور اسلام کے احیاء کے لئے ذاتی طور پر ذمہ وار ہوں اس لئے اب مجھے جماعت کے مشوروں کی زیادہ پروا نہیں ہوگی۔ اگر کسی معاملہ میں جماعت کی شدید رائے کو بھی ردّ کرنا پڑا تو مَیں اُسے کھلے طور پر ردّ کر دوں گا۔ اور اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں کروں گا کہ یہ وہ مشورہ ہے جو جماعت نے متفقہ طور پر دیا ہے۔ اب خدا کے سامنے مَیں صرف اپنے آپ کو ذمہ وار سمجھتا ہوں اور مَیں اللہ تعالیٰ کے الہامات اور اس کی تائید کی روشنی میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کیا منشاء تھا؟ یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کس تعلیم کو لے کر دنیا میں مبعوث ہوئے؟ پس آئندہ مَیں صرف اُس آواز کو سنوں گا جو خدا تعالےٰ کی ہوگی۔ دوسرا کوئی لفظ میرے کان برداشت نہیں کرسکتے۔ میرا فرض ہے کہ اب مَیں اس کی طرف بڑھتا چلا جاؤں اور خواہ میرے سامنے کوئی بات کیسی ہی خوبصورت شکل میں پیش کی جائے اس کی پروا نہ کروں جبکہ میرا دل یہ گواہی دے رہا ہو کہ مَیں وہی کام کر رہا ہوں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام تھا اور مَیں وہی کام کر رہا ہوں جو رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

[1] منعقدہ ۷۔۸۔۹ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء

کا کام تھا۔ درحقیقت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو میری زبان پر تصرف دینے کے معنی ہی یہی تھے کہ تم اس آواز کو سُنو جو براہ راست رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہیں کہیں۔ اور تم اس آواز کو سُنو جو براہ راست حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہیں کہیں۔

کوئی شخص اس کے یہ معنی نہ سمجھے کہ باوجود خدا تعالیٰ کے کلام اور اس کی نصوصِ صریحہ کے مَیں کوئی ایسا کام بھی کر سکتا ہوں جو اس کی تعلیم کے خلاف ہو۔ میرے اس بیان کے یہ معنی نہیں ہیں بلکہ میرے قول کا مفہوم یہ ہے کہ تمام نصوصِ صریحہ سچائی کی طرف جاتی ہیں اور غلطی کی طرف وہ بات جاتی ہے جو خدا اور اس کے رسُول کے احکام کے خلاف ہوتی ہے۔ پس یہ نہیں کہ جو کچھ مَیں کہوں گا وہ خدا اور اُس کے رسُول کے منشاء کے خلاف ہو سکتا ہے بلکہ جو کچھ مَیں کہوں گا وہی خدا اور اس کے رسُول کے منشاء کے مطابق ہوگا اور میرے مقابلہ میں جو کچھ دوسرا سمجھے گا وہ خدا اور اس کے رسُول کے منشاء کے خلاف ہوگا مگر یہ چیزیں ساری کی ساری قیاسی اور وہمی ہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنی پاک جماعت کو ہمیشہ ایسی ٹھوکروں سے بچا لیتا ہے جو اس کے ایمان کو ضائع کرنے والی ہوں۔ جب مَیں یقین رکھتا ہوں کہ آپ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں شامل ہیں اور اس زمانہ کے لوگ ہیں جن کو خدا تباہ نہیں کیا کرتا۔ اور جبکہ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ باوجود اپنی ساری کمزوریوں اور نالائقیوں کے محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لائی ہوئی تعلیم کی اشاعت کی ذمہ داری میرے کمزور کندھوں پر ڈالی گئی ہے تو مَیں یہ بھی یقین رکھتا ہوں کہ وہ مجھ سے کوئی بات ایسی نہیں کہلوائے گا جو خدا اور اس کے رسُول کے منشاء کے خلاف ہو۔ اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تم سے بھی کبھی اس بات کا انکار نہیں کرائے گا جو خدا اور اس کے رسُول کے حکم کے مطابق ہو۔ آخر مَیں بھی اس کے قبضہ میں ہوں اور آپ لوگ بھی اسی کے قبضہ میں ہیں"[1]

جماعت کو عظیم الشان قربانیوں کیلئے تیار ہو جانے کا ارشاد

خدائی سلسلوں پر ہونے والا ہر انعام خداوندی اپنے ساتھ نئی ذمہ داریاں لاتا اور نئی قربانیوں کا تقاضا کرتا ہے۔ اسی دائمی سُنت کے مطابق سیدنا المصلح الموعود نے جماعت کو شروع ہی سے متنبہ فرما دیا کہ اب احمدیوں کو عظیم الشان قربانیوں کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے چنانچہ حضور نے ارشاد فرمایا:۔

[1] رپورٹ مجلس مشاورت جماعت احمدیہ منعقدہ ۷۔ ۸۔ ۹ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲۰۔ ۲۱۔

"جلد جلد ترقی کی طرف اپنے قدموں کو بڑھاؤ"۔ مَیں نہیں جانتا کہ جب خدا نے میرے متعلق یہ کہا ہے کہ مَیں جلد جلد بڑھوں گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میری موت جلد آنے والی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ مَیں جلد جلد ترقی کی منازل طے کرتا چلا جاؤں گا۔ تم ان دو میں سے کوئی بھی پہلو لے لو۔ بہرحال اس امر کو اچھی طرح یاد رکھو کہ اب جماعت میں سے وہی شخص اپنے ایمان کو سلامت رکھ سکے گا اور وہی شخص باایمان مَر سکے گا جو خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت اور اس کے سلسلہ کی ترقی کے لئے جلد جلد قدم اُٹھائے گا۔ اگر تمہارا جرنیل دشمن کی فوج پر حملہ کر دے اور تم آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہو تو کون تمہیں وفادار کہہ سکتا ہے؟ کون تمہاری اطاعت کا قائل ہو سکتا ہے؟ کون تمہیں عزت کی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے؟ جب خدا نے مجھے کہا کہ مَیں جلد جلد قدم اُٹھاؤں گا۔ اور جب خدا نے مجھے یہ نظارہ دکھایا کہ مَیں بھاگتا چلا جا رہا ہوں اور زمین میرے پاؤں کے نیچے سمٹتی چلی جا رہی ہے تو درحقیقت خدا نے تم کو کہا کہ تم جلد جلد بڑھو اور جلد زمینوں کو طے کرتے چلو۔ جب ایک شخص کو افسر مقرر کیا جاتا ہے تو اس افسر کو حکم دینے کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ ماتحتوں کو اس کے واسطہ سے حکم دیا جائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ آدم کو سجدہ کرو اور ڈانٹتا شیطان کو ہے کہ تم نے کیوں سجدہ نہ کیا؟ شیطان میں نفسانیت سہی، ہزاروں گناہ سہی، مگر اس میں اتنی عقل ضرور تھی کہ اس نے یہ نہیں کہا کہ اے خدا تو نے مجھے کب حکم دیا تھا؟ تُو نے تو فرشتوں کو حکم دیا تھا۔ مجھے تو حکم دیا ہی نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فرشتوں کو جب حکم دیا گیا تو اس کے معنے یہی تھے کہ مَیں بھی اتباع کروں۔ پس وہ نادان جو کہتا ہے کہ یہ تو مصلح موعود کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ جلد جلد بڑھے گا۔ میرے متعلق نہیں کہا گیا کہ مَیں جلد جلد بڑھوں۔ وہ شیطان سے بھی اپنے آپ کو زیادہ احمق قرار دیتا ہے۔ شیطان نے تو تسلیم کر لیا تھا کہ جب فرشتوں کو حکم دیا گیا تو درحقیقت اُن کے واسطہ سے مجھے بھی حکم دیا گیا۔ مگر یہ تسلیم نہیں کرتا کہ مصلح موعود کو جو حکم دیا گیا ہے اس کے ماتحت وہ خود بھی آتا ہے۔

پس ہر احمدی کو سمجھ لینا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے الہام پا کر میرے متعلق جو یہ خبر دی ہے کہ مَیں جلد جلد بڑھوں گا اس کے معنے یہ نہ تھے کہ دشمنوں کی صفوں کے بالمقابل مَیں اکیلا کھڑا ہوں گا۔ بلکہ یہ تھے کہ کام کی اہمیت کے پیش نظر میرا فرض ہو گا کہ مَیں تیزی اور سرعت کے ساتھ اپنے قدم کو بڑھاتا چلا جاؤں اور جب مَیں دشمن کے مقابلہ میں جلد جلد قدم

بڑھاؤں گا تو خدا تعالیٰ اُن لوگوں کو بھی جو مجھ پر ایمان لائیں گے اس بات کی توفیق عطا فرما دے گا کہ وہ جلد جلد اپنے قدم بڑھائیں۔ اسی طرح جب خدا نے مجھے خبر دی کہ زمین میرے پاؤں کے نیچے سمٹتی چلی جا رہی ہے اور مَیں تیزی کے ساتھ بھاگتا چلا جا رہا ہوں تو اس کے معنے بھی درحقیقت یہی تھے کہ جب مَیں تیزی کے ساتھ بھاگوں گا اور زمین میرے قدموں کے نیچے سمٹنی شروع ہوگی تو اللہ تعالےٰ ان سچے مخلصوں کو بھی جنہیں میرے ساتھ وابستگی حاصل ہوگی اس امر کی توفیق عطا فرما دے گا کہ وہ زمین کو جلد جلد طے کریں اور آناً فاناً دور دراز فاصلوں کو طے کرتے ہوئے دُنیا کے کناروں تک پہنچ جائیں۔ پس اپنے اندر ایک غیر معمولی تغیر پیدا کرو اور جلد سے جلد عظیم الشّان قربانیوں کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اب تم زیادہ انتظار مت کرو۔ پیشگوئیوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ وقت اب آگیا ہے جب زیادہ انتظار نہیں کیا جائے گا جب تمہیں دیر تک منتظر نہیں رہنا پڑے گا۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مَیں اور قیامت اس طرح اکٹھے ہیں جس طرح انگشتِ شہادت کے ساتھ دوسری اُنگلی ملی ہوئی ہوتی ہے۔ پس بہت بڑے تغیرات ہیں جو دُنیا میں رونما ہونے والے ہیں اور خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ تغیرات بہت بھاری اہمیت رکھتے ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اب کیا ہو جائے گا مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ کسی عظیم الشّان تغیر یا بہت بڑے عظیم الشّان تغیرات کی بنیادیں جلد سے جلد رکھ دی جائیں گی اور وہ شخص جو ان مہمات میں میرا ساتھ نہیں دے گا، وہ شخص جو جلد جلد اپنے قدم کو نہیں بڑھائے گا اس کے دل پر زنگ لگ جائے گا اور وہ اس خطرہ میں ہوگا کہ اپنے پہلے ایمان کو بھی کھو بیٹھے۔"[1]

الغرض حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے ایک آسمانی جرنیل کی حیثیت سے جماعت کو اطلاع دی کہ اسلام کی فتح اور اس کی کامیابی کے لئے جو جنگ ہونے والی ہے وہ اب قریب آرہی ہے اور ہمیں اس کی خاطر قربانیاں کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے اور اسی تیاری کے جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اپنے دعویٰ مصلح موعود کے بعد اپنی مقدس زندگی میں بہت سی تحریکیں فرمائیں جن پر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور اسی کی دی ہوئی توفیق سے جماعتِ احمدیہ نے اپنی گذشتہ روایات کے مطابق نہایت شاندار طریق سے لبیک کہا اور اس کا قدم المصلح الموعودؓ کی قیادت میں نہایت تیزی سے آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔

ان سب تحریکات کا ذکر اپنے اپنے موقعہ پر آئے گا۔ مگر اس فصل میں اُن سولہ[16] نہایت اہم اور بنیادی تحریکوں

[1] اختتامی تقریر حضرت مصلح موعودؓ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۷۸-۱۷۹)۔

کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو حضور نے دعویٰ مصلح موعود کے پہلے سال جاری فرمائیں اور جو اپنے اندر مستقل افادیت کی دائمی شان رکھتی ہیں

خاندانِ مسیح موعودؑ کو خدمتِ دین کیلئے وقف ہو جانے کی تحریک

۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی قربانیوں کے مطالبات کے سلسلہ میں نئے اور مبارک دَور کی پہلی تحریک خاندانِ مسیح موعودؑ سے متعلق تھی اور وہ یہ کہ اَبناءِ فارس اپنی تمام زندگی خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر دیں۔ چنانچہ حضور نے ۱۰ اَمان/ مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:-

"دیکھو ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کے اس قدر احسانات ہیں کہ اگر سجدوں میں ہمارے ناک گھِس جائیں، ہمارے ہاتھوں کی ہڈیاں گھِس جائیں تب بھی ہم اس کے احسانات کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری موعود کی نسل میں ہمیں پیدا کیا ہے اور اس فخر کے لئے اس نے اپنے فضل سے ہمیں چُن لیا ہے۔ پس ہم پر ایک بہت بڑی ذمہ واری عائد ہے۔ دُنیا کے لوگوں کے لئے دُنیا کے اور بہت سے کام پڑے ہوئے ہیں مگر ہماری زندگی تو کلیتہً دین کی خدمت اور اسلام کے احیاء کے لئے وقف ہونی چاہئیے۔"[1]

اس تحریکِ وقف پر سب سے پہلے حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے لبیک کہا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے انہی دنوں فرمایا:-

"سب سے پہلے ہمارے خاندان میں سے عزیزم مرزا ناصر احمد نے اپنے آپ کو وقف کیا تھا"[2]

تحریک وقف جائیداد

۲۔ دوسری تحریک حضرت سیدنا المصلح الموعود نے اسی تاریخ کو یہ فرمائی کہ

"ہم میں سے کچھ لوگ جن کو خدا تعالیٰ توفیق دے اپنی جائیدادوں کو اس صورت میں دین کے لئے وقف کر دیں کہ جب سلسلہ کی طرف سے اُن سے مطالبہ کیا جائے گا۔ انہیں وہ جائیداد اسلام کی اشاعت کے لئے پیش کرنے میں قطعاً کوئی عذر نہیں ہوگا"

اس تحریک کے اعلان سے قبل پہلے خود حضور نے پھر چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اپنی جائیدادیں اسلام و احمدیت کے لئے پیش کر دی تھیں۔ ازاں بعد جب حضور نے اپنی زبانِ مبارک سے پہلی بار خطبہ جمعہ میں تحریک فرمائی تو قادیان کے دوسرے دوستوں نے بھی چند گھنٹوں کے اندر اندر قریباً چالیس لاکھ روپے کی جائیدادیں وقف کر دیں۔[3] جبکہ

---

[1] "الفضل" ۱۴ اَمان/ مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۱ کالم ۲؛ [2] "الفضل" ۱۲ صلح/ جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۲؛
[3] " " " صفحہ ۱۴ کالم ۴؛ [4] "الفضل" ۱۴ اَمان/ مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۳ کالم ۴۔

پر حضرت نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مَیں نے جائیداد وقف کرنے کی تحریک کی تھی۔ قادیان کے دوستوں نے اس کے جواب میں شاندار نمونہ دکھایا ہے اور اس تحریک کا استقبال کیا ہے۔ بہت سے دوستوں نے اپنی جائیدادیں وقف کر دی ہیں"[1]

قادیان کے بعد بیرونی مخلص جماعتوں نے بھی اس قربانی میں گوئے سبقت لے جانے کی مخلصانہ جدوجہد کی نتیجہ یہ نکلا کہ وقف ہونے والی جائیدادوں کی مالیت چند دنوں کے اندر اندر کروڑ تک جا پہنچی[2] اُن دنوں جوش کا یہ عالَم تھا کہ جو احمدی ذاتی جائیدادیں نہ رکھتے تھے وہ اپنی ماہوار یا سال بھر کی آمدنیاں وقف کر کے دیوانہ وار اس مالی جہاد میں شامل ہو گئے۔

تحریک وقفِ زندگی

۲۔ حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے ۲۴ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو تیسری اہم تحریک یہ فرمائی کہ ہر قابلیت کے نوجوان خدمتِ دین کے لئے زندگیاں وقف کریں۔ چنانچہ فرمایا:۔

"جسمانی کام ایک ایک آدمی سے بھی چل سکتے ہیں کیونکہ جسم کا فتح کرنا آسان ہے مگر رُوحانی کاموں کے لئے بہت آدمیوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے کیونکہ دلوں کا فتح کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہمارے پاس اتنے معلّم ہوں کہ ہم انہیں تمام جماعت میں پھیلا سکیں . . . . ضروری ہے کہ ہماری جماعت کا ہر زمیندار، تاجر، پیشہ ور، وکیل، بیرسٹر، ڈاکٹر، انجنیئر ایک خاص حد تک قرآن، حدیث اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم رکھتا ہو مگر یہ نہیں ہو سکتا جب تک ہمارے پاس علماء کی کثرت نہ ہو . . . اسلام کے نزدیک ہر شخص اگر خدمت دین کرے تو وہ معزز اور سردار ہے مگر اُن قوموں کے لئے جو سیاسی طور پر معزز سمجھی جاتی ہیں، بہت شرم کی بات ہو گی اگر وہ قربانیوں میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے گر جائیں اور سیاسی طور پر ادنیٰ سمجھی جانے والی قومیں آگے آ جائیں۔ پس مَیں تحریک کرتا ہوں کہ سیاسی طور پر معزز سمجھی جانے والی اقوام کے لوگ اپنے کو اور اپنی اولادوں کو دین کے لئے وقف کریں . . . . کام کی وسعت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر سال

---

[1] "الفضل" ۳۱ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۲

[2] جائیدادیں وقف کرنے والے مخلصین کی متعدد فہرستیں "الفضل" (۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء - ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء) میں شائع شدہ ہیں۔ اس سلسلہ میں چوبیسویں فہرست ۲۴ شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵-۶ کے پرچہ میں بھی چھپی جس کے مطابق اس وقت تک کے وقف کنندگان کی تعداد ۱۲۸۱ تھی۔ ۲۹۰۰

ایک سَو نہیں بلکہ دو سَو مبلغ رکھے جائیں۔

پس مَیں ایک تحریک تو یہ کرتا ہوں کہ دوست مدرسہ احمدیہ میں اپنے بچّوں کو بھیجیں تا انہیں خدمتِ دین کے لئے تیار کیا جاسکے۔ اور دوسری تحریک انجمن کو یہ کرتا ہوں کہ پڑھائی کی سکیم ایسی ہو کہ تھوڑے سے تھوڑے عرصہ میں زیادہ سے زیادہ دینی تعلیم حاصل ہوسکے اور اس رستہ میں جو چیز بھی حائل ہو اُسے نکال دیا جائے۔ مولوی فاضل بنانا ضروری نہیں۔ جس نے ڈگری حاصل کرنی ہو وہ باہر چلا جائے۔ اس دوغلاپن کو دُور کرنا ضروری ہے۔ دو کشتیوں میں پاؤں رکھنے والا کبھی ساحل پر نہیں پہنچا کرتا۔ پس تعلیم کا انتظام ایسے رنگ میں کیا جائے کہ جلد سے جلد مکمل علماء ہمیں مل سکیں۔ فقہ، تفسیر، حدیث، تصوّف اور کلام وغیرہ علوم میں ایسی دسترس حاصل کرسکیں کہ چوٹی کے علماء میں ان کا شمار ہو بلکہ دنیا میں صرف وہی علماء سمجھے جائیں۔ اور اسلام کے ہر فرقہ اور ہر ملک کے لوگ اختلافِ عقائد کے باوجود یہ تسلیم کریں کہ اگر ہم نے ان علوم کو سیکھنا ہے تو احمدی علماء سے ہی سیکھنا چاہئے . . . . ایسے نوجوان بھی اپنی زندگیاں وقف کریں جنہوں نے سائنس میں میٹرک پاس کیا ہو یا اس سال پاس ہونے کی امید ہو۔ اسی طرح گریجوایٹ وغیرہ۔ تا جو ڈاکٹری کے لئے مناسب ہوں انہیں ڈاکٹری تعلیم دلوا کر ادنیٰ اقوام میں جن تک ابھی اسلام کا نُور نہیں پہنچا، تبلیغ کے لئے بھیجا جاسکے۔ اور جو دوسرے کاموں کے لئے مناسب ہوں انہیں دوسرے کاموں کے لئے تعلیم دلائی جائے۔ ہندو ان لوگوں کو ابھی تک ذلیل سمجھتے ہیں۔ ان سے چھوت چھات کرتے ہیں۔ ان غریبوں کو غلام قرار دے رکھا ہے۔ اس لئے جب ہمدردی سے ان کی خدمت کی جائے اور احسن رنگ میں اسلامی تعلیم اُن کے سامنے پیش کی جائے تو عیسائیوں کی نسبت کئی گُنا زیادہ کامیابی ہوسکتی ہے۔ پس یہ راستہ بھی بند نہیں۔ دنیوی تعلیم حاصل کرنے والے نوجوان بھی اپنے آپ کو وقف کرسکتے ہیں اور اُن سے فائدہ بھی اُٹھایا جاسکتا ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ تعلیم اور کام کے متعلق ان کا کوئی دخل نہ ہوگا۔ یہ کام ہمارا ہوگا کہ ہم فیصلہ کریں کہ کس سے کیا کام لیا جائے گا؟ بعض لوگ حماقت سے سمجھتے ہیں کہ جو تقریر اور تحریر کرے وہی مبلغ ہے۔ حالانکہ اسلام تو ایک محیطِ کُل مذہب ہے۔ اس کے احکام کی تکمیل کے لئے ہمیں ہر قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ وہی مبلّغ نہیں جو تبلیغ کے لئے باہر جاتا ہے۔ جو سلسلہ کی جائیدادوں کا انتظام تندہی اور اخلاص سے کرتا ہے اور باہر جانے والے مبلّغوں کے لئے اور سلسلہ کے لٹریچر کے لئے روپیہ زیادہ سے زیادہ مقدار میں کماتا ہے وہ اس

سے کم نہیں اور خدا تعالیٰ کے نزدیک مبلغوں میں شامل ہے۔ جو سلسلہ کی عمارتوں کی اخلاص سے نگرانی کرتا ہے وہ بھی مبلغ ہے جو سلسلہ کے لئے تجارت کرتا ہے وہ بھی مبلغ ہے۔ جو سلسلہ کا کارخانہ چلاتا ہے وہ بھی مبلغ ہے۔ جو زندگی وقف کرتا ہے اور اُسے سلسلہ کے خزانہ کا پہریدار مقرر کیا جاتا ہے وہ بھی مبلغ ہے۔ کسی کام کی نوعیت کا خیال دل سے نکال دو اور اپنے آپ کو سلسلہ کے ہاتھ میں دے دو۔ پھر جہاں تم کو مقرر کیا جائے گا وہی مقام تمہاری نجات اور برکت کا مقام ہوگا۔"[1]

اس عظیم الشان تحریک پر بھی مخلصین جماعت نے شاندار جوش و خروش کا مظاہرہ کیا اور ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر قادیان اور بیرونی مقامات کے ۲۳۵ مخلصین نے (جن میں ہر طبقہ، ہر عمر اور ہر قابلیت کے افراد شامل تھے) اپنے آقا کے حضور وقفِ زندگی کی درخواستیں پیش کر دیں۔[2] علاوہ ازیں حضور کے ارشاد مبارک کی تعمیل میں مدرسہ احمدیہ کے نصاب میں بھی مناسب تبدیلی کر دی گئی۔

تعلیم الاسلام کالج کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپیہ چندہ کی تحریک

۴۔ دعوئ مصلح موعود کے بعد چوتھی تحریک تعلیم الاسلام کالج جیسے اہم ادارہ کے قیام و احیاء کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپیہ چندہ کی تھی جو حضور نے ۲۴ امان/مارچ کو جماعت کے سامنے رکھی۔[3] کالج فنڈ میں سب سے پہلے نمبر پر خدا کے موعود خلیفہ سیدنا المصلح الموعودؓ نے حصہ لیا اور گیارہ ہزار روپیہ کی رقم کالج فنڈ میں مرحمت فرمائی جس میں سے پانچ ہزار روپیہ اپنی طرف سے اور ایک ایک ہزار حضرت سیدہ امۃ الحی صاحبہؓ، حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہؓ، حضرت سیدہ ام طاہر احمد صاحبہؓ، حضرت سیدہ ام وسیمؓ اور حضرت سیدہ ام متینؓ کی طرف سے تھا۔ علاوہ ازیں حضرت سیدہ ام وسیمؓ نے بیس روپے اور حضرت سیدہ ام متین صاحبہ نے اپنی طرف سے از خود پچاس روپے چندہ بھی دیا تھا۔ علاوہ ازیں حضور نے اپنی دو صاحبزادیوں (سیدہ امۃ الحکیم صاحبہ اور سیدہ امۃ الباسط صاحبہ) کی طرف سے بھی دس دس روپے عطا فرمائے۔[4]

حضرت مصلح موعودؓ اور حضور کے اہلبیت کے علاوہ خاندان مسیح موعودؑ اور جماعت کے دوسرے بہت سے مخلص اور مخیر دوستوں نے بھی نہایت فیاضی سے چندہ دیا۔[5]

جماعت کو ماہرینِ علوم پیدا کرنے کی تحریک

حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی المناک وفات کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے سیدنا المصلح الموعودؓ کی توجہ اس

---

[1] "الفضل" ۳۱ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲-۵ ؛ [2] "الفضل" ۱۱ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶ ؛ [3] "الفضل" ۳۱ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶-۷ ؛ [4] "الفضل" ۲۳ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶ کالم ۳ ؛ [5] چندہ دہندگان کے اسمائے گرامی "الفضل" ۱۲ ہجرت/مئی صفحہ ۵، ۲۲ اخاء/اکتوبر صفحہ ۵-۶، ۲۵ اخاء/اکتوبر صفحہ ۶، ۱۶ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵ میں شائع شدہ ہیں۔ [6] تعلیم الاسلام کالج کے تفصیلی ... ۷ تبلیغ ۱۳۲۳ہش

طرف مبذول فرمائی کہ جماعت میں جلد سے جلد علماء اور علوم اسلامیہ کے ماہرین پیدا کرنے ضروری ہیں تا پہلے بزرگوں کے قائم مقام ہو سکیں اور جماعت کے لئے من حیث الجماعت اپنے علمی مقام سے گرنے کا امکان باقی نہ رہے۔

چنانچہ حضور نے مجلس مشاورت ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء کے دوران فرمایا:۔

"خدا تعالےٰ کی مشیت پوری ہوئی اور میر صاحبؓ وفات پا گئے۔ اُن کے انتقال سے جماعت کو اس لحاظ سے شدید صدمہ پہنچا ہے کہ وہ سلسلہ کے لئے ایک نہایت مفید وجود تھے۔ مگر یاد رکھو مومن بہادر ہوتا ہے اور بہادر انسان کا یہ کام نہیں ہوتا کہ جب کوئی ابتلاء آئے تو وہ رونے لگ جائے یا اس پر افسوس کرنے بیٹھ جائے۔ بہادر آدمی کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ فوراً اپنی غلطی کو درست کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اور نقصان کو پُورا کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ وہ شخص جو رونے لگ جاتا ہے مگر اپنی غلطی کی اصلاح نہیں کرتا وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کامیاب ہمیشہ وہی ہوتا ہے جو ابتلاء کے بعد اپنے آپ کو ایسے رنگ میں تیار کرنا شروع کر دیتا ہے کہ وہ پہلے سے زیادہ مضبوط اور باہمت ہو جاتا ہے۔ ہمارے لئے جو ابتلاء آتے ہیں یہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک بہت بڑا تازیانہ ہیں کہ تم کیوں ایسی حالت میں بیٹھے ہوئے ہو کہ جب کوئی شخص چلا جاتا ہے تو تم کہتے ہو۔ اب کیا ہو گا؟ تم کیوں اپنے آپ کو اس حالت میں تبدیل نہیں کر لیتے کہ جب کوئی شخص مشیتِ ایزدی کے ماتحت فوت ہو جائے تو تمہیں ذرا بھی یہ فکر محسوس نہ ہو کہ اب سلسلہ کا کام کس طرح چلے گا بلکہ تم میں سینکڑوں لوگ اس جیسا کام کرنے والے موجود ہوں۔ ایک غریب شخص جس کے پاس ایک ہی کوٹ ہو۔ اگر اس کا کوٹ ضائع ہو جائے تو اُسے سخت صدمہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر ایک امیر شخص جس کے پاس پچاس کوٹ ہوں۔ اس کا اگر ایک کوٹ ضائع بھی ہو جائے تو اُسے خاص صدمہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے میرے پاس انچاس [۴۹] کوٹ اور موجود ہیں۔ اسی طرح ہماری جماعت اگر رُوحانی طور پر نہایت مالدار بن جائے تو اُسے کسی شخص کی موت پر کوئی گھبراہٹ لاحق نہیں ہو سکتی۔ تم اپنے آپ کو رُوحانی لحاظ سے مالدار بنانے کی کوشش کرو۔ تم میں سینکڑوں فقیہہ ہونے چاہئیں۔ تم میں سینکڑوں محدث ہونے چاہئیں۔ تم میں سینکڑوں مفسر ہونے چاہئیں۔ تم میں سینکڑوں علم کلام کے ماہر ہونے چاہئیں۔ تم میں سینکڑوں علم اخلاق کے ماہر ہونے چاہئیں۔ تم میں سینکڑوں علم تصوف کے ماہر ہونے چاہئیں۔ تم میں سینکڑوں منطق اور فلسفہ اور فقہ اور لغت کے ماہر ہونے چاہئیں تم میں سینکڑوں دُنیا کے ہر علم کے ماہر ہونے چاہئیں۔ تاکہ جب اُن سینکڑوں میں سے کوئی شخص فوت

ہو جائے تو تمہارے پاس ہر علم اور ہر فن کے ۹۹ عالم موجود ہوں اور تمہاری توجہ اس طرف پھرنے ہی نہ پائے کہ اب کیا ہوگا جو چیز ہر جگہ اور ہر زمانہ میں مل سکتی ہو اس کے کسی حصہ کے ضائع ہونے پر انسان کو صدمہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایسی سینکڑوں چیزیں میرے پاس موجود ہیں۔ اسی طرح اگر ہم میں سے ہر شخص علوم و فنون کا ماہر ہو تو کسی کو خیال بھی نہیں آسکتا کہ فلاں عالم تو مر گیا۔ اب کیا ہوگا۔ یہ خیال اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے وجودوں کو نادر بننے دیتے ہیں اور اُن جیسے سینکڑوں نہیں ہزاروں وجود اور پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اگر ان کے نادر ہونے کا احساس جاتا رہے جس کی سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ ان کے قائم مقام ہزاروں کی تعداد میں ہمارے اندر موجود ہوں تو کبھی بھی جماعت کو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ فلاں شخص تو فوت ہو گیا۔ اب کیا ہوگا؟

دیکھو۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔ تم نیکی کے میدان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اگر ہم قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق یہ اشتیاق رکھتے کہ ہم دوسروں سے آگے بڑھ کر رہیں۔ اگر ہم میں سے ہر شخص اشتیاق کی رُوح کو اپنے اندر قائم رکھتا تو آج ہم میں سے ہر شخص بڑے سے بڑا محدث ہوتا۔ بڑے سے بڑا مفسر قرآن ہوتا۔ بڑے سے بڑا عالم دین ہوتا۔ اور کسی کے دل میں یہ احساس تک پیدا نہ ہوتا کہ اب جماعت کا کیا بنے گا؟ . . . . ہمارے لئے یہ خطرہ کی بات نہیں ہے کہ حضرت خلیفہ اولؓ بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے یا مولوی عبدالکریم صاحبؓ بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے یا مولوی برہان الدین صاحبؓ بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے یا حافظ روشن علی صاحبؓ بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے یا قاضی امیر حسین صاحبؓ بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے یا میر محمد اسحاق صاحبؓ بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے۔ بلکہ ہمارے لئے خطرہ کی بات یہ ہے کہ جماعت کسی وقت بحیثیت جماعت مر جائے اور ایک عالم کی جگہ دوسرا عالم ہمیں اپنی جماعت میں دکھائی نہ دے۔" [1]

اس پانچویں تحریک کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور سیدنا المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصی توجہ سے نئے اور نوجوان علماء کی ایک کثیر تعداد پیدا ہو گئی۔ جس کے نتیجہ میں سلسلہ میں پیدا شدہ خلاء کو پُر کرنے میں بھاری مدد ملی۔

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۷۴ تا ۱۷۸۔

حفاظ پیدا کرنے کی تحریک

۶- ۲۴ر شہادت/اپریل ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے چھٹی تحریک جماعت میں حفاظ پیدا کرنے کی فرمائی [1] جس کا اثر یہ ہوا کہ جماعت کے اندر اس مقدس فریضہ کی تکمیل کیلئے پہلے سے زیادہ توجہ پیدا ہو گئی۔

رضاکارانہ تبلیغ کرنے کی ولولہ انگیز تحریک

سیدنا المصلح الموعودؓ نے یکم ہجرت/مئی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو جماعت کے سامنے ساتویں اہم تحریک یہ فرمائی کہ دنیا میں تبلیغ اسلام کے لئے ہزاروں مبلغوں کی ضرورت ہے۔ یہ ضرورت صرف اس طرح پوری ہو سکتی ہے کہ احمدی بدھ بھکشوؤں اور حضرت مسیحؑ کے حواریوں کی طرح قریہ قریہ، بستی بستی میں نکل کھڑے ہوں۔ چنانچہ فرمایا:-

"دنیا میں تبلیغ کرنے کے لئے ہمیں ہزاروں مبلغوں کی ضرورت ہے مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مبلغ کہاں سے آئیں اور اُن کے اخراجات کون برداشت کرے۔ مَیں نے بہت سوچا ہے۔ مگر بڑے غور و فکر کے بعد سوائے اس کے اَور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا کہ جب تک وہی طریق اختیار نہیں کیا جائے گا جو پہلے زمانوں میں اختیار کیا گیا تھا اس وقت تک ہم کامیاب نہیں ہو سکتے . . . . حضرت مسیح ناصری نے اپنے حواریوں سے کہا کہ تم دُنیا میں نکل جاؤ اور تبلیغ کرو۔ جب رات کا وقت آئے تو جس بستی میں تمہیں ٹھہرنا پڑے اس بستی کے رہنے والوں سے کھانا کھاؤ اور پھر آگے چل دو۔

رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی بڑی حکمت سے یہ بات اُمت کو سکھائی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہر بستی پر باہر سے آنے والے کی مہمان نوازی تین دن فرض ہے۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا۔ یا رسُولَ اللہ اگر بستی والے کھانا نہ کھلائیں تو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا۔ تم زبردستی اُن سے لے لو۔ گویا ہمارا حق ہے کہ ہم تین دن ٹھہریں اور بستی والوں کا فرض ہے کہ وہ تین دن کھانا کھلائیں۔ مَیں سمجھتا ہوں اس میں رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تبلیغ کے طریق کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے۔ اگر تم کسی بستی سے تین دن کھانا کھاتے ہو تو یہ بھیک نہیں۔ ہاں اگر تین دن سے زائد ٹھہر کر تم اُن سے کھانا مانگتے ہو تو یہ بھیک ہوگی۔

اگر ہماری جماعت کے دوست بھی اسی طرح کریں کہ وہ گھروں سے تبلیغ کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ ایک ایک گاؤں اور ایک ایک بستی اور ایک ایک شہر میں تین تین دن ٹھہرتے جائیں اور تبلیغ کرتے جائیں۔ اگر کسی گاؤں والے لڑیں تو جیسے حضرت مسیح ناصریؑ نے کہا تھا وہ اپنے پاؤں سے خاک

---

[1] "الفضل" ۲۶ وفا/جولائی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۴۔

جھاڑ کو آگے نکل جائیں تو مَیں سمجھتا ہوں تبلیغ کا سوال ایک دن میں حل ہو جائے۔"؎

تسبیح و تحمید اور درُود شریف پڑھنے کی اہم تحریک

۸ - مالی تحریکوں کے ساتھ ساتھ جماعت میں رُوحانی انقلاب برپا کرنے کے لئے حضور نے بعض اخلاقی اور رُوحانی رنگ کی تحریکیں بھی فرمائیں مثلاً ۱۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو یہ آٹھویں تحریک فرمائی کہ احمدی نمازیں سنوار کر اور باجماعت پڑھیں اور روزانہ کم از کم بارہ دفعہ تسبیح و تحمید اور درود شریف پڑھنے کا التزام کریں۔ چنانچہ فرمایا:۔

"رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ۔ فرماتے ہیں۔ دو کلمے ایسے ہیں کہ رحمٰن کو بہت پیارے ہیں۔ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ۔ زبان پر بڑے ہلکے ہیں۔ عالم، جاہل، عورت، مرد، بُوڑھا، بچہ، ہر شخص ان کلمات کو آسانی سے ادا کر سکتا ہے۔ . . . جہاں رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسبیح و تحمید اور تکبیر کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وہاں تسبیحوں میں سے یہ تسبیح آپ نے بڑی اہم قرار دی ہے۔ پس مَیں جماعت میں تحریک کرتا ہوں کہ ہر احمدی کم سے کم بارہ دفعہ دن میں یہ تسبیح روزانہ پڑھ لیا کرے۔ وہ چاہے تو سوتے وقت پڑھ لے۔ چاہے تو ظہر کے وقت پڑھ لے۔ چاہے تو عصر کے وقت پڑھ لے۔ چاہے تو مغرب کے وقت پڑھ لے۔ چاہے تو عشاء کے وقت پڑھ لے۔ چاہے تو فجر کے وقت پڑھ لے۔ بہرحال ہر احمدی یہ عہد کرے کہ وہ روزانہ بارہ دفعہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ پڑھ لیا کرے گا۔ اسی طرح دوسری چیز جو اسلام کی ترقی کے لئے ضروری ہے وہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات اور آپ کے فیوض کا دنیا میں وسیع ہونا ہے اور ان برکات اور فیوض کو پھیلانے کا بڑا ذریعہ درُود ہے۔ بیشک ہر نماز کے وقت تشہد کے وقت درُود پڑھا جاتا ہے مگر وہ جبری درُود ہے اور جبری درود اتنا فائدہ نہیں دیتا جتنا اپنی مرضی سے پڑھا ہوا درود انسان کو فائدہ دیتا ہے۔ وہ درُود بیشک نفس کی ابتدائی صفائی کے لئے ضروری ہے۔ لیکن تقرب الی اللہ کے حصول کے لئے اس کے علاوہ بھی درُود پڑھنا چاہیئے۔ پس مَیں دوسری تحریک یہ کرتا ہوں کہ ہر شخص کم از کم بارہ دفعہ روزانہ درُود پڑھنا اپنے اوپر فرض قرار دے لے۔ . . . . . پس جو لوگ محبت اور اخلاص کے ساتھ درُود پڑھیں گے وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے اللہ تعالیٰ کی برکات سے

؎ "الفضل" ۱۲ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴-۵۔

حصہ پائیں گے۔ اُن کے گھر رحمتوں سے بھر دیئے جائیں گے۔ اُن کے دل اللہ تعالیٰ کے انوار کا جلوہ گاہ ہو جائیں گے اور نہ صرف ان رُوحانی نعماء سے وہ لذّت اندوز ہوں گے بلکہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے چونکہ اُن کی خواہش ہوگی کہ اسلام پھیلے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام اکنافِ عالم تک پہنچے اس لئے وہ اپنے اس ایمانی جوش اور دردمندانہ دُعاؤں کے نتیجہ میں اسلام کے غلبہ کا دن بھی دیکھ لیں گے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ دعائیں ہی ہیں جن سے یہ عظیم الشان کام ہو سکتا ہے۔ دنیوی کوششیں تو محض سہارے اور ہمارے اخلاص کے امتحان کا ذریعہ ہیں ورنہ قلوب کا تغیر محض خدا کے فضل سے ہوگا اور اس فضل کے نازل ہونے میں ہماری وہ دعائیں ممد ہوں گی جو ہم عاجزانہ طور پر اس سے کرتے رہیں گے" [1]

اصلاحِ نسواں کیلئے الہامی تحریک

۹۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کو الہاماً یہ بھی بتایا گیا:۔

"اگر تم پچاس فیصدی عورتوں کی اصلاح کر لو تو اسلام کو ترقی حاصل ہو جائے گی" [2]

اس الہام پر حضور نے جماعت کو اور خصوصاً لجنات کو توجہ دلائی کہ وہ اصلاح کریں۔ یہ اس مبارک دَور کی نویں اہم تحریک تھی۔

بھوکوں کو کھانا کھلانے کی تحریک

۱۰۔ ۳۰ ہجرت / مئی ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے جماعت احمدیہ کو عموماً اور اہلِ قادیان کو خصوصاً یہ اہم دسویں تحریک فرمائی:۔

"ہر شخص کو اپنے اپنے محلہ میں اپنے ہمسائیوں کے متعلق اس امر کی نگرانی رکھنی چاہیئے کہ کوئی شخص بھوکا تو نہیں۔ اور اگر کسی ہمسایہ کے متعلق اُسے معلوم ہو کہ وہ بھوکا ہے تو اس وقت تک اُسے روٹی نہیں کھانی چاہیئے جب تک وہ اُس بھوکے کو کھانا نہ کھلا لے" [3]

تحریک حِلفُ الفضُول

۱۱۔ "حِلفُ الفضُول" [4] ایک معاہدہ تھا جو حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعثت سے قبل ہوا جس میں زیادہ جوش کے ساتھ حصہ لینے

---

[1] "الفضل" ۲۳ ہجرت / مئی ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۵-۶ ۔ [2] "الفضل" ۲۴ ہجرت / مئی ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۲ ۔
[3] "الفضل" ۱۱ احسان / جون ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۲ ۔ [4] عربی میں حِلف کا لفظ معاہدہ کے لئے بھی مستعمل ہے۔

والے تین فضل[1] نام کے آدمی تھے۔ اور اسی لئے اس کو حِلفُ الفضول کہتے ہیں۔ یہ معاہدہ عبداللہ بن جدعان کے مکان میں ہوا۔ اس کے اوّلین اور پرجوش داعی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سربراہ زبیر بن مطلب تھے۔ اور طے پایا کہ ہم مظلوموں کو ان کے حقوق دلوانے میں مدد کیا کریں گے[۴۴] اور اس بات میں ایک دوسرے کی تائید کریں گے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حمایت مظلوم کی اس تحریک میں بنفسِ نفیس شرکت فرمائی۔ حضورؐ عہد نبوت میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ مَیں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدہ میں شریک ہوا تھا کہ اگر آج اسلام کے زمانہ میں بھی مجھے کوئی اس کی طرف بُلائے تو مَیں اس پر لبیک کہوں[2]۔ سیّدنا المصلح الموعودؓ کے قلب مبارک پر القاء کیا گیا کہ اگر اسی قسم کا ایک معاہدہ آپ کی اولاد بھی کرے اور پھر اس کو پُورا کرنے کی کوشش کرے تو خدا تعالےٰ اُن کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ اُن پر اپنا فضل نازل فرمائے گا[3]۔ اس الہام ربانی کی بناء پر حضور نے ۱۴ ماہ وفا/جولائی کے خطبہ جمعہ میں تحریک فرمائی کہ جماعت احمدیہ کے بعض افراد معاملات کی صفائی اور مظلوم کی امداد اور دیانت وامانت اور عدل وانصاف کے قیام کے لئے باقاعدہ عہد کریں۔

حضرت سیّدنا المصلح الموعودؓ نے "حِلفُ الفضول" کی مبارک تحریک میں شمولیت کے لئے یہ شرائط تجویز فرمائیں کہ

"جو لوگ اس میں شامل ہونا چاہیں اُن کے لئے لازمی ہے کہ سات دن تک متواتر اور بلاناغہ استخارہ کریں۔ عشاء کی نماز میں یا نماز کے بعد دو نفل الگ پڑھ کر دُعا کریں کہ اے خدا اگر مَیں اس کو نباہ سکونگا تو مجھے اس میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرما۔ ایک اور شرط یہ ہوگی کہ ایسا شخص خواہ امام الصلوٰۃ کے ساتھ اُسے ذاتی طور پر کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو مرکز کا حکم کے بغیر اس کے پیچھے نماز پڑھنا ترک نہیں کرے گا اور اپنے کسی بھائی سے خواہ اُسے شدید تکلیف بھی کیوں نہ پہنچی ہو اس سے بات چیت کرنا ترک نہ کرے گا اور اگر وہ دعوت کرے تو اُسے ردّ نہ کرے گا۔ ایک اور شرط یہ ہے کہ سلسلہ کی طرف سے

---

[1] الفضل بن فضالہ، الفضل بن وداعہ، الفضل بن الحرث (سیرۃ حلبیہ صفحہ ۱۵۶ تالیف حضرت علامہ علی بن برہان الدین الحلبی الشافعیؒ)

[2] شاید یہ اسی خیال کا اثر تھا کہ جب ایک دفعہ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ان کے بھتیجے ولید بن عتبہ بن ابی سفیان (امیر مدینہ) نے حضرت سیّدنا حسینؓ بن علیؓ ابن ابی طالب کا کوئی حق دبا لیا تو حضرت امام حسینؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! اگر ولید نے میرا حق نہ دیا تو مَیں تلوار نکال کر مسجد نبوی میں کھڑا ہو جاؤں گا اور حلف الفضول کی طرف لوگوں کو بُلاؤں گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے سُنا تو فرمانے لگے کہ اگر حضرت حسینؓ نے اس قسم کی طرف بُلایا تو مَیں اس پر ضرور لبیک کہوں گا اور ہم یا تو اُن کا حق دلوائیں گے اور یا اس کوشش میں سب مارے جائیں گے بعض اَور لوگوں نے بھی اسی قسم کے الفاظ کہے جس پر ولید دب گیا اور اس نے حضرت حسین علیہ السلام کا حق ادا کر دیا۔ (ابن ہشام بحوالہ "سیرت خاتم النبیین" حصہ اوّل صفحہ ۱۳۵ - ۱۳۶ طبع دوم دسمبر ۱۹۳۵ء مؤلفہ قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ)

[3] "الفضل" ۲۲ وفا/جولائی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳

اُسے جو سزا دی جائے گی اُسے بخوشی برداشت کرے گا اور ایک یہ کہ اس کام میں نفسانیت اور ذاتی نفع نقصان کے خیالات کو نظر انداز کر دیگا "[۱]

اس دعوت پر وسط ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء تک جو دستِ شریک معاہدہ ہوئے ان کی تعداد ۱۷۷ تھی۔[۲]

نوجوانانِ احمدیت کو بالالتزام نمازِ تہجد پڑھنے کی تحریک

۱۲۔ سیدنا المصلح الموعودؓ نے ۲۳ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں بارھویں تحریک یہ فرمائی کہ

"خدام کا فرض ہے کہ کوشش کریں سَو فیصدی نوجوان نمازِ تہجد کے عادی ہوں یہ ان کا اصل کام ہوگا جس سے سمجھا جائے گا کہ دینی رُوح ہمارے نوجوانوں میں پیدا ہو گئی ہے۔ قرآن کریم نے تہجد کے بارے میں اَشَدُّ وَطْأً فرمایا ہے یعنی یہ نفس کو مارنے کا بڑا کارگر حربہ ہے۔ . . . باقاعدہ تہجد پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ سَو فیصدی تہجد گزار ہوں اِلّا ماشاءاللہ سوائے ایسی کسی صورت کے کہ وہ مجبوری کی وجہ سے ادا نہ کر سکیں اور خدا تعالیٰ کے حضور ایسے معذور ہوں کہ اگر فرض نماز بھی جماعت کے ساتھ ادا نہ کر سکیں تو قابلِ معافی ہوں گے "[۳]

ہندوستان میں سات مراکز بنانے کی تحریک

۱۳۔ حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے ملک میں تبلیغ اسلام کو وسیع پیمانے پر شروع کرنے کے لئے ۱۲ وفا (جولائی) کو تحریک فرمائی کہ ہندوستان کے سات مقامات یعنی پشاور، کراچی، مدراس، بمبئی، کلکتہ، دہلی اور لاہور میں تبلیغی مراکز قائم کئے جائیں۔[۴] اس تحریک کے مطابق چند ماہ کے اندر اندر بمبئی، کلکتہ اور کراچی میں باقاعدہ مشن کھول دیئے گئے۔

حضور نے ان مقامات پر قیامِ مساجد کی تحریک بھی فرمائی۔ کراچی میں عرصہ ہوا کہ حضور پہلے ہی چار کنال زمین خرید چکے تھے۔ اس تحریک کے مطابق پہلے ہی سال دہلی کی جماعت نے تیس ہزار کے وعدے پیش کئے۔[۵]

بیویوں میں عدل و انصاف کرنے کی تحریک

۱۴۔ حضرت امیر المومنینؓ کو رؤیا میں دکھایا گیا کہ کسی احمدی کی دو بیویاں ہیں مگر وہ ان میں سے ایک کے ساتھ اچھا

---

[۱] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۱-۲۔ [۲] "الفضل" ۱۱ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۶ (اس شمارہ میں معاہدہ کرنیوالوں کی تیسری فہرست موجود ہے)۔ [۳] "الفضل" ۱۶ وفا/جولائی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۱۔ [۴] "الفضل" ۱۶ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔ [۵] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۲-۳۔

سلوک نہیں کرتا۔ اس پر آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے "آؤ اس ظلم کو مٹا دیں"

حضور نے ۸ ظہور/اگست کو مجلس علم و عرفان کے دوران یہ رویا سُنائی اور پھر تحریک فرمائی کہ

"ہماری جماعت کے دوستوں کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ جہاں انہیں کوئی ایسا واقعہ نظر آئے اور دیکھیں کہ ظلم ہو رہا ہے تو اس آدمی کو مجبور کریں کہ وہ انصاف کرے یا جائز طور پر ایک کو طلاق دے دے اور یا پھر اُسے جماعت کا عضوِ معطّل سمجھا جائے۔ جو شخص احکام شریعت کی اس طرح علانیہ خلاف ورزی کرتا ہے وہ قیامت کے دن آدھا اُٹھایا جائے گا۔ وہ جماعت کو کیا فائدہ دے سکتا ہے؟" [۱]

۱۵۔ دُنیا کی مشہور زبانوں میں تراجم قرآن اور دُوسرا تبلیغی لٹریچر شائع کرنے کی تحریک

جُوں جُوں دوسری جنگِ عظیم کے خاتمہ کا وقت قریب آرہا تھا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی توجہ دُنیا بھر میں دینی جنگ کے آغاز کی مختلف سکیموں پر بڑھتی جا رہی تھی۔ اس سلسلہ میں حضور نے ۲۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء کو دُنیا کی سات مشہور زبانوں انگریزی، روسی، جرمن، فرانسیسی، اطالوی، ڈچ، ہسپانوی اور پرتگیزی زبان میں قرآن مجید کے تراجم کی عظیم الشان تحریک کی۔[۲] اور پھر اپنے عہدِ خلافت میں اس کی تکمیل کے لئے کامیاب جد و جہد فرمائی جیسا کہ "تاریخ احمدیت" جلد ہشتم (صفحہ ۱۶۱) میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

اس اہم اور اس دَور کی پندرھویں تحریک کو عملی جامہ پہنانے اور ضروری اخراجات مہیا کرنے کے لئے حضور نے شروع میں یہ اعلان فرمایا کہ "اطالوی زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ کا خرچ میں ادا کروں گا۔"

یہ انتخاب خدا تعالیٰ کے القاء کے تحت تھا۔ چنانچہ خود ہی فرمایا:۔

"خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ چونکہ پہلے مسیح کا خلیفہ کہلانے والا اٹلی میں رہتا ہے۔ اس مناسبت سے قرآن مجید کا جو ترجمہ اطالوی زبان میں شائع ہو وہ مسیح محمدی کے خلیفہ کی طرف سے ہونا چاہیئے" [۳]

اس اعلان کے ساتھ ہی حضور نے جرمن ترجمہ کا خرچ ہندوستان کی لجنہ اماء اللہ کے ذمہ اور ایک ترجمہ قرآن

---

[۱] "الفضل" ۱۳ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۱۔ [۲] انگریزی زبان میں ترجمہ کا کام پہلے ہی سے جاری تھا اس لئے عملاً سات تراجم کا معاملہ زیرِ غور تھا۔ "الفضل" ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء صفحہ ۲-۳۔

[۳] "الفضل" ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۲۔

کی رقم جماعت احمدیہ قادیان کے ذمہ ڈالی اور باقی چار تراجم قرآن کے متعلق فیصلہ فرمایا کہ اُن کے اخراجات چار شہروں کی جماعتیں یا افراد پیش کریں۔

تراجم قرآن مجید کے علاوہ غیر ملکی آٹھ[1] زبانوں میں حضور نے تبلیغی لٹریچر کی اشاعت کا پروگرام بھی رکھا اور وہ یہ کہ

۱- (۱) اسلامی اصول کی فلاسفی ، (۲) مسیح ہندوستان میں ، (۳) احمدیت یعنی حقیقی اسلام ، (۴) رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری ، (۵) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سوانح عمری ، (۶) رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیاں ، (۷) ترجمہ احادیث ، (۸) پُرانے اور نئے عہد نامہ کی روشنی میں توحید ، (۹) نظام نو اور تین اور اہم مضامین پر مشتمل بارہ کتب کا سیٹ شائع کیا جائے۔

عربی ممالک کے لئے کتابوں کا الگ سیٹ تجویز ہونا چاہیئے۔

۲- عربی سمیت دُنیا کی مشہور نو زبانوں میں چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ اور اشتہار چھپوائے جائیں جو چار چار صفحے سے لیکر سولہ سولہ صفحے تک کے ہوں تاکہ کثرت کے ساتھ ان کی اشاعت ہوسکے اور ہر آدمی کے ہاتھ میں پہنچائے جاسکیں۔[2]

خطبہ کے بعد چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اور آپ کے چند اَور رفقاء نے ایک ترجمہ کا خرچ اپنے ذمہ لیا اب باقی صرف تین تراجم رہ گئے جو حضور نے پُوری جماعت پر چھوڑ دیئے اور فرمایا :-

"جو فرد اکیلا ایک ترجمہ کی رقم اُٹھانا چاہے وہ اکیلا اٹھالے۔ جو چند دوستوں کے ساتھ مل کر یہ بوجھ اُٹھانا چاہتا ہو وہ ایسا کرلے۔ جو جماعت مل کر ایک ترجمہ کی رقم دینا چاہے وہ جماعت اس کا وعدہ کرلے۔ جو صوبہ ایک ترجمہ کی رقم دینا چاہے وہ صوبہ اس کا وعدہ کرلے"[3]

اس تحریک کو اللہ تعالیٰ نے حیرت انگیز اور خارق عادت رنگ میں قبولیت بخشی اور تحریک کی اشاعت کے چھ دن کے اندر اندر تین کی بجائے پانچ تراجم کے وعدہ جات حضرت اقدس کے حضور پہنچ گئے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا :-

"یہ خدا تعالےٰ کا کتنا بڑا فضل ہے کہ اِدھر بات مُنہ سے نکلتی ہے اور اُدھر پُوری ہوجاتی ہے۔ باوجود خطبہ کے دیر سے شائع ہونے کے ۶ دن کے اندر سات زبانوں کے تراجم کے اخراجات کے وعدے آگئے۔ خطبہ کے باہر پہنچنے کے چند گھنٹے کے اندر اندر اختر صاحب[4] نے دہلی سے بذریعہ تار اطلاع دی کہ ایک ترجمہ کے اخراجات وہ مع اپنے دوستوں کے دیں گے۔ ایک تار لاہور سے آیا۔ کلکتہ کی

---

[1] بشمول انگریزی زبان ۔ [2] "الفضل" ۲۷؍اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴-۵ ۔ [3] "الفضل" ۲۷؍اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۲ ۔ [4] میاں غلام محمد صاحب اختر مراد ہیں جو ان دنوں ریلوے آفیسر تھے۔

جماعت نے یہ اطلاع دی ہے کہ ایک زبان کے ترجمہ کی اشاعت کے اخراجات وہ دے گی۔ ایک تار قصور سے ملک عبدالرحمٰن صاحب کا آیا۔ تو ۹ تراجم کے اخراجات کے وعدے آ چکے ہیں۔ گویا جتنی زبانوں میں شائع کرنے کا ارادہ ہے اُن سے دو کے زائد۔ زائد کے لئے چندہ تو نہیں لیا جائیگا مگر یہ خدا کا کتنا بڑا فضل اور انعام ہے کہ جماعت کے ایک تھوڑے سے حصہ نے نہایت قلیل عرصہ میں مطالبہ سے بھی بڑھ کر وعدے پیش کر دیئے۔ خاص کر قادیان کی غریب جماعت نے اس تحریک میں بہت بڑا حصہ لیا۔" [۵]

خدا تعالیٰ نے سیدنا المصلح الموعودؓ کو فدائیوں، شیدائیوں اور سرفروشوں کی بے مثال جماعت بخشی تھی۔ جس نے اس موقعہ پر رُوحِ مسابقت اور جذبۂ اخلاص کے اس نمونہ پر قانع و مطمئن ہونا گوارا نہیں کیا بلکہ نُو تراجم کے وعدوں کے بعد مزید درخواستوں کا تانتا بندھ گیا اور یہ نیا مسئلہ پیدا ہو گیا کہ اب تراجم کی تقسیم کی صورت کیا ہو؟ چنانچہ سیدنا المصلح الموعودؓ نے ۳/ نبوت/ نومبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ [۶] اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

"مَیں نے پچھلے خطبہ سے پہلے خطبہ میں (۲۰/ اکتوبر کو) قرآن مجید کے سات تراجم کے متعلق تحریک کی تھی۔ جہانتک اس کی کامیابی کا سوال تھا مجھے اس میں کسی قسم کا شُبہ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس وقت تک خدا تعالیٰ کا میرے ساتھ ہمیشہ یہ معاملہ رہا ہے کہ وہ جب کبھی میرے مُنہ سے کوئی بات نکلواتا ہے تو اس کی کامیابی کے سامان بھی کر دیتا ہے۔ لیکن اس میں ایک نئی بات پیدا ہو گئی ہے کہ اس تحریک کے بعد جو درخواستیں آئی ہیں وہ ہمارے مطالبہ سے بہت زیادہ ہیں۔ ہمارا مطالبہ تھا سات تراجم کے اخراجات کا اور درخواستیں آئی ہیں بارہ تراجم کے اخراجات کے لئے۔

اور ابھی بیرونجات سے چٹھیاں آ رہی ہیں کہ وہ اس چندہ میں حصہ لینا چاہتے ہیں جہانتک وسیع علاقوں کا تعلق ہے اور جہاں جماعتیں پھیلی ہوئی ہیں وہ علاقے چونکہ سب کے مشورہ کے بغیر کوئی ذمہ واری نہیں اُٹھا سکتے اس لئے ان درخواستوں میں وہ شامل نہیں کیونکہ وہ جلدی مشورہ کر کے اتنے وقت کے اندر اطلاع نہیں دے سکتی تھیں۔ یہ درخواستیں صرف ان جماعتوں کی طرف سے ہیں جو اپنی ذمہ داری پر اس بوجھ کو اُٹھا سکتی تھیں یا افراد کی طرف سے ہیں۔ مثلاً چوہدری ظفراللہ خاں صاحب اور اُن کے بعض دوستوں کی طرف سے، میاں غلام محمد صاحب اختر اور اُن کے دوستوں کی طرف سے لاہور کی جماعت کی طرف سے، کلکتہ کی

---

[۶] "الفضل" ۲/ نبوت/ نومبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

جماعت کی طرف سے اور میاں محمد صدیق اور محمد یوسف صاحبان تاجران کلکتہ کی طرف سے، ملک عبدالرحمٰن صاحب بل او نر قصور کی طرف سے اور سیٹھ عبداللہ بھائی سکندرآباد کی طرف سے۔ یہ سب درخواستیں ان جماعتوں کی ہیں جہاں یا افراد زیادہ ہیں اور وہ اس ذمہ داری کا بوجھ بغیر دوسری جماعتوں سے مشورہ کرنے کے خود اُٹھا سکتی ہیں۔ یا اُن افراد کی طرف سے ہیں جو صاحب توفیق ہیں اور یہ بوجھ اُٹھا سکتے ہیں۔ قادیان کی جماعت کے متعلق مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ ایک ترجمہ کی جگہ وہ دو کا خرچ اپنے ذمہ لے گی اور لجنہ کا بھی جس رنگ میں چندہ ہو رہا ہے اس رنگ میں دو کا بھی سوال نہیں۔ بلکہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کا چندہ دو سے بھی بہت زیادہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت تک لجنہ قادیان کی طرف سے چھ ہزار تین سو کے وعدے آچکے ہیں اور ابھی ہزار بارہ سو روپیہ کے وعدوں کی اَور امید ہے (خطبہ صاف کرتے وقت آٹھ ہزار سے زائد کے وعدے ہو چکے ہیں) گو مَیں نے سارے ہندوستان کی لجنہ کے ذمہ جو ایک ترجمہ کا خرچ لگایا تھا۔ اس سے زیادہ کے وعدے قادیان سے ہی ہو چکے ہیں اور ابھی باہر کی ساری لجنائیں باقی ہیں۔ اسی طرح قادیان کی جماعت کے علاوہ صدر انجمن کے کارکنوں نے بھی ایک ترجمہ کا خرچ اپنے ذمہ لیا ہے۔ کارکنوں کے علاوہ دوسروں کے چندہ کا وعدہ ایک ترجمہ سے زیادہ کا ہو چکا ہے اور ابھی ہو رہا ہے۔ اب ان جماعتوں یا افراد کی طرف سے جن کا حصہ نہیں لیا جا سکا، الحاح کی چٹھیاں آرہی ہیں اور وہ اصرار کے ساتھ لکھ رہی ہیں کہ ہمیں بھی اس چندہ میں حصہ لینے کا موقع دیجئے۔"[۱]

حضور کو مخلصین جماعت کی بیتابی دیکھ کر سات تراجم اور بارہ بارہ کتابوں کے مکمل سیٹ کی از سر نو تقسیم کا اعلان کرنا پڑا۔ جس کے مطابق ایک ایک ترجمہ قرآن اور ایک ایک کتاب کی اشاعت کا خرچ طوعی اور اختیاری رنگ میں مندرجہ ذیل سات حلقوں پر تقسیم کر دیا گیا۔

(۱) لجنہ اماء اللہ ہندوستان (۲) قادیان (۳) جماعتہائے لاہور، امرتسر، شیخوپورہ، گوجرانوالہ، فیروزپور (۴) جماعتہائے دہلی، بہار، یوپی، لدھیانہ، ضلع انبالہ، ریاست پٹیالہ۔ (۵) کلکتہ (۶) حیدرآباد دکن، میسور، بمبئی، مدراس اور اس کے ساتھ ملحقہ ریاستیں (۷) صوبہ سرحد و صوبہ سندھ[۲]

---

[۱] "الفضل" ۸ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۱ تا ۴
[۲] ایضاً صفحہ ۴ کالم ۱

اس نئی تقسیم کے اعلان پر جماعت کے ان مخلصین کی طرف سے بھی جنہوں نے پورے ترجمہ کے اخراجات کی پیشکش کی تھی اور ان افراد اور جماعتوں کی طرف[51] بھی جو اس چندہ میں شمولیت کا ارادہ رکھتی تھیں اور ان کو اس میں شامل ہونے سے محروم کر دیا گیا، اپنے آقا کے حضور التجاؤں اور درخواستوں کے پے در پے خطوط بھیجے گئے جن میں حد درجہ اضطراب اور انتہائی گھبراہٹ کا اظہار کیا گیا کہ ہمیں اس ثواب میں شامل ہونے کا موقعہ نہیں دیا۔ اور یہ امر اُن کے لئے انتہائی کرب اور دُکھ کا موجب ہے۔[52]

حضرت امیر المومنینؓ کی خدمت میں جب اس نوعیت کے مسلسل اور پے در پے خطوط پہنچے تو حضورؓ نے (۱۰ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو) مخلصین جماعت کی التجاؤں پر اپنی تجویز فرمودہ پہلی تقسیم بھی کالعدم قرار دے دی۔ اور اس کی بجائے نئی تقسیم کا اعلان فرما دیا جس سے پوری جماعت کے لئے ثواب میں شریک ہونے کا موقعہ فراہم ہو گیا۔[53] حضور نے سالانہ جلسہ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء پر اس تحریک کی کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

"جو حلقے مَیں نے مقرر کئے تھے انہوں نے بہت اچھا نمونہ دکھایا ہے"[54]

اسی طرح لجنہ اماء اللہ کی مساعی کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا کہ

"ہماری جماعت کی عورتوں نے اپنی قدیم روایتوں کو قائم رکھا ہے اور اس وقت تک پونتیس ہزار روپے کے وعدے ہو چکے ہیں"[55]

کمیونسٹ تحریک کا مطالعہ کرنے اور اس کا رد سوچنے کی تحریک

۱۶-۲۱ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے ۲۱-۱۹۲۰ء کی اپنی ایک رؤیا کی بناء پر اس سال کی آخری اور سولھویں تحریک یہ فرمائی کہ جماعت کے علماء، فقہاء، اساتذہ، پروفیسر، واقفین زندگی، طلبہ مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ سب کمیونسٹ تحریک کا خوب اچھی طرح ناقدانہ نظر سے مطالعہ کریں کیونکہ مستقبل میں اسلام کے خلاف سب سے بڑی جنگ اشتراکیت ہی سے لڑی جانے والی ہے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:-

---

[51] مثلاً فوج میں بھرتی احمدی۔ جن کی نسبت حضور نے خود بیان فرمایا کہ "ہماری جماعت کے وہ دوست جو فوج میں بھرتی ہو کر گئے ہیں۔ ان میں سے بعض کے مجھے خطوط آئے ہیں کہ ہمیں کسی گروہ میں بھی شامل نہیں کیا گیا حالانکہ ہم بھی اس تحریک میں شامل ہونا چاہتے ہیں" (الفضل ۱۴ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۲)۔

[52] "الفضل" ۱۴ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔

[53] "الفضل" ۱۴ نبوت ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں حضور کے الفاظ میں اس تقسیم جدید کی تفصیل موجود ہے۔

[54] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۴۔

[55] "الازھار لذوات الخمار" حصہ اوّل صفحہ ۱۰۱ (مرتبہ حضرت سیدہ ام متین مریم صدیقہ صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ) ناشر دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ۔ طبع دوم ۱۳۴۶ہش/۱۹۶۷ء۔

"جماعت کے علماء اور واقفین اور مدرسہ اور جامعہ کے طلبہ بھی اچھی طرح کمیونسٹ تحریک کا مطالعہ کریں اور اُن کے جوابات سوچ چھوڑیں اور اگر کسی امر کے متعلق تسلی نہ ہو تو میرے ساتھ بات کرلیں۔ اسی طرح کالجوں کے پروفیسروں اور سکولوں کے اساتذہ کو چاہیئے کہ کمیونسٹ تحریک کے متعلق اپنا مطالعہ وسیع کریں اور اگر کوئی کمی رہ جائے تو مجھ سے مل کر ہدایات لے لیں اور اس رنگ میں اس تحریک کے متعلق جوابات سوچ رکھیں کہ ان کا پوری طرح سے ردّ کرسکیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ زیادہ مقابلہ ہمارا کمیونسٹوں سے ہی ہے۔ انہوں نے دہریت کو مذہب کے طور پر بنا لیا ہے۔ خدا تعالیٰ سے یہاں تک ہنسی اور تمسخر کیا جاتا ہے اور ایسے ڈرامے کھیلے جاتے ہیں جن میں خدا تعالیٰ کو نعوذ باللہ مجرم کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے نعوذ باللہ دُنیا میں سب فساد اور خرابی پیدا ہوئی اور پھر کمیونسٹ جج خدا تعالیٰ کو نعوذ باللہ پھانسی کی سزا دیتا ہے کہ میں اس پتلے کو پھانسی کی سزا دیتا ہوں کیونکہ اس کے وجود کے خیال کی وجہ سے دُنیا میں تمام خرابی پیدا ہوئی ہے۔

پس یہ ایسی تحریک ہے جس نے دہریت کو .... مذہب کے طور پر پیش کیا ہے اور جو اندر ہی اندر فتنہ اور فساد پیدا کرنے والی اور امن کو برباد کرنے والی تحریک ہے۔ اور اس کی تمام کامیابی عارضی اور سطحی ہے۔ موجودہ جنگ کے بعد اس تحریک کا کُلّی طور پر دُنیا کو مقابلہ کرنا ہوگا اور یہی وہ آخری لڑائی ہوگی۔ جو ظاہری لحاظ سے سیاسی وجوہ کی بنا پر لڑی جائے گی۔ مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ لڑائی مذہب کی تائید کے لئے ہوگی۔ پس کمیونسٹوں کا بعض دوسری حکومتوں کے ساتھ جو اتحاد ہے یہ ہمیشہ کے لئے نہیں چل سکتا۔ اس جنگ کے بعد جلد یا بدیر اس تحریک کے ساتھ گو بظاہر سیاسی وجوہ کی بنا پر لڑائی ہوگی مگر وہ لڑائی ایسی ہوگی کہ خدا تعالیٰ دوسروں کو آگے کرکے مذہب کے لئے راستہ کھول دے گا۔

غرض یہ جنگ تو بہرحال ہونی ہی ہے مگر اس وقت تک کہ خدا تعالیٰ کوئی ایسی صورت پیدا کرے ہمیں ہوشیار ہو جانا چاہیئے۔ جو لوگ مسائل سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتے یا نئے اور کچے ہوتے ہیں اس قسم کے دھوکہ میں آجاتے ہیں۔ پس جماعت کے علماء، فقہاء، اساتذہ اور پروفیسروں کو چاہیئے کہ اس قسم کی تحریکات کی تفصیلات سے پُوری طرح واقف ہوں تاکہ نوجوانوں کی صحیح راہنمائی کرسکیں"۔[1]

[1] "الفضل" ۲۵ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳-۴

خدا تعالیٰ کا پیغام جماعت احمدیہ کے نام
"روزِ جزا قریب ہے اور رَہ بعید ہے"

اگرچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ تازہ انکشاف کے بعد جماعت کو عظیم الشان قربانیوں کے لئے تیار کرنے کے لئے نہایت اہم تحریکات فرما رہے تھے اور جماعت ان پر دیوانہ وار لبیک بھی کہہ رہی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کا منشاء مبارک یہ تھا کہ احمدی اپنا قدم اور زیادہ تیز اور اپنی قربانیوں کے معیار کو اور زیادہ بلند کر دیں تا اسلام کی فتوحات کا زمانہ قریب سے قریب تر آجائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے الہاماً فرمایا:۔

"روزِ جزا قریب ہے اور رَہ بعید ہے"

حضرت سیّدنا المصلح الموعودؓ نے ۱۴ ۔شہادت/اپریل ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں خدا تعالیٰ کا یہ پیغام سُناتے ہوئے فرمایا:۔

"مجھ پر ایک الہام نازل ہوا جس نے میرے ہوش اڑا دیئے۔ وہ الہام یہ تھا جو خود ایک مصرعہ کی شکل میں ہے کہ ؏

"روزِ جزا قریب ہے اور رَہ بعید ہے"

بڑے زور سے یہ الہام مجھ پر نازل ہوا اور بار بار اس کو دہرایا گیا۔ اس الہام کے اور معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر میں نے اس وقت جو الہام کے معنے سمجھے وہ یہ ہیں کہ وہ تغیراتِ عظیمہ جن کا پیشگوئیوں میں ذکر کیا گیا تھا اور وہ اسلام اور احمدیت کے غلبہ کے ایّام جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی تھی بالکل قریب آپہنچے ہیں۔ روزِ جزا اب سر پر کھڑا ہے۔ قدرت کا زبردست ہاتھ اس دن کو اب قریب تر لا رہا ہے مگر رَہ بعید ہے۔ جماعت نے اس آنے والے دن کے لئے ابھی وہ تیاری نہیں کی جو اُسے کرنی چاہئے تھی۔ اور ابھی اس نے وہ مقام حاصل نہیں کیا جو اس عظیم الشان یوم جزا کے انعامات کا اسے مستحق بنانے والا ہو۔ اس کے لئے ابھی بہت بڑا لمبا راستہ پڑا ہے جسے اُسے طے کرنا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزِ جزا قریب ہے یعنی وہ جو ہمارا کام تھا ہم نے اُسے پُورا کر دیا اور ہم نے اس دن کو تمہارے سامنے لا کر رکھ دیا جو تمہاری کامیابی اور تمہاری فتح اور تمہارے غلبہ کا دن ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اس الہام کے ذریعہ جماعت احمدیہ کو مخاطب کرتا اور اُسے فرماتا ہے کہ اے احمدی جماعت! جو ہمارا حصہ تھا ہم نے اُسے پُورا کر دیا جتنے سامان

یومِ جزا کو قریب تر لانے کے لئے ضروری تھے وہ ہم نے سب مہیا کر دیئے اور اسلام اور احمدیت کی فتح کے سامان ہم نے جمع کر لئے۔ پس اب قریب ترین زمانہ میں اس فتح کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو جائیں گے۔ قریب ترین زمانہ میں اسلام اور احمدیت کے غلبہ کے راستے دُنیا میں کھُل جائیں گے مگر رہ بعید ہے۔ وہ راستہ جو ابھی تم نے طے کرنا ہے اور جس پر چل کر تم نے اس روزِ جزا سے فائدہ اُٹھانا ہے وہ ابھی بہت بعید ہے۔ تم میں سے کئی ہیں جنہوں نے ابھی اس راستہ پر چلنا بھی شروع نہیں کیا اور کئی ایسے ہیں جو اس راستہ پر چل تو پڑے ہیں مگر انہوں نے سفر ابھی بہت کم طے کیا ہے۔ گویا ہم نے تو اپنا حصہ پُورا کر دیا مگر تم نے اپنے حصہ کو پورا نہیں کیا۔ اب دیکھو یہ ایسی ہی بات ہے جیسے دو شخص آپس میں ٹھیکہ کریں اور ایک شخص دوسرے سے سمجھوتہ کرے کہ تم امرتسر سے دس میل کے فاصلہ پر اتنے لاکھ من سونا پہنچا دو۔ وہاں تک سونا پہنچانا تمہارا کام ہے۔ اس کے بعد میرا کام شروع ہوگا۔ اور مَیں اس سونے کو اُٹھا کر اپنے گھر لے آؤں گا۔ اب اگر دوسرا شخص اس معاہدہ کے مطابق ٹھیک مقررہ تاریخ کو امرتسر سے دس میل کے فاصلے پر سونا لا کر رکھ دے مگر یہ شخص ابھی قادیان سے ایک میل کے فاصلے پر ہی ہو تو جانتے ہو۔ اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ یہی ہوگا کہ چور آئیں گے اور اس سونے کو اُٹھا کر لے جائیں گے۔ ڈاکو آئیں گے اور اس سونے پر قبضہ کر لیں گے۔ اور جب یہ شخص وہاں سونا لینے کے لئے پہنچے گا تو اس جگہ کو بالکل خالی پائے گا۔

اللہ تعالیٰ بھی اس الہام میں اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم نے ابھی اس راستہ کو طے ہی نہیں کیا جس پر چل کر ان انعامات کے تم مستحق بن سکتے ہو۔ تمہاری حالت یہ ہے کہ ہم اس دن کو جو تمہاری فتح اور کامیابی کا دن ہے، تمہارے قریب لا چکے ہیں۔ پس "روزِ جزا قریب ہے اور رہ بعید ہے" میری طرف سے جو کچھ ظاہر ہونا تھا اس کی تیاریاں آسمان پر مکمل ہو چکی ہیں۔ مگر تم نے جو کچھ کرنا تھا اس کے لئے ابھی کئی منزلیں طے کرنی باقی ہیں۔

مجھے جب یہ الہام ہوا تو مَیں نے اس وقت سوچا کہ گو میں جماعت کو جلدی جلدی آگے کی طرف اپنا قدم بڑھانے کی تحریکات کر رہا ہوں جس سے بعض لوگ ابھی سے گھبرا اُٹھے ہیں کہ کتنی جلدی جلدی نئی سے نئی تحریکیں کی جا رہی ہیں۔ کبھی وقفِ جائیداد کی تحریک کی جاتی ہے، کبھی وقفِ زندگی کی تحریک

کی جاتی ہے، کبھی کالج کی تعمیر کے لئے چندہ کی تحریک کی جاتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کو بھی ناکافی قرار دیتا ہے اور فرماتا ہے تمہارا رَہ بعید ہے۔ یعنی ابھی تم نے کچھ بھی نہیں کیا سفر ابھی بہت باقی ہے اور تمہارا قدم خطرناک طور پر سُست ہے۔ حالانکہ مَیں نے جو کام کرنا تھا وہ کر لیا۔ میرا ٹھیکہ پُورا ہو گیا۔ اور جو چیز مَیں نے تم کو دینی تھی وہ دے دی۔ مگر تم ابھی اپنے کام کے لئے تیار نظر نہیں آتے۔

اس مفہوم کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اس الہام کا ایک اَور امر کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے گو نزولِ الہام کے وقت مَیں نے اس کے وہی معنی سمجھے جو مَیں نے ابھی بیان کئے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس الہام کا ایک اَور مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ بھی اپنی ذات میں کوئی خوشکن نہیں یعنی اس الہام کا ایک یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہر شخص جو تم میں سے اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے کوشش کر رہا ہے اُس کی یہ کوشش اتنی تھوڑی اور اس قدر کم ہے کہ اس کی اِس کوشش اور جدّ وجہد کے مقابلہ میں اس کی زندگی کے جس قدر ایّام ہیں ان میں ان کوششوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ گویا تم میں سے ہر شخص جو کوشش آج اسلام اور احمدیت کے غلبہ کے لئے کر رہا ہے اگر مَرتے دم تک وہ اسی رنگ میں کوشش اور جدّ وجہد کرتا رہے اور اپنا قدم تیز نہ کرے تو یہ کوششیں اس قدر کم ہیں کہ تمہارا یہ خیال کرنا کہ ان کوششوں کے نتیجہ میں تم اسلام کا غلبہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو گے یہ ناممکن ہے۔ اگر تمہاری کوشش اور جدّ وجہد کی یہی رفتار رہی تو تم اپنی زندگی میں یومِ جزاء کو نہیں دیکھ سکو گے۔ یہ معنی اگر لئے جائیں تو یہ بھی کوئی خوشکن معنے نہیں۔ مگر جو معنے اس وقت مَیں نے سمجھے وہ یہی تھے کہ "روزِ جزا قریب ہے" کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تم سے اسلام اور احمدیت کے غلبہ کے متعلق جو وعدے فرمائے ہیں ان کے پورا ہونے کا وقت آگیا۔ آسمان پر فرشتوں کی فوجیں اس دن کو لانے کے لئے تیار کھڑی ہیں۔ مگر جو کوشش تم کر رہے ہو وہ بہت ہی حقیر اور بہت ادنیٰ اور معمولی ہے۔ جب ہم نے اپنے فضل کا دروازہ کھول دیا۔ جب آسمان سے فرشتوں کی فوجیں زمین میں تغیّر پیدا کرنے کے لئے نازل ہو گئیں۔ جب کُفر کی بربادی کا وقت آ پہنچا جب اسلام کے غلبہ کی گھڑی قریب آگئی تو اس وقت تم اگر پُوری طرح تیار نہیں ہو گے، تم نے اپنے اندر کامل تغیّر پیدا نہیں کیا ہو گا، تم نے اپنی اصلاح کی طرف پوری توجہ

نہیں کی ہوگی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اُس دن سے فائدہ اُٹھانے سے محروم رہ جاؤ گے اور اسلام کی دائمی ترقی میں روک بن جاؤ گے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس پانی کو سنبھالا نہ جائے وہ بجائے فائدہ پہنچانے کے لوگوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ جس دُودھ کو محفوظ نہ رکھا جائے وہ پھٹ جاتا ہے۔ وہی پانی فائدہ پہنچاتا ہے جس کو سنبھالا جائے اور وہی دودھ انسان کو طاقت بخشتا ہے جس کو پھٹنے سے محفوظ رکھا جائے۔ پھٹا ہوا دُودھ کس کام آسکتا ہے؟ گرا ہوا سالن کون استعمال کرتا ہے؟ کُتے کے آگے پڑی ہوئی روٹی کون کھاسکتا ہے؟ اسی طرح اگر ہم نے اس دودھ کو محفوظ نہ رکھا جو خدا نے ہمارے لئے نازل کیا ہے، اگر ہم نے اس کھانے کی حفاظت نہ کی جو خدا نے ہمیں دیا ہے۔ اگر ہم نے اس پانی کو نہ سنبھالا جو خدا نے آسمان سے اُتارا ہے تو یہ پانی اور یہ دُودھ اور یہ کھانا ہمارے لئے ایک طعنہ کا موجب بن جائے گا۔ کیونکہ ہمیں چیز تو ملی مگر ہم نے اس کی قدر نہ کی۔

پس مَیں آج پھر خدا تعالیٰ کے اس پیغام کو جماعت تک پہنچاتا ہوں۔ پہلے میری طرف سے ہی گھبراہٹ تھی اور مَیں جماعت کو بار بار کہتا تھا کہ جلد جلد بڑھو۔ جلد جلد اپنا قدم آگے کی طرف بڑھاؤ۔ مگر اب خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی یہ گھبرا دینے والا پیغام آگیا ہے کہ

"روزِ جزاء قریب ہے اور رَہ بعید ہے"

جزاء کا دن بہت قریب ہے مگر تمہاری رَہ بہت بعید ہے۔"[1]

فصل چہارم

ہوشیار پور، لاہور، لدھیانہ اور دہلی میں عظیم الشّان جلسوں کا انعقاد

مُصلح موعود کا ظہور مذہبی دُنیا میں زبردست تہلکہ مچا دینے والا واقعہ تھا۔ اس نشانِ رحمت کی یہ عظمت و اہمیت تقاضا کرتی تھی کہ بیرونی دنیا میں عموماً اور سرزمین ہند کے اکناف میں خصوصاً پُورے زور سے یہ آواز بلند کر دی جائے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء

[1] "الفضل" ۲۷ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶-۷۔

کو جس پسرِ موعود کی بشارت دی تھی۔ وہ ظاہر ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے شروع میں ہوشیارپور، لاہور، لدھیانہ اور دہلی میں پبلک جلسے منعقد کئے گئے

یہ چاروں جلسے الگ الگ شان کے حامل اور نہایت درجہ رُوح پرور، ایمان افروز اور کامیاب جلسے تھے جن میں خود حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی اور اپنی پُرشوکت تقریروں میں اپنے دعویٰ مصلحِ موعود کا حلفیہ اور پُرجلال اعلان فرمایا اور اہلِ ہند پر حجّت تمام کر دی۔

جلسہ ہوشیارپور

اعلانِ مصلح موعود کے سلسلہ میں پہلا جلسہ عام ۲۰ فروری ۱۹۴۴ء (۲۰ تبلیغ ۱۳۲۳ہش) کو ہوشیارپور میں منعقد ہوا جلسوں کا یہ سلسلہ چونکہ خالص اعلائے کلمۃ اللہ اور خدا کے ایک زندہ و تابندہ نشان کے لئے جاری کیا جا رہا تھا اس لئے حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۴ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو جماعت کے نام حسب ذیل پیغام[1] دیا:۔

"برادران! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آپ ہوشیارپور کے جلسہ کی نسبت اعلان پڑھ چکے ہیں۔ اس جلسہ کی غرض صرف یہ ہے کہ جس جگہ دُنیوی حالات کے خلاف ہوتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک رحمت کے نشان کی خبر دی تھی جس کے ذریعہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام دُنیا کے کناروں تک پہنچیگا اسی جگہ آج یہ اعلان کیا جائے کہ وہ پیشگوئی نہایت شان کے ساتھ پُوری ہو گئی ہے۔

پس یہ موقعہ خشیت اور تقوٰے اللہ کے اظہار کا ہے نہ کہ دُنیوی تقریبوں پر جس طرح مظاہرے کئے جاتے ہیں، اس کا۔ پس میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ صرف وہی لوگ اس جلسہ میں شامل ہوں جو دُعائیں کرنے والے، استغفار کرنے والے، حمد کرنے والے اور ذکر کرنے والے ہیں اور اُس جگہ پر جب تک رہیں اِس امر کا تعہد کریں کہ نہ بلا وجہ بات کریں، نہ ہنسی مذاق کریں، نہ ہنسی تمسخر سے کام لیں بلکہ تمام وقت سنجیدہ رہیں اور دُعاؤں اور استغفار میں مشغول رہیں۔

پس اس بات کا خیال رہے کہ لڑکے اور چھوٹی عمر کے نوجوان وہاں نہ جائیں نہ وہ جو اپنی طبیعتوں پر قابو نہیں رکھ سکتے، نہ وہ جو تھوڑی دیر خاموش بیٹھنا پڑے تو گھبرا جاتے ہیں۔ بلکہ وہ جائیں جو اس ارادہ کے ساتھ گھر سے نکلیں کہ کُلّی طور پر خاموشی سے شمولیت کریں گے اور سب وقت اللہ تعالیٰ

---

[1] یہ پیغام حضرت اقدسؓ نے لاہور سے عنایت فرمایا جہاں حضور ان دنوں حضرت اُمّ طاہرؓ کی علالت کے باعث مقیم تھے۔

کے ذکر میں گذاریں گے یا ایسے کاموں میں جو اُن کے سپرد کئے جائیں گے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ میں ام طاہر احمد کی بیماری کی وجہ سے خود شامل ہو سکوں گا یا نہیں۔ مگر ممکن ہوا تو شامل ہوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ پس جو شامل ہونے والے ہیں۔ انہیں میں ابھی سے نصیحت کرتا ہوں کہ اگر آپ نے میری نصیحت پر عمل کیا تو یہ عمل آپ کا مقبولِ بارگاہ الٰہی ہوگا۔ ورنہ آپ اپنے عمل کو ضائع کر لیں گے اور شاید بعض غضبِ الٰہی کو بھڑکا لیں۔

خاکسار

مرزا محمود احمد از لاہور"[۵۱]

پیغام کا غیر معمولی اثر

اس پیغام نے جلسہ ہوشیار پور میں شامل ہونے والوں پر نہایت گہرا اثر ڈالا۔ قریباً دو اڑھائی ہزار احمدی[۵۲] جو اس تقریب پر دوسرے مقامات سے ہوشیار پور پہنچے، ان کی ہر حرکت و سکون سے خاص وقار اور خشیت اللہ کا اظہار ہوتا تھا۔ تسبیح و تحمید اُن کی زبانوں پر تھی اور وہ متانت و سنجیدگی کے پیکر معلوم ہوتے تھے۔ اس رُوحانی کیفیت کا حال پڑھ کر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری مدیر "اہلحدیث" نے لکھا:-

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا صحابہ کرام کی فوج مکہ فتح کرنے جا رہی ہے"[۵۳]

قادیان سے ہوشیار پور جانیوالوں کا پہلا قافلہ

قادیان سے ہوشیار پور جانے والوں کا پہلا قافلہ ۱۹ تبلیغ (فروری) کو شام کی گاڑی سے حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی زیر امارت روانہ ہوا۔ اس قافلہ کے لئے بڑی کوشش سے صرف ایک تیسرے درجہ کی بوگی مخصوص کرائی جا سکی جو مسافروں کی تعداد کے لحاظ سے بالکل ناکافی تھی اور اس میں صرف ان اصحاب کو بمشکل جگہ مل سکی جو آمد و رفت کا کرایہ منتظمین کے پاس پیشگی جمع کرا چکے تھے۔ باقی اصحاب دوسرے ڈبوں میں سوار ہوئے۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ نے روانگی سے قبل "چند معروضات" کے نام سے ایک ہینڈ بل چھپوا کر جانے والوں میں تقسیم کرا دیا جس میں لکھا تھا:-

"اگر خدائے بزرگ و توانا کی مرضی مبارک ہوئی تو قادیان دارالامان سے بروز ہفتہ مؤرخہ ۱۹ ۲ ۴۴ کو شام ۶ ۱/۲ بجے گاڑی سے جلسہ ہوشیار پور میں شمولیت کے لئے ایک احمدی قافلہ روانہ ہوگا۔ جناب

---

۵۱ "الفضل" ۱۹ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔
۵۲ " " ۲۴ " " صفحہ ۳ کالم ۱۔
۵۳ "اہلحدیث" ۱۰ مارچ ۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۳۔

ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ[1] نے جو اس مہم کے افسر اعلیٰ ہیں۔ خاکسار کو قافلہ کا خادم مقرر فرمایا ہے اس لئے یہ خادم اہل قافلہ کی خدمت میں چند ضروری امور پیش کرنا چاہتا ہے جو یہ ہیں :-

(۱) اگر خدا تعالیٰ کے فضل سے ریزرو گاڑی کا انتظام ہو گیا تو ہر ڈبہ میں صرف اتنے مسافر بٹھائے جائیں گے جتنے ریلوے قوانین کے مطابق بٹھائے جا سکتے ہیں ورنہ وقت پر مناسب طریق اختیار کیا جائے گا۔

(۲) ریزرو ہونے کی صورت میں ہر مسافر ہر ڈبے میں نہیں بیٹھ سکتا۔ بلکہ میرے مقرر کردہ منتظمین کی ہدایات کے ماتحت بیٹھنا ہو گا۔

(۳) جیسا کہ حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کا ارشاد "الفضل" میں شائع ہو چکا ہے نہایت ضروری ہو گا کہ قادیان سے روانگی کے وقت سے ہی تمام اہل قافلہ کو خاموشی، متانت، خشوع و خضوع اور دعاؤں میں لگے رہنے کی عادت سے متصف ہو جانا ضروری ہے۔ قادیان سے روانہ ہو کر صرف امرتسر پہنچنے پر گاڑی سے باہر نکلا جا سکتا ہے۔ امرتسر انشاء اللہ مغرب و عشاء کی نماز باجماعت ہو گی۔ اگر کوئی شخص نماز باجماعت سے غیر حاضر رہا تو اُسے امرتسر سے آگے جانے کی اجازت نہ ہو گی۔ اسی طرح نماز تہجد کا بھی انتظام ہو گا اور نماز فجر باجماعت کا بھی۔ راستہ میں کسی شخص کو نعرہ لگانے یا اشعار پڑھنے کی اجازت نہ ہو گی۔ ہر ڈبہ میں ایک ایک شخص امیر ہو گا۔ اس کی اطاعت ضروری ہو گی۔ کھانا کھا کر دوست قادیان سے روانہ ہوں یا اپنے ہمراہ کھانا لے جائیں۔ کھانے کا انتظام مرکز کی طرف سے نہ ہو گا۔ چونکہ گاڑی میں ہی غالباً ساری رات بسر ہو گی۔ اس لئے گاڑی میں بستر بچھانے کی گنجائش نہ ہو گی۔ بدیں وجہ دوست کافی گرم کپڑا اوڑھ کر بیٹھیں۔ جو شخص کسی قسم کی ناشائستہ حرکت کا مرتکب ہو گا علاوہ اس کے کہ وہ گاڑی سے فوراً کسی اسٹیشن پر اُتار دیا جائے گا، اس کا معاملہ حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کے حضور پیش کیا جائیگا۔

غرض یہ سفر نہایت تہذیب، متانت، شرافت، تقویٰ اور خشوع و خضوع کے ساتھ ہونا چاہیئے اس موقعہ پر مَیں دُعا کرتا ہوں کہ اے میرے قادر مطلق خدا! تو ہمیں دُنیاداروں، فیشن پرستوں اور ظاہر پرستوں کی طرح تمام خرابیوں سے بچا کر اس طرح اس سفر پہ لے جا کہ تیری نظر میں عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ ہم فرشتوں کی ایک جماعت ہوں جو محض تیری تسبیح و تہلیل کا پانی پیتے ہوئے اور تیری تحمید و تقدیس کی غذا کھاتے ہوئے اور تیری تحمید و تکبیر کی ہوا میں سانس لیتے ہوئے قادیان سے ہوشیار پور

[1] یعنی حضرت مولوی عبدالمغنی خانصاحب رضی اللہ عنہ (مرتب)۔

ہوشیارپور سے قادیان کا سفر کریں۔ آمین یا ربّ العالمین۔

سیّد محمد اسحٰق خادم قافلہ ہوشیارپور"

قادیان سے جالندھر

اس قافلہ میں جو قریباً اڑھائی سَو افراد پر مشتمل تھا حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ، حضرت مولوی سیّد محمد سرور شاہ صاحبؓ اور خانصاحب حضرت مولوی فرزند علی صاحبؓ بھی شامل تھے۔ جب گاڑی روانہ ہوئی تو سب نے مل کر دُعا کی۔ امرتسر کے اسٹیشن پر اَور بھی بہت سے اصحاب شریک قافلہ ہو گئے۔ مغرب اور عشاء کی نمازوں کے لئے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر اذان کہی گئی اور دونوں نمازیں جمع کر کے حضرت میر صاحبؓ نے پڑھائیں۔ گیارہ بجے کے قریب ڈیڑھ دون پسنجر کے ساتھ ریزرو بوگی لگائی گئی۔ اور دوسرے اصحاب نے گاڑی میں سوار ہونے کی کوشش کی لیکن باوجود انتہائی کوشش کے اُن میں سے بہت سے رہ گئے اور وہ دوسری گاڑی سے جالندھر پہنچے۔ جالندھر شہر کے اسٹیشن پر گاڑی ڈیڑھ بجے کے قریب پہنچی اور بقیہ رات اسٹیشن پر گاڑیوں میں اور پلیٹ فارم پر گذاری گئی۔ عمر رسیدہ اور بزرگ اصحاب کا سخت سردی میں زمین پر یا گاڑیوں کے تنگ تختوں پر رات گذارنا اگرچہ کٹھن بات تھی۔ لیکن ہر خورد و کلاں اور ہر بوڑھا اور جوان کچھ ایسے رُوحانی سرور اور لذّت میں مست تھا کہ کسی کو تکلیف کا خیال تک نہ رہا۔ سحری کے وقت اکثر لوگ خود بخود تہجد کی نماز کے لئے اُٹھے اور جو نہ اُٹھ سکے وہ جگائے گئے۔ صبح کی اذان پلیٹ فارم پر دی گئی اور نماز فجر حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ نے پڑھائی۔

جالندھر سے ہوشیارپور

گاڑی سات بجے کے قریب ہوشیارپور کے لئے روانہ ہوئی۔ اس وقت تک وہ اصحاب بھی پہنچ چکے تھے جو امرتسر کے اسٹیشن پر قافلہ کے ساتھ آنے سے رہ گئے تھے بلکہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اصحاب شامل ہو گئے جو لاہور یا دہلی کی طرف سے آئے تھے۔ نَو بجے کے قریب گاڑی ہوشیارپور کے اسٹیشن پر پہنچی۔ جہاں حضرت مولوی عبد المغنی خاں صاحبؓ ناظر دعوۃ و تبلیغ کی قیادت میں بعض اصحاب پہلے سے موجود تھے۔ اسٹیشن پر سے پانچ پانچ کی قطار میں قافلہ روانہ ہوا۔ اور جائے قیام تک جو شہر کے درمیان گرلز سکول کی عمارت تھی، اسی ترتیب سے گیا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی طرف سے جلسہ گاہ کے انتظامات کی نگرانی

وہاں پہنچ کر حضرت میر صاحبؓ نے موقعہ کے لحاظ سے مختصر تقریر فرمائی۔ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضؓ انتظامات جلسہ اور مقام دعا کا ملاحظہ فرمانے کے لئے تشریف لے گئے چونکہ ایک روز قبل بارش ہو چکی تھی اس لئے گڈ منڈی کے وسیع احاطہ میں (جسے جلسہ کیلئے

حضرت سیدنا المصلح الموعود ہوشیار پور میں جلسہ سے قبل نماز پڑھا رہے ہیں

(قیام)

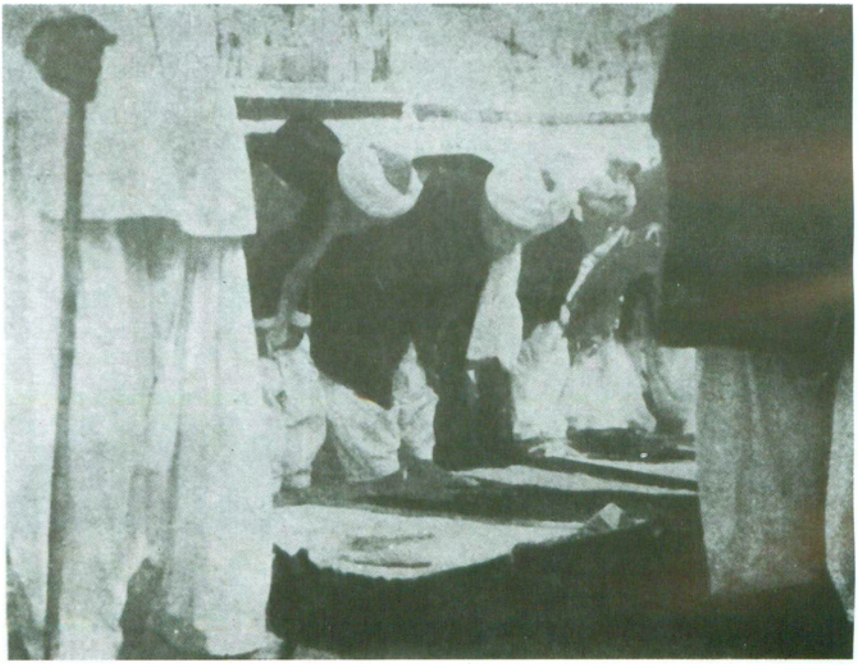

(رکوع)

سیدنا حضرت مصلح موعود کے دائیں ہاتھ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب اور ان کے ساتھ
حضرت میر محمد اسحاق صاحب التحیات میں بیٹھے ہیں

تجویز کیا گیا تھا اور جو اس مکان کے قرب کی وجہ سے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چلّہ کشی فرمائی تھی بہترین جگہ تھی) کیچڑ تھا اور اس پر مٹی ڈالی جا رہی تھی۔ لیکن جس رفتار سے کام ہو رہا تھا اُسے کافی نہ خیال کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے زیادہ سرگرمی سے کام کرنے کا ارشاد فرمایا اور امداد دینے کے لئے جتنے آدمیوں کی ضرورت کام کرنے والوں نے سمجھی وہ قادیان سے آنے والے قافلے میں سے بھجوا دیئے میونسپلٹی کے ملازمین کے علاوہ ملک نادر خاں صاحب افسر مال لُدھیانہ اور میجر حبیب اللہ خانصاحب نے بھی ہر قسم کا انتظام مکمل کرنے میں پُوری مستعدی دکھائی۔ اور حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی تشریف آوری سے قبل خدا تعالیٰ کے فضل سے سب انتظامات مکمل ہو گئے۔

دُوسرا قافلہ

ایک بجے کی گاڑی سے قادیان کا دوسرا قافلہ جو مولانا ابو العطاء صاحب کی قیادت میں ۲۰ تبلیغ / فروری کی صبح کو قادیان سے روانہ ہوا تھا، پہنچ گیا اور بآسانی جلسہ میں شریک ہو گیا۔[۱]

حضرت مصلح موعود کی ہوشیار پور میں تشریف آوری

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ پونے دو بجے کے قریب لاہور سے بذریعہ کار ہوشیار پور پہنچ گئے۔ حضور کے ہمراہ کار میں حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحبؓ، شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ اور سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدر آبادی بھی تھے۔[۲] حضور موٹر سے اُترتے ہی جلسہ گاہ میں تشریف لائے اور ظہر و عصر کی نمازیں نہایت خشوع خضوع سے جمع کر کے پڑھائیں۔

جلسہ گاہ میں یہ الہامی فقرے موٹے حروف میں لکھ کر نمایاں جگہ پر آویزاں کر دیئے گئے تھے:۔

"خدا تیری دعوت کو دُنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا"

"وہ زمین کے کناروں تک شہرت پائیگا اور قومیں اُس سے برکت پائیں گی"

کارروائی کا آغاز

نماز کے بعد تین بجے جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ سب سے قبل حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے تلاوتِ قرآن کریم فرمائی اور سورۂ بنی اسرائیل کا رکوع ۹ پڑھا جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ یہ آیاتِ قرآنیہ چونکہ موقع کے عین مطابق تھیں اس لئے مومنین کے قلوب ان آیاتِ قرآنیہ کے سُننے سے خاص طور پر متاثر ہوئے۔ تلاوتِ قرآن کریم کے بعد حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد (سابق امام مسجد لنڈن) پرائیویٹ سکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے حضرت مولوی عبد اللہ صاحب سنوری رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے ایک مختصر سی تقریر کی۔[۳]

---

[۱] "الفضل" ۲۳ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲۔ [۲] "الفضل" ۲۴ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲۔ [۳] درد صاحب کی مکمل تقریر "الفضل" ۱۰؍ شہادت ۱۳۲۳ہش/ ۱۰؍اپریل ۱۹۴۴ء صفحہ ۳ پر شائع ہو چکی ہے۔

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کی تقریر

درود صاحب کے بعد سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور تشہد و تعوذ کے بعد حضور نے سورۂ فاتحہ کی تلاوت فرمائی۔ حضور جب "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کے قرآنی الفاظ پر پہنچے تو حضور نے دوبارہ انہی بابرکت الفاظ کو نہایت سوز، تضرع اور ابتہال کے ساتھ "اَللّٰهُمَّ يَا رَبِّ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کہہ کر دوہرایا۔ ان الفاظ میں اور حضور کی آواز میں جو اس وقت الٰہی تصرف کے ماتحت معلوم ہوتی تھی ایسا درد بھرا ہوا تھا کہ سننے والوں کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ اُن کے قلوب درد سے بھر گئے، رقت غالب آگئی اور گریہ وزاری کا عالم طاری ہوگیا۔ اور انہوں نے بھی اپنے دل میں انہی الفاظ کو نہایت عجز و انکسار کے ساتھ دہرایا۔

ازاں بعد حضور نے مندرجہ ذیل ادعیۂ ماثورہ پڑھیں۔ جنہیں جماعت کے احباب نے بھی حضور کی آواز کے ساتھ ساتھ نہایت رقت اور سوز سے دُہرایا:-

۱- رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔ (بقرہ رکوع ۴۰)

۲- رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۔ (آل عمران ع ۵)

۳- رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔ (آل عمران ع ۱۵)

۴- رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۔ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۔ (آل عمران ع ۲۰)

۵- رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۔ (آل عمران ع ۱)

یہ دُعائیں حضور کی زبانِ مبارک سے کچھ ایسے درد اور سوز کے ساتھ بلند ہوئیں کہ تمام مجمع کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ دل اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کی محبت سے بھر گئے اور آہ و بکا کی آواز ہر طرف سُنائی دینے لگی۔

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود جلسہ ہوشیار پور کو خطاب فرما رہے ہیں

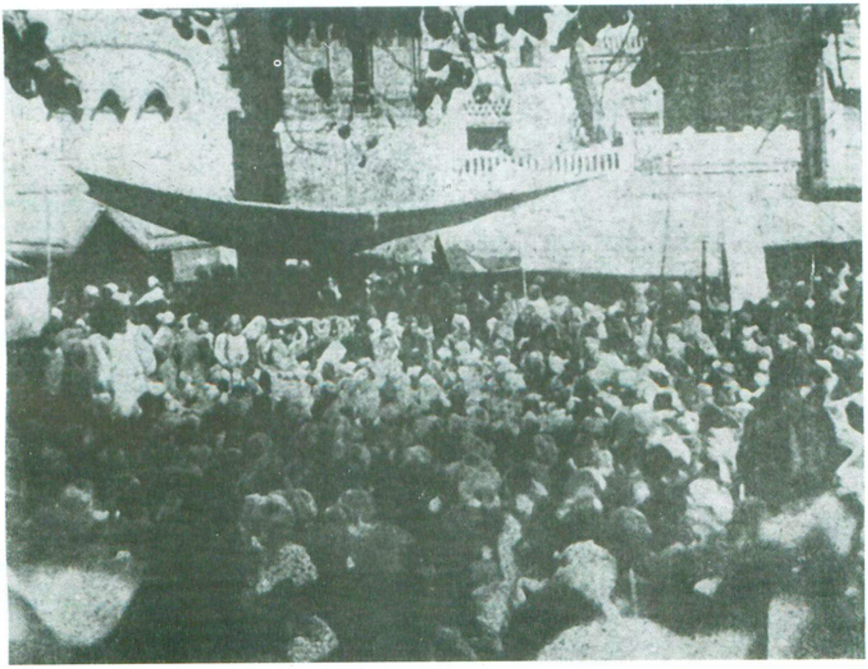

حضور نے دُعائیں پڑھنے کے بعد فرمایا :-

" یہ اللہ تعالیٰ کی وہ دعائیں ہیں جن میں انبیاء اور اُن کی ابتدائی جماعتوں کے لئے خدا نے ایک طریق راہ بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد میں قرآنی الفاظ میں ہی اپنے رب کو مخاطب کر کے اس کے حضور نذرِ عقیدت پیش کرتا ہوں۔ دوست بھی ان الفاظ کو دُہراتے جائیں"

چنانچہ حضور نے مندرجہ ذیل الفاظ اپنی زبان مبارک سے ادا فرمائے :-

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۞ (آل عمران ع ۹)

تمام مجمع نے ایک بار پھر اشکبار آنکھوں اور درد مند قلوب کے ساتھ ان الفاظ کو دہرایا اور اس وقت یُوں محسوس ہوا کہ آسمان سے انوار الٰہیہ کا نزول ہو رہا ہے اور فرشتے دلوں کو ہر قسم کی مَیل کچیل سے صاف کر کے انہیں پاکیزہ و مطہر بنا رہے ہیں۔[۱]

سیدنا المصلح الموعود کا پُرشوکت خطاب اہلِ ہوشیارپور کو

ان دعاؤں اور جناب باری تعالیٰ کے حضور اظہارِ عقیدت کے بعد سیدنا المصلح الموعودؓ نے ایک نہایت وجد آفرین اور پُرشوکت تقریر فرمائی جس میں پیشگوئی مصلح موعود کے پسِ منظر پر روشنی ڈالنے کے بعد بتایا کہ یہ پیشگوئی کس طرح نہایت مخالف حالات کے باوجود خارق عادت رنگ میں ظہور پذیر ہو چکی ہے۔ اس سلسلہ میں حضور نے اس انکشاف سے متعلق اپنی تازہ رؤیا بھی بڑی شرح و بسط سے بیان کی اور پھر فرمایا :-

" مَیں آج اسی واحد اور قہار خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ و تصرف میں میری جان ہے کہ مَیں نے جو رؤیا بتائی ہے وہ مجھے اسی طرح آئی ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ کوئی خفیف سا فرق بیان کرنے میں ہو گیا ہو تو علیحدہ بات ہے۔ مَیں خدا کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ مَیں نے کشفی حالت میں کہا اَنَا الْمَسِيْحُ الْمَوْعُوْدُ مَثِيْلُهٗ وَخَلِيْفَتُهٗ۔ اور مَیں نے اس کشف میں خدا کے حکم سے یہ کہا کہ مَیں وُہ ہوں جس کے ظہور کے لئے اُنیس سو سال سے کنواریاں منتظر بیٹھی تھیں۔ پس مَیں خدا کے حکم کے ماتحت قسم کھا کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ خدا نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی کے مطابق آپ کا وہ موعود بیٹا قرار

---

[۱] "الفضل" ۱۹ تبلیغ / فروری ۱۳۲۵ہش / ۱۹۵۶ء صفحہ ۵-۶۔

دیا ہے جس نے زمین کے کناروں تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پہنچایا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ میں ہی موعود ہوں اور کوئی موعود قیامت تک نہیں آئے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اور موعود بھی آئیں گے اور بعض ایسے موعود بھی ہوں گے جو صدیوں کے بعد پیدا ہوں گے۔ بلکہ خدا نے مجھے بتایا ہے کہ وہ ایک زمانہ میں خود مجھ کو دوبارہ دُنیا میں بھیجے گا اور میں پھر کسی شرک کے زمانہ میں دُنیا کی اصلاح کے لئے آؤں گا جس کے معنے یہ ہیں کہ میری رُوح ایک زمانہ میں کسی اور شخص پر جو میرے جیسی طاقتیں رکھتا ہوگا، نازل ہوگی اور وہ میرے نقشِ قدم پر چل کر دُنیا کی اصلاح کرے گا۔ پس آنے والے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق اپنے اپنے وقت پر آئیں گے۔

میں جو کچھ کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ پیشگوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اس شہر ہوشیارپور میں سامنے والے مکان میں نازل ہوئی۔ جس کا اعلان آپ نے اس شہر سے فرمایا۔ اور جس کے متعلق فرمایا کہ وہ نَو سال کے عرصہ میں پیدا ہوگا۔ وہ پیشگوئی میرے ذریعہ سے پُوری ہو چکی ہے اور اب کوئی نہیں جو اس پیشگوئی کا مصداق ہو سکے"[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی اس پُرمعارف تقریر کے بعد مبلغین سلسلہ کی باری باری مختصر تقریریں[2] ہوئیں جن میں اس امر پر روشنی ڈالی گئی کہ ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی میں جو یہ بشارت دی گئی تھی کہ

"خدا تیری دعوت کو دُنیا کے کناروں تک پہنچا دیگا"

سیدنا امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے ذریعہ وہ بڑی شان و عظمت کے ساتھ پُوری ہو چکی ہے

اس تقریب پر جن اصحاب نے تقریریں کیں، اُن کے نام یہ ہیں:-

۱۔ حضرت چودھری فتح محمد صاحبؓ سیال ایم۔ اے (انگلستان)

۲۔ حضرت ملک غلام فرید صاحبؓ ایم۔ اے (جرمنی)

۳۔ جناب محمد ابراہیم صاحب ناصر بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (ہنگری)

۴۔ حضرت مولوی محمد دین صاحب (شمالی امریکہ)

---

[1] "الفضل" ۱۹ر تبلیغ / فروری ۱۳۳۵ہش / ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۰ کالم ۲ تا ۴۔

[2] یہ تقریریں "الفضل" ۲۵ر تبلیغ / فروری تا ۲ر امان / مارچ ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء میں چھپ گئی تھیں۔

مبلغین احمدیت کی تقاریر ہوشیار پور کے جلسہ مصلح موعود میں

مولانا ابوالعطاء صاحب فلسطین مشن کے واقعات بیان کر رہے ہیں۔

اوپرا۔ حضرت مولوی عبدالمغنی خان صاحب ناظر دعوت وتبلیغ مائیکروفون کے سامنے کھڑے ہیں

نیچے۲۔۔۔۔؟

۵۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور (انچارج تحریک جدید) (برائے مولوی محمد شاہ علی صاحب ارجنٹائن جنوبی امریکہ، ملک عزیز احمد صاحب سرو بایا، سید شاہ محمد صاحب جاوا، مولوی غلام حسین صاحب ایاز ملایا)

۶۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیّر رضی اللہ عنہ (سیرالیون۔ گولڈ کوسٹ۔ نائیجیریا)

۷۔ مولوی محمد سلیم صاحب مولوی فاضل (مصر)

۸۔ حضرت مولوی عبدالمغنی صاحب رضی اللہ عنہ (برائے شیخ مبارک احمد صاحب مولوی فاضل مشرقی افریقہ، مولوی رحمت علی صاحب، مولوی محمد صادق صاحب، مولوی عبدالواحد صاحب مبلغین جاوا سماٹرا)

۹۔ حضرت صوفی حافظ غلام محمد صاحب رضی اللہ عنہ بی۔ اے (ماریشس)

۱۰۔ مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری[1] (فلسطین)

۱۱۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ (شام)

۱۲۔ مولوی ظہور حسین صاحب (روس)

۱۳۔ حکیم مولوی عبداللطیف صاحب (برائے محمد رفیق صاحب مرحوم مجاہد تحریک جدید کاشغر)

۱۴۔ حضرت بابو فقیر علی صاحب رضی اللہ عنہ (برائے حضرت شہزادہ عبدالمجید صاحب رضی اللہ عنہ شہید (ایران)

۱۵۔ جناب عبدالاحد خاں صاحب افغان (کابل)

۱۶۔ جناب محمد زہدی صاحب (سٹریٹ سیٹلمنٹ)

۱۷۔ مولوی عبدالواحد صاحب (چین)

۱۸۔ صوفی عبدالقدیر صاحب (جاپان)

ان تقریروں کے دوران جب کسی ملک میں تبلیغ اسلام اور اشاعت احمدیت کے واقعات بیان کئے جاتے تو ساتھ ہی اس ملک کا نام بھی جلی حروف میں احباب کے سامنے لٹکا دیا جاتا۔[2]

حضرت سیدنا المصلح الموعود کی تقریر کا تتمہ

ان تقریروں کے بعد حضرت سیدنا المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے آخری خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اس وقت مختلف ممالک کے مبلغین نے آپ لوگوں کو بتایا ہے کہ کس طرح دنیا کے کناروں تک میرے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور احمدیت کا نام پہنچایا۔ مغرب کے انتہائی کناروں یعنی شمالی امریکہ

---

[1] آپ نے مولوی محمد دین صاحب مبلغ یوگوسلاویہ و البانیہ کی نمائندگی میں بھی تقریر کی۔

[2] "الفضل" ۲۴ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۲-۴۔

وغیرہ سے لے کر مشرق کے انتہائی کناروں یعنی چین اور جاپان وغیرہ تک اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کا نام اور اس کی تعلیم پہنچانے کی توفیق عطا فرمائی۔ اسی طرح ایشیا اور یورپ کے مختلف علاقوں میں اللہ تعالیٰ نے میرے بھیجے ہوئے مبلغین کے ذریعہ لوگوں کو اسلام اور احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی اور اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤنگا" اور ساتھ ہی آپ کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ میرا ایک لڑکا ہوگا جو زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا جس کے معنے یہ تھے کہ وہ پہلی پیشگوئی جو زمین کے کناروں تک تبلیغ پہنچنے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے وہ میرے اس لڑکے کے ذریعہ پوری ہوگی جس نے زمین کے کناروں تک شہرت حاصل کرنی ہے۔ اب ہر شخص غور کرکے دیکھ لے کہ وہ کونسا ہاتھ تھا جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کا فیصلہ کیا؟ وہ کونسا ہاتھ تھا جس نے اس تبلیغ کو اس وقت تک دُنیا کے کناروں تک پہنچنے سے روکے رکھا جب تک وہ لڑکا ظاہر نہ ہوگیا؟ اور پھر وہ کونسا ہاتھ تھا جس نے میرے مبلغوں کے ذریعہ جاپان سے لے کر شمالی امریکہ تک تمام دُنیا میں اس سلسلہ کو پھیلانا شروع کر دیا۔ بلکہ ہر ملک کے افراد کو اس میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ ان میں ہزاروں ایسے لوگ ہیں جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام سُننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے مگر اب وہ آپؐ پر درود اور سلام بھیجتے ہیں اور صبح شام آپؐ کے مدارج کی بلندی کے لئے دعائیں کرتے ہیں ہزاروں ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے نام تک سے ناآشنا تھے مگر خدا تعالےٰ میرے ذریعہ سے ان لوگوں کو اپنے آستانہ پر لے آیا۔ صرف خدا کا ہی ہاتھ تھا جس نے تمام روکوں کو دُور کیا اور صرف خدا کا ہی ہاتھ تھا جس نے اپنے کلام کو پُورا کرنے کے لئے زمین کے کناروں تک اسلام اور احمدیت کا نام میرے ذریعہ سے پہنچایا۔ پس یہ پیشگوئی جس مقام سے کی گئی تھی اسی مقام کے سامنے کھڑے ہو کر یہ اعلان آپ لوگوں کے سامنے کر دیا گیا ہے تاکہ آپ لوگ گواہ رہیں کہ خدا کی یہ پیشگوئی پُوری ہوگئی" [1]

نیز فرمایا:۔

مَیں اُن لوگوں کو جو ابھی جماعت میں شامل نہیں توجہ دلاتا ہوں کہ مغرب کے کناروں سے مشرق کے

[1] "الفضل" ۱۹ تبلیغ/فروری ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۳ کالم ۱-۲

انتہائی کناروں تک ہم اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ ہم لوگ چاہتے ہیں کہ آپ بھی اس سلسلہ کی حقیقت پر غور کریں اور خدا تعالیٰ کے ان نشانات سے فائدہ اُٹھائیں جو دُنیا میں ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور اگر آپ لوگ ابھی اس سلسلہ کی صداقت پر غور نہیں کر سکتے تو کم سے کم خدا تعالیٰ کا اتنا خوف اپنے دِل میں ضرور پیدا کریں کہ جب اس جماعت کے افراد اسلام کی تبلیغ کے لئے نکلیں تو اُس وقت اُن کی مخالفت کرنے سے احتراز کریں اور سمجھ لیں کہ یہ وار اُن پر نہیں بلکہ خدا کے دین پر ہوگا اور اس کا نقصان افراد کو نہیں بلکہ مذہب اور اسلام کو ہوگا۔ اسی طرح مَیں اُن لوگوں سے بھی جو ابھی اسلام کی صداقت کے قائل نہیں، کہتا ہوں کہ ہم مبلّغ ہیں تبلیغ ہمارا کام ہے اور یہ کام ہم نے ہمیشہ کرنا ہے خواہ کوئی ہندو ہو سکھ ہو عیسائی ہو۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اُسے تبلیغ کریں اور اسلام کی تعلیم اس کے کانوں تک پہنچائیں۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ تبلیغ کرنا صرف ہمارا حق ہے۔ اُن کا بھی حق ہے کہ وہ ہمیں تبلیغ کریں۔ ہمیں اس پر کوئی گلہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ہماری تبلیغ پر چڑیں نہیں۔ ہم مجبور ہیں کہ ہم نرمی اور پیار اور محبت سے اُن کو تبلیغ کریں۔ اور جب ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی مرضی یہی ہے کہ لوگ اس دین کو اختیار کریں تو پھر چاہے لوگ ہمیں ماریں پیٹیں گالیاں دیں ہم مجبور ہیں کہ اُن کو اسلام کی تبلیغ کرتے چلے جائیں۔ کسی کا بچہ کنوئیں میں گر رہا ہو تو دوسرا شخص اُسے دیکھ کر چُپ نہیں رہ سکتا۔ کسی جگہ آگ لگ رہی ہو تو کوئی شخص اُس آگ کو دیکھ کر آرام سے بیٹھ نہیں سکتا۔ پھر جبکہ ہم کو بھی اُن سے ویسی ہی محبت ہے جیسے ایک باپ کو اپنے بیٹوں سے ہوتی ہے یا بھائی کو اپنے بھائی سے ہوتی ہے۔ اور جبکہ ہم سمجھتے ہیں کہ جو لوگ اسلام میں داخل نہیں وہ ایک آگ میں گرے ہوئے ہیں تو پھر ہم پُورا زور لگائیں گے کہ وہ اس آگ سے بچ جائیں۔ خواہ اس جدوجہد میں ہماری اپنی جان بھی کیوں نہ چلی جائے۔

پس تبلیغ کے لئے کوشش کرنا ہمارا فرض ہے اور ہم اپنے اس فرض کو ہمیشہ ادا کرتے رہیں گے لیکن آپ لوگ مت سمجھیں کہ آپ خدا کی تقدیر کو پُورا ہونے سے روک سکتے ہیں۔ خدا کی تقدیر ایک دن پُوری ہو کر رہے گی اور یہ سلسلہ تمام زمین پر پھیل جائے گا۔ کوئی نہیں جو اس سلسلہ کو پھیلنے سے روک سکے۔ مَیں آسمان کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں۔ مَیں زمین کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں۔ مَیں ہوشیارپور کی ایک ایک اینٹ کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ یہ سلسلہ دُنیا میں پھیل کر رہے گا۔ اگر لوگوں کے دِل

سخت ہوں گے تو فرشتے اُن کو اپنے ہاتھ سے ملیں گے یہانتک کہ وہ نرم ہو جائیں گے اور اُن کے لئے احمدیت میں داخل ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔"[۱]

مقدس کمرہ میں اجتماعی دُعا

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ اس پُر اثر خطاب کے بعد چلہ کشی والے مقدس و مبارک کمرہ میں تشریف لے گئے جو اُن دنوں ایک معزز ہندو سیٹھ ہرکشن داس کی ملکیت تھا جنہوں نے اُسے شیخ مہر علی صاحب سے خرید کر اس پر ایک مکان تعمیر کر کے اس کے بالائی حصّہ پر سبز رنگ کر دیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چلہ کشی والا بالاخانہ اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں تھا۔ لیکن اسی موقعہ اور انہی بنیادوں پر ایک کمرہ تعمیر شدہ تھا جہاں سیٹھ صاحب نے بڑی خوشی سے دُعا کرنے کی اجازت دی۔ بلکہ حضرت مولوی عبد المغنی خاں صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ کے ذریعہ خواہش کی کہ اگر حضرت مرزا صاحب یہاں تشریف لائیں تو میری بڑی خوش قسمتی ہوگی۔ چنانچہ جب حضور مکان پر تشریف لے گئے تو جناب سیٹھ صاحب اور اُن کے خاندان کے دوسرے افراد نے نہایت عزّت و احترام کے ساتھ استقبال کیا اور ایک بڑے آراستہ کمرہ میں جو مکان کے دوسرے کونے میں واقعہ تھا، حضور کو بٹھایا اور حضور کی خدمت میں پھل پیش کئے اور اپنے خاندان کے افراد کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد حضور مقدس کمرہ میں تشریف لے گئے اور قبلہ رُخ دوزانو بیٹھ کر تسبیح و تحمید کرنے لگے اس کمرہ میں اُس وقت کے لئے فرش کا انتظام جماعت کی طرف سے کیا گیا تھا۔

جگہ کی تنگی کی وجہ سے حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کے علاوہ حسب ذیل پینتیس احباب اس کمرہ میں تشریف لے گئے جنہیں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ایک ایک کر کے انتظام کے ساتھ اندر بھجوایا۔

۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ	۹۔ صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب
۲۔ حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب	۱۰۔ صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب
۳۔ صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب	۱۱۔ صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب
۴۔ صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب	۱۲۔ حضرت خان محمد عبد اللہ خاں صاحبؓ
۵۔ صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب	۱۳۔ صاحبزادہ مسعود احمد خاں صاحب
۶۔ صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب	۱۴۔ صاحبزاد عباس احمد خاں صاحب
۷۔ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب	۱۵۔ حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ
۸۔ صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب	۱۶۔ حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحبؓ

[۱] "الفضل" ۱۹ تبلیغ / فروری ۱۳۲۹ ہش / ۱۹۶۰ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲

۱۷۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ
۱۸۔ حضرت حافظ محمد ابراہیم صاحب قادیانیؓ
۱۹۔ حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری
۲۰۔ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ
۲۱۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب دردؓ
۲۲۔ جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور
۲۳۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ
۲۴۔ مولوی عبدالمنان صاحب عمر ایم۔ اے
۲۵۔ حضرت چودھری فتح محمد صاحبؓ ایم۔ اے
۲۶۔ حضرت مولوی عبدالمغنی خاں صاحبؓ
۲۷۔ حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ
۲۸۔ حضرت ڈاکٹر سید غلام غوث شاہ صاحبؓ قادیان
۲۹۔ میاں فیروز دین صاحب سیالکوٹ
۳۰۔ حضرت حافظ نور محمد صاحبؓ فیض اللہ چک
۳۱۔ حضرت شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ
۳۲۔ حضرت منشی محمد الدین صاحبؓ کھاریاں
۳۳۔ حضرت مولوی عبدالرحمان صاحب جٹ
۳۴۔ جناب صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔ اے

ان احباب کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ بھی کمرے میں تشریف فرما رہے۔[۱]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ

"دراصل شروع میں جب مکان کے اندر جا کر دُعا کرنے والوں کی فہرست بنائی گئی تو اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد تھا کہ مندرجہ ذیل چار اقسام کے احباب کمرہ کے اندر جائیں۔

(۱) ۱۹۰۱ء سے پہلے بیعت کرنے والے صحابہ

(۲) جملہ ناظر صاحبان

(۳) افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالےٰ عنہ

(۴) ایسے احباب جن کا پیشگوئی مصلح موعود کے ساتھ خاص تعلق ہے، یعنی صوفی عبدالقدیر صاحب جو حضرت میاں عبداللہ صاحب سنوری مرحومؓ کے لڑکے ہیں جو سفر ہوشیار پور میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ تھے۔ اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ جو شیخ حامد علی صاحب مرحوم کے داماد ہیں اور وہ بھی سفر ہوشیار پور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہمراہ تھے اور مکرمی شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور جن کے مکان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے اپنے مصلح موعود ہونے کے متعلق رویا دیکھا۔ اس طرح یہ فہرست قریباً ساٹھ ستر اصحاب کی بن گئی تھی۔

[۱] "الفضل" ۲۴/۲۵ تبلیغ فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴

اور خیال تھا کہ کمرہ کے علاوہ جو مکان کی دوسری منزل پہ واقع تھا کچھ دوست اس کے ساتھ کے برآمدہ میں بھی کھڑے ہو جائیں گے اور باقی دوست باہر کی پبلک گلی اور ساتھ کے میدان میں کھڑے رہیں گے۔ مگر تقریر کے اختتام کے قریب مالکِ مکان کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح المصلح الموعود کو پیغام آیا کہ چونکہ کمرہ چھوٹا ہے اس لئے اگر حضور کے ساتھ صرف چھ سات احباب اندر آئیں تو مناسب ہوگا۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح المصلح الموعود نے مجھے ارشاد فرمایا کہ شاید مالکِ مکان لوگوں کی کثرت سے گھبراتے ہیں اس لئے تم جلدی سے جا کر مکان کے دروازے پر کھڑے ہو جاؤ اور پہلی فہرست کو منسوخ سمجھو اور صرف چند دوستوں کو اندر بھجوا دو اور فرمایا کہ تم خود بھی آجانا اور میاں شریف احمد صاحب بھی آجائیں۔ اور ناظروں میں سے ناظر اعلیٰ آجائیں اور تین چار دوست پُرانے صحابہ میں سے آجائیں جنہیں تم دیکھ کر اندر بھجوا دینا۔ چنانچہ مَیں نے دروازہ پر جا کر اعلان کر دیا کہ اب سابقہ فہرست کے مطابق کوئی دوست از خود اندر نہ تشریف لے جائیں بلکہ میرے بُلانے پر اندر آئیں۔ اور اس کے بعد مَیں نے مجمع پر نظر ڈال کر ایک ایک دوست کو آواز دے کر اندر بھجوانا شروع کیا اور خدا کا فضل ایسا ہوا کہ مجھے مالکِ مکان کی عملی رضامندی کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح المصلح الموعود کے علاوہ ۳۵ اصحاب کو اندر بھجوانے کا موقعہ مل گیا۔ گو بعد میں مجھے یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ بعض ایسے اصحاب باہر رہ گئے جو اگر اس وقت میری نظر کے سامنے آجاتے تو مَیں انہیں بھی ضرور اندر لے جانے کی کوشش کرتا۔ مگر وہ اس وقت میری نظر سے اوجھل رہے۔"[۵۱]

المختصر جب کمرہ بالکل بھر گیا اور کسی اَور کے داخل ہونے کی گنجائش نہ رہی تو حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے ارشاد فرمایا کہ "اس موقع پر کسی ذاتی غرض کے لئے دُعا نہ کی جائے بلکہ صرف اسلام کی ترقی و شوکت کے لئے دُعا کی جائے" اس کے بعد حضور نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی جس میں وہ تمام احمدی احباب بھی شریک ہوئے جو مکان کے نیچے گلی اور میدان میں کھڑے تھے۔ دعا نہایت گریہ و زاری سے قریباً دس منٹ ہوئی۔

دُعا سے فراغت کے بعد حضور نیچے تشریف لائے اور اسی وقت موٹر میں سوار ہو کر لاہور کے لئے روانہ ہو گئے۔[۵۲]

---

۵۱ "الفضل" ۲۵ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴

۵۲ "الفضل" ۲۴ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء

شیخ مہر علی صاحب کے مکان سے ملحق گلی میں دعا کا منظر

جلسہ لاہور اعلانِ ظہورِ مصلحِ موعود کے لئے دوسرا پُرشکوہ جلسہ ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء کو لاہور میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ کے مہمانوں کے کھانے کا انتظام چوہدری اسداللہ خاں صاحب کے مکان (واقع ٹمپل روڈ) پر تھا[۱]۔ اور جلسہ گاہ ہوسٹل میڈیکل کالج سے متصل پٹیالہ ہاؤس کی گراؤنڈ میں تھی جہاں ایک وسیع شامیانہ لگایا گیا تھا۔

اس جلسہ لاہور میں نہ صرف احمدیہ جماعت کے افراد شامل تھے بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ہندو سکھ عیسائی اور دوسرے مذاہب کے افراد بھی شامل تھے جنہوں نے پورے سکون اور اطمینان کے ساتھ آخر وقت تک تمام جلسہ کی کارروائی سنی اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق فائدہ اُٹھایا۔

حضرت امیر المومنینؓ کی تشریف آوری حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود سوا دو بجے کے قریب جلسہ گاہ میں رونق افروز ہوئے حضور کی تشریف آوری سے قبل شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ[۲] نے حضور کا یہ ارشاد مبارک تمام لوگوں کو سُنایا جو تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد دہرایا جاتا رہا کہ

"درود اور ذکرِ الٰہی میں وقت گذاریں۔ لغو بات کوئی نہ کرے نہ آتے نہ جاتے۔
دُعائیں کثرت سے کریں۔ نعرہ کوئی نہ لگائے"

کچھ وقفہ کے بعد حضور جلسہ گاہ میں تشریف لے آئے اور حضور نے جلسہ گاہ میں ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں۔

جلسہ گاہ کا عام منظر جلسہ گاہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق خدا تعالےٰ کا یہ الہام کہ "خدا تیری دعوت کو دُنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا" اور المصلح الموعود کے متعلق یہ الہام کہ "وہ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی" موٹے حروف میں لکھوا کر سٹیج کے قریب لگا دیا گیا تھا۔ اس انتظام میں مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے نمایاں حصہ لیا۔ جماعت احمدیہ لاہور کے دیگر افراد بھی اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر کمربستہ تھے۔ لاؤڈ سپیکر کا نہایت عمدہ انتظام تھا اور عورتوں کے لئے بھی بر عایت پردہ جلسہ سُننے کا اہتمام تھا۔ قادیان سے بہت سے دوست ایک روز قبل لاہور پہنچ چکے تھے۔ باقی احباب جو سینکڑوں کی تعداد میں تھے، ۱۲ امان/مارچ کی صبح کو روانہ ہوئے۔ اس غرض کے لئے بعض ڈبے ریزرو کرائے گئے تھے جن کی وجہ سے بہت سہولت رہی۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ امیر قافلہ تھے۔ قادیان کی بہت سی خواتین بھی

---

[۱] "الفضل" ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴۔ [۲] آپ اُن دنوں امیر جماعت لاہور تھے۔

اس جلسہ میں شریک ہونے کے لئے تشریف لے گئیں جن کے لئے لاہور اسٹیشن پر جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے لاریوں کا انتظام تھا

جلسہ کا آغاز ظہر و عصر کی نمازیں ادا کرنے کے بعد یہ تاریخی جلسہ شروع ہوا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے تلاوتِ قرآن کریم فرمائی اور مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفر ہوشیارپور اور چلّہ کے حالات بیان کئے اور المصلح الموعود کے متعلق اس مقام پر خدا کا جو کلام نازل ہوا اُسے نہایت مؤثر اور جذب رکھنے والے انداز میں بیان فرمایا۔

حضرت امیر المومنینؓ کی ابتدائی تقریر اس کے بعد حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کھڑے ہوئے اور حضور نے وہ پُرجلال تقریر فرمائی جس کا ایک ایک لفظ دل میں اُترتا جارہا تھا۔ قلوب ڈھل رہے تھے۔ آسمان سے انوار کا نزول ہر شخص مشاہدہ کر رہا تھا۔ "المصلح الموعود" کے متعلق خدا نے جو کلام نازل فرمایا۔ اس میں خدائے عزّوجل نے مصلح موعود کی ایک علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کا نزول ایسا ہوگا ۔ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔ گویا خدا آسمان سے اُتر آیا۔ اور وہ لوگ جو اس جلسہ میں شریک ہوئے ان میں سے ہر شخص اس بات کی شہادت دے سکتا ہے کہ ایسا ہی نظارہ وہ اپنی رُوحانی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ بلکہ ایک مقام پر تو حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے یہ کلمات بلند ہوئے جو ہزاروں انسانوں نے اپنے کانوں سے سُنے کہ

"اس وقت مَیں نہیں بول رہا بلکہ خدا میری زبان سے بول رہا ہے"

حضور نے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد عجز و انکسار کے ساتھ وہ قرآنی دُعائیں پڑھنا شروع کیں جو قبل ازیں جلسہ ہوشیارپور کے موقعہ پر بھی پڑھی تھیں۔ تمام مجمع حضور کی آواز کے ساتھ ساتھ آہستگی مگر رقت، تضرع اور خشوع کے ساتھ وہ دُعائیں پڑھتا گیا۔ دلوں میں درد تھا اور آنکھوں میں نمی، اور ہر شخص آستانۂ ایزدی پر گرا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ لوگ جو ہماری جماعت میں شامل نہیں تھے اور جنہوں نے ابتک اسلام کے ایسے جانثار خدام اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے تھے وہ تو تصویرِ حیرت بنے کھڑے ہی تھے، خود جماعت احمدیہ کے افراد اپنے ایمانوں میں ایک نمایاں تازگی محسوس کر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس انکشافِ عظیم کے معاً بعد آسمان کے دروازے کھُل گئے ہیں۔

. . . . اور اسلام کی رُوحانی زندگی کا آغاز ہو گیا ہے۔ اب کوئی نہیں جو اس فتح کو روک سکے اور کوئی نہیں جو ان دروازوں کو بند کرسکے۔

دُعاؤں کے بعد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جلسہ ہوشیار پور کی طرح ایک مفصل تقریر فرمائی جو قریباً سوا گھنٹہ جاری رہی۔ یہ تقریر اہلِ لاہور کے لئے حجت تھی۔ یہ تقریر غیر مبائع اصحاب کے لئے حجت تھی۔ یہ تقریر ہر مخالفِ اسلام کے لئے حجت تھی۔ حضور نے بڑی تحدی کے ساتھ اسلام اور محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت اور اپنے دعویٰ مصلح موعود کو پیش فرمایا۔[۵۱]

سیدنا المصلح الموعودؓ نے اپنی تقریر کے پہلے حصہ میں اپنے خاندانی حالات اور پھر ۱۹۱۴ء کے اختلافات سلسلہ کی تاریخ پر تفصیلی روشنی ڈالی اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مصلح موعود سے متعلق بشارت اور اس کے ظہور پذیر ہونے کا تذکرہ نہایت دلکش انداز میں کرنے کے بعد فرمایا:-

"دُنیا میں کون کہہ سکتا ہے کہ میرے اں ضرور بیٹا پیدا ہوگا۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ بیٹا زندہ رہے گا۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک جماعت کا امام بنے گا۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا . . . . یقیناً کوئی انسان ایسی باتیں اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتا . . . . غرض خدا تعالےٰ کی تازہ تائیدات نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ سلسلہ خدا تعالےٰ کا قائم کردہ سلسلہ ہے اور اس کی نصرت اور تائید اس کے شامل حال ہے۔ اس طرح وہ پیشگوئی جو آج سے اُنسٹھ[۵۹] سال پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ کی گئی تھی کہ مَیں تجھے ایک بیٹا عطا کروں گا جو خدا تعالےٰ کی رحمت کا نشان ہوگا جو خدا تعالےٰ کی قدرت کا نشان ہوگا۔ جو خدا تعالیٰ کے فضل اور احسان کا نشان ہوگا۔ اس کے ذریعہ اسلام اور احمدیت کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا۔ وہ پیشگوئی بڑی شان اور جاہ و جلال کے ساتھ پُوری ہوگئی۔ آج سینکڑوں ممالک زبانِ حال سے گواہی دے رہے ہیں کہ میرے زمانۂ خلافت میں ہی اسلام کا نام ان کو پہنچا۔ میرے زمانۂ خلافت میں ہی احمدیت کے نام سے وہاں کے رہنے والوں کے کان آشنا ہوئے" [۵۲]

مبلّغین کی تقریریں

اس پہلی تقریر کے بعد مبلّغین سلسلہ نے اختصار کے ساتھ وہ تبلیغی کارنامے پیش کئے جو المصلح الموعود کے زمانہ میں حضور کی زیر ہدایت انہوں نے انجام دیئے اور جن کی وجہ سے نہ صرف المصلح الموعود نے زمین کے کناروں تک شہرت پائی بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام بھی دُنیا کے کناروں تک پہنچا۔ چنانچہ انگلستان کے متعلق حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیالؓ ناظر اعلیٰ نے، سپین، اٹلی، ہنگری، البانیہ، یوگوسلاویہ، پولینڈ، زیکوسلوویکیہ اور جنوبی امریکہ کے متعلق مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور انچارج

---

[۵۱] "الفضل" ۱۵ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲۔ [۵۲] "الفضل" ۱۸ تبلیغ/فروری ۱۳۳۷ہش/۱۹۵۸ء صفحہ ۱۵-۱۶۔

تحریک جدید نے، جرمنی کے متعلق ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے نے، شمالی امریکہ کے متعلق حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے، البانیہ کے متعلق جناب مولوی محمد دین صاحب شہیدؓ کی بجائے جناب ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ نے، سیرالیون، گولڈ کوسٹ، نائیجیریا کے متعلق حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیرؓ نے، مصر کے متعلق مولوی محمد سلیم صاحب نے، کینیا کالونی، یوگنڈا اور ٹانگانیکا کے متعلق حضرت مولوی عبدالمغنی خانصاحبؓ ناظر دعوۃ وتبلیغ نے، سیلون اور ماریشس کے متعلق حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیرؓ نے، فلسطین کے متعلق مولوی ابوالعطاء صاحب نے، شام کے متعلق حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے اور رُوس کے متعلق مولوی ظہور حسین صاحب مبلغ بخارا و رُوس نے مختصر تقریریں کیں۔[۱]

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کا حلفیہ اعلان

آخر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ دوبارہ کھڑے ہوئے اور اہلِ لاہور کو مخاطب کرتے ہوئے ایک نہایت پُرجلال تقریر فرمائی جس میں حضور نے خدائے واحد و قہار کی قسم کھا کر نہایت درجہ پُرشوکت الفاظ میں اعلان عام فرمایا کہ

"آج میں اس جلسہ میں اسی واحد اور قہار خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے اور جس پر افتراء کرنے والا اس کے عذاب سے کبھی بچ نہیں سکتا کہ خدا نے مجھے اسی شہر لاہور میں ۱۳ ٹمپل روڈ پر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے مکان میں یہ خبر دی کہ مَیں ہی مُصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں اور مَیں ہی وہ مُصلح موعود ہوں جس کے ذریعہ اسلام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا اور توحید دُنیا میں قائم ہوگی۔"

جماعتِ احمدیہ کی عظیم الشان مالی قربانیوں کا تذکرہ

اس دل ہلا دینے والے حلفیہ اعلان کے بعد حضور نے جماعت احمدیہ کی عظیم الشان مالی اور جانی قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ایک طرف اگر خدا نے یہ خبر دی کہ وہ میرے ذریعہ دنیا میں اسلام کا نام روشن کرے گا تو دوسری طرف اُس نے ایک غریب جماعت میں اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے وہ ایمان پیدا کر دیا جس کی مثال آج روئے زمین پر اور کوئی جماعت پیش نہیں کر سکتی۔ ابھی ایک خطبہ جمعہ میں مَیں نے جماعت کے سامنے اعلان کیا کہ اسلام اس وقت تم سے خاص قربانی کا مطالبہ کر رہا ہے۔ تم اگر خدا کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنی تمام جائیدادیں اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دو تاکہ جب بھی اسلام پر کفر کا حملہ ہو ہمیں اس کے مقابلہ کے لئے پریشانی نہ ہو کہ ہم روپیہ کہاں سے لائیں بلکہ ہر وقت ہمارے

---

[۱] "الفضل" ۱۵ امان / مارچ ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۲۔

پاس جائیدادیں موجود ہوں جن کو فروخت کرکے یا گرو رکھ کر ہم اسلام کی تبلیغ آسانی سے کرسکیں۔ ہماری جماعت ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ ہماری جماعت ایک غریب جماعت ہے۔ مگر جمعہ کے دن ۲ دو بجے مَیں نے یہ اعلان کیا اور ابھی رات کے دس۱۰ نہیں بجے تھے کہ چالیس لاکھ روپیہ سے زیادہ کی جائیدادیں انہوں نے میری آواز پر خدمتِ اسلام کے لئے وقف کردیں۔ جن میں پانچ سَو سے زیادہ مربعہ زمین ہے اور ایک سَو سے زیادہ مکان ہیں اور لاکھوں روپیہ کے وعدے ہیں۔ یہ وہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور اُس کی نصرت کے نشانات ہیں جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جن کے بعد کوئی ازلی شقی ہی خدا تعالیٰ کے اس نُور کو قبول کرنے سے انکار کرسکتا ہے۔ مَیں نے اس سے پہلے جس قدر مبلّغ دُنیا میں بھجوائے وہ قریباً سب کے سب اناڑی تھے۔ کوئی کالج سے نکلا تو مَیں نے اُس سے کہا کہ خدا کے دین کے لئے آج مبلّغوں کی ضرورت ہے۔ کیا تم اس خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کرسکتے ہو؟ اور میرے کہنے پر وہ تبلیغ کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ یہی مولوی ظہور حسین صاحب جنہوں نے ابھی رُوس کے حالات بیان کئے ہیں جب انہوں نے مولوی فاضل پاس کیا تو اس وقت لڑکے ہی تھے۔ مَیں نے اُن سے کہا کیا تم رُوس جاؤ گے؟ انہوں نے کہا میں جانے کے لئے تیار ہوں۔ مَیں نے کہا جاؤ گے تو پاسپورٹ نہیں ملیگا۔ کہنے لگے بیشک نہ ملے۔ مَیں بغیر پاسپورٹ کے ہی اس ملک میں تبلیغ کے لئے جاؤں گا۔ آخر وہ گئے اور ۲ دو سال جیل میں رہ کر انہوں نے بتادیا کہ خدا نے کیسے کام کرنے والے وجود مجھے دیئے ہیں۔

خدا نے مجھے وہ تلواریں بخشی ہیں جو کُفر کو ایک لحظہ میں کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔ خدا نے مجھے وہ دل بخشے ہیں جو میری آواز پر ہر قربانی کے لئے تیار ہیں۔ مَیں انہیں سمندر کی گہرائیوں میں چھلانگ لگانے کے لئے کہوں تو وہ سمندر میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہیں مَیں انہیں پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ کو گرانے کے لئے کہوں تو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ کو گرادیں۔ مَیں انہیں جلتے ہوئے تنوروں میں کُود جانے کا حکم دوں تو وہ جلتے ہوئے تنوروں میں کُود کر دکھادیں۔ اگر خودکشی حرام نہ ہوتی، اگر خودکشی اسلام میں ناجائز نہ ہوتی تو مَیں اس وقت تمہیں یہ نمونہ دکھا سکتا تھا کہ جماعت کے سَو آدمیوں کو مَیں اپنے پیٹ میں خنجر مار کر ہلاک ہوجانے کا حکم دیتا اور وہ سَو آدمی اسی وقت اپنے پیٹ میں خنجر مار کر مرجاتا۔ خدا نے ہمیں اسلام کی تائید کیلئے کھڑا کیا ہے۔ خدا نے مَیں محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام بلند کرنے کے لئے کھڑا کیا ہے۔[۱]

[۱] "الفضل" مصلح موعود نمبر ۱۸ از تبلیغ / فروری ۱۹۵۷ء/۱۳۳۶ ہش صفحہ ۱۷-۱۸

اختتامی کلمات

سیدنا المصلح الموعودؓ کی دوسری اور اختتامی معرکۃ الآراء تقریر مندرجہ ذیل الفاظ پر ختم ہوئی۔

"اے اہلِ لاہور! میں تم کو خدا کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ مَیں تمہیں اُس ازلی ابدی خدا کی طرف بُلاتا ہوں جس نے تم سب کو پیدا کیا۔ تم مت سمجھو کہ اس وقت مَیں بول رہا ہوں اس وقت مَیں نہیں بول رہا بلکہ خدا میری زبان سے بول رہا ہے۔ میرے سامنے دینِ اسلام کے خلاف جو شخص بھی اپنی آواز بلند کرے گا اس کی آواز کو دبا دیا جائے گا۔ جو شخص میرے مقابلہ میں کھڑا ہوگا وہ ذلیل کیا جائے گا، وہ رُسوا کیا جائے گا، وہ تباہ اور برباد کیا جائے گا۔ مگر خدا بڑی عزّت کے ساتھ میرے ذریعہ اسلام کی ترقی اور اس کی تائید کے لئے ایک عظیم الشّان بنیاد قائم کر دے گا۔ مَیں ایک انسان ہوں۔ مَیں آج بھی مَر سکتا ہوں اور کل بھی مَر سکتا ہوں۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ مَیں اس مقصد میں ناکام رہوں جس کے لئے خدا نے مجھے کھڑا کیا ہے . . . .

. . . اگر دُنیا کسی وقت دیکھ لے کہ اسلام مغلوب ہو گیا۔ اگر دُنیا کسی وقت دیکھ لے کہ میرے ماننے والوں پر میرے انکار کرنے والے غالب آ گئے تو بے شک تم سمجھ لو کہ مَیں ایک مفتری تھا لیکن اگر یہ خبر سچّی نکلی تو تم خود سوچ لو تمہارا کیا انجام ہوگا کہ تم نے خدا کی آواز میری زبان سے سُنی اور پھر بھی اُسے قبول نہ کیا۔"[۱]

حضور نے یہ آخری تقریر صرف چند منٹ فرمائی۔ مگر ایسے پُرجلال الفاظ میں کہ اگر کُفر کو ایک پہاڑ سے تشبیہ دی جائے تو بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور کی اس تقریر نے اس کو پاش پاش کر دیا۔ حق ظاہر ہو گیا اور باطل بھاگ گیا۔

چھ بجے کے قریب نئے دَور کا یہ دوسرا مبارک جلسہ دُعا پر ختم ہوا۔ اور سب دوست اللہ تعالیٰ کے اس تازہ نشان پر حمد و ثنا اور تسبیح و تحمید کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو واپس لَوٹے۔ یہ جلسہ صرف تین گھنٹے رہا۔ مگر قلوب میں اُس نے ایسے انمٹ نقوش چھوڑے جو مدتوں تک تازہ رہیں گے۔[۲]

جلسہ کے بعد

جلسہ کے اختتام کے بعد سیدنا المصلح الموعود اپنی قیامگاہ یعنی شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہیں مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں۔ ازاں بعد بعض احباب کے ساتھ اس کمرہ میں تشریف لے گئے جس میں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ رویا یہ انکشاف فرمایا تھا کہ آپ ہی مصلح موعود ہیں۔ حضور نے دوستوں کو وہ چارپائی بھی دکھائی جس پر اس رویاء کے وقت حضور آرام فرما رہے تھے۔[۳]

---

[۱] الفضل ۱۸ تبلیغ / فروری ۱۹۴۴ء / ۱۳۲۳ ہش صفحہ ۱۸ کالم ۲-۱-۳ [۲] الفضل ۱۵ امان / مارچ ۱۹۴۴ء / ۱۳۲۳ ہش صفحہ ۲ کالم ۱-۲ [۳] الفضل ۴ امان / مارچ ۱۹۴۴ء / ۱۳۲۳ ہش صفحہ ۱۳ کالم ۴۔

اخبار "ٹریبیون" میں جلسہ کی خبر

اخبار "ٹریبیون" (۱۴ر مارچ ۱۹۴۴ء) نے اپنے نمائندہ خصوصی کے قلم سے اس جلسہ کی رپورٹ "ہم سب کے دوست ہیں کسی کے دشمن نہیں" اور "جماعتِ احمدیہ" کے دوہرے عنوان سے شائع کی اس خبر کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

" لاہور۔ ۱۲ر مارچ۔ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ نے اپنی جماعت کے ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے پٹیالہ گراؤنڈز میں شامیانہ کے نیچے آج سہ پہر کو تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہندو، سکھ، عیسائی اور ہندوستان کی اقوام کے دیگر لوگ یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ ہم ان سب کے دوست ہیں۔ اور کسی کے دشمن نہیں۔ اگرچہ ہم اسلام کا پیغام ہر جگہ پہنچانا چاہتے ہیں"

احمدیہ جماعت کے بہت سے افراد صوبہ کی مختلف اطراف اور شمال مغربی سرحدی صوبہ سے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے مذہبی امام کی تقریر مکمل خاموشی کے ساتھ دو گھنٹہ تک سُنی۔ مُہر خاموشی صرف اسی وقت ٹوٹتی تھی جبکہ گاہے بگاہے حاضرین میں سے بہت سے افراد کے آنسو بہنے لگتے تھے۔ جبکہ امام جماعت احمدیہ قرآن سے بعض آیات کی تلاوت فرماتے تھے۔

پولیس کے بہت سے سپاہی جہتہ ایشور داس صاحب انسپکٹر اور سردار ہردیپ سنگھ صاحب سب انسپکٹر گوالمنڈی کی قیادت میں موجود تھے۔

امام جماعت نے اپنے خاندان کی تاریخ تفصیل سے پیش کی اور آپ نے بیان فرمایا کہ ان کا خاندان تیمور کی اولاد میں سے ہے۔ اپنی پیدائش اور پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے جو اُن کے والد ماجد بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے شائع فرمائی تھیں۔ حضرت مرزا صاحب امام جماعت احمدیہ نے بیان فرمایا کہ آپ ہی موعود "امن کے شہزادے" ہیں جن کے متعلق بانیٔ سلسلہ نے خدا سے الہام پا کر پیشگوئی فرمائی تھی۔

اُن حالات کا ذکر فرماتے ہوئے جن میں امام جماعت احمدیہ جماعت کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ نے فرمایا جب آپ خلیفہ مقرر ہوئے تو اُن کے پاس خزانہ میں صرف چودہ آنے تھے اور کئی ہزار کا جماعت کے خزانہ پر بار تھا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کی راہبری کرنے اور قرآن کریم (خدا تعالیٰ کے پیغام) کی تفسیر کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب نے تفصیلاً بیان فرمایا کہ کس طرح اُن کو کشف میں بتلایا گیا کہ سلطنت برطانیہ فرانس کی حکومت کے سامنے یہ پیش کش کرے گی کہ دونوں حکومتیں اس وقت جبکہ حالات نازک ہو جائیں گے متحد

ہو جائیں اس طور پر کہ شہریت کے حقوق مشترک ہو جائیں۔ آپ کو یہ بھی بتلایا گیا کہ یہ حالت صرف چھ ماہ کے لئے رہیگی۔ اس کشف کا امام جماعت نے سر ظفر اللہ خانصاحب سے ذکر کیا جنہوں نے یہی بات لارڈ لنلتھگو تک پہنچائی اور یہ پیشگوئی سچی ثابت ہوئی۔ اسی طرح حضرت مرزا صاحب نے سر محمد ظفر اللہ خانصاحب اور بعض دیگر اصحاب کو اس واقعہ سے بہت عرصہ پہلے یہ بتلا دیا تھا کہ امریکہ برطانیہ کو ۲۸۰۰ ہوائی جہاز دے گا۔ اس کے متعلق بھی سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اپنے حکومت میں رفقاء کار سے ذکر فرمایا تھا اور یہ پیشگوئی بھی حرف بحرف پوری ہوئی تھی"[1]

جلسہ لُدھیانہ

دعویٰ مصلح موعود کے سلسلہ میں تیسرا مبارک جلسہ لدھیانہ میں ۲۳ر مارچ ۱۹۴۴ء؁ / ۱۳۲۳ہش کو قرار پایا تھا۔ اس جلسہ کا اعلان ۸ ار امان (مارچ) کو کیا گیا جس کے معاً بعد لدھیانہ میں جلسہ کو رُکوانے کے لئے زبردست مظاہرے شروع ہو گئے۔ شہر میں مخالفت کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ نیز ۲۰ر امان (مارچ) کے ہندو اخبار "پرتاپ" اور "پربھات" نے یہ خبر شائع کی:۔

"شہر کے علماء نے ڈپٹی کمشنر سے درخواست کی ہے کہ وہ مداخلت کر کے احمدیوں کی اس کانفرنس کو بند کر دیں"

آخر جب جلسہ روکنے میں ناکامی ہوئی تو ۲۳ر امان / مارچ کو ہلڑبازی اور ہنگامہ خیزی کی حد کر دی گئی۔ چنانچہ اخبار "پرتاپ" نے لکھا:۔

"آج صبح سے ہی شہر کے مسلمان مختلف گروہوں میں پھرتے نظر آ رہے تھے۔ چند ایک جلوس بھی نکالے گئے ایک جلوس میں ایک لڑکے کا مُنہ کالا کر کے اُسے گدھے پر بٹھایا ہوا تھا"

اسی طرح "ویر بھارت" نے لکھا کہ

"احمدیہ کانفرنس شروع ہے۔ احراریوں نے اس سلسلہ میں مظاہرے کئے اور جلوس نکالے۔ ایک لڑکے کا مُنہ کالا کر کے اُسے گدھے پر سوار کرایا گیا اور ایک جنازہ بھی نکلا جس میں مرزا قادیان کے خلاف نعرے لگائے جا رہے تھے۔ کچھ احمدیوں پر ڈاکخانہ کے قریب جُوتے بھی پھینکے گئے"[2]

ان سراسر ناموافق حالات میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا المصلح الموعودؓ کو جلسہ سے قبل ہی اس جلسہ کی کامیابی اور

---

[1] "الفضل" ۸ر امان / مارچ ۱۹۴۴ء؁ / ۱۳۲۳ہش صہ ۲ ک ۲۰۱ ؎ [2] بحوالہ "الفضل" ۲۸ر امان / مارچ ۱۹۴۴ء؁ / ۱۳۲۳ہش صہ ۱ ک ۲۰۱ ؎ یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ جن لوگوں نے اس جلسہ مصلح موعود کے وقت جنازہ نکالا جس نے چارپائی دی اور جنہوں نے جنازہ اُٹھایا نیز جس نے مُنہ کالا کر کے مصنوعی میّت کا پارٹ ادا کیا۔ سب کے سب چند ماہ کے بعد بدکاری وغیرہ کے مقدمات میں ماخوذ ہو کر سزا یاب ہوئے ("الفضل" ۱۰ر ہجرت / مئی ۱۹۴۵ء؁ / ۱۳۲۴ہش صفحہ ۲ کالم ۱)؎

موجب برکات ہونے کی بشارت دی۔ چنانچہ حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ خود فرماتے ہیں:۔

"جب ہم لدھیانہ جا رہے تھے تو اس روز بارش ہو رہی تھی۔ رستے خراب تھے۔ نہر والوں نے بھی انکار کر دیا کہ ہم دروازہ نہیں کھول سکتے۔ غرض ایسی حالت ہوگئی کہ میں ڈرتا تھا کہ شائد ہمارا جلسہ بھی ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ مگر اسی حالت میں مجھے الہام ہوا "بہت سی برکتوں کے سامان کروں گا" آخری لفظ کے متعلق مجھے صحیح طور پر یاد نہیں رہا کہ "کرونگا" تھا یا "ہونگے" تھا۔ بہرحال الفاظ یہ تھے کہ "بہت سی برکتوں کے سامان کرونگا" یا "بہت سی برکتوں کے سامان ہوں گے"

میں حیران ہوا کہ حالت تو یہ ہے کہ بارش ہو رہی ہے اور نہر والے بھی راستہ نہیں دے رہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ بہت سی برکتوں کے سامان کروں گا۔ یہ الہام لدھیانہ جاتے ہوئے راستہ میں ہی مجھے ہوا۔" [۱]

حضرت المصلح الموعودؓ کا لدھیانہ میں ورود

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ جلسہ میں شمولیت کیلئے قادیان سے بذریعہ کار لدھیانہ پہنچے اور دارالبیعت میں دعا کرنے کے بعد ساڑھے تین بجے کے قریب جلسہ گاہ میں تشریف لائے جو بھدوڑ ہاؤس کے وسیع میدان میں شامیانوں کے نیچے تھی۔ اُس وقت عوام کا ایک بہت بڑا جمگھٹا جو سارا دن اِدھر اُدھر منڈلاتا رہا تھا جلسہ گاہ کے پاس ہی کھڑا شور مچا رہا تھا۔ حضور کے جلسہ گاہ میں پہنچتے ہی تقاطر شروع ہوگیا اور جب حضور نے ظہر کی نماز پڑھانا شروع کی تو موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ اسی حالت میں حضور نے ظہر و عصر کی نمازیں پڑھائیں جو نہایت خشوع خضوع اور اطمینان کے ساتھ ادا کی گئیں۔ اس وقت خوب زور کی بارش ہو رہی تھی اور شور و شر کرنے والوں کا ہجوم بالکل منتشر ہو چکا تھا۔ نمازوں کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا۔ دوست اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں۔ اب جلسہ شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسی حالت میں جبکہ زور کا مینہ برس رہا تھا اور نیچے کہیں تھوڑا کہیں زیادہ پانی بہہ رہا تھا اور کپڑے بھیگ رہے تھے نہ صرف تمام احمدیوں نے نہایت درجہ اخلاص و عقیدت کے ساتھ کارروائی سُنی بلکہ بہت سے معزز غیر احمدی مسلمان حتیٰ کہ غیر مسلم شرفاء بھی نہایت صبر و سکون اور دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ جلسہ کے آخر تک بیٹھے رہے۔

حضرت امیر المومنینؓ کا زندگی بخش خطاب

جلسہ کا افتتاح تلاوت قرآن کریم سے کیا گیا جو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے فرمائی اس کے بعد حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد نے مختصر تقریر کی اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے حسب سابق سورۃ فاتحہ اور

---

[۱] "الفضل" ۲۵ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۲-۳

بعض قرآنی دعاؤں کی تلاوت کے بعد اپنا رُوح پرور خطاب مندرجہ ذیل الفاظ سے شروع فرمایا:۔[1]

"مَیں آج اس جگہ اس لئے کھڑا ہوا ہوں کہ آج سے ۵۵ سال پہلے خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی خبروں اور اس کے ارشاد فرمائے ہوئے حکم کے ماتحت اس شہر لدھیانہ میں ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کو حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بیعت لی تھی اور اس بیعت کے وقت صرف چالیس آدمی آپ پر ایمان لانے والے تھے یہ ساری کی ساری پُونجی تھی جسے لے کر حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اسلام کی فتح کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ باقی تمام دُنیا ہندو، عیسائی، سکھ، ہندوستانی، ایرانی اور برطانی سب کے سب آپ کے مخالف تھے اور آپ کو مٹا دینے پر تُلے ہوئے تھے۔ مگر ان مخالفتوں کے باوجود آپ نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر دُنیا کو بتایا کہ "دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کر دے گا" اس اعلان کے بعد باوجود شدید مخالفتوں کے اللہ تعالیٰ نے آپ کے سلسلہ کو بڑھانا شروع کیا"

ان تمہیدی کلمات کے بعد حضور نے پیشگوئی مصلح موعود کا تذکرہ کیا۔ اور پھر اہل لدھیانہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"ہم نے ہوشیار پور میں بھی ایسا ہی جلسہ کیا تھا مگر وہاں کسی نے کوئی مخالفت نہیں کی۔ پھر لاہور میں پندرہ ہزار کے مجمع میں مَیں نے تقریر کی۔ وہاں بھی کسی نے کوئی مخالفت نہیں کی۔ مجھے کئی دفعہ یہ خیال آتا تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جن باتوں کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اُن کی مخالفت لوگ ضرور کرتے ہیں۔ معلوم نہیں میرے اس اعلان کے بعد کہ یہ پیشگوئی پُوری ہو چکی ہے اب تک کسی نے مخالفت کیوں نہیں کی۔ سو خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج لدھیانہ میں یہ مخالفت بھی ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کے قانون اور انبیاء کی سُنّت کے مطابق لدھیانہ کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی باتوں پر استہزاء کیا۔ وہ ایک دائمی حیات پانے والے انسان کے متعلق کہہ رہے تھے کہ مر گیا۔ مگر ہم ان لوگوں سے ناراض نہیں ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی باتوں سے استہزاء کیا۔ ہم اُن کے لئے بھی دُعا ہی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے

[1] مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر (انچارج صیغہ زود نویسی) نے نہ صرف ہوشیار پور اور لاہور کی پوری تقاریر قلمبند کر لیں بلکہ لدھیانہ کی یہ تقریر عین بارش کے دوران نوٹ کی اور بعد ازاں دوسری تقریروں کے علاوہ اس تقریر کا متن بھی "الفضل" میں شائع کرا کے ہمیشہ کیلئے محفوظ کر دیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

خدا! ان لوگوں نے جو کچھ کیا، نادانی سے کیا، ناواقفی سے کیا۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو بھلانے کی وجہ سے استہزاء کیا۔ مگر اے خدا! تُو اِن کو معاف کر اور ان کو ہدایت دے اور اُن کے قلوب کو سچ کے قبول کرنے کے لئے کھول دے اور جس طرح آج میں نے اُن کو دین کے ساتھ استہزاء کرتے دیکھا۔ مَیں اپنی آنکھوں سے اُن کو دین کے لئے قربانیاں کرنے کی غرض سے آگے بڑھتا ہوا دیکھوں۔ انہوں نے آج اس بات پر استہزاء کیا ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے اور جس پر استہزاء کا اب تک نہ ہونا مجھے حیران کر رہا تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے آج میری یہ خواہش بھی ان لوگوں کے ذریعہ پُوری کر دی۔ کیونکہ انہوں نے خوب مخالفت کی اور ہنسی اُڑائی۔ اس قسم کا سلوک اب تک کسی اَور شہر میں ہمارے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ سو مَیں ان لوگوں کے لئے دُعا کرتا ہوں ۔ جنہوں نے میری اس خواہش کو پورا کیا کہ اللہ تعالےٰ ان کو اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق دے ان کو ہدایت دے اور ایمان بخشے۔

اِس وقت اِس جلسہ میں لُدھیانہ کے لوگ غالباً بہت کم ہوں گے۔ زیادہ تر بیرُونی لوگ ہیں لیکن اگر یہاں ایک بھی لُدھیانہ کا شخص ہے تو مَیں اس کے ذریعہ اہلِ لُدھیانہ کو یہ پیغام دیتا ہوں کہ اے لُدھیانہ کے لوگو! تم نے میری مخالفت کی اور مَیں تمہارے لئے دُعا کرتا ہوں۔ تم نے میری موت کی خواہش کی مگر مَیں تمہاری زندگی کا خواہاں ہوں۔ کیونکہ میرے سامنے میرے آقا محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی مثال ہے۔ آپؐ جب طائف میں تبلیغ کے لئے گئے تو شہر کے لوگوں نے آپؐ کو پتھر مارے اور لہولہان کر کے شہر سے نکال دیا۔ آپؐ زخمی ہو کر واپس آ رہے تھے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے فرشتہ آپؐ کے پاس آیا اور اس نے کہا۔ اگر آپؐ فرمائیں تو اس شہر کو اُلٹا کر رکھ دُوں۔ مگر میرے آقا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے، میرے ماں باپ میری جان میرے جسم اور میری رُوح کا ذرّہ ذرّہ آپؐ پر قربان ہو، فرمایا کہ نہیں ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ لوگ ناواقف تھے، نادان تھے، اس لئے انہوں نے مجھے تکلیف دی۔ اگر یہ لوگ تباہ کر دیئے گئے تو ایمان کون لائے گا؟

سو اے اہلِ لُدھیانہ! جنہوں نے میری موت کی تمنا کی۔ مَیں تمہارے لئے زندگی کا پیغام لایا ہوں۔ ابدی زندگی اور دائمی زندگی کا پیغام ایسی ابدی زندگی کا پیغام جس کے بعد فنا نہیں اور کوئی موت نہیں۔ مَیں تمہارے لئے خدا تعالےٰ کی رضا کا پیغام لایا ہوں جسے

حاصل کرنے کے بعد انسان کے لئے کوئی دُکھ نہیں رہتا۔ اور مجھے یقین ہے کہ آج کی مخالفت کل دلوں کو ضرور کھولے گی۔ اور دُنیا دیکھے گی کہ یہ شہر انشاء اللہ خدا تعالیٰ کے نُور سے منوّر ہوگا اور میرے کام میں میرا ممدّ و معاون بنے گا۔ مَیں خدا تعالیٰ سے یہی دُعا کرتا ہوں اور اُس کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ ضرور ایسا ہو کر رہے گا" [1]

نیز فرمایا:۔

"آج مَیں اہلِ لدھیانہ کو خبر دیتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی طرف سے خبر پا کر قدرت اور فضل اور رحمت کے جس نشان کی خبر دی تھی وہ ظاہر ہو چکا۔ جن لوگوں کے کان میں یہ آواز پہنچے وہ اُن لوگوں تک اُسے پہنچا دیں جو نہیں سُن رہے۔ اور مَیں لدھیانہ والوں کو یہ پیغام دیکر بری الذمہ ہوتا ہوں اور اُن کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ انکار کرکے نقصان نہ اُٹھائیں۔ یہ عظیم الشان پیشگوئی غیر معمولی حالات میں پُوری ہو چکی ہے۔ پہلے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عمر اور غلبہ عطا کیا۔ پھر جیسا کہ نعمت اللہ صاحب ولیؒ کی پیشگوئی میں بھی چار پانچ سو سال قبل بتایا گیا تھا کہ

پسرش یادگار مے بینم

اور جیسا کہ پہلے انبیاء کی پیشگوئیوں میں بھی بتایا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد دی اور پھر ایسا بیٹا عطا کیا جو اِن پیشگوئیوں کا مصداق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنے نشانوں کے ساتھ کھڑا کیا۔ مَیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کس رنگ میں اور کس طریق سے اپنے کام کو پُورا کرے گا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ کام ہو کر رہے گا۔ میرے ذریعہ یا مجھ سے دین سیکھنے والے کسی اَور کے ذریعہ اور جہاں آج دُنیا میں ہر طرف محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والے موجود ہیں، وہاں گھر گھر سے درُود کی آوازیں آئیں گی اور خدا تعالیٰ کا وعدہ پُورا ہو کر رہے گا۔" [2]

چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی مختصر تقریر

حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ کی اس ایمان افروز تقریر کے بعد آنریبل چودھری سر محمد ظفر اللہ خانصاحب نے بھابت وقت حسب ذیل تقریر فرمائی:۔

"اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے یہ توفیق بخشی اور اس کے لئے مواقع بہم پہنچائے کہ دُنیا کے مختلف ممالک میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پہنچا ہوا اور آپ کی تعلیم کو (کہ وہ حقیقی اسلام ہے اور

[1] "الفضل" ۸ تبلیغ/فروری ۱۳۳۸ہش/۱۹۵۹ء صفحہ ۵ کالم ۱ تا ۳۔ [2] "الفضل" ۸ تبلیغ/فروری ۱۳۳۸ہش/۱۹۵۹ء صفحہ ۱۱ کالم ۱-۲۔

اسی کو پھیلانے کے لئے خدا تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا تھا) پھیلے ہوئے دیکھا چین کے مغربی علاقہ میں جہاں آجکل چینیوں کی حکومت ہے، احمدیت کی اشاعت کو دیکھنے کا مجھے اتفاق ہوا۔ گو خدا تعالیٰ کے فضل سے وہاں احمدیت پھیلانے والا میں ہی تھا۔ وہاں ایک واقعہ پیش آیا۔ جب مجھے پہلی دفعہ اسلام پر تقریر کرنے کا موقعہ ملا تو ایک صاحب جو ہمارے ہی عملہ میں سے تھے اور احمدیت کے سخت مخالف تھے انہوں نے کہا کہ اگر اسلام یہ ہے اور یہی احمدیت ہے تو میں احمدیت میں داخل ہوتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے احمدیت قبول کر لی۔

دوسرا ملک جہاں میں اپنے احمدی دوستوں سے ملا وہ عراق ہے۔ وہاں مجھے احمدی مبلغین کا کام دیکھنے کا موقع تو نہیں ملا مگر وہاں کے احمدی دوستوں سے ملا اور حالات سُنے۔ پھر مصر میں قاہرہ کے مقام پر دو دفعہ مصری اور شامی احمدی دوستوں سے ملا۔ اپنے احساسات پیش کئے اور اُن سے حالات سُنے۔

مغربی افریقہ کے مُلک نائیجیریا میں دو بار گیا۔ وہاں کے احمدی مبلغ سے حالات سُنے، مشورہ بھی دیا۔ دوسری دفعہ جب میں گیا تو وہاں کے مرکزی شہر لیگوس میں مسجد احمدیہ کی تعمیر کے لئے سنگِ بنیاد رکھنے کا شرف مجھے دیا گیا۔ گولڈ کوسٹ میں احمدی مبلغ سے ملنے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا۔ میں گورنر کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا اور ہمارے مبلغ علاقہ میں تھے۔ البتہ ٹیلیفون پر ان سے گفتگو کی اور اس میں تبلیغِ احمدیت کا ذکر آیا۔ جنوبی امریکہ میں برازیل اور گی آنا میں جہاں میں نے رسولِ کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر دُرود بھیجنے والے لوگ دیکھے وہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دُرود بھیجنے والے بھی موجود تھے۔

۱۹۳۳ء اور پھر ۱۹۴۲ء میں مجھے شمالی امریکہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ شکاگو میں میں نے احمدی مبلغ کا کام بھی دیکھا۔ خود بھی تقریریں کیں۔ شکاگو اور دوسرے مقامات پر وہاں کے احمدی دوستوں سے ملاقاتیں بھی کیں۔ شکاگو میں احمدیہ مسجد ہے۔ وہاں امریکنوں کو تبلیغ بھی کی۔

انگلستان میں کئی بار خدا تعالیٰ نے احمدیت کی اشاعت کے دیکھنے کا موقعہ دیا۔ وہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت کا کامیاب مشن ہے۔ مشن ہاؤس ہے۔ مسجد ہے۔ مجھے بھی جب میں وہاں جاتا ہوں کام کرنے کا موقع ملتا ہے۔ پولینڈ میں ۱۹۳۷ء میں احمدی مبلغ سے ملاقات کی۔ وہاں کے حالات کا مشاہدہ کیا اور تقریر کی۔ ہنگری کے بوڈاپسٹ شہر میں اور اٹلی میں بھی اپنے مبلغوں سے ملنے اور جن

لوگوں کو وہ اپنے ساتھ لائے اُن کو تبلیغ کرنے کا موقع ملا۔

اس لحاظ سے مَیں کہہ سکتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے دُنیا کے چاروں براعظموں میں مَیں نے اپنی آنکھوں سے حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے نام اور آپ کی تعلیم کو پھیلتے ہوئے دیکھا اور ان ممالک کے لوگوں کو اسلام کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے پایا۔ جس کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ "[1]

المصلح الموعودؓ کی آخری تقریر

حضرت چودھری صاحب کی اس مختصر مگر پُر مغز تقریر کے بعد مبلغینِ احمدیت کی مختلف ممالک میں تبلیغ احمدیت سے متعلق تقریریں ہوئیں جن کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے فرمایا:۔

"اب آپ لوگوں نے وہ حالات سُن لئے ہیں جو تبلیغِ اسلام کے متعلق میرے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ خدا تعالیٰ آپ کی تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچائے گا۔ نیز ایک پیشگوئی یہ فرمائی تھی کہ وہ موعود لڑکا دُنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا اور اس طرح یہ دونوں پیشگوئیاں پُوری ہوئی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ بھی دُنیا کے کناروں تک پہنچی اور میرا نام بھی جو اس پیشگوئی کا مصداق ہوا دُنیا کے کناروں تک پھیلا۔ پھر آج جو بارش ہوئی ہے یہ بھی ایک پیشگوئی کو پُورا کرتی ہے جو اس موعود لڑکے کے بارہ میں ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ ہوشیار پور میں جو ہمارا جلسہ ہوا تو وہاں پیشگوئی کا یہ حصہ پُورا ہوا کہ "نُور آتا ہے نُور" ۲۰ر فروری ۱۹۴۴ء کو وہاں ہمارا جلسہ ہوا۔ اس سے کئی روز قبل بارش ہو رہی تھی۔ ۱۹ر فروری کو عشاء کے وقت مجھے بذریعہ فون اطلاع دی گئی کہ بارش ہو رہی ہے۔ مگر مَیں نے کہا کہ ہم انشاء اللہ پہنچ جائیں گے۔ ۲۰ر فروری کو اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ بارش بالکل بند رہی۔ اور خوب دھوپ نکل آئی۔ اور جب ہم وہاں سے آگئے تو پھر بارش ہونے لگی۔ گویا پہلے بھی بارش اور بعد میں بھی بارش اور بیچ میں دھوپ۔ اور اس طرح اس پیشگوئی کا یہ حصہ پُورا ہوا کہ "نُور آتا ہے نُور" آج کے جلسہ میں بھی اس موعود لڑکے کے متعلق پیشگوئی کا ایک دوسرا حصہ پُورا ہوا ہے۔ الہامِ الٰہی میں اس کے متعلق کہا گیا تھا کہ اِنَّآ اَرْسَلْنٰهُ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيْهِ

[1] "الفضل" ۲۸ر امان / مارچ ۱۳۲۳ ہش ۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۱ تا ۴۔

ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ یعنی اس کی مثال اس بارش کی سی ہوگی جس میں ظلمت اور گرج اور چمک ہو۔ یہ الہام ظاہری رنگ میں آج پُورا ہو گیا۔ آج بارش میں ہی ہم نے نماز پڑھی اور بارش ہی میں (مَیں) نے تقریر کی۔ ہمارے مخالف خوش ہوتے ہوں گے کہ بارش شروع ہو گئی ہے اور یہ اُن کے جلسہ کو روک دے گی۔ لیکن میرا دل اس بارش کو دیکھ کر خوشی سے لبریز ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک اور نشان پُورا ہو رہا ہے اور لُدھیانہ کے لوگ اس نشان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے جس کا اعلان یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں کیا گیا تھا۔

اب مَیں لُدھیانہ کے لوگوں کو اور ان لوگوں کو بھی جو باہر سے آئے ہوئے ہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ آسمان کی آواز ہے جو اللہ تعالیٰ نے بلند کی ہے۔ اِسے بند کرنا آسان نہیں۔ یہ جماعت شروع میں صرف چالیس افراد پر مشتمل تھی مگر اب خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہے . . .

. . . . . اس سلسلہ کی تائید کے لئے خدا تعالیٰ کے فرشتے آسمان سے اُتریں گے اور روز بروز یہ سلسلہ پھیلتا چلا جائے گا اور رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ پیغام اُن ممالک تک جو آپ پر ایمان نہیں رکھتے ضرور پہنچے گا۔ اور جس طرح پہاڑوں سے دریا نکلتے ہیں اور پھر اُن سے نہریں نکلتی ہیں۔ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی نہریں میرے ذریعہ ساری دُنیا میں جاری ہوں گی۔ اسلام دُنیا میں جیتے گا اور ضرور جیت کر رہے گا۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ ہم ان لوگوں کے دشمن ہیں جو ابھی تک ایمان نہیں لائے۔ ہم ان کے حقیقی خیر خواہ ہیں اور ان کی خیر خواہی سے مجبور ہو کر ہی اُن کو سمجھاتے ہیں۔ جس طرح ایک ماں جب دیکھتی ہے کہ اس کا بچہ کنوئیں میں گرنے لگا ہے تو وہ پُوری کوشش کر کے اُس کو بچاتی ہے۔ اسی طرح ہم ان لوگوں کو ہلاکت سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب ہم اسلام کو سچا سمجھتے ہیں تو پھر ہم یہ بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ سچائی کو دُنیا میں پھیلائیں ہمارے مخالف اگر ایمان نہ بھی لائیں تو بھی اُن کو چاہیئے کہ ہماری خیر خواہی کے قائل ہوں اور اس بات کو مانیں کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں اُن کی ہمدردی کے لئے کہتے ہیں اور کہتے چلے جائیں گے۔ چاہے وہ ہم کو کتنے دُکھ کیوں نہ دیں، کتنی تکالیف کیوں نہ پہنچائیں، خواہ وہ ہمیں آروں سے چیر دیں، خواہ شیروں کے آگے ڈالیں، پتھروں سے سنگسار کریں، پہاڑوں سے گرا کر ہلاک کریں، سمندر میں پھینک دیں۔ ہم خدا کا نام لے کر کھڑے ہوئے ہیں اور اپنی ذمہ واریوں کو ادا کرنے سے رہ نہیں

سکتے جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم یہ آواز بلند کرتے چلے جائینگے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہ تعلیم ضرور پھیل کر رہے گی اور زبردست سے زبردست قومیں بھی ہمارے رستہ میں اگر کھڑی ہوں گی تو وہ ناکام ہوں گی۔ بیشک ہمارے جسموں کو وہ مٹا سکتی ہیں مگر ہماری رُوحیں بلند ہوں گی اور یہ پیغام بند نہ ہوگا۔ پس بہتری اسی میں ہے کہ ہماری آواز کو سُنو۔ اپنی عاقبت کی بہتری کے لئے سُنو! اور اس آواز کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلند ہو رہی ہے۔ غور سے سُنو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔

اے خدا! مَیں تجھ سے دُعا کرتا ہوں کہ تو ان لوگوں کے دلوں کو کھول دے اور ساری دُنیا کے کانوں تک اس آواز کے پہنچنے کے سامان پیدا کر دے جس طرح ہم تیرے بندے ہیں اسی طرح وہ بھی ہیں جنہوں نے ابھی تیرے پیارے محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانا تو اُن کو ہدایت دے اور سب کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر دے۔ دُنیا سے فساد، بدامنی، بیدینی، ظلم، فسق وفجور، ایک دوسرے کے مال کو کھانے اور آپس میں لڑنے کی رُوح کو دُنیا سے مٹا دے اور امن واشتی کی رُوح پیدا کر دے۔

اب مَیں دُعا کرتا ہوں احباب دوست بھی دُعا کریں تا اللہ تعالیٰ دلوں کو کھول دے اور دُنیا کی بدحالی کو خوشحالی میں تبدیل کر دے۔"[1]

تقریر کے خاتمہ پر حضرت المصلح الموعود نے دُعا کرائی اور سات بجے شام کے قریب یہ مبارک جلسہ بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوا۔ اور حضور معہ چند اصحاب کے اسی وقت بذریعہ کار قادیان کے لئے روانہ ہوگئے۔[2]

دیگر کوائف

اس جلسہ میں قادیان سے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چھوٹے بڑے قریباً تمام افراد نے شرکت فرمائی نیز حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحبؓ اور حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ اور بہت سے دوسرے عمر رسیدہ اور قدیم صحابی بھی شامل ہوئے۔ قادیان سے جانے والوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہوگی۔ پہلا قافلہ دو ریزرو بوگیوں اور عام گاڑی میں ۲۲ امان/مارچ

[1] "الفضل" ۱۸ تبلیغ/فروری ۱۳۳۸ہش/۱۹۵۹ء صفحہ ۱۱-۱۲ کالم ۲-۳-۴ اور ۱ تا ۴۔
[2] جناب سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدرآبادی کا بیان ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اپنے مصلح موعود ہونے کے اعلان کے وقت پہلے قادیان میں اور بعد میں لدھیانہ اور لاہور میں جو گرم کوٹ زیب تن فرمایا تھا وہ حضور نے خاکسار کی درخواست پہ ازراہ ذرہ نوازی خاکسار کو مرحمت فرما دیا تھا۔ یہ کوٹ اب میں نے اپنے لڑکے محمد اکرم (ڈپٹی چیف انجنیئر۔ داؤد خیل) کو اس کے اصرار پر دے دیا ہے جو اس کے ہاں محفوظ ہے۔

کی شام کو اور دوسرا قافلہ ۲۳؍امان/مارچ کی صبح کو قادیان سے روانہ ہوا پہلے قافلہ کے امیرِ سفر حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ اور دوسرے قافلہ کے حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ تھے۔ قافلہ میں شریک احباب آتے جاتے پورے التزام سے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے اور دُعائیں مانگنے میں مصروف رہے۔[1]

جلسہ دہلی مصلح موعود کے زندہ نشان کے اعلان اور اہلِ ہند پر اتمامِ حجت کے لئے چوتھا اور آخری جلسۂ عام ہندوستان کے دارالسلطنت ــــ دہلی ــــ میں ۱۶؍ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو منعقد کیا گیا جلسہ گاہ ہارڈنگ لائبریری کے متصل ملکہ کے باغ میں تھی۔ پنجاب، یوپی، نواح دہلی اور حیدرآباد دکن تک سے قریباً چار پانچ ہزار احمدی اس مقدس اجتماع میں شامل ہوئے۔[2]

جماعت احمدیہ دہلی نے بیرونی مہمانوں کے طعام و قیام کا انتظام احمدیہ فرنیچر ہاؤس کشمیری گیٹ کے وسیع احاطہ میں کر رکھا تھا۔[3] بعض دوسرے احباب کے ہاں بھی مہمانوں کے ٹھہرنے کا انتظام تھا۔ مہمانوں کے استقبال کی ذمہ داری جناب میاں غلام محمد صاحب اختر کے سپرد تھی جن کے ساتھ تین نائب اور بیس معاون سرگرمِ عمل رہے۔ جماعت دہلی نے مستورات کو قیامگاہ تک پہنچانے کے لئے تانگوں کا انتظام کر رکھا تھا۔

جلسہ کا اعلان مختلف طریقوں سے کیا گیا۔ پچاس ہزار پوسٹر اور اشتہارات اردو، انگریزی اور ہندی میں شائع کئے گئے جو تقسیم کرنے کے علاوہ ٹریم گاڑیوں پر بھی چسپاں کر دیئے گئے۔ نیز دہلی کے قریباً تمام اخبارات میں بھی اعلان چھپے۔ اسی طرح لجنہ اماء اللہ نے بذریعہ اشتہار خواتین سے جلسہ میں شمولیت کی درخواست کی۔

جلسہ مصلح موعود کی خبر ملتے ہی دہلی میں اشتعال انگیز تقاریر اور اشتہارات کا ایک باقاعدہ سلسلہ جاری کر دیا گیا اور عوام کو ہر طرح سے مشتعل کر کے بہر صورت جلسہ درہم برہم کرنے کی تلقین کی گئی اور جگہ جگہ کھلے لفظوں میں اعلان کیا گیا کہ ہم خون کی ندیاں بہا دیں گے مگر قادیانیوں کا جلسہ نہیں ہونے دیں گے۔

ان حالات کے باوجود جماعت احمدیہ دہلی نے پوری دلجمعی اور استقلال سے جلسہ کی تیاریاں نہایت تیزی سے مکمل کر لیں جلسہ گاہ نہایت سلیقہ سے آراستہ کی گئی۔ داخلہ کے لئے بہت خوبصورت اور بڑا گیٹ نصب کیا جس کے دونوں طرف اسلامی نشان چاند اور ستارہ کے نیچے لکھا گیا کہ "خدا تعالیٰ کے ایک عظیم الشان نشان کے اعلان کیلئے جماعت احمدیہ دہلی کا جلسہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" زنانہ جلسہ گاہ علیحدہ بنائی گئی تھی۔ مردانہ جلسہ گاہ میں

---

[1] "الفضل" ۲۶؍امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲-۳ ۔ [2] "الفضل" ۲۰؍اپریل/شہادت ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶ ۔

[3] یہ جگہ ریلوے اسٹیشن دہلی کے دوسری طرف بالکل قریب ہی واقع تھی اور پیدل چلنے والے ریلوے کا پُل (جو کاٹھ کا پُل کہلاتا ہے) عبور کرنے کے بعد بآسانی دس منٹ میں پہنچ سکتے تھے۔

سٹیج کے دونوں طرف کرسیاں اور باقی جگہ پر دریاں بچھائی گئیں

حضرت امیر المومنینؓ کی دہلی میں آمد

امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ جلسہ میں شمولیت فرمانے کیلئے ۱۲ شہادت/اپریل کی صبح کو نو بجے فرنٹیئر میل سے دہلی پہنچے۔ اسٹیشن پر ایک بہت بڑا مجمع حضور کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ دہلی کے امیر جماعت بابو نذیر احمد صاحب کی طرف سے ہدایت تھی کہ کوئی صاحب اس موقعہ پر مصافحہ نہ کریں اور اس ہدایت کی خود انہوں نے بھی پابندی کی۔ حضرت امیر المومنینؓ خدام کے بہت بڑے ہجوم میں اسٹیشن سے باہر تشریف لائے اور نئی دہلی کی کوٹھی ۱۹ وِنڈسر پلیس میں قیام فرما ہوئے۔ جہاں حضرت حافظ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اپنی بیگم صاحبہ کے علاج کے لئے پہلے سے فروکش تھے۔ حضرت امیر المومنین چار بجے کے قریب جلسہ گاہ میں رونق افروز ہوئے۔ اور ظہر و عصر کی نمازیں قصر کر کے پڑھائیں۔ اس وقت تک ہر مذہب و ملت کے بہت سے لوگ جلسہ گاہ میں پہنچ چکے تھے۔[۱]

جلسہ کا آغاز

ٹھیک ساڑھے چار بجے جلسہ کی کارروائی کا آغاز کیا گیا۔ سب سے پہلے حسب سابق حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب سورۃ بنی اسرائیل کے نویں رکوع کی تلاوت کے لئے کھڑے ہوئے۔ ابھی آپ نے قرآن مجید کی تلاوت شروع ہی فرمائی تھی کہ ایک شورش پسند طبقہ نے جو جلسہ کو درہم برہم کرنے کی غرض سے آیا تھا اور بڑے دروازہ کے سامنے کھڑا تھا گالیاں دیتے اور شور مچاتے ہوئے مداخلت شروع کر دی۔[۲] جب ان لوگوں کو جلسہ گاہ سے باہر نکال دیا گیا تو سات آٹھ ہزار کا ایک بہت بڑا ہجوم جلسہ گاہ کے ارد گرد جمع ہو گیا۔ عین اس وقت جب شور و غوغا بلند ہو رہا تھا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے ہدایت فرمائی کہ ہماری جماعت کے سب دوست بیٹھ جائیں اور اگر کوئی باہر گئے ہوں تو واپس آجائیں خواہ اُن کو کوئی مارے اور پیٹے وہ کوئی جواب نہ دیں۔

اس کے بعد کچھ دیر تک پنڈال میں خاموشی طاری رہی۔ اس دوران میں حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد نے مصلح موعود کی پیشگوئی سے متعلق مختصر تقریر کی۔ پھر حضرت امیر المومنینؓ نے اپنی نہایت ایمان افروز تقریر شروع فرمائی جس پر شور و شر پیدا کرنے والے ہجوم کا ایک حصہ دوبارہ گالیاں دیتا اور شور کرتا ہوا سٹیج پر حملہ کرنے کی نیت سے آگے بڑھا۔ جسے احمدیوں نے روک دیا اور حضور کی تقریر جاری رہی۔ اس پر پنڈال سے باہر مشتعل ہجوم نے جلسہ گاہ پر مسلسل پتھر برسانا شروع کر دیئے۔ اور پھر شور کرتا ہوا مستورات کی جلسہ گاہ کی طرف بڑھنے لگا۔ جسے روکنے کے لئے احمدی نوجوان قناتوں سے باہر صف باندھ کر

---

[۱] "الفضل" ۲۰ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵-۶

[۲] اس ہنگامہ کی نسبت دہلی کے اخبار "انصاری" نے بیان دیا:۔
"جونہی مرزا بشیر الدین محمود بولنے کے لئے کھڑے ہوئے بہت سے لوگوں نے انہیں بولنے سے روکا اور مختلف اقسام کے نعرے بلند کئے" بالفاظ دیگر کوئی فقرہ سُنے بغیر ہی شورش برپا کر دی گئی۔ مگر اصل حقیقت یہی تھی کہ فتنہ کی ابتدا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تقریر کے وقت نہیں بلکہ اس سے قبل تلاوت قرآن مجید کے شروع میں کی گئی تھی جس کے لئے کوئی وجہ جواز نہ تھی۔

کھڑے ہو گئے جس پر ہجوم نے جلسہ گاہ کے زنانہ حصّہ پر پتھر برسانا شروع کر دیئے۔ اس عرصہ میں ہجوم اس قدر زیادہ ہو گیا کہ جلسہ گاہ چاروں طرف سے لوگوں سے گھر گئی۔ آخر جب یہ فتنہ پرداز گروہ خواتین کے مجمع کی طرف بڑھا اور سخت خطرہ پیدا ہو گیا کہ حملہ کر دے گا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کی حفاظت کے لئے ایک سو آدمی چلے جائیں باقی سب بیٹھے رہیں۔ اگر تم میں سے کوئی کمزور دل ہو تو وہ نہ جائے اس کی بجائے میں جانے کے لئے تیار ہوں۔ اس پر ایک معمر دوست ملک حسن محمد صاحب نے جوش سے کانپتے ہوئے عرض کیا۔ حضور جب تک ہم زندہ ہیں حضور کس طرح جا سکتے ہیں۔ دشمن جب ہماری ہڈیاں پیس کر رکھ دے تب حضور جا سکیں گے۔[۵۱]

حضرت امیر المومنینؓ کی ایمان افروز تقریر

اس موقعہ پر حضور نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"یہ لوگ جو شور مچا رہے ہیں اور گالیاں دے رہے ہیں یہ بھی میری صداقت کی ایک دلیل پیش کر رہے ہیں۔ بھلا جھوٹ سے بھی کوئی ڈرتا ہے اور جھوٹ کبھی غالب آسکتا ہے؟ لوگ ڈرتے اسی سے ہیں جس کے متعلق سمجھتے ہیں کہ حقیقی طاقت اس کے پاس ہے اور وہ غالب آجائے گا ہم وہ باتیں سننے کے لئے تیار ہیں جو یہ لوگ تہذیب اور شرافت سے سنائیں۔ یہ ہماری باتیں سننے سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ مگر میں ان مولویوں سے کہتا ہوں کہ وہ ہمارے ہاں قادیان میں آئیں اور ہمیں اپنی باتیں تہذیب کو مدّنظر رکھتے ہوئے سنائیں۔ ہم اُن کی باتیں سننے سے لوگوں کو منع نہیں کریں گے بلکہ انہیں جمع کر دیں گے اور ان علماء کا سب خرچ بھی دیں گے۔"

اس کے بعد حضور نے ہنگامہ بپا کرنے والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"اس شور و شر سے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ آپ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ کے دلوں میں اسلام کا درد ہے اور آپ اپنے زعم میں ہمیں دشمنِ اسلام تصور کرتے ہوئے ہمارے مٹانے کے درپے ہیں۔ انسان نے بہرحال ایک دن مرنا ہے کوئی پہلے مر جائے گا اور کوئی پیچھے مریگا۔ اس لئے آؤ! میں ایک مفید اور صحیح طریق فیصلہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جو بتا دے گا کہ ہم میں سے کونسا فریق اپنے دلوں میں اسلام سے سچی محبت اور اس کے لئے سچا درد رکھتا ہے اور اس سے تبلیغ اسلام کو بھی بہت بڑا فائدہ پہنچے گا۔ اور وہ طریق فیصلہ یہ ہے کہ آپ لوگ اپنی اپنی جماعت اور اپنے اپنے ہمخیال لوگوں میں سے اسلام کی اشاعت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنے والے نوجوانوں اور تبلیغ دین کیلئے اپنی جائیدادیں اور اموال راہِ خدا میں دینے والے اشخاص کا مطالبہ کریں تاکہ اس ذریعہ سے بلادِ عربیہ اور اطراف و کناف

۵۱ "الفضل" ۲۳ شہادت / اپریل ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۰

عالَم میں تبلیغ اسلام ہو سکے۔ مَیں بھی اپنی چھوٹی اور غریب جماعت سے یہی مطالبہ کروں گا۔ اس کے نتیجہ سے دُنیا پر واضح ہو جائے گا کہ کن کے ساتھ خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت کا ہاتھ ہے اور کونسا فریق اسلام کا حقیقی خیر خواہ اور دلوں میں اس کا سچا درد رکھتا ہے۔ میری تازہ تحریک پر جو مَیں نے اپنی جماعت میں ابھی حال ہی میں کی ہے اس وقت تک ڈیڑھ سو اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان اپنی زندگیاں اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر چکے ہیں۔ اور ایک کروڑ روپیہ کی جائیداد اس وقت تک وقف ہو چکی ہے۔ پس گالیاں دینے، اینٹ اور پتھر برسانے سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ اگر آپ لوگ سچے ہیں تو مَیں دعوت دیتا ہوں کہ میدان میں نکلیں اور اس طریقِ فیصلہ کو قبول کر کے اپنے دعویٰ کی صداقت کو ثابت کریں۔"[۵]

اس کے بعد حضور نے فرمایا:۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی جس پیشگوئی کے پُورا ہونے کا ذکر میں اس وقت کرنا چاہتا ہوں اور جو مُصلح موعود کے متعلق ہے، اس میں ایک علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی علوم سے پُر کیا جائے گا اور یہ ایسی واضح علامت ہے کہ اسے بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ میں جسے خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی کا مصداق قرار دیا ہے تمام علماء کو چیلنج دیتا ہوں کہ میرے مقابلہ میں قرآن کریم کے کسی مقام کی تفسیر لکھیں اور جتنے لوگوں سے اور جتنی تفسیروں سے چاہیں مدد لے لیں۔ مگر خدا کے فضل سے پھر بھی مجھے فتح حاصل ہو گی۔[۶]

نیز فرمایا:۔ مَیں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ بیشک ہزار عالم بیٹھ جائیں اور قرآن مجید کے کسی حصہ کی تفسیر میں میرا مقابلہ کریں۔ مگر دنیا تسلیم کرے گی کہ میری تفسیر ہی حقائق و معارف اور رُوحانیت کے لحاظ سے بےنظیر ہے۔ اس کے بعد فرمایا:۔

"مَیں خدا سے خبر پا کر اعلان کرتا ہوں کہ وہ پیشگوئی جس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں فرمایا تھا، پُوری ہو گئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے رویا میں مجھے اطلاع دی کہ مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق مَیں ہی ہوں۔ مَیں اس خدائے واحد لاشریک لہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ یہ رُویا جس کا ذکر مَیں نے کیا ہے۔ خدا نے مجھے بتایا ہے مَیں نے خود نہیں بنایا۔ اگر مَیں اس بیان میں سچا ہوں اور آسمان و زمین کا خدا شاہد ہے کہ مَیں سچا ہوں تو یاد رکھنا چاہیئے کہ آخر ایک دن میرے اور میرے شاگردوں کے ذریعہ

[۵] "الفضل" ۶ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۳۔ [۶] "الفضل" ۲۳ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔

سے رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا کلمہ ساری دُنیا پڑھے گی اور ایک دن آئے گا جب ساری دُنیا پر اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ شان کے ساتھ اسلام کی حکومت قائم ہو جائے گی جیسا کہ پہلی صدیوں میں ہوئی تھی۔" [1]

مبلغین کی تقریریں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی پُرمعارف تقریر قریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی۔ [2] جس کے بعد حضرت مولوی عبدالمغنی خان صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ قادیان نے اعلان کیا کہ اب اُن مبلّغین کی مختصر تقریریں پیش کی جائیں گی جنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے عہد میں دُنیا کے کناروں تک اسلام کی تبلیغ کی۔ چنانچہ اس کے بعد بیرُونِ ہند کے مبلّغین نے اپنے اپنے مُلک کے تبلیغی حالات سُنائے۔

احمدیوں کی طرف سے صبر و تحمّل کا مظاہرہ

اس دوران میں شور و شر برپا کرنے والے لوگ خواتین کی جلسہ گاہ سے ہٹ کر پچھلی طرف آ گئے۔ اور وہاں جو احمدی نوجوان پہرہ پر اس لئے کھڑے تھے کہ مُفسد لوگ جلسہ گاہ میں داخل ہو کر فساد نہ کر سکیں ان پر پتھر برسانا شروع کر دیئے۔ اس موقعہ پر فساد کرنیوالوں کی طرف سے بارش کی طرح پتھر برسائے گئے اور کئی ایک احمدی نوجوان سخت زخمی اور لہو لُہان ہو گئے۔ جن میں حضور کے داماد میاں عبدالرحیم احمد صاحب بھی تھے جنہیں سخت چوٹیں آئیں۔ اور وہ بیہوش ہو کر گِر گئے۔ انہیں اُٹھانے اور سٹیج کی طرف لانے کے وقت فتنہ پردازوں نے اور زیادہ شدّت کے ساتھ سنگباری کی جس سے زخمیوں کی تعداد میں اور اضافہ ہو گیا۔ ان سب کو فوراً احمدی ڈاکٹروں کی طرف سے فرسٹ ایڈ بہم پہنچائی گئی اور زخموں پر ڈاکٹر صاحبان نے پٹیاں باندھ دیں۔ اس وقت ایک طرف تو زخمیوں کو پٹیاں باندھی جا رہی تھیں اور ان کے سروں اور چہروں سے بہتا ہوا خون دھویا جا رہا تھا اور دوسری طرف جلسہ کی کارروائی باقاعدہ جاری تھی اور احمدی مبلّغین بے گناہوں اور دین کے خادموں کا خون بہانے والوں کو یہ بتا رہے تھے کہ دُنیا کے کناروں تک خدا تعالےٰ کی وحدانیت قائم کرنے اسلام کی تعلیم پھیلانے اور رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نام بلند کرنے کے لئے وہ حضرت امیرالمومنینؓ کی ہدایت کے ماتحت کس قدر جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ نے پھر تقریر فرمائی اور جلسہ دُعا پر ختم ہوا۔

فتنہ پردازوں نے پہلے ہی ستم توڑنے میں کوئی کمی نہ کی تھی لیکن اس وقت تو انہوں نے اُسے انتہا تک پہنچا دیا جب خواتین کو جلسہ گاہ سے گھروں کو بھیجا گیا۔ انہوں نے راستہ میں کھڑے ہو کر لاریوں پر حملے کئے۔

---

[1] رسالہ "فرقان" قادیان شمارہ شہادت/ اپریل ۱۳۲۳ھش/ ۱۹۴۴ء صفحہ ۹۹

[2] "الفضل" ۲۰ شہادت/ اپریل ۱۳۲۳ھش/ ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۱

مگر خدا تعالیٰ نے مستورات کو شریروں کی گزند سے ہر طرح محفوظ رکھا۔ البتہ ان احمدی نوجوانوں میں سے بعض کو سخت چوٹیں آئیں جو لاریوں کے ساتھ حفاظت کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ مگر باوجود ان لوگوں کی ان حرکات کے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے اُن کے لئے دُعا کی کہ خدا تعالیٰ ان کی آنکھیں کھولے اور انہیں حق کو دیکھنے اور ہدایت کو قبول کرنے کی توفیق بخشے۔"[1]

دہلی کی بعض سعید رُوحیں احمدیت کی آغوش میں

اس جلسہ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تین روز تک نئی دہلی میں تشریف فرما رہے۔ اس عرصہ میں غیر احمدی اور ہندو سکھ معززین کی ایک بڑی تعداد نیز ایک عرب صاحب نے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ حضور روزانہ بعد نماز مغرب رات کے گیارہ بجے تک احمدی و غیر احمدی احباب کے مختلف مذہبی و سیاسی سوالات کے جواب دیتے تھے۔[2]

اس اثناء میں حسب ذیل احباب حضور کے دستِ مبارک پر بیعت کرکے داخلِ احمدیت ہوئے۔

۱۔ محمد حسین صاحب (چیف انجنیئر آفس) نئی دہلی

۲۔ آفتاب احمد صاحب (چیف انجنیئر آفس) نئی دہلی

۳۔ فیاض بیگ صاحب دریا گنج دہلی (معہ اہلیہ صاحبہ و پسران و دختران)[3]

سیدنا مصلح موعودؓ کی دُعا حضرت خواجہ میر دردؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ کے مزار پر

آخری روز یعنی ۲۰ شہادت/اپریل کو حضور تین بجے کے قریب پہلے حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد مبارک پر اور پھر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس پر دُعا کے لئے تشریف لے گئے اور کافی دیر تک دُعا فرماتے رہے۔ ان ایام میں دہلی کے اطراف و جوانب سے آنے والے احمدی دوست بھی حضور کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ الغرض حضور کے ایام انتہائی مصروفیت میں گذرے۔[4] ازاں بعد حضور ۲۰ شہادت/اپریل کو گیارہ بجے شب دہلی سے روانہ ہوئے۔ اگلے روز ۲۱ شہادت/اپریل کو پونے بارہ بجے بخیریت قادیان تشریف لے آئے۔[5]

جلسہ دہلی کے تفصیلی حالات سیدنا المصلح الموعودؓ کی زبانِ مبارک سے

سیدنا المصلح الموعودؓ نے قادیان پہنچتے ہی خطبہ جمعہ دیا جس میں اپنی زبان مبارک سے

---

[1] "الفضل" ۲۳ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔
[2] "الفضل" ۷ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
[3] "الفضل" ۲۸ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
[4] "الفضل" ۷ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶ کالم ۳۔
[5] "الفضل" ۲۲ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

جلسہ دہلی کے مفصّل حالات پر روشنی ڈالی۔ چنانچہ فرمایا:۔

"دہلی میں ہمارے جلسہ کے اعلان کے بعد کئی دن وہاں مختلف مقامات پر ایسے جلسے ہوتے رہے کہ احمدیوں کا یہ جلسہ نہ ہونے دیا جائے اور اشتہار بھی شائع کئے گئے بلکہ حکومت کو بھی توجہ دلائی گئی کہ چونکہ اس جلسہ میں ہمارے عقائد کے خلاف باتیں ہوں گی اس لئے اشتعال پیدا ہوگا . . . . . بہرحال وہ لوگ پہلے سے ہی ہمارے جلسہ کے خلاف جوش پیدا کر رہے تھے اور اسے خراب کرنے کا ارادہ رکھتے تھے . . . . . اسی نیت اور ارادہ سے مخالفین جلسہ میں آئے . . . . عزیزم مرزا ناصر احمد صاحب نے تلاوتِ قرآن کریم شروع کی تو ایک لفظ میں زبر کی جگہ زیر ان کے منہ سے نکل گئی۔ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کی بجائے قُرْاٰنِ الْفَجْرِ کہہ دیا۔ پس یہ الفاظ اُن کے منہ سے نکلنے تھے کہ یہ لوگ جو منتظر ہی تھے کہ شور وغیرہ کرنے کا کوئی موقعہ مل سکے فوراً کھڑے ہو گئے اور شور مچانے لگے کہ قرآن کریم غلط پڑھا جا رہا ہے۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ ان کے منہ سے زبر کی بجائے زیر نکل گئی مگر اس پر اتنا شور مچانے کی تو کوئی وجہ نہ تھی۔ اتنا کافی تھا کہ ان میں سے کوئی صاحب کھڑے ہوتے اور کہہ دیتے کہ قاری صاحب قُرْاٰن کے لفظ پر زیر نہیں بلکہ زبر ہے تو ہم لوگ ان کے ممنون ہوتے۔ کیونکہ قرآن کریم کے پڑھنے میں اگر کوئی غلطی کرے تو اس کی اصلاح کر دینا ایک نیکی ہے۔ تمام عالمِ اسلامی میں یہ طریق ہے کہ رمضان میں تراویح پڑھانے کے لئے جہاں حفّاظ مقرر کئے جاتے ہیں وہاں سامع بھی مقرر کئے جاتے ہیں تا اگر حافظ کوئی غلطی کر جائے تو اس کی اصلاح کی جا سکے . . . . . مگر جونہی عزیزم ناصر احمد صاحب کے مُنہ سے یہ لفظ نکلا یہ لوگ شور مچانے لگ گئے اور کسی طرح چُپ ہونے میں نہ آتے تھے۔ آخر چند نوجوان مجبور ہو گئے کہ ان کو جلسہ گاہ سے باہر نکال دیں۔ مگر ان کی بات سُننے کی بجائے ان شور مچانے والوں نے اُن پر حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی شروع ہو گئی۔ دوسری چیز یہ پیدا ہوئی کہ چونکہ اللہ تعالیٰ دہلی والوں کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ لاؤڈ سپیکر خراب ہو گیا۔ جب ہمارے بعض نوجوان ان لوگوں کو باہر نکالنے لگے اور ان شورش پسندوں نے اُن میں سے بعض کو مارنا شروع کر دیا اور ان کا جواب بھی بعض احمدیوں نے دینا شروع کر دیا تو مَیں نے کہنا شروع کیا کہ ان سے تعرّض نہ کرو۔ واپس آ جاؤ۔ اور اگر مار پڑے تو برداشت کرو۔ اور مَیں حیران تھا کہ میری تاکید کے باوجود احمدی واپس کیوں نہیں آ رہے۔ اس پر ایک شخص نے بتایا کہ لاؤڈ سپیکر خراب ہو گیا ہے اور آپ کی آواز ان لوگوں تک نہیں پہنچ رہی۔ تب

مَیں نے آدمی مقرر کئے کہ میری آواز کو دُہراتے جائیں۔ پھر کہیں جا کر دوستوں کو میری ہدایات کا علم ہوا۔ اور وہ واپس آئے۔ تو یہ دوسرا ذریعہ ہو گیا اس فتنہ کو بڑھانے کا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے نہایت ہی ناروا اور نامناسب طریق اختیار کیا اور ایسی گندی گالیاں دیں کہ جنہیں انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان تھا کہ اس نے احمدیوں کو اُن کے برداشت کرنے کی توفیق دی۔ مَیں جب جلسہ گاہ میں داخل ہوا تو ایک آدمی سٹیج کے پاس ہی کھڑا تھا۔ مَیں جب اس کے پاس سے گذرا تو اس نے زور سے کہا۔ لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم کاذب ہو اور تم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ مگر ایک احمدی نے زور سے کہا۔ آمین۔

پس ان لوگوں کا شروع سے ہی طریق اشتعال انگیز تھا۔ ہم نے پہلے جلسہ گاہ میں نماز پڑھی۔ پھر قرآن کریم کی تلاوت شروع ہوئی۔ مگر ان سب باتوں سے بھی پہلے سے یہ لوگ آوازے کس رہے تھے۔ اس جھگڑے کے بعد ان لوگوں نے سارے شہر میں یہ اعلان کیا کہ احمدیوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے اور لوگوں کو وہاں چلنا چاہیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف سے لوگ اکٹھے ہو گئے اور سات آٹھ ہزار کی تعداد میں جلسہ گاہ کے اردگرد جمع ہو گئے۔ لاؤڈ سپیکر تو خراب ہی تھا۔ اس لئے ان لوگوں کا شور و شر جلسہ کی کارروائی کو خراب کر رہا تھا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ میری تقریر کے دوران میں وہ کوئی ایسی بات نہ کر سکے کہ تقریر رُک جائے۔ لیکن جب مبلّغین نے تقریریں شروع کیں اور انہوں نے سمجھا کہ شاید اب ہماری تعداد اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ ہم حملہ کر سکتے ہیں تو انہوں نے اَور بھی زور سے نعرے لگانا اور آگے بڑھنا شروع کیا۔ پولیس نے ان کو روکا مگر وہ رُکے نہیں۔ اتنے میں مجھے پاؤں کی آوازیں زور سے آنی شروع ہوئیں اور مَیں نے کھڑے ہو کر دیکھا تو سینکڑوں لوگوں کا ایک گروہ عورتوں کی جلسہ گاہ کی طرف حملہ کرنے کے لئے بھاگا جا رہا تھا۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ جسے کوئی شریف قوم برداشت نہیں کر سکتی۔ پولیس بھی اُن کو روکنے کے لئے دوڑی وہ لوگ پولیس کے پہلو بہ پہلو دوڑ رہے تھے مگر پہلے وہاں پہنچ گئے۔ زنانہ جلسہ گاہ کے اردگرد دو قناتیں تھیں ایک قنات کے اندر صحن تھا اور پھر آگے جا کر دوسری قنات تھی اور اس کے اندر عورتیں بیٹھی تھیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جلسہ گاہ کا ایسا خطرناک انجام ہوتا کہ ممکن ہے بہت زیادہ خون خرابہ ہو جاتا۔ ان لوگوں نے پہلی قناتوں کو پھاڑ دیا اور گرا دیا۔ اتنے میں پولیس بھی پہنچ گئی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ باہر کے پردہ کے اندر جب انہوں نے دیکھا کہ عورتیں نہیں ہیں تو غالباً یہ سمجھا کہ یہاں سے چلی گئی ہیں اور اگلی قناتوں تک وہ نہ گئے۔

اور اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس بڑے خطرہ سے ہمیں بچا لیا۔ ورنہ اگر عورتوں کی بے حرمتی تک نوبت پہنچتی تو پھر کوئی شریف آدمی صبر سے کام نہ لے سکتا تھا۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہو جاتا تو دہلی وہ نظارہ دیکھتی جو اس نے گذشتہ اسی سال میں نہیں دیکھا۔ جب انہوں نے عورتوں پر حملہ کا ارادہ کیا تو مَیں نے حکم دیا کہ ایک سو مضبوط نوجوان جاکر عورتوں کی جلسہ گاہ کے باہر کھڑے ہو کر پہرہ دیں۔ عورتوں کا احترام نہایت ضروری اور لابدی ہے۔ اس لئے وہی کھڑا ہو جو مرنا جانتا ہے۔ بلکہ مَیں نے یہاں تک کہا کہ اگر تم میں سے کوئی مرنا نہیں جانتا تو وہ ہرگز نہ جائے۔ وہ واپس آجائے اس کی جگہ مَیں خود جانے کو تیار ہوں کیونکہ مَیں خدا تعالیٰ کے فضل سے مرنا جانتا ہوں۔ اس وقت جو غیر مسلم اور غیر احمدی خواتین وہاں تھیں اُن کے رشتہ داروں نے کہلا بھیجا کہ ہمیں اپنی مستورات کی نسبت بہت گھبراہٹ ہے۔ خطرہ بہت ہے کوئی انتظام کیا جائے۔ اس پر مَیں نے ان کی تسلّی کے لئے اعلان کیا کہ آپ فکر نہ کریں۔ اپنی عورتوں سے پہلے ہم آپ کی عورتوں کی حفاظت کریں گے۔ چنانچہ وہ اس امر کے شاہد ہیں کہ ہم نے وہ وعدہ پورا کر دیا۔ بعض غیر احمدی مستورات کے ساتھ میری بیٹیاں گئیں اور اُن کو گھر پہنچا کر پھر اپنے گھر آئیں۔

جب وہ ہجوم وہاں سے ہٹا تو پھر مختلف جہات سے سنگباری شروع ہو گئی اور وہ لوگ آگے بڑھنے لگے حتیٰ کہ ایک دفعہ اتنے قریب آگئے کہ سٹیج کے پاس پتھر پڑنے لگے۔ یہ وہی موقع تھا جب میرے داماد میاں عبدالرحیم احمد صاحب کے سر پر چوٹ آئی۔ بعد میں ایکسرے سے معلوم ہوا ہے کہ اُن کے سر کی ہڈیاں تین جگہ سے ٹوٹ چکی ہیں اور حالت خطرناک ہے۔ اسی طرح اَور بھی بہت سے احمدی زخمی ہوئے۔ پہلے تو خیال تھا کہ زخمیوں کی تعداد ۲۴-۲۵ ہے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ چالیس کے قریب ہے۔ ان میں سے بعض کی ضربات شدید ہیں جیسے میاں عبدالرحیم احمد صاحب کی۔ اور میاں فضل کریم صاحب پراچہ کی۔ اُن کے ہاتھ کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔ اے۔ ایل ایل بی واقفِ تحریکِ جدید کے بھی سخت چوٹ آئی ہے۔ اور شبہ ہے کہ اُن کی آنکھ کے پاس کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ اب تک وہ سر نہیں اُٹھا سکتے۔ مگر مَیں اس تمام عرصہ میں متواتر اپنے تمام آدمیوں کو یہ نصیحت کر رہا تھا کہ اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں۔ ماریں کھائیں مگر جواب نہ دیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دشمن کی جو غرض تھی کہ جلسہ نہ ہو اور مَیں تقریر نہ کر سکوں، وہ پوری نہ ہو سکی۔ اور ہم نے دُعا اور تقریر کے بعد جلسہ ختم کیا۔

جب خطرہ بڑھا تو ہم نے فیصلہ کیا کہ عورتوں کو وہاں سے پہرہ کے اندر محفوظ مقامات پر پہنچا دیا جائے پہلے

غیر مسلم اور غیر احمدی خواتین کو پہنچائیں اور پھر احمدی خواتین کو۔ اس کے لئے لاریاں منگوائی گئیں اور جس جس جگہ کو عورتوں نے اپنے لئے محفوظ سمجھا وہاں اُن کو پہنچا دیا گیا۔ مثلاً سکھ عورتوں نے کہا ہمیں گوردوارہ میں پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ اُن کو گوردوارہ میں پہنچا دیا گیا۔ اور عورتوں کو محفوظ مقامات پر پہنچانے کی وجہ سے ایک لمبے عرصہ تک ہمیں جلسگاہ میں انتظار کرنا پڑا۔ مگر ان لوگوں کی شرافت کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اُن لاریوں پر بھی حملہ کیا جو عورتوں کو لے جا رہی تھیں۔ چنانچہ ایک لاری جس میں عورتیں تھیں انہوں نے اس کے آگے لاٹھیاں وغیرہ رکھ کر روک لی۔ مگر مَیں چونکہ جانتا تھا کہ یہ لوگ ایسے اخلاق کے مالک ہیں۔ اس لئے مَیں نے ہر لاری کے ساتھ محافظ بھجوانے کا حکم دیا تھا۔ جب لاری رُک گئی تو انہوں نے بے تحاشا پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ ان حملوں میں بھی ہمارے بعض نوجوان زخمی ہوئے۔ اور بعض تو جب واپس آئے تو سر سے پاؤں تک خون میں نہائے ہوئے تھے۔ مگر اس موقعہ پر بھی اللہ تعالیٰ نے دشمن کو یہ بتا دیا کہ گو احمدی صبر کرتے ہیں مگر جب اُن پر خواہ مخواہ حملہ کیا جائے خصوصاً جب عورتوں کی حفاظت کا سوال ہو تو وہ ڈرتے نہیں۔ اسی سلسلہ میں ایک ہندو نے ڈاکٹر لطیف صاحب کو سُنایا کہ مَیں سڑک پر جا رہا تھا کہ سامنے سے ایک لاری آتی دیکھی جس میں عورتیں تھیں۔ کئی سَو آدمیوں کا ایک ہجوم آگے بڑھا اور لاری کو روک لیا۔ لاری کے ساتھ چند ایک نوجوان تھے۔ جب ہجوم نے لاری کو روکا تو مَیں نے خیال کیا کہ اب ان عورتوں کی خیر نہیں۔ ہجوم نے پتھر برسانے شروع کئے۔ مگر میرے دیکھتے دیکھتے پانچ سات نوجوان آگے آئے اور انہوں نے سینکڑوں لوگوں کا مقابلہ کیا۔ مَیں یہ دیکھ کر حیران تھا اور سمجھتا تھا کہ یہ نوجوان مارے جائیں گے۔ مگر ابھی دو تین منٹ بھی نہ گذرے تھے کہ مَیں نے دیکھا وہ ہجوم بھیڑوں بکریوں کی طرح بے تحاشا بھاگا جا رہا تھا اور لاری اور اُس کے محافظ سائیکلسٹ آرام سے اپنی منزلِ مقصود کی طرف جا رہے تھے۔

بات یہ ہے کہ ہم امن کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں اور گورنمنٹ کا کام اپنے ہاتھ میں لینا نہیں چاہتے ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ انبیاء کی جماعتیں جہاں صبر کرنا جانتی ہیں وہاں مرنا بھی جانتی ہیں۔ اور جو قوم مرنے کے لئے تیار ہو اُسے کوئی نہیں مار سکتا۔ مَیں خدا تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ رکھتے ہوئے کہہ سکتا ہوں کہ یہ سات آٹھ ہزار آدمی نہیں اگر دہلی کے تمام لوگ بھی ہم پر حملہ کرتے تو بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم اُن کو بھگا دیتے۔ مگر ہم نے پولیس کے کام میں دخل دینا پسند نہ کیا۔ جب عورتوں کی لاریوں پر انہوں نے

حملہ کیا تو وہاں احمدیوں نے مقابلہ کیا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے چند آدمی سینکڑوں کو بھگا کر لے گئے۔ غیر مسلم اور غیر احمدی خواتین کو خطرہ کا بہت احساس تھا۔ بعض تو گھبراہٹ میں کانپنے لگیں۔ مگر اُس وقت احمدی عورتوں نے بھی بہادری دکھائی اور ان کے ارد گرد قطار باندھ کر کھڑی ہو گئیں اور کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں۔ اگر کوئی اندر آیا بھی تو ہم مقابلہ کریں گی۔

حکومتِ ہند کے ایک سیکرٹری صاحب کی اہلیہ صاحبہ بھی جلسہ میں تھیں۔ اُن کو جب موٹر میں بٹھایا گیا تو اُن کے ایک طرف میری لڑکی بیٹھ گئی اور دوسری طرف ایک اور غیر احمدی خاتون جو بہادر دل کی تھیں تا اگر باہر سے پتھر وغیرہ آئیں تو ان کو نہ لگیں اور اس طرح موٹر میں بٹھا کر اُن کو گھر پہنچایا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس موقعہ پر عورتوں نے بھی ثابت کر دیا کہ اگر موقعہ آئے تو وہ جان دینے سے دریغ نہیں کرتیں۔ بہرحال رات تک یہ شور وشر ہوتا رہا۔ آخر جب عورتیں چلی گئیں۔ تب مَیں نے افسروں سے کہلا بھیجا کہ اب ہم نے جانا ہے کیا آپ لوگ ہمارے لئے رستہ بنا دیں گے یا ہم خود بنالیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم خود آپ لوگوں کو بحفاظت پہنچائیں گے چنانچہ پولیس گارد ہمارے آدمیوں کے آگے پیچھے ہو کر انہیں محفوظ جگہ پہنچا آئی۔ . . .“

جلسہ کی کامیابی سے متعلق تین آسمانی بشارتیں

سیدنا المصلح الموعودؓ نے مندرجہ بالا واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ”ابھی اس شورش اور مخالفت کا کوئی وجود بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے راحت اور ایمان میں ترقی کا سامان مہیا فرما دیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ”رؤیا میں دیکھا کہ دہلی گئے ہیں اور بخیریت واپس آئے ہیں“ پھر الہاماً یہ الفاظ زبان پر جاری ہوئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَوْصَلَنِیْ صَحِیْحًا“ (تذکرہ صفحہ ۵۳۶) یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جو فساد اور دشمن کے حملے سے صحیح وسالم بچا کر واپس لے آیا۔ اس الہام کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام دہلی تشریف لے ہی نہیں گئے آخری سفر جو آپ نے دہلی کی طرف کیا وہ ۱۹۰۵ء کا ہے۔ تو یہ ایک پیشگوئی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ کا مثیل دہلی جائے گا۔ لوگ اس پر پتھراؤ کریں گے یہ جو سنگباری کی گئی، یہ دراصل مجھ پر تھی جسے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کی مسند پر بٹھایا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ آپ کو یعنی آپ کے مظہر کو صحیح وسالم واپس قادیان لے آئیگا۔ پس جو کچھ ہوا اس میں اس لحاظ سے بھی ہماری فتح اور کامیابی ہے۔ سلسلہ کی صداقت کا ایک ثبوت ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مامور من اللہ اور خدا تعالیٰ کا پیارا ہونے کا ایک ثبوت ہے۔ ہر پتھر جو وہ لوگ ہم پر مار رہے تھے وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَوْصَلَنِیْ صَحِیْحًا کی صداقت کی گواہی دے رہا تھا اور ہر پتھر شاہد تھا اس امر کا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے اور خدا تعالیٰ آپ سے ہمکلام ہوتا تھا۔ یہ جو کہا گیا کہ مجھے صحیح وسالم واپس پہنچا دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض دوسروں کو نقصان پہنچے گا۔ مگر ان لوگوں کی اصل غرض تو مجھے نقصان پہنچانا تھی۔ لیکن جہاں سیالکوٹ کے پتھراؤ میں تین پتھر مجھے بھی آ لگے وہاں دہلی میں خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے ایک بھی نہیں لگا۔

غرض یہ ایک پیشگوئی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک مثیل دہلی جائیگا اور دشمن اس کو ضرر پہنچانے

کی پُوری کوشش کریں گے۔ لیکن اللہ تعالےٰ اُسے بخیر و عافیت قادیان پہنچادے گا۔ اور یہ پیشگوئی قریباً ۲۷ سال کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے پوری ہوئی۔ ہر انصاف پسند کو سوچنا چاہیئے کہ کیا ۲۷ سال قبل ایسی بات بیان کر دینا جو اپنے وقت پر صحیح ثابت ہو کسی انسان کی طاقت میں ہے۔ یہ ان لوگوں کے لئے بھی قابلِ غور بات ہے جو پیغامی کہلاتے ہیں۔ وہ بتائیں کہ اس پیشگوئی کے مطابق کون ہے جو دہلی گیا۔ مخالفین نے اُسے ضرر پہنچانے کی پُوری کوشش کی اور اللہ تعالےٰ اُسے صحیح و سالم واپس قادیان لے آیا۔

یہ لوگ تو اب قادیان آتے ہی نہیں۔ بلکہ بہشتی مقبرہ کے لئے جو وصیتیں کر رکھی تھیں وہ بھی منسوخ کرالیں اُن میں سے اگر کوئی قادیان آئے تو اُس کی نگرانی کرتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں۔ دیکھا کہ دہلی گئے اور خیریت سے واپس آئے ہیں۔ اور یہ رؤیا بتاتا ہے کہ قادیان میں ہی ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے مثیل ہوں گے اور جن کا دہلی جانا اور بہ سلامت واپس پہنچنا خود حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا جانا اور صحیح و سالم واپس پہنچنا ہوگا۔

پھر رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْمُؤْمِنُ یَرَیٰ اَوْ یُرَیٰ لَہٗ۔ جس روز مَیں نے دہلی جانا تھا، اسی روز یا اس سے ایک روز قبل خلیفہ صلاح الدین صاحب کا خط مجھے دہلی سے ملا کہ مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ قادیان سے خبر آئی ہے کہ خلیفۃ المسیح نگینہ سے بخیریت واپس قادیان پہنچ گئے ہیں۔ نگینہ انگوٹھی کے مرکز میں ہوتا ہے اور دہلی ہندوستان کا مرکزی شہر ہے۔ دہلی کو ہندوستان میں وہی حیثیت حاصل ہے جو نگینہ کو انگوٹھی میں۔ گویا اس خواب میں بتا دیا گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے جو رؤیا ۱۳ جنوری ۱۹۰۶ء کو دیکھا تھا وہ اسی سفر کے متعلق تھا۔ وہی بات جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو ۲۷ سال قبل دکھائی گئی تھی جلسہ سے چند روز قبل آپ کے ایک مُرید کو دکھائی گئی۔ یہ گویا ایک اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ اس پیشگوئی کے پُورا ہونے کا وقت آگیا ہے۔ تو ہمارے لئے ہر حال میں خوشی ہی خوشی ہے۔ ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند ✦ زیرِ آں گنجِ کرم بنہادہ اند

اسی طرح اس فساد کے ذریعہ سے میرا ایک الہام بھی پورا ہوا جو دہلی کے جلسے سے چند دن پہلے ہوا تھا۔ جو یہ ہے یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ۔ خدا کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اوپر۔ اس الہام میں خبر دی گئی تھی کہ جلسہ کے فساد کے موقعہ پہ چند احمدی سینکڑوں پر بھاری ثابت ہوں گے اور ہر جگہ ان کو فتح نصیب ہوگی فالحمدللہ علیٰ ذٰلک“ [1]

---

[1] ”الفضل“ ۳ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ تا ۵ ✧

فصل پنجم

مجلس علم و عرفان کا آغاز ــــ مسجد مبارک کی توسیع

ــــ اور ــــ

غلبۂ اسلام کیلئے چالیس روزہ دعا کا سلسلۂ خاص

مجلس علم و عرفان

دعویٰ المصلح موعود کے بعد جماعت احمدیہ پر جن بے شمار آسمانی برکات و انوار کا نزول ہوا اُن میں سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی مجلس علم و عرفان کو ایک نمایاں اور امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔

یہ مجلس دینی حقائق اور قرآنی معارف کی ایک بےمثال درسگاہ تھی جو قادیان[1] میں ماہ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء سے شروع ہوئی اور (وقفہ وقفہ کے ساتھ) ماہ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء تک جاری رہی۔ اس مجلس کا پس منظر خود سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ نے ۹ امان ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو بعد نماز عصر مسجد مبارک میں بیان فرمایا جو حضور ہی کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے۔ فرمایا:-

> "جب خدا تعالیٰ نے مجھے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ اب اسلام کے غلبہ کا وقت آپہنچا ہے تو وہ مختلف پہلو میرے ذہن میں آنے شروع ہوئے جو اس غلبہ کے لئے ضروری ہیں وہ بیسیوں پہلو ہیں اور کسی ایک خطبہ یا تقریر میں ان کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ میرا ارادہ ہے کہ لاہور یا لدھیانہ کے جلسہ کے بعد روزانہ مغرب اور عشاء کے درمیان مسجد میں بیٹھا کروں اور دوستوں کو اُن باتوں میں سے کچھ نہ کچھ سُنایا کروں تا کہ وہ آگے کی طرف قدم بڑھا سکیں"[2]

اس موقعہ پر حضور پر نور نے احباب قادیان کو خاص طور پر تحریک فرمائی کہ وہ کم از کم ایک نماز مسجد مبارک میں

---

[1] قبل ازیں سیدنا المصلح الموعودؓ اپنے زمانہ قیام لاہور میں بھی نماز مغرب کے بعد مجلس میں تشریف فرما ہوتے اور اہم ارشادات فرماتے تھے حضور کا منشاء مبارک تھا کہ اس دوران کے ملفوظات "تفہیمات لاہوریہ" کے نام سے خود جماعت لاہور شائع کرے اور اپنی قومی اور انفرادی زندگی اس کے مطابق استوار کرنے کیلئے دیوانہ وار سرگرم عمل ہو جائے۔ ("الفضل" ۱۶ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء)

[2] "الفضل" ۱۹ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱

ضرور ادا کیا کریں۔[1] حضور کے اس ارشاد مبارک کے بعد مسجد مبارک میں نماز ادا کرنے والوں کا غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ خصوصاً نمازِ مغرب کے وقت تو نمازیوں کی خوب چہل پہل اور رونق ہونے لگی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نمازِ مغرب کے بعد رونق افروز ہوتے اور جماعت کے سامنے ایسے ایمان افروز رنگ میں مذہبی، اخلاقی اور رُوحانی مسائل پر روشنی ڈالتے کہ رُوح وجد کرتی اور قلب و دماغ معطّر ہو جاتے۔ اس ضمن میں حضور وہ تربیتی اور اخلاقی امور خاص طور پر بیان فرماتے جو غلبۂ اسلام کو قریب تر لانے کے لئے ضروری تھے۔

شروع شروع میں حضور مسجد مبارک کے محراب ہی میں تشریف فرما ہوتے اور اپنے قیمتی ارشادات سے نوازتے تھے مگر ۸ اماں/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ نے عرض کیا کہ حضور لوگ زیارت کے بھی خواہش مند ہوتے ہیں اس لئے اگر اجازت ہو تو یہاں محراب میں کوئی اُونچی سی جگہ بنا دی جائے۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا:۔

"ایک بینچ بنوا لیا جائے تاکہ اس پر مَیں بھی بیٹھ جاؤں اور کچھ اَور آدمی بھی بیٹھ جائیں"[2]

چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں دیار (عمارتی لکڑی) کی سات مسندیں سی بنوائی گئیں اور ساتھ ہی ایک چھوٹا سا گدیلا بھی[3]! یہ مسندیں بوقت ضرورت نمازِ مغرب کے بعد مسجد مبارک کے نچلے یا بالائی محراب کے سامنے بچھا دی جاتی تھیں۔ وسطی مسند پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ تشریف فرما ہوتے اور دائیں بائیں حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ، حضرت ڈاکٹر سید غلام غوث صاحبؓ یا بعض اور احباب[4]!! اس طرح مشتاقانِ زیارت کو اپنے محبوب آقا کے دیدارِ عام کا شرف بھی نصیب ہونے لگا۔ تاہم ابھی ایک ضرورت باقی تھی یعنی آلۂ نشر الصوت کا انتظام۔ سو یہ اہم ضرورت سلسلہ کے ایک نہایت مخلص، ایثار پیشہ اور مخیر دوست سیٹھ محمد صدیق صاحب بانی (آف کلکتہ) نے پُوری کر دی اور ۱۶ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء سے مجلس علم و عرفان میں لاؤڈ سپیکر کا بھی انتظام ہو گیا[5] جس پر حضور نے اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے دُعا فرمائی کہ

"جس طرح انہوں نے ہماری آواز لوگوں تک پہنچانے کا انتظام کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو بھی توفیق دے کہ وہ خدا تعالیٰ کی آواز سُن کر اس پر مزید عمل کرنے کی کوشش کرتے رہیں"

---

[1] "الفضل" ۲ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔ [2] "الفضل" ۹ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۱۔

[3] بحوالہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے نے "اصحاب احمد" جلد پنجم حصہ سوم حاشیہ صفحہ ۱۲۶ میں ذکر کیا ہے یہ سب مسندیں اور گدیلا مسجد مبارک قادیان میں اب تک محفوظ ہے اور قریشی فضل حق صاحب درویش مؤذن کی تحویل میں ہیں۔ محترم ملک صاحب نے اپنی اس کتاب میں ان کے معیّن طول و عرض کے ساتھ ایک مفصّل خاکہ بھی درج کیا ہے۔ [4] ان چوکیوں پر بزرگوں کے علاوہ بعض دفعہ مہمان بھی بیٹھ جاتے تھے۔ چنانچہ ۷ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کا واقعہ ہے کہ بعض سکھ اور ہندو دوست مجلس میں حاضر ہوئے جس پر حضور نے نوجوانوں سے ارشاد فرمایا کہ وہ آنے والے مہمانوں کو جگہ دیں۔ چنانچہ نوجوان اُٹھ گئے اور ان کی بجائے چوکیوں پر یہ غیر مسلم اصحاب بیٹھ گئے ("الفضل" ۱۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۳)۔ [5] "الفضل" 19 احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

اس پاکیزہ اور خدا نما مجلس سے سیدنا المسیح الموعودؑ کے دربار شام کی یاد اکثر تازہ ہو جاتی تھی اور اس میں نہ صرف احمدی دوست ہی نہایت بیتابی اور ذوق و شوق سے حاضر ہوتے تھے بلکہ غیر احمدی حتیٰ کہ غیر مسلم بھی آتے اور استفادہ کرتے تھے۔

حضور کا معمول مبارک تھا کہ اکثر ہو قات خود ہی بعض اہم موضوعات پر خطاب شروع فرما دیتے۔ مگر گاہے گاہے مجلس میں پیش ہونے والے بعض اہم اور ضروری سوالات پر بھی اطمینان بخش روشنی ڈالتے تھے۔ ان ہر دو صورتوں میں حضور نے اپنی زبان مبارک سے جو قیمتی نکات بیان فرمائے وہ جماعت احمدیہ کے علم کلام اور دستور العمل کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے مجلس علم و عرفان میں جن جن مسائل و حقائق پر روشنی ڈالی ان کا شمار کرنا تو مشکل ہے البتہ بطور نمونہ صرف پانچ نکات معرفت کا تذکرہ کیا جاتا ہے تا موجودہ اور آئندہ نسلیں اس روحانی محفل سے کسی قدر لطف اندوز ہو سکیں۔

پہلا نکتہ | ۹؍ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کا واقعہ ہے کہ ایک دوست نے مختلف سوالات کئے جن میں ایک یہ سوال بھی تھا کہ کیا خلیفہ راشد کی موجودگی میں کوئی الگ مجدد بھی آسکتا ہے؟ اس استفسار کے جواب میں سیدنا المصلح الموعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ

"خلیفہ تو خود مجدد سے بڑا ہوتا ہے اور اس کا کام ہی احکام شریعت کو نافذ کرنا اور دین کو قائم کرنا ہوتا ہے۔ پھر اس کی موجودگی میں مجدد کس طرح آسکتا ہے؟ مجدد تو اس وقت آیا کرتا ہے جب دین میں بگاڑ پیدا ہو جائے" [1]

دوسرا نکتہ | ایک شخص نے مجلس میں عرض کیا کہ سجدہ میں قرآنی دعاؤں کا پڑھنا کیوں ناجائز ہے جبکہ سجدہ انتہائی تذلل کا مقام ہے؟ اس کے جواب میں حضور نے فرمایا:۔

"سجدہ بیشک تذلل کا مقام ہے مگر قرآن عزت کی چیز ہے۔ اس کی دعائیں سجدہ کی حالت میں نہیں پڑھنی چاہئیں۔ دعا انسان کو نیچے کی طرف لے جاتی ہے اور قرآن انسان کو اوپر کی طرف لے جاتا ہے۔ اس لئے قرآنی دعاؤں کا سجدہ کی حالت میں مانگنا ناجائز ہے" [2]

تیسرا نکتہ | ایک بار آیت لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کی لطیف تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام کی برتری جزئیات کے لحاظ سے بھی ہمیشہ کے لئے ظاہر ہو جائے گی۔ یہ نہیں ہو گا کہ کہا جائے اسلام میں چونکہ توحید کا بیان ہے اور فلاں

---

[1] "الفضل" ۹؍ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۴۔ [2] "الفضل" ۱۶؍ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

فلاں مذہب شرک کی تعلیم دیتے ہیں اس لئے اسلام افضل ہے۔ یا صرف رسالت کے لحاظ سے اسلامی تعلیم کو افضل ثابت نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ جزئیات کا ذکر کر کے اُن کے لحاظ سے بھی اسلام کو سب پر غالب کیا جائے گا۔ گویا اقتصادی، تمدنی، سیاسی جس قدر احکام ہیں ان تمام میں اسلام کا کفر سے ٹکراؤ ہوگا اور پھر اسلام کو فتح حاصل ہوگی۔ یہ حکمت ہے کہ اس آیت میں دِین کو مفرد رکھ کر اس کی طرف کُلِّهٖ کی ضمیر پھیری گئی ہے۔ اگر اسلام کے مخالف دِین کے سب حصے مراد نہ ہوتے بلکہ سب دین بحیثیت اجمالی دین کے مراد ہوتے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو عَلَى الْاَدْيَانِ كُلِّهَا آتا" [1]

چوتھا نکتہ عرض کیا گیا کہ رؤیا وکشوف میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت زیادہ تر انسانی شکل میں کیوں ہوتی ہے؟

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا:-

"اوّل اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوق بنایا ہے۔ دوسرے اس لئے کہ رؤیتِ باری کے نظارہ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ بندے کا خدا کے ساتھ لگاؤ پیدا ہو جائے اور انسان کو انسان کی صورت سے ہی لگاؤ ہو سکتا ہے۔ اگر ایک اچھی بھینس کی شکل میں کوئی ایسا نظارہ دکھایا جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا نہیں ہوگی۔ پھر یہ بھی صحیح نہیں کہ زیادہ تر انسانی شکل میں ہی رؤیت باری تعالیٰ ہوتی ہے۔ مَیں نے زیادہ تر خدا تعالیٰ کو نُور کی صورت میں دیکھا ہے۔ کبھی خدا تعالیٰ کی تجلّی بجلی کی تیز روشنی کی طرح مجھے دکھائی دی ہے۔ مگر اس میں اس قسم کی تیزی اور حدّت نہیں ہوتی جیسے بجلی کی روشنی میں ہوتی ہے بلکہ وہ روشنی اپنے اندر ایک سکون اور راحت رکھتی ہے" [2]

پانچواں نکتہ سیّدنا المصلح الموعودؓ نے امام کی مجلس سے فیضان حاصل کرنے کے طریق پر وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:-

"امام اگر باہر مجلس میں آکر بیٹھتا ہے تو صرف اس لئے آکر نہیں بیٹھتا کہ وہ سوالوں کا جواب دیتا رہے۔ بلکہ اگر مجلس میں بیٹھ کر لوگ ذکرِ الٰہی کریں۔ اپنے قلوب کی صفائی کا خیال رکھیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید بجا لائیں تو یہ چیز سوالات سے بہت زیادہ اہم اور بہت زیادہ مفید نتائج پیدا کرنے والی ہوتی ہے۔ مجلس کو ڈیبیٹنگ کلب بنا دینا ہرگز مومنوں کا شیوہ نہیں۔ خدا تعالیٰ کے ماموروں اور اُن کے خلفاء اور مصلحین کا کام ڈیبیٹنگ کلب میں بیٹھنا نہیں ہوتا بلکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی

[1] "الفضل" ۲۰ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۱-۲ ۔ [2] "الفضل" ۳۱ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳ ۔

محبت کی طرف توجہ دلانا ہوتا ہے۔ اس لئے وہی شخص ان سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے جو مجلس میں خاموشی کیساتھ بیٹھے۔ اپنے قلب کو ہر قسم کے دنیوی مالوفات سے پاک کر دے اور اُسے اس طرح خالی کرے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نُور نازل ہو تو اُس کا دل اس نُور کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو ضمنی طور پر کوئی سوال پُوچھ لینا منع نہیں۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی لوگ سوالات پُوچھ لیتے تھے۔ قرآن کریم نے بھی سوالات کرنے سے کُلیتہً نہیں روکا۔ صرف یہ فرمایا ہے کہ اس رنگ میں جو ناپسندیدہ ہو سوال نہیں کرنا چاہیئے۔ ورنہ اگر امام لوگوں کے سوالات کا جواب ہی دیتا رہے تو یہ صورت بن جاتی ہے کہ گویا مقتدی امام کے اختیارات چھین رہے ہیں۔ . . . یہ تو امام کے دل میں خدا تعالیٰ نے ڈالنا ہے کہ کونسی باتیں قلب کی صفائی کے لئے ضروری ہیں۔ اگر اس کو موقعہ ہی نہ ملے گا اور لوگ اپنے مشغلہ میں مشغول رہیں گے تو وہ خاموش رہے گا یہانتک کہ وہ وقت آجائے گا جو اعمال کے نتائج ظاہر ہونے کا ہوتا ہے اور چونکہ لوگوں نے محض باتوں میں اپنے وقت کو ضائع کر دیا ہوگا۔ عملی رنگ میں اصلاح اور تربیت اور تزکیہ کے طور پر کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا ہوگا۔ اس لئے نتائج اُن کے خلاف نکلیں گے اور وہ کفِ افسوس ملتے رہیں گے" [۱]

یہ تو بطور نمونہ معرفت وطریقت کے چند علمی اور رُوحانی نکات بیان کئے گئے ہیں ورنہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے لئے دُعا[۲]، نبی اور رسُول[۳]، سپرچولزم[۴]، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب تین جھوٹ[۵]، آداب نماز[۶]، دُعا اور مسمریزم[۷]، ستاروں کی تاثیرات[۸]، قرآن سے فال[۹]، ظہر و عصر میں قرأت مخفی رکھنے کی وجہ[۱۰]، نماز میں جہراً بسم اللہ نہ پڑھنے کی حکمت[۱۱]، نمازوں کے مستحسن اوقات[۱۲]، احمدی بادشاہ اور اسلامی شریعت[۱۳]، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر ہجرت کے وقت[۱۴]، وغیرہ بلا مبالغہ سینکڑوں ایسے اہم مسائل ہیں جن پر حضور نے اس اہم مجلس میں بالوضاحت روشنی ڈالی جن کی تفصیل مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر مرحوم مولوی فاضل کی محنت و کاوش سے "الفضل" میں محفوظ ہو چکی ہے۔

---

[۱] "الفضل" ۷ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱ ۔ [۲] "الفضل" ۴ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۴ ۔ [۳] "الفضل" ۹ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳
[۴] ،، ۲۹ ،، ،، ۔ [۵] ،، ۲۸ اخاء/اکتوبر ،، صفحہ ۱ ۔ [۶] ،، ۳۱ اخاء/اکتوبر ،، صفحہ ۵ ۔
[۷] ،، یکم نبوت/نومبر ،، صفحہ ۱ ۔ [۸] ،، ۲ فتح/دسمبر ،، ،، ۔ [۹] ،، ۱۹ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱ ۔
[۱۰] ،، ۱۹ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ ۔ [۱۱] ،، ۲۲ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱ ۔ [۱۳] ،، ۳۰ ،، ،، صفحہ ۱ ۔
[۱۴] ،، ۱۰ تبلیغ/فروری ،، صفحہ ۱ ۔

مسجد مبارک کی توسیع اور نو تعمیر حصّہ کا افتتاح

حضرت مصلح موعودؓ نے ۹ امان/ مارچ کو جہاں مجلس علم و عرفان کے آغاز کا اعلان فرمایا۔ وہاں ساتھ ہی مسجد مبارک کی توسیع کا بھی فیصلہ کیا۔ چنانچہ فرمایا :۔

" اب اس کثرت سے لوگ یہاں نمازیں پڑھنے آ رہے ہیں کہ کل سے مَیں بھی سوچ رہا ہوں اور بعض دوسرے دوست بھی کہ اب یہ مسجد اس قابل نہیں رہی کہ سب لوگ اس میں سما سکیں بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے بڑھا دیا جائے۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں پہلی برکت تو یہ نازل ہوئی ہے کہ آج ہی مَیں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس مسجد کو پہلو کی طرف بڑھا دیا جائے۔ اس سے انشاء اللہ یہ مسجد موجودہ مسجد سے دوگنی ہو جائے گی۔ مسجد کے لئے یہ جگہ سالہا سال سے خریدی جا چکی تھی . . . اب انشاء اللہ اس مسجد کو بڑھا دیا جائے گا۔ مَیں اپنے قلب میں ایسا محسوس کرتا ہوں جیسے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ انکشاف ہوتا ہے۔ گو کسی الہام یا رؤیا کی بناء پر مَیں یہ نہیں کہہ رہا۔ مگر میرا قلب یہ محسوس کرتا ہے کہ ہر شخص جو یہاں نماز پڑھنے کیلئے آتا ہے وہ سلسلہ کی ترقی کے لئے ایک نیا باب کھولتا ہے۔"[1]

اس فیصلہ کے مطابق بہت جلد مسجد مبارک کی توسیع عمل میں آئی جس سے مسجد کی عمارت نہایت شاندار اور پہلے کی نسبت دوگنی سے بھی زیادہ ہو گئی۔ ۲ ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے نئے محراب میں نماز ظہر پڑھا کر اس کا افتتاح فرمایا۔[2]

اس حصّہ کی توسیع کے لئے روپیہ حضرت سیدنا المصلح الموعود کی ذاتی اپیل پر دوستوں نے پُرجوش طوعی چندوں کی صورت میں پیش کیا جس میں ایک معقول حصّہ خود حضور کے ذاتی چندہ کا تھا۔ اس تعمیر کی نگرانی کا کام حضور کی خاص ہدایت کے تحت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے انجام دیا اور عملی نگرانی سید سردار حسین شاہ صاحبؒ اوورسیر نے کی۔ مسجد مبارک کی نئی توسیع عملاً فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء ہی میں مکمل ہو چکی تھی اور اسی لئے حضور نے اس جدید حصہ میں نماز کا آغاز فرما دیا۔ مگر اس کی تکمیل کی بعض ضمنی تعمیرات ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کے شروع تک جاری رہیں۔[3]

اس آخری توسیع کے بعد مسجد مبارک کی شکل یہ ہو گئی :۔

(نقشہ سامنے کے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

---

[1] " الفضل " ۷ شہادت/ اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲ ؛ [2] " الفضل " ۴ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔ مسجد کے نئے حصّہ کی تعمیر کا آغاز ماہ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے شروع میں ہوا (" الفضل " ۷ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۲)۔

[3] " الفضل " ۲۶ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۴ ؛

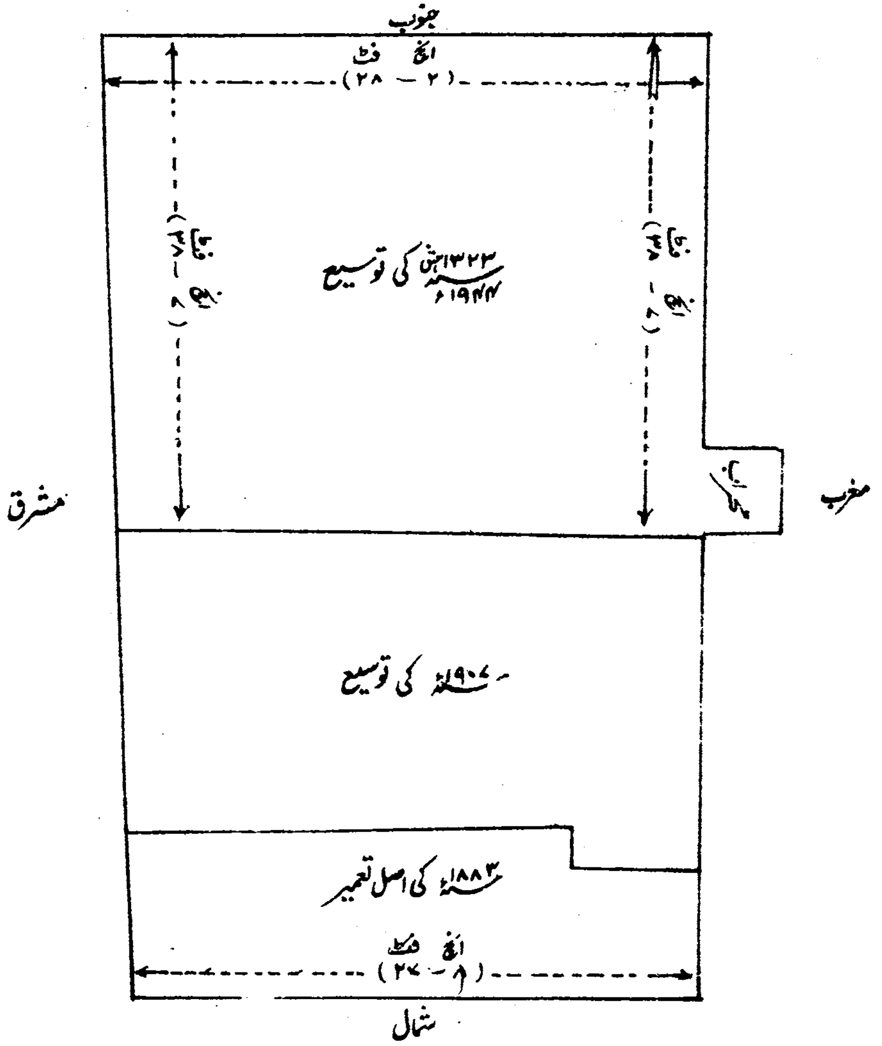

غلبہ اسلام کیلئے چالیس روزہ دعاؤں کا خاص سلسلہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ۷/امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو مسجد مبارک میں نماز مغرب پڑھانے کے بعد محراب میں کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:-

"ایک تجویز ذہن میں آئی ہے جو بیان کرنی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ چالیس دن متواتر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار پر جا کر اسلام کے غلبہ کے لئے دعا کی جائے بعض خاص وجودوں کے ساتھ دعا کی قبولیت کو خاص تعلق ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس پر درود بھیجتے ہیں۔ پس جب ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کے لئے دُعا کرتے ہیں تو وہی دُعا ہمارے حق میں بھی قبول ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ہم وہاں جا کر دعا کریں جہاں وہ شخص مدفون ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے غلبے کے وعدے کئے ہیں اور ہم کہیں کہ اے خدا یہ وہ شخص ہے جس کے ساتھ تُو نے اسلام کے غلبے کے وعدے کئے اور اب تُو ان وعدوں کو پُورا کر۔ تو یہ دُعا بہت جلد قبولیت حاصل کرے گی۔ جماعت میں ایک نئی زندگی پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اُس جگہ پر جا کر دُعا کریں تا اللہ تعالیٰ کی غیرت کو بھڑکایا جائے اور تا اسلام کو ایسی فوج میسّر آجائے جو اپنے آپ کو خدا کے آگے ڈال دے۔

اللہ تعالیٰ کے ارادے تو بہت وسیع ہیں مگر مَیں کہتا ہوں کہ جس حد تک میرے ارادے ہیں اگر جماعت میں اتنی ہی تبدیلی پیدا ہو جائے تو موجودہ دو لاکھ سے ہی ہم نہ صرف رُوحانی طور پر بلکہ جسمانی طور پر بھی دنیا کو فتح کر سکتے ہیں۔ اگرچہ ہمارا مقصد رُوحانی فتح ہے جسمانی نہیں۔ لیکن جہاں تک طاقت کا سوال ہے مَیں سمجھتا ہوں جسمانی فتح کے لئے بھی جس قدر ضرورت اخلاص اور عزم کی ہے اس قدر مقدار افراد کی نہیں ہے۔ پس ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ جتنے لوگ ہم کو مل چکے ہیں پہلے ہم اُن کے دلوں کو دوبارہ فتح کریں۔ پس جو دوست جا سکتے ہوں وہ عصر کے بعد میرے ساتھ جا کر دُعا میں شامل ہو سکتے ہیں اور جو قادیان سے باہر ہیں وہ بامر مجبوری چالیس دن تک اس دُعا میں عصر کے بعد اپنی اپنی جگہ شامل ہو سکتے ہیں خواہ مسجد میں، خواہ اپنے گھروں میں، خواہ دفتروں میں، خواہ بازار یا گذرگاہوں میں۔

ام طاہر احمد کے لئے مَیں نے چند دن جانا ہی تھا کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی کی وفات ہو جاتی ہے تو کچھ عرصہ کے لئے اس کی رُوح میں کچھ توحش سا پیدا ہو جاتا ہے۔ پس اس توحش کو دُور کرنے کے لئے اگر میّت کے اعزہ اور اقرباء قبر پر جا کر دُعا کرتے ہیں۔ تو مَیں سمجھتا ہوں اس سے مُردہ کو اس دوسری زندگی میں سہولت میسّر ہو سکتی ہے۔ پس مَیں نے سوچا کہ جب اس غرض سے میں کچھ دن متواتر مقبرہ میں جاؤں گا تو ساتھ ہی یہ دوسرا کام بھی شروع کر دیا جائے اور اسلام اور سلسلہ کی فتوحات کے لئے دُعا کرنے کے لئے چالیس دن مقرر کر لئے جائیں تا خدا تعالیٰ کا فضل بھی نازل ہو اور ہمارے دلوں میں بھی تبدیلی ہو۔

پچھلے دنوں مجھ پر بہت بوجھ رہا۔ لیکن مجھے خدا تعالیٰ نے توفیق دی کہ مَیں اس بوجھ کو اُٹھا سکوں۔ لیکن اُمّ طاہر احمد کی وفات کے بعد میری طبیعت ناساز ہو گئی ہے۔ . . . پس اگر مَیں باہر ہوں یا بیمار ہوں تو جو مقامی امام ہو یا جس کو مَیں مقرر کر دوں میری جگہ جا کر دُعا کرائے۔ جتنے دن مَیں دعا نہ کر سکوں گا ان کی کمی بعد میں پُوری کر دوں گا۔ اس طرح چالیس دن تواتر کے ساتھ ہم دُعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے

ناچیز وجودوں کو اس کی درگاہ کی بھینٹ چڑھادیں جماعت اللہ ہی سنبھالتا ہے۔ اللہ ہی دلوں کو فتح کرتا ہے۔ لیکن انسان جب اپنی قربانی پیش کر دیتا ہے تو باقی کام اللہ تعالیٰ خود کر دیتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ جماعت کا ہر فرد اپنی قربانی اس طرح سے پیش کر دے جس طرح ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کو پیش کر دیا تھا جس کے نتیجے میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جیسا وجود پیدا ہوا۔ آج بھی اگر ہم میں سے ہر شخص اسمٰعیلؑ بن جائے تو جلد ہی ناممکن بات ممکن ہو جائے گی۔ دُنیا میں آج اس قدر غفلت ہے، اتنی دہریت ہے۔ اس قدر مادیت ہے۔ مذہب سے اس قدر بے اعتنائی ہے کہ ایک منٹ کے لئے بھی کوئی خیال نہیں کر سکتا کہ کوئی زبردست تبدیلی دُنیا میں پیدا ہو جائے گی۔ پس آؤ! ہم اپنی گردنوں کو خدا تعالیٰ کے دروازہ پر جُھکا کر خود اپنے ہاتھوں سے اُن پر چھری پھیر دیں تاکہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حکومت پھر دُنیا میں قائم ہو جائے"۔[۱]

اسلام کی فتح رُوحانی کے لئے ان دردمندانہ دُعاؤں کا سلسلہ دوسرے دن ۸/امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء سے شروع ہو گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس روز نماز عصر کے بعد خدام کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ بہشتی مقبرہ تشریف لے گئے۔[۲] اگلے روز حضور نے دُعا کرنے سے قبل چار دیواری کے دروازہ میں کھڑے ہو کر یہ وضاحت فرمائی کہ

"ہماری غرض یہاں آکر دعائیں کرنے سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار کو دیکھ کر ہمارے اندر رقت پیدا ہو اور ہم خدا تعالیٰ سے عرض کریں کہ اے خدا! یہ وہ شخص ہے جس نے اسلام کی خاطر اپنی تمام زندگی وقف کر دی۔ یہ وہ شخص ہے جس پر تُو نے الہامات نازل کئے کہ اس کے ہاتھوں سے اسلام کا احیاء ہو گا اور دُنیا ایک نئے رنگ میں پلٹا کھائے گی۔ اب یہ شخص فوت ہو چکا ہے اور ہمارے سامنے زمین میں دفن ہے۔ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اس کے ساتھ محبت رکھتے اور اس کے غلاموں میں شامل ہیں۔ اس لئے اب یہ ہمارا فرض ہے کہ اس ذمہ داری کو ادا کریں اور ان وعدوں کو جو تُو نے کئے پُورا کرنے کیلئے اپنی جدوجہد اور کوشش کو کمال تک پہنچا دیں۔ مگر ہم کمزور ہیں۔ ہمارے اندر کئی قسم کی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں تو آپ اپنے فضل سے ہمارے کمزور کندھوں کو طاقت دے ہمارے ناتوان ہاتھوں کو مضبوط بنا اور ہماری کوششوں میں ایسی برکت پیدا فرما کہ تیرے وعدے پُورے ہوں اور تیرا دین دُنیا پر غالب آجائے"۔[۳]

---

[۱] "الفضل" ۱۱/امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ تا ۴۔ [۲] "الفضل" ۱۰/مارچ/امان ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱، "الفضل" ہجرت ۱۳۲۳ہش/مئی ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔ [۳] "الفضل" ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲

خلافتِ ثانیہ کے اکتیسویں[۳۱] سال اور دعویٰ مصلح موعود کے سالِ اوّل کی پہلی سہ ماہی کے ایمان افروز واقعات اِس جلد پر ختم ہوئے۔

(فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّظَاهِرًا وَّبَاطِنًا وَّعَلَيْهِ التُّكْلَانِ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ)

طالبِ دُعا خاکسار شاہ محمد شاہد خوشنویس دارالہجرت ربوہ

ضمیمہ

کتاب "تاریخ احمدیت" جلد نہم

۱- فوٹو جلسہ مصلح موعود دہلی (صفحہ ۱)

نمایاں طور پر شناخت ہونے والے اصحاب کے نام یہ ہیں :-

سٹیج پر کھڑے ہونے والے دائیں سے بائیں ۱- ۴- سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ (حضور کے قدموں میں صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب) ۵- صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب

سٹیج پر بیٹھنے والے پہلی قطار دائیں سے بائیں :-

۱- پگڑی و عینک والے مولوی محمد عبداللہ صاحب اعجاز اسسٹنٹ پرائیویٹ سکرٹری : ۲- سیٹھ محمد غوث صاحبؓ حیدر آبادی (آپ کے دائیں ہاتھ پچھلی جانب سفید ریش حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب سکندر آباد دکن) ۶- حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحب ۹- مکرم نور احمد صاحب سنوری ۱۰- میاں عبداللہ صاحب (برادر مولانا ابوالبشارت عبدالغفور صاحبؓ)

سٹیج کے نیچے بیٹھنے والے پہلی قطار میں :-

سفید بالوں والے حضرت حکیم محمد حسین صاحبؓ المعروف مرہم عیسیٰ اور چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کے قدموں میں بیٹھنے والے چوہدری سلطان احمد صاحب (ابن چوہدری علی محمد صاحب آف گوکھووال ضلع لائلپور)

۲- فوٹو سالانہ اجتماع انصار اللہ (صفحہ ۹۹)

سٹیج پر کھڑے دائیں سے بائیں :-

۱- حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ۲- مولوی ظہور حسین صاحب ۳- مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور ۴- مولوی احمد خاں صاحب نسیم ۵- چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر

۶- حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے ساتھ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ بیٹھے ہیں ۔

۳۔ فوٹو مبلغین سلسلہ احمدیہ (صفحہ ۲۲۰)

(دائیں سے بائیں) کرسیوں پر:- ۱۔ مولوی محمد سلیم صاحب ۲۔ قریشی محمد نذیر صاحب ملتانی۔
۳۔ مولوی محمد یار صاحب عارف سابق مبلغ انگلستان ۴۔ مولوی ظل الرحمن صاحب بنگالی۔
۵ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ ۶۔ مولانا عبد اللہ صاحب مالاباریؓ ۷۔ مولانا رحمت علی صاحبؓ ۸۔ مولانا ابو العطاء صاحب ۹۔ مولانا ابو البشارت عبد الغفور صاحبؓ

(دائیں سے بائیں) پچھلی قطار:- ۱۔ مہاشہ محمد عمر صاحبؓ نومسلم (سابق یوگندر پال) ۲۔ مولوی محمد حسین صاحب مبلغ کشمیر ۳۔ مولوی عبد الواحد صاحب کشمیری ۴۔ مولوی غلام احمد صاحب فرخ ۵۔ شیخ عبد القادر صاحبؓ نومسلم (سابق سوداگر مل) ۶۔ چوہدری مظفر الدین صاحب بنگالی۔

(دائیں سے بائیں) دوسری قطار:- ۱۔ مولوی محمد اعظم صاحب بوتالوی ۲۔ گیانی واحد حسین صاحب (سابق شیر سنگھ) ۳۔ مولوی عبد المالک خانصاحب ۴۔ مولوی احمد خاں صاحب نسیم ۵۔ مولوی دل محمد صاحب ۶۔ گیانی عباد اللہ صاحب ۷۔ مولوی غلام احمد صاحب ارشد

۴۔ حضرت مصلح موعودؓ کا گروپ فوٹو جماعت احمدیہ لاہور کے ساتھ (اوائل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء) (صفحہ ۴۹۰)

نیچے بیٹھے ہوئے (دائیں سے بائیں):- ۱۔ قاضی محبوب عالم صاحب، مالک راجپوت سائیکل ورکس نیلہ گنبد ۲۔ ملک خدا بخش صاحب جنرل سکرٹری ۳۔ قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔اے ۴۔ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ ۵۔ شیخ مشتاق حسین صاحب ۶۔ میاں احمد دین صاحب۔
۷۔ بابو عبد الحمید صاحب ریلوے آڈیٹر ۸۔ میاں تاج دین صاحب ۹۔ پہلوان معراج الدین صاحب ۱۰۔ قریشی محمود احمد صاحب

کرسیوں پر (دائیں سے بائیں) ۱۔ محمد اقبال صاحب زرگر ۲۔ چوہدری عبد الرحیم صاحب ۳۔ میاں عبد المجید صاحب ۴۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ ۵۔ میاں محمد یوسف صاحب۔
۶۔ × ۷۔ پہلوان کریم بخش صاحب

کھڑے (دائیں سے بائیں) ۱۔ ڈاکٹر معراج الدین صاحب (جن کے آگے ایک بچہ کھڑا ہے)
۳۔ شیخ محب الرحمن صاحب ۴۔ حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰؓ ۵۔ بابو فضل الدین صاحب
۶۔ چوہدری اسد اللہ خانصاحب ۷۔ مولوی عبد الرحیم صاحب دردؓ ۸۔ مستری نور محمد صاحب

۹۔مستری جان محمد صاحب ۱۰۔ملک عبدالکریم صاحب ۱۱۔ڈاکٹر حافظ عبدالجلیل صاحب ۱۲۔ میاں فیروزالدین صاحب سیالکوٹی ۱۳۔ بھیرہ کے ایک دوست ۱۴۔ مستری حسن دین صاحب۔

۱۵۔ . . . . ۱۶۔ ڈپٹی میاں محمد شریف صاحب۔ (تصویر کی تاریخ ۷ ارجولائی ۱۹۴۴ء)

۵۔ مدرسہ احمدیہ کے قدیم اساتذہ اور طلبہ کا فوٹو (صفحہ ۵۴۰)

<u>کرسیوں پر (دائیں سے بائیں)</u>:۔ ۱۔حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل (جٹ) ۲۔حضرت ماسٹر محمد طفیل صاحبؓ ۳۔حضرت مولوی غلام نبی صاحبؓ (مصری) ۴۔حضرت قاری غلام یٰسین صاحب رضی اللہ عنہ ۵۔نعمت اللہ خاں صاحبؓ انور بدایونی کلرک بورڈنگ مدرسہ ۶۔ قاضی عطاء اللہ صاحب انگریزی ٹیچر۔ ۷۔حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ ہیڈ ماسٹر مدرسہ ۸۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضؓ ۹۔شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری ۱۰۔حضرت مولانا مولوی ارجمند خاں صاحب ۱۱۔حضرت قاضی سید امیر حسین صاحبؓ ۱۲۔حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل حلالپوریؓ ۱۳۔شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم مبشر بلاد اسلامیہ۔

<u>پیچھے کھڑے ہونے والے (دائیں سے بائیں)</u>:۔ ۱۔سیّد محمد ہاشم صاحب بخاری (قاضی عطاء اللہ صاحب کے بائیں کندھے پر ہاتھ رکھنے والے) ۲۔ پیر حبیب احمد صاحب ۳۔ مولوی عزیز بخش صاحب ۴۔مولوی ناصرالدین صاحب ۵۔حمید اللہ خاں صاحب (برادر حضرت خان ارجمند خاں صاحب) ۶۔میاں شیخ محمد صاحب پوسٹ مین قادیان ۷۔ مولوی عنایت اللہ صاحب قادیانی ۸۔مولوی قمرالدین صاحب سیکھوانی ۹۔ مولوی تاج الدین صاحب ۱۰۔مولوی عبداللہ صاحب بدوملہی ۱۱۔ مولوی علی احمد صاحب جیکوالوی

تاریخِ احمدیت

جلد دہم

تعلیم الاسلام کالج قادیان کے قیام سے لے کر
حضرتِ امیر المومنین سیّدنا المصلح الموعودؓ کی
ہجرت پاکستان تک

مؤلّفہ
دوست محمّد شاہد

الناشر
ادارۃ المصنّفین ۔ ربوہ

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد نہم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-116-x

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-9 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt.Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-116-x

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جا بجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرّخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۱۰ کو جلد نمبر ۹ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر واشاعت قادیان بھی تاریخ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد نہم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر واشاعت قادیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

تاریخ احمدیت کی دسویں جلد

(رقم فرمودہ مکرم ومحترم چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب)

الحمد للہ کہ تاریخ احمدیت کی دسویں جلد طبع ہو کر احباب کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے پہلی نو جلدوں کی طرح اس کا ہر باب بھی گوناگوں دلچسپیوں کا مخزن ہے۔ اس جلد کے ابتدائی حصے میں سلسلہ احمدیہ کی تعلیمی اقدار اور مقاصدِ تعلیم کی وضاحت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشادات سے کی گئی ہے جن کا ہر وقت پیش نظر رہنا سلسلے کی تعلیمی ترقی اور ارتقاء کے لئے لازم ہے اور جو ہر قدم پر ہمارے معلمین اور متعلمین کے لئے شمع ہدایت اور مشعل راہ ہیں۔

بیشتر حصہ اس جلد کا جہاں سلسلہ احمدیہ کی تاریخ کا ایک اہم جزو ہے ساتھ ہی پاکستان کے معرض وجود میں آنے کی تاریخی داستان کا بھی ایک نہایت دلچسپ اور ناقابل فراموش باب ہے۔ ان واقعات پر بائیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ پاکستان کی نئی پود جسے ان دردانگیز ہنگاموں کا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ نہیں ہوا جن میں سے گزر کر پاکستان معرض وجود میں آیا۔ آہستہ آہستہ ان مساعی اور اس جدوجہد کی تفاصیل سے ناآشنا ہوتی چلی جا رہی ہے جن کا مطالبہ قیام پاکستان کی خاطر برصغیر کے مسلمانوں سے ہوا اور جن میں امام جماعت احمدیہ اور جماعت احمدیہ نے اپنی بساط سے بہت بڑھ کر حصہ لیا۔ اس جلد میں ان مساعی کا مرقع بھی پیش کیا گیا ہے

اللہ تعالیٰ اپنے کمال فضل سے اس جلد کی تالیف میں حصہ لینے والوں کی محنت کو قبولیت سے نوازے اور انہیں اجر سے متمتع فرمائے آمین والسلام

خاکسار ظفراللہ خان ۲۴ دسمبر ۱۹۶۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

پیش لفظ

اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی توفیق سے ہم امسال تاریخ احمدیت کی دسویں جلد احباب کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ جلد ۱۹۴۷ء سے اگست ۱۹۴۸ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ ۳۱ اگست ۱۹۴۷ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ قادیان سے ہجرت فرما کر پاکستان تشریف لے آئے اور جماعت احمدیہ کا نیا دور شروع ہوا

ہندوستان کی آزادی اور پاکستان کے بننے کا جونہی اعلان ہوا۔ قادیان کے اردگرد فسادات کا سلسلہ شروع ہوا اور نہتے مسلمانوں کو تہ تیغ کیا جانے لگا۔ اور امن ختم ہوگیا۔ اس بات کو دیکھ کر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جماعت کے اکابرین کے مشورہ سے یہ فیصلہ فرمایا کہ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواتین مبارکہ کو فوراً پاکستان بھجوا دیا جائے۔ چنانچہ ۲۵ اگست کو بسوں کا انتظام ہوا اور یہ قافلہ صبح ۸ بجے روانہ ہو کر شام کو لاہور پہنچا۔ اس قافلہ میں سیدہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا اور خاندان مسیح موعود علیہ السلام کی خواتین شامل تھیں۔ مردوں میں سے حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب اور مکرم و محترم مرزا منصور احمد صاحب اس قافلہ کے ہمراہ تھے۔ حضور نے فسادات کے پیش نظر جہاں یہ فرمایا کہ خواتین مبارکہ کو بحفاظت پاکستان پہنچا دیا جائے۔ وہاں یہ بھی فیصلہ فرمایا کہ خاکسار حضور رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مسودات لے کر اس قافلہ کے ساتھ لاہور چلا جائے۔ بعد ازاں حضور نے مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب، مکرم مولوی محمد صدیق صاحب اور مکرم مولوی محمد احمد صاحب جلیل کے متعلق بھی حکم دیا کہ وہ بھی اس قافلہ میں لاہور چلے جائیں

ہمارا قافلہ صبح ۸ بجے قادیان سے چلا اور فوجی اسکورٹ کے ساتھ لاہور پہنچا۔ راستہ نہایت ہی پُرخطر تھا۔ کیونکہ سکھ احباب کے ہجوم ہر جگہ جمع تھے۔ ہمارے قافلے کے اوپر مکرم میر محمد احمد صاحب ہوائی جہاز پر پرواز کرتے رہے۔ تا قافلہ کا حال دیکھتے رہیں۔ اور واپس جا کر قادیان حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کو قافلہ کے بخیریت پہنچنے کی اطلاع کر سکیں۔ الحمد للہ کہ یہ قافلہ بخیریت پہنچ گیا۔

۳۱ اگست ۱۹۴۷ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کر کے لاہور تشریف لے آئے اور از سر نو صدر انجمن احمدیہ پاکستان کا قیام فرمایا۔ اور جودھامل بلڈنگ میں دفاتر کا کام شروع ہوگیا۔ اور باوجود افراتفری اور پریشان کن حالات کے پھر سے جماعت کا نظام اور شیرازہ قائم ہوگیا اور جماعت کا شجرہ عظیم جو خونی آندھی سے بظاہر اکھڑا ہوا نظر آتا تھا اپنی جڑھوں تنے پر پھر سے قائم ہوگیا۔ بعد ازاں مرکز ربوہ کی بنیاد پڑی۔ اور احمدیت کی ترقی کا نیا دور شروع ہوگیا۔

یہ جلد پہلی جلدوں کی نسبت حجم میں زیادہ ہوگئی ہے۔ کیونکہ ہجرت تک کے واقعات پر اس جلد کو ختم کرنا تھا۔ مؤلف کتاب مکرم مولانا دوست محمد صاحب۔ اور جن احباب نے اس جلد کے مواد کے لئے ان کی امداد فرمائی۔ ان کو اور ان احباب کا جنہوں نے کتابت حیاعت پروف ریڈنگ میں محنت شاقہ برداشت کی۔ ان کا شکر گزار ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ ہماری سعی کو قبول فرمائے اور اپنی جناب سے اجر عظیم عطا فرمائے آمین والسلام

خاکسار:۔ ابو المنیر نور الحق منیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین ربوہ ۲۵/۱۲/۶۹

فہرست مضامین "تاریخ احمدیت" جلد دہم

عنوان	صفحہ
پہلا باب	
حضرت مسیح موعودؑ کی دعاؤں سے قائم شدہ تعلیم الاسلام کالج کا سیدنا المصلح الموعود کے مبارک ہاتھوں سے احیاء اور پے درپے مشکلات کے باوجود مثالی ترقی	۱
فصل اوّل	
(حضرت مسیح موعود کے عہد مبارک کا تعلیم الاسلام	۲
سکول و کالج۔ مدرسہ کی پریشان کن مالی حالت)	۳
بے نفس اور ایثار پیشہ اساتذہ	۴
خالص دینی ماحول میں پرورش پانیوالے شاگرد	۵
قیام کالج کے لئے تحریک	۷
کالج کے افتتاح کی تقریب	۹
حضرت نواب محمد علی خانصاحب کی طرف سے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں درخواست دعا اور حضور کی طرف سے جواب۔	۱۳/۱۴
تعلیم الاسلام کالج کے ابتدائی کوائف	۱۴
فصل دوم	
(دور مصلح موعودؓ میں کالج کا ازسرِنو قیام اور دوبارہ افتتاح)	۱۷
کالج کمیٹی کا تقرر	۱۹
اخراجات کا تخمینہ اور ابتدائی انتظامات	۲۰
اخراجات کالج کی تحریک اور مخلصین جماعت کی قربانی	״
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی نظر میں کالج کا تاریخی پس منظر۔	۲۱
تعلیم الاسلام کالج کیلئے طلبہ بھجوانے کی تحریک	۲۲
حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا تقرر بحیثیت پرنسپل	۲۳
پہلے پراسپیکٹس، داخلہ فارم اور پوسٹر کی اشاعت	۲۵
فضل عمر ہوسٹل کا قیام۔	۲۶
کالج کا باقاعدہ افتتاح	۲۸
حضرت پرنسپل صاحب کالج کی رپورٹ	۲۹
حضرت المصلح الموعود کا علم و معرفت سے لبریز خطاب	۳۲
فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام اور اغراض و مقاصد اور ابتدائی تاریخ۔	۵۲
فصل سوم	
(قادیان میں تعلیم الاسلام کالج کی تعلیمی و تربیتی سرگرمیوں کے تین سال)	۵۸
فزکس اور کیمسٹری کی تجربہ گاہوں کا قیام	״
طلباء کی دینی تعلیمی اور اخلاقی نگرانی کیلئے اقدامات	۶۰
علمی تقریروں کا مفید سلسلہ	۶۱
کالج یونین کی بنیاد	۶۲
احمدی طلباء کے لئے دینی نصاب	״
حضرت پرنسپل تعلیم الاسلام کالج پنجاب یونیورسٹی کی اکیڈیمک کونسل میں	۶۳

عنوان	صفحہ
مجلس مذہب و سائنس کا قیام	۶۴
تعلیم الاسلام ریسرچ سوسائٹی کی بنیاد	۶۷
فضل عمر ہوسٹل کی نئی عمارت کا افتتاح	″
یونیورسٹی کمیشن کی طرف سے تعلیم الاسلام کالج کا معائنہ	۷۰
توسیع کالج کے لئے حضرت امیر المومنین کی اپیل	۷۱
قادیان کے بزرگ صحابہ کی فضل عمر ہوسٹل میں تشریف آوری	۷۴
بی۔ ایس۔ سی کیلئے علم طبیعات کی لیبارٹری کی بنیاد اور اس کی تعمیر۔	۷۴
فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح اور اس کا جرنل پیریڈیں	۷۵/۷۶
ایف۔ اے اور ایف۔ ایس۔ سی کلاسوں کا پہلا امتحان اور پہلا نتیجہ	۸۰
طلبہ کے نام دوسری تعطیلات کے دوران نہایت اہم مکتوب	۸۱
کالج میں فضائی تربیت	۸۲
قادیان میں کالج کی تعلیمی سرگرمیوں کا آخری دن	۸۳
حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی پاکستان میں ہجرت	۸۴
فصل چہارم	
(سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کے خصوصی فیصلہ پر پاکستان میں کالج کی از سر نو بنیاد۔ لاہور میں اس کی زندگی کا ہفت سالہ دور)	
سیدنا المصلح الموعود کا تاریخی فیصلہ	۸۶
لاہور میں تعلیم الاسلام کالج کا افتتاح	۹۱
ڈی۔ اے۔ وی کالج کے کھنڈرات پر قبضہ	۹۲
شاندار نتائج اور حضرت مصلح موعود کا اظہار خوشنودی اور اہم ہدایات	۹۳
تعلیم الاسلام کالج کے ہر شعبہ میں روز افزوں ترقی	۹۵
لاہور کے اداروں میں تعلیم الاسلام کالج کا اثر و نفوذ	۹۶
تقسیم اسناد کے پہلے جلسہ میں حضرت امیر المومنین کا بصیرت افروز خطاب۔	۹۹
خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت اور کالج کی مزید کامیابیاں	۱۰۴
ایام کرب و بلا میں صبر و استقامت کا قابل تعریف مظاہرہ	۱۰۶
فصل پنجم	
(ربوہ میں تعلیم الاسلام کالج کی مستقل عمارت کی تعمیر و افتتاح اور اس کی گرانقدر مساعی عہد مصلح موعود کے اختتام تک)	
سنگ بنیاد	۱۰۷
تعمیر عمارت کیلئے سرفروشانہ جدوجہد	۱۰۸
کالج کی مستقل عمارت کا افتتاح	۱۱۴
تعلیم الاسلام کالج کے ہونہار اور فارغ التحصیل طلبہ کالج کے سائے میں	۱۱۹
تدریجی وسعت اور جدید ڈگری کالج کی تعمیر	۱۲۲
کالج کے خوشکن نتائج	۱۲۵
مشہور ملکی اور غیر ملکی شخصیتوں کی آمد	۱۲۶
آل پاکستان باسکٹ بال ٹورنامنٹ کا آغاز	۱۲۸
کل پاکستان اردو کانفرنس کا انعقاد	۱۳۱
دوسری اردو کانفرنس	۱۳۵
فصل ششم	
(کالج میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا قائم فرمودہ مثالی نظام تعلیم و تربیت اس کی بنیادی خصوصیات اور ہمہ گیر اثرات)	
نظام تعلیم و تربیت کا ایک جامع نقشہ	۱۳۹
تعلیم و تربیت کے متعلق بعض اہم واقعات	۱۴۰
طلبہ پر بے مثال شفقت	″
تادیب، دلداری اور ذاتی تعلق	۱۴۱
طلبہ کی حوصلہ افزائی اور روح مسابقت میں اضافہ کے لئے جدوجہد	۱۴۵

عنوان	صفحہ
طلبہ کو غیر اسلامی اخلاق و اقدار سے بچانے کے لئے ایک جرأت مندانہ فیصلہ۔	۱۴۹
طلبہ سے مساوی حیثیت میں محبت بھرا سلوک	۱۵۱
بے تکلفی اور پاکیزہ مزاح	۱۵۲
درویشانہ زندگی	۱۵۳
دعاؤں کی تلقین	″
کالج میں مختلف علمی مجالس کا قیام اور انکی غرض و غایت	″
کھیلوں کی سرپرستی	۱۵۴
صحت جسمانی کے لئے مختلف اہم شعبے	۱۵۵
طلباء کو زریں نصائح	″
تعلیم الاسلام کالج کے متعلق دوسروں کے تاثرات	۱۵۸
فصل ہفتم	
کالج کے کئی سالہ دور میں دعاؤں کی برکت سے آسمانی نصرتوں کے روح پرور نظارے	۱۶۲
دوسرا باب	
(سپین میں پرچم اسلام لہرانے کا عزم، خلیفۂ وقت کی حفاظت کا مسئلہ، برصغیر کی احمدی جماعتوں کیلئے انذار، سیدنا المصلح الموعود کی آخری شادی، ستیارتھ پرکاش کے مکمل جواب کی تجویز، مصلح موعود کے دور جدید کا پہلا سالانہ جلسہ اور دوسرے اہم متفرق واقعات)	۱۶۸
فصل اول	
شہادت / اپریل تا احسان / جون ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء جماعت کو صحابہ کے بابرکت وجود سے فائدہ اٹھانے کی خاص ہدایت)	۱۶۸
سپین میں اسلامی جھنڈا لہرانے کا عزم صمیم	۱۷۰
مجلس مشاورت ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء میں خلیفۂ وقت کی حفاظت کا مسئلہ	۱۷۴
ضلعوار نظام کا قیام	۱۷۵
سیدنا المصلح الموعود کا ایک ضروری خطبہ واقفین زندگی کے نکاحوں کے متعلق۔	۱۷۶
جذبہ اطاعت کے فروغ کے لئے اہم خطبہ	۱۷۸
برصغیر کی احمدی جماعتوں کے لئے "انذار"	۱۷۹
مولوی محمد علی صاحب کو دعوت مباہلہ اور ان کا گریز	۱۸۰
فصل دوم	
سیدنا المصلح الموعود کے آخری نکاح کی نہایت بابرکت تقریب	۱۸۴
عربی رسالہ لکھنے کے متعلق تجویز	۱۸۷
ستیارتھ پرکاش کے مکمل جواب کی سکیم	۱۸۹
تبلیغ اسلام کی سرگرمیاں تیز تر کر دینے کی تلقین	۱۹۲
حضرت مصلح موعود کی الوداعی نصائح ایک مبلغ کے لئے	۱۹۴
مسلمانان چمبہ کی امداد	″
خلفاء کو اہم وصیت	۱۹۵
سرحد کے احمدی طالبعلموں کو مرکز میں لانے کی ضرورت	۱۹۶
حکومت سندھ کی طرف سے "ستیارتھ پرکاش" کے چودھویں باب کی ضبطی اور حضرت سیدنا المصلح الموعود	۱۹۷
تحریک جدید کے دفتر دوم کی بنیاد	۱۹۹
بیرونی مجاہدین کو بلوانے اور نئے مبلغین بھجوانے کا فیصلہ۔	۲۰۰
حضرت سیدنا المصلح الموعود کی طرف سے جماعت اسلامی سے متعلق بعض سوالات کے جوابات۔	۲۰۱

عنوان	صفحہ
فصل سوم	
المصلح موعود کے دورِ جدید کا پہلا سالانہ جلسہ۔ جلسہ کی آمد سے قبل دعاؤں کی تحریک خاص۔ حضرت المصلح الموعود کی معرکۃ الآراء تقاریر	۲۰۴
دوسرے روز خواتین کی جلسہ گاہ میں تقریر	۲۰۵
اہم واقعات پر تبصرہ اور پروگرام	،،
ظہور مصلح موعود کے موضوع پر پُرشوکت تقریر	۲۰۶
صدارت کرنے والے اصحاب	۲۱۱
جلسہ کے دوسرے ضروری کوائف	،،
جلسہ کے دوران میں ایک ناخوشگوار واقعہ اور حضرت امیر المومنین کی طرف سے آنحضرتؐ کی ایک دعا پڑھنے کا ارشاد	۲۱۲
فصل چہارم	
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۲۱۳
فصل پنجم	
(۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات)	۲۲۳
نوابزادہ میاں عباس احمد خانصاحب کا نکاح	،،
منارۃ المسیح پر لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ تبلیغ	۲۲۴
زائرین قادیان	،،
حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی صدارت میں آخری یادگار جلسہ	۲۲۵
احمدی مبلغین گجرات کاٹھیاواڑ میں	۲۲۷
بھرت پور میں احمدی مبلغ کی تقریر	۲۲۸
چوہدری عبدالسلام صاحب کی بی اے میں شاندار کامیابی	،،
کشمیر کی احمدی جماعتوں کا سالانہ جلسہ	،،

عنوان	صفحہ
مبلغین کی بیرونی ممالک کو روانگی	۲۲۹
بیرونی مشنوں کے بعض ضروری واقعات	،،
۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کی نئی مطبوعات	۲۳۴
اندرون ملک کے مشہور مناظرے	۲۳۵
تیسرا باب	
(آزادی ہند اور قیام پاکستان کے لئے جماعت احمدیہ کی شاندار خدمات اور مجاہدانہ کارنامے)	۲۳۹
فصل اوّل	
(سیدنا المصلح الموعود کی طرف سے انگلستان اور ہندوستان کو باہمی صلح کا پیغام۔)	،،
حضرت مصلح موعود کا پیغام صلح۔	۲۴۰
کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کا حریت پرور خطاب۔	۲۴۲
انقلاب، احسان، پیام، پربھات، ویر بھارت، پرتاپ، ریاست اور پریت لڑی کے تبصرے	۲۴۴
چوہدری صاحب کی لنڈن ریڈیو سے اہم تقریر	۲۵۱
چوہدری صاحب کا ہندوستان سٹینڈرڈ کے نمائندہ کو انٹرویو	۲۵۳
برطانوی مدبرین کے خیالات میں زلزلہ	،،
وائسرائے ہند کو لنڈن آنے کی دعوت	۲۵۴
وائسرائے کے دورہ انگلستان کی نسبت ممبران پارلیمنٹ کے تاثرات۔	۲۵۴
انگلستان میں آزادی ہند سے متعلق سرگرمیوں کی تفصیل حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے قلم سے۔	۲۵۵

عنوان	صفحہ
فصل دوم	
(ویول سکیم۔ شملہ کانفرنس اور حضرت مصلح موعود کا ہندوستان کے سیاسی لیڈروں کے نام ولولہ انگیز پیغام)	۲۵۹
چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحب کا دوبارہ سفر انگلستان	۲۵۹
لارڈ ویول کا فارمولا	۲۶۱
حضرت مصلح موعود کا پیغام ہندوستانی لیڈروں کے نام	۲۶۳
اخبار "اہلحدیث" کا تبصرہ	۲۶۷
سیاسی لیڈروں میں خطبہ جمعہ کی اشاعت	۲۶۸
شملہ کانفرنس کی ناکامی اور ملکی انتخابات کا اعلان	″
قائدِ اعظم محمد علی جناح کا پیغام مسلمانانِ ہند کے نام	۲۶۹
فصل سوم	
(جماعت احمدیہ کی طرف سے مرکزی اور صوبائی انتخابات میں آل انڈیا مسلم لیگ کی پُرجوش حمایت اور عدیم النظیر تعاون اور پراپیگنڈا۔ ہندوؤں کی برہمی اور مسلم زعماء کا شاندار خراج تحسین)۔	۲۷۰
حضرت امیر المؤمنین کی طرف سے آئندہ الیکشن میں جماعتی پالیسی کا واضح اعلان۔	۲۷۰
مسلم لیگ کے مؤرخ اور حضرت مصلح موعود کا اہم بیان	۲۷۸
قائد اعظم محمد علی جناح کی طرف سے حضرت مصلح موعود کے خلوص کی پریس میں اشاعت۔	۲۸۱
مسلم لیگی امیدوار کو ووٹ دینے کیلئے جماعت احمدیہ بہلول پور کو حضرت امیر المؤمنین کا تاکیدی ارشاد	۲۸۴
سندھ کے احمدیوں کو مسلم لیگ کی خاطر قربانی کرنے کی ہدایت۔	″
حضرت امام جماعت احمدیہ کا ایک اور اہم بیان مسلم لیگی موقف کی حمایت میں۔	۲۸۴
بنگال، یوپی، بہار، سی پی اور بمبئی کے احمدیوں کو لیگ کی مدد کرنے کا فرمان۔	۲۸۵
حضرت امام جماعت احمدیہ کی صوبہ سرحد کے احمدیوں کو خصوصی ہدایت۔	″
مرکزی انتخابات میں جماعت احمدیہ کا عدیم النظیر اور رُوح پرور ملی مظاہرہ اور مسلم لیگ کی شاندار فتح۔	۲۸۶
مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ کی سو فیصدی کامیابی	۲۹۱
صوبائی انتخابات میں جماعت احمدیہ کا مسلم لیگ سے مخلصانہ تعاون۔	۲۹۲
صوبائی انتخابات کے خوشکن نتائج۔	″
احمدیوں کی طرف سے مسلم لیگ کی حمایت۔	۲۹۳
پنجاب کی ہندو صحافت کی برہمی اور شرمناک پراپیگنڈا	۲۹۵
نیشنلسٹ اور کانگریسی علماء کی مسلم لیگ پر تنقید	″
سرگرم اور ممتاز مسلم لیگی علماء کی طرف سے مدلل جواب	۲۹۷
جماعت احمدیہ کی طرف سے یونینسٹ وزارت کے خلاف احتجاج	۲۹۹
فصل چہارم	
(ہندوستان میں پارلیمنٹری مشن کی آمد۔ حضرت مصلح موعود کی رہنمائی، مخلصانہ مشورہ اور مسلم لیگ اور قائد اعظم کے مؤقف کی زبردست حمایت۔ عبوری حکومت کا قیام اور مسلم لیگ کا احتجاج اور فیصلہ راست قدم)	۳۰۰
عارضی حکومت کے قیام کا اعلان	۳۱۱
مسلم لیگ اور کانگریس کا ردّ عمل	۳۱۳
عبوری حکومت کا قیام	۳۱۵

عنوان	صفحہ
مسلمانانِ ہند کا ملک گیر احتجاج	۳۱۵
راست اقدام کا فیصلہ اور حضرت مصلح موعود کی ہدایت عام مسلمانوں کو۔	۳۱۶
حضرت مصلح موعود کی ہدایت پر صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز کی جناب حمید نظامی سے اہم ملاقات	۳۱۷
حضرت مصلح موعود کے قیمتی مشورے سے راست اقدام کمیٹی کے ارکان	۳۱۷

فصل پنجم

عنوان	صفحہ
(حضرت مصلح موعود کا سفر دہلی اور مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں شامل کرانے کی کامیاب کوشش اور وزیر اعظم اٹیلی کی طرف سے ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو مکمل آزادی کا واضح اعلان)	۳۱۹
حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے سفر دہلی کی تفصیل۔	۳۲۳
مسلم لیگ نے پاکستان کی آئینی جنگ جیت لی۔	۳۳۱
مسٹر اٹیلی کی طرف سے ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو مکمل آزادی دینے کا اعلان۔	۳۳۴

فصل ششم

عنوان	صفحہ
(چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی طرف سے خضر وزارت کے استعفاء کی کامیاب جدوجہد اور قائداعظم کا اظہار تشکر۔ تقسیم پنجاب کے خلاف جماعت احمدیہ کا پُرزور احتجاج۔ پاکستان کے حق میں حضرت مصلح موعود کا پُرشوکت بیان۔ انتقال اقتدار ۳ جون ۱۹۴۷ء کی برطانوی سکیم اور قائداعظم)	
پنجاب کی یونینسٹ وزارت	۳۳۶
چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحب میدانِ عمل میں۔	۳۳۶
قائداعظم کا بمبئی سے بیان اور شکریہ۔	۳۳۷
ملک خضر حیات کے استعفاء کا پس منظر چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے قلم سے۔	۳۳۸
جماعت احمدیہ کی طرف سے تقسیم پنجاب کے خلاف پُرزور احتجاج	۳۴۴
پاکستان کی تائید میں سیدنا المصلح الموعود کا پُرشوکت بیان	۳۴۶
۳ جون کا برطانوی اعلان	۳۶۰
قائداعظم کا بیان	۳۶۱

فصل ہفتم

عنوان	صفحہ
(حضرت مصلح موعود کی طرف سے سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا معرکۃ الآراء مضمون "خالصہ ہوشیار باش")	
خالصہ ہوشیار باش	۳۷۰
پنجاب کی قسمت کا فیصلہ	۳۸۰

فصل ہشتم

عنوان	صفحہ
(حد بندی کمیشن کیلئے تیاری کے ابتدائی اقدامات۔ امریکہ اور برطانیہ سے بذریعہ ہوائی جہاز قیمتی لٹریچر کی درآمد، لنڈن سکول آف اکنامکس کے ممتاز جغرافیہ دان مسٹر سپیٹ کی خدمات کا حصول۔ نائب وزیر ہند کے بیان پر شدید احتجاج جماعت احمدیہ کا میمورنڈم اور جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی وکالت۔ استصواب سرحد کے لئے جماعت احمدیہ کی سنہری خدمات)۔	
خفیہ سرکلر	۳۸۱
حد بندی کمیشن کے ارکان اور صدر کا تقرر اور دریائے چناب کو مشرقی حد مقرر کرنے کا سکھ مطالبہ	۳۸۲
محضر نامے بھجوانے کی آخری تاریخ	”

عنوان	صفحہ
متنازعہ فیہ اضلاع کا اعلان	۳۸۳
حد بندی کمیشن کا پروگرام	"
کمیشن کے متعلق خبروں کی اشاعت پر گورنر پنجاب کی پابندی۔	"
جماعت احمدیہ کے کیس کی تیاری میں بھاری مشکلات	"
حضرت مصلح موعود کی زیر ہدایت تیاری کے ابتدائی اقدامات۔	۳۸۴
امریکہ سے بین الاقوامی باؤنڈری لٹریچر کی درآمد اور برطانیہ کے ایک ماہر جغرافیہ دان کی خدمات کا حصول	۳۸۵
جماعت احمدیہ کی طرف سے ضروری معلومات کی فراہمی اور نقشوں کی تیاری۔	۳۸۶
حضرت مصلح موعود کی طرف سے قائد اعظم کو خصوصی پیغام	۳۸۸
نائب وزیر ہند کے بیان پر قائد اعظم اور جماعت احمدیہ کا شدید احتجاج۔	۳۸۸
مسلم لیگ کی طرف سے جماعت احمدیہ کو اپنا علیحدہ محضر نامہ شامل کرنے کی تحریک	۳۸۹
جماعت احمدیہ کا محضر نامہ	۳۹۰
حضرت مصلح موعود کی لاہور میں تشریف آوری	۴۱۴
حضرت مصلح موعود کا ایک ارشاد فرمودہ نوٹ باؤنڈری کمیشن کے متعلق	۴۱۵
جماعت احمدیہ کے موقف کی وضاحت جناب شیخ بشیر احمد صاحب کی طرف سے۔	۴۱۷
صوبہ سرحد کا استصواب اور جماعت احمدیہ کے وفد کشمیر کا تعاون	۴۲۱
فصل نہم	
(قائد اعظم کی طرف سے مسلم لیگ کی ترجمانی کے لئے چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کا انتخاب)	
قائد اعظم سے چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی اہم ملاقات اور مسلم لیگ کی وکالت کے لئے آپ کا تقرر۔	۴۳۲
مسلم لیگ کا محضر نامہ پنجاب حد بندی کمیشن میں	۴۳۴
چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی قائد اعظم کو ملاقات اور مسلم لیگ کے محضر نامہ اور حد بندی کمیشن کے مفصل واقعات	۴۵۲
چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی فاضلانہ بحث پر خراج تحسین	۴۷۳ تا ۴۷۶
چوتھا باب	
فصل اوّل	
حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علیخانصاحب رئیس مالیر کوٹلہ کا انتقال	۴۷۷
فصل دوم	
حضرت مصلح موعود کا معرکۃ الآراء لیکچر "اسلام کا اقتصادی نظام" اور اسکے وسیع اثرات۔	۴۸۸
لالہ رامچند مچندہ صاحب کی صدارتی تقریر	۴۹۵
فصل سوم	
منارۃ المسیح ہال کیلئے تحریک اور اخلاص و فدا کاری کا شاندار منظر	۵۰۲
منارۃ المسیح ہال کے ساتھ ایک عظیم الشان لائبریری کے قیام کی تجویز اور اسکی لئے مفصل سکیم۔	۵۰۹
قادیان میں میڈیکل سکول کے اجراء کی تجویز	۵۱۱
دوسری جنگ عظیم کا خاتمہ اور خدا تعالیٰ کے فضل و رحمت کے نشان کا ظہور	۵۱۱
اشتراکیت کے خلاف اعلان جنگ۔	۵۱۵
ایٹم بم کے استعمال کے خلاف احتجاج۔	۵۱۹

عنوان	صفحہ
۱۹۶۵ء تک جماعت احمدیہ کے لئے ایک نئے اور انقلابی دَور آنے کی حیرت انگیز پیشگوئی۔	۵۲۰
حضرت مصلح الموعود کی اہم ہدایت ولایت جانیوالے مبلغین کو۔	۵۲۲
جماعت احمدیہ میں اعلیٰ تعلیم کی توسیع کے لئے سکیم	۵۲۴
یورپ کی روحانی فتح کے لئے نو مبلغین کا سفر انگلستان اور پریس میں چرچا۔	۵۲۵
حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کی اہم تقریر جلسہ سالانہ کے موقع پر۔	۵۳۰
فصل چہارم	
۱۹۴۵ء میں انتقال کرنے والے مشہور اور جلیل القدر صحابہ	۵۳۲
فصل پنجم	
۱۹۴۵ء کے متفرق مگر اہم واقعات	۵۴۷
ضلعوار نظام کے اولین امراء	۵۴۸
پنجاب حج کمیٹی میں احمدی ممبر	۵۴۹
پوپ کو دعوتِ حق	״
قائد اعظم محمد علی جناح سے احمدیہ وفد کی ملاقات	۵۵۰
مسجد احمدیہ سری نگر کے نزدیک سینما ہال کی اجازت کے خلاف جلسہ سالانہ پر احتجاج۔	۵۵۱
بیرونی مشنوں کے اہم واقعات	۵۵۱
مبلغین احمدیت کی بیرونی ممالک کو روانگی	۵۵۷
نئی مطبوعات	۵۵۸
غیر مسلموں کے اجتماعات اور کانفرنسوں میں احمدی مبلغین کے لیکچر۔	۵۵۸
اندرون ملک کے بعض مشہور مناظرے۔	۵۶۲
فصل ششم	
تحصیل بٹالہ کے اسمبلی الیکشن میں احمدی خواتین اور احمدی مردوں کے اخلاص کے شاندار کارنامے	۵۶۵
مسئلہ فلسطین پر چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی تقریر	۵۶۸
سلسلہ احمدیہ کے مخلص اور فدائی بزرگوں کی سندھ میں یادگاریں۔	۵۷۰
احمدیت کا سب سے پہلا انگریز واقف زندگی	۵۷۱
بشیر آرچرڈ صاحب کے خودنوشت حالات	۵۷۵
حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے بشیر آرچرڈ کی پہلی ملاقات اور قبول اسلام کا ایمان افروز واقعہ	۵۷۶
حضرت امیر المومنین کی طرف سے مالی وجانی قربانیوں اور ہجرت کے لئے تیار رہنے کا فرمان	۵۸۰
حفاظ پیدا کرنے کی تحریک	۵۸۱
۱۹۴۶-۴۷ء میں نئے مشنوں کا قیام	״
میاں بیوی کے جھگڑوں کو سنجیدگی سے سلجھانے کی اہم تحریک	۵۸۲
یورپ کا پہلا احمدی شہید	۵۸۳
انڈونیشیا کی تحریک آزادی اور جماعت احمدیہ	۵۸۹
پانچواں باب	
فصل اوّل	
کلکتہ کے فسادات میں احمدیوں کا شدید نقصان	۵۹۱
مسلمانان عالم کو بروقت آسمانی انتباہ اور متحد ہونے کی تحریک	۵۹۲
دہلی میں حضرت مصلح موعود کی دینی مصروفیات	۵۹۵

عنوان	صفحہ
مولانا جلال الدین صاحب شمس کی کامیاب مراجعت اور ایک پیشگوئی کا ظہور	۵۹۷
نواکھالی اور بہار میں خونریز فسادات اور جماعت احمدیہ کی خدمتِ خلق	۶۰۰
حضرت مصلح موعود سے ڈاکٹر یوسف سلیمان کی ملاقات اور کیپ کالونی جنوبی افریقہ میں تبلیغ احمدیت کی داغ بیل	۶۰۶
متحدہ ہندوستان کے آخری سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ میں حضرت مصلح موعود کی روح پرور تقریر	۶۰۸
نوجوانانِ احمدیت کو قربانیاں پیش کرنیکی خاص تحریک	۶۰۹
متحدہ ہندوستان کے آخری سالانہ جلسہ کے مختصر عمومی کوائف	۶۰۹
حضرت مصلح موعود کی ایمان افروز تقریریں	۶۱۱
سالانہ جلسہ کے دوسرے مقررین	۶۱۳
۱۹۴۶ء میں انتقال کرنیوالے جلیل القدر صحابہ	۶۱۴
فصل دوم	
۱۹۴۶ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	۶۱۸
خدام الاحمدیہ قادیان کے پہلے قائد	۶۱۹
مرزا منصور احمد صاحب کا سفر انگلستان	۶۲۰
مرزا ابوسعید صاحب کا المناک قتل	۶۲۰
میاں عباس احمد صاحب کا سفر انگلستان	۶۲۲
لنکا اور مدراس کے بعض مخلص احمدیوں کا انتقال	۶۲۳
بیرونی مشنوں کی سرگرمیاں	۶۲۵
مبلغینِ اسلام کی قادیان سے روانگی	۶۲۹
۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء کی نئی مطبوعات	۶۳۰
مباحثہ دہلی	۶۳۱
فصل سوم	
خلافت ثانیہ کا چونتیسواں سال ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء	۶۳۲

عنوان	صفحہ
حضرت مصلح موعود کی زریں ہدایات ایک واقفِ زندگی کو	۶۳۲
فسادات پنجاب اور مسلمانانِ امرتسر کے لئے جماعت احمدیہ کا ریلیف کیمپ	۶۳۴
ماہ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے فسادات اور قادیان	۶۳۷
متحدہ پنجاب میں آگ کی خوفناک لڑائی کی نسبت رؤیا	۶۳۸
حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے رویا کے پورا ہونے کی تفصیل	۶۳۹
جماعت احمدیہ کے لئے ایک اہم سبق	۶۴۱
حضرت مصلح موعود کی طرف سے حفاظت مرکز اور سلسلہ کے لئے مالی قربانیوں اور دعاؤں کی خاص تحریک	۶۴۲
پراونشل ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کا قادیان میں سالانہ اجلاس اور حضرت مصلح موعود کا پیغام	۶۴۴
فصل چہارم	
حضرت مصلح موعود کا متحدہ ہندوستان میں آخری سفر سندھ	۶۴۷
متحدہ ہندوستان کی آخری مجلس مشاورت اور مخلصین احمدیت کی شاندار قربانی کا ایمان افروز منظر	۶۵۵
وقف جائداد و آمد کی کامیابی اور اس کے مفید نتائج	۶۶۰
تفسیر القرآن انگریزی کی اشاعت	۶۶۳
تفسیر القرآن انگریزی کی تاریخ پر ایک نظر	۶۶۶
مغربی مفکرین کے تاثرات	۶۷۳
شامی پریس اور اکابر دمشق کا خراجِ تحسین	۶۷۵
ملک میں جھوٹی افواہیں اور حضرت مصلح موعود کی طرف سے اس کا تجویز فرمودہ علاج	۶۷۶
قادیان کے غیر احمدیوں اور غیر مسلموں کی حفاظت کا عہد	۶۷۷

عنوان	صفحہ
مسلمانان ہند کو تدبیر کامل اور یقین کامل سے کام لینے کی پُر زور تلقین	۶۸۰
تمام احمدی بالغ مردوں اور عورتوں کو باقاعدہ تہجد پڑھنے کی تحریک	۶۸۳
فصل ششم	
چار ممتاز اور مشہور بزرگوں کی المناک رحلت	۶۸۵
حضرت سیٹھ محمد غوث صاحب حیدر آبادی	۶۸۵
حضرت بابو عبدالرحمٰن صاحب امیر جماعت احمدیہ انبالہ	۶۸۸
حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ عنہ	۶۹۶
حضرت میر صاحب کے مزار کا کتبہ	۷۰۳
حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کی تالیفات	۷۰۴
فصل ہفتم	
جماعت احمدیہ کو دعاؤں کی بار بار تحریک	۷۰۵
امرتسر کے پناہ گزین قادیان میں اور ان کے قیام وطعام کا مرکزی انتظام	۷۰۹
قادیان کے غیر مسلم باشندوں کا وفد حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں	۷۰۹
گورداسپور کے مسلمانوں کا حوصلہ بلند رکھنے کی جدوجہد	۷۱۰
حضرت مصلح موعود کا الہام	۷۱۲
پاکستان اور بھارت کے قیام پر حضرت سیدنا المصلح الموعود کی دعا	۷۱۳
قادیان میں یوم آزادی کی تقریب	۷۱۴
فصل ہشتم	
قادیان کے ہندوستان میں شامل کئے جانے کا فیصلہ اور حضرت مصلح موعود کا پُر شوکت اعلان	۷۱۴
حضرت مصلح موعود کا ولولہ انگیز خطبہ عید الفطر	۷۱۶
فصل نہم	
قادیان کے ماحول میں فسادات اور قتل وغارت	۷۱۹

عنوان	صفحہ
اغوا اور آتشزنی کا خطرناک سلسلہ	۷۱۹
محاسب صدر انجمن احمدیہ کے دفتر کا قیام پاکستان میں	۷۲۰
حضرت سیدنا المصلح الموعود کا پہلا پیغام بیرونی احمدی جماعتوں کے نام	۷۲۱
پاکستان اور بیرونی ملکوں میں حضرت مصلح موعود کا پیغام اور دوسری مرکزی اطلاعات پہنچانے کا انتظام	۷۲۳
شیخ بشیر احمد صاحب کے نام پہلا مکتوب	۷۲۶
فیض اللہ چک پر پہلا حملہ	۷۲۸
جماعت احمدیہ کے ہوائی جہازوں پر پابندی	۷۲۹
حضرت ام المومنین اور خواتین مبارکہ کی پاکستان میں تشریف آوری	۷۲۹
حضرت مصلح موعود کا تیسرا اہم مکتوب شیخ بشیر احمد صاحب کے نام	۷۳۰
حضرت امیر المومنین کی ضروری ہدایات احباب قادیان کے لئے	۷۳۲
بیرونی جماعتوں کے لئے حضرت مصلح موعود کا دوسرا پیغام	۷۳۴
قادیان کے تشویشناک ماحول کا ذکر اخبار ڈان کراچی میں	۷۳۵
قادیان اور اس کے ماحول کی المناک کیفیت	۷۳۷
احباب قادیان کے لئے ضروری اعلان	۷۴۰
قادیان کے مرکزی افسروں اور کارکنوں کا خلوص	۷۴۱
الوداعی پیغام	۷۴۲
حضرت مسیح موعود کی ہجرت سے متعلق ایک اہم پیشگوئی کا شاندار ظہور	۷۴۵
سفر ہجرت کے حالات حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے	۷۴۶

(ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

حضرت امیر المؤمنین سیدنا المصلح الموعودؓ تعلیم الاسلام کالج (لاہور) کے پہلے جلسہ
تقسیم اسناد میں خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں (۲ شہادت ۱۳۲۹ ہش اپریل ۱۹۵۰ء)
(کرسی پر) حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج

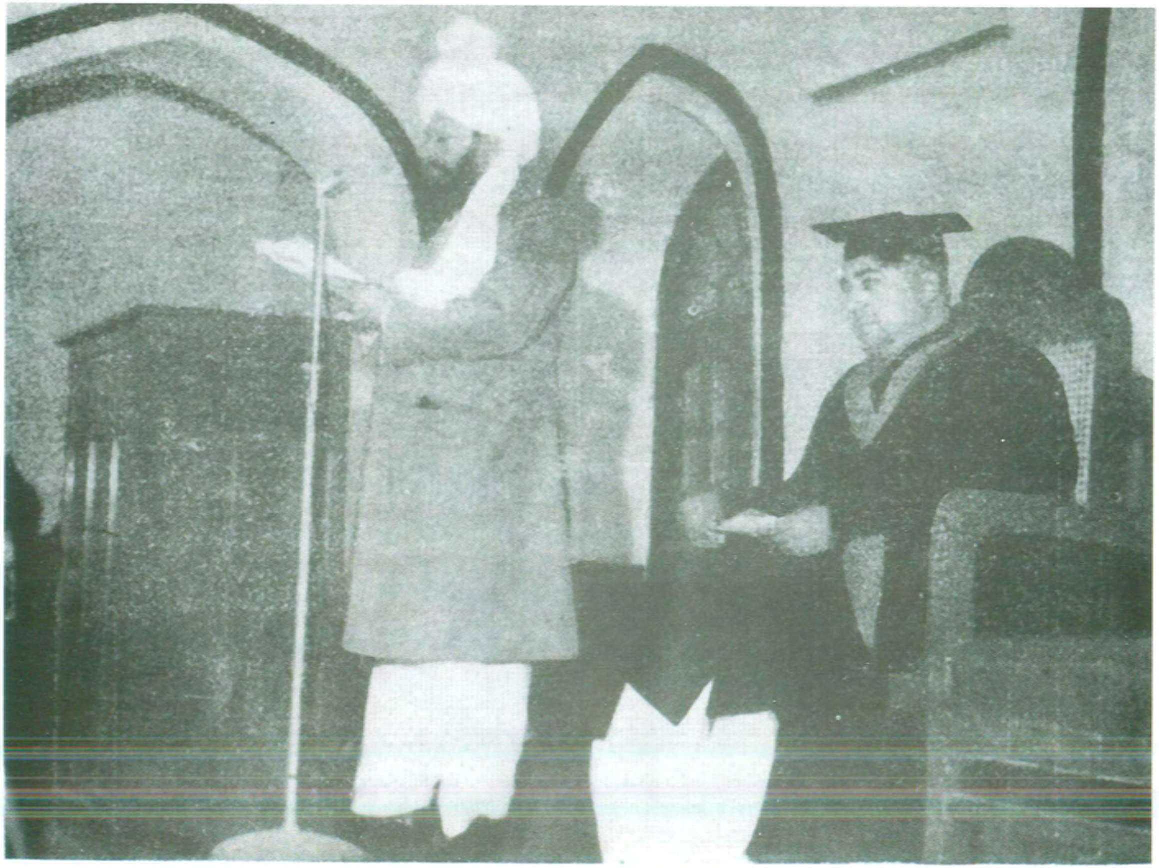

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی عَبْدِهِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

پہلا باب

حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں سے قائم شدہ تعلیم الاسلام کالج
کا
سیدنا المصلح الموعودؓ کے مبارک ہاتھوں سے احیاء اور پے در پے مشکلات کے باوجود مثالی ترقی

از ہجرت ۱۳۲۳ہش (مئی ۱۹۴۴ء) تا نبوت ۱۳۴۴ہش (نومبر ۱۹۶۵ء)

حرفِ آغاز زیر نظر حصہ "تاریخ احمدیت" کے سلسلہ تالیف و تدوین کی دسویں کڑی ہے۔ اس کتاب کی نویں جلد کا اختتام ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کی پہلی سہ ماہی پہ ہوا تھا۔ لہذا اب واقعات کی طبعی ترتیب کے مطابق خلافت ثانیہ کے اس پُر از انوار و برکات سال کے بقیہ حالات بیان کئے جاتے ہیں، جن میں سرفہرست تعلیم الاسلام کالج کا احیاء اور از سرِ نو قیام ہے اور جو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے عہدِ خلافت کا ایک عظیم الشان اور ناقابل فراموش کارنامہ ہے جس کی قدر و منزلت اور عظمت و افادیت میں خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کی دعاؤں کی بناء پر پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ مستقبل میں جب دنیا کے جلیلہ

تقاضوں کے مدّنظر اسلامی نظامِ تعلیم کے عالمی نقشہ کی تشکیل اور اس کے عملی نفاذ کا مرحلہ شروع ہوگا تو مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کی طرح اس کالج کو بھی سنگِ میل کی نمایاں حیثیت حاصل ہوگی۔ انشاء اللہ العزیز

اس مختصر سی تمہید کے بعد ذیل میں سب سے پہلے تعلیم الاسلام کالج کی ابتدائی تاریخ پر اور بعد ازاں ماہ ہجرت / مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء سے لے کر ماہ نبوت / نومبر ۱۳۴۴ہش/۱۹۶۵ء تک کے اکیس سالہ دور پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اس سنہری دور کو یہ دوہری خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں کالج کو اپنی علمی زندگی کے ایک طویل عرصہ تک نہ صرف حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود جیسے اولوالعزم قائد کی خصوصی توجہات کا مرکز بننے کا شرف نصیب ہوا بلکہ اسے خالص خدائی تصرف کے ماتحت ایک ایسے مقدس وجود کی براہِ راست نگرانی میں پھلنے پھولنے اور جلد جلد ترقی کی منازل طے کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی جس کے لئے مشیت خداوندی میں آئندہ چل کر خدا کے اس پاک اور آسمانی سلسلہ کی باگ ڈور سنبھالنا اور اسے علم و عمل کی رفعتوں کے بلند مینار تک لے جانا مقدر تھا۔ ہماری مُراد حضرت مسیح موعودؑ کے موعود "مبارک" اور پسرِ خامس اور سیدنا المصلح الموعودؓ کے لختِ جگر حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز سے ہے جن کی قبل از خلافت زندگی کے مسلسل اکیس سال اس عظیم الشان ادارہ کی ترقی و بہبود کے لئے وقف رہے اور خدا کے فضل اور آپ کی بہترین سرپرستی، گرانقدر رہنمائی، انتھک اور بے لوث جدوجہد اور عاجزانہ دُعاؤں سے تعلیم الاسلام کالج نہ صرف سیدنا المصلح الموعود کے زمانہ خلافت ہی میں پختہ بنیادوں پر استوار ہوگیا بلکہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک ایسے منفرد اور امتیازی مقام تک پہنچ گیا جو اپنوں کے لئے موجب ازدیادِ ایمان اور بیگانوں کے لئے ہمیشہ ہی قابلِ رشک رہے گا۔

فصل اوّل

حضرت مسیح موعود و مہدی معہود کے عہدِ مبارک کا تعلیم الاسلام سکول و کالج

جیسا کہ "تاریخ احمدیت" جلد سوم (صفحہ ۳ تا ۹) میں ذکر کیا جا چکا ہے بانئے سلسلہ احمدیہ سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "اسلامی روشنی ملک میں پھیلانے" اور "طوفانِ ضلالت میں اسلامی ذریت کو غیر مذاہب کے وساوس سے بچانے کے لئے" ۳ر جنوری ۱۸۹۸ء کو قادیان میں مدرسہ

تعلیم الاسلام کی بنیاد رکھی اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب (عرفانی کبیر، مدیر "الحکم") اُس کے ہیڈ ماسٹر مقرر کئے گئے۔ ابتداء میں یہ مدرسہ صرف پرائمری تک تھا مگر ۵ مئی ۱۸۹۸ء سے مڈل کی جماعتیں بھی کھل گئیں اور فروری ۱۹۰۰ء میں نویں جماعت اور مارچ ۱۹۰۱ء میں دسویں جماعت کا اضافہ ہوا۔ ۱۹۰۲ء میں پہلی بار اس کے چار طلبہ انٹرنس کے امتحان میں شامل ہوئے۔ بعد ازاں ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۴ء میں سات سات طلبہ نے امتحان دیا۔ ۱۹۰۵ء میں شریک امتحان ہونے والوں کی تعداد دس تک پہنچی۔[1]

مدرسہ کی پریشان کُن مالی حالت

مدرسہ تعلیم الاسلام کی اقتصادی صورت حال اس درجہ پریشان کُن اور تشویش انگیز تھی کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو بنفس نفیس اس کی طرف کئی دفعہ مخلصین جماعت کو توجہ دلانا پڑی۔

چنانچہ حضور نے ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو ایک اشتہار بعنوان "ایک ضروری امر اپنی جماعت کی توجہ کے لئے" شائع فرمایا جس میں اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل تحریک کی :-

"علاوہ لنگر خانہ اور میگزین کے جو انگریزی اور اُردو میں نکلتا ہے جس کے لئے اکثر دوستوں نے سرگرمی ظاہر کی ہے ایک مدرسہ بھی قادیان میں کھولا گیا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہے کہ نوعمر بچے ایک طرف تو تعلیم پاتے ہیں اور دوسری طرف ہمارے سلسلہ کے اصولوں سے واقفیت حاصل کرتے جاتے ہیں اس طرح پر بہت آسانی سے ایک جماعت تیار ہو جاتی ہے بلکہ بسا اوقات ان کے ماں باپ بھی اس سلسلہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان دنوں میں ہمارا یہ مدرسہ بڑی مشکلات میں پڑا ہوا ہے اور باوجودیکہ محبی عزیزی اخویم نواب محمد علیخاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ اپنے پاس سے اسّی روپیہ ماہوار اس مدرسہ کی مدد کرتے ہیں مگر پھر بھی اُستادوں کی تنخواہیں ماہ بماہ ادا نہیں ہو سکتیں۔ صدہا روپیہ قرضہ سر پر رہتا ہے۔ علاوہ اس کے مدرسہ کے متعلق کئی عمارتیں ضروری ہیں جو اب تک تیار نہیں ہو سکیں۔ یہ غم علاوہ اور غموں کے میری جان کو کھا

---

[1] اشتہار بعنوان "ایک ضروری فرض کی تبلیغ" ۵ ستمبر ۱۸۹۶ء مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان و مشمولہ "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۱۵۵ مرتبہ حضرت میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر "فاروق" قادیان / رسالہ "تعلیم الاسلام" قادیان دارالامان بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۶ء جلد ۱ نمبر ۶ صفحہ ۲۲۳ تا ۲۳۶ و صفحہ ۲۴۲ و تاریخ مدرسہ تعلیم الاسلام از حضرت مفتی محمد صادق صاحب سابق ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام سکول قادیان و مدیر "بدر" و "صادق"۔

رہا ہے۔ اس کی بابت مَیں نے بہت سوچا کہ کیا کروں۔ آخر یہ تدبیر میرے خیال میں آئی کہ مَیں اس وقت اپنی جماعت کے مخلصوں کو بڑے زور کے ساتھ اس بات کی طرف توجہ دلاؤں کہ وہ اگر اس بات پر قادر ہوں کہ پُوری توجہ سے اس مدرسہ کے لئے بھی کوئی ماہانہ چندہ مقرر کریں تو چاہیئے کہ ہر ایک اُن میں سے ایک مستحکم عہد کے ساتھ کچھ نہ کچھ مقرر کرے جس کے لئے وہ ہرگز تخلف نہ کرے مگر کسی مجبوری سے جو قضاء و قدر سے واقع ہو۔ اور جو صاحب ایسا نہ کرسکیں ان کے لئے بالضرورت یہ تجویز سوچی گئی ہے کہ جو کچھ وہ لنگرخانہ کے لئے بھیجتے ہیں اس کا چہارم حصہ براہ راست مدرسہ کے لئے نواب صاحب موصوف کے نام بھیج دیں۔ لنگرخانہ میں شامل کرکے ہرگز نہ بھیجیں بلکہ علیحدہ منی آرڈر کرا کر بھیجیں۔ اگرچہ لنگرخانہ کا فکر ہر روز مجھے کرنا پڑتا ہے اور اس کا غم براہ راست میری طرف آتا ہے اور میرے اوقات کو مشوش کرتا ہے لیکن یہ غم بھی مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔ اس لئے مَیں لکھتا ہوں کہ اس سلسلہ کے جوانمرد لوگ جن سے مَیں ہر طرح امید رکھتا ہوں کہ وہ میری اس التماس کو ردّی کی طرح نہ پھینک دیں اور پُوری توجہ سے اس پر کاربند ہوں مَیں اپنے نفس سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہی کہتا ہوں جو خدا تعالیٰ میرے دل میں ڈالتا ہے۔ مَیں نے خوب سوچا ہے اور بار بار مطالعہ کیا ہے۔ میری دانست میں اگر یہ مدرسہ قادیان کا قائم رہ جائے تو بڑی برکات کا موجب ہوگا اور اس کے ذریعہ سے ایک فوج نئے تعلیم یافتوں کی ہماری طرف آسکتی ہے"[1]

بے نفس اور ایثار پیشہ اساتذہ

مدرسہ کے قدیم اساتذہ[2] انتہائی بے نفس، یکرنگ، ایثار پیشہ اور بہت مخلص بزرگ تھے جن کی فداکاری کا یہ عالم تھا کہ وہ محض خدمت دین کی خاطر قادیان جیسی چھوٹی سی بستی میں آگئے تھے اور اپنی مسلّمہ قابلیتوں اور اعلیٰ صلاحیتوں کے باوجود قلیل تنخواہ پر بخوشی بسر اوقات کرتے اور حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کے قدموں میں رہنے اور اس قومی تربیت گاہ کی خدمت کرنے کو ایک فخر و سعادت سمجھتے تھے چنانچہ حضور علیہ السلام نے ایک

---

[1] "تذکرۃ الشہادتین" اردو بحوالہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو صفحہ ۴۶۴ - ۴۶۵ بابت نومبر و دسمبر ۱۹۰۳ء (سن اشاعت اکتوبر ۱۹۰۳ء) بلفظہٖ "تبلیغ رسالت" جلد ۱۰ صفحہ ۶۳ - ۶۴ مرتبہ حضرت میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر اخبار "فاروق" قادیان (سن اشاعت اکتوبر ۱۹۲۴ء)

[2] نام "تاریخ احمدیت" جلد سوم صفحہ ۶ تا ۷ پر درج ہیں۔

مکتوب میں تحریر فرمایا:۔

"یہ مدرسہ محض دینی اغراض کی وجہ سے ہے اور صبر سے اس میں کام کرنے والے خدا تعالیٰ کی رحمت کے قریب ہوتے جاتے ہیں"[1]

مختصر یہ کہ مدرسہ کے اساتذہ کو دیکھ کر گذشتہ صوفیاء اور اہل اللہ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ یہ بزرگ صحیح معنوں میں آئندہ نسل کے لئے روشنی کے مینار تھے۔

خالص دینی ماحول میں پرورش پانیوالے شاگرد

تعلیم الاسلام سکول انیسویں صدی میں اپنی نوعیت کا واحد مدرسہ تھا۔ جس کے اساتذہ ہی کو نہیں شاگردوں کو بھی امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاثیرات قدسیہ کے طفیل ایک بیمثال رُوحانی اور مذہبی فضا میسّر آگئی تھی اور وہ چھوٹی عمر سے ہی دین محمدی کے رنگ میں رنگین ہوتے جا رہے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ نے اس درسگاہ کے پس منظر، اس کی خصوصیت اور اس کے نونہالوں کی قابل رشک دینی حالت کا نقشہ درج ذیل الفاظ میں کھینچا:۔

"ہم صحیح اور پختہ تجربہ اور سچے استقراء سے اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ ایک بھی مدرسہ ایسا نہیں جو قوم کے بچوں کو اس مبارک اسوہ پر نشوونما دینے کا متکفل ہو جسے خاتم النبیین رحمۃ للعالمین (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے قائم کیا اور جس کی اِتباع کے بغیر خدا تعالیٰ کے رضوان اور خوشنودی کا سرٹیفکیٹ نہیں مل سکتا۔ کُل مدرسے اور کالج بلا استثناء مقصود بالذات دُنیا کو رکھتے اور محض دنیا پرست قوموں کے نقشِ قدم پر چلنے اور چلانے کو قومی ترقی سمجھتے ہیں۔ ان مدرسوں کے در و دیوار سے ان کے تربیت یافتوں کی زبانوں اور دلوں سے لگاتار آوازیں آتی اور راستبازوں کے دلوں کو دکھاتی ہیں کہ دنیا سب چیزوں پہ مقدم ہے۔

کیا ہم نے بھی قادیان میں لڑکوں کو وہی چند کتابیں مذہبی پڑھا دیں یا بیگانہ وار وعظوں کے رُوکھے پھیکے جملے ان کے سامنے پیش کئے۔ اگر ہماری قدرت کی رسائی اسی حد تک ہوتی تو ہم بھی ویسے ہی بلیسوں کام کرنے والے ہوتے۔ لیکن خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں خاص خصائص سے شرف امتیاز بخشا جن میں روئے زمین کے مسلمانوں میں سے کوئی طبقہ اور مشرب

---

[1] "ذکر حبیب" صفحہ ۱۳۷ (مؤلفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ) ناشر بکڈپو تالیف واشاعت قادیان۔

ہمارا شریک نہیں سب سے بڑی اور قابلِ قدر تحریک جو ہم نے معصوم فطرۃ اور اثر پذیر بچوں کے آگے پیش کی وہ خدا تعالیٰ کے مقدس مسیح کا مبارک وجود ہے جو اپنے ایمان اور عمل سے ہو بہو وہی اُسوہ اور نمونہ ہے جس کے اتباع کے لئے قرآن کریم آیا۔ سوچنے والے سوچیں اور غیرت مند خوب فکر کریں کہ کس قدر خوش نصیب وہ والدین ہیں جن کے بچوں کی آنکھوں کو یہ شرف ملے کہ زندگی کے رنگا رنگ اور پُر ابتلا نظارہ گاہ میں وا ہوتے ہی ان کے سامنے وہ مبارک اور فرخندہ چہرہ آجائے جو خدا تعالےٰ کی سچی خلافت اور بے عیب صورت ہے۔ ہمارے مدرسہ کے لڑکے خدا کے مسیح کو دیکھتے ہیں۔ آپ کی تقریروں کو سُنتے ہیں۔ آپ کے پاک نمونہ کو مشاہدہ کرتے ہیں۔ اسی ایک امر کو اگر ہم بڑی تفصیل سے بیان کرنا چاہیں تو اس جُملہ سے اس کا پُورا حق ادا ہو جائے گا کہ **خدا کے خلیفہ کو دیکھتے ہیں تو سبھی کچھ دیکھتے ہیں۔**

دوسری بات اور لاشریک خصوصیت یہ ہے کہ ہم ہر روز باقاعدہ عصر کے بعد لڑکوں کو حضرت مولوی **نورالدین** صاحب کے درس قرآن مجید میں شامل ہونے کی عزت دیتے ہیں یہ بھی ایسی نعمت ہے کہ کوئی ملک اور شہر اس میں ہمارا شریک نہیں۔

ان سب باتوں اور نمونہ کا یہ اثر اور نتیجہ ہے کہ مڈل اور انٹرنس کے اکثر لڑکے دین کی پابندی اور اس سلسلہ حقہ احمدیہ کی نسبت سچی غیرت اور عصبیت رکھتے اور امید دلاتے ہیں کہ وہ دُنیا کے لئے نیک نمونہ ہوں۔ میری فطرت ایسی بنائی گئی ہے کہ میں بہت جلد کسی شخص کی طرف مائل اور کسی بات کا گرویدہ نہیں ہوتا۔ اگر میں صحیح تجربہ اور بصیرت سے لڑکوں میں آثارِ رُشد و سعادت محسوس نہ کرتا تو میں قوم کو دھوکہ دینے کا مجرم ہوتا۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ بعض لڑکوں کی غیرت اور پابندی اور اُن کا عاشقانہ آنکھوں سے حضرت خلیفۃ اللہ کے چہرۂ مبارک کو ساری نشست میں دیکھتے رہنا میرے لئے باعث رشک ہوتا ہے۔ وہ اپنے کھیلوں اور بچپنے کے دل لگی کے سامانوں سے الگ ہو کر سب سے پہلے مسجد میں حاضر ہونے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے کہ صفِ اوّل میں جگہ لے کر خلیفۃ اللہ کے بہت قریب بیٹھ سکیں" [1]

---

[1] اخبار "الحکم" قادیان ۷ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۵ کالم ۲، ۳

قیام کالج کیلئے دلی تحریک

مدرسہ کے بچوں میں ان پاک تاثیرات کا پیدا ہو جانا ایک غیر معمولی اور مسرت انگیز اور اطمینان بخش بات تھی جس نے مدرسہ کے منتظم "حجۃ اللہ" حضرت نواب محمد علیخاں صاحب (رئیس مالیر کوٹلہ)، اس کے ہیڈ ماسٹر حضرت مولوی شیر علی صاحب اور ادارہ سے متعلق دوسرے بزرگوں کے دل میں ہائی سکول کو کالج تک ترقی دینے کا پُرزور خیال پیدا کر دیا۔ اور بالآخر کالج جاری کئے جانے کا فیصلہ ہو گیا۔

جب یہ معاملہ حتمی طور پر طے پا گیا تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے (جو قبل ازیں مدرسہ کی انتظامیہ کمیٹی انجمن تعلیم الاسلام قادیان کے سکرٹری بھی رہ چکے تھے)[1] ۱۷؍فروری ۱۹۰۳ء کو ایک مفصل مضمون لکھا۔ حضرت مولوی صاحب نے اپنے اس مضمون میں (جسے تعلیم الاسلام کالج کی قدیم تاریخ کا پہلا ورق قرار دینا چاہیئے) مدرسہ تعلیم الاسلام کے نونہالوں کی خالص اسلامی و رُوحانی ماحول میں ہونے والی تربیت و اصلاح کے عمدہ نتائج و اثرات کا ذکر کیا اور پھر کالج کے پس منظر اور اس کے فوری تقاضوں پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"غرض لڑکوں کی اس خوشنما اور امید افزا حالت کو دیکھ کر جو انٹرنس کی منزل میں پاؤں رکھنے کے ساتھ ان میں پیدا ہو گئی مدرسہ کے کارکنوں کے دل میں یہ خیال یا حوصلہ پیدا ہوا۔ اور غور و فکر کے بعد ارادہ نے عزم کی صورت پکڑ لی کہ مدرسہ کو کالج بنایا جائے اس لئے کہ انٹرنس تک ابھی بہت خام اور ناتمام عمر اور تجربہ ہوتا ہے اور اگر دو برس ایف۔ اے کی تقریب سے اور اگر خدا چاہے تو دو برس اور بی۔ اے کی تحریک سے اور ایک سال اور ایم۔ اے کی وساطت سے ہمارے پاس رہ سکیں تو پھر خاصے عمر رسیدہ، تجربہ کار، قوی دل اشدّا ہو کر یہاں سے نکلیں گے۔ سردست تو کالج ایف۔ اے تک ہوگا اور اس میں بھی سارا دار و مدار توکّل پر ہے ورنہ حق تو یہ تھا کہ آغاز ہی میں پورا کالج بنایا جاتا۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ اس کارروائی کو جلد بازی پر محمول کریں اور جوش سے کہہ دیں یا رائے دیں کہ ابھی وقت قلت سرمایہ کے سبب سے اس امر کا مقتضی نہیں کہ کالج جاری کیا جائے مگر اس رائے زنی میں وہ خود جلد باز اور غور نہ کرنے والے ٹھہریں گے اس لئے کہ انٹرنس تک محدود ہو کر رہنے میں مدرسہ کی وہ غرض پوری نہیں

---

[1] رسالہ "تعلیم الاسلام" قادیان جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۲۳۶

ہوتی یا آخرکار اس کے نابود ہو جانے کا اندیشہ ہے جو ہمیں اس کارِ خیر کی محرک ہوئی ہے۔ ابتدائی عمر کے جوش، فوری جوش اور ہنڈیا کے سے اُبال ہوتے ہیں۔ عمر کی لمبی رفتار میں اور دُنیا کے ہر امتحان اور پُرفتنہ نظاروں اور کاموں میں بسا اوقات ان میں سردی آجاتی اور ہر وقت امکان رہتا ہے کہ بالعوض بد تحریک اپنا کام کرے مگر کالج کی چکی سے نکل کر ایک عمدہ پختگی اور مضبوط بصیرت رفیقِ طریق ہو جاتی ہے اور یقین مربیوں کے دلوں میں بھر جاتا ہے کہ ان کے برسوں کے اندوختہ اور محنت پر کسی بدمعاش کا ہاتھ نہیں پڑ سکے گا۔ غرض یہ تو بالکل عین مصلحت اور طے شدہ بات ہے کہ کالج ہو جب ہمارا مقصود پورا ہوتا ہے اور کالج کی تجویز پختہ بھی ہوگئی اور امید ہے آئندہ مئی سے جاری بھی ہو جائے مگر خدا تعالیٰ کی توفیق سے قوم کا یہ کام ہے کہ اس نیک کام میں دل کھول کر شریک ہوں۔ کالج کھولنے سے ایک سال تک تو کوئی زائد خرچ نہیں پڑے گا۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے ریاضی پڑھائینگے اور وہ ریاضی میں مسلّم ہیں۔ ماسٹر شیر علی صاحب بی۔اے جو انگلش میں بالخصوص قابل ہیں انگریزی پڑھائیں گے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب باقاعدہ ایک گھنٹہ کالج میں دینیات کے معلّم ہوں گے اور خاکسار راقم بھی ایک گھنٹہ باقاعدہ عربی کی تعلیم دے گا۔ اور یہ تینوں معلّم بلا کسی دنیوی اُجرت کے کالج کو مدد دیں گے اور دوسرے سال صرف پچاس روپے کا زیادہ بار ہوگا۔ اگر مدرسہ کی امداد میں وہی پہلا جوش ہوتا جو ایک عرصہ تک قائم رہا تو اتنی ہی امداد اور آمدنی ایف۔اے تک کالج بنانے میں بھی کافی تھی۔ مگر افسوس بہت لوگوں نے بے توجہی کی اور ان کے جوشوں میں سردی پیدا ہوگئی۔ بہت سے شہر ہیں کہ ان سے کچھ بھی امداد اب تک مدرسہ کو نہیں پہنچی۔ اور بعض ایسے ہیں کہ اُن سے ناقابلِ اعتناء مدد ملتی ہے۔ سیالکوٹ اور لاہور دو شہر ہیں جنہوں نے اس کام میں پُوری فیاضی سے حصہ لیا ہے اور ایک معقول رقم ماہ بماہ ان کی طرف سے مدرسہ کو ملتی ہے۔ مگر اکثر شہر بعض غلط فہمیوں یا ناعاقبت اندیشی کے سبب سے اس کی طرف سے پہلو تہی کئے بیٹھے ہیں اور وہ اس طرح روا رکھتے ہیں کہ مدرسہ کو خدانخواستہ کوئی صدمہ پہنچے اور اعدائے ملّت کو شماتت کا عمدہ موقعہ ملے۔ ہر ایک شخص کو خوب ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ یہ مدرسہ حضرت کا مدرسہ ہے

اور اُن کے حکم سے جاری کیا گیا ہے اور اس کی شکست کی زد آخر کار سوچ لینا چاہیئے کس کی ہمت اور قصد پر پڑتی ہے . . . . . غرض سب سے اوّل اور بہت جلد مدرسہ کو جانکاہ فکر سے سبکدوش کریں اور کالج کے لئے عزم صمیم سے خط مستقیم پر قدم اُٹھائیں . . . . .

اے ارحم الراحمین سمیع و بصیر مولیٰ! تو خود ان دردمندانہ فقروں کو پہلے قبول فرما اور پھر قوم کے دلوں میں انہیں جگہ دے کہ ساری توفیقیں تجھ ہی سے اور تیرے ساتھ ہیں " [۱]

کالج کے افتتاح کی نہایت سادہ مگر پُروقار دعائیہ تقریب

طے شدہ پروگرام کے مطابق کالج کا افتتاح ۱۵؍ مئی ۱۹۰۳ء کو مقرر تھا مگر حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰة والسلام کی طبع مبارک علیل ہو گئی اور یہ مبارک تقریب ۲۸؍ مئی ۱۹۰۳ء پر ملتوی کر دی گئی۔

اس روز (۲۸؍ مئی ۱۹۰۳ء) ساڑھے چھ بجے کے بعد مدرسہ تعلیم الاسلام کے احاطہ اور بورڈنگ مدرسہ کے درمیانی میدان میں ایک شامیانے کے نیچے جلسہ کا انتظام کیا گیا جو حضرت مفتی محمد صادق صاحب رض سپرنٹنڈنٹ مدرسہ و کالج کی زیر نگرانی مدرسہ کے اساتذہ اور طالب علموں کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ سٹیج کے لئے شمالی جانب ایک عارضی چبوترہ بنایا گیا جہاں ارکان مدرسہ اور دوسرے بزرگوں کے لئے کرسیاں بچھائی گئی تھیں۔ جنوبی طرف ایک میز رکھی گئی جس کے اوپر دائیں جانب قرآن کریم اور بائیں جانب کرۂ ارض (گلوب GLOBE) رکھا گیا۔ میز کے سامنے طالب علموں کی ورزش جسمانی کے لئے ایک ستون کھڑا تھا۔[۲] اس موقعہ پر نہ کوئی دعوتی کارڈ جاری کئے گئے نہ اس میں کسی پارٹی کا اہتمام کیا گیا کیونکہ اس جلسہ کی اصل غرض تو صرف یہ تھی کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام قدم رنجہ فرما کر دُعا فرمائیں اور اگر حضور مناسب سمجھیں تو کالج کے اساتذہ اور طلبہ اور دوسرے حاضرین کو اپنے مقدس اور بابرکت ارشادات سے نوازیں اور حضرت اقدس اس جلسہ میں بڑی خوشی کے ساتھ شریک ہونے کے لئے تیار بھی تھے[۳]۔ مگر رات کے وقت حضور کی طبیعت پھر ناساز ہو گئی۔ ہر ایک پروفیسر اور مدرس اور لڑکے کی آنکھ خدا کے محبوب اور برگزیدہ حضرت مسیح موعود

---

[۱] اخبار "الحکم" قادیان ۷؍ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۵ و ۶۔
[۲] اخبار "الحکم" قادیان ۱۷؍ اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۷ کالم ۳ و ۲۴؍ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۲۔
[۳] اخبار "الحکم" قادیان ۲۴؍ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۳۔

علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی آمد آمد پر لگی ہوئی تھی کہ اس اثناء میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضؓ نے آکر اطلاع دی کہ "حضرت اقدس نے مجھے ایک پیغام دے کر روانہ کیا ہے اور وہ اس طرح سے ہے کہ مَیں نے حضرت خلیفۃ اللہ علیہ السّلام کی خدمت میں تشریف آوری کے واسطے عرض کی تھی، آپ نے فرمایا:-

"مَیں اس وقت بیمار ہوں حتیٰ کہ چلنے سے بھی معذور ہوں۔ لیکن وہاں حاضر ہونے سے بہت بہتر کام یہاں کر سکتا ہوں کہ اُدھر جس وقت افتتاح کا جلسہ شروع ہوگا میں بیت الدّعا میں جا کر دُعا کروں گا"

یہ کلمہ اور وعدہ حضرت خلیفۃ اللہ علیہ السّلام کا بہت خوش کُن اور امید دلانے والا ہے۔ اگر آپ خود تشریف لاتے تو بھی باعث برکت تھا اور اگر اب نہیں لائے تو دُعا فرما دیں گے اور یہ بھی خیر و برکت کا موجب ہوگی"

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ اسی قدر کلمات فرما کر کُرسی پر بیٹھ گئے۔[1]

آپ کے بعد حضرت نواب محمد علیخاں صاحبؓ رئیس مالیر کوٹلہ ڈائریکٹر تعلیم الاسلام کالج نے مختصر تقریر کی جس میں فرمایا:-

"اس کالج کی غرض کوئی عام طور پر یہ نہیں ہے کہ معمولی طور پر دنیاوی تعلیم ہو اور صرف معاش کا ذریعہ اُسے سمجھا جاوے بلکہ اصل غرض یہ ہے کہ ایک عالم اس پاک سلسلہ کی تعلیم سے مستفیض ہو جو کہ خدا نے قائم کیا ہے۔ دنیوی تعلیم کا اگر کچھ حصہ اس میں ہے تو اس لئے کہ مروّجہ علوم سے بھی واقفیت ہو جس سے خدا تعالیٰ کی معرفت میں مدد ملے ورنہ اصل غرض دین اور دین کی تعلیم ہی ہے اور ایک بڑی غرض یہ بھی ہے کہ اپنی احمدی جماعت کے کمسن بچے ابتدار سے دینی علوم سے واقف ہوں اور حضور مسیح موعود کے فیضانِ صحبت سے فائدہ اُٹھاویں اور بڑے ہو کر اس پاک چشمہ سے ایک عالم کو سیراب کریں جس سے وہ خود سیراب ہو چکے ہیں۔

یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ کالج کی موجودہ حالت سب احباب پر ظاہر ہے۔ اس کے کارکنوں نے جو آجتک کیا ہے وہ کسی انسانی طاقت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ سب کچھ محض خدا کے فضل سے ہی ہوا ہے . . . . امید ہے جیسے کہ مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے فرمایا ہے کہ حضرت اقدس نے دُعاؤں کا وعدہ کیا ہے خدا کی ذات سے بڑی امید ہے کہ یہ کالج بہت جلد ایک

---

[1] اخبار "البدر" ۲۴ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۸۴ کالم ۳

یونیورسٹی ہوگا، اور اس احمدی جماعت کے لئے ایک بڑا مفید دارالعلوم ثابت ہوگا . . . .

یہ کالج خدا کے فضل سے چلے گا اور خدا کے صادق بندے مسیح موعود کی دعاؤں سے نشو ونما پائے گا "[1]

اس تقریر کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ نے ایک نہایت ایمان افروز صدارتی خطاب کیا جس میں ارشاد فرمایا کہ

"تمام ترقیوں عزت اور حقیقی خوشی کی جڑ یہ کتاب ہے اور اسی کے ذریعہ سے ہم اس (کرۂ ارض) پر حکمرانی کرتے ہیں اور اسی کے ذریعہ سے فضل الٰہی کا سایہ ہم پر پڑ سکتا ہے . . . . بڑے بڑے لائق، چالاک اور پھرتی سے بات کرنے والوں کے ساتھ ناچیز کی حالت میں میرا مقابلہ ہوا ہے مگر اس قرآن کے ہتھیار سے جب مَیں نے ان سے بات کی ہے تو اُن کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگ گئیں . . . . مَیں تم کو ایک بچہ کا قصہ سناتا ہوں کیونکہ تم بھی بچے ہو۔ مگر وہ عُمر میں تم سب سے چھوٹا تھا۔ اس کا نام یوسفؑ ہے۔ جس وقت بھائیوں نے اُسے باپ سے مانگا اور چاہا کہ اسے باپ سے الگ کر دیں اور جنگل میں جا کر ایک کوئیں میں اُتار دیا . . . نہ اس وقت کوئی یار نہ آشنا نہ ماں اور نہ باپ، اگر ہوتے بھی تو اُسے وہ بات نہ بتلا سکتے جو خدا نے بتائی اور ان کو کیا علم تھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا مگر خدا کا سایہ اس پر تھا۔ خدا نے اسے بتلایا۔ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ کہ اے یُوسف! دیکھ تجھے باپ سے الگ کیا، تیری زمین سے تجھے الگ کیا اور اندھیرے کوئیں میں ڈالا مگر مَیں تیرے ساتھ ہوں گا اور اس علیحدگی کی تعبیر کو تُو بھائیوں کے سامنے بیان کرے گا اور ان کو اس بات کا شعور نہیں ہے۔ دیکھ لو۔ یہ باتیں باپ نہیں کر سکتا نہ وعدہ دے سکتا ہے کہ یوں ہوگا یا جاہ وجلال کے وقت تک یہ تندرستی بھی ہوگی۔ ایک باپ بچے سے پیار تو کر سکتا ہے مگر وہ اس کے آئندہ حالات کا کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔ ان باتوں کو جمع کر کے دیکھو۔ اگر کوئی انسان تسلی دیتا تو بچہ کو پیار کرتا گلے میں ہاتھ ڈالتا اور اُسے کہتا کہ ہم تھپکی دیویں گے۔ مگر خدا کی ذات کیا رحیم ہے وہ فرماتا ہے لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هٰذَا وہ عروج دیویں گے کہ تو ان احمقوں کو بتلا دے گا"

---

[1] "البدر" ۵ رجون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۵۴ - ۱۵۵ *

یہ مثال دینے کے بعد حضرت مولوی صاحبؓ نے فرمایا:-

"یہ حقیقت ہے اس سایہ کی جسے مَیں چاہتا ہوں تم پر ہو. علوم کی تحصیل آسان ہے مگر خدا کے فضل کے نیچے اُسے تحصیل کرنا یہ مشکل ہے۔ کالج کی اصل غرض یہی ہے کہ دینی اور دُنیوی تربیت ہو. مگر اوّل فضل کا سایہ ہو پھر کتاب پھر دستورالعمل ہو۔ اس کے بعد دیکھو کہ کیا کامیابی ہوتی ہے۔ فضلِ الٰہی کیلئے پہلی بشارت پیارے عبدالکریم نے دی ہے۔ وہ کیا ہے۔حضرت صاحب کی دُعائیں ہیں۔ مَیں ان دُعاؤں کو کیا سمجھتا ہوں۔ یہ بہت بڑی بات ہے اور یقیناً تمہارے ادراک سے بالاتر ہوگی مگر مَیں کچھ بتلاتا ہوں۔

مخالفوں سے انسان ناکامیاب ہوتا ہے۔ گھبراتا ہے۔ ایک لڑکا ماسٹر کی مخالفت کرے تو اُسے مدرسہ چھوڑنا پڑتا ہے۔ جس قدر مہتمم مدرسہ کے ہیں اگر وہ سب مخالفت میں آویں تو زندگی بسر کرنی مشکل ہو۔ اگرچہ افسر بھی لڑکوں کے محتاج ہیں مگر ایک ذرہ سے نقطہ سے اُسے بورڈنگ میں رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اب اس پر اندازہ کرو۔ کہ ایک کی مخالفت انسان کو کیسے مشکلات میں ڈالتی ہے لیکن ہمارے امام کی ساری برادری مخالف ہے۔ رات دن یہی تاک ہے کہ اسے دُکھ پہنچے پھر گاؤں والے مخالف . . . . یہ حال تو گاؤں کی مخالفت کا ہے۔ پھر سب مولوی مخالف، گدی نشین مخالف، سُنّی مخالف، آریہ مخالف، مشنری مخالف، دہریوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا مگر وہ بھی مخالف اور نہایت خطرناک دشمن اس سلسلہ کے ہیں۔ ان تمام مشکلات کے مقابلہ میں دیکھو وہ (حضرت مرزا صاحب) کیسے کامیاب ہے۔ یہاں ہمارا رہنا تمہارا رہنا سب اُسی کے نظارہ ہیں کہ باوجود اس قدر مخالفت کے پھر پروانہ وار اس پر گرتے ہیں۔ اس کا باعث یہی ہے کہ وہ کتاب اللہ کا سچا حامی ہے۔ اور رات دن دُعاؤں میں لگا ہوا ہے۔ اس لڑکے سے بڑھ کر کوئی خوش قسمت نہیں جس کے لئے یہ دُعائیں ہوں۔ مگر ان باتوں کو وہی سمجھتا ہے جس کی آنکھ بینا اور کان شنوا ہوں۔

لَتُنَبِّئَنَّهُم بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا کی صدا یوسفؑ کے کان میں پڑی۔ اس سے سوچو کہ خدا کا فضل ساتھ ہوتا ہے تو کوئی دشمن ایذا نہیں پہنچا سکتا۔ کس طرح کے جاہ جلال اور بجالی یوسفؑ کو ملی۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اُن بھائیوں کو آخر کہنا پڑا - إِنَّا كُنَّا

خَاطِئِیْنَ۔ اس کا جواب یوسفؑ نے دیا۔ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ[۱]
یہ سب کچھ اللہ پر یقین کا نتیجہ تھا۔ تم بھی اللہ پر کامل یقین کرو اور ان دعاؤں کے ذریعے جو کہ
دنیا کی مخالفت میں سپر ہیں فضل چاہو۔ کتاب اللہ کو دستور العمل بناؤ تاکہ تم کو عزت حاصل ہو
باتوں سے نہیں بلکہ کاموں سے اپنے آپ کو اس کتاب کے تابع ثابت کرو۔ ہنسی تمسخر ٹھٹھا،
ایذا، گالی یہ سب اس کتاب کی تعلیم کے برخلاف ہے، جھوٹ سے، لعنت سے، تکلیف اور
ایذا دینے سے ممانعت اور لغو سے بچنا اس کتاب کا ارشاد ہے۔ صوم اور صلوٰۃ اور ذکر
شغل الٰہی کی پابندی اس کا اصول ہے"[۲]

حضرت مولوی نورالدین صاحب رضؓ اس اثر انگیز تقریر کے بعد کرسی صدارت پر تشریف فرما ہوئے اور پھر مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب سیالکوٹی اور مولوی عبداللہ صاحب (کشمیری) نے افتتاح کالج کی نسبت اپنی اپنی فارسی نظمیں[۳] پڑھیں۔ ازاں بعد حضرت نواب محمد علیخاں صاحبؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ خدا کے تفضل و احسان سے افتتاح کالج کی رسم ادا ہو چکی۔ اس کے بعد دعا کی گئی اور جلسہ برخاست ہوا۔[۴]

حضرت نواب محمد علیخاں صاحب رضؓ کیطرف سے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں درخواست دعا

تقریبِ افتتاح بخیر و خوبی ختم ہو گئی تو حضرت نواب محمد علیخاں صاحبؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور حسب ذیل عریضہ لکھا:۔

"سیدی و مولائی طبیب روحانی سلمکم اللہ تعالیٰ
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،
مولانا مولوی عبدالکریم صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ حضور کی طبیعت نصیب اعداء علیل

۱؎ سورہ یوسف رکوع ۱۰۔ الحکم میں یہ حصہ آیت سہواً غلط چھپ گیا تھا (مرتب)
۲؎ "الحکم ۲۴ ر جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۱ - ۱۲"۔
۳؎ یہ دونوں نظمیں "الحکم" ۳۰ ر جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۷ - ۸ پر شائع شدہ ہیں۔ مالیر کوٹلہ کے ممتاز احمدی شاعر محمد نواب خاں صاحب ثاقب رضی اللہ عنہ نے افتتاح کالج کا قطعہ تاریخ لکھا کہ
بسالِ افتتاح کالج ما ندا آمد بہ ثاقب فیض فرقاں
۱۳۲۱ھ
(البدر ۱۰ ر جولائی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۹۹ کالم ۲)
۴؎ "الحکم ۲۴ ر جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۲ کالم ۳"۔

ہے اس لئے حضور تشریف نہیں لا سکتے۔ گو کہ اس سے ایک گونہ افسوس ہوا مگر وہ کلمات جو مولانا موصوف نے نیابتاً فرمائے اُن سے رُوح تازہ ہوگئی اور خداوند تعالیٰ کے فضل اور حضور کی دعاؤں کے بھروسہ پر کارروائی شروع کی گئی۔ جلسہ نہایت کامیابی سے تمام ہوا۔ اور کالج کی رسم افتتاح ہوگئی۔ اطلاعاً گزارش ہے۔ خداوند تعالےٰ حضور کو صحت عطا فرمائے۔ حضور نے دعا فرمائی ہوگی اب بھی استدعائے دُعا ہے۔ راقم محمد علی خاں"

حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے جواب

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس درخواست کے جواب میں اپنے قلم سے تحریر فرمایا کہ:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

محبی عزیزی اخویم نواب صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ رات سے مجھ کو دل کے مقام پر درد ہوتی تھی اس لئے حاضر نہیں ہو سکا۔ لیکن مَیں نے اسی حالت میں بیت الدعا میں نماز میں اس کالج کے لئے بہت دُعا کی۔ غالباً آپ کا وہ وقت اور میرے دعاؤں کا وقت ایک ہی ہوگا۔ خدا تعالےٰ قبول فرماوے۔ آمین، ثم آمین۔ والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ "[1]

تعلیم الاسلام کالج کے ابتدائی کوائف

تعلیم الاسلام کالج عہد حاضر میں اپنی طرز کا پہلا کالج تھا جہاں دنیوی اور رسمی علوم مروجہ کے ساتھ دینیات کی تعلیم کا معقول انتظام تھا اور اس کی خاص نگرانی کی جاتی تھی۔ اسی طرح کالج کے طلبہ کی اخلاقی اور مذہبی ترقی کے لئے مقدور بھر جدوجہد کی جاتی تھی۔ اس کالج کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے طلبہ امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاک اور خدا نما مجلس سے مستفیض ہوتے۔ بزرگ صحابہ کی زیر تربیت اپنے اوقات گذارتے اور مرکز احمدیت کی برکتوں سے حصہ وافر لیتے تھے۔[2]

کالج کے ڈائریکٹر حضرت نواب محمد علیخان صاحبؓ، پرنسپل حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ اور

---

[1] "الحکم" ۲۴ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰ تا ۱۳

[2] رسالہ "تعلیم الاسلام" قادیان جلد اول شمارہ ۶ صفحہ ۲۳۲

سپرنٹنڈنٹ حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھیروی ؓ تھے۔ کالج کے اولین اساتذہ چار تھے :-

۱۔ حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب بھیروی رضؓ (دینیات)

۲۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضؓ (عربی)

۳۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب بی۔اے رضؓ (انگریزی)

۴۔ جناب مولوی محمد علی صاحب بی۔اے۔ ایل ایل بی (ریاضی)[1]

کالج کے لازمی نصاب میں دینیات، عربی، انگریزی اور ریاضی کے علاوہ فارسی، فلاسفی اور تاریخ کے مضمون بھی شامل تھے[2] جو حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اور بعض دوسرے بزرگ پڑھاتے تھے۔[3]

طلبہ کالج کے اخراجات کا پیچیدہ مسئلہ

جماعت احمدیہ ان دنوں بالکل ابتدائی مراحل میں سے گذر رہی تھی۔ اس دَور میں مدرسہ تعلیم الاسلام کے اساتذہ کی تنخواہیں بھی بمشکل پوری ہو سکتی تھیں۔ اب جو مدرسہ کے ساتھ کالج کا اضافہ ہوا تو اس کے اربابِ حل و عقد کو کالج کے طلبہ کے اخراجات کی فکر بھی دامنگیر ہو گئی۔ چنانچہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے ہر شہر کی احمدی جماعتوں کو باہم مل جل کر مدرسہ اور کالج کے طلبہ کے لئے تین یا پانچ روپے کے "وظائف مساکین" مقرر کر لینے کی اپیل کی اور اس تعلق میں آپ نے تین بزرگوں کی فیاضانہ امداد کا تذکرہ خاص بھی کیا چنانچہ فرمایا :-

"اس جگہ مجھے تین بزرگوں کا شکریہ کے ساتھ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک تو استاذی المعظم مولانا مولوی نورالدین صاحب جو کئی طلباء کو وقتاً فوقتاً ماہواری اور یک مشت مدد دیا کرتے ہیں دوم مخدومی نواب محمد علیخاں صاحب جو اپنی جیب خاص سے مدرسہ کے چار طلباء کو ماہواری معقول وظیفہ دیتے ہیں اور تیسرے مکرم و مخدوم نواب فتح نواز جنگ مولوی مہدی حسن صاحب بیرسٹر ایٹ لاء لکھنؤ جنہوں نے کالج کے واسطے ایک مستقل وظیفہ مبلغ ۸؍ ماہوار کا مقرر کر دیا ہے جزاہم اللہ احسن الجزاء"[4]

---

[1] اخبار "الحکم" قادیان ۷ر فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۶ کالم ۱۔

[2] " " ۱۷ر مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۴ کالم ۱۔

[3] حضرت مولوی محمد دین صاحب بی۔اے (سابق مبلغ امریکہ) حال صدر صدر انجمن احمدیہ فرماتے ہیں :-
"غالباً درزی خانہ والا کمرہ کلاس روم تھا۔ مگر اس کے علاوہ پرانے صحن مدرسہ کا مشرقی کمرہ بھی استعمال ہوتا رہا۔ درزی خانہ کا اوپر والا کمرہ بھی بعض دفعہ لیکچروں اور بعض دفعہ کالج کے بورڈروں کی رہائش کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے" (اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۱۸۲ مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب۔ ایم۔اے طبع اول ۱۳۳۱ ہش / ۱۹۵۲ء)۔

[4] "البدر" ۷ر اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۳۱ کالم ۲۔

کالج میں داخل طلبہ کی ناداری اور تنگدستی کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جب ایف۔اے کے امتحان میں داخلہ بھجوانے کا موقع آیا تو چار طلبہ میں سے دو طالب علم داخلہ امتحان کی (۲۰ روپے) فیس تک ادا کرنے سے قاصر تھے جس پر اخبار "الحکم"[1] اور "البدر"[2] دونوں کو چندہ کی تحریک کرنا پڑی۔

کالج کے امید افزا نتائج

اگرچہ کالج کے لئے یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس کے طلباء پنجاب یونیورسٹی کے امتحان میں شریک ہوئے مگر جناب الٰہی کی یہ خاص عنایت ہوئی کہ جہاں یونیورسٹی کا نتیجہ قریباً اڑتیس فیصد تھا وہاں تعلیم الاسلام کالج کے نتائج کی اوسط پچھتر فیصدی یعنی چار طلبہ میں سے تین ایف اے میں کامیاب قرار پائے[3]۔ کالج کے اس امید افزا نتیجہ پر رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" (اردو) نے حسب ذیل نوٹ شائع کیا:-

"دو سال گذر چکے ہیں جب اس کالج کی بنیاد پہلے رکھی گئی تھی اور ابھی تک پبلک کو اس کی تعلیمی حالت کا صحیح اندازہ لگانے کا موقعہ نہ ملا تھا مگر ۱۹۰۵ء کے امتحان یونیورسٹی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ علاوہ دینی تعلیم اور تعلیم قرآن شریف کے جو اس کالج کے خاص اغراض میں سے ہے یہاں کی معمولی تعلیم بھی اعلیٰ درجہ کی ہے اور کالج کا سٹاف خصوصاً قابل تعریف ہے۔ اس سال اس کالج سے چار طالب علم امتحان ایف۔اے میں شامل ہوئے تھے جن میں سے تین کامیاب ہوئے جہاں عام طور پر ایف اے کے امتحان میں ۳۸ فی صدی طالب علم پاس ہوئے ہیں اور بڑے بڑے مشہور کالجوں میں بھی نصف کے قریب قریب ہی تعداد پاس شدگان کی ہے۔ ہمارے کالج کا نتیجہ ۷۵ فیصدی کامیاب بتاتا ہے۔ . . . زمانہ کی زہرناک ہواؤں کے اثر سے بچنے کے لئے یہ جگہ خدا کے فضل سے نہایت عمدہ ہے"[4]

یونیورسٹی ایکٹ کا نفاذ اور کالج کی بندش

تعلیم الاسلام کالج کی نئی فرسٹ ایر کلاس ۵ مئی ۱۹۰۵ء کو کھول دی گئی[5] مگر لارڈ کرزن وائسرائے ہند کی طرف سے یونیورسٹی ایکٹ نافذ کر دیا گیا جس کی رُو حکومت کو یونیورسٹیوں کے معاملات میں مداخلت کے وسیع اختیارات مل گئے نیز یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ آئندہ کالجوں کے الحاق کی منظوری کالجوں کی مستحکم مالی حیثیت، ٹرینڈ سٹاف اور

---

[1] مورخہ ۲۴/۲۴ دسمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۸ و ۱۰ جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۹۔ [2] مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۱۔ اس چندہ میں حصہ لینے والے بزرگوں کے اسماء گرامی اخبار "الحکم" ۲۴ جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۱ کالم ۲ میں شائع شدہ ہیں۔
[3] اخبار "بدر" ۲۰ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۱ میں پاس ہونے والوں کے نام درج ہیں۔ [4]،[5] "ریویو آف ریلیجنز" اردو بابت ماہ مئی ۱۹۰۵ء سرورق صفحہ ۲۔

مستقل عمارت ہونے کی صورت میں ہی دی جا سکے گی۔[1] ان شرائط کی موجودگی میں ایک غریب جماعت کے لئے کسی کالج کا جاری رکھنا نہایت دشوار تھا لہذا اسے بند کر دینا پڑا۔

مگر جیسا کہ آئندہ حالات نے بتا دیا دراصل خدائے علیم و خبیر نے اپنی حکمت کاملہ سے اس جماعتی اور قومی ضرورت کی تکمیل حُسن و احسان میں حضرت مسیح موعود و مہدی معہود کے مثیل و نظیر کے ساتھ وابستہ کر دی تھی اس لئے خلافت ثانیہ کے عہد میں یہ کام نہایت شان و شوکت کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچا۔

فصل دوم

دَورِ مُصلح موعُود میں کالج کا ازسرِنَو قیام اور دوبارہ اِفتِتاح

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اپنے خلیفہ منتخب ہونے کے چند ہفتے بعد ۱۲ اپریل ۱۹۱۴ء کو قادیان میں نمائندگانِ جماعت کا جو سب سے پہلا مشاورتی اجلاس بُلوایا۔ اس میں اپنی اس دلی آرزو کا بھی اظہار فرمایا کہ:۔

"اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ہمارا اپنا ایک کالج ہو۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول کی بھی یہ خواہش تھی۔ کالج ہی کے دنوں میں کیریکٹر بنتا ہے۔ سکول لائف میں تو چال چلن کا ایک خاکہ کھینچا جاتا ہے۔ اس پر دوبارہ سیاہی کالج لائف ہی میں ہوتی ہے۔ پس ضرورت ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کی زندگیوں کو مفید اور مؤثر بنانے کے لئے اپنا ایک کالج بنائیں۔ پس تم اس بات کو مدنظر رکھو میں بھی غور کر رہا ہوں"[2]

اس عزم بالجزم کے بعد رُبع صدی سے زائد عرصہ گذر گیا مگر قیام کالج کیلئے حالات سازگار نہ ہو سکے۔

---

[1] ملاحظہ ہو یونیورسٹی ایکٹ ۱۹۰۴ء دفعہ ۲۱۔

[2] "منصب خلافت" صفحہ ۳۷ طبع اول مطبوعہ اللہ بخش سٹیم پریس قادیان۔

اپریل ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء میں تیئسویں[۲۳] مجلس مشاورت کا انعقاد ہوا جس میں جماعت احمدیہ امین آباد ضلع گوجرانوالہ کے نمائندہ ملک مبارک احمد خاں صاحب امین آبادی . . . . نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں بجٹ پر عام بحث کے دوران یہ عرض کی کہ

"قادیان میں ایف۔ اے کلاس کھول دی جائے تو بہت بہتر ہو۔ یہ کالج جامعہ احمدیہ کی ایک شاخ کے طور پر کھولا جائے کیونکہ ضلع گورداسپور میں کوئی کالج نہیں اس لئے بہت مفید ثابت ہوگا"[۱]

اس مخلصانہ تحریک کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت بخشا اور حضور کے دل میں یکایک القاء ہوا کہ وقت آگیا ہے کہ قادیان میں کالج جلد سے جلد کھول دیا جائے چنانچہ حضور نے ۲۶ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو فرمایا:-

"خدا تعالیٰ کی حکمت ہے ایک لمبے عرصہ تک میری اس طرف توجہ ہی نہیں ہوئی کہ قادیان میں ہمارا اپنا کالج ہونا چاہیئے۔ بلکہ ایسا ہوا کہ بعض لوگوں نے کالج کے قیام کے متعلق کوشش بھی کی تو میں نے انہیں کہا کہ ابھی اس کی ضرورت نہیں۔ کالج پر بہت روپیہ خرچ ہوگا۔ لیکن پچھلے سال مجلس شوریٰ کے موقع پر بجٹ کے بعد یکدم جب بعض دوسرے لوگوں نے تحریک کی تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ تحریک پیدا کر دی کہ واقعہ میں قادیان میں جلد سے جلد ہمیں اپنا کالج کھول دینا چاہیئے حالانکہ اس وقت تک نہ صرف اس تحریک کا میرے دل میں کوئی خیال نہیں تھا بلکہ جب بھی کسی نے ایسی تحریک کی میں نے اس کی مخالفت کی۔ لیکن اس وقت یکدم خدا تعالیٰ نے میرے دل میں اس خیال کی تائید پیدا کر دی اور نہ صرف تحریک پیدا کی بلکہ بعد میں اس تحریک کے فوائد اور نتائج بھی سمجھا دیئے"[۲]

چنانچہ حضرت امیر المومنین نے مجلس مشاورت کے چند دن بعد جب بجٹ کی مخصوص سب کمیٹی کے اجلاس میں قیام کالج کی تحریک فرمائی تو خدا تعالیٰ نے اپنے مقدس اور برگزیدہ خلیفہ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے سرسری اور مختصر الفاظ کو غیر معمولی قبولیت بخشی اور اجلاس میں حاضر چند گنتی کے اصحاب ہی نے کئی ہزار روپیہ نقد پیش کر دیا۔[۳]

۱؎ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱۲۶۔

۲؎ "الفضل" ۳۱ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۳۔

۳؎ "الفضل" ۷ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔

کالج کمیٹی کا تقرر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس عمومی تحریک کے معاً بعد پہلا قدم یہ اُٹھایا کہ قیام کالج کے منصوبہ کو جلد سے جلد پایہ تکمیل تک پہنچانے اور اس کو جاری کرنے کے انتظامات کی انجام دہی کے لئے ایک کمیٹی مقرر فرمائی اور حسب ذیل اصحاب کو اس کا ممبر تجویز فرمایا :-

۱- قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے (صدر)

۲- حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔اے (آکسن)

۳- حضرت مولوی محمد دین صاحب بی۔اے

۴- قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔اے

۵- ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے (سیکرٹری)[1]

حکومت پنجاب سے منظوری

کالج کمیٹی کی تشکیل کے معاً بعد قیام کالج کے لئے حکومت سے اجازت لینے کا مرحلہ شروع ہوا۔ اس سلسلہ میں ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے سیکرٹری کالج کمیٹی کو ارشاد ہوا کہ وہ لاہور جا کر کوشش کریں کہ اگر ممکن ہو تو یونیورسٹی کے ۱۹۴۳ء (۱۳۲۲ ہش) کے تعلیمی سال (SESSION) شروع ہوتے ہی احمدیہ کالج کے اجراء کی اجازت مل جائے۔ لیکن وقت بہت تنگ تھا اور حکومت سے منظوری بہت سے مراحل طے کرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی تھی اس لئے اس سال تو کالج کا قیام عمل میں نہ آسکا تاہم اگلے سال ۲۲ صلح/جنوری ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو پنجاب یونیورسٹی کا ایک

---

[1] یہ کمیٹی نہایت مفید اور قابل قدر انتظامی خدمات انجام دینے کے بعد ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء کو مجلس تعلیم میں مدغم کر دی گئی جس کے صدر بھی قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ہی تھے۔ نیز فیصلہ ہوا کہ :-

"(الف) آئندہ کالج کمیٹی کے ایسے ممبران جو اس وقت تک مجلس تعلیم کے ممبر نہیں مجلس تعلیم کے ممبر ہوں گے۔

(ب) کالج کے عملی کام کے لئے ایک سب کمیٹی مشتمل بر حضرت میاں بشیر احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے اور مولوی ابو العطاء صاحب ہوگی جس کے سیکرٹری ملک غلام فرید صاحب اور اسسٹنٹ سیکرٹری مولوی ابو العطاء صاحب ہوں گے۔ (ج) یہ سب کمیٹی کالج کے جملہ تفصیلی کام سرانجام دے گی۔ البتہ بجٹ اور اصولی قواعد اور استثنائی فیصلہ جات اور مزید کلاسز کا اجراء مجلس تعلیم میں پیش ہوں گے"

۱۹ تبلیغ/فروری ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو اس نئی کمیٹی کے ممبران میں حضرت مرزا شریف احمد صاحب کا اضافہ کیا گیا مگر ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء میں یہ نظام عمل بھی بدل دیا گیا اور ۲۸ امان/مارچ ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء کو فیصلہ ہوا کہ "آئندہ تعلیم الاسلام کالج کے متعلق مجلس تعلیم کا کام صرف اس حد تک محدود ہوگا جو دینیات کا نصاب مقرر کرنے اور دینیات کا امتحان لینے سے تعلق رکھتا ہے نظم و نسق کا سارا کام صدر انجمن احمدیہ کی طرف منتقل کر دیا جائے۔"

۱۳۳۲ ہش/۱۹۵۳ء میں جبکہ مجلس تعلیم کا وجود عملاً قائم نہ رہا دینیات کے امتحان والا حصہ خود بخود نظارت تعلیم سے متعلق ہو گیا۔

کمیشن موقعہ پر حالات کا معائنہ کرنے کے لئے قادیان پہنچا جس نے تعلیم الاسلام ہائی سکول کی عالیشان عمارت اور وسیع اراضیات دیکھ کر یونیورسٹی میں کالج کی منظوری دیئے جانے کی سفارش کر دی۔ یونیورسٹی نے مطالبہ کیا کہ پینتالیس ہزار روپیہ نقد مجوزہ احمدیہ کالج کے نام پر کسی بینک میں جمع کیا جائے۔ جماعت احمدیہ نے یہ مطالبہ پورا کر دیا تو پنجاب یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ (SYNDICATE) نے ۱۱ فروری ۱۹۴۴ء کے اجلاس میں یونیورسٹی کی سینیٹ (SENATE) کے پاس یہ سفارش کی کہ احمدیہ کالج کی منظوری دے دی جائے۔ سینیٹ (SENATE) نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۵ مارچ ۱۹۴۴ء (۲۵ امان ۱۳۲۳ہش) میں مطلوبہ منظوری دے کر آخری منظوری کے لئے حکومت کے پاس سفارش کر دی اور ۲ جون ۱۹۴۴ء کو یونیورسٹی کی طرف سے بذریعہ تار اطلاع موصول ہوئی کہ حکومت نے کالج کے اجراء کی منظوری دے دی ہے۔[۱]

قیام کالج کے اخراجات کا تخمینہ اور ابتدائی انتظامات

کالج کمیٹی نے پنجاب یونیورسٹی کی انتظامیہ کی طرف سے احمدیہ کالج کی منظوری کی اطلاع ملتے ہی ایک طرف "الفضل" (۵ امان ۱۳۲۳ہش) میں اس کا اعلان کر دیا دوسری طرف سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے حضور کالج کے بنیادی اور ابتدائی اخراجات کے لئے ستر ہزار روپیہ کا بجٹ پیش کیا جسے حضور نے منظور فرما لیا۔ حضور نے کالج کا نام "تعلیم الاسلام کالج" تجویز کیا اور فیصلہ فرمایا کہ یہ کالج تعلیم الاسلام ہائی سکول کی عمارت میں کھولا جائے اور اس میں نویں دسویں جماعت کے ساتھ ایف۔ اے کلاسز جاری کی جائیں اور مڈل کی جماعتوں کے لئے الگ عمارت تعمیر کی جائے۔ کالج کے ساتھ ہوسٹل کا قیام بھی ضروری تھا۔ اس غرض کے لئے تعلیم الاسلام سکول کے وسیع بورڈنگ ہاؤس اور جامعہ احمدیہ کی عمارت تجویز کی گئی۔[۲] کالج کے سٹاف کی بابت یہ اصولی فیصلہ ہوا کہ کچھ عملہ تعلیم الاسلام سکول سے لیا جائے اور کچھ باہر سے مہیا کیا جائے

حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے اخراجاتِ کالج کی تحریک اور مخلصینِ جماعت کی قربانی

کالج کے ابتدائی انتظامات کے لئے جو رقم کالج کمیٹی کو دی گئی وہ قرض تھی جس کی جلد ادائیگی ضروری تھی[۳] اس لئے حضرت اقدس المصلح الموعود نے ۲۴ امان/ماریچ

---

[۱] "الفضل" ۶ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ (رپورٹ نوشتہ ملک غلام فرید صاحب ایم اے سیکرٹری کالج کمیٹی)۔

[۲] یہ سب تفصیلات کالج کمیٹی کی رپورٹ مورخہ ۱۶ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں موجود ہیں۔

[۳] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۵۵۔

۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ کو خطبہ جمعہ میں[1] اور ۹؍ شہادت/اپریل کو مجلس مشاورت کے دوران ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی پُرزور تحریک فرمائی[2] اور اس کالج کی افادیت و اہمیت پر نہایت مؤثر رنگ میں روشنی ڈالی۔ اس تحریک کا خدا کے فضل و کرم سے مخلصین جماعت کی طرف سے پُرجوش خیر مقدم کیا گیا اور ایک خطیر رقم اس مد میں جمع ہو گئی۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی قابلِ تقلید مثال خود حضرت امام ہمام کی تھی۔ آپ نے کالج کی منظوری دیتے ہی پہلے اپنی طرف سے پانچ ہزار کا چیک عطا فرمایا اور پھر جلد ہی اپنے جملہ اہلبیت کی طرف سے چھ ہزار روپے عنایت فرما دیئے۔[3]

کالج کے مجوزہ ڈھانچہ کی تشکیل کیلئے فوری اقدامات

اب تعلیم الاسلام کالج سے متعلق بنیادی فیصلوں پر عملی اقدام کا پہلا مرحلہ شروع ہوا۔ اس سلسلہ میں حضرت مرزا شریف احمد صاحب ناظر تعلیم و تربیت نے ۲؍ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ کو ہیڈ ماسٹر[4] تعلیم الاسلام ہائی سکول کے نام درج ذیل حکمنامہ جاری فرمایا:-

"چونکہ عنقریب تعلیم الاسلام کالج کھلنے والا ہے اور اس کے کھلنے پر سکول ہذا کی ہائی کلاسز کالج کے ساتھ ملا دی جائیں گی اس لئے آج سے سکول کے مڈل کے حصّہ کو ہائی کے حصہ سے جدا کیا جاتا ہے ہائی کے حصہ کے انچارج بدستور اخوند عبدالقادر صاحب ایم۔ اے رہیں گے اور فی الحال حصہ مڈل کے انچارج صوفی غلام محمد صاحب B.Sc B.T ہوں گے۔ اخوند عبدالقادر صاحب سکول کے مڈل اور پرائمری کے حصّہ کا چارج صوفی صاحب موصوف کو دے دیں۔ سکول کے موجودہ سٹاف میں سے اخوند عبدالقادر صاحب کے علاوہ مندرجہ ذیل اساتذہ ہائی کے حصہ میں ہی فی الحال کام کریں گے۔ ماسٹر علی محمد صاحب بی اے بی ٹی، صوفی محمد ابراہیم صاحب B.Sc. B.T، ماسٹر محمد ابراہیم صاحب B.A. S.A.V، ماسٹر محمد ابراہیم صاحب ناصر B.A. B.T اور بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔ اے"

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی نظر میں کالج کا تاریخی پس منظر

صدر کالج کمیٹی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے "الفضل" ۱۸؍ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء میں "ہمارا تعلیم الاسلام کالج" کے عنوان سے ایک نہایت اہم مضمون

[1] "الفضل" ۲۱؍ امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ صفحہ ۶-۷۔ [2] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ صفحہ ۱۵۵ تا ۱۵۹۔
[3] "الفضل" ۷؍ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ صفحہ ۶ کالم ۳-۴۔ [4] اخوند عبدالقادر صاحب ایم۔ اے

سپرد قلم فرمایا جس میں اس نئے مرکزی ادارہ کے خصائص پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ

"سب سے پہلی خصوصیت جو اس کالج کو حاصل ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرف خاص کے ماتحت اس کے اجراء کو تاریخ احمدیت کے اس زمانہ کے ساتھ پیوند کر دیا ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے دعوئے مصلح موعود کے ماتحت جماعت کے ایک نئے دَور کا حکم رکھتا ہے گویا منجملہ دوسری مبارک تحریکات کے جو اس وقت جماعت کے سامنے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس کالج کو بھی نئے دَور کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بنا دیا ہے اور اس طرح یہ کالج خدا کے فضل سے گویا اپنے جنم کے ساتھ ہی اپنے ساتھ خاص برکت و سعادت کا پیغام لا رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

دوسری خصوصیت اس کالج کو خدا تعالیٰ نے یہ دے دی ہے کہ وہ تاریخ عالم کے لحاظ سے بھی موجودہ جنگ عظیم کے آخری حصہ میں عالم وجود میں آ رہا ہے اور جنگ کا یہ حصہ وہ ہے جبکہ دُنیا کے بہترین سیاسی مدبر دنیا کے بعد الحرب نئے نظام کے متعلق بڑے غور و خوض سے تجویزیں سوچ رہے اور غیر معمولی اقدامات عمل میں لا رہے ہیں۔ اس لحاظ سے ہمارا یہ کالج دو عظیم الشان دینی اور دنیوی تحریکوں کے ساتھ اس طرح مربوط ہو گیا ہے کہ ایک الٰہی جماعت جو ہر امر میں خدائی تقدیر کا ہاتھ دیکھنے کی عادی ہوتی ہے اُسے محض ایک اتفاق قرار دے کر نظر انداز نہیں کر سکتی"[1]

المصلح الموعودؓ کی زبان مبارک سے تعلیم الاسلام کالج کے لئے طلبہ بھجوانے کی تحریک

کالج کی ابتداء چونکہ انتظامی اعتبار سے یکم ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء سے ہو چکی تھی اس لئے سیدنا حضرت المصلح الموعود نے ۵ ہجرت ۱۳۲۳ہش کے خطبہ جمعہ میں احباب جماعت کو توجہ دلائی کہ

"کالج شروع کر دیا گیا ہے۔ پروفیسر بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے مل گئے ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ چندہ جمع کیا جائے اور لڑکوں کو اس میں تعلیم کے لئے بھجوایا جائے۔ ہر وہ احمدی جس کے شہر میں کالج نہیں وہ اگر اپنے لڑکے کو کسی اور شہر میں تعلیم کے لئے بھیجتا ہے تو کمزوری

---

[1] "الفضل" ۸ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲

ایمان کا مظاہرہ کرتا ہے۔ بلکہ مَیں کہوں گا ہر وہ احمدی جو توفیق رکھتا ہے کہ اپنے لڑکے کو تعلیم کے لئے قادیان بھیج سکے خواہ اس کے گھر میں ہی کالج ہو اگر وہ نہیں بھیجتا اور اپنے ہی شہر میں تعلیم دلواتا ہے تو وہ بھی ایمان کی کمزوری کا مظاہرہ کرتا ہے" [1]

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا تقرر بحیثیت پرنسپل

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے کالج کمیٹی کی تجویز پر ۷/ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا تقرر بطور پرنسپل منظور فرمایا۔

جناب پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد (حال ناظر بیت المال آمد صدر انجمن احمدیہ ربوہ) کا بیان ہے:۔

"۱۹۴۴ء کے ابتدائی ایام میں محترم حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب محترمہ بیگم صاحبہ کے علاج کے سلسلہ میں دہلی مقیم تھے ایک بزرگ نے مجھ سے ذکر کیا کہ ان دنوں تعلیم الاسلام کالج کے انتظامات ہو رہے ہیں اور پرنسپل کے تقرر کا سوال ہے انہیں لکھو کہ وہ اس موقعہ پر یہاں تشریف لے آئیں۔ مَیں نے ناسمجھی میں آپ کی خدمت میں ایک عریضہ تحریر کر دیا۔ چند دن کے بعد جواب موصول ہوا جس کا مفہوم یہ تھا کہ خالد! تم بچپن سے میرے ساتھ رہے ہو ابھی تک تمہیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ مَیں نے کبھی کسی عہدہ کی خواہش نہیں کی مَیں تو ادنیٰ خادم سلسلہ ہوں"

کالج کا پہلا سٹاف

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (پرنسپل و لیکچرار اقتصادیات) کے علاوہ ابتداء میں حسب ذیل اساتذہ کا تقرر عمل میں آیا:۔

۱۔ اخوند محمد عبدالقادر صاحب ایم۔اے۔بی۔ٹی [2] (لیکچرار انگریزی)

۲۔ قاضی محمد نذیر صاحب منشی فاضل مولوی فاضل ایف۔اے۔او۔ٹی [3] (لیکچرار فارسی و دینیات)

۳۔ صوفی بشارت الرحمن صاحب ایم۔اے [4] (لیکچرار عربی)

۴۔ رانا عبدالرحمن صاحب ناصر ایم۔اے ریاضی [5] (لیکچرار ریاضی)

---

[1] الفضل ۲۰ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۲-۳

[2] ولادت: ۲۳ جنوری ۱۹۰۷ء، وفات: ۱۳۳۷ہش/۱۹۵۸ء۔ ۱۴ احسان/جون ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء سے صدر انجمن قادیان کی ملازمت میں آئے۔ [3] ولادت: ۳ ستمبر ۱۸۹۸ء۔ یکم مئی ۱۹۳۷ء سے صدر انجمن احمدیہ قادیان کے کارکنوں میں شامل ہوئے۔ [4] ولادت: ۸ دسمبر ۱۹۰۲ء۔ ۱۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء سے تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ٹیچر کی حیثیت سے خدمت سلسلہ کا آغاز کیا۔ [5] ولادت ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۶ء۔ ۱۰ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو لیکچرار مقرر ہوئے۔

۵۔ عباس بن عبدالقادر صاحب [۱] (لیکچرار تاریخ)

۶۔ چودھری محمد علی صاحب ایم۔اے [۲] (لیکچرار فلاسفی)

(آپ سے قبل عبدالعزیز صاحب [۳] ایم۔اے بھکوالوی فلاسفی کے لیکچرار مقرر تھے جو ۱۰ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو انتقال کر گئے جس پر ۲۶ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو آپ کا انتخاب ہوا)

۷۔ چوہدری عبدالاحد صاحب ایم۔ایس سی۔پی ایچ ڈی [۴] (لیکچرار کیمسٹری)

اس سٹاف میں وقتاً فوقتاً ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء تک مندرجہ ذیل اساتذہ کا اضافہ ہوا :-

نام	تاریخ تقرر	مضمون	کیفیت
۱۔ مکرم عطاء الرحمٰن صاحب غنی ایم۔اے	ماہ احسان/جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء	فزکس	
۲۔ " یحییٰ بن عیسیٰ صاحب بہاری ایم ایس سی	ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء		ہجرت/مئی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء تک خدمت کرتے رہے
۳۔ " میاں عطاء الرحمٰن صاحب ایم ایس سی	ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء		
۴۔ " چوہدری محمد صفدر صاحب چوہان	ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء		
۵۔ " شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم اے بی ٹی [۵]	"	"	
۶۔ " ملک فیض الرحمٰن صاحب فیضی ایم اے	ماہ اخاء/اکتوبر	"	
۷۔ " حبیب اللہ خاں صاحب ایم ایس سی	ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء		اب تک پروفیسر ہیں
۸۔ " سید سلطان محمود صاحب شاہد ایم ایس سی	ماہ وفا/جولائی	"	یحییٰ بن عیسیٰ صاحب کی جگہ سیرت سے کالج میں منتقل ہوئے

[۱] ولادت: یکم جنوری ۱۹۱۰ء، ۲۸ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو لیکچرار مقرر کئے گئے۔ [۲] ولادت: ۱۱ جنوری ۱۹۲۰ء تقرر: احسان/جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء۔

[۳] مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیم صحابی حضرت حافظ محمد امین صاحب کے فرزند تھے۔ سرکاری ملازمت چھوڑ کر خدمت دین کے لئے زندگی وقف کر دی تھی۔ اور قادیان آ گئے تھے۔ ماہنامہ "ریویو آف ریلیجنز" (اردو) میں "حقانی ایم۔اے" کے قلمی نام سے جو معلومات افزا مضامین اس زمانہ میں شائع ہوئے وہ انہی کے زور قلم کا نتیجہ تھے (الفضل ۱۳ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۱)۔

[۴] کالج کمیٹی کا فیصلہ یہ تھا کہ "کیمسٹری کے مستقل لیکچرار کے قادیان پہنچنے تک چوہدری عبدالاحد صاحب بطور لیکچرار کیمسٹری تعلیم الاسلام کالج میں کام کریں گے" اس فیصلہ کے مطابق ۱۲ احسان/جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء سے انہوں نے کیمسٹری کی کلاسیں لینا شروع کر دیں یہانتک کہ کیمسٹری کے پہلے لیکچرار پہنچ گئے۔

[۵] یکم جون ۱۹۳۶ء کو صدر انجمن احمدیہ قادیان میں آئے۔ نصرت گرلز ہائی سکول پھر جامعہ احمدیہ اور ہائی سکول میں بہترین تعلیمی فرائض بجا لانے کے بعد کالج سٹاف میں شامل ہوئے۔ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۴۸ ہش/۱۹۶۹ء کو کالج سے ریٹائر ہو کر ناظر بیت المال آمد کے عہدہ پر ممتاز کئے گئے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا بحیثیت پرنسپل چارج

اگرچہ تعلیم الاسلام کالج کا انتظامی نقطۂ نگاہ سے اجراء ماہ ہجرت / مئی ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کے ابتدائی ایام میں ہو چکا تھا مگر انٹرمیڈیٹ کالج کی صورت میں اس کا باقاعدہ قیام ۲۲ / ماہ ہجرت کو ہوا جبکہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے جامعہ احمدیہ کا چارج مولانا ابوالعطاء صاحب کو دے کر تعلیم الاسلام کالج کی باگ ڈور سنبھال لی۔ اور ساتھ ہی سکول کی نویں دسویں کی کلاسیں چند دنوں تک کالج کے ساتھ رہنے کے بعد باقاعدہ سکول کے ساتھ ملحق کر دی گئیں اور کالج صرف انٹرمیڈیٹ کالج رہا۔

پہلے پراسپکٹس، داخلہ فارم اور پوسٹر کی اشاعت

کالج کو کامیابی سے جاری کرنے کے لئے اشد ضروری تھا کہ اُسے قادیان کے گرد و نواح میں خصوصاً متعارف کرایا جائے اور اس کی افادیت عوام پر واضح کی جائے۔ کالج کمیٹی نے ابتداء میں یہ ذمہ داری خود ہی اُٹھائی اور نہ صرف اخبار "الفضل" میں کالج سے متعلق متعدد اعلانات شائع کئے گئے بلکہ کالج کے پہلے پراسپکٹس[1] اور داخلہ فارم کے علاوہ "اہالیان ضلع گورداسپور کے لئے ایک خوشخبری" کے عنوان سے ایک پوسٹر بھی شائع کیا اور اُسے ضلع بھر کے ہائی سکولوں کے ہیڈ ماسٹروں اور دیگر معززین تک پہنچانے کا معقول انتظام کیا۔ مقامی تبلیغ کے مبلغوں سے بھی اس کام میں مدد لی گئی۔ اس ابتدائی کوشش کے بعد داخلہ کالج سے متعلق اعلانات اخبار "الفضل"، "ڈان"، "انقلاب" اور دوسرے ملکی اخبارات میں براہ راست پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کی طرف سے بھجوائے جانے لگے۔

طلباء کا انٹرویو

اس سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی طرف سے تعلیم الاسلام کالج سے متعلق پہلا اعلان "الفضل" ۲۴ / ہجرت / مئی ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کے صفحہ ۸ کالم ۱ پر شائع ہوا جس میں احباب جماعت کو سیدنا المصلح الموعود کے الفاظ میں کالج کے چندہ اور داخلہ کی اپیل کرنے کے بعد اطلاع دی گئی کہ:-

> "ایف اے اور ایف ایس سی نان میڈیکل کے داخلہ کے لئے درخواستیں ۲۷ / مئی تک پہنچ جانی چاہئیں۔ انٹرویو کے لئے ۲۹، ۳۰، ۳۱ مئی کی تاریخیں مقرر کی جاتی ہیں"

اس اعلان کے مطابق قادیان اور بیرون جات سے آنے والے طلباء کا انٹرویو ۲۹ / ہجرت / مئی ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء سے شروع ہوا جو تین روز جاری رہا۔ انٹرویو میں جملہ موجود الوقت لیکچرار صاحبان نے بصورت بورڈ شرکت

---

[1] یہ پراسپکٹس انگریزی میں تھا جس کا اردو ترجمہ اس کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ منسلک ہے۔ "الفضل" ۲۱ / ہجرت / مئی ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء میں اس کے شائع ہونے کی اطلاع ہے۔

کی۔ کالج کی ابتدائی حالت کے پیش نظر یہ خیال رکھا گیا کہ زیادہ سے زیادہ طلبہ کو لیا جائے۔ داخلہ کی آخری تاریخ ۸ احسان/جون مقرر تھی۔ پہلے سال ۸۰ طلبہ نے داخلہ لیا۔

ہائی کلاسز کے دوبارہ سکول کی طرف منتقل ہونے کی وجہ سے کالج کے پاس سکول کی بلڈنگ کے کچھ حصّہ کے سوا اور کسی قسم کا کوئی سامان نہ تھا کہ طلبہ کے لئے ڈیسک اور بنچ، پروفیسر صاحبان کے لئے کرسیاں، میزیں، اور کلاس رُومز کے لئے بلیک بورڈ تک موجود نہ تھے۔ فوری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے دفتر خدام الاحمدیہ سے دو۲ میزیں، بارہ۱۲ کرسیاں اور ہائی سکول سے ۱۲۰ طلبہ کے لئے نشستوں کا انتظام کیا گیا۔[۱]

فضل عمر ہوسٹل کا قیام

۲۶ ہجرت[۲]/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو فضل عمر ہوسٹل کا قیام دارالانوار کے گیسٹ ہاؤس میں ہوا۔ سیدنا المصلح الموعود نے چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے کو اس کا سپرنٹنڈنٹ مقرر فرمایا۔ اس مرکزی دارالاقامہ کی ابتداء انتہائی مختصر صورت میں ہوئی۔ تین کمرے ہوسٹل کے لئے خالی کر دیئے گئے۔ نہ چارپائیاں تھیں نہ باورچی خانہ کا انتظام۔ محلہ والوں سے چارپائیاں مانگی گئیں۔ اور کھانے کا انتظام پہلے مدرسہ احمدیہ کے بورڈنگ ہاؤس میں کیا پڑتا۔ دو ہفتہ بعد دارالواقفین کے مطبخ کی طرف رجوع کیا گیا۔ اسی اثناء میں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے بکمال شفقت اپنی کوٹھی بیت الحمد کے کچن کو استعمال میں لانے کی اجازت دی جہاں کھانا باقاعدہ تیار ہونے لگا۔ جب طلبہ کی تعداد اندازہ سے بڑھ گئی تو کالج کمیٹی نے "ترجمۃ القرآن" والا کمرہ بھی خالی کر دیا لیکن اب بھی طالب علموں کی رہائش کا مسئلہ حل نہ ہوا۔ جس پر سیدنا المصلح الموعود کی خدمت بابرکت میں بیت الحمد کے تین کمروں کو زیر استعمال لانے کی درخواست کی گئی جو حضور نے قبول فرمالی۔ اس طرح گو رہائش کی مشکلات پر قابو پا لیا گیا مگر ہوسٹل دو حصّوں میں تقسیم ہو جانے سے طلبہ کی تسلی بخش نگرانی میں نمایاں خلل آنے لگا۔ تاہم ہوسٹل کے اکثر و بیشتر طلبہ عموماً نمازوں کی پابندی کرتے اور درسِ قرآن سنتے تھے۔ نماز مغرب مسجد مبارک میں پڑھتے اور اس کے بعد سیدنا المصلح الموعود کی مجلس علم و عرفان سے مستفیض ہوتے تھے جو رُوحانی اعتبار سے ان کے لئے سرمایۂ

---

[۱] حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج قادیان نے ۲۰ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو امیرالمومنین حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے حضور کالج کی پہلی رپورٹ ارسال کی۔ یہ معلومات اسی رپورٹ سے ماخوذ ہیں۔

[۲] اسی روز ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے نے پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج کی خدمت میں اطلاع دی کہ "تعلیم الاسلام کالج کمیٹی نے اپنے اجلاس مورخہ ۲۱ میں یہ تجویز پاس کی تھی کہ گیسٹ ہاؤس واقع دارالانوار کو تعلیم الاسلام کالج کے ہوسٹل کے طور پر استعمال کیا جائے۔ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ نے کمیٹی کی اس تجویز کو منظور فرما لیا ہے۔ اس لئے آپ متعلقہ افسران سے مل کر اس عمارت کو اپنے زیر انتظام کر لیں" (فائل کالج کمیٹی)

حیات کی حیثیت رکھتی تھی۔ حضرت امیر المومنین کے ارشادات کے پیش نظر اس امر کا التزام کیا جاتا تھا۔ کہ ہوسٹل میں ایسی فضا قائم ہو جائے کہ بجائے اس کے کہ سپرنٹنڈنٹ یا ٹیوٹر طلبار کو ان کی کسی غلط روش یا بے راہروی پر نوٹس لیں لڑکے خود ہی ایک دوسرے کو نصیحت کریں۔ اسی ابتدائی دور میں اردو اور انگریزی تقاریر کی مشق کے لئے فضل عمر ہوسٹل یونین کی نیو ڈالی گئی جس کا باقاعدہ افتتاح حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے فرمایا اور اس کے ابتدائی اجلاسوں میں حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب بالقابہ، حضرت چوہدری ابوالہاشم خاں صاحب اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے بھی خطاب فرمایا۔[۵۱] انہی دنوں "بزمِ حسنِ بیان" کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ ہوسٹل یونین کی طرف سے مختلف زبانوں میں ترجمہ قرآن کے لئے وعدے بھجوائے گئے۔ یونین کے اجلاسوں میں زندگی وقف کرنے کی تحریک کی گئی نیز حضرت امیر المومنین کے تازہ ارشادات و فرمودات اور دیگر جماعتی مطالبات طلبار کے سامنے دوہرا کر ان کو لبیک کہنے کی تلقین کی جاتی تھی۔[۵۲] ہوسٹل کے سب سے پہلے ٹیوٹر پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے مقرر ہوئے۔ چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے سپرنٹنڈنٹ فضل عمر ہوسٹل اپنے ایک غیر مطبوعہ بیان (مورخہ ۲۶ نبوت/نومبر ۱۳۴۷ھش/۱۹۶۸ء) میں ہوسٹل کے ابتدائی حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہوسٹل کا قیام گیسٹ ہاؤس دارالانوار والی عمارت میں عمل میں آیا۔ ایک کمرے میں دفتر تھا۔ وہی سٹور تھا۔ وہیں میں رہتا تھا۔ چند روز تو کھانا لنگر سے آیا۔ پھر کھانا ہم خود پکانے لگے۔ ہمارے پہلے باورچی غلام محمد صاحب تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا تقریباً روزانہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ کی کوٹھی پیدل مع خادمات تشریف لے جایا کرتی تھیں اور برقعے کے ساتھ چھتری بھی استعمال فرمایا کرتی تھیں۔ دو تین دن تو ہم حجاب میں رہے۔ ایک دن ہمت کر کے راستے میں گیسٹ ہاؤس کے سامنے قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے اور سلام عرض کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ایک ایک کا نام اور پتہ دریافت فرمایا .... نیز پوچھا کہ کھانے کا کیا انتظام ہے۔ عرض

---

[۵۱] اخبار "الفضل" میں بھی گاہے گاہے اس یونین کی سرگرمیوں کی خبریں شائع ہوتی رہی ہیں۔

[۵۲] رپورٹ فضل عمر ہوسٹل از ہجرت/مئی ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء تا ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء (نوشتہ چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے) سے ملخصاً۔ اصل رپورٹ تعلیم الاسلام کالج کے ریکارڈ میں موجود ہے۔

کی کہ ابھی تو لنگر خانے سے آتا ہے۔ برتن وغیرہ نہیں خریدے گئے اس لئے پکنا شروع نہیں ہوا۔ اسی دن حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے جو واقعی ہماری اماں جان تھیں اپنے ذاتی برتن ہمارے استعمال کے لئے بھجوا دیئے جن پر نصرت جہاں بیگم کے مبارک اور تاریخی الفاظ کندہ تھے مجھے یاد ہے کہ ان برتنوں میں علاوہ دیگر استعمال کے برتنوں کے ایک پریشر کُکر بھی تھا جس کے اندر کئی خانے تھے۔ یہ برتن ہم کافی عرصہ استعمال کرتے رہے۔ . . . ہوسٹل میں ترجمۃ القرآن کا دفتر تھا جہاں حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ باقاعدہ تشریف لاتے۔ گرما کی تعطیلوں کے بعد کالج کھلا تو دفتر "بیت الحمد" میں - - - - - - - - - - - - - - - منتقل ہو گیا۔ طلباء کی آمد آمد ہوئی تو گیسٹ ہاؤس سارے کا سارا خالی ہوا۔ پھر بھی گنجائش نہ رہی تو حضور رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے از راہ شفقت بیت الحمد کے سامنے والے کمرے ہوسٹل کو مرحمت فرما دیئے جہاں طلباء نئے ہوسٹل کے افتتاح تک مقیم رہے۔ یہ ۱۹۴۷ء ہی کی بات ہے کہ حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے ہوسٹل کا نام فضل عمر ہوسٹل رکھا گیا۔ اس پر بہت سے مبارکباد کے خطوط آئے"

تعلیم الاسلام کالج کا باقاعدہ افتتاح

تعلیم الاسلام کالج قادیان کا باقاعدہ افتتاح ۴ راحسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو بوقت ساڑھے سات بجے شام تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی سابق عالیشان عمارت کے وسیع ہال میں ہوا۔[1] تلاوت ونظم کے بعد ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے سکرٹری کالج کمیٹی نے ایک مفصل رپورٹ سُنائی جس میں کالج کی تحریک سے لیکر اس کی منظوری تک کے واقعات پر جامع نظر ڈالی اور بتایا کہ گذشتہ سال جب مجھے لاہور بھیجا گیا کہ میں مجوزہ احمدیہ کالج کے قیام کے لئے کوشش کروں تو اس وقت پروگرام یہ تھا کہ جماعت کی موجودہ مالی حالت ایک پورے ڈگری کالج کے عظیم مصارف کا بوجھ برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ اس لئے فی الحال ایک ایسے انٹرمیڈیٹ کالج کے لئے درخواست کی جائے جس میں سکول کی ہائی کلاسز بھی ساتھ ہوں تا ہائی سکول کی عمارت اور ہائی کلاسز کے عملے کے کالج میں شامل ہونے سے بہت سے اخراجات کی بچت ہو جائے مگر "حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تو اگلے سال پورا ڈگری کالج بنا رہے ہیں۔ یہ ہائی کلاسز والا

---

[1] "الفضل" ۸ راحسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۴۔

چار سالہ انٹرمیڈیٹ کالج تو ہماری ضروریات کے لئے مکتفی نہیں۔ چنانچہ حضور کے تازہ ارشاد کے مطابق بالکل ہی آخری وقت میں کوشش کرنے پر کالج کی موجودہ شکل کی بھی منظوری حاصل ہو گئی"

اس تفصیل کے بعد ملک صاحب موصوف نے کالج کے سٹاف، اس کے نام، موجودہ شکل، نام عمارت اور اغراض و مقاصد کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کر کے بالآخر عرض کیا کہ

"جہاں کالج کے قیام کے کام کو کامیابی کے ساتھ سرانجام دینے میں حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ کی توجہ اور دُعائیں کالج کمیٹی کی مددگار رہی ہیں وہاں کالج کمیٹی کے صدر ہمارے مخدوم و محترم حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ الرحمٰن کی حکیمانہ ہدایات اور مشورے بھی اس کی راہ نمائی کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت صاحبزادہ صاحب کو جزائے خیر دے"[1]

پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج کی رپورٹ

ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے سکرٹری کالج کمیٹی کے بعد حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے حسب ذیل ضروری کوائف پیش فرمائے:۔

"سیّدنا! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

کالج کمیٹی کی ہدایت کے ماتحت خاکسار تعلیم الاسلام کالج کے داخلہ کے متعلق ابتدائی رپورٹ اور کالج کے طریق کار کا ایک مختصر سا ڈھانچہ پیش کرتا ہے:۔

(۱)

اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۵۱ طلبا کالج میں داخل کئے جا چکے ہیں اور ۷ طلبہ کی باہر سے درخواستیں موصول ہوئی ہیں جن میں سے اکثر کے متعلق امید کی جاتی ہے کہ وہ وقت پر یہاں پہنچ جائیں گے۔ اس طرح پر امید ہے کہ انشاء اللہ العزیز کالج میں ۶۰ سے زائد طلباء امسال داخل ہو جائیں گے۔

ان ۵۱ طلبہ میں سے جو اس وقت تک داخل ہو چکے ہیں، ۲۴ نے سائنس لی ہے اور ۲۷ نے آرٹس۔ اور آرٹس میں سے ۲۶ طلبہ نے ہسٹری لی ہے، ۱۶ نے اکنامکس، ۱۳ نے عربی، ۱۳ نے فارسی، ۶ نے فلاسفی، ۶ نے میتھیمیٹکس۔ ان ۵۱ طلبہ میں سے ایک تہائی یعنی ۱۷

[1] "الفضل" ۷ احسان/جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۳

تھرڈ ڈویژن کے ہیں اور قریباً نصف یعنی ۲۴ سیکنڈ ڈویژن کے اور صرف ۱۰ فرسٹ ڈویژن کے
ان طلبہ میں سے ۱۵ وہ ہیں جنہوں نے امسال ٹی آئی ہائی سکول سے میٹرک پاس کی ہے اور ۳۶ باہر سے۔
ڈویژن کے نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ داخل ہونے والوں کی اکثریت نے اچھے نمبر نہیں لئے
پس تربیت کے علاوہ تعلیم الاسلام کالج کو ان طلبہ کی تعلیم کی طرف بھی خاص توجہ دینی ہوگی تا ان کی
پہلی کوتاہیاں ہمارے نتیجہ پر اثر انداز نہ ہوں۔ انسانی کوششیں اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر ہیچ
ہیں۔ اس لئے ہم حضور سے اور بزرگانِ سلسلہ سے دُعا کی درخواست کرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ ہمیں
صحیح طریق پر تعلیم و تربیت کی توفیق عطا فرمائے تا ہماری حقیر کوششیں اسے نیک نام کرنے
والی ثابت ہوں اور ہمیں حال اور مستقبل میں لسان صدق حاصل ہو۔ اللّٰھم آمین۔

(۲)

تعلیم الاسلام کالج کے قیام کا بڑا مقصد احمدی طلبہ میں مذہبی روح کا پیدا کرنا اور اسلامی
تعلیم کا پختگی کے ساتھ قائم کرنا ہے اور ہمارا ارادہ ہے کہ دینیات کے اس نصاب کے علاوہ جو
مجلس تعلیم ہمارے لئے مقرر کرے گی طلبہ میں دینی اور مذہبی کتب کے مطالعہ کا شوق پیدا کریں۔
اور اس کی عادت ڈالیں۔ باہر کے بعض کالج مثلاً مشن کالج وغیرہ اپنے مذہب کی تعلیم ہر مذہب
والے کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے بھی یہ جائز تو ہے کہ ہم بھی ہر مذہب
والے کے لئے یہ ضروری قرار دیں کہ وہ ہماری مذہبی تعلیم کی گھنٹی میں ضرور حاضر ہو۔ لیکن اگر غیروں
کا رویہ بھی ہمارے نزدیک غیر مناسب اور قابلِ اعتراض ہو تو پھر ہمیں محض ان کی نقل میں اس گھنٹی میں
حاضری لازمی قرار نہیں دینی چاہیئے۔ اس سلسلہ میں حضور کی راہ نمائی کی ضرورت ہے۔ یہ بھی اندیشہ
ہے کہ اس سے شروع شروع میں ہمارے خلاف مخالفوں کو ناواجب پراپیگنڈا کا آلہ نہ مل جائے

(۳)

دماغی نشو و نما کے لحاظ سے کالج میں داخل ہونے والے طلبہ ایک ایسے مقام پر کھڑے
ہوتے ہیں کہ جہاں انہیں انگلی پکڑ کے بھی چلایا نہیں جا سکتا کہ انہیں اپنے سہارے چلنا سیکھنا ہوتا
ہے اور کلی طور پر بے نگرانی بھی نہیں چھوڑا جا سکتا کہ ہمیشہ کے لئے وہ اخلاقی ہلاکت کے گڑھے
میں گر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کے لئے وہ بہترین درمیانی راہ کا انتخاب جسے صراطِ مستقیم

کہا جا سکتا ہے اور نگرانی اور آزادی کے اس ملاپ کو پا لینا جو اُن کی اخلاقی زندگی کو ہمیشہ کے لئے بنا دینے والا ہو ناممکن تو نہیں مگر بہت مشکل ضرور ہے اور ہم حضور ہی سے دُعا اور رہنمائی کی درخواست کرتے ہیں۔

(۴)

فٹ بال، ہاکی، کرکٹ انگریزوں کی قومی کھیلیں ہیں اور چونکہ آجکل انگریز ہم پر حاکم ہیں، اس لئے ہندوستان میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ جب تک تعلیمی اداروں میں ان کھیلوں کو رائج نہ کیا جائے اس وقت تک ہمارے نوجوانوں کی ذہنی و جسمانی صحت کو قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کے برعکس وہ تمام قومیں جو انگریز یا انگریزی خون سے تعلق رکھنے والی ہیں ان کھیلوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتیں اور ان کی زیادہ تر توجہ ATHLETICS کی طرف ہے اور اس وجہ سے ان قوموں کے طلبہ کی صحتوں پر کوئی بُرا اثر نظر نہیں آتا۔ ہمارا ارادہ بھی ATHLETICS کی طرف زیادہ توجہ دینے کا ہے۔ مگر چونکہ بہر حال ہم ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور ہمارے ملک کی ساری تعلیمی درسگاہیں ہاکی، فٹ بال وغیرہ پر زور دیتی ہیں اس لئے حضور کی ہدایت کی ضرورت ہے کہ کیا ہم ہاکی فٹ بال وغیرہ کو کُلیۃً ترک کر دیں یا انہیں جاری تو رکھیں مگر زیادہ اہمیت نہ دیں۔ میرے علم میں ان کھیلوں کو ترک کر دینے پر یونیورسٹی یا محکمہ تعلیم کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

(۵)

دنیا کی بہت سی درسگاہیں اساتذہ اور طلبہ کے لئے کسی خاص لباس کی تعیین کر دیتی ہیں۔ اور تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں بھی یہ رواج رہا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ طلبہ کی اخلاقی نگرانی زیادہ آسانی سے کی جا سکتی ہے اور ڈسپلن کا قیام بہتر طریق پر ہوتا ہے اگر حضور اسے پسند فرمائیں تو ہمارے لئے بھی کوئی لباس مثلاً کسی خاص قسم کی اچکن اور شلوار مقرر فرمائیں۔

(۶)

طلبہ میں تعلیمی دلچسپی بڑھانے کے لئے مختلف سوسائٹیز کے قیام کا ارادہ ہے۔ مثلاً (۱) عربک سوسائٹی (۲) پرشین سوسائٹی (۳) فلوسافیکل سوسائٹی (۴) ریلیجس ریسرچ سوسائٹی

(۵) اکنامکس سوسائٹی اور (۶) کالج بزمِ حُسنِ بیان

عام طور پر کالج یونین میں طلبہ کی قوتِ بیان کو بڑھانے کے لئے DEBATES کا طریقہ رائج ہے۔ مگر یہ طریق ہمارے ہاں پسندیدہ نہیں۔ اس لئے انشاء اللہ العزیز ہم کالج کی بزمِ حُسنِ بیان میں DEBATES کے طریق کو ترک کر کے تقریر کے طریق کو رائج کریں گے اور امید ہے کہ ہمارے طلبہ تقریر کے میدان میں محض اس طریق کی وجہ سے دوسروں سے پیچھے نہ رہیں گے۔

نئے سے نئے تعلیمی طریقے اور سکیمیں جن میں سے جدید ترین مسٹر جان سارجنٹ کی رپورٹ ہے پبلک کے سامنے آتے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارا رائج الوقت طریقہ تعلیم تسلی بخش نہیں اور اس امر کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ اس کی بجائے کوئی بہتر طریقہ تعلیم رائج کیا جائے۔ ایک نئی یونیورسٹی ہی کسی نئی سکیم کو رائج کر سکتی ہے اور کوئی کالج جو ایک غیر یونیورسٹی کے ساتھ الحاق رکھتا ہو کسی نئی سکیم کو رائج نہیں کر سکتا۔ پس ہمارے لئے یہ تو ممکن نہیں کہ ہم پنجاب یونیورسٹی کی پالیسی کو چھوڑ کر کسی نئے طریقہ تعلیم کو اپنے کالج میں رائج کریں لیکن ایک غیر یونیورسٹی کے ساتھ الحاق رکھتے ہوئے اور اس کی پالیسی کو اختیار کرتے ہوئے بھی یہ ممکن ہے کہ بعض ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں جو طلبہ کی ذہنی نشو و نما میں زیادہ ممد ثابت ہوں مثلاً RESIDENTIAL یونیورسٹیز کی امتیازی خصوصیت طلبہ پر انفرادی توجہ دینی ہے۔

ہمارا ارادہ ہے کہ ہم ان تمام ذرائع کو استعمال کر کے طلبہ کے فطری قویٰ کو صحیح نشو و نما دینے کی کوشش کریں گے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور کی دُعاؤں اور رہنمائی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔

ہم اساتذہ تعلیم الاسلام کالج قادیان "[1]

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کا علم و معرفت سے لبریز خطاب

رپورٹیں پڑھی جا چکیں تو حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کھڑے ہوئے اور تشہّد و تعوّذ اور سُورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد ایک نہایت پُر از علم و معرفت تقریر فرمائی جس میں کالج کے قیام کی اغراض بیان کر کے پروفیسروں اور طالب علموں دونوں کو نہایت اہم اور قیمتی ہدایات دیں۔ اس ایمان

[1] "الفضل" قادیان ۷ راحسان / جون ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۳ و ۴۔

افروز خطاب کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے۔

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے تشہد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد ارشاد فرمایا کہ

"یہ تقریب جو تعلیم الاسلام کالج کے افتتاح کی ہے اپنے اندر دو گونہ مقاصد رکھتی ہے ایک مقصد تو اشاعت تعلیم ہے جس کے بغیر تمدنی اور اقتصادی حالت کسی جماعت کی درست نہیں رہ سکتی جہاں تک تعلیمی سوال ہے یہ کالج اپنے دروازے ہر قوم اور ہر مذہب کے لئے کھلے رکھتا ہے کیونکہ تعلیم کا حصول کسی ایک قوم کے لئے نہیں ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم تعلیم کو بحیثیت ایک انسان ہونے کے ہر انسان کے لئے ممکن اور سہل الحصول بنا دیں۔ میں نے لاہور میں ایک دو ایسی انسٹی ٹیوٹ دیکھیں جن کے بانی نے یہ شرط لگا دی تھی کہ ان میں کسی مسلمان کا داخلہ ناجائز ہوگا۔ مجھ سے جب اس بات کا ذکر ہوا تو میں نے کہا اس کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے کہ مسلمان بھی ایسی ہی انسٹی ٹیوٹ قائم کریں اور اس میں یہ واضح کریں کہ اس میں کسی غیر مسلم کا داخلہ ناجائز نہ ہوگا کیونکہ ایک مُسلم کا اخلاقی نقطۂ نگاہ دوسری قوموں سے مختلف ہوتا ہے۔ پس جہاں تک تعلیم کا سوال ہے ہماری پوری کوشش ہوگی کہ ہر مذہب و ملت کے لوگوں کے لئے تعلیم حاصل کرنا آسان ہو۔ اس کالج کے دروازے ہر مذہب و ملت کے لوگوں کے لئے کھلے ہوں اور انہیں ہر ممکن امداد اس انسٹی ٹیوٹ سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے دی جائے۔

دوسرا پہلو اس کا یہ ہے کہ آجکل کی تعلیم بہت سا اثر مذہب پر بھی ڈالتی ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہ غلط اثر ہوتا ہے کیونکہ وہ مذہب کے خلاف ہوتا ہے۔ ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ خدا کا فعل اس کے قول کے خلاف ہوتا ہے نہ ہم یہ ماننے کے لئے تیار ہیں کہ خدا کا قول اس کے فعل کے خلاف ہوتا ہے۔ ہمیں ایک اور ایک دو کی طرح یقین ہے کہ خواہ ہمارے پاس ایسے ذرائع نہ بھی ہوں۔ جن سے ان اعتراضات کا اسی رنگ میں دفعیہ کیا جا سکتا ہو۔ جس رنگ میں وہ اسلام پر کئے جاتے ہیں یا جن علوم کے ذریعہ وہ اعتراضات کئے جاتے ہیں انہی علوم کے ذریعہ اُن اعتراضات کا ردّ کیا جا سکتا ہو۔ پھر بھی یہ یقینی بات ہے کہ جو اعتراضات خدا تعالےٰ کی ہستی پر پڑتے ہیں یا جو اعتراضات خدا تعالیٰ کے رسولوں پر

پڑتے ہیں یا جو اعتراضات اسلام کے بیان کردہ عقاید پر پڑتے ہیں وہ تمام اعتراضات غلط ہیں اور یقیناً کسی غلط استنباط کا نتیجہ ہیں۔ چونکہ اس قسم کے اعتراضات کا مرکز کالج ہوتے ہیں اس لئے ہمارے کالج کے قیام کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ مذہب پر جو اعتراضات مختلف علوم کے ذریعہ کئے جاتے ہیں ان کا انہی علوم کے ذریعہ ردّ کیا جائے اور ہمارے کالج میں جہاں اُن علوم کے پڑھانے پر پروفیسر مقرر ہوں وہاں ان کا ایک یہ کام بھی ہو کہ وہ انہی علوم کے ذریعہ ان اعتراضات کو ردّ کریں اور دُنیا پر ثابت کریں کہ اسلام پر جو اعتراضات ان علوم کے نتیجہ میں کئے جاتے ہیں وہ سرتاپا غلط اور بے بنیاد ہیں۔

پس جہاں دوسرے پروفیسروں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ ان اعتراضات کو زیادہ سے زیادہ قوی کرتے چلے جائیں وہاں ہمارے پروفیسروں کی غرض یہ ہوگی کہ وہ ان اعتراضات کا زیادہ سے زیادہ ردّ کرتے چلے جائیں۔ اب تک ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس سے یہ کام سرانجام دیا جاسکتا۔ انفرادی طور پر ہماری جماعت میں پروفیسر موجود تھے مگر وہ چنداں مفید نہیں ہو سکتے تھے اور نہ ان کے لئے کوئی موقعہ تھا کہ وہ اپنے مقصد اور مدعا کو معتدبہ طور پر حاصل کرسکیں۔ پس جہاں ہمارے کالج کے منتظمین کو اور عملہ کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ غیر مذاہب کے طالب علم جو داخل ہونے کے لئے آئیں ان کے داخلہ میں کوئی ایسی روک نہ ہو جس کے نتیجہ میں وہ اس کالج کی تعلیم سے فائدہ حاصل نہ کرسکیں وہاں منتظمین کو یہ بھی چاہیئے کہ وہ کالج کے پروفیسروں کے ایسے ادارے بنائیں جو اُن مختلف قسم کے اعتراضات کو جو مختلف علوم کے ماتحت اسلام پر کئے جاتے ہیں، جمع کریں اور اپنے طور پر ان کو ردّ کرنے کی کوشش کریں اور ایسے رنگ میں تحقیقات کریں کہ نہ صرف عقلی اور مذہبی طور پر وہ ان اعتراضات کو ردّ کرسکیں بلکہ خود ان علوم سے ہی وہ ان کی تردید کردیں۔

مَیں نے دیکھا ہے بسا اوقات بعض علوم جو رائج ہوتے ہیں محض ان کی ابتدار کی وجہ سے لوگ ان سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ خواہ کوئی تھیوری نکل آئے تو بغیر اس کا ماحول دیکھنے اور بغیر اس کے بالہٗ اور ماعلیہ پر کافی غور کرنے کے وہ ان سے متاثر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور اسے علمی تحقیق قرار دے دیتے ہیں۔ مثلاً پچھلے سَو سال سے ڈارون تھیوری نے انسانی دماغوں

پر ایسا قبضہ کر لیا تھا کہ گو اس کا مذہب پر حملہ نہیں تھا مگر لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس تھیوری کی وجہ سے تمام مذاہب باطل ہو گئے ہیں کیونکہ ارتقاء کا مسئلہ ثابت ہو گیا ہے۔ حالانکہ جس مذہب پر اس تھیوری کا براہ راست حملہ ہو سکتا تھا وہ عیسائیت ہے۔ اسلام پر اس کا کوئی حملہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح جہاں تک خدا تعالیٰ کے وجود کا علمی تعلق ہے ارتقاء کے مسئلہ کا مذہب کے خلاف کوئی اثر نہیں تھا۔ صرف انتہائی حد تک پہنچ کر اس مسئلہ کا بعض صفات الٰہیہ کے ساتھ ٹکراؤ نظر آتا تھا اور درحقیقت وہ بھی غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔ لیکن ایک زمانہ ایسا گذرا ہے جب یہ سمجھا جاتا تھا کہ ڈارون تھیوری کے خلاف کوئی بات کہنا عقل اور سائنس پر حملہ کرنا ہے۔ مگر اب ہم دیکھتے ہیں آہستہ آہستہ وہی یوروپ جو کسی زمانہ میں ڈارون تھیوری کا قائل تھا اب اس میں ایک زبردست رَو اس تھیوری کے خلاف چل رہی ہے اور اب اس پر نیا حملہ حساب کی طرف سے ہوا ہے۔ چنانچہ علم حساب کے ماہرین اس طرف آ رہے ہیں کہ یہ تھیوری بالکل غلط ہے۔ مجھے پہلے بھی اس قسم کے رسالے پڑھنے کا موقع ملا تھا مگر گذشتہ دنوں جب مَیں دہلی گیا تو وہاں مجھے علم حساب کے ایک بہت بڑے ماہر پروفیسر مولر ملے جنہیں پنجاب یونیورسٹی نے بھی پچھلے دنوں لیکچروں کے لئے بُلایا تھا اور ان کے پانچ سات لیکچر ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا تھا کہ علم حساب کی رُو سے یہ قطعی طور پر ثابت کیا جا چکا ہے کہ سُورج اڑتالیس ہزار سال میں اپنے محور کے گرد چکر لگاتا ہے اور جب وہ اپنے اس چکر کو مکمل کر لیتا ہے تو اس وقت مختلف سیاروں سے مل کر اس کی گرمی اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ اس گرمی کے اثر سے کسی وجہ سے اس کے ارد گرد چکر لگانے والے تمام سیارے پگھل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ مَیں نے کہا۔ اگر اڑتالیس ہزار سال میں تمام سیارے سُورج کی گرمی سے پگھل کر راکھ ہو جاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دُنیا کی عمر اس سے زیادہ نہیں ہوتی وہ کہنے لگے بالکل ٹھیک ہے۔ دنیا کی عمر اس سے زیادہ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ مَیں نے کہا ابھی ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ علم قطعی طور پر صحیح ہے لیکن اگر آپ کی رائے کو صحیح تسلیم کر لیا جائے . . . . تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ڈارون تھیوری اور جیالوجی کی پُرانی تھیوری بالکل باطل ہے وہ کہنے لگے تقریباً باطل ہیں۔ مَیں نے کہا علوم کا اتنا بڑا ٹکراؤ آپس میں کس طرح ہو گیا۔ انہوں نے کہا وہ تو علوم ہیں ہی نہیں۔ عقلی ڈھکوسلے ہیں۔

اور ہم جو کچھ کہتے ہیں علم حساب کی رو سے کہتے ہیں۔ بہرحال اب ایک ایسی رَو چل پڑی ہے کہ وہ بات جس کے متعلق سَو سال سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کے بغیر علم مکمل ہی نہیں ہو سکتا اب اسی کو رد کرنے والے اور علوم ظاہر ہو رہے ہیں۔ اسی طرح نیوٹن کی تھیوری جو کشش ثقل کے متعلق تھی ایک لمبے عرصے تک قائم رہی۔ مگر اب آئن سٹائن کے نظریہ نے اس کا بہت سا حصہ باطل کر دیا ہے۔

اس سے پتہ لگتا ہے کہ جن باتوں سے دُنیا مرعوب ہو جاتی ہے وہ بسا اوقات محض باطل ہوتی ہیں۔ اور ان کا لوگوں کے دلوں پر اثر نئے علم کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اپنی جہالت اور کم علمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

جب دنیا میں ہمیں یہ حالات نظر آ رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ مسائل جنہوں نے سینکڑوں سال تک دنیا پر حکومت کی ہمارے پروفیسر دلیری سے یہ کوشش نہ کریں کہ بجائے اس کے کہ بعد میں بعض اَور علوم ان کو باطل کر دیں ہماری انسٹی ٹیوٹ پہلے ہی ان کا غلط ہونا ظاہر کر دے اور ثابت کر دے کہ اسلام پر ان علوم کے ذریعہ جو حملے کئے جاتے ہیں وہ درست نہیں ہیں اگر وہ کوشش کریں تو میرے نزدیک ان کا اس کام میں کامیاب ہو جانا کوئی مشکل امر نہیں بلکہ خدا کی مدد سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو دین قائم کیا ہے اس کی مدد سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو روشنی لائے ہیں اس کی مدد سے اور احمدیت نے جو ماحول پیدا کیا ہے اس کی مدد سے وہ بہت جلد اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور جو کام اَور لوگوں سے دس گُنا عرصہ میں بھی نہیں ہو سکتا وہ ہمارے پروفیسر قلیل سے قلیل مدّت میں سر انجام دے سکتے ہیں۔

پس میری غرض کالج کے قیام سے ایک یہ بھی ہے کہ ہمیں ایک ایسا مرکز مل جائے جس میں ہم بیج کے طور پر ان تمام باتوں کو قائم کر دیں تاکہ آہستہ آہستہ اس بیج کے ذریعہ ایک ایسا درخت قائم ہو جائے، ایک ایسا نظام قائم ہو جائے، ایک ایسا ماحول قائم ہو جائے جو اسلام کی مدد کرنے والا ہو جیسے یورپین نظام اسلام کے خلاف حملہ کرنے کے لئے دنیا میں قائم ہے۔

پس ہمارے کالج کے منتظمین کو مختلف علوم کے پروفیسروں کی ایسی سوسائٹیاں قائم کرنی چاہئیں جن کی غرض یہ ہو کہ اسلام اور احمدیت کے خلاف بڑے بڑے علوم کے ذریعہ جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا دفعیہ انہی علوم کے ذریعہ کریں۔ اور اگر وہ دیکھیں کہ موجودہ علوم کی مدد سے

ان کا دفعیہ نہیں کیا جا سکتا تو پھر وہ پوائنٹ نوٹ کریں کہ کون کونسی ایسی باتیں ہیں جو موجودہ علوم سے حل نہیں ہوتیں اور نہ صرف خود ان پر غور کریں بلکہ کالج کے بالمقابل چونکہ ایک سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ[1] بھی قائم کی گئی ہے اس لئے وہ پوائنٹ نوٹ کر کے اس انسٹی ٹیوٹ کو بھجواتے رہیں اور انہیں کہیں کہ تم بھی ان باتوں پر غور کرو اور ہماری مدد کرو کہ کس طرح اسلام کے مطابق ہم ان کی تشریح کر سکتے ہیں۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اسلام ان باتوں کا محتاج نہیں۔ اسلام وہ مذہب ہے جس کا مدار ایک زندہ خدا پر ہے پس وہ سائنس کی تحقیقات کا محتاج نہیں۔ مثلاً وہی پروفیسر مولر جن کا مَیں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ جب مجھے ملے تو انہوں نے بتایا کہ وہ اور نیویارک کے بعض اور پروفیسر بھی تحقیقات کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس ساری یونیورس کا ایک مرکز ہے۔ اس مرکز کا انہوں نے نام بھی لیا تھا جو مجھے صحیح طور پر یاد نہیں رہا۔ انہوں نے بتایا کہ سارے نظامِ عالَم کا فلاں مرکز ہے جس کے گرد یہ سُورج اور اس کے علاوہ اور لاکھوں کروڑوں سورج چکّر لگا رہے ہیں اور انہوں نے کہا۔ میری تھیوری یہ ہے کہ یہی مرکز خدا ہے۔ گویا اس تحقیق کے ذریعہ ہم خدا کے بھی قائل ہیں۔ یہ نہیں کہ ہم دہریت کی طرف مائل ہو گئے ہوں۔ پہلے سائنس خدا تعالیٰ کے وجود کو رد کرتی تھی مگر اب ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ اس سارے نظام کا ایک مرکز ہے جو حکومت کر رہا ہے اور وہی مرکز خدا ہے۔ مَیں نے کہا۔ نظامِ عالم کے ایک مرکز کے متعلق آپ کی جو تحقیق ہے مجھے اس پر اعتراض نہیں۔ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے کہ دُنیا ایک نظام کے ماتحت ہے اور اس کا ایک مرکز ہے۔ مگر آپ کا یہ کہنا کہ وہی مرکز خدا ہے درست نہیں۔ مَیں نے ان سے کہا مجھ پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے الہامات نازل ہوتے ہیں اور کئی ایسی باتیں ہیں جو اپنے کلام اور الہام کے ذریعہ وہ مجھے قبل از وقت بتا دیتا ہے۔ آپ بتائیں کہ کیا آپ جس مرکز کو خدا کہتے ہیں وہ بھی کسی پر الہام نازل کر سکتا ہے۔ وہ کہنے لگے۔ الہام تو نازل نہیں کر سکتا مَیں نے کہا تو پھر مَیں کس طرح تسلیم کر لوں کہ وہی مرکز خدا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر اس بات کا علم ہے کہ خدا مجھ سے باتیں کرتا ہے اور وہ باتیں اپنے وقت پر پُوری ہو جاتی ہیں۔ کوئی بات چھ مہینے کے

---

[1] اس کا ذکر آگے آرہا ہے (مرتب)

بعد پوری ہو جاتی ہے، کوئی سال کے بعد پوری ہو جاتی ہے۔ کوئی دو سال کے بعد پوری ہو جاتی ہے اور اس طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ مجھ پر جو الہام نازل ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ پھر میں نے انہیں مثال دی اور کہا آپ مجھے بتائیں۔ کیا آپ کا وہ کرہ جسے آپ خدا قرار دیتے ہیں کسی کو یہ بتا سکتا ہے کہ امریکہ کی طرف سے انگلستان کی مدد کے لئے اٹھائیس سو ہوائی جہاز بھجوایا جائے گا۔ وہ کہنے لگے۔ اس کُرہ سے تو کوئی ایسی بات کسی کو نہیں بتائی جا سکتی۔ میں نے کہا تو پھر ماننا پڑے گا کہ اس کُرے اور اسی طرح اَور کُروں کا خدا کوئی اَور ہے یہ خود اپنی ذات میں خدا نہیں ہیں کیونکہ آپ تسلیم کرتے ہیں کہ اس مرکز کے ذریعہ کسی کو کوئی خبر قبل از وقت نہیں پہنچ سکتی۔ لیکن مَیں اپنے تجربہ سے جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام انسان پر نازل ہوتا ہے جو کئی قسم کی غیب کی خبروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پس آپ بیشک اس مرکز کو ہی خدا مان لیں لیکن ہم تو ایک علیم و خبیر ہستی کو خدا کہتے ہیں۔ اس کے اندر قدرت بھی ہوتی ہے۔ اس کے اندر جلال بھی ہوتا ہے، اس کے اندر جمال بھی ہوتا ہے۔ اس کے اندر علم بھی ہوتا ہے، اس کے اندر حکمت بھی ہوتی ہے۔ اس کے اندر بسط کی صفت بھی ہوتی ہے۔ اس کے اندر مُحی ہونے کی صفت بھی ہوتی ہے، اس کے اندر مُمیت ہونے کی صفت بھی ہوتی ہے۔ اس کے اندر حلیم ہونے کی صفت بھی ہوتی ہے، اس کے اندر مہیمن ہونے کی صفت بھی ہوتی ہے۔ اس کے اندر واسع ہونے کی صفت بھی ہوتی ہے۔ غرض بیسیوں قسم کی صفات ہیں جو اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح اس کا نور ہونا، اس کا وہاب ہونا، اس کا شکور ہونا، اس کا غفور ہونا اس کا رحیم ہونا، اس کا ودود ہونا، اس کا کریم ہونا، اس کا ستّار ہونا اور اسی طرح اور کئی صفات کا اس کے اندر پایا جانا ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کیا یہ صفات اس مرکز میں بھی پائی جاتی ہیں جس کو آپ خدا کہتے ہیں؟ جب ایک طرف اس کے اندر یہ صفات نہیں پائی جاتیں اور دوسری طرف ہم پر ایک ایسی ہستی کی طرف سے الہام نازل ہوتا ہے جس میں یہ تمام صفات پائی جاتی ہیں جو اپنی ان صفات کو اپنے کلام کے ذریعہ دنیا پر ظاہر کرتا ہے اور باوجود اس کے کہ ساری دنیا مخالفت کرتی ہے پھر بھی اس کا کلام پورا ہو جاتا ہے اور جو کچھ اس نے کہا ہوتا ہے وہی کچھ دنیا کو دیکھنا پڑتا ہے تو اس ذاتی مشاہدہ کے بعد ہم آپ کی تھیوری کو کس طرح

مان سکتے ہیں؟ اس پر وہ کہنے لگا۔ اگر یہ باتیں درست ہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ یہ تھیوری باطل ہے۔ اس کلام کے ہوتے ہوئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی ایسا خدا نہیں جس کے تابع یہ تمام مرکز ہو۔

تو مذہب کے لحاظ سے ہم ان چیزوں کے محتاج نہیں ہیں۔ ہمارے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہم سائنس کے علوم کی مدد سے خدا تعالیٰ کو حاصل کریں۔ خدا بغیر سائنس کے بھی انسان کو مل جاتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہی دیکھ لو۔ آپ نے نہ فلسفہ پڑھا نہ سائنس پڑھی نہ حساب پڑھا نہ کوئی اور علم سیکھا۔ مگر پھر خدا آپ سے اس طرح بولا کہ آجتک نہ کسی سائنسدان کو وہ نعمت نصیب ہوئی ہے نہ کسی حساب دان کو وہ نعمت نصیب ہوئی ہے نہ کسی فلسفی کو وہ نعمت نصیب ہوئی ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی نہ یہ فلسفہ پڑھا۔ نہ یہ سائنس پڑھی نہ یہ حساب پڑھا۔ لیکن جس رنگ میں خدا نے آپ سے کلام کیا وہ نہ کسی فلسفہ والے کو نصیب ہوا نہ کسی سائنس والے کو نصیب ہوا نہ کسی حساب والے کو نصیب ہوا۔ اسی طرح اب میرے ساتھ جس طرح خدا متواتر کلام کرتا اور اپنے غیب کی خبریں مجھ پر ظاہر فرماتا ہے یہ نہ سائنس کا نتیجہ ہے نہ فلسفے کا نتیجہ ہے نہ حساب کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ میں نے نہ سائنس پڑھی ہے نہ فلسفہ پڑھا ہے نہ حساب پڑھا ہے۔ تو ہمیں کسی سائنس یا فلسفہ یا حساب کی مدد کی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہ لوگ جو دن رات ان علوم میں محو رہتے ہیں ان میں سے بھی ایک طبقہ ایسا ہے کہ اگر ہم اس کے سامنے اپنے الہامات پیش کریں اور وہ ان پر غور کرے تو ہمیں امید ہے کہ وہ سمجھ جائے گا۔ جیسے یہ پروفیسر مذکور جب میرے پاس آیا اور میں نے اس سے سنجیدگی کے ساتھ باتیں کیں تو وہ حقیقت کو سمجھ گیا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ واقعہ میں مجھے قبل از وقت الہام کے ذریعہ کئی خبریں دی گئی تھیں جو اپنے وقت پر پوری ہوئیں۔ اس وجہ سے اس کی راہ میں مشکلات تھیں۔ لیکن اس نے اتنا ضرور تسلیم کر لیا کہ اگر الہام ثابت ہو جائے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ جس تھیوری کو میں پیش کرتا ہوں وہ غلط ہے۔ جب اس نے الہام کا امکان تسلیم کرتے ہوئے اپنی تھیوری کو غلط مان لیا تو وہ جن کے سامنے الہام پورے ہوتے ہیں وہ ایسی تھیوری کو کب مان سکتے ہیں۔ وہ تو ایسے ہی خدا کو مان سکتے ہیں جو قادر ہے، کریم ہے، رحیم ہے، عزیز ہے،

سمیع ہے، مجیب ہے، حفیظ ہے۔ اسی طرح اور کئی صفات حسنہ کا مالک ہے۔ اپنی آنکھوں دیکھی چیز کو کون ردّ کر سکتا ہے۔

تو سائنس بھی اور فلسفہ بھی اور حساب بھی جہانتک خدا کا تعلق ہے ایک تھیوری سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کو ماننے والا کہہ سکتا ہے کہ شاید یہ غلط ہوں شاید یہ صحیح ہوں۔ اسے قطعی اور یقینی وثوق ان علوم کی سچائی پر نہیں ہو سکتا لیکن ہمیں خدا تعالےٰ کی ذات پر جو یقین ہے وہ ہر قسم کے شبہات سے بالا تر ہے۔ وہ یقین ایسا ہی ہے جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے خدا میں سورج کا انکار کر سکتا ہوں۔ میں اپنے وجود کا انکار کر سکتا ہوں، مگر جس طرح تو مجھ پر ظاہر ہوا ہے۔ میں اس کا کبھی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ وہ یقین ہے جو خدا پر ایمان لانے والوں کو حاصل ہوتا ہے مگر کیا ایسا یقین کسی سائنسدان کو اپنے کسی سائنس کے مسئلہ کی سچائی پر ہو سکتا ہے۔ یا کہ ایسا یقین کسی حساب دان کو اپنے حساب کے کسی مسئلہ کی سچائی پر ہو سکتا ہے۔ پہلے سمجھا جاتا تھا کہ حساب قطعی اور یقینی چیز ہے مگر اب نئی دریافتیں ایسی ہوئی ہیں جن کی وجہ سے حساب کے متعلق بھی شبہات پیدا ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ مگر حساب سے عام سودے والا حساب مراد نہیں۔ بلکہ وہ حساب مراد ہے جو فلسفہ کی حد تک پہنچا ہوا ہے اور فلسفہ خود مشکوک ہوتا ہے۔ ہر زمانہ میں جو فلاسفر ظاہر ہوتا ہے ان علوم کا انکار کرنے والا علوم جدیدہ کا منکر قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن ابھی پچاس ساٹھ سال نہیں گذرتے کہ ایک اَور فلسفی کھڑا ہو جاتا ہے جو اس پہلے فلاسفر کی تحقیق کو غلط قرار دے دیتا اور نئے نظریات پیش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس وقت جو لوگ اس کے نظریات کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں لوگ ان کے متعلق یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ وہ علوم جدیدہ کے منکر ہیں مگر پچاس ساٹھ سال نہیں گذرتے کہ ایک اَور فلاسفر اس تحقیق کو قدیم تحقیق قرار دے کر ایک نئی تحقیق لوگوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے اور پہلی تحقیق کو غلط قرار دے دیتا ہے۔ کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ خدا کا وجود بھی غلط قرار دیا گیا ہو یا کبھی کوئی نبی ایسا کھڑا ہوا ہو جس نے کہا ہو کہ خدا کے متعلق لوگوں کے دلوں میں جو خیال پایا جاتا تھا وہ موجودہ تحقیق نے غلط ثابت کر دیا ہے۔ آدم سے لے کر اب تک ہمیشہ ایسے وجود آتے رہے ہیں جنہوں نے اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے دنیا کے سامنے یہ حقیقت پیش کی کہ اس

دُنیا کا ایک خدا ہے۔ پھر دلائل و براہین سے اس کے وجود کو ایسا ثابت کیا کہ دنیا ان دلائل کا انکار نہ کر سکی۔ انہوں نے کہا کہ ہم خدا کی طرف سے کھڑے ہوئے ہیں اور خدا کی ہستی کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ہمیں کامیاب کرے گا۔ چنانچہ دُنیا نے ان کی مخالفت کی مگر خدا نے ان کو کامیاب کر کے دکھا دیا اور اس طرح ثابت کر دیا کہ اس عالَم کا حقیقتاً ایک قادر و مقتدر خدا ہے جو اپنے پیاروں سے کلام کرتا اور مخالف حالات میں ان کو کامیاب کرتا ہے۔ پس خدا کے وجود پر انبیاء کی متفقہ گواہی ایک قطعی اور یقینی شہادت ہے جو اس کی ہستی کو ثابت کر رہی ہے۔ آجتک کوئی نبی دنیا میں ایسا نہیں آیا جس نے اپنے سے پہلے آنے والے نبی کی تردید کی ہو۔ ہر سائنسدان پہلے سائنسدان کی تردید کرتا ہے۔ ہر فلاسفر پہلے فلاسفر کی تردید کرتا ہے۔ ہر حساب دان پہلے حساب دان کی تردید کرتا ہے۔ مگر انبیاء کا وجود ایسا ہے کہ ہر نبی جو دُنیا میں آتا ہے وہ اپنے سے پہلے آنے والے انبیاء کی تصدیق ہی کرتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ اُن کی تردید کرے۔ وہ ان کی لائی ہوئی صداقتوں کو باطل ثابت کرے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں پیش کیا تھا جسے عیسائیوں نے غلطی سے نہ سمجھا اور اعتراض کر دیا کہ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ یعنی دنیا میں ایک ہی سلسلہ ہے جس میں ہر آنے والا اپنے سے پہلے کی تصدیق کرتا ہے اس کی تکذیب اور تردید نہیں کرتا۔ آدم سے لے کر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے لے کر مسیح موعودؑ تک ایک نبی بھی ایسا نہیں دکھایا جا سکتا جس نے پہلے انبیاء اور ان کی لائی ہوئی صداقتوں کا انکار کیا ہو بلکہ وہ ہمیشہ پہلوں کی تصدیق کرتا ہے لیکن دوسرے تمام علوم چونکہ ظنّی ہیں، وہمی اور خیالی ہیں اس لئے ہر نئی سائنس پہلی سائنس کی تردید کرتی ہے اور ہر نیا فلسفہ پہلے فلسفہ کی تردید کرتا ہے، ہر نیا حساب پہلے حساب کی تردید کرتا ہے۔ بیشک انبیاء کی تعلیمیں منسوخ بھی ہوتی ہیں۔ مگر منسوخ ہونا اور چیز ہے، اور اُن تعلیموں کو غلط قرار دینا اور چیز ہے۔ فلسفہ والے کہتے ہیں کہ فلاں زمانہ میں جو فلسفی گذرا تھا اس کا فلسفہ غلط تھا کیونکہ نئی تحقیقات نے اس کو باطل ثابت کر دیا ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں پہلے سائنسدانوں نے غلطی کی۔ انہوں نے فلاں فلاں مسائل بالکل غلط بیان کئے تھے۔ اسی طرح علم حساب کی تحقیق ہوتی ہے۔ حساب دان یہ کہتے ہیں کہ فلاں حساب دان نے یہ غلطی کی

تھی اور فلاں حساب دان نے وہ غلطی کی تھی، لیکن دنیا میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی نبی مبعوث ہوا ہو اور اس نے یہ کہا ہو کہ فلاں نبی نے غلط بات کہی تھی۔ انبیاء سابقین کی تعلیمیں بیشک منسوخ ہوتی رہی ہیں مگر منسوخ ہونے کے یہ معنے نہیں تھے کہ وہ تعلیمیں غلط تھیں۔ اُن تعلیموں کے منسوخ ہونے کا صرف اتنا مفہوم ہے کہ وہ تعلیمیں اُس زمانہ کے لئے تھیں بعد کے زمانہ کے لئے نہیں تھیں۔

پس ہمیں ذاتی طور پر اس بات کی ضرورت نہیں کہ ہم سائنس اور فلسفہ اور حساب اور دوسرے علوم کے ذریعہ اسلام کی صداقت ثابت کریں۔ اسلام ان سب سے بالا ہے۔ لیکن چونکہ دنیا میں کچھ لوگ ان وہموں میں مبتلا ہیں اور وہ ان علوم کے رُعب کی وجہ سے اسلام کی تائید میں اپنی آواز بلند نہیں کر سکتے اس لئے ان کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے ضروری ہے کہ ہم ایسے مرکز کھولیں اور ان کی زبان میں ان سے باتیں کرنے کی کوشش کریں اور انہیں بتائیں کہ علوم جدیدہ کی نئی تحقیقاتیں بھی اسلام کی مؤید ہیں۔ اسلام کی تردید کرنے والی اور اس کو غلط ثابت کرنے والی نہیں ہیں۔ یہ کام ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ چونکہ یہ نیا کام ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہمیں اس کام میں دقتیں پیش آئیں۔ لیکن ایک وقت آئے گا جب آہستہ آہستہ ان علوم کے ذریعہ بھی اسلام کی صداقت دنیا کے کونے کونے میں پھیل جائے گی اور لوگ محسوس کریں گے کہ علوم خواہ کس قدر بڑھ جائیں، سائنس خواہ کس قدر ترقی کر جائے اسلام کے کسی مسئلہ پر زد نہیں پڑ سکتی۔ دُنیا میں ہمیشہ دشمن کے قلعہ پر پہلے گولہ باری کی جاتی ہے اور یہ گولہ باری فوج کا بہت بڑا کام ہوتا ہے۔ لیکن جب گولہ باری کرتے کرتے قلعہ میں سوراخ ہو جاتا ہے تو فوج اس سرعت سے بڑھتی ہے کہ دشمن کے لئے ہتھیار ڈال دینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔ ہم نے بھی کفر کے مقابلہ میں ایک بنیاد رکھی ہے اور ہماری مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے پرانے زمانہ کی منجنیقیں اپنے ہاتھ میں لے کر کوئی شخص موجودہ زمانہ کے مضبوط ترین قلعوں کو سر کرنے کی کوشش کرے یا غلیلوں سے دشمن کو شکست دینے کا ارادہ کرے۔ ہم کو بھی جب دیکھنے والا دیکھتا ہے تو کہتا ہے یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ وہ عظیم الشان قلعے جو کنکریٹ کے بنے ہوئے ہیں جن کی تعمیر میں بڑے بڑے قیمتی مصالحے صرف ہوئے

ہیں جن کو ایلیون پونڈر گنز (ELEVEN POUNDER GUNS) اور سیون ٹی فائیو ملی میٹر گنز (SEVENTY FIVE M-M GUNS) بمشکل سر کر سکتی ہیں۔ ان قلعوں کو وہ ان پتھروں یا غلیلوں سے کس طرح توڑ سکیں گے۔ مگر جو خدا کی طرف سے کام ہوتے ہیں وہ اسی طرح ہوتے ہیں۔ پہلے دنیا ان کو دیکھتی ہے اور کہتی ہے ایسا ہونا ناممکن ہے۔ مگر پھر ایک دن ایسا آتا ہے جب وہی دُنیا کہتی ہے اس کام نے تو ہونا ہی تھا کیونکہ حالات ہی ایسے پیدا ہو چکے تھے۔ جب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے تو لوگوں نے اس وقت یہی کہا کہ ان دعووں کا پورا ہونا ناممکن ہے۔ انہوں نے آپ کو مجنون کہا۔ انہوں نے آپ کے متعلق یہ کہا۔ اس شخص پر نعوذ باللہ ہمارے بُتوں کی لعنت پڑ گئی ہے۔ مگر آج یُورپ کے مصنّفوں کی کتابیں پڑھ کر دیکھ لو۔ وہ کہتے ہیں اگر مسلمانوں کے مقابلہ میں قیصر کی حکومت کو شکست ہو گئی۔ اگر مسلمانوں کے مقابلہ میں کسریٰ کی حکومت کو شکست ہو گئی۔ اگر مسلمانوں کے مقابلہ میں دنیا کی قوم نہیں ٹھہر سکی تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں وہ زمانہ ہی ایسا تھا اور اس وقت حالات ہی ایسے پیدا ہو چکے تھے جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تائید میں تھے۔

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو آپ کے دعوےٰ کو پاگل پن اور جنون سمجھا جاتا تھا۔ مگر آج یہ کہا جاتا ہے کہ اگر آپ کے دعوےٰ کو لوگوں نے تسلیم کر لیا تو اس میں کون سی عجیب بات ہے۔ زمانہ کے حالات اس دعویٰ کے مطابق تھے اور لوگوں کی طبائع آپ کے عقائد کو تسلیم کرنے کے لئے پہلے ہی تیار ہو چکی تھیں۔ یہی احمدیت کا حال ہے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ کیا لوگ کہتے تھے کہ ناممکن ہے کہ یہ شخص دنیا پر فتح حاصل کر سکے۔ یہ اپنی آئی آپ مر جائے گا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تک نے یہ کہہ دیا کہ مَیں نے ہی اس شخص کو بڑھایا تھا اور اب مَیں ہی اس کو گراؤں گا (اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ ۱۸۹۰ء) مگر آپ کے سلسلہ کو دن بدن ترقی ہوتی چلی گئی۔ یہانتک کہ وہ شخص جسے قادیان میں بھی لوگ اچھی طرح نہیں جانتے تھے۔ اس کی جماعت پہلے پنجاب کے مختلف حلقوں میں پھیلنی شروع ہوئی۔ پھر پنجاب سے بڑھی اور افغانستان میں گئی، بنگال میں گئی، بمبئی میں گئی، مدراس میں گئی، یو۔پی میں گئی، سندھ میں گئی، بہار میں گئی، اڑیسہ میں گئی، سی۔پی میں گئی، آسام میں گئی اور پھر اس سے بڑھ کر بیرونی ممالک میں پھیلنی شروع

ہوئی چنانچہ انگلستان میں احمدیت پھیلی۔ جرمنی میں احمدیت پھیلی، ہنگری میں احمدیت پھیلی، امریکہ میں احمدیت پھیلی۔ ارجنٹائن میں احمدیت پھیلی، یوگوسلاویہ میں احمدیت پھیلی، البانیہ میں احمدیت پھیلی، پولینڈ میں احمدیت پھیلی۔ زیکوسلوویکیا میں احمدیت پھیلی، سیرالیون میں احمدیت پھیلی، گولڈ کوسٹ میں احمدیت پھیلی، نائیجیریا میں احمدیت پھیلی، مصر میں احمدیت پھیلی، مشرقی افریقہ میں احمدیت پھیلی، ماریشس میں احمدیت پھیلی، فلسطین میں احمدیت پھیلی، شام میں احمدیت پھیلی، رُوس میں احمدیت پھیلی، کاشغر میں احمدیت پھیلی، ایران میں احمدیت پھیلی، سٹریٹ سیٹلمنٹس میں احمدیت پھیلی، جاوا میں احمدیت پھیلی، ملایا میں احمدیت پھیلی، چین میں احمدیت پھیلی، جاپان میں احمدیت پھیلی۔ غرض دُنیا کے کناروں تک احمدیت پہنچی اور پھیلی۔ اور لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ دُنیا میں کچھ پاگل لوگ بھی ہوتے ہیں۔ اگر چند پاگلوں نے احمدیت کو مان لیا ہے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ مگر ابھی زیادہ زمانہ نہیں گذرے گا کہ دنیا میں احمدیت کی ایسی مضبوط بنیاد قائم ہو جائے گی کہ یہ نہیں کہا جائے گا کہ احمدیت کی فتح کی امید ایک مجنونانہ خیال ہے بلکہ کہا جائے گا کہ احمدیت کو مار دینے کا خیال ایک مجنونانہ خیال ہے۔ وہ دن دُور نہیں کہ وہی لوگ جو آج احمدیت کی ترقی کو ایک ناممکن چیز قرار دے رہے ہیں جب اپنی آنکھوں سے دیکھینگے کہ احمدیت ترقی کر گئی ہے، احمدیت ساری دنیا پر چھا گئی ہے، احمدیت نے روحانی لحاظ سے ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے تو وہی لوگ کہیں گے احمدیت کی کامیابی اور اس کی فتح کوئی معجزہ نہیں۔ اگر احمدیت فتحیاب نہ ہوتی تو کیا ہوتا۔ اُس وقت یورپ اتنا مضمحل ہو چکا تھا۔ اُس وقت انسانی دماغ اتنا پراگندہ ہو چکا تھا۔ اس وقت سائنس اپنی حد بندیوں کو توڑ کر اسی طرح کا ایک فلسفہ بن چکی تھی کہ اگر احمدیت نے فتح پائی تو یہ کوئی معجزہ نہیں۔ اس وقت کے حالات ہی اس فتح کو پیدا کر رہے تھے۔

پس یہ بیج جو ہم بو رہے ہیں ہم جانتے ہیں کہ یہ دُنیا میں پھیل کر رہے گا۔ ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم امید رکھتے ہیں کہ یہ بیج پھیل جائے گا۔ ہمیں یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ ہمارا خیال ہے کہ یہ بیج کبھی ضائع نہیں ہو گا۔ ہم خدا کی طرف سے مانتے ہیں اور اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ یہ بیج ایسا ہے جس میں سے ایک دن ایسا تناور درخت پیدا ہونے والا

ہے جس کے سایہ میں بیٹھنے کے لئے لوگ مجبور ہوں گے اور اگر وہ نہیں بیٹھیں گے تو تپتی دھوپ میں وہ اپنے دماغوں کو جھلسائیں گے اور انہیں دُنیا میں کہیں آرام کی جگہ نہیں ملے گی۔

پس ہم جانتے ہیں کہ جس راستہ کو ہم نے اختیار کیا ہے وہ ضرور ہمیں کامیابی تک پہنچانے والا ہے کسی خیال کے ماتحت نہیں۔ کسی وہم اور گمان کے ماتحت نہیں بلکہ اس علیم وخبیر ہستی کے بتانے کی وجہ سے یہ یقین ہمیں حاصل ہوا ہے جو کبھی جھوٹ نہیں بولتی جس کی بتائی ہوئی بات کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں پر اعتبار کر کے ہم نے انہیں اس کالج میں پروفیسر مقرر کیا ہے اُن میں سے بعض نااہل ثابت ہوں۔ مگر اُن کے نااہل ثابت ہونے کی وجہ سے اس کام میں کوئی نقص واقعہ نہیں ہو سکتا۔ جس طرح دریا کے دھارے کے سامنے پتھر آ جائے تو وہ بہہ جاتا ہے مگر دریا کے دھارے کو وہ روک نہیں سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص غلط کام کرتا ہے یا اپنے کام کے لئے کوئی غلط طریق اختیار کرتا ہے، وہ احمدیت کے دریا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ وہ اپنی تباہی کے آپ سامان پیدا کرتا ہے۔ وہ مٹ جائے گا، مگر جس دریا کو خدا نے چلایا ہے، جس کی حفاظت کے لئے اس نے اپنے فرشتوں کو آپ مقرر کیا ہے دُنیا کی کوئی طاقت اس کے بہاؤ کو روک نہیں سکتی خواہ وہ یورپ کی ہو خواہ وہ امریکہ کی ہو خواہ وہ ایشیا کی ہو اور خواہ وہ دُنیا کے کسی اَور ملک کی ہو۔ ہمیں نظر آ رہا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے یورپ میں بھی اُتر رہے ہیں، امریکہ میں بھی اُتر رہے ہیں، ایشیا میں بھی اُتر رہے ہیں اور ہر شخص جو اس مشن کا مقابلہ کرتا ہے، ہر شخص جو خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغام کو ردّ کرتا ہے وہ اپنی ہلاکت کے آپ سامان کرتا ہے۔ آج اور کل اور پرسوں اور اترسوں دن گذرتے چلے جائیں گے۔ زمانہ بدلتا چلا جائے گا، انقلاب بڑھتا چلا جائے گا اور تغیّر وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے گا۔ روز بروز اس سلسلہ کی راہ سے روکیں دُور ہوتی جائیں گی روز بروز یہ دریا زیادہ سے زیادہ فراخ ہوتا چلا جائے گا۔ دریا کے دہانہ کے پاس ہمیشہ چھوٹے چھوٹے نالے ہوتے ہیں جن پر سے ہر شخص آسانی سے کُود کر گذر سکتا ہے۔ مَیں نے خود جہلم کے دہانہ کے پاس ایسے نالے دیکھے ہیں اور مَیں خود بھی اُن نالوں پر سے کُود کر گذرا ہوں۔ مگر آہستہ آہستہ دریا ایسا وسیع ہوتا جاتا ہے کہ بڑے بڑے گاؤں اور بڑے بڑے شہر بہا کر لے

جاتا ہے۔ اسی طرح ابھی ہم دریا کے دہانہ کے قریب ہیں۔ ایک زمانہ ایسا گذرا ہے جب لوگ ہماری جماعت کے متعلق سمجھتے تھے کہ یہ ایک نالے کی طرح ہے جو شخص چاہے اس پر سے کُود کر گذر جائے مگر اب ہم ایک نہر کی طرح بن چکے ہیں۔ لیکن ایک دن آئے گا جب دُنیا کے بڑے سے بڑے دریا کی وسعت بھی اس کے مقابلہ میں حقیر ہو جائے گی۔ جب اس کا پھیلاؤ اتنا وسیع ہو جائے گا جب اس کا بہاؤ اتنی شدت کا ہو گا کہ دُنیا کی کوئی عمارت اور دُنیا کا کوئی قلعہ اس کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکے گا۔

پس ہمارے پروفیسروں کے سپرد وہ کام ہیں جو خدا اور اس کے فرشتے کر رہے ہیں اگر وہ دیانتداری کے ساتھ کام کریں گے تو یقیناً کامیاب ہوں گے اور اگر وہ غلطی کریں گے تو ہم یہی دُعا کریں گے کہ خدا انہیں توبہ کی توفیق دے اور انہیں محنت سے کام کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ لیکن اگر وہ اپنی اصلاح نہیں کریں گے تو وہ اس سلسلہ کی ترقی میں ہرگز روک نہیں بن سکیں گے۔ جس طرح ایک مچھر بیل کے سینگ پر بیٹھ کر اُسے تھکا نہیں سکتا، اسی طرح ایسے کمزور انسان احمدیت کو کسی قسم کی تھکاوٹ اور ضعف نہیں پہنچا سکیں گے۔

جن سوالات کو اس وقت میرے سامنے پیش کیا گیا ہے ان سب کے متعلق مَیں ابھی فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن جہانتک لباس کا سوال ہے میری رائے یہ ہے کہ ہمیں تعلیم کو آسان اور سہل الحصول بنانا چاہیئے اور کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالنا چاہیئے جسے طالب علم برداشت نہ کر سکیں تا ایسا نہ ہو کہ غریب لڑکے اس بوجھ کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ جائیں

جہانتک کھیلوں کا تعلق ہے مجھے افسوس ہے کہ کالجوں میں بعض ایسی کھیلیں اختیار کر لی گئی ہیں جن پر روپیہ بھی صَرف ہوتا ہے اور صحت پر بھی وہ بُرا اثر ڈالتی ہیں۔ مَیں نے یورپین رسالوں میں پڑھا ہے انگلستان میں کھیلوں کے متعلق ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی جس نے بہت کچھ غور کے بعد یہ رپورٹ پیش کی کہ ہاکی کے کھلاڑیوں میں سِل کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہ تحقیق تو آج کی گئی ہے لیکن مَیں نے آج سے اکیس ۲۱ سال پہلے اس کی طرف توجہ دلا دی تھی اور مَیں نے کہا تھا کہ مَیں ہاکی سے نفرت کرتا ہوں یہ صحت کے لئے مضر ہے اس سے سینہ کمزور ہو جاتا ہے کیونکہ جُھک کر کھیلنا پڑتا ہے" (الفضل جلد ۱۱ نمبر ۴۶ صفحہ ۵)

مورخہ ۱۱ دسمبر ۲۳ء) اسی طرح بعض اور مواقع پر بھی میں توجہ دلاتا رہا ہوں کہ ہاکی قطعی طور پر صحت پر اچھا اثر پیدا نہیں کرتی بلکہ مضر اثر کرتی ہے۔ ہاکی میں ہاتھ جُڑے رہتے ہیں اور سانس سینہ میں پھولتا نہیں۔ اس طرح باوجود کھیلنے کے سینہ چوڑا نہیں ہوتا (الفضل ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۹ء)

جب میں نے یہ بات کہی اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ ہاکی سے سینہ کمزور ہو کر سل کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے مگر اب دوسرے لوگ بھی آہستہ آہستہ اسی طرف آرہے ہیں۔ عزیزم مرزا ناصر احمد کا ان الفاظ میں کہ

"وہ تمام قومیں جو انگریزی یا انگریزی خون سے تعلق رکھنے والی ہیں ان کھیلوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتیں اور ان کی زیادہ توجہ ایتھلیٹکس (ATHLETICS) کی طرف رہتی ہے اور اس وجہ سے ان قوموں کے طلباء کی صحتوں پہ کوئی بُرا اثر نظر نہیں آتا"

غالباً جرمنی کی طرف اشارہ ہے جہاں ان کھیلوں پر بہت کم زور دیا جاتا ہے کیونکہ ان کھیلوں پر روپیہ اور وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے مگر صحت کو کم فائدہ پہنچتا ہے۔ چنانچہ ان کھیلوں کی بجائے انہوں نے جو دوسری کھیلیں اختیار کی ہیں ان کا صحت پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے اور روپیہ بھی کم خرچ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری کھیلوں کا رواج اب دن بدن بڑھ رہا ہے۔ انگریزی ممالک میں شاید اسی وجہ سے کہ وہاں کُہر زیادہ ہوتی ہے اس قسم کی کھیلوں کی ضرورت سمجھی جاتی ہے جو دوڑ دھوپ والی ہوں۔ لیکن وسطی یورپ یا جنوبی یورپ میں ان کا زیادہ رواج نہیں۔ میں یورپین کھیلوں میں سب سے کم مضر فٹ بال سمجھتا ہوں کیونکہ اس سے سینہ پہ بوجھ نہیں پڑتا بلکہ سینہ چوڑا اور فراخ رہتا ہے۔ ہاکی میں چونکہ دونوں ہاتھ بند ہوتے ہیں۔ ادھر سانس سینہ میں پھولتا نہیں اس لئے ہاکی کے نتیجہ میں اکثر سینہ پر ایسا بوجھ پڑتا ہے کہ وہ کمزور ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں ہمیشہ ہاکی کو مضر سمجھتا رہا ہوں۔ مگر اب چار پانچ سال ہوئے انگلستان میں ایک کمیشن مقرر کیا گیا تھا جس نے تحقیق کے بعد یہ رپورٹ کی کہ ہاکی پلیئرز میں سل کا مادہ نسبتاً زیادہ دیکھا گیا ہے۔

بہرحال یہ ایک ابتدائی کام ہے اور جیسا کہ بتایا گیا ہے ایسے لڑکے کالج میں نہیں آتے جو بڑے بڑے نمبروں پہ پاس ہوئے ہوں۔ مَیں سمجھتا ہوں اگر ہمارے پروفیسر کوشش کریں۔ اور وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا کے ماتحت اپنے فرض کی ادائیگی میں پوری طرح منہمک ہو جائیں اور وہ سمجھ لیں کہ تعلیمی طور پر (تربیت تعلیم سے باہر نہیں بلکہ تعلیم کے ساتھ ہی شامل ہے) ہم نے اپنی زندگیاں وقف کر دی ہیں اور ہمارا مقصد یہ ہے کہ جو لڑکے ہمارے ہاں تعلیم پائیں وہ تعلیم میں دوسروں سے اعلیٰ ہوں، وہ تربیت میں دوسروں سے اعلیٰ ہوں وہ اخلاق فاضلہ میں دوسروں سے اعلیٰ ہوں تو یقیناً وہ اِن اَن گھڑے جواہرات کو قیمتی ہیروں میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ اخلاص اور تقویٰ اور خدا تعالیٰ کا خوف اپنے دلوں میں پیدا کریں اور لڑکوں کی تعلیمی حالت بھی بہتر بنائیں، ان کی اخلاقی حالت بھی بہتر بنائیں اور ان کی مذہبی حالت بھی بہتر بنائیں۔

مَیں اس موقعہ پر اساتذہ اور طلباء دونوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ہمارا مقصد دوسرے کالجوں سے زیادہ بلند اور اعلیٰ ہے۔ کئی باتیں اس قسم کی ہیں جو دوسرے کالجوں میں جائز سمجھی جاتی ہیں لیکن ہم اپنے کالج میں ان باتوں کی اجازت نہیں دے سکتے۔ طلباء کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے افسروں کی کامل اطاعت اور فرماں برداری کریں اور اساتذہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے افسروں کی کامل اطاعت اور فرماں برداری کریں اور ان افسروں کا فرض ہے کہ وہ اپنے سے بڑے افسروں کی کامل اطاعت اور فرماں برداری کریں۔ اگر کسی شخص کو کوئی شکایت پیدا ہو تو اسلامی طریق کے رُو سے یہ جائز ہے کہ وہ بالا افسر کے پاس اس معاملہ کو پہنچائے اور حقیقت ظاہر کرے اور اگر وہ افسر توجہ سے کام نہ لے تو اس سے بھی بالا افسر کے پاس اپیل کرے۔ یہ دروازہ ہر شخص کے لئے کھلا ہے اور وہ اس سے پُوری طرح فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ ہمارا یہ طریق نہیں کہ جب تک ایجی ٹیشن نہ ہو ہم کسی کی بات نہیں سُنتے۔ ہم صداقت کو ایک ادنیٰ سے ادنیٰ انسان کے مُنہ سے سُن کر بھی قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ بلکہ صداقت اگر ایک چوہڑے کے مُنہ سے نکلے تو ہم اس کو بھی ماننے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن اگر صداقت نہ ہو تو خواہ سارا کالج مل کر زور لگائے ہم وہ بات تسلیم کرنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوں گے۔

پس جو روایت ہمارے سکول میں قائم ہے مَیں امید کرتا ہوں کہ کالج میں بھی اس کو قائم

دکھا جائے گا۔ احمدی طالب علموں کے متعلق تو میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ اس پر پوری طرح قائم رہیں گے لیکن چونکہ اس کالج میں دوسرے طالب علم بھی داخل ہوں گے اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے احمدی طلباء اپنے ساتھ دوسروں کو بھی اس روایت پر قائم رکھنے کی کوشش کریں گے اور کوئی ایسی حرکت نہیں ہونے دیں گے جو کالج کے نظام کے خلاف ہو اور جس سے یہ شبہ پڑتا ہو کہ زور اور طاقت سے اپنی بات منوانے کی کوشش کی جا رہی ہے کیونکہ زور اور طاقت سے ماننے کے لئے یہاں کوئی شخص تیار نہیں ہے۔ دنیا میں لوگ زور اور طاقت سے اپنے مطالبات منواتے ہیں۔ مگر وہ اُس وقت منواتے ہیں جب انہیں یقین ہوتا ہے کہ دوسرا فریق زور اور طاقت سے مرعوب ہو جائے گا۔ اگر انہیں یہ یقین نہ ہو تو وہ زور اور طاقت استعمال کرنے کی جرأت بھی نہ کریں۔ واقعہ مشہور ہے کہ کوئی یتیم لڑکا جس کی ماں چکی پیس پیس کر گذارہ کیا کرتی تھی ایک دن اپنی ماں سے کہنے لگا۔ مجھے دو آنے چاہئیں۔ ماں نے اسے کہا۔ میرے پاس تو صرف ایک آنہ ہے وہ لے لو۔ مگر لڑکا ضد کرنے لگا اور کہنے لگا میں تو دو آنے ہی لوں گا۔ وہ لڑکا اس وقت چھت کی منڈیر پر بیٹھا تھا ماں کو کہنے لگا مجھے دو آنے دو ورنہ میں ابھی چھلانگ لگا کر مر جاؤں گا۔ اس بیچاری کا ایک ہی لڑکا تھا۔ وہ اسے ہاتھ جوڑے، منتیں کرے اور بار بار کہے کہ بیٹا ایک آنہ لے لے اس سے زیادہ میرے پاس کچھ نہیں۔ مگر وہ یہی کہتا چلا جائے کہ مجھے دو آنے دے نہیں تو میں ابھی چھلانگ لگاتا ہوں۔ ماں نیچے کھڑی روتی جائے اور بچہ اوپر بیٹھ کر چھلانگ لگانے کی دھمکی دیتا چلا جائے اس وقت اتفاقاً گلی میں سے کوئی زمیندار گذر رہا تھا۔ وہ پہلے تو باتیں سنتا رہا۔ آخر اس نے وہ آلہ جس سے توڑی ہلائی جاتی ہے اور جسے سانگھا کہتے ہیں نکال کر اس لڑکے کے سامنے کیا اور کہا تُو اُوپر سے آ میں نیچے سے سانگھا تیرے پیٹ میں ماروں گا۔ لڑکا یہ سنتے ہی کہنے لگا۔ میں نے چھلانگ تھوڑی لگانی ہے۔ میں تو اپنی ماں کو ڈرا رہا تھا۔

تو اس قسم کی باتیں وہیں سُنی جاتی ہیں جہاں زور اور طاقت سے دوسرے لوگ مرعوب ہو جاتے ہوں۔ لیکن ہم وہ ہیں جنہیں اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ صداقت خواہ ایک کمزور سے کمزور انسان کے منہ سے نکلے اُسے قبول کرو اور صداقت کے خلاف کوئی بات قبول مت کرو چاہے وہ ایک طاقتور کے منہ سے نکل رہی ہو۔ قادیان سے باہر بیشک ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن ہمارے سلسلہ کی تعلیم

انسٹی ٹیوٹ میں اس قسم کی باتیں برداشت نہیں کی جاسکتیں۔

پس ہمارے نوجوانوں کو خود بھی احمدیت کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیئے اور دوسرے نوجوانوں پر بھی واضح کرنا چاہیئے کہ یہاں کوئی ایسا طریق برداشت نہیں کیا جاسکتا جو دین کے خلاف ہو اور مذہبی روایات کے منافی ہو۔ ہم نے یہ کالج دین کی تائید کے لئے بنایا ہے۔ اگر کسی وقت محسوس ہو کہ کالج بجائے دین کی تائید کرنے کے بیدینی کا ایک ذریعہ ثابت ہو رہا ہے تو ہم ہزار گنا یہ زیادہ بہتر سمجھینگے کہ اس کالج کو بند کر دیں بجائے اس کے کہ بیدینی اور خلاف مذہب حرکات کو برداشت کریں۔ اس کالج کے پروفیسروں کو بھی یہ امر مدِّنظر رکھنا چاہیئے کہ بیرونی دنیا میں عام طور پر صداقت کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جاتا جب تک یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کتنے لوگ اس بات کو پیش کر رہے ہیں۔ اگر ایک جتھہ کی طرف سے کوئی بات پیش کی جا رہی ہو تو اسے مان لیتے ہیں۔ لیکن اگر ایک کمزور انسان کے مُنہ سے صداقت کی بات نکلے تو اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ہمیں اس طریق کے خلاف یہ عمل کرنا چاہیئے کہ اگر صداقت صرف ایک لڑکے کے مُنہ سے نکلتی ہے تو ہم اس بات کا انتظار نہ کریں کہ جب تک سَو لڑکا اس کی تائید میں نہیں ہوگا ہم اُسے نہیں مانیں گے۔ بلکہ ہمیں فوراً وہ بات قبول کر لینی چاہیئے۔ کیونکہ صداقت کو قبول کرنے میں ہی برکت ہے اور صداقت کو قبول کرنے سے ہی قومی ترقی ہوتی ہے

یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارا طریق سارے کا سارا اسلامی ہونا چاہیئے۔ بیشک ہندو، سکھ، عیسائی جو بھی آئیں ہمیں فراخدلی کے ساتھ انہیں خوش آمدید کہنا چاہیئے۔ مگر جہاں تک اخلاق کا تعلق ہے ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ان کے اخلاق سرتاپا مذہب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں ان کی عادات مذہب کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوں۔ ان کے افکار مذہب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں۔ ان کے خیالات مذہب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں۔ پس جہاں ہمارے پروفیسروں کا یہ کام ہے کہ وہ تعلیم کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں وہاں ان کا ایک یہ کام بھی ہے کہ وہ رات دن اسی کام میں لگے رہیں کہ لڑکوں کے اخلاق اور اُن کی عادات اور اُن کے خیالات اور اُن کے افکار ایسے اعلیٰ ہوں کہ دوسروں کے لئے مذہبی لحاظ سے وہ ایک مثال اور نمونہ ہوں۔ اگر خدا تعالیٰ کی توحید کا یقین ہم لڑکوں کے دلوں میں پیدا کرتے ہیں تو ہندوؤں اور سکھوں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہندو بھی خدا کے قائل ہیں اور سکھ بھی خدا کے قائل ہیں۔ اگر ہم دہریت

کو مٹاتے ہیں۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کی ہستی کا یقین لڑکوں کے دلوں میں پیدا کرتے ہیں۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کی محبت کا درس ان کو دیتے ہیں تو اُن کے ماں باپ یہ سُنکر بُرا نہیں منائیں گے بلکہ خوش ہوں گے کہ ہمارے لڑکے ایسی جگہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں جہاں دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی مذہبی لحاظ سے بھی تربیت کی جارہی ہے۔ پس جہانتک توحید کے قیام کا سوال ہے، جہانتک مذہب کی عظمت کا سوال ہے، جہانتک خدا تعالیٰ کی محبت کا سوال ہے مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی سب اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ اُن کو یہ تعلیم دی جائے کیونکہ اُن کا اپنا مذہب بھی یہی باتیں سکھاتا ہے

میرے نزدیک ہمیں ان باتوں پر اس قدر زور دینا چاہیئے کہ ہمارے کالج کا یہ ایک امتیازی نشان بن جائے کہ یہاں سے جو طالب علم بھی پڑھ کر نکلتا ہے وہ خدا پر پورا یقین رکھتا ہے۔ وہ اخلاق کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ مذہب کی عظمت کا قائل ہوتا ہے۔ اگر ایک ہندو یہاں سے بی۔اے کی ڈگری لے کر جائے تو اُسے بھی خدا تعالیٰ کی ذات پر پورا یقین ہونا چاہیئے۔ اگر ایک سکھ یہاں سے بی۔اے کی ڈگری لے کر جائے تو اسے بھی خدا تعالیٰ کی ذات پر پُورا یقین ہونا چاہیئے۔ وہ دہریت کے دشمن ہوں۔ وہ اخلاق سوز حرکات کے دشمن ہوں۔ وہ مذہب کو ناقابلِ عمل قرار دینے والوں کے مخالف ہوں اور یورپین اثر سے پوری طرح آزاد ہوں۔ وہ چاہے احمدیت کو مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں مگر مذہب کی بنیادی باتیں ان کے دلوں میں ایسی راسخ ہوں کہ ان کو وہ کسی طرح چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوں۔

اسی طرح ہمارے کالج کا ایک امتیازی نشان یہ بھی ہونا چاہیئے کہ اگر ایک عیسائی یا یہودی اس جگہ تعلیم حاصل کرے تو وہ بھی بعد میں یہ نہ کہے کہ سائنس یا حساب یا فلسفہ کے فلاں اعتراض سے مذہب باطل ثابت ہوتا ہے بلکہ جب بھی کوئی شخص ان علوم کے ذریعہ اس پر کوئی اعتراض کرے وہ فوراً اس کا جواب دے اور کہے میں ایک ایسی جگہ سے پڑھ کر آیا ہوں۔ جہاں دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ اس دنیا کا ایک خدا ہے جو سب پر حکمران ہے میں ایسے اعتراضات کا قائل نہیں ہوں۔

اگر ہم دہریت کی تمام شاخوں کی قطع و برید کر دیں۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کی ہستی کا یقین کالج میں تعلیم پانے لڑکوں کے دلوں میں اس مضبوطی سے پیدا کر دیں کہ دُنیا کا کوئی فلسفہ، دُنیا کی کوئی

سائنس اور دُنیا کا کوئی حساب انہیں اس عقیدہ سے منحرف نہ کرسکے تو ہم سمجھیں گے کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے۔

چونکہ اب شام ہوگئی ہے اس لئے میں اب اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ لیکن میں آخر میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہماری نیت یہ ہے کہ جلد سے جلد اس کالج کو بی۔ اے بلکہ ایم۔ اے تک پہنچا دیں۔ اس لئے کالج کے جو پروفیسر مقرر ہوئے ہیں انہیں اپنی تعلیمی قابلیت کو بھی بڑھانے کا فکر کرنا چاہیئے اور آئندہ ضروریات کے لئے انہیں ابھی سے اپنے آپ کو تیار کرنا چاہیئے تاکہ جب بڑی کلاسز کھولی جائیں تو قواعد کے لحاظ سے اور ضرورت کے لحاظ سے اور تجربہ کے لحاظ سے وہ ان کلاسز کو تعلیم دینے کے لئے موزوں ہوں اور اس کام کے اہل ہوں۔ اور چونکہ ہمارا منشاء آگے بڑھنے کا ہے اس لئے جہاں کالج کے پروفیسروں کو اپنا تعلیمی معیار بلند کرنا چاہیئے اور اپنے اندر موجودہ قابلیت سے بہت زیادہ قابلیت پیدا کرنی چاہیئے وہاں انہیں یہ امر بھی مدنظر رکھنا چاہیئے کہ جب کالج میں وسعت ہو تو جو اچھے اور ہونہار طالب علم ہوں اور دین کا جوش اپنے اندر رکھتے ہوں ان کو اس قابل بنائیں کہ وہ اعلیٰ نمبروں پر پاس ہوں اور ساتھ ہی ان کے دینی جوش میں ترقی ہو تاکہ جب وہ تعلیم سے فارغ ہوں تو وہ صرف دنیا کمانے میں ہی نہ لگ جائیں بلکہ اس کالج میں پروفیسر یا لیکچرار کا کام کر کے سلسلہ کی خدمت کرسکیں۔ پس ایک طرف وہ اعلیٰ درجہ کے ذہین اور ہوشیار لڑکوں کے متعلق یہ کوشش کریں کہ وہ اچھے نمبروں پر کامیاب ہوں اور دوسری طرف انہیں اس امر کی طرف توجہ دلائیں کہ جب وہ اپنے تعلیمی مقصد کو حاصل کرلیں تو اس کے بعد اپنی محنت اور دماغی کاوش کا بہترین بدلہ بجائے سونے چاندی کی صورت میں حاصل کرنے کے اس رنگ میں حاصل کریں کہ اپنے آپ کو ملک اور قوم کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ اس کے بغیر کالج کا عملہ مکمل نہیں ہوسکتا۔

پس ایک طرف ہمارے پروفیسر خود علم بڑھانے کی کوشش کریں اور دوسری طرف آئندہ پروفیسروں کے لئے ابھی سے سامان پیدا کرنے شروع کر دیں۔ اور نوجوانوں سے کہیں کہ وہ قوم کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ پھر خواہ انہیں کالج میں رکھ لیا جائے یا سلسلہ کے کسی اور کام پر لگایا جائے۔ بہرحال ان کا وجود مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ سکول میں میں نے

دیکھا ہے جب افسروں کو اس طرف توجہ دلائی گئی تو اس کے بعد ہمیں سکول میں سے ہی ایسے کئی لڑکے مل گئے جنہوں نے اپنی زندگیاں سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔

مَیں امید کرتا ہوں کہ یہی طریق کالج میں بھی اختیار کیا جائے گا تاکہ جو طالب علم اس کالج سے تعلیم پاکر نکلیں ان کے متعلق ہمیں کامل یقین ہو کہ وہ تعلیم کے بعد دین کے میدان میں ہی آئیں گے۔ یہ نہیں ہوگا کہ دنیا کمانے میں مشغول ہو جائیں۔ اور تاکہ ہم فخر سے کہہ سکیں کہ ہمارے کالج کا ہر طالب علم اپنے آپ کو دینی خدمت کے لئے پیش کر دیتا ہے۔ صرف ہمارے بچے ہوئے طالب علم ہی دنیا کی طرف جاتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ خواہ ہم کوئی کام کریں ہماری اصل دوڑ مذہب کی طرف ہی ہونی چاہئیے۔

اب مَیں دُعا کر دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری نیک خواہشات کو پُورا فرمائے اور یہ بیج جو آج اِس مقام پر ہم بو رہے ہیں اِس سے ایک دن ایسا درخت پیدا ہو جس کی ایک ایک ٹہنی ایک بڑی یونیورسٹی ہو، ایک ایک پتہ کالج ہو اور ایک ایک پھُول اشاعتِ اسلام اور تبلیغِ دین کی ایک اعلیٰ درجہ کی بُنیاد ہو جس کے ذریعہ کُفر اور بدعت دُنیا سے مِٹ جائے اور اسلام اور احمدیت کی صداقت اور خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی وحدانیت کا یقین لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جائے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن۔"[ل۵]

فضلِ عُمر سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام اور اس کے اغراض و مقاصد

حضرت سیدنا المصلح الموعود نے تعلیم الاسلام کالج کے ساتھ سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی بھی بنیاد رکھی اور اس کی نگرانی چودھری عبدالاحد صاحب ایم۔ ایس۔سی کے سپرد فرمائی۔

اس زمانہ میں اس نوعیت کے متعدد تحقیقاتی ادارے قائم تھے۔ بنگال میں ڈاکٹر بوس کی انسٹی ٹیوٹ تھی۔ اسی طرح الٰہ آباد یا بنارس یونیورسٹی کی طرف سے بھی کام ہو رہا تھا۔ بنگلور میں میسور گورنمنٹ کی طرف سے ایک اعلیٰ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ تھی۔ دہلی میں مرکزی حکومت کی انسٹی ٹیوٹ تھی۔ مگر یہ سب ادارے یا حکومت کی طرف سے جاری تھے یا یونیورسٹیوں کی طرف سے یا ہندوؤں کی طرف سے۔ کروڑوں کی تعداد میں بسنے

ل۵ "الفضل" ۱۲-۱۴-۱۵-۱۶ صلح/جنوری ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء۔ یہ تقریر "تعلیم الاسلام کالج کے قیام کی غرض و غایت" کے عنوان سے الگ بھی چھپ چکی ہے۔

والے مسلمانوں کا کوئی ایک ادارہ بھی پورے ملک میں موجود نہ تھا جس کی وجہ سے سیدنا المصلح الموعودؓ کے دل میں ہمیشہ خلش رہتی تھی۔[۱] آخر اس کے قیام کا بھی سامان ہو گیا۔ اس طرح یہ پہلا مسلم ریسرچ انسٹی ٹیوٹ تھا جو اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت فضل عمرؓ کی توجہ سے برصغیر میں وجود میں آیا۔

سیدنا المصلح الموعودؓ کے مدنظر اس عظیم تحقیقاتی مرکز کی تاسیس کا اصل مقصد کیا تھا اور آپ اس کے مستقبل سے متعلق کیا کیا عزائم رکھتے تھے اور کس طرح مغربی فلسفہ کے خلاف اسے ایک مضبوط اسلحہ خانہ بنانا چاہتے تھے اس کا کسی قدر اندازہ حضور کے خطبہ جمعہ کے درج ذیل اقتباس سے ہو سکتا ہے۔ فرمایا:۔

"ہمارا کالج درحقیقت دنیا کی ان زہروں کے مقابلہ میں ایک تریاق کا حکم رکھتا ہے جو دنیا کے مختلف ملکوں اور مختلف قوموں میں سائنس اور فلسفہ اور دوسرے علوم کے ذریعہ پھیلائی جا رہی ہیں۔ مگر اس زہر کے ازالہ کے لئے خالی فلسفہ اور دوسرے علوم کام نہیں آ سکتے بلکہ اس غرض کے لئے عملی نتائج کی بھی ضرورت ہے کیونکہ ایک کثیر حصہ سائنس کی ایجادات سے دھوکا کھا گیا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگ گیا ہے کہ سائنس کے مشاہدات اور قانون قدرت کی فعلی شہادات اسلام کو باطل ثابت کر رہی ہیں۔ اسی لئے کالج کے ساتھ ایک سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی قائم کی گئی ہے تاکہ بیک وقت ان دونوں ہتھیاروں سے مسلح ہو کر کفر پر حملہ کیا جا سکے۔ اس انسٹی ٹیوٹ کے قیام پر بھی دو لاکھ روپیہ خرچ ہوگا۔ پہلے سال کا خرچ تو اسّی نوّے ہزار کے قریب ہے لیکن اگلے سال جب عمارت کو مکمل کیا جائے گا اور سائنس کا سامان اکٹھا کیا جائے گا کم سے کم دو لاکھ روپیہ خرچ ہوگا۔ پھر سالانہ ستّر اسّی ہزار کے خرچ سے یہ کام چلے گا۔ اس کام کو چلانے کے لئے ہمیں قریباً بیس آدمی ایسے رکھنے پڑیں گے جنہوں نے سائنس کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کی ہو۔ گویا کالج سے بھی زیادہ عملہ اس غرض کے لئے ہمیں رکھنا پڑے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد امید ہے کہ یہ انسٹی ٹیوٹ خود روپیہ پیدا کرنے کے قابل بھی ہو سکے گی۔ کیونکہ اس ادارہ میں جب علوم سائنس کی تحقیق کی جائے گی تو ایسی ایجادات بھی کی جائیں گی جو تجارتی دنیا میں کام آ سکتی ہیں یا صنعت و حرفت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور ان ایجادات کو دنیا کے تجارتی اور صنعتی اداروں کے پاس فروخت کیا جائے گا۔ ہم ان اداروں سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے محکمہ نے یہ یہ ایجادات کی ہیں۔ اگر تم خریدنا چاہتے ہو تو خرید لو۔ اس طرح جو روپیہ آئے گا اس کے ذریعہ اس کام کو انشاء اللہ زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جا سکے گا

[۱] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۴۰-۱۴۱۔

اسی طرح میرا یہ بھی ارادہ ہے کہ سائنس کی جو ایجادات ایسی مفید ہوں کہ جماعت ان کو اپنے خرچ پر جاری کر سکتی ہو وہ ایجادات ہم اپنے ہاتھ میں رکھیں گے اور جماعتی خرچ سے ان کو دُنیا میں فروغ دیں گے۔ جیسے ہوزری کا کارخانہ ہے۔ اس نے ایک لمبے عرصہ تک نقصان اٹھایا مگر اب وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے قریباً سَو فیصدی نفع دے سکتا ہے۔ تیس فیصدی نفع تو دے بھی چکا ہے۔ اسی طرح آہستہ آہستہ سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی ایجادات کے ذریعہ بھی سلسلہ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے بہت کچھ روپیہ جمع ہونا شروع ہو جائے گا . . . . .

دُنیا میں جس قدر سائنس کی انسٹی ٹیوٹس ہیں ان کے مُوجد اس لئے ایجادات کرتے ہیں کہ تا اسلام تباہ ہو اور یورپ کا فلسفہ دنیا پر غالب آئے۔ مگر ہمارے موجد اس لئے ایجادات کریں گے تاکہ کُفر تباہ ہو اور اسلام یورپ کے فلسفہ اور یورپ کے تمدن پر غالب آجائے۔ یہ لڑائی ہے جو اسلام اور یورپ میں جاری ہے۔ یہ لڑائی ہے جو احمدیت اور یورپ کا فلسفہ آپس میں لڑنے والے ہیں" ؎۵۸

مزید فرمایا:-

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کو دیکھو لو۔ آپ نے جہاں اسلامی مسائل کی فوقیت ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات پیش کی ہیں وہاں آپ نے قانونِ قدرت سے بھی دلائل پیش کئے ہیں اور فرمایا ہے کہ خدا کے کلام کی سچائی کا شاہد خدا کا فعل ہے اور یہ ناممکن ہے کہ خدا کا قول اَور ہو اور اس کا فعل کچھ اَور ظاہر کر رہا ہو۔ ہمارا کام بھی یہی ہے کہ ہم خدا کی فعلی شہادت اسلام اور احمدیت کی تائید میں کالج اور سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ذریعہ دنیا کے سامنے پیش کریں۔ یہی مقصد کالج کے قیام کا ہے اور یہی مقصد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے قیام کا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی تعلیم کے ماتحت دین کی تائید کو مدّنظر رکھتے ہوئے نیچر پر غور کیا جائیگا تاکہ ہم اسلام کی سچائی کی عملی شہادت دُنیا کے سامنے پیش کر سکیں اور یورپ کے لوگوں سے کہہ سکیں کہ آج تک تم نیچر اور اس کے ذرات کی گواہی قرآن کے خلاف پیش کرتے رہے ہو مگر یہ بالکل جھوٹ تھا۔ تم دنیا کو دھوکہ دیتے رہے ہو۔ تم جھوٹ بول کر لوگوں کو ورغلاتے رہے ہو۔ آؤ! ہم

؎۵۸ "الفضل" ۳۱ ہجرت / مئی ۱۳۲۳ھش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۵-۶

تمہیں دکھائیں کہ دُنیا کا ذرّہ ذرّہ قرآن اور اسلام کی تائید کر رہا ہے اور نیچر اپنی عملی شہادت سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی راستبازی کا اعلان کر رہا ہے۔ یہ کام بہت مشکل ہے۔ یہ کام بہت لمبا ہے اور اس کے لئے بہت بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ ابتدائی کام کے لئے ہمیں ایم ایس سی ایسے درکار ہوں گے جو رات اور دن اس کام میں لگے رہیں اور اسلام کی تائید کے لئے نئی سے نئی تحقیقاتیں کرتے رہیں۔ مَیں نے بتایا ہے کہ اس کام پر ستر ہزار سے ایک لاکھ روپیہ تک سالانہ خرچ ہوگا اور شروع میں کم سے کم اس غرض کے لئے دو لاکھ روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ یورپ میں تو دو دو چار چار کروڑ روپیہ کے سرمایہ سے ایسے کاموں کا آغاز کیا جاتا ہے اور ممکن ہے ہمیں بھی زیادہ روپیہ خرچ کرنا پڑے"[1]

ابتدائی تاریخ

فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام کن مراحل میں سے گذر کر ہوا۔ اس کی ابتدائی تاریخ کیا ہے، شروع میں کیا کیا بنیادی کام ہوئے اور مستقبل کے لئے کیا پروگرام مدّنظر تھا؟ ان سب امور پر ڈاکٹر چودھری عبدالاحد صاحب کے ایک مفصّل مضمون[2] سے تفصیلی روشنی پڑتی ہے۔ جناب چودھری صاحب لکھتے ہیں:۔

"حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالےٰ کے منشاء کے مطابق شروع شروع میں خاکسار نے ہندوستان کا دورہ کر کے مختلف یونیورسٹیوں اور سائنس کے اداروں کو دیکھا اور مختلف ماہرین سائنس سے ملاقات کی تاکہ میری معلومات میں مزید اضافہ ہو۔ چونکہ حضور کے منشاء کے مطابق ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے کام میں بہت سی توسیع مدّنظر تھی۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ اس کی بلڈنگ اور لیبارٹری باہر ایک کھُلی جگہ بنائی جائے جس کے لئے زمین کے ایک بڑے رقبہ کی ضرورت تھی۔ لیکن دوران جنگ چونکہ بجلی کے لئے (CONNECTION) حاصل کرتے میں مشکلات تھیں اس لئے تعلیم الاسلام کالج کی دوسری منزل پر چند کمرے تعمیر کرنے کی تجویز ہوئی تاکہ کام فوری طور پر شروع کیا جا سکے۔ ان کمروں کے نقشے کی تفاصیل تیار کرنے کے بعد تعمیر کا کام مکرمی مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور انچارج تحریک جدید کے سپرد ہوا۔ جنگ کی وجہ سے عمارت کے لئے ضروری سامان مثلاً لوہا، اینٹیں، سیمنٹ اور لکڑی وغیرہ کے ملنے میں بہت سی

---

[1] "الفضل" ۳۰ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۷۔ [2] یہ مضمون الفضل ۳۰ امان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء میں شائع ہوا۔

مشکلات تھیں۔ لیکن مکرم انور صاحب کی کوششوں اور دوسرے احباب کے تعاون سے یہ کام مختلف مراحل سے گذرتا ہوا جنوری ۱۹۴۶ء میں پایۂ تکمیل پر پہنچا۔ فرنشنگ فٹنگ اور بجلی کا سامان مہیا کرنے میں بھی بہت سی مشکلات تھیں۔ دوسرے قادیان میں ماہر کاریگروں کی قلت کی وجہ سے اس کام کو پورا کرنے میں اندازہ سے زیادہ وقت صرف ہوا . . . . . جنگ کی وجہ سے چونکہ سامان سائنس کی غیر ممالک سے درآمد بند تھی اور ہندوستان کی مشہور فرموں سے بہت کم سامان ملتا تھا اس لئے بیرونی ممالک سے بعض آلات کے حاصل کرنے کے لئے گورنمنٹ سے لائسنس حاصل کرکے انگلستان اور امریکہ سے سامان منگوانے کی کوشش کی گئی۔

جماعت کی توجہ سائنس کے علوم کی طرف کم تھی اس لئے کام کرنے والوں کی قلت بہت شدت سے محسوس کی گئی۔ چنانچہ ان مشکلات کے پیشِ نظر حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے پہلے ہی واقفین زندگی کے ایک گروہ کو سائنس کی اعلےٰ تعلیم کے لئے منتخب فرما کر ان کی ٹریننگ کا انتظام کروا دیا تھا۔ ابتداء میں خاکسار نے صرف ایک کلرک کی امداد سے کام شروع کیا۔ کچھ عرصہ سے مکرمی اقبال احمد صاحب بی ایس سی آنرز اور بشارت احمد صاحب بی ایس سی بھی تشریف لے آئے ہیں۔ ان ہر دو احباب نے ابتدائی تحقیقاتی کام شروع کر دیا ہے جسے وہ ایم ایس سی کی ڈگری کے لئے پیش کریں گے۔ انشاء اللہ

اکتوبر ۱۹۴۵ء سے عطاء الرحمٰن صاحب غنی ایم ایس سی امپیریل انسٹی ٹیوٹ دہلی سے تشریف لائے ہیں اور لائبریری اور لٹریچر کی چھان بین کا کام ان کے سپرد کیا گیا ہے۔ پانچ مزید دوست مختلف اداروں میں بالترتیب ذیل ایم ایس سی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ غلام احمد صاحب عطا ایگریکلچرل کالج لائل پور میں، منور احمد صاحب بنارس یونیورسٹی میں، سلطان محمود صاحب شاہد، نصیر احمد خاں اور ناصر احمد سیال علی گڑھ یونیورسٹی میں، ان کے علاوہ محمد عبداللہ صاحب بی ایس سی انجنیرنگ اور ناصر احمد صاحب سیال کو عنقریب اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ بھجوایا جا رہا ہے۔ ان احباب کے علاوہ بہت سے اور نوجوان بھی زندگیاں وقف کرکے سائنس کی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے ہیں . . . . ان حالات میں ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قادیان میں جاری کرنا اور پھر کام کو جنگ کے ایام میں شروع کروانا حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کے اولوالعزم ہونے کا زبردست ثبوت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر حضور ہر مشکل کے وقت ہماری راہنمائی نہ فرماتے تو جنگ کے ایام میں اس کا شروع ہونا قریباً قریباً ناممکن تھا"

فصل سوم

قادیان میں تعلیم الاسلام کالج کی تعلیمی و تربیتی سرگرمیوں کے تین سال

(از احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء تا احسان/جون ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء)

جماعت احمدیہ کی یہ مرکزی درسگاہ قادیان کی رُوح پرور فضا اور زندگی بخش ماحول میں تقسیم برصغیر کے باعث صرف تین سال تک جاری رہ سکی۔ کالج نے اس نہایت قلیل عرصہ میں غیر معمولی ترقی کی اور اس کے ارتقاء کی رفتار حیرت انگیز رہی اور سیدنا المصلح الموعودؓ کی توجہ سے کالج نے اپنی کم عمری کے باوصف وہ تمام اہم خصوصیات حاصل کر لیں جو دوسرے ترقی یافتہ کالجوں کو سن بلوغت میں میسر آتی ہیں۔ اس سہ سالہ دور کے بعض اہم واقعات یہ ہیں۔

۱۔ فزکس اور کیمسٹری کی تجربہ گاہوں کا قیام ۲۔ طلبہ کی تعلیمی دینی و اخلاقی نگرانی کے موثر اقدامات۔ ۳۔ علمی تقریروں کا مفید سلسلہ ۴۔ طلبہ کالج کے لئے دینی نصاب ۵۔ مجلس مذہب و سائنس ۶۔ تعلیم الاسلام ریسرچ سوسائٹی ۷۔ فضل عمر ہوسٹل کی نئی عمارت کا افتتاح ۸۔ بی۔ اے اور بی۔ ایس۔ سی کلاسز کا آغاز ۹۔ فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح ۱۰۔ فضائی تربیت

واقعات کے اجمالی تعارف کے بعد اب ان کی تفصیلات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

فزکس اور کیمسٹری کی تجربہ گاہوں کا قیام

کالج کا ایک اہم بنیادی مسئلہ جس نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ صدر کالج کمیٹی اور دوسرے ارباب حل و عقد کو بہت مشوش کر رکھا تھا، شعبہ سائنس کی تیاری کا مسئلہ تھا یعنی

۱۔ سائنس بلاک (لیکچر روم اور لیبارٹریوں) کو جلد از جلد قابل استعمال بنانا

۲۔ سائنس کے مطلوبہ سامان کی خرید

۳۔ گیس پلانٹ کا انتظام

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس کام کی سرانجام دہی کے لئے حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ سے براہ راست راہنمائی حاصل کی اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کو اطلاع دی کہ

"اوّل گیس پلانٹ کا کام چونکہ زیادہ نازک ہے اور اس میں ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا بھی حصہ ہے اس لئے وہ چوہدری عبدالاحد صاحب کے سپرد رہے۔

دوم۔ باقی دونو کام یعنی (الف) سائنس کے کمروں کو استعمال کے قابل بنانا اور ان کی فٹنگ اور (ب) سائنس کے مطلوبہ سامان وغیرہ کی خرید وہ آپ کے سپرد ہو گی اور آپ مذکورہ کاموں کو اپنی نگرانی میں اپنے عملہ سے کروالیں"[۱]

شعبہ سائنس کے تینوں اہم کاموں کی تکمیل کے لئے پہلے سال جو جدوجہد کی گئی۔ اس کی تفصیل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی مندرجہ ذیل رپورٹ سے بخوبی مل سکتی ہے۔ یہ رپورٹ آپ نے صلح/جنوری ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء میں حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کی خدمت اقدس میں بھجوائی تھی۔ آپ نے تحریر فرمایا:-

"موسمی تعطیلات یعنی ۴۴/۷ تک[۲] مختلف فرموں کے ساتھ خط و کتابت میں وقت گذر گیا اور ایام تعطیلات میں (۱) گیس پلانٹ (۲) کیمسٹری اور فزکس کے کمروں کی فٹنگ (۳) لیبارٹری کی فٹنگ (۴) کالج فرنیچر (۵) سائنس کا سامان، آلات و ادویہ کی خرید (۶) دفتر کالج کے عمارتی کام میں تبدیلی کے کام مکرمی رانا عبدالرحمٰن صاحب ناصر کے سپرد کئے گئے جنہوں نے مکرمی چوہدری عبدالاحد صاحب کے مشورہ سے GAS PLANT کے ۴۴/۱۲/۲۳ تک فٹ ہو جانے کے لئے ... ۶ روپیہ پر ایجوکیشنل سٹور لاہور کے ساتھ فیصلہ کیا اور اس عرصہ میں گیس پلانٹ کے لئے کنواں اور گیس ہاؤس اور چار دیواری کا کام چوہدری غلام حسین صاحب اوورسیئر کی نگرانی میں مکمل کرایا۔

---

[۱] مکتوب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ بنام پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج قادیان مورخہ یکم احسان/جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء (فائل تعلیم الاسلام کالج قادیان سے منسلک ہے)۔

[۲] تعلیم الاسلام کالج پہلی موسمی تعطیلات کے لئے ۸ وفا/جولائی سے لے کر ۲۱ تبوک/ستمبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء تک کے لئے بند رہا۔

سائنس کے کمروں کی فٹنگ کے سلسلہ میں جو لیکچر رُومز تیار کرائے گئے تھے ان میں اینگل آئرن کی ضرورت تھی جس کی خرید میں سخت دقت پیش آئی۔ کئی مرتبہ لاہور جانا پڑا۔

چونکہ لوکل کاریگروں کے لئے یہ کام بالکل نیا تھا باوجودیکہ ان کو نمونے دکھائے گئے مگر وہ FRAMING کا کام بالکل نہ کر سکے اس لئے وہ کام بھی لاہور سے کروایا گیا۔ اسی طرح لیبارٹری میں گیس اور پانی کی نالی کی فٹنگ یہاں کے کاریگر نہ کر سکے اس لئے لاہور کی ایک فرم کے ساتھ معاہدہ (AGREEMENT) کر کے کام کی تکمیل کروائی گئی۔ لیکن گھومنے والے بلیک بورڈ قادیان میں ہی تیار کروا کر کیمسٹری اور فزکس کے کمروں کی فرنشنگ کروائی گئی"

کالج کے سیکنڈ ایر کے لئے روشنی (LIGHT) بجلی (ELECTRICITY) اور مقناطیسی (MAGNETISM) کا سامان ماہ اخاء ونبوت / اکتوبر و نومبر ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء میں پہنچا۔

طلباء کی دینی، تعلیمی اور اخلاقی نگرانی کے لئے موثر اقدامات

ماہ احسان / جون ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء میں طلبہ کی نگرانی کے لئے بعض اہم اقدامات کئے گئے۔ مثلاً کالج کے طلبہ کو سات گروپوں میں تقسیم کر کے پروفیسر صاحبان کو گروپ انچارج مقرر کر دیا گیا جن کا کام طلبہ کی ہر قسم کی نگرانی اور ان کی ترقی کے معیار کو ہر رنگ اور ہر پہلو میں بلند کرنا تھا۔[1] نماز ظہر کالج کے تعلیمی وقت کے درمیان آتی تھی جس میں طلباء کی حاضری کی نگرانی کی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں احمدی طلبہ کے لئے جو قادیان کے کسی محلے یا ہوسٹل میں رہتے تھے، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے درس قرآن میں شمولیت لازمی قرار دے دی گئی۔[2] اسی تعلق میں حضرت پرنسپل صاحب کالج نے یکم نبوت / نومبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کو یہ خصوصی ہدایت جاری فرمائی کہ

"اساتذہ کرام اس بات کا خیال رکھیں کہ آئندہ کوئی طالب علم کلاس میں ننگے سر نہ آئے۔ اگر کوئی طالب علم اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کو کلاس سے باہر نکال دیں جب تک کہ وہ ٹوپی پہن کر نہ آئے"[3]

---

[1] "رپورٹ تعلیم الاسلام کالج" مورخہ ۲۰ / احسان / جون ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء (غیر مطبوعہ)

[2] یہ پر معارف درس صلح / جنوری ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء سے مسجد مبارک میں بعد نماز عصر ہوتا تھا۔

[3] فائل "OFFICE NOTICES"

کھیلوں کا اجراء

علاوہ اس امر کے کہ کھیلوں کے بارے میں پنجاب یونیورسٹی کے قواعد بہت سخت تھے اور ہیں سلسلہ احمدیہ کے مرکزی تعلیمی اداروں میں کھیلوں کو ہمیشہ نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے اور یہ اس کی مسلمہ قدیم روایات ہیں۔

کالج میں کھیلوں کا باضابطہ اجراء ۸/احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو ہوا۔ ایک ہفتہ بعد طلباء کو ان کی استعداد اور شوق کے مطابق مختلف گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا۔[1] کالج میں پہلا ٹورنامنٹ ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کے آخری ہفتہ میں منعقد ہوا۔[2]

علمی تقریروں کا مفید سلسلہ

افتتاح کالج کے بعد طلبہ کے اضافہ معلومات کے لئے ایک سلسلہ تقاریر جاری کیا گیا۔ اس سلسلہ کی پہلی تقریر آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے ۲۶/احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو فرمائی جس میں آپ نے نہایت قیمتی نصائح اور تجاویز سے مستفید فرمایا۔ صدارت کے فرائض حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے انجام دیئے۔[3]

چوہدری صاحب کی اس تقریر کے بعد سال ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں حسب ذیل مقررین نے خطاب فرمایا:۔
ڈاکٹر سید ریاض الحسن صاحب آفیسر انچارج بائی لاجیکل پروڈکٹس و اسسٹنٹ ڈائریکٹر گورنمنٹ ریسرچ انسٹیٹیوٹ عزت نگر (بریلی)[4]، مسٹر اے۔ ایچ بھٹی، حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی۔ مولانا ابوالعطاء صاحب، قاضی محمد نذیر صاحب۔[5][6]

---

[1] غیر مطبوعہ "رپورٹ تعلیم الاسلام کالج" مورخہ ۲۰/احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء۔

[2] ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء میں تعلیم الاسلام کالج سومنگ کلب کے طلباء نے یونیورسٹی اور پنجاب کے تیراکی کے مقابلوں میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ناصر محمود صاحب اور عبدالشکور صاحب نے پچاس اور سو میٹر کی دوڑ میں یونیورسٹی میں پوزیشن لی۔ پنجاب چمپئن شپ میں کالج کی ریلے ٹیم دوم آئی۔ اس کی ٹیم نے واٹر پولو میں پہلے گورنمنٹ کالج لاہور کی ٹیم کو شکست دی اور پھر فائنل میں ایچیسن کالج کی ٹیم کو تین کے مقابلہ میں پانچ گول سے ہرا دیا۔ اور واٹر پولو کی چمپئن شپ جو ایچی سن کالج کے پاس تھی تعلیم الاسلام کالج نے جیت لی۔ (الفضل ۲۵/احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲)

[3] "الفضل" ۲۷/احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۳۔ [4] "الفضل" ۱۹/فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

[5] رپورٹ از ابتداء تا صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء (غیر مطبوعہ) یہ رپورٹ کالج کے ریکارڈ میں موجود ہے۔

[6] ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کے بعض مقررین یہ تھے: عبدالسلام صاحب اختر ایم۔ اے، میجر رچرڈس ریکروٹنگ آفیسر نادرن ایریا، ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں مشہور ریاضی دان پروفیسر مارڈل صاحب ایف۔ آر۔ ایس (کیمبرج)، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرؓ، مسٹر او۔ ایچ کے سپیٹ (لنڈن سکول آف اکنامکس میں جغرافیہ کے پروفیسر) نے طلبہ سے خطاب کیا (الفضل مورخہ ۱۸/صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱ کالم ۲، ۱۹/امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱ کالم ۲، ۲۵/صلح/جنوری ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱، ۲۸/صلح/جنوری ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۲، ۲۸/صلح/جنوری ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱، ۱۸/ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱۔

کالج یونین کی بنیاد

طلبہ میں اردو اور انگریزی میں تقریر کا ملکہ پیدا کرنے کے لئے اخوند عبدالقادر صاحب ایم۔اے کی زیر نگرانی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے دوران ہی کالج یونین قائم کی گئی۔[1] اسی طرح ہائیکنگ کلب اور بعض اور سوسائٹیوں کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔[2]

احمدی طلبہ کیلئے دینی نصاب

مجلس تعلیم نے سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کی منظوری کے بعد ۳؍وفا/جولائی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء[3] کو انٹرمیڈایٹ کلاس کے احمدی طلبہ کے لئے حسب ذیل دینی نصاب مقرر کیا:۔

۱۔ قرآن شریف ناظرہ مع ایسے ترجمہ کے جو اس کے مطالب کو واضح کرنے والا ہو۔ حفظ ربع آخر پارہ عم

۲۔ حدیث۔ عمدۃ الاحکام

۱؎ "رپورٹ تعلیم الاسلام کالج" ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء (غیر مطبوعہ)۔

۲؎ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء میں کالج کی ہائیکنگ پارٹی چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے کی قیادت میں پانگی (ریاست چمبہ) کے علاقہ میں گئی۔ یہ پارٹی حسب پروگرام ۷؍وفا/جولائی کو قادیان سے روانہ ہوئی اور ۹؍ظہور/اگست کو بخیریت واپس پہنچی۔ اس ہندو ریاست میں طلبہ سے نہایت تنگدلانہ اور متعصبانہ سلوک روا رکھا گیا۔ جس کی مفصل اطلاع چوہدری صاحب نے حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کے حضور بھی کر دی چنانچہ انہوں نے لکھا "حضور کے خدام کالج ہائیکنگ پارٹی اس وقت کلاڈ پانگی میں چار روز سے ٹھیرے ہوئے ہیں۔ اس جگہ سارے پانگی میں جہانتک خاکسار کے علم کا تعلق ہے صرف ایک سنار مسلمان ہے۔ باقی سب کٹر ہندو ہیں۔ یہاں پر ایک بنگالی "سوامی جی" ہیں۔ انہوں نے ہمارے راشن اور قلیوں کی فراہمی میں سخت دقت پیدا کی ہے۔ یہاں سرکاری ڈپو ہے اور آٹا وغیرہ یہاں سے ملتا ہے۔ لیکن پہلے ہی دن سوامی جی نے خود آکر ڈپو والے کو ہمیں آٹا دینے سے روک دیا۔ سوامی جی کا لوگوں میں بہت رسوخ ہے۔ یہاں تک کہ سرکاری ملازمین اور افسروں کا راشن بھی بعض اوقات بند کر دیتے ہیں۔ یہاں پر کچھ آریہ سماجی بھی آئے ہوئے ہیں وہ بھی شرارت کر رہے ہیں۔ پارٹی کا پروگرام ٹوٹ رہا ہے اور جب تک راشن نہ ہو واپس آنا سخت مشکل ہے۔ پانگی کی چڑھائی اور میل ہا میل برف پر چلنے کی وجہ سے اور بارش میں بھیگ جانے کے باعث اور خوراک کی قلت کے سبب پارٹی کے اکثر ممبر بیمار ہو چکے ہیں۔ اگرچہ یہاں ہسپتال ہے اور ڈاکٹر صاحب جو نہایت شریف آدمی ہیں ہماری مدد کر رہے ہیں اور ہمارے اپنے پاس بھی کچھ دوائیاں ہیں پھر بھی، پانگی کا راستہ واپس طے کرنا مشکل ہے جبتک پورا سامان خوراک نہ ہو اور قلی نہ ہوں۔ قلیوں کو بھی سوامی جی نے بہکا دیا ہے۔ یہاں لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ لوگ ہمارا دھرم بھرشٹ کرنے آئے ہیں" (الفضل ۱۲؍ظہور/اگست ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲)
چوہدری محمد علی صاحب کا بیان ہے کہ "جب ہم واپس ڈلہوزی پہنچے تو حضور رضی اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اطلاع بھیجی۔ حضور بلا توقف، بے تابانہ، ایک ہاتھ میں قلم، ایک میں کاغذ، پیشانی مبارک پر چشمہ، ننگے سر، ننگے پاؤں، سیڑھیوں کے پاس تشریف لے آئے۔ ہم دوڑ کر حضور کی خدمت میں پہنچے۔ سلام عرض کرنے کی سعادت حاصل کی اور حضور اسی حالت میں حالات دریافت فرماتے رہے"۔

۳؎ رجسٹر کارروائی مجلس تعلیم قرارداد ۵۴، ۵۵۔

۳۔ کلام ۔ نزول المسیح ۔ کشتی نوح ۔ ترجمہ لباب الخیار ۔ احمدیت یعنی حقیقی اسلام ۔ ہمارا خدا۔

۴۔ ایسے احمدی طلباء جو باہر سے آئے ہوئے ہونے کی وجہ سے اوپر کا نصاب نہ سمجھ سکتے ہوں یا پُورا نہ کرسکتے ہوں اُن کے لئے مندرجہ ذیل نصاب ہوگا:۔

(الف) قرآن شریف ناظرہ و قرآن شریف با ترجمہ تا آخر سورۃ توبہ و ترجمہ نماز

(ب) حدیث ۔ نبراس المومنین

(ج) کلام ۔ نزول المسیح ۔ کشتی نوح ۔ ترجمہ لباب الخیار ۔ احمدیت یعنی حقیقی اسلام ۔ ہمارا خدا۔

۵۔ باہر سے آنے والے طلباء میں سے جو اس نصاب کو نہ لیں اُن کے لئے حسب ذیل عام اسلامی تاریخ کا نصاب ہوگا:۔ سیرت خاتم النبیین حصہ اوّل ایڈیشن ثانی ، مختصر تاریخ اسلام مصنفہ شاہ معین الدین ندوی اعظم گڑھ ، اردو ترجمہ لباب الخیار ، سوانح حضرت محمدؐ صاحب مصنفہ شردھے پرکاش صاحب[1،2]

پرنسپل تعلیم الاسلام کالج پنجاب یونیورسٹی کی اکیڈیمک کونسل میں

تعلیم الاسلام کالج کو پہلے ہی سال پورے صوبہ بلکہ ملک بھر میں جو شہرت نصیب ہوئی اس کا نہایت خوشگوار اثر صوبائی کالجوں پر یہ پڑا کہ پنجاب یونیورسٹی کے تمام انٹرمیڈیٹ کالجوں کے پرنسپل صاحبان نے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو متفقہ طور پر سال ۴۶-۱۹۴۵ء کے لئے یونیورسٹی کی اکیڈیمک کونسل کا ممبر منتخب کرلیا اور پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے آپ کو ۷ر جنوری ۱۹۴۵ء کو یہ اطلاع بھی مل گئی۔[3]

---

[1] رسالہ "مجلس تعلیم" صفحہ ۵۱-۵۲ شائع کردہ مجلس تعلیم قادیان (فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)۔

[2] اس نصاب کا پہلا امتحان ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کے شروع میں ہوا جس کا نتیجہ "الفضل" یکم امان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ پر شائع شدہ ہے کل ۳۳ طلباء کامیاب ہوئے۔ عبدالسمیع صاحب نون (اوجمہ حال ایڈووکیٹ سرگودھا) اور فضل الٰہی صاحب انوری (سابق مبلغ جرمنی حال مبلغ نائیجیریا) بالترتیب اوّل و دوم قرار پائے۔

امتحان پاس کرنے والے دوسرے طلبہ کے نام:۔ محمد امین صاحب (حال لندن) سعید احمد صاحب اعوان، چوہدری فیض احمد صاحب، عبدالکریم صاحب شیخ بہاء اللہ صاحب (حال ساہیوال)، قریشی ہارون الرشید صاحب ارشد، سید منیر احمد صاحب، خلیل احمد صاحب (پشاوری)، صلاح الدین صاحب ناصر (بنگالی)، محمد ظہیر الدین صاحب، الطاف حسین صاحب، سید شفیق الحسن صاحب، مسعود احمد صاحب، شیخ نصیر الدین احمد صاحب (ابن حضرت ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحب)، نذیر احمد صاحب، غلام احمد صاحب (گجراتی)، محمود احمد صاحب عبداللطیف صاحب ملتانی، چوہدری مختار احمد صاحب (حال سرگودھا)، عبدالحمید صاحب سعید حیدر آبادی، سلیم الدین صاحب (مرحوم متوفی ۳۲/۳/۱۱)، مسعود احمد صاحب عاطف (حال پروفیسر تعلیم الاسلام کالج)، محمود احمد صاحب صادق، محمد ادریس صاحب عیسیٰ صاحب (حال شعبہ موسیقی کوئٹہ)، ملک مسعود احمد صاحب (ڈپٹی غازیخان حال وائس پرنسپل گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ)، سردار منور احمد خان صاحب، چوہدری نذیر احمد صاحب، محمد شریف صاحب، حافظ عطاء الحق صاحب (برادر اصغر مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب)، بشیر احمد صاحب، محمد شریف صاحب (الفضل یکم امان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱)۔

[3] "الفضل" ۸ر صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲۔

مجلسِ مذہب و سائنس کا قیام

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ماہ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء میں قیام کالج کے بعد جماعت احمدیہ میں اعلیٰ علمی، مذہبی اور سائنٹفک تحقیق کا مذاق پیدا کرنے کے لئے "مجلسِ مذہب و سائنس" کے نام سے ایک اہم مجلس کی تاسیس فرمائی۔ جس کا صدر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو نامزد فرمایا۔ حضرت میاں صاحب نے مجلس کا کام چلانے کے لئے حسب ذیل عہدیدار مقرر فرمائے:۔

۱۔ نائب صدر: حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج قادیان

۲۔ زائد نائب صدر: مولانا ابوالعطاء صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ قادیان

۳۔ جنرل سکرٹری: چوہدری عبدالاحد صاحب ایم ایس سی۔ پی ایچ ڈی۔

۴۔ نائب سکرٹری: چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر بی اے و عبدالسلام صاحب اختر ایم اے

۵۔ انچارج لائبریری: پروفیسر عطاء الرحمٰن صاحب غنی ایم ایس سی

۶۔ ایڈیٹر حصہ انگریزی: ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے

۷۔ ایڈیٹر حصہ اردو: چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر بی۔اے[۱]

مجلس کے بنیادی مقاصد یہ تھے کہ سائنس، فلسفہ، اقتصادیات، عمرانیات اور دوسرے علومِ جدیدہ کی طرف سے مذہب پر عموماً اور اسلام پر خصوصاً ہونے والے اعتراضات کی اعلیٰ علمی سطح پر تحقیق کی جائے۔ اس غرض کے لئے چار سب کمیٹیوں کی تشکیل کی گئی۔ سب کمیٹی[۱] مذہب۔ سب کمیٹی[۲] سائنس، سب کمیٹی[۳] فلسفہ اور سب کمیٹی[۴] اقتصادیات، پولیٹکل سائنس اور سوشیالوجی وغیرہ۔ ان سب کمیٹیوں کے سکرٹری بالترتیب مولانا ابوالعطاء صاحب، ڈاکٹر عبدالاحد صاحب ایم ایس سی۔ پی ایچ ڈی، چوہدری محمد علی صاحب ایم اے اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب تجویز ہوئے۔

مجلس کا پہلا پبلک جلسہ ۲۹ امان / مارچ ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء کو مسجد اقصیٰ میں منعقد ہوا جس میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے نہایت لطیف پیرایہ میں مجلس کی اہمیت و ضرورت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

"سلسلہ احمدیہ کے کام کا دائرہ اب آہستہ آہستہ بہت وسعت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ جس

---

[۱] "الفضل" ۸ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء صفحہ ۶

طرح سمندر میں پہلے ایک لہر اُٹھتی ہے، پھر دوسری۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور پھر تیسری اور اس طرح لہروں کا حلقہ وسیع ہوتا جاتا ہے اسی طرح خدائی سلسلہ بھی روز بروز بڑھتا ہے اور اپنے حلقہ کو وسیع کرتا جاتا ہے۔ شروع میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ہماری ابتدائی بحث قریباً نوّے فیصدی وفات مسیح کے مسئلہ پر ہوا کرتی تھی۔ پھر صداقت مسیح موعود کے مسئلہ پر زور شروع ہوا۔ پھر نبوت کے مسائل پر بحث کا دَور آیا اور ساتھ ساتھ دوسری قوموں کے ساتھ مقابلہ بڑھتا گیا۔ اور اب آہستہ آہستہ اللہ تعالےٰ وہ وقت لا رہا ہے جب کہ احمدیت کا ساری دُنیا کے ساتھ ٹکراؤ ہونے والا ہے اور اس کے نتیجہ میں ہی اسے انشاء اللہ عالمگیر فتح حاصل ہوگی "

" اس وقت ہمارے لئے معین مذہبی تعلیمات کو چھوڑ کر تین مقابلے در پیش ہیں۔ ان میں سے بعض تو حقیقی ہیں اور بعض خیالی۔ لیکن بہرحال ان تینوں کا مقابلہ کرنا اس مجلس کا کام ہے۔ پہلا دائرہ جو اقتصادیات کا دائرہ ہے ایک عملی دائرہ ہے جس کا اسلام اور احمدیت سے بھاری مقابلہ ہے۔ ہمیں اس کے مقابلہ پر وہ نظام پیش کرنا ہے جو اسلام پیش کرتا ہے اور اسے غالب کر کے دکھانا ہے۔ دوسرا دائرہ جو فلسفہ سے تعلق رکھتا ہے ایک قولی مقابلہ ہے۔ یہ لوگ فلسفے کے چند نظریئے پیش کرتے ہیں جو بعض صورتوں میں اسلامی تعلیموں کے ساتھ سخت ٹکراتے ہیں۔ ہمیں اس کے مقابلہ میں اسلام کے نظریئے پیش کرنے اور ان کی فوقیت ثابت کرنی ہے۔ تیسرا حلقہ سائنس کا ہے۔ اس حلقہ کا مذہب کے ساتھ کوئی حقیقی ٹکراؤ نہیں ہے۔ کیونکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے سائنس خدا کا فعل ہے اور مذہب خدا کا قول ہے مگر چونکہ بعض لوگ کوتاہ بینی کی وجہ سے غیر ثابت شدہ حقائق کو ثابت شدہ حقائق سمجھ کر اعتراض کر دیتے ہیں۔ اس لئے اس کے مقابلہ کی بھی ضرورت ہے۔

تو یہ تین دائرے ہیں۔ ایک عملی دوسرا قولی تیسرا خیالی یعنی غیر حقیقی، جن کے مقابلہ کے لئے یہ مجلس مذہب و سائنس قائم ہوئی ہے "[1]

مجلس نے اپنے قیام کے بعد سب سے پہلے خصوصی توجہ دو امور پر مرکوز کر دی۔

۱۔ جدید علوم کی طرف سے اسلام اور مذہب پر وارد ہونے والے اعتراضات کی مکمل فہرست

---

[1] "الفضل" ۲۵ شہادت / اپریل ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۳ پر مکمل تقریر درج ہے۔

۲۔ علوم جدیدہ کے لٹریچر کی مکمل فہرست

مجلس نے ابتداء ہی میں موجودہ دنیا کے اہم ترین علمی مضامین کی تحقیق کے لئے مندرجہ ذیل اہل علم و فہم کی خدمات حاصل کر لیں:۔

مقرر	موضوع	تاریخ خطاب
۱۔ ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے	"دنیا کی موجودہ تحریکیں"	۲۶ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء[۱]
۲۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔ اے	"اشتراکیت اور مذہب"	۱۹ شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء[۲]
۳۔ پروفیسر محمد علی صاحب ایم۔ اے	"علم النفس کے جدید نظریئے"	۳۱ ہجرت/مئی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء[۳]
۴۔ چوہدری عبدالاحد صاحب ایم ایس سی، پی ایچ ڈی	"نظام کائنات اور سائنس کی حدود"	۴ وفا/جولائی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء[۴]
۵۔ " " "	"	یکم نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء[۵]
۶۔ " " "	"زندہ اشیاء کے خواص اور زندگی کی اہمیت"	۲۷ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء[۶]
۷۔ ڈاکٹر پی۔ کے کچلو صاحب پروفیسر طبعیات گورنمنٹ کالج لاہور	"جوہری توانائی"	۴ فتح/دسمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء[۷]
۸۔ ڈاکٹر میلا رام صاحب پروفیسر طبعیات ایف۔ سی کالج لاہور	"زمین کی عمر"	۱۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء[۸]
۹۔ ڈاکٹر آسکریہ فلر صاحب (ڈی۔ ایس۔ سی)	"مذہب اور سائنس"	۲۵ " "[۹]

پہلی تین تقاریر کے سوا جن میں بالترتیب حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ اور مولوی ابوالعطاء صاحب نے صدارت کے فرائض انجام دیئے باقی سب اجلاسوں میں سیدنا المصلح الموعودؓ بنفس نفیس رونق افروز رہے اور حضور نے اپنے بیش قیمت ارشادات سے مستفیض فرمایا۔

---

[۱] "الفضل" ۳۰ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ ۔ [۶] "الفضل" ۵ وفا/جولائی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۳ کالم ۳ ۔
[۲] " ۲۰ شہادت/اپریل " صفحہ ۲ کالم ۱ ۔ [۷] " ۵ فتح/دسمبر " صفحہ ۱ کالم ۱
[۳] " ۳ احسان/جون " صفحہ ۶ کالم ۱-۲ ۔ نیز " ۷ " " صفحہ ۵ ۔
[۴] " ۱۰ وفا/جولائی " صفحہ ۴ ۔ [۸] " ۱۹ " " صفحہ ۱ کالم ۲ ۔
[۵] " ۵ نبوت/نومبر " صفحہ ۴ ۔ [۹] " ۲۸ " " صفحہ ۴ کالم ۱-۲ ۔

مجلس مذہب و سائنس کے زیر اہتمام پہلے آٹھ لیکچر مسجد اقصیٰ میں دیئے گئے اور نواں لیکچر مسجد مبارک میں ہوا۔ یہ مجلس تقسیم ہند تک قائم رہی اور اپنے دائرہ عمل میں نہایت قابل قدر اور مفید علمی خدمات سرانجام دیتی رہی۔

تعلیم الاسلام ریسرچ سوسائٹی کی بنیاد

سیدنا المصلح الموعود کے ارشاد پر "مجلس مذہب و سائنس" کے علاوہ ۱۸؍صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو "تعلیم الاسلام ریسرچ سوسائٹی" بھی قائم کی گئی جس کے بنیادی اغراض و مقاصد یہ تھے کہ طلباء اور اساتذہ دونوں میں تحقیقاتی اور علمی مذاق پیدا کیا جائے اور ان اعتراضات کے متعلق جو مذہب پر عموماً اور اسلام پر خصوصاً سائنس اور دیگر علوم کی بناء پر کئے جاتے ہیں پوری تحقیقات کر کے ان کا ردّ کیا جائے۔ سوسائٹی کی دو شاخیں تجویز کی گئیں۔ (الف) سائنس سیکشن (ب) آرٹس سیکشن

اس علمی اور تحقیقاتی مجلس کے صدر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (پرنسپل) اور سرپرست حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب (صدر کالج کمیٹی) تھے۔ اور اس کے قواعد میں یہ بات شامل تھی کہ یہ سوسائٹی فضل عمر سائنٹفک اینڈ ریلیجس سوسائٹی کے لئے جس کا نام مجلس مذہب و سائنس" رکھا گیا، پودوں کے ذخیرہ (NURSERY) کے طور پر کام کرے گی۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ کالج یونین، جوبلی فنڈ، صدر انجمن احمدیہ اور عطیہ جات سے اس کے اخراجات پورے کرنے کی کوشش کی جائے گی

فضل عمر ہوسٹل کی نئی عمارت کا افتتاح

فضل عمر ہوسٹل عارضی طور پر گیسٹ ہاؤس میں قائم ہو چکا تھا۔ مگر ضرورت اس امر کی تھی کہ اُسے کالج کمیٹی کے طے شدہ پروگرام کے مطابق جامعہ احمدیہ کی عمارت میں منتقل کر دیا جائے۔ یہ جگہ تعلیم الاسلام کالج سے بالکل متصل غربی جانب واقع تھی اور خلافت اولیٰ کے زمانہ میں مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے کی رہائش گاہ اور دفتر تفسیر القرآن کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔

یہ عمارت بہت سے تعمیری اضافوں اور تبدیلیوں کے بعد ماہ اخاء/اکتوبر میں ہوسٹل کی صورت میں تبدیل کر دی گئی اور حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے اس کا افتتاح اسی ماہ ۲۷ اخاء/اکتوبر کو نماز عصر کے بعد فرمایا۔

اس تقریب پر چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے سپرنٹنڈنٹ فضل عمر ہوسٹل نے پہلے ایک ایڈریس

پیش کیا جس کی ابتدا میں کہا:۔

"آج سے ۳۱ سال پہلے جبکہ منکرین خلافت خدا کے رسول کی تخت گاہ چھوڑ رہے تھے تو اُن میں سے ایک نے تعلیم الاسلام ہائی سکول کی عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ آج سے دس سال کے بعد اس بلڈنگ پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے موافق مصلح موعود کے مبارک دَور میں جماعت کو ترقی پر ترقی عطا فرمائی۔ وہ بلڈنگ جس کے متعلق یہ بات کہی گئی تھی۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نوازا۔ اور سکول کی بجائے اسے کالج کی بلڈنگ میں تبدیل کر دیا۔ فالحمدللہ علےٰ ذالک۔

یہ جگہ جہاں موجودہ ہوسٹل کی تعمیر ہوئی ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں منکرین خلافت کے امیر رہا کرتے تھے۔ لیکن آج ان کی کوٹھی کالج کے ہوسٹل میں تبدیل ہو گئی ہے۔ یہ سب باتیں ہمارے لئے نشان ہیں۔ . . . . ہم حضور سے درخواست کرتے ہیں کہ حضور دُعا فرماویں کہ اللہ تعالےٰ ہر بُرے اثر کو اس جگہ سے دُور کرے اور اپنی برکات کی بارش سے سیراب کرے۔"[۵]

اس ایڈریس کے بعد حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ایک نہایت رُوح پرور اور وجد آفریں تقریر فرمائی جس کا آغاز ان الفاظ سے کیا کہ

"سپرنٹنڈنٹ صاحب ہوسٹل تعلیم الاسلام کالج نے ایک پُرانے واقعہ کی طرف اپنے ایڈریس میں اشارہ کیا ہے۔ آپ لوگ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنے والے اور تاریخی طور پر اسے یاد رکھنے والے اس کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکتے جو کیفیت آج سے ۳۲ سال پہلے مارچ ۱۹۱۴ء میں قادیان کے لوگوں پر طاری ہوئی تھی۔ . . . . . اس وقت کی قادیان آج والی قادیان نہ تھی جتنے محلے قصبہ سے باہر آج آباد نظر آتے ہیں ان میں سے کوئی بھی نہ تھا۔ قادیان کی آبادی اس وقت قریباً قریباً اتنی ہی ہوگی جتنی اس وقت کالج اور اس کے متعلقین کی تعداد ہے۔ قصبہ کے باہر جتنے مکانات نظر آتے ہیں سوائے سکول کے اور سوائے مسجد نور اور مولوی محمد علی صاحب کی اس کوٹھی کے جس کی طرف سپرنٹنڈنٹ صاحب نے اشارہ کیا ہے۔ باقی تمام جنگل ہی جنگل تھا۔ اس وقت یہ سوال جماعت کے سامنے آیا کہ کیا اپنے اصول پر قائم رہ کر اکابرین جماعت کا مقابلہ کریں یا ان سے ڈر کر ہتھیار رکھ

---

۵ "الفضل" ۲ نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۱، ۲۔

دیں۔ اس وقت اس فیصلہ کا انحصار ایک ایسے شخص پر تھا جس کی عمر کالج کے بہت سے پروفیسروں سے کم تھی۔ جس کی حیثیت موجودہ کالج کے بہت سے پروفیسروں سے بہت کم تھی۔ جس کا علم جہاں تک دنیوی علوم کا تعلق ہے، کالج کے ہر طالب علم سے کم تھا۔ صرف اس ایک انسان کے ذمہ یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا ان تمام ذمہ داریوں کے ہوتے ہوئے آیا ان تمام بوجھوں کے ہوتے ہوئے اور آیا ان تمام کمزوریوں کے ہوتے ہوئے جبکہ جماعت کے تمام اکابر خلاف کھڑے ہو گئے تھے۔ جبکہ بہت سی بیرونی جماعتوں میں ابتلاء آچکا تھا۔ جبکہ جماعت کے لوگوں میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا تھا کہ قادیان کے لوگ سلسلہ کو تباہ کرنے پر تُلے ہوئے ہیں اور بہت بڑے فتنہ کی بنیاد رکھ رہے ہیں، اس وقت ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے یا ان کے سامنے ہتھیار رکھ دینے چاہئیں۔ وہ اکابر جو سلسلہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے اُن کا اندازہ اس وقت کی حالت کی نسبت کیا تھا اس کی طرف سپرنٹنڈنٹ صاحب نے اپنے ایڈریس میں اشارہ کیا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہمارا اثر و رسوخ اتنا زیادہ ہے اور ہمارے مقابلہ میں کھڑے ہونے والے تعداد میں، علم میں، ساز و سامان میں، اور اثر و رسوخ میں اتنے کمزور ہیں کہ اگر ہمارے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو گرتے پڑتے زیادہ سے زیادہ دس سال تک ٹھہریں گے۔ پھر یہاں عیسائیوں کا قبضہ ہو جائے گا اور احمدیوں کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ اس وقت اس شخص کو جس کی عمر ۲۵ سال تھی، خدا تعالیٰ کے فضل سے اس بات کا فیصلہ کرنے کی توفیق ملی کہ خواہ حالات کچھ بھی ہوں اس جھنڈا کو کھڑا رکھے گا جس کو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ کھڑا کیا ہے"۔[۵۰]

اس کے بعد حضور نے ۱۹۱۴ء کے بعض واقعات پر روشنی ڈالنے کے بعد طلباء کو نصیحت فرمائی:۔

"آج آپ لوگ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ وہ دن کیسے خطرناک تھے اور خدا تعالیٰ نے کس قسم کے فتنوں میں سے جماعت کو گذارا۔ اس حالت کا آج کی حالت سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہی جوش اور وہی اخلاص جو اس وقت جماعت میں تھا آج بھی آپ لوگوں میں ہو تو یقیناً تم پہاڑوں کو ہلا سکتے ہو۔ اس وقت جماعت کے لوگ بہت تھوڑے تھے مگر خدا تعالیٰ نے ان کو ایسا ایمان اور ایسا جوش بخشا کہ کوئی بڑی سے بڑی روک بھی انہیں کچھ نہ نظر آتی تھی۔ آج کے نوجوان اور آج کی جماعت اگر

۵۰؎ "الفضل" یکم نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴۔

ویسا ہی ایمان پیدا کرلے تو دُنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کرسکتی ہے۔ جو کام ایک پونڈ بارود کرسکتا ہے ایک ٹن بارود اس سے بہت زیادہ کام کرسکتا ہے۔ اگر اس وقت جماعت کی حیثیت پونڈ کی تھی تو آج خدا تعالیٰ کے فضل سے ٹن کی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اُس وقت جماعت کے لوگ بارود تھے کیا آج بھی وہ بارود ہیں یا ریت کا ڈھیر۔ اگر بارود ہیں تو یقیناً آج اُس وقت کی نسبت بہت زیادہ کام کرسکتے ہیں۔ لیکن اگر ریت ہیں تو اس وقت کے کام کا سواں حصہ بھی نہیں کرسکتے۔ پس مَیں نوجوانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اپنے اندر اخلاص پیدا کریں۔"[۱]

حضور نے آخر میں مولوی محمد علی صاحب کی کوٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:-

"یہ سامنے کی کوٹھی جنہوں نے اپنے رہنے کے لئے بنوائی تھی اس میں اب ہوسٹل کے جو سپرنٹنڈنٹ رہیں گے وہ ان کے ہم نام، ہم قوم، ہم ڈگری اور ہم علاقہ ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے۔ پہلا آدم آیا تو اُسے شیطان نے جنت سے نکالا مگر دوسرا آدم اس لئے آیا کہ جنت میں داخل کرے۔ اس کوٹھی میں پہلے رہنے والے محمد علی نام کے، ایم۔ اے ڈگری والے، ارائیں قوم کے اور وطن کے لحاظ سے جالندھری تھے، اُن کے ساتھیوں نے خلافت کے اختلاف کے وقت کہا تھا۔ دیکھ لینا! دس سال تک یہاں عیسائیوں کا قبضہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ کی نکتہ نوازی دیکھو۔ دس سال بعد نہیں تیس سال بعد ایک دوسرا شخص اُسی نام، اُسی ڈگری، اسی قوم اور اسی ضلع کا آج ہمارے سامنے یہ کہہ رہا ہے کہ اب مَیں اس کوٹھی میں رہوں گا اور احمدیت کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کروں گا۔ جو کچھ پہلے محمد علی ایم۔ اے ارائیں جالندھری نے کہا تھا بالکل غلط ہے۔ یہ جگہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے ہی بنائی اور یہاں اسلام کے خادم ہی رہیں گے اور مَیں محمد علی ایم۔ اے ارائیں جالندھری اپنے طلبہ سمیت پوری کوشش کروں گا کہ احمدیت اپنی سب روایات سمیت قائم رہے اور دنیا پر غالب آئے۔"[۲]

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کے ارشاد کے پیش	یونیورسٹی کمیشن کی طرف سے تعلیم الاسلام کالج کا معائنہ اور اظہار مسرت

[۱] "الفضل" یکم نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ ک ۲-۳۔

[۲] " " " صفحہ ۳ ک ۲۔

نظر کالج کمیٹی نے پنجاب یونیورسٹی سے درخواست کی کہ کالج کو بی۔ اے اور بی ایس سی تک بڑھانے کی اجازت دی جائے۔ اس پر یونیورسٹی نے تمام حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے ایک کمیشن قادیان بھجوایا۔ یہ کمیشن ملک عمر حیات صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور، سردار جودھ سنگھ صاحب پرنسپل خالصہ کالج امرتسر اور ڈاکٹر جی۔ ایل دتا صاحب پرنسپل ڈی اے وی کالج پر مشتمل تھا۔ ارکان کمیشن نے ۹ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو تعلیم الاسلام کالج کا معائنہ کیا اور کالج کی جائے وقوع، اس کی عمارات، سامان، گراؤنڈز وغیرہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فضل عمر سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ دیکھ کر تو یہ اثر لے کر گئے کہ کالج سے متعلق ان تیاریوں سے ظاہر ہے کہ ایک یونیورسٹی کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔[1]

تعلیم الاسلام کالج میں توسیع کے لئے حضرت امیر المومنین کی اپیل

جماعت احمدیہ کے اولوالعزم روحانی سپہ سالار حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے کالج کی افتتاحی تقریب پر اس دلی منشار کا اظہار فرمادیا تھا کہ آپ اُس دن کے آنے کے منتظر ہیں کہ

"اس بیج میں سے ایک دن ایسا درخت پیدا ہو جس کی ایک ایک ٹہنی ایک بڑی یونیورسٹی ہو اور ایک ایک پتہ کالج بن جائے اور ایک ایک پھول اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کی ایک اعلیٰ درجہ کی بنیاد ہو"

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے اس عظیم الشان نصب العین کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے قیام پاکستان سے قبل جو تدریجی قدم اُٹھائے ان میں تعلیم الاسلام کالج میں بی۔ اے اور بی ایس سی کی کلاسوں کا اضافہ بھی ہے۔ حضور نے اس سلسلہ میں ناصر آباد سندھ سے ۱۵ امان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو حسب ذیل مضمون رقم فرمایا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ــــ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هو الناصر

من انصاری الی اللہ

تعلیم الاسلام کالج قادیان میں توسیع

بی۔ اے اور بی۔ ایس۔ سی کی کلاسیں کھولنے کی تجویز

احباب کو معلوم ہے کہ دو سال سے قادیان میں کالج کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔

---

[1] "الفضل" ۱۵ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

اس سال ایف۔اے اور ایف ایس سی کے طالب علم امتحان دیں گے اور پاس ہونے والے بی۔اے اور بی۔ایس۔سی میں داخل ہوں گے۔چونکہ ایف اے اور ایف ایس سی تعلیم کا منتہیٰ نہیں ہے اس کے لئے تکمیلِ تعلیم کے لئے بی۔اے اور بی۔ایس۔سی کی جماعتوں کا ہونا ضروری ہے جن کے کھولنے کے لئے صرف عمارت اور فرنیچر اور سائنس کے سامان کا اندازہ ایک لاکھ ستر ہزار کیا جاتا ہے اور کل خرچ پہلے سال کا دو لاکھ پانچ ہزار بتایا جاتا ہے۔یونیورسٹی کی طرف سے کمیشن آکر بی۔اے اور بی۔ایس۔سی کی جماعتوں کے کھولنے کی سفارش کر چکا ہے۔ اب صرف ہماری طرف سے دیر ہے۔ اس وقت اگر ہم یہ جماعتیں نہ کھولیں گے تو جماعت کے لڑکے ایک تو اعلیٰ تعلیم کے لئے پھر دوسرے کالجوں میں جانے پر مجبور ہوں گے۔ دوسرے بہت سے لڑکوں کو دوسرے کالج لیں گے ہی نہیں۔ کیونکہ اکثر کالج دوسرے کالجوں کے لڑکوں سے تعصب رکھتے ہیں۔ اس لئے ہمارے لڑکوں کی عمریں تباہ ہوں گی۔ تیسرے جو غرض کالج کے اجراء کی تھی کہ لامذہبیت کے اثر کا مقابلہ کیا جائے اور خالص اسلامی ماحول میں پلے ہوئے نوجوانوں کو باہر بھجوایا جائے وہ فوت ہو جائے گی۔ پس ان حالات میں مَیں نے فیصلہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکّل کر کے کالج کی بی۔اے اور بی۔ایس۔سی کی جماعتیں کھول دی جائیں۔ اور اسی سے دُعائے کامیابی کرتے ہوئے مَیں جماعت احمدیہ کے مخلص افراد سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس کام کے لئے دل کھول کر چندہ دیں اور یہ دو لاکھ کی رقم اس سال میں پُوری کر دیں تا کہ یہ کام بہ تمام و کمال جلد مکمل ہو کر اسلام کی ایک شاندار بنیاد رکھی جائے۔

مَیں نے اپنے آپ کو ایک نمونہ بنانے کے لئے دس ہزار روپیہ کا وعدہ کیا ہے۔ اس سے پہلے اس سال میں دس ہزار تحریک جدید میں اور پانچ ہزار مدرسہ احمدیہ کے وظائف کے لئے دے چکا ہوں اور ان چندوں کے علاوہ نو دس ہزار کی مزید رقم مَیں نے ادا کی ہے یا کرنی ہے اور گو یہ میرے ارادے میری موجودہ حالت کے خلاف ہیں لیکن وہ مال جو اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے کام نہیں آتا کس کام کا؟ ہماری زبان میں محاورہ ہے کہ بھاڑ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ پس وہی روپیہ ہمارا ہے جو دین میں خرچ ہو۔ جو ہم نے کھایا وہ گنوایا۔ اور جو خدا تعالیٰ کی راہ میں دیا وہ لیا۔ پس احباب جماعت کو چاہیئے کہ چندوں کی کثرت سے گھبرائیں نہیں

بلکہ خوشی سے کودیں اور اچھلیں کہ خدا تعالیٰ نے انہیں اپنے کام کے لئے چُن لیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ احباب اس تحریک کو ایک بار نہ سمجھیں گے بلکہ ایک عظیم الشان انعام سمجھتے ہوئے اس کے حصول کے لئے کھُلے دلوں کے ساتھ چندہ دیں گے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ ہماری جماعتوں میں اب ایسے لوگ شامل ہیں کہ اگر ان میں سے پانچ سَو آدمی بھی اس عہد کو سامنے رکھ کر جو انہوں نے خدا تعالیٰ سے کیا ہے اس کام کے لئے آگے آ گئے تو وہ دوسروں کی مدد کے بغیر اس رقم کو پُورا کر سکتے ہیں۔ لیکن مَیں چاہتا ہوں کہ ہر احمدی غریب امیر اس کام میں حصّہ لے جو ہزاروں دے سکتے ہیں وہ ہزاروں دیں اور جو سینکڑوں دے سکتے ہیں وہ سینکڑوں دیں اور جو بیسیوں دے سکتے ہیں وہ بیسیوں دیں اور جو روپیہ دو روپیہ دے سکتے ہیں وہ روپیہ دو روپیہ دیں اور جو چند پیسے دے سکتے ہیں وہ چند پیسے ہی دیں تا اس اسلامی عمارت میں آپ میں سے ہر چھوٹے بڑے کا حصّہ ہو اور دجّالی لشکر کے مقابلہ کے لئے تیار کئے جانے والے لشکر کے سامان میں آپ کا روپیہ بھی لگا ہوا ہو۔ مَیں بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖہَا وَ مُرْسٰـہَا کہتے ہوئے اس کاغذی ناؤ کو تقدیر کے دریا میں پھینکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتے اُتارے جو اُسے کامیابی کی منزل پر پہنچا دیں اور اپنے الہام سے مخلصوں کے دلوں میں قربانی اور ایثار کا مادہ پیدا کرے اور پھر ان کی قربانی کا ادھار نہ رکھے بلکہ بڑھ چڑھ کر اس کا بدلہ دے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِین

والسّلام

خاکسار مرزا محمود احمد

از ناصر آباد سندھ ۱۵ امان ۱۳۲۵ ہش مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۴۶ء [1] و [2]

---

[1] "الفضل" ۱۹ امان / مارچ ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔ حضرت امیر المؤمنین کا یہ فرمان اخبار "الفضل" کے علاوہ ہینڈبل کی صورت میں بھی شائع ہوا۔

[2] کالج کے چندہ کی اپیل پر ۹ شہادت / اپریل ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء تک تقریباً چھیالیس ہزار کے وعدے آئے۔ حضور نے ۵ شہادت / اپریل ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء کو اس تحریک میں سبقت کرنے والے مخلصین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"۲۶ ہزار کے وعدے تو صرف چار آدمیوں کی طرف سے ہیں۔ دو نے دس دس ہزار کے وعدے کئے ہیں۔ ایک نے پانچ ہزار کا اور ایک نے ایک ہزار کا۔ ایک تو دس ہزار کا وعدہ میرا ہے۔ دوسرا دس ہزار دینے کا وعدہ سیٹھ محمد صدیق صاحب کلکتے والے اور ان کے بھائی سیٹھ محمد یوسف صاحب نے کیا ہے۔ تیسرے پانچ ہزار کا وعدہ سیٹھ عبداللہ بھائی کی طرف سے ہے اور چوتھے ایک ہزار کا وعدہ شیخ امام دین صاحب کا ہے جو بمبئی کی طرف تجارت کرتے ہیں۔ گویا اس میں ۲۶ ہزار کے وعدے صرف چار آدمیوں کے ہیں چھ ہزار کا وعدہ قادیان کی لجنہ کا ہے"

تفصیلی فہرست کیلئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۶ شہادت ۱۳۲۶ ہش صہ۵۔ اس تاریخ تک جن جماعتوں یا احباب نے اپنا وعدہ ادا کر دیا ان کی فہرست الفضل ۲۹ شہادت / اپریل ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۸ پر شائع کر دی گئی۔

قادیان کے بزرگ صحابہ کی فضل عمر ہوسٹل میں تشریف آوری

طلبائے فضل عمر ہوسٹل کی دیرینہ خواہش تھی کہ صحابہ کرام کی زیارت کرنے اور چند لمحے ان کی بابرکت مجلس میں بیٹھنے کی سعادت حاصل کریں۔ یہ مبارک موقع ۱۸ امان/مارچ ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء کو میسر آیا۔ اس روز نماز عصر کے بعد طلبہ فضل عمر ہوسٹل نے مقامی صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعوت چائے پر مدعو کیا اور بطور یادداشت ان کے دستخط لئے۔ چائے کے بعد طلباء کی طرف سے نہایت جامع ایڈریس پیش کیا گیا۔ پھر سب صحابہ کا مجموعی طور پر فوٹو لیا گیا۔ کتالیس[۴۱] صحابہ کرام اس گروپ میں موجود تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی شمولیت فرمائی۔ آخر میں صحابہ کرام نے باری باری اپنا نام، ولدیت، وطن اور سنہ بیعت برائے تعارف بیان فرمایا اور مغرب کے وقت دعا پر یہ تقریب ختم ہوئی۔[۱]

اس اہم تقریب کی مزید تفصیل چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے کے الفاظ میں یہ ہے کہ "فضل عمر ہوسٹل میں ایک مجلس صحابہ منعقد ہوئی جس میں سوائے حضرت میر محمد اسمٰعیل رضی اللہ عنہ اور حضرت پیر منظور محمد صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قادیان میں موجود تمام صحابہ نے شمولیت فرمائی۔ سیدنا حضرت مصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف نہیں لاسکے تھے۔ بالاتفاق صدارت کے لئے حضرت مولانا سید سرور شاہ رضی اللہ تعالےٰ کا اسم گرامی تجویز ہوا۔ تمام صحابہ نے اپنے مختصر کوائف بیان کئے جو درج رجسٹر ہوئے اور سب نے باری باری اس بات کی شہادت دی کہ ہم سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نبی کی حیثیت سے ایمان لائے تھے اور اسی عقیدہ پر اب تک قائم ہیں"

بی ایس سی کیلئے علم طبعیات کی لیبارٹری کی بُنیاد اور اس کی تعمیر

۱۵ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء کو حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے تعلیم الاسلام کالج کی چھت پر جانب مغرب شعبہ سائنس کی علم طبعیات کی لیبارٹری کی بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھی۔ اس موقعہ پر حسب ذیل صحابہ کرام بھی موجود تھے:۔

۱۔ حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب، ۲۔ خانصاحب منشی برکت علی صاحب، ۳۔ آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب، ۴۔ سیٹھی خلیل الرحمٰن صاحب، ۵۔ خان بہادر غلام محمد صاحب ۶۔ مولوی محمد دین صاحب، ۷۔ ملک غلام فرید صاحب، ۸۔ مولوی فضل الٰہی صاحب

---

[۱] "الفضل" ۱۹ امان/مارچ ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱۔ زیر عنوان "مدینۃ المسیح"۔ طلبہ نے اس یادگار تقریب پر جو ایڈریس پیش کیا وہ "الفضل" ۲۱ امان/مارچ ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۴ پر چھپا ہوا ہے۔

۹- حضرت نواب زادہ محمد عبداللہ خاں صاحب ، ۱۰- حضرت ماسٹر علی محمد صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی،
۱۱- حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری ، ۱۲- حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب،
۱۳- ماسٹر وودھا وے خاں صاحب[۱]۔

ان صحابہ نے بھی حضور کے ارشاد پر ایک ایک اینٹ رکھی۔ بعد ازاں سیدنا المصلح الموعود رض نے مجمع سمیت لمبی دعا فرمائی[۲]۔

بی۔ایس۔سی (فزکس اور کیمسٹری) کی لیبارٹری کے آلات (APPARATUS) کے لئے ولایت کی ایک فرم کو آرڈر دیا گیا۔ فرنشنگ، فٹنگ اور پلیننگ کا کام چوہدری غلام حیدر صاحب کے سپرد تھا اور بلڈنگ کے انجنیئر چوہدری عبداللطیف صاحب واقف زندگی اوورسیئر تھے[۳]۔ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے وسط تک یہ لیبارٹریاں تیار ہو چکی تھیں اور آلات (APPARATUS) بھی خاصی تعداد میں ولایت سے پہنچ گئے تھے۔

فضلِ عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح

فضلِ عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا باقاعدہ افتتاح ۱۹ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو بوقت پانچ بجے شام ہوا۔ اس تقریب میں سیدنا حضرت المصلح الموعود بھی رونق افروز تھے۔ سب سے پہلے ادارہ کے ڈائریکٹر چوہدری عبدالاحد صاحب نے ڈاکٹر سر شانتی سروپ بھٹناگر ڈائریکٹر کونسل آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ کو ایڈریس پیش کیا۔ جس کے ابتداء میں اس ادارہ کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی۔ بعد ازاں بتایا:-

”اس ادارہ کے لئے مستقل عمارت کی تجویز شہر سے کچھ فاصلہ پر ہے چنانچہ گورنمنٹ کی نیلامی سے چالیس ایکڑ زمین حاصل کر لی گئی ہے۔ . . . موجودہ تجربہ گاہوں کو جدید آلات سائنس سے لیس کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے اور ایک ٹیکنیکل لائبریری کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے۔ بعض ایسے انتظامات بھی کئے گئے ہیں جن سے مختلف قسم کے تجربات کم اور زیادہ دباؤ کے ماتحت کئے جا سکتے ہیں۔ . . .

. . . تجارتی تجربات کے لئے مملکت متحدہ کی بعض فرموں کو نباتاتی تیل کے صاف کرنے اور

---

۱ والد ماجد جناب چوہدری شاہ محمد صاحب خوشنویس۔

۲ ”الفضل“ ۲۴ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔

۳ چوہدری صاحب موصوف نے یکم تبلیغ/فروری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء سے لیکر ۱۵ احسان/جون ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء تک نہایت محنت و جانفشانی سے یہ خدمت سرانجام دی۔ لیبارٹریوں کی تعمیر کے بعد ان کے اندر چار جگہوں پہ PARTITION WALLS بھی آپ کی نگرانی میں بنائی گئیں جو بہت مشکل اور ٹیکنیکل کام تھا۔ اس کا تمام ڈیزائن (DESIGN) بھی آپ ہی کا تیار شدہ تھا۔

اس سے بناسپتی گھی بنانے نیز پلینٹ، وارنش اور چھاپنے والی سیاہی بنانے کے لئے مشینری کا آرڈر دیا جاچکا ہے اور امید ہے کہ عنقریب یہ چیزیں پہنچ جائیں گی۔ ان کے علاوہ مختلف چیزوں کی غذائیت پر تحقیق کرنے اور انہیں تجارتی طریق پر چلانے کے لئے ایک مشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی زیر نگرانی بھی تیار کی جا رہی ہے جس کو عنقریب مکمل ہونے پر تجربہ گاہ میں نصب کیا جائے گا۔

ادارہ کا قریباً ۲۵ ایکڑ تجرباتی فارم بھی ہے جہاں مختلف پودوں خصوصاً تیل نکالنے والے بیج اور بعض دوسری جڑی بوٹیوں کی پیداوار کو بڑھانے کے متعلق تجاویز عمل میں لائی جاتی ہیں۔ ارادہ ہے کہ پودوں کے مختلف حصوں میں ان کے بڑھنے کے دوران میں جو خاص کیمیاوی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں انہیں بھی زیر مطالعہ لایا جائے"[1]

پروفیسر سرشانتی سروپ[2] بھٹناگر نے اپنی افتتاحی تقریر میں حضور کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کیا کہ جناب والا ایک طاقتور جماعت کے مذہبی رہنما کی حیثیت سے آپ نے فضل عمر سائنس تحقیقاتی ادارہ کو اپنی جماعت کی مذہبی نشوونما کے لئے قائم فرمایا ہے۔ مذہب اور سائنس کا یہ اتحاد اور یہ باہمی تعلق جو آنجناب کا ادارہ قائم کرے گا بے حد قابلِ تعریف ہے۔[3]

ڈاکٹر بھٹناگر صاحب ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح کر چکے تو حضرت سیدنا المصلح الموعود نے نمائندگانِ جماعت سے (جو مجلس مشاورت پر قادیان میں پہنچ چکے تھے اور اس موقعہ پر موجود تھے) خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے لئے اب تک مالی قربانی کا کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا۔ لیکن موجودہ ابتدائی پروگرام کی تکمیل کے بعد دو تین سال میں ہی وہ وقت آنے والا ہے جب جماعت کے سامنے اس کی تحریک کی جائے گی۔[4]

ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا چرچا پریس میں

یہ ادارہ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کا واحد مثالی ادارہ تھا جسے نہ صرف ملکی پریس ہی نے بلکہ انگلستان تک کے سائنسی اداروں (INSTITUTIONS) نے بھی سراہا۔

---

[1] "الفضل" ۲۳ شہادت / اپریل ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء

[2] وفات: ۳ جنوری ۱۹۵۵ء

[3] "الفضل" ۲۳ شہادت / اپریل ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء

[4] "الفضل" ۳ ہجرت / مئی ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۳

۱۔ چنانچہ شمالی ہند کے مشہور مسلمان اخبار "**انقلاب**" نے لکھا:۔

" اس وقت علمی و صنعتی دائرے میں مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ سائنٹفک تحقیقات کے ادارے قائم کئے جائیں جن میں نوجوان سائنس کے جدید ترین آلات اور بہترین ٹیکنیکل کتابوں اور فاضل اور تجربہ کار معلّموں کی مدد سے اسرار قدرت کا علم حاصل کریں اور صنعت و حرفت کے جدید اور وسیع دوائر میں کام کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ یہی طریقہ ہے جس سے کام لیکر ملّت میں وہ قوت و صلاحیت پیدا کی جاسکتی ہے جو آج دُنیا کی بڑی بڑی قوموں کو حاصل ہو چکی ہے اور جس کے بغیر کمزور قومیں مادّی ترقی کے میدان میں ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتیں۔

قادیان نے اس سلسلہ میں سبقت کی ہے۔ امام جماعت احمدیہ نے ڈھائی لاکھ روپیہ کے ابتدائی سرمایہ سے فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کی اجازت دے دی ہے جس کا افتتاح گزشتہ جمعہ کے دن مشہور سائنسدان ڈاکٹر سر شانتی سروپ بھٹناگر نے بمقام قادیان فرمایا۔ اس انسٹی ٹیوٹ کی لیبارٹریوں میں بہترین اور جدید آلات مہیا کرنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ بایوکیمیکل ریسرچ کے لئے الیکٹرون، خوردبین، پروٹین اور کولائیڈیجنز کے خواص کی تحقیق کے لئے خاص آلہ تحلیل و تجزیہ کی عملیات کے لئے سیکٹوگراف اور دوسرے آلات منگائے جا رہے ہیں۔ جن کی مدد سے صنعتوں کی ترقی و توسیع کا کام اعلیٰ پیمانے پر کیا جائے گا۔ اس وقت چھ ریسرچ اسسٹنٹ کام کر رہے ہیں۔ دو فارغ التحصیل نوجوانوں کو کیمیکل انجنیئرنگ وغیرہ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ بھیجا جا رہا ہے۔ ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے طلبۂ سائنس کے لئے بھی انسٹی ٹیوٹ میں ٹیکنیکل ٹریننگ کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔

یہ ہے وہ حقیقی کام جس کی ضرورت مسلمانوں کو شدت سے محسوس ہو رہی ہے لیکن اب تک ان کے کسی تعلیمی ادارے میں اس کام کی طرف کما حقہٗ توجہ نہیں کی گئی۔ اگر قادیانیوں کو بُرا بھلا کہنے والوں کو اس "جہاد لسانی" کے ساتھ ساتھ قادیانیوں کے تعمیری کاموں میں مسابقت کی توفیق بھی ملتی تو کتنا اچھا ہوتا۔

ہمیں یقین ہے کہ مرزا محمود احمد صاحب کی توجہ اور ان کے جانثاروں کی محنت سے یہ ریسیرچ انسٹی ٹیوٹ بہت جلد بے انتہا کام کرنے لگے گا۔

کیا ہم یہ امید رکھ سکتے ہیں کہ لاہور، پشاور، دہلی، علیگڑھ کے اسلامی ادارے بھی وقت کی اس اہم ضرورت کی طرف توجہ کریں گے" ؎۱

۲- ہندوستان کے انگریزی روزنامہ "سٹیٹسمین" نے لکھا:-

" قادیان میں فضلِ عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح اس کی مقامی اہمیت سے بہت زیادہ بیرونجات پر اثر انداز ہے۔ جماعت احمدیہ کا یہ اقدام مذہب و سائنس کو متحد کرنے کی کوشش کا کامیاب مظاہرہ ہے۔ احمدی بیشک تعداد میں تھوڑے ہیں لیکن جماعتی لحاظ سے اس طرح منظم ہیں کہ بہت سے شعبہ ہائے زندگی میں وہ بڑی تیز رفتاری سے شاہراہ ترقی پر گامزن ہو رہے ہیں۔ قادیان کے احمدیوں میں صنعت و حرفت کی ترغیب و ترویج کے لئے انہوں نے بہت کوشش کی ہے اور بہت سی مفید باتوں میں وہ دوسروں سے پیش پیش ہیں۔ اُن کا یہ تازہ شاہکار اس ترقی کی رُوح کا آئینہ دار ہے (ترجمہ)" ؎۲

۳- دنیائے سائنس کے مشہور ہفتہ وار رسالہ نیچر (NATURE) نے جو لندن سے نکلتا ہے، ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے افتتاح کی تفصیلی خبر دیتے ہوئے لکھا:-

" مشرق و مغرب دونوں جگہ ازمنہ گذشتہ سے ہی علم کی ترقی مذہبی جماعتوں کی مرہونِ منت رہی ہے۔ مستقبل میں ہندوستان میں سائنس کو جو اہمیت حاصل ہوگی اس کے احساس کی نمایاں علامت اس فیصلہ سے ظاہر ہوتی ہے جو امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح (حضرت خلیفۃ المسیح المصلح الموعودؓ) نے اپنی جماعت کے چندوں میں سے ایک کثیر رقم سائنس کے تحقیقاتی اداروں کے قیام کے لئے منظور فرما کر کیا ہے۔ یہ جماعت پہلے ہی بہت تعلیمی اداروں کو چلا رہی ہے جن میں تعلیم الاسلام کالج بھی شامل ہے۔ مگر اب (حضرت) امام (جماعت احمدیہ) کا خیال ہے کہ وہ وقت آگیا ہے جبکہ ان اداروں کو بامِ عروج تک پہنچایا جائے۔ یہ نیا تحقیقاتی ادارہ فضلِ عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قادیان اُس وقت جنم لے رہا ہے جبکہ ہندوستان میں تحریک احیاء سائنس زوروں پر ہے اور پرائیویٹ اداروں نے بھی اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے اپنا حصہ ادا کرنا ہے (ترجمہ)" ؎۳

؎۱ "انقلاب" لاہور ۱۴ر اپریل ۱۹۴۶ء بحوالہ "الفضل" ۲۵ر اپریل ۱۹۴۶ء

؎۲ بحوالہ "الفضل" ۱۵ر مئی ۱۹۴۶ء

؎۳ بحوالہ " ۲۶ر جولائی ۱۹۴۶ء

ریسرچ کا دوبارہ لاہور میں قیام

اہلِ ملک کو عموماً اور جماعت احمدیہ کو خصوصاً اس ادارہ سے بہت توقعات وابستہ تھیں اور وہ اسے دنیا بھر میں اپنی طرز کا منفرد اور کامیاب سائنسی تحقیقات کا مرکز دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر جیسا کہ آئندہ آنے والے واقعات نے ثابت کیا خدا تعالےٰ کی مشیت کے مطابق عہد مصلح موعود میں ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی محض داغ بیل ڈالنا مقصود تھا ٹھیک جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں تعلیم الاسلام کالج کی بنیاد کا رکھا جانا! جہاں ۱۹۰۵ء میں کالج کی بندش حکومت کی داخلہ پالیسی کے نتیجہ میں بالواسطہ ہوئی تھی وہاں فضلِ عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۱۹۴۷ء میں فسادات ملکی کی وجہ سے بند کرنا پڑی۔ مگر حضرت سیدنا محمود المصلح الموعود نے قادیان میں مغربی فلسفہ کے خلاف اسلام کی تائید و برتری کے لئے جو قدم اُٹھایا تھا اس سے وقتی طور پر بھی ہٹنا گوارا نہ فرمایا۔ چنانچہ محض آپ کے طفیل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ دوبارہ معرض وجود میں آگئی۔ ریسرچ کا دفتر ۱۰۸ بلاک سی ماڈل ٹاؤن لاہور میں قائم کیا گیا اور صنعتی کام کے لئے مسلم ٹاؤن کے بالمقابل نہر کے پاس ایک لیبارٹری الاٹ کرائی گئی جو S. R. F.[1] کے نام سے مشہور تھی۔[2]

لاہور میں اس کی ابتداء بہت مشکلات کے دوران ہوئی۔ کافی تگ و دو کے بعد کیمیاوی مرکبات اور سائنٹفک سامان بنانے کا کام شروع کیا گیا۔ دو تجربے بڑے پیمانہ پر کئے گئے جو گندھک کی صفائی اور گندھک کا تیزاب بنانے سے تعلق رکھتے تھے۔ کچھ عرصہ کے لئے صابن سازی کی صنعت بھی جاری رہی۔

ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا ایک پروگرام بیرون ممالک میں اپنے سکالرز کو اعلیٰ تعلیم اور ٹریننگ دلوانا بھی تھا۔ چنانچہ اس سکیم کے تحت چار افراد[3] امریکہ و انگلستان بھجوائے گئے۔ اور متعدد طلبہ کو اندرونِ ملک اعلیٰ تعلیم دلائی گئی۔ اواخر ۱۹۵۰ء میں بیرونی ممالک کے سکالرز واپس آنا شروع ہوئے اور ۱۹۵۱ء کے وسط میں انسٹی ٹیوٹ کو از سر نو ترتیب دیا جانے لگا۔ ۱۹۵۲ء کی ابتداء تک انسٹی ٹیوٹ پلیننگ کے مختلف مراحل سے گذرتی رہی۔

مالی مشکلات کے پیش نظر چھوٹے پیمانہ پر ہی کام ممکن ہو سکا۔ کیمیاوی مرکبات بنانے کا کام جاری رہا۔ وارنش بنانے کا کام تجربہ کے رنگ میں شروع کیا گیا۔ چند ایک میکینیکل لائن کی مصنوعات بھی بنائی گئیں جو سائیکل انڈسٹری سے تعلق رکھتی تھیں۔ گندھک صاف کرنے کا ایک کامیاب تجربہ کیا گیا۔ کاسمیٹکس کے چند ایک عمدہ مرکبات بنائے گئے۔ پاکستان کی چند معدنیات کا کیمیاوی تجزیہ کیا گیا۔

---

[1] FIELD RESEARCH STATION [2] اب یہ عمارات پنجاب یونیورسٹی لاہور کے نیو کیمپس کا حصہ ہے۔

[3] ان کا ذکر فصل دوم میں آچکا ہے۔

علمی کام کے لحاظ سے زیادہ تر ببلیوگرافیکل لٹریچر پیدا کرنے کی طرف توجہ دی گئی۔ اس کام میں سردار عطاء الرحمن صاحب غنی نے کافی شغف رکھا اور انہوں نے "پاکستان ایسوسی ایشن فار ایڈوانس منٹ آف سائنس" کے ماتحت ایک کتاب اور متعدد رسائل شائع کئے۔ اسی موضوع سے متعلق چند ایک مضامین بھی سائنٹفک رسائل میں شائع کئے گئے۔ ببلیوگرافک کام کو لائبریری آف کانگرس واشنگٹن امریکہ، مڈل ایسٹ انسٹی ٹیوٹ واشنگٹن امریکہ، ڈویژن آف ببلیوگرافی یونیسکو پیرس جیسے مشہور اداروں نے مفید قرار دیا۔ پاکستان میں انسٹی ٹیوٹ کے پاس ایک عمدہ لائبریری بھی فراہم ہوگئی۔[۱]

ماہ احسان ۱۳۳۲ھش/۱۹۵۳ء میں یہ ادارہ لاہور سے ربوہ منتقل ہوگیا اور ۲۵ احسان/جون ۱۳۳۲ھش/۱۹۵۳ء کو حضرت المصلح الموعودؓ نے ایک بصیرت افروز تقریر اور دعا کے ساتھ اس کی نئی عمارت کا افتتاح فرمایا۔[۲] مگر افسوس حضرت مصلح موعودؓ کی خلافت کے آخری دور میں یہ تحقیقاتی مرکز بوجوہ بند کردینا پڑا۔

ایف۔اے اور ایف۔ایس۔سی کلاسوں کا پہلا امتحان اور پہلا نتیجہ

۲۳ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء کو تعلیم الاسلام کالج میں انٹرمیڈیٹ کا پہلا امتحان شروع ہوا۔ سردار امریک سنگھ صاحب خالصہ کالج امرتسر سپرنٹنڈنٹ اور اخوند عبدالقادر صاحب ایم۔اے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھے۔[۳]

اس موقعہ پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت پرنسپل صاحب کے نام ایک خط میں تاکید فرمائی کہ "طلباء کو تاکید فرمادیں کہ وہ ہر پرچے کو دعا کے ساتھ شروع کیا کریں اور پورا وقت لے کر اٹھا کریں۔ اور آخر میں نظرثانی بھی ضرور کیا کریں۔ کئی لڑکے پرچے کو آسان سمجھ کر یا گھبرا کر جلدی اٹھ آتے ہیں اور نظرثانی بھی نہیں کرتے اور اس طرح بھاری نقصان اٹھاتے ہیں۔"[۴] آپ کی یہ ہدایت طلبہ کو ذہن نشین کرا دی گئی۔

کالج کی طرف سے ۱۹۴۶ء کے ایف۔اے اور ایف۔ایس۔سی کے امتحانوں میں ۵۹ طلبہ شریک ہوئے جن میں سے کمپارٹمنٹ والے طالب علموں کو شامل کرتے ہوئے ۳۱ کامیاب قرار پائے اور ایک طالب علم نذیر احمد صاحب ۴۹۳ نمبر لے کر پنجاب بھر کے مسلمان امیدواروں میں سوم رہے۔ یونیورسٹی کے اعلان کے مطابق ان

---

[۱] رسالہ "خالد" ماہ وفا/جولائی ۱۳۳۲ھش/۱۹۵۳ء صفحہ ۸۔

[۲] حضور کی تقریر کا خلاصہ ماہنامہ "الفرقان" بابت ماہ وفا/جولائی ۱۳۳۲ھش/۱۹۵۳ء میں شائع شدہ ہے۔ ایضاً "الفضل" ۳۰ وفا/جولائی ۱۳۳۲ھش/۱۹۵۳ء صفحہ ۳-۴۔ ریسرچ کی یہ عمارت ایک (احمدی) دوست کی ذاتی کوششوں کا نتیجہ تھی۔

[۳] "الفضل" ۲۵ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

[۴] فائل ریزولیوشنز کالج کمیٹی۔

امتحانوں کا نتیجہ گذشتہ پانچ سالوں میں سب سے سخت رہا تھا اور اسی لئے کالج کے اس نتیجہ نے اگرچہ جماعت کے بلند علمی حلقہ میں آئندہ بہت بہتر نتائج کی امید پیدا کر دی تھی[1] مگر یہ نتیجہ حضرت سیدنا المصلح الموعود کی توقع سے کم نکلا جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بذریعہ رؤیا قبل از وقت دی جا چکی تھی۔[2]

طلبہ کے نام موسمی تعطیلات کے دوران نہایت اہم مکتوب

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) کو ہمیشہ احمدی طلباء کی روحانی اور اخلاقی تربیت کا فکر دامنگیر رہتا تھا اور اس کے لئے آپ کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ ماہ احسان / جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے کہ کالج موسمی تعطیلات میں بند تھا اور طلبہ اپنے اپنے گھروں میں چھٹیاں گذار رہے تھے۔ اس دوران میں آپ نے اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل مراسلہ تحریر فرمایا:[3]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دفتر تعلیم الاسلام کالج قادیان

عزیزم . . . .

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ آپ کے لئے ہزارہا برکات کا موجب ہے اور ہم پر ہزارہا قسم کی ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔ اس لئے میں نے مناسب خیال کیا کہ اب جبکہ آپ اپنے گھروں میں چھٹیاں گذار رہے ہیں بعض ضروری باتوں کے متعلق آپ کو یاد دہانی کرا دوں۔ امید ہے کہ آپ عزیزان کی طرف خاص توجہ دے کر ثواب دارین حاصل کریں گے۔ اور "احیاء اسلام" کے لئے ایک مفید وجود بن کر اپنے رب کی رضا آپ کو حاصل ہوگی۔

(۱) نماز باجماعت کے پابند رہیں (۲) تبلیغ (حتی المقدور) ضرور کرتے رہیں (۳) کالج کے لئے ایک سو روپیہ چندہ اکٹھا کر کے ضرور لائیں۔ (۴) کالج میں داخل ہونے کے لئے پراپیگنڈا کرتے رہیں (۵) آپ کے ذمہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے لئے بھی پانچ سے دس روپیہ کا چندہ

---

[1] "الفضل" ۱۸ وفا/جولائی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۳۔ شامل امتحان ہونے والوں میں ۲۴ سائنس کے اور ۲۵ آرٹس کے طالب علم تھے۔

[2] "الفضل" ۲۳ ظہور/اگست ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱۔

[3] یہ مراسلہ سید عبدالباسط صاحب کارکن خدام الاحمدیہ نے دستی پریس پر بطور سرکلر چھاپا اور آپ کی ہدایت کے ماتحت طلبائے کالج کو بھجوایا گیا۔

لگا اگیا تھا۔ یہ بالکل ہی معمولی کام ہے۔ ذرہ سی توجہ سے ہو سکتا ہے۔
خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو حقیقی احمدی بنائے"

مکتوب کا چربہ

عزیزم ...... !

آپ کا تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ آپ کے لئے ہزارہا
برکات کا موجب ہے اور ہم پر ہزارہا قسم کی ذمہ داریاں
عائد کرتا ہے۔ اس لئے میں نے مناسب خیال کیا کہ اب
جبکہ آپ اپنے گھروں میں چھٹیاں گزار رہے ہیں
بعض ضروری باتوں کے متعلق آپ کو یاد دہانی کرا
دوں۔ امید ہے کہ آپ عزیزان نصائح پر پوری توجہ
دے کر ثواب دارین حاصل کریں گے اور "امداد اسلام" کے لئے
ایک مفید وجود بن کر اپنے رب کی رضا آپ کو حاصل ہوگی۔

(۱) نماز با جماعت کے پابند رہیں (۲) تبلیغ

انشاء اللہ تعالیٰ ضرور کرتے ہیں اور کالج کے لئے ایک سو
روپیہ چندہ اکٹھا کرتے ضرور لائیں (۲) کالج میں داخل
ہو سکتے ہیں ۔ سردست بہت گرمیاں شروع ہیں (۳) آپ کے ذمہ
خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے روپے کی ادائیگی سے دس روپیہ ماہوار کا
چندہ لگ رہا تھا وہ بالکل ہی معمولی کام ہے ۔ تھوڑی سی
توجہ سے ہو سکتا ہے
خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو توفیق الٰہی حاصل ہو

کالج میں فضائی تربیت

پروفیسر چودھری محمد علی صاحب ایم۔اے تحریر کرتے ہیں:-

"قادیان میں I.A.T.C یعنی فضائی تربیت کی کلاسیں شروع ہوئیں۔ اس کے لئے مکرم سید فضل احمد صاحب اور عاجز اور بعد میں چوہدری فضل داد صاحب ٹریننگ کے لئے سکندرآباد گئے اور واپس آکر یہ کلاسیں شروع کیں۔ ہم پنجاب یونیورسٹی کے ونگ کا حصہ تھے۔ سردار جگجیر سنگھ جو ہمارے اُستاد پروفیسر شوچرن سنگھ کے لڑکے تھے ہمارے ونگ کے کمانڈر تھے۔"[1]

قادیان میں کالج کی تعلیمی سرگرمیوں کا آخری دن

تعلیم الاسلام کالج قادیان کی سہ سالہ روداد پر روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم ۳۰ احسان/جون ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء

[1] ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو کالج کی سپیشل ایئر فورس کلاس کی پاسنگ آؤٹ پریڈ ہوئی جس کی رپورٹ "الفضل" ۲۶ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں شائع شدہ ہے۔

کے اُس یادگار دن تک آپہنچے ہیں جو قادیان میں کالج کی تعلیمی سرگرمیوں کا آخری دن تھا۔ اس روز حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے "آرڈر بک سٹاف" میں یہ تحریر فرمایا کہ کالج یکم جولائی ۱۹۴۷ء سے گرمی کی تعطیلات کے لئے بند ہو کر ۷؍ستمبر ۱۹۴۷ء کو دوبارہ کھلے گا۔ یہ سرکلر کالج کے دورِ قادیان کا آخری فرمان ثابت ہوا۔ کیونکہ موسمی تعطیلات کے دوران ہی ۱۵؍ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو ملکی تقسیم عمل میں آئی اور ساتھ ہی ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔[1] ۲؍اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو سٹاف اور طلبہ کی موجودگی میں تعلیم الاسلام کالج اور فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی شاندار عمارتوں پر زبردستی قبضہ کر لیا گیا۔ اور بیش قیمت اور جدید ترین آلات سائنس اور ہر قسم کے علوم و فنون پر مشتمل لائبریری چھین لی گئی۔[2]

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی پاکستان میں ہجرت

موسمی تعطیلات میں کالج کے اکثر اساتذہ و طلبہ قادیان سے باہر چلے گئے۔ مگر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) یکم وفاء سے لے کر ۱۵؍نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء تک قادیان میں تشریف فرما رہے اور قیام امن و صلح کے لئے شب و روز مصروفِ عمل اور سرتاپا جہاد بنے رہے۔ اسی دوران میں سیدنا المصلح الموعود کی طرف سے پاکستان آجانے کا ارشاد ملا جس پر آپ ۱۶؍نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو قادیان کی مقدس اور پیاری بستی سے ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے[3] اور ساتھ ہی تعلیم الاسلام کالج قادیان کے دورِ اوّل کی تاریخ کا آخری ورق بھی اُلٹ گیا ـــــــــــ

---

[1] "الفضل" ۷؍صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴، ۵۔

[2] "المنار" ہجرت-احسان/مئی-جون ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۲۲۔

[3] "الفضل" ۸؍صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔ آپ جس کنوائے میں قادیان سے لاہور پہنچے۔ وہ دس ٹرکوں پر مشتمل تھا۔ اس کنوائے کے بخیریت پہنچنے کی خبر "الفضل" ۱۸؍نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱ پر چھپ گئی تھی۔

فصل چہارم

سیدنا المصلح الموعود کے خصوصی فیصلہ پر پاکستان میں کالج کی بنیاد

لاہور میں اس کی زندگی کا ہفت سالہ دور

ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء — ماہ نبوت/نومبر ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ابھی قادیان[1] میں تھے کہ خدا کے اولوالعزم عالی ہمت اور ذہین و فہیم خلیفہ موعود نے ہجرتِ پاکستان کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ تعلیم الاسلام کالج کو جلد سے جلد کھولنے کا انتظام کیا جائے اور چوہدری عبدالاحد صاحب ڈائریکٹر کو ریسرچ اور کالج کے لئے موزوں عمارت تلاش کرنے پر مقرر فرمایا۔ نیز قادیان لکھا کہ پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے فی الفور لاہور بھجوا دیئے جائیں موصوف یہاں پہنچے تو انہیں قائمقام پرنسپل تجویز کر دیا گیا۔ ۲۰ اخاء/اکتوبر کو آپ نے کالج کے فوری اخراجات کے لئے ڈیڑھ سو روپیہ بطور پیشگی دیئے جانے کی درخواست کی جو دے دیئے گئے۔ ۲۳ اخاء/اکتوبر کو چودھری صاحب اور ڈاکٹر صاحب کے ساتھ مل کر حصول عمارت کی جدوجہد کرنے کا ارشاد ملا۔ چودھری صاحب اور فیضی صاحب نے پہلے دن ہی اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دیں اور لاہور میں خالصہ بورڈنگ ہاؤس کی عمارت دیکھنے کے بعد مفصل رپورٹ اگرچہ اگلے روز ۲۴ ماہ اخاء/اکتوبر کو صدر کالج کمیٹی حضرت مرزا شریف احمد صاحب کو بھجوا دی مگر ساتھ ہی حضرت امیر المومنین کی خدمت میں تحریری طور پر بادب عرض کیا کہ

"حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی رائے یہ ہے کہ سردست کالج نہ کھولا جائے۔ خاکسار کی گذارش یہ ہے کہ لاہور میں کالج کھولنے کی ضرورت نہیں۔ فی الحال اگر یہ فیصلہ ہو کہ طلباء صرف ایک کالج میں داخل ہوں تو ایک حد تک ان کی نگرانی ہو سکتی ہے۔ ورنہ خواہ اپنا کالج ہی کیوں نہ لاہور کی مسموم ہوا میں طلباء کو شکنجے میں رکھنا کسی صورت میں قابل عمل نہیں ہوگا"[2]

(یعنی فضل الرحمٰن صاحب فیضی ایم۔ اے (عربی) جو فسادات کے دوران گوجرانوالہ میں تھے)

---

[1] کالج کے باقی اکثر اساتذہ ان ایام میں قادیان یا ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بکھرے ہوئے تھے چنانچہ پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب لیکچرار کیمسٹری ۱۹۴۷ء ملا جی حبیب محمد حیدر آباد دکن میں تھے کہ ہنگامے شروع ہو گئے۔ ریل کا رستہ بند ہو گیا اور آپ ۳۰ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو بذریعہ بحری جہاز بمبئی سے کراچی کیلئے روانہ ہوئے اور کراچی سے لاہور پہنچے۔ پروفیسر عباس بن عبدالقادر صاحب اپنے وطن بہار میں چھٹیاں گذار رہے تھے اور بعد مشکل پاکستان میں آئے۔

[2] اصل خط کیلئے ملاحظہ ہو "فائل بحالی کالج"۔

سیدنا المصلح الموعودؓ کا تاریخی فیصلہ

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے کا بیان ہے کہ

"میں نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں عرض کی کہ پرنسپل صاحب نے قادیان سے ایک مشورہ بھیجا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر حضور مناسب خیال فرمائیں تو موجودہ حالات میں کالج کا بوجھ جماعت پر نہ ڈالا جائے۔ اس پر حضور خاموش رہے۔ پھر حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب دردؔ نے عرض کیا کہ حضور میرا بھی یہی خیال ہے۔ حضور پھر بھی خاموش رہے۔ پھر کسی اور نے مشورہ دیا۔ حتیٰ کہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ نے عرض کیا کہ حضور میرا بھی یہی خیال ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم خلیفہ رضی اللہ تعالیٰ نے اتنے جوش اور بلند آواز سے کہ سب کے دل دہل گئے، فرمایا

"آپ کو پیسوں کی کیوں فکر پڑی ہوئی ہے۔ کالج چلے گا اور کبھی بند نہیں ہوگا"

اور پھر اس عاجز سے فرمایا کہ

"آسمان کے نیچے پاکستان کی سرزمین میں جہاں کہیں بھی جگہ ملتی ہے لے لو اور کالج شروع کرو" [1]

اس فیصلہ کے علاوہ حضور نے ۲۴ اخاء/اکتوبر کو ارشاد فرمایا کہ میاں عطاء الرحمٰن صاحب پروفیسر تعلیم الاسلام کالج کو فوری طور پر قادیان سے یہاں بھجوانے کا انتظام کیا جائے نیز انہیں یہ ہدایات بھی بھیجی جائیں کہ وہ کالج کے سامان کی مکمل فہرست بھی تیار کر کے اپنے ساتھ لے آئیں۔ اس فہرست میں وہ سائنس کے سامان کو خاص طور پر مدنظر رکھیں۔ چوہدری محمد علی صاحب نے حضور کا یہ فوری حکم حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کو قادیان بھجوا دیا اور میاں عطاء الرحمٰن صاحب بھی لاہور پہنچ گئے۔

۲۰ اخاء/اکتوبر کو حضور نے مزید ہدایت فرمائی کہ صوفی بشارت الرحمٰن صاحب اور محمد صفدر صاحب کو بلانے کے لئے قادیان لکھا جائے۔ اس حکم کی بھی تعمیل کی گئی۔

حضور کا منشاء مبارک چونکہ فی الفور کالج کے قیام و تاسیس کا تھا۔ اس لئے لاہور کے علاوہ ایمن آباد، گوجرانوالہ، کوٹ شیرا میں موزوں جگہ کی تلاش میں دوڑ دھوپ کی گئی۔ ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو ملک فیض الرحمٰن صاحب فیضی راولپنڈی بھجوائے گئے اور خود چوہدری محمد علی صاحب لائل پور اور سانگلہ ہل پہنچے۔ لائل پور

---

[1] تحریری بیان چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے (مورخہ ۱۲/ نبوت/ نومبر ۱۳۴۱ ہش/ ۱۹۶۲ء۔ غیر مطبوعہ)

میں آریہ سکول کی عمارت نہایت اعلیٰ تھی مگر ڈپٹی کمشنر صاحب لائلپور نے کہا کہ اسے فی الحال حکومت پاکستان کے سرکل کے تحت ریزرو کر لیا گیا ہے۔ اس لئے کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔

۳۰ اخاء/اکتوبر کو حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ "سانگلہ ہل میں جا کر فوراً خالصہ ہائی سکول پر قبضہ لیا جائے اور قبضہ لیتے وقت ڈائریکٹر صاحب سے یہ طے کر لیا جائے کہ ہم فوری طور پر کالج کا اجراء وہاں نہیں کر سکتے جنوری یا اپریل میں کر سکیں گے کیونکہ ابھی تک ہمارے پاس سائنس کا سامان نہیں۔ لہٰذا اس اثناء میں کسی اور کو سکول کا قبضہ نہ دیا جائے"[۱] حضور کے فرمان کی تعمیل میں عارضی طور پر یہ سکول جماعتی تحویل میں لے لیا گیا۔ مگر سکول کی عمارت سخت ناقص تھی اور صحن بھی بہت چھوٹا تھا۔ لہٰذا اسے ترک کر دینا پڑا۔

ڈیرہ غازیخاں اور ملتان کے بعض دوستوں سے رابطہ قائم کر کے معلومات حاصل کی گئیں کہ کیا وہاں نیشنل کالج میں اور سائنس کا سامان بھی موجود ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس بارہ میں اس تگ و دَو کا اصل محور لاہور ہی رہا جہاں ماہ اخاء/اکتوبر کے آخری ہفتہ میں ڈی۔اے۔وی کالج کے متعلق درخواست دے دی گئی اور ساتھ ہی لکھ دیا گیا کہ جب تک یہ کالج پناہ گزینوں سے خالی نہیں ہوتا اتنی دیر ہم دوسری جگہ کالج جاری کر لیں گے۔ چوہدری محمد علی صاحب کے بیان کے مطابق سکھ نیشنل[۲] کالج پر بھی قبضہ لیا گیا۔ لیکن یہ قبضہ بھی بوجوہ ختم ہو گیا بسنت نگر میں خالصہ ہوسٹل اور جنج گھر بطور ہوسٹل حاصل کئے گئے مگر چھوڑ دیئے گئے۔

کالج کے لئے عارضی عمارت کی تلاش ابھی ابتدائی مرحلہ میں تھی کہ کالج کا دفتر جودھامل بلڈنگ کے ساتھ مغربی جانب سیمنٹ والی عمارت میں کھول دیا گیا[۳] جہاں ایک بورڈ لکھوا کر رکھ دیا گیا اور مکرم عبدالرحمٰن صاحب جنید ہاشمی بورڈ کے پاس فرش پر دیگر کارکنانِ دفاتر کی طرح بیٹھ گئے اور ۱۰/فتح/دسمبر سے کالج میں داخلہ کا آغاز کر دیا گیا۔ لیٹ فیس کے بغیر دس روز تک جاری رہا۔ داخلہ کالج کی رپورٹ باقاعدگی سے روزانہ حضرت مصلح موعود کی خدمت اقدس میں بھجوائی جاتی تھی۔

اگرچہ پاکستان آکر تعلیم جاری رکھنے والوں کی اکثریت کالج کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی۔ پھر بھی ان کی تعداد ساٹھ سے بڑھ نہ سکی۔[۴] تاہم اتنے طلبہ کا داخلہ لینا بھی ایک گونہ حوصلہ افزا بات تھی جس میں حضرت مصلح موعود

---

[۱] مراسلہ حضرت نواب محمد عبداللہ خانصاحب ناظر اعلیٰ بنام سکرٹری صاحب کالج کمیٹی محررہ ۳۰ ہجریہ یکم نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء

[۲] موجودہ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور سے متصل۔ [۳] "الفضل" ۱۲/نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

[۴] رپورٹ تحریر فرمودہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) مرقومہ "الفضل" ۵/شہادت/اپریل ۱۳۲۹ ہش/۱۹۵۰ء صفحہ ۳

کی خاص توجہ کا محل دخل تھا چنانچہ انہی ایام میں اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل تحریک شائع فرمائی:۔

"تمام احباب جماعت کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ وہ موجودہ شورش سے اس طرح نہ گھبرائیں کہ لڑکے تعلیم سے محروم ہو جائیں بلکہ جو تعلیم دلانے کا ارادہ رکھتے تھے بچوں کو ایف اے اور بی اے میں داخل کرائیں یا ایف ایس سی یا بی ایس سی میں داخل کروائیں۔ اور چاہیئے کہ ہر احمدی تعلیم الاسلام کالج میں اپنے لڑکے کو داخل کروائے اور اس بارہ میں لڑکے کی مخالفت کی پروا نہ کرے تا کہ دینیات کی تعلیم ساتھ کے ساتھ ملتی جائے۔

خاکسار مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح"[1]

تعلیم الاسلام کالج جاری کرنے سے پہلے سائنس کلاسز کا مسئلہ حل کرنا ضروری تھا چنانچہ حضرت مصلح موعود نے ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو ارشاد فرمایا کہ

"ایف سی کالج والوں سے فوراً مل کر پریکٹیکل میں اشتراک عمل کا فیصلہ کیا جائے اور پھر وائس چانسلر سے عارضی طور پر لاہور میں کوٹھیاں کرایہ پر لے کر کالج کھولنے کی اجازت لی جائے"[2]

ایف سی کالج (فارمین کرسچین کالج) میں لیبارٹریز موجود تھیں۔ مگر ہندو سٹاف بھارت جا چکا تھا اس بناء پر یہ معاہدہ طے پایا کہ تعلیم الاسلام کالج کے پروفیسر ایف سی کالج میں پڑھائیں گے اور دونو کالجوں کے طلبہ ان کے لیکچرز اور سائنس لیبارٹریوں سے استفادہ کریں گے

سائنس کی عملی تعلیم کا بندوبست ہو چکا تو آرٹس کلاسز کے اجراء اور طلبہ کالج کی رہائش کے لئے ایف سی کالج کے عقب میں ڈاکٹر کھیم سنگھ گریوال کی کوٹھی حاصل کر لی گئی جہاں ۶ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء سے باقاعدہ کلاسیں شروع کر دی گئیں۔[3] ۷ ماہ نبوت/نومبر کو حضرت مرزا شریف احمد صاحب صدر کالج کمیٹی نے وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کو اطلاع دی کہ تعلیم الاسلام کالج کا سٹاف اور طلبہ لاہور پہنچ چکے ہیں اور سائنس کی کلاسز کے لئے عارضی طور پر فارمن کرسچن کالج لاہور سے معاہدہ کر لیا گیا ہے لہذا کالج کھولنے کی منظوری دی جائے۔ وائس چانسلر نے اس کے اجراء کی منظوری دے دی۔

چند دن بعد (۱۶ ماہ نبوت کو) حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب بھی قادیان سے لاہور تشریف لے آئے

[1] "الفضل" لاہور ۱۵ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲۔ کالم ۳۔

[2] مرکز حضرت نواب محمد عبد اللہ خان ناظر اعلیٰ بنام سیکرٹری صاحب کالج کمیٹی مورخہ ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء۔

[3] یہ تاریخ چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے کے ایک خط سے متعین ہوتی ہے جو آپ نے ۶ نبوت ۱۳۲۶ ہش کو حضرت پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج قادیان کے نام لکھا تھا اور اب تک ریکارڈ میں شامل ہے۔

[4] "الفضل" ۱۴ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۴ کالم ۳۔

اور کالج کا انتظام دوبارہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

کالج کے لئے موزون عمارت تلاش کرنے کی جو مہم جاری تھی اس کا نتیجہ ۳ فتح / دسمبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء کو صرف یہ برآمد ہوا کہ محکمہ بحالیات نے ۳،۷ کیتال پارک لاہور کی ایک نہایت بوسیدہ عمارت (جو ڈیری فارم یا اصطبل کے طور پر استعمال ہوتی رہی تھی) عطا کی اور اسی روز اس کا قبضہ لے لیا گیا۔[1] جگہ نہایت تنگ اور مختصر تھی۔ صفوں پر کلاسیں ہوتی تھیں۔ طلبہ کی تعداد ساٹھ کے قریب تھی۔ ان لُٹے پٹے طلبہ نے علم کے حصول کی خاطر ہر قسم کی سختیاں سہیں اور مشکلات خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ وہ دن کے وقت جن صفوں پر بیٹھ کر اساتذہ کے لیکچر سنتے رات کو انہی صفوں پر سو رہتے۔ نمازیں بھی اسی جگہ ادا کی جاتیں اور کھانا بھی یہیں کھایا جاتا۔

ان دنوں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے اتفاقاً اس کالج کو دیکھنے تشریف لے گئے اور بے حد متاثر ہوئے اور اپنے قلم سے مندرجہ ذیل تاثرات "الفضل" میں شائع کرائے جو اس ماحول کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ آپ نے تحریر فرمایا:-

"آج مجھے اتفاقاً اپنے تعلیم الاسلام کالج آف قادیان حال لاہور کو چند منٹ کے لئے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ ہمارا ڈگری کالج جو موجودہ فسادات سے قبل قادیان کی ایک وسیع اور عالیشان عمارت میں اپنے بھاری سازو سامان کے ساتھ قائم تھا وہ اب لاہور شہر سے کچھ فاصلے پر نہر کے کنارے ایک نہایت ہی چھوٹی اور حقیر سی عمارت میں چل رہا ہے۔ اس عمارت کا نچلا حصہ قریباً قریباً ایک اصطبل کا سا رنگ رکھتا ہے اور اوپر کی منزل چند چھوٹے چھوٹے کمروں پر جو نہایت سادہ طور پر بنے ہوئے ہیں مشتمل ہے عمارت کی قلت اور کمروں کی کمی کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی عمارت سے کالج اور بورڈنگ کا کام لیا جا رہا ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ اس عمارت کا صرف ایک کمرہ کالج کے استعمال میں ہے اور باقی کمروں میں بورڈر رہائش رکھتے ہیں جن میں سے بعض چارپائیاں نہ ہونے کی وجہ سے فرش پر سوتے ہیں اور بڑی تنگی کے ساتھ گذارہ کر رہے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ میں نے سب بورڈروں کو ہشاش بشاش پایا جو اپنے موجودہ طریق زندگی پر ہر طرح تسلی یافتہ اور قانع تھے۔ اور کالج میں پڑھتے ہوئے لاہور جیسے شہر میں جھونپڑوں کی زندگی میں خوش نظر آتے تھے۔ یہ اس اچھی رُوح کا ورثہ ہے جو خدا کے فضل سے احمدیت نے اپنی جماعت میں پیدا کی ہے اور میں اس روح پر کالج کے طلباء اور کالج کے سٹاف کو قابل مبارک باد سمجھتا ہوں۔

---

[1] اسسٹنٹ ری ہیبلی ٹیشن کمشنر کے دستخط سے الاٹمنٹ کی منظوری کا کاغذ "فائل بحالی کالج T.I.C" سے منسلک ہے۔

مگر جس چیز نے میرے دل پر سب سے زیادہ اثر پیدا کیا وہ کالج کی کلاسوں کی حالت تھی جیسا کہ میں اُوپر بتا چکا ہوں موجودہ عمارت کا صرف ایک کمرہ کالج کی ضروریات کے لئے فارغ کیا جا سکا ہے اس لئے باقی کلاسیں برآمدوں میں یا کھُلے میدان میں درختوں کے نیچے بیٹھتی ہیں لیکن خواہ وہ کمرہ میں بیٹھتی ہیں یا کہ برآمدہ میں اور خواہ کھُلے میدان میں، ان سب کا یہ حال ہے کہ چونکہ کوئی ڈیسک اور کوئی میز کرسی نہیں اس لئے پڑھانے والے اور پڑھنے والے ہر دو چٹائیاں بچھا کر بیٹھتے ہیں۔ مجھے اس نظارہ کو دیکھ کر وہ زمانہ یاد آیا کہ جب دینی اور دنیوی ہر دو قسم کے علوم کا منبع مسجدیں ہوا کرتی تھیں جہاں اسلام کے علماء اور حکماء فرش پر بیٹھ کر اپنے اردگرد گھیرا ڈالے ہوئے طالب علموں کو درس دیا کرتے تھے۔ اور اس قسم کے درسوں کے نتیجہ میں بعض ایسے شاندار عالم پیدا ہوئے کہ صدیاں گذر جانے کے باوجود آج کی دُنیا بھی ان کے علوم سے روشنی حاصل کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔

مَیں نے کالج کے بعض بچوں اور پروفیسروں کو بتایا کہ انہوں نے پُرانے زمانہ کی یاد کو تازہ کیا ہے اور جس خوشی کے ساتھ انہوں نے حالات کی اس تبدیلی کو قبول کیا ہے وہ ان کے لئے اور ہم سب کے لئے باعثِ فخر ہے۔ مَیں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ موجودہ حالات سے انہیں یہ سبق سیکھنا چاہیئے۔ کہ حقیقی علم ظاہری ٹیپ ٹاپ اور ظاہری ساز و سامان سے بے نیاز ہے اور جھونپڑوں کے اندر فرشوں پر بیٹھ کر بھی انسان اسی طرح علُوم کے خزانوں کا مالک بن سکتا ہے جس طرح شاندار ساز و سامان استعمال کرنے والے علم حاصل کرتے ہیں بلکہ یہ صورت رُوح کی درستی کے لحاظ سے زیادہ مفید ہے۔ اور انسانی قلب کو علم کے مرکزی نقطہ پر زیادہ پختگی کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے کیونکہ جب ماحول کی زیب و زینت نہیں ہوگی تو لازماً انسان کی آنکھیں اور انسان کے دل و دماغ علم کی طرف زیادہ متوجہ رہیں گے میرا یہ مطلب نہیں کہ ضروری سامان جو موجودہ علم کے حصول کے لئے ضروری ہے اسے حاصل نہ کیا جائے۔ جو چیز حقیقتاً ضروری ہے وہ علم کا حصّہ ہے اور ہم اس کی طرف سے غافل نہیں رہ سکتے اور موجودہ صورت میں بھی ہم اس کے لئے کوشاں ہیں۔ مگر ظاہری ٹیپ ٹاپ یا زیب و زینت کا سامان یا آرام و آسائش کے اسباب بہرحال زائد چیزیں ہیں جو علم کے رستہ میں ممد ہونے کی بجائے روک بننے کا زیادہ امکان رکھتی ہیں۔ ہمارے آقا (فداہ نفسی) صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ یعنی فقر میرے

لئے فخر کا موجب ہے۔ اس سے بھی یہی مراد ہے کہ مجھے آسائش کے سامانوں کی ضرورت نہیں اور میری رُوح ان چیزوں کے تصور سے بے نیاز ہے جو محض جسم کے آرام کا پہلو رکھتی ہیں اور رُوح انسانی کی ترقی میں ممد نہیں ہوسکتیں۔ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ یعنی علم کی تلاش کرو خواہ اس کے لئے تمہیں چین کے ملک تک جانا پڑے چونکہ اُس زمانہ میں چین کا ملک ایک دُور افتادہ ملک تھا اور اُس میں رستہ کی صعوبتوں کے علاوہ دُنیوی آسائش کے بھی کوئی سامان موجود نہیں تھے اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حکیمانہ الفاظ فرما کر یہ اشارہ کیا کہ حقیقی علم دُنیوی آسائشوں اور ساز و سامان کے ماحول سے آزاد ہے

بہرحال مَیں بہت خوش ہوں کہ ہمارے بچّوں نے یا کم از کم ان میں سے اکثر نے ماحول کی موجودہ تبدیلی میں اچھا نمونہ دکھایا ہے اور اگر وہ خلوص نیت کے ساتھ اس روح پر قائم رہیں گے تو مجھے یقین ہے کہ وہ علم کے حصول کے علاوہ سادہ زندگی کی برکات سے بھی پُوری طرح فائدہ اُٹھانے والے ثابت ہوں گے" [1]

لاہور میں تعلیم الاسلام کالج کا سٹاف

لاہور میں تعلیم الاسلام کالج کی زندگی کے ابتدائی دو ماہ (ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ ہش - ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۷ء - ۱۹۴۸ء) نہایت درجہ بے سروسامانی اور آشفتہ حالی کے تھے جن میں کالج کے گذشتہ نظام تعلیم کے احیاء کا فریضہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی قیادت میں اخوند محمد عبدالقادر صاحب ایم۔اے، صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے، عباس بن عبدالقادر صاحب، چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے، میاں عطاء الرحمٰن صاحب ایم۔ایس۔سی، چوہدری محمد صفدر صاحب چوہان۔ شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم اے بی۔ٹی، ملک فیض الرحمٰن صاحب فیضی، حبیب اللہ خاں صاحب ایم۔ایس سی، سید سلطان محمود صاحب شاہد ایم۔ایس۔سی، نے انجام دیا۔

ان اساتذہ کرام کے علاوہ جو قادیان ہی سے کالج کی تعلیمی خدمات بجا لا رہے تھے لاہور میں حسب ذیل اصحاب بھی کالج کے سٹاف میں شامل کئے گئے:۔

محمد اسحاق صاحب آلم (تبلیغ/فروری ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء)

جیلانی کامران صاحب " "

---

[1] "الفضل" ۱۱/مارچ ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۵

اقبال حسین صاحب	(ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء)
ثناء اللہ صاحب بھٹی	(" ")
سید محفوظ علی صاحب ایم-ایس-سی	(تبوک/ستمبر ")
چوہدری غلام علی صاحب	(نبوت/نومبر ")
صوفی عبدالعزیز صاحب	(" ")
شوکت علی صاحب	(صلح/جنوری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء)
راجہ محمد مقبول الٰہی صاحب ایم۔اے	(احسان/جون ")
مولانا ارجمند خاں صاحب فاضل	(تبوک/ستمبر ")
راجہ محمد نصراللہ احسان الٰہی صاحب	(صلح/جنوری ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء)
میاں منور حسین صاحب	(امان/مارچ ")
مولانا غلام احمد صاحب بدوملہی فاضل	(ہجرت/مئی ")
نصیر احمد خاں صاحب	(۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء)
ملک محبوب الٰہی صاحب	(احسان/جون ")
پروفیسر کرامت الٰہی صاحب	(" ")
احمد دین صاحب میر	(تبوک/ستمبر ")
محمود احمد صاحب	(اخاء/اکتوبر ۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء)
حسن ظہیر صاحب	(نبوت/نومبر ")
محمد یعقوب صاحب ایم۔اے۔ ایل ایل بی	(امان/مارچ ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء)
فرمان اللہ خاں صاحب	(فتح/دسمبر ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء)
نور محمد صاحب ناز صدیقی	(" ")

ڈی۔ اے۔ وی کالج کے کھنڈرات پر قبضہ

تعلیم الاسلام کالج کینال پارک کی بوسیدہ عمارتوں میں وسط ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء تک چلتا رہا۔ جس کے بعد ۱۶[1] شہادت/اپریل کو ڈی۔ اے۔ وی کالج لاہور کی ٹوٹی پھوٹی اور برباد شدہ عمارت الاٹ ہوئی اور

[1] کالج کی فائل G-22A "

۱۹ شہادت/اپریل کو اس پر قبضہ ملا اور پھر یہاں کالج منتقل کر دیا گیا۔ صوبہ کے اس نہایت مشہور اور عالیشان کالج کا سارا سامان غیر مسلم پناہ گزینوں کے ہاتھوں بالکل غارت ہو چکا تھا یا ہندوستان پہنچ چکا تھا حتی کہ کسی میز، کرسی یا ڈیسک کا نام و نشان تک باقی نہ رہا تھا۔ لیبارٹریوں میں ٹوٹی شیشیاں بکھری ہوئی تھیں اور کمرے ملبہ کے ڈھیروں سے اَٹے پڑے تھے۔ اس خستہ سامانی کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ محض کمروں اور لیبارٹریوں کی صفائی پر قریباً ستائیس سَو روپیہ (۲۷۰۰) خرچ کرنا پڑا۔[۵۱]

علاوہ ازیں لاکھوں روپے کے صرف سے کالج کو پھر سے جدید تجربہ گاہوں سے آراستہ کیا گیا۔ فرنیچر تیار کیا گیا اور لائبریری کا قیام عمل میں لایا گیا۔[۵۲] کھنڈرات پر کالج نو کس طرح آباد ہوا۔ اس کا نقشہ حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج نے انہی دنوں ذیل کے الفاظ میں کھینچا:۔

"۴۸-۱۹۴۷ء کو ہم بے سرو سامانی کا سال کہہ سکتے ہیں اور جن نوجوانوں نے اپنے کالج کے اس نازک ترین دَور کو ہمت اور بشاشت سے گذارا وہ یقیناً قابل قدر ہیں۔ خاص تگ و دَو و ناظم تعلیماتِ عامہ پنجاب کے ہمدردانہ رویہ کے نتیجہ میں . . . . کالج کی آبادکاری کے لئے ڈی۔اے وی کالج کے کھنڈرات پر ہمیں قبضہ ملا۔ ان عمارتوں کو غیر مسلم پناہ گزین کلی طور پر تباہ و برباد کر چکے تھے۔ دروازوں کے تختے اور چوکھٹے، روشندان، الماریاں وغیرہ ہر قسم کا فرنیچر غائب تھا۔ عمل گاہوں میں ٹوٹی ہوئی شیشیوں کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کے سوا کچھ موجود نہ تھا۔ پانی اور گیس کے نل ٹوٹے ہوئے پڑے تھے۔ تیس چالیس ہزار کتابوں پر مشتمل مشہور کتب خانے کی اب ایک جلد بھی باقی نہ تھی۔ یہ وہ کھنڈر تھے جن میں مئی ۱۹۴۸ء میں ہم آباد ہوئے اور ہماری فوری توجہ ان ضروری اور ناگزیر مرمتوں کی طرف منعطف ہوئی۔ چنانچہ شروع میں گیس پلانٹ کو درست کروایا گیا اور شعبہ کیمیا کے لئے ضروری سامان خرید کر کیمیا کے عملی تجربے اپنے کالج میں ہی شروع کروا دیئے گئے۔ طبعیات کے لئے ہمیں ایم۔اے۔او کالج سے انتظام کرنا پڑا۔ جن کے برادرانہ سلوک کے ہم ہمیشہ ممنون رہیں گے۔ چونکہ ابھی اصل ہوسٹل پر قبضہ نہ ملا تھا۔ اس لئے کالج کے ہی ایک حصہ کو مرمت کروا کے عارضی طور پر یہ ہوسٹل بنا دیا گیا۔ جس میں اندازاً پچاس پچپن طلبہ کی گنجائش تھی جو وقتی طور پر کافی سمجھی گئی گو عملاً طلبہ اس سے بہت زیادہ آ گئے جس کے نتیجہ میں ایک ایک کمرہ میں آٹھ آٹھ طلبہ کو رہنا پڑا۔"[۵۳]

---

[۵۱] رسالہ "المنار" مئی/جون ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۴ ؛ [۵۲] ایضاً ؛ [۵۳] "الفضل" ۵ شہادت/اپریل ۱۳۲۹ ہش/۱۹۵۰ء صفحہ ۳ ؛

شاندار نتائج اور حضرت مصلح موعود کا اظہار خوشنودی اور اہم ہدایات

ظاہر ہے کہ ان حالات میں طلبہ کو نہ ذہنی سکون میسر آسکتا تھا نہ پوری سہولتیں حاصل تھیں خصوصاً سائنس کے طلبہ کو جنہیں طبعیات کے عملی تجربات کے لئے خاصہ فاصلہ طے کر کے ایم۔اے۔او کالج جانا پڑتا تھا مگر پھر بھی دوسرے سال ہی کالج اپنے نتائج کے اعتبار سے صوبہ کے ممتاز ترین کالجوں کی صف اوّل میں شمار ہونے لگا چنانچہ جہاں بی۔اے میں یونیورسٹی نتائج کی اوسط ۸ر۳۹ تھی وہاں تعلیم الاسلام کالج کی اوسط ۳ر۸۳ رہی۔ اسی طرح دوسرے امتحانوں میں بھی اس اسلامی درسگاہ کی اوسط یونیورسٹی کی اوسط سے بہتر رہی[1] جس پہ حضرت مصلح موعود نے حد درجہ خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

"گزشتہ سال فسادات کی وجہ سے ہمارے کالج کے نتائج اچھے نہیں نکلے تھے مگر اس سال اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے کالج کا نتیجہ غیر معمولی طور پر نہایت شاندار رہا ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ گزشتہ سال کے نتائج کی خرابی ان حالات کی وجہ سے تھی جو ۱۹۴۷ء میں پیدا ہوئے۔ اس سال ہمارے تعلیم الاسلام کالج کی ایک جماعت کا نتیجہ نوّے فیصدی کے قریب رہا ہے جو ایک حیرت انگیز امر ہے حالانکہ یونیورسٹی کی اوسط ۳۹ فیصدی ہے۔ یہی حال اور جماعتوں کے نتائج کا ہے۔ کوئی ایک جماعت بھی ایسی نہیں جس کا نتیجہ یونیورسٹی کی اوسط سے کم ہو بلکہ ہر جماعت کا نتیجہ یونیورسٹی کی اوسط سے بڑھ کر ہے۔ اگر کسی کلاس کے متعلق یونیورسٹی کی اوسط ۲۵ فیصدی ہے تو ہمارے کالج ½ ۲۷ فیصدی ہے۔ یا اگر یونیورسٹی کی اوسط ۲۵ فیصدی ہے تو ہمارے کالج کی ۳۹ فیصدی ہے۔ اور ایک کلاس کے متعلق تو مَیں نے بتایا ہے کہ ہمارے کالج کا نتیجہ اس میں نوّے فی صدی کے قریب ہے حالانکہ یونیورسٹی کی اوسط اس سے بہت کم ہے۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں یہ شبہات ہوا کرتے تھے کہ ہمارے کالج میں لڑکوں کی تعلیم کا زیادہ بہتر انتظام نہیں۔ اب ان نتائج کے بعد اُن کے شبہات دُور ہو جانے چاہئیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے کالج کے نتائج سوائے ایک کے باقی تمام کالجوں سے شاندار نکلے ہیں اور اب اُن کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے فوراً تعلیم الاسلام کالج میں داخل کرنے کی کوشش کریں۔ اس بارہ میں کسی قسم کی غفلت اور کوتاہی سے کام نہ لیں۔ اس کالج میں اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے بھجوانا اس قدر ضروری اور اہم چیز ہے کہ میں تو سمجھتا ہوں جو شخص اپنے بچوں کو باوجود

[1] "الفضل" ۵ شہادت / اپریل ۱۳۲۹ہش / ۱۹۵۰ء صفحہ ۳ کالم ۳۔

مواقع میسر آنے کے اس کالج میں داخل نہیں کرتا وہ اپنے بچوں کی دشمنی کرتا اور سلسلہ پر اپنے کامل ایمان کا ثبوت مہیا نہیں کرتا" ؎۱

حضرت مصلح موعود نے احمدی جماعتوں کو تعلیم الاسلام کالج میں بچوں کو داخل کرنے کی تحریک فرمانے کے بعد کالج کے عملہ کو متعدد زریں ہدایات دیں جن کا خلاصہ یہ تھا کہ انہیں اپنے نتائج بہتر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ دوسرو سے زیادہ وقت کالج کی ترقی اور لڑکوں کے تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے لئے صرف کرنے کی عادت ڈالیں اور ان کو زیادہ سے زیادہ دینی احکام کا پابند اور اخلاق فاضلہ کا متصف بنائیں۔ لڑکوں کی خوراک کی طرف زیادہ توجہ رکھنی چاہیئے اور کوشش کرنی چاہیئے کہ تھوڑے روپیہ سے بہتر سے بہتر کھانا ان کو مہیا کیا جائے۔ اسی طرح دینیات کی تعلیم کی طرف انہیں خاص طور پر توجہ کرنی چاہیئے۔ لڑکوں کے اندر صحیح دینی جذبہ پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرکز سے وابستہ ہوں۔ اور مرکز سے وابستگی پیدا کرنے کے جہاں اور کئی طریق ہیں وہاں ایک یہ بھی طریق ہے کہ خلیفۂ وقت سے کالج میں کم سے کم دو چار لیکچر سالانہ کروائے جائیں تاکہ ان کو اپنی ذمہ واریوں کا احساس پیدا ہو اور قربانی کی رُوح ان کے اندر ترقی کرے۔ اس کے علاوہ جماعت کے دوسرے علماء اور مبلغین سے بھی وقتاً فوقتاً لیکچر کروانے چاہئیں۔ ہمارے کالج کے افسروں کے اندر یہ بھی احساس ہونا چاہیئے کہ انہوں نے اپنے طالب علموں کی زندگیوں کو سنوارنا اور انہیں قوم کے لئے اعلیٰ درجہ کا وجود بنانا ہے یہانتک کہ وہ جس محکمہ میں بھی جائیں اس میں چوٹی کے آدمی ثابت ہوں اور کوئی دوسرا شخص اُن کا مقابلہ نہ کر سکے جس وقت کوئی دوسرا شخص یہ سُنے کہ یہ احمدی انجنیئر ہے یا احمدی ڈاکٹر ہے یا احمدی وکیل ہے یا احمدی بیرسٹر ہے یا احمدی تاجر ہے تو وہ کسی انٹرویو کی ضرورت ہی نہ سمجھے بلکہ محض ایک احمدی کا نام سُنتے ہی یقین کر لے کہ اس شخص کا اپنے فن میں کوئی اور مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اس ضمن میں حضور نے عملہ کالج کو آخری نصیحت یہ فرمائی کہ اُنہیں لڑکوں کی دماغی تربیت کا بھی خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ ان کا صرف اچھے نمبروں پر پاس ہو جانا کافی نہیں بلکہ ان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی دماغی تربیت اس رنگ کی ہو کہ جب وہ نماز پڑھیں تو عقلمند انسان کی طرح نماز پڑھیں اور جب کتاب پڑھیں تو عقلمند انسان کی طرح کتاب پڑھیں۔ ؎۲

تعلیم الاسلام کالج کے ہر شعبہ میں روز افزوں ترقی	تعلیم الاسلام کالج نے انتہائی بے سروسامانی اور نامساعد حالات کے باوجود صرف امتحانوں میں نمایاں کامیابیاں

؎۱ "الفضل" ۱۴ تبوک/ستمبر ۱۳۲۸ ہش ۱۹۴۹ء صفحہ ۵ ک ۱-۲ ؎۲ "الفضل" ۱۴ تبوک/ستمبر ۱۳۲۸ ہش ۱۹۴۹ء صفحہ ۶-۷

حاصل نہیں کیں بلکہ اپنے ہر شعبہ میں روز افزوں ترقی کا ثبوت دیا۔ چنانچہ ۲۹-۱۳۲۸ ہش/ ۵۰-۱۹۴۹ء میں طلبہ کی تعداد ساٹھ سے بڑھ کر ۲۶۷ تک پہنچ گئی۔ کتب خانہ کی از سر نو تشکیل کی گئی اور کئی ہزار کتابوں کا بیش بہا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ امریکہ کے نومسلم بھائیوں نے ۲۲۸ مجلدات بھجوائیں۔ اس کے علاوہ انگلستان سے بھی بعض عطایا وصول ہوئے۔ طالب علموں کے علمی ارتقاء کے لئے مجلس عمومی (کالج یونین) مجلس عربی، مجلس اقتصادیات، سائنس سوسائٹی، فوٹوگرافک اور ریڈیو سوسائٹی سرگرم عمل رہیں۔ اس عرصہ میں یونیورسٹی آفیسرز ٹریننگ کور بھی قائم کی گئی۔ کالج کے دستہ نے تبلیغ/فروری ۱۳۲۷ ہش/ ۱۹۴۸ء میں سالانہ کیمپ کے موقعہ پر ضبط اور اطاعت کا بہترین نمونہ دکھا کر اعلیٰ افسروں سے خراج تحسین وصول کیا اور دستہ کے سارجنٹ بشارت احمد کی ہز ایکسیلنسی کمانڈر انچیف پاکستان نے بھی بہت تعریف کی۔ اور اس فن میں مہارت پر انہیں مبارکباد دی۔

۱۳۲۸ ہش/ ۱۹۴۹ء میں سالانہ کیمپ کے موقعہ پر یو۔ او۔ ٹی۔ سی کے ہر افسر نے کالج کے اس دستہ کے جوانوں کے ضبط، اطاعت، جوش عمل اور حسن کارکردگی پر اظہار مسرت کیا اور یہ دستہ عسکری فنون میں تمام دستوں میں اوّل رہا اور یو۔ او۔ ٹی۔ سی کے کرنل نے گورنر پنجاب سردار عبدالرب صاحب نشتر کے سامنے اس امر کا اظہار بھی کیا۔ تعلیم الاسلام کالج کا یہ دستہ ہر لحاظ سے معیاری اور بہترین شمار کیا جاتا تھا۔ چنانچہ مختلف گارڈز آف آنر میں نسبتی اعتبار سے بھی اور محض تعداد کے اعتبار سے بھی تعلیم الاسلام کالج کی تعداد سب سے زیادہ رہی مثلاً اُن دنوں شہنشاہِ ایران کی آمد پر جو گارڈ آف آنر پیش کیا گیا اس میں تقریباً اسّی فیصدی نوجوان اسی کالج کے طالب علم تھے اسی طرح فٹ بال، والی بال، بیڈمنٹن اور تیراکی میں کالج کی ٹیمیں خاص اعزاز کی حامل رہیں۔ کشتی رانی میں کالج کی ٹیم پنجاب روئنگ ایسوسی ایشن کے سالانہ مقابلہ میں اوّل آئی۔

جہانتک طلبہ کی اخلاقی و دینی تربیت کا تعلق ہے اس کے لئے بھی کالج کی طرف سے مؤثر انتظام کیا گیا اور خصوصاً اسلامی شعائر اور فرائض کی پابندی پر بہت زور دیا گیا جس میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔[۱]

لاہور کے علمی اداروں میں تعلیم الاسلام کالج کا اثر و نفوذ

چوہدری محمد علی صاحب کا بیان ہے کہ

"جب کالج لاہور آیا تو آہستہ آہستہ بہت سے غیر از جماعت طلباء جو صاف ستھری اخلاقی اور تعلیمی فضا میں پڑھنا چاہتے تھے تعلیم الاسلام کالج میں داخل ہونا شروع ہوئے کالج کی شہرت اور نیک نامی آہستہ آہستہ دلوں میں گھر کر رہی تھی

---

[۱] "الفضل" ۲۰ شہادت/ اپریل ۱۳۲۹ ہش/ ۱۹۵۰ء صفحہ ۳ تا ۵ ملخصاً، "المنار" ہجرت - احسان/ مئی جون ۱۳۳۹ ہش/ ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۶

اور کالجوں کی بزم میں تعلیم الاسلام کالج کا نام عزت اور احترام سے لیا جانے لگا تھا۔ لاہور کے کالجوں کا عام طالب علم جانتا تھا کہ پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کس بلند مرتبے اور کیریکٹر کے انسان ہیں۔ دوسرے کالجوں کے پرنسپلوں کی موجودگی میں شوخی کرنے والے حضور کے سامنے ادب سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ حضور بھی خود تمام طلباء کو اپنا عزیز طالب علم جانتے تھے اور ان کے جائز حقوق کی حفاظت فرمایا کرتے تھے اور یہ اکثر فرمایا کرتے کہ ہمارا طالب علم طبعاً شریف ہوتا ہے۔ عموماً خرابی اس کے HANDLING میں ہوتی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

ایک دفعہ لاہور کے طلباء مجمع بنا کر تعلیم الاسلام کالج کے سامنے اکٹھے ہو گئے۔ یہ کالجوں کو بند کرواتے پھر رہے تھے۔ غالباً کسی غیر ملکی ظلم پر احتجاج ہو رہا تھا۔ لڑکوں کو دیکھ کر حضور خود بنفس نفیس لڑکوں میں تشریف لے گئے اور چند منٹ اپنے دلآویز تبسم کے ساتھ اُن سے گفتگو فرمائی۔ لڑکے قائل ہوئے اور پرنسپل ٹی۔ آئی کالج زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے چلے گئے

ایک بار کشتی رانی کے فائنل پر جبکہ اسلامیہ کالج کی ٹیم آگے تھی اور ہم نمبر دو پر تھے اور دریا کے کنارے لاؤڈ سپیکر نصب تھا اور نعرے لگ رہے تھے۔ اصل مقابلہ اسلامیہ کالج اور ٹی۔ آئی کالج کے درمیان تھا۔ ہمارا بھی سارا کالج پہنچا ہوا تھا۔ کیونکہ سوائے دریا کے ہمارے پاس کوئی کھیل کا میدان نہیں تھا۔ کشتیاں دریا میں جا چکی تھیں۔ آخر میں جانے والی کشتیاں اسلامیہ کالج اور ہمارے کالج کی تھیں۔ اسلامیہ کالج کی کشتی ابھی ایک چپے کے زور پر لہر میں داخل ہی ہوئی تھی کہ کسی بظاہر غیر طالب علم نے جو ایسے مقابلوں میں حمایت کے لئے آجاتے ہیں تعلیم الاسلام کالج کے خلاف ایک نہایت نازیبا نعرہ لگایا جس کی آواز لاؤڈ سپیکر پر بھی سنائی دے گئی۔ اچانک اسلامیہ کالج کی کشتی وہیں سے واپس مُڑی۔ ہم سمجھے کہ شاید فالتو چپو بھول گئے ہیں لیکن ہوا یہ کہ کشتی کنارے لگتے ہی اسلامیہ کالج کی ٹیم کا کپتان عقاب کی طرح مجمع پر جھپٹا اور جس نے نعرہ لگایا تھا۔ اس کو پکڑ لیا اور اعلان کیا کہ اگر تعلیم الاسلام کالج کے خلاف اس قسم کا بیہودہ نعرہ اب لگایا گیا تو ہم دوڑ نہیں دوڑیں گے۔

یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ ایسے موقعوں پر جب جذبات مسابقت برانگیختہ ہو کر عام قیود اور آداب کی پابندیاں ڈھیلی کر چکے ہیں اس قسم کا مظاہرہ ایک تاریخی حیثیت

رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس میں ان طلباء کی بھی خوبی تھی یعنی دونو کالجوں کے طلباء کی کہ اُن کے تعلقات انتہائی طور پر خوشگوار تھے۔[1]

رسالہ "المنار" کا اجراء

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کی سرپرستی میں اکنامکس سوسائٹی کے زیرِ اہتمام "ینگ اکانومسٹ" کے نام سے ایک کتابی سلسلہ جاری کیا گیا۔ ازاں بعد ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء سے کالج کا علمی مجلّہ "المنار" کے نام سے شروع کیا گیا۔ جو اب تک باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے اور ادبی اور علمی حلقوں میں خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اُردو کے بعض پاکستانی ادیبوں اور ناقدوں نے "المنار" کی قلمی سرگرمیوں کو سراہا ہے۔ اور اسے اچھے ادبی ذوق کا آئینہ دار قرار دیا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے "المنار" کے پہلے شمارہ کے لئے "نور کا نشان۔ روشنی اور بلندی کا شعار" کے عنوان سے ایک نہایت قیمتی مضمون سپردِ قلم فرمایا جس میں علاوہ دوسری اہم نصائح کے یہ نصیحت بھی فرمائی کہ "ہمارے عزیزوں کو چاہیئے کہ اپنے اس رسالہ کو صحیح معنوں میں المنار بنائیں یعنی وہ علم کے ہر میدان میں روشنی اور بلندی کا نشان ہو۔ ہر دوسرے کالج کی نظریں اس رسالہ کی طرف اُٹھیں اور وہ اس کے مضامین میں ہدایت اور تسلّی کا سامان پائیں۔ لکھنے والے محض خانہ پُری سے کام نہ لیں بلکہ محنت اُٹھا کر اور تحقیق کر کے دُنیا کے سامنے سچا علم پیش کریں اور موجودہ علوم باطلہ سے ہرگز مرعوب نہ ہوں۔"[2]

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے اس موقعہ پر طلباء کے نام جو پیغام دیا وہ ہمیشہ آبِ زر سے لکھا جائے گا۔ آپ نے تحریر فرمایا:-

"زندگی مسلسل جستجو کا نام ہے۔ کلاس روم میں آپ پہلوں کی جستجو کے نتائج سُنتے ہیں۔ انہیں سمجھنے اور یاد رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان نتائج پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کا آپ کو موقعہ میسّر نہیں آتا۔ کلاس روم تخلیق کا میدان بھی نہیں۔ مگر تنقید و تحقیق کے بغیر آپ کی زندگی بے معنی ہے 'پدرم سلطان بود' آپ کو زیب نہیں دیتا۔ دنیا کو جس حالت پر آپ نے پایا اس سے بہتر حالت پر آپ نے اُسے چھوڑنا ہے۔ کالج میگزین تنقید و تحقیق کا ایک وسیع میدان آپ کے سامنے کھولتا ہے۔ اب آپ کا فرض ہے کہ اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ دیدۂ بینا سے دُنیا کو دیکھیں، عقلِ سلیم سے اسے پرکھیں۔ ذہنِ رسا سے اس کی [illegible]

---

[2] "المنار" شہادت/اپریل ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء صفحہ ۸

میں داخل ہوں۔ اس کی چھپی ہوئی کانوں میں جائیں اور آنے والی نسلوں کے لئے دُر بے بہا تلاش کریں۔ اسلام کو آج روشن دماغ بہادروں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ بہادر تو ہیں مگر آپ کے ذہنوں میں جلا نہیں تو آپ اسلام کے کسی کام کے نہیں۔ آزادانہ تنقید و تحقیق آپ کو بہادر بھی بنائے گی اور آپ کے اذہان کو منوّر بھی کرے گی اور یہی کالج میگزین کے اجراء کا مقصد ہے۔ خدا ہمیں اس میں کامیاب کرے" [1]

ان بزرگوں نے اُردو کے علاوہ انگریزی حصّہ کے لئے بھی پیغامات دیئے۔ چنانچہ حضرت قمر الانبیاء نے طلبہ کو اسلامی تعلیمات کے پہنچانے کے لئے عربی اور اُردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی عبور حاصل کرنے کی تلقین فرمائی۔[2] حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے پیغام کا متن یہ تھا :-

"With trust in God and Faith in the ultimate triumph of your mission march on"

یعنی خدا تعالٰی پر یقینِ محکم اور ایمانِ کامل کے ساتھ اپنے مقصد کے حصول اور آخری فتح کے لئے بڑھے چلو ![3]

تقسیم اسناد کے پہلے جلسہ میں حضرت امیر المومنین کا بصیرت افروز خطاب

۲؍ شہادت/اپریل ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء کو تعلیم الاسلام کالج کی تاریخ میں پہلی بار تقسیم اسناد و تقسیم انعامات کی انتہائی سادہ اور مؤثر تقریب منعقد ہوئی جو خالص اسلامی ماحول میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس جلسہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ سیدنا المصلح الموعود نے اس میں بنفس نفیس شرکت کی اور نہایت ایمان افروز صدارتی خطاب[4] ارشاد فرمایا اور قرآن و حدیث کی روشنی میں طلبہ کو ان کی اہم ذمہ داریوں کی طرف نہایت بلیغ انداز میں توجہ دلائی اور اس ضمن میں بالخصوص ان فرائض پر روشنی ڈالی جو ایک نئی مملکت کے آزاد شہری ہونے کی حیثیت سے اُن پر عائد ہوتی ہیں۔ چنانچہ فرمایا :-

---

[1] "المنار" شہادت/اپریل ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء صفحہ ۹۔

[2] " " " صفحہ ۷ - ۸ (حصہ انگریزی)۔

[3] " " " صفحہ ۶ (")۔

[4] حضرت امیر المومنین کا یہ صدارتی خطبہ کالج کی طرف سے اردو اور انگریزی میں تقریب سے قبل چھپوا دیا گیا تھا۔

میں اُن نوجوانوں کو جو تعلیم سے فارغ ہو کر اپنی زندگی کے دوسرے مشاغل کی طرف مائل ہونے والے ہیں، کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے قانون کے مطابق سکون کے حاصل کرنے کی بالکل کوشش نہ کرو بلکہ ایک نہ ختم ہونے والی جد و جہد کے لئے تیار ہو جاؤ اور قرآنی منشاء کے مطابق اپنا قدم ہر وقت آگے بڑھانے کی کوشش کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے رہو کہ وہ آپ کو صحیح کام کرنے اور صحیح وقت پر کام کرنے اور صحیح ذرائع کو استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور پھر اس کام کے صحیح اور اعلیٰ سے اعلیٰ نتائج پیدا کرے۔

یاد رکھو کہ تم پر صرف تمہارے نفس کی ہی ذمہ داری نہیں۔ تم پر تمہارے اس ادارے کی بھی ذمہ داری ہے جس نے تمہیں تعلیم دی ہے اور اس خاندان کی بھی ذمہ داری ہے جس نے تمہاری تعلیم پر خرچ کیا ہے خواہ بالواسطہ یا بلا واسطہ، اور اس ملک کی بھی ذمہ داری ہے جس نے تمہارے لئے تعلیم کا انتظام کیا ہے اور پھر تمہارے مذہب کی بھی ذمہ داری ہے۔ تمہارے تعلیمی ادارے کی جو تم پر ذمہ داری ہے وہ چاہتی ہے کہ تم اپنے علم کو زیادہ سے زیادہ اور اچھے سے اچھے طور پر استعمال کرو۔ یونیورسٹی کی تعلیم مقصود نہیں ہے وہ منزلِ مقصود کو طے کرنے کے لئے پہلا قدم ہے۔ یونیورسٹی تم کو جو ڈگریاں دیتی ہے وہ اپنی ذات میں کوئی قیمت نہیں رکھتیں بلکہ اُن ڈگریوں کو تم اپنے آئندہ عمل سے قیمت بخشتے ہو۔ ڈگری صرف تعلیم کا ایک تخمینی وزن ہے۔ اور ایک تخمینی وزن ٹھیک بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی ہو سکتا ہے۔ محض کسی یونیورسٹی کے فرض کر لینے سے کہ تم کو علم کا ایک تخمینی وزن حاصل ہو گیا ہے تم کو علم کا وہ فرضی درجہ نصیب نہیں ہو جاتا جس کے اظہار کی یونیورسٹی ڈگری کے ساتھ کوشش ہوتی ہے۔ اگر ایک یونیورسٹی سے نکلنے والے طالب علم اپنی آئندہ زندگی میں یہ ثابت کریں کہ جو تخمینی وزن ان کی تعلیم کا یونیورسٹی نے لگایا تھا ان کے پاس اُس سے بھی زیادہ وزن کا علم موجود ہے تو دُنیا میں اُس یونیورسٹی کی عزت اور قدر قائم ہو جائے گی۔ لیکن اگر ڈگریاں حاصل کرنے والے طالب علم اپنی بعد کی زندگی میں یہ ثابت کر دیں کہ تعلیم کا جو تخمینی وزن ان کے دماغوں میں فرض کیا گیا تھا ان میں اس سے بہت کم درجہ کی تعلیم پائی جاتی ہے تو یقیناً لوگ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ یونیورسٹی نے علم کی پیمائش کرتے میں غلطی سے کام لیا ہے۔

پس تمہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ یونیورسٹیاں اتنا طالب علم کو نہیں بناتیں جتنا کہ طالب علم

یونیورسٹیوں کو سناتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لو کہ ڈگری سے طالب علم کی عزت نہیں ہوتی ہے۔ پس تمہیں اپنے پیمانۂ علم کو درست رکھنے بلکہ اس کو بڑھانے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے اور اپنے کالج کے زمانہ کی تعلیم کو اپنی عمر کا پھل نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ اپنے علم کی کھیتی کا بیج تصور کرنا چاہیئے اور تمام ذرائع سے کام لے کر اس بیج کو زیادہ سے زیادہ بارآور کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے تاکہ اس کوشش کے نتیجہ میں اُن ڈگریوں کی عزت بڑھے جو آج تم حاصل کر رہے ہو اور اس یونیورسٹی کی عزت بڑھے جو تمہیں یہ ڈگریاں دے رہی ہے اور تمہاری قوم تم پر فخر کرنے کے قابل ہو اور تمہارا ملک تم سے اعلیٰ سے اعلیٰ امیدیں رکھنے کے قابل ہو اور اُن امیدوں کو پورا ہوتے ہوئے دیکھے۔

تم ایک نئے ملک کے شہری ہو۔ دُنیا کی بڑی مملکتوں میں سے بظاہر ایک چھوٹی سی مملکت کے شہری ہو۔ تمہارا ملک مالدار ملک نہیں ہے۔ ایک غریب ملک ہے۔ دیر تک ایک غیر حکومت کی حفاظت میں امن اور سکون سے رہنے کے عادی ہو چکے ہو۔ سو تمہیں اپنے اخلاق اور کردار بدلنے ہوں گے۔ تمہیں اپنے ملک کی عزت اور ساکھ دُنیا میں قائم کرنی ہوگی۔ تمہیں اپنے ملک کو دُنیا سے روشناس کرانا ہوگا۔ ملکوں کی عزت کو قائم رکھنا بھی ایک بڑا دشوار کام ہے۔ لیکن ان کی عزت کو بنانا اس سے بھی زیادہ دشوار کام ہے اور یہی دشوار کام تمہارے ذمہ ڈالا گیا ہے۔ تم ایک نئے ملک کی نئی پود ہو۔ تمہاری ذمہ داریاں پُرانے ملکوں کی نئی نسلوں سے بہت زیادہ ہیں۔ انہیں ایک بنی ہوئی چیز ملتی ہے۔ انہیں آباء و اجداد کی سنتیں یا روایتیں وراثت میں ملتی ہیں۔ مگر تمہارا یہ حال نہیں ہے۔ تم نے ملک بھی بنانا ہے اور تم نے نئی روایتیں بھی قائم کرنی ہیں۔ ایسی روایتیں جن پر عزت اور کامیابی کے ساتھ آنے والی بہت سی نسلیں کام کرتی چلی جائیں اور ان روایتوں کی راہنمائی میں اپنے مستقبل کو شاندار بناتی چلی جائیں۔

پس دوسرے قدیمی ملکوں کے لوگ ایک اولاد ہیں مگر تم ان کے مقابلے پر ایک باپ کی حیثیت رکھتے ہو۔ وہ اپنے کاموں میں اپنے باپ دادوں کو دیکھتے ہیں۔ تم نے اپنے کاموں میں آئندہ نسلوں کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ جو بنیاد تم قائم کروگے آئندہ آنے والی نسلیں ایک حد تک اس بنیاد پر عمارت قائم کرنے پر مجبور ہوں۔ اگر تمہاری بنیاد ٹیڑھی ہوگی تو اس پر قائم کی گئی عمارت بھی ٹیڑھی ہوگی۔ اسلام کا مشہور فلسفی شاعر کہتا ہے کہ

۵ خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج ——— تا ثریا مے رود دیوار کج

یعنی اگر معمار پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھتا ہے تو اس پر کھڑی کی جانے والی عمارت اگر ثریا تک بھی جاتی ہے تو ٹیڑھی ہو جائے گی۔ پس بوجہ اس کے کہ تم پاکستان کی خشت اوّل ہو تمہیں اس بات کا بڑی احتیاط سے خیال رکھنا چاہئیے کہ تمہارے طریق اور عمل میں کوئی کجی نہ ہو کیونکہ اگر تمہارے طریق اور عمل میں کوئی کجی ہوگی تو پاکستان کی عمارت ثریا تک ٹیڑھی چلتی جائے گی۔

بے شک یہ کام مشکل ہے لیکن اتنا ہی شاندار بھی ہے۔ اگر تم اپنے نفسوں کو قربان کر کے پاکستان کی عمارت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دو گے تو تمہارا نام اس عزت اور اس محبت سے لیا جائے گا جس کی مثال آئندہ آنے والے لوگوں میں نہیں پائی جائے گی۔

پس مَیں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی نئی منزل پر عزم، استقلال اور علوِّ حوصلہ سے قدم مارو۔ قدم مارتے چلے جاؤ اور اس بات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے قدم بڑھاتے چلے جاؤ کہ عالی ہمت نوجوانوں کی منزلِ اوّل بھی ہوتی ہے اور منزلِ دوم بھی ہوتی ہے، منزلِ سوم بھی ہوتی ہے لیکن آخری منزل کوئی نہیں ہوا کرتی۔ ایک منزل کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری وہ اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ اپنے سفر کو ختم نہیں کرنا چاہتے۔ وہ اپنے رختِ سفر کو کندھے سے اُتارنے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں۔ اُن کی منزل کا پہلا دَور اسی وقت ختم ہوتا ہے جبکہ وہ کامیاب اور کامران ہو کر اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے حاضر ہوتے ہیں اور اپنی خدمت کی داد اس سے حاصل کرتے ہیں جو ایک ہی ہستی ہے جو کسی کی خدمت کی صحیح داد دے سکتی ہے۔

پس اے خدائے واحد کے منتخب کردہ نوجوانو! اسلام کے بہادر سپاہیو! ملک کی امید کے مرکزو! قوم کے سپوتو! آگے بڑھو کہ تمہارا خدا، تمہارا دین، تمہارا ملک اور تمہاری قوم محبت اور امید کے مخلوط جذبات سے تمہارے مستقبل کو دیکھ رہے ہیں" [1]

حضرت امیر المؤمنینؓ کے خطبہ صدارت کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج نے اس ادارہ کی دو سالہ روداد پڑھ کر سنائی [2] جس میں کالج کی ترقی، طلبہ کی تعلیم و تربیت اور اُن کے علمی و

---

[1] "الفضل" ۲۹ شہادت/اپریل ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء صفحہ ۳، ۴۔ [2] اس کے مکمل متن کے لئے ملاحظہ ہو "الفضل" ۲۹ شہادت/اپریل ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء صفحہ ۲ تا ۵۔

مجلسی مشاغل پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ بعدہ سیدنا حضرت امیر المومنین نے انعامات تقسیم فرمائے اور دُعا کے بعد جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

اس تقریب میں شریک ہونے والے معزز مہمانوں میں مشتاق احمد صاحب میئر لاہور کارپوریشن، سید جمیل حسین صاحب ڈپٹی کمشنر آبادکاری، ایس۔ ایس جعفری ڈپٹی کمشنر لاہور، مسٹر ظفر الاحسن چیئرمین امپروومنٹ ٹرسٹ، مسٹر ترمذی ڈپٹی ڈائریکٹر تعلیمات عامہ پنجاب نیز صوبے کے ماہرین تعلیم اور مدیران جرائد بالخصوص قابل ذکر تھے[1]

تقسیم اسناد و انعامات کی اس پہلی تقریب کے بعد ۱۳۳۰ ہش/۱۹۵۱ء سے لے کر ۱۳۴۴ ہش/۱۹۶۵ء تک حسب ذیل شخصیتوں نے مہمان خصوصی کے فرائض انجام دیئے۔

تاریخ	مہمان خصوصی
۱۴/امان/مارچ ۱۳۳۰ ہش/۱۹۵۱ء	ڈاکٹر قاضی محمد بشیر صاحب (برادر اکبر قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔ اے کنٹب)[2]
۲۰/ " " ۱۳۳۱ ہش/۱۹۵۲ء	آنریبل جسٹس ڈاکٹر ایس۔ اے رحمان وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی[3]
۲۸/تبلیغ/فروری ۱۳۳۳ ہش/۱۹۵۴ء	عزت مآب چودھری محمد ظفراللہ خاں صاحب بالقابہ سابق وزیر خارجہ پاکستان[4]
۲۰/احسان/جون ۱۳۳۴ ہش/۱۹۵۵ء	میاں افضل حسین صاحب سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور[5]
۱۰/امان/مارچ ۱۳۳۶ ہش/۱۹۵۷ء	سردار عبدالحمید صاحب دستی سابق وزیر تعلیم پنجاب[6]
۱۴/احسان/جون ۱۳۳۸ ہش/۱۹۵۹ء	قاضی محمد اسلم صاحب سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور و صدر شعبۂ فلسفیات و نفسیات کراچی یونیورسٹی[7]
۷/ہجرت/مئی ۱۳۳۹ ہش/۱۹۶۰ء	جناب ایم۔ آر کیانی چیف جسٹس عدالت عالیہ مغربی پاکستان[8]
۱۴/احسان/جون ۱۳۴۰ ہش/۱۹۶۱ء	پروفیسر سراج الدین صاحب صوبائی سکرٹری محکمہ تعلیم[9]

[1] "الفضل" ۳/شہادت/اپریل ۱۳۲۹ ہش/۱۹۵۰ء۔

[2] "المنار" شہادت/اپریل ۱۳۳۰ ہش/۱۹۵۱ء صفحہ ۶۔ آپ نے کوئی خطبہ صدارت نہیں پڑھا۔

[3] " ہجرت و احسان/مئی و جون ۱۳۳۱ ہش/۱۹۵۲ء صفحہ ۱۲۔

[4] "المنار" احسان/جون ۱۳۳۳ ہش/۱۹۵۴ء صفحہ ۳ تا ۴ پر آپ کا بلیغ اور پُر اثر خطبہ کا متن شائع شدہ ہے۔

[5] "الفضل" ۲۱/احسان/جون ۱۳۳۴ ہش/۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

[6] "الفضل" ۱۲/امان/مارچ ۱۳۳۶ ہش/۱۹۵۷ء

[7] " " ۱۳۳۸ ہش/۱۹۵۹ء صفحہ ۱۔

[8] آپ کا خطبہ صدارت "المنار" ہجرت و احسان/مئی جون ۱۳۳۹ ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۳۵ تا ۳۸ میں چھپا۔

[9] "الفضل" ۱۴/احسان/جون ۱۳۴۰ ہش/۱۹۶۱ء صفحہ ۱۔

تاریخ	مہمان خصوصی
۴؍احسان/جون ۱۳۴۱ہش/۱۹۶۲ء	پروفیسر حمید احمد خاں صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور[1]
۹ " " ۱۳۴۲ہش/۱۹۶۳ء	مولانا صلاح الدین صاحب مدیر "ادبی دنیا" لاہور
۱۹؍شہادت/اپریل ۱۳۴۳ہش/۱۹۶۴ء	حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری شاگرد خاص منشی امیر احمد امیر مینائی کا رقم فرمودہ خطبہ مولانا جلال الدین صاحب شمس سابق مبلغ بلاد عربیہ و غربیہ نے پڑھا[2]

کالج کیلئے ایک نیا خطرہ

یہ درسگاہ مہاجر تھی۔ اسے اپنی آبادکاری میں سینکڑوں دقتیں پیش آئیں۔ ڈی اے وی کالج کی جو عمارات بصد دقت ملی وہ انتہائی خستہ حالت میں تھی۔ زرکثیر خرچ کرکے اور کافی تگ و دو کے بعد اس کے بڑے حصے کو قابل استعمال بنایا جاسکا۔ اس عمارت کے بعض حصوں پر ابھی قبضہ بھی نہ ملا تھا کہ بعض حلقوں میں یہ سوال اٹھا دیا گیا کہ یہ عمارت اس تعلیمی ادارہ سے چھین لی جائے اور اس کی بجائے کوئی اور مختصر سی عمارت دے دی جائے۔[3]

خداتعالیٰ کی تائید و نصرت اور کالج کی مزید کامیابیاں

ان غیر مطمئن اور حد درجہ مخدوش حالات نے کالج کے ماحول پر خطرناک اثر ڈالا اور بہت سی تجاویز تشنۂ تکمیل نہ ہو سکیں مگر ان مشکلات کے باوجود یہ درسگاہ خداتعالیٰ کے فضل سے شاہراہ ترقی پر گامزن رہی۔

کالج قریباً سات سال تک لاہور میں جاری رہا اس عرصہ میں خصوصاً ڈی۔اے۔وی کالج کی عمارت کے قبضہ کو ختم کرنے کی منظم تحریک کے بعد کالج نے کیا کیا کامیابیاں حاصل کیں، اس کی تفصیلات اس دور کی مطبوعہ سالانہ رپورٹوں سے بآسانی معلوم کی جاسکتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اپنے مخصوص دینی و علمی ماحول اور اخلاقی روایات کے برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ ہر امتحان میں کالج کے نتائج نہایت خوشکن اور یونیورسٹی کی اوسط سے بہت بڑھ کر رہے۔ چنانچہ ۱۳۳۰-۳۱ہش/۱۹۵۱-۵۲ء میں اس کے ایک طالب علم مرزا بشارت احمد صاحب بی۔ایس۔سی میں مجموعی طور پر پنجاب بھر میں سوم رہے ۱۳۳۲-۳۳ہش/۱۹۵۳-۵۴ء میں اس کے ایک اور طالب علم حمید اللہ صاحب نے بی۔ایس۔سی میں صوبہ بھر میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ ان سالوں میں طلبہ کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ اور وہ قریباً پانسو تک پہنچ گئی۔

۱؎ "الفضل" ۵؍احسان/جون ۱۳۴۱ہش/۱۹۶۲ء صفحہ ۸۔

۲؎ یہ خطبہ جلیلہ رسالہ "المنار" وفا/ظہور/تبوک/جولائی۔اگست۔ستمبر ۱۳۴۳ہش/۱۹۶۴ء کی زینت ہے۔

۳؎ روئداد تعلیم الاسلام کالج لاہور (۵۱-۱۹۵۰ء) صفحہ ۱-۲۔

پنجاب یونیورسٹی ہیمپنگ ریسیز میں کالج کی ٹیم دوسرے نمبر پر شمار ہوتی تھی ۱۳۳۱-۳۲ ہش / ۱۹۵۲-۵۳ء ہش میں اس نے انتہائی سخت مقابلہ کے باوجود پنجاب یونیورسٹی کی چیمپین شپ جیت لی اور ۱۳۴۰-۴۱ ہش / ۱۹۶۱-۶۲ء ہش تک یہ اعزاز اسے حاصل رہا[1] ۱۳۲۹-۳۰ ہش / ۱۹۵۰-۵۱ء ہش میں یو۔ او۔ ٹی۔ سی کی سالانہ فائرنگ کے موقعہ پر جس میں رائفل، سٹین گن، برین گن اور دو انچ مارٹر کے فائر شامل تھے، کالج کے طالب علم عبدالحلیم لیس کارپورل اوّل اور حمید اللہ بھیروی دوم رہے[2] ۱۳۳۰-۳۱ ہش / ۱۹۵۱-۵۲ء ہش میں کالج کے ایک طالب علم حمید اللہ صاحب پنجاب یونیورسٹی کی کھیلوں میں اوّل آئے۔

ماہ تبلیغ / فروری ۱۳۲۹-۳۰ ہش / ۱۹۵۰-۵۱ء ہش میں پہلی بار کالج کے زیرِ انتظام کل پاکستان بین الکلیاتی تقریری مقابلوں کا انتظام کیا گیا۔ اس سال کالج یونین کے مقررین نے لاہور سے باہر کے کالجوں میں ان کے آل پاکستان انٹر کالجیئیٹ مباحثوں میں حصہ لینا شروع کیا اور ملک پر اس درسگاہ کے جگر گوشوں کی قوتِ خطابت کے جوہر کھلنا شروع ہوئے۔

اس دَور میں جن بیرونی مقررین نے طلبہ کالج کو خطاب کیا ان میں نامور مبلغین اسلام، شہرہ آفاق سیاسی مفکر، چوٹی کے ادیب اور ماہرین اقتصاد بھی شامل تھے۔ اس ضمن میں بعض ممتاز لیکچراروں یا مقالہ نگاروں کے نام یہ ہیں :-

۱۔ قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری
۲۔ حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب سابق مبلغ بلاد عربیہ
۳۔ مولوی ابوبکر ایوب صاحب آف انڈونیشیا
۴۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وزیر خارجہ پاکستان
۵۔ مولوی ابوالعطاء صاحب فاضل پرنسپل جامعہ احمدیہ احمد نگر
۶۔ مولوی جلال الدین صاحب شمس سابق امام مسجد لندن
۷۔ عمری عبیدی صاحب مشرقی افریقہ
۸۔ خان عبدالرحمٰن خاں صاحب ڈائریکٹر محکمہ زراعت پنجاب
۹۔ ڈاکٹر عبدالبصیر صاحب پال شعبہ اقتصادیات پنجاب
۱۰۔ فضل الٰہی صاحب ایم۔ اے رئیس شعبہ اقتصادیات ایم۔ اے۔ او کالج لاہور
۱۱۔ ڈاکٹر محمد باقر صدر شعبہ فارسی پنجاب یونیورسٹی (پرنسپل اورینٹل کالج لاہور)
۱۲۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی سینئر لیکچرار (حال صدر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی)
۱۳۔ صوفی غلام مصطفیٰ صاحب تبسم
۱۴۔ قاضی ظہیر الدین صاحب صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج لاہور
۱۵۔ پروفیسر ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی صدر شعبہ عربی گورنمنٹ کالج لاہور
۱۶۔ ڈاکٹر بی۔ اے قریشی صدر شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی لاہور
۱۷۔ ڈاکٹر ایس ایم اختر صدر شعبہ اقتصادیات پنجاب یونیورسٹی

[1] روئداد تعلیم الاسلام کالج ۱۳۳۱-۳۲ ہش / ۱۹۵۲-۵۳ء و ۱۳۴۰-۴۱ ہش / ۱۹۶۱-۶۲ء ہش۔

۱۸۔ ڈاکٹر بشیر احمد صاحب ڈین آف یونیورسٹی انسٹرکشنز و ڈائریکٹر یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ آف کیمسٹری پنجاب یونیورسٹی

۱۹۔ ڈاکٹر نیاز احمد صاحب ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف کیمیکل ٹیکنالوجی پنجاب یونیورسٹی

۲۰۔ مسٹر اعظم اورک زئی سینئر لیکچرار شعبہ اقتصادیات پنجاب یونیورسٹی

۲۱۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی سینئر لیکچرار (حال صدر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی)

۲۲۔ مولانا صلاح الدین احمد صاحب ایڈیٹر "ادبی دنیا"

۲۳۔ اے۔ ایم زتشی گلزار ایم۔اے، ایل ایل بی، ایچ یو پروفیسر دہلی یونیورسٹی

۲۴۔ پروفیسر تھامپسن صدر شعبہ اقتصادیات ایف سی کالج لاہور

۲۵۔ ڈاکٹر فرانسس ایم ڈاسن پروفیسر آئیوا (IOWA) یونیورسٹی امریکہ

ایامِ کرب و بلا میں صبر و استقامت کا قابلِ تعریف مظاہرہ

۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء کے شروع میں پاکستان کی سیاسی فضا نہایت درجہ مکدر ہو گئی اور (سابق) صوبہ پنجاب خصوصاً اس کا صدر مقام لاہور خوفناک فسادات کی لپیٹ میں آگیا۔ ان ایام کرب و بلا میں کالج کے اساتذہ اور طلبہ دونوں نے صبر و استقامت کا قابلِ تعریف نمونہ دکھایا۔ حتیٰ کہ اس کے ایک ہونہار طالب علم جمال احمد نے بھاٹی گیٹ میں جام شہادت نوش کر کے اپنے خون سے اسلام کے مقدس درخت کی آبیاری کی۔ اور تعلیم الاسلام کالج کی مقدس روایات کو چار چاند لگا دیئے۔[1]

لاہور میں حالات پر قابو پانے کے لئے مارشل لاء کا نفاذ ناگزیر ہو گیا تو پاکستان کی بہادر فوج نے میجر جنرل اعظم خاں صاحب کی قیادت میں شہر کا نظم و نسق سنبھال لیا اور چند گھنٹوں میں امن و امان قائم کر دیا۔ حالات تیزی سے معمول کی طرف آرہے تھے کہ تعلیم الاسلام کالج کو یکایک ایک دوسرے سانحہ ہوشربا سے دوچار ہونا پڑا یعنی اس کے قابل صد احترام پرنسپل یکم ماہ شہادت/اپریل ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء کو گرفتار کر لئے گئے[2] اور یوسفی شان کے ساتھ قید و بند کی مصیبتیں جھیلنے اور اذیتیں برداشت کرنے کے بعد بالآخر ۲۸ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء کو رہا ہوئے۔[3]

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے کا بیان ہے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج جیل سے رہا ہو کر رتن باغ میں تشریف لائے۔ فضل عمر ہوسٹل کے احمدی اور غیر احمدی طلباء یہ خوشکن اطلاع پاتے ہی فوراً وائی ایم رنگ میں بیتاب ہو کر بھاگتے ہوئے رتن باغ پہنچے اور آپ کی زیارت کر کے باغ باغ ہو گئے اور بعض کی آنکھوں میں فرط مسرت سے آنسو آ گئے۔ اس نادر موقعہ کی ایک یادگار تصویر اس کتاب کی زینت ہے۔

---

[1] کالج کے اس مایہ ناز فرزند کا تذکرہ رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء (اردو ایڈیشن) کے صفحہ ۱۷۱ پر موجود ہے۔
[2] اخبار "نوائے وقت" لاہور ۳/اپریل ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۔ [3] اخبار "المصلح" کراچی ۲۹ ہجرت/مئی ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج
رہائی کے بعد کالج کے اساتذہ وطلبا کے درمیان
(رہائی کی تاریخ ۲۸ ھجرت ۱۳۳۲ ھش مئی ۱۹۵۳ء ناموں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ضمیمہ کتاب)

فصل پنجم

ربوہ میں تعلیم الاسلام کالج کی مستقل عمارت کی تعمیر و افتتاح اور اُس کی گرانقدر مساعی عہدِ مصلح موعود کے اختتام تک

(۲۶ احسان/جون ۱۳۳۲ ہش/۱۹۵۳ء ـــــ ۷ نبوت/نومبر ۱۳۴۴ ہش/۱۹۶۵ء)

حضرت مُصلح موعودؓ کا منشاء مبارک تھا کہ تعلیم الاسلام کالج کو دوسرے جماعتی اداروں کی طرح جلد سے جلد جماعت کے نئے مرکز ربوہ میں منتقل کیا جائے تا اس کے نونہال خالص دینی فضا میں تربیت پا سکیں اگرچہ اس وقت کی اس نقل مکانی کی افادیت کالج کے بعض پروفیسر صاحبان کی سمجھ میں نہ آسکی اور ان کا اصرار تھا کہ کالج کو لاہور ہی میں رہنے دیا جائے مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ قادیان سے ہجرت کے بعد تمام کاروبار اور ادارہ جات دوبارہ جاری کرنے کا حق سب سے پہلے ربوہ کا ہے اس کے بعد اگر احباب جماعت یا دیگر اصحاب کوئی کالج یا سکول چلانا چاہیں تو اس شہر کی جماعت کو خود کوشش کرنی چاہیئے۔[۱]

ربوہ میں کالج اور ہوسٹل کے لئے زمین مخصوص ہو چکی تھی اور اس پر کالج بنانے کا منصوبہ عمل میں آچکا تھا۔ نقشے اور ڈیزائن بنانے کا کام قاضی محمد رفیق صاحب (لیکچرار نیشنل کالج آف آرٹس لاہور) کو دیا گیا[۲] حضرت مصلح موعودؓ کے سامنے جب کالج کا نقشہ رکھا گیا تو حضور نے فرمایا کہ ”ہمارے پاس اتنی بڑی عمارت کے لئے رقم نہیں جو رقم ہے اس کے مطابق عمارت کا کچھ حصہ بنا لیا جائے اور کالج شروع کیا جائے۔“[۳]

سنگِ بنیاد کالج کی تعمیر کی نگرانی سید سردار حسین شاہ صاحب کے سپرد ہوئی۔[۴] شاہ صاحب نے حضرت پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج (حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ) سے ملاقات کی۔ آپ ان دنوں جیسا کہ پچھلی فصل میں ذکر آچکا ہے جیلخانہ میں تھے۔ آپ نے ان کو کالج شروع کرنے

۱؎ بروایت عبد الرحمٰن صاحب جنید ہاشمی سابق سپرنٹنڈنٹ تعلیم الاسلام کالج ربوہ حال نائب ناظر بیت المال۔

۲؎ بروایت چوہدری غلام حیدر صاحب سینئر کلرک اسسٹنٹ تعلیم الاسلام کالج و سابق ناظم املاک و تعمیر کالج۔

۳؎ روئیداد تعلیم الاسلام کالج ۱۳۳۵-۳۶ ہش/۱۹۵۶-۵۷ء صفحہ ۱۶۔

۴؎ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان بابت ۵۳-۱۹۵۲ء صفحہ ۶۵۔

کی ہدایات فرمائیں[1] اور کام شروع ہوگیا۔ کچھ دنوں بعد حضرت صاحبزادہ صاحب بھی باعزت بری ہوکر ربوہ تشریف لائے جہاں حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۶ ر احسان / جون ۱۳۳۲ہش / ۱۹۵۳ء کی شام کو اپنے دستِ مبارک سے کالج اور اس کے ہوسٹل کا سنگِ بنیاد رکھا اور کالج کی بنیاد میں دارالمسیح قادیان کی اینٹ نصب فرمائی اور دعا کی۔ بعد ازاں دس بکرے بطور صدقہ ذبح کئے گئے جن میں سے ایک حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے اور ایک حضرت مولوی محمد دین صاحب ناظر تعلیم و تربیت نے ذبح کیا۔[2]

تعمیر عمارت کے لئے سرفروشانہ جدوجہد

تعلیم الاسلام کالج کی وسیع و عریض عمارت کی بنیاد جس قطعہ زمین پر رکھی گئی وہاں ریت کے ٹیلوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اور اسی کے حضور دعائیں کرتے ہوئے بے سروسامانی کے عالم میں ماہ شہادت / اپریل ۱۳۳۳ہش / ۱۹۵۴ء میں عمارت کی تعمیر کا کام اپنی نگرانی میں شروع کرا دیا۔ برکتوں والے خدا نے آپ کی مخلصانہ کوششوں میں ایسی برکت ڈالی کہ سرمایہ کی کمی کے باوجود اس کے فضل و کرم سے پانچ چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں ہوسٹل کی عمارت اور کالج کے تین بلاک تیار کروا دیئے۔[3]

حضرت صاحبزادہ صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے اس عظیم الشان کام کی جلد از جلد تکمیل کے لئے لاہور سے ربوہ آکر کس طرح گویا ڈیرے ڈال دیئے اور گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں گرد و غبار اور بگولوں کے تھپیڑوں سے بے پروا ہو کر چھوٹے بڑے ہر کام کی نگرانی بنفس نفیس فرمائی؟ اس کی ایمان افروز تفصیل کالج کے سربرآوردہ اصحاب کے قلم سے بیان کرنا مناسب ہوگا۔

۱۔ پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے لکھتے ہیں:۔

"۱۹۵۴ء کے شروع میں جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بیمار ہوئے تو حضور نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں لے آؤ۔ ربوہ میں کالج کے لئے کوئی عمارت نہ تھی۔ وقت بہت کم تھا۔ گرمی کے ایام تھے۔ ربوہ کی تمازت مشہور ہے۔ مگر آپ نے ان سب باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے آقا کی آواز پر لبیک کہی۔ خود یہاں آگئے اور بظاہر کالج کی تعمیر کے سامان پیدا نہ ہوسکنے کے باوجود اللہ تعالیٰ پر توکل کرکے کام شروع کر دیا۔ دھوپ میں کھڑے ہو کر آپ خود نگرانی کرتے

---

[1] بروایت چوہدری غلام حیدر صاحب سینئر اسسٹنٹ لیکچرار تعلیم الاسلام کالج۔

[2] رسالہ "خالد" ظہور / اگست ۱۳۳۲ہش / ۱۹۵۳ء صفحہ ۳۳۔

[3] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان بابت ۳۸-۱۳۳۷ہش / ۵۹-۱۹۵۸ء صفحہ ۹۳۔

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے سنگ بنیاد کی مقدس تقریب کے دو یادگار فوٹو

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ دعا کرا رہے ہیں

اسی تقریب کے دو اور مناظر

(حضرت مصلح موعودؓ حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج سے مصروف گفتگو ہیں)

اور اس طرح عمارت کے ایک حصہ کے بعد دوسرے حصہ کی تعمیر اپنی نگرانی میں کرواتے چلے گئے مشکلات سے کبھی آپ گھبرائے نہیں۔ اور آپ کو یہ یقین تھا کہ اللہ تعالٰی اپنے محبوب کی خواہش کی تکمیل کے لئے غیر معمولی سامان پیدا کر دے گا۔ ایک دن خاکسار لاہور سے یہاں آیا۔ خاکسار نے دیکھا کہ دوپہر کے وقت کالج کی زیرِ تعمیر عمارت ہی میں مقیم رہے۔ کھانا کھانے کے لئے شہر میں تشریف نہ لائے بلکہ ان مزدوروں سے جو اپنی روٹی پکا رہے تھے قیمتاً روٹی لے کر وہیں تناول فرمائی"

۲۔ مکرم عبدالرحمٰن صاحب جنید ہاشمی (سابق سپرنٹنڈنٹ تعلیم الاسلام کالج) تحریر کرتے ہیں:-

"آپ نے تعمیرِ کالج کے دوران ارادہ فرمایا تھا کہ صرف لنگر کی دال اور روٹی کھایا کریں گے۔ آپ نے اکثر دوپہر کا کھانا وہیں نامکمل عمارت کے برآمدہ میں کھایا ہے اور نمازیں تک وہیں پڑھی ہیں اور کام کے وقت ایک ایک اینٹ اور لنٹل وغیرہ کی کھڑے ہو کر نگرانی کی ہے۔"

"تعلیم الاسلام کالج کی زمین کا رقبہ ۱۷ ایکڑ ۳۴۳ مربع گز ہے اور مسقف حصہ ایک لاکھ مربع فٹ ہے۔ گورنمنٹ کے ریٹ کے مطابق چودہ روپے فی مربع فٹ کے حساب سے چودہ لاکھ روپیہ کی عمارت ہے۔ اس پر آپ کی نگرانی اور توجہ کی بدولت چار یا پانچ لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہے"

۳۔ چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے لکھتے ہیں:-

"جب کالج ربوہ میں منتقل کرنے کا فیصلہ ہوا تو آپ اپنی نگرانی میں کالج کی تعمیر کے لئے تشریف لے آئے۔ کچھ عرصہ یہ عاجز بھی آپ کی خدمت میں حاضر رہا۔ فجر کی نماز پڑھ کر کالج میں تشریف لے آتے جہاں نہ کوئی درخت تھا نہ سایہ، نمکین پانی کے دو نلکے تھے۔ کھانا لنگر خانے سے آتا تھا۔ مزدوروں میں کھڑے ہو کر کام کی نگرانی فرماتے۔ جب مزدور آرام کرتے تو آپ حسابات کا معائنہ کرتے۔ کبھی رقم ختم ہو جاتی تو اس عاجز کو بھیجتے کہ عطایا (DONATIONS) لی جائیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ فضل تھا اور آپ کے ساتھ یہ سلوک تھا کہ ایک لاکھ کی منظوری کے ساتھ اس سے کئی گنا قیمت کی عمارت مہینوں میں تعمیر ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور احسانوں کے بھی عجیب عجیب معجزے دیکھے جب ہال کا لنٹل پڑنے والا تھا اور کثیر مقدار میں سیمنٹ اور مصالحہ بھگو کر تیار کیا جا چکا تھا تو سیاہ بادل اُٹھا اور گھر کر چھا گیا۔ آپ نے ہاتھ اُٹھا کر بادل کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا جس کا مفہوم یہ تھا کہ یہ غریب جماعت کی خرچ کی ہوئی رقم ہے۔ اگر تو برسا تو یہ رقم ضائع ہو جائے گی۔ جا یہاں سے چلا جا۔ دراصل آپ کی اللہ تعالیٰ کے حضور ایک رنگ میں فریاد تھی۔ جو قبول ہوئی اور جس طرح ابر آیا تھا اُسی طرح چلا گیا۔"

۴۔ چوہدری غلام حیدر صاحب سینئر لیکچرار اسسٹنٹ و ناظم املاک کالج لکھتے ہیں:-

"اُن دنوں سریا اور پائپ ملنے میں بہت سی دشواریاں تھیں۔ خاکسار کو کراچی تین دفعہ بھیجا گیا اور وہاں سے کنٹرول ریٹ پر خرید کیا جاتا تھا۔ اسی طرح فرنشنگ اینڈ فٹنگ کے لئے پائپ اور فٹنگ کی دقت تھی اور یہ بھی ان کی وجہ سے کراچی سے کنٹرول پر مل گیا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو کئی دفعہ رقم فراہم کرنے میں دقت ہوئی مگر ہمارے شیر دل بہادر اور محبوب آقا نے ذرا بھی لیبر یا ٹھیکیداروں کو محسوس نہیں ہونے دیا۔

آپ یوں تو بنیاد سے لے کر چھت تک نگرانی فرماتے رہے مگر لنٹل جب پڑتے تو خود سریا، اس کی بندھوائی اور سیمنٹ ریت بجری کی مقدار چیک کرتے اور اس وقت تک نہ ہلتے جب تک سارا لنٹل ختم نہ ہو جاتا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ کالج ہال پر لینٹل پڑ رہا تھا جو کافی بڑا کام تھا اور لیبر کافی درکار تھی۔ کام شروع ہو چکا تھا۔ بے شمار سیمنٹ کی بوریاں کھلی پڑی تھیں اور انہیں مسالہ کے ساتھ ملایا جا رہا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے کالی گھٹا اُٹھی اندیشہ تھا کہ ابھی بارش ہو جائے گی آپ نے بادلوں کی طرف دیکھ کر خواہش ظاہر کی کہ واپس چلے جائیں۔ اسی وقت بادل ایک طرف سے ہو کر گذر ہو گئے اور آپ رات کا کافی حصہ گئے تک لنٹل مکمل کر کے تشریف لے گئے۔[1] جب کبھی طبیعت خراب ہوتی تو بستر پر بھی کام کا خیال رہتا۔ ایک دفعہ آپ کی طبیعت بوجہ دل کی تکلیف کے خراب تھی۔ گھر لیٹے ہوئے تھے۔ پانی کی ٹینکی بنائی جا رہی تھی اور مجھے حکم تھا کہ میں نے ایک منٹ اِدھر اُدھر نہیں ہونا اور رپورٹ ہر گھنٹہ بعد گھر بھجوانی ہے

ایک دفعہ وزیر تعلیم سردار عبدالحمید صاحب دستی آئے تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کا کالج اور ہوسٹل پر کتنا خرچ اُٹھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قریباً پانچ لاکھ، تو وہ حیران ہو گئے کہ سرگودھا کالج پر تو ۲۵ لاکھ خرچ ہوا ہے۔ اور آپ کی نگرانی اور محنت کی بہت تعریف کی۔

کالج کو پانی کی سخت تکلیف تھی۔ کالج کے احاطہ میں ٹیوب ویل بور کرانا شروع کیا مگر چلتن کی وجہ سے ٹھیکیدار پائپ درمیان میں چھوڑ گیا۔ آخر کار کالج سے کوئی دو ہزار فٹ دُور ٹیوب ویل بنوایا اور وہاں سے پائپ کے ذریعہ لیبارٹریز اور احاطہ کالج و ہوسٹل کو پانی مہیا فرمایا۔ کالج میں ٹک شاپ، گیسٹ ہاؤس اور فیملی کوارٹرز بھی بنائے گئے۔ ہوسٹل بہت اچھا بنایا گیا۔ آپ کی شفقت اور ہمدردی خصوصاً فزکس ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ رہی۔ یہاں ربوہ آکر B.S.C. HONS

---

[1] الفضل ۲۱ دسمبر ۱۹۶۶ صفحہ ۴

کی لیبارٹریز اور اپریٹس کی فراہمی کے لئے فراخ دلی سے خرچ کیا اور فزکس ایم۔ ایس۔ سی کا پروگرام بن چکا تھا جس کے لئے علیحدہ نیو کیمپس بنایا جا رہا ہے اور پچپن ہزار روپیہ فزکس کے اپریٹس کے لئے دے کر اپریٹس منگایا جا رہا ہے"

ایک اہم مکتوب کا چربہ

(حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) کا ایک مکتوب گرامی جو آپ نے تعمیر کالج کے دوران چوہدری غلام حیدر صاحب کو کراچی لکھا تھا)

مکرم عزیزم حیدر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) آپ کے ہر دو خط اور تار مل گئے۔

(۲) آپ کراچی سے چندہ اکٹھا کرنے کا ارادہ ترک کر دیں مگر تمام معلومات لیکر آئیں (۱) کتنا کراچی میں کل مل سکتا ہے (۲) کس قسط پر۔ (۳) کتنا شیشہ مل سکتا ہے (۴) رقم جمع کرنے میں کتنی دقت پیش آئیگی۔ (۵) رقم کب تک ہے۔ (۶) بیج وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل کر لیں۔ اسلئے تک ستمبر ۵۳ء کا چندہ اور مزید کسقدر روپیہ مل سکے لیکر آ

جائیں

(۳) شیخ صاحب سے کہیں کہ Sinking Plots کے نقشے نہیں
ملے۔ شکر؟۔ مگر آپ نقشہ لیکر آئیں۔ ہر شکل
میں پچھلے فائلوں کے دو دو نقشے ہونگے۔ اسکے
مطابق۔ اسکے علاوہ دو نقشے اور زمین
دو نقشے (Tumuli) کے نقشے بھی

(۴) محمد کرامت اللہ صاحب سے کہیں کہ کم از کم لفافے
کھسک کر دیدیں۔

(۵) اسی طرح چوہدری شریف الحق صاحب سے
کہیں کہ حکیم ملک صاحب سے کم از کم لفافے روپیہ لیکر
دیدیں۔ کراس چیک لیکر آ جائیں

(۶) امید ہے آپ دو دنوں میں ان کاموں
سے فارغ ہو کر بدھ کے روز لاہور کے لئے روانہ
ہو جائیں گے۔

(۱) دوبارہ آ کر آپ [illegible] ۔ سیفٹی اور ٹیلی
ویژن کے متعلق مکمل معلومات حاصل کریں (۲) فلش
کے نقشے لیکر اور (۳) جس قدر عطایا مل سکیں
لیکر (بذریعہ کراس چیک) دو تین روز تک لاہور کے لئے
روانہ ہو جائیں ۔ بہتر یا کہہ سکتے ہیں
مہینے ڈیڑھ مہینے کے بعد میں خود کراچی جا کر عطایا
وصول کرنے کی کوشش کروں گا انشاء اللہ ۔ [illegible]

مکرم غلام حیدر صاحب ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

(۱) آپ کے ہر دو خطوط اور تار مل گئے ۔

(۲) آپ کراچی سے لوہا خریدنے کا ارادہ ترک کر دیں مگر تمام معلومات لے کر آئیں (۱) کیا کراچی میں لوہا مل سکتا ہے ۔ (۲) کس قیمت پر (۳) کیا شیشہ مل سکتا ہے (۴) پرمٹ ملنے میں کتنی وقت پیش آئے گی ۔ (۵) ریٹ کیا ہے (۶) بیچ وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل کر لیں ۔ اس لئے ملک بشیر صاحب کا چیک اور مزید جس قدر روپیہ مل سکے لے کر آجائیں ۔

(۳) شیخ صاحب سے کہیں SINKING PIT کے نقشے نہیں ملے ۔ شکریہ ۔ مگر ان سے نقشہ لے کر آئیں ۔ ہوسٹل میں چھ چھ فلش کے دو یونٹ ہوں گے اس کے مطابق ۔ اس کے علاوہ دو یونٹ اور تین یونٹ (UNITS) کے نقشے بھی ۔

(۴) محمد کرامت اللہ صاحب سے کہیں کہ کم از کم نصف رقم تو دے دیں ۔

(۵) اسی طرح چوہدری شریف احمد صاحب سے کہیں کہ مکرم ملک صاحب سے کم از کم نصف

روپیہ لے کر دے دیں۔ کراس چیک لے کر آجائیں۔

(۶) امید ہے آپ دو دنوں میں ان کاموں سے فارغ ہو کر بدھ کے روز لاہور کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔

(۷) دوبارہ یہ کہ آپ لوہے، شیشے اور گیل وغیرہ کے متعلق مکمل معلومات حاصل کر کے (۲) قلش کے نقشے لے کر اور (۳) جس قدر عطایا مل سکیں لے کر (بذریعہ کراس چیک) دو تین روز تک لاہور کے لئے روانہ ہو جائیں۔ تاکید ہے۔

مہینے ڈیڑھ مہینے کے بعد میں خود کراچی جا کر عطایا وصول کرنے کی کوشش کروں گا۔ انشاء اللہ

(دستخط)

پرنسپل

کالج کی مستقل عمارت کا افتتاح

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے کالج کی مستقل اور شاندار عمارت کا افتتاح ۶ فتح/دسمبر ۱۳۳۳ ہش/۱۹۵۴ء کی صبح کو فرمایا۔[1]

اس روز صبح آٹھ بجے ہی گہما گہمی شروع ہو گئی۔ کالج کی عمارت کے سامنے میدان میں شامیانے نصب تھے جن کے نیچے نہایت سلیقہ اور ترتیب سے کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ سٹیج کے دائیں طرف سٹاف، بائیں طرف بزرگان سلسلہ، سامنے پریس گیلری اور پیچھے معزز مہمانوں کی جگہ مقرر تھی اور باقی حصہ طلبہ کے لئے مخصوص تھا۔

دس بجے حضور کی تشریف آوری پر کالج کے سٹاف کی فوٹو کھینچنے کا پروگرام تھا۔ اس لئے تمام اساتذہ کرام گاؤن پہنے شاداں و فرحاں حضور کے لئے سراپا انتظار تھے۔ دس بج کر پانچ منٹ پر حضور کی کار کالج کے احاطہ میں داخل ہوئی۔ حضور پُرنور نے کار سے اُترتے ہی تمام ممبران اسٹاف کو شرف مصافحہ بخشا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔ اے پرنسپل کالج نے سب اساتذہ کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد گروپ فوٹو ہوئی۔

---

[1] یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ تعلیم الاسلام کالج کے ربوہ منتقل ہونے کی خبر پر لوگوں میں بہت بے چینی پیدا ہو گئی تھی کہ بعض نے اخبار "نوائے وقت" میں لکھا:-

"ایک اور کمی متوسط طبقہ کے طلبہ کو سختی سے محسوس کرنی پڑے گی وہ تعلیم الاسلام کالج کا لاہور سے ربوہ منتقل ہو جانا ہے میں متعلقہ حکام سے درخواست کرتا ہوں کہ اس مسئلہ کی طرف فوری توجہ کرتے ہوئے موجودہ تعطیلات گرما کے اختتام کے ساتھ ہی تعلیم الاسلام کالج کی کمی کو پورا کرنے کے لئے لاہور میں کسی مناسب جگہ پر ایک نیا کالج کھول دیا جائے"

("نوائے وقت" ۱۳ اگست ۱۹۵۴ء)

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کا افتتاح فرما رہے ہیں

(نیچے) معزز سامعین

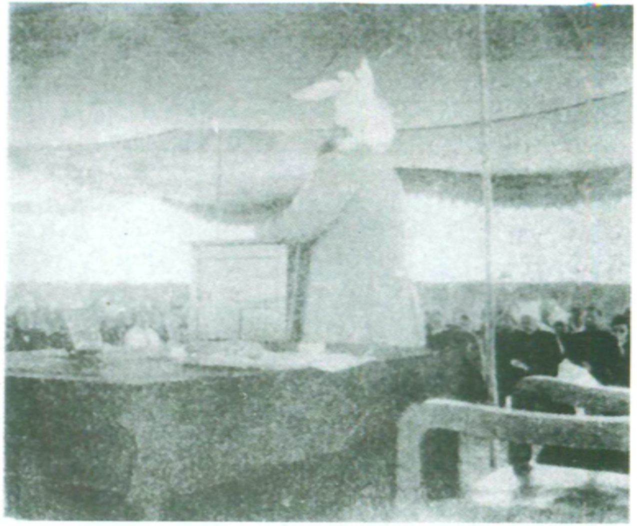

بعد ازاں حضور نے کالج کی عمارت کا معائنہ فرمایا۔ معائنے کے بعد حضور سٹیج پر تشریف لائے اور ڈیڑھ گھنٹہ تک حاضرین سے پُر معارف خطاب فرمایا۔

افتتاح کی کارروائی تلاوت قرآن مجید سے شروع کی گئی جو سردار حمید احمد صاحب سیکنڈ ایر نے کی۔ ان کے بعد محمد اسلم صاحب صابر متعلم فرسٹ ایر نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظم "حمد و ثنا اسی کو جو ذات جاودانی" خوش الحانی سے پڑھی۔ بعد ازاں پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب نے اپنی دو نظمیں پڑھیں جو انہوں نے خاص اسی تقریب کے لئے لکھی تھیں[1]۔ اس کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے سپاسنامہ پیش کیا جس میں آپ نے ان تمام مراحل پر بلیغ انداز میں روشنی ڈالی جن سے گذر کر کالج کی عظیم الشان اور پرشکوہ عمارت پایۂ تکمیل تک پہنچی تھی۔[2]

سپاسنامہ کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے ایک نہایت دلولہ انگیز تقریر فرمائی جس میں حضور نے اس کالج کے قیام کی اصل غرض وغایت پر روشنی ڈالتے ہوئے طلبہ کو خاص طور پر نصائح فرمائیں کہ

"تمہیں جو تعلیم الاسلام کالج میں داخل کیا گیا ہے تو اس مقصد کے ماتحت داخل کیا گیا ہے کہ تم دین کے ساتھ دنیوی علوم بھی سیکھو۔ میں جانتا ہوں کہ تم میں سے ۳۰/۴۰ فیصدی غیر احمدی ہیں۔ لیکن تم بھی اس نیت سے یہاں آئے ہو کہ دینی تعلیم حاصل کرو۔ بیشک کچھ تم میں سے ایسے بھی ہوں گے جو دوسرے کالجوں کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے۔ اس کالج کا خرچ تھوڑا ہے اس لئے وہ یہاں آ گئے یا ان کا گھر ربوہ سے قریب ہے اس لئے وہ اس کالج میں داخل ہو گئے یا ممکن ہے ان کے بعض رشتہ دار احمدی ہوں اور وہ یہاں آباد ہوں اور انہیں ان کی وجہ سے یہاں بعض سہولتیں حاصل ہوں لیکن تم میں سے ایک تعداد ایسی بھی ہوگی جو یہ سمجھتی ہوگی کہ اس کالج میں داخل ہو کر ہم اسلام سیکھ سکیں۔ تم میں سے جو طالب علم اس نیت سے یہاں نہیں آئے کہ وہ اسلام کی تعلیم سیکھ لیں میں اُن سے کہتا ہوں کہ تم اب یہ نیت کر لو کہ تم نے اسلام کی تعلیم سیکھنی ہے۔ اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ تم اسلام کی تعلیم سیکھو تو میرا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ تم احمدیت کی تعلیم سیکھو۔ ہمارے نزدیک تو اسلام اور احمدیت میں کوئی فرق نہیں۔ احمدیت حقیقی اسلام کا نام ہے۔ لیکن اگر تمہیں ان دونوں میں کچھ فرق نظر آتا ہے تو تم

---

[1] دونوں نظمیں رسالہ "المنار" بابت ماہ نبوت/ نومبر ۱۳۳۳ ہش/۱۹۵۴ء صفحہ ۱۶ و ۱۷ پر شائع شدہ ہیں۔
[2] "المنار" بابت ماہ نبوت/ نومبر ۱۳۳۳ ہش/۱۹۵۴ء صفحہ ۱۷-۱۸۔

وہی سیکھو جسے تم اسلام سمجھتے ہو۔ اگر انسان کرتا اَور ہے اور کہتا اَور ہے تو وہ غلطی کرتا ہے۔ دیوبندی بریلویوں کے متعلق سمجھتے ہیں کہ ان کا اسلام اَور ہے۔ سُنّی شیعوں کے متعلق سمجھتے ہیں کہ اُن کا اسلام اَور ہے۔ اسی طرح آغا خانیوں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اُن کا اسلام اَور ہے۔ جماعت اسلامی کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اُن کا اسلام اَور ہے۔ احمدیوں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اُن کا اسلام اَور ہے۔ لیکن جب یہ سب فرقے اپنے آپ کو اسلام کا پَیرو کہتے ہیں تو وہ اسلام کے متعلق کچھ نہ کچھ تو ایمان رکھتے ہوں گے ورنہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کیوں کہتے۔ بریلوی بھی مسلمان ہیں، دیوبندی بھی مسلمان ہیں، سُنّی بھی مسلمان ہیں، شیعہ بھی مسلمان ہیں، جماعت اسلامی والے بھی مسلمان ہیں، احمدی بھی مسلمان ہیں۔ تم ان میں سے کسی فرقے کے ساتھ تعلق رکھو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جو کچھ تم مانتے ہو اس پر عمل کرو۔ قرآن کریم میں بار بار یہ کہا گیا ہے کہ اے عیسائیو! تم میں اسوقت تک کوئی خوبی نہیں جب تک عیسائیت پر عمل نہ کرو اور یہودیوں سے کہا گیا ہے کہ اے یہودیو! تم میں اس وقت تک کوئی خوبی نہیں جب تک تم یہودیت پر عمل نہ کرو۔ اب دیکھ لو قرآن کریم ان سے یہ نہیں کہتا کہ تم اسلام پر عمل کرو بلکہ یہ کہتا ہے کہ تم اپنے مذہب پر عمل کرو کیونکہ نیکی کا پہلا قدم یہی ہوتا ہے کہ انسان اپنے مذہب پر عمل کرے۔ پھر دیکھو اسلام نے اہلِ کتاب کا ذبیحہ جائز رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مذہب نے کچھ اصول مقرر کئے ہیں اور ان کے ماننے والے اُن اصول کی پیروی کرتے ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ یہودی سُؤر نہیں کھاتے اس لئے تم تسلّی سے ان کا ذبیحہ کھا لوگے۔ اسی طرح عیسائیوں سے تم کوئی معاملہ کرتے ہوئے نہیں گھبراؤ گے کیونکہ ان کی مذہبی کتاب میں لکھا ہے کہ تم جھوٹ نہ بولو اور کسی سے فریب نہ کرو انفرادی طور پر اگر کوئی شخص تم سے فریب کرے تو کرے لیکن اپنے مارل کوڈ کے ماتحت وہ تم سے فریب نہیں کرے گا۔ اہلِ کتاب کی لڑکیوں سے شادی کی اجازت دی گئی ہے وہ بھی اسی حکمت کے ماتحت ہے کہ وہ تمہاری زوجیت میں آجانے کے بعد اپنے مارل کوڈ کے ماتحت چلینگی مثلاً یہودیت اور عیسائیت کی تعلیم کے ماتحت کوئی عورت اپنے خاوند کو زہر نہیں دے گی۔ اس لئے تم اطمینان سے اپنی زندگی بسر کر سکو گے اور ایک دوسرے پر اعتماد کر سکو گے۔ گویا شریعت نے مذہب کو بہت عظمت دی ہے اور بتایا ہے کہ اپنے مخصوص عقیدہ پر چلنے میں بڑی سیفٹی

ہے۔ پس کم از کم اتنا تو کرو کہ اپنے عقائد کے مطابق عمل کرو۔ اگر کوئی پروفیسر تمہیں کسی احمدی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے مجبور کرتا ہے تو تم اس کا مقابلہ کرو اور میرے پاس بھی شکایت کرو۔ میں اس کے خلاف ایکشن لوں گا۔ لیکن اگر وہ تمہیں کہتا ہے کہ تم نماز پڑھو تو یہ تمہارے مارل کوڈ کے خلاف نہیں اور اس کا نماز پڑھنے کی تلقین کرنا ریلیجس انٹرفیرنس نہیں۔ تم نماز پڑھو چاہے کسی طرح پڑھو۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ تم اپنے میں سے کسی کو امام بنالو۔ کالج کے بعض پروفیسر غیر احمدی ہیں۔ ان میں سے کسی کو امام بنالو لیکن نماز ضرور پڑھو۔

شیعہ اور بوہرہ لوگ نماز پڑھتے ہوئے ہاتھ چھوڑتے ہیں باندھتے نہیں۔ ہم اہلحدیث کی طرح سینہ پر ہاتھ باندھتے ہیں حنفی لوگ ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں۔ اس کے خلاف اگر کوئی پروفیسر تمہیں مجبور کرتا ہے تو تم اس کی بات ماننے سے انکار کردو۔ اگر وہ کہتا ہے کہ تم آمین بالجہر کہو تو یہ اہلحدیث کا مذہب ہے حنفیوں کا نہیں۔ اگر تم حنفی ہو تو تم اس کی بات نہ مانو اور میرے پاس شکایت کرو۔ میں اس کے خلاف ایکشن لوں گا۔ مذہب میں دخل اندازی کا کسی کو حق نہیں۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ مذہب میں مداخلت کرنا انسان کو منافق بناتا ہے مسلمان نہیں بناتا۔ لیکن تم میں سے ہر ایک کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ تعلیم الاسلام کالج کا طالب علم ہونے کی وجہ سے اسلام کی تعلیم پر چلے۔ اب اسلام کی تم کوئی تعریف کرو۔ اسلام کی جو تعریف تمہارے باپ دادا نے کی ہے تم اسی کو مانو۔ لیکن اگر تم اس تعلیم پر جسے تم خود درست سمجھتے ہو عمل نہیں کرتے تو یہ منافقت ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کالج میں اگر کوئی ہندو بھی داخل ہونا چاہے تو ہمارے کالج کے دروازے اس کے لئے کھلے ہیں لیکن وہ بھی اس بات کا پابند ہوگا کہ اپنے مذہب کے مطابق زندگی بسر کرے کیونکہ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے مذہب کے مطابق عمل کرے۔ ہندو اپنے مذہب پر عمل کرے، عیسائی عیسائیت پر عمل کرے اور یہودی یہودیت پر عمل کرے۔

پس اس اسلامی حکم کی وجہ سے ہم اسے مجبور کریں گے کہ وہ اپنے مذہب پر عمل کرے۔ لیکن یہ کہ تم اس کالج میں تعلیم حاصل کرو لیکن کسی مارل کوڈ کے ماتحت نہ چلو یہ درست نہیں ہوگا تمہیں اس کالج میں داخل ہونے کے بعد اپنے آپ کو کسی نہ کسی مارل کوڈ کی طرف منسوب کرنا ہوگا اور پھر تمہارا فرض ہوگا کہ تم اس کے ماتحت چلو۔

پس اگر تم میں سے کوئی کہتا ہے کہ مَیں مسلمان نہیں تب بھی ہم تمہیں برداشت کر لیں گے، لیکن اس شرط پر کہ تمہیں کالج میں داخل ہونے کے بعد اپنے آپ کو کسی ماڈل کوڈ کی طرف منسوب کرنا ہوگا چاہے تم اسے تجربہ کے طور پر تسلیم کرو۔ مثلاً تم تجربہ کے طور پر اپنے ماں باپ کے مذہب کو اختیار کر لو۔ تب بھی ہم برداشت کر لیں گے۔ لیکن اگر تم کسی ماڈل کوڈ کے ماتحت مستقل طور پر نہیں چلتے اور نہ کسی ماڈل کوڈ کو تجربہ کے طور پر اختیار کرتے ہو تو دیانت داری یہی ہے کہ تم اس کالج میں داخلہ نہ لو۔ اسلام کہتا ہے کہ تم جس مذہب کی تعلیم پر بھی عمل کرنا چاہو کرو۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں کوئی ہندو اپنی تعلیم پر عمل کرتا ہے، عیسائی اپنی تعلیم پر عمل کرتا ہے، یہودی اپنی تعلیم پر عمل کرتا ہے تو وہ اس کالج میں داخلہ لینے کا مستحق ہے۔ اگر کوئی حنفی المذہب ہے اور وہ حنفی مذہب پر عمل کرتا ہے تو وہ اس کالج میں داخلہ لینے کا مستحق ہے۔ اگر کوئی شیعہ ہے اور اپنے مذہب پر عمل کرتا ہے تو اس کالج میں داخلہ لینے کا مستحق ہے کیونکہ یہ کالج تعلیم الاحمدیہ کالج نہیں، تعلیم الاسلام کالج ہے۔ اور اسلام ایک وسیع لفظ ہے۔ کوئی کوڈ آف مارلٹی جس کو علماء اسلام نے کسی وقت تسلیم کیا ہو یا اب تسلیم کر لیں وہ اسلام میں شامل ہے۔ پس مَیں طلبہ کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ تم کالج کی روایات کو قائم رکھو۔ یہ تعلیم الاسلام کالج ہے۔ اور اس کے معنے یہ ہیں کہ یہ کالج تمہیں عملی مسلمان بنا دے گا اور یہی اس کالج کے قائم کرنے کی غرض ہے"[1]

حضرت مصلح موعود نے اپنے اثر انگیز خطاب کے آخر میں دعا فرمائی کہ "اللہ تعالیٰ اس کالج کو اس مقصد کے پورا کرنے والا بنائے جس کے لئے اُسے قائم کیا گیا ہے۔ اور اس کے طالب علم رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے شاگرد بنیں جو لوگوں کو آپؐ کا صحیح چہرہ دکھانے میں کامیاب ہوں"۔[2]

جلسہ کے اختتام پر حضور نے تمام طلبہ کو شرف مصافحہ بخشا۔ اس کے بعد حضور نے کالج کی طرف سے دی گئی ایک دعوت میں شرکت فرمائی۔ حضور دو بجے کے قریب دعوت سے فارغ ہوئے۔ جس کے بعد حضور نے مجلس عاملہ کالج یونین کے ساتھ ایک گروپ فوٹو کھنچوائی اور پھر واپس تشریف لے گئے۔ اس طرح یہ مبارک تقریب بخیر و خوبی انجام پائی۔[3]

---

[1] "الفضل" ۲ فتح / دسمبر ۱۳۳۴ہش/۱۹۵۵ء صفحہ ۳-۴۔ [2] "الفضل" ۸ فتح / دسمبر ۱۳۳۴ہش/۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔
[3] رسالہ "المنار" بابت ماہ نبوت / نومبر ۱۳۳۴ہش/۱۹۵۵ء صفحہ ۱۷، ۱۸۔

اس تقریب پر متعدد غیر احمدی معززین بھی تشریف لائے ہوئے تھے جن میں سید عابد احمد علی صاحب[1] پرنسپل گورنمنٹ کالج سرگودھا[2]، خان رفیع اللہ خاں صاحب[2]، شیخ عطاء اللہ صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج چنیوٹ اور پروفیسر غلام جیلانی اصغر صاحب[3] خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت مصلح موعود نے کالج کے افتتاح کے موقعہ پر فضل عمر ہوسٹل کی VISITORS BOOK میں اپنے قلم مبارک سے مندرجہ ذیل عبارت رقم فرمائی :-

"اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بے سروسامانی میں کالج کے سامانوں کو مہیا کیا اور بے گھروں کو گھر دیا۔ اب دعا ہے کہ جس طرح اس دنیا کا علم دیا اگلے جہان کا علم بھی دے اور جس طرح اس جہان کا گھر دیا اگلے جہان کا اچھا گھر بھی بخشے اور اس کالج میں پڑھنے والے سب طلبہ کو اپنی رضاء پر چلنے، اپنا فرض ادا کرنے اور ایثار و قربانی کا اعلیٰ نمونہ دکھانے کی توفیق بخشے۔

خاکسار مرزا محمود احمد"[4]

تعلیم الاسلام کالج کے ہونہار اور فارغ التحصیل طلبہ کالج کے سٹاف میں

جیسا کہ فصل سوم میں بتایا جا چکا ہے کہ حضرت مصلح موعود نے قیام کالج کے پہلے سال (۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء) میں ہی یہ ارشاد فرمایا تھا کہ کالج کے لیکچرار طالب علموں میں وقف کی تحریک کریں تاکہ ان کو مستقبل میں پروفیسری کے لئے تیار کیا جائے کیونکہ آگے چل کر ہمیں بہت سے ایم۔اے اور ایم۔ایس سی صاحبان کی ضرورت ہوگی۔

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے بحیثیت پرنسپل کالج حضرت مصلح موعود کے اس فرمان مبارک کی تعمیل کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ چنانچہ آپ کی مخلصانہ مساعی بار آور ہوئیں جن کے شیریں اثمار ربوہ میں آکر ظاہر ہونا شروع ہوئے جبکہ تعلیم الاسلام کالج کے فارغ التحصیل طلبہ کالج کے سٹاف میں شامل ہو کر کالج کی علمی و عملی ترقی میں سرگرم عمل ہونے لگے۔

ذیل میں ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء سے لے کر نبوت/نومبر ۱۳۴۴ہش/۱۹۶۵ء کے درمیان کالج کے سٹاف میں شامل ہونے

---

[1] سرسید مرحوم کے عزیزوں میں سے ہیں۔ محکمہ تعلیم سے فراغت کے بعد اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام سے منسلک رہے۔ آجکل انجینئرنگ یونیورسٹی میں شعبہ اسلامیات کے صدر ہیں۔

[2] پرنسپل سرگودھا کالج۔ آپ انگلستان میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے ہمعصر تھے اور گہرے دوست بھی!!

[3] "المنار" بابت ماہ نبوت/نومبر ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء صفحہ ۱۸۔

[4] "سالانہ رپورٹ تعلیم الاسلام کالج" ۳۳-۱۳۳۴ہش/۵۵-۱۹۵۴ء صفحہ ۸۔

والے نئے اساتذہ کی فہرست دی جاتی ہے کہ جس میں ایک خاصی تعداد اسی مرکز علم و دانش سے اکتساب فیض کرنے والوں کی نظر آئے گی (گول دائرہ کا نشان اس خصوصیت کی علامت کے طور پر لگایا گیا ہے)

مرزا مجید احمد صاحب ایم۔اے	(ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۳۳ ہش / ۱۹۵۴ء)
محمد ابراہیم صاحب ناصر بی۔اے	(ماہ اخاء/اکتوبر 〃)
○ مسعود احمد صاحب عاطف ایم۔ایس۔سی	(〃 〃)
○ مبارک احمد صاحب انصاری ایم۔ایس۔سی	(〃 〃)
چوہدری محمد لطیف صاحب ایم۔اے	(ماہ نبوت/نومبر 〃)
○ ظفر احمد صاحب وینس ایم۔اے	(〃 〃)
سید مظفر حسین صاحب زیدی ایم۔اے	(ماہ صلح/جنوری ۱۳۳۴ ہش / ۱۹۵۵ء)
ایس۔ایم حمایت اللہ صاحب ایم۔اے	(〃 〃)
سید کلیم اللہ شاہ صاحب ایم۔ایس۔سی	(〃 〃)
چوہدری عطاء اللہ صاحب ایم۔اے	(ماہ امان/مارچ 〃)
مولوی محمد دین صاحب ایم۔اے۔سی ایل ایس سی[1]	(ماہ اخاء/اکتوبر 〃)
○ چوہدری حمید اللہ صاحب ایم۔اے	(〃 〃)
ملک محمد عبد اللہ صاحب	(ماہ فتح/دسمبر 〃)
نصیر احمد صاحب بشیر ایم۔ایس۔سی	(ماہ ہجرت/مئی ۱۳۳۵ ہش / ۱۹۵۶ء)
○ مرزا خورشید احمد صاحب ایم۔اے	(ماہ تبوک/ستمبر 〃)
○ حمید اللہ صاحب ظفر ایم۔اے	(ماہ اخاء/اکتوبر 〃)
○ رفیق احمد صاحب ثاقب ایم۔ایس۔سی آنرز	(〃 〃)
○ کنیز ادریس صاحب	(ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۳۶ ہش / ۱۹۵۷ء)
مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل	(ماہ تبوک/ستمبر 〃)
محمد شریف صاحب خالد ایم۔اے، ایل ایل بی، بی۔ٹی	(ماہ وفا/جولائی ۱۳۳۷ ہش / ۱۹۵۸ء)

[1] ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء سے لائبریرین کے فرائض انجام دے رہے تھے

○ سعید احمد صاحب رحمانی ایم۔اے	(ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۳۷ھش / ۱۹۵۸ء)
○ حمید احمد صاحب ایم۔اے	(ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۳۸ھش / ۱۹۵۹ء)
○ آفتاب احمد صاحب ایم۔اے	(〃 ۱۳۴۰ھش / ۱۹۶۱ء)
○ خواجہ منظور احمد صاحب ایم۔ایس۔سی	(〃 〃)
○ چوہدری محمد سلطان صاحب اکبر ایم۔اے	(〃 〃)
○ ناصر احمد صاحب پروازی ایم۔اے	(〃 〃)
○ منور شمیم خالد صاحب ایم۔اے	(〃 〃)
سید حبیب الرحمٰن صاحب ایم۔ایس۔سی	(ماہ نبوت/نومبر 〃)
○ سعید اللہ خاں صاحب ایم۔اے، بی ایس سی [۱]	(ماہ صلح/جنوری ۱۳۴۱ھش / ۱۹۶۲ء)
○ محمد اسلم قریشی صاحب ایم۔ایس۔سی	(〃 〃)
سردار محمد علیم صاحب ایم۔اے	(〃 〃)
مرزا مسعود بدر بیگ صاحب ایم۔اے	(ماہ امان/مارچ 〃)
سید پرویز سجاد جعفری صاحب ایم۔اے	(〃 〃)
○ سجاد امام صاحب	(ماہ تبوک/ستمبر 〃)
○ چوہدری محمد اسلم صاحب صابر ایم۔اے، بی ایڈ	(〃 〃)
○ صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب ایم۔اے	(ماہ اخاء/اکتوبر 〃)
○ چوہدری انور حسن صاحب ایم۔اے	(〃 〃)
○ عبدالرشید فوزی صاحب ایم۔اے	(ماہ نبوت/نومبر 〃)
○ چوہدری عزیز احمد صاحب طاہر ایم۔اے	(ماہ ہجرت/مئی ۱۳۴۲ھش / ۱۹۶۳ء)
○ محمد ارشد صاحب ایم۔ایس۔سی	(ماہ تبوک/ستمبر 〃)
○ چوہدری عبدالسمیع صاحب ایم۔ایس۔سی	(〃 〃)
مسٹر مائیکل ای ولیمز ایم۔ایس۔سی ڈرہم	

[۱] قبل ازیں ماہ نبوت/نومبر ۱۳۳۰ھش / ۱۹۵۱ء سے بطور ڈیمانسٹریٹر کام کر رہے تھے۔

سید مقبول احمد صاحب ایم۔ایس۔سی	(ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۴۲ھش/۱۹۶۳ء)
محمد سرور صاحب ایم۔اے	(" ")
محمد شریف خاں صاحب ایم۔ایس۔سی	(" ")
○ عبدالشکور صاحب اسلم بی۔ایس۔سی[1]	(" ")
○ عبدالرشید صاحب غنی انبالوی۔ایم۔ایس۔سی[2]	(ماہ اخاء/اکتوبر ")
سید محمد یحییٰ صاحب	(ماہ نبوت/نومبر ")
○ رشید احمد صاحب جاوید ایم۔اے	(ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۴۳ھش/۱۹۶۴ء)
○ اعجاز الحق قریشی صاحب ایم۔اے	(" ")
○ محمد انور شاہ صاحب ارشد ترمذی	(" ")
○ عبدالجلیل صاحب صادق	(" ")
○ محمد اکرم صاحب ایم۔ایس۔سی	(ماہ نبوت/نومبر ")

تعلیم الاسلام کالج کے تدریسی و تعلیمی نظام میں بتدریج وسعت اور جدید ڈگری کالج کی تعمیر

یہ عظیم درسگاہ ربوہ میں منتقل ہونے کے بعد نہایت تیزی سے ترقی کی منازل طے کرنے لگی۔ چنانچہ یہاں آکر کیمیا کی تدریس اور پریکٹیکل کا انتظام (بی۔ایس۔سی کے معیار تک) پہلے سے بھی زیادہ عمدگی کے ساتھ ہونے لگا۔

۱۳۳۳ھش/۱۹۵۴ء ہی میں حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کی خصوصی اجازت سے آل پاکستان بین الکلیاتی مباحثوں کا آغاز کیا گیا۔[3] علاوہ ازیں کالج کے طلبہ دیگر اداروں کے کل پاکستان بین الکلیاتی سالانہ مباحثوں

---

[1] پیشتر ازیں شعبہ بیالوجی میں ڈیمانسٹریٹر کے فرائض انجام دیتے رہے۔ [2] اس سے قبل ڈیمانسٹریٹر کی حیثیت سے کالج کی خدمت بجا لا رہے تھے۔

[3] پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خاں صاحب ایم۔ایس۔سی پی۔ایچ۔ڈی (ازدرہم) جنہوں نے ۱۳۳۳ھش/۱۹۵۴ء سے لیکر ۱۳۳۹ھش/۱۹۶۰ء تک سٹوڈنٹس یونین کی نگرانی کے فرائض انجام دیئے اپنے ایک بیان میں لکھتے ہیں:۔ " سب سے پہلا مباحثہ لجنہ اماء اللہ کے ہال میں منعقد ہوا۔ کیونکہ اس وقت تک کالج کا اپنا ہال تعمیر نہیں ہوا تھا۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۱ء تک یہ دستور رہا کہ سالانہ مباحثوں کے اختتام پر اگلی صبح تمام شریک مباحثہ طلباء (جو کراچی، پشاور اور لاہور وغیرہ مختلف کالجوں سے ربوہ آئے ہوتے تھے) کے ناشتہ کا انتظام حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے در دولت پر ہوتا تھا اور آپ اس میں طلباء کے ساتھ نہایت بے تکلفی اور شفقت کے ساتھ پیش آتے اور ایک ذاتی تعلق ہر شریک مجلس سے پیدا ہو جاتا۔

سالہا سال یونین کی خوش قسمتی سے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ شریک مباحثہ طلبہ کو قصر خلافت میں ملاقات خاص کا موقعہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں شریک ہونے اور انفرادی اور مجموعی طور پر بکثرت انعام حاصل کرنے لگے جس کی تفصیل کالج کی مطبوعہ سالانہ رپورٹوں میں موجود ہے۔

۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء سے کالج میں ریاضی (آنرز) کیمیا (آنرز) اور شماریات کی تعلیم کا اجراء ہوا۔ ۱۳۴۱ہش/۱۹۶۲ء میں بی ایس سی باٹنی اور بی ایس سی زوآلوجی کی کلاسز بھی کھل گئیں۔

اسی زمانہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے کالج میں اعلیٰ اور معیاری تعلیم کے لئے ایک عظیم الشان منصوبہ تیار فرمایا جو خدا کے فضل و کرم، سیدنا المصلح الموعود کی توجہ اور آپ کی ذاتی توجہ، دلچسپی اور رہنمائی کی بدولت نہایت برق رفتاری کے ساتھ کامیابی کے زینے طے کر رہا ہے۔ ہماری مراد جدید ڈگری کالج سے ہے جس کی تفصیلی سکیم ۴۱-۱۳۴۰ہش/۶۲-۱۹۶۱ء میں بروئے کار آئی۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس کی سالانہ رپورٹ میں فرمایا:-

"اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو نظام تعلیم کے نئے دور میں تعلیم الاسلام کالج سابقون الاولون میں شمار ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔ کالج کی تقسیم (BIFURACTION) کے بعد جو عنقریب ہونے والی ہے ڈگری اور پوسٹ گریجوایٹ کلاسیں جلد ہی اپنی نئی عمارت میں منتقل ہو جائیں گی۔ یہ سال تو کالج کے لئے زمین، عمارت کے نقشوں اور دیگر کوائف کی تفاصیل سے متعلق فیصلوں ہی میں گذرا ہے۔ اس وقت کالج کیمپس کے گرد دیوار بن رہی ہے۔ ٹیوب ویلوں کے لئے آزمائشی کھدائی کی جا چکی ہے۔ نقشے بن چکے ہیں اور انشاء اللہ العزیز تعمیر کا کام بھی جلد ہی پوری تیز رفتاری سے شروع ہونے والا ہے۔ یہ دورِ جدید کالج کی زندگی میں ایک عہد آفریں اور خوشکن انقلاب کا حامل ہوگا"[1]

۴۳-۱۳۴۲ہش/۶۴-۱۹۶۳ء میں کالج کیمپس کی اصل عمارت کی تعمیر شروع کر دی گئی۔ اس عظیم علمی منصوبہ پر ماہ امان/مارچ ۱۳۴۶ہش/۱۹۶۷ء تک نو لاکھ روپیہ کے اخراجات ہوئے۔ سائنس لیبارٹریز کی ورکشاپ تو اسی سال مکمل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) عطا فرماتے رہے۔ چونکہ تعداد زیادہ ہوتی تھی اس لئے کبھی نچلی منزل کے صحن میں احاطہ پرائیویٹ سکرٹری کے آگے یا پیچھے اور کبھی اوپر ملاقات کے کمرے میں کرسیاں لگا دی جاتیں اور ایک کلاس روم کا ماحول پیدا ہو جاتا۔ حضور حالات دریافت فرماتے، پھر سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ جو بعض دفعہ گھنٹوں جاری رہتا۔ طلبہ ہمیشہ ایک عظیم الشان روحانی اور علمی مائدہ سے لطف اندوز ہو کر باہر نکلتے اور اگلے سال پھر آنے کی آرزو لے کر واپس گھروں کو لوٹتے۔ طلباء میں متعصب اور مخالف بھی ہوتے مگر کوئی ایک طالب علم بھی ایسا نہ تھا جو حضور کے تبحر علمی اور شگفتہ مزاجی سے متاثر نہ ہوتا"

[1] سالانہ روئداد تعلیم الاسلام کالج ۴۲-۱۳۴۱ہش/۶۲-۱۹۶۱ء صفحہ ۲

ہوگئی۔[۵۱] مگر سائنس بلاک کی تعمیر خلافت ثالثہ کے چوتھے سال (۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء) تک جاری رہی چنانچہ اخبار "الفضل" ۲۱ ہجرت/مئی ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء صفحہ ۸ میں اس زیر تعمیر کالج کی نسبت یہ خبر شائع کی گئی:-

"شعبہ فزکس کی لیبارٹریز مکمل ہوچکی ہیں۔ عنقریب ان کی فٹنگ اور فنشنگ شروع ہوجائے گی۔ منصوبے کے پہلے مرحلے کے طور پر فزکس میں ایم۔ایس۔سی کی تدریس شروع کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے مقرر کردہ خاص کمیٹی نے آلات فزکس کی ایک فہرست تیار کی تھی اور الحاق سے قبل ان کا فراہم کرنا ضروری قرار دیا تھا"

۱۳۴۷ہش/۱۹۶۸ء میں اس کمیٹی کی تیار کردہ فہرست کے مطابق بیرونی ممالک سے جدید ترین آلات درآمد کرنے کا انتظام کیا گیا جن کی پہلی کھیپ ۱۱ ہجرت/مئی ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء کو انگلستان، مغربی جرمنی اور یوگوسلاویہ سے ربوہ میں پہنچی جس میں اسلوسکوپ، الیکٹرک اوسی لیٹرز، الیکٹروسکوپ، ریڈیو ایکٹو سورسز، ریٹ میٹرز اور الیکٹرانکس کا دیگر بیش قیمت سامان شامل تھا۔ مزید برآں بعض PRECISION INSTRUMENTS بھی منگوائے گئے۔ بعض آلات کے پُرزہ جات کو صدر شعبہ طبعیات ڈاکٹر نصیر احمد خاں صاحب کی نگرانی میں فزکس کے اساتذہ اور بعض طلبہ نے خود ASSEMBLE کیا اور دن رات ایک کرکے سامان کی چیکنگ اور ترتیب مکمل کرکے بڑے قرینہ سے شعبہ طبعیات کی نئی لیبارٹری میں نصب کئے تاکہ ان آلات کی کارکردگی کو جانچا جا سکے۔ اس طرح کالج کی طبعیات کی لیبارٹریز جدید سائنٹیفک آلات سے آراستہ ہوگئیں۔ جن کا معائنہ اور عملی کارکردگی کا مشاہدہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۷ ہجرت ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء کو بنفس نفیس فرمایا۔[۵۲]

آلات طبعیات کی دوسری کھیپ امریکہ سے موصول ہونے والی ہے جو ماہ جولائی (۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء) کے آخر تک پہنچ جائے گی۔ موجودہ ششماہی میں دس ہزار روپیہ کا کیش بونس درآمدی لائسنس منظور ہوا ہے جس پر مزید آلات کا آرڈر دیا جا رہا ہے۔

فزکس کا بلاک مکمل ہوچکا ہے۔ بجلی کی وائرنگ اینڈ فرنیچر کے لئے رقم کی منظوری حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی طرف سے ہوچکی ہے۔ امید ہے کہ اگست تک یہ کام مکمل ہوجائے گا اور فزکس کی

---

۵۱ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ بابت ۱۳۴۲-۴۳ہش/۱۹۶۳-۶۴ء صفحہ ۱۵۸۔ کیمپس کالج کی عمارت کے نگران چوہدری فضل داد صاحب تھے اور بجلی کی انسٹالیشن چوہدری غلام حیدر صاحب سینئر لیکچرار اسسٹنٹ ناظم املاک کالج کے سپرد رہی۔

۵۲ "الفضل" ۲۱ ہجرت/مئی ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء صفحہ ۸۔

تجربہ گاہیں یونیورسٹی کمیشن کے آنے تک سامان اور تجربات سے پوری طرح لیس ہو جائیں گی[1]۔

یونیورسٹی کے امتحانوں میں کالج کے خوشکن نتائج

ربوہ میں ماہ نبوت/نومبر ۱۳۳۴ہش/۱۹۵۵ء سے لے کر ماہ نبوت/نومبر ۱۳۴۴ہش/۱۹۶۵ء تک یہ کالج حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی براہ راست نگرانی اور قیادت میں سرگرم عمل رہا۔ اس زمانہ میں کالج نے اپنے عظیم المرتبت اور جلیل القدر پرنسپل کے زیر سایہ علم و عمل کے میدان میں نمایاں ترقی کی اور بالخصوص یونیورسٹی کے امتحانات میں اس کے نتائج سال بسال نہایت درجہ خوشکن، مسرت افزا اور شاندار رہے اور اس کے طلبہ نے صوبہ بھر میں امتیازی پوزیشن حاصل کی[2]۔

---

[1] یہ سطور شروع ماہ وفا/جولائی ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء میں لکھی جا رہی ہیں۔

[2] تفصیل یہ ہے ۱۳۳۴-۳۵ہش/۱۹۵۵-۵۶ء میں ایف۔اے کے امتحان میں منور احمد صاحب سعید صوبہ بھر میں اوّل اور بی۔ایس۔سی میں اعجاز الرحمٰن صاحب سوم رہے۔

۱۳۳۶-۳۷ہش/۱۹۵۷-۵۸ء میں محمد سلطان صاحب اکبر نے بی۔اے کے امتحان میں عربی پاس کورس اور عربی آنرز میں اوّل رہنے پر طلائی تمغہ حاصل کیا اور افتخار احمد صاحب شہاب یونیورسٹی بھر کے انگریزی کے امتحان میں اوّل رہے۔

۱۳۳۹-۴۰ہش/۱۹۶۰-۶۱ء میں ہائر سیکنڈری امتحان کے پری میڈیکل گروپ میں حمید احمد خاں صاحب پنجاب بھر میں اوّل رہے HUMANITIES GROUP کے طلبہ میں قریشی اعجاز الحق صاحب نے اوّل پوزیشن حاصل کی۔ اسی طرح بی۔ایس۔سی کے امتحان میں سید امین احمد صاحب فزکس کے مضمون میں یونیورسٹی میں اوّل رہے۔

۱۳۴۰-۴۱ہش/۱۹۶۱-۶۲ء میں بی۔اے سال اوّل کے امتحان میں اعجاز الحق صاحب قریشی نے یونیورسٹی میں دوم پوزیشن حاصل کی اسی طرح ہائر سیکنڈری امتحان میں عطاء المجیب صاحب راشد نے بھی کامیاب ہونے والے طلبہ میں امتیازی مقام حاصل کیا۔

۱۳۴۱-۴۲ہش/۱۹۶۲-۶۳ء میں اعجاز الحق صاحب قریشی بی۔اے کے امتحان میں یونیورسٹی بھر میں اوّل آئے۔

۱۳۴۲-۴۳ہش/۱۹۶۳-۶۴ء میں ایم۔اے عربی پریویس میں چودھری محمد صدیق صاحب اوّل اور چودھری ناصر الدین صاحب اور بشارت الرحمٰن صاحب دوم رہے۔ عطاء المجیب صاحب راشد نے بی۔اے سال دوم عربی میں اوّل رہ کر دو طلائی تمغے (مالیرکوٹلہ میڈل اور خلیفہ محمد حسن جوبلی گولڈ میڈل) حاصل کئے۔ اور اعجاز الحق قریشی (ہسٹری آنرز سال سوم میں) یونیورسٹی میں اوّل رہے۔

۱۳۴۳-۴۴ہش/۱۹۶۴-۶۵ء میں پہلی بار کالج کے طلباء ایم۔اے عربی کے امتحان میں شامل ہوئے اور سارے طلبہ اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوئے اور چوہدری محمد صدیق صاحب یونیورسٹی میں اوّل قرار پائے۔ اسی طرح تین اور طلبہ نے تیسری چوتھی اور پانچویں پوزیشن حاصل کی۔

۱۳۴۴-۴۵ہش/۱۹۶۵-۶۶ء میں کالج کی دوسری ایم۔اے کلاس کا نتیجہ بھی سو فیصد رہا۔ نیز یونیورسٹی میں بحیثیت مجموعی پہلی تین پوزیشنیں طلبہ تعلیم الاسلام کالج کے حصہ میں آئیں۔ یعنی قریشی مقبول احمد صاحب اوّل، عطاء المجیب صاحب راشد دوم اور سید عبدالحی صاحب سوم آئے اور ایک طالب علم کے سوا جس نے سیکنڈ ڈویژن لی باقی سب نے فرسٹ ڈویژن میں امتحان پاس کیا۔

اسی طرح عنایت اللہ صاحب منگلا پنجاب یونیورسٹی میں ایم۔اے اقتصادیات میں فرسٹ ڈویژن لے کر اوّل آئے۔

(تعلیم الاسلام کالج کی مطبوعہ رپورٹوں (۱۳۳۴ہش/۱۹۵۵ء تا ۱۳۴۵ہش/۱۹۶۶ء) سے ماخوذ)

کالج میں مشہور ملکی اور غیر ملکی شخصیتوں کی آمد

تعلیم الاسلام کالج کی علمی تقریبات میں نامور ملکی اور غیر ملکی شخصیتوں کی آمد کا جو سلسلہ قبل ازیں جاری ہو چکا تھا وہ ربوہ میں حیرت انگیز حد تک وسعت پکڑ گیا حتی کہ امریکہ، یورپ اور روس کے بعض ممتاز، شہرۂ آفاق اور بین الاقوامی شہرت کے حامل سائنسدان بھی اس علمی ادارہ کی شہرت سے متاثر ہو کر کھنچے آنے لگے چنانچہ اس ضمن میں بعض نامور اشخاص کی ایک مختصر فہرست دی جاتی ہے جو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی براہ راست قیادت کے مبارک دور میں یہاں پہنچے اور جنہوں نے بذریعہ تقریر اپنے تجربات و معلومات سے اساتذہ اور طلبہ کو متمتع ہونے کا موقعہ دیا۔[۱]

ڈاکٹر ایس۔ ایل شیٹس لاہور۔ اطالوی مستشرق پروفیسر اے بوسانی، روسی سائنسدان بروفوف[۲] (پروفیسر لینن گراڈ یونیورسٹی ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف فزیالوجی اکیڈمی آف سائنسز U. S. S. R.)، امریکی سائنسدان ای۔ سی سٹیکمین[۳] (پروفیسر ایمریٹس منیاسوٹا یونیورسٹی امریکہ وسائنٹیفک ایڈوائزر راک فیلر فاؤنڈیشن)، میجر عثمان بیگ آفندی آف ترکی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ، میجر جنرل اکبر خاں، مسٹر تھیوڈور، ڈاکٹر محمد عودہ مدیر "الجمہوریہ" مصر، مرغوب صدیقی صاحب صدر شعبہ جرنلزم پنجاب یونیورسٹی، سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون ایڈیٹر "ریاست" دہلی، ڈاکٹر ای۔ ٹی جے۔ روز منقل کیمبرج یونیورسٹی، سر ہیری میلول سابق پروفیسر برمنگھم یونیورسٹی، انور عادل صاحب سکرٹری تعلیم مغربی پاکستان، ڈاکٹر سی ولیم کرک مشیر ثقافتی امور امریکی کونسل، پروفیسر سڈرف (روسی سائنس اکیڈمی کے ممبر (بابائے سپٹنک FATHER OF SPUTNIK) فلائٹ لیفٹیننٹ ایم۔ ڈبلیو بناچ۔ مولانا ابوالہاشم خاں رکن اسلامی مشاورتی کونسل پاکستان، چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب جج عالمی عدالت انصاف، مولانا صلاح الدین احمد صاحب ایڈیٹر "ادبی دنیا"، ڈاکٹر وزیر آغا

---

[۱] ملاحظہ ہو [illegible] ان میں سے بعض کا تذکرہ فصل [illegible] میں کیا جا چکا ہے۔ اور کالج کی آل پاکستان اردو کانفرنس میں شریک ادباء کی تفصیل مستقل عنوان کے تحت الگ دی جا رہی ہے

[۲] و [۳] اخبار "الفضل" ۳۱ صلح / جنوری و یکم تبلیغ / فروری ۱۳۳۵ہش / ۱۹۵۶ء میں ان سائنسدانوں کی آمد پر خبر شائع کی گئی جس پر ہفت روزہ "المنیر" لائلپور نے "ربوہ کی سیر" کے کالم میں لکھا "تقسیم کے بعد اس گروہ نے پاکستان میں نہ صرف پاؤں جمائے بلکہ جہاں ان کی تعداد میں اضافہ ہوا وہاں ان کے کام کا یہ حال ہے کہ ایک تو روس اور امریکہ سے سرکاری سطح پر آنے والے سائنسدان ربوہ آتے ہیں۔ اور دوسری جانب ۱۹۵۳ء کے عظیم تر ہنگامہ کے باوجود قادیانی جماعت اس کوشش میں ہے کہ اس کا ۱۹۵۶ء کا بجٹ پچیس لاکھ روپیہ کا ہو۔ ۔ ۔ ۔ ربوہ کے کالج، ہائی سکول اور پرائمری مدارس میں سینکڑوں مسلمانوں کے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں" (شمارہ بابت ۲۳ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۰ کالم ۳)۔

صاحب ایم۔اے، پی ایچ ڈی ، ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب ایم۔اے، پی ایچ ڈی ، اطالوی پروفیسر بارتلونی ، پروفیسر حمید احمد خاں پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور ، ڈاکٹر محمد صادق صاحب ایم۔اے، پی ایچ ڈی وائس پرنسپل و صدر شعبہ انگریزی دیال سنگھ کالج لاہور ، سید امجد الطاف ایم۔اے سکرٹری بورڈ آف ایڈیٹرز اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ ڈاکٹر عبدالبصیر صاحب پال صدر شعبہ طبعیات پنجاب یونیورسٹی ، سید حماد رضا سی ایس پی کمشنر سرگودھا ڈویژن ، ڈاکٹر وحید قریشی صاحب ایم۔اے، پی ایچ ڈی شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی ، مسٹر جسٹس سجاد احمد جان جج عدالت عالیہ مغربی پاکستان ، مسٹر شیخ انوار الحق صاحب جج عدالت عالیہ مغربی پاکستان ، مسٹر منظور قادر صاحب سابق وزیر خارجہ پاکستان و چیف جسٹس عدالت عالیہ مغربی پاکستان ، ڈاکٹر ظفر احمد صاحب ہاشمی وائس چانسلر زراعتی یونیورسٹی لائل پور ، سہیل بخاری صاحب ایم۔اے، پی ایچ ڈی پاکستان ایئر فورس سکول سرگودھا ، پروفیسر سید وقار عظیم ریڈر شعبۂ اُردو پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

ڈاکٹر عبدالحق صاحب سابق پرنسپل ڈینٹل کالج ، ڈاکٹر جے۔ایم بھینڈ ، ڈاکٹر مشتاق احمد صاحب ایم۔ایس۔سی، پی ایچ ڈی ، ڈاکٹر کریم قریشی ایم۔ایس۔سی، پی ایچ ڈی یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ آف کیمیکل ٹیکنالوجی ڈاکٹر شعیو ڈربیلہ (پنجاب یونیورسٹی) ، ڈاکٹر طاہر حسین صدر شعبہ طبعیات گورنمنٹ کالج لاہور ، ڈاکٹر ایس۔اے درانی ایم۔ایس۔سی، پی ایچ ڈی ڈائریکٹر اٹامک انرجی کمیشن لاہور ، کیپٹن علی ناصر زیدی ، پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب امپیریل کالج لندن و مشیر سائنسی امور صدر پاکستان ، ڈاکٹر الیاس ڈوباش ڈپٹی ڈائرکٹر صنعتی تحقیقاتی تجربہ گاہ ، ڈاکٹر ایس۔اے رحمان ، کمانڈر عبداللطیف صاحب ڈائریکٹر اعلیٰ تعلیمات زرعی یونیورسٹی لائل پور ،

پروفیسر کرامت حسین جعفری پرنسپل گورنمنٹ کالج لائل پور۔ پروفیسر ڈاکٹر حمیدالدین صاحب وائس پرنسپل و صدر شعبۂ فلسفہ گورنمنٹ کالج لاہور ، علامہ علاؤالدین صاحب صدیقی صدر شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی ، شمس الدین صاحب ایم۔اے صدر شعبہ تاریخ اسلامیہ کالج لاہور ، پروفیسر شجاع الدین صاحب ایم۔اے صدر شعبہ تاریخ دیال سنگھ کالج لاہور ، پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید صاحب صدر شعبہ تاریخ گورنمنٹ کالج لاہور۔ ڈاکٹر ایس۔ایم اختر پی ایچ ڈی صدر شعبہ اقتصادیات پنجاب یونیورسٹی ، پروفیسر محمد اعظم ورک زئی شعبہ اقتصادیات پنجاب یونیورسٹی ، ڈاکٹر منیر چغتائی شعبہ سیاسیات پنجاب یونیورسٹی ڈاکٹر ہیل بک پروفیسر میونک یونیورسٹی ، پروفیسر مائیکل ولیم ایم۔ایس۔سی ، میجر حبیب علی صاحب

اسسٹنٹ ڈائریکٹر سپورٹس مشرقی بنگال۔

ان مقررین کے علاوہ پاکستان کے ممتاز شعراء میں سے احسان دانش، طفیل ہوشیارپوری، سیّد محمد جعفری۔ مکین احسن کلیم، حبیب اشعر کلیم عثمانی، نظر امروہی، شرقی بن شائق مدیر "نیا راستہ"، قتیل شفائی، ثاقب زیروی، احمد ندیم قاسمی، عاطر ہاشمی، ہوش ترمذی، ظہیر کاشمیری، محمد علی مضطر، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، شیر افضل جعفری، لطیف انور (مدیر مخابرات ریڈیو پاکستان لاہور) ہوش ترمذی (ڈائریکٹر پریس برانچ مغربی پاکستان لاہور)، ضمیر فاطمی مدیر "اسلوب"، مولانا عبدالمجید سالک مدیر "انقلاب"، نازش رضوی، عبدالرشید تبسم، طاہر ہاشمی وغیرہ نے کالج کی تقریبات میں شرکت کی اور اپنا کلام سُنایا۔

آل پاکستان باسکٹ بال ٹورنامنٹ کا آغاز

۱۳۳۷ہش/۱۹۵۸ء اور ۱۳۴۳ہش/۱۹۶۴ء کے سال کالج کی تاریخ میں ایک نئے سنگ میل کی حیثیت سے ہمیشہ یادگار رہیں گے اس لئے کہ ان میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی خصوصی ہدایات اور سرپرستی سے دو ایسے اہم اقدامات عمل میں لائے گئے جو نہایت درجہ وسیع، شاندار اور دُور رس نتائج کے حامل ثابت ہوئے جن سے کالج کی مُلک گیر شہرت و مقبولیت میں نئے باب کا اضافہ ہوا۔ اور اس کی عظمت و اہمیت کو چار چاند لگ گئے۔

اس ضمن میں پہلا قابل ذکر امر کالج کے زیر انتظام آل پاکستان باسکٹ بال ٹورنمنٹ کا آغاز ہے جس کی کامیابی کا سہرا پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب کے سر ہے جن کی مسلسل کوشش سے ۱۳۳۵ہش/۱۹۵۶ء میں کچی کورٹ سے کالج میں باسکٹ بال کی ابتداء ہوئی۔ ۱۳۳۷ہش/۱۹۵۸ء میں اس میدان کو ایک معیاری پختہ کورٹ میں تبدیل کر دیا گیا جس میں پہلا آل پاکستان تعلیم الاسلام کالج باسکٹ بال ٹورنمنٹ کھیلا گیا۔ اس پہلے ٹورنامنٹ میں جس کا اہتمام ۱۳۳۷ہش/۱۹۵۸ء میں کیا گیا۔ پولیس لاہور برادرز کلب لاہور، وائی۔ایم۔سی۔اے لاہور، ہمبٹی سپورٹس کلب کراچی، نارتھ ویسٹرن ریلوے لاہور، فرینڈز کلب سرگودھا، لائلپور کلب ٹی۔آئی کلب، زراعتی کالج لائلپور، گورنمنٹ کالج لائلپور اور تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی ٹیمیں شامل ہوئیں اور پاکستان بھر کے چھ اور پنجاب کے آٹھ منتخب اور مشہور کھلاڑیوں نے حصہ لیا اور کھیل کا معیار نہایت بلند رہا۔ انعامات چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب نے تقسیم فرمائے۔

دوسرے ٹورنمنٹ میں نہ صرف شرکت کرنے والی نامور ٹیموں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا بلکہ چھ کی

بجائے پاکستان بھر کے دس منتخب کھلاڑی شامل ہوئے۔ علاوہ ازیں بعض ایسے کھلاڑیوں نے بھی شرکت کی جنہیں بیرونی ممالک میں پاکستان کی نمائندگی کا فخر حاصل تھا۔ اس ٹورنامنٹ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ پنجاب باسکٹ بال ایسوسی ایشن لاہور کے فیصلہ کے مطابق پنجاب کی بہترین ٹیم کا انتخاب اس ٹورنامنٹ میں ہوا۔ قبل ازیں اس انتخاب کے لئے الگ مقابلے ہوتے تھے۔

تیسرا ٹورنمنٹ اپنی منفرد حیثیت کے لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ثابت ہوا۔ ملک کے کونے کونے سے دو درجن کے قریب بہترین ٹیمیں اور ڈیڑھ سو بہترین کھلاڑی شامل ہوئے جن میں سی۔ ٹی۔ آئی کلب سیالکوٹ کے تین امریکی بھی تھے۔ اس موقعہ پر بہت سے کالجوں کے پروفیسر اور دیگر معززین بھی بکثرت موجود تھے۔ ہر سال یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ ٹورنامنٹ کا افتتاح کس سے کروایا جائے؟ تیسرے ٹورنامنٹ کے موقعہ پر جب یہ معاملہ پروفیسر نصیر احمد خان صاحب نے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے قدرے تامل کے بعد فرمایا ایک BRAIN WAVE یعنی خیال کی لہر آئی ہے اور مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ کیسے؟ فرمایا۔ پچھلے ٹورنامنٹ کی فاتح ٹیم کے کپتان سے افتتاح کروا لو اور آئندہ یہی ہماری روایت ہو گی چنانچہ اُس سال سے لے کر اب تک اسی پر عمل ہو رہا ہے۔ اس روایت کی ابتداء ریلوے ٹیم کے کپتان سید جاوید حسن سے شروع ہوئی جو پچھلے سال کے ٹورنامنٹ کے فاتح تھے۔

چوتھا آل پاکستان باسکٹ بال ٹورنامنٹ بھی ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔ اس موقع پر پہلی بار ایک یادگاری مجلّہ (SOUVENIR) شائع کیا گیا جس میں مختلف معززین کے خیر سگالی کے پیغامات اور تصاویر کے علاوہ ربوہ میں باسکٹ بال کے اجراء اور ترقی کا جائزہ لیا گیا تھا۔ "پاکستان ٹائمز" (لاہور) "سول اینڈ ملٹری گزٹ" (لاہور)، "نوائے وقت" (لاہور)، "امروز" (لاہور) اور "الفضل" (ربوہ) نے نمایاں طور پر اس ٹورنامنٹ کی خبریں شائع کیں۔

۱۳۴۰ ہش/۱۹۶۱ء یعنی پانچ سال کے قلیل عرصہ میں ربوہ کے چھوٹے سے قصبہ میں کُل آٹھ باسکٹ بال کورٹس اور سات باسکٹ بال کلب جن کا مرکزی باسکٹ بال ایسوسی ایشن لاہور سے باقاعدہ الحاق تھا قائم ہو چکے تھے۔ ان سب کلبوں نے علاوہ بیرونی کلبوں کے چوتھے ٹورنامنٹ میں شمولیت کی۔ اسی سال کالج کے چار منتخب کھلاڑیوں نے پنجاب کی طرف سے قومی مقابلوں میں حصہ لیا۔

۵؍اخاء/اکتوبر ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء کو وائی۔ایم۔سی۔اے کی مشہور بھارتی ٹیم، کراچی، لاہور اور راولپنڈی کے علاوہ ربوہ میں بھی میچ کھیلنے کے لئے آئی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ربوہ کو بیرونِ ملک کھلاڑیوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔

ان بیش از بیش کامیابیوں کے نتیجہ میں ربوہ باسکٹ بال کے تین چار اہم ترین ملکی مراکز میں سے شمار ہونے لگا۔ اور چونکہ ملک میں باسکٹ بال کو غیر معمولی طور پر فروغ دینے میں تعلیم الاسلام کالج کے منتظمین خصوصاً حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا بھاری عمل دخل تھا اس لئے پانچویں سالانہ ٹورنامنٹ پر امیچور باسکٹ بال ایسوسی ایشن کی انتظامیہ کمیٹی کی طرف سے ایک وفد جو ایکٹنگ چیئرمین (چوہدری محمد علی صاحب[1] ایم۔اے) اور سکرٹری (قریشی محمد اسلم صاحب ایم۔ایس۔سی) پر مشتمل تھا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ باسکٹ بال کے کھیل کی مقبولیت اور ترقی کے سلسلہ میں آپ نے جو خدماتِ جلیلہ انجام دی ہیں ان کی وجہ سے ایسوسی ایشن چاہتی ہے، کہ آپ پریذیڈنٹ کا عہدہ قبول فرمائیں۔ اگرچہ قبل ازیں کئی بار آپ یہ درخواست قبول کرنے سے معذوری کا اظہار فرما چکے تھے مگر اس مرتبہ آپ نے ازراہِ شفقت پریذیڈنٹ شپ منظور فرما لیا۔ چنانچہ آپ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۴۴ہش/۱۹۶۵ء یعنی منصب خلافت پر فائز ہونے تک ایسوسی ایشن کے صدر رہے اور ہمیشہ بلا مقابلہ منتخب ہوتے رہے۔[2]

پانچواں آل پاکستان ٹورنامنٹ پہلے سے بھی زیادہ شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا۔ اس دفعہ کھیل پہلی بار رات کے وقت بجلی کی روشنی میں ہوا۔ اور کلب سیکشن میں کراچی یونیورسٹی، زرعی یونیورسٹی اور ایئر فورس کی ٹیمیں پہلی بار شامل ہوئیں۔ ایسوسی ایشن کے نمائندے، انتظامیہ کے ممبر اور پنجاب ٹیم کی انتخابی کمیٹی کے تمام ارکان کے علاوہ دور و نزدیک سے سینکڑوں شائقین نے نہایت دلچسپی اور دلجمعی سے کھیل دیکھا

---

[1] یاد رہے ۱۳۳۵ہش/۱۹۵۶ء سے لیکر تبوک/ستمبر ۱۳۴۱ہش/۱۹۶۲ء تک تعلیم الاسلام کالج باسکٹ بال کی صدارت کے فرائض پروفیسر نصیر احمد خان صاحب نے انجام دیئے آپ کی انگلستان کو بغرض تعلیم روانگی پر پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب نے اس کی باگ ڈور سنبھال لی اور نہایت محنت، شوق اور کامیابی کے ساتھ اُسے چلا رہے ہیں۔

[2] حضرت صاحبزادہ صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے ٹورنامنٹ میں نظم و ضبط اور انصاف کے قیام کے لئے جو گرانقدر مساعی کیں ان کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ بطور نمونہ صرف ایک واقعہ پروفیسر نصیر احمد خان صاحب کے قلم سے درج کیا جاتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ "ایک سالانہ ٹورنامنٹ کے موقعہ پر جبکہ ملک کی دو مشہور ٹیموں کے درمیان سخت مقابلہ ہو رہا تھا اور ہار جیت کا فیصلہ ایک ایک پوائنٹ سے بدل رہا تھا ایک ٹیم نے ریفری کے فیصلہ کے خلاف احتجاجاً کھیل بند کر دیا اور ریفری کے فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ خاکسار نے صورت حال سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ ریفری کی عزت اور وقار کو بحال رکھنا ہمارا فرض ہے۔ اعلان کر دو کہ پانچ منٹ کے اندر اندر ٹیم میدان میں آجائے ورنہ اُسے ٹورنامنٹ میں کھیلنے کی اجازت نہیں دی جائیگی۔ یہ اعلان مؤثر ثابت ہوا۔ اور کھیل حسب سابق اطمینان کے ساتھ کھیلا جانے لگا"

اور خوب داد دی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے سنٹرل امپیچیور باسکٹ بال ایسوسی ایشن کے صدر کی حیثیت سے انعامات تقسیم فرمائے۔

چھٹا سالانہ ٹورنامنٹ اپنی گذشتہ روایات کے مطابق کامیابی کے ساتھ انعقاد پذیر ہوا۔ اور انعامات کی تقسیم پروفیسر خواجہ غلام صادق صاحب چیئرمین سنٹرل امیچیور باسکٹ بال ایسوسی ایشن نے کی۔

ساتواں ٹورنامنٹ جو کالج میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی سربراہی کے مبارک زمانہ کا آخری ٹورنامنٹ تھا، ۲۵-۲۶-۲۷ تبلیغ / فروری ۱۳۴۴ھش/۱۹۶۵ء کو منعقد ہوا۔ کُل ۲۶ ٹیموں نے شرکت کی اور حضرت صاحبزادہ صاحب نے بحیثیت پرنسپل و صدر سنٹرل ایسوسی ایشن لوائے پاکستان اور کالج کا جھنڈا لہرایا۔ اس موقعہ پر جن اصحاب نے پیغامات ارسال کئے ان میں ملک امیر محمد خاں گورنر مغربی پاکستان، خواجہ عبدالحمید صاحب ڈائریکٹر تعلیمات راولپنڈی ریجن، ونگ کمانڈر ایچ۔ اے صوفی سکرٹری سپورٹس کنٹرول بورڈ گورنمنٹ آف مغربی پاکستان، پروفیسر خواجہ محمد اسلم پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور اور سید پناہ علی شاہ انسپکٹر آف سکولز لاہور ڈویژن، خاں محمد عادل خاں ڈائریکٹر آف سپورٹس پشاور یونیورسٹی بالخصوص قابل ذکر تھے۔
اس ٹورنامنٹ کی تصاویر (مع پیغام و تصویر ملک امیر محمد خاں گورنر مغربی پاکستان) دو دفعہ ٹیلی ویژن پر دکھائی گئیں۔ اسی طرح لاہور ریڈیو پر مقامی اور قومی خبروں میں بھی اس کا اعلان نشر کیا گیا۔

۸ نبوت / نومبر ۱۳۴۴ھش/۱۹۶۵ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب منصب خلافت پر فائز ہوئے اور خلافت ثالثہ کے مبارک عہد کا آغاز ہوا تو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہ کرم اپنے اسم گرامی سے ٹورنامنٹ کو منسوب کئے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ آئندہ سے یہ مقابلے پہلے سے بھی زیادہ جوش و خروش سے "ناصر باسکٹ بال ٹورنامنٹ" کے نام سے ہونے لگے۔[۱]

کُل پاکستان اُردو کانفرنس کا انعقاد

باسکٹ بال ٹورنامنٹ سے اگر کھیلوں کی دنیا میں کالج کا شہرہ عام ہوا تو ادب اردو کے حلقوں میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی "کُل پاکستان اردو کانفرنس" نے دھوم مچادی۔

ربوہ میں اپنی نوعیت کی پہلی کامیاب کانفرنس جو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج کی خداداد ذہانت، بلند پایہ نفیس ادبی ذوق اور بہترین علمی قیادت و سیادت کی آئینہ دار اور پروفیسر

---

[۱] تعلیم الاسلام کالج کی سالانہ رپورٹوں سے ملخصاً

محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے صدر شعبہ اردو اور پروفیسر ناصر احمد صاحب پروازی معتمد مجلس استقبالیہ اردو کانفرنس اور ان کے دوسرے رفقاء کی انتھک جدوجہد کا نتیجہ تھی، ۱۸؍ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۴۳ ہش / ۱۹۶۴ء کو تعلیم الاسلام کالج کے وسیع ہال میں منعقد ہوئی جس میں ۷۵ کے قریب نامور ادباء اور شعراء نے شرکت کی علاوہ ازیں مختلف کالجوں کی طرف سے بھی پچیس ۲۵ کے قریب مندوبین شامل ہوئے۔ کانفرنس کی کارروائی تلاوت سے شروع ہوئی۔ بعدازاں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس استقبالیہ نے اپنے پُراثر خطبہ[1] میں ارشاد فرمایا:۔

"اس کانفرنس کے مقاصد خالصۃً تعمیری اور مثبت ہیں۔ ہم اردو کا مینار تخریب کی منفی اقدار پر استوار نہیں کرنا چاہتے۔ ہمارے نزدیک سلبی اندازِ فکر ذہنی افلاس کی علامت ہے۔ زندہ قوموں کی ہزار پہلو ضروریات اپنے اپنے مقام اور محل پر سب کی سب اہم اور ناقابل تردید حیثیت کی حامل ہوا کرتی ہیں۔ لیکن ہمارا موقف یہ ہے کہ ان جملہ قومی تقاضوں کو ضروری خیال کرتے ہوئے بھی میزانِ عدل کا توازن برقرار رکھا جاسکتا ہے اور اردو کو وہ ارفع مقام دیا جاسکتا ہے جو اس کا واجبی حق ہے۔

یہ ایک عظیم قومی حادثہ ہے کہ زبان کا مسئلہ جو خالصۃً قومی اور علمی سطح پر حل کیا جانا چاہیئے تھا، سیاسی نعرہ بازی اور مہمل جذبات کا شکار ہو کر رہ گیا اور سترہ سال کا طویل عرصہ بے کار مباحث اور مجرمانہ غفلت کے ہاتھوں ضائع ہوگیا۔ ہم تو سُنتے آئے تھے کہ ہمارے معروف "ساغر" کا ایک دَور "صد سالہ دَورِ چرخ" کے ہم پلہ ہوا کرتا ہے اور رند جب میکدہ سے نکلتے ہیں تو دُنیا بدلی ہوئی پاتے ہیں۔ لیکن یہاں سترہ سال کے بعد بھی

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ سہل انگاری اور خوش فہمی کے گنبد سے نکل کر ہم حقائق کی دُنیا میں قدم رکھیں۔ ٹھنڈے دل سے اپنی مشکلات کا جائزہ لیں اور سنجیدگی سے اپنے تعلیمی، تدریسی، علمی، ادبی، لسانی اور طباعتی مسائل کا حل تلاش کریں۔ زبان و بیان، تلخیص و ترجمہ، رسم الخط اور اسی قسم کے دیگر عقدوں کی گرہ کشائی کی کوشش کریں۔ ایسا لائحہ عمل بنائیں اور اس کی تشکیل ایسے

[1] کانفرنس میں آپ کی طرف سے یہ خطبہ استقبالیہ پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے صدر شعبۂ اردو نے پڑھا۔

خطوط پر کریں جس سے یہ گومگو کی کیفیت ختم ہو اور اس ذہنی دھند سے نجات ملے۔

اس جگہ اس امر کا اظہار بھی غیر مناسب نہ ہو گا کہ اُردو کے ساتھ جماعت احمدیہ کا ایک پائیدار اور رُوحانی رشتہ بھی ہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی اکثر تصانیف اُردو ہی میں ہیں۔ اس لئے اردو زبان عربی کے بعد ہماری محبوب ترین زبان ہے۔ اسی لئے ساری دُنیا میں جہاں جہاں احمدیہ مشن یا احمدی مسلمان موجود ہیں وہاں اردو سیکھی اور سکھلائی جا رہی ہے۔ زبان اردو کی یہ ٹھوس اور خاموش خدمت ہے جو جماعت احمدیہ دُنیا کے گوشے گوشے میں کر رہی ہے۔ اردو ہماری مذہبی زبان ہے۔ یہ ہماری قومی زبان ہے۔ یہ ہماری آئندہ نسلوں کی زبان ہے۔ یہ وہ قیمتی متاع ہے جو ہمیں ہمارے اسلاف سے ورثہ میں ملی ہے۔ اسے اس قابل بنائیے کہ ہماری آئندہ نسلیں اس ورثہ کو سرمایۂ افتخار تصور کریں اور اس پر بجا طور پر ناز کر سکیں اور ہماری طرح گونگی اور "بے زبان" ہو کر نہ رہ جائیں۔

اُردو ایک زندہ قوم کی زندہ زبان ہے۔ ادبیات کی اہمیت مسلّم لیکن یہ نہ بھولئے کہ اردو زبان کا یہ بھی حق ہے کہ شعر و ادب کے روایتی اور محدود دائرے سے باہر نکلے اور زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہو جائے۔ ساری دُنیا کے دلوں پر اس کی حکومت ہو۔ قومیں اسے لکھیں، بولیں اور اس پر فخر کریں اور بین الاقوامی زبانوں کی محفل میں اردو بھی عزت کے بلند پایہ مقام پر سرفراز ہو۔

ان دُعائیہ الفاظ کے ساتھ مَیں ایک بار پھر اپنے دوستوں اور بزرگوں کو اَهْلًا وَّسَهْلًا وَّمَرْحَبًا کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدُعا ہوں کہ وہ ہم سب کو ایسا اندازِ فکر عطا فرمائے، اور اس نہج پر کام کرنے کی توفیق دے جو نہ صرف زبان اردو کے لئے بلکہ ہمارے لئے اور ہماری آنے والی نسلوں کے لئے خیر و برکت کا باعث ہو۔ اللّٰھم آمین" [۱]

خُطبہ استقبالیہ کے بعد معتمد مجلس استقبالیہ اردو کانفرنس نے اختر حسین صاحب صدر انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی اور اشتیاق حسین صاحب قریشی رئیس الجامعہ جامعہ کراچی کے پیغامات سُنائے جو انہوں نے خاص اس موقع کے لئے بھیجے تھے۔ ان پیغامات کے علاوہ سیدنا المصلح الموعود کے اس پیغام کے اقتباسات بھی سُنائے جو حضور نے ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء میں دانش گاہ پنجاب میں منعقد ہونے والی کانفرنس کے

[۱] "ذکر اردو" صفحہ ۱ تا ۵ ناشر تعلیم الاسلام کالج۔

نام ارسال فرمایا تھا۔ ازاں بعد حضرت مصلح موعودؓ کا رقم فرمودہ ادبی مقالہ " اردو رسائل زبان کی کس طرح خدمت کر سکتے ہیں؟ " کے موضوع پر پڑھا گیا۔ حضور کا یہ قیمتی مقالہ برصغیر پاک و ہند کے ادیب شہیر احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادی نے اپنے رسالہ " ادبی دُنیا " (مارچ ۱۹۳۱ء) میں حضور کا فوٹو دے کر شائع کیا تھا۔ اس زمانہ میں رسالہ " ادبی دُنیا " کے نگران اعلیٰ سر عبدالقادر مرحوم تھے۔

اس یادگار مقالہ کے بعد جو گویا اس پوری کانفرنس کی رُوحِ رواں تھا۔ وزیر آغا ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی نے اپنا فاضلانہ خطبۂ افتتاح پڑھا جس میں تعلیم الاسلام کالج کو ادبی کانفرنس منعقد کرنے پر شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے کہا:-

" اُردو زبان کی ترویج و اشاعت کے لئے یُوں تو بہت سے اقدامات ضروری ہیں لیکن اس سلسلہ میں اُردو کانفرنسوں کا انعقاد ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ہمارے ملک میں بالعموم ہر تحریک نہ صرف بعض بڑے ثقافتی مراکز سے جنم لیتی ہے بلکہ پروان چڑھنے کے بعد وہیں کی ہو کر رہ جاتی ہے اس سے تحریک میں وہ کشادگی اور وسعت پیدا نہیں ہوتی جو اس کی پوری کامیابی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اردو زبان کی ترویج کے سلسلہ میں جو تحریکات وجود میں آئیں وہ عام طور پر لاہور اور کراچی ایسے مراکز ہی سے وابستہ ہیں۔ تعلیم الاسلام کالج نے اس انجماد کو توڑا ہے اور اردو کانفرنس کے انعقاد سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ اب اُردو کے لئے محبت اور اردو کو قومی زبان کا درجہ دینے کی آرزو بڑے بڑے مراکز تک ہی محدود نہیں رہی گویا اس خوشبو کی طرح جو دیوارِ چمن کو پار کرتی ہے اُردو زبان کی ترویج و اشاعت کی تحریک بھی اُونچی اُونچی دیواروں کو پار کر کے افق کے پہاڑوں سے ٹکرائی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے جو مبارک قدم اُٹھایا ہے اس کی ملک کے طول و عرض میں عام طور سے تقلید ہوگی اور ہم اردو زبان کو ملک کے دُور دراز گوشوں تک پہنچا سکیں گے۔ آپ کی یہ اُردو کانفرنس اس لئے بھی اہم ہے کہ اس کے پسِ پشت اُردو زبان کے لئے بے پناہ محبت کے سوا کوئی اور جذبہ موجزن نہیں ہے اور آپ نے پنجاب کے اس دیہاتی علاقہ میں منعقد کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اُردو زبان پنجاب کے دور دراز گوشوں میں بھی ویسی ہی مقبول ہے جیسی کہ اُردو کے بڑے بڑے مراکز میں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے اُردو کانفرنس کے منعقد کرنے کی جو روایت قائم کی ہے اسے ہمیشہ جاری رکھیں گے اور مجھے امید ہے کہ ہمارے ملک کے دوسرے ادارے اِس

سلسلہ میں آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی پوری کوشش کریں گے۔[۱]

اس خطبہ افتتاح کے بعد کانفرنس کی دو نشستوں میں مندرجہ ذیل موضوعات پر تحقیقی اور فکر انگیز مقالے پڑھے گئے:۔

۱۔ اُردو میں سائنسی تدریس (پروفیسر شیخ ممتاز حسین صاحب صدر شعبہ اُردو زراعتی یونیورسٹی لائل پور)

۲۔ اُردو میں قانونی تدریس (خضر تمیمی صاحب ایڈووکیٹ ہائیکورٹ لاہور)

۳۔ اُردو میں دخیل الفاظ کا مسئلہ (ڈاکٹر سہیل بخاری صاحب سرگودھا)

۴۔ اُردو بحیثیت تدریسی زبان (پروفیسر سید وقار عظیم صاحب شعبہ اردو دانش گاہ پنجاب)

۵۔ غیر ممالک میں احمدی اُردو کی کیا خدمات انجام دے رہے ہیں (مولانا نسیم سیفی صاحب سابق رئیس التبلیغ مغربی افریقہ)

۶۔ ادب اور زندگی کا رشتہ (سید سجاد باقر صاحب رضوی شعبہ اُردو دانش گاہ پنجاب)

۷۔ اُردو بحیثیت قومی زبان (ڈاکٹر وحید قریشی صاحب)

ان ادباء کے علاوہ جامعہ احمدیہ کے تین غیر ملکی طلبہ یوسف عثمان صاحب (افریقہ) عبد القاھر صاحب (ترکستان) اور عبدالرؤف صاحب (فجی) نے "ہمیں اُردو سے کیوں محبت ہے" کے عنوان پر مضمون پڑھے۔ مہمانوں کے لئے یہ عجیب بات تھی کہ غیر ملکی طلبہ ایسی شستہ اُردو بول رہے ہیں۔[۲] الغرض یہ پہلی اُردو کانفرنس ہر لحاظ سے حد درجہ کامیاب رہی

دوسری اُردو کانفرنس

۱۴ اخاء/اکتوبر ۱۳۴۶ہش/۱۹۶۷ء کو کالج میں دوسری آل پاکستان اُردو کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مغربی پاکستان کی تین یونیورسٹیوں اور متعدد تعلیمی اداروں اور ادبی تنظیموں کے ۴۸ خصوصی نمائندے شریک ہوئے خطبہ افتتاح ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی نے دیا اور جسٹس اے۔آر۔ کارنیلیس چیف جسٹس پاکستان، جناب اختر حسین صاحب صدر انجمن ترقی اُردو پاکستان، ممتاز حسن صاحب سابق مینجنگ ڈائریکٹر نیشنل بنک آف پاکستان اور جناب پروفیسر حمید احمد خاں صاحب نے خصوصی پیغامات ارسال کئے۔

---

[۱] "ذکر اردو" صفحہ نمبر ناشر تعلیم الاسلام کالج۔

[۲] "الفضل" ۲۲ اخاء/اکتوبر ۱۳۴۵ہش/۱۹۶۶ء صفحہ ۷۔ کانفرنس میں پڑھے جانے والے تمام مقالے "ذکر اردو" کے نام سے تعلیم الاسلام کالج کی طرف سے شائع شدہ ہیں۔

اس دو روزہ کانفرنس میں زبان، ادب، صحافت اور تدریس کے پچاس موضوعات پر ۴۳ مقالے پڑھے گئے اور باقی سات مقالے اشاعت کے لئے پیش کئے گئے۔ کانفرنس میں دو مذاکرے بھی منعقد ہوئے۔ ان میں سے ایک مذاکرہ "اردو میں سائنسی تدریس کی مشکلات اور ان کا حل" کے موضوع پر ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر ظفر علی صاحب ہاشمی وائس چانسلر زرعی یونیورسٹی لائلپور نے کی۔ دوسرے مذاکرہ کا موضوع "جدید اُردو شاعری کے رجحانات" تھا۔ اس میں صدارت کے فرائض سید وقار عظیم صاحب صدر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی نے ادا کئے۔ کانفرنس کا ایک اجلاس محسنینِ اُردو کے تذکرہ کے لئے وقف تھا جس میں حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب، حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (المصلح الموعود)، علامہ نیاز فتحپوری اور مولانا صلاح الدین احمد کی خدمات اور کارناموں پر ٹھوس مقالے پڑھے گئے۔[۱][۲]

فصل ششم

کالج میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا قائم فرمودہ مثالی نظام تعلیم و تربیت اس کی بنیادی خصوصیات اور ہمہ گیر اثرات

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کے ذہن مبارک میں تعلیم الاسلام کالج کے عروج و ارتقاء اور شاندار مستقبل کی نسبت جو نقشہ قیام کالج کے وقت موجود تھا وہ اپنی تفصیلات و مضمرات کے اعتبار سے بین الاقوامی نوعیت کا حامل ہے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ

---

[۱] "الفضل" ۲۸ اخاء / اکتوبر ۱۳۴۶ ہش / ۱۹۶۷ء

[۲] دوسری کانفرنس میں مقالے پڑھنے والوں کی فہرست یہ ہے:- سید قدرت نقوی۔ ایڈووکیٹ ظفر چوہدری (ان کا مضمون سکواڈرن لیڈر امداد باقر رضوی نے پڑھا)۔ یعقوب احمد۔ سید عابد علی عابد۔ مکرم شیخ محمد اسماعیل پانی پتی۔ طفیل احمد قریشی۔ ڈاکٹر نصیر احمد خاں۔ ڈاکٹر سید نذیر احمد سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور (مندوب پنجاب یونیورسٹی)۔ ڈاکٹر محمد عبد العظیم صدر شعبہ کیمیا گورنمنٹ کالج لاہور (مندوب پنجاب یونیورسٹی)۔ میجر آفتاب حسن ناظم ادارہ تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی (مندوب کراچی یونیورسٹی)۔ محمد حیات خاں سیال۔ ڈاکٹر اسد علی ادیب۔ علامہ لطیف انور - عاطر ہاشمی۔ اعجاز فاروقی۔ جیلانی کامران۔ غلام جیلانی اصغر۔ ڈاکٹر وزیر آغا۔ غلام حسین اظہر۔ عبد السلام اختر۔ سمیع اللہ قریشی۔ سید سجاد باقر رضوی۔ عبد الرشید اشک۔ عبد الرشید تبسم۔ ثاقب زیروی۔ نسیم سیفی۔ آغا محمد باقر۔ مسعود احمد خاں دہلوی۔ ڈاکٹر فرباز فتحپوری۔

اس نقشہ کی عملی تشکیل و تعمیر کے لئے مسلسل اکیس برس (۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء تا ۱۳۴۴ہش/۱۹۶۵ء) تک سرتا پا وقف اور مجسم جہاد بنے رہے اور قریباً ربع صدی کی بے پناہ کاوشوں اور معرکہ آرائیوں کے بعد خدا کے فضل اور حضرت مسیح موعود کی دُعاؤں اور حضرت مصلح موعود کی قوت قدسیہ کے نتیجہ میں کالج کو ایک قابل رشک مخصوص اور امتیازی مقام تک پہنچا دیا اور اس کی بنیادیں ایک ایسے طریق تعلیم اور نظام تربیت پر استوار کیں جو روح و جسم اور علم و عمل پر حاوی اور دین و دُنیا کے حسین امتزاج کا بہترین نمونہ ہے۔

آپ نے اس اسلامی درس گاہ میں جو مثالی نظام تعلیم و تربیت رائج فرمایا وہ اپنے اندر متعدد خصوصیات رکھتا ہے جن میں سے پانچ حد درجہ نمایاں ہیں اور کالج کی مقدس اور ناقابل فراموش روایات بن چکی ہیں۔

پہلی خصوصیت آپ کے قائم کردہ نظام کی یہ تھی کہ آپ نے اپنے پاک نمونہ سے کالج کے اساتذہ میں زبردست رُوح پھُونکی کہ وہ طلبہ کو قوم کا عظیم سرمایہ یقین کرتے ہوئے ان کے ساتھ شفیق باپ سے بھی بڑھ کر محبت کرتے، اُن کی بہبود اور ترقی میں ذاتی طور پر دلچسپی لیتے، اُن کی جائز ضروریات پوری کرتے، اُن کے دُکھ سُکھ میں شریک ہوتے، ہر وقت بے لوث خدمت میں لگے رہتے اور پوری توجہ اور کوشش کے ساتھ بچوں کی رہبری اور رہنمائی میں مصروف رہتے تھے۔

دوسری خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے کالج کی قیادت اس رنگ میں فرمائی کہ طلبہ و اساتذہ اسلامی اقدار کے حامل بنیں اور ہمیشہ ہی غلط قسم کی سیاست سے کنارہ کش اور ہڑتالوں اور دوسری مغربی بدعات سے متنفر رہیں۔ چنانچہ کالج کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ قادیان، لاہور اور ربوہ تینوں جگہ یہ انسٹی ٹیوشن ہمیشہ ہی ذہنی تکدر اور سیاسی بے راہ روی سے ہر طرح محفوظ و مصئون رہی ہے اور یہ وہ خصوصیت اور امتیاز ہے جس میں تعلیم الاسلام کالج اس زمانہ میں نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ دُنیا بھر کے کالجوں میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

تیسری خصوصیت اس نظام تعلیم و تربیت کی یہ تھی کہ اس درسگاہ کا فکر و عمل ہمیشہ مذہب و ملت کی تفریق سے بالا رہا ہے۔ ہر طالب علم خواہ وہ کسی مذہب، کسی فرقہ یا سیاسی جماعت سے ہی تعلق کیوں نہ رکھتا ہو ہر قسم کی جائز سہولتیں حاصل کرتا ہے اور اس کالج کے اساتذہ ہر طالب علم کی جسمانی اور ذہنی نشو و نما کی طرف پُوری طرح متوجہ رہتے تھے۔

چوتھی خصوصیت اس میں یہ تھی کہ یہاں امیر و غریب میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا تھا۔ ایک غریب کی عزت و احترام کا ویسا ہی خیال رکھا جاتا تھا جیسا کہ کسی امیر طالب علم کا، اور اساتذہ ہر

اس طالب علم کی قدر کرتے تھے جو علمی شوق رکھتا ہو اور علم کی وسیع شاہراہ پر بشاشت اور محنت کے ساتھ آگے بڑھنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ سے آپ کو ابتداء ہی سے اسلامی نظام اقتصادیات سے غیر معمولی دلچسپی، لگاؤ اور شغف رہا ہے اور آپ نے ہر ممکن جد وجہد فرمائی کہ کالج کے نظام تعلیم و تربیت سے اس نظام کو زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ کیا جائے۔ اس بناء پر آپ نے ہمیشہ سادگی پر زور دیا اور طلباء کے اخراجات کو کم سے کم رکھنے کو اپنا ضروری فرض سمجھا تاکہ غریب طالب علم کو اپنی غربت کا احساس نہ رہے۔ اور امیر اپنی امارت جتانے میں حجاب محسوس کرے۔ آپ کے اسی طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ کالج کے بعض غریب طلبہ کسی قسم کے احساس کمتری کا شکار ہوئے بغیر اپنے فارغ اوقات میں محنت اور مزدوری کر کے اپنے تعلیمی اخراجات برداشت کرتے تھے اور آپ بھی اور دوسرا سٹاف بھی ان محنتی اور ہونہار طلبہ کی ہر رنگ میں حوصلہ افزائی اور قدر دانی فرمایا کرتے تھے۔

پانچویں خصوصیت۔ آپ نے تعلیم و تربیت کی ظاہری تدابیر کو انتہا تک پہنچانے کے باوجود اُن پر کبھی انحصار نہیں کیا اور ہمیشہ خود بھی ہر مرحلے پر دعاؤں سے کام لیا اور اپنے رفقاء کار میں بھی اس کا ذوق و شوق پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اُن میں یہ احساس پختگی کے ساتھ قائم کر دیا کہ محض ظاہری دیکھ بھال اور تربیت کافی نہیں۔ ہمارے بچوں کا پہلا اور آخری حق ہم پر یہ ہے کہ ہم دُعاؤں کے ساتھ اُن کی مدد کرتے رہیں۔

یہاں بطور نمونہ کالج کے اساتذہ اور طلبہ سے متعلق خود آپ کے بعض دعائیہ کلمات درج کئے جاتے ہیں جن سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوگا کہ آپ اس ادارہ کو رفعتوں کے کتنے بلند ترین مقام تک لے جانے کے ہمیشہ متمنی اور آرزو مند رہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور آپ نے ۱۳۳۳ ہش / ۱۹۵۴ء میں دُعا کی کہ

"اے قادر و توانا خدا! اے حقائق اشیاء کو پیدا کرنے والے اور ان حقائق و رموز کو انسانی دل پر الہام کرنے والے خدا! تو ہماری ان ناچیز مساعی کو قبول فرما اور ہماری تضرعات کو سُن اور ہم پر اور ہماری اولاد پر علم کے وسیع دروازوں کو ہر پہلو سے کھول دے۔ علم کی روشنی سے ہمارے دل اور دماغ کو منور کر۔ اور علم و معرفت کی غیر محدود طاقت سے ہمارے عمل میں ایک نئی رُوح اور ہماری مساعی میں ایک نئی زندگی پیدا کر کہ ہم اور ہماری نسلیں تیرے عطا کردہ علم اور تیری بخشی ہوئی معرفت سے پُر ہو کر تجھ ہی سے دُعائیں کرتے ہوئے جس میدانِ عمل میں بھی داخل ہوں سب پر

سبقت لے جائیں۔ اے خدا! تُو خود اس نوشگفتہ نسل کے دل و دماغ کو رموز قیادت و مسابقت سے آشنا کر۔ اور ان کے عمل اور مساعی میں تیزی اور جولانی پیدا کر اور انہیں دُنیا کا ہمدرد بنا، دُنیا کا خادم بنا، دُنیا کا محسن بنا، اور دُنیا کا رہبر بنا، قوم کا نام ان کے کام سے چمکے۔ انسانیت کا چہرہ اُن کی رُوحانیت سے منور ہو اور تیری صفات ان کے کمالات سے ظاہر ہوں"[1]

نظام تعلیم و تربیت کا ایک جامع نقشہ

کالج کے نظام تعلیم و تربیت کی بنیادی خصوصیات کی نشاندہی کرنے کے بعد مناسب ہوگا کہ ہم حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج کے مبارک الفاظ میں اس درسگاہ کے تعلیمی و تربیتی اعتبار سے پاکیزہ ماحول کا ایک نقشہ قارئین کے سامنے رکھ دیں۔ اس نقشہ سے نہایت جامعیت کے ساتھ پانچوں خصوصیات کی جھلک پُوری طرح نمایاں ہو جاتی ہے۔ سال ۱۳۴۳ ہش/۱۹۶۴ء میں فرمایا:۔

"ہمارے طلبہ اور ہمارے اساتذہ تعلیم و تربیت کو ایک مقدس فرض تصور کرتے ہیں۔ ہمارے پاس بُرے بھلے ہر قسم کے طلبہ آتے ہیں۔ ایک باپ کی حیثیت سے سزائیں بھی دینی پڑتی ہیں اور ایک باپ ہی کی محبت کا سلوک کرنا پڑتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان عزیزوں کے لئے صحت افزا ذہنی، اخلاقی اور جسمانی فضا مہیا کرنا، ان کی شخصیتوں کے جملہ پہلوؤں کو اجاگر کرنا اور علمی اور اخلاقی نشو و نما کی جملہ سہولتیں بہم پہنچانا ہمارا فرض ہے۔ ہمارے نزدیک مسجد کے بعد مدرسے کا تقدس ہے اور ہماری اس درسگاہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے تعلیم و تربیت کے فرائض عبادت کے رنگ میں سرانجام دیئے جاتے ہیں جہاں رنگ اور مذہب، افلاس اور امارت، اپنے اور بیگانے کی کوئی تفریق نہیں۔ جہاں طلباء مقدس قومی امانت ہیں۔ جہاں ماحول خالص اسلامی اور اخلاقی ہے نہ کہ سیاسی۔ جہاں منتہائے مقصود خدمت ہے نہ کہ جلب منفعت۔ جہاں غریبی عیب نہیں اور امارت خوبی نہیں۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

. . . . . ایسے عظیم اور مثالی ادارے کی کماحقہٗ حوصلہ افزائی بھی ضروری ہے جس کے ذرّے ذرّے پر اس کے فدائی اساتذہ اور طلباء نے خونِ دل سے محنت اور اخلاص کی داستانیں لکھی ہیں۔ یہاں اساتذہ سستی شہرت کی خاطر اپنے فرائض کے تلخ پہلوؤں سے اغماض

---

[1] سالانہ روئداد تعلیم الاسلام کالج ۱۳۳۹-۴۰ ہش/۱۹۶۰-۶۱ء صفحہ ۱۶۔

نہیں برتتے اور نہ ہی طلباء سٹرائیک کی قسم کے غیر اسلامی اور غیر اخلاقی ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ یہاں نہ صرف ملک کے گوشے گوشے بلکہ غیر ممالک سے بھی ہر مذہب و خیال کے طلباء اس پُرسکون، سادہ اور پاک ماحول سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں"[1]

"تعلیم الاسلام کالج ایک بین الاقوامی حیثیت کا حامل ہے۔ کالج کے طلبہ کا حلقہ انڈونیشیا، برما، تبت، ہندوستان، مغربی افریقہ، مشرقی افریقہ، سومالی لینڈ اور بحرین وغیرہ ممالک تک پھیلا ہوا ہے"۔

"ہمارے طلبہ میں سچائی، محنت، خدمت خلق، غیرت قومی، خدمتِ دین، امانت دیانت اور دیگر اخلاق فاضلہ صرف موجود ہی نہیں بلکہ ان کا معیار بھی کافی بلند ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ جس معیار کی تعلیم دینے اور جس طرح کے طلبہ پیدا کرنے کی کوشش اس کالج میں ہو رہی ہے اس کے پیش نظر نہ صرف اس کالج کی بلکہ اس جیسے سینکڑوں کالجوں کی ملک و قوم کو ہر وقت ضرورت رہے گی اور ہمارے طلبہ انشاء اللہ تعالیٰ آنے والے سالوں میں تعلیمی، علمی اور اخلاقی میدان میں مثالی اور قابلِ فخر کردار ادا کریں گے"[2]

"اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں اور کوششوں میں برکت ڈالے اور ہمیں خدمت قوم و بنی نوع انسان کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے"[3]

حضرت مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کی طلبہ کالج سے متعلق یہ پیشگوئی خدا کے فضل و کرم سے حرف بحرف پُوری ہو رہی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

تعلیم و تربیت سے متعلق بعض اہم واقعات

یہ نظام تعلیم و تربیت جس کا خاکہ اوپر کھینچا گیا ہے اپنی تفصیلات کے اعتبار سے ایک مستقل مضمون کا تقاضا کرتا ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ تاہم ذیل میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے اس دورِ زندگی کے بعض اہم واقعات بیان کئے جاتے ہیں جن سے آپ کے انداز تربیت کے بہت سے گوشے نمایاں ہوتے ہیں اور جو دُنیائے اصلاح و تربیت کے لئے چراغِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

---

[1] "المنار" وفا۔ظہور۔تبوک/جولائی۔اگست۔ستمبر ۱۳۴۳ھش / ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۸

[2] "المنار" ہجرت۔احسان/مئی۔جون ۱۳۳۹ھش / ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۷

[3] "المنار" وفا۔ظہور۔تبوک/جولائی۔اگست۔ستمبر ۱۳۴۳ھش / ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۹

طلبہ پر بے مثال شفقت

بلا مبالغہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) نے تعلیم الاسلام کالج کے طلباء کو اپنے خون سے پالا ہے اور ان کے ساتھ ہمیشہ اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر محبت کی ہے۔ جناب پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد ایم۔ اے کا بیان ہے کہ

"ایک دفعہ خاکسار نے لاہور میں ۱۹۵۰ء یا ۱۹۵۱ء میں آپ سے عرض کیا کہ ڈسپلن کیسے رہے ہم اساتذہ طلباء کی غفلتوں پر بعض اوقات جرمانہ کی سزا دلواتے ہیں مگر آپ اُسے معاف فرما دیتے ہیں۔ آپ نے جواباً تحریر فرمایا۔

اگر طلبہ کے لئے میرے دل میں خدا تعالیٰ نے رحم ڈالا ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ باقی حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ۔ ناصر احمد"

(عکس)

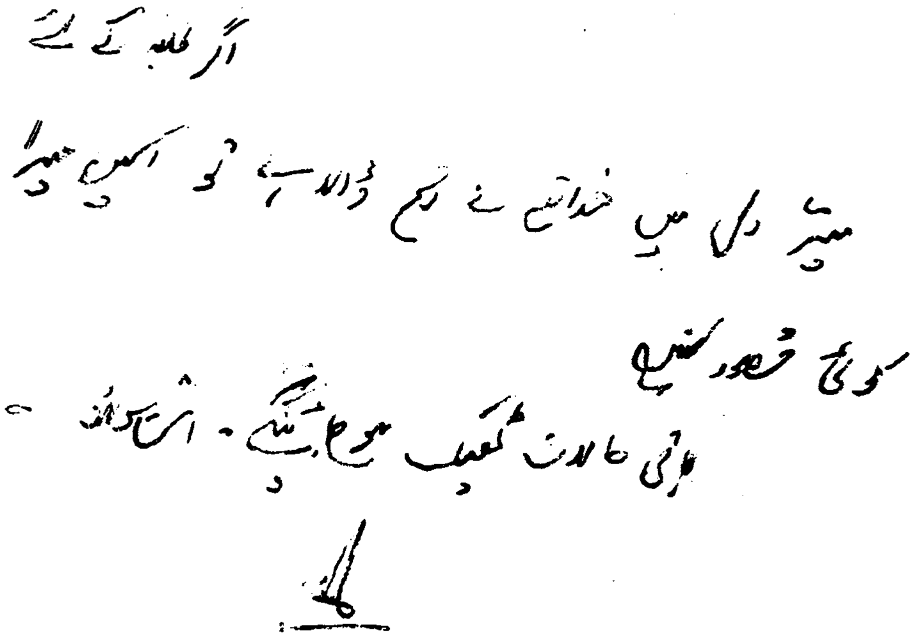
اگر طلبہ کے لئے
میرے دل میں خدا تعالیٰ نے رحم ڈالا ہے تو اس میں میرا
کوئی قصور نہیں
باقی حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ

تادیب، دلداری اور ذاتی تعلق

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے لکھتے ہیں:۔

"آپ کالج اور ہوسٹل کی تفصیلی نگرانی فرماتے اور ہر معاملے میں ہم خدام کو ان کی بابرکت رہنمائی حاصل ہوتی۔ سزا بھی دیتے لیکن کراہت کے ساتھ۔ لیکن جہاں سزا ضروری ہوتی اسے ضرور دیتے۔ مجھے یاد ہے۔ ایک دفعہ ایک طالب علم کو بدنی سزا

دی جانے لگی۔ ہال میں طلبہ اکٹھے ہوئے۔ اس عاجز سے ارشاد فرمایا کہ سزا دو۔ جب سزا کا نفاذ ہونے لگا تو فرمانے لگے کہ سزا میں نے آپ کو نہیں اس طالب علم کو دی ہے اور خود باقی سزا اپنے ہاتھ سے نافذ کی۔ آجتک واقعہ کا اثر دل پر ہے۔ بعد میں کبھی جب سزا دی ہے حضور ایدہ اللہ تعالےٰ پر غم کی کیفیت طاری ہوئی ہے، اور کئی بار ایسا ہوا ہے کہ اس تکلیف سے کتنا کتنا عرصہ گھر سے تشریف نہ لاتے"

طلباء آپ سے جو محبت اور عقیدت رکھتے اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ چوہدری محمد بوٹا ایک طالب علم ہوتے تھے جو اب IRRIGATION RESEARCH میں آفیسر ہیں غیر از جماعت ہیں۔ انہوں نے حضور کی خدمت میں عرصے کے بعد جب وہ ایم ایس سی کر چکے تھے اور کالج سے جا چکے تھے خط لکھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ میں اپنا نام تبدیل کرنا چاہتا ہوں اور میرے دل میں چونکہ آپ کی بے حد قدر اور عزت ہے اور مجھے کوئی اور آپ جیسا عظیم انسان نہیں ملا اس لئے آپ کی اجازت سے اپنا نام ناصر رکھنا چاہتا ہوں چنانچہ آج وہ اسی نام سے موسوم ہیں۔

محمد اشرف ایک طالب علم تھے جن پر کالج کے دنوں میں بظاہر سختی ہوئی تھی۔ یورپ کے دورے (۱۹۶۷ء) کے وقت دیوانہ وار حضور کی خدمت میں ایڈنبرا، گلاسگو وغیرہ حاضر رہے۔ طلبہ آپ کے والہ و شیدا تھے اور آپ بھی بیٹوں کی طرح ان سے سلوک فرماتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ آدھی آدھی رات بیمار طلبہ کے سرہانے بیٹھ کر ہاتھ سے چمچے کے ساتھ خود دوائی پلایا کرتے اور تسلیاں دیا کرتے۔ اس شفقت اور محبت کو دیکھ کر دوسرے طلباء کہا کرتے کہ ہمارا بھی بیمار ہونے کو جی چاہتا ہے۔ غریب طلبہ کی بہت دلداری فرماتے کہ ان کی امداد اس رنگ میں ہو کہ اُن کی عزتِ نفس کو ٹھیس نہ لگے۔ جو طلباء مزدوری کر کے پڑھتے اُن کی خاص قدر فرماتے اور ان کا اس محبت سے ذکر فرماتے کہ ایسے طلباء کا فخر سے سر اونچا ہو جاتا۔ غریب طلباء کی غذا، دوا، لباس، سویابین اور پتہ نہیں کیا کیا اُن کے لئے مہیا فرماتے۔ ڈسپلن کے معاملے میں سختی فرماتے اور پھر دلداری بھی فرماتے۔ فرمایا کرتے کہ اُستاد کو باپ اور ماں دونوں کا کام کرنا چاہئیے۔

" سویابین کا بہت شوق تھا اور ہے اور کمزور اور کھلاڑی اور ذہین طلباء کو اس کا حلوا تیار کروا کے کھلایا کرتے اور خوش ہوتے

آپ کا تعلق طلباء سے بیحد محبّت اور تکریم کا ہوا کرتا تھا۔ اُن سے مزاح بھی فرماتے اور بے تکلّف بھی ہوتے لیکن حدود قائم رہتیں۔ خدام الاحمدیہ کے دَور میں کلائی پکڑنے کا شوق تھا میرے علم میں کوئی ایسا شخص یا طالب علم نہیں جو آپ کے مقابلے پر پُورا اُتر سکا ہو اگر یہ عاجز کبھی کوشش کرتا تو دو اُنگلیوں سے کلائی چھڑا لیتے۔ طلباء کسی قسم کا بُعد یا فاصلہ محسوس نہیں کرتے تھے۔ باپ بیٹے کا تعلق تھا جو زندہ اور جاری تھا۔ جب مرحوم مبشّر احمد گکھڑ جو بے حد ہونہار اور نیک اور ذہین طالب علم تھا قتل ہوا۔ اور آپ کی خدمت میں شام کو کراچی میں ضمناً ایک لڑکے مبشّر احمد کی اطلاع کی گئی تو رات گئے غالباً بارہ ایک بجے کا عمل ہوگا کہ آپ کا فون آیا کہ تفصیل بتائی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے نیند نہیں آرہی اور بے حد بے چینی ہے۔ کیا یہ وہی مبشّر احمد تو نہیں جو ہر وقت مُسکراتا رہتا تھا۔ افسوس کہ یہ وہی مبشّر احمد تھا جس کی وفات پر آپ اس طرح بے چین ہوگئے اور آدھی رات کو کراچی سے فون آیا۔

آپ طلبہ کو بلا وجہ ان کے چلبلے پن پر ٹوکتے نہیں تھے اور فرمایا کرتے تھے یہ ان کی صحت کی علامت ہے۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے جو جماعت کے ایک مخلص خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور خود ایک بڑی کار پر ماڈل ٹاؤن سے کالج آیا کرتے تھے آپ کی "ولزلے" کار پر "المنار" میں چھپنے کے لئے انگریزی میں ایک مضمون لکھا۔ مَیں ان دنوں انگریزی حصّے کا نگران تھا۔ مَیں نے شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر مصنّف نے اصرار کیا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب سے پوچھ لیں آپ نے فرمایا۔ یہ تو ضرور چھپنا چاہیئے۔ مَیں نے اسے ذرا نرم کر کے چھاپ دیا۔ جس دن "المنار" شائع ہوا۔ کوئی چند گھنٹے بعد طالب علم کانپتا ہوا میرے پاس آیا۔ کہنے لگا کہ ادھر یہ مضمون شائع ہوا اُدھر میری کار کی ٹکّر درخت سے ہوگئی۔ میری جان بچ گئی۔ مَیں اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کی کار پر استہزاء کا مرتکب ہوا تھا۔ مجھے اس کی سزا مل گئی۔ خدا معاف کرے۔

آپ طلباء کے اجتماعات میں دلی نشاط اور بشاشت سے شامل ہوتے اور حظ اُٹھاتے کشتی رانی (ROWING) کے میچوں میں تقریباً آدھ میل تک کشتی کے ساتھ ساتھ اسی رفتار سے دَوڑ کر حوصلہ افزائی فرماتے اور دوسرے کالجوں کے طلباء بار بار ہم سے کہا کرتے کہ کاش ہمارے پرنسپل بھی ہماری کھیلوں میں اتنی دلچسپی لیں۔ خدا تعالیٰ نے جو رُعب دیا ہوا ہے طلباء اس

کی وجہ سے ڈرتے بھی۔ لیکن وہ یہ جان گئے تھے کہ اگر کوئی خاص سنگین قسم کی قانون شکنی کے مرتکب نہ ہوں تو اس رُعب کے پیچھے علم اور حیا اور محبت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن ہے اس لئے عام جُرمانہ وغیرہ ہوتا تو جا کر معاف کروا لیتے۔ آپ کبھی بے صبری کا اظہار نہ فرماتے سختی کے وقت سختی بھی فرماتے لیکن دل نرمی کی طرف مائل رہتا۔ کھلاڑیوں خصوصاً روئنگ اور باسکٹ بال کے کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی فرماتے اور ان کی تکریم کرتے۔ لیکن اگر کبھی وہ قانون شکنی کرتے تو سختی بھی اتنی ہی زیادہ فرماتے۔ ایک روئنگ کے لڑکے سے غلطی ہوئی جو ہمارا کپتان تھا کبڈی کا کپتان بھی تھا۔ نہایت ذہین طالب علم تھا۔ سکالرشپ ہولڈر تھا۔ اسے اور خرچ بھی دیتے تھے اور آپ کے گھر سے کھانا بھی آیا کرتا اور اس کی خوب خوب ناز برداری ہوتی۔ لیکن جب اس نے کالج کے ایک اُستاد کے ساتھ گستاخی کی تو اُسے دو سال کے لئے کالج سے نکال دیا۔ مَیں نے آپ کو بڑے سے بڑے حادثے پر روتے نہیں دیکھا۔ لیکن مَیں نے دیکھا کہ اس لڑکے کے اخراج از کالج کے فارم پر دستخط فرماتے وقت حضور کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔"

طلبہ کے ساتھ حضرت صاحبزادہ صاحب کی محبت و شفقت اور ہمدردی کے بے شمار واقعات ہیں۔ حال ہی میں آپ نے خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا:۔

"مَیں ایک دفعہ اپنے کالج کے دفتر سے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں مجھے ایک طالب علم ملا جس کے متعلق مجھے علم تھا کہ وہ بڑا محنتی اور ہوشیار طالب علم ہے۔ کوئی مہینے ڈیڑھ تک یونیورسٹی کے امتحان ہونے والے تھے۔ مَیں نے دیکھا کہ اس کا مُنہ زرد اور مُنہ پر دھبے پڑے ہوئے ہیں۔ بیمار شکل ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑا سخت صدمہ پہنچا کہ مَیں نے اس کی صحت کا خیال نہیں رکھا۔ ویسے وہ عام کھانا تو کھا رہا تھا۔ لیکن ایسے کھانے پر اسلام کا اقتصادی نظام نہیں ٹھہرتا۔ مَیں نے سوچا کہ مَیں نے ظلم کیا۔ کشتی رانی کرنے والے طلباء کو تو مَیں سویابین کا حلوہ دیتا ہوں لیکن جو دن رات محنت کرنے والے طلباء ہیں ان کو مَیں سویابین کا حلوہ نہیں دیتا۔ مَیں نے تو بڑی غلطی کی۔ چنانچہ اس کو تو مَیں نے کہا کہ مجھ سے سویابین لے جا کر استعمال کرنا (لیکن بعد میں مَیں نے تمام محنتی طلباء کو سویابین دینے کا انتظام کر دیا) پہلے اسے مناسب حال غذا نہیں مل رہی تھی۔ اب جب اسے مناسب حال غذا ملی تو پندرہ دن کے بعد مَیں نے دیکھا کہ اس کے چہرے

کے دھبے دُور ہو گئے۔ چہرے پر سُرخی آگئی۔ آنکھوں میں زندگی اور توانائی کی علامات نظر آنے لگیں اور وہ امتحان میں بڑی اچھی طرح سے پاس ہوا۔ اچھے نمبر تو وہ ویسے بھی لے لیتا لیکن یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ساری عمر کے لئے وہ بیمار پڑ جاتا۔ کئی ایسے عوارض اُسے لاحق ہو جاتے جن سے چھٹکارا پانا اس کے لئے ناممکن ہو جاتا"

طلبہ کی حوصلہ افزائی اور رُوحِ مسابقت میں اضافہ کیلئے جدوجہد

حضرت صاحبزادہ صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کالج کی سربراہی کے زمانہ میں طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کس طرح اُن میں رُوحِ عمل اور رُوحِ مسابقت کو بیدار کرنے بلکہ بڑھانے میں سرگرم عمل رہے اس کا اندازہ لگانے کے لئے بطور نمونہ ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

شروع ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۳۶ہش/۱۹۵۷ء کا واقعہ ہے کہ لاہور میں کشتی رانی کے مقابلے جاری تھے جس میں حسب سابق تعلیم الاسلام کالج کی ٹیم بھی اپنی روایتی شان کے ساتھ حصہ لے رہی تھی۔ ۵ تبلیغ/فروری کو کالج کی کشتی رانی کی ٹیم کے کیپٹن ناصر احمد صاحب ظفر[1] حضرت مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مغربی پاکستان اوپن روئینگ چیمپئن شپ کے ارکان نے لاہور کے مقامی کالجوں کے لڑکے ہمارے مقابلہ جات کے لئے بطور منصف مقرر کر دیئے ہیں جس سے صورت حال بالکل ہمارے خلاف ہو گئی ہے۔ اس پر حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنے قلم مبارک سے انہیں حسب ذیل پیغام تعلیم الاسلام کالج کی ٹیم کے نام لکھ دیا اور ارشاد فرمایا کہ آپ ٹیم کے سامنے یہ پڑھ کر سُنا دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعلیم الاسلام کالج کے باغیرت نوجوانو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱؎ "الفضل" ۲۳ وفا/جولائی ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء صفحہ ۳ کالم ۲

مجھے بتایا گیا ہے کہ سکول بورڈ کے

منتظمین نے کل کے تصادم میں لاہور کالجز کے طلبہ کو لیڈر

تجویز منظور کیا تھا اور انکا فیصلہ خلاف عقل و انصاف تھی

گوارا [illegible]

پہلے آپکا مقابلہ برادرانہ مقابلہ تھا دوسرے

کالجز کے طلبہ ہمارے لیے ایسے تھے جیسا کہ [illegible]

اور وہ آپکے بھی بھائی ہیں۔ انکے خلاف [illegible]

اس پر ہونا چاہیئے۔ مقابلہ میں ہار جیت ہوگی [illegible]

اور یہ مقابلے ہمیں وہ سبق دیتے ہیں کہ ہم عزت کے

ساتھ جیتنا [illegible] اور وقار کے ساتھ ہارنا

سیکھیں۔ اور آپ نے تو اس سبق کو اچھی طرح جان لیا

مگر اب آپکا مقابلہ اپنے بھائیوں کے

ساتھ نہیں ہم آپ آپکا مقابلہ بے انصافی اور بے ایمانی
کے ساتھ ہے اور ظاہر ہے کہ مقابلہ ہی سے کہ آپ بے ایمانی اور
بے انصافی کو شکست دیں۔ پس آپکا فرض ہے کہ آپ
اپنی قوت اور جوش کا آخری ذرہ خرچ کر کے دوسری شیموں
کے سبب کر چکے ہوئے سے بعد ازاں آپ اور دنیا میں ثابت
کریں کہ بے انصافی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس کے بغیر
آپکی عزت کا تحفظ نہیں ہوگا۔ دل چھوڑنے کا مطلب
عزت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر بے انصافی اور
آپکو سب سے آخر میں رکھ تو آپکی عزت کو دھبہ
کہ ہر روز آپکو اپنی ہی نظروں میں گرتے جا رہے ہیں۔ اور
مجھے یقین ہے کہ آپ ایسا کر دکھائیں گے۔

میری کوشش کروں گا [illegible] پہنچنا ممکن نہیں

و آخر کا [illegible] آپکے [illegible]

دستے میں آج خون کر رہا ہوں - شاید کسی

ذمہ دار افسر کی انسانیت بیدار ہو سکے - آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعلیم الاسلام کالج کے باغیرت نوجوانو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھے بتایا گیا ہے کہ سکول بورڈ کے منتظمین نے کل کے مقابلہ میں لاہور کالجز کے طلبہ کو بطور جج مقرر کیا تھا اور ان کا فیصلہ خلاف عقل و انصاف تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو۔

پہلے آپ کا مقابلہ برادرانہ مقابلہ تھا۔ دوسرے کالجز کے طلبہ ہمارے لئے ایسے ہی ہیں جیسا کہ اپنے طلبہ اور وہ آپ کے بھی بھائی ہیں۔ ان کے خلاف کوئی غصہ نہیں ہونا چاہیئے۔ مقابلہ میں ہار جیت ہوتی ہی ہے اور یہ مقابلے ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ ہم عزت کے ساتھ جیتنا اور وقار کے ساتھ ہارنا سیکھیں اور آپ لوگ اس سبق کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

مگر اب آپ کا مقابلہ اپنے بھائیوں کے ساتھ نہیں رہا۔ اب آپ کا مقابلہ بے انصافی اور بے ایمانی کے ساتھ ہے اور غیرت کا تقاضا ہے کہ آپ بے ایمانی اور بے انصافی

کو شکست دیں۔ پس آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنی قوت اور جوش کا آخری ماشہ خرچ کر کے دوسری ٹیموں کو بمپ کرتے ہوئے پہلے اوّل آئیں اور دُنیا پر ثابت کریں کہ بے انصافی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس کے بغیر آپ کی غیرت کا مظاہرہ نہیں ہوگا۔ دل چھوڑنے کا، ہمّت ہارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر بے انصافی روز آپ کو سب سے آخر میں رکھے تو آپ کی غیرت کو چاہیئے کہ وہ روز آپ کو پہلی پوزیشن میں لے جائے اور مجھے یقین ہے کہ آپ ایسا کر دکھائیں گے۔

آج میرا پہنچنا ممکن نہیں۔ مَیں کوشش کروں گا کہ آخری دو دن آپ کے ساتھ رہوں۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے۔

ویسے مَیں آج فون کر رہا ہوں شاید کسی ذمہ وار افسر کی انسانیت بیدار ہو سکے۔ آمین

فقط

ناصر احمد

پرنسپل ۵۰-۲-۵

ناصر احمد صاحب ظفرؔ یہ پیغام لے کر لاہور پہنچے اور جودھامل بلڈنگ میں جہاں کالج کی ٹیم مقیم تھی۔ سب طلبہ کو اکٹھا کر کے یہ پیغام انہیں سُنایا۔ اس ولولہ انگیز پیغام نے طلبہ کے اندر بے انصافی کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا ایک زبردست جوش اور بے پناہ جذبہ پیدا کر دیا اور انہوں نے مصمم عہد کر لیا کہ وہ چیمپین شپ حاصل کئے بغیر نہیں رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خدا تعالیٰ کے فضل اور حضرت صاحبزادہ صاحب کی دُعاؤں سے کالج کی ٹیم چیمپین شپ کا کپ جیت کر ربوہ پہنچی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

طلبہ کو غیر اسلامی اخلاق و اقدار سے بچانے کے لئے ایک جرأت مندانہ فیصلہ

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

"یہ ۴۸-۱۹۴۷ء کی بات ہے جب پہلا U.O.T.C کیمپ ہوا۔ یہ کیمپ والٹن میں ہوا تھا اور پاکستان بننے کے بعد پہلا کیمپ تھا۔ کیمپ کے حالات تسلی بخش نہیں تھے۔ ایک سینئر آفیسر CADETS اور اساتذہ کو جن کو فوجی رینک ملے ہوئے تھے بسا اوقات فحش گالیاں نکالا کرتا تھا۔ جنرل رضا ان دنوں ایڈجوٹنٹ جنرل تھے ان کے آنے تک تو بات بنی رہی۔ لیکن جب کیمپ کا خاتمہ قریب آیا اور کمانڈر انچیف صاحب

کے آنے کا دن قریب آیا تو طلبہ بے قابو ہو گئے اور فیصلہ کر لیا کہ سٹرائیک کریں گے اور تقسیم انعامات کے وقت اور کمانڈر انچیف صاحب کی آمد کے وقت خیموں میں بیٹھے رہیں گے۔ نہ صفائی کریں گے اور نہ ہی وردیاں پہنیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت حال ہمارے لئے تسلی بخش نہ تھی۔ یہ عاجز اپنے دستے کا کمانڈر تھا اور مکرم چوہدری فضل داد صاحب نائب کمانڈر تھے۔ ہم نے حضرت پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج کی خدمت میں خاص آدمی بھجوایا کہ یہ صورت حال پیدا ہو گئی ہے ہماری مدد کی جائے۔ لیکن وہ پیغام رساں کیمپ سے باہر نکلتے وقت گرفتار ہو گیا اور کوارٹر گارڈ میں بھیج دیا گیا۔ اس کا ہمیں اس وقت علم نہ ہوا۔ اور ہم آپ کی طرف سے کسی پیغام کے انتظار میں رہے۔ جب رات ہو گئی اور کوئی جواب نہ آیا تو پہلے ہم نے کالجوں کے اساتذہ سے رابطہ قائم کیا خصوصاً محترم راجہ ایس۔ ڈی احمد صاحب (سابق پرنسپل وترزی کالج) اور ڈائریکٹر ڈینیل ہینڈری، کرنل اسلم (جو ہماری بٹالین کے کمانڈر تھے)، برادرم مکرم رفیق عنایت مرزا (جو اب سینئر سی ایس پی آفیسر ہیں) سے، اور اُن پر یہ بات واضح کی کہ ہم سٹرائیک میں شامل نہیں ہوں گے۔ اگر سٹرائیک ختم نہ ہوئی تو تعلیم الاسلام کالج کی پلاٹون اکیلی ڈیوٹی پر جائیگی کیونکہ ہم سٹرائیک کو شرعاً ناجائز سمجھتے ہیں۔ اور ان سے اپیل کی کہ پاکستان کا پہلا کیمپ ہے۔ وہ خود بھی سٹرائیک ختم کروانے کے خواہشمند تھے۔ بہرحال بعض دوستوں کو ساتھ لے کر ہم رات کے وقت خیمے خیمے میں چھرے۔ لڑکے گانے گا رہے تھے۔ قوالیاں ہو رہی تھیں اور نعرے لگ رہے تھے۔ اللہ تعالےٰ کا خاص فضل ہوا۔ ہماری اپیل پر لڑکے آمادہ ہو گئے کہ اگلے روز سٹرائیک نہ کریں اور پاکستان کے نام پر ایسی غیرت دکھائی کہ رات کا باقی وقت جاگ کر تیاری میں گذرا۔ اور صفائی اور خیموں کی تزئین میں لگ گئے۔ چنانچہ اگلی صبح کمانڈر انچیف صاحب آئے۔ میدان جنگ کا نقشہ پیش ہوا کمپنیوں میں باہمی لڑائی کی مہارت کے تمام انداز دکھائے۔ اس موقع پر ہمارے کچھ طلباء جو محاذ کشمیر پر فرقان بٹالین میں رہ چکے تھے وہ کمانڈر انچیف صاحب نے پہچان لئے۔ ان کی دلچسپی بڑھی تو پوچھا کہ سارے کیمپ میں کتنے ایسے مجاہدین ہیں۔ صرف ہمارے ہی کالج کے طلباء نکلے۔ تقسیم انعامات کے لئے پنڈال الگ قائم ہو چکا تھا اور مہمانوں کی آمد آمد تھی۔ وزراء، جج، وائس چانسلر صاحب، سکرٹری، جرنیل اور بریگیڈیر پنڈال کے پاس ایک ہی جگہ کمانڈر انچیف

صاحب کے استقبال کے لئے اکٹھے کھڑے تھے۔ طلباء پنڈال میں تھے۔ اساتذہ بھی منتظر کہ اسی آفیسر نے پھر کوئی ناز یبا الفاظ کہے جس پر پنڈال میں موجود طلباء میں پھر کھچاؤ پیدا ہو گیا۔ اس اثناء میں حضرت مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) کی کار بھی آتی دکھائی دی۔ یہ عاجز آگے بڑھ کر استقبال کے لئے گیا اور آپ کو وہیں روک کر سارے کوائف بتائے۔ آپ تشریف لائے تو وہ آفیسر بھی استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ آپ نے سرسری انداز میں پوچھا کہ کیا ہوا تھا۔ فرمایا جس کا مفہوم یہ تھا کہ خیر گذری اس پر اس آفیسر نے اسی انداز میں کہا۔ کہ مجھے ان . . . . کی کیا پرواہ ہے۔ یہ فقرہ کافی بلند آواز سے انہوں نے کہا۔ سول اور ملٹری آفیسر سب کچھ سُن رہے تھے۔ آپ خاموش رہے۔ انہوں نے دوبارہ یہی فقرہ دوہرایا۔ جب سہ بارہ اسی قسم کا فقرہ کہا تو آپ نے بڑے جلال سے بلند آواز میں فرمایا کہ آپ کو پرواہ نہیں لیکن ہمیں ان کی بڑی پرواہ ہے۔ یہ قوم کے بچے ہیں۔ ہم ان کو اس قسم کے اخلاق کی تربیت کے لئے یہاں نہیں بھیجتے۔ اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ ابھی ساری پلٹنوں کو واپس بُلوا لو اور آئندہ سے کوئی سروکار نہ رکھو۔ اس پر کچھ سینئر آفیسرز اس افسر کو ایک طرف لے گئے اور اگلے ہی لمحے میں اس نے بڑی لجاجت سے معافی مانگی اور شرمندگی کا اظہار کیا۔ جب آپ نے یہ فقرات کہے تو مجھے یاد ہے کہ میرے ایک غیر از جماعت ساتھی نے فرط جذبات میں خوشی سے دیوانہ ہو کر میرا ہاتھ پکڑا اور اسے اتنا زور سے دبایا کہ کئی دن تک میرا ہاتھ درد کرتا رہا۔ پھر حضرت میاں صاحب تقریب کے اختتام پر تشریف لے گئے اور محکمہ تعلیم کے ایک بڑے افسر نے کہا کہ میاں صاحب نے سب کی عزت رکھ لی۔

اس عجیب واقعہ کا آخری حصہ یہ ہے جس سے ہمارا کوئی تعلق نہ تھا لیکن ہوا اور وہ یہ کہ کیمپ کے خاتمہ کے بعد جب بھی کوئی ٹرک روانہ ہوتا تو اس میں بیٹھنے والے "مرزا ناصر احمد زندہ باد" اور "پرنسپل ٹی۔ آئی کالج زندہ باد" کے نعرے ضرور لگاتے۔ یہ فلک شگاف نعرے ہمارے روکنے کے باوجود نہ رُک سکے اور اسی انداز سے یہ کیمپ ختم ہوا"

طلبہ سے مساوی حیثیت میں محبت بھرا سلوک

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے مزید لکھتے ہیں:-

"ایک طالب علم جو جماعت اسلامی کی

انتظامیہ کا رُکن تھا اور اس لئے آیا تھا کہ غیر از جماعت طلباء کو جماعت کے خلاف منظم کرے کالج میں داخلے کے لئے آیا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ آپ اس کام کے لئے آئے ہیں تو آپ یہ ضرور کام کریں۔ مَیں آپ کو داخل بھی کر لیتا ہوں اور فیس کی رعایت بھی دیتا ہوں لیکن آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ آپ یہ کام نہیں کر سکیں گے اور میرے کالج میں پڑھنے والے غیر از جماعت طلباء آپ کے دام میں نہیں آئیں گے۔ یہ طالب علم کافی عرصہ تک پوشیدہ اور علانیہ کوشش کرتا رہا لیکن بُری طرح ناکام ہوا۔ اور آپ کی شفقت اور محبت خود اس پر اثر کئے بغیر نہ رہ سکی "

"جب کالج ربوہ میں منتقل ہونا شروع ہوا تو لاہور کے لوگوں کو اس سے بہت بےچینی پیدا ہوئی۔ بعض نے اخباروں میں لکھا کہ جو لوگ شریفانہ ماحول میں تھوڑے خرچ سے اچھی تعلیم دلانا چاہتے ہیں اُن کے بچے کہاں جائیں۔ زبانی بھی ہمیں کہا گیا کہ کالج نہ لے جائیں۔ ایک دفعہ ایک وفد (جس میں چند ایسے لوگ بھی شامل تھے جو ہمارے خلاف ۱۹۵۳ء کی ایجی ٹیشن میں ماخوذ ہوئے تھے) حضور کے دفتر میں ملنے کے لئے آیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے ایجی ٹیشن میں آپ کے خلاف حصہ لیا تھا لیکن اپنے بچے آپ کے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کالج نہ لے جائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اس سے زیادہ تعریف آپ کالج کی نہیں کر سکتے۔ لیکن ہماری اپنی مجبوریاں ایسی ہیں کہ ربوہ کا بہرحال حق ہے اس لئے کالج ضرور جائے گا۔ البتہ آپ کا شکریہ۔ الحمد للہ کہ کالج ربوہ آگیا "

بے تکلفی اور پاکیزہ مزاح

چوہدری محمد علی صاحب تحریر کرتے ہیں :-

" پاکیزہ مزاح بھی ہمارے کالج کا اور خصوصاً ہوسٹل کی تقریبوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے جن میں خود آپ (ایدہ اللہ تعالیٰ) اور آپ کی وُلزلے کار پر محبت اور ادب کے ساتھ تنقید بھی ہوا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ اس عاجز نے ولزلے کے متعلق کچھ کہنے سے منع کر دیا۔ تو ارشاد پہنچا کہ اگر وُلزلے کا ذکر نہ ہوا تو مَیں نہیں آؤں گا۔ مختلف سالوں میں اس پر اتنی نظمیں لکھی گئیں کہ فرمایا کہ تمام نظمیں جمع کرواؤ تاکہ مَیں " دیوان کار " چھپوا کر حضور مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کروں اور مجھے نئی کار حضور کی طرف سے مل جائے " [1]

---

[1] " وُلزلے " حضرت پرنسپل صاحب کی ایک پُرانی اور خستہ حال موٹر کار تھی اور اکثر اساتذہ، طلباء اور خود حضرت پرنسپل صاحب کے تفنن کا سبب بنتی تھی۔ باوجود اس کار کی "پیرانہ سالی" کے آپ اسے ہی استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ ہوسٹل کے سالانہ فنکشن پر طلبہ اس کار کو خوب ہدفِ طنز و مزاح بناتے تھے۔

درویشانہ زندگی

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے مزید لکھتے ہیں :۔

"مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے فرزند اکبر کی درویشانہ شان تھی اور آپ اسی میں مگن تھے۔ کبھی ٹیپ ٹاپ کی طرف آپ کی طبیعت نہیں گئی۔ ایک دفعہ چند آنے گز کی ایک اچکن سلوائی۔ سبز رنگ تھا اور دھاریدار تھی۔ جب آپ نے زیب تن کی تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ نہایت قیمتی کپڑا ہے۔ کئی مرتبہ میں نے خود دیکھا کہ اچکن کو پیوند لگا ہوا ہے اور بڑی بڑی تقریبوں میں شامل ہوتے ہیں اور حضور کے داخل ہوتے ہی تمام حاضرین مجلس کی توجہ آپ کی طرف ہو جاتی۔ وقار اور مسکراہٹ اور رُعب یہ اللہ تعالیٰ کی دین تھی۔ بارہا یہ عاجز شکار پر آپ کی خدمت میں ساتھ ہوا کرتا۔ کھانے کا وقت آجاتا تو دیہات کی سادہ تنور کی روٹی پسی ہوئی مرچ اور لسی سے اتنا مزہ لے کر تناول فرماتے کہ گویا اس سے لذیذ اور کوئی کھانا نہیں ہو سکتا"

دُعاؤں کی تلقین

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ کالج کے دفتر میں تشریف فرما تھے کہ دفتر کے ایک کارکن نے طالب علموں کے ڈیڑھ سَو فارم یونیورسٹی میں بھجوانے کے لئے رکھ دیئے۔ آپ ان فارموں پہ دستخط بھی کرتے رہے اور ساتھ ہی درود شریف بھی پڑھتے رہے۔ دو تین منٹ کے بعد آپ کو خیال آیا کہ مَیں ایک بھائی کو نیکی سے محروم کر رہا ہوں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تمہیں اس وقت کوئی کام نہیں۔ تم صرف میرے دستخطوں کے بعد فارم اُٹھا رہے ہو۔ تم فارم بھی اُٹھاتے رہو اور ساتھ ساتھ درود شریف پڑھتے رہو۔ چنانچہ اس کارکن نے بھی درُود شریف کا وِرد شروع کر دیا۔ اور جب آپ سب فارموں پر دستخط فرما چکے تو اس نے نہایت بشاشت سے عرض کیا کہ مَیں نے دو تین سَو کے درمیان درود شریف پڑھ لیا ہے۔[1]

کالج میں مختلف علمی مجالس کا قیام اور اُن کی غرض و غایت

حضرت صاحبزادہ صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) کی توجہ سے کالج میں طلبہ کی علمی نشوونما کے لئے مندرجہ ذیل مشہور علمی مجالس جاری ہوئیں۔ مجلس عمومی، مجلس ارشاد، بزم اردو، سائنس سوسائٹی، مجلس عربی، مجلس علوم معاشرت، مجلس تاریخ، مجلس حیاتیات، مجلس فلسفہ و نفسیات، ریڈیو اور فوٹوگرافک سوسائٹی۔

---

[1] "الفضل" ۲ تبلیغ / فروری ۱۳۴۵ ہش / ۱۹۶۶ء صفحہ ۵-۶

ان اہم مجالس کے قیام کے پیچھے کیا جذبہ کار فرما تھا؟ اس کی تفصیل خود آپ ہی کے الفاظ میں لکھی جاتی ہے فرماتے ہیں :-

"تحصیل علم کے لئے مندرجہ ذیل چار باتیں ضروری ہیں۔ اوّل علمی باتوں کا غور سے سُننا، دوم علمی باتوں کے سمجھنے اور اپنانے کی کوشش کرنا، سوم ان میں سے جو باتیں بظاہر عقل کے خلاف نظر آئیں اُن پر تنقید کرنا اور چہارم ناقابل تسلیم نظریوں کے مقابل اپنے تحقیقی نظریئے پیش کرنا یعنی سُننے سمجھنے تنقید اور تحقیق کرنے کے بغیر صحیح علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ پہلے دو کام کلاس رُوم میں کئے جاتے ہیں جہاں نظم و ضبط کی پابندی از بس ضروری ہے۔ لیکن اگر ہمارا نصب العین محض یہ ہو کہ سُنو اور قبول کرو تو ہماری آئندہ نسل اندھی کُند ذہن ہو گی۔ مذکورہ نصب العین پر ہمیں یہ اضافہ کرنا پڑے گا کہ پرکھو اور تحقیق کرو۔ اور تحقیق و تنقید کے لئے کلاس روم سے باہر بھی علمی مشاغل کا ہونا ضروری ہے اور اسی لئے درسگاہوں میں مختلف علمی مجالس قائم کی جاتی ہیں جن میں سے اہم ترین مجلس کالج کی عمومی مجلس ہے جہاں طلبہ اپنی آراء کا آزادانہ اظہار کرتے ہیں" [۱]

کھیلوں کی سرپرستی

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے تحریر کرتے ہیں :-

"سپورٹس کی ایسوسی ایشنیں اعلیٰ سطح پر آپ کی خدمت میں پہنچتیں کہ صدارت قبول فرمائیں تاکہ امن کی فضا قائم ہو۔ آپ پنجاب بیڈمنٹن ایسوسی ایشن کے صدر کئی سال رہے۔ مغربی پاکستان کے بیڈمنٹن کے مقابلے کالج ہال میں ہوا کرتے۔ پھر آپ جیسا کہ ذکر آ چکا ہے باسکٹ بال کی سنٹرل زون کے صدر بنے۔ دیگر کھیلوں کو بھی آپ کی سرپرستی حاصل رہی فٹ بال، کرکٹ، ٹینس، ٹیبل ٹینس تو آپ خود نہایت عمدہ کھیلتے تھے اور اساتذہ اور طلباء کے میچوں میں خصوصاً ہوسٹل ٹیبل ٹینس کے میچوں میں حصہ لیتے رہے۔ روئنگ اور باسکٹ بال کو آپ نے بام عروج تک پہنچا دیا۔ ہائیکنگ میں آپ بے حد دلچسپی لیتے رہے۔ پنجاب ماؤنٹیرنگ کلب اور یونیورسٹی کی ماؤنٹیرنگ کلب جس کے صدر مرحوم ڈاکٹر بشیر وائس چانسلر تھے پارٹیشن کے بعد دونو کے دستور بنانے میں آپ کے خاص مشورے شامل تھے اور عملاً آپ ان کے فاؤنڈر ممبر ہیں۔ لیکن دونوں کلبوں سے کوئی براہِ راست رابطہ قائم نہ رہ سکا۔ البتہ آپ ہائیکنگ اور ماؤنٹیرنگ اور یوتھ ہاسٹلنگ کی ہر آن حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ مرحوم چوہدری لطیف محمد

---

[۱] رسالہ "المنار" بابت ماہ احسان/جون ۱۳۲۹ ہش/۱۹۵۰ء صفحہ ۱۲ - ۱۵

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل
تعلیم الاسلام کالج کی سالانہ کھیلوں کے موقعہ پر خطاب فرما رہے ہیں

پاکستان کے ممتاز ہاکی کھلاڑی تھے آپ کے بے حد معتقد تھے۔

صحتِ جسمانی کیلئے مختلف اہم شعبے

قومی اور ملّی فرائض کی بجا آوری بلکہ پوری زندگی کو صحیح طریق پر گذارنے کے لئے صحتِ جسمانی کا خیال رکھنا ازحد ضروری ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے طلبہ کی تربیت کے دوران اس سنہری اصول کو نہ صرف مدّنظر رکھا بلکہ اسے ہمیشہ ہی خاص الخاص اہمیت دی۔ چنانچہ آپ نے ۱۳۲۹-۳۰ ہش / ۱۹۵۰-۵۱ء کی سالانہ رپورٹ میں اپنا مخصوص اور بلند نقطۂ نگاہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمایا:-

"ایک نوزائیدہ مملکت اگر ترقی کی دوڑ میں ترقی یافتہ ممالک سے بازی لینا چاہتی ہے تو اس کے افراد پر سعی پیہم اور مستقل جد و جہد کی بھاری ذمہ داری پڑتی ہے۔ اور لگاتار محنت کرتے چلے جانا جذبہ ملّی اور مضبوط و توانا جسموں کے بغیر ممکن نہیں۔ تمام بیدار ممالک اپنی قوم کی صحت کی طرف خاص توجہ دیتے ہیں اور عام اندازہ کے مطابق ان ممالک کا جتنا روپیہ تعلیم پر خرچ ہوتا ہے اسی کے لگ بھگ رقم وہ ورزشوں وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں۔ اگر ہم نے بھی دُنیا میں ترقی کرنی ہے تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے بچّوں کا خاص خیال رکھیں۔ بوجہ غربت ہم ان کے لئے پُوری خوراک مہیا نہیں کر سکتے۔ لیکن غربت کے باوجود بھی صحیح ورزش انہیں کروا سکتے ہیں۔ یہ مہاجر ادارہ طلباء کے اس شعبۂ زندگی کی طرف بھی خاص توجہ دیتا رہا ہے۔ بہت سے غریب بچّوں کو مُفت دُودھ دیا جا رہا ہے اور عام طور پر یہ کوشش رہی ہے کہ تمام طلبہ ورزش کے ذریعہ سے اپنے جسموں کو مضبوط بنانے کی کوشش کرتے رہیں" [۱]

حضرت میرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے کالج میں عسکری تربیت کا خاص اہتمام کرنے کے علاوہ مجلس سیاحت کا قیام فرمایا اور نیز والی بال، بیڈمنٹن، کبڈی، فٹ بال ..... وغیرہ مختلف کھیلوں کو خاص طور پر رواج دیا اور کشتی رانی اور باسکٹ بال کو اوج کمال تک پہنچانے میں اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کر دیں۔

طلباء کو زرّیں نصائح

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) طلباء کی اخلاقی، رُوحانی اور علمی رہنمائی کے لئے ہر دم کوشاں رہتے اور وعظ و نصیحت کے ہر اہم

---

[۱] "المنار" شہادت / اپریل ۱۳۳۰ ہش / ۱۹۵۱ء صفحہ ۱۵۔

موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ آپ فارغ التحصیل طلبہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات کی روشنی میں خاص طور پر قابل قدر نصائح سے نوازتے اور یہ آپ کا نہایت مرغوب دستور اور معمول رہا۔ مثلاً

۱۔ ۱۳۳۸ھش/۱۹۵۹ء کی سالانہ تقریب اسناد پر کالج کی سالانہ رپورٹ سنانے کے بعد فرمایا :۔

"بالآخر میں بی۔ اے اور بی۔ ایس۔ سی کے امتحانات میں کامیاب رہنے اور انعامات حاصل کرنے والے طلباء سے کہوں گا کہ ہماری زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالےٰ کو حاصل کرنا ہے۔ تمہیں تمہاری کامیابیاں مبارک ہوں مگر یہ کامیابیاں محض ابتدائی نوعیت کی ہیں۔ ان کامیابیوں کو اصل مقصد کے حصول کا ایک وسیلہ سمجھو۔ ان کی وجہ سے اصل مقصد کو کبھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دو۔ خدا تعالےٰ کی "توحید زمین پر پھیلانے کے لئے اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو۔ اس کے بندوں پر رحم کرو۔ اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی اَور تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو" [۱]

۲۔ ۱۳۴۲ھش/۱۹۶۳ء کی تقریب اسناد پر فرمایا :۔

"تمہیں تمہاری کامیابیاں مبارک ہوں مگر یہ کبھی نہ بھولنا کہ تمہاری یہ کامیابیاں جہاں زندگی کی ایک منزل کی انتہاء ہیں وہاں دوسری منزل کی ابتداء بھی ہیں جہاں تم نے اپنے عمل کے جوہر دکھانے ہیں جہاں تم نے انسانی اقدار کو قائم کرنا اور باخلاق انسان کی صفات کا مظاہرہ کرنا ہے اور جہاں تم نے (اگر خدا تمہیں توفیق دے) باخدا اور خدا نما انسان کے رُوپ میں دُنیا میں جلوہ گر ہونا ہے ایسے مبارک وجود آج استثناء کا حکم رکھتے ہیں۔ مگر حُسنِ سیرت کے ہر خوبصورت پہلو کو عام کرکے اس استثناء کو قاعدہ کلیہ کی شکل میں ڈھالنا تمہارا (جو تعلیم الاسلام کالج کی پیداوار ہو) فرض ہے اور اس فرض سے تم سبکدوش ہو نہیں سکتے جب تک کہ تم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس نصیحت کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل نہ بناؤ" [۲] (آگے "کشتی نوح" کا اقتباس درج ہے)

۳۔ ۱۳۴۳ھش/۱۹۶۴ء کی سالانہ تقریب اسناد پر یہ بیش قیمت نصائح فرمائیں :۔

"آپ درسگاہ کی تعلیم سے فارغ ہو رہے ہیں مگر تعلیم سے فارغ نہیں ہو رہے۔ علم ایک بحرِ بے کنار ہے۔ اس لئے ایک انسان علم میں خواہ کس قدر ترقی کر جائے علم ختم نہیں ہوتا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا

---

[۱] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ بابت ۱۳۳۷-۳۸ھش/۱۹۵۸-۵۹ء صفحہ ۹۹۔
[۲] روئداد سالانہ تعلیم الاسلام کالج بابت ۱۳۴۱-۴۲ھش/۱۹۶۲-۶۳ء صفحہ ۲۳۔

لِكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَ لَوْجِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا
کہہ دے کہ اگر سمندر کو سیاہی بنا کر اس سے خدا تعالےٰ کی معرفت کی باتیں، اس کے دیئے ہوئے علم اور قدرت کے راز ضبط تحریر میں لانا چاہو تو وہ ایک سمندر کیا اس جیسا ایک اور سمندر بھی لے آؤ تو وہ بھی ختم ہو جائے گا مگر خدا کی باتیں اور اس کے دیئے ہوئے علوم ختم نہ ہوں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت رسُول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے اور حضور کی اتباع میں ہر مسلمان کی زبان سے یہ کہلوایا کہ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ اے اللہ مجھے اپنی معرفت اور علم میں بڑھاتا چلا جا۔ پس علم کبھی نہ ختم ہونے والی چیز ہے۔ اس لئے آپ تا دم حیات علم کی جستجو میں رہیں اور اس کے حصول کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں۔ اللہ تعالےٰ ہمیشہ آپ کے ساتھ ہو" [1]

۴۔ ماہ امان/مارچ ۱۳۴۴ ہش / ۱۹۶۵ء کی سالانہ تقریب کے موقعہ پہ کامیاب طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"حقیقی علم کا ابدی سرچشمہ اللہ تعالےٰ کی ذات ہے۔ سُنی سُنائی باتوں یا درسی کتب سے آپ نے جو کچھ بھی حاصل کیا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے گھڑے یا مشکیزے کا پانی جو اپنے سرچشمہ سے دُور ہو جانے کی وجہ سے مرُور زمانہ کے ساتھ متعفن، بدبُودار اور مضر صحت ہو جاتا ہے۔ اگر آپ علم سے محبت رکھتے ہوں تو ضروری ہے کہ آپ کا تعلق علم کے حقیقی سرچشمہ سے ہمیشہ مضبوط رہے۔ پس اپنی عقل اور علم پر تکیہ نہ کرو بلکہ ہمیشہ علاّم حقیقی کے آستانہ پہ عاجزی اور انکساری کے ساتھ جُھکے رہو تا اس تعلق کے طفیل تمہارے دلوں سے بھی ہمیشہ مصفّٰی، میٹھے اور لذیذ علم کے چشمے پھُوٹتے رہیں۔ اگر تمہارا یہ تعلق اپنے رب سے جو خالقِ کُل اور عالمِ کُل ہے پختہ اور مضبوط رہا تو علم و حکمت کا ایسا خزانہ تمہیں ملے گا جو دُنیا کی تمام دولتوں سے اشرف ہے۔ دنیا کی دَولت فانی ہے لیکن علم و حکمت کا جو خزانہ تمہیں ملیگا اس پہ فنا نہیں آئے گی۔ پس دُعا اور عاجزی کے ساتھ اپنے محُسن، اپنے رب سے بصیرت اور معرفت طلب کرتے رہو۔

یہ بھی نہ بھُولنا کہ انسان علم اس لئے حاصل کرتا ہے کہ خود اس سے فائدہ اُٹھائے اور دوسروں کی خدمت کرے۔ حقیقی علم کے حصول کے بعد انسان ہزار بُرائیوں سے بچتا اور بے شمار نیکیوں کی توفیق پاتا ہے۔ اور بڑا ہی بدبخت ہے وہ جسے معرفت تو عطا ہوئی، جس نے علم تو حاصل کیا مگر

[1] رسالہ "المنار" بابت وفا/ظہور۔تبوک/جولائی۔اگست۔ستمبر ۱۳۴۳ ہش / ۱۹۶۴ء صفحہ ۳۷۔۳۸ ۔

اس کے باوجود وہ غفلت اور گمراہی میں ہی پڑا رہا۔ نہ خود فائدہ اُٹھایا نہ دوسروں کی خدمت کر سکا۔
پس ہمیشہ عالمِ باعمل بننے کی کوشش کرو۔ خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو اور اپنے سایۂ رحمت میں ہمیشہ تمہیں رکھے" [1]

تعلیم الاسلام کالج سے متعلق دُوسروں کے تاثرات

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) کی بابرکت قیادت کے زمانہ میں کالج کا نظام تعلیم و تربیت کس درجہ کامیاب رہا اس کا کسی قدر اندازہ اُن تاثرات سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے جن کا اظہار غیر از جماعت حلقوں سے تعلق رکھنے والے مشہور اہلِ علم اور سربرآوردہ اصحاب نے کیا ہے۔

۱۔ میاں افضل حسین صاحب (وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی)

"میرے لئے یہ امر باعث مسرت ہے کہ تعلیم الاسلام کالج ہر اعتبار سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے" [2]

۲۔ پروفیسر سراج الدین صاحب (سکرٹری محکمہ تعلیم مغربی پاکستان)

"خالصتہً ذاتی عزم و کوشش کے نتیجہ میں ربوہ میں تعلیم الاسلام کالج جیسی درسگاہ کو قائم کر دکھانا اور پھر اسے پروان چڑھا کر اس کے موجودہ معیار پر لانا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ تعلیم الاسلام کالج کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اسے ایک ایسے پرنسپل کی راہنمائی حاصل ہے جو ایمان و یقین، خلوص و فدائیت، اور بلند کرداری کے اعلیٰ اوصاف سے مالا مال ہے۔ آج ہم کو ایسے ہی باہمت، بلند حوصلہ اور اہل انسانوں کی ضرورت ہے۔ ہر چند مجھے پہلی بار تعلیم الاسلام کالج کی حدود میں قدم رکھنے کا اتفاق ہوا ہے تاہم مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے دل میں اور ان تمام لوگوں کے دلوں میں جو اس صوبے میں تعلیم سے کسی نہ کسی طرح متعلق ہیں محبت کا ایک خاص مقام ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تعلیم الاسلام کالج دو نمایاں اور ممتاز شخصیتوں —— والد اور فرزند —— کی محنت، محبت اور شفقت کا ثمرہ ہے۔ میری مراد آپ کی جماعت کے واجب الاحترام امام جو اس کالج کے بانی ہیں اور اُن کے لائق و فائق فرزند مرزا ناصر احمد سے ہے۔ وہ اپنے مشہور و معروف خاندان کی قائم کردہ روایات کو وقف کی رُوح اور ایک ایسے جذبہ و جوش کے ساتھ چلا رہے ہیں جو دوسرے ممالک میں بھی شاذ ہی نظر آتا ہے۔ جب مَیں اس کالج پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے انگلستان

---

[1] روئداد سالانہ تعلیم الاسلام کالج ۴۴-۱۳۴۳ ہش / ۶۵-۱۹۶۴ء صفحہ ۲۱۔
[2] "الفضل" ۲۱ احسان / جون ۱۳۳۴ ہش / ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

اور امریکہ میں علم کی ترویج اور اس کے فروغ کے متعلق انسانوں کے وہ عظیم محسن یاد آئے بغیر نہیں رہتے جنہوں نے خدمت کی نیت سے آکسفورڈ، کیمبرج اور ہارورڈ میں کالج قائم کئے۔ خالصتہً ذاتی عزم و ہمت کے بل بوتے پر ربوہ میں ایک ایسی درسگاہ قائم کر دکھانا ایک عظیم کارنامہ ہے اور پھر اس کی آبیاری کرنا اور پروان چڑھا کر اُسے حُسن و خوبی اور مضبوطی و استحکام سے مالامال کر دکھانا اور بھی زیادہ قابل ستائش ہے۔ ایک ایسے پرائیویٹ ادارے کو دیکھ کر جو باہمی مخاصمت اور ایک دوسرے کے خلاف سازشوں سے پاک ہو اور جس کی تمامتر کوششیں اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کے لئے وقف ہوں، استعجاب اور رشک کے جذبات کا اُبھرنا ایک قدرتی امر ہے آپ کے امام جماعت کو علم اور اس کی ترویج سے جو محبت ہے آپ کے پرنسپل صاحب اور ممبران سٹاف ایسے ماہرین تعلیم بھی اس میں حصہ دار ہیں۔

مرزا ناصر احمد صاحب جنہیں اپنے شاگردوں میں شمار کرنا میرے لئے باعثِ عزت ہے برصغیر ہند و پاکستان کے نامور فاضل اور ماہرِ تعلیم ہیں۔ یہ کالج کی خوش قسمتی ہے کہ اُسے ایک ایسے پرنسپل کی راہ نمائی حاصل ہے جو اپنی زندگی میں آج کے دن تک بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ مقررہ نصب العین کے حصول میں کوشاں چلے آ رہے ہیں اور زمانے کے اُتار چڑھاؤ ان کے لئے کبھی سدِّ راہ ثابت نہیں ہو سکے۔ ان سے کم اہلیت اور کم عزم و حوصلہ کا انسان ہوتا تو زمانے کے اُتار چڑھاؤ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ ہمیں ایسے ہی آدمیوں کی ضرورت ہے جو ایمان و یقین، فدائیت اور بلند کرداری کے اوصاف سے متصف ہوں۔

مرزا ناصر احمد سے تعارف اور ان کی دوستی کے شرف سے مشرف ہونا عزم و ہمت کے ازسرِ نو بحال ہونے کے علاوہ خود اپنے آپ کو اس مستقبل کے بارے میں جو زمانے کے پریشانکن بادلوں کے پیچھے پوشیدہ ہے ایک پختہ اور غیر متزلزل اعتماد سے بہرہ ور کرنے کے مترادف ہے"[۵۱]

۴۔ جناب حمّاد رضا صاحب کمشنر سرگودھا ڈویژن

"مَیں مبارک باد دیتا ہوں اس کالج کے بانیوں کو کہ انہوں نے اس ادارہ کو قائم کیا۔ اور پھر اُسے ترقی دے کر اس حد تک لائے اور اب اسے اور ترقی دینے کے خواہاں ہیں۔ مجھے پرنسپل

---

۵۱ "المنار" جلد ۱۲ شمارہ ۲، ۳ صفحہ ۶، ۵۔

صاحب سے پتہ چلا ہے کہ ہر سال ہی کالج کے نتائج یونیورسٹی اور بورڈ کی شرح فیصد سے زیادہ رہتے ہیں۔ یہ امر واقعی باعث مسرت ہے۔ مَیں پرنسپل صاحب اور اُن کے سٹاف کی خدمت میں دلی مبارکباد عرض کرتا ہوں کہ وہ ایک ایسے ادارہ کی سربراہی کا فرض ادا کر رہے ہیں جس پر وہ فخر کر سکتے ہیں“ [۱]

۴۔ سابق سیکرٹری محکمہ تعلیم جناب **انور عادل** صاحب سی۔ ایس۔ پی سیکرٹری صوبائی وزارت داخلہ

”بلاشبہ آپ کا یہ تعلیمی ادارہ اس لحاظ سے بہت خوش قسمت ہے کہ اُسے وہ ماحول میسر ہے جسے ہم صحیح معنوں میں تعلیمی ماحول کہتے ہیں۔ یہاں دھیان بٹانے اور توجہ ہٹانے والی بے مقصد قسم کی غیر علمی مصروفیات ناپید ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس خالص تعلیمی ماحول میں حصول تعلیم اور کردار سازی کے نقطۂ نگاہ سے آپ کو یہاں ایک بھرپور زندگی بسر کرنے کا زریں موقع حاصل ہے اور آپ لوگ سیرت و کردار کے یکساں سانچوں میں ڈھلتے ہوئے نظر آتے ہیں“ [۲]

۵۔ **جسٹس سجاد احمد جان جج عدالت عالیہ مغربی پاکستان لاہور**

”اس ادارہ میں تربیت کی کشتی کے چپو بڑے ہی پختہ کار ہاتھوں میں ہیں جو جانتے ہیں کہ ماحول کے ساتھ مناسبت پیدا کر کے بالآخر ماحول پر کس قدر غلبہ پایا جا سکتا ہے۔ یہ بجائے خود بہت بڑی خوبی پر دلالت کرتا ہے“ [۳]

۶۔ **جسٹس انوار الحق صاحب جج ہائیکورٹ مغربی پاکستان لاہور**

”آج آپ کے ادارہ میں آکر میری اپنی طالب علمی کا دَور میری آنکھوں کے سامنے آگیا۔ آکسفورڈ جیسی فضا دیکھ کر میرے دل میں پُرانی یادیں تازہ ہوگئی ہیں اور مَیں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ لوگ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو مثالی تعلیمی اور تربیتی ماحول میسر ہے جہاں دوسری جگہوں کی مضرت انگیز مصروفیات ناپید ہیں“ [۴]

۷۔ **پروفیسر حمید احمد خاں صاحب وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی**

”یہ کالج دوسری غیر سرکاری درسگاہوں کی طرح ہمارے قومی نظامِ تعلیم میں ایک خاص

---

[۱] ”الفضل“ ۱۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۴۱ ہش/۱۹۶۲ء صفحہ ۸۔ [۲] سالانہ رپورٹ تعلیم الاسلام کالج ۶۲-۱۹۶۱ء صفحہ ۴۔
[۳] ” ” ۸ فتح/دسمبر ۱۳۴۱ ہش/۱۹۶۲ء۔
[۴] ” ” ۱۴ ” ” ۔

مقام رکھتا ہے۔ مجھے اس میں قطعاً شبہ نہیں کہ قومی جماعتوں اور انجمنوں کی قائم کی ہوئی درسگاہیں اپنی خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود ہماری اجتماعی زندگی میں ایک بنیادی ضرورت کو پورا کر رہی ہیں اور ان کے نہ ہونے سے ہماری زندگی میں ایک خلا ہوگا" [۱]

۸۔ مولانا صلاح الدین احمد ایڈیٹر "ادبی دُنیا"

"آپ کی . . . خوش بختی یہ ہے کہ آپ نے جس ادارے میں تعلیم و تربیت پائی ہے وہ دُنیا میں دین کے امتزاج کا ایک نہایت متوازن تصور پیش کرتا ہے نہ صرف پیش کرتا بلکہ اُسے عملِ مسلسل میں ملبوس بھی کرتا چلا جاتا ہے۔ خدا وہ دن جلد لائے جب ہم اس کالج کو ایک معیاری، مکمل اور منفرد کلیہ کی حیثیت و صورت میں دیکھ سکیں اور کوئی وجہ نہیں کہ جہاں کام کو کام بلکہ ایک مشن تصور کیا جاتا ہے، جہاں طلباء کو فقط پڑھایا نہیں جاتا بلکہ ان کے مزاجوں میں ایک گونہ سنجیدگی اور کردار میں ایک شریفانہ صلاحیت پیدا کی جاتی ہے اور جہاں اساتذہ کی قربانیاں اور جانفشانیاں اپنے پیچھے ایک کہکشانِ نور چھوڑتی چلی جاتی ہیں وہاں اہلِ خیر کی تمنائیں کیوں نہ فروغ پائیں گی اور اہلِ قلم کے عزائم کیوں نہ پورے ہوں گے" [۲]

۹۔ ڈاکٹر ظفر علی ہاشمی وائس چانسلر زرعی یونیورسٹی لائل پور

"تعلیم الاسلام کالج ملک کا وہ ممتاز ترین ادارہ ہے جہاں کے طلباء کا اوڑھنا بچھونا علم ہے اور وہ علم کے حصول کو بھی ایک عبادت تصور کرتے ہیں"

"آپ لوگ اپنی قومی زبان کی جو خدمت کر رہے ہیں وہ ہر لحاظ سے قابلِ تحسین اور قابلِ ستائش ہے" [۳]

۱۰۔ مولانا عبد المجید صاحب سالک مدیر "انقلاب" لاہور

"تعلیم الاسلام کالج احمدی جماعت اور پرنسپل میاں ناصر احمد کی مخلصانہ مساعی اور شبانہ روز محنت کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ اس کالج کے کارکن جماعت کے تعمیری و تعلیمی تصورات کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہیں اور میرے نزدیک اس درسگاہ کی سب سے بڑی خصوصیت اور برکت یہ

---

[۱] "المنار" جلد ۱۴ شمارہ ۳، ۴
[۲] "المنار" اخاء۔ نبوت۔ فتح / اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر ۱۳۴۲ ہش / ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۶
[۳] "الفضل" اخاء / اکتوبر ۱۳۴۲ ہش / ۱۹۶۳ء صفحہ ۱

ہے کہ ربوہ کی فضاء آجکل کی شہری آلودگیوں سے قطعی طور پر محفوظ ہے اور وہ ترغیبات بالکل مفقود ہیں جو تربیت اخلاقی میں حائل ہو کر تعلیم کے بلند تصورات کو برباد کر دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس درسگاہ کو پاکستانیوں کیلئے زیادہ سے زیادہ مفید و بابرکت بنائے اور اس کے کارپردازوں کو بیش از پیش سعی وجہد کی توفیق عطا فرمائے۔

ربوہ ۱۱ر فروری ۱۹۵۶ء عبدالمجید سالک"

۱۱۔ جناب عبدالحمید صاحب دستی وزیر تعلیم مغربی پاکستان

"تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی اسلامی روایات قابل تقلید دستاویز ہیں پرنسپل میاں ناصر احمد کی مساعی ادارے کی ہر نوع میں تعمیر کے متعلق مبارکباد کی مستحق ہیں۔ . . . ادارے کے معائنہ سے مجھے بہت اطمینان اور راحت نصیب ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس درسگاہ کو برکت عطا فرمائے۔

عبدالحمید دستی ۷ر مارچ ۱۹۵۸ء"

۱۲۔ صوفی غلام مصطفیٰ صاحب تبسم مدیر "لیل ونہار" و پروفیسر فلاسفی گورنمنٹ کالج لاہور

"تعلیم الاسلام کالج اور متعلقہ اداروں کو دیکھ کر مجھے روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے چند سالوں میں یہاں جس تیز رفتاری اور خوش اسلوبی سے ترقی ہوئی ہے وہ کارکنوں کے خلوص، بلند ہمتی اور استقلال کا نتیجہ ہے۔ توقع ہے کہ یہ جگہ تھوڑے ہی عرصے میں ہمارے ملک کی ایک معیاری اور قابل رشک جگہ ہوگی"

فصل ہفتم

کالج کے اکیس ۲۱ سالہ دور میں دعاؤں کی برکت سے آسمانی نصرتوں کے روح پرور نظارے!

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب مئی/ہجرت ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء سے لے کر ۸ر نبوت/نومبر ۱۳۴۴ہش/۱۹۶۵ء تک کالج کے سربراہ رہے۔ ازاں بعد خدائے عزوجل کی طرف سے آپ کو دنیا بھر کی تعلیم و تربیت اور راہنمائی کے لئے منصب خلافت پر سرفراز فرما دیا گیا۔ آپ کے اکیس ۲۱ سالہ تعمیری و اصلاحی دور قیادت میں اس درسگاہ نے انتہائی ناموافق اور پرخطر حالات اور بے حد مشکلات کے باوجود جو فقیدالمثال ترقی کی وہ بلاشبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کے فرزندِ جلیل حضرت مسیح موعود و مہدئ مسعود علیہ السلام کی بیت الدعا والی دُعاؤں کی قبولیت کا زبردست نشان ہے جو رہتی دُنیا تک قائم رہے گا۔ مگر ان دُعاؤں کی تاثیرات کو کھینچ لانے میں سیدنا المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کی راہنمائی، رُوحانی توجہ اور قوتِ قدسیہ کے ساتھ ساتھ حضرت صاحبزادہ صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) کی اُن درد و سوز میں ڈوبی ہوئی دُعاؤں کا بھی یقیناً بھاری دخل ہے جو آپ ہمیشہ اس درسگاہ کے لئے کرتے رہے اور جن کے نتیجہ میں قدم قدم پر خدائی نصرتوں اور برکتوں کا ظہور ہوا۔ اور جن کا ایمان افروز مختصر سا تذکرہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی زبان مبارک سے اس آخری فصل میں کیا جاتا ہے۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۵ نبوت/نومبر ۱۳۴۴ہش/۱۹۶۵ء کو اساتذہ و طلبہ تعلیم الاسلام کالج کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

"مَیں اس درسگاہ سے قبل مختلف دَوروں سے گذرا ہوں۔ طالب علمی کے زمانہ میں پہلے مَیں نے قرآن کریم حفظ کیا۔ پھر دینی اور عربی تعلیم حاصل کی؛ اور پھر دنیوی تعلیم کے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ گورنمنٹ کالج میں پڑھا۔ پھر انگلستان گیا اور آکسفورڈ میں بھی پڑھا۔ جب میرا تعلیمی زمانہ ختم ہوا اور مَیں انگلستان سے واپس آیا تو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے جامعہ احمدیہ میں بطور اُستاد لگا دیا۔ اس وقت مجھے عربی تعلیم چھوڑے قریباً دس سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ اس لئے میرے دماغ نے کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کی۔ کیونکہ وہ علوم جو میرے دماغ میں اب تازہ نہیں رہے تھے وہی علوم مجھے پڑھانے پر اب مقرر کر دیا گیا اور مَیں نے دل میں کہا کہ اللہ خیر کرے اور مجھے توفیق دے کہ مَیں اپنی ذمہ داری کو صحیح طور پر نباہ سکوں۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مجھے جامعہ احمدیہ کا پرنسپل بنا دیا گیا۔ اس وقت مجھے اللہ تعالیٰ کے پیار اور حُسن کا عجیب تجربہ ہوا . . . . . اللہ تعالیٰ نے یہ فضل کیا کہ میری کلاس جب پہلی دفعہ یونیورسٹی میں گئی تو جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے سارے کے سارے طلبہ پاس ہو گئے۔ اس وقت مجھے اپنے ربّ کی قدرتوں کا مزید یقین ہوا۔ اور مَیں نے سمجھا کہ علوم کا سیکھنا اور سکھانا بڑی حد تک اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے اور کمزور انسان ہونے کی حیثیت سے ہماری کوششوں میں جو کمی رہ جاتی ہے اس کی کمی کو ہم اپنی دُعاؤں سے پُورا کر سکتے ہیں۔ یہ تجربہ ۱۹۴۱ء-۱۹۴۲ء سے اب تک مجھے رہا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ اس کالج میں بھی سب سے کم لیکچر دینے والا مَیں ہی تھا۔ اگر دوسرے اساتذہ

سو سو لیکچر دیتے تو میں چالیس پچاس سے زیادہ لیکچر نہ دے سکتا تھا۔ شاید کچھ اپنی غفلت کی وجہ سے اور کچھ اپنی دیگر ذمہ داریوں کی وجہ سے۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کے حضور دعائیں کرنے کی وجہ سے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل رہا ہے کہ جو پرچہ میں پڑھاتا رہا ہوں (اکنامکس اور پولیٹکل سائنس پڑھائے ہیں) اس کے بڑے اچھے نتائج نکلتے رہے ہیں۔ ایک کلاس میری ایسی تھی کہ جس کے متعلق ایک دفعہ مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں نے کچھ حصے ان کو صحیح رنگ میں نہیں پڑھائے اور اس میں طلبہ کمزور ہیں۔ امتحان سے پندرہ بیس دن پہلے مجھے خیال آیا کہ ایک عنوان ایسا ہے کہ اگر میں اس کے متعلق ان کو نوٹ تیار کر کے دے دُوں تو خدا کے فضل سے یہ طلبہ بڑا اچھا نتیجہ نکال لیں گے چنانچہ میں نے ایک نوٹ تیار کیا اور کوشش کر کے میں نے خود طالب علموں کے پاس پہنچایا اور ان کو کہا کہ اس کو یاد کر لو۔ چنانچہ جب پرچہ آیا تو اس میں تین سوال ایسے تھے جو میرے اس نوٹ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور چونکہ وہ مختصر اور کمپری ہَنسِو (مکمل) تھا اور تازہ تازہ ان کے ذہن میں تھا۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ اس سال نصف سے زیادہ طلبہ نے اس پرچہ میں فرسٹ ڈویژن حاصل کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا۔

پس میرے اپنے سارے زمانہ میں یہ تجربہ رہا ہے کہ جب ہم اپنے ربّ کی طرف عاجزی اور انکساری کے ساتھ جھکتے ہیں تو وہ اپنے فضل اور رحم کی بارشیں ہم پر کرتا ہے۔ ہمارا خدا بخیل نہیں بلکہ بڑا دیالو ہے۔ اگر کبھی ہم کامیاب نہیں ہوتے تو اس کا سبب صرف یہ ہوتا ہے کہ ہم بعض دفعہ لاپرواہی سے کام لیتے ہیں اور اس کی طرف جھکنے کی بجائے دوسرے دروازوں کو کھٹکھٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ دروازے کھولے نہیں جاتے۔

تو اس زمانہ میں جب میں جامعہ میں تھا میں نے اپنا دل اور دماغ اس ادارے کو دے دیا تھا اور بڑی محنت سے اس کی نشوونما کی طرف توجہ کی تھی۔ اور اس زمانہ میں جب میں نے حساب لگایا تو مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ پہلے یا دوسرے سال جتنے جامعہ احمدیہ کے واقفینِ زندگی تبلیغ اسلام کے میدان میں اُترے اس سے پہلے پانچ یا سات سال کے طلبہ کی مجموعی تعداد بھی اتنی نہ تھی۔ اور اس زمانہ کے بہت سے طالب علم ہیں جو اس وقت تبلیغی میدان میں کام کر رہے ہیں۔

پھر ۱۹۴۴ء میں جب مَیں اپنی بیگم کی بیماری کی وجہ سے اُن کے علاج کے لئے دہلی گیا ہوا تھا۔ اچانک ایک دن ڈاک میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط مجھے ملا کہ یہاں قادیان میں ایک کالج کھولنے کا فیصلہ ہوا ہے اور حضرت صاحب نے تمہیں اس کالج کا پرنسپل مقرر فرمایا ہے۔ مَیں بڑا پریشان ہوا۔ کہ پہلے مَیں عربی قریباً بھول چکا تھا تو مجھے جامعہ میں لگا دیا گیا۔ اب جب میرا ذہن کلّی طور پر اس چیز کی طرف متوجہ ہو چکا ہے تو مجھے وہاں سے ٹرانسفر کر کے ایک انگریزی ادارے کا پرنسپل بنا دیا گیا ہے۔ اس وقت ابھی صرف انٹرمیڈیٹ کالج تھا۔ خیر خدا تعالیٰ سے دُعا کی کہ وہ اس ذمہ داری کو بھی سنبھالنے کی توفیق دے اور ہماری کوششوں میں برکت ڈالے۔ ابتدا بالکل چھوٹے سے کام سے ہوئی۔ اس جماعت پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس میں جو ساتھی ملتے ہیں وہ بڑے پیار سے کام کرنے والے اور تعاون کرنے والے ہوتے ہیں۔ گو بہت سے میری طرح بالکل RAW (خام) تھے۔ مَیں اس وجہ سے RAW تھا کہ اس میدان سے بالکل ہٹ چکا تھا اور عربی کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ اور اکثر ان میں سے وہ تھے جو ایم۔ اے پاس کرتے ہی وہاں آگئے تھے۔ جنہیں کوئی تجربہ نہ تھا۔ باقی سب RAW ہی تھے۔ ہم نے جو کوششیں کیں وہ تو کیں، ہمارے جو وسائل تھے شاید آپ ان کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔

ایک چھوٹی سی مثال سے اس کو واضح کر دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ ایک لمبے عرصہ تک پرنسپل کے دفتر کے سامنے چق بھی نہ تھی۔ دروازہ یونہی کھلا رہتا تھا۔ پھر ان چقوں کے حصول کے لئے محترم قاضی محمد اسلم صاحب کو سپیشل سفارش کرنی پڑی۔ تب جا کر اس دفتر کو چقیں نصیب ہوئیں اور ایک حد تک اطمینان اور پرائیویسی جو کام کرنے کے لئے ضروری ہوتی ہے میسر آئی۔

پھر مالی لحاظ سے بھی خدا تعالیٰ کا میرے ساتھ عجیب سلوک رہا ہے کہ مَیں نے کبھی نہیں سوچا اور نہ دیکھا اور نہ پتہ کیا کہ ہمارے کھاتوں میں کتنی رقم ہے۔ ہمیشہ یہ سوچا کہ جو خرچ آپڑا ہے وہ ضروری ہے کہ نہیں اور اس خرچ میں کوئی فضول خرچی تو نہیں۔ ناجائز حصہ تو نہیں۔ اگر جائز ضرورت ہوتی تو پھر یقین ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم کرتے ہوئے اس جائز ضرورت کو پُورا کرنے کی ذمہ داری لی ہوئی ہے۔ پھر جب سال گذرتا، حساب کرتے تو ساری رقوم ایڈجسٹ ہو جاتیں اور کبھی فکر یا تردد کرنا نہیں پڑا۔ ورنہ یہ کالج جس میں آپ اس وقت بیٹھے ہیں کبھی نہ بنتا۔

جب مَیں نے اس کالج کا نقشہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے حضور پیش کیا تو آپ مُسکرائے اور فرمایا کہ اتنا بڑا کالج بنانے کے لئے میرے پاس پیسے نہیں۔ مَیں تمہیں ایک لاکھ روپیہ کالج کے لئے اور پچاس ہزار روپیہ ہوسٹل کے لئے دے سکتا ہوں۔ اور یہ نہیں کرنے دوں گا کہ کالج کی بنیادیں اس نقشہ کے مطابق بھر لو اور پھر میرے پاس آجاؤ کہ جی! آپ کا دیا ہوا لاکھ روپیہ خرچ ہو گیا ہے۔ کالج کی صرف بنیادیں بھری گئی ہیں، تکمیل کے لئے اور پیسے دے دو پس انجنیئر سے مشورہ کر کے اس نقشہ پر سُرخ پنسل سے نشان لگواؤ کہ ایک لاکھ سے بلڈنگ کا اتنا حصہ بن جائے گا وہ مَیں نے تم سے بنا ہوا لے لینا ہے۔

مَیں نے اس وقت جرأت سے کام لیتے ہوئے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ ٹھیک ہے مَیں حضور سے پیسے مانگنے نہیں آیا، نقشہ منظور کرانے آیا ہوں اس کے لئے حضور دعا فرماویں۔ مَیں لکیریں لگوا کر لے آؤں گا۔ لیکن مجھے اجازت دی جائے کہ جماعت سے عطایا وصول کر سکوں۔ حضور نے فرمایا۔ ٹھیک ہے عطایا وصول کرو لیکن لکیریں ڈلوا کر لاؤ۔

مَیں نے نقشہ پر مشورہ کرنے کے بعد لکیریں ڈالیں۔ پھر حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ تب حضور نے منظوری دی کہ کام شروع کر دو۔ لیکن اس کے بعد نہ مجھے یاد رہا کہ وہ لکیریں کس حصہ پر ڈالی گئی تھیں نہ حضورؓ کو یہ کہنے کی ضرورت پڑی کہ لکیریں کہیں اور ڈالی گئی تھیں اور کالج کا پھیلاؤ زیادہ ہو گیا ہے اور رقم کا مطالبہ کر رہے ہو۔

تو اللہ تعالےٰ ہر مرحلہ پر آگے بڑھنے کی توفیق دیتا چلا گیا۔ جب ہم ایک جگہ پہنچتے تو مَیں اپنے ساتھیوں کو جو تعمیر کر رہے تھے کہہ دیتا کہ اگلا کام بھی شروع کرا دو۔ جب وہ حصہ بن جاتا تو مَیں کہتا کہ اب اگلا حصہ بھی بنا لو۔ مَیں شاہد ہوں اس بات کا اور پورے یقین اور وثوق کے ساتھ آپ کو یہ بات بتا رہا ہوں کہ آج تک مجھے (جو خرچ کرنے والا تھا) پتہ نہیں کہ یہ رقم کہاں سے آئی جیسا کہ آپ جانتے ہیں سب آمد خزانہ میں جاتی ہے اور سب خرچ چیکوں کے ذریعہ ہوتا ہے لیکن کبھی ہم نے اس کو سمیٹا نہیں۔ یہ کالج کی عمارت، ہوسٹل اور دوسری بلڈنگیں ہیں وہ سب ملا کر ایک لاکھ مربع فٹ سے اُوپر ہیں اور میرا اندازہ ہے کہ ان پر چھ سات لاکھ روپیہ کے درمیان خرچ آیا ہے۔ بعض دفعہ اچھے پڑھے لکھے غیر از جماعت دوست آتے ہیں اور ان سے بات چیت ہوتی

ہے تو وہ یقین نہیں کرتے کہ اتنی تھوڑی رقم میں اتنی بڑی عمارت کھڑی ہو سکتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ہم اُن سے چالاکی کر رہے ہیں، صحیح رقم بتانے کے لئے تیار نہیں۔

تو جہاں تک ضروریات اور اسباب کا سوال ہے اللہ تعالیٰ نے ۱۹۴۴ء سے ہی اس ادارے پر اپنا خاص فضل کیا ہے اور اپنی رحمتوں کے سائے میں اُسے رکھا ہے۔ وہ ہماری کمزوریوں کو اپنی مغفرت کی چادر سے ڈھانپ لیتا ہے اور نتائج محض اس کے فضل سے اچھے نکلتے ہیں۔ میرے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا۔ اور مجھے یقین ہے کہ میرے ساتھیوں کے دل میں بھی کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا ہوگا کہ یہ سب کچھ ہماری کوششوں کا نتیجہ ہے کیونکہ ہم اپنی کوششوں کو خوب جانتے ہیں اور ہم سے زیادہ ہمارا رب جانتا ہے۔ جس ادارے پر اللہ تعالیٰ نے اس کثرت کے ساتھ اپنے فضل اور احسان کئے ہوں اس ادارہ کی طرف منسوب ہونے والے خواہ وہ پروفیسر ہوں یا طلبہ ان سب کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر وقت اپنے رب کی حمد کرتے رہیں تاکہ اس کے فضلوں کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے۔

جہاں تک میرے جذبات کا سوال ہے تو جو میرے جذبات پہلے جامعہ احمدیہ کے متعلق تھے وہی جذبات میرے دل میں اس ادارہ کے متعلق پیدا ہوئے اور مَیں نے اپنے دل کو، اپنے دماغ کو اور اپنے جسم کو اس ادارہ کے لئے خدا کے حضور بطور وقف پیش کر دیا اور بڑی محبت اور پیار کے ساتھ اس کو چلانے کی کوشش کی اور ان طلبہ کو جو یہاں تعلیم پاتے تھے مَیں نے اپنے بچوں سے زیادہ عزیز سمجھا۔ بیشک مَیں نے جہاں تک مناسب سمجھا سختی بھی کی۔ لیکن اس وقت سختی کی جب مَیں نے اُسے اصلاح کا واحد ذریعہ پایا اور بعد میں مجھے اس دُکھ کی وجہ سے راتوں جاگنا پڑا کہ کیوں میرے ایک بچہ نے مجھے اس سختی کے لئے مجبور کر دیا تھا کہ مجھے یہ قدم اُٹھانا پڑا۔ کتنی راتیں ہیں جو مَیں نے آپ کی خاطر جاگتے گذار دیں اور ہمیشہ ہی آپ کے لئے دُعائیں کرتا رہا اور پھر مَیں نے اپنے رب کا پیار بھی محسوس کیا کہ وہ اپنے فضل سے میری اکثر دُعائیں قبول کرتا رہا اور کبھی کسی موقعہ پر بھی میرے دل میں ناکامی نامُرادی یا نااُمیدی کا خیال تک پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ ہی ان دلوں میں پیدا ہونا چاہیئے جنہوں نے اس کام کو کرنا ہے"۔[1]

---

[1] "الفضل" ۱۵ر فتح/دسمبر ۱۳۴۴ہش ؍ ۱۹۶۵ء

دوسرا باب

سپین میں پرچم اسلام لہرانے کا عزم، خلیفۂ وقت کی حفاظت کا مسئلہ، برصغیر کی احمدی جماعتوں کیلئے الانذار، سیدنا المصلح الموعود کی آخری شادی، ستیارتھ پرکاش کے مکمل جواب کی تجویز، مصلح موعود کے دورِ جدید کا پہلا سالانہ جلسہ

اور

دوسرے اہم متفرق واقعات

فصل اوّل

ماہ شہادت/اپریل تا ماہ احسان/جون
۱۳۲۳ہش
۱۹۴۴ء

ہم تعلیم الاسلام کالج کی مفصل تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے ماہ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء سے ابتدا کر کے ۱۳۴۴ہش/۱۹۶۵ء کے آخر تک پہنچ گئے تھے۔ اب ہم ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے بقیہ اہم واقعات کی طرف پلٹتے ہیں۔

جماعت کو صحابہ کے بابرکت وجود سے فائدہ اُٹھانے کی خاص ہدایت

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ ہی احباب جماعت کو یہ تلقین فرماتے رہتے تھے کہ وہ صحابہ کے مبارک زمانہ کو غنیمت سمجھیں، اُن سے فیض صحبت اُٹھائیں اور اُن کے

رنگ میں رنگین ہو کر زندہ ایمان اور کامل عرفان پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اسی سلسلہ میں حضور نے ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء کے آغاز میں ایک دردانگیز خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص صحابہ میں سے خصوصاً حضرت منشی رستم علی صاحب (آف مدار ضلع جالندھر) کے جذبۂ ایثار و فدائیت کی مثال دیتے ہوئے بتایا کہ

"چوہدری رستم علی صاحبؓ غالباً پہلے سب انسپکٹر تھے۔ پھر خدا تعالیٰ نے ان کو انسپکٹر بنا دیا۔ سب انسپکٹری کی تنخواہ میں سے وہ ایک معقول رقم ماہوار چندہ کے طور پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھجوایا کرتے تھے۔ اس وقت غالباً اُن کی اسّی روپے تنخواہ تھی۔ پھر خدا تعالیٰ نے اُن کو انسپکٹر بنا دیا۔ اور ان کی ایک سَو اسّی ۱۸۰ روپے تنخواہ ہوگئی۔ جب ان کا خط آیا اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیمار تھے۔ مَیں نے خود اُن کا خط پڑھ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سُنایا۔ انہوں نے خط میں لکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے عہدہ میں ترقی دے کر تنخواہ میں ایک سَو ۱۰۰ روپیہ کی زیادتی عطا فرمائی ہے۔ مجھے اپنے گذارہ کے لئے زیادہ روپوں کی ضرورت نہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ نے میری تنخواہ میں یہ اضافہ محض دین کی خدمت کے لئے کیا ہے اس لئے مَیں آئندہ علاوہ اس چندہ کے جو مَیں پہلے ماہوار بھیجا کرتا ہوں یہ سَو روپیہ بھی جو مجھے ترقی کے طور پر ملا ہے ماہوار بھیجتا رہوں گا۔

دیکھو اس قسم کے نمونے آجکل کتنے نادر ہیں؟ مگر اس وقت کثرت سے جماعت میں اس قسم کے نمونے پائے جاتے تھے۔ لیکن مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد ان کو دیکھا کہ اُن کے دل اس بات پر خوش نہیں تھے کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ کافی تھا بلکہ بعد میں جب انہوں نے محسوس کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود اس سے بہت زیادہ اہم تھا جتنا انہوں نے سمجھا اور اس سے بہت زیادہ آپ کے وجود پر دُنیا کی ترقی کا انحصار تھا جس قدر انہوں نے پہلے خیال کیا تو ان کے دل روتے تھے کہ کاش انہیں یہ بات پہلے معلوم ہوتی اور وہ اس سے بھی زیادہ خدمت کر سکتے۔ مگر پھر انہیں یہ موقعہ نصیب نہ ہُوا۔ اور وقت ان کے ہاتھ سے چلا گیا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں کئی لوگ ایسے تھے جنہیں قادیان میں صرف دو تین دفعہ آنے کا موقعہ ملا اور انہوں نے اپنے دل میں یہ سمجھا کہ خدا تعالیٰ نے بڑا فضل کیا کہ ہمارا قادیان سے تعلق

پیدا ہو گیا اور ہم نے زمانہ کے نبی کو دیکھ لیا۔ مگر آج اس چیز کی اس قدر اہمیت ہے کہ ہماری جماعت میں سے کئی لوگ ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ یاد کر کے بڑی خوشی سے یہ کہنے کے لئے تیار ہو جائیں گے کہ کاش ہماری عمر میں سے دس یا بیس سال کم ہو جاتے لیکن ہمیں زندگی میں صرف ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھنے کا موقع مل جاتا۔ . . . .

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ تو گزر گیا۔ اب آپ کے خلفاء اور صحابہ کا زمانہ ہے۔ مگر یاد رکھو کچھ عرصہ کے بعد ایک زمانہ ایسا آئے گا جب چین سے لے کر یورپ کے کناروں تک لوگ سفر کریں گے اس تلاش اس جستجو اور اس دھن میں کہ کوئی شخص انہیں ایسا مل جائے جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بات کی ہو مگر انہیں کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا۔ پھر وہ کوشش کریں گے کہ انہیں کوئی ایسا شخص مل جائے جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بات نہ کی ہو۔ صرف مصافحہ ہی کیا ہو۔ مگر انہیں ایسا شخص بھی کوئی نہیں ملے گا۔ پھر وہ کوشش کریں گے کہ انہیں کوئی ایسا شخص مل جائے جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بات نہ کی ہو، آپ سے مصافحہ نہ کیا ہو، صرف اس نے آپ کو دیکھا ہی ہو مگر انہیں ایسا بھی کوئی شخص نظر نہیں آئے گا۔ پھر وہ تلاش کریں گے کہ کاش انہیں کوئی ایسا شخص مل جائے جس نے گو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بات نہ کی ہو۔ آپ سے مصافحہ نہ کیا ہو، آپ کو دیکھا نہ ہو، مگر کم سے کم وہ اس وقت اتنا چھوٹا بچہ ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو دیکھا ہو مگر انہیں ایسا بھی کوئی شخص نہیں ملے گا۔ لیکن آج ہماری جماعت کے لئے موقع ہے کہ وہ ان برکات کو حاصل کرے۔"[1]

سپین میں اسلامی جھنڈا لہرانے کا عزم صمیم

مسلم سپین کی تباہی اور بربادی تاریخ اسلام کا نہایت اندوہناک، درد انگیز اور خونچکاں باب ہے جس کے لفظ لفظ پہ ہر مخلص اور حساس اور غیور مسلمان کا جگر پاش پاش ہو جاتا، کلیجہ مُنہ کو آتا، دل غم و اندوہ میں ڈوب جاتا اور آنکھیں بے اختیار خون کے آنسو روتی ہیں۔

---

[1] "الفضل" ۱۵؍ شہادت / اپریل ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳-۴

مسلمان سرزمین اندلس (سپین) میں ۷۱۱ء سے ۱۴۹۲ء تک حکمران رہے۔ بعد ازاں اندلس کی اسلامی سلطنت عیسائی بادشاہ فرڈیننڈ کے قبضہ میں چلی گئی۔ گو فرڈیننڈ نے از روئے معاہدہ مسلمانوں کو مذہب اور زبان کی آزادی دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن ۱۴۹۹ء سے ایسے انسانیت سوز اور شرمناک مظالم شروع ہو گئے جو ایک صدی کے اندر اندر اندلسی مسلمانوں کے بالجبر ارتداد، اخراج، قتل عام اور بالآخر ان کے کلیۃً خاتمہ پر منتج ہوئے۔ ملک سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹ گیا اور مسلمانوں کے اس پُرشکوہ اور پُرعظمت دَور کی بجائے آثار قدیمہ کی بعض یادگاریں عمارتوں یا کھنڈروں کی صورت میں باقی رہ گئیں۔ مُسلم سپین میں پیدا ہونے والے وہ سینکڑوں مفسّر، فقیہہ، فلسفی، صُوفی، ادیب اور جرنیل اور تاجدار جن کی خاکِ پا نے اس ملک کو ہمدوش ثریّا بنا دیا تھا اب زیرِ خاک آسودہ ہیں اور عظمتِ اسلام کا خزانہ لُٹ چکا ہے!![1]

اللہ تعالیٰ نے سیّدنا المصلح الموعود کو ملّت اسلامیہ کے لئے ایک مضطرب اور درد مند دل بخشا تھا۔ حضور ہمیشہ مسلمانوں کی گذشتہ حکومتوں کی تاریخ عروج و زوال کا خاص طور پر مطالعہ فرماتے اور آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ خصوصاً اسلامی ریاست میسور اور اسلامی سپین کے صفحہ ہستی سے معدوم کئے جانے کے لرزا دینے والے واقعات سے آپ کے قلب مبارک پر سخت چوٹ لگتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور کی تقریروں اور تحریروں میں میسور کے آخری بادشاہ حضرت ابوالفتح فتح علی ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ اور ہسپانوی جرنیل عبدالعزیز جیسے اسلام کے فدائیوں اور شیدائیوں کی جاں فروشی اور جاں نثاری کے تذکرے ہمیں ملتے ہیں۔ مگر تحریک احمدیت جس کے آپ سپہ سالار تھے چونکہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی علمبردار تحریک ہے اور ایک روشن مستقبل کا امید افزاء پیغام لے کر اُٹھی تھی اس لئے جہاں اس دَور کے دوسرے مسلمان زعماء مسلمان شاعر، مسلمان فلاسفر اور مسلمان خطیب عبرت نامہ اندلس پر قلم اُٹھاتے یا لب کشائی کرتے ہوئے محض مرثیہ خواں بن کے رہ گئے تھے وہاں سیدنا المصلح الموعودؓ نے یہ پُرشوکت نعرہ بلند کیا کہ ہم قرطبہ، زہراء، غرناطہ، مالقہ، طلیطلہ اور ہسپانیہ کے دوسرے شہروں میں ہی نہیں اس کے ذرّہ ذرّہ پر

---

[1] مُسلم سپین کی تاریخ کے لئے ملاحظہ ہو "حضارة العرب فی الاندلس" تالیف السید عبدالرحمٰن البرقوقی۔ "نفح الطیب" تالیف مقری۔ "المعجب" تالیف علامہ عبدالواحد مراکشی۔ "الاحاطہ فی اخبار غرناطہ" تالیف الوزیر محمد لسان الدین ابن الخطیب۔ "تاریخ اسپین" تالیف سید قمرالدین احمد قمر سندیلوی۔ "تاریخ اندلس" از حضرت مولانا عبدالرحیم درد۔ "ہسٹری آف دی مورش ایمپائر ان یورپ" یعنی اخبارالاندلس از سکاٹ۔ "مورز ان سپین" از لین پول۔ "عبرت نامہ اندلس" از پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی۔

دوبارہ اسلام کا جھنڈا گاڑیں گے۔

چنانچہ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ۷ شہادت / اپریل ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کو قادیان میں ایک ولولہ انگیز خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

"تاریخ اسلام کی ان باتوں سے جو مجھے بہت پیاری لگتی ہیں۔ ایک بات ایک ہسپانوی جرنیل کی ہے جس کا نام غالباً عبد العزیز تھا۔ جب سپین میں مسلمانوں کی طاقت اتنی کمزور ہو گئی کہ ان کے ہاتھ میں صرف ایک قلعہ رہ گیا جو آخری قلعہ تھا تو عیسائیوں نے ان کے سامنے بعض شرائط پیش کیں اور کہا کہ اگر بچنا چاہتے ہو تو ان کو مان لو۔ وہ شرائط ایسی تھیں کہ جنہیں مان کر اسلام سپین میں عزت کے ساتھ نہ رہ سکتا تھا۔ بادشاہ وقت ان شرائط کو ماننے کے لئے تیار ہو گیا۔ دوسرے جرنیل بھی تیار تھے۔ مگر یہ جرنیل کھڑا ہوا۔ اور کہا کہ اے لوگو! کیا کرتے ہو؟ کیا تمہیں یقین ہے کہ عیسائی اپنے وعدوں کو پورا کریں گے۔ ہمارے باپ دادا نے سپین میں اسلام کا بیج بویا تھا۔ اب تم لوگ اپنے ہاتھوں سے اس درخت کو گرانے لگے ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ سوائے اس کے ہو کیا سکتا ہے۔ دشمن سے کامیاب مقابلہ کی صورت ہے ہی کیا؟ اسی جرنیل نے کہا۔ یہ سوال نہیں کہ دشمن سے کامیاب مقابلہ کی صورت کیا ہے؟ نہ ہمیں اس کے سوچنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنا فرض ادا کرنا چاہیئے اور ہم میں سے ہر ایک کو چاہیئے کہ مر جائے مگر ان شرائط کو تسلیم نہ کرے اس طرح یہ ذلت تو نہ اُٹھانی پڑے گی کہ اپنے ہاتھ سے حکومت دشمن کو دے دیں۔ جو کچھ تمہارے اختیار کی بات ہے وہ کر دو اور باقی خدا تعالٰے پر چھوڑ دو۔ یہ بات سُنکر وہ لوگ ہنسے اور کہا کہ اس قربانی کا کیا فائدہ؟ اور سب نے انکار کیا۔ مگر اس نے کہا کہ اگر تم اس بے غیرتی کو پسند کرتے ہو تو کرو میں تو اپنے ہاتھ سے اسلامی جھنڈا دشمن کے حوالے نہ کروں گا۔ قریباً ایک لاکھ کا لشکر تھا جو قلعہ کے باہر جمع تھا۔ وہ اکیلا ہی تلوار لے کر باہر نکلا۔ دشمن پر حملہ کر دیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔ بیشک اس کی شہادت کے باوجود سپین میں مسلمانوں کی حکومت تو قائم نہ رہ سکی مگر اس کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ رہ گیا اور موت اُسے مٹا نہ سکی۔ وہ بادشاہ اور جرنیل جنہوں نے اس کے مشورہ کو تسلیم نہ کیا اور اپنی جانیں بچانی چاہیں وہ مٹ گئے۔ ان کا ذکر پڑھ کر اور سُنکر ہم اپنے نفسوں کو بڑے زور سے ان پر لعنت کرنے سے روکتے ہیں۔ لیکن کبھی سپین کے حالات

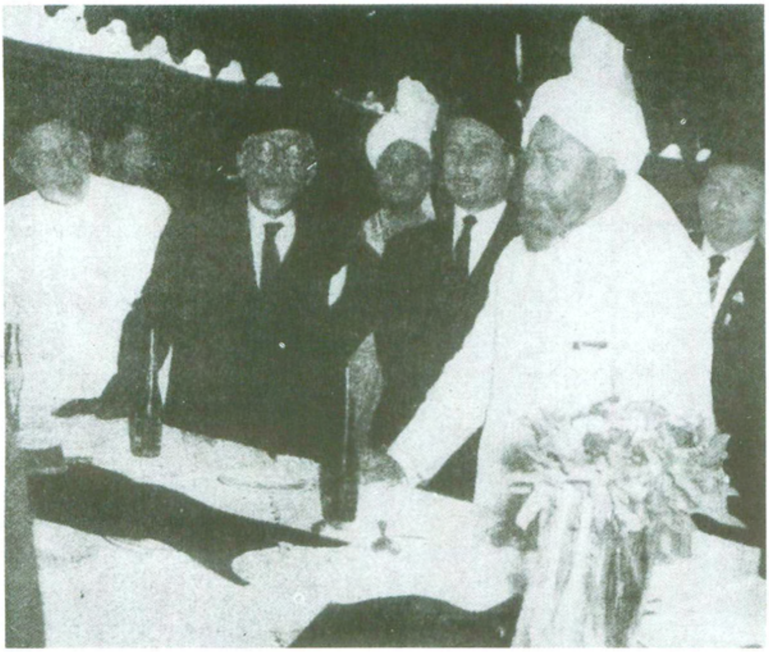

سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کالج کے اساتذہ وطلبہ کو پہلا خطاب عام کرنے کے بعد
(حضور کے پیچھے۔۔ پروفیسر محمد احمد صاحب حیدر آبادی۔۲۔ حضور کے ساتھ دائیں سے بائیں باترتیب پروفیسر نصیر احمد خان
صاحب، صوبیدار عبد المنان صاحب، قاضی محمد اسلم صاحب ایم اے پرنسپل تعلیم الاسلام کالج۔ میجر عارف زمان صاحب اور میجر
صاحب کے پیچھے پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم اے کھڑے ہیں)

کا میں مطالعہ نہیں کرتا یا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یہ باتیں میرے ذہن میں آئی ہوں اور اُس جرنیل کے لئے دُعائیں نہ نکلتی ہوں۔ اُس کے خون کے قطرے آج بھی سپین کی وادیوں میں ہم کو آوازیں دیتے ہیں کہ آؤ! اور میرے خون کا انتقام لو۔ بیشک وہ بہادر جرنیل مَر گیا۔ مگر مَرنا ہے کیا ؟ کیا یوں لوگ نہیں مَرتے ؟ کیا وہ بادشاہ اور جرنیل جو دشمن سے نہ لڑے مَر نہ گئے ؟ وہ بھی ضرور مَر گئے۔ لیکن ان کے لئے ہمارے دلوں سے لعنت نکلتی ہے اور اس جرنیل کے لئے دُعائیں۔

آج بھی اس کی کشش ہمیں سپین کی طرف بُلا رہی ہے اور اگر مسلمانوں کی غیرت قائم رہی اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے ظاہر ہوتا ہے نہ صرف قائم رہیگی بلکہ ترقی کرے گی اور پہلے سے بھی بڑھ کر ظاہر ہوگی تو وہ دن دُور نہیں جب اس جرنیل کے خُون کے قطروں کی پکار، اس کی جنگلوں میں چلانے والی رُوح اپنی کشش دکھائے گی۔ اور سچے مسلمان پھر سپین پہنچیں گے اور وہاں اسلام کا جھنڈا گاڑ دیں گے۔ اس کی رُوح آج بھی ہمیں بُلا رہی ہے۔ اور ہماری رُوحیں بھی یہ پکار رہی ہیں کہ اے شہیدِ وفا! تم اکیلے نہیں ہو۔ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کے سچے خادم منتظر ہیں۔ جب خدا تعالےٰ کی طرف سے آواز آئے گی وہ پروانوں کی طرح اِس مُلک میں داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے نُور کو وہاں پھیلائیں گے۔

یہ سوال نہیں کہ ہم امن پسند جماعت ہیں۔ مخالف امن پسندوں پر بھی تلوار کھینچ کر اُن کو مقابلہ کی اجازت دِلوا دیا کرتے ہیں۔ کیا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم امن پسند نہ تھے۔ مگر مخالفین کے ظلموں کی وجہ سے آخر اللہ تعالیٰ نے ان کو مقابلہ کی اجازت دے دی۔ جیسا کہ فرمایا أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ[۱] جن لوگوں کو خواہ مخواہ نشانہ مظالم بنایا گیا ہے اب ان کو بھی اجازت ہے کہ مقابلہ کریں۔

پس سپین کے لوگ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یُوں مقدر ہے تو ہماری تبلیغ و تعلیم سے ہی کُفر و شرک کو چھوڑ دیں گے اور یا پھر ہم پر اتنا ظلم کریں گے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے مقابلہ کی اجازت ہو جائے گی اور وہ جنہوں نے کان پکڑ کر مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکالا تھا

---

[۱] سورۃ الحج آیت ۴۰۔

کان پکڑ کر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے مزار پر حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ حضور کے غلام حاضر ہیں اور اس اکیلے لڑنے والے کی رُوح ناکام نہیں رہے گی۔" [1]

مجلس مشاورت ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں خلیفۂ وقت کی حفاظت کا مسئلہ

۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کی مجلس مشاورت ۷۔۸۔۹ شہادت / اپریل کو منعقد ہوئی جس میں دوسرے معاملات کے علاوہ خلیفہ وقت کی حفاظت کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا۔ اور حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری، چوہدری اعظم علی صاحب، ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم، ماسٹر غلام محمد صاحب، چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ، مولوی محمد احمد صاحب ثاقب، شیخ نیاز احمد صاحب، محمد عبداللہ صاحب، سید ارتضیٰ علی صاحب، میاں غلام محمد صاحب اختر، غلام حسین صاحب، مولوی ظہور حسین صاحب، پیر صلاح الدین صاحب، پیر اکبر علی صاحب، مولوی ابوالعطاء صاحب، بابو عبدالحمید صاحب، مولوی عبدالرحیم صاحب درد نے اپنے اپنے خیالات وجذبات کا اظہار کیا اور مختلف تجویزیں پیش کیں۔ اسی ضمن میں حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے فرمایا:۔

"نظامِ خلافت کی حفاظت کے ساتھ خلفاء کی حفاظت کا گہرا تعلق ہے جو قوم نظامِ خلافت کی حفاظت نہیں کر سکتی وہ خلافت سے محروم ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی حفاظت مسلمانوں نے کی۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے انہیں پہلے سے زیادہ برکات دیں۔ بعد میں آنے والے خلیفوںؓ کے وقت میں خدا تعالےٰ کی تائید اس پایہ کی نہ تھی جس پایہ کی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تھی۔ جب مسلمانوں نے غفلت کی تو تین دفعہ غفلت کے بعد مسلمانوں سے خلافت چھین لی

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی حفاظت کے لئے دونوں قسم کے انتظامات کی ضرورت ہے۔ رضاکارانہ اور بامعاوضہ۔ رضاکارانہ حفاظت میں ہو سکتا ہے کہ ۲۴ گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ خالی رہ جائے۔ انتظام کو مکمل رکھنے کے لئے تنخواہ دار پہریداروں کی بھی ضرورت ہے پھر نظامِ خلافت قائم رکھنے کے لئے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ صرف یہی کافی ہے کہ بارہ یا بیدرہ آدمی رکھ دیئے جائیں۔ میرے نزدیک ۲۰۰ آدمیوں کا وجود بھی خلیفہ کی حفاظت کے لئے کافی نہیں

[1] "الفضل" ۱۷ ہجرت / مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴

اور نہ معلوم ہمیں کس وقت اس کے لئے ایک ہزار آدمیوں کی ضرورت ہو۔ ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ خلیفہ کے وجود کو قائم رکھ کر نظام خلافت کی حفاظت کریں خواہ ایک سَو آدمی اس کام پر متعین ہوں۔ تب بھی ہم میں سے ہر شخص اس کے لئے بیقرار ہو اور وہ تہیّہ کئے ہو کہ ہم نے خلیفہ کی حفاظت کر کے نظام خلافت کی حفاظت کرنی ہے" [1]

بالآخر کثرت رائے سے یہ قرار پایا کہ

"حضور کی خدمت میں سفارش کی جائے کہ حضور ماہر اصحاب کی ایک کمیٹی مقرر فرمائیں جو حضور کی خدمت میں رپورٹ پیش کرے۔ اس کا مالی حصہ بجٹ کمیٹی میں پیش کر دیا جائے۔ حضور دونوں رپورٹوں کے بعد اس کے متعلق خود فیصلہ فرماویں" [2]

اس بحث کے دوران چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ اجلاس میں تشریف فرما نہ تھے اس لئے چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے (جن کی زیر صدارت یہ کارروائی ہوئی تھی) یہ سفارش سیّدنا حضرت المصلح الموعود کی خدمت میں پہنچا دی جو حضور نے بھی قبول فرمالی اور ساتھ ہی ناظر صاحب امور عامہ، چوہدری فتح محمد صاحب سیال، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور شیخ نیاز احمد صاحبؓ پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی۔ اس کمیٹی کی رپورٹ کے بعد شیخ نیاز احمد صاحب نگران حفاظت مقرر ہوئے اور پہرہ داروں میں بھی اضافہ کیا گیا جس سے حضرت سیدنا المصلح الموعود کی حفاظت کا انتظام پہلے سے نسبتاً زیادہ عمدہ صورت میں قائم ہو گیا۔

جماعت میں ضلع وار نظام کا قیام

مرکز سلسلہ کی صوبہ پنجاب کے اضلاع کی متفرق اور کثیر جماعتوں کی براہ راست نگرانی کا مسئلہ روز بروز مشکل اور پیچیدہ ہو رہا تھا۔ اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے مجلس مشاورت ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء کی تجویز پر ضلع وار نظام کے قیام کا فیصلہ فرمایا اور اس نئی سکیم کے تجربہ کے لئے سب سے پہلے گورداسپور، لاہور، لائل پور، گجرات، گوجرانوالہ، سرگودھا، فیروزپور، سیالکوٹ، جالندھر اور ہوشیارپور کے اضلاع تجویز کئے گئے۔

ضلع وار نظام کے حسب ذیل فرائض قرار پائے:۔

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶۲، ۶۳ [2] ایضاً صفحہ ۶۵

۱۔ تبلیغ اسلام، تربیت جماعت اور چندوں کی وصولی میں مرکز سلسلہ کی اعانت۔

۲۔ علاقہ کے تمام احمدی بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام۔

۳۔ چندوں کے متعلق افراد کے کھاتے رکھنا۔

۴۔ مرکزی ہدایات و تحریکات کا تمام حلقہ میں اجراء، اور ان کی تعمیل اور نگرانی اور اس کے متعلق مرکز سلسلہ کو ہدایات کے ماتحت رپورٹ دینا اور ضلع کے عام حالات سے مطلع رکھنا۔

۵۔ آنریری مبلغ اور کارکن پیدا کرنا جو سالانہ ایک مہینہ مسلسل تبلیغ کے لئے وقت دیں۔ اور ایسے لوگوں کی تعداد پانچ فی صدی تک ہونی چاہیئے۔

۶۔ ہر سال اس نظام کے مرکزی مقام یا کسی دوسرے اہم مقام پر سالانہ جلسہ کرنا۔

۷۔ ہر ایک جماعت کا دورہ سال میں دو دفعہ لازماً کرنا۔ پہلے دَورہ میں امیر کے ساتھ کلرک متعینہ ہوگا اور دوسرے دورہ میں کلرک متعینہ کے ساتھ اس ضلع کے دوسرے با اثر اور صاحب علم دوست ہوں گے۔ پہلے دورہ کی غرض جماعتوں میں انتظام تبلیغ و انتظام تعلیم و تربیت کا استحکام ہوگا اور دوسرے دَورہ کا مقصد تحریک چندہ اور اس سے متعلق امور۔ [1]

سیدنا المصلح الموعود کا ایک ضروری خطبہ واقفینِ زندگی کے نکاحوں سے متعلق

۱۰ ارشہادت / اپریل ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کو حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے بعد نماز عصر مسجد مبارک میں مکرم مولوی نورالحق صاحب [2] واقف زندگی تحریک جدید کے نکاح کا اعلان فرمایا اور ساتھ ہی وضاحت بھی فرمائی کہ

"مَیں نے اعلان کیا ہوا ہے کہ مَیں سوائے اپنے عزیزوں کے اَور کسی کا نکاح نہیں پڑھاؤں گا۔ مگر چونکہ یہ واقفِ زندگی ہیں اور اس وجہ سے میرے عزیزوں میں شامل ہیں اس لئے میں اس نکاح [3] کا اعلان کر رہا ہوں"

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۳۸۔

[3] یہ نکاح مکرم قاضی محمد رشید صاحب مرحوم وکیل المال تحریک جدید کی صاحبزادی صفیہ صدیقہ صاحبہ سے ہوا تھا۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ اپنی اس خاص محبت کے پیش نظر جو آپ کو واقفین سے تھی اس رشتہ کا انتخاب بھی خود فرمایا اور پھر قاضی صاحب مرحوم کو تحریک بھی خود ہی فرمائی۔ آپ اس وقت سکندر آباد دکن میں حکومت کے سویلین گزیٹڈ آفیسر تھے۔ حضور نے شادی کے جملہ اخراجات بھی اپنی جیب خاص سے عطا فرمائے اور دعوت ولیمہ ۲۳ فتح / دسمبر ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کو قصر خلافت ہی میں ہوئی (الفضل ۲۵ فتح / دسمبر ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۱)۔

[2] مراد مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب ہیں۔

حضور پر نُور نے اپنے خطبہ نکاح میں جماعت کی اصلاح اور اس کے حالات کی درستی کے لئے دو نہایت اہم اور ضروری باتوں کی طرف توجہ دلائی۔

۱- پہلی اصلاح طلب بات حضور نے یہ بیان فرمائی کہ:۔

"جب کبھی وقفِ زندگی کی تحریک کی جائے اور نوجوانوں سے کہا جائے کہ وہ اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کریں تو اوّل تو کھاتے پیتے لوگوں کی اولاد وقفِ زندگی کی طرف آتی ہی نہیں اور پھر جو لوگ آتے ہیں اُمراء ان کی طرف تحقیر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ان سے بات کرنا یا ان کے ساتھ چلنا پھرنا ہماری طرف سے ایک قسم کا تذلّل ہے ورنہ خود یہ اس بات کے مستحق نہیں ہیں۔ اسی طرح ان کی شادیوں اور بیاہوں میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ اور میرے نزدیک یہ امر بہت بڑے قومی تنزّل کی ایک علامت ہے۔ اگر واقعہ میں درست ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[1] تو خدا تعالیٰ کے حضور جن کو عزت حاصل ہو ہمیں انھی کو عزت دینی چاہیئے۔ یا تو ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ جو شخص بڑا دُنیا دار ہو وہ خدا تعالیٰ کے حضور معزّز ہوتا ہے۔ اور اگر یہ بات درست نہیں تو پھر اللہ تعالےٰ جن کو عزت دیتا ہے یقیناً ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم انہیں کو عزت دیں۔ اور ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے دربار میں عزت پانے والے کے مقابلہ میں دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ نہ قیصر اس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت رکھتا ہے نہ کوئی اور بادشاہ یا پریذیڈنٹ اس کے مقابل پر کوئی عزت رکھتا ہے۔ بے شک دُنیوی بادشاہ بھی عزتیں رکھتے ہیں مگر انہیں دُنیا کی عزتیں ہی حاصل ہیں، اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی کوئی عزت نہیں۔"

۲- دوسری ضروری بات جو براہِ راست واقفینِ زندگی سے متعلق تھی وہ حضور ہی کے الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے۔ حضور نے فرمایا:۔

"اس کے مقابلہ میں جو واقف ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ جب غریب لڑکیوں کے رشتے ان کے سامنے پیش کئے جائیں تو وہ ان میں کئی کئی نقص نکالیں گے۔ کبھی کہیں گے تقویٰ اعلیٰ درجہ کا نہیں۔ کبھی کہیں گے تعلیم زیادہ اعلیٰ نہیں۔ کبھی کہیں گے سلسلہ سے انہیں محبت کم ہے۔ لیکن

---

[1] سورۃ الحجرات آیت ۱۴

جہاں کسی کھاتے پیتے آدمی کا رشتہ ان کے سامنے آجائے وہ فوراً کہہ دیں گے ہاں ٹھیک ہے۔ یہ لڑکی نیک اور دیندار ہے۔ اس وقت انہیں نیکی بھی نظر آنے لگ جائے گی۔ اتقاء بھی نظر آنے لگ جائے گا۔ تعلیم بھی نظر آنے لگ جائے گی اور وہ اس رشتہ پر رضامند ہو جائیں گے" [۵]

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے خطبہ کے آخر میں جماعت احمدیہ کو یہ نصیحت فرمائی کہ

"یاد رکھو دُنیا انہی لوگوں کے پیچھے پھرا کرتی ہے جو دنیا کو کلی طور پر چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ خدا کے لئے دُنیا چھوڑتے ہیں اور دُنیا کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ ان کے پیچھے پیچھے بھاگتی پھرتی ہے۔ اور انسان حیران ہوتا ہے کہ اب مَیں جاؤں کہاں! لیکن جب تک دُنیا پر نگاہ رکھی جائے دُنیا آگے آگے بھاگتی ہے اور انسان اس کے پیچھے پیچھے دوڑتا ہے مگر پھر بھی اُسے دُنیا حاصل نہیں ہوتی" [۶]

جذبہ اطاعت کے فروغ کیلئے اہم خطبہ

سیدنا المصلح الموعود کی خدمت میں یہ انتہائی افسوسناک اطلاعات پہنچیں کہ بعض نوجوان سلسلہ کے نظام کا احترام نہیں کرتے اور اپنے افسروں کی اطاعت کرنے کی بجائے سرکشی اختیار کرتے ہیں۔ یہ چیز چونکہ سلسلہ احمدیہ کے لئے سمّ قاتل کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس لئے حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ۲ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو اطاعت کی اہمیت پر ایک مفصل خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا:۔

"سلسلہ مقدم ہے سب انسانوں پر، سلسلہ کے مقابلہ میں کسی انسان کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا خواہ وہ کوئی ہو۔ حتیٰ کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیٹا بھی مجرم ہو تو اس کا بھی لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ کوئی انسان بھی سلسلہ سے بالا نہیں ہو سکتا۔ اسلام اور قرآن محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی بالا ہیں۔ اسی طرح احمدیت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی بالا ہے۔ اسلام اور احمدیت کے لئے اگر ہمیں اپنی اولادوں کو بھی قتل کرنا پڑے تو ہم اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیں گے لیکن سلسلہ کو قتل نہ ہونے دیں گے۔

پس تم اپنے اندر سلسلہ کی صحیح اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ پیدا کرو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ کا فضل تم پر نازل ہو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ بے دینوں کی موت نہ مرو اور ایسے مقام پر کھڑے نہ ہو کہ موت سے پہلے اللہ تعالیٰ تم کو مرتدین میں داخل کر دے تو اپنے اندر صحیح اطاعت اور فرمانبرداری

سلہ و سلہ [۵] "الفضل" ۲۲ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۱-۴

کا مادہ پیدا کرو۔ احمدیت یقیناً خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ احمدیت ایک ایسی دھار ہے کہ جو بھی اس کے سامنے آئے گا وہ مٹا دیا جائے گا۔ یہ تلوار کی دھار ہے اور جو بھی اس کے سامنے کھڑا ہوگا وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا۔ خدا تعالیٰ جس سلسلہ کو قائم کرنا چاہے اس کی راہ میں جو بھی کھڑا ہو وہ مٹا دیا جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے اس کے مقابلہ میں کسی انسان کی پروا نہیں کی جائے گی خواہ وہ کوئی ہو، خواہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیٹا کیوں نہ ہو، خواہ وہ میرا بیٹا کیوں نہ ہو۔ سلسلہ مقدم اور غالب ہے ہر انسان پر" [۱]

برصغیر کی احمدی جماعتوں کیلئے "الانذار"

تحریک جدید کے مجاہدین کے ذریعہ سے بیرونی ممالک خصوصاً مغربی افریقہ میں احمدیت کی اشاعت کے مراکز قائم ہو چکے تھے اور بعض مقامات پر جماعت کی رفتار ترقی برصغیر کی احمدی جماعتوں کی نسبت تیز تھی اور نظر آ رہا تھا کہ اگر مرکزی جماعتوں نے تبلیغ اسلام کی اہمیت نہ سمجھی اور اس بارے میں چستی، ہوشیاری اور فرض شناسی کا ثبوت نہ دیا تو دینی قیادت کی زمام بیرونی جماعتوں کے ہاتھ میں چلی جائے گی اور وہ اسلامی مسائل میں دوسروں کے رحم و کرم پر ہوں گے اور دین کا وہ نقشہ اپنے یہاں رائج کرنے پر مجبور ہوں گے جو خالص ان کے ذہنوں کی پیداوار ہوگا۔

مستقبل کے اعتبار سے یہ ایک عظیم خطرہ تھا جسے سیدنا المصلح الموعود کی دُوربین اور معاملہ فہم آنکھ مدتوں قبل بھانپ چکی تھی اور حضور اسی لئے جماعت کو تبلیغ اسلام کی طرف بار بار توجہ دلاتے آ رہے تھے۔ اس سال بھی حضور نے ۱۶ر احسان/جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں جماعت کو زبردست انذار و انتباہ کیا۔ اور مرکزی جماعتوں کی تبلیغی غفلت کے بھیانک اور خوفناک نتائج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا کہ

"اس صورت میں باہر کے لوگوں کی باگ سنبھالنا بھی ان کے لئے سخت مشکل ہو جائے گی۔ وہ لوگ کہیں گے تمہارا کیا حق ہے کہ ہماری رہنمائی کرو۔ ہم تعداد میں تم سے زیادہ ہیں، ہم قربانیوں میں تم سے زیادہ ہیں۔ اور تم ہمارے مقابلہ میں کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ اس لئے لوگوں کی رہنمائی کا حق ہمیں حاصل ہونا چاہئیے اور مرکز ہمارے ہاتھ میں ہونا چاہئیے تاکہ ہم جس طرح چاہیں دین کی اشاعت کا کام کریں۔ تب احمدیت کے لئے وہی خطرہ کی صورت پیدا ہو جائے گی جو روما میں

---

[۱] "الفضل" ۱۵ر احسان/جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲

عیسائیت کے لئے پیدا ہوئی۔ جب فلسطین میں عیسائیوں کی تعداد کم ہو گئی اور اٹلی میں عیسائیت زیادہ پھیلنی شروع ہوئی تو عیسائیت کا مرکز فلسطین نہ رہا بلکہ اٹلی بن گیا اور چونکہ وہ مرکزِ کفر تھا اس لئے عیسائیت کفر کے رنگ میں رنگین ہونی شروع ہو گئی۔“ [۱]

اس ضمن میں حضور نے تبلیغ کا بہترین طریق یہ تجویز فرمایا کہ

”انسان اپنے غیر احمدی رشتہ داروں کے پاس چلا جائے اور اُن سے کہے کہ اب مَیں نے یہاں سے مر کر ہی اُٹھنا ہے ورنہ یا تم مجھ کو سمجھا دو کہ مَیں غلط راستہ پر ہوں اور یا تم سمجھ جاؤ کہ تم غلط رستے پر جا رہے ہو۔ اس عزم اور ارادہ سے اگر ساری جماعت کھڑی ہو جائے تو مَیں سمجھتا ہوں ابھی ایک سال بھی ختم نہیں ہوگا کہ ہماری ہندوستان کی جماعت میں صرف احمدیوں کے رشتہ داروں کے ذریعہ ہی ایک لاکھ احمدی بڑھ جائیں گے۔“ [۲]

یہ تحریک اتنی موثر اور کارگر تھی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے ”ناظرین اہلحدیث ہوشیار ہو جائیں۔ مرزائیت کا بم آتا ہے“ کے عنوان سے لکھا:-

”خلیفہ قادیان نے اپنے مریدوں کو سخت ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے گھر جائیں اور ان کو احمدیت کی تبلیغ کریں اور کہہ دیں کہ اب مَیں نے یہاں سے مر کر ہی اُٹھنا ہے ورنہ یا تم مجھ کو سمجھا دو کہ مَیں غلط راستہ پر ہوں اور یا تم خود سمجھ لو کہ تم غلط راستہ پر جا رہے ہو۔ . . .

. . . ناظرین ”اہلحدیث“ مرزائیت کی اس تعلیم کو معمولی نہ سمجھیں۔“ [۳]

ایک اَور پرچہ میں مزید لکھا:-

”قادیانی خلیفہ اور ان کی وزارت آئے دن ایسے تاکیدی حکم جاری کرتے رہتے ہیں جن سے مرزائیت ترقی کرے۔ ہمارے دوست ان تدبیروں کے جوڑ توڑ سے غافل ہیں۔ غفلت کا نتیجہ جو ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔“ [۴]

مولوی محمد علی صاحب کو دعوتِ مباہلہ اور اُن کا گریز

مولوی محمد علی صاحب (امیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور) نے ۲۶ ہجرت ۱۳۲۳ ہش/مئی ۱۹۴۴ء کو

---

[۱] ”الفضل“ ۲ وفا ۱۳۲۳ ہش/جولائی ۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۲۔
[۲] ” ” ” صفحہ ۶ کالم ۱، ۲۔
[۳] اخبار ”اہلحدیث“ امرتسر ۳ نومبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۶ کالم ۱، ۲۔
[۴] ” ” ” ۸ دسمبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۱، ۲۔

احمدیہ بلڈنگس کی مسجد میں منبر پر کھڑے ہو کر یہ بے بنیاد اور ناپاک الزام لگایا کہ

"خوب یاد رکھو قادیان والوں نے کلمہ طیبہ کو منسوخ کر دیا ہے۔ اس میں تمہارے دل میں شک نہیں ہونا چاہیئے" [۱]

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے اس ظالمانہ حملہ کا نوٹس لینا ضروری سمجھا اور اس کے جواب میں ۲۳ احسان/جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں مولوی محمد علی صاحب کو دعوتِ مباہلہ دی اور نہایت پُرجلال الفاظ میں فرمایا:۔

"یہ ایک ایسا اتہام ہے کہ میں سمجھ نہیں سکتا کہ اس سے بڑا جھوٹ بھی کوئی بول سکتا ہے۔ وہ قوم جو کلمہ طیبہ کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھتی ہو اس پر یہ الزام لگانا کہ وہ اسے منسوخ قرار دیتی ہے، اتنا بڑا ظلم ہے اور اتنی بڑی دشمنی ہے کہ ہماری اولادوں کو قتل کر دینا بھی اس سے کم دشمنی ہے۔ ہماری اولادوں کو قتل کر دینا اتنی بڑی دشمنی نہیں جتنا یہ کہنا کہ ہم لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے منکر ہیں۔ اور ایسا جھوٹ بولنے والے کے دل میں خدا تعالیٰ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ جس کے دل میں خدا اور رسول کی محبت ہو وہ ایسا جھوٹ کبھی نہیں بول سکتا۔ یہ ہم پر اتنا بڑا الزام ہے کہ ہمارے کسی بڑے سے بڑے مگر شریف دشمن سے بھی پوچھا جائے تو وہ یہ کہیگا کہ یہ جھوٹ ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ اب فیصلہ کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے۔ اگر مولوی صاحب میں تخم دیانت باقی ہے تو وہ اور اُن کی جماعت ہمارے ساتھ اس بارہ میں مباہلہ کریں کہ آیا ہم کلمہ طیبہ کے منکر ہیں"

اس دعوتِ مباہلہ کے ساتھ ہی حضرت سیدنا المصلح الموعود نے قبل از وقت یہ بھی بتا دیا کہ

"وہ کبھی اپنے آپ کو اور اپنے بیوی بچوں کو اس مقام پر کھڑا نہ کریں گے بلکہ اس عظیم الشان جھوٹ بولنے کے بعد بزدلوں کی طرح بہانوں سے اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو جھوٹوں کی سزا سے بچانے کی کوشش کریں گے" [۲]

آخر وہی ہوا جو حضرت امیر المومنین نے پہلے سے فرما دیا تھا یعنی مولوی صاحب موصوف نہ مباہلہ کیلئے آمادہ ہوئے اور نہ اپنا جھوٹا الزام واپس لینے کو تیار ہوئے۔

---

[۱] ہفت روزہ "پیغام صلح" لاہور ۳۱ رمئی ۱۹۴۴ء صفحہ ۳ - [۲] "الفضل" ۲۰ وفا/جولائی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۲۔

فصل دوم

سیدنا المصلح الموعود کے آخری نکاح کی نہایت مبارک تقریب

تاریخ سلسلہ میں ۲۴ ؍وفا/جولائی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کا دن ایک خصوصی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس روز حضرت سید عبدالستار صاحب رضی اللہ عنہ کی پوتی اور حضرت سید عزیز اللہ شاہ صاحب کی صاحبزادی سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ[1] سیدنا المصلح الموعود کے عقد میں آئیں۔

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے ایک بہت بڑے مجمع میں جو مسجد مبارک اور اس کے متصل مکانات اور احمدیہ چوک میں جمع تھا ایک ہزار مہر پر اس نکاح کا اعلان فرمایا[2] اور نہایت درد بھرے الفاظ میں خطبہ پڑھا جس میں سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ الہامات بتائے جن کی وجہ سے آپ کو اس تقریب کی طرف توجہ پیدا ہوئی۔ چنانچہ فرمایا:-

"ایک دن میں تذکرہ پڑھ رہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ۱۸؍فروری ۱۹۰۷ء کے حسب ذیل الہامات پڑھے:-

(۱) کُلُّ اَلْفٍ تِمّ بَعْدَہٗ (۲) مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ

پھر اس کے بعد ۲۰؍فروری کے یہ الہام درج ہیں:-

(۱) اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ وَ اَلُوْمُ مَنْ يَّلُوْمُ (۲) بس پا شدہ ہجوم (۳) افسوسناک خبر آئی ہے۔ فرمایا۔ اس الہام پر ذہن کا انتقال بعض لاہور کے دوستوں

---

[1] حضرت سیدہ موصوفہ ۷؍اپریل ۱۹۱۹ء کو بمقام جہلم اپنے ننھیال میں پیدا ہوئیں۔ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں میٹرک کے امتحان کے علاوہ قادیان کی دینیات کی دو جماعتیں بھی پاس کیں۔ پھر جامعہ نصرت ربوہ سے ایف۔ اے کیا۔ اس کے بعد بی۔ اے کے لئے داخلہ لیا مگر حضرت اقدس سیدنا المصلح الموعودؓ کی طویل اور مسلسل علالت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی بے پناہ اور غیر معمولی ذمہ داریوں کی بجا آوری کے لئے کالج چھوڑ دیا اور اپنے مقدس شوہرؓ کی خدمت کے لئے آخری لمحات تک وقف ہو گئیں۔ آپ نے شادی کے معاً بعد ہی لجنہ اماء اللہ کے کاموں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد پاکستان میں سیکرٹری خدمت خلق، سیکرٹری تربیت و اصلاح وغیرہ کے فرائض انجام دیتی رہیں۔ ان دنوں لجنہ کی اعزازی سیکرٹری خدمت خلق ہونے کے علاوہ نائب صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے عہدہ پر بھی ممتاز ہیں۔ (یہ حاشیہ وسط ۱۳۴۷ہش/۱۹۶۸ء میں لکھا گیا ہے)

حضرت سیدہ موصوفہ کے چار بہن بھائی ہیں۔ ۱۔ سیدہ نامو بیگم صاحبہ ۲۔ سید کلیم احمد شاہ صاحب ۳۔ سید نسیم احمد شاہ صاحب ۴۔ سید قسیم احمد صاحب۔

[2] "الفضل" ۲۶؍وفا/جولائی ۱۳۲۳ہش صفحہ ۱۔

کی طرف ہوا۔ مگر یہ انتقالِ ذہن بعد بیداری ہوا۔ الہام بھی شاید اس کے متعلق ہو۔

(۴) بہتر ہوگا کہ اور شادی کرلیں۔ فرمایا۔ معلوم نہیں کس کی نسبت یہ الہام ہے" (تذکرہ ص۶۹۴)[1]

۱۸ فروری کا الہام مَظْهَرُ الْحَقِّ وَ الْعَلَاءِ وہ الہام ہے جو اس سے پہلے پسرِ موعود کے متعلق ہو چکا تھا۔ جب میں نے یہ الہام پڑھا تو میرے ذہن میں یہ آیا کہ یہ پیشگوئی دوبارہ بیان کی گئی ہے اور عجیب بات یہ نظر آئی کہ پہلی پیشگوئی بھی فروری میں کی گئی تھی اور یہ الہام بھی فروری کا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا یعنی آپ کی وفات سے قریباً سوا سال قبل اللہ تعالیٰ نے پھر اس پیشگوئی کو دُہرایا۔ تا ایک لمبا عرصہ گذر جانے کی وجہ سے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ منسوخ ہو گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ کُلُّ الْفَتْحِ بَعْدَہٗ کہ اس نشان کے بعد اصل فتوحات ہوں گی۔ پھر آگے اسی سلسلہ میں یہ الہام ہے کہ اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ وَ اَلُوْمُ مَنْ يَّلُوْمُ۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ جب اس پیشگوئی کا ظہور ہوگا تو چاروں طرف سے دشمن حملہ کرے گا۔ چنانچہ اس طرف مجھ پر اس پیشگوئی کا انکشاف ہوا۔ اور ادھر پیغامیوں نے مخالفت کی آگ پورے زور کے ساتھ بھڑکا دی اور طرح طرح کے اتہامات، جھوٹ اور کذب بیانیوں سے کام لینا شروع کر دیا۔ مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ "پسپا شدہ ہجوم" اس کا مفہوم وہی ہے جو قرآن کریم کی آیت سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ کا ہے۔ یعنی سب دشمن جمع ہو کر حملہ کریں گے مگر اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل و رُسوا کرے گا اور وہ شکست کھا جائیں گے۔ یہ الہام اس دوسرے الہام سے جو پسرِ موعود سے متعلق ہے بہت ملتا ہے کہ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ یعنی جب پسرِ موعود ظاہر ہوگا تو حق آجائے گا اور باطل بھاگ جائے گا۔ باطل تو بھاگنے ہی کی اہلیت رکھتا ہے۔ پھر اس الہام کے بعد یہ الہام ہے کہ "افسوسناک خبر آئی" چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس انکشاف کے سوا ماہ بعد ام طاہر مرحومہ کی وفات ہوئی۔ اس الہام کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ذہن کا انتقال بعض لاہور کے دوستوں کی طرف ہوا۔ گو یہ انتقال ذہنی تھا۔ مگر واقعہ نے بتا دیا ہے کہ درحقیقت یہ الہام لاہور ہی کے بارہ میں تھا کیونکہ ام طاہر احمد لاہور

---

[1] "تذکرہ" طبع دوم صفحہ ۶۹۱ - ۶۹۲ و "بدر" جلد ۶ نمبر ۸ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۷ء صفحہ ۳ و "الحکم" جلد ۱۱ نمبر ۷ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۷ء ص ۱۔

میں ہی فوت ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کے الہامات فضول نہیں ہوتے۔ خالی یہ خبر دینا کہ ایک افسوسناک خبر آئی بغیر ایسے قرینے کے جس سے معلوم ہو سکے کہ وہ خبر کس کے متعلق ہے؟ کس قسم کی ہے؟ بالکل بے معنی ہو جاتا ہے۔ لیکن جب ہم یہ امر دیکھیں کہ یہ سلسلہ الہام ہے۔ پہلے پسرِ موعود کے ظہور کا ذکر ہے، پھر دشمنوں کے شور کا اور ان کی ناکامی کا، پھر ایک افسوسناک خبر کا جس کا نتیجہ یہ پیدا کیا ہے کہ بہتر ہوگا کہ ایک اَور شادی کر لیں تو ان الہامات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ افسوسناک خبر کسی کی بیوی کی وفات کی خبر ہے۔ کیونکہ اگلا الہام کسی مرد کی نسبت کہتا ہے کہ بہتر ہے کہ اور شادی کر لیں۔ پس افسوسناک خبر سے مراد اس شخص کی بیوی کی وفات ہی ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ اس سلسلہ الہامات میں پسرِ موعود کے سوا کسی اَور مرد کا ذکر نہیں۔ اس لئے یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ فوت ہونے والی بیوی پسرِ موعود کی بیوی کا ہوگی جو پسرِ موعود کے دعوے کے قریب زمانہ میں لاہور میں فوت ہوگی۔ ان تمام الہامات کو پڑھنے کے بعد اور یہ دیکھ کر کہ ادھر مجھ پر اس پیشگوئی کے میری ذات میں پُورا ہونے کا انکشاف ہوا، ادھر پیغامیوں نے پُورے جوش کے ساتھ حملے شروع کر دیئے۔ پھر ام طاہر کی وفات واقعہ ہوئی۔ مَیں نے سمجھا کہ شاید میرا یہ نتیجہ نکالنا کہ بچوں کو کسی اَور بیوی کے سپرد نہ کرنا چاہیئے صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ اَور شادی کرنا بہتر ہوگا۔ تب میرا ذہن اس طرف گیا کہ جو دوسری بیوی بھی آئے گی بچے اُسے غیر سمجھیں گے اور مرحومہ کے رشتہ دار بھی اس کے پاس نہیں آسکیں گے۔ اور اس طرح بچوں کو دیکھ نہ سکیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان میں سے جو کمزور ہوں گے وہ اس کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو مریم مرحومہ کے ساتھ امۃ الحی مرحومہ کے بعض رشتہ داروں نے کیا تھا۔ اس کا جواب کچھ دن تک مَیں نہ دیکھ سکا۔ اتفاقاً ایک روز مَیں نے تذکرہ سے فال دیکھی۔ مَیں فال کا قائل تو نہیں۔ مگر مصیبت کے وقت بعض دفعہ انسان ان باتوں کی طرف بھی توجہ کر لیتا ہے جن کا وہ قائل نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ ناجائز نہ ہوں۔ مَیں نے تذکرہ کھولا تو اس میں لفظ

"بُشریٰ"

موٹے حروف میں لکھا ہوا نظر آیا۔ اس وقت مجھے معلوم نہیں کہ وہ کونسا صفحہ تھا۔ اُسے دیکھ کر میرا ذہن اس طرف گیا کہ میر محمد اسحٰق صاحب مرحوم کی لڑکی کا نام بُشریٰ ہے مگر اس سے تو

میری شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے بعد میں نے اس کا ذکر مرحوم مرحومہ کے خاندان کے بعض افراد سے کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ مرحومہ کے گھر میں کوئی بڑا آدمی ضرور ہونا چاہیئے اور اس وجہ سے ہم میں سے بعض کی رائے یہی ہے کہ آپ اَور شادی کر لیں تو اچھا ہے اور کہ اگر ہمارے ہی خاندان میں ہو جائے تو اَور بھی اچھا ہے۔ اس صورت میں بچوں کی نگرانی زیادہ آسان ہو گی۔ تب میرا ذہن اس طرف گیا کہ ان کے خاندان میں بھی ایک لڑکی بُشریٰ نام کی ہے اور اتفاق کی بات ہے کہ بعض بیماریوں کی وجہ سے اُس کی شادی اس وقت تک نہیں ہو سکی اور اس کی عمر بھی بڑی ہو گئی ہے اور اس لئے وہ بچوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کا کام زیادہ اچھی طرح کر سکے گی" [۱]

اس سلسلہ میں حضور نے یہ بھی ذکر فرمایا کہ افراد خاندان میں سے "میری زیادہ بے تکلفی اپنی ہمشیرہ مبارکہ بیگم سے ہے ان سے مَیں نے ذکر کیا تو انہوں نے تذکرہ کے یہی الہامات مجھے سُنائے اور کہا کہ مَیں تو خود آپ سے کہنا چاہتی تھی" [۲]

الہامات کا تذکرہ کرنے کے بعد مزید بتایا کہ مَیں نے استخارہ کیا اور اپنے خاندان کے بعض افراد سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی یہی رائے دی کہ سیدہ ام طاہر احمد کے بچوں کے انتظام کے لئے اور شادی ہی مناسب رہے گی۔ علاوہ ازیں مجھے بھی اور نواب مبارکہ بیگم صاحبہ، پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے، اور ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب کو بھی واضح خوابیں اس رشتہ کی نسبت آئیں تو مَیں نے تحریک کے لئے سید ولی اللہ شاہ صاحب کو سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ کے والد سید عزیز اللہ شاہ صاحب کی طرف بھجوایا اور یہ بھی مشورہ دیا کہ لاہور میں اپنے برادر اصغر سید حبیب اللہ شاہ صاحب [۳] سے بھی ملتے جائیں۔ لاہور پہنچنے پر

---

[۱] روزنامہ "الفضل" یکم ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳-۴ ۔ [۲] "الفضل" ایضاً صفحہ ۶ کالم ۲ ۔

[۳] حضرت شاہ صاحب ان دنوں سنٹرل جیل لاہور کے سپرنٹنڈنٹ تھے مگر اسی سال کے آخر میں انہیں اس عہدہ سے ترقی دے کر ڈپٹی انسپکٹر جنرل جیل خانجات پنجاب بنا دیا گیا۔ مدیر و مالک اخبار "پرتاپ" نے ان کے اس نئے اعزاز پر یہ نوٹ لکھا:-

"شاہ صاحب احمدی ہیں اور مَیں آریہ سماجی۔ باوجود اس کے مَیں انہیں اس ترقی پر مبارکباد دیتا ہوں کیونکہ وہ ہر لحاظ سے اس کے مستحق ہیں۔ بہت کم سپرنٹنڈنٹ ہیں جو ہر دلعزیزی کے میدان میں ان کا مقابلہ کر سکیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خدا ترس اور فرض شناس ہیں۔ ان کی خدا ترسی انہیں کسی قیدی پر بیجا سختی کی اجازت نہیں دیتی اور ان کی فرض شناسی اس بات پر تیار کرتی ہے کہ قواعد کی حدود میں رہ کر قیدیوں سے بہترین سلوک کیا جائے۔ انسپکٹر جنرل جیلخانجات جلد ریٹائر ہونے والے ہیں۔ کیا معلوم کہ مجھے ایک بار پھر انہیں مبارکباد دینے کا موقع ملے" ("پرتاپ" ۵ دسمبر ۱۹۴۴ء بحوالہ "الفضل" ۱۴ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۳-۴)

معلوم ہوا کہ انہیں پہلے ہی کشفاً بتا دیا گیا تھا کہ سیّد ولی اللہ شاہ صاحب کس غرض سے آ رہے ہیں۔ نیز القاء ہوا "بشریٰ بیگم حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے"

حضرت سیّدہ بشریٰ بیگم صاحبہ سیّدنا المصلح الموعودؓ کی حرم سابع ہیں جنہیں خواتین مبارکہ میں شمولیت کے مقدس اعزاز کے علاوہ ایک اور نمایاں خصوصیت بھی حاصل ہے اور وہ یہ کہ حضرت سیّدنا المصلح الموعود کو اس رشتہ کے تعلق میں ایک اہم رویا یہ ہوا تھا "ایک فرشتہ آواز دے رہا ہے کہ مہر آپا کو بلاؤ جس کے معنے ہیں محبت کرنے والی آپا"[له] اس رویاء کے مطابق حضرت سیدہ بشریٰ بیگم خاندان مسیح موعود میں "مہر آپا" ہی کے آسمانی خطاب سے یاد کی جانے لگیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس نام میں خبر دی تھی سچ مچ آپ ہر اعتبار سے مہر آپا ہی ثابت ہوئیں۔ سیّدنا المصلح الموعودؓ نے اپنے خطبہ نکاح میں اپنے مولا سے ان کی نسبت یہ دعا بھی کی تھی کہ "غریبوں اور مسکینوں کے لئے ہمدرد اور مہمانوں کے لئے خبر گیر ہو۔ اسلام اور سلسلہ کی خدمت میں اپنی زندگی خرچ کرنے والی ہو"[له] حضرت سیدہ مہر آپا صاحبہ کا وجود گرامی حضرت سیّدنا المصلح الموعود کی اس دُعا کی قبولیت کا ایک واضح ثبوت اور آیۂ رحمت ہے۔ اطال اللہ بقاءھا۔

رخصتانہ ۷ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو سیّدہ بشریٰ بیگم صاحبہ کے رخصتانہ کی تقریب عمل میں آئی۔ اس موقعہ پر دعا میں شرکت کی دعوت حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے کئی ایک بزرگان سلسلہ کو دی جو چھ بجے شام کے قریب حضرت سید عزیز اللہ شاہ صاحب کی کوٹھی واقع محلہ دارالانوار میں پہنچ گئے۔ چھ بجے حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ بھی اپنے خاندان کے بعض افراد اور بعض قدیم صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور بعض دوسرے افراد کے ساتھ تشریف لائے جن کے اسماء درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ۲۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحب ۳۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب ۴۔ صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب ۵۔ مکرم خان محمد عبد اللہ خاں صاحب ۶۔ حضرت چودھری فتح محمد صاحب ناظر اعلیٰ ۷۔ مکرم مرزا رشید احمد صاحب ۸۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب ۹۔ حضرت پیر افتخار احمد صاحب ۱۰۔ حضرت ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب ۱۱۔ حضرت منشی عبد العزیز صاحب اوجلوی سابق پٹواری ۱۲۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب ۱۳۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ۱۴۔ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب ۱۵۔ صاحبزادہ میاں عبد المنان صاحب عمر

له "الفضل" یکم ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۷ کالم ۲ ۔ ۳ ۔ ایضاً ص۵ کالم ۲ ۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کی خواتین مبارکہ بھی تشریف لے گئیں۔ تمام مہمانوں کی چائے اور ناشتہ سے تواضع کی گئی۔ آخر میں حضور نے تمام مجمع سمیت دعا فرمائی اور پھر زنان خانہ میں تشریف لے جا کر دوبارہ دعا فرمائی۔ اس کے بعد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواتین سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ کو موٹر میں بٹھا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک الدار میں لے آئیں۔[1]

ولیمہ

۱۵ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو حضرت سیدنا المصلح الموعود کی طرف سے مسجد مبارک میں بوقت دو بجے بعد دوپہر دعوت ولیمہ دی گئی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیم صحابہ، کارکنان سلسلہ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خاندان حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب کے افراد اور متعدد غرباء شامل تھے۔[2]

عربی بول چال کے متعلق رسالہ لکھنے کی تجویز

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک مسلمان ممالک کی زبوں حالی اور زوال امت عربی زبان کی ترویج و اشاعت میں کوتاہی کا نتیجہ تھی چنانچہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مشہور کتاب "الھدیٰ والتبصرہ لمن یریٰ" میں تحریر فرمایا:-

"وکان من الواجب ان یشاع ھٰذہ اللسان فی البلاد الاسلامیہ فانہٗ لسان اللہ و لسان رسولہ و لسان الصحف المطھرۃ و لا ننظر بنظر التعظیم الی قوم لا یکرمون ھذا اللسان و لا یشیعونھا فی بلادھم لیرجموا الشیطان وھٰذا من اوّل اسباب اختلالھم"[3]

یعنی واجب تھا کہ اسلامی شہروں میں عربی زبان پھیلائی جاتی اس لئے کہ وہ اللہ، اس کے رسول اور پاک نوشتوں کی زبان ہے اور ہم ان کو تعظیم کی نگاہ سے نہیں دیکھتے جو اس زبان کی تعظیم نہیں کرتے اور نہ اسے اپنے شہروں میں پھیلاتے ہیں تا شیطان کو بھگا دیں اور یہی ان کی تباہی کا بڑا سبب ہے۔

---

[1] "الفضل" ۱۰ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔

[2] " ۱۷ " " صفحہ ۲۔ حضرت اقدس ان دنوں ڈلہوزی میں قیام فرما تھے۔ اس لئے اس دعوت کا اہتمام حضور کے ارشاد کی تعمیل میں (جو بذریعہ تار موصول ہوا) حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے کیا اور دعا حضرت مولوی شیر علی صاحب امیر مقامی نے کرائی۔ ڈلہوزی میں بھی ایک دعوت ہوئی جس میں حضور کے ہمراہ گئے ہوئے احباب اور دیگر احمدیوں نے شرکت کی۔

[3] "الھدیٰ والتبصرۃ لمن یریٰ" صفحہ ۶۵-۶۶ طبع اوّل۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ امت مسلمہ میں زندگی کی رُوح پھونکنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اس لئے حضور نے اپنے عہد مقدس میں عربی زبان کی ترویج کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی اور گھر میں روزمرہ استعمال میں آنے والے فقرے بچوں کو یاد کرائے جو حضور کی زندگی میں رسالہ "تشحیذ الاذھان" کی مختلف اشاعتوں میں شائع ہوئے۔

حضرت سیدنا المصلح الموعود کی توجہ مثیل مسیح موعود ہونے کی حیثیت سے اس سال عربی کی ترویج و اشاعت کی طرف پیدا ہوئی اور حضور نے عربی کی اہمیت کے متعلق ۱۹ر احسان/جون کو ایک اہم خطبہ دینے کے علاوہ جماعت میں عربی بول چال کا رسالہ تصنیف کرانے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ حضور نے مجلس عرفان میں ارشاد فرمایا:۔

"عربی زبان کا مردوں اور عورتوں میں شوق پیدا کرنے اور اس زبان میں لوگوں کے اندر گفتگو کا ملکہ پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ . . . . ایک عربی بول چال کے متعلق رسالہ لکھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی عربی کے بعض فقرے تجویز فرمائے تھے جن کو میں نے رسالہ تشحیذ الاذہان میں شائع کر دیا تھا۔ ان فقروں کو بھی اپنے سامنے رکھ لیا جائے اور تبرک کے طور پر ان فقرات کو بھی رسالہ میں شامل کر لیا جائے۔ درحقیقت وہ ایک طریق ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمارے سامنے پیش فرمایا۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اس راستہ پر چلیں اور اپنی جماعت میں عربی زبان کی ترویج کی کوشش کریں۔ میرے خیال میں اس میں اس قسم کے فقرات ہونے چاہئیں کہ جب ایک دوست دوسرے دوست سے ملتا ہے تو کیا کہتا ہے اور کس طرح آپس میں باتیں ہوتی ہیں۔ وہ باتیں ترتیب کے ساتھ لکھی جائیں۔ پھر مثلاً انسان اپنے گھر جاتا ہے اور کھانے پینے کی اشیاء کے متعلق اپنی ماں سے یا کسی ملازم سے گفتگو کرتا ہے اور کہتا ہے میرے کھانے کے لئے کیا پکا ہے یا کونسی ترکاری تیار ہے؟ اس طرح کی روزمرّہ کی باتیں رسالہ کی صورت میں شائع کی جائیں۔ بعد میں محلوں میں اس رسالہ کو رائج کیا جائے بخصوصاً لڑکیوں کے نصاب تعلیم میں اس کو شامل کیا جائے اور تحریک کی جائے کہ طلباء جب بھی ایک دوسرے سے گفتگو کریں عربی زبان میں کریں۔ اس طرح عربی بول چال کا عام رواج خدا تعالیٰ کے فضل سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں نے ایک مُردہ زبان کو اپنی کوشش سے زندہ کر دیا ہے۔ عبرانی زبان دنیا میں کہیں بھی رائج نہیں۔ لیکن لاکھوں کروڑوں یہودی عبرانی زبان بولتے ہیں۔ اگر یہودی ایک مُردہ زبان

کو زندہ کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ عربی زبان جو ایک زندہ زبان ہے اس کا چرچا نہ ہو سکے۔ پہلے قادیان میں اس طریق کو رائج کیا جائے۔ پھر بیرونی جماعتوں میں یہ طریق جاری کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ چھوٹے چھوٹے آسان فقرے ہوں جو بچوں کو بھی یاد کرائے جا سکتے ہوں۔ اس کے بعد لوگوں سے امید کی جائیگی کہ وہ اپنے گھروں میں بھی عربی زبان کو رائج کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرح قرآن کریم سے لوگوں کی دلچسپی بڑھ جائے گی اور اس کی آیات کی سمجھ بھی انہیں زیادہ آنے لگ جائے گی۔ اب تو میں نے دیکھا ہے۔ دعائیں کرتے ہوئے جب یہ کہا جاتا ہے۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا تو ناواقفیت کی وجہ سے بعض لوگ بلند آواز سے آمین کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ آمین کہنے کا کوئی موقعہ نہیں ہوتا۔ یہ عربی زبان سے ناواقفیت کی علامت ہے۔ اگر عربی بول چال کا لوگوں میں رواج ہو جائے گا تو یہ معمولی باتیں لوگ خود بخود سمجھنے لگ جائیں گے اور انہیں نصیحت کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

یہ رسالہ جب شائع ہو جائے تو خدام الاحمدیہ کے سپرد کر دیا جائے تاکہ اس کے تھوڑے تھوڑے حصّوں کا وہ اپنے نظام کے ماتحت وقتاً فوقتاً نوجوانوں سے امتحان لیتے رہیں۔ یہ فقرات بہت سادہ زبان میں ہونے چاہئیں۔ مصری زبان میں انشاء الادب نام سے کئی رسالے اس قسم کے شائع ہو چکے ہیں مگر وہ زیادہ دقیق ہیں معلوم نہیں ہمارے سکولوں میں انہیں کیوں جاری نہیں کیا گیا" [1]

حضرت مصلح موعودؓ کے اس ارشاد مبارک کی تعمیل معلوم نہیں آجتک کیوں نہیں ہو سکی !!!

"ستیارتھ پرکاش" کے مکمل جواب کی سکیم

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ آریہ سماج کے بانی دیانند سرسوتی کی کتاب ستیارتھ پرکاش کا مکمل جواب شائع کیا جائے۔ چنانچہ حضور ۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو مجلس عرفان میں رونق افروز ہوئے اور ملک فضل حسین صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"میرے دل میں تحریک پیدا ہوئی ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ "ستیارتھ پرکاش" کا مکمل جواب لکھا جائے۔ اس وقت تک اس کے جس قدر جواب دیئے گئے ہیں وہ سب دفاعی رنگ رکھتے ہیں

[1] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴

زیادہ تر لوگوں نے ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کو اپنے سامنے رکھا ہے اور اسی کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ ضرورت ہے کہ ستیارتھ پرکاش کے پہلے باب سے شروع کر کے آخر تک مکمل جواب لکھا جائے اور اس جواب میں صرف دفاعی رنگ نہ ہو بلکہ دشمن پر حملہ بھی کیا جائے۔ کیونکہ دشمن اس وقت تک شرارت سے باز نہیں آتا جب تک اس کے گھر پر حملہ نہ کیا جائے۔ اس کا ایک طریق تو یہ ہے کہ ستیارتھ پرکاش کے جتنے نسخے شروع سے لے کر اب تک چھپے ہیں ان سب کو جمع کیا جائے اور پھر ان نسخوں میں جو جو اختلافات ہیں یا جہاں جہاں آریوں نے ستیارتھ پرکاش میں تبدیلیاں کی ہیں وہ سب اختلافات واضح کئے جائیں اور کتاب کا ایک باب اس غرض کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ گویا ایک باب ایسا ہو جس کا عنوان مثلاً یہی ہو کہ "ستیارتھ پرکاش میں تبدیلیاں" اور پھر بحث کی جائے کہ آریوں نے اس میں کیا کیا تبدیلیاں کی ہیں۔ پھر جہاں جہاں وہ بہانے بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاتب کی غلطی سے ایسا ہو گیا وہاں بھی بحث کر کے واضح کیا جائے کہ یہ کتابت کی غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر پنڈت دیانند نے علمی طور پر ہندو مذہب کے متعلق جو باتیں لکھی ہیں ان کے متعلق ویدوں اور ہندوؤں کی پُرانی کتابوں سے یہ ثابت کیا جائے کہ پنڈت جی کا بیان غلط ہے۔ اسی طرح ستیارتھ پرکاش کے ہر باب میں جو کوتاہیاں یا غلطیاں پائی جاتی ہیں، الف سے لے کر ی تک ان سب کو واضح کیا جائے۔ اسلام پر جو حملے کئے گئے ہیں ان کا بھی ضمنی طور پر جواب آجانا چاہئیے۔ اس طرح ستیارتھ پرکاش کے ردّ میں ایک مکمل کتاب لکھی جائے جو کم سے کم سات آٹھ سو صفحات کی ہو اور جس طرح ستیارتھ پرکاش ایک معیاری کتاب کے طور پر پیش کی جاتی ہے اسی طرح یہ کتاب نہایت محنت سے معیاری رنگ میں لکھی جائے۔ بعد میں ہر زبان میں اس کتاب کا ترجمہ کر کے تمام ہندوستان میں پھیلائی جائے۔

آپ اس کے لئے ڈھانچہ تیار کریں اور مجھ سے مشورہ لیں اور پھر میرے مشورہ اور میری ہدایات کے مطابق یہ کتاب لکھی جائے۔ پہلا باب مثلاً اس کتاب کی تاریخ پر مشتمل ہونا چاہئیے۔ دوسرے باب میں ستیارتھ پرکاش کے پہلے باب کا جواب دیا جائے اور بتایا جائے کہ اس میں کیا کیا غلطیاں ہیں یا اگر ہم ان باتوں کو ہندو مذہب کے لحاظ سے تسلیم کرلیں تو پھر ان پر کیا کیا اعتراض پڑتے ہیں۔ اس طرح شروع سے لے کر آخر تک تمام کتاب کا مکمل جواب لکھا جائے۔"[1]

[1] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۴ کالم ۱ تا ۳، ۴

اس سکیم کے مطابق حضرت سیدنا المصلح الموعود نے اس کتاب کے مختلف ابواب پروفیسر ناصرالدین عبداللہ صاحب، مہاشہ محمد عمر صاحب اور مہاشہ فضل حسین صاحب میں بغرض جواب تقسیم فرما دیئے۔[۱]

چودھویں باب کی نسبت حضور نے فیصلہ فرمایا کہ اس کا جواب خود تحریر فرمائیں گے۔[۲]

جماعت احمدیہ کے ان سنسکرت دان علماء نے حضرت سیدنا المصلح الموعود کی ہدایت اور نگرانی میں ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں قریباً سات آٹھ ابواب کا جواب مکمل کر لیا۔ چنانچہ حضور نے ۲ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کے خطبہ جمعہ میں بتایا کہ

"مَیں نے ستیارتھ پرکاش کا جواب شائع کرنے کا اعلان کیا تھا۔ چنانچہ اس کا جواب قریباً سات آٹھ بابوں کا ہو چکا ہے اور بقیہ تیار ہو رہا ہے۔ جو نوجوان اس کام کو کر رہے ہیں مجھے خوشی ہے کہ وہ محنت کے ساتھ کر رہے ہیں۔ اور مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ ہماری جماعت میں ایسے نوجوان پیدا ہو رہے ہیں جو ہندو لٹریچر کو اس کی اپنی زبان میں پڑھ کر غور کر سکتے ہیں۔ اس کام کے لئے مَیں نے مولوی ناصرالدین صاحب عبداللہ اور مہاشہ محمد عمر صاحب اور مہاشہ فضل حسین صاحب کو مقرر کیا ہوا ہے۔ اور یہ تینوں بہت جانفشانی سے اس کام میں لگے ہوئے ہیں اور مَیں سرِ دست ایڈیٹنگ کرتا ہوں۔ وہ نوٹ لکھ کر مجھے دے دیتے ہیں اور مَیں جرح کر کے واپس بھیج دیتا ہوں۔ پھر وہ اصل مضمون لکھ کر بھیج دیتے ہیں اور مَیں اُسے دیکھ لیتا ہوں۔ اس میں میرا اپنا کام صرف اتنا ہی ہے کہ جو دلائل کمزور ہوں ان کی طرف انہیں توجہ دلا دیتا ہوں کہ یہ یہ دلائل کمزور ہیں۔ یا تمہارا یہ اعتراض ان معنوں پر پڑتا ہے اور ان معنوں پر نہیں پڑتا یا یہ کہ بعض دفعہ ان کی عبارتوں میں جوش ہوتا ہے کیونکہ ستیارتھ پرکاش میں سخت سخت حملے کئے گئے ہیں اس لئے اس کا جواب دیتے وقت جذبات کو روکنا مشکل ہوتا ہے اس لئے مَیں اس بات کی بھی نگرانی کرتا ہوں کہ ایسے سخت الفاظ استعمال نہ کئے جائیں جن سے کسی کی دلشکنی ہو۔ یا اس بات کو بھی مَیں مدِنظر رکھتا ہوں کہ یہ کتاب آریہ سماج کی ہے۔ لیکن ہمارے نوجوان بعض دفعہ ناتجربہ کاری کی وجہ سے اس بات کو بھول کر کہ ہمارے مخاطب تمام ہندو نہیں بلکہ صرف آریہ سماجی ہیں مضمون زیرِ بحث میں سناتن دھرم کی بعض باتوں کی بھی تردید شروع کر دیتے ہیں تو مَیں اس بات میں بھی ان کی نگرانی کرتا ہوں کہ وہ صرف آریہ سماج کو ہی مخاطب کریں۔ اور ایسی باتوں کا

---

[۱] "الفضل" ۲ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱ کالم ۳
[۲] " یکم صلح/جنوری " صفحہ ۲ کالم ۴

ذکر نہ کریں جو براہِ راست ویدوں یا سناتن دھرم کے لٹریچر کے متعلق ہوں۔ جس حد تک میرے پاس مضمون آچکا ہے اور غالباً اکثر آچکا ہے اس کو دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا ہے کہ بہت محنت اور جانفشانی سے لکھا گیا ہے"۔[1]

سیدنا المصلح الموعود کس باریک نظری اور محققانہ انداز میں ان مسودات پر نظر ثانی فرماتے اور ان پر تنقید کرتے تھے اس کی چند مثالیں درج کرنا خالی از فائدہ نہ ہوں گی تا معلوم ہو کہ آپ کن خطوط پر جواب لکھوانا چاہتے تھے۔

ستیارتھ پرکاش کے چوتھے سمولاس (متعلقہ خانہ داری) کا جواب حضور نے مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل کے سپرد فرمایا تھا۔ مہاشہ صاحب نے حضور کی خدمت میں جب اپنا لکھا ہوا مسودہ پیش کیا تو حضور نے ان پر علاوہ اور ریمارکس دینے کے اپنے قلم مبارک سے مندرجہ ذیل نوٹ لکھے:-

" ان الفاظ کو نرم کیا جائے اور دلیل کو واضح۔ اس مضمون کو زوردار بنایا جا سکتا ہے "

" اس پر بار بار زور دیا جائے کہ پنڈت صاحب کھڑے تو ہندو دھرم کی تائید کیلئے ہوتے ہیں۔ لیکن اپنے خود ساختہ خیالات کو پیش کر کے انہوں نے اپنے مذہب کو رائج کیا ہے "

" ہم کو صرف وید پر زور دینا چاہیئے۔ آریہ سماج کا دعویٰ ہے وید مکمل ہیں۔ پھر دوسری طرف ان کو جانے دینے کا موقعہ دینا درست ہی نہیں "

" لکھیں اگر ایک فی ہزار مثالیں بھی اس کی آریہ سماج دے تو اُسے دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ جو تعلیم اوّل خود ساختہ ہے۔ وید میں اس کا نام و نشان نہیں۔ دوم اس پر ایک فی ہزار آریہ سماجی بھی عمل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اسے عالمگیر قرار دینا اور دنیا کی مشکلات کا حل قرار دینا کیسی دیدہ دلیری کی بات ہے "

افسوس!! تقسیم ملک کی وجہ سے ستیارتھ پرکاش کے جواب کی یہ کوشش درمیان ہی میں رہ گئی۔

تیسری جنگِ عظیم کے شروع ہونے سے قبل تبلیغِ اسلام کی سرگرمیاں تیز تر کر دینے کی تلقین

دوسری جنگِ عظیم ابھی پورے زور شور سے جاری تھی کہ حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ۲۹ر تبوک/ستمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو ایک خاص خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں بتایا کہ جنگ کے بعد دنیا پھر ایک ظلم کا بیج بونے والی ہے۔ ہمیں اس غلطی کو واضح کرنے اور اسلام کو پھیلانے میں دیوانہ وار

---

[1] "الفضل" ۸ر تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱۔

مصروف ہو جانا چاہیئے۔ اس اجمال کی تفصیل سیدنا المصلح الموعودؓ ہی کے الفاظ مبارک میں درج ذیل کی جاتی ہے۔
حضور نے جماعت احمدیہ کے ہر فرد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

" بالکل ممکن ہے اگر فاتح مغربی اقوام جرمنی اور جاپان سے اچھوتوں والا سلوک کریں۔ تو گو جرمنی اور جاپان سے یہ قومیں ذلت نہ اُٹھائیں مگر اس ظلم کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بعض اور قومیں کھڑی کر دے جن کا مقابلہ ان کے لئے آسان نہ ہو۔ پس دُنیا پھر خدانخواستہ ایک غلطی کرنے والی ہے۔ پھر خدا نخواستہ ایک ظلم کا بیج بونے والی ہے۔ پھر ایک ایسی حرکت کرنے والی ہے جس کا نتیجہ کبھی اچھا پیدا نہیں ہو سکتا اور ہمارا فرض ہے کہ ہم خدا تعالیٰ سے دُعا کریں کہ وہ اس غلطی سے حاکم اقوام کو بچائے۔ اور دوسری طرف ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیا کو اس غلطی سے آگاہ کریں۔ اور تبلیغ اسلام کے متعلق زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔ اس جنگ کے بعد کم سے کم دو ملک ایسے تیار ہو جائیں گے جو ہماری باتوں پر سنجیدگی اور متانت کے ساتھ غور کریں گے یعنی جرمنی اور جاپان۔ یہ دو ملک ایسے ہیں جو ہماری باتیں سُننے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ خصوصاً جرمنی ایک ایسا ملک ہے جو اس لحاظ سے خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ ہم ان لوگوں کے پاس پہنچیں گے اور انہیں بتائیں گے کہ دیکھو عیسائیت کتنی ناکام رہی کہ عیسائیت کی قریباً دو ہزار سالہ غلامی کے بعد بھی تم غلام کے غلام رہے اور غلام بھی ایسے جن کی مثال سوائے پُرانے زمانہ کے اور کہیں نظر نہیں آسکتی۔ اس وقت ان کے دل اسلام کی طرف راغب ہوں گے اور ان کے اندر یہ احساس پیدا ہوگا کہ آؤ ہم عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام پر غور کریں اور دیکھیں کہ اس نے ہمارے دُکھوں کا کیا علاج تجویز کیا ہوا ہے۔ پس وہ وقت آنے والا ہے جب جرمنی اور جاپان دونوں کے سامنے ہمیں عیسائیت کی ناکامی اور اسلامی اصول کی برتری کو نمایاں طور پر پیش کرنا پڑے گا۔ اسی طرح انگلستان اور امریکہ اور رُوس کے سمجھدار طبقہ کو (اور کوئی مُلک ایسے سمجھدار طبقہ سے خالی نہیں ہوتا) اسلام کی تعلیم کی برتری بتا سکیں گے۔ مگر یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہماری طاقت منظم ہو، جب ہماری جماعت کے تمام افراد زیادہ سے زیادہ قربانیاں کرنے کے لئے تیار ہوں۔ جب کثرت سے مبلغین ہمارے پاس موجود ہوں اور جب ان مبلغین کے لئے ہر قسم کے سامان ہمیں میسر ہوں۔ اس طرح یہ کام اسی وقت ہو سکتا ہے جب جماعت کے تمام نوجوان پورے طور پر منظم ہوں اور کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ ہو جو

اس تنظیم میں شامل نہ ہو۔ وہ سب کے سب اس ایک مقصد کے لئے کہ ہم نے دُنیا میں اسلام اور احمدیت کو قائم کرنا ہے اس طرح رات اور دن مشغول رہیں جس طرح ایک پاگل اور مجنون شخص تمام جہات سے ذہنی توجہ ہٹا کر صرف ایک کام کی طرف مشغول ہو جاتا ہے۔ وہ بھُول جاتا ہے اپنی بیوی کو، وہ بھُول جاتا ہے اپنے بچوں کو، وہ بھُول جاتا ہے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو اور صرف ایک مقصد اور ایک کام اپنے سامنے رکھتا ہے۔ اگر ہم یہ جنون کی کیفیت اپنے اندر پیدا کر لیں اور اگر ہماری جماعت کا ہر فرد دن اور رات اس مقصد کو اپنے سامنے رکھے تو یقیناً خدا تعالےٰ ہماری جماعت کے کاموں میں برکت ڈالے گا اور اس کی کوششوں کے حیرت انگیز نتائج پیدا کرنا شروع کر دے گا" [1]

حضرت مصلح موعودؓ کی الوداعی نصائح ایک مبلغ کے لئے

ملک احسان اللہ صاحب واقفِ زندگی (مولوی عبدالخالق صاحب فاضل اور چودھری نذیر احمد صاحب آف رائے ونڈ کی معیت میں) ۲۳ نبوت (نومبر) ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو افریقہ میں اعلائے کلمہ اسلام کی غرض سے روانہ ہوئے۔ اس موقعہ پر حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ان کو مندرجہ ذیل نصائح لکھ کر دیں:۔

"خدا تعالےٰ پر ایمان، اس کی قضاء و قدر پر یقین، دعاؤں پر زور، اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں سے محبت، ہمیشہ مابعد الموت کا خیال رکھنا ایمان کے ستون ہیں۔

اس کے بعد نماز باقاعدہ پڑھیں، سنوار کر پڑھیں۔ دین کے بارے میں اپنے نفس سے کوئی بات نہ کہیں، سادہ زندگی بسر کریں۔ خدمت خلق کریں اور بنی نوع انسان کی خیر خواہی کو زندگی کا مقصد بنائیں۔ مرکز سے تعلق رہے۔ ساتھیوں سے تعاون رہے، زبان اور ہاتھ ہمیشہ قابو میں رہیں۔

۲۰ ۱۱/۴۴ والسلام خاکسار مرزا محمود احمد" [2]

مسلمانانِ چمبہ کی امداد

مکرم مرزا رحیم بیگ صاحب ریاست چمبہ کے نہایت مخلص احمدی اور سلسلہ احمدیہ اور حضرت مصلح موعود کے ممتاز شیدائیوں اور فدائیوں میں سے تھے۔[3] اور ہر لحظہ مسلمانوں کی بہبودی کا خیال انہیں رہتا تھا۔ مرزا صاحب موصوف نے مرکز احمدیت میں اطلاع دی

---

[1] "الفضل" ۱۱ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۷ کالم ۲-۳۔

[2] " ۱۹ وفا/جولائی " صفحہ ۳ کالم ۳۔

[3] تقسیم ملک کے بعد آپ ہجرت کر کے پاکستان آگئے۔

کہ ریاست چمبہ میں صدر کونسل انتظامیہ[1] کے بدلنے پر مسلمانوں کے لئے پہلے سے زیادہ پُرآشوب زمانہ آرہا ہے۔ اس اطلاع پر حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔اے، ایل ایل بی واقف زندگی کو ریاست چمبہ میں بھجوایا۔ چوہدری صاحب نے مسلمانانِ چمبہ کے زراعت پیشہ قرار دیا جانے، ان کی مذہبی آزادی اور ٹیکسوں میں تخفیف کے اہم معاملات کے سلسلہ میں ہر ممکن کوشش کی۔[2]

خلفاء کو اہم وصیت

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ۸ ؍فتح ۱۳۲۳ہش/دسمبر ۱۹۴۴ء کو تحریک جدید کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے آئندہ آنے والے خلفاء کو وصیت فرمائی کہ

"ہمارا نظام بھی محبت اور پیار کا ہے۔ کوئی قانون ہمارے ہاتھ میں نہیں کہ جس کے ذریعہ ہم اپنے احکام منوا سکیں۔ بلکہ میری ذاتی رائے تو یہی ہے کہ احمدیت میں خلافت ہمیشہ بغیر دنیوی حکومت کے رہنی چاہیئے۔ دنیوی نظام حکومت الگ ہونا چاہیئے اور خلافت الگ تا وہ شریعت کے احکام کی تعمیل کی نگرانی کر سکے۔ ابھی تو ہمارے ہاتھ میں حکومت ہے ہی نہیں۔ لیکن اگر آئے تو میری رائے یہی ہے کہ خلفاء کو ہمیشہ عملی سیاسیات سے الگ رہنا چاہیئے اور کبھی بادشاہت کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے۔ ورنہ سیاسی پارٹیوں سے براہ راست خلافت کا مقابلہ شروع ہو جائے گا اور خلافت ایک سیاسی پارٹی بن کر رہ جائے گی اور خلفاء کی حیثیت باپ والی نہ رہے گی۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام کے ابتداء میں خلافت اور حکومت جمع ہوئی ہیں مگر وہ مجبوری تھی کیونکہ شریعت کا ابھی نفاذ نہ ہوا تھا۔ اور چونکہ شریعت کا نفاذ ضروری تھا اس لئے خلافت اور حکومت کو اکٹھا کر دیا گیا اور ہمارے عقیدہ کی رُو سے یہ جائز ہے کہ دونوں اکٹھی ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ الگ الگ ہوں۔ ابھی تو ہمارے ہاتھ میں حکومت ہے ہی نہیں مگر میری رائے یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ ہمیں حکومت دے اس وقت بھی خلفاء کو اسے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے بلکہ الگ رہ کر حکومتوں کی نگرانی کرنی چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ وہ اسلامی احکام کی پیروی کریں اور ان سے مشورہ لے کر چلیں اور حکومت کا کام سیاسی لوگوں کے سپرد ہی رہنے

---

[1] ریاست چمبہ کے فرمانروا راجہ رام سنگھ جی دسمبر ۱۹۳۵ء میں سرگباش ہو گئے اور ان کی جگہ ان کے بیٹے راجہ لکشمن جی گدی نشین ہوئے۔ لکشمن جی چونکہ ان دنوں ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اس لئے ان کی نابالغی کے زمانہ میں ریاستی انتظام کے لئے ایک کونسل آف ایڈمنسٹریشن مقرر کر دی گئی تھی (تذکرہ رؤسائے پنجاب" جلد دوم مؤلفہ سرلیپل ایچ گریفن و کرنل میسی مترجم سید نوازش علی طبع دوم ۱۹۴۰ء صفحہ ۴۸۳)۔

[2] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۱۳۲۳-۲۴ہش / ۱۹۴۴-۴۵ء صفحہ ۱۳۰۔

دیں۔ پس اگر حکم کا سوال ہو تو میرا نقطہ نگاہ تو یہ ہے کہ اگر میری چلے تو میں کہوں گا کہ حکومت ہاتھ میں آنے پر بھی خلفاء اسے اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔ انہیں اخلاق اور احکام قرآنیہ کے نفاذ کی نگرانی کرنی چاہیئے۔" ؎۱

سرحد کے احمدی طالب علموں کو مرکز میں لانے کی ضرورت

سیدنا المصلح الموعود بیرونی دنیا میں تبلیغ خصوصاً برصغیر کے اندر اشاعت اسلام و احمدیت کا جال بچھا دینے کے لئے خاص طور پر متفکر رہتے تھے۔ اسی تعلق میں حضور نے ۹ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو اپنی مجلس علم و عرفان میں اس رائے کا اظہار فرمایا کہ

"اس بات کی بہت ضرورت ہے کہ صوبہ سرحد سے طالب علم قادیان میں آئیں۔ ہم نے اس کے لئے بڑی کوشش کی ہے مگر وہاں سے ایسے طالب علم نہیں آتے جو تعلیم کے بعد خدمت دین کریں۔ جو آتے ہیں وہ اس طرف لگ جاتے ہیں کہ نوکریاں کریں۔ صرف ایک مولوی چراغدین صاحب ہیں۔ باقی سارے پڑھنے کے بعد ملازمتیں کرنے لگ گئے ہیں۔ صوبہ سرحد میں تبلیغ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مبلّغ وہاں کا ہی باشندہ ہو جو وہاں کے رسم و رواج اور ان لوگوں کی عادات سے واقف ہو پنجابی مبلغ اس علاقہ میں اس طرح کام نہیں کر سکتا جس طرح کہ اس علاقہ کا باشندہ کر سکتا ہے" ؎۲

حکومت سندھ کی طرف سے "ستیارتھ پرکاش" کے چودھویں باب کی ضبطی اور حضرت سیدنا المصلح الموعود

سندھ گورنمنٹ نے مسلمانان ہند کے ملک گیر مظاہروں سے متاثر ہو کر ۵ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت حکم جاری کر دیا کہ ستیارتھ پرکاش کی کوئی کاپی اس وقت تک چھاپی یا شائع نہ ہو جب تک چودھویں باب کو حذف نہ کر لیا جائے۔ اس اعلامیہ پر اگلے روز آریہ سماج وچھو والی اور آریہ سماج انارکلی نے اس ضبطی کے خلاف جلسے کئے جن میں آریہ مقرروں نے دھمکی دی کہ یہ حکم ملک میں بدامنی کا باعث بنے گا۔ ایک ایک آریہ سماجی ستیارتھ پرکاش کی رکھشا کے لئے میدان میں نکلے گا۔ اس کے بعد آریوں نے ایک اینٹی قرآن لیگ بھی قائم کر لی اور قرآن مجید کی ضبطی کا مطالبہ کرنے لگے اور ملک میں ہر طرف ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔

سیدنا المصلح الموعود نے ۲۱ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو اپنی مجلس علم و عرفان میں "ستیارتھ پرکاش" سے

؎۱ "الفضل" ۱۲ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲-۳۔
؎۲ " " ۹ " " " صفحہ ۲ کالم ۲۔

شدید نفرت و حقارت کا اظہار کرتے ہوئے انگریزی حکومت کی مسلسل خاموشی پر سخت تنقید کی اور حکومت سندھ کی کارروائی کو غلط قرار دیتے ہوئے فرمایا :-

"میرے نزدیک ستیارتھ پرکاش اس وقت ہی قابل ضبطی تھی جب وہ شائع کی گئی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اسے ضبط کیوں کیا گیا ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اس کے ضبط کرنے میں گورنمنٹ اتنی دیر کیوں خاموش رہی۔ پھر جس قانون یعنی ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کو ضبط کیا گیا ہے یہ ایک عارضی قانون ہے۔ اس کا نتیجہ صرف یہی ہوگا کہ مسلمانوں اور آریوں میں لڑائی جھگڑا اور شورش تو پیدا ہو جائے گی مگر جب جنگ کے خاتمہ پر ڈیفنس کا قانون منسوخ ہوگا ساتھ ہی ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کی ضبطی کا حکم بھی منسوخ ہو جائے گا۔ پس ایسے قانون کے ماتحت اس کتاب کو ضبط کرنا جو عارضی ہے صرف فساد پیدا کرے گا اور نتیجہ کچھ بھی نہ نکلے گا

پس اول تو گورنمنٹ کو چاہئیے تھا کہ اس کتاب کو اس وقت ضبط کرتی جب یہ شائع کی گئی تھی۔ اتنی دیر کیوں کی گئی۔ پھر اگر اب ضبط کرنا تھا تو عام قانون کے ماتحت ضبط کرتی۔ اور جس طرح مَیں نے بتایا ہے گورنمنٹ یہ دلیل دیتی کہ ہم اس وجہ سے اس کتاب کو ضبط کرتے ہیں کہ اس میں ایسی باتیں دوسرے مذاہب کی طرف منسوب کی گئی ہیں جو اُن مذاہب میں نہیں پائی جاتیں اور ایسی باتیں کہہ کر دوسرے مذاہب کا مذاق اُڑایا گیا ہے اور اشتعال دلایا گیا ہے جو خود کتاب لکھنے والے کے مذہب میں بھی پائی جاتی ہیں۔

اگر سندھ گورنمنٹ اس طرح کرتی کہ عام قانون کے ماتحت اس کتاب کو ضبط کرتی اور اس میں یہ دلیل دیتی جو مَیں نے بیان کی ہے تو آریوں نے جو اَب اینٹی قرآن تحریک شروع کر رکھی ہے۔ یہ تحریک جاری کرنے کی انہیں کبھی جرأت نہ ہوتی۔ کیونکہ سارے آریہ تو کیا سارے ہندو، سارے جینی، سارے عیسائی اور سارے یہودی مل کر قرآن مجید کی کوئی ایک آیت تو ایسی دکھائیں جس میں قرآن مجید نے کسی مذہب کی طرف کوئی بات منسوب کی ہو اور وہ بات اس مذہب میں نہ پائی جاتی ہو۔ قرآن مجید نے عیسائیوں کے متعلق کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں کہی جو عیسائیوں میں نہ پائی جاتی ہو۔ قرآن مجید نے کوئی ایک بات بھی یہودیوں کے متعلق ایسی نہیں کہی جو یہودیوں میں نہ پائی جاتی ہو۔ بلکہ نہایت دیانت داری سے وہی باتیں ان کی طرف منسوب کی ہیں جو اُن کے مذہب

میں پائی جاتی ہیں۔ بیشک آجکل یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہماری موجودہ کتابوں میں وہ باتیں نہیں پائی جاتیں جو قرآن مجید ہماری طرف منسوب کرتا ہے لیکن ہم نے ثابت کردیا ہے کہ اگر یہ باتیں آجکل تمہاری کتب میں نہیں پائی جاتیں تو اس کا قرآن ذمہ دار نہیں کیونکہ تمہاری کتابوں میں تحریف ہوچکی ہے۔ یہ باتیں اُس وقت تمہاری کتابوں میں پائی جاتی تھیں جب قرآن مجید نازل ہوا تھا۔ پس قرآن مجید وہی باتیں دوسرے مذاہب کی طرف منسوب کرتا ہے جن کے متعلق یا تو ہم نے ثابت کردیا ہے کہ جس زمانہ میں قرآن مجید نازل ہوا اس وقت یہ باتیں ان مذاہب میں پائی جاتی تھیں اور یا ایسی باتیں دوسرے مذاہب کی طرف منسوب کرتا ہے جن کو وہ لوگ اب بھی مانتے ہیں اور وہ باتیں اسی رنگ میں ان کے اندر پائی جاتی ہیں جس رنگ میں قرآن مجید پیش کرتا ہے

اسی طرح مخالف قرآن مجید کی کوئی ایک آیت بھی ایسی پیش نہیں کر سکتا جس میں کوئی ایسی بات کہہ کر دوسرے مذہب پر اعتراض کیا گیا ہو جس کو قرآن مجید خود بھی مانتا ہو بلکہ دیانت داری سے قرآن مجید دوسرے مذہب کی انہی باتوں پر اعتراض کرتا ہے جن کو خود نہیں مانتا۔ پس یہ دو اصول مدنظر رکھتے ہوئے اگر عام مقررہ قانون کے ماتحت گورنمنٹ ضبطی کا حکم لگاتی تو آریہ سماج کوئی وجہ شور پیدا کرنے کا نہ پاسکتی اور یہ اینٹی قرآن ایجی ٹیشن کا ڈھکوسلہ چل ہی نہ سکتا۔

نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ وہی حصہ ستیارتھ پرکاش کا ضبط نہ ہونا چاہیئے تھا جو اسلام کے خلاف ہے بلکہ وہ حصہ بھی ضبط ہونا چاہیئے تھا جو عیسائیت کے خلاف ہے، جو ہندو مذہب کے خلاف ہے، جو جین مذہب کے خلاف ہے، جو سکھ مذہب کے خلاف ہے۔ کیونکہ ستیارتھ پرکاش میں ان مذاہب کی طرف بھی وہ باتیں منسوب کی گئی ہیں جو اُن میں نہیں پائی جاتیں یا جو خود آریہ سماج کے مسلمات میں بھی ہیں۔ اگر دل دُکھنا ضبطی کی دلیل ہے تو کیا سکھ کا دل نہیں دُکھتا؟ کیا عیسائیوں کے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچتی؟ جس طرح مسلمانوں کا دل دُکھتا ہے اسی طرح سکھوں کا دل بھی دُکھتا ہے۔ اسی طرح عیسائیوں کا دل بھی دُکھتا ہے۔ پس گورنمنٹ کو چاہیئے تھا کہ اگر ضبط کرتا تھا تو ایسے سب بابوں کو ضبط کرتی جو دوسرے مذاہب کے بارہ میں ہیں اور ان وہ باتوں پر اس کی بنیاد رکھتی۔ محض دل دُکھنے پر بنیاد نہ رکھتی۔ . . . . پس ہمیں چار باتوں پر اعتراض ہے۔

۱۔ پہلی یہ کہ اس کتاب کی ضبطی میں دیر کیوں کی گئی؟ یہ کتاب اس وقت ہی قابلِ ضبط تھی جس وقت شائع ہوئی۔

۲۔ دوسرے ہمیں اس بات پر اعتراض ہے کہ ایک عارضی قانون کے ماتحت اس کو کیوں ضبط کیا گیا ہے؟ اس سے ضرور فتنہ پیدا ہوگا اور جب یہ قانون منسوخ ہوگا تو ساتھ ہی ضبطی کا حکم بھی منسوخ ہو جائے گا۔

۳۔ تیسرے یہ بات ہمارے نزدیک قابلِ اعتراض ہے کہ دلیل نہیں دی گئی کہ کیوں ضبط کرتے ہیں؟ محض دل دکھنا کوئی دلیل نہیں۔

۴۔ چوتھے یہ بات بھی قابلِ اعتراض ہے کہ صرف مسلمانوں کی تائید میں قدم اُٹھایا گیا ہے حالانکہ گورنمنٹ کو سب مذاہب کی حفاظت کرنی چاہیئے تھی۔

پس یہ چار وجوہ ہیں جن کی بناء پر ہم سندھ گورنمنٹ کی ستیارتھ پرکاش کے متعلق موجودہ کارروائی کو غلط سمجھتے ہیں" [۱]

تحریک جدید کے دفتر دوم کی بنیاد

حضرت سیدنا المصلح الموعود نے خدا تعالیٰ کے القاءِ خاص سے نومبر ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید جیسی عالمی تبلیغ اسلام تنظیم قائم فرمائی جس کا پہلا دس سالہ دور اس سال ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں نہایت کامیابی و کامرانی کے ساتھ اختتام پذیر ہوگیا جس پر حضور نے ۲۴ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو اس کے دفتر دوم کی بنیاد رکھی اور دعوت دی کہ

"پانچ ہزار دوستوں کی ایک نئی جماعت آگے آئے جو اس تحریک میں حصہ لے"

نیز فرمایا:-

"مَیں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے جماعت کے دوستوں میں ہمت پیدا کرے گا اور پھر جو کوتاہی رہ جائے گی اسے وہ اپنے فضل سے پورا کر دے گا۔ یہ اسی کا کام ہے اور اسی کی رضا کے لئے مَیں نے یہ اعلان کیا ہے۔ **زبان گو میری ہے مگر بُلاوا اُسی کا ہے۔** پس مبارک ہے وہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بُلاوا سمجھ کر ہمت اور دلیری کے ساتھ آگے بڑھتا ہے اور خدا تعالیٰ رحم کرے اس پر جس کا دل بُزدلی کی وجہ سے پیچھے ہٹتا ہے" [۲]

---

[۱] "الفضل" ۳ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲-۳

[۲] " " ۲۸ نبوت/نومبر " صفحہ ۸ کالم ۴

تحریک جدید کے دور اوّل کی شاندار کامیابی پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے اور حضرت سیدنا المصلح الموعود کے حضور ہدیہ اخلاص پیش کرنے کے لئے مسجد اقصیٰ قادیان میں ۲۳ نبوت / نومبر ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کو ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے فرمائی۔[۱]

بیرونی مجاہدین کو بلوانے اور نئے مبلغین بھجوانے کا فیصلہ

تحریک جدید کے دور ثانی کا اعلان کرنے کے ساتھ ہی سیدنا المصلح الموعود نے فیصلہ کیا کہ بیرونی مجاہدین احمدیت کو جلد سے جلد واپس بلانے کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا :-

"ضروری ہے کہ جو مبلغ بیرونی ممالک میں جائیں اُن کے لئے کافی رقم سفر خرچ کے لئے مہیا کی جائے۔ کافی لٹریچر مہیا کیا جائے اور پھر سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ان کی واپسی کا انتظام کیا جائے۔ ہر تیسرے سال مبلغ کو واپس بھی بلانا چاہیئے اور پرانے مبلغوں کو بلانے اور نئے بھیجنے کے لئے کافی روپیہ مہیا کرنا ضروری ہے۔ ابھی ہم نے تین نوجوانوں کو افریقہ بھیجا ہے۔ وہ ریل کے تھرڈ کلاس میں اور لاریوں میں سفر کریں گے۔ مگر پھر بھی ۱۷ - ۱۸ سو روپیہ ان کے سفر خرچ کا اندازہ ہے۔ اگر ہم یہ اندازہ کریں کہ ہر سال ۳۳ فیصدی مبلغ واپس بلائے جائیں گے اور ۳۳ فیصدی ان کی جگہ بھیجے جائیں گے اور ہر ایک کے سفر خرچ کا تخمینہ پندرہ سو روپیہ رکھیں تو صرف یہی خرچ ایک لاکھ روپیہ سالانہ کا ہوگا اور یہ صرف سفر خرچ ہے۔ اور اگر مبلغین کو چار چار سال کے بعد بلائیں تو یہ خرچ پھر بھی ۷۵ ہزار روپیہ ہوگا۔ اور کم سے کم اتنے عرصہ کے بعد اُن کو بلانا نہایت ضروری ہے۔ تا ان کا اپنا ایمان بھی تازہ ہوتا رہے اور ان کے بیوی بچوں اور خود ان کو بھی آرام ملے۔ اب تو یہ حالت ہے کہ حکیم فضل الرحمٰن صاحب کو باہر گئے ایک لمبا عرصہ گزر چکا ہے اور انہوں نے اپنے بچوں کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ جب وہ گئے تو ان کی بیوی حاملہ تھیں۔ بعد میں لڑکا پیدا ہوا۔ اور ان کے بچے پوچھتے ہیں کہ اماں ہمارے ابا کی شکل کیسی ہے۔ اسی طرح مولوی جلال الدین صاحب شمس انگلستان گئے ہوئے ہیں اور صدر انجمن احمدیہ اس ڈر کے مارے اُن کو واپس نہیں بلاتی کہ ان کا قائمقام کہاں سے لائیں۔ اور کچھ خیال نہیں کرتی کہ ان کے بھی بیوی بچے ہیں جو اُن کے منتظر ہیں۔ اُن کا بچہ کبھی کبھی میرے پاس آتا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہتا ہے کہ

---

[۱] "الفضل" یکم فتح / دسمبر ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۶۔

میرے ابّا کو واپس بُلا دیں۔ پھر اتنا عرصہ خاوندوں کے باہر رہنے کا نتیجہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ عورتیں بانجھ ہو جاتی ہیں اور آئندہ نسل کا چلنا بند ہو جاتا ہے۔ ایک اور مبلّغ باہر گئے ہوئے ہیں ان کے بچّہ نے جو خاصا بڑا ہے نہایت ہی دردناک بات اپنی والدہ سے کہی۔ اس نے کہا۔ اماں! دیکھو ہمارا فلاں رشتہ دار بیمار پڑا تو اس کا ابّا اُسے پوچھنے کے لئے آیا۔ تم نے ابّا سے کیوں شادی کی جو کبھی ہمیں پوچھنے بھی نہیں آیا۔ اس نے بچپن کی وجہ سے یہ تو نہ سمجھا کہ اگر یہ شادی نہ ہوتی تو وہ پیدا کہاں سے ہوتا اور اس طرح ہنسی کی بات بن گئی۔ مگر حقیقت پر غور کرو یہ بات بہت ہی دردناک ہے۔ اس کے والد عرصہ سے باہر گئے ہوئے ہیں اور ہم ان کو واپس نہیں بُلا سکے۔ پس یہ بہت ضروری ہے کہ مبلّغین کو تین چار سال کے بعد واپس بُلا یا جائے"[۱]

اس فیصلہ کے بعد بیرونی مجاہدین کی واپسی کے لئے ہر ممکن اقدامات کی طرف خاص توجہ دی جانے لگی۔

حضرت سیّدنا المصلح الموعود کی طرف سے جماعت اسلامی سے متعلق بعض سوالات کے جوابات

شمالی ہند میں "جماعت اسلامی" کے نام سے مسلمانوں کی ایک سیاسی جماعت[۲] تین برس پیشتر معرضِ وجود میں آئی تھی۔ یہ جماعت سید ابوالاعلیٰ[۳] صاحب مودودی سابق ایڈیٹر "الجمعیتہ" دہلی و مدیر رسالہ "ترجمان القرآن"[۴] لاہور کی قیادت میں ۲۵ راگست ۱۹۴۱ء[۵] کو قائم ہوئی۔

اس جماعت کا پہلا مرکز دفتر رسالہ ترجمان القرآن مبارک پارک پونچھ روڈ لاہور میں تھا۔ ۱۵ رجون ۱۹۴۲ء[۶] کو جناب مودودی صاحب اپنے بعض رفقاء سمیت قادیان کے نزدیک ہی ایک قریہ جمال پور (تحصیل پٹھانکوٹ ضلع گورداسپور) میں منتقل ہو گئے اور اسے اپنا "دارالاسلام" بنا کر اپنی مخصوص دعوت کی اشاعت شروع کر دی۔

---

[۱] "الفضل" ۲۸ نبوت/ نومبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۸۔

[۲] ترجمان القرآن مئی ۱۹۵۰ء صفحہ ۷ پر صاف لکھا ہے "اس کا دین ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک سیاست ہے"

[۳] ولادت ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء بمقام اورنگ آباد حیدر آباد دکن۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۸۹۶ء میں ملک کے جن مشہور سجادہ نشینوں کو مباہلہ کا چیلنج دیا مگر وہ میدان میں آنے کی جرأت نہ کر سکے ان میں آپ کے دادا "سید حسین شاہ صاحب مودودی دہلی" بھی تھے۔ (انجام آتھم صفحہ ۱۷ طبع اوّل)

[۴] محرم الحرام ۱۳۴۹ھ (مطابق مئی۔ جون ۱۹۳۰ء) کا واقعہ ہے کہ ابو محمد مصلح صاحب نے ریاست حیدر آباد دکن کی سرپرستی میں ایک ادارہ "قرآنی تحریک" کی داغ بیل ڈالی اور ایک رسالہ "ترجمان القرآن" بھی جاری کیا جس کا انتظام انہوں نے ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ (مطابق مارچ۔ اپریل ۱۹۳۳ء) کے شمارہ کے بعد مودودی صاحب کے سپرد کر دیا (قرآنی تحریک کی مختصر تاریخ مرتبہ ابو محمد مصلح سلسلہ اشاعت قرآن حیدر آباد دکن جلد ۴ شمارہ "ترجمان القرآن" ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ)

[۵] "روئداد جماعت اسلامی" حصہ اوّل صفحہ ۳ طبع اوّل ناشر مکتبہ جماعت اسلامی دارالاسلام جمال پور پٹھانکوٹ۔

[۶] روداد جماعت اسلامی حصہ اوّل صفحہ ۳۴۔

۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے آخر میں ایک دوست نے "جماعت اسلامی" کے نظریات وعقائد کی نسبت دو سوالات حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی خدمت میں لکھ کر بھیجے جن کا جواب حضور نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا۔ یہ سوالات مع جوابات درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

"سوال اوّل

تحریک جماعت اسلامی سے حضور واقف ہوں گے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کے ساتھی اسلام کے متعلق حسب ذیل نظریہ رکھتے ہیں۔

قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ انسان کے لئے ضابطہ حیات ہے جو اخلاقی، تمدنی اور سیاسی قوانین کا مجموعہ ہے۔ اسلام اس کی کامل پیروی کا نام عبادت رکھتا ہے۔ جو شخص اس ضابطہ حیات کی بجائے نظام باطل کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرتا ہے وہ صحیح عبد نہیں ہے یا جو اعتقادی طور پر تو ضابطہ شریعت (قرآن) پر ایمان رکھتا ہو مگر عمل دوسرے قوانین پر کر رہا ہو وہ بھی حلقہ عبودیت سے دُور ہے

دلائل

۱۔ وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ

۲۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

۳۔ وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ أَحَدًا

کیا یہ احمدیت کی رُو سے بھی درست ہے؟

جواب

یہ درست ہے کہ قرآن کریم کے ہر ایک حکم پر عمل کرنا اگر طاقت ہو ضروری ہے مگر کلمہ حکمت سے باطل مراد لینا نادرست ہے۔

سوال دوم

قبل ان الامر کلہ للہ سے استنباط کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مالک الملک اور فرمانروا ہے۔ اس کی حکومت میں کسی کا حکم نہیں چلتا۔ انسان کے لئے ضابطہ حیات بنانے کا حق اُسے ہے کیونکہ وہی اس کی ضروریات اور رازوں سے واقف ہے۔ مخلوق کا کام صرف اس کی پیروی میں ہی اس کی فلاح ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص خدا کے قانون کو چھوڑ کر یا جو شخص یا ادارہ خود کوئی قانون بناتا

ہے (درآنحالیکہ اس کے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی CHARTER نہیں) یا کسی دوسرے کے بنائے ہوئے قانون کو تسلیم کرکے اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ طاغوت (خارج از اطاعتِ حق) ہے اور اس سے فیصلہ چاہنے۔ اور اس کے فیصلہ پر عمل کرنے والا بھی مجرم ہے اور اس کی وفادار رعایا میں سے نہیں ہے۔

دلائل

۱۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔

۲۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ۔

۳۔ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ . . .

۴۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا . . . .

۵۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

۶۔ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ . . . .

مگر احمدیت ہمیں غیر الٰہی قوانین کا احترام سکھاتی ہے۔ احترام ہی نہیں بلکہ پیروی کا حکم دیتی ہے۔ یہ تضاد سمجھ میں نہیں آتا۔ وضاحت فرمائی جائے۔

جواب

اگر اس کے یہ معنے ہیں کہ غیر مذہبی حکومت کے قوانین پر عمل نہیں کرنا تو ابوالعلیٰ خود بھی عمل کرتے ہیں اور ان کے ساتھی بھی"[۱] [۲]

---

[۱] "الفضل" ۳۰ نبوت / نومبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۳، ۴۔ [۲] ایک شخص نے اسی زمانہ میں مودودی صاحب سے دریافت کیا کہ "کیا ایک کافر حکومت کے اندر رہتے ہوئے یہ جائز ہے کہ آدمی لائسنس کے بغیر یا مقررہ موسموں اور اوقات میں شکار کھیلے اور بغیر لیمپ کے راتوں کو موٹر یا بائیسکل چلائے" جناب مودودی صاحب نے "ترجمان القرآن" میں اس کا حسبِ ذیل جواب دیا۔ "اگر آپ ایک ایسی حکومت کے اندر رہتے ہیں تو انتظام ملکی کو برقرار رکھنے کے لئے جو ضابطے اس نے بنائے ہیں اور جو قوانین بہرحال ایک منظم سوسائٹی کو بحال رکھنے کے لئے ضروری ہیں انہیں خواہ مخواہ توڑنا آپ کے لئے درست نہیں . . . . قانون شکنی کے معنی بدنظمی (DISORDER) پیدا کرنے کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی زمین میں نظم دیکھنا چاہتا ہے نہ کہ بدنظمی۔ اس لئے اگر آپ خواہ مخواہ اس کی زمین کا نظم بگاڑیں گے تو اس کی تائید سے محروم رہیں گے" (ترجمان القرآن محرم۔صفر ۱۳۶۴ھ (جنوری۔فروری ۱۹۴۵ء) بحوالہ "رسائل و مسائل" صفحہ ۴۶۳، ۴۶۴ طابع و ناشر مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی اچھرہ لاہور طبع اوّل ستمبر ۱۹۵۱ء)

فصل سوم

مُصلح موعود کے دورِ جدید کا پہلا سالانہ جلسہ

جلسہ کی آمد سے قبل دُعاؤں کی تحریک خاص دورِ مصلح موعود کا پہلا جلسہ سالانہ قریب آرہا تھا اس لئے حضرت امیر المومنین نے ۲۲ر فتح/دسمبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو اپنے خطبہ جمعہ میں اہل قادیان اور بیرونی جماعتوں کو دعائیں کرنے کی خاص تحریک کی چنانچہ ارشاد فرمایا کہ

"یہ موقعہ بہت دُعاؤں کا اور بہت گریہ و زاری کا ہے۔ قادیان کے دوست بھی بہت دُعائیں کرتے رہیں اور باہر سے آنے والے بھی دُعاؤں میں لگے رہیں کہ اللہ تعالٰے سب کو اس اجتماع کی برکات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی توفیق دے۔ . . . . وہ باقی ماندہ ایام اور جلسہ کے ایام کو بھی اور اس کے بعد کے چند ایام کو بھی خصوصیت کے ساتھ دُعاؤں میں گذاریں"[1]

حضرت سیدنا المصلح الموعود کی معرکۃ الآراء تقاریر یہ جلسہ حسب معمول ہائی سکول کی کھلی گراؤنڈ میں ہوا۔ اور اس میں حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے چار معرکۃ الآراء تقاریر فرمائیں۔

افتتاح حضور ۲۶ر فتح/دسمبر کو گیارہ بجے جلسہ کا افتتاح کرنے کے لئے سٹیج پر تشریف لائے۔ تمام مجمع نے کھڑے ہو کر اللہ اکبر اور حضرت امیر المومنین زندہ باد کے نعروں سے استقبال کیا حضور نے تمام مجمع کو السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ کہا اور کرسی پر رونق افروز ہو گئے۔ ازاں بعد حضرت صوفی غلام محمد صاحب بی۔اے نے تلاوتِ قرآن کریم کی۔ پھر حضور نے افتتاحی تقریر ارشاد فرمائی جس میں بتایا کہ

"ہمیں وہ نظارے بھی یاد ہیں جب دو چار آدمی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے۔ اور آج ہم یہ نظارہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ساری دنیا میں، دنیا کی ہر قوم میں، ہر نسل میں اور ہر زبان بولنے والوں میں احمدی موجود ہیں اور ان میں ہمت اور اخلاص اور فداکاری کے جذبات اعلیٰ درجہ کے پائے جاتے ہیں اور وہ قربانی کے انتہائی مقام پر پہنچے ہوئے ہیں۔ آج خدا تعالٰے کا ہاتھ ان کو روک رہا ہے ورنہ وہ آگے بڑھ کر اپنی جانیں قربان

---

[1] "الفضل" ۲۵ر فتح/دسمبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴۔

کرنے کے لئے تیار ہیں۔ پروانے موجود ہیں، شمع ہی انہیں قربان ہو جانے سے روک رہی ہے اور وہ جل جانے کی خواہش اور تمنا میں جل رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت تھوڑی سے بڑھ کر اب اس مقام پر پہنچ چکی ہے اور اتنا وسیع کام اس کے سامنے ہے کہ جو قومیں اس مقام پر پہنچ جاتی ہیں، وہ یا تو اُوپر نکل جاتی اور سب روکاوٹوں کو توڑ ڈالتی ہیں یا پھر تنزل کے گڑھے میں گر جاتی ہیں۔ دراصل یہ مقام سب سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ بہت لوگ جب یہاں سے گر جاتے ہیں تو پتہ بھی نہیں چلتا کہ کہاں چلے گئے۔ مگر بہت اس مقام سے آگے بڑھ کر اس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ انہیں خدا تعالیٰ کا عرش نظر آنے لگتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی باتیں سُننے اور اس کے خاص انعامات کے مورد بنتے ہیں۔ خدا ان کا ہو جاتا ہے وہ خدا کے ہو جاتے ہیں۔

پس اس نازک وقت اور نازک مقام کی وجہ سے جماعت کی ذمہ داریاں بہت اہم ہیں اور آج آپ لوگوں کو سمجھ لینا چاہیئے اور اچھی طرح سمجھ لینا چاہئیے کہ وہ وقت آگیا ہے کہ یا تو ہمارا قدم نہایت بلند مقام کی طرف اُٹھے گا یا پھر نیچے گر جائے گا"[1]

دُوسرے روز خواتین کی جلسگاہ میں تقریر

۲۔ دوسرے دن (۲۷ فتح / دسمبر کو) ظہر سے قبل سیدنا المصلح الموعود نے خواتین کی جلسگاہ میں (جو حسب سابق مسجد نور سے متصل مشرقی جانب تھی) تقریر فرمائی جس میں لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ

"ایک مہینہ کے اندر اندر یعنی جنوری ۱۹۴۵ء ختم ہونے سے پہلے وہ اپنے دفتر کو منظم کر لیں"

اس اہم ارشاد کے بعد حضور نے لجنہ کو احمدی خواتین کی تنظیم کی نسبت بیش قیمت ہدایات سے نوازتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"لجنہ اماء اللہ کا پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ جب ان کی تنظیم ہو جائے تو جماعت کی تمام عورتوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ پھر دوسرا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ نماز، روزہ اور شریعت کے دوسرے موٹے موٹے احکام کے متعلق آسان اُردو زبان میں مسائل لکھ کر تمام عورتوں کو سکھا دیئے جائیں اور پھر تیسرا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ ہر ایک عورت کو نماز کا ترجمہ یاد ہو جائے تاکہ ان کی نماز طوطے

---

[1] "الفضل" ۳۰ دسمبر/فتح ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۳-۴ ؂

کی طرح نہ ہو کہ وہ نماز پڑھ رہی ہوں مگر ان کو یہ علم ہی نہ ہو کہ وہ نماز میں کیا کہہ رہی ہیں اور آخری اور اصل قدم یہ ہونا چاہیئے کہ تمام عورتوں کو باترجمہ قرآن مجید آجائے اور چند سالوں کے بعد ہماری جماعت میں سے کوئی عورت ایسی نہ نکلے جو قرآن مجید کا ترجمہ نہ جانتی ہو۔ اس وقت شاید ہزار میں سے ایک عورت بھی نہیں ہوگی جس کو قرآن مجید کا ترجمہ آتا ہو۔ میری حیثیت اُستاد کی ہے اس لئے کوئی حرج نہیں اگر میں تم سے یہ پُوچھ لوں کہ جو عورتیں قرآن مجید کا ترجمہ جانتی ہیں وہ کھڑی ہو جائیں اور جن کو ترجمہ نہیں آتا وہ بیٹھی رہیں۔ مَیں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم میں سے کتنی عورتیں ایسی ہیں جو قرآن مجید کا ترجمہ جانتی ہیں۔ اس لئے جو ترجمہ جانتی ہیں وہ کھڑی ہو جائیں (حضور کے ارشاد پر بہت سی عورتیں کھڑی ہو گئیں جن کو دیکھ کر حضور نے فرمایا) بہت خوشکن بات ہے کہ میرے اندازہ سے بہت زیادہ عورتیں کھڑی ہیں۔ الحمد للہ۔ اب بیٹھ جاؤ۔ میرے لئے یہ خوشی عید کی خوشی سے بھی زیادہ ہے۔ میرا اندازہ تھا کہ جتنی عورتیں کھڑی ہوئی ہیں اس کے دسویں حصہ سے بھی کم عورتیں ہوں گی جو قرآن مجید کا ترجمہ جانتی ہوں۔ مگر خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ میرے اندازہ سے بہت زیادہ عورتیں کھڑی ہوئی ہیں۔ مگر میرے لئے یہ تسلّی کا موجب نہیں۔ میرے لئے تسلّی کا موجب تو یہ بات ہوگی جب تم میں سے ہر ایک عورت قرآن مجید کا ترجمہ جانتی ہوگی۔ اور مجھے خوشی اس وقت ہوگی جب تم میں سے ہر ایک عورت صرف ترجمہ ہی نہ جانتی ہو بلکہ قرآن مجید کو سمجھتی بھی ہو اور مجھے حقیقی خوشی اس وقت ہوگی جب تم میں سے ہر ایک عورت دوسروں کو قرآن مجید سمجھا سکتی ہو اور پھر اس سے بھی زیادہ خوشی کا دن تو وہ ہوگا جس دن خدا تعالیٰ تمہارے متعلق یہ گواہی دے گا کہ تم نے قرآن مجید کو سمجھ لیا ہے اور اس پر عمل بھی کیا ہے“ [1]

اہم واقعات پر تبصرہ اور پروگرام

۳۔ اسی روز ۲۷ ر فتح / دسمبر کو حضور نے مردانہ جلسہ گاہ میں بھی مفصل تقریر فرمائی جس میں حسب دستور سال کے اہم واقعات پر تبصرہ فرمایا اور آئندہ کے پروگرام پر روشنی ڈالی۔[2] یہ تقریر تقریباً تین گھنٹے تک جاری رہی۔[3]

ظہور مصلح موعود کے موضوع پر پُرشوکت تقریر

۴۔ سالانہ جلسہ کے آخری اجلاس (منعقدہ ۲۹ فتح / دسمبر) میں حضرت امیر المومنین نے ساڑھے تین بجے سے لے کر

---

[1] ”الازہار لذوات الخمار“ مرتبہ حضرت سیدہ ام متین مریم صدیقہ صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ صفحہ ۴۰۹-۴۱۰ طبع دوم۔
[2] ”الفضل“ یکم صلح / جنوری ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۱ و ۲ میں اس کا ملخص شائع ہو چکا ہے۔ [3] ”الفضل“ ۳۰ فتح / دسمبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۶ کالم ۱ و ۲۔

ساڑھے سات بجے یعنی مسلسل چار گھنٹے تک خطاب فرمایا جس میں نہ صرف پیشگوئی مصلح موعود کا پورا ہونا دلائل اور واقعات سے روز روشن کی طرح ثابت فرما دیا بلکہ مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء کے اعتراضات کا نہایت احسن پیرایہ میں رد کیا۔ اس انقلاب آفریں تقریر کے آخری حصہ میں حضور نے جماعت احمدیہ کو نئی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے رحم سے وہ پیشگوئی جس کے پورا ہونے کا ایک لمبے عرصہ سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق اپنے الہام اور اعلام کے ذریعہ مجھے بتا دیا ہے کہ وہ پیشگوئی میرے وجود میں پوری ہو چکی ہے اور اب دشمنانِ اسلام پر خدا تعالیٰ نے کامل حجت کر دی ہے اور ان پر یہ امر واضح کر دیا ہے کہ اسلام خدا تعالیٰ کا سچا مذہب، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے سچے رسول اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کے سچے فرستادہ ہیں۔ جھوٹے ہیں وہ لوگ جو اسلام کو جھوٹا کہتے ہیں۔ کاذب ہیں وہ لوگ جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کاذب کہتے ہیں۔ خدا نے اس عظیم الشان پیشگوئی کے ذریعہ اسلام اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

بھلا کس شخص کی طاقت تھی کہ وہ ۱۸۸۶ء میں آج سے پورے اٹھاون سال قبل اپنی طرف یہ خبر دے سکتا کہ اس کے ہاں نَو سال کے عرصہ میں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا وہ دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ وہ اسلام اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام دنیا میں پھیلائے گا۔ وہ علوم ظاہری اور باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ وہ جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا اور خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی قربت اور اس کی رحمت کا وہ ایک زندہ نشان ہوگا۔ یہ خبر دنیا کا کوئی انسان اپنے پاس سے نہیں دے سکتا تھا۔ خدا نے یہ خبر دی اور پھر اسی خدا نے اس خبر کو پورا کیا۔ اس انسان کے ذریعہ جس کے متعلق ڈاکٹر یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ وہ زندہ رہیگا یا لمبی عمر پائے گا۔ میری صحت بچپن میں ایسی خراب تھی کہ ایک موقعہ پر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے میرے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ اسے سل ہو گئی ہے کسی پہاڑی مقام پر اسے بھجوا دیا جائے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے شملہ بھجوا دیا مگر وہاں جا کر میں اداس ہو گیا اور اس وجہ سے جلدی ہی واپس آگیا۔ غرض ایسا انسان جس کی صحت کبھی ایک دن بھی

ابھی نہیں ہوئی اس انسان کو خدا نے زندہ رکھا اور اس لئے زندہ رکھا کہ اس کے ذریعہ اپنی پیشگوئیوں کو پورا کرے اور اسلام اور احمدیت کی صداقت کا ثبوت لوگوں کے سامنے مہیا کرے۔ پھر مَیں وہ شخص تھا جسے علوم ظاہری میں سے کوئی علم حاصل نہیں تھا مگر خدا نے اپنے فضل سے فرشتوں کو میری تعلیم کے لئے بھجوایا اور مجھے قرآن کے اُن مطالب سے آگاہ فرمایا جو کسی انسان کے واہمہ اور گمان میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ وہ علم جو خدا نے مجھے عطا فرمایا اور وہ چشمۂ رُوحانی جو میرے سینہ میں پھُوٹا وہ خیالی یا قیاسی نہیں ہے بلکہ ایسا قطعی اور یقینی ہے کہ مَیں ساری دُنیا کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر اس دُنیا کے پردہ پر کوئی شخص ایسا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے اُسے قرآن سکھایا گیا ہے تو مَیں ہر وقت اس سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن مَیں جانتا ہوں آج دُنیا کے پردہ پر سوائے میرے اور کوئی شخص نہیں جسے خدا کی طرف سے قرآن کریم کا علم عطا فرمایا گیا ہو۔ خدا نے مجھے علمِ قرآن بخشا ہے اور اس زمانہ میں اُس نے قرآن سکھانے کے لئے مجھے دُنیا کا اُستاد مقرر کیا ہے۔ خدا نے مجھے اس غرض کے لئے کھڑا کیا ہے کہ مَیں محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے نام کو دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤں اور اسلام کے مقابلہ میں دُنیا کے تمام باطل ادیان کو ہمیشہ کی شکست دے دُوں

دُنیا زور لگالے، وہ اپنی تمام طاقتوں اور جمعیتوں کو اکٹھا کرلے۔ عیسائی بادشاہ بھی اور اُن کی حکومتیں بھی مِل جائیں۔ یُورپ بھی اور امریکہ بھی اکٹھا ہو جائے۔ دُنیا کی تمام بڑی بڑی مالدار اور طاقت ور قومیں اکٹھی ہو جائیں اور وہ مجھے اس مقصد میں ناکام کرنے کے لئے متحد ہو جائیں پھر بھی مَیں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں ناکام رہیں گی. اور خدا میری دُعاؤں اور تدابیر کے سامنے اُن کے تمام منصوبوں اور مکروں اور فریبوں کو ملیامیٹ کر دے گا اور خدا میرے ذریعہ سے یا میرے شاگردوں اور اَتباع کے ذریعہ سے اس پیشگوئی کی صداقت ثابت کرنے کے لئے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کے طفیل اور صدقے اسلام کی عزت کو قائم کرے گا اور اس وقت تک دُنیا کو نہیں چھوڑیگا جب تک اسلام پھر اپنی پُوری شان کے ساتھ دُنیا میں قائم نہ ہو جائے اور جب تک

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پھر دُنیا کا زندہ نبی تسلیم نہ کر لیا جائے۔

اے میرے دوستو! مَیں اپنے لئے کسی عزت کا خواہاں نہیں، نہ جب تک خدا تعالیٰ مجھ پر ظاہر کرے کسی مزید عُمر کا امیدوار۔ ہاں خدا تعالیٰ کے فضل کا مَیں امیدوار ہوں اور مَیں کامل یقین رکھتا ہوں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی عزت کے قیام میں اور دوبارہ اسلام کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے اور مسیحیت کے کچلنے میں میرے گذشتہ یا آئندہ کاموں کا انشاء اللہ بہت کچھ حصہ ہوگا اور وہ ایڑیاں جو شیطان کا سر کچلیں گی اور مسیحیت کا خاتمہ کریں گی اُن میں سے ایک ایڑی میری بھی ہوگی۔ انشاء اللہ تعالےٰ

مَیں اس سچائی کو نہایت کھُلے طور پر ساری دُنیا کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ یہ آواز وہ ہے جو زمین و آسمان کے خدا کی آواز ہے۔ یہ مشیت وہ ہے جو زمین و آسمان کے خدا کی مشیت ہے۔ یہ سچائی نہیں ٹلے گی، نہیں ٹلے گی اور نہیں ٹلے گی۔ اسلام دُنیا پر غالب آکر رہے گا۔ مسیحیت دُنیا میں مغلوب ہو کر رہے گی۔ اب کوئی سہارا نہیں جو عیسائیت کو میرے حملوں سے بچا سکے۔ خدا میرے ہاتھ سے اُس کو شکست دے گا اور یا تو میری زندگی میں ہی اُس کو اِس طرح کچل کر رکھ دے گا کہ وہ سر اُٹھانے کی بھی تاب نہیں رکھے گی اور یا پھر میرے بوئے ہوئے بیج سے وہ درخت پیدا ہوگا جس کے سامنے عیسائیت ایک خشک جھاڑی کی طرح مُرجھا کر رہ جائے گی۔ اور دُنیا میں چاروں طرف اسلام اور احمدیت کا جھنڈا انتہائی بلندیوں پر اُڑتا ہوا دکھائی دے گا۔

مَیں اس موقعہ پر جہاں آپ لوگوں کو یہ بشارت دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُس پیشگوئی کو پورا کر دیا جو مصلح موعود کے ساتھ تعلق رکھتی تھی وہاں مَیں آپ لوگوں کو اُن ذمہ داریوں کی طرف بھی توجہ دلاتا ہوں جو آپ لوگوں پر عائد ہوتی ہیں آپ لوگ جو میرے اس اعلان کے مصدق ہیں آپ کا اوّلین فرض یہ ہے کہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک اسلام اور احمدیت کی فتح اور کامیابی کے لئے بہانے کو تیار ہو جائیں۔ بیشک آپ لوگ خوش ہو سکتے ہیں کہ خدا نے اس پیشگوئی کو پورا کیا بلکہ مَیں کہتا ہوں آپ کو یقیناً خوش ہونا چاہیئے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود لکھا ہے کہ تم

خوش ہو اور خوشی سے اُچھلو کہ اس کے بعد اب روشنی آئے گی۔ پس میں تمہیں خوش ہونے سے نہیں روکتا۔ میں تمہیں اُچھلنے اور کودنے سے نہیں روکتا۔ بیشک تم خوشیاں مناؤ اور خوشی سے اُچھلو اور کودو۔ لیکن میں کہتا ہوں اس خوشی اور اُچھل کود میں تم اپنی ذمہ داریوں کو فراموش مت کرو۔ جس طرح خدا نے مجھے رویا میں دکھایا تھا کہ میں تیزی کے ساتھ بھاگتا چلا جا رہا ہوں اور زمین میرے پیروں کے نیچے سمٹتی جا رہی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے الہاماً میرے متعلق یہ خبر دی ہے کہ میں جلد جلد بڑھوں گا۔ پس میرے لئے یہی مقدر ہے کہ میں سُرعت اور تیزی کے ساتھ اپنا قدم ترقیات کے میدان میں بڑھاتا چلا جاؤں مگر اس کے ساتھ ہی آپ لوگوں پر بھی یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ اپنے قدم کو تیز کریں اور اپنی سُست روی کو ترک کر دیں۔ مبارک ہے وہ جو میرے قدم کے ساتھ اپنے قدم کو ملاتا اور سرعت کے ساتھ ترقیات کے میدان میں دوڑتا چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ رحم کرے اس شخص پر جو سُستی اور غفلت سے کام لے کر اپنے قدم کو تیز نہیں کرتا اور میدان میں آگے بڑھنے کی بجائے منافقوں کی طرح اپنے قدم کو پیچھے ہٹا لیتا ہے۔ اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو، اگر تم اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر سمجھتے ہو تو قدم بقدم اور شانہ بشانہ میرے ساتھ بڑھتے چلے آؤ تا کہ ہم کفر کے قلب میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا گاڑ دیں اور باطل کو ہمیشہ کے لئے صفحہ عالم سے نیست و نابود کر دیں۔ اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ زمین اور آسمان ٹل سکتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی باتیں کبھی ٹل نہیں سکتیں"۔[1]

دوسرے مقررین

اس جلسہ میں حضرت سیدنا المصلح الموعود کی ان پُرجذب و تاثیر تقاریر کے علاوہ مندرجہ ذیل عنوانات پر بھی تقاریر ہوئیں:۔

۱۔ وحی الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر زندہ یقین (حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے)

۲۔ ذکر حبیب (حضرت مفتی محمد صادق صاحب)

۳۔ ختم نبوت کی حقیقت کے متعلق بزرگان سلف کا نقطہ نظر (مولوی محمد سلیم صاحب مبلغ سلسلہ)

۴۔ غیر احمدیوں پر عقائد احمدیہ کا اثر و نفوذ (مولوی محمد یار صاحب عارف سابق مبلغ انگلستان)

---

[1] "الموعود" (تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرمودہ ۲۸ فتح / دسمبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء بمقام قادیان) الناشر: الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ۔ طبع اوّل صفحہ ۲۰۸ تا ۲۱۶

۵۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثل شان احمدیت کے نقطۂ نظر سے (حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب)

۶۔ حضرت کرشن کی آمد ثانی (مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل مبلغ سلسلہ)

۷۔ خدا تعالےٰ کی صفت مالکیت (قاضی محمد اسلم صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور)

۸۔ اعتراضات کے جوابات (ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم بی اے۔ ایل ایل بی وکیل گجراتی)

۹۔ اسلامی سیاست کے اصول (آنریبل چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب)

۱۰۔ تمدن اسلام کا اثر اقوام یورپ پر (حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب)

۱۱۔ غیر مبائعین کی تبدیلی عقیدہ اور تبدیلی عمل (قاضی محمد نذیر صاحب لیکچرار تعلیم الاسلام کالج)

۱۲۔ فلسفہ احکام نماز (حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی)

۱۳۔ احمدی نوجوانوں سے خطاب (حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب)

۱۴۔ بہائی تحریک کی حقیقت (مولانا ابو العطاء صاحب فاضل)[۱]

صدارت کرنے والے اصحاب

اس جلسہ کے مختلف اجلاسوں میں مندرجہ ذیل اصحاب نے بالترتیب صدارت کے فرائض انجام دیئے:۔

۱۔ حضرت سیٹھ عبد اللہ الہ دین صاحب سکندر آباد (۲) نواب اکبر یار جنگ بہادر حیدر آباد دکن۔
(۳) خان بہادر نواب محمد دین صاحب (۴) خان بہادر چوہدری نعمت خانصاحب ریٹائرڈ سشن جج[۲]

جلسہ کے دوسرے ضروری کوائف

جنگ کے ایام تھے اس لئے گذشتہ سال کی طرح اس سال بھی سپیشل ٹرینوں کا کوئی انتظام نہ ہو سکا۔ نیز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے عورتوں کو جلسہ میں آنے کی بالعموم ممانعت فرما دی تھی[۳] مگر اس کے باوجود اس مبارک تقریب پر دور دراز مقامات سے تئیس[۲۳] ہزار کے قریب افراد شامل جلسہ ہوئے۔ افسر جلسہ سالانہ حضرت قاضی محمد عبد اللہ صاحب ناظر ضیافت تھے جن کی نیابت کے لئے اندرون قصبہ میں ماسٹر غلام حیدر صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی، دار العلوم میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور دار الفضل و دار البرکات میں صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب بطور ناظم مقرر تھے۔

علاوہ ازیں ایک نظامت سپلائی ڈسٹوربھی قائم تھی جس کے انچارج حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحب جٹ

۱؎ و ۲؎ "الفضل" ۳۰ فتح / دسمبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۵ - ۶ ۔ ۳؎ "الفضل" ۳ فتح / دسمبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء
۳؎ خطبہ جمعہ فرمودہ ۸ فتح / دسمبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء مندرجہ "الفضل" ۱۲ فتح / دسمبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء

مولوی فاضل تھے۔ منتظم مکانات کے دفاتر مدرسہ احمدیہ اور بورڈنگ تحریک جدید میں تھے۔ پہرہ کے انچارج شیخ نیاز محمد صاحب تھے۔ اور قصر خلافت اور مسجد مبارک میں ملاقات کے وقت ان کے علاوہ میاں غلام محمد صاحب اختر بھی ڈیوٹی پر ہوتے تھے۔ اس سال بھی لوائے احمدیت جلسہ گاہ میں سٹیج کے شمال مشرقی جانب ایک بلند پول پر جلسہ کے ایام میں لہراتا رہا۔ جلسہ گاہ کے قریب خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کے کیمپ بھی موجود تھے۔ طبی انتظام کے لئے نور ہسپتال دن رات کھلا رہتا تھا اور ایک ڈاکٹر اور کمپاؤنڈر ہر وقت موجود رہتے تھے۔ انچارج حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب تھے جن کے ساتھ ڈاکٹر مہر دین صاحب، ڈاکٹر ظفر حسن صاحب، ڈاکٹر رحیم بخش صاحب، صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب، ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب، ڈاکٹر محمد احمد صاحب (ابن حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب) اور لیڈی ڈاکٹر غلام فاطمہ صاحبہ نے کام کیا۔ علاوہ ازیں دو ڈسپنسریاں بورڈنگ تحریک جدید کے مشرقی گیٹ اور بورڈنگ مدرسہ احمدیہ میں کھولی گئیں۔ پہلی کے انچارج ڈاکٹر احمد دین صاحب اور ڈاکٹر عبد الرؤف صاحب اور دوسری کے ڈاکٹر محمد احمد صاحب اور ڈاکٹر بشیر احمد صاحب شاد تھے۔

جلسہ میں احمدیوں کے علاوہ غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب نے بھی شرکت کی۔ جن غیر مسلموں کے کھانے کا انتظام جلسہ کے انتظامات کا حصہ تھا ان کی تعداد ۹۳ تھی۔[1]

جلسہ کے دوران ایک ناخوشگوار واقعہ اور حضرت امیر المومنین کی طرف سے آنحضرتؐ کی ایک دُعا پڑھنے کا ارشاد

اس جلسہ میں ایک ناخوشگوار واقعہ بھی ہوا۔ اور وہ یہ کہ بعض مخالفین احمدیت نے عین جلسہ کے ایام میں (۲۵؍ فتح/دسمبر) کو بعض گذرگاہوں پر لاؤڈ سپیکر لگا کر حضرت سیدنا المصلح الموعود اور جماعت احمدیہ کے متعلق نہایت بدزبانی اور درشت کلامی کا مظاہرہ کیا اور غلیظ گالیاں دینے سے بھی دریغ نہ کیا مگر حضرت سیدنا المصلح الموعود نے اپنی دوسری تقریر میں دوستوں کو نہایت پیار اور محبت کے لب و لہجہ میں فرمایا:-

"ہمارے دوستوں کو یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہئیے کہ خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی جماعتیں ہوتی ہی گالیاں کھانے کے لئے ہیں۔ اگر ہمیں گالیاں نہ ملیں تو دوسروں کو حق پہنچتا ہے کہ وہ کہیں کہ اگر تم صداقت پر ہو تو تمہارے ساتھ وہ سلوک کیوں نہیں ہوتا جو ہمیشہ سے خدا تعالیٰ کی

---

[1] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵-۶۔

جماعتوں کے ساتھ مخالفین کی طرف سے ہوتا رہا ہے۔ اس قسم کی مخالفتیں ضروری ہیں۔ اور اُن سے گھبرانا مومن کی شان کے خلاف بات ہے۔ ان پر بگڑنے کی کوئی وجہ نہیں۔ دوستوں کو دُعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کوئی نشان دکھائے"۔ [1]

صبر و تحمل کی اس حکیمانہ تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلسہ کے مبارک ایام بخیر و خوبی گذر گئے اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ اس تعلق میں سیدنا المصلح الموعود نے جلسہ کے خاتمہ کے معاً بعد ۲۹ فتح/دسمبر کو تحریک فرمائی کہ

"یکم جنوری ۱۹۴۵ء سے چالیس دن تک ہماری جماعت کے دوست متواتر اور باقاعدہ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ کی دُعا عشاء کی آخری رکعت میں پڑھا کریں۔ اس دُعا کے معنے یہ ہیں۔ کہ اے خدا! ہم پر دشمن حملہ آور ہوا ہے۔ ہمارے پاس تو مقابلہ کی طاقت نہیں۔ اس لئے ہم دشمن کے مقابلہ میں تجھے پیش کرتے ہیں۔ تُو ہی ان کے حملہ کا جواب دے وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ ہمیں تباہ کرنے کے لئے دشمن جو شرارت کرتا ہے اس کے بداثرات سے ہمیں بچا۔ یہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی دُعا ہے"۔ [2]

فصل چہارم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

اس سال جن صحابہ کا انتقال ہوا، اُن میں سے حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ کے حالات فصل دوم میں گذر چکے ہیں۔ باقی صحابہ کے مختصر حالات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم

(ولادت: ۲۸ اکتوبر ۱۸۹۰ء — وفات: ۲۰ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء بوقت شب) [3]

سلسلہ احمدیہ کے شعلہ بیاں مقرر، بلند پایہ مؤلف اور قابل اور پرجوش اخبار نویس تھے جنہیں بلند خیالی، اولوالعزمی

---

[1] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱ تا ۳-۲ ۔ [2] "الفضل" ۳۰ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳ ۔
[3] "الفضل" ۲۴ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵ (ابتدائی سوانح کیلئے ملاحظہ ہو ان کی کتاب "قادیان" صفحہ ۶۲-۶۴)

اپنے والد ماجد حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی الکبیر سے ملی تھی۔ مرحوم کو ذیابطیس کا دیرینہ عارضہ تھا۔ جس نے گو جسمانی طور پر نڈھال کر رکھا تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے انہیں دل و دماغ اتنا مضبوط عطا فرمایا تھا کہ آخری دم تک تنومند ستونوں کی طرح سلسلہ کے کاموں میں مصروف رہے۔

سالہا سال تک مصر میں تبلیغی جہاد کیا اور "اسلامی دنیا" کی ادارت سے ممالک اسلامیہ کی خدمت کرتے رہے بعد ازاں قادیان آکر سخت مالی مشکلات کے باوجود نہ صرف تحریک احمدیت کے سب سے پہلے اخبار "الحکم" کو زندہ رکھا بلکہ تقریری، تحریری اور انتظامی تینوں اعتبار سے سلسلہ احمدیہ کی قابل رشک خدمات انجام دیں۔

آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں :-

تاریخ مالابار - فتح مصر - فاروق شاہ مصر - مرکز احمدیت قادیان - سیرت حضرات ام المومنین رضؓ (حصہ اول)

۲- حضرت شیخ محمد بخش صاحب رضؓ رئیس کڑیانوالہ ضلع گجرات ـــــــــ

(ولادت ۱۸۵۴ء ، بیعت ، ۱۸۹۰ء ، وفات : ۱۳ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء)

آپ نے ایک بار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں اپنی مشکلات کا اظہار کیا اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "اک نہ اک دن پیش ہوگا تو فنا کے سامنے" والی مشہور نظم لکھ کر دی جس کی برکت سے آپ کی سب مشکلات دُور ہو گئیں۔ ۱۸۹۷ء میں افریقہ میں نو آبادیات قائم ہوئیں۔ تو آپ نے وہاں ٹھیکہ داری کا کام شروع کیا جس سے آپ کو بہت فائدہ ہوتا رہا اور آپ بھی سلسلہ کی امداد دل کھول کر کرتے رہے۔ ایک دفعہ ایک ٹھیکہ میں جب خسارہ نظر آیا تو ایک آنہ فی روپیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کا رکھ دیا اور اس کی اطلاع حضرت اقدس کی خدمت میں بھی بھیج دی جس کے جواب میں حضور نے ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا اگر میری بجائے اشاعت اسلام کے لئے حصہ رکھا جاتا تو بہتر ہوتا۔ خدا کے فضل اور مسیح پاک کی دُعاؤں کی برکت سے خسارہ نے نفع کی صورت اختیار کر لی اور حصہ کی رقم معہ دیگر رقوم حضرت اقدس کی خدمت میں ارسال کر دی گئی۔

حضرت شیخ صاحب رضؓ کو تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ اکثر جب ذی وجاہت لوگوں کو ملتے تو باتوں باتوں میں احمدیت کا پیغام ضرور پہنچا دیتے۔[1]

۳- حضرت شیخ قطب الدین احمد صاحب رضؓ قریشی ـــــــــ

(ولادت ۱۸۷۳ (اندازاً) بیعت : ۱۸۹۲ء۔ وفات : ۱۴ امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء بعمر ۷۱ سال)

---

[1] "الفضل" ۲۶ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵۔۶

نہایت فرشتہ سیرت بزرگ تھے۔ حضرت سیدنا المصلح الموعود سے خصوصاً اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ سے بہت محبت تھی۔ ۱۹۱۴ء میں جب مسئلہ خلافت پر اختلاف ہوا تو مولوی صدرالدین صاحب اپنے دو تین رفقاء سمیت پٹیالہ گئے۔ آپ ان دنوں پٹیالہ شہر کے کوتوال تھے۔ ابھی مولوی صاحب کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت قریشی صاحبؓ نے فرمایا۔ اگر آپ نے خلافت کی مخالفت میں کچھ کہنا ہے تو اس کی اجازت مَیں آپ کو نہیں دے سکتا۔ اس پر مولوی صاحب موصوف برہم ہو کر چل دیئے۔

۱۹۲۰ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کو پہلے سپرنٹنڈنٹ آبادکاری جرائم پیشہ چادا پائل لگایا۔ پھر آبادکاری جرائم پیشہ خانیوال چک ۸-۹۱/ ۸-۱۰ (محمود آباد) کا سپرنٹنڈنٹ مقرر فرمایا۔ جہاں آپ نے چک بسایا۔ مدرسہ بنوایا۔ مسجد تعمیر کرائی اور لوگوں کو احمدیت سے روشناس کرایا۔ چنانچہ چند سال ہی میں کئی لوگ احمدی ہو گئے۔

ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں سخت بیمار ہو گئے۔ اپنے بیٹے قریشی ضیاءالدین احمد صاحب بی۔ اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ کو تار دے کر دہلی سے کالکا بلوا لیا۔ بیماری سے ذرا افاقہ ہوا تو فرمانے لگے "مَیں تو خواہ راستہ میں ہی مر جاؤں مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں جا کر لیٹوں گا۔ مجھے جس طرح بھی ہو قادیان لے چلو۔ اس پر قریشی ضیاءالدین احمد صاحب انہیں بذریعہ گاڑی قادیان لائے جہاں چند روز بعد یک دم حالت نازک ہو گئی اور ۴/امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص میں دفن کئے گئے۔[۱]

۴۔ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحبؓ المعروف مولوی عبدالرحیم ککلی متوطن چک اندورہ کشمیر

(وفات: ۱۱/احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء)

حضرت مولوی صاحب نے عالم شباب میں احمدیت قبول کی۔ آپ ان دنوں قریباً ۹۸-۱۸۹۷ء سے جامع مسجد گلگت میں امام مسجد تھے۔ اور بہت سا وقت خاں بہادر غلام محمد صاحب کے یہاں گذارتے تھے۔ یہیں سلسلہ کا لٹریچر پڑھا اور قریباً دو سال کے بعد خان بہادر صاحب سے مخفی طور پر بیعت کا خط لکھوا دیا۔ بیعت کے دو سال بعد آپ گلگت چھوڑ کر راجہ عطا محمد صاحب باڑی پورہ کشمیر کے پاس چلے گئے اور غالباً انہیں کی کوشش سے آپ کو چک اندورہ میں زمین بھی مل گئی اور آپ وہیں آباد ہو گئے۔[۲]

---

[۱] "الفضل" ۵/۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳-۵۔

[۲] " یکم اخاء/اکتوبر " صفحہ ۴ کالم ۳-۴۔

آپ مشہور واعظ تھے اور آپ کی سحر بیانی مسلّم تھی۔ آپ نے ایک بار راجوری میں وعظ کا سلسلہ شروع کیا۔ ہزاروں مسلمان آپ کے مواعظ حسنہ سے متاثر ہوئے۔ اور رسوم بد کو ترک کر کے اپنی تنظیم کی طرف متوجہ ہونے لگے یہ دیکھ کر راجوری کے ہندوؤں نے فرقہ وارانہ فساد کروا دیا۔ آپ کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے گئے اور آپ کو اشتہاری مجرم قرار دیا گیا۔ اس پر آپ ریاست سے نکل کھڑے ہوئے اور ہجرت کر کے پہلے حیدر آباد پھر ۱۹۱۷ء میں اڑیسہ تشریف لے گئے اور کیرنگ کو اپنا مرکز بنا کر پورے جوش و خروش سے تبلیغی و تربیتی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ ۱۹۱۹-۲۰ء میں آپ کلکتہ تشریف لے گئے۔ کلکتہ میں کوئی مقامی احمدی دوست اس وقت موجود نہیں تھا۔ آپ کی دو تین ماہ کی مسلسل تبلیغ، سحر البیانی اور راتوں کی دعاؤں نے یہ اثر دکھایا کہ ابو طاہر محمود احمد صاحب اور مولوی لطف الرحمٰن صاحب جیسے رؤسائے کلکتہ داخل احمدیت ہو گئے۔ اور کلکتہ کی جماعت ترقی کے راستہ پر گامزن ہونے لگی۔ کلکتہ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد حضرت مولوی صاحب دوبارہ کیرنگ آئے اور ریاست نگریا میں تبلیغ کے لئے چلے گئے۔ نگریا میں احمدیوں کی برادری اور رشتہ داری تھی۔ مگر احمدی کوئی نہیں تھا۔ آپ کی قوت جاذبہ نے وہ اثر دکھایا کہ کٹر راجہ اور نگریا کی تمام آبادی احمدیت میں داخل ہو گئی اور اس دن سے وہاں ایک بڑی جماعت قائم ہے۔

کیرنگ کی جماعت میں تنظیم نہ تھی۔ اکثر لوگ احمدی کہلاتے تھے مگر نہ انہوں نے بیعت کی تھی نہ چندہ دیا کرتے تھے۔ فقط جمعہ اور عیدین میں شامل ہو جانے سے اپنے آپ کو احمدی خیال کرتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب مرحوم نے سب کا جائزہ لے کر باقاعدہ سلسلہ بیعت میں داخل کرایا۔[۲]

حضرت مولوی صاحب اڑیسہ ہی میں تھے کہ ریاست نے آپ کی جائداد کی ضبطی کا حکم دے دیا۔ آپ کے بعض رشتہ داروں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں اطلاع دی۔ حضور نے آپ کو ریاست کی عدالت میں حاضر ہونے کا ارشاد فرمایا جس کی آپ نے تعمیل کی اور حضرت امیر المومنین کی دعاؤں سے حضرت مولوی صاحب کو تمام الزامات سے بری قرار دے دیا گیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت صاحب کی دعا کا ایک زندہ معجزہ ہوں کہ حضور کی دعا نے میرے جیسے شخص کو جسے حکومت کشمیر نے اشتہاری مجرم قرار دیا تھا نہ صرف سزا سے بچا لیا بلکہ جملہ الزامات سے خود ہی بالکل بری قرار دے دیا۔[۳]

---

[۱] "الفضل" ۲۹ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴۔ [۳] "الفضل" ۲۹ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴۔
[۲] " ۱۰ اردفا/ستمبر " صفحہ ۳ کالم ۳-۴۔

حضرت مولوی صاحب احمدیت کے لئے بیحد غیور، شب بیدار، مونس و غمخوار، عالم باعمل اور نکتہ رس بزرگ تھے سخت سے سخت مخالف آپ کے سامنے مبہوت ہو کے رہ جاتا تھا۔ صورت وجیہہ اور قامت بلند و بالا تھی۔

آخری بیماری میں ان کے فرزند پروفیسر نظیر الاسلام صاحب نے پوری تندہی سے علاج کیا۔ مگر ۱۰ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کی شام کو آپ یکایک درد گردہ میں مبتلا ہو گئے۔ اور اگلے روز اپنے محبوب حقیقی کو جا ملے۔[۱]

۵۔ حضرت سید دلاور شاہ صاحب بخاری رضی اللہ عنہ سابق ایڈیٹر اخبار "مسلم آؤٹ لک" و سکرٹری تبلیغ جماعت احمدیہ لاہور

(ولادت: ۱۸۹۳ء[۲] بیعت: ۲۶ مئی ۱۹۰۴ء[۳] وفات ۱۶/۱۱ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء[۴])

حضرت شاہ صاحب رضی اللہ عنہ اپنے خلوص، قربانی اور جذبہ خدمت میں ضرب المثل تھے۔ مرحوم نے فارغ البالی کا زمانہ دیکھا تھا۔ مگر محض قومی خدمت کی خاطر ایک اچھی ملازمت ترک کر دی۔ راجپال کے مشہور مقدمہ میں آپ نے شمالی ہند کے مشہور اخبار "مسلم آؤٹ لک (MUSLIM OUTLOOK) کے ایڈیٹر کی حیثیت سے ۱۴ جون ۱۹۲۷ء کے پرچہ میں "مستعفی ہو جاؤ" کے عنوان سے ایک پُرزور اداریہ لکھا جس میں دلیپ سنگھ جج ہائیکورٹ کے فیصلہ کے خلاف بڑی جرأت کے ساتھ رائے زنی کی اس بناء پر آپ کو چھ ماہ قید کی سزا ہوئی جو آپ نے نہایت بشاشت کے ساتھ اور اپنے لئے سعادت سمجھتے ہوئے برداشت کی۔[۵]

صحت خراب ہونے کے زمانہ میں بھی کئی سال تک کام کرتے رہے۔ نہایت قانع اور راضی برضا رہنے والے بزرگ تھے۔ مرحوم کو تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ مذہبی مسائل پر مضامین بھی لکھتے تھے۔ اور لیکچرار بھی نہایت قابل تھے۔ غیر احمدیوں اور غیر مسلموں کے جلسوں میں احمدیت پر اعتراضات کے جواب کے لئے سینہ سپر رہتے تھے۔

---

[۱] "الفضل" ۲۹ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴۔

[۲] و [۳] "لاہور تاریخ احمدیت" (مؤلفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحب رضی اللہ عنہ) صفحہ ۳۳۵۔ طبع اول سن اشاعت ۱۳۴۵ہش/۱۹۶۶ء

[۴] "الفضل" ۲۳ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

[۵] اس واقعہ کی تفصیل "تاریخ احمدیت" جلد پنجم صفحہ ۵۸۲-۵۸۶ پر آچکی ہے۔

۶۔ حضرت شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی رضی اللہ عنہ

(ولادت ۱۸۷۴ء اندازاً، بیعت: ۱۸۹۴ وفات: ۲۵ احسان/جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء بعمر ۷۰ سال [1])

مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ابتدائی اور قدیم اساتذہ میں سے تھے۔ چنانچہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے رسالہ "تعلیم الاسلام" دسمبر ۱۹۰۶ء میں ان کی نسبت لکھا " اس وقت جتنے استاد مدرسہ میں کام کر رہے ہیں ان میں سے سب سے پرانے شیخ محمد اسمٰعیل صاحب انفنٹ ٹیچر ہیں جو کہ ابتدائی طلباء کو قرآن شریف جلد اور عمدہ پڑھانے میں ایک خاص لیاقت رکھتے ہیں اور تھوڑے عرصہ میں یعنی پہلی جماعت میں سارا قرآن شریف ایک دفعہ پڑھا دیتے ہیں۔"

۷۔ حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادی رضی اللہ عنہ

(ولادت: ۱۸۵۴ء بیعت: جنوری ۱۸۹۷ء وفات: ۲۸ احسان/جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء بعمر ۹۰ سال [2])

شہید احمدیت مولانا عبید اللہ صاحب مبلغ ماریشس کے والد ماجد تھے۔ بیعت اولیٰ ۱۸۸۹ء سے قبل قادیان تشریف لے گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ جلسہ اعظم مذاہب لاہور میں شرکت کے معاً بعد اپنے بھائی حافظ غلام محمد صاحب اور استاد مولوی نجم الدین صاحب کے ساتھ قادیان پہنچے۔ اور تینوں نے بیک وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ بیعت کرتے وقت ان تینوں پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ بیساختہ رونا شروع کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت دل پر بیٹھ گئی۔ [3]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جن دنوں کرم دین کے مقدمہ کے لئے گورداسپور میں تشریف فرما تھے۔ تو حضور علیہ السلام کے ارشاد پر ایک بار خطبہ جمعہ پڑھا۔ حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ اپنی روایات میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"چودھری حاکم علی صاحب پنیاری . . . نے حضرت صاحب سے عرض کیا کہ حضور آج جمعہ ہے اور مولوی عبدالکریم صاحب آئے نہیں تو جمعہ کون پڑھائے گا۔ حضور نے فرمایا۔ یہ حافظ صاحب جو ہیں یہ پڑھائیں گے۔ یہ لفظ سن کر میرا بدن کانپ اٹھا اور میں نے دل ہی دل میں کہا

---

[1] "الفضل" ۲۷ احسان/جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ [2] "الفضل" ۲۹ احسان/جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ک ۱۔

[3] " ۱۲ صلح/جنوری ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۳۔

کہ مَیں تو اس لائق نہیں کہ کچھ بیان کرسکوں۔ خیر آخر جمعہ کا وقت آگیا اور خطبے کی اذان ہوگئی تو مَیں مارے رُعب کے سب آدمیوں کے شمال میں بیٹھ گیا۔ . . . جب خطبے کی اذان ہوئی تو فرمایا۔ حافظ صاحب کہاں ہیں ؟ آخر مجھے مجبوراً لایا گیا۔ مَیں نے جُھک کر عرض کی کہ حضور مَیں گنہگار اس لائق نہیں کہ حضور کے سامنے کچھ بیان کرسکوں یا امامت کراسکوں۔ حضور نے میرا ہاتھ پکڑ کر مصلّے پر کردیا اور فرمایا۔ آپ خطبہ پڑھیں میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں یا فرمایا کروں گا چنانچہ مَیں کھڑا ہوگیا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ مَیں نے اس وقت سورہ فرقان کا پہلا رکوع . . . . . آخر تک پڑھا۔[1]

حضرت حافظ صاحب قادیان ہجرت کرکے آگئے تھے اور عرصہ تک مسجد اقصیٰ میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ آخری عمر میں صاحب فراش ہوگئے۔ سلسلہ احمدیہ کے مشہور پنجابی واعظ خوش بیان تھے۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر زنانہ جلسگاہ میں اکثر آپ کی تقاریر ہوا کرتی تھیں۔ انداز بیان نہایت مؤثر ہوتا۔ "یاقوت خالص"، "سفرنامہ مارشس"، حمد باری، سیرت رسُول ہدایت مقبول وغیرہ چھوٹے چھوٹے پنجابی رسائل آپ نے لکھے۔

۸۔ حضرت سیّد محمد صادق شاہ صاحبؓ لارون ریاست کشمیر برادر اکبر حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ

(بیعت : ۱۹۰۱ء[2] وفات : ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء)

حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب نے آپ کی وفات پر لکھا:۔

"میرے قادیان آنے کے تھوڑی مدت بعد مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کشمیر بھیجا[3] تو مَیں ان بھائی صاحب مرحوم سے ملنے گیا۔ چونکہ ہمارا خاندان پیروں کا خاندان ہے اس لئے مَیں نے اپنے خاندان میں بالواسطہ تبلیغ کی اور جلدی ہی اللہ تعالیٰ نے اس سفر میں ان کو شرح صدر عطا کیا اور اسی وقت انہوں نے بیعت کرلی۔ مجھے مرحوم سے اور مرحوم بھائی صاحب کو مجھ سے خاص محبّت تھی"[4]

---

[1] رجسٹر "روایات صحابہ" نمبر ۱۱ صفحہ ۲۴۵ و ۲۴۶ ؁

[2] "الحکم" ۱۷ دسمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۲ کالم ۳ ؁ [3] مؤلف "اصحاب احمد" کی تحقیق کے مطابق حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ نے اپریل یا مئی ۱۹۰۱ء میں ہجرت فرمائی اور سفر کشمیر سے ۲۷ نومبر ۱۹۰۱ء واپس قادیان تشریف لائے (اصحاب احمد جلد پنجم حصہ دوم صفحہ ۱۶ - ۱۷ حاشیہ)

[4] روزنامہ "الفضل" ۱۱ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۱ ؁

۹۔ حضرت چودھری محمد عبداللہ صاحبؓ داتہ زید کا تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ

(ولادت ۱۸۷۴ء (قریباً) بیعت: جون ۱۹۰۲ء وفات: ۸ / اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء بعمر ستر سال)

حضرت چودھری نصراللہ خاں صاحبؓ کے برادر نسبتی اور داتہ زید کا کے امیر جماعت تھے۔ چودھری اسد اللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء حال امیر جماعت احمدیہ لاہور ان کے حالات قبول احمدیت اور اخلاق و شمائل پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"سلسلہ عالیہ حقہ سے آپ کا تعارف پسرور سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب سے (جو احمدی تھے) ہوا۔ اُن سے ہی آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی تصنیف لے کر مطالعہ کی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضور واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور حق پر ہیں۔ داتہ زید کا سے ایک میل کے فاصلہ پر جانب مغرب ایک قصبہ قلعہ صوبا سنگھ ہے جہاں اس وقت مولوی فضل کریم صاحب مرحوم اہلحدیث خطیب اور امام الصلوٰۃ تھے اور حکمت اور علم دین کی وجہ سے تمام اردگرد کے علاقہ میں معزز تھے ہمارے ننھیال بھی چونکہ اہل حدیث تھے اس لئے ماموں جان اور مولوی صاحب موصوف کے تعلقات دوستانہ تھے۔ اسی زمانہ میں مولوی صاحب موصوف بھی انہی ہیڈ ماسٹر صاحب کے ذریعہ احمدیت سے متعارف اور صداقت کے قائل ہو چکے تھے گو انہوں نے ابھی کسی سے ذکر نہیں فرمایا تھا۔ ماموں جان نے مولوی صاحب سے ذکر کیا کہ مسیح اور مہدی کے ظہور کی علامات تو سامنے آ چکی ہیں اور یہ ہو نہیں ہو سکتا کہ مدّعی کے دعوے کے بغیر ہی گواہ شہادت دینی شروع کر دیں۔ خاص کر ایسے گواہ جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے تصرف میں ہوں۔ اس لئے ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مدعی بھی مبعوث کیا گیا ہو۔ مولوی صاحب نے جب ایک معزز اور علاقہ کے بارسوخ زمیندار سے اپنے میلانات کی تائید ہوتی دیکھی تو آپ نے بھی اتفاق کیا اور پھر اس امر پر دونوں متفق ہوئے کہ وہ مسیح اور مہدی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں چنانچہ دونوں اصحاب نے فیصلہ کیا کہ قلعہ صوبا سنگھ میں مولوی صاحب اور داتہ زید کا میں ماموں جان آئندہ جمعہ کے دن علامات ظہور مہدی پر خطبہ پڑھیں اور اپنے احمدی ہونے کا بھی اعلان کر دیں۔ اُدھر مولوی صاحب موصوف نے قلعہ صوبا سنگھ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کی تصدیق کی اور ادھر اپنے گاؤں میں ماموں جان نے، مولوی صاحب سے تو مقتدیوں نے یہ

سلوک کیا کہ سوائے دو یا تین کے باقی سب مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں چلے گئے لیکن ماموں جان مرحوم کی برادری کے اکثر افراد نے بعد دریافت مزید حالات اپنی بیعت کے متعلق بھی حضور کی خدمت میں لکھنے کو کہہ دیا اور وہ سب اسی وقت سے احمدی ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اس جمعہ سے پہلی رات خواب میں آپ نے دیکھا کہ پانچ سوار سبز رنگ کے عمامے پہنے آپ کی بیٹھک میں داخل ہوئے ہیں اور آپ کے دریافت کرنے پر کہ یہ کون بزرگ ہیں ان میں سے ایک صاحب نے فرمایا کہ حضرت مرزا صاحب قادیان والے ہیں۔ اسی رات ایک اَور شخص ساکن دانہ زید کا جس کو "جلال مہاراں والا" کے نام سے پکارا جاتا تھا نے بھی خواب میں پانچ سبز عمامہ پوش سوار اپنے گھر کے پاس سے گذرتے دیکھے جن میں سے ایک نے ماموں جان مرحوم کی بیٹھک کا راستہ دریافت کیا۔ جلال مذکور نے صبح ماموں جان کو اپنا خواب سنایا اور ماموں جان نے اُس سے ان بزرگوں کا حُلیہ وغیرہ دریافت کرنے پر اپنے ہی دیکھے ہوئے اصحاب کا حُلیہ سُنا۔ چونکہ آپ نے اپنی رؤیا کا ذکر کسی سے بھی نہیں کیا تھا اس لئے آپ کو صداقتِ احمدیت کا اَور بھی پختہ یقین ہوا۔ اور آپ نے اسی دن خطبہ میں اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔

تھوڑے ہی دنوں بعد مولوی فضل کریم صاحب مرحوم موصوف، ماموں جان اور چوہدری پیر محمد صاحب مرحوم ساکن قلعہ صوبا سنگھ قادیان حاضر ہوئے۔ وہاں ماموں جان نے اپنے خواب والے بزرگوں کو پہچان لیا (جن میں سے حضرت مسیح موعودؑ، حضرت حکیم الامّت خلیفۃ المسیح الاولؓ اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحومؓ کے نام مجھے یاد ہیں۔ باقی دو کے نام یاد نہیں رہے) اور حضور کے دستِ اقدس پر بیعت سے مشرف ہوئے۔

اس دن سے لے کر اپنی وفات تک آپ نے اپنا قدم ہمیشہ آگے ہی بڑھایا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جنّت میں بلند مقام عطا فرمائے اور جس طرح آپ نے زندگی بھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کو اپنے لئے سب سے بڑا فخر سمجھا اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت میں بھی حضور کی غلامی اور محبّت میں اُٹھائے۔

سلسلہ کے لٹریچر کے مطالعہ کا آپ کو بہت شوق تھا اور تمام اہم تصانیف آپ نے پڑھی ہوئی تھیں اور اخبارات اور رسائل کا باقاعدہ مطالعہ رکھتے تھے۔ دینی مسائل کا علم آپ کا

نہایت راسخ تھا اور مَیں نے بارہا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب سے متعدد مسائل کے متعلق حوالہ جات کا استفادہ آپ سے کیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

سلسلہ عالیہ حقہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ، حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی اور خاندان نبوت کے ساتھ آپ کو ایک والہانہ محبت اور عقیدت تھی۔ اور جب آپ ان میں سے کسی کا ذکر خیر فرمایا کرتے تھے تو ہر سُننے والا بخوبی اندازہ کر سکتا تھا کہ آپ کے دل میں ان کے لئے کس قدر بے پناہ عشق اور محبت کا جذبہ موجزن تھا۔ نظام سلسلہ کا احترام آپ کی فطرت ثانیہ تھا اور دوسروں میں بھی اسی جذبہ کو پیدا کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہتے تھے۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ کے وصال کے موقعہ پر جب جماعت میں اختلاف ہوا تو آپ قادیان موجود تھے اور ان اوّلین مبائعین میں تھے جن کے متعلق غیر مبائعین نے کہا تھا کہ چند نوجوانوں نے مولوی محمد علی صاحب کی امامت میں نماز ادا نہ کی۔ ماموں جان اس امر کو ہمیشہ فخر سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ مسائل کے لحاظ سے تو آپ کا ایمان کبھی بھی جادۂ صداقت سے نہیں ہٹا چنانچہ اختلاف کے وقت آپ نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے حضور دلیری سے اس کام کو جاری رکھیں وہ حضور کے ساتھ ہیں (حضرت اقدس نے اس واقعہ کا ذکر اپنے ایک خطبہ میں بھی فرمایا ہے) ماموں جان خود بھی اس معاملہ میں خوب تبلیغ فرمایا کرتے تھے اور ایک بہت بڑی حد تک آپ کی ان مجاہدانہ کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آپ کے علاقہ میں غیر مبائعین کا قدم کبھی نہیں جم سکا اور سوائے اس پہلی کوشش کے جو ایک مبلغ بھیج کر کی گئی اور جس میں ان کو سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، غیر مبائعین نے کبھی اور کوشش اس علاقہ میں کی ہی نہیں" [1]

۱۰۔ حضرت منشی محمد حسین صاحبؓ کاتب قادیان

(وفات ۲۵ فتح / دسمبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء)

حضرت منشی صاحب ان خوش نصیب صحابہ میں سے تھے جن کو اخبار الحکم، بدر اور الفضل کی بہت عرصہ تک کتابت کرنے نیز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تازہ وحی لکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ [2]

---

[1] "الفضل" ۲۷ صلح / جنوری ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۴-۵ ؛ [2] "الفضل" یکم صلح / جنوری ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۵ منشی احمد حسین صاحب ہیڈ کاتب "الفضل" ربوہ آپ ہی کے صاحبزادے ہیں ؛

فصل پنجم

۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

نوابزادہ میاں عباس احمد خانصاحب کا نکاح

۲۹ر فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو حضرت سیدنا المصلح الموعود نے خطبہ جمعہ سے قبل صاحبزادہ میاں عباس احمد خاں صاحب (ابن حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب) کا نکاح صاحبزادی امۃ الباری صاحبہ (بنت حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ) کے ساتھ پندرہ ہزار روپیہ مہر پر پڑھا۔[1] اور خطبہ نکاح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام "تریٰ نَسْلًا بَعِیْدًا" کی نہایت لطیف تشریح فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:۔

"جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ الہام ہوا۔ تریٰ نَسْلًا بَعِیْدًا۔ اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صرف دو بیٹے تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کے ہاں کچھ اور بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں اور پھر خدا تعالیٰ نے ان کو وسیع کیا اور اب ان بیٹوں اور بیٹیوں کی نسلیں الہام الٰہی کے ماتحت شادیاں کر رہی ہیں وہ تریٰ نَسْلًا بَعِیْدًا کے نئے نئے ثبوت مہیا کر رہی ہیں۔ دُنیا میں نسلیں تو پیدا ہوتی رہتی ہیں . . . . لیکن سوال یہ ہے کہ کتنے آدمیوں کی نسلیں ہیں جو اُن کی طرف منسوب بھی ہوتی ہوں اور منسوب ہونے میں فخر محسوس کرتی ہوں۔ اکثر آدمیوں کی نسلیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر اُن سے پوچھا جائے کہ تمہارے پردادا کا نام کیا تھا تو ان کو پتہ نہیں ہوتا۔ مگر تریٰ نَسْلًا بَعِیْدًا کا الہام بتا رہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل آپ کی طرف منسوب ہوتی چلی جائے گی اور لوگ انگلیاں اُٹھا اُٹھا کر کہا کریں گے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ نسل آپ کی پیشگوئی کے ماتحت آپ کی صداقت کا نشان ہے۔

پس تریٰ نَسْلًا بَعِیْدًا میں صرف یہی پیشگوئی نہیں کہ آپ کی نسل کثرت سے ہوگی

---

[1] "الفضل" ۳۰ر فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴؎

بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت شان کا بھی اس رنگ میں اس پیشگوئی میں ذکر ہے کہ آپ کا مرتبہ اتنا بلند اور آپ کی شان اتنی ارفع ہے کہ آپ کی نسل ایک منٹ کے لئے آپ کی طرف منسوب نہ ہونا برداشت نہیں کرے گی اور آپ کی طرف منسوب ہونے میں ہی ان کی شان اور ان کی عظمت بڑھے گی۔

پس اس پیشگوئی میں خالی اس بات کا ہی ذکر نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد کثرت سے ہوگی بلکہ یہ بھی ذکر ہے کہ وہ روز بروز بڑھے گی اور وہ اولاد خواہ کتنے ہی اعلیٰ مقام اور اعلیٰ مرتبہ تک جا پہنچے اور خواہ اُن کو بادشاہت بھی حاصل ہو جائے پھر بھی وہ اپنے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کرنے میں فخر محسوس کریگی" [۱]

منارۃ المسیح پر لاوڈ سپیکر کے ذریعہ تبلیغ ۷؍صلح اجنوری کو پہلی بار لاوڈ سپیکر نصب کر کے تبلیغ احمدیت کی گئی۔ چنانچہ اس روز نماز جمعہ سے قبل قرآن کریم اور حضرت مسیح موعودؑ کی نظمیں نشر کی گئیں۔ نیز مستری محمد اسمٰعیل صاحب صدیقی نے مختصر سی تقریر میں بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ الہام کہ "مَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" جہاں مبلغین اور تحریروں کے ذریعہ دُنیا کے کناروں تک پہنچایا جا رہا ہے وہاں انشاء اللہ ایک دن آلہ نشر الصوت کے ذریعہ بھی دنیا کے کناروں تک پہنچایا جاسکے گا۔ آج اس کی ابتداء اس طرح کی جا رہی ہے۔ اس آلہ کے ذریعہ قادیان کے کناروں تک حضور کی آواز پہنچ رہی ہے۔ چنانچہ یہ آواز صرف قادیان کے وسیع محلہ جات میں ہی نہیں بلکہ بعض ملحقہ دیہات میں بھی صفائی کے ساتھ سُنی گئی۔

پھر نماز مغرب کے بعد اس آلہ پر جناب مولوی ابو العطاء صاحب نے تقریر فرمائی جس میں بتایا کہ ہر سال اور ہر دن جو چڑھتا ہے وہ قادیان میں رہنے والے غیر احمدیوں پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہے۔ انہیں چاہیئے کہ وہ سوچیں اور غور کریں۔

آخر میں نماز عشاء کی اذان مولوی بشیر الدین صاحب نے دی [۲]

زائرین قادیان اس سال قادیان میں جو زائرین آئے ان میں سر پیٹرک سپنس چیف جسٹس فیڈرل کورٹ آف انڈیا، مسٹر سی کنگ کمشنر لاہور ڈویژن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

---

[۱] "الفضل" ۱۲؍صلح اجنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳۔ [۲] "الفضل" ۹؍صلح اجنوری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲۔

سر پیٹرک سپنس چیف جسٹس فیڈرل کورٹ آف انڈیا ۲۳؍صلح/جنوری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو قادیان میں آئے۔ اور آنریبل چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کی کوٹھی بیت الظفر میں فروکش ہوئے۔ قادیان میں انہوں نے جماعت احمدیہ کے مرکزی اداروں اور صنعتی کارخانوں کو دیکھنے کے علاوہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہال میں ایک مختصر تقریر کی جس میں طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت دنیا میں جو بہت بڑی جنگ ہو رہی ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ دُنیا سے سچا مذہب مفقود ہو گیا ہے۔ تم لوگ ایک مذہبی فضا میں پرورش پا رہے ہو جہاں تمہیں خدا کی محبت، حقیقی امن کی تلاش اور باہمی تکریم و ہمدردی کے سبق ملتے ہیں۔ اگر آپ لوگ ان معتقدات پر عمل پیرا ہوں جنہیں آپ مانتے ہیں تو دُنیا کی حالت بہت بہتر ہو جائے گی اور دُنیا کو حقیقی امن اور خوشحالی دینے میں آپ کامیاب ہو جائیں گے۔[۱]

مسٹر سی کنگ کمشنر لاہور ڈویژن ۲۲ ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو دوپہر کی گاڑی سے قادیان پہنچے۔ اور مرکزی ادارے دیکھ کر شام کی گاڑی سے واپس تشریف لے گئے۔ آپ نے مرکزی لائبریری میں مختلف زبانوں کی نایاب کتابوں کے متعلق دلچسپی کا اظہار کیا۔ نظارت دعوت و تبلیغ کی طرف سے آپ کو اسلامی لٹریچر بھی ہدیۃً پیش کیا گیا۔[۲]

حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی صدارت میں آخری یادگار جلسہ

قادیان کی آریہ سماج نے ۴-۵-۶؍امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو پنڈت لیکھرام کی یاد میں ایک جلسہ منعقد کیا جس میں پنڈت ترلوک چند صاحب اور بعض دوسرے آریہ مقررین نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی متعلقہ لیکھرام اور دوسری واضح پیشگوئیوں پر تمسخر اڑایا اور جماعت احمدیہ پر سُوقیانہ اعتراضات کئے۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے جواب دینے کے لئے وقت طلب کیا گیا مگر منتظمین نے انکار کر دیا۔[۳] جس پر ۷-۸؍امان/مارچ کی درمیانی شب کو حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی زیر صدارت مسجد اقصیٰ میں جوابی جلسہ منعقد کیا گیا۔ حضرت میر صاحب نے اپنی ابتدائی تقریر میں وہ چٹھی پڑھ کر سُنائی جو سیکرٹری تبلیغ جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے آریہ سماج کو لکھی گئی اور انہیں دعوت دی گئی کہ اس جلسہ میں آئیں اور ہماری تقریروں پر تہذیب سے سوال و جواب بھی کریں۔ چونکہ منارۃ المسیح کے اُوپر بھی لاؤڈ سپیکر نصب تھا اور آواز پورے شہر میں گونج رہی تھی اس

۱؎ "الفضل" ۲۵-۲۶؍صلح/جنوری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ (مفصل تقریر "الفضل" ۲۷؍صلح/جنوری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲-۳ میں چھپ گئی تھی)

۲؎ " ۲۴؍تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۲

۳؎ " ۹؍امان/مارچ " صفحہ ۱

لئے آریوں کو یہ بُلاوا بھی ان کے گھروں تک پہنچ گیا۔

حضرت میر صاحب کی اس دعوت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نشان متعلقہ لیکھرام سے متعلق مولوی شریف احمد صاحب امینی اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر نے مختصر تقریریں کیں۔ اسی اثناء میں آریوں کی طرف سے پنڈت ترلوک چند صاحب چند ساتھیوں سمیت مسجد اقصیٰ میں آ گئے۔ حضرت میر صاحب نے انہیں اپنے پاس بُلا کر بٹھایا اور فرمایا کہ آریہ صاحبان اس مجلس میں ہمارے مہمان ہیں۔ ہم ان کا ہر طرح سے لحاظ رکھیں گے اس وقت پہلے ہماری طرف سے مولوی ابوالعطاء صاحب تقریر کریں گے اور مناسب وقت میں پیشگوئی کی وضاحت کرتے ہوئے آریہ پنڈت صاحب کے اعتراضوں کا جواب بھی دیں گے۔ اس تقریر کے بعد پنڈت ترلوک چند صاحب اس تقریر پر یا پیشگوئی دربارہ لیکھرام پر مناسب وقت میں سوال کریں گے۔ پھر مولوی صاحب جواب دیں گے اور جلسہ ختم ہوگا۔ اس اعلان کے بعد مولانا ابوالعطاء صاحب نے لیکھرام سے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قہری نشان پر روشنی ڈالی اور آریوں کے بعض اعتراضوں کا نہایت خوبی سے باطل ہونا ثابت کیا نیز بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو اپنی ذریت کے پھیلنے اور مصلح موعود کی ولادت کے متعلق اشتہار دیا تو پنڈت لیکھرام نے ۱۸ مارچ ۱۸۸۶ء کو بذریعہ اشتہار یہ پیشگوئی کی کہ

"آپ کی ذریت بہت جلد منقطع ہو جائے گی۔ غایت درجہ تین سال تک شہرت رہے گی" [1]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد بابرگ و بار ہو رہی ہے اور مصلح موعود اپنی پوری شان سے ہمارے درمیان موجود ہے اور احمدیت کی قبولیت و شہرت دُنیا کے کناروں تک پہنچ چکی ہے مگر اس کے مقابل پنڈت لیکھرام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق ۱۸۹۷ء میں قتل ہو گئے اور لاولد رہے۔ ان کے پیچھے ان کا کوئی لڑکا نہیں رہا۔ وہ احمدیت کو مٹانا چاہتے تھے لیکن اس میں بھی سراسر ناکام و نامراد رہے۔ [2]

مولانا ابوالعطاء صاحب کی تقریر کے بعد حضرت میر صاحب نے پنڈت ترلوک چند صاحب کو موقعہ دیا کہ وہ مناسب وقت میں اس کا جواب دیں مگر پنڈت ترلوک چند صاحب نے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے اپنا وقت ختم کر دیا جس پر مولانا ابوالعطاء صاحب نے مختصر تقریر کی اور کہا کہ پنڈت صاحب نے موقعہ ملنے کے باوجود ہمارے کسی بیان یا استدلال کو نہیں توڑا جس سے ہمارے بیان کا درست ہونا ثابت ہے۔ آخر میں آپ

---

[1] "کلیات آریہ مسافر" صفحہ ۴۹۸۔

[2] "الفضل" ۱۱ امان / مارچ ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۳-۴۔

نے قادیان کے آریوں اور غیر احمدیوں کو مخاطب کر کے ایک پُر درد اپیل کی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نشانوں کے گواہ ہیں حضور پر ایمان لے آئیں۔

ازاں بعد حضرت میر محمد اسحاق صاحب نے کھڑے ہو کر فرمایا۔ سب حاضرین نے دونوں طرف کی تقاریر سُن لی ہیں۔ مَیں پنڈت ترلوک چند صاحب سے کہتا ہوں کہ آپ اپنے مذہب کے عالم ہیں۔ مولوی ابوالعطاء صاحب بھی موجود ہیں۔ پنڈت صاحب ذاتی طور پر نہ کہ جماعتی طور پر مولوی صاحب سے پنڈت لیکھرام کے متعلق پیشگوئی پر تبادلہ خیال کر لیں۔ ہم سب سُنیں گے۔ جو شرطیں پنڈت صاحب پیش کریں گے مَیں ان کے منوانے کا ذمہ دار ہوں۔ اس پر آپ نے پنڈت صاحب کو موقعہ دیا کہ وہ ہاں کریں۔ لیکن پنڈت صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مَیں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ نہیں کیا اس لئے معذور ہوں۔

اس مرحلہ پر آپ نے فرمایا کہ مَیں پنڈت ترلوک چند صاحب سے پوچھتا ہوں کہ آپ کافی عرصہ قادیان میں رہے ہیں کیا پنڈت لیکھرام کی یہ پیشگوئی کہ "آپ (مرزا صاحب) کی ذریت بہت جلد منقطع ہو جائے گی غایت درجہ تین سال تک شہرت رہے گی" (کلیات صفحہ ۴۹۸) صحیح نکلی یا غلط ثابت ہوئی؟ پنڈت صاحب نے بڑے لیت و لعل کے بعد کہا۔ آریہ سماجی کہتے ہیں کہ یہ اشتہار پنڈت لیکھرام جی کا لکھا ہوا نہیں ہے۔

حضرت میر صاحب نے فرمایا کہ اوّل تو ان اشتہارات کے شروع میں شردھانند جی نے تحریر کیا ہے کہ

"ذیل کے دو اشتہارات پنڈت جی (لیکھرام جی) نے اس وقت نکالے تھے جبکہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے الہامی چوچلوں کا ابھی صرف آغاز ہی ہوا تھا" (کلیات صفحہ ۴۹۲)

دوسرے مَیں پوچھتا ہوں کہ آپ یہ بتائیں کلیات صفحہ ۴۹۸ کی پیشگوئی (خواہ کسی نے لکھی ہو) جھوٹ ثابت ہوئی یا نہیں؟ صاف جواب دیں۔ اس پر پنڈت صاحب کو ان کے ساتھیوں نے اشارہ کر کے بلایا اور چل دیئے۔ اس ایمان افروز نظارہ پر اس جلسہ کا خاتمہ ہوا۔ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا [1]

یہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی زندگی کا آخری جلسہ اور آخری تبلیغی معرکہ تھا۔

احمدی مبلغین گجرات کاٹھیاواڑ میں

گذشتہ سال ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء میں احمدی مبلغین نے صوبہ یو۔پی کا طویل اور کامیاب دورہ کیا تھا۔ امسال ماہ صلح/جنوری میں

[1] "الفضل" ۱۹ امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴

مرکز احمدیت کی طرف سے گجرات کاٹھیاواڑ کی طرف تبلیغی وفد بھجوایا گیا۔ یہ وفد حسب ذیل علماء پر مشتمل تھا:۔

۱۔ مولوی عبدالمالک خاں صاحب فاضل ۲۔ مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل ۳۔ گیانی عباداللہ صاحب[1]

ان علماء نے سوامی دیانند کی جنم بھومی سنکارا نامی گاؤں ریاست وانکانیر[2]، کرشن نگری (دوارکا)[3]، امرناتھ تیرتھ ریاست جام نگر[4]، ریاست راجکوٹ، سورت، وانڈھیر[5]، بمبئی۔ پونا۔ آنند آشرم[6] میں کرشن کی آمد ثانی کا پیغام انفرادی تبلیغ اور ہندی، مرہٹی اور گجراتی ٹریکٹوں سے نہایت موثر اور کامیاب طریق پر پہنچایا۔ یہ تبلیغی وفد ۳۱ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو واپس مرکز احمدیت میں پہنچا۔[7]

بھرت پور میں احمدی مبلغ کی تقریر

۲۷ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو انجمن اسلامیہ بھرت پور کا جلسہ تھا جس میں سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار "نور" نے "اسلام نے ہندوستان پر کیا اثر ڈالا" اور "اسلام اور دیگر مذاہب" کے موضوع پر کامیاب تقریریں کیں جس سے حاضرین بہت مسرور و محظوظ ہوئے۔ ہز ہائی نس والئی ریاست بھی اس جلسہ میں موجود تھے۔[8]

چودھری عبدالسلام صاحب کی بی۔ اے میں نمایاں کامیابی

خدا کے فضل سے چودھری عبدالسلام صاحب (ابن چودھری محمد حسین صاحب ہیڈ کلرک دفتر انسپکٹر مدارس جھنگ) نے اس سال بھی نمایاں کامیابی حاصل کی اور بی۔ اے کے امتحان میں نہ صرف یونیورسٹی میں اول رہنے کا امتیاز حاصل کیا بلکہ یونیورسٹی کا گذشتہ ریکارڈ بھی توڑ دیا۔[9]

کشمیر کی احمدی جماعتوں کا سالانہ جلسہ

کشمیر کی احمدی جماعتوں کا سالانہ جلسہ ۱۰۔ ۱۱ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو یاڑی پورہ میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں احمدیوں کے علاوہ اہلحدیث، اور اہلسنت والجماعت نے بھی بکثرت شرکت کی۔ جلسہ کا افتتاح صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نے فرمایا اور ملا سید محمد شاہ صاحب، مولوی غلام احمد شاہ صاحب، مولوی عبدالواحد صاحب (مہتمم تبلیغ جماعت ہائے کشمیر)، مولوی احمداللہ صاحب، چوہدری عبدالواحد صاحب (امیر جماعت ہائے

---

[1] "الفضل" ۱۵ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴
[2] " ۵ امان/مارچ " " "
[3] " ۱۶ " " صفحہ ۳
[4] " یکم شہادت/اپریل " "
[5] " ۱۹ " " صفحہ ۲
[6] "الفضل" ۲۱ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶
[7] " یکم " " صفحہ ۱
[8] " " " " صفحہ ۵
[9] " ۲۷ احسان/جون " صفحہ ۴ ک ۱

احمدیہ کشمیر)، مولوی عبدالرحیم صاحب، مولوی محمد عبداللہ صاحب اور خواجہ غلام نبی صاحب گلکار نے مختلف اہم موضوعات پر تقریریں کیں اور صاحبزادہ صاحب نے اپنے افتتاحی خطاب میں تعلق باللہ کی طرف توجہ دلائی۔[1]

مبلغین کی بیرونی ممالک کو روانگی

چوہدری احسان علی صاحب جنجوعہ ۱۷ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو مغربی افریقہ کے لئے روانہ ہوئے۔[2] اسی طرح مولوی عبدالخالق صاحب، ملک احسان اللہ صاحب، چوہدری نذیر احمد صاحب (رائے ونڈ) ۲۳ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو مغربی افریقہ میں تبلیغ اسلام کے لئے بھجوائے گئے۔[3]

بیرونی مشنوں کے بعض ضروری واقعات

فلسطین و مصر مشن

اگرچہ مصر میں تبلیغ احمدیت پر سخت پابندیاں تھیں مگر مولوی محمد شریف صاحب مبلغ فلسطین اس سال کے شروع (ماہ تبلیغ/فروری و امان/مارچ) میں تبلیغی و تربیتی اغراض کے پیش نظر مصر پہنچنے اور دو ماہ تک مقیم رہنے میں کامیاب ہو گئے۔

مصر میں قیام کے دوران ایک بلند پایہ ازہری اور حجازی شیخ سے مکرم مولوی صاحب کا ایک پرائیویٹ مناظرہ بھی ہوا جس میں بعض احمدی احباب کے علاوہ چند ایک غیر احمدی بھی موجود تھے۔ شیخ صاحب نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ احمدی جماعت اور دوسرے اسلامی فرقوں میں بنیادی اختلاف کس امر میں ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ مسئلہ وفات مسیح میں۔ مگر شیخ صاحب نے کہا کہ نہیں بنیادی اختلاف مسئلہ ختم نبوت میں ہے اور کہ آپ اس پر بحث کے لئے تیاری کر کے آئے ہیں۔ بہت سی رد و قدح کے بعد مکرم مولوی صاحب نے اسی مسئلہ پر ان سے تبادلہ خیالات شروع کیا اور اپنے عقیدہ کی تائید میں قرآن مجید سے دس آیات پیش کیں۔ شیخ صاحب نے ان میں سے صرف ایک آیت إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ پر جرح کی اور کامل چار گھنٹہ تک اسی پر گفتگو ہوتی رہی جس میں شیخ صاحب ایسے عاجز آ گئے کہ کھلے الفاظ میں اقرار کر لیا بلکہ لکھ دیا کہ عقلی طور پر اس آیت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آئندہ نبی آ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تائید کا مظاہرہ احباب جماعت کے لئے بہت ایمان پرور تھا۔ اس کے بعد حجازی شیخ صاحب ایک بہانہ تلاش کر کے تشریف لے گئے۔[4]

---

[1] ہفت روزہ "اصلاح" سرینگر ۱۷-۳۱ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء (مضمون میر غلام محمد صاحب سکرٹری تبلیغ جماعتہائے احمدیہ کشمیر)

[2] "الفضل" ۱۸ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۲۔ [3] "الفضل" ۲۵ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

[4] " ۱۹ فتح/دسمبر " صفحہ ۵۔

انگلستان مشن

مولوی جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن نے اس سال لنڈن کی مشہور سیرگاہ ہائیڈ پارک میں مسٹر گرین سے پے در پے سات شاندار اور کامیاب مباحثے کئے جن سے انگلستان مشن کی دھوم مچ گئی۔

۱۔ پہلا مباحثہ ۱۴؍ شہادت/اپریل کو "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بائبل میں پیشگوئیاں" کے موضوع پر ہوا۔ مسٹر گرین لاجواب ہو کر اصل بحث کی بجائے مسئلہ دوزخ و بہشت کی بحث میں اُلجھ گئے مگر مولانا شمس صاحب نے اس موضوع پر بھی عیسائیت کے مقابل اسلام کی برتری اور فوقیت ثابت کر دکھائی۔

۲۔ دوسرے مباحثہ کا عنوان تھا "کیا موجودہ اناجیل الہامی ہیں"۔ یہ مباحثہ ۲۱؍ شہادت کو ہوا۔ آخر میں جب رائے شماری کا مرحلہ آیا۔ تو انگریز سامعین کی بہت بڑی اکثریت نے احمدی مجاہد کے حق میں ووٹ ڈالے اور صرف ایک ووٹ مسٹر گرین کو ملا۔

۳۔ تیسرا مباحثہ ۲۸؍ شہادت/اپریل کو "کیا استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵ کے مصداق یسوع ہیں؟"[1] کے موضوع پر ہوا۔ مولانا شمس صاحب نے مسٹر گرین کے ادعا کو دلائل قطعیہ کے ساتھ باطل ثابت کر کے بتایا کہ اس کے مصداق ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ یہ مباحثہ سننے کے بعد کئی انگریزوں کو مزید تحقیق کا شوق مسجد فضل پٹنی میں لے آیا۔[2]

۴۔ چوتھا مباحثہ ۴؍ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو ہائیڈ پارک میں ہوا۔ موضوع "قرآن و انجیل کی تعلیم کا مقابلہ" تھا۔ مسٹر گرین نے مسیح کی آمد ثانی کے متعلق پیشگوئیوں کا ذکر کیا اور کہا کہ جب وہ دنیا میں آئیں گے تو امن قائم ہو جائے گا۔ نیز کہا کہ دفاعی جنگ بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ مولانا شمس صاحب نے قرآن مجید سے جنگ کے متعلق اصول بیان کئے جس کا حاضرین پر اچھا اثر ہوا۔ ایک معزز شخص نے یہ کہتے ہوئے مصافحہ کیا کہ گو میں عیسائی ہوں لیکن پھر بھی میں کہتا ہوں کہ مجھے آپ کی تقریر بہت پسند آئی ہے۔

۵۔ پانچواں مباحثہ ۱۲؍ ہجرت/مئی کو ہوا۔ موضوع مباحثہ تھا "پہاڑی وعظ[3] کا مقابلہ قرآن مجید کی تعلیم سے" لیکن اصل موضوع پر بحث شروع کرنے سے پہلے مسٹر گرین نے قرآن مجید سے کفار کے قتل کے متعلق آیات

---

[1] اس آیت میں پیشگوئی ہے "خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کریگا"
[2] "الفضل" ۲۹؍ احسان/جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲ (حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس رضی اللہ عنہ کے قلم سے مباحثات کی مفصل رپورٹ)
[3] حضرت مسیح کا یہ مشہور وعظ متی باب ۵ تا ۷ میں لکھا ہے۔

پڑھیں مولانا شمس صاحب نے انہی آیات سے ثابت کر دیا کہ ان میں قتل کا حکم ان کافروں کے متعلق ہے جو میدان جنگ میں لڑنے کے لئے آئے اور پہلے حملہ آور ہوئے۔ مباحثہ کے بعد سوالات کے موقعہ پر جب ایک شخص نے جنگوں کے متعلق اعتراض کیا تو مولانا شمس صاحب نے کہا۔ یسوع مسیح نے آسمانی بادشاہت کی مثال بیان کرتے ہوئے خود ظالموں کے قتل کو جائز قرار دیا ہے۔ انہوں نے آسمانی بادشاہت کی ایک بادشاہ سے مثال دی ہے جس نے اپنے لڑکے کی شادی پر لوگوں کو کھانے کے لئے دعوت دی مگر انہوں نے دعوت قبول نہ کی اس نے پھر اپنے نوکر بھیجے مگر پھر انہوں نے انکار کیا اور بعض تو اپنے کاموں پر چلے گئے اور جو باقی رہ گئے، انہوں نے ان پیغام رسانوں کو قتل کر دیا۔ تب بادشاہ اپنی فوج بھیجے گا اور ان قاتلوں کو تہ تیغ کر دے گا[۱] اس مثال میں بادشاہ سے مراد خدا ہے۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ظالم حملہ آوروں سے جنگ کرنا اس مثال کی رُو سے بالکل جائز تھا۔[۲]

۶۔ چھٹا مباحثہ ۲/ احسان/جون کو ہوا۔ قرار یہ پایا تھا کہ مسٹر گرین دو گھنٹے میں قرآن مجید پر جتنے اعتراض کرنا چاہیں پیش کر دیں اور مولانا شمس صاحب ان کا جواب دیں۔ مگر اس روز کچھ ایسا الٰہی تصرف ہوا کہ وہ پہلے مباحثات میں جو اعتراض کرتے رہے وہ بھی پیش نہ کر سکے اور جو نوٹ انہوں نے لے رکھے تھے وہ بھی غلط تھے۔

۷۔ ساتواں مباحثہ ۱۶/ احسان کو ہوا۔ اس روز مولانا شمس صاحب نے مسٹر گرین پر انجیل کی نسبت اعتراضات کئے جن کے جواب دینے سے وہ قاصر رہے۔ بعض کے متعلق کہا۔ مَیں نے پہلے کبھی نہیں سُنے۔ اس لئے مَیں جواب نہیں دے سکتا۔ اکثر کے متعلق کہا کہ میں تیاری کر کے جواب دوں گا جس سے حاضرین پر ان کی بے بسی اور لاچاری بالکل بے نقاب ہو گئی۔ اگلے جمعہ پھر مباحثہ تھا جس میں ان کی باری قرآن مجید پر اعتراضات کرنے کی تھی مگر اس روز مسٹر گرین نے بالکل راہ فرار اختیار کر لی جس کی دلچسپ تفصیل مولانا شمس صاحبؓ کے قلم سے لکھی جاتی ہے:۔

"مباحثہ شروع ہوا۔ اور مَیں نے اس کے پہلے سوال کا جو جنّوں کے متعلق تھا یہ جواب دیا کہ آیت میں جنّوں سے مراد الف لیلہ والے جن نہیں ہیں۔ جیسا کہ مسٹر گرین نے کہا ہے بلکہ اس سے مراد بڑے

---

[۱] یہ تمثیل متی باب ۲۱، مرقس باب ۱۲ اور لوقا باب ۲۰ میں درج ہے۔

[۲] "الفضل" ۲۰/وفا/جولائی ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴۔

لوگ اور لیڈر ہیں تو مسٹر گرین نے کہا جب تک آپ کسی انگریزی ترجمہ کو صحیح اور مستند نہیں مان لیتے مَیں مباحثہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ مَیں نے کہا یہ ترجمے شخصی ہیں۔ مَیں ان کو صحیح مانتا ہوں لیکن اگر کسی جگہ مَیں سمجھوں کہ ترجمہ صحیح نہیں کیا گیا اور عربی زبان کی رُو سے اس کی غلطی ثابت کر دوں تو مجھے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔ انجیل کے موجودہ تراجم جو کہ سوسائٹیوں کی طرف سے شائع کئے گئے ہیں۔ ان کے بعض الفاظ کے ترجمے کے متعلق آپ خود کہتے رہے ہیں کہ اصل یونانی لفظ یہ ہے اور اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔ جب آپ سوسائٹیوں کے مستند ترجمے کی غلطی نکالنے کا حق رکھتے ہیں تو مجھے یہ کیوں حق نہیں کہ کسی ایک شخص کے ترجمہ میں اگر کوئی غلطی ہو تو وہ ظاہر نہ کروں۔ . . .

حاضرین سمجھ گئے کہ مسٹر گرین مباحثہ نہیں کر سکتے"[۱]

سوسائٹی" فار دی سٹڈی آف ریلیجنز" کے سہ ماہی رسالہ "ریلیجنز" نے ہائیڈ پارک کے مباحثات کا ذکر ان الفاظ میں کیا:-

"The Imam of the London Mosque has come into arena of open debates in London recently and is very energetic in presenting his faith to Cristian opponents."

یعنی تھوڑے عرصہ سے مسجد لنڈن کے امام لندن میں پبلک مباحثات کے میدان میں نکلے ہیں اور اپنے مذہب کو اپنے عیسائی مخالفوں کے سامنے پورے زور اور قوت و جوش سے پیش کرتے ہیں۔

پھر لکھا:-

"The Imam is very skilful in presenting his case and quotes liberally from the Bible.

یعنی امام اپنی بات کو پیش کرنے میں خوب ماہر ہیں اور کثرت سے بائبل کے بھی حوالے پیش کرتے ہیں۔[۲]

---

[۱] و [۲] "الفضل" ۱۸ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۲۔ کالم ۲

خود مسٹر گرین نے اپنے رسالہ "دی کنگڈم نیوز" بابت ماہ جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں مبلغ اسلام کی نمایاں کامیابی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:-

ایڈیٹر ان ایام میں ہر جمعہ کے روز ۶ بجے شام سے ہائیڈ پارک میں امام مسجد لنڈن سے پبلک مباحثہ کرتا ہے جو اس ملک کے مسلمانوں کے ایک چھوٹے سے گروہ کا نمائندہ ہے۔

'But who consists of the best order of the faith being the most educated and cultural.'

لیکن وہ اسلام کا تعلیم یافتہ اور مہذب ہونے کے لحاظ سے بہترین فرقہ ہے . . . . .

. . . مختلف طبقات کے لوگ حاضر ہوتے ہیں جن کی تعداد پانچ سو کے لگ بھگ ہوتی ہے اور اڑھائی گھنٹے تک مسلسل سنتے ہیں"

"An achievement rarely experienced in Hyd Park."

یہ ایک ایسی بات یا ایسی کامیابی ہے جو ہائیڈ پارک میں شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ مباحثہ کے اختتام پر فریقین حاضرین کے سوالات کا جواب دیتے ہیں۔[۵۱]

اٹلی مشن

اٹلی میں جنگی قید کے مصائب سے رہائی پانے کے بعد ملک محمد شریف صاحب مبلغ اٹلی کا پہلا خط حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی خدمت میں ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو پہنچا۔[۵۲]

مشرقی افریقہ مشن

۱۴ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو ٹبورا (مشرقی افریقہ) کی عظیم الشان مسجد "الفضل" کی تقریب افتتاح منعقد ہوئی۔ اس موقع پر سر خلیفہ بن حارب سلطان زنجبار۔ ہز ایکسیلنسی گورنر، چیف سکرٹری، دیگر اعلیٰ سرکاری حکام، پولینڈ اور ہالینڈ کے قونصل اور مختلف مذاہب کے مشہور و معروف اصحاب نے پیغامات ارسال کئے۔ علاوہ ازیں لنڈن، قاہرہ، لیگوس، حیفا، بغداد، عدن، بمبئی، ماریشس اور سالٹ پانڈ کی احمدیہ جماعتوں کی طرف سے بھی پیغامات آئے۔ شیخ مبارک احمد صاحب انچارج مبلغ نے یہ سب پیغامات پڑھ

---

۵۱ "الفضل" ۱۴ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴

۵۲ "الفضل" ۱۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ پر اس مکتوب کا متن چھپ گیا تھا۔

کو سنائے اور جملہ ہمدردوں کا شکریہ ادا کیا۔ نیز اعلان کیا کہ یہ مسجد اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنے والے ہر شخص کے لئے کھلی ہے۔ آخر میں صدر جلسہ مسٹر فاسٹر پراونشل کمشنر نے تقریر کی اور کہا کہ یہ مسجد ٹبورا بلکہ تمام علاقہ کے احمدیوں کے لئے باعث فخر ہے۔[۱]

گولڈ کوسٹ مشن

جماعت احمدیہ گولڈ کوسٹ نے زنانہ سکول کے جاری کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک احمدی نے پندرہ ہزار روپے کی زمین اس کے لئے وقف کر دی۔ لجنہ اماء اللہ گولڈ کوسٹ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی خدمت میں درخواست کی کہ ہندوستان کی احمدی بہنیں بھی اس کام میں ہماری مدد کریں چنانچہ حضور کی تحریک پر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ نے چار ہزار روپے بھجوانے کا وعدہ کیا جس میں سے پندرہ سو کا وعدہ تو لجنہ اماء اللہ دہلی نے چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی معرفت کیا اور باقی رقم ملک کی دوسری مختلف لجنات پر ڈال دی گئی۔[۲]

۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کی نئی مطبوعات

۱۔ "ظہور مصلح موعود" (مؤلفہ مولوی شریف احمد صاحب امینی مولوی فاضل مدرس مدرسہ احمدیہ قادیان) دعویٰ مصلح موعود کے مبارک دور کی یہ پہلی کتاب ہے۔

۲۔ "مقطعات قرآنی" (حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کے "الفضل" میں شائع شدہ علمی مضامین کا مجموعہ"

۳۔ "LIFE AND WORK OF HAZRAT MIRZA BASHIR-UD-DIN MAHMUD AHMAD"

(حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کی حیات طیبہ اور کارنامے)

چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی ایک بلند پایہ انگریزی تالیف جو نیو بک سوسائٹی (پوسٹ بکس ۴۴) لاہور نے شائع کی۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی اسی اشاعتی ادارے کی طرف سے "مرزا بشیر الدین محمود احمد" کے نام سے چھپا تھا۔

---

[۱] "الفضل" ۲۲ فتح / دسمبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۲-۳۔

[۲] "الازھار لذوات الخمار" طبع دوم صفحہ ۱۱۴ مرتبہ حضرت سیدہ ام متین صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ۔

۴۔ "نشانِ محمّد" (ابوالبشارت مولانا عبدالغفور صاحب فاضل مبلغ سلسلہ کی سالانہ جلسہ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کی کامیاب تقریر)

۵۔ "موعودِ اقوامِ عالم" (مؤلفہ مولوی عبدالرحمن صاحب مبشر)

اس مختصر مگر جامع کتاب میں ہندو دھرم، عیسائی مذہب، اسلام اور سکھ ازم کے لٹریچر کی رُو سے مسیح موعود کی بعثت کے معین زمانہ، مقامِ ظہور، حسب و نسب اور دوسرے ارضی و سماوی علامات پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی تھی۔

۶۔ "دعوت نامہ بخدمت جمیع علماء کرام و صوفیائے عظام و دیگر ہمدردان اسلام"

(مولوی عبدالرحمن صاحب مبشر کا لکھا ہوا ایک تبلیغی کتابچہ جو نشر و اشاعت دعوت و تبلیغ قادیان نے شائع کیا)

۷۔ "ادعیۃ المسیح الموعود" (مرتبہ و شائع کردہ میاں محمد یامین صاحب تاجر کتب قادیان)

۸۔ "ستیارتھ پرکاش ایجی ٹیشن پر تبصرہ" (مؤلفہ مہاشہ فضل حسین صاحب)

اس رسالہ میں آریہ سماج اور بانی آریہ سماج کے متعلق بہت سی مفید معلومات جمع کرنے کے علاوہ ستیارتھ پرکاش کی ضبطی کے سوال پر بھی بحث کی گئی اور بتایا گیا تھا کہ کن تجاویز کو بروئے کار لا کر اس کتاب کی اشاعت روکی جاسکتی ہے اور مسلمان آریہ سماجی زہر کا مداوا کرسکتے ہیں۔

اخبار "انقلاب" لاہور نے اس کتاب پر یہ ریویو کیا کہ

"ملک فضل حسین صاحب کی اس مختصر کتاب میں ستیارتھ پرکاش کے متعلق ایسی اہم معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں جو اس معاملے سے خاص شغف رکھنے والوں کے سامنے بھی نہیں ہوں گی مذہبی مباحث سے دلچسپی رکھنے والے تمام احباب اگر اسے کم از کم ایک مرتبہ پڑھ لیں تو یقیناً اُن کے علم و نظر میں بڑا قیمتی اضافہ ہوگا"۔ [1]

اندرونِ مُلک کے مشہور مناظرے

اس سال میں دہلی، چمبہ، گوہدپور اور ڈلوال میں بہت کامیاب مناظرے ہوئے۔

مباحثہ دہلی

آریہ ترک شانتی سبھا دہلی نے ایک کھلا چیلنج شائع کر کے تمام مذاہب کو دعوتِ مناظرہ دی تھی جو انجمن

[1] "الفضل" ۲۰ امان/مارچ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۳ کالم ۴۔

احمدیہ دھلی نے منظور کرلی۔ چنانچہ ۳؍ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء کو دیوان ہال دھلی میں "ویدک دھرم عالمگیر ہے یا نہیں" کے موضوع پر مناظرہ ہوا جماعت احمدیہ کی طرف سے مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب نے نمائندگی کی۔ جو دو روز قبل اسی جگہ "میرے مذہب میں عورت کا مقام" کے موضوع پر بھی کامیاب لیکچر دے چکے تھے۔ اس مناظرہ میں اسلام کو ایسی بیّن اور نمایاں فتح نصیب ہوئی کہ غیروں تک نے اس کا اقرار کیا خصوصاً مسلمانوں کو اس عظیم الشان کامیابی سے بہت خوشی ہوئی۔ ہجوم کا یہ عالم تھا کہ تمام دیوان ہال، اس کی گیلریاں، دروازے اور کھڑکیاں تک لوگوں سے پُر تھیں۔

مُباحثہ چمبہ

چمبہ میں ۲۰-۱۳۱۹ھش/۴۱-۱۹۴۰ء سے پادری عنایت مسیح نے اسلام اور احمدیت کے خلاف تقاریر کرنا اپنا شیوہ بنا رکھا تھا۔ آخر جماعت احمدیہ چمبہ نے پادری صاحب مذکور کو چیلنج کیا اور مرکز سے مولوی محمد حسین صاحب، مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی اور مولوی چراغ الدین صاحب چمبہ پہنچ گئے۔ ۳۱؍ اخاء / اکتوبر کو پہلا مناظرہ "کفارہ" پر ہوا۔ مدعی پادری عنایت مسیح نے انجیل اور قرآن مجید سے مسئلہ کفارہ ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی مگر مولوی چراغ الدین صاحب نے جواب میں ایسی مدلّل تقریر کی کہ حاضرین عش عش کر اُٹھے اور دس ایسے سوالات پیش کئے کہ پادری صاحب آخر تک ان کے جواب نہ دے سکے اور اپنی ذلّت کو چھپانے کے لئے بدزبانی پر اُتر آئے۔ جماعت نے نہایت صبر و تحمل کا ثبوت دیا اور اس طرح پادری صاحب کا دجل پاش پاش ہوگیا۔ حاضرین نے احمدی مناظر کی قابلیت اور کامیابی پر مبارکبادیں دیں۔

دوسرے روز مناظرہ کا موضوع صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھا۔ لوگ بہت بڑی تعداد میں جمع ہوئے مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی نے قرآن مجید سے صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ثبوت میں دس آیات اور انجیل سے انتیس حوالے پیش کئے اور پادری صاحب کو توجہ دلائی کہ وہ حسب سابق درشت کلامی سے کام نہ لیں۔ ورنہ یاد رکھیں کہ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر پھینکنے سے اپنا ہی نقصان ہونا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ تہذیب اور شرافت کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ پادری صاحب نے بجائے اصل موضوع پر آنے کے بے معنی غلط اور بے ربط اعتراضات شروع کر دیئے اور ہندو مسلمانوں کو احمدیوں کے خلاف بھڑکایا مولوی صاحب نے پادری صاحب کے ہر سوال کے تحقیقی اور الزامی جوابات دیئے۔ پادری صاحب نے پھر ہندو، مسلمانوں کو بھڑکانا شروع کیا تاکہ لوگ اس گہرے اثر کو جو مولوی صاحب کے جواب سے پیدا ہوا

تھا بھول جائیں۔ لیکن نتیجہ کے طور پر اکثر مسلمان پادری صاحب کی اس پالیسی کے خلاف ہو گئے۔ آخر میں مولوی صاحب نے صداقت حضرت مسیح موعودؑ پر ایسی واضح تقریر کی کہ مناظرہ ختم ہوتے ہی مسلمانوں نے بڑے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔[۱]

چمبہ میں چاروں طرف احمدیوں کی کامیابی کا چرچا ہو گیا۔ اور احمدی مناظروں کی قابلیت کی دھاک بیٹھ گئی حتیٰ کہ اگر کوئی شخص بے سروپا بات کرتا تو لوگ ضرب المثل کے طور پر کہہ دیتے تھے کہ "کیوں پادری عنایت مسیح بنتے ہو"۔[۲]

مباحثہ گوہد پور (ضلع گورداسپور)

مورخہ ۲ ؍فتح / دسمبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو جماعت احمدیہ کھوکھر اور اہلسنت والجماعت گوہد پور کے درمیان موضع گوہد پور (تھانہ دھاریوال ضلع گورداسپور) میں مسئلہ حیات و وفات مسیحؑ پر شاندار مناظرہ ہوا۔ شرائط مناظرہ پہلے سے طے شدہ تھیں۔ جن کے مطابق اہلسنت والجماعت کوئی ایسا مناظر پیش نہ کر سکے جو مولوی فاضل ہوتا اور اپنی سند دکھا کر مناظرہ کرنے کو تیار ہوتا۔ متواتر تین گھنٹے کے مطالبہ کے بعد اہلسنت کو دو صد (۲۰۰) روپیہ ہرجانہ معاف کیا گیا اور ذیلدار صاحب علاقہ کے کہنے اور سفارش کرنے پر مولوی عبداللہ صاحب امرتسری اہلحدیث کو مناظرہ کی اجازت دی گئی۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری مولوی فاضل پرنسپل جامعہ احمدیہ مناظر تھے جنہوں نے شرائط کے مطابق اپنی سند اور تمغہ پنجاب یونیورسٹی میں اوّل رہنے کا دکھایا اور مناظرہ شروع ہوا۔ پہلی تقریر مولوی عبداللہ صاحب نے کی جس کے جواب میں احمدی مناظر نے اُن کی تقریر کے دلائل کو توڑ کر ھَبَاءً مَّنْثُوْرًا کر دیا۔ مزید برآں اور دس (۱۰) مطالبات ایسے کئے کہ جن کا جواب اہلحدیث مناظر آخر وقت تک نہ دے سکے۔ بلکہ اہلحدیث مناظر اپنی عادت کے مطابق اہلسنت والجماعت کے بزرگان سلف صالحین، حضرت امام ابن قیمؒ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت علامہ ابن جریرؒ وغیرھم کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرتے رہے جس سے اہلسنت والجماعت کے افراد کو بہت تکلیف ہوئی اور اس کا اثر پبلک پر بہت بُرا ہوا۔ نیز ان کو قرآنی آیات غلط پڑھنے اور عربی عبارات اور الفاظ کو غلط بولنے کی وجہ سے بہت شرمندگی اُٹھانا پڑی۔

مناظرہ ۱۲ بجے شروع ہو کر ۴ بجے ختم ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے احمدیوں کو اخلاقی اور علمی ہر لحاظ سے فتح عطا فرمائی فالحمدللہ علیٰ ذالک۔ مناظرہ میں قادیان، اٹھوال، شاہ پور، کنجراں، ناروال، دھرمکوٹ بگہ، ونجواں، دہن فتح، کھوکھر، ستکوہہ، پیر شاہ تھہ غلام نبی، ہرسیاں، فیض اللہ چک، تلونڈی جھنگلاں، حمرا، دیالگڑھ اور دیگر قرب و جوار کی جماعتوں کے افراد شامل ہوئے۔[۳]

---

۱ و ۲ "الفضل" ۱۲ نبوت / نومبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶۔ ۳ "الفضل" ۵ فتح / دسمبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶ کالم ۲۔

مُباحثہ ڈلوال (ضلع جہلم)

ضلع جہلم میں ڈلوال اور دوالمیال دو قصبے ہیں جہاں مولوی لال حسین صاحب اختر نے احمدیوں کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔ جو جماعت احمدیہ نے منظور کر لیا اور اختر صاحب ہی کی شرائط پر ۲۔۳ فتح / دسمبر ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کو مناظرہ کی تاریخیں تجویز ہوئیں اور مناظرہ ان کی خواہش کے مطابق قصبہ ڈلوال کی جامع مسجد میں قرار پایا۔ جہاں قریباً ۵ فیصد احمدی تھے۔ پہلا مناظرہ وفات و حیات مسیح پر زیر صدارت مولوی محمد حسین صاحب ہوا۔ مولوی لال حسین صاحب نے مدعی ہونے کی حیثیت سے جو احادیث و اقوال پیش کئے چوہدری محمد یار صاحب عارف نے اُن کے نہ صرف تسلی بخش جواب دیئے بلکہ قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث سے حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انعامی چیلنج بھی پیش کئے جن کا جواب مولوی لال حسین صاحب آخر تک نہ دے سکے اور پبلک پر یہ اثر ہوا کہ مناظرہ کے بعد بعض غیر احمدیوں نے صاف کہا کہ مولوی لال حسین صاحب احمدی مناظر کے مقابلہ میں ناکام رہے ہیں۔

دوسرے دن "فیضانِ ختم نبوت" کے مسئلہ میں مدعی جماعت احمدیہ تھی۔ سید احمد علی صاحب احمدی مناظر نے قرآن کریم کی کئی آیات اور احادیثِ نبویہ سے ثابت کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں نبوت حاصل ہو سکتی ہے۔ مولوی لال حسین صاحب نے جو آیات، احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال پیش کئے ان کا نہایت عمدہ جواب دیا گیا اور اقوال بزرگان پیش کر کے جماعت احمدیہ کے عقیدہ کی صداقت ثابت کی گئی۔ مولوی لال حسین صاحب سوائے درشت کلامی کے کوئی جواب نہ دے سکے۔

تیسرا مناظرہ اسی دن بعد دوپہر تھا۔ اور یہی مناظرہ سُننے کے لئے مولوی لال حسین اور اس کے ساتھی لوگوں کو تیار کر رہے تھے۔ اس مناظرہ پر پبلک کثرت سے آئی۔ مسجد کی چھت اور ارد گرد کے مکانوں کی چھتوں پر بھی کافی ہجوم تھا۔ جب مناظرہ شروع ہوا تو مولوی محمد یار صاحب عارف نے پہلی تقریر ہی ایسے رنگ میں کی کہ پبلک نے خاص توجہ سے سُنی۔ آپ نے قرآن مجید کی چار آیات سے صداقت ثابت کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر پڑھا کہ ؎

ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر ٭ میرے جیسی جس کی تائیدیں ہوئی ہوں بار بار

اور اختر صاحب سے کوئی ایک ہی ایسی مثال پیش کرنے کا پُرزور مطالبہ کیا۔ عارف صاحب نے علاوہ قرآنی آیات کے دس احادیث اور بیس پیشگوئیاں حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کے ثبوت میں پیش کیں۔ مناظرہ کا مقررہ وقت ختم ہونے سے ایک گھنٹہ پیشتر ہی غیر احمدی مناظر کے ساتھیوں نے اپنے مناظر کی کمزوری محسوس کر کے نماز کے بہانہ سے مناظرہ ختم کرنا چاہا جو منظور کر لیا گیا مگر ہماری آخری تقریر میں شور کرنا شروع کر دیا۔ غیر احمدی شرفاء اور شیعہ معززین نے جماعت احمدیہ کی نمایاں کامیابی کا اقرار کیا۔[۱]

---

[۱] "الفضل" ۱۱ فتح / دسمبر ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۶

تیسرا باب

آزادئ ہند اور قیامِ پاکستان کیلئے جماعت احمدیہ کی شاندار خدمات اور مجاہدانہ کارنامے

(از صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش ۱۹۴۵ء تا ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش ۱۹۴۷ء)

فصل اوّل

سیدنا المصلح الموعود کیطرف سے انگلستان اور ہندوستان کو باہمی صُلح کا پیغام، چودھری محمد ظفر اللہ خان کا لنڈن کی کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں آزادی کا پُر جوش کلمۂ حق اور آزادئ ہند کی آئینی جدوجہد کے آخری اور فیصلہ کُن مرحلہ کا آغاز

۱۹۴۵ء کا سال ہندوستان کے سیاسی مطلع پر ایک نہایت مایوس کُن ماحول میں طلوع ہوا۔ آزادئ ہند کے تعلق میں کرپس مشن[1] کی ناکامی کے بعد ہندوستان اور انگلستان کے درمیان زبردست تعطل پیدا ہو چکا تھا اور باہمی سمجھوتہ کے امکانات بظاہر ختم ہو چکے تھے اور اس کے لئے ہندوستانی اور انگریز دونوں ہی کوئی نیا قدم اُٹھانے کے لئے تیار نہیں تھے بلکہ اس زمانہ کے قریب قریب عرصہ میں برطانوی پارلیمنٹ میں ہندوستان کی آزادی سے متعلق سوالات کے جو بھی جوابات دیئے گئے وہ حد درجہ مایوس کُن تھے اور عام طور پر یہ سمجھا جا رہا تھا کہ ہندوستان

---

[1] سر سٹیفورڈ کرپس ۱۹۴۲ء میں ہندوستان آئے اور ہندوستان کی آزادی کا ایک جدید فارمولا پیش کیا جسے مسلم لیگ اور کانگرس دونوں نے مسترد کر دیا۔ کرپس کی تجاویز میں اگرچہ ہندوستان کو دو یا دو سے زیادہ وفاقوں کے قیام سے اصول پاکستان کو تسلیم کر لیا گیا مگر اساسی طور پر یہ تجاویز چونکہ ناقابل ترمیم تھیں اور کسی متبادل تجویز کے لئے بھی دعوت نہیں دی گئی تھی اس لئے مسلم لیگ نے متعدد وجوہ کی بناء پر ان کو ناقابل قبول قرار دیا۔ دوسری طرف کانگرس کا مطالبہ قومی حکومت کی آڑ میں یہ تھا کہ اُسے فوراً ملک کا اقتدار سونپ دیا جائے مگر جب یہ مطالبہ ٹھکرا دیا گیا تو کانگرس نے ۸ر اگست ۱۹۴۲ء کو سول نافرمانی کی قرارداد پاس کی اور ۹ر اگست ۱۹۴۲ء کی صبح کو تمام کانگرسی لیڈر گرفتار کر لئے گئے۔

کو آزاد کرنے کا سوال ایک عملی سیاست کے طور پر انگلستان کے سیاسی مدبروں کے سامنے نہیں آسکتا۔ علاوہ ازیں لارڈ ویول جو کرپس مشن کی آمد کے وقت ہندوستان کی فوجوں کے کمانڈر انچیف تھے اور اب وائسرائے ہند کے عہدہ پر تھے۔ ہندوستانی حقوق آزادی کے عموماً اور تحریک پاکستان کے خصوصاً بہت مخالف سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ وہ ۱۴ دسمبر ۱۹۴۴ء کو ایسوسی ایٹڈ چیمبر آف کامرس کے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے یہاں تک کہہ چکے تھے کہ:

"اگر ہندوستان سیاسی اختلافات کے بخار میں مبتلا رہا اور اس کے سیاسی ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا کہ اس کے جسم پر بڑا آپریشن ہونا چاہیئے جیسا کہ پاکستان۔ تو ہندوستان ایک بہترین موقع کھو دے گا اور یہ عظیم ملک خوشحالی اور فلاح کی جنگ میں ناکامیاب رہے گا"[۱]

ان مخدوش اور سراسر ناموافق حالات میں جبکہ کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ہندوستان اور انگلستان کے درمیان مفاہمت کی کوئی صورت پیدا ہونے والی ہے اللہ تعالیٰ نے "اسیروں کے رُستگار" حضرت سیدنا المصلح الموعود کو تحریک فرمائی کہ انگلستان اور ہندوستان کو سمجھوتہ کی دعوت دیں اور انہیں توجہ دلائیں کہ انہیں آپس میں صلح کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس آسمانی دعوت کو جو مختلف الہاموں اور کشوف اور رؤیا کے نتیجہ میں تھی[۲]۔ اگر ہندوستان کی آزادی کا رُوحانی پسِ منظر قرار دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کیونکہ اس کے بعد نہ صرف ہندوستان بلکہ انگلستان کی مُلکی سیاسیات میں یکایک غیر معمولی تغیرات و انقلابات پیدا ہو گئے بلکہ صرف ڈھائی سال کے نہایت قلیل عرصہ میں ہندوستان غیر مُلکی تسلط سے آزاد ہو گیا اور پاکستان جیسی عظیم اسلامی مملکت معرض وجود میں آگئی۔

حضرت مُصلح موعُود کا پیغام صُلح

چنانچہ حضرت مصلح موعود نے ۱۲ صلح / جنوری ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء کو مسجد اقصیٰ قادیان کے منبر پر ایک انقلاب انگیز خطبہ ارشاد فرمایا جس میں انگلستان اور ہندوستان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

"وقت آگیا ہے کہ انگلستان، برٹش ایمپائر کے دوسرے ممالک بالخصوص ہندوستان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ میل جول رکھے اور اس کے ساتھ صلح کرنے کے لئے پُرانے جھگڑوں کو بھلا دے۔

---

[۱] "قائداعظم اور اُن کا عہد" صفحہ ۲۴۴ (از رئیس احمد صاحب جعفری ندوی ناشر مقبول اکیڈمی شاہ عالم گیٹ لاہور)

[۲] "الفضل" ۲۳ احسان / جون ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۱ ب۔

اور دونوں مل کر دُنیا میں آئندہ ترقیات اور امن کی بنیادوں کو مضبوط کریں ۔ ۔ ۔ ۔ اسے انگلستان تیرا فائدہ ہندوستان سے صُلح کرنے میں ہے ۔ ۔ ۔ ۔ دوسری طرف مَیں ہندوستان کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ بھی انگلستان کے ساتھ اپنے پُرانے اختلافات کو بھُلا دے“

نیز فرمایا :-

” مَیں اپنی طرف سے دُنیا کو صُلح کا پیغام دیتا ہوں مَیں انگلستان کو دعوت دیتا ہوں کہ آؤ ! اور ہندوستان سے صُلح کر لو اور مَیں ہندوستان کو دعوت دیتا ہوں کہ جاؤ ! اور انگلستان سے صُلح کر لو اور مَیں ہندوستان کی ہر قوم کو دعوت دیتا ہوں اور پُورے ادب و احترام کے ساتھ دعوت دیتا ہوں بلکہ لجاجت اور خوشامد سے ہر ایک کو دعوت دیتا ہوں کہ آپس میں صلح کر لو اور مَیں ہر قوم کو یقین دلاتا ہوں کہ جہانتک دُنیوی تعاون کا تعلق ہے ہم ان کی باہمی صُلح اور محبت کے لئے تعاون کرنے کو تیار ہیں اور مَیں دُنیا کی ہر قوم کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ ہم کسی کے دشمن نہیں ۔ ہم کانگرس کے بھی دشمن نہیں، ہم ہندو مہاسبھا والوں کے بھی دشمن نہیں ، مُسلم لیگ والوں کے بھی دشمن نہیں اور زمیندارہ لیگ والوں کے بھی دشمن نہیں اور خاکساروں کے بھی دشمن نہیں اور خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ ہم تو احراریوں کے بھی دشمن نہیں ۔ ہم ہر ایک کے خیر خواہ ہیں اور ہم صرف اُن کی ان باتوں کو بُرا مناتے ہیں جو دین میں دخل اندازی کرنے والی ہوتی ہیں ۔ ورنہ ہم کسی کے دشمن نہیں ہیں اور ہم سب سے کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دو کہ ہم خدا تعالےٰ کی اور اس کی مخلوق کی خدمت کریں ۔ ساری دُنیا سیاسیات میں اُلجھی ہوئی ہے ۔ اگر ہم چند لوگ اس سے علیحدہ رہیں اور مذہب کی تبلیغ کا کام کریں تو دُنیا کا کیا نقصان ہو جائے گا“ [1]

حضرت امیر المومنین نے انگلستان و ہندوستان کے نام صُلح کا پیغام دینے کے ساتھ ہی یہ خبر دی کہ اگرچہ آپ کی دعوتِ مصالحت کا سیاسی دُنیا پر بظاہر کوئی اثر نہیں ہو سکتا مگر خدا تعالےٰ قادر ہے کہ وہ آپ کی آواز کو بلند کرنے اور مؤثر بنانے کا انتظام فرما دے ۔ چنانچہ حضور نے فرمایا :-

” اس میں شُبہ نہیں کہ میرا ایسی نصیحت کرنا اس زمانہ میں جبکہ ہماری جماعت ایک نہایت قلیل جماعت ہے بالکل ایک بے معنی سی چیز نظر آتی ہے ۔ میری آواز کا نہ ہندوستان پر اثر ہو سکتا ہے اور نہ انگلستان

[1] ” الفضل “ ۱۷ صلح / جنوری ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۳ ۔

پر اثر ہو سکتا ہے۔ . . . . میں انگلستان کو نصیحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں خواہ میری یہ نصیحت ہوا میں ہی اُڑ جائے۔ اور اب تو ہوا میں اُڑنے والی آواز کو بھی پکڑنے کے سامان بھی پیدا ہو چکے ہیں۔ یہ ریڈیو ہوا میں سے ہی آواز کو پکڑنے کا آلہ ہے۔ پس مجھے اس صورت میں اپنی آواز کے ہوا میں اُڑ جانے کا بھی کیا خوف ہو سکتا ہے جبکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری ہوا میں اُڑنے والی آواز کو بھی لوگوں کے کانوں تک پہنچا دے"[1]

کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا حریت پرور خطاب

اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کی زبان کو بسا اوقات اپنی زبان بنا لیتا ہے۔ یہی صورت یہاں ہوئی۔ حضرت امیر المومنین کے خطبہ کے معاً بعد اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے سامان پیدا کر دیئے کہ حکومت ہند نے احمدیت کے مایہ ناز فرزند چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو (جو اُن دنوں ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کے جج تھے) کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں ہندوستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے انگلستان بھجوایا۔ ۱۷ فروری ۱۹۴۵ء کو (CHATCHAN HOUSE میں) کانفرنس کا افتتاح ہوا جس میں آپ کو بھی خطاب کرنے کا موقعہ دیا گیا۔ باوجودیکہ آپ اس وقت سرکاری نمائندہ تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرفِ خاص سے آپ کو یہ توفیق بخشی کہ آپ نے حضرت مصلح موعود کے خطبہ کے بیان کردہ مطالب کو نہایت عمدگی اور کمال خوبی سے اپنی زبان میں انگلستان کے سامنے رکھا اور برطانیہ سے ہندوستان کے لئے مکمل درجہ نوآبادیات دیئے جانے کا مطالبہ ایسے پُرزور، اثر انگیز اور پُر قوت و شوکت الفاظ میں پیش فرمایا کہ پوری دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ چنانچہ انگلستان کے سربرآوردہ اخبارات میں بڑے بڑے لیڈروں نے چوہدری صاحب کی تقریر کے خلاف یا اس کی تائید میں مضامین لکھے۔ انگلستان سے امریکہ کے نمائندوں نے

---

[1] "الفضل" ۱۷ صلح / جنوری ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۱-۲ ؛ مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن نے حضرت مصلح موعود کے اس خطبہ کے ضروری اقتباس پر مشتمل ایک انگریزی دو ورقہ انگلستان میں شائع کیا جو برطانیہ کے وزراء اور دار العوام اور دار الامراء کے چھ سو ممبران کے علاوہ دیگر عمائدین و اکابر کو بھی بھجوایا جس پر سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا، ارل لسٹوول پارلیمنٹری انڈر سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا، سرجان وارڈ لامن رکن پارلیمنٹ کے پرائیویٹ سیکرٹری، الفرڈ بارنز رکن پارلیمنٹ، لارڈ لنلتھگو سابق گورنر جنرل و وائسرائے ہند، سرپیٹرک ہینن رکن پارلیمنٹ، بریگیڈیر ایف میڈلیکاٹ سی۔بی۔ای رکن پارلیمنٹ اور لارڈ ریکلر اور دوسرے مدبرین برطانیہ نے تحریری شکریہ ادا کیا اور حضرت مصلح موعود کی نصیحت کو خاص دلچسپی سے مطالعہ کیا (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "الفضل" ۹ احسان / جون ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۵)۔ انگلستان کے علاوہ گورنر مشرقی افریقہ سر فلپ مچل کی تحریک پر چوہدری محمد شریف صاحب بی۔اے نے مشرقی افریقہ ریڈیو سے بھی حضور کے خطبہ کا خلاصہ نشر کیا ("الفضل" ۱۷ ستمبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۱) اس طرح خدا تعالیٰ نے حضور کی آواز کو دنیا کے کنارے تک پہنچانے کا انتظام فرما دیا۔

تاروں کے ذریعہ اس آواز کو امریکہ میں پھیلایا اور رائٹر کے نمائندہ نے اُسے ہندوستان میں پہنچایا۔ اور پھر ہندوستان کے مختلف گوشوں سے اس کی تائید میں آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں۔ اس طرح تھوڑے دنوں کے اندر اندر حضرت مصلح موعود کی آواز سے ہندوستان، انگلستان اور امریکہ گونج اُٹھے[1]

چوہدری صاحب نے کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں جو معرکۃ الآراء تقریر کی اس نے تاریخ آزادی ہند میں ایک نئے اور سنہری باب کا اضافہ کیا۔ آپ نے فرمایا:۔

"ہندوستان کو اپنے حصول مقصد سے زیادہ دیر تک روکا نہیں جا سکتا۔ ہندوستان نے برطانوی قوموں کی آبادی کی حفاظت کے لئے پچیس لاکھ فوج میدان میں بھیجی ہے مگر وہ اپنی آزادی کیلئے دوسروں سے بھیک مانگ رہا ہے۔ ہندوستان کی حالت اب بدل چکی ہے۔ جنگ نے اُسے اپنی اہمیت کا پورا احساس کرا دیا ہے۔ اس کے صنعتی ذرائع مستحکم ہو چکے ہیں۔ اور آج وہ اتحادیوں کے لئے اسلحہ کے گودام کا کام دے رہا ہے۔ اتحادی چین کو بڑی چار طاقتوں میں شمار کرنے لگے ہیں۔ مگر ہندوستان کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں۔ ہندوستان کئی پہلوؤں سے چین سے آگے ہے۔ چین صرف آبادی اور رقبہ کے مقابلے میں آگے ہے ورنہ صنعت، قوت ساخت، اعلیٰ تعلیم، آرٹ، سائنس، رسل و رسائل، صحت، قیام امن و آئین اور دیگر تمام معاملات میں ہندوستان کا درجہ بلند ہے۔ ہندوستان کے اندرونی اختلافات کچھ بھی ہوں مگر وہ چینیوں کے باہمی تفاوت سے زیادہ خطرناک ثابت نہیں ہو سکتے۔ ہندوستان پر کئی بار حملے ہوئے ہیں مگر ہندوستان نے کبھی بھی کسی پر حملہ نہیں کیا۔ ہندوستان کب تک انتظار کر سکتا ہے۔ وہ آزادی کی طرف پیش قدمی کر چکا ہے۔ اب اسے امداد دیں یا اس کے راستہ میں مزاحم ہوں اُسے کوئی روک نہیں سکے گا۔ اگر آپ چاہیں گے تو وہ کامن ویلتھ کے اندر رہ کر ہی آزادی حاصل کرے گا۔"

ہندوستان کی جنگی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

"جنگ سے پہلے ہندوستان مقروض تھا مگر دوران جنگ میں اس نے اتنی مالی امداد دی ہے کہ اب وہ قرضخواہ ہو گیا ہے۔ اس نے رضا کارانہ طور پر ۲۵ لاکھ فوج دی ہے۔ آئندہ امن کے قیام میں

---

[1] "الفضل" ۲۳ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

ہندوستان کی جنگی کوششوں کو خاص اہمیت حاصل ہو گی ''۔[۵]

چونکہ برطانوی ہند کی تاریخ میں یہ پہلی مثال تھی کہ حکومت کے ایک سربرآوردہ نمائندہ نے ہندوستانیوں کے سیاسی اور ملکی جذبات کی وضاحت و ترجمانی کا فرض اس جرأت اور بے باکی سے ادا کیا ہو۔ اس لئے ہندوستان کے سب سیاسی حلقوں نے اس نعرۂ آزادی کے بلند کرنے پر چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کو زبردست خراج تحسین ادا کیا اور ملک کے معتمد ہندو اور مسلم پریس نے بکثرت تعریفی مضامین لکھے جن میں سے بعض بطور نمونہ درج ذیل کئے جاتے ہیں :۔

۱۔ اخبار "انقلاب"

اخبار "انقلاب" مورخہ ۲۲ر فروری ۱۹۴۵ء نے "سر ظفر اللہ خاں کی صاف گوئی" کے عنوان سے حسب ذیل ایڈیٹوریل لکھا :۔

"چودھری سر ظفر اللہ خاں نے کامن ویلتھ کی کانفرنس (منعقدہ لنڈن) میں جو تقریر فرمائی وہ ہر انگریز اور اتحادی ملکوں کے ہر فرد کے لئے دلی توجہ کی مستحق ہے۔ کیا اس ستم ظریفی کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ جس ہندوستان کے پچیس لاکھ بہادر مختلف جنگی میدانوں میں جمعیتہ اقوام برطانیہ کی آزادی کو محفوظ رکھنے کی خاطر لڑ رہے ہیں وہ خود آزادی سے محروم ہے!

یہ الفاظ کسی غیر ذمہ دار مقرر کی زبان سے نہیں نکلے جس نے مجمع عام میں عوام سے نعرے لگوانے کے لئے یہ طریق بیان اختیار کیا ہو بلکہ ایک ذمہ دار ہندوستانی وفد کے قائد و رہنما کے الفاظ ہیں اور کوئی شخص ان کی سچائی اور درستی میں ایک لمحہ کے لئے بھی شبہ نہیں کر سکتا۔ گذشتہ ساڑھے پانچ برس میں ایک موقع بھی نہیں آیا کہ ہندوستان نے بحیثیت مجموعی اور بہ اعتبار عمومی جنگ کے سلسلے میں اپنے واجبات و فرائض کی بجاآوری کا بہتر سے بہتر ثبوت نہ دیا ہو۔ جن جماعتوں نے جنگی مساعی میں پورا اور سرگرم حصہ نہ لیا یا جن کی طرف سے ان کی مخالفت ہوئی اُن کا عذر بھی اس کے سوا کیا تھا کہ ہندوستان کو آزادی نہیں ملی اور آزادی مل جائے تو اس وسیع سرزمین کے لامتناہی وسائل کو اس پیمانے پر جنگ کے لئے حرکت میں لایا جا

۵؎ "الفضل" ۲۴ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۱-۲۔ اخبار "آبزرور" (OBSERVER) لنڈن کے سٹاف رپورٹر نے اس تقریر پر یہ تبصرہ کیا کہ "تمام مقررین میں سے زیادہ صاف گو انڈین ڈیلیگیشن کے قائد سر محمد ظفر اللہ خاں تھے آپ نے اپنی تقریر میں کہا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ہندوستان کے ۲۵ لاکھ فرزند کامن ویلتھ کی اقوام کی آزادی کی حفاظت کے لئے لڑ رہے ہیں مگر ہندوستان خود اپنی آزادی کے لئے درخواستیں کر رہا ہے" (ترجمہ)

سکتا ہے کہ دُنیا حیران رہ جائے۔ ان جماعتوں کے طریق و تدابیر سے اور بعض حالتوں میں مقاصد سے بھی اختلاف کیا جا سکتا ہے اور خود ہم نے بھی ان کی تنقید میں کبھی تامل نہیں کیا۔ لیکن کیا یہ حقیقت حد درجہ رنجدہ نہیں کہ جن جماعتوں نے ہر سعی کو حصول آزادی پر موقوف و ملتوی رکھا ان کے طرزِ عمل سے اختلاف کیا گیا۔ لیکن جن جماعتوں اور گروہوں نے کسی شرط یا عہد و پیمان کے بغیر ہر قسم کی قربانیوں کو آزادیٔ جمہوریت کی حمایت کے خیال سے نیز ہندوستان کی حفاظت کے خیال سے ضروری قرار دیا۔ وہ بھی اس وقت تک منزل آزادی سے قریب تر نہیں ہوئے۔

بلاشبہ ہندوستان میں اختلافات موجود ہیں اور ان اختلافات کا فیصلہ خود ہندوستانیوں کو کرنا چاہیئے اس لئے بھی کہ وہی فیصلہ کے حقدار ہیں اور اس لئے بھی کہ انہی کا فیصلہ پائدار ہوگا۔ چوہدری سر ظفر اللہ خاں نے اس سلسلہ میں چین کی مثال پیش کی کہ وہاں بھی کمیونسٹوں اور مارشل چیانگ کائی شیک کی قومی پارٹی (کومنٹانگ) میں اختلافات ہیں۔ ہم اس مثال کو ہر لحاظ سے اپنے حالات کے مطابق نہیں سمجھتے۔ تاہم کیا حکومت برطانیہ کے لئے یہ زیبا ہے کہ ہمارے اختلافات کی وجہ سے سارے سلسلہ کاروبار کو معطل کئے بیٹھی رہے اور چُپ چاپ یہ دیکھتی رہے کہ کب ہمارے اختلافات مٹتے ہیں اور کب اُسے آزادیٔ ہند کے مسئلے پر سنجیدگی کے ساتھ توجہ کا موقع ملتا ہے"[۱]

۲۔ اخبار "احسان"

اخبار "احسان" نے ۲۴ فروری ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں لکھا:-

"سر ظفر اللہ خاں نے لندن میں ایک اور تقریر کی جس میں ایک سرکاری ممبر ہونے کے باوجود آپ نے صاف گوئی سے کام لیا ہے۔ آپ نے برطانوی مدبّروں سے کہا ہے کہ ان نازک لمحات میں برطانیہ کو جو فتوحات ہوئی ہیں وہ قابلِ تعریف ہیں۔ امریکہ سے برطانیہ نے معاملہ کیا تو اس میں برطانیہ کو کامیابی ہوئی۔ رُوس سے بات چیت ہوئی تو اس میں بھی برطانیہ کو فتح ہوئی آگے بڑھنے کے لئے جس طرف بھی قدم اُٹھے تو برطانیہ کو ناکامی نہ ہوئی۔ لیکن اس لمبی چوڑی دُنیا میں کیا برطانیہ صرف ہندوستان کے معاملے میں ہی شکست تسلیم کرنا چاہتا ہے؟ معلوم نہیں برطانیہ کے مدبّروں نے سر ظفر اللہ کی ان باتوں کو کن جذبات کے ماتحت سُنا ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے جس کا احساس آج سر ظفر اللہ جیسے انسان کو بھی ہو رہا ہے اور کس قدر افسوسناک

---

[۱] "الفضل" ۲۴ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۴۔

واقعہ ہوگا۔ اگر برطانوی مدبروں کے دل میں تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ آپ نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہندوستان آزاد ہونا چاہتا ہے خواہ اسے کامن ویلتھ (دول متحدہ) سے باہر ہی کیوں نہ رہنا پڑے۔ ہندوستان دول متحدہ میں بھی شریک ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی قسمت کا آپ مالک ہو اور باہر سے کوئی دباؤ اس پر نہ پڑے اور دوسری شرط یہ ہے کہ درجہ نوآبادیات میں وہ نسلی امتیاز کا شکار نہ ہو اور اس کا درجہ بالکل مساوی ہو۔ یہ باتیں بالکل صاف ہیں" [1]

اخبار "پیام"

۳۔ حیدرآباد دکن کے روزانہ اخبار "پیام" (مورخہ ۸ ربیع الاول مطابق ۲۲ فروری ۱۹۴۵ء) نے "ایک اجنبی کی آواز" کے عنوان سے لکھا:۔

"بہت عرصہ ہوا کہ سر ظفر اللہ خاں قومی زندگی سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ اُن کی دُنیا لال وردیوں والے چوبداروں اور سُرخ قالینوں والے حکومت کے ایوانوں کی دُنیا ہے، اس لئے حیرت ہوئی ——— ایک خوشگوار حیرت ——— کہ تعلقات دولت مشترکہ کی کانفرنس میں ہندوستان کے لیڈر کی حیثیت سے انہوں نے اپنی تقریر میں بہت سی عجیب عجیب باتیں فرما دیں ——— کیا وہ کوئی عصبی ہیجان کا لمحہ تھا جب وہ کہہ بیٹھے کہ

"دولت مشترکہ کے مدبرو! کیا تم اس عجیب طنز کو محسوس نہیں کرتے کہ ہندوستان کے ۲۰ لاکھ سپاہی میدان جنگ میں دولت مشترکہ کی اقوام کی آزادیوں کو محفوظ کرنے کی جدوجہد کر رہے ہوں اور پھر خود اپنی آزادی کی بھیک مانگتے رہیں؟"

اور پھر یہ کہ

"کب تک تمہارے خیال میں ہندوستان انتظار کرتا رہے گا؟ ہندوستان کا قافلہ اب جادہ پیما ہے خواہ تم اس کی مدد کرو یا اس کا راستہ روکو اس کو اب کوئی بھی روک نہیں سکتا۔ ہندوستان آزاد ہو کر رہے گا مگر وہ دولت مشترکہ کے اندر رہے گا اگر تم اس کو اندر رہنے دو گے اور اس کو وہ مرتبہ دو گے جو اس کا حق ہے مگر وہ اس حلقہ سے باہر بھی چلا جائے گا اگر تم اس کے لئے کوئی دوسرا چارہ کار باقی نہ رکھو گے"

اور پھر

" اپنی سیاسی آزادی کے لئے برطانیہ کی دست نگری کرنے سے اب ہندوستان اکتا گیا ہے۔ بیا

---

[1] بحوالہ "الفضل" ۲۴ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۲، کالم ۱ +

میدان میں اپنی مایوسی اور ناکامی کا احساس اب اس اندیشہ سے بڑھتا جاتا ہے کہ کہیں ان مابعد جنگ انتظامات میں ـــــ جن میں سے بعض پہ اس کانفرنس میں بحث ہوگی ـــــ وہ کسی ذلیل بے چارگی کی حالت میں نہ دھکیل دیا جائے "

" سر ظفر اللہ کی شخصیت ہمارے ملک کی ایک بہت شاندار شخصیت رہی ہے ـــــ ـــــ جب تک وہ دہلی اور شملہ کے سرکاری خلوت خانوں کی آسائشوں سے مانوس نہ ہوئی تھی موصوف کی ذہنی اور دماغی قابلیت کا لوہا سب مانتے ہیں۔ اس قابلیت کے نقوش آج بھی ہماری قومی زندگی میں موجود ہیں۔ مگر یہ آواز جو ہم نے آج لندن کے ایک ایوان میں سُنی اب تو ایک اجنبی کی آواز معلوم ہوتی ہے ـــــ تاہم حقائق کی قوت اس سے ظاہر ہے۔ یعنی یہ حقیقت ظاہر ہے کہ وطن کی اولاد اگر اُس سے جُدا کسی دوسری دُنیا میں بھی آباد ہو۔ تب بھی اس کی زندگی میں ایسے لمحے آتے ہیں کہ وہ اسی ایوان کے فرش پہ جس کے اندر اس کی قدرتی صلاحیتیں محفوظ کر لی گئی ہیں ایک کلمۂ حق کہہ سکتی ہے۔ سر ظفر اللہ کی اس آواز میں ایک گرج ہے، ایک دھماکا ہے جس کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے ـــــ لیکن کیا وہ بھی نظر انداز نہ کر سکیں گے ـــــ دولت مشترکہ کے مدبرین! جن کو سر ظفر اللہ نے مخاطب کیا؟

انہوں نے فرمایا کہ کیا ہندوستان کی حالت چین سے بھی بدتر ہے۔ کیا ہندوستان کے اندرونی اختلافات چینی کومنتانگ اور چینی اشتراکیوں کے اختلافات سے بھی زیادہ ہیں؟ پھر یہ کیا بات ہے کہ آج چین کو چار بڑے اکابر میں شمار کیا جاتا ہے مگر ہندوستان کا مقام کہیں بھی نہیں!

بہت مشکل ہے اس بات کا سمجھنا اور بتانا کہ سر ظفر اللہ کی زبان سے یہ سب کچھ کن حالات میں کہا گیا اور آیا یہ کہ ان کا کہا ہوا ۱۰ ڈاؤننگ اسٹریٹ تک بھی پہنچ سکے گا یا نہیں۔ لیکن یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے ہندوستان کے اس نام نہاد وفد کی قیادت کا فرض انجام دیا ـــــ اس سے آگے ہم نہیں کہہ سکتے کہ پھر بھی وہ کچھ کہیں گے یا نہیں اور ان کے شرکاء کار بھی کچھ کہیں گے یا نہیں ـــــ یا یہ ایک آواز یورپ کی بین الاقوامی سیاست کے صحرائے لق و دق میں صرف ایک ہی دفعہ بلند ہو کر گم ہو جائے گی!" [1]

---

[1] بحوالہ "الفضل" ۸ ر امان / مارچ ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۹ کالم ۱ تا ۳۔

اخبار "پربھات"

۴۔ روزنامہ "پربھات" (۲۰ر فروری ۱۹۴۵ء) نے یہ نوٹ شائع کیا۔

"ہندوستان کی طرف سے سر ظفر اللہ بطور نمائندہ اس کانفرنس میں تشریف لے گئے ہیں۔ ان کی پہلی تقریر بہت زوردار ہے اور دل خوش کن بھی۔ کیونکہ انہوں نے کامن ویلتھ کے دوسرے ممبروں کو صاف الفاظ میں بتایا کہ بیس پچیس لاکھ سپاہی مہیا کرنے والا ملک اگر آزادی سے محروم رہا تو جنگ کے بعد بھی دنیا میں امن نہیں ہو سکتا۔ ایک ایک ہندوستانی کو سر ظفر اللہ کا ممنون ہونا چاہیئے کہ انہوں نے انگریزوں کے گھر جا کر حق کی بات کہہ دی"[۱]

اخبار "ویر بھارت"

۵۔ اخبار "ویر بھارت" (۲۰ر فروری ۱۹۴۵ء) نے ایک طویل مضمون میں یہ تبصرہ لکھا۔

"سر ظفر اللہ نے کامن ویلتھ کانفرنس میں بجا طور پر یہ سوال کیا کہ جس ہندوستان کے پچیس لاکھ سپاہی دنیا کو آزاد کرانے کے لئے لڑ رہے ہیں کیا اس کا بدستور غلام رہنا باعث شرم نہیں ہے"[۲]

اخبار "پرتاپ"

۶۔ اخبار "پرتاپ" (مورخہ ۲۲ر فروری ۱۹۴۵ء) نے چوہدری صاحب کی معرکۃ الآراء تقریر کا ذکر درج ذیل الفاظ میں کیا:۔

"ہندوستان کے فیڈرل کورٹ کے جج سر محمد ظفر اللہ آجکل لنڈن گئے ہوئے ہیں۔ آپ کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں ہندوستانی ڈیلیگیشن کے لیڈر ہیں۔ لنڈن میں آپ نے جو تقریریں کی ہیں اُن سے ہندوستان تو کیا، ساری کامن ویلتھ میں تہلکہ مچ گیا ہے۔ کوئی امید نہ کر سکتا تھا کہ سر ظفر اللہ جیسا شخص بھی برطانیہ کی مذمت میں ایسے الفاظ استعمال کر سکتا ہے۔ چند دن ہوئے آپ نے ایک تقریر کی جسے سُن کر یو۔پی کے سابق گورنر سر میلکم ہیلی جو اس وقت لارڈ ہیلی آف سرگودھا ہیں آگ بگولہ ہو گئے اور میٹنگ سے اُٹھ کر چلے گئے۔ آپ نے برطانوی حکمرانوں کو وہ کھری کھری سُنائیں کہ سُننے والے دنگ رہ گئے۔ برطانوی حکومت کے درجنوں تنخواہ دار ایجنٹوں کے کئے کرائے پر آپ کی ایک تقریر نے پانی پھیر دیا۔

عام سوال یہ کیا جا رہا ہے کہ یہ کیسے ہوا کہ ایسے ایسے لوگ بھی جو برطانیہ کی بدولت ان ممتاز عہدوں پر پہنچے ہیں آج اس کے خلاف ہو رہے ہیں۔ جواب صاف ہے۔ برطانوی حکومت ہر ایک

---

[۱] و [۲] "الفضل" ۲۴ر تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ ہش ۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۲، ۳۔

کو سبکی دینا چاہتی ہے اور جن لوگوں میں ابھی تک ضمیر باقی ہے وہ ان حالات کو برداشت نہیں کر سکتے"[1]

اخبار "ریاست"

۷۔ اخبار "ریاست" (۲۶ فروری ۱۹۴۵ء) نے "برطانیہ کے مخلص دوستوں کی آواز" کے عنوان سے حسب ذیل نوٹ شائع کیا۔

"چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں جج فیڈرل کورٹ ایک بلند کیریکٹر شخصیت ہیں اور آپ کیلئے یہ ممکن نہیں کہ آپ کے دل اور زبان میں فرق ہو چنانچہ چودھری صاحب چونکہ برطانیہ کے مخلص دوست ہیں۔ آپ نے اپنے ان اصلی جذبات کو کبھی چھپانے کی کوشش نہ کی۔ اور جب کبھی آپ کو برطانوی پالیسی اور برطانوی مدبّروں سے اختلاف ہوا تو آپ نے اس اختلاف کو بھی کھلے طور پر بیان کر دیا۔

چودھری سر ظفر اللہ نے برطانیہ کے مخلص دوست ہوتے ہوئے حال میں جو بیان دیا ہے وہ برطانوی مدبّروں کی آنکھیں کھولنے کا باعث ہونا چاہیئے۔ آپ نے برطانیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ہندوستان کی آزادی کی خواہش کو اب نہیں دبایا جا سکتا۔ کاروانِ آزادی اب تیزی سے منزل کی طرف رواں ہے۔ تم اس کی مدد کرو یا نہ کرو۔ آزادی کی منزل میں اس کے قدم اب متزلزل نہیں ہو سکتے۔ ۲۵ لاکھ ہندوستانی میدان جنگ میں اقوام دولت مشترکہ کی آزادی قائم رکھنے کے لئے جنگ کر رہے ہیں لیکن وہ خود اپنی آزادی سے محروم ہیں"

گاندھی اور کانگرسی لیڈروں کو تو خیر برطانیہ اپنا دشمن سمجھتا ہے اور ان کی تحریکوں اور مطالبات کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے مگر سر ظفر اللہ تو برطانیہ کے دشمن نہیں اور برطانیہ کے نامزد ہو کر کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں شامل ہوئے۔ برطانوی قوم اگر اپنے ان مخلص دوستوں کی رائے پر بھی توجہ نہ کرے تو اس قوم کی بدنصیبی پر کیا شک ہے۔

اے کاش! برطانیہ کے مدبّر سر ظفر اللہ کے اس بیان کو آنکھیں کھول کر پڑھیں۔ اور ہندوستان کو آزادی دی جائے"[2]

رسالہ "پریت لڑی"

۸۔ سکھوں کے مشہور گورمکھی رسالہ "پریت لڑی" نے اپنے مارچ ۱۹۴۵ء کے پرچہ میں "سر ظفر اللہ" کے زیر عنوان لکھا:۔

"لنڈن میں ڈومینینز کی کانفرنس ہو رہی ہے۔ سر ظفر اللہ ہندوستان کے نمائندے ہیں۔ اور

---

[1] بحوالہ الفضل [illegible] صفحہ ۲ کالم ۳

[2] بحوالہ "الفضل" ۸ امان / مارچ ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۳

جو زوردار، بے خوف اور بے لاگ تقریریں انہوں نے کی ہیں انگریز سوچ میں پڑ گئے ہیں۔ سر ظفراللہ نے تنبیہہ کی ہے کہ اگر ہندوستان سے انصاف نہ کیا گیا اور مکمل آزادی کی تاریخ مقرر نہ کی گئی تو انگریز ہندوستان کی دوستی ہمیشہ کے لئے گنوا لیں گے۔ ان کی تقریروں کا تمام دُنیا میں چرچا ہو رہا ہے۔ ہم اپنے بھائی کے شکرگذار ہیں۔

مُدّت سے ہم نے یہ امید کرنا چھوڑ دیا ہے کہ سرکاری طور پر بھیجا ہوا ہمارا نمائندہ کبھی ہماری بھی ترجمانی کرے گا۔ ہم نے کبھی دلچسپی سے پڑھا ہی نہیں کہ یہ نمائندے وہاں جا کر کیا کہتے ہیں لیکن سر ظفراللہ کی دلیری کا ہم فخر کرتے ہیں۔" ؎

"پریت لڑی" کے تبصرہ کا گورمکھی متن "

"ਲੰਡਨ ਵਿਚ ਡੁਮੀਨੀਅਨਜ਼ ਦੀ ਕਾਨਫ੍ਰੰਸ ਹੋ ਰਹੀ ਹੈ । ਸਰ ਜ਼ਫ਼ਰੁੱਲਾ ਹਿੰਦੁਸਤਾਨ ਦੇ ਨੁਮਾਇੰਦੇ ਹਨ ਤੇ ਜੇਹੜੀਆਂ ਜ਼ੋਰਦਾਰ, ਨਿਡਰ ਤੇ ਬੇਸੰਕੋਚ ਤਕਰੀਰਾਂ ਓਹਨਾਂ ਨੇ ਉੱਥੇ ਕੀਤੀਆਂ ਹਨ, ਅੰਗਰੇਜ਼ ਸੋਚਣ ਲਗ ਪਏ ਹਨ । ਸਰ ਜ਼ਫ਼ਰੁੱਲਾ ਨੇ ਤਾੜਨਾ ਕੀਤੀ ਹੈ ਕਿ ਜੇ ਹਿੰਦੁਸਤਾਨ ਨਾਲ ਇਨਸਾਫ਼ ਨਾ ਕੀਤਾ ਗਿਆ, ਪੂਰੀ ਆਜ਼ਾਦੀ ਦੀ ਤ੍ਰੀਕ ਨੀਅਤ ਨਾ ਕੀਤੀ ਗਈ, ਤਾਂ ਹਿੰਦੁਸਤਾਨ ਦੀ ਦੋਸਤੀ ਅੰਗਰੇਜ਼ ਹਮੇਸ਼ਾ ਲਈ ਗੁਆ ਲੈਣਗੇ । ਇਹਨਾਂ ਦੀਆਂ ਤਕਰੀਰਾਂ ਦੀ ਸਾਰੀ ਦੁਨੀਆ ਵਿਚ ਚਰਚਾ ਹੋ ਰਹੀ ਹੈ । ਅਸੀਂ ਆਪਣੇ ਵੀਰ ਦੇ ਸ਼ੁਕਰ ਗੁਜ਼ਾਰ ਹਾਂ । ਮੁੱਦਤਾਂ ਤੋਂ ਅਸਾਂ ਇਹ ਉਮੇਦ ਕਰਨੀ ਛੱਡ ਦਿੱਤੀ ਹੈ ਕਿ ਸਰਕਾਰੀ ਤੌਰ ਤੇ ਭੇਜਿਆ ਹੋਇਆ ਸਾਡਾ ਨੁਮਾਇੰਦਾ ਕਦੇ ਸਾਡੇ ਵਲ ਦੀ ਗਲ ਕਰੇਗਾ । ਅਸਾਂ ਕਦੇ ਦਿਲਚਸਪੀ ਨਾਲ ਪੜ੍ਹਿਆ ਹੀ ਨਹੀਂ, ਇਹ ਨੁਮਾਇੰਦੇ ਉਥੇ ਜਾ ਕੇ ਕੀ ਆਖਦੇ ਹਨ, ਪਰ ਸਰ ਜ਼ਫ਼ਰੁੱਲਾ ਦੀ ਦਲੇਰੀ ਦਾ ਅਸੀਂ ਮਾਣ ਕਰਦੇ ਹਾਂ ।"

؎ ترجمہ "پریت لڑی" شمارہ ۵ ۱۹۴۵ء

چودھری صاحب کی لنڈن ریڈیو سے اہم تقریر

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے ۱۷ فروری ۱۹۴۵ء کو صرف کامن ویلتھ کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں ہی نعرۂ آزادی بلند نہیں کیا بلکہ اس روز عشائیہ کی ایک خصوصی سرکاری تقریب میں بھی اپنے موقف کی تائید میں موثر تقریر فرمائی۔ ازاں بعد اپنے قیام انگلستان کے دوران ایک تقریر لنڈن ریڈیو سے براڈ کاسٹ کی جس میں ہندوستان کی سیاسی مشکلات کا حل پیش فرمایا اور بتایا کہ مَیں نے حکومت برطانیہ کے سامنے تجویز رکھی ہے کہ اس کی طرف سے اعلان کیا جائے کہ جنگ عظیم کے خاتمہ کے ایک سال بعد تک اگر ہندوستانی جماعتوں میں کوئی سمجھوتہ ہو گیا تو برطانیہ اُسے تسلیم کرے گا۔ اگر سمجھوتہ نہ ہو سکا تو ہندوستان میں ایک عبوری آئین کا نفاذ کر کے ملک کو درجہ نو آبادیات دے دیگا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:-

"مَیں نے جب سے انگلستان میں قدم رکھا ہے مجھ سے ہندوستان کی آئینی اُلجھنوں کے بارے میں بہت سے سوالات پوچھے جا رہے ہیں۔ مثلاً ہندوستان کا سیاسی قضیہ کیوں حل نہیں ہوتا؟ ہندو اور مسلمان کیوں مفاہمت نہیں کرتے؟ ہندوستان کو کب آزادی ملے گی؟ ہندوستان آزاد ہو کر کامن ویلتھ میں شامل رہے گا یا نہیں؟ ان سوالات کا جواب دینا آسان کام نہیں۔ کیونکہ جہاں تک برطانیہ کا تعلق ہے وہ کہہ چکا ہے کہ ہندوستانی آپس میں کوئی سمجھوتہ کر کے، کوئی آئین بنالیں برطانیہ اُسے منظور کرے گا۔ دوسری طرف ہندوستانی آپس میں سمجھوتہ نہیں کرتے۔ اور یہ مسئلہ ایک اُلجھن سی بن کے رہ گیا ہے۔ تین سال پیشتر سر سٹیفورڈ کرپس ہندوستان گئے تھے۔ اس وقت سے آج تک ہندوستان میں اُلجھن سلجھانے کی بڑی کوششیں ہوئیں مگر ناکام رہیں۔

. . . اس وقت محاذ جنگ پر ۲۵ لاکھ ہندوستانی سپاہی دُنیا کی آزادی کے لئے اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں۔ ہندوستان کی طرف سے اس قدر سامان جنگ فراہم کیا گیا ہے کہ آج ہندوستان جیسا مقروض مُلک قرضخواہ بن گیا ہے۔ صنعت و حرفت بہت زیادہ ترقی کر گئی ہے مگر اس کے سیاسی مستقبل کا کوئی حل پیدا نہیں ہوا۔ اور اس کے بغیر سب ترقیاں فضول ہیں۔ مَیں نے برطانوی مدبروں کے سامنے یہ تجویز رکھی ہے کہ ان کی طرف سے یہ اعلان ہونا چاہیئے کہ اگر ہندوستان کے لوگ جنگ جاپان کے اختتام کے ایک سال بعد تک کوئی سمجھوتہ پیش کریں تو برطانیہ اسے تسلیم کریگا۔ اگر سمجھوتہ نہ کر سکیں تو برطانیہ اپنی طرف سے آئین تیار کر کے پارلیمنٹ میں پیش کر دے گا۔ اس

کی شکل یہی ہو گی کہ ہندوستان کو آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، کینیڈا اور جنوبی افریقہ کا سا درجہ دیا جائے گا۔ ہندوستان کی اسمبلی کو پارلیمنٹ کے منظور کردہ آئین میں ترمیم کرنے کا اختیار حاصل ہوگا تاکہ بعد میں ہندوستانی آپس میں اتحاد کر کے آئین کو اپنے ڈھب کے مطابق لا سکیں۔ بہرحال حکومت کو ایسا اعلان کر دینا چاہیئے جس سے دسمبر ۱۹۴۷ء تک ہندوستان کی آئین سازی کی ذمہ داری برطانیہ پر عائد ہو . . . . میں نے حکومت برطانیہ سے یہ درخواست کی ہے کہ اگر ہندوستان کی کوئی سیاسی جماعت اس آئین سے علیحدہ رہنے کی خواہش رکھتی ہو تو اس کے لئے ایسا کرنے کی گنجائش رکھی جائے۔ دوسری گنجائشیں بھی رکھی جائیں . . . . اس وقت ہندوستان میں ایک جماعت[1] ایسی بھی ہے جو مرکزی آئین سے اپنے آپ کو الگ رکھنے کی کوشش کر رہی ہے لہٰذا برطانوی پارلیمنٹ کی طرف سے جو آئین منظور ہو اس میں اس امر کی گنجائش ضرور رکھنی چاہیئے۔ بعض برطانوی مدبر کہتے ہیں کہ ہندوستان کے آئین کی ذمہ داری برطانیہ پر عائد نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن اُن کا یہ بہانہ بالکل عذر لنگ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی سیاسی اُلجھن کا حل برطانیہ کو دنیا بھر میں سُرخرو کر دیگا۔ اگر وہ اس کام میں عہدہ برآ ہو گیا تو دُنیا میں اس کی عزت میں چار چاند لگ جائیں گے۔ ناکام رہا تو اس کے وقار کو بٹہ لگ جائے گا . . . . اس نے یُونان، یوگوسلاویہ اور پولینڈ جیسے ملکوں کے ناقابل حل سوالات کو حل کر دکھایا ہے۔ کیا ہندوستان کا حق برطانیہ پر اس قدر بھی نہیں جتنا یوگوسلاویہ، پولینڈ اور یُونان کا ہے۔ اگر برطانیہ ہندوستان کا مسئلہ حل کر دے تو اس سے بہت سی اُلجھنیں حل ہو جائیں گی۔ خود انگلستان کی بہبود کا تقاضا بھی یہی ہے۔"[2]

چودھری صاحب نے اپنی یہی تجویز اخبار سپیکٹیٹر "SPECTATOR" کے ایک مضمون میں بھی نہایت وضاحت سے بیان فرمائی اور آخر میں لکھا کہ برطانوی حکومت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہندوستان کے مسئلہ کے حل پر دُنیا کے امن اور تہذیب کے مستقبل کا دار و مدار ہے اور اس کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ بعض حلقوں کو اس کا احساس نہیں۔[3]

---

[1] یعنی مسلم لیگ (مرتب) ◆ [2] اس تقریر کے ملخص کا ترجمہ انہی دنوں اخبار "الفضل" نے اپنے ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء کے پرچہ میں شائع کر دیا تھا۔ مندرجہ بالا اقتباس اسی پرچہ سے ماخوذ ہے ◆

[3] اس مضمون کا خلاصہ اخبارات میں بھی شائع ہو گیا تھا جس کا ترجمہ "الفضل" ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء میں بھی چھپ گیا تھا۔

چودھری صاحب کا "ہندوستان سٹینڈرڈ" کے نمائندہ سے انٹرویو

چودھری صاحب نے ۲۲ فروری ۱۹۴۵ء کو "ہندوستان سٹینڈرڈ" کے نمائندہ سے ایک انٹرویو میں کہا کہ میری سرکردگی میں جو وفد یہاں آیا ہے وہ دو سوالات کا قطعی فیصلہ کرانے کے بعد ہندوستان واپس جائے گا۔ پہلا سوال یہ ہے کہ ہم جنوبی افریقہ کے ڈیلیگیشن کا اس وقت تک پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک وہ ہندوستانیوں کو شہریت کے مساوی حقوق دینے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ اگر اس نے ہمارا یہ مطالبہ منظور نہ کیا تو اُسے ہندوستان کی طرف سے پُوری پُوری انتقامی کارروائی کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے دوسرا سوال ہندوستان کی آزادی ہے خواہ ہندوستان برطانی کامن ویلتھ کے اندر رہنا منظور کرے یا باہر ہو جائے[1]

برطانوی مدبّرین کے خیالات میں زلزلہ

آزادیٔ ہند سے متعلق چودھری ظفراللہ خاں صاحب کی تجویز نے برطانوی مدبّرین کے خیالات میں ایک زبردست زلزلہ برپا کر دیا۔ لنڈن کے با اثر اور مشہور روزنامہ لنڈن ٹائمز (LONDON TIMES) کے کالموں میں متعدد انگریزوں کے اس تجویز کی نسبت مراسلات شائع ہوئے اور "لنڈن ٹائمز" (۲۰ مارچ ۱۹۴۵ء) نے اپنے اداریہ میں ان خطوط کا خلاصہ شائع کر کے ان کی بناء پر دو نکتے پیش کئے۔

ایک یہ کہ برطانیہ کو خود اس کارروائی کے اختیار کرنے کا ذمّہ دار ہونا چاہیئے جو ہندوستان کے متعلق اس کی اعلان کی ہوئی پالیسی کو موثر طور پر نافذ کرنے کا یقین حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔

دوسرا یہ کہ موجودہ حالت میں محض کرپس مشن کی پیشکش پر یہ کہہ کر انحصار کرنا کہ "اسے قبول کر لو یا ردّ کر دو" اب کافی نہیں رہا۔ نیز لکھا:-

"یہ حقیقت میں جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد بھی ہندوستانی برطانوی تعاون کے لئے خطرناک ہے[2]"

"لنڈن ٹائمز" کی اسی اشاعت میں چودھری ظفراللہ خاں صاحب کا ایک مضمون بھی چھپا جس پر اخبار نے اپنے لیڈنگ آرٹیکل میں یہ تبصرہ کیا کہ

"آنریبل سر محمد ظفراللہ خاں صاحب کی وہ سکیم جو انہوں نے اپنے اس آرٹیکل میں بیان کی ہے جو دوسری جگہ اسی صفحہ پر درج ہے گو وہ مُسلم نقطۂ نگاہ سے لکھی گئی ہے لیکن بلاشبہ مدبرانہ نقطۂ نگاہ کی مظہر ہے اور سر موصوف کے وسیع تجربہ پر (جو انہیں اپنے ملک کی خدمت کے سلسلہ میں (انتظامی

---

[1] "الفضل" ۲۴ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۸ کالم ۲

[2] " " ۲۲ امان/مارچ " صفحہ ۸

ڈپلومیٹک اور جوڈیشل امور میں حاصل ہے) دال ہے۔ اس سے دوسرے نقطۂ ہائے نگاہ کے کما حقہٗ بیان و تفہیم کے لئے یکساں رستہ کھُل جاتا ہے۔ اس طرح یہ آرٹیکل ہندوستان کے مسئلہ پر فرقہ دارانہ جھگڑوں اور کشمکش کی بجائے محققانہ اور پُراز معلومات مفید بحث کا موقعہ پیدا کرتا ہے"[1]

اخبار "گلاسگو ہیرلڈ" نے ۱۵ مارچ ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں چودھری صاحب کی سکیم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس قسم کے ہر اقدام کا خیر مقدم کرنا چاہیئے۔ گو ممکن ہے ابتداء میں مسٹر گاندھی اور (قائد اعظم محمد علی) جناح اس سے متفق نہ ہوں۔

وائسرائے ہند کو لندن آنے کی ہدایت

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی حریت پرور اور انقلاب انگیز تقریروں کا اثر برطانیہ کے عوامی اور صحافتی حلقوں سے بڑھ کر خود برطانوی حکومت پر ہوا۔ اور اس نے چودھری صاحب کی نئی سکیم کے پیش نظر لارڈ ویول وائسرائے ہند کو انتقال اقتدار کا نیا فارمولہ تجویز کرنے اور ہندوستان کو مصالحت کی پیشکش کرنے کیلئے لندن طلب کر لیا۔

وائسرائے کے دورۂ انگلستان کی نسبت ممبران پارلیمنٹ کے تاثرات

برطانوی پارلیمنٹ کے ممبران نے لارڈ ویول کے انگلستان میں آنے کی تجویز کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ چنانچہ مسٹر پیتھک لارنس لیبر ممبر نے ایک بیان میں کہا کہ یورپ کی جنگ کا خاتمہ نزدیک نظر آرہا ہے اور اس موقعہ پر لارڈ ویول کا لندن آنا ہندوستانی مسئلہ کے حل کی طرف اہم پیش قدمی کا باعث ہوسکتا ہے۔ بلا شبہ سر محمد ظفر اللہ خاں کی تازہ تجویز زیر غور آئے گی۔ علاوہ ازیں سپرو[2] مصالحتی کمیٹی کی تجاویز کا بھی بیتابی سے انتظار کیا جارہا ہے۔ ان کو بھی بھاری اہمیت حاصل ہے مسٹر ایمونل شنویل نے کہا۔ ڈیڈلاک ختم کرنے اور مسئلہ کے حل کے لئے یہ نہایت موزوں موقعہ ہے۔ اور لارڈ ویول اس وقت ہندوستانی صورت حالات کے متعلق تازہ ترین واقفیت اور اپنے سیاسی تاثرات سے آگاہ کرسکیں گے

---

[1] بحوالہ "الفضل" ۲۶ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۸۔

[2] سر تیج بہادر سپرو کا شمار اعتدال پسند ہندوؤں میں سے ہوتا تھا۔ انہوں نے پاکستان کے نعرہ سے سہم کر اپنی صدارت میں ایک مصالحتی کمیٹی کی تشکیل کی تھی جس میں سر وزیر حسن، سر رادھا کشن، مسٹر جیکر، مسٹر این۔ آر سرکار وغیرہ لوگ شامل کئے گئے۔ کمیٹی کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسا حل دریافت کیا جائے جو مسلم لیگ اور کانگرس دونوں کے لئے وجہ اشتراک بن سکے اور ہندوستان کے آئندہ دستور کی بنیاد قرار دیا جاسکے۔ سپرو کمیٹی کی رپورٹ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو شائع ہوئی جس میں کانگرسی نقطۂ نگاہ کی ترجمانی کی گئی تھی۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ گذشتہ دنوں مسٹر ایمری نے ہندوستان کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا وہ بھی پُر امید ہیں۔ ان سب چیزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سمجھوتہ کا کافی امکان ہے۔ برطانیہ اس کا خیر مقدم کریگا۔ رُوس اور امریکہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اسے بیحد پسند کریں گے۔ مسٹر آرتھر گرین وڈ لیڈر آف نیشنل اپوزیشن نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ لارڈ ویول کا دورہ ضرور کامیاب رہے گا۔ پارلیمنٹ میں بھی اور پارلیمنٹ کے باہر بھی گذشتہ ہفتوں سے ایسے آثار نمایاں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسئلہ کے متعلق فضاء سازگار ہو رہی ہے۔ برطانیہ میں بیشمار لوگ اس کے حل کا بیتابی سے انتظار کر رہے ہیں۔ لارڈ ویول نہ صرف مشرق بعید کی جنگ کے سلسلے میں صلاح ومشورہ کریں گے بلکہ ہندوستان کا سیاسی مسئلہ بھی زیر غور آئے گا۔ پروفیسر جارج کاٹلن نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ موجودہ بات چیت سے تعطل ختم ہو کر کوئی تعمیری پروگرام سامنے آئے گا۔[1]

انگلستان میں آزادئ ہند سے متعلق سرگرمیوں کی تفصیل چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے قلم سے

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اپنی خود نوشت سوانح میں کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس کی تقریب پر اپنی تقاریر اور ان کے ردعمل پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"۱۹۴۵ء کی فروری میں ROYAL CHATCHAN - HOUSE لندن میں INSTITUTE OF INTERNATIONAL AFFAIRS کی سرپرستی میں COMMON - WEALTH کے نمائندگان کی ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ ہندوستان کی INSTITUTE کی طرف سے بھی ایک وفد نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ وفد کے اراکین میں جناب کنور سر مہاراج سنگھ، جناب میر مقبول محمود، جناب C.L MEHTA جناب خواجہ سرور حسن اور خاکسار شامل تھے۔ افتتاحی اجلاس میں ہر وفد کے قائد سے پانچ پانچ منٹ کی تقریر میں اختصاراً اپنے اپنے ملک کی جنگی سرگرمیوں کا خلاصہ بیان کرنے کی استدعا کی گئی۔ ہندوستان کی باری آنے پر مَیں نے تین منٹ تو ہندوستان کی جنگی سرگرمیوں کا خلاصہ بیان کرنے میں صرف کئے اور بتایا کہ پچیس لاکھ ہندوستانی کسی نہ کسی حیثیت میں جنگ کے مختلف محاذوں پر برطانوی اور اتحادی آزادی اور سالمیت کی حفاظت اور دفاع میں مختلف

---

[1] الفضل ۲۷ مارچ ۱۹۴۵ء صفحہ ۸ کالم ۴

انواع کی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں اور جسم و جان کی قربانی پیش کرنے میں ان کی طرف سے دریغ نہیں ہوا۔ علاوہ فوجی اور براہ راست جنگی امداد کے، سامانِ حرب اور ذخائرِ خوراک مہیّا کرنے میں بھی ہندوستان نے نمایاں خدمت کی ہے اور قابلِ قدر نمونہ قائم کیا ہے۔ اس سلسلے میں چیدہ تفاصیل کا ذکر کرنے کے بعد مَیں نے کہا:-

سیاست دانایانِ مملکت! کیا یہ امر آپ کے لئے باعثِ حیرت نہیں کہ ہندوستان کے پچیس لاکھ فرزند میدانِ جنگ میں مملکت کی آزادی کی حفاظت کے لئے ہتھیار بند اور کمربستہ ہوں اور ہندوستان ابھی تک اپنی آزادی کا منتظر اور اس کے لئے ملتجی ہو؟ شاید ایک مثال اس کیفیت کو واضح کرنے میں ممد ہو سکے۔ چین کی آبادی اور رقبہ ہندوستان کی آبادی اور رقبے سے بے شک فزوں تر ہیں۔ لیکن وسعت اور آبادی کے علاوہ چین باقی ہر لحاظ سے آج ہندوستان سے کوسوں پیچھے ہے۔ تعلیم، صنعت، حرفت، وسائلِ آمد و رفت، غرض خوشحالی کے تمام عناصر کے لحاظ سے ہندوستان چین کی نسبت کہیں آگے نظر آتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ چین تو آج دنیا کی بڑی طاقتوں میں شمار ہوتا ہے اور ہندوستان کسی گنتی میں نہیں؟ کیا اس کی صرف یہی وجہ نہیں کہ چین آزاد ہے اور ہندوستان غیر آزاد؟ لیکن یہ حالت اب دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ ہندوستان بیدار ہو چکا ہے اور آزاد ہو کر رہے گا۔ مملکت کے اندر رہ کر اگر آپ سب کو یہ منظور ہو۔ اور مملکت کو ترک کرکے اگر آپ اس کے لئے اور کوئی رستہ نہ چھوڑیں!

یہ اجلاس سہ پہر کو ہوا تھا۔ اجلاس کے ختم ہونے پر جب ہم CHATHAM - HOUSE سے نکلے تو شام کے اخبار STAR میں میری تقریر کا یہ حصّہ لفظ بلفظ موٹے حروف میں چھپا ہوا تھا اور لوگ اس پرچے کو بڑے شوق سے خرید رہے تھے۔ کچھ عرصہ بعد جناب آصف علی صاحب نے مجھ سے ذکر کیا۔ جب لندن میں تم نے یہ تقریر کی۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور کانگرس کے چند سرکردہ اراکین جن میں مَیں بھی شامل تھا اورنگ آباد دکن کے قلعے میں نظر بند تھے اور کانفرنس کے اس اجلاس کی کارروائی کو ریڈیو پر سُن رہے تھے۔ جب تم نے سیاست دانایانِ مملکت کہہ کر آواز بلند کی تو ہم سب توجہ سے تمہاری تقریر سُننے لگے۔ پنڈت نہرو نے تو اپنا کان ریڈیو کے بہت قریب کر دیا۔ جب تم نے تقریر ختم کی تو انہوں نے

کیا یہ شخص تو ہم سے بھی بڑھ کر صفائی سے انہیں متنبہ کرتا ہے۔

اسی شام حکومت کی طرف سے کانفرنس کے اعزاز میں CLARIDGE'S - HOTEL میں شام کے کھانے کی دعوت تھی حکومت کی طرف سے LORD CRANBOURNE جو اس وقت LORD PRIVY SEAL تھے اور بعد میں اپنے والد کی وفات پر MARQUISS OF SALISBURY ہوئے میزبانی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ لیکن وزیر اعظم مسٹر چرچل کے سوائے حکومت کے تمام اراکین بشمول نائب وزیر اعظم مسٹر ایٹلی اور لارڈ چانسلر لارڈ سائمن دعوت میں موجود تھے اور کھانے میں شامل تھے۔ لارڈ کرینبورن نے مہمانوں کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے COMMON WEALTH کی اہمیت کے بعض پہلوؤں کی وضاحت کی۔ مہمانوں کی طرف سے میزبان کی تقریر کا نیم مزاحیہ جواب تو ایک کینیڈین مندوب مسٹر سٹینفورڈ نے دیا۔ اور وہ ایک اخبار کے ایڈیٹر ہونے کے لحاظ سے اس کے اہل بھی تھے اور سنجیدہ جواب دینے کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی۔ میری سہ پہر کی تقریر کا بہت چرچا ہو چکا تھا اور توقع کی جاتی تھی کہ میں ہندوستان کی آزادی کے موضوع پر مزید کچھ کہوں۔ دعوت میں جانے سے پہلے میں یہ بھی سُن چکا تھا کہ ہندوستان کی آزادی میں تاخیر کی ذمہ داری تمام حکومت برطانیہ پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ کیونکہ ہندو مسلمان اختلاف کے پیش نظر حکومت برطانیہ بہت حد تک معذور گردانی جاسکتی ہے۔ میں نے اپنی تقریر کے دوران میں آزادی کے موضوع پر کہا کہ حکومت برطانیہ ہندو مسلمان اختلاف کا عذر رکھ کر اپنی ذمہ داری سے گریز نہیں کر سکتی۔ جنگ کے دوران میں برطانیہ بہت سی مشکلات کا حل دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ کیا ہندوستان کی آزادی ہی ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا حل دریافت کرنے سے برطانیہ عاجز ہے؟ بے شک یہ مسئلہ مشکل ہے لیکن برطانیہ کی تدبیر اس کا حل تجویز کرنے سے عاجز نہیں آنی چاہیئے۔ اگر ہندو مسلمان اختلاف ہی اس مسئلے کا حل تجویز کرنے کے رستے میں سب سے بڑی روک ہے تو برطانیہ اپنی نیک نیتی کا ثبوت اس طور پر پیش کرسکتا ہے کہ اس کی طرف سے یہ واضح اعلان کر دیا جائے کہ اگر فلاں تاریخ تک ہندو مسلمان اختلافات کا حل متفقہ طور پر تجویز نہ ہوا تو برطانیہ اپنی طرف سے ایک قرین انصاف حل تجویز کرکے اس کی بناء پر ہندوستان

کے لئے ایک ایسا آئین وضع کر دے گا جس کی رُو سے ہندوستان کو دیگر نوآبادیات کا درجہ حاصل ہو جائے اور اس آئین کو جاری کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ آئین عارضی ہو گا۔ جونہی مستقل آئین پر فرقہ دارانہ اختلاف رفع ہو کر اتفاق ہو جائے گا، پارلیمنٹ متفقہ آئین دستور کے مطابق وضع کر دے گی اور اُسے رائج کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کے نتیجے میں ہندوستان بلکہ تمام دنیا برطانیہ کے حُسنِ نیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گی۔

دعوت کے اختتام پر بہت سے وزراء نے میری تجویز کے متعلق گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ لارڈ سائمن نے کہا۔ تم جلد کسی دن HOUSE OF LORDS میں لارڈ چانسلر کے فلیٹ میں دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ۔ مَیں تمہاری تجویز کے متعلق تم سے بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔ تین چار دن کے اندر مَیں ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ لیکن اس سے قبل میری ان تقریروں کے دو دن بعد ہی سہ پہر کے اجلاس کے لئے اپنے ہوٹل سے CHATHAM HOUSE جا رہا تھا۔ رستے میں لبرل پارٹی کے لیڈر MR. CLEMENT DAVIES مل گئے۔ وہ بھی کانفرنس کے اجلاس کے لئے جا رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی کہا۔ مبارک ہو۔ ابھی یہ خبر بصیغۂ راز ہے کسی سے ذکر نہ کرنا۔ تمہاری تقریروں کے نتیجے میں کیبنٹ کے زور دینے پر وائسرائے ہند لارڈ ویول کو مشورے کے لئے لندن بلایا گیا ہے۔ مَیں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی کہ اس نے اس عاجز کی حقیر کوشش کو نوازا۔ اور اُسے پُر اثر بنایا۔ چنانچہ لارڈ ویول لندن تشریف لائے اور ہندوستان کی آئینی جدوجہد کا آخری مرحلہ شروع ہو گیا“ [1]

---

[1] خود نوشت سوانح حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب (غیر مطبوعہ)

فصل دوم

ویول سکیم، شملہ کانفرنس اور حضرت مصلح موعود کا ہندوستان کے سیاسی لیڈروں کے نام ولولہ انگیز پیغام

لارڈ ویول وائسرائے ہند، برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چرچل اور کابینہ کے دوسرے ارکان سے مشورہ کے لئے قریباً دس ہفتہ تک انگلستان میں رہے اور ۵ جون ۱۹۴۵ء (۵ احسان ۱۳۲۴ ہش) کو واپس ہندوستان میں پہنچے۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا دوبارہ سفر انگلستان

لارڈ ویول ابھی کابینہ سے صلاح و مشورہ میں مصروف تھے کہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب پھر انگلستان تشریف لے گئے۔ آپ کا یہ سفر اگرچہ محض نجی حیثیت رکھتا تھا مگر آپ کی لندن میں اچانک آمد سے مسئلہ ہندوستان کے مباحث میں خاص طور پر سرگرمی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ دہلی کے با اثر اخبار "ہندوستان ٹائمز" (۱۹ مئی ۱۹۴۵ء) نے لکھا:-

"ویول مشن کے نتائج کے متعلق جو قیاسات کئے جا رہے تھے ان میں سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی لندن میں اچانک آمد سے سرگرمی پیدا ہو گئی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا سفر ہندوستان کے متعلق موجودہ مباحث میں بہت کچھ ممد و معاون ہو گا۔

کہا جاتا ہے کہ دو ماہ قبل سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے مسٹر ایمری وزیر ہند سے ایک لمبی ذاتی ملاقات کی۔ جس میں وزیر ہند چوہدری صاحب کی لیڈروں کی رہائی اور ہندوستان کے سیاسی ڈیڈلاک کو ختم کرنے کے لئے پُر زور تحریک سے متاثر ہوئے۔

سر ظفر اللہ خاں صاحب نے کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس کے نمائندوں کے لیڈر ہونے کی حیثیت سے اپنی اس تجویز کی وجہ سے برطانوی اخبارات میں ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا کہ جاپان کے

خلاف جنگ کے خاتمہ کے بارہ ماہ تک اگر ہندوستانی کوئی متحدہ مطالبہ کریں تو اس کے مان لینے کا حکومت برطانیہ ابھی اعلان کر دے۔ لیکن اگر ہندوستانی اس قسم کا کوئی سمجھوتہ نہ کر سکیں تو برطانیہ ہندوستان میں درجہ نو آبادیات پر منتج ہونے والے آئین جاری کر دے جو اس وقت تک جاری رہیں جب تک کہ ہندوستانی متحد ہو کر خود اسے بہتر نہ بنا لیں۔"

اس امر کے متعلق روشن خیال قدامت پسندوں کے رویے کا ذکر کرتے ہوئے "ٹائمز لنڈن" لکھتا ہے

"اگر مناسب باہمی سمجھوتہ کو برطانیہ کے خلاف پھیلنے والے جذبات کی جگہ نہ دی گئی تو یہ جذبات اس حد تک پہنچ سکتے ہیں کہ جنگ کے بعد برطانیہ اور ہندوستان کے ان تعلقات کو تباہ کر دے جو عالم بعد از جنگ میں دونوں ملکوں میں قائم ہونے چاہئیں اور جن پر دونوں ملکوں کے مستقبل اور عام تحفظ کا اس قدر مدار ہے۔ برطانیہ کے مختلف مفکرین اور سیاست دانوں نے "ٹائمز" اور دیگر اخباروں کے کالموں میں اس مسئلہ کے متعلق سیر کن بحث کی اور فی الحقیقت سر ظفر اللہ خاں صاحب کی تجاویز پر ہندوستان کی نسبت برطانیہ میں زیادہ سنجیدگی سے غور کیا گیا۔

ان لوگوں میں سے اکثر نے جنہوں نے اس بحث میں حصہ لیا اس یقین کا اظہار کیا کہ کرپس کی تجاویز کے متعلق برطانیہ کی موجودہ پالیسی یعنی "سب لے لو یا سب چھوڑ دو" میں جنگ کے دوران میں اور جنگ کے بعد ہندوستان کے ساتھ برطانیہ کے تعلقات خراب کرنے کے خطرات سے پُر ہے برطانوی نامہ نگاروں نے دو تجاویز پیش کی ہیں۔ اوّل مکمل طور پر ہندوستان کو اختیارات دے دینے کے سلسلے میں برطانیہ کو ہندوستان کے طرز حکومت میں بتدریج تبدیلی شروع کر دینی چاہیئے۔ دوم حکومت برطانیہ کی فرقہ وارانہ سوالات کے حل پر دوسرے زاویہ نگاہ سے اس احساس کے ماتحت غور کرنا چاہیئے کہ یہ اختلافات ہندوستانی سیاست دانوں کے علاوہ برطانوی سیاستدانوں کے لئے بھی موجب ملامت ہیں۔ گذشتہ دو ماہ سے برطانیہ کے لوگوں میں اس قسم کے شدید جذبات پیدا ہو رہے ہیں کہ جنوب مشرقی ایشیا میں امن قائم رکھنے کے لئے ہندوستان کا اتحاد بنیادی پتھر کا کام دے گا نیز یہ کہ صرف متحد ہندوستان ہی آئندہ کی حفاظتی سکیم میں مؤثر ہو سکتا ہے۔

برطانیہ کے سیاستدان کوئی حل تلاش کرنے کے لئے سر ظفر اللہ خاں صاحب ایسے لوگوں سے مشورہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو کسی خاص سیاسی پارٹی سے گہرا تعلق نہیں رکھتے۔ بہرکیف سر ظفر اللہ خاں صاحب کے سفر ولایت پر ان کی تجاویز کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ برطانیہ کو ہندوستان کو خود مختاری کے وعدے کے لئے وقت کی تعیین ہو جانی چاہیئے۔ نیز یہ کہ جاپانیوں سے جنگ ختم ہونے پر ایک سال تک کا وقت ایک معقول مدت ہے۔ دہلی میں عام طور پر خیال ظاہر کیا جا رہا ہے کہ طرز حکومت میں تبدیلی یقینی ہے۔ نیز یہ کہ برطانیہ کو اپنے مفاد کے پیش نظر جلد کوئی قدم اٹھانا چاہیئے"[1]

"ہندوستان ٹائمز" کے اس بیان سے یہ امر بالکل عیاں ہے کہ برطانوی حکومت اپنے نمائندہ (لارڈ ویول) سے مشورہ کے ساتھ ہندوستان کی جلد آزادی کا جو فارمولا بھی تیار کر رہی تھی وہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی اٹھائی ہوئی تحریک کے زیر اثر تھا جس نے ہندوستان سے زیادہ برطانیہ کو فوری توجہ دینے پر مجبور کر دیا تھا۔

لارڈ ویول کا فارمولا

المختصر لارڈ ویول آزادی کا نیا فارمولا لئے وارد ہند ہوئے اور آپ نے ۱۴ ارجون ۱۹۴۵ء کو آٹھ بجے شام آل انڈیا ریڈیو سٹیشن سے تقریر کی جس میں وہ تجاویز پیش کیں جو ہندوستان کے سیاسی تعطل کو دور کرنے کیلئے وہ برطانوی حکومت کی طرف سے لائے تھے۔ لارڈ ویول نے اپنی تقریر میں کہا:-

"مجھے ملک معظم کی حکومت نے اختیار دیا ہے کہ میں وہ تجاویز جن کا مقصد ہندوستان کی موجودہ پولیٹیکل صورت حالات کو بہتر بنانا ہے اور مکمل سیلف گورنمنٹ کی منزل کی طرف ہندوستان کو لے جانا ہے، ہندوستان کے پولیٹیکل لیڈروں کے سامنے رکھوں۔ . . . ملک معظم کی حکومت کو امید تھی کہ فرقہ وارانہ مسئلہ کے متعلق . . . ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں میں کوئی نہ کوئی سمجھوتہ ہو جائے گا لیکن یہ امید پوری نہیں ہوئی . اس لئے میں ملک معظم کی حکومت کی طرف سے پورے اختیارات کے ساتھ یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ ہندوستان کی منظم پولیٹیکل پارٹیوں کے نمائندوں پر مشتمل نئی ایگزیکٹو کونسل مرتب کرنے کے لئے میں مرکزی اور صوبائی پولیٹیکل پارٹیوں کے لیڈروں کو دعوت دوں گا کہ وہ اپنے مشوروں سے مجھے مستفید کریں۔ مجوزہ ایگزیکٹو کونسل میں تمام بڑے بڑے فرقوں کو نمائندگی دی جائے گی۔ اس میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو

---

[1] "الفضل" ۲۹ ربجرت/مئی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۴ کالم

مساوی نمائندگی دی جائے گی۔ اگر یہ عالم وجود میں آگئی تو یہ موجودہ آئین کے ماتحت کام کرے گی۔ سوائے وائسرائے اور کمانڈر انچیف کے جو ایگزکٹو کونسل کے جنگی ممبران کے طور پر کام کریں گے۔ ساری ایگزکٹو کونسل ہندوستانی ہوگی۔ یہ تجویز بھی منظور کر لی گئی ہے کہ جہاں تک برٹش انڈیا کا تعلق ہے امور خارجہ کا محکمہ جو اس دن تک وائسرائے کے ہاتھ میں رہتا آیا ہے ایگزکٹو کونسل کے ہندوستانی ممبر کے سپرد کر دیا جائے گا۔ ملک معظم کی حکومت نے ایک اور قدم اُٹھانے کا بھی فیصلہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ دیگر نوآبادیات کی طرح ہندوستان میں بھی ایک برٹش ہائی کمشنر مقرر کیا جائے گا جو ہندوستان میں برطانوی تجارتی اور دیگر مفاد کی حفاظت کرے گا۔ ایگزکٹو کونسل تقریباً مکمل طور پر ہندوستانی ہوگی۔ کیونکہ پہلی بار ہندوستان کا ہوم ممبر اور فنانس ممبر دونوں ہندوستانی ہوں گے۔ اور ہندوستان کے خارجہ امور کے انتظامات کا انچارج بھی ایک ہندوستانی ممبر ہی ہوگا علاوہ بریں ایگزکٹو کونسل کے ممبران کا انتخاب وائسرائے ہند آئندہ ہندوستان کے پولیٹیکل لیڈروں کے مشورہ سے کریں گے۔ ایگزیکٹو کونسل کے ممبران کی شرائط کی منظوری ملک معظم سے لی جایا کریگی۔ اس عارضی گورنمنٹ کے قیام کا ہندوستان کے قطعی آئینی تصفیہ پر کسی طرح بھی اثر نہ پڑے گا۔ نئی ایگزیکٹو کونسل کا بڑا کام یہ ہوگا (۱) جاپان کے خلاف پوری طاقت سے جنگ لڑی جائے حتیٰ کہ اسے مکمل شکست ہو جائے (۲) ہندوستان کے مستقل آئین کے فیصلہ ہونے تک برطانوی ہند کی حکومت کے کام کو ان تمام ذمہ داریوں کو سامنے رکھکر جو جلد از جلد جنگ کے بعد کی تعمیر کے سلسلہ میں ہندوستان کے سامنے پڑے ہیں چلایا جائے (۳) جب ممکن ہو اس بات پر غور کریں کہ کن وسائل کو اختیار کرنے سے ہندوستانی پارٹیاں باہمی سمجھوتہ کر سکتی ہیں۔ میری رائے میں یہ کام بہت اہم ہے۔ میں اس بات کو چھپانا نہیں چاہتا کہ ان تجاویز سے ملک معظم کی حکومت کا مقصد ہندوستانی لیڈروں میں باہمی سمجھوتہ کو آسان بنانا ہے"

وائسرائے ہند لارڈ ویول نے اپنی تقریر کے آخر میں کہا۔ ہمارے راستہ میں کئی نشیب و فراز ہیں۔ ہر طرف ہمیں معاف کرو اور بھول جاؤ کے سنہری اصول پر عمل کرنا پڑے گا[1]

---

[1] "الفضل" ۱۶ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۸ کالم ۱-۲۔

حضرت مُصلح موعود کا پیغام ہندوستانی لیڈروں کے نام

سیدنا حضرت مصلح موعود نے جو ہندوستان کی آزادی کے دن کو قریب تر دیکھنے کے دلی طور پر آرزومند تھے، ویول تجاویز کو ازحد اہمیت دی اور ۲۲ ۔احسان / جون ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء کے خطبہ جُمعہ میں انہایت دردِ دل کے ساتھ ہندوستان کے سیاسی لیڈروں کو پیغام دیا کہ انگلستان ہندوستان کی طرف اپنا صلح کا ہاتھ بڑھا رہا ہے اس برطانوی پیشکش کو قبول کرنا اپنے پر اور اپنی آئندہ نسلوں پر احسان عظیم کرنا ہے۔ چنانچہ حضور نے ارشاد فرمایا:-

"مَیں تو سمجھ ہی نہیں سکتا کہ ہندوستانی لیڈر باوجود اس کے کہ ان میں بعض بڑے بڑے سمجھدار اور بڑے بڑے عقلمند ہیں کس طرح اس بات کو نظر انداز کر رہے ہیں کہ انگریزوں کے ہاتھ میں سَو فیصدی اختیارات کے ہوتے ہوئے اگر وہ آزادی کی امید رکھتے ہیں تو نوّے فیصدی اختیارات اگر ان کے اپنے ہاتھ میں آجائیں تو کیوں وہ آزادی کی امید نہیں رکھ سکتے۔ اگر انگریزوں کو دشمن سمجھ لیا جائے تو بھی یہ غور کرنا چاہیئے کہ اگر کسی دشمن کے پاس سَو بندوقیں ہوں لیکن دوسرے شخص کے پاس کوئی ایک بندوق بھی نہ ہو اور اس حالت میں بھی وہ سمجھتا ہو کہ مَیں اپنے دشمن کا مقابلہ کر کے جیت جاؤں گا تو اگر فرض کرو اس کا دشمن اسے کہے کہ نوّے بندوقیں تم مجھ سے لے لو اور دس میرے پاس رہنے دو۔ تو ایسی حالت میں اگر وہ کہے کہ مَیں نوّے نہیں لوں گا جب دو گے سَو ہی لُوں گا تو کیا ایسے شخص کو کوئی بھی عقلمند کہہ سکتا ہے۔ یقیناً ہر شخص اُسے نادان اور ناسمجھ ہی قرار دے گا۔ اسی طرح خواہ کچھ کہہ لو اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ہندوستان کو جو بھی اختیارات ملیں زیادہ ملیں تب بھی اور کم ملیں تب بھی وہ اختیارات بہرحال ہندوستان کے لئے مفید اور بابرکت ہوں گے اور وہ ہندوستان کو پہلے کی نسبت آزادی کے زیادہ قریب کر دیں گے۔

پس میرے نزدیک ہندوستان کا اس پیشکش کو قبول کرنا انگریزوں سے صلح کرنا نہیں بلکہ اپنے آپ پر اور اپنی آئندہ آنے والی نسلوں پر احسان عظیم کرنا ہے۔ دو سو سال سے ہندوستان غلامی کی زندگی بسر کرتا چلا آیا ہے۔ اور یہ ایک ایسی خطرناک بات ہے جو انسانی جسم کو کپکپا دیتی ہے۔ بیشک بعض لوگ ایسے اعلیٰ اخلاق کے مالک ہوتے ہیں کہ خواہ انہیں قید خانوں

کے اندر رکھا جائے تب بھی وہ آزاد ہوتے ہیں۔ غلامی ان کے قریب بھی نہیں آتی۔ مگر بیشتر حصہ بنی نوع انسان کا ایسا ہی ہوتا ہے جو ظاہری غلامی کے ساتھ دلی غلام بھی بن جاتا ہے۔ ہم ہندوستان میں روزانہ اس قسم کے نظارے دیکھتے ہیں جو اس غلامی کا ثبوت ہوتے ہیں، جو ہندوستانیوں کے قلوب میں پائی جاتی ہے۔ ان واقعات کو دیکھنے کے بعد کون شخص ہندوستانیوں کی غلامی سے انکار کرسکتا ہے . . . . . یہاں اگر انگریز کسی کو مارتا بھی چلا جائے تو اس میں جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس کے مقابلہ میں اپنی زبان ہلا سکے۔ اب تو پھر بھی لوگوں میں کچھ آزادی کی رُوح پیدا ہوگئی ہے لیکن آج سے چند سال پہلے یہ حال تھا کہ کسی انگریز کے ساتھ لوگ ریل کے ایک کمرہ میں بھی سوار نہیں ہوسکتے تھے۔ اگر کسی ڈبہ میں انگریز بیٹھا ہوتا تھا تو بڑے بڑے ہندوستانی افسر وہاں سے ٹل جاتے تھے کہ صاحب بہادر اندر بیٹھے ہیں۔ خواہ صاحب بہادر اُن کے نوکروں سے بھی ادنیٰ ہوں۔ ہندوستان کے لوگوں کی یہ حالت جو بیان کی گئی ہے اس میں اعلیٰ اخلاق کے لوگ شامل نہیں۔ ان لوگوں کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ خواہ وہ صلیب پر لٹک رہے ہوں یا جیلخانوں میں بند ہوں تب بھی وہ آزاد ہوتے ہیں۔ کیونکہ اصل آزادی جسم کی آزادی نہیں بلکہ دل کی آزادی ہے۔ آزاد قوموں کے جرنیل جب لڑائی میں پکڑے جاتے ہیں تو کیا تم سمجھتے ہو وہ غلام بن جاتے ہیں۔ وہ غلام نہیں بلکہ آزاد ہوتے ہیں بیشک انہیں بند جگہوں میں رکھا جاتا ہے۔ لیکن بند جگہوں میں رہنے کے باوجود وہ آزاد ہوتے ہیں۔ مگر ہندوستان وہ ملک ہے جس کا بیشتر حصہ بلکہ ننانوے فیصدی حصہ یقیناً غلام ہو چکا ہے۔ اس قسم کی حالت کو اگر لمبا کیا جائے تو اس سے زیادہ اپنی قوم کے ساتھ اور کوئی دشمنی نہیں ہوسکتی۔ میں تو کہتا ہوں ایک ویٹو کیا اگر وائسرائے کو دس ویٹو بھی دے دیئے جائیں تب بھی اس تغیر کی وجہ سے ہندوستان میں جو آزادی کی روح پیدا ہوگی وہ اس قابل ہے کہ اس کو خوشی سے قبول کیا جائے۔ جب تک ہندوستانیوں کے ذہن سے یہ نہیں نکل جائے گا (اور ہندوستانیوں سے مراد جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کرچکا ہوں عوام الناس ہیں نہ کہ اعلیٰ طبقہ کے لوگ) کہ وہ انگریزوں کے غلام ہیں اس وقت تک ہندوستان سے کسی بہتری یا کسی بڑے کام کی امید رکھنا بالکل فضول اور عبث ہے۔ لیڈر ہونا اور بات ہے

لیکن کام عوام الناس کیا کرتے ہیں۔ ہٹلر نے انگلستان سے لڑائی کی اور بیشک بڑی جرأت اور بہادری دکھلائی۔ مگر لڑا ہٹلر نہیں بلکہ جرمن قوم لڑی۔ سٹالن نے بیشک ایک اعلیٰ مہارت جرنیل کی دکھائی اور لوگ سٹالن کی تعریف کرتے ہیں۔ لیکن سٹالن سٹالن نہیں بن سکتا تھا جب تک رُوس کا ہر آدمی بہادر اور دلیر نہ ہوتا۔ انگلستان میں مسٹر چرچل نے بیشک بڑا کام کیا ہے لیکن مسٹر چرچل کیا کام کر سکتے تھے اگر ہر انگریز اپنے اندر وہ اخلاق نہ رکھتا جو عام طور پر انگریزوں میں پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح مسٹر روزویلٹ کو بھی بڑی عزت اور شہرت حاصل ہوئی مگر ان کو عزت اور شہرت اسی وجہ سے حاصل ہوئی کہ امریکن لوگوں نے قربانی کی ایک بے نظیر رُوح دکھائی۔ ہندوستان (میں) بھی بے شک گاندھی جی کو اُونچا کرنے کے لئے لوگ کتابیں لکھتے اور تقریریں کرتے ہیں لیکن کوئی اکیلا گاندھی یا دو درجن گاندھی یا بیس درجن گاندھی یا ہزار گاندھی بھی ہندوستان کو آزاد نہیں کرا سکتا جب تک عوام الناس میں آزادی کی رُوح پیدا نہ ہو۔ پس صرف گاندھی اور نہرو کو دیکھ کر یہ خیال کر لینا کہ ہندوستان ترقی کر رہا ہے محض حماقت ہے۔ چند بڑے بڑے لیڈروں کی وجہ سے یہ سمجھ لینا کہ ہندوستان میں آزادی کی رُوح پیدا ہو گئی ہے ویسی ہی جہالت کی بات ہے جیسے بلی کبوتر پر حملہ کرتی ہے تو وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں امن میں آگیا ہوں جب تک ہندوستان کے عوام الناس کو ہم آزادی کی رُوح سے آشنا نہیں کر لیتے، جب تک ہندوستان کے مزدوروں کو ہم آزادی کی رُوح سے آشنا نہیں کر لیتے، جب تک ہندوستان کے زمینداروں کو ہم آزادی کی رُوح سے آشنا نہیں کر لیتے اور جب تک ہم ان میں بیداری اور حرکت پیدا نہیں کر لیتے اس وقت تک نہ ہندوستان آزاد ہو سکتا ہے نہ ہندوستان حقیقی معنوں میں کوئی کام کر سکتا ہے۔ اور یہ آزادی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک موجودہ دَور بدل نہ جائے۔ جب تک ہندوستانیوں کے ذہن سے یہ نکل نہ جائے کہ ہم غلام ہیں۔ جس دن ہندوستانیوں کے ذہن سے غلامی کا احساس نکل جائے گا اس دن ان میں تعلیم بھی آ جائے گی، ان میں جرأت اور دلیری بھی پیدا ہو جائے گی اور ان میں قربانی اور ایثار کی رُوح بھی رُونما ہو جائے گی۔ جب انسان یہ سمجھتا ہے کہ میں کسی کا غلام ہوں تو وہ کہتا

ہے مجھے کیا زمین اُلٹی ہو یا سیدھی، آسمان گرے یا قائم رہے، فائدہ تو مالک کو ہے۔ مَیں کیوں تکلیف اُٹھاؤں۔ مَیں سمجھتا ہوں وہ لیڈر لیڈر نہیں ہوں گے بلکہ اپنی قوم کے دشمن ہوں گے جو اِن حالات کے بدلنے کے امکان پیدا ہونے پر بھی چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے ضد کر کے بیٹھ جائیں اور ان معمولی معمولی باتوں میں اس اہم ترین موقع کو ضائع کر دیں۔ کہ فُلاں کو کانفرنس میں کیوں لیا گیا اور فلاں کو کیوں نہیں لیا گیا۔ لوگ تو اپنے جسم کو بچانے کے لئے اپنے اور اپنے بچّوں کے اعضاء تک کٹوا دیتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا کئے جا رہے ہیں کہ فلاں کو نمائندہ سمجھا جائے اور فلاں کو نہ سمجھا جائے۔ فلاں کو شامل کیا جائے اور فلاں کو شامل نہ کیا جائے۔ حالانکہ جس شخص کے دل میں حقیقی درد ہوتا ہے وہ ہر قسم کی قربانی کر کے اپنی قیمتی چیز کو بچانے کی کوشش کیا کرتا ہے . . . . یہاں چالیس کروڑ انسان غلامی میں مبتلا ہے۔ چالیس کروڑ انسان کی ذہنیت نہایت خطرناک حالت میں بدل چکی ہے۔ نسلاً بعد نسلٍ وہ ذلّت اور رُسوائی کے گڑھے میں گرتے چلے جاتے ہیں وہ انگریز جس نے ہندوستان پر قبضہ کیا ہوا ہے وہ ہندوستان کو آزادی دینے کا اعلان کر رہا ہے۔ لیکن سیاسی لیڈر آپس میں لڑ رہے ہیں کہ تمہارے اتنے ممبر ہونے چاہئیں اور ہمارے اتنے . . . . . ہم ایک قلیل جماعت ہیں اور ہم ان حالات کو دیکھنے کے باوجود کچھ کر نہیں سکتے۔ لیکن ہماری جماعت یہ دُعا ضرور کر سکتی ہے کہ اے خدا خواہ مسلمان لیڈر ہوں یا ہندو تُو ان کی آنکھیں کھول اور انہیں اس بات کی توفیق عطا فرما کہ وہ ہندوستان کے چالیس کروڑ غلاموں کی زنجیریں کاٹنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ یہ نہ صرف ہمارے لئے مفید ہے بلکہ آئندہ دُنیا کے امن کے لئے بھی مفید ہے۔ اگر اس موقع پر لڑنا جائز ہوتا تو انگریز کو لڑنا چاہیئے تھا۔ مگر خدا تعالےٰ کی قدرت ہے وہ وائسرائے جو انگلستان کی طرف سے ہندوستان پر حکومت کرنے کے لئے آیا ہوا ہے وہ کہتا ہے کہ مَیں ہندوستان کو آزاد کرتا ہوں۔ انگلستان کا صنّاع جو ہندوستان کو لُوٹ کر اپنی صنعت کو فروغ دے رہا ہے وہ کہتا ہے کہ مَیں ہندوستان کو آزاد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ انگلستان کی وہ ٹوری گورنمنٹ جو ہندوستان پر ہمیشہ جبری حکومت کے لئے کوشش کرتی چلی آئی ہے وہ کہتی ہے کہ مَیں ہندوستان

کو آزادی دینے کے لئے تیار ہوں۔ انگلستان کی لیبر پارٹی جو نئی پارٹی ہے اور جسے برسرِ اقتدار آنے کا پہلا موقع ملنے والا ہے یا ممکن ہے کچھ دیر کے بعد ملنے والا ہو، وہ بھی اعلان کر رہی ہے کہ ہم ہندوستان کو آزادی دینے کے لئے تیار ہیں۔ انگلستان کے پریس کا بیشتر حصّہ خواہ ٹوری ہو یا لیبر ہو یا لبرل ہو، شور مچا رہا ہے کہ ہندوستان کو آزادی دے دی جائے۔ امریکہ اور فرانس اور دوسرے ممالک جن کا براہ راست ہندوستان سے کوئی واسطہ نہیں وہ بھی شور مچا رہے ہیں کہ ہندوستان کو آزادی دے دی جائے۔ لیکن اگر انگلستان ہندوستان کو آزادی دینے کے لئے تیار ہے تو ہندوستان کے اپنے بعض سپوت آزادی لینے کے لئے تیار نہیں ہیں

پس ان دنوں میں اللہ تعالیٰ سے خاص طور پر دعائیں کرو کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں یہ معاملات ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ راہِ راست پر آجائیں اور ہندوستانی غلاموں کی زنجیروں کو کاٹ کر وہ ہندوستان کو اعلیٰ مقام پر پہنچانے والے ثابت ہوں۔ . . . .“[۱]

اخبار ”اہلحدیث“ کا تبصرہ

اخبار اہلحدیث کے ایڈیٹر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اس خطبہ جمعہ پر اس خیال کا برملا اظہار کیا کہ امام جماعت احمدیہ نے ہندوستان کی آزادی کے لئے جس جرأت، دلیری اور حق گوئی کے ساتھ مطالبہ کیا ہے اور جس زور اور ولولہ کے ساتھ حکومت کو اہل ہند کا حق آزادی دینے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس کی مثال ہندوستان کے کسی بڑے سے بڑے آزادی پسند کی تقریروں میں بھی نہیں مل سکتی۔ چنانچہ انہوں نے لکھا:-

”اب خلیفۂ قادیان کا مسلک بھی سننے کے قابل ہے۔ یہ وہی مسلک ہے جو عام کانگرسیوں اور دیگر سیاسی لوگوں کا ہے۔ یعنی سیاسی لوگ ہندوستانیوں کو حالت موجودہ میں غلامی کی ذلّت میں مبتلا سمجھتے ہیں اس لئے آزادی کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کوشش میں بعض دفعہ وہ اپنی جان پر بھی کھیل جاتے ہیں۔ قید و بند کے مصائب بھی برداشت کرتے ہیں تاکہ غلامی کی زنجیریں کٹ جائیں اور ہندوستانی آزادی کی ہوا میں خوش و خرم رہیں۔ خلیفۂ قادیان (نے) حکومت کی جدید سکیم کے متعلق اظہار خیالات کرتے ہوئے خطبہ جمعہ میں ہندوستانیوں کی ذلّت غلامی کا ذکر

---

[۱] ”الفضل“ ۲۳ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۴ تا ۷۔

کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہے وہ پڑھنے اور سننے کے قابل ہے۔ آپ نے لیڈروں کو اتفاق کر کے کام کرنے کا مشورہ دیا اور کہا (آگے حضرت مصلح موعود کے خطبہ جمعہ سے اقتباس دے کر لکھا تھا)

یہ الفاظ کس جرأت اور حیرت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ کانگرسی تقریروں میں اس سے زیادہ نہیں ملتے۔ چالیس کروڑ ہندوستانیوں کو غلامی سے آزاد کرانے کا ولولہ جس قدر خلیفہ جی کی اس تقریر میں پایا جاتا ہے وہ گاندھی جی کی تقریر میں بھی نہیں ملے گا"[۱]

سیاسی لیڈروں میں خطبہ جمعہ کی اشاعت

حضرت مصلح موعود کا یہ خطبہ جمعہ اگلے ہی روز "الفضل" ۲۳ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں شائع کر دیا گیا اور ساتھ ہی اس کا الگ انگریزی ترجمہ بھی شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر نمائندہ "الفضل" نے شملہ پہنچ کر (جہاں لارڈ ویول کی دعوت پر سیاسی لیڈروں کی کانفرنس ہونے والی تھی) راشٹرپتی مولانا ابوالکلام آزاد صدر آل انڈیا نیشنل کانگرس، قائداعظم محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ، مسٹر گاندھی، ڈاکٹر خان صاحب، مسٹر حسین امام، میاں افتخار الدین، پنڈت گوبند ولبھ پنت، سری کرشن سنہا اور دوسرے بہت سے سیاسی لیڈروں تک پہنچا دیا۔[۲]

شملہ کانفرنس کی ناکامی اور ملکی انتخابات کا اعلان

سیاسی لیڈروں کی کانفرنس ۲۵ جون سے لیکر ۱۴ جولائی ۱۹۴۵ء تک جاری رہی۔ مذاکرات کے دوران قائداعظم محمد علی جناح نے انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح کانگرسی لیڈر مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر کے کوئی آبرومندانہ سمجھوتہ کر لیں اور قومی حکومت قائم ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں واضح بیان بھی دیا کہ اگرچہ مسلم لیگ کو ویول تجاویز منظور نہیں۔ پھر بھی ہم عارضی طور پر قومی حکومت کی تشکیل میں حصہ لینے کو تیار ہیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ مسلم نمائندوں کا حق انتخاب صرف مسلم لیگ کو حاصل ہو۔[۳] مگر کانگرس نہ صرف یہ کہ اس پر آمادہ نہ ہوئی بلکہ اس نے مسلم لیگ کے اس موقف کو سبوتاژ کرنے اور ان کی نمائندہ حیثیت کو چیلنج کرنے کے لئے دہلی میں نیشلسٹ مسلمانوں کی ایک کانفرنس کا انتظام کیا جس میں جمعیۃ العلماء، مسلم مجلس، مومن کانفرنس، آزاد پارٹی اور انجمن وطن بلوچستان کے

---

[۱] اخبار "اہلحدیث" امرتسر ۶ جولائی ۱۹۴۵ء صفحہ ۴۔ [۲] "الفضل" ۲۷-۲۸ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲۔
[۳] "قائداعظم اور دستور ساز اسمبلی" صفحہ ۱۵۳ مصنفہ محمد اشرف خان عطاء مدیر معاون "زمیندار" اشاعت منزل بل روڈ لاہور

نمائندوں سے ایک قرارداد منظور کرائی کہ مسلم لیگ تمام مسلمانوں کی نمائندہ نہیں[۱]۔ بنابریں کانگرس نے نیشلسٹ مسلمانوں کے عبوری حکومت میں لئے جانے پر بہت زور دینا شروع کر دیا۔ اور اپنا نقطہ نظر یہ پیش کئے رکھا کہ اگر پانچ مسلمان ممبران کونسل ہوں تو اس میں سے دو غیر لیگی قوم پرست (کانگرسی یا کانگرس نواز) مسلمان ضرور ہونے چاہئیں۔

کانگرس کے علاوہ خود لارڈ ویول نے بھی اصرار کیا کہ مسلم لیگ کو پنجاب کے مسلمانوں کے نمائندہ کے طور پر ملک خضر حیات خاں کا ایک آدمی ضرور لینا پڑے گا۔ مگر یہ امر چونکہ مسلم لیگ کی جڑ پر کلہاڑا چلانے بلکہ اس کو اپنے ہاتھوں قبر میں اُتارنے کے مترادف تھا۔ اس لئے قائداعظم نے ایگزیکٹو کونسل کے لئے اپنے امیدواروں کی فہرست وائسرائے کو دینے سے صاف انکار کر دیا[۲] اور مطالبہ کیا کہ یا تو مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کیا جائے یا ملک میں انتخابات کرا کے مسلم لیگ کی نمائندہ حیثیت کا فیصلہ کر لیا جائے جس کا جواب وائسرائے نے کانفرنس کے دوران تو یہ دیا کہ عام انتخابات کرنے کا اختیار لیڈروں کی کانفرنس کو دے دیا گیا ہے۔ نئی گورنمنٹ چاہے تو ایسا کر سکے گی۔ اس کے کام میں رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی[۳]۔ مگر بعد ازاں لارڈ ویول نے ۱۹ ستمبر ۱۹۴۵ء کو نئی برطانوی مزدور حکومت سے لندن جا کر صلاح مشورہ کرنے کے بعد اعلان کر دیا کہ مرکزی اور صوبائی مجالس آئین ساز کے انتخابات جلد عمل میں لائے جائیں گے۔ ان انتخابات کے بعد ہندوستان کا مستقل دستور تیار کرنے کے لئے دستور ساز اسمبلی کے ارکان کا انتخاب ہوگا۔

قائداعظم محمد علی جناح کا پیغام مسلمانانِ ہند کے نام

اس اعلان پر مسلم لیگ کے صدر قائداعظم محمد علی جناح نے کوئٹہ میں مسلمانانِ ہند کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

"ہمارے پیش نظر اہم مسئلہ آئندہ انتخابات کا ہے۔ موجودہ حالات میں انتخابات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انتخابات ہمارے لئے ایک آزمائش کی صورت رکھتے ہیں۔ . . . . . ہم رائے دہندگان کی اس امر کے بارے میں رائے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ **پاکستان** چاہتے ہیں یا ہندو راج کے ماتحت رہنا چاہتے ہیں۔ . . . مجھے معلوم ہے کہ

---

[۱] "قائداعظم اور دستور ساز اسمبلی" مصنفہ محمد اشرف خاں عطاؔ مدیر معاون "زمیندار" اشاعت منزل پل روڈ لاہور صفحہ ۱۵۲۔

[۲] "الفضل" ۱۷ وفا/جولائی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۸۔

[۳] " " ۱۲ " " " " ۔

ہمارے خلاف بعض طاقتیں کام کر رہی ہیں اور کانگرس ارادہ کئے بیٹھی ہے کہ ہماری صفوں کو ان مسلمانوں کی امداد سے پریشان کر دیا جائے جو ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ وہ مسلمان ہمارے ساتھ نہیں ہیں بلکہ ہمارے دشمنوں کے ساتھ ہیں۔ یہ مسلمان ہمارے خلاف مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے کام میں بطور آلہ کار استعمال کئے جا رہے ہیں۔ یہ مسلمان سدھائے ہوئے پرندے ہیں۔ یہ صرف شکل و صورت کے اعتبار سے ہی مسلمان ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کانگرس کے پاس دولت کے وسیع خزانے ہیں۔ اُن کے پاس مضبوط تنظیم اور پریس ہے مگر حق ہمارے ساتھ ہے۔ اگر خدائے عزّوجل نے ہماری اعانت کی تو ہم انشاء اللہ تعالےٰ کامیاب ہوں گے" [1]

فصل سوم

جماعت احمدیہ کی طرف سے مرکزی اور صوبائی انتخابات میں آل انڈیا مُسلم لیگ کی پُرجوش حمایت اور عدیم النظیر تعاون اور پراپیگنڈا ـــ ہندوؤں کی برہمی اور مُسلم زعماء کا شاندار خراج تحسین

۲۵-۱۳۲۴ ہش (۴۶-۱۹۴۵ء) کا معرکہ انتخاب تحریک پاکستان کا اہم ترین سنگ میل تھا جس میں جماعت احمدیہ نے اپنے مقدس امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی زیر قیادت مسلم لیگ کی زبردست تائید و حمایت کر کے قیام پاکستان کی منزل کو قریب تر لانے میں نمایاں اور تاریخی رول ادا کیا۔

حضرت امیر المومنین کی طرف سے آئندہ الیکشن میں جماعتی پالیسی کا واضح اعلان

قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانان ہند سے انتخابات میں مُسلم لیگ کو کامیاب بنانے کی جو تحریک کوئٹہ میں فرمائی اس کی تائید میں سب سے پہلی اور پُرزور اور ملک گیر آواز قادیان سے

---

[1] اخبار "انقلاب" لاہور ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۸ ۔

بلند ہوئی۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود نے ۲۱؍اکتوبر ۱۹۴۵ء کو "آئندہ الیکشنوں کے متعلق جماعت احمدیہ کی پالیسی" کے عنوان پر ایک مفصّل مضمون لکھا جو "الفضل" کی ۲۲؍اکتوبر ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں شائع کر دیا گیا۔ اس حقیقت افروز مضمون میں حضور نے نہایت واشگاف الفاظ میں مسلم لیگ کے موقف کا مدلّل اور محکم ہونا ثابت کرنے کے بعد ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہزاروں احمدیوں کو قطعی ارشاد فرمایا کہ وہ آئندہ آنے والے انتخابات میں مسلم لیگ[1] کی پالیسی کی ایسی پُرزور حمایت کریں کہ مسلم لیگ الیکشن کے بعد ڈٹ کر یہ اعلان کر سکے کہ مُسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد سیاسی نمائندہ جماعت ہے۔ چنانچہ آپ نے تحریر فرمایا:۔

"جیسا کہ احباب کو معلوم ہے تھوڑے ہی دنوں میں تمام ہندوستان میں اوّل تو ہندوستان کی دو کونسلوں کے ممبروں کے انتخاب کی مہم شروع ہونے والی ہے اور اس کے بعد صوبجاتی انتخابات

---

[1] یہاں ضمناً یہ بتانا بھی مناسب ہوگا کہ اگرچہ جماعت احمدیہ کانگرس کے مقابل آل انڈیا سوال پر ہمیشہ مسلم لیگ ہی کی مؤید رہی تھی اور اسی کا پراپیگنڈا کرتی تھی۔ مگر اُن دنوں پنجاب مسلم لیگ پر بعض ایسے ارکان کا قبضہ ہو گیا تھا جو احمدیوں کو من حیث الجماعت مسلم لیگ میں شامل ہونے کی اجازت تک دینے کے لئے تیار نہ تھے اور جن کا رویہ جماعت احمدیہ کی نسبت حد درجہ اشتعال انگیز تھا۔ حتیٰ کہ لاہور مسلم لیگ کے بعض پبلک جلسوں میں جماعت احمدیہ کے خلاف سخت زہر اُگلا جا رہا تھا۔ مگر یہ بات صرف صوبہ پنجاب کی حد تک محدود تھی۔ جہانتک مسلم لیگ کی مرکزی قیادت کا تعلق ہے وہ احمدیوں سے ہم آہنگ تھی۔ چنانچہ یہ مشہور واقعہ ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور ۳۰؍جولائی ۱۹۴۴ء میں مولوی عبدالحامد صاحب بدایونی نے ایک قرارداد پیش کرنا چاہی جس کا مقصد یہ تھا کہ قادیانیوں کو مسلم لیگ کی رکنیت سے خارج کر دیا جائے کیونکہ یہ لوگ باتفاق علماء دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے یہ قرارداد پیش کرنے کی قطعاً اجازت نہ دی ("زمیندار" ۱۱؍شعبان ۱۳۶۳ھ مطابق یکم اگست ۱۹۴۴ء بحوالہ پمفلٹ "مسلم لیگ کے شاندار اسلامی کارنامے" مرتبہ جمعیۃ علماء صوبہ دھلی شائع کنندہ سید انظار الدین قاسمی)

قائداعظم کے اس جرأت مندانہ اقدام پر ہندو پریس نے بہت غوغا مچایا۔ چنانچہ "پرتاپ" (۲؍اگست ۱۹۴۵ء) نے لکھا "گویا بطور مصلحت کم از کم کچھ عرصہ کے لئے غیر مسلم بھی مسلم لیگ میں رہ سکتے ہیں۔ اسلام کو پولیٹیکل مصلحتوں کے ماتحت کر دیا گیا ہے اور لطف یہ ہے کہ اسلام کے بڑے بڑے مولاناؤں کو بھی اس کے خلاف آواز اُٹھانے کی جرأت نہیں" اسی طرح اخبار "ویر بھارت" (۴؍اگست ۱۹۴۵ء) نے طنز کی کہ "قائداعظم ٹھہرے نئی روشنی کے آدمی! ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت محمد صاحب کے سوائے کسی دوسرے شخص کو پیغمبر ماننے والے مسلمان کیوں نہیں رہتے۔ مسلمان تو تب نہ رہیں جب وہ مسٹر جناح کو اپنا قائداعظم اور مسلم لیگ کو اپنی نمائندہ جماعت نہ مانیں۔ . . . . . مرنے کے بعد کوئی پیغمبر اسلام کے پاس جائے یا خلیفہ قادیان کے پاس مسٹر جناح اس سے خواہ مخواہ جھگڑا کیوں کریں۔ قادیانی مسلم لیگ میں شامل رہے تو فائدہ ہی ہے۔ مسٹر جناح کو قیامت کے روز رسول خدا کی سفارش کے علاوہ بہشت میں داخل ہونے کے لئے قادیانی نبی کا پاسپورٹ بھی مل جائے گا" اس تمسخر و استہزاء کے علاوہ جس کا مقصد تحریک پاکستان کو نقصان پہنچانے کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایک ہندو اخبار "آریہ گزٹ" (۲۷؍اگست ۱۹۴۴ء) نے اس کا پس منظر بیان کرتے ہوئے یہ فسانہ بھی تراشا کہ کشمیر کے بعض احمدی کارکنوں نے مسٹر جناح کو مسلم لیگ اور پاکستان

شروع ہونے والے ہیں۔ میری اور جماعت احمدیہ کی پالیسی شروع سے یہ رہی ہے کہ مسلمانوں ہندوؤں اور سکھوں اور دوسری اقوام میں کوئی باعزت سمجھوتہ ہو جائے اور ملک میں محبت اور پیار اور تعاون کی رُوح کام کرنے لگے۔ مگر افسوس کہ اس وقت تک ہم اس غرض میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

شملہ کانفرنس ایک نادر موقعہ تھا مگر اسے بھی کھو دیا گیا اور بعض لوگوں نے ذاتی رنجشوں اور اغراض کو مقدم کرتے ہوئے ایسے سوال پیدا کر دیئے کہ ملک کی آزادی کئی سال پیچھے جا پڑی اور چالیس کروڑ ہندوستانی آزادی کے دروازہ پر پہنچ کر پھر غلامی کے گڑھے کی طرف دھکیل دیئے گئے۔ اِنّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

جہانتک میں نے خیال کیا ہے اصل سوال ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات کا ہے میرا مطلب یہ نہیں کہ دوسری اقوام کے مفاد نظرانداز کئے جا سکتے ہیں۔ بلکہ میرا یہ مطلب ہے کہ دوسری اقوام کے مفاد اس جھگڑے کے طے ہو جانے پر نسبتاً سہولت سے طے ہو سکتے ہیں۔ سب سے مشکل سوال ہندو مُسلم سمجھوتے کا ہی ہے اور یہ سوال پاکستان اور اکھنڈ ہندوستان کے مسائل سے بہت پہلے کا ہے۔ اصل مسائل وہی ہیں جنہوں نے مسلمانوں کا ذہن پاکستان کی طرف پھیرا ہے اور اکھنڈ ہندوستان کے خیالات کے محرک بھی وہی مسائل ہیں جو اس سے پہلے مسلمانوں کے مطالبات کو ردّ کرانے کا موجب رہے ہیں۔ کسی شاعر نے جو کچھ اس شعر میں کہا ہے کہ ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من اندازِ قدت را مے شناسم

وہی حال اس وقت پاکستان اور اکھنڈ ہندوستان کے دعووں کا ہے۔ پس اگر کسی طرح ہندو اور مسلمان قریب لائے جا سکیں تو پاکستان اور اکھنڈ ہندوستان کا آپس میں قریب ہونا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- کی حمایت کا یقین دلایا ہے بشرطیکہ " وہ پاکستان میں احمدیوں کے کعبہ کو ایک خود مختار صوبہ تسلیم کرلیں۔ اور اس صوبہ کی اسلامی پنجاب میں وہی حیثیت ہو جو اٹلی میں پوپ کے دارالخلافہ ویٹیکن کی ہے۔ انہوں نے قادیان میں مطبوعہ مجوزہ قادیان سٹیٹ کا ایک نقشہ بھی مسٹر جناح کے سامنے پیش کیا جس میں دریائے بیاس سے لے کر پوری بٹالہ تحصیل اور گورداسپور تحصیل کا بڑا حصہ دکھایا گیا۔ مسٹر جناح سے کہا گیا کہ قادیان سٹیٹ کا سرکاری مذہب احمدی ہوگا اور خلیفہ قادیان اس کے مذہبی پیشوا اور بحیثیت عہدہ گورنر ہوں گے "

بھی مشکل نہ ہوگا۔ ورنہ پاکستان یا اکھنڈ ہندوستان ہوں یا نہ ہوں، پاکھنڈ ہندوستان بننے میں تو کوئی شُبہ ہی نہیں۔

اس ہندو مسلمان سمجھوتے کی ممکن صورت یہی ہو سکتی تھی کہ ایک جماعت مسلمانوں کی اکثریت کی نمائندہ ہو اور ایک جماعت ہندوؤں کی اکثریت کی نمائندہ ہو یا ہندوؤں کی اکثریت کی نمائندہ تو نہ ہو یا ایسا کہلانا پسند نہ کرتی ہو مگر اکثر ہندوؤں کی طرف سے سمجھوتہ کرنے کی قابلیت رکھتی ہو اور یہ دونوں جماعتیں مل کر آپس میں فیصلہ کرلیں۔ شملہ میں ایسا موقعہ پیدا ہو گیا تھا۔ مُسلمانوں کی طرف سے مسلم لیگ اور ہندوؤں کے جذبات کی نمائندگی کے لئے کانگرس، یہ دونوں پارٹیاں ایک مجلس میں جمع ہو گئی تھیں۔

کانگرس کا دعویٰ ہے کہ وہ سب اقوام کے حقوق کی محافظ ہے اور ہم اس دعویٰ کو رد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کرتے۔ مگر باوجود اس کے کانگرس اس امر کا انکار نہیں کر سکتی کہ جو مسلمان یا سکھ یا عیسائی کانگرس میں شامل ہیں، وہ مسلمانوں یا سکھوں یا عیسائیوں کی اکثریت کے نمائندے نہیں ہیں۔ پس کانگرس اگر یہ دعویٰ کرے کہ ہم جو کچھ سوچتے ہیں سارے ملک کی بہتری کے لئے سوچتے ہیں یا ہم جو سکیم بناتے ہیں اس میں اسی طرح سکھوں عیسائیوں اور مسلمانوں کا خیال رکھتے ہیں جس طرح ہندوؤں کا خیال رکھتے ہیں تو ہم اس دعویٰ کو بحث ختم کرنے کے لئے سچا تسلیم کر لینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن کسی شخص کا کسی دوسرے شخص کے مفاد کو دیانتداری سے ادا کر دینا یا ایسا کرنے کا دعویدار ہونا اسے اس کی نیابت کا حق نہیں دے دیتا۔ کیا کوئی وکیل کسی عدالت میں اس دعویٰ کے ساتھ پیش ہو سکتا ہے کہ مدعی یا مدعیٰ علیہ کے مقرر کردہ وکیل سے زیادہ سمجھ اور دیانت داری سے میں اس کے حقوق پیش کر سکوں گا۔ کیا کوئی عدالت اس وکیل کے ایسے دعویٰ کو باوجود سچا سمجھنے کے قبول کر سکے گی اور کیا اس قسم کی اجازت کی موجودگی میں ڈیموکریسی ڈیموکریسی کہلا سکتی ہے ؟

ڈیموکریسی یا جمہوریت کے اصول کے لحاظ سے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کسی جماعت کی نمائندگی کرنے کا کون اہل ہے۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس جماعت کی اکثریت کس کو اپنا نمائندہ قرار دیتی ہے۔

ان حالات میں کانگرس کو ہندوؤں کے سوا تمام دوسری اقوام کا نمائندہ اسی صورت میں قرار دیا جاسکتا ہے اگر ان اقوام کے اکثر افراد کانگرس میں شامل ہوں۔ جہانتک ہمارا علم ہے کانگرس میں ہندو قوم کی اکثریت کے نمائندے تو ہیں لیکن مسلمانوں سکھوں یا عیسائیوں کی اکثریت کے نمائندے نہیں ہیں۔ اس لئے خواہ کانگرس مسلمانوں، سکھوں اور عیسائیوں کے حقوق کی سکیم مسلمانوں، سکھوں یا عیسائیوں کے نمائندوں سے بہتر تجویز کر سکے، جمہوری اصول کے مطابق مسلمانوں، سکھوں اور عیسائیوں کی نمائندہ نہیں بن سکتی۔ لیکن باوجود غیر جانبدار اور ملکی تحریک ہونے کے ہندوؤں کی نمائندگی کر سکتی ہے کیونکہ ہندوؤں کی اکثریت اسے تسلیم کر چکی ہے۔

جب حالات یہ ہیں تو عقلاً اور جمہوری اصول کے مطابق قطع نظر اس کے کہ کانگرس کی سکیم مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے متعلق بہتر ہے یا مُسلم لیگ کی ——— مُسلم لیگ کی سکیم ہی کو مسلمانوں کی پیش کردہ سکیم سمجھا جائے گا اور کانگرس کو میدان چھوڑ کر ہندو مسلم سمجھوتے کے لئے ہندو مہاسبھا اور مسلم لیگ کو باہمی سمجھوتے کی دعوت دینی ہوگی یا پھر خود ہندو اکثریت کی نیابت میں مسلم لیگ سے سمجھوتہ کرنا ہوگا۔ اس کے سوا اور کوئی معقول صورت نہیں ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ اگر کانگرس مسلمانوں کی اکثریت کی نمائندہ نہیں ہے تو مُسلم لیگ کے نمائندہ ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مُسلم لیگ کو نمائندہ قرار دینے کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ گاندھی جی ایک طرف اور وائسرائے ہند دوسری طرف اُسے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت سمجھ کر اس سے اسلامی حقوق کے بارہ میں گفت و شنید کے لئے تیار ہو چکے تھے مُسلم لیگ نمائندہ ہے یا نہیں ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اب کانگرس اور گورنمنٹ اس کے سوا کوئی دوسرا نظریہ اختیار نہیں کر سکتی۔ اگر مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ نہیں ہے تو کیا وہ مُسلمانوں کے حقوق کا ایک غیر نمائندہ جماعت کے ساتھ تصفیہ کر کے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی فکر میں تھے۔

لیکن فرض کرو مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ نہیں تو پھر کون مسلمانوں کا نمائندہ ہے؟ کیا آزاد مسلمان کانفرنس، کیا احرار، کیا کوئی اور جماعت جو صرف اسلامی نام کا لیبل اپنے اوپر چسپاں کئے ہوئے ہے؟ اگر ان میں سے کوئی ایک یا سب کی سب مل کر مسلمانوں کی نمائندہ ہیں تو کیا کونسلوں میں ان لوگوں کی کثرت ہے؟ مرکزی کونسلوں میں مُسلم لیگ کے مقابل یہاں کی: کس انتخابات اور صوبوں کی کونسلوں میں

اُن کی تعداد کیا ہے؟ جہانتک مجھے علم ہے صوبہ جاتی کونسلوں میں بھی اور مرکزی کونسلوں میں بھی غیر لیگی ممبروں کی تعداد لیگی ممبروں سے بہت کم ہے۔ اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ مرکزی کونسلوں میں غیر لیگی ممبروں کی نسبت صوبہ جاتی نسبت سے بھی کم ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ صوبہ جاتی کونسلوں میں غیر لیگی ممبروں کی نسبتی زیادتی مقامی مناقشات اور رقابتوں کی وجہ سے ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ انہی ووٹروں نے صوبہ جات میں ایک پالیسی کے حق میں ووٹ دیئے اور مرکز کے لئے نمائندے بھجواتے ہوئے دوسری پالیسی کے حق میں ووٹ دیئے۔ پھر مثلاً پنجاب ہے۔ اس میں یونینسٹ ممبر اصولاً اپنے آپ کو مسلم لیگ کے حق میں قرار دیتے ہیں اور پاکستان کی علی الاعلان تائید کرتے ہیں۔ پس ہر یونینسٹ ہندو مسلم سمجھوتے کے سوال کے لحاظ سے درحقیقت مُسلم لیگی ہے بلکہ وہ تو اس امر کا مدعی ہے کہ مجھے ذاتی رنجشوں کی وجہ سے ایک طبقہ نے باہر کر دیا ہے ورنہ میں تو پہلے بھی مُسلم لیگی تھا اور اب بھی مُسلم لیگی ہوں۔ ان حالات میں صوبہ جاتی غیر لیگی ممبروں کی تعداد مُسلم لیگی ممبروں کے مقابل پر اور بھی کم ہو جاتی ہے۔ غرض جس نقطہ نگاہ سے بھی دیکھیں اس وقت مسلمانانِ ہند کی اکثریت مُسلم لیگ کے حق میں ہے۔ کانگرس، گورنمنٹ اور پبلک ووٹ سب کی شہادت اس بارہ میں موجود ہے۔ اور ان حالات میں اگر ہندوستان میں صلح کی پائدار بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ تو مُسلم لیگ اور کانگرس کے سمجھوتے سے ہی رکھی جا سکتی ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ باوجود اس کے شملہ کانفرنس کی ناکامی سے بددل ہو کر کانگرس نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ اب وہ مُسلم لیگ سے گفتگو نہیں کرے گی بلکہ براہ راست مسلمانوں کی اکثریت سے خطاب کرے گی۔ عام حالات میں تو یہ کوئی معیوب بات نہیں۔ اگر کانگرس شروع سے ہی اس نظریہ پر کاربند ہوتی تو کم سے کم میں اسے بالکل حق بجانب سمجھتا۔ لیکن اب جبکہ مسلمان ایک متحدہ محاذ قائم کر چکے ہیں کانگرس کا یہ فیصلہ ان لوگوں کے لئے بھی تکلیف دہ ثابت ہوا ہے جو اس وقت تک کانگرس سے ہمدردی رکھتے تھے۔ مجھے کانگرس سے اختلاف ہے اور بہت سخت اختلاف ہے۔ مگر میں اس امر کا ہمیشہ قائل رہا ہوں کہ ہندو مُسلم اتحاد کی بنیاد ہندوؤں کی طرف سے کانگرس کے ذریعہ سے ہی پڑ سکے گی اور اس اتحاد کی آرزو میں شملہ کانفرنس کے ایام میں مجھے شکوہ مسلمان نمائندوں سے ہی پیدا ہوتا رہا ہے اور بار بار میرے دل

میں یہ خیالات پیدا ہوتے تھے کہ چالیس کروڑ انسانوں کی آزادی کے لئے اگر مسلمان اپنے کچھ اَور حق چھوڑ دیں تو کیا ہرج ہے۔ لیکن کانگرس کے اس اعلان نے کہ اب وہ مُسلم لیگ سے بات نہیں کرے گی بلکہ مُسلم افراد سے خطاب کرے گی میرے جذبات کو بالکل بدل دیا اور مَیں نے محسوس کیا کہ جو لوگ دروازہ سے داخل ہونے میں ناکام رہے ہیں اب وہ سرنگ لگا کر داخل ہونا چاہتے ہیں اور اس کے معنے مُسلم لیگ کی تباہی نہیں بلکہ مُسلم کیریکٹر اور مُسلم قوم کی تباہی ہے۔ پس اسی وقت سے مَیں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جب تک یہ صورت حالات نہ بدلے ہمیں مُسلم لیگ یا مُسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہیئے۔ گو ہم دل سے پہلے بھی ایسے اکھنڈ ہندوستان ہی کے قائل تھے جس میں مسلمان کا پاکستان اور ہندو کا ہندوستان برضاء و رغبت شامل ہوں اور اب بھی ہمارا یہی عقیدہ ہے بلکہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ ساری دنیا کی ایک حکومت قائم ہو تا باہمی فسادات دُور ہوں اور انسانیت بھی اپنے جوہر دکھانے کے قابل ہو مگر ہم اس کو آزاد قوموں کی آزاد رائے کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں جبر اور زور سے کمزور کو اپنے ساتھ ملانے سے یہ مقصد نہ دُنیا کے بارہ میں پُورا ہو سکتا ہے اور نہ ہندوستان اس طرح اکھنڈ ہندوستان بن سکتا ہے۔

مَیں نے یہ امور اس لئے بیان کئے ہیں تا ہماری جماعت اور ہندوستان کی دوسری جماعتیں میری اس رائے کو بخوبی سمجھ سکیں جو مَیں آئندہ انتخابات کے متعلق دینے والا ہوں

جو صورت حالات مَیں نے اوپر بیان کی ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے مَیں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آئندہ الیکشنوں میں ہر احمدی کو مُسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہیئے تا انتخابات کے بعد مُسلم لیگ بلا خوف تردید کانگرس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مُسلمانوں کی نمائندہ ہے۔ اگر ہم اور دوسری مسلمان جماعتیں ایسا نہ کریں گی تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہو جائے گی اور ہندوستان کے آئندہ نظام میں ان کی آواز بے اثر ثابت ہوگی اور ایسا سیاسی اور اقتصادی دھکا مسلمانوں کو لگے گا کہ اور چالیس پچاس سال تک ان کا سنبھلنا مشکل ہو جائے گا اور مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی عقلمند آدمی اس حالت کی ذمہ داری اپنے پر لینے کو تیار ہو"[۱]

---

[۱] "الفضل" ۲۲ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۱۔

حضرت مصلح موعود نے جماعت احمدیہ کو انتخابات کے میدان میں مُسلم لیگ کی پُرزور حمایت کرنے کا ارشاد فرمانے کے بعد مزید لکھا کہ

"میں اس اعلان کے ذریعہ . . . . تمام صوبہ جاتؔ[1] کے احمدیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر پُورے زور اور قوت کے ساتھ آئندہ انتخابات میں مُسلم لیگ کی مدد کریں اس طرح کہ

(۱) جس قدر احمدیوں کے ووٹ ہیں وہ اپنے حلقہ کے مسلم لیگی امیدوار کو دیں۔

(۲) میرا تجربہ ہے کہ احمدیوں کی نیکی اور تقویٰ اور سچائی کی وجہ سے بہت سے غیر احمدی بھی ان کے کہنے پر ووٹ دیتے ہیں۔ پس میری خواہش یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ . . . . تمام احمدی اپنے ووٹ مُسلم لیگ کو دیں بلکہ جو لوگ ان کے زیر اثر ہیں ان کے ووٹ بھی مسلم لیگ کے امیدواروں کو دلائیں۔

(۳) ہماری جماعت چونکہ اعلیٰ درجہ کی منظم ہے اور قربانی اور ایثار کا مادہ ان میں پایا جاتا ہے اور جب وہ عزم سے کام کرتے ہیں تو حیرت انگیز طور پر دلوں کو ہلا دیتے ہیں، ہر احمدی سے یہ بھی خواہش کرتا ہوں کہ وہ اپنے حلقہ اثر سے باہر جا کر اپنے علاقہ کے ہر مسلمان کو اس وقت مُسلم لیگ کے حق میں ووٹ دینے کی تلقین کرے اور اس قدر زور لگائے کہ اس کے حلقہ اثر میں مُسلم لیگ امیدوار کی کامیابی یقینی ہو جائے۔

مَیں امید کرتا ہوں کہ احمدی جماعت کے تمام افراد کیا مرد اور کیا عورتیں، مرد مَردوں تک پہنچ کر اور عورتیں عورتوں کے پاس جا کر اُن کے خیالات درست کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور اس امر کو اس قدر اہم سمجھیں گے کہ تمام جگہوں پر مُسلم لیگ کے کارکنوں کو یہ محسوس ہو جائے کہ

---

[1] حضور نے پنجاب کے متعلق (جہاں بعض احمدی بھی بطور امیدوار کھڑے ہو رہے تھے) یہ فیصلہ فرمایا کہ یہاں اگر کوئی احمدی کھڑا ہونا چاہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ مسلم لیگ کا ٹکٹ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اگر وہ ٹکٹ حاصل نہ کر سکے۔ اور وہ سمجھے کہ احمدی ووٹ یا اس کی قوم کا ووٹ زیادہ ہے اور اس کا جائز حق دینے سے انکار کیا جا رہا ہے تو اسے اجازت ہے کہ وہ یہ اعلان کر کے ممبری کے لئے کھڑا ہو جائے کہ مَیں پالیسی کے لحاظ سے مسلم لیگ سے متفق ہوں مگر مجبوراً آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو رہا ہوں ("الفضل" ۲۲ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۲)

اس موقعہ پر حضرت سیدنا المصلح الموعود نے پنجاب میں مسلم لیگ کو یہاں تک پیشکش کر دی تھی کہ اگر وہ یہ فیصلہ قطعی طور پر کر دے کہ مسلم لیگ میں احمدی شامل ہو سکتے ہیں اور اسی طرح ان کے حقوق ہوں گے جس طرح دوسرے لوگوں کے ہیں تو آپ سب احمدی امیدواروں کو بٹھا دیں گے۔ مگر افسوس انہوں نے نیشلسٹ مسلمانوں سے ڈر کر اس فیصلہ کی جُرأت نہ کی گو فرداً فرداً دو درجن سے زیادہ مسلم لیگی نمائندوں نے اور بعض ضلع لیگوں نے جماعت احمدیہ سے مدد طلب کی اور جماعت نے ان سے بھرپور تعاون کیا اور وہ خدا کے فضل سے ووٹوں کی بھاری تعداد سے کامیاب ہو گئے ("الفضل" یکم تبلیغ / فروری ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۱)

گویا احمدی یہ سمجھ رہے ہیں کہ مسلم لیگ کا امیدوار کھڑا نہیں ہوا کوئی احمدی امیدوار کھڑا ہوا ہے۔ اور اس کام میں مقامی مسلم لیگ کے ساتھ پوری طرح تعاون کریں گے اور جائز ہوگا کہ وہ اس کے ممبر ہو جائیں اگر ان کے نزدیک اور مسلم لیگ کے کارکنوں کے نزدیک ان کا شامل ہونا وہاں کے حالات کے لحاظ سے باہر رہنے سے زیادہ مفید ہو۔ جماعت کی تعداد اور اس کے رسوخ کے لحاظ سے سندھ، صوبہ سرحد، یوپی، بنگال اور بہار میں احمدی جماعتیں خوب اچھا کام کر سکتی ہیں۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس موقعہ پر بھی اپنے روایتی ایثار اور قربانی کا نمایاں ثبوت مہیا کریں گی "[۵]

مسلم لیگ کے مورخ اور حضرت مصلح موعود کا اہم بیان

مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے صف اول کے مورخین نے حضرت مصلح موعود کے اس اہم بیان کو خاص اہمیت دی ہے چنانچہ خالد اختر افغانی نے ۱۹۴۶ء میں "حالات قائداعظم محمد علی جناح" کے نام سے ایک اہم کتاب لکھی جو علمیہ بکڈپو بھنڈی بازار بمبئی ۳ نے شائع کی۔ اس کتاب کے صفحہ ۳۱۴ و ۳۱۵ پر اس بیان کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح برصغیر کے نامور ادیب اور مسلم لیگ کے مستند اور شہرۂ آفاق مورخ جناب رئیس احمد جعفری نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "حیات محمد علی جناح" (جو بعد کو "قائداعظم اور ان کا عہد" کے نام سے بھی شائع ہوئی) میں "اصحاب قادیان اور پاکستان" کے زیر عنوان لکھا:-

"اب ایک اور دوسرے بہت بڑے فرقہ، اصحاب قادیان کا مسلک اور رویہ پاکستان کے بارے میں پیش کیا جاتا ہے۔ حقائق ذیل سے اندازہ ہو جائے گا کہ اصحاب قادیان کی دونوں جماعتیں یعنی احمدیہ اور قادیانی مسلم لیگ کی مرکزیت، پاکستان کی افادیت اور مسٹر جناح کی سیاسی قیادت کی معترف اور مداح ہیں۔

جماعت احمدیہ (لاہور) کے امیر جناب مولانا محمد علی صاحب (جن کا مشہور انگریزی ترجمہ قرآن عالمگیر شہرت کا حامل ہے) نے ۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو متعدد اردو روزناموں کو حسب ذیل تار ارسال فرمایا:-

"آئندہ انتخابات میں جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والے تمام اصحاب مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیں اور ان کی ہر ممکن مدد کریں۔ کیونکہ موجودہ وقت بہت نازک ہے اور اگر مسلم لیگ کو

---

[۵] "الفضل" ۲۲ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۲

شکست ہو گئی تو مدتوں کے لئے مسلمانوں کی قسمت تاریک ہو جائے گی"

مرزا محمود احمد صاحب کا بیان

قادیانی گروہ کے امام جماعت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو ایک طویل بیان اس سلسلہ میں شائع فرمایا جس کے جستہ جستہ حصے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :۔

"کسی شخص کا کسی دوسرے شخص کے مفاد کا دیانت داری سے خیال رکھنا یا ایسا کرنے کا دعویٰ دار ہونا اسے اس کی نیابت کا حق نہیں دے دیتا۔ کیا کوئی وکیل کسی عدالت میں اس دعوے کے ساتھ پیش ہو سکتا ہے کہ میں مدعی یا مدعا علیہ کے وکیل سے زیادہ سمجھ دار ہوں اور دیانت داری سے اس کے حقوق کو پیش کر سکوں گا۔ کیا کوئی عدالت اس وکیل کے ایسے دعوے کو باوجود سچا سمجھنے کے قبول کر سکے گی؟ اور کیا اس قسم کی اجازت کی موجودگی میں ڈیمو کریسی ڈیمو کریسی کہلا سکتی ہے؟"

آگے چل کر موصوف فرماتے ہیں :۔

"کانگرس کے اس اعلان نے کہ اب وہ مسلم لیگ سے بات نہیں کرے گی بلکہ مسلمان افراد سے خطاب کرے گی، میرے جذبات کو بالکل بدل دیا اور میں نے محسوس کیا کہ جو لوگ دروازہ سے داخل ہونے میں ناکام رہے ہیں اب وہ سرنگ لگا کر داخل ہونا چاہتے ہیں اور اس کے معنی مسلم لیگ کی تباہی کے نہیں بلکہ مسلم کیریکٹر اور مسلم قوم کی تباہی ہے۔ بس اسی وقت سے میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جب تک یہ صورت حالات نہ بدلے ہمیں مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہیئے"

جناب موصوف اپنی جماعت کے اصحاب کو ہدایت دیتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"آئندہ انتخابات میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہیئے۔ تاکہ انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلا خوف تردید کانگرس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔ اگر ہم اور دوسری جماعتیں ایسا نہ کریں گی تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہو جائے گی اور ہندوستان کے آئندہ نظام میں ان کی آواز بے اثر ثابت ہو گی اور ایسا سیاسی اور اقتصادی دھکا مسلمانوں کو لگے گا کہ اور چالیس پچاس سال تک ان کا سنبھلنا مشکل ہو جائے گا اور میں نہیں کہہ سکتا کہ کوئی عقلمند آدمی اس حالت کی ذمہ داری اپنے اوپر لینے کو تیار ہو۔ پس میں اس اعلان کے ذریعہ تمام صوبہ جات کے احمدیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر پورے زور اور قوت کے ساتھ آئندہ انتخابات میں

مُسلم لیگ کی مدد کریں"

یونینسٹوں کے بارہ میں جناب مرزا صاحب نے فرمایا :-

"جب تک یونینسٹ پارٹی اپنی پالیسی کی ایسی وضاحت نہیں دیتی جس سے اس کا مسلم لیگ کی مرکزی پالیسی سے پورا تعاون اور تائید ثابت ہو اور جس کے بعد شملہ کانفرنس والے حالات کا اعادہ ناممکن ہو جائے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ کسی احمدی کو یونینسٹ ٹکٹ پر کھڑا نہیں ہونا چاہیئے"

مُسلم قوم کی مرکزیت، پاکستان، یعنی ایک آزاد اسلامی حکومت کے قیام کی تائید مسلمانوں کے یاس انگیز مستقبل پر تشویش، عامۃ المسلمین کی صلاح و فلاح نجاح و مرام کی کامیابی، تفریق بین المسلمین کے خلاف برہمی اور غصہ کا اظہار کون کر رہا ہے؟ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جماعت حزب اللہ کا داعی اور امام الہند؟ نہیں! پھر کیا جانشین شیخ الہند اور دیوبند کا شیخ الحدیث؟ وہ بھی نہیں! پھر کون؟ وہ لوگ جن کے خلاف "کفر" کے فتووں کا پشتارہ موجود ہے۔ جن کی نامسلمانی کا چرچا گھر گھر ہے۔ جن کا ایمان، جن کا عقیدہ مشکوک مشتبہ اور محلِ نظر ہے۔ کیا خوب کہا ہے ایک شاعر نے

کامل اس فرقۂ زہاد سے اُٹھا نہ کوئی ؎

کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے "[1]

چونکہ تحریک پاکستان کے اعتبار سے اس الیکشن کو ایک فیصلہ کن حیثیت حاصل ہونے والی تھی اس لئے حضور نے اس مفصّل اعلان کے علاوہ نجی ملاقاتوں، پرائیویٹ خطوط کے علاوہ بعض دوسرے بیانات میں بھی احمدیوں کو بار بار مُسلم لیگ کی تائید و حمایت کرنے کا ارشاد فرمایا اور مسلمانوں کی قومی زندگی کے لئے انفرادی طور پر قربانی کرنے کی تاکید فرمائی۔ اس تعلق میں بطور مثال بعض واقعات کا تذکرہ ضروری ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح کی طرف سے حضرت مصلح موعود کے ایک خط کی پریس میں اشاعت

۱۔ محمد سرور صاحب دانی (مالگزار پرداضلع رائے پور) کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی خدمت میں شروع اکتوبر ۱۹۴۵ء میں ایک مکتوب پہنچا جس میں انہوں نے الیکشن کے بارہ میں رہنمائی کے لئے درخواست کی تھی۔ حضرت مصلح موعود نے ان کو تحریر فرمایا کہ مسلم لیگ کی ہر

[1] "قائداعظم اور ان کا عہد" مصنف سید رئیس احمد جعفری (ندوی) صفحہ ۴۲۰ تا ۴۲۲۔

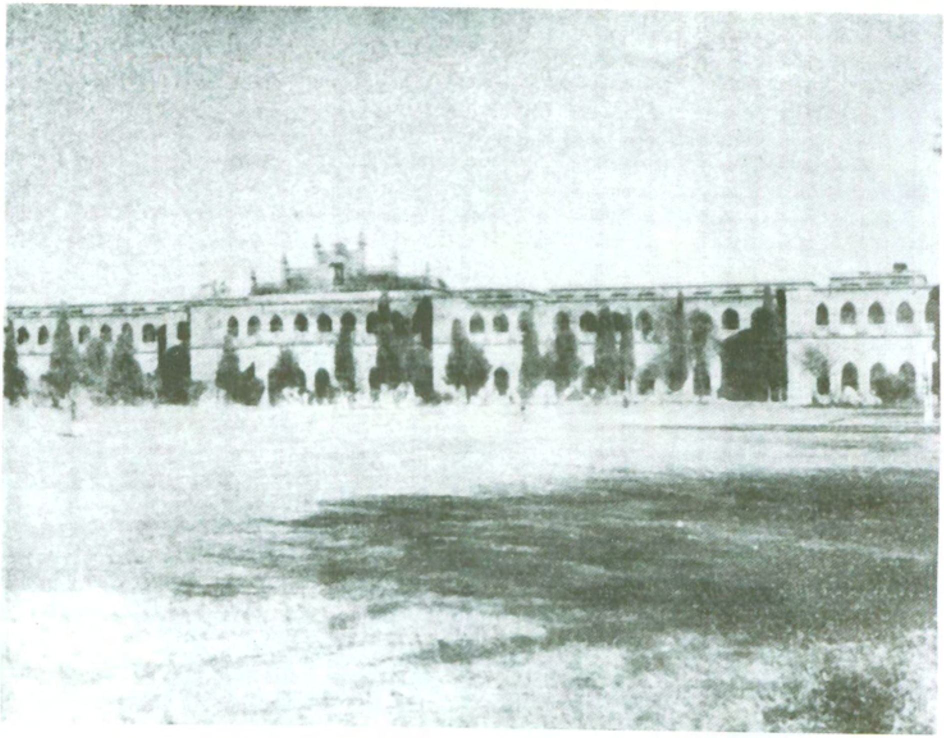

تعلیم الاسلام کالج قادیان کی پرشکوہ اور عالی شان عمارت

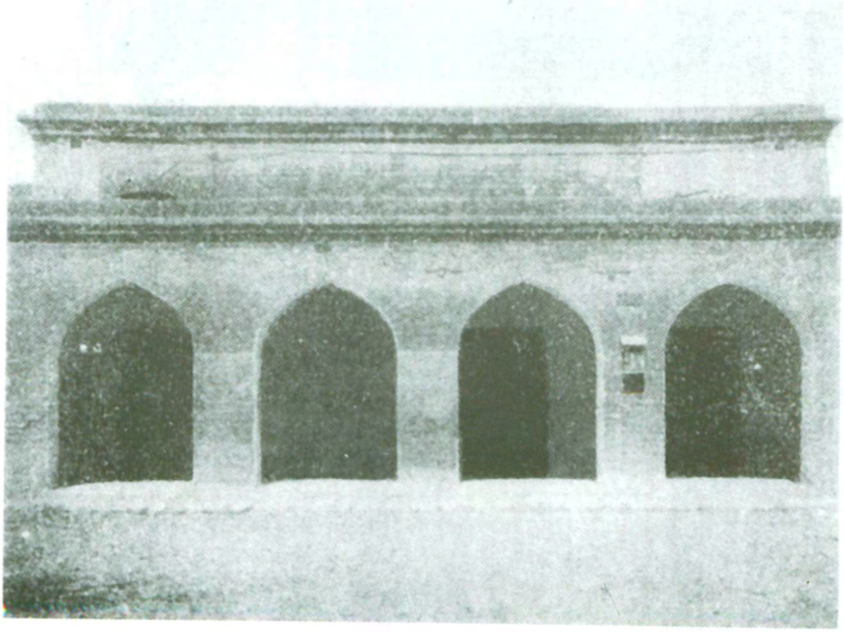

فضل عمر ہوسٹل ۔ قادیان

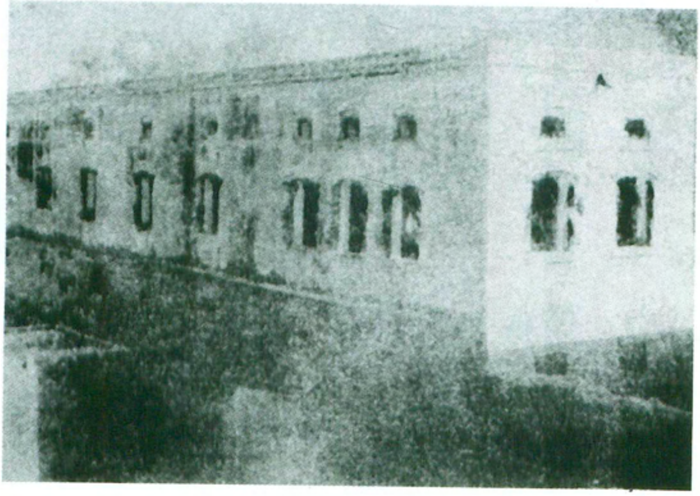

ڈی اے وی کالج لاہور کے کھنڈرات

(جو ۱ شہادت ۱۳۲۷ھش اپریل ۱۹۴۸ءکو تعلیم الاسلام کالج کے لئے الاٹ کئے گئے)

اخبار ''ڈان'' ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۳ء کا عکس

(قائداعظم محمد علی جناح کی طرف سے جماعت احمدیہ قادیان کی مرکزی مراسلت پریس میں)

DELHI, MONDAY, OCTOBER 8, 1945:

AHMADIYA COMMUNITY TO SUPPORT MUSLIM LEAGUE

QADIAN LEADER'S GUIDANCE

QUETTA, Oct. 7.—Mr. M.A. Jinnah has released the following correspondence to the Press:

Letter from the Nazir-ul-Moarifa of the Ahmadiya movement Qadian addressed to Mr. Jinnah:—

Dear Sir I beg to enclose herewith a copy of the letter from Mohd Sarwar Dani of village Malguzar Purda, District Raipur, addressed to Hazrat Amirul Momineen Khalifatul Masih, second head of the Ahmadiya community and the reply thereto for your kind perusal. Yours faithfully."

The text of the letter from Mohd Sarwar Dani referred to above: "We have the honour to make a request and a querry. We are a few Ahmadiyas here in this town and in the present electioneering campaign. We have been approached both by the League and the Congress for contributions and assistance to the respective parties and candidates Kindly guide us whom we should support."

Reply from the head of the Ahmadiya Community "You ought to support Muslim League in the present elections and offer them whatever means of co-operation and assistance you can possibly afford. Muslims do require a united front in the present crisis. Their differences if allowed to exist will affect them adversely for hundreds of years to come"—A P.I

ممکن طریق سے بھرپور مدد کریں۔ مسلمانوں کو موجودہ سیاسی بحران میں ایک متحدہ محاذ کی شدید ضرورت ہے۔ ناظر امور عامہ قادیان نے اس جوابی خط کو جو حضرت مصلح موعود کی طرف سے مسلم لیگ کے الیکشن کے سلسلہ میں اپنے مفصل مضمون کی اشاعت سے بھی قبل لکھا تھا، مسلم لیگ کے صدر قائد اعظم محمد علی جناح کی خدمت میں بھجوا دیا۔ قائد اعظم نے اس جوابی خط کو اس درجہ اہمیت دی کہ اسے اپنی طرف سے پریس میں اشاعت کے لئے دے دیا۔ چنانچہ دہلی کے مسلم لیگی اخبار "ڈان" نے اپنی ۸ اکتوبر ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے حوالہ سے جو خبر شائع کی اس کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

جماعت احمدیہ مسلم لیگ کی حمایت کرے گی

امام جماعت احمدیہ قادیان کی ہدایت

کوئٹہ ۷ اکتوبر۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے درج ذیل خط و کتابت پریس کو بھجوائی ہے۔

ناظر امور عامہ جماعت احمدیہ قادیان کا خط جناح (قائد اعظم) کے نام

جناب عالی!

محمد سرور دانی (MOHAMMAD SARWAR DANI) ساکن مالگزار پردہ (MALGUZAR PURDA) ضلع رائے پور کا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ کی خدمت میں ایک خط اور (حضور کی طرف سے) اس کا جواب آں محترم کے ملاحظہ کے لئے ملفوف ہے۔

آپ کا مخلص

محمد سرور دانی کے متذکرہ بالا خط کا متن :۔

"ہمیں ایک معاملہ میں حضور کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اس قصبہ میں ہم چند ایک احمدی رہتے ہیں۔ موجودہ انتخابی مہم میں مسلم لیگ اور کانگرس دونوں نے ہم سے رابطہ قائم کیا ہے کہ ہم چندوں کے ذریعہ اور دیگر ذرائع سے ان کی پارٹی اور ان کے امیدواروں کی امداد و حمایت کریں۔

ازراہ نوازش ہماری رہنمائی فرمائیں کہ ہمیں کس پارٹی کی حمایت کرنی چاہیئے"

امام جماعت احمدیہ کی طرف سے جواب

"آپ کو موجودہ انتخابات میں مسلم لیگ کی حمایت کرنی چاہیئے۔ جس طرح بھی ممکن ہو مسلم لیگ

سے تعاون کریں اور مُسلم لیگ کی ہر ممکن مدد کریں۔ مسلمانوں کو موجودہ بحران میں ایک متحدہ محاذ کی شدید ضرورت ہے۔

اگر ان کے اختلافات موجود رہے تو صدیوں تک ان کے بُرے اثرات کا خمیازہ بھگتنا پڑیگا"

تحصیل صوابی میں مُسلم لیگ کی تنظیم نو

ان دنوں تحصیل صوابی ضلع مردان (صوبہ سرحد) میں مسلم لیگ جسد بے جان کی طرح ہو چکی تھی حضرت مصلح موعود نے ڈلہوزی میں ڈپٹی تحصیل صوابی کے ایک نہایت سربرآوردہ اور با اثر احمدی صاحبزادہ عبدالحمید خاں کو ملاقات کے دوران ارشاد فرمایا کہ مُسلم لیگ کی تنظیم مضبوط کریں۔ اس ارشاد کی تعمیل میں انہوں نے پورے علاقہ کا دورہ کیا اور مسلم لیگ میں زندگی کی ایک نئی رُوح پھونک ڈالی۔

اس جدوجہد کی تفصیل ایک خط میں ملتی ہے جو انہوں نے حضرت امیرالمومنین کی خدمت میں ۸ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو لکھا۔ اس خط کے جستہ جستہ مقامات درج ذیل ہیں :-

"پیارے امام! ڈلہوزی سے واپسی کے بعد مَیں نے مقامی لوگوں کی تنظیم مسلم لیگ کے ماتحت شروع کر دی ہے۔ تحصیل صوابی میں مُسلم لیگ کا وجود ایک عرصہ سے تھا مگر کوئی باقاعدہ کام نہ تھا۔ مَیں نے اپنے وارڈ میں ایک مجلسِ عاملہ بنائی اور اُن کی ڈیوٹی یہ مقرر کی کہ وہ تمام علاقہ میں پھر کر مُسلم لیگ کی کمیٹیاں بنائے۔ چنانچہ مَیں نے خود اُن کے ساتھ ہو کر تمام علاقہ کا دورہ کیا"

صاحبزادہ عبدالحمید خاں صاحب نے ۷/نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو حضرت امیرالمومنین کی خدمت میں صوبہ سرحد کے حالات و کوائف سے متعلق دوبارہ یہ مفصل اطلاع دی کہ

"حضور کا ارشاد الفضل کے ذریعہ پڑھا تھا۔ اس کے علاوہ مَیں نے حضور سے بالمشافہ ڈلہوزی میں گفتگو کی تھی۔ . . . . . مَیں حضور کے ارشاد سے یہی سمجھا تھا کہ جیسے بھی ہو مُسلم لیگ کے ماتحت لیگ کی پالیسی کو کامیاب کرنے کے لئے کام کیا جاوے۔ چنانچہ جیسا کہ مَیں نے پہلے حضور کی خدمت اقدس میں عرض کیا تھا ڈلہوزی سے واپسی پر مَیں نے مُسلم لیگ کے ماتحت کام شروع کیا اور مقامی مُسلم لیگ کو منظم کیا اور علاقہ کا دَورہ کیا۔ چنانچہ فضا بہت اچھی بن گئی اور لوگ لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ دوست خوش تھے کہ عبدالحمید کامیاب ہو جائے گا اور دشمنوں کو فکر پیدا ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے ہر طرح مخالف پراپیگنڈا کیا اور جب کوئی صورت

کامیابی کی نظر نہ آئی تو انہوں نے احمدیت کی آڑ لے کر لوگوں کو مشتعل کرنے کی کوشش کی اور اس کے لئے انہوں نے ہمارے علاقہ کے ایک گوشہ نشین کو آلۂ کار بنایا۔ چنانچہ تمام مخالفین اس کے پاس گئے کہ ایک قادیانی میدان میں نکلا ہے۔ اور یہ دینِ اسلام کی ہتک ہے آپ میدان میں نکلیں۔ پیر صاحب خود میدان میں نکلنے کے لئے تیار نہ تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۲ ۱۱/۴۵ کو ہم نے اپنے علاقہ کی میٹنگ بلائی جس میں تقریباً ۳۰۰ آدمی تھے جو تمام با اثر لوگ تھے۔ سیلیکشن بورڈ کا ایک ممبر بھی موجود تھا۔ پیر صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ اور اس سے پہلے لوگوں نے پوری کوشش کی تھی کہ جس طرح بھی ہو پیر صاحب خود کھڑے ہونے کے لئے تیار ہو جائیں ۔ ۔ ایک دوست نے میرا نام پیش کیا۔ دوسرے ۔ ۔ ۔ نے پیر صاحب کا نام پیش کیا۔ ہمارے ایک دوست نے اعتراض کیا کہ پیر صاحب گوشہ نشین آدمی ہیں یہ ایسے لوگوں کا کام نہیں۔ مگر اس کے جواب میں ایک دوسرے مخالف نے کہا کہ انبیاء اور اولیاء نے ہمیشہ اسلام کے لئے جہاد کیا ہے۔ پیر صاحب ان سے بڑے نہیں ہیں ان کو ضرور کھڑا ہونا چاہئیے۔ مَیں نے بحث کو ختم کرنے کے لئے نیز اس خیال سے کہ پیر صاحب خود کھڑے نہیں ہوتے، اس لئے مَیں نے کھڑے ہو کر کہا کہ بحث کی ضرورت نہیں، میری ضرور کچھ نہ کچھ مخالفت ہوگی اور پیر صاحب اگر خود کھڑے ہوں تو مَیں اوّل خود دستبردار ہوتا ہوں اور کوئی اَور بھی مقابلہ نہ کرے گا اور لیگ کے ٹکٹ پر صرف پیر صاحب جائیں گے اور اگر پیر صاحب خود کھڑے نہیں ہوتے تو پھر اُن کا نام پیش کرنا یا اس پر بحث کرنا وقت ضائع کرنا ہے چنانچہ میرے یہ کہنے کی دیر تھی کہ ہمارے مخالف ان کے پیچھے پڑ گئے اور ۔ ۔ ۔ ۔ اُن سے اعلان کروا دیا کہ مَیں خود کھڑا ہوتا ہوں۔ ۔ ۔ اور پیر صاحب بلا مقابلہ لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہو گئے ۔ ۔ ۔ انتخاب سے پہلے پیر صاحب یا تو سخت مخالف تھے یا انتخاب کی شام کو میرے پاس اندھیرے میں آئے اور کہا۔ یہ کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ اب اس کے لئے تم ہی کوئی صورت نکالو۔ چنانچہ مَیں نے ان سے وعدہ کیا کہ آپ گھبرائیں نہیں۔ اب جو کچھ ہو گیا وہ ہو گیا۔ اب آپ کو کامیاب کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس کے لئے کام شروع کر دیا ہے"

حضرت سیدنا المصلح الموعود نے اس مکتوب پر اپنے قلم سے لکھا:۔

"اس وقت سرحد میں لیگ منسٹری کو مضبوط کرنا ضروری ہے۔ سرحد سے کسی طرح

"کانگرس کو ضرور نکالنا چاہیئے"

مسلم لیگی امیدوار کو ووٹ دینے کے لئے جماعت احمدیہ بہلولپور کو حضرت امیر المومنین کا تاکیدی ارشاد

چوہدری عبدالمالک صاحب پنشنر تحصیلدار پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ بہلولپور چک ۱۲۷ ضلع لائل پور نے حضور کی خدمت میں لکھا کہ مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر حافظ عبداللہ صاحب کھڑے ہو رہے ہیں۔ حضور نے ان کے خط کا یہ جواب لکھوایا کہ

"بہرحال جو شخص مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑا ہے اس کو ووٹ دیں اور نہ صرف ووٹ دیں حالانکہ عبداللہ ہمارا سخت مخالف ہے لیکن پھر بھی پوری کوشش کریں کہ وہی جیتے"[1]

سندھ کے احمدیوں کو مسلم لیگ کی خاطر قربانی کرنے کی ہدایت

احباب جماعت کوٹ احمدیاں (ڈاکخانہ کوٹ عبداللہ تحصیل ماتلی ضلع حیدرآباد سندھ) نے ۲۳ نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو حضرت امیرالمومنین کے حضور لکھا کہ

"گذارش ہے کہ حضور کے ارشاد کے مطابق الیکشن کے سلسلہ میں ہمیں مسلم لیگ کی حمایت کرنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ صوبہ سندھ کی اندرونی حالت عرض ہے کہ اس علاقہ میں مسلم لیگ نے ٹکٹ بلحاظ وقت کام کرنے والے افراد کو اور رائے عامہ کے میلان کو مدنظر نہیں رکھا۔ . . . اب حضور اپنے ارشاد سے ممنون فرمائیں"

حضرت مصلح موعود نے ارشاد فرمایا:۔

"بہرحال مسلم لیگ کو ووٹ دینے ہیں بلکہ آغا صاحب کی شرافت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اگر ان کو ٹکٹ نہیں ملا تو بیٹھ جائیں اور اچھا نمونہ پیش کریں تاکہ تمام مسلمانوں کی طاقت بڑھے فرد کو ہمیشہ قوم کے لئے قربانی کرنی چاہیئے"

حضرت امام جماعت احمدیہ کا ایک اور اہم بیان مسلم لیگی موقف کی حمایت میں

حضرت مصلح موعود نے ۵ نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو حسب ذیل الفاظ میں بیان دیا:۔

"ہم کانگرس کے متعلق تو یقین رکھتے ہیں کہ اگر اس کی حکومت قائم ہوئی تو وہ تبدیلی مذہب کے متعلق ہرگز آزادی نہیں دے گی۔ کیونکہ اس بارہ میں اس سے ہم نے جتنی دفعہ سوال کیا ہے اس نے صاف جواب نہیں دیا بلکہ بہانے

---

[1] اصل خط (مرقومہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء) محفوظ ہے۔

بناتی رہی ہے۔ مُسلم لیگ کے متعلق ہماری یہ رائے ہے کہ . . . غیر مسلم جماعتیں مسلمانوں کو اس وقت تک ان کے حقوق نہیں دیں گی جب تک کہ پاکستان کے مطالبہ پر زور نہ دیا جائے۔ اور مسلمان اپنے حقوق کا آزادانہ طور پر فیصلہ کرنے کے قابل نہ ہو سکیں۔ مسلمانوں کا سو سالہ تلخ تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ گو ملک کا ایسا تجزیہ ایک نہایت ہی افسوسناک امر ہے لیکن اس کے سوا چارہ ہی نہیں کیونکہ غالب قوموں نے مسلمانوں کو اس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ ایسا مطالبہ پیش کریں . . . اصل میں کانگرس اور مُسلم لیگ کے دعووں میں صرف یہ فرق ہے کہ کانگرس کہتی ہے کہ مسلمان پہلے اس حکومت میں شامل ہو جائیں جس میں ہندو اکثریت ہو پھر اپنا مطالبہ پیش کریں۔ اور مُسلم لیگ کہتی ہے کہ پہلے ہمیں آزادی دو۔ پھر برابر بیٹھ کر سمجھوتہ کرو۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اکثریت میں شامل ہو کر الگ ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں رہتی اور الگ ہو کر شامل ہونا عقل کے عین مطابق ہے" [1]

بنگال، یوپی، بہار، سی پی اور بمبئی کے احمدیوں کو لیگ کی مدد کرنے کا فرمان

موضع پاڈلی ضلع بجنور کے ایک احمدی دوست نے حضرت سیدنا المصلح الموعود کی خدمت میں بذریعہ مکتوب استفسار کیا کہ "یہاں پر کانگرس کا بہت زور ہے۔ اکثر حصہ مسلمانوں کا کانگرس کو ووٹ دے گا کیونکہ جمعیۃ علماء کی طرف سے کانگرس کے واسطے بہت کوشش ہے۔ لہٰذا . . . ارشاد عالی سے مطلع فرمایا جائے کہ اس وقت ہمارا رویہ کیا ہونا چاہیئے۔"

حضرت امیر المؤمنین نے اپنے دستِ مبارک سے رقم فرمایا کہ

"لیگ کی ہر طرح امداد کریں۔ اپنے ووٹ بھی دیں اور جن جن پر اثر پڑ سکتا ہو ان سے بھی دلوائیں۔ بنگال، یوپی، بہار، سی پی اور بمبئی وغیرہ میں ووٹ مُسلم لیگ کو دیئے جائیں۔" [2]

حضرت امام جماعت احمدیہ کی صُوبہ سرحد کے احمدیوں کو خصوصی ہدایت

صوبہ سرحد میں کانگرسی وزارت مسلط تھی اور خدشہ تھا کہ مسلم اکثریت کا یہ صوبہ جو گویا ہندوستان کی چھاؤنی قرار دیئے جانے کا مستحق ہے، مُسلم لیگ کے ہاتھ سے کہیں نکل نہ جائے۔ حضرت امیر المؤمنین نے اس تشویشناک صورتِ حال کا جائزہ لے کر صوبہ سرحد کے احمدیوں کے نام مندرجہ ذیل ہدایت جاری فرمائی:-

"صوبہ سرحد کے احمدیوں کو میں اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ مُسلمانوں کے فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس

[1] "الفضل" ۱۵ نبوت / نومبر ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۱
[2] "الفضل" ۲۸ تبلیغ / فروری ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۲

دفعہ اس صوبہ میں کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیئے اور سب لوگوں کو مرکزی مسلم لیگ کی شاخ کے نمائندوں کو ووٹ دینے چاہئیں اور انہی کی مدد کرنی چاہیئے۔ ان کے خلاف جو لوگ آزاد مسلم لیگی ٹکٹ پر کھڑے ہوئے ہیں وہ ذاتی رنجشوں کی بنا ر پر کھڑے ہوئے ہیں۔ کوئی سیاسی قومی سوال ان کے سامنے نہیں اس وقت ان ذاتی رنجشوں کو بھول جانا چاہیئے۔ . . . . پس صوبہ سرحد جو گویا ہندوستان کی چھاؤنی ہے اس میں مسلمانوں میں اختلاف کو مَیں بالکل نامناسب سمجھتا ہوں۔ اور ہر احمدی سے امید کرتا ہوں کہ جہاں بھی ہو صوبہ سرحد کی مرکزی لیگ کی شاخ کے مقرر کردہ امیدوار کی حمایت کرے۔ اس کے حق میں ووٹ دے اور اپنے زیر اثر لوگوں سے اسے ووٹ دلوائے اور اس کے حق میں اپنے علاقہ میں پورے زور سے کارروائی کرے"[1]

مرکزی انتخابات میں جماعت احمدیہ کا عدیم النظیر اور رُوح پرور ملی مظاہرہ اور مسلم لیگ کی شاندار فتح

سرکاری پروگرام کے مطابق نومبر ۱۹۴۵ء کے آخر میں مرکزی اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ جماعت احمدیہ نے ان انتخابات میں بلا استثناء مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت کی۔ حتیٰ کہ سلسلہ احمدیہ کے بزرگ (جن میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب، حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، حضرت خان صاحب مولوی فرزند علی خاں صاحب اور دوسری مرکزی شخصیتیں بھی شامل تھیں) ۲۴ر نومبر کو بٹالہ پولنگ اسٹیشن پر تشریف لے گئے[2]۔ جہاں اگرچہ مسلم لیگیوں نے اپنے کیمپ کی دریوں پر سے احمدیوں کو اُٹھا دیا[3]۔ مگر احمدی بزرگوں نے مولوی ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر زمیندار جیسے معاند احمدیت کو محض اس لئے ووٹ دیا کہ وہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے تھے۔ مرکزی اسمبلی میں جماعت احمدیہ کے اس بے نظیر تعاون کا کسی قدر اندازہ مجلس احرار اسلام قادیان کے ایک کتابچہ "مسلم لیگ از مرزائیوں کی آنکھ مچولی پر مختصر تبصرہ" سے بآسانی لگ سکتا ہے۔ یہ کتابچہ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں شائع کیا گیا۔ اور اس میں مسلم لیگ اور جماعت احمدیہ کے قدیمی روابط و مراسم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

---

[1] "الفضل" یکم تبلیغ/فروری ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ [2] "الفضل" ۲۳ر نبوت/نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۱۔
[3] حضرت مصلح موعود کے ایک مکتوب بنام پیر اکبر علی صاحب مرقومہ ۲۵ر نبوت/نومبر ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء سے ماخوذ۔

"صرف مُسلم لیگ پارٹی ہی ایسی پارٹی تھی جس کے ساتھ مرزائیوں کو کچھ توقعات تھیں۔ کیونکہ سر ظفراللہ خاں مرزائی ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا مُسلم لیگ کے صدر رہ چکے تھے۔ مُسلم لیگ سے مرزائیوں کے کچھ تعلّقات تھے۔ وہ بھی خفیہ خفیہ۔ ملاحظہ ہو۔

شملہ میں حرم حضرت صاحب خلیفۃ المسیح الثانی نے خفیہ پارٹی دی جس میں لاہور کے ڈپٹی کمشنر مسٹر ملٹرھنگ کی خاتون، مسز جناح، سروجنی نیڈو، کپورتھلہ کی شاہی خواتین۔ نفیس ماکولات و مشروبات کا بندوبست تھا۔ . . . اس پارٹی میں نواب مبارکہ بیگم نے بڑا کام کیا۔ یہ واقعات تخم ریزی ہیں سلسلہ کی آئندہ شاندار ترقیات کی

الفضل ۳ ستمبر ۱۹۳۷ء[1]

سر ظفراللہ خاں کی صدارت اور خفیہ پارٹیوں کے اثرات مسلم لیگ میں باقی تھے۔ مگر مرزائیوں کو علانیہ مُسلم لیگ سے پینگ۔ بڑھانے کا موقع نہ تھا۔

کانگرس اور مُسلم لیگ میں تلخیاں بڑھیں اور پاکستان کا مطالبہ شروع ہوا۔ پہلے پہلے پنجاب لیگ نے مرزائیوں کو مُنہ نہ لگایا۔ لاہور پاکستان کانفرنس میں بھی ختم نبوت کے متعلق کچھ ذکر آیا۔ مرزائی سیخ پا ہو گیا۔ مسٹر جناح سے شکایت کی۔ انہوں نے کہہ دیا کہ پنجاب کی زمین نرالی ہے۔ فی الحال میری مداخلت جلتی پر تیل کا کام دے گی۔ لہٰذا پنجاب مُسلم لیگ کی طرف ہی رجوع کرو۔ پاکستان کے مطالبہ کو تقویت کی ضرورت تھی۔ پنجاب میں مرزائیوں کے پاس پریس موجود تھا لاہور میں پریس مرزائی نواز بھی موجود تھا۔ لہٰذا اس سے بھی پروپیگنڈہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پہلے پہل پنجاب مُسلم لیگ کے صدر نواب ممدوٹ کے علاقہ فیروزپور میں پیر اکبر علی مرزائی کو پاکستان کانفرنس کمیٹی کا صدر بنایا گیا۔ . . . . ادھر مرزائی درپردہ کوشش کرتے رہے کہ مُسلم لیگ میں اپنا سکّہ جمائیں اور مُسلم لیگ سے اپنے اسلام کا سرٹیفکیٹ حاصل کر لیں۔ . . . مرزا محمود اور اس کی پراپیگنڈہ ایجنسی نے مسٹر جناح سے خط و کتابت کی۔ مسٹر جناح نے یہ نہ سوچا کہ یہ پولیٹیکل پالیسی اسلام کو کیا نقصان پہنچائے گی۔ آخر مسٹر جناح نے مرزائیوں کو مُسلم لیگ میں شامل کر لیا۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ مُسلم رائے عامہ کو گُند چھُری

[1] اس مقام پر رسالہ کی عبارت مدھم ہے صحیح تاریخ پڑھی نہیں جاتی (مرتب)۔

سے ذبح کیا گیا۔ اور لیگی اخبارات میں بڑے طمطراق سے اعلان کیا گیا۔ اور چوکھٹے میں اس خبر کو نمایاں شائع کیا گیا۔

مرزائی بھی لیگ میں شامل ہو سکتے ہیں

مسٹر جناح کا بیان :-

لاہور ۳ مئی۔ جماعت احمدیہ قادیان کے ناظر امور عامہ لکھتے ہیں کہ جماعت کے صدر مقام میں پچھلے دنوں اس مسئلے پر غور ہوتا رہا ہے کہ جماعت احمدیہ کے ممبروں کو مسلم لیگ میں اجازت دی جائے یا نہ۔ حال ہی میں مسلم لیگ کے صدر نے پیر اکبر علی (مرزائی ناقل) ایم ایل اے کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے یقین دلایا ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے تازہ ترین آئین کی رو سے لیگ میں شرکت کے لئے احمدیوں پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہ بھی دوسرے فرقے کے مسلمانوں کی طرح تمام حقوق سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

" احسان " لیگی اخبار ۵ مئی ۱۹۴۴ء

اس اعلان کا شائع ہونا تھا کہ مرزائی اور لیگی بر سر عام ہم آغوش ہوئے۔ لیگ میں مرزائیوں کو شامل کر لیا گیا اور مسلم رائے عامہ سر پیٹ کر رہ گئی۔ چنانچہ بعض مخلص لیگی مسلمانوں کو بھی مسٹر جناح کی اس غیر اسلامی حرکت پر غصہ آیا۔

۳۰ر جولائی ۱۹۴۴ء کو لاہور میں مسلم لیگ کی آل انڈیا کونسل کا اجلاس ہوا۔ مولانا عبدالحامد بدایونی جن کے دل میں تھوڑی بہت اسلامی تڑپ اور غیرت موجود تھی۔ انہوں نے اس کونسل کے اجلاس میں ایک قرارداد پیش کرنے کا نوٹس دیا کہ مرزائی چونکہ مسلمان نہیں ہیں اس لئے ان کو لیگ سے نکال دیا جائے۔ قرارداد کے الفاظ کو زمیندار لاہور نے جلی الفاظ سے لکھا جو حسب ذیل ہیں :-

قادیانیوں کے اخراج کے متعلق قرارداد

مولانا عبدالحامد بدایونی نے لکھا ہے کہ دنیائے اسلام اور ہر طبقہ وخیال کے مقتدر علماء نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے پیرو دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ لہذا انہیں مسلم لیگ کے دائرے میں ہرگز شرکت کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔ اب قادیانیوں کی مسلم لیگ میں شمولیت یا عدم شمولیت کے متعلق بعض حلقوں میں بڑا چرچا ہے۔ اس لئے آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ علمائے اسلام کے متفقہ فیصلہ کے احترام میں کوئی قادیانی مسلم لیگ میں

شریک نہیں ہو سکتا۔

جب یہ قرار داد پیش ہوئی تو مسٹر جناح نے اس پر بحث کی اجازت نہ دی۔ بھلا لیگی نقار خانے میں مذہبی باتیں کس طرح کامیاب ہو سکتی ہیں۔ وہاں تو ہر بات میں مسٹر جناح یا جناح نما لیگی امراء کے رحم پر لیگ میں رہنا پڑتا ہے . . . .

چنانچہ سال ۱۹۴۵ء میں جب ویول کانفرنس کے بعد انتخابات کا زمانہ شروع ہوا۔ تو مرزائیوں اور لیگیوں میں خفیہ ساز باز شروع ہوئی۔ من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو کے مصداق مرزائیوں کو عام مسلمانوں پر مسلط کرنے کی امداد کا یقین دلایا گیا۔ اور ہر ممکن طریق پر ان ذرائع سے کام لئے جانے کے پروگرام بنائے گئے جن سے مرزائی مسلمان ثابت ہوں۔

مرزا محمود خلیفہ قادیان نے اکتوبر کے مہینہ میں ایک اہم اعلان کیا جو اس کے اخبار میں چھپا جس کا عنوان تھا:۔

آئندہ الیکشنوں میں جماعت احمدیہ کی پالیسی رقم فرمودہ حضرت امیر المومنین (مرزا محمود قادیانی)

پنجاب کے سوا تمام صوبہ جات کے احمدیوں کو مسلم لیگ کی انتخابات میں مدد کرنی چاہیئے۔ جس قدر ووٹ احمدیوں کے ہیں وہ اپنے حلقہ کے مسلم لیگی امیدواروں کو دیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ احمدی جماعت کے تمام افراد، کیا مرد اور کیا عورتیں، مرد مردوں تک پہنچ کر اور عورتیں عورتوں کے پاس جا کر ان کے خیالات درست کرنے کی کوشش کریں گے اور اس امر کو اس قدر اہم سمجھیں کہ تمام حلقوں پر مسلم لیگ کے کارکنوں کو یہ محسوس ہو جائے کہ گویا احمدی یہ سمجھ رہے ہیں کہ مسلم لیگ کا امیدوار کھڑا نہیں ہوا کوئی احمدی امیدوار کھڑا ہوا ہے۔ اور اس کام میں مقامی مسلم لیگ کے ساتھ پوری طرح تعاون کریں اور جائز ہوگا کہ وہ اس کے ممبر بن جائیں۔

خاکسار مرزا محمود احمد ۱۲ر اکتوبر ۱۹۴۵ء (الفضل ۲۲ر اکتوبر ۱۹۴۵ء)

یہ مقالہ کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ اس کے بعد مسٹر جناح نے کوئٹہ میں تقریر کی۔ اور مرزا محمود کی پالیسی (متعلق انتخابات ۱۹۴۵-۴۶ء ناقل) کو سراہا۔ اس کے بعد جب سنٹرل اسمبلی کے الیکشن شروع ہوئے تو تمام مرزائیوں نے مسلم لیگ کو ووٹ دیئے۔ یہاں تک کہ جب مولانا ظفر علیخاں ایڈیٹر زمیندار لاہور جو کسی زمانے میں مرزائیوں کے شدید ترین دشمن تھے ان

کا مسئلہ گاباکا مقابلہ ہوا تو دفتر ضلع لیگ گورداسپور نے مرزا محمود احمد قادیانی کو ایک چٹھی لکھی جس کی نقل مطابق اصل درج کی جاتی ہے جس میں مرزائیوں کو صاف طور پر مسلمان قوم تسلیم کیا گیا۔ دھوھ۔ن۱۱

" دفتر ضلع مسلم لیگ گورداسپور

بخدمت جناب حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

محترمی و مکرمی ! السلام علیکم

مسلم لیگ اور مسلمانان ہند کا مطالبہ یہ ہے کہ ہندوستان کو دو حصوں میں بانٹ دیا جائے جہاں مسلمان زیادہ ہیں وہ خود مختار حکومت پاکستان قائم کریں اور اپنے علاقہ میں آزاد ہو جائیں یہ تجویز انگریز اور ہندو کو پسند نہیں (. . . . . [1]) مگر چونکہ اس صورت میں ہندو اور مسلمان اپنی جگہ مضبوط ہو جائیں گے ان میں باہمی تنازعہ نہ ہونے کے باعث انگریز شہنشاہیت کے مذہبی اصول " پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو " پر عمل کرنے سے قاصر ہوگا۔ ہندو اس لئے مخالف ہیں کہ وہ مسلمانوں کو دائمی طور پر مغلوب اور محکوم بنانے کے مرغوب نصب العین کے حصول سے ناکام رہے گا۔ گویا قیام پاکستان میں انگریزی حکومت اور ہندو اپنی اپنی تمنا کا خون دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جواہر لال نہرو نے کھلا چیلنج دے دیا ہے کہ مسلم لیگ کو کچل کر رکھ دیں گے۔ اس خطرناک اعلانِ جنگ میں احرار، خاکسار، یونینسٹ اور نام نہاد مسلمانوں نے ہندوؤں کی ظاہرہ امداد کا عزم کر لیا ہے۔ یہ سب جماعتیں پاکستان اور ترقی اسلام کی راہ میں کانٹے ہیں۔ مسلمانوں کو ان سب سے دامن بچا کر آگے بڑھنا ہے۔ موجودہ انتخابات میں مسلم لیگی نمائندے اگر کامیاب ہو گئے تو قیام پاکستان اور آزادی اسلام کو نہ انگریز اور نہ ہندو روک سکیں گے۔ اور اگر ہم اپنی غفلت سے خدانخواستہ ناکام رہے تو ہماری سیاسی موت لازمی ہے گویا موجودہ انتخابات

---

[1] یہاں بریکٹ کے اندر مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے۔ " یہ تجویز مرزا محمود کو بھی پسند نہیں تھی۔ دیکھو " الفضل " ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۶ء مضمون مرزا محمود۔ گو ہم پہلے بھی ایسے اکھنڈ ہندوستان کے قائل تھے جن میں مسلمان کا پاکستان اور ہندو کا ہندوستان برضا و رغبت شامل ہوں اور اب بھی ہمارا عقیدہ یہی ہے بلکہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ ساری دنیا کی حکومت ایک ہو۔ مگر چونکہ مسلم لیگ اس کو مسلمان کا سرٹیفکیٹ دینے والی تھی۔ اس لئے ناپسندیدگی کی صورت میں بھی ووٹ مسلم لیگ کو دیئے " صفحہ ۲۴ ۔

محمود کی پالیسی کو سراہا۔ اس کے بعد جب سنٹرل اسمبلی کے الیکشن شروع ہوئے تو تمام مرزائیوں نے مسلم لیگ کو ووٹ دیئے۔ یہاں تک کہ جب مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار لاہور جو کسی زمانے میں مرزائیوں کے شدید ترین دشمن تھے ان کا مسٹر گابا کا مقابلہ ہوا۔ تو دفتر ضلع مسلم لیگ گورداسپور سے مرزا محمود قادیانی کو ایک چٹھی لکھی جس کی نقل مطابق اصل درج کی جاتی ہے۔ جس میں مرزائیوں کو صاف طور پر مسلمان قوم تسلیم کیا گیا۔ وھو ھذا۔

دفتر ضلع مسلم لیگ گورداسپور

بخدمت جناب حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

محترمی و مکرمی السلام علیکم

مسلم لیگ اور مسلمانانِ ہند کا مطالبہ یہ ہے۔ کہ ہندوستان کو دو حصوں میں بانٹ دیا جائے جہاں مسلمان زیادہ ہیں۔ وہ خود مختار حکومت پاکستان قائم کریں اور اپنے علاقہ میں آزاد ہو جائیں یہ تجویز انگریز۔ اور ہندو کو پسند نہیں (یہ تجویز مرزا محمود کو بھی پسند نہیں تھی) (دیکھیں الفضل ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۵ء مضمون مرزا محمود)

گو ہم پہلے بھی ایسے اکھنڈ ہندوستان کے قائل تھے جنہیں مسلمان کا پاکستان اور ہندو کا ہندوستان بر بنائے عقیدت شامل ہوں۔ اور اب بھی ہمارا عقیدہ یہی ہے۔ بلکہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ ساری دنیا کی حکومت ایک ہو۔

مگر چونکہ مسلم لیگ اس کو مسلمان کا سرٹیفکیٹ دینے والی تھی۔ اس لئے ناپسندگی کی صورت میں بھی ووٹ مسلم لیگ کو دیئے) مگر چونکہ اس صورت میں ہندو

انگریز شہنشاہیت کے مذہبی اصول "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" پر عمل کرنے سے قاصر ہوگا۔ ہندو اسلئے مخالف ہیں۔ کہ وہ مسلمانوں کو دائمی طور پر مغلوب اور محکوم بنانے کے مرغوب نصب العین کے حصول سے ناکام رہیگا۔ گویا قیام پاکستان میں انگریزی حکومت اور ہندو اپنی تمنا کا خون دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جواہر لال نہرو نے کھلا چیلنج دیدیا ہے۔ کہ مسلم لیگ کو کچل کر رکھ دیں گے۔ اس خطرناک اعلان جنگ میں احرار۔ خاکسار۔ یونینسٹ اور نام نہاد مسلمانوں نے ہندوؤں کی ظاہرہ امداد کا عزم کر لیا ہے۔ یہ سب جماعتیں پاکستان اور ترقی اسلام کی راہ میں کانٹے ہیں۔ مسلمانوں کو ان سب سے دامن بچا کر آگے بڑھنا ہے۔ موجودہ انتخابات میں مسلم لیگ نمائندے اگر کامیاب ہو گئے تو قیام پاکستان اور آزادی اسلام کو نہ انگریز اور نہ ہندو روک سکیں گے اور اگر ہم اپنی غفلت سے خدانخواستہ ناکام رہے۔ تو ہماری سیاسی موت لازمی ہے۔ گویا موجودہ انتخابات مسلمانوں کی آئندہ باوقار زندگی یا ذلیل موت کا سوال ہے۔ ہر مسلمان کو ذاتی منفعت اور برادری کی کشمکش سے بلند ہو کر ملت کی بہتری کے لئے سب کچھ قربان کر دینا چاہیئے۔ مرکزی اسمبلی دہلی کے لئے حضرت مولانا ظفر علی خاں مالک اخبار زمیندار لاہور۔ پرانے خادم اسلام و مسلم لیگ کے امیدوار ہیں۔

آپ ووٹر ہیں آپ کی ووٹ قوم کی امانت ہے

قوم آج سے ووٹ کی بھیک مانگتی ہے۔ بروز ہفتہ بتاریخ ۱۲/۵ ۲۳ بمقام [illegible] ڈسٹرکٹ بورڈ ووٹ پڑیں گے۔ سامنے [illegible]

مسلم لیگ اور مرزائیوں کی آنکھ مچولی

پر مختصر تبصرہ

شائع کردہ

مجلس احرار اسلام قادیاں

پنجاب

چنانچہ سال ۱۹۴۵ء میں جب ویول کانفرنس کے بعد انتخابات کا زمانہ شروع ہوا۔ تو مرزائیوں اور لیگیوں خفیہ ساز باز شروع ہوئی من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو۔ کے مصداق مرزائیوں کو عام مسلمانوں پر مسلط کرنے کی امداد کا یقین دلایا گیا۔ اور ہر ممکن طریق پر ان ذرائع سے کام لئے جانے کے پروگرام بنائے گئے۔ جن سے مرزائی مسلمان ثابت ہوں۔

مرزا محمود خلیفہ قادیان نے اکتوبر کے مہینہ میں ایک اہم اعلان کیا جو اس کے اخبار میں چھپا۔ جس کا عنوان تھا۔

آئندہ الیکشنوں میں جماعت احمدیہ کی پالیسی رقم فرمودہ حضرت امیر المومنین

(مرزا محمود قادیانی)

پنجاب کے سوا تمام صوبہ جات کے احمدیوں کو مسلم لیگ کی انتخابات میں مدد کرنی چاہیئے۔ جس قدر ووٹ احمدیوں کے ہیں۔ وہ اپنے علقہ کے مسلم لیگی امیدوار کو دیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ احمدی جماعت کے تمام افراد۔ کیا مرد اور کیا عورتیں کیا مرد بلکہ بچے اور عورتیں۔ عورتوں کے پاس جا کر ان کے خیالات درست کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور اس امر کو اسقدر اہم سمجھیں کہ تمام جگہوں پر مسلم لیگ کے کارکنوں کو یہ محسوس ہو جائے کہ گویا احمدی یہ سمجھ رہے ہیں کہ مسلم لیگ کا امیدوار کھڑا نہیں ہوا۔ کوئی احمدی امیدوار کھڑا ہوا ہے۔ اور اس کام میں مقامی مسلم لیگ کے ساتھ پوری طرح تعاون کریں۔ اور جائز ہو گا۔ کہ وہ اس کے ممبر بن جائیں۔

خاکسار مرزا محمود احمد ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء (الفضل ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

یہ مقالہ کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ اس کے بعد مسٹر جناح نے کوئٹہ میں تقریر کی اور مرزا

مسلمانوں کی آئندہ باوقار زندگی یا ذلیل موت کا سوال ہے۔ ہر مسلمان کو ذاتی منفعت اور برادری کی کشمکش سے بلند ہو کر ملت کی بہتری کے لئے سب کچھ قربان کر دینا چاہیئے۔ مرکزی اسمبلی دہلی کے لئے حضرت مولانا ظفر علی خاں مالک اخبار زمیندار لاہور پرانے خادم اسلام مسلم لیگ کے امیدوار ہیں۔ آپ ووٹر ہیں۔ آپ کی ووٹ قوم کی امانت ہے۔ قوم آپ سے ووٹ کی بھیک مانگتی ہے۔ بروز ہفتہ بتاریخ ۴۵ ۔ ۱۲ ۔ ۲۳ بمقام بنگلہ ڈسٹرکٹ بورڈ بٹالہ ووٹ پڑیں گے۔ برائے نوازش آپ مع دیگر ووٹران تشریف لاکر مولانا کے حق میں ووٹ دیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

عبدالعزیز ملک ایڈووکیٹ جنرل سکرٹری ڈسٹرکٹ مسلم لیگ ضلع گورداسپور شائع شدہ اخبار

"سیرت" باغبانپورہ لاہور۔ ۷ جنوری ۱۹۴۶ء

اس چھٹی پر تمام مرزائی بٹالہ گئے۔ بٹالہ کے مسلم لیگی کارکنوں نے ان سے معانقے کئے۔ ووٹ مولانا ظفر علیخاں کے حق میں گذارے گئے۔ دیگر بعض مسلم لیگ کے لیڈر لاہور سے بذریعہ کار تشریف لاکر اپنی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھتے رہے" [۱]

مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ کی سو فیصدی کامیابی

مرکزی اسمبلی میں مسلم نشستیں ۳۰ تھیں۔ مسلم لیگ نے ہر نشست کے لئے امیدوار کھڑے کئے تھے۔ اور سب نشستوں پر قبضہ کر لیا۔ اور اس طرح اس نے ایسی فقید المثال کامیابی حاصل کی جس کی نظیر دنیا کے کسی ملک کی دستوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ ذیل میں ان تمام مسلم لیگی نمائندوں کی فہرست دی جاتی ہے جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے اور جن کی تائید جماعت احمدیہ نے کی:-

یو۔پی۔ نواب محمد اسمٰعیل خاں۔ راجہ امیر احمد خاں آف محمود آباد۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں۔ ڈاکٹر ضیاءالدین احمد صاحب۔ خان بہادر غضنفر علی خاں صاحب۔ سر محمد یامین خاں صاحب۔

پنجاب۔ میر غلام بھیک نیرنگ۔ نواب سر محمد مہر شاہ۔ حاجی شیر شاہ صاحب۔ کیپٹن عابد حسین صاحب۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب آف زمیندار۔ حافظ محمد عبداللہ صاحب۔

---

[۱] "مسلم لیگ اور مرزائیوں کی آنکھ مچولی پر مختصر تبصرہ" شائع کردہ مجلس احرار اسلام قادیان (۱۹۴۶ء) صفحہ ۱۸-۱۹۔ یہ رسالہ خلافت لائبریری ربوہ میں موجود ہے۔

بنگال۔ عبدالرحمٰن صاحب صدیقی۔ سرحسن سہروردی۔ شیخ رفیع الدین صاحب صدیقی۔ چودھری محمد اسمٰعیل خان صاحب۔ مولوی تمیزالدین صاحب۔ عبدالحمید شاہ صاحب

بمبئی و سندھ۔ محمد موسیٰ قلعہ دار (بلا مقابلہ)۔ قائد اعظم محمد علی جناح۔ احمد ای۔ ایچ جعفر۔ یوسف ہارون۔

مدراس۔ ایم جے جمیل محی الدین (بلا مقابلہ)۔ حاجی عبدالستار اسحٰق۔

بہار و اڑلیسہ۔ محمد نعمان (بلا مقابلہ) چودھری عابد حسین (بلا مقابلہ)۔ خان بہادر حبیب الرحمٰن۔ [1]

قائد اعظم محمد علی جناح کی تحریک پر ۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء کو ہندوستان بھر میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ "یوم فتح" منایا گیا اور صوبائی انتخابات میں کامیابی کے لئے دعائیں کی گئیں۔

صوبائی انتخابات میں جماعت احمدیہ کا مسلم لیگ سے مخلصانہ تعاون

مسلم لیگ کانگرس کی ریشہ دوانیوں اور مسلمانوں کو روپے کے بل بوتے پر خریدنے کی تمام سازشوں کے باوجود تمام مسلم نشستوں پر قابض ہو گئی تھی۔ اس فتح مبین نے کانگرسی لیڈروں کو آتش زیر پا کر دیا اور انہوں نے اعلان کیا کہ وہ صوبائی نشستوں میں مسلم لیگ کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے اور پاکستان کے مطالبہ کو پیوند خاک کر کے دم لیں گے۔ چنانچہ مسٹر پٹیل نے ۱۴ جنوری ۱۹۴۶ء کو احمد آباد میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"مرکز میں مسلم لیگ نے تمام نشستوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ اب بے شک مسلم لیگ "یوم فتح" مناتی رہے لیکن یہ سمجھ لے کہ اس طرح پاکستان حاصل نہیں ہوگا۔ پاکستان برطانیہ کے ہاتھوں میں نہیں۔ پاکستان کے حصول کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کو میدان جنگ میں ایک دوسرے کے برخلاف نبرد آزما ہونا پڑے گا اور اس صورت میں خانہ جنگی ہو کر رہے گی۔ پٹیل نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ کانگرس نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ صوبائی مجالس آئین ساز کے انتخابات میں ہر مسلم نشست کے لئے اپنے امیدوار کھڑے کرے گی اور انتخابات کے نتائج ظاہر کر دیں گے کہ آخری فتح کانگرس کی ہوگی۔ ہم دیکھیں گے کہ پاکستان کیسے قائم ہوتا ہے اور مسلم لیگ کس طرح یوم فتح مناتی ہے؟" [2]

صوبائی انتخابات کے خوشکن نتائج

کانگرسی لیڈر دھمکیاں دے رہے تھے کہ فروری ۱۹۴۶ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات شروع ہو گئے۔ کانگرس نے ہر

---

[1] "قائد اعظم اور ان کا عہد" صفحہ ۶۵۸ تا ۶۶۲ (از سید رئیس احمد جعفری)

[2] "قائد اعظم اور دستور ساز اسمبلی" صفحہ ۱۷۸۔ ۱۷۹ (مصنفہ محمد اشرف خان عطاء مدیر معاون "زمیندار" لاہور ۱۹۴۶ء)

صوبہ میں مُسلم لیگ کا مقابلہ کیا۔ مگر اس کے باوجود صوبائی مجالس آئین ساز میں مُسلم لیگ کو زبردست فتح ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے :-

آسام۔ مجلس آئین ساز میں ۳۴ مُسلم نشستیں تھیں ان میں سے ۳۱ نشستوں پر مُسلم لیگ نے قبضہ کر لیا۔

سندھ۔ ۳۴ مُسلم نشستیں تھیں جن میں سے ۲۹ پر مُسلم لیگ کامیاب ہوئی۔

سرحد۔ یہاں ۳۶ مُسلم نشستوں میں سے ۱۷ مُسلم لیگ نے جیت لیں۔

یُو پی۔ ۶۶ مُسلم نشستیں تھیں۔ ۵۴ پر مُسلم لیگ نے قبضہ کر لیا۔

بہار۔ ۴۰ مُسلم نشستیں تھیں۔ ۳۴ پر مُسلم لیگ نے قبضہ کر لیا۔

مدراس۔ ۲۹ مُسلم نشستیں تھیں۔ تمام پر مُسلم لیگ نے قبضہ کر لیا۔

اُڑیسہ۔ ۴ مُسلم نشستیں تھیں۔ تمام پر مُسلم لیگ نے قبضہ کر لیا۔

بمبئی۔ ۳۰ مُسلم نشستیں تھیں۔ تمام پر مُسلم لیگ نے قبضہ کر لیا۔

پنجاب۔ کُل ۸۶ مُسلم نشستیں تھیں جن میں سے ۷۹ نشستوں پر مُسلم لیگ کامیاب ہو گئی۔

احمدیوں کی طرف سے مُسلم لیگ کی حمایت

احمدیوں نے حضرت مصلح موعود کے ارشاد کی تعمیل میں آسام، سندھ، یوپی، بہار، مدراس، اڑیسہ اور بمبئی میں سب مُسلم لیگی امیدواروں کی حمایت کی اور پنجاب کے ۳۲ حلقوں میں مُسلم لیگ کے حق میں ووٹ ڈالا اور ان حلقوں کی ۲۲ نشستوں پر مُسلم لیگ کامیاب ہوئی۔[1] جن مُسلم لیگی ممبران کو جماعت احمدیہ نے پنجاب میں ووٹ دیئے اُن میں سے بعض کے نام (مع حلقہ کے) یہ ہیں :-

خواجہ غلام صمد صاحب (جنوبی شہری حلقہ جات) سردار شوکت حیات خانصاحب (جنوبی مشرقی حلقہ جات) ملک برکت علی صاحب (شرقی شہری حلقہ جات) خان بہادر شیخ کرامت علی صاحب (شمالی مشرقی حلقہ جات) سر فیروز خاں نون (قسمت راولپنڈی) ملک وزیر محمد صاحب (اندرون لاہور مرداں) بیگم تصدق حسین صاحب (اندرون لاہور حلقہ نسواں) محمد رفیق صاحب (بیرون لاہور حلقہ مرداں) بیگم شاہنواز صاحبہ (بیرون لاہور حلقہ نسواں) شیخ صادق حسن صاحب (امرتسر شہر و چھاؤنی) چوہدری علی اکبر صاحب پلیڈر (کانگڑہ و مشرقی ہوشیارپور) محمد عبدالسلام صاحب (شمالی جالندھر) نواب افتخار حسین صاحب ممدوٹ (وسطی فیروزپور) میاں افتخار الدین صاحب (تحصیل قصور) چوہدری

---

[1] "الفضل" ۲۸ تبلیغ/فروری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۳۸۔

غلام فرید صاحب پلیڈر (مشرقی گورداسپور) چوہدری محمد حسین صاحب ایڈووکیٹ (تحصیل شیخوپورہ) خان بہادر روشن دین صاحب (تحصیل شاہدرہ) چوہدری فضل الٰہی صاحب وکیل (شمالی گجرات) چوہدری بہاول بخش صاحب (جنوب مشرقی گجرات) چوہدری جہان خاں صاحب (شمال مغربی گجرات) چوہدری غلام رسول صاحب تارڑ (جنوب مغربی گجرات) رانا عبدالحمید صاحب (تحصیل پاک پٹن) سردار بہادر خان دریشک (ڈیرہ غازی خان جنوبی) غلام جیلانی صاحب گورمانی تحصیل لیہ) سید بدھن شاہ (خانیوال) خان بہادر شیخ فضل حق صاحب پراچہ (تحصیل بھلوال) میاں عبدالحق صاحب (تحصیل اوکاڑہ) [۵۱]

احمدیوں نے ان لیگیوں کے علاوہ صوبہ پنجاب میں بعض ایسے موزوں اور قابل امیدواروں کو بھی کامیاب بنانے میں پوری طاقت صرف کر دی جن کو اگرچہ پنجاب مسلم لیگ نے ٹکٹ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر چونکہ وہ اصولاً مسلم لیگ کے حق میں رہتے اور انہیں اپنے حق سے محروم رکھا گیا تھا [۵۲] اس لئے جماعت کو یقین کامل تھا کہ وہ انتخابی مہم جیتنے کے بعد یقیناً مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں گے۔ مثلاً حلقہ مسلم تحصیل بٹالہ سے حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے (ناظر اعلیٰ قادیان) کو جب مسلم لیگی ٹکٹ حاصل کرنے میں کامیابی نہ ہوئی تو انہیں مجبوراً آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونا پڑا۔ اس حلقہ میں برسر اقتدار یونینسٹ پارٹی نے اپنے نمائندہ کے حق میں صوبہ بھر میں سب سے زیادہ زور لگایا۔ سرکاری افسروں نے قدم قدم پر مداخلت کی اور احمدیوں کے خلاف ہر ممکن ہتھکنڈے استعمال کئے اور دھن، دھونس اور دھاندلی کی حد کر دی مگر اس کے باوجود چودھری صاحب دوٹوں کی بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئے۔[۵۳] پنجاب اسمبلی کی یہ سیٹ اگرچہ احمدی مردوں اور عورتوں نے نہایت اعلیٰ درجہ کے اخلاص اور بے مثال قربانی پیش کر کے خالص احمدیت کے ٹکٹ پر حاصل کی تھی۔[۵۴] مگر حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے ارشاد پر چودھری صاحب اسمبلی کا ممبر منتخب ہوتے ہی مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اور اس سلسلہ میں آپ نے صدر پنجاب مسلم لیگ کے نام حسب ذیل تار ارسال کیا:۔

---

۵۱ ملاحظہ ہو "الفضل" ۲۸ صلح، ۲۹ صلح - ۲ تبلیغ ۱۳۲۵ھش / ۱۹۴۶ء۔

۵۲ "مسلم لیگ اور مرزائیوں کی آنکھ مچولی پر مختصر تبصرہ" میں لکھا ہے کہ "تحصیل بٹالہ میں فتح محمد سیال مرزائی نے مرزا محمود کے کہنے کے مطابق پنجاب مسلم لیگ سے لیگ کا ٹکٹ مانگا اور تحصیل شکرگڑھ میں عبدالغفور قمر مرزائی نے لیگ کا ٹکٹ مانگا مگر ان میں سے صرف عبدالغفور قمر ایم۔اے مرزائی کو ہی تحصیل شکرگڑھ کا ٹکٹ ملا" صفحہ ۱۹۔

۵۳ "الفضل" ۷ تبلیغ / فروری ۱۳۲۵ھش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۱، ۲۲ تبلیغ / فروری ۱۳۲۵ھش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۲، یکم امان / مارچ ۱۳۲۵ھش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۴۔

۵۴ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیدنا المصلح الموعود کا خطبہ جمعہ مطبوعہ "الفضل" یکم امان / مارچ ۱۳۲۵ھش / ۱۹۴۶ء۔

"گو الیکشن سے پہلے لیگ نے مجھے اپنا ٹکٹ نہیں دیا تھا لیکن اب جبکہ میں خدا کے فضل سے آزاد امیدوار کے طور پر کامیاب ہو گیا ہوں میں اپنی جماعت کی ہدایت کے ماتحت پھر دوبارہ اپنے آپ کو مسلم لیگ کی ممبری کے لئے پیش کرتا ہوں" [۱]

اس ضمن میں دوسری مثال شیخ فیض محمد صاحب پلیڈر کی ہے جو یونینسٹ ٹکٹ پر (حلقہ ڈیرہ غازیخاں دیہاتی سے) کامیاب ہوئے اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔[۲] جماعت احمدیہ نے شیخ صاحب سے بھی تعاون کیا۔[۳]

پنجاب کی ہندو صحافت کی برہمی اور شرمناک پراپیگنڈا

جماعت احمدیہ کی طرف سے مسلم لیگی ممبروں سے تعاون پر کانگرسی حلقے سخت بوکھلا گئے اور ہندو صحافت کھلم کھلا دشنام طرازی اور افترا پردازی پر اُتر آئی۔ اس حقیقت کا اندازہ لگانے کے لئے ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔ سردار شوکت حیات خاں مسلم لیگی امیدوار تھے۔ احمدی مردوں اور عورتوں نے انہیں مسلمانوں کا بہترین سیاسی نمائندہ سمجھتے ہوئے ووٹ دیئے۔ بات صرف اس قدر تھی۔ مگر ہندو اخبار "پرتاپ" ۱۵ فروری ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں اس واقعہ کو اخلاق سوز اور شرمناک رنگ سے جگہ دی۔ چنانچہ اس نے لکھا کہ:-

"لدھیانہ ۱۴ فروری۔ آج ٹانگوں اور لاریوں میں پولنگ اسٹیشنوں پر مسلمان عورتوں کو لایا گیا۔ سردار شوکت حیات کے حق میں ووٹیں ڈلوانے کے لئے قادیان سے احمدیہ لڑکیوں اور ہیرا منڈی سے بازاری عورتوں کو لایا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے سروں پر سبز رنگ کے دوپٹے لئے ہوئے تھے" [۴]

نیشنلسٹ اور کانگرس نواز علماء کی مسلم لیگ پر تنقید

انتخابات میں جماعت احمدیہ اور مسلم لیگ کے باہمی تعاون پر نیشنلسٹ اور کانگرس نواز علماء کی طرف سے مسلم لیگ اور قائداعظم پر بہت تنقید کی گئی۔ چنانچہ ناظم اعلیٰ مرکزیہ جمعیتہ علماء ہند نے "تحریک پاکستان

---

[۱] "الفضل" ۲۵ تبلیغ/فروری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔ [۲] "قائداعظم اور دستور ساز اسمبلی" صفحہ ۱۸۲۔ [۳] "الفضل" ۸ تبلیغ/فروری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۶۔ [۴] اخبار "الفضل" ۱۹ تبلیغ/فروری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء) نے اس شرمناک پراپیگنڈا کے جواب میں "آریہ سماجی اخلاق کا جنازہ" کے عنوان سے ایک شذرہ سپرد قلم کیا جس میں لکھا "اس خبر سے سوائے اس کے کہ نامہ نگار کے ناپاک اخلاق اور ایڈیٹر کی گندی ذہنیت آشکارا ہو جائے ہمیں تو اور کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ لیکن اتنا ہم ضرور پوچھیں گے کہ اگر یہی خبر نامہ نگار کی بہو بیٹیوں یا ایڈیٹر پرتاپ کی ماں بہنوں کے متعلق شائع ہو تو کیا وہ ان کو ناگوار نہیں گذرے گی اور ان کے دلوں کو صدمہ نہیں پہنچے گا اور خصوصاً اس وقت جبکہ اس خبر میں صداقت کا ایک ذرہ بھی نہ ہو۔ اگر تمہارے اخلاق اس قدر گندے ہو چکے ہیں کہ ان میں شرافت اور انسانیت کا ایک شمہ بھی باقی نہیں رہا تو بیشک ایک دوسرے کو گالیاں دو اور درندگی کا مظاہرہ جیسے چاہو کرو مگر خدا کے لئے شریف پردہ نشین لڑکیوں کو تو درمیان میں نہ لاؤ"۔

پر ایک نظر" نامی رسالہ میں لکھا:-

"آج مسٹر جناح بیرسٹر کی بجائے مُفتی کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور سر ظفر اللہ قادیانی۔ راجہ محمود آباد شیعہ کو جو پاکستان کے حامی ہیں، مُسلمان دیانتدار قرار دیتے ہیں۔ اور مولانا حسین احمد صاحب مفتی کفایت اللہ صاحب جیسے عالمِ دین ملت کو بد دیانت بے ایمان کہہ دیتے ہیں اور لیگی اخبارات ان جملوں کو نہایت آب و تاب سے شائع کرتے ہیں۔ اور لیگی نوجوان مسٹر جناح کے فتوے پر اعتقاد رکھتے ہیں" ؎

جناب مولوی طفیل احمد صاحب مولوی فاضل دیوبند نے روزنامہ "شہباز" لاہور (مورخہ ۲۰ر نومبر ۱۹۴۵ء) میں لکھا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت حکیم الامت (مولوی اشرف علی صاحب تھانوی۔ ناقل) مسلم لیگ جیسی جماعت کی حمایت کریں۔ اب تو وہ قادیانیوں، دہریوں اور تبرائیوں کی مجسم جماعت ہے۔ لہذا تمام متوسلین کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ حضرت والا کا اتباع کرتے ہوئے لیگ سے علیحدگی اختیار کریں"

اسی طرح جمعیتہ علماء ہند نے مسلم لیگ کے خلاف انتخابی مہم کے دوران ایک دو ورقہ "مسلم لیگ کے شاندار اسلامی کارنامے" کے نام سے تقسیم کیا جس میں قائداعظم محمد علی جناح کو محض اس وجہ سے انانیت پسند اور آمر قرار دیا کہ انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور ۱۹۴۴ء میں احمدیوں کو مسلم لیگ کی رکنیت سے خارج کئے جانے سے متعلق ایک قرارداد کو پیش تک نہیں ہونے دیا۔

ممتاز مُسلم لیگی عالم جناب مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے روزنامہ "نوائے وقت" میں ایک اعلان شائع کیا تھا کہ مُسلم لیگ مسلمانوں کے لئے سفینۂ نجات ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ اس پر میرٹھ کے ایک نیشنلسٹ عالم (مولوی بہاء الحق صاحب قاسمی) نے جناب مولوی شبیر احمد صاحب کی خدمت میں لکھا کہ

"آپ کو معلوم ہوگا .... لیگ کے ممبر ہیں اور ان کی دونوں پارٹیاں (قادیانی اور لاہوری) الیکشن میں لیگ کو کامیاب بنانے کے لئے سر توڑ کوشش اور انتہائی جدو جہد کر رہی ہیں۔ بلکہ مرزا محمود قادیانی نے اعلان کر دیا ہے کہ مُسلم لیگ کی کامیابی "احمدیت" کی کامیابی ہے۔ ان کے علاوہ آج لیگ کی سیاست پر وہ شیعہ لیڈر چھائے ہوئے ہیں جنہوں نے تبرا ایجی ٹیشن میں تبرائیوں کو ہر طرح امداد دی۔ جس جماعت کی تشکیل اس قسم کے بے دینوں اور مرتدوں سے عمل میں لائی گئی ہو۔ اور جو جماعت کمیونسٹوں اور مرزائیوں کو "مسلمان" ہونے

؎ صفحہ ۸ ناظم جمعیتہ علماء ہند مطبوعہ دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی۔

کا سارٹیفکیٹ دیتی ہو۔ اس جماعت کو "سفینہ نجات" قرار دینا آپ کی ذات گرامی سے بعید معلوم ہوتا ہے" [1]

سرگرم اور ممتاز مسلم لیگی علماء کی طرف سے مدلل جواب

جناب مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے اس کا جواب ایک مفصل مکتوب میں دیا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا:۔

" اللہ تعالٰے کی ہزاراں ہزار رحمت امام محمد بن الحسن شیبانی پر کہ انہوں نے یہ مشکل میں ڈالنے والا مسئلہ پہلے سے صاف کر دیا اور تصریح کر دی کہ اہل حق مسلمان خوارج کے ساتھ ہو کر مشرکین سے لڑیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ جنگ دفع فتنہ کفر اور اظہار اسلام کے لئے ہو گی اور اس میں اعلاء کلمۃ اللہ اور اثبات اصل طریق ہے"

" اب رہ گیا کلمہ گو مرتدین کا معاملہ، ان کی تعداد لیگ میں لا لعبا بہ ہے جن کے غلبہ کی کوئی صورت نہیں اور خدانہ کردہ آئندہ ایسا ہو تو اس وقت جو حکم ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا۔ اب الیکشن کے موقعہ پر اگر مرزا محمود وغیرہ نے بدوں لیگ میں شرکت کے لیگ کی تائید کا اعلان کر دیا یہ ان کا فعل ہے جو ہمارے لئے مضر نہیں"

" ایک چیز اور بھی ملحوظ خاطر رہے کہ یہ مرتدین و ملحدین اس طرح کے نہیں جو نفس کلمہ اسلام ہی سے اعلانیہ بیزار ہوں وہ بھی بزعم خود مشرکین سے اسی نام پر لڑتے ہیں کہ مشرکین کے غلبہ و تسلط سے مسلم قوم کو بچایا جائے اور کلمۂ اسلام کو ان کے مقابلہ میں پست نہ ہونے دیا جائے اور مسلمانوں کے قومی و ملی استقلال کی حفاظت ہو"

(شبیر احمد عثمانی از دیوبند ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ ۲۵ نومبر ۱۹۴۵ء) [2]

جناب مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے اپنے ایک خط میں جو انہوں نے مراد آباد کے ایک صاحب (حکیم رشید علی) کے نام بھیجا، چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو اکابر مسلم لیگ میں شمار کرتے ہوئے لکھا:۔

"جن کو آج گورنمنٹ پرست کہا جاتا ہے اور وہ ہی اکابر لیگ سمجھے جاتے ہیں۔ ان ہی کی قیادت و سعادت اس وقت (۱۹۳۷ء میں ناقل) تھی۔ مسٹر جناح، نواب اسمٰعیل خاں صاحب،

---

[1] و [2] "انوار عثمانی" صفحہ ۱۴۲ (مکتوبات شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی) مرتبہ پروفیسر محمد انوار الحسن صاحب انور شیر کوٹی ۱۸۹-اے پیپلز کالونی لائلپور۔ ناشر مکتبہ اسلامیہ مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی ملا

راجہ محمود آباد، چودھری خلیق الزمان اور سر ظفر اللہ خاں قادیانی سب اس میں شریک تھے۔ انہیں سے اکثر آج اس کے قائد ہیں" [1]

اُن دنوں سیالکوٹ کے ایک عالم نے بھی احمدیوں کی مُسلم لیگ میں شرکت و تعاون پر اعتراض کیا جس پر مشہور اہلحدیث عالم جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے جو جواب دیا وہ ہمیشہ آبِ زر سے لکھا جائیگا۔ آپ نے کہا:-

"احمدیوں کا اس اسلامی جھنڈے کے نیچے آجانا اس بات کی دلیل ہے کہ واقعی مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ وجہ یہ کہ احمدی لوگ کانگرس میں تو شامل ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ خالص مسلمانوں کی جماعت نہیں ہے اور نہ احرار میں شامل ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ سب مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ صرف اپنی احراری جماعت کے لئے لڑتے ہیں جن کی امداد پر کانگریسی جماعت ہے اور حدیث الدین النصیحۃ کی تفصیل میں خود رسول مقبول نے عامہ مسلمین کی خیر خواہی کو شمار کیا ہے (صحیح مُسلم)

ہاں اس وقت مُسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو خالص مسلمانوں کی ہے۔ اس میں مسلمانوں کے سب فرقے شامل ہیں۔ پس احمدی صاحبان بھی اپنے آپ کو ایک اسلامی فرقہ جانتے ہوئے اس میں شامل ہو گئے جس طرح کہ اہلحدیث اور حنفی اور شیعہ وغیرہم شامل ہوئے اور اس امر کا اقرار کہ احمدی لوگ اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ ہیں مولنا ابو الکلام صاحب کو بھی ہے۔ اُن سے پُوچھئے۔ اگر وہ انکار کریں گے تو ہم ان کی تحریروں میں دکھا دیں گے" [2]

گوجرانوالہ کے ایک مشہور اہلحدیث عالم مولوی محمد اسماعیل صاحب نے ایک دو ورقہ [3] میں مُسلم لیگ پر طعن کیا کہ اس میں قادیانی، رافضی، اسماعیلی اور بریلوی شامل ہیں اور انہی فرقوں کی جماعت بندی کا دوسرا نام مُسلم لیگ ہے۔ جناب مولوی میر محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے اس اعتراض کا بھی مسکت جواب دیا۔ جو یہ تھا:-

---

[1] "انوار عثمانی" صفحہ ۱۸۶ (مکتوبات شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی) مرتبہ پروفیسر محمد انوار الحسن صاحب انور شیرکوٹی۔

[2] "پیغام ہدایت در تائید پاکستان و مُسلم لیگ" صفحہ ۱۱۲ - ۱۱۳، مرتبہ مولوی محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی (جنوری ۱۹۴۶ء) مطبوعہ ثنائی پریس امرتسر۔

[3] ناشر مولوی عطاء اللہ صاحب بھوجیانی خطیب جامع اہلحدیث شہر فیروز پور۔

"اُمتِ مرحومہ کے ان سب فرقوں نے اصل اسلام جو سب میں مشترک اور متفق علیہ ہے یعنی کلمۂ اسلام لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر اجماع کیا ہے اور اس کلمہ طیبہ کے قائلین کو مشرکین و کفار کے تغلب سے خواہ وہ صنم پرست ہوں یا صلیب پرست ہوں بچانے پر متفق ہوئے ہیں۔ خواہ وہ تغلب اس وقت موجود ہے، خواہ اس کا آیندہ اندیشہ ہے۔ اور پاکستان کے نظام کی بناء اسی بات پر ہے . . . اور آپ سے پوشیدہ نہیں کہ سوائے اس کے مسلمانوں کی تنظیم کی کوئی صورت نہیں۔ جو خوبی تھی آپ نے اُسے طعن بنا دیا جو سراسر بے جا ہے"[1]

۱۹۴۶ء کے صوبائی انتخاب کے دوران مشہور اہلحدیث عالم مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے ایک بیان میں کہا:-

"پاکستان کے مفہوم پر جو اعتراضات مجھے پہنچے ہیں میں اُن کو صحیح نہیں سمجھتا۔ مثلاً یہ کہا گیا ہے کہ اس کے بانی رافضی ہیں، بدعتی ہیں اور مرزائی بھی شریک ہیں وغیرہ وغیرہ۔ میرے خیال میں یہ اعتراضات سیاسی اصول سے بالاتر ہیں۔ سیاسیات میں قوم کو بحیثیت نوع کے دیکھا جاتا ہے اصناف کا لحاظ نہیں ہوتا"[2]

جماعت احمدیہ کی طرف سے یونینسٹ وزارت کے خلاف احتجاج

۱۹۴۵-۴۶ء کے انتخابات سے اگرچہ مسلم لیگ کی نمائندہ حیثیت بالکل واضح ہو گئی مگر کانگرس نے پنجاب میں سر گلانسی گورنر پنجاب کی شہ اور اشارہ پا کر یونینسٹ پارٹی کے لیڈر سر خضر حیات خاں سے تعاون کر لیا۔ سر گلانسی نے مُسلم اکثریت کو نظرانداز کر دیا اور ملک خضر حیات کی قیادت میں کانگرس، اکالی اور یونینسٹوں کے سات مسلمان ممبر ملا کر ایک کولیشن بنا دی گئی۔ ہندوستانی عیسائیوں کا تعاون حاصل کرنے کیلئے انہیں سپیکرشپ کی پیشکش کی گئی۔ اس طرح پنجاب میں مُسلم لیگ ۷۹ ممبر رکھنے کے باوجود مسلم لیگی وزارت نہ بن سکی اور عوام کی مرضی کے خلاف دوبارہ وہ حکومت ٹھونس دی گئی جو وہ انتخابات میں مسترد کر چکے تھے۔

اس غیر نمائندہ اور غیر آئینی وزارت کے خلاف ۱۰ مارچ ۱۹۴۶ء کو قادیان میں حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے کی صدارت میں ایک احتجاجی جلسہ کیا گیا جس میں مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعہ احمدیہ نے حسب ذیل قرارداد پیش کی جو بالاتفاق پاس کی گئی:-

"مسلمانانِ قادیان کا یہ عظیم الشان اجتماع گورنر پنجاب کے اس طریق کو جو اس وقت وزارت

---

[1] "پیغام ہدایت در تائید پاکستان و مسلم لیگ" صفحہ ۱۹۲۔
[2] " " " صفحہ ۱۷۰۔

قائم کرنے کے لئے اختیار کیا جا رہا ہے، صوبہ پنجاب کے مسلمانوں کی حق تلفی یقین کرتا ہے. اس وزارت میں صوبہ کی مُسلم اکثریت کی کوئی نمائندگی نہیں. حکومت کا فرض تھا کہ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کو تشکیل وزارت کے لئے دعوت دے کیونکہ اسی پارٹی کو اکثریت حاصل ہے. لیکن گورنر صاحب نے اس مُسلم اکثریت والے صوبہ کے حقوق کو نظر انداز کرتے ہوئے ایسی پارٹی کی وزارت مرتب کرانے کی کوشش کی ہے جو مسلمانان پنجاب کی بالکل نمائندہ نہیں ہوگی. ہم اس طریق کو غیر آئینی اور غیر رسمی اور خلافِ عُرف تصور کرتے ہیں اور اس کے خلاف پُر زور صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں کیونکہ اس میں صوبہ کی اکثریت کی حق تلفی ہے۔" [1]

فصل چہارم

ہندوستان میں پارلیمنٹری مشن کی آمد

حضرت مصلح موعود کی رہنمائی، مخلصانہ مشورہ اور مُسلم لیگ اور قائد اعظم کے موقف کی زبردست حمایت

عبوری حکومت کا قیام اور مُسلم لیگ کا احتجاج اور فیصلہ راست اقدام

مرکزی و صوبائی انتخابات ختم ہوئے تو برطانیہ کی لیبر حکومت نے جس کے وزیر اعظم مسٹر ایٹلی تھے ہندوستان کے سیاسی تعطل کو دُور کرنے کے لئے ایک سکیم دے کر لارڈ پیتھک لارنس (وزیر ہند)، مسٹر سٹیفورڈ کرپس (لارڈ پریوی سیل) اور الیگزینڈر (وزیر بحر) پر مشتمل ایک وزارتی مشن ہندوستان بھیجا. یہ وفد ۲۵ مارچ ۱۹۴۶ء کو دہلی پہنچا- اور آتے ہی مُسلم لیگ اور کانگرس کے زعماء سے بات چیت میں مصروف ہوگیا۔

وزارتی مشن کے منصوبے کا مختصر خاکہ یہ تھا کہ ملک کو تین علاقوں میں ترتیب دی جائے (ا) صوبہ جات مدراس، بمبئی، یوپی، بہار، سی پی اور اڑیسہ (ب) پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد (ج) بنگال اور آسام

---

[1] "الفضل" ۱۱ امان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۳، ۴۔

ان تین علاقوں کی اپنی اپنی علاقائی حکومت ہو اور تمام ملک کی وفاقی حکومت ہو جس میں یہ تین علاقے منسلک ہوں مرکزی حکومت کے اختیارات امور خارجہ، امور متعلقہ دفاع، صیغہ مواصلات اور ان محکمہ جات کے متعلقہ مالیات پر مشتمل ہوں اور ان تک محدود ہوں۔ بقیہ تمام امور اور صیغہ جات علاقائی حکومتوں کے سپرد ہوں۔ یہ نظام دس سال تک جاری رہے۔ دس سال کی میعاد پوری ہونے پر علاقہ ب و ج کو اختیار ہو کہ اگر ان میں سے ایک یا دونوں چاہیں تو وفاقی نظام سے علیحدہ ہو کر اپنی اپنی مستقل آزاد حکومت قائم کرلیں۔ اس امر کا فیصلہ علاقے کی مجلس قوانین ساز کے اختیار میں ہو۔ علاقہ ج کے متعلق یہ شرط بھی رکھی گئی کہ اگر علاقائی مجلس علیحدگی کا فیصلہ کرے تو آسام کے نمائندگان کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی کثرت رائے سے یہ فیصلہ کریں کہ وہ علاقے میں شامل نہیں رہنا چاہتے اور علاقہ سے علیحدگی پر وہ علاقہ لا میں شامل ہوجائیں گے۔

پارلیمنٹری مشن کی ہندوستان میں آمد پر حضرت مصلح موعود نے ایک دینی اور رُوحانی پیشوا کی حیثیت سے برطانوی ارکان، مسلم لیگ اور کانگرس سب کو اُن کی نازک ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور ہندوستان کی گُتھی کو عدل و انصاف اور اخلاق کے تقاضوں کے مطابق سُلجھانے کا مخلصانہ مشورہ دیا نیز مُسلم لیگ کے موقف کی زبردست حمایت کی اور کانگرس کے بے بنیاد پراپیگنڈا کی حقیقت واقعات کی روشنی میں واضح فرمائی اور اُسے مشورہ دیا کہ وہ تبدیلی مذہب کے متعلق اپنا زاویۂ نگاہ بدل لے۔ حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے جس مضمون میں یہ سب امور بیان فرمائے اس کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے:۔[1]

"أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

پارلیمنٹری مشن اور ہندوستانیوں کا فرض

پارلیمنٹری وفد ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لئے ہندوستان میں وارد ہو چکا ہے۔ مجھ سے کئی احمدیوں نے پوچھا ہے کہ احمدیوں کو اُن کے خیالات کے اظہار کا موقعہ کیوں نہیں دیا گیا۔ میں نے اس کا جواب اُن

---

[1] اس اہم مضمون کا ایک حصہ اخبار "انقلاب" لاہور نے اپنی ۱۹ اپریل ۱۹۴۶ء (صفحہ ۳) کی اشاعت میں بھی دیا تھا۔

احمدیوں کو یہ دیا کہ اوّل تو ہماری جماعت ایک مذہبی جماعت ہے (گو مسیحیوں کی انجمن کو کمیشن نے اپنے خیالات کے اظہار کی دعوت دی ہے) دُوسرے جہانتک سیاسیات کا تعلق ہے جو حال دوسرے مسلمانوں کا ہوگا وہی ہمارا ہوگا۔ تیسرے ہم ایک چھوٹی اقلیت ہیں اور پارلیمنٹری وفد اس وقت اُن سے بات کر رہا ہے جو ہندوستان کے مستقبل کو بنا یا بگاڑ سکتے ہیں۔ دُنیوی نقطہ نگاہ سے ہم ان جماعتوں میں سے نہیں ہیں۔ اس لئے باوجود اس امر کے کہ جنگی سرگرمیوں کے لحاظ سے اپنی نسبتِ آبادی کے مدِنظر ہم تمام دُوسری جماعتوں سے زیادہ قربانی کرنے والے تھے کمیشن کے نقطہ نگاہ سے ہمیں کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ چوتھے یہ کہ خواہ کمیشن کے سامنے ہمارے آدمی پیش ہوں یا نہ ہوں ہم اپنے خیالات تحریر کے ذریعہ سے ہر وقت پیش کر سکتے ہیں۔

سو جواب کے آخری حصہ کے مطابق مَیں چند باتیں پہلی قسط کے طور پر پارلیمنٹری وفد اور ہندوستان کے نمائندوں سے کہنا چاہتا ہوں۔

وفد کے ممبران کو مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دُنیا کا فساد سب سے زیادہ اس امر سے ترقی کر رہا ہے کہ حکومتیں اخلاقی اصول کی پیروی سیاسیات میں ضروری نہیں سمجھتیں۔ حالانکہ سیاست افراد کو تسلّی دینے کے لئے برتی جاتی ہے اور افراد جو اخلاق کی بناء پر سوچنے اور غور کرنے کے عادی ہیں جب ایک فیصلہ ایسا دیکھتے ہیں کہ جس کی بنیاد عام جانتے بُوجھتے ہوئے اخلاقی نظریات کے خلاف ہوتی ہے تو وہ اس سے تسلّی نہیں پاتے اور اُن کے دل کی خلش انہیں شورش اور فساد پر آمادہ کر دیتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قومی امیدوں اور امنگوں کے پُورا نہ ہونے پر بھی شورش ہوتی ہے لیکن وہ شورش دیرپا نہیں ہوتی اور اس کا ازالہ کرنا ممکن ہوتا ہے لیکن اخلاقی اصول کے خلاف کیا گیا فیصلہ سینکڑوں اور ہزاروں سال تک فساد اور بے چینی کو لمبا کئے جاتا ہے۔ پس انہیں چاہیئے کہ ہندوستان کی الجھنوں کا حل صرف سیاست کی مدد سے کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ اخلاق کے اصول کے مطابق اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں تا اگر اس حل سے کوئی فساد پیدا ہو تو وہ دیرپا نہ ہو۔

دوسرے اس میں کوئی شک نہیں کہ سیاسی وعدے حالات کے بدلنے سے بدل سکتے ہیں۔ مثلاً ایک گورنمنٹ سے کسی دوسری گورنمنٹ کا کوئی معاہدہ ہو۔ لیکن بعد میں اس ملک کی اکثریت اپنی گورنمنٹ کے خلاف ہو جائے تو معاہد حکومت یقیناً پابند نہیں کہ اوّل الذکر حکومت کا ان حالات میں بھی ساتھ دے۔ کیونکہ معاہدہ اس امر کی فرضیت پر مبنی تھا کہ وہ حکومت اپنے مُلک کی نمائندہ ہے۔ جب وہ نمائندہ نہ رہے تو معاہد حکومت

کا حق ہے کہ اپنے سابق معاہدہ کو تبدیل کر دے جیسا کہ پولینڈ کی حکومت کے بارہ میں انگلستان نے کیا (اس امر کو میں نظر انداز کرتا ہوں کہ انگلستان نے پوری تحقیق اس امر کی کر لی تھی کہ نہیں کہ پولینڈ کی اکثریت سابق حکومت کے ساتھ ہے یا خاص حالات پیدا کر کے اس سے خلاف رائے لے لی گئی ہے) لیکن اگر حالات وہی ہوں جیسے کہ پہلے تھے تو پھر یہ کہہ کر سابق وعدہ کو نظر انداز کر دینا کہ حالات بدلنے پر وعدے بھی بدل سکتے ہیں اخلاق کے خلاف ہوگا۔ حکومت انگریزی کو اپنے سابق وعدوں میں کسی تبدیلی سے پہلے یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ وہ کون سے حالات تھے جن میں کوئی وعدہ انہوں نے کیا تھا اور اب کون سے نئے حالات پیدا ہو گئے ہیں جن کا طبعی نتیجہ وعدہ کی تبدیلی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جب تک وہ ایسا نہ کریں ان کا یہ کہہ دینا کہ اب حالات بدل گئے ہیں صرف متعلقہ جماعت کے دلوں میں شکوک اور جائز شکوک پیدا کرنے کا موجب ہوگا۔ اخلاق کی طاقت یقیناً انگلستان اور ہندوستان بلکہ تمام دُنیا کی مجموعی طاقت سے بھی زیادہ ہے۔ پس اگر حقیقتاً حالات نہ بدلے ہوں تو گول مول الفاظ استعمال کرنے کی بجائے پارلیمنٹری وفد کو اعلان کرنا چاہیئے کہ ہم سے پہلی حکومت بد دیانتی سے ہندوستانیوں کو لڑوانے کے لئے بعض اقوام سے کچھ وعدے کر چکی ہے جو ہم برسر اقتدار ہونے کے بعد پورا کرنے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن یہ درست نہیں کہ وہ ایک ہی سانس میں پہلی حکومت کی دیانت کا بھی اظہار کرے اور اس کے وعدوں کو یہ کہہ کر توڑ بھی دے کہ بدلے ہوئے حالات میں وعدے بھی بدل جاتے ہیں۔ (حالانکہ جن حالات میں وہ وعدے کئے گئے تھے وہ بالکل نہ بدلے ہوں) عوام الناس فقروں میں آجاتے ہیں۔ لیکن عقلمند لوگ صرف فقروں سے دھوکا نہیں کھاتے۔

تیسری بات میں مشن کے ممبروں سے یہ کہنی چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی حالت پیدا کر دینا جس کے نتیجہ میں ایک اقلیت اپنے حقوق لینے سے محروم رہ جائے خود انگلستان کو ہی مجرم بنائے گا۔ انگلستان یہ کہہ کر بچ نہیں سکتا کہ اس نے یہ نتیجہ پیدا نہیں کیا۔ نتائج کی ذمہ داری ذرائع کے پیدا کرنے والے پر ہی ہوا کرتی ہے۔

چوتھی بات کمشن کے ممبروں سے میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ اگر وہ انصاف کو قائم رکھیں گے تو یقیناً ہندو مُسلم سمجھوتہ کرانے میں کامیاب ہو سکیں گے۔ میں اس امر کا قائل نہیں کہ انگلستان کا بنایا ہوا ہندوستان اصل ہندوستان ہے۔ لیکن میں اس امر کا بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہندوستان میں جس قدر اتحاد بھی باہمی سمجھوتہ سے ہو سکے، وہ یقیناً ہندوستان اور دوسری دُنیا کے لئے مفید ہوگا۔ میں برٹش ایمپائر کے اصول کا دیرینہ مدّاح ہوں۔ میرے نزدیک برطانوی امپائر کا اصول اس وقت تک کی قائم کردہ انٹرنیشنل لیگ یا یو۔این۔اے سے بدرجہا بہتر

ہے۔اس کی اصلاح کی تو ضرورت ہے۔لیکن اس کے حصہ دار بننے کا نام غلامی رکھنا ایک جذباتی مظاہرہ تو کہلا سکتا ہے حقیقت نہیں کہلا سکتا۔ مگر بہرحال ہندوستان کے مختلف حصوں کا باہمی تعاون اور ہندوستان کا برطانوی امپائر سے تعاون باہمی سمجھوتے پر مبنی ہونا چاہیئے۔

پانچویں۔ ہر سیاسی اصل ضروری نہیں کہ ہر جگہ اپنی تمام شقوں کے ساتھ چسپاں ہو سکے۔میرا تجربہ ہے کہ انگلستان کے اکثر مدبر اپنے ملک کے تجربہ کو ہندوستان پر ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ہندوستان کے حالات یقیناً انگلستان سے مختلف ہیں۔یہاں آزادی کا بھی اور مفہوم ہے اور انصاف کا بھی اور مفہوم ہے۔ مجھے ایک صاحب نے بتایا کہ جب انہوں نے مسٹر گاندھی سے سوال کیا کہ کیا آزاد ہندوستان میں مذہب کی تبدیلی کی اجازت ہوگی۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ مذہب کی آزادی ضرور ہوگی مگر مذہب کی تبدیلی ایک سیاسی مسئلہ ہے۔اس بارہ میں حکومت مناسب رویہ اختیار کر سکتی ہے۔میرے نزدیک یہ نظریہ آزادی کے صریح خلاف ہے۔میں نے اس امر کی تحقیق کے لئے جماعت احمدیہ کے مرکزی عہدہ داروں سے کہا کہ وہ کانگرس سے اس کا نقطہ نگاہ دریافت کریں۔مجھے بتایا گیا ہے کہ جماعت کے سکرٹری نے اس بارہ میں جو چٹھی لکھی اُس کا جواب کانگرس کے سیکرٹری نے نہیں دیا۔ پھر رجسٹری خط گیا۔اس کا بھی جواب نہیں دیا۔اس پر تیسرا خط رجسٹری کر کے ارسال کیا گیا مگر اس کا جواب بھی نہ دیا گیا۔تب تار دی گئی کہ اگر اب بھی جواب نہ دیا گیا تو معاملہ مسٹر گاندھی کے سامنے رکھا جائیگا اس پر کانگرس کے سیکرٹری نے جواب دیا کہ مسٹر بوس کو افسوس ہے کہ اب تک جواب نہیں دیا گیا (اس وقت سبھاش چندر بوس کانگرس کے پریذیڈنٹ تھے) اب جواب بھجوایا جا رہا ہے۔یہ جواب جب موصول ہوا تو اس میں یہ لکھا تھا کہ آپ کو کانگرس کے کراچی ریزولیوشن نمبر فلاں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے جب لکھا گیا کہ اس ریزولیوشن کی تعبیر کے متعلق تو ہمارا سوال ہے۔ تو اس کا یہ جواب دیا گیا کہ کانگرس ہی اپنے ریزولیوشن کی تعبیر کر سکتی ہے۔جب اس پر کہا گیا کہ کانگرس سے تو اس کے عہدہ دار ہی پوچھ سکتے ہیں۔ہمارے پاس کونسا ذریعہ ہے۔ تو اس پر جواب دیا گیا کہ ہم نہیں پوچھ سکتے ، آپ ہی دریافت کریں۔ اس واقعہ نے ثابت کر دیا کہ کانگرس کے نزدیک آزادی کا مفہوم یُورپ کے زمانہ وسطیٰ والا ہے جسے مسلمان کسی صورت میں تسلیم نہیں کر سکتے۔چنانچہ عملاً اس کا یہ نمونہ موجود ہے کہ ہندو ریاستوں میں ایک ہندو اگر مُسلمان ہو جائے ، تو اوّل بغیر مجسٹریٹ کی اجازت کے وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ دوم اُسے اپنے ورثہ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔کانگرس سے جو ہماری گفت و شنید ہوئی ہے اس نے ریاستوں کے اس رویہ پر مُہر تصدیق لگا دی ہے۔غرض صرف ڈیموکریسی کے لفظ پر نہیں جانا

چاہیئے۔ یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ ڈیموکریسی کا مفہوم کسی قوم میں کیا ہے۔ اس وقت رُوس مغربی حکومتوں کے خلاف بار بار یہ اعلان کر رہا ہے کہ مغربی ممالک سیکرٹری ایکشنری لوگ ہمارے خلاف یُونان اور ایران اور چین کی تائید کے نام سے غلط فضا پیدا کر رہے ہیں۔ لیکن کیا صرف ری ایکشنری کے لفظ کے استعمال کی وجہ سے انگلستان اور امریکہ کے لوگ اپنی منصفانہ پالیسی چھوڑ دیں گے۔ اگر نہیں تو صرف ڈیموکریسی کے لفظ کے استعمال سے بھی اُن کی تسلی نہیں ہو جانی چاہیئے۔

مَیں مُسلمانوں کے نمائندوں کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ ہندوستان ہمارا بھی اسی طرح ہے جس طرح ہندوؤں کا۔ ہمیں بعض زیادتی کرنے والوں کی وجہ سے اپنے ملک کو کمزور کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ اس مُلک کی عظمت کے قیام میں ہمارا بہت کچھ حصّہ ہے۔ ہندوستان کی خدمت ہندوؤں نے تو انگریزی زمانہ میں انگریزوں کی مدد سے کی ہے۔ لیکن ہم نے اس مُلک کی ترقی کے لئے آٹھ سو سال تک کوشش کی ہے۔ پشاور سے لے کر منی پور تک اور ہمالیہ سے لے کر مدراس تک ان محبانِ وطن کی لاشیں ملتی ہیں جنہوں نے اس ملک کی ترقی کے لئے اپنی عُمریں خرچ کر دی تھیں۔ ہر علاقہ میں اسلامی آثار پائے جاتے ہیں۔ کیا ہم ان سب کو خیرباد کہہ دیں گے کیا ان کے باوجود ہم ہندوستان کو ہندوؤں کا کہہ سکتے ہیں۔ یقیناً ہندوستان ہندوؤں سے ہمارا زیادہ ہے قدیم آریہ ورت کے نشانوں سے بہت زیادہ اسلامی آثار اس ملک میں ملتے ہیں۔ اس ملک کے مالیہ کا نظام، اس ملک کا پنچائتی نظام، اس ملک کے ذرائع آمد و رفت سب ہی تو اسلامی حکومتوں کے آثار میں سے ہیں۔ پھر ہم اُسے غیر کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ کیا سپین میں سے نکل جانے کی وجہ سے ہم اُسے بھُول گئے ہیں ہم یقیناً اُسے نہیں بھُولے۔ ہم یقیناً ایک دفعہ پھر سپین کو لیں گے۔ اسی طرح ہم ہندوستان کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ مُلک ہمارا ہندوؤں سے زیادہ ہے۔ ہماری سُستی اور غفلت سے عارضی طور پر یہ ملک ہمارے ہاتھ سے گیا ہے۔ ہماری تلواریں جس مقام پر جا کر کُند ہو گئیں۔ وہاں سے ہماری زبانوں کا حملہ شروع ہوگا۔ اور اسلام کے خوبصورت اصول کو پیش کر کے ہم اپنے ہندو بھائیوں کو خود اپنا جزو بنا لیں گے۔ مگر اس کے لئے ہمیں راستہ کو کھُلا رکھنا چاہیئے۔ ہمیں ہرگز وہ باتیں قبول نہیں کرنی چاہئیں جن میں اسلام اور مسلمانوں کی موت ہو۔ مگر ہمیں وہ طریق بھی اختیار نہیں کرنا چاہیئے جس سے ہندوستان میں اسلام کی حیات کا دروازہ بند ہو جائے۔ میرا یقین ہے کہ ہم ایک ایسا منصفانہ طریق اختیار کر سکتے ہیں۔ صرف ہمیں اپنے جذبات کو قابُو میں رکھنا چاہیئے۔ اسلام نے انصاف اور اخلاق پر سیاسیات کی بنیاد رکھ کر سیاست کی سطح کو بہت

اُونچا کر دیا ہے۔ کیا ہم اس سطح پر کھڑے ہو کر صُلح اور محبت کی ایک دائمی بُنیاد نہیں قائم کر سکتے۔ کیا ہم کچھ دیر کے لئے جذباتی نعروں کی دُنیا سے الگ ہو کر حقیقت کی دُنیا میں قدم نہیں رکھ سکتے تا ہماری دُنیا بھی درست ہو جائے اور دُوسروں کی دُنیا بھی درست ہو جائے۔

مَیں مُسلمانوں سے یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ یہ وقت اتحاد کا ہے۔ جس طرح بھی ہو اپنے اختلافات کو مٹا کر مُسلمانوں کی اکثریت کی تائید کریں اور اکثریت اپنے لیڈر کا ساتھ دے اس وقت تک کہ یہ معلوم ہو کہ اب کوئی صورت سمجھوتہ کی باقی نہیں رہی اور اب آزادانہ رائے دینے کا وقت آ گیا ہے۔ مگر اس معاملہ میں جلدی نہ کی جائے تا کامیابی کے قریب پہنچ کر ناکامی کی صورت نہ پیدا ہو جائے۔

مَیں ہندُو بھائیوں سے اور خصوصاً کانگرس والوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ اگر کانگرس کے لئے مسٹر گاندھی نے اَور کچھ بھی نہ کیا ہو تو بھی اُنہوں نے اس پر یہ احسان ضرور کیا ہے کہ اُسے اس اصل کی طرف ضرور توجہ دلائی ہے کہ ہمارے فیصلوں کی بنیاد اخلاق پر ہونی چاہیئے۔ تفصیل میں مجھے خواہ اُن سے اختلاف ہو مگر اصول میں مجھے ان سے اختلاف نہیں۔ کیونکہ میرے آقا محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس اصل کو جاری کیا ہے۔ آپ لوگوں کو غور کرنا چاہیئے کہ ایک طرف تو آپ لوگ عدم تشدّد کے قائل ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کے مقابل پر اپنے مطالبات پُورے نہ ہونے کی صورت میں بعض لیڈر دھمکیاں بھی دے رہے ہیں۔ مَیں نے آج ہی ایک کانگرسی لیڈر کا اعلان پڑھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ

"کوئی اسے اچھا سمجھے یا بُرا، اس کے نتیجہ میں ملک میں شدید فساد پیدا ہوگا"

پھر لکھتے ہیں:-

"مگر جو کوئی بھی مُلک کے موجودہ جذبات کو جانتا ہے اس بات کو معلوم کر سکتا ہے کہ کوئی طاقت اس (فساد) کو روک نہیں سکتی اندر ممکن ہے کہ یہ (فساد) ایک ایسی شکل اختیار کر لے جسے ہم میں سے کوئی بھی روک نہ سکے"

اس لیڈر نے اس کا بھی ذکر کیا ہے کہ مسٹر جناح نے بھی خون خرابہ کی دھمکی دی ہے۔ یہ درست ہے۔ مگر مسٹر جناح نے غلطی کی یا درست کام کیا، وہ عدم تشدّد کے قائل نہیں۔ ان پر یہ الزام نہیں لگ سکتا کہ وہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ مگر کانگرس جو عدم تشدّد کی قائل ہے اگر اس کا ایک لیڈر ایسی بات کرتا ہے تو وہ یقیناً دو باتوں میں سے ایک کو ثابت کرتا ہے۔ یا تو اس امر کو کہ کانگرس کی عدم تشدّد کی پالیسی صرف

اس لئے تھی کہ جب وہ جاری کی گئی کانگرس کمزور تھی۔ اس لئے اس پالیسی کے اعلان کے ذریعہ دُنیا پر یہ اثر ڈالنا مقصود تھا کہ ہم تو عدم تشدّد کرنے والے ہیں۔ ہماری گرفتاریاں کر کے برطانیہ ظلم کر رہا ہے یا ہندوستانی گورنمنٹ کی آنکھوں میں خاک ڈالنا مقصود تھا کہ ہم تو عدم تشدّد کے بڑے حامی ہیں۔ ہمیں اپنا کام کرنے دیں۔ ہم آپ کی حکومت کے لئے مشکلات پیدا نہیں کرتے یا پھر اس اعلان کے یہ معنے ہیں کہ پبلک پر اثر کا دعویٰ کرنے میں کانگرس حقیقت کے خلاف جاتی ہے کیونکہ ہر قوم میں سے کچھ لوگ اپنے لیڈروں کے خلاف ضرور جا سکتے ہیں لیکن قوم کا اتنا حصہ لیڈروں کے خلاف نہیں جا سکتا جو مُلک کے حالات کو قابُو سے باہر کر دے۔ یہ اسی وقت ہوتا ہے جبکہ لیڈر لیڈر رہی نہ ہو اور اپنے اثر اور قبضہ کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہو۔ کانگرس کے لیڈروں کو اس موقعہ پر بہت ہوشیاری سے کام کرنا چاہیئے ورنہ انہیں یاد رہے کہ سیاسی حالات یکساں نہیں رہتے۔ اس قسم کے بیج کبھی نہایت تلخ پھل بھی پیدا کر دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ خواہ وہ مانیں یا نہ مانیں اس دُنیا کا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے اور وہ تعداد میں زیادہ، مال میں زیادہ حکومت میں طاقتور قوم کو تھوڑے اور کمزور لوگوں پر ظُلم نہیں کرنے دے گا۔ اسلام ہر حالت میں زندہ رہے گا خواہ مسلمانوں کی غلطیوں کی وجہ سے عارضی طور پر تکلیف اُٹھا لے۔

ایک اَور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جیسا کہ اُوپر لکھ چکا ہوں۔ مَیں اس بات کے حق میں ہوں کہ ہو سکے تو باہمی سمجھوتے سے ہم لوگ اسی طرح اکٹھے رہیں جس طرح کئی سَو سال سے اکٹھے چلے آتے ہیں لیکن فرض کرو مسلمان کلّی طور پر باقی ہندوستان سے انقطاع کا فیصلہ کریں اور برطانیہ انہیں مجبور کر کے باقی ہندوستان سے ملا دے اور جیسا کہ مسٹر جناح نے کہا ہے مسلمان بزور اس فیصلہ کا مقابلہ کریں تو یقیناً وہ قانوناً باغی نہیں کہلا سکتے۔ کیونکہ یہ ایک نیا انتظام ہوگا اور نئی گورنمنٹ۔ سابق گورنمنٹ کو کوئی حق نہیں کہ وہ مسلمانوں کو جو اس ملک کے اصل حاکم تھے۔ دوسروں کے ماتحت ان کی مرضی کے خلاف کر دے۔ اس حکومتی ردّ و بدل کے وقت ہر حصہ ملک کو نیا فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے اور اپنے حق کو بزور لینے کا فیصلہ کرتے وقت وہ انٹرنیشنل قانون کے مطابق ہرگز باغی نہیں کہلا سکتے۔ مگر کیا ہندوؤں کو بھی قانون کا تحفظ حاصل ہے۔ وہ کب اس شکل میں مُسلم صوبوں کے حاکم ہوئے تھے کہ انہیں دستور قدیمہ کو قائم رکھنے کا قانونی حق حاصل ہو۔ حکومتوں کے بدلنے پر سٹیٹس کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا۔ پس مسلمان خدانخواستہ اگر ایسا کرنے پر مجبور ہوں تو قانونی لحاظ سے وہ جائز کام کریں گے۔ ہندو اگر جبراً ان کو اپنے ماتحت لانا چاہیں تو قانونی لحاظ سے وہ ظالم ہوں گے۔ اگر

انگریز مسلمانوں کو ان کی مرضی کے خلاف بقیہ ہندوستان سے ملا دیں تو وہ بھی ظالم ہوں گے۔ کیونکہ مسلمان بھیڑ بکریاں نہیں کہ انگریز جس طرح چاہیں اُن سے سلوک کریں۔

پس مَیں نصیحت کرتا ہوں کہ اس مشکل کو محبت سے سلجھانے کی کوشش کی جائے۔ زور اور خود ساختہ قانون سے نہیں۔ مَیں ہندوؤں کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا دل ان کے ساتھ ہے ان معنوں میں کہ مَیں چاہتا ہوں کہ ہندو مسلمانوں میں آزادانہ سمجھوتہ ہو جائے اور یہ سوتیلے بھائی اس مُلک میں سگے بن کر رہیں۔"

مَیں اُوپر لکھ چکا ہوں کہ مَیں اس امر کے حق میں ہوں کہ جس طرح ہو ہندوستان کے متحد رکھنے کی کوشش کی جائے خواہ ہماری جُدائی اصلی جُدائی نہ ہو بلکہ جُدائی اتحاد کا پیش خیمہ ہو۔ مگر مَیں اپنے ہندو بھائیوں سے یہ بھی ضرور کہوں گا کہ غلط دلائل کسی حقیقت کو ثابت نہیں کر سکتے بلکہ بہت دفعہ حقیقت کو اور بھی مشتبہ کر دیتے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی دلیل ہے کہ پنجاب سندھ وغیرہ صوبوں کے الگ ہو جانے سے ہندوستان کا ڈیفنس کمزور ہو جائے گا۔ کینیڈا کے الگ ہو جانے سے کیا یونائیٹڈ سٹیٹس کا ڈیفنس کمزور ہو گیا ہے؟ میکسیکو کی آزادی سے کیا یونائیٹڈ سٹیٹس کا ڈیفنس کمزور ہو گیا ہے؟ ارجنٹائن کے الگ ہونے سے کیا برازیل کا ڈیفنس کمزور ہو گیا ہے؟ اگر مُسلم صُوبے الگ بھی ہو جائیں تو باقی ہندوستان کا کیا بگڑ سکتا ہے۔ اس وقت بھی ہندوستان کی آبادی رُوس سے قریباً دُگنی، یونائیٹڈ سٹیٹس سے قریباً اڑھائی گُنی، سابق جرمنی سے قریباً چار گُنی ہو گی اور مُلک کی وسعت بھی کافی ہو گی۔ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ مُسلم صُوبے الگ ہو کر ترقی نہیں کر سکیں گے۔ دوسری طرف یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے الگ ہو جانے سے ہندوستان اپنی عظمت کھو بیٹھے گا۔ اگر ہندوستان کی عظمت اسلامی صوبوں سے ہے تو اُن کے الگ ہونے پر اسلامی صوبوں کو نقصان کیونکر پہنچے گا۔ یہ تو وہی دلیل ہے جو رُوس اس وقت پولینڈ، رومانیہ، بلغاریہ، ٹرکی اور ایران کے بعض صوبوں پر قبضہ کرنے کی تائید میں دیتا ہے۔ رُوس اپنی تمام طاقت کے ساتھ تو جرمنی اور اٹلی کے حملہ سے جو تباہ شدہ مُلک ہیں نہیں بچ سکتا۔ نہ افغانستان اور جنوبی ایران جیسے زبردست ملکوں کے حملوں سے بچ سکتا ہے۔ اس کے بچنے کی صرف یہی صورت ہے کہ پولینڈ اور رومانیہ اور بلغاریہ اس کے زیر تصرف ہو جائیں یا ٹرکی کے بعض صوبے اور ایران کا شمالی حصہ اُسے مل جائے۔ کیا یہ دلیل ہے؟ کیا ایسی ہی دلیلوں سے ہندو مسلمانوں کے دلوں میں اعتبار پیدا کر سکتے ہیں۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ اس نازک موقعہ پر اخلاق پر اپنے دعووں کی بُنیاد رکھیں بھلا اس قسم کے دعووں سے کہ مُسلم لیگ مُسلم رائے کی نمائندہ نہیں کیونکہ اس کے منتخب ممبر جو کونسلوں

میں آئے اکثر بڑے زمیندار ہیں۔ کیا بنتا ہے۔ کیا عوام الناس کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بڑے زمیندار کو اپنا نمائندہ مقرر کریں۔ اس دلیل سے تو صرف یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ پنڈت نہرو صاحب کے نزدیک جنہوں نے یہ امر پیش کیا ہے مسلمان اپنا نمائندہ چُننے کے اہل نہیں۔ اگر اُن کا یہ خیال ہے تو دیانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ یُوں کہیں کہ مُسلمان چونکہ اپنے نمائندے چُننے کے اہل نہیں اس لئے موجودہ ملکی فیصلہ میں اُن سے رائے نہیں لینی چاہئیے۔ اگر وہ ایسا کہیں تو خواہ یہ بات غلط ہو یا درست مگر منطقی ضرور ہو گی۔ مگر یہ کہنا کہ مُسلمانوں نے چونکہ اپنا نمائندہ چند بڑے زمینداروں کو چُنا ہے اس لئے وہ لوگ موجودہ سوال کو حل کرنے کے لئے مسلمانوں کے نمائندے نہیں کہلا سکتے ایک ایسی غیر منطقی بات ہے کہ پنڈت نہرو جیسے آدمی سے اس کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اگر اُن کا یہ مطلب نہیں تو انہوں نے اس امر کا ذکر اس موقعہ پہ کیا کیوں تھا۔ درحقیقت ان کا یہ اعتراض ویسا ہی ہے جیسا کہ بعض مسلمان کہتے ہیں کہ مسٹر گاندھی عموماً مسٹر برلا کے مکان پہ کیوں ٹھہرتے ہیں۔ یقیناً مسٹر گاندھی کو مسٹر برلا کے مکان پہ ٹھہرنے کا پورا حق ہے کیونکہ وہاں اُن سے ملنے والوں کے لئے سہولتیں میسر ہیں۔ اُن کے وہاں ٹھہرنے سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مالداروں کے قبضہ میں ہیں۔ اسی طرح مُسلم لیگ کے امیدوار اگر بڑے زمیندار ہوں اور مُسلم پبلک اُن کو منتخب کر لے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ لوگ مُسلمانوں کے نمائندے نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے لئے غلط قسم کا نمائندہ چُنتا ہے تو وہ اپنے کئے کی سزا خود بُھگتے گا۔ دوسرے کسی شخص کو اس کے نمائندہ کی نمائندگی میں شُبہ کرنے کا حق نہیں۔ یہ باتیں صرف لڑائی جھگڑے کو بڑھانے کا موجب ہوتی ہیں اور کوئی فائدہ ان سے حاصل نہیں ہوتا۔

پھر یہ بات ہے بھی تو غلط کہ مُسلم لیگ کے اکثر نمائندے بڑے زمیندار ہیں۔ پنجاب ہی کو لے لو اس میں ۷۹ ممبر اس وقت مُسلم لیگ کے نمائندے ہیں اور چھ یونینسٹ پارٹی کے جن سے کانگرس نے سمجھوتہ کیا ہے۔ یُونینسٹ پارٹی کے چھ ممبروں میں سے ملک سر خضر حیات، ملک سر اللہ بخش اور نواب مظفر علی بڑے زمیندار ہیں۔ گویا پچاس فیصدی ممبر بڑے زمیندار ہیں۔ دوسرے تین کو میں ذاتی طور پر نہیں جانتا۔ ممکن ہے ان میں سے بھی کوئی بڑا زمیندار ہو۔ اس کے مقابل پر مُسلم لیگ کے ۷۹ ممبروں میں سے صرف چار بڑے زمیندار ہیں یعنی نواب صاحب ممدوٹ، نواب صاحب لغاری، مسٹر ممتاز دولتانہ اور مسٹر احمد یار دولتانہ۔ دو اور ہیں جو میرے علم میں بڑے زمیندار نہیں۔ مگر شاید انہیں بڑے زمینداروں میں شامل کیا جا سکتا ہو

وہ سر فیروز خاں اور میجر عاشق حسین ہیں۔ اگر ان کو بھی بڑے زمینداروں میں شامل کر لیا جائے تو یونینسٹ پارٹی جو کانگرس کی حلیف ہے اس کے ممبروں میں سے پچاس فیصدی بڑے زمینداروں کے مقابلہ پر لیگ کے ۷۹ میں سے چھ بڑے زمیندار صرف ساڑھے سات فیصدی ہوتے ہیں۔ اور کیا یہ نسبت اس بات کا ثبوت کہلا سکتی ہے کہ کوئی پارٹی بڑے زمینداروں کی پارٹی ہے۔ بڑے زمینداروں کا طعنہ مدت سے کانگرس کی طرف سے مسلمانوں کو دیا جاتا ہے۔ حالانکہ بڑا خواہ زمیندار ہو یا تاجر، اگر وہ بُرے معنوں میں بڑا ہے تو ہر شکل میں بُرا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے حلقہ کا نمائندہ ہے تو جب تک ملک کا قانون اس کی دولت اس کے پاس رہنے دیتا ہے اور جب تک کہ اس کا حلقہ اس کا انتخاب کرتا ہے وہ نمائندگی میں کسی دوسرے سے کم نہیں۔ پنجاب میں گورنمنٹ رپورٹ کے مطابق صرف تیرہ زمیندار ایسے ہیں جو آٹھ ہزار سے زیادہ ریونیو دیتے ہیں (یعنی جن کی آمد رائج الوقت مالگذاری کے اصول کے مطابق سولہ ہزار سالانہ سے زائد ہے۔ اس سے کم آمد ہرگز کسی کو بڑا زمیندار نہیں بنا سکتی۔ بلکہ یہ آمد بھی بڑی نہیں کہلا سکتی۔ اتنی آمد تو معمولی معمولی دوکانداروں کی بھی ہوتی ہے گو وہ ٹیکس سے بچنے کے لئے ظاہر کریں یا نہ کریں۔ زمیندار کا صرف یہی قصور ہے کہ وہ اپنی حیثیت ظاہر کرنے پر مجبور ہے) اُن میں غالباً کچھ غیر مُسلم بھی ہوں گے۔ اگر سب مسلمان ہی ہوں تو بھی یہ کوئی بڑی تعداد نہیں۔ اور جب یہ دیکھا جائے کہ یہ لوگ جس قدر ریونیو ادا کرتے ہیں وہ پنجاب کے کُل ریونیو کے سویں حصہ سے بھی کم ہے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ پنجاب کی اکثر زمین چھوٹے زمینداروں کے پاس ہے بڑے زمینداروں کے پاس نہیں ہے۔ بڑا زمیندار صرف یو۔ پی اور بنگال میں ہے۔ لیکن وہاں کے بڑے زمینداروں میں اکثریت ہندوؤں کی ہے جن میں سے اکثر کانگرس کی تائید میں ہیں۔ مگر اس کے بھی یہ معنے نہیں کہ ہندو اکثریت کانگرس کے ساتھ نہیں اور زمینداروں کے ساتھ شامل ہوتے ہوئے بھی کانگرس کی نمائندگی پر کوئی حرف نہیں آتا۔

ایک نصیحت مَیں کانگرس کو خصوصاً اور عام ہندوؤں کو عموماً یہ کرنا چاہتا ہوں کہ تبلیغ مذہب اور تبدیلیٔ مذہب کے متعلق وہ اپنا رویہ بدل لیں۔ مذہب کے معاملہ میں دست اندازی کبھی نیک نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی۔ وہ مذہب کو سیاست میں بدل کر کبھی چین نہیں پا سکتے۔ تبلیغ مذہب اور مذہب بدلنے کی آزادی انہیں ہندوستان کے اساس میں شامل کرنی چاہیئے اور اس طرح اس تنگ ظرفی کا خاتمہ کر دینا چاہیئے جو اُن کی سیاست پر ایک داغ ہے اور اس تنگی کو کوئی آزاد شخص بھی برداشت نہیں کر سکتا جب تک

مُلک کی ذہنیت غلامانہ ہے ایسی باتیں چل جائیں گی۔ لیکن جب حریت کی ہوا لوگوں کو لگی ایسے غلط نظریوں کے خلاف نفرت کے جذبات بھڑک اُٹھیں گے۔ تبدیلی تو ہو کر رہے گی۔ لیکن جو لوگ اس تنگ ظرفی کے ذمہ دار ہوں گے وہ ہمیشہ کے لئے اپنی اَولادوں کی نظروں میں ذلیل ہو جائیں گے۔ وہ فطرت کے اس تقاضا کو اس حقیقت سے سمجھ بھی سکتے ہیں کہ بادشاہ اورنگ زیب کو سب سے زیادہ بدنام کرنے والا وہ غلط الزام ہے کہ اس نے مذہب میں دست اندازی کی۔ ان کا یہ خیال کہ ہم دوسرے کا مذہب بدلوانے پہ زور نہیں دیتے ایک غلط خیال ہوگا۔ کیونکہ بُدھؑ، کرشنؑ، عیسیٰؑ اور محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وقت کے لوگ بھی دُوسرے کا مذہب نہیں بدلواتے تھے۔ اُن کو تبلیغ سے اور اپنے ہم مذہبوں کو مذہب تبدیل کرنے سے روکتے تھے اور تبلیغ کرنے والوں، مذہب تبدیل کرنے والوں کو سزائیں دیتے تھے۔ اگر ایسا ہی ارادہ آپ لوگوں نے کیا تو اسی لعنت کے آپ حصہ دار ہوں گے جس لعنت کا بوجھ ان پہلوں پر پڑ چکا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ وقت ایسا نہیں کہ غلط اور سُنی سُنائی باتوں کو لے کر پبلک میں ہیجان پیدا کیا جائے یا پارلیمنٹری مشن پر اثر ڈالنے کی کوشش کی جائے۔ کوئی خدا کو مانے یا نہ مانے مگر فطرت صحیحہ کی مخالفت کبھی اچھا نتیجہ پیدا نہیں کرتی۔ یہ وقت سنجیدگی سے اس امر پہ غور کرنے کا ہے کہ کس طرح ہمارا مُلک آزاد ہو سکتا ہے۔ اور کس طرح ہر قوم خوش رہ سکتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ہم صرف قیدخانہ بدلنے والے ہوں گے۔

مَیں نے اس مخلصانہ مشورہ میں صرف اشارات سے کام لیا ہے۔ اگر مجھے مزید وضاحت کی ضرورت ہوئی تو ملامت کرنے والوں کی ملامت سے بے پروا ہو کر مَیں انشاء اللہ اپنا مخلصانہ مشورہ مشن یا پبلک کے اس حصہ کے آگے پیش کروں گا جو سُننے کے لئے کان اور سوچنے کے لئے دماغ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ پارلیمنٹری وفد کو بھی اور ہندو، مُسلمان اور دوسری اقوام کے نمائندوں کو بھی صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

خاکسار مرزا محمود احمد

امام جماعت احمدیہ قادیان

۴۶/۴/۵[1]

عارضی حکومت کے قیام کا اعلان

پارلیمنٹری مشن اور مُسلم لیگی اور کانگرسی لیڈروں کی باہمی بحث و تمحیص اور گفت و شنید تقریباً دو ماہ تک جاری رہی مگر اب بھی کوئی

[1] "الفضل" ۷ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ تا ۲

مفاہمت نہ ہوسکی جس پر پارلیمنٹری مشن نے وائسرائے سے مشورہ کے بعد ۱۶ جون ۱۹۴۶ء کو ملک میں عارضی حکومت سے متعلق مندرجۂ ذیل اعلان شائع کیا :-

۱۔ "کچھ عرصہ سے ہز ایکسیلنسی وائسرائے وزارتی مشن کے ارکان کے مشورہ سے ایک ایسی حکومت مشترکہ کی تشکیل کے امکانات تلاش کر رہے تھے جو بڑی جماعتوں اور بعض اقلیتوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔ ایسی حکومت کی تشکیل میں دونوں بڑی جماعتوں کے باہمی سمجھوتہ میں جو دشواریاں تھیں وہ گفت و شنید میں ظاہر ہوئیں۔

(۲) وائسرائے اور وزارتی مشن کو ان دشواریوں اور دقتوں کا احساس ہے اور ان کوششوں کا بھی اندازہ ہے جو دونوں جماعتوں نے ان کو حل کرنے کے واسطے کیں۔ وائسرائے اور مشن کا خیال ہے کہ اس بحث اور گفت و شنید کو طوالت دینے سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ ایک قومی اور نمائندہ عارضی حکومت بنا دی جائے تا کہ نہایت ضروری اور اہم کام کئے جا سکیں۔

(۳) وائسرائے اس مقصد کے لئے حسب ذیل حضرات کے نام دعوت نامے جاری کر رہے ہیں کہ وہ عارضی حکومت کے ارکان کی حیثیت سے کام کریں اور ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کے بیان کے مطابق آئین سازی کا کام شروع کر دیں۔

(۱) سردار بلدیو سنگھ (۲) سر این۔ پی انجنیئر (۳) مسٹر جگجیون رام (۴) پنڈت نہرو (۵) مسٹر محمد علی جناح (۶) نواب زادہ لیاقت علیخاں (۷) مسٹر ایچ۔ کے مہتاب (۸) ڈاکٹر جان متھائی (۹) نواب محمد اسمٰعیل خاں (۱۰) خواجہ سر ناظم الدین، (۱۱) سردار عبد الرب خاں نشتر (۱۲) مسٹر سی راجگوپال اچاریہ (۱۳) ڈاکٹر راجندر پرشاد (۱۴) سردار ولبھ بھائی پٹیل

اگر ان لوگوں میں سے کوئی شخص ذاتی وجوہ کی بناء پر اس دعوت کو قبول نہ کر سکیں تو وائسرائے مشورہ کے بعد ان کی جگہ کسی دوسرے شخص کو مدعو کریں گے۔

(۴) وائسرائے شعبوں کی تقسیم دونوں بڑی جماعتوں کے مشورہ سے کریں گے۔

(۵) عارضی حکومت کی تشکیل کو کسی فرقہ دارانہ سوال کا حل نہ تصور کیا جائے۔ اس کا مقصد

صرف موجودہ دشواری کو فوری حل کرنا اور بہترین مشترکہ حکومت بنانا ہے۔

(۶) وائسرائے اور وزارتی مشن کو یقین ہے کہ ہندوستان کے تمام فرقے اس مسئلہ کو جلد از جلد طے کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ دستور سازی کا کام شروع ہو جائے اور درمیانی عرصہ میں ہندوستان کی حکومت کا نظام حتی الامکان بہترین طریقہ سے چلتا رہے۔

(۷) اس لئے انہیں امید ہے کہ تمام جماعتیں خصوصاً دونوں بڑی جماعتیں موجودہ جمود کو دور کرنے کے خیال سے ان تجاویز کو قبول کریں گی اور عارضی حکومت کو کامیابی کے ساتھ چلانے میں مدد کریں گی۔ اگر ان تجاویز کو قبول کر لیا گیا تو وائسرائے ۲۶ جون تک عارضی حکومت کا افتتاح کرنے کی کوشش کریں گے۔

(۸) اس صورت میں کہ دونوں بڑی جماعتیں یا ان میں سے کوئی مندرجہ بالا سطور پر مشترکہ حکومت کی تشکیل میں تعاون اور اشتراک کے لئے تیار نہ ہوں تو وائسرائے کا ارادہ ہے کہ ان لوگوں کے اشتراک سے جو ۱۶ مئی کا بیان قبول کرنے کے لئے تیار ہوں ایک عارضی حکومت بنائی جائیگی اور حتی الامکان اس میں نمائندگی کا لحاظ رکھا جائے گا۔

(۹) وائسرائے صوبوں کے گورنروں کو بھی ہدایتیں جاری کر رہے ہیں کہ صوبائی مجالس آئین ساز کے خاص اجلاس بلائے جائیں تاکہ ۱۶ مئی کے بیان کے مطابق دستور ساز جماعت کے لئے ضروری انتخابات جاری کر دیئے جائیں"[۱]

مسلم لیگ اور کانگرس کا ردِ عمل

مسلم لیگ کونسل قبل ازیں ۶ جون ۱۹۴۶ء کو فیصلہ کر چکی تھی کہ "مسلم لیگ معاملہ کے خطرناک سوالات کو سامنے رکھتے ہوئے اور اگر ممکن ہو تو ہندوستانی دستوری مسئلہ کے پُر امن حل کی خواہش سے متاثر ہو کر وزارتی مشن کی مجوزہ اسکیم سے اشتراکِ عمل پر تیار ہے کیونکہ مشن کے پلان میں چھ مسلم صوبوں کے سیکشن (ب) اور (ج) میں درج لازمی جتھہ بندی پاکستان کی بنیاد کے طور پر موجود ہے"[۲]

مسلم لیگ کے برعکس ۱۴ جون ۱۹۴۶ء کو صدر کانگرس نے وائسرائے کے نام ایک مکتوب میں یہ لکھا کہ

---

[۱] "قائد اعظم اور دستور ساز اسمبلی" مصنفہ محمد اشرف خاں عطا، صفحہ ۲۳۶ تا ۲۳۹۔

[۲] "قائد اعظم اور ان کا عہد" صفحہ ۷۳۱۔

کانگرس اگرچہ کابینہ وفد کی سفارشات کو قبول کرتی ہے لیکن وہ صرف دستور ساز اسمبلی میں شریک ہوگی۔ عبوری حکومت میں شریک نہیں ہوگی۔ کیونکہ نہ وہ مرکزی کابینہ میں ہندو مُسلم مساوات تسلیم کر سکتی ہے نہ آسام اور بنگال کے یورپینوں کا حق رائے دہی مجلس دستور ساز اسمبلی میں قبول کر سکتی ہے۔ نیز مطالبہ کیا کہ دستور ساز اسمبلی کو شاہی اختیارات منتقل کر دیئے جائیں اور صوبوں کی جبری زمرہ بندی بھی اُڑا دی جائے۔ [۱]

اب جو وزارتی مشن کا اعلان ہوا۔ اور وائسرائے نے مُسلم لیگ اور کانگرس کو عبوری حکومت میں شرکت کی دعوت دی تو مُسلم لیگ نے اپنی قرارداد کی روشنی میں عبوری حکومت میں شمولیت منظور کر لی مگر کانگرس نے یہ دعوت ردّ کر دی۔ اس صورت میں وائسرائے ہند کو اپنے اعلان اور جمہوری اصولوں کے مطابق عبوری حکومت کی زمام اقتدار مُسلم لیگ کو سونپ دینی چاہیئے تھی۔ چنانچہ اس مرحلہ پر حضرت مصلح موعود نے بھی اپنے ایک بیان میں فرمایا کہ

"کانگرس نے گو مستقل انتظام کے متعلق وزارتی مشن کی سکیم منظور کر لی ہے لیکن عارضی گورنمنٹ کے متعلق تجویز مسترد کر دی ہے۔ مشن نے اعلان کیا تھا کہ اگر عارضی حکومت کے متعلق کسی پارٹی نے ہماری تجاویز منظور نہ کیں تو پھر ہم حکومت قائم کر دیں گے۔ اس اعلان کے مطابق اب اس کا فرض ہے کہ وہ کانگرس کو چھوڑ کر باقی پارٹیوں کے تعاون کے ساتھ عارضی حکومت قائم کر دے" [۲]

حضور نے کانگرسی رویہ پر تنقید کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا:-

"مُسلم لیگ نے اپنے بعض مطالبات چھوڑ دیئے ہیں اور یہ قابلِ تعریف بات ہے۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ کانگرس نے سمجھوتے کی خاطر کونسا مطالبہ چھوڑا ہے . . . . اس نے اس موقعہ پر جو رویّہ دکھایا ہے وہ یقیناً عقل اور سیاست کے اصول کے خلاف ہے" [۳]

الغرض کانگرس کا رویّہ کسی طرح درست نہ تھا اور اس کے عارضی حکومت کی پیشکش کو ردّ کر دینے کے بعد وائسرائے ہند لارڈ ویول کو اپنے اعلان کے مطابق مُسلم لیگ کو عارضی حکومت کی دعوت دینی چاہیئے تھی مگر انہوں نے نقضِ عہد کر کے دعوت واپس لے لی جس پر مُسلم لیگ کونسل نے اپنے اجلاس بمبئی میں بطور احتجاج اپنی پہلی قرارداد رضامندی بھی منسوخ کر دی۔

---

[۱] "قائداعظم اور ان کا عہد" صفحہ ۷۳۵۔

[۲] و [۳] "الفضل" ۲۸ احسان / جون ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ کالم ۴۔

عبوری حکومت کا قیام

اب (جیسا کہ چودھری سردار محمد خاں نے اپنی کتاب "حیاتِ قائد اعظم" میں بالصراحت لکھا ہے) بساطِ سیاست کا نقشہ بالکل دگرگوں تھا۔ لیگ کے فیصلہ نے کانگرس کے لئے راستہ صاف کر دیا تھا اور عبوری حکومت کی تشکیل میں وہ شرکت کی مستحق نہ رہی تھی۔ ان حالات میں جہانتک اُنہیں نقطہ نظر کا تعلق تھا کانگریس ہی ایک ایسی پارٹی تھی جو وزارتی مشن کی پیش کردہ شرائط کے قریب پہنچ کر عارضی حکومت کی تشکیل کی دعویدار بن سکتی تھی۔ وائسرائے ہند نے جو اسی موقعہ کی تاک میں تھے کانگرس سے گٹھ جوڑ کر کے بالآخر صدر آل انڈیا کانگریس (پنڈت جواہرلال نہرو) کو عبوری حکومت کی تشکیل کی دعوت دے دی جو پنڈت جی نے فوراً قبول کر لی[1] اور اعلان پر اعلان کرنا شروع کر دیا کہ جو ہمارے ساتھ شرکت نہ کرنا چاہے اُسے ہم مجبور نہیں کر سکتے۔ اس کا انتظار نہیں کر سکتے۔ ہم اپنا کام جاری رکھیں گے۔ ہم برابر بڑھتے رہیں گے۔ ہم دستور سازی کا کام شروع کریں گے۔ ہم عبوری حکومت کو کامیابی سے تنہا چلا لیں گے۔ اور پھر انہوں نے ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء کو عبوری حکومت کا چارج بھی لے لیا۔

عبوری حکومت کی تشکیل سے کانگرس کی دلی آرزو بر آئی تھی مگر مُسلمانوں کے لئے اس کا وجود مسلمانوں کے قومی جسم میں خنجر بھونکنے کے مترادف تھا۔ ان کے ساتھ بدعہدی کی گئی، فریب کیا گیا۔ اور انہیں یکسر نظر انداز کر کے ہندو اکثریت کو اقتدار کی باگ ڈور سپرد کر دی گئی تھی۔ چنانچہ قائد اعظم نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ

> "آج کانگریس خوش ہے کہ اس کی دلی مُراد پوری ہو گئی اور مُسلم لیگ کو نظر انداز کرانے میں کامیاب ہو گئی۔ اگر برطانوی حکومت کانگریس کی نخوت و خود نمائی کو محرک کر کے خوش ہے اور اس سے سودا بازی کی متمنی ہے تو ہم بھی . . . . مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں"[2]

مُسلمانانِ ہند کا مُلک گیر احتجاج

مسلمانانِ ہند نے مُسلم لیگ کے فیصلہ کے مطابق پورے مُلک میں حکومت کی بدعہدی کے خلاف دو بار منظم احتجاج کیا۔ ۱۶ اگست کو یوم راست اقدام منایا اور یکم ستمبر کو (یعنی عبوری حکومت کے قیام سے ایک روز قبل) "یوم سیاہ" منایا اور ساتھ ہی دفعتاً پہلے کلکتہ میں اور پھر بمبئی میں ہولناک فسادات پھوٹ پڑے۔

---

[1] "حیات قائد اعظم" صفحہ ۶۴۸-۶۴۹ (از چودھری سردار محمد خان صاحب بی-اے۔ ناشر پبلشرز یونائیٹڈ انار کلی لاہور

[2] " " صفحہ ۶۵۰ء

راست اقدام کا فیصلہ اور حضرت مصلح موعود کی ہدایت عام مسلمانوں کو

مُسلم لیگ نے احتجاجی مظاہروں کے علاوہ حکومت کے خلاف ڈائریکٹ ایکشن کا بھی فیصلہ کر لیا تھا۔ سیدنا حضرت مصلح موعود نے اس موقعہ پر قومی مفاد کے پیش نظر یہ ہدایت فرمائی کہ اس بارہ میں قیاس آرائیوں سے قطعی اجتناب کیا جائے ورنہ مُسلم لیگ کی سکیم کو فیل کرنے کی تدابیر سوچی جائیں گی۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:۔

"لیگ کے ڈائریکٹ ایکشن کی کیا صورت ہوگی؟ اس کے متعلق لیگ کے فیصلہ سے قبل قیاس آرائی کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر قبل از وقت ڈائریکٹ ایکشن پر بحث شروع کر دی جائے کہ اس طرح ہونا چاہیئے اور اس طرح نہیں ہونا چاہیئے تو اس سے فریق مخالف فائدہ اُٹھائے گا اور سکیم کو ناکام کرنے کی تدابیر سوچ لے گا۔ اُسے معلوم ہو جائے گا کہ مدمقابل کے کون کون سے پہلو کمزور ہیں۔ اس کے برعکس اگر اس موقعہ پر خاموشی اختیار کی جائے اور ذمہ دار لوگوں کو موقع دیا جائے کہ وہ تمام نشیب و فراز کو سمجھ کر مناسب فیصلہ کریں تو اس سے فریق مخالف ہر وقت ڈرتا رہے گا کہ نہ جانے لیگ نے کیا قدم اُٹھانا ہے۔ پس اس موقعہ پر ڈائریکٹ ایکشن کی تفصیل پر علی الاعلان بحث کرنا لیگ سے خیر خواہی نہیں بلکہ دشمنی ہے اور اس کے ہاتھ کو کمزور کرنے کے مترادف ہے۔ ہاں اگر کوئی مفید تجویز ذہن میں ہو تو ذمہ دار لیڈروں سے اپنے طور پر بیان کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن علی الاعلان بحث کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے" [۱]

حضرت مصلح موعود کی ہدایت پر صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز کی جناب حمید نظامی سے اہم ملاقات

انہی ایام کا واقعہ ہے کہ حضرت مصلح موعود نے صوفی عبدالقدیر صاحب (سابق مبلغ جاپان، ایڈیٹر رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" کو ارشاد فرمایا کہ لاہور جا کر مکرم حمید نظامی صاحب ایڈیٹر "نوائے وقت" سے فوری طور پر ملاقات کریں اور اس کے بعد دہلی روانہ ہو جائیں۔ اس ملاقات کی غرض و غایت کیا تھی، اس کی تفصیل محترم صوفی صاحب کی اپنی ایک غیر مطبوعہ انگریزی یادداشت میں ملتی ہے جس کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"لاہور میں جس خاص امر کے متعلق میں نے جناب حمید نظامی صاحب سے ملاقات کرنی تھی۔

---

[۱] "الفضل" ۱۹ ستمبر/ تبوک ۱۳۲۵ ہش (۱۹۴۶ء)

وہ یہ تھا کہ پشاور سے اسلحہ اور گولہ بارود خفیہ طور پر ایک ہندو سیاسی لیڈر کی کار میں لاہور اور امرتسر میں لایا جا رہا تھا۔ . . . میرے ذمہ یہ فرض تفویض کیا گیا تھا کہ مَیں مکرم نظامی صاحب کو بعض ایسی تجاویز اور مشورے پیش کروں جن سے اس قسم کے سامان کی آمد پہ پابندی عائد ہو سکے اور اس کی روک تھام ہو سکے۔ ایک غرض یہ بھی تھی کہ لاہور میں مُسلم لیگ کے ذمہ دار حلقوں کو اس عظیم خطرہ کا بروقت احساس ہو سکے جو سر پہ منڈلا رہا تھا تاکہ اس سے محفوظ رہنے کے لئے جو بھی تیاری ممکن ہو وہ وقت پہ کر لی جائے بلکہ مُسلم لیگ ہائی کمان کو بھی اس سے باخبر اور آگاہ کر دیا جائے تاکہ وہ بھی ضروری اقدامات کر سکیں۔ کیونکہ یہ مہیب خطرہ اتنا قریب آچکا تھا کہ خود مسلم لیگی ہائی کمان کے بعض ممبروں کو بھی اس کی شدت کا پوری طرح احساس نہیں تھا۔

محترم نظامی صاحب سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ سوال و جواب کے چند ابتدائی مرحلوں ہی میں انہوں نے بھانپ لیا کہ مَیں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ حقیقت اور سچائی پر مبنی ہے۔ چنانچہ گفتگو اور ملاقات کے دوران اُن کا رویّہ ہمدردی اور شفقت سے بھرپور رہا۔ ہم نے جی کھول کر اُن حالات کا تفصیلی جائزہ لیا کہ جن کے تحت انگریزی حکومت، ہندوستان کا انتظام اور اس کا اقتدار ہندوستان کی مرکزی حکومت کو سونپنے والی تھی۔ اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی زیر غور آیا کہ کیا کوئی ایسی صورت بھی ممکن ہے جس سے مُسلم لیگ اور ملک خضر حیات خاں صاحب (یونینسٹ) کی حکومت کے درمیان کوئی مفاہمت پیدا ہو سکے۔ خود نظامی صاحب بھی اس قسم کی مفاہمت کو پسند کرتے تھے۔ مگر انہیں اس کی کوئی امید نظر نہیں آتی تھی۔ تاہم میرا مقصد اس بارے میں کوئی آخری سمجھوتہ کرانا نہیں تھا بلکہ اُن کے ذہن میں صرف یہ خیال پیدا کرنا تھا کہ وہ اس بارے میں مزید غور کریں اور جس حد تک ممکن ہو اس کو عملی جامہ پہنائیں۔ مَیں لاہور میں اپنے قیام کو طول دینا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اُن سے ملاقات کے بعد مَیں دہلی روانہ ہو گیا۔"

حضرت مصلح موعود کے قیمتی مشورے راست اقدام کمیٹی کے ارکان کو

مُسلم لیگ کی راست اقدام کمیٹی کا اجلاس دہلی میں ہونے والا تھا۔ حضرت مصلح موعود کا منشاء مبارک صُوفی عبدالقدیر صاحب نیاز کو دہلی بھجوانے سے یہ بھی تھا کہ وہ اجلاس سے پہلے پہلے کمیٹی کے تمام ممبران سے فرداً فرداً ملاقاتیں کر کے انہیں خاص طور پہ مندرجہ ذیل امور کے متعلق آگاہ کر دیں۔

۱۔ اگر راست اقدام شروع کیا گیا اور خدانخواستہ اس کا مقصد پورا نہ ہوا یا اس کی عملی شکل میں نقائص رہ گئے تو اس کا اثر مسلم لیگ پر انتہائی بُرا ہوگا اور اس کی ساکھ اور عزت و تکریم کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچیگا۔ لہذا راست اقدام کے پروگرام کی ہر شق کو انتہائی احتیاط سے ترتیب دینا ضروری ہے۔

۲۔ ہمیں فریقِ مخالف کی قوت کے متعلق کوئی غلط اندازہ نہیں لگانا چاہیئے اور نہ اپنی صلاحیتوں کے متعلق کوئی مبالغہ آمیز رائے قائم کرنی چاہیئے۔

۳۔ کوئی بھی کام عجلت میں نہیں ہونا چاہیئے اور ان طاقتوں کا صحیح اور مکمل اندازہ ہونا چاہیئے جو راست اقدام کے شروع ہوتے ہی مسلمانوں کے خلاف حرکت میں آجائیں گی۔

۴۔ جب راست اقدام کا فیصلہ کر لیا جائے تو پھر پوری کوشش اور انتہائی سرگرمی اور استقلال کے ساتھ اس کے پروگرام پر پُورا پُورا عمل ہونا چاہیئے تاکہ اس کی کامیابی یقینی ہو جائے اور ایک اندھا بھی اس کو دیکھ لے کہ جو کچھ کہا گیا تھا اس پر پوری طرح عمل کیا گیا ہے۔

۵۔ راست اقدام کے پروگرام میں کسی قسم کے تذبذب یا شش و پنج کی کیفیت نہیں ہونی چاہیئے۔ ارادہ اٹل ہو۔ عزم پختہ ہو اور تخت یا تختہ والا معاملہ ہو۔

جناب صوفی عبدالقدیر صاحب کا بیان ہے کہ مَیں نے دہلی میں جناب نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب سے ملاقات کی۔ ان کے حسنِ تدبیر، لیاقت اور معاملہ فہمی کا میرے دل پر خاص اثر ہوا۔ مَیں نے محسوس کیا کہ جو اہم امور مَیں اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر گوش گذار کرنا چاہتا تھا انہیں اُن کی اہمیت کا پہلے ہی کافی احساس ہے اور مجھے یہ معلوم کر کے اَور بھی مسرت ہوئی کہ محترم نواب صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود امام جماعت احمدیہ کی ان کوششوں کو بہ نظرِ استحسان دیکھتے تھے جو حضور مسلمانوں کی قومی مشکلات کو دُور کرنے کے لئے شب و روز کر رہے تھے۔ ان تمام باتوں نے میرے دل میں یہ احساس پیدا کیا کہ محترم جناب لیاقت علیخاں ایک زیرک انتہائی سمجھ دار اور نہایت ہی متوازن دل و دماغ کے آدمی ہیں جو وقت اور حالات کے تقاضوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ راست اقدام کے جن دوسرے ممبروں سے میری ملاقات ہوئی اُن میں محترم خواجہ ناظم الدین صاحب، سردار عبدالرب صاحب نشتر اور نواب اسماعیل خاں صاحب میرٹھی مجھے خوب یاد ہیں۔[1]

---

[1] یہ واقعہ جناب صوفی عبدالقدیر صاحب کی اہم یادداشت سے ماخوذ ہے۔ اصل یادداشت انگریزی میں ہے۔

فصل پنجم

حضرت مصلح موعود کا سفر دہلی اور مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں شامل کرانے کی کامیاب کوشش

اور

وزیراعظم اٹیلی کی طرف سے ۲۰ر فروری ۱۹۴۷ء کو مکمل آزادی کا واضح اعلان

ملکی فضا روز بروز پہلے سے زیادہ مکدر ہو رہی تھی اور کلکتہ اور بمبئی کے فسادات کے اثرات ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلتے جا رہے تھے اور دُور رس نگاہ رکھنے والے مدبّر دیکھ رہے تھے کہ یہ آگ بڑھتے بڑھتے سارے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور اس کی زد سے کوئی شہر، کوئی قریہ اور کوئی گاؤں محفوظ نہیں رہے گا۔ اس ماحول میں مسلمانوں کی ہستی سب سے زیادہ خطرہ میں تھی کیونکہ اقتدار پر کانگرس کا قبضہ ہو چکا تھا مسلمانوں کی جیتی ہوئی جنگ بظاہر شکست میں بدلتی نظر آرہی تھی اور مسلم لیگ کے لئے آبرومندانہ طور پر عبوری حکومت میں داخلہ کے راستے مسدود ہو گئے تھے۔ سید رئیس احمد جعفری کے بقول مسلم لیگ نے اگرچہ حالات سے مجبور ہو کر جنگ کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن وہ صلح پر اب بھی تیار تھی۔ قائداعظم نے ایک بیان میں فرمایا کہ ہم نے اگرچہ مجبور ہو کر جنگ کا فیصلہ کر لیا ہے لیکن ہم صلح پر اب بھی تیار ہیں۔ کانگرس یا حکومت کی طرف سے پہل اور پیش قدمی ہونی چاہیئے۔ اگر ہمارا جائز اور معقول مطالبہ مان لیا گیا تو ہم بلا تامل جنگ کے خیال سے دستبردار ہو جائیں گے اور صلح کر لیں گے۔ مگر صلح کی تحریک کسی طرف سے نہیں ہوئی بلکہ مسلم لیگ کے اعلان جنگ کا مذاق اُڑایا گیا اور اعلان کیا گیا کہ یہ محض گیدڑ بھبکی ہے۔ حکومت سے ٹکر لینا آسان نہیں۔ یہ عیش و عشرت کے خوگر لوگ جنگ نہیں لڑ سکتے۔ اور اگر لڑیں گے تو ہار جائیں گے۔ اس لئے کہ حکومت بھی ان کے مقابلہ کیلئے چوکس ہے اور وہ ڈٹ کر ان نئے سرکشوں اور باغیوں کا مقابلہ کرے گی۔[1]

مایوسی اور ناامیدی کے اس تاریک ترین ماحول میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا المصلح الموعود کو خبر دی کہ اس

---

[1] "قائداعظم اور اُن کا عہد" صفحہ ۲۳۹-۷۴۰ء

مشکل کا حل خدا نے آپ کے ساتھ بھی وابستہ کیا ہے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود ۲۲ ستمبر ۱۹۴۶ء[1] کی شب کو ملّتِ اسلامیہ کی بے بسی کو دیکھتے اور خدا کے حضور دعائیں اور التجائیں کرتے ہوئے قادیان سے دلّی تشریف لے گئے۔ اور تین ہفتوں تک دہلی میں قیام فرمایا۔ اس سفر میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب، حضرت خان صاحب مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب، چوہدری اسد اللہ خاں صاحب اور چوہدری مظفر الدین صاحب بھی حضور کے ہمراہ تھے۔ علاوہ ازیں صوفی عبدالقدیر صاحب بی۔ اے پہلے ہی دہلی میں سرگرم عمل تھے اور اس سلسلہ میں علیگڑھ جا کر نواب صاحب چھتاری سے ملاقات بھی کر چکے تھے۔

حضرت مصلح موعود نے دہلی پہنچتے ہی ملک کے مشہور سیاسی لیڈروں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چنانچہ ۲۴ ستمبر کو قائد اعظم محمد علی جناح سے اور ۲۷ ستمبر کو مسٹر گاندھی سے ملاقات کی اور ملک کی سیاسی صورتِ حالات کے متعلق گفتگو فرمائی۔[2] قائد اعظم سے ملاقات کا وقت حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے اور صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز نے طے کیا۔ یہ ملاقات نہایت مخلصانہ اور دوستانہ ماحول میں اور پُرتپاک طریق پر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی۔[3] جس کی خبر اورینٹ پریس کی طرف سے اخبارات میں بھی شائع ہوئی۔ ۳ اکتوبر کو آپ نے مولانا ابوالکلام صاحب آزاد سے تبادلہ خیالات فرمایا۔[4] ازاں بعد حضور کی ملاقات نواب صاحب بھوپال چانسلر چیمبر آف پرنسز سے ہوئی[5] جنہوں نے قیام دہلی کے دوران مسلم لیگ اور کانگرس سے رابطہ قائم کرنے اور اس کے لیڈروں کے درمیان مفاہمت کرانے میں حضور کی بالواسطہ نمائندگی اور سفارت کا حق ادا کر دیا۔ انہی دنوں ایک دعوت کے موقعہ پر خواجہ ناظم الدین آف بنگال اور سردار عبدالرب صاحب نشتر آف سرحد سے بھی حضور کی گفتگو ہوئی۔ ان ملاقاتوں کے بعد حضور نے مولانا ابوالکلام آزاد سے دوبارہ ملاقات کرنے کے علاوہ سر فیروز خاں نون سابق ڈیفنس ممبر گورنمنٹ آف انڈیا اور نواب سر احمد سعید خاں چھتاری سابق گورنر یو۔پی[6] سے اور ۱۰ اکتوبر کو پنڈت جواہر لال نہرو سے بھی گفت و شنید کی۔[7] پریس کے نمائندوں میں سے چیف رپورٹر اخبار "ڈان"، ڈائریکٹر اورینٹ پریس اور سری کرشن صاحب نمائندہ "اندرا پترا" بھی حضور سے ملے۔ بعض

---

[1] "الفضل" ۲۳ تبوک/ستمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء [2] "الفضل" ۳۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲

[3] یادداشت صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز کے مطابق۔ [4] " " ۳ اخاء/اکتوبر " صفحہ ۲

[5] "الفضل" ۵ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲

[6] " " ۱۱-۱۴ " " " [7] "الفضل" ۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲

سیاسی لیڈروں سے ملاقات کے لئے حضور نے اپنے خصوصی نمائندے بھی بھجوائے چنانچہ حضور کی طرف سے چوہدری اسداللہ خاں صاحب اور صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔اے نے جناب نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب، سر سلطان احمد صاحب، نواب چھتاری صاحب اور سر فیروز خاں صاحب نون سے ملاقات کی۔اسی طرح صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز نے امریکن اور انگریزی پریس کے نمائندوں میں سے کرنل برٹر (نمائندہ "لنڈن ٹائمز") ریلیف ازرڈ (نمائندہ "ڈیلی میل") اور "کرسچن سائنس مانیٹر" کی ایک نامہ نگار خاتون سے ملاقات کر کے اُن پر مسلمانانِ ہند کا نقطہ نظر واضح کیا۔[1]

اس موقعہ پر حضرت سیدنا المصلح الموعود کی اگرچہ وائسرائے ہند لارڈ ویول سے بالمشافہ گفتگو نہیں ہوئی مگر حضور نے خط و کتابت کے ذریعہ سے اُن کے ساتھ مضبوط رابطہ قائم کر لیا۔چنانچہ حضور نے ۵ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو پہلی چٹھی اُن کے نام یہ بھجوائی کہ گو جماعت احمدیہ ایک تبلیغی جماعت ہونے کی وجہ سے من حیث الجماعت لیگ میں شامل نہیں مگر موجودہ سیاسی بحران میں اس کی اصولی ہمدردی تمام تر مُسلم لیگ کے ساتھ ہے۔ دوسری چٹھی میں وائسرائے ہند پر واضح فرمایا کہ اگر خدانخواستہ موجودہ گفت و شنید ناکام ہوتی نظر آئے تو مایوس ہو کر اُسے ناکام قرار دینے کی بجائے التواء کی صورت قرار دی جائے تا اس عرصہ میں مُسلم لیگی اور کانگرسی لیڈر بھی مزید غور کر سکیں اور پبلک خصوصاً آزاد پبلک کو بھی اپنا اثر ڈالنے کا موقع مل سکے۔مگر اس صورت میں ضروری ہوگا کہ جس نکتہ پر ناکامی ہو رہی ہو اسے پبلک کے علم کے لئے ظاہر کیا جائے۔اس مضمون کی وضاحت کے لئے حضرت کی طرف سے مولانا عبدالرحیم صاحب درد نے وائسرائے ہند کے پرائیویٹ سیکرٹری سے بھی ملاقات کی۔[2]

حضور نے وائسرائے ہند کے نام تیسری چٹھی اس مرحلہ پر لکھی جبکہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۶ء کی شام کو لیگ اور کانگرس کی گفت و شنید بہت نازک صورت اختیار کر گئی اور مفاہمت کی کوشش کے ناکام ہونے کا سخت خطرہ پیدا ہو گیا۔اس پر حضرت مصلح موعود نے اگلے روز ایک طرف تو جمعہ کے خطبہ[3] میں جماعت کو دُعائے خاص کی تحریک فرمائی اور دوسرے وائسرائے ہند کو توجہ دلائی کہ اگر ہز ہائی نس نواب صاحب بھوپال کی نیک مساعی کانگرس سے براہ راست سمجھوتہ کے متعلق کامیاب نہیں ہو سکیں تو اس پر مایوس ہو کر اصلاح احوال کی کوشش ترک نہیں

---

[1] "الفضل" ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۶ء (۱۲ اخاء ۱۳۲۵ ہش) صفحہ ۲۔ نامہ نگاروں کے نام جناب صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز کی یادداشت سے لئے گئے ہیں۔

[2] " " " " "

[3] " " ۳۰ " " میں مفصل خطبہ جمعہ چھپا ہوا ہے۔

کر دینا چاہیئے بلکہ انہیں چاہیئے کہ وہ حسب سابق اس معاملہ کو پھر اپنے ہاتھ میں لے لیں تاکہ کوشش کا سلسلہ جاری رہے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کامیابی کا دروازہ کھول دے۔

حضرت مصلح موعود کی یہ رُوحانی اور مادی تدابیر بالآخر کامیاب ہوگئیں اور وائسرائے ہند نے اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا[۱] اور مُسلم لیگ ہائی کمان نے نہایت درجہ فہم و فراست اور حیرت انگیز معاملہ فہمی کا ثبوت دیتے ہوئے کانگرس سے سمجھوتہ کئے بغیر اور باقی سوالات کو کھلا رکھتے ہوئے عبوری حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا اور ۱۳ر اکتوبر کو اس کی اطلاع وائسرائے ہند تک بھی پہنچا دی۔ چنانچہ پنڈت نہرو نے ۱۴ر اکتوبر کو قائداعظم کے نام اپنے ایک خط میں لکھا کہ

"وائسرائے نے مجھے مطلع کر دیا ہے کہ مُسلم لیگ نے اپنی طرف سے پانچ ارکان عارضی حکومت میں نامزد کرنا قبول کر لیا ہے"[۲]

یہ فیصلہ انتہائی غیر موافق اور غیر متوقع حالات میں ہوا۔ اور اس نے کانگرس کے حلقوں میں کھلبلی مچا دی۔ اس حقیقت کا اندازہ لگانے کے لئے مسلم لیگ کے خصوصی ترجمان "نوائے وقت" کے دو اقتباس ملاحظہ ہوں۔ اخبار "نوائے وقت" نے اپنے ۱۲ر اکتوبر ۱۹۴۶ء کے اداریہ میں دہلی کے سیاسی مذاکرات کو بے نتیجہ قرار دیتے ہوئے لکھا:-

"دہلی کی کانفرنس بلکہ کانفرنسوں کا بھی وہی حشر نظر آتا ہے جو شملہ کانفرنس ۱۹۴۵ء اور شملہ کانفرنس ۱۹۴۶ء کا ہوا۔ آج ایسوسی ایٹڈ پریس کی اطلاع تو یہ ہے کہ نواب بھوپال کی کوششیں ناکام رہیں۔ ابھی تک اس خبر کی تصدیق نہیں ہو سکی مگر ہمارا اپنا قیاس یہی ہے کہ یہ خبر درست ہوگی۔ دونوں شملہ کانفرنسوں میں بارہا ایسے مراحل آئے جب اچھے اچھے باخبر اور فہمیدہ لوگوں کی رائے یہ تھی کہ بس اب سمجھوتہ کے مشترکہ اعلان پر دستخط ہونے رہ گئے ہیں اور وہ صبح تک ہو جائیں گے۔ باقی ساری بات پکی ہو چکی ہے۔ مگر صبح معلوم ہوا کہ ہنوز روزِ اوّل ہے اور ابھی مبادیات کا فیصلہ بھی نہیں ہوا"

لیکن اسی "نوائے وقت" میں اس کے سیاسی نامہ نگار کے حوالہ سے یہ خبر بھی شائع ہوئی کہ

"مسلم لیگ اور کانگرس کی گفتگوئے مصالحت کی ناکامی کے بعد سیاسی حالات نے یک لخت

---

[۱] "الفضل" ۱۵ر اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۵ہش/ ۱۹۴۶ء صفحہ ۸۔ [۲] "حالات قائداعظم محمد علی جناح" صفحہ ۶۰۶ (از خالد اختر افغانی طبع دوم ۱۹۴۶ء)۔

حیرت انگیز پلٹا کھایا ہے۔ اور اس گفتگو کی ناکامی کے باوجود لیگ کی مرکزی حکومت میں شرکت یقینی خیال کی جارہی ہے۔ باخبر حلقوں کی رائے یہ ہے کہ لیگ نئی حکومت میں اپنے پانچ نمائندے بھیج دے گی اور اندر جا کر اس حکومت کو تباہ کر دے گی۔ لیگ کی عارضی حکومت میں شرکت پر آمادگی کے فوراً بعد حکومت از سر نو مرتب کی جائے گی۔ لیگ کو اب اس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا کہ کانگرس اپنے کوٹا میں سے کوئی مسلمان نامزد کرتی ہے یا نہیں۔ لیگ ہر قدم پر مزاحمت کی نیّت سے حکومت میں شامل ہو رہی ہے۔ کانگرسی حلقوں کے لئے یہ صورت حال بالکل غیر متوقع ہے اور آج بھنگی کالونی[1] میں کچھ سراسیمگی سی نظر آتی ہے۔ بعض کانگرسی لیڈروں نے کھلم کھلا یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ اگر لیگ اس طرح کانگرس سے سمجھوتہ کئے بغیر ہی حکومت میں شامل ہو گئی تو ہمارے سب کئے دھرے پر پانی پھر جائے گا"[2]

الغرض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضرت مصلح موعود کی مساعی جمیلہ اور دعاؤں کی برکت سے مسلم لیگ فاتحانہ شان کے ساتھ عبوری حکومت میں شامل ہو گئی اور حضور ۱۴ ؍ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو دہلی سے روانہ ہو کر اگلے روز گیارہ بجے کے قریب قادیان دارالامان واپس تشریف لے آئے۔[3]

حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے سفر دہلی کی تفصیل

سفر دہلی کے نہایت مختصر سے کوائف پر روشنی ڈالنے کے بعد اب اس کی تفصیل حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے درج کی جاتی ہے۔ حضور نے ۱۸ ؍ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء کو فرمایا:۔

"میں نے دہلی کا سفر کیوں کیا۔ اس کی وجہ درحقیقت وہ خوابیں تھیں جو "الفضل" میں چھپ چکی ہیں۔ ان خوابوں سے مجھے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کے حل کو اللہ تعالیٰ نے کچھ میرے ساتھ بھی وابستہ کیا ہوا ہے۔ تب میں نے اس خیال سے کہ جب میرے ساتھ بھی اس کا کچھ تعلق ہے تو مجھے سوچنا چاہئیے کہ میں کس رنگ میں کام کر سکتا ہوں۔ اس مسئلہ پر غور کیا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ممکن ہے برطانوی حکومت اس غلطی میں مبتلا ہو کہ اگر مسلم لیگ کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو مسلمان قوم بحیثیت مجموعی ہمارے خلاف نہیں ہوگی بلکہ ایسے مسلمان جو لیگ میں شامل نہیں اور ایسی جماعتیں

---

[1] مسٹر گاندھی کی رہائش گاہ۔ [2] "نوائے وقت" لاہور ۱۳ ؍ اکتوبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

[3] "الفضل" ۱۶ ؍ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۱۔

جو لیگ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتیں اُن کو ملا کر وہ ایک منظم حکومت ہندوستان میں قائم کر سکے گی۔ اس خیال کے آنے پر مَیں نے مزید سوچا اور فیصلہ کیا کہ ایسے لوگ جو لیگ میں شامل نہیں یا ایسے لوگ جنہیں تعصّب کی وجہ سے لیگ والے اپنے اندر شامل کرنا پسند نہیں کرتے۔ . . . ان دونوں قسم کے لوگوں کو چاہیئے کہ آپس میں مل جائیں اور مِل کر گورنمنٹ پر یہ واضح کر دیں کہ خواہ ہم لیگ میں نہیں لیکن اگر لیگ کے ساتھ حکومت کا ٹکراؤ ہوا تو ہم اس کو مسلمان قوم کے ساتھ ٹکراؤ سمجھیں گے اور جو جنگ ہوگی اس میں ہم بھی لیگ کے ساتھ شامل ہوں گے۔ یہ سوچ کر مَیں نے چاہا کہ ایسے لوگ جو اثر رکھنے والے ہوں خواہ اپنی ذاتی حیثیت کی وجہ سے اور خواہ قومی حیثیت کی وجہ سے ان کو جمع کیا جائے۔ دوسرے مَیں نے مناسب سمجھا کہ کانگرس پر بھی اس حقیقت کو واضح کر دیا جائے کہ وہ اس غلطی میں مبتلا نہ رہے کہ مسلمانوں کو پھاڑ پھاڑ کر وہ ہندوستان پر حکومت کر سکے گی۔ اسی طرح نیشنلسٹ خیالات رکھنے والوں پر بھی یہ واضح کر دیا جائے کہ وہ کانگرس کے ایسے حصوں کو سنبھال کر رکھیں اور ان کے جوشوں کو دبائیں جن کا یہ خیال ہو کہ وہ مسلمانوں کو دبا کر یا ان کو آپس میں پھاڑ پھاڑ کر حکومت کر سکتے ہیں۔ یہ سوچ کر مَیں نے ایک تار نواب صاحب چھتاری کو دیا۔ وہ بھی لیگ میں شامل نہیں لیکن مسلمانوں میں بہت رسوخ رکھنے والے آدمی ہیں۔ یُو۔ پی کے گورنر رہ چکے ہیں اور اب حکومتِ آصفیہ کے وزیرِ اعظم کے عہدہ سے واپس آئے ہیں۔ اس تار کا جواب آنے پر مَیں نے انہیں لکھا کہ میرا اب ایسا ایسا ارادہ ہے، کیا آپ اس میں شریک ہو سکتے ہیں۔ دوسرا تار مَیں نے کانگرس سے میل جول کے لئے مسز نائیڈو کو دیا۔ مسز نائیڈو میری پُرانی واقف ہیں اور وہ ہمیشہ کہا کرتی ہیں کہ میرے دل میں مسلمانوں کا بہت درد ہے اور مَیں ہندو اور مسلمان میں کوئی فرق نہیں کرتی۔ مگر افسوس کہ انہوں نے تار کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر دوبارہ تار دیا گیا تو اس کا بھی جواب نہ دیا جس کے معنی یہ تھے کہ وہ اس تحریک میں شامل ہونا پسند نہیں کرتیں۔ جب یہ باتیں ہو چکیں تو مَیں نے فیصلہ کیا کہ مجھے جلدی قادیان پہنچنا چاہیئے۔ اور اس سکیم کے متعلق مزید کارروائی کرنی چاہیئے۔ یہاں پہنچ کر جب مَیں نے غور کیا تو میرے دل میں تحریک پیدا ہوئی کہ خواب میں مَیں نے دیکھا ہے کہ صلح اور سمجھوتہ کرانے کے لئے مَیں بیچ میں ہوں۔ بیچ میں ہونے کے یہی معنے نہیں ہوتے کہ ضرور کوئی شخص بیچ میں ہو بلکہ یہ معنے بھی ہوتے

ہیں کہ اس کا ان باتوں سے کوئی اشتراک اور تعلق ہے۔ اس پر مَیں نے سوچا کہ چونکہ دلّی میں فیصلے ہو رہے ہیں۔ مجھے بھی دلّی چلنا چاہیئے۔ دوسرا فائدہ اس کا یہ بھی ہوگا کہ دلّی میں ہمیں تازہ بتازہ خبریں ملتی رہیں گی اور اگر حالات بگڑتے معلوم ہوئے تو ہم فوراً دُعا کر سکیں گے۔ قادیان میں تو ممکن ہے ہمیں ایسے وقت میں خبر ملے جب واقعات گذر چکے ہوں اور دُعا کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہو کیونکہ دُعا ماضی کے لئے نہیں ہوتی مستقبل کے لئے ہوتی ہے۔ نیز مجھے یہ بھی خیال آیا کہ بعض اور بارسوخ لوگوں کو بھی اس تحریک میں شامل کرنا چاہیئے جیسے سر آغا خاں ہیں گو سر آغا خاں ہندوستان میں نہیں تھے مگر مَیں نے سمجھا کہ چونکہ ان کی جماعت بھی مسلمان کہلاتی ہے، اگر اُن کو بھی شریک ہونے کا موقعہ مل جائے تو گورنمنٹ پر یہ امر واضح ہو جائے گا کہ مسلمانوں کی ایک اور جماعت بھی ایسی ہے جو اس بارہ میں مُسلم لیگ کے ساتھ ہمدردی رکھتی ہے۔ چنانچہ لنڈن مشنری کی معرفت مَیں نے سر آغا خاں کو بھی تار بھجوا دیا۔ اس دوران میں مَیں نے قادیان سے اپنے بعض نمائندے اس غرض کے لئے بھجوائے کہ وہ نواب صاحب چھتاری سے تفصیلی گفتگو کر لیں اور انہیں ہدایت کی کہ وہ لیگ کے نمائندوں سے بھی ملیں اور اُن پر یہ امر واضح کر دیں کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ لیگ کے مقاصد کے خلاف کوئی کام کریں۔ اگر یہ تحریک لیگ کے مخالف ہو تو ہمیں بتا دیا جائے ہم اس کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں۔ اور اگر مخالف نہ ہو تو ہم شروع کر دیں۔ اس پر لیگ کے بعض نمائندوں نے تسلیم کیا کہ یہ تحریک ہمارے لئے مفید ہوگی، بالکل باموقعہ ہوگی۔ اور ہم یہ سمجھیں گے کہ اس ذریعہ سے ہماری مدد کی گئی ہے، ہمارے رستہ میں روڑے نہیں اٹکائے گئے۔ چنانچہ مَیں دلّی پہنچ گیا۔ وہاں جو کچھ کام ہوا۔ اس کی تفصیلات میں مَیں اس وقت نہیں جانا چاہتا۔

میرا خیال ہے کہ مَیں ایک کتاب "سفرِ دہلی" پر لکھوں۔ کیونکہ بہت سی باتیں ہیں جو اس سفر کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے آئندہ کام کے رستے کھولنے والی ہیں۔ سرِ دست مَیں صرف اس قدر ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ جب مَیں دلّی گیا تو سر آغا خاں کی طرف سے بھی جواب آ گیا۔ اور وہاں بعض اَور لیڈروں سے بھی ملاقاتیں ہوئیں جیسے سر سلطان احمد ہیں۔ مسلمانوں میں سے صرف ایک صاحب نے جواب نہیں دیا۔ حالانکہ ان کو دو دفعہ تار دیا گیا تھا اور وہ سر محمد عثمان ہیں۔ ان کے چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کے ساتھ تعلقات ہیں اور مجھ سے

ملنے کا بھی موقعہ ہوا ہے ممکن ہے وہ اس وہم میں مبتلا رہے ہوں کہ ہمارا کام کہیں لیگ کے لئے مضر نہ ہو لیکن ہم نے لیگ کے نمائندوں سے پہلے مشورہ کر لیا تھا اور ان سے کہہ دیا تھا کہ اگر ہماری یہ کوششیں اُن کے نزدیک مضر ہوں تو ہم ان کے ترک کرنے کے لئے تیار ہیں۔ بہرحال جیسا کہ ظاہر ہے ہم نہ لیگ میں شامل تھے نہ کانگرس میں۔ نہ لیگ نے ہمیں اپنا نمائندہ بنایا تھا نہ کانگرس نے۔ اس لئے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ انہی کی طرح باقاعدہ ہم بھی مشورہ کی مجالس میں شامل ہوتے۔ ہماری جماعت کے بعض ناواقف دوستوں نے لکھا ہے کہ وائسرائے، پنڈت جواہر لال نہرو، مسٹر جناح کے مشوروں کا ذکر تو اخباروں میں آتا ہے، آپ کا کیوں نہیں آتا۔ انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ وہ تو ان سیاسی جماعتوں کے نمائندے ہیں جنہوں نے باہمی فیصلہ کرنا تھا۔ اور ہم کسی سیاسی جماعت کے نمائندہ نہیں تھے بلکہ ہم اپنا اثر ڈال کر انہیں نیک راہ بتانے کے لئے گئے تھے۔ سیاسی جماعتوں کی نمائندگی نہ ہمارا کام تھا اور نہ گورنمنٹ یا کوئی اور اس رنگ میں ہمیں بُلا سکتا تھا . . . . جو کوشش صلح کے لئے ہو سکتی تھی وہ مَیں نے کی۔ اور اسی سلسلہ میں مَیں مسٹر گاندھی سے بھی ملا۔ میرا منشاء تھا کہ مَیں ان سے تفصیل سے بات کروں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ آپس کا تفرقہ ٹھیک نہیں۔ ان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ کچھ وہ چھوڑ دیں اور کچھ لیگ چھوڑ دے تا کہ ملک کی بدامنی خطرناک رنگ اختیار نہ کر لے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ لڑتے آپ ہیں لیکن آپ لوگوں کی جان پر اس کا وبال نہیں بلکہ ان ہزاروں ہزار لوگوں پر ہے جو قصبوں میں رہتے ہیں یا دیہات میں رہتے ہیں اور تہذیب اور شائستگی کو نہیں سمجھتے وہ ایک دوسرے کو ماریں گے، ایک دوسرے کو لُوٹیں گے اور ایک دوسرے کے گھروں کو جلا دیں گے (جیسے جھگڑا لیگ اور کانگرس کا تھا لیکن مسجد اور لائبریری ڈھاکہ میں ہماری جماعت کی جلا دی گئی حالانکہ نہ ہم لڑے اور نہ ہم بدامنی پیدا کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ مگر وہاں کے ہندوؤں نے ہماری مسجد اور ہماری لائبریری کو جلا کر یہ سمجھ لیا کہ انہوں نے بڑا تیر مارا ہے اور یہ خیال کر لیا کہ انہوں نے مسلمانوں سے بدلہ لے لیا ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ جب اس قسم کے اختلافات پیدا ہو جائیں تو انسانی عقل ماری جاتی ہے اور سیاہ اور سفید میں فرق کرنا اس کے لئے مُشکل ہو جاتا ہے)

غرض گاندھی جی پر مَیں نے یہ بات واضح کی اور انہیں کہا کہ آپ کو اس بارہ میں کچھ کرنا

چاہیئے اور صلح کی کوشش کرنی چاہیئے۔ گاندھی جی نے اس کا جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ کام آپ ہی کر سکتے ہیں مَیں نہیں کر سکتا۔ مَیں تو صرف گاندھی ہوں۔ یعنی مَیں تو صرف ایک فرد ہوں اور آپ ایک جماعت کے لیڈر ہیں۔ مَیں نے کہا مَیں تو صرف پانچ سات لاکھ کا لیڈر ہوں اور ہندوستان میں پانچ سات لاکھ آدمی کیا کر سکتا ہے۔ مگر انہوں نے اصرار کیا اور کہا کہ جو کچھ کر سکتے ہیں آپ ہی کر سکتے ہیں مَیں نہیں کر سکتا۔ جب مَیں نے دیکھا کہ گاندھی جی اس طرف نہیں آتے تو مَیں نے اس بات کو چھوڑ دیا اور پھر مَیں انہیں دوسری نصیحتیں کرتا رہا جن کی خدا نے مجھے اس وقت توفیق عطا فرمائی۔ مَیں اس موقعہ پر صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بعض دفعہ ایک چھوٹی سی بات ہوتی ہے مگر وہ خدا تعالےٰ کے ہاں قبول ہو جاتی ہے۔ جب رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد عرب اور ایران میں لڑائی چھڑی تو اس وقت ایران کے بادشاہ نے اپنے بعض رؤسا سے کہا کہ عرب ایک چھوٹا سا غیر آباد جزیرہ ہے اور وہاں کے باشندے متفرق اقوام میں بٹے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کس طرح ہمارے مُلک پر حملہ کر کے چڑھ آئے ہیں۔ لوگوں نے کہا۔ اس قوم میں نئی بیداری پیدا ہوئی ہے اور اس وجہ سے اس میں جوش پایا جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ ان لوگوں کو کچھ دے دلا کر واپس کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے اسلامی جرنیل کو لکھا کہ تم ایک وفد ہمارے پاس بھیجو ہم اس سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی اور بعض دوسرے آدمیوں پر مشتمل ایک وفد بنا کر شاہ ایران کے دربار میں بھجوا دیا۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ تم نے یہ کیا شورش برپا کر رکھی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کچھ روپیہ لے لو اور واپس چلے جاؤ۔ انہوں نے کہا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم روپیہ لے کر واپس چلے جائیں۔ اس کی حماقت دیکھو جو قوم اس کے مُلک پر چڑھ کر آئی تھی اس قوم کے متعلق اس نے یہ فیصلہ کیا کہ دو دو اشرفیاں سپاہیوں کو اور دس دس اشرفیاں افسروں کو دے کر رخصت کر دیا جائے۔ گویا لالچ بھی دی تو اتنی چھوٹی اور حقیر کہ چوہڑے بھی اس کو قبول نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیا لغو بات ہے کہ تم نے خود لڑائی چھیڑی ہے ہم نے نہیں چھیڑی۔ اب اس کا فیصلہ میدان میں ہی ہوگا اور ہم جانتے ہیں کہ ہم ضرور کامیاب ہوں گے کیونکہ ہمارے ساتھ خدا تعالےٰ کا وعدہ ہے۔ بادشاہ کو غصہ آیا اور اس نے ایک شخص سے کہا۔ ایک تھیلی میں مٹی بھر کر لاؤ۔ جب وہ مٹی بھر کر لایا تو اس نے اسے حکم دیا

کہ یہ مٹی کا بورا اس مسلمان افسر کے سر پر رکھ دو۔ اس صحابیؓ نے جب یہ دیکھا تو اس نے نہایت خاموشی سے اپنا سر جھکایا اور مٹی کا بورا اپنے سر پر اُٹھا لیا۔ بادشاہ نے اُسے کہا۔ اب جاؤ۔ اس کے سوا تمہیں اَور کچھ نہیں مِل سکتا۔ گویا جیسے پنجابی میں کہتے ہیں۔ کھیہہ کھاؤ (اردو میں یوں کہہ لو کہ تمہارے سر پر خاک) ویسا ہی اس بادشاہ نے کہا اور مٹی کا بورا مسلمان افسر کے سر پر لادتے ہوئے کہا۔ جاؤ اس کے سوا تمہیں اَور کچھ نہیں مِل سکتا۔ ایسے موقعہ پر اللہ تعالےٰ مومن کو بھی اپنے فضل سے ایک نُور اور روشنی بخش دیتا ہے۔ جب اس نے مٹی کا بورا مسلمان افسر کے سر پر رکھوایا تو انہوں نے فوراً اس کو نیک تفاول پر محمول کرتے ہوئے اُٹھا لیا اور اپنے ساتھیوں کو یہ کہتے ہوئے دربار سے نکل بھاگے کہ آجاؤ، ایران کے بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے ایران کی زمین ہمیں سونپ دی ہے۔ مشرک بُزدل بھی بڑا ہوتا ہے۔ جب انہوں نے بلند آواز سے یہ فقرہ کہا تو اس نے گھبرا کر اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے۔ انہوں نے کہا۔ اس نے کہا ہے کِسریٰ نے ایران کی زمین خود اپنے ہاتھ سے ہمارے سپرد کر دی ہے یہ سُن کر بادشاہ گھبرا گیا اور اس نے کہا۔ جلدی جاؤ اور اس شخص کو پکڑ کر حاضر کرو۔ مگر اتنے میں مُسلمان گھوڑوں پر سوار ہو کر کہیں کے کہیں جا چکے تھے۔ گاندھی جی نے بھی کہا کہ مَیں تو کچھ نہیں کر سکتا جو کچھ کر سکتے ہیں آپ ہی کر سکتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے ایسا ہی کر دیا۔ اور میرے وہاں ہونے کی وجہ سے ہی جھگڑے کا تصفیہ ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ تصفیہ مَیں نے کیا۔ گو کوششیں ہم برابر کر رہے تھے۔ مگر سوال یہ ہے کہ پہلے چار پانچ دفعہ صلح کی کوشش ہو چکی تھی۔ گورنمنٹ نے بھی زور لگایا۔ مگر اس معاملہ کا کوئی تصفیہ نہ ہوا۔ آخر میرے وہاں ہونے اور دعائیں کرنے سے نہ معلوم کو نسے دلوں کی کُنجیاں کھول دی گئیں کہ میرے وہاں جانے سے وہ کام جو پہلے بار بار کی کوششوں کے باوجود نہیں ہوا تھا، ہو گیا اور گاندھی جی کا یہ فقرہ درست ثابت ہوا کہ مَیں تو یہ کام نہیں کر سکتا آپ ہی کر سکتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ جس نقطہ پر لڑائی تھی گاندھی جی نے اُسے تسلیم کر لیا تھا اور بالکل ممکن تھا کہ اگر گاندھی جی کی بات مانی جاتی تو آپس میں صُلح ہو جاتی۔ چنانچہ جب گاندھی جی سے نواب صاحب بھوپال نے ملاقات کی اور یہ فارمولا پیش کیا کہ لیگ کو مسلمانوں کا نمائندہ سمجھا جائے گا تو گاندھی جی

نے اس کو تسلیم کر لیا اور اس پر دستخط بھی کر دیئے۔ لیکن جب دستخط ہو چکے تو پنڈت نہرو صاحب نے کہہ دیا کہ ہم گاندھی جی کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اس طرح وہ بات جو گاندھی جی نے کہی تھی پُوری ہو گئی کہ مَیں تو صرف گاندھی ہوں۔ میری بات کون مانتا ہے۔ چنانچہ پنڈت نہرو صاحب نے یہی کہا کہ اس معاملہ میں گاندھی جی سے ہمارا کیا تعلق۔ یہ گاندھی جی کا اپنا فیصلہ ہے، ہمارا فیصلہ نہیں۔ میرے نزدیک گاندھی جی نے محض بات کو ٹلانے کی کوشش کی تھی۔ اور ان کا مطلب یہ تھا کہ مَیں اس تحریک میں حصہ لینا ضروری نہیں سمجھتا۔ حالانکہ مَیں وہاں محض ہندوؤں اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے گیا تھا۔ ورنہ وزارتوں میں ہمارا کوئی حصہ نہیں۔ کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی میں ہمارا کوئی حصہ نہیں . . . پس مَیں وہاں اپنے لئے نہیں گیا تھا۔ بلکہ اس لئے گیا تھا کہ وہ ہزاروں ہزار ہندو جو مختلف علاقوں میں مارا جا رہا ہے، ان کی جان بچ جائے۔ وہ ہزاروں ہزار مسلمان جو مختلف علاقوں میں مارا جا رہا ہے، ان کی جان بچ جائے۔ نہ وہ میرے رشتہ دار ہیں نہ واقف ہیں نہ دوست ہیں۔ کوئی بھی تو ان کا میرے ساتھ تعلق نہیں سوائے اس تعلق کے کہ میرے پیدا کرنے والے خدا نے ان کو بھی پیدا کیا ہے۔ اور میرا فرض ہے کہ مَیں اُن کی جانوں کی حفاظت کروں۔ صرف اس دُکھ اور درد کی وجہ سے مَیں نے ان کوششوں میں حصہ لیا۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ گاندھی جی نے میرے اخلاص کی قدر نہ کی اور انہوں نے کہہ دیا کہ میری بات کون مانتا ہے، مَیں تو صرف گاندھی ہوں۔ انہوں نے یہ فقرہ محض ٹالنے کے لئے کہا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے واقع میں ایسا کر دکھایا اور پنڈت نہرو صاحب نے گفتگو کرنے والوں سے صاف کہہ دیا کہ یہ ہمارا فیصلہ نہیں۔ گاندھی جی کا فیصلہ ہے اور ہم گاندھی جی کا یہ فیصلہ ماننے کو تیار نہیں۔

جب حالات یہ رنگ اختیار کر گئے تو مسٹر جناح نے نہایت ہوشیاری اور عقلمندی سے کام لیتے ہوئے وائسرائے کو لکھ دیا کہ کانگرس سے تو ہمارا فیصلہ نہیں ہو سکا لیکن ہم آپ کی پیشکش کو قبول کرتے ہوئے حکومت میں شامل ہوتے ہیں۔ اس طرح کام بھی ہو گیا اور بات بھی بن گئی اور مسٹر گاندھی اس معاملہ میں خالی گاندھی بن کے رہ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ہماری غرض بھی پُوری کر دی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کہ ہمارا دہلی سے جمعہ کو چلنے کا ارادہ تھا اور ہم

سیٹیں بھی بُک کرا چکے تھے۔ مگر بُدھ کے دن ہمیں معلوم ہوا کہ مصالحت کی گفتگو میں خرابی پیدا ہو رہی ہے۔ چونکہ ہمارے تعلقات تمام لوگوں کے ساتھ تھے۔ اس لئے قبل از وقت ہمیں حالات کا علم ہو جاتا تھا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ کام بگڑ رہا ہے۔ تو مَیں نے پھر دوستوں کو بُلایا اور ان سے مشورہ لیا اور انہیں کہا کہ ہم اتنی مدّت یہاں رہے ہیں۔ اب ہمیں پیر تک اور ٹھہرنا چاہیئے۔ پہلے تو اتوار تک ٹھہرنے کا ارادہ تھا۔ لیکن معلوم ہوا کہ اتوار کو گاڑی ریزرو نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہم نے پیر کے دن چلنے کا فیصلہ کیا اور عین پیر کے دن صبح کے وقت فیصلہ ہو گیا اور ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے اس جھگڑے کو نپٹا کر اپنے گھر واپس آئے۔

اس سفر میں یہ ایک نہایت ہی خوشی کی بات مجھے معلوم ہوئی ہے کہ وہ مسلمان جو اپنے تفرقہ اور نکمے پن کی وجہ سے مشہور ہیں اُن میں بھی اب اخلاص اور بیداری پیدا ہو چکی ہے اور وہ اپنے فرائض کو سمجھنے لگ گئے ہیں۔ چنانچہ نواب صاحب چھتاری، سر آغا خاں اور سر سلطان احمد نے نہایت بے نفسی کے ساتھ اس موقعہ پر کام کیا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں اگر اُن کی بے نفسی اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا حال پبلک کو معلوم ہو جائے تو وہ اُن کی قدر کئے بغیر نہ رہے پھر سب سے زیادہ کام نواب صاحب بھوپال نے کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اسلامی تعلیم کی رُو سے سب انسان برابر ہیں۔ کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کی دیر سے عزتیں قائم ہو چکی ہیں وہ معمولی کام کرنے سے بھی گھبراتے ہیں۔ لیکن نواب صاحب نے باوجود ایک مقتدر ریاست کا نواب ہونے کے جو ادنیٰ سے ادنیٰ کام بھی ان کو کرنا پڑا انہوں نے کیا۔ یہانتک کہ منتیں بھی کیں۔ وہ گاندھی جی کے پاس گئے اور بھنگی کالونی میں اُن سے ملاقات کی۔ پہلی ملاقات بے شک بڑودہ ہاؤس میں ہوئی تھی اور نواب صاحب کے مشیر نے کہا تھا کہ ہم یہ پسند نہیں کر سکتے کہ نواب صاحب بھنگی کالونی میں جائیں۔ لیکن بعد میں انہوں نے یہ بھی پسند نہیں کیا کہ صرف بڑودہ ہاؤس میں ملاقات ہو بلکہ خود ان کے گھروں پر گئے۔ اور رات اور دن کوشش کی کہ کسی طرح صُلح ہو جائے۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ اب مسلمانوں میں بھی قربانی اور بیداری کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ خواہ دُنیا کی نگاہ سے نواب صاحب بھوپال، نواب صاحب چھتاری، سر سلطان احمد اور سر آغا خاں کی قربانی اوجھل رہے مگر اللہ تعالیٰ

جو عالم الغیب ہے اور تمام رازوں کو جاننے والا ہے اس نے یقیناً ان لوگوں کے ایثار اور ان کی قربانی کو دیکھا ہے اور خدا کی درگاہ سے یہ لوگ بدلہ لئے بغیر نہیں رہیں گے کیونکہ خدا کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ مضمون تو اَور بھی بیان کرنا تھا۔ مگر چونکہ وقت زیادہ ہو گیا ہے اس لئے اسی پر ختم کرتا ہوں" [۱]

مسلم لیگ نے پاکستان کی آئینی جنگ جیت لی

تحریک پاکستان کے اعتبار سے مُسلم لیگ کا عبوری حکومت میں شمولیت اختیار کرنا ۴۶-۱۹۴۵ء کے انتخابات کے بعد سب سے بڑا معرکہ ہے کیونکہ مُسلم لیگ نے اس کے نتیجہ میں صرف سوا چار ماہ کے اندر اندر پاکستان کی آئینی جنگ جیت لی اور کانگرس کا یہ دیرینہ خواب کہ وہ مُسلم لیگ کو نظر انداز کر کے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر تنہا ملک کے نظام حکومت کو چلائے گی ہمیشہ کے لئے دھرے کا دھرا رہ گیا اور برطانوی حکومت کو بالآخر مطالبہ پاکستان کے سامنے ہتھیار ڈال دینا پڑے۔

جیسا کہ اشارۃً ذکر آچکا ہے جب تک مُسلم لیگ عبوری حکومت سے باہر تھی کانگرسی حلقے خوشی کے شادیانے بجا رہے تھے۔ مگر جونہی مُسلم لیگ نے اس میں داخلہ قبول کر لیا اُن کی صفِ سراسیمگی طاری ہو گئی۔ اور انہیں بھی پاکستان کی منزل صاف قریب آتے دکھائی دینے لگی۔ چنانچہ "ملاپ" نے صاف لفظوں میں رائے دی کہ

"مَیں سمجھتا ہوں یہ جواہر لال جی اور اُن کے ساتھیوں کے جوشِ آزادی کو تارپیڈو کرنے کا جتن ہے" [۲]

اخبار "پرتاپ" نے یہ نوٹ لکھا کہ

"لیگ وائسرائے کی پیشکش کو قبول کر کے حکومت میں شامل ہو رہی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اُسے پانچ نمائندے نامزد کرنے کا ادھیکار ہو گا۔ محکموں کی تقسیم از سر نو ہو گی اور وائسرائے اس بات کے لئے ذمہ دار ہوں گے کہ نئی حکومت کثرت کے بل بوتے پر اس کی رائے کو مسترد نہیں کرتی۔ مسٹر جناح کا کہنا یہ ہے کہ لیگ حکومت میں شامل ہو رہی ہے تو ۱۹۱۹ء کے آئین کے ماتحت جس میں وائسرائے سب کچھ ہے اس کے ممبر اس کے مشیر ہیں اور بس۔ ہر ایک ممبر اپنے اپنے محکمہ کے لئے ذمہ دار ہے اور وائسرائے کے مشورہ سے سب کچھ کر سکتا ہے۔ نہرو وزارت نے مشترکہ ذمہ داری کے اصول

---

[۱] "الفضل" ۳ نبوت / نومبر ۱۳۲۵ھش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۴ تا ۶۔
[۲] بحوالہ "نوائے وقت" ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ کالم ۳۔

پر کام شروع کیا تھا۔ مسٹر جینا نے کہہ دیا ہے کہ لیگ مشترکہ ذمہ داری کے اصول کو نہیں مانتی . . . . مُسلم لیگ کی شمولیت کے تین نتیجے ہو سکتے ہیں (۱) اکثریت کے ساتھ مل کر کام کرے . . . . (۲) مزاحمت کرے۔ اس پر گورنمنٹ ٹوٹ جائے یا کانگرس اس سے نکل جائے۔ (۳) گورنمنٹ ٹوٹ جائے تو لیگ کا مقصد حل ہو گیا اور اگر کانگرس کے نکل آنے پر گورنمنٹ نے حکومت لیگ کے حوالے کر دی تو پو بارہ ہو گئے" [1]

"پرتاپ" نے اپنے ایک اور اداریتی نوٹ میں لکھا کہ

"عارضی حکومت میں لیگ کی شمولیت سے وہ عمارت جو پنڈت جواہر لال اور ان کے رفقاء نے اپنی تقریروں کے ذریعے قائم کی تھی خود بخود گر پڑے گی۔ کسی بھی مسئلہ پر ہندوستانی پالیسی کا تصور تباہ ہو جائے گا" [2]

ہندو پریس کے بالمقابل برطانوی اخبارات نے مُسلم لیگ کی اس تاریخی کامیابی کو خوب سراہا چنانچہ لندن کے مشہور روزنامہ "ڈیلی ٹیلیگراف" نے قائداعظم کی خدمت میں مبارکباد پیش کی اور لکھا کہ "اب کانگرس اور پنڈت نہرو کو بھی یہ احساس ہو گیا ہو گا کہ مسلمانوں کے تعاون کے بغیر ہندوستان میں صحیح معنوں میں امن قائم نہیں ہو سکتا" [3]

انڈونیشین ری پبلک کے وزیراعظم ڈاکٹر سلطان شہریار نے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک پیغام میں ہندوستان کی مرکزی حکومت میں شمولیت پر اظہار مسرت کیا اور لکھا کہ

"ہمیں امید ہے کہ مرکزی حکومت میں مُسلم لیگ کی شمولیت سے ہندوستان کی مکمل آزادی قریب تر ہو جائے گی" [4]

چنانچہ آئندہ پیش آمدہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ "ہندوستان کی مکمل آزادی" (جو قائداعظم کی اصطلاح میں پاکستان کا دوسرا نام تھا[5]) واقعی آن پہنچی ہے۔ ہوا یوں کہ قائداعظم کے اس واضح اعلان کے باوجود کہ ہم مشترک ذمہ داری کے اصول کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ کوئی فرد واحد اس عارضی حکومت کا لیڈر ہے جناب پنڈت جواہر لال نہرو

---

[1] بحوالہ "نوائے وقت" ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۳
[2] " " " صفحہ ۴ کالم ۱
[3] " " ۱۵ " صفحہ ۱ کالم ۲
[4] " " ۲۲ " صفحہ ۱ کالم ۴
[5] "حیات قائداعظم" (طبع دوم) صفحہ ۶۵۴ (از چودھری سردار احمد خاں)

نے مُسلم لیگ کے حکومت میں شامل پانچ ممبروں کو یہ دعوت بھیج دی کہ صبح دس بجے میری کوٹھی پر کابینہ کا اجلاس ہوگا وہ اس میں شامل ہوں۔ لیگ بلاک کے پارٹی لیڈر نوابزادہ لیاقت علیخاں نے شامل اجلاس ہونے سے انکار کر دیا جس پر ہندو پریس نے سخت احتجاج کیا کہ مُسلم لیگ نے پہلے دن ہی پنڈت جی کی قائم کردہ کنونشن توڑ ڈالی۔ "ہندوستان ٹائمز" نے تو وائسرائے تک سے فریاد کی اور مُسلم لیگ پر نکتہ چینی کی کہ وہ مشترک ذمہ داری کے اصول کو پاؤں سے روند رہی ہے۔[۲]

اس قضیہ کے بعد مُسلم لیگ اور کانگرس اور وائسرائے میں سب سے بڑا مابہ النزاع مسئلہ دستور ساز اسمبلی کا اُٹھ کھڑا ہوا۔ پنڈت نہرو کو اصرار تھا کہ اسمبلی کا اجلاس ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کو ضرور بُلایا جائے۔ وائسرائے کی رائے میں انعقاد اجلاس کا یہ مناسب وقت نہ تھا۔[۳] پنڈت نہرو اور ان کے کانگرسی رفقاء نہ صرف بضد تھے کہ اسے بہرحال منعقد کیا جائے بلکہ انہوں نے دوبارہ مستعفی ہونے کی دھمکی بھی دی اور پنڈت نہرو نے کانگرس سیشن کی سبجیکٹس کمیٹی کے اجلاس میں یہانتک کہہ دیا کہ "ہمارے صبر کا پیمانہ نہایت سُرعت کے ساتھ لبریز ہوتا جا رہا ہے۔ اگر حالات یہی رہے تو نہایت وسیع پیمانے پر جدو جہد ناگزیر ہو جائے گی" انہوں نے وائسرائے پر یہ الزام بھی لگایا کہ "انہوں نے جس سپرٹ میں حکومت چلانا شروع کی تھی اب وہ اُسے برقرار رکھنے میں ناکام رہے ہیں۔ مُسلم لیگ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے برطانوی تائید حاصل کر رہی ہے۔[۴]

اب وائسرائے اور برطانوی حکومت نے بھی پنڈت نہرو سے متاثر ہو کر ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کو دستور ساز اسمبلی کا اجلاس بُلانے کا فیصلہ کر لیا جس پر قائدِاعظم نے اسمبلی کا بائیکاٹ کر دیا اور اعلان کیا کہ "وائسرائے کانگرس کے ہاتھوں کھیل رہے ہیں۔ وہ مُسلم لیگ اور ہندوستان کی دوسری جماعتوں اور ملک کی قومی زندگی کے مختلف عناصر کو بالکل نظر انداز کر کے صرف کانگرس کو مطمئن کر رہے ہیں۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ مُسلم لیگ کا کوئی نمائندہ دستور ساز اسمبلی میں شامل نہ ہوگا"[۵] مُسلم لیگ کے بائیکاٹ پر برطانوی مدبرین کی آنکھیں کھُل گئیں کہ مُسلم لیگ کی عدم موجودگی میں جو دستور بنے گا وہ مُسلم قوم پر نافذ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ملک معظم کی حکومت ۶ دسمبر ۱۹۴۶ء کو مندرجہ ذیل واضح اعلان کرنے پر مجبور ہوگئی کہ

---

[۱] نوابزادہ لیاقت علیخاں (مالیات) راجہ غضنفر علیخاں (حفظانِ صحت) مسٹر آئی۔آئی چندریگر بمبئی (کامرس) مسٹر عبدالرّب نشتر سرحد (ڈاک اور پرواز) اچھوت ممبر مسٹر جوگندر ناتھ منڈل بنگال (وضع قانون)

[۲] "نوائے وقت" ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ ؛ [۳] "نوائے وقت" ۲۱ نومبر ۱۹۴۶ء

[۴] " " ۲۴ نومبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۱ ؛

[۵] " " " صفحہ ۱ ؛

"مجلس دستور ساز اسمبلی کی کامیابی کا مدار متفقہ لائحہ عمل پر ہے۔ اگر ایسا آئین مرتب ہو گیا جس میں ہندوستانی آبادی کے کسی کثیر حصّہ کو نمائندگی نہیں دی گئی تو ملکِ معظم کی حکومت اس آئین کو ناراضامند علاقوں پر مسلّط کرنے کو تیار نہیں ہوگی"

اس اعلان کا صاف مطلب یہ تھا کہ پنڈت نہرو اور اُن کی دستور ساز اسمبلی جو قوانین بھی چاہے مرتب کرے۔ وہ اس آئین کو ہندو اکثریت کے علاقوں میں جہاں چاہیں نافذ کریں۔ لیکن جہاں تک پاکستانی علاقوں کا تعلق ہے یہ آئین پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتا[1]

وزیرِ ہند سر سٹیفورڈ کرپس نے ۱۲ دسمبر ۱۹۴۶ء کو دارالعوام میں تقریر کی جس میں اپنے وعدہ کا اعادہ کرتے ہوئے مزید کہا کہ "اگر مُسلم لیگ دستور ساز اسمبلی میں شامل ہونے پر آمادہ نہ کی جاسکے تو ان حصّوں کو جہاں مسلم لیگ اکثریت میں ہے موجودہ دستور ساز اسمبلی کے مرتب کردہ آئین کا پابند نہیں سمجھا جائے گا۔"[2]

قائدِ اعظم اور مسلم لیگ اسمبلی کے مقاطعہ پر ڈٹے ہوئے تھے کہ مسٹر ایٹلی وزیرِ اعظم برطانیہ نے قائدِ اعظم محمد علی جناح، نوابزادہ لیاقت علیخاں، پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار بلدیو سنگھ کو صلاح و مشورہ اور مفاہمت کے لئے لندن طلب کیا۔ اس موقعہ پر سیدنا المصلح الموعود نے مسٹر ایٹلی کے نام ایک مکتوب لکھا جس میں استدعا کی کہ

"ہندوستانی مسلمانوں کے مفاد کو قُربان کر کے کانگرس کے حلیف نہ بنیں"

یہ خط چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ امام مسجد لنڈن نے مسٹر ایٹلی کے حوالہ کیا۔[3]

لندن میں ان لیڈروں کی ایک مختصر سی گول میز کانفرنس بھی منعقد ہوئی مگر اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا اور بالآخر کراچی میں مُسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا کہ یا تو ہندو دستور ساز اسمبلی منسوخ کی جائے ورنہ مُسلم دستور ساز اسمبلی کے قیام کا بھی اعلان کیا جائے۔[4]

مسٹر ایٹلی کی طرف سے ۲۰؍فروری ۱۹۴۷ء کو مکمل آزادی دینے کا اعلان

جب ملک میں متحدہ دستور ساز اسمبلی کے امکانات یکسر ختم ہو گئے تو ۲۰؍فروری[5] ۱۹۴۷ء کو مسٹر ایٹلی وزیرِ اعظم نے ہندوستان کی جون ۱۹۴۸ء تک مکمل آزادی کا مندرجہ ذیل

---

[1] "حیاتِ قائدِ اعظم" صفحہ ۶۵۳ (از چوہدری سردار محمد خاں) طبع دوم ؛ [2] "قائدِ اعظم اور دستور ساز اسمبلی" صفحہ ۲۵۰ (از محمد اشرف خاں عطا) ؛ [3] "الفضل" ۱۳؍فتح؍دسمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ ؛ [4] "قائدِ اعظم اور ان کا عہد" (سید رئیس احمد جعفری) صفحہ ۶۴ ؛

[5] یاد رہے ۲۰؍فروری وہی تاریخ ہے جبکہ حضرت مسیح موعودؑ کو اسیروں کے رُستگار سیدنا المصلح الموعود کی آسمانی بشارت ملی تھی ؛

اعلان کیا:-

"ملک معظم کی حکومت کو یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا ہے کہ ہندوستانی پارٹیوں میں ابھی تک اختلافات موجود ہیں جو دستور ساز اسمبلی کو اس طرح کام کرنے سے روک رہے ہیں جس طرح کہ اسے کام کرنا چاہیئے تھا۔ وزارتی اسکیم کی حقیقی معزیت یہ ہے کہ اسمبلی (مختلف جماعتوں کی) پوری پوری نمائندہ ہو۔ ملک معظم کی حکومت کی خواہش یہ ہے کہ وزارتی وفد کی اسکیم کے مطابق ایسے با اختیار اداروں کو ذمہ داری منتقل کر دی جائے جو ہندوستان کی تمام پارٹیوں کے منظور کردہ آئین کی رُو سے قائم کئے گئے ہوں۔ لیکن سر دست بد قسمتی سے ایسی کوئی واضح امید نظر نہیں آتی کہ ایک ایسا دستور اور ایسے با اختیار ادارے وجود میں آجائیں گے۔ موجودہ غیر یقینی حالت خطروں سے پُر ہے اور اُسے غیر معیّن عرصہ کے لئے طول نہیں دیا جا سکتا۔ ملک معظم کی حکومت یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ اُن کا یہ قطعی ارادہ ہے کہ ۸ر جون ۱۹۴۸ء تک ہندوستان کے ذمہ دار ہاتھوں میں اختیارات منتقل کرنے کی غرض سے ضروری تدبیریں عمل میں لائے . . . اس وجہ سے ضروری ہے کہ تمام جماعتیں اپنے اختلافات مٹا دیں تاکہ ان بھاری ذمہ داریوں کو جو اُن پر آئیندہ سال آنے والی ہیں اپنے کاندھوں پر اُٹھانے کے لئے تیار ہو جائیں" [۱]

اس اعلان میں کانگرس اور مُسلم لیگ دونوں سیاسی جماعتوں کی تسلی کا جواز موجود تھا۔ کیونکہ ایک طرف اس میں ہندوستان کی آزادی کی فیصلہ کن تاریخ مقرر کر دی گئی تھی جو کانگرس کے لئے موجب اطمینان چیز تھی۔ دوسری طرف واضح کیا گیا تھا کہ اگر دستور ساز اسمبلی میں مُسلم لیگ شریک نہ ہوئی تو اس کی نمائندہ حیثیت قانوناً ختم کر دی جائے گی بالفاظ دیگر اکھنڈ بھارت کا کانگرسی نظریہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا اور پاکستان قائم ہو کر رہے گا۔

---

[۱] "قائد اعظم اور دستور ساز اسمبلی" صفحہ ۲۶۴-۲۶۵

فصل ششم

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی طرف سے خضر وزارت کے استعفاء کی کامیاب جد و جہد

اور

قائد اعظم کا اظہار مسرت و شکریہ

تقسیم پنجاب کے خلاف جماعت احمدیہ کا پُرزور احتجاج۔ پاکستان کے حق میں حضرت مصلح موعود کا پُرشوکت بیان

انتقالِ اقتدار سے متعلق ۳ جون ۱۹۴۷ء کی برطانوی سکیم اور قائد اعظم

پنجاب کی یونینسٹ وزارت

اگرچہ برطانوی حکومت ۸ جون ۱۹۴۸ء تک تمام اختیارات ہندوستان کو سپرد کر دینے کا اعلان کر چکی تھی۔ مگر چونکہ ایٹلی حکومت کے اعلان اور وزارتی مشن کے فارمولا کے مطابق یہ اختیارات ابتداءً صوبوں کو منتقل ہونے والے تھے اس لئے مسلم لیگ کے لئے پاکستان کے حصول میں ایک بہت بڑی رکاوٹ پیدا ہو گئی اور وہ یہ کہ اُن دنوں پنجاب میں یونینسٹ وزارت قائم تھی جس کی موجودگی میں صوبہ کے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا جانا قطعی طور پر ناممکن تھا۔ یہ صورتِ حال قائد اعظم اور دوسرے تمام ذمہ دار مسلم لیگیوں کے لئے حد درجہ تشویش انگیز اور پریشان کن تھی اور بظاہر اصلاحِ احوال کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔[1]

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب میدانِ عمل میں

تحریک پاکستان کے اس انتہائی نازک موقعہ پر چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب ایک بار پھر میدانِ عمل میں نکل

---

[1] حق یہ ہے کہ مسلم لیگی زعماء ایک عرصہ سے اس تگ و دو میں مصروف تھے کہ سر خضر حیات خاں وزیر اعظم یونینسٹ حکومت کو مسلم لیگ میں شامل کریں۔ چنانچہ پنجاب لیگ کے اکابر نے خان افتخار حسین ممدوٹ صدر پنجاب مسلم لیگ کی قیادت میں ستمبر ۱۹۴۶ء کے آخری ہفتہ میں ان سے مذاکرات بھی کئے۔ سر خضر حیات خاں ان دنوں شملہ میں تھے۔ یہ مذاکرات قائد اعظم کے مشورہ پر ہوئے تھے مگر ان کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔
("انقلاب" ۳۰ ستمبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۱ کالم ۱)

آئے اور آپ نے یونینسٹ حکومت کے وزیرِ اعظم ملک خضر حیات خاں ٹوانہ کو ایک خط میں انہیں مخلصانہ مشورہ دیا کہ موجودہ مرحلے پر انہیں وزارت سے استعفاء دے کر مسلم لیگ اور پاکستان کے لئے رستہ صاف کر دینا چاہیئے۔ بعد ازاں چوہدری صاحب موصوف ملک صاحب کی دعوت پر بنفسِ نفیس لاہور تشریف لائے اور اُن سے ملاقات کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آپ کی تحریک پر ۲؍ مارچ ۱۹۴۷ء کو اپنے عہدہ سے مستعفی ہو گئے اور اگلے روز لاہور کے اخبارات میں یہ اطلاع شائع بھی ہو گئی کہ گذشتہ چند روز سے آنریبل سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب لاہور تشریف لائے ہوئے ہیں۔ آپ نے خضر حیات خاں صاحب سے متعدد ملاقاتیں فرمائیں اور ان پر برطانوی حکومت کے تازہ اعلان کی آئینی اہمیت واضح فرمائی۔ موجودہ وزارتی تبدیلی میں آپ نے بہت نمایاں حصہ لیا ہے۔[1]

اس سے واضح الفاظ میں اخبار "ٹریبیون" نے اپنی ۵؍ مارچ ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں یہ خبر دی کہ

"معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ خضر حیات خاں صاحب نے یہ فیصلہ سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے مشورہ اور ہدایت کے مطابق کیا ہے"[2]

اخبار "ملاپ" (مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۵۱ء) نے لکھا:-

"یہ ایک واضح بات ہے کہ چودھری ظفر اللہ خاں نے خضر حیات کو مجبور کر کے اس سے استعفاء دلایا۔ خضر حیات کا استعفاء مسلم لیگ کی وزارت بننے کا پیش خیمہ تھا اگر خضر حیات کی وزارت نہ ٹوٹتی تو آج پنجاب کی یہ حالت نہ ہوتی"[3]

قائد اعظم کا بمبئی سے بیان اور شکریہ

مسلمانوں نے خضر حیات کے استعفاء پر جشنِ مسرت منایا اور قائد اعظم محمد علی جناح نے بمبئی سے بیان جاری کیا:-

"مجھے آج صبح یہ سُن کر خوشی ہوئی ہے کہ ملک خضر حیات خاں نے اپنا اور اپنے کابینہ کا استعفیٰ داخل کر دیا ہے۔ ان کا یہ فیصلہ دانشورانہ ہے اور مجھے توقع ہے کہ ڈاکٹر خاں صاحب (وزیر اعظم سرحد نا قل) اس نیک مثال کی تقلید کریں گے"

اس کے بعد جب ناظر امور خارجہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد قائد اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے

---

[1] "الفضل" ۵ امان / مارچ ۱۳۲۶ ہش ۱۹۴۷ء صفحہ ۸ ۔ [2] بحوالہ "الفضل" ۶ امان / مارچ ۱۳۲۶ ہش ۱۹۴۷ء صفحہ ۸ ۔

[3] بحوالہ "الفضل" ۴ نبوت / نومبر ۱۳۳۰ ہش ۱۹۵۱ء ۔

تو آپ نے جماعت احمدیہ کی اس کوشش کا بہت شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ آپ نے نہایت آڑے وقت ہماری مدد کی ہے اور کہا

" I can never forget it."

یعنی میں اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔[۵۱]

ملک خضر حیات کے استعفاء کا پس منظر چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے قلم سے

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اپنی غیر مطبوعہ خود نوشت سوانح حیات میں ملک خضر حیات کے استعفاء کے پسِ منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے قلم سے تحریر فرماتے ہیں کہ

" وزیر اعظم ایٹلی نے اپنے ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کے بیان میں اعلان فرمایا کہ تقسیم ملک کے بغیر چارہ نہیں۔ اور یہ کہ ملکِ معظم کی حکومت ہندوستان کے نظم و نسق کے اختیارات ہندوستان کو سپرد کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ اس پر عملدرآمد کا طریق یہ ہوگا کہ حکومت کے اختیارات صوبائی حکومتوں یا کسی متوازی ادارے کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ اور اس طور پر تقسیم کی کارروائی کی تکمیل کی جائے گی۔

جہاں اس بیان سے مجھے یہ اطمینان تو ہوا کہ آخر حکومتِ برطانیہ نے قیامِ پاکستان کو تسلیم کر لیا وہاں مجھے اس اعلان کے اس حصّے سے سخت پریشانی بھی لاحق ہوئی کہ حکومت کے اختیارات عبوری مرحلے میں صوبائی حکومتوں کو تفویض کئے جانے کا امکان ہے۔ جب جناب قائداعظم نے برطانوی وفد کے منصوبے کو منظور فرما لیا تھا اس وقت ان کے اس فیصلے سے میرا حوصلہ بہت بڑھ گیا تھا کہ وہ میرے اندازے سے بھی بڑھ کر صاحبِ تدبیر ثابت ہوئے۔ میری نگاہ میں برطانوی وفد کے منصوبے کا ایک قابلِ قدر پہلو یہ تھا کہ پہلے دس سال میں اکثریت کو موقعہ دیا گیا تھا کہ وہ اپنے منصفانہ رویے اور حُسنِ سلوک کے ذریعے اقلیتوں کا اعتماد حاصل کریں کہ آزاد ہندوستان میں اُن کے جائز حقوق کی مناسب نگہداشت ہوگی اور ان کے جذبات اور احساسات کا احترام ہوگا۔ ہر چند کہ سابقہ تجربہ کچھ ایسا امید افزا نہیں تھا پھر بھی جناب قائداعظم کا اِس منصوبے کو عملاً آزمانے پر تیار ہو جانا اس بات کا ثبوت تھا کہ اُن کا موقف کسی قسم کی ضد پر مبنی نہیں تھا۔

---

[۵۱] " قیامِ پاکستان اور جماعت احمدیہ " صفحہ ۵۰ (از تقریر علامہ مولانا جلال الدین صاحب شمس سابق امام مسجد لنڈن ناشر مہتمم نشر و اشاعت نظارت دعوۃ و تبلیغ صدر انجمن احمدیہ ربوہ ۔

بعد کے حالات سے یہ بھی ترشح ہوتا ہے کہ ممکن ہے کانگریس کے بعض عناصر نے وفد کے منصوبے کو تسلیم کرنے کی تائید اس توقع میں کی ہو کہ مُسلم لیگ اسے ردّ کر دے گی اور وفد کی ناکامی کی ذمہ داری لیگ پر ڈالی جائیگی جس کے نتیجے میں برطانوی حکومت کی نظروں میں پاکستان کا مطالبہ کمزور ہو جائے گا۔ جب لیگ نے وفد کا منصوبہ تسلیم کر لیا تو اُن عناصر کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ اور انہوں نے منصوبے کو ناکام کرنے کی راہیں تلاش کرنا شروع کیں۔ بہرصورت آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ہر صاحبِ فہم کی نظر میں وفد کی ناکامی کی ذمہ داری کانگرس پر عائد ہوئی اور پاکستان کا مطالبہ مضبوط تر ہو گیا۔ لیکن اس مقصد تک پہنچنے کا پہلا مرحلہ جب یہ قرار دیا گیا کہ حکومت کے اختیارات صوبائی حکومتوں کو تفویض کئے جائیں گے تو پنجاب کے حالات کے پیشِ نظر میری طبیعت نہائیت کرب میں مبتلا ہوئی۔

جناب سر سکندر حیات خاں صاحب کی وفات کے بعد جناب ملک سر خضر حیات خاں صاحب پنجاب میں وزیر اعظم ہوئے۔ یہ جناب سردار صاحب کے رفقاء میں سے تھے اور ان کی جگہ یونینسٹ پارٹی کے سربراہ ہوئے۔ لیکن یونینسٹ پارٹی کے عناصر میں جلد جلد تبدیلی ہو رہی تھی۔ پارٹی کی ترکیب میں بتدریج مُسلم عنصر کم ہو رہا تھا اور غیر مُسلم عنصر بڑھ رہا تھا۔ صُوبے میں مُسلم لیگ کی تنظیم مضبوط ہو رہی تھی۔ اور لیگ کا رسُوخ بڑھتا جا رہا تھا۔ یہانتک کہ لیگ نے عدم تعاون کے ذریعے یونینسٹ پارٹی کو حکومت سے برطرف کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں تو لیگ بظاہر کامیاب نہ ہوئی لیکن لیگ کی وقعت رائے عامہ میں بہت بڑھ گئی اور شہری حلقوں میں خصوصاً لیگ کا اثر ہر جگہ پھیل گیا۔ جناب قائد اعظم نے اس سے قبل ہی جناب ملک صاحب پر زور دینا شروع کیا تھا کہ وہ لیگ میں شامل ہو کر اور لیگ سے مل کر کام کریں۔ لیکن وہ ایسا کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ انہوں نے سکندر جناح پیکٹ کی آڑ لینے کی کوشش کی۔ لیکن جناب قائد اعظم نے اُسے ٹھکرا دیا۔ جناب ملک صاحب کا موقف تھا کہ پاکستان کا مطالبہ مرکز سے متعلق ہے اور ہم سَو فیصدی اس کی تائید میں ہیں۔ لیکن صُوبے کے حالات کے پیشِ نظر یونینسٹ پارٹی جو ایک غیر فرقہ وارانہ پارٹی ہے اور جس کی تشکیل اقتصادی مقاصد کی بنا پر رکھی گئی تھی اور انہیں مقاصد کے حصول کے لئے وہ کوشاں رہی ہے، ایک موزوں پارٹی ہے اور مُسلم حقوق کا بخوبی تحفظ کر سکتی ہے اور کرتی ہے۔

اسی کشمکش کے دوران میں برطانوی وزیر اعظم کا ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کا اعلان ہو گیا جس کا ایک

پہلو یہ تھا کہ پنجاب کے صوبے میں مرکزی اختیارات بھی صوبائی حکومت کو تفویض ہوں۔ اس وقت تک یونینسٹ پارٹی میں رکنیت کی کثرت غیر مسلم اراکین کو حاصل ہو چکی تھی۔ اگر اب بھی یہی پارٹی برسرِ اقتدار رہتی تو مسلم لیگ کے رستے میں اور پاکستان کے قیام کے رستے میں ایک بہت بڑی روک پیدا ہو جاتی۔ مَیں جناب ملک سر خضر حیات خاں صاحب کو عرصے سے جانتا تھا اور میرے اُن کے درمیان دوستانہ مراسم تھے۔ جب تک مَیں حکومتِ ہند کا رُکن رہا مجھے گرمیوں کے موسم میں جناب ملک صاحب کے ساتھ شملے میں ملاقات کے مواقع میسر آتے رہتے تھے۔ جب مَیں حکومت سے علیحدہ ہو کر عدالت میں چلا گیا تو ہمارے ملاقات کے مواقع کم ہو گئے اور مَیں نے سیاسی سرگرمیوں میں براہِ راست حصّہ لینا کم کر دیا۔ گو قومی معاملات میں میری دلچسپی میں کوئی کمی نہ آئی۔

اب اس مرحلے پر بڑی شدت سے میری طبیعت اس طرف مائل ہوئی کہ مجھے جناب ملک صاحب کی خدمت میں گذارش کرنا چاہیئے کہ اب وہ صورت نہیں رہی کہ پاکستان کے مطالبے کا تعلق مرکزی حکومت کے ساتھ ہے اور صوبائی حکومتیں اس سے الگ ہیں کیونکہ وزیر اعظم ایٹلی کے اعلان کے بعد صوبائی حکومتیں لازماً اس کشمکش میں کھینچ لی جائیں گی اور مسلم لیگ اور پاکستان کے لئے یہ امر بہت کمزوری کا باعث ہوگا کہ پنجاب میں اختیارات حکومت ایک ایسی پارٹی کے ہاتھ میں ہوں جس کی اکثریت غیر مسلم ہے۔ ساتھ ہی مجھے کچھ حجاب بھی تھا کہ مَیں سیاسیات سے باہر ہوتے ہوئے اور پنجاب کے تفصیلی حالات سے واقفیت نہ رکھتے ہوئے جناب ملک صاحب کی خدمت میں کوئی ایسی گذارش کروں جسے وہ بیجا جسارت شمار کرتے ہوئے قابلِ التفات شمار نہ کریں۔ ادھر ہر لحظہ جوں جوں مَیں وزیر اعظم برطانیہ کے اعلان پر غور کرتا میری پریشانی میں اضافہ ہوتا۔ دو دن اور راتیں مَیں نے اسی کشمکش میں گذاریں۔ مجھے بہت کم کبھی ایسا اتفاق ہوا ہے کہ مَیں رات آرام سے نہ سو سکوں۔ لیکن یہ دونوں راتیں میری بہت بے چینی کی نذر ہوئیں۔ آخر میں نے تیسری صبح جناب ملک صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھا اور انہیں اُن کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے گذارش کی کہ انہیں اس مرحلے پر وزارت سے استعفاء دے کر مسلم لیگ کا رستہ پنجاب میں صاف کر دینا چاہیئے اور اپنی ذمہ داری سے سرخرو ہو جانا چاہیئے۔ اس عریضہ کے ارسال کرنے کے تیسرے دن جناب ملک صاحب نے ٹیلیفون پر مجھے فرمایا۔ تمہارا خط مجھے مل گیا ہے۔ مَیں ٹیلیفون پر مختصر بات ہی کر سکتا ہوں۔ مجھے اصولاً تمہارے ساتھ اتفاق ہے۔ لیکن مَیں مزید مشورہ کرنا

چاہتا ہوں۔ تم ایک دن کے لئے لاہور آجاؤ۔ میں نے گذارش کی، مَیں انشاء اللہ آج رات روانہ ہو کر کل صبح حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔

میرے حاضر ہونے پر جناب ملک صاحب نے فرمایا۔ جیسے مَیں نے ٹیلیفون پر تم سے کہا تھا۔ مجھے اصولاً تمہارے ساتھ اتفاق ہے لیکن مَیں تمہاری یہاں موجودگی میں بھائی اللہ بخش (نواب سر اللہ بخش خاں ٹوانہ) کے ساتھ مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ اور پھر مظفر (نواب سر مظفر علی قزلباش) سے بھی مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ مظفر نے ہر مرحلے پر میرا ساتھ دیا ہے۔ مَیں بغیر ان دو کے مشورہ کے کوئی پختہ فیصلہ نہیں کر سکتا۔

جناب نواب سر اللہ بخش خاں صاحب تو جناب ملک صاحب کے بنگلے کے باغ میں خیمے میں فروکش تھے۔ ہم دونوں ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ملک صاحب نے فرمایا۔ بھائی جان! مَیں نے ظفر اللہ خاں کی چٹھی کل آپ کو پڑھ کر سُنا دی تھی۔ اب آپ فرمائیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ جناب نواب صاحب نے فرمایا۔ مَیں نے کل بھی کہا تھا اور آج بھی کہتا ہوں کہ مجھے ظفر اللہ خاں کے ساتھ اتفاق ہے۔ اس مرحلے پر صحیح طریق یہی ہے کہ تم اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤ۔ چند منٹ کی گفتگو کے بعد وہیں سے جناب ملک صاحب نے جناب نواب سر مظفر علیخاں صاحب کے ہاں ٹیلیفون کیا تو معلوم ہوا نواب صاحب اسٹیٹ تشریف لے گئے ہیں۔ وہاں ٹیلیفون نہیں تھا۔ جناب ملک صاحب نے اپنے سائق کو ارشاد فرمایا فوراً کار میں جا کر نواب سر مظفر علیخاں صاحب کو اُن کی اسٹیٹ سے لے آؤ۔ جناب نواب صاحب کی تشریف آوری پر جناب ملک صاحب نے خاکسار کے خط کا ذکر جناب نواب صاحب سے کیا اور ان کی رائے دریافت کی۔ اس پر انہوں نے فرمایا۔ ہم مُسلم لیگ کی تحریک عدم تعاون کو ناکام کر چکے ہیں۔ مجلس میں ہماری پوزیشن مضبوط ہے۔ بجٹ کا اجلاس چند دنوں میں شروع ہونے والا ہے۔ اس بات سے تو مجھے اتفاق ہے کہ ہمیں حکومت سے دست بردار ہو جانا چاہیئے۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ بجٹ پاس کرنے کے بعد استعفاء دینا چاہیئے۔ یہ سُنتے ہی جناب نواب اللہ بخش صاحب نے فرمایا۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ مشورہ طلب امر یہ نہیں کہ استعفاء کب دیا جائے۔ مشورہ طلب امر یہ ہے کہ اس وقت استعفاء دیا جائے یا نہیں۔ فیصلہ یہ ہونا چاہیئے استعفاء دیا جائے یا پھر یہ ہونا چاہیئے استعفاء نہ دیا جائے۔ یہ کوئی فیصلہ نہیں آج سے ڈیڑھ ماہ یا دو ماہ بعد استعفاء دیا جائے۔ آپ کیا کہہ سکتے ہیں اس درمیانی عرصے میں کیا واقعات ہوں اور کیا مراحل پیش آئیں اور کن حالات کا آپ کو سامنا ہو۔ اگر اس وقت استعفاء نہیں ہونا چاہیئے تو بس اسی پر اکتفا کرو، استعفاء

نہیں دینا چاہیئے۔ کل کیا ہوگا یا ایک مہینہ بعد کیا ہوگا، یہ وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ پھر ایک اور امر بھی قابل غور ہے۔ اگر آپ آج یہ فیصلہ کریں۔ بجٹ پاس کرنے کے بعد استعفار دیں گے تو یہ خلاف دیانت ہے۔ بجٹ آپ پارٹی کی مدد سے پاس کریں گے۔ اس وقت تو آپ انہیں بتائیں گے نہیں کہ آپ نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ بجٹ پاس کرتے کے بعد استعفار دے دیں گے۔ اگر اس وقت آپ انہیں بتائیں گے تو ابھی سے پارٹی منتشر ہو جائے گی اور خود ہی آپ کا استعفار ہو جائے گا۔ اور اگر اس وقت نہیں بتائیں گے اور ان کی مدد سے بجٹ پاس کرنے کے بعد اُن کی خلافِ مرضی استعفار دے دیں گے تو گویا آپ نے اُن سے فریب کیا کہ ان کی مدد سے بجٹ پاس کرلیا اور پھر ان کی خلافِ مرضی استعفار دے دیا۔ اس لئے میری تو یہی رائے ہے کہ اس وقت صرف یہ طے ہونا چاہیئے کہ اس مرحلے پر آپ استعفار دیں یا نہ دیں۔ مَیں اپنی رائے بتا چکا ہوں کہ آپ کو استعفار دینا چاہیئے۔ آگے جیسے آپ مناسب سمجھیں۔

اس کے بعد جناب نواب مظفر علی خاں صاحب چند منٹ ٹھہر کر تشریف لے گئے۔ جناب ملک صاحب نے اسی سہ پہر کے لئے پارٹی کا اجلاس اپنے دولتکدے پر طلب فرمایا اور خود گورنر صاحب (SIR EVANS JEN-KINS) کو ملنے تشریف لے گئے۔ گورنر سے کہا۔ وزیر اعظم ایٹلی کے اعلان کے پیش نظر مَیں سوچ بچار کے بعد اس رائے کی طرف مائل ہوں کہ مجھے اس مرحلے پر استعفار دے دینا چاہیئے۔ لیکن پختہ فیصلہ کرنے سے پہلے مَیں نے آج سہ پہر پارٹی کا اجلاس طلب کیا ہے۔ اگر پارٹی کے ساتھ گفتگو کے بعد مَیں اس رائے پر قائم رہا تو مَیں آج شام پھر آپ سے ملنے کے لئے آؤں گا اور اپنے فیصلے سے آپ کو مطلع کردوں گا۔ گورنر صاحب نے فرمایا۔ یہ امر خالصۃً آپ کی مرضی پر موقوف ہے۔ حالات کے پیشِ نظر مَیں آپ کی رائے پر کوئی اثر ڈالنا نہیں چاہتا۔ لیکن کیا مَیں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے خود بخود یہ رائے قائم کی ہے یا کسی طرف سے آپ کو کوئی تحریک ہوئی ہے۔ اس پر ملک صاحب نے فرمایا کہ فیصلہ تو میرا جو کچھ ہوگا اپنا ہی ہوگا لیکن وزیر اعظم ایٹلی کے اعلان کے نتیجے میں توجہ مجھے ظفراللہ خاں نے دلائی ہے۔

پارٹی کا اجلاس تین بجے سہ پہر سے چھ سات بجے تک رہا۔ مَیں تو اس میں شامل نہیں تھا۔ لیکن میرے کمرے تک بعض دفعہ آواز پہنچتی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ بحث گرم ہو رہی ہے۔ شام کے کھانے پر جناب ملک صاحب نے بتایا کہ پارٹی کے غیر مُسلم اراکین میرے فیصلے پر بہت آزردہ تھے اور اپنے اپنے زاویہ نگاہ سے مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے رہے کہ میرا مجوزہ اقدام درست نہیں۔ لیکن میرا موقف یہی

رہا کہ برطانوی وزیر اعظم کے اعلان کے بعد میرے لئے اور کوئی رستہ کھلا نہیں رہا۔

کھانے کے بعد جناب ملک صاحب گورنر صاحب سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اور اپنا استعفیٰ پیش کر دیا اور ساتھ ہی گورنر صاحب کو مشورہ دیا کہ جناب نواب صاحب ممدوٹ کو بحیثیت قائد مسلم لیگ پارٹی دعوت دی جائے کہ وہ نئی وزارت کی تشکیل کریں۔

جناب ملک صاحب کے استعفاء کا اعلان ریڈیو پر ہو گیا۔ مسلم لیگ حلقوں میں اس خبر سے خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور صبح ہوتے ہی شہر بھر میں خضر حیات زندہ باد کے نعرے بلند ہونے لگے۔ جناب راجہ غضنفر علی صاحب اور جناب سردار شوکت حیات خاں صاحب کی سرکردگی میں بہت سے مسلم لیگ کے سرکردہ اصحاب جناب ملک صاحب کے بنگلے پر تشریف لائے اور ملک صاحب کو مبارک باد دی، گلے لگایا اور پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔ اس کے برعکس غیر مسلم حلقوں میں اس خبر سے بہت بے چینی پھیل گئی اور اُن کی طرف سے مخالفانہ مظاہرے شروع ہو گئے۔ یہ رَو صوبے بھر میں پھیل گئی اور بعض مقامات پر فرقہ وارانہ افسوسناک وارداتیں بھی ہوئیں۔ مَیں اُسی دن دلّی واپس چلا گیا۔

صوبائی مسلم لیگ قیادت کی طرف سے جناب ملک صاحب پر زور دیا گیا کہ وہ مسلم لیگ پارٹی میں شامل ہو جائیں۔ انہوں نے وضاحت سے فرمایا کہ وہ سیاسیات سے الگ رہنا چاہتے ہیں جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی ذہن میں بھی یہ غلط اندازہ کیا جائے کہ انہیں وزارت یا کسی سیاسی اعزاز یا منصب کی خواہش ہے۔ مسلم لیگ پارٹی کے متعلق انہوں نے اپنی نیک خواہی کا ثبوت یُوں دے دیا کہ انہوں نے جناب نواب مظفر علی خاں صاحب قزلباش کو مشورہ دیا کہ وہ مسلم لیگ پارٹی میں شامل ہو جائیں چنانچہ وہ شامل ہو گئے۔

جناب ملک سر خضر حیات خاں صاحب کا پہلا موقف درست تھا یا غلط، اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ اس مرحلے پر ان کا استعفاء دینا ایک نہایت قابلِ ستائش فعل تھا جس کے نتیجے میں صوبہ پنجاب میں مسلم لیگ کا رستہ صاف ہو گیا اور پاکستان کے استحکام کی صورت پیدا ہو گئی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو بہت سی مشکلات کا امکان تھا۔ اس کے مقابل پر پاکستان کے قیام کے بعد جناب ملک صاحب کے ساتھ وہ انصاف اور حُسنِ سلوک روا نہ رکھا گیا جس کا ہر شہری بلا امتیاز حقدار ہے۔"[1]

---

[1] خود نوشت سوانح حیات چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب صفحہ ۳۸۳ تا ۳۹۰۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے تقسیم پنجاب کے خلاف پُرزور احتجاج

خضر وزارت کے استعفا پر صرف چند دن ہی گذرے تھے، کہ کانگرس ورکنگ کمیٹی نے اپنے اجلاس دہلی (منعقدہ ۴ تا ۸ مارچ ۱۹۴۷ء) میں یہ قرارداد پاس کی کہ پنجاب کو مُسلم اور غیر مُسلم پنجاب میں تقسیم کر دیا جائے[1]۔ ازاں بعد ۴ اپریل کو آل انڈیا ریڈیو سے سرکاری طور پر بھی اعلان ہو گیا کہ ایسی تجویز حکومت کے زیرِ غور ہے۔

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے یہ اعلان سُنتے ہی وائسرائے ہند کے نام حسب ذیل ایکسپرس تار ارسال کیا:۔

"آل انڈیا ریڈیو میں آج رات (یعنی مورخہ ۵ اپریل سے قبل کی رات) اعلان ہوا ہے کہ پنجاب کو تین حصوں میں تقسیم کر دینے کی تجویز زیرِ غور ہے۔ مَیں اور میری جماعت تقسیم پنجاب کی تجویز کے خلاف پُرزور احتجاج کرتے ہیں اور خصوصاً اس تجویز کے خلاف کہ وسطی پنجاب کو مغربی پنجاب سے علیحدہ کر دیا جائے۔ ہم مسلمان پنجاب کے وسطی حصوں میں کامل اکثریت رکھتے ہیں اور ہمیں ایسے ہی انسانی حقوق حاصل ہیں جو دُنیا کے کسی حصے میں کسی قوم کو حاصل ہو سکتے ہیں۔ یقیناً ہمارے ساتھ تجارتی اموال کا سا سلوک نہیں ہونا چاہیئے"[2]

لیکن افسوس جلد ہی ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے تقسیم پنجاب کا مطالبہ اس درجہ زور پکڑ گیا کہ اسے قریباً ناگزیر خیال کیا جانے لگا۔ جس پر شروع مئی ۱۹۴۷ء میں ناظر اعلیٰ قادیان کی طرف سے قائداعظم جناب محمد علی جناح صدر آل انڈیا مُسلم لیگ کے نام مندرجہ ذیل تار بھجوایا گیا:۔

"جماعت احمدیہ پنجاب کی تقسیم کے خلاف ہے لیکن اگر یہ تقسیم ناگزیر ہو تو ہماری رائے میں اُسے تین اصولی شرطوں کے ساتھ مشروط کرنا ضروری ہے۔

اوّل تمام اُن علاقوں کو اسلامی علاقہ میں شامل کیا جاوے جہاں آبادی کے تناسب کے لحاظ

---

[1] "الفضل" ۱۰ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸ کالم ۱۔ یاد رہے قبل ازیں پنڈت جواہر لال نہرو بمبئی میں ۱۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو ایک تقریر کے دوران کہہ چکے تھے کہ "سوال یہ ہے کہ اگر غیر مسلم پاکستان میں رہنے سے انکار کریں تو مسٹر جناح کیا کریں گے۔ ان لوگوں کو پاکستان میں رکھنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہو سکتا ہے اور وہ ہے دباؤ کا یا پاکستانی صوبوں کے حصے بخرے کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ کیا مسٹر جناح بنگال اور پنجاب کے حصے بخرے کرنے کے لئے تیار ہیں۔ انہوں نے چیلنج کیا کہ بنگال اور پنجاب منقسم نہیں ہو سکتے کیونکہ دونوں میں ایک تمدنی ایکتا ہے (پرتاپ" ۱۳ نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۳)

[2] "الفضل" ۱۷ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲

سے مسلمانوں کی اکثریت ہے خواہ اس کے لئے اضلاع کی حدود توڑنی پڑیں یا تسلسل کو ترک کر کے معقول جُداگانہ جزیرے بنانے پڑیں۔

دوم۔ تمام علاقوں کو اسلامی علاقے قرار دیا جائے جہاں مسلمان انفرادی طور پر سب سے بڑی پارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ جہاں مسلمانوں، ہندوؤں، اور سکھوں کی رائے معلوم ہے اچھوت اقوام اور عیسائیوں کی رائے ریفرینڈم یعنی حصول رائے عامہ کے طریق پر کی جائے۔

سوئم۔ نہروں کے ہیڈ اور بجلی کے پاور سٹیشن اور پہاڑی صحت افزا مقامات کو اُن علاقوں کے ساتھ کم از کم پندرہ سال کے عرصہ کے لئے ملحق رکھا جائے جنہیں وہ اس وقت زیادہ تر فائدہ پہنچا رہے ہیں خواہ مقامی آبادی کا تناسب اس کے خلاف ہو"[1]

ناظر اعلیٰ قادیان نے جہاں قائد اعظم کو یہ تار دیا وہاں مسٹر ایٹلے وزیر اعظم برطانیہ اور مسٹر چرچل لیڈر حزب اختلاف کے نام بھی تار ارسال کیا جس کی نقل قائد اعظم محمد علی جناح دہلی، اورینٹ پریس اور ایسوسی ایٹڈ پریس لاہور کو بھی بھجوائیں۔ تار کے الفاظ یہ تھے:-

"احمدیہ جماعت پنجاب کی تقسیم کے سخت خلاف ہے کیونکہ وہ جغرافیائی اور اقتصادی لحاظ سے ایک قدرتی یونٹ ہے اور اُسے ہندوستان کی تقسیم پر قیاس کرنا اور اس کا طبعی نتیجہ قرار دینا بالکل خلافِ انصاف اور خلافِ عقل ہے۔ اگر صوبوں یعنی قدرتی یونٹوں کو اس لئے تقسیم کیا جا رہا ہے کہ اقلیتوں کے لئے حفاظت کا سامان مہیا کیا جائے تو اس صورت میں یُوپی کے ۸۴ لاکھ اور بہار کے ۴۷ لاکھ اور مدراس کے ۳۹ لاکھ مسلمان زیادہ حفاظت کے مستحق ہیں۔ یہ دلیل کہ ان صوبوں کی مسلمان آبادیاں کسی حصہ میں بھی اکثریت نہیں رکھتیں ایک بالکل غیر متعلق اور غیر موثر دلیل ہے کیونکہ اگر تقسیم کو قدرتی یُونٹوں کے اصول کی بجائے اقلیتوں کی حفاظت کے اصول پر مبنی قرار دینا ہے، تو پھر اس وقت ان مسلمان آبادیوں کا منتشر صورت میں پایا جانا ہرگز انصاف کے رستہ میں روک نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ اس وجہ سے ان کی حفاظت کا حق اور بھی زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے سکھوں کو بھی جیسا کہ اُن کا اہل الرّائے اور سنجیدہ طبقہ خیال کرتا ہے پنجاب کی تقسیم سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ وہ اپنی آبادی کو دو حصوں میں بانٹ کر اور دونوں حصوں میں اقلیت رہتے ہوئے اپنی

[1] "الفضل" ۲۹ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۵ کالم ۱،۲

طاقت کو اور بھی کمزور کر لیتے ہیں۔ یہ ادّعا کہ پنجاب کی تقسیم آبادی کی بجائے جائداد کی بناء پر ہونی چاہیئے نہ صرف جمہوریت کے تمام مسلّمہ اصولوں کے خلاف ہے بلکہ اس سے مادّی اموال کو انسانی جانوں پر فوقیت بھی حاصل ہوتی ہے جو ایک بالکل ظالمانہ نظریہ ہے" [۵]

پاکستان کی تائید میں سیدنا المصلح الموعود کا پُرشوکت بیان

دہلی کے اخبار "ریاست" نے اپنے ایک اداریتی نوٹ میں احمدیوں کی پاکستان نواز پالیسی پر تنقید کی جس کا ملخص یہ تھا کہ احمدی پاکستان کی تائید کر رہے ہیں مگر جب پاکستان قائم ہوگیا تو اُن کے ساتھ دوسرے مُسلمان وہی سلوک روا رکھیں گے جو کابل میں افغان حکومت کی طرف سے کیا گیا تھا۔

حضرت مُصلح موعود کی خدمت میں جب اخبار "ریاست" کے اس شذرہ کی اطلاع پہنچی تو حضور نے ۱۶ ہجرت / مئی ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو نماز مغرب کے بعد مسجد مبارک قادیان میں ایک پُرشوکت تقریر فرمائی جس میں مطالبہ پاکستان کی معقولیت و ضرورت کو مختلف نقطہ ہائے نگاہ سے بڑی شرح و بسط سے واضح کیا۔ اور اعلان فرمایا کہ مسلمان مظلوم ہیں اور ہم تو بہرحال مظلوموں کا ساتھ دیں گے خواہ ہمیں تختہ دار پر ہی لٹکا دیا جائے۔ حضور کی یہ یادگار تقریر بجنسہٖ ذیل میں دی جاتی ہے۔ فرمایا:-

"آج مجھے ایک عزیز نے بتایا کہ دلّی کے ایک اخبار نے لکھا ہے کہ احمدی اس وقت تو پاکستان کی حمایت کرتے ہیں مگر ان کو وہ وقت بھول گیا ہے جبکہ ان کے ساتھ دوسرے مسلمانوں نے بُرے سلوک کئے تھے۔ جب پاکستان بن جائے گا تو اُن کے ساتھ مسلمان پھر وہی سلوک کریں گے جو کابل میں اُن کے ساتھ ہوا تھا اور اس وقت احمدی کہیں گے کہ ہمیں ہندوستان میں شامل کر لو۔

کہنے والے کی اس بات کو کئی پہلوؤں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کا ایک پہلو تو یہی ہے کہ جب پاکستان بن جائے گا تو ہمارے ساتھ مسلمانوں کی طرف سے وہی سلوک ہوگا جو آج سے کچھ عرصہ پیشتر افغانستان میں ہوا تھا اور فرض کرو ایسا ہی ہو جائے، پاکستان بھی بن جائے اور ہمارے ساتھ وہی سلوک روا بھی رکھا جائے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ ایک دیندار جماعت جس کی بنیاد ہی مذہب، اخلاق اور انصاف پر ہے۔ کیا وہ اس کے متعلق اس نقطہ نگاہ سے فیصلہ کرے گی کہ میرا

---

[۵] "الفضل" ۲۴ ہجرت / مئی ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۳۔

اس میں فائدہ ہے یا وہ اس نقطہ نگاہ سے فیصلہ کرے گی کہ اس امر میں دوسرے کا حق کیا ہے۔ یقیناً وہ ایسے معاملہ میں موخرالذکر نقطہ نگاہ سے ہی فیصلہ کرے گی۔ مثلاً ایک مجسٹریٹ ایسے علاقہ میں عدالت کی کرسی پر بیٹھا ہے جس میں اس کے بعض قریبی رشتہ دار بھی رہتے ہیں اور اس کے ان رشتہ داروں کے دوسرے لوگوں کے ساتھ تنازعات بھی ہیں۔ اس کے سامنے ایک ایسا مقدمہ پیش ہوتا ہے جس میں اس کے رشتہ داروں کا ایک دشمن مدعی ہے۔ اگر اس کے پاس روپیہ ہو تو وہ اس کے رشتہ داروں کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اگر یہ مجسٹریٹ اسی مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے تو اس مدعی کے پاس روپیہ آجاتا ہے اور پھر وہ اس مجسٹریٹ کے رشتہ داروں کو دق کر سکتا ہے تو کیا ایک دیانت دار مجسٹریٹ اس ڈر سے کہ کل کو یہ روپیہ ہمارے خلاف استعمال کرے گا، اس حقدار مدعی کے خلاف فیصلہ کر دے گا؟ اگر وہ ایسا کرے گا تو یہ اُس کی صریح ناانصافی ہوگی اور اگر وہ حق پر قائم رہتے ہوئے شہادات کو دیکھتے ہوئے اور موادِ مسل کی روشنی میں مدعی کے حق میں فیصلہ دیتا ہے تو کیا کوئی دیانتدار دُنیا میں ایسا بھی ہو سکتا ہے جو اس کے فیصلہ پر یہ کہے کہ اس نے فیصلہ ٹھیک نہیں کیا اور اپنے اور اپنے رشتہ داروں پر ظلم کیا ہے۔ کوئی شریف اور دیانتدار مجسٹریٹ یہ نہیں کر سکتا کہ وہ کسی مقدمہ کا حصر اپنے آئندہ فوائد پر رکھے اور کوئی دیانتدار مجسٹریٹ ایسا نہیں ہو سکتا جو موادِ مسل کو نظرانداز کرتے ہوئے آنکھیں بند کر کے فیصلہ دے دے بلکہ ایمانداری اور دیانتداری متقاضی ہے اس بات کی کہ وہ حق اور انصاف اور غیر جنبہ داری سے کام لے کر مقدمہ کا فیصلہ سُنائے۔ وہ یہ نہ دیکھے کہ جس شخص کے حق میں مَیں ڈگری دے رہا ہوں۔ یہ طاقت پکڑ کر کل کو میرے ہی خاندان کے خلاف اپنی طاقت استعمال کرے گا۔ پس انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ وہ عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر نظرانداز کر دے اس بات کو کہ مَیں کس کے خلاف اور کس کے حق میں فیصلہ دے رہا ہوں۔ وہ نظرانداز کر دے اس بات کو کہ جس روپیہ کے متعلق مَیں ڈگری دے رہا ہوں وہ روپیہ کل کو کہاں خرچ ہوگا اور وہ بھول جائے اس بات کو کہ فریقینِ مقدمہ کون ہیں کیونکہ انصاف اور ایمانداری اسی کا نام ہے۔ پس قطع نظر اس کے کہ مُسلم لیگ والے پاکستان بننے کے بعد ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ وہ ہمارے ساتھ وہی کابل والا سلوک کریں گے یا اس سے بھی بدتر معاملہ کریں گے۔

اس وقت سوال یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے جھگڑے میں حق پر کون ہے اور ناحق پر کون۔ آخر یہ بات آج کی تو ہے نہیں۔ یہ تو ایک لمبا اور پُرانا جھگڑا ہے جو بیسیوں سال سے اُن کے درمیان چلا آتا ہے۔ ہم نے بار بار ہندوؤں کو توجہ دلائی کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کو تلف کر رہے ہیں۔ یہ امر ٹھیک نہیں ہے۔ ہم نے بار بار ہندوؤں کو متنبہ کیا کہ مسلمانوں کے حقوق کو اس طرح نظر انداز کر دینا بعید از انصاف ہے اور ہم نے بار بار ہندو لیڈروں کو آگاہ کیا کہ یہ حق تلفی اور یہ ناانصافی آخر رنگ لائے گی۔ مگر افسوس کہ ہمارے توجہ دلانے ہمارے انتباہ اور ہمارے ان کو آگاہ کرنے کا نتیجہ کبھی کچھ نہ نکلا۔ ہندو سختی سے اپنے اس عمل پر قائم رہے۔ انہوں نے اکثریت کے گھمنڈ میں مسلمانوں کے حقوق کا گلا گھونٹا۔ انہوں نے حکومت کے غرور میں اقلیت کی گردنوں پر چھری چلائی اور انہوں نے تعصب اور ہندوانہ ذہنیت سے کام لیتے ہوئے ہمیشہ مُسلمانوں کے جذبات کا خون کیا اور ہندو لیڈروں کو بار بار توجہ دلانے کے باوجود نتیجہ ہمیشہ صفر ہی رہا۔ ایک مسلمان جب کسی ملازمت کے لئے درخواست دیتا تو چاہے وہ کتنا ہی لائق کیوں نہ ہوتا اس کی درخواست پر اس لئے غور نہ کیا جاتا کہ وہ مسلمان ہے اور اس کے مقابلہ میں ہندو چاہے کتنا ہی نالائق ہوتا اس کو ملازمت میں لے لیا جاتا۔ اسی طرح گورنمنٹ کے تمام ٹھیکے مسلمانوں کی لیاقت، قابلیت اور اہلیت کو نظر انداز کرتے ہوئے ہندوؤں کو دے دیئے جاتے۔ تجارتی کاموں میں جہاں حکومت کا دخل ہوتا ہندوؤں کو ترجیح دی جاتی سوائے قادیان کے کہ یہاں بھی ہم نے کافی کوشش کر کے اپنا یہ حق حاصل کیا ہے باقی تمام جگہوں میں مسلمانوں کے حقوق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کے دلوں میں ہندوؤں کے خلاف ان کی فرقہ دارانہ ذہنیت کی وجہ سے نفرت پیدا ہوتی رہی اور آخر یہ حالت پہنچ گئی جو آج سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ یہ صورت حالات کس نے پیدا کی۔ جس نے یہ صورت حالات پیدا کی وہی موجودہ حالات کا ذمہ دار بھی ہے۔ یہ سب کچھ ہندوؤں کے اپنے ہی ہاتھوں کا کیا ہوا ہے اور یہ فسادات کا تناور درخت وہی ہے جس کا بیج ہندوؤں نے بویا تھا اور اسے آج تک پانی دیتے رہے اور آج جبکہ اس درخت کی شاخیں سارے ہندوستان میں پھیل چکی ہیں۔ ہندوؤں نے شور مچانا شروع کر دیا ہے مگر میں کہتا

ہوں کہ ہندوؤں کو اس وقت اس بات کا کیوں خیال نہ آیا کہ ہم مسلمانوں کے حقوق کو تلف کر رہے ہیں اور ہر محکمہ میں اور ہر شعبہ میں ان کے ساتھ بے انصافی کر رہے ہیں۔ مجھے پچیس سال شور مچاتے اور ہندوؤں کو توجہ دلاتے ہو گئے ہیں کہ تمہارا یہ طریق آخر رنگ لائے بغیر نہ رہے گا۔ لیکن افسوس کہ میری آواز پر کسی نے کان نہ دھرا اور اپنی من مانی کرتے رہے یہاں تک کہ جب ہمارا احرار سے جھگڑا تھا تو ہندوؤں نے احرار کی پیٹھ ٹھونکی اور حتی الوسع ان کی امداد کرتے رہے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ جھگڑا تو ہمارے اور احرار کے درمیان مذہبی مسائل کے متعلق تھا۔ تمہیں اس معاملہ میں کسی فریق کی طرفداری کی کیا ضرورت تھی۔ اور تمہیں ختم نبوت یا وفاتِ مسیح کے مسائل کے ساتھ کیا تعلق تھا کیا تم محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد نبوت کو بند مانتے تھے کہ ہمارے اجرائے نبوت کے عقیدہ پر تم برہم ہوئے تھے؟ کیا تم حیاتِ مسیح کے قائل تھے کہ ہماری طرف سے وفاتِ مسیح کا مسئلہ پیش ہونے پر تم چراغ پا ہو گئے تھے؟ ہندوؤں کا ان مسائل کے ساتھ دُور کا بھی تعلق نہ تھا۔ احرار کی طرف سے ہندو وکلاء مُفت پیش ہوتے رہے۔ مَیں نے اس بارہ میں پنڈت نہرو کے پاس اپنا آدمی بھیجا کہ آپ لوگوں کی احرار کے ساتھ ہمدردی کس بناء پر ہے اور یہ طرفداری کیوں کی جا رہی ہے۔ انہوں نے ہنس کر کہا۔ سیاسیات میں ایسا کرنا ہی پڑتا ہے۔ اب جن لوگوں کی ذہنیت اس قسم کی ہو ان سے بھلا کیا امید کی جا سکتی ہے۔ یہ جو کچھ آج کل ہو رہا ہے یہ سب گاندھی جی، پنڈت نہرو اور مسٹر پٹیل کے ہاتھوں سے رکھی ہوئی بنیادوں پر ہو رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انگریزوں کا بھی اس میں ہاتھ تھا۔ ان کو بھی بار بار اس امر کے متعلق توجہ دلائی گئی کہ ہندوستان کے کروڑوں کروڑ مسلمانوں کے حقوق کو تلف کیا جا رہا ہے جو ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن انہوں نے بھی اس طرف توجہ نہیں کی۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا اور باوجود یہ جاننے کے ہو نار ہا کہ مسلمانوں کے حقوق تلف ہو رہے ہیں اور باوجود اس علم کے کہ مسلمانوں سے ناانصافی ہو رہی ہے مسلمان ایک مدت تک ان باتوں کو برداشت کرتے رہے۔ مگر جب یہ پانی سر سے گذرنے لگا تو وہ اُٹھے اور انہوں نے اپنے لمبے اور تلخ تجربہ کے بعد جب یہ سمجھ لیا کہ ہندوؤں کے ساتھ رہتے ہوئے اُن کے حقوق خطرے میں ہیں تو انہوں نے اپنے حقوق کی حفاظت اور آرام اور چین کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لئے الگ علاقہ کا مطالبہ پیش کر دیا

کیا وہ یہ مطالبہ نہ کرتے اور ہندوؤں کی ابدی غلامی میں رہنے کے لئے تیار ہو جاتے۔ کیا وہ اتنی ٹھوکروں کے باوجود بھی نہ جاگتے۔

پھر میں پوچھتا ہوں کہ کیا مسلمان اتنے طویل اور تلخ تجربات کے بعد ہندوؤں پہ اعتبار کر سکتے تھے۔ ایک دو باتیں ہوتیں تو نظر انداز کی جاسکتی تھیں۔ ایک دو واقعات ہوتے تو بھلائے جاسکتے تھے۔ ایک دو چوٹیں ہوتیں تو اُن کو نظرانداز کیا جاسکتا تھا۔ ایک آدھ صوبہ میں مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچا ہوتا تو اس کو بھی بھلایا جاسکتا تھا۔ لیکن متواتر سَو سال سے ہر گاؤں میں ہر شہر میں، ہر ضلع میں اور ہر صُوبہ میں، ہر محکمہ میں، ہر شعبہ میں مسلمانوں کو دُکھ دیا گیا۔ اُن کے حقوق کو تلف کیا گیا اور ان کے جذبات کو مجروح کیا گیا اور ان کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا گیا جو زرخرید غلام کے ساتھ بھی کوئی انصاف پسند آقا نہیں رکھ سکتا کیا اب بھی وہ اپنے اس مطالبہ میں حق بجانب نہ تھے کیا اب بھی وہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے تگ و دو نہ کرتے۔ کیا اب بھی وہ اپنی عزت کی رکھوالی نہ کرتے؟ اور کیا اب بھی وہ ہندوؤں کی بدترین غلامی میں اپنے آپ کو پیش کر سکتے تھے؟ مسلمانوں کو ہمیشہ باوجود لائق ہونے کے نالائق قرار دیا جاتا رہا۔ ان کو باوجود اہل ہونے کے نااہل کہا جاتا رہا اور اُن کو باوجود قابل ہونے کے ناقابل سمجھا جاتا رہا۔ ہزاروں اور لاکھوں دفعہ ان کے جذبات کو مجروح کیا گیا۔ لاکھوں مرتبہ ان کے احساسات کو کُچلا گیا اور متعدد مرتبہ ان کی امیدوں اور اُمنگوں کا خُون کیا گیا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا اور وہ چُپ رہے۔ یہ سب کچھ اُن پہ بیتا اور وہ خاموش رہے۔ انہوں نے خاموشی کے ساتھ ظُلم سہے اور صبر کیا۔ کیا اب بھی اُن کے خاموش رہنے کا موقعہ تھا؟ یہ تھے وہ حالات جن کی وجہ سے وہ اپنا الگ اور بلاشرکت غیرے حق مانگنے کے لئے مجبور نہیں ہوئے بلکہ مجبور کئے گئے۔ یہ حق انہوں نے خود نہ مانگا بلکہ ان سے منگوایا گیا۔ یہ علیحدگی انہوں نے خود نہ چاہی بلکہ ان کو ایسا چاہنے کے لئے مجبور کیا گیا اور اس معاملہ میں وہ بالکل معذور تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ باوجود لیاقت رکھنے کے، باوجود اہلیت کے اور باوجود قابلیت کے انہیں نالائق اور ناقابل کہا جارہا ہے تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس ناانصافی کے انسداد کا سوائے اس کے اور کوئی طریق نہیں کہ وہ ان سے بالکل علیحدہ ہو جائیں۔

مَیں ہندوؤں سے پوچھتا ہوں کہ کیا مسلمان فی الواقع نالائق، ناقابل اور نااہل تھے؟ اُن کو جب کسی کام کا موقعہ ملا انہوں نے اُسے باحسن سرانجام دیا۔ مثلاً سندھ اور بنگال میں اُن کو حکومت کا موقعہ ملا ہے انہوں نے اس کو اچھی طرح سنبھال لیا ہے اور جہانتک حکومت کا سوال ہے ہندوؤں نے ان سے بڑھ کر کونسا تیر مار لیا ہے جو انہوں نے نہیں مارا۔ مدراس، بمبئی، یُوپی اور بہار وغیرہ میں ہندوؤں کی حکومت ہے جس قسم کی گورنمنٹ ان کی ان علاقوں میں ہے اسی قسم کی گورنمنٹ سندھ اور بنگال میں بھی ہے اگر لڑائی جھگڑے اور فساد وغیرہ کی وجہ سے کسی گورنمنٹ کو نااہل قرار دینا جائز ہے تو لڑائی تو بمبئی میں بھی ہو رہی ہے۔ یُوپی میں بھی ہو رہی ہے اور بہار میں بھی ہو رہی ہے۔ اگر نالائقی اور نااہلی کی یہی دلیل ہو تو بمبئی، یُوپی اور بہار وغیرہ کی گورنمنٹوں کو کس طرح لائق اور اہل کہا جا سکتا ہے۔ اور اگر کسی جگہ قتل و غارت کا ہونا ہی وہاں کی گورنمنٹ کو نااہل قرار دینے کا موجب ہو سکتا ہے تو کیوں نہ سب سے پہلے بمبئی اور بہار کی گورنمنٹوں کو نااہل کہا جائے ایک ہی دلیل کو ایک جگہ استعمال کرنا اور دوسری جگہ نہ کرنا سخت ناانصافی اور بددیانتی ہے۔ اگر یہی قاعدہ کلیہ ہو تو سب جگہ یکساں چسپاں کیا جانا چاہیئے نہ کہ جب اپنے گھر کی باری آئے تو اس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ کسی علاقہ میں قتل و غارت اور فسادات کا ہونا ضروری نہیں کہ حاکم کی غلطی ہی سے ہو۔

مَیں پچھلے سال اکتوبر نومبر میں اس نیت سے دہلی گیا تھا کہ کوشش کر کے کانگریس اور مُسلم لیگ کی صُلح کرا دوں۔ مَیں ہر لیڈر کے دروازہ پر خود پہنچا اور اس میں مَیں نے اپنی ذرا بھی ہتک محسوس نہ کی اور کسی کے پاس جانے کو عار نہ سمجھا صرف اس لئے کہ کانگریس اور مُسلم لیگ میں مفاہمت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ ان کے درمیان انشقاق اور افتراق رہنے کی وجہ سے مُلک کے اندر کسی قسم کا فتنہ و فساد ہونے نہ پائے۔ مَیں مسٹر گاندھی کے پاس گیا اور کہا کہ اس جھگڑے کو ختم کراؤ لیکن انہوں نے ہنس کر ٹال دیا اور کہا مَیں تو صرف ایک گاندھی ہوں آپ لیڈر رہیں آپ کچھ کریں۔ مگر مَیں کہتا ہوں کہ کیا واقعہ میں گاندھی ایک آدمی ہے اور اس کا اپنی قوم یا ملک کے اندر کچھ رُعب نہیں۔ اگر وہ صرف ایک

گاندھی ہے تو سیاسیات کے معاملات میں دخل ہی کیوں دیتا ہے۔ وہ صرف اسی لئے دخل دیتا ہے کہ ملک کا اکثر حصہ اس کی بات کو مانتا ہے۔ مگر میری بات کو ہنس کر ٹلا دیا گیا اور کہہ دیا گیا میں تو صرف گاندھی ہوں اور ایک آدمی ہوں۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ تیس کروڑ کے لیڈر ہیں اور میں ہندوستان کے صرف پانچ لاکھ کا لیڈر ہوں۔ کیا میرے کوئی بات کہنے اور تیس کروڑ کے لیڈر کے کوئی بات کہنے میں کوئی فرق نہیں۔ بیشک میں پانچ لاکھ کا لیڈر ہوں اور میری جماعت میں مخلصین بھی ہیں جو میری ہدایت پر عمل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور مجھے واجب الاطاعت تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن بہرحال وہ پانچ لاکھ ہیں اور پانچ لاکھ کے لیڈر اور تیس کروڑ کے لیڈر کی آواز ایک سی نہیں ہو سکتی۔ تیس کروڑ کے لیڈر کی آواز ضرور اثر رکھتی ہے اور مُلک کے ایک معتدبہ حصہ پر رکھتی ہے۔ لیکن افسوس کہ وہی گاندھی جو ہمیشہ سیاسیات میں حصہ لیتے رہتے ہیں میری بات سننے پر تیار نہ ہوئے۔ اسی طرح میں پنڈت نہرو کے دروازہ پر گیا اور کہا کانگرس اور مُسلم لیگ کے درمیان صلح ہونی نہایت ضروری ہے۔ لیکن انہوں نے بھی صرف یہ کہہ دیا کہ یہ ٹھیک تو ہے۔ . . . ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر اب کیا ہو سکتا ہے، کیا بن سکتا ہے۔ اسی طرح میں نے تمام لیڈروں سے ملاقاتیں کر کر کے سارا زور لگایا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہو جائے مگر افسوس کہ کسی نے میری بات نہ سُنی اور صرف اس لئے نہ سُنی کہ میں پانچ لاکھ کا لیڈر تھا اور وہ کروڑوں کے لیڈر تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب مُلک کے اندر جگہ جگہ فسادات ہو رہے ہیں اور قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ اگر یہ لوگ اُس وقت میری بات کو مان جاتے اور صلح صفائی کی کوشش کرتے تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ مگر میری بات کو نہ مانا گیا اور صلح سے پہلو تہی اختیار کی۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد بہار اور گڑھ مکتیسر کا واقعہ ہوا۔ اور اب پنجاب میں ہو رہا ہے۔ اگر اب بھی ان لوگوں کی ذہنیتیں نہ بدلیں تو یہ فسادات اَور بھی بڑھ جائیں گے اور ایسی صورت اختیار کرلیں گے کہ باوجود ہزار کوششوں کے بھی نہ رُک سکیں گے۔ اس وقت ضرورت صرف ذہنیتیں تبدیل کرنے کی ہے۔ اگر آج بھی ہندو اقرار کرلیں کہ ہم سے غلطی ہوئی تھی۔ آؤ مُسلمانو! ہم سے زیادہ سے زیادہ حقوق لے لو تو آج ہی صلح ہو سکتی ہے اور یہ تمام جھگڑے رفع دفع ہو سکتے ہیں۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ بغض پر بغض کی بنیادیں رکھتے چلے جاتے ہیں اور انجام سے بالکل غافل بیٹھے ہیں۔ اگر وہ صُلح

کرنا چاہیں۔ اگر وہ پیٹنا چاہیں اور اگر وہ گلے ملنا چاہیں تو یہ سب کچھ آج ہی ہو سکتا ہے مگر اس کا صرف اور صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے ذہنیتوں میں تبدیلی۔ پس آج یہ سوال نہیں رہا کہ ہمارے ساتھ پاکستان بن جانے کی صورت میں کیا ہوگا، سوال تو یہ ہے کہ اتنے لمبے تجربہ کے بعد جبکہ ہندو حاکم تھے، گو ہندو خود تو حاکم نہ تھے بلکہ انگریز حاکم تھے لیکن ہندو حکومت پر چھائے ہوئے تھے۔ جب ہندو ایک ہندو کو اس لئے ملازمت دے دیتے تھے کہ وہ ہندو ہے۔ جب ہندو اس لئے ایک ہندو کو ٹھیکہ دے دیتے تھے کہ وہ ہندو ہے اور جب وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندوؤں کو صرف اس لئے قابل اور اہل قرار دیتے تھے کہ وہ ہندو ہیں۔ اور جب ہندو انگریز کی نہیں بلکہ اپنی حکومت سمجھتے ہوئے ہندوؤں سے امتیازی سلوک کرتے تھے اور جب وہ نوکری میں ہندو کو ایک مسلمان پر صرف یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ ہندو ہے فوقیت دیتے تھے اس وقت کے ستائے ہوئے دُکھائے ہوئے اور تنگ آئے ہوئے مُسلمان اگر اپنے الگ حقوق کا مطالبہ کریں تو کیا ان کا یہ مطالبہ ناجائز ہے؟ کیا یہ ایک روشن حقیقت نہیں کہ ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا رہا جو نہایت ناواجب نہایت ناروا اور نہایت ناانصافانہ تھا۔ حال کا ایک واقعہ ہے۔ ہمارا ایک احمدی دوست فوج میں ملازم ہے۔ باوجودیکہ اس کے خلاف ایک بھی ریمارک۔ نہ تھا اور دوسری طرف ایک سکھ کے خلاف چار ریمارکس تھے اس سکھ کو اُوپر کر دیا گیا اور احمدی کو گرا دیا گیا۔ جب وہ احمدی انگریز کمانڈر کے پاس پہنچا اور اپنا واقعہ بیان کیا تو اس نے کہا۔ واقعی آپ کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ تم درخواست لکھ کر میرے پاس لاؤ لیکن جب وہ احمدی درخواست لے کر انگریز افسر کے پاس پہنچا تو اس نے درخواست اپنے پاس رکھ لی اور اسے اُوپر نہ بھجوایا۔ کئی دن کے بعد جب دفتر سے پتہ لیا گیا کہ آخر وجہ کیا ہے کہ درخواست کو اُوپر بھجوایا نہیں گیا تو دفتر والوں نے بتایا کہ اصل بات یہ ہے کہ شملہ سے آرڈر آ گیا ہے کہ کوئی اپیل اس حکم کے خلاف اُوپر نہ بھجوائی جائے۔ جس قوم کے ساتھ اتنا لمبا عرصہ یہ انصاف برتا گیا ہو کیا وہ اس امر کا مطالبہ نہ کرے گی کہ اسے الگ حکومت دی جائے۔ ان حالات کے پیش نظر ان کا حق ہے کہ وہ یہ مطالبہ کریں اور ہر دیانتدار کا فرض ہے کہ خواہ اس میں اس کا نقصان ہو، مُسلمانوں کے اس مطالبہ کی تائید کرے۔

پس ایک نقطہ نگاہ تو یہ ہے جس سے ہم اس اخبار کے متعلقہ مضمون پر غور کر سکتے ہیں۔ دوسرا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ بیشک ہمیں مسلمانوں کی طرف سے بھی بعض اوقات تکالیف پہنچ جاتی ہیں اور ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ شاید وہ ہمیں پھانسی پر چڑھا دیں گے۔ لیکن میں ہندوؤں سے یہ پوچھتا ہوں کہ تم لوگوں نے ہمیں کب سکھ دیا تھا۔ تم لوگوں نے ہمیں کب آرام پہنچایا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور تم لوگوں نے کب ہمارے ساتھ ہمدردی کی تھی۔ کیا بہار میں بے گناہ احمدی مارے گئے یا نہیں؟ کیا ان لوگوں کی جائدادیں تم لوگوں نے تباہ کیں یا نہیں؟ کیا اُن کو بے جا دُکھ پہنچایا یا نہیں؟ کیا گڑھ مکتیسر میں شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور کا لڑکا تمہارے مظالم کا شکار ہوا یا نہیں؟ حالانکہ وہ ہیلتھ آفیسر تھا اور وہ تمہارے میلے میں اس لئے گیا تھا کہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو جائے تو اُس کا علاج کرے۔ اگر تم میں سے کسی کو زخم لگ جائے تو اس پر مرہم پٹی کرے اور اگر تم میں سے کوئی بخار سے مَر رہا ہو تو اُسے کونین کھلائے۔ وہ ایک ڈاکٹر تھا اور ڈاکٹری ایک ایسا پیشہ ہے جس کو فرقہ وارانہ حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ وہ بیچارا تمہارے علاج معالجہ کے لئے گیا تھا اس کو تم نے کیوں قتل کر دیا؟ کیا اس سے بڑھ کر بھی شقاوتِ قلبی کی کوئی اَور مثال ہو سکتی ہے؟ کیا اس سے آگے بھی ظلم کی کوئی حد ہے؟ پھر اس کی بیوی نے خود مجھے اپنے دردناک حالات سنائے اس نے بتایا کہ غنڈوں نے اس کے مُنہ میں مٹی ڈالی۔ اسے مار مار کر ادھ مؤا کر دیا۔ اس کے کپڑے اُتار لئے اور اُسے دریا میں پھینک دیا اور پھر اسی پر بس نہ کی بلکہ دریا میں پھینک کر سوٹیوں کے ساتھ دباتے رہے تاکہ اس کے مَرنے میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ تیرنا جانتی تھی اور وہ ہمت کر کے ہاتھ پاؤں مار کر دریا سے نکل آئی اور پھر کسی کی مدد سے ہسپتال پہنچی۔[1]

---

[1] مورخِ پاکستان سید رئیس احمد جعفری نے اپنی کتاب "قائدِ اعظم اور ان کا عہد" میں اس درد انگیز واقعہ کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:
"ڈاکٹر ہارون الرشید جو محکمہ صحت کے انچارج تھے بے دردی سے قتل کر دیئے گئے۔ ان کی اہلیہ محترمہ کے کپڑے اتار دیئے گئے اور مجمع میں سے کسی ایک شخص کو بہ حیثیت شوہر منتخب کر لینے کا حکم دیا گیا۔ انہوں نے انکار کیا تو انہیں مارتے مارتے ادھ مُوا کر دیا گیا۔ یہ واقعہ دریا کے کنارے پیش آیا تھا۔ ان کی سمجھ میں کچھ اَور تو نہ آیا۔ وہ دریا میں کود پڑیں اور نیم بے ہوش حالت میں بہت دُور جا نکلیں ایک آدمی نے انہیں دیکھ لیا۔ وہ ان کی بہتی ہوئی لاش کو گھسیٹتا ہوا کنارے لایا۔ کچھ رمق زندگی کی باقی تھی۔ علاج معالجہ سے اچھی ہو گئیں۔ اب اپنے وطن لاہور میں ہیں۔ گڑھ مکتیسر کے شہیدوں کی بے گور و کفن لاشیں کئی دن تک شارع عام میں پڑی سڑتی رہیں۔ کوئی ان کی نماز پڑھنے والا، انہیں دفن کرنے والا بھی نہ تھا۔ آہ

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را"

(صفحہ ۷۵۴-۷۵۵)

کیا اس سے بڑھ کر بے دردی کی کوئی مثال ہو سکتی ہے کہ ایک ناکردہ گناہ شخص اور پھر عورت پر اس قسم کے مظالم توڑے جائیں؟ کیا اس قسم کی حرکات سفاکانہ نہیں ہیں؟ ان حالات کی موجودگی میں اگر ہمارے لئے دونوں طرف ہی موت ہے تو ہم ان لوگوں کے حق میں کیوں رائے نہ دیں جن کا دعویٰ حق پر ہے۔

پھر تیسرا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ اگر ہم ان تمام حالات کی موجودگی میں جو اُوپر ذکر ہو چکے ہیں انصاف کی طرفداری کریں گے تو کیا خدا تعالیٰ ہمارے اس فعل کو نہ جانتا ہوگا کہ ہم نے انصاف سے کام لیا ہے۔ جب وہ جانتا ہوگا تو وہ خود انصاف پر قائم ہونے والوں کی پشت پناہ ہوگا۔ لکھنے والوں نے تو لکھ دیا کہ احمدیوں کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو کابل میں اُن کے ساتھ ہوا تھا مگر مَیں اُن سے پوچھتا ہوں کہاں ہے امان اللہ؟ اگر اس نے احمدیوں پر ظلم کیا تھا تو کیا خدا تعالیٰ نے اس کے اسی جُرم کی پاداش میں اس کی دھجیاں نہ اُڑا دیں؟ کیا خدا تعالیٰ نے اس کی حکومت کو تباہ نہ کر دیا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی حکومت کے تار و پود کو بکھیر کر نہ رکھ دیا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی ذریت سمیت ذلیل اور رُسوائے عالم نہ کر دیا؟ کیا خدا تعالیٰ نے مظلوموں پر بے جا ظلم ہوتے دیکھ کر ظالموں کو کیفر کردار تک نہ پہنچایا؟ اور کیا اللہ تعالیٰ نے امان اللہ کے اس ظلم کا اس سے کما حقہٗ بدلہ نہ لیا؟ ہاں کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی شان و شوکت رُعب اور دبدبہ کو خاک میں نہ ملا دیا؟

پھر مَیں ان سے پوچھتا ہوں کہ کیا ہمارا وہ خدا جس نے اس سے پیشتر ہر موقعہ پر ہم پر ظلم کرنے والوں کو سزائیں دیں کیا نعوذ باللہ اب وہ مر چکا ہے؟ وہ ہمارا خدا اب بھی زندہ ہے اور اپنی ساری طاقتوں کے ساتھ اب بھی موجود ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر ہم انصاف کا پہلو اختیار کریں گے اور اس کے باوجود ہم پر ظلم کیا جائے گا تو وہ ظالموں کا وہی حشر کرے گا جو امان اللہ کا ہوا تھا۔ اگر ہم پہلے خدا پر یقین رکھتے تھے تو کیا اب چھوڑ دیں گے؟ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین ہے۔ وہ انصاف کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے اور ظالموں کو سزا دیتا ہے۔ وہ اب بھی اسی طرح کرے گا جس طرح اس سے پیشتر وہ ہر موقعہ پر ہماری نصرت اور اعانت فرماتا رہا۔ اس کی پکڑ، اس کی گرفت اور اس کی بطش اب بھی شدید ہے جس طرح کہ پہلے شدید

تھی۔ کیا اب ہم نعوذ باللہ یہ سمجھ لیں گے کہ ہمارے انصاف پہ قائم ہو جانے سے وہ ہمارا ساتھ چھوڑ دے گا۔ ہرگز نہیں۔ یہ احمدیت کا پودا کوئی معمولی پودا نہیں۔ یہ اس نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے اور وہ خود اس کی حفاظت کرے گا اور مخالف حالات کے باوجود کرے گا۔ دشمن پہلے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے مگر یہ پودا اُن کی حسرت بھری نگاہوں کے سامنے بڑھتا رہا۔ تاریکی کے فرزندوں نے پہلے بھی حق کو دبانے کی کوشش کی مگر حق ہمیشہ ہی اُبھرتا رہا اور اب بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسی طرح ہوگا یہ چراغ وہ نہیں جسے دشمن کی پھونکیں بجھا سکیں یہ درخت وہ نہیں جسے عداوت کی آندھیاں اکھاڑ سکیں مخالف ہوائیں چلیں گی، طوفان آئیں گے، مخالفت کا سمندر ٹھاٹھیں مارے گا اور لہریں اُچھلے گا مگر یہ جہاز جس کا ناخدا خود خدا ہے پار لگ کر ہی رہے گا۔ امان اللہ کا واقعہ یاد دلانے سے کیا فائدہ۔ کیا تمہیں صرف امان اللہ کا ظلم ہی یاد رہ گیا اور تم نے اس کے انجام کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔ تمہیں وہ واقعہ یاد رہ گیا۔ مگر اس واقعہ کا نتیجہ تم بھول گئے۔ کیا امان اللہ کی ذلت اور رُسوائی کی کوئی مثال تمہارے پاس موجود ہے۔ تم نے وہ واقعہ یاد دلایا تھا تو تم اس کا انجام بھی دیکھتے۔ جب وہ یورپ روانہ ہوا تو خود اس کے ایک درباری نے خط لکھا کہ ہماری مجالس میں بار بار یہ ذکر آیا ہے کہ یہ جو کچھ ہماری ذلت ہوئی وہ اسی ظلم کی وجہ سے ہوئی ہے جو ہم نے احمدیوں کے ساتھ کیا تھا۔ امید ہے کہ اب جبکہ ہمیں سزا مل چکی ہے آپ ہمارے لئے بد دُعا نہ کریں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اس کے درباریوں کو یہ یقین تھا کہ اس کی ذلت کا سبب اُس کا ظلم ہے۔ آج وہی امان اللہ جو ایک بڑی شان و شوکت، رُعب وجلال اور دبدبہ کا مالک تھا اپنے ظلم کی وجہ سے اس حال کو پہنچ چکا ہے کہ وہ اٹلی میں بیٹھا اپنی ذلت کے دن گذار رہا ہے وہ کتنا چالاک اور ہوشیار بادشاہ تھا کہ اس نے اپنی باجگذار ریاست کو آزاد بنا دیا۔ مگر جب اُس نے غریب احمدیوں پر ظلم کیا تو اس کی ساری طاقت اور قوت مٹا دی گئی اور اس نے اپنے ظلم کا نتیجہ پا لیا اور ایسا پایا کہ آج تک اس کی سزا بھگت رہا ہے۔ ایک طالب حق اور انصاف پسند آدمی کے لئے یہی ایک نشان کافی ہے۔ کاش! لوگ اس پر غور کرتے۔

شاید یہاں کوئی شخص یہ اعتراض کر دے کہ امان اللہ کے باپ نے بھی تو احمدی مروائے تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے ناواقفی سے ایسا کیا تھا اور امان اللہ نے جان بوجھ کر

کیونکہ ہمارے استفسار پر اس کی حکومت کی طرف سے لکھا گیا تھا کہ بیشک احمدی مبلغ بھجوا دیئے جائیں اب وہ وحشت کا زمانہ نہیں رہا، ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔ لیکن جب ہمارے مبلغ وہاں پہنچے تو اس نے انہیں قتل کرا دیا۔ پھر یہ بھی نہیں کہ حبیب اللہ کو سزا نہیں ملی۔ وہ بھی اس سزا سے باہر نہیں رہا کیونکہ اس کی ساری نسل تباہ ہو گئی۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف امان اللہ کا بدلہ نہیں لیا بلکہ اس بدلہ میں حبیب اللہ اور عبدالرحمٰن بھی شامل ہیں۔

پس یہ ہے ہمارا تیسرا نقطۂ نگاہ۔ ان تینوں نقطہ ہائے نگاہ سے دیکھتے ہوئے ہمارے لئے گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ ہم نے تو اس معاملہ کو انصاف کی نظروں سے دیکھنا ہے اور انصاف کے ترازو پر تولنا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں انصاف کا یہ حال ہے کہ برابر سَو سال سے ہندو مسلمانوں کو تباہ کرتے چلے آ رہے تھے اور صرف ہندو کا نام دیکھ کر ملازمت میں رکھ لیتے رہے اور مسلمان کا نام آنے پر اس کی درخواست کو مسترد کر دیتے رہے۔ جب درخواست پر رلارام کا نام لکھا ہوتا تو درخواست کو منظور کر لیا جاتا رہا۔ اور جب درخواست پر عبدالرحمٰن کا نام آجاتا تو اُسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جاتا۔ اس بات کا خیال نہ رکھا جاتا رہا کہ رلارام اور عبدالرحمٰن میں سے کون اہل ہے اور کون نااہل۔ اس بات کو ملحوظ نہ رکھا جاتا رہا کہ رلارام اور عبدالرحمٰن میں سے کون قابل ہے اور کون ناقابل، اور اس امر کو پیش نظر نہ رکھا جاتا رہا کہ رلارام اور عبدالرحمٰن میں سے کون لائق ہے اور کون نالائق۔ صرف ہندوانہ نام کی وجہ سے اُسے رکھ لیا جاتا اور صرف اسلامی نام کی وجہ سے اُسے ردّ کر دیا جاتا۔

ہم نے ان حالات کی وجہ سے بار بار شور مچایا۔ ہندو لیڈروں سے اس ظلم کے انسداد کی کوشش کے لئے کہا مگر کسی کے کان پر جُوں تک نہ رینگی اور رینگتی بھی کیسے، وہ اپنی اکثریت کے نشے میں چُور تھے، وہ اپنی حکومت کے رُعب میں مدہوش تھے اور وہ اپنی طاقت کی وجہ سے بدمست تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہر جہت سے نقصان پہنچانے کی کوششیں کیں۔ انہوں نے مسلمانوں کی ہر ترقی کی راہ میں روکاوٹیں ڈالیں اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ہر ممکن سازشیں کیں۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم مظلوم قوم کی مدد کریں۔ چاہے وہ ہمیں ماریں یا دُکھ پہنچائیں۔ ہمیں تو ہر قوم نے ستایا اور دُکھ دیا ہے۔ لیکن ہم نے انصاف نہیں چھوڑا۔ جب

ہندوؤں پر مُسلمانوں نے ظلم کیا ہم نے ہندوؤں کا ساتھ دیا۔ جب مسلمانوں پر ہندوؤں نے ظلم کیا ہم نے مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ جب لوگوں نے بغاوت کی ہم نے حکومت کا ساتھ دیا۔ اور جب حکومت نے ناواجب سختی کی ہم نے رعایا کی تائید میں آواز اُٹھائی اور ہم اسی طرح کرتے جائیں گے خواہ اس انصاف کی تائید میں ہمیں کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اُٹھانی پڑے۔ ہمیں سب قوموں کے سلوک یاد ہیں۔ کیا ہمیں وہ دن بھُول گئے ہیں جب سردار کھڑک سنگھ صاحب نے تقریر کی تھی کہ ہم قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور قادیان کے ملبہ کو دریا بُرد کردیں گے۔ پھر کیا لیکھرام ہندو تھا یا نہیں؟ وہ لوگ جنہوں نے احراریوں کا ساتھ دیا تھا وہ ہندو تھے یا نہیں؟

مگر ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ جو شخص یا جماعت خدا تعالیٰ کا پیغام لے کر کھڑی ہو اُس کی ساری دُنیا دشمن ہوتی ہے۔ اس لئے لوگوں کی ہمارے حق کے ساتھ دشمنی ایک طبعی امر ہے ہم نے ملکانہ میں جہاں لاکھوں مسلمانوں کو آریوں نے مُرتد کر دیا تھا اور شدھ بنا لیا تھا جا کر تبلیغ کی اور انہیں پھر حلقہ بگوش اسلام کیا اور جب وہاں اسلام کو غلبہ نصیب ہو گیا اور آریہ مغلوب ہو گئے تو وہی لوگ جو ملکانوں کے ارتداد کے وقت شور مچاتے تھے کہ احمدی کہاں گئے اور کہتے تھے وہ اب کیوں تبلیغ نہیں کرتے، وہی شور مچانے والے ملکانوں کے دوبارہ اسلام لانے پر ان کے گھر گھر گئے اور کہتے پھرے تم آریہ ہو جاؤ مگر مرزائی نہ بنو۔ ادھر ہندو ریاستوں نے ظلم پر ظلم کئے۔ الور والوں نے بھی ظلم کیا اور بھرت پور میں بھی یہی حال ہوا۔ جب ہمارے آدمی وہاں جاتے تو راجہ کا حکم پہنچ جاتا کہ تمہاری وجہ سے امن شکنی ہو رہی ہے جلد از جلد اس علاقے سے نکل جاؤ۔ ملکانہ کے ایک گاؤں میں ایک بُڑھیا مائی جمیا شدھ ہونے سے بچی تھی باقی اس کے تین چار بیٹے آریوں نے مُرتد کر لئے تھے اور بیٹوں نے اس بُڑھیا ماں سے کہا تھا کہ ماں! ہم دیکھیں گے کہ اب مولوی ہی آکر تمہارا فصل کاٹیں گے۔ کسی نے مجھے لکھا کہ ایک بُڑھیا کو اس قسم کا طعنہ دیا گیا ہے اور اب اس کی فصل پک کر تیار کھڑی ہے۔ مَیں نے کہا۔ اسلام اور احمدیت کی غیرت چاہتی ہے کہ اب مولوی اور تعلیمیافتہ لوگ ہی جا کر اس بُڑھیا کا کھیت کاٹیں۔ چنانچہ مَیں نے اس کے لئے تحریک کی تو بڑے بڑے تعلیمیافتہ لوگ جن میں جج بھی

تھے اور بیرسٹر بھی، وکلاء بھی تھے اور ڈاکٹر بھی، مولوی بھی تھے اور مدرس بھی۔ اور انہیں میں چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کے والد مرحوم بھی گئے اور خان بہادر شیخ محمد حسین صاحب سیشن جج بھی گئے ان سب تعلیم یافتہ لوگوں نے جاکر اس بڑھیا کا کھیت کاٹا۔ اُن کے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے مگر اس بات کا اتنا رعب ہوا کہ اس سارے علاقہ میں احمدیوں کی دھاک بیٹھ گئی مگر وہاں کے راجہ نے اتنا ظلم کیا کہ یہ لوگ چار پانچ میل گرمی میں جاتے تھے تو رات کو واپس سٹیشن پر آکر سوتے تھے۔ چودھری نصراللہ خاں صاحبؓ باوجودیکہ بڈھے آدمی تھے ان کو بھی مجبوراً روزانہ گرمی میں چار میل جانا اور چار میل آنا پڑتا تھا۔ آخر میں نے اپنا ایک آدمی گورنمنٹ ہند کے پولیٹیکل سکرٹری کی طرف بھجوایا کہ اتنا ظلم نہیں کرنا چاہیئے۔ اس ریاست میں جو چار پانچ لاکھ ہندو ہے وہ فساد نہیں کرتا اور ہمارے چند آدمیوں کے داخلہ سے فساد کا اندیشہ ہے۔ اس وقت پولیٹیکل سکرٹری سر تھامسن تھے۔ انہوں نے جواب دیا میں اس میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں راجہ سے کہوں گا۔ اگر وہ مان جائے تو بہتر ہے، سر تھامسن نے ہمدردی کی مگر ساتھ معذوری کا اظہار بھی کیا۔ لیکن ابھی اس پر پندرہ دن بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ راجہ پاگل ہوگیا اور اس کو ریاست سے باہر نکال دیا گیا اور پاگل ہونے کی حالت میں ہی وہ مرا۔ اسی طرح اس وقت کے الور والے راجہ کو بھی بعد میں سیاسی جرائم کی وجہ سے نکال دیا گیا۔

پس ہمارا خدا جو علیم اور خبیر ہے وہ اب بھی موجود ہے۔ اگر ہم انصاف سے کام لیں گے اور پھر بھی ہم پر ظلم ہوگا تو وہ ضرور ظالموں کو گرفت کئے بغیر نہ چھوڑے گا۔ ظلم تو ہمیشہ سے نبیوں کی جماعتوں پر ہوتا آیا ہے۔ مگر یہ نہایت ذلیل احساسات ہیں جو اس اخبار نے پیش کئے ہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے بھی ہم پر ہمیشہ ظلم کیا۔ شروع شروع میں جب احمدی تالاب سے مٹی لینے جاتے تھے تو یہاں کے سکھ وغیرہ ڈنڈے لے کر آجاتے تھے۔ آخر ہمارے ساتھ کس نے کمی کی۔ مگر ہر موقعہ پر خدا ہماری مدد کرتا رہا۔ ہمارا دشمن اگر ہمارے ساتھ ظلم اور بے انصافی بھی کرے تو ہم انصاف سے کام لیں گے اور جب تک یہ رُوح ہمارے اندر پیدا نہ ہوجائے خدا ہمارا ساتھ نہیں دے گا۔ پس ہم دیکھیں گے کہ حق کس کا ہے۔ ہندو کا ہوگا تو اُس کی مدد کریں گے۔ سکھ کا ہوگا تو اس کی مدد کریں گے۔ مسلمان کا ہوگا تو اس کی مدد کریں گے۔ ہم کسی

کی دوستی اور دشمنی کو نہیں دیکھیں گے بلکہ اس معاملہ کو انصاف کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ اور جب انصاف پر قائم ہونے کے باوجود ہم پر ظلم ہوگا تو خدا کہے گا انہوں نے دشمنوں کے ساتھ انصاف کیا تھا کیا میں ان کا دوست ہو کر ان سے انصاف نہ کروں گا اور اس کی غیرت ہمارے حق میں بھڑکے گی جو ہمیشہ ہمارے کام آئے گی۔ (انشاء اللہ)"[۵۱]

۳ جون کا برطانوی اعلان ملک کے حالات روز بروز ابتر ہو رہے تھے اور مفاہمت کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اسی لئے انگریزی حکومت نے انتقال اقتدار کی مہم کو جلد از جلد سر کرنے کے لئے آخری قدم یہ اٹھایا کہ لارڈ ویول کو لندن واپس بلا لیا اور ان کی جگہ لارڈ مونٹ بیٹن کو وائسرائے بنا کر بھیج دیا جنہوں نے ۳ جون ۱۹۴۷ء کو وہ سکیم نشر کی جو کابینہ کی مکمل تائید کے ساتھ اپنے ہمراہ لائے تھے۔ اس سکیم میں اختیارات کے تفویض کرنے کا یہ ڈھانچہ تجویز کیا گیا کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں سے سندھ، سرحد اور بلوچستان کی صوبائی اسمبلیوں سے استصواب کیا جائے کہ وہ موجودہ دستور ساز اسمبلی میں رہنا چاہتی ہیں یا ایک جدید اور جداگانہ دستور ساز اسمبلی میں جانا چاہتی ہیں۔ جہانتک بنگال اور پنجاب کا تعلق ہے ان کی مجالس قانون ساز (یورپین ممبروں کے علاوہ) دو حصوں میں تقسیم ہو کر مجتمع ہوں۔ ایک حصے میں مسلم اکثریت والے اضلاع کے نمائندے ہوں اور دوسرے حصے میں باقی اضلاع کے۔ اور اگر ان دو حصوں میں سے کسی حصہ کی معمولی اکثریت نے بھی تقسیم کی موافقت میں رائے دی تو اس صوبہ کو تقسیم کر دیا جائے گا اور ان کی حد بندی کے لئے گورنر جنرل ایک حد بندی کمیشن مقرر کریں گے جو حد بندی اس بنیاد پر کرے گا۔ کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی اکثریت والے رقبے باہمی یکسانیت رکھتے ہوں۔ فرقہ وارانہ یکسانیت و اختلاط کے علاوہ دوسرے امور (OTHER FACTORS) بھی ملحوظ رکھنے ہوں گے۔

اس سکیم میں یہ بھی تصریح کر دی گئی کہ اضلاع کی آبادی معلوم کرنے کے لئے ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار قطعی سمجھے جائیں گے۔ سکیم میں پنجاب و بنگال کے مندرجہ ذیل اضلاع مسلم اکثریت والے اضلاع تسلیم کئے گئے:۔

پنجاب (قسمت لاہور) اضلاع گوجرانوالہ۔ گورداسپور۔ لاہور۔ شیخوپورہ

(قسمت راولپنڈی) اضلاع اٹک۔ گجرات۔ جہلم۔ میانوالی۔ راولپنڈی۔ شاہ پور

---

[۵۱] "الفضل" ۲۱ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱ تا ۶

(قسمت ملتان) اضلاع ڈیرہ غازیخان۔ جھنگ۔ لائل پور۔ منٹگمری۔ ملتان

بنگال (قسمت چاٹگام) اضلاع چاٹگام۔ نواکھلی۔ پٹرا

(قسمت ڈھاکہ) اضلاع باقرگنج۔ ڈھاکہ۔ میمن سنگھ

(قسمت پریسیڈنسی) اضلاع جیسور۔ مرشدآباد

(قسمت راجشاہی) اضلاع بوگرا۔ دیناج پور۔ پبنہ۔ راجشاہی[1]

قائداعظم کا بیان

قائداعظم نے اس سکیم کے نشر ہونے کے بعد مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ وائسرائے نے اسی سلسلے میں مختلف قوتوں کے ساتھ نہایت بہادری سے جنگ کی ہے اور ان کی جدوجہد نے میرے خیالات پر جو اثر کیا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے ہر ایک کام نہایت منصفانہ اور غیر جانب دارانہ طور پر انجام دیا ہے اور اب اس کا دارومدار ہم پر ہے کہ ہم وائسرائے کی مہم کو قدرے آسان کریں اور جہاں تک ہمارے اختیار میں ہو ہندوستان کو اقتدار منتقل کرنے کے لئے انہوں نے جس مقصد کا ذمہ لیا ہے اس میں پوری پوری مدد کریں تاکہ کامل امن اور سکون کے ساتھ یہ اقتدار ہندوستانیوں کے سپرد کر دیا جائے" [2]

فصل ہفتم

حضرت مصلح موعود کی طرف سے سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل

اور

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا معرکۃ الآراء مضمون "خالصہ ہوشیار باش"

۳ جون کی برطانوی سکیم کے بعد مطالبہ تقسیم پنجاب کو آئینی حیثیت حاصل ہو گئی اور حکومت نے اس کے فیصلہ کے لئے ۲۳ جون ۱۹۴۷ء کا دن مقرر کیا۔ یہ فارمولا چونکہ بظاہر سکھوں کے ایماء اور اُن کے فائدہ کے لئے

---

[1] ملخصاً از "قائداعظم اور ان کا عہد" صفحہ ۷۸۵ تا ۷۹۳۔ [2] "ایضاً" صفحہ ۷۹۴۔

تسلیم کیا گیا تھا اس لئے حضرت مصلح موعود نے "سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل" کے عنوان سے ایک ٹریکٹ لکھا جو دس دس ہزار کی تعداد میں بزبان اردو و گورمکھی شائع کیا گیا۔[۵] حضور نے اس ٹریکٹ میں سکھوں سے نہایت درجہ دردمند دل کے ساتھ اپیل فرمائی کہ وہ سنجیدگی اور متانت اور حقیقت پسندی سے اپنے موقف پر نظر ثانی کریں اور پنجاب کو تقسیم کرانے کی بجائے قائداعظم اور مسلم لیگ سے سمجھوتہ کر لیں۔ نیز قبل از وقت انتباہ بھی کر دیا کہ تقسیم پنجاب کے فیصلہ سے انہیں قومی اعتبار سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اور اُن کا مستقبل مخدوش ہو جائے گا۔ حضور کا یہ ٹریکٹ آپ کے سیاسی فہم و تدبر اور بصیرت و فراست کا زندہ شاہکار ہے جس کی تاریخی اہمیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ ذیل میں حضرت مصلح موعود کا یہ مضمون بجنسہٖ درج کیا جاتا ہے:۔

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّاصِرُ

سکھ قوم کے نام ــــــــ دردمندانہ اپیل

پنجاب کے بٹوارے کا برطانوی فیصلہ ہو چکا ہے۔ اب خود اہلِ پنجاب نے اس کے متعلق اپنی آخری منظوری دینی ہے یا اس سے انکار کرنا ہے۔ پیشتر اس کے کہ اس کے متعلق کوئی قدم اُٹھایا جائے مناسب ہے کہ ہم اس کے متعلق پوری طرح سوچ لیں۔ ایک دفعہ نہیں دس دفعہ۔ کیونکہ تقسیم کا معاملہ معمولی نہیں بہت اہم ہے۔ اس وقت تک جو تقسیم کا اعلان ہوا ہے اس کا حسب ذیل نتیجہ نکلا ہے:۔

ہندو (انگریزی علاقہ کے) ۲۱ کروڑ میں سے ساڑھے انیس کروڑ ایک مرکز میں جمع ہو گئے ہیں اور صرف ڈیڑھ کروڑ مشرقی اور مغربی اسلامی علاقوں میں گئے ہیں۔ گویا اپنی قوم سے جُدا ہونے والے ہندوؤں کی تعداد صرف سات فی صدی ہے۔ باقی ترانوے فیصدی ہندو ایک جھنڈے تلے جمع ہو گئے ہیں۔ مسلمان (انگریزی علاقہ کے) آٹھ کروڑ میں سے پانچ کروڑ دو اسلامی مرکزوں میں جمع ہو گئے ہیں اور تین کروڑ ہندو اکثریت کے علاقوں میں چلے گئے ہیں۔ گویا اپنی قوم سے جدا ہونے والے مسلمان سینتیس ۳۷ فی صدی ہیں۔ سکھ (انگریزی علاقہ

[۵] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان بابت سال ۲۷-۱۳۲۶ ہش/۴۸-۱۹۴۷ء صفحہ ۷۔

میں رہنے والے) ۲۱ لاکھ مشرقی پنجاب میں چلے گئے ہیں اور سترہ لاکھ مغربی پنجاب میں رہ گئے ہیں۔ گویا ۴۵ فی صدی سکھ مغربی پنجاب میں چلے گئے ہیں اور ۵۵ فی صدی مشرقی پنجاب میں۔ اور تینوں قوموں کی موجودہ حالت یہ ہو گئی ہے۔ ہندو ننانوے فی صدی اپنے مرکز میں جمع ہو گئے ہیں مسلمان چونسٹھ فیصدی اپنے دو مرکزوں میں جمع ہو گئے ہیں۔ سکھ پچپن فیصدی ایسے دو مرکزوں میں جمع ہو گئے ہیں جہاں انہیں اکثریت کا حاصل ہونا تو الگ رہا پچیس فیصدی تعداد بھی انہیں حاصل نہیں۔ کیا اس صورت حالات پر سکھ خوش ہو سکتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ اس بٹوارہ سے ہندوؤں کو بے انتہا، فائدہ پہنچا ہے۔ مسلمانوں کو اخلاقی طور پر فتح حاصل ہے لیکن مادی طور پر نقصان۔ سکھوں کو مادی طور پر بھی اور اخلاقی طور پر بھی نقصان پہنچا ہے۔ گویا سب سے زیادہ گھاٹا سکھوں کو ہوا ہے اور اس سے کم مسلمانوں کو۔ ہندوؤں کو کسی قسم کا بھی کوئی نقصان نہیں ہوا۔ صرف اس غنیمت میں کمی آئی ہے جو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔

لیکن ابھی وقت ہے کہ ہم اس صورت حالات میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ۲۳ تاریخ کے بعد پھر یہ سوال آسانی سے حل نہ ہو سکے گا۔ سکھ صاحبان جانتے ہیں کہ احمدیہ جماعت کو کوئی سیاسی اور مادی فائدہ اِس یا اُس سکیم سے حاصل نہیں ہوتا۔ احمدی جماعت کو ہر طرف سے خطرات نظر آ رہے ہیں۔ ایک پہلو سے ایک خطرہ ہے تو دوسرے پہلو سے دوسرا۔ پس مَیں جو کچھ کہہ رہا ہوں عام سیاسی نظریہ اور سکھوں کی خیر خواہی کے لئے کہہ رہا ہوں۔ مَیں جس علاقہ میں رہتا ہوں گو اس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے لیکن سکھ اس علاقے میں کافی ہیں اور ہمارے ہمسائے ہیں اور ان کی نسبتِ آبادی کوئی ۲۳ فیصدی تک ہے۔ اس لئے سکھوں سے ہمارے تعلقات بہت ہیں۔ بعض سکھ رؤسار سے ہمارا خاندانی طور پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ سے بھائی چارہ اب تک چلا آتا ہے۔ اس لئے میری رائے محض خیر خواہی کی بنا پر ہے۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ سکھ صاحبان اس طرح کٹ کر رہ جائیں۔ اگر تو کوئی خاص فائدہ سکھوں کو پہنچتا تو مَیں اس تجویز کو معقول سمجھتا۔ مگر اب تو صرف اس قدر فرق پڑا ہے کہ سارے پنجاب میں مسلمان (تعداد میں) اوّل تھے، ہندو دوم، اور سکھ سوم۔ اور اب مشرقی پنجاب میں ہندو اوّل، مسلمان دوم اور سکھ سوم ہیں۔ سکھ اگر اس بٹوارے سے دوم ہو جاتے تو کچھ معقول بات بھی تھی۔ مگر صرف مسلمان اوّل سے دوم ہو گئے ہیں اور ہندو دوم سے اوّل سکھوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ پُرانے پنجاب میں مسلمانوں نے اپنے حق سے ساڑھے پانچ فیصدی سکھوں کو دے دیا تھا۔ اب تک ہندوؤں کی طرف سے کوئی اعلان نہیں ہوا کہ وہ کتنا حصّہ اپنے حصّہ میں سکھوں کو دینے کو تیار

ہیں۔ پرانے پنجاب میں چودہ فیصدی سکھوں کو اکیس فیصدی حصہ ملا ہوا تھا۔ اب اٹھارہ فیصدی سکھ مشرقی پنجاب میں ہو گئے ہیں۔ اگر ہندو جو تعداد میں اوّل نمبر پر ہیں مُسلمانوں کی طرح اپنے حق سے سکھوں کو دیں تو سکھوں کو نئے صوبہ میں چھبیس فیصدی حق ملنا چاہیئے۔ گو سکھ پُرانے انتظام پر خوش نہ تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے صُوبہ تقسیم کروایا ہے۔ اس لئے انہیں ہندوؤں سے تیس فیصدی ملے تو وہ تب دُنیا کو کہہ سکتے ہیں کہ دیکھو پُرانے پنجاب سے ہم زیادہ فائدہ میں رہے ہیں۔ مسلمانوں نے ہمیں ڈیوڑھا حق دیا تھا۔ اب ہندوؤں نے اپنے حق سے کاٹ کر ہمیں پونے دوگنا دے دیا ہے۔ اس لئے ہمارا بٹوارہ پر زور دینا درست تھا۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا اور ہندوؤں نے اپنے حصہ سے اس نسبت سے بھی سکھوں کو نہ دیا جس نسبت سے پُرانے پنجاب میں مسلمانوں نے سکھوں کو دیا تھا تو سکھ قوم لازماً گھاٹے میں رہے گی۔ نئے صوبہ میں اٹھارہ فیصدی سکھ ہوں گے۔ بتیس فیصدی مسلمان اور پچاس فیصدی ہندو۔ اگر ہندو اسی نسبت سے اپنا حق سکھوں کو دیں جس طرح مسلمانوں نے پنجاب میں دیا تھا تو سکھوں کو چھبیس فیصدی حق مل جائے گا اور نمائندگی کی یہ شکل ہو گی کہ بتیس فیصدی مسلمان چھبیس[۲۶] فیصدی سکھ اور بیالیس فیصدی ہندو۔ لیکن اوّل تو ایسا کوئی وعدہ ہندوؤں نے سکھوں سے اب تک نہیں کیا۔ وہ غالباً یہ کوشش کریں گے کہ مسلمانوں کے حق سے سکھوں کو دینا چاہیں۔ لیکن سکھوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس سے فتنہ کا دروازہ کھلے گا۔ جب مسلمان زیادہ تھے انہوں نے اپنے حصہ سے سکھوں کو دیا۔ اب ہندو زیادہ ہیں انہیں اپنے حصہ سے سکھوں کو دینا چاہیئے ورنہ تعلقات ناخوشگوار ہو جائیں گے۔

فرض کرو کہ ہندو سکھوں کو اپنی نیابت کے حق سے دے بھی دیں جتنا انہیں مسلمانوں نے اپنے حق سے دیا ہوا تھا تو پھر بھی سکھ صاحبان کو ان امور پر غور کرنا چاہیئے :-

(۱) تمام سکھ امراء منٹگمری، لائل پور اور لاہور میں بستے ہیں۔ اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ لائل پور منٹگمری اور لاہور کے سکھ زمینداروں کو ملا کر فی سکھ آٹھ ایکڑ کی ملکیت بنتی ہے۔ لیکن لدھیانہ، ہوشیارپور، فیروزپور، امرتسر کی سکھ ملکیت کے لحاظ سے ایک ایکڑ فی سکھ ملکیت ہوتی ہے۔ کیونکہ لدھیانہ اور جالندھر میں سکھوں کی ملکیت بہت کم ہے اور اسی وجہ سے وہ زیادہ تر مزدوری پیشہ اور فوجی ملازم ہیں یا ملک سے باہر جا کر غیر ممالک میں کمائی کرتے ہیں۔

اس وجہ سے اگر یہ تقسیم قائم رہی تو اس کا ایک نتیجہ یہ نکلے گا کہ مالدار سکھ مغربی پنجاب سے جا

ملیں گے۔ اور اگر مسلمانوں کا رویّہ اُن سے اچھا رہا اور خدا کرے اچھا رہے تو ان کی ہمدردی مشرقی سکھ سے بالکل جاتی رہے گی اور کوئی مالی امداد وہ اُسے نہ دیں گے۔ اور مشرقی علاقہ کا سکھ جو پہلے ہی بہت غریب ہے اپنی تعلیمی اور تہذیبی انجمنوں کو چلا نہ سکے گا۔ دُوسرے اُسے یہ نقصان ہوگا کہ سکھ قوم مشرقی حصّہ میں اقتصادی طور پر اپنا سر اُونچا نہ رکھ سکے گی۔ تیسرے اس سے یہ نقص پیدا ہوگا کہ ہوشیار پور، فیروزپور، جالندھر اور لدھیانہ کے سکھ پہلے سے بھی زیادہ غیر ملکوں کی طرف جانے کے لئے مجبور ہوں گے۔ اور مشرقی پنجاب کے سکھوں کی آبادی روز بروز گرتی چلی جائے گی اور شاید چند سال میں ہی مشرقی پنجاب میں بھی سکھ چودہ فیصدی پر ہی آجائیں۔

پانچویں اس امر کا بھی خطرہ ہے کہ اس بٹوارے کی وجہ سے مغربی پنجاب کی حکومت یہ فیصلہ کرے کہ وہ زمین جو مشرقی پنجاب کے لوگوں کو مغربی پنجاب میں جنگی خدمت کی وجہ سے دی گئی ہے وہ اس بناء پر ضبط کر لی جائے کہ اب ان خدمات کا صلہ دینا نئے ہندو مرکز کے ذمّہ ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ جب وہ لوگ الگ ہو گئے ہیں تو اس خدمت کا صلہ جو درحقیقت مرکزی خدمت تھی وہ صوبہ دے جس کا وہ شخص سیاسی باشندہ بھی نہیں ہے۔ زمیندارہ نقصان کے علاوہ کہ سکھوں کی دو تہائی جائیداد مغربی پنجاب میں رہ جائے گی ایک اَور بہت بڑا خطرہ بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ جو سکھ تجارت کرتے ہیں ان میں سے اکثر حصّہ کی تجارت مغربی پنجاب سے وابستہ ہے سوائے سردار بلدیوسنگھ صاحب کے جن کی تجارت ہندو علاقہ سے وابستہ ہے، باقی سب سکھ تجارت مسلمان علاقہ سے وابستہ ہے۔ سکھوں کی تجارت جیسا کہ سب لوگ جانتے ہیں پنجاب میں راولپنڈی، کوئٹہ، جہلم اور بلوچستان سے وابستہ ہے۔ اور تجارت کی ترقی کے لئے آبادی کی مدد بھی ضروری ہوتی ہے۔ جب سکھوں کی دلچسپی مغربی پنجاب اور اسلامی علاقوں سے کم ہوگی تو لازماً اس تجارت کو بھی نقصان پہنچے گا سوائے سردار بلدیوسنگھ صاحب کے جن کی تجارت بہار سے وابستہ ہے اَور کونسا بڑا سکھ تاجر ہے جو مشرقی پنجاب یا ہندوستان میں وسیع تجارت رکھتا ہو۔ ساری کشمیر کی تجارت جو راولپنڈی کے راستہ سے ہوتی ہے یا جہلم کے ذریعہ سے ہوتی ہے سکھوں کے پاس ہے۔ ایران سے آنے والا مال اکثر سکھوں کے ہاتھ سے ہندوستان کی طرف آتا ہے اور اس تجارت کی قیمت کروڑوں تک پہنچتی ہے۔ اگر یہ تاجر موجودہ افراتفری میں اپنی تجارتوں کو بند کریں گے تو نئی جگہ کا پیدا کرنا اُن کے لئے آسان نہ ہوگا اور اگر وہ اپنی جگہ پر رہیں گے تو اسلامی حصّہ ملک میں اُن

کی آبادی کے کم ہو جانے کی وجہ سے وہ اس سیاسی اثر سے محروم ہو جائیں گے جو اب ان کی تائید میں ہے اور پھر اگر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنے پہلے علاقہ میں ہی رہیں تو آہستہ آہستہ ان کی ہمدردی اپنے مشرقی بھائیوں سے کم ہو جائے گی اور سکھ انجمنیں ان کی امداد سے محروم رہ جائیں گی۔ یہ امر بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ مشرقی صوبہ کا دارالحکومت لازماً دہلی کے پاس بنایا جائے گا اور اس طرح امرتسر اپنی موجودہ حیثیت کو کھو بیٹھے گا۔ اس وقت تو لاہور کے قریب ہونے کی وجہ سے جہاں کافی سکھ آبادی ہے امرتسر تجارتی طور پر ترقی کر رہا ہے۔ لیکن اگر دارالحکومت مثلاً انبالہ چلا گیا تو انبالہ بوجہ امرتسر سے دُور ہونے کے قدرتی طور پر اپنی تجارتی ضرورتوں کے لئے امرتسر کی جگہ دہلی کی طرف دیکھے گا اور لاہور حکومت کے اختلاف کی وجہ سے امرتسر سے پہلے ہی جدا ہو چکا ہوگا۔ پھر امرت سر کی تجارت کا ½ حصہ اس مال کی وجہ سے ہے جو افغانستان بخارا اور کشمیر سے آتا ہے یہ مال بھی اپنے لئے نئے راستے تلاش کرے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امرتسر کی تجارتی حیثیت بہت گر جائے گی۔ اور یہ شاندار شہر جلد ہی ایک تیسرے درجہ کا شہر بن جائے گا

اگر مغربی پنجاب نے مشرقی پنجاب کی ڈگریوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو وہ اٹھارہ لاکھ سکھ جو مغربی پنجاب میں بستے ہیں، ایک بڑا کالج مغربی پنجاب میں بنانے پر مجبور ہوں گے اور چونکہ بڑے زمیندار اور بڑے تاجر سکھ مغربی پنجاب میں ہیں، ان کے لئے ایک بہت بڑا کالج بنانا مشکل نہ ہوگا۔ اس طرح خالصہ کالج امرت سر بھی اپنی شان کھو بیٹھے گا۔ اور سکھوں کے اندر دو متوازی سکول اقتصادی اور سیاسی اور تمدنی فلسفوں کے پیدا ہو جائیں گے۔

بے شک ساری قوموں کو ہی اس بٹوارہ سے نقصان ہوگا۔ لیکن چونکہ ہندوؤں کی اکثریت ایک جگہ اور مسلمانوں کی اکثریت ایک جگہ جمع ہو جائے گی انہیں یہ نقصان نہ پہنچے گا۔ یہ نقصان صرف سکھوں کو پہنچے گا جو قریباً برابر تعداد میں دونوں علاقوں میں بٹ جائیں گے اور دونوں میں سے کوئی حصہ اپنی بڑائی کو دوسرے حصہ پر قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ آبادی کے تبادلہ سے یہ مشکل حل کی جاسکے گی لیکن یہ درست نہیں۔ لائل پور، لاہور، منٹگمری، شیخوپورہ، گوجرانوالہ اور سرگودھا کے سکھ اپنی نہری زمینوں کو چھوڑ کر بارانی زمینوں کو لینے کے لئے کب تیار ہوں گے۔ اور اگر وہ اس پر راضی ہو گئے تو مالی لحاظ سے یہ ان کے لئے بڑا اقتصادی دھکا ہوگا جس کی وجہ سے قومی انحطاط شروع ہو جائے گا۔

پس پیشتر اس کے کہ سکھ صاحبان پنجاب کے بٹوارے کے متعلق کوئی فیصلہ کریں انہیں ان سب امور پر غور کر لینا چاہیئے تا ایسا نہ ہو کہ بعد میں اس مشکل کا حل نہ نکل سکے اور پچھتانا پڑے۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اگر مشکلات پیدا ہوئیں اور ان کا کوئی علاج نہ نکلا تو اس وقت پھر سکھ صاحبان مغربی پنجاب میں آ سکتے ہیں لیکن یہ خیال درست نہیں۔ اس لئے کہ اگر اب سکھ صاحبان پنجاب کے بٹوارے کے خلاف رائے دیں تو اُن کے ووٹ مسلمانوں کے ووٹوں سے مل کر بٹوارے کو روک سکتے ہیں۔ لیکن اگر بعد میں انہوں نے ایسا فیصلہ کیا تو یہ صاف بات ہے کہ انبالہ ڈویژن ان کے ساتھ شامل نہ ہوگا۔ اور اگر مغربی پنجاب سے ملا تو صرف جالندھر ڈویژن ملے گا اور اس وقت پنجاب کی یہ حالت ہوگی کہ اس میں پندرہ فیصدی سکھ ہوں گے۔ اور پندرہ فیصدی ہندو اور ستر فیصدی مسلمان۔ حالانکہ متحدہ پنجاب کی صورت میں بیالیس فیصدی ہندو اور سکھ ہوں گے اور چھپن فیصدی مسلمان اور دو فیصدی دوسرے لوگ۔ ظاہر ہے کہ چونتالیس فیصدی لوگ حکومت میں جو آواز اور اثر رکھتے ہیں وہ تیس فیصدی لوگ کسی صُورت میں نہیں رکھ سکتے۔ پس بعد کی تبدیلی کسی صورت میں سکھوں کو وہ فائدہ نہیں پہنچا سکتی جو اس وقت کی تبدیلی پہنچا سکتی ہے کیونکہ ایک دفعہ پنجاب بانٹا گیا تو پھر انبالہ ڈویژن کو واپس لانا سکھوں کے اختیار سے باہر ہو جائے گا۔

سکھ صاحبان کو یہ امر بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ ابھی سے ہندوؤں کی طرف سے یہ آواز اُٹھائی جا رہی ہے کہ یو پی کے چند اضلاع ملا کر مشرقی پنجاب کا ایک بڑا صوبہ بنا دیا جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو اس نئے صوبہ میں ہندو ساٹھ فی صدی، مسلمان تیس فی صدی اور سکھ صرف دس فی صدی رہ جائیں گے۔ بعض سکھ صاحبان یہ کہتے سُنے جاتے ہیں کہ جالندھر ڈویژن کی ایک سکھ ریاست بنا دی جائے گی۔ بیشک اس صورت میں سکھوں کی آبادی کی نسبت اس علاقہ میں بڑھ جائے گی۔ مگر اس صورت میں بھی مختلف قوموں کی نسبت آبادی یوں ہوگی ۶۰، ۲۵ سکھ، ۵۰، ۳۴ مسلمان اور تقریباً چالیس فیصدی ہندو۔ اس صورت حالات میں بھی سکھوں کو زیادہ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ پُرانے پنجاب میں بھی تو سکھوں کو بائیس فیصدی نمائندگی ملی ہوئی تھی۔ پس اگر جالندھر ڈویژن کا الگ صوبہ بھی بنا دیا گیا۔ تو اس سے ہندوؤں اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ کیونکہ انبالہ ڈویژن کے الگ ہو جانے کی وجہ سے انبالہ صوبہ پر کُلّی طور پر ہندوؤں کا قبضہ ہو جائے گا اور جالندھر ڈویژن میں بوجہ چالیس فیصدی رہ جانے کے سکھ ان سے اپنے لئے زیادہ نمائندگی کا مطالبہ نہیں کر سکیں گے اور توازن بہت مضبوطی سے ہندوؤں

کے ہاتھ میں چلا جائے گا اور وہ انبالہ کے صوبہ میں بغیر کسی سے سمجھوتہ کرنے کے حکومت کر سکیں گے اور جالندھر میں کچھ سکھوں یا مسلمانوں کو ملا کر حکومت کر سکیں گے۔ ایک اور سخت نقصان سکھوں کو اس صورت میں یہ پہنچے گا کہ جالندھر ڈویژن کے سکھوں میں کمیونزم بہت زیادہ زور پکڑ رہی ہے۔ فیروز پور، لدھیانہ اور ہوشیار پور اس کے گڑھ ہیں۔ اس علیحدگی کی وجہ سے ان لوگوں کی آواز بہت طاقت پکڑ جائے گی اور اکالی پارٹی چند سالوں میں ہی اس خطرناک بلا کا مقابلہ کرنے سے اپنے آپ کو بے بس پائے گی خصوصاً جب کہ سیاسی چالوں کی وجہ سے بعض خود غرض پارٹیاں کمیونسٹوں کی مدد کرنے پر آمادہ ہو جائیں گی۔ جیسا کہ گذشتہ الیکشن پر سکھ صاحبان کو تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ مَیں نے کافی روشنی ان خطرات پر ڈال دی ہے جو سکھوں کو پیش آنے والے ہیں۔ اور مَیں امید کرتا ہوں کہ ۲۳ جون کو ہونے والی اسمبلی کی میٹنگ میں وہ ان امور کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کریں گے۔ اس طرح مَیں سمجھتا ہوں کہ چونکہ سب سے زیادہ اثر عوام سکھوں پر پڑنے والا ہے۔ وہ بھی اپنے لیڈروں پر زور دیں گے کہ اس خودکشی کی پالیسی سے اُن کو بچایا جائے۔ مَیں لکھ چکا ہوں کہ مَیں بوجہ ایک چھوٹی سی جماعت کا امام ہونے کے کوئی سیاسی غرض اس مشورہ میں نہیں رکھتا۔ اس لئے سکھ صاحبان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ میرا مشورہ بالکل مخلصانہ اور محض ان کی ہمدردی کی وجہ سے ہے۔ اگر سیاست میرے اختیار میں ہوتی تو مَیں انہیں ایسے حقوق دے کر بھی جن سے اُن کی تسلی ہو جاتی، انہیں اس نقصان سے بچاتا۔ مگر سیاست کی طاقت میرے ہاتھ میں نہیں اس لئے مَیں صرف نیک مشورہ ہی دے سکتا ہوں۔ ہاں مجھے امید ہے کہ اگر سکھ صاحبان مسٹر جناح سے بات کریں تو یقیناً انہیں سکھوں کا خیر خواہ پائیں گے۔ مگر انہیں بات کرتے وقت یہ ضرور مدنظر رکھ لینا چاہیئے کہ ہندو صاحبان انہیں کیا کچھ دینے کو تیار ہیں۔ کیونکہ خود کچھ نہ دینا اور دوسروں سے لینے کے مشورے دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ اس میں مشورہ دینے والے کا کچھ حرج نہیں ہوتا پس اچھی طرح اُونچ نیچ کو دیکھ کر وہ اگر مُسلم لیگ کے لیڈروں سے ملیں تو مجھے امید ہے کہ مُسلم لیگ کے لیڈر انہیں ناامید نہیں کریں گے۔ اگر مجھ سے بھی اِس بارہ میں کوئی خدمت ہو سکے تو مجھے اس سے بے انتہا خوشی ہو گی۔

آخر میں مَیں سکھ صاحبان کو مشورہ دیتا ہوں کہ سب کاموں کی کُنجی خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ گورو نانک دیو جی اور دوسرے گوروؤں کے طریق کو دیکھیں۔ وہ ہر مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے تھے۔ اس وقت ان کو بھی اپنی عقل پر سارا انحصار رکھنے کی بجائے خدا تعالیٰ سے دُعائیں کرنی چاہئیں

تا اللہ تعالےٰ انہیں وہ راستہ دکھا دے جس میں اُن کی قوم کی بھی بھلائی ہو اور دوسری قوموں کی بھی بھلائی ہو یہ دن گذر جائیں گے۔ یہ باتیں بھول جائیں گی۔ لیکن محبّت اور پریم کے کئے ہوئے کام کبھی نہیں بھولیں گے اگر بٹوارہ بھی ہونا ہے تو وہ بھی اس طرح ہونا چاہیئے کہ ایک قوم کا گاؤں دوسری قوم کے گاؤں میں اس طرح نہ گھسا ہوا ہو کہ جس طرح دو کنگھیوں کے دندانے ملا دیئے جاتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو سرحد میں چھاؤنیاں بن جائیں گی اور سینکڑوں میل کے بسنے والے لوگ قیدیوں کی طرح ہو جائیں گے اور علاقے اُجڑ جائیں گے۔ یہ میری نصیحت سکھوں ہی کو نہیں مُسلمانوں کو بھی ہے۔ میرے نزدیک تحصیلوں کو تقسیم کا یونٹ تسلیم کر لینے سے اس فتنہ کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ اگر اس سے چھوٹا یونٹ بنایا گیا۔ تو جتنا جتنا چھوٹا وہ ہوتا جائے گا اُتنا اُتنا نقصان زیادہ ہوگا۔ ایک عرب شاعر اپنی معشوقہ کو مخاطب کرکے کہتا ہے۔

ع فَإِنْ كُنْتِ قَدْ أَزْمَعْتِ صَرْمًا فَأَجْمِلِي

یعنی اے میری محبوبہ! اگر تُو نے جُدا ہونیکا فیصلہ ہی کر لیا تو کسی پسندیدہ طریق سے جدا ہو۔

مَیں بھی ہندو مُسلمان، سکھ سے کہتا ہوں کہ اگر جُدا ہونا ہی ہے تو اس طرح جُدا ہو کہ سرحدوں کے لاکھوں غریب باشندے ایک لمبی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ شاید کسی کے دل میں یہ خیال گذرے کہ میں نے ہندوؤں کو کیوں مخاطب نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جہانتک ہمدردی کا سوال ہے ہندو بھی ہمارے بھائی ہیں اور مَیں ان کا کم ہمدرد نہیں۔ مگر ہندو چونکہ اپنے مرکز کی طرف گئے ہیں۔ اُن کا فوری نقصان تو ہوگا مگر بوجہ اس کے کہ وہ اکثر تاجر پیشہ ہیں وہ جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں گے۔ اس لئے انہیں یہ کہنا کہ اس تقسیم سے آپ کا دائمی نقصان ہوگا جھوٹ بن جاتا ہے۔ اس لئے مَیں نے انہیں مخاطب نہیں کیا ورنہ اُن سے مجھے کم ہمدردی نہیں۔

آخر میں مَیں دُعا کرتا ہوں کہ اے میرے رب! میرے اہلِ مُلک کو سمجھ دے اور اوّل تو یہ ملک بٹے نہیں۔ اور اگر بٹے تو اس طرح بٹے کہ پھر مل جانے کے راستے کھُلے رہیں۔ اللّٰھم آمین۔

خاکسار مرزا محمود احمد امام جماعت احمدیہ قادیان۔

(۱۷ جون ۱۹۴۷ء)[۱]

---

[۱] یہ مضمون "الفضل" ۱۹ احسان / جون ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۱ تا ۴ میں بھی چھپ گیا تھا۔

"خالصہ ہوشیار باش" حضرت مصلح موعودؓ کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی اس موقعہ پر پے در پے مضامین[۱] لکھے جن میں حقائق و دلائل کی روشنی میں آپ نے تقسیم پنجاب کے مطالبہ کے عوامل و نتائج کا مفکرانہ طریق سے تجزیہ فرمایا اور سکھ بھائیوں کو نہایت مخلصانہ مشورے دیئے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کے قلم سے نکلے ہوئے یہ سب حقیقت افروز مضامین سلسلہ کے لٹریچر میں محفوظ ہیں اور پاکستان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ یوں تو یہ سب معرکۃ الآرا مضامین اپنے اپنے رنگ میں نہایت درجہ معلومات افزا اور مدلّل اور منفرد علمی شان کے حامل تھے مگر جس مضمون نے سکھوں میں ایک زبردست جنبش پیدا کر دی[۲] وہ مسلم لیگ کے ترجمان "پاکستان ٹائمز" میں چھپا۔ اس مضمون کا عنوان تھا "POSITION OF SIKHS IN DIVIDED PUNJAB" (منقسم پنجاب میں سکھوں کی حیثیت"۔ نواب مظفر خاں[۳] آف واہ نے ۲۱ مئی ۱۹۴۷ء کو اس مضمون کی نسبت بذریعہ خط مندرجہ ذیل تاثرات کا اظہار کیا:-

"آپ کا مضمون بڑی دلچسپی سے پڑھا۔ یہ نہایت بہترین مضمون ہے جو سکھوں اور مسلمانوں دونوں کو اپیل کرتا ہے۔ مَیں نے عزت مآب خان لیاقت علیخاں اور دوسرے مُسلم لیگی قائدین کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے۔ مجھے خدشہ صرف یہ ہے کہ مسلمان اخبار کے اس مضمون کو بہت کم سکھ مطالعہ کریں گے۔ حیرت ہے کہ باوجود فیاضانہ سلوک کے سکھ بہت کم توجہ دے رہے ہیں"

اس انگریزی مضمون کا ترجمہ اخبار "الفضل" قادیان (۹ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء) اور اخبار "خادم" پٹیالہ (۱۶ جون ۱۹۴۷ء) میں بھی "خالصہ ہوشیار باش" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اور بذریعہ پمفلٹ اردو، انگریزی اور گورمکھی زبانوں میں بھی پنجاب کے طول و عرض میں وسیع طور پر پھیلایا گیا[۴]

---

[۱] ملاحظہ ہو "الفضل" ۱۰۔ ۱۹۔ ۲۲ ہجرت/مئی و ۱۴۔ ۲۰ احسان/جون ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء

[۲] اس مضمون پر اخبار "شیر پنجاب" ۱۵ جون ۱۹۴۷ء صفحہ ۷-۸) نے اپنے اداریہ (بعنوان "مرزا بشیر احمد صاحب کے پیغام کا جواب") میں سخت جرح اور تنقید کی جس کے جواب میں آپ نے ایک نہایت مدلّل و مفصّل مضمون "الفضل" (۲۰ جون ۱۹۴۷ء) میں لکھا جو قابل مطالعہ ہے۔

[۳] "الفضل" ۲۰ احسان/جون ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱

[۴] مشہور سکھ اخبار "شیر پنجاب" نے ۲۵ فروری ۱۹۵۱ء کو اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور احمدیوں کی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنے محققانہ مضمون میں تحریر فرمایا:۔

"سیاسی حالات بھی عجیب طرح رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ ابھی ۱۹۴۶ء کے اوائل کی بات ہے جبکہ پنجاب اسمبلی کے انتخابات ہو رہے تھے کہ سکھ قوم اس بات پر ہندوؤں سے سخت بگڑی ہوئی تھی کہ وہ کانگرس کے نظام کے ماتحت ان کی پنتھک حیثیت اور پنتھک وقار کو تباہ کرنا چاہتے ہیں اور ان کی مستقل قومی حیثیت کو مٹا کر اپنے اندر جذب کر لینے کے درپے ہیں چنانچہ اسی زمانہ کے بعد کا واقعہ ہے کہ سکھوں کے مشہور لیڈر ماسٹر تارا سنگھ صاحب نے اپنے "سنت سپاہی" نامی گورمکھی رسالہ کے اگست ۱۹۴۶ء کے نمبر میں "ہندو مسلماناں نال ساڈے سنبندھ" کے مضمون کی ذیل میں لکھا تھا کہ

"مذہبی اصولوں کے لحاظ سے سکھ مسلمانوں سے زیادہ قریب ہیں مگر تہذیب اور برادری کے تعلقات ہندوؤں سے زیادہ ہیں . . . . ہندوؤں میں ایک حصہ ایسا ہے جو ہمیں نگل جانا چاہتا ہے . . . . مسلمانوں سے ہمارے تعلقات بھی کم ہیں اور خطرہ بھی کم ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تائید پاکستان سے متعلق سابقہ جد و جہد پر طنز کرتے ہوئے زیر عنوان "پاکستان کے احمدیوں پر مصائب" لکھا کہ

"احمدیوں کی پاکستان میں اس غیر محفوظ و خطرناک پوزیشن اور مصائب کا کون ذمہ دار ہے۔ اس کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے ؎ اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست

اس کے ذمہ دار خود احمدی لیڈر ہیں جنہوں نے پاکستان کے قیام کی سرگرم حمایت کی اور اپنے ساتھ ڈوبنے کی سکھوں کو بھی ترغیب دینے کی جسارت کی۔ اس سلسلہ میں جون ۱۹۴۷ء میں سول ملٹری گزٹ لاہور میں قادیان کے صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے نے ایک مضمون "تقسیم شدہ پنجاب میں سکھوں کی پوزیشن" کے عنوان سے چھپوایا۔ اس مضمون کا ترجمہ احمدیوں کے سرکاری اخبار الفضل میں اور بعد میں ایک پمفلٹ "خالصہ ہوشیار باش" میں بھی چھپوا کر تقسیم کیا گیا جس میں سکھوں کو یہ دوستانہ مشورہ دیا گیا کہ وہ پنجاب کی تقسیم کو روکیں کیونکہ اس طرح سکھ پنتھ بھی تقسیم ہو جائے گا اور وہ کہیں کے نہ رہیں گے نیز سکھوں اور مسلمانوں کے عقائد میں یکسانیت ہے۔ اس لئے انہیں مسلمانوں کے ساتھ مل کر رہنا چاہیئے۔ اگر سکھ اس وقت اس مشورہ کو قبول کر کے کوئی غلط قدم اُٹھا لیتے تو اب احمدی حضرات ہی سوچیں کہ اس کا انجام کتنا خطرناک ہوتا۔ اگر پاکستانی مسلمان احمدیوں کی پاکستان کیلئے قربانیوں ان کی مسلمانوں کی سی شکل و صورت، ان کے مسلمانوں کے سے نام، ان کا مسلمانوں کی کتاب اور پیغمبر پر ایمان اور شریعت اسلامیہ پر اُن کے عمل کے باوجود بھی انہیں مُرتد کافر جہنمی دجال مکار فریبی ہی سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ اقتصادی سیاسی معاشرتی شادی و غمی کے تعلقات رکھنے کو تیار نہیں تو وہ سکھوں سے کیونکر انصاف کر سکتے"

("شیر پنجاب" ۲۵ فروری ۱۹۵۱ء بحوالہ "الفضل" ۲۱ امان/مارچ ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء)

. . . میں مسلمانوں سے سمجھوتہ اور بہتر تعلقات پیدا کرنے کے حق میں ہوں . . . ہندوؤں میں ایسے لوگ ہیں جو ڈھنگ یا اُستادی سے سکھوں کو نگل جانا چاہتے ہیں . . . . ہندوؤں کا پچھلا وطیرہ اور تاریخ ہمیں پُورا بھروسہ نہیں ہونے دیتی اور ہمیں خبردار ہی رہنا چاہیئے. . . . یقین رکھو کہ کانگرس اور ہندوؤں نے ہماری علیحدہ پولیٹیکل ہستی کو مٹانے کی کوشش کرنی ہے پچھلے انتخابات میں یہ کوشش بہت زور سے کی گئی تھی لیکن ہم بچ گئے۔ اگر آج پنجاب اسمبلی کے سارے سکھ ممبر کانگرس ٹکٹ پر ہوتے تو ہم ختم تھے"

یہ الفاظ جن کے لکھے جانے پر ابھی بمشکل نو ماہ کا عرصہ گذرا ہے ایک ایسے سکھ لیڈر کے قلم سے نکلے ہیں جو ہندو سے سکھ بنا ہے اور ہم ان الفاظ پر قیاس کر کے سمجھ سکتے ہیں کہ اس وقت قدیم سکھوں اور خصوصاً جاٹ سکھوں میں ہندوؤں کے متعلق کیا خیالات موجزن ہوں گے۔ مگر آج یہی پنجاب کا نامور خالصہ ہندوؤں کی آغوش میں راحت محسوس کر رہا ہے۔ مجھے تسلیم کرنا چاہیئے کہ اس غیر معمولی تبدیلی کی ذمہ داری کسی حد تک مسلمانوں پر بھی عائد ہوتی ہے جنہوں نے سکھوں کو اپنے ساتھ ملانے میں پُوری توجہ اور جدّوجہد سے کام نہیں لیا۔ مگر اس انقلاب کا اصل سہرا ہندو سیاست کے سر ہے جس نے اتنے قلیل عرصہ میں اپنی گہری تدبیر کے ذریعہ سکھ کو گویا بالکل اپنا بنا لیا ہے۔ لیکن جس اتحاد کی بنیاد محض دوسروں کی نفرت وعداوت کے جذبہ پر ہو وہ زیادہ دیرپا نہیں ہوا کرتا اور سمجھ دار سکھوں کی آنکھیں آہستہ آہستہ اس تلخ حقیقت کے دیکھنے کے لئے کھُل رہی ہیں کہ ان کے لئے پنجاب میں ہندوؤں کی ساجھی سو فیصدی خسارہ کا سودا ہے۔ "پنجاب کی تقسیم" یا "پنجاب کا بٹوارہ" ایک ایسا نعرہ ہے جس کے وقتی طلسم میں ہندو سیاست نے سکھ کو مخمور کر رکھا ہے۔ مگر کیا کبھی کسی دانشمند سکھ نے ٹھنڈے دل سے اس حقیقت پر غور کیا ہے کہ پنجاب کی مزعومہ تقسیم کے نتیجہ میں سکھ کیا لے رہا ہے اور کیا دے رہا ہے۔ یہ دو ٹھوس حقیقتیں بچے بچے کے علم میں ہیں کہ (۱) پنجاب میں سکھ تیرہ [۱۳] فیصدی ہے اور (۲) پنجاب کے ۲۹ ضلعوں میں سے کوئی ایک ضلع بھی ایسا نہیں ہے جس میں سکھوں کی اکثریت ہو۔ کیا اس روشن صداقت کے ہوتے ہوئے پنجاب کی کوئی تقسیم سکھ مفاد کو فائدہ پہنچا سکتی ہے؟ جو قوم ہر لحاظ سے اور ملک کے ہر حصہ میں اقلیت ہے۔ وہ ملک کے بٹنے سے بہرحال مزید کمزوری کی

طرف جائے گی اور ملک کی ہر تقسیم خواہ وہ کسی اصول پر ہو اس کی طاقت کو کم کرنے والی ہو گی نہ کہ بڑھانے والی۔ یہ کہنا کہ فلاں حصہ کے الگ ہو جانے سے اس حصہ میں سکھوں کی آبادی کا تناسب بڑھ جائیگا ایک خطرناک سیاسی دھوکا ہے۔ کیونکہ بہر صورت پنجاب کے دونوں حصوں میں سکھ ایک کمزور اقلیت رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں ایک حصہ کے اندر تناسب آبادی میں خفیف سی زیادتی کی وجہ سے اپنی مجموعی طاقت کو بانٹ لینا خودکشی سے کم نہیں۔ برطانوی پنجاب میں سکھوں کی موجودہ آبادی ساڑھے سینتیس[۳۷½] لاکھ ہے اور اُن کی آبادی کا تناسب تیرہ[۱۳] فی صدی ہے۔ اب موجودہ تجویز کے مطابق پنجاب اس طرح بانٹا جارہا ہے کہ ایک حصہ میں پونے سترہ[۱۶¾] لاکھ سکھ چلا جاتا ہے اور دوسرے میں پونے اکیس[۲۰¾] لاکھ۔ اور جس حصہ میں پونے اکیس[۲۰¾] لاکھ جاتا ہے وہاں اُن کی آبادی قریباً اٹھارہ[۱۸] فی صدی ہو جاتی ہے اور دُوسرے حصہ میں قریباً دس فی صدی رہ جاتی ہے تو کیا اس صُورت میں دُنیا کا کوئی سیاستدان یہ خیال کر سکتا ہے کہ ایسی تقسیم سکھوں کے لئے مفید ہو گی جہاں وہ تیرہ[۱۳] فی صدی سے قریباً اٹھارہ[۱۸] فی صدی ہو جائیں گے وہاں بھی بہر حال وہ ایک کمزور اقلیت رہیں گے اور ان کے لئے تناسب آبادی کا خفیف فرق عملاً بالکل بے نتیجہ اور بے سُود ہو گا۔ مگر دوسری طرف یہ تقسیم ان کی مجموعی طاقت کو دو حصوں میں بانٹ کر (یعنی ۳۷ کی بجائے ۱۶ اور ۲۱ کے دو حصے کرکے) ان کی قومی طاقت کو سخت کمزور کر دے گی۔ یہ ایک ٹھوس اور بیّن حقیقت ہے جسے دُنیا کا کوئی مسلّمہ سیاسی اصول رد نہیں کر سکتا۔ اگر پنجاب ایک رہے تو سکھ قوم ساڑھے سینتیس[۳۷½] لاکھ کی ایک زبردست متحد جماعت ہے جس کا سارا زور ایک ہی نقطہ پر جمع رہتا ہے۔ لیکن اگر پنجاب بٹ جائے تو خواہ وہ کسی اصول پر بٹے سکھوں کی طاقت بہرحال دو حصوں میں بٹ جائے گی اور دوسری طرف ان کے آبادی کے تناسب میں بھی کوئی معتد بہ فرق نہیں آئے گا اور وہ بہرصورت دونوں حصوں میں ایک کمزور اقلیت ہی رہیں گے۔ کیا یہ حقائق اس قابل نہیں کہ سمجھدار سکھ لیڈر ان پر ٹھنڈے دل سے غور کریں؟

یہ کہنا کہ پنجاب کے مختلف ضلعے یا زیادہ صحیح طور پر یُوں کہنا چاہیئے کہ مختلف حصے آبادی کی نسبت سے نہیں بٹنے چاہئیں بلکہ مختلف قوموں کی جائداد اور مفاد کی بنیاد پر بٹنے چاہئیں ایک طفل تسلّی سے زیادہ نہیں کیونکہ

اوّل تو یہ مطالبہ دُنیا بھر کے مسلّمہ سیاسی اصولوں کے خلاف ہے اور جمہوریت کا بنیادی نظریہ اس خیال کو دُور سے ہی دھکّے دیتا ہے۔

دُوسرے جائدادیں ایک آنی جانی چیز ہیں اور ان پر اس قسم کے مستقل قومی حقوق کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی جو انسانی جانوں اور ان جانوں کے تحفظ اور ترقی سے تعلق رکھتے ہیں۔

تیسرے اس سوال کو اُٹھانے کا یہ مطلب ہے کہ ملک کے نئے دَور کی سیاست کی بنیاد مساواتِ انسانی پر رکھنے کی بجائے روزِ اوّل سے ہی انفرادی برتری اور جماعتی تفوّق اور جبر و استبداد پر رکھی جائے جس کے خلاف غریب ہندوستان صدیوں سے لڑتے ہوئے آج خدا خدا کر کے آزادی کا مُنہ دیکھنے لگا ہے۔

چوتھے سکھوں کی یہ جائدادیں بڑی حد تک اُن کی حکومت کے زمانہ کی یادگار ہیں جبکہ اُن میں سے کئی ایک نے اولاً اپنی طوائف الملوکی کے زمانہ میں اور بعدہٗ اپنی استبدادی حکومت کے دوران میں دوسرے حقداروں سے چھین کر ان جائیدادوں کو حاصل کیا۔ تو کیا یہ انصاف و دیانتداری کا مطالبہ ہے کہ اس رنگ میں حاصل کئے ہوئے اموال پر آئندہ سیاست کی بنیاد رکھی جائے ہم ان کی یہ جائیدادیں اُن سے واپس نہیں مانگتے۔ جو مال ان کا بن چکا ہے وہ انہیں مبارک ہو مگر ایسے اموال پر سیاسی حقوق کی بنیاد رکھنا جو آج سے چند سال قبل کسی اَور کی ملکیت تھے، دیانتداری کا طریق نہیں ہے۔

پانچویں۔ دُنیا کا بہترین مال انسان کی جان ہے جو نہ صرف دوسرے مالوں سے افضل اور برتر ہے بلکہ ہر قسم کے دوسرے اموال کے پیدا کرنے کا حقیقی ذریعہ ہے۔ پس جان اور نفوس کی تعداد کے مقابلہ پر پیسے کو پیش کرنا ایک ادنیٰ ذہنیت کے مظاہرہ کے سوا کچھ نہیں۔

چھٹے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سکھوں کی جائیداد کی مالیت واقعی زیادہ ہے کیونکہ جائیداد کی قیمت عمارتوں کی اینٹوں یا زمین کے ایکڑوں پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ بہت سی باتوں کا مجموعی نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ اور جب تک ان ساری باتوں کا غیر جانبدارانہ جائزہ نہ لیا جائے۔ سکھوں کا یہ دعویٰ کہ ہماری جائیدادیں زیادہ ہیں۔ ایک خالی دعویٰ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا خصوصاً جبکہ ابھی تک ایکڑوں کا صحیح قوم وار تناسب بھی گنتی میں نہیں لایا جا سکا۔

سکھ صاحبان کا یہ خیال کہ ہندو اور ہم ایک ہیں اور اس لئے ان کے ساتھ مل کر مشرقی پنجاب میں ہماری اکثریت ہو جائے گی پہلے دھوکے سے بھی زیادہ خطرناک دھوکا ہے کیونکہ اس میں ایک ایسے پیچیدار اصول کا واسطہ پڑتا ہے جس کا حل نہ ہندو کے پاس ہے اور نہ سکھ کے پاس۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہندو اور سکھ ایک قوم ہیں؟

اس سوال کے امکاناً دو ہی جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہاں وہ ایک قوم ہیں اور دوسرے یہ کہ نہیں بلکہ وہ دو مختلف قومیں ہیں جن کا مذہب اور تہذیب و تمدن جداگانہ ہے مگر ان کا آپس میں سیاسی سمجھوتہ ہے۔ اب ان دونوں جوابوں کو علیحدہ علیحدہ لے کر دیکھو کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ اگر سکھ اور ہندو ایک قوم ہیں تو ان کا اس غرض سے پنجاب کو دو حصوں میں بانٹنے کا مطالبہ کہ انہیں اس ذریعہ سے ایک علیحدہ گھر اور وطن میسر آجاتا ہے۔ بالبداہت باطل ہو جائے گا کیونکہ جب سکھ اور ہندو ایک ہیں تو ظاہر ہے کہ مستقبل کے ہندوستان میں جتنے بھی صوبے ہوں گے وہ جس طرح ہندوؤں کا گھر اور وطن ہوں گے اسی طرح سکھوں کا بھی گھر اور وطن ہوں گے۔ اور اگر یہ کہو کہ پنجابی سکھوں کا وطن کونسا ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو جب ہندو اور سکھ ایک قوم تسلیم کئے گئے تو پنجابی سکھ کے علیحدہ وطن کا سوال ہی نہیں اُٹھ سکتا۔ جب سکھ بھی ہندوستان کی دسیع ہندو جاتی کا حصہ ہے تو ظاہر ہے کہ جب ہندو جاتی کو وطن مل گیا تو لازماً سکھ کو بھی مل گیا۔ اور اس کا علیحدہ مطالبہ سراسر باطل ہے۔ دُوسرے اگر ہندو قوم کے ساتھ ایک ہوتے ہوئے پنجابی سکھ کو علیحدہ وطن کی ضرورت ہے تو یو پی اور بہار اور مدراس وغیرہ کے مسلمانوں کو کیوں علیحدہ وطن کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ پنجاب کے ۲۷ لاکھ سکھ کے مقابل پہ یُو پی کا مسلمان ۸۴ لاکھ اور بہار کا مسلمان ۴۷ لاکھ ہے۔ اگر مسلمان اپنے سوا کروڑ کمزور بھائیوں کو یُو۔ پی اور بہار میں ہندوؤں کے رحم پر چھوڑ سکتے ہیں تو پنجاب کے ۲۷ لاکھ سکھ جو بقول خود بہادر بھی ہیں اور صاحبِ مال و زر بھی، پنجاب کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کیوں نہیں رہ سکتے۔

دوسرا امکانی پہلو یہ ہے کہ سکھ ہندوؤں سے ایک الگ اور مستقل قوم ہیں اور علیحدہ مذہب اور علیحدہ تمدن رکھتے ہیں جس کی علیحدہ حفاظت کی ضرورت ہے تو اس صورت میں سوال یہ ہے کہ پنجاب کی تقسیم ان کے لئے کونسا حفاظت کا رستہ کھولتی ہے؟ وہ بہرحال پنجاب کے

مشرقی حصہ میں بھی ایک اقلیت ہوں گے جو وسیع ہندو اکثریت کے رحم پر ہوگی اور اکثریت بھی وہ جو صرف انہی کے علاقہ میں اکثریت نہیں ہوگی بلکہ سارے ہندوستانی صوبوں کی بھاری اکثریت اس کی پُشت پر ہوگی۔ یہ ماحول کس زندہ اور مستقل قوم کو چین کی نیند سونے دے سکتا ہے؟ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب قومیں دو ہیں تو پھر ان کا موجودہ سیاسی سمجھوتہ بھی کسی اعتبار کے قابل نہیں۔ کیونکہ اُسے کل کے حالات بدل کر کچھ کی کچھ صورت دے سکتے ہیں۔ چنانچہ اُوپر والے مضمون میں ہی ماسٹر تارا سنگھ صاحب لکھتے ہیں کہ

> "لڑائی جھگڑے تو زمانہ کے حالات کے ماتحت ہوتے اور مٹتے رہتے ہیں۔ نہ کبھی کسی قوم سے دائمی لڑائی ہو سکتی ہے اور نہ دائمی صُلح۔ اب بھی ہمارا مسلمانوں کے ساتھ کبھی جھگڑا ہوگا اور کبھی صلح ہوگی۔ یہی صورت ہندوؤں کے ساتھ ہونی ضروری ہے۔"
>
> (سنت سپاہی اگست ۱۹۴۶ء)

اور ماسٹر تارا سنگھ صاحب کے خیال پر ہی بس نہیں، دُنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ دو مستقل قوموں میں اس قسم کے عارضی سیاسی سمجھوتے ہرگز اس قابل نہیں ہوا کرتے کہ ان کے بھروسہ پر ایک قوم اپنی طاقت کو کمزور کر کے ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو دوسری قوم کے رحم پر ڈال دے۔ اور سکھ صاحبان تو اپنی گذشتہ ایک سالہ تاریخ میں ہی ایک تلخ مثال دیکھ چکے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ وہ پھر بھی حقائق سے آنکھیں بند رکھنا چاہتے ہیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ گذشتہ فسادات میں سکھوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں نقصان پہنچا ہے۔ اس لئے انہیں مسلمانوں پر اعتبار نہیں رہا۔ مَیں گذشتہ ڈھائی ماہ کی تلخ تاریخ میں نہیں جانا چاہتا مگر اس حقیقت سے بھی آنکھیں بند نہیں کی جا سکتیں کہ سب جگہ مسلمانوں کی طرف سے پہل نہیں ہوئی اور زیادہ ذمہ واری پہل کرنے والے پر ہوا کرتی ہے اور فسادات تو جنگل کی آگ کا رنگ رکھتے ہیں جو ایک جگہ سے شروع ہو کر سب حصوں میں پھیل جاتی ہے اور خواہ اس آگ کا لگانے والا کوئی ہو۔ بعد کے شعلے بلا امتیاز سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتے ہیں۔ مَیں اس دعویٰ کی ذمہ واری نہیں لے سکتا کہ مسلمانوں نے کسی جگہ بھی زیادتی نہیں کی۔ لیکن کیا سکھ صاحبان یہ یقین رکھتے ہیں کہ سکھوں نے بھی کسی جگہ زیادتی نہیں کی؟ آخر امرتسر میں چوک

پراگ داس وغیرہ کے واقعات لوگوں کے سامنے ہیں اور پھر کئی جگہ بعض بے اصول ہندوؤں نے تیلی لگا کر سکھوں اور مسلمانوں کو آگے کر دیا ہے اور بالآخر کیا سکھوں کے موجودہ حلیفوں نے بہار میں ہزارہا کمزور اور بالکل بے بس مسلمانوں پر وہ قیامت برپا نہیں کی تھی جس کی تباہی اور قتل و غارت کو نہ پنجاب پہنچ سکتا ہے اور نہ نواکھلی یا کوئی اور علاقہ۔ پس اگر گلے شکوے کرنے لگو تو دونوں قوموں کی زبانیں کھل سکتی ہیں۔ لیکن اگر ملک کی بہتری کی خاطر "معاف کر دو اور بھول جاؤ" کی پالیسی اختیار کرنا چاہو تو اس کے لئے بھی دونوں قوموں کے لئے اچھے اخلاق کے مظاہرہ کا رستہ کھلا ہے۔ مَیں تو شروع سے ہی اپنے دوستوں سے کہتا آیا ہوں کہ موجودہ فسادات کا سلسلہ ایک دورِ سوء VICIOUS CIRCLE کا رنگ رکھتا ہے۔ احمد آباد کے بعد کلکتہ اور کلکتہ کے بعد نواکھلی اور نواکھلی کے بعد بہار اور گڑھ مکتیسر اور بہار اور گڑھ مکتیسر کے بعد پنجاب و سرحد اور اس کے بعد خدا جانے کس کس کی باری آنے والی ہے الا جبتک کوئی قوم جُرأت کے ساتھ اس زنجیر کی کسی کڑی کو درمیان سے توڑ نہیں دے گی اس آگ کا ایک شعلہ دوسرے شعلہ کو روشن کرتا جائے گا جبتک یا تو یہ دونوں قومیں آپس میں لڑ لڑ کر تباہ ہو جائیں گی اور یا قتل و غارت سے تھک کر انسان بننا سیکھ لیں گی۔ انتقام کی کڑی ہمیشہ صرف جرأت کے ساتھ اور عفو اور درگذر کے عزم کے نتیجہ میں ہی توڑی جا سکتی ہے ورنہ یہ ایک دلدل ہے جس میں سے اگر ایک پاؤں پر زور دے کر اُسے باہر نکالا جائے تو دوسرا پاؤں اَور بھی گہرا دھنس جاتا ہے۔ پس اگر ملک کی بہتری چاہتے ہو تو مسلمان کو بہار اور گڑھ مکتیسر کو بھلانا ہوگا اور ہندو اور سکھ کو نواکھلی اور پنجاب کو۔ ہاں ان واقعات سے بہت سے سبق بھی سیکھنے والے ہیں جو دونوں قومیں انتقام کے جذبہ کو قابو میں رکھ کر ہی سیکھ سکتی ہیں۔

مَیں سکھ صاحبان سے یہ بات بھی کہنا چاہتا ہوں کہ وہ موجودہ جوش و خروش کی حالت میں اس بات کو ہرگز نہ بھولیں کہ عموماً دو قوموں کے درمیان تین بنیادوں پر ہی سمجھوتے ہوا کرتے ہیں۔ اوّل یا تو اُن کے درمیان مذہبی اصولوں کا اتحاد ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اکٹھا رہنا چاہتی ہیں۔ اور یا دوم ان کا تہذیب و تمدن ایک ہوتا ہے اور یا سوم ان کے اقتصادی نظریئے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اب اگر ان تینوں لحاظ سے دیکھا جائے تو سکھ کا سمجھوتہ مسلمان سے ہونا چاہیئے نہ کہ ہندو کے ساتھ۔ کیونکہ

اوّل تو سکھوں اور مسلمانوں کے مذہبی اصول ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہیں کیونکہ دونوں قومیں توحید کی قائل ہیں اور ان کے مقابل پہ ہندو لوگ مشرک اور بُت پرست ہیں جن کے ساتھ سکھوں کا مذہبی لحاظ سے کوئی بھی اشتراک نہیں اور اسی لئے ماسٹر تارا سنگھ صاحب نے صاف طور پہ مانا ہے کہ

"مذہبی اصولوں کے لحاظ سے سکھ مسلمانوں سے زیادہ قریب ہیں"

دُوسرے تہذیب و تمدّن بھی مُسلمانوں اور سکھوں کا بہت ملتا جلتا ہے کیونکہ دونوں سادہ زندگی رکھنے والے اور فیّاض جذبات کے مالک اور قدیم مہمان نوازی کے اصولوں پر قائم ہیں اور اس کے مقابل پر ہندو تمدّن اس سے بالکل مختلف ہے۔

تیسرے اقتصادی نقطۂ نگاہ کے لحاظ سے بھی مُسلمان اور سکھ ایک دوسرے کے بہت زیادہ قریب ہیں کیونکہ دونوں کی اقتصادیات کا اسّی فیصدی حصّہ محاصل اراضی اور فوجی پیشے اور ہاتھ کی مزدوری سے تعلق رکھتا ہے۔ مَیں نے اکثر دیکھا ہے کہ ایک سکھ اور مسلمان زمیندار آپس میں اس طرح گھُل مِل جاتے ہیں کہ گویا وہ ایک ہی ہیں۔ مگر یہ ذہنی اور قلبی اتحاد ایک ہندو اور سکھ کو نصیب نہیں ہوتا۔

پس مَیں اپنے سکھ ہموطنوں سے دردمندانہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ گذشتہ واقعات کو بھُلا کر اپنے مستقل اور فطری مفاد کی طرف توجّہ دیں۔ دیکھو ہر زخم کے لئے خدا نے ایک مرہم پیدا کی ہے اور قومی زخم بھی بھُلانے سے بھلائے جا سکتے ہیں۔ مگر غیر فطری جوڑ کبھی بھی پائدار ثابت نہیں ہوا کرتے۔ اگر ایک آم کے درخت کی شاخ نے دوسرے آم کی شاخ کے ساتھ ٹکرا کر اُسے توڑا ہے تو بیشک یہ ایک زخم ہے جسے مرہم کی ضرورت ہے۔ مگر یہ حقیقت پھر بھی قائم رہیگی کہ جہاں پیوند کا سوال ہوگا آم کا پیوند آم کے ساتھ ہی قائم ہوگا۔ دو لڑنے والے بھائی لڑائی کے باوجود بھی بھائی رہتے ہیں۔ مگر دو غیر آدمی عارضی دوستی کے باوجود بھی ایک نہیں سمجھے جا سکتے۔ ہم ہندوؤں کے بھی خلاف نہیں۔ وہ بھی آخر اسی مادرِ وطن کے فرزند ہیں اور بہت سی باتوں میں ان سے بھی ہمارا اشتراک ہے اور ہماری دلی خواہش تھی کہ کاش ہندوستان بھی ایک رہ سکتا۔ لیکن اگر ہندوستان کو مجبوراً بٹنا پڑا ہے تو کم از کم پنجاب تو تقسیم ہونے سے بچ جائے تا اُسے مسلمان بھی اپنا کہہ سکیں۔

اور سکھ بھی اور اس کے اندر بسنے والے ہندو بھی اور شاید پنجاب کا خمیر آئندہ چل کو ہندوستان کو بھی باہم ملا کر ایک کر دے لیکن جب تک یہ بات میسّر[ا] نہیں آتی۔ اس وقت تک کم از کم مسلمان اور سکھ تو ایک ہو کر رہیں۔ یہ جذبہ خود سمجھدار سکھ لیڈروں میں بھی پیدا ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ گیانی شیر سنگھ فرماتے ہیں :-

"شمالی ہندوستان کے امن کی ضمانت سکھ مُسلم اتحاد ہے . . . . اگر کوئی شخص سکھ مُسلم فساد کے زہر کا بیج بوتا ہے تو وہ مُلک کا اور خدا کا اور نسلِ انسانی کا دشمن ہے"

(اخبار "پنجاب" امرتسر ۱۱ر جنوری ۱۹۴۷ء)

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہندو کو ہندوستان کے باقی صوبوں میں وطن مل رہا ہے اور مسلمان کو پنجاب وغیرہ میں۔ کیا اچھا ہوتا کہ سکھ بھی اتنی تعداد میں ہوتا اور اس صورت میں آباد ہوتا کہ اُسے بھی ایک وطن مل جاتا۔ لیکن افسوس ہے کہ موجودہ حالات میں اس کمی کا ازالہ کسی کے اختیار میں نہیں ہے کیونکہ پنجاب کو خواہ کسی صورت میں بانٹا جائے سکھ بہرحال اقلیت میں رہتا ہے۔ بلکہ دو حصّوں میں بٹنے سے اپنی طاقت کو اَور بھی کم کر دیتا ہے۔ تو پھر کیوں نہ وہ اس قوم کے ساتھ جوڑ ملائے جس کے ساتھ اس کا پیوند ایک طبعی رنگ رکھتا ہے اور پھر اس کے بعد محبّت اور تعاون کے طریق پر اور ترقی کے پُر امن ذرائع کو عمل میں لا کر اپنی قوم کو بڑھائے اور اپنے لئے جتنا بڑا چاہے وطن پیدا کرے۔

آج سے پچاس سال قبل سکھ پنجاب میں صرف بیس بائیس لاکھ تھے مگر اب اس سے قریباً دو گنے ہیں۔ اسی طرح آج سے چالیس سال قبل مسلمان پنجاب میں اقلیت کی حیثیت رکھتے تھے مگر اب وہ ایک قطعی اکثریت میں ہیں اور اس کے مقابل پر ہندو برابر کم ہوتا گیا ہے۔ پس اس قدرتی پھیلاؤ اور سکیڑ کو کون روک سکتا ہے؟ پس سکھوں کو چاہیئے کہ غصہ میں آکر اور وقتی رنجشوں کی رَو میں بہہ کر اپنے مستقل مفاد کو نہ بھُلائیں۔ انہیں کیا خبر ہے کہ آج جس قوم کے ساتھ وہ سمجھوتہ کر کے پنجاب کو دو حصّوں میں بانٹنا چاہتے ہیں۔ وہ کل کو اپنی وفاداری کا عہد نہ نبھا سکے اور پھر سکھ نہ اِدھر کے رہیں اور نہ اُدھر کے۔ اُن کے لئے بہرحال حفاظت اور ترقی کا

[ا] سہو کتابت سے "نیسر ہے" لکھا گیا (ناقل)

بہترین رستہ یہی ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ ایک باعزت سمجھوتہ کر لیں اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ اُن کے جائز اور معقول مطالبات کو فراخدلی کے ساتھ قبول کریں۔

بالآخر سکھ صاحبان کو یہ بات بھی ضرور یاد رکھنی چاہیئے کہ خواہ کچھ ہو سکھوں کے لاتعداد مفاد وسطی اور شمالی اور مغربی پنجاب کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ان کے بہت سے مذہبی مقامات اُن علاقوں میں واقعہ ہیں۔ ان کی بہترین جائدادیں ان علاقوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے بہت سے قومی لیڈر انہیں علاقوں میں پیدا ہوئے اور انہیں میں جوان ہوئے اور انہیں میں بس رہے ہیں اور پھر ان کی قوم کا بہترین اور غالباً مضبوط ترین حصہ جسے سکھ قوم کی گویا جان کہنا چاہیئے انہیں علاقوں میں آباد ہے۔ تو کیا وہ ہندو قوم کے عارضی سیاسی سمجھوتہ کی وجہ سے جس کا حشر خدا کو معلوم ہے اپنے ان وسیع مفاد کو چھوڑ کر مشرقی پنجاب میں سمٹ جائیں گے؟

خالصہ! ہوشیار باش۔ خالصہ! ہوشیار باش"[1]

پنجاب کی قسمت کا فیصلہ

ان لاجواب مضامین سے (جو اُس دَور کی تحریک پاکستان کا انتہائی قیمتی اور موجب صد افتخار علمی سرمایہ ہیں) یہ حقیقت کھُل کر سامنے آجاتی ہے کہ جماعت احمدیہ نے آخری مرحلہ تک تقسیم پنجاب کو رُکوانے کی سرفروشانہ کوششیں برابر جاری رکھیں لیکن چونکہ فرقہ دارانہ کشیدگی انتہاء کو پہنچ چکی تھی اور کانگرس نے سکھوں کے دل و دماغ میں پاکستان کے خلاف نفرت و حقارت کی بے پناہ آگ بھر دی تھی اس لئے ۲۳؍جون ۱۹۴۷ء کو غیر مُسلم ممبران اسمبلی کی اکثریت نے پنجاب کی تقسیم کے حق میں ووٹ ڈالے اور پانچ دریاؤں کی سرزمین اپنی وحدت کھو بیٹھی اور پھر مسلمانوں کی آزمائش کا ایسا خونین باب کھُل گیا جس کے سامنے مُسلم سپین کی تباہی کے المناک ترین مناظر بھی ہیچ نظر آنے لگے۔

---

[1] "الفضل" ۹ ہجرت / مئی ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ تا ۵۔

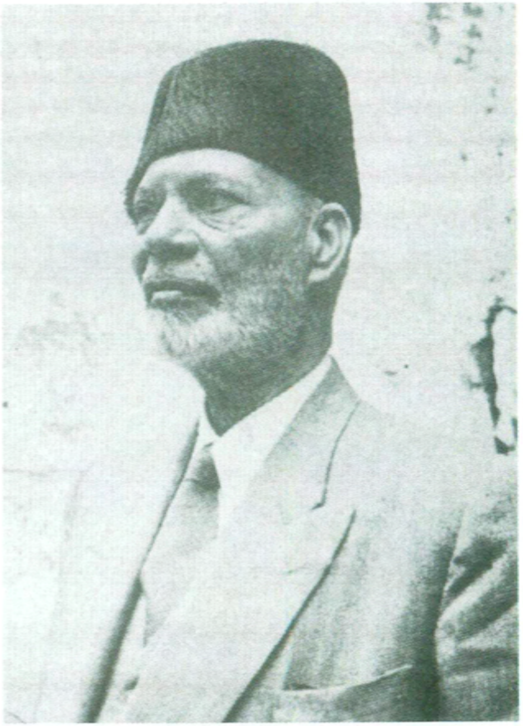

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب

جناب مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور

فصل ہشتم

حد بندی کمیشن کیلئے تیاری کے ابتدائی اقدامات۔ امریکہ اور برطانیہ سے بذریعہ ہوائی جہاز قیمتی لٹریچر کی درآمد۔ لنڈن سکول آف اکنامکس کے ممتاز جغرافیہ دان مسٹر سپیٹ کی خدمات کا حصول۔ نائب وزیر ہند کے بیان پر شدید احتجاج۔ جماعت احمدیہ کا میمورنڈم اور جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی وکالت۔ استصواب سرحد کیلئے جماعت احمدیہ کی

سنہری خدمات

خفیہ سرکلر ۴؍جون ۱۹۴۷ء کو یعنی تقسیم پنجاب کے دوسرے ہی روز اخبار "ٹریبیون" نے اپنے نامہ نگار خصوصی کے قلم سے یہ خبر شائع کی کہ ایک خفیہ سرکلر کے ذریعہ سکھ تنظیموں کی تمام صوبائی شاخوں کو مطلع کیا گیا ہے کہ ہندو اور سکھ وکلاء حد بندی کمیشن کے روبرو مندرجہ ذیل خطوط پر اپنا کیس پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں:۔

۱۔ پاکستانی حدود کم سے کم کر دی جائیں تا زیادہ سے زیادہ علاقہ مشرقی پنجاب میں شامل ہو سکے۔

۲۔ آبادی اور جائدادوں کے تبادلہ کا سوال بہت اہم ہے۔

۳۔ رہتک، گوڑگاؤں، کرنال اور حصار کے وہ حصے جہاں ہندی بولی جاتی ہے صوبہ میرٹھ اور دلّی کے ساتھ ملحق کئے جائیں اور باقیماندہ مشرقی پنجاب کو جس میں پنجابی بولنے والے سکھوں اور ہندوؤں کی اکثریت ہے سکھوں کا قومی گھر بنا دیا جائے۔

۴۔ سکھوں کی دفاعی خدمات اور قربانیوں کے پیش نظر مشرقی پنجاب اور ہندوستان میں ان کی سیاسی پوزیشن کو مضبوط کیا جائے اور انہیں خاص وزن دیا جائے۔

۵۔ اُن کے مقدس مقامات کی زیارت کا حق اور ان کی جائدادوں کا انتظام انہی کے کنٹرول میں ہو اور قومی معاہدات کے ذریعہ ان کی حفاظت کی ضمانت دی جائے۔

۶۔ اس بات کی انتہائی جد و جہد کی جائے کہ شہیدی بار (بشمول ننکانہ صاحب تحصیل شیخوپورہ تحصیل گوجرانوالہ اور ضلع لائل پور) کا الحاق مشرقی پنجاب سے کیا جائے۔

۷۔ گذشتہ ساٹھ ستر برس میں سکھوں نے لائل پور، سرگودھا، شیخوپورہ، ملتان اور منٹگمری کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ تنہا لائل پور کا ضلع، جالندھر اور انبالہ کی ڈویژنوں سے زیادہ مالیہ ادا کرتا ہے سکھوں نے یہاں نہریں کھدوائیں اور تمام سرمایہ ان علاقوں میں لگا دیا۔ لہٰذا وہ ان اضلاع کے آدھے رقبہ کے یقیناً حقدار ہیں۔

۸۔ وہ علاقے جو مشرقی پنجاب میں شامل نہ کئے جائیں ان میں فسادات کی روک تھام کے لئے تبادلہ آبادی کی سہولت ضرور مہیا کی جانی چاہیئے۔ (ملخصاً)

حد بندی کمیشن کے ارکان اور صدر کا تقرر اور دریائے چناب کو مشرقی حد مقرر کرنے کا سکھ مطالبہ

۳۰ جون کو پنجاب اور بنگال کے سرحدی کمشنوں کے ممبروں کا اعلان کر دیا گیا۔ پنجاب کے کمیشن کے ممبر جسٹس دین محمد، جسٹس محمد منیر، جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ مقرر کئے گئے۔[1] ازاں بعد ۵ جولائی کو پنجاب اور بنگال کمشنوں کا صدر سر سیرل ریڈکلف کو مقرر کیا گیا۔[2] اور ۸ جولائی کو سکھوں نے یہ مطالبہ کیا کہ حد بندی کمیشن کو چاہیئے کہ وہ مشرقی پنجاب کی حد دریائے چناب کو مقرر کرے ورنہ سکھ ۳ جون کی برطانوی سکیم کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ اس تجویز نے پنتھ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔[3]

محضر نامے بھجوانے کی آخری تاریخ

حد بندی کمیشن کا پہلا اجلاس ۱۴ جولائی ۱۹۴۷ء کو لاہور میں ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ جو جماعتیں صوبے کی تقسیم کے متعلق کوئی میمورنڈم کمیشن کے سامنے پیش کرنا چاہیں وہ زیادہ سے زیادہ ۱۸ جولائی کو چار بجے بعد دوپہر تک پیش کر دیں۔ ہر میمورنڈم کے ساتھ چار زائد نقول اور ایسے نقشے بھی پیش کئے جائیں جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ صوبے کی حد کس جگہ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ تمام میمورنڈم کمیشن کے سیکرٹری کے دفتر واقع پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی میں پیش کئے جائیں۔ کسی پرائیویٹ شخص کا میمورنڈم وصول نہیں کیا جائے گا۔[4]

---

[1] "الفضل" ۲ وفا/جولائی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸۔
[2] "الفضل" ۷ وفا/جولائی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸۔
[3] " ۸ " " صفحہ ۱۔
[4] " ۱۶ " " صفحہ ۸۔

متنازعہ فیہ اضلاع کا اعلان

کمیشن نے اس روز صوبہ کے ۲۹ اضلاع میں سے پندرہ (۱۵) اضلاع کو متنازعہ فیہ اضلاع قرار دیا۔ جن میں گورداسپور اور لاہور کے ضلعے بھی شامل تھے حالانکہ ۳؍جون کی برطانوی سکیم میں ان کو قطعی طور پر مسلم اکثریت کا ضلع تسلیم کیا گیا تھا۔ ان متنازعہ فیہ اضلاع میں فوج متعین کر دی گئی[۱] تا اُن کی نسبت فیصلہ نشر ہونے پر امن و امان برقرار رکھا جاسکے۔

حدبندی کمیشن کا پروگرام

حدبندی کمیشن نے ۱۵؍جولائی کے دوسرے اجلاس میں یہ پروگرام طے کیا کہ وہ ۲۱؍جولائی سے مختلف پارٹیوں کے دعاوی کی سماعت لاہور ہائیکورٹ میں شروع کر دے گا۔ پہلے چار دن ہندوؤں اور سکھوں کے وکلاء اور اس کے بعد چار دن مسلمانوں کے وکلاء اپنے دلائل دیں گے۔ پھر ایک دن ہندوؤں اور سکھوں کو مسلم لیگ کے دلائل کا جواب دینے کے لئے دیا جائے گا۔ اسی ضمن میں پولیس نے یہ اطلاع بھی دی کہ مسلم لیگ کی طرف سے چودھری سر محمد ظفراللہ خاں صاحب، ہندوؤں کی طرف سے بمبئی کے مشہور بیرسٹر مسٹر سیتلواد اور سکھوں کی طرف سے سردار ہرنام سنگھ ایڈووکیٹ پیش ہوں گے۔[۲]

کمیشن کے متعلق خبر کی اشاعت پر گورنر پنجاب کی پابندی

۱۹؍جولائی کو گورنر پنجاب نے ایک حکم جاری کیا جس میں سرکاری اعلان کے سوا حدبندی کمیشن سے متعلق کوئی اطلاع یا تبصرہ سنسر کئے بغیر شائع کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔[۳]

جماعت احمدیہ کے کیس کی تیاری میں بھاری مُشکلات

جہاں ہندوؤں اور سکھوں کو اپنا کیس تیار کرنے میں بہت آسانیاں میسر تھیں وہاں مُسلم لیگ اور جماعت احمدیہ کے لئے یہ انتہائی سنگین اور ازحد کٹھن مرحلہ تھا۔ اوّل تو حدبندی کے اصول و قواعد جاننے والے ماہروں کا فی الفور دستیاب ہونا مشکل تھا۔ دُوسرے پنجاب کی مردم شماری (۱۹۴۱ء) کا ریکارڈ مہیا کر کے ایسے اعداد و شمار مرتب کرنا جن سے زیادہ سے زیادہ علاقہ مغربی پنجاب میں شامل ہو سکے، اور مختلف پاور اسٹیشنوں، نہروں اور دریاؤں پر مغربی پنجاب کے حقوق اور کنٹرول ثابت کرنا یہ سب کام ایک زبردست مہم کی حیثیت رکھتے تھے۔ تیسرے بین الاقوامی قوانین کی کتابیں اور مشہور باؤنڈری کمیشنوں کی ضروری اور تازہ رپورٹیں جو اس مقصد کی تکمیل کے لئے درکار تھیں وہ ملک میں ناپید تھیں اور ان کا نہایت تنگ وقت میں بیرونی ممالک سے منگوایا جانا بہت دشوار تھا اور اخراجات کا مسئلہ مزید برآں تھا۔

۱؎ "الفضل" ۲۴؍وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸ ٭ ۲؎ "الفضل" ۱۷؍وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸ ٭
۳؎ " ۲۱؍ " " ٭

حضرت مصلح موعود کی زیر ہدایت تیاری کے ابتدائی اقدامات

حضرت مصلح موعود نے اس معاملہ میں جس حیرت انگیز ذہانت اور غیر معمولی فہم و تدبر کا ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ ابھی پنجاب کی تقسیم کا فیصلہ بھی نہیں ہوا تھا کہ حضور نے صوبہ پنجاب کی مردم شماری کے تفصیلی اعداد و شمار جمع کرنے اور متعلقہ ضروری تیاری کرنے کا ابتدائی کام نہایت باقاعدگی سے شروع کرا دیا اور اس کی نگرانی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ناظر اعلیٰ کے سپرد فرمائی۔ اس سلسلہ میں "قیام امن و صلح" کے نام سے ایک خاص دفتر کا قیام بھی عمل میں لایا گیا اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد، حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیالؔ اور سلسلہ کے بعض دوسرے بزرگ اور مخلص خدام اس قومی اور ملی خدمت کے لئے ۳۱ جولائی ۱۹۴۷ء یعنی حد بندی کمیشن کی سماعت کے آخری اجلاس تک برابر مصروف عمل رہے۔ قادیان ہندی مسلمانوں کی واحد بستی تھی جہاں پاکستانی حدود کے آئینی تحفظ کے لئے جانفروشوں کی ایک جماعت (جن میں احمدی پروفیسر، ڈرافسمین اور نقشہ نویس خاص طور پر شامل تھے) دن رات ایک کئے ہوئے تھی اور دل سے متمنی تھی کہ ان کا مقدس مرکز بہرحال پاکستان میں شامل رہے۔ اس دور کا اکثر ریکارڈ اگرچہ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں غارت ہو گیا ہے مگر اس کے بعض کاغذات اب بھی تعلیم الاسلام کالج کی پرانی فائلوں میں محفوظ ہیں۔ ان کاغذات میں حلقہ پٹواری پٹھانکوٹ و شکرگڑھ کے ہر گاؤں کی تفصیلی مردم شماری مندرجہ ذیل نقشہ کی صورت میں درج ہے:۔

ضلع ________ تحصیل ________

حلقہ گرداور ________ حلقہ پٹواری ________

نمبر شمار	گاؤں	کل آبادی			ہندو					مسلم			سکھ			عیسائی			دیگر		
					شیڈولڈ کاسٹ و ادھرمی		دیگر ہندو														
		مرد	عورت	میزان	مرد	عورت	مرد	عورت	میزان	مرد	عورت	میزان	مرد	عورت	میزان	مرد	عورت	میزان	مرد	عورت	میزان

مردم شماری کی ان تفصیلات کے علاوہ ترکی عراق حد بندی کے متعلق لیگ آف نیشنز کمیشن ۲۶-۱۹۲۴ء کی پیش کردہ سفارشات کا مکمل متن بھی موجود ہے جو فل سکیپ سائز کے ۳۱ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے سرورق پر یہ الفاظ درج ہیں:۔

"FRONTIER SETTLEMENT BETWEEN TURKEY AND IRAQ RECOMMENDED BY LEAGUE OF NATIONS COMMISSION ON TURKO-IRAQ BOUNDRY 1924-26."

(سفارشات حد بندی مابین ترکی و عراق پیش کردہ لیگ آف نیشنز کمیشن ۲۶-۱۹۲۴ء)

اس ریکارڈ میں اس معاہدہ کا متن بھی شامل ہے جو ۱۹۲۶ء میں کُردوں کے متعلق برطانیہ اور عراق کے مابین قرار پایا۔

امریکہ سے بین الاقوامی باؤنڈری لٹریچر کی درآمد اور برطانیہ کے ایک ماہر جغرافیہ دان کی خدمات کا حصول

حضرت مصلح موعود نے مرکز میں کام شروع کرانے کے ساتھ ہی امریکہ اور یورپ کے مبلغین کو فوری ہدایت بھجوائی کہ وہ بین الاقوامی قانون حد بندی سے متعلق مشتمل لٹریچر بھجوانے کے علاوہ کوئی ماہر خصوصی تلاش کریں اور اس سے ہندوستان آنے جانے کے اخراجات اور فیس کا تصفیہ کر کے اطلاع دیں۔

بین الاقوامی باؤنڈری لٹریچر مہیا کرنے اور اس کے ماہر کی تلاش میں جماعت احمدیہ کو کس قدر دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا کسی قدر اندازہ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔ اے۔ ایل ایل بی امام مسجد لندن کے ایک خط (مورخہ ۷؍جون ۱۹۴۷ء) سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے حضرت سیدنا المصلح الموعود کی خدمت میں لکھا "باؤنڈری کے ماہر کی تلاش جاری ہے۔ کل ہماری سالیسٹرز کی فرم نے مسٹر کیپویل کے۔ سی کا نام تجویز کیا جن کو انگلستان کی باؤنڈریز کے معاملات میں ماہر سمجھا جاتا ہے۔ سالیسٹرز نے کل کیپویل کے کلرک کو اور مجھے بلایا تا تفصیلی گفتگو کی جا سکے۔ ان کا کہنا ہے کہ بین الاقوامی حدود کا ماہر یہاں سے کوئی نہیں مل سکتا۔ لیکن دیگر ذرائع سے تلاش جاری ہے۔ لارڈ ہیلی نے خط لکھا ہے کہ وہ فارن آفس انفارمیشن سے پتہ کرا سکتے ہیں۔ ان کو لکھا گیا ہے کہ وہ پتہ کرا دیں۔ یونائیٹڈ نیشنز انفارمیشن سنٹر والوں نے جنیوا میں لیگ آف نیشنز کے دفتر کو باؤنڈری کمیشن کی رپورٹوں کے بارہ میں لکھنے کو کہا۔ "ٹائمز" اور "نیوز کرانیکل" نے تلاش میں مدد دینے

کا وعدہ کیا ہے۔ ہز میجسٹی سٹیشنری آفس سے جو رپورٹ ملی تھی وہ حضور کی خدمت میں بھیج دی گئی تھی۔ مزید مہیا کرنے سے اس نے لاعلمی کے باعث معذوری ظاہر کی۔ یہ رپورٹیں باؤنڈری کمیشن کے نام کے ماتحت شائع نہیں ہوئیں اور نہ ہی باؤنڈری انڈکس میں موجود ہیں۔ اس لئے جب تک دیگر عناوین جن کے ماتحت یہ شائع ہوئیں یا جن دیگر مطبوعات میں یہ شامل ہیں علم نہ ہو ان کو حاصل نہیں کیا جا سکتا . . . بندہ نے حضور کی خدمت میں ایمری کی تجویز تحریر کی تھی کہ سر والٹر مسکناٹن مشیر قانونی حیدر آباد کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

امام مسجد لنڈن نے ایک دوسرے مکتوب میں اطلاع دی کہ "COL: T.M PENNEY جو کہ ہندوستان میں سروے کے محکمہ میں ایک لمبا عرصہ رہا ہے اور آجکل کیبنٹ آفس میں جنگ کی تاریخ کے نقشوں کی تیاری پر متعین ہے پانچ ہزار روپیہ تنخواہ پر اور آمد و رفت کے خرچ اور رہائش کے انتظام پر آنے کے لئے تیار ہے"

آخر انتہائی جد وجہد اور بہت تلاش کے بعد امریکہ اور برطانیہ سے باؤنڈری لٹریچر دستیاب ہو گیا جو بذریعہ ہوائی جہاز ہندوستان پہنچا جس کے ڈاک خرچ پر ہزار روپیہ سے زائد رقم ادا کرنا پڑی۔

جہاں تک کسی باؤنڈری ایکسپرٹ کا تعلق تھا جماعت احمدیہ لنڈن سکول آف اکنامکس کے ایک ممتاز جغرافیہ دان ڈاکٹر اوسکر ایچ۔ کے سپیٹ (O.H.K. SPATE) کی خدمات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ مسٹر سپیٹ جلد ہی لنڈن سے ہندوستان پہنچ گئے اور یہ وضاحت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ ان کے تمام اخراجات جماعت احمدیہ نے برداشت کئے۔ مسٹر سپیٹ نے اپنی مشہور کتاب (INDIA AND PAKISTAN) (انڈیا اور پاکستان) کے متعدد مقامات پر قادیان کے حالات لکھے ہیں اور حاشیہ میں اپنے اس سفر کا بھی تذکرہ کیا ہے۔[۱]

جماعت احمدیہ کی طرف سے ضروری معلومات کی فراہمی اور نقشوں کی تیاری

جماعت احمدیہ کے مرکز کی طرف سے مسٹر سپیٹ کو جو ضروری معلومات بہم پہنچائی گئیں۔ ان کا مختصر خاکہ یہ تھا:۔

۱۔ مسلم لیگ اور مسلمانوں کی نگاہ میں ہندوستان اور پاکستان (انڈیا اور مسلم انڈیا) کا حقیقی تصور کیا ہے؟

---

[۱] صفحہ ۱۴۴ - ۱۸۹ تا ۱۹۲ - ۴۷۸ - یہ کتاب پہلی بار ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئی اور اس کے ناشرین مندرجہ ذیل ہیں:-

London: Methuen & Co. Ltd:

New York: E. P. Dutton & Co. Inc:

۲۔ مُسلم اکثریت کے سترہ[۱۷] اضلاع کونسے ہیں اور بارہ[۱۲] غیر مُسلم اکثریت کے اضلاع کون سے ؟

۳۔ مردم شماری ۱۹۴۱ء کے تفصیلی اعداد و شمار

۴۔ پنجاب باؤنڈری کمیشن کی تحقیقات کے لئے دائرہ کار (TERMS OF REFERENCE) کیا ہے۔ اس ضمن میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے ایک اہم انگریزی نوٹ بھی سپرد قلم فرمایا جس کا ترجمہ "الفضل" (۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء) میں بھی شائع ہوا۔

۵۔ گورداسپور واضح مُسلم اکثریت کا ضلع ہے اور قادیان ہیں جو اس کی تحصیل بٹالہ میں واقع ہے مسلمانوں کا تناسب نوّے فیصد سے بھی زیادہ ہے۔ مگر ان حقائق کے باوجود پاکستان کے مخالفوں کی نگاہیں ضلع گورداسپور اور خصوصاً تحصیل بٹالہ پر لگی ہوئی ہیں تا جماعت احمدیہ کے مرکز کو پاکستان سے الگ کرکے اس کی طاقت کو کمزور کر دیا جائے۔

۶۔ حد بندی کمیشن کے آئینی اختیارات کیا ہیں ؟

یہ اور اس نوعیت کی دوسری وسیع معلومات کے فراہم ہونے پر مسٹر سپیٹ حیران رہ گئے۔ چنانچہ جب وہ حد بندی کمیشن کا کام ختم کرکے انگلستان واپس گئے تو انہوں نے ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن اور اوورسیز لیگ کے ایک مشترکہ اجلاس میں جماعت احمدیہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:۔

"اس جماعت کی دعوت پر مَیں ایک ماہر جغرافیہ دان کی حیثیت سے ہندوستان گیا تھا۔ جہانتک میرے فن کا تعلق ہے میرا وہاں جانا ازدیادِ علم کا باعث ہوا اور میرے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔ اس کے علاوہ نہ صرف یہ کہ احمدیہ جماعت کی طرف سے مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی گئی بلکہ فنی امداد میں بھی کمالِ حُسنِ کارکردگی کا جو معیار پیش کیا گیا وہ حیرت میں ڈالنے والا تھا۔ مَیں کہہ سکتا ہوں کہ سلسلہ احمدیہ کی تنظیم اور وہ جذبہ جس پر پوری تنظیم کی بنیاد ہے یقیناً ازحد قابلِ تعریف ہے" [۱]

جماعت احمدیہ نے مسٹر سپیٹ کی مدد سے حد بندی کے لئے تمام ضروری مواد کو آخری شکل دی۔ اور تحصیل بٹالہ اور ضلع گورداسپور کے الگ الگ ایسے نقشے تیار کرائے جن میں گاؤں، ذیل، قانونگو کے حلقہ اور تھانوں کو یُونٹ قرار دیا گیا تھا۔

---

[۱] "الفضل" ۱۸ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء

حضرت مصلح موعود کی طرف سے قائداعظم کو خصوصی پیغام

باؤنڈری کمیشن کے لئے تیاری کے دوران دو اہم واقعات پیش آئے۔ جن کا ذکر کرنا ازبس ضروری ہے۔

پہلا واقعہ یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے اپنی طرف سے مولوی عبدالرحیم صاحب درد کو یہ پیغام دے کر قائداعظم محمد علی جناح کے پاس بھیجا کہ

"بیشک آپ ستلج[1] پر اصرار کریں لیکن یہ ساتھ ہی کہہ دیں کہ اگر ہمیں بیاس سے ورے دھکیلا گیا تو ہم نہ مانیں گے اور واقعہ میں نہ مانیں تب کامیاب ہوں گے ورنہ وہ بیاس سے ورے بھی دھکیل دیں گے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ سارا پنجاب ہی تقسیم نہ ہو۔ تاہم تقسیم کو تسلیم کر لیں تو محفوظ موقف ہمارا بیاس ہے ستلج نہیں"[2]

نائب وزیر ہند کے بیان پر قائداعظم اور جماعت احمدیہ کا شدید احتجاج

دوسرا اہم واقعہ یہ ہے کہ مسٹر آرتھر ہنڈرسن نائب وزیر ہند نے ۱۴؍ جولائی کو برطانوی پارلیمنٹ میں ہندوستان کی آزادی کے بل پر بحث کرتے ہوئے یہ بیان دیا کہ باؤنڈری کمیشن کا بڑا اصول یہ ہوگا کہ مسلم و غیر مسلم اکثریت کے متصل علاقوں کو پاکستان یا ہندوستان میں شامل کر دیا جائے۔ لیکن خاص حالتوں میں "دیگر امور" مثلاً سکھوں کی پوزیشن کا خاص خیال رکھا جائے گا۔

اس فتنہ انگیز بیان نے مسلمانوں میں تشویش و اضطراب کی ایک لہر دوڑا دی اور قائداعظم نے وائسرائے ہند کے پاس اس پر احتجاج کیا جو اسی دن برطانوی کابینہ تک پہنچا دیا گیا اور قائداعظم کو یقین دلایا گیا کہ مسٹر ہنڈرسن کے فقرے حد بندی کمیشن کے لئے ہدایت کا درجہ نہیں رکھتے۔[3]

اس سلسلہ میں جماعت احمدیہ کی طرف سے ۱۹؍ جولائی ۱۹۴۷ء کو مسٹر ایٹلی وزیر اعظم برطانیہ کے نام مندرجہ ذیل احتجاجی تار بھیجا گیا۔

"مسٹر ہینڈرسن نے پارلیمنٹ میں جو یہ بیان دیا ہے کہ باؤنڈری کمیشن کی ٹرمز آف ریفرنس میں جو "دوسرے حالات" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ سکھوں کے مقدس مقامات کا خیال رکھنے

---

[1] یاد رہے سکھوں کے مقابل بعض مسلم لیگی زعماء نے ان دنوں مطالبہ کیا تھا کہ دریائے ستلج کے پار تک کا علاقہ پاکستان میں شامل کیا جائے کیونکہ پاکستان کی یہی قدرتی حد بنتی ہے (الفضل ۱۴؍ وفا/ جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸)۔

[2] اقتباس از مکتوب حضرت مصلح موعود مرقومہ ۱۱؍ اگست ۱۹۴۷ء۔

[3] "الفضل" ۲۳؍ وفا/ جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸۔

کی غرض سے استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ بیان نہایت بے موقع سراسر نامناسب اور بالکل بے بنیاد ہے۔ اس بیان سے کمیشن کے کام پر ناجائز اثر پڑنے کے علاوہ مسلمانوں کے ساتھ بھی انتہائی بے انصافی کا دروازہ کھلتا ہے جن کے مقدس مقامات سکھوں کے مقدس مقامات سے تعداد اور اہمیت دونوں میں بہت زیادہ ہیں۔ یہ بات بالکل خیال میں نہیں آسکتی کہ جب وائسرائے نے ٹرمز آف ریفرنس کا اعلان ہندوستانی پارٹیوں کے اتفاق رائے سے کیا تھا اور ان ٹرمز آف ریفرنس کے مطابق کمیشن اپنا کام بھی شروع کر چکا ہے تو مسٹر ہینڈرسن کو اس بیان کی کیا ضرورت تھی۔ ہینڈرسن صاحب اس بات کو بھی بھولے ہوئے ہیں کہ " **دوسرے حالات** " کے الفاظ صرف پنجاب کے باؤنڈری کمیشن کے لئے ہی استعمال نہیں کئے گئے بلکہ بنگال کے کمیشن کے لئے بھی استعمال کئے گئے ہیں حالانکہ بنگال میں کوئی سکھ نہیں ہیں۔ لہٰذا مسٹر ہینڈرسن کے اس بیان کی فوری تردید ہونی چاہیئے " [1]

مُسلم لیگ کی طرف سے جماعت احمدیہ کو اپنا علیحدہ محضر نامہ شامل کرنے کی تحریک

باؤنڈری کمیشن کی تشکیل پر تجویز کی گئی کہ جتنے زیادہ محضر نامے مُسلمانوں کی طرف سے پیش کئے جائیں بہتر ہیں۔ اس خیال کے ماتحت جماعت احمدیہ سے بھی کہا گیا کہ وہ علیحدہ میمورنڈم پیش کرے۔ چنانچہ جماعت احمدیہ اور اس کے علاوہ مُسلم لیگ گورداسپور نے بھی علیحدہ محضر نامہ تیار کیا جو غلام فرید صاحب ایم ایل اے، شیخ کبیر الدین صاحب سابق نمائندہ مُسلم لیگ، شیخ شریف حسین صاحب وکیل، شیخ محبوب عالم صاحب اور مرزا عبدالحق صاحب کی مشترکہ کوشش سے مرتب کیا گیا تھا۔

لیکن اس کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اصل فریق مُسلم لیگ اور کانگرس ہیں اس لئے اپنا کیس پیش کرنے کا وقت صرف انہیں کو دیا جائے گا۔ جب یہ فیصلہ حضرت مصلح موعود کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے بھی علیحدہ محضر نامہ پیش کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا۔ لیکن بعد میں جب کانگرس نے اپنے وقت میں سے کچھ وقت سکھوں اور اچھوتوں کو بھی دے دیا تو مُسلم لیگ نے اس خیال سے کہ شاید اس کا تقسیم ملک پر کچھ اثر ہو ...... دوبارہ تجویز کیا کہ وہ بھی چند محضر نامے پیش کرا دے۔ چنانچہ اس نے اپنے وقت میں احمدیوں اور عیسائیوں کو علیحدہ [2] میمورنڈم پیش کرنے کی اجازت دے دی۔ جس کا پس منظر یہ تھا کہ کانگرس نواز علماء بخاص طور پر ۱۹۴۵ء کے الیکشن سے

---

[1] " الفضل " ۲۲ وفا ۱۳۲۶ ہش / ۲۲ جولائی ۱۹۴۷ء صفحہ ۲۔
[2] حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے ۲۷ دسمبر ۱۹۵۰ء کی تقریر میں بڑی شرح وبسط سے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ نیز بتایا کہ مُسلم لیگ کی طرف سے ہمیں جو علیحدہ میمورنڈم دیئے جانے کی اجازت دی گئی اس کے گواہ نواب افتخار حسین صاحب ممدوٹ، خواجہ عبدالرحیم صاحب سابق کمشنر، چوہدری اکبر علی صاحب اور دیگر مُسلم لیگی کارکن ہیں (" الفضل " ۲ صلح / جنوری ۱۳۳۰ ہش / ۱۹۵۱ء صفحہ ۴-۵)۔

یہ پراپیگنڈا کر رہے تھے کہ احمدی مسلمان نہیں اور یقینی خدشہ تھا کہ ہندو یا سکھ باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنی بحث کے دوران یہ سوال اُٹھا دیں گے کہ احمدی چونکہ مسلمان نہیں اس لئے ضلع گورداسپور کی مردم شماری میں ان کو مسلمانوں میں سے خارج کر دیا جائے تو یہ ضلع لازماً غیر مسلم اکثریت کا ضلع قرار پاتا ہے اور مسلمان اقلیت میں رہ جاتے ہیں۔ اس تشویشناک صورتِ حال کے پیشِ نظر مُسلم لیگ چاہتی تھی کہ جماعت احمدیہ بھی مُسلم لیگ کے وقت میں ایک علیحدہ محضر نامہ ضرور پیش کر دے تا حد بندی کمیشن پر یہ ثابت ہو جائے کہ احمدی اگر مُسلمان قرار نہ بھی دیئے جائیں تب بھی یہ لوگ پاکستان میں آنا چاہتے ہیں۔

یہ محضر نامہ چونکہ مسلم لیگ کے کیس کو مضبوط بنانے اور اس کے موقف کو تقویت دینے کے لئے تیار کیا گیا تھا اس لئے حضرت سیدنا المصلح الموعود بنفس نفیس قادیان سے لاہور تشریف لائے اور اپنے ساتھ شیخ بشیر احمد صاحب اور مولوی عبدالرحیم صاحب درد کو لے کر جسٹس محمد منیر صاحب کی کوٹھی پر پہنچے۔ جہاں جسٹس دین محمد صاحب بھی آ گئے۔

پنجاب کے ان ممتاز مُسلم قانون دانوں کو جو ریڈکلف ایوارڈ میں بطور رُکن بھی شامل کئے گئے۔ تیار شدہ محضر نامہ کی ٹائپ شدہ کاپیاں دی گئیں اور سب نے شروع سے لے کر آخر تک اس پر قانونی طور پر بحث تمحیص کی اور اس بات کا پورا پورا اطمینان کر لیا گیا کہ میمورنڈم کا کوئی فقرہ بلکہ لفظ ایسا نہ ہو جس سے مسلمانوں کے مقاصد کو ذرہ برابر بھی نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔ غرضکہ جب ہر طریق سے تسلّی و تشفّی ہو گئی۔ تب اس کو ریڈکلف ایوارڈ کے سکرٹری تک پہنچا دیا گیا۔[1]

جماعت احمدیہ کا محضر نامہ

ذیل میں اس تاریخی دستاویز کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــ نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

سلسلہ احمدیہ جو مسلمانوں کا ایک اہم مذہبی فرقہ ہے اور جس کی شاخیں تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں، اس کا مرکز گورداسپور کے ضلع میں واقع ہے۔ مغربی اور مشرقی پنجاب کی جو عارضی تقسیم ہوئی ہے اس میں یہ ضلع پنجاب کے دونوں حصوں کی سرحد پر واقع ہے۔ اس لئے سرحدی نزاع میں فریقین اس ضلع کے دعویدار ہیں۔ پس اپنے قانونی حقوق کے تحفظ کے لئے یہ ضروری ہے کہ جماعت احمدیہ بھی اپنا نقطۂ نگاہ

[1] "الفضل" ۲؍صلح/جنوری ۱۳۳۰ہش؍۱۹۵۱ء (ملخصاً از خطاب سیدنا المصلح الموعود)

باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش کرے۔

پیشتر اس کے کہ ہم ان خاص امور پر روشنی ڈالیں جن سے ہماری جماعت کو اس کے مرکز کے ضلع گورداسپور میں واقع ہونے کی وجہ سے واسطہ پڑا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ کمیشن کے سامنے بعض بنیادی امور رکھیں جن کا تعلق ان مطالبات سے ہے جو ہم پیش کرنا چاہتے ہیں۔

ہمارا یقین ہے کہ کمشن کا یہ فرض ہے کہ وہ علاقہ جات کو پنجاب کی مذہبی آبادی پر تقسیم کرے۔ اس کا یہ کام نہیں کہ وہ صُوبے کو سیاسی یا اقتصادی اعتبار سے تقسیم کرنے کی کوشش کرے۔ اگر ایسا ہوتا تو کمشن کی ہدایات میں قدرتی حدود اور اقتصادی وسائل پر خاص زور دیا جانا چاہیئے تھا یا پھر انتظامی لحاظ سے جو ملک کے حصے ہو سکتے ہیں ان کو مدّنظر رکھا جاتا۔ لیکن نہ ہی اس عارضی تقسیم میں جو ہو چکی ہے اور نہ ہی کمشن کے فرائض میں سوائے آبادی کے کسی اَور بنیادی امر کا ذکر ہے۔ عارضی تقسیم میں تقسیم کی حد بندی ضلع کو قرار دیا گیا ہے۔ جن اضلاع میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان کو مغربی پنجاب میں اور جن میں غیر مُسلموں کی اکثریت ہے، ان کو مشرقی پنجاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اگر انتظامی امور کا لحاظ رکھا جاتا تو امرتسر کا ضلع مغربی پنجاب میں شامل ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن اس عارضی تقسیم میں بیاس کے بائیں جانب صرف امرت سر کا ضلع ہی ایسا ہے جو مشرقی پنجاب میں شامل کیا گیا ہے حالانکہ انتظامی لحاظ سے اگر تقسیم ہوتا تو قدرتی حدود مثلاً دریاؤں اور پہاڑوں کو خاص اہمیت دی جاتی۔ اسی طرح اگر اقتصادی امور کو تقسیم میں مدّنظر رکھا جاتا تو پھر کانگڑہ کا ضلع مغربی پنجاب میں شامل ہونا چاہیئے کیونکہ ذرائع نقل وحمل کے لحاظ سے کانگڑہ ریلوے لائن کے ذریعہ مغربی پنجاب سے ملحق ہے۔ اور تجارتی لحاظ سے بھی اس کا تعلق مغربی پنجاب سے ہے۔ مگر اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ امرتسر اور کانگڑہ کے اضلاع مشرقی پنجاب میں شامل کئے گئے ہیں یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ پنجاب کی تقسیم کا بنیادی اصول صرف آبادی ہی کو قرار دیا گیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کمیشن کے دائرہ عمل میں "دیگر امور" کے الفاظ آتے ہیں۔ لیکن یہ "دیگر امور" ظاہر ہے کہ آبادی سے کم مرتبہ پر اور اس کے تحت میں یہ کوئی متوازی یا دوسرا بنیادی اصول نہیں ہے۔ بلکہ پہلے اصول کے ضمنیات میں ہی شامل ہے۔ یہ "دیگر امور" اسی وقت متعلقہ امور بنائے جا سکتے ہیں جبکہ مُسلم اور غیر مُسلم آبادی بالکل برابر ہو یا جبکہ ایک فریق کی آبادی کا تسلسل دوسرے فریق کی آبادی کے تھوڑے سے رقبے کے بیچ میں آنے کی وجہ سے ٹوٹ جائے اور جبکہ یہ روکاوٹ ایک آبادی کے تسلسل میں دوسری آبادی کی

موجودگی کے سبب اتنی کم ہو کہ اُسے کوئی اہمیت نہ دی جاسکتی ہو۔

اگر ان "دیگر امور" کو وہی اہمیت حاصل تھی جو آبادی کو ہے تو پھر عارضی تقسیم میں بھی ان کا لحاظ رکھا جاتا۔ بجائے اس کے صرف کمشن کے دائرۂ عمل میں شامل کیا گیا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ آبادی کے ضمن کے طور زیر غور لائے جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف "دیگر امور" سے مراد وہ چھوٹی چھوٹی چیزیں تھیں جنہیں حد بندی کے وقت مدنظر رکھا جانا مقصود تھا۔ اور یہ بات طے شدہ تھی کہ آبادی کے سوال کو ہمیشہ فوقیت حاصل رہے گی۔ کمشن کا تعلق بنیادی طور پر آبادی کے سوال اور اس کے تسلسل سے ہے۔ اس امر کو نظر انداز کرنا یا کسی اور امر کو اتنی اہمیت دینا کمشن کے اختیارات اور دائرۂ عمل سے باہر ہے۔

پریس کانفرنس کے موقعہ پر وائسرائے نے صاف طور پر بیان دیا تھا کہ

"ملک معظم کی حکومت سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ زرعی جائیداد کی بناء پر تقسیم ملک کی حمایت کرے گی۔ موجودہ انگریزی حکومت کسی صورت میں بھی ایسا نہیں کرسکتی"

("ٹریبیون" ۵ جون "ڈان" ۶ جون ۱۹۴۷ء)

اسی پریس کانفرنس میں وائسرائے سے یہ سوال کیا گیا۔

"آپ نے اپنی کل کی نشری تقریر میں یہ فرمایا تھا کہ تقسیم شدہ صوبوں کی آخری حد بندی یقینی طور پر اس کے عین مطابق نہیں ہوگی جو عارضی طور پر اختیار کی گئی ہے۔ آپ نے ایسا کیوں کہا؟"

اس کے جواب میں وائسرائے نے فرمایا:-

"محض اس وجہ سے کہ گورداسپور کے ضلع میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی آبادی میں تناسب ۵۰،۴۴ اور ۴۹،۶ ہے اور فرق صرف ۰،۸ فیصد کا ہے۔ پس یہ ایک عام فہم بات ہے آپ خود سمجھ لیں گے کہ اس کا امکان نہیں کہ کمشن تمام ضلع کو مسلمانوں کی اکثریت والے علاقوں میں شامل کردے۔ اسی طرح سے بنگال کے ایک ضلع میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان اضلاع کے اقلیتی باشندے یہ فرض کرلیں کہ یہ طے شدہ امر ہے کہ ان کو ایسے علاقوں میں شامل کیا جارہا ہے جن میں ان کے فرقے کی اکثریت نہیں ہے"

(سول اینڈ ملٹری گزٹ ۵ جون ۱۹۴۷ء)

اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ وائسرائے نے جن اعداد و شمار کا حوالہ دیا ہے یہ درست نہیں

ہیں (دیکھو پنجاب مردم شماری رپورٹ ۱۹۴۱ء) مندرجہ بالا سوال اور جواب سے یہ واضح ہے کہ کمشن کسی اکثریت والے علاقے کو ملحقہ علاقے سے جُدا کر کے کسی دوسرے علاقے سے نہیں ملائے گا اور یہ کہ اگر عارضی تقسیم سے کوئی انحراف ہوا تو اس کا فیصلہ ملحقہ اکثریت والے علاقوں کی بناء پر ہوگا اس لئے کہ وائسرائے کے اعلان میں "دیگر امور" مثلاً جائداد کی قسم کی تصریحات ہرگز شامل نہیں۔ نیز اعلان میں یہ بھی فیصلہ شدہ بات ہے کہ کمیشن کسی ایسے علاقے کو جس میں ایک فرقہ کی اکثریت ہے کسی ایسے علاقے سے نہیں ملائے گا جس میں اس فرقہ کی اکثریت نہیں۔

نیز ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ہندوستان کے مسئلہ کے حل کے لئے اور فرقوں کے باہمی تنازعات کے فیصلہ کے لئے "دیگر امور" میں جائداد اور اس قسم کی اور باتیں شامل تھیں تو کیوں اس وقت پنجاب اور بنگال کی اسمبلیوں کے یورپین ممبروں کو اپنے رسمی ووٹنگ کے حق سے محروم کیا گیا جبکہ پنجاب اور بنگال کی اسمبلیاں دستور ساز اسمبلی کے لئے اپنے نمائندے منتخب کرنے کے لئے منعقد ہوتی تھیں۔ نیز اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ آیا وہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی میں۔ کیا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ یورپین ممبروں کی اسمبلی میں نمائندگی کی بڑی وجہ اُن کی جائداد اور اُن کے تجارتی اور صنعتی مفادات ہیں؟ یہی وجہ تھی کہ جب بنیادی سیاسی حقوق کے فیصلے کا وقت آیا تو ان یورپین ممبروں کو جنہیں ان کی جائداد اور ان کے اقتصادی مفادات کی بناء پر نمائندگی دی گئی تھی اس فیصلہ کے وقت ووٹ دینے کے حق سے محروم کر دیا گیا کہ وہ کس دستور ساز اسمبلی میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔

اسی طرح اگر کسی مُلک کی تقسیم جائیداد کی بناء پر جائز ہے تو پھر ہمیں سندھ کے صوبے کو بھی تقسیم کرنا پڑے گا۔ اس صوبے میں بڑے بڑے زمینداروں میں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ مزید برآں تقسیم کے لئے اگر جائیداد جائز بنیاد ہو سکتی ہے تو پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پنجاب کو تقسیم کرنے کی زحمت نہیں کرنی چاہیئے تھی اسے ہندوؤں اور سکھوں کے حوالے کر دینا چاہیئے تھا کیونکہ پنجاب میں تجارت، صنعت اور تعلیم وغیرہ تقریباً تمام اُن کے قبضے میں ہیں۔ اس صورت میں مسلمان کسی ایک ضلع کے لئے بھی مطالبہ نہیں کر سکتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہندوستان یا اس کے کسی حصے کی تقسیم کا سوال محض اس لئے اُٹھایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو یہ جائز شکایت تھی کہ غیر مُسلموں کے ہاتھ میں اُن کے سیاسی حقوق محفوظ نہیں۔ اس صوبے

میں بھی جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے زمینیں، ٹھیکے اور تعلیم کے لئے حکومت کی طرف سے مالی عطیات غیر مسلموں کو ہی ملتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس ترقی کے کوئی راستے باقی نہیں رہے۔ اس لئے مسلمانوں کے مفاد کے لئے یہ ضروری تھا کہ ان کے اکثریت والے علاقوں کو ملک کے باقیماندہ حصے سے جُدا کیا جائے تاکہ وہ اس قابل ہوں کہ اپنی ترقی کے منصوبے بنائیں اور اپنی قسمت کا آپ فیصلہ کریں۔ سالہاسال کے تصادم اور کشمکش کے بعد انگریزی حکومت اور ہندو کانگرس نے مسلمانوں کے اس مطالبہ کو قبول کیا ہے۔ اب وہی دلیل جس کی بنا پر مسلمانوں کو اکثریت والے علاقوں میں علیحدہ رہنے کا حق دیا گیا ہے۔ اس بات کے لئے استعمال نہیں کی جانی چاہیئے کہ ان کے علاقوں میں سے کچھ حصے چھینے جاسکیں گے۔ اگر پاکستان کا تصور یہ تھا کہ مسلمانوں کو موقع دیا جائے کہ وہ اپنی سیاسی اور اقتصادی زندگی کے نقصانات کی تلافی کر سکیں اور اگر تقسیم کا خیال جسے انگریزی حکومت اور کانگرس دونو نے تسلیم کیا ہے درست ہے تو پھر جائداد اور اقتصادی حالت کی فوقیت کی بنا پر مسلمانوں کے علاقوں کی تقسیم کی کوشش پاکستان کے نظریہ کو کالعدم قرار دینے کے مترادف ہے اس لئے ایسی تقسیم بنیادی طور پر غلط ہونے کی بنا پر رد کر دینے کے قابل ہے۔

کانگرس متنازعہ فیہ مسئلے میں سب سے اہم فریق مخالف ہے۔ لیکن کانگرس نے پہلے ہی یہ نظریہ تسلیم کر لیا ہے کہ سیاسی حقوق کے تعین میں جائیداد کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ ان تمام صوبوں میں جن پہ کانگرس حکمران ہے زمینداری سسٹم منسوخ کیا جا رہا ہے۔ یوپی، مدراس اور بہار میں اس قسم کے قوانین پاس کرائے جا رہے ہیں جو بڑے زمینداروں کے اراضیاتی مفاد کو ضبط کرنے کے مترادف ہیں۔ اگر زمینداروں کے مفادات سیاسی حقوق کے لئے پیمانہ قرار دیئے جا سکتے ہیں تو چاہیئے تھا کہ یوپی، مدراس اور بہار میں کانگرس بڑے زمینداروں کو اسی نسبت سے زیادہ سیاسی حقوق دیتی لیکن اس کی بجائے کانگرسی حکومتیں زمینداری سسٹم کو ختم کرنے کے لئے قانون بنا رہی ہیں۔ بنگال میں زمین کا بیشتر حصہ ہندوؤں کی ملکیت ہے اور اس لحاظ سے یہ صوبہ ہندوؤں کے حوالے کیا جا سکتا تھا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا اور عارضی تقسیم میں بنگال کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے حوالہ کر دیا گیا ہے۔

بفرضِ محال (جو بہرحال امر محال ہی ہے) اگر "دیگر امور" میں ایسی باتیں شامل کر لی جائیں جیسے جائیداد، تجارتی مفادات، انکم ٹیکس، تعلیمی ترقی وغیرہ امور شامل کر لئے جائیں تو ہمیں یہ دریافت کرنا پڑے گا کہ کن حالات اور کن ذرائع سے غیر مسلموں نے زمین، تعلیم اور تجارت میں یہ تفوق حاصل کیا ہے؟

جیسا کہ ہم نے کہا ہے یہ غیر مُسلموں کا تفوّق صرف اس وجہ سے ہے کہ انگریزوں کے ہندوستان میں وارد ہونے کے وقت غیر مُسلموں نے حصولِ دولت اور اقتصادی برتری کے تمام سرکاری وسائل اور اداروں پر قبضہ کر لیا۔ انگریزوں سے پہلے مسلمان ہندوستان کے حُکمران تھے۔ انگریزوں نے مُلک مسلمانوں سے لیا۔ لارڈ کرزن کے زمانہ تک انگریزوں کی یہ پالیسی رہی کہ مُسلمانوں کو کمزور رکھا جائے۔ لارڈ کرزن نے پہلی مرتبہ یہ سوال اُٹھایا کہ کیا ایسا کرنا جائز اور درست ہے؟ اس میں شک نہیں کہ لارڈ کرزن کو اس آواز کے اُٹھانے کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی لیکن اس نے یہ ثابت کر دیا کہ ایسے اَور انگریز بھی موجود تھے جو حق اور انصاف کی حمایت میں اپنی ذاتی شہرت اور ترقی کو خطرے میں ڈال کر بھی اپنی ہی حکومت کی پُرانی انتظامی روایات اور حکمت عملی کی مخالفت کرنے کی اہلیّت رکھتے تھے۔ پس اقتصادی اور تعلیمی میدان میں مسلمانوں کی پسماندگی گورنمنٹ کی پالیسی اور سیاسی اغراض کا نتیجہ تھی۔ اب یہ وقت آیا ہے کہ انہیں ان محرومیوں اور دشواریوں سے نجات دلائی جائے۔ لیکن اس کی بجائے تجویز یہ ہو رہی ہے کہ جو کچھ ان کے قبضہ میں باقی رہ گیا ہے وہ بھی کسی نہ کسی بہانے ان سے چھین لیا جائے۔

سِکھوں کا مطالبہ ہے کہ انہیں پنجاب کی نہری نوآبادیات میں (ان کی ملکیّت میں برتری کی بنا پر) زائد رقبہ دیا جائے۔ اس کی تردید بھی ہمارے مندرجہ بالا جواب سے ہو جاتی ہے۔ نہری آبادیاں سرگودھا، لائل پور، منٹگمری، شیخوپورہ، ملتان کے اضلاع میں ہیں۔ نہروں کی کھدائی سے پہلے ان لوگوں میں جو یہاں آکر آباد ہوئے تھے بمشکل ۵ فیصدی غیر مُسلم تھے۔ اس لئے یہ علاقے مسلمانوں کے تھے۔ قلیل آبادی کی وجہ سے یہاں کے مقامی باشندے زمینوں کے کثیر حصّے کو اپنے مویشیوں کی چراگاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے کیونکہ پانی کی قلت کی وجہ سے تمام زمین زیر کاشت نہیں لائی جاسکتی تھی۔ نہروں کی تعمیر کے موقعہ پر گورنمنٹ نے یہ اعلان کرتے ہوئے کہ چونکہ زمینیں ویران ہوگئی تھیں اس لئے اب وہ حکومت کی ملکیّت ہوگئی ہیں۔ اپنی مقبوضہ زمینوں میں سے کچھ زمین سکھوں کو ان کی خدمات کے عوض گورنمنٹ نے مفت عطا کر دی اور کچھ علاقے پرائیویٹ خریداروں کے پاس بیچ دیئے گئے۔ اس طرح سے زمین کا ایک معتد بہ حصہ سکھوں کی ملکیّت میں چلا گیا۔ اس سے زیادہ ناانصافی کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ زمین جو مسلمانوں کی تھی وہ تو غیر مُسلموں کے حوالہ کر دی گئی اور اب مسلمانوں کو اس بناء پر اُن کے آبائی علاقوں سے محروم کیا جاتا ہے کہ غیر مُسلموں کے پاس اُن سے زیادہ زمین ہے۔ ہم یہ بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ عطیہ جات مرکزی حکومت

کی خدمت کے صلہ میں دیئے گئے تھے کیونکہ یہ فوجی خدمات کا معاوضہ تھا۔ اب جبکہ ہندوستان کی تقسیم ہو چکی ہے مغربی پنجاب یہ حق رکھتا ہے کہ وہ ہندوستان سے ان زمینی عطیہ جات کے نقد معاوضے کا مطالبہ کرے۔

ہندوؤں کے قبضے میں آج زمینیں ہیں۔ یہ ہندو ساہوکاروں کے سُودی کاروبار اور ان کی حد سے بڑھی ہوئی شرح سُود کا نتیجہ ہیں جو وہ زمینداروں کو قرض دے کر وصول کرتے تھے۔ ہمارے اس دعوے کی تصدیق پنجاب کی عدالتوں کے ریکارڈ سے ہو سکتی ہے۔ کئی مثالیں ایسی ہیں کہ چالیس یا پچاس روپیہ اصل زر کا معمولی قرضہ آخرکار بیچارے زمیندار کی ہزاروں روپے کی زمین سے محرومی کا باعث ہو گیا۔ زمینداروں کی اس زبوں حالی کو دُور کرنے کے لئے حکومت پنجاب نے اور اس کے بعد دوسری صوبائی حکومتوں نے قانون انتقال اراضی پاس کئے۔ لیکن ان قوانین کا اطلاق ماضی پر نہ ہوا۔ اس لئے جو زمینیں ہندو ساہوکاروں کے قبضے میں چلی گئی تھیں وہ اصل مالکوں کو واپس نہ مل سکیں۔ اب پُرانی بے انصافی کی بنا پر نئی بے انصافی کی جا رہی ہے۔ کیونکہ یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ زمین جو ہندوؤں کے ہاتھوں میں ان کے قابلِ اعتراض سُودی کاروبار کے نتیجہ میں چلی گئی تھی انہیں یہ حق دلاتی ہے کہ وہ مسلمانوں سے مزید ان کے علاقے حاصل کر لیں۔

مختصر یہ ہے کہ کوئی مطالبہ جو مشرقی پنجاب والے مغربی پنجاب سے زمین کے حقوق یا تعلیمی برتری کی بنا پر کریں وہ اس اصول ہی کے خلاف ہے جس کی وجہ سے ہندوستان کو بھارت اور پاکستان میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بونڈری کمشن کا کام یہ نہیں کہ اس اصول کو بدلنے کی سعی کرے بلکہ اس کی غرض اس اصول کو منصفانہ طور پر عملی جامہ پہنانا ہے۔

ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر "دیگر امور" سے مراد جائداد اور اس قسم کی اور چیزیں نہیں تو پھر ان سے کیا مراد ہو سکتی ہے اور ان کے کیا معنی ہیں؟ ہمارے خیال میں اس فقرے کا مطلب معلوم کرنے کے لئے ہمیں کمشن پر عائد کردہ فرائض کی طرف رجُوع کرنا پڑے گا۔ چنانچہ اس کے فرائض میں واضح طور پر درج ہے کہ

"بونڈری کمشن کو یہ ہدایت ہے کہ وہ دونوں پنجابوں کے مُسلمانوں اور غیر مُسلموں کے ملحقہ اکثریت والے علاقوں کی تحقیق کی بنا پر حد بندی کرے۔ ایسا کرنے کے لئے وہ دیگر

امور کو بھی مدِّ نظر رکھیں گے"

مندرجہ بالا الفاظ سے ظاہر ہے کہ "دیگر امور" سے مراد وہ امور ہیں جو اس وقت ظاہر ہوں گے جبکہ کمشن حد بندی کرے گا اور فرقہ وار اکثریت والے علاقوں کی تعیین کرے گا۔ اس لئے "دیگر امور" سے مُراد جائداد یا اسی قسم کی اَور چیزیں نہیں ہو سکتیں نہ ہی وہ اکثریت کے حقوق کی نفی کر سکتا ہے۔ ان سے مراد صرف وہ مطالبات یا قابلِ غور باتیں ہیں جن کا حد بندی کی معمولی تفاصیل طے کرتے وقت خیال رکھا جا سکتا ہے۔ ہمارے ذہن میں اس کی چند مثالیں بھی ہیں۔ مثلاً اگر کسی ایک فرقے کا اکثریت والا بڑا علاقہ اقلیت کے دیہات کے تنگ حلقے میں ہے تو ایسی حالت میں کمشن کے لئے یہ جائز ہو گا کہ یہ فیصلہ دے کہ اگرچہ ایک مخصوص آبادی نے دوسرے فرقہ کی بڑی آبادی کے گرد حلقہ ڈال رکھا ہے یہ تنگ حلقہ دوسرے فرقہ کے اکثریت والے وسیع رقبہ کو اس کی زیادہ آبادی والے علاقے سے ملحق کر دیا جائے۔ یا ایک اَور مثال لیجئے: ایک وسیع علاقہ جس میں کسی ایک فرقہ کی اکثریت آباد ہے اپنے فرقے کی اکثریت والے علاقے سے ایک ایسے چھوٹے سے علاقے سے جدا ہوتا ہے جس میں دوسرے فرقے کے لوگ آباد ہیں تو اس صورت میں ایک بڑی آبادی کی وحدت کے راستے میں چھوٹا علاقہ روک نہ بن سکے گا۔ ایک تیسری مثال بھی ہے۔ یعنی فرض کریں کہ سرحد پر ایک ایسا قصبہ آ جاتا ہے جس کے متعلق جھگڑا ہے تو اس صورت میں ہماری رائے یہ ہے کہ اس قصبہ کی آبادی کی اکثریت پر فیصلہ ہونا چاہیئے۔

باؤنڈری کمیشن نے عام طور پر یہ تسلیم کیا ہے کہ قصبہ تعلیمی اور سماجی ترقی کا ایک ذریعہ ہے۔ جب کسی کے مفاد اور ملحقہ دیہاتی علاقے کے مفاد میں تصادم ہو تو اس صورت میں قصبے کے مطالبات کو ترجیح ہو گی۔

"دیگر امور" کی آخری اور چوتھی مثال جسے کمشن کو آبادی کے علاوہ مدِّ نظر رکھنا ہو گا یہ ہے کہ اگر ایک فرقہ کی آبادی کا تسلسل اس وجہ سے ٹوٹ جائے کہ بیچ میں دوسرے فرقے کا علاقہ آ جاتا ہے جو بہت بڑا نہ ہو اس علاقہ کے پرے نزدیک ہی اکثریت والے فرقے کا کوئی مذہبی مرکز واقع ہو تو اس صورت میں یہ درست نہ ہو گا کہ اس مذہبی مرکز کو اس فرقہ سے صرف اس وجہ سے جُدا کر دیا جائے کہ درمیان میں ایک چھوٹا سا رقبہ دوسرے فرقے کا آ جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے

کہ اکثریت کے ساتھ انصاف کا تقاضا ہے کہ اس قسم کے بیانوں کی آڑ لے کر اکثریت کو وسیع علاقوں سے محروم نہ کیا جائے۔ اس قسم کا تطابق اقدام کے لئے صرف نہایت ہی قلیل رقبوں کے لئے ہونا چاہیئے۔

پس "دیگر امور" سے صرف اسی قسم کے امور مراد لئے جا سکتے ہیں جن کی اوپر مثالیں دی گئی ہیں۔ ان سے یہ مراد ہرگز نہیں لی جا سکتی کہ بعض سرحدی اضلاع مثلاً گورداسپور اور لاہور کے بعض حصّوں کو صرف اس وجہ سے مشرقی پنجاب سے ملا دیا جائے کہ مغربی پنجاب کے بعض اور حصّوں میں ہندوؤں کا تجارت میں زیادہ حصّہ ہے یا سکھوں کے قبضے میں مسلمانوں سے زیادہ زمین ہے۔ اس بارے میں وائسرائے کا اعلان بالکل واضح ہے۔ وائسرائے کا یہ اطمینان دلانا ہندوؤں مسلمانوں اور سکھوں سب کے لئے یکساں ہے۔

ہم یہاں ایک اور سوال اُٹھانا چاہتے ہیں۔ ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ "دیگر امور" سے مراد وہی ہے جو غیر مسلم لے رہے ہیں۔ اس صورت میں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہم آبادی کے علاوہ دوسرے مطالبوں کی اصل قیمت کس طرح لگائیں؟ ہمیں ان مطالبات کا اندازہ لگانے کی کوئی راہ تلاش کرنا ہوگی۔ اگر مغربی پنجاب کا ایک حصّہ مشرقی پنجاب سے اس لئے ملایا جا سکتا ہے کہ مغربی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں کے پاس مسلمانوں سے زیادہ زمین، زیادہ تجارتی ادارے اور زیادہ کالج ہیں یا یہ کہ وہ مسلمانوں سے زیادہ ٹیکس ادا کرتے ہیں تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ کتنے مسلمان کس قدر زمین، تجارتی اداروں، ٹیکس یا کالجوں کے برابر شمار ہوں گے؟ بہرحال ہمیں بتانا چاہیئے کہ مغربی پنجاب کے کتنے مسلمانوں کی آزادی لائل پور میں ہندوؤں کی زمینوں یا راولپنڈی میں غیر مسلم کالجوں یا سیالکوٹ میں غیر مسلم کارخانوں کے عوض سلب ہوگی۔ جب تک آزادی کی قیمت طے نہ ہو ہم پنجاب کو جائیداد کی بناء پر تقسیم نہیں کر سکتے۔ ہم آزادی کے دور میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ کوئی شخص بھی اتنی جرأت کر سکے اور کہے کہ وہ ا فرقے کے اتنے افراد کو ان کی مرضی کے خلاف ب فرقے کے علاقے میں دھکیل دے گا صرف اس لئے کہ ب فرقہ کے قبضے میں ا فرقہ سے زیادہ زمین یا زیادہ کالج ہیں یا وہ زیادہ انکم ٹیکس ادا کرتا ہے۔ ایسا اقدام غلاموں کی تجارت کے مترادف ہوگا بلکہ غلاموں کی تجارت میں ایک بدترین قسم کی مثال ہوگی۔

مختصر طور پر حقیقت یہ ہے کہ

(۱) بونڈری کمیشن کا کام پنجاب کو تقسیم کرنا نہیں ہے بلکہ پہلے سے تقسیم شدہ پنجاب کی حد بندی میں

معمولی تفصیلات کو طے کرنا ہے اور اس میں ایسی چھوٹی چھوٹی ترمیمیں کرنا ہے جو ضروری اور انصاف پر مبنی ہوں۔

(۲) ان ترمیموں کے بارے میں کمشن کو یہ ہدایت ہے کہ وہ ان "دیگر امور" کو مدّنظر رکھے جو آبادی کی بناء پر حدبندی کے لئے ضروری ہوں۔

(۳) "دیگر امور" کے الفاظ کا تعلق مغربی اور مشرقی پنجاب کی درمیانی حدود سے ہے نہ کہ صوبہ کے باقیماندہ حصوں سے

(۴) وائسرائے نے پریس کانفرنس میں جو اعلان کیا ہے وہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ کمشن کا صرف یہ کام ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ اگر کوئی سرحدی ضلع آبادی کے لحاظ سے مجموعی طور پر کسی ایک فرقے کا ہے تو اس صورت میں اس ضلع کے وہ حصے جن کا رقبہ کافی ہو اور جن میں دوسرے فرقے کے لوگوں کی اکثریت ہو اس ضلع سے جُدا کئے جائیں اور ان کا الحاق ان کے اپنے فرقے کے ساتھ والے علاقے سے کیا جائے۔ اس اعلان سے یہ ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ ایک فرقہ کی اکثریت والا حصّہ دوسرے فرقے کی اکثریت والے حصّہ سے ملا دیا جائے۔

(۵) غیر مُسلموں کا یہ دعویٰ کہ "دیگر امور" سے مراد دولت جائداد وغیرہ ہیں، وائسرائے کے اعلان کے علاوہ انسانی عقل اور ضمیر کے بھی خلاف ہے۔

ان عام خیالات کے اظہار کے بعد اب ہم اس سوال کو لیتے ہیں جس میں کہ سلسلہ احمدیہ کو خاص دلچسپی ہے یعنی وہ سوال جس کا تعلق ان مخصوص حالات سے ہے جو قادیان اور اس کے گردو نواح سے متعلق ہیں اور جن کو مشرقی اور مغربی پنجاب کے درمیان حدّ فاصل قائم کرتے وقت ضرور مدّنظر رکھنا چاہیئے۔ اس بارے میں ہم مندرجہ ذیل معروضات پیش کرتے ہیں:-

۱۔ قادیان تھانہ بٹالہ تحصیل بٹالہ اور ضلع گورداسپور میں واقع ہے۔ ہماری گذارش ہے کہ یہ دعوئے کہ گورداسپور کا ضلع مغربی پنجاب میں شامل ہونا چاہیئے اس قدر واضح اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہے کہ اس کے متعلق بحث بونڈری کمشن کے دائرۂ عمل سے باہر ہے۔ بیشک پریس کانفرنس کے موقع پر وائسرائے نے یہ کہا تھا کہ اس ضلع میں مسلمانوں کو ۰.۸ء۵۰٪ اکثریت حاصل ہے اور اس لئے یقینی طور پر اس کے بعض حصوں میں غیر مُسلموں کی اکثریت ہوگی مگر ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ

وائسرائے اسبارہ میں صحیح حالات سے آگاہ نہیں۔ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ میں ضلع گورداسپور میں مسلمانوں کی آبادی کل آبادی کا ۵۱٫۱۴ فی صد ہے اور اس طرح سے مسلمانوں کو دوسروں پر ۲٫۲۸٪ کی اکثریت حاصل ہے نہ کہ ۰٫۸ فی صد۔

اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ ہندوستانی عیسائی اور اچھوت ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ سیاسی اتحاد میں شامل ہیں تو بھی مسلمان غیر مسلموں سے ۲٫۲۸٪ اکثریت میں ہیں لیکن ہمیں یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ عیسائی لیڈر مسٹر ایس۔ پی سنگھا نے جو بٹالہ ضلع گورداسپور کے رہنے والے ہیں۔ غیر مبہم طور پر یہ اعلان کردیا ہے کہ ان کا فرقہ پاکستان میں رہنے کو ترجیح دے گا۔ سنٹرل کرسچین ایسوسی ایشن نے سنگھا صاحب کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ گورداسپور کے ضلع میں عیسائیوں کی آبادی ۴٫۴۶٪ ہے۔ اگر ہم عیسائی آبادی کو مسلمان آبادی میں شامل کردیں تو اس صورت میں ضلع گورداسپور کے وہ لوگ جو پاکستان میں شمولیت چاہتے ہیں ان کی تعداد ۵۵٫۶۰ فی صد ہو جاتی ہے۔ یہ فرق درحقیقت نمایاں فرق ہے۔ برٹش گورنمنٹ کی تجویز میں جالندھر کا ضلع مشرقی پنجاب میں شامل کیا گیا ہے۔ جالندھر میں غیر مسلم صرف ۵۴٫۴۷٪ ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ گورداسپور کا ضلع جس میں آبادی کا ۵۵٫۶۰٪ پاکستان کی حمایت میں ہے ایک متنازعہ فیہ علاقہ قرار دیا جائے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ عیسائیوں کو ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ شامل کرنے کے فیصلہ پر عیسائیوں کی رائے اثر انداز نہیں ہوسکتی تو پھر ہمیں کہنا پڑے گا کہ حقائق کو بدلا نہیں جاسکتا۔ اگر عیسائی کہتے ہیں کہ ہم پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ عیسائی پاکستان جانا نہیں چاہتے۔ بیشک گورنمنٹ یہ تو کہہ سکتی ہے کہ ہمیں اس بات کی پروا نہیں کہ عیسائی کہاں جانا چاہتے ہیں اور یہ کہ دونو ملکوں کے درمیان حدبندی کے لئے عیسائیوں کی رائے کو وقعت نہیں دی جائے گی۔ لیکن یہ بات معقول نظر نہیں آتی کہ گورنمنٹ عیسائیوں کے پاکستان کی طرف رجحان کو خلاف پاکستان قرار دے۔ اگر ہم عیسائیوں کو شامل نہ بھی کریں پھر بھی مسلمان ۲٫۲۸٪ کی اکثریت میں ہیں۔ مسلمانوں کی اس نمایاں اکثریت کو یقیناً وہ اہمیت دینی چاہیئے جس کی وہ مستحق ہے۔

۲۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر مسلمانوں کی اکثریت ضلع گورداسپور میں کم ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پٹھانکوٹ کی تحصیل میں مسلمان ۳۸٫۸۸٪ ہیں۔ لیکن جب ہم باقی تین تحصیلوں کو دیکھتے ہیں

تو بٹالہ میں ۵۵٫۰۷ فیصد مسلمان ہیں، گورداسپور میں ۵۲٫۱۵ اور شکر گڑھ میں ۵۱٫۰۳۲ (رپورٹ مردم شماری ۱۹۴۱ء)۔ ان اعداد و شمار کی رُو سے یہ واضح ہے کہ اگر ہم تحصیل بٹالہ کے عیسائیوں کو ہندوؤں اور سکھوں میں شامل کر بھی دیں تو پھر بھی تحصیل بٹالہ میں مسلمان ۱۰٫۱۴ فیصد کی اکثریت میں ہیں۔ تحصیل گورداسپور میں ۴۰٫۳۰ فیصد اور تحصیل شکر گڑھ میں ۲۸٫۶ فیصد کی۔ اگر عیسائیوں کو مسلمانوں کے ساتھ ملا دیا جائے تو تب بٹالے کی تحصیل میں سے جو لوگ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں ان کی تعداد ۵۳٫۶۰ فیصد ہو جاتی ہے اور جو ہندوستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں ان کی تعداد گھٹ کر ۳۹٫۴۷ فیصد رہ جاتی ہے۔ گورداسپور کی تحصیل میں مُسلم اور عیسائی آبادی مل کر ۵۹٫۲۴ فیصد اور باقی لوگ ۴۰٫۷۶ فیصد کی اقلیت میں ہو جاتے ہیں۔ شکر گڑھ کی تحصیل میں مُسلم اور عیسائی آبادی ۵۴٫۸۴ فیصد ہو جاتی ہے اور غیر مُسلم ۴۵٫۱۶ فیصد ہو جاتے ہیں۔

ان اعداد و شمار کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ہم فی الحال پٹھانکوٹ کو زیرِ غور نہ لائیں تو یہ ظاہر ہے کہ گورداسپور کے باقی کسی حصے کے مشرقی پنجاب کے ساتھ الحاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ تینوں تحصیلوں میں مسلم عیسائی آبادی ۵۸، فیصد ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وائسرائے کے اعلان کو مدنظر رکھتے ہوئے گورداسپور، بٹالہ اور شکر گڑھ کی تحصیلوں میں سے کوئی بھی مغربی پنجاب سے جُدا کر کے مشرقی پنجاب میں شامل نہیں کی جا سکتی۔ ایسا اقدام سراسر بے انصافی پر مبنی ہوگا اور غیر آئینی بھی۔

۳۔ تحصیل پٹھانکوٹ کے متعلق ہماری رائے ہے کہ یہ باوجود مسلم اقلیت کا علاقہ ہونے کے مغربی پنجاب میں شامل ہونی چاہیئے۔ پٹھانکوٹ کی پوزیشن نرالی ہے۔ "دیگر امور" والا اصول یہاں بالکل اطلاق پاتا ہے۔ دریائے راوی اس تحصیل سے ہوتا ہوا مغربی پنجاب میں داخل ہوتا ہے اور اس دریا میں سے نہریں نکالی گئی ہیں جن کے ہیڈ ورکس مادھوپور میں ہیں۔ یہ نہریں زیادہ تر مغربی پنجاب کو سیراب کرتی ہیں۔ اگر یہ تحصیل جس میں غیر مُسلم ۳۵۰۰۰ کی اکثریت میں ہیں مغربی پنجاب سے جدا کر دی جائے تو اس کا اثر مغربی پنجاب کی تیس لاکھ آبادی پر جس میں ہندو اور سکھ بھی شامل ہیں بہت تباہ کُن ہوگا۔ اس لئے یہ بالکل مناسب ہوگا کہ تیس لاکھ کے مفاد کو ۳۵۰۰۰ کے مفاد پر قربان نہ کیا جائے۔ اس لئے پٹھانکوٹ کا معاملہ بالکل استثنائی صورت کا ہے اور اس کی پنجاب کے دوسرے حصوں میں نظیر نہیں ملتی۔ اس لئے یہ تحصیل خاص غور کی مستحق ہے اور "دیگر امور" کے تحت میں شمار کیا جانے والا مناسب کیس ہے۔

ضمناً یہ بات بھی قابلِ تذکرہ ہے کہ اس تحصیل کے کچھ حصے ریاست چمبہ کی ملکیت ہیں اور ان میں ہندوؤں کی غالب اکثریت ہے۔ اگر ان علاقوں کو جُدا کر دیا جائے تو دوسرے حصّوں کی اکثریت میں معتد بہ کمی آ جائے گی۔ اگر کمشن کے آخری فیصلہ میں مسلمانوں کی عظیم اکثریت والی تحصیلیں جو عارضی تقسیم میں مشرقی پنجاب میں شامل کر دی گئی ہیں پاکستان کو واپس نہ ملیں تو پٹھانکوٹ ہندوستان کو دیئے جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

۴۔ اگلا سوال یہ ہے کہ اگر تقسیم کی اکائی ایک تحصیل سے کم علاقہ قرار دیا جائے تو اس کا قادیان اور اس کے ملحقہ علاقہ پر کیا اثر ہوگا؟ اس کے متعلق ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ تقسیم کی اکائی یا تو ضلع ہو یا تحصیل۔ تحصیل سے کم اکائی سے مطلب حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ

(ا) اگر تقسیم کی اکائی تحصیل سے کم ہو تو ملک کی حفاظت اور اندرونی تجارت پر کنٹرول زیادہ مشکل ہو جائے گا۔

(ب) وائسرائے کے اعلان میں ۱۹۴۱ کی مردم شماری کے اعداد و شمار کو تسلیم کیا گیا ہے اور مردم شماری کی رپورٹ میں تحصیلوں سے کم علاقوں کے اعداد نہیں ہیں۔ اس لئے یہ ظاہر ہے کہ جب مردم شماری کی رپورٹ کو آبادی کی بنیاد قرار دینا ہے تو پھر تقسیم کی اکائی یا ضلع چاہیئے یا تحصیل۔ جس کے اعداد مردم شماری کی مطبوعہ رپورٹ میں درج ہیں۔

(ج) اگر ہم بغرض بحث یہ فرض کرلیں کہ بونڈری کمیشن تقسیم کی خاطر تحصیل سے کم علاقہ کو اکائی کے طور پر استعمال کرے تو ایسی اکائی صرف تھانہ ہو سکتا ہے یا گرداور کا حلقہ یا ذیل یا گاؤں۔ پس اگر گاؤں کو اکائی قرار دیا جائے تو مُسلم علاقے امرتسر، فیروزپور، جالندھر، ہوشیارپور، لدھیانہ اور انبالہ کے اضلاع میں کیکر ٹنے کے بہت سے پنجوں کی طرح پھیل جائیں گے۔ اسی طرح غیر مُسلم علاقے ٹکڑوں میں لاہور اور گورداسپور کے اضلاع میں مل جائیں گے۔ اس قسم کی تقسیم قیام امن کے لئے مفید نہیں۔ اس سے سرحد پر رہائش کی تکالیف میں اضافہ ہوگا۔

اس سے ذرا بڑی اکائی ذیل ہے۔ ذیل میں پچاس ساٹھ گاؤں شامل ہوتے ہیں۔ ذیل کا فائدہ صرف یہ ہے کہ دیہات کو اطلاع اور گورنمنٹ کے اعلانات پہنچانے میں آسانی ہوتی ہے۔ ذیلدار کوئی گورنمنٹ کا ملازم نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک زمیندار ہوتا ہے جو اعزازی طور پر ذیلدار کی حیثیت میں کام کرتا ہے۔ اُسی

کا کام یہ ہوتا ہے کہ پولیس اور محکمہ مال کے افسروں کی عام طور پر مدد کرے۔ ذیل بھی ایک غیر مناسب اکائی ہے۔ لیکن اگر باؤنڈری کمشن ذیل کو ہی ایک یُونٹ کے طور پر ماننے کے لئے تیار ہو تو پھر ڈلّہ ذیل میں جس میں قادیان شامل ہے مسلمانوں کی اکثریت ۶۱،۱۰٪ ہے۔ درحقیقت قادیان کے مشرق میں دریائے بیاس تک اور مغرب میں بٹالہ تک تمام ذیلیں ایسی ہیں جن میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے الغرض اگر ذیل کو بھی تقسیم کے لئے یونٹ تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی قادیان ضرور مغربی پنجاب میں شامل ہونا چاہیئے۔

ذیل سے بڑی یونٹ (اکائی) قانونگو کا علاقہ ہوتا ہے۔ اس یونٹ میں ستّر سے اسّی گاؤں شامل ہوتے ہیں اگر اس یونٹ کو تقسیم کے لئے اکائی مانا جائے تو پھر بھی قادیان لازمی طور پر مغربی پنجاب میں شامل رہنا چاہیئے کیونکہ قادیان کے قانونگو کے حلقہ میں مسلمانوں کو ۵۴،۲۴٪ کی اکثریت حاصل ہے۔ دراصل قادیان سے بیاس تک ایسے حلقوں میں مسلمانوں کی واضح اکثریت ہے۔

قانونگو کے حلقے سے بڑا حلقہ تھانے کا حلقہ ہے۔ سو اس کی حیثیت انتظامی ہوتی ہے۔ عام لوگوں کے لئے اس حلقہ کو یونٹ تسلیم کرنے سے لامتناہی مشکلات کا سامنا ہوگا۔ لیکن اگر تھانے کو ہی یونٹ تسلیم کرنا ہے تو پھر بھی قادیان مغربی پنجاب میں شامل ہونا چاہیئے کیونکہ بٹالہ کے تھانے میں جس میں قادیان واقع ہے مسلمانوں کی تعداد ۵۵،۹۸٪ ہے۔ بٹالہ کے شمال مشرق میں جو تھانہ ہے اس میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ صرف تھانہ سری گوبند پور میں جو قادیان سے جنوب مشرق میں ہے غیر مسلم اکثریت میں ہیں۔ لہٰذا قادیان لازمی طور پر مغربی پنجاب میں شامل ہونا چاہیئے خواہ تقسیم کا یونٹ ضلع ہو یا تحصیل، تھانہ ہو یا حلقہ قانونگو یا ذیل۔ اسے مغربی پنجاب سے جُدا کرنا حد درجے کی ناانصافی اور غیر دانشمندانہ اقدام ہوگا۔

لیکن اگر گاؤں کو تقسیم کا یونٹ قرار دیا جائے تو قادیان کی پوزیشن ذرا مختلف ہو جاتی ہے۔ بٹالہ سے شروع کر کے ہم گاؤں بہ گاؤں جائزہ لیں تو لگاتار مسلمانوں کے اکثریت والے گاؤں آتے ہیں۔ صرف قادیان کے شمال میں ایک گاؤں میں غیر مُسلموں کی تعداد مسلمانوں سے بقدر ۲۴ زیادہ ہے۔ وہاں سے قادیان کی جانب ایک سالم گاؤں مسلمانوں کا ہے۔ اس کے بعد قادیان آتا ہے جس میں ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کی رُو سے دس ہزار سے زیادہ آبادی ہے۔ لیکن اس وقت اس کی آبادی پندرہ ہزار سے زائد ہے اور اس میں مسلمان اکثریت ۹۰٪ سے زیادہ ہے۔ اس لئے یہ معقول دلیل ہے کہ ایسا گاؤں

جس میں صرف غیر مسلم ۴۲ کی اکثریت میں ہوں اردگرد کے مسلمان اکثریت کے علاقے اور قادیان کے درمیان جس میں قریباً چودہ ہزار مسلمان ہیں، روک نہیں سمجھا سکتا۔ اس کے علاوہ ہم نے پہلے ہی اس بات پر زور دیا ہے کہ گاؤں مناسب اکائی نہیں لیکن اگر گاؤں کو یونٹ قرار دینا ہے تو پھر یہ یونٹ بطور قاعدہ سارے پنجاب میں استعمال ہونا چاہیئے۔ لیکن گاؤں کو یونٹ تسلیم کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صوبے کو نہایت ہی بُرے طور پر نامناسب اور نامکمل ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

نقشوں کے پانچ سیٹ جو تحصیل، تھانے، قانون گو سرکل اور ذیل کی بناء پر تیار کئے گئے ہیں ضمیمہ ۲ کے طور پر ساتھ شامل کئے جاتے ہیں تاکہ بآسانی بطور حوالہ استعمال کئے جا سکیں۔

ہم پہلے ہی بالوضاحت بتا چکے ہیں کہ "دیگر امور" صرف اس وقت زیر غور لانے چاہئیں جب حدِّ فاصل کی تعیین میں معمولی تفصیلات کا فیصلہ کیا جا رہا ہو۔ اس لئے اگر گاؤں کو یونٹ قرار دیا جائے تو "دیگر امور" کے اس اصول کو جائز طور پر استعمال کر کے اس صورت میں قادیان کا تسلسل دوسری مسلم اکثریت کے علاقوں کے ساتھ معمولی طور پر ٹوٹتا ہے۔ اُسے دیگر امور کے اصول کو جائز طور پر استعمال کر کے دُور کیا جا سکتا ہے۔

ہماری رائے میں اَور بھی بہت سے "دیگر امور" ہمارے اس دعوے کی حمایت میں پیش کئے جا سکتے ہیں کہ قادیان مغربی پنجاب کا حصہ ہونا چاہیئے۔

۱۔ قادیان سلسلہ احمدیہ کا مرکز اور صدر مقام ہے اور اسے معمولی مذہبی مقامات سے بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ سکھوں اور ہندوؤں کے مقدّس مقامات کو جو تقدیس حاصل ہے وہ فرقہ وارانہ روایات کی بناء پر ہے لیکن قادیان کی تقدیس اور عظمت کی بنیاد خدا تعالیٰ کے الہام اور گذشتہ انبیاء کی بہت سی پیشگوئیوں پر ہے۔ جماعت احمدیہ کے افراد کی نگاہ میں قادیان کی تقدیس مکّہ اور مدینہ کی تقدیس سے دوسرے درجہ پر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے مقدّس مقامات کے سوا اور کوئی ایسا مقام نہیں جس کی تقدیس مذہبی کتب یا خدا تعالیٰ کے الہام پر مبنی ہو جیسا کہ مکّہ اور مدینہ کو سب نبیوں کے سردار حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے غیر فانی تقدیس حاصل ہوئی ہے۔ قادیان نے بھی یہ تقدیس آنحضرتؐ کے رُوحانی شاگرد اور جانشین تحریک احمدیت کے بانی حضرت احمدؑ کے طفیل اسلام کی خدمت کے لئے حاصل کی ہے۔ بانی سلسلہ احمدیہ جنہوں نے قادیان کو اس تحریک کا مرکز قرار دیا ہے احمدیوں کے نزدیک آخری زمانے کے وہ عظیم الشان مصلح ہیں جن کے وجود میں حضرت مسیح

علیہ السلام کی بعثت ثانیہ کی پیشگوئی پوری ہوتی ہے۔ نیز وہ حضرت رسُول کریمؐ کے رُوحانی شاگرد اور ان کے خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ خلیفہ ہیں اور ان کے وجود میں وہ تمام پیشگوئیاں پُوری ہوتی ہیں جو گزشتہ انبیاء نے آخری زمانہ کے متعلق کی ہیں۔ اس لئے ہمارے نزدیک ہندوستان کے کسی اور مذہبی مقام کا تقدس کے لحاظ سے قادیان سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے فرقے بے شک اس وقت تعداد میں زیادہ ہیں لیکن جس اصول پر ان کے مذہبی مقامات کو تقدس حاصل ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے جس کی بنا پر احمدیوں کے مرکز کی تقدیس کا انحصار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی دوسرے فرقے کو اپنے مرکز سے وہ لگاؤ نہیں جو احمدیوں کو قادیان سے ہے۔

اس وقت ہندوستان میں احمدیوں کی تعداد قریباً ۵ لاکھ ہے۔ مگر اُن احمدیوں کی تعداد جو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر قادیان میں جمع ہوتے ہیں دوسرے مذاہب کے اسی قسم کے اجتماعوں کے مقابلہ میں نسبتاً بہت زیادہ ہے یہاں تک کہ محکمہ ریلوے کو زائرین کی آمد و رفت کے لئے چار دن تک سپیشل گاڑیاں چلانی پڑتی ہیں۔ دُور دراز کے علاقوں سے لوگ ہجرت کر کے قادیان آباد ہوتے رہتے ہیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جبکہ اسی صدی کے شروع میں قادیان کی آبادی صرف چند نفوس پر مشتمل تھی اس وقت یہ آبادی ۱۴۰۰۰ سے کم نہیں اور یہ صرف ہندوستان کے مختلف علاقوں کے لوگوں پر ہی مشتمل نہیں بلکہ غیر ممالک کے لوگ بھی یہاں آکر آباد ہوئے ہیں اور سوسائٹی کے ہر طبقہ کے لوگوں کی یہ شدید خواہش ہوتی ہے کہ وہ اسلام کی خدمت کے لئے زندگی وقف کر کے قادیان آکر آباد ہوں۔ دُنیا کے تمام علاقوں سے لوگ یہاں مذہبی اور رُوحانی تربیت کے لئے آتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوؤں کی تعداد تیس کروڑ اور سکھوں کی پچاس لاکھ کے قریب ہے لیکن ہندوستان سے باہر تبدیلی مذہب کر کے مزید اقوام کے لوگ ان میں شامل نہیں ہوتے۔ لیکن سلسلہ احمدیہ کی شاخیں امریکہ، کینیڈا، ارجنٹائنا، انگلستان، فرانس، سپین، اٹلی، شام، فلسطین، ایران، افغانستان، چین، لنکا، ماریشس، برما، ملایا، انڈونیشیا، کینیا، ٹانگانیکا، یوگنڈا، ابی سینیا، سوڈان، نائیجیریا، گولڈ کوسٹ اور سیرالیون میں پائی جاتی ہیں۔ بعض غیر ممالک میں مقامی جماعتوں کی شاخیں سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ہزاروں کی تعداد میں امریکن شہری احمدیت کے معتقد ہیں۔ اس وقت بھی قادیان میں ایک انگریز سابق لیفٹیننٹ اور ایک

شامی بیرسٹر دینی تعلیم کے لئے موجود ہیں۔ایک جرمن سابق فوجی افسر عنقریب قادیان میں بطور مسلم مشنری ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے آرہے ہیں۔اسی طرح امریکہ، سوڈان اور ایران سے بھی نومبائع دینی تعلیم کے لئے قادیان آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی انڈونیشیا، افغانستان، چین اور افریقہ سے طالب علم ہمارے مرکز میں آئے ہیں۔اس لئے قادیان کو جو مقام مذہبی مرکز ہونے کی حیثیت سے حاصل ہے وہ بہت بلند ہے۔اگر مذہبی مقامات "دیگر امور" میں شامل ہیں تو بلاشک شُبہ قادیان کا نمبر اوّل ہے۔

۲۔ تحریک احمدیت کے ہندوستان میں ۵۴۷ مقامی مراکز ہیں جن میں ۲۴۵ یعنی ۴۷٪ کے قریب پاکستان میں واقع ہیں (ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۲) اس لئے قادیان کو مغربی پنجاب سے جدا کرنا تحریک کے مستقبل کے لئے نقصان دہ ہوگا۔

۳۔ تحریک احمدیت کے مقدس بانی قادیان میں پیدا ہوئے اور اکثر کتابیں جو انہوں نے اپنی تعلیم کی اشاعت کے لئے لکھیں، اُردو زبان میں ہیں۔آپ کی بعض کتابیں عربی اور فارسی میں ہیں ہندوستان کی حکومت نے پہلے سے ہی اُردو کو ختم کر دینے کا ارادہ ظاہر کر دیا ہے۔ہندوستان ریڈیو جو زبان استعمال کر رہا ہے وہ ابھی سے ایسی ہے کہ ایک عام مسلمان کی سمجھ سے بالا ہے۔کچھ عرصہ کے بعد یہ زبان اردو بولنے والوں کے لئے بالکل اجنبی ہو جائے گی۔اگر قادیان کا الحاق مشرقی پنجاب سے کر دیا گیا تو اس کا مطلب ان دو میں سے ایک ہوگا۔یا تو قادیان احمدیوں میں اُردو زبان کی ترقی اور فروغ کے لئے جدوجہد کو جاری رکھے اور اس طرح اپنے نوجوانوں کو گورنمنٹ کی ملازمتیں حاصل کرنے سے محروم کر دے اور اپنے افراد کو صنعت اور تجارت میں ترقی کرنے سے روک دے یا قادیان اُردو کو خیرباد کہہ دے جس میں سلسلہ کا مذہبی لٹریچر ہے اور اس طرح اپنے مذہبی مستقبل کے لحاظ سے خودکشی کر لے۔سلسلہ احمدیہ کے لئے ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بھی قابل قبول اور ممکن نہیں نہ کوئی معقول انسان ان کو قبول کرنے کا مشورہ دے سکتا ہے۔علاوہ ازیں سلسلہ احمدیہ کی ہندوستان سے باہر بیسیوں شاخیں ایسی ہیں جو قدرتی طور پر پاکستان سے زیادہ گہرے تعلقات کی خواہاں ہوں گی۔

پیشتر اس کے کہ ہم اگلا امر پیش کریں یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ جہاں سکھ قوم کا مطالبہ کہ اُن

کی یکجہتی کو تحفظ دیا جائے۔ اکثریتی علاقے کے طے شدہ اصول کے خلاف ہے۔ ہمارا یکجہتی کے تحفظ کا مطالبہ اس اصول کی تائید میں ہے۔

۴۔ احمدیوں کا صرف ایک ہی کالج ہے اور وہ قادیان میں واقع ہے۔ اگر قادیان کو مشرقی پنجاب سے ملا دیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ایک مملکت کے (ایک فرقے کے) طلباء کی اکثریت کو دوسری مملکت میں واقع کالج میں تعلیم حاصل کرنا پڑے گی۔ یہ امر نہایت ہی نقصان دہ ہوگا اور مثبت طور پہ طلبا اور ادارے کے معیار کو تباہ کرنے کا موجب ہوگا۔

۵۔ تحریک احمدیت کے مقدس بانی کا یہ ارشاد ہے کہ احمدیہ فرقے کا مرکز ہمیشہ قادیان ہوگا۔ اس لئے نہ تو جماعت کے لئے اور نہ ہی موجودہ امام کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ جماعت کے مرکز کو قادیان سے کسی اور جگہ منتقل کریں۔

۶۔ اس تحریک کے مقدس بانی قادیان کی سرزمین میں مدفون ہیں۔ بعض انتظامات کے ماتحت جن کا بیان کرنا یہاں غیر ضروری ہے سلسلہ کے سرکردہ افراد کی نعشیں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے یہاں دفن کرنے کے لئے لائی جاتی ہیں۔ اس لئے احمدیوں کے لئے اپنے مرکز کو قادیان سے کسی اور جگہ لے جانا ممکن نہیں ہے۔

۷۔ متعدد مقدس عمارتیں اور یادگاریں قادیان میں موجود ہیں اس لئے بھی احمدی اپنا مرکز تبدیل نہیں کر سکتے۔

۸۔ اس فرقے کی جائیداد کا قریباً ۹۰٪ مغربی پنجاب اور پاکستان میں واقع ہے اور اگر قادیان کو مشرقی پنجاب سے ملا دیا جائے تو اس جماعت کے مرکز کو مالی وسائل کے اعتبار بے حد نقصان پہنچیگا۔

۹۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قادیان میں ہے۔ پس اگر قادیان کو مشرقی پنجاب سے ملا دیا گیا تو یہ دیگر مسلمانوں کے لئے عموماً اور احمدیوں کے لئے خصوصاً تباہ کن اقدام ہوگا۔

۱۰۔ بعض ذمہ دار انگریز حکام کے بیانات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "دیگر امور" کے الفاظ خاص طور پہ سکھوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں جنہوں نے حکومت انگریزی کی بڑی خدمات سرانجام دی ہیں۔ لیکن اگر دونوں جماعتوں کی تعداد کو مدنظر رکھا جائے تو اگرچہ احمدیوں کی تعداد سکھوں سے بہت تھوڑی ہے۔ لیکن انہوں نے جو بے لوث خدمت دونوں عالمگیر جنگوں میں

سرانجام دی ہیں وہ کسی طرح بھی سکھوں کی خدمت سے کم نہیں۔ قادیان نے جس کی آبادی ۱۴۰۰۰ ہے دوسری عالمگیر جنگ کے موقع پر فوج کے لئے ۱۴۰۰ رنگروٹ مہیا کئے۔ جماعت احمدیہ اگرچہ ایک چھوٹی سی جماعت ہے لیکن ۲۰۰ سے زائد احمدیوں نے شاہی کمیشن حاصل کیا (ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۳) اس لحاظ سے اگر تعداد کی نسبت کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو احمدیہ جماعت ہندوستان کی تمام جماعتوں سے اوّل نمبر پر آتی ہے۔

بیسیوں احمدی والدین نے اپنے تمام بالغ بیٹوں کو اپنے واجب الاحترام امام کے فرمان پر لبیک کہتے ہوئے جنگی خدمات کے لئے پیش کر دیا۔ ذیل کے دو اقتباسات ان خدمات پر جو احمدی احباب نے جنگ کے موقع پر سرانجام دی ہیں بطور تبلیغ شہادت کے پیش کئے جا سکتے ہیں۔

"میں آپ کے نوٹس میں وہ عظیم الشان کام لانا چاہتا ہوں جو ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب پٹیالہ اور ان کے افسروں، نیز کنور جس جیت سنگھ اور سید زین العابدین ولی اللہ شاہ ناظر امور عامہ و خارجہ جماعت احمدیہ قادیان اور سردار کرتار سنگھ دیوانہ نے ٹیکنیکل بھرتی کے سلسلے میں کیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ پُرزور سفارش کرتا کہ ان کی خدمت میں سنہری گھڑیاں بطور انعام پیش کی جاتیں۔ لیکن یہ چونکہ بزرگ ہستیاں ہیں میں صرف اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ ڈائریکٹر آف ریکروٹنگ ان کی قابل قدر خدمات اور امداد کے اقرار کا اعلان فرمادیں۔" (اقتباس از خط بصیغہ راز مورخہ ۲۶ ؍۴۴ از اے۔ٹی۔آر۔او جالندھر بنام ڈی۔ٹی۔آر۔او سب ایریا نمبر ۲ لاہور)

نیز کیپٹن سجان سنگھ صاحب اسسٹنٹ ٹیکنیکل ریکروٹنگ آفیسر جالندھر چھاؤنی سیکرٹری امور عامہ و خارجہ جماعت احمدیہ قادیان کو لکھتے ہیں:۔

"میں شکریے کے ساتھ آپ کی ان بے بہا خدمات کا اعتراف کرتا ہوں جو آپ نے ٹیکنیکل آدمیوں کی بھرتی کے سلسلے میں سرانجام دی ہیں۔ آپ نے جنگی کوششوں میں گہری دلچسپی لی ہے اور ایک بڑی تعداد کاریگروں، کلرکوں اور جنگی کاموں کی تربیت لینے والے نوجوانوں کی مہیا کی ہے اور آپ نے پبلک میں اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے بھی کام لیا ہے اور محکمہ بھرتی کے سٹاف سے فراخدلی کے ساتھ تعاون کیا ہے۔ مجھے اس امداد کا بھی اعتراف

ہے کہ جو آپ کے مقامی سکرٹریوں اور معاونین کی طرف سے میرے حلقہ میں ہر جگہ مجھے ملی ہے۔ آپ کی کوششوں کے نتیجے میں قریباً سات ہزار رنگروٹ فوجی خدمات کے لئے بھرتی ہوئے ہیں۔

مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ اگر آپ اپنے ماتحتوں کو ہدایت جاری کر دیں کہ وہ اپنی کوششوں کو دوچند کر دیں تاکہ ہم اتنی ہی مدت میں پہلے سے دُگنے رنگروٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ مَیں یقیناً امید رکھتا ہوں کہ آپ آئندہ بھی اسی طرح امداد جاری رکھیں گے "

(ڈی۔ او نمبر جے ایم / ۱۴ / ۲۹۳۶ دفتر ٹیکنیکل بھرتی جالندھر مورخہ ۲ اپریل ۱۹۴۳ء)

اس خط میں صرف ان احمدی رنگروٹوں کا ذکر ہے جو کہ اپریل ۱۹۴۳ء تک پنجاب کے صرف ایک ڈویژن میں بھرتی ہوئے تھے۔ اگر دوسرے ڈویژنوں اور بعد میں بھرتی ہونے والے رنگروٹوں کو شامل کیا جائے تو تعداد ۱۵۰۰۰ سے بہت زیادہ ہو جائے۔

پس ہمارے نزدیک اگر سکھوں کی خدمات ان کو پنجاب کی تقسیم میں کسی قسم کے خاص لحاظ کا حقدار بنا دیتی ہیں تو جماعت احمدیہ بھی اپنی خدمات کے عوض اسی طرح کے لحاظ کی حقدار ہے۔ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سکھوں کی خدمات کا اور طرح سے بھی بدلہ دیا جاتا رہا ہے لیکن جماعت احمدیہ نے کبھی اپنی خدمات کے عوض کسی بدلے کی خواہش نہیں کی ہے۔

۱۱۔ قادیان ایک شہر ہے۔ اس لئے شہر کے مطالبات کو اردگرد کے کسی ایک دہ یا کئی دیہات کے مطالبات پر ترجیح ملنی چاہیئے۔

الغرض آبادی کے تسلسل کے علاوہ دیگر اس قدر امور قادیان کے اس مطالبے کے حق میں ہیں کہ اسے مغربی پنجاب میں شامل کیا جائے کہ کسی صورت میں بھی اس کے خلاف کوئی اور مطالبہ قابل غور قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس جگہ ہم ایک اَور امر کی بھی تردید کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں جن کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ گورداسپور کو مغربی پنجاب میں شامل کرنا ممکن نہیں۔ بعض سرکاری حلقوں میں یہ کہا جا رہا ہے کہ اقتصادی زندگی اور ذرائع رسل و رسائل کے پیش نظر اس ضلع کا الحاق مشرقی پنجاب سے ہونا چاہیئے مگر یہ خیال درست نہیں کیونکہ آبادی کی اکثریت کے بنیادی اصول کو نظرانداز کرنا بونڈری کمیشن کے اختیارات اور مفوضہ فرائض سے باہر ہے۔ یہ

کمیشن اس لئے مقرر نہیں کیا گیا ہے کہ پسماندہ آبادیوں کے مفاد کی حفاظت کرے اور یہ فیصلہ کرے کہ ان کی صحیح ضروریات کیا ہیں۔ اس کے ذمہ یہ کام ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مسلسل اکثریت والے علاقوں کی تعیین کر کے ان کے درمیان حد فاصل قائم کرے۔ اور اگر اس سے اس ضلع کے باشندوں کو کوئی تکلیف ہو تو یہ صرف گورداسپور کے ضلع کی اکثریت کا کام ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ آیا وہ اس تکلیف کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہے کہ اس کے راستے غیر ملک میں سے گذریں۔ اور اگر وہ اسے برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں تو کسی اور کو اعتراض کرنے کا حق نہیں پہنچتا اور نہ اُن کے اس حق سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ وہ جس طرح چاہیں اُسے استعمال کریں۔

علاوہ ازیں یہ کوئی ناقابل حل مشکل بھی نہیں ہے جیسا کہ اُن ممالک کے عمل سے ظاہر ہے جہاں کامیابی سے اس دقت کو حل کیا گیا ہے۔ اس قسم کا ایک مسئلہ اس بونڈری کمیشن کو بھی درپیش تھا جسے لیگ آف نیشنز نے شام اور عراق کی حد بندی کے لئے مقرر کیا تھا کیونکہ عراق کی مجوزہ ریلوے لائن کا ایک حصہ مجبوراً شام کے بعض حصوں میں سے ہو کر گذرتا تھا۔ عراق اس وقت انگریزوں کے زیر حکومت تھا اور شام فرانسیسیوں کے۔ کمیشن نے اس کا جو حل تجویز کیا وہ یہ تھا:۔

> "اگر انگریزی ریلوے لائن کے کسی حصے کا بعض ٹیکنیکل وجوہات کی بناء پر فرانسیسی علاقے میں سے گذرنا ناگزیر ہو تو اس صورت میں فرانسیسی حکومت ایسے حصے کو جو ان کے علاقے میں واقع ہوگا۔ پورے طور پر اس مقصد کے لئے غیر جانبدار علاقہ قرار دے دے گی۔ کہ انگریزی حکومت اور اس کے ٹیکنیکل ماہرین کو ریلوے ضروریات کے لئے وہاں تک پہنچنے میں پوری پوری سہولتیں بہم پہنچائے"

اس حوالے کو درج کرنے کے بعد مسٹر سٹیفن بی جونز اپنی کتاب موسومہ BOUNDRY MAKING میں لکھتے ہیں:۔

> "یہ عبارت بتاتی ہے کہ آمد و رفت کے ذرائع کی وحدت حدود میں تبدیلی کئے بغیر بھی قائم رکھی جا سکتی ہے۔ مختلف قسم کی غیر علاقوں میں آمد و رفت کے حقوق کا جن میں گلوں کی موسمی نقل و حرکت بھی شامل ہے عہد و پیمان کے ذریعے تصفیہ کیا جاتا ہے"

پس اگر لاہور سے نگروٹہ تک ریلوے لائن مغربی پنجاب کے حصے آئے یا مشرقی پنجاب کے حصے

میں، اس لائن کا امرتسر سے نگروٹہ تک کا ٹکڑا آئے یا ہرایک اس حصّے پر ہی قابض ہو جو اس کے علاقے میں سے گذرتی ہے بہرصورت اس مشکل کو آپس میں تصفیئے کے ذریعے حل کیا جا سکتا ہے۔ پس صرف اس مشکل کی بناء پر اکثریت کی خواہشات کو ٹھکرانے اور اس علاقے کو پنجاب کے دوسرے حصہ میں شامل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

اگر ایسا سمجھوتہ ممکن نہ ہو تو گورداسپور کے ضلع کو براہ راست پاکستان سے اس طرح ملایا جا سکتا ہے کہ بٹالے سے چھوٹی سی ریلوے لائن ڈیرہ بابا نانک تک بنا دی جائے جو پہلے ہی نارووال کے راستے پاکستان سے ملا ہوا ہے۔

اب ہم اس سوال پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ آبادی کی اکثریت کی بناء پر گورداسپور کو مغربی پنجاب سے الحاق کا جو حق پہنچتا ہے اس کے علاوہ بھی اور دیگر امور ایسے ہیں جن سے اس حق کی تائید ہوتی ہے۔

۱۔ اوّل امرتسر کو مشرقی پنجاب میں شامل کر کے قدرتی حدود کے اصول کو نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے جس کی بناء پر ایسا کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہاں کے باشندوں کی اکثریت کی خواہشات کا خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن اس طرح سے مشرقی پنجاب کو یہ موقع دیا گیا ہے کہ وہ اپنے فوجی انتظامات کو دریائے بیاس سے پرے تک اس علاقے میں لے جائیں جو جائز طور پر مغربی پنجاب کا ہے۔ اب اگر باوجود اس امر کے کہ وہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے اگر گورداسپور کا ضلع یا اس کا کوئی حصہ بھی مشرقی پنجاب میں شامل کر دیا جائے تو یہ نہ صرف اکثریت کی خواہشات کی قربانی ہوگی بلکہ اس کی مدد سے مشرقی پنجاب امرتسر کو آسانی سے مغربی پنجاب پر حملہ آور ہونے کے لئے بطور مرکز استعمال کر سکتا ہے۔ اس کے تو یہ معنی ہوں گے کہ مغربی پنجاب کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے مشرقی پنجاب کے حوالے کر دیا جائے۔

بیشک اس وقت ہندوستان اور پاکستان دونوں اعلان کر رہے ہیں کہ ان کا ارادہ پُرامن ہمسائیوں کی طرح رہنے کا ہے۔ لیکن اس بات کی گارنٹی نہیں دی جا سکتی کہ آئندہ دونوں ملکوں کے درمیان اُلجھنیں پیدا نہ ہوں گی۔ اس لئے دونوں ملکوں کے درمیان جنگ کے امکان کو نظرانداز نہیں کیا جانا چاہیئے۔ پس اگر ضلع گورداسپور یا اس کا کوئی حصہ مشرقی پنجاب میں شامل کر دیا گیا تو جنگ کی صورت میں امرتسر جنگی کارروائیوں کا بڑا مرکز بن جائے گا اور چونکہ وہاں سے مغربی پنجاب کا دارالحکومت صرف

۱۸ میل کے فاصلے پر واقع ہے اس لئے یہ مغربی پنجاب کے خلاف فوجی دباؤ کے لئے بہترین مقام بن جائے گا۔ اس لئے اس نکتہ نگاہ سے لاہور کے تحفظ اور مغربی پنجاب کے تحفظ کے لئے جس کا لاہور صدر مقام ہے یہ نہایت ضروری ہے کہ گورداسپور کا ضلع مغربی پنجاب میں شامل ہو تاکہ دریائے بیاس کے اس طرف جو مشرقی پنجاب کے علاقے ہیں ان کو پاکستان پر جب اور جس وقت چاہیں حملہ کرنے کی کھلی چھٹی نہ مل جائے۔ لیکن اگر امرتسر کے علاوہ گورداسپور کا ضلع بھی مشرقی پنجاب میں شامل کر دیا گیا تو فوجی نقطہ نگاہ سے پوزیشن بالکل بدل جائے گی اور اس صورت میں مشرقی پنجاب نہ صرف لاہور کی شہ رگ کے قریب اور اس لئے تمام مغربی پنجاب کی شہ رگ کے قریب اپنی مضبوط فوجی چوکیاں قائم کرنے کے قابل ہو جائے گا بلکہ ضلع گورداسپور کے ملحقہ علاقے میں نقل و حرکت کے لئے جگہ مل جائے گی۔ اور یہ امر مغربی پنجاب کے تحفظ کے لئے ایسا خطرہ ہو گا جو اس کے سارے دفاعی نظام کو مفلوج کرنے کا موجب ہو سکے گا۔ اس لئے مغربی پنجاب کا حق ہے کہ وہ گورداسپور کے ضلع کو جو مسلم اکثریت کا ضلع ہے (اور یہ اکثریت مغربی پنجاب میں شامل ہونا چاہتی ہے) اپنے میں شامل کرنے پر مصر ہو کیونکہ یہ اس کے مشرق سے حملہ کے خلاف دفاعی نظام کے لئے نہایت ضروری ہے۔ نیز حدود کی تعیین میں جھگڑوں کو طے کرنے کے لئے یہ منصفانہ اصول تسلیم شدہ ہے کہ جہاں کوئی متنازعہ فیہ علاقہ ایسی جنگی پوزیشن کا حامل ہو کہ ایک دعویٰ دار ملک کے لئے اس کا حصول مدافعانہ حیثیت سے ضروری ہو اور دوسرے کے لئے جارحانہ حیثیت سے اور باقی امور دونوں کے لئے یکساں ہوں تو اس فریق کے دعویٰ کو ترجیح دی جائے گی جس کے لئے اس کی اہمیت مدافعانہ پہلو سے ہے۔

۲۔ گورداسپور کے مسلمانوں کی اکثریت جاٹ قوم سے تعلق رکھتی ہے جس کا بیشتر حصہ مغربی پنجاب کے اضلاع سیالکوٹ، شیخوپورہ، لائلپور اور لاہور میں بستا ہے۔ اس لئے گورداسپور کے مسلمانوں کو ایسے علاقے سے جُدا نہیں کرنا چاہیئے جس میں ان کی ذات کی اکثریت آباد ہے۔ بیشک انبالے کی کمشنری میں بھی جاٹ آباد ہیں لیکن وہ اکثر ہندو ہیں اور گورداسپور کے جاٹوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ پس گورداسپور کے ضلع کو مغربی پنجاب سے جُدا کرنے سے گورداسپور کے مسلمانوں کی سماجی زندگی کے راستے میں ناقابل حل مشکلات حائل ہو جائیں گی۔

۴۔ گورداسپور میں جو زبان بولی جاتی ہے جہاں وہ لاہور، سیالکوٹ اور دیگر ملحقہ علاقوں مثلاً شیخوپورہ اور گوجرانوالہ کی زبان سے بہت ملتی ہے وہاں یہ اس زبان کے مشابہ نہیں ہے جو مشرقی اضلاع میں بولی جاتی ہے۔ اس زبان کے بولنے والے لوگوں کی اکثریت چونکہ مغربی پنجاب میں رہے گی اس لئے گورداسپور کے مسلمان بھی اسی طرف جانے چاہئیں

آخر میں ہم قدرتی حدود کی خوبیوں اور نقائص کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں ——— جہاں وہ قدرتی روک کا کام دیتی ہیں اور ان کا تحفظ آسانی سے ہو سکتا ہے۔ تجربہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اکثر کئی قسم کے تکلیف دہ تنازعات کا دائمی موجب بھی بن جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر جہاں کہیں دریا دو ملکوں کے درمیان حدّ فاصل ہوتا ہے تو جب بھی اس میں طغیانی دیہاتی علاقہ کو متاثر کرتی ہے یا یہ اپنا راستہ بدل لیتا ہے۔ متاثرہ علاقے کی ملکیت کے متعلق جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب مقامی بند تعمیر کرنے کا سوال درپیش ہو تو پھر بھی بڑی دقت کا سامنا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ماہی گیری اور جہاز رانی سے متعلقہ حقوق کے جھگڑوں کا ایک سلسلہ لامتناہی پیدا کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم یہ سفارش کرتے ہیں کہ اگر کہیں دریا کو حد فاصل بنانے کا فیصلہ ہو تو لمبائی کی بجائے اس کی تقسیم چوڑائی کے اعتبار سے ہونی چاہئیے اس طرح سے اس قسم کے جھگڑوں کے مواقع میں بہت حد تک کمی ہو جائے گی۔

آخر میں ہم خدا تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وہ کمیشن کے ممبروں کی رہنمائی فرمائے اور انہیں ایسے فیصلے کی توفیق دے جس سے تمام متعلقہ علاقوں کی آبادی کے تمام عناصر مطمئن ہو سکیں اور ساتھ ہی ہماری یہ بھی دُعا ہے کہ خداوند کریم ہمارے سمیت ان تمام لوگوں کی بھی رہنمائی فرمائے جو اپنے خیالات کو کمیشن کے سامنے رکھ کر اس کی مدد کی کوشش کر رہے ہیں۔ خدا کرے کہ اس بحران میں ہمارا مقصد قیام امن، خدمتِ خلق اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہو۔

۱۔ مرزا بشیر احمد ایم۔ اے ناظر اعلیٰ جماعت احمدیہ قادیان

۲۔ عبدالرحیم درد ایم۔ اے سابق امام مسجد لنڈن ناظر تعلیم و تربیت جماعت احمدیہ قادیان

۳۔ مرزا عزیز احمد ایم۔ اے ناظر دعوت و تبلیغ جماعت احمدیہ قادیان

۴۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ (سابق پروفیسر ابوہیہ کالج یروشلم) ناظر امور عامہ و خارجہ جماعت احمدیہ قادیان

۵۔ عبدالباری بی۔اے آنرز ناظر بیت المال جماعت احمدیہ قادیان

۶۔ قاضی محمد عبداللہ بی۔اے ناظر ضیافت جماعت احمدیہ قادیان

۷۔ شیر علی بی۔اے ناظر تالیف و تصنیف جماعت احمدیہ قادیان

۸۔ فتح محمد سیال ایم۔اے، ایم ایل اے نائب ناظر دعوت و تبلیغ جماعت احمدیہ قادیان

ممبران صدر انجمن احمدیہ قادیان

میمورنڈم کے آخر میں تین ضمیمے بھی شامل کئے گئے۔

پہلا ضمیمہ مندرجہ ذیل چھ اہم نقشوں پر مشتمل تھا جنہیں باؤنڈری ایکسپرٹ مسٹر سپیٹ کی رہنمائی میں نہایت محنت و کاوش سے تیار کیا گیا تھا۔

۱۔ نقشہ پنجاب (تحصیل کو تقسیم کا یونٹ قرار دینے کی صورت میں)

۲۔ نقشہ ضلع گورداسپور (تحصیل کو تقسیم کا یونٹ قرار دینے کی صورت میں)

۳۔ " " " (تھانہ " " " " ")

۴۔ " " " (حلقہ قانونگو " " " ")

۵۔ " " " (ذیل " " " " ")

۶۔ نقشہ اضلاع گورداسپور، امرتسر اور سیالکوٹ کے بعض حصوں کا (بعد میں شامل کیا گیا)

دوسرے ضمیمے میں پاکستان (بشمول حلقہ قادیان، گورداسپور، جموں کشمیر) میں موجود ۷۴۵ احمدی جماعتوں کی فہرست دی گئی تھی۔

اور تیسرے ضمیمہ میں اُن ۱۹۹ احمدی افسروں کی فہرست درج تھی جنہیں جنگ عظیم ثانی میں شاہی کمشن دیا گیا تھا۔

حضرت مصلح موعود کی لاہور میں تشریف آوری

۱۸ جولائی ۱۹۴۷ء کو مختلف جماعتوں کے محضر نامے حد بندی کمیشن کو پہنچ گئے جس کے دو روز بعد ان کے وکلاء کی بحث کا آغاز ہوگیا۔ یہ موقعہ مسلمانانِ ہند کے لئے عموماً اور جماعت احمدیہ کے لئے خصوصاً زندگی اور موت کے سوال کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے حضرت سیدنا المصلح الموعود مع خدام کمشن کی کارروائی دیکھنے اور سُننے کے لئے ۲۲ جولائی ۱۹۴۷ء کو صبح کی گاڑی سے لاہور تشریف لے گئے[1] اور پانچ دن کے قیام کے بعد

[1] "الفضل" ۲۳ وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱۔

۲۷ جولائی ۱۹۴۷ء کو نو بجے صبح کی گاڑی سے وارد قادیان ہوئے۔[1] مگر اگلے روز (۲۸ جولائی کو) دوبارہ معہ خدام ۱/۲ ۶ بجے صبح بذریعہ کار لاہور تشریف لائے۔[2] اور لیگ کے کیس کی بحث مکمل ہونے کے بعد ۳۱ جولائی کو بذریعہ کار ۱/۲ ۷ بجے شام قادیان پہنچ گئے۔[3] الغرض حضور نے ایوارڈ کی کارروائی بچشم خود ملاحظہ فرمائی۔

حضرت مصلح موعود کا ایک ارشاد فرمودہ نوٹ باؤنڈری کمیشن سے متعلق

جماعت احمدیہ کے پرانے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے ۸ اگست ۱۹۴۷ء کو باؤنڈری کمیشن ایوارڈ کے تعلق میں مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے کے لئے جو حضور انور کے خصوصی نمائندہ کی حیثیت میں ان دنوں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقاتیں کر رہے تھے حسب ذیل نوٹ لکھوایا:۔

۱۔ "اگر اپر باری جناب نہر کا نظام علاقہ کو آبادی کی بناء پر تقسیم کرنے پر روک ہے اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کی کثرت آبادی کو قربان کرنے کا خیال پیدا ہو رہا ہے تو بیشک مسلمانوں کی اکثریت والے رقبہ کے حصہ نہر کو بند کر دیا جائے۔ وہ اس نقصان کے باوجود اپنی آبادی کی اکثریت والے علاقہ کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں اور نہر کے لئے اپنی آزادی کو قربان نہیں کرنا چاہتے۔

۲۔ ضلع گورداسپور کو نہر کا حصہ اتنا قلیل لگتا ہے (یعنی وہ کل رقبہ زیر کاشت قریباً ساڑھے نو لاکھ ایکڑ کے مقابلہ پر صرف ایک لاکھ پندرہ ہزار کے قریب ہے) اور پھر اس نہری حصہ میں بھی مسلمانوں کا بہت معقول حصہ ہے۔ پس غیر مسلموں کے اتنے قلیل نہری حصہ کی وجہ سے جو ضلع کے رقبہ کا ایک بالکل مفید جزء ہے۔ تحصیل بٹالہ و گورداسپور کو جس میں مسلمانوں کی مجموعی اکثریت قریباً ۵۴ فیصد ہے قربان نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانوں کی یہ اکثریت عیسائی آبادی کو ملا کر جو مسلمانوں کے ساتھ ہے قریباً ۶۰ فیصد ہو جاتی ہے۔

۳۔ ضلع لاہور اور ضلع گورداسپور جو مسلم اکثریت کے ضلع ہیں: ان میں نہری علاقہ قریباً ساڑھے نو لاکھ ایکڑ ہے۔ اس کے مقابل پر امرتسر کے ضلع میں صرف چار لاکھ ایکڑ نہری رقبہ ہے پس ڈبل رقبہ کو نصف رقبہ کے تابع نہیں کیا جا سکتا جبکہ ضلع امرتسر کی تحصیل اجنالہ بھی مسلم اکثریت کا علاقہ

---

[1] "الفضل" ۲۸ وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱۔ [2] "الفضل" ۲۹ وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸۔
[3] " یکم ظہور/اگست " صفحہ ۸۔

ہے اور ضلع امرت سر کے ساڑھے چار لاکھ نہری ایکڑوں میں اجنالہ کا بھی معقول حصہ شامل ہے

۴۔ اگر پھر بھی امرت سر کے ضلع کو اہمیت دینی ضروری سمجھی جائے تو گورداسپور کے نہری پانی کو بقیہ نہری پانی سے الگ کر دیا جائے اور اس تبدیلی پر جو خرچ ہو وہ مغربی پنجاب سے لے لیا جائے۔ اسی طرح لاہور کی نہر بھی اجنالہ کے واسطے سے الگ ہو سکتی ہے جو پانی قصور کی طرف امرت سر کی طرف سے جاتا ہے وہ اجنالہ کے نہری پانی کی مقدار بڑھا کر لاہور کی طرف سے قصور کی طرف منتقل کیا جا سکتا ہے بغیر اس کے کہ امرت سر کے پانی کو کوئی نقصان پہنچے۔ یہ خیال ہے کہ ضلع امرت سر کی تحصیل اجنالہ میں مسلم اکثریت ہے اور قصور میں تقسیم کئے جانے والے پانی کو اس تحصیل کے ذریعہ سے تحصیل لاہور میں سے گزارا جائے۔ تحصیل لاہور کا پانی پہلے سے ہی اس نہر کے ذریعہ سے ہی جاتا ہے۔

۵۔ اگر کسی وجہ سے یہ صورت بھی تسلی بخش نہ سمجھی جائے تو جہاں تک نہر کے انتظام کا تعلق ہے یہ انتظام مشرقی اور مغربی پنجاب کی حکومتوں کا مشترکہ رکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح آبادی کی اکثریت کو قربان کرنے کے بغیر ایک صورت پیدا کی جا سکتی ہے اور اس قسم کے انتظام یورپ کے کئی ممالک میں دریاؤں کے متعلق کئے جا چکے ہیں۔

۶۔ اسی طرح جہاں ریلوے لائن کے بارہ میں اس قسم کی دقت ہو اور ریل کا راستہ بدلا نہ جا سکے تو متعلقہ حصہ میں ریل کا انتظام بھی دونوں حکومتوں کو مشترکہ طور پر دیا جا سکتا ہے مگر کثرت آبادی کو دوسری قوم کے ماتحت کر کے تباہ نہیں کرنا چاہیئے۔

۷۔ اُوپر کے اصولوں میں سے جو اصول بھی اختیار کیا جائے وہ مسلمانوں اور غیر مسلمانوں پر یکساں طور پر چسپاں ہونا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ ایک جگہ غیر مسلموں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہو تو اس کو استعمال کر لیا جائے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہو تو چھوڑ دیا جائے۔

۸۔ اگر بہر حال سکھوں کو خوش کرنا ہے تو بٹالہ تحصیل کا وہ حصہ جو دریائے بیاس پر واقع ہے۔ کوئی چار پانچ میل چوڑا اور اتنا لمبا کہ سری گوبند پور اس میں آجائے ضلع امرتسر میں ملا دیا جائے اسی طرح بٹالہ تحصیل کے بقیہ حصہ میں مسلمانوں کی آبادی کی نسبت اور بھی بڑھ جائیگی جو ویسے بھی یہ آبادی سالم تحصیل میں ۵۵ ٪ ہے۔ اسی طرح پٹھانکوٹ کی تحصیل کا وہ حصہ جو

ایسا ہی مثال ری دو آب کی نہر سے اُوپر کی طرف واقع ہے مسلم لیگ کی تجویز کے مطابق کاٹ کر مشرقی پنجاب کے ساتھ ملایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ضلع گورداسپور کے بقیہ حصہ میں مُسلم اکثریت جو پہلے ہی معقول ہے اور بھی زیادہ ہو جائے گی۔

۹۔ جو اعداد و شمار صدر صاحب کے سامنے بغیر ہمارے علم میں آئے پیش کئے جائیں وہ ہمیں بھی دکھائے جائیں کیونکہ کمیشن کے سامنے یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ جو اعداد و شمار اس وقت افسران نے تیار کئے ہیں وہ تحقیق پر غلط ثابت ہوئے ہیں چنانچہ لاہور کے غیر مُسلم زمینداروں کی تعداد غلط ثابت ہوئی۔ اسی طرح گورداسپور کے غیر مُسلم زمینداروں کے اعداد و شمار غلط ثابت ہو چکے ہیں۔ اسی طرح شیخوپورہ کی دو ذیلوں کی غیر مُسلم آبادی زیادہ بتائی گئی تھی یہ بھی تحقیق پر غلط ثابت ہوئی۔ یہ سب اعداد و شمار ہندو افسروں نے تیار کئے تھے۔ پس ہو سکتا ہے کہ کوئی پرائیویٹ نقشہ یا اعداد و شمار جو پریذیڈنٹ تیار کروائے اس کے سامنے غلط نقشہ یا اعداد و شمار پیش کر دیئے جائیں۔ پس ایسا نقشہ یا اعداد و شمار ہمیں دکھا لینے چاہئیں تاکہ ہم اپنا اعتراض پیش کر سکیں . . . . . "

جماعت احمدیہ کے موقف کی وضاحت جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی طرف سے

حد بندی کمیشن کے سامنے ۲۱ر جولائی سے لے کر ۲۴ر جولائی تک پہلے مسٹر سیتلواد (بمبئی کے مشہور بیرسٹر) نے ہندوؤں کے نقطہ نگاہ کی وضاحت کی۔ پھر سردار ہرنام سنگھ صاحب نے سکھوں کا کیس پیش کیا۔ ۲۵ر جولائی سے لے کر ۳۰ر جولائی تک کے اجلاس مُسلم لیگ کے لئے مخصوص رہے۔ مُسلم لیگ کی ہائی کمان نے اپنے وقت میں سب سے پہلے جناب شیخ بشیر احمد صاحب بی۔ اے، ایل ایل بی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور کو جماعت احمدیہ کا موقف پیش کرنے کا موقعہ دیا۔ جناب شیخ صاحب موصوف نے ۲۵ اور ۲۶ر جولائی کے اجلاسوں میں نہایت عمدگی اور قابلیت سے جماعت احمدیہ کی نمائندگی کی جس کی تفصیل باؤنڈری کمیشن کے انگریزی ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ آپ کی اس یادگار اور ناقابل فراموش بحث کا مکمل اُردو ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

۲۵ر جولائی ۱۹۴۷ء

اس کے بعد مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ جماعت احمدیہ کی طرف سے پیش ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔

"مَیں اپنے بیان اور دلائل کو صرف اس معیّن معاملہ تک محدود رکھنا چاہتا ہوں کہ قادیان کو (جو جماعت احمدیہ کا مرکز ہے) مغربی پنجاب میں شامل کیا جائے۔ جناب سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب جو مُسلم لیگ کی طرف سے سینئر وکیل اور مختار اعلیٰ ہیں آپ کے سامنے ان امور پر بحث فرمائیں گے جو جغرافیائی، اقتصادی اور بعض دوسری بنیادوں پر غیر مُسلموں کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ضلع گورداسپور کا معاملہ بھی اُن اضلاع میں سے ہے جن کے متعلق اس کمشن کے سامنے بڑی سرگرمی سے بحث ہوتی رہی ہے۔ لیکن جماعت احمدیہ اور مُسلم لیگ کے مابین بعض پہلو مشترک ہیں اور جیسا کہ مَیں نے پہلے ذکر کیا ہے اُن کا ذکر مَیں اس لئے چھوڑ رہا ہوں کہ جب سر محمد ظفر اللہ صاحب مُسلم لیگ کا موقف آپ کے سامنے پیش کریں گے تو اس بحث میں وہ امور اور مشترک پہلو لازماً آجائیں گے۔

اب جیسا کہ مَیں نے کمشن کا دائرہ کار اور اس کے مقاصد آپ کے سامنے پڑھ کر سنائے ہیں کمشن کا کام یہ ہے کہ وہ مغربی اور مشرقی پنجاب کے درمیان ان حدود کی تعیین کرے جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے اکثریت والے علاقوں کی بنیاد پر حدِ فاصل کے طور پر کام دے سکیں۔ ایسا کرتے ہوئے ہمیں لازماً بعض دوسرے عناصر کو بھی ملحوظ رکھنا پڑے گا۔ چنانچہ حدود کی تعیین کے نہایت اہم مقصد کے پیش نظر مَیں بڑے ادب کے ساتھ یہ بنیادی اور مرکزی اصول آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں کہ "آبادی کی اکثریت" ہی دراصل وہ بنیاد ہے جس پر حدّوں کی تعیین منحصر ہے۔ باقی تمام امور کسی نہ کسی رنگ میں اسی ایک بنیادی اصول کے ماتحت آجاتے ہیں۔ اور اسی بنیادی اصول کو مَیں اپنے اس دعویٰ کی بنیاد قرار دیتا ہوں کہ قادیان کو مغربی پنجاب میں شامل کیا جائے۔

سب سے پہلی بات جس سے اس دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ قادیان اس علاقے میں شامل ہے جو مُسلم آبادی کی اکثریت والا علاقہ ہے اور جس کی سرحدیں مغربی پنجاب کے اصل علاقے سے ملتی ہیں۔ اس غرض کے لئے مَیں آپ کی خدمت میں وہ نقشہ پیش کرنا چاہتا ہوں جو جماعت احمدیہ کی طرف سے پیش کردہ میمورنڈم کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ آپ اس میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ تحصیل بٹالہ جسے سبز رنگ دے کر مسلمانوں کی اکثریت والا علاقہ دکھایا گیا ہے اسی میں قادیان شامل ہے۔ پھر جو عام مُسلم اکثریت والا علاقہ ہے اس کے ساتھ ہی تحصیل بٹالہ کی حدود ملتی ہیں۔ آپ خواہ تقسیم کے کسی اصول کی

بنیاد پر اس کو ملاحظہ فرمائیں۔ یعنی خواہ تحصیل یا ذیل کے علاقے کے طور پر یا تھانے اور قانونگو کے حلقہ کے طور پر۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ علاقہ بہرحال مُسلم اکثریت والے علاقے میں شامل ہے اور قادیان جغرافیائی طور پر بہرصورت اسی مُسلم اکثریت والے علاقے میں ہی واقع ہے۔ مَیں تو کہوں گا کہ اَور سب باتوں کو جانے دیجئے، صرف یہی دلیل کہ قادیان اُس علاقے میں شامل ہے جو مُسلم آبادی کی اکثریت والا علاقہ ہے اور جس کی سرحدیں اس علاقے کے ساتھ بالکل متصل ہیں جو مغربی پنجاب کا اصل علاقہ ہے، یہ ثابت کرنے کیلئے کافی ہے کہ قادیان کو مغربی پنجاب کے ساتھ شامل ہونا چاہیئے۔

مگر اس کے علاوہ بعض اَور پہلو بھی قابل غور ہیں جن سے مندرجہ بالا دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے۔ تحصیل اجنالہ اور تحصیل نارووال کے علاقے تحصیل بٹالہ کے ساتھ بالکل ملے ہوئے ہیں اور ضلع گورداسپور کی تمام تحصیلوں میں صرف تحصیل بٹالہ ہی ایسی تحصیل ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت نہایت نمایاں اور واضح ہے۔ یہاں مسلمانوں کی آبادی ۶ ،۵۵ فیصدی ہے۔ تحصیل نارووال میں مُسلم آبادی ۹۳ ،۵۴ فیصدی ہے اور تحصیل اجنالہ میں ۴۶ ،۰۵ فیصدی ہے۔ یہ تمام اعداد و شمار سرکاری ہیں اور آپ خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ تحصیل بٹالہ کے ساتھ ملنے والی دونوں تحصیلوں میں مُسلم اکثریت ہے۔ پس اگر اکثریت والی تحصیلوں کی باہمی سرحدات کو ہی بنیاد قرار دیا جائے تب بھی یہ ماننا پڑے گا کہ قادیان جو تحصیل بٹالہ میں واقع ہے اور جس میں واضح طور پر مسلمانوں کی اکثریت ہے مغربی پنجاب کے ساتھ شامل ہونے کا پُورا حق رکھتا ہے۔

مَیں نہایت ادب سے عرض کروں گا کہ فریق مخالف کے وکلاء نے آپ کا خاصا وقت صرف اِسی بحث میں صرف کیا کہ بعض "دوسرے عناصر" ہیں جن پر غور کیا جانا ضروری ہے مگر میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ "تقسیم" اور "حدود کی تعیین" کا معاملہ صرف اور صرف "آبادی کی اکثریت" پر منحصر ہے۔ مخالف وکلاء "اکثریت والے علاقوں کی متصل سرحدات" پر تو بحث کرتے رہے لیکن . . . . .

جسٹس محمد منیر: کیا آپ نے اس نقطۂ نظر پر بھی غور کیا ہے جس کی بناء پر آپ کے مخالف وکلاء نے اُس علاقے کو "مُسلم اکثریت والا علاقہ" قرار نہیں دیا جسے آپ "مُسلم علاقہ" کہہ رہے ہیں۔ اس کے متعلق آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

شیخ بشیر احمد: جناب والا! مجھے علم ہے کہ اس علاقہ میں کچھ تھوڑا سا حصہ غیر مُسلموں سے بھی آباد ہے

اور بعض دوسری قوموں کے لوگ بھی کچھ رقبے پر سکونت رکھتے ہیں۔ لیکن جب ایک واضح اکثریت ہمارے سامنے ہو تو ایک معمولی سے حصے پر قابض "ثلث" اس کے مقابلے پر کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور پھر ایک اور طریق سے بھی اگر اس صورتِ حال کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ علاقہ مُسلم اکثریت والا علاقہ . . . .

جسٹس محمد منیر: میرا خیال ہے کہ جس انداز سے فریقِ مخالف نے یہ معاملہ پیش کیا ہے آپ نے اس پر غور نہیں کیا۔

شیخ بشیر احمد: میں اس وقت یہاں موجود نہیں تھا . . .

جسٹس محمد منیر: وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اس تحصیل سے صرف تین ایسے قصبات الگ کر لئے جائیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے یعنی قادیان - بٹالہ - اور فتح گڑھ چوڑیاں — تو باقی تمام تحصیل "غیر مُسلم اکثریت والا علاقہ" بن جاتی ہے۔

شیخ بشیر احمد۔ جناب میری عرض یہ ہے کہ اس قسم کے قصبات کو الگ کرنے کے لئے کوئی اصول یا معیار بھی تو ہو۔ آخر یہ کیسے معلوم کیا جائے کہ فلاں علاقہ "مُسلم اکثریت" والا ہے یا "غیر مُسلم اکثریت" والا ہے میری گذارش یہ ہے کہ خواہ آپ تھانہ بطور یونٹ تسلیم کریں یا "قانونگو رقبہ" بطور یونٹ تسلیم کریں۔ خواہ آپ "ذیل" کو معیار مانیں یا "تحصیل" کو۔ آپ کو بہرحال کوئی نہ کوئی اصول بطور "بنیاد" کے ماننا پڑیگا یہ ہمارے لئے ممکن نہیں کہ ہم . . . .

جسٹس دین محمد: کل آپ ہمارے سامنے مفصل نقشہ پیش فرمائیں۔

شیخ بشیر احمد: جہانتک "دوسرے امور" کا تعلق ہے میں آپ کے سامنے سکھوں کے دعویٰ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کل ننکانہ صاحب اور امرتسر میں سکھوں کے مقدس مقامات کے متعلق اچھی خاصی بحث ہوئی ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ ننکانہ صاحب حضرت بابا گورو نانک کی جنم بھومی ہے۔ نیز امرتسر اور سری گوبند پور میں سکھوں کے مقدس تاریخی مقامات ہیں۔ ان تاریخی مقامات کا ذکر سکھ میمورنڈم کے صفحہ ۵۲ اور پیراگراف ۵۶ میں یوں کیا گیا ہے :-

"سکھوں کے لئے نہر اپر باری دوآب کا متصل علاقہ نہایت درجہ اہمیت رکھتا ہے۔ امرتسر جہاں سکھوں کا مشہور سنہری گوردوارہ (دربار صاحب) واقع ہے سکھ مذہب کی روایات اور

تاریخ کا مرکز ہے۔ یہاں سب سے پہلے گورو رامداس ۱۵۷۴ء میں تالاب کے کنارے آباد ہوئے جہاں مغل بادشاہ اکبر کی طرف سے انہیں ۱۵۷۷ء میں پانچ صد بیگھہ زمین عطا فرمائی گئی۔ تالاب کا نام "امرت ۔سر" یا "آب حیات کا چشمہ" رکھا گیا۔ گو بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نام کی وجہ ایک گرو امرداس تھے جو گورو رامداس سے پہلے گذر چکے تھے۔

گورو ارجن نے یہ سنہری گوردوارہ (دربار صاحب) تعمیر کیا اور پھر رفتہ رفتہ اس کی مذہبی اور سیاسی اہمیت میں اضافہ ہوتا گیا۔ ۱۷۶۲ء میں احمد شاہ ابدالی کی واپسی کے وقت جبکہ اس کے در و دیوار تقریباً کھنڈرات کی شکل اختیار کر چکے تھے اس نے پھر ترقی کرنی شروع کی اور جلد ہی یہ ایک آزاد سکھ جماعت کا مستقل اور معروف مرکز بن گیا۔ "اکال بنگہ" کا مقام اور اس کی عمارت جس کا رُخ دربار صاحب کی طرف ہے، سکھوں کے لئے ایک رُوحانی مرکز کی حیثیت رکھتی ہے اور "بابا اٹل" کی سات منزلہ عمارت جس کو بنے ہوئے اب تقریباً ایک صدی ہو گئی ہے گورو ہرگوبند صاحب کے ایک لڑکے کی یادگار کے طور پر قائم ہے۔

امرت سر سے ایک پختہ سڑک جس کی لمبائی ۱۴ میل ہے اس شہر کو ترن تارن سے ملاتی ہے اور ترن تارن کا قصبہ امرتسر کے 'ماجھا' علاقہ کا مشہور ترین مقام ہے مگر اس کی تمامتر اہمیت مذہبی رنگ رکھتی ہے۔ اس تقدس کا مرکز وہ تالاب ہے جو تقریباً تین سُو مربع گز ہے اور جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُسے گورو ارجن صاحب نے تعمیر کروایا۔ تالاب کے چاروں طرف چلنے پھرنے کے لئے پختہ روشیں قائم ہیں۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کو ترن تارن کے گوردوارہ سے بیحد عقیدت تھی۔ یہ گوردوارہ ۱۷۶۸ء میں تعمیر ہوا۔ اور مہاراجہ کے حکم سے اس پر تانبے کی چمکدار پتریاں چڑھائی گئیں . . .

جہانتک گورداسپور کا تعلق ہے "امپیریل گزٹ آف انڈیا پنجاب" کی جلد دوم صفحہ ۵۹ میں لکھا ہے کہ اس ضلع کی تمام تاریخی اہمیت زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ اس ضلع کا تعلق سکھوں کے عروج کے ساتھ وابستہ ہے۔ دریائے راوی کے کنارے ڈیرہ بابا نانک کے مقام پر سکھوں کے مقدس مقامات . . . . .

(عدالت برخاست ہو گئی)

اگلے روز مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۴۷ء باونڈری کمیشن کا اجلاس لاہور کی ہائیکورٹ کی عمارت میں صبح ۱۰ بجے شروع ہوا:-

شیخ بشیر احمد: کل عدالت کے برخاست ہونے سے پہلے مَیں آپ کی خدمت میں یہ عرض کر رہا تھا، کہ جہاں تک کمیشن کے دائرۂ کار اور اس کے مقاصد کا تعلق ہے۔ حدود کی تعیین کے بارے میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ تعیین صرف "اکثریت والے علاقے" کے اصول کی بناء پر ہی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔ حدود کی تعیین کے لئے خواہ آپ "تحصیل" کو معیار بنائیں یا "ذیل" کو، "تھانے کے حلقے" کو معیار مقرر کریں یا قانونگو کے حلقے کو، ہر صورت میں قادیان "مسلم اکثریت والے علاقے" میں آتا ہے۔ جہانتک "دوسرے عناصر" کا تعلق ہے، مَیں نے عرض کیا تھا کہ سکھوں کی طرف سے بعض تجاویز پیش کی گئی ہیں جن کی بنیاد اُن کے مقدس مذہبی مقامات کی تاریخی اہمیت پر ہے۔ یہ مقامات ننکانہ صاحب، امرتسر اور سری ہرگوبند پور میں واقع ہیں۔ مَیں یہاں اس امر کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ "مذہبی مقامات" کی اہمیت، خود انگلستان کے "ایوانِ جمہور" یا "ہاؤس آف کامنز" میں بھی تسلیم کی گئی ہے اور اب یہ فاضل ججوں پر منحصر ہے کہ وہ ان مذہبی مقامات کی اہمیت کو کتنی وقعت دیتے ہیں۔

بہرکیف اگر "مذہبی مقامات" کے تقدس اور ان کی اہمیت کو پیشِ نظر رکھا جائے تو مَیں یہ عرض کروں گا کہ قادیان جیسے عظیم الشان مذہبی مرکز کو بعض ایسی خصوصیات حاصل ہیں جن کی بناء پر اسے اوّلین استحقاق کا حامل قرار دیا جاسکتا ہے اور اس کی "شمولیت" کے سوال پر نہایت سنجیدگی سے غور کرنا ضروری ہے۔

قادیان حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا مولد اور مرکز ہے۔ جناب بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے دعویٰ کیا کہ وہ اس آخری زمانے میں مسیح اور مہدی کے مقام پر فائز ہیں۔ بیشک آپ کے اس دعوے کی سخت مخالفت ہوئی مگر اس مخالفت کے باوجود تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے ارد گرد دُور و نزدیک سے بہت سے لوگ آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ آپ کو یہ بلند ترین رُوحانی مرتبہ حضرت محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نتیجہ میں ملا اور آپ انہی کے خادم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی عالمگیر تحریک کا مرکز قادیان ہے۔ آپ کی تحریک کے آغاز سے ہی اس مقدس مقام سے روشنی اور ہدایت کی کرنیں چار دانگ عالم میں بکھرنا شروع ہو گئیں۔ چنانچہ دُنیا کے تمام حصوں سے بے شمار لوگ اپنی رُوحانی پیاس بُجھانے اور اپنے علم و معرفت میں اضافہ کے لئے اس مقام پر آنا شروع ہو گئے۔ آج اسی مقام پر آپ کا جسم اطہر دفن ہے اور حضور کے ساتھ ہی سینکڑوں کی تعداد میں جماعت کے چیدہ اور سربرآوردہ افراد کہ جنہوں نے اپنی زندگیاں اسلام کی اشاعت کے لئے صرف کر دیں اور اسلام کی خاطر مسلسل قربانی اور ایثار کا مظاہرہ کیا یہاں دفن ہیں۔ جماعت کے علماء یہاں مسلسل تعلیم و تربیت کے کام میں مشغول ہیں اور جماعت کی مرکزی انجمن کا جو صدر انجمن احمدیہ کہلاتی ہے یہاں مستقل مرکز موجود ہے۔ اسی طرح جماعت کا خزانہ جہاں لاکھوں روپے چندے کے طور پر وصول ہوتے ہیں اسی مقام پر ہے۔ یہاں مبلّغین کا ایک کالج بھی موجود ہے۔ جہاں جماعتی ضروریات کے مطابق مختلف مربیان اور معلّمین تیار کئے جاتے ہیں اور پھر ان سب سے بڑھ کر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خلیفہ ثانی کہ جن کے وعظ و نصیحت کو سُننے کے لئے دُور دراز سے لوگ آتے ہیں یہاں قادیان میں موجود ہیں۔ غرضکہ قادیان جماعت احمدیہ کا ایک زندہ اور فعّال مرکز ہے اور یہ جماعت کی دینی اور ملّی سرگرمیوں کی آماجگاہ ہے کیونکہ جماعت کے افراد یہاں متعدد مرتبہ اپنی رُوحانی اور علمی پیاس کو بجھانے اور اپنی مذہبی، تہذیبی اور تمدّنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں کثرت کے ساتھ آتے رہتے ہیں۔

جسٹس محمد منیر: جماعت کی تعداد کتنی ہے؟

شیخ بشیر احمد: پانچ لاکھ

جسٹس تیجا سنگھ: کیا گذشتہ مردم شماری میں انہیں علیحدہ طور پر شمار کیا گیا تھا؟

شیخ بشیر احمد: گذشتہ مردم شماری میں احمدی اور غیر احمدی میں کوئی امتیاز نہیں کیا گیا۔ ہاں البتہ اگر کسی نے اصرار کیا کہ میرے نام کے ساتھ "شیعہ" لکھا جائے تو اس کے نام کے ساتھ "شیعہ" لکھ لیا گیا۔ اور اگر کسی نے کہا کہ اس کے نام کے ساتھ "حنفی" لکھا جائے تو "حنفی" لکھ لیا گیا۔

جلسہ سالانہ کے موقعہ پر عموماً پچاس ہزار سے زیادہ افراد قادیان آتے ہیں اور اس حقیقت کا ثبوت خود ریلوے کے ٹکٹوں کی فروخت سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جلسے میں عملاً شرکت کرنے والے پچاس ہزار سے بھی زائد ہوتے ہیں۔

جسٹس تیجا سنگھ: پچاس ہزار تو برطانوی پنجاب میں ہوئے۔ اس کے علاوہ دیگر مقامات پر کتنے ہیں؟

شیخ بشیر احمد: کل تعداد غالباً دس لاکھ ہو گی اور یہ بڑا محدود اندازہ ہے جیسا کہ میں ابھی آپ کے سامنے اعداد و شمار پیش کروں گا۔ بہت سے غیر ممالک میں بسنے والے افراد اپنے آپ کو "احمدی" کہلانا پسند کرتے ہیں۔

جسٹس دین محمد: آپ کے پیش کردہ اعداد و شمار کی ترتیب میں کسی قدر غلط فہمی معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ ۵ لاکھ احمدی پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں اور ۵ لاکھ دوسرے علاقوں سے۔ پھر آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ پچاس ہزار احمدی جلسہ سالانہ میں شریک ہوتے ہیں۔

شیخ بشیر احمد: جناب! یہ حقیقت ہے اور اس کی تصدیق ریلوے کے حکام سے کی جا سکتی ہے۔

جسٹس تیجا سنگھ: آپ کو یہ اعداد و شمار کیسے معلوم ہوئے جب کہ مردم شماری سے اتنی تعداد ثابت نہیں ہوتی۔

شیخ بشیر احمد: جب پچاس ہزار افراد جلسہ سالانہ میں شرکت کرتے ہیں تو اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ جماعت کی اصل تعداد کیا ہو گی۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ جماعت ایک عالمگیر پیغام کی حامل ہے اور دائرۂ اسلام میں اس کی حیثیت ایک بہت بڑی بین الاقوامی تحریک کی سی ہے۔ . . . . میں آپ کے سامنے بعض مقتدر اصحاب کی وہ آراء پیش کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے جماعت احمدیہ کے متعلق ظاہر کی ہیں۔ سب سے پہلے تو میں انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے چودھویں ایڈیشن کا حوالہ پیش کرتا ہوں جس کی جلد ۱۰ کے صفحات ۱۱ - ۷۱۲ پر لکھا ہے:۔

> "**جماعت احمدیہ:** اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں اس جماعت کی سرگرمیاں صرف ہندوستان مغربی افریقہ، مارشس اور جاوا تک ہی محدود نہیں بلکہ برلن، زیکوسلوویکیا اور لنڈن تک پھیلی ہوئی ہیں اور انہوں نے بہت سے یورپین اصحاب کو دائرۂ اسلام میں داخل کرنے میں خاصی کامیابی حاصل کی ہے۔"

اس کے بعد ایک مصنف جس کا نام کریون ہے۔ رسالہ "مسلم ورلڈ" جلد ۲۱ نمبر ۲ کے صفحہ ۵۱۰ پر لکھتا ہے:۔

> "اب ہم احمدی اصحاب کا ذکر کرتے ہیں جو کٹر ہندوؤں کے بالمقابل مسلمانوں میں بھی ویسے ہی پختہ عقیدے کے مالک ہیں۔ ان کا جوش، اخلاص اور جذبۂ قربانی نہایت قابلِ تعریف ہے"

ڈاکٹر مرے (MURRAY) اپنی کتاب "انڈین اسلام" کے صفحہ ۲۲۳ پر رقمطراز ہے:۔

> "احمدی صاحبان اس وقت دُنیا میں اسلام کے سب سے بڑے مدعی اور اس کی سب سے زیادہ

اشاعت کرنے والے ہیں"

ڈاکٹر لیسی بیری (LACEY BEERY) اپنی کتاب "ISLAM AT THE CROSS ROADS" کے صفحہ ۹۹ پر لکھتے ہیں :-

"احمدی مبلغ نہ صرف ہندوستان کے مختلف حصوں میں بھیجے جاتے ہیں بلکہ انہیں شام، مصر اور انگلستان میں بھی بھیجا جاتا ہے اور پھر اُن کا کام صرف یہی نہیں کہ وہ لوگوں کو اسلام میں داخل کریں بلکہ وہ برطانوی عوام کے نقطۂ نظر کو اسلام کے بارے میں نہایت بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اُن کے دلوں میں اسلام کے متعلق ہمدردی، خلوص اور یگانگت کے جذبات پیدا کرکے وہ تمام غلط فہمیاں اور کدورت دُور کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو دلوں میں پیدا ہوگئی ہوں اُن کی کوشش ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ہے"

پھر جناب سرٹامس آرنلڈ اپنی کتاب "ISLAMIC FAITH" کے صفحہ ۱۰۷ پر لکھتے ہیں:-

"حضرت احمد (علیہ السلام) کی جماعت کا اکثر حصہ تو پنجاب میں ہے۔ لیکن اُن کے مبلّغین نہایت سرگرمی سے اشاعتِ اسلام کا کام انگلستان، جرمنی، برطانوی مقبوضات کے علاقوں میں اور اُن کے علاوہ دُنیا کے دوسرے علاقوں میں بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف عام مسلمانوں کو نئے سرے سے اسلام میں داخل کیا ہے بلکہ وہ بہت سے عیسائیوں کو بھی حلقہ بگوش اسلام کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں"

پھر پروفیسر ایچ۔ اے۔ گِب (PROF. H.A. GIBB) اپنی کتاب "WHITHER ISLAM" کے صفحہ ۲۱۴ پر تحریر فرماتے ہیں :-

"تحریک احمدیت نے اپنی فعّالیت اور کشش کے باعث تمام دُنیا میں اپنے پیروکار پیدا کر لئے ہیں۔ اس تحریک کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب تھے جو قادیان (پنجاب) کے رہنے والے تھے۔ جاوا اور سماٹرا کے ممالک میں اِس تحریک نے دوسری اسلامی تنظیموں کے بالمقابل اپنے آپ کو بہت زیادہ مؤثر بنالیا ہے۔ احمدیت کے عقائد ایک خاص اخلاقی رنگ رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ دانش کے لئے یہ تحریک بہت زیادہ کشش کا باعث ہے"

پھر اس کے بعد ولیم کیش (WILLIAM CASH) اپنی کتاب "EXPANSION OF ISLAM" کے صفحہ ۲۲۲ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ فرقہ (جماعت احمدیہ) مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سب سے زیادہ اشاعتِ اسلام کی تڑپ رکھنے والا ہے"

جناب باسل میتھیوز (BASIL MATHEWS) اپنی کتاب "YOUNG ISLAM INTREK" کے صفحہ ۱۳۶ پر لکھتے ہیں:-

"باوجود اس کے کہ اس جماعت (جماعت احمدیہ کی تعداد تھوڑی ہے مگر اس کا اثر ونفوذ اس کے مقابل پر بہت زیادہ ہے"

ان تمام حوالہ جات کو پیش کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ میں آپ کی خدمت میں یہ واضح کروں کہ دوسرے مقتدر اصحاب جماعت احمدیہ کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔ اور یہ بالکل سچ ہے کہ جماعت احمدیہ اپنا ایک خاص اور منفرد مقام رکھتی ہے اور اس جماعت کا مرکز قادیان تمام دُنیا کے احمدیوں کی سرگرمیوں اور ان کی تبلیغی مساعی کا مرکز ہے کیونکہ اسی مقام سے انہیں ایک رُوحانی کشش حاصل ہوتی ہے اور یہی جماعت کی تبلیغی تڑپ کی جان ہے۔ مَیں آپ کے سامنے بالکل سادہ حقائق پیش کر رہا ہوں چنانچہ اسی سلسلے میں جب مَیں آپ کے سامنے سکھ صاحبان کے تین مقدس مذہبی مقامات کا ذکر کروں گا تو آپ پر قادیان اور ان مذہبی مقامات کا فرق واضح ہو جائے گا۔۔۔۔

جماعت احمدیہ کے افراد کو جو بے پناہ عقیدت اور محبّت اپنے امام یعنی بانیٔ سلسلہ احمدیہ سے ہے اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۰۰ء میں قادیان کی آبادی بمشکل چالیس پچاس احمدی گھرانوں پر مشتمل تھی۔ یہ بستی فقط ایک معمولی سا گاؤں تھا جس کی کوئی بھی خصوصیت قابلِ ذکر نہ تھی۔ نہ یہاں ذرائع آمد ورفت تھے اور نہ ہی کوئی سلسلہ رسل ورسائل۔ غرضکہ اس وقت کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ بستی کسی وقت ایک عظیم الشان اور ترقی یافتہ قصبہ کی شکل اختیار کرلے گی۔

جسٹس تیجا سنگھ: اس فرقے کی بنیاد کب پڑی؟

شیخ بشیر احمد: یہ فرقہ سنہ ۱۸۸۹ء میں قائم ہوا۔ مَیں عرض کر رہا تھا کہ سنہ ۱۹۰۰ء میں اس کی آبادی چند گھروں سے زائد نہیں تھی۔ مگر اس کے بعد رفتہ رفتہ لوگوں نے دُور ونزدیک سے اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ کر یہاں

آباد ہونا شروع کیا تاکہ وہ اپنے مقدس امام کے قدموں میں بیٹھ کر رُوحانی فیض حاصل کریں اور اپنے علم اور معرفت کی تشنگی کو بجھائیں۔ آج قادیان کی آبادی پندرہ ہزار نفوس سے زائد ہے جس میں تقریباً ۹۰ فیصدی احمدی ہیں۔ مَیں یہ وضاحت اس لئے کر رہا ہوں تاکہ آپ کو علم ہو سکے کہ جماعت کے لوگوں کو اپنے مرکز سے کس قدر محبت اور عقیدت ہے۔ آج قادیان میں بنگال، آسام، بہار، اڑیسہ، یُوپی، سی پی، حیدرآباد دکن، مدراس، بمبئی، سندھ، لنکا، افغانستان، مارشس، انڈونیشیا، ترکی، شام، چین اور انگلستان تک سے آنے والے لوگ آباد ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اپنے وطن سے پہلے تو اس نیت کے ساتھ آئے کہ یہاں عارضی رہائش رکھ کر دین سیکھیں مگر پھر اُن میں سے بڑی اکثریت یہیں مستقلاً آباد ہو گئی اور انہوں نے قادیان کو اپنا وطن بنا لیا۔

مرکز احمدیت کی عالمگیر کشش اور تحریکِ احمدیت کی ہمہ گیری کا اندازہ آپ اس امر سے بھی کر سکتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کی شاخیں امریکہ، کینیڈا، ارجن ٹائن، انگلستان، فرانس، سپین، اٹلی، شام، فلسطین، ایران، افغانستان، چین، لنکا، مارشس، برما، ملایا، انڈونیشیا، کینیا، ٹانگانیکا، یوگنڈا، ابی سینیا، سوڈان، نائیجیریا، گولڈ کوسٹ اور سیرالیون میں قائم ہیں۔ ان میں سے بعض مقامات پر سینکڑوں کی تعداد میں مقامی احمدی احباب موجود ہیں جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ جماعت نہ صرف گنتی کے لحاظ سے مضبوط ہے بلکہ اس کو ایک بین الاقوامی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔

جناب والا! اب مَیں آپ کے سامنے سِکھوں کے ان دعاوی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جن کی بنیاد ان کے مقدس مذہبی مقامات پر ہے۔ ان کے نزدیک ننکانہ صاحب کا مقام اس لئے مقدس ہے کہ وہاں حضرت باباگورونانک کی پیدائش ہوئی۔ سری گوبندپور اس لئے مقدس ہے کہ وہ سِکھوں کے تیسرے گورو کے ساتھ ایک خاص تعلق رکھتا ہے اور امرتسر کے مقام کو اس لئے تقدیس حاصل ہے کہ اس کا تعلق سِکھوں کے چوتھے گورو صاحب کے ساتھ ہے۔ مَیں ان دعاوی کے متعلق سِکھ صاحبان کے مذہبی جذبات کے پیشِ نظر کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا۔ مگر مَیں یہ ضرور عرض کروں گا کہ اگر آپ اِن مقامات کی آبادی کا نقشہ اور ان کے اعداد و شمار ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ امرتسر میں سِکھوں کی آبادی کا تناسب ۱۵/۰۲ فیصدی ہے۔ ننکانہ صاحب میں جہاں کہ حضرت باباگورونانک صاحب کی پیدائش ہوئی سِکھوں کی تعداد تیرہ ہزار کی آبادی میں سے صرف ۵۴۲۷ ہے اور سری گوبندپور تو

ایک معمولی گاؤں ہے اور کسی جہت سے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ بیشک یہ مقامات مقدس ہیں مگر سکھ صاحبان ان سے کوئی رُوحانی فیض حاصل نہیں کر رہے۔

سردار دربارا سنگھ۔ مَیں شیخ بشیر احمد صاحب کے ان الفاظ کے خلاف پر زور احتجاج کرتا ہوں۔ انہوں نے یہ کہہ کر کہ "سکھ ان مقامات سے کوئی فیض حاصل نہیں کر رہے" سکھوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔ مَیں بڑی تحدّی کے ساتھ یہ کہوں گا کہ یہ مقامات سکھوں کے مقدس مقامات ہیں اور وہ اُن سے رُوحانی فیض حاصل کرتے ہیں۔

جسٹس دین محمد۔ وہ کسی فرقے کے جذبات کو مجروح نہیں کر رہے۔ وہ صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ان مقامات پر سکھ نہایت مختصر تعداد میں ہیں۔

سردار دربارا سنگھ: اپنے جوش کے عالم میں انہوں نے یقیناً سکھوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔

جسٹس تیجا سنگھ: یہ کمشن کا کام ہے کہ وہ دیکھے کہ اُن کے دلائل میں کس قدر وزن ہے۔

سردار دربارا سنگھ: جو کچھ شیخ بشیر احمد صاحب نے کہا ہے مَیں اس کے خلاف پُرزور احتجاج کرتا ہوں۔

جسٹس دین محمد: آپ کا "احتجاج" نوٹ کر لیا گیا ہے۔ مَیں شیخ بشیر احمد صاحب سے کہوں گا کہ وہ اپنی طرف سے نتائج نکالنے پر زور نہ دیں۔ صرف اصل اعداد و شمار پیش کریں۔

شیخ بشیر احمد: جماعت احمدیہ کی ۷۴۵ شاخیں ہیں اور ان میں سے ۷۰۴ پاکستان میں واقع ہیں گویا تقریباً ۹۴ فیصدی شاخیں اس علاقے میں آتی ہیں جہاں پاکستان قائم ہوگا۔ پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ جماعت کا مالی نظام چندوں کی اُن رقوم پر قائم ہے جو جماعت کے افراد اپنی خوشی اور رضاء و رغبت سے اپنی مرکزی انجمن کو بھیجتے ہیں۔ پس اقتصادی لحاظ سے بھی یہ نہایت ضروری ہے کہ قادیان کو پاکستان کے علاقے میں شامل کیا جائے۔ پھر اس کے علاوہ یہ بھی واقعہ ہے کہ مرکزی انجمن احمدیہ کا تقریباً ۱۵ ہزار ایکڑ رقبہ آراضی جو اس کا اپنا خرید کردہ ہے پاکستان کی حدود میں واقع ہے اور اس اراضی سے کئی گنا زیادہ قیمت کی جائدادیں جو جماعت احمدیہ کے افراد کی ملکیت ہیں پاکستان کی حدود میں واقع ہیں۔ ان حقائق کی رُو سے بھی قادیان پاکستان میں شامل ہونے کا حق رکھتا ہے۔

اب مَیں جماعت احمدیہ کے لٹریچر کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس حقیقت پر چنداں زور دینے کی ضرورت نہیں کہ جماعت احمدیہ کے لٹریچر کا کثیر حصّہ اُردو زبان میں ہے اور جماعت کے ادبی

اور ثقافتی سرمائے کی بقاء کے لئے ضروری ہے کہ اس زبان کا یہ تعلق قائم رکھا جائے۔ جہانتک ہمیں معلوم ہوا ہے بھارت میں جس زبان کو ترقی دی جارہی ہے اس کا اُردو زبان سے کوئی واسطہ نہیں اور اگر جماعت کے افراد کو مجبور کیا گیا کہ وہ ہندی زبان سیکھیں جو انڈین یونین کی ملکی زبان ہوگی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جماعت اپنا تمام ادبی اور ثقافتی اثاثہ تباہ کردے یا اس کی اہمیت کو بالکل ختم کردے۔ اس کے برعکس اگر وہ اُردو زبان کے ساتھ بدستور اپنا تعلق برقرار رکھنے کی کوشش کریں تو وہ اقتصادی طور پر سخت نقصان اُٹھا رہے ہوں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ لسانی اعتبار سے بھی جماعت احمدیہ کا مرکز پاکستان کے علاقے میں ہو۔

جسٹس تیجا سنگھ: جماعت احمدیہ کا اسلام کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

شیخ بشیر احمد: تمام احمدی اوّل سے آخر تک مسلمان ہیں اور وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا ایک حصہ سمجھتے ہیں اور یہ حقیقت بھی ایک دُنیا جانتی ہے کہ جماعت احمدیہ کا مقصد اسلام کی اشاعت ہے اور وہ اسلام کے پیغام کو دُنیا کے ہر کنارے تک پہنچانا اپنا فرض اور سعادت سمجھتے ہیں۔ پس اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ ان کے لئے ایسے حالات نہ پیدا کئے جائیں جو انہیں خواہ مخواہ مشکلات میں دھکیل دیں۔ جیسا کہ آپ صاحبان جانتے ہیں۔ بھارت کے ہندوؤں میں ایک فرقہ "سناتن دھرمی" کہلاتا ہے اور یہ لوگ تبدیلیٔ مذہب کے شدید مخالف ہیں۔ پس اگر جماعت احمدیہ کے مرکز کو بھارت کے ماتحت رکھا گیا تو قدرتاً جماعت احمدیہ کے مقصد کو سخت ضعف پہنچے گا۔ اور مَیں یہ واضح کردوں کہ شاید جماعت اسے برداشت نہ کرسکے۔

اس کے علاوہ ایک اَور ضروری امر ہے جس کی طرف مَیں آپ کی توجہ مبذول کرانا مناسب سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ کمشن کی طرف سے بعض الفاظ کی حدود اور اُن کی تعیین کے سلسلے میں "مُسلم" اور "غیر مُسلم" کی اصطلاحات کی تعریف کی گئی ہے۔

"غیر مُسلم" ایک منفی قسم کی اصطلاح ہے اور اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو اپنے آپ کو "اسلام" کے دائرے سے باہر سمجھتے ہیں۔ لہٰذا خود کمشن کے نقطۂ نظر کے پیشِ نظر بھی یہ ضروری ہے کہ تمام 'مسلمان کہلانے والوں' کو ایک جماعت کے طور پر الگ حیثیت دی جائے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ 'مسلمان' اور 'غیر مسلمان' کا اطلاق جن لوگوں پر ہو سکتا ہے ان میں قدرتاً ایک امتیاز

اور تفریق پیدا ہو جائے گی اور ان کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو گی۔ مَیں یہ بھی عرض کروں گا۔ کہ "غیر مُسلم" کا لفظ "مُسلم" کے لفظ کی طرح کسی ایک جماعت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ غیر مسلموں میں پارسی، عیسائی اور ہندو وغیرہ سبھی لوگ آجاتے ہیں (اور یہ سب قومیں ہندوستان میں آباد ہیں)۔ چونکہ کمشن کا کام یہ ہے کہ وہ "مُسلم اکثریت والے علاقے" اور "غیر مُسلم اکثریت والے علاقوں" کی واضح طور پر نشان دہی کرے اس لئے تمام مسلمانوں کو بہرحال ایک ہی 'وحدت' کے طور پر شمار کرنا زیادہ مفید ہوگا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صرف "مسلمان" ہی وہ جماعت ہیں جو خود علیحدہ طور پر شمار کئے جانے کا حق رکھتے ہیں (سکھ صاحبان "غیر مسلموں" کے زمرے میں آتے ہیں) اور کمشن کے فرائض و مقاصد کی رُو سے صرف مسلمان ہی ہیں جن کی اکثریت والے علاقے کی تعیین اس وقت ہمارا کام ہے یاد رہے کہ مُلک کی تقسیم "مذہب" کے اصول کی بناء پر ہو رہی ہے اور قادیان کی حیثیت اس وقت بین الاقوامی یُونٹ کی سی ہے جو دُنیائے اسلام کے ساتھ ایک مضبوط اور گہرا تعلق رکھتا ہے اور مَیں یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ جب پاکستان بنے گا تو بہرحال اسلامی ملکوں سے اس کے گہرے روابط قائم ہوں گے اور جہانتک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے اُسے بہرحال ان ممالک کے ساتھ تعلقات رکھنے میں زیادہ سہولت حاصل ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ میری درخواست ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے اس مطالبے پر نہایت ہمدردانہ غور فرمایا جائے۔

مَیں آخری گذارش کے طور پر یہ بھی عرض کروں گا کہ سکھوں کو بوجہ اس حُسنِ خدمت کے جو انہوں نے انگریزی حکومت کے لئے سرانجام دی ایک وسیع و عریض نہری رقبہ بطور عطیہ کے عطا فرمایا گیا۔ اسی طرح جماعت احمدیہ بھی یہ کہنے کا حق رکھتی ہے کہ وہ بھی اپنی خدمات میں ہرگز پیچھے نہیں۔ ضمیمہ ۳ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ جماعت احمدیہ کے ۱۹۹ ممتاز افراد نے فوج میں کمشن حاصل کیا اور انہوں نے حکومت کے لئے نہایت قابلِ تعریف خدمات سرانجام دیں۔ پس اس بناء پر جماعت احمدیہ کا مطالبہ اولین اہمیّت کا حامل ہے اور اس قابل ہے کہ اسے انصاف کے تقاضوں کے مطابق پورا پورا حق دیا جائے۔

مَیں یہ بھی عرض کروں گا کہ جماعت احمدیہ نے اپنی خدمات کے عوض کبھی انعام یا عطیہ جات کی خواہش یا مطالبہ نہیں کیا۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ ہم حکومتِ وقت کے ساتھ پُورا پُورا تعاون کرتے ہیں۔ ہم آئندہ

بھی قانون کا پُورا احترام کریں گے اور حکومتِ وقت کے ساتھ دلی تعاون اور اطاعت کے جذبے سے کام لیں گے۔

ہمارے سکھ دوستوں نے اس امر پر زور دیا ہے کہ اُن کی اقتصادی بہبود پر کسی صورت میں بھی آنچ نہیں آنی چاہیئے اور انہوں نے اس سلسلے میں انکم ٹیکس وغیرہ کے اعداد و شمار بھی پیش کئے ہیں۔ مَیں فقط یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انکم ٹیکس کے پیش کردہ اعداد و شمار ان کی اقتصادی برتری یا بہبود کی دلیل نہیں۔ یہ عطیہ جات تو اُن کی خدمات کے عوض بطور انعام کے ہیں جو انہیں دیئے گئے۔ اب وہ اگر ان اعداد و شمار کو مزید رقبہ حاصل کرنے کے لئے بطور دلیل کے استعمال کرنا چاہتے ہیں تو یہ صریح زیادتی ہوگی کیونکہ ان کی خدمات کا حق انہیں پہلے ہی مل چکا ہے۔

پس انہی الفاظ کے ساتھ مَیں جماعت احمدیہ کا کیس آپ کی پُوری توجّہ کے لئے پیش کرتا ہوں۔ اور اسے ختم کرتا ہوں۔

صُوبہ سرحد کا استصواب اور جماعت احمدیہ کے وفد کشمیر کا تعاون

۳؍جون ۱۹۴۷ء کی برطانوی سکیم میں صوبہ سرحد کے عوام کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ پاکستان یا ہندوستان دستور ساز اسمبلی میں شرکت کرنے کے لئے رائے دیں۔

قائداعظم نے صوبہ سرحد کے معرکۂ استصواب کی خصوصی اہمیت کے مدّ نظر صوبہ سرحد مُسلم لیگ کے مسلمانوں اور تمام لیگی لیڈروں کو ہدایت فرمائی کہ وہ سرحد کے مسلمانوں کو اس طرح منظم کریں کہ سرحد اس رائے شماری میں متفقہ طور پر پاکستانی دستور ساز اسمبلی میں شمولیت کا فیصلہ کرلے۔ قائداعظم کی اپیل کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ ۱۷؍جولائی ۱۹۴۷ء کو تمام سرحد کے تمام حلقہ جات انتخاب میں پولنگ ختم ہوا۔ اور قریباً دو لاکھ اکانوے ہزار ووٹروں نے پاکستان کے حق میں اور قریباً دو ہزار ووٹروں نے اس کے خلاف ووٹ دیئے اور صوبہ سرحد پاکستان میں شامل ہوگیا۔[۱]

اس استصوابِ عامہ میں جماعت احمدیہ نے سرحد مسلم لیگ کا ہاتھ بٹانے اور سرحدی مسلمانوں کو پاکستان میں شریک کرنے کی جدوجہد میں سرگرم حصّہ لیا چنانچہ جناب خواجہ غلام نبی صاحب گلکار ایم ایل اے کشمیر اسمبلی کی سرکردگی میں جماعت احمدیہ کشمیر کا ایک خصوصی وفد ان دنوں سرحد میں پہنچا اور اس نے اپنی خدمات

---

[۱] "الفضل" ۲۱؍وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸ کالم ۲۔

سرحد مسلم لیگ کے سپرد کیں اور سنہری خدمات انجام دیں جس کا اقرار مسلم لیگ ریفرنڈم کمیٹی کے پریذیڈنٹ نے حسب ذیل الفاظ میں کیا :-

"وفد نے ہمارا بہت ہاتھ بٹایا اور صحیح اسلامی رُوح کا مظاہرہ کیا ہے۔ اُن کا یہ جذبہ اعانت و اخوت کشمیر اور سرحد کے تعلقات کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔ اُن کی یہ مساعی بہت ہی قابل شکریہ ہیں"[۱]

فصل نہم

قائداعظم کی طرف سے مسلم لیگ کی ترجمانی کیلئے چودھری محمد ظفر اللہ خاں کا انتخاب

آپ کا حقیقت افروز محضر نامہ اور مدلّل اور فاضلانہ بحث

قائداعظم کی خوشنودی اور اخبار "نوائے وقت" جسٹس محمد منیر اور جسٹس کیانی کا زبردست خراج تحسین

سکھ اور ہندو پریس کا واضح اعتراف

قائداعظم سے چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی اہم ملاقات اور مسلم لیگ کی وکالت کیلئے آپ کا تقرر

جماعت احمدیہ کی طرف سے امریکہ اور برطانیہ میں باؤنڈری لٹریچر اور اس کے ماہر کی تلاش کا کام ابھی ابتدائی مراحل ہی میں تھا کہ پنجاب مُسلم لیگ نے تجویز کیا کہ پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وکیل کے فرائض انجام دیں۔ پنجاب مُسلم لیگ نے دہلی میں قائداعظم کی خدمت میں اپنی رائے کی اطلاع دی جس پر قائداعظم کی خصوصی ہدایت پر نوابزادہ لیاقت علی خاں نے چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو تار دیا کہ قوم کو آپ کی

---

[۱] "الفضل" ۲ ظہور / اگست ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۲ ؎

خدمات کی ضرورت ہے۔ آپ فوراً قائداعظم سے ملیں۔ چودھری صاحب موصوف اُن دنوں حضرت مصلح موعود کی اجازتِ خاص سے نواب سر حمید اللہ خاں صاحب والیٔ بھوپال کے آئینی مشیر کی حیثیت سے بھوپال میں مقیم تھے اور عنقریب ریاستوں کے آئینی مستقبل کی وضاحت کے لئے انگلستان روانہ ہو رہے تھے۔

چنانچہ ملّتِ اسلامیہ کا یہ مایہ ناز، جانباز اور قابلِ فخر سپاہی (جو ۱۹۲۷ء میں "مُسلم آؤٹ لُک" کے مشہور مقدمہ[1] ناموسِ رسُول کی شاندار وکالت کرنے کے بعد سے اب تک قوم و ملک کی انتہائی بے لوث اور بیحد مخلصانہ خدمت میں برابر مصروف تھا اور آزادیٔ ہند کے معرکہ میں ایک انقلابی اور فیصلہ کُن کردار ادا کر چکا تھا)، مُسلمانانِ ہند کے مقبول و محبوب سیاسی رہنما کی دعوت پر لبیک کہتا ہوا ۱۷ جون ۱۹۴۷ء کو بھوپال سے دہلی پہنچ گیا۔

قائداعظم نے دوران ملاقات آپ کو حدبندی کمیشن کے سامنے پنجاب مُسلم لیگ کی وکالت کا اہم اور نازک فریضہ سونپا اور بتایا کہ اگر کمیشن میں باہمی کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا تو پھر یہ معاملہ ایک آزاد ثالث کے ذریعہ سے طے کرایا جائے گا۔ قائداعظم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ وہ پاکستان دستور ساز اسمبلی کے لئے انگلستان سے ایک ماہر دستور اور ایک عمدہ ڈرافٹسمین بھی ساتھ لائیں جو اس سلسلہ میں مفید کام کر سکے۔

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے قائداعظم سے ملاقات کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ مُسلم لیگی کارکنوں کو باؤنڈری کمیشن کے سلسلہ میں بعض ضروری ہدایات دیں اور پھر پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق جُون کے آخری ہفتہ میں[2] انگلستان تشریف لے گئے جہاں آپ ہندوستانی ریاستوں کے حکمرانوں کے اہم اجلاس میں شرکت اور مسٹر اٹیلی وزیراعظم برطانیہ اور دوسرے برطانوی افسروں سے مذاکرات کے بعد ۱۱ جولائی[3] کو

---

[1] تاریخ احمدیت جلد پنجم (صفحہ ۵۷۷ - ۵۹۶) میں برصغیر کے اس مشہور مقدمہ کی روداد آچکی ہے۔ لاہور کے مسلمان وکلاء کے متفقہ فیصلہ پر آپ اس مقدمہ کی وکالت کے لئے پیش ہوئے تھے آپ نے اپنی عدالتی تقریر ان تاریخی الفاظ پر ختم فرمائی کہ:۔

"حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کے احکام کے سامنے دنیا کی چالیس کروڑ آبادی کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں جن کی غلامی پر دنیا کے جلیل القدر شہنشاہ، عظیم الشان وزراء، مشہور عالم جرنیل اور کرسیٔ عدالت پر رونق افروز ہونے والے جج (جن کی قابلیت پر زمانہ کو ناز ہے) فخر کرتے ہیں۔ ایسے انسان کامل کے متعلق راجپال کی ذلیل تحریر کو کسی جج کا یہ قرار دینا کہ اس سے نبی کریم کی کوئی ہتک نہیں ہوئی تو پھر مسلم آؤٹ لُک کے مضمون سے بھی یہ فیصلہ قرار دینے والے کو کہ اس سے کسی کی کوئی تحقیر نہیں ہوئی ہم صائب الرائے ٹھہراتے ہیں"

اس موقعہ پر مولوی ظفر علی خاں صاحب فرطِ جوش سے آبدیدہ ہو گئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور چودھری صاحب کا ہاتھ چوم کر آپ کو گلے سے لگا لیا ("دورجدید" لاہور ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۳ - ۴)۔

[2] بعض کاغذات سے آپ کی روانگی کی تاریخ ۲۴ جون متعین ہوتی ہے۔ [3] "الفضل" ۱۴ وفا/جولائی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸۔

انگلستان سے روانہ ہو کر ۱۳؍جولائی ۱۹۴۷ء کو لاہور پہنچے اور اگلے روز حد بندی کمیشن کے پہلے اجلاس میں شریک ہوئے جس میں فیصلہ ہوا کہ تمام جماعتیں اپنے اپنے میمورنڈم ۱۸؍جولائی ۱۹۴۷ء کو چار بجے دوپہر تک پیش کر دیں۔

مُسلم لیگ کا محضر نامہ پنجاب حد بندی کمیشن میں

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے تین چار روز کے مختصر وقت میں مُسلم لیگ کا محضر نامہ کن مشکلات کے ہجوم میں لکھا، کمیشن کے صدر ریڈ کلف نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا اور پھر کس طرح حق و انصاف کا خون کیا اس کی تفصیل اگلے اوراق میں چودھری صاحب کے الفاظ میں آرہی ہے۔ اس مقام پر آپ کے لکھے ہوئے حقیقت افروز محضر نامے کا ترجمہ دینا چاہتے ہیں جو حد بندی کمیشن میں مُسلم لیگ کی طرف سے پیش کیا گیا تھا:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

یہ میمورنڈم مُسلم لیگ کی طرف سے پنجاب بونڈری کمیشن کو پیش کیا گیا

۱۔ اُن اختیارات کی رُو سے جو ملک معظم کی حکومت کی طرف سے اُن کے اعلان مجریہ ۳؍جون ۱۹۴۷ء کی رُو سے باؤنڈری کمشن کو تفویض کئے گئے ہیں، اس کمشن نے اُن اہم ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ہے جو ملک کی موجودہ نازک صورت حالات میں اس کے سامنے ہیں۔ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے کے لئے کمشن کے لئے لازمی ہے کہ وہ اس پس منظر کو بھی سامنے رکھے جس کی بناء پر اس مُلک کی تقسیم لازمی قرار دی گئی ہے اور جس کے نتیجہ میں اس وقت پنجاب کی تقسیم بھی پیش نظر ہے۔

۲۔ وہ بڑے بڑے علاقے جو اس وقت صوبہ پنجاب میں شامل ہیں انتظامی لحاظ سے بھی اور تمدنی اور لسانی اعتبار سے بھی ایک وحدت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تمام صوبہ ایک "اقتصادی یُونٹ" کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ اس کے مختلف حصے اپنی اقتصادی اور ثقافتی ترقی و بہبود کے لئے ایک دوسرے پر مکمل انحصار رکھتے ہیں۔ گذشتہ نصف صدی سے لوگوں کی طرزِ رہائش اور ان کا معیارِ زندگی آپس میں ایک دوسرے سے مسلسل میل جول اور تعلقات کی وجہ سے بہت حد تک یکساں ہو گیا ہے اور اس کی وجہ سے پنجاب کی "وحدت" ایک ٹھوس حقیقت بن گئی ہے۔

۳۔ اس بنا پر پنجاب کی تقسیم اصولاً خطرناک نتائج کا سبب بن سکتی ہے۔ 'خطرناک' اس لئے کہ اگر اس صوبے کو تقسیم کر دیا جائے تو لوگوں کی ترقی، خوشحالی اور مجموعی طور پر اس صوبہ کی بہبودی اور اس کے مستقبل پر اس کا نہایت ہی ناخوشگوار اثر پڑے گا۔

۴۔ ملک معظّم کی حکومت نے پنجاب کی تقسیم کا جو فیصلہ کیا ہے وہ اپنی خوشی اور رغبت سے نہیں کیا۔ اور پھر یہ بھی نہیں کہ وہ اس کے نتائج سے بے خبر تھی بلکہ یہ فیصلہ مجبوراً ملک میں سیاسی پارٹیوں کی آویزش اور اس کے باہمی سمجھوتے کی راہ میں پیدا ہونے والے تعطّل کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ ملک معظّم کی حکومت یہ محسوس کرتی ہے کہ اس تعطّل کو دُور کرنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ پنجاب اور بنگال کو تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی حالات سے قطع نظر کرتے ہوئے موجودہ حالات کے اُن خاص پہلوؤں کو سامنے رکھیے جن میں سے بعض کی نشاندہی جناب وائسرائے کی طرف سے نشر کردہ اعلان مورخہ ۳ر جون ۱۹۴۷ء میں کی گئی ہے۔ یہ نشری اعلان درحقیقت ملک معظّم کی حکومت کے اسی تاریخ کے اعلان کے لئے بطور تمہید کے ہے۔ جناب وائسرائے صاحب نے فرمایا ہے:۔

"مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان میں نہ تو کیبنٹ مشن کی تجاویز پر اور نہ ہی کسی اور تجویز پر کوئی ایسا سمجھوتہ ممکن ہو سکا ہے جس سے ہندوستان کی وحدت اور سالمیّت برقرار رہے ہم ایسے علاقوں میں جہاں ایک فرقہ کی اکثریت آباد ہے انہیں مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف کسی دوسرے فرقے کی اکثریت کی حکومت کے ماتحت زندگی بسر کریں۔ اس کا لازمی نتیجہ ملک کی تقسیم ہے۔

چنانچہ جب مُسلم لیگ نے ملک کی تقسیم کا مطالبہ کیا تو کانگرس نے انہی دلائل اور انہی وجوہات کی بناء پر بعض صوبوں کی تقسیم کا مطالبہ بھی پیش کر دیا۔ میرے نزدیک یہ دلائل بالکل معقول ہیں۔ کسی بھی فریق نے اپنے اکثریت والے علاقے کو دوسرے کی حکومت میں تحویل کرنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی۔ . . . .

چنانچہ پنجاب، بنگال اور آسام کے ایک حصے میں رہنے والے لوگوں کی رضامندی کی خاطر یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ان صوبوں میں "مُسلم" اور "غیر مُسلم" اکثریت والے علاقوں کی حدود کی تعیین کر دی جائے۔ گو یہ وضاحت بھی میں کر دینا چاہتا ہوں کہ معیّن طور پر

ان حدود کو مقرر کرنا باؤنڈری کمشن کا کام ہوگا اور یہ ضروری نہیں ہوگا کہ کمشن انہی حدود کو تسلیم کرے جو آج عارضی طور پر طے کر لی گئی ہیں۔

ہم نے سکھوں کی پوزیشن پر بھی کما حقہٗ غور کیا ہے۔ یہ بہادر فرقہ اس وقت پنجاب کی آبادی کا ⅛ ہے مگر ان کی رہائش اور آبادی اتنی بکھری ہوئی ہے کہ پنجاب کو خواہ کسی طریق پر تقسیم کر دیا جائے سکھ بہرحال تقسیم ہو کر رہ جائیں گے۔ مجھے افسوس ہے کہ یہ تقسیم جس کا خود سکھ بھی مطالبہ کرتے ہیں انہیں ٹکڑوں میں بانٹ دے گی۔ مگر یہ فیصلہ کہ معین طور پر تقسیم کس طرح عمل میں لائی جائے گی باؤنڈری کمشن کا کام ہوگا اور اس کمشن میں سکھوں کو نمائندگی دی جائے گی"

جناب وائسرائے کے اعلان کے مندرجہ بالا اقتباسات سے ثابت ہے کہ صوبہ پنجاب کی تقسیم غیر مسلم اصحاب کے اس اصرار اور ان کی عدم رضامندی کا نتیجہ ہے کہ وہ کسی طرح بھی اپنے اکثریت والے علاقوں کو صوبے کی اس حکومت کے سپرد نہیں کرنا چاہتے جس میں کہ مسلمانوں کو مجموعی لحاظ سے اکثریت حاصل ہے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ ایسے علاقے جہاں انہیں اکثریت حاصل ہے اور جن کی سرحدیں آپس میں ملتی ہیں پنجاب سے بالکل الگ کر دیئے جائیں۔ جناب وائسرائے صاحب نے فرمایا تھا کہ جن دلائل کی بناء پر مسلم لیگ نے ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ کیا تھا انہی دلائل کی بناء پر کانگرس بھی بعض صوبوں کی تقسیم عمل میں لانا چاہتی ہے۔

مسلم لیگ کی طرف سے تقسیم کا مطالبہ اس اصول پر تھا کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان میں مسلمانوں کی الگ اور آزاد حکومت قائم کی جائے۔ علیحدگی کا یہ مطالبہ نہ تو اُن علاقوں کے مذہبی تقدس کی بناء پر تھا اور نہ ہی تاریخی روابط پر تھا، نہ ہی اس میں کوئی جذباتیت تھی، نہ ہی جائدادوں کا کوئی سوال تھا اور نہ ہی اس مطالبے کا محرک کوئی تہذیبی یا تمدنی امور تھے کہ جن کی بناء پر یہ علیحدگی ضروری ہوتی۔ ملک کی تقسیم کا یہ مطالبہ فقط اس اصول پر تھا کہ جن صوبوں میں ایک فرقہ کو اکثریت حاصل ہے اس فرقے کو انسانی اور جمہوری حقوق کی بناء پر یہ حق بھی دیا جائے کہ وہ اپنے قائم کردہ نظام کے مطابق اس میں زندگی بسر کر سکے۔ مسلم لیگ کو علم تھا کہ علیحدگی کے اس اصول کے مطابق اسے اپنے بہت سے عظیم الشان اور نہایت ہی اہم تاریخی اور تمدنی ورثہ سے بھی محروم ہونا پڑے گا جو اس کی تہذیب و

ثقافت کا طغرائے امتیاز ہے۔ مثال کے طور پر دہلی کی جامع مسجد، لال قلعہ، قطب مینار، تغلق آباد، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اور دیگر اولیاء اللہ کے عظیم الشان مقابر اور ان کی یادگاریں، شاہ ہمایوں اور دوسرے مسلمان بادشاہوں کے عالیشان مقبرے اور پھر تاج محل جیسی حسین تخلیق جو صرف فنِ تعمیر کے اعتبار سے ہی یگانۂ روزگار نہیں بلکہ اپنے جمالیاتی ذوق کی بناء پر بھی مرجع خلائق ہے اور اہلِ نظر و بینش کے لئے ایک عجیب رُوحانی کیف کا سامان رکھتی ہے۔ شہنشاہ اکبر جیسے بلندترین انصاف پسند بادشاہ کا عالیشان مقبرہ جو سکندریہ کے مقام پر دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے، حضرت اعتماد الدولہ کا مقبرہ، فتح پور سیکری کا شاہی مقام اور آگرے کے گرد و نواح میں قلعے، محلات، مساجد اور دیگر یادگاری عمارتوں اور مقابر کا عظیم المرتبت سلسلہ۔ اس کے علاوہ لکھنؤ کے گرد و نواح میں عظیم الشان یادگاری مقامات، اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کا مقدس اور عالیشان مقبرہ جس کے ارد گرد کئی اولیاء اللہ کے مقابر اور ان کی مقدس یادگاریں قائم ہیں۔ بنارس میں حضرت شہنشاہ اورنگ زیب کی دیدہ زیب مسجد، پٹنہ اور بہار شریف میں کئی تاریخی مقدس یادگاریں، مقابر اور عمارات جو تاریخ کے ابواب میں سنہری آب و تاب کا حکم رکھتی ہیں اور مسلمانوں کے زرّیں دورِ حکومت کے لئے ایک مشعلِ راہ کا کام دیتی ہیں اور جن کے ساتھ عام مسلمانوں کو ایک خاص جذباتی اور رُوحانی وابستگی ہے، ان تمام یادگاروں کے متعلق مُسلم لیگ کو علم تھا کہ ہندوستان کی تقسیم کے وقت انہیں ان سب سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ پھر اس کے علاوہ وہ لاکھوں اور کروڑوں روپے کی جائدادیں، بالخصوص اودھ میں وہ وسیع و عریض تعلقے جن پر رئیسانِ اودھ برسوں سے قابض ہیں اور ہزاروں مسلمانوں کی بے اندازہ جائداد اور وسیع تر اراضیات جو اس صوبے میں اور مختلف علاقوں میں مسلمانوں کا سرمایہ ہیں اور جو اس امر کا ثبوت ہیں کہ کس طرح صدیوں سے مسلمانوں کی برتری کا پرچم اور ان کی حکمرانی کا جھنڈا یہاں کی سرزمین پر لہراتا رہا۔ یہ تمام عظیم الشان ورثہ انہیں چھوڑنا پڑے گا۔ ان تمام امور کے باوجود مُسلم لیگ نے اور عامۃ المسلمین کے ذہن نے کبھی اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا کہ انسانی اقدار دولت اور مادی وسائل سے زیادہ اہم ہیں اور انسانی رُوح کی عظمت ان تمام مادّی اور جسمانی ذخائر پر حاوی ہے۔ مُسلم لیگ کا ان متذکرہ امور کے بارے میں طرزِ عمل یا نقطۂ نگاہ کچھ بھی ہو۔ یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ان کی طرف سے تقسیم کے مطالبے

کی فقط ایک ہی بنیاد تھی اور وہ "آبادی کی اکثریت" کا اصول تھا۔ خود ہز ایکسیلنسی وائسرائے صاحب بہادر نے بھی یہ فرمایا ہے کہ جو دلائل مُسلم لیگ کی طرف سے ہندوستان کی تقسیم کے لئے پیش کئے گئے ہیں انہی دلائل کی بنا، پہ کانگرس نے بھی بعض صوبوں کی تقسیم کا مطالبہ پیش کیا ہے اور لیگ کے مطالبے کی بنیاد جیسا کہ اُوپر عرض کیا جاچکا ہے آبادی کی اکثریت کا اصول ہے۔ لہٰذا صاف ثابت ہے کہ یہی اصول غیر مُسلموں کے مطالبے میں بھی کارفرما ہے اور اسی اصول کے متعلق ملک معظم کی حکومت کے اعلان مجریہ ۳ر جون ۱۹۴۷ء میں اشارہ بھی کیا گیا ہے۔

اس اعلان کا پیراگراف ۹ حسب ذیل ہے :۔

"تقسیم کے جُملہ امور کے تصفیہ کے لئے بنگال اور پنجاب کی لیجسلیٹو (قانون ساز اسمبلیوں) کے ممبران دُو گروپوں میں منقسم ہو جائیں گے۔ ایک گروپ اُن ضلعوں سے متعلق ہوگا۔ (جیسا کہ ضمیمہ سے ظاہر ہے) جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور دوسرا گروپ ان ضلعوں سے تعلق رکھنے والا ہوگا جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہے فی الحال یہ اقدام ایک عارضی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ صوبوں کی حدود کی تعیین کا سوال جو بعض امور کی تحقیقات کے بعد کیا جائیگا اس باؤنڈری کمیشن کے فیصلے پر منحصر ہوگا۔ جسے گورنر جنرل مقرر فرمائیں گے۔ گورنر جنرل ہی اس کمیشن کے ممبران کو مقرر کریں گے اور وہی اس کا دائرہ کار تجویز فرمائیں گے۔ جب یہ کمیشن مقرر ہو جائے گا تو وہ پنجاب کے دونوں حصّوں کی حدود کی تعیین کرے گا جس کی بنیاد "مُسلم اکثریت والے علاقے" اور "غیر مسلم اکثریت والے علاقے" ہوں گے۔ یعنی ایسے علاقے جہاں دونوں قوموں کی الگ الگ اکثریت ہو اور وہ پنجاب کے دونوں حصّوں کی سرحدات سے ملتے ہوں۔ کمشن کو یہ بھی ہدایت ہوگی کہ وہ بعض "دوسرے امور" کو بھی پیش نظر رکھے۔ یہی ہدایات بنگال باؤنڈری کمشن کے لئے بھی واجب العمل ہوں گی اور جب تک دونوں کمشن پنجاب اور بنگال کی اندرونی حدود کی تعیین مکمل نہیں کر لیتے اس وقت تک وہ عارضی حدود (جن کا ضمیمہ میں ذکر موجود ہے) قابلِ عمل سمجھی جائیں گی۔"

۶۔ جیسا کہ مندرجہ بالا اعلان سے واضح ہے باؤنڈری کمشن کا مقصد یہ ہے کہ "مُسلم" اور "غیر مُسلم اکثریت والے علاقوں" کی حدود کی تعیین کی جائے اور اس مقصد کے پیش نظر بعض

"دوسرے امور" کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ اس سلسلہ میں اگر سرحدات کی تعیین کے بارے میں کوئی معمولی ردّ و بدل کی ضرورت ہو تو اس پر عمل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ایسا نہ ہو کہ کسی علاقے کی آبادی کا کثیر حصہ جو اکثریت والے علاقے سے تعلق رکھتا ہے، تبدیل کر کے ایسے علاقے میں ڈال دیا جائے۔ جہاں وہ اقلیت میں رہ جائیں چنانچہ کمشن کے دائرۂ کار کی وضاحت کرتے ہوئے اس امر پر خاص زور دیا گیا ہے:۔

"کمشن کا کام یہ ہو گا کہ وہ پنجاب کے دونوں حصّوں کی سرحدّات کو معیّن کرے۔ اور حدود کی تعیین کی بنیاد اس اصول پر ہو کہ "مُسلم" اور "غیر مسلم" اکثریت والے علاقوں کی حدود ان دونوں حصّوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملتی ہوں۔ اس غرض کے لئے بعض "دوسرے امور" کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے"

باؤنڈری کمشن کے دائرۂ کار اور اس کے قیام کے مقصد سے یہ بات واضح ہے کہ کمشن اس امر کی تعیین کرے گا کہ وہ کون سے علاقے ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور وہ کونسے علاقے ہیں جہاں غیر مُسلموں کی اکثریت ہے اور پھر یہ بھی کہ ان علاقوں کی سرحدّات پنجاب کے دونوں حصّوں سے کہاں کہاں ملتی ہیں، جب ایک مرتبہ ان سرحدّات کی تعیین ہو جائے تو پھر تقسیم کا خط کھینچنا آسان ہو گا۔ مگر اس خط کھینچنے سے پہلے ضروری ہے کہ بعض "دوسرے امور" کو بھی ملحوظ رکھا جائے کیونکہ ان امور کے پیش نظر ہو سکتا ہے کہ کہیں کہیں کچھ معمولی ردّ و بدل کی ضرورت پڑے اور اعلان میں اس امر کی پُوری گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر عدل و انصاف کے تقاضوں کے ماتحت سرحدّات میں کہیں معمولی ردّ و بدل کی ضرورت ہو تو اس پر عمل کر لیا جائے۔

اب یہ بات بالکل واضح ہے کہ معیّن طور پر علاقوں کی تقسیم کا سوال صرف تبھی پیدا ہوتا ہے، جب "اکثریت والے علاقوں" کی تعیین مکمل ہو جائے اور اس امر کی صراحت ہو جائے کہ ان علاقوں کے "قُرب" سے کیا مراد ہے۔ یعنی وہ کونسا اصول ہے۔ جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ فلاں "اکثریت والا علاقہ" فلاں وجہ سے "قُرب" کی حیثیت رکھتا ہے لہذا اُسے پنجاب کے فلاں حصّے کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ باؤنڈری کمشن کو اس لفظ کی مکمل تعریف اور توضیح کرنی پڑے گی۔ کیونکہ صرف اسی تعریف کی بناء پر ہی کمشن متذکرہ علاقوں کی شمولیت کا فیصلہ

کرسکتا ہے۔ البتہ جب ایک دفعہ ہمارے سامنے معیّن طور پر اس لفظ کی 'تشریح' آجائے تو پھر بڑی آسانی سے ہم ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کی بنا پر اُن "اکثریت والے علاقوں" کے متعلق فیصلہ کرسکتے ہیں۔ اس مقام پر یعنی جہاں تک الفاظ کی تشریح اور توضیح کا سوال ہے "دوسرے امور" کو بیچ میں لانا ہرگز مناسب اور ضروری نہیں ہوگا۔ "دوسرے امور" پر غور کرنے کا معاملہ صرف اس صورت میں پیدا ہوتا ہے جب عملاً سرحدوں کی تعیین کا کام شروع ہو جائے اور ابتدائی امور کلی طے ہو جائیں۔

۷۔ اب کمشن نے یہ دیکھنا ہے کہ اکثریت والے علاقوں کے "قرب" سے کیا مراد ہے؟ اگر صوبائی 'وحدت' کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو تمام پنجاب کا علاقہ اور تمام بنگال کا علاقہ "مُسلم اکثریت والے علاقے" ہیں کیونکہ واضح طور پر ان میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ مگر چونکہ ان دونوں صوبوں کی اندرونی تقسیم کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے اس لئے ہمیں چھوٹے پیمانے پر ایک اَور معیار مقرر کرنا پڑے گا۔ تقسیم کے فیصلہ کے وقت ایک خیال یہ بھی تھا کہ ہم "ضلع" کو معیار مقرر کرلیں اور اسی بنا پر اکثریت والے علاقے طے کرلیں۔ اگر یہ خیال قطعی اور آخری ہوتا تو باؤنڈری کمیشن کی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ تمام ضلعوں کی حدود ہر شخص کو معلوم ہیں اور اس بنا پر اکثریت والے علاقے طے کئے جا سکتے تھے۔ لیکن کمشن کے ذمّہ کام یہ ہے کہ وہ نہ صرف اکثریت والے علاقوں کو معیّن کرے بلکہ پنجاب کے دونوں حصّوں کے ساتھ اُن اکثریت والے علاقوں کی "ملحق" سرحدات کا مسئلہ بھی طے کرے یعنی یہ واضح کرے کہ فلاں علاقے کے "قرب" کی وجہ سے وہ علاقہ یا خطّہ اس قابل ہے کہ اُسے پنجاب کے فلاں حصّے کے ساتھ شامل کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ کمشن کو اس مقصد کے حصول کے لئے تقسیم کا ایسا معیار قائم کرنا پڑے گا جس سے پنجاب کے دونوں حصّے جو دو علیحدہ علیحدہ صوبوں کی حیثیت سے کام کریں گے آزادانہ طور پر اپنے فرائض سر انجام دے سکیں۔ اس مقصد کے لئے یہ بھی ضروری ہوگا کہ حدود کی تعیین اور سرحدی لائن کا قیام اتنا مکمل ہو اور ایسا قابل عمل ہو کہ دونوں صوبے عمدہ پڑوسیوں کی طرح اپنی اپنی انتظامی ذمہ داریوں کو نبھا سکیں اور خوش اسلوبی کے ساتھ رہتے ہوئے ایک دوسرے سے تعاون کرسکیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ "سرحدی لائن" محض ایک تخیل کا کرشمہ ہو یا ایک نقّاش کے موٹے قلم کی طرح آڑھی ترچھی ہوتی ہوئی کسی ایک گاؤں کے پیٹ میں سے تو گذر جائے اور دوسرے کو بالکل ہی ادھ مؤا چھوڑ دے۔ کمشن کو ہر حالت میں ایک "انتظامی یونٹ" بنانا پڑے گا جس

کی بنا پر تمام سرحدی امور کو طے کیا جا سکے۔ چونکہ "ضلع" کو انتظامی یونٹ تسلیم نہیں کیا گیا اس لئے اب ایک ہی صورت باقی ہے اور وہ یہ کہ "تحصیل" کو "انتظامی یونٹ" مان لیا جائے۔

۸۔ "تحصیل" کو انتظامی یونٹ تسلیم کر لینے اور اسے تقسیم کا معیار بنا لینے کے بعد کمشن کا کام یہ ہوگا کہ وہ صوبے کا ایک ایسا نقشہ تیار کرے جس میں تحصیل وار مسلمانوں اور غیر مسلموں کی آبادی کے تعداد و شمار بتائے گئے ہوں اور پھر اس آبادی کے تناسب سے تقسیم کا خط اس طرح کھینچا جائے کہ جس تحصیل میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور اس کی سرحدیں مسلمانوں کی اکثریت والے علاقے سے ملتی ہیں اُسے مسلمانوں کے علاقے کے ساتھ، اور جس تحصیل میں غیر مسلموں کی اکثریت ہے اور اس کی سرحدیں غیر مُسلموں کے اکثریت والے علاقے سے ملتی ہیں اُسے غیر مُسلموں کی اکثریت والے علاقے کے ساتھ ملا دیا جائے۔ اس اصول کے مطابق معمولی کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے یعنی تحصیل کے رقبہ جات میں ایسے ٹکڑے جہاں مسلمانوں یا غیر مُسلموں کی اکثریت باؤنڈری لائن کے بالکل قریب ہو وہاں انہیں اپنے اپنے اکثریت والے علاقے کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے۔

۹۔ جب یہ ابتدائی مراحل طے پا چکیں تب باؤنڈری کمیشن اس امر کا مجاز ہوگا کہ وہ "دوسرے امور" پر غور کرنے کے نتیجہ میں اگر مقامی طور پر سرحدات کی تعیین کے سلسلہ میں کوئی ردّ و بدل کرنا چاہے تو کر دے۔ مگر یہ ردّ و بدل بہرحال مقامی ہوگا یعنی مقامی ضروریات کے پیشِ نظر کیا جائے گا۔ اس کی وجہ سے تقسیم کے اصل معیار پر ہرگز کوئی حرف نہیں آئے گا۔ مثال کے طور پر اگر علاقوں کی تقسیم کے وقت یہ معلوم ہو کہ آبپاشی کے نظام کا منبع کسی دوسرے مُلک میں ہے اور جن زمینوں کو اس منبع سے نکلنے والی نہریں سیراب کرتی ہیں وہ کسی اَور مُلک میں آجاتی ہیں تو نہروں کے منبع اور نہری زمینوں کو ایک ہی مُلک میں یکجا کر دیا جائے گا اور ایسا کرنا بالکل جائز اور انصاف کے تقاضوں کے مطابق بالکل درست ہوگا۔

۱۰۔ اگر تقسیم کے لئے یہ اصول تسلیم کر لئے جائیں تو معلوم ہوگا کہ (بہ استثنار ان حالات کے جو "دوسرے امور" پر غور کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوں) ضلع گورداسپور کی تحصیل پٹھانکوٹ مغربی پنجاب کے علاقے سے نکال کر مشرقی پنجاب کی تحویل میں دے دی جائے گی۔ مگر ضلع گورداسپور کی باقی تمام تحصیلیں اور اسی طرح بقیہ سولہ اضلاع کی تمام تحصیلوں میں مسلمان مجموعی لحاظ سے اکثریت میں ہوں گے۔ تحصیل اجنالہ جو ضلع امرتسر کی تحصیل ہے اور جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور جس کی

سرحدیں لاہور، سیالکوٹ اور ضلع گورداسپور کی حدود سے ملتی ہیں، مغربی پنجاب میں شامل ہوگی۔

۱۱۔ اسی اصول کے مطابق یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ ضلع جالندھر کی دو تحصیلوں یعنی تحصیل نکودر اور تحصیل جالندھر جن کی سرحدات آپس میں بھی ملتی ہیں اور ضلع فیروزپور کی دو تحصیلوں یعنی تحصیل زیرہ اور تحصیل فیروزپور سے بھی ملتی ہیں۔ ان دونوں میں آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

۱۲۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ دریائے ستلج کے بائیں کنارے کے ساتھ کا علاقہ جو تحصیل فیروزپور کے ساتھ ملا ہوا ہے اور مکتسر اور فاضلکا تحصیلوں میں سے گزرتا ہوا ریاست بہاولپور تک چلا گیا ہے مسلمانوں کی اکثریت سے آباد ہے۔ اسی علاقہ میں وادی ستلج کا مشہور سلیمانکی ہیڈورکس قائم ہے جہاں سے نہروں کا جال نہ صرف منٹگمری اور ملتان کے اضلاع کو سیراب کرتا ہے۔ بلکہ مغربی پنجاب اور ریاست بہاولپور کے نظام آبپاشی کے لئے بھی روحِ رواں کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ علاقہ ضلع منٹگمری کے ساتھ ملحق ہے اور واقعہ یہ ہے کہ دریا کے دونوں طرف مسلمانوں کے مشہور قبیلہ "وٹو" کے لوگ کثرت سے آباد ہیں۔

۱۳۔ اسی طرح اگر ہم ضلع جالندھر کی تحصیل نکودر اور ضلع فیروزپور کی تحصیل زیرہ کے درمیان سے دریائے ستلج کے دونوں کناروں کے علاقے پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ پنجاب اور ریاست نالاگڑھ کی حد تک کا تمام علاقہ جس میں روپڑ کا شہر بھی آباد ہے ایک ہی قسم کے مسلمان قبائل سے آباد ہے۔

۱۴۔ تحصیل جالندھر کی مخالف جانب کی سرحد کے ساتھ کا علاقہ جو ضلع ہوشیارپور کی دو تحصیلوں تحصیل دسوہہ اور تحصیل ہوشیارپور کے ساتھ ملحق ہے، کثرت سے مسلمانوں سے آباد ہے۔ اس علاقے کا کچھ حصہ دریائے بیاس کے ساتھ ساتھ تحصیل بٹالہ اور تحصیل گورداسپور کے ساتھ بھی ملا ہوا ہے اور تحصیل جالندھر تحصیل بٹالہ اور تحصیل گورداسپور کے ساتھ بھی ملحق ہے۔

۱۵۔ پس ان "دیگر امور" سے قطع نظر کہ جن کی بابت میں ابھی کچھ بیان کروں گا۔ مغربی پنجاب اور مشرقی پنجاب کے درمیان تقسیم کا خط اس طرح کھینچا جانا چاہیئے جیسا کہ اس میمورنڈم کے ساتھ والے نقشہ میں اُسے ظاہر کیا گیا ہے یعنی مقام "A" سے لے کر "B" "C" کے ساتھ ساتھ اور اسی طرح "ڈی"۔ "ایف"۔ "جی"۔ "ایچ"۔ "آئی"۔ "جے"۔ "کے" سے لے کر "ایل" کے مقام تک جیسا کہ اس گراف پر سبز لائن سے ظاہر ہے جو اس میمورنڈم کے ساتھ منسلک ہے۔

۱۶۔ اگر مندرجہ بالا طریق پر سرحدات کی تعیین کی جائے تو ضلع امرتسر کی دو تحصیلیں تحصیل امرتسر اور تحصیل ترنتارن جن میں غیر مُسلموں کی اکثریت ہے مُسلم اکثریت والے علاقوں میں گھر کر رہ جائینگی اور وہ مشرقی پنجاب کے ساتھ ملحق نہیں رہیں گی۔ یہی حالت ضلع گورداسپور؟ کی ۲ دو تحصیلوں فیروزپور جھرکا اور نوح تحصیلوں کی ہوگی جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ یہ دونوں تحصیلیں بھی غیر مسلموں کی اکثریت والے علاقے میں گھر کر رہ جائیں گی اور وہ مغربی پنجاب کے ساتھ ملحق نہیں رہیں گی۔ پس ان کا حل یہی ہے کہ ضلع امرتسر کی دونوں تحصیلیں مغربی پنجاب کے ساتھ اور ضلع گوڑگاؤں کی دونوں تحصیلیں مشرقی پنجاب کے ساتھ شامل کر دی جائیں اور 'مسلم' اور 'غیر مُسلم' دونوں اس تصفیہ پر رضامند ہو جائیں۔

۱۷۔ "دیگر امور" کے سلسلے میں ایک اہم امر جو قابلِ غور ہے اور جس کا حل بڑی سنجیدگی اور دانشمندی سے ہونا چاہیئے وہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا طریق پر علاقے کی تقسیم کے نتیجہ میں اپر باری دوآب کی نہروں کا ہیڈ ورکس جو ضلع گورداسپور کی تحصیل پٹھانکوٹ میں مادھوپور کے مقام پر واقع ہے مشرقی پنجاب میں آجاتا ہے اور تمام وہ علاقہ جس کو مادھوپور سے نکلنے والی نہریں سیراب کرتی ہیں (سوائے چند میل کے علاقے کے) مغربی پنجاب میں آجاتا ہے۔ یہ صورتِ حال ایسی نازک ہوگی کہ اس سے دونو حکومتوں کے درمیان مستقل جھگڑے اور مخاصمت کی بنیاد قائم ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپر باری دوآب کے علاقہ میں بسنے والی تمام مُسلم اور غیر مُسلم آبادی کی معیشت اور ان کی روزی کا انحصار نہری ہیڈ ورکس کی مکمل غور و پرداخت پر منحصر ہوگا۔ اگر ہیڈ ورکس کا نظام خوش اسلوبی کے ساتھ چلتا رہے تب تو نہری علاقوں کی آبادی کی معیشت برقرار رہے گی وگرنہ اقتصادی لحاظ سے انہیں شدید دھکا لگے گا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے یہ تجویز نہایت ضروری ہے کہ مادھوپور کے ہیڈ ورکس کا نظام اس جگہ سے دو میل اوپر کے مقام سے لے کر نہر اپر باری دوآب کے ساتھ ساتھ اس مقام تک جہاں تحصیل پٹھانکوٹ کی حد تحصیل گورداسپور سے مل جاتی ہے مغربی پنجاب میں شامل کر دیا جائے۔ (یہ خط مقام "ایل" سے لے کر مقام "ایم" تک سبز رنگ کے ساتھ نقشہ میں دکھایا گیا ہے) اس طریق سے ۱,۱۰,۷۷۴ نفوس مغربی پنجاب میں شامل ہو جائیں گے اور ان میں سے ۵۰۲۸۴ مسلمان ہوں گے گویا تقریباً ۴۵,۴ فیصدی آبادی مسلمان ہوگی۔

۱۸۔ سکھ اصحاب کی طرف سے اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ مغربی پنجاب میں مختلف جگہوں پر ان کی مقدس

مذہبی یادگاریں اور مقدس مقامات موجود ہیں۔ مگر ہمیں یہ علم نہیں ہو سکا کہ اُن کی یہ دلیل کس اصول پر قائم ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ مغربی پنجاب میں جہاں جہاں سکھوں کے مقدس مقامات موجود ہیں وہ تمام علاقے مشرقی پنجاب میں شامل کر دیئے جائیں۔ ہرگز نہیں۔ اگر یہی اصول کار فرما ہو تو ضلع کیمبلپور میں حسن ابدال کا مقام جہاں 'پنجہ صاحب' واقع ہے مشرقی پنجاب میں شامل کرنا پڑے گا پس "دیگر امور" پر غور کرنے کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ ہم اس قسم کی بنیادوں پر تقسیم کا کام شروع کر دیں۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ سکھوں کے مذہبی مقامات میں پٹنہ کا مقام بھی شامل ہے۔ (جہاں گورو گوبند سنگھ صاحب کی ولادت ہوئی) اور نندھیر کا مقام بھی شامل ہے (جہاں اُن کی آخری آرامگاہ اور کچھ تبرکات موجود ہیں) اسی طرح مغربی پنجاب کی حدود سے باہر کئی ایسے مقامات ہیں جو سکھوں کے نزدیک مقدس ہیں۔ نندھیر کو ہی لے لیجئے جو حضور نظام دکن کی ریاست کی حدود کے اندر واقع ہے۔ ان میں سے کبھی بھی کسی کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ اُسے سکھوں کے مذہبی مقدس مقام ہونے کی وجہ سے پنجاب کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ بالخصوص نندھیر کا مقام اس لئے قابلِ ذکر ہے کہ وہ ایک مسلمان حکمران کی راجدھانی میں واقع ہے مگر آجتک سکھوں کی طرف سے کبھی ایسی شکایت نہیں آئی کہ اس مقام کے بارے میں مسلمانوں کی طرف سے انہیں کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہو یا وہاں کی حکومت نے اُن کے ساتھ کوئی متعصبانہ برتاؤ کیا ہو۔

۱۹- پھر اگر کسی فرقے کے مقدس مقامات یا ان کی مذہبی عبادت گاہیں یا یادگاریں تقسیم کے اصول کی بنیاد بن سکتی ہیں تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ مشرقی پنجاب کے اضلاع میں وہ تمام مقامات جہاں مسلمان بزرگوں اور بادشاہوں کے مزار، اُن کی بنائی ہوئی مسجدیں اور ان کے مقدس مقامات موجود ہیں مغربی پنجاب میں شامل کر دیئے جائیں۔ آپ کو علم ہے کہ مشرقی پنجاب میں بیسیوں مقامات پر جہاں مسلمان بزرگوں اور ان کے مشائخ اور اُن کے اولیاء کے مزار اور اُن کی مقدس یادگاریں موجود ہیں۔ ہر سال بڑی تعداد میں میلے اور عُرس منعقد ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض اتنے اہم ہوتے ہیں کہ گورنمنٹ کے مقامی دفاتر میں ان دنوں میں تعطیلات کر دی جاتی ہیں تاکہ عوام ان میں شامل ہو سکیں۔ پس مسلمانوں میں بھی عقیدت کے جذبات کی ہرگز کمی نہیں۔ اور اگر یہی اصول کار فرما ہو تو ہمیں بہرحال ان کی عقیدت اور ان کے مذہبی جذبات کا ویسے ہی احترام کرنا

پڑے گا جیسے کہ سکھ صاحبان کے جذبات کا۔

۲۰۔ ان دنوں اخبارات میں اس امر کا بھی خاصا چرچا ہے اور اسے باقاعدہ ایک مہم کی صورت میں چلایا جا رہا ہے کہ پنجاب کی تقسیم جائداد کے اصول کی بناء پر عمل میں لائی جائے۔ یعنی "مسلموں" اور "غیر مسلموں" کے مابین پنجاب کو ہر دو قوموں کے درمیان ملکیتی جائیداد کے معیار کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔ یہ دلیل بھی کسی طے شدہ بنیاد کے نہ ہونے کے سبب بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ جناب وائسرائے صاحب اپنی پریس کانفرنس منعقدہ ۴ جون ۱۹۴۷ء میں صاف اور واضح الفاظ میں اعلان فرما چکے ہیں :-

"ملکِ معظم کی حکومت تقسیم کے اصول کو ملکیتی جائداد کی بناء پر طے کیا جانا ہرگز پسند نہیں کرتی"

۲۱۔ اس ضمن میں باؤنڈری کمشن کے دائرۂ کار اور ان کے مقاصد کا ذکر کر دینا بھی مناسب ہوگا۔ جناب وائسرائے صاحب نے مندرجہ بالا کانفرنس سے صرف ایک روز پیشتر مورخہ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو ریڈیو پر ملکِ معظم کی حکومت کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے کمشن کی مفوضہ ذمہ داریوں کا بھی ذکر فرمایا تھا چنانچہ وائسرائے کے بیان کے پیراگراف ۹ میں کمشن کی ان ذمہ داریوں کا ذکر موجود ہے۔ اس پیراگراف میں جو الفاظ اور مضمون بیان کیا گیا ہے اس پر لیگ اور کانگرس دونوں کا اتفاق رائے موجود ہے۔ چنانچہ وائسرائے صاحب نے جو وضاحت اور تشریح فرمائی ان میں یہ صراحت موجود ہے کہ "دیگر امور" کا جائداد یا ملکیتی زمین سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس تشریح کے پیشِ نظر مسلم لیگ نے باؤنڈری کمشن کے دائرۂ کار اور اس کے مقاصد کی توثیق کر دی۔ اب جبکہ مسلم لیگ اور کانگرس دونوں کمشن کے معین دائرۂ کار کے متعلق متفق ہو چکے ہیں کمشن کے لئے ہرگز مناسب نہیں کہ وہ اپنے دائرہ کار کی حدود سے تجاوز کرے۔

۲۲۔ اس کے علاوہ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسلم لیگ کے مطالبات میں جو اس میمورنڈم میں پیش کئے گئے ہیں تقسیم کا بنیادی اصول "آبادی" کو قرار دیا گیا ہے اور یہی اصول "غیر مسلم" اصحاب نے بھی تسلیم کیا ہے اور وائسرائے صاحب کا ۳ جون والا اعلان بھی اسی بنیاد کی توثیق کرتا ہے۔ چنانچہ وائسرائے صاحب نے فرمایا کہ غیر مسلم اصحاب کی طرف سے بعض صوبوں کی تقسیم کا جو مطالبہ کیا گیا ہے اس کی بنیاد

بھی اسی اصول پر قائم ہے کہ جن علاقوں میں غیر مُسلم اصحاب کی اکثریت ہے انہیں ان کی مرضی کے خلاف ہرگز ان علاقوں میں مدغم نہ کیا جائے جہاں مسلمانوں کی اکثریّت ہے۔ لہٰذا حقیقت یہی ہے کہ "آبادی کی اکثریت" والا اصول ہی تمام تقسیم کی جان ہے اور مُلک یا صُوبہ جات کی اندرونی تقسیم تقاضا کرتی ہے کہ اسی اصول کو حقیقی بنیاد تصوّر کیا جائے۔ کسی اَور معیار کو تقسیم کی بنیاد قرار دینا بالکل غیر متعلق ہوگا اور طے شدہ امور کے قطعی منافی ہوگا۔ ہز ایکسیلنسی وائسرائے صاحب نے صاف فرمایا ہے کہ

> "کسی بھی بڑے علاقہ کو جہاں ایک فرقہ کی اکثریت ہے وہاں کے رہنے والوں کی مرضی کے خلاف کسی دوسرے بڑے علاقے میں جہاں وہ اقلیت میں ہو جاتے ہوں مدغم کرنا ہرگز درست نہیں ہوگا"

۲۳- چنانچہ اس اصول کے پیشِ نظر اگر جائداد کی بناء پر کسی بڑے علاقے کو جہاں مُسلمانوں کی اکثریّت ہے اکثریت کی مرضی کے خلاف مشرقی پنجاب میں شامل کیا گیا اور انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ غیر مُسلموں کی حکومت میں زندگی بسر کریں تو یہ تقسیمِ مُلک اور تقسیم صوبہ جات کے بنیادی اصول کی خلاف ورزی ہوگی۔

۲۴- یہاں یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رکھنی نہایت مناسب ہوگی کہ جس حد تک زرعی زمینوں کی ملکیت کا سوال ہے (گو اس کا تقسیم ملک سے ہرگز کوئی تعلق نہیں اور نہ ہونا چاہیئے) غیر مُسلموں کا یہ دعوٰی کہ وہ مسلمانوں پر برتری رکھتے ہیں درست نہیں۔ صوبہ کے ان حصّوں میں جہاں نئی آبادکاری ہوئی ہے۔ اور جن میں ترقیاتی سکیمیں نافذ کی جارہی ہیں مسلمانوں کا حصّہ دوسروں پر غالب ہے اور یقیناً اُن کی تعداد کے لحاظ سے اُن کی ملکیّت اور آبادکاری کا تناسب بہت زیادہ ہے۔

۲۵- یہاں یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب مسلمانوں نے تقسیم ملک کا مطالبہ کیا تو منجملہ دیگر وجوہات کے تقسیم کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ غیر مُسلموں نے مُسلمانوں کی دولت، ان کی ملکیّت اور ان کے وسائل کو انتہائی ناجائز طریقے سے ہتھیانا شروع کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں مُسلمانوں کی دولت اور ان کی ملکیّت آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی اور غیر مُسلموں کی دولت اور ملکیت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اب اگر تقسیم کا اصول "آبادی کی اکثریت" مان لیا جائے تو یہ انتہائی ستم ظریفی ہوگی کہ مسلمانوں کو ان علاقوں سے بھی محروم کر دیا جائے جہاں ان کی اکثریّت پائی جاتی ہے۔ باؤنڈری کمیشن کے لئے اس حقیقت پر غور کرنا بھی نہایت ضروری ہے کہ اضلاع شاہ پور، لائلپور، شیخوپورہ، منٹگمری اور ملتان کے نوآبادیاتی رقبے درحقیقت مسلمانوں کی

ملکیت تھے اور ان مسلمان قبائل کا گذارہ ان کے مویشیوں پر اور ان کی زرعی زمینوں پر موقوف تھا۔ لیکن جب ان علاقوں میں نہری آبپاشی کا طریق لائج ہوا تو یہ تمام علاقہ حکومت کی ملکیت قرار دے دیا گیا اور اسے دوسرے اضلاع کے لوگوں کے ہاتھ یا تو فروخت کر دیا گیا یا بطور عطیہ جات دے دیا گیا۔ یہ حقیقت اتنی درد انگیز ہے کہ ان علاقوں کے مسلمان مالکانِ اراضی اس پر انتہائی احتجاج کرتے آئے ہیں۔

بہت سے غیر مسلم اصحاب جنہوں نے مذکورہ بالا اضلاع میں اراضی خریدی اور پھر اس پر مالکانہ حقوق حاصل کئے۔ انہوں نے اس زمین کی قیمت اس روپیہ میں سے دی جو وہ سُودی کاروبار کے ذریعے حاصل کر چکے تھے۔ اس کاروبار کی تفصیل خود حکومت کے کاغذات ہی سے حاصل کی جا سکتی ہے اور یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ غریب کسان جو ان زمینوں پر آباد تھے بنیوں کے سُودی ہتھکنڈوں میں پھنس کر غربت، افلاس اور محرومی کی کس خطرناک حد تک پہنچ گئے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی حالتِ زار اس قدر نازک اور اتنی ناگفتہ بہ ہو چکی تھی کہ حکومت کو بھی مداخلت کرنا پڑی اور ۱۹۰۰ء میں ایک قانون "پنجاب اراضی ایکٹ ۱۹۰۰ء" بنایا گیا جس کی رُو سے سُودی بنیاد پر زمین کا حصول ناجائز قرار دیا گیا۔ اس کے باوجود صورت حال کچھ زیادہ بہتر نہیں ہوئی مسٹر کیلورٹ اور مسٹر میلکم ڈارلنگ کی تحقیقاتی رپورٹوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ان علاقوں میں کسانوں کی حالت بدستور ابتر رہی۔ حتیٰ کہ صرف چند برس پیشتر پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کو ایسے اقدامات اختیار کرنے پڑے جن سے ان عام زمینداروں اور مزارعین کو اشک شوئی کے طور پر کچھ امداد ملنا مقصود تھی اور ان کی تکالیف کا کسی قدر ازالہ ہوتا تھا۔ لہٰذا ایسے حالات میں ان تمام حقائق کے باوجود اگر تقسیم کی بنیاد پھر بھی "جائداد" ہی تصور کی جائے تو یہ زخموں پر نمک چھڑکنے والی بات ہوگی۔

۲۶۔ جہاں تک مغربی پنجاب کا تعلق ہے میں واضح طور پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مغربی پنجاب میں کسی فرقے کے ساتھ اس کی مملوکہ جائداد کی بنیاد پر سلوک نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی وہاں کی حکومت کسی کی جائداد میں مداخلت کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ لہٰذا جائداد کو پنجاب کے دو حصّوں کی تقسیم کی بنیاد قرار دینا بالکل بعید از قیاس ہے۔

۲۷۔ اس ضمن میں اس امر کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ غیر مسلم اصحاب یا سکھ صاحبان پر پنجاب کی تقسیم ٹھونسی نہیں جا رہی بلکہ اس تقسیم کا مطالبہ وہ خود کر رہے ہیں اور جیسا کہ وائسرائے صاحب نے اعلان

فرمایا ہے صُوبہ میں اس تقسیم کی بنیاد "غیر مسلموں کی اکثریت والے علاقے" ہیں۔ پس غیر مُسلم اصحاب کا اس بنیاد کو چھوڑ کر دوسرے معیار اختیار کرنا اور اس طرح مسلمانوں کے ساتھ کشمکش اور تعصّب کی فضا پیدا کرنا ہرگز درست نہیں۔

۲۸۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ "مشرقی پنجاب" نے بھارت کی حکومت کا ایک حصّہ بننا منظور کیا ہے اور اس لحاظ سے وہ اپنی آبادی، وسائل اور سرحدات کے اعتبار سے بھارت کی حکومت کا ایک نہایت موثر اور دُور رس جزو بن جائے گا۔ یہ پوزیشن پاکستان کے دونوں حصّوں میں سے کسی ایک صوبے کو بھی اتنی مستحکم طور پر حاصل نہیں ہوگی کیونکہ پاکستان کے وسائل ہندوستان کے مقابلہ میں نسبتاً بہت تھوڑے ہوں گے۔ پس "آبادی کی اکثریت" والے معیار کو چھوڑ کر دوسری بنیادوں کو وقوع میں لانا فقط اس لئے کہ مشرقی پنجاب کی سرحدات اور زیادہ آگے بڑھ جائیں یا یہ علاقہ مغربی پنجاب کے تھوڑے سے علاقے میں سے بھی کچھ اَور ہتھیا لے، ہرگز قرینِ انصاف نہیں۔ بھارت کی حکومت کے پاس تو پہلے ہی اتنا علاقہ ہے اور اتنے وسائل ہیں کہ وہ پاکستان کے علاقے کے وسائل اور اس کے رقبے سے کہیں زیادہ ہے۔

۲۹۔ یہاں ایک اَور بات بھی خصوصیّت سے نوٹ کرنے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ سکھ صاحبان نے اپنے آپ کو بحیثیتِ قوم ہندو قوم میں مُدغم ہونا قبول کر لیا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ ان کے نزدیک ان کے قومی مفادات وہی ہیں جو ہندو قوم کے ہیں۔ پس جب وہ اپنے قومی مفادات کو ہندو مفادات میں مدغم کر دینا پسند کرتے ہیں تو پھر علیحدہ طور پر اپنے مخصوص مطالبات کیوں پیش کرتے ہیں؟ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اگر تقسیم خود ان پر ٹھونسی جاتی اور اس لحاظ سے وہ محسوس کرتے کہ وہ ایک کمزور اقلیت کی شکل میں تبدیل ہو گئے ہیں تب تو علیحدہ طور پر ان کے مطالبات کا پیش کیا جانا معقول بھی تھا۔ اور مناسب بھی۔ لیکن سکھوں نے تقسیم کا مطالبہ خود کیا ہے اور انہوں نے پنجاب کی تقسیم کے معاملہ میں بھی ہندوؤں کی مکمل ہمنوائی کی ہے۔ لہٰذا تقسیم کے مقاصد کے پیشِ نظر ہم سکھوں کو کوئی علیحدہ حیثیت ہرگز نہیں دے سکتے۔ وہ اصولی طور پر "غیر مُسلم بلاک" میں ہی شامل ہیں کیونکہ انہوں نے خود اس میں شامل ہونا پسند کیا ہے۔

۳۰۔ اس میمورنڈم کے آغاز میں تقسیم کی جو 'بنیاد' تجویز کی گئی ہے وہ دونوں صوبوں میں تحصیل وار "مسلمانوں"

اور "غیر مسلموں" کی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے تھی۔ یعنی تجویز یہ تھی کہ جس تحصیل میں مسلمانوں کی اکثریت ہو اُسے مغربی پنجاب کے ساتھ اور جس تحصیل میں غیر مُسلموں کی اکثریت ہو اُسے مشرقی پنجاب کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ عیسائی صاحبان کی یہ خواہش ہے کہ پنجاب کی تحصیلوں میں عیسائی آبادی کے لحاظ سے اُن کی تعداد کا زیادہ سے زیادہ حصّہ (جس حد تک ممکن ہو سکے) مغربی پنجاب میں شامل کر دیا جائے۔ اس نقطۂ نظر سے تحصیلوں میں آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں اور عیسائیوں کا تناسب حسب ذیل ہوگا:۔

	تحصیل	مُسلم	عیسائی	میزان	
۱-	اجنالہ	۵۹٫۴ %	۵٫۳ %	۶۴٫۷	فیصدی
۲-	جالندھر	۵۱٫۱ %	۱٫۵ %	۵۲٫۶	"
۳-	نکودر	۵۹٫۴ %	۰٫۶ %	۶۰٫۰	"
۴-	زیرہ	۶۵٫۶ %	۱٫۶ %	۶۷٫۲	"
۵-	فیروزپور	۵۵٫۲ %	۱٫۹ %	۵۷٫۱	"

۳۱۔ اس نقطۂ نظر سے اگر ہم صورت حال کا جائزہ لیں تو ہمیں سرحدات میں کچھ تھوڑی سی ترمیم کرنی پڑیگی ضلع ہوشیارپور کی تحصیل دسوہہ میں کل آبادی ۲۷۲۲۴۶ ہے جس میں سے مسلمان ۱۳۲۱۰۵ ہیں۔ گویا کہ مسلمانوں کی آبادی ۴۸٫۴ فیصدی ہے۔ عیسائیوں کی تعداد ۴۷۲۹ ہے۔ اب اگر مسلمانوں کی تعداد میں عیسائیوں کی تعداد بھی شامل کر دی جائے تو یہ تعداد ۱۳۶۸۳۴ بن جاتی ہے گویا کہ کُل آبادی کے نصف سے کچھ زیادہ ہو جاتی ہے اس بناء پر تحصیل دسوہہ کا حق ہے کہ اُسے مغربی پنجاب میں شامل کیا جائے۔

۳۲۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ باؤنڈری کمشن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دائرہ کار کے اندر رہتے ہوئے پنجاب کے دونوں حصّوں کی تقسیم ایسے طریق پر کرے کہ اس کے عمل پر کسی جہت سے بھی وہ امور یا مصالح اثر انداز نہ ہوں جن کا تقسیم کی بنیاد سے کوئی تعلق نہیں۔ اور تقسیم کی اصل بنیاد یہ ہے کہ مُسلمانوں اور غیر مُسلموں کی اکثریت والے علاقے جو مغربی یا مشرقی پنجاب کی سرحدات سے ملتے ہوں اپنی اپنی نوعیت کے لحاظ سے پنجاب کے ان دونوں حصّوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملحق

کر دیئے جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ "دیگر امور" پر غور کرتے ہوئے یہ خطرناک فروگذاشت سرزد ہو جائے کہ ایسا علاقہ جو مسلمانوں یا غیر مُسلموں کی اکثریت والا علاقہ ہے کسی ایسی حکومت کے ساتھ شامل کر دیا جائے جس کے ماتحت رہنا اس علاقے کی اکثریت پسند نہ کرتی ہو۔ اسی طرح ان "دیگر امور" کے پیش نظر ایسا بھی نہ ہو کہ علاقوں کی کتر و بیونت ایسے انداز سے کی جائے کہ جو اکثریت والا علاقہ ہے وہ تبدیل ہو کر اقلیت میں رہ جائے۔ یہ ہر دو صورتیں انصاف کے صریح خلاف ہوں گی۔

۳۴۔ یہ وہ خطوط ہیں جن کی بناء پر ہم باؤنڈری کمشن سے درخواست کرتے ہیں کہ ان کی بناء پر پنجاب کو مغربی اور مشرقی حصّوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ہمیں اپنی نیک نیّتی پر پورا یقین ہے اور اس کے ساتھ اپنے مقصد کی سچائی پر پورا بھروسہ ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی ہمیں اللہ تعالےٰ کی ذات پر جو ارحم الراحمین ہے اور جو مشرق و مغرب کا مالک ہے، کامل یقین ہے اسی خدا کے حضور ہم عاجزی سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ کمشن کے ممبران کی خود رہنمائی فرمائے اور اُن لوگوں کو بھی صحیح اور سچا راستہ دکھائے جو اس تمام کارروائی میں حصّہ لے رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ اپنے فضل اور رحم کے ساتھ ہم سب کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کے بندوں کی صحیح خدمت کر سکیں۔ اور امن و امان کے ساتھ آپس میں مل جُل کر زندگی بسر کر سکیں تاکہ حقیقت میں خدا تعالےٰ کا نام بلند ہو اور اس کی عزّت اور شان و شوکت تمام قلوب میں راسخ ہو جائے کیونکہ وہی ہستی ہے جو تمام چیزوں سے بالا ہے اور ہر لحاظ سے واجب عزّت اور لائق صد احترام ہے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین۔

گوشوارہ نمبر ۱

مغربی پنجاب کے اضلاع میں فرقہ وارانہ نقشہ آبادی

عیسائی اور دوسرے لوگ	اونچی ذات کے ہندو	اچھوت اقوام	سکھ	مُسلمان	کُل آبادی	کُل رقبہ مربع میل میں
۴۵۰۰۹۷	۲۰۳۶۱۷۶	۳۳۶۹۴۳	۱۶۸۳۸۵۳	۱۲۳۲۳۵۸۵	۱۶۸۳۰۶۵۴	×
۲٫۶۷ ٪	۱۲٫۱ ٪	۲٫۰ ٪	۱۰٫۰ ٪	۷۳٫۲۲ ٪	۱۰۰ ٪	

گوشوارہ نمبر ۲

نقشہ آبادی بلحاظ اُن تجاویز کے جو میمورنڈم میں پیش کی گئی ہیں

عیسائی اور دوسرے لوگ	اُونچی ذات کے ہندو	اچھوت اقوام	سکھ	مُسلمان	کُل آبادی	کُل رقبہ (مربع میل میں)
۵۰۴۷۲۵	۲۴۹۸۴۷۳	۵۴۸۳۶۰	۲۶۰۴۷۱۲	۱۴۲۷۱۶۷۶	۲۰۴۲۷۹۴۶	..
۲٫۴۷ %	۱۲٫۲۴ %	۲٫۶۸ %	۱۲٫۷۵ %	۶۹٫۸۶ %	۱۰۰ %	

گوشوارہ نمبر ۳

تحصیل ہائے اجنالہ، فیروزپور، نکودر، زیرہ، جالندھر اور ملحقہ مُسلم اکثریت والے علاقوں میں نقشہ آبادی

۳۹۹۰۲	۳۰۶۴۶۵	۱۹۶۱۵۲	۴۷۹۷۰۷	۱۴۴۰۵۹۹	۲۴۶۲۸۲۵	..
۱٫۶۴ %	۱۲٫۴۴ %	۷٫۹۷ %	۱۹٫۴۸ %	۵۸٫۴۹ %	۱۰۰ %	

چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی قائداعظم سے ملاقات اور مسلم لیگ کے محضرنامہ اور حد بندی کمشن کے مفصل واقعات

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اپنی غیر مطبوعہ خود نوشت سوانح حیات میں حد بندی کمیشن کے سلسلہ میں قائداعظم سے ملاقات، مسلم لیگ کے محضرنامہ اور ریڈکلف ایوارڈ سے متعلق اپنے پیش آمدہ اور چشمدید واقعات پر نہایت شرح و بسط سے قلم اٹھایا ہے اور اس سلسلہ میں بعض نہایت پُراسرار گوشوں کو پہلی بار بے نقاب کیا ہے۔

جناب چودھری صاحب موصوف کے بیان فرمودہ واقعات تحریک پاکستان کا ایک اہم باب ہیں اور ان کے بغیر ہماری کوئی قومی و ملّی تاریخ مکمل نہیں قرار دی جاسکتی۔ لہذا ان کا موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کیا جانا ضروری ہے۔

چودھری صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

"لارڈ مونٹ بیٹن وائسرائے بن کر آئے تو آزادی کے متعلق ضروری انصرامات اور درمیانی مراحل جلد جلد طے ہونا شروع ہوئے۔ ۱۹۴۷ء کے دوران میں کیا کیا اُتار چڑھاؤ ہوئے۔ کیا کیا چالیں چلی گئیں۔ کونسے منصوبے کامیاب ہوئے اور کونسے ناکام، بنی نوع انسان کا کن بلند گھاٹیوں اور کن پست وادیوں سے گذر ہوا۔ اور یہ سال اپنے پیچھے کتنی نیک یادیں اور منحوس ورثے چھوڑ گیا۔ ان کا شمار کرنا اور ان کی صحیح تصویر پیش کرنا ایک دیانت دار، راست جو، محنتی اور خداترس مورخ کو چاہتا ہے جو کسی وقت ضرور پیدا ہوگا لیکن ابھی ظاہر نہیں ہوا۔

برطانوی وزیراعظم نے اپنے ۳ جون ۱۹۴۷ء کے بیان میں تقسیم مُلک کے منصوبے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے ہوتے ہی مَیں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے فیڈرل کورٹ سے علیحدہ ہو جانا چاہیئے چنانچہ مَیں نے اپنا استعفاً بھیج دیا کہ ۱۰ جون سے مَیں عدالت سے علیحدہ ہو جاؤنگا اس وقت میرا ارادہ تھا کہ تقسیم کے بعد مَیں لاہور میں وکالت کی پریکٹس شروع کروں گا لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ ان دنوں عالی جناب نواب سر حمید اللہ خاں صاحب مُعلّے القاب والئی بھوپال دلّی میں فروکش تھے۔ جب انہیں میرے ارادے سے اطلاع ہوئی تو انہوں نے کمال شفقت سے فرمایا کہ تم کچھ عرصے کے لئے بھوپال میرے پاس آجاؤ تاکہ مَیں اس مشکل مرحلے میں جو والیانِ ریاست کو درپیش ہے تم سے مشورہ کرسکوں جناب نواب صاحب کی طرف سے مَیں پہلے بھی بہت کریمانہ الطاف کا مورد رہا تھا۔ ان کا ارشاد میرے لئے واجب التعمیل تھا۔ چنانچہ مَیں عدالت سے علیحدہ ہوتے ہی بھوپال چلا گیا چونکہ ابھی کوئی صحیح اندازہ نہیں تھا کہ بھوپال میں کتنا عرصہ قیام ہوگا اور اس کے بعد کیا حالات ہوں گے۔ اس لئے ہم

نے اپنا ذاتی سامان ستره بڑے بڑے کھوکھوں میں احتیاط کے ساتھ محفوظ کر کے ایک دوست کے ہاں پرانی دلّی میں رکھوا دیا۔ چند دن بعد ہی دلّی میں بے چینی اور بدامنی کے آثار شروع ہو گئے اور جیسے تقسیم کی تاریخ قریب آتی گئی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ اس کے بعد معلوم نہ ہو سکا ہمارے سامان کا کیا حشر ہوا۔ جہاں انسانی جان، عزت، آبرو کی کوئی قدر باقی نہیں رہ گئی تھی اور لاکھوں انسان ہر نوع کی وحشت اور بہیمیت کا شکار ہو رہے تھے وہاں محض سامان کے متعلق دریافت بھی کرنا سنگدلی کے مترادف ہوتا۔ نہ ہم نے پوچھا نہ کچھ معلوم ہوا۔

بھوپال میں ہمارے لئے مکان، سامان ہر سہولت عالیجناب نواب صاحب کے فرمان سے مہیّا کر دی گئی اور جتنا عرصہ ہم بھوپال میں ٹھہرے ہم نے بفضل اللہ بہت آرام پایا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ جب آزادئ ہند کے ایکٹ کا مسوّدہ پارلیمنٹ میں پیش ہونے کا وقت قریب آیا تو عالیجناب نواب صاحب نے خاکسار کو ارشاد فرمایا۔ تم دو ہفتے کے لئے لندن چلے جاؤ تمہاری وہاں بہت سے اراکینِ پارلیمنٹ سے شناسائی ہے۔ تم وہاں یہ جائزہ لینا کہ مسودے پر بحث کے دوران میں کیا کسی ایسی وضاحت کا امکان ہے جس سے نئے آئین میں والیانِ ریاست ہائے ہند کے حقوق کی حفاظت ہو سکے۔ اگر ایسا کوئی موقعہ ہو تو اس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرنا۔ مَیں جناب نواب صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں سفرِ انگلستان کے لئے تیار ہوا۔ تو دلّی سے پیغام آیا کہ جناب قائداعظم نے خاکسار کو طلب فرمایا ہے۔ چنانچہ مَیں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ پنجاب میں جو کمیشن حد بندی کے لئے قائم کیا جانے والا ہے اس کے روبرو مسلم لیگ کی طرف سے وکالت کی ذمّہ داری ہم تمہارے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ مَیں نے گذارش کی، مَیں حاضر ہوں لیکن جناب نواب صاحب کے ارشاد کے ماتحت مَیں عازمِ انگلستان ہونے والا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کمیشن کی کارروائی کب شروع ہوگی اور مجھے تیاری کے لئے کتنا وقت ملیگا۔

قائداعظم: تم انگلستان کتنا عرصہ ٹھہرو گے؟

ظفراللہ خاں: میرا اندازہ تو پندرہ دن کا ہے۔

قائداعظم: پھر تمہیں کوئی فکر نہیں ہونا چاہیئے۔ کمشن کی کارروائی کے شروع ہونے میں ابھی خاصی دیر ہے۔ ابھی تو کوئی امپائر بھی مقرر نہیں ہوا۔

ظفراللہ خاں: امپائر کے متعلق مَیں ایک گذارش کرنا چاہتا ہوں۔ ہمیں کسی ایسے شخص کے تقرر پر مُصر رہنا

چاہیئے جس کی دیانت پر پُورا اعتماد ہو سکے۔ آپ لندن کی رہائش کے زمانے میں پریوی کونسل کے روبرو پریکٹس کرتے رہے ہیں۔ آپ کو اتفاق ہو گا کہ برطانوی LORDS OF APPEAL اپنے ماحول اور اپنے فرائض کے لحاظ سے نہایت دیانتدار اور غیر جانبدار ہوتے ہیں۔ آپ زور دیں کہ ان میں سے کسی کو امپائر مقرر کیا جائے۔ ہر انسان غلطی کر سکتا ہے لیکن ہمیں یہ یقین ہونا چاہیئے کہ جو صاحب مقرر ہوں وہ کسی کے اثر رسوخ کے ماتحت یا کسی کے کہنے کہلانے کے نتیجہ میں کوئی فیصلہ نہ کریں۔

قائداعظم: مَیں تمہارے مشورے کو ذہن میں رکھوں گا

ظفراللہ خاں: آپ کو کوئی اندازہ بتایا گیا ہے کہ مجھے تیاری کے لئے کتنا عرصہ درکار ہوگا ؟

قائداعظم: جیسے مَیں نے کہا ہے تمہیں کافی وقت میسّر ہوگا۔ لاہور کے وکلاء نے پورا کیس تیار کر لیا ہوگا تمہیں صرف اپنے دلائل کو ترتیب دینا ہوگا اور اسلوب بحث طے کرنا ہوگا۔

ظفراللہ خاں: مَیں لندن سے واپسی پر کراچی سے سیدھا لاہور چلا جاؤں گا۔ وہاں مَیں کس کو اطلاع دوں؟

قائداعظم: نواب ممدوٹ سب انتظام کریں گے۔

جناب قائداعظم سے رخصت ہو کر مَیں لندن چلا گیا۔ جب وزیراعظم ایٹلی نے ایکٹ آزادئ ہند کا مسودہ ایوان عام میں پیش کیا تو مَیں ایوان کی گیلری میں موجود تھا۔ وزیراعظم کی تقریر بہت صاف اور واضح تھی لیکن ایک امر سے مجھے حیرانی بھی ہوئی اور پریشانی بھی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں بیان کیا، ہم تو چاہتے تھے کہ لارڈ مونٹ بیٹن ہندوستان اور پاکستان دونوں کے آزادی کے بعد پہلے گورنر جنرل ہوں لیکن افسوس ہے کہ مسٹر جناح رضامند نہ ہوئے۔ قائداعظم کے متعلق افسوس کا اظہار مجھے پسند نہ ہوا۔ اس تفصیل کا ذکر اوّل تو ضروری نہیں تھا اور اگر وزیراعظم کی رائے میں یہ ذکر ضروری اور مناسب تھا تو ساتھ ہی یہ بھی مناسب تھا کہ وہ کہتے کہ اس تجویز پر اتفاق نہ ہوا۔ قائداعظم کا نام لے کر اظہارِ افسوس سے ترشح ہوتا تھا کہ وزیراعظم کو اس تجویز کے ناکام رہنے پر قائداعظم سے ذاتی رنج تھا اور انہوں نے ایوان کے سامنے اس رنج کو یُوں تشہیر کیا۔ بعد میں متعدد مواقع پر اُن سے ایسی حرکات سرزد ہوئیں جن سے میرے اس قیاس کو تقویت پہنچی یوں بھی مسٹر ایٹلی حسنِ خُلق کا نمونہ شمار نہیں ہوتے رہے۔

سر سیموئیل ہور جو گول میز کانفرنس کے دوران میں وزیر ہند ہوئے تھے بعد میں وزیر بحر اور پھر وزیر

خارجہ ہوئے اور HOAR - LAVAL PACT کے ردِ عمل کے نتیجے میں مستعفی ہوئے۔ اپنی ہسپانوی سفارت کا عرصہ میڈرڈ میں گذار کر واپس آچکے تھے۔ میڈرڈ میں حُسنِ کارکردگی کے صلے میں وہ VISCOUNT بنا دیئے گئے تھے اور اب LORD TEMPLEWOOD کے نام سے ایوان الامراء کے رُکن تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے لندن آنے کی غرض بیان کی۔ انہوں نے فرمایا۔ میں اس معاملے میں ایوان الامراء میں کچھ وضاحت حاصل کرنے کی سعی کروں گا۔ جب مسودہ ایوان عام سے منظور ہو کر ایوان الامراء میں زیرِ بحث آیا تو دورانِ بحث میں لارڈ ٹیمپل وڈ نے سوال کیا کہ والیان ریاستہائے سے متعلق شق سے کیا یہ مراد ہے کہ آزادی کے بعد ایک والئ ریاست کو اختیار ہو گا کہ ہندوستان کے ساتھ ریاست کی طرف سے الحاق کرے یا پاکستان کے ساتھ الحاق کرے یا اگر پسند کرے تو دونوں میں سے کسی کے ساتھ الحاق نہ کرے۔ آزاد رہے ؟

ایوان الامراء میں مسودے کی نگہداشت نائب وزیرِ ہند LORD LISTOWEL کے سپرد تھی۔ انہیں اس سوال کی توقع بھی نہیں تھی اور یہ سوال ان کے لئے پریشان کُن بھی تھا۔ وزیرِ اعظم بہت محتاط تھے کہ پارلیمنٹ میں مسودے کے زیرِ بحث آنے پر والیانِ ریاست کے متعلق کسی ایسی بات پر زور نہ دیا جائے جس پر کانگریس بگڑ بیٹھے۔ شق متعلقہ کے الفاظ واضح تھے اور اُن کی صحیح تعبیر وہی تھی جو لارڈ ٹیمپل وڈ نے اپنے سوال میں پیش کی لیکن لارڈ لسٹوئیل کھُلے الفاظ میں اسے تسلیم کرنے سے جی چُراتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے جواباً صرف اپنے سر کو اثباتی جنبش دے دی جس پر لارڈ ٹیمپل وڈ نے فوراً یہ کہہ کر ان کی جنبشِ سر کو ریکارڈ پر ثبت کر دیا۔ I TAKE IT THAT THE NOBLE LORD'S NOD CONFIRMS MY ASSUMPTION جناب نواب صاحب نے بعض نجی امور کے متعلق مجھے ہدایت فرمائی تھی کہ میں ان کی طرف سے ہز ہائی نیس جناب آغا خاں کی رائے دریافت کروں۔ لندن پہنچنے پر مجھے معلوم ہوا کہ ہز ہائی نیس پیرس میں ہیں۔ میں نے وہاں ان کی خدمت میں گذارش ارسال کی کہ خاکسار شرفِ ملاقات کا متمنی ہے۔ ان کا تار آیا۔ کل شام مجھے RITZ میں ملو اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ دوسرے دن جب میں RITZ پہنچا اور CONCIERGE سے اطلاع کرنے کو کہا تو GEORGE نے مجھ سے کہا ہز ہائی نس ابھی ابھی پہنچے ہیں معلوم ہوتا ہے ان کے دل میں تمہاری بہت قدر ہے کیونکہ آج پیرس کے گھوڑ دوڑ کے میدان LONGCHAMPS میں پرنس علی خاں کا گھوڑا GRAND PRIZE میں اوّل آیا ہے اور اس وقت جوڑ توڑ پرنس علی خاں کے

اعزاز میں دیا جا رہا ہے اس میں ہز ہائی نیس کی شمولیت دونوں باپ بیٹوں کے لئے بہت خوشی اور فخر کا موجب ہوتی لیکن ہز ہائی نیس تمہیں ملنے کے لئے یہاں چلے آئے ہیں مگر ہیں بہت خوش۔ تم اُوپر جاتے ہی سب سے پہلے اس جیت پر مبارک باد دینا (جارج سترہ سال سے مجھے جانتا تھا اور اُسے معلوم تھا کہ ہز ہائی نیس میرے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے ہیں۔ جارج اور RITZ ایک قسم کے توام تھے۔ بڑا لمبا عرصہ ان کا جوڑ رہا۔ جارج کی سرگذشت جو ایک لحاظ سے RITZ اور RITZ میں ٹھہرنے والوں کی سرگذشت ہے GEORGE OF THE RITZ کے نام سے چھپ چکی ہے)

ہز ہائی نیس خاکسار کے ساتھ اسی شفقت سے پیش آئے۔ جو آپ کا خاصہ تھی۔ امور مشورہ طلب کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرماتے رہے۔ لیکن یہ گفتگو ایک مجلس میں ختم نہ ہو سکی۔ فرمایا کل دوپہر مجھے واپس پیرس جانا ہے۔ یہاں سے روانہ ہو کر COUTTS' BANK میں جاؤں گا۔ اگر تم دس بجے صبح مجھے وہاں مل جاؤ تو میں بقیہ امور کے متعلق وہاں تمہیں نوٹ لکھوا دوں گا (COUTTS' BANK پرائیویٹ بینک ہے۔ بڑی مدت سے قائم ہے اور نہایت قابلِ اعتماد ہے۔ شاہی خاندان کے حسابات بھی اسی بینک کے ساتھ ہیں) مَیں وقتِ مقررہ پر STRAND میں بینک کے دفتر میں حاضر ہو گیا۔ الگ بیٹھ کر ہز ہائی نیس نے بقیہ امور کے متعلق بھی اپنا مشورہ نوٹ کروا دیا اور وہیں سے واپس پیرس روانہ ہو گئے۔

مَیں ابھی لندن میں ہی تھا کہ SIR CYRIL RADCLIFFE کے حد بندی کمشن کے امپائر ہونے کا اعلان ہو گیا۔ مجھے PALL MALL کا وہ مقام خوب یاد ہے جہاں مَیں نے یہ اعلان اخبار میں دیکھا اور یہ بھی خوب یاد ہے کہ میری طبیعت اس خیال سے بہت پریشان ہوئی کہ جناب قائداعظم نے ایک پریکٹس کرتے ہوئے بیرسٹر کو جو پارلیمنٹ کے ممبر بھی ہیں کیسے امپائر تسلیم کر لیا۔ ان پر تو کئی قسم کا اثر ڈالا جانے کا امکان ہو سکتا ہے۔ پھر خیال آیا کہ محض قیاس کی بناء پر پریشان ہونا بے کار ہے۔ کیوں نہ ان سے مل کر ان کے متعلق رائے قائم کی جائے۔ مَیں نے حاضرِ خدمت ہونے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے اپنے مکان واقع HIGHGATE پر ملنے کا وقت عطا فرمایا۔ اس سے مجھے کچھ اطمینان ہوا کہ سفر کی تیاری میں مصروف ہونے کے باوجود عدمِ فرصت کی بناء پر عذر نہیں کیا۔ پھر اپنے دفتر یا ایوانِ عام میں طلب نہیں فرمایا جس سے ترشح ہوتا کہ رسمی علیک سلیک کے سوائے اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔ یہ تو نہ میری نیّت تھی نہ مناسب تھا کہ مَیں اُن سے ان کے فرائض سے متعلق کوئی ایسی بات چیت کرتا جو اُن کی رائے یا فیصلے پر اثر انداز

ہو سکتی۔ لیکن وہ مجھے جانتے نہیں تھے اس لئے میری نیّت یا ارادے کے متعلق کوئی قیاس نہیں کر سکتے تھے۔ پھر بھی ان کا مجھے ملاقات کے لئے وقت دینا کم سے کم یہ ظاہر کرتا تھا کہ انہیں اپنے پر ضرور اعتماد ہے جو میرے لئے باعثِ اطمینان تھا۔ چنانچہ مَیں حاضرِ خدمت ہوا۔ گفتگو بالکل سرسری تھی۔ اپنے پروگرام کے متعلق اتنا فرمایا کہ مَیں جلد روانہ ہونے والا ہوں۔ لیکن جہانتک مَیں اندازہ کر سکا اُن کی طبیعت پر اُن کے فرائض کی اہمیّت اور ان کے سرانجام دینے کے متعلق کسی قسم کے شوق یا جوش کا تاثر نہیں تھا۔ مَیں اُن کی ملاقات کے لئے پریشان لیکن کچھ اطمینان حاصل کرنے کی توقع میں گیا اور پریشان تر واپس آیا۔

لندن میں کم سے کم عرصہ ٹھہرنے کے بعد مَیں واپس روانہ ہوگیا اور کراچی سے سیدھا لاہور گیا۔ مَیں اپنے اندازے سے ایک دن قبل لاہور پہنچا۔ سٹیشن پر اصحاب کرام کا بہت ہجوم تھا۔ جناب نواب صاحب ممدوٹ سے یہ سُن کر کہ SIR CYRIL RADCLIFFE لاہور پہنچ چکے ہیں اور دوسری صبح گیارہ بجے فریقین کے وکلاء کو طلب فرمایا ہے۔ حیرت اور پریشانی ہوئی۔ ساتھ ہی جناب نواب صاحب نے فرمایا۔ کل ½۲ بجے بعد دوپہر میرے مکان پر تمہاری ملاقات وکلاء کے ساتھ ہوگی۔ اس سے مجھے کچھ ڈھارس ہوئی کہ گو وقت تھوڑا ہے۔ مجھے اَور تو کوئی کام ہے نہیں۔ وکلاء کے ساتھ متواتر مشورے کا پروگرام طے کرکے اللہ تعالیٰ کے فضل اور صبح شام تیاری میں صرف کرکے اور اس کی عطا کردہ توفیق سے بحث کے شروع ہونے تک کیس کا ڈھانچہ تیار ہو جائے گا۔ نواب صاحب نے ارشاد فرمایا۔ تمہارا قیام تو میرے ہاں ہی ہوگا؟ میں نے گذارش کی مَیں اپنے دیرینہ کرمفرما جناب سر سیّد مراتب علی صاحب کے ہاں ٹھہرنے کا انتظام کر چکا ہوں۔ ان کا مکان آپ کے دولتکدے سے بہت قریب ہی ہے (اس گفتگو کے دوران میں ہم سٹیشن سے باہر نکل رہے تھے۔ جناب نواب صاحب میری بائیں جانب تھے اور جناب ملک سر فیروز خاں نون صاحب میرے دائیں ہاتھ پر تھے۔ جناب ملک صاحب نے جناب نواب صاحب کا آخری جملہ سُنتے ہی جُھک کر میرے کان میں کہا ان کے ہاں نہ ٹھہرنا۔ ان کا مکان تو ریلوے جنکشن کی طرح ہر وقت پُر ہجوم رہتا ہے۔ تمہیں کام کی طرف توجہ کرنا دشوار ہوگا اور بالکل یکسوئی حاصل نہیں ہوگی۔ مَیں نے جو گذارش نواب صاحب کی خدمت میں کی تھی جناب ملک صاحب سے دوہرا دی۔ ان کا اطمینان ہوگیا) پھر نواب صاحب نے فرمایا میرے پاس دو کاریں ہیں۔ بڑی کار مَیں تمہارے استعمال کے لئے تمہاری جائے قیام پر بھیج دوں گا۔ مَیں نے گذارش کی۔ نواب صاحب مَیں یہاں کام کرنے کے لئے آیا ہوں سَیر کرنے نہیں آیا۔ اپنے کام کے متعلق جو آنا جانا

ہوگا۔ اس کیلئے سواری کی ضرورت بے شک ہو گی، اس کا جو بھی مناسب انتظام ہو آپ فرما دیں۔ اس کے علاوہ مجھے کسی سواری کی ضرورت نہیں۔ جہانتک مجھے یاد پڑتا ہے یہ سوموار کی شام تھی۔

منگل کی صبح ۱۱ بجے ہم سر سیرل ریڈکلف کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ کمشن کے اراکین جناب خانبہادر شیخ دین محمد صاحب، جناب مسٹر محمد منیر صاحب، جناب لالہ مہرچند مہاجن صاحب اور جناب سردار تیجا سنگھ صاحب بھی موجود تھے۔ سر سیرل نے کمشن کا پروگرام یہ بتایا کہ سب فریق آئندہ جمعہ کی دوپہر تک اپنے تحریری بیان داخل کر دیں۔ آئندہ سوموار کو کمشن زبانی بحث کی سماعت شروع کرے گا۔ مَیں خود سماعت میں شریک نہیں ہوں گا کیونکہ اگر کمشن بالاتفاق یا کثرت رائے سے حد بندی کر دے تو میری طرف سے کسی دخل اندازی کی ضرورت نہیں ہو گی۔ میرا کام صرف اس صورت میں فیصلہ دینا ہے کہ کمشن کے اراکین کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکیں نہ بالاتفاق نہ کثرت رائے سے۔ لیکن کمشن کے روبرو جو کچھ بیان کیا جائیگا۔ اس کی تفصیلی رپورٹ ہر روز مجھے بھیج دی جایا کرے گی۔ یہ پروگرام بھی میرے لئے پریشانی کا باعث تھا۔ منگل کی دوپہر ہو چکی تھی اور تحریری بیانات جمعہ کی دوپہر تک داخل کئے جانے تھے۔ مجھے اتنا بھی معلوم نہیں تھا۔ کہ میرے ساتھ کون وکلاء صاحبان کام کریں گے۔ آیا انہوں نے تحریری بیان تیار کر لیا ہے یا کس حد تک تیار کیا ہے۔ مجھے بحث کی تیاری کے لئے کیا کرنا ہوگا؟ اس تیاری کے لئے میرے رفقاء کہاں تک میری مدد کر سکیں گے؟ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ہماری طرف سے کمشن کے روبرو کیا ادّعا پیش ہونا چاہیئے۔

مَیں اب بہت بیتابی سے ۲½ بجے سہ پہر کا منتظر تھا کہ اپنے رفقاء اور مشیران سے مل کر ان سب امور کے متعلق تفاصیل معلوم کروں۔ اور ہم سب مستعدی سے اپنے اپنے کام کے پیچھے لگ جائیں۔ اوّل تو جو کچھ بقیہ کام تحریری بیان کی تکمیل کے لئے ضروری ہو اُسے سر انجام دیا جائے اور پھر بحث کی تیاری کی جائے۔

مَیں وقتِ مقررہ پر ممدوٹ وِلاّ میں حاضر ہو گیا۔ وکلاء اصحاب کی تو کوئی کمی نہیں تھی۔ اکثر اصحاب کے ساتھ مَیں اپنی پریکٹس کے زمانے میں کام کر چکا تھا اور انہیں اچھی طرح سے جانتا تھا۔ بعض ان میں سے برسوں میرے سینئر تھے۔ ان کے علاوہ بھی بعض کے ساتھ میری جان پہچان تھی۔ یہ اجتماع ممدوٹ وِلاّ کے گول کمرے میں تھا اور مجھے کسی قدر حیرت ہوئی کہ اتنی تعداد میں قانون دان اصحاب کو کیوں جمع کیا گیا ہے۔ مَیں نے سب صاحبان کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد کہا۔ صاحبان آپ میں سے کون کون صاحب اس کیس میں میرے رفیقِ کار ہیں؟ اس پر جناب ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب نے فرمایا کس کیس میں؟

ظفراللہ خاں: یہی تقسیم کے کیس میں جس کے لئے مَیں حاضر ہوا ہوں!

خلیفہ شجاع الدین: ہمیں کسی کیس کا کوئی علم نہیں۔ ہم سے تو صرف یہ کہا گیا کہ تم تقسیم کے کیس کے لئے آئے ہو۔ اور مُسلم لیگ کا کیس کمشن کے روبرو تم پیش کرو گے اور تمہیں ملنے کے لئے ہمیں اس وقت یہاں آنے کی دعوت دی گئی۔

مَیں نے جناب نواب صاحب کی طرف استفساراً دیکھا۔ آپ مُسکرا دیئے!

مَیں نہایت سراسیمگی میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور گذارش کی۔ آپ صاحبان سے معذرت چاہتا ہوں۔ وقت بہت کم ہے اور مجھے کیس کی تیاری شروع کرنا ہے۔ آپ کی تکلیف فرمائی کا ممنون ہوں لیکن اب رخصت چاہتا ہوں۔ جناب نواب صاحب کمرے سے میرے ساتھ ہی باہر آئے اور مَیں نے اُن کی خدمت میں گذارش کی۔ اس وقت تو مجھے کچھ سوجھ نہیں رہا۔ لیکن بہرصورت آئندہ دو دنوں میں تحریری بیان تیار کرنا ہے اور پھر اس کی تائید میں بحث کی تیاری کرنا ہے۔ کل صبح سے مجھے کچھ نہ کچھ لکھوانا ہوگا۔ آپ یہ انتظام فرما دیں کہ کل صبح دو اچھے ہشیار تیز رفتار شارٹ ہینڈ ٹائپسٹ میرے پاس پہنچ جائیں اور کاغذ پنسل قلم دوات ٹائپ کی مشینیں وغیرہ تمام دفتری سامان ساتھ لیتے آئیں۔ مَیں انہیں باری باری لکھوانا شروع کروں گا۔ نواب صاحب نے فرمایا۔ تم فکر نہ کرو۔ زود نویس اور تمام دفتری سامان صبح سات بجے تمہاری قیامگاہ پر موجود ہوگا۔ مَیں نے شکریہ ادا کیا اور اپنی بیکسی اور بے سروسامانی کے بوجھ سے لدا ہوا قیامگاہ پر واپس ہوا۔ نماز میں درگاہِ ربّ العزّت میں فریادی اور ملتجی ہوا۔ الٰہی مَیں تن تنہا عاجز اور بیکس اور ذمہ داری اس قدر بھاری، اس امانت کی کماحقّہا ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟ تُو جانتا ہے مَیں تو بالکل خالی اور صِفر ہوں لیکن تجھے ہر قدرت ہے تو اپنے فضل و رحم سے مجھے فہم اور توفیق عطا فرما اور خود میرا ہادی و ناصر ہو۔

مجھے اپنی پریکٹس کے زمانے میں کئی بار بہت تھوڑے عرصے میں پیچیدہ مقدمات کی بحث کی تیاری کرنا پڑی تھی۔ لیکن یہ کوئی پریشان کن تجربہ نہیں تھا۔ ضروری کاغذات مہیا کر دیئے جاتے تھے۔ اہم مقدمات میں کوئی رفیق کار ساتھ شامل ہوتا تھا۔ موافق مخالف مواد اور عناصر پیشِ نظر ہوتے تھے۔ صرف یکسوئی اور توجہ درکار ہوا کرتے تھے۔ یہاں ذمہ داری تو اس قدر اہم اور گراں اور باقی صِفر! اگر جناب قائدِاعظم لاہور میں تشریف فرما ہوتے تو مَیں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ہدایات طلب کرتا لیکن وہ دلی تشریف فرما تھے۔ ٹیلیفون پر بات ہو سکتی تھی۔ لیکن ٹیلیفون پر ہدایات حاصل کرنا مُشکل تھا اور ساتھ ہی مجھے یہ بھی احساس تھا کہ جو تیاری

کیس کے متعلق ہونا تھی وہ تو مُسلم لیگ کی لاہور کی قیادت کے ذمّے تھی۔ مَیں اگر قائدِ اعظم کی خدمت میں کچھ گذارش بھی کروں تو وہ ایک رنگ کا شکوہ ہوگی جو اُن کی پریشانی کا موجب ہوگی۔ مجھے تو اس سے کچھ مدد مِل نہیں سکے گی۔

مَیں نماز سے فارغ ہوا تو معلوم ہوا جناب خواجہ عبدالرحیم صاحب تشریف لائے ہیں۔ جناب خواجہ صاحب ان دنوں کمشنر راولپنڈی تھے لیکن لاہور میں پناہ گزینوں کے استقبال اور ان کی خبرگیری کا انصرام ان کے سپرد تھا۔ ان کا دفتر میری قیام گاہ کے مقابل کے بنگلے کے سامنے دو خیموں میں تھا۔ جناب خواجہ صاحب نے فرمایا۔ تمہارا وقت بہت قیمتی ہے۔ مَیں زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا۔ ایک تو مَیں یہ کاغذات لایا ہوں۔ مَیں کچھ عرصے سے اپنے طور پر سرکاری ریکارڈ میں سے دیہات، تھانہ جات، تحصیلوں اور اضلاع کے فرقہ وارانہ آبادی کے اعداد و شمار جمع کرنے کی طرف متوجہ تھا۔ یہ تمام صوبے کی آبادی کے نقشہ جات ہیں۔ ممکن ہے تمہیں کیس کی تیاری میں ان سے کچھ مدد مِل سکے۔ دوسرے اگر تمہیں کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو میرے اختیار اور بس میں جو کچھ ہوگا مَیں حاضر ہوں۔ میرا دفتر سامنے ہی ہے اور یہ میرا ٹیلیفون نمبر ہے

مَیں نے خواجہ صاحب کا تہِ دل سے شکریہ ادا کیا اور وہ تشریف لے گئے۔ میرا دل اللہ تعالیٰ کے شکر سے لبریز ہوگیا اور مَیں نے یُوں محسوس کیا کہ اُس قادر و رحیم نے میری بیکسی پر رحم کی نظر ڈالی اور اپنی طرف سے ایک بے بہا خزانہ مجھے عطا فرمایا۔ میرے دل کی ڈھارس بندھی کہ جس قادر ہستی نے چند لمحوں کے اندر غیب سے اس قدر قیمتی مواد مجھے عطا فرمایا ہے جس کے بغیر مَیں ایک قدم بھی اُٹھا نہیں سکتا تھا وہ ضرور بقیہ مراحل میں بھی میری دستگیری فرمائے گا اور اپنی رحمت سے مجھے فہم اور توفیق عطا فرمائے گا۔

ساتھ ہی چار وکلاء صاحبان تشریف لے آئے۔ جناب صاحبزادہ نصرت علی صاحب اور جناب شیخ نثار احمد صاحب منٹگمری سے۔ جناب سیّد محمد شاہ صاحب پاک پٹن سے اور جناب چوہدری علی اکبر صاحب ہوشیار پور سے اور فرمایا ہم تمہارے ساتھ شریکِ کار ہوں گے۔ جو خدمت چاہو ہم سے لو۔ یہ مزید فضل اللہ تعالیٰ کا ہوا کہ اس نے چار بااخلاص مستعد کام کرنے والوں کے دل میں تحریک کی کہ وہ میرے ساتھ آکر شامل ہوں۔ اور میرے مشیر اور معاون ہوں۔ لاہور کے وکلاء میں سے جناب احمد سعید صاحب کرمانی وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہے اور جس کام کے لئے ان کی خدمت میں گذارش کی جاتی اس کی طرف توجہ فرماتے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو دُنیا اور آخرت میں اپنی رحمت سے وافر حصہ عطا فرمائے۔ آمین۔

میرے چاروں رفقائے کار نے نہایت محنت، مستعدی اور جانفشانی کے ساتھ دن رات میرے کام میں تعاون کیا۔ ہر قسم کی تکلیف برداشت کی۔ لیکن نہ صرف یہ کہ حرفِ شکایت زبان پہ نہ آیا بلکہ ماتھے پر کبھی تیوری بھی نہ آیا اور تمام وقت پوری بشاشت کے ساتھ مصروفِ کار رہے۔ ہر مرحلے پر ان کا مشورہ میرے لئے حوصلہ بڑھانے کا موجب ہوا۔ اور ان کا مشفقانہ تعاون میرے لئے قلبی اطمینان کا موجب ہوا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

جناب چوہدری علی اکبر صاحب کے سپرد آبادی کے اعداد و شمار کی تصدیق اور ضروری معلومات کا بہم پہنچانا تھا۔ انہوں نے اپنے فرائض کو بڑی مستعدی سے نباہا۔ اگرچہ انہیں ان کی سرانجام دہی میں بہت دوڑ دھوپ کرنا پڑی۔ جولائی کے مہینے میں لاہور کا موسم بہت ناسازگار رہتا ہے۔ لیکن جناب چوہدری صاحب کے رستے میں موسم کی شدت کسی قسم کی روک پیدا نہ کر سکی۔ چُور ہو کر آتے اور اپنے کام کی رپورٹ سُنا کر فرش پر ہی دراز ہو جاتے اور کوفت سے آرام حاصل کرتے۔ کمشن کے روبرو بحث کے دوران میں جب کبھی آبادی کے اعداد و شمار کے متعلق فریقین کے درمیان اختلاف پیدا ہوتا تو ایک صاحب فریق مخالف کی طرف سے اور جناب چوہدری صاحب ہماری طرف سے نامزد کئے جاتے کہ دفتر آبادی میں جا کر متنازعہ اعداد و شمار کی تصدیق کریں اور بفضل اللہ ہر بار ہمارے پیش کردہ اعداد و شمار کی تصدیق ہوتی۔ جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جناب خواجہ عبدالرحیم صاحب نے جو نقشہ جات ہمیں عنایت فرمائے تھے وہ بہت محنت اور توجہ سے تیار کئے گئے تھے۔

جناب خواجہ صاحب کے تشریف لے جانے اور وکلاء صاحبان کی تشریف آوری کے بعد ہم نے طبعاً پہلا کام یہ کیا کہ طریقہ تقسیم کے متعلق سرکاری بیان کا مطالعہ کیا اور اس کا تجزیہ کیا اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ملحقہ اکثریت کے علاقوں کی تشخیص کے لئے معیار کا تجویز کرنا لازم ہے۔ گاؤں تو عملاً ایسا معیار بن نہیں سکتا تھا کیونکہ بعض علاقوں میں ایک گاؤں میں اگر مُسلم اکثریت تھی تو ساتھ کے گاؤں میں غیر مسلم اکثریت تھی۔ اس بنا پر کوئی معقول حد بندی تجویز نہیں ہو سکتی تھی۔ تھانہ کو اگر معیار تجویز کیا جاتا تو اس صورت میں بھی یہی مشکل بہت جگہ درپیش تھی۔ دراصل انتخاب تحصیل اور ضلع کے درمیان تھا گو ہم نے یہ بھی طے کیا کہ بحث کے دوران میں ہماری طرف سے کشنری اور دوآبوں کو معیار اختیار کرنے کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے۔ صوبے بھر کے اخبارات میں ملحقہ اکثریت کے علاقوں پہ بحث بازی ہو رہی

تھی مسلمانوں کی طرف سے لدھیانہ تک کا علاقہ مسلم اکثریت کا علاقہ بیان کیا جاتا تھا اور غیر مسلموں کی طرف سے جہلم تک کا علاقہ غیر مسلم اکثریت کا علاقہ بیان کیا جاتا تھا۔ عارضی انتظامی تقسیم میں راولپنڈی اور ملتان ڈویژن اور لاہور ڈویژن کے جملہ اضلاع سوائے ضلع کانگڑہ کے مغربی پنجاب میں شامل کئے گئے تھے۔ اگر ہماری طرف سے ضلع کو معیار قرار دیا جاتا تو ان اضلاع میں سے امرتسر کو ترک کرنا پڑتا۔ ایک خدشے کا اظہار کیا گیا کہ اگر ہم نے ضلع کو معیار قرار دیا تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے گا کہ ہم انتظامی تقسیم سے کم علاقہ لینے پر رضامند ہیں اور اس کے نتیجہ میں ممکن ہے ہمارے علاقے کو اور بھی کم کر دیا جائے۔

تحصیل کو معیار قرار دینے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا تھا کہ ضلع فیروز پور کی دو تحصیلیں فیروز پور اور زیرہ، ضلع جالندھر کی دو تحصیلیں نواں شہر اور جالندھر مسلم اکثریت کے علاقے میں شمار ہوتی تھیں۔ ان کے ساتھ آگے مشرق کی طرف ملحقہ تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور تھی۔ اس تحصیل میں نہ مسلمانوں کی کثرت تھی نہ ہندوؤں اور سکھوں کی کثرت تھی۔ عیسائی آبادی جس طرف شامل کی جاتی اس فریق کی کثرت بن جاتی۔ اس تحصیل کے عیسائیوں کی طرف سے سر سیرل ریڈ کلف کی خدمت میں محضر نامہ ارسال کیا گیا تھا کہ ہمیں مسلمانوں کے ساتھ شمار کیا جائے۔ اگر تحصیل کو معیار قرار دیا جاتا تو فیروز پور، زیرہ، نواں شہر، جالندھر اور عیسائیوں کے شامل ہونے کے ساتھ دسوہہ، پانچوں تحصیلیں مسلم اکثریت کے علاقے میں شمار ہوتیں۔ ریاست کپورتھلہ میں بھی مسلمانوں کی کثرت تھی وہ بھی ان تحصیلوں سے ملحق علاقہ تھا۔ ضلع امرتسر میں اجنالہ تحصیل میں مسلمانوں کی کثرت تھی اور امرتسر اور ترنتارن میں غیر مسلموں کی کثرت تھی۔ لیکن اگر فیروز پور، زیرہ، نواں شہر، جالندھر اور کپورتھلہ پاکستان میں شامل کئے جاتے تو امرتسر اور ترنتارن غیر مسلم اکثریت کے ملحق علاقے نہ رہتے کیونکہ وہ چاروں طرف سے مسلم اکثریت کے علاقوں سے گھرے ہوئے تھے۔ ضلع گورداسپور میں بٹالہ، گورداسپور اور شکر گڑھ کی تحصیلوں میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ تحصیل پٹھانکوٹ میں اکثریت غیر مسلموں کی تھی۔ اور یہ تحصیل ضلع کانگڑہ اور ضلع ہوشیار پور سے ملحق بھی تھی جو غیر مسلم اکثریت کے اضلاع تھے۔

ہم سب کا میلان اسی طرف ہوا کہ تحصیل کو معیار قرار دیئے جانے پر زور دیا جائے لیکن ہمارا میلان فیصلہ کن عنصر نہیں تھا۔ ہم مسلم لیگ کی طرف سے کیس تیار کر رہے تھے۔ ہماری طرف سے کیا کیس پیش کیا جائے اس کا فیصلہ کرنا مسلم لیگ کے اختیار میں تھا۔ ہمارے اختیار میں نہیں تھا۔ پنجاب میں مسلم لیگ کے صدر جناب نواب صاحب ممدوٹ تھے۔ ان سے استصواب لازم تھا۔ وہ شدت تواضع اور

انکسار کی وجہ سے خود کوئی فیصلہ فرماتے ہی نہیں تھے اور چونکہ ہر امر میں اپنے قریبی مشیران کی رائے کو قبول فرماتے تھے۔ اس لئے تفاصیل پر غور کرنے بلکہ تفاصیل کا علم حاصل کرنے سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ ان ایام میں ان کے قریب ترین مشیران جناب میاں ممتاز محمد خاں صاحب دولتانہ اور جناب سردار شوکت حیات خاں صاحب تھے۔ جناب سردار صاحب کی طبیعت علیل تھی۔ جناب میاں صاحب کی خدمت میں خاکسار نے گذارش کی کہ میرے تحریری بیان تیار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس امر کا فیصلہ کیا جائے کہ ملحقہ اکثریت کے علاقوں کی تشخیص کے لئے ہماری طرف سے کیا معیار پیش کیا جائے۔ انہوں نے فرمایا تم سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔ جو تم تجویز کرو وہی بہتر ہوگا۔ میں نے کہا یہ امر لیگ کی طرف سے طے ہونا چاہیئے۔ میں تو ایک فرد واحد ہوں اور میری حیثیت وکیل کی ہے۔ مجھے جو ہدایات لیگ کی طرف سے دی جائیں مجھے ان کی پابندی کرنا ہوگی۔ جناب میاں صاحب نے میری رائے دریافت کی۔ میں نے مختصر طور پر اپنا اور اپنے رفقائے کار کا رجحان بیان کر دیا۔ جناب میاں صاحب نے فرمایا تو بس یہی ٹھیک ہے۔ اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔ بعد میں قسم قسم کی قیاس آرائیاں کی گئی ہیں جن کی بنیاد کسی حقیقت پر نہیں۔ کہا گیا ہے کہ چونکہ جناب نواب صاحب ممدوٹ کی خاندانی جاگیر کا بیشتر حصہ تحصیلوار بٹوارے میں پاکستان میں شامل کئے جانے کی امید کی جا سکتی تھی اس لئے انہوں نے تحصیل وار بٹوارے پر زور دیا۔ یہ محض اتہام ہے اور بالکل بے بنیاد اتہام ہے۔ خاکسار کی دانست میں جناب نواب صاحب ان تفاصیل سے بالکل ناواقف تھے اور اگر واقف تھے بھی تو یہ واقعہ ہے کہ ان کی طرف سے خاکسار کو ایک لفظ بھی اس بارے میں نہیں کہا گیا۔ نہ خاکسار نے ان سے دریافت کیا نہ انہوں نے خود کچھ فرمایا نہ کسی قسم کا اشارہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب واقعات اس سرعت سے پیش آتے گئے اور صوبے کے حالات میں اس تیزی کے ساتھ ابتری پیدا ہونا شروع ہو گئی کہ طبائع میں انتشار اور سراسیمگی سرائت پذیر ہوتے گئے اور کسی امر پر سنجیدگی سے غور کرنا مشکل ہوتا چلا گیا۔ ان امور کے متعلق پہلے سے کوئی تیاری نہیں کی گئی تھی نہ ان پر سنجیدہ غور ہوا تھا اس لئے فیصلہ مشکل تھا۔ بعد کے پیدا ہونے والے حالات ابھی پردہ غیب میں تھے۔ اس وقت ان کے متعلق صحیح اندازہ ممکن نہیں تھا۔ آرزوؤں اور خدشات، قیاسات اور تخیلات کی فراوانی تھی۔ صحائف اور جرائد انہی سے پُر تھے۔ آج جو ابوالحکم ہونے کے مدعی ہیں اس وقت خاموش اور دم بخود تھے۔

مَیں اپنے رفقائے کار کے ساتھ تا دیر مشورے اور تیاری میں مصروف رہا۔ ان کے تشریف لے جانے کے بعد بھی کھانے اور نماز سے فارغ ہو کر اعداد و شمار کی پڑتال اور سرکاری اعلان کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے اور تحریری بیان کے لئے نوٹ تیار کرنے میں بہت سا وقت صرف ہوا۔ غرض منگل کا دن بہت پریشانیوں میں صرف ہوا لیکن سوتے وقت تک میری طبیعت میں کسی قدر سکون پیدا ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے بنیادی مواد بھی میسّر فرما دیا اور مخلص رفقائے کار بھی عطا فرمائے اور میری بے علمی اور جہالت کی تاریکی میں کچھ اُجالا بھی کر دیا۔

بُدھ کی صبح کو مَیں جلد تیار ہو کر ناشتے سے فارغ ہو گیا۔ سات بج چکے تھے لیکن جناب نواب صاحب کے ارسال کردہ زود نویس ابھی تشریف نہیں لائے تھے۔ ان کی انتظار میں مَیں مزید دیکھ بھال اور تیاری میں مصروف رہا۔ ½، بج گئے، پونے آٹھ بجے، آٹھ بج گئے۔ اب پھر مَیں پریشان ہوا۔ جناب خواجہ عبدالرحیم صاحب کی خدمت میں ٹیلیفون پر گذارش کی۔ انہوں نے فرمایا۔ مَیں ابھی انتظام کرتا ہوں چند منٹ کے بعد انہوں نے اطلاع دی۔ میرے دونوں سٹینو گرافر مع ضروری سامان نو بجے تک تمہارے پاس پہنچ جائیں گے چنانچہ یہ دونوں صاحبان نو بجے سے قبل ہی تشریف لے آئے اور مَیں نے تحریری بیان کا مسودہ املاء کروانا شروع کر دیا۔ اتنے میں میرے رفقائے کار بھی تشریف لے آئے اور میرے ساتھ شامل ہو گئے۔ مَیں املاء کرواتا اور وہ چوکس نگرانی رکھتے اور جہاں ضرورت ہوتی مشورہ دیتے یا اصلاح کرتے۔ دونوں زود نویس اپنے فن میں ماہر تھے اور بہت توجّہ، محنت اور اخلاص کے ساتھ کام کرتے رہے جس سے ہمارے لئے بہت سہولت ہو گئی۔ فجزاہما اللہ احسن الجزاء

جناب نواب صاحب کے تجویز کردہ زود نویس بحث کے آخر تک ہمیں میسّر نہ آئے اور نہ ہی نواب صاحب کی طرف سے کوئی اطلاع ملی کہ وہ کیا ہوئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اُن دنوں لاہور ہی میں تشریف فرما تھے۔ بُدھ کی سہ پہر کو جناب مولانا عبدالرحیم درد صاحب خاکسار کے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ حضرت صاحب نے مجھے بھیجا ہے کہ تم سے دریافت کروں کہ حضرت صاحب کس وقت تشریف لا کر تمہیں تقسیم کے بعض پہلوؤں کے متعلق معلومات بہم پہنچا دیں۔ خاکسار نے گذارش کی، خاکسار جس وقت ارشاد ہو حضور کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔ جناب درد صاحب نے فرمایا حضور کا ارشاد ہے۔ تم نہایت اہم فرض کی

سرانجام دہی میں مصروف ہو۔ تمہارا وقت بہت قیمتی ہے، تم اپنے کام میں لگے رہو ہم وہیں آجائیں گے۔ یہی مناسب ہے چنانچہ حضور تشریف لائے اور بٹوارے کے اصولوں کے متعلق بعض نہایت مفید حوالوں کی نقول خاکسار کو عطا کیں اور فرمایا۔ اصل کتب کے منگوانے کے لئے ہم نے انگلستان فرمائش بھیجی ہوئی ہے۔ اگر بروقت پہنچ گئیں تو وہ بھی تمہیں بھیج دی جائیں گی۔ نیز ارشاد فرمایا ہم نے اپنے خرچ پر حدبندی کے ایک ماہر پروفیسر کی خدمات انگلستان سے حاصل کی ہیں۔ وہ لاہور پہنچ چکے ہیں اور نقشہ جات وغیرہ تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ تم تحریری بیان تیار کر لینے کے بعد ان کے ساتھ مشورے کے لئے وقت نکال لینا وہ یہاں آکر تمہیں یہ پہلو سمجھا دیں گے۔ چنانچہ متعلقہ کتب انگلستان سے قادیان پہنچیں اور وہاں سے ایک موٹر سائیکل سوار SIDE - CAR میں رکھ کر انہیں لاہور لائے اور دوران بحث میں وہ ہمیں میسر آگئیں اور ان سے ہمیں بہت مدد ملی۔ پروفیسر SPATE نے دفاعی پہلو خاکسار کے ذہن نشین کر دیا۔ ہندو فریق کی طرف سے ہندوستان کے دفاع کی ضروریات کی بنا پر مسٹر ایم ایل سیتلواڈ نے بڑے زور سے دریائے جہلم تک کے علاقے کا مطالبہ کیا لیکن میری طرف سے پروفیسر SPATE کے تیار کردہ نقشہ جات کے پیش کرنے اور ان کی اہمیت واضح کرنے کے بعد فریق مخالف کی طرف سے ایک لفظ بھی جواباً اس موضوع پر نہ کہا گیا۔ بحث کے دوران میں حضرت خلیفۃ المسیح خود بھی اجلاس میں تشریف فرما رہے اور اپنی دعاؤں سے مدد فرماتے رہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

بدھ کی شام کو جناب خان بہادر شیخ دین محمد صاحب تشریف لائے۔ نہایت پریشان تھے۔ فرمایا تم اپنی تیاری کرو اور جیسے بن پڑے بحث بھی کرنا اور منیر اور میں جو کچھ ہم سے ہوسکے گا ہم کریں گے۔ لیکن میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ یہ سب کچھ محض کھیل ہے۔ حدبندی کا فیصلہ ہو چکا ہوا ہے اور اسی کے مطابق حدبندی ہوگی۔ نہ تم کچھ کر سکتے ہو نہ ہم کچھ کر سکتے ہیں۔

ظفر اللہ خان: آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟

جناب شیخ دین محمد صاحب: کل جب تم لوگ چلے آئے تو سر سیرل ریڈکلف کے ساتھ جو ہماری گفتگو ہوئی، اس کے دوران میں اس نے ذکر کیا۔ کل صبح میں ہوائی جہاز میں ارد گرد کا علاقہ دیکھنے کے لئے جا رہا ہوں۔ اس پر میں نے کہا اگر آپ حدبندی کے سلسلے میں علاقہ دیکھنے جا رہے ہیں تو آپ ضرور کچھ تاثر اس معائنے سے اخذ کریں گے ادھر بطور امپائر آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنا فیصلہ اسی مواد کی

بنا پر کریں جو کمشن کے روبرو پیش کیا جائے اور جو کمشن آپ کی خدمت میں ارسال کرے۔ اس پرواز سے جو تاثر آپ حاصل کریں گے اس کا علم کمشن کو کیسے ہو گا؟ اس پر سر سیرل نے کہا۔ مجھے اس غرض کے لئے جو ہوائی جہاز مہیا کیا گیا ہے وہ فوجی نوع کا ہے اور اس میں زیادہ گنجائش نہیں۔ لیکن اگر آپ پسند کریں تو آپ میں سے دو اراکین میرے ساتھ چل سکتے ہیں۔ چنانچہ طے ہوا کہ مُنیر اور تیجا سنگھ آج صبح ریڈکلف کے ساتھ جائیں۔ ان کی روانگی آج صبح سات بجے والٹن کے ہوائی میدان سے تھی۔ جب یہ سب وہاں جمع ہوئے تو پائیلاٹ نے کہا۔ صاحبان آپ دیکھتے ہیں کہ آسمان گردآلود ہو رہا ہے۔ مَیں آپ کو لے تو چلتا ہوں لیکن گرد کی وجہ سے اوپر سے آپ کو کچھ نظر تو آئے گا نہیں محض آپ کا وقت ضائع ہو گا۔ اس پر ریڈکلف نے پرواز منسوخ کر دی۔ وہاں سے چلتے وقت منیر نے پائلاٹ سے کہا۔ اگر مطلع صاف ہوتا تو تم ہمیں کہاں لے جانے والے تھے؟ اس نے اپنے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اور ایک پرزہ کاغذ نکال کر منیر کے حوالے کیا اور کہا یہ تھیں میری ہدایات، ان سے تم خود اندازہ کر لو۔ مُنیر وہ پرزہ لے آیا اور مجھے دکھایا۔ اس میں درج تھا۔ مشرق کی طرف جا کر دریائے راوی کے اس مقام کے اُوپر پہنچو جہاں دریا پہاڑی علاقے سے نکل کر میدان میں بہنا شروع کرتا ہے۔ وہاں سے دریائے راوی کے اُوپر پرواز کرتے ہوئے فلاں مقام تک آؤ جو ضلع لاہور میں ہے۔ وہاں سے دریا کو چھوڑ کر بائیں جانب ہو جاؤ اور فلاں سمت میں دریائے ستلج کے پار تک پرواز کر کے فلاں مقام کے اُوپر سے لَوٹ کر لاہور واپس آجاؤ۔ مَیں اس کاغذ کو دیکھنے کے وقت سے نہایت پریشان ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جو لائن اس کاغذ میں درج ہے وہی حد بندی کی لائن ہے اور یہ طے شدہ بات ہے۔ اب تم تو اپنا تحریری بیان داخل کرو گے اور اجلاس عام میں بحث کرو گے۔ تمہارا موقف واضح ہو گا اور ہر شخص اس کا اندازہ کر لیگا ہمارا کام پس پردہ ہو گا۔ جب حد بندی کا اعلان ہو گا تو مسلمانوں کو بہت صدمہ ہو گا اور وہ مُنیر کو اور مجھے ذمہ دار ٹھہرائیں گے اور موردِ الزام کریں گے۔ چنانچہ ہم دونوں نے فیصلہ کیا ہے کہ مَیں آج رات دلی جاؤں، اور کل صبح قائد اعظم سے مل کر یہ سارا ماجرا انہیں سُناؤں اور ان سے اجازت طلب کروں کہ مُنیر اور مَیں کمشن سے مستعفی ہو جائیں۔ اس کے بعد قائد اعظم جیسے بن پڑے اس گتھی کو سُلجھا لیں۔

ظفر اللہ خان۔ اس بات پر تو مجھے آپ کے ساتھ اتفاق ہے کہ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہے کہ حد بندی کی تعین پہلے سے ہو چکی ہے اور یہ باقی تمام کارروائی محض فریب دہی ہے اور مَیں آپ کی پریشانی میں بھی شریک

ہوں۔ آپ ضرور دلّی تشریف لے جائیں۔ لیکن قائدِاعظم کی خدمت میں گذارش کرتے ہوئے یہ بات ضرور ذہن میں رکھیں کہ وہ بہت قانونی طبیعت کے مالک ہیں۔ اس لئے آپ اپنے استعفاء کی بنیاد کسی قانونی عذر پر رکھیں ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ رضامند نہیں ہوں گے۔

جناب شیخ دین محمد صاحب: تمہارے ذہن میں کوئی قانونی عذر آتا ہے۔

ظفراللہ خاں: آپ اجازت دیں تو مَیں اپنے خیال کا اظہار کر دیتا ہوں۔

جناب شیخ دین محمد صاحب: کہو۔

ظفراللہ خان: آپ قائدِاعظم صاحب کی خدمت میں یہ گذارش کریں۔ ہم نے سر سیرل ریڈکلف کو امپائر تسلیم کیا ہے اور ہم ان کے فیصلے کی پابندی کریں گے۔ لیکن امپائر کا فرض ہے کہ وہ اپنے فیصلے پر پہنچنے میں کسی دوسرے شخص کی رائے یا مشورے سے متاثر نہ ہو۔ یہ کاغذ ظاہر کرتا ہے کہ کسی جانب سے امپائر کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ صوبہ پنجاب کی حدبندی کی یہ لائن ہو۔ اب آپ کا یہ حق ہے کہ آپ مطالبہ کریں کہ آپ کا یہ اطمینان کیا جائے کہ امپائر کی اس مجوزہ پرواز سے کیا غرض تھی اور اس پرواز کی لائن کی کیا اہمیّت ہے۔ اگر آپ کا اطمینان ہو جائے کہ یہ محض امپائر کی طبیعت کا لطیفہ ہے تو فبہا ورنہ آپ مطالبہ کریں کہ اس پرواز کا مشورہ اُسے کس نے دیا اور اس میں کیا راز پنہاں ہے؟ اگر کسی دوسرے شخص کا تداخل ثابت ہو تو آپ حق بجانب ہوں گے کہ آپ کہہ دیں ہمیں امپائر کی غیر جانبداری پر اطمینان نہیں۔ اس پر ہم دونوں اپنا استعفیٰ پیش کر دیں گے۔

جناب شیخ دین محمد صاحب: مَیں اپنی طرف سے تو ہر کوشش کروں گا۔ پرسوں صبح دلّی سے واپسی پر مَیں تمہیں اپنی ملاقات کا نتیجہ بتا دوں گا۔

جمعرات کی سہ پہر کو جناب کرنیل محمد ایوب خاں صاحب (موجودہ[1] صدر پاکستان) تشریف لائے اور حالاتِ حاضرہ پر اپنے تبصرے سے خاکسار کو مستفید فرمایا۔

جمعرات کی شام تک تحریری بیان کا مسودہ تیار ہو گیا۔ میں نے جناب سردار شوکت حیات خاں صاحب کے دولت خانے پر ٹیلیفون کیا تو معلوم ہوا جناب سردار صاحب کی طبیعت علیل چلی جا رہی ہے اور درجہ حرارت ۱۰۲ ہے۔ پلنگ پر ہیں اور طبعاً تشریف آوری سے معذور ہیں۔ پھر میں نے جناب میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ صاحب کے دولتکدے پر ٹیلیفون کیا کہ مَیں چاہتا تھا آپ دونوں صاحب تشریف لا کر مسودے کا ملاحظہ

---

[1] حضرت چوہدری صاحب نے جس وقت یہ تحریر لکھی، اس وقت محمد ایوب خان ہی صدر پاکستان تھے مگر اب محمد یحییٰ خان صدر ہیں۔ (مرتب)

فرمائیں لیکن جناب سردار صاحب تو ناسازئ طبع کی وجہ سے معذور ہیں آپ بہرحال ضرور تشریف لے آئیں۔ چنانچہ وہ تشریف لے آئے۔ میں نے تحریری بیان کا مسودہ ان کی خدمت میں پیش کر دیا اور گذارش کی آپ اسے پڑھ لیں جو ترمیم یا تبدیلی آپ اس میں پسند فرمائیں وہ خاکسار کو بتا دیں تاکہ آپ کے ارشاد کے مطابق اصلاح کر دی جائے۔ انہوں نے ازراہِ نوازش فرمایا جیسے تم نے لکھا ہے ٹھیک ہوگا مجھے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے اصرار کیا آپ ضرور توجہ سے اسے پڑھیں اور آزادی سے تنقید کریں۔ میں مسلم لیگ کی طرف سے بحث کرنے کی خاطر اطمینان کرنا چاہتا ہوں کہ لیگ کی طرف سے مجھے کیا ہدایت ہے۔ جس مسودے کی آپ تصدیق فرمادینگے وہی میرا ہدایت نامہ ہوگا اور اسی کے مطابق میں بحث کروں گا۔ میرے اصرار پر جناب میاں صاحب نے مسودہ توجہ اور غور سے پڑھا۔ پڑھنے کے دوران میں بھی پسندیدگی کا اظہار فرماتے رہے اور آخر میں فرمایا اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔

جمعہ کی صبح کو میں نے مسودے کی آخری نظرِ ثانی کی اور صاف ٹائپ ہونے کے لئے دے دیا۔ جناب شیخ دین محمد صاحب دلّی سے واپسی پر سٹیشن سے ہی تشریف لائے اور بتایا کہ قائداعظم استعفاء کی تجویز پر رضامند نہیں ہوئے۔ فرمایا ہے تم سب لوگ اپنی طرف سے پوری کوشش کرو اور فکر نہ کرو سب کچھ ٹھیک ہوگا۔

مسودہ صاف ٹائپ ہو چکا تو میں نے آخری بار پڑھ کر جناب شیخ نثار احمد صاحب کے سپرد کیا اور وہ جاکر اسے کمشن کے دفتر میں بارہ بجے سے قبل داخل کر آئے۔

جمعہ کے خطبے میں میں نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا کہ پنجاب میں مسلمانوں پر وہی وقت آرہا ہے جو سپین میں آیا تھا۔ اس لئے آستانۂ الٰہی پر گرے رہو اور بہت خشوع سے دعائیں کرتے رہو کہ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور اس مصیبت کو ٹال دے۔

بقیہ حصہ دن اور ہفتہ اور اتوار کے دونوں دن بحث کی تیاری میں صرف ہوئے۔ سوموار کو کمشن کے روبرو بحث شروع ہو گئی۔ تحریری بیان اور تقریری بحث کمشن کے ریکارڈ میں موجود ہیں۔ جو صاحب واقفِ حقیقت ہونا چاہیں انہیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ ہندو فریق کی طرف سے بحث مسٹر سیتلواڈ نے کی۔ ان کے مشیروں اور معاونوں میں ہندو قانون دانوں کے چیدہ دماغ شامل تھے جن میں جناب بخشی ٹیک چند صاحب پیش پیش تھے۔ بحث کے خاتمے پر مجھ سے ایک معزز مسلم قانون دان دوست نے ذکر کیا کہ جناب بخشی صاحب نے ان سے فرمایا اگر حد بندی کا فیصلہ دلائل اور بحث ہی کی بنا پر ہوا تو تم لوگ بازی لے گئے۔

میرے قیام لاہور کے عرصے میں معزز اور محترم میزبان جناب سر سید مراتب علی صاحب نے میرے اور میرے رفقاء کی خدمت اور تواضع میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ ہم سب کے دل ان کے بیشمار احسانات اور عنایات کے احساس سے پُر تھے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ چونکہ ان کا دولتکدہ ان ایام میں کمشن کے روبرو مسلم لیگ کی نمائندگی کا مرکز بن گیا تھا اس لئے خورد و نوش کے صیغے میں خاص طور پر اُن کی مہمان نوازی بہت وسیع ہوتی چلی گئی۔ لیکن یہ امر ان کی دلی راحت ہی کا موجب ہوا۔ اور انہوں نے نہایت فراخدلی اور خندہ پیشانی سے اُسے سرانجام دیا۔ بحث کے دوران ہم سب کے عدالت جانے اور عدالت سے لوٹنے کا انتظام بھی جناب سید صاحب ہی فرماتے رہے۔ غرض تواضع کا کوئی پہلو کسی وقت ان کی باریک بین نگاہ سے اوجھل نہ ہوا۔ امن اور سکون کے حالات میں ان کی پیہم نوازش کا سلسلہ نہایت ممتاز حیثیت رکھتا ہے لیکن انہوں نے یہ تمام خدمت اور تواضع اس اعلیٰ پیمانے پر ایسے حالات میں سرانجام دی جب ہر طرف نفسانفسی کا عالم تھا اور یہ سب فرائض انہوں نے خالصتہً رضاکارانہ طور پر اپنے ذمے لے لئے تھے۔

مَیں بحث کے سلسلے میں ابھی لاہور ہی میں تھا کہ مجھے جناب قائداعظم کا پیغام پہنچا کہ فارغ ہونے پر بھوپال جاتے ہوئے مَیں دِلّی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بھوپال جاؤں۔ انہوں نے کمال شفقت سے خاکسار کو شام کے کھانے کی دعوت دی۔ حاضر ہونے پر خاکسار کو معانقے کا شرف بخشا اور فرمایا میں تم سے بہت خوش ہوں اور تمہارا نہایت ممنون ہوں کہ جو کام تمہارے سپرد کیا گیا تھا تم نے اسے اعلیٰ قابلیت سے اور نہایت احسن طریق سے سرانجام دیا۔ کھانے کے دوران میں طریقہ تقسیم اور کارروائی تقسیم کے موضوع پر گفتگو رہی۔ آپ سے رخصت ہو کر مَیں بھوپال چلا گیا۔

حد بندی کے فیصلے میں تعویق ہوتی گئی۔ جب فیصلے کا اعلان ہوا مَیں بھوپال ہی میں تھا۔ فیصلے کا اعلان مَیں نے ریڈیو پر سُنا اور سُنتے ہی مجھ پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ آہستہ آہستہ یہ خیال میرے دل میں پختہ ہوتا گیا کہ اس واضح ظُلم اور بے انصافی کی مصیبت کی تہ میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت مخفی ہے جسے وہی جانتا ہے اور جو اپنے وقت پر ظاہر ہو جائے گی۔ حد بندی کی آخر وہی لائن قائم ہوئی جس کا اندازہ جناب شیخ دین محمد صاحب نے فریقین کے تحریری بیانات داخل ہونے سے بھی دو دن پہلے کر لیا تھا سوائے اس کے کہ اُس اندازے میں فیروزپور اور زیرہ کی تحصیلیں پاکستان میں شامل تھیں اور آخری فیصلے میں انہیں پاکستان سے الگ کر کے ہندوستان میں شامل کر دیا گیا تھا۔ اس کی زبردست تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ فیصلے

کے اعلان سے اندازاً دس دن پہلے گورنر جنرل کے پرائیویٹ سیکرٹری MR. GEORGE ABEL نے مغربی پنجاب کے گورنر SIR EVANS JENKINS کو ٹیلیفون پر اطلاع دی کہ پنجاب کی حد بندی کی لائن یوں ہوگی۔ گورنر صاحب ان کے کہنے کے مطابق لائن نوٹ کرتے گئے۔ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے کہا۔ یہ امپائر کا فیصلہ ہے۔ اڑتالیس گھنٹوں کے اندر اس کا اعلان ہو جائے گا۔ آپ اپنے حاکم پولیس کے ساتھ مشورہ کر کے اس کے عملی نفاذ کا انتظام کرلیں۔ اس لائن کے مطابق بھی فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلیں پاکستان میں شامل تھیں۔ فیصلے کا اعلان اڑتالیس گھنٹے بعد نہیں بلکہ دس دن بعد ہوا۔ اور آخری فیصلے میں ان تحصیلوں کو پاکستان سے علیحدہ کر کے ہندوستان میں شامل کر دیا گیا۔

پس پردہ اس عرصے میں کیا کارروائی ہوئی اور کونسی چال کارگر ہوئی یہ غیب کی بات ہے جس کی حقیقت ابھی ظاہر نہیں ہوئی۔ لیکن بعض امور غور طلب اور نتیجہ خیز ہیں۔ جو اطلاع پرائیویٹ سیکرٹری نے مغربی پنجاب کے گورنر کو دی وہی اطلاع انہوں نے مشرقی پنجاب کے گورنر مسٹر ترویدی کو بھی دی ہوگی۔ جناب پنڈت جواہر لال نہرو اس وقت سربراہ حکومت تھے۔ یہ قرین قیاس ہے کہ مسٹر ترویدی نے وہ اطلاع جناب پنڈت صاحب کو پہنچائی۔ اب صورت یہ تھی کہ دریائے ستلج سے جاری ہونے والی نہروں کے HEAD WORKS تحصیل فیروز پور میں تھے۔ ان نہروں کے پانی کا ۸۳ فیصدی پانی پاکستان میں جاتا تھا۔ فقط ۱۷ فیصدی نہر بیکانیر کے ذریعے ریاست بیکانیر میں جاتا تھا۔ ریاست بیکانیر میں صرف یہی ایک نہر تھی اور ریاست کی خوشحالی میں اس نہر کا بہت بڑا حصہ تھا۔ ریاست بیکانیر اگر ایک طرف ہندوستان سے ملحق تھی تو دوسری طرف پاکستان سے ملحق تھی۔ مہاراجہ بیکانیر کانگریس کے استبداد سے پریشان تھے۔ اگر ان کی نہر کا دہانہ پاکستان میں چلا جاتا تو عین ممکن تھا کہ اس وقت کے حالات میں وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کے امکان پر غور کرنا شروع کر دیتے۔ بیکانیر سے آگے ریاست جیسلمیر تھی جس کی آبادی کی کثرت مسلمان تھی اور مہاراجہ جیسلمیر کے تعلقات اپنی ریاست کے مسلمانوں کے ساتھ بہت خوشگوار تھے۔ وہ بھی مہاراجہ بیکانیر کی طرح کانگریس سے خائف تھے۔ اگر مہاراجہ بیکانیر پاکستان کے ساتھ الحاق کے امکان پر غور کر سکتے تھے تو مہاراجہ جیسلمیر کے ذہن میں بھی یہ امکان پیدا ہو سکتا تھا۔ یہ امکان جناب پنڈت صاحب اور ان کے رفقاء کے لئے بہت پریشانی کا موجب ہوتا۔ ادھر اگر HEAD WORKS ہندوستان کے تسلط میں آجاتے تو گویا ہندوستان کے ہاتھ میں پاکستان کی ایک رگِ جان آجاتی اور یوں بھی فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلوں کے پاکستان میں شامل ہو جانے سے پاکستان

کا قدم اس مقام پر ستلج اور بیاس کے پار پہنچ جاتا۔ یہ جملہ امکانات لازماً جناب پنڈت صاحب کے لئے پریشانی اور اذیت کا موجب تھے۔ جناب پنڈت صاحب کے ذاتی تعلقات لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ نہایت گہرے دوستانے کے تھے اور اب یہ حقیقت مسلّم ہو چکی ہے کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن جناب قائداعظم کے ہاتھوں بہت آزردہ تھے کیونکہ جناب قائداعظم نے یہ تجویز ردّ کر دی تھی کہ آزادی حاصل ہونے پر وہ پاکستان اور ہندوستان دونوں کے گورنر جنرل ہوں۔ اگر جناب پنڈت صاحب نے امپائر کی تجویز کردہ لائن کی اطلاع پا کر فیروزپور اور زیرہ کی تحصیلوں کے پاکستان میں شامل کئے جانے پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے پاس پُرزور احتجاج کیا ہو اور کہہ دیا ہو کہ اس صورت میں ہم تقسیم کے تمام منصوبے ہی کو سرے سے ردّ کر دیں گے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو اس صورت میں اپنی تمام کوششوں کی ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑتا اور آزاد ہندوستان کا گورنر جنرل بننا بھی ایک خواب ثابت ہوتا جو شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ امپائر کے فیصلے کی اطلاع تو انہیں پہلے سے ہی تھی۔ جناب شیخ دین محمد صاحب کو جو کاغذ جناب شیخ محمد منیر صاحب نے دیا یا دکھایا تھا وہ اس امر کی شہادت ہے کہ حد بندی کی لائن امپائر کے ہندوستان پہنچنے سے پہلے طے پا چکی تھی اور یقیناً لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ایما سے طے پائی ہو گی۔ جناب پنڈت صاحب کے احتجاج کے نتیجے میں امپائر کو اس ترمیم پر رضامند کر لینا کوئی مشکل امر نہ تھا۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی طرف سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ حد بندی کے فیصلہ کے اعلان سے قبل انہیں فیصلے کا کوئی علم نہیں تھا اس بیان کے قبول کرنے کے رستے میں بعض مشکلات ہیں:۔

۱۔ امپائر کی لاہور میں مجوزہ پرواز جو طوفانِ گرد کی وجہ سے ترک ہوئی کس نے تجویز کی تھی اور اس کی کیا غرض تھی؟

۲۔ اس پرواز کی سمت اور حدود وہی تجویز کی گئی تھیں جو حد بندی کی اس لائن کی تھیں جو گورنر جنرل کے پرائیویٹ سکرٹری نے مغربی پاکستان کے گورنر کو بتائیں اور جن کے متعلق کہا گیا یہ حد بندی کا فیصلہ ہے جن کا اعلان اڑتالیس گھنٹے کے اندر ہو جائے گا۔ آپ اپنے حاکم پولیس کے مشورے کے ساتھ اس کے عملی نفاذ کی تجویز تیار کر لیں۔ یہ توارد کیسے ہوا؟ پرواز کی سمت اور حدود کس نے تجویز کی تھیں اور کس غرض کے لئے تجویز کی تھیں؟

۳۔ امپائر کے فیصلے کا اعلان اپنے وقت پر کیوں نہ ہوا؟ آٹھ دن کی تاخیر کی کیا وجہ تھی؟

۴۔بقول پرائیویٹ سیکرٹری گورنر جنرل جن حدود کی اطلاع انہوں نے گورنر مغربی پنجاب کو دی۔ ان کی تعیین پرائیویٹ سیکرٹری نے ان دستاویزات سے کی جو امپائر کے سیکرٹری MR. BEANMONT نے تیار کی تھیں۔ یہ اطلاع اور یہ دستاویزات مسٹر بوماؤنٹ نے مسٹر ایبل کو ان کے منصب اور حیثیت کی وجہ سے دیں جس کی غرض صرف یہ ہو سکتی تھی کہ گورنر جنرل کو امپائر کے فیصلے کی اطلاع کر دی جائے۔

۵۔مسٹر ایبل نے جو اطلاع گورنر مغربی پنجاب کو دی وہ گورنر جنرل کے حکم سے ہی دی جا سکتی تھی۔ ایسے اہم معاملے میں پرائیویٹ سیکرٹری اپنی مرضی سے بغیر ارشاد گورنر جنرل کے یہ اقدام نہیں کر سکتا تھا۔

یہاں ایک اور اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔ جب مسٹر ایبل نے گورنر مغربی پنجاب کو حد بندی کی لائن کی اطلاع دی اور فرمایا یہ امپائر کا فیصلہ ہے اس وقت یا تو امپائر اپنا فیصلہ کر چکا تھا اور اس کے سیکرٹری نے فیصلہ گورنر جنرل کی اطلاع کے لئے مسٹر ایبل کو بھیج دیا۔ یا معاملہ ابھی امپائر کے زیر غور تھا۔ پہلی صورت میں جب امپائر نے فیصلہ مکمل کر لیا اور اس کی اطلاع گورنر جنرل کو بذریعہ اس کے پرائیویٹ سیکرٹری کے کر دی تو امپائر کے اختیارات ختم ہو گئے۔ اس کے بعد امپائر کو فیصلے میں ترمیم اور تبدیلی کا کوئی اختیار نہ رہا۔ دوسری صورت میں اگر معاملہ ابھی اس کے زیر غور تھا تو امپائر نے یہ اطلاع گورنر جنرل کے سیکرٹری کو کس غرض کے لئے دی؟ اس کی ایک ہی غرض ہو سکتی تھی کہ وہ گورنر جنرل کی رضامندی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس صورت میں وہ ایک ناجائز بات کا مرتکب ہوا جو اس کے منصب اور اس کی غیر جانبدارانہ حیثیت کے متناقض تھی اور جس سے اس کا مزعومہ فیصلہ باطل ہوتا ہے اور قابلِ نفاذ نہیں رہتا۔"[۱]

ایک اہم واقعہ حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے مذکورہ بالا خود نوشتہ حالات و واقعات سے تقسیم برصغیر کے دوران لارڈ ماؤنٹ بیٹن، سر سیرل ریڈ کلف اور ہندوؤں کی باہمی سازش بے نقاب ہو جاتی ہے نیز اس امر پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ کس طرح پاکستان کو مسلم اکثریت کے علاقوں سے محروم کر کے عدل و انصاف کا خون کیا گیا ہے۔ اسی ضمن میں ذیل میں ایک اہم واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"۱۹۴۷ء میں جب باؤنڈری کمیشن بیٹھا تو اس کمشن کے سامنے اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے دجل کیا گیا۔ ہندوؤں نے یہ دجل کیا کہ انہوں نے باؤنڈری کمشن کے سامنے یہ بات پیش کر دی کہ گو ضلع گورداسپور کی مجموعی آبادی میں مسلمان زیادہ ہیں لیکن ضلع کی بالغ آبادی میں اکثریت ہندوؤں

---

[۱] خود نوشت سوانحِ عمری حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب صفحہ ۳۹۰ تا ۴۰۸ (غیر مطبوعہ)

کی ہے اور چونکہ ووٹ بالغ آبادی نے دینا ہے اس لئے یہ ضلع بھارت میں شامل ہونا چاہیئے۔

ہم جب وہاں سے واپس آئے تو ہم سب بہت پریشان تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں یہ ڈالا کہ اگر ہمیں ۱۹۳۵ کی سنسز رپورٹ CENSUS REPORT مل جائے کہ اس وقت تک سب سے آخر میں ۱۹۳۵ء میں ہی سنسز CENSUS ہوئی تھی اور ایک کلکولیٹنگ مشین CALCULATING MACHINE مل جائے جو جلد جلد ضرب اور تقسیم کرتی ہے تو میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے راتوں رات ایک ایسا نقشہ تیار کر سکتا ہوں کہ اس سے ضلع گورداسپور کی بالغ آبادی کی صحیح تعداد سنسز CENSUS کے اصول کے مطابق معلوم ہو جائے گی۔ سنسز CENSUS کے متعلق انہوں نے بعض اصول مقرر کئے ہوئے ہیں اور انہوں نے عمر کے لحاظ سے گروپ بنائے ہوئے ہیں اور ہر گروپ کی وفات کی فی صد انہوں نے مقرر کی ہوئی ہے۔ وہ تو ایک سال کی عمر سے شروع کرتے ہیں لیکن ہم نے ایسی عمر سے یہ کام شروع کرنا تھا کہ انہیں ۱۹۴۷ میں بلوغت تک پہنچا دیں۔ مثلاً انہوں نے یہ اصول بنایا ہوا ہے کہ تین سال کی عمر کے بچے چار سال کی عمر کے ہونے تک سو میں سے پچانوے رہ جائیں گے۔ پھر چار سال سے پانچ سال کی عمر ہونے تک وہ سو میں سے اٹھانوے رہ جائیں گے۔ پھر انہوں نے بعض اسی قسم کے اصول وضع کئے ہوئے ہیں اور ہمیں ہر گروپ کو ضربیں اور تقسیمیں دے کر ہندوؤں اور مسلمانوں کی علیحدہ علیحدہ تعداد نکالنی تھی اور وہ تعداد معلوم کرنی تھی جو ۱۹۴۷ء میں بالغ ہو چکی تھی اور جو پہلے بالغ تھے ان کی تعداد تو پہلے ہی دی ہوئی تھی۔ میں نے حضرت فضل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں عرض کیا تو حضور نے فوراً مناسب انتظام کر دیا۔ راتوں رات مجھے شاید پچاس ہزار یا ایک لاکھ ضربیں دینی پڑیں اور تقسیمیں کرنی پڑیں۔ لیکن بہر حال ایک نقشہ تیار ہو گیا اور اس نقشہ کے مطابق ضلع گورداسپور کی مسلم بالغ آبادی کی فیصد مجموعی لحاظ سے کچھ زائد تھی کم نہیں تھی۔ اگلے دن صبح جب مکرم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے یہ حساب پیش کیا تو ہندو بہت گھبرائے کیونکہ وہ تو اپنے آپ کو حساب کا ماہر سمجھتے تھے۔ اور انہیں خیال تھا کہ مسلمانوں کو حساب نہیں آتا"۔ [1]

چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی فاضلانہ اور مدلل بحث پر خراج تحسین

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی خود نوشت سوانح کا ایک

[1] "الفضل" ۱۸ نبوت/ نومبر ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء صفحہ ۷-۸

طویل مگر نہایت اہم معلومات افزا اور ضروری اقتباس اُوپر درج کرنے کے بعد اب ہم بتاتے ہیں کہ حضرت چودھری صاحب موصوف نے حدبندی کمیشن کے سامنے ۲۶ جولائی سے لے کر ۳۰ جولائی ۱۹۴۷ء[له] تک مسلم لیگ کا نقطۂ نگاہ غیر معمولی قابلیت ولیاقت سے واضح فرمایا[عله]۔ آپ کی فاضلانہ اور مدلّل بحث بھی ریڈکلف ایوارڈ کے ریکارڈ سے منسلک ہے اور اگر کتاب کی تنگ دامانی مانع نہ ہوتی تو یہاں اس بے مثال آئینی وسیاسی دستاویز کا ترجمہ ضرور دے دیا جاتا۔ مگر افسوس ہمیں بالآخر مختصراً صرف اس بات پر اکتفاء کرنا پڑے گا کہ دنیائے اسلام کے اس بطلِ جلیل اور پاکستان کے مایۂ ناز فرزند نے مسلمانانِ ہند کے اس انتہائی نازک موڑ میں ان کی ترجمانی کا حق اس شان سے ادا کیا کہ مسلمانوں کے ہر سنجیدہ، مخلص اور دردمند طبقے نے بیک زبان ہو کر آپ کی تعریف کی۔ چنانچہ آپ کے اس ملّی اور قومی کارنامہ پر جو خراجِ تحسین ادا کیا گیا اس کے چند نمونے یہ ہیں:۔

اخبار "نوائے وقت" کا ادارتی نوٹ

باؤنڈری کمیشن کے اجلاس کے خاتمہ پر اخبار "نوائے وقت" یکم اگست ۱۹۴۷ء نے ایک ادارتی نوٹ میں چودھری صاحب کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا:۔

"حدبندی کمیشن کا اجلاس ختم ہوا۔ سنسر کی پابندیوں کی وجہ سے ہم نہ اس اجلاس کی کارروائی چھاپ سکے نہ اب اس پر تبصرہ ہی ممکن ہے۔ کمیشن کا اجلاس دس دن جاری رہا۔ ساڑھے چار دن مسلمانوں کی طرف سے بحث کے لئے مخصوص رہے۔ مسلمانوں کے وقت میں سے ہی ان کے دوسرے حامیوں کو بھی وقت دیا گیا۔ اس حساب سے کوئی چار دن سر محمد ظفر اللہ خانصاحب نے مسلمانوں کی طرف سے نہایت مدلّل، نہایت فاضلانہ اور نہایت معقول بحث کی۔ کامیابی بخشنا خدا کے ہاتھ میں ہے مگر جس خوبی اور قابلیت کے ساتھ سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے مسلمانوں کا کیس پیش کیا۔ اس سے مسلمانوں کو اتنا اطمینان ضرور ہو گیا کہ ان کی طرف سے حق وانصاف کی بات نہایت مناسب اور احسن طریقہ سے اربابِ اختیار تک پہنچا دی گئی ہے۔ سر ظفر اللہ خاں صاحب کو کیس کی

له اس روز آپ نے مُسلم لیگ کی ہدایت پر بہاولپور کی طرف سے بھی کیس پیش فرمایا ("الفضل" یکم اگست ۱۹۴۷ء صفحہ ۸)

عله بحث کی تیاری کے سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ چوہدری صاحب نے میمورنڈم داخل کمشن کرانے کے اگلے دن ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو قادیان فون کیا کہ گیانی واحد حسین صاحب اور گیانی عباد اللہ صاحب مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں سکھوں کے ساتھ جو نیک سلوک کیا اور جاگیریں دیں ان کے حوالے اور اصل کتب لے کر جلد لاہور آجائیں۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں سکھ لٹریچر کے یہ دونوں ممتاز فاضل ضروری کتابیں لے کر لاہور پہنچ گئے اور مُسلم لیگ کے کیس کی تائید میں مطلوبہ مواد فراہم کر دیا۔

تیاری کے لئے بہت کم وقت ملا مگر اپنے خلوص اور قابلیت کے باعث انہوں نے اپنا فرض بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ ہمیں یقین ہے کہ پنجاب کے سارے مسلمان بلا لحاظ عقیدہ ان کے اس کام کے معترف اور شکر گذار ہوں گے" ؎۱

قائداعظم کی خوشنودی

مُسلم لیگی ترجمان اخبار" نوائے وقت" لاہور نے ۲۴ اگست ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں (جبکہ قائداعظم زندہ تھے) حسب ذیل نوٹ لکھا:۔

"جب قائداعظم نے یہ چاہا کہ آپ پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوں تو ظفر اللہ خاں نے فوراً یہ خدمت سرانجام دینے کی حامی بھری۔ جو افراد کمشن کے ارکان کی حیثیت سے جج بنا کر بٹھائے گئے تھے وہ باعتبار تجربہ وصلاحیت آپ کے مقابلہ میں طفلانِ مکتب سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے۔ لیکن قائداعظم کی خواہش تھی کہ ظفر اللہ کمیشن کے سامنے ملت کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوں اس لئے آپ نے بلا تأمل یہ کام اپنے ذمہ لیا اور اُسے ایسی قابلیت سے سرانجام دیا کہ قائداعظم نے خوش ہو کر آپ کو یُو این او میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کر دیا جس طرح آپ نے ملت کی وکالت کا حق ادا کیا تھا اس سے آپ کا نام پاکستان کے قابلِ احترام خادموں میں شامل ہو چکا تھا۔ آپ نے ملک و ملت کی جو شاندار خدمات سرانجام دیں تو قائداعظم انہیں حکومت پاکستان کے اس عہدے پر فائز کرنے پر تیار ہو گئے جو باعتبار منصب وزیر اعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا ہے قائداعظم نے چوہدری صاحب کو بلا تأمل پاکستان کا وزیر خارجہ بنا دیا۔ لیکن ظفر اللہ کے ہاتھوں وہ زبردست کارنامہ انجام دینا باقی تھا جس سے اس کا نام تاریخ پاکستان میں ہمیشہ زندہ رہے گا (یعنی یو۔ این۔ او میں مسئلہ کشمیر کی وکالت۔ ناقل)" ؎۲

جسٹس محمد منیر کا اعلان حق

جسٹس محمد منیر نے جو ریڈ کلف ایوارڈ کے مسلمانوں کی طرف سے ممتاز رُکن اور پنجاب کی "تحقیقاتی عدالت" کے صدر تھے، اپنی عدالتی رپورٹ میں لکھا:۔

"عدالتِ ہذا کا صدر جو اس (باؤنڈری) کمیشن کا ممبر تھا اس بہادرانہ جدوجہد پر تشکر و امتنان کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے جو چودھری ظفر اللہ خاں صاحب نے گورداسپور کے معاملہ میں کی تھی۔ یہ حقیقت باؤنڈری کمیشن کے کاغذات میں ظاہر و باہر ہے اور جس شخص کو اس مسئلہ سے دلچسپی ہو وہ شوق سے اس ریکارڈ کا معائنہ کر سکتا ہے چودھری ظفر اللہ خاں نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات انجام دیں۔ اُن

؎۱ روزنامہ" نوائے وقت" یکم اگست ۱۹۴۷ء ؎۲ روزنامہ" نوائے وقت" ۲۴ اگست ۱۹۴۸ء

کے باوجود بعض جماعتوں نے عدالت تحقیقات میں ان کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ قابل شرم ناشکرے پن کا ثبوت ہے"۔[۱]

سکھ اور ہندو پریس کا واضح اعتراف

اب سکھ اور ہندو پریس کی زبانی چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کی فقید المثال جدوجہد کا اعتراف پڑھیئے والفضل ماشہدت بہ الاعداء۔

۱۔ سکھوں کے ہفت روزہ گورمکھی اخبار "گرج" نے آزادی ایڈیشن میں لکھا:۔

"مجھے خوب یاد ہے کہ سردار ہرنام سنگھ سکھوں کا کیس کمیشن کے سامنے پیش کر رہے تھے تو وہ جائیدادوں، باروں اور بلڈنگوں کو ہی گناتے رہے لیکن جب سر ظفر اللہ کی باری آئی تو انہوں نے ایک فقرے میں بات ختم کر دی کہ میرا قابل دوست سروں کے بدلہ میں اینٹوں کی گنتی کرتا رہا ہے۔

"COUNTING BRICKS AGAINST HEADS"

اور یہاں آج سروں سے فیصلے ہوں گے، ان کی بات درست تھی۔ قوم پتھروں کے ساتھ ہی ٹکرا رہی تھی سکھ لیڈر قوم کی کشتی میں اتنے پتھر ڈال چکے تھے کہ اس کا ہندو پاک سمندر سے تیر آنا مشکل سی بات تھی"[۲]

۲۔ اخبار "ہندو" جالندھر نے اپنی ۲۷ ستمبر ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں لکھا:۔ "اب ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد کی سُنیئے "سر محمد ظفر اللہ خاں اور جماعت احمدیہ کے سرکاری ادھیکاری اس بات پر بضد تھے اور ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ ضلع گورداسپور بھی پاکستان میں آئے۔ وہ تو قادیان کو پاکستان میں لانا چاہتے تھے نہیں تو اپنا سنٹر قادیان چھوڑنا پڑتا تھا چنانچہ اعلان آزادی سے تین دن پہلے تو عارضی طور پر ضلع گورداسپور بھی پاکستان میں آچکا تھا۔ ان تین دنوں میں قادیان کو خوب سجایا گیا

[۱] "رپورٹ تحقیقاتی عدالت" صفحہ ۲۰۹ ۔ [۲] ہفت روزہ "گرج" دلی آزادی ایڈیشن۔ متعلقہ اقتباس کا چربہ ملاحظہ ہو:۔

ਮੈਨੂੰ ਯਾਦ ਹੈ ਕਿ ਜਦ ਸਰਦਾਰ ਹਰਿਨਾਮ ਸਿੰਘ ਸਿੱਖਾਂ ਦਾ
ਕੇਸ ਕਮਿਸ਼ਨ ਅੱਗੇ ਪੇਸ਼ ਕਰ ਰਹੇ ਸਨ, ਤਾਂ ਉਹ ਜਾਇਦਾਦਾਂ,
ਬਾਰਾਂ ਤੇ ਬਿਲਡਿੰਗਾਂ ਹੀ ਗਿਣਾਂਦੇ ਰਹੇ, ਪਰ ਜਦ ਸਰ ਜ਼ਫ਼ਰਉੱਲਾ
ਦੀ ਵਾਰੀ ਆਈ, ਤਾਂ ਉਸ ਨੇ ਇਕ ਫ਼ਿਕਰੇ ਵਿਚ ਹੀ ਗੱਲ ਮੁਕਾ ਦਿੱਤੀ
ਕਿ ਮੇਰਾ ਲਾਇਕ ਦੋਸਤ ਸਿਰਾਂ ਦੇ ਬਦਲੇ ਇੱਟਾਂ ਨੂੰ ਗਿਣਦਾ ਰਿਹਾ ਹੈ
Counting bricks against heads
ਤੇ ਇਥੇ ਅੱਜ ਸਿਰਾਂ ਨਾਲ ਫ਼ੈਸਲੇ ਹੋਣੇ ਹਨ। ਉਸ ਦੀ ਗੱਲ ਠੀਕ ਸੀ,
ਕੌਮ ਪੱਥਰਾਂ ਨਾਲ ਟਕਰਾ ਰਹੀ ਸੀ। ਸਿੱਖ ਆਗੂ ਕੌਮ ਦੀ ਬੇੜੀ ਵਿਚ
ਇਤਨੇ ਪੱਥਰ ਪਾ ਚੁੱਕੇ ਸਨ ਕਿ ਇਸ ਦਾ ਹਿੰਦ-ਪਾਕ ਦੇ ਸਾਗਰ ਵਿਚੋਂ
ਤਰ [illegible] ਮੁਸ਼ਕਲ ਜਿਹੀ [illegible]

[۳] بحوالہ "الفضل" ۱۲ اخاء / اکتوبر ۱۳۳۱ ہش ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ ۔

چوتھا باب

"حجۃ اللہ" حضرت نواب محمد علی خانصاحبؓ کے انتقال اور سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے لیکچر "اسلام کا اقتصادی نظام" سے لیکر یورپ میں نئے احمدیہ مشنوں کے قیام اور تحریک آزادیٔ انڈونیشیا کی پرجوش حمایت تک۔

از

صفر ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ صلح / جنوری ۱۳۲۴ہش ۱۹۴۵ء

تا

شوال ۱۳۶۵ھ مطابق ظہور / اگست ۱۳۲۵ہش ۱۹۴۶ء

خلافت ثانیہ کا بتیسواں (۳۲) سال

فصل اوّل

حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خانصاحب رئیس مالیر کوٹلہ کا انتقال

اس سال کا نہایت اندوہناک واقعہ حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خانصاحب، کا انتقال پُر ملال ہے جو ماہ تبلیغ / فروری میں ہوا۔

حضرت نواب محمد علی خانصاحب کے خاندانی حالات | حضرت نواب محمد علی خانصاحب ریاست مالیر کوٹلہ کے

فرمانروا خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو نسلاً شیروانی افغان ہے اور جس کے جدامجد ایک باخدا بزرگ حضرت شیخ صدر جہاں ۸۶۹ھ میں جلال آباد سے ہندوستان تشریف لائے اور سلطان بہلول لودھی کی بیٹی سے بیاہے گئے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"محبی فی اللہ نواب محمد علی خانصاحب رئیس خاندان ریاست مالیر کوٹلہ یہ نواب صاحب ایک معزز خاندان کے نامی رئیس ہیں۔ مورث اعلیٰ نواب صاحب موصوف کے شیخ صدر جہان[1] ایک باخدا بزرگ تھے جو اصل باشندہ جلال آباد سروانی قوم کے پٹھان تھے۔ ۸۶۹ھ میں عہد سلطنت بہلول لودھی میں اپنے وطن سے اس ملک میں آئے۔ شاہ وقت کا ان پر اسقدر اعتقاد ہوگیا کہ اپنی بیٹی کا نکاح شیخ موصوف سے کر دیا۔ اور چند گاؤں جاگیر میں دے دیئے چنانچہ ایک گاؤں کی جگہ میں یہ قصبہ شیخ صاحب نے آباد کیا جس کا نام مالیر ہے۔ شیخ صاحب کے پوتے بایزید خاں نامی نے مالیر کے متصل قصبہ کوٹلہ کو تقریباً ۱۵۷۳ء میں آباد کیا جس کے نام سے اب یہ ریاست مشہور ہے۔ بایزید خاں کے پانچ بیٹوں میں سے ایک کا نام فیروز خاں تھا اور فیروز خاں کے بیٹے کا نام شیر محمد خاں، اور شیر محمد خاں کے بیٹے کا نام جمال خاں تھا۔ جمال خاں کے پانچ بیٹے تھے مگر ان میں سے صرف دو بیٹے تھے جن کی نسل باقی رہی یعنی بہادر خاں اور عطاء اللہ خاں۔ بہادر خاں کی نسل میں سے یہ جوان صالح خلف رشید نواب غلام محمد خاں صاحب مرحوم ہے جس کا عنوان میں ہم نے نام لکھا ہے خدا تعالیٰ اس کو ایمانی امور میں بہادر کرے اور اپنے جد شیخ بزرگوار صدر جہاں کے رنگ میں لاوے۔ سردار محمد علی صاحب نے گورنمنٹ برطانیہ کی توجہ اور مہربانی سے ایک شائستگی بخش تعلیم پائی جس کا اثر اُن کے دماغی اور دلی قویٰ پر نمایاں

---

[1] - سر لیپل ایچ گریفن اور کرنل میسی نے پنجاب چیفس میں ریاست مالیر کوٹلہ کے خاندان کا شجرہ نسب دیکر مفصل تذکرہ کیا ہے۔ اسی طرح مولانا ضیاء الدین صاحب علوی وکیل امروہوی اپنی کتاب "ثمرۃ الانساب" میں لکھتے ہیں کہ:۔

"شیخ صدر الدین یا صدر جہاں ۸۶۰ھ میں مقام دراجن سے (جو شیخ قتال نے آباد کیا تھا) بطور سیاحت ہندوستان آئے اور جہاں اب مالیر آباد ہے یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا یہاں ایک پھونس کا گھر بنا کر مشغول عبادت ہوئے اتفاقاً سلطان بہلول لودی ان کی زیارت کو آیا اور دعا کی استدعا کی اور دل میں خیال کیا کہ اپنی لڑکی کا نکاح ان سے کر دونگا۔ چنانچہ بعد میں اُس نے ایسا ہی کیا اور شیخ صدر الدین کو نذر میں ۶۸ دیہات دیئے۔ شیخ صدر الدین نے بعد نکاح اس گاؤں کو آباد کیا اور مالیر نام رکھا بعمر ۱۰۵ سال ۹۲۵ھ میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ یہ بڑے کامل بزرگ تھے اب بھی مالیر میں ان کی قبر زیارتگاہ عام ہے۔"

(ثمرۃ الانساب" صفحہ ۱۷۰ حاشیہ طبع اول ۳۰ اپریل ۱۹۱۷ء مطبع رحیمی)

ہے۔ان کی خداداد فطرت بہت سلیم اور معتدل ہے اور باوجود عین شباب کے کسی قسم کی حدت اور تیزی اور جذبات نفسانی اُن کے نزدیک آتے معلوم نہیں ہوتے"۔ [1]

ولادت اور قبل از بیعت خدمات ملّیہ

حضرت نواب محمد علی خاں کی ولادت یکم جنوری ۱۸۷۰ء کو ہوئی ابتدائی تعلیم چیفس کالج (انبالہ و لاہور) میں حاصل کی۔ ساڑھے سات برس کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ اُٹھ گیا اور چھوٹے بہن بھائیوں کی ساری ذمہ داری اُن پر آپڑی۔ شروع ہی سے دینی شغف رکھتے تھے اسلام اور مسلمانوں کے لئے فیاض تھے۔ مالی قربانی کرنے میں ہمیشہ فخر محسوس کرتے تھے۔ ۱۸۸۶ء سے ۱۸۹۴ء تک محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سے وابستہ رہے اور جیسا کہ اسکی سالانہ جلسوں کی روئدادوں سے ظاہر ہے ہمیشہ چندہ دیتے رہے۔ علیگڑھ کے مشہور سٹریچی ہال کی تعمیر میں جن اصحاب نے پانچ سو روپیہ دیا ان میں آپ بھی تھے۔ چنانچہ ہال میں تیسرے نمبر پر آپ کی یادگار مندرجہ ذیل الفاظ میں موجود ہے:۔

"پانصد روپیہ عطیہ خانصاحب محمد علی خاں رئیس مالیر کوٹلہ بشکریہ ولادت برخوردار محمد عبد الرحمٰن خاں ۹ اکتوبر ۱۸۹۴ء"

حضرت مسیح موعودؑ سے خط و کتابت عقیدت اور بیعت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپ کے سلسلہ خط و کتابت کا آغاز ۱۸۸۹ء کے دوران آپکے استاد مولوی عبد اللہ صاحب فخری کاندھلوی کی تحریک پر ہوا جو خود ۲۰ مئی ۱۸۸۹ء کو بیعت کر چکے تھے چنانچہ آپنے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں دعا کیلئے خط لکھا اور نہایت انکسار اور تواضع سے اپنے روحانی علاج کی درخواست کی۔ جس پر حضور نے تحریر فرمایا کہ دعا بلا تعلق نہیں ہو سکتی آپ بیعت کر لیں۔ مگر انہوں نے عرض کیا کہ میں شیعہ ہوں اور اہل تشیع ائمہ اثنا عشر کے سوا کسی کو ولی یا امام نہیں تسلیم کرتے اس لئے میں آپ کی بیعت کیسے کر سکتا ہوں؟ اس کا مفصل جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لدھیانہ (محلہ اقبال گنج مکان شاہزادہ حیدر) سے ۱۹ اگست ۱۸۹۰ء کو تحریر فرمایا جو "مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر چہارم" کے شروع میں درج ہے۔ حضور نے اس خط میں نواب صاحب کو اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی کہ

"اگر یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ تمام برکتوں اور اماموں اور ولایتوں پر مُہر لگا چکا ہے اور آئندہ کے

---

[1] "ازالہ اوہام" طبع اول ص ۸۸۴-۸۸۶

لئے وہ راہیں بند ہیں تو خدائے تعالیٰ کے سچے طالبوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی دل توڑنیوالا واقعہ نہ ہوگا گویا وہ جیتے ہی مر گئے اور اُن کے ہاتھ میں بجز چند خشک قصّوں کے اور کوئی مغز دار بات نہیں۔" نیز آیت اھدنا الصراط المستقیم صراط الّذین انعمت علیھم کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا "یہ آیت صاف بتلاتی ہے کہ کمالات امامت کا راہ ہمیشہ کے لئے کھُلا ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا اس عاجز نے اسی راہ کے اظہار ثبوت کے لئے بیس ہزار اشتہار مختلف دیار و امصار میں بھیجا ہے اگر یہی کھلا نہیں تو پھر اسلام میں فضیلت کیا ہے؟ یہ تو سچ ہے کہ بارہ امام کامل اور بزرگ اور سید القوم تھے مگر یہ ہرگز سچ نہیں کہ کمالات میں اُن کے برابر ہونا ممکن نہیں۔ خدائے تعالیٰ کے دونوں ہاتھ رحمت اور قدرت کے ہمیشہ کے لئے کھلے ہیں اور کھُلے رہیں گے اور جس دن اسلام میں یہ برکتیں نہیں ہوں گی اس دن قیامت آجائے گی۔۔۔۔۔ ایک آدمی آپ لوگوں میں اس مدعا کے ثابت کرنے کے لئے کھڑا ہے کیا آپ لوگوں میں سے کسی کو خیال آتا ہے کہ اس کی آزمائش کروں؟" [1]

اس خط کے بعد اگلے سال جولائی ۱۸۹۰ء میں پہلی بار قادیان پہنچے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے فیضیاب ہوئے۔ ازاں بعد اگست ۱۸۹۰ء میں آپ حضور اقدس کی زیارت کے لئے لدھیانہ تشریف لے گئے اور بالآخر جب پوری طرح اطمینان قلب نصیب ہوگیا تو ۱۹ر نومبر ۱۸۹۰ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر لی اور لکھا کہ:۔ [2]

"ابتدا میں گو میں آپ کی نسبت نیک ظن ہی تھا۔ لیکن صرف اسقدر کہ آپ اور علماء اور مشائخ ظاہری کی طرح مسلمانوں کے تفرقہ کے مؤید نہیں ہیں بلکہ مخالفانِ اسلام کے مقابل پر کھڑے ہیں مگر الہامات کے بارہ میں مجھ کو نہ اقرار تھا اور نہ انکار۔ پھر جب میں معاصی سے بہت تنگ آیا اور اُن پر غالب نہ ہو سکا تو میں نے سوچا کہ آپ نے بڑے بڑے دعوے کئے ہیں یہ سب جھوٹے نہیں ہو سکتے۔ تب میں نے بطور آزمائش آپ کی طرف خط و کتابت شروع کی جس سے مجھ کو تسکین ہوتی رہی اور جب قریباً اگست میں آپ سے لودھیانہ ملنے گیا

---

[1] "مکتوبات احمدیہ" جلد پنجم نمبر چہارم صفحہ ۲-۳ (مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اشاعت یکم فروری ۱۹۴۳ء)۔

[2] رجسٹر بیعت۔

تو اس وقت میری تسکین خوب ہو گئی اور آپ کو ایک باخدا بزرگ پایا اور بقیہ شکوک کا پھر بعد کی خط و کتابت میں میرے دل سے بکلی دھویا گیا اور جب مجھے یہ اطمینان دی گئی کہ ایک ایسا شیعہ جو خلفائے ثلاثہ کی کسر شان نہ کرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو سکتا ہے۔ تب مَیں نے بیعت کر لی۔ اب میں اپنے آپ کو نسبتاً بہت اچھا پاتا ہوں اور آپ گواہ رہیں کہ میں نے تمام گناہوں سے آئندہ کے لئے توبہ کی ہے۔ مجھ کو آپ کے اخلاق اور طرز معاشرت سے کافی اطمینان ہے کہ آپ ایک سچے مجدّد اور دُنیا کے لئے رحمت ہیں۔" [1]

حضرت نواب صاحب کا ذکر "ازالہ اوہام" میں

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ مطابق جولائی ۱۸۹۱ء میں "ازالہ اوہام" حصہ دوم شائع فرمائی تو اس میں اپنے دوسرے محبین کے علاوہ نمبر ۸ پر حضرت نواب صاحب کا ذکر خاص فرمایا اور اس میں ان کے خاندانی حالات بیان کرنے کے بعد اور مندرجہ بالا خط کا اقتباس دینے سے قبل تحریر فرمایا:-

"مَیں قادیان میں جبکہ وہ ملنے کے لئے آئے اور کئی دن رہے پوشیدہ نظر سے دیکھتا رہا ہوں کہ التزام ادائے نماز میں ان کو خوب اہتمام ہے اور صلحاء کی طرح توجہ اور شوق سے نماز پڑھتے ہیں اور منکرات اور مکروہات سے بکلی مجتنب ہیں مجھے ایسے شخص کی خوش قسمتی پر رشک ہے جس کا ایسا صالح بیٹا ہو کہ باوجود بہم پہنچنے تمام اسباب اور وسائل غفلت اور عیاشی کے اپنے عنفوان جوانی میں ایسا پرہیزگار معلوم ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بتوفیقہ تعالیٰ خود اپنی اصلاح پر آپ زور دے کر رئیسوں کے بیجا طریقوں اور چلنوں سے نفرت پیدا کر لی ہے اور نہ صرف اسی قدر بلکہ جو کچھ ناجائز خیالات اور اوہام اور بے اصل بدعات شیعہ مذہب میں ملائی گئی ہیں اور جس قدر تہذیب اور صلاحیت اور پاک باطنی کے مخالف ان کا عملدرآمد ہے ان سب باتوں سے بھی اپنے نور قلب سے فیصلہ کر کے انہوں نے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔" [2]

حضرت نواب صاحب نے جماعت احمدیہ میں شمولیت کے بعد اپنے اوقات و اموال حضرت مسیح موعودؑ اور سلسلہ حقّہ کے لئے عملاً وقف کر دیئے۔

---

[1] - "ازالہ اوہام" طبع اوّل صفحہ ۷۸۹-۷۹۰۔ [2] - ایضاً صفحہ ۷۸۸-۷۸۹۔

حضرت نواب صاحب کی خدماتِ سلسلہ

حضرت نواب صاحب کی زمانہ مسیح موعود سے متعلق خدمات کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ مختصراً صرف یہ بتانا کافی ہوگا کہ آپ نے آئینہ کمالات اسلام اور اسکی پہلی تصانیف کی خریداری میں بھاری اعانت کی جس پر حضرت اقدس نے اپنے اشتہار ۱۰ اگست ۱۸۹۲ء میں خوشنودی کا اظہار فرمایا[1]۔ اسی سال دسمبر ۱۸۹۲ء میں جماعت کا دوسرا مشہور سالانہ جلسہ منعقد ہوا جس میں آپ حضرت مسیح موعود کے خصوصی ارشاد کی تعمیل میں شریک ہوئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جلسہ میں آنے والے ۳۲۷ صحابہ کی فہرست میں نمبر ۳۰۱ پر آپ کا نام درج فرمایا[2]۔ ۱۸۹۶ء میں آپ نے حضرت اقدس کی خدمت میں درخواست کی کہ میں حضرت حافظ مولانا نورالدین صاحب سے قرآن مجید پڑھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حضور کے ارشاد پر حکیم الامت مع اہلبیت مالیر کوٹلہ تشریف لے گئے اور چند ماہ تک قیام فرمایا اس دوران میں حضرت نواب صاحب نے حکیم الامت اور آپ کے شاگردوں کی خاطر تواضع کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ۱۸۹۶-۹۷ء میں آپ نے "الدار" کی توسیع کے لئے دل کھول کر چندہ دیا۔ ۱۸۹۸ء کے آغاز میں قادیان میں تعلیم الاسلام سکول کا اجرا ہوا جس کے بہت سے اخراجات سالہا سال تک آپ اپنی گرہ سے ادا فرماتے رہے۔ اسی سال (۱۸۹۸ء میں) آپ کی تحریک پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کے نام میموریل بھیجا جس کے آخر پر اپنے جن ۳۱۶ صحابہ کے نام رقم فرمائے ان میں سرِ فہرست آپ کا نام لکھا[3]۔ ۴ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو حضرت مسیح موعود نے اشتہار "من انصاری الی اللّٰہ" میں اپنے صحابہ کے اخلاص کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کی نسبت یہ الفاظ لکھے کہ:-

"یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ حبی فی اللّٰہ سردار نواب محمد علی خاں صاحب بھی محبت اور اخلاص میں بہت ترقی کر گئے ہیں اور فراست صحیحہ شہادت دیتی ہے کہ وہ بہت جلد قابلِ رشک اخلاص اور محبت کے منار تک پہنچیں گے اور وہ ہمیشہ حتی الوسع مالی امداد میں بھی کام آتے رہے ہیں اور امید ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ خدا کی راہ میں اپنے مالوں کو فدا کریں گے۔"[4]

حضور کی یہ فراست بعد کے آنیوالے واقعات نے حرف بحرف صحیح ثابت کر دی چنانچہ جولائی ۱۹۰۰ء میں

---

[1] "تبلیغ رسالت" جلد دوم ص۱۱۴-۱۱۵۔ ایضاً مکتوبات جلد پنجم نمبر چہارم ص۱۔

[2] ملاحظہ ہو "آئینہ کمالات اسلام" ضمیمہ ص۱۶۔

[3] تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص۲۰۔

[4] تبلیغ رسالت جلد ہشتم ص۶۴۔

"منارۃ المسیح" کی آسمانی تحریک پر آپ نے سو روپیہ چندہ دیا۔ اور حضور نے اپنے دستِ مبارک سے فہرست چندہ دہندگان میں پہلا نام حضرت مولانا حکیم نور الدین صاحب طبیب شاہی کا اور دوسرا آپ کا درج فرمایا۔[۵۱] نومبر ۱۹۰۱ء میں آپ فونوگراف لیکر قادیان حضرت مسیح موعود کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے اس کے لئے ایک لطیف تبلیغی نظم کہی جو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی آواز میں حضور کی بعض دوسری منظومات کے ساتھ فونوگراف میں محفوظ کی گئی اور قادیان کے غیر مسلموں کو سنائی گئی۔ یکم مارچ ۱۹۰۳ء کو حضرت مسیح موعود کے سامنے کشفاً آپ کی تصویر آئی اور الہام ہوا "حجۃ اللہ" صبح کی سیر کے وقت حضور نے نواب صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اس کے متعلق یوں تفہیم ہوئی کہ چونکہ آپ اپنی برادری اور قوم میں سے اور سوسائٹی میں سے الگ ہو کر آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام حجۃ اللہ رکھا۔ یعنی آپ اُن پر حجت ہونگے۔ قیامت کے دن کو ان کو کہا جاوے گا کہ فلاں شخص نے تم سے نکل کر اس صداقت کو پرکھا اور مانا تم نے کیوں ایسا نہ کیا یہ بھی تم میں سے ہی تھا اور تمہاری طرح کا ہی انسان تھا۔"[۵۲]

۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو مجسٹریٹ لالہ آتما رام صاحب نے مقدمہ کرم دین کے فیصلہ میں حضرت مسیح موعود کو پانچ سو روپیہ اور حکیم فضل الدین صاحب کو دو سو روپیہ جرمانہ کیا۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے اپنے ایک آدمی کے ہاتھ اس روز احتیاطاً نو سو روپیہ کی رقم بھجوادی تھی جس میں سے سات سو روپیہ کی رقم فی الفور ادا کر دی گئی۔ جنوری ۱۹۰۶ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بہشتی مقبرہ کی آمد کے انتظام کیلئے صدر انجمن احمدیہ قادیان کا قیام فرمایا۔ اور اسکی مجلس معتمدین کے ۱۴ ممبروں میں آپ کو بھی نامزد فرمایا آپ صفِ اوّل کے موصیوں میں سے تھے اور ۶ ستمبر ۱۹۰۶ء کو اپنی آمد کے دسویں حصہ کی وصیت کر دی تھی۔ ۱۷ فروری ۱۹۰۸ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی دامادی کا شرف بخشا۔ یعنی جہاں آپ کے مورث اعلیٰ کے گھر میں بادشاہ وقت کی بیٹی آئی وہاں آپ سے مسیح الزمان و مہدی دوران علیہ السلام کی مقدس صاحبزادی (حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ) کا نکاح ہوا اور رخصتانہ کی تقریب سعید (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال مبارک کے بعد) ۱۴ مارچ ۱۹۰۹ء کو عمل میں آئی۔ اس روز حضرت نواب صاحب نے اپنی ڈائری میں اپنے قلم سے لکھا:۔

"الحمد للہ کہ آج وہ دن ہے جس روز میرا نکاح حضرت کی بڑی صاحبزادی مبارکہ بیگم صاحبہ

---

[۵۱] تبلیغ رسالت جلد نہم صفحہ ۵۹۔

[۵۲] الحکم ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۱۔

سے بعد نماز عصر مسجد اقصیٰ میں بالعوض ۔/۔۔۔ ۵۶۰۰ (۵ ہزار۔ناقل) روپیہ ہو گیا یہ وہ فضل اور احسان اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اگر میں اپنی پیشانی کو شکر کے سجدے کرتے کرتے گھسا دوں تو بھی خداوند کے شکر سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔میرے جیسا نابکار اور اس کے ساتھ یہ نور۔یہ خدا تعالیٰ کا خاص رحم اور فضل ہے اے خدا اے میرے پیارے مولا جب تو نے اپنے مرسل کا مجھ کو داماد بنایا ہے اور اس کی لختِ جگر سے میرا تعلق کیا ہے تو مجھ کو بھی نور بنا دے تاکہ اس کی قابل ہو سکوں"۔ [1]

حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے خلافت اولیٰ کے زمانہ میں نہ صرف نظام خلافت کے استحکام میں نمایاں حصّہ لیا بلکہ سلسلہ احمدیہ کی مالی ضروریات کو پورا کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہے۔چنانچہ جماعتی چندوں کے ساتھ ساتھ سلسلہ احمدیہ کے پہلے باتنخواہ مبلّغ حضرت شیخ غلام احمد صاحب واعظ کے سب اخراجات برداشت کئے، دارالضعفاء کے ۲۲ مکانوں کے لئے ایک وسیع قطعہ زمین عطا فرمایا اور وسط ۱۹۱۳ء میں الفضل کے اجرا پر مالی اعانت کی اور اس کے دفتر کے لئے اپنے مکان کی نچلی منزل مخصوص کر دی۔چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا :۔

"تیسرے شخص جن کے دل میں اللہ نے تحریک کی وہ مکرمی خان محمد علی خان صاحب ہیں آپ نے کچھ روپیہ نقد ادا کیا۔کچھ زمین اس کام کے لئے دی۔پس وہ بھی اُس رَو میں جو اللہ تعالیٰ نے الفضل کے ذریعہ سے چلائی حصّہ دار ہیں اور سابقون الاولون میں ہونے کے سبب اس امر کے اہل ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو ہر قسم کی مصائب سے محفوظ و مامون رکھکر اپنے فضل کے دروازے اُن کیلئے کھولے"۔ [2]

حضرت خلیفہ اوّلؓ نے اپنے وصال سے چند روز قبل ۴ مارچ ۱۹۱۴ء کو اپنے آئندہ خلیفہ کی نسبت جو مشہور وصیّت لکھی اس پر حضرت خلیفہ اوّلؓ کے حکم سے حضرت نواب صاحب نے بھی بطور گواہ دستخط فرمائے۔

خلافت ثانیہ کے عہد مبارک میں آپ تیس سال بقید حیات رہے اس دوران میں بھی آپ نے خلیفۂ وقت کی ہر اہم تحریک میں نمایاں حصّہ لیا خصوصاً ۱۹۲۳ء کے زمانہ ارتداد ملکانہ میں تبلیغ اسلام کیلئے ایک ہزار روپیہ کی خطیر رقم دینے کے علاوہ پیرانہ سالی کے باوجود اپنے خرچ پر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اور حضرت شیخ محمد حسین صاحب ریٹائرڈ سب جج علیگڑھ کو لیکر ملکانہ قوم کے علاقوں میں

---

[1] ۔ الفضل ۱۳ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ ہش ۱۹۴۵ء صا۔

[2] ۔ الفضل ۴ جولائی ۱۹۲۴ء ص۵ کالم ۲۔

تشریف لے گئے جہاں حکام اضلاع سے ملاقاتیں بھی کیں اور شدت گرما میں کئی کئی دن پیدل چل کر علاقہ ملکانہ کا دورہ فرمایا۔ واقعات کا قریب سے جائزہ لیا اور میدان جہاد میں کام کرنیوالے مبلغین کو قیمتی ہدایات دیں۔

نومبر ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید کا آغاز ہوا تو آپ اس کی پانچ ہزاری فوج میں شامل ہو گئے۔ اور اس کے پہلے سال سے دسویں سال تک (جو آپ کی زندگی کا آخری سال تھا) آپ کی طرف سے جو چندہ اس مد میں دیا گیا اس کی میزان تین ہزار تین سو ساٹھ روپے بنتی ہے۔ آپ کے اہلبیت اور صاحبزادگان کا چندہ اس کے علاوہ ہے الغرض حضرت نواب محمد علی خانصاحب زندگی بھر سلسلہ احمدیہ کی نہایت اہم خدمات بجالاتے رہے۔ اور ناممکن ہے کہ سلسلہ احمدیہ کی کوئی تاریخ آپ کی ان سنہری خدمات کے تذکرہ کے بغیر مکمل قرار دی جا سکے۔

حضرت نواب صاحب کی مرض الموت اور تجہیز و تکفین

حضرت نواب صاحب کی طبیعت اگست ۱۹۴۴ء سے علیل چلی آتی تھی پیشاب میں خون آنے کی تکلیف تھی جس کی وجہ سے نقاہت بہت زیادہ ہو گئی۔ اور بالآخر یہی عارضہ مرض الموت بن گیا اور آپ مسلسل چونسٹھ سال تک اسلام و احمدیت کی مہمات میں شاندار اور نمایاں حصہ لینے کے بعد ۱۰/ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء کو اپنے مولائے حقیقی کے دربار میں حاضر ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

وفات کی خبر ملتے ہی قادیان کے مرد اور خواتین حضرت نواب صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گئے اسیطرح حضرت امیرالمومنین مصلح موعودؓ بھی تشریف لے گئے اور رات کے گیارہ بجے تک وہیں رہے۔ اگلے دن دوپہر کی گاڑی سے آپ کے بعض عزیز جن میں نوابزادہ خورشید علی خاں صاحب خلف سر ذوالفقار علی خانصاحب سر موصوف کی بیگم صاحبہ اور اس خاندان کی بعض دیگر خواتین تشریف لائیں۔ نوابزادہ احسان علیخان صاحب کئی روز پیشتر سے ہی جب سے کہ حضرت نواب صاحب کی طبیعت زیادہ کمزور ہو گئی تھی۔ قادیان میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت نواب صاحب کے فرزند اکبر نوابزادہ عبدالرحمٰن خانصاحب بھی کئی روز سے یہاں تشریف فرما تھے۔ نواب سر ذوالفقار علی خاں صاحب کی صاحبزادی بیگم اعزاز رسول صاحب آف سندیلہ بھی کئی روز سے یہیں تھیں۔ ان کے علاوہ لاہور، امرتسر، کپورتھلہ، جالندھر وغیرہ سے بعض احمدی احباب اور صاحبزادگان خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نماز جنازہ میں

شرکت کے لئے پہنچ گئے ۔ تین بجے جنازہ باہر لایا گیا ۔ اس وقت تک احمدی احباب کی کثیر تعداد جمع ہو چکی تھی ۔ جنازہ کوٹھی کی بیرونی ڈیوڑھی میں رکھا گیا ۔ جہاں ہزاروں احباب نے ایک ترتیب کے ساتھ حضرت نواب صاحب کی آخری زیارت کی ۔ اس کے بعد چارپائی کے ساتھ لمبے بانس باندھ دیئے گئے ۔ تاکہ کندھا دینے والوں کو سہولت ہو ۔ حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود نے جنازہ کو کندھا دیا ۔ اور جنازہ گاہ تک ہزاروں افراد نے کندھا دینے کا ثواب حاصل کیا ۔ جنازہ دارالفضل اور دارالعلوم کی درمیانی سڑک پر سے شہر اور پھر وہاں سے باغ متصل مقبرہ بہشتی لے جایا گیا ۔ جہاں جانب غرب نماز جنازہ پڑھنے کا انتظام کیا گیا تھا ۔ قریباً تین ہزار افراد شریک ہوئے ۔ نماز جنازہ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور تمام مجمع نے رقت اور خشیت کے ساتھ حضرت نواب صاحب کے لئے دعائیں کیں ۔ بعد ازاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار والے احاطہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم و مغفور کے بائیں جانب آپ کو دفن کیا گیا ۔ [1]

ولی عہد ریاست مالیر کوٹلہ کی قادیان میں بغرض تعزیت تشریف آوری

۱۲؍ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو حضرت نواب صاحب کی تعزیت کے لئے ہز ہائینس نواب صاحب مالیر کوٹلہ (ہز ہائینس نواب محمد احمد علی خانصاحب) کی طرف سے ریاست کے ولیعہد نواب زادہ افتخار علی خاں صاحب بذریعہ موٹر قادیان تشریف لائے آپ کے ساتھ ہز ہائی نس نواب صاحب آف مالیر کوٹلہ کے میر منشی جناب عبداللہ شاہ صاحب بھی تھے ۔ ان کے علاوہ سر ذوالفقار علی خاں کے دوسرے فرزند نوابزادہ رشید علیخاں بھی تشریف لائے ۔ [2]

۱۴؍ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو ہز ہائی نس کے چھوٹے صاحبزادہ نوابزادہ الطاف علی خانصاحب مع اپنی ہمشیرہ کے بذریعہ کار تشریف لائے ۔ [3]

مزار کا کتبہ

حضرت نواب صاحب کے مزار مبارک پر جو کتبہ نصب کیا گیا اس کی عبارت حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے تجویز فرمائی تھی جو یہ ہے :-

---

[1] ۔ الفضل ۱۲؍ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ۔ [2] ۔ الفضل ۱۳؍ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص۲ کالم ۱ ۔

[3] ۔ الفضل ۱۵؍ ″ ″ ص۱ کالم ۲ ۔

"مزار
حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ
آف مالیر کوٹلہ

جو یکم جنوری ۱۸۷۰ء کو پیدا ہوئے ۔ ۱۸۹۰ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہوئے اور ۱۰ ار فروری ۱۹۴۵ء کو قادیان میں وفات پاکر اپنے مولا کے حضور پہنچ گئے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاص صحابہ میں سے تھے جنہیں خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک الہام میں "حجۃ اللہ" کے نام سے یاد فرمایا اور حضور نے اپنی صاحبزادی نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے ذریعہ انہیں اپنی دامادی سے مشرف کیا اور ان کے متعلق ازالہ اوہام میں لکھا :-

جوان ، صالح ..... ان کی خداداد فطرت بہت سلیم اور معتدل ہے ۔ التزام ادائے نماز میں ان کو خوب اہتمام ہے .... منکرات و مکروہات سے بکلّی مجتنب ہیں مجھے ایسے شخص کی خوش قسمتی پر رشک ہے جس کا ایسا صالح بیٹا ہو"

اور اپنے خط میں نواب صاحب مرحوم کو مخاطب کرکے فرمایا :-

"میں آپ سے ایسی محبّت رکھتا ہوں جیسا کہ اپنے فرزند عزیز سے محبت ہوتی ہے اور دُعا کرتا ہوں کہ اس جہان کے بعد بھی خدا تعالیٰ ہمیں دارالسلام میں آپ کی ملاقات کی خوشی دکھائے " [1]

حضرت نواب صاحب کی سوانح پر مفصّل تالیف

حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ کی سوانح اور فضائل و خدمات پر جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم ۔ اے نے "اصحاب احمد" کی جلد دوم میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور اپنی اس قابل قدر تالیف میں حضرت نواب صاحب کی عبادت گذاری دین سے محبت ، دعاؤں سے شغف ، غرباء پروری ، فیاضی ، انکسار ، خدام سے حسن سلوک ، مالی مجاہدات ، شوق تبلیغ ، غیبت سے نفرت ، صاف گوئی ، جرأت ، احترام سلسلہ احمدیہ ، نظام خلافت سے محبت ، اپنوں اور غیروں سے حُسن سلوک ۔ غرضکہ آپ کی سیرت و شمائل کے متعدد واقعات قلمبند کئے ہیں جو ازدیاد ایمان افروز ہیں اور پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں ۔

[1] ۔ "اصحاب احمد" جلد دوم صفحہ ۶۲۲ - ۶۲۳ (مؤلفہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم ۔ اے) ۔

فصل دوم

حضرت مصلح موعود کا معرکۃ الآراء لیکچر "اسلام کا اقتصادی نظام" اور اس کے وسیع اثرات

احمدیہ ہوسٹل لاہور میں جلسہ

۲۵ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء کا دن تاریخ احمدیت کا ایک ناقابل فراموش اور یادگار دن ہے۔ کیونکہ اس روز حضرت مصلح موعود نے احمدیہ انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام (احمدیہ ہوسٹل ۲۳ ڈیوس روڈ) لاہور کے وسیع احاطہ میں "اسلام کا اقتصادی نظام" کے موضوع پر ایک معرکۃ الآراء اور انقلاب انگیز تقریر فرمائی جو قریباً ساڑھے چار بجے سے شروع ہو کر سوا سات بجے شام تک جاری رہی۔ صدارت کے فرائض مسٹر رام چند مچندہ صاحب ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور نے ادا کئے۔

گو یہ جلسہ پبلک نہ تھا بلکہ اس میں صرف کالجوں کے پروفیسر، طلبا اور دیگر معززین کو دعوت نامہ کے ذریعہ مدعو کیا گیا تھا تاہم ہر مذہب و ملّت کے تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ مُسلم عیسائی، ہندو اور سکھ شرفاء کے علاوہ تعلیم یافتہ خواتین کی ایک خاصی تعداد بھی تھی۔ اور لاہور کے بیرونجات مثلاً قادیان، امرتسر، فیروزپور، قصور، گجرات اور شاہدرہ سے بھی دوست جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ سامعین کی کل تعداد چار ہزار کے لگ بھگ ہوگی۔ حضور کی تقریر تحقیقی و علمی ہونیکے باوجود اس قدر دلچسپ اور مؤثر تھی کہ باوجودیکہ دو گھنٹہ پینتیس منٹ تک جاری رہی سب حاضرین نے اسے نہایت دلچسپی، متانت اور شوق کیساتھ سُنا اور پروفیسر اور طلباء خاص طور پر اس سے لطف اندوز ہوتے۔ دوران تقریر میں بکثرت مُسلم اور غیر مُسلم احباب حضور کی تقریر کے نوٹ لکھتے رہے۔[1]

حضرت مصلح موعود کا انقلاب انگیز خطاب

حضرت مصلح موعود نے اپنے فاضلانہ خطاب کے آغاز میں سب سے پہلے نہایت لطیف پیرایہ میں اسلام کی اقتصادی تعلیم کا ماحول بیان فرمایا اور پھر اموال سے متعلق اسلامی نظریہ کی وضاحت کی اور نہایت تفصیل سے بتایا کہ اسلام نے کس طرح دولت کے غلط استعمال ہی کو نہیں روکا اس کے ناجائز طور پر حصول کا بھی مؤثر سدّ باب

---

[1] الفضل ۲۷ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۳ و ۱۷ امان / مارچ ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۲

حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعودؓ ''اسلام کا اقتصادی نظام'' کے موضوع پر لیکچر دے رہے ہیں

حضور کے بائیں طرف بالترتیب مسٹر رامچند منچندہ ایڈووکیٹ اور شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کرسیوں پر بیٹھے ہیں

(سٹیج پر بیٹھنے والے معززین کے نام ضمیمہ میں ملاحظہ ہوں)

فرمایا ہے۔

اپنی تقریر کے دوسرے حصے میں حضور نے کمیونزم کی تحریک کا مذہبی اور اقتصادی اور سیاسی، نظریاتی اور عملی ہر لحاظ سے تفصیلی جائزہ لیا اور آخر میں روس کے متعلق بائیبل (حزقیل ب ۳۸-۳۹) کی ایک عظیم الشان پیشگوئی کا اردو متن سُنانے کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور اپنی پیشگوئی کا بھی ذکر فرمایا۔

حضرت مصلح موعود چونکہ اسلام کی نمائندگی فرمارہے تھے اس لئے حضور نے کمیونزم پر تنقید کرتے ہوئے کمیونزم کے ان حصوں کو خاص طور پر لیا جو مذہب پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ حصہ اس پوری تقریر کا نقطۂ عروج تھا جس کو بیان کرتے ہوئے آپ کی آواز میں جلال اور قوت و شوکت کا ایک نمایاں رنگ پیدا ہوگیا۔ ذیل میں اس مقام کے بعض ضروری اقتباسات درج کئے جاتے ہیں تا اندازہ ہوسکے کہ پوری تقریر کس شان کی تھی اور کس جذبہ سے کی گئی۔ حضور نے ارشاد فرمایا:-

"سب سے پہلا اعتراض جو کمیونسٹ نظام پر مجھے اور ہر موت کے بعد کی زندگی کے ماننے والے کو ہونا چاہیئے یہ ہے کہ اس میں شخصی طوعی جدوجہد جو زندگی کے مختلف شعبوں میں ظاہر ہوکر انسان کو اُخروی زندگی میں مستحق ثواب بناتی ہے اُس کے لئے بہت ہی کم موقعہ باقی رکھا گیا ہے ..... مثلاً اسلام اُن مذاہب میں سے ہے جو اپنے پیرودں کو یہ حکم دیتا ہے کہ جاؤ اور دنیا میں تبلیغ کرو۔ جاؤ اور لوگوں کو اپنے اندر شامل کرو کیونکہ دُنیا کی نجات اسلام سے وابستہ ہے۔ وہ شخص جو اسلام سے باہر رہے گا نجات سے محروم رہے گا اور اُخروی زندگی میں ایک مجرم کی حیثیت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا۔ تم ایک مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے پاگل کہہ لو۔ بیوقوف کہہ لو۔ جاہل کہہ لو۔ بہرحال جب تک وہ اسلام کی سچائی پر یقین رکھتا ہے۔ جبتک وہ بنی نوع انسان کی نجات صرف اسلام میں داخل ہونے پر ہی منحصر سمجھتا ہے اسوقت تک وہ اپنا فرض سمجھتا ہے کہ میں اپنے ہر اُس بھائی کو جو اسلام میں داخل نہیں اسلام کا پیغام پہنچاؤں۔ اُسے تبلیغ کروں اور اس پر اسلام کے محاسن اس عمدگی سے ظاہر کروں کہ وہ بھی اسلام میں داخل ہوجائے ..... لیکن کمیونسٹ نظام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ..... اوّل تو وہ سیاسی طور پر تبلیغ کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن چونکہ یہ اقتصادی مضمون ہے اس لئے اسے نظرانداز بھی کردو تو سوال یہ ہے کہ ایک اقلیت اکثریت کے مذہب کو بدلنے کے لئے کس قدر قربانی

کے بعد لٹریچر وغیرہ مہیا کرسکتی ہے۔ مثلاً ہماری جماعت ہی کو لے لو۔ ہم اقلیت ہیں۔ مگر ہم دنیا میں اسلام کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ ہمارے آدمی اگر روس میں تبلیغ کرنے کے لئے جاتے ہیں تو ہر شخص یہ آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ ۷ کروڑ رشین کو مسلمان بنانے کیلئے کتنے کثیر لٹریچر کی ضرورت ہے، اور کتنا مال ہے جو اس جدوجہد پر خرچ اُٹھ سکتا ہے۔ ہماری جماعت اس جدوجہد کو ای صورت میں جاری رکھ سکتی ہے جب کسی کی کمائی اس سے پوری نہ چھین لی جائے اور کھانے پینے اور پہننے کے علاوہ بھی اس کے پاس روپیہ ہوتا وہ اس سے ایسے اخراجات کو پورا کرسکے جن کو وہ اپنی اُخروی بھلائی کے لئے ضروری سمجھتی ہے لیکن کمیونزم کا اقتصادی نظام تو کسی کے پاس زائد روپیہ رہنے ہی نہیں دیتا کیونکہ وہ اس جدوجہد کو کام ہی نہیں سمجھتا اس کے نزدیک مادی کام کام ہیں لیکن مذہبی کام کام نہیں ہیں۔ ...... اگر کمیونسٹ یہ کہتے کہ ہم مذہب کے مخالف ہیں اور اُسے غیر ضروری قرار دیتے ہیں تو گو پھر بھی ہمیں اختلاف ہوگا مگر ہمیں افسوس نہ ہوتا۔ ہم سمجھتے کہ جو کچھ ان کا دل میں عقیدہ ہے اُسی کو اپنی زبان سے ظاہر کر رہے ہیں مگر ہمیں افسوس ہے تو یہ کہ کمیونسٹ یہ بات ظاہر نہیں کرتے۔ وہ کھلے بندوں یہ نہیں کہتے کہ ہم اپنے نظام کے ماتحت تمہارے مذہب کو اپنے ملک میں پھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ بلکہ وہ گھر کے پچھلے دروازہ سے گھر میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر مذہب کے ماننے والے اُس وقت اُن کی اس چالاکی سے واقف ہوتے ہیں جبکہ وہ اپنی شخصیت کھو چکے ہوتے ہیں اور کمیونزم سے اُن کی ہمدردی اور محبت اتنی بڑھ چکی ہوتی ہے کہ اُن کی آنکھوں پر پٹی بندھ جاتی ہے۔ کمیونزم اگر کھلے بندوں کہے کہ ہم اُخروی زندگی کو کوئی قیمت نہیں دیتے ہم اُس کے پرچارک کے لئے کوئی سامان تمہارے پاس نہیں چھوڑنا چاہتے تو آنکھوں کھلے لوگ اُس میں داخل ہوں۔ مگر دوسرے ممالک میں اس حصہ کو پوری طرح مخفی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ کمیونزم صرف ایک اقتصادی نظام ہے۔ مذہب سے اس کا کوئی ٹکراؤ نہیں۔ حالانکہ مذہب نام ہے تبلیغ کرنے کا۔ مذہب نام ہے ایک دوسرے کو خدا تعالیٰ کے احکام پہنچانے کا خواہ یہ تقریر کے ذریعہ ہو یا تحریر کے ذریعہ ہو۔ لٹریچر کے ذریعہ ہو یا کتابوں کے ذریعہ ہو۔ مگر کمیونزم تو کسی انسان کے پاس کوئی زائد روپیہ چھوڑتا

ہی نہیں ۔ پھر ایک مذہبی آدمی ٹریکٹ کس طرح چھپوائے اور کتابیں کس طرح ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلائے ۔ اس پابندی کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ مذہب کی اشاعت رک جائے اور لامذہبیت کا دَور دَورہ ہو جائے ۔

اب اس سوال کا دوسرا پہلو لو ۔ ہر مسلمان یہ کہتا ہے کہ مَیں روپیہ نہیں مانگتا ۔لیکن مَیں اسلام کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیتا ہوں ۔ وہ کہتا ہے کہ مَیں سارے روس میں پھرونگا اور اپنے خیالات اُن لوگوں پر ظاہر کرونگا ۔ میں گاؤں بہ گاؤں اور قصبہ بہ قصبہ اور شہر بہ شہر جاؤں گا اور لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کروں گا ۔ سوال یہ ہے کہ کیا کمیونسٹ گورنمنٹ ایک مسلمان کو اپنی زندگی وقف کرنے اور اسلام کی اشاعت کے لئے اپنے ملک میں پھرنے کی اجازت دے گی ۔ یا جبراً اُسے اس کام سے روکے گی اور اُسے جیل کی تنگ تاریک کوٹھڑیوں میں محبوس کر دے گی یقیناً اس کا ایک ہی جواب ہے کہ کمیونسٹ گورنمنٹ اُسے جبراً اس کام سے روکے گی اُسے دین اور مذہب کا کام نہیں کرنے دے گی "۔

"..... قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران ع۱۱) یعنی اے مسلمانو! تم میں سے ایک جماعت پورے طور پر مذہبی نگرانی کے لئے دنیوی کاموں سے فارغ ہونی چاہیئے اور اس جماعت کے افراد کا یہ کام ہونا چاہیئے کہ وہ نیک باتوں کی طرف لوگوں کو بلائیں ۔عمدہ باتوں کی تعلیم دیں اور بُرے اخلاق سے لوگوں کو روکیں ۔پس اسلامی تعلیم کے ماتحت ایک حصہ کلی طور پر اس غرض کے لئے وقف ہونا چاہیئے ۔ یہ صحیح بات ہے کہ اسلام زندگی وقف کرنیوالوں کو کوئی خاص حقوق نہیں دیتا مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک خاص کام اُن کے سپُرد کرتا ہے ۔ اسلام پادریت (PRIESTHOOD) کا قائل نہیں ۔ مگر وہ مذہبی نظام کا ضرور قائل ہے ۔ عیسائیت تو جن لوگوں کے سپرد تبلیغ کا کام کرتی ہے ان کو دوسروں سے بعض زائد حقوق بھی دے دیتا ہے مگر اسلام کہتا ہے کہ ہم ان لوگوں کو کوئی زائد حق نہیں دیں گے جو دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کریں گے لیکن یہ ضرور ہے کہ زندگی وقف کرنیوالے کے سپرد خاص طور پر یہ کام ہوگا کہ وہ اسلام کو پھیلائے اور تبلیغی یا تربیتی نقطہ نگاہ کو ہر وقت

اسلام کی خدمت کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد سمجھے۔ اس قسم کے لوگوں کی نفی کر کے نظام اسلام کبھی باقی نہیں رہ سکتا۔ آخر ایک تفصیلی آئین بغیر اس کے ماہروں اور بغیر اس کے مبلغوں کے کس طرح چل سکتا ہے۔ اسلام وہ مذہب ہے جو دُنیا کے تمام مذاہب میں سے سب سے زیادہ مکمل ہے اور وہ ایک وسیع اور کامل آئین اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہ عبادات کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے وہ اقتصادیات کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے وہ سیاسیات کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے وہ آقا اور ملازمین کے حقوق کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ معلّم اور متعلّم کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ میاں اور بیوی کے حقوق کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے وہ تجارت اور لین دین کے معاملات کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ ورثہ کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ بین الاقوامی جھگڑوں کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ قضاء کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے غرض ہزاروں قسم کی تعلیمیں اور ہزاروں قسم کے قانون ہیں جو اسلام میں پائے جاتے ہیں اور اُن میں سے ایک ایک امر مکمل تعلیم اور کامل معلّموں کو چاہتا ہے جو رات دن اسی کام میں لگے رہیں جب تک اس تفصیلی آئین کو سکھانے والے لوگ اسلام میں موجود نہیں ہوں گے۔ لوگ سیکھیں گے کیا اور کس سے۔ اور اسلام پر مسلمان عمل کس طرح کریں گے۔ اور اسلام دنیا میں پھیلے گا کس طرح؟

تفسیر کا علم خود ایک مکمل علم ہے۔ جب تک مفسّر نہ ہو یہ علم زندہ نہیں رہ سکتا اور مفسّر بننے کے لئے سالہا سال تک تفاسیر کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ لغت کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ صرف و نحو کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ احادیث کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر پُرانی تفاسیر کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے مذاہب کی کتب اور ان کی تاریخ خصوصًا تاریخ عرب اور تاریخ بنی اسرائیل اور بائیبل کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ بغیر ان باتوں کے جاننے کے کوئی شخص قرآن کریم کے مطالب کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست کسی کو سمجھائے۔ مگر ایسے آدمی دنیا میں کتنے ہوتے ہیں۔ صدیوں میں کوئی ایک آدھ ایسا پیدا ہوتا ہے باقی تو کسب سے جو تقویٰ کے ساتھ ہو یہ مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن کمیونسٹ تو اس کام کو کام ہی نہیں سمجھتے۔ وہ کسی کو قرآن کریم اور تفسیر اور عربی بارہ سال تک

پڑھنے اور پھر دوسروں کو پڑھانے کا موقع کب دے سکتے ہیں۔ وہ تو ایسے شخص کو یا قید کر دیں گے یا اس کا کھانا پینا بند کر دیں گے کہ وہ نکما اور قوم پر بوجھ ہے۔ اسی طرح حدیث کا علم بھی علاوہ درجنوں حدیث کی کتب کے، درجنوں اُن کی تشریحات کی کتب کے اور اس کے ساتھ لغت اور صرف و نحو اور اسماء الرجال کی کتب پر مشتمل ہے۔ بغیر حدیث کے علم کے مسلمانوں کو اسلام کی تفصیلات کا علم ہی نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر اس علم کے ماہرین کے جو اپنی عمر اس علم کے حصول میں خرچ کریں۔ مسلمانوں میں اس علم کی واقفیت پیدا ہی نہیں ہو سکتی مگر کمیونزم تو اس علم کے پڑھنے کو ہی لغو اور فضول اور بیکار قرار دیتی ہے۔ وہ اس علم کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کو اپنی عمر اس علم کے حصول میں قطعاً خرچ نہ کرنے دی گی۔ یا ایسے آدمی کو قید کرے گی یا اُسے فاقوں سے مارے گی۔ کیونکہ وہ اُس کے نزدیک بیکار وجود ہے اور قوم پر بار......

ہمارے نزدیک جو شخص مشین چلا رہا ہے وہ بھی کام کر رہا ہے اور جو شخص مذہب پھیلا رہا ہے وہ بھی کام کر رہا ہے اور جو مذہب کی تعلیم دے رہا ہے۔ وہ بھی کام کر رہا ہے اور جو مذہب کی تعلیم حاصل کر رہا ہے وہ بھی کام کر رہا ہے مگر اُن کے نزدیک جو شخص مشین چلاتا ہے وہ تو کام کرنے والا ہے مگر جو شخص مذہب پڑھتا یا پڑھاتا یا پھیلاتا ہے وہ نکما اور بے کار ہے اُن کے نزدیک لوگوں کو الف اور باء سکھانا کام ہے مگر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اگر لوگوں کو سکھایا جائے تو یہ کام نہیں۔ بلکہ نکما پن ہے.....

اب دیکھو ہمارے نظریہ اور ان کے نظریہ میں کتنا بڑا فرق ہے اور مشرق و مغرب کے اس قدر بُعد کو کس طرح دُور کیا جا سکتا ہے؟

اس تفصیل کے ماتحت کمیونزم نظام میں وہ شخص جس کے پیروں کی مَیل کے برابر بھی ہم دُنیا کے بڑے بڑے بادشاہ کو نہیں سمجھتے جس کے لئے ہم میں سے ہر شخص اپنی جان کو قربان کرنا اپنی انتہائی خوش بختی اور سعادت سمجھتا ہے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو رات اور دن خدا کی باتیں سُنا کر بنی نوع انسان کی روح کو روشن کیا کرتے تھے۔ اسی طرح مسیحؑ۔ موسیٰؑ۔ ابراہیمؑ۔ کرشنؑ۔ رام چندرؑ۔ بدھؑ۔ زرتشتؑ۔ گورو نانکؒ۔ کنفیوشسؑ۔ یہ سب

کے سب نعوذ باللہ نکمے اور قوم پر بار تھے اور ایسے آدمیوں کو اُن کے قانون کے ماتحت یا تو فیکٹریوں میں کام کے لئے بھجوا دینا چاہیئے۔ تاکہ اُن سے جوتے بنوائے جائیں۔ یا اُن سے بوٹ اور گرگابیاں تیار کرائی جائیں یا اُن سے کپڑے سلائے جائیں۔ یا اُن کو لوگوں کے بال کاٹنے پر مقرر کیا جائے اور اگر یہ لوگ اس قسم کا کام کرنے کے لئے تیار نہ ہوں تو پھر اُن کا کھانا پینا بند کیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک یہ لوگ نکمے اور قوم پر بار ہیں۔ کمیونسٹ نظام تصویر بنانے کو کام قرار دیتا ہے۔ وہ سٹیچو (STATUE) بنانے کو کام قرار دیتا ہے مگر وہ رُوح کی اصلاح کو کوئی کام قرار نہیں دیتا بلکہ اُسے نکما پن سمجھتا ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ روٹی ہی انسان کا پیٹ نہیں بھرا کرتی اور صرف غذا ہی اُس کے اطمینان کا موجب نہیں ہوتی۔ بلکہ ہزاروں ہزار انسان دنیا میں ایسے پائے جاتے ہیں کہ اگر اُن کو عبادت سے روک دو تو وہ کبھی بھی چین نہیں پائیں گے خواہ اُن کی غذا اور لباس کا کس قدر خیال رکھا جائے۔

تعجب ہے کہ کمیونسٹ نظام چھ گھنٹے فیکٹریوں میں کام کر کے سینما اور ناچ گھروں میں جانیوالے اور شراب میں مست رہنے والے کو کام کرنے والا قرار دیتا ہے۔ وہ فوٹوگرافی اور میوزک کو کام قرار دیتا ہے مگر وہ روح کی درستی اور اخلاق کی اصلاح کو کوئی کام قرار نہیں دیتا پچھلے دنوں مارشل مالی نووسکائی (MOLI NOVSKY) سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے لڑکے کس کام میں دلچسپی لیتے ہیں تو اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔ کہ:-

"THEY ARE INTERESTED IN PHOTOGRAPHY, MUSIC AND KEEPING RABBITS."

گویا کمیونزم نظام میں ایک پندرہ سال کا بچہ جو فوٹوگرافی میں اپنے وقت کو گذار دیتا ہے۔ جو میوزک میں دن رات مشغول رہتا ہے۔ جو خرگوشوں کو پال پال کر اُن کے پیچھے بھاگا پھرتا ہے وہ تو کام کرنے والا ہے اور اس بات کا مستحق ہے کہ اُسے روٹی دی جائے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مسیحؑ۔ موسیٰؑ۔ کرشن۔ بدھؑ۔ زرتشت۔ گورونانک رح۔ یہ اگر خدا کے نام کو دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ تو وہ جاہل کہتے ہیں کہ یہ نعوذ باللہ من ذالک۔ پیراسائٹس (PARASITES) ہیں۔ یہ سوسائٹی کو ہلاک کرنیوالے جراثیم ہیں۔ یہ اس قابل نہیں ہیں کہ اُن کو کام کرنیوالا قرار دیا جائے۔

حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دن کو بھی کام کیا اور رات کو بھی کام کیا۔ انہوں نے دن کو دن نہیں سمجھا اور راتوں کو رات نہیں سمجھا۔ تعیش کو انہوں نے اپنے اُوپر حرام کر لیا اور اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے بنی نوع انسان کی علمی اور اخلاقی اور روحانی اصلاح کے لئے کام کیا۔ مگر یہ لوگ اُن کے نزدیک نکمے اور قوم پر بار تھے۔ وہ سینما میں اپنے رات اور دن بسر کرنے والے تو کام کرنے والے ہیں اور یہ لوگ جو دن کو بنی نوع انسان کی اصلاح کا کام کرتے اور راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے یہ کوئی کام کرنے والے نہیں تھے۔ وہ لوگ جو مظلوموں کی مدد کیا کرتے تھے۔ جو اخلاق درست کیا کرتے تھے۔ جو ہر قسم کی تکالیف برداشت کر کے دُنیا میں نیکی کو پھیلاتے اور بدی کو مٹاتے تھے وہ تو نکمے تھے اور یہ سینما میں جانے والے اور شراب میں پی کر ناچنے والے اور بانسریاں منہ کو لگا کر پیں پیں کرنے والے کام کرنے والے ہیں۔

غرض جہاں تک واقعات کا سوال ہے کمیونسٹ نظام میں ان لوگوں کی کوئی جگہ نہیں۔ مَیں دوسری دنیا کو نہیں جانتا۔ مگر مَیں اپنے متعلق یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ نظام جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ نہیں خدا کی قسم اُس میں میری بھی جگہ نہیں۔ ہم اُس ملک کو اپنا ملک اور اُس نظام کو اپنا نظام سمجھتے ہیں جس میں ان لوگوں کو پہلے جگہ ملے اور بعد میں ہمیں جگہ ملے۔ وہ ملک اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بند ہے تو یقیناً ہر سچے مسلمان کے لئے بھی بند ہے۔ وہ حقیقت پر پردہ ڈال کر مذاہب پر عقیدت رکھنے والوں کو اس نظام کی طرف لا سکتے ہیں۔ مگر حقیقت کو واضح کر کے کبھی نہیں لا سکتے۔"[1]

جناب لالہ رام چند مچندہ صاحب کی صدارتی تقریر

حضرت مصلح موعود کی اس پر شوکت تقریر کے بعد صدر جلسہ جناب لالہ رام چند مچندہ صاحب نے ایک مختصر تقریر کی جس میں کہا:۔

"مَیں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مجھے ایسی قیمتی تقریر سُننے کا موقعہ ملا۔ اور مجھے اس بات سے خوشی ہے کہ تحریک احمدیت ترقی کر رہی ہے اور نمایاں ترقی کر رہی ہے۔ جو تقریر اس وقت آپ لوگوں نے سُنی ہے اُس کے اندر نہایت قیمتی اور نئی نئی باتیں حضور نے

---

[1] "اسلام کا اقتصادی نظام" صفحہ ۶۰ تا ۷۰، طبع اوّل۔

بیان فرمائی ہیں مجھے اس تقریر سے بہت فائدہ ہوا ہے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں نے بھی ان قیمتی معلومات سے بہت فائدہ اٹھایا ہوگا۔ مجھے اس بات سے بھی بہت خوشی ہوئی ہے۔ کہ اس جلسہ میں نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی شامل ہوئے ہیں اور مجھے خوشی ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات بہتر ہو رہے ہیں۔ جماعت احمدیہ کے بہت سے معزز دوستوں سے مجھے تبادلہ خیالات کا موقعہ ملتا رہتا ہے۔ یہ جماعت اسلام کی وہ تفسیر کرتی ہے جو اس ملک کے لئے نہایت مفید ہے پہلے تو مَیں سمجھتا تھا اور یہ میری غلطی تھی کہ اسلام صرف اپنے قوانین میں مسلمانوں کا ہی خیال رکھتا ہے۔ غیر مسلموں کا کوئی لحاظ نہیں رکھتا مگر آج حضرت امام جماعت احمدیہ کی تقریر سے معلوم ہوا کہ اسلام تمام انسانوں میں مساوات کی تعلیم دیتا ہے اور مجھے یہ سُنکر بہت خوشی ہوئی ہے۔ مَیں غیر مسلم دوستوں سے کہونگا کہ اس قسم کے اسلام کی عزّت و احترام کرنے میں آپ لوگوں کو کیا عذر ہے؟ آپ لوگوں نے جس سنجیدگی اور سکون سے اڑھائی گھنٹہ تک حضور کی تقریر سُنی ہے۔ اگر کوئی یورپین اس بات کو دیکھتا تو وہ حیران ہوتا کہ ہندوستان نے اتنی ترقی کرلی ہے جہاں میں آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے سکون کے ساتھ تقریر کو سُنا۔ وہاں میں اپنی طرف سے اور آپ سب لوگوں کی طرف سے حضرت امام جماعت احمدیہ کا بار بار اور لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی نہایت ہی قیمتی معلومات سے پُر تقریر سے ہمیں مستفید فرمایا۔“ [1]

معزز اور تعلیمیافتہ طبقہ پر تقریر کا اثر

تقریر نے تعلیم یافتہ طبقہ کے دماغ سے مغربی ماہرین معاشیات کے بوسیدہ اور سرتاپا ناقص خیالات کے اثر کو زائل کر کے ایک زبردست روشنی پیدا کردی۔ کیونکہ یہ تقریر جہاں بےنظیر قرآنی علوم و معارف پر مشتمل تھی وہاں اُس میں اشتراکیت کے نقائص پر بھی نہایت محققانہ اور عالمانہ بحث کی گئی تھی۔ کمیونزم کے ردّ میں خود یورپین مفکر بھی اُن خیالات کا اظہار کرنے سے قاصر رہے ہیں جو حضور نے اس تقریر میں بیان فرمائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اقتصادیات کی نسبت اسلامی تعلیم کی ترجمانی ایسے ولولہ انگیز انداز میں فرمائی کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں حلقوں میں اسلام کی برتری کی دھوم مچ گئی اور لاہور کے کالجوں میں تو ایک ہیجان پیدا ہوگیا۔ بہت سے اعلیٰ سرکاری حکام پروفیسران، وکلاء بیرسٹر اور رئوسا نے بڑے شوق سے پورا لیکچر سُنا اور اپنے حلقوں میں اسے پھیلایا۔

---

[1] روزنامہ الفضل قادیان مورخہ ۲ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ ہش ۱۹۴۵ء صفحہ ۵

چنانچہ تقریر سُننے کے بعد اکثر کی زبان پر تعریفی کلمات تھے بلکہ ایک کثیر طبقہ نے اس بات کا اقرار کیا کہ عقاید کے میدان میں گو ہم حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے ساتھ اختلاف رکھتے ہوں۔ مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ آپ موجودہ زمانہ میں ہندوستان کے بہترین عالم ہیں اور حقیقت بھی یہی تھی کہ علم اقتصاد کے متعلق قرآنی حقائق و معارف کا انکشاف اور یورپ کے اقتصادی فلسفہ کا ردّ آجتک کسی انسان کی طرف سے ایسے رنگ میں پیش نہیں ہوا کہ خود منکرین اسلام ایسے نظام کی فضیلت کا اقرار کریں۔ اور خود اشتراکیت کے حامی اشتراکیت کی خامیاں تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں۔ چنانچہ حضرت مولانا شیر علی صاحب کا بیان ہے کہ اُنہوں نے تقریر کے بعد بعض غیر احمدی نوجوانوں کو آپس میں یہ گفتگو کرتے ہوئے سُنا کہ اگر اب بھی تم نے کمیونسٹ کی تائید کی تو تم پر لعنت ہے۔ اسی طرح ایک پروفیسر پر اس کا اتنا اثر پڑا کہ وہ رو پڑا۔

تقریر کے اختتام پر غیر احمدی پروفیسر صاحبان اور طلباء کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ چونکہ وقت کی قلت کی وجہ سے حضور اپنی تقریر میں مضمون کے تمام پہلوؤں پر اپنے خیالات کا اظہار نہیں فرما سکے اس لئے ایک اور تقریر فرمائی جائے جس میں مضمون کے باقی حصص کی وضاحت ہو جائے تا لوگ علوم کے اس چشمہ سے سیراب ہو سکیں جو اللہ تعالےٰ نے حضور کو عطا فرمایا ہے۔ نیز یہ کہ یہ تقریر فوری طور پر کتابی صورت میں چھپوا دیجائے۔ اسی طرح پنجاب یونیورسٹی شعبہ اقتصادیات کے ایم۔ اے کے بعض طلبہ نے اس تقریر کا انگریزی ترجمہ چھپوا کر یونیورسٹی اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کے پروفیسروں کے پاس بھیجنے کی تجویز پیش کی۔ نیز کہا کہ جہاں مختلف سکیمیں ہندوستان کی آئندہ فلاح اور اقتصادی ترقی کے متعلق دوسرے لوگوں کی طرف سے پیش ہو رہی ہیں وہاں یہ اسلامی نظام جو حضور نے پیش فرمایا ہے مسلمانوں کے خیالات کی نمائندگی کرے گا۔ اس تقریر کے پہلے حصہ کی نسبت مسلمان پروفیسروں اور طالبعلموں نے یہ رائے دی کہ اسلامی اقتصادی نظام اس طرز پر پہلے کبھی پیش نہیں کیا گیا۔ نہ ہندوستان کے کسی موجودہ مسلمان عالم نے اس موضوع پر اس رنگ میں قلم اُٹھایا ہے کہ اسلامی نظام کو تمام نقائص سے پاک ثابت کر کے ایسے رنگ میں پیش کرے کہ وہ قابل عمل ہونے کے علاوہ بہترین نظام معیشت بھی ہو۔ جہاں تک غیر مسلم طبقہ کا تعلق ہے اُن کے نزدیک اسلامی نظام کی وہ شکل جو حضور نے بیان فرمائی قابل عمل ہونے کے ساتھ ساتھ عالمگیر رواداری اور اخوت اور مساوات کے اصول پر مبنی ہے۔ جیسا کہ صاحب صدر لالہ رامچند مچندہ نے اپنی صدارتی تقریر میں واضح لفظوں میں

اقرار کیا۔[1]

الغرض حضرت مصلح موعودؓ کے اس لیکچر نے چوٹی کے علمی طبقوں میں ایک تہلکہ مچا دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسے ہر سطح پر غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔[2]

ایک غیر احمدی پروفیسر کا مکتوب

ایک غیر احمدی پروفیسر نے (جو اس تقریر میں موجود تھے اور پھر جلد ہی مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے گورنمنٹ کے خرچ پر امریکہ چلے گئے) اپنے ایک احمدی دوست کو امریکہ سے خط لکھا۔ کہ

"یہاں مذہب پر کبھی کبھی گفتگو ہو جاتی ہے۔ خدا کے فضل سے مذہبی بحث میں قادیانی لٹریچر جو میں نے پڑھا ہے خوب کام دیتا ہے لوگوں کو بحث کرنے کی عادت تو ہے لیکن مذہب سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں چند منٹ کی گفتگو کے بعد خاموش ہو جاتے ہیں..... یہاں روسی نظام پر بھی بحث ہوتی تھی۔ آجکل کے تعلیم یافتہ روسی نظام کے دلدادہ ہیں لیکن روسی نظام اسلامی نظام کا خاتمہ ہے۔ روسی نظام میں انفرادی آزادی نہیں ملتی۔ اس لئے مذہب کے نقطہ نگاہ سے کسی شخص کا قیامت کے دن حساب لینا بے سود ہے۔ اسلام ہر شخص کی آزادی چاہتا ہے تاکہ ہر شخص کو پورا اختیار ہو کہ نیکی بدی میں جو راستہ چاہے اختیار کر سکے روسی نظام ایک پیچیدہ مشین ہے جس میں ایک انسان مشین کے ایک پرزہ کی طرح کام کرتا ہے اور اپنی مرضی سے یا اپنے اختیار سے کام نہیں کر سکتا۔ اس لئے جو مذہب دوسری دنیا اور جزا اور سزا کا دعویٰ کرتا ہے وہ روسی نظام کے خلاف ہے۔

اس مسئلہ پر لاہور میں خلیفہ صاحب نے ایک لمبی تقریر کی تھی اور بے شمار دلائل سے ثابت کیا تھا کہ ہر لحاظ سے اسلامی نظام دنیا کا بہترین نظام ہے۔ میں آپ کے ساتھ اس تقریر کو سننے کیلئے لاہور گیا تھا۔ اس تقریر سے میرے علم میں بہت اضافہ ہوا اور جو دلائل سنے وہ سب یاد ہیں اور جب کبھی روسی نظام پر بحث کرنے کا موقع ملتا ہے تو خلیفہ صاحب کی لمبی تقریر خوب کام دیتی ہے۔ جو کتابیں یہاں تقسیم کرنے کے لئے لایا تھا وہ تقسیم کی جا رہی ہیں۔ بہت سی تقسیم ہو چکی ہیں۔"[3]

---

[1] الفضل ۱۷ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ و الفضل ۵ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ و الفضل ۱۴ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۲-۳۔

[2] حضرت مصلح موعودؓ کا ارادہ دو تین ماہ میں "کمیونزم اور مذہب" کے عنوان پر بھی ایک تقریر ارشاد فرمانے کا تھا اور اس کیلئے ایک رات بیٹھکر اس کے نوٹ بھی لکھ لئے تھے مگر افسوس لاہور میں اس کیلئے کوئی مناسب تقریب پیدا نہ ہو سکی اور دنیا ایک لازوال اور انمول علمی خزانے سے محروم رہی (الفضل ۱۴ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش صفحہ ۶)

[3] روزنامہ الفضل قادیان مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۴۶ء صفحہ ۵۔

سیّد عبدالقادر صاحب ایم اے وائس پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور کے تاثرات

جناب سیّد عبدالقادر صاحب ایم۔اے وائس پرنسپل (صدر شعبہ تاریخ) اسلامیہ کالج نے اسلام اور اشتراکیت (ISLAM AND COMMUNISM) کے عنوان پر اخبار "سن رائز" لاہور (۲۴ر امان ۱۳۲۴ہش/ مارچ ۱۹۴۵ء) میں ایک نوٹ دیا جس کا ایک حصّہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"اسلام کا اقتصادی نظام اور کمیونزم کے موضوع پر (حضرت) مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کا لیکچر سُننے کا مجھے بھی فخر حاصل ہوا۔ یہ لیکچر بھی آپ کے دوسرے لیکچروں کی طرح جو مجھے سُننے کا اتفاق ہوا ہے عالمانہ خیالات میں جلا پیدا کرنے والا اور پُر از معلومات تھا مرزا صاحب خداداد قابلیت کے مالک ہیں۔ اور اس موضوع کے ہر پہلو پر آپ کو پورا پورا عبور حاصل ہے۔ اس وجہ سے آپ کے خیالات اس بات کے مستحق ہیں۔ کہ ہم ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ان پر توجہ کریں" [1]

لیکچر کے مختلف غیر ملکی زبانوں میں تراجم اور اُس کے عالمی اثرات

یہ اہم لیکچر جو مولوی محمد یعقوب صاحب فاضل طاہر کی ہمت و کاوش سے من وعن ضبط تحریر میں آگیا تھا ہندوستان کے مختلف تعلیمیافتہ طبقوں کے اصرار پر ماہ ظہور/ اگست ۱۳۲۴ہش/ ۱۹۴۵ء میں دفتر تحریک جدید کی طرف سے شائع کر دیا گیا۔ اس پہلے اردو ایڈیشن کے بعد [2] اس تقریر کے انگریزی، ہندی، ہسپانوی، ترکی، جرمنی، اور عربی زبانوں میں بھی تراجم شائع ہو چکے ہیں اور قلوب و اذہان میں ایک خوشگوار انقلاب پیدا کرنے کا موجب بن رہے ہیں۔ بطور نمونہ ہسپانوی ترجمہ پر میڈرڈ کے مشہور اور ضخیم رسالہ "انسٹی ٹیوٹ آف پولیٹیکل سائنس" کا ریویو ملاحظہ ہو:۔

"ہمارے ملک میں جماعت احمدیہ کے نمائندہ کرم الٰہی ظفر نے جماعت احمدیہ کے موجودہ امام کا ایک معرکۃ الآراء لیکچر شائع کیا ہے جس کا پہلا عنوان "حقیقی امن کی طرف لے جانیوالا راستہ" ہے اور جس میں کمیونزم کے مقابلے میں اسلامی اقتصادی نظام کو پیش کیا گیا ہے اسلام اور کمیونزم دونوں نظاموں کو ایک وسیع انٹروڈکشن کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور

---

[1] ترجمہ الفضل ۳۰ر امان ۳۰ر مارچ ۱۳۲۴ہش/ ۱۹۴۵ء۔

[2] لیکچر کا دوسرا اُردو ایڈیشن امان/ مارچ ۱۳۴۸ہش/ ۱۹۶۹ء میں نظارت اصلاح و ارشاد ربوہ نے نہایت دیدہ زیب کتابت و طباعت اور دبیزی سرورق سے شائع کیا ہے۔ اس کے بعد تیسرا ایڈیشن وقف جدید ربوہ کی طرف سے اسی سال چھپ چکا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بین الاقوامی پیچیدہ مسائل دَورِ حاضرہ کے نہایت اہم مسائل ہیں۔ جن کی طرف دُنیا بھر کی توجہ ہے۔

دنیا کے نہ ختم ہونے والے مصائب، بدامنی اور گمراہی کا باعث یہ ہے کہ دُنیا اپنی مشکلات کا حل محض عقلی تدبیروں سے ڈھونڈنا چاہتی ہے اور مادی دنیا طمع اور حرص میں اندھی ہو کر دیگر ممالک پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ جماعت احمدیہ جو ایک پُرامن جماعت ہے اس بدامنی اور ظلم و فساد کی وجہ دو باتوں کو قرار دیتی ہے۔ اوّل سیاسی طور پر بلاتمیز رنگ، ملک، زبان، مذہب، بنی نوع انسان کے اتحاد کے لئے کوشش کا فقدان۔ دوم اس چیز کا سوشل رنگ میں لحاظ نہ رکھنا۔ اسلام اپنے تمام سیاسی، اقتصادی اور تمدنی اور دیگر ہر قسم کے نظاموں کی بنیاد اس امر پر رکھتا ہے جو ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بادشاہت اور مالکیّت صرف خدا تعالےٰ کو ہی حاصل ہے۔ پس اگر کسی شخص کے سپرد حکومت کرنیکی ذمہ داری کی جائے تو ایک اقتدار ہے جو قوم نے اس کے سپرد کیا جو اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے۔

اسلام کے یہ اصول ہسپانیہ کے موجودہ اور عام قدیمی رواجی اصولوں سے بہت ملتے ہیں یعنی اقتدار کا حق و انصاف کے ساتھ استعمال خدا سے گہرا رابطہ اور رعایا کے حقوق کی نگہداشت۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے چار اصول قائم کئے ہیں۔ (۱) یہ کہ حکومت لوگوں کی عزّت، جان و مال کی حفاظت قوم کی ترقی کی ذمہ دار ہے۔ بلکہ حکومت کا مقصد یہی ہے۔ (۲) حکومت ملکیت نہیں بلکہ امانت ہے۔ (۳) انتخابی حکومت افراد اور قوم کے اندر عدل کرنے کے لئے خدا وند تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے۔ (۴) حاکموں کو ہمیشہ غیر جانبدارانہ پالیسی اختیار کرتے ہوئے رعایا کے افراد کے اندر حق و انصاف سے کام لینا چاہیئے اور اقوام اور افراد میں تفریق نہ پیدا کریں۔

ان اصولوں کے ماتحت آپ مسلمانوں کو پرزور تاکید کرتے ہیں کہ خواہ انہوں نے مختلف قسم کے نظام اختیار کر لئے ہوں۔ اہل اسلام کے درمیان عدم مساوات کو دُور کریں اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ ایک فریق یا قوم کو اونچا کیا جائے۔ اور دوسرے کو نیچا۔ ایک کو دبایا جائے اور دوسرے کو بڑھایا جائے۔ وہ مساوات کے لئے یہ طریق اختیار نہیں

کرنا کہ طاقت سے ایک طبقہ کی دولت چھیننے اور اس کو طاقت کے بل پر ادنیٰ حالت گزارنے پر مجبور کرے۔

اسلام انفرادی آزادی کو تسلیم کرتا ہے اور حریت شخصی کی پوری پوری حفاظت کرتا ہے تا تسابق کی رُوح قائم رہے لیکن ساتھ ہی دنیا بھر کی دولت سمیٹنے کی ناجائز نفسانی خواہش کو بھی روکتا ہے۔ تا بنی نوع انسان کو تباہی سے بچایا جائے۔ اسلام اس اصول کو اس طرح قائم کرتا ہے کہ اسراف سے منع کرتا ہے۔ عیش و عشرت کی زندگی کی ممانعت ہے۔ تجارت جس میں نفع و نقصان دونوں متوقع ہوں۔ میں سود کی ممانعت زکوٰۃ۔ صدقہ و خیرات کے دوسرے بہت سے فرائض خمس۔ آخر میں ورثہ کی تقسیم کے ذریعہ۔ چنانچہ اس طرح اسلام کا اقتصادی نظام خود بخود دولت جمع نہیں ہونے دیتا۔ اگر کوئی فرد جمع کر بھی لے تو آہستہ آہستہ کم ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ مالک کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

بیان کردہ اصولوں کو بین الاقوامی زندگی میں قابل عمل بنانے کے لئے آپ نے بتایا ہے کہ دنیا کی کسی بڑی طاقت کو یہ حق نہیں کہ اپنی قوم کی طاقت دوسروں پر ظلم کرتے ہوئے بڑھانے کی کوشش کرے اور نہ کوئی نظام ایسا ہونا چاہیئے۔ خواہ تمدنی ہو یا سیاسی۔ اور نہ ہی ایسا فلسفہ ہونا چاہیئے جو بنی نوع انسان کو غلام بنائے اور غیر ملکیوں پر اقتدار کی ناجائز خواہش کرتا ہو۔ کمیونزم کا نظام ہو یا سرمایہ داری کا نظام ہو۔ (سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین صاحب کے پیش کردہ نظام سے بالکل مختلف ہیں کیونکہ ان ہر دو نظاموں میں سلطنت کی باگ ڈور ہاتھوں میں لینے والے افراط کی طرف نکل گئے ہیں۔

کتاب کے آخری حصہ میں جماعت احمدیہ کے امام نے کمیونزم کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور اس تحریک کے نظام اقتصادیات کا اچھی طرح سے تجزیہ کیا ہے اور پھر اس کا قرآن مجید کے اصولوں کے ساتھ مقابلہ کر کے دکھایا ہے۔ آپ نے کمیونزم کی مساوات کی تھیوری اور سرمایہ دار سٹیٹ کی عملاً عدم مساوات کے واقعات کو بھی اچھی طرح سے بیان فرمایا ہے۔

آخر میں آپ نے واضح اعلان فرمایا ہے کہ ہم احمدی کسی کے بھی دشمن نہیں ہم ہر ایک کے خیر خواہ ہیں اور کہ ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں جو بھی نظام جاری ہو وہ اقتصادی ہو یا سیاسی،

تمدنی ہو یا معاشرتی - بنی نوع انسان کی آزادیٔ ضمیر - روحانیت - اخلاق کی آزادی پر مشتمل ہو - اور انسانی خوبیوں کی قدر کی جائے - کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" کی قیمت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ باقاعدہ حوالوں سے کام لیا گیا ہے اور موجودہ پاکستان کے خیالات کا آئینہ دار ہے جو سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے - اگرچہ جماعت احمدیہ اس سلطنت کی ایک شاخ ہے اور شمالی افریقہ کے حنفی - مالکی - شافعی - اہلسنت مسلمانوں سے ایک الگ فرقہ ہے - لیکن اس جماعت کے زبردست پراپیگنڈہ اور موجودہ روحانی طاقت ہمیں قائل کرتی ہے کہ ہم سب ان کے لٹریچر میں سے ہسپانوی زبان میں پیشکردہ "اسلام کا اقتصادی نظام" کا مطالعہ کریں۔ [1]

فصل سوم

منارۃ المسیح ہال کی تعمیر اور مرکزی لائبریری کے قیام کی تحریکات جنگ عظیم کا خاتمہ اور نشان رحمت کا ظہور - فتنہ اشتراکیت کے خلاف اعلانِ جنگ، ایٹم کے استعمال پر احتجاج، توسیع تعلیم کی سکیم، نو واقفین کی انگلستان کو روانگی حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کی سالانہ جلسہ پر اہم تقریر -

منارۃ المسیح ہال کے لئے تحریک اور اخلاص و فدا کاری کا شاندار منظر

یوں تو جب سے حضرت خلیفۃ الثانی المصلح الموعود نے خدا تعالیٰ سے بشارت پا کر مصلح موعود ہونے کا اعلان فرمایا جماعت احمدیہ کے اندر خدمتِ دین کے لئے ایک نیا جوش، نئی اُمنگ اور نیا ولولہ پیدا ہو گیا تھا - اور وہ خدا کے موعود اور برگزیدہ خلیفہ کی آواز پر خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے تیار ہو گئی تھی اور قربانی کے میدان میں آگے ہی آگے قدم بڑھاتی رہی مگر مجلس مشاورت ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں مخلصین احمدیت نے قربانی و ایثار اور اخلاص و فدا کاری کا ایسا شاندار منظر پیش کیا جو اپنی مثال آپ تھا -

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یکم شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو مجلس مشاورت کا تیسرا دن تھا - اس روز

---

[1] - روزنامہ الفضل لاہور - مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۴ -

حضرت مرزا شریف احمد صاحب ناظر دعوت و تبلیغ نے ایجنڈا کی تجویز نمبر ۵ [۵] سے متعلق سب کمیٹی [۶] کی حسب ذیل سفارش پیش فرمائی کہ :-

"وقت آگیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشا کے ماتحت نظارت دعوت و تبلیغ کے زیر اہتمام قادیان میں ایک مذہبی کانفرنس کی جائے۔ تفصیلی قواعد بنانے کیلئے ایک سب کمیٹی بنادی جائے۔ اس کانفرنس کے اخراجات کے لئے مبلغ دو ہزار روپیہ اس بجٹ میں رکھا جائے۔ سب کمیٹی کی بحث کے دوران میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ الفاظ مندرجہ اشتہار خطبہ الہامیہ پڑھکر سنائے گئے :-

"بالآخر میں ایک ضروری امر کی طرف اپنے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس مینارہ میں ہماری یہ بھی غرض ہے۔ کہ مینارہ کے اندر یا جیسا کہ مناسب ہو ایک گول کمرہ یا کسی اور وضع کا کمرہ بنایا جائے جس میں کم از کم ۱۰۰ آدمی بیٹھ سکے۔ اور یہ کمرہ وعظ اور مذہبی تقریروں کے کام آئے گا۔ کیونکہ ہمارا ارادہ ہے۔ کہ ایک یا دو دفعہ قادیان میں مذہبی تقریروں کا جلسہ ہوا کرے۔ اور اس جلسہ پر ایک ایک شخص مسلمانوں، ہندوؤں، آریوں، عیسائیوں اور سکھوں میں سے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے۔ مگر شرط یہ ہوگی، کہ کسی مذہب پر کسی قسم کا حملہ نہ کرے۔ فقط اپنے مذہب کی تائید میں جو چاہے تہذیب سے کہے"۔

حضرت مرزا شریف احمد صاحب یہ تجویز پڑھ ہی رہے تھے کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح المصلح الموعود اچانک کرسی سے اُٹھے اور پاس ہی فرش پر جو تھوڑی سی جگہ تھی وہاں سجدہ میں پڑ گئے۔

---

[۵] ۔ تجویز نمبر ۵ یہ تھی :- "قادیان دارالامان میں ہر سال نظارت دعوت و تبلیغ کے زیر انتظام ایک ریلیجس کانفرنس منعقد ہوا کرے جیسا کہ تعمیر منارۃ المسیح کے سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کا منشاء مبارک تھا اور اس کیلئے مناسب اخراجات کی بجٹ میں گنجائش رکھی جائے۔

[۶] ۔ سب کمیٹی کے ممبران ۔ پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب (صدر) حضرت مرزا شریف احمد صاحب ناظر دعوت و تبلیغ (سیکرٹری) حضرت مرزا بشیر احمد صاحب (ناظر تعلیم و تربیت) پیر صلاح الدین صاحب (ملتان) چوہدری سعد الدین صاحب اے ۔ ڈی ۔ آئی (راولپنڈی)۔ مرزا غلام حیدر صاحب (نوشہرہ چھاؤنی) سید امجد علی صاحب (سیالکوٹ)۔ مولوی برکت علی صاحب (لدھیانہ) ۔ مولوی عبدالواحد صاحب (کشمیر) ڈاکٹر عبدالاحد صاحب (فضل عمر ریسرچ) ۔ ماسٹر عطا محمد صاحب (امرتسر) ۔ مولوی عبدالقادر صاحب صدیقی (حیدرآباد دکن) ۔ سید ارشد علی صاحب (لکھنؤ) چوہدری محمد شریف صاحب وکیل منٹگمری۔ چوہدری ابوالہاشم صاحب (قادیان) ۔ مولوی ابوالعطاء صاحب ۔ حکیم عبدالرشید صاحب (لکھنؤ کے جج) عبدالکریم صاحب کوئٹہ ۔ مرزا احمد بیگ صاحب ۔ مولوی الحاج نذیر احمد علی صاحب مبلغ سیرالیون ۔

یہ دیکھتے ہی تمام حاضرین اپنی اپنی جگہ پر سجدہ میں گر گئے اور حضور کے اٹھنے پر جب اللہ اکبر کہا گیا تو اٹھے جس کے بعد حضرت امیر المومنین نے فرمایا :-

"قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے - اکثر لوگ خدا کے نشانوں سے اعراض کرتے ہوئے گذر جاتے ہیں - آج سے ۵۴ سال پہلے وہ شخص جس کی جوتیوں کا غلام ہونا بھی ہم اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہیں اسے اس وقت کی اپنی جماعت کی حالت دیکھتے ہوئے ایک بہت بڑا مقصد اور کام یہ نظر آیا کہ ایک ایسا کمرہ بنایا جائے جس میں سو آدمی بیٹھ سکے - مگر آج ہم ایک ایسے کمرے میں بیٹھے ہیں جو اس غرض سے نہیں بنایا گیا تھا - کہ مختلف مذاہب کے لوگ اس میں تقریریں کریں - مگر اس میں پانچ سو کے قریب آدمی بیٹھے ہیں - اور وہ بھی کرسیوں پر - جو زیادہ جگہ گھیرتی ہیں - گویا اُس زمانہ میں جماعت کی طاقت اور وسعت کی یہ حالت تھی کہ سو آدمیوں کے بیٹھنے کا کمرہ بنایا جائے اور سو آدمیوں کو بٹھانے کیلئے جگہ بنانے کی غرض سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اعلان کرنا پڑا - اور اسے ایک بڑا کام سمجھا گیا - اور خیال کیا گیا - کہ سو آدمیوں کے بیٹھنے کے لئے کمرہ بنانا بھی مشکل ہو گا - مجھے منارۃ المسیح کی تعمیر کے وقت کی یہ بات یاد ہے - کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام شہ نشین پر بیٹھے تھے - اور میر حامد شاہ صاحب کے والد میر حکیم حسام الدین صاحب سامنے بیٹھے تھے - منارہ بنانے کی تجویز ہو رہی تھی - جو ہزار جو جمع ہوا تھا - وہ بنیادوں میں ہی صرف ہو گیا - حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس فکر میں تھے - کہ اب کیا ہو گا - حکیم حسام الدین صاحب زور دے رہے تھے - کہ حضور یہ بھی خرچ ہو گا اور وہ بھی ہو گا - اور کئی ہزار روپیہ خرچ کا اندازہ پیش کر رہے تھے - حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کی باتیں سُنکر فرمایا - حکیم صاحب کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ منارہ کی تعمیر کو ملتوی کر دیا جائے - چنانچہ ملتوی کر دیا گیا -

ایک تو وہ وقت تھا - اور ایک آج ہے - کہ مسجد مبارک کی توسیع کے لئے عصر کی نماز کے وقت میں نے مقتدیوں سے ذکر کیا اور عشاء کی نماز سے پہلے پہلے ۱۸ ہزار کے وعدے اور رقوم جمع ہو گئیں - اور بیرونی احباب کو اس چندہ میں شریک ہونے کا موقع ہی نہ ملا - یہ نشان کسی نابینا کو نظر نہ آئے - مگر ہر بینا کو نظر آ رہا ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ اپنے فضل سے

جماعت کو بڑھا رہا اور سلمان پیدا کرتا جا رہا ہے ۔ کہ اُس وقت جو بات بہت بڑی معلوم ہوتی تھی ۔ آج بہت ہی معمولی اور حقیر سی نظر آتی ہے ۔ اور آج جو چیز بہت بڑی معلوم ہوتی ہے وہ کل حقیر ہو جاتی ہے ۔ خدا تعالیٰ کا یہی سلوک ہماری جماعت سے برابر چلا جا رہا ہے ۔ اور اس بات کا خیال کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح دل بھر آتا اور آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں ۔ کہ کاش جماعت کی یہ ترقی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ہوتی تا آپ بھی اس دُنیا میں اپنے کام کے خوشکن نتائج دیکھ لیتے ۔ (یہ فرماتے فرماتے حضور پر رقت طاری ہو گئی پھر تھوڑی دیر توقف کے بعد فرمایا) ۔

اس تجویز کا اصل مقصد کانفرنس منعقد کرنا ہے جس میں ہر مذہب کے نمائندے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں ۔ سب کمیٹی نے اس کے لئے دو ہزار روپے تجویز کئے ہیں ۔ میں چاہتا ہوں کہ جو دوست اس کے متعلق کچھ کہنا چاہیں نام لکھا دیں ۔"

ازاں بعد حضرت اقدس کی اجازت سے مندرجہ ذیل اصحاب نے اپنی معروضات پیش کیں ۔

۱۔ شیخ عبد الحمید صاحب آڈیٹر

"تمام لجنات اس تجویز کی تائید کرتی ہیں ۔"

۲۔ میاں غلام محمد صاحب اختر

"سیدی میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں ۔ کہ اس مقصد کے لئے بجٹ میں کوئی رقم نہ رکھی جائے ۔ بلکہ ہم خدام سے جس قدر رقم کی ضرورت ہے ۔ انفرادی طور پر لی جائے تا کہ بجٹ کا سوال ہی پیدا نہ ہو ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک سو آدمیوں کے جگہ کی خواہش ظاہر فرمائی تھی اسے سو گنا کر کے اُن کے لئے جگہ بنائی جائے ۔ ہمیں جو کچھ ملا ہے محض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے ملا ہے اور وہ آپ ہی کا ہے ۔ آپ جتنی رقم چاہیں ۔ ہم سے لیں ۔ ہم اسے انتہائی خوشی اور مسرت کے ساتھ پیش کریں گے ۔"

۳۔ مرزا احمد بیگ صاحب آف ساہیوال پٹی

"میں اختر صاحب کی تائید کرتا ہوں ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ مبارک تجویز ہے ۔ ہماری خوشی کی کوئی حد نہ ہوگی ۔ اگر ہمیں اس کی توفیق ملے ۔ ہم اس کے لئے ہر قربانی

کرنے کے لئے تیار ہیں۔

۴۔ بشیر الدین صاحب بھاگلپوری ـــــــ

"خدا تعالیٰ کا بڑا شکر ہے۔ میں نے ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اس وقت آپ سے سُنا تھا کہ قادیان مرجع خاص و عام ہوگا۔ اور اب دیکھ لیا ہے کہ عظیم الشان جماعت بن رہی اور بنتی جارہی ہے۔ اس لئے بہت زیادہ آدمیوں کے بیٹھنے کے لئے ہال بننا چاہیئے۔ کیونکہ ساری دُنیا کے مذاہب کے نمائندے آئیں گے۔ اور بڑے بڑے لوگ آئیں گے۔ ہماری ساری جائیدادیں اس ہال کی تعمیر کے لئے حاضر ہیں"۔

۵۔ محمد ابراہیم صاحب[۱] ـــــــ

"آج سے ٹھیک دو ماہ قبل میں نے یہ تجویز لکھکر بھیجی تھی۔ ہمارے لئے نہ صرف اسے عملی جامہ پہنانا بہت بڑی سعادت کا باعث ہوگا۔ بلکہ حضور کی کتب اور تحریروں سے حضور کی سب تجاویز اور خواہشوں کو جمع کر لیا جائے تاکہ وہ جماعت کے سامنے رہیں اور انکو عملی جامہ پہنانے کا خیال رہے۔ اور اس وقت دو ہزار یا جتنے روپے کی ضرورت ہو لے لیا جائے"۔

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے فرمایا کہ:ـــــ

"دو ہزار روپیہ تو ایک شخص نے ہی دیدیا ہے اس کا تو اب سوال ہی نہیں"۔

اس موقعہ پر بعض اصحاب نے خود بخود رقوم پیش کرنی شروع کر دیں۔ جس پر حضور نے فرمایا:ـــ

"دوستوں نے چندہ دینا شروع کر دیا ہے اور اس بات کا انتظار نہیں کیا کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ مجھ پر جو اس وقت وجد کی حالت طاری ہوئی۔ اور میں سجدہ میں گر گیا۔ اس کی وجہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے حالات اور بعد کے حالات کا فرق ہے۔ اس وقت دو ہزار روپیہ کا جو سوال ہے وہ تو ایک دوست نے پورا کر دیا ہے۔ اور وہ کیا اس سے بہت زیادہ چندہ ہو سکتا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس تجویز کے پیچھے جذبہ کیا کارفرما ہے۔ یہی کہ باہر سے کتنے آدمی آسکیں گے۔ چونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اب بیس پچیس ہزار

[۱] اس نام کے چار دوست کوٹ کریم بخش، اسماعیلہ (گجرات) مسجد فضل قادیان اور ننگل سے مجلس مشاورت ۱۳۰۴ھش/۱۹۲۵ء میں بطور نمائندہ شامل تھے مگر رپورٹ سے یہ وضاحت نہیں ملتی کہ اس کارروائی میں حصہ لینے والے کون تھے؟ ÷

احمدی ہی جلسہ پر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ ان حالات میں چاہیئے کہ ہم ایک ایسا ہال بنائیں جس میں ایسے جلسے ہوتے رہیں یا شیڈ کے طور پر ایسی جگہ بنائیں جس میں کم از کم ایک لاکھ آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ ہو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کے لئے دُعا فرمائی ہے کہ ایک سے ہزار ہو دیں اور نبی کی اولاد اس کی جماعت بھی ہوتی ہے۔ اسلئے ۱۰۰ کو ہزار سے ضرب دیں۔ تو ایک لاکھ بنتا ہے۔ ان کے بیٹھنے کے لئے جگہ بنانی چاہیئے۔ گو ہم جانتے ہیں کہ کچھ ہی عرصہ کے بعد آنے والے کہیں گے کہ یہ بیوقوفی کی گئی۔ کم از کم دس لاکھ کے لئے تو جگہ بنانی چاہیئے تھی۔ پھر اور آئیں گے جو کہیں گے یہ کیا بنا دیا کروڑ کے لئے جگہ بنانی چاہیئے تھی۔ اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ پانچ سال میں دو لاکھ روپیہ ہم اس غرض کے لئے جمع کریں۔ پانچ سال کا عرصہ اس لئے میں نے رکھا ہے۔ کہ اس وقت تک جنگ کی وجہ سے جو گرانی ہے وہ دور ہو جائے گی۔ اور ہم ایسی عمارت بنا سکیں گے۔ اس لئے فی الحال میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ آئندہ پانچ سال میں اس بات کو مدّنظر رکھکر دو لاکھ روپیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے جمع کریں میں اس تجویز کو بھی منظور کرتا ہوں۔ کہ بجٹ میں یہ رقم رکھنے اور مجلس شوریٰ میں پیش کرنے کی بجائے انفرادی طور پر جماعت سے لے لی جائے۔ دو ہزار روپیہ جو چوہدری اسد اللہ خاں صاحب نے دیا ہے۔ اسی دو لاکھ کی رقم میں داخل کرتا ہوں۔ یہ رقم اعلان کر کے طوعی چندہ سے پوری کر لی جائے گی۔

سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب کہتے ہیں میرا ایک خواب ہے وہ سُنانا چاہتا ہوں۔ وہ کھڑے ہو کر خواب سُنا دیں"۔

اس پر حضرت سیٹھ صاحب نے حسب ذیل خواب سُنایا۔

"اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ جب وہ کسی اپنے برگزیدہ بندے کو بھیجتا ہے تو جو لوگ اسے پہلے مانتے ہیں ان کو اس کی صداقت کے نشانات بتا دیتا ہے۔ ۱۹۰۰ء میں جب میں یہاں آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ الہامیہ سُنایا تو اس کے بعد میں پھر بمبئی چلا گیا وہاں میں نے تہجد کی نماز کے وقت رؤیا دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک

بہت بڑے بڑے ہال میں لیکچر دے رہے ہیں۔ بمبئی میں بڑے سے بڑا ہال دس ہزار آدمیوں کے بیٹھنے کا ہے مگر وہ اتنا بڑا ہال ہے کہ ایک لاکھ آدمی اس میں آسکتے ہیں۔ مجھے اس کے دروازہ پر کھڑا کیا گیا۔ اور کہا گیا کہ جو لوگ آئیں تم انہیں ریسیو (RECIEVE) کرو اور اندر بھیجتے جاؤ۔

خدا تعالیٰ نے قریباً پچاس سال قبل یہ خوشخبری مجھے سنائی اسے پورا ہوتا آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اس کی شہادت دیتا ہوں"۔

اس وقت تک حضور کے آگے میز پر وعدوں کی تحریریں اور نقد رقوم بہت سی جمع ہو چکی تھیں۔ جن کے متعلق حضرت امیر المومنین نے فرمایا:۔

"یہ رُقعے اور روپے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری والے اٹھالیں۔ مَیں اس بارہ میں بری ہوتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کے حضور دفتر والے جواب دِہ ہوں گے"۔

یہ فرماتے پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضور جلسہ ختم ہی کرنے والے ہیں اور حضور نے رقوم پیش کرنے والوں کے نام سُنانے کا ارشاد فرمایا اور اپنی طرف سے دس ہزار روپیہ اس فنڈ میں دینے کا ارشاد فرمایا۔ ابھی چند ہی نام سُنائے گئے تھے کہ اس کثرت سے احباب نے اپنے نام پیش کرنے شروع کر دیئے کہ حضور نے فرمایا۔ احباب باری باری بولیں تا اُن کے نام لکھے جاسکیں۔ اور ساتھ ہی حضور نے کئی اور اصحاب کو نام لکھنے پر مقرر کر دیا۔ کچھ دیر بعد حضور نے فرمایا۔ کہ

"مَیں اپنی طرف سے، اپنے خاندان کی طرف سے، نیز چودھری ظفر اللہ خانصاحب اور ان کے دوستوں اور سیٹھ عبداللہ بھائی صاحب کے خاندان اور جماعت احمدیہ کی طرف سے اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ بیرونی جماعتوں کو اس فنڈ میں شریک ہونے کا موقعہ دینے کے بعد دو لاکھ میں جو کمی رہے گی وہ ہم پوری کر دیں گے"۔

اسی اثناء میں ساری فہرست تیار ہونے کے بعد جب رقوم کی میزان کی گئی تو حضور نے اعلان فرمایا کہ:۔

"اس جلسہ میں شریک ہونے والوں نے اپنی طرف سے یا اپنے غیر حاضر دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف سے جو چندے پیش کئے ہیں ان کی فہرست تیار کر لی گئی ہے۔ ممکن ہے

جلدی میں ان رقوم کی میزان کرنے میں کچھ غلطی ہو گئی ہو ۔ لیکن اسوقت جسقدر چندہ ہو چکا ہے ۔ وہ دو لاکھ بائیس ہزار سات سو چونسٹھ روپے شمار کیا گیا ہے "۔

اس کے بعد حضرت مصلح موعود نے یہ فرماتے ہوئے کہ یہ سجدہ شکر ہے پھر سجدہ کیا اور تمام مجمع حضور کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گیا اور نہایت رقت سے دعائیں کیں ۔ سجدہ سے اُٹھنے پر حضور نے فرمایا :-

" بعض مواقع پر بولنے سے خاموشی زیادہ اچھی ہوتی ہے اس لئے میں اس جلسہ کو اللہ کے نام پر ختم کرتا ہوں اور دوستوں کو واپسی کی اجازت دیتا ہوں ۔ مجھے جو کچھ کہنا ہو گا بعد میں خطبات میں کہوں گا " [1]

اس کے بعد مجلس مشاورت کا آخری اجلاس برخواست ہو گیا ۔

منارۃ المسیح ہال کے ساتھ ایک عظیم الشان لائبریری کے قیام کی تجویز اور اس کے لئے مفصل سکیم ۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کو اللہ تعالیٰ نے دُور بین آنکھ بخشی تھی اور آپ کا ہر نیا قدم بصیرت اور معاملہ فہمی کی نئی سے نئی راہیں کھول دیتا تھا ۔ منارۃ المسیح ہال کی تحریک کسی سوچی ہوئی تجویز کا نتیجہ نہیں تھی ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجلس شوریٰ کے موقعہ پر خود ہی جماعت کے دلوں میں ایسا زبردست جوش اور اخلاص پیدا کر دیا کہ اندازہ سے بھی زیادہ چندہ نقد اور وعدوں کی صورت میں ہو گیا ۔ اور جب یہ خبر شائع ہوئی تو باہر کے دوستوں کی طرف سے بھی تقاضا ہونے لگا کہ ہمیں بھی ثواب میں شامل کیا جائے اور ساتھ ہی چندے بھی آنے لگے ۔

حضرت مصلح موعود نے ایک طرف تو خطبہ جمعہ (۲۰ شہادت / اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء) میں اعلان فرمایا کہ جماعت کا ہر فرد اس مد میں چندہ لکھوا سکتا ہے اور پانچ سال کے عرصہ میں بالاقساط یا یکمشت ادا کر سکتا ہے مگر دوسری طرف جماعت کے دوستوں کو بتایا کہ مجوزہ ہال کم از کم پچیس لاکھ روپیہ میں بنے گا ۔ اتنی بڑی رقم خرچ کرنے کے بعد ہمیں ایسی صورت سوچنی چاہیئے کہ جس سے ہم اس ہال کو اسلام کی تبلیغ کا عظیم الشان مرکز بنا دیں اور وہ اس طرح ممکن ہے کہ ہال کے ساتھ سولہ لاکھ روپے کے مصرف سے ایک عظیم اور مثالی لائبریری بھی بنائیں جس میں دُنیا کے تمام مذاہب کی اہم کتابیں اور اسلام کی قریباً ساری کتابیں جمع کرنے کی کوشش کی جائے ۔

---

[1] ۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱۵۵ تا صفحہ ۱۶۱ ۔

اس سلسلہ میں حضور نے مجوزہ لائبریری کی نسبت ایک تفصیلی سکیم بھی تیار کی ۔ چنانچہ فرمایا :۔

"یوں تو لائبریری پڑھنے ہی کے لئے ہوتی ہے ۔ لیکن ہماری غرض چونکہ یہ ہوگی کہ اسلام کی تبلیغ کو ساری دنیا میں پھیلائیں اس لئے ساری دنیا میں تبلیغ پھیلانے کے لئے ضروری ہوگا کہ ہم ایسے آدمی تیار کریں جو ہر زبان جاننے والے ہوں ۔ یا اگر ہر ایک زبان نہیں تو نہایت اہم زبانیں جاننے والے ہوں ۔ جن زبانوں میں ان مذاہب کی کتابیں پائی جاتی ہیں مثلاً یونانی ہے ، عبرانی ہے تاکہ عیسائیت اور یہودیت کا لٹریچر پڑھ سکیں اور عربی جاننے والے بھی ہوں تاکہ اسلام کا لٹریچر پڑھ سکیں ۔ فارسی جاننے والے بھی ہوں تاکہ اسلام کا لٹریچر پڑھ سکیں ۔ سنسکرت اور تامل جاننے والے بھی ہوں تاکہ ہندو اور ڈریوڈینس کا لٹریچر پڑھ سکیں ۔ پالی زبان جاننے والے بھی ہوں تاکہ بدھوں کا لٹریچر پڑھ سکیں ۔ چینی زبان جاننے والے ہوں تاکہ کنفیوشس کا لٹریچر پڑھ سکیں اور پہلوی زبان بھی جاننے والے ہوں تاکہ زرتشتیوں کا لٹریچر پڑھ سکیں ۔ اسی طرح پرانی دو تہذیبیں ایسی ہیں کہ گو اب وہ تہذیبیں مٹ چکی ہیں مگر اُن کا لٹریچر ملتا ہے ان میں سے ایک پُرانی تہذیب بغداد میں تھی اور ایک مصر میں تھی ان کا لٹریچر پڑھنے کے لئے بابلی زبان اور ہلیوگرافی جاننے والے چاہئیں تاکہ ان کے لٹریچر کو پڑھ کر اسلام کی تائید میں جو حوالے مل سکیں ان کو جمع کریں اور ان کے ذریعہ اسلام پر جو حملے ہوتے ہیں ان حملوں کا جواب دے سکیں ..... پس ہمارے لئے ضروری ہوگا کہ ہم اس قسم کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے والے لوگ پیدا کریں اور ان کو اس کام کے لئے وقف کریں کہ وہ لائبریری میں بیٹھکر کتابیں پڑھیں اور معلومات جمع کر کے مدوّن صورت میں مبلغوں کو دیں تا وہ انہیں استعمال کریں ۔ اسی طرح وہ اہم مسائل کے متعلق تصنیفات تیار کریں ۔ اگر ان لوگوں کی رہائش اور گزارہ کے لئے دو لاکھ روپیہ وقف کریں تو یہ اٹھارہ لاکھ روپیہ بنتا ہے پھر ان کی کتب کو شائع کرنے کے لئے ایک مبلغ کی ضرورت ہے جس کے لئے ادنیٰ اندازہ دو لاکھ کا ہے اس کے علاوہ پانچ لاکھ روپیہ اندازاً اس بات کے لئے چاہیئے کہ جو تصنیفات وہ تیار کریں ان کو شائع کیا جائے اور پھر ایسا انتظام کیا جائے کہ نفع کے ساتھ وہ سرمایہ واپس آتا جائے اور دار المصنفین کا گذارہ اس کی آمد پر ہو ۔ یہ وہ صحیح طریقہ ہے جس کے ذریعہ سے ہم علمی دنیا میں ہیجان پیدا کر سکتے ہیں اور اس کام کے لئے پچیس لاکھ روپے کی ضرورت ہے ۔" [1]

---

[1] ۔ الفضل یکم ہجرت / مئی ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء ص ۳ ۔

قادیان میں میڈیکل سکول کے اجراء کی تجویز

حضرت مصلح موعود کا ارادہ تھا کہ قادیان میں جلد سے جلد ایک میڈیکل سکول کا قیام عمل میں لایا جائے۔ چنانچہ حضور نے مشاورت (۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء) کے نمائندگان کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"دوسرا پروگرام میرے مدنظر یہ ہے کہ ہم جلد سے جلد یہاں ایک میڈیکل سکول جاری کردیں۔ کیونکہ بعض ممالک میں ہم کامیاب طور پر تبلیغ نہیں کر سکتے جب تک کثرت سے ہماری جماعت میں ڈاکٹر نہ ہوں۔ دوسرے اس سکول کی ضرورت ہماری جماعت کو اس لئے بھی ہے کہ عورتوں کیلئے ڈاکٹری تعلیم کا حصول دوسرے کالجوں میں اب بہت مشکل ہوگیا ہے۔ گورنمنٹ کا رجحان اب اس طرف ہوگیا ہے کہ ایم۔ بی بی۔ ایس تک سب کو تعلیم دلائی جائے اور ایم۔ بی بی۔ ایس تک تعلیم دینے کے لئے کالجوں میں مرد پروفیسر مقرر ہوتے ہیں۔ اسلامی شعار چونکہ پردہ ہے۔ اس لئے آئندہ ہماری عورتوں کی میڈیکل تعلیم میں سخت مشکلات ہوجائیں گی گو مجھے یقین نہیں آتا کہ بیس ہزار روپیہ سالانہ کے خرچ سے ہم میڈیکل سکول قادیان میں جاری کر سکتے ہیں۔ اگر یہ درست ہو تو شاید میں لمبا انتظار بھی نہ کروں اور فوراً اس سکول کو جاری کردوں کیونکہ ایک تو ڈاکٹر عورتیں پیدا کرنا ہمارے تبلیغی اثر کو بہت وسیع کردے گا۔ دوسرے ہم اپنے مبلغین کو دینیات کے ساتھ ڈاکٹری کی تعلیم آسانی کے ساتھ دلا سکتے ہیں۔ مثلاً وہ لڑکے جو انٹرنس پاس ہوں اور انہیں بطور مبلغ ہم رکھنا چاہتے ہوں اُن کے متعلق یہ ہوسکتا ہے کہ میڈیکل سکول میں داخل کرکے ہم ان کو ڈاکٹری تعلیم دلا دیں اور دوسری طرف علیحدہ انہیں دینی تعلیم بھی دیتے رہیں۔ اس ذریعہ سے اچھوت اقوام میں اپنے تبلیغی اثر کو بہت وسیع کیا جاسکتا ہے۔ بالخصوص جنوبی ہند اور افریقہ میں اس سکیم کے ماتحت مبلغ اپنی روزی بھی کما سکتے ہیں اور اسلام اور احمدیت کی اشاعت بھی کر سکتے ہیں۔" [1]

دوسری جنگ عظیم کا خاتمہ اور خدا تعالیٰ کے فضل و رحمت کے نشان کا ظہور

یورپ کی دوسری جنگ عظیم جو یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو شروع ہوئی تھی اس سال ، مئی ۱۹۴۵ء (مطابق ، ہجرت ۱۳۲۴ہش) کو ختم ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے دوران جنگ میں بہت سے واقعات

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳۷-۳۸ ٭

کی خبریں حضرت مصلح موعود کو قبل از وقت بتائیں جو لفظاً لفظاً پوری ہوئیں۔ مثلاً بلجیم کے بادشاہ لیوپولڈ کی معزولی، برطانیہ کی طرف سے فرانس کو الحاق کی پیشکش، امریکہ کی طرف سے برطانیہ کو ۵۰ جہازوں کی روانگی، سفارتخانوں کے کاغذات کو نذرِ آتش کئے جانا، جرمن لیڈر ہر ہیس کا انگلستان میں اُترنا، ایک سال کے اندر جنگ کا رُخ یکسر پلیٹ جانا، جنگ کے یونان تک پہنچنے کے بعد روس کی شمولیت اور امریکہ کا سرگرم عمل ہونا، امریکن فوج کی ہندوستان میں آمد اور لیبیا کے محاذِ جنگ کا حیرت انگیز نظارہ[۱]۔ غرضکہ متعدد پیشگوئیاں تھیں جن کا پورا ہونا پوری دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور اسلام اور احمدیت کی صداقت پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔ ان پیشگوئیوں کے علاوہ جو جنگ کے زمانہ میں حرف بحرف پوری ہوئیں۔ جنگ کا خاتمہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا ایک عظیم الشان نشان بن گیا اور وہ اس طرح کہ یہ جنگ اسی سال اسی مہینہ بلکہ اسی تاریخ کو ختم ہوئی جس کا قبل از وقت اعلان حضرت مصلح موعود نے فرما دیا تھا۔

چنانچہ سیّدنا حضرت مصلح موعود نے اپنے خطبہ جمعہ (فرمودہ ۱۱ رماہ ہجرت / مئی ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء) میں اس نشان رحمت پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ

"اس ہفتے خدا تعالیٰ نے اپنے فضل اور اپنی رحمت کا نشان اس رنگ میں دکھایا ہے۔ کہ یورپ کی جو ابتدائی اور اصلی جنگ تھی وہ ختم ہو چکی ہے اس جنگ کے متعلق مَیں نے بارہا بیان کیا تھا کہ قرآن مجید سے اور خدا تعالیٰ کے فعل سے جہاں تک مَیں سمجھتا ہوں یہ جنگ ۱۹۴۵ء کے شروع میں ختم ہو جائے گی۔ یعنی اپریل ۱۹۴۵ء یا جون ۱۹۴۵ء تک ......"

اِس استدلال کی بنیاد کیا تھی؟ اس کی وضاحت میں حضور نے ارشاد فرمایا:۔

"میرے اس استدلال کی بنیاد کہ جنگ اپریل ۱۹۴۵ء میں ختم ہو جائے گی اس بات پر تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحریکِ جدید کے باعث کے نتیجہ میں یہ جنگ پیدا کی گئی۔ چنانچہ اس مضمون کے متعلق کثرت سے میرے خطبات موجود ہیں کہ گورنمنٹ کی طرف سے ہماری جماعت کو جو تکالیف دی گئی ہیں ان کے نتیجہ میں اسے یہ ابتلا پیش آیا ہے۔ اور تحریک جدید کے ساتھ اس کی وابستگی ہے۔ چنانچہ مَیں نے جو یہ کہا تھا کہ جنگ اپریل ۱۹۴۵ء کے آخر میں ختم ہو جائے گی یہ اسی بناء پر کہا تھا کہ تحریکِ جدید کا آخری سال دعدوں کے لحاظ سے تو ۱۹۴۴ء میں ختم ہوتا ہے لیکن جہانتک

---

[۱] ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۶ رماہ ہجرت / مئی ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء ص ۱ تا ۴ ۔ ایضاً المبشرات"۔

سارے ہندوستان کے لئے چندوں کی ادائیگی کا تعلق ہے اس لحاظ سے یہ مدت اپریل ۱۹۴۵ء میں ختم ہوتی ہے۔ اور جون یا جولائی اس لحاظ سے کہا تھا کہ بیرونجات کے چندوں کی ادائیگی کی آخری میعاد جون یا جولائی میں جاکر ختم ہوتی ہے۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ چندوں کی ادائیگی کی آخری تاریخ جو مقرر ہے وہ سات ہوتی ہے۔ یعنی اگر ہندوستان کے ان علاقوں کے لئے جہاں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ ۳۱ر جنوری مقرر ہے تو یہ میعاد سات فروری کو جاکر ختم ہوتی ہے۔ اور اگر ہندوستان کے ان علاقوں کے لئے جہاں اُردو بولی اور سمجھی نہیں جاتی۔ ۳۰ر اپریل مقرر ہے تو یہ میعاد سات مئی کو جاکر ختم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ اگر وعدہ لکھوانے کی تاریخ ۳۰ر اپریل تک رکھی جائے تو چونکہ بعض جگہ ہفتہ میں ایک دفعہ ڈاک آتی ہے۔ اس وعدہ کے روانہ ہونے کی آخری تاریخ اگلے مہینہ کی سات ہونی چاہیئے۔ اس اصل کے مطابق ہندوستان کے ان علاقوں کے لئے جہاں اُردو بولی اور سمجھی جاتی ہے آخری میعاد سات فروری مقرر ہے اور ہندوستان کے ان علاقوں کے لئے جہاں اُردو بولی اور سمجھی نہیں جاتی وعدوں کی ادائیگی کی آخری معیاد سات مئی مقرر ہے۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ جس دلیل پر میری بنیاد تھی کہ تحریکِ جدید کے آخری سال کے اختتام پر یہ جنگ ختم ہوگی۔ میری وہ بات اس رنگ میں پوری ہوئی کہ جنگ نہ صرف اسی سال اور اسی مہینہ میں ختم ہوئی جو مَیں نے بتایا تھا بلکہ عین سات مئی کو آکر سپردگی کے کاغذات پر دستخط ہوئے۔ چونکہ وعدوں کی ادائیگی کے لئے ایک سال مقرر ہے۔ اس لئے دس سالہ دَور تحریک کے چندوں کی ادائیگی کی آخری تاریخ حسب قاعدہ ۷ر مئی ۱۹۴۵ء ہوتی ہے۔ اور اسی تاریخ کو سپردگی کے کاغذات پر جرمنی کے نمائندوں نے دستخط کئے۔ گویا قانونی طور پر عین اسی تاریخ پر آکر جنگ ختم ہوئی جو تحریکِ جدید کے چندوں کی ادائیگی کے لحاظ سے سارے ہندوستان کے لئے آخری تاریخ ہے۔ اور جس کے بارے میں مَیں بار بار متواتر اڑھائی سال سے اعلان کر رہا تھا۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کا یہ کتنا بڑا نشان ہے صوفیاء لکھتے ہیں کہ بعض دفعہ بندے کی زبان اور ہاتھ خدا تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی خدا تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بدر کے موقع پر جب تُو نے

مٹھی بھر کر کنکر پھینکے تھے بظاہر تو وہ تو نے ہی دعائیہ رنگ میں پھینکے تھے لیکن ہم نے تیرے ہاتھ کو اپنا ہاتھ بنا لیا۔ اور اسے کفار کی تباہی کا موجب بنا دیا۔ تو اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے یہ سلوک رہا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ اُن کی زبان کو اپنی زبان بنا لیتا ہے۔ مَیں نے متواتر بیان کیا تھا کہ میں جو کہتا ہوں کہ جنگ ۱۹۴۵ء کے شروع میں ختم ہو جائے گی۔ مَیں یہ کسی الہام کی بناء پر نہیں کہتا۔ بلکہ میرے استدلال کی بنیاد اس بات پر ہے کہ چونکہ تحریک جدید کا آخری سال چندوں کی ادائیگی کے لحاظ سے ۱۹۴۵ء کے شروع میں یعنی اپریل میں جا کر ختم ہوتا ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ جنگ ۱۹۴۵ء کے شروع یعنی اپریل میں ختم ہو جائیگی خدا تعالیٰ نے میری اس بات کو لفظاً لفظاً پورا کیا اور نہ صرف سال اور مہینہ کے لحاظ سے بلکہ تاریخ اور دن کے لحاظ سے بھی یہ بات لفظاً لفظاً پوری ہوئی۔ الحمد للہ۔" [۱]

اشتراکیت کے خلاف اعلان جنگ

سیدنا حضرت مصلح موعود کے بے نظیر لیکچر "اسلام کا اقتصادی نظام" کی برکت سے جماعت احمدیہ میں اشتراکیت کے خلاف پہلا مضبوط محاذ قائم ہو گیا تھا۔ قادیان میں اس موضوع پر لیکچر ہوئے اور الفضل میں مضمون لکھے گئے۔ اور خاص طور پر کانپور میں جو کمیونسٹوں کا ان دنوں زبردست گڑھ تھا اس زہر کے ازالہ کی کوششیں جاری کر دیگئیں اور اس کے خوشکن اثرات بھی ظاہر ہونے لگے۔ چنانچہ ایک شخص جو اشتراکیت کی طرف مائل تھا احمدی ہو گیا۔ اس ابتدائی جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کے کمیونسٹوں نے اپنے ایجنٹ بھیج کر براہ راست قادیان میں فتنہ پیدا کرنے کا ارادہ کر لیا اور اس سلسلہ میں حضرت مصلح موعود کو بھی گمنام خطوط لکھے جس پر حضرت امیر المومنین نے کمیونسٹوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ

"کمیونسٹ میرے مقابلہ میں جیت نہیں سکتے ...... کیونکہ میری آواز میری نہیں بلکہ میری زبان سے خدا اپنی آواز دنیا میں پھیلا رہا ہے اور خدا کا مقابلہ کرنے کی ان کمیونسٹوں میں تو کیا ان کے سرداروں میں بھی طاقت نہیں۔" [۲]

اس مرحلہ پر حضور پُر نور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب وقت آگیا ہے کہ جماعت احمدیہ اس فتنہ کی سرکوبی میں سرگرم عمل ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے ۲۹ ماہ احسان/جون ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء کو ایک مفصل خطبہ جمعہ دیا۔ یہ خطبہ دراصل عہد حاضر

---

[۱] الفضل ۱۴ ہجرت/مئی ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲۔ [۲] الفضل ۵ وفا/جولائی ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵۔

کے اس عظیم ترین فتنہ کے خلاف اعلان جنگ تھا جو اسلامی افواج کے روحانی سپہ سالار نے مسجد اقصیٰ قادیان کے منبر پر کیا۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:۔

"ہمارے سامنے کمیونزم کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو نہ صرف عقلی لحاظ سے اسلام کے لئے خطرناک ہے بلکہ مذہبی لحاظ سے بھی وہ بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ گذشتہ انبیاء نے ہزاروں سال سے اس فتنہ کے متعلق خبر دی ہوئی ہے۔ مسیح موعود کے زمانہ کے متعلق احادیث میں بھی آتا ہے اور پہلی کتب میں بھی کہ تمام گذشتہ انبیاء نے اس زمانہ کے فتنوں کی خبر دی تھی اور جب ہم فتن کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں سب سے زیادہ اس فتنہ کی خبر معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ حزقیل نبی نے اپنی کتاب میں روس کے ایک فتنہ کے متعلق پیشگوئی کی ہے اور بتایا ہے کہ آخری زمانہ میں اس کے ذریعہ دین پر حملہ کیا جائے گا۔ گویا وہ فتنے جنکی تمام انبیاء نے خبر دی ہے ان میں اگر نام لے کر کسی فتنہ کی خبر دی گئی ہے تو وہ یہی فتنہ ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ فتنہ کتنا اہم ہے کہ اس نے آج سے ہزاروں سال پہلے اس کے متعلق خبر دیدی تھی تا کہ آخری زمانہ میں کمزور ایمان والے لوگ یہ نہ کہدیں کہ یہ خطرہ محض خیالی ہے۔ ہر نئی تبدیلی سے لوگ ڈر جاتے اور بغیر سوچے سمجھے اس کی مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ چونکہ اس نظام کے ذریعے تمدن میں ایک تبدیلی واقع ہوتی ہے اس لئے اس تبدیلی سے ڈر کر سوویٹ نظام کی مخالفت کی جاتی ہے۔ ورنہ درحقیقت اس میں خطرہ کی کوئی بات نہیں۔

بے شک جہاں تک سیاسیات کا تعلق ہے ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ حکومت سے تعلق رکھنے والی چیز ہے اور حکومت سے تعلق رکھنے والی عملی سیاست خواہ روس کی ہو یا کسی اور ملک کی ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا لیکن جہاں تک سیاسیات کے فلسفہ کا سوال ہے ہمارا تعلق فلسفۂ سیاست سے ضرور ہے۔ کیونکہ فلسفہ ایسی چیز ہے جو ہر انسان سے تعلق رکھتا ہے۔ پس عملی سیاسیات سے بیشک ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔ اسے روس جانے، فرانس جانے، انگلستان جانے یا امریکہ جانے۔ لیکن جہاں تک اس کے مضر عقائد کا سوال ہے جنکا مذہب پر برا اثر پڑتا ہے۔ ہر مذہب والا جس کے خلاف بات پڑتی ہے اس کا فرض ہے کہ وہ اس فتنہ کا مقابلہ کرے اور اس زہر کا ازالہ کرنے کی پوری کوشش کرے مگر کمیونسٹوں

کی طرف سے چونکہ ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ ہم غرباء کی تائید اور ان کی مدد کے لئے کھڑے ہوئے ہیں اسلئے عام طور پر خواہ ہندو ہوں یا مسلمان اس عقیدہ کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔ بلکہ ہندوستان میں بعض مولوی ایسے موجود ہیں جو عام طور پر کمیونزم کی تائید کرتے رہتے ہیں اسی طرح بعض مسلمان اخبارات کے ایڈیٹر ہیں جو اس کی تائید میں زور شور سے مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ان اقتصادیات کا ہمارے ملک سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ وہ اقتصادیات خالص روس کی ترقی کے لئے ہیں اور روس ہی ان سے فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ مگر بعض دفعہ ایک چیز ایسی خوشنما معلوم ہوتی ہے کہ انسان اسے لینے کی کوشش کرتا ہے خواہ وہ کتنی ہی مضر کیوں نہ ہو...... بعض دفعہ انسان ایک چیز کو اچھا اور خوشنما سمجھتا ہے اور اُسے لینے کی خواہش کرتا ہے مگر وہ ہوتی بُری ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کونسی چیز انسان کے لئے اچھی ہے اور کونسی بُری۔ وہ خدا جس نے آج سے اڑھائی ہزار سال پہلے حزقیل نبی کے ذریعہ اس فتنہ کی خبر دی تھی اس خدا کا یہ فعل ظاہر کر رہا ہے کہ اس فتنہ کو معمولی سمجھنا یا اس کے خطرناک نتائج سے اپنی آنکھیں بند کر لینا نادانی اور حماقت ہے۔ آج کل کے لوگوں کے متعلق تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہیں کمیونزم سے حسد ہے بُغض اور کینہ ہے جو اُن کے دلوں میں پایا جاتا ہے یا وہ پرانی لکیر کے فقیر ہیں۔ یا ایسے جاہل ہیں کہ اقتصادیات کے فلسفہ کو نہیں سمجھ سکتے۔ مگر سوال یہ ہے کہ آج سے پچیس سو سال پہلے حزقیل نبی کو کس نے اس فریب اور دغا میں شامل کر لیا تھا۔ آخر یہ کیا بات ہے کہ حزقیل نبی نے آج سے پچیس سو سال پہلے یہ خبر دی جو آج بھی بائیبل میں لکھی ہوئی موجود ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حزقیل نبی کو آج کل کے زمانہ کے لوگوں نے اس فریب میں شامل کر لیا تھا۔ کیا اینٹی کمیونزم پالیسی کو اختیار کرتے وقت ہٹلر نے حزقیلؑ سے منصوبہ کیا تھا۔ یا کیا مسولینی نے کمیونزم کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھنے کے لئے حزقیل سے منصوبہ کر لیا تھا یا کیا انگلستان کی کسی اینٹی کمیونزم پارٹی نے حزقیلؑ سے منصوبہ کر لیا تھا یا امریکہ کے رہنے والوں میں سے کسی شخص میں یہ طاقت تھی کہ وہ آج سے پچیس سو سال پہلے کے کسی نبی سے اپنی تائید میں کوئی خبر لکھوا سکتا۔ اور اگر کسی آدمی میں یہ طاقت ہو سکتی ہے کہ وہ پچیس سو سال پہلے اپنے متعلق کوئی خبر لکھوا دے۔ تو وہ آجکل کے لوگوں سے کیا ڈر سکتا ہے۔ جو شخص ایسا کر سکتا ہے اس کے متعلق یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو بھی ملیا میٹ کر سکتا ہے۔

پس یہ وہ فتنہ ہے جس کا حزقیل نبی کی پیشگوئی میں ذکر آتا ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں جو بہت بڑے فتن پیدا ہونے والے ہیں اُن کی سب نبیوں نے خبر دی ہے۔ گویا آپ نے بھی اس رنگ میں حزقیل نبی کی پیشگوئی کی تائید کر دی۔ یہ امر بتاتا ہے کہ جہاں تک عملی سیاست کا تعلق ہے گو ہمارا کسی حکومت سے کوئی لگاؤ نہیں۔ مگر جہاں تک اس فلسفۂ سیاست کا تعلق ہے خدا اس نظام کا دشمن ہے اور آج سے ہزاروں سال پہلے خدا نے اپنے انبیاء کے ذریعہ اس فتنہ کی اسی لئے خبر دی ہے تاکہ مومنوں کا ایمان مضبوط رہے اور کمزور لوگ مذہب کے خلاف اس تحریک کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو جائیں پس ہماری جماعت کو اس فتنہ کے مقابلہ کے لئے پوری طرح تیار ہو جانا چاہیئے۔ مَیں نے تحریک کی تھی کہ کالجوں کے پروفیسر اس طرف خصوصیت سے توجہ کریں اور وہ لڑکوں کے سامنے اس پر تقریریں کرتے رہیں۔ مَیں نے کہا تھا کہ ہمارے ماہرفن جو اقتصادیات یا مذہب میں مہارت رکھتے ہیں وہ کمیونزم کے اُن اثرات پر روشنی ڈالیں جو اقتصاد اور مذہب پر پڑتے ہیں۔ اسی طرح مَیں نے کہا تھا کہ ہمارے مبلّغ اپنے تبلیغ کے دائرہ کو کمیونسٹ پارٹی کی طرف وسیع کر دیں۔ غرض میں نے جماعت کو اس فتنہ کی اہمیّت بتاتے ہوئے انہیں نصیحت کی تھی کہ وہ اس فتنہ کو مٹانے کے لئے پوری طرح تیار ہو جائیں۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ میری اس نصیحت کا کسی قدر اثر بھی ہوا ہے۔ خصوصًا کاپور جو کمیونزم کا گڑھ ہے وہاں ہماری جماعت کے بعض افراد نے کوشش کی چنانچہ ایک آدمی جو کمیونزم کی طرف مائل تھا احمدی ہو گیا ہے۔ اور مزید تبلیغ جاری ہے۔ اسی طرح اس موضوع پر قادیان میں بھی کچھ لیکچر ہوئے ہیں اندر باہر سے بھی "الفضل" میں بعض مضامین شائع ہوئے ہیں جن میں سے بعض مضمون اچھے تھے اور اس میں مفید معلومات لوگوں کے سامنے پیش کئے گئے تھے۔ مگر یہ کام اس قسم کا نہیں کہ مَیں نے خطبہ پڑھا۔ لوگوں نے دو چار دن توجہ کی اور پھر خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ یہ کام تو ایسا ہے کہ اس میں ہزاروں ہزار آدمی مشغول ہو جانے چاہئیں تب دُنیا میں کچھ حرکت پیدا ہو سکتی ہے جو تنظیم ان لوگوں میں پائی جاتی ہے وہ ایسی ہے کہ ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور ان کے لاکھوں مبلّغ دُنیا میں پائے جاتے ہیں۔ گزشتہ دنوں امریکہ کے ایک اخبار میں شائع ہوا تھا کہ

ہندوستان میں کمیونسٹ خیالات کی اشاعت کے لئے بارہ ہزار مبلغ روس میں تیار کئے جاتے ہیں۔ اس سے تم سمجھ لو کہ اگر بارہ ہزار مبلغ ایک وقت میں روس کے ایک مدرسہ میں تیار کئے جارہے ہیں تو پندرہ بیس سال میں وہ مختلف ممالک میں اپنے کس قدر مبلغ پھیلا چکے ہونگے۔ میں سمجھتا ہوں ان کے مبلغ چار پانچ لاکھ سے کم نہیں ہو سکتے۔ اب بتاؤ وہ کام جو دنیا میں چار پانچ لاکھ باقاعدہ مبلغ علاوہ لاکھوں دوسرے آدمیوں کے کر رہا ہے اگر اس کا مقابلہ کرنے کے لئے پانچ دس آدمی پندرہ بیس دن کام کر کے خاموش ہو جائیں تو اس کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔

پس ضرورت ہے کہ تقریر کے ذریعہ سے، تحریر کے ذریعہ سے، گفتگو کے ذریعہ سے، طلباء کے ذریعہ سے، وکلاء کے ذریعہ سے، ڈاکٹروں کے ذریعہ سے، مزدوروں کے ذریعہ سے، پیشہ وروں کے ذریعہ سے، صنّاعوں کے ذریعہ سے، سیاحوں کے ذریعہ سے، تاجروں کے ذریعہ سے اس تحریک کے وہ تمام پہلو جو مذہب سے ٹکراؤ رکھتے ہیں بیان کئے جائیں اور لوگوں کو بتایا جائے کہ درحقیقت یہ اسلامی اقتصاد کی ایک بگڑی شکل ہے۔ جو کمیونزم کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کی جارہی ہے۔ اسلام نے جو چاہا تھا کہ امیر اور غریب کے فرق کو مٹا کر دنیا میں مساوات قائم کی جائے، غرباء کو آگے بڑھنے کے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ دولت کو چند محدود ہاتھوں میں نہ رہنے دیا جائے اور امراء کو نسلاً بعد نسلٍ اپنی دولت پر قابض نہ رہنے دیا جائے۔ اس نظام کی کمیونسٹ نظام نے ایک نقل اتاری ہے۔ مگر ایسے بھونڈے طریق پر کہ اس نے انسانی آزادی کو کچل دیا ہے۔ اور وہ بلاوجہ مذہب کے خلاف کھڑا ہو گیا ہے۔ جب اس رنگ میں ہر مذہب اور ہر قوم اور ہر فرقہ اور ہر پیشہ اور ہر حرفہ والے کو ہم اپنے خیالات پہنچائیں گے اور متواتر اور مسلسل پہنچائیں گے۔ تب اس کے نتیجہ میں انہیں کمیونزم سے نفرت ہوگی اور تبھی ہماری جدوجہد صحیح نتائج کی حامل ہوگی'' ؎۵

؎۵۔ الفضل ۵؍ ماہ وفا؍ جولائی ۱۳۲۴ھش؍۱۹۴۵ء صفحہ ۳، ۴

ایٹم بم کے استعمال کے خلاف احتجاج

۶ اگست ۱۹۴۵ء کی صبح کو سوا نو بجے اتحادیوں نے جاپان کے اہم صنعتی شہر اور بندرگاہ ہیروشیما پر پہلی بار ایٹم بم استعمال کیا جس سے اس کی چھ لاکھ آبادی میں سے پونے چار لاکھ آدمی ہلاک ہوگئے۔ ۶۰ فیصدی عمارتیں پیوند خاک ہوگئیں۔ اور بم گرنے کے بعد اتنی شدید گرمی پیدا ہوئی کہ اس کی شدت کے دائرہ کے اندر کوئی ذی روح چیز زندہ نہیں رہی۔ کیا انسان کیا حیوان کیا چرند اور کیا پرند سب کے سب جھلس کر خاک ہوگئے۔ اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود کو الہاماً خبر دی گئی تھی کہ "ان شہروں کو دیکھ کر رونا آئے گا"[۱] یہ دردناک نظارہ چشم فلک نے پہلی دفعہ جاپان میں دیکھا۔ بعد ازاں ۹ اگست کو ناگاساکی شہر میں بم نے ہیروشیما سے بھی زیادہ تباہی مچائی۔[۲]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے ۱۰ اگست ۱۹۴۵ء کو ڈلہوزی ایک خطبہ دیا جس میں ایٹم بم ایسے مہلک ہتھیار کے استعمال کے خلاف زبردست احتجاج کیا اور بتایا۔ کہ

"ہمارا مذہبی اور اخلاقی فرض ہے کہ ہم دنیا کے سامنے اعلان کر دیں کہ ہم اس قسم کی خونریزی کو جائز نہیں سمجھتے خواہ حکومتوں کو ہمارا یہ اعلان برا لگے یا اچھا"

نیز فرمایا۔ کہ

ان باتوں کے نتیجہ میں مجھے نظر آرہا ہے کہ آئندہ زمانہ میں جنگیں کم نہیں ہوں گی بلکہ بڑھیں گی اور وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ایٹومک سے بڑی طاقتوں کے ہاتھ مضبوط ہو جائیں گے ان کے مقابلہ میں کوئی جنگی طاقت حاصل نہیں کر سکے گا یہ لغو اور بچوں کا سا خیال ہے ...... یاد رکھو خدا کی بادشاہت غیر محدود ہے اور خدا کے لشکروں کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ لَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ یعنی تیرے رب کے لشکروں کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔ اگر بعض کو اٹومک بم مل گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ کسی سائنسدان کو کسی اور نکتہ کی طرف توجہ دلا دے اور وہ ایسی چیز تیار کرے جس کے تیار کرنے کے لئے بڑی بڑی لیبارٹیوں کی ضرورت نہ ہو بلکہ ایک شخص گھر میں بیٹھے بیٹھے اس کو تیار کرے۔ اور اس کے ساتھ دنیا پر تباہی لے آئے اور اس طرح وہ

---

[۱] بدر ۲۴ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۲، الحکم ۱۰ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۔ [۲] اس سلسلہ میں لندن کے اخباروں میں سے "ڈیلی ایکسپریس" "ڈیلی میل" "ڈیلی ٹیلیگراف" کے نامہ نگاروں نے جو تفصیلات شائع کیں وہ شیخ ناصر احمد صاحب نے الفضل ۱۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں شائع کرا دی تھیں۔

اٹومک بم کا بدلہ لینے لگ جائے "۔

حضور نے اس ضمن میں اہل عالم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس لطیف نکتہ کی طرف بھی توجہ دلائی کہ آگ کا عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے مسلمانوں کو نہیں چاہیئے کہ وہ اپنے دشمن کو آگ سے تعذیب و تکلیف دیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

"تیرہ سو سال پہلے دنیا کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائیوں کے کم کرنے کا راستہ بتایا تھا۔ جب تک دنیا اس راستہ پر نہیں چلے گی لڑائیاں کم نہیں ہوں گی بلکہ بڑھیں گی۔ امریکہ اور یورپ والے امن نہیں پائیں گے جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تعلیم کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ وہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ نہ کہیں گے کہ ہمیں ان آگ کی چیزوں کو ناجائز قرار دینا چاہیئے۔ اس وقت تک حقیقی امن ان کو نصیب نہیں ہوگا" [1]

اٹامک بم کے خلاف بلند ہونے والی یہ پہلی آواز تھی جس کے بعد خود یورپ میں اس کی تائید شروع ہو گئی۔ چنانچہ ایسوسی ایٹڈ پریس امریکہ نے لنڈن سے یہ خبر شائع کی کہ:۔

"برطانیہ کے ۱۳ سرکردہ پادریوں، مصنفوں اور معلموں نے ایک عرضداشت میں جاپان پر اٹامک بم کے حملہ کے خلاف پروٹسٹ کیا۔ ان کے دستخطوں سے یہ پروٹسٹ لنڈن بھر میں تقسیم کیا گیا۔ ان لوگوں نے لکھا ہے کہ اٹیامک بم کا استعمال انسانیت کے ان پاک اصول پر ایک کھلا اور زوردار حملہ ہے جو مسیحی تہذیب اور جمہوری سوسائیٹی نے تمام انسانوں کے لئے مساوی طور پر تجویز کئے ہیں۔ ان دستخط کنندگان میں وزیر ہند کی بیوی لیڈی پیتھک لارنس بھی شامل ہے" [2]

۱۹۶۵ء تک جماعت احمدیہ کے لئے ایک نئے اور انقلابی دور آنے کی حیرت انگیز پیشگوئی

حضرت مصلح موعود کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس زمانہ میں جماعت احمدیہ کے مستقبل کی نسبت جو خبریں دی گئیں ان میں ایک عظیم الشان انکشاف یہ بھی کیا گیا کہ جماعت "اندازاً ۱۳۴۴ ہش/۱۹۶۵ء تک ایک جدید انقلابی دور میں داخل ہونے والی ہے۔ اور اس عرصہ میں اس کی قومی پیدائش کا ہونا مقدر

[1] الفضل ۱۶ ظہور/اگست ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱-۲ [2] پربھات ۲۰ ستمبر ۱۹۴۵ء (بحوالہ الفضل ۲۱ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱-۲)

ہے۔ چنانچہ حضور نے ۲۴ ظہور/اگست ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو خاص اسی موضوع پر ڈلہوزی میں خطبہ پڑھا۔ جس میں پیشگوئی فرمائی۔ کہ

"میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے پچھلے دس سال میں جو باتیں اپنی جماعت کی ترقی اور دُنیا کے تغیرات کے متعلق بتائی تھیں ان کا نتیجہ دُنیا کے سامنے آگیا ہے اور دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ وہ کس طرح لفظ بلفظ پوری ہوئی ہیں۔ اور ان کی تفاصیل اسی طرح وقوع میں آئی ہیں جس طرح میں نے بیان کی تھیں۔ اب میرے دل میں یہ بات میخ کی طرح گڑ گئی ہے کہ آئندہ اندازاً "بیس سالوں میں ہماری جماعت کی پیدائش ہوگی[۱]۔ بچوں کی تکمیل تو چند ماہ میں ہو جاتی ہے اور نو ماہ کے عرصہ میں وہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن بچے کی پیدائش اور قوم کی پیدائش میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک فرد کی پیدائش بے شک نو ماہ میں ہو جاتی ہے لیکن قوموں کی پیدائش کے لئے ایک لمبے عرصہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں آئندہ بیس۲ سال کا عرصہ ہماری جماعت کے لئے نازک ترین زمانہ ہے۔ جیسے بچے کی پیدائش کا وقت نازک ترین وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ لمبا اوقات وقت کے پورا ہونے کے باوجود پیدائش کے وقت کسی وجہ سے بچہ کا سانس رُک جاتا ہے۔ اور وہ مُردہ وجود کے طور پر دُنیا میں آتا ہے۔ پس جہاں تک ہماری قومی پیدائش کا تعلق ہے میں اس بات کو میخ کے طور پر گڑا ہوا اپنے دل میں پاتا ہوں کہ یہ بیس سال کا عرصہ ہماری جماعت کیلئے نازک ترین مرحلہ ہے۔ اب یہ ہماری قربانی اور ایثار ہی ہوں گے جن کے نتیجہ میں ہم قومی طور پر زندہ پیدا ہوں گے یا مُردہ۔ اگر ہم نے قربانی کرنے سے دریغ نہ کیا اور ایثار سے کام لیا اور تقویٰ کی راہوں پر قدم مارا، محبت اور کوشش کو اپنا شعار بنایا تو خدا تعالیٰ ہمیں زندہ قوم کی صورت میں پیدا ہونے کی توفیق دے گا اور اگلے مراحل ہمارے لئے آسان کر دیگا۔"

نیز فرمایا:۔

"خوب یاد رکھو جس دن کسی قوم میں قربانی بند ہوئی وہی دن اُس قوم کی موت کا ہے قوم کی زندگی کی علامت یہی ہوتی ہے کہ وہ قربانیوں میں ترقی کرتی چلی جائے اور قربانیوں سے جی نہ چرائے۔ اگر ہم ساری دنیا کو بھی فتح کر لیں پھر بھی ہمیں اپنے ایمان کو سلامت رکھنے

---

[۱] فرمایا "بیعت کا وقت ...... نہایت سنجیدگی کا وقت ہوتا ہے یہ تو نئی پیدائش کا وقت ہوتا ہے۔" (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۱۵)

اور اپنے ایمان کو ترقی دینے کے لئے قربانیاں کرتے رہنا ہوگا۔ پس میں جماعت کے دوستوں کو آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ جماعت ایک نازک ترین دَور میں سے گزرنے والی ہے۔ اس لئے اپنے ایمانوں کی فکر کرو کسی شخص کا یہ سمجھ لینا کہ دس پندرہ سال کی قربانی نے اس کے ایمان کو محفوظ کر دیا ہے۔ اس کے نفس کا دھوکہ ہے۔ جب تک عزرائیل ایمان والی جان لے کر نہیں جاتا۔ جب تک ایمان والی جان ایمان کی حالت میں ہی عزرائیل کے ہاتھ میں نہیں چلی جاتی اس وقت تک ہم کسی کو محفوظ نہیں کہہ سکتے۔ خواہ وہ شخص کتنی بڑی قربانیاں کر چکا ہو۔ اگر وہ اس مرحلہ میں پیچھے رہ گیا تو اس کی ساری قربانیاں باطل ہو جائیں گی اور وہ سب سے زیادہ ذلیل انسان ہوگا کیونکہ چھت پر چڑھکر گرنے والا انسان دوسروں سے زیادہ ذلت کا مستحق ہوتا ہے۔" [1]

حضرت مصلح موعود کی اہم ہدایات ولائت جانیوالے مبلغین کو۔

چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔اے۔ایل ایل۔بی اور چوہدری عبداللطیف صاحب بی۔اے ۲۹ ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو انگلستان تشریف لے جا رہے تھے۔[2] اس موقعہ پر حضرت مصلح موعود نے ہر دو مبلغین کو اپنے قلم سے نہایت قیمتی ہدایات لکھکر دیں۔

چنانچہ چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ کو ارشاد فرمایا کہ:۔

۱۔ "اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھیں اور اُس پر توکل کا ملکہ پیدا کریں۔

۲۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ذاتی تعلق اور کمال محبت۔

۳۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشن کو نہ بھولیں۔

۴۔ امام وقت خلیفۂ وقت کی اطاعت اور اس سے ذاتی تعلق روحانی ترقی کے لئے ضروری ہے۔

۵۔ ہر واقف اور مجاہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو سلسلہ کا ستون سمجھے اور اپنے آپ کو سلسلہ کی روایات کے قیام کا ذمہ وار قرار دے۔ اس کے بغیر وقف کی نہ غرض پوری ہوتی ہے اور نہ روایات میں تسلسل پیدا ہوتا ہے جو ضروری ہے۔

۶۔ یاد رکھیں کہ کام اور محنت سے کام اور عقل سے کام کرنا اہم ترین فریضہ ہے۔

---

[1] الفضل ۶ر تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ تا ۴۔
[2] الفضل یکم اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

۷۔ علم کی توسیع کرو۔"

چوہدری عبداللطیف صاحب کے لئے مندرجہ ذیل ہدایات تحریر فرمائیں :۔

۱۔ "اللہ پر توکل کرتے ہوئے جاؤ۔ اُس پر ایمان کو مضبوط کرو اور اُس کی محبت کو بڑھاتے رہو۔ یہانتک کہ دل کی آنکھوں۔ دماغ کی آنکھوں اور ماتھے کی آنکھوں سے وہ نظر آنے لگے اور دل و دماغ اور بیرونی کانوں سے اُس کی آواز سنائی دینے لگے۔

۲۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں کے سردار ہیں۔ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن کے خادم ہیں۔ خادم کو آقا سے جُدا نہ سمجھو مگر آقا کو آقا اور خادم کو خادم کا مقام دو اور دونوں کی محبت میں سرشار رہو۔

۳۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں خلیفہ ہی نہیں بنایا بلکہ اس زمانہ میں خدمت اسلام کا کام خاص طور پر ہمارے سپرد کیا ہے اور اسلام کی ترقی ہم سے وابستہ کی ہے اس لئے ہمارا مقام عام خلافت سے بالا ہے۔ ہمارا کام خدا تعالیٰ کے خاص ہاتھ میں ہے۔ ہماری ذاتی عظمت کوئی نہیں۔ نہ ہم اپنے لئے کوئی خاص عزت چاہتے ہیں۔ مگر ہم اللہ تعالیٰ کی تلوار ہیں جو ہمارے سایہ میں لڑتا ہے وہ اپنے لئے جنت کا دروازہ کھولتا ہے جو ہم سے ایک انچ بھی دُور ہٹتا ہے وہ اسلام سے دشمنی کرتا ہے اور اُس کی ترقی میں روک ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے اور ہدایت بخشے۔ خدا تعالیٰ نے کہا کہ اُس کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا جس کے یہ معنے ہیں کہ خود اُس کا وجود پیش کرنا ہی اس وقت اسلام کی ترقی کے لئے مفید ہے۔

۴۔ نمازوں کی پابندی۔ دعاؤں پر زور کو اپنا شعار بناؤ۔

۵۔ اطاعت خواہ کوئی افسر ہو ایمان کا جزو ہے۔ خود افسر ہو تو نیک سلوک کرو۔ دوسرا افسر ہو تو اُس کا اس قدر اعزاز اور احترام کرو کہ دیکھنے والے بغیر کہے کے اُن کا اعزاز کرنے لگیں۔ اسلام کی روح کو ہر ملک میں اور ہر زمانہ میں زندہ رکھنے اور وسیع کرنے کی کوشش کرو۔" [۱]

---

[۱] - الفضل یکم اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳ ؛

جماعت احمدیہ میں اعلیٰ تعلیم کی توسیع کے لئے سکیم۔

حضرت مصلح موعود جماعت احمدیہ کی قیادت اوائل خلافت ہی سے اس رنگ میں فرما رہے تھے کہ احمدیوں کا علمی معیار بلند سے بلند تر ہوتا جائے۔ اس سلسلہ میں آپ ایک نہایت اہم قدم ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں "تعلیم الاسلام کالج" کے دوبارہ اجراء کی صورت میں اٹھا چکے تھے۔ اب اس سال حضور نے ۱۹ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو احمدیوں میں اعلیٰ تعلیم کے عام کرنے کے لئے ایک نہایت اہم سکیم تیار کی جس کا بنیادی نقطہ یہ تھا کہ "جس طرح ہماری جماعت دوسرے کاموں کے لئے چندہ کرتی ہے اسی طرح ہر گاؤں میں اس کے لئے کچھ چندہ جمع کر لیا جائے جس سے اس گاؤں کے اعلیٰ نمبروں پر پاس ہونے والے لڑکے یا لڑکوں کو وظیفہ دیا جائے۔ اس طرح کوشش کی جائے کہ ہر گاؤں میں دو تین طالب علم اعلیٰ تعلیم حاصل کر لیں۔" حضور نے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ جو احمدی اپنے بچوں کو پرائمری تک تعلیم دلوا سکتے ہیں وہ کم از کم مڈل تک اور جو مڈل تک تعلیم دلوا سکتے ہیں وہ کم از کم انٹرینس تک اور جو انٹرنس تک پڑھا سکتے ہیں وہ اپنے لڑکوں کو کم از کم بی۔ اے کرائیں۔" نیز فرمایا کہ "چونکہ ہم تبلیغی جماعت ہیں اس لئے ہمارے لئے لازمی ہے کہ ہم سو فی صدی تعلیم یافتہ ہوں"۔ اسی ضمن میں حضرت مصلح موعود نے صدر انجمن احمدیہ کو ہدایت فرمائی۔ کہ

"وہ فوری طور پر نظارت تعلیم و تربیت کو ایک دو انسپکٹر دے جو سارے پنجاب کا دورہ کریں اور جو اضلاع پنجاب کے ساتھ دوسرے صوبوں کے ملتے ہیں اور ان میں احمدی کثرت سے ہوں ان کا دورہ بھی ساتھ ہی کرتے چلے جائیں۔ یہ انسپکٹر ہر ایک گاؤں اور ہر ایک شہر میں جائیں اور لسٹیں تیار کریں کہ ہر جماعت میں کتنے لڑکے ہیں۔ ان کی عمریں کیا ہیں ان میں کتنے پڑھتے ہیں اور کتنے نہیں پڑھتے۔ ان کے والدین کو تحریک کی جائے کہ وہ انہیں تعلیم دلوائیں اور کوشش کی جائے کہ زیادہ سے زیادہ لڑکے ہائی سکولوں میں تعلیم حاصل کریں اور ہائی سکولوں سے پاس ہونے والے لڑکوں میں سے جن کے والدین استطاعت رکھتے ہوں ان کو تحریک کی جائے کہ وہ اپنے بچے تعلیم الاسلام کالج میں پڑھنے کے لئے بھیجیں"۔ [1]

اس خطبہ کی اشاعت پر نہ صرف بیرونی جماعتوں نے توسیع تعلیم سے متعلق اعداد و شمار کے مطلوبہ نقشے بھجوائے بلکہ اس سکیم کو جلد سے جلد نتیجہ خیز کرنے کے لئے حضرت مصلح موعود کی منظوری سے مولوی سلطان احمد صاحب

---

[1] الفضل ۳۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص ۲ و ۵

اور سید اعجاز شاہ صاحب (انسپکٹران بیت المال) نظارت تعلیم و تربیت میں منتقل کر دئے گئے۔

تعلیمی اعداد و شمار جب حضور کی خدمت میں پیش کئے گئے تو حضور نے ارشاد فرمایا:۔

"ساتھ کے ساتھ ان علاقوں میں تعلیم پر زور دیا جائے۔ جو تعلیم حاصل نہیں کر رہے انہیں تعلیم پر مجبور کیا جائے اور جو کر رہے ہیں انہیں اعلیٰ تعلیم پر"۔

انسپکٹران کی تقرری کے موقعہ پر یہ ہدایت خاص فرمائی کہ

"پانچ ماہ کے لئے منظور ہے جہاں تک میں سمجھتا ہوں اگر جماعت کو منظم کیا جائے تو باقی صیغوں کی طرح اس صیغہ کے سیکرٹری یہ کام سنبھال سکیں گے"۔ [۱]

چنانچہ ان ہر دو احکام کی تعمیل کی گئی اور جب جماعت میں تعلیم کی اشاعت و فروغ کی ایک رو چل نکلی تو پانچ ماہ کے بعد یہ کام سیکرٹریان تعلیم و تربیت کے سپرد کر دیا گیا۔

حضرت مصلح موعود نے احباب جماعت کو تعلیمی میدان میں زیادہ سے زیادہ آگے بڑھانے کے علاوہ مرکزی درسگاہوں کے احمدی اساتذہ کو بچوں کی نگرانی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے فرمایا۔ کہ

"میرے نزدیک اس کی کلی طور پر ذمہ داری سکول کے عملہ پر ہے اور کالج کے لڑکوں کی ذمہ داری کالج کے عملہ پر ہے۔ اگر سکول یا کالج کا نتیجہ خراب ہو اور کالج یا سکول کا عملہ اس پر عذر کرے تو میں یہ کہوں گا یہ منافقانہ بات ہے اگر لڑکے ہوشیار نہیں تھے اگر لڑکے محنت نہ کرتے تھے اور اگر لڑکے پڑھائی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے تو اُن کا کام تھا کہ وہ ایک ایک کے پاس جاتے اور اُن کی اصلاح کرتے۔ اگر وہ متوجہ نہ ہوتے تو ان کے والدین کو اس طرف متوجہ کرتے اور انکو مجبور کرتے کہ وہ تعلیم کو اچھی طرح حاصل کریں۔ ہماری جماعت کے لئے اعلیٰ تعلیم کا حصول اب بہت ضروری ہے۔ اگر ہم میں اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ ہوں گے تو ساری سکیم فیل ہو جائے گی"۔ [۲]

یورپ کی روحانی فتح کے لئے نو مبلّغین کا سفر انگلستان اور پریس میں چرچا

۱۸ ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء کا دن سلسلہ احمدیہ کی تاریخ کے اعتبار سے ایک غیر معمولی دن تھا۔ کیونکہ اس دن خدا کے فضل و کرم سے

---

[۱] :۔ الفضل ۵ ماہ احسان/جون ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۴ کالم ۳ و ۴۔

[۲] :۔ الفضل ۳۰ صلح/جنوری ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲۔

پونے تین بجے کی گاڑی سے نو[1] واقفین یورپ کی روحانی فتح کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ مرکز احمدیت سے اتنی بڑی تعداد میں مبشرین اسلام کا قافلہ بیرونی ممالک کی طرف بھیجا گیا ہو۔ قافلہ میں حسب ذیل واقفین شامل تھے:۔

ملک عطاء الرحمٰن صاحب (امیر قافلہ)۔ چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ۔ حافظ قدرت اللہ صاحب۔ چوہدری اللہ دتہ (عطاء اللہ) صاحب۔ چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر۔ چوہدری محمد اسحٰق صاحب ساقی۔ مولوی محمد عثمان صاحب۔ ماسٹر محمد ابراہیم صاحب۔ مولوی غلام احمد صاحب بشیر۔

مجاہدین تحریک جدید کا یہ قافلہ ۱۴ رماہ صلح / جنوری ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء کو انگلستان کی بندرگاہ لورپول پر اترا۔ یوسٹن اسٹیشن پر مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن نے معہ احباب جماعت اس کا پر تپاک استقبال کیا۔ اور انگلستان کے اخبارات مثلاً "ڈیلی سکیچ"۔ "دی سٹار"۔ "ڈیلی ایوننگ پیپر" نے ان کی آمد کا جلی عنوان سے ذکر کیا اور تصویر شائع کی[3]۔ برطانوی پریس کے علاوہ مشہور امریکن خبر رساں ایجنسی "گلوب" نے کسی قدر تفصیلی اور رائیٹر نے قدرے مختصر الفاظ میں اس وفد کے سرزمین انگلستان میں آنے کی خبر دی۔ چنانچہ "گلوب" نے لکھا:۔

"انگلستان میں پٹنی کی مسجد کو ہندوستان کی جماعت احمدیہ کے مرکز دعوت و تبلیغ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جنگ کی وجہ سے یورپ میں جماعت احمدیہ کی تبلیغ اسلام کا سلسلہ رُکا ہوا تھا مگر اب اُسے پھر شروع کر دیا گیا ہے (اس میں اضافہ کیا گیا ہے) ملک عطاء الرحمٰن کے زیر قیادت نو مبلغوں کا دستہ قادیان سے یہاں پہنچ چکا ہے۔ جنہیں برطانیہ۔ فرانس۔ ہسپانیہ۔ جرمنی اور اٹلی میں بھیج دیا جائیگا۔ جماعت احمدیہ کا مرکز قادیان ہے جو پنجاب میں واقع ہے۔ توقع ہے کہ وہاں سے اور مبلغ بھی یہاں پہنچ جائیں گے اور انہیں ہنگری، ہالینڈ اور دوسرے مغربی ممالک میں بھیجا جائے گا۔

یہ مبلغین کا دستہ پٹنی کی مسجد میں فروکش ہے۔ تبلیغ کے لئے باہر بھیجے جانے سے پہلے انہیں اس مسجد میں تربیت دی جائے گی۔ اس تربیت میں ان ممالک کی زبان بھی شامل ہے جہاں انہیں

---

[1] - انگلستان جانیوالے واقفین کے ساتھ مولوی بشارت احمد صاحب نسیم بھی تھے جن کی روانگی کا فیصلہ اسی روز ہوا اور انکو صرف چند گھنٹوں کے اندر اندر تیار ہو کر عازم افریقہ ہونا پڑا۔ علاوہ ازیں مولوی نذیر احمد علی صاحب رئیس التبلیغ مغربی افریقہ (معہ اہل و عیال) صبح کی گاڑی سے لاہور تشریف لے گئے اور لاہور سے شریک قافلہ ہو گئے۔ اس طرح جماعت مبلغین کی تعداد گیارہ تک پہنچ گئی۔ [2] - الفضل ۱۹/۱۸ فتح / دسمبر ۱۳۲۴ہش / ۱۹۲۵ء۔ الفضل ۱۴ صلح / جنوری ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۸۔

[3] - الفضل ۱۷ رماہ صلح / جنوری ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۲

دائیں سے بائیں ۔۱۔ حافظ قدرت اللہ صاحب ۔۲۔ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ ۔۳۔ ملک عطاء الرحمٰن صاحب ۔۴۔ شیخ
عبدالطیف صاحب ۔۵۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس ۔۶۔ ملک کرم الٰہی صاحب ظفر ۔۷۔ چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ ۔۸۔ سید
سفیرالدین احمد صاحب ۔۹۔ چوہدری محمد اسحٰق صاحب ساقی ۔۱۰۔ مولوی محمد عثمان صاحب

مرزا منور احمد صاحب واقف زندگی مبلغ امریکہ کی قادیان دارالامان کے اسٹیشن سے روانگی
(بائیں طرف دروازہ میں سید عبدالباسط صاحب کارکن خدام الاحمدیہ مرکزیہ کھڑے ہیں)

تبلیغ کے لئے جاتا ہے۔ اس کے علاوہ انہیں مغربی رسم و رواج اور مغربی طرز زندگی سے بھی آگاہی حاصل کرنی ہے۔

مسجد کے امام مولوی جلال الدین شمس سیکھوانی نے "گلوب" کے نمائندے سے بیان کیا کہ ہمارے خیال میں اسلام کو یہ بہت بڑا موقع ملا ہے کہ یورپ میں امن بحال کرے۔ جنگ نے یورپ کا کچومر نکال دیا ہے۔ ہمارے مبلغ پُرامن طریقوں سے اسلام کے نصب العین اور نظریوں کی تبلیغ کریں گے۔ کتابیں تقسیم کی جائیں گی اور تقریریں ہوں گی۔ مختلف انجمنوں سے وابستگی کا سلسلہ قائم کر کے تبادلہ خیال ہوتا رہے گا۔ مغربی مصنفوں نے ہمارے مذہب کو غلط پیش کیا ہے۔ ہم نے اس کے خلاف بھی مصروف جہاد ہونا ہے اہل مغرب نے اسلام کو غلط سمجھا ہے۔ اب ہمارا یہ کام ہے کہ ہم اسلام کی صحیح تصویر پیش کریں۔

جماعت احمدیہ کا صرف یورپین شعبہ ہی اپنی سرگرمیوں کو تیز تر نہیں کر رہا بلکہ کرۂ ارض کے طول و عرض میں مبلغ بھیجے جا رہے ہیں۔ ایک احمدی تبلیغی وفد سید سفیر الدین بشیر احمد کی زیر قیادت مغربی افریقہ جانے والا ہے۔

ٹپنی کی مسجد میں تربیت کا انتظام مسٹر مشتاق احمد باجوہ کے سپرد ہے جو حال ہی میں قادیان سے یہاں پہنچے ہیں۔ آپ امام جلال الدین شمس کے جانشین ہوں گے جو مراجعت فرمائے قادیان ہو رہے ہیں

رائٹر نے خبر دی کہ:۔

"لورپول سے بارہ احمدی مبلغین کی ایک جماعت کل بہت رات گئے لورپول سے لنڈن پہنچی اور ٹپنی کی مسجد میں تبلیغی نقشہ تیار کر رہی ہے۔ یہ حضرات ہندوستان سے "سٹی آف اگزیٹر" جہاز میں لورپول پہنچے تھے۔ مسجد ٹپنی کے امام اس جماعت کے تیرھویں ممبر ہیں۔ یہ تیرہ کے تیرہ مسجد کے خوشنما صحن میں چہل قدمی کرتے رہے اور تجویزیں مرتب کرتے رہے۔ یہ حضرات انگلستان میں چھ مہینے گزاریں گے اور یورپ کی زبانیں سیکھیں گے۔ انہیں تین سال یورپ میں گزارنے ہوں گے اس کے بعد وہ قادیان واپس چلے جائیں گے اور ان کی جگہ اور لوگ آجائیں گے۔ اس جماعت کا سب سے کم عمر رکن مسٹر چوہدری (۲۲ سال) اور سب سے بڑے کی عمر ۴۴ سال ہے۔ یہ سب کے سب احمدی ہیں اور ان کی آمد سے برطانوی جرائد نگاروں کے لئے دلچسپی کا نیا سامان پیدا ہو گیا ہے۔ ان کا لباس خوشنما ہے اور ان کے سروں پر سفید اور سبز پگڑیاں بھلی معلوم ہوتی ہیں۔" لے

لے:۔ بحوالہ الفضل ۱۹ ر صلح ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۹ کالم ۳-۴ ؛

مصر کے اخبارات میں ذکر

مصر کے مشہور اور ممتاز مجلہ "اخبار العالم" ۶ر فروری ۱۹۳۶ء نے ان مجاہدین اسلام کے تین فوٹو شائع کئے۔ اور "مسلمانان ہند کا وفد لنڈن میں" کے عنوان سے لکھا:۔

"گذشتہ ماہ جنوری کے آغاز میں انگلستان میں ہندوستان سے ایک اسلامی تبلیغی وفد پہنچا ہے تاکہ وہ اہل یورپ اور انگلستان کو دین اسلام کے متعلق علم دے سکے۔ اس وفد کے ممبران مسلمانان پنجاب کی ایک جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس ہندوستانی تبلیغی وفد نے مسجد لنڈن کی زیارت کی اور مولانا شمس صاحب امام مسجد لنڈن نے اُن کو اھلاً وسھلاً و مرحبا کہا۔ ہم اسی صفحہ پر بعض تصاویر جو وفد کے قیام لنڈن کے دوران لی گئی ہیں شائع کر رہے ہیں۔

سب سے اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس تبلیغی وفد میں سے ایک گروپ اٹلی جائیگا اور دوسرا فرانس کو۔ اور تیسرا جرمنی اور چوتھے گروپ کا قیام برطانیہ میں ہی ہوگا۔ یہ یقینی امر ہے کہ اس تبلیغی وفد کی قابل رشک مساعی سے اہل یورپ اسلام کو شناخت کر سکیں گے۔" اس کے بعد تین فوٹو مختلف مناظر کے دیئے۔

دوسرا جریدہ اخبار "الیوم" "التبشیر بالاسلام فی اروبا" کے عنوان سے لکھتا ہے :۔

"یورپ میں تبلیغ اسلام" لنڈن (یورپ) میں تیرہ مسلمانان ہند تشریف لائے ہیں۔ اُن کے آنیکا مقصد اہل یورپ کو جنہیں مادیات نے بالکل تباہ و برباد کر دیا ہے تبلیغ اسلام کرنا ہے۔ یہ وفد مخلص نوجوانوں پر مشتمل ہے جو اپنے مذہب کے شیدائی اور عاشق ہیں اور دین اسلام کے پھیلانے میں بڑے دلیر۔ اس وفد کے ممبران میں سے سب سے بڑی عمر والا ۳۴ سال کا ایک فرد ہے باقی سب اس سے چھوٹی عمر کے ہیں۔

سب سے پہلے لنڈن میں ان کا ورود ہوا۔ یہاں ان کا قیام چھ ماہ ہوگا۔ اس دوران میں وہ یورپ کی اہم زبانوں کی تعلیم حاصل کریں گے۔ بعد ازاں وہ دو دو اور تین تین افراد کی پارٹیوں میں تقسیم ہو کر یورپ کے مختلف اطراف میں تبلیغ اسلام کریں گے۔ سب سے پہلے ایک پارٹی سپین میں جائیگی۔ وہ سپین جس کے اکثر باشندوں میں ابھی تک عربی خون باقی ہے اور جو ہمیشہ اس بات کا ذکر کرتے رہتے ہیں کہ ان کے آباء و اجداد دین اسلام پر قائم تھے۔ یہ وفد بطور مہمان کے اس وقت مولانا شمس صاحب امام مسجد لنڈن کے ہاں مقیم ہے۔

مولانا شمس ایک ہندوستانی عالم ہیں اور علوم اسلامیہ کے فاضل۔ آپ کا برطانیہ میں قیام تبلیغ اسلام کی خاطر ہے۔ آپ کی مساعی سے بعض انگریزوں نے مذہب اسلام قبول کیا ہے جن میں سے بعض اچھے

اور مشہور ادیب ہیں ۔

مولانا شمس نے بیان دیتے ہوئے فرمایا یورپ کو مذہب کی سب سے زیادہ ضرورت ہے تاکہ یورپ اپنا علاج کر سکے ۔ اور اپنے مضطرب قلب کو تسکین دے سکے ۔ اس مقصد کی انجام دہی کے لئے اسلام اپنے اندر بہت بڑی طاقت رکھتا ہے جس کا مقصد دنیا کو امن کے راستہ پر چلانا ہے ۔ اور ان مبلغین کا کام یہی ہو گا کہ وہ اسلامی عقائد کی تفصیل اور اغراض بیان کریں ۔

یورپ کے مذہبی اداروں نے اس تحریک کے متعلق خاص اہتمام کا اظہار کیا ہے ۔ جس کی مثال سابقہ زمانے میں نہیں پائی جاتی اور اس خوف و خدشہ کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اہل یورپ میں کو ایک معقول تعداد مذہب اسلام قبول کر لے ۔ کیونکہ اس وقت اکثر لوگوں کا عقیدہ (عیسائیت) تبدیل ہو چکا ہے ۔ یہاں تک کہ انگلش چرچ بھی اس امر پہ مجبور ہو رہا ہے کہ وہ اہل برطانیہ میں مسیحیت کی تبلیغ قائم رکھنے کے لئے دس لاکھ پاؤنڈ خرچ کرے ۔

ایک معزز انگریز پادری نے مجھے کہا کہ میں ہر اس تحریک کو خوش آمدید کہتا ہوں جو کسی دینی عقیدہ کے اختیار کرنے کی طرف دعوت دیتی ہو ۔ کیونکہ میں عظیم اسلامی فیلسوف ابن رشد کے اس نفیس قول کو یاد رکھتا ہوں کہ :۔

> "دیندار انسان کا اعتماد کر ۔ اگرچہ وہ تمہارے عقیدہ پہ نہ ہو ۔ اور بے دین انسان کا اعتماد نہ کر ۔ اگرچہ وہ یہ دعویٰ کرتا ہو کہ میں تمہارے مذہب پہ قائم ہوں ۔"

جامعہ ازہر میں بھی اس تبلیغی وفد کی وجہ سے ہلچل پیدا ہوئی اور لکھا گیا کہ یہ کام در اصل ہمارا ہے ۔ گو ظاہری الفاظ میں تو جماعت احمدیہ کے متعلق اظہار نہیں کیا گیا ۔ مگر حقیقت شناس اصحاب سے یہ امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا ۔ چنانچہ مصر کے مشہور ادبی مجلہ "الرسالۃ والروایۃ" (۴ مارچ ۱۹۴۶ء میں) احمد الشرباصی المدرس للازہر الشریف کا ایک مکتوب بنام "الاستاذ الاکبر شیخ الجامع الازہر" شائع ہوا ۔ اس میں آپنے رئیس الازہر کی خدمت میں واضح طور پہ لکھا کہ ازہر کا ایک فرد بھی تبلیغ اسلام کی خاطر بیرون مصر نہیں بھیجا گیا ۔ حالانکہ یہ کام جامعہ ازہر سے زیادہ تعلق رکھتا ہے بہ نسبت دوسری جماعتوں کے ۔ چنانچہ مفصل خط میں سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے ۔ علامہ

موصوف نے لکھا:۔

"اما الأزهر الشريف الّذي يحتاج الى البعاث اكثر من غيره فلم نر من ابنائه فرداً واحداً يرسل الى الخارج في بعثة من البعثات"

یعنی ازہر شریف کو بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ضرورت ہے کہ وہ بیرون مصر تبلیغی وفد بھیجے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جامعہ ازہر سے ایک فرد بھی باہر نہیں بھیجا جاتا"۔

پھر لکھا:۔

"إنّ الأزهريّين في امسّ الحاجة الى دراسة اللغات الأجنبية والى الوقوف على شبه المستشرقين والملحدين ليدفعوا عن دينهم والى معرفة الوان الحياة الإجتماعية والثقافية عند الغربيين"۔

یعنی طلباء ازہر کو اجنبی زبانیں سیکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ نیز مستشرقین و ملحدین کے اعتراضات معلوم کرنیکی بھی، تاکہ جامعہ ازہر کے طلباء دین اسلام پر ہونیوالے اعتراضات کا جواب دے سکیں۔ اور اہل مغرب کی ثقافت۔ تمدن اور سوشل زندگی کی معلومات حاصل کر سکیں۔

پھر حسرت بھرے الفاظ میں اس خط کو ان الفاظ پر ختم کیا:۔

"فمتى يتمكّنون من تحقيق هذه الأهداف"۔

اہل ازہر کب اس مقصد اور غرض کو حاصل کر سکیں گے! (ترجمہ) [1]

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کی اہم تقریر جلسہ سالانہ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کے موقعہ پر۔

۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کا پورا سال اشتراکیت کے خلاف قلمی و علمی جہاد کا سال تھا۔ جس میں جماعت احمدیہ کے اہل قلم اصحاب نے اپنے محبوب امام ہمام کی زیر ہدایت اشتراکیت کی حقیقت کو بے نقاب کرنے کی مخلصانہ جدوجہد کی۔ اس سلسلہ میں پہلی بار سالانہ جلسہ کے موقعہ پر ایک خاص تقریر "اشتراکیت کے اقتصادی اصول کا اسلامی اقتصادی اصول سے موازنہ" کے اہم موضوع پر رکھی گئی۔ جو حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے جلسہ کے دوسرے دن (۲۷ ماہ فتح/دسمبر کو) ارشاد فرمائی۔

حضرت صاحبزادہ صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے اپنی تقریر کے آغاز میں بتایا کہ اشتراکیت صبح کاذب ہے جو صبح صادق

---

[1] الفضل ۱۱ مئی ۱۹۴۶ء صفحہ ۵۔ (ملخص از مضمون جناب شیخ نور احمد صاحب منیر مبلغ بلاد عربیہ)۔

کے آنے کی خوشخبری دیتی ہے جس کے سامنے صبح کاذب کا وجود نہیں ٹھہر سکتا۔ اس بنیادی نقطہ کی وضاحت کے بعد آپ نے کارل مارکس کے معاشی نظریہ مساوات کے مندرجہ ذیل سات اصول کا تذکرہ فرمایا:۔

۱۔ پیداوار اور ذرائع پیداوار پر قبضہ۔ ۲۔ طاقت کے مطابق کام۔ ۳۔ ضرورت کے مطابق آمد۔

۴۔ نفع ممنوع اور سود جائز۔ (۵) ورثہ ناجائز۔ (۶) نظام زر کی تباہی۔ (۷) شخصی ملکیت کا خاتمہ۔

حضرت صاحبزادہ صاحب نے ان میں سے ایک ایک اصول کو لیا اور پھر واقعات سے ثابت کیا کہ یہ سب اصول بُری طرح ناکام ہو چکے ہیں۔

مارکس نظریہ اور اس کے مبادیات کا واقعاتی اور عقلی جائزہ لینے کے بعد آپ نے اسلامی اقتصادیات کے اہم اصولوں پر مفصل روشنی ڈالی اور اس ضمن میں سب سے پہلے بتایا کہ اسلام میں مساوات کی صحیح تعریف یہ ہے کہ ضروریات زندگی کے حصول میں سب مساوی ہوں اور ان کے جسمانی اور دماغی قوٰی کو کمال تک پہنچانے کے سامان مہیا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے نہایت شرح و بسط سے غلامی کا انسداد، نظامِ وراثت کا قیام اور سود، احتکار، قیمتیں گرانے یا کم قیمت پر مال خریدنے کی ممانعت وغیرہ متعدد اسلامی اصولوں پر روشنی ڈالی اور اس نقطہ پر خاص طور پر زور دیا کہ اسلامی اقتصادیات میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ایک بین الاقوامی تمدن کی بنیاد رکھتی ہے۔ دنیا میں آج تک کوئی اقتصادی تحریک جاری نہیں ہوئی جسے صحیح معنوں میں بین الاقوامی کہا جا سکتا ہو۔ سرمایہ داری اور امپریلزم کے ملکی ہونے میں تو کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ اشتراکیت جسے لوگ بین الاقوامی تحریک سمجھتے ہیں اور جس کا کبھی خود بھی یہی دعویٰ تھا بین الاقوامی تحریک نہیں سمجھی جا سکتی۔ اس لئے کہ آج اشتراکیت۔ روسی اشتراکیت کا نام ہے اور روسی اشتراکیت کے مقاصد میں سے یہ ایک مقصد نہیں کہ دنیا میں اشتراکیت کو قائم کیا جائے۔ مارچ ۱۹۳۶ء میں جب مسٹر آر۔ ہاورڈ نے سٹالن سے یہ سوال کیا۔ کہ کیا سوویٹ یونین نے عالمگیر اشتراکی انقلاب کے ارادے اور اس کا پروگرام اب چھوڑ دیا ہے؟ تو سٹالن نے جواب دیا کہ دنیا میں اس قسم کا انقلاب پیدا کرنے کا ہمارا کبھی بھی ارادہ نہ تھا۔ (سوویٹ یونین ۱۹۳۶ء صفحہ ۵۰-۵۱)

...... اسلام اس کے برعکس بوجہ ایک مذہبی تحریک ہونے کے ملک ملک، نسل نسل اور قوم قوم میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ اسلام عالمگیر تبلیغ اور اشاعت کی بنیادوں پر قائم ہے اور اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ جس طرح وہ اپنے پہلے دور میں دُنیا کے بہت سے ممالک میں پھیل گیا اور ایک شاندار بین الاقوامی برادری اُس نے قائم کی اپنے دورِ ثانی میں بھی وہ تمام دُنیا پر چھا جائیگا۔"

حضرت صاحبزادہ صاحب کی یہ اہم تقریر مندرجہ ذیل پُرشوکت الفاظ پر ختم ہوئی:۔

"دراصل احمدیت کا آخری ٹکراؤ اشتراکی روس کے ساتھ مقدر ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے لکھا ہے کہ زار روس کا عصا میرے ہاتھ میں آگیا ہے۔ اشتراکی نظام میں یقیناً یہ خوبی ہے کہ وہ سرمایہ داری کی بھیانک تصویر کے خلاف ایک بھاری ردّ عمل ہے مگر پنڈولم کی حرکت کی طرح وہ دوسری انتہا کی طرف نکل گیا ہے اور شائد سرمایہ داری سے بھی زیادہ خطرناک بننے والا ہے"۔ [1]

فصل چہارم

۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں انتقال کرنیوالے مشہور اور جلیل القدر صحابہ

اِس سال جن صحابہ نے انتقال کیا ان میں سب سے نمایاں شخصیت حضرت نواب محمد علی خانصاحب کی تھی جن کے حالات پر اس باب کے شروع میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اب ذیل میں دوسرے جلیل القدر صحابہ کا ذکر کیا جاتا ہے:۔

۱۔ حضرت مرزا محمد شفیع صاحب محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان:۔

(ولادت ۱۸۷۷ء اندازاً۔ بیعت تحریری سنہ ۱۹۰۱ء۔ وفات ۱۷ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء) [2] دہلی میں پیدا ہوئے اور اپنی تعلیم اپنے ماموں حکیم فدا محمد صاحب طبیب شاہی مہاراجہ جموں و کشمیر کے زیر تربیت جموں میں حاصل کی۔ اور اسی زمانہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مولانا نورالدین ؓ سے نیاز حاصل ہوئے۔ سلسلہ احمدیہ سے آپ کا تعارف حضرت حکیم انوار حسین صاحب آف بلب گڑھ کے والد ماجد کے ذریعہ ہوا اور آپ نے اُن سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصانیف لے کر مطالعہ کیں اور سنہ ۱۹۰۱ء میں بیعت کر لی۔ آپ کا نام بیعت کنندگان کی فہرست میں اخبار الحکم ۱۰ جون سنہ ۱۹۰۱ء کے صفحہ ۱۶ پر درج ہے۔ آپ ان دنوں جگادھری ضلع انبالہ میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں آپ پہلی بار قادیان میں تشریف لائے اور سیدنا حضرت مسیح موعود کی زیارت سے فیضیاب ہوئے اور پھر بالالتزام ہر سالانہ جلسہ پر آتے رہے۔

---

[1] :۔ تقریر کا مکمل متن الفضل (۳۔۴ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء) میں درج ہے۔ [2] :۔ الفضل ۱۸ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

حضرت مرزا محمد شفیع صاحب موصوف کو سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر کا بہت شوق تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام کتب اور خلفاء کی کتابیں آپ نے پڑھی ہوئی تھیں۔ آپ کا معمول تھا کہ جو کتاب نئی شائع ہوتی فوراً خرید لیتے اور جب تک اُسے ختم نہ کر لیتے آپ کو چین نہ آتا تھا۔ کتب حضرت مسیح موعود کے علاوہ اُس مبارک زمانہ میں شائع ہونے والے اخبارات اور رسائل کا بھی باقاعدگی سے مطالعہ کیا کرتے تھے اور اپنی اولاد کو ہمیشہ تاکید فرماتے رہتے تھے کہ سلسلہ کے لٹریچر کا مطالعہ کیا کرو۔ یہ تمہیں بہت فائدہ دے گا۔

سلسلہ احمدیہ، حضرت مسیح موعود، حضرت مصلح موعود، حضرت امّ المومنین اور دیگر افراد خاندان حضرت مسیح موعود سے آپ کو غایت درجہ محبت و عقیدت تھی اور اُن کی خدمت اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ جب آپ پہلے دہلی میں مقیم تھے تو خاندان مسیح موعود کے اکثر افراد کی خدمت آپ ہی انجام دیتے تھے۔ پھر جب ۱۹۲۲ء میں قادیان ہجرت کر کے تشریف لے آئے تو اپنی اس روایت کو پوری شان سے جاری رکھا قادیان میں آپ نے یکم جنوری ۱۹۲۴ء سے اپریل ۱۹۳۲ء تک بحیثیت آڈیٹر کام کیا اور اس کے بعد وفات تک محاسب صدر انجمن احمدیہ کے عہدہ پر فائز رہے اور اس کام کو قابلِ رشک طریق پر نہایت عمدگی سے نبھایا؛

۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء میں آپ پر نمونیہ کا حملہ ہوا۔ پھر گُردے کی تکلیف ہو گئی۔ دو دفعہ موتیا بند کا اپریشن کرانا پڑا اور ماہ صلح / جنوری ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء میں حبس البول کی تکلیف میں بھی مبتلا ہو گئے۔ جس کے علاج کے لئے ۱۸ ماہ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کو دہلی[1] تشریف لے گئے اور ہسپتال میں داخل ہو گئے۔ ہسپتال میں داخل ہونے سے لیکر وفات تک قریباً پندرہ بیس دفعہ اپنے فرزند مرزا منور احمد صاحب (مجاہد تحریک جدید) کو تاکید فرمائی کہ "دیکھو مرنا جینا ہر ایک کے ساتھ ہے اگر میں مر جاؤں تو مجھے ہرگز یہاں امانتاً دفن نہ کرنا بلکہ قادیان لے جانا اور اگر خدانخواستہ لیجانے میں کوئی روک ہو یا باوجود کوشش کے کوئی انتظام نہ ہو سکے تو پھر حضرت صاحب سے پوچھ کر امانتاً دفن کرنا۔ اور پھر لگے رہنا جب تک کہ مجھے قادیان نہ پہنچا دینا"۔

آخر خدا کی مشیت پوری ہو کر رہی اور ۱۰ صلح / جنوری ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء کو آپ دہلی میں ہی انتقال فرما گئے ۱۹ صلح / جنوری

[1] دہلی روانہ ہونے سے دو روز قبل اپنے ہاتھ سے مندرجہ ذیل وصیت لکھی تھی:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ چونکہ میں اپریشن کیلئے دہلی جا رہا ہوں اور زندگی کا انحصار نہیں اس لئے یہ یادداشت تحریر کرتا ہوں میں ایمان لاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود، مہدی مسعود نبی اللہ ہیں۔ اے اللہ میری وفات اُن کی غلامی میں ہو اور میں مقبرہ بہشتی میں دفن ہو جاؤں۔ یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے۔ مرزا محمد شفیع ۱۶/۴۴"۔

کو آپ کی نعش قادیان پہنچائی گئی اور حضرت مصلح موعود نے بعد نماز جمعہ ایک بڑے مجمع کے ساتھ مدرسہ احمدیہ کے صحن میں جنازہ پڑھایا اور کندھا دیا اور آپ قطعہ خاص بہشتی مقبرہ میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ [1] و [2]

۲۔ چوہدری بدرالدین صاحب آف راہوں ضلع جالندھر محلہ دارالبرکات قادیان سابق مبلغ ساندھن ضلع آگرہ:۔

(بیعت وزیارت ۱۹۰۵ء۔ وفات ۹/امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء) [3]

چوہدری صاحب نے یکم دسمبر ۱۹۳۷ء کو اپنے حالات قلمبند کئے جن میں لکھا:۔

"یہ خاکسار آریہ سماج کے زہریلے اثر سے پورے طور پر متاثر ہو چکا تھا۔ ۱۹۰۳ء کے قریب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور لیکھرام کے مباہلہ کے ذریعہ سے زندہ ہو کر ۱۹۰۵ء تک احمدیہ لٹریچر کا مطالعہ کر کے بیعت میں داخل ہوا۔ حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہونے کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کے اور حضرت اقدس علیہ السلام کے خوش ہونے کا کونسا ذریعہ ہے؟ مولوی صاحب ممدوح نے فرمایا کہ میں تو ذریعہ پوچھنے سے ہی خوش ہو گیا اور حضرت صاحب کو بار بار خط لکھنا ان کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔ اسلئے میں نے حضرت کے حضور بے شمار خط لکھے بعض دفعہ ہفتہ میں چار پانچ خط تحریر کرتا تھا۔ میں نے یہ کام جب تک قادیان میں نہیں پہنچا حضرت اقدس علیہ السلام اور حضرت خلیفہ اوّل کے حضور برابر خط لکھنے کا جاری رکھا.... میں ۱۹۱۳ء سے قادیان میں ہوں اب تک صدر انجمن کے مختلف شعبوں میں کام کرتا رہا ہوں اور اس وقت یکم دسمبر ۳۷ء کو ساندھن علاقہ آگرہ کا انچارج مبلغ ہوں"۔ [4]

۳۔ حضرت حافظ محمد الدین صاحب ساکن چہور مغلیاں (چک ۱۱۷ متصل سانگلہ ہل):۔

وفات:۔ ۱۷/ماہ احسان ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء) [5]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے حضرت حافظ صاحب کے جنازہ غائب کے موقعہ پر فرمایا:۔

---

[1] ۔ مرزا منور احمد صاحبؓ مجاہد تحریک جدید نے اپنے والد ماجد کے مفصل حالات لکھے تھے جو الفضل ۲۹۔۳۰/امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں شائع شدہ ہیں اس سلسلہ میں متن اور حاشیہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اسے اس مضمون کا ملخص سمجھنا چاہیئے۔

[2] ۔ حضرت مرزا محمد شفیع صاحب کی اولاد (۱) امۃ اللطیف صاحبہ حرم حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب و والدہ ماجدہ حضرت سیدہ ام متین صاحبہ (۲) مرزا محمد احمد صاحب مرحوم (۳) مرزا احمد شفیع صاحب (شہید ۲/اکتوبر ۱۹۴۷ء) (۴) رشیدہ بیگم صاحبہ زوجہ مرزا عزیز احمد صاحب آف لاہور۔ (۵) مرزا منور احمد صاحبؓ مبلغ امریکہ (۶) امۃ المجید صاحبہ اہلیہ محمد اسمٰعیل صاحب بقاپوری کراچی۔ [3] الفضل ۱۰/امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱ کالم ۳ + [4] روایات صحابہ" جلد ۱ صفحہ ۱۲ تا ۱۵ ایضاً روایات صحابہ جلد ۷ صفحہ ۹۸ تا ۱۰۱۔ نرینہ اولاد:۔ چوہدری عطاء اللہ صاحب۔ چوہدری قمرالدین صاحب۔ چوہدری جمال الدین صاحب۔ [5] الفضل ۲۰/احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱۔

"حافظ محمد الدین صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پُرانے صحابی تھے اور مخلص احمدی تھے"۔

آپ کے داخل احمدیت ہونے کی موجب پنجابی اشعار کی ایک کتاب "سچ بیان" تھی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر اتنے پُر اثر رنگ میں کیا گیا تھا کہ آپ نے فوراً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر لی۔ آپ کے ذریعہ چک چہور میں ایک مخلص جماعت قائم ہو گئی آپ کے علم و تقویٰ کا غیر احمدیوں پر بھی بہت اثر تھا اور وہ آپ کا حد درجہ احترام کرتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب نے ۲ر اپریل ۱۹۰۶ء کو وصیت کر دی تھی۔ آپ کا وصیت نمبر ۸۴ تھا۔ جونہی حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر چک چہور میں پہنچی۔ آپ نے محض اپنی فراست و بصیرت کی بناء پر اپنے خدا کے حضور سیّدنا محمود کی بیعت کا اقرار کیا۔ اور اس وقت تک چین نہ آیا جب تک دوسری اطلاع نہیں مل گئی کہ جماعت نے حضور کو ہی خلیفہ چُنا ہے۔ حضرت حافظ صاحب شہادت/اپریل ۱۳۲۰ہش ۱۹۴۱ء میں عارضہ فالج میں مُبتلا ہوئے۔ اور ۷ر احسان/جون ۱۳۲۴ہش ۱۹۴۵ء کو سرسام بھی ہو گیا اور چند گھنٹوں میں خالق حقیقی سے جا ملے اگلے روز آپ کے فرزند قریشی محمود احمد صاحب[۵۱] شام کی گاڑی سے نعش لاہور سے قادیان لائے اور دوسرے دن صبح بہشتی مقبرہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔[۵۲]

۴۔ ابو المنظور حضرت مولوی حاجی محمد دلپذیر صاحب بھیروی :۔

بیعت :۔ قریباً ۱۹۰۵ء[۵۳] ۔ وفات ۱۸ر احسان/جون ۱۳۲۴ہش ۱۹۴۵ء[۵۴]

ڈاکٹر منظور احمد صاحبؓ بھیروی اپنے والد ماجد کی سوانح پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :۔

"آپ کا نام والدین نے محمد امین رکھا تھا۔ بچپن میں جب آپ کریما پڑھا کرتے اور آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

زباں تا بود در دہاں جائے گیر ؎ ثنائے محمدؐ بود دلپذیر

تو اس وقت آپ نے ارادہ کیا کہ اگر مجھے بھی شعر کہنا آجائے تو مَیں اپنا تخلص دلپذیر رکھوں گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ نے شعر و شاعری میں وہ کمال حاصل کیا کہ پنجابی زبان میں آپ سے پہلے شعراء

---

[۵۱] :۔ حال ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور۔ آپ ایک عرصہ تک قائد مجلس لاہور کے کامیاب فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔

[۵۲] :۔ الفضل ۹ر وفا/جولائی ۱۳۲۴ہش ۱۹۴۵ء صفحہ ۶۔

[۵۳] :۔ سنہ بیعت کی تعیین حضرت مولوی صاحب کے مندرجہ ذیل تحریری پیغام سے کی گئی ہے :۔

"قادیان ۱۲/۵/۴۵ ۲۸ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے عرصہ چالیس سال سے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوا ہوں اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے تمام دعاوی کی تصدیق کرتا ہوں اور آپ کو سچا مانتا ہوں آپ لوگوں کو بھی چاہیئے کہ مان لیں یہ وقت غنیمت ہے"۔ فقط (دستخط) محمد دلپذیر بھیروی مصنف کتاب گلزار یوسف وغیرہ۔ (مطبوعہ الفضل ۱۹ر فروری ۱۹۴۶ء صفحہ ۱)

[۵۴] :۔ الفضل ۶ر تبلیغ ۱۳۲۵ہش ۱۹۴۶ء صفحہ ۵۔

ہیں اتنا سلیس اور اتنا دلچسپ رنگ کسی نے پیدا نہیں کیا ۔ آپ کا نام پنجاب میں اتنا مشہور اور معروف ہے کہ بچہ بچہ جانتا ہے اور پنجاب کے لوگ جہاں جہاں بھی گئے آپ کی تصانیف بھی وہاں پر پہنچیں ۔ چنانچہ عرب میں بھی جہاں اس زبان کو کوئی جانتا تک نہیں جب آپ پہلی مرتبہ ۱۳۳۶ھ / ۱۹۲۱ء میں حج کعبہ سے مشرف ہونے کے لئے گئے تو جتنے دن وہاں رہے وہ پنجابی احباب جو خاص مکہ میں سکونت قائم کر چکے تھے صبح و شام برابر دعوتیں کرتے رہے ۔ انہوں نے صرف تصانیف کے ذریعہ سُنا ہوا تھا کوئی ذاتی واقفیت نہ تھی ۔ آپ نے اس سارے سفر اور حج کے احکام کو پنجابی نظم میں لکھا جو رہنمائے حج کے نام سے شائع ہو چکی ہے اور دوسری دفعہ ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء میں صرف زیارت مدینہ کے لئے گئے کیونکہ پہلی دفعہ وہاں حاضر نہ ہو سکے تھے ۔ اس سفر اور مدینہ طیبہ کے حالات کو جنہیں آپ نے گلزار مدینہ کے نام سے ایک کتاب منظوم میں مفصل لکھا ہے ۔ وہ بھی چھپ چکی ہے ۔ آپ نے ایک سو سے اُوپر کتابیں نظم میں لکھی ہیں اور آج تک کسی پنجابی شاعر کی اسقدر تصانیف ثابت نہیں ۔ قریباً ستّر سال آپ نے قلم چلایا ۔ آپ کی جسقدر بھی تصانیف ہیں سب کی سب مذہبی تعلیم کی کتابیں ہیں ۔ مسلمانوں کی دنیاوی اور دینی بہبودی کو ہر تصنیف میں آپ نے مدّنظر رکھا ۔ شرک اور بدعت کو ہر رنگ میں قوم سے دُور کرنے کی کوشش کی ہے ۔

آپ نے قرآن کریم کی آیات کی بناء پر خطبات جمعہ اور عیدین مرتب کر کے پنجابی نظم میں پہلی بار پیش کئے ۔ اس سے پہلے کسی نے نہیں کئے اور وہ خطبات اسقدر رائج ہوئے کہ پُرانی طرز کے خطبے اب بالکل مفقود ہیں اور آپ کے ہی خطبات غیر احمدی علماء اکثر مساجد میں پڑھ کر سنایا کرتے ہیں ۔

سارے قرآن کریم کی تفسیر بھی آپ نے پنجابی نظم میں لکھی ہے جو پنجاب کے نیچے اور بچیوں کے لئے نہایت مفید ہے اور یہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تعلیم کی روشنی میں لکھی گئی ہے ۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے صحابہ میں سے تھے ۔ حضور کی زندگی میں کئی کئی دن قادیان میں آکر رہا کرتے ۔ آپ پہلی دفعہ قادیان میں اُس وقت آئے جب حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ جموں سے قادیان آ گئے تھے ۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ آپ کی والدہ صاحبہ کے رضاعی بھائی تھے اور آپ کے والد صاحب کے شاگردوں میں سے تھے ۔ ماں بیٹا قادیان میں حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

ملنے کے لئے آئے اور بیعت کرکے واپس گئے۔ بعد میں کئی بار قادیان میں حضور کی زندگی میں آئے اور کئی کئی دن حضور کی صحبت میں رہے اور جلسہ سالانہ پر بھی ضرور اہتمام کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ملاقات کرنے کے سوا واپس نہ جاتے۔ آپ نے آخری وقت میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں آخری سلام عرض کرنے کی وصیت فرمائی جو حضور کی خدمت میں پہنچا دیا گیا۔

آپ کا وعظ اور آپ کی تصانیف غیر احمدیوں میں بہت ہی مقبول ہوئیں۔ آپ ہمیشہ تصانیف۔ وعظوں اور ملاقاتوں میں ایسے رنگ میں احمدیت کا ذکر کرتے کہ جسے لوگ شوق سے سُن لیا کرتے۔"[۱]

ابوالمنظور حضرت مولوی محمد دلپذیر صاحب رضی اللہ عنہ کا پیدا کردہ پنجابی لٹریچر:۔

معجزات محمدی۔ کامن النساء (اوّل۔ دوم)۔ خوان یغما۔ گلزار محمدی۔ گلزار یوسف۔ شرح دیوان حافظ۔ کشفِ غطا۔ تفسیر پارہ عم۔ شرح کبریت احمر۔ درود دارواحی۔ احوال الآخرت۔[۲] نماز مترجم منظوم پنجابی۔ سیہرفی مسیح دی۔ اقبال مہدی۔ وفات نامہ حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ۔ دربار مہدی۔ اسلامی شادی معہ تردید رسومات ختنہ۔ شہادت نامہ شہید فی سبیل اللہ حضرت مولوی نعمت اللہ خان رضی اللہ عنہ مبلغ احمدی۔ جینڈڑی۔ نیزہ احمدی (اوّل۔ دوم)۔ حق آوازہ۔ فقیر دی صدا۔ فریاد اسلام۔ ڈھنڈورہ احمدی۔ گلزار بصیرہ۔ خیال دلپذیر۔ گلزار مکہ۔ رقعات دلپذیر۔ تفسیر ترجمۃ القرآن (۱ تا ۱۰ پارہ)۔[۳] مورکھ سیدھ۔

۵۔ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری:۔

(ولادت ۸۰-۱۲۷۹ھ / ۶۳-۱۸۶۲ء۔ بیعت ۱۹۰۷ء۔ وفات ۲۰ ظہور/اگست ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء)[۴]

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب نے مڈل اسکول پورینی (ضلع بھاگلپور) سے ۱۸۷۷ء میں مڈل ورنیکلر کا

---

[۱]:۔ الفضل ۶ تبلیغ/فروری ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء۔ صہ ۵

[۲]:۔ ان سب کتابوں کا تذکرہ حضرت مولوی صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب منظوم "احوال الآخرت" صہ ۱۷۲-۱۷۳ پر فرمایا ہے: احوال الآخرت کا سن تصنیف شوال ۱۳۱۶ھ مطابق فروری۔ مارچ ۱۸۹۹ء ہے اور اسے سب سے پہلے ملک ہیرا تاجر کتب کشمیری بازار لاہور نے شائع کیا تھا۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولوی صاحب اس وقت تک سلسلہ احمدیہ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ گو انہوں نے اس میں کھلے لفظوں میں لکھا کہ چاند سورج گرہن کا نشان رمضان ۱۳۱۱ھ میں آنحضرت کی پیشگوئی کے عین مطابق پورا ہو چکا ہے (صہ ۸۴ طبع اوّل)

[۳]:۔ رسالہ "واذا الصحف نشرت" صہ ۲۴-۲۳ مرتبہ جناب میاں عبدالعظیم صاحب تاجر کتب قادیان۔

[۴]:۔ الفضل ۶ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء صہ ۶

امتحان پاس کرکے گورنمنٹ اسکالرشپ حاصل کیا۔ درس نظامیہ میں عربی تعلیم کی تکمیل حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی سے کی۔ بعد ازاں ۱۹۰۱ء میں علامہ شبلی نعمانی کے ذریعہ (جو مولانا صاحب کے زمانہ طالبعلمی کے دوست تھے) علی گڑھ کالج میں بعہدہ ڈین[1] (DEAN OF FACULTY) مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۴ء میں بھاگلپور کالج کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور ۱۹۳۸ء میں ریٹائر ہو کر اپنے وطن مالوف موضع پورینی میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ظہور کی خبر آپ کو مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری محمڈن مشنری سے ملی تھی۔ داخل احمدیت ہونے کے بعد آپ کو مولوی محمد علی کانپوری ثم مونگیری سے سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کئی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ جن میں "مرۃ العربیہ" "القواعد" اور "القائے ربانی" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ موخر الذکر کتاب مولوی محمد علی صاحب کی کتاب "فیصلہ آسمانی" کے جواب میں ہے اور ایک بیش قیمت تصنیف اور قابل قدر چیز ہے۔

حضرت مولوی صاحب کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آپ کی دختر نیک اختر سارہ بیگم صاحبہ کو اپریل ۱۹۲۵ء میں اپنی زوجیت کا شرف بخشا[2]

۶۔ حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب پنشنر محلہ دارالعلوم قادیان۔ وطن مالوف دمر مکوٹ رندھاوا ضلع گورداسپور

(وفات:۔ ۲۰ ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)[3]

حضرت ڈاکٹر صاحب احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی جیتی جاگتی تصویر اور بہترین نمونہ تھے۔ اپنی شکل و شباہت۔ اخلاق و عادات، غریب پروری اور غیروں سے حسن سلوک کی وجہ سے آپ کی پوری زندگی مجسم تبلیغ تھی۔ کیپٹن کے عہدہ پر ممتاز ہونے کے باوجود آپ کا لباس بالکل سادہ تھا، سر پہ پگڑی، لمبا کوٹ، سیدھا پاجامہ اور پاؤں میں دیسی جوتی۔ ایک بار ہکیریاں ضلع ہوشیارپور میں تبلیغ کے لئے گئے تو مخالفین نے آپ پر گند پھینکا اور بہت زدوکوب کیا۔ جب آئے تو ڈاکٹر ملک ممتاز احمد خان صاحب نے افسوس کا اظہار کیا فرمانے لگے۔ "ایہہ ماراں تے گالیاں کیتھوں" یعنی یہ ماریں اور گالیاں کہاں۔ حالانکہ تکلیف سخت تھی اور ماتھے اور آنکھ کی چوٹیں سامنے نظر آ رہی تھیں[4]

حضرت شاہ صاحب کیمل پور میں بھی کیپٹن کے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز رہے۔ یہاں بھی آپ کو محض احمدیت کے باعث اذیتیں دی گئیں۔ مگر آپ نے احمدیت کا ایسا عمدہ نمونہ دکھایا کہ لوگ آپ کے گرویدہ ہوگئے۔ آپ نے باقاعدہ

---

[1]:۔ شعبہ کا سربراہ۔ [2]:۔ الفضل ۲۳ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص ۴ (ملخصاً از مضمون محمد احسان الحق صاحب آف پورینی ضلع بھاگلپور)۔ [3]:۔ الفضل ۲۱ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص ۱ کالم ۲۔

[4]:۔ الفضل ۲۰ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص ۴۔

ہر کس و ناکس کو دن رات چوبیس گھنٹوں میں کلی اجازت دے رکھی تھی کہ جس وقت بھی ضرورت پڑے آجائیں۔ آپ کے اخلاق کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی چوہڑا بھی آپ کے پاس حاضر ہوا تو اُس کو بھی آپ کہکر نہایت پیاری اور محبت سے لبریز آواز سے مخاطب فرماتے تھے۔ انجمن احمدیہ کیمل پور ہسپتال سے تین میل کے فاصلہ پر تھی اور پھر رستہ خراب تھا مگر آپ صبح، عصر اور شام کی نماز کے لئے پا پیادہ بلا ناغہ تشریف لے جاتے۔ اور ہر قابل امداد کی امداد اس کو علم دیئے بغیر لگاتار کرتے رہتے تھے۔ کبھی اُونچی نظر اُٹھا کر نہ دیکھتے۔ غرباء سے اُن کا حسن سلوک انتہائی عمدہ تھا۔ کیمل پور کی احمدیہ جماعت ان کو فرشتہ شاہ صاحب کے نام سے یاد کیا کرتی تھی۔ آپ کی آمد سے کیمل پور کی جماعت میں پھر سے زندگی کے نمایاں آثار پیدا ہو گئے۔ [۵]

۷۔ حضرت میاں خدا بخش صاحب گوندل نمبردار موضع کوٹ مومن ضلع سرگودھا:۔

(وفات ۱۴/۱۵ فتح / دسمبر ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء)

علاقہ کریانہ بار کے اولین صحابہ میں سے تھے اور حافظ قرآن تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی کتابوں خصوصاً آپ کی تفسیر کبیر کے مطالعہ کا خاص التزام فرماتے اور رات کا بیشتر حصہ نوافل کی ادائیگی اور تلاوت کلام الٰہی میں بسر ہوتا تھا۔ آپ موصی بھی تھے اور احمدیت اور نظام خلافت سے والہانہ محبت رکھتے تھے۔ حضرت مصلح موعود نے وقف جائیداد کی تحریک فرمائی تو آپ نے حضور کی خدمت میں لکھا:۔

"میرے مکرم و مرشد سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضور کے غلام نے آپ کا خطبہ جمعہ مورخہ ۱۸ ربیع الاول کا کل مورخہ ۳/۴ کو پڑھا.... آپ کا اعلان خدا تعالیٰ کے دین کے لئے جائیدادیں وقف کرنے کی تحریک پڑھکر دل کو اس قدر خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ میری جائیداد قریب قریب اس وقت بوجہ جنگ کے دو لاکھ کی ہے (۲۰۰۰۰۰/- روپیہ) میں خدا کے دین کی اشاعت کے لئے بسم اللہ کرکے وقف کرتا ہوں۔ یہ جائیداد کیا چیز ہے میرا سر بھی اس کام کے لئے حاضر ہے..... تابعدار میاں خدا بخش نمبردار کوٹ مومن تحصیل بھلوال ضلع شاہ پور سرگودھا۔"

۲۳ ماہ صلح / جنوری ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء کو آپ نے اپنی زرعی زمین سے ایک کنال کا رقبہ صدر انجمن احمدیہ کے نام رجسٹری کرا دیا اور اس میں مسجد احمدیہ کی تعمیر شروع کی مگر اُدھر یہ مسجد پایۂ تکمیل تک پہنچی اِدھر واپسی کا بلاوا آگیا۔ اپنی زندگی کے آخری

---

[۵] الفضل ۱۰ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۳ و ۴۔

دن جمعہ کی نماز ادا کر کے دوستوں کو تاکید کی کہ سالانہ جلسہ کے بابرکت ایام قریب آرہے ہیں۔ چندہ جلسہ جلد سے جلد ادا کر دیا جائے نیز مجھ سے بھی جلد وصول کر لیا جائے۔ یہ چندہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادہ میاں گل محمد صاحب بی۔ اے (داماد میاں محمد شریف صاحب ریٹائرڈ ای۔ اے۔ سی نے ادا کر دیا۔ [1]

۸۔ حضرت سیٹھ شیخ حسن صاحب یادگیر ضلع گلبرگہ حیدرآباد دکن :۔

(ولادت ۱۲۵۱ھ/۳۶-۱۸۳۵ء) ؛ (بیعت قریباً ۱۸۹۹ء) ؛ (وفات ۲۷ ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء بمقام مدینہ منورہ) [2]

حضرت سیٹھ صاحبؓ حضرت مولوی میر محمد سعید صاحب حیدرآبادی کے ذریعہ داخل احمدیت ہوئے۔ قبول حق سے قبل پنجوقتہ نماز کے بھی عادی نہ تھے مگر احمدی ہونے کے بعد آپ میں ایسا زبردست روحانی انقلاب پیدا ہو گیا کہ بقول مؤرخ احمدیت حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی آپ زمرہ ابدال میں شامل ہو گئے۔ زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں آپ کو تین بار زیارت قادیان کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور حضرت اقدس کی پاک صحبت سے فیض اٹھانے کا موقعہ ملا۔ آپ کا معمول مبارک تھا کہ آپ حضرت مسیح موعود کے زمانہ سے کثرت سے غیر احمدیوں کو اپنے اخراجات پر قادیان لے جایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ نے تھوڑے ہی عرصہ بعد یکے بعد دیگرے دینی تعلیم کے لئے قادیان کو طلباء کے دستے بھیجنے شروع کر دیئے اور ان کے ہر قسم کے اخراجات کی ذمہ داری خود قبول فرمائی اور اس سلسلہ میں پہلے طالبعلم عبدالکریم صاحب ولد عبدالرحمن صاحب یادگیر تھے جو حضرت مسیح موعود کے معجزہ شفایابی کے زندہ نشان بنے اسی طرح مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مولوی فاضل یادگیری بھی اسی زمرہ میں شامل تھے جو پوری عمر خدمت سلسلہ کے لئے وقف رہے۔ نیز سیٹھ معین الدین صاحب چنتہ کنٹہ بھی!

حضرت عرفانی نے "حیات حسن" میں اُن ۵۱ طلبہ کی فہرست دی ہے جنکو حضرت سیٹھ صاحب نے قادیان میں تعلیم دلوائی نیز تحریر فرمایا ہے۔ کہ

> "سلسلہ کی تاریخ میں یہ سنہری الفاظ میں لکھا جائیگا اور اس کی کوئی نظیر سلسلہ کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ کہ ایک شخص واحد نے وقت واحد میں قریباً پچاس طالبعلموں کے تمام اخراجات کی ذمہ داری لے کر اُن کو دینی تعلیم کے لئے بھجوایا ہو"۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کو حضرت سیٹھ حسن کے جذبات ایثار و سلسلہ کے لئے قربانی اور فدائیت کا اس قدر یقین تھا کہ حضور سلسلہ کی اہم مالی ضروریات کے لئے بہ نفس نفیس آپ کو مخاطب فرماتے اور اپنے قلم

---

[1] ۔ الفضل ۸ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء ص۸۔ الفضل ۱۱ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء ص۸ ؛

[2] :۔ الفضل ۲۶ ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص۳ ؛

سے خطوط لکھتے تھے۔ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے نے "اصحابِ احمد" جلد اوّل میں حضور کے متعدد اہم مکتوبات کا چربہ دیا ہے۔

آپ کو تبلیغ سلسلہ کا بے پناہ جوش اور شوق تھا۔ آپ نے ۱۹۱۹ء سے یادگیر میں سالانہ جلسوں کی بنیاد رکھی۔ پہلا جلسہ آپ نے اپنے کارخانہ چاند مارک بیڑی واقعہ محلہ دستگیر پلیٹھ میں کیا۔ جلسوں کا یہ سلسلہ اب تک نہایت کامیابی سے جاری ہے۔ ان جلسوں کی ایک بھاری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بعض اخص صحابہ بھی شرکت فرما چکے ہیں جن میں بعض کے نام یہ ہیں:۔ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب، حضرت حافظ روشن علی صاحب، حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔ حضرت شیخ محمد یوسف صاحب مدیر "نور"۔ حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب نیر۔ حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب کٹکی وغیرہ۔ حضرت سیٹھ صاحب ان سالانہ جلسوں کو اپنے لیے اور اپنے خاندان کے لئے یوم عید سمجھتے تھے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے۔ "مومن کی عید یہی ہے کہ وہ خدا کے پیغام کو پہنچائے۔ یہی اس کی خوشی کا دن ہے"۔ آپ نے سلسلہ کی اشاعت اور عوام میں مذہبی اور علمی مذاق پیدا کرنے کے لئے یادگیر کے بازار میں ایک شاندار احمدیہ لائبریری بھی قائم کی۔ احمدیہ لیکچر ہال اور احمدیہ مہمان خانہ تعمیر کرایا۔ یادگیر اور چنتہ کنٹہ میں مساجد بنوائیں۔ تبلیغ سلسلہ کے لئے آپ نے ایک انتظام یہ بھی فرمایا کہ ۱۹ مقامات پر اپنے کارخانہ کی شاخیں قائم کیں اور ان کارخانوں کے انتظام و اہتمام کے لئے سب ملازم احمدی مقرر کئے تاکہ وہ اپنے حلقہ اثر میں سلسلہ کی تبلیغ کریں۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں بعض جگہ نئی جماعتیں بھی قائم ہو گئیں جن میں چنتہ کنٹہ ضلع محبوب نگر دکن کی جماعت بھی ہے۔ جو بجائے خود ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ اڈیکر (ضلع محبوب نگر) کرنول (صوبہ مدراس) کی تمام جماعتیں آپ کی تبلیغ سے قائم ہوئیں۔ سیٹھ محمد حسین صاحب بغیت کنٹہ (آپ کے برادر نسبتی) اور حضرت سیٹھ محمد غوث صاحب (آپ کے چچیرے بھائی) آپ ہی کے اثر سے شامل احمدیت ہوئے۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام، خلفائے احمدیت و علمائے سلسلہ کی تالیفات خرید کر تقسیم کر دیتے تھے اور مرکزی اخبارات کی اعانت کے لئے ہمیشہ آمادہ رہتے۔ دینی کتب کے مصنفین کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ سینکڑوں قرآن شریف اور دوسری دینی کتابیں غریبوں اور ناداروں میں مفت تقسیم کیں۔

حضرت سیٹھ صاحب عمر بھر سلسلہ احمدیہ کی ہر تحریک میں نہایت کشادہ دلی اور انشراح صدر کے ساتھ نمایاں اور سرگرم حصہ لیتے رہے۔ مئی ۱۹۴۳ء میں اپنی جائیداد کے دسویں حصہ کی وصیت فرمائی۔ نیز مجاہدین تحریک جدید میں بھی شامل ہوئے اور اس مالی جہاد میں قریباً چار ہزار ایک سو چھیاسی روپے پیش کئے۔ اس کے علاوہ آپ نے

مندرجہ ذیل مرکزی تحریکات کیلئے بھی چندہ دیا۔ مسجد نور، دار الضعفا[۱] - تحریک تراجم قرآن (پانچہزار روپیہ) کمرہ نور ہسپتال (پانچ سو روپیہ) مینارۃ المسیح (ایک سو روپیہ) مزید برآں آپ نے مقامی طور پر سلسلہ احمدیہ اور مفاد عامہ کے لئے بے دریغ اخراجات کئے۔ جن سب کی مجموعی رقم حضرت عرفانی صاحب کے تخمینہ کے مطابق ۳ لاکھ ترپن ہزار تک جا پہنچتی ہے۔ حضرت سیٹھ صاحب کو ایک بار تجارت میں لاکھوں روپے کا شدید نقصان ہوا۔ مگر آپ نے اس مالی ابتلاء میں بے نظیر صبر و استقلال کا نمونہ دکھایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت دی کہ آپ فوت نہیں ہونگے جب تک آپ کی تجارت پہلے جیسی نہیں ہو جائے گی۔ چنانچہ آپ نے اپنی وفات سے پہلے یہ آسمانی بشارت پوری ہوتی دیکھ لی۔

حضرت سیٹھ صاحب ۱۶ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو اپنی زوجہ محترمہ رسول بی بی صاحبہ اور اپنے داماد مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل وکیل کے ہمراہ سفر حج پر تشریف لے گئے۔ مرکز اسلام مکہ معظمہ (دام اللہ برکاتہا) میں آپ کا قیام رباط حسین بی میں تھا۔ ایک مہینہ سے زائد مکہ مکرمہ میں رہے اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ قیام مکہ کے دوران اپنے داماد مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل وکیل سے فرمایا "اس مقام کے آدمی تو آدمی ہیں۔ جانور بھی پیارے لگتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہمارے رسول کی تخت گاہ میں بسنے والے جانور ہیں اگر ہو سکے تو ہمیں یہاں کے چھوٹے بڑے جانور ایک ایک ہندوستان لے جانے چاہئیں۔ ابھی آپ مکہ معظمہ میں ہی فروکش تھے کہ بخار میں مبتلا ہو گئے۔ اور نقاہت بھی بہت ہو گئی۔ اسی حالت میں مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ اور مسجد نبوی کے قریب "رباط افضل الدولہ" میں مقیم ہوئے۔ یہاں پہنچکر آپ کی بیماری تشویشناک صورت اختیار کر گئی۔ بیماری کے دوران فرمایا کہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیر یا جمعہ کو جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ مدینۃ النبی میں پہنچنے کے تیرھویں دن مورخہ ۱۲ محرم ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۷ دسمبر ۱۹۴۵ء بروز پیر انتقال فرما گئے۔ اور جنت البقیع میں حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے پیچھے اور سیدنا حضرت عثمانؓ کے مزار مبارک کے قریب دفن کئے گئے۔ اس طرح سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کا ایک جلیل القدر صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قدموں میں پہنچ گیا۔ حضرت سیٹھ شیخ حسن صاحب برصغیر کے پہلے صحابی ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے جسمانی قرب کا یہ اعزاز نصیب ہوا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

حضرت سیٹھ صاحب مستجاب الدعوات، شب بیدار اور صاحب کشف و رؤیا بزرگ تھے، سادگی اور

---

[۱] حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنے منظوم سفرنامہ مطبوعہ ۱۹۱۹ء میں یادگیر پہنچنے اور سیٹھ صاحب کے چندہ دینے کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔

انکساری میں یکتائے روزگار اور جرأت و غیرت[۱] میں نابغۃ الدھر۔ آپ کی زندگی غرباء پروری اور خدمت خلق کا ایک مثالی نمونہ تھی اور آپ اکثر اوقات صدقات و خیرات خفی طور پر دینے کے عادی تھی۔ ہمیشہ یہی فرماتے کہ یہ میری دولت نہیں بلکہ یہ خدا کے فضلوں کی دولت ہے یہ اسی کی ہے اور اسی کے بندوں پر خرچ ہونی چاہیئے۔

حضرت سیٹھ صاحب کی وفات ایک عظیم قومی المیہ تھا جس کو جماعت احمدیہ کے افراد ہی نے محسوس نہیں کیا۔ بلکہ غیر احمدی اور غیر مسلم طبقوں نے بھی اس پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور اس بلند پایہ شخصیت کو زبردست خراج تحسین ادا کیا۔[۲]،[۳]۔

۹۔ حضرت حاجی میاں محمد موسیٰ صاحب نیلہ گنبد لاہور:۔

(ولادت ۱۸۷۲ء[۴] (بیعت ۱۹۰۲ء)۔ وفات ۲۴ رماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء[۵])

حضرت حاجی صاحبؓ اپنے قبول احمدیت کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

"بیعت کرنے سے چھ سات ماہ پہلے میں قادیان گیا اس وقت میرے رشتہ داروں نے وہاں پر جانے کی سخت مخالفت کی تھی اور مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں وہاں پر جاکر مرزا صاحب کے گھر سے کوئی کھانا نہ کھاؤں اور نہ ہی بیعت کروں .... قادیان میں جاکر میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ سے ملا اور حضور علیہ السلام کی ملاقات بھی ہوئی اور حضور سے مصافحہ کیا اور کچھ باتیں بھی کیں جواب زیادہ زمانہ گذر جانے کی وجہ سے یاد نہیں رہیں۔ تین نمازیں بھی حضور کے ہمراہ مولوی عبدالکریم صاحب کی اقتدا میں پڑھیں مجھ پر اس وقت آپ کی صداقت کا بہت اثر ہوا گو میں نے اپنے رشتہ داروں سے وعدہ کرنے کی وجہ سے بیعت نہ کی.....

چھ سات ماہ کے بعد میں نے حضرت صاحب کی خدمت میں لکھا کہ عام لوگوں کے لئے آپ کی صداقت کا معلوم کرنا

---

[۱]:۔ اس سلسلہ میں سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدرآبادی کا بیان کردہ ایک واقعہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے نے "اصحاب احمد" جلد اول صفحہ ۲۲۳ پر لکھا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

[۲]:۔ حضرت سیٹھ صاحب کی نرینہ اولاد سیٹھ محمد عبدالحی صاحب (مرحوم) سیٹھ محمد الیاس صاحب (امیر جماعت احمدیہ یادگیر)۔

[۳]:۔ حضرت سیٹھ صاحب کے مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو (۱) حیات حسن (مؤلفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی) مطبوعہ اسلامی پریس بازار نورالامرا حیدرآباد دکن یوم النحر ۱۳۷۰ھ مطابق ستمبر ۱۹۵۱ء۔ (۲) اصحاب احمد جلد ا (مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے) مطبوعہ ۱۹۵۱ء۔ مطبع گیلانی لاہور۔

[۴]:۔ "تاریخ احمدیت لاہور" صفحہ ۲۹۶۔ مرتبہ حضرت شیخ عبدالقادر صاحبؓ۔ مطبوعہ فروری ۱۹۶۶ء

[۵]:۔ الفضل ۲۵ رماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

بہت مشکل ہے آپ قسم کھا کر تحریر فرمادیں کہ آپ وہی مسیح موعود ہیں جن کی دنیا کو انتظار ہے ۔ اس پر حضور نے اس لفافہ کی پشت پر تحریر فرمایا کہ میں وہی مسیح موعود ہوں جن کا وعدہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے ۔ لعنت اللہ علی الکاذبین ۔ خاکسار مرزا غلام احمد بقلم خود ۔ یہ خط جب یہاں پہنچا تو مجھے منشی محبوب عالم صاحب نے آواز دیکر کہا کہ آپ کا خط آگیا ہے میں وہ خط لیکر اندر گیا اور اپنے اہل وعیال کو صاف صاف کہدیا کہ میں اب بیعت کرنے لگا ہوں ۔ اگر کسی کو عذر ہو تو وہ اس وقت بیان کر دے ۔ یا وہ علیحدہ ہو جائے چنانچہ میری بیوی اور بچوں نے سب نے اس وقت بیعت منظور کرلی اور میں نے سب کی طرف سے خط لکھدیا ۔ میری والدہ صاحبہ زندہ موجود تھیں مگر وہ اس وقت لاہور میں نہ تھیں انہوں نے پھر بعد میں بیعت کی اسکے بعد ... میں قریباً ایک ہفتہ کے بعد قادیان گیا ..... اس موقعہ پر میں وہاں پر چند روز ٹھہرا اور حضور علیہ السلام کی دستی بیعت بھی کی۔"[۱]

حضرت حاجی صاحبؓ ابتداء ہی میں نظام الوصیت میں شامل ہو گئے تھے اور جیسا کہ آپ کا بیان ہے آپ کی وصیت کا پہلا نمبر ۱۶ تھا مگر چونکہ پل کا چندہ دیر سے بھیجا گیا تھا اسلئے ۶۵ نمبر پر آپ کا نام لکھا گیا ۔

ایک بار حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ کی دکان واقع نیلا گنبد پر بھی تشریف لائے ۔ حضور کچھ دیر کھڑا رہنے کے بعد ایک کرسی پر دکان سے باہر رونق افروز ہوئے اور پانی نوش فرمایا ۔ اس موقعہ پر حضرت حاجی صاحب نے حضور کی خدمت میں ایک پونڈ بھی پیش کیا جسے حضور نے دو ایک دفعہ عذر کرنے کے بعد قبول فرمالیا ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے ۔ ایک بار آپ لاہور سے قادیان گئے اور اپنے ہمراہ بستر نہ لے جا سکے ۔ حضرت حافظ حامد علی صاحب کے ذریعہ سے حضور کو اطلاع پہنچی تو حضور نے اپنی رضائی انکو بھجوادی ۔ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی تقریب نکاح پر حضرت مسیح موعود نے لاہور سے جن مخلصین کو بلایا اُن میں آپ بھی شامل تھے ۔ ایک بار حضرت اقدس نے اپنے ایک کمرہ کی تعمیر کی نگرانی کا فریضہ بھی آپ کے سپرد فرمایا ۔ آپ کو کئی دفعہ حضور کو دابنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی ۔[۲]

حضرت حاجی صاحب کی زندگی کا ایک خاص واقعہ یہ بھی ہے کہ آپ نے ۱۹۱۵ء سے لیکر ۱۹۲۲ء تک کوشش کی کہ قادیان میں ریل جاری ہو جائے ۔ اس کوشش میں آپکا قریباً بارہ تیرہ ہزار روپیہ صرف ہوا ۔ آپ نے اس غرض کیلئے ونڈوٹ کالری کی لائن کی نیلامی پر بولی دی جو بارہ میل کی لائن تھی ۔ ایسا ہی ایک دفعہ آگرہ کی طرف بھی بولی میں شامل ہوئے اور

---

[۱] ۔ "روایات صحابہ" جلد ۱۱ صفحہ ۸۰ ، (غیر مطبوعہ)۔

[۲] ۔ "روایات صحابہ" جلد ۱۱ صفحہ ۱۱ تا ۱۵ (غیر مطبوعہ)۔ حضرت حاجی صاحب کی یہ خود نوشت روایات حضرت شیخ عبدالقادر صاحب نے "تاریخ احمدیت لاہور" صفحہ ۲۹۶ تا صفحہ ۳۰۱ میں بھی شائع فرمادی ہیں۔

اسکے بعد ڈپٹی کمشنر گورداسپور اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے پاس بھی بارہا دفعہ پہنچے اور اس لائن کے لئے سوال اُٹھایا ۔ بلکہ ایک انجنیئر ساتھ لے کر سری گوبندپور تک سروے بھی کیا اور باقاعدہ نقشہ تیار کروادیا ۔ ایک تجویز یہ بھی کی کہ ایک کمپنی جاری ہو جسکے حصہ دار ہوں اور وہ اس ریلوے کو جاری کردیں آخر جب اس قسم کی درخواست ریلوے بورڈ میں دی گئی تو جواب ملا کہ یہ منصوبہ خود ہمارے زیرِ تجویز ہے اور اس کا نمبر ۱ مقرر کردیا گیا ہے ۔ اس پر آپ نے ذاتی جدوجہد ترک کردی ۔ کیونکہ آپ کا مقصد کسی منافع کا کمانا نہیں تھا بلکہ ریل جاری کرانا تھا ۔ چنانچہ تین سال کے بعد قادیان میں ریل جاری ہوگئی ۔ چنانچہ جب امرتسر سے قادیان کی جانب پہلی گاڑی چلنے لگی تو اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج تمہاری کوشش کامیاب ہوگئی ۔ [۱]

حضرت حاجی صاحب نے تحریک جدید کی مالی قربانی میں بھی حصّہ لیا ۔ چنانچہ "تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین" کی فہرست کے صفحہ ۲۴۲ پر آپ کے چندہ کی تفصیل درج ہے ۔ [۲]

۱۰ ۔ حضرت حافظ نور محمد صاحب آف فیض اللہ چک :۔

(ولادت ۱۸۴۵ء (اندازاً) ؛ (بیعت ۲۱ ستمبر ۱۸۸۹ء) ؛ (وفات ۲۷ ماہ فتح / دسمبر ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء) ؛

حضرت حافظ صاحب سلسلہ احمدیہ کے دَورِ اوّل کے بہت ممتاز بزرگوں میں تھے ۔ آپ کو ۱۸۸۳ء سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے اور برکت حاصل کرنے کا فخر حاصل تھا ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کا نام "آئینہ کمالات اسلام" کی فہرست میں ۱۷۶ نمبر پر اور "ضمیمہ انجام آتھم" کی فہرست میں ۵۸ نمبر پر درج فرمایا ہے ۔ اسی طرح حضور کے اشتہارات مورخہ ۲۴ فروری و ۷ مارچ ۱۸۹۸ء میں بھی آپ کا ذکر ملتا ہے ۔ [۳] ۲۵ ستمبر ۱۹۰۵ء کو آپ ۲۶۷ نمبر پر وصیّت کرکے نظام الوصیّت سے وابستہ ہوئے ۔ فیض اللہ چک اور اس کے نواحی دیہات میں اشاعتِ احمدیت کیلئے آپ نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ پر بہت شفقت فرماتے یہاں تک کہ ایک بار آپ کے گاؤں فیض اللہ چک میں بھی تشریف لے گئے ۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی وفات پر جماعت فیض اللہ چک کے اکثر احباب کو ابتلا آگیا مگر حضرت حافظ صاحب نے فوراً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بیعت کرلی ۔ اور پھر دوسروں کو تبلیغ کرتے رہے ۔ آخر خدا کے فضل سے دوسرے اکثر احباب بھی خلافت ثانیہ کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے ۔ حضرت مصلح موعود کے مبارک وجود سے آپ کو بہت عقیدت تھی ۔ حتّٰی کہ مرض الموت کے ایّام میں بھی

---

[۱] :۔ روایات صحابہ جلد ۱۱ صفحہ ۱۲ ؛ [۲] :۔ حضرت حاجی صاحبؓ کی نرینہ اولاد ۔ میاں عبدالمجید صاحبؓ (صحابی) میاں عبدالماجد صاحب (صحابی) ۔ میاں محمد احمد صاحب ۔ میاں محمد یحییٰ صاحب ۔ میاں مبارک احمد صاحب ۔ ("تاریخ احمدیت لاہور" صفحہ ۳۰۱-۳۰۲) ؛

[۳] :۔ "تبلیغ رسالت" جلد ہفتم صفحہ ۴۴-۴۷ ؛

جب ہوش آتا تو اپنے بیٹے جناب شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر (سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل) سے دریافت فرماتے کہ حضور کی طبیعت کیسی ہے اور اپنی شدید تکلیف کے دوران بھی حضور کی صحت کے لئے دعائیں کرتے رہے۔

ایک لمبے عرصہ سے تمام دنیاوی مشاغل ترک کر کے اپنی زندگی تعلیم القرآن کے لئے وقف کر دی تھی۔ نمازِ فجر کے بعد سے لیکر عشاء کی نماز کے بعد تک مختلف لوگوں کو قرآن مجید مع ترجمہ و تفسیر پڑھاتے۔ جو خود نہ آسکتے خود اُن کے گھر پر تشریف لے جاتے اور اس کے لئے کسی معاوضہ کے خواہاں نہ تھے[1]

مندرجہ بالا مشہور صحابہ کے علاوہ حسب ذیل صحابہ نے بھی اس سال وفات پائی:۔

(۱) بابو محمد رشید صاحب ریٹائرڈ ماسٹر۔ وفات ۳ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء[2]۔ (۲) میاں محمد وارث صاحب متوطن بھڑی شاہ رحمان ضلع گوجرانوالہ (بیعت و زیارت ۱۹۰۵ء)[3]۔ ہجرت اندازاً ۱۹۲۴ء۔ وفات ۸ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء بمقام قادیان)[4]۔ (۳) میاں غلام محمد صاحب خادم مسجد احمدیہ بٹالہ (تاریخ وفات ۱۳ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)[5]۔ (۴)۔ میاں روشن دین صاحب دار الرحمت قادیان (بیعت و زیارت ۱۹۰۲ء)[6] وفات ۲۷ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)[7]۔ (۵) میاں عبدالرحیم صاحب سابق باورچی لنگرخانہ قادیان (وفات ۴ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)[8]۔ (۶) حکیم ہدایت اللہ صاحب محلہ دار العلوم قادیان (وفات ۳۰ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)[9]۔ (۷) ملک امیر بخش صاحب لاہور (وفات یکم احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء بعمر ۸۲ سال)[10]۔ (۸) سید عبدالعزیز شاہ صاحب آف کاہنوواں (وفات ۱۳ ظہور/اگست ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)[11]۔ (۹) چوہدری محمد ابراہیم صاحب ساکن گوہدپور ضلع سیالکوٹ۔ (بیعت ۱۹۰۳ء۔ وفات ۴ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)[12]۔ (۱۰) منشی غلام محمد صاحب مدرس تعلیم الاسلام ہائی سکول پنشنر محلہ دار الفضل قادیان بعمر ۸۲ سال قریباً (وفات ۲۱ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)[13]۔

---

[1] ۔ الفضل ۶ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء ص۵۔ حضرت حافظ صاحب نے اپنے پیچھے دو بیٹے یادگار چھوڑے (۱) شیخ عبداللہ صاحب جو ۱۹۴۷ء کے فسادات میں شہید کر دیئے گئے۔ (۲) شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر آپ کی ولادت ۱۹۰۱ء میں ہوئی ۱۹۲۷ء میں مستقل طور پر قادیان آئے اور ادارہ الفضل سے منسلک ہو کر ایک لمبے عرصہ تک سلسلہ احمدیہ کی علمی اور انتظامی خدمات بجالاتے رہے اور ۱۹۵۰ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے متعدد خطبات و ملفوظات اور تقاریر آپکی کوشش سے سلسلہ کے لٹریچر میں محفوظ ہوئیں۔ مجلس مشاورت کی روئداد وں کے قلمبند کرنے میں بھی آپ حصہ لیتے رہے۔ نیشنل لیگ قادیان کے سرگرم ممبران میں سے تھے "مسلم نوجوانوں کے سنہری کارنامے اور "سرفروشان اسلام" آپکی مشہور تالیفات ہیں۔ اوّل الذکر کتاب کے اب تک تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جن میں سے ایک انجمن ترقی اسلام حیدرآباد دکن نے چھاپا ہے۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اصحاب احمد جلد ۳ ص۲۲۳ تا ص۲۲۹ مؤلفہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے)

[2] ۔ الفضل ۶ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص۱ [3] ۔ روایات صحابہ جلد ۵ ص۱۳۱ [4] الفضل ۱۰ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص۱ کالم ۲

[5] ۔ الفضل ۱۵ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص۱ [6] ۔ " جلد ۸ ص۹۳، ص۹۴ میں آپکے خود نوشت حالات درج ہیں [7] الفضل ۲۸ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص۱ کالم ۱ [8] ۔ الفضل ۵ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص۱ کالم ۲ [9] ۔ الفضل ۲ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص۱ کالم ۱

[10] ۔ الفضل ۴ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص۱ کالم ۲ [11] ۔ الفضل ۳ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص۱ کالم ۲ [12] الفضل ۶ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص۱ کالم ۲

[13] الفضل ۲۰ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء ص۱ کالم ۲

فصل پنجم

۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء کے متفرق مگر اہم واقعات

خاندان حضرت مسیح موعود میں خوشی کی تقاریب

۱۔ حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ۳۰ راماں / مارچ ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء کو خطبہ جمعہ سے قبل مسجد نور میں صاحبزادہ مرزا خلیل احمد[1] صاحب۔ صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد[2] صاحب، صاحبزادی امۃ الحکیم[3] صاحبہ اور صاحبزادی امۃ الباسط[4] صاحبہ کے نکاحوں کا اعلان فرمایا جو بالترتیب صاحبزادی امۃ المجید[1] صاحبہ (بنت قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب)۔ سیدہ تنویر الاسلام[2] صاحبہ (بنت سید عبد السلام صاحب سیالکوٹ)، سید داؤد مظفر[3] صاحب (ابن حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول) اور سید داؤد احمد[4] صاحب (ابن حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ) کیساتھ ایک ایک ہزار روپیہ مہر کے عوض پڑھے گئے۔

اس تقریب پر حضور پُر نور نے ایک نہایت لطیف خطبہ ارشاد فرمایا[1]۔ جس میں فرمایا:۔

"نکاح انسانی زندگی کا سب سے اہم کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کے بارے میں استخارہ کرنے۔ غور و فکر سے کام لینے اور جذبات کی پیروی کرنے سے روکنے کی تعلیم دی ہے۔ اور آپ نے فرمایا ہے کہ نکاح ایسے رنگ میں ہونے چاہئیں کہ نیک اور قربانی کرنے والی اولاد پیدا ہو"

خطبہ نکاح کے آخر میں فرمایا:۔

"مَیں آج جن چند نکاحوں کا اعلان کرنے لگا ہوں ان میں سے چار میرے اپنے بچوں کے نکاح ہیں۔ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کو پورا کرنے کے لئے کہ

غموں کا ایک دن اور چار شادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

یہ چار نکاح اکٹھے رکھے ہیں۔ یہ چار نکاح خلیل احمد، حفیظ احمد، امۃ الحکیم اور امۃ الباسط کے ہیں۔

---

[1] ۔ الفضل ۳۱ راماں / مارچ ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۱۔

ان میں سے تین کی والدہ فوت ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور اس کے قبضہ میں ہے کہ اس نے جسطرح ہمیں غموں کا ایک دن اور چار شادیاں دکھائی ہیں وہ ان کی روحوں کو بھی خوش اور مسرور کر دے۔ میں نے اپنے بچوں کے نکاحوں میں کبھی بھی اس بات کو مدّنظر نہیں رکھا کہ ان کے نکاح آسودہ حال اور مالدار لوگوں میں کیئے جائیں۔ اور میں نے ہمیشہ جماعت کے لوگوں کو بھی یہی نصیحت کی ہے مگر جماعت کے لوگ اس بات کی طرف چلے جاتے ہیں کہ انہیں ایسے رشتے ملیں جو زیادہ کھاتے پیتے اور آسودہ حال ہوں ہمیں ایسے رشتے ملے ہیں مگر ہم نے ان کو رد کر دیا۔ تاکہ ہمارا جو معیار ہے وہ قائم رہے ..... میں نے اپنے بچوں کی عمروں کی ترتیب کے لحاظ سے نام لئے ہیں اسی ترتیب کے لحاظ میں نکاحوں کا اعلان کرنا چاہتا ہوں "۔[1]

۲۔ میجر مرزا داؤد احمد صاحب (ابن حضرت مرزا شریف احمد صاحب) کے ہاں ۷ر ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو صاحبزادی امۃ الناصر کی ولادت ہوئی۔[2]

۳۔ نوابزادہ میاں عباس احمد خان صاحب کا نکاح گذشتہ سال ۲۹ر ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو پڑھا گیا تھا۔ اس سال ۵ار ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو آپ کی تقریب شادی عمل میں آئی جس میں صحابہ مسیح موعودؑ خصوصیت سے مدعو تھے۔ غرباء کی بھی ایک خاص تعداد نے شرکت کی۔ مہمانوں کی تواضع کرنے میں حضرت مسیح موعود اور حضرت نواب محمد علی خانصاحب کے خاندان کے صاحبزادگان بھی شامل تھے۔[3]

المناک حادثہ

۲۳ر ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو صاحبزادی قدسیہ بیگم صاحبہ (بنت مرزا رشید احمد صاحب) دریائے کنڈا اور ڈلہوزی کے درمیان ایک حادثہ میں اپنے مولا کو پیاری ہو گئیں اور اگلے روز حضرت مسیح موعود کے مزار کے پاس بہشتی مقبرہ میں دفن کی گئیں۔ مرحومہ کی عمر بیس سال کے قریب تھی، نہایت کم گو سنجیدہ مزاج تھیں۔ فوت ہونے سے پہلے اس نے جو آخری نماز ادا کی اس میں رقت کے ساتھ دعائیں کرتی رہی۔[4] حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اُن کے حادثہ انتقال پر ایک مفصل مضمون رقم فرمایا جو الفضل (۱۵ر اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء) میں شائع ہوا۔

ضلعوار نظام کے اولین امراء

ضلعوار نظام کے قیام کا فیصلہ پچھلے سال ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں کیا گیا تھا۔ امسال حضرت سیدنا المصلح الموعود نے آٹھ اضلاع میں حسب ذیل امراء کا تقرر فرمادیا:۔

۱۔ خان بہادر چودھری نعمت خان صاحب ریٹائرڈ سیشن جج بیگم پور سڑوعہ (ضلع ہوشیار پور)

۱؎ :- الفضل ۶ر اپریل ۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۳ و ۴ ٭ ۲؎ :- الفضل ۸ر اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱ کالم ۱ ٭ ۳؎ :- الفضل ۱۷ر ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۸ ٭ ۴؎ :- الفضل ۲۵ر تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ ٭

۲۔ چودھری فضل احمد صاحب اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز سرگودھا۔ (ضلع سرگودھا)۔

۳۔ پیر اکبر علی صاحب فیروزپور (ضلع فیروزپور)۔

۴۔ چوہدری عبدالمجید صاحب آف راہوں۔ (ضلع جالندھر)۔

۵۔ ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم بی۔اے۔ایل ایل بی وکیل گجرات۔ (ضلع گجرات)۔

۶۔ خان بہادر نواب چوہدری محمد الدین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر۔ (ضلع سیالکوٹ)۔

۷۔ میر محمد بخش صاحب وکیل گوجرانوالہ۔ (ضلع گوجرانوالہ)۔

۸۔ شیخ فضل الرحمٰن صاحب اختر ملتان۔ (ضلع ملتان)[۱]۔

ضلعوار نظام کے یہ اوّلین امراء تھے جن سے اس نہایت مفید نظام کی ابتداء کی گئی۔ ان امراء نے اس تجربہ کو کامیاب بنانے کے لئے ایسی پُرخلوص جدوجہد فرمائی کہ اس کے عمدہ اثرات کو دیکھ کر آہستہ آہستہ بہت سی جماعتوں نے بھی اسے اپنا لیا۔

پنجاب حج کمیٹی میں احمدی ممبر

اس سال "پنجاب حج کمیٹی" نے اپنے ممبروں میں جماعت احمدیہ قادیان کے نمائندہ کی حیثیت سے خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب کو بھی شامل کیا۔[۲]

پوپ کو دعوتِ حق

مولوی عبدالقادر صاحب دانش دہلوی نے جو اٹلی میں جنگی خدمات کے سلسلہ میں مقیم تھے اس سال کے شروع میں پوپ سے ملاقات کی اور انہیں حضرت مسیح کی آمد ثانی کی اطلاع دی۔[۳]

---

[۱]: الفضل ۱۲ صلح/جنوری ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ [۲]: الفضل ۲ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[۳]: الفضل ۲۳ تبلیغ ۱۳۲۴ھش صفحہ ۲۔ مولوی عبدالقادر صاحب دہلوی اس ملاقات کی تفصیل میں رقمطراز ہیں کہ:۔

"سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی کی تحریک پر لبیک کہتے ہوئے پچاسوں نوجوان باہر جا چکے تھے۔ باعزت روزگار میسر آنے کی وجہ سے وہ مالی جہاد میں بھی حصہ لے رہے تھے۔ اور اسلام و احمدیت کی تبلیغ کے مواقع بھی میسر آئے تھے۔ میں نے ۱۹۴۱ء میں مولوی فاضل پاس کیا۔ اور اسی نظریہ کے تحت رائل انڈین آرمی سروس کور کے محکمہ سپلائی میں بھرتی ہو گیا۔ اور جلد ہی مصر چلا گیا۔ اور قاہرہ، اسکندریہ، طبروق، بن غازی، ٹریپولی، سفیکس، ٹیونس، فلسطین، لبنان، شام، یونان اور اٹلی کے ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اور سب ملکوں میں اسلام و احمدیت کا پیغام پہنچانے کی توفیق ملی۔ اٹلی پہنچکر خیال آیا کہ پوپ کو بھی اسلام کی دعوت اور مسیح کی آمد ثانی کی خبر دینی چاہیئے۔ ۱۹۴۴ء-۱۹۴۵ء میں اٹلی میں قیام رہا۔ اس وقت دنیائے عیسائیت کے مذہبی رہنما پاپائے روم پیٹس دوازدہم کارڈینل پیسلی پوپ کے عہدہ پر فائز تھے۔ پوپ کا شہر ویٹیکن بہت خوبصورت علاقہ ہے۔ اس میں بہت سے مشہور گرجے اور مقدس یادگاریں قائم ہیں۔ پوپ کا محل سات ہزار کمروں پر مشتمل ہے اور اس میں ایک وسیع و عریض نہایت شاندار ہال ہے۔ اس کے ساتھ ہی سینٹ ہال کا عظیم الشان چرچ ہے۔ جو اپنی زیبائش اور حضرت مسیح کی دیو قامت تصاویر اور ان کے حواریوں کے حالات و تاریخی واقعات تصویری زبان میں دیواروں پر منقش ہونے کے لحاظ

حضرت مصلح موعود کا اظہار خوشنودی۔ پیرکوٹ اور مانگٹ اُونچے میں کامیاب تبلیغی جدوجہد پر۔

حضرت مصلح موعود نے ہدایت دے رکھی تھی کہ ایسی جماعتوں میں جہاں بیعت کی رَو پیدا ہو جائے مرکز سے مبلّغ بھجوایا جائے جو جماعت کے تعاون سے وہاں تبلیغ کرے۔ اس ارشاد کی تعمیل میں نظارت دعوت و تبلیغ قادیان نے مولوی سید احمد علی صاحب کو پیرکوٹ اور مانگٹ اونچے (ضلع گوجرانوالہ) کی جماعتوں میں بھجوایا۔ شاہ صاحب وہاں تقریبًا چودہ روز رہے اور ان کی زیر قیادت دونوں جماعتوں نے متحدہ طور پر اپنے غیر احمدی رشتہ داروں اور ارد گرد کے دیہات میں مستعدی سے تبلیغ کی جس کے نتیجہ میں بفضل اللہ ۱۹ نئی

بقیہ حاشیہ:۔ سے بے مثال ہے۔ اُس زمانہ میں پوپ سوموار کو ہال میں آکر لوگوں کو خطاب کرتے اور پھر انہیں برکت دیتے ہوئے واپس محل میں چلے جاتے تھے۔ مَیں بھی سوموار کے دن ہال میں چلا گیا۔ جہاں ہزاروں لوگ پوپ کی آمد کا انتظار کرتے ہوئے پائے گئے۔ نہایت خاموشی کا عالم تھا۔ ہال میں بادشاہوں جیسا رعب اور ہیبت کا سماں تھا۔ سب لوگ بڑے ادب اور سلیقہ سے دیواروں کے قریب صف آراستہ تھے۔ اور ہال کا درمیانہ حصہ خالی چھوڑا ہوا تھا۔ کہ کیا دیکھتا ہوں کہ ہال کے ایک کونہ سے پادری نوجوان ایک تخت اٹھائے ہوئے آرہے ہیں جس پر پوپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ تخت کے دائیں بائیں اور آگے گارڈ آف آنر کے نوجوان مارچ کر رہے تھے۔ ہال کے عین وسط میں تخت فرش پر رکھا گیا۔ اور شریعت لئے ہوئے پادری دائیں بائیں اور بیچ میں پوپ چلنے شروع ہوئے اور آگے پہنچ کر پوپ کرسی نشین ہوگئے۔ پھر انہوں نے مائیک پر امن عالم کے متعلق تقریر کی۔ اور پھر دعا کے بعد پادریوں کے جھرمٹ میں پوپ صف آراستہ زائرین کے ساتھ ہوکر گذرتے جارہے تھے۔ لوگ صرف ان کے ہاتھ کو چھو دیتے تھے اور اکثر لوگ نظریں نیچی کرے کھڑے ہوئے تھے۔ وہ پوپ کے جلال و ہیبت کی وجہ سے اس کی طرف دیکھ بھی نہ سکتے تھے۔ جب پوپ لوگوں کے سامنے سے گذرتے ہوئے میرے قریب پہنچے تو مَیں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں پوپ کا ہاتھ لے لیا۔ اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہوئے ان کو مخاطب کرکے انگریزی میں جو تقریر کی اس کا ملخص یہ ہے۔ کہ

> اسلام سچا مذہب ہے۔ یہی انسانیت کا نجات دہندہ ہے۔ مَیں آپکو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ مسیح نے اپنی دوبارہ آمد کا جو وعدہ کیا تھا۔ میں آپ کو خوشخبری دیتا ہوں۔ کہ اسکے مطابق وہ قادیان پنجاب انڈیا میں مبعوث ہو چکے ہیں۔ انہوں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور مَیں ان کو ماننے والوں میں سے ہوں۔ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ اسلام قبول کریں۔ مسیح موعود پر ایمان لائیں۔ نجات پائیں گے۔

پوپ بڑے اطمینان سے کھڑے رہے اور توجہ سے میری تقریر سنتے رہے۔ جب میں تقریر ختم کر چکا تو پوپ نے پوچھا کہ کس ملک کے رہنے والے ہو۔ مَیں نے بتایا کہ ہندوستان کا رہنے والا ہوں۔ پوپ نے کہا۔ کہ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے پھر مَیں نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ دوسرے زائرین کی طرف بڑھ گئے۔ جب میں ہال سے باہر آیا۔ تو امریکہ اور برطانیہ کے بہت سے لوگ میرے گرد جمع ہوگئے اور کہنے لگے کہ اتنی جرأت کہ پوپ سے باتیں کیں۔ ہم تو اُن کے جلال کی وجہ سے آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے۔ مَیں نے اُن لوگوں کو بھی تبلیغ کی۔

قادیان سے لٹریچر منگوا کر امریکن اور برطانوی اور دوسرے یورپین ممالک کے باشندوں میں تقسیم کرتا تھا؛

بیعتیں ہوئیں جس پر حضور نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ [۱]

قائد اعظم محمد علی جناح سے احمدیہ وفد کی ملاقات۔

۲۴ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء کا واقعہ ہے کہ قائد اعظم محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ سے کوئٹہ میں ایک احمدی وفد نے ملاقات کی۔ یہ وفد امیر جماعت احمدیہ کوئٹہ، مولوی ابوالعطاء صاحب، مولانا غلام احمد صاحب فرخ، حافظ قدرت اللہ صاحب، مرزا محمد صادق صاحب اور عطاء الرحمن صاحب طاہر پر مشتمل تھا۔ قائد اعظم مسکراہٹ اور خندہ پیشانی سے قریباً ۱۵ منٹ تک بے تکلفانہ گفتگو فرماتے رہے۔ گفتگو کا زیادہ حصہ نئے انتخابات اور مسلم لیگ کی مساعی سے متعلق تھا۔ دوران گفتگو جماعت احمدیہ کا تذکرہ بھی ہوا۔ [۲]

مسجد احمدیہ سرینگر کے نزدیک سنیما ہال کی اجازت کے خلاف جلسہ سالانہ پر احتجاج

حکومت کشمیر نے مسجد احمدیہ سری نگر کے ساتھ ایک سنیما ہال کی تعمیر کی منظوری دیدی تھی۔ سالانہ جلسہ ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء پر ملک عبدالرحمن صاحب خادم بی۔اے۔ایل ایل۔بی پلیڈر نے ایک ریزولیوشن پیش کیا جس میں حکومت کے اس فیصلہ پر پُرزور صدائے احتجاج کیا گیا تھا۔ یہ ریزولیوشن بالاتفاق رائے پاس ہوا۔ [۳]

بیرونی مشنوں کے اہم واقعات

گولڈکوسٹ مشن:۔ اوائل ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء میں جماعت احمدیہ گولڈکوسٹ کی جنرل کانفرنس ایسی ام ESSIAM مقام پر منعقد کی گئی جو بہت کامیاب رہی۔ کانفرنس کے دوران میں ایسی ام کی احمدیہ مسجد کا افتتاح بھی عمل میں آیا یہ مسجد گولڈکوسٹ کی پہلی تمام احمدیہ مساجد میں بلحاظ وسعت سب سے بڑی تھی۔ [۴]

فلسطین مشن:۔ جماعت احمدیہ فلسطین کو اس سال ایک نہایت افسوسناک حادثہ سے دوچار ہونا پڑا۔ یعنی اُس کے ایک نہایت مخلص رکن الشیخ سلیم الربانی ۱۶ ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء کو داغ مفارقت دے گئے۔ مرحوم حیفا کے نزدیک الطرہ کے رہنے والے تھے۔ یہ گاؤں احمدیت کی مخالفت میں مشہور ترین گاؤں تھا۔

---

[۱]:۔ نمایاں کام کرنے والے مقامی احمدیوں کے نام۔ حکیم محمد اسمٰعیل صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ پیرکوٹ۔ عبدالرحمن صاحب سیکرٹری تبلیغ پیرکوٹ۔ چوہدری جہان خاں صاحب امیر جماعت احمدیہ مانگٹ اونچے۔ چوہدری حیات محمد صاحب نائب امیر مانگٹ اونچے۔ (الفضل ۱۴ شہادت/اپریل ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲۔ کالم ۱)

[۲]۔ الفضل ۵ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۱ ۔ [۳]۔ الفضل ۱۳ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۲

[۴]۔ الفضل ۵ ہجرت/مئی ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵

الشیخ ربانی نے مولانا جلال الدین صاحب شمس کے وقت میں قبولِ احمدیت کی اور آخر تک نہایت اخلاص اور وفاداری سے عہد بیعت پر قائم رہے۔ بہت جفاکش اور محنتی نوجوان تھے۔ تقویٰ پرہیزگاری اور سلسلہ کے لئے غیرت میں اپنی مثال آپ تھے۔ لوگ انہیں ولی اللہ سمجھتے تھے اور فی الواقعہ آپ ایک خدارسیدہ انسان تھے۔ مولانا ابو العطاء صاحب سابق مبلغ فلسطین نے اُن کے انتقال پر الفضل کی ۳ رامان / مارچ ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں ایک مضمون لکھا جس میں بتایا۔ کہ

"مجھے فلسطین میں قریباً ۴½ برس رہنے کا موقعہ ملا ہے اس عرصہ میں احمدیت کی اشاعت اور تبلیغ میں جس رنگ کا تعاون شیخ سلیم الربانی مرحوم نے پیش کیا وہ کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ جب وہاں پر مدرسہ احمدیہ قائم کیا گیا تو میں نے اُن سے کہا کہ آپ اس مدرسہ میں پڑھانے کی خدمت سرانجام دیں تو انہوں نے اسے بلا چون وچرا منظور کیا حالانکہ مالی طور پر بھی انہیں اس میں خسارہ تھا۔ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے مرحوم کو عشق تھا اور آپ کی ہر تحریک پر لبیک کہنا سعادت سمجھتے تھے۔ سلسلہ کے مبلغین سے انہیں اللہ تعالیٰ کے لئے محبت تھی اور مقدور بھر ان کی خدمت کرتے تھے۔ بسا اوقات ایسا اتفاق ہوا کہ میں کسی جگہ جانے لگا ہوں تو وہ اپنا کام کاج چھوڑ کر بھی ساتھ ہو لیتے تھے اور اکثر کہتے تھے کہ مولوی صاحب آپ ان علاقوں میں اکیلے سفر نہ کریں۔ کیونکہ آپ یہاں کے لوگوں کو نہیں جانتے۔

الشیخ سلیم الربانی مرحوم جماعت کے کاموں میں چندہ دینے میں سبقت لے جانے والے مخلصین میں سے ایک تھے۔ انہوں نے ہر جماعتی تحریک میں حصہ لیا اور اپنی وسعت سے بڑھکر حصہ لیا۔ بلکہ بعض دفعہ تو مجھے اصرار سے انہیں کم چندہ دینے کے لئے کہنا پڑتا تھا ان کی زندگی متوکلانہ زندگی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا سلوک بھی ان کے ساتھ ایسا ہی تھا جیسا کہ اپنے پیارے بندوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ سلسلے کے لئے ہاتھ سے کام کرنے میں وہ لذت محسوس کرتے تھے۔ مسجد محمود کبابیر کی تعمیر میں پورے شوق سے کام کرنیوالوں میں سے ایک تھے تبلیغ کا بہت جوش تھا اور عملاً وہ اپنی زندگی تبلیغ کے لئے وقف رکھتے تھے۔ متعدد آدمی اُن کی تبلیغ سے احمدیت میں داخل ہوئے اردگرد کے دیہات میں بھی تبلیغ کے لئے جاتے تھے اور جب لوگ گالیاں دیتے اور مارتے تو اس میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ قادیان آنے کا شوق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ علم دین کے سیکھنے کیلئے پوری جدوجہد کرتے تھے۔ دن کو کام کرنے کے بعد رات کو قرآن شریف اور دوسری دینی کتابیں پڑھتے تھے اور اردو سیکھنے کا بھی پورا شوق تھا بلکہ میرے ذریعہ سے اُردو کی پہلی کتاب منگوا کر پڑھی تھی ان کا خیال تھا کہ ہمیں اتنی اردو زبان آنی

ضروری ہے جس سے ہم خود الفضل کا مطالعہ کر سکیں۔ مرحوم کے پانچ بچے ہیں۔ تین لڑکیاں اور دو لڑکے۔ چند ماہ گذرے انہوں نے سیدنا امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں لکھا کہ میں اپنے بڑے لڑکے کی زندگی وقف کرتا ہوں اور جنگ کے خاتمہ پر یا جب بھی سہولت مہیا ہو اُسے تعلیم دین کے لئے ہندوستان بھیجنا چاہتا ہوں۔ ان کا ارادہ تھا۔ کہ بچے کی تعلیم کے جملہ اخراجات خود برداشت کریں میں جانتا ہوں کہ اُن کی مالی حالت ایسی اچھی نہ تھی مگر یہ ان کا اخلاص تھا جس کے ماتحت وہ ہر قربانی کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس وقف کو منظور فرماتے ہوئے لکھوایا تھا۔ کہ بیشک بچے کو تعلیم کے لئے قادیان بھیج دیں۔

الشیخ سلیم الربانی مخالفین میں بھی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے گاؤں کے لوگ عقائد میں احمدیت کے دشمن تھے۔ مگر الشیخ سلیم الربانی کی عزت کرتے تھے۔ کیونکہ وہ تقویٰ شعار اور پابند شریعت نوجوان تھے۔ مرحوم ایک وجیہہ شکل رکھتے تھے۔ ان کی شکل اور ڈاڑھی بالکل اس شکل کے مشابہ تھی جو عیسائیوں کی طرف سے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی شائع کی گئی ہے۔ اور ہمارے احمدی دوست بطور لطیفہ یہ بات ان کے سامنے ذکر کیا کرتے تھے۔ مرحوم کی عمر ۴۵ برس کے قریب ہوگی۔ مرحوم ذاتی طور پر بھی بہت وفادار دوست تھے۔ اپنے ساتھیوں کی خاطر تکلیف برداشت کرنا انہیں خوشگوار معلوم ہوتا تھا۔ ۱۱ر فروری کو بعارضہ نمونیا بیمار ہوئے۔ اور ۱۴ر فروری کو اپنے مولا حقیقی سے جا ملے۔ مرحوم بہت سی اعلیٰ خوبیوں کے مالک تھے اور ان کا وجود فلسطین میں جماعت احمدیہ کے لئے بہت بابرکت وجود تھا۔" [1]

لنڈن مشن:۔ (۱) ۱۴ر شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اور مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن نے کنگ زاغ شاہ البانیہ سے ملاقات کی۔ مختلف امور پر ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب گفتگو ہوئی جس کے دوران احمدیت کا ذکر بھی آیا۔ شاہ نے بعض سوالات کئے جن کے جوابات چوہدری صاحب نے دیئے۔ [2]

۲۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن نے پچھلے سال ہائیڈ پارک میں بعض اہم مذہبی مسائل پر پادری گرین سے متعدد مناظرے کئے تھے جو سامعین کے لئے دلچسپی اور معلومات میں اضافہ کا موجب ہوئے اور پادری صاحب کو اپنی شکست تسلیم کرنا پڑی۔ مسٹر گرین سے مباحثات کا یہ اہم سلسلہ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں دوبارہ جاری کیا گیا۔ چنانچہ پہلا مباحثہ ۲۰ر ماہ شہادت/اپریل کو "کیا اناجیل الہامی ہیں" کے موضوع پر ہوا۔ مسٹر گرین مولانا شمس کے سوالوں کا کوئی بھی معقول جواب نہ دے سکے۔ ۴ر ماہ ہجرت/مئی کو مسئلہ طلاق اور رحم پر گفتگو ہوئی جس میں ان کو

---

[1] الفضل ۳ر امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ۔ [2] الفضل ۱۱ر شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۲۔

کوئی جواب نہ بن پڑا۔ ۱۱؍ماہ ہجرت/مئی کا موضوع یہ تھا کہ "کیا قرآن مجید الہامی کتاب ہے"۔ مولانا شمس نے قرآن مجید سے اسکے الہامی ہونے کا دعویٰ اور دلائل پیش کئے۔ اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اس کا بے نظیر ہونا مخالفوں کا مثل لانے میں عاجز رہنا وغیرہ بطور دلیل بیان کیا۔ مسٹر گرین کسی دلیل کو توڑ نہ سکے۔ البتہ انہوں نے قرآن مجید میں تناقض ثابت کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ قرآن نے ایک جگہ مسیح کو مصلوب کہا ہے اور دوسری جگہ اسکے انکار کیا ہے۔ اس پر مولانا شمس نے چیلنج کیا مگر وہ آخر وقت تک مسیح کے صلیب پر فوت ہوجانے کا کوئی قرآنی حوالہ پیش نہ کر سکے۔ ۱۸؍ماہ ہجرت/مئی کو "کیا عہد نامہ جدید الہامی ہے"۔ کے موضوع پر بحث ہوئی مولانا شمس صاحب نے پیشگوئیوں کے معیار کی رُو سے ثابت کیا۔ کہ موجودہ اناجیل ہرگز الہامی نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے اس کی پیشگوئیوں میں تضاد کی متعدد مثالیں پیش کیں جن کا اقرار مسٹر گرین کو بھی کرنا پڑا۔ ۲۵؍ماہ ہجرت مئی کو قرآن مجید کے الہامی ہونیکا مسئلہ زیر بحث آیا مولانا شمس صاحب نے قرآن مجید کی متعدد ایسی پیشگوئیاں بتائیں جو اس کی صداقت پر ناقابل تردید نشان ہیں۔ مسٹر گرین ان پیشگوئیوں کے خلاف تو کچھ نہ کہہ سکے۔ البتہ کہا کہ قرآن مجید میں لکھا ہے کہ پہلے انبیاء کی کتابوں پر ایمان لاؤ جس کا مبلغ اسلام نے تفصیل سے جواب دیا۔ ۱۵؍ماہ احسان/جون کو موضوع بحث "بعث بعد الموت" تھا۔ دونوں مناظرین نے اپنے اپنے مذہب کا نقطہ نگاہ پیش کیا مگر حاضرین میں سے بعض نے یہ رائے دی کہ اسلامی زاویہ نظر معقول ہے۔ ۲۹؍ماہ احسان/جون کو پھر اسی موضوع پر تبادلہ خیالات ہوا۔ ایک امریکن سپاہی نے مولانا شمس صاحب کی تقریر سُنکر کہا۔ آپ نے جو کچھ بیان کیا ہے میں بھی یہی مانتا ہوں۔ لیکن مسٹر گرین کا نظریہ کفارہ ایک لغو خیال ہے۔ سامعین میں سے بعض احمدیہ مسجد فضل میں مزید تحقیق کیلئے آئے جنہیں مطالعہ کے لئے لٹریچر دیا گیا۔[1]

۶؍ماہ وفا/جولائی کو مسٹر گرین سے "حضرت مسیح کی صلیبی موت" پر مباحثہ ہوا۔ مولانا شمس صاحب نے اُن سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کسی مسلمان کا حوالہ پیش کریں کہ اُس نے مسیح کے صلیب پر مرنے کو تسلیم کیا ہو۔ انہوں نے جارج سیل کی تفسیر پڑھنی شروع کی مگر اس نے بھی یہ قول نقل کیا تھا کہ بعض مسلمان اس کی طبعی موت کے قائل ہیں اور یہ کہ مرنے کے بعد وہ اٹھایا گیا۔ اس پر انہیں اتنا شرمندہ ہونا پڑا کہ پلیٹ فارم سے اُتر کر نیچے بیٹھ گئے۔ ۱۳؍وفا/جولائی کو موضوع یہ تھا کہ حضرت مسیح واقعہ صلیب کے بعد کہاں گئے؟ مولانا شمس صاحب نے اس سلسلہ میں تاریخی حقائق سے حضرت مسیح کے یروشلم سے دمشق آنے اور وہاں سے نصیبین اور ایران کے رستے سرینگر تک

لہ: الفضل ۵؍تبوک/ستمبر ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء ص ۳-۴

پہنچنا ثابت کیا۔ جن کا کوئی معقول جواب مسٹر گرین سے نہ بن پڑا۔ ۲۷ وفا/جولائی کو مسٹر گرین نے حضرت مسیح کے مُردوں سے جی اُٹھنے کے متعلق اپنا موقف پیش کیا جس پر مولانا شمس صاحب نے اناجیل دکھا دکھا کر اُن کی غلطی پبلک پر ایسی واضح کر دی کہ آئندہ انہوں نے مباحثہ کا سلسلہ بند کر دیا۔[1] مگر مولانا شمس صاحب بدستور ہائیڈ پارک میں تشریف لے جاتے اور اسلام کی آواز بلند کرتے رہے۔

۳۔ ۱۸ نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو مولانا جلال الدین صاحب شمس کی ہائیڈ پارک میں یہودیوں سے لاجواب گفتگو ہوئی یہودی نمائندوں نے فلسطین میں داخل ہونے کے متعلق اپنا مذہبی حق ثابت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مجاہدِ اسلام نے اُن کے دلائل کو ایسی عمدگی اور خوبی کے ساتھ ردّ کیا۔ کہ یہودی اپنا سا مُنہ لے کر رہ گئے اور اُس مجلس میں جس قدر مسلمان اور عرب موجود تھے وہ نہایت ہی خوش ہوئے۔ اس واقعہ کی تفصیل حضرت مولوی صاحب موصوف کے قلم سے درج ذیل کی جاتی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اُس روز یہودی بہت سے جمع ہو گئے اور انہوں نے فلسطین کے متعلق سوالات شروع کر دیئے۔ مَیں نے کہا ہر عقلمند یہی کہے گا کہ باشندگانِ فلسطین کا حق ہے کہ وہ وہاں حکومت کریں۔ غیر اقوام کا یہ حق نہیں کہ وہ اُن کی خلاف مرضی یہودیوں کو وہاں بسائیں۔ ایک یہودی نے کہا کہ ہمارا حق ہے کیونکہ بائیبل میں خدا نے ابراہام سے یہ وعدہ کیا تھا کہ مَیں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تُو پردیسی ہے ایسا دُوں گا کہ وہ دائمی ملکیت ہو جائے۔ مَیں نے کہا یہ درست ہے لیکن ابراہیم علیہ السلام کی نسل تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی تھے جیسا کہ پیدائش ۲۱/۱۲ سے ظاہر ہے۔ جب یہود صحیح راستہ سے دُور جا پڑے اور حضرت مسیح کو نہ مانا تو اُن کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے پیشگوئی کرا دی کہ اب یہود سے آسمانی بادشاہت چھین لی جائے گی اور دوسری قوم کو دی جائے گی اور وہ بنی اسمٰعیل ہیں جو عرب ہیں۔ پس پیشگوئی کے مطابق ارضِ کنعان مسلمان عربوں کے قبضہ میں رہی۔

ایک یہودی نے کہا جب مسیح کے بعد یہود سے یہ زمین لے لی گئی تو مسلمانوں کے قبضہ میں کب آئی؟ وہ تو رومیوں کے پاس چلی گئی۔ مَیں نے کہا حضرت ابراہیم سے کنعان کی زمین کے دینے کا جو وعدہ خدا نے کیا تھا وہ کب پورا ہوا۔ وہ اس وعدہ کے تقریبًا پانچ چھ سو سال بعد جا کر پورا ہوا تھا۔ جب یہود کو بادشاہت ملی۔ اسی طرح جب اُن سے فلسطین کا ملک دوسروں کے قبضے میں چلا گیا اور حضرت ابراہیمؑ کی دوسری نسل کو ملنے کا فیصلہ

---

[1]:۔ الفضل ۱۲ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴ ؎

ہوا تو وہ بھی چھ سو سال کے عرصہ کے بعد ملا۔ ایک نے کہا یہ ملک ہمارا تھا ہم اس میں ایک ہزار سال تک رہے۔ مَیں نے کہا اس سے یہود کا حق ثابت نہیں ہو جاتا۔ جو حوالہ تم نے پیش کیا ہے اسی سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم کنعان کی زمین میں پردیسی تھے۔ وہ بابل کے علاقہ سے آئے تھے اور جس رنگ میں یہودیوں نے فلسطین پر قبضہ کیا تھا بائیبل کی رُو سے اُنہوں نے دوسروں کی تباہی کے وہی طریق اختیار کئے تھے جو اس جنگ میں جرمنوں نے کئے۔ اگر اس طرح کسی ملک پر قبضہ کرنے سے وہ ملک حملہ آوروں کا ہو سکتا ہے تو پھر ہٹلر بھی حق دار بن سکتا تھا۔

غرضیکہ اُس روز یہودی سخت ناراض دکھائی دیتے تھے جو مسلمان حاضر تھے جن میں سے بعض عرب بھی تھے وہ بہت خوش ہوئے۔" ؎۱

۴۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس نے سال نو کے تحفہ کے طور پر ۲۸ رفتح / دسمبر ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء کو ہز میجسٹی کنگ جارج ششم کی خدمت میں ایک تبلیغی خط معہ احمدیہ لٹریچر ارسال کیا جس کے جواب میں انہوں نے شکریہ ادا کیا۔ مگر چونکہ انگلستان میں مروجہ قانون کے مطابق بادشاہ صرف وہی کتاب قبول کرتا ہے جو مؤلف کی طرف سے پیش کی گئی ہو اسلئے انہوں نے صرف مولانا شمس صاحب کی تالیف "اسلام" رکھی اور دوسرے مصنفین کی کتب ۱۹ رجنوری ۱۹۴۶ء کو شکریہ کے خط کے ساتھ واپس بھجوا دیں۔ ؎۲

لیگوس مشن :۔ لیگوس کی احمدیہ مسجد کے امام سلیمان ۱۹ رماہ ہجرت / مئی ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء کو ۷۷ برس کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ آپ ۱۹۲۱ء میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرؔ کی تبلیغ سے شامل سلسلہ ہوئے تھے۔ ساری عمر نہایت درجہ مستقل مزاجی سے مرکز احمدیت اور خلیفہ وقت کے ساتھ وابستہ رہے اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد نہایت وفاداری سے نباہا۔ ؎۳

سیرالیون مشن :۔ سیرالیون کے ایک نہایت مخلص احمدی مسٹر عثمان کوک اس سال ماہ احسان / جون ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء میں وفات پا گئے۔ آپ سیرالیون کے زیرحمایت علاقہ کے باشندے تھے۔ ۱۹۳۸ء کے لگ بھگ مولوی نذیر احمد علی صاحب کے ذریعہ داخل سلسلہ ہوئے تھے اور سیرالیون کے ان معدودے چند السّابقون الاوّلون میں سے تھے جنہوں نے

؎۱ :۔ الفضل ۱۹ رصلح / جنوری ۱۳۲۵ھش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۵۔

؎۲ :۔ الفضل ۱۸ رامان / مارچ ۱۳۲۵ھش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔ مکمل مکتوب الفضل ۹ رامان ۱۳۲۵ھش میں شائع شدہ ہے۔

؎۳ :۔ حضرت مولوی حکیم فضل الرحمن صاحب مبلغ لیگوس نے ۲۲ رماہ ہجرت / مئی ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء کو حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بذریعہ مکتوب انکی وفات کی خبر لکھی تھی۔ یہ مکتوب الفضل ۱۱ رظہور / اگست ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۲ پر چھپا ہوا ہے۔

سیرالیون کے باشندوں کی متفقہ مخالفت احمدیت کے باوجود نہایت جرأت اور دلیری سے حق قبول کیا۔ مرحوم تہجد گذار تھے۔ سلسلہ کی ہر تحریک پر گرمجوشی سے حصہ لیتے تھے۔ قادیان اور حضرت مصلح موعود کی زیارت کا از حد شوق تھا۔ کمشنر ہیتھم صاحب بہادر پر (جن کے ہاں آپ ملازم تھے) ان کی نیکی اور دیانتداری کا خاص اثر تھا۔[1]

نائیجیریا مشن:- ۲۰ ظہور / اگست ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء کو الحاج حکیم فضل الرحمن صاحب مجاہد نائیجیریا نے اڈونگبو اوینو (لیگوس) میں احمدیہ دارالتبلیغ کا سنگ بنیاد رکھا اور ایڈریس پڑھا جس میں اس مشن کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی تھی اور آئندہ عزائم کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ اس تقریب پر افریقن احمدی جماعتوں کے نمائندوں کے علاوہ اعلیٰ حکام اور دوسرے معززین بھی شامل ہوئے۔[2] اور ملکی پریس نے اپنے صفحات میں نہایت جلی عنوانات کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔ چنانچہ اخبار "نائیجیرین ڈیلی ٹائمز" (۹ اگست ۱۹۴۵ء) اخبار "ڈیلی سروس" (۸ اگست ۱۹۴۵ء) اخبار "سدرن نائیجیریا ڈیفینڈر" (۸ اگست ۱۹۴۵ء) نے اس پر طویل نوٹ شائع کئے۔[3]

برما مشن:- ماہ ظہور / اگست ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء میں مرکز کو یہ خوشخبری پہنچی کہ رنگون کے احمدی دوستوں نے کمایٹ میں اپنی مسجد اور انجمن قائم کر لی ہے۔[4]

مشرقی افریقہ مشن:- ۱۹ ماہ نبوت / نومبر ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء کو شیخ مبارک احمد صاحب فاضل کا کسموں کے گوردوارہ میں حضرت بابا نانک دیوجی کی سیرت پر لیکچر ہوا۔ مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں سب نے یہ لیکچر بہت پسند کیا۔ ایک سکھ کہنے لگا میں اس معزز دوست پر قربان جس نے خدا اور گورو صاحب کی تعریف ایسے اچھے پیرایہ میں بیان کی ہے۔[5]

مبلغین احمدیت کی بیرونی ممالک کو روانگی

نو مبلغین کے قافلہ کے علاوہ جس کا مفصل ذکر پچھلی فصل میں گذر چکا ہے اس سال مندرجہ ذیل مجاہدین تحریک جدید بیرونی ممالک میں تشریف لے گئے:-

(۱) شیخ عبدالواحد صاحب مولوی فاضل (۹ وفا / جولائی کو) ایران کے لئے۔[6] (۲) شیخ ناصر احمد صاحب

---

[1] الفضل ۲۰ وفا / جولائی ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۳۔ [2] الفضل ۱۷ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۳ پر یہ ایڈریس درج ہے۔

[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۴ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۵۔

[4] الفضل ۱۲ ظہور / اگست ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ [5] الفضل ۹ صلح / جنوری ۱۳۲۵ھش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۵ کالم ۲۔

[6] الفضل ۲۰ وفا / جولائی ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

انگلستان کے لئے (۳۰ رماہ وفا/جولائی کو)[1]۔ (۳) چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر بی۔ اے (۲۰ ظہور/اگست کو) امریکہ کے لئے)[2]۔ (۴) شیخ نور احمد صاحب منیر (۱۳ رماہ اخاء/اکتوبر کو) فلسطین کے لئے[3]۔ (۵) حافظ نور الحق صاحب انور (۲۲ رماہ اخاء/اکتوبر کو) یوگنڈا (مشرقی افریقہ)[4]۔ (۶) سید سفیر الدین احمد صاحب انگلستان کیلئے ۸ ماہ فتح/دسمبر کو)[5]۔

نئی مطبوعات

اس سال جو لٹریچر شائع ہوا اس میں "سیرت ام المؤمنین" حصہ دوم خاص طور پر قابل ذکر ہے شیخ محمود احمد صاحب عرفانی اپنی کتاب "سیرت ام المومنین" کے دوسرے حصے کا مواد جمع کر چکے تھے کہ پیغام اجل آ گیا۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے نہایت ہمت و محنت سے مرحوم کی یادداشتوں اور نوٹوں کو ترتیب دیا اور ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں اس کو شائع کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے یہ تالیف درسی کتب کی تقطیع پر ۳۲۴ صفحات پر مشتمل تھی۔ سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں قیمتی اضافہ ہوا۔ سیرت کے یہ دونوں حصے انتظامی پریس حیدر آباد دکن میں چھپے۔

غیر مسلموں کے اجتماعات اور کانفرنسوں میں احمدی مبلغین کے لیکچر

اس سال احمدی مبلغین کو جن غیر مسلم اداروں اور کانفرنسوں میں تبلیغ اسلام و احمدیت کرنیکا موقعہ ملا ان میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:۔

(۱) خالصہ کالج امرتسر: خالصہ مشنری کالج امرتسر کے پرنسپل سردار گنگا صاحب نے نظارت دعوت و تبلیغ قادیان کو لکھا کہ اپنے دو مبلغ خالصہ مشنری کالج کے طلبہ میں لیکچر دینے کے لئے روانہ کریں اس پر گیانی عباد اللہ صاحب اور (ابو البشارت) مولوی عبد الغفور صاحب فاضل نے ۵ ارصلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو بالترتیب "اسلام" اور "احمدی اور غیر احمدی میں فرق" کے موضوع پر لیکچر دیئے جن سے سردار گنگا صاحب بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا:۔

"میں نے تمام مذاہب کے نمائندوں کو دعوتی خطوط لکھے تھے مگر سوائے جماعت احمدیہ کے کسی نے قولی یا فعلی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کیسی منظم اور ٹھوس تبلیغی جدوجہد کرنے والی جماعت ہے...... آپ نے ان کے لیکچر سنے ہیں۔ کس طرح محنت اور کوشش سے تیاری کی ہوئی معلوم

---

[1]: الفضل ۷ ظہور/اگست ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۱۔ [2]: الفضل ۲۲ ظہور/اگست ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱۔
[3]: " ۱۵ رماہ اخاء/اکتوبر " صفحہ ۱۔ [4]: " ۲۳ اخاء/اکتوبر " صفحہ ۱ کالم ۲۔
[5]: " ۷ رصلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

ہوتی ہے۔ آپ نے ان کے طرزِ بیان کو بھی دیکھا کہ کس ٹھوس طریقہ سے اپنی دلیل پیش کرتے ہیں۔ دلائل کو فلسفیانہ رنگ دیکر کیسے سجایا ہے۔ موجودہ زمانہ میں دہریت کی تیز و تُند آندھیاں کس طرح ہر مذہب پر حملہ آور ہو کر انکو اڑائے لئے جا رہی ہیں۔ اور ہم پیچھے ہٹتے جا رہے ہیں۔ آج اگر کوئی مذہب فلسفیانہ رنگ سے اپنے مذہب کو پیش نہیں کرتا تو وہ قائم بھی نہیں رہ سکتا۔ ہم احمدی علماء کے بہت ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنے خیالات سے ہمیں مستفیض کیا اور اُن کے ذریعہ جماعت احمدیہ اور نظارت متعلقہ کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ہماری درخواست کو قبول کیا اور اپنے لیکچرار بھیجے۔ اس رنگ میں تقریریں نہایت مفید اور آپس میں خوشگوار تعلقات پیدا کرنے نیز رواداری کی فضا بنانے میں بہت مفید ہو سکتی ہیں۔ ایک دوسرے کے مذہبی خیالات اور عقائد کو سُننا اور ان پر غور کرنا نہایت ضروری ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر اس قسم کے اجتماع ہر مذہب و ملّت کے لوگ کریں"۔ ؎۱

(۲) ست دھرم سمیلن کانپور:۔ کانپور میں ۲۸ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو بدھوں نے "ست دھرم سمیلن" کے نام پر ایک جلسہ منعقد کیا جس میں مختلف مذاہب کے نمائندوں نے اپنے اپنے مذاہب کی خوبیاں بیان کیں۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولوی غلام احمد صاحب ارشد نے "اسلام ہی عالمگیر مذہب ہے" پر نصف گھنٹہ تقریر کی اور آخر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا (خطبہ) "پیغامِ صلح" بھی تمام حاضرین میں تقسیم کیا۔ احمدی مبلّغ کی تقریر کو پبلک نے بہت پسند کیا ؎۲

۳۔ نیشنل کالج لاہور:۔ ۹ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو گیانی واحد حسین صاحب مبلّغ سلسلہ احمدیہ کا سکھ نیشنل کالج لاہور میں سکھ مسلم اتحاد پر نہایت دلچسپ لیکچر ہُوا جسے بہت سراہا گیا اور چیئرز دیئے گئے۔ لیکچر کے بعد صاحب صدر رتن سنگھ صاحب پروفیسر نیشنل کالج نے انگریزی میں بہت اچھے ریمارکس دیئے اور شکریہ ادا کیا ؎۳

۴۔ مذاہب عالم کانفرنس دہلی:۔ ۱۳ امان/مارچ و یکم شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو دہلی میں بمقام دیوان ہال مذاہب عالم کانفرنس منعقد ہوئی جس کے لئے مضمون یہ رکھا گیا تھا کہ مذاہب میں اختلافات کے باوجود صلح کیونکر ہو سکتی ہے اور کس طرح امن قائم ہو سکتا ہے؟ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل نے

؎۱:۔ الفضل ۲۲ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔ ؎۲:۔ الفضل ۱۲ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۱۔
؎۳:۔ الفضل ۱۲ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۱۔

یکم شہادت/اپریل کی شب کو اس موضوع پر نصف گھنٹہ تقریر فرمائی جس میں صلح کے دس اہم نکات پیش کئے۔ چونکہ دوسرے مقررین میں سے کسی نے بھی کوئی ٹھوس بات پیش نہ کی اس لئے سامعین نے جناب مولوی صاحب کی تقریر کو ہمہ تن گوش ہو کر سُنا اور اس بات کا اقرار کیا کہ یہ ایک ایسی تقریر ہے جس میں صحیح علاج بتایا گیا ہے۔ ہال کے باہر کئی ہندو نوجوانوں نے جناب مولوی صاحب سے ملاقات کی اور مزید معلومات حاصل کرنے کیلئے پتہ نوٹ کیا۔ [1]

۵۔ آریہ سماج نئی دہلی مذہبی کانفرنس :۔ آریہ سماج نئی دہلی نے اپنے سالانہ جلسہ پر ایک مذہبی کانفرنس آریہ سماج مندر نئی دہلی میں امن عالم کے موضوع پر اظہار خیالات کے لئے منعقد کی جس میں انجمن احمدیہ دہلی کی طرف سے جناب عبدالحمید صاحب سیکرٹری تبلیغ نے ایک مدلل اور ٹھوس مقالہ پڑھا۔ [2]

۶۔ تھیوسافیکل سوسائٹی کانپور :۔ ۱۸ / احسان/جون ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء کو مولوی غلام احمد صاحب ارشد نے تھیوسافیکل سوسائٹی کانپور کے ہال میں ایک لیکچر دیا جس میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی کہ قرآن مجید کی رُو سے پیدائش انسانی میں تفاوت اور اختلاف کیوں ہے ؟

صاحب صدر نے اس لیکچر پر حسب ذیل ریمارکس دئے :۔

"مولانا صاحب نے جو جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں یہ جو اصول اپنی الہامی کتاب سے احمدی نکتہ نگاہ سے پیش کیا۔ کہ تمام بزرگوں کی عزت کرو۔ یہ نہایت شاندار ہے۔ اور ہم نے پہلے کسی مسلمان سے ایسا نہیں سُنا۔ یہ آج پہلی مرتبہ جماعت احمدیہ قادیان کے نمائندہ سے سُننے کا موقعہ میسر آیا ہے کہ قرآن مجید کے اندر ایسا زرین اصول بھی موجود ہے کہ تمام مذاہب کے بزرگوں اور پیشواؤں کی عزت کرو۔ ہم مولانا کا بہت بہت شکریہ ادا کرتے ہیں اور ہم نے اس قسم کی تقریر پہلے کسی مسلمان سے نہیں سُنی۔ مولانا صاحب نے جو توحید کا مسئلہ پیش کیا ہے کہ تمام انبیاء اسی توحید کو پیش کرتے آئے ہیں واقعی آپ کا فرمانا اپنے اندر معقولیت رکھتا ہے۔ باقی رہا یہ جھگڑا کہ پیغمبروں میں سے کون بڑا اور کون چھوٹا ہے۔ اس مسئلہ کو ہم بآسانی نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ ہر مذہب کے اندر پیغمبر آتے رہے ہیں۔ دوسرے مسلمان اس اصول پر ہرگز عمل نہیں کرتے۔ بلکہ دوسروں کے بزرگوں کو بُرا کہنا ثواب خیال کرتے ہیں۔ اگر جماعت احمدیہ اس آیت قرآنی کے ماتحت زور دے تو بہت فائدہ ہو سکتا ہے تاکہ دوسرے مسلمانوں کے اندر اس کی اہمیت پیدا ہو جائے۔ اور دنیا میں امن قائم ہو۔ جماعت احمدیہ کے اس اصول پر جو کہ مولانا نے پیش کیا ہے ہم مولانا کو مبارکباد دیتے ہیں۔" [3]

---

[1] الفضل ۹ / شہادت/اپریل ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۲ ۔ [2] تفصیل الفضل ۲۰ / شہادت/اپریل ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳ میں مندرج ہے۔
[3] الفضل ۲۳ / جون ۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۲ ۔

۷۔ آریہ سماج مندر بیلون (ڈلہوزی):۔ آریہ سماج بیلون (ڈلہوزی) نے اپنے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر ۲۵ و ۲۶ ظہور / اگست کو ایک دو روزہ مذہبی کانفرنس منعقد کی۔ پہلے دن کانفرنس کا موضوع تھا "میرے مذہب میں خداتعالیٰ کا تصور"۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے اس مضمون پر مولوی محمد یار صاحب عارف نے لیکچر دیا۔ صدر جلسہ پنڈت ٹھاکر دت صاحب شرما موجد امرت دھارا نے احمدی مقرر کو مقررہ وقت سے پندرہ منٹ زائد دیئے۔ اور کہا عارف صاحب نے عمدہ طریق پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور آریہ سماج پر حملہ کئے بغیر اس کے اصولوں کی تردید کی ہے اسی وجہ سے میں نے انہیں زیادہ وقت دیدیا ہے۔ دوسرے صاحبان بھی یہی طریق اختیار کریں تو مناسب ہے۔ آخری تقریر آریہ سماجی کی تھی جس نے عارف صاحب کی تقریر کا جواب دینے کی کوشش ہی کی تھی کہ یکدم خاموش ہو گیا اور باوجود صدر صاحب کے ہمت دلانے کے کچھ نہ بول سکا اور نصف وقت بھی نہ ہوا تھا کہ بیٹھ گیا۔

دوسرے روز کا مضمون "مذہب اور سیاست" تھا جس میں جماعت احمدیہ کی نمائندگی گیانی عباد اللہ صاحب نے کی۔ آپ کے بعد ایک آریہ لیکچرر نے اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے اعتراضات شروع کر دیئے جس پر صدر جلسہ نے یہ تقریر بند کرادی اور اقرار کیا کہ مقررین میں سے صرف گیانی صاحب کی تقریر اصل موضوع پر تھی۔ افسوس ہمارے لیکچرار نے اصل موضوع چھوڑ دیا ہے۔ آخری تقریر بھی ایک آریہ کی تھی جس نے اسلام پر اعتراضات شروع کر دیئے لیکن صدر جلسہ نے اس اقرار کے باوجود کہ تقریر اصل موضوع کے برعکس ہے تقریر بند نہ کرائی جس پر گیانی عباد اللہ صاحب اور دوسرے تمام مسلمان مندر سے باہر آگئے اور آریوں کے اعتراضات کے جوابات دیتے رہے۔ ہندوؤں نے بعد میں اس بات کا کھلا اظہار کیا کہ دونوں دن احمدی لیکچراروں کی تقریریں سننے کے قابل تھیں[۱]

۸۔ "شری گورو سنگھ سبھا" صدر بازار ڈلہوزی:۔ شری گورو سنگھ سبھا صدر بازار ڈلہوزی کا سالانہ جلسہ ۳۱ / اگست و یکم ستمبر ۱۹۴۵ء کو منعقد ہوا جس میں احمدی مبلغ گیانی عباد اللہ صاحب نے "حضرت بابا نانک اور توحید" کے موضوع پر تقریر کی اور حضرت مسیح موعود کے شعر ؎

بتایا گیا اس کو الہام میں ✿ کہ پائے گا تو مجھ کو اسلام میں

کی تشریح میں گورو گرنتھ صاحب کے شبدوں اور قرآن کریم کی آیات سے حضرت بابا نانک صاحب کی تعلیم پر روشنی ڈالی اور ثابت کر دکھایا کہ حضرت بابا نانک صاحب اسلامی توحید ہی کے علمبردار تھے۔ یہ تقریر بہت دلچسپی سے

---

[۱] :۔ الفضل ۱۴ / تبوک / ستمبر ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۶ ✿

سُنی گئی یہاں تک کہ تقریر کے لئے مقررہ وقت سے زیادہ وقت دیا گیا۔ آپ کی تقریر کے بعد امرتسر کے ایک مفسد اور شرارت پسند نے سکھوں کو یہ کہکر بھڑکانے کی کوشش کی کہ جماعت احمدیہ بابا نانک کو مسلمان کہتی ہے اور ایک احمدی کو اس جرم کی پاداش میں قید کی سزا بھی ہوئی تھی۔ گیانی صاحب نے دوبارہ وقت لیکر سکھ لٹریچر سے حوالہ جات پیش کئے کہ مسلمانوں کی طرف سے حضرت بابا صاحبؒ کے مسلمان ہونے کا اعلان سکھ گوروصاحبان کی زندگی میں کیا گیا تھا۔[1]

اندرونِ ملک کے بعض مشہور مناظرے

سال ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کے بعض مشہور مناظروں کی مختصر روداد آئندہ سطور میں درج کی جاتی ہے۔

۱۔ مباحثہ قلعہ گلانوالی ضلع گورداسپور:۔ قلعہ گلانوالی ضلع گورداسپور میں بعض احباب کے حلقہ بگوش احمدیت ہونے پر علاقہ میں ایک شور پڑ گیا اور غیراز جماعت علماء کئی روز تک احمدیت کے خلاف تقریریں کرتے رہے اور آخر "ختم نبوت" اور "صداقت حضرت مسیح موعود" کے موضوع پر ۳ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو مناظرہ طے پا گیا۔ چنانچہ فیصلہ کے مطابق پہلا مناظرہ ختم نبوت پر ہوا جو سیّد احمد علی صاحب اور مولوی عتیق الرحمن صاحب میں ہوا۔ احمدی مناظر نے آیات قرآنی، احادیث اور اقوال بزرگان سے ثابت کیا کہ شریعت محمدیہ کے تابع انبیاء آسکتے ہیں۔ فریق ثانی بار بار مطالبہ کے باوجود کسی آیت یا حدیث سے اپنا مدعا ثابت نہ کر سکا۔ اس مناظرہ کا اثر حاضرین پر بہت اچھا رہا۔ دوسرے مناظرے میں جماعت احمدیہ کی طرف سے چوہدری محمد یار صاحب عارف مناظر تھے۔ اور دوسرے فریق کی طرف سے مفتی عبداللہ صاحب معمار امرتسری۔ احمدی مناظر نے اپنی پہلی تقریر میں قرآن مجید کی آیات پیش کر کے صداقت حضرت مسیح موعود پر مؤثر رنگ میں استدلال کیا اور اپنی تائید میں مخالفین سلسلہ کی کتب سے حوالہ جات پیش کئے اسی طرح اپنی بعد کی تقریروں میں تمام اعتراضات کے جواب دیکر اپنے دلائل دہرائے اور جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات کو آشکار کیا۔ پبلک نے جس میں مسلمان، ہندو، سکھ شامل تھے تسلیم کیا کہ دوسرے مولوی احمدی مناظرین کے دلائل کا جواب نہیں دے سکے۔[2]

۲۔ مباحثہ بھٹیاں (ضلع گورداسپور):۔ موضع بھٹیاں کے ایک مخلص احمدی میاں عبدالحق صاحب[3] نور نے

---

[1]:۔ الفضل ۳۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۳، ۴۔ [2]:۔ الفضل ۱۲ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۱۔

[3]:۔ مولوی نذیر احمد صاحب شاہد ریحان مربی سلسلہ کے خسر۔ نہایت مخلص، پابند صوم و صلوٰۃ نیک بزرگ اور اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق میں سے تھے۔ ہجرت کے بعد کرونڈی ضلع نواب شاہ میں آباد ہو گئے جہاں ۲۲ فتح ۱۳۴۵ہش مطابق ۲۲ دسمبر ۱۹۶۶ء کو ایک شخص حاجی محمد ملاح کے ہاتھوں نہایت بے دردی سے شہید کر دیے گئے۔ اللّٰھم اغفر لہٗ و ادخلہٗ فی جنّت النعیم۔

حضرت مصلح موعود کی تحریک پر جب اپنے گاؤں میں تبلیغ پر زور دیا تو گاؤں کے لوگوں نے مباحثہ کے لئے اپنے علماء بلوائے۔ دوسری طرف مرکز احمدیت سے قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری۔ مولانا ابوالعطاء صاحب، گیانی واحد حسین صاحب۔ ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب موگا اور مولوی دل محمد صاحب بھی پہنچ گئے۔ مگر انہیں بولنے کی اجازت نہ دی گئی اور کہا گیا کہ صرف میاں عبدالحق صاحب ہی سوال کر سکتے ہیں۔ ہاں احمدی عالم اُن کو یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کیا کہیں۔ اس پر میاں عبدالحق صاحب ہی کو مناظرہ کرنا پڑا اور انہوں نے وفات مسیح کے مسئلہ پر مولوی عبداللہ معمار صاحب سے نہایت معقول و مدلل سوال کئے مگر وہ آخر تک اُن کے دلائل کو توڑ نہ سکے۔ اور گاؤں والوں نے اس دن صداقت احمدیت کا یہ نشان دیکھا کہ احمدیوں میں سے ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی اُن کے چوٹی کے مناظر کو لاجواب اور ساکت کر سکتا ہے[1] یہ ۱۹ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کا واقعہ ہے۔

٣۔ مباحثہ چک دھیدو ضلع شیخوپورہ:۔ ۳ ماہ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو چک دھیدو میں ایک عیسائی پادری سے ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب موگا کا "الوہیت مسیح" پر دلچسپ مناظرہ ہوا جس میں پادری صاحب کو لاجواب ہونا پڑا۔[2]

۴۔ مباحثہ موضع بھڈے (ضلع امرتسر):۔ ۱۲، ۱۳ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو موضع بھڈے ضلع امرتسر میں احمدیوں اور عیسائیوں کے درمیان تین مناظرے ہوئے۔ جماعت کی طرف سے "صداقت مسیح موعود" پر سید احمد علی صاحب نے اور "الوہیت مسیح" اور "مسیح کی صلیبی موت اور زندگی" پر ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب موگا نے بحث کی عیسائیوں کے مناظر پادری عنایت اللہ صاحب تھے۔ جنہوں نے غیر احمدی مسلمانوں کو احمدیت کے خلاف بھڑکانے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔[3]

۵۔ مباحثہ علی پور کھلوان (ضلع مظفر گڑھ):۔ ۵ ظہور/اگست ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو علی پور کھلوان میں احمدی مبلغین نے خدا کے فضل سے تین نہایت کامیاب مناظرے کئے۔ (۱) سید احمد علی صاحب نے مسئلہ وفات مسیح پر۔ مولوی محمد حیات صاحب سے مناظرہ کیا۔ شاہ صاحب کی تقریر نہایت برجستہ تھی۔ (۲) مولوی عبدالغفور صاحب نے مولوی لال حسین اختر سے صداقت مسیح موعود پر بحث کی۔ آپ نے حدیث کی ایک کتاب پیش کر کے کہا کہ اگر میرا مدمقابل یہ حدیث پڑھ دے تو اسے دس روپیہ انعام دیا جائے گا۔ بار بار کے مطالبہ کے باوجود انہوں نے حدیث تو نہ پڑھی۔ البتہ ادھر اُدھر کی چند باتیں کر کے کہا کہ بانی احمدیت کی نسبت انہیں زیادہ عربی آتی ہے۔ اس پر

---

[1]:۔ مناظرہ کی مفصل روئداد مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل کے قلم سے الفضل ۲۹ ماہ شہادت ۱۳۲۴ہش صفحہ ۵، ۶ پر درج ہے۔

[2]:۔ الفضل ۲۰ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۲۔ [3] الفضل ۲۱ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۳، ۴۔

مولوی عبدالغفور صاحب نے کہا کہ میں حضرت مسیح موعود کا ادنیٰ ترین خادم ہوں۔ آپ میرے ساتھ عربی میں مقابلہ کر لیجئے۔ آپ بھی عربی میں تقریر کریں میں بھی عربی میں کرونگا۔ اس پر اختر صاحب خاموش ہو گئے۔ (۳) ابھی روز تیسرا مناظرہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دیال گڑھی نے "مسئلہ ختم نبوت" پر کیا۔ احرار کی طرف سے مولوی لال حسین صاحب اختر ہی پیش ہوئے۔ احمدی مبلّغ کی پہلی تقریر نہایت معقول، مسکت اور مدلل تھی۔ احراری صدر قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی نے مناظرہ بند کرانے کی انتہائی کوشش کی۔ مگر عوام کے اصرار پر مناظرہ جاری رہا گو پانچ پانچ تقریروں کی بجائے تین اور دو تقریروں پر بتراضی فریقین مناظرہ کی کارروائی ختم کر دی گئی۔

اس مناظرہ میں علی پور کے علاوہ ڈیرہ نواب، اوچ شریف، جتوئی، ضلع مظفر گڑھ۔ ضلع ملتان، ضلع ڈیرہ غازیخان اور ریاست بہاولپور سے بکثرت احمدی، وغیر احمدی دوست شامل ہوئے جن کی تعداد چار ہزار کے لگ بھگ ہوگی۔ ہر دو فریق کی طرف سے امن کی ذمہ داری ملک شیر محمد صاحب رئیس گھلواں نے لی۔ اس مناظرہ کے بعد احمدیت کی دعوت دُور دُور تک پہنچی۔ سمجھدار طبقہ تحقیق کی طرف مائل ہو گیا۔ مناظرہ کے دو روز بعد ایک صاحب داخل سلسلہ احمدیہ بھی ہوئے اور سنجیدہ طبقہ نے یہ تاثر لیا کہ احمدی مبلّغین کی تقریریں تو خالص علمی رنگ رکھتی تھیں مگر ان کے مقابل محض فحش کلامی اور بدزبانی میں مشاقی کا مظاہرہ کیا گیا۔ [1]

۶۔ مباحثہ بھدرواہ (ضلع اُودھم پور) :۔ تبوک / ستمبر ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء میں بھدرواہ کے مقام پر مولوی ابوالبشارت عبدالغفور صاحب کا مولوی لال حسین صاحب اختر سے مسئلہ نبوت اور صداقت مسیح موعود پر مناظرہ ہوا۔ تعلیم یافتہ اور سنجیدہ طبقہ نے اقرار کیا کہ احمدی مبلّغ کے دلائل کو توڑا نہیں جا سکا۔ فریق ثانی کا سارا زور عبارات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے اور بدزبانی کرنے میں صرف ہوا۔ جس پر ذمہ دار افسروں کو بار بار انتباہ کرنا پڑا۔ [2]

۷۔ مباحثہ گُنری (سندھ) :۔ گنری میں ۵-۶ ماہ نبوت / نومبر ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء کو حنفیوں اور احمدیوں کے درمیان تینوں اختلافی مسائل پر نہایت شاندار اور کامیاب مناظرے ہوئے۔ حنفیوں کی طرف سے مولوی محمد عمر صاحب شیخوپوری اور احمدیوں کی طرف سے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دیال گڑھی اور مولوی سیّد احمد علی صاحب مناظر تھے۔ سامعین کی تعداد سات سو سے ہزار تک ہوگی۔ ان مناظروں کے نتیجہ میں پبلک میں

---

[1] :۔ الفضل ۲۵ ظہور / اگست ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۶۔ ملخصاً از مضمون فیض بخش صاحب ٹوّن نائب مہتمم تبلیغ مظفر گڑھ۔

[2] :۔ الفضل ۱۲ تبوک / ستمبر ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۳، ۴۔

احمدیت سے متعلق خاص دلچسپی اور بیداری پیدا ہو گئی۔ [1]، [2]

فصل ششم

تحصیل بٹالہ کا الیکشن اور احمدیہ جماعت۔ مسئلہ فلسطین پر چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی تقریر۔ اشاعتِ الفضل کی تحریک۔ سندھ میں بزرگوں کی یادگاریں۔ احمدیت کا پہلا انگریز واقفِ زندگی۔ یورپ میں نئے مشنوں کا قیام۔ انڈونیشیا کی جدوجہد آزادی اور جماعتِ احمدیہ۔

خلافتِ ثانیہ کا تینتیسواں[۳۳] سال (۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء)

تحصیل بٹالہ کے اسمبلی الیکشن میں احمدی خواتین اور احمدی مردوں کے اخلاص کے شاندار کارنامے

اس سال کے شروع میں پنجاب اسمبلی کے الیکشن ہوئے جس میں چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے خالص احمدیت کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے اور بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔

اس الیکشن میں احمدی خواتین اور احمدی مردوں نے قربانی، ایثار اور اخلاص کا ایسا شاندار نمونہ دکھایا۔ کہ

[1] :۔ الفضل ۱۴ نبوت ۱۳۲۴ ہش صفحہ ۵ ؎

[2] :۔ اس مناظرہ کا ایک واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اور وہ یہ کہ احمدی مناظر نے ۷ نومبر کو دوران بحث حنفی مناظر کو مؤکد بعذاب حلف اٹھانے کی انعامی دعوت دی۔ جب جماعت احمدیہ کمزی نے اس حلف نامہ کو الفضل میں شائع کرنے کے لئے بھجوایا تو ادارہ الفضل نے اسے بغرض استصواب حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی خدمت میں بھیجا جس پر حضور کے ارشاد پر نظارت دعوت و تبلیغ کی طرف سے سلسلہ کے علماء سے مشورہ کیا گیا۔ علماء کی متفقہ رائے حضور کی خدمت میں پیش ہوئی تو حضور نے فیصلہ فرمایا کہ:۔

"میں تو ایسے مطالبہ کو جائز نہیں سمجھتا۔ شرائط حلف تو درست ہیں لیکن یہ امر بھی تو واضح ہے کہ شرائط کا وجود صرف بہت بڑا اہل شخص ہی ثابت کر سکتا ہے۔ اس لئے یا امام یا جماعت مسلمہ اس کا فیصلہ کرنے کی اہل ہے نہ ایک مبلغ"۔ اس فیصلہ کی روشنی میں نظارت دعوت و تبلیغ نے الفضل ۱۰ ماہ وفا / جولائی ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۲ پر مفصل اعلان شائع کیا کہ "آئندہ کوئی جماعت یا جماعت کا فرد بغیر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے حلف یا مباہلہ کے بارہ میں کوئی اقدام نہ کرے"۔

حضرت مصلح موعود نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"عورتوں نے الیکشن میں قربانی کر کے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس بات کی مستحق ہیں کہ ان کے اس ذکر کو ہمیشہ تازہ رکھا جائے اور بار بار جماعت کے سامنے اس واقعہ کو لایا جائے۔ انہوں نے بے نظیر قربانی اور نہایت اعلیٰ درجہ کی جاں نثاری کا ثبوت دیکر ثابت کر دیا کہ وہ مردوں سے قومی کاموں میں آگے نکل گئی ہیں"۔ [1]

"عورتوں نے واقعہ میں نہایت اعلیٰ کام کیا ہے ...... بعد میں مجھے ایک اور مثال کا پتہ لگا جو حیرت انگیز تھی اور جس نے قادیان کی مثالوں کو بھی مات کر دیا۔ ہمارے جو آدمی الیکشن کے کام کے لئے گئے ہوئے تھے ان میں سے ایک نے سنایا کہ ایک گاؤں میں ایک احمدی عورت ووٹر تھی جس کا ہمیں علم نہیں تھا۔ ووٹ دینے کی مقررہ تاریخ سے ایک یا دو دن پہلے اسے اسقاط حمل ہو گیا اور چونکہ ہمیں پتہ نہیں تھا کہ وہ ووٹر ہے اس لئے ہم نے وہاں کوئی سواری نہ بھجوائی۔ اس دن جب کئی گھنٹے ووٹنگ پر گزر گئے تو ایک آدمی نے آکر بتایا کہ فلاں جگہ ایک عورت بیہوش پڑی تھی اور لوگ اس کو اٹھا کر اسکے گاؤں واپس لے گئے ہیں۔ اس کی باتوں سے پتہ لگتا تھا کہ وہ ووٹ دینے آئی تھی۔ چنانچہ ہمارے آدمی وہاں گئے لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ اس پر انہوں نے فوراً اسکے لئے اس کے گاؤں میں سواری بھیجی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اپنی اس بیماری کی حالت میں ہی چل پڑی اور اپنے گاؤں سے دو میل دور آکر بیہوش ہو کر گر پڑی۔ گاؤں والوں نے اُسے اٹھایا اور واپس لے گئے۔ لیکن جب اُسے ہوش آیا تو وہ اُٹھکر پھر دوڑنے لگی اور کہا کہ مَیں نے تو ووٹ دینا ہے۔ اس اثناء میں سواری بھی پہنچ گئی اور وہ اس پر سوار ہو کر ووٹ دینے آگئی۔ اس نے بتایا کہ میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ خلیفۃ المسیح نے کہا ہے کہ جس سے ممکن ہو وہ ووٹ دینے کے لئے ضرور پہنچ جائے اس لئے میں اپنا سارا زور لگانا چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح ووٹ دے آؤں۔

اس عرصہ میں بیرونجات سے آنے والے لوگوں میں سے بھی بعض کی مثالیں بڑی شاندار معلوم ہوئی ہیں۔ کل ہی مجھے ایک فوجی کا خط ملا ہے۔ وہ انبالہ میں تھا یہاں سے اُسے تار گیا کہ تمہارا ووٹ ہے بلکہ گورنمنٹ کی طرف سے جو چھٹی جاتی ہے وہ نہیں گئی۔ وہ خط میں لکھتے ہیں کہ جب تار وہاں پہنچا تو دفتر کا افسر جو ہندو تھا چونکہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ میں ووٹ کیلئے جاؤں اسنے تار دبا دی۔ کرنل چھٹی پر جا رہا تھا جب وہ چلا گیا تو اُسنے تار مجھے دکھائی میں نے وہ تار اپنے پچھلے افسر کو دکھائی وہ کہنے لگا کہ میں تو رخصت نہیں دے سکتا بڑے افسر کے پاس جاؤ۔ میں اس بڑے افسر کے پاس

---

[1] :۔ الفضل ۱۵ تبلیغ ۱۳۲۵ ہش صفحہ ۵ کالم ۴۔

گیا تو اُس نے کہا کہ کرنل کی موجودگی میں چھٹی مل سکتی تھی مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ پھر اس نے کہا یہ تو بناوٹی تار ہے۔ میں نے کہا میرا ووٹ ہے اور وہاں سے تار آیا ہے۔ بناوٹی نہیں۔ انہوں نے کہا کچھ بھی ہو تمہیں چھٹی نہیں مل سکتی۔ میں وہاں سے آ کر سیدھا سٹیشن کی طرف بھاگا اور ریل میں سوار ہوا۔ امرتسر پہنچا تو بٹالہ کی ریل روانہ ہو چکی تھی وہاں سے دوڑ کر لاری لی۔ جب لاری بٹالہ پہنچی تو قادیان کی ریل روانہ ہو چکی تھی۔ اس پر بٹالہ سے قادیان پیدل روانہ ہوا اور دوڑتے ہوئے قادیان پہنچ کر اپنا ووٹ دیا۔ انہوں نے جگہ کا نام تو نہیں بتایا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ قادیان میں ہی آئے تھے کیونکہ وہ لکھتے ہیں کہ میں ووٹ دے کر خلیل احمد صاحب ناصر کے پاس جو انچارج تھے آیا اور کہا کہ ایسا واقع ہوا ہے انہوں نے کہا کوئی بات نہیں تم چلے جاؤ۔ میں واپس آیا تو پہلے تو مجھے قید کر دیا گیا کہ تم بغیر چھٹی کیوں گئے تھے۔ پھر میرا رنیک توڑ کر مجھے سپاہی بنا دیا گیا۔ اب دیکھو یہ دوست فوجی تھے اور جانتے تھے کہ اگر میں بلا اجازت چلا گیا تو مجھے قید کی سزا ملے گی۔ مگر باوجود اس کے وہ بھاگ کر یہاں پہنچے اور ووٹ دیا۔ یہی اخلاص ہے جو قوموں کو کامیاب کیا کرتا ہے۔ لوگ تو مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ تم جنت کا لالچ دیکر یا دوزخ سے ڈرا کر کام لیتے ہو حالانکہ ہم کسی کو دوزخ سے ڈرانے کے قائل ہی نہیں۔ نہ مذہبی طور پر اور نہ سیاسی طور پر۔ اگر ہم دشمن کو دوزخ سے ڈرائیں تو احمدیوں کو تو ووٹ ملنا بالکل ہی ناممکن ہو جائے۔ کیونکہ احمدیوں کی تعداد دوسرے مسلمانوں سے بہت ہی کم ہے لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہمیں یہ ضرورت ہی نہیں کہ ہم کسی کو دوزخ سے ڈرائیں یا جنت کا لالچ دلا کر کام کرائیں کیونکہ ہماری جماعت میں خدا تعالیٰ کے فضل سے قومی بیداری اس قسم کی پیدا ہو چکی ہے کہ یہ بات جانتے ہوئے بھی کہ فلاں کام دنیوی ہے۔ اکثر لوگ اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ دنیوی حقوق کو محفوظ کرنا بھی ثواب کا کام ہوتا ہے۔ اسی طرح میرے خطبہ کے بعد قادیان والوں نے بھی فرض شناسی سے کام لیا۔ اور انہوں نے چالیس کے قریب سائیکل چند گھنٹوں کے اندر اندر میاں بشیر احمد صاحب کے پاس پہنچا دیئے۔ اسی طرح بہت آدمیوں نے اپنی خدمات پیش کیں۔ اور فوراً بیرونجات میں چلے گئے۔ آج الیکشن کے سلسلہ میں ہمارے کارکن مجھے ملنے آئے تو انہوں نے کہا کہ گاؤں کے احمدیوں نے تو کمال کر دیا۔ وہ سارے علاقہ میں ٹڈی دَل کی طرح پھیل گئے تھے۔ بالخصوص گاؤں کے لوگوں نے اور اس میں بھی زیادہ خصوصیت کے ساتھ وجھوالی کھوکھر اور لودی ننگل، ٹھٹھہ شیخ ننگل، اٹھوال، گلانوالی، دھرم کوٹ، قلعہ ٹیک سنگھ وغیرہ وغیرہ۔ تلونڈی والوں نے بھی اچھا کام کیا ہے۔ لیکن اتنا نہیں جتنی ان سے امید کی جاتی تھی۔ مگر بہرحال انہوں نے بھی اچھا کام کیا ہے۔ نکموں میں سے نہیں تھے.... بعض اور جماعتوں نے بھی بڑا عمدہ کام کیا ہے۔ لیکن اس وقت مجھے ان کے نام

یاد نہیں رہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ ان سب نے اس بات کا ثبوت دے دیا ہے کہ جب مومن کام کرنے پر آتا ہے تو وہ ہر قسم کے عواقب سے نڈر ہو کر کام کرتا ہے۔ دنجواں میں مخالفین کی شرارت پر پولیس نے احمدیوں کے ووٹوں کو روکنے کی کوشش کی۔ مگر نوجوان مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اپنے آدمی لے کر جانے ہیں خواہ پولیس دخل اندازی ہی کیوں نہ کرے۔ پولیس نے ایک دو ووٹروں کو روکے رکھا اور باقیوں کو چھوڑ دیا۔ لیکن جب ہمارے دوسرے آدمی پہنچ گئے تو باقیوں کو بھی انہوں نے چھوڑ دیا۔ بہرحال جماعت نے نہایت اعلیٰ درجہ کے اخلاص کا نمونہ دکھایا ہے۔ جہاں تک الیکشن کروانے کا سوال تھا جماعت نے اپنی قربانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اور بے مثال قربانی پیش کر کے جماعت کی ترقی کے لئے ایک راستہ کھول دیا ہے"۔[۱]

مسئلہ فلسطین پر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی تقریر

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب جج فیڈرل کورٹ آف انڈیا نے "مسئلہ فلسطین" کے مضمون پر وائی ایم سی اے ہال لاہور میں ۲۷ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو ایک نہایت اہم اور معلومات افزا تقریر فرمائی جلسہ کا اہتمام نوجوانان احمدیت کی بین الکلیاتی تنظیم "احمدیہ انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن" نے کیا اور صدارت کے فرائض جناب ڈاکٹر ای سڈی لوکس وائس پرنسپل ایف سی کالج لاہور نے انجام دیئے۔

اخبار "انقلاب" (لاہور) نے اس تقریر کا ملخص حسب ذیل الفاظ میں شائع کیا:۔

"برطانیہ اور امریکہ یہودی سرمایہ کے اثر کے باعث آزادانہ طور پر کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔ سیاسی حلقہ میں بھی یہودیوں کا اثر کم نہیں ہے۔ موجودہ پارلیمنٹ کے دارالعوام میں ۲۵ یہودی ممبر ہیں۔ دو یہودی وزیر اور ایک یہودی سیکرٹری آف سٹیٹ۔ اسی طرح امریکہ میں بھی وہ ملک کی سیاسی مشین پر اثر انداز ہیں۔

آپ نے کہا کہ یہ سوال کہ کیا فلسطین ان ملکوں میں شامل تھا جن کے بارے میں گزشتہ جنگ کے آغاز میں حکومت برطانیہ نے عربوں کو آزادی کا یقین دلایا تھا۔ آج تئیس سال کے بعد بھی حل نہیں ہو سکا۔ فلسطین میں گزشتہ ۲۱ سال کی بدامنی اور ناخوشگوار حالات کے باوجود حکومت برطانیہ اس مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔ پہلی عالمگیر جنگ سے موجودہ وقت تک فلسطین کی سیاسیات کا جائزہ لینے کے بعد سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے کہا کہ فلسطین کے عرب حسب ذیل چار وعدوں کی بنا پر جو کہ حکومت برطانیہ نے ان سے کئے تھے فلسطین میں ایک

[۱] :۔ الفضل یکم امان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۶۔

عرب ریاست کے قیام کا مطالبہ کرتے ہیں ا۔

اوّل :۔ پہلی عالمگیر جنگ کے شروع میں برطانیہ نے جن عرب ممالک سے آزادی کا مطالبہ کیا تھا فلسطین بھی اُن میں شامل تھا۔

دوئم :۔ حکومت برطانیہ نے اپنے پہلے وعدے کو اس اعلان سے مضبوط کیا کہ جنگ کے بعد عرب ممالک میں وہاں کے لوگوں کے مشورہ کے بغیر کوئی حکومت قائم نہیں کی جائے گی۔

سوئم :۔ بالفور اعلان کا یہ مفہوم نہیں تھا جو یہودی اخذ کرتے ہیں کہ فلسطین میں ایک یہودی ریاست قائم کی جائیگی۔

چہارم :۔ عربوں کا مطالبہ ہے کہ ۱۹۳۹ء کا قرطاس ابیض ایک قسم کا آخری فیصلہ تھا اور یہودی اس کی مخالفت میں حق بجانب نہیں ہیں۔

سر محمد ظفر اللہ خاں نے شریف مکہ اور مصر میں برطانی ہائی کمشنر کے مابین عرب ممالک کی آزادی کے بارے میں خط وکتابت کا بتفصیل ذکر کرتے ہوئے کہا کہ شریف مکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ جنگ کے اختتام پر عرب ممالک کو آزاد کیا جائے۔ اور کہا تھا کہ عربوں کا یہ مطالبہ اُن کی زندگی کا جزو اعظم بن چکا ہے۔ اور اس میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں ہو سکتا۔ حکومت برطانیہ نے ہائی کمشنر کی معرفت اس مطالبہ کو پورا کرنے کا یقین دلایا تھا۔ آج عرب اسی خط وکتابت کی بناء پر فلسطین کی آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ فلسطین بھی اُن ممالک میں شامل تھا جن کے بارے میں شریف مکہ نے حکومت برطانیہ سے ضمانت مانگی تھی۔

فلسطین میں یہودیوں کے قیام کے متعلق دیگر عرب ممالک کے ردّ عمل کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ عرب یہودیوں کے نام سے متنفر ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ اگر فلسطین میں یہودیوں کی ریاست قائم ہوگئی تو پھر وہ ہمسایہ عرب ممالک سے بھی علاقوں کا مطالبہ کریں گے اور نئی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

اگرچہ یہودی اس امر کا یقین دلائیں اسلئے کہ وہ عربوں کے مفاد کی حفاظت کریں گے لیکن باہمی عناد کا جذبہ اب اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ کسی مفاہمت کی کوئی امید نہیں ہے۔ یہودی اس بات پر تُلے ہوئے ہیں کہ اگر ممکن ہو سکے تو طاقت کے استعمال سے یہودی ریاست قائم کریں گے۔

سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے کہا کہ فلسطین کی سترہ لاکھ پچاس ہزار کی کل آبادی میں چھ لاکھ اور پچاس ہزار یہودی ہیں۔ اور وہ ملک کی اقتصادی زندگی پر چھائے ہوئے ہیں۔ اور اگر یہودیوں کا فلسطین میں داخلہ بند بھی کر دیا گیا تو وہ سیاسی اور اقتصادی طور پر عربوں کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ بنا رہے ہیں۔ عرصہ

صورت حالات سے بخوبی آگاہ ہیں اور اس خطرہ کو مٹانے کا عزم کئے ہوئے ہیں "۔ [1]

سلسلہ احمدیہ کے مخلص اور فدائی بزرگوں کی سندھ میں یادگاریں۔

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ۹ رامان/مارچ ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء کو قادیان سے سندھ تشریف لے گئے اور ۳ رماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء کو قادیان میں رونق افروز ہوئے [2]

اس سفر کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ حضور نے ۲۲ رامان کو محمد آباد اسٹیٹ کی بعض اور گوٹھوں (یعنی گاؤں) کے نام بزرگان سلسلہ کے ناموں پر تجویز فرمائے جو یہ تھے۔ نور نگر، کریم نگر، لطیف نگر، روشن نگر، برہان نگر، اسحٰق نگر۔ چنانچہ حضور نے اسی روز خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"سلسلہ کے لئے قربانی کرنیوالوں کی یادگار کو تازہ رکھنے کے لئے میں نے سلسلہ کی جائیداد کے مختلف گاؤں کے نام، بزرگوں کے ناموں پر رکھنا تجویز کیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ ہمیں سب سے زیادہ عزیز ہیں اس لئے آپ کے نام پر اس گاؤں کا نام جو تحریک کی جائیداد کا مرکز ہے محمد آباد رکھا گیا ہے۔ صدر انجمن احمدیہ کی جائیداد کے مرکز کا نام احمد آباد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر رکھا گیا ہے۔ محمد آباد آٹھ ہزار ایکڑ کا رقبہ ہے۔ اس لحاظ سے میرا خیال ہے اس میں چھ سات گاؤں اور آباد ہو سکتے ہیں۔ اس وقت جو آبادیاں یہاں قائم ہو چکی ہیں ان میں سے ایک کا نام پہلے سے حضرت خلیفہ اولؓ کے نام پر نور نگر ہے۔ اب شمالی حلقہ کی ایک آبادی جو سٹیشن کے پاس ہے اس کا نام کریم نگر رکھا گیا ہے اور مغربی طرف کی دو آبادیوں میں سے ایک کا نام لطیف نگر صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب کی یاد میں اور ایک کا نام روشن نگر حافظ روشن علی صاحبؓ کی یادگار میں رکھا گیا ہے۔ پہلے میں نے ان ناموں کے ساتھ آباد لگایا تھا مگر پھر اسے نگر میں تبدیل کر دیا تاکہ محمد آباد نام کے لحاظ سے بھی اپنے حلقہ میں ممتاز ہو جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج ہیں اور یہ لوگ ستارے ہیں اسی طرح محمد آباد بطور سورج کے ہو اور اس کے ارد گرد باقی گاؤں بطور ستاروں کے ہوں میرا ارادہ بعض اور نام بھی رکھنے کا ہے مثلاً برہان نگر مولوی برہان الدین صاحب کے نام پر اور اسحٰق نگر میر محمد اسحٰق صاحب مرحوم کے نام پر۔ اسی طرح ایک دو گاؤں احمد آباد کی زمین میں بھی آباد ہو سکتے ہیں ان کے ساتھ بھی نگر لگایا جائیگا۔ اور جو گاؤں احمد آباد میں آباد ہوں گے ان کے نام بھی سلسلہ کے لئے

[1] بحوالہ الفضل ۱۳ صلح/جنوری ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۶۔
[2] الفضل ۱۱ رامان ۱۳۲۵ ہش صفحہ ۱ و ۴ رشہادت ۱۳۲۵ ہش صفحہ ۱۔

قربانی کرنے والوں کے نام پر رکھے جائیں گے۔ ان گاؤں کے نام بھی اللہ تعالیٰ کا ایک نشان ہوں گے۔ کیونکہ ایک وہ دن تھا کہ قادیان میں اگر تین چار سو روپیہ چندہ آجاتا تھا تو بڑی ترقی سمجھی جاتی تھی اور آج یہ دن آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سلسلہ کو لاکھوں لاکھ کی جائیدادیں دی ہیں اور قربانی کرنے والوں کے نام پر گاؤں آباد ہو رہے ہیں"۔ [۱]

احمدیت کا سب سے پہلا انگریز واقفِ زندگی

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمیشہ دُعا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ یورپین لوگوں میں سے احمدیت کے لئے زندگی وقف کرنے کی توفیق عطا فرمائے چنانچہ حضور نے ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ہم ہمیشہ دُعا کرتے ہیں اور ہماری ہمیشہ سے یہ آرزو ہے کہ یورپین لوگوں میں سے کوئی ایسا نکلے جو اس سلسلہ کے لئے زندگی کا حصہ وقف کرے لیکن ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ کچھ عرصہ صحبت میں رہ کر رفتہ رفتہ وہ تمام ضروری اصول سیکھ لیوے جن سے اہل اسلام پر سے ہر ایک داغ دُور ہو سکتا ہے اور وہ تمام قوت وشوکت سے بھرے ہوئے دلائل سمجھ لیوے جن سے یہ مرحلہ طے ہو سکتا ہے۔ تب وہ دوسرے ممالک میں جا کر اس خدمت کو ادا کر سکتا ہے۔ اس خدمت کے برداشت کرنے کیلئے ایک پاک اور قوی رُوح کی ضرورت ہے جس میں یہ ہوگی وہ اعلیٰ درجہ کا مفید انسان ہوگا اور خدا کے نزدیک آسمان پر ایک عظیم الشان انسان قرار دیا جاوے گا"۔ [۲]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان دعاؤں کا پہلا ثمر عہد مصلح موعود میں جان برین آرچرڈ (JOHN BREN ORCHARD) بنے جو ۱۹۴۴ء میں دوسری جنگ عظیم کے دوران لیفٹیننٹ تھے اور ہندوستان و برما کی سرحد پر لڑنے والی ۱۴ آرمی میں متعین تھے کہ اسی دوران میں انہیں ایک احمدی حوالدار کلرک عبدالرحمٰن صاحب دہلوی کے ذریعہ اسلام و احمدیت کا پیغام ملا جس پر آپ ۱۹۴۵ء میں خفیہ طور پر قادیان پہنچے اور حضرت مصلح موعود کی زیارت سے مشرف ہوئے اور پھر دوبارہ قادیان آکر حضرت مصلح موعود کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ حضور نے آپ کا اسلامی نام بشیر آرچرڈ رکھا۔

بشیر آرچرڈ صاحب کا پہلا سفر قادیان اور اس کا پس منظر

بشیر آرچرڈ کو احمدیت کا پیغام کیسے پہنچا اور ان کو قادیان جانے کی تحریک کیسے ہوئی اس کی تفصیل

۱: الفضل ۱۲ ر شہادت/اپریل ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء صہ ۵

۲: البدر مورخہ ۲۹ اکتوبر و ۸ نومبر ۱۹۰۳ء صہ ۳۲۳

جناب عبدالرحمٰن صاحب دہلوی[1] کے الفاظ میں لکھنا زیادہ مناسب ہوگا۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"جس کمپنی کے ساتھ ہم نے اشتراک کیا اس میں ایک انگریز لیفٹیننٹ تھے جن کا نام JOHN BREN-ORCHARD تھا۔ یہ پہلے ڈوگرہ رجمنٹ میں تھے۔ اس کے بعد آئی۔اے۔او۔سی میں ATTACH (منسلک) ہو گئے تھے۔ یہ افسر ہر ہفتہ اپنے والد صاحب کو چھ سات صفحہ کا ایک خط لکھا کرتے تھے جس میں وہ ہندوستان کی تاریخ مرتب کیا کرتے تھے۔ غالباً ان کا ارادہ ہندوستان کی تاریخ چھپوانے کا تھا۔ جب ۱۹۴۲ء میں جاپانیوں نے اتحادیوں پر سخت حملہ کر دیا اور رنگون کو گھیرے میں لے لیا ان ایام کی ایک شام کا ذکر ہے کہ میں گارڈ کمانڈر تھا۔ لیفٹیننٹ آرچرڈ اپنے بنکر (BUNKER) سے باہر نکلے۔ میں نے ان کو سیلوٹ کیا اور اُن سے کہا کہ میں نے سُنا ہے آپ ہندوستان کی تاریخ لکھ رہے ہیں لیکن آپ کی تاریخ اس وقت تک نامکمل رہے گی جب تک کہ آپ تاریخ کے اس اہم واقعہ کو درج نہ کریں جو ہندوستان کی سرزمین پر واقع ہوا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ وہ اہم واقع کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ مسیح نے نئے عہد نامہ میں جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا یعنی مسیح نے کہا تھا "اس وقت تک انتظار کرو کہ میں دوبارہ آؤں"۔ لہٰذا مسیح ہندوستان کی سرزمین کے ایک گاؤں قادیان میں آگیا ہے۔ آپ اس واقع کو اپنی تاریخ میں ضرور بیان کریں۔ انہوں نے جواب دیا "اس وقت تو میں حاضری (ROLL CALL) پر جا رہا ہوں کیونکہ آج میں آرڈرلی آفیسر (OFFICER OF THE DAY) ہوں۔ پھر کسی وقت بات کروں گا کیونکہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کے بعد وہ شام کی گنتی (حاضری) سے فارغ ہو کر آئے اور انہوں نے بہت سے سوالات کئے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ احمدیہ لٹریچر پڑھنا چاہتے ہیں۔ چونکہ فوج میں مذہب کی تبلیغ اس وقت بھی منع تھی اور آج بھی منع ہے۔ لہٰذا میں نے اُن سے کہا کہ ہماری جماعت کے مبلغین میں سے ایک مبلغ ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب ہیں آپ اُن سے خط و کتابت کریں وہ آپ کو نہ صرف یہ کہ لٹریچر پڑھنے کے لئے دیں گے بلکہ آپ کے شکوک و شبہات بھی دور فرمائیں گے۔ لیفٹیننٹ صاحب نے کہا کہ اچھا مفتی صاحب سے میرا تعارف کروا دو۔

مفتی محمد صادق صاحب کی خدمت میں میں نے تحریر کیا کہ براہ مہربانی آپ ان لیفٹیننٹ صاحب کو ایک جلد "اسلامی اصول کی فلاسفی" اور ایک جلد "احمدیت یا حقیقی اسلام" روانہ کر دیں۔ کتابوں کی قیمت اور خط و کتابت کے

---

[1] :۔ ابن حضرت ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب رضی اللہ عنہ دہلوی۔ ولادت ۲۸ر اکتوبر ۱۹۱۰ء۔ ۱۰ر جنوری ۱۹۴۲ء کو فوج میں بھرتی ہوئے جہاں سے ریٹائر ہونے کے بعد مئی ۱۹۵۹ء میں بیت المال ربوہ کے کارکن بنے اب نظارت امور عامہ ربوہ میں کام کر رہے ہیں۔

سلسلہ میں جو خرچ ہوگا وہ میں آپ کی خدمت میں پیش کردونگا۔ تقریباً ایک ڈیڑھ ہفتہ کے بعد لیفٹیننٹ صاحب کو مفتی صاحب کی طرف سے ایک خط اور ایک کتابوں کا پارسل موصول ہوا جس کا انہوں نے مجھ سے تذکرہ کیا اور اسکے بعد انہوں نے اسلامی اصول کی فلاسفی کا مطالعہ شروع کردیا۔

ایک دن لیفٹیننٹ صاحب کھڑے ہوئے اسلامی اصول کی فلاسفی پڑھ رہے تھے۔ میں ادھر سے گزرا۔ انہوں نے مجھ سے باتیں شروع کردیں کہ اسلام کی تعلیم تو اچھی ہے مگر ایک بُری بات یہ ہے کہ اسلام عیسائیت پر حملے بہت کرتا ہے۔ جواباً میں نے انہیں بتایا کہ اب آپ کا فرض یہ ہے کہ آپ اس بات کی تحقیق کریں۔ کہ اسلام کے یہ حملے صحیح ہیں یا غلط۔ اتنے میں ایک اور لیفٹیننٹ صاحب جن کا نام محمد غفار علوی ہے (یہ صاحب پاکستان آرمی میں میجر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے ہیں) اُدھر آنکلے۔ آرچرڈ صاحب نے اُن سے کچھ گفتگو شروع کردی اور اُن سے بھی یہی مذکورہ بالا سوال دھرایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ باتیں آپ عبدالرحمن سے ہی پوچھیں۔ یہی آپ کو بتائیگا۔ مَیں نے کہا کہ اگر کوئی شخص چور ہو تو اُسے چور کہنا حملہ کرنا نہیں ہے بلکہ امر واقعہ کا اظہار ہے۔ ......

.... ہاں کسی ایسے شخص کو چور کہنا جو چور نہ ہو یہ الزام اور حملہ ہے اور ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ اب آپ اس کتاب کو اس نظریہ کے ساتھ مطالعہ کریں کہ کیا اسلام عیسائیت کے بارے میں جو کچھ کہتا ہے وہ حقیقت ہے یا نہیں اگر حقیقت ہے تو اس کو حملہ نہیں کہہ سکتے اور اگر حقیقت نہیں تو واقعی حملہ ہے اور اسلام کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔

ایک دن لیفٹیننٹ آرچرڈ نے مجھ کو کہا کہ کیا تم مجھے اُردو پڑھا دوگے۔ مَیں نے جواب دیا کہ دفتر کے وقت تو مَیں کچھ نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر آپ صبح پی۔ٹی (فزیکل ٹریننگ) کے وقت چاہیں تو میں آپکی خدمت کرسکتا ہوں۔ چنانچہ میرے سیکشن آفیسر (OFFICER COMMANDING) کیپٹن راجندر سنگھ نے مجھے اجازت دیدی اور میں نے آرچرڈ صاحب کو اُردو پڑھانی شروع کردی۔ ایک دن لیفٹیننٹ صاحب نے مجھ سے کہا کہ تمہاری جماعت دنیائی فلاح و بہبود کیلئے بہت کچھ کررہی ہے مثلاً یہی کہ اتنا قیمتی لٹریچر مفت تقسیم کرتی ہے۔ کیا میں اس کا ممبر بن سکتا ہوں؟ میں نے کہا شوق سے۔ کہنے لگے مگر میں مسلمان نہیں بنوں گا۔ مَیں نے کہا کہ جب آپ اس جماعت میں داخل ہوں گے تو پہلی چیز جس کا آپ کو اقرار کرنا ہوگا وہ ہے "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔ اور جو شخص اس کلمہ کو پڑھکر اقرار کرتا ہے وہ مسلمان ہوتا ہے کہنے لگے تو پھر مَیں اس جماعت میں داخل نہیں ہوتا۔ اگر مَیں اس جماعت کی کچھ روپے سے

مدد کرنا چاہوں تو کیا میرا روپیہ قبول کیا جائے گا؟ میں نے کہا یقیناً۔ اس پر وہ بولے کہ میں سو روپیہ دینا چاہتا ہوں۔ ایک صبح جب وہ مجھ سے اُردو پڑھ رہے تھے تو باتوں باتوں میں آواگون کا ذکر چھڑ گیا۔ کہنے لگے کہ آواگون کے مسئلہ کا میں قائل ہوں۔ میں نے ایک مثال پیش کی کہ اگر ایک سپاہی کوئی غلطی کرے اور اس کی پاداش میں اس کو سزا دی جائے۔ لیکن سزا دینے سے قبل آپ اگر اس کے دماغ کو مسمرائز کر دیں (کیونکہ لیفٹیننٹ صاحب مسمریزم کے ماہر تھے) اور اس کی سزا بھگتنے کے بعد اگر آپ مسمریزم کا وہ اثر اُس کے دماغ سے دُور کر دیں تو کیا اس سپاہی کو سزا دینا کوئی عقلمندی کی بات ہے یا اس کا کوئی معقول نتیجہ نکل سکتا ہے؟ کہنے لگے کہ نہیں۔ میں نے کہا۔ بس یہی حالت آواگون کی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ جانتا کہ وہ پچھلے جنم میں کیا تھا اور کس گناہ یا نیکی کے بدلے میں موجودہ جون اختیار کی گئی ہے تو پھر خداوند تعالیٰ کا یہ فعل درست تھا۔ لیکن موجودہ صورت میں جبکہ کسی ذی روح کو اپنی گذشتہ جون کی نیکی یا بدی کا کوئی علم نہیں۔ خداوند تعالیٰ کا یہ فعل عبث ٹھہرتا ہے۔ وہ اسی وقت بول اُٹھے کہ ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا کہ آواگون کا مسئلہ غلط ہے۔

ایک دفعہ آرڈر آیا کہ یورپین فوجی جو ہندوستان میں چھٹی گزارنا چاہتے ہیں وہ ۲۸ دن کی چھٹی پر ہندوستان جا سکتے ہیں۔ ایک دن لیفٹیننٹ صاحب دفتر میں میرے پاس آئے اور کہنے لگے میں ہندوستان چھٹی جا رہا ہوں۔ میں نے دریافت کیا کہ ہندوستان میں چھٹی کہاں گزاریں گے؟ کہنے لگے کہ میرا ایک ہندو دوست ہے۔ وہ ڈوگرہ رجمنٹ میں لیفٹیننٹ ہے اور خُرجہ[۵] میں رہتا ہے اسکے مکان پر۔ میں نے کہا یہ تو بہت اچھا موقع ہے آپ قادیان بھی دیکھتے آئیں۔ مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسرے دن صبح جب میں انہیں پڑھانے گیا تو اُسی وقت پھر قادیان کا تذکرہ ہوا۔ کہنے لگے کہ خُرجہ سے قادیان تک کا اگر فرسٹ کلاس کا کرایہ دلواؤ تو میں چلا جاؤں میں نے کہا کہ آپ ریلوے کا پاس بجائے خُرجہ کے قادیان تک کا بنوائیں۔ کہنے لگے وہ تو اب تیار ہو چکا ہے۔ میں نے کہا کہ میں اسے منسوخ کروا کے دوسرا بنوا دونگا۔ بولے کہ میں کسی کو یہ بتانا بھی نہیں چاہتا کہ میں قادیان جا رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ اچھا پھر وہ سو روپیہ جو آپ انجمن احمدیہ کو دے رہے تھے آپ اس میں سے ٹکٹ خرید لیں اس پر ہنستے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم روپیہ دینا نہیں چاہتے۔ پھر انہوں نے دریافت کیا کہ قادیان میں میرے ٹھہرنے کا کیا بندوبست ہوگا۔ میں نے جواب دیا کہ اگر آپ دیسی رہائش اور دیسی کھانا پسند کریں تو حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے مکان پر ٹھہرنے کا بندوبست ہو جائیگا اور اگر آپ انگریزی کھانا اور رہائش

---

۵ :۔ دہلی کے پاس ایک قصبہ۔

چاہتے ہیں تو پھر چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ہاں مفتی صاحب آپ کا بندوبست کر دیں گے۔ (بعد میں معلوم ہوا کہ انہوں نے مہمان خانے کی رہائش کو ترجیح دی اور وہیں قیام کیا) لیفٹیننٹ صاحب نے مجھے پروگرام دیدیا اور وہ پروگرام میں نے مفتی صاحب کی خدمت میں ارسال کر دیا۔ جس میں مفتی صاحب سے درخواست کی گئی تھی کہ وقت مقررہ پر کسی آدمی کو ریلوے سٹیشن پر بھیج دیں۔

لیفٹیننٹ صاحب کے پروگرام کے مطابق انہیں قادیان صبح کی گاڑی پہنچنا تھا مگر کسی غلط فہمی کی بناء پر پروگرام کے خلاف وہ بارہ گھنٹے قبل شام کی گاڑی سے قادیان پہنچ گئے۔ اور اسٹیشن پر کسی لڑکے سے انہوں نے مفتی صاحب کے مکان کا پتہ دریافت کیا۔ اس سعادتمند لڑکے نے لیفٹیننٹ صاحب کو اپنے ہمراہ لیا اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے مکان پر پہنچا دیا۔“

بشیر آرچرڈ صاحب کے خود نوشت حالات

بشیر آرچرڈ صاحب نے انگریزی میں اپنے قبول احمدیت کے مختصر حالات لکھے ہیں۔ جن کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

”جن حالات میں مجھ کو احمدیت یعنی حقیقی اسلام کو سمجھنے کی توفیق ملی وہ غیر معمولی تھے۔ ہوا یوں کہ میں جب ۱۹۴۴ء میں ہند برما کی سرحد پر ۱۴ آرمی میں متعین تھا۔ مجھ کو فوج کی طرف سے دو ہفتے کی چھٹی کا حق دیا گیا کہ کہیں جا کر آرام کر سکوں۔ لیکن ہندوستان میں میری کہیں واقفیت نہ تھی کہ وہاں جا کر وقت گزار سکتا۔ اندریں حالات میری یونٹ کے ایک حوالدار کلرک نے مجھ کو تحریص دلائی کہ میں یہ چھٹیاں قادیان جا کر ایک شریف النفس انسان مفتی محمد صادق کے ساتھ گزاروں۔ برما کی سرحد سے قادیان کا فاصلہ اس قدر زیادہ تھا کہ اتنے لمبے سفر کے خیال سے میں تذبذب میں پڑ گیا۔ لیکن اس کے چہرہ پر سخت ناخوشگواری کے آثار دیکھ کر آخر کار مجھ کو اس کی بات ماننا ہی پڑی۔ منی پور کے جنگی محاذ کی پہاڑیوں سے پنجاب کے وسیع و عریض میدانوں تک کا سفر آٹھ دن میں ختم ہوا۔ قادیان کے ریلوے اسٹیشن پر گاڑی سے اتر کر اطمینان کا سانس لیا اور ایک تانگے والے سے کہا کہ مجھ کو مفتی صادق صاحب کے گھر لے چلو۔ ان کے گھر پہنچ کر میں ایک سفید ریش بزرگ سے متعارف ہوا۔ اور میرے خیال میں ہم دونوں ہی پر ایک دوسرے کو دیکھ کر ایک خاص محویت طاری ہو گئی۔

قادیان کی زیارت نے مجھ پر ایک گہرا اثر ڈالا کیونکہ اسلام کو اس روشنی میں دیکھنے کا موقع ملا جو اس سے پیشتر کہیں میسر نہ آئی تھی۔ اس نیک اثر سے جو اس جگہ نے اور وہاں کے لوگوں نے جن سے مجھ کو ملنے کا موقع ملا میرے دل میں ایک خاص رشتۂ الفت پیدا کر دیا۔ اس وقت مجھ کو نہ اسلام کی دینیات سے پوری طرح آگاہی

تھی اور نہ ہی مَیں نے مذاہب کے بارے میں تقابلی مطالعہ کیا تھا اسلئے دلائل و براہین کی بحث میرے لئے اسلام کا اثر قبول کرنے میں اس قدر ممد ثابت نہ ہوئی جتنا کہ اسکے ثمرات نے مجھ کو متاثر کیا جو مجھ کو کہیں اور نہ ملے تھے۔

میرے اس مختصر قیام کے دوران مجھ کو تقدس مآب حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کو دیکھتے ہی مجھ کو یہ احساس ہوا کہ مَیں ایک روحانی شخصیّت کے حضور بیٹھا ہوں۔ یہ احساس آپ کی کسی گفتگو کے نتیجہ میں نہ تھا۔ بلکہ اسکی دو نہایت قوی موجبات تھے۔ ایک تو آپ کی روحانی وضع قطع تھی اور دوسرے غیر مرئی طور پر آپ کے وجود سے نہایت تیز روحانی کرنیں نکلتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اگرچہ آپ اس مادی دنیا میں رہ رہے تھے لیکن صاف ظاہر تھا کہ آپ کا تعلق عالَمِ روحانیت سے ہے۔

چونکہ مجھ کو اپنا بیان نہایت مختصراً عرض کرنا ہے گویا کہ اس لمبی کہانی کو کہ میں کس طرح گرجا سے مسجد کی طرف آیا۔ بیان کرنے میں دریا کو کوزہ میں بند کرنا مراد ہے تو پھر اس پر اکتفا کرتا ہوں کہ مجھ کو تو بس اسلام نے اپنی مقناطیسی قوت سے از خود اپنی طرف کھینچ لیا۔ ؎[1]

حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے بشیر آرچرڈ کی پہلی ملاقات اور قبول اسلام کا ایمان افروز واقعہ۔

حضرت مصلح موعود ان کی پہلی ملاقات اور پھر قبول اسلام کے بعد اُن کے اندر تغیر عظیم کے پیدا ہونیکا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"گذشتہ جنگ میں بشیر آرچرڈ ایک انگریز احمدی ہوئے۔ پہلے پہل جب وہ قادیان مجھ سے ملنے کے لئے آئے تو اس وقت ان کے خیالات اس قسم کے تھے کہ مَیں ایک نیا مذہب نکالوں گا۔ انہوں نے بتایا کہ مَیں نے اسلام کا بھی مطالعہ کیا ہے اور مجھے اس میں کئی اچھی باتیں نظر آئی ہیں اور مَیں نے ہندو مذہب کو دیکھا تو مجھے اس میں بھی کئی اچھی باتیں نظر آئی ہیں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ ایک ایسا طریق نکالوں جس میں تمام اچھی باتوں کو جمع کر دیا جائے۔ مَیں انہیں سمجھاتا رہا مگر وہ یہی کہتے رہے کہ میری تسلّی نہیں ہوئی۔

جب وہ یہاں سے چلے گئے تو کچھ عرصہ کے بعد مجھے ان کا خط ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ مَیں اسلام قبول کرتا ہوں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ یہ کیا بات ہے۔ وہ تو کسی مذہب پر خوش نہ تھے۔ بعد میں وہ مجھ سے ملنے کے لئے آئے تو انہوں نے تمام واقعات سنائے اور بتایا کہ یہاں رہ کر مجھے احساس نہیں ہوا کہ مَیں کس

؎[1]: ۔ ترجمہ از مجلہ تحریک جدید بالتصویر مرتبہ مولانا نور الدین صاحب منیر ایم۔ اے۔

فضا میں اپنے دن گزار رہا ہوں۔ مگر جب یہاں سے گیا اور امرتسر پہنچا تو چونکہ قادیان میں سات آٹھ دن میں نے شراب نہیں پی تھی اسلئے مجھے شراب پینے کا شوق تھا۔ وہاں بعض انڈ انگریز دوستوں کے ساتھ میں کھانے کے کمرہ میں گیا انہوں نے بھی شراب کا آرڈر دیا اور میں نے بھی شراب کا آرڈر دیدیا مگر پھر مجھے خیال آیا کہ سات آٹھ دن میں نے شراب نہیں پی تو مجھے کچھ نہیں ہوا۔ اگر کچھ اور دن بھی میں شراب چھوڑ کر دیکھوں تو کیا حرج ہے۔ چنانچہ میں نے شراب کا آرڈر منسوخ کر دیا۔ یہ پہلی تبدیلی تھی جو میرے اندر واقع ہوئی۔ اسکے بعد میں برابر شراب سے بچتا رہا۔ فوج میں گیا تو وہاں میرے انگریز دوستوں نے مجھ سے تمسخر شروع کر دیا اور کہا کہ ہم دیکھیں گے کہ تم کب تک شراب نہیں پیو گے۔ اس سے میں اور زیادہ پختہ ہو گیا اور آخر رفتہ رفتہ میری ایسی حالت ہو گئی کہ مجھے شراب کی حاجت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی اسکے بعد مجھے محسوس ہوا کہ یہ محض قادیان جانے کی برکت ہے کہ شراب کی عادت جاتی رہی۔ پھر میں نے زیادہ سنجیدگی سے اسلام اور احمدیت کا مطالعہ کیا۔ حقیقت مجھ پر کھل گئی اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔ وہاں سے ان کی راولپنڈی تبدیلی ہو گئی۔ وہاں بھی انگریز انکو برابر تنگ کرتے اور قسم قسم کی تدابیر سے انکو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ اسلام پر زیادہ سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ قائم ہوتے چلے گئے۔ نمازیں انہوں نے باقاعدگی کے ساتھ شروع کر دیں اور ڈاڑھی بھی رکھ لی۔ اس پر انگریز انہیں اور زیادہ تنگ کرتے۔ کبھی نماز پر تمسخر شروع کر دیتے، کبھی ڈاڑھی پر اعتراض کرتے کبھی کھانے پر جھگڑا شروع کر دیتے۔ آخر انہوں نے ملازمت چھوڑ دی اور اپنی زندگی اسلام کے لئے وقف کر دی۔ اب وہ انگلستان میں اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں اور محض روٹی کپڑا ان کو دیا جاتا ہے۔ اس شخص کی حالت یہ ہے کہ یہ باقاعدہ تہجد پڑھتا ہے۔ نمازیں باجماعت ادا کرتا ہے۔ لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے منہ پر ڈاڑھی رکھتا ہے اور اس کی شکل دیکھکر سوائے چہرہ کے رنگ کے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ یہ انگریز ہے بلکہ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ یہ بہت پرانا مسلمان ہے۔ اگر یورپ کا رہنے والا ایک شخص اپنے اندر اتنا تغیر پیدا کر سکتا ہے کہ وہ نمازوں کا پابند ہو جاتا ہے۔ تہجد ادا کرتا ہے اور تمام شعارِ اسلامی کو خوشی کے ساتھ اختیار کرتا ہے تو ہندوستان یا کسی اور ملک کا رہنے والا کیوں ان باتوں پر عمل نہیں کر سکتا۔" [۱]

خاتمہ جنگ کے بعد مسٹر بشیر آرچرڈ ۱۲ ماہ شہادت / اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو انگلستان پہنچے اور انگلستان کی مادّی فوج سے نکل کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانی فوج میں داخل ہو گئے۔ یعنی آپ نے اپنی زندگی اسلام و احمدیت کیلئے وقف کر دی [۲] جس پر آپ یکم ہجرت / مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو حضرت مصلح موعود کے ارشاد پر مرکز احمدیت قادیان میں بغرض

---

[۱]:۔ "قیامِ پاکستان اور ہماری ذمہ داریاں" ۔ صیغہ نشر و اشاعت لاہور ۱۹۴۸ء (صفحہ ۱۸ تا ۲۰)۔

[۲]:۔ الفضل ۵ ہجرت ۱۳۲۵ہش صفحہ ۲ پر وقف زندگی سے متعلق آپ کی درخواست کا ترجمہ شائع شدہ ہے۔

تعلیم تشریف لائے۔ ؎۱

حضرت مصلح موعود کی تقریر مسٹر بشیر آرچرڈ کی دعوت کی تقریب پر

۲ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ھ/۱۹۴۷ء ہش کو آپ کے اعزاز میں ایک دعوت دی گئی جسمیں مولانا جلال الدین صاحب شمس نے ایڈریس پیش کیا جس کے جواب میں مسٹر بشیر آرچرڈ نے حسب ذیل تقریر کی :۔

"پہلی دفعہ میں جب قادیان آیا تو میرا قیام صرف دو روزہ تھا۔ اس اثناء میں مَیں نے بہت سے دوستوں سے تبادلہ خیالات کیا اور مذہبی معلومات حاصل کیں مگر کوئی خاص اثر میری طبیعت پر نہ ہوا۔ گاڑی پر سوار ہو کر میں قادیان سے رخصت ہو گیا مگر ابھی چند میل بھی طے نہ کئے ہوں گے کہ یہ واقعات یکے بعد دیگرے میرے ذہن میں آنے شروع ہوئے اور وہ نوازش، مہربانی اور شفقت جسکا اظہار میرے ساتھ کیا گیا۔ خوشگوار یادیں بنکر میرے دل میں چٹکیاں لگانے لگی جس سے لحظہ بہ لحظہ میری طبیعت متاثر ہوتی جارہی تھی۔ گاڑی جب امرتسر پہنچی تو اُس وقت مشاہدات قادیان کا گہرا نقش میرے دل پر کندہ ہو چکا تھا چنانچہ اُسکے بعد میں جس شہر میں بھی گیا میں جماعت کے لوگوں کو تلاش کرتا۔ خوش قسمتی سے وہ ہر شہر میں مجھے مل جاتے اور وہاں بھی مجھے وہی شفقت اور محبت کا نظارہ دیکھنے میں آتا جس کا نظارہ میں نے قادیان میں دیکھا تھا۔ حتیٰ کہ ایک دن ایسا بھی آیا جب میں خود احمدیت کی آغوشِ عاطفت میں جا چکا تھا۔

مجھے ایک سال مسجد احمدیہ لنڈن میں رہنے کا موقعہ ملا۔ وہاں بھی میں نے اسی شفقت اور ہمدردی کا مشاہدہ کیا جو قادیان میں دیکھنے میں آئی تھی۔ اخوت کی یہ رُوح جو جماعت احمدیہ کے ہر فرد میں پائی جاتی ہے اس کی صداقت کو پھیلانے کے لئے کافی ہے۔ اگر احمدیت سچی نہ ہوتی تو یہ رُوح بھی مفقود ہوتی جو کسی اور جماعت اور قوم میں دیکھنے میں نہیں آتی۔"

بشیر آرچرڈ کے بعد حضرت امیر المومنین نے انگریزی میں ایک پُر معارف تقریر کی جس میں فرمایا :۔

"بشیر احمد آرچرڈ صاحب چونکہ اُردو نہیں جانتے اس لئے اس خیال سے کہ وہ پوری بات کو سمجھ سکیں میں اپنے خیالات کا انگریزی میں اظہار کر دیتا ہوں۔

ایک وقت تھا جب عیسائی قوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم پر عمل پیرا تھی اور اسکے ساتھ ساتھ وہ دنیاوی ترقیات میں بھی پیش پیش تھی لیکن اسکے بعد عیسائی قوم نے حضرت مسیح کو بُھلا دیا اور جو تعلیم وہ لائے تھے اُسے پس پُشت

؎۱ - الفضل ۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ھ/۱۹۴۷ء ہش صـ۳ کالم ۳۔

ڈال کر سراسر دنیاوی معاملات میں مشغول ہو گئے اور مادّیات میں منہمک ہو گئے۔ ایسے وقت میں کبھی کبھی اُن کے دلوں میں خدا تعالیٰ کا ہلکا سا تصوّر آشکارہ ہوتا مگر عارضی اور غیر دائمی اور پھر اپنی دنیا میں لگ جاتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اُن کی ہدایت کے لئے ایک پیغمبر کا بھیجنا ضروری سمجھا۔ ادھر مسلمان اپنے مذہب کو بھول کر افتراق و شقاق کا شکار ہو چکے تھے۔ انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے ضروری تھا کہ کوئی مصلح آئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سب اقوام کے اکٹھا کرنے کے لئے بھیج دیا اور تم وہ پہلے شخص ہو جسے اپنی قوم میں سے اُسے قبول کرنے کا موقع ملا ہے۔ اور ان کے لائے ہوئے دین کی اشاعت کیلئے وقفِ زندگی کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ ہم آپ کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت عطا فرمائے اور ہر روز آپ کے اخلاص اور جوش کو بڑھاتا رہے۔

بیشک وہ مقصد جس کے لئے آپ کھڑے ہوئے ہیں بہت عظیم الشان ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ اس وقت تمہیں تمہارے ملک کے لوگ بھی نہیں جانتے چہ جائیکہ دوسری دنیا۔ لیکن وہ وقت آئیگا کہ جب خدائے واحد کا نام دُنیا پہ قائم ہو چکا ہوگا اور ہر طرف احمدیت ہی احمدیت ہوگی تو اُس وقت تمہارے ملک کے لوگ تاریخ کی کتابوں کی چھان بین کریں گے اور وہ تلاش کرنے لگیں گے کہ کیا ابتدائی دور میں کوئی انگریز احمدی ہوا۔ جب وہ دیکھیں گے کہ ہاں ایک شخص مسٹر بشیر احمد آرچرڈ تھا جس نے ابتداء میں احمدیت کو قبول کیا اور غیر معمولی قربانیاں کیں یہ دیکھکر اُن کے دل خوشی سے بھر جائیں گے۔ اور اُن کے قلوب اطمینان سے پُر ہو جائیں گے اور نہایت مسرت سے کہیں گے کہ انگریز قوم نے اپنا حق خدمت ادا کر دیا۔ اس وقت بیشک تم نامعلوم اور غیر معروف ہو لیکن وہ زمانہ آئیگا اور جلد آئیگا جب قومیں تمہارے نام پہ فخر کریں گی اور تمہارے کارناموں کو سراہیں گی۔ پس تم اپنی حرکات و سکنات کو معمولی نہ سمجھو اور یہ نہ سمجھو کہ یہ حرکات صرف میری ہیں۔ بلکہ یہ ساری انگریز قوم کی ہیں۔ نہ لوگ جو بعد میں آئیں گے وہ تمہاری ہر حرکت کی نقل کریں گے اور تمہارے ہر لفظ کی پیروی کریں گے۔

کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا کہ آج مسیح علیہ السلام کے حواریوں کو ایسا بلند درجہ حاصل ہے کہ ساری انگریز قوم اُن کی پیروی اور نقل میں فخر محسوس کرتی ہے اور اسی طرح مسلمان بھی صحابہ کی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور بےنظیر قربانیاں کیں عزّت کرتے ہیں اور اُن کی ہر حرکت اور ہر لفظ کی پیروی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اگر تمہاری حرکات و سکنات اسلام کے مطابق ہوں گی اور بلند مرتبہ و ذی شان ہوں گی تو یاد رکھو اس وجہ سے تمہاری قوم بھی ترقی کر جائیگی لیکن اگر وہ صحیح اسلامی معیار کے مطابق نہ ہوں گی بلکہ ناقص ہونگی تو تمہاری قوم ترقی سے محروم

رہ جائے گی۔ پس ہمیشہ کوشش کرو کہ آنے والوں کیلئے بہترین نمونہ قائم کرجاؤ اور اعلیٰ درجہ کی یاد چھوڑ جاؤ، ورنہ اللہ تعالیٰ کسی اور شخص کو کھڑا کردیگا جو اس کام کو سرانجام دیگا۔

اُس زمانہ میں جب احمدیت دنیا پر غالب آئے گی اور ضرور غالب آکر رہے گی اور کوئی طاقت اُسے روک نہیں سکتی اُس وقت لوگوں کے دلوں میں تمہاری عظمت بہت بڑھ جائے گی۔ حتیٰ کہ بڑے سے بڑے وزیر اعظم سے بھی زیادہ ہوگی۔

پس میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اخلاص اور جوش سے کام کرو اور آنیوالی نسلوں کے لئے بہترین نمونہ چھوڑ جاؤ۔ آخر میں مَیں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ اپنا فضل اور رحم تمہارے شاملِ حال رکھے اور وہ مقصد جسکی ابتداء تم نے کی ہے اُس کی انتہا وہ کامیابی کرے۔ آمین۔" ؎۱

مسٹر بشیر آرچرڈ ۱۱ ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء تک قادیان دارالامان میں رہے ازاں بعد پاکستان اور پھر انگلستان آگئے اور گلاسگو میں نئے احمدی مشن کی بنیاد رکھی۔ بعد ازاں ڈچ گیانا بغرض اعلائے کلمۃ اللہ تشریف لے گئے۔ آجکل گلاسگو میں ہی نہایت اخلاص و سرفروشی کے ساتھ تبلیغ اسلام کے فرائض بجا لا رہے ہیں۔

حضرت امیر المومنین کی طرف سے مالی و جانی، قربانیوں اور ہجرت کے لئے تیار رہنے کا فرمان

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے مجلس مشاورت ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کے موقعہ پر فرمایا:۔

"مَیں نے ... قدم بقدم جماعت میں ان قربانیوں کا احساس پیدا کرنے کے لئے وقفِ جائیداد کا طریق جاری کیا تھا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری جماعت کے تمام افراد کم سے کم یہ احساس اپنے اندر پیدا کریں کہ ہم سے جب بھی کسی قربانی کا مطالبہ کیا جائیگا ہم اسکو پیش کردیں گے اور اپنے دل میں سے نکال دیں کہ بار بار جانی اور مالی قربانی کا مطالبہ کرنے کے باوجود ابھی تک جان اور مال کو قربان کرنے کا وقت نہیں آیا۔ زمانہ اس وقت کو قریب سے قریب تر لا رہا ہے۔ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ آج سے دس سال بعد یا بیس سال بعد یا پچاس سال بعد وہ زمانہ آنے والا ہے۔ مگر بہرحال وہ منزل ہمارے قریب آرہی ہے اور جب تک ہماری جماعت اس دروازہ میں سے نہیں گذرے گی وہ صحیح معنوں میں ایک مامور کی جماعت کہلانے کی بھی حقدار نہیں ہوسکتی یہ قطعی اور یقینی اور لازمی بات ہے کہ ہم اسلام اور احمدیت کو

؎۱:۔ الفضل ۶ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء۔ (مندرجہ بالا تقریروں کا انگریزی متن رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی بابت ماہ جون ۱۹۴۷ء صفحہ ۱۶۳ تا صفحہ ۱۶۵ میں شائع شدہ ہے۔ اس رسالہ میں مسٹر بشیر آرچرڈ کی تصویر بھی موجود ہے)۔

پھیلاتے ہوئے خطروں کے طوفانوں سے گزریں گے۔ اسی طرح یہ قطعی اور یقینی اور لازمی بات ہے کہ ہمیں ایک دفعہ ہجرت کرنی پڑے اور اپنے مکانوں اور جائیدادوں سے محض اللہ کے لئے دست بردار ہونا پڑے۔ مگر ابھی تک ہم اس امتحان سے بھی نہیں گذرے۔ بہرحال یہ دن جلد یا بدیر آنے والا ہے اور ہماری جماعت کے افراد کو اس دن کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا چاہیئے۔ ہمیں کیا معلوم کہ وہ دن کب آنے والا ہے"۔ [۱]

حفاظ پیدا کرنے کی تحریک

حضرت مصلح موعود نے ۲۹ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو تحریک فرمائی کہ قرآن کریم کا چرچا اور اس کی برکات کو عام کرنے کے لئے ہماری جماعت میں بکثرت حُفاظ ہونے چاہئیں۔ چنانچہ فرمایا:-

"صدر انجمن احمدیہ کو چاہیئے کہ چار پانچ حفاظ مقرر کرے جن کا کام یہ ہو کہ وہ مساجد میں نمازیں بھی پڑھایا کریں اور لوگوں کو قرآن کریم بھی پڑھائیں۔ اسی طرح جو قرآن کریم کا ترجمہ نہیں جانتے ان کو ترجمہ پڑھا دیں اگر صبح و شام وہ محلوں میں قرآن پڑھاتے رہیں تو قرآن کریم کی تعلیم بھی عام ہو جائے گی اور بیاں مجلس میں بھی جب کوئی ضرورت پیش آئے گی ان سے کام لیا جا سکے گا۔ بہرحال قرآن کریم کا چرچا عام کرنے کے لئے ہمیں حفاظ کی سخت ضرورت ہے۔ انجمن کو چاہیئے کہ وہ انہیں اتنا کافی گذارہ دے کہ جس سے وہ شریفانہ طور پر گذارہ کر سکیں۔ پہلے دو چار آدمی رکھ لئے جائیں پھر رفتہ رفتہ اس تعداد کو بڑھایا جائے"۔ [۲]

۲۶-۱۳۲۵ہش/۴۷-۱۹۴۶ء میں نئے مشنوں کا قیام

۲۶-۱۳۲۵ہش/۴۷-۱۹۴۶ء میں متعدد نئے مشنوں کا قیام عمل میں آیا۔ چنانچہ جو واقفین گذشتہ سال انگلستان پہنچے تھے اُن میں سے بعض ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء میں یورپ کے دیگر ممالک میں اسلام کا جھنڈا گاڑنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس سلسلہ میں ۱۲ ہجرت/مئی کو مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیل اور مولوی محمد عثمان صاحب اٹلی مشن کے کام میں توسیع کے لئے روانہ ہوئے [۳] ملک عطاء الرحمن صاحب اور چوہدری عطاء اللہ صاحب نے ۱۷ ماہ ہجرت/مئی کو پیرس (فرانس) میں قدم رکھا۔ [۴] چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر اور مولوی محمد اسحٰق صاحب ساقی ۱۰ ماہ احسان/جون کو میڈرڈ (سپین) میں پہنچے [۵] سوئٹزرلینڈ کی طرف چوہدری عبد اللطیف صاحب، شیخ ناصر احمد صاحب اور مولوی غلام احمد صاحب بشیر بھجوائے گئے۔ جو

---

[۱]:- الفضل ۱۰ شہادت/اپریل ۱۳۴۱ہش/۱۹۶۲ء صفحہ ۳-۴

[۲]:- الفضل ۲۶ ظہور/اگست ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۲

[۳]:- " ۲۰ ہجرت/مئی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۵

[۴]:- الفضل ۲۷ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱

[۵]:- " ۱۷ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲

۱۳ را خاء/اکتوبر کو زیورچ میں وارد ہوئے۔ اگلے سال حافظ قدرت اللہ صاحب ۲ روفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو ہالینڈ پہنچے۔ ان کے علاوہ ۱۳۲۵-۲۶ہش/۱۹۴۶-۴۷ء میں مولوی غلام احمد صاحب نے عدن میں، یوسف سلیمان صاحب نے جنوبی افریقہ میں اور مولوی محمد زہدی صاحب نے بورنیو میں نئے مشن قائم کئے جن کی تفصیل "تاریخ احمدیت" کی گیارہویں جلد میں درج کی جائے گی۔ انشاء اللہ۔

میاں بیوی کے جھگڑوں کو سنجیدگی سے سلجھانے کی اہم تحریک

سیدنا حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بعض ایسے مقدمات بھی آتے رہتے تھے جن میں میاں بیوی کی طرف کر چھوٹی چھوٹی باتوں کو وجہ نزاع بنا لیا جاتا تھا اور طلاق اور خلع تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔

حضرت مصلح موعود نے اس نہایت افسوسناک اور ناپسندیدہ طریق کی روک تھام کے لئے ۱۲ ماہ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو مفصل خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں احباب جماعت اور قاضیانِ سلسلہ دونوں کو بہت پُر حکمت ہدایات دیں اور انہیں زوجین کے جھگڑوں کو سنجیدگی سے سلجھانے کی تلقین کی۔ چنانچہ فرمایا:۔

"چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے تعلقات کو خراب کرنا عقلمندوں کا کام نہیں ہوتا۔ میرے نزدیک اگر بیوی میں کوئی غلطی ہے تو اس کی اخلاقی اصلاح ہونی چاہیئے۔ لیکن اُسے چھوڑ دینے پر آمادہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ہیڈ ماسٹر لڑکوں کو سبق دیتا ہے کیا جو لڑکے سبق یاد نہیں کرتے انہیں سکول سے نکال دیتا ہے۔ اسی طرح انسانوں میں غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ کوتاہیاں بھی ہوتی ہیں۔ کمزوریاں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن مومن کا کام ہے کہ ان کو دُور کرنے کی کوشش کرے اور وہ جنس جسے اللہ تعالیٰ نے مقدس بنایا ہے اُسے بازار میں بکنے والی جنس نہ بنا دے۔ پس میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ اُسے ایسے جھگڑے نہایت سنجیدگی کے ساتھ سلجھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور میں قاضیوں کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ انہیں ایسے معاملات میں نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیئے ...... میں قاضیوں کو ہدایت کرتا ہوں کہ ایسے معاملات میں وہ کسی فریق کے وکیل کو قریب بھی نہ آنے دیں اور وہ بجائے قاضی کے باپ بننے کی کوشش کریں۔ اور لڑکے کو اپنا بیٹا سمجھیں اور لڑکی کو اپنی بیٹی سمجھیں جس طرح باپ اپنے بچوں کو سمجھاتا ہے اُسی رنگ میں اُن کو سمجھائیں اور شریعت کے مسائل اُنہیں بتائیں اور انہیں طلاق اور خلع کے نقصانات بتائیں کہ اسکے عام ہونے سے قوم کے اخلاق گر جاتے ہیں۔ جنکی اولاد موجود ہوگی جب وہ بڑے ہوں گے تو اُن پر کیا اثر پڑے گا کہ ہمارے ماں باپ نے معمولی سی بات پر جدائی اختیار کر لی تھی اور وہ اپنے ماں باپ سے کونسا نیک نمونہ حاصل کریں گے اور ایسی اولاد کیسے ترقی حاصل کر سکتی ہے۔ پس یہ چیزیں اخلاق کو سنوارنے

والی نہیں ۔بلکہ اخلاق کو بگاڑنے والی ہیں ۔ جماعت کو اُن کی اہمیت سمجھنی چاہیئے ۔کیونکہ میرے نزدیک یہ اہم امور سے بھی بالا چیز ہے ۔ جب بھی قاضی کے پاس کوئی ایسا معاملہ پیش ہو اُس کا دل کانپ جانا چاہیئے کہ کہیں مَیں کوئی ایسا فیصلہ نہ کردوں جو خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہو اور اُسے معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے فیصلہ کرنا چاہیئے ۔اور یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ جب کوئی ایسا جھگڑا ہو جائے تو نہ مرد کے ماں باپ اور نہ ہی عورت کے ماں باپ اُس میں دخل دینے کی کوشش کریں اور وہ قاضی پر پورا اعتماد رکھیں ۔اگر اُنہیں فیصلہ میں کوئی سقم معلوم ہو تو وہ ہمیں لکھ سکتے ہیں پھر ہم دیکھیں گے کہ اس فیصلہ میں واقع میں کوئی سُقم موجود ہے یا نہیں ۔" ؎۱

یورپ کا پہلا احمدی شہید شریف دوتسا اور حضرت مصلح موعود

اس سال کا ایک نہایت اہم اور قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ البانیہ کے ممتاز احمدی شریف دوتسا اپنے خاندان سمیت کمیونسٹ حکومت کے ہاتھوں نہایت بے دردی سے شہید کر دیئے گئے ۔ شریف دوتسا یورپ کے پہلے احمدی تھے جنہوں نے جام شہادت نوش کیا ۔

حضرت مصلح موعود کی خدمت میں ملک محمد شریف صاحب مبلغ اٹلی نے اس دردناک واقعہ کی اطلاع دی جس پر حضور نے اپنے قلم سے مندرجہ ذیل مضمون رقم فرمایا :-

" اٹلی سے عزیزم ملک محمد شریف صاحب مبلغ نے اطلاع دی ہے کہ شریف دوتسا ایک البانوی سرکردہ اور رئیس جو البانیا اور یوگوسلاویہ دونوں ملکوں میں رسوخ اور اثر رکھتے تھے (دونوں ملکوں کی سرحدیں ملتی ہیں اور البانیہ کی سرحد پر رہنے والے یوگوسلاویہ کے باشندے اکثر مسلمان ہیں اور بارسوخ ہیں اور دونوں ملکوں میں ان کی جائیدادیں ہیں ۔ عزیزم مولوی محمد الدین صاحب اس علاقہ میں رہ کر تبلیغ کرتے رہے ہیں ۔ ان کے ذریعہ سے وہاں کئی احمدی ہوئے ۔بعد میں مسلمانوں کی تنظیم سے ڈر کر اُنہیں یوگوسلاوین حکومت نے وہاں سے نکال دیا اور وہ اٹلی آگئے) اور جو یوگوسلاویہ کی پارلیمنٹ میں مسلمانوں کی طرف سے نمائندہ تھے ۔جنگ سے پہلے احمدی ہو گئے تھے اور بہت مخلص تھے ۔اُنہیں البانیہ کی موجودہ حکومت نے جو کمیونسٹ ہے اُن کے خاندان سمیت قتل کروا دیا ہے اُن کا جُرم صرف یہ ہے کہ وہ کمیونسٹ طریق حکومت کے مخالف تھے اور جو مسلمان اس ملک میں اسلامی اصول کو قائم رکھنا چاہتے تھے اُن کے لیڈر تھے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ مرتے تو سب ہی ہیں اور کوئی نہیں جو الٰہی مقررہ عمر

؎۱ :- الفضل ۲۵؍ وفا/جولائی ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء ہش ؂

سے زیادہ زندہ رہ سکے۔ مگر مبارک ہے وہ جو کسی ملک میں دین کی حمایت کرتے ہوئے مارا جاتا ہے۔ شریف دوتسہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ یورپ کے پہلے احمدی شہید ہیں اور اَلْفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّمْ کے مقولہ کے ماتحت اپنے بعد میں آنیوالے شہداء کے لئے ایک عمدہ مثال اور نمونہ ثابت ہو کر وہ ان کے ثواب میں شریک ہوں گے۔ برادرم شریف کے خاندان میں سے اُن کا بڑا لڑکا بہرام زندہ ہی ہے اور وہ اس وقت مسلمانوں کے ایک ایسے گروہ کا جو البانیہ میں اسلامی حکومت کا خواہاں ہے سردار ہے۔ وہ اس وقت پہاڑوں میں بیٹھکر مسلمانوں کی قیادت کر رہا ہے اور کمیونسٹ حکومت سے برسرِ پیکار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عزیز کی حفاظت کرے اور اگر اُس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید ہے تو اُسے کامیاب کرے اور اگر بظاہر بُری نظر آنے والی البانین کمیونسٹ حکومت آئندہ اسلام کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہونیوالی ہے تو اُسے اُس سے صلح اور اتحاد کی توفیق بخشے کہ علمِ غیب اللہ ہی کو ہے اور عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۔ نہ صرف الٰہی فرمان ہے بلکہ بار بار انسان کے تجربہ میں آچکا ہے۔ اللّٰھُمَّ آمین۔ دوست اپنی دعاؤں میں عزیزم بہرام کے لئے دعا کرتے رہا کریں کہ اللہ تعالیٰ اُس کا حافظ و ناصر ہو اور اُسے صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔

بعض اور ذمہ دار فوجی افسر بھی البانیہ میں احمدی ہیں نہ معلوم اُن کا کیا حال ہے۔ احباب اُن کے لئے بھی دُعا کرتے رہا کریں۔

یہ واقعہ ہمارے لئے تکلیف دہ بھی ہے اور خوشی کا موجب بھی۔ تکلیف کا موجب اس لئے کہ ایک بارسوخ آدمی جو جنگ کے بعد احمدیت کی اشاعت کا موجب ہو سکتا تھا ہم سے ایسے موقعہ پر جدا ہو گیا جب ہماری تبلیغ کا میدان وسیع ہو رہا تھا۔ اور خوشی کا اس لئے کہ یورپ میں بھی احمدی شہداء کا خون بہایا گیا۔ وہ مادیت کی سرزمین جو خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دُور بھاگ رہی تھی اور وہ علاقہ جو کمیونزم کے ساتھ دہریت کو بھی دُنیا میں پھیلا رہا تھا وہاں خدائے واحد کے ماننے والوں کا خون بہایا جانے لگا ہے۔ یہ خون رائیگاں نہیں جائیگا۔ اس کا ایک ایک قطرہ چلّا چلّا کر خدا تعالیٰ کی مدد مانگے گا۔ اس کی رطوبت کھیتوں میں جذب ہو کر وہ غلّہ پیدا کرے گی جو ایمان کی راہ میں قربانی کرنے کے لئے گرم اور کھولتا ہوا خون پیدا کرے گا جو لوگوں کی رگوں میں دوڑ دوڑ کر اُنہیں میدانِ شہادت کی طرف لے جائیگا۔ اب یورپ میں توحید کی جنگ کی طرح ڈالی دیگئی ہے۔ مومن اس چیلنج کو قبول کریں گے اور شوقِ شہادت میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہو اور سعادتمندوں کے سینے کھول دے تا اسلام اور احمدیت کی فوج میں کمی نہ

آئے۔ اور اس کے لئے روز بروز زیادہ سے زیادہ مجاہد ملتے جائیں۔ اَللّٰھُمَّ آمین ؛

اے ہندوستان کے احمدیو! ذرا غور تو کرو تمہاری اور تمہارے باپ دادوں کی قربانیاں ہی یہ دن لائی ہیں۔ تم شہید تو نہیں ہوئے مگر تم شہید گر ضرور ہو۔ افغانستان کے شہداء ہندوستان کے نہ تھے مگر اس میں کیا شک ہے کہ انہیں احمدیت ہندوستانیوں ہی کی قربانیوں کے طفیل ملی۔ مصر کا شہید ہندوستانی تو نہ تھا۔ مگر اسے بھی ہندوستانیوں ہی نے نور احمدیت سے روشناس کروایا تھا۔ اب یورپ کا پہلا شہید گو ہندوستانی نہ تھا مگر کون تھا جس نے اس کے اندر اسلام کا جذبہ پیدا کیا۔ کون تھا جس نے اس صداقت پر قائم رہنے کی ہمت دلائی؟ بیشک ایک ہندوستانی احمدی! اے عزیز و فتح تمہاری سابق قربانیوں سے قریب آرہی ہے مگر جوں جوں وہ قریب آرہی ہے تمہاری سابق قربانیاں اُس کیلئے ناکافی ثابت ہو رہی ہیں۔ نئے مسائل نئے زاویہ نگاہ چاہتے ہیں۔ نئے اہم امور ایک نئے رنگ کی قربانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اب ہماری سابق قربانیاں بالکل ویسی ہی ہیں جیسے ایک جوان کیلئے بچہ کا لباس۔ کیا وہ اس لباس کو پہن کر شریفوں میں گنا جا سکتا ہے یا عقلمندوں میں شمار ہو سکتا ہے۔ اگر نہیں تو جان لو کہ اب تم بھی آج سے پہلے کی قربانیوں کے ساتھ وفاداروں میں نہیں گنے جا سکتے۔ اور مخلصوں میں شمار نہیں ہو سکتے۔ اب جہاد ایک خاص منزل پر پہنچنے والا ہے۔ پہلا دَور مصیبتوں کا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دعویٰ رسالت کے ابتدائی دَور کے مشابہ تھا گزر گیا۔ اب دوسرا دَور چل رہا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے وادی میں نظر بند ہونے کے مشابہ ہے۔ آج اگر ہم نے اس دَور کے مطابق قربانیاں نہ کیں تو ہمارا ٹھکانہ نہیں نہ ہوگا۔ ہماری مثال اس صورت میں اُس شخص کی سی ہوگی جو مینار کی چوٹی پر پہنچ کر گر جاتا ہے۔ مبارک ہے وہ جو منار پر چڑھ جاتا ہے مگر اُس سے زیادہ بدقسمت بھی کوئی نہیں جو مینار کی چوٹی پر چڑھ کر گر جاتا ہے۔ ہمارے نوجوان قربانیوں کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ الحمدللہ۔ لیکن ہمارے چندہ دہندگان اپنے بٹوؤں کو کھولنے کی بجائے ان کا مُنہ بند کر رہے ہیں۔ اِنّا للہ۔

اے غافلو جاگو! اے بے پروا ہو ہوشیار ہو جاؤ! تحریک جدید نے تبلیغ اسلام کے لئے ایک بہت بڑا کام کیا ہے۔ مگر اب وہ کام اسقدر وسیع ہو چکا ہے کہ موجودہ چندے اُس کے بوجھ کو اُٹھا نہیں سکتے۔ مبارک ہے وہ سپاہی جو اپنی جان دینے کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ مگر بدقسمت ہے اُس کا وہ وطنی جو اُس کے لئے گولہ بارود مہیّا نہیں کرتا۔ گولہ بارود کے ساتھ ایک فوج دشمن کی صفوں کو تہ و بالا کر سکتی ہے۔ مگر اس کے بغیر وہ ایک بکروں کی قطار ہے جسے قصائی یکے بعد دیگرے ذبح کرتا جائیگا۔ تمہارے بیٹے ہاں بیٹوں سے بھی زیادہ قیمتی وجود

جان دینے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ کیا تم اپنے ماؤں کی محبت کی وجہ سے اپنی آنکھوں کے سامنے اُن کو مرتا ہوا دیکھو گے۔ اگر وہ اس حالت میں مرے کہ تم نے بھی قربانی کا پورا نمونہ دکھا دیا ہو گا۔ تو وہ اگلے جہان میں تمہارے شفیع ہوں گے اور خدا کے حضور میں تمہاری سفارشیں کریں گے لیکن اگر وہ اس طرح جان دینے پر مجبور ہوئے کہ اُن کی قوم نے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا اور اُن کے وطن نے اُن کو مدد نہ پہنچائی تو وہ تو شہید ہی ہوں گے مگر ان کے اہل وطن کا کیا حال ہو گا؟ دنیا میں ذلّت اور عُقبیٰ میں؟ اس سوال کا جواب نہ دینا جواب دینے سے اچھا ہے۔ اس دُنیا کی ذلّت سے تو انسان مُنہ چُھپا کر گزارہ کر سکتا ہے مگر اُس دنیا میں وہ کیا کرے گا؟ غالب نے خوب کہا ہے ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے ٭ مَر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

جو ذلّت صرف اس دنیا کے متعلق ہو موت اُس سے نجات دے سکتی ہے مگر جو دونوں جہانوں سے متعلق ہو اُس میں کیا فائدہ دیگی۔ وہ تو کلنک کے ٹیکہ کو اور بھی سیاہ کر دے گی۔

پس اے عزیزو! کمریں کس لو۔ اور زبانیں دانتوں میں دبا لو۔ جو تم میں سے قربانی کرتے ہیں وہ اور زیادہ قربانیاں کریں۔ اپنے حوصلہ کے مطابق نہیں دین کی ضرورت کے مطابق۔ اور جو نہیں کرتے قربانی کرنے والے اُنہیں بیدار کر دیں۔ ہر تحریک جدید کا حصّہ دار اپنے پر واجب کر لے کہ وہ دفتر دوم کے لئے ایک نیا حصّہ دار تیار کرے گا اور جب تک وہ ایسا نہ کر سکے وہ سمجھ لے کہ میری پہلی قربانی بیکار گئی اور شاید کسی نقص کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے دربار سے واپس کر دی گئی۔ وہ پھل جو درخت بن گیا وہی پھل ہے جو کسی کے پیٹ میں جا کر فضلہ بن گیا۔ اور اپنی نسل کو قائم نہ رکھ سکا۔ وہ کیا پھل ہے خدا ہی اُس پر رحم کرے۔

والسّلام

خاکسار مرزا محمود احمد"[1]

جماعتِ احمدیہ کی پنجاہ سالہ رفتارِ ترقی پر اخبار "ریاست" کا دلچسپ نوٹ

جماعت احمدیہ کے مشہور محقق ملک فضل حسین صاحب نے اخبار الفضل (۶ ظہور/اگست ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء) میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک غیر مطبوعہ مکتوب شائع کیا جو حضرت اقدس علیہ السلام نے ۵ ستمبر ۱۸۹۶ء کو حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کے نام تحریر فرمایا تھا اور جس میں "الدار"

---

[1] :۔ الفضل ۱۲ وفا/جولائی ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ تا صفحہ ۲؛

کے اندر کنواں لگانے کیلئے دو آنہ چندہ بھیجنے کی تحریک فرمائی تھی۔

سردار دیوان سنگھ مفتون صاحب نے اپنے اخبار "ریاست" (۱۲ اگست ۱۹۴۶ء) میں اس مکتوب پر "قادیان کے احمدیوں کی پچاس سالہ رفتار" کے زیر عنوان حسب ذیل اداریہ لکھا:۔

"قادیان کی احمدی جماعت کے اس وقت کئی لاکھ ممبر ہیں۔ اور ان ممبروں میں چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں جیسے جج فیڈرل کورٹ اصحاب بھی شامل ہیں جو اپنی آمدنی کا زیادہ حصہ رفاہِ عام کاموں کے لئے اس جماعت کی معرفت صرف کرتے ہیں اور یہ جماعت مختلف شعبوں کے ذریعہ ہر سال لاکھوں روپیہ ہندوستان وغیرہ ممالک میں مذہب و اخلاق کی تبلیغ کے لئے صرف کرتی ہے۔ مگر آج سے پچاس برس پہلے اس جماعت کے بانی کے پاس ایک کنواں لگوانے کے لئے اڑھائی سو روپیہ بھی نہ تھا اور آپ نے دو دو آنے جمع کر کے رفاہِ عام کے لئے ایک کنواں لگوایا۔

اگر احمدی جماعت کی اس کامیابی پر غور کیا جائے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ جماعت جو روپیہ صرف کرتی ہے وہ ایک ایک پائی پبلک کیلئے صرف کیا جاتا ہے۔ اس روپیہ کے جمع یا صرف کرنے میں ذاتی اغراض کو دخل نہیں اور پبلک جب دیکھتی ہے کہ کارکن دیانتدار اور مخلص ہیں تو وہ اپنی جائیداد فروخت کر کے بھی روپیہ فراہم کرتی ہے جو لوگ پبلک مفاد کے لئے کوئی کام کرتے ہوئے روپیہ نہ ملنے کی شکایت کرتے ہیں اُن کے لئے مرحوم مرزا غلام احمد کا یہ واقعہ آنکھیں کھولنے کا باعث ہونا چاہیئے۔ کیونکہ پبلک ان لوگوں کے لئے روپیہ نہیں آنکھیں بچھانے کیلئے بھی تیار رہے جو دیانتدار اور مخلص ہوں۔ مگر اُن لوگوں کے لئے پبلک کے پاس پیسہ نہیں جو پبلک فنڈوں کو ہڑپ کرنے کے لئے پبلک کے سامنے گداگری کریں اور مالی مشکلات کا رونا روتے رہیں۔"[1]

انڈونیشیا کی تحریک آزادی اور جماعت احمدیہ

انڈونیشیا شرق الہند کے اس مجمع الجزائر کا نام ہے جو سولھویں صدی عیسوی سے ہالینڈ کے مقبوضات چلے آرہے تھے۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران جاپان نے ان جزیروں پر قبضہ جما لیا تھا۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان نے اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ جس پر ملک کی قومی پارٹی نے ڈاکٹر عبدالرحیم سکارنو اور ڈاکٹر عطا کی قیادت میں ۱۷ اگست ۱۹۴۵ء کو انڈونیشیا کی آزادی کا اعلان حسب ذیل الفاظ میں کر دیا:۔

"اس اعلان کے ذریعہ ہم انڈونیشین اپنے ملک انڈونیشیا کی آزادی کا اعلان کرتے ہیں۔ تمام امور

---

[1]:۔ بحوالہ الفضل ۱۹ ظہور/اگست ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء ص ۲

جو اختیارات کے منتقل کرنے سے تعلق رکھتے ہیں نہایت احتیاط اور سرعت سے کئے جا رہے ہیں"
بٹاویہ (جکارتا) ۱۷؍ اگست ۱۹۴۵ء[۵]

اس اعلان کے بعد ہالینڈ کی ڈچ افواج نے ملک کو پہلے کی طرح اپنے زیر نگیں کرنے کیلئے مہم شروع کر دی۔

اس اہم مرحلہ پر مولانا محمد صادق صاحب مبلّغ سلسلہ احمدیہ مقیم پیڈانگ (سماٹرا) نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں انڈونیشیا کی تحریک آزادی سے متعلق چار اہم استفسارات بھیجے جن کے حسب ذیل جواب حضور نے اپنے قلم سے تحریر فرمائے:۔

سوال:۔ پہلے انڈونیشیا میں ڈچ حکومت تھی اُسکے بعد جاپانی حکومت قائم ہوئی۔ پھر جاپانی حکومت بھی ختم ہو گئی۔ چونکہ اتحادی فوجوں کے آنے میں دیر ہوئی اس لئے انڈونیشیا کے لوگوں نے اپنی آزادی کا اعلان کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ آزادی کا اعلان اور حکومت کا قیام اتحادیوں کے مشورہ کے بغیر ہوا اسلئے اتحادیوں نے آج تک انڈونیشین آزادی اور حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ اس صورت میں کیا اسلام کی رُو سے انڈونیشیا واقعی آزاد قرار پاتا ہے؟ اور کیا انڈونیشین حکومت واقعی وہ حکومت ہے جس کی اطاعت رعیت پر فرض ہے یا کہ باغی جمعیت ہے؟

جواب:۔ واقعی حکومت تو وہی ہوگی جس کو ملک کی اکثریت قبول کرے گی۔ باقی اگر ملک کی اکثریت آزاد حکومت بنائے تو شرعاً باغی نہیں کہلائے گی بلکہ حق پر سمجھی جائے گی کیونکہ ملک کو کلّی طور پر فتح کر کے سابق حکومت کے قبضہ سے نکال لیا گیا تھا۔ باقی رہا سوال مصلحت اور حکمت کا۔ اسے وہاں کے لوگ خود سمجھ سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک مغربی حکومت کلّی آزاد حکومت نہیں رہنے دے گی۔ اس لئے سمجھوتا کرنا مفید ہوگا۔

سوال:۔ آزادی کی تحریک اور دوسرے سیاسی امور میں احمدی حصّہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً انڈونیشین حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر ڈچ لوگ دفتروں اور کارخانوں پر قابض ہو گئے تو ہم اُن سے بائیکاٹ اور سٹرائیک کریں گے۔ کیا ایسے بائیکاٹ اور سٹرائیک میں شریک ہونا جائز ہے؟

جواب:۔ اگر انڈونیشین حکومت واقعی اکثریت کی حکومت ہے تو اُوپر لکھا جا چکا ہے کہ وہ جائز حکومت ہے اس صورت میں اسکے احکام کی تعمیل شرعاً جائز ہی نہیں بلکہ پسندیدہ ہے۔

---

[۵]:۔ الفضل ۲۰؍ ظہور؍ اگست ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۶۔

سوال :۔ اگر ڈچ لوگ اس علاقہ میں داخل ہوں اور انڈونیشین اُن کا مقابلہ کریں تو جماعت احمدیہ کو کس طرف ہونا چاہیئے؟

جواب :۔ میں کہہ چکا ہوں کہ مصلحت اسی میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل کر کے صلح کر لی جائے۔ کیونکہ سب مغربی حکومتیں مُنہ سے کچھ بھی کہیں ڈچ کے ساتھ ہونگی لیکن اگر فی الواقعہ ملک میں اکثریت کی حکومت قائم ہو چکی ہے تو چونکہ وہ جائز حکومت ہے احمدیوں کو اُس کا ساتھ دینا جائز ہی نہیں پسندیدہ ہوگا۔ مگر یہ فعل انڈونیشین کا ہوگا خلافِ حکمت۔

سوال :۔ اس آزادی کی تحریک میں حصہ لیتے ہوئے مرنے والا شہید ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو مَنْ قُتِلَ دون اهله ومَالِهٖ فَهُوَ شَهِيدٌ کا کیا مطلب ہے؟

جواب :۔ آزادی کی کوشش میں حصہ لینے والا شہید تو ضرور ہوتا ہے مگر یہ شہادت دینی نہیں۔ ورنہ ہر انگریز اور جرمن بھی شہید ہونا چاہیئے۔ شہید سے مراد یہ ہے کہ قوم کا ہیرو ہوگا۔ یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کا ہیرو ہوگا۔ خدا تعالیٰ کا ہیرو وہی ہوگا جو دین کے لئے شہید ہو۔"[1]

ان جوابات کے علاوہ حضرت مصلح موعود نے ۱۶ر ظہور/اگست ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کے خطبہ جمعہ میں انڈونیشیا کی آزادی کے حق میں پُرزور آواز بلند کی اور دوسرے مسلمانوں کو بھی تحریک فرمائی کہ وہ مسلمانانِ انڈونیشیاء کی تحریک آزادی کی زبردست تائید کریں۔[2] چنانچہ حضور نے فرمایا :۔

"ساری دنیا میں صرف انڈونیشیا ایک ایسا علاقہ ہے جس میں چھ سات کروڑ مسلمان ایک زبان بولنے والے اور ایک قوم کے بستے ہیں اور جن کے علاقے میں غیر لوگ نہ ہونے کے برابر ہیں اور جن میں اتحاد کی روح اس وقت زور سے پیدا ہو رہی ہے۔ دنیا بھر میں اور کوئی علاقہ اسلامی مرکز ہونے کی اس قدر اہلیت نہیں رکھتا۔ پس اس وقت اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اخباروں میں، رسالوں اور اپنے اجتماعوں میں مسلمان اپنے ان بھائیوں کے حق میں آواز اٹھائیں اور ان کی آزادی کا مطالبہ کریں۔ اگر اب ان کی امداد نہ کی گئی اور اگر اب ان کی حمایت نہ کی گئی۔ تو مجھے خطرہ ہے کہ ڈچ ان کی آواز کو بالکل دبا دیں گے۔ وہ اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہے ہیں کہ آہستہ آہستہ انڈونیشیا کے شور پر قابو پالیں اور اس کوشش میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی

---

[1] :۔ الفضل ۲۵ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۳

[2] :۔ مولانا محمد صادق صاحب سماٹرا نے انہیں دنوں "انڈونیشیا کی آزاد حکومت کے آئین کی تفصیل" کے عنوان سے ایک مضمون بھی لکھا تھا جو الفضل ظہور/تبوک ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء میں بالاقساط شائع ہوا۔

ہو گئے ہیں ۔ اور دنیا کی نظریں اب انڈونیشیا کی طرف سے ہٹ گئی ہیں اور انڈونیشیا کے لوگ خود بھی یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ اب ہم اکیلے رہ گئے ہیں لیکن اگر دنیا میں ان کی حمایت میں اور ان کی تائید میں آوازیں بلند ہوں ایک شور برپا ہو جائے تو وہ دلیری اور بہادری سے مقابلہ کریں گے ۔ کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ ہم اکیلے نہیں لڑ رہے بلکہ ہمارے کچھ اور بھائی بھی ہماری پشت پر ہیں ۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب تک انسان یہ سمجھتا ہے کہ کچھ لوگ اس کے مقابلہ کو دیکھ رہے ہیں تو وہ زیادہ جوش کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے ۔ لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ میں اکیلا ہوں اور مجھے کوئی دیکھ نہیں رہا تو اُس کے جوش میں کمی آجاتی ہے ۔ پس اگر انڈونیشیا کے لوگوں کے کانوں میں یہ آوازیں پڑتی رہیں کہ تمہاری ہر قسم کی امداد کریں گے اور جہاں تک ممکن ہو گا ہم تمہارے لئے قربانی کریں گے ۔ اس آزادی کی جنگ میں آپ لوگ اکیلے نہیں لڑ رہے ۔ بلکہ ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہیں اور پھر جہاں تک ممکن ہو دنیا کے مسلمان اپنے ان مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کی کوشش کریں تو وہ اپنی آزادی کے لئے بہت زیادہ جدوجہد کریں گے ۔ اور امید کی جا سکتی ہے کہ اُن کو جلد آزادی مل جائے ۔"[1]

حضرت مصلح موعود کے گذشتہ فتویٰ کی روشنی میں انڈونیشیا کے مبلغین ۔ انڈونیشیا کے دوسرے ملکی باشندوں کے دوش بدوش جنگ آزادی میں شامل ہو گئے تھے ۔ اب حضور کے اس تازہ خطبہ کے بعد قادیان کے مرکزی پریس کے علاوہ دُنیا بھر کے احمدی مشنوں نے بھی انڈونیشیا کی تحریک آزادی کے حق میں مؤثر آواز بلند کی یہاں تک کہ ۱۷ ظہور / اگست ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء کو انڈونیشیا کو آزادی مل گئی ۔

---

[1] :۔ الفضل ۲۰ ظہور / اگست ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء صفحہ ۳ ۔

پانچواں باب

مُسلمانانِ عالم کو قبل از وقت انتباہ اور اتحادِ اسلامی کی پُرزور تحریک

سے لیکر

حضرت مُصلح مَوعُود کی ہجرتِ پاکستان تک

(از شوال ۱۳۶۵ھ مطابق ظہور/اگست ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء تا شوال ۱۳۶۶ھ مطابق ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء)

فصل اوّل

مُسلمانانِ عالم کو اتحاد کی تحریک۔ حضرت مصلح موعود کی اہم دینی مصروفیات دہلی میں۔ نواکھالی اور بہار میں فسادات اور جماعتِ احمدیہ کی خدمتِ خلق۔ متحدہ ہندوستان کا آخری سالانہ اجتماع اور سالانہ جلسہ۔ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء میں انتقال کرنے والے بزرگ صحابہ

کلکتہ کے فسادات میں احمدیوں کا شدید نقصان

کلکتہ اگرچہ ایک عرصہ سے ہنگاموں اور بلووں کا مرکز بنا ہوا تھا مگر اس سال ۱۶ تا ۱۸ ظہور/اگست کے فرقہ وارانہ فسادات نے گذشتہ تمام ریکارڈ مات کر دیئے۔ سرسری اندازہ کے مطابق دو تین ہزار کے درمیان نفوس ہلاک اور چار پانچ ہزار کے لگ بھگ زخمی ہوئے۔ شہر کے چپہ چپہ میں لوٹ مار اور آتش زنی کے بیشمار واقعات ہوئے ہزاروں دکانیں اور مکانات جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئے۔ ان فسادات میں جماعت احمدیہ کلکتہ کے سب افراد خدا کے فضل سے بخیریت رہے البتہ تین لاکھ روپیہ کے قریب انہیں مالی نقصان ہوا۔ سب سے زیادہ بلوائیوں کی لوٹ مار کا تختہ مشق "کانٹی نینٹل موٹر ہاؤس" کی احمدی فرم کو بننا پڑا۔[1] جس کے مالک سیٹھ محمد صدیق صاحب و محمد یوسف صاحب تھے۔ حضرت مصلح موعود کی خدمت میں

---

[1] : ۔ سب سے زیادہ نقصان اسی فرم کو پہنچا جس کا تخمینہ دو لاکھ تھا؛

جب کلکتہ کے احمدیوں کے مالی نقصان کی اطلاع پہنچی تو حضور نے اپنے قلم سے لکھا :۔

"اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہو اگر وہ سچے صبر اور توکل علی اللہ سے کام لیں تو نقصان میں زور نہ ہوگا۔ انشاء اللہ ترقی ملے گی "۔

چنانچہ خدا کے فضل سے ایسا ہی ہوا۔

مصیبت اور ابتلا کے ان پُرخطر ایّام میں بھی احمدیوں نے دوسرے مصیبت زدوں کی ہر ممکن امداد کی چنانچہ تین بچوں اور چھ خواتین کو فساد زدہ علاقہ سے نکال کر ایک احمدی کے گھر پناہ دی گئی۔ اسی طرح ایک احمدی نے ایک سکھ فوجی افسر کو (مع اہل و عیال) اور ایک ہندو کو ایک دن رات اپنے یہاں رکھا اور دوسرے روز بعض اور معززین کی مدد سے ان کو ان کے گھروں تک بخیریت پہنچایا۔ علاوہ ازیں احمدی دوست اپنے اپنے حلقہ میں حتی المقدور ہر مذہب و ملّت کے لوگوں کو ہر ممکن امداد دیتے رہے۔ [1]

ڈھاکہ کے احمدیہ دار التبلیغ میں آتشزدگی

فسادات کلکتہ کا سلسلہ پورے بنگال میں پھیل گیا تھا جس کے دوران صوبائی جماعت احمدیہ بنگال کے دار التبلیغ کو (جو بخشی بازار روڈ ڈھاکہ میں ہندو آبادی کی اکثریت کے درمیان واقع تھا) کو پہلے لوٹا گیا پھر ۲۲ رتبوک/ستمبر کی شام کو نذر آتش کر دیا گیا جس سے مسجد احمدیہ بالکل خاکستر ہو گئی اور دار التبلیغ کے پختہ حصّہ کو بھی بہت نقصان پہنچا۔ دفتر کا سامان، دفتری ریکارڈ، بنگالی ترجمہ قرآن کا مسودہ۔ الفضل کے فائل اور بہت سا مذہبی لٹریچر بالکل جل گیا۔ صوبائی مرکز عارضی طور پر برہمن بڑیہ ضلع ٹپرہ میں منتقل کر دینا پڑا۔ [2]

مسلمانانِ عالم کو بروقت آسمانی انتباہ اور متحد ہونے کی تحریک

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کو ایک خواب میں دکھایا گیا کہ "اسلام کے لئے ایک بہت ہی نازک وقت آنے والا ہے اور مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان معاملات میں آپس میں اتحاد کر لیں جن میں اختلاف کرنے پر ان کا مذہب اور اُن کا عقیدہ انہیں مجبور نہیں کرتا "۔

اس الٰہی اشارہ پر حضور نے "الانذار" کے نام سے الفضل میں ایک مضمون سپردِ قلم فرمایا جس میں نہایت تفصیل سے پوری خواب درج فرمائی پھر لکھا :۔

---

[1] :۔ الفضل ۲۰ رتبوک/ستمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ و ۲۸ رنبوت ۱۳۲۵ہش صفحہ ۲ ؛

[2] :۔ الفضل یکم اخاء/اکتوبر صفحہ ۲ و ۴ را خاء/اکتوبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲ ؛

"اس رؤیا نے ہمیں اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اسلام کے لئے ایک نہایت ہی نازک دَور آرہا ہے اور مسلمانوں کو دنیوی اور سیاسی معاملات میں اپنے آپ کو متحد کر لینا چاہیئے اور ہر شخص کو دوسرے تمام امور کی نسبت اتحاد کو مقدم کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ اسی میں مسلمانوں کی نجات ہے۔ یہ نہایت ہی مشکل بات ہے۔ آسان بات نہیں۔ اس وقت مختلف مسلمان گروہوں کی طبائع میں اس قدر اختلاف پیدا ہو چکا ہے کہ وہ اختلافی مسائل پر زور دینا زیادہ پسند کرتے ہیں بہ نسبت اتحاد کی کوشش کے۔ بحیثیت مجموعی انہیں مسلمانوں کی بہبودی کی اتنی فکر نہیں جتنی ہر پارٹی کو اپنی پارٹی کی فکر ہے۔

میں اس خواب کو ظاہر کرتے ہوئے ہر احمدی کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے اپنے حلقۂ اثر میں مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائے کہ تمہاری پھوٹ تمہاری تباہی کا موجب ہوگی۔ اس وقت تمہیں اپنی ذاتوں اور اپنے خیالوں اور اپنی پارٹیوں کو بھول جانا چاہیئے۔ اور ہر ایک مسلمان کہلانے والے کو اسلام کی حفاظت کے لئے متحد کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اختلاف کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ ہر ایک سے یہ مت خواہش کرو کہ وہ سو فی صدی تمہارے ساتھ مل جائے بلکہ اُس سے یہ پوچھو کہ اس جدوجہد میں تم کتنی مدد کر سکتے ہو۔ جتنی مدد وہ کرنے کے لئے تیار ہو اُس کو خوشی سے قبول کرو اور اس وجہ سے کہ وہ سو فی صدی تمہارے ساتھ نہیں اس کو دھتکارو نہیں اور اسلام کی صفوں میں رخنہ پیدا مت کرو۔ ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ اس آواز کو اٹھائے اور رات اور دن اس کام میں لگ جائے حتیٰ کہ سیاسی پارٹیاں آپس میں اتحاد کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ مَیں یقین کرتا ہوں کہ اگر اب بھی مسلمان اختلاف پر زور دینے کی بجائے اتحاد کے پہلوؤں پر جمع ہو جائیں تو اسلام کا مستقبل تاریک نہیں رہے گا ورنہ اُفق سماء پر مجھے سپین کا لفظ لکھا ہوا نظر آتا ہے۔" [1]

مسلمانانِ عالم کے لئے دُعائے خاص کا ارشاد

حضرت مصلح موعود نے "الانذار" کے تسلسل میں بمقام بیت الفضل (ڈلہوزی) ۲۰ ظہور/اگست ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء کو ایک خطبہ بھی دیا جس میں مسلمانان عالم کے لئے دُعائے خاص کی تحریک کی چنانچہ ارشاد فرمایا:۔

"آجکل جس قسم کے حالات میں سے مسلمان گزر رہے ہیں وہ نہایت ہی تاریک ہیں۔ ہندوستان، فلسطین۔ مصر۔ انڈونیشیا۔ ان سب جگہوں میں مسلمانوں کی ہستی نہایت ہی خطرہ میں ہے۔ ہندوستان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایران میں روسی حکومت اپنا اثر و نفوذ پیدا کر رہی ہے۔ اسلئے ایرانی حکومت کو نہایت خطرناک حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ انڈونیشیا میں ڈچ حکومت مسلمانوں کو غلام بنانے کی خاطر تمام قسم کے ہتھیار استعمال کر رہی ہے۔

---

[1] :۔ الفضل ۲۲ ظہور/اگست ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء ؛

ملایا میں چینیوں کو زبردستی ٹھونسا جا رہا ہے۔ ہندوستان سے چل کر ایران۔ پھر فلسطین۔ مصر۔ انڈونیشیا ان سارے ہی علاقوں میں مسلمان سخت خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ پس تمام دوستوں کو چاہیئے ان دونوں خاص طور پر دعائیں کریں۔ دوسرے مسلمانوں کو بھی تحریک کرنی چاہیئے کہ وہ بھی دعاؤں میں لگ جائیں۔ سوائے اس کے مسلمانوں کے لئے کوئی چارہ نہیں۔" [1]

دہلی میں حضرت مصلح موعودؓ کی دینی مصروفیات

حضرت مصلح موعودؓ نے اس سال ۱۲ تبوک/ستمبر تا ۱۵ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ہش (۱۹۴۶ء) سفر دہلی اختیار فرمایا جس کی سیاسی تفصیلات تیسرے باب میں آچکی ہیں۔ اس موقعہ پر قیام دہلی کے دوران حضور کی بعض اہم دینی مصروفیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے:-

حضرت مصلح موعودؓ کا قیام کوٹھی ۸ یارک روڈ میں تھا۔ جہاں حضور روزانہ مغرب و عشاء کی نماز کے بعد مجلس علم و عرفان میں رونق افروز ہوتے تھے اور احمدی غیر احمدی بلکہ غیر مسلم بھی بکثرت حضور کی مجلس میں حاضر ہوتے اور استفادہ کرتے تھے۔ قیام دہلی کے دوران حضور نے مسئلہ دُعا، موت کے بعد رُوح، اسلامی عبادات اور چاند، قدامت روح و مادہ، ڈبوں کا گوشت، معجزہ شق القمر، حضرت صالح کی اونٹنی، ملکہ سبا کا تخت، احمدی نام، موعود خلافت، قومی رسوم و رواج وغیرہ متعدد مسائل پر لطیف روشنی ڈالی۔

حقائق و معارف کے اس سلسلہ کے علاوہ جو عموماً روزانہ ہی جاری تھا اور جو سرچشمہ ہدایت تھا۔ حضور نے مسجد احمدیہ دریا گنج میں تین خطبات جمعہ بھی دیئے۔ جن میں دہلی کی جماعت کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی [2] جماعت احمدیہ کے جملہ افراد کو یہ فرض یاد دلایا کہ وہ دُنیا کی ہر قوم اور ہر فرد کو مخاطب کرے [3] اور دنیا کو تباہی سے بچانے کے لئے خصوصیت سے دعاؤں میں لگ جائے۔ [4] دہلی میں حضور کی تین خاص تقریریں بھی ہوئیں۔ ۲۹ تبوک/ستمبر کو خدام الاحمدیہ دہلی کے جلسہ میں تقریر فرمائی اور انہیں اپنے اندر نیک تبدیلی، تنظیم مضبوط بنانے۔ دین کے لئے قربانی کرنے اور بنی نوع انسان کی خدمت کرنے کی قیمتی نصائح سے نوازا۔ [5] یکم اخاء/اکتوبر کو حضور نے دہلی کی احمدی خواتین سے خطاب فرمایا جس میں انہیں تبلیغ کرنے اور صحابیات کے نقش قدم پر چلنے کی پُر زور نصیحت کی۔ [6] ۹ اخاء/اکتوبر کو حضور نے اپنی فرودگاہ میں اس اہم موضوع پر لیکچر دیا کہ "اسلام دنیا کی موجودہ بے چینی کا کیا

---

[1]:- الفضل ۱۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۵ہش (۱۹۴۶ء) صفحہ ۲ کالم ۲ و ۳ ۔ [2] الفضل ۹ اخاء ۱۳۲۵ہش ۔

[3]:- الفضل ۲۸ اخاء ۱۳۲۵ہش ۔ [4]:- الفضل ۲۰ اخاء ۱۳۲۵ہش ۔

[5] و [6]:- الفضل ۴ اخاء ۱۳۲۵ہش صفحہ ۱ و ۲ ۔ مکمل تقریر کیلئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۹ اخاء/اکتوبر ۱۳۳۹ہش (۱۹۶۰ء) صفحہ ۲ تا ۶ ۔

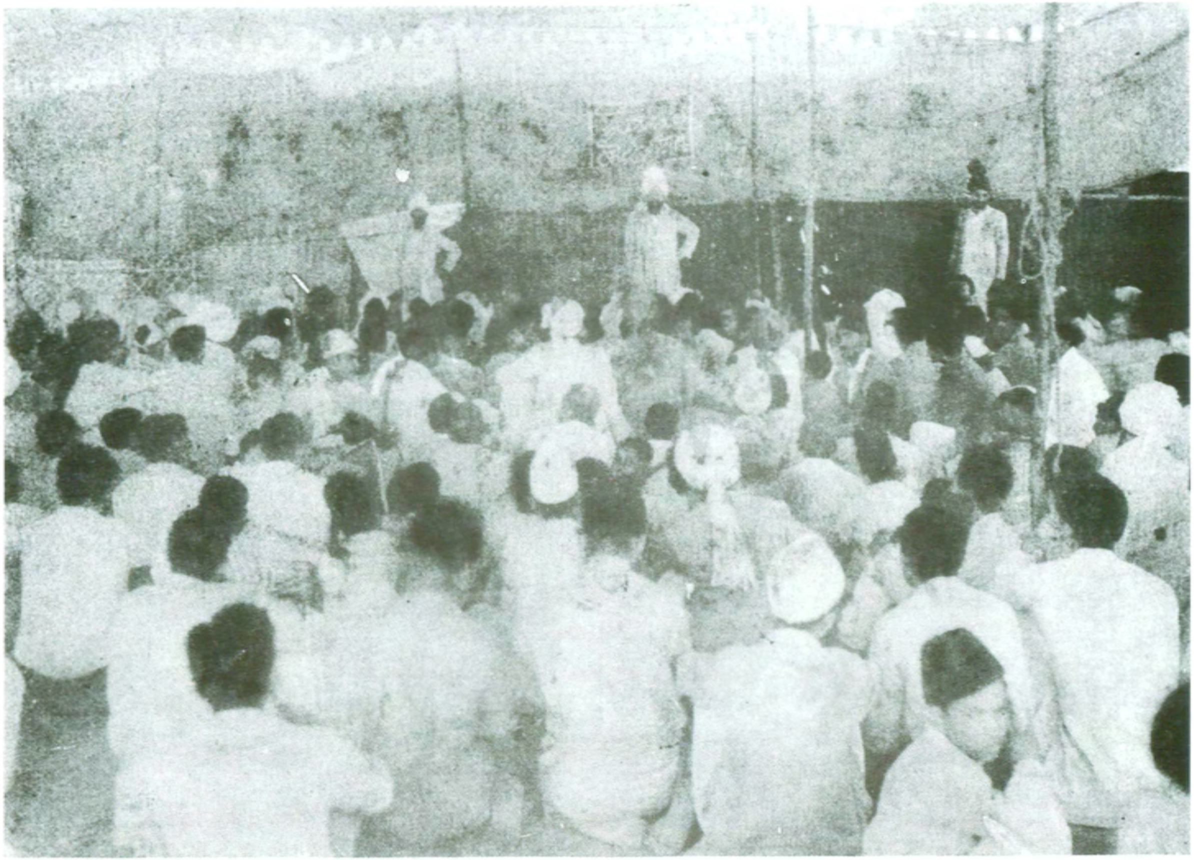

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ المصلح الموعود جماعت احمدیہ دہلی سے خطاب فرما رہے ہیں

علاج پیش کرتا ہے"۔ اس پُر معارف لیکچر میں مسلم اور غیر مسلم معززین بکثرت موجود تھے جو آخر وقت تک نہایت توجہ اور سکون سے سُنتے رہے[1] اخبار "تیج" دہلی نے اپنی ۱۴ر اکتوبر ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں اس تقریر کے بارہ میں حسب ذیل نوٹ شائع کیا:-

"نمبرہ پارک روڈ پر ایک عظیم الشان جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے احمدیوں کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ امن اور شانتی کا مسئلہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ خود انسان۔ کیونکہ انسانی فطرت کے ساتھ اس کا نہایت گہرا تعلق ہے۔ اگر اس کا قیام مطلوب ہے تو اس کے لئے جذبہ دشمنی و نفرت کو ختم کرنا پڑیگا۔ یہ مسئلہ سیاسی نہیں ہے بلکہ اخلاقی ہے اور اگر ہم خدا کی خدائی سے باخبر ہوں اور روٹی کا پیاله۔ لالچ وغیرہ کو چھوڑ دیں تو اُس کے بعد ہم نفرت اور لالچ کی بجائے برادری اور محبت کے جذبات پیدا کر سکتے ہیں۔ مذہبی دنیا کے اختلافات ختم ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ہم ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرنا سیکھیں اور اپنے اندر قوت برداشت پیدا کریں۔ جس طرح مذہبی معاملات میں تحمل کی ضرورت ہے ٹھیک اسی طرح دنیاداری کے معاملات میں بھی اس کا ہونا لازمی ہے۔ ہمیں قومیت و رنگ کے جھگڑوں کو ختم کرکے عالمگیر برادری کا جذبہ پیدا کرنا چاہیئے"۔[2]

اگلے روز (۱۰ر اخاء کو) جناب خواجہ حسن نظامی نے حضرت امیر المومنین سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ جس کا ذکر خواجہ صاحب موصوف نے اخبار "منادی" (۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۶ء صٹ) پر "بے غرض مخلص اور دور اندیش لیڈر" کے عنوان سے بھی کیا چنانچہ انہوں نے لکھا:-

"آج شام کو نئی دہلی میں چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کے مکان پر جناب مرزا محمود احمد صاحب خلیفہ جماعت احمدیہ سے ملنے گیا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک باتیں کیں ان کو مسلمان قوم کے ساتھ جو مخلصانہ ہمدردی ہے وہ سُنکر میرے دل پر بہت اثر ہوا اور میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ آج ایک ایسے لیڈر سے ملاقات ہوئی جس کو میں نے بے غرض مخلص سمجھا۔ ورنہ جو لیڈر ملتا ہے کسی نہ کسی غرض میں مبتلا نظر آتا ہے۔ مرزا صاحب مخلص بھی ہیں۔ دانشمند بھی ہیں۔ دُور اندیش بھی ہیں اور بہادرانہ جوش بھی رکھتے ہیں"۔[3]

چونکہ ۱۴ر ماہ اخاء/ اکتوبر حضور کی روانگی کا دن تھا اس لئے آپ نے ایک روز قبل نماز ظہر کے بعد جماعت احمدیہ دہلی سے الوداعی خطاب فرمایا جو بعد کو حضور کی زندگی کا دہلی میں آخری خطاب ثابت ہوا۔ حضور نے اس موقعہ پر نہایت مفید اور قیمتی نصائح

---

[1]:- الفضل ۱۰ر اخاء ۱۳۲۵ہش صا۔ اس تقریر کا مکمل متن الفضل ۱۵-۱۶-۱۸-۲۰ ماہ شہادت/ اپریل ۱۳۴۰ہش/ ۱۹۶۱ء میں شائع شدہ ہے۔

[2]:- بحوالہ الفضل ۲۱ر اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۵ہش/ ۱۹۴۶ء۔ [3]:- بحوالہ الفضل ۸ر نبوت/ نومبر ۱۳۲۵ہش/ ۱۹۴۶ء صٹ۔

کرتے ہوئے آخر میں فرمایا :-

"اس وقت تمام دُنیا میں اسلام پھیلانے اور لوگوں کے قلوب کو فتح کرنے کی ذمہ داری ہماری ہے ۔ یہ خیال کبھی دل میں نہیں لانا چاہیئے کہ یہ ذمہ داری کسی اور کی ہے ۔ جب تم یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لوگے تو دنیا بھر میں کوئی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گا ۔ تم جہاں جاؤ گے تمہارے رستہ سے رکاوٹیں خود بخود دُور ہوتی چلی جائیں گی ۔ مثل مشہور ہے ہر فرعونے راموسیٰ ۔ جسطرح ہر موسیٰ کا مقابلہ ہر فرعون نہیں کر سکتا اسی طرح ہر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ بھی ہر ابوجہل نہیں کر سکتا ۔ تم اگر چھوٹے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن جاؤ گے تو کتنے بھی ابوجہل تمہارے مقابلہ کے لئے اُٹھیں، مارے جائیں گے ۔ پس آج آپ سب لوگ عہد کریں کہ اسی دہلی میں جہاں سے پہلے پہل اسلام پھیلا اور دُور دراز تک پہنچ گیا تھا آپ بھی اپنی تبلیغی کوششوں کو تیز کر دیں گے ۔ اس وقت تمام مسلمان کہلانے والے تبلیغ سے بالکل غافل پڑے ہیں ۔ اگر تبلیغ جاری رہتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اسلام پر زوال آسکتا ۔ پہلی پانچ صدیوں میں مسلمانوں نے ہندوستان میں تبلیغ پر زور دیا مگر پچھلی پانچ صدیوں والے سست ہو گئے ۔ مگر اب خدا تعالیٰ کا منشاء ہے کہ پھر تمام دنیا اسلام کی آغوش میں آجائے ۔ ہندوستان مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مولد ہے ۔ اس لئے بھی اور اس لئے بھی کہ دہلی ہندوستان کا صدر مقام ہے دہلی والوں پر خاص کر بہت زیادہ ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں ۔ ہندوستان میں اس وقت چالیس کروڑ آدمی بستے ہیں ان میں سے دس کروڑ مسلمان ہیں گویا ¼ حصہ آبادی کو حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ ۔ حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگان نے مسلمان کیا ۔ اب تمہارے لئے موقعہ ہے کہ اس کام کو سنبھالو ۔ تین چوتھائی کام تمہارے حصہ میں آیا ہے ۔ خدا تعالیٰ مجھ کو اور تم کو اس فرض کے ادا کرنے کی توفیق بخشے ۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العالمین ۔" [1]

بالآخر یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت مصلح موعود قریباً تین ہفتے تک دہلی میں تشریف فرما رہے اس دوران میں جماعت احمدیہ دہلی نے مہمان نوازی کا حق ادا کر دیا جس پر حضور نے اپنی اس آخری تقریر میں اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا :-

"جماعت دہلی نے جس مہمان نوازی کا نمونہ دکھایا ہے گو اُسے مکمل نہ کہا جاسکے مگر یقیناً وہ دوسری جماعتوں کیلئے نمونہ ہے ۔ ہماری مہمان نوازی چوہدری شاہنواز صاحب نے کی جس میں ان کی اہلیہ صاحبہ کا بہت سا حصہ ہے ۔ فجزاھا اللہ احسن الجزاء ۔ باقی ساتھیوں اور مہمانوں کی مہمان نوازی تین ہفتے متواتر جماعت احمدیہ دہلی نے کی ۔ اور بعض لوگ

---

[1] :- الفضل ۱۶؍ نبوت / نومبر ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۵ ۔ آخری کالم ۔

تو رات دن کام پر رہے اور بعض دوست کھانا کھلانے کے لئے اکثر آتے رہے۔ مثلاً بابو عبدالحمید صاحب سیکرٹری تبلیغ دہلی۔ اسی طرح اور کئی دوست کام میں لگے رہے۔ امیر صاحب جماعت دہلی۔ ڈاکٹر عبداللطیف صاحب۔ چودھری بشیر احمد صاحب۔ اسی طرح کئی اور دوست ان دنوں اسی طرح کام پر لگے رہے کہ گویا ان کا کام مہمان نوازی اور ہماری امداد کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں۔ ڈاکٹر لطیف صاحب اور سید انتظار حسین صاحب کی موٹریں رات دن ہماری کوٹھی پر رہیں اور چودھری شاہ نواز صاحب کی کار کے ساتھ ہر وقت سلسلہ کے کام کرتی رہیں اور یہ قربانی ان لوگوں نے متواتر تین ہفتہ تک رات اور دن پیش کی۔ یقیناً یہی ایمان کا تقاضا تھا اور ایمان کے آنے پر اس قسم کا اخلاص دکھائے بغیر کوئی جماعت اپنے ایمان کے دعوے میں سچی نہیں ہو سکتی۔ یہ کوئی اخلاص نہیں کہ امام آیا ہوا ہے اور لوگ اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ تو دین سے استغناء کا مظاہرہ ہے اور جو دین سے استغناء کرتا ہے وہ ایماندار کس طرح کہلا سکتا ہے۔ اکثر احباب جماعت مغرب و عشاء میں متواتر تین ہفتہ شامل ہوتے رہے۔ میرے نزدیک جماعت کا ۳/۴ حصہ روزانہ نماز میں آتا تھا اور کافی تعداد کوئی ۱/۲ کے قریب باوجود دفتروں کا وقت ہونے کے ظہر و عصر میں شامل ہوتی تھی۔ ان میں سے بعض کو پانچ چھ بلکہ سات میل سے آنا پڑتا تھا۔ کثرت سے جماعت کے دوست دوسروں کو ملاقات کے لئے لاتے رہے اور مفید سوال و جواب سے اپنے اور دوسروں کے ایمان تازہ کرتے رہے۔ بہت سوں نے اس غرض سے دعوتیں کیں تا معزز غیر احمدیوں اور ہندوؤں کو ملنے کا موقعہ ملے کئی کی دعوتیں ہم قبول کر سکے اور کئی کی قلتِ وقت کی وجہ سے نہ کر سکے۔

عورتوں کی خدمات اور اخلاص بھی قابل تعریف تھا۔ انہوں نے قابل رشک نمونہ دکھایا۔ بہرحال میں اُن سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اُن کے اخلاص اور تقویٰ کی زیادتی کے لئے اور دینی و دنیوی کامیابی کے لئے دُعا کرتا ہوں۔ اللّٰھُمَّ آمین۔"[1]

مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ کی کامیاب مراجعت اور ایک پیشگوئی کا ظہور

مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ مجاہد انگلستان دس سال تک تثلیث کے مرکز میں تبلیغ اسلام کا کامیاب جہاد کرنے کے بعد ۱۵ / ماہ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء کو (معہ السید منیر الحصنی صاحب امیر جماعت احمدیہ دمشق) قادیان میں تشریف لائے تو اہل قادیان نے اُن کا نہایت پرتپاک اور پُرجوش خیر مقدم کیا۔ ۱۶ / ماہ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء کو اُن کے اور السید منیر الحصنی کے اعزاز میں جامعہ احمدیہ اور مدرسہ احمدیہ کے طلباء نے دعوتِ عصرانہ

---

[1] "الفضل" ۱۶ / نبوت / نومبر ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۱

دی جس میں حضرت سیّدنا المصلح الموعود نے ایک پُرمعارف تقریر فرمائی جس میں بتایا کہ :-

"اللہ تعالیٰ اور اُس کے انبیاء کے کلام کے کئی بطن ہوتے ہیں اور ہر بطن اپنے اپنے وقت پر پورا ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے قرآن کریم کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کے سات بطن ہیں اور سات بطنوں میں سے آگے ہر بطن کی الگ الگ تفاسیر ہیں۔ اسی طرح ایک ایک آیت سینکڑوں اور ہزاروں معانی پر مشتمل ہے۔"

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ آخری زمانہ میں مغرب سے سورج کا طلوع ہوگا۔ اور جب یہ واقع ہوگا تو اس کے بعد ایمان نفع بخش نہیں رہے گا۔ ۱۹۳۴ء میں احرار نے ہمارے خلاف ایجی ٹیشن شروع کی اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نے احمدیت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اور ۱۹۳۴ء سے ہی اللہ تعالیٰ نے جماعت کو ایک نئی زندگی بخشی اور اُسے ایک ایسی طاقت عطا فرمائی جو اس سے پہلے اُسے حاصل نہ تھی۔ اس نئی زندگی کے نتیجہ میں ہماری جماعت میں قربانی کا نیا مادہ پیدا ہوا۔ ہماری جماعت میں اپنے نفوس اور اپنے اموال کو خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کرنے کا نیا جوش پیدا ہوا۔ اور ہماری جماعت میں دین اسلام کی خدمت اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کے اعلاء کے لئے باہر جانے کا نیا ولولہ اور نیا جوش موجزن ہوا۔ چنانچہ پہلے بیسیوں اور پھر سینکڑوں نوجوانوں نے اس غرض کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا اور مَیں نے خاص طور پر ان کی دینی تعلیم کا قادیان میں انتظام کیا تاکہ وہ باہر جاکر کامیاب طور پر تبلیغ کر سکیں۔ اس عرصہ میں جنگ کی وجہ سے ہمارے پہلے مبلّغ باہر رُکے رہے اور نئے مبلّغوں نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا یہانتک کہ جنگ کے خاتمہ پر ہم نے ساری دُنیا میں اپنے مبلّغ اس طرح پھیلا دئے کہ احمدیت کی تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی باقی مسلمانوں میں تو اس کی کوئی مثال تھی ہی نہیں۔ ہماری جماعت میں بھی جو قربانی کی عادی ہے اس قسم کی کوئی مثال پہلے نظر نہیں آتی۔ جب مبلّغ تیار کر کے بیرونی ممالک میں بھیجے گئے تو خدا تعالیٰ کی مشیّت اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کی پیشگوئی کے ماتحت ہمارا جو لشکر گیا ہوا تھا اُس میں سے سب سے پہلے شمسؔ صاحب مغرب سے مشرق کی طرف واپس آئے۔ پس اس پیشگوئی کا ایک بطن یہ بھی تھا کہ آخری زمانہ میں اللہ تعالیٰ اسلام کی فتح اور اسلام کی کامیابی اور اسلام کے غلبہ اور اسلام کے استعلاء کے لئے ایسے سامان پیدا کریگا جن کی مثال پہلے مسلمانوں میں نہیں ملے گی۔ اور اس وقت سورج یعنی شمسؔ مغرب سے مشرق کی طرف واپس آئیگا۔ ہمارے مولوی جلال الدین صاحب کا نام شمسؔ اُن کے والدین نے نہیں رکھا۔ ماں باپ نے صرف جلال الدین نام رکھا تھا مگر اُنہوں نے باوجود اس کے کہ وہ شاعر بھی نہیں تھے یُونہی اپنے نام کے ساتھ شمسؔ لگا لیا۔ تاکہ اس ذریعہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہ پیشگوئی پوری ہو کہ جب شمسؔ مغرب سے مشرق کی طرف آئے گا۔"

"..... پھر وہ زمانہ بھی آجائیگا جب اس پیشگوئی کا دوسرا بطن پورا ہوگا اور مغرب سے اسلام کے مبلّغ نکلنے شروع ہوں گے اور مغرب میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو بجائے اسلام کو مٹانے کے اسلام کی تبلیغ کے لئے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ پھر وہ زمانہ بھی آئے گا جب اس دنیا پر صرف اشرار ہی اشرار رہ جائیں گے اور جب سورج بھی مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع کرے گا اور دنیا تباہ ہو جائے گی۔ یہ سارے بطن ہیں جو اپنے اپنے وقت پر پورے ہوں گے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کا ایک بطن یہ بھی ہے جو شمسؔ صاحب کے آنے سے پورا ہوا اور جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیشگوئی کے مطابق ہمارا اسوقت کا روحانی حملہ جارحانہ حملہ ہوگا جو زیادہ سے زیادہ قوی ہوتا چلا جائیگا۔ پس ہماری جماعت کے دوستوں پر بھی اور جامعہ احمدیّہ اور مدرسہ احمدیّہ کے طلباء پر بھی بہت بڑی ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ جب جارحانہ اقدام کا وقت آتا ہے تو یکے بعد دیگرے قوم کے نوجوانوں کو قربانی کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔ جب لڑائی نہیں ہوتی اُس وقت فوجوں کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی لیکن جب جارحانہ اقدام کا وقت آتا ہے تو جس طرح ایک تنور والا اپنے تنور میں پتے جھونکتا چلا جاتا ہے اُسی طرح نوجوانوں کو قربانی کی آگ میں جھونکنا پڑتا ہے اور یہ پرواہ نہیں کی جاتی کہ اُن میں سے کون بچتا ہے اور کون مرتا ہے۔ ایسے موقعہ پر سب سے مقدم سب سے اعلیٰ اور سب سے ضروری یہی ہوتا ہے کہ جیسے پروانے شمع پر قربان ہوتے چلے جاتے ہیں اُسی طرح نوجوان اپنی زندگیاں اسلام کے احیاء کے لئے قربان کر دیں۔ کیونکہ اُن کی موت کے ساتھ اُن کی قوم اور اُن کے دین کی زندگی وابستہ ہوتی ہے۔ اور یہ قطعی اور یقینی بات ہے کہ اگر قوم اور دین کی زندگی کے لئے دس لاکھ یا دس کروڑ یا دس ارب افراد بھی مرجاتے ہیں تو اُن کی پرواہ نہیں کی جاسکتی۔ اگر ان کے مرنے سے ایک مذہب اور دین زندہ ہو جاتا ہے۔ پس ہمارے نوجوانوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے۔

شمسؔ صاحب پہلے مبلّغ ہیں جو جنگ کے بعد مغرب سے واپس آئے۔ یوں تو حکیم فضل الرحمٰن صاحب بھی مغرب میں ہیں۔ مولوی محمد شریف صاحب بھی مغرب میں ہیں۔ صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بھی مغرب میں ہیں اور ہو سکتا تھا کہ کوئی اور پہلے آجاتا۔ ہم نے حکیم فضل الرحمٰن صاحب کو آج سے نو ماہ پہلے واپس آنے کا حکم دیدیا تھا مگر اُن میں سے کسی کو واپس آنے کی توفیق نہیں ملی۔ توفیق ملی تو شمسؔ صاحب کو ملی۔ تا اس ذریعہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہ پیشگوئی پوری ہو کہ جب آخری حملے کا وقت آئیگا اُس وقت شمس نامی ایک شخص مغرب سے مشرق کی طرف واپس آئیگا اور اُسکے آنے کے ساتھ اسلام کے جارحانہ اقدام اور اُسکے حملہ عظیمہ کی ابتداء

ہوگی اور نوجوان ایک دوسرے کے پیچھے قربانی کے لئے بڑھتے چلے جائیں گے۔ پروانہ کیا بے حقیقت اور بے عقل جانور ہے مگر پروانہ بھی شمع پر جان دینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اگر پروانہ شمع کے لئے اپنی جان قربان کر سکتا ہے تو کیا ایک عقلمند اور باغیرت انسان خدا اور اُس کے رسول کے لئے اپنی جان دینے کو تیار نہ ہوگا؟" [1]

نواکھالی اور بہار میں خونریز فسادات اور جماعتِ احمدیہ کی خدمتِ خلق۔

فسادات کلکتہ کا ردّ عمل پہلے نواکھالی اور پھر بہار میں ایسی سفاکی، درندگی اور بہیمیت کی صورت میں ہوا کہ انسانیت روپوش ہوگئی۔ نواکھالی میں اگر بے گناہ ہندو نہایت بے دردی کی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے تو بہار کے بے بس اور معصوم مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ فسادیوں نے نہایت وسیع پیمانے پر مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی اور اُن کے دیہات کے دیہات نذرِ آتش کر دیئے۔ ہزاروں مسلمان شہید ہوئے ہزاروں زخمی ہوئے اور ہزاروں بے خانماں ہو کر بنگال، سندھ یا پنجاب میں آبسے اور ہزاروں دیہاتوں کو بھاگ کر شہروں میں پہنچے اور ڈاکٹر سید محمود کے بیان [2] کے مطابق ایک لاکھ دس ہزار مسلمان پناہ گزینوں کے کیمپ میں مقیم ہوگئے۔ چنانچہ بھاگلپور سے مولوی اختر علی صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور پروفیسر عبدالقادر صاحب نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں ۸ ماہ نبوت/نومبر کو مندرجہ ذیل تار بھجوایا جو ۹ ماہ نبوت کو موصول ہوا:۔

"مسلمانانِ بہار پر مظالم کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ مظالم توڑنے میں عورت، مرد اور بچے بوڑھے کا کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ اصل حالات کو مخفی رکھا جا رہا ہے۔ سپین کی خونی داستان تمام صوبہ میں دہرائی جا رہی ہے۔ ذرائع رسل و رسائل اور خط و کتابت بند ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف مظالم کا ایک تند طوفان اُٹھ رہا ہے۔ مہربانی فرما کر دُعا فرمائیں اور مرکزی حکومت کے ذریعہ اور پبلک میں اصل حقیقت کے اظہار کے ذریعہ امداد فرمائیں۔ ہماری جانوں کی حفاظت کے لئے یہ ایک ڈوبتے ہوئے جہاز کی صدا سمجھیں۔" [3]

حضرت مصلح موعود نے نواکھالی اور بہار کے ان خونریز فسادات پر اوّلین قدم یہ اٹھایا کہ نواکھالی کے فلاکت زدوں کی امداد کے لئے آل انڈیا نیشنل کانگرس کو پانچ ہزار [4] اور مظلوم مسلمانانِ بہار کے ریلیف فنڈ میں قائد اعظم محمد علی جناح کی خدمت میں پندرہ ہزار روپیہ کی پہلی قسط بھجوائی۔ یہ قسط نظارت امورِ عامہ کی طرف سے ارسال کی گئی جس کے ساتھ حسب ذیل خط بھی تھا:۔

---

[1]:۔ الفضل ۲۹ صلح/جنوری ۱۳۴۰ ہش/۱۹۶۱ء صفحہ ۳-۴

[2]:۔ یہ بیان انہوں نے "پٹنہ ٹائمز" میں شائع کرایا تھا۔

[3]:۔ الفضل ۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ ہش صفحہ ۱

[4]:۔ الفضل ۲۱ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ ہش

"جناب!! حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ کی زیر ہدایت احمدیہ جماعت قادیان پندرہ ہزار روپے بہار کے مظلومین کے لئے پیش کرتی ہے ۔ یہ رقم جماعت احمدیہ کی طرف سے صرف بطور قسط اول ہے ۔ جو اپنی تعدادی طاقت کے لحاظ سے تین گنا ہے ۔ یعنی کل ہندی مسلم آبادی کا چھیاسٹھواں حصہ ۔ حالانکہ ایک احمدی کے مقابل دو سو غیر احمدی مسلمان ہیں"۔

قائد اعظم محمد علی جناح نے جواباً لکھا:۔

"نیو دہلی ۲۳ نومبر بنام ناظر امور عامہ جماعت احمدیہ قادیان ۔ آپ کا خط اور چیک مل گیا ہے ۔ آپ کی امداد کے لئے بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ بہار کی امداد کیلئے حتی الوسع کوشش کر رہا ہوں ۔ ہر طرف سے امداد کی سخت ضرورت ہے ۔ صورت حال بڑی نازک ہے ۔ بہت بڑی مہم درپیش ہے ۔ جناح "۔ [1]

اس پہلی قسط کے بعد جماعت احمدیہ نے تیس ہزار روپیہ مزید "بہار ریلیف فنڈ" کے سلسلہ میں بھجوایا۔ [2]

اس مالی امداد کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے حکم سے ۱۴ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو قادیان سے ایک طبی وفد (معہ ضروری ادویہ و سامان) بہار کے ستم رسیدہ مسلمانوں کی فوری امداد کے لئے بھجوا دیا گیا جو حسب ذیل اصحاب پر مشتمل تھا:۔

۱۔ مولوی برکات احمد صاحب بی۔اے نائب ناظر امور عامہ و امیر وفد (ابن حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی)۔

۲۔ پروفیسر سید فضل احمد صاحب ایم۔اے تعلیم الاسلام کالج قادیان ۔

۳۔ ڈاکٹر احمد صاحب پسر حضرت صوفی غلام محمد صاحب (سابق مجاہد ماریشس)۔

۴۔ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب دلپسر حضرت بھائی محمود احمد صاحب قادیان)۔

۵۔ عبد الغفار صاحب کمپونڈر۔ [3]

اس پہلے وفد کے بعد حضرت مصلح موعود نے ۷ فتح/دسمبر کو تحریک خاص فرمائی کہ احمدی ڈاکٹر مصیبت زدگان بہار کی امداد کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں ۔ جس پر کیپٹن ڈاکٹر بدر الدین احمد صاحب ایم بی بی ایس اور کیپٹن ڈاکٹر سید محمد جی صاحب آئی۔ایم۔ایس نے اپنے نام دیئے [4] اور ۱۰ ماہ فتح/دسمبر کو قادیان سے روانہ ہو کر بہار میں

---

[1] الفضل ۲۸ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء
[2] الفضل ۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳
[3] " ۱۵ " " " صفحہ ۵
[4] " ۱۴ فتح/دسمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱
[5] " ۱۱ فتح/دسمبر " صفحہ ۳ کالم ۲

پہنچے اور پہلے طبّی وفد کا ہاتھ بٹانے لگے۔ اُن کے بعد تیسرا وفد ۸ / ماہ صلح / جنوری ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو بہار گیا۔ جو

لہ:۔ حضرت ڈاکٹر بدر الدین احمد صاحب اپنی غیر مطبوعہ خود نوشت سوانح میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"سیّدنا حضرت اقدس نے تحریک فرمائی کہ بہار میں مسلمان مظلوموں کی امداد کے لئے ابھی اور ڈاکٹروں کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد جی صاحب اور عاجز دونوں نے اپنے آپکو پیش کردیا۔ اور چند دنوں کے بعد ہم بہار پہنچ گئے۔ سب سے اول سیّدنا المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرید مکرم حکیم خلیل احمد صاحب کے مکان پر مونگھیر پہنچے۔ مونگھیر کو تو ہم بڑا شہر جانتے تھے مگر سٹیشن پر سوائے گھوڑا گاڑی کے اور کوئی سواری نہ تھی اور یہ گھوڑے پنجابی گدھے کے ایک دو سالہ بچے کی مانند دُبلے پتلے اور نحیف تھے۔ خیر ہم سیدھے حکیم صاحب کے ہاں پہنچ گئے دیکھا تو بوجہ فسادات سب طرف خوف کی حالت طاری تھی حکیم صاحب کے ہاں کچھ سامان غرباء میں تقسیم کے لئے موجود تھا۔ ہم دو تین روز ٹھہرے۔ حضرت حکیم صاحب کی معیت میں ہم مسلمان منتظمین امداد مظلومین کے پاس پہنچے۔ مگر ان مسلمانوں میں ہم نے کوئی خاص قوت عمل نہیں پہچانی۔ مگر حکیم صاحب بالخصوص عاجز کے باریش وجود کو بطور تبلیغ استعمال فرما رہے تھے۔ پھر حکیم صاحب کی معیت میں ہم DISTRICT OFFICER کے پاس گئے۔ وہ مسلمان معمر شخص تھے مگر ہندوؤں کا زور تھا D.O کو بھی ہندوؤں کے دباؤ میں رہنا پڑتا تھا۔ دیکھا کہ ایک ہندو آپ کے پاس بیٹھا ہے اور کوئی ایک گھنٹہ تک برابر بولتا ہی چلا جاتا تھا۔ گویا کہ وہ D.O کی بجائے اپنی ہی حکومت چلا رہا تھا۔ خیر بمشکل ہمیں وقت ملا۔ مگر D.O صاحب نے فرمایا کہ اسوقت حالات درست ہو چکے ہیں اور مظلومین کی امداد کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ ہم اُن سے ناامید ہو کر واپس ہوئے۔ آخر حکیم صاحب کی معیّت میں ہم بذریعہ ریل PATNA پہنچے۔ وہاں ہمارا ایک وفد جناب مولوی برکات احمد صاحب (ابن حضرت مولوی راجیکی صاحب) کی قیادت میں آیا ہوا تھا اور وہ وہاں امیر جماعت کے مکان پر مقیم تھے۔ ہم وہاں پہنچ گئے۔ آخر اُن کی مدد سے ہم نے ادویہ خریدیں اور پھر اُن کی قیادت میں بذریعہ ریل اُس علاقہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں ہمارے ایک احمدی گاؤں کی جماعت آباد تھی۔ ایک خاص سٹیشن پر اُتر کر لاری میں بیٹھے۔ ہمارے امیر صاحب کچھ خائف تھے۔ اور خطرہ ہی کے علاقہ سے ہم گزر رہے تھے اور بار بار ہم میں سے ہر ایک کے پاس آکر ہدایات دیتے رہے کہ اترنے کے وقت اس طریق سے جائیں گے۔ غرض ہم تسبیح و تحمید اور درود پڑھتے ہوئے اُس جگہ آن پہنچے اور سڑک سے اتر کر کھیتوں میں سے ہو کر اپنے گاؤں میں پہنچ گئے۔ اس وسیع علاقہ میں صرف یہی گاؤں بمعہ مسجد کے محفوظ رہا تھا ورنہ چاروں طرف تباہی سے مسلمان نابود ہو گئے تھے۔ اس حالت کو دیکھ کر صاف اور بیّن طور پر نشانِ الٰہی نظر آرہا تھا کیونکہ جب کہ چاروں طرف سینکڑوں گاؤں کے مسلمان تباہ ہو گئے۔ یہ صرف ایک گاؤں بمعہ اپنی مسجد کے محفوظ رہا۔ صاف ظاہر تھا کہ یہاں ملائکہ کا پہرہ تھا۔

ہماری جماعت کے احباب ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ وہاں ابھی پولیس کے دو خیمے لگے ہوئے خالی پڑے تھے ہم وہیں مقیم ہو گئے۔

وہاں ہمیں بتایا گیا کہ جب ہجوم اس طرف کو بڑھا تھا تو احمدی احباب نے اپنے مکانوں کے اندر ہی پٹاخے چلانے شروع

ڈاکٹر فضل کریم صاحب اور ڈاکٹر اعظم علی صاحب پر مشتمل تھا۔[۵]

پہلے احمدی طبی وفد نے بہار میں پہنچتے ہی اپنی خدمات ضلع مسلم لیگ مونگھیر کے سپرد کردیں اور انہیں تاراپور اور کھڑک پور وغیرہ کے ان علاقوں میں متعین کیا گیا جو سب سے زیادہ تباہ شدہ تھے۔ احمدی ڈاکٹروں نے نہایت محنت اور ہمدردی سے قریباً آٹھ سو مریضوں کا علاج کیا۔ تاراپور کیمپ میں راشن کی تقسیم کا انتظام کانگرسی رضاکاروں کے ہاتھ میں تھا۔ احمدیہ وفد کی کوشش سے مسلم لیگی نمائندوں کو بھی نگرانی کی اجازت مل گئی۔ قبل ازیں پناہ گزینوں کو چاول اور مکی ملتی تھی۔ اب دال بھی میسر آنے لگی۔ دودھ کی تقسیم کا انتظام پہلے کی نسبت بہت تسلی بخش ہوگیا۔ اسی طرح آخر نومبر سے پہلے خیموں کا انتظام نہ تھا۔ اب خیمے آنے شروع ہو گئے۔ اور ان میں روشنی کا انتظام بھی ہو گیا۔

احمدیہ طبی وفد نے تاراپور کیمپ کے علاوہ غازی پور اور اورین میں بھی وسیع پیمانہ پر امدادی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اور مریضوں کے علاج معالجہ کے لئے دن رات ایک کردیا۔ اور غازی پور، بھاگل پور، مونگھیر، اورین، سورج گڑھا اور پٹنہ میں مستحقین کی روپیہ سے بھی امداد کی۔

احمدیہ طبی وفد کی ان طبی خدمات کو صدر مونگھیر ضلع مسلم لیگ اور کنزرویٹر مونگھیر ڈسٹرکٹ سنٹرل ریلیف کمیٹی دونوں نے بہت سراہا اور بطور شکریہ امیر وفد مولوی برکات احمد صاحب کو حسب ذیل خط لکھے:۔

(۱) "از دفتر ضلع مسلم لیگ۔ مونگھیر۔ ۶ دسمبر ۱۹۴۶ء۔ پیارے محترم: آپ نے اور آپ کی پارٹی نے اس ضلع کے مختلف کیمپوں میں پناہ گزینوں کے ساتھ جو قابل ستائش خدمات سرانجام دی

بقیہ حاشیہ:۔ کردئے۔ اور ایک آدھی بندوق بھی تھی مگر حفاظتی کی آواز کو سُن کر ہجوم اس طرف جرأت نہ کرسکا۔ صرف ایک نوجوان ہمارا شہید ہوا تھا جس مقام پر وہ بے چارا گرا تھا وہ ہم نے جا کر دیکھی اور دعا کی۔ کچھ مسلمانوں کو ساتھ لے کر ہم نے اُس علاقہ کا دورہ بھی کیا تھا۔ اردگرد کے گاؤں کے گاؤں ظالموں نے تباہ کر دیئے تھے اور عورتوں اور بچوں کو مکانوں میں بند کرکے آگیں لگادی تھیں اور لاشوں کو بالوں سے کھینچ کھینچ کر کنوؤں میں ڈال دیا گیا۔ کنوؤں کے اندر سے ابھی تک بدبو آرہی تھی اور اردگرد کا سارا علاقہ ہڈیوں، پنجروں اور کھوپریوں سے اٹا پڑا تھا۔ سنا گیا کہ ایک اور جگہ عورتوں اور بچوں کو کہا گیا کہ تمہارے مرد تو مر گئے ہیں چلو ہم تمہیں حفاظت کی جگہ لے جائیں۔ باہر جا کے اُن کے سروں پر چوٹیاں ڈال دی گئیں اور مٹی کا تیل ڈال کر آگیں لگادی گئیں۔ غرضیکہ ہمارا تو دل واللہ غیرت اور دُکھ سے بھر گیا اور مسلمانوں کی اس بے بسی اور تباہی پر روتا رہا۔"

[۵]:۔ الفضل ۱۳ ارتبلیغ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۵۔

ہیں۔ اُن کی وجہ سے میں بہت ہی ممنون ہوں۔ آپ کی امداد اور ریلیف اس ضلع کے پناہ گزینوں کی انتہائی ضروریات تھیں اور اُنہیں آپ نے پورے طور پر عمدہ طریق سے سرانجام دیا۔ جس طرز پر آپ نے کام کیا ہے اُس کے متعلق مسلم لیگ کی طرف سے پورے اطمینان اور گہرے امتنان کے جذبات ظاہر کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہوں۔ آپ کا مخلص (دستخط) ایس۔ ایس رشید احمد۔ مولوی۔ پریذیڈنٹ مونگھیر ضلع مُسلم لیگ۔ بخدمت مولوی برکات احمد صاحب نائب ناظم امورعامہ۔ قادیان پنجاب "

---

(۲) "مونگھیر مورخہ ۱۹۴۶ - ۱۲ - ۱۴

قادیان میڈیکل ریلیف کے کارکنان نومبر کے تیسرے ہفتہ میں مونگھیر وارد ہوئے اور انہوں نے مونگھیر کے متعدد کیمپوں میں کام کیا۔ ان کا گروہ باتنظیم اور ٹرینڈ کارکنوں پر مشتمل ہے اور ان کے لیڈر مولوی برکات احمد بہت باشعور انسان اور ایمان دار کارکن ہیں۔

کاش ان جیسے کارکنوں کا ایک گروہ مجھے مستقل طور پر مونگھیر کے لئے مل جائے۔ اس وفد کو خاص طور پر مشکل حالات میں کام کرنا پڑا اور بعض اوقات حصول ریلیف کے لئے سرکاری احکام کے ساتھ لڑنا پڑا۔ مجھ سے ان کا تعارف حکیم خلیل احمد صاحب نے کرادیا جو خود دیانتدار اور مخلص کارکن ہیں۔

(دستخط) ایس۔ ایم سہیل کنٹرولر مونگھیر ڈسٹرکٹ سنٹرل ریلیف ڈائرکٹرز)۔"[۱]

یہ تو احمدیہ طبّی وفد کی اہم خدمات تھیں۔ جہاں تک بہار اور بنگال کے احمدیوں کا تعلق تھا انہوں نے بھی مصیبت زدہ ہونے کے باوجود قتل و غارت کے اس طوفان میں اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت کا عمدہ نمونہ دکھایا۔

مونگھیر:۔ چنانچہ مونگھیر میں حضرت حکیم خلیل احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ مونگھیر نے پنجاب اور بنگال سے آنیوالے طبّی وفود کو احمدی کالونی میں رکھا اور ان سے ہر طرح تعاون کیا۔ اور اپنے گھر میں بہت سے مسلمانوں کو پناہ دی۔ اور مسلم لیگ کی شاخ ویلفیئر ایسوسی ایشن کے ممبر کی حیثیت سے سرگرم عمل رہے۔ درحقیقت مونگھیر میں مسلم لیگ کی تمام امدادی سرگرمیوں میں آپ روح رواں تھے۔ آپ کے ساتھ مولوی محمد ظریف صاحب وکیل بھی کام کرتے رہے۔ اسیطرح سید غلام نبی صاحب نے ضلع مسلم لیگ کے سالار اعلیٰ کی حیثیت سے اہم خدمات انجام دیں۔ ڈاکٹر حبیب اللہ صاحب اور ملک محی الدین صاحب (پسر ملک نواب الدین صاحب مرحوم قادیان) نے اس علاقہ میں پنجاب کے مسلم لیگی وفد کیساتھ مل کر کام کیا۔

---

[۱]:۔ الفضل ۱۰ ؍ صلح / جنوری ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء ؎

بھاگلپور:۔ پروفیسر عبدالقادر صاحب ایم۔ اے کرفیو آرڈر کے اوقات میں بھی مسلمانوں کے مفاد کی خاطر حکام سے بار بار ملتے رہے۔ اور شہر کے محلوں میں پولیس اور ملٹری متعین کرانے میں کامیاب ہوگئے۔ نیز ان امور کے تعلق میں "مارننگ نیوز" (کلکتہ) میں ایک مضمون بھی بھجوایا۔ مولوی اختر علی صاحب بھی آپ کے دست و بازو تھے جنہوں نے حکام سے رابطہ قائم کرنے یا خط و کتابت کرنے میں انتہائی بیدار مغزی اور فرض شناسی کا ثبوت دیا۔ ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر صاحب نہایت مخدوش حالات میں دوسرے دو مسلمان ڈاکٹروں کو ساتھ لے کر بھاگلپور کے علاوہ تاراپور کے فسادزدہ علاقہ میں بھی گئے۔ مجروحین کی مرہم پٹی کی۔ ڈاکٹر عبدالحی صاحب آف برماپور جنرل ہسپتال میں مریضوں کی دیکھ بھال کرتے رہے اور ان کی دیگر ضروریات کی طرف متوجہ رہے۔

غازی پور:۔ غازی پور کے احمدی لیاقت حسین صاحب نے غازی پور کی حفاظت کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا اگرچہ محمد عاشق حسین صاحب صدر جماعت غازی پور کا پچاس ہزار روپیہ کا نقصان ہوا تھا پھر بھی انہوں نے کئی مسلمان خاندانوں کو اپنے یہاں پناہ دی اور بستی کے دوسرے لوگوں کی بھی خدمت بجالاتے رہے۔ یکم فتح (دسمبر) کو گورنر صاحب بہادر اس بدنصیب بستی کا معائنہ کرنے کے لئے آئے تو ایک احمدی اصغر حسین صاحب نے انہیں لاشوں کے مقامات دکھائے اور گاؤں کے مسلمانوں کی نمائندگی میں مفصل حالات پیش کئے اور درخواست کی کہ حالات کے معمول پر آجانے تک فوج کو بدستور متعین رکھا جائے۔ جس میں مسلمان اور گورے ہوں۔ دھان کاٹنے میں حکومت کی طرف سے مدد دی جائے۔ نیز اجڑے ہوئے مسلمانوں کو ایک مقام پر اکٹھا بسایا جائے اور حفاظت کے لئے اسلحہ دیا جائے۔ غازی پور کے احمدیوں نے اپنے گاؤں کے مسلمانوں کی لاشیں باقاعدہ دفن کیں جبکہ دوسرے دیہات کے مردے جلا دئے گئے۔

غازی پور کے احمدیوں کی یہ خدمت غیر مسلموں کو بہت ناگوار گذری اور انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اور وہ یہ کہ چونکہ یہ احمدی دیگر مسلمانوں کی تکلیف میں مدد دیتے تھے اور ان کی جائز شکایات افسران بالا تک پہنچاتے تھے اسلئے پولیس نے ان میں سے چار کو جعلی الزام کی بناء پر گرفتار کرلیا۔ [1]

پٹنہ:۔ یہاں پروفیسر سید اختر احمد صاحب اورینوی کی وجہ سے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے باقاعدہ تنظیم کے ساتھ خدمت خلق کا فریضہ ادا کیا اور آپ اسکی روح رواں تھے آپ کے اہلبیت بھی مستورات میں ریلیف کا کام کرتے رہے۔

بہار کے ان مخلص احمدیوں کے علاوہ ڈاکٹر عبدالصمد صاحب انچارج پاکستان ایمبولینس کور کلکتہ اور ڈاکٹر عنایت اللہ شاہ صاحب انچارج علیگڑھ میڈیکل پارٹی مقیم ڈیگھا کیمپ نے بھی خدمت خلق میں نمایاں حصہ لیا۔ موخر الذکر

---

[1] ۔ الفضل ۱۴ ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء ص ۳

کی جدوجہد سے ہی یہ کیمپ جاری ہوا۔ ان ایام میں جہاں جہاں احمدی افسر موجود تھے وہاں وہاں انہوں نے نہایت اخلاص اور دیانتداری اور جانفروشی سے یہ خدمت کی۔ ؎۱

جماعت احمدیہ کے مرکزی طبی وفود اور دواؤں اور دوسرے امدادی کاموں پر دس ہزار سے زائد روپیہ خرچ ہوا۔ ؎۲

حضرت مصلح موعود سے ڈاکٹر یوسف سلیمان کی ملاقات اور کیپ کالونی جنوبی افریقہ میں تبلیغ احمدیت کی داغ بیل

ڈاکٹر محمد یوسف سلیمان کیپ کالونی جنوبی افریقہ کے ایک نہایت معزز اور بااثر خاندان کے چشم و چراغ تھے جو ۱۹۱۶ء ؎۳ سے احمدیت میں شامل تھے۔ اور جماعت احمدیہ انگلستان کے مشہور و معروف اور مخلص و ممتاز فرد، خاندان مسیح موعود کے عاشق صادق اور اسلام و احمدیت کا عملی نمونہ تھے۔ انگلستان میں بچپن سے رہائش رکھنے کی وجہ سے انگریزی زبان تو گویا اُن کی مادری زبان تھی۔ علاوہ ازیں جرمن، فرنچ، ڈچ اور افریقی زبانیں بھی جانتے تھے اور تبلیغ کا بہت شوق رکھتے تھے۔ اور انگلستان میں عام لوگوں کے علاوہ مختلف ممالک کے سفیروں اور وزیروں کو مؤثر طور پر پیغام حق پہنچاتے رہتے تھے۔

جنوبی افریقہ میں جس کے وہ اصل باشندے تھے نئے ہندوستانیوں کا داخلہ بند تھا اور پرانے ہندوستانی باشندوں سے شرمناک سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ حضرت مصلح موعود سالہا سال سے حسرت کی نگاہ سے اس علاقہ کو دیکھ رہے تھے کہ کوئی ذریعہ وہاں مبلغ بھجوانے کا نکل آئے۔ لیکن اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس علاقہ میں احمدیت کی اشاعت و تبلیغ کا غیبی سامان یہ کیا کہ ڈاکٹر یوسف سلیمان شروع ماہ امان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء میں اچانک قادیان تشریف لائے اور حضرت مصلح موعود سے ملاقات کی۔ اور بتایا کہ وہ آئندہ جنوبی افریقہ میں رہائش پذیر ہو کر تبلیغ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور ساتھ ہی کسی بیرونی مبلغ کو منگوانے کا وعدہ بھی کیا۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود نے اپنے خطبہ جمعہ (۸ امان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء) میں اس ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ:-

"ڈاکٹر صاحب نے اپنی ساری عمر انگلستان میں گزاری ہے۔ انہوں نے ڈاکٹری پاس تو کی تھی لیکن ڈاکٹری پیشہ اختیار نہیں کیا۔ ان کے والد صاحب امیر آدمی تھے اور اتنی جائیداد انہوں نے چھوڑی ہے کہ وہ اسی پر گزارہ کرتے ہیں۔ ان کے والد کیپ ٹاؤن کے علاقہ کے ویسے ہی لیڈر تھے جیسے مسٹر گاندھی نٹال کے اور دونوں مل کر کام کیا کرتے تھے۔ جب ڈاکٹر صاحب مجھے ملے تو انہوں نے بتایا کہ مسٹر گاندھی کئی دفعہ ہمارے گھر آکر ٹھہرتے اور کئی دفعہ

؎۱ - میڈیکل ریلیف وفد کے دورہ بہار کی رپورٹ سے ملخص (مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے سیکرٹری بہار کمیٹی۔ مطبوعہ ۱۶-۲۰-۲۵ فتح ۱۳۲۵ہش)

؎۲ - الفضل ۴ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء

؎۳ - الفضل ۱۳ ماہ امان ۱۳۲۵ہش صفحہ ۲

ہم ان کے گھر جاکر ٹھہرتے ۔ ان کے دوسرے بھائی بھی احمدی ہیں ۔ لیکن ہمشیرہ احمدی نہیں ۔۔۔۔ ۔ انہوں نے کہا کہ میں اصل میں ساؤتھ افریقہ جا رہا تھا اور میں نے وہیں کا پاسپورٹ لیا ہوا تھا ۔ جب میں کلکتہ پہنچا تو ارادہ ہوا کہ ہندوستان میں ٹھہر جاؤں ۔ کیونکہ کلکتہ کی غلاظت دیکھ کر مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ میں نے ارادہ کیا کہ کوئی علاقہ تجویز کرکے ہندوستان کے لوگوں کو صفائی کے ساتھ رہنے کی عادت ڈالوں اور ساتھ ہی تبلیغ بھی کروں ۔۔۔۔۔۔ ۔

پھر انہوں نے کہا :۔

یہاں کی گورنمنٹ مجھے بوجہ ساؤتھ افریقن ہونے کے ملک میں رہنے کی اجازت نہیں دیتی میں بھی چاہتا ہوں کہ میں اپنے وطن میں رہوں اور سلسلہ کی تبلیغ کروں ۔ میں نے کہا کیا کسی طرح ہم اپنا مبلغ وہاں بھیج سکتے ہیں ؟ انہوں نے کہا ہاں وہاں انہیں استاد کرکے بھیج سکتے ہیں ۔ میں کہوں گا کہ مجھے اپنے لئے دین کے استاد کی ضرورت ہے اس طرح وہ میرے استاد بن کر جا سکتے ہیں ۔ میں نے کہا کہ آپ جائیں اور استاد کے لئے درخواست دیدیں اجازت ملنے پر ہم وہاں اپنا مبلغ انشاء اللہ بھیج دیں گے ۔ ۔۔۔۔۔ اب دیکھو یہ خدائی سامان ہیں نہ ارادہ ، نہ خیال ، مجھے تو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ آرہے ہیں ۔ اچانک ان کا یہاں آنا معلوم ہوا ۔ اور اچانک خدا تعالیٰ کی طرف سے ساؤتھ افریقہ میں تبلیغ احمدیت کے سامان پیدا ہوگئے ۔" [1]

ڈاکٹر یوسف سلیمان صاحب قادیان سے انگلستان پہنچے جہاں سے آپ ۱۳ ؍ اخاء ؍ اکتوبر ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ ء کو جنوبی افریقہ میں تبلیغ اسلام کے لئے روانہ ہوگئے ۔ اخبار "ڈان" نے ان کی روانگی کی خبر حسب ذیل الفاظ میں شائع کی :۔

"لنڈن ۱۳ ؍ اکتوبر ۔ رائیٹر کا ایک تار مظہر ہے کہ مسجد لنڈن کے ڈاکٹر یوسف سلیمان کل جنوبی افریقہ روانہ ہوئے ۔ جہاں وہ کیپ ٹاؤن میں ایک مسلم مشن قائم کریں گے ۔ یہ مشن جنوبی افریقہ کی یونین میں اپنی قسم کا واحد ادارہ ہوگا ۔ ڈاکٹر سلیمان نے رائٹر کو بتایا کہ گو مشرقی اور مغربی افریقہ میں ہمارے بہت سے اسلامی تبلیغی مشن اور مسجدیں قائم ہیں مگر جنوبی افریقہ میں اب تک کوئی ایسا مشن نہیں ہے ۔ مسجد لنڈن کے ارباب اختیار نے جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کی کثیر آبادی کے پیش نظر جو وہاں کے ملکی باشندے بن چکے ہیں ۔ ڈاکٹر سلیمان کو کیپ ٹاؤن میں مشن قائم کرنے کی ذمہ داری سپرد کی ہے ڈاکٹر سلیمان نے کہا کہ مشن کیلئے مناسب جگہ منتخب کرنے میں کسی جانب سے کوئی اعتراض نہیں اٹھایا جائے گا ۔" [2]

(مشن کے تفصیلی حالات اگلی جلد میں آرہے ہیں) ۔

[1] :۔ الفضل ۲۰ ؍ امان ؍ مارچ ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ ء ص۷، ۸ ۔

[2] :۔ ڈان دہلی مورخہ ۱۴ ؍ اکتوبر ۱۹۴۶ ء (بحوالہ ریویو آف ریلیجنز اردو نومبر ۱۹۴۶ ء ص۷، ۸) ۔

متحدہ ہندوستان کے آخری سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ میں حضرت مصلح موعود کی روح پرور تقریر۔

۱۸-۱۹-۲۰ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو مجلس خدام الاحمدیہ کا آٹھواں سالانہ اجتماع محلہ دارالشکر کے وسیع میدان میں ہوا۔ جس میں بیرونی مقامات سے ۱۷۵ خدام آئے اور ۲۲ مجالس مقامی اور ۱۲ مجالس بیرون نے شرکت کی۔ یہ اجتماع متحدہ ہندوستان کا آخری اجتماع تھا۔ جس کا اختتام حضرت مصلح موعود کے روح پرور خطاب سے ہوا۔ حضور نے اپنے خطاب میں نہایت شرح و بسط سے اس امر کی طرف خدام کو توجہ دلائی کہ اپنی ساری طاقتیں اور صلاحیتیں کام اور صرف کام کے لئے وقف کر دیں اور اپنے خیالات و افکار اور کردار میں ایسی پاک تبدیلی پیدا کریں کہ اسلام کا نمونہ بن جائیں۔ کیونکہ دنیا اُن کے چہروں سے اس نور کو مشاہدہ کرنا چاہتی ہے جس کے لئے وہ سرگرداں ہے۔ وہ اُن کے قلوب میں سے نکلی ہوئی تسکین کی وہ شعاعیں دیکھنا چاہتی ہے جو گناہوں کی آگ کو بالکل سرد کردیں۔[۵]

خلیفہ وقت کی کامل اطاعت کرنے کی تاکیدی ہدایت

حضرت مصلح موعود ایک عرصہ سے یہ افسوسناک صورت دیکھ رہے تھے کہ بعض مرکزی ادارے ایک دوسرے سے عدم تعاون بلکہ رقابت کا مظاہرہ کرنے لگے تھے۔ چونکہ اس طریق سے حضور کی جاری فرمودہ تحریکات کو براہ راست نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے حضرت مصلح موعود نے خطبہ جمعہ (۲۵ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء) میں جماعت کو انتباہ کیا اور فرمایا:۔

"ہمارے سپرد ایک بہت بڑا کام ہے اور وہ کام کبھی سرانجام نہیں دیا جاسکتا جب تک ہر شخص اپنی جان اس راہ میں لڑا نہ دے۔ پس تم میں سے ہر شخص خواہ دنیا کا کوئی کام کر رہا ہو اگر وہ اپنا سارا زور اس غرض کے لئے صرف نہیں کر دیتا، اگر خلیفہ وقت کے حکم پر ہر احمدی اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار نہیں رہتا۔ اگر اطاعت اور فرمانبرداری اور قربانی اور ایثار ہر وقت اس کے سامنے نہیں رہتا۔ تو اس وقت تک نہ ہماری جماعت ترقی کرسکتی ہے اور نہ وہ اشخاص مومنوں میں لکھے جاسکتے ہیں۔ یاد رکھو ایمان کسی خاص چیز کا نام نہیں بلکہ ایمان نام ہے اس بات کا کہ خدا تعالیٰ کے قائم کردہ نمائندہ کی زبان سے جو بھی آواز بلند ہو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے۔ اگر اسلام اور ایمان اس چیز کا نام نہ ہوتا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے کسی مسیح کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے مسیح موعود کی ضرورت تھی تو مسیح موعود کے ہوتے ہماری بھی ضرورت ہے۔ ہزار دفعہ کوئی شخص کہے کہ میں مسیح موعود پر ایمان لاتا ہوں۔ ہزار دفعہ کوئی کہے کہ میں احمدیت پر ایمان رکھتا ہوں۔ خدا کے حضور اُس کے ان دعووں کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ جب تک وہ اُس شخص کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دیتا جس کے ذریعہ خدا اس زمانہ میں اسلام قائم کرنا چاہتا ہے۔ جب تک جماعت کا ہر شخص

[۵] مفصل تقریر کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۵ نبوت/نومبر ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۳ تا ۶۔

پانگوں کی طرح اُس کی اطاعت نہیں کرتا اور جب تک اُس کی اطاعت میں اپنی زندگی کا ہر لمحہ بسر نہیں کرتا۔ اس وقت تک وہ کسی قسم کی فضیلت اور بڑائی کا حقدار نہیں ہو سکتا۔" ؎۱

نوجوانانِ احمدیت کو قربانیاں پیش کرنے کی خاص تحریک۔

حضرت مصلح موعود اپنے عہد خلافت میں ہمیشہ قربانی پر زور دیتے تھے کہ یہی زندہ قوموں کی زندگی کی علامت اور ترقی کا نشان ہے۔ اس سال ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء میں حضور نے جماعت احمدیہ کو اس پہلو کی طرف بار بار اور مختلف پیرایوں میں زبردست توجہ دلائی۔ اسی سلسلہ میں حضور نے ۱۳ فتح/دسمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کے خطبہ جمعہ میں نوجوانوں کو خاص طور پر مخاطب کیا اور اس بات کی تلقین فرمائی کہ ہماری ہر دوسری نسل کو پہلی نسل سے بڑھ چڑھ کر قربانیاں پیش کرنی چاہئیں۔ نیز بتایا کہ:-

"وہ دن ہماری جماعت پر خدا کے فضل سے بہت جلد آنے والا ہے کہ جماعت میں ایسے مصنف پیدا ہو جائیں گے جو ہمارے زمانہ کے حالات لکھیں گے اور وہ اسی طرح کرید کرید کر ہمارے حالات کو دریافت کیا کریں گے جس طرح پہلے مصنفین نے صحابہ کے حالات دریافت کئے تھے۔ اور ہر طبقہ کے قربانی کرنے والے احمدیوں کے حالات لکھیں گے۔ وہ ایک احمدی مزدور کے حالات بھی لکھیں گے وہ ایک احمدی لوہار کے حالات بھی قلمبند کریں گے اور وہ ایک احمدی ترکھان کے حالات بھی محفوظ کریں گے۔ غرض وہ ایک ایک مخلص احمدی کے حالات تلاش کر کر کے بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں اسلام کی خدمت کرنے والے صحابہ یا بعد میں ہمارے زمانہ والے تمام احمدیوں کے حالات کتابوں میں محفوظ کئے جائیں گے اور اُن سب کے نام یقیناً قیامت تک محفوظ رہیں گے اور جب اُن کی نسل ختم ہو چکی ہو گی۔ جب اُن کا نسب نامہ ختم ہو چکا ہو گا اور جب ان کی اولادوں میں سے اُن کا کوئی نام لیوا بھی باقی نہ ہو گا اُس وقت لوگ ان کے کتابوں میں لکھے ہوئے حالات کو پڑھیں گے اور ان کے ناموں کو نہایت عزت اور فخر کے ساتھ یاد کیا جائے گا اور ٹھیک اسی طرح یاد کیا جائیگا جس طرح آج ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناموں کو عزت اور فخر کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور تمہاری آنے والی نسلیں جب تمہاری قربانیوں کے حالات پڑھیں گی تو ادب اور احترام کیساتھ اُن کے سر جھک جایا کریں گے۔" ؎۲

متحدہ ہندوستان کے آخری سالانہ جلسہ کے مختصر عمومی کوائف۔

متحدہ ہندوستان کا آخری سالانہ جلسہ ۲۶-۲۷-۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو منعقد ہوا۔ جس میں انتالیس ہزار سات سو کے لگ بھگ اصحاب شامل ہوئے۔ مردانہ جلسہ گاہ حسب معمول تعلیم الاسلام کالج

؎۱:- الفضل ۱۵ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۶ ۞

؎۲:- الفضل ۲۴ دسمبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴ ۞

کے میدان میں اور زنانہ جلسہ گاہ کالج کی عمارت کے عقب والے میدان میں تھی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب (ناظر دعوت و تبلیغ) نے افسر جلسہ اور حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔اے نے ناظم اعلیٰ جلسہ گاہ کے فرائض انجام دیئے۔ خوراک کی پرچی کے اجرا کے انتظام کی نگرانی حضرت نواب زادہ محمد عبداللہ خاں صاحب کے سپرد تھی۔ قصر خلافت اور کمرہ ملاقات میں حفاظت خاص کے افسر انچارج میاں غلام محمد صاحب اختر اور بیرون قصر خلافت میں حفاظت خاص کے افسر انچارج چوہدری اسد اللہ خاں صاحب تھے۔ حضرت مصلح موعود سے ملاقات کا انتظام چوہدری مظفر الدین صاحب پرائیویٹ سیکرٹری اور ان کے نائب مولوی محمد عبداللہ صاحب اعجاز کی نگرانی میں تھا۔ ایام جلسہ میں نظارت ضیافت اور دوسری نظارتوں میں رابطہ، تعاون اور اتحاد کا اہم فریضہ حضرت مرزا عزیز احمد صاحب کے ذمہ تھا۔ اس سال بھی لوائے احمدیت جلسہ گاہ میں سٹیج کے شمال مشرقی جانب ایک بلند پول پر لہراتا رہا۔ مجلس خدام الاحمدیہ اور مجلس انصار اللہ کے کیمپ بھی حسب دستور جلسہ گاہ کے قریب قائم تھے۔ سال گذشتہ کی طرح اس سال بھی شعبہ صنعت و حرفت (تحریک جدید) کی صنعتی نمائش منعقد کی گئی۔ جس کا افتتاح ۲۶ دسمبر کو حضرت نواب محمد الدین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر نے کیا۔ نمائش میں قادیان کے قریباً سب کارخانہ جات نے اپنی مصنوعات[1] نمونہ کے طور پر پیش کیں۔ تحریک جدید کے اپنے کارخانہ آئرن سٹیل مینوفیکچرنگ کمپنی کی مصنوعات بھی شامل تھیں۔ نمائش گاہ اور ہال کے باہر تجارتی وقف کے متعلق بطور تحریص و ترغیب مختلف قطعات آویزاں کئے گئے تھے۔ نیز جماعت میں تجارت و صنعت کو فروغ دینے کے لئے چار قسم کے مختلف ہینڈبل بھی اس موقعہ پر شائع کئے گئے تھے۔ جلسہ میں شرکت کرنے والے مہمانان خاص کی تعداد ۳۰۵ تھی جن میں حکومت کے اعلیٰ افسر، امراء، رؤساء اور دیگر معززین شامل تھے۔ سالانہ جلسہ سے چند روز قبل موسم ابر آلود تھا اور دو دن قبل بارش بھی ہوئی۔ لیکن پھر مطلع صاف ہو گیا۔ لیکن جلسہ کے آخری دن صبح ہی کو بارش ہونی شروع ہو گئی۔ کچھ ژالہ باری بھی ہوئی لیکن جلسہ کی کارروائی حسب پروگرام جاری رہی۔ سامعین کے لئے جلسہ گاہ کے علاوہ اردگرد کی عمارتوں میں بھی لاؤڈ سپیکر نصب کر دیئے گئے۔ لیکن پھر بھی ایک کثیر تعداد نے بارش اور ژالہ باری کے باوجود جلسہ گاہ میں کھڑے ہو کر حضرت سیدنا المصلح الموعود کی آخری تقریر سنی اور دعا اور اجازت کے بعد جلسہ گاہ کو چھوڑا۔[2]

---

[1]:۔ بجلی کے گھریلو سامان، بٹن، عطریات، تالے، ٹارچیں، ٹوکے، فرنیچر، پمپ، بجلی کے پنکھے اور دیگر پرزے اور مشینیں۔

[2]:۔ الفضل یکم صلح/جنوری ۱۹۴۷ء/۱۳۲۶ہش صفحہ ۵۰۳۔

حضرت مصلح موعودؓ کی ایمان افروز تقریریں، پُرشوکت پیشگوئی اور جماعت احمدیہ کو قیمتی نصائح۔

متحدہ ہندوستان کے اس یادگار جلسہ میں حضرت مصلح موعودؓ نے چار اہم تقاریر فرمائیں:۔

(۱) افتتاحی خطاب:۔ حضور نے ۲۶ ر فتح / دسمبر کی افتتاحی تقریر میں نہایت پُرشوکت الفاظ میں پیشگوئی فرمائی :۔

"عیسائیت نے سر اٹھایا اور ایک لمبے عرصہ تک اسکی حکومت کی مگر اب عیسائیت کی حکومت اور اسکے غلبہ کا خاتمہ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ عیسائیت کے خاتمہ کے ساتھ ہی دنیا کا بھی خاتمہ ہو جائے تا وہ کہہ سکیں کہ دنیا پر جو آخری جھنڈا لہرایا وہ عیسائیت کا تھا۔ مگر ہمارا خدا اس امر کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ہمارا خدا یہ پسند نہیں کرتا کہ دنیا پر آخری جھنڈا عیسائیت کا لہرایا جائے۔ دُنیا میں آخری جھنڈا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گاڑا جائے گا۔ اور یقیناً یہ دُنیا تباہ نہیں ہو گی جبتک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا ساری دُنیا پر اپنی پوری شان کے ساتھ نہیں لہرائے گا۔" [1]

(۲) خواتین سے خطاب:۔ ۲۷ فتح / دسمبر کو قبل از ظہر حضرت مصلح موعودؓ کا خواتین میں لیکچر ہوا جس میں حضور نے انہیں ہدایت فرمائی کہ:۔

"لجنات بنائی جائیں پھر تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ اپنی تنظیم کرو اگر تم صحیح طور پر لکھنا پڑھنا سیکھ لو گی تو اپنے علاقہ میں آسانی سے تبلیغ کر سکو گی اسکے بعد تم دیکھو گی کہ جماعت کی تعداد سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں گُنے بڑھ جائے گی۔" [2]

(۳) سال کے اہم واقعات پر مفصّل تبصرہ:۔ نماز جمعہ کے بعد حضور مردانہ جلسہ گاہ میں رونق افروز ہوئے اور سال گذشتہ کے اہم واقعات پر معرکۃ الآرا تقریر فرمائی جس میں تفسیر کبیر، انگریزی ترجمہ قرآن کریم، تراجم قرآن، تحریک جدید اور اسکے بیرونی مشنوں، فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور دیہاتی مبلغین کی سکیم پر مفصل روشنی ڈالی اور جماعت احمدیہ سے غیر معمولی قربانیوں کا مطالبہ فرمایا۔ [3]

اس تقریر پر اخبار "زمزم" لاہور نے اپنی ۳ر جنوری ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں "علم اور فتویٰ" کے عنوان سے حسب ذیل نوٹ لکھا:۔

"مرزا صاحب قادیانی کے جانشین مرزا محمود احمد صاحب نے اپنے سالانہ جلسے پر تقریر کرتے ہوئے جن اہم امور پر

---

[1] الفضل ۲۷ فتح ۱۳۲۵ہش صفحہ ۲ کالم ۱۔
[2] الفضل ۹ صلح ۱۳۲۶ہش صفحہ ۳ کالم ۲۔
[3] الفضل ۲۸ فتح 〃 〃 صفحہ ۲ تا ۴۔

روشنی ڈالی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔ قرآن کریم کے مختلف سات زبانوں کے جو ترجمے ہو رہے تھے وہ بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے ہیں۔ تراجم کے سلسلہ میں قادیانی مرکز کو دو لاکھ چالیس ہزار روپے وصول ہوئے۔ جس میں سے تراجم پر ۳۵ ہزار روپے صرف ہوئے۔ باقی دو لاکھ پانچ ہزار بمد حفاظت جمع ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے تبلیغی مشنوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ انگلستان میں سات مبلّغ کام کر رہے ہیں۔ اسپین میں دو مبلّغ فرض تبلیغ ادا کر رہے ہیں۔ فرانس۔ اٹلی۔ سوئٹزرلینڈ۔ شمالی اور جنوبی (امریکہ) افریقہ۔ مصر فلسطین۔ عراق۔ ایران۔ جزائر شرق الہند وغیرہ میں بھی دو دو چار چار مبلّغ متعیّن ہیں۔ سُن رہے ہیں ہمارے علمائے کرام! دُنیا فتووں، مناظروں اور مشاجرات کی کتابوں کو دیکھئے یا عملی کارگزاریوں کو!

علماء چاہتے ہیں کہ صرف مناظروں سے کام نکل جائے۔ مگر ان کا حریف اتنی دُور نکل چکا ہے کہ تعاقب کے لئے بھی ہمت چاہیئے۔"[1]

(۴) الوداعی تقریر:۔ حضرت مصلح موعود نے ۲۸ رفتح / دسمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو آخری تقریر فرمائی جس کے آغاز میں فرمایا کہ:۔

"میرا ارادہ کل تو یہ تھا کہ میں آج علمی مضمون پر تقریر کروں گا لیکن اس ارادہ سے پہلے متواتر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں اس دفعہ زیادہ تر جماعت کو اپنی عملی اصلاح اور اسلام کی آئندہ جنگ کے لئے تیاری کی طرف توجہ دلاؤں۔ کل جب تقریر کرنے کے بعد میں واپس گیا تو رات کو پھر متواتر میرے دل میں خیال آیا کہ بجائے علمی مضمون پر تقریر کرنے کے میں جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاؤں کہ وہ اپنی اصلاح کریں اور اس جنگ کیلئے تیار رہیں جو قریب سے قریب تر آ رہی ہے۔"

اِن تمہیدی کلمات کے بعد حضور نے جماعت کے دوستوں کو نہایت اختصار سے مگر پُر اثر الفاظ میں نماز باجماعت[1] کی پابندی۔ لجنات اماء اللہ[2] کے قیام اور ان کی اصلاح کرنے نیز سچائی[3] اور محنت[4] کی عادت پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ جن کا خلاصہ حضور کے الفاظ میں یہ تھا کہ:۔

"نماز باجماعت کی پابندی سوائے کسی خاص مجبوری کے یہاں تک کہ اگر گھر میں بھی فرض نماز پڑھی جائے تو اپنے بیوی بچوں کو شامل کر کے جماعت کرائی جائے۔ یا اگر بچے نہ ہوں تو بیوی کو ہی اپنے ساتھ کھڑا کر کے نماز باجماعت ادا کی جائے۔

دوسرے سچائی پر قیام۔ ایسی سچائی کہ دشمن بھی اسے دیکھ کر حیران رہ جائے۔ تیسرے محنت کی عادت

---

[1] :۔ اخبار "زمزم" (لاہور) ۳ / جنوری ۱۹۴۷ء۔ بحوالہ الفضل ۶ / ماہ صلح / جنوری ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء ص۱۔

ایسی محنت کہ بہانہ سازی اور عذر تراشی کی رُوح ہماری جماعت میں سے بالکل مٹ جائے اور جس کے سپرد کوئی کام کیا جائے وہ اُس کام کو پوری تندہی سے سرانجام دے یا اسی کام میں فنا ہو جائے۔ چوتھے عورتوں کی اصلاح۔ ہر جگہ لجنہ اماء اللہ کا قیام اور عورتوں میں دینی تعلیم پھیلانے کی کوشش۔ یہ چار چیزیں ہیں جن کے متعلق میں نے اس وقت تک توجہ دلائی ہے" [1]

آخر میں فرمایا:۔

"یہ چار نصیحتیں آپ لوگوں کو کرنے کے بعد میں دُعا کے ساتھ آپ سب کو رخصت کرتا ہوں اگر آپ لوگ ان باتوں پر عمل کریں گے تو پھر خدا تعالیٰ آپ لوگوں کی تبلیغ میں بھی برکت پیدا کر دے گا۔ آپ کے کاموں میں بھی برکت پیدا کر دے گا اور اسلام کی فتح کو قریب سے قریب تر لے آئیگا یہ چار دیواریں ہیں جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے"۔ [2]

سالانہ جلسہ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کے دوسرے مقررین

حضرت مصلح موعود کی بصیرت افروز تقاریر کے علاوہ مندرجہ ذیل علماء سلسلہ کی بھی تقریریں ہوئیں:۔

۱۔ مولوی محمد سلیم صاحب فاضل۔ ("اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کے متعلق اسلامی تصور")۔

۲۔ میاں عبدالمنان صاحب عمر۔ ("قرآن مجید بلحاظ کامل شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کا زندہ ثبوت ہے")۔

۳۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ("ذکر حبیب")۔

۴۔ مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل ("ضرورت عبادت اور وہ غرض اسلامی عبادت سے کس طرح پوری ہوتی ہے")۔

۵۔ مولوی عبدالمالک خانصاحب۔ ("حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ ہے")

۶۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس۔ ("انگلستان میں تبلیغ اسلام")۔

۷۔ السید منیر الحصنی آفندی صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ دمشق۔ ("جلسہ کے مبارک اجتماع سے متعلق میرے مشاہدات و تاثرات")۔ [3]

۸۔ حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب۔ ("فلسفہ احکام پردہ") ("احمدی نوجوانوں سے خطاب")۔ [4]

---

[1]:۔ الفضل ۱۶؍ صلح/جنوری ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳ ٭ [2]:۔ ایضاً

[3]:۔ اصل تقریر عربی میں تھی۔ الفضل (۱۰؍ صلح ۱۳۲۶ہش صفحہ ۶) میں اس کا مکمل ترجمہ شائع شدہ ہے ٭

[4]:۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے ۲۷؍ فتح کے پہلے اجلاس میں پہلے عنوان پر اور ۲۸؍ فتح کے پہلے اجلاس میں دوسرے عنوان پر تقریر فرمائی ٭

۹۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب۔ "(حضرت مسیح ناصری کا سفر کشمیر)"۔

۱۰۔ جناب پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔اے۔ "(تھیوسافیکل تحریک پر تبصرہ)"۔[1]

۱۱۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب "(اسلام ہی دنیا کے اقتصادی مسائل کا حل)"[1]۔

۱۲۔ سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر "نور"۔ "(اسلام رواداری، امن اور برکات کا مرکز ہے)"۔

۱۳۔ ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم بی۔اے۔ ایل ایل۔بی۔ "(مصلح موعود کے لئے حضرت مسیح موعود کی پیشگوئیوں اور الہامات کے مطابق خلیفہ ثانی ہونا ضروری ہے)"[2]۔

۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء میں انتقال کرنیوالے جلیل القدر صحابہ

اِس سال مندرجہ ذیل مشہور صحابہ کا انتقال ہؤا:۔

(۱) حضرت حکیم عبدالعزیز خاں صاحب مالک طبیہ عجائب گھر قادیان۔ بیعت ستمبر ۱۹۰۵ء۔ وفات ۲۹ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء)[3]۔

صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب نے آپ کے انتقال پر لکھا:۔

"مکرمی حکیم عبدالعزیز خانصاحب میں چونکہ دو خصوصیتیں تھیں یعنی ایک تو وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے صحابی تھے۔ دوسرے ان کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے خاندان سے خاص طور پر محبت تھی اور یہ فخر بھی اُنہیں حاصل تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی اپنی اولاد کو اور پھر آگے اُن کی اولاد کو پڑھاتے رہے تھے"۔[4]

(۲) حضرت منشی عبدالعزیز صاحب پٹواری اوجلہ ضلع گورداسپور۔ (وفات ۱۱ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء)[5]۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے آپکا نام ۳۱۳ اصحاب کبار کی فہرست میں نمبر ۲۳ پر درج فرمایا ہے۔ اپنے خاندان میں سب سے پہلے آپ ہی کو حضرت مسیح پاک علیہ السّلام کی معرفت نصیب ہوئی۔ پھر آپ کے ذریعہ تمام افراد یکے بعد دیگرے حلقہ بگوش احمدیت ہوتے چلے گئے۔ التزام نمازیں خوب اہتمام فرماتے اور تہجد و ذکر الٰہی تو گویا آپ کی غذا تھی۔ مالی جہاد میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر حصہ لیتے۔ حضرت مسیح موعود اور حضرت مصلح موعود سے والہانہ عشق تھا اور خاندان مسیح موعود کے سب افراد کو شعائر اللہ میں یقین کرتے اور انکی بہت عزّت و تکریم کرتے تھے۔[6]

---

[1] ۱،۲:۔ یہ دونوں تقریریں بارش کی وجہ سے نامکمل رہ گئیں۔ [3]:۔ الفضل ۲۱ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

[4]:۔ الفضل ۹ تبلیغ/فروری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔ [5] الفضل ۱۲ ماہ شہادت/اپریل " " " " "

[6]:۔ اصحاب احمد جلد اول صفحہ ۹۶ (مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے) و الفضل ۱۲ احسان ۱۳۲۵ہش صفحہ ۵۔

۳۔ حضرت میاں غلام محمد صاحب نور محین۔ (وفات ۵ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء)۔[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے اُن کی وفات پر فرمایا:۔

"بابو غلام محمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرانے صحابہ میں سے تھے حکیم محمد حسین صاحب قریشی کے ساتھ انہیں بڑی محبت تھی اور دونوں مل کر قادیان آیا کرتے تھے۔ اختلاف کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے انکو ابتدا سے ہی اس بات کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ ہر قسم کی ٹھوکر اور ابتلاء سے بچے رہے حالانکہ ٹھوکر ڈالنے کے سامان ان کے اردگرد بہت زیادہ تھے۔ مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب وغیرہ سے ان کی دوستیاں اور تعلقات تھے اور غریب آدمی بڑے آدمی کے تعلقات کے اثر کو بہت جلد قبول کر لیا کرتا ہے۔ مگر باوجود ہر قسم کی شورش کے وہ محفوظ رہے"۔[2]

۴۔ حضرت مولوی سیّد عبد الحکیم صاحب کٹکی۔ (ولادت ۱۸۸۶ء (اندازاً) ۔ وفات ۲ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء بعمر ساٹھ سال) اڑلیسہ کے مشہور بزرگ اور بلند پایہ صحابی حضرت مولوی سیّد عبد الرحیم صاحب کے فرزند اکبر اور عالم باعمل انسان تھے سلسلہ کی ہر اہم تحریک میں نمایاں اور سرگرم حصہ لینا آپ کا طرّہ امتیاز تھا۔ حصہ وصیت اپنی زندگی میں ادا فرما دیا تھا۔ جماعت احمدیہ سونگھڑا کے نائب امیر اور قاضی بھی رہے۔[3]

۵۔ شیخ اللہ بخش صاحب امرتسری۔ (ولادت قریباً ۱۸۶۰ء۔ بیعت ۱۸۹۱ء۔ وفات ۱۸ ماہ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء)[4] امرتسر کے پرانے مخلص احمدی بزرگوں میں سے تھے۔ آپکو حضرت مرزا قطب الدین خانصاحب مسگر مرحوم امرتسری کے ذریعہ سے احمدیت کی طرف توجہ ہوئی۔ آپ "جنگ مقدس" کے مشہور مباحثہ میں بھی موجود تھے۔ ہر سال کا چندہ یکمشت اور پیشگی ادا فرما دیتے تھے۔ نماز پنجگانہ کے علاوہ نوافل و تہجد کے بہت سختی سے پابند تھے۔ دعا پر آپ کو زبردست یقین حاصل تھا۔ آپ کا معمول تھا کہ ہر سال قادیان کے غرباء کے لئے امرتسر سے گرم کپڑے بھجوایا کرتے تھے۔ اپنی ساری کتابیں مقامی احمدیہ لائبریری میں جمع کرا دی تھیں اور آخری عمر میں قادیان دارالامان میں ہجرت کر کے آ گئے تھے اور زیادہ وقت مسجد مبارک میں یادِ خدا میں گزارتے تھے۔[5]

۶۔ میاں رحیم بخش صاحب گنج لاہور۔ (وفات ۲ وفا/جولائی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء)[6]

---

[1]:۔ الفضل ۲۶ شہادت ۱۳۲۵ہش صفحہ ۱ کالم ۱۔ [2]:۔ الفضل ۶ ظہور/اگست ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۳۔
[3]:۔ " ۱۱ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔ [4]:۔ " ۲۰ احسان ۱۳۲۵ہش صفحہ ۱ کالم ۲۔
[5]:۔ مضمون سیّد بہاول شاہ صاحب امرتسر سے ملخصاً (مطبوعہ الفضل ۲۹ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء)۔
[6]:۔ الفضل ۲ وفا/جولائی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱۔

۷۔ حاجی نبیر خان صاحب ۔ سیالکوٹ ۔ (۴/۵ ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء بعمر ۷۲/۷۳ سال) ۔

زمانہ طالبعلمی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قیام سیالکوٹ کے دوران بیعت کی۔ سلسلہ احمدیہ کی ہر اہم تحریک میں سرگرم حصہ لیتے ۔ لاہور ۔ ملتان اور سیالکوٹ میں سیکرٹری مال یا محاسب کا کام آپ کے سپرد رہا ۔ [1]

۸۔ میاں حیات محمد صاحب جہلمی ۔ (وفات ۱۳-۱۴ وفا/جولائی ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء) ۔

بہت پُر جوش احمدی تھے تبلیغ کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے ۔ جب ملازمت سے رخصت ملتی ۔ وطن جانے کی بجائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں رہ کر برکت و فیض حاصل کرتے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جنوری ۱۹۰۳ء میں جہلم تشریف لائے تو آپ رخصت لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے ۔ ۱۹۲۰ء میں ہجرت کر کے قادیان چلے آئے تھے ۔ [2]

۹۔ وزیر علی صاحب ہوشیارپوری محلہ دارالشکر قادیان ۔ (وفات ۲۳ وفا/جولائی ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء) ۔ [3]

۱۰۔ حافظ مشتاق احمد صاحب پشاور ۔ (وفات ۲۵ وفا/جولائی ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء) ۔ [4]

۱۱۔ حضرت مولوی محمد عثمان صاحب لکھنوی ۔ (بیعت ۱۹۰۶ء ۔ وفات ۲۹ ظہور/اگست ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء) ۔ [5]

حضرت مولوی صاحب کا سلسلہ نسب پینتیسویں پشت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے ۔ آبائی وطن قصبہ باڈی ضلع ہردوئی تھا ۔ مگر تین پشتوں سے لکھنؤ میں قیام تھا ۔ آپ کی پیدائش پرتاپ گڑھ اودھ میں ہوئی اور لکھنؤ میں دفن کئے گئے ۔ [6]

۱۲۔ حکیم سید شاہنواز صاحب کھرڑ ضلع انبالہ ۔ (وفات ۲۸ تبوک/ستمبر ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء) [7]

۱۳۔ مستری اللہ دین صاحب جہلمی ۔ (وفات ۳۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء) ۔ [8]

۱۴۔ حکیم جمال الدین صاحب آف فیض اللہ چک ۔ منیلپورہ ۔ (وفات ۲۶ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء) ۔ [9]

۱۵۔ حضرت حافظ مولوی ابو محمد عبد اللہ صاحب ساکن کھیوہ باجوہ ۔

(ولادت قریباً ۱۸۵۶ء ۔ بیعت ۱۸۹۵ء ۔ وفات ۲۶ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء بعمر ۹۰ سال)

---

[1] :۔ الفضل ۹ وفا ۱۳۲۵ ہش صا و الفضل ۲۲ وفا ۱۳۲۵ ہش ص۵ کالم ۳-۴ ؛

[2] :۔ الفضل ۲۰ ظہور/اگست ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء ص۵ ؛

[3] :۔ الفضل ۲۴ وفا/جولائی ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء صا ؛

[4] :۔ الفضل یکم صلح/جنوری ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء ص۸ ؛

[5] :۔ الفضل ۲۹ ظہور/اگست " " ص۲ ؛

[6] :۔ الفضل ۴ اخاء ۱۳۲۵ ہش ص۵ ؛

[7] :۔ الفضل ۲ اخاء/اکتوبر " " صا کالم ۲ ؛

[8] :۔ الفضل ۳ اخاء " " صا ؛

[9] :۔ الفضل ۲۸ نبوت/نومبر " " صا ؛

علومِ دینیہ کی تکمیل کے بعد آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ اعلائے کلمۃ اللہ میں صرف ہوا۔ شروع میں اہلحدیث عالم کی حیثیت سے شرک و بدعت کے خلاف وعظ کرتے رہے پھر داخلِ احمدیت ہونے کے بعد تبلیغی جہاد میں پورے جوش سے مصروفِ عمل ہو گئے۔ سیالکوٹ، لائل پور، سرگودھا، منٹگمری، شیخوپورہ اور گوجرانوالہ کے سینکڑوں اشخاص آپ کے ذریعہ احمدی ہوئے اور کئی انجمنیں آپ کی کوشش سے قائم ہوئیں۔ صاحب الہام و کشوف تھے اور حد درجہ کے منکسر المزاج اور کم گو۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق ان کی ساری عمر میں ان کی زبان ایک بار بھی جھوٹ سے ملوث نہیں ہوئی۔ دس سال کی عمر سے لیکر اخیر وقت تک انکی کوئی نماز یا روزہ قضا نہیں ہوا۔ [1]

۱۶۔ حضرت مولوی سید ضیاء الحق صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی۔ (امیر جماعت احمدیہ سونگڑہ اڑیسہ)۔

(زیارت قادیان ۱۹۰۲ء۔ وفات ۳۱ فتح/دسمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء)

اڑیسہ میں جماعت احمدیہ ۱۸۹۱ء میں قائم ہوئی اور حضرت مولوی صاحب اڑیسہ کے بارہ مشہور صحابہ [2] میں سے ایک تھے جو ۱۹۰۲ء میں قادیان تشریف لائے اور حضرت مسیح موعود سے فیض حاصل کیا۔ اُن کی زندگی کا شعار تبلیغ احمدیت تھا جس کی خاطر انہوں نے کبھی جانی، مالی اور عزت و آبرو غرضکہ کسی نوع کی قربانیوں سے دریغ نہیں کیا۔ جماعت احمدیہ سونگڑہ کے لئے ۱۹۳۵ء۔ ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۵ء کے سال نہایت نازک تھے جن میں مخالفت کے طوفان امڈ آئے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ نے مومنانہ جرأت کے ساتھ اُن کا مقابلہ کیا۔ ۱۹۴۵ء میں ظالم آپ کے قتل کا منصوبہ کر کے آپ کے مکان پر حملہ آور ہو گئے اور کہا کہ ہم آپ کا خون چاہتے ہیں۔ آپ چلنے پھرنے سے معذور تھے مگر یہ سنتے ہی آپ نے پورے جوش سے جواب دیا کہ ہاں میں بھی تو خون ہی ہونا چاہتا ہوں۔ مگر افسوس کہ نہ یہ میری قسمت میں ہے اور نہ تم میں جرأت!!

عربی، اُردو، فارسی اور اڑیا زبانوں کے ماہر تھے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اور دوسرے کئی علماء کی

---

[1] :۔ الفضل ۲۴،۲۲ صلح/جنوری ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۴ (ملخصاً از مضمون چوہدری غلام قادر صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ منٹگمری)۔ جناب شیخ نور احمد صاحب بی اے۔ ایل ایل۔ بی منٹگمری (لاہور) نے انہیں دنوں حضرت مولوی صاحب کی سیرت کے متعدد ایمان افروز واقعات قلمبند کئے تھے جو الفضل ۱۹-۲۱ شہادت ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں چھپ چکے ہیں۔

[2] :۔ نام :۔ حضرت مولوی سید عبدالرحیم صاحب اولین مبلغ اڑیسہ۔ حضرت مولوی سید سعیدالدین صاحب۔ مولوی سید احمد حسین صاحب۔ مولوی سید نیاز الدین صاحب۔ مولوی سید تفضل حسین صاحب۔ مولوی سید شفیق الدین صاحب۔ مولوی سید عبدالستار صاحب۔ (یہ بزرگ ۱۹۰۱ء میں قادیان گئے)۔ حضرت مولوی سید ضیاء الحق صاحب۔ حضرت مولوی سید نیاز حسین صاحب۔ حضرت مولوی سید اکرام الدین صاحب۔ (یہ تینوں ۱۹۰۲ء میں حضرت مسیح موعود کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے)۔ حضرت مولوی سید حاجی احمد صاحب۔ حضرت مولوی سید اختر الدین صاحب (۱۹۰۲ء میں پہلی بار قادیان کی زیارت کی)۔

مناظرے کئے اور انہیں لاجواب کیا۔ نہایت منکسر المزاج، خوش اخلاق، غریب پرور، مہمان نواز اور غیور بزرگ تھے قرآن کریم کا درس ایسی عمدگی سے دیتے کہ قادیان دارالامان کے مرکزی درس کا نظارہ آنکھوں کے سامنے آجاتا۔[۱]

فصل دوم

۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندان مسیح موعود میں خوشی کی تقاریب

(۱) مرزا ظفر احمد صاحب کے ہاں ۳۰ ؍امان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو مرزا قمر احمد صاحب پیدا ہوئے۔[۲]

(۲) صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کے ہاں ۱۰؍ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو مرزا مظہر احمد صاحب کی ولادت ہوئی۔[۳]

(۳) ۱۰؍ماہ نبوت/نومبر کو سیدہ امۃ الحکیم صاحبہ (صاحبزادی حضرت سیدنا المصلح الموعود) کی تقریب رخصتانہ عمل میں آئی۔[۴]

احمدی مبلغوں کی تقریریں غیر مسلموں کے جلسوں میں

۱۔ گوردوارہ صاحب کلاں نابھہ سٹیٹ کی کمیٹی نے گورو گوبند سنگھ جی کے جنم دن پر تقریر کے لئے ایک احمدی مبلغ بھجوانے کی درخواست کی تھی جس پر گیانی واحد حسین صاحب مرکز سے بھجوائے گئے۔ سکھ صاحبان گیانی صاحب کو جلوس میں شامل کرنے کے واسطے سرکاری بگھی میں لے گئے۔ جلوس سرکاری ساز و سامان سے مزین تھا اور جناب کنور صاحب (برادر خورد مہاراجہ صاحب بہادر نابھہ) بھی جلوس میں شامل تھے۔ دوران جلسہ گیانی صاحب کی تقریر کرائی گئی جو نہایت دلچسپی سے سُنی گئی۔ اسی رات کو دوسرے سکھ لیکچراروں کے ساتھ گیانی صاحب کی بھی تقریر تھی۔ آپ وقت مقررہ پر دس بارہ احمدیوں کے ساتھ گوردوارہ میں پہنچے۔ ہال کمرہ فوجی اور رسول ملازموں اور معززین شہر سے بھرا ہوا تھا۔ سیکرٹری صاحب گوردوارہ نے گیانی صاحب کو معہ رفقاء نہایت احترام سے آگے جگہ دی۔ شبد پارٹیوں کا وقت ختم ہونے پر سب سے پہلے گیانی صاحب موصوف نے "سکھ مسلم اتحاد" پر ایک گھنٹہ تک تقریر کی۔ آپ نے تاریخ کی روشنی میں سکھ مسلم خوشگوار تعلقات کی مثالیں دیتے ہوئے گورو گوبند سنگھ کا وہ

۱۔ الفضل یکم تبلیغ/۱۷ فروری ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء
۲۔ الفضل ۲ شہادت ۱۳۲۵ہش صفحہ ۲ کالم ۱
۳۔ الفضل ۱۱ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲
۴۔ الفضل ۱۱ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲

خط بھی سنایا جو انہوں نے حضرت شہنشاہ اورنگ زیب کے نام لکھا تھا اور جو گرنتھ صاحب میں "ظفر نامہ" کے نام سے موسوم ہے اور جس میں نہایت محبت و اخلاص کا اظہار کیا تھا ۔ آپ نے ظفر نامہ کا اردو ترجمہ پنجابی زبان میں کیا اور ایسے انداز میں قرآنی تعلیم کی تطبیق گورونانک صاحب کے اقوال سے کی ۔ شبد سنائے اور آیات قرآنی پڑھیں کہ سامعین پر ایک سماں بندھ گیا اور تحسین و آفرین کی آوازیں آنے لگیں ۔

دوسرے دن سیکرٹری کمیٹی نابھہ کے احمدیوں کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے مولوی صاحب کی تقریر اور واقفیت کو پنتھ نے نہایت پسند کیا ہے اور مہنت صاحب گوردوارہ نے دھن باد کا پیغام دیا ہے ۔ [1]

۲ ۔ کوٹ سید محمود متصل امرت سر میں سکھوں کی طرف سے ۶ ویں بادشاہی کے گوردوارہ "بوڑھی صاحب" میں دیوان کے موقعہ پر گیانی عباد اللہ صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ نے لیکچر دیا جو بہت مقبول ہوا ۔ سکھ پریذیڈنٹ نے کہا کہ اس وقت ملک کو ایسی تقریروں کی بہت ضرورت ہے ۔ [2]

۳ ۔ آریہ سماج دہلی نے ۱۲ فروری ۱۹۴۶ء (۱۲ تبلیغ ۱۳۲۵ ہش) کو ایک مذہبی کانفرنس کا انتظام کیا جس کے لئے یہ مضمون مقرر کیا کہ

"میرا مذہب ملک کی ترقی کی راہ میں روک نہیں ہے ۔"

جماعت احمدیہ کی طرف سے مولانا ابوالعطاء صاحب نے اس کانفرنس میں حصہ لیا ۔ آپ کی تقریر سامعین نے نہایت اطمینان اور توجہ سے سنی اور دوران تقریر کئی بار نعرہ ہائے تحسین بلند کر کے اپنے جذبات کا اظہار کیا ۔ مقامی اخبار "تیج" نے اس تقریر کا خلاصہ بھی شائع کیا ۔ [3]

خدام الاحمدیہ قادیان کے پہلے قائد

دستور اساسی خدام الاحمدیہ کے مطابق قادیان کی مجلس مقامی خدام الاحمدیہ کے لئے الگ قائد نہ تھا بلکہ حضرت صدر مجلس ہی کے سپرد قیادت قادیان کے فرائض تھے ۔ مگر اس سال حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی ہدایت پر قائد مقامی کا انتخاب ۲۰ امان/مارچ ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء کو عمل میں لایا گیا جس میں

---

[1] : ۔ الفضل ۷ تبلیغ/فروری ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء ص ۹ (ملخصاً مضمون قدرت اللہ صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ نابھہ) ؛

[2] : ۔ الفضل ۲۵ امان/مارچ ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء ص ۴ کالم ۱ ، ۲ ؛

[3] : ۔ الفضل ۱۲ تبلیغ/فروری " " ص ۶ ؛

صاحبزادہ میاں عباس احمد خاں صاحب کثرتِ رائے سے سب سے پہلے قائد قادیان منتخب ہوئے۔ صاحبزادہ صاحب قبل ازیں معتمد مجلس مرکزیہ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اب یہ نئی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد ہو گئی۔[۱] جسے آپ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء تک انجام دیتے رہے۔

مرزا منصور احمد صاحب کا سفر انگلستان

صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب پریسین مینوفیکچرنگ کمپنی قادیان کی طرف سے ٹیکنیکل ٹریننگ اور ولائت کی فیکٹریوں میں صنعتی تجربہ حاصل کرنے کے لئے ۱۹/ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو انگلستان تشریف لے گئے۔[۲] اور ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد ۲۸/ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو بخیریت قادیان پہنچے۔[۳]

پریسین مینوفیکچرنگ کمپنی کی بنیاد

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے ۳/ماہ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے کارخانہ پریسین مینوفیکچرنگ کمپنی کی بنیاد رکھی اور دعا فرمائی۔ یہ کارخانہ قادیان اسٹیشن کے قریب جنرل سروس کمپنی کی زیرِ نگرانی تعمیر ہوا۔[۴]

مرزا ابوسعید صاحب کا المناک قتل

مرزا محمد ابوسعید صاحب سپرنٹنڈنٹ پنجاب ریلوے پولیس لاہور نہایت مخلص احمدی اور حکومت پنجاب کے فرض شناس افسر تھے۔ ۱۱/ماہ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو ایک سکھ کنسٹبل ہرکرم سنگھ نے ان کو دن دہاڑے گولی مار کر قتل کر دیا جو سکھ لیڈروں کی مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریروں کے نتیجہ میں تھا۔

حضرت مصلح موعود نے ۱۲/ماہ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو مجلس علم و عرفان میں اس ہولناک حادثہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"یہ قتل ان شورشوں کا نتیجہ ہے جو وزارتی کمیشن کے آنے پر ملک میں ہو رہی ہیں۔ خصوصاً حال ہی میں سکھوں کی جو میٹنگ امرتسر میں ہوئی وہ بہت اشتعال انگیز تھی۔ یہ گورنمنٹ کی غلطی ہے کہ جب کوئی شرارت کرتا ہے تو یہ دیکھتی ہے کہ شرارت کرنے والا کمزور ہے یا طاقتور۔ اگر طاقتور ہو تو خاموش رہتی ہے اور اگر کمزور ہو تو کاروائی کرتی ہے۔ حالانکہ زیادہ تر فساد طاقتور ہی کرتے ہیں۔

---

[۱]:۔ الفضل ۶/شہادت ۱۳۲۵ہش صفحہ ۸ کالم ۳۔ [۲]:۔ الفضل ۲۳/شہادت ۱۳۲۵ہش صفحہ ۶۔

[۳]:۔ الفضل ۳۰/اخاء ۱۳۲۵ہش صفحہ ۱۔ [۴]:۔ الفضل ۴/احسان ۱۳۲۵ہش صفحہ ۱۔

جس شخص نے ابو سعید صاحب کو قتل کیا وہ پہلے امرت سر گیا پھر لاہور آکر اس نے حملہ کیا۔

امرت سر میں جو تقریریں کی گئیں ان سے ابو سعید صاحب کا کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر حملہ کرنے کی جو وجہ بیان کی جاتی ہے اس میں بھی کوئی معقولیت نہیں۔ چھ ماہ قبل تبدیلی کی درخواست منظور نہ ہونے کا اثر اب نکلنا تھا۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ قاتل نے اس تحریک کا اثر لیا جو سکھوں میں مسلمانوں کے خلاف پیدا کی جارہی ہے اور سمجھا جس پر حملہ کرنے لگا ہوں وہ ابو سعید ہے۔ یہ نہ سمجھا کہ احمدی ہے اور احمدی تو پہلے ہی مارے ہوئے ہیں ان کو کیا مارنا۔ مرحوم میں اخلاص تھا اور ان کی ساری ملازمت دیانتداری سے گزری۔ جب وہ تھانیدار تھے اسی وقت بھی افسروں نے بتایا کہ دیانتداری کے لحاظ سے صوبہ میں وہ ایک مثال رہے ہے۔ مگر باوجود اس کے ان کی ترقی وغیرہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی رہتی۔ ایک دفعہ میں نے ان سے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ تو کہنے لگے پولیس میں کوئی دیانتدار ترقی کرہی نہیں سکتا۔ ایک بات انہوں نے یہ بتائی کہ ہر وقوعہ کی تحقیقات تھانیدار کے ذمہ ہوتی ہے۔ مگر عملی طور پر ایسا کیا نہیں جاسکتا۔ دوسرے لوگ حوالداروں وغیرہ سے تحقیقات کرا کر اپنے نام لکھ دیتے ہیں۔ میں ایسا نہیں کرتا اس لئے جواب طلبی ہوتی رہتی ہے۔ ان کی طبیعت میں ایک قسم کا حجاب تھا اور جماعت کے لوگوں سے کم ملتے تھے۔ تا کہ کوئی سفارش نہ کردے۔ ہے تو یہ غلط بات کیونکہ اگر سفارش جائز اور درست بات کے متعلق ہو تو اسکے قبول کرنے میں کیا حرج ہے۔ اور اگر غلط ہو تو پھر اسکے ماننے کے کیا معنی۔ بہرحال ان کا طریق یہی تھا۔ اب بھی سنا ہے کہ دیانتداری میں وہ مثال تھے۔" [۱]

حضرت مسیح موعودؑ کے بتائے ہوئے طریقوں کو استعمال کرنیکا اہم ارشاد

تبلیغ احمدیت کی روح رواں اور جان ہے۔ جس کو کامیاب بنانیکا مؤثر ذریعہ یہ ہے کہ جماعت کے مبلّغین خصوصاً اور دیگر افراد عموماً تبلیغ کے ان طریقوں پر عمل کریں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمائے ہیں۔ لیکن ایک عرصہ سے ان کو نظرانداز کیا جارہا تھا جس پر حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ۱۵ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو اس فردگذاشت کی طرف خاص توجہ دلائی اور ارشاد فرمایا:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے ہمیں ہر قوم میں تبلیغ کرنے کیلئے

---

[۱] الفضل ۱۵ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۵

کچھ گُر بتائے ہیں - اور وہ ہر قوم کے لئے الگ الگ ہیں اور اگر موقعہ اور محل کے مناسب انکو استعمال کیا جائے تو ہم ہر قوم میں تبلیغ کر کے بڑی آسانی سے کامیابی حاصل کر سکتے ہیں ان میں سے مسلمانوں کے اندر تبلیغ کرنے کے لئے سب سے بڑا گُر یہی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حیات کے مسئلہ کو باطل ثابت کیا جائے عیسائیوں میں تبلیغ کے لئے یہ گُر ہے کہ نقلی اور عقلی دلائل سے ان پر یہ ثابت کیا جائے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام صلیب پر چڑھے تو ضرور تھے مگر صلیب پر سے زندہ اترے اور بعد میں طبعی موت مرے سکھوں میں تبلیغ کے لئے یہ گُر ہے کہ انہیں بتایا جائے کہ ان کے بزرگ حضرت بابا نانک صاحب اسلام کو مانتے تھے اور انہوں نے اپنی زندگی میں اسلام کی خدمت میں کمر باندھی ہوئی تھی اور ہندوؤں میں تبلیغ کا گُر یہ ہے کہ ان کی کتابوں سے جن کو وہ الہامی یا مقدس مانتے ہیں ان کے سامنے یہ ثابت کیا جائے کہ ان کے اوتاروں نے یہ خبر دی تھی کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں ایک خاص زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور یہ کہ اس سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہے اور اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لانے سے وہ خبر پوری ہو چکی ہے - یہ تمام گُر گویا تبلیغ کی جان ہیں - اور یہ ایسے کارآمد ہتھیار ہیں جو ہم ہر قوم کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں اور ان کے صحیح استعمال سے ہماری ہر میدان میں فتح یقینی ہے - اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مختلف علاقوں کے لوگ مختلف طبائع کے ہوتے ہیں اور ان طبائع کے مطابق ذرائع بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں جس طرح لڑائی کے میدان میں دشمن کی چالوں کو سمجھنے اور ان کے اندفاع کیلئے کبھی ایک پہلو بدلنا پڑتا ہے کبھی دوسرا پہلو اختیار کرنا پڑتا ہے اور جو شخص نادانی سے ایک ہی پہلو اختیار رکھے رکھتا ہے وہ دشمن پر فتح نہیں پا سکتا اور جو شخص ہوشیار اور چالاک ہوتا ہے وہ دوسرے کے مطابق اپنا پہلو بدلتا چلا جاتا ہے - اسی طرح تبلیغ میں بھی پہلو بدلنا پڑتا ہے - مگر تبلیغ میں اصولی باتوں کو نظر انداز کر دینا جائز نہیں"۔ [۱]

میاں عباس احمد خانصاحب کا سفر انگلستان

صاحبزادہ میاں عباس احمد خانصاحب حضرت مصلح موعود کے ارشاد کے ماتحت بغرض تعلیم یکم ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو بذریعہ ہوائی جہاز انگلستان روانہ ہوئے۔ [۲]

---

[۱] :- الفضل ۲ فتح/دسمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء ہش ۔

[۲] :- الفضل ۳ فتح/دسمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء ص ۲ ۔

قیامِ یورپ کے دوران آپ نے تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ بعض برطانوی پروفیسروں اور دوسرے اکابر تک بھی پیغامِ حق پہنچایا۔ علاوہ ازیں آپ کو ہالینڈ کی مشہور یونیورسٹی کے صدر مقام لائیڈن میں بھی جانے کا موقعہ ملا۔ اور دو مشہور مستشرقین (کریمر اور کرام) سے ملاقات کرکے اسلام اور احمدیت سے متعلق گفتگو کی۔ اور مقدم الذکر کو "اسلامی اصول کی فلاسفی" اور "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" کا تحفہ بھی پیش کیا۔ [1]

۲۹ ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو آپ لنڈن سے روانہ ہوکر ۱۳ وفا کو کراچی اور ۲ ماہ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو قادیان پہنچے۔ سٹیشن پر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور دوسرے افراد خاندان حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کا خیر مقدم فرمایا۔ [2]

لنکا اور مدراس کے بعض مخلص احمدیوں کا انتقال

کولمبو میں جناب سی۔ایچ مختار احمد صاحب سیلون کے اوّلین احمدیوں میں سے تھے جنہوں نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کے عہدِ خلافت میں بیعت کی تھی۔ آپ نے اس سال ۶ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو وفات پائی۔ [3]

آپ کے علاوہ سان تان کولم مدراس کے رہنے والے اے ایم سعید احمد صاحب جو جنوبی ہند کے نہایت مخلص و ممتاز اور مشہور اور پُرجوش احمدی تھے۔ ۱۰ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو اپنے محسنِ حقیقی سے جا ملے۔

آپ نے سان تان کولم میں سب سے پہلے احمدیت قبول کی۔

آپ نے ابتداء میں احمدیت کی خاطر بہت تکلیفیں اُٹھائیں تمام گاؤں والوں نے علاقہ کے سب سے بڑے مفتی کے فتویٰ پر بائیکاٹ کردیا تھا۔ مگر آپ خدا کے فضل سے ہمیشہ تبلیغ احمدیت کرتے رہتے۔ ہر ایک کے ساتھ نرمی سے پیش آتے اور بہت محبت و پیار سے باتیں کرتے۔

گاؤں کے غیر احمدی کہا کرتے تھے کہ آپ ہیں تو ولی مگر یہ غلطی کر بیٹھے ہیں کہ قادیانی ہو گئے ہیں۔ ۱۹۳۲ء میں مدراس کے ایک تاجر نے تقریباً دس ہزار روپے خرچ کرکے سان تان کولم میں جلسہ کرایا اور ارد گرد کے دیہات سے ہزاروں کی تعداد میں غیر احمدی مدعو کئے۔ علاقہ کے بڑے بڑے علماء نے آپ کو اور مولوی عبداللہ صاحب مبلغ مالابار و علاقہ مدراس کو مناظرہ کے لئے چیلنج دیا۔ مولوی صاحب اور مرحوم مناظرہ کے لئے

---

[1]: الفضل ۱۷ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء ص ۵

[2]: الفضل ۱۳ وفا ص ۲ و ۴ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء ص ۲

[3]: الفضل ۹ صلح ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء ص ۹

ان کے جلسہ گاہ میں تشریف لے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو انہوں نے ایک شرط یہ لگادی کہ فیصلہ غیر احمدی کریں گے اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ فیصلہ دشمن کرے۔ اتنے میں تمام سامعین نے جو کہ اردگرد کے دیہات سے بلائے گئے تھے شور مچا دیا اور مناظرہ نہ ہو سکا۔ ادہر جلسہ گاہ میں غیر احمدیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مولوی صاحب کو اور ایم سعید احمد صاحب کو قتل کر دیا جائے اور احمدیت کو سالی تان کولم سے مٹا دیا جائے۔ یہ ارادہ کرکے کچھ لوگ انجمن احمدیہ کی طرف آرہے تھے کہ رستہ میں دو غیر احمدی بھاگتے ہوئے ان کو ملے۔ ان کو احمدی سمجھ کر خوب زدوکوب کیا گیا جب بالکل نڈھال ہو گئے تو مارنے والے چھوڑ کر بھاگ گئے۔

۱۹۲۳ء میں آپ قادیان تشریف لے گئے اور حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود سے ایک اینٹ پر دُعا کرا کر لائے۔ چونکہ ان دنوں احمدیوں کے لئے زمین خریدنی بہت مشکل تھی اس لئے مسجد احمدیہ کے لئے آپ نے نہ صرف زمین دی بلکہ تمام خرچ بھی خود برداشت کیا اور اس مسجد کی بنیاد اس اینٹ سے رکھی گئی۔

آپ نے احمدیت کے متعلق بہت سی کتابیں اور ٹریکٹ تامل (TAMIL) میں شائع کئے تھے۔

آپ نے مسجد نگمبو (سیلون) کے بنانے میں بھی بہت بڑا حصہ لیا۔

۳۰ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کی صبح کو آپ کو ضعف قلب کا عارضہ ہوا۔ ۳۱ فتح کو ہسپتال میں داخل کئے گئے۔ ۱۰ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کی شام کو وفات پائی۔ اور ۱۱ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو احمدیہ قبرستان نگمبو میں سپرد خاک کئے گئے۔[۱]

---

[۱] الفضل ۲۵ تبلیغ/فروری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۵

بیرونی مشنوں کی سرگرمیاں

فلسطین مشن

مولانا محمد شریف صاحب مبلغ فلسطین نے اس سال حسب ذیل لٹریچر شائع کیا:۔

(۱) تجلیات الٰہیہ۔ نَصِیْحَةُ اِمَامِ الْجَمَاعَةِ الْاَحْمَدِیَّةِ لِلْبِرِیْطَانِیَّةِ وَالْهِنْدِ (امام جماعت احمدیہ کا ہندوستان اور انگلستان کو پیغام صلح) اٰیَةٌ مِنْ اٰیَاتِ رَبِّنَا الْکُبْرٰی (جنگ یورپ سے متعلق حضرت مصلح موعود کی پیشگوئیاں) رسَالَةُ اِخْلَاصٍ اِلٰی کُلِّ مَسِیْحِیٍّ مُتَدَیِّنٍ (مولوی ابو العطاء صاحب کا لکھا ہوا رسالہ)۔ اَلْبَیَانُ الْوَاضِحُ فِیْ اِبْطَالِ اُلُوْهِیَّةِ الْمَسِیْحِ (عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت کا ابطال از شیخ نور احمد صاحب منیر) اَلسَّیِّدُ ظَفَرُ اللّٰهِ خَان فِیْ بِلَادِ الشَّامِ (باتصویر)[1]

انگلستان مشن

مولانا جلال الدین صاحب شمس نے ماہ امان ۱۳۲۵ہش[2] (مارچ ۱۹۴۶ء) کے شروع میں "مسیح کہاں فوت ہوئے" (WHERE DID JESUS DIE) کے نام سے ایک ٹریکٹ شائع کیا جس کا برطانوی پریس نے بہت چرچا کیا۔ چنانچہ اخبار "ومبلڈن برو نیوز" (۲۲ فروری ۱۹۴۶ء) نے لکھا۔

"یہ عقیدہ کہ حضرت یسوع مسیح "تختۂ دار" پر لٹکائے تو گئے۔ مگر فوت نہ ہوئے تھے بلکہ صحتیاب ہو کر ہندوستان کا دور و دراز کا سفر اختیار کیا جہاں آپ نے طبعی طور پر وفات پائی مولوی جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن ساؤتھ فیلڈ نے اپنی کتاب حضرت مسیح نے وفات کہاں پائی میں بیان کیا ہے۔

یہ عقیدہ جماعت احمدیہ کا بنیادی نقطہ ہے ان خیالات کی درس گاہ کی بنیاد حضرت احمد قادیانی نے رکھی جس کی ایک شاخ اس ملک میں بھی قائم ہے اور اس کا مرکز مسجد لنڈن ہے امام شمس صاحب نے ان حقائق اور واقعات کو بالاختصار چھوٹے سے ٹریکٹ کی

---

[1] الفضل ا ر احسان جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۳

[2] بحوالہ الفضل ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۲

شکل میں مرتب کیا ہے اور ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لے اس وسیع پیمانہ میں شمولیت وبلڈن تقسیم کر رہے ہیں (ترجمہ)

بشپ آف لنڈن نے کرسچن ایویڈنس سوسائٹی کی سالانہ میٹنگ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:-

"ابھی تک ہم یہی خیال کرنے کے عادی رہے ہیں کہ میدان ہمارے ہی ہاتھ میں ہے مگر اب ہم اس امر کو محسوس کر رہے ہیں کہ صرف ہم ہی اپنے مذہب کا پروپیگنڈہ نہیں کر رہے بلکہ اور لوگ بھی ہمارے مقابل پر ہیں جو اس کام کو سرگرمی سے کر رہے ہیں۔ پھر مضمون نگار اپنے مضمون کو جاری رکھتے ہوئے لکھتا ہے کہ بشپ آف لنڈن کے یہ خیالات اس واقعہ سے متاثر ہیں کہ اس نے ایک ٹیوب سٹیشن میں چند ہندوستانیوں کو مسیح کے مقبرہ کے فوٹو پر مشتمل ایک ٹریکٹ کو تقسیم کرتے ہوئے دیکھا۔

لنڈن کے ہفتہ وار میگزین "LIFE OF FAITH" نے "مسلمانوں کا حملہ انگلستان پر" کے عنوان سے لکھا:-

"ہم عیسائیوں کے لئے بڑے شرم کی بات ہے کہ ہمارا ملک اب مسلمانوں کے اس قسم کے حملوں کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ برطانوی رواداری کی وجہ سے ممکن ہے یہ تحریک پھیل جائے اگر ایسا ہوا تو اس کے لئے ہمیں اچھی طرح مسلح ہونے کی ضرورت ہے"[1]

سپرچولسٹوں کے کثیر الاشاعت اخبار سائیکک نیوز نے اپنی ۱۰ر اپریل ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں بھی اس پر مفصل تبصرہ کیا اور اس پر حسب ذیل عنوانات دیئے۔

ایسٹر کے موقعہ پر مسلمانوں کی ایک جماعت کا حیرت انگیز دعوے۔ حضرت مسیح مصلوب نہیں ہوئے بلکہ بقید حیات ہندوستان گئے اور ایک دوسرے نام کے ساتھ تبلیغ کرتے رہے[2]

ہندوستان کے بعض مشہور اخبارات نے بھی اس پر تبصرہ کیا چنانچہ مدراس کے مشہور اخبار "ہندو" نے ۱۲ر مارچ ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں لکھا:-

"اس عجیب وغریب ادعا کا اعلان کہ حضرت یسوع ناصری سرزمین ہند میں دفن ہوئے تھے جناب مولوی جلال الدین صاحب امام مسجد پٹنی لنڈن کی طرف سے کیا گیا ہے جیسا

---

[1] الفضل ۲۳ر وفا جولائی ۱۹۴۶ء ۱۳۲۵ ہش
[2] مفصل تبصرہ کا ترجمہ الفضل (یکم ظہور ۱۳۲۵ ہش ص۳) میں درج ہے

کہ ہمارے لندنی نامہ نگار کی اطلاع مظہر ہے کہ امام شمس صاحب نے فرمایا کہ حضرت مسیح ناصری کی قبر خانیار محلہ سرینگر (کشمیر) میں واقع ہے یہ دعوے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے کیا ہے اور حضرت مسیح کی آمد ثانی کی پیشگوئی کو اپنے اوپر منطبق کیا ہے۔ امام شمس صاحب نے اس امر کا اعلان کرتے ہوئے کہ یہ قبر مسیح ناصری کی ہی ہے مزید کہا ہے کہ اس قبر کو کھولا جائے اور تحقیق کی جائے تو متعدد دستاویزات اور الواح اس صداقت کی شہادت میں دستیاب ہوں گی۔ اس مضمون کا چھوٹا سا ٹریکٹ جس میں قبر مسیح کا فوٹو بھی ہے ہزاروں کی تعداد میں انگلستان بھر میں تقسیم کیا جا رہا ہے[1]

اسی طرح کلکتہ کے مشہور اخبار "امرت بازار پتریکا" نے ۴ر مارچ ۱۹۴۶ء کے شمارہ میں اپنے نامہ نگار خصوصی کی طرف سے درج ذیل آرٹیکل شائع کیا:۔ (ترجمہ)

"حال ہی میں امام مسجد لنڈن نے ایک پمفلٹ شائع کیا ہے جس میں اس بات کا انکشاف کیا گیا ہے کہ یسوع مسیح کی قبر ہندوستان میں پائی گئی ہے جس کی وجہ سے برطانیہ کے مذہبی حلقوں میں غصہ کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ خاص طور پر کیتھولک چرچ میں بقول امام صاحب مسجد احمدیہ لنڈن حضرت مسیح کی پیشگوئی بعثت ثانی حضرت احمد قادیانی بانیٔ عالمگیر سلسلہ احمدیہ کی ذات میں پوری ہوئی۔ نیز آپ نے ٹھوس دلائل سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یسوع مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ اپنے جسم عنصری کے ساتھ غار سے نکل آئے تھے امام صاحب فرماتے ہیں انجیل کی روایت کے مطابق یسوع مسیح دریائے تائبریس کے کنارے اپنے حواریوں سے آخری بار ملے۔ نیز اپنے حواری "پیٹر" کو ہدایت کی کہ "میری بھیڑوں کی پرورش کرنا" اس ہدایت کے بعد وہ اپنے حواریوں سے جدا ہوئے اور ایک نامعلوم علاقہ کی طرف چلے گئے۔ یہ مشہور واقعہ ہے کہ یسوع مسیح کے بارہ حواریوں میں سے ایک حواری مسمّٰی "طامس" ہندوستان آئے اور یہیں فوت ہوئے آج انکا مقبرہ مدراس میں موجود ہے۔

حضرت احمد قادیانی مسیح موعودؑ کا یہ انکشاف کہ "مسیح ابن مریم کی قبر کشمیر میں موجود ہے" عیسائیوں کے آسمان کی طرف یسوع مسیح کے اٹھائے جانے کے عقیدہ کو بالکل باطل کر دیتا ہے اور یقینی طور پر ثابت کرتا ہے کہ یہ قبر عیسیٰ بن مریم کی ہے اور وہی اس میں مدفون ہیں۔

---

[1] الفضل ۲۲ر وفا ۱۳۲۵ہش (جولائی ۱۹۴۶ء)

یہ قبر سری نگر محلہ خانیار میں موجود ہے جس کے قرب و جوار میں گم شدہ بنی اسرائیل پہلے بھی آباد تھے اور آج بھی آباد ہیں۔ اگر اس قبر کی محکمہ آثار قدیمہ والے تحقیق کریں تو کئی ایسے کتبے وغیرہ مل سکتے ہیں جو اس بات کا بین پتہ دیں گے ....

کہ اس قبر میں وہی شخص مدفون ہے جس کی صدیوں سے خدا کی طرح پرستش کی جاتی ہے

اس پمفلٹ میں ایک تصویر بھی ہے جس میں پانچ مسلمان قبر کی حفاظت کر رہے ہیں۔

کیتھولک چرچ کے ہفتہ وار اخبار "یونیورس" نے اس خبر کے متعلق ناراضگی کا اظہار کیا ہے

(بحوالہ الفضل ۲۶ مارچ سنہ ۱۹۴۶ء مطابق ۲۶ امان ۱۳۲۵ ہش)

۲۔ ۲۶ ظہور/اگست ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء کو حافظ قدرت اللہ صاحب نے لنڈن مشن کی تاریخ میں پہلی بار نماز تراویح میں قرآن مجید ختم کیا۔[1]

۳۔ ویدانتا سوسائٹی لنڈن کے زیر اہتمام ۲۵ تا ۳۱ ظہور/اگست ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء کو ایک مذاہب کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں اسلام کی نمائندگی چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ امام مسجد لنڈن نے کی ایک نہایت کامیاب لیکچر دیا جس سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔[2]

۴۔ لنڈن کی "انڈین کلچرل یونٹی" نے ۲ ماہ نبوت/نومبر کو اپنا ایک خاص پروگرام ہندوستان کے مسئلہ اتحاد پر مقرر کیا تھا جس میں ہندو، سکھ، پارسی، عیسائی اور مسلمان مقررین نے حصہ لیا۔ مسلمانوں کی طرف سے چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ امام مسجد لنڈن نے کامیاب اور مؤثر نمائندگی کی۔[3]

مشرقی افریقہ مشن

(۱) ٹبورا کے عیسائی مشن نے "یسوع یا محمد" کے عنوان سے ایک رسالہ شائع کر رکھا تھا۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے خلاف اعتراضات کئے گئے تھے۔ مشرقی افریقہ کے احمدیہ مشن کی طرف سے اس رسالہ کا مدلل جواب سواحیلی میں شائع کیا گیا۔ جسے ملک بھر کے مسلمانوں نے بہت سراہا

---

[1] الفضل ۱۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۱
[2] الفضل ۲۴ تبوک ۱۳۲۵ ہش صفحہ ۴
[3] الفضل ۲۶ نبوت ۱۳۲۵ ہش صفحہ ۱

متعدد افریقنوں نے لکھا کہ ہمارے ہاتھ میں یہ رسالہ ایک ایسا ہتھیار ہے کہ ہم عیسائیوں کو مسکت جواب دینے کے قابل ہو گئے ہیں [1]

۲۔ مشرقی افریقہ کے پرانے احمدی سیٹھ عثمان یعقوب صاحب نوری ۳۰ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء مرکزِ احمدیت میں تشریف لائے [2]

مولانا محمد صادق صاحب کی واپسی

مولانا جلال الدین صاحب شمس کے علاوہ جن کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے اس سال مولانا محمد صادق صاحب مجاہد سماٹرا بھی آٹھ سال تک تبلیغ احمدیت کا فریضہ انجام دینے کے بعد ۲۰ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو قادیان تشریف لائے [3]

مبلغین اسلام کی قادیان سے روانگی

اس سال مندرجہ ذیل مبلغین قادیان سے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے روانہ ہوئے۔

(۱) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مولوی صدر الدین صاحب فاضل ایران کیلئے (۱۱ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء) [4]

(۲) مرزا منور احمد صاحب واقف زندگی برائے امریکہ (مورخہ ۵ ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء) [5]

(۳) چوہدری غلام یٰسین صاحب برائے امریکہ (۲۲ وفا/جولائی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء) [6]

(۴) مولوی غلام احمد صاحب برائے عدن (۵ ظہور/اگست ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء) [7]

(۵) مولوی رشید احمد صاحب چغتائی برائے فلسطین (۲۳ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء) [8]

(۶) مولوی محمد زہدی صاحب برائے بورنیو (۲۸ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء) [9]

---

[1] الفضل ۲۳ امان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۷ کالم ۲-۳ [2] الفضل ۳ فتح ۱۳۲۵ہش صفحہ ۱
[3] الفضل ۲۰ شہادت ۱۳۲۵ہش صفحہ ۵ [4] الفضل ۱۲ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ کالم ۲
[5] الفضل ۷ ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ [6] الفضل ۲۳ وفا/جولائی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱
[7] الفضل ۶ ظہور ۱۳۲۵ہش صفحہ ۱ کالم ۲ [8] الفضل ۲۴ اخاء ۱۳۲۵ہش صفحہ ۱ کالم ۲۔ مولوی صاحب موصوف نے اپنی روانگی سے قبل حضرت مصلح موعود کی خدمت میں درخواست کی کہ ان کے غریب خانہ پر تشریف لائیں چنانچہ حضور علالت طبع کے باوجود ان کے مکان (واقع دارالرحمت) میں تشریف لے گئے اور دعا کرائی (الفضل ۲۱ اخاء ۱۳۲۵ہش صفحہ ۲) [9] الفضل ۲۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش صفحہ ۱

۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء کی نئی مطبوعات

اس سال مرکز سے حسب ذیل لٹریچر شائع ہوا۔

۱۔ **طریقہ تعلیم:۔** چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب نے جامعہ احمدیہ میں ایک معلومات افزا لیکچر دیا تھا جو جامعہ احمدیہ کی طرف سے شائع کیا گیا۔

۲۔ **"ہندو اقتدار کے منصوبے یا اچھوت اُدھار کی حقیقت"** (از جناب ملک فضل حسین صاحب احمدی مہاجر) اخبار "انقلاب" (۲۲ فروری ۱۹۴۶ء) نے اس کتاب پر حسب ذیل تبصرہ شائع کیا:۔

"ملک فضل حسین صاحب (قادیان) اپنی بعض مفید کتابوں کے سلسلہ میں کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ ان کی تازہ کتاب "اچھوت اُدھار کی حقیقت یا ہندو اقتدار کے منصوبے" بھی ان کی دوسری کتابوں کی طرح نہایت قیمتی معلومات سے لبریز ہے ملک صاحب ایک موضوع تجویز کر کے اس کے متعلق نہایت صبر و استقلال سے اخبارات کے تراشے اور افراد کی تقریریں اور تحریریں جمع کرتے رہتے ہیں اور کچھ مدت کے بعد موضوع زیر بحث کے متعلق اتنا اچھا مواد مرتب کر دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس موضوع پر مختلف حلقوں کی آراء و تاثرات کا اندازہ کرنا چاہے تو صرف ایک کتاب پڑھ کر کر سکتا ہے اس کتاب میں کانگرسی اور ہندوؤں کے ان دعاوی کا تار و پود بکھیرا گیا ہے۔ جو وہ اچھوتوں کی اصلاح کے متعلق کرتے رہتے ہیں اور بتایا ہے کہ ہندوؤں کا یہ تمام شور و شغب محض اپنی سیاسی طاقت کو بڑھانے کے لئے ہے۔ ورنہ انہیں اچھوتوں سے کوئی خاص ہمدردی نہیں ضخامت ڈھائی سو صفحے سے زیادہ ہے۔ قیمت کتاب پر لکھی نہیں لیکن ملک صاحب کی کتابیں چونکہ عام طور پر ارزاں ہوتی ہیں اسلئے غالباً ایک روپے سے زیادہ نہ ہوگی۔"[1]

۳۔ **لطائف صادق** ——— (مرتبہ جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی)

اس کتاب میں وہ تمام دلچسپ اور پر لطف باتیں جمع کر دی گئیں۔ جو حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو ہندوستان انگلستان اور امریکہ میں پیش آئیں۔

---

[1] اخبار انقلاب ۲۲ فروری ۱۹۴۶ء

۴۔ تعلیم البنات حصہ اول پارہ اول مترجم بطرز جدید مع نماز مترجم (از مولوی عبدالرحمن صاحب مبشر)

۵۔ سکھوں اور مسلمانوں کے خوشگوار تعلقات (از گیانی واحد حسین صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ)

۶۔ "گزشتہ اور موجودہ جنگ کے متعلق پیشگوئیاں" (تالیف مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر و مولانا جلال الدین صاحب شمس)

مباحثہ دہلی

اس سال دہلی میں دو بار دو گانہ مناظرے ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے کہ آریہ سماج دہلی نے اپنے سالانہ جلسہ کے موقع پر جملہ مذاہب کو مناظرہ کا چیلنج دیا اور ایک پوسٹر بھی شائع کیا کہ جس کا جی چاہے آکر ویدک دھرم کی صداقت آزمائے۔ جماعت احمدیہ نے یہ چیلنج قبول کر لیا اور "آریہ دھرم میں عورت کا مقام" کے موضوع پر مناظرہ قرار پایا جس میں مولوی ابوالعطاء صاحب فاضل پرنسپل جامعہ احمدیہ نے کامیاب بحث کی۔ آپ کے زبردست دلائل اور شوکتِ بیان کے سامنے آریہ مناظر صاحب کے کمزور اور غیر معقول جوابات کا یہ اثر تھا کہ آریہ سماج کو مناظرہ کا ڈیڑھ گھنٹہ مقررہ وقت گذارنا مشکل ہو گیا اور ان کی کیفیت "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" کی مصداق تھی۔ اختتام مناظرہ پر مسلمانوں نے انبساط و مسرت کے جوش میں بے اختیار "اللہ اکبر" "اسلام زندہ باد" کے نعرے بلند کئے۔ [1]

اس مناظرہ میں آریہ سماج کو زک اٹھانا پڑی اس کا داغ دھونے کے لئے آریہ سماج نے دوبارہ اس موضوع پر مباحثہ کی طرح ڈالی۔ چنانچہ ایک ہفتہ کے اندر نئی دہلی میں دوسرا مناظرہ ہوا اور اس میں کئی ہزار تعلیم یافتہ لوگ شامل ہوئے جماعت احمدیہ کی طرف سے حسب سابق مولوی ابوالعطاء صاحب نے بحث کی اور آریہ سماج کی طرف سے پنڈت پرکھی لال صاحب پیش ہوئے جو عمر رسیدہ ہونے کے باوجود بدزبانی میں بہت مشاق تھے۔ یہ مناظرہ بھی پہلے کی طرح نہایت کامیابی سے ختم ہوا خود پنڈت رام چندر صاحب دہلوی نے جو صدر تھے اعلان کیا کہ جناب مولوی ابوالعطاء صاحب نے نہایت تہذیب و شرافت سے مناظرہ کیا ہے اور کوئی ایسی بات نہیں کہی جو ہمارے مسلّمات کے خلاف ہو۔ مسلمانوں نے مناظرہ کے اختتام

---

[1] الفضل ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ صفحہ ۶

پر تکبیر اور اسلام زندہ باد کے نعرے بلند کئے۔ بعض آریہ سماجیوں نے کہا کہ نیوگ کا بیان ستیارتھ پرکاش میں سے نکال دینا چاہیئے اس کی وجہ سے ہمیں ذلیل ہونا پڑتا ہے۔

مناظرہ کے بعد کئی معزز مسلمان مولوی ابو العطاء صاحب کی قیامگاہ پر تشریف لائے اور مبارکباد دی۔[1]

فصل سوم

خلافتِ ثانیہ کا چونتیسواں سال ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء

حضرت مصلح موعود کی زریں ہدایات ایک واقف زندگی کو

ایک واقف زندگی تجارت کی غرض سے ۱۹ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو قادیان سے روانہ ہوئے تو حضرت مصلح موعود نے اُن کو اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل ہدایات لکھکر عطا فرمائیں۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِر

آپ وقف زندگی ہیں۔ تعلیم یافتہ ہیں ایک فن جانتے ہیں نوکری کرتے یا اپنا کام کرتے تو اپنی حد کے اندر دنیا کماتے۔ رشتہ داروں کی ترقی کا موجب ہوتے لیکن اب آپ نے خدا تعالیٰ کے لئے اپنے ارادوں کو قربان کر دیا ہے۔ یہ نازک مرحلہ ہے ایک قدم اِدھر سے اُدھر ہوکر

---

[1] الفضل ۳۰ ماہ امان ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۹

قعر مذلت میں گرا سکتا ہے۔ اپنے عہد پر قائم رہیں تو دین و دنیا آپ کی ہے۔ اس میں ذرا سی لغزش ہو تو تباہی اور بربادی ہے آپ نے دین کے لئے زندگی وقف کی ہے لیکن آپ کو تجارت کے لئے بھجوایا جا رہا ہے۔ یہ عجیب بات نہیں۔ ساری فوج لڑے تو شکست یقینی ہے۔ کچھ لوگ گولہ بارود بناتے ہیں۔ کچھ روٹی پکاتے ہیں۔ کچھ بندوقیں تیار کرتے ہیں۔ کچھ کپڑے، کچھ بوٹ، کچھ موٹر بناتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے کام پر خوش نہ ہوں اور جوش سے حسب ضرورت بلکہ زائد از ضرورت کام نہ کریں تو لڑائی میں شکست یقینی ہے ان کے بغیر سپاہی قیدی ہے۔ مقتول ہے۔ فاتح اور غالب نہیں۔ پس آپ کا کام مبلغوں سے کم نہیں۔ مبلغ اپنی جگہ پر لڑتا ہے۔ آپ لوگ ساری دنیا میں تبلیغ پھیلانے کا ذریعہ بنیں گے۔ پس اپنے کام کو وسیع کریں۔ اپنے نفع کو کروڑوں اربوں اور پھر کھربوں تک پہنچائیں تا سینکڑوں سے ہزاروں، ہزاروں سے لاکھوں مبلغ مقرر ہوں اور کروڑوں کے بعد اربوں ٹریکٹ اور کتب ہر سال شائع اور تقسیم ہوں

اپنے حوصلہ کو بلند کریں۔ چھوٹی کامیابیوں پر خوش نہ ہوں۔ دُنیا کی فتح اپنا مقصود بنالیں۔ دُنیا کو دُنیا نے اپنے لئے ہزاروں سال لگایا ہے۔ اب کیوں نہ سب تجارت اور صنعت دین کے لئے فتح کر لی جائے۔ تاکہ یہ ذاتی جھگڑے بالکل ختم ہو جائیں کمیونسٹ قوم کے لئے لیتے ہیں اور اس طرح ذاتی لڑائی کو قومی لڑائی میں بدل دیتے ہیں اور چونکہ قومیں نہیں بدلتیں۔ لڑائی کی بنیاد ہمیشہ کے لئے قائم کر دیتے ہیں۔ لیکن ہم اگر تجارت و صنعت کو مذہب کے لئے جیت لیں گے تو لڑائی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ مذہب بدل سکتا ہے اور اسلام تبلیغی مذہب ہے جب سب لوگ ایک مذہب کے ہو جائیں گے اور تجارت مذہب کے ہاتھ میں ہو گی تو دین و دُنیا ایک ہی ہاتھ میں جمع ہو کر لڑائی کا خاتمہ کر دیں گے۔

مطالعہ وسیع کریں۔ صرف ایک تاجر نہیں ایک ماہر اقتصادیات کا درجہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

صرف ہندوستان اور انگلستان کے درمیان ہی تجارت وسیع کرنے کا سوال

نہیں اپنے مغربی مشنوں سے تبادلہ خیالات کر کے وہاں تجارت کو وسیع کیا جا سکے تو اسے بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے۔ ہماری غرض عقل کے ساتھ سوچ کر ساری دُنیا کی تجارت پر قبضہ کرنا ہے اور کوشش کرنا ہے کہ تبلیغ اسلام اور بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے اس قدر روپیہ کمالیں کہ روپیہ اور مال کی وجہ سے کسی کو تکلیف نہ ہو صرف سماوی آفات رہ جائیں ارضی آفات کا خاتمہ ہو جائے اور سماوی آفات دل کی اصلاح سے دور ہو سکتی ہیں ان کا دور کرنا آسان ہے کہ اس کا دور کرنا رحیم و کریم خدا کے ہاتھ میں ہے۔

افسروں کی ماتحت باقاعدہ رپورٹ کام کے اہم جزو ہیں جو اس میں غفلت کرتا ہے اس کا سب کام عبث جاتا ہے۔ دعا۔ عبادت۔ دیانت۔ امانت۔ محنت تعاون باہمی ضروری امور ہیں۔ ان کے بغیر دین نہیں دین کا چھلکا انسان کے پاس ہوتا ہے۔ اور چھلکا کوئی نفع نہیں دیتا۔ والسلام

خاکسار (دستخط مبارک)

مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی)[1]

فسادات پنجاب اور مسلمانان امرتسر کیلئے جماعت احمدیہ کا ریلیف کیمپ

جوں جوں انتقال اقتدار کے ایام قریب سے قریب تر آ رہے تھے ملک فرقہ وارانہ کشیدگی کے نئے سے نئے خونی چکر میں پھنستا جا رہا تھا۔ احمد آباد، بمبئی، کلکتہ، بہار اور گڑھ مکتیسر کے لرزہ خیز واقعات ۱۹۴۷ء کے شروع میں جبکہ ۲ر مارچ ۱۹۴۷ء کو خضر وزارت مستعفی ہو گئی۔ پنجاب میں بھی دوہرائے جانے لگے اور لاہور، امرتسر، ملتان، گوجرانوالہ اور گوڑگانواں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اُٹھی۔ خصوصاً امرتسر میں آتشزدگی کی ایسی خوفناک وارداتیں ہوئیں کہ ایک انگریز افسر نے (جو دوسری جنگ کے دوران لنڈن میں تھا) بیان کیا کہ امرتسر کی حالت لنڈن کے ہر اُس حصہ کی نسبت جس پر جنگ میں ہتھیاروں کا مجموعی حملہ کیا گیا ہو بدتر تھی۔[2]

---

[1] الفضل ۴ر صلح ۱۳۲۶ہش / ۴ر جنوری ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ [2] "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور ۲ر جون ۱۹۴۷ء

ان فسادات سے امرتسر کے پچاس ہزار مسلمانوں پر گویا ایک قیامت ٹوٹ پڑی۔ اس دردناک صورت حالات سے حضرت مصلح موعود بہت مضطرب اور مشوش ہوئے اور حضورؓ نے خدام الاحمدیہ مرکزیہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ ایک ہزار مسلمانوں کے خورد ونوش کا انتظام کرنے کے لئے فوری طور پر امرتسر میں ایک ریلیف کیمپ کھول دے اور اپنے مظلوم اور بے بس بھائیوں کی مدد و اعانت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔

چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ قادیان کی زیر نگرانی امرتسر میں یہ امدادی کیمپ قائم کیا گیا جو کئی ماہ تک نہایت اہم خدمات انجام دیتا رہا۔

حضرت مصلح موعود نے صوبہ کے سربرآوردہ احمدی اصحاب کو اپنے قلم مبارک سے اس کیمپ کی اعانت کے لئے ایک خاص مکتوب تحریر فرمایا جس سے جماعت احمدیہ کی امدادی سرگرمیوں کی نوعیت و اہمیت کا اندازہ بھی لگ سکتا ہے۔ حضورؓ نے لکھا:۔

"برادرم مکرم سلمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امرتسر میں مسلمانوں پر جو سختی ہوئی ہے وہ ناقابل بیان ہے پچاس ہزار مسلمان بے گھر بے در ہیں اور نوکری سے محروم۔ کھانے کو آٹا تک نہیں ملتا اگر ان کی امداد نہ کی گئی تو سب شہر چھوڑ کر دوڑ جائیں گے اور مسلمانوں کا سخت نقصان ہوگا۔ ان حالات کو دیکھ کر میں نے خدام الاحمدیہ کے سپرد یہ کام کیا ہے کہ مسلم لیگ سے شہر کا ایک حصہ لیکر اس کے ریلیف کا انتظام کریں۔

یہ مصیبت اتنی بڑی ہے کہ شہر والوں کی طاقت سے باہر ہے اصل میں پنجاب کے سب ضلعوں اور انجمنوں کو چاہیئے تھا کہ مقامی لیگ کا اس امداد میں ہاتھ بٹائیں اور شہر کے مختلف حصوں کی امداد کا کام اپنے ذمہ لیں مگر اب تک اس طرف توجہ نہیں ہوئی۔ اب خدام الاحمدیہ نے میری ہدایت سے سردست ایک ہزار آدمی کے لئے ریلیف کی ذمہ داری تین ماہ کے لئے لی ہے۔ ارادہ ہے کہ سامان میسر آجائے تو سال بھر کے لئے اس ذمہ داری کو ادا کیا جائے گا اور اگر جماعت کا تعاون زیادہ ہو تو ایک ہزار سے بڑھا کر ڈیڑھ دو ہزار یا اس سے بھی

زیادہ آدمیوں کی امداد کا کام کیا جاوے۔

اس سلسلہ میں یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں کہ آپ اپنی جماعت کے علاوہ دوسرے ہمدردی رکھنے والوں سے سارے ضلع میں غلہ جمع کریں اور پھر اُسے وہیں فروخت کر کے امرتسر ریلیف فنڈ کے نام بھجوا دیں۔ یہ فنڈ صدر انجمن احمدیہ کی نگرانی میں قائم کر دیا گیا ہے "امرتسر ریلیف فنڈ" کے نام رقوم بھجوانے رہیں۔

اگر صرف ایک ہزار آدمی کے ریلیف کا انتظام کیا جائے تو سال میں سوا تین ہزار من غلہ خرچ ہوگا چونکہ امرتسر میں غلہ کی قیمت گیارہ سے بارہ روپے تک ہے اسلئے اس کی قیمت چالیس ہزار روپے تک ہوگی چونکہ اضلاع میں غلہ آٹھ روپے سے نو روپے من تک بکے گا اس لئے پانچ ہزار من غلہ امرتسر میں سوا تین ہزار من پہنچے گا۔ اگر کام دوگنا ہو جائے تو دس ہزار من چاہیئے ہم نے گورداسپور میں یہ کام شروع کروا دیا ہے اور اب سیالکوٹ۔ شیخوپورہ۔ گوجرانوالہ لائل پور۔ سرگودھا منٹگمری اور ملتان کی جماعتوں کو تحریک کی جاتی ہے کہ وہ اس بارے میں جلد سے جلد روپیہ بھجوانا شروع کر دیں۔

یہ بات یاد رہے کہ اس قسم کے لفظ نہ بولے جائیں کہ ہم لیگ کی طرف سے یہ کام کر رہے ہیں۔ ہاں یہ بے شک بتایا جائے کہ لیگ کے کام کو ہلکا کرنے کے لئے ہم نے یہ کام شروع کیا ہے جو لوگ اس میں ہمارے ساتھ تعاون کرنا چاہیں کر سکتے ہیں اور اس میں اُن کو بھی ثواب مل جائیگا ۔۔۔ اگر یہ کہا گیا کہ یہ تحریک لیگ کی طرف سے ہے تو اس سے فتنہ پڑنے کا امکان ہے اور لیگ اعتراض کرے گی کہ ہمارے نام سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔

میں تجویز کرتا ہوں کہ ملتان منٹگمری لائل پور اور سرگودھا کی جماعتیں تمام علاقہ میں تین تین ہزار من غلہ جمع کرنے کی کوشش کریں اور شیخوپورہ گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کی جماعتیں دو دو ہزار من۔ اس طرح حساب کی رُو سے اٹھارہ ہزار من ہو جاتے ہیں لیکن چونکہ بعض جماعتیں شاید پوری طرح کامیاب نہ ہو سکیں اسلئے اس قدر حصہ مقرر کر دیا گیا ہے تاکہ اگر کسی جماعت کو پوری کامیابی نہ ہو تب بھی نقصان نہ ہو۔ والسلام

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی

ماہ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے فسادات اور قادیان

شروع ماہ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے فسادات کی وجہ سے قادیان بیرونی علاقوں سے بالکل کٹ گیا تھا کیونکہ نہ ریل آتی تھی نہ ڈاک نہ تار نہ ٹیلی فون یہ وہ ایام تھے جن میں حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ سندھ تشریف رکھتے تھے۔ مختلف مقامات سے تار دلوا کر حالات سے مطلع رکھنے کی کوشش کی گئی مگر بعد کو معلوم ہوا کہ بہت کم تار حضور تک پہنچ سکے ہیں اسی طرح جو تار بیرونی جماعتوں کی خیریت دریافت کرنے اور مرکز سلسلہ کی خیریت کی خبر پہنچانے کے لئے دیئے گئے، وہ بھی بہت کم پہنچ سکے۔ البتہ گاہے گاہے لاہور اور امرتسر کی جماعت کے ساتھ بعض ذرائع سے رابطہ قائم کرنے کا موقعہ ملتا رہا۔ اس دوران میں آٹھ روز کے لئے الفضل کو بھی ایک ورقہ صورت میں بدل دیا گیا کیونکہ اس کے باہر بھجوانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اور نہ باہر سے خبریں موصول ہونے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ماہ امان/مارچ کے تیسرے ہفتے میں حالات وقتی طور پر معمول پر آ گئے اور تانگوں سے ڈاک بھی آنے لگی پھر روزانہ ڈیزل کا ایک سروس بھی قائم ہو گئی۔ اطلاع پہنچی کہ نہ صرف حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود بخیریت ہیں بلکہ لاہور ملتان اور امرتسر میں بھی احمدی جماعتیں بخیریت ہیں۔ البتہ امرتسر کے احمدیوں کا کچھ مالی نقصان بھی ہوا اور ایک احمدی کو خفیف سی ضربیں آئیں۔

قادیان میں فسادات کے ابتداء میں ہی ایک امن کمیٹی بنا دی گئی تھی جس میں احمدیوں کے علاوہ دوسرے مسلمانوں اور سکھوں اور ہندوؤں نے بھی شرکت کی جس کی وجہ سے قادیان اور اس کے ماحول میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ اور فضا پُرسکون رہی [1]

---

[1] الفضل ۲۰ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳ (نوٹ رقم فرمودہ حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ) اس کمیٹی کے اٹھارہ ممبر تھے جن میں سات احمدی چھ غیر احمدی اور پانچ ہندو یا سکھ تھے۔
۱۰/ماہ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو کمیٹی کی طرف سے ایک اشتہار بھی شائع کیا گیا جس کا عنوان تھا "ہندو مسلمانوں اور سکھوں سے دردمندانہ اپیل آؤ ہم سب اکٹھے ہو جائیں" ۱۲/ماہ امان کو اس کمیٹی کے زیر اہتمام حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی صدارت میں ایک جلسہ عام بھی ہوا۔ جس میں اتحاد و اتفاق سے رہنے کی تلقین کی گئی۔ کمیٹی کے سیکرٹری مولوی برکات احمد صاحب بی اے راجیکی تھے۔

متحدہ پنجاب میں آگ کی خوفناک لڑائی کی نسبت رویاء

حضرت مصلح موعود کو ۲۵/۲۶ تبلیغ ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو عالم رویاء میں دکھایا گیا۔

"دوزخ میں بچھو ہیں لیکن وہ بچھو اس دُنیا کی طرح نہیں۔ یہاں تو بچھو عام طور پر انگلی سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ لیکن وہاں جو میں نے بچھو دیکھے ہیں وہ چھ سات گز کے قریب لمبے ہیں ہیں۔ پہلے مجھے صرف دو بچھو نظر آئے جو علاوہ سات آٹھ گز لمبے ہونے کے موٹے بھی ہیں۔ جیسے ہوائی جہاز ہوتا ہے۔ ایسے لگتے ہیں۔ مگر ہوائی جہاز جتنے جسم نہیں جو کہ ایک دوسرے کے قریب ہوتے جا رہے ہیں ان میں سے ایک دوسرے پر گرا ہے جس طرح جانور جفتی کیلئے جمع ہوتے ہیں۔ جب ایک دوسرے پر کودنے کی کوشش کرتا ہے تو میں نے دیکھا کہ دوسرے نے اوپر گرنے والے بچھو کو زور سے ڈنگ مارا اور وہ اچھل کر سامنے جا پڑا پھر اس نے دوسرے کی طرف منہ کر کے آگ کا شعلہ نکالنا شروع کیا جو کہ دور اوپر تک جاتا ہے اور دوسرے نے بھی اس کے جواب میں آگ کا شعلہ نکالنا شروع کر دیا اور وہ دونوں شعلوں کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی کرتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ اور بچھو پیدا ہو گئے ان کے قد بھی اسی طرح سات آٹھ گز کے قریب ہیں۔ پھر انہوں نے بھی آگ کے شعلوں سے لڑائی شروع کر دی اور ان کے شعلوں کا نظارہ نہایت ہیبتناک تھا میں نے دیکھا کہ یکدم ایک بچھو نے پلٹا کھایا اور آدمی کی شکل اختیار کر لی اور اس نے اسی کمرہ کی طرف بڑھنا شروع کیا جہاں میں بیٹھا تھا۔ میں گھبرا کر وہاں سے چل پڑا ہوں۔ اس وقت مجھے پیچھے سے آواز آئی ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ فرشتے کی آواز ہے یا کسی کی۔ "قرآن پڑھو۔ قرآن پڑھو"۔ اس آواز کے آنے ہی میں نے قرآن شریف بلند اور سُریلی آواز سے پڑھنا شروع کر دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری آواز بہت سُریلی اور بلند ہے۔ اور میں جس طرف سے گزرتا ہوں میری آواز پہاڑوں اور میدانوں میں گونج پیدا کر دیتی ہے۔ گویا ساری دُنیا میں پھیل رہی ہے اور جس کے کانوں میں وہ آواز پڑتی ہے وہ بھی قرآن کریم پڑھنے لگ جاتا ہے میں چلتا جا رہا ہوں اور قرآن کریم

پڑھتا جا رہا ہوں چاروں طرف سے قرآن کریم پڑھنے کی صدائیں میرے کانوں میں آ رہی ہیں"۔ لہ

حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے رویا کے پورا ہونے کی تفصیل

حضرت مصلح موعود نے ۱۴ / وفا / جولائی ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کے خطبہ میں اس آسمانی نشان کے لفظاً لفظاً پورا ہونے کی تفصیل مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمائی :-

"اب دیکھو بعینہٖ یہی نقشہ گذشتہ فسادات میں دیکھنے میں آیا۔ پہلے ہندوؤں اور سکھوں نے لاہور میں جلسہ کیا اور اس جلسہ میں انہوں نے بڑے زور کے ساتھ اعلان کیا کہ ہم مسلمانوں کو تلوار کے زور سے سیدھا کر دیں گے۔ یہاں تک کہ ایک لیڈر کے متعلق میں نے ہندو اخبارات میں پڑھا کہ تقریر کرتے ہوئے جوش سے دروازہ کے پاس آ گیا اور اپنی تلوار ہوا میں گھما کر کہا کہ اس تلوار کے ساتھ ہم مسلمانوں کو سیدھا کر دیں گے۔ گویا لڑائی کی ذہنیت کو اللہ تعالیٰ نے بچھو سے مشابہت دی۔ بچھو کے متعلق مشہور ہے کہ ؎

نیش عقرب نہ از پئے کیں است مقتضائے طبیعتش این است

یعنی یہ جانور حملہ کرتے وقت کوئی وجہ نہیں دیکھتے بلکہ بلاوجہ حملہ کرتے ہیں اور کوئی بھی ان کے آگے آ جائے اُسے ڈنگ مار دیتے ہیں پس خواب میں بچھو دکھا کر اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ ملک کے ایک طبقہ کے لوگوں کی ذہنیت ایسی ہو چکی ہے کہ وہ بلاوجہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں اور وہ لوگ نقصان پہنچانے کے لئے کوئی وجہ اور دلیل مدنظر نہیں رکھیں گے بلکہ بلاوجہ ہی وہ بچھو کی طرح ڈنگ ماریں گے اور ایسے لوگ ہندوؤں میں بھی ہیں اور مسلمانوں میں بھی۔ پھر خدا تعالیٰ نے رویاء میں اسی طرف بھی اشارہ کیا تھا کہ جو لوگ حملہ میں ابتداء کریں گے انہیں مخالف فریق اٹھا کر پرے پھینک دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہندوؤں اور سکھوں نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے میں ابتداء کی مگر وہ کامیاب نہ ہوئے اور مسلمانوں نے انہیں اٹھا کر پرے پھینک دیا۔ پھر دونوں فریق کی آپس میں لڑائی شروع ہو گئی اور جیسا کہ خواب میں دکھایا گیا تھا آگے

لہ الفضل ۲۰ / امان / مارچ ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۱ تا ۲

شعلوں سے لڑائی ہوئی اور یہ نظارہ لاہور۔ امرتسر اور کئی دوسری جگہوں میں دیکھنے میں آیا اور آگ کے ساتھ ایک دوسرے کو اس قدر نقصان پہنچایا گیا کہ اس کی کوئی مثال ہی نہیں مل سکتی۔ ایک انگریزی اخبار کا ایک انگریز نامہ نگار جس نے لاہور اور امرتسر کے تباہ شدہ علاقوں کا دورہ کیا تھا اس نے بیان کیا کہ پانچ سال کی جرمنوں کی وحشیانہ گولہ باری کے نتیجہ میں جتنے مکانات لنڈن میں تباہ ہوئے تھے اس سے زیادہ مکانات لاہور اور امرتسر کے دو تین ماہ کے فسادات میں تباہ ہو گئے ہیں۔ گویا پانچ سال کے لمبے عرصہ میں جتنا ظلم جرمنوں نے انگلینڈ کے سب سے بڑے شہر لنڈن پر کیا تھا اُس سے زیادہ ظلم دو تین ماہ کے قلیل عرصہ میں لاہور اور امرتسر میں ہوا۔ اِن فسادات کی ابتداء ۱۲ر مارچ سے ہوئی گویا ان فسادات سے چھ یا سات دن پیشتر خدا تعالیٰ نے مجھے بتا دیا تھا کہ اب عنقریب آگ کی لڑائی شروع ہونے والی ہے چنانچہ یہ لڑائی اتنی شدت کے ساتھ ہوئی کہ بعض شہروں میں تو محلوں کے محلے خالی ہو چکے ہیں اور جہاں بڑی بڑی عمارتیں تھیں وہاں اب ملبہ کے ڈھیروں کے سوا کچھ نہیں رہا۔ لاہور کے متعلق ایک خبر ملی ہے کہ شاہ عالمی دروازہ کے اندر دو دو سو گز تک بازار کے دورویہ مکانات بالکل بھسم ہو چکے ہیں گویا صرف ایک جگہ ایک بڑے گاؤں یا ایک چھوٹے قصبہ کے برابر مکانات تباہ ہوئے ہیں پھر ان فسادات میں ایک ایک محلہ میں کروڑوں کروڑ روپیہ کا نقصان ہوا ہے۔ بعض جگہیں تو ان شہروں میں تباہی کا عجیب منظر پیش کرتی ہیں اور کوئی شخص انہیں دیکھ کر پہچان ہی نہیں سکتا کہ یہ وہی جگہیں ہیں جہاں چار چار پانچ پانچ منزلہ مکانات ہوا کرتے تھے۔ پھر ان فسادات کے دوران میں ایسے ایسے دردناک اور جگر پاش واقعات ہوئے ہیں کہ ان کو سُنکر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ ایسے ہیں کہ سنگدل سے سنگدل انسان بھی اُن کو سُنکر اپنے آنسوؤں کو روک نہیں سکتا مجھے پرسوں ہی کسی دوست نے بتایا کہ جب آگیں لگی تھیں تو جن کے گھروں کو آگیں لگائی جاتی تھیں ان کے بچے اور عورتیں ہاتھ جوڑ کے کھڑے ہو جاتے تھے اور نہایت عاجزانہ طور پر آگ لگانے والوں سے کہتے تھے کہ ہم تو پانچ چھ سو سال سے یہاں رہ رہے ہیں

ہمیں کیوں بے در اور بے گھر کرتے ہو مگر اُس وقت غصہ کی وجہ سے کسی کو اُن دردد بھرے الفاظ کی پرواہ نہ ہوتی تھی اور یہ صرف اس لئے ہوتا رہا کہ خدائی فیصلہ صادر ہو چکا تھا کہ آگ کی لڑائی لڑی جائے اور یہ ایک اٹل فیصلہ تھا جو بچھوؤں کی سی ذہنیت والوں کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ پس آگ کی لڑائی ہوئی اور ایسی ہوئی کہ اس نے بہت سے شہروں کو بھسم کر کے رکھدیا۔ محلوں کے محلے اور گاؤں کے گاؤں تباہ و ویران ہو گئے اور خدا تعالیٰ کی پیشگوئی نہایت عظیم الشان طور پر پوری ہوئی۔ ۱؎

نیز فرمایا

"ہندوستان کی گزشتہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے بلکہ دُنیا کی تاریخ بھی اس آگ کی کوئی نظیر نہیں پیش کر سکتی دُنیا کے کسی انسان کے وہم و گمان اور خیال میں بھی نہ آسکتا تھا کہ اتنی آگ لگے گی کہ وہ شہروں کے شہر اور محلوں کے محلے تباہ کر دے گی۔

جماعت احمدیہ کیلئے ایک اہم سبق اس خواب میں جماعت احمدیہ کو بھی ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی گئی تھی

چنانچہ حضرت مصلح موعود نے اپنے اس خطبہ جمعہ کے آخر میں فرمایا کہ:۔

"خدا تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ یہ لڑائیاں اور فتنے اور فسادات سوائے قرآن کریم کی تعلیم کو دُنیا میں پھیلانے کے دُور نہیں ہو سکتے۔ قرآن پڑھو کا صرف یہی مطلب نہیں کہ قرآن کریم کھولکر تلاوت کر لی جائے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کیا جائے اور اس کے حکمت بھرے احکام کی تمام دُنیا میں اشاعت کی جائے کیونکہ یہ آگیں اس وقت تک بجھ نہیں سکتیں جب تک فطرتوں کے اندر تبدیلی پیدا نہ ہو جائے اور بنی نوع انسان کی صحیح معنوں میں اصلاح نہ ہو جائے اور ان کی فطرتوں کے اندر نرم دلی اور رحمدلی نہ پیدا ہو جائے"۔ ۲؎

۱؎ الفضل ۷ر وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳-۲ ۲؎ الفضل ۷ر وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳

حضرت مصلح موعود کی طرف سے حفاظت مرکز اور سلسلہ کیلئے مالی قربانیوں، روزوں اور دعاؤں کی تحریک خاص

جناب الٰہی کی طرف سے سیدنا المصلح الموعود کو کئی سال قبل مستقبل میں ہونے والے ایک اہم ملکی اور جماعتی تغیر و انقلاب کی نسبت خبر دی جاچکی تھی اور وہ یہ کہ دعوٰے مصلح موعود کے پانچ سال کے عرصہ میں جماعت احمدیہ ایک خطرناک طوفانی دور میں سے گذرنے والی ہے۔ چنانچہ حضور نے ماہِ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں بذریعہ رؤیا دیکھا کہ

"ایک وسیع سمندر ہے اس میں کچھ بوائے ہیں (بوائے وہ صندوق سا ہوتا ہے جو سمندروں میں جہازوں کو خطرات سے آگاہ کرنے کے لئے پانی پر تیرتا رہتا ہے) ایک بوائے کے ساتھ کوئی لمبی سی چیز بندھی ہوئی ہے جس کا بہت سا حصہ سمندر میں غائب ہے میں اس کو کھینچتا جاتا ہوں اور دل میں خیال کرتا ہوں کہ اس کا میری زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے اور اس میں کسی اہم واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو پانچ سال میں ہوگا"۔ [1]

اس اہم انکشاف کی تفصیلات میں حضور کو متعدد ایسے نظارے بھی دکھائے گئے جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا تھا کہ مشرقی پنجاب میں بڑی خوفناک تباہی آئے گی، اور قادیان اور اس کے گرد و نواح میں دشمن یکایک حملہ کرکے آجائیگا اور حلقہ مسجد مبارک کے سوا شہر کے سب حصوں پر اس کا قبضہ ہو جائے گا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود اپنی جماعت کو اس طوفان میں سے صحیح سالم پار نکالتے اور پہاڑی کے دامن میں ایک نیا مرکز بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے جیسا کہ اخبار الفضل ۲۱ فتح/دسمبر ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء کے حوالہ سے "تاریخ احمدیت" جلد نہم (صفحہ ۲۰۲ - ۲۰۷) پر ذکر آچکا ہے۔

۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے شروع میں برطانوی حکومت نے ۲۰ فروری کو جب یہ اعلان کیا کہ وہ جون ۱۹۴۸ء تک ملک کا اقتدار ہندوستانیوں کو سونپ دے گی تو حضرت مصلح موعود کی توجہ یکایک ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے مندرجہ بالا خواب کی طرف منتقل ہوگئی جس میں جماعت کے

---

[1] الفضل ۱۲ شہادت ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء ص۲ [2] الفضل ۲۷ تبلیغ/فروری ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء ص۲

ایک ہندو فانی دور میں داخل ہوتے پانچ سال کے اندر اندر ایک اہم جماعتی تغیر کا انکشاف کیا گیا تھا [1] چنانچہ حضور نے ۲۵ ماہ تبلیغ / فروری ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو فرمایا کہ جماعت احمدیہ "حفاظت مرکز" [2] کے چندہ میں نمایاں قربانی کا نمونہ پیش کرے اور آنے والے پُرخطر ایام کے لئے تیار ہو جائے اس تعلق میں حضور نے فرمایا :۔

"ان ہولناک ایام کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی بچائے تو بچائے مسلمانوں کی وہ تیاری نہیں ہے اور نہ ہی وہ قربانی کا جذبہ ان میں پایا جاتا ہے جو ایک زندہ رہنے والی قوم میں ہونا چاہیئے۔ عام مسلمانوں کو جانے دو ابھی آپ لوگوں میں بھی وہ بیداری پیدا نہیں ہوئی جو مومن کے شایانِ شان ہے۔ مومن اپنے کاموں میں بہت محتاط ہوتا ہے اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں بھی اپنے ہزاروں روپے صرف کرنے سے دریغ نہیں کرتا مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جماعت نے اس ضمن میں ایمان کا مظاہرہ نہیں کیا اور مرکز احمدیت کی حفاظت کے لئے جس رقم کا جماعت سے مطالبہ کیا گیا تھا اس میں جماعت نے بہت کم حصہ لیا ہے بلکہ اکثروں نے تو بالکل اس کی اہمیت کو ہی نہیں سمجھا اگر ایک شخص کو کوئی مقدمہ آپڑے تو وہ ہزاروں روپیہ خرچ کر دیتا ہے۔ بیماری گھر میں آجائے تو سینکڑوں صرف ہو جاتے ہیں مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم اپنی حفاظت کے لئے اور اپنے عزیزوں کے لئے تو ہزاروں روپے صرف کر دو لیکن دین کی حفاظت کے لئے چند سو بھی قربان نہ کر سکو۔

مجھے حیرت آتی ہے کہ قادیان کے بعض لوگوں سے جب چندہ مانگا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا۔ کہ ہمیں حفاظت کی ضرورت نہیں حالانکہ یہ جھوٹ تھا وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب یہ اپنی حفاظت کریں گے تو ہماری خود بخود ہو جائے گی یہ منافقت کی علامت ہے"

اس ضمن میں زبردست انتباہ کرتے ہوئے مزید فرمایا۔ "آپ لوگوں کو آنے والے خطرناک ایام کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے اور بجائے اس کے کہ دشمن سب کچھ تباہ کر دے خود اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے مومن کا کام

---

[1] الفضل ۲۷ تبلیغ / فروری ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء۔

تو کام کرنا ہوتا ہے انجام سے غرض نہیں ہوتی بعض وقت محنت رائیگاں جاتی ہوئی معلوم ہوتی ہے مگر قربانی کبھی ضائع نہیں جاتی۔ خدا تعالیٰ قربانی کا اجر ضرور دیتا ہے۔[1]

حضرت مصلح موعود نے اس تاکیدی فرمان کے تین روز بعد ۲۸ تبلیغ/فروری کو ملکی حالات کے پیش نظر تحریک فرمائی کہ تمام احمدی ۲۰ ماہ امان/مارچ سے لیکر یکم ماہ ہجرت/مئی تک ہر جمعرات کو روزہ رکھیں اور باقاعدگی اور تعہد کے ساتھ دعاؤں میں لگ جائیں چنانچہ فرمایا:-

"اِن دنوں تمام جماعت کو چاہیئے کہ خصوصیت کے ساتھ دعاؤں میں لگ جائے کہ اللہ تعالیٰ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایکدوسرے سے تعاون سے پیش آنے کی توفیق دے اور وہ آپس میں تعاون اور مفاہمت کے ساتھ کام کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور ہر ایک قوم دوسری قوم کے متعلق عفو و درگذر سے کام لے تاکہ ہمارا ملک کامل آزادی کا منہ دیکھ سکے اور ہمارا ملک بھی آزاد ممالک کی صف میں کھڑا ہو سکے۔ اور تبلیغ کے لئے جو آسانیاں اور سہولتیں اب ہمیں میسر ہیں ان میں جھگڑے اور فساد کی وجہ سے کوئی روک واقع نہ ہو جائے .... روزہ رکھ کر دعائیں کرو تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہندوستان کو لڑائی اور جھگڑے سے بچالے اور تمہاری دعائیں لوگوں کے دلوں میں تبدیلی کا باعث بن جائیں اور ان کے دلوں کی میل دھو دی جائے وہ رات کو غم و غصہ کے خیالات لے کر سوئیں اور صبح اٹھیں تو ان کے خیالات میں تبدیلی پیدا ہو چکی ہو .... پس ایسے طور سے خشوع اور خضوع کے ساتھ دعائیں کی جائیں کہ اللہ تعالیٰ کا عرش ہل جائے اور اس کے فرشتے ہماری تائید میں لگ جائیں۔ اور جس کام کو دوسری طاقتیں نہیں کر سکتیں ہم اسے کر لیں"[2]

پراونشل ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کا قادیان میں سالانہ اجلاس اور حضرت مصلح موعود کا پیغام

قادیان کو ملک میں علمی حیثیت سے جو نمایاں مقام حاصل تھا اسکے مدنظر پراونشل ایجوکیشنل ایسوسی ایشن

---

[1] الفضل ۲۷ تبلیغ/فروری ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۴ [2] الفضل ۱۹ امان/مارچ ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲، ۳

کا دوسرا سالانہ اجلاس اس سال ۱۳۲۶ہش کے شروع میں قادیان میں منعقد ہوا جو ۲۰ ماہ تبلیغ/فروری سے لیکر ۲ ماہ امان/مارچ تک جاری رہا۔ جس میں پنجاب کے سکولوں کے ہیڈ ماسٹر، منیجر اور چند کالجوں کے پرنسپل اور بعض تعلیمی اداروں سے وابستہ دیگر افراد کم و بیش ایک سو کی تعداد میں شریک ہوئے۔ مندوبین کے قیام و طعام کا انتظام سید محمود اللہ شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ذمہ تھا جو ایسوسی ایشن کے وائس پریذیڈنٹ[1] اور مجلس استقبالیہ کے صدر تھے جنہوں نے اپنے عملہ اور طلبہ کے ساتھ اس فرض کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا فرمایا۔

کانفرنس میں شامل ہونے والے بعض نمائندگان نے آتے ہی اس خواہش کا اظہار کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس کانفرنس کا افتتاح حضرت امام جماعت احمدیہ کریں۔ چنانچہ ایسوسی ایشن کے سیکرٹری مسٹر ادم پرکاش چیدہ چیدہ ممبران کا ایک نمائندہ وفد لیکر (جس میں مولانا محمد یعقوب خان صاحب ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی سکول لاہور بھی شامل تھے) حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

لیکن حضور نے فرمایا کہ ایسی مجالس میں شریک ہونا ہماری روایات کے خلاف ہے اور اگر ہم ایسی دعوتوں کو قبول کرنا شروع کر دیں تو پھر یہ سلسلہ کبھی ختم ہونے میں نہ آئے۔ اور اس طرح ہمارے اصل کام میں حرج واقع ہو۔ تاہم حضور نے اس خواہش پر کہ اس کانفرنس کی کارروائی حضور کے الفاظ اور دعا سے شروع کی جائے اپنا ایک پیغام لکھکر بھجدیا۔ جو خان بہادر میاں افضل حسین صاحب سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کی صدارت میں پنڈت شام نرائن بی۔اے۔ بی ٹی آرگنائزنگ سیکرٹری نے پڑھ کر سنایا۔ پیغام حسب ذیل تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علےٰ رسولہ الکریم

نمائندگان پنجاب پراونشل ایجوکیشنل ایسوسی ایشن
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

---

[1] ایسوسی ایشن کے پریذیڈنٹ بی ایل رلیا رام تھے

مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ لوگ صوبہ کی تعلیمی حالت کی درستی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ کی یہ کوششیں ملک میں اچھی فضا پیدا کرنے کا موجب ہونگی اور ایسے نوجوان ہمارے قومی اداروں سے نکلیں گے جو نہ صرف اپنے ملک کے لئے مفید ہوں گے۔ بلکہ ساری دُنیا میں نیک نامی پیدا کرنے والے ہوں گے۔ مجھے افسوس ہے کہ انگلستان کی شہرت کے خلاف جہاں گورنمنٹ تعلیمی سکول پبلک سکولوں سے بہت ادنیٰ سمجھے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک کے پبلک سکول گورنمنٹ سکولوں سے گھٹیا سمجھے جاتے ہیں یا انہیں ایسا ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ پرائیویٹ سکولوں کے کارکن قومی خدمت کے جذبہ سے معمور ہوتے ہیں اور یقیناً ملک اور حکومت کے شکریہ کے مستحق۔ میری دعا ہے کہ اگر ہمارے قومی اداروں میں کوئی نقص ہے تو اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اس کے دور کرنے کی توفیق بخشے اور اگر محض رقابت کی روح ایسے اداروں کو بدنام کر رہی ہے تو اللہ تعالیٰ حکومت کو ان سکولوں کے بنانے والوں اور چلانے والوں کے نیک جذبات کی قدر کرنے کی توفیق بخشے۔

بہرحال چونکہ آپ لوگ ملکی ترقی کے ایک اہم کام میں مصروف ہیں۔ کوئی شخص آپ کے کام کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کے کام کے چلانے، بڑھانے اور کامل کرنے میں آپ کی مدد فرمائے۔ آمین۔

خاکسار

مرزا محمود احمد امام جماعت احمدیہ قادیان ۲۶؍۳؍۴۷ [1]

---

[1] الفضل ۴؍امان؍مارچ ۱۳۲۶ہش؍۱۹۴۷ء صفحہ ۳

فصل چہارم

حضرت مصلح موعودؓ کا متحدہ ہندوستان میں آخری سفر سندھ

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ قریباً ہر سال سندھ تشریف لے جایا کرتے تھے ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں حضور سفر سندھ کے لئے یکم امان/مارچ کو (حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو امیر مقامی مقرر فرما کر) ڈیڑھ بجے بذریعہ کار قادیان سے روانہ ہوئے اور ۴½ بجے لاہور پہنچے۔ حضور کے ہمراہ حضرت ام المؤمنین، حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ، حضرت ام متین صاحبہ، حضرت ام وسیم صاحبہ، حضرت سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ، صاحبزادی امتہ الرشید صاحبہ، صاحبزادی امتہ الجمیل صاحبہ، صاحبزادی امتہ المتین صاحبہ، صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب، چوہدری مظفر الدین صاحب پرائیویٹ سیکرٹری کے علاوہ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے بہت سے کارکنان اور دیگر دفاتر کے متعدد ارکان بھی تھے۔

حضور دوسرے دن ۲؍امان/مارچ کو بذریعہ کراچی میل روانہ ہوئے۔ اسٹیشن پر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب، شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت لاہور اور دیگر بہت سے دوستوں نے حضور کو الوداع کہا۔

لاہور کے بعض دوست رائے ونڈ تک ساتھ گئے۔ اوکاڑہ کی جماعت حضور کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئی۔ اس کے بعد منٹگمری سٹیشن پر صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب، میاں عبدالرحیم احمد صاحب، چوہدری محمد شریف صاحب وکیل اور دیگر افراد جماعت منٹگمری حضور سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ گاڑی چلنے سے پیشتر حضور نے دعا فرمائی۔ ملتان کے اسٹیشن پر ملک عمر علی صاحب کھوکھر رئیس ملتان اور شیخ فضل الرحمان صاحب اختر امیر جماعت ملتان مع دیگر دوستوں کے موجود تھے جماعت ملتان کی طرف سے چار بجے شام کی چائے اور ملک عمر علی صاحب کی طرف سے

شام کا کھانا پیش کیا گیا۔ اس کے بعد لودھراں۔ سمہ سٹہ۔ بہاولپور۔ ڈیرہ نواب۔ خانپور۔ رحیم یار خاں۔ سکھر۔ روہڑی وغیرہ میں جماعت کے دوست ملاقات کے لئے آتے رہے۔

ایک بجکر ۳۵ منٹ پر گاڑی کراچی شہر کے سٹیشن پر پہنچی۔ جماعت احمدیہ کراچی کے احباب کے علاوہ حضرت نواب محمد عبداللہ خانصاحب بھی اپنے آقا کے استقبال کے لئے سٹیشن پر آئے ہوئے تھے۔ جماعت کی طرف سے مہمانوں کو قیام گاہ تک پہنچانے کے لئے کاروں کا انتظام تھا اور سامان وغیرہ بذریعہ ٹرک قیامگاہ پر پہنچایا گیا۔ حضور دو بجے اپنی قیامگاہ پر پہنچ گئے۔ اس طرح حضور کا یہ مبارک سفر بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا[۱]

کراچی میں اہم دینی مصروفیات

حضور قریباً ایک ہفتہ تک کراچی[۲] میں قیام فرما رہے حضور کی رہائش کا انتظام جماعت کراچی کے ذمہ تھا جو ایک بنگلہ میں سٹیشن سے تین میل دور کیا گیا تھا۔ وسیع صحن میں سائبان نصب کر کے باجماعت نمازوں کا التزام کیا گیا کراچی شہر کے علاوہ مضافات کے احمدی دوست بھی بکثرت شرکت کرتے رہے۔

قیام کراچی کے ایام میں حضرت سیدنا المصلح الموعود تقریباً ہر روز نمازوں کے بعد مجلس عرفان منعقد فرماتے رہے۔ جس میں احمدی احباب کے علاوہ انفرادی ملاقاتوں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

۵ مارچ کو حضور نے جماعت کے عہدیداران کو ضروری نصائح فرمائیں اور صوبہ سندھ میں تبلیغ کو وسیع کرنے کے لئے ضروری ہدایات دیں۔

۷ مارچ کو احمدی احباب بہت سے غیر احمدی دوستوں کو اپنے ہمراہ لائے ہوئے تھے جنہیں حضور نے مجلس عرفان میں قیمتی ارشادات سے مستفیض فرمایا۔ جماعت کے تاجروں کو بھی حضور نے ضروری نصائح فرمائیں اور اپنی تنظیم کو مضبوط بنانے کی طرف توجہ دلائی۔

۱؎ الفضل ۱۰ امان/مارچ ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ صفحہ ۲ ۲؎ قیام کراچی کے دوران حضور کے قیمتی ارشادات الفضل ۲۱-۲۲-۲۴-۲۷ امان/مارچ ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ میں شائع شدہ ہیں۔

اس روز مسٹر غلام حسین ہدایت اللہ صاحب وزیر اعظم سندھ نے حضور کو دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا۔ جس میں حضور نے بھی شرکت فرمائی۔

۷ ارامان/مارچ کو جمعہ تھا نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے مزید سائبان نصب کئے گئے جس میں ساڑھے تین سو کے قریب احمدی مرد و زن شامل ہوئے۔ خطبہ جمعہ میں حضور نے جماعت پر تبلیغ کی اہمیت واضح کی اور کراچی میں اس غیر معمولی ترقی پر اظہار خوشنودی فرمایا اور تبلیغی مہم کو وسیع کرنے کی تحریک فرمائی۔

۸ ارامان/مارچ کو حضور نے ضروری مشاغل کے علاوہ احمدیہ دار التبلیغ اور مسجد وغیرہ کے لئے زمین کا معائنہ فرمایا۔ اسی روز شام کو ایک احمدی دوست نے دعوت طعام کا اہتمام کیا تھا جسے حضور نے قبول فرمایا۔ مغرب اور عشاء کے بعد مجلس عرفان منعقد فرمائی۔ اور اس سے فارغ ہو کر حضور نے واپسی کا عزم فرمایا اور کار میں سوار ہو کر اسٹیشن پر مع قافلہ تشریف لے گئے۔ جہاں سے دس بجے شب کی ٹرین سے ناصر آباد کے لئے روانہ ہو گئے اسٹیشن پر احمدی احباب بکثرت موجود تھے۔ اور انہوں نے اپنے پیارے آقا کو نعرہ ہائے تکبیر کے درمیان رخصت کیا۔ حضور نے روانگی سے قبل خدام کو شرف مصافحہ بخشا اور دعا کی۔

حضور کے قیام کراچی کے دوران جماعت کے احباب نے نہایت مخلصانہ خدمات سرانجام دیں اور شبانہ روز مختلف فرائض نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہے اور باوجود دنیوی مصروفیات کے حضور کی مصاحبت کا زیادہ سے زیادہ شرف حاصل کرتے رہے۔ ان ایام میں چھ اصحاب حضور کے ہاتھ پر بیعت کر کے مشرف بہ احمدیت ہوئے [۱]

ناصر آباد، کنری احمد آباد اور محمد آباد میں قیام کے مختصر کوائف

حضرت مصلح موعود مع قافلہ ۹ ارامان/مارچ کو ناصر آباد میں پہنچے جہاں حضور اسٹیٹ کے باغ اور ملحقہ اراضیات کا ملاحظہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور عملہ کو ضروری ہدایات دیں۔ ۱۰ ارامان/مارچ کو صبح گیارہ بجے

---

[۱] الفضل ۲ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳

سے ۲ بجے بعد دوپہر تک اسٹیٹ کے معاملات کا جائزہ لیا نیز شام سے کچھ پہلے اسٹیٹ کے باغ میں سیر کے لئے تشریف لے گئے[1] ۱۲ امان/مارچ کو ناصر آباد میں باغ اور اراضیات کا ملاحظہ فرمایا اور ضروری ہدایات دیں اس کے علاوہ کنری جننگ فیکٹری کی توسیع سے متعلق بھی تبادلہ خیالات فرمایا[2] ۱۵ امان/مارچ کو حضور (مع افراد خاندان وحضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب) بذریعہ کار دس بجے صبح کنری پہنچے باقی خدام بذریعہ ریل آئے۔ حضور نے فیکٹری کا ملاحظہ فرمایا اور کارکنوں کو اہم ہدایات سے نوازا۔ دوپہر کا کھانا جماعت کنری نے پیش کیا جس کے بعد نماز ادا کی گئی اور پھر تمام قافلہ محمود آباد اسٹیٹ کے لئے روانہ ہو گیا[3] اور شام تک بخیریت پہنچ گیا۔ حضور نے شام سے قبل اسٹیٹ کی اراضیات کا ملاحظہ فرمایا اور رات کو اسٹیٹ کے معاملات کی پڑتال فرمائی۔ حضور نے اسٹیٹ کے معاملات کا معائنہ فرماکر اور ضروری ہدایات دے کر ۱۸ امان/مارچ کو بارہ بجے دوپہر احمد آباد روانہ ہوئے تھوڑی دیر کنری ٹھہرے اور ۲ بجے احمد آباد پہنچ کر اراضیات کا معائنہ فرمایا اور وہاں کے ضروری معاملات نپٹا کر بذریعہ کار ساڑھے سات بجے شام محمد آباد میں وارد ہوئے[4] ۲۰ امان کو حضور روزہ کے باوجود گھوڑے پر سوار ہو کر دوپہر کے وقت تین گھنٹہ تک اسٹیٹ کا معائنہ فرماتے رہے اور نماز کے بعد مجلس علم و عرفان میں بھی رونق افروز رہے۔ اگلے تین دنوں میں حضور نے محمد آباد خاص، روشن نگر، لطیف نگر، کریم نگر، نور نگر کی اراضیات کا معائنہ فرمایا۔ ۲۱ امان/مارچ کو حضور نے خطبہ جمعہ میں احباب کو سندھ میں منظم تبلیغ کرنے کی اور پوری طاقت سے اپنے فرائض ادا کرنے کی تحریک فرمائی۔ نماز جمعہ کے بعد بارہ اصحاب نے اور نماز عشاء کے بعد چار اصحاب نے بیعت کی۔ نماز جمعہ کے لئے ناصر آباد، کنری، نصرت آباد، محمود آباد اور دیگر مقامات سے احباب آئے ہوئے تھے۔ میاں عبدالرحیم احمد صاحب اسٹیٹ کے دوسرے کارکنوں کے ساتھ اسٹیٹ کے مختلف معاملات حضور کی خدمت میں پیش

---

[1] الفضل ۱۴ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء ص۱ [2] الفضل ۱۵ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱
[3] الفضل ۱۷ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء ص۱ [4] الفضل ۲۱ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء

کرتے رہے اور حضور نیز حضور کے اہل بیت اور دیگر خدام کی مہمان نوازی میں مصروف رہے[1]

اگلے روز ۲۲؍امان/مارچ کو حضور مع قافلہ محمد آباد سے بشیر آباد ہوتے ہوئے ناصر آباد میں رونق افروز ہوئے[2] اور ۲۸؍امان/مارچ تک قیام پذیر رہے۔ سفر میں شروع ہی سے حضور کو دانت درد کی تکلیف تھی جو ۲۸؍امان کو بہت شدت اختیار کر گئی۔ مگر اس کے باوجود حضور اس روز تین گھنٹہ تک سندھ اسٹیٹ کے معاملات کے انتظام اور ترقیات کے متعلق مینیجر صاحبان اور دیگر کارکنوں سے تبادلہ خیالات کرنے اور ہدایات دینے میں مصروف رہے پھر خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں دین کے لئے قربانی کرنے پر بہت زور دیا۔ نماز جمعہ کے بعد چار اصحاب داخل احمدیت ہوئے۔ نماز جمعہ میں کنری محمود آباد اور دیگر اسٹیٹ کے احمدی احباب نے کثیر تعداد میں شرکت کی[3]

کنجیجی سے سکھر تک

۲۹؍امان/مارچ ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء واپسی کا دن تھا۔ اس روز حضور مع خاندان کار میں سوار ہو کر پونے چار بجے کے قریب کنجیجی سٹیشن پر تشریف لائے اور مسافر خانہ میں نماز ظہر و عصر جمع کیں۔ نمازوں کے بعد حضور خدام کے درمیان رونق افروز ہو کر مختلف حالات کے متعلق اظہار خیال فرماتے رہے۔ اس موقعہ پر دو دوستوں نے بیعت بھی کی۔ دوران گفتگو میں سندھ میں بسنے والی نیچ اقوام میں تبلیغ کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ نیچ اقوام مثلاً بھیل، کوہلی وغیرہ ہندوستان کی پرانی اور اصلی قومیں ہیں جو ہندوؤں کے ظلم و تعدی کی وجہ سے اس ذلت کو پہنچی ہیں۔ اس وقت انہیں اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ مسلمان اگر ان میں تبلیغ کریں۔ اور حسن سلوک سے پیش آئیں۔ تو وہ بہت جلد اسلام کو قبول کر سکتی ہیں۔ ان کا اپنا مذہب کچھ بھی نہیں ہے۔ ہندو صرف سیاسی فوائد حاصل کرنے کے لئے انہیں اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں حالانکہ وہ ان کے دھتکارے ہوئے ہیں۔ اور ان کے مظالم کی بدولت ہی اس حالت تک پہنچے ہیں۔ سندھ میں مسلمانوں کے اکثر مزارعین یہی لوگ ہیں۔ اگر وہ ان پر ذرا سا بھی دباؤ

---

[1] الفضل ۲۴؍امان/مارچ ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱ [2] الفضل ۲۵؍امان/مارچ ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱
[3] الفضل یکم شہادت/اپریل ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱

ڈالیں تو وہ مسلمان ہو سکتے ہیں۔ اور اس وقت سندھ میں ہندوؤں کی جو آبادی نہایت سرعت سے بڑھ رہی ہے وہ رُک جائے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ جب یہ قومیں باہر سے آتی ہیں۔ تو ہندو انہیں ہتھیا لیتے ہیں۔ حالانکہ وہ شاملات زمین کی طرح ہیں۔ ہر مذہب ان پر آسانی سے قبضہ کر سکتا ہے۔ مگر ہندو فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور مسلمان توجہ نہیں کرتے اسی وجہ سے ہندوؤں کی آبادی روز بروز سندھ میں بڑھتی جاتی ہے۔ اگر مسلمانوں نے اس خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے اس کا تدارک نہ کیا۔ تو سندھ میں بھی مسلمان اقلیت ہو جائیں گے۔

ان اقوام کے ساتھ کھانا کھانے کے ذکر میں حضور نے فرمایا کہ اگر یہ مسلمان ہو جائیں پھر ضرور رکھانا چاہیئے۔ بلکہ نمایاں طور پر ایسے مواقع پیدا کرنے چاہئیں تاکہ دوسروں کو بھی ہمدردی حاصل ہو اور تبلیغ میں آسانی ہو۔

سلسلہ گفتگو کے دوران ہندو مسلم فسادات کا بھی ذکر آیا جس پر حضور نے فرمایا مسلمانوں میں تنظیم کی بہت کمی ہے اور اس موقعہ پر ان کی کوئی تیاری نہ تھی۔ معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ انہیں زندہ رکھنا چاہتا ہے باوجود اسکے کہ سکھوں اور ہندوؤں کی بہت تیاری تھی انہوں نے امرتسر میں جو ان کا مرکز تھا مسلمانوں سے بہت زک اٹھائی۔ اصل بات یہ ہے کہ مسلمان ایمان اور تنظیم کی طرف توجہ نہیں کرتے ورنہ خدا نے انہیں طاقت دی ہے۔ تقریباً ہر جگہ فسادات میں پہل سکھوں یا ہندوؤں کی طرف ہوئی ہے۔ جس سے پتہ لگتا ہے انہیں اپنی طاقت کا بہت زعم تھا۔

گاڑی آنے پر حضور مع خاندان و خدام اس میں سوار ہو گئے شام کے قریب گاڑی براستہ نبھوڑو میرپور خاص پہنچی جہاں احمدی احباب استقبال کے لئے موجود تھے کار پر سوار ہو کر حضور مع قافلہ جناب مہدی حسین شاہ صاحب کے بنگلہ پر تشریف لے گئے جہاں طعام و رہائش کا خاطر خواہ انتظام تھا بنگلہ کے وسیع احاطہ میں نماز مغرب و عشاء جمع کرنے کے بعد حضور خدام کے درمیان ہی تشریف فرما رہے اور دیر تک مقامی امور کے متعلق گفتگو فرماتے رہے اور سندھ میں نئی زمینوں کے متعلق مبادلہ خیالات فرماتے رہے۔

۳۰ مارچ کو علی الصبح حضور مع خاندان بذریعہ کار سٹیشن پر پہنچے گاڑی میں سوار

ہو کر سوا دس بجے صبح حیدر آباد پہنچے [1]

یہاں سے ساڑھے بارہ بجے کے قریب مع قافلہ سندھ ایکسپریس میں سوار ہوئے۔ پڈعیدن اسٹیشن پر کمال ڈیرہ۔ جمال پور۔ شریف آباد۔ فارم دلہیہ ماکھنڈ۔ دیہہ موتی۔ باندھی اکرہ۔ کنڈی۔ مصری واہ۔ وغیرہ کے مخلصین جماعت کے علاوہ متعدد غیر احمدی دوست بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ جماعت کی طرف سے معزز مہمانوں کی خدمت میں سوڈا واٹر پیش کیا گیا۔ بعض دوستوں نے حضرت امیرالمومنین کا تبرک حاصل کرنے کے لئے شربت کے گلاس پیش کرنے شروع کئے۔ یہ سلسلہ لمبا ہوتا چلا گیا۔ مگر حضور نے ہر پیشکش کو نہایت خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ گاڑی روانہ ہونے کو تھی مگر خدام اپنے آقا کے گرد گھیرا ڈالے بدستور کھڑے تھے وہ اس تھوڑے سے وقت میں اپنے پیارے آقا کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنا چاہتے تھے گاڑی کے روانہ ہو چکنے پر اس مختصر سی ملاقات کو ناکافی سمجھ کر انہوں نے ساتھ ساتھ دوڑنا شروع کر دیا مگر ان کی خواہشات اور ان کے جذبات کے خلاف گاڑی بہت جلد آگے نکل گئی۔ والہانہ عقیدت کا یہ منظر قریباً ہر سٹیشن پر جہاں گاڑی کھڑی ہوتی، نظر آتا۔ نواب شاہ کے اسٹیشن پر بھی ارد گرد کی جماعتوں کے بہت سے دوست موجود تھے۔ چوہدری محمد سعید صاحب نے حضور کی خدمت میں دوپہر کا کھانا پیش کیا۔ ۶ بجے کے قریب گاڑی روہڑی پہنچی [2] جہاں سے موٹر کار دل پر سکھر تشریف لائے اور سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب ایگزیکٹو انجینئر کے بنگلہ پر قیام فرمایا۔

سکھر میں باڈہ، کنیٹ، روہڑی، صوبو دیرو، کمال دیرو، آگرہ، شریف آباد فارم ریاض اسٹیٹ اور کوئٹہ سے احباب جماعت (مرد اور عورتیں) ڈیڑھ سو کے قریب حضور کی زیارت اور ملاقات کے لئے حاضر ہوئے

رات کو جماعت سکھر کی طرف سے ایک دعوت طعام کا انتظام کیا گیا۔ جس میں شہر کے معززین اور سرکاری عہدیداران خاص طور پر مدعو تھے۔ حضور نے اس موقعہ پر تقریباً

---

[1] الفضل ۱۱ شہادت ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء [2] الفضل ۵ شہادت / اپریل ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲

تین گھنٹے تک علمی مذاکرہ فرمایا اور سوال کرنے والوں کو شافی جوابات ارشاد فرماتے رہے

اگلے روز ۱۳ امان/مارچ کو گیارہ بجے کے قریب حضور مع اہل بیت لائڈ بیراج بیرج دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے اور کافی وقت تک ٹیکنیک کے متعلق گفتگو فرماتے رہے۔

بعد ازاں اپر ینگ بیرج کو حضور نے ٹرالی پر عبور فرمایا۔ اس کے بعد کشتیوں پر سوار ہوکر دریا کی سیر کو تشریف لے گئے۔ اسی دوران میں حضور نے ہندوؤں کے مشہور مندر سادھ بیلے کو جو دریا کے درمیان ایک جزیرہ کی صورت میں ہے اندر جاکر دیکھا۔

اس دن دوپہر کو جناب حسین صاحب ایکسائز سپرنٹنڈنٹ نے حضور کو مع قافلہ واحباب جماعت دعوت طعام پیش کی۔ جس میں کئی معززین شہر مدعو تھے اور تقریباً اڑھائی گھنٹہ تک حضور نے مختلف مذہبی، سیاسی اور اقتصادی سوالات کے متعلق حقائق ومعارف بیان فرمائے۔ ان تقریبوں سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت فائدہ ہوا اور حضرت امیرالمومنین کی بلند پایہ شخصیت اور تبحر علمی کا گہرا اثر معززین کی طبائع پر ہوا جس کا بعد میں انہوں نے اظہار بھی کیا۔

حضور کے قیام سکھر کے دوران میں احباب جماعت سکھر خصوصاً صوفی محمد رفیع صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب ایگزیکٹو انجینئر چوہدری محمد عبداللہ صاحب ایمپلائمنٹ ایکسچینج نہایت اخلاص سے کام کرتے رہے حضور کے قیام کے دوران میں آٹھ موٹر کاریں بیک وقت بنگلہ پر موجود رہتیں اور آنے والے مہمانوں کے کھانے اور رہائش کا انتظام بھی جماعت سکھر نے کیا۔[1] جناب سید غلام مرتضیٰ صاحب ایگزیکٹو انجینئر نے حضور کے اعزاز میں عشائیہ اور ظہرانہ کا انتظام کیا جس میں بہت سے عمائدین شہر بھی شامل ہوئے۔[2]

---

۱ الفضل ۸ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء ص۵ ۔ ۲ الفضل ۹ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء ص۲

سکھّر سے قادیان تک

سکھر میں مختصر قیام کے بعد حضور ۳۱ امان / مارچ کو ساڑھے چھ بجے شام بذریعہ سندھ ایکسپریس قادیان کے لئے روانہ ہوئے ۹ بجے شب کے قریب گاڑی رحیم یار خاں پہنچی جہاں ارد گرد کی احمدی جماعتیں آئی ہوئی تھیں احباب کی طرف سے چائے پیش کی گئی۔ اس کے بعد چیچہ وطنی سٹیشن پر کچھ دوست موجود تھے منٹگمری میں بہت سے دوست موجود تھے جنہیں حضور نے شرف معانقہ بخشا۔ چوہدری محمد شریف صاحب وکیل نے چائے پیش کی۔ اوکاڑہ سٹیشن پر بھی بہت سے دوست جمع تھے پتوکی سٹیشن پر کھر بیپڑ، علی پور، شمس آباد کے متعدد دوست آئے ہوئے تھے۔

دوسرے روز یکم شہادت / اپریل ساڑھے گیارہ بجے دوپہر گاڑی لاہور پہنچی۔ جہاں جماعت لاہور کے بہت سے احباب حضور کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ حضور مع اہل بیت کاروں میں سوار ہو کر جناب شیخ بشیر احمد صاحب کی کوٹھی پر تشریف لے گئے۔ جہاں کھانا تناول فرمانے کے بعد دو بجے دوپہر روانہ ہوئے اور سات کاروں پر مشتمل یہ قافلہ ۵ بجے کے قریب قادیان پہنچ گیا۔[1]

متحدہ ہندوستان کی آخری مجلس مشاورت اور مخلصین احمدیت کی شاندار قربانی کا ایمان افروز منظر

متحدہ ہندوستان کی آخری مجلس مشاورت ۴ - ۵ - ۶ ماہ شہادت / اپریل ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء کو منعقد ہوئی جس میں ہندوستان کے طول و عرض سے ۱۶۴ نمائندگان نے شرکت فرمائی۔[2] اس مشاورت کا اہم ترین واقعہ حضرت مصلح موعود کی طرف سے حفاظت مرکز کے لئے مالی تحریک اور اس پر مخلصین جماعت کا شاندار رنگ میں لبیک کہنے کا ایمان افروز نظارہ ہے۔ جو مشاورت کے دوسرے دن ۵ ماہ شہادت / اپریل کو نماز مغرب و عشاء کے بعد دیکھنے میں آیا۔

اس روز تیسرا اجلاس ۹ بجے شب شروع ہوا جس کے آغاز میں حضرت مصلح موعود نے جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "حفاظت مرکز کے لئے جماعت سے دو لاکھ کی رقم کا

---

[1] الفضل ۲۲ ر شہادت / اپریل ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۸ [2] الفضل ۹ ر ماہ شہادت / اپریل ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ کالم ۲

مطالبہ کیا گیا تھا۔ مگر اس وقت تک صرف ۴۲ ہزار کے قریب رقم جمع ہوئی ہے۔ میں حیران ہوں کہ موجودہ ہولناک تباہیوں اور خونریزیوں کے دیکھتے ہوئے جماعت نے کس طرح اتنی رقم پر اکتفا کیا۔ کیا کوئی عقلمند یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ یہ حقیر رقم شعائر اللہ کی حفاظت کے لئے کافی ہے اور ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔ اس سے سینکڑوں گنا زیادہ تو تم سال بھر میں اپنے بیاہوں پر خرچ کر دیتے ہو۔ کیا شعائر اللہ کو اتنی اہمیت بھی حاصل نہیں؟

اب آپ مجھے بتائیں کہ بقیہ رقم کس طرح پوری ہو سکتی ہے؟ حضرت مصلح موعود کے اس ارشاد پر حسب ذیل دوستوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ کریم الدین صاحب۔ محمد شریف صاحب نمائندہ لجنہ اماء اللہ۔ شیخ صاحب دین صاحب گوجرانوالہ۔ فیض احمد صاحب غلام مصطفےٰ صاحب۔ نذر محمد صاحب۔ نورالدین صاحب۔ شیخ بشیر احمد صاحب۔ حافظ نور الٰہی صاحب۔ مولوی غلام قادر صاحب۔ میاں عطاء اللہ صاحب وکیل۔ ان میں سے بعض دوستوں نے مختلف تجاویز پیش کیں اور اکثر اصحاب نے اپنی کوتاہی اور غفلت کا اقرار کرتے ہوئے حضرت امیرالمومنین کے حضور معافی کی درخواست کی۔ اس موقعہ پر جناب شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت لاہور نے جماعت کے خیالات کی نہایت عمدہ پیرایہ میں ترجمانی کی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:۔

"پیارے آقا! یہ درست ہے کہ ہم نے حفاظت مرکز کی اہمیت کو نہیں سمجھا اور اس طرف توجہ نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی اول تو ہمیں صحیح طور پر آگاہ نہیں کیا گیا۔ دوسرے ہمیں وہ بصیرت اور پیش بینی حاصل نہیں جو حضور کو حاصل ہے۔ حضور نے بے شک ہمیں قبل از وقت خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ مگر ہم سے کوتاہی ہوئی کہ ہم نے اس کی اہمیت کو نہیں سمجھا اور غفلت سے بیدار نہ ہوئے۔ اب جبکہ خطرہ ہماری آنکھوں کے سامنے آ گیا ہے تباہیوں اور خونریزیوں کا ہولناک منظر ہماری آنکھوں کے سامنے سے گذر چکا ہے تو آج ہماری حالت وہ نہیں ہے جو پہلے تھی۔ آج ہم محسوس کر چکے ہیں کہ ہم اور ہمارے عزیزوں کی جانیں اور ہماری مقدس و محبوب ترین چیزیں خطرہ میں ہیں۔ ہمیں یہ یقین ہو گیا ہے کہ قربانی کا وقت آن پہنچا ہے اور اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے مال و دولت کو نثار

کرنے کی گھڑی آ پہنچی ہے ہم سے جو غفلت اور کوتاہی ہوئی اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔ اور آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ آئندہ ہم آپ کے ادنیٰ اشارے پر اپنا سب کچھ لٹا دینے کیلئے تیار ہیں اور انشاء اللہ آئندہ کبھی شکایت کا موقعہ پیدا نہ ہونے دیں گے موجودہ وقت ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنی ساری آمدنیں اور جائیدادیں حضور کے قبضہ میں دیدیں اور حضور ہمیں معمولی سا گذارہ دیکر باقی قوم کو جہاں چاہیں خرچ کر دیں ہمیں کوئی عذر نہ ہو گا۔"

احباب اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر چکے تو سیدنا حضرت امیرالمؤمنین المصلح الموعود نے فرمایا:۔ "اگر یہ سلسلہ انسانی ہاتھوں کا بنایا ہوتا۔ تو میں یہ سمجھتا کہ جماعت کی اس معاملہ میں عدم توجہی حقیقی کمزوری ایمان کے نتیجہ میں ہے۔ لیکن جبکہ یہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہے اور وہ خود اس کا محافظ ہے تو میں یہ نہیں خیال کر سکتا کہ موجودہ سستی حقیقی غفلت کے نتیجہ میں ہوئی ہے جیسا کہ آپ میں سے اکثر نے اپنی عدم توجہی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے احساس ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔ میرا مقصد بھی یہی تھا کہ اس نازک وقت کا احساس ہو۔ اور آپ اپنی غفلت کو چھوڑ کر آنے والی مصائب کے لئے تیار ہو جائیں۔ قبل از وقت میں آپ کو جو کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے علم کی بناء پر تھا۔ اور خدا کی باتیں جھوٹی نہیں ہو سکتیں۔ اس کی طرف سے دی ہوئی غیب کی خبریں۔ ایک ایک کر کے پوری ہو رہی ہیں۔ اور جس جس طرح بدلنے والے حالات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ وہ بعینہٖ پورے ہوئے ہیں

دنیا میں ہر شخص کے لئے آزادی ہے سوائے ہمارے کہ ہم اپنے مقدس مقامات کو نہ چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ ایک عمارت جو مٹی اور اینٹوں کی بنی ہوتی ہے اس سے ایک مومن کی جان کہیں قیمتی ہوتی ہے لیکن جب وہ عمارت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے لگے اور شعائر اللہ بن جائے تو اس کی حفاظت کے لئے سینکڑوں مومنوں کی جان بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور انہیں خوشی سے قربان کیا جا سکتا ہے۔ پس جماعت نے اگر ان باتوں کو مدنظر نہیں رکھا تھا تو میرا فرض تھا کہ میں انہیں احساس ذمہ داری دلاؤں اور ان کے مونہوں سے کہلواؤں کہ ہم سے غفلت ہوئی۔ سو میں سمجھتا ہوں کہ وہ غرض پوری ہو گئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کمی کس طرح پوری کی جائے۔ ہمارے عام چندے تو ان اخراجات

کے متحمل نہیں ہو سکتے ہمیں کوئی اور ہی طریق اختیار کرنے ہوں گے۔ سو اس کے لئے جماعت سے میرا سب سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ دوست جن کی رقوم باہر بنکوں میں جمع ہیں وہ بطور امانت قادیان بھجوا دیں۔ تاکہ سلسلہ کو اگر کوئی فوری ضرورت پڑے تو اس میں سے خرچ کر سکے۔ اور پھر آہستہ آہستہ اس کمی کو پورا کر دے۔ یہ رقوم بطور امانت کے ہوں گی اور بوقت ضرورت واپس مل سکیں گی۔ اس طرح سلسلہ کی ضرورت بھی پوری ہو جائیگی۔ اور آپ لوگوں کے ایمان کا امتحان بھی ہو جائے گا۔ جو دوست اس تحریک پر لبیک کہنے کے لئے تیار ہوں۔ وہ اپنے نام اور رقوم لکھا دیں"۔

حضور کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا ہی تھا کہ مخلصین نے نہایت ذوق و شوق سے اپنے نام لکھانے شروع کر دئے۔ ہر چہرہ سے یہی اضطراب ظاہر ہوتا تھا کہ وہ دوسروں سے سبقت لینا چاہتا ہے اور ہر دل مضطر تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ رقوم اپنے آقا کے قدموں میں ڈال دے۔ قریباً نصف گھنٹہ کے عرصہ میں ۳۷۱۰۰۰/- روپے کے وعدے ہوئے۔ جس کا حضور نے کھڑے ہو کر اعلان کیا اور فرمایا "ابھی کچھ دوست رہتے ہیں۔ جو سوچ رہے ہونگے اور اکثر ایسے بھی ہیں جنہوں نے مشورہ وغیرہ کرنا ہوگا۔ اور ابھی ہزاروں ہزار دوست ایسے ہیں جو ہم سے کسی طرح اخلاص میں کم نہیں ہیں مگر وہ اس وقت دور بیٹھے ہیں۔ جب آپ لوگ جا کر ان کو اطلاع دیں گے تو وہ کبھی بھی آپ سے پیچھے نہ رہیں گے اور ممکن ہے مطلوبہ رقم سے بہت زیادہ روپیہ جمع ہو جائے۔"

اس کے بعد فرمایا "سب سے پہلے میں جائداد کے وقف کو لیتا ہوں جو خدا تعالیٰ کے الہام کے ماتحت جاری کیا گیا ہے۔ مگر میں نہایت افسوس سے کہتا ہوں کہ جماعت نے اس طرف پوری توجہ نہیں کی۔ اور صرف دو ہزار آدمیوں نے اسوقت تک اس میں حصہ لیا ہے۔ حالانکہ لاکھوں کی جماعت ہے اور لاکھوں کی جماعت میں سے لاکھوں ہی کو وقف کرنا چاہیئے تھا۔ آپ میں سے جن دوستوں نے اپنی آمد یا جائداد وقف کی ہوئی ہے وہ کھڑے ہو جائیں۔" (اس پر ۵۵۰ میں سے جو ہال میں تھے صرف ۱۷۰ کھڑے ہوئے) فرمایا "یہ تعداد ہے جو ۳۵ فیصدی کے قریب بنتی ہے۔ اس پر دوسری جماعت کا بھی اندازہ کر لیں۔ آپ میں سے جو لوگ اس وقت وقف

کرنا چاہئیں وہ بھی اپنے نام اور جائداد کی قیمت وغیرہ لکھا دیں۔ اس پر ہر طرف سے ناموں کی آواز آنے لگی اور کارکنوں نے نام لکھنے شروع کئے۔

اس سلسلہ کے ختم ہونے پر حضور نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ اب آپ لوگوں کا کام ہے کہ جا کر اپنی جماعتوں میں جاکر دوسرے لوگوں کو بھی اس کارِ خیر میں شریک کریں۔ ہم اس بات سے خوش نہیں ہوسکتے کہ ہم میں سے اتنے لوگوں نے حصہ لیا۔ بلکہ ہمیں تبھی خوشی ہوسکتی ہے کہ جب جماعت کے ہر فرد نے اس میں شرکت کی ہو اور کوئی بھی اس سے باہر نہ رہا ہو۔ یہی زندہ جماعتوں کی علامت ہے

اس ضمن میں فرمایا "اس وقت میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ وقف جائداد والے دوست اپنی جائداد کی کل قیمت کا ایک فیصدی چھ ماہ کے اندر اندر مرکز میں جمع کرا دیں اور وہ جنہوں نے ایک ماہ یا دو ماہ کی آمد وقف کی ہوئی ہے وہ ایک ماہ کی آمد بھجوا دیں۔ اور جن لوگوں نے وقف نہیں کی وہ بھی اس چندہ میں حصہ ضرور لیں۔ وہ اپنی کل جائداد کی قیمت کا ½ فی صدی اور اپنی ایک ماہ کی آمد کا نصف چھ ماہ کے اندر اندر یہاں بھیجدیں"

بالآخر حضور نے نہایت پُر جوش کلمات میں نمائندگان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

" پس جاؤ اور کوئی فرد باقی نہ رہنے دو جو اپنی جائیداد یا آمد وقف نہ کرے اور وہ لوگ جو انکار کریں ان سے کہدو کہ ہم تمہارے حرام مال سے اپنے پاکیزہ مال کو ملوث نہیں کرنا چاہتے۔

تیسری تجویز یہ ہے کہ وصیتوں کی تحریک کی جائے اور جماعت کا کوئی فرد نہ رہے جس نے وصیت نہ کی ہو۔ وصیت بے شک طوعی چیز ہے۔ مگر اب وقت آرہا ہے جب طوعی چیزیں بھی فرضی بن جاتی ہیں۔

چوتھی تجویز یہ ہے کہ جو لوگ پہلے ہی موصی ہیں وہ اپنی وصیتوں کو بڑھائیں۔ جو ⅒ کے موصی ہیں وہ ⅑ دیں۔ اور جو ⅑ دیتے ہیں وہ ⅛ دیں وعلیٰ ہذا۔

چوتھی تجویز قادیان کی جائیدادوں کے متعلق ہے کہ جب وہ بیچی جائیں۔ تو جو نفع ہو اس نفع کا $\frac{5}{100}$ سلسلہ کو دیا جائے۔ اور جن کے پاس پہلی جائیدادیں ہیں وہ منافع کا ½ فی صدی سلسلہ کو دیں۔ میں آئندہ کے لئے یہ قانون مقرر کرتا ہوں کہ کوئی جائیداد امورِ عامہ کے علم اور مرضی کے خلاف فروخت نہ ہو۔ اس حکم کا اطلاق آج سے شروع ہوگا"۔ سلسلہ تقریر

جاری رکھتے ہوئے حضور نے فرمایا "اب رہا یہ سوال کہ اگر ان تجاویز کے باوجود مطلوبہ رقم جس کی اس وقت سلسلہ کے کام چلانے اور مرکز کی حفاظت کے لئے ضرورت ہے پوری نہ ہو تو میری کوٹھی دارالحمد کو بیچ کر کمی پوری کی جائے۔ کوٹھی کے ساتھ بہت سی زمین اور باغ بھی ہے جس کی مالیت چند لاکھ کے قریب ہے۔ میرے پاس نقد روپیہ نہیں ہے۔ جماعت کے دوست یہ کریں کہ اسے خرید لیں"

اپنے پیارے آقا کی قربانی کا یہ فقید المثال جذبہ دیکھکر ہر مومن نے یہی سمجھا کہ جس طرح اپنے پیارے امام کے مقابلہ میں ہماری جانوں کی کوئی قیمت نہیں اسی طرح اس کی جائیداد کے مقابلہ میں ہماری جائیدادوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہر طرف سے اس قسم کی صدائیں آنے لگیں یہ نہیں ہوگا بلکہ پہلے ہماری جائدادیں فروخت ہونگیں۔ پہلے ہمارا سب کچھ قربان ہوگا۔ اس پر حضور نے فرمایا "اگر آپ لوگ قربانی کرنا چاہیں تو میرے ساتھ شامل ہو جائیں مجھے قربانی سے کیوں محروم کرتے ہیں۔ سب سے مقدم فرض میرا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں سب کچھ قربان کروں۔ آپ لوگ جائیں اور اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی شریک کریں صرف چند افراد میں یہ روح فائدہ نہیں دے سکتی۔ جبکہ ساری قوم میں یہ روح ہونی چاہیئے۔ چند افراد تو مشرکوں اور عیسائیوں میں سے بھی غیر معمولی قربانیاں پیش کر دیا کرتے ہیں لیکن اصل چیز یہ ہے کہ قوم کا ہر فرد اس میں شریک ہو" اس خطاب کے بعد حضور نے دعا کرائی اور مشاورت کا آخری اجلاس گیارہ بجے شب ختم ہوا۔[1]

تحریک وقف جائیداد و آمد کی کامیابی اور اس کے مفید نتائج

ملکی حالات چونکہ بد سے بدتر ہو رہے تھے اور مرکز احمدیت کے خطرات میں اضافہ ہو رہا تھا اسلئے جماعت احمدیہ کے اولوالعزم قائد اور امام حضرت مصلح موعود نے مجلس مشاورت کے بعد بھی بار بار جماعتوں کو تحریک وقف جائداد و آمد میں حصہ لینے اور جلد از جلد فہرستیں مکمل کر کے بھجوانے کی تحریک مسلسل جاری رکھی اور ان کو بتایا کہ یہ تحریک آئندہ عظیم الشان اسلامی عمارات کی بنیاد بنے گی۔ چنانچہ ۱۶ / ہجرت / مئی ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء کے

---

[1] الفضل ۹ / ماہ شہادت / اپریل ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۱، ۲

خطبہ جمعہ میں فرمایا "میں سمجھتا ہوں کہ یہ تحریک بھی ہمارے سلسلہ کی اور تحریکوں کی طرح اپنے اندر خدا تعالیٰ کی بہت بڑی حکمتیں رکھتی ہے اور اس کی خوبیاں صرف اس کی ذات تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ ایک بنیاد ہے آئندہ بہت بڑے اور عظیم الشان کاموں کو سرانجام دینے کی۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ کوئی اتفاقی تحریک نہیں بلکہ اس تحریک کے ذریعہ ہماری جماعت کی ترقی اور سلسلہ کے مفاد کے لئے بعض نہایت ہی عظیم الشان کاموں کی بنیاد رکھی جارہی ہے گو ابتک لوگ اس تحریک کی اہمیت کو نہیں سمجھے لیکن دو چار سال تک اس کے کئی عظیم الشان فوائد جماعت کے سامنے آنے شروع ہو جائیں گے جیسے تحریک جدید کو جب شروع کیا گیا تھا تو اس تحریک کی خوبیاں جماعت کی نگاہ سے مخفی تھیں مگر اب نظر آرہا ہے کہ اس تحریک کے ذریعہ دنیا بھر میں تبلیغ اسلام کا کام نہایت وسیع پیمانے پر جاری ہے"۔ "اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور رحم سے جتنے کام مجھ سے لئے ہیں ان تمام کاموں کے متعلق میں دیکھتا ہوں کہ درحقیقت وہ بنیاد ہوتے ہیں بعض آئندہ عظیم الشان کاموں کی۔ اسی طرح یہ تحریک بنیاد ہوگی آئندہ تعمیر ہونے والی عظیم الشان اسلامی عمارات کی جس طرح میں نے وقف جائیداد کی تحریک کی تھی جو درحقیقت بنیاد تھی آج کی تحریک کے لئے مگر اس وقت لوگ اس تحریک کی حقیقت کو نہیں سمجھے تھے۔ کچھ لوگوں نے تو اپنی جائیدادیں وقف کردی تھیں مگر باقی لوگوں نے خاموشی اختیار کرلی اور وہ لوگ جنہوں نے اپنی جائیدادیں وقف کی تھیں وہ بھی بار بار مجھے لکھتے تھے کہ آپ نے وقف کی تو تحریک کی ہے اور ہم اس میں شامل بھی ہوگئے ہیں لیکن آپ ہم سے مانگتے کچھ نہیں۔ انہیں میں کہتا تھا کہ تم کچھ عرصہ انتظار کرو۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ وقت بھی آجائے گا۔ جب تم سے جائیدادوں کا مطالبہ کیا جائیگا۔ چنانچہ دیکھ لو اس تحریک سے خدا تعالیٰ نے کتنا عظیم الشان کام لیا ہے۔ اگر عام چندہ کے ذریعہ اس وقت جماعت میں حفاظت مرکز کے لئے تحریک کی جاتی تو میں سمجھتا ہوں کہ لاکھ دو لاکھ روپیہ کا اکٹھا ہونا بھی بہت مشکل ہوتا مگر چونکہ آج سے تین سال پہلے وقف جائیداد کی تحریک کے ذریعہ ایک بنیاد قائم ہوچکی تھی۔ اسلئے وہ لوگ جنہوں نے اس تحریک میں اس وقت حصہ لیا تھا وہ اس وقت مینار کے طور پر ساری جماعت کے سامنے آگئے۔ اور انہوں نے اپنے عملی نمونہ سے جماعت کو بتایا کہ جو کام ہم کرسکتے ہیں وہ تم کیوں نہیں کرسکتے۔ چنانچہ جب ان کی قربانی پیش کی گئی تو ہزاروں ہزار لوگ ایسے نکل آئے۔ جنہوں نے ان

کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی جائیدادیں وقف کر دیں۔ پس جس طرح وہ تحریک جدید بنیاد تھی بعض اور عظیم الشان کاموں کے لئے اسی طرح حفاظت مرکز کے متعلق جو تحریک چندہ کے لئے کی گئی ہے یہ بھی آئندہ بعض عظیم الشان کاموں کا پیش خیمہ ثابت ہوگی اور جس وقت یہ تحریک اپنی تکمیل کو پہنچے گی اس وقت مالی لحاظ سے جماعت کی قربانیاں اپنے کمال کو پہنچ جائیں گی درحقیقت جانی قربانی کا مطالبہ وقف زندگی کے ذریعے کیا جا رہا ہے اور مالی قربانی کے ایک بہت ہی بلند مقام پر کھڑا کیا جا رہا ہے پھر شاید وہ وقت بھی آ جائے کہ سلسلہ ہر شخص سے اس کی جان کا بھی مطالبہ کرے اور جماعت میں یہ تحریک کی جائے کہ ہر شخص نے جس طرح اپنی جائداد خدا تعالیٰ کے لئے وقف کی ہوئی ہے اسی طرح وہ اپنی زندگی بھی خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر دے تاکہ ضرورت کے وقت اس سے کام لیا جا سکے۔"[1]

اس کے بعد ایک اور خطبہ میں دوبارہ یاددہانی کراتے ہوئے فرمایا:۔

"جن خطرات میں سے اس وقت ہمارا ملک گذر رہا ہے اور جن خطرات میں سے اس وقت ہماری جماعت گذر رہی ہے ان میں سے جو خطرات ظاہر ہیں وہ سب دوستوں کو معلوم ہیں مگر بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جو آپ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اور میں ان باتوں کو اس لئے ظاہر نہیں کرتا کہ کہیں کمزور لوگ دل نہ چھوڑ بیٹھیں ورنہ ان دنوں ہماری جماعت ایسے خطرات میں سے گزر رہی ہے کہ ان کے تصوّر سے مضبوط سے مضبوط انسان کا دل بیٹھ جاتا ہے اور اس کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔ صرف جماعت کے کمزور لوگوں کا خیال رکھتے ہوئے اور بعض دوسرے مصالح کی وجہ سے میں وہ باتیں پردۂ اخفاء میں رکھتا ہوں ورنہ ان دنوں میں بعض اوقات اس طرح محسوس کرتا ہوں جیسے کسی عظیم الشان محل کی دیواریں نکل جائیں اور اس کی چھت کے سہارے کے لئے ایک سرکنڈا کھڑا کر دیا جائے۔ تو جو حال اس سرکنڈے کا ہو سکتا ہے۔ یہی حال بسا اوقات ان دنوں میں اپنا محسوس کرتا ہوں وہ بوجھ جو اس وقت مجھ پر پڑ رہا ہے۔ اور وہ خطرات جو جماعت کے مستقبل کے متعلق مجھے نظر آ رہے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان کا اظہار بھی مشکل ہے اور ان کا اٹھانا بھی کسی انسان کی طاقت میں نہیں۔ محض اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے ان خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے میں اس بوجھ کو اٹھائے ہوئے ہوں ورنہ کوئی انسان ایسا نہیں ہو سکتا جس کے کندھے اتنے مضبوط ہوں کہ وہ اس بوجھ کو سہار سکیں اور ان

---

[1] الفضل ۲۲ ہجرت / مئی ھش ۱۳۲۶ / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲

تفکرات کا مقابلہ کرسکیں ہماری جماعت کے حصے میں تو صرف چندے ہی ہیں تفکرات میں اس کا کوئی حصہ نہیں بلکہ تفکرات اُن تک پہنچتے ہی نہیں جیسے خطرہ کے وقت ماں اپنے بچے کو گود میں سلا لیتی ہے اور سارا بوجھ خود اٹھا لیتی ہے ایسی ہی حالت اِسوقت میری ہے کہ اُن خطرات سے جو اسوقت مجھے نظر آ رہے ہیں جماعت کو آگاہ نہیں کر سکتا اور سارا بوجھ اپنے دل پر لے رہا ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ جماعت کے کام تو بہرحال خدا تعالیٰ نے ہی سرانجام دینے ہیں میں جماعت کے لوگوں کو کیوں پریشان کروں۔ اللہ تعالیٰ جس رنگ میں چاہے گا اس کی مشیّت پوری ہو کر رہے گی۔ درحقیقت جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مجھے کھڑا کیا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے جو رتبہ مجھے عطا کیا گیا ہے اس کے لحاظ سے سب سے پہلا اور آخری ذمہ دار میں ہی ہوں اور جماعت کے بوجھ اٹھانے کا حق میرا ہی ہے جیسے قرآن کریم میں ذوالقرنین کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس نے کہا تھا اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ یعنی لوہے کے ٹکڑے میرے پاس لاؤ وہی بات میں نے بھی پیش کر دی ہے کہ تم اپنی جائیدادوں کا ایک فی صدی قربانی میں پیش کر دو۔ وہ خود جماعت کی حفاظت کے سامان پیدا کر دیگا۔ اس وقت تمہارا کام صرف زبر الحدید پیش کرنا ہے ورنہ اصل اور اہم کام تو خدا تعالیٰ اور اس کے مقرر کردہ افراد نے ہی کرنا ہے بلکہ افراد نے بھی کیا کرنا ہے خدا نے خود ہی کرنا ہے جماعت تو ان مصائب اور مشکلات کے مقابلہ کی طاقت ہی نہیں رکھتی کیونکہ اُن کو دور کرنا انسانی طاقت سے بالا ہے۔ پس سوائے خدا تعالیٰ کی ذات کے اور کوئی ہستی اُن کو دُور کر ہی نہیں سکتی لیکن جو چھوٹا سا کام ہماری جماعت کے ذمہ ہے اگر جماعت اس میں بھی سستی اور غفلت سے کام لے تو یہ نہایت ہی افسوسناک امر ہو گا۔“ [1]

تفسیر القرآن انگریزی کی اشاعت

جماعت احمدیہ کی طرف سے قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ اور تفسیر کی ایک عرصہ سے جو مخلصانہ کوششیں جاری تھیں اُس کا پہلا شیریں پھل احسان/جون ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں تفسیر القرآن انگریزی جلد اوّل کی شکل میں ظاہر ہوا جو سورۃ فاتحہ سے لیکر سورۃ کہف تک کے مطالب پر مشتمل اور ساڑھے بارہ سو صفحات پر پھیلی ہوئی تھی اور اس کے ابتداء میں حضرت مصلح موعود کے قلم سے لکھا ہوا ایک نہایت پُر معارف دیباچہ

---

[1] الفضل ۱۲ وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳، ۴

بھی شامل تھا جس میں دوسرے صحفِ سماوی کی موجودگی میں قرآن مجید کی ضرورت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور جمع القرآن اور قرآنی تعلیمات پر بالکل اچھوتے اور دلآویز پیرایہ میں روشنی ڈالی گئی تھی یہ دیباچہ مستقل کتابی صورت میں انگریزی کے علاوہ اردو، انڈونیشی، جرمن اور ڈچ زبانوں میں بھی چھپ چکا ہے۔ حضرت مصلح موعود نے اس دیباچہ کے آخر میں "شکریہ و اعتراف" کے زیرِ عنوان تحریر فرمایا کہ "میں اس دیباچہ کے آخر میں مولوی شیر علی صاحب کی اُن بے نظیر خدمات کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے باوجود صحت کی خرابی کے قرآن کریم کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے متعلق کی ہیں ـــــ اسی طرح ملک غلام فرید صاحب۔ خان بہادر چوہدری ابو الہاشم خاں مرحوم اور مرزا بشیر احمد صاحب بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ترجمہ پر تفسیری نوٹ میری مختلف تقریروں اور کتابوں اور درسوں کا خلاصہ نکال کر درج کئے ہیں۔ مجھے ان انگریزی نوٹوں کے دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا مگر ان لوگوں کے تجربہ اور اخلاص پر یقین کرتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ انہوں نے صحیح طور پر ان مضامین کی ترجمانی کی ہوگی جو میں نے براہِ راست خدا تعالیٰ کے افضال کے ماتحت قرآن کریم سے یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بانی سلسلہ احمدیہ کے افاضات سے حاصل کئے ہیں

میں اس موقعہ پر قاضی محمد اسلم صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور اور سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب جج فیڈرل کورٹ آف انڈیا کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جن دونوں نے اس دیباچہ کو انگریزی زبان کا جامہ پہنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب دوستوں کو اپنی برکات کے عطر سے ممسوح کرے اور دین و دنیا میں ان کا حافظ و ناصر ہو۔

میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کا شاگرد ہونے کی وجہ سے کئی مضامین میری تفسیر میں لازماً ایسے آئے ہیں جو میں نے ان سے سیکھے اس لئے اس تفسیر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تفسیر بھی حضرت خلیفہ اوّل کی تفسیر بھی اور میری تفسیر بھی آجائیگی اور چونکہ خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی روح سے ممسوح کر کے ان علوم سے سرفراز فرمایا تھا جو اس زمانہ کے لئے ضروری ہیں اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ یہ تفسیر بہت سے بیماروں کو شفا دینے کا موجب ہوگی۔ بہت سے اندھے اس کے ذریعہ سے آنکھیں پائیں گے۔ بہرے سننے لگ جائیں گے گونگے بولنے لگ جائیں گے۔ لنگڑے اور اپاہج چلنے لگ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ

کے فرشتے اس کے مضامین کو برکت دیں گے اور یہ اُس غرض کو پورا کرے گی جس غرض کے لئے یہ شائع کی جارہی ہے[۱]۔ اللّٰھم اٰمین۔

حضرت امیرالمومنین سیدنا المصلح الموعود نے ۲۰ احسان/جون ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کے خطبہ جمعہ میں یہ خوشخبری سنائی کہ:۔ "قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کی پہلی جلد چھپ کر آگئی ہے۔ یہ جلد آج سے کچھ عرصہ پہلے آجانی چاہیئے تھی۔ مگر لاہور کے فسادات کی وجہ سے پریس بند رہے۔ یا بہت کم کام ہوتا رہا۔ اس لئے بجائے اپریل میں مکمل ہونے کے یہ جلد جون میں مکمل ہوئی ہے۔ یہ جلد ساڑھے بارہ سو صفحات کی ہے۔ ابتدائی مضامین کا دیباچہ جو کہ میں نے لکھا ہے وہ ۲۷۲ صفحات کا ہے یعنی یہ مضمون اردو کے عام کتابی سائز کے لحاظ سے پانچ چھ سو صفحات میں آجائیگا اس دیباچے کے کچھ حصہ کا ترجمہ پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب نے کیا ہے۔ اور کچھ حصہ کا ترجمہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے کیا ہے۔ یہ دونوں احباب ہماری جماعت میں انگریزی کی اچھی قابلیت رکھتے ہیں اور نہایت عمدہ طور پر لکھنے والے ہیں جس کی وجہ سے ترجمہ بہت اعلیٰ ہوا ہے۔ گو میں اس دیباچہ کے ترجمہ کی نظرثانی نہیں کر سکا۔ اور میرا خیال ہے کہ اگر نظرثانی ہو جاتی تو نظرثانی میں بعض جگہ ترجمہ زیادہ سادہ ہو سکتا تھا۔ جو کہ اب نسبتاً پیچیدہ ہو گیا ہے لیکن پھر بھی ترجمہ نہایت لطیف ہے۔ کتاب کے چھپنے کے بعد میں نے اُسے پڑھنا شروع کیا۔ تو وہ مجھے ایسا دلچسپ معلوم ہوا۔ کہ باوجود غیر زبان میں ترجمہ ہونے کے بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ مضمون ہی انگریزی میں لکھا گیا ہے ... میں اس کی یہ تقسیم کر چکا ہوں کہ آدھی ہندوستان کے لئے اور آدھی غیر ممالک کے لئے۔ جو دوست یہ کتاب خریدیں انہیں چاہیئے کہ خود پڑھنے کے بعد دوسروں کو بھی پڑھوائیں۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ اس کتاب کا دیباچہ ایسا شاندار لکھا گیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت سے لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب بن سکتا ہے اور میرا ارادہ ہے کہ ایک بہت بڑی تعداد میں اس دیباچہ کو الگ چھپوایا جائے نہ صرف انگریزی بلکہ اردو۔ ہندی۔ گورمکھی اور دوسری زبانوں میں اس کے تراجم شائع کئے جائیں۔ اس دیباچہ میں اسلام کی صداقت کے ایسے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ کہ ان کے ذریعہ قرآن کریم اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوگی۔ اور

---

[۱] دیباچہ تفسیر القرآن (اردو) صفحہ ۵۰۲، ۵۰۳ طبع دوم دسمبر ۱۹۵۲ء۔ ناشر صیغہ تالیف و تصنیف ربوہ مطبع لاہور آرٹ پریس انار کلی لاہور۔

پھر دیباچہ کے ساتھ جو شخص قرآن کریم کا ترجمہ اور اس کے نوٹ بھی پڑھے گا۔ تو یہ سونے پر سہاگہ اور موتیوں میں دھاگہ ڈالنے والی مثال ہوگی۔"[1]

دوسری جلدوں کی اشاعت

اس پہلی جلد کے تیرہ سال بعد فتح/ دسمبر ۱۳۳۹ھش/ ۱۹۶۰ء میں دوسری جلد شائع ہوئی جو سورۃ مریم سے سورۃ جاثیہ تک کی سورتوں پر مشتمل تھی ازاں بعد تیسری اور آخری جلد امان/ مارچ ۱۳۴۲ھش/ ۱۹۶۳ء میں اشاعت پذیر ہوئی اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے ۲۲ امان/ مارچ ۱۳۴۲ھش/ ۱۹۶۳ء کو چوالیسویں مجلس مشاورت کی کارروائی کے آغاز میں فرمایا "میں دوستوں کو یہ بشارت دینا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم کی انگریزی تفسیر جو آج سے اکیس سال پہلے شروع ہوئی تھی اور جس کے ابتدائی حصہ میں مجھے بھی کچھ خدمت کا موقعہ ملا ہے اور حضرت مولوی شیر علی صاحب بھی اس کام کو کرتے رہے ہیں درد صاحب مرحوم بھی یہ کام کرتے رہے۔ مگر زیادہ کام ملک غلام فرید صاحب کے ذمہ رہا ہے اور اب تو کلیتہً ان کے ذمہ ہے اس تفسیر کا آخری حصہ جو باقی تھا اب مکمل ہو کر آ گیا ہے اور اس طرح خدا کے فضل سے یہ کام تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔"[2]

تفسیر القرآن انگریزی کی تاریخ پر ایک نظر

مکرم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی نے اپنی کتاب "سیرت قمر الانبیاء" میں تفسیر القرآن انگریزی پر ایک مختصر مگر جامع نوٹ سپرد قلم کیا ہے جو درج ذیل کیا جاتا ہے:-

"صدر انجمن احمدیہ قادیان نے ہزاروں روپیہ خرچ کر کے قرآن کریم کا جو انگریزی ترجمہ شروع میں کرایا تھا وہ تو جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے ۱۹۱۴ء میں لے کر لاہور آ گئے اور یہاں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے اسے اپنے طور پر شائع کر دیا۔ اس کے بعد حضرت امیر المومنین نے حضرت مولوی شیر علی صاحب کو نیا ترجمہ مع تفسیری نوٹوں کے مرتب کرنے کا حکم دیا۔ ۱۹۳۲ء میں حضرت امیر المومنین نے اس کام میں حضرت میاں بشیر احمد صاحب کو بھی شامل فرما دیا۔ اب دونوں نے مل کر اس خدمت کو سرانجام دینا شروع کیا ۔۔۔۔۔۔

حضرت میاں صاحب، حضرت مولوی شیر علی صاحب کے ساتھ مل کر قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ

---

[1] اخبار الفضل ۲۴ احسان/ جون ۱۳۲۶ھش/ ۱۹۴۷ء صفحہ ۱،۲ [2] رپورٹ مجلس مشاورت ۲۲، ۲۳، ۲۴ امان/ مارچ ۱۳۴۲ھش/ ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۰،۹

وتفسیر کا کام کرہی رہے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے جن کو اس کام سے بے حد دلچسپی تھی مناسب سمجھا کہ اس کام کی تکمیل کے لئے مولوی شیر علی صاحب کو کچھ عرصہ کے لئے لندن بھجوا دیا جائے وہاں چونکہ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے بعض ایسی کتابیں موجود ہیں جو یہاں نہیں مل سکتیں لہٰذا وہاں یہ کام نسبتاً آسانی سے ہوسکیگا۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنین کے ارشاد کے ماتحت حضرت مولوی شیر علی صاحب لندن جانے کے لئے قادیان سے ۲۶ر فروری ۱۹۳۶ء کو روانہ ہوگئے[1]۔ اور وہاں تقریباً تین سال تک وہ یہ کام کرتے رہے۔ اس عرصہ میں بے شمار نوٹ ترجمۃ القرآن کے متعلق انہوں نے جمع کئے جو بعد کے ایام میں اپنی اپنی جگہ تفسیر القرآن انگریزی میں درج کئے گئے۔

وہاں سے واپسی کے بعد بھی حضرت مولوی صاحب اسی کام میں مشغول رہے مگر چونکہ حضرت امیرالمومنین کو اس کام کی تکمیل کی بڑی فکر تھی اور آپ چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہو یہ ضروری کام جلد سے جلد ختم ہو جائے اسلئے آپ نے کام کے مسلسل اور باقاعدہ جاری رہنے اور جلد تر پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے لئے یہ انتظام کیا کہ مئی ۱۹۴۲ء میں جماعت کے قابل اور فاضل حضرات کا ایک بورڈ مقرر فرمایا جو سرعت۔ تیزی۔ روانی۔ عمدگی۔ خوبی اور انتہائی احتیاط کے ساتھ ایک دوسرے کے تعاون سے اس کام کو انجام تک پہنچائے۔ بہرحال یہ کام ۱۹۴۲ء میں شروع ہوا اور مسلسل ہوتا رہا۔ قادیان میں کوٹھی دارالحمد ترجمۂ قرآن کا دفتر تھا۔ یہاں راقم الحروف نے بارہا حضرت مرزا بشیر احمد صاحب حضرت مولانا شیر علی صاحب اور حضرت ملک غلام فرید صاحب کو نہایت انہماک اور محنت کے ساتھ ایک میز پر یہ کام کرتے ہوئے دیکھا ہے ایک ایک لفظ پر بحثیں ہوتی تھیں۔ ایک ایک فقرہ بڑی احتیاط کے ساتھ باہمی تبادلہ خیال کے بعد لکھا جاتا تھا۔ ایک ایک آیت کے متعلق دیکھا جاتا کہ قدیم مفسرین نے اسکے کیا معنی کئے ہیں؟ احادیث میں اس کے متعلق کیا لکھا ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی کیا تفسیر فرمائی ہے؟ حضرت خلیفہ اول نے اس کی کیا تشریح کی ہے؟ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس کا کیا مطلب بیان کیا ہے؟ پھر الفاظ کے متعلق بڑی بحث ہوتی تھی یعنی لغت میں اس لفظ کے کیا معنی ہیں؟ محاورہ میں یہ لفظ کس طرح استعمال ہوا ہے؟ زیر بحث آیت میں اس کے کون سے معنی نسبتاً زیادہ درست بیٹھتے ہیں؟ آیت کا مطلب قدیم اور جدید مفسرین نے کیا بتایا ہے؟ اور ان میں

---

[1] تفصیل "تاریخ احمدیت" جلد ہشتم صفحہ ۳۱ تا ۳۳ میں آچکی ہے۔

فریب یہ صحت کونسا مطلب ہے؟ آئندہ پر مخالفین کی طرف سے کیا کیا اعتراض ہوتے ہیں۔ اور اُن کے کیا کیا جواب ہیں؟ آیت کا تعلق اُس کی ماسبق اور بعد آیتوں سے کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کن کن معارف کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا ہے؟ یہ آیت کہاں اور کس وقت اتری؟ اور اس کا شانِ نزول کیا ہے؟ اس آیت یا اس سورۃ کے متعلق یورپین تحقیقات کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ہر بات کے متعلق بہت طول طویل بحثیں ہوتی تھیں جب جاکر ایک آیت کا ترجمہ اور تفسیر لکھی جاتی تھی۔ اور پھر اس میں ملک غلام فرید صاحب آخر وقت تک برابر ترمیم و تنسیخ کرتے رہتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ جو کچھ لکھا جائے انتہائی تحقیق کے بعد لکھا جائے۔ اور ایسا لکھا جائے کہ دل کو اطمینان اور سکینت سے بھر دے۔ اکثر اوقات چھپے چھپائے فرمے ردّی کرنے پڑے ہیں۔ بہت دفعہ پریس ہی جاکر مشین پر غلطیاں درست کرنی پڑی ہیں اور ہر قسم کی دقّت۔ صعوبت اور تکلیف اس کے ترجمہ اور اس کی طباعت میں برداشت کی ہے تب جاکر ۲۸ فروری ۱۹۴۷ء[1] کو اس کی پہلی جلد جو بڑی تقطیع کے ۹۶۸ صفحات پر مشتمل ہے بہت اعلیٰ ٹائپ اور نہایت نفیس کاغذ پر سول اینڈ ملٹری گزٹ پریس لاہور میں چھپ کر شائع ہوئی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے کمال تحقیق کے ساتھ جو عالمانہ اور بسیط مقدمہ اس پر لکھا وہ اصل کتاب کے علاوہ ۲۷۷ صفحات پر محیط ہے اور بجائے خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پہلی جلد میں سورۃ فاتحہ سے سورۃ توبہ تک کی تفسیر بیان کی گئی ہے یعنی اس میں دس مکمل پارے آگئے ہیں۔

ابھی پہلی جلد کے فرموں کی جز بندی نہیں ہوئی تھی اور سارے فرمے سول اینڈ ملٹری پریس لاہور میں رکھے ہوتے تھے کہ ملک کے سیاسی حالات بڑے مخدوش ہو گئے .... حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ارشاد فرمایا کہ احتیاط اور حفاظت کا اقتضاء یہ ہے کہ قرآن مجید کے فرموں کو لاہور سے قادیان لے آیا جائے اور یہیں ان کی جزبندی اور جلد سازی ہو۔ چنانچہ حضور کے حکم کے مطابق فوراً قرآن مجید کے فرمے قادیان آگئے اور خاکسار راقم الحروف کے سپرد کر دئے گئے۔ میں اس زمانہ میں بکڈپو تالیف و اشاعت مرکزیہ کا نگرانِ اعلیٰ تھا۔ میں نے ان تمام فرموں کو کوٹھی دار الحمد میں رکھوا دیا اور ایک دفتری سے اس کی جز بندی شروع کرا دی۔

---

[1] یہ سہو ہے ۲۰ ماہ احسان / جون ۱۳۲۶ہش کو حضرت مصلح موعود نے اس کی اشاعت کا اعلان فرمایا تھا۔
ملاحظہ ہو الفضل ۲۲ احسان / جون ۱۳۲۶ہش

اب ملکی حالات اور بھی زیادہ مخدوش اور خطرناک ہوگئے تھے اور قادیان میں خطرہ ہر لحظہ بڑھتا جارہا تھا اس لئے حضرت امیر المومنین نے پھر حکم دیا کہ غیر معمولی عجلت کے ساتھ تمام قرآن شریف فوراً لاہور پہنچا دیا جائے چنانچہ میں نے یہ تمام فرمے ایک بڑی لاری میں بھر کر لاہور بھجوا دئے اور فرمے محترمی شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی کوٹھی کے ایک کمرہ میں امانتاً رکھدیئے گئے۔ میں ۸ ستمبر ۱۹۴۷ء کو قادیان سے لاہور پہنچا اور فرمے شیخ صاحب کے ہاں سے لیکر جلد بندی کے لئے کشمیر آرٹ پریس کو دیدیئے اور جب سارے قرآن مجید کی جلدیں بندھ گئیں تو پھر ۱۹۴۸ء کے شروع سے اُن کی فروخت شروع کی تقسیم کے بعد حضرت مرزا بشیر احمد صاحب حضرت مولوی شیر علی صاحب اور حضرت ملک غلام فرید صاحب بھی لاہور آگئے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رتن باغ میں رہنے لگے حضرت مولوی شیر علی صاحب کو ڈیوس روڈ پر ایک کوٹھی میں جگہ ملی۔ ملک غلام فرید صاحب ٹمپل روڈ کی کوٹھی ۸ میں آباد ہوئے۔ اور ترجمہ قرآن مجید کا دفتر جودھامل بلڈنگ میں بنایا گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ذاتی نگرانی میں دوسری جلد کی تیاری کا کام شروع ہوگیا مگر صد ہزار افسوس کہ بورڈ ترجمۃ القرآن کے سب سے سینئر ممبر حضرت مولانا شیر علی صاحب کا ۱۳ نومبر ۱۹۴۷ء کو انتقال ہوگیا۔

اب صرف دو آدمی رہ گئے ایک حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور دوسرے حضرت ملک غلام فرید صاحب۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب قادیان سے آتے ہی حفاظت مرکز اور خدمت درویشان کے کاموں میں ایسے مصروف ہوئے کہ انہیں دن رات میں کسی لمحے بھی فرصت نہ ملتی۔ اب اس عظیم الشان اور نہایت ہی مشکل کام کا سارا بار صرف حضرت ملک غلام فرید صاحب پر آپڑا اور حضرت امیر المومنین نے بھی ان سے یہ فرمایا کہ "اب صرف آپ ہی کلیتہً میرے سامنے ترجمۃ القرآن کے تمام کام کے جوابدہ اور ذمہ دار ہیں اور مجھے امید ہے کہ آپ اپنی ذمہ داری کو پورے طور پر محسوس کرتے ہوئے اس کام کو جلد سے جلد ختم کرنے کی کوشش فرمائینگے۔ جو بے حد ضروری اور نہایت اہم ہے"۔

اگرچہ مشکلات بے حد تھیں اور ایک اکیلے شخص سے اس عظیم الشان کام کا سرانجام پانا بظاہر ناممکن نظر آرہا تھا مگر حضرت ملک غلام فرید صاحب نے اس پیرانہ سالی اور مختلف عوارض میں مبتلا ہونے کے باوجود اس خالص مذہبی خدمت کو بجا لانے کا عزم بالجزم کر لیا اور ہمہ تن

اس کام کی تیاری میں منہمک ہو گئے اور دن رات کی لگاتار محنت کے بعد ۱۹۴۹ء میں ترجمۃ القرآن کی دوسری جلد کا پہلا حصہ مرتب کر لیا جس میں سورۂ یونس سے سورۂ کہف تک تفسیر آگئی ہے ان ایام میں ترجمۃ القرآن انگریزی کے متعلق حضرت ملک صاحب کو چار قسم کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا پڑتا تھا۔

(۱) کتاب کی ترتیب و تدوین جس میں بے انتہا محنت کرنی پڑتی تھی۔

(۲) پروف ریڈنگ جو کئی کئی مرتبہ بڑی احتیاط کے ساتھ کرنی پڑتی تھی۔

(۳) طباعت کی نگرانی جو بڑی ہی بھاگ دوڑ اور مصیبت کا کام تھا۔

(۴) طباعت اور تیاری کے بعد قرآن کریم کی فروخت اور تقسیم کی نگرانی جو بڑے جھمیلے کا کام تھا

ظاہر ہے کہ اکیلے ملک صاحب کے لئے ان چاروں کاموں کی سرانجام دہی کس قدر دردسری کا باعث تھی لیکن میں نے دیکھا ہے کہ جناب ملک صاحب نے ان ایام میں بڑے ہی استقلال اور مستعدی اور محنت کے ساتھ تمام کاموں کو سرانجام دیا اور قطعاً شکایت نہیں کی۔

اگرچہ اس تمام عرصہ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سلسلہ کے بہت سے متفرق کاموں میں سخت مشغول رہے تاہم نہایت عدیم الفرصتی کے باوجود بھی ترجمہ انگریزی کی نظر ثانی کے کام میں برابر جناب ملک صاحب کے شریک رہے۔ مگر جبکہ جنوری ۱۹۵۱ء میں حضرت میاں صاحب رتن باغ سے مستقل طور پر ربوہ تشریف لے گئے تو آخری مراحل پر حضرت مولوی محمد دین صاحب ناظر تعلیم نظر ثانی کے کام میں حضرت ملک صاحب کی مدد فرماتے رہے لیکن جب وہ بھی سلسلہ کی ضرورت اور سلسلہ کے تعلیمی اداروں کی نگرانی کے لئے ربوہ چلے گئے تو تنہا ملک صاحب نے سارے کام سرانجام دئے۔ ملک صاحب نے اکیلے رہ جانے پر بھی ہمت نہ ہاری اور خاموشی کے ساتھ کام میں معروف رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور یہ عظیم الشان کام آہستگی کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ دسمبر ۱۹۶۰ء میں قرآن کریم کی انگریزی تفسیر کی جلد دوئم کا دوسرا حصہ شائع ہو گیا۔ یہ سورۂ مریم سے سورۂ جاثیہ تک ہے۔

اس دوران میں حضرت ملک صاحب کے لئے ایک آسانی یہ پیدا ہو گئی کہ تفسیر انگریزی کی تقسیم اور فروخت کا کام اورینٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ ربوہ نے اپنے ہاتھ میں

لے لیا اور حضرت ملک صاحب کو اس بڑے جھمیلے کے کام سے نجات ملی اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ تصنیفی دماغ آنے پائیوں کا حساب کتاب رکھنے اور ایک ایک کتاب کو بار بار گن کر رکھنے سے بڑا گھبراتا ہے۔ حضرت ملک صاحب نے اس نئے انتظام کو نہایت غنیمت سمجھا اور اطمینان اور سکون کے ساتھ تصنیفی کام میں مشغول ہوگئے جو ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

دیکھیے مختلف اور متعدد ذمہ داریوں کی موجودگی میں کام کی رفتار کتنی سست رہی کہ تفسیر کی دوسری جلد کا پہلا حصہ ۱۹۴۹ء میں چھپا تھا مگر اس کا دوسرا حصہ گیارہ سال بعد ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا لیکن جب کام کی ذمہ داریاں ہلکی ہوئیں اور حضرت ملک صاحب کو اطمینان کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا تو تفسیر القرآن انگریزی کی تیسری اور آخری جلد ۱۹۶۳ء میں چھپ گئی۔ جو سورۃ احقاف سے سورۃ الناس تک کے مضامین پر مشتمل تھی۔ اس جلد کے ساتھ تمام قرآن مجید کی انگریزی تفسیر ختم ہوگئی جو بڑی تقطیع کے ۲۹۱۷ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور عجیب وغریب قرآنی معارف کا حسین و دلفریب مرقع ہے۔ حضرت امیرالمومنین نے تمام تفسیر پر جو نہایت فاضلانہ اور محققانہ مقدمہ لکھا ہے اس کے صفحات ۲۷۶ اصل کتاب کے صفحات سے علیحدہ ہیں یعنی کل تفسیر القرآن انگریزی کے صفحات کی مجموعی تعداد ۳۱۹۳ ہے۔

حضرت میاں بشیر احمد صاحب کا حصہ اس مقدس کام میں بہت کافی تھا تفسیر القرآن کی پہلی جلد جو ابتدائی پندرہ پاروں پر مشتمل تھی ساری کی ساری حضرت میاں صاحب کی نگرانی میں مرتب ہوئی اور اس میں کسی نہ کسی شکل میں ان کی شرکت اور تعاون اور امداد شامل رہی لیکن قادیان سے آنے کی پریشانیوں اور بہت سی مختلف مصروفیتوں کے باعث جو اس دور ابتلاء میں وقتاً فوقتاً پیش آتی رہیں حضرت میاں صاحب مجبوراً تفسیر القرآن انگریزی کے کام کی طرف اپنی پوری توجہ منعطف نہ کر سکے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ترجمہ کی نظر ثانی کا کام آپ حضرت ملک غلام فرید صاحب کے ساتھ مل کر ان کے صلاح مشورے سے آخر تک کرتے رہے۔ اس کا اظہار ملک صاحب نے بھی ترجمۃ القرآن کے متعلق اپنے ایک بیان میں جو خاکسار راقم الحروف کو لکھ کر دیا صاف طور پر کیا ہے۔

خدا کا ہزار شکر و احسان اور فضل و کرم ہے کہ جو عظیم الشان کام حضرت مولوی شیر علی صاحب

نے ۱۹۱۵ء میں شروع کیا تھا وہ قریباً پچاس سال کی مسلسل سعی و کوشش کے بعد ۱۹۶۳ء میں حضرت ملک غلام فرید صاحب کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔[۱]

مغربی مفکّرین کے تاثرات

انگریزی تفسیر قرآن کے دینی اور ادبی محاسن نے یورپ اور امریکہ کے چوٹی کے اہل علم کو متاثر کیا ہے اور انہوں نے اس پر شاندار ریویو کئے ہیں۔ مثلاً مسٹر اے۔جی آربری نے لکھا:

"قرآن شریف کا یہ نیا ترجمہ اور تفسیر ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ موجودہ جلد اس کارنامہ کی گویا پہلی منزل ہے۔ کوئی پندرہ سال کا عرصہ ہوا جماعت احمدیہ قادیان کے محقق علماء نے یہ عظیم الشان کام شروع کیا اور کام حضرت اقدس مرزا بشیرالدین محمود احمد کی حوصلہ افزا قیادت میں ہوتا رہا۔ کام بہت بلند قسم کا تھا۔ یعنی یہ کہ قرآن شریف کے متن کی ایک ایسی ایڈیشن شائع کی جائے۔ جس کے ساتھ ساتھ اس کا نہایت صحیح صحیح انگریزی ترجمہ ہو اور ترجمہ کے ساتھ آیت آیت کی تفسیر ہو۔ پہلی جلد جو اس وقت سامنے ہے۔ قرآن شریف کی پہلی نو سورتوں پر مشتمل ہے۔ شروع میں ایک طویل دیباچہ ہے جو خود حضرت مرزا بشیرالدین نے رقم فرمایا ہے اس دیباچہ میں حضرت اقدس نے لکھا ہے۔ کہ جو کچھ اس تفسیر میں بیان ہوا ہے۔ وہ ان معارف کی ترجمانی ہے۔ جو بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتابوں اور مواعظ میں بیان فرمائے یا پھر آپ کے خلیفہ اوّل یا خود حضرت ممدوح نے جو بانی سلسلہ کے خلیفہ ثانی ہیں بیان فرمائے۔ اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں ـــــ کہ یہ ترجمہ اور یہ تفسیر جماعت احمدیہ کے فہم قرآن کی صحیح ترجمانی کرنے والی ہے۔ موجودہ جلد کے بعد دو جلدیں اور شائع ہوکر یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیگا، اگر ہم اس کام کو اسلام کے ذوق علم تحقیق کی عظیم یادگار لکھکر پیش کریں تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ اس کی تیاری کے ہر مرحلہ پر مستند کتب تفسیر و لغت و تاریخ وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کتب کی طویل فہرست پڑھنے والے کو متاثر کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس ترجمہ و تفسیر کے تیار کرنے والوں نے نہ صرف تمام مشہور عربی تفسیروں کو زیر مطالعہ رکھا ہے۔ بلکہ ان کے ساتھ ساتھ یورپین مستشرقین

---

[۱] "حیات فخر الانبیاء" صفحہ ۱۱۰ تا ۱۲۲ مؤلفہ مولانا شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی ناشر محمد احمد اکیڈمی رام گلی نمبر ۳ لاہور طبع اوّل ۱۹۶۳ء

نے تنقیدی رنگ میں جو کچھ لکھا ہے۔ اسے بھی مدنظر رکھا ہے۔ اگر صرف ترجمہ پر نظر ڈالی جائے تو کہنا پڑتا ہے۔ کہ ترجمہ کی انگریزی غلطیوں سے پاک اور بڑی پُر زور ہے۔

تفسیر سے پہلے جو دیباچہ ہے۔ وہ ۲۷۵ بڑے سائز کے صفحات کا ہے اس کی چھپائی باریک ٹائپ کی ہے اس میں نبی اسلام حضرت محمدؐ کی پوری سوانح عمری درج ہے۔ قرآن شریف کس طرح نازل ہوا۔ اور پھر کس طرح موجودہ شکل میں جمع ہوا۔ اس کی تاریخ دی گئی۔ اصولی تعلیمات قرآن کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ غیر مسلم معترضین کے اعتراضوں کا رد بھی اس میں ہے۔ اور دوسرے مذاہب پر مناسب تنقید بھی، غیر مسلم پڑھنے والوں کو اس کے کئی حصے یکطرفہ اور معترضانہ رنگ لئے ہوئے معلوم ہونگے۔ لیکن یاد رہے یہ حصے بھی خلوص نیت سے لکھے گئے ہیں۔ اور نہایت توجہ سے پڑھے جانے کے لائق ہیں۔ ان سے پتہ لگتا ہے کہ متقی اور اہل علم مسلمان جب دوسرے مذاہب کی روائتی تعلیموں پر اعتراض کرتے ہیں۔ تو ایسا کیوں کرتے ہیں۔

اس ترجمہ اور تفسیر کی پہلی جلد ایسے وقت میں منظر عام پر آئی ہے۔ جبکہ جماعت احمدیہ ہندوستان میں شدید آلام و مصائب کا شکار ہو رہی ہے۔ ان مجنونانہ مظالم کی داستان زیادہ لوگوں کو معلوم ہونی چاہیئے۔ ہندوستان میں اقتدار کی منتقلی کا بھیانک پہلو یہی مظالم ہیں۔ لیکن جس طرح جماعت احمدیہ نے ان مظالم کا مقابلہ کیا۔ اس سے اُس صبر اور ثبات اور شجاعت کا ثبوت ملتا ہے جو اس جماعت کا شروع ہی سے طرۂ امتیاز رہا ہے دُنیا بھر کے نیک خیال لوگ دل سے چاہیں گے۔ کہ یہ شاندار ترجمہ و تفسیر جلد تکمیل کو پہنچے۔ علم اور تحقیق اور للّٰہیت کے اس شاہکار کو کون ہے جو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھے گا؟

یہ شاندار کام حضرت مرزا البشیر الدین محمود کی زیر نگرانی سرانجام پایا ہے۔ جن کو مسیح موعود کا دوسرا جانشین اور خلیفہ کہا جاتا ہے اسے صدر انجمن احمدیہ قادیان ہندوستان نے شائع کیا ہے۔ ہمارے سامنے اس کی پہلی جلد ہے دو جلدیں اور شائع ہوں گی۔ اس پہلی جلد میں ۲۷۶ صفحات کا دیباچہ ہے۔ جس میں قرآن شریف کا تعارف کرایا گیا ہے۔ دیباچہ کے بعد ۹۷۰ صفحات میں آمنے سامنے کالموں میں متن قرآن اور اس کا انگریزی ترجمہ اور تفسیری نوٹ (حل لغات اور معانی دونوں پر مشتمل) درج کئے گئے ہیں۔ گویا ناظرین کے لئے قرآن فہمی کا بیش بہا سامان مہیا کیا گیا ہے

لیکن پھر بھی اس میں سے اکثر عربی نہ جاننے کی وجہ سے اس سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ اس لئے وہ تحریک اور تنظیم جس کی ہمت سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے ان کے لئے زیادہ کشش اور دلچسپی کا موجب ہوگی۔ سو مختصراً یہ کہہ دینا کافی ہے۔ کہ احمدیہ تحریک کی بنیاد حضرت مرزا غلام احمد نے پنجاب میں ۱۸۹۰ء میں رکھی۔ احمدی عقیدہ کے مطابق مرزا صاحب موصوف نے دعوے کیا کہ وہ وہی مہدی ہیں۔ جس کی آمد کی پیشگوئی نبی اکرم حضرت محمدؐ نے کی۔ اور وہ وہی مسیح ہیں جس کی آمد کی خبر بائیبل میں اور اسلامی کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہے۔ خلیفہ ثانی (جن کی نگرانی میں یہ ترجمہ و تفسیر شائع ہوئی ہے) بانی احمدیت کے بیٹے ہیں۔ آپ خود ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے اور اب پاکستان میں آچکے ہیں۔ اور پاکستان میں رہتے ہیں۔ آپ کو بانی احمدیت کی پیشگوئیوں میں کلمۃ اللہ کہا گیا ہے۔ احمدیہ جماعت کا ایمان ہے کہ یورپ کا اکثر حصہ مسلمان ہو جائیگا۔ اور حضرت احمد مسیح موعود و مہدی معہود پر ایمان لے آئیگا۔ دوسرے مذاہب اپنا موجودہ مقام کھو بیٹھیں گے۔ ان کی جگہ اسلام اور احمدیت کا دور دورہ ہوگا حضرت احمد کے ماننے والے دنیا پر چھا جائیں گے۔ اور دوسرے مذاہب کے ماننے والے کمزوری اور کسمپرسی کی حالت میں آجائیں گے۔

احمدیہ جماعت کے کئی مرکز قائم ہو چکے ہیں۔ اور قرآن شریف کا یہ شاندار ایڈیشن اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے پاس کام کرنے کے وسائل کی کمی نہیں۔

ڈاکٹر چارلس ایس بریڈن امریکہ

ڈاکٹر چارلس ایس بریڈن صدر شعبہ تاریخ و ادب مذہبیات نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی ایونسٹن امریکہ نے لکھا:۔

"کتاب کی طباعت نہایت عمدہ ہے ٹائپ بھی اعلیٰ ہے اور سہولت سے پڑھا جا سکتا ہے بحیثیت مجموعی انگریزی زبان کے اسلامی لٹریچر میں یہ ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ جس کے لئے دنیا جماعت احمدیہ کی از حد ممنون ہے"۔

پروفیسر ایچ اے آر گب

پروفیسر ایچ اے آر گب نے لکھا:۔

"اس کے پڑھنے کے بعد میں نے اس کے ترجمہ کا مطالعہ کیا۔ یہ ترجمہ قرآن مجید کو انگریزی زبان کا جامہ پہنانے کی ہر سابقہ کوشش کے مقابلے میں زیادہ قابلِ تحسین ہے"۔

رچرڈ بیل

رچرڈ بیل نے لکھا :"زبان کے لحاظ سے اس کی انگریزی نقائص سے پاک ہے اور طباعت کی غلطیاں غیر معمولی طور پر کم ہیں ۔ یہ امر ظاہر ہے کہ جس حد تک ممکن ہو سکتا تھا قرآن کو مکمل طور پر پیش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا ۔ یقیناً قرآنی تعلیمات کو جامعیت کے ساتھ پیش کرنے کا یہ انداز جدّت کا حامل اور ہر طرح تحسین کے قابل ہے ۔ اگر انجمن اقوام متحدہ اسمیں بیان کردہ اصولوں پر عمل پیرا ہو سکے تو یقیناً کسی حد تک وہ اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کر سکتی ہے ۔ تفسیر جامع ہے اور بہت حد تک روحانی افکار اور ان کی احسن تفہیم کی آئینہ دار ہے اگرچہ بعض تفصیلات ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں اختلافی بحث کا دروازہ کھل سکتا ہے تاہم اس امر کا اعتراف نہ کرنا احسان ناشناسی ہوگی کہ ایک عظیم اور قابل تحسین کوشش کا یہ پہلا ثمرہ ہے جو ہمیں (اس ترجمہ اور تفسیر کی شکل میں) میسر آیا ہے ۔ یہ کوشش مصنفین کے حق میں بلا شبہ ایک محبت آمیز شفقت کا درجہ رکھتی ہے ۔ قرآنی تعلیمات کو ایک ایسی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کہ جو موجودہ زمانہ کی ضروریات کے مناسب حال ہو روحانی زندگی اور تبلیغی جدوجہد کی آئینہ دار ہے اور مجموعی لحاظ سے روشن خیالی اور ترقی پسندی پر دلالت کرتی ہے "۔

ریجس بلاشیر پروفیسر ادبیات عربی

ریجس بلاشیر پروفیسر ادبیات عربی مدرسۃ السنہ شرقیہ پیرس نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا :۔" یہ ترجمہ جیساکہ فرانسیسی زبان کی ایک مثال ہے "متن کا ہو بہو چربہ ہے "۔ ترجمہ کی یہ صحت جس سے قرآن کے مبہم اور مشکل مقامات کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے ۔ تعریف سے بالا ہے ۔ اس ترجمہ کے بارے میں یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس سے قبل قرآن کریم کے یورپی زبانوں میں جس قدر تراجم ہوئے ہیں وہ اس اہتمام سے عاری ہیں کہ وہ لوگ بھی جو عربی متن کے ظاہری اور باطنی مطالب سے نابلد ہوں اس سے فائدہ اٹھا سکیں ۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ ایسی کتاب (تفسیر) جو یورپ میں حقیقۂ اسلام کو مقبول بنانے میں تاریخی حیثیت اختیار کرے گی جلد سے جلد پایہ تکمیل کو پہنچے "

شامی پریس اور اکابر دمشق کا خراج تحسین

مشہور مسیحی اخبار النصر نے لکھا کہ :۔

" جماعت احمدیہ نے امریکہ اور یورپ کے بڑے حصوں میں ثقافت اسلامیہ کی اشاعت کا نمایاں کام کیا ہے اور یہ کام لگاتار مبلغین کی روانگی سے

ہو رہا ہے اور مختلف کتب و اشتہارات کی اشاعت سے بھی جن کے ذریعہ فضائل اسلام اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو بیان کیا جاتا ہے۔

ہمیں قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ دیکھ کر بہت ہی خوشی ہوئی ہے یہ ترجمہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ کی زیر نگرانی کیا گیا ہے۔ ترجمہ قرآن مجید جاذب نظر اور ناظرین کے لئے قرۃ العیون ہے۔ یہ ترجمہ بلند پایہ خیالات کا حامل ہے۔ کاغذ نہایت عمدہ ہے۔ قرآنی آیات ایک کالم میں درج ہیں اور دوسرے کالم میں بالمقابل انکا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ بعد ازاں مفصل تفسیر کی گئی ہے مطالعہ کرنے والا ان تفاسیر جدیدہ میں مستشرقین اور یورپین معاندین کے اعتراضات کے مفصل جوابات پاتا ہے۔ . . . یہ امر قابل ذکر ہے کہ امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب نے اس ترجمہ کے ساتھ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بھی تحریر فرمائی ہے اور یہ سیرت و ترجمہ بے نظیر ہیں۔"[1]

۳۔ "الاخبار" (دمشق) نے مندرجہ ذیل عنوان سے خبر شائع کی:۔

"جماعت احمدیہ کی طرف سے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ اپنی مثال آپ ہے۔"[2]

ملک میں جھوٹی افواہیں اور حضرت مصلح موعود کی طرف سے اس کا تجویز فرمودہ علاج

ملک کے سیاسی تغیرات کے باعث حکومت نے اعلانوں اور خبروں کی اشاعت پر پابندی عائد کر دی تھی جس سے ملک میں ہر طرف جھوٹی افواہیں پھیلنا شروع ہو گئی تھیں جس پر حضرت مصلح موعود نے ۲۳ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کے خطبہ جمعہ میں ہی حکومت کو مشورہ دیا کہ بجائے اس کے کہ گورنمنٹ اخبارات پر خبروں کی اشاعت کے متعلق کوئی پابندیاں عائد کرے اسے چاہیئے کہ وہ ایسے موقع پر عملہ کو زیادہ بڑھا دے اور اخبارات میں جو جھوٹی خبریں شائع ہوں وہ عملہ ان جھوٹی خبروں کی تردید کرتا رہے . . . یا اس کا ایک طریق یہ تھا کہ گورنمنٹ خود سچی خبروں کو شائع کرا دیتی . . . یا پھر تیسرا طریق یہ تھا کہ واقعات اور خبریں تو حسب سابق اخبارات میں شائع ہوتی رہیں مگر ہندو اور مسلمان اخبارات کے متضاد بیانات کی موجودگی

---

[1] روزنامہ "النصر" ۱۲ ستمبر ۱۹۴۸ء اس اخبار کے ایڈیٹر الاستاذ ودیع فیاض ہیں جو امریکن یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں۔

[2] الفضل ۲۶ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ ہش صفحہ ۵ سے ماخوذ (مضمون شیخ نور احمد صاحب منیر مبلغ بلاد عربیہ)

میں جو بھی سچا واقعہ ہوتا گورنمنٹ اس کی تصدیق کر دیتی اور اگر دونوں کی باتیں غلط ہوتیں تو گورنمنٹ دونوں کی تردید کر دیتی اس طریق سے یقیناً افواہیں اپنا بُرا اثر نہ پھیلا سکتیں ۔ ۔ ۔ جمہوری حکومتوں کا یہ طریق ہے کہ وہ ایسی خبروں کو نہیں روکتیں بلکہ جو خبر غلط ہوتی ہے اس کی تردید کر دیتی ہیں بلکہ اصل مصلحت بھی اس بات میں ہوتی ہے کہ گورنمنٹ اخبار والوں سے کہہ دے کہ جو مرضی ہے شائع کرو لیکن اگر جھوٹی خبر شائع کی تو ہم تمہیں سزا دیں گے ۔ ۔ ۔ سزا کے لئے یہ ضروری نہیں کہ چھ ماہ یا سال یا دو سال کی قید ہی ہو بلکہ قید کی سزا دینے میں یہ نقص ہوتا ہے کہ اس طرح سزا بھگتنے سے ایک شخص قوم کا لیڈر اور سردار بن جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس نے قوم کی خاطر قید کاٹی میرے نزدیک ایسے اخبار کیلئے صرف یہی سزا کافی ہے کہ اس کے متعلق عدالت یہ فیصلہ کرے کہ اس نے فلاں جھوٹ بولا ۔ اور پھر اخبار والوں کو مجبور کیا جائے کہ تم اپنے اخبار میں یہ شائع کرو کہ میں نے فلاں معاملہ میں جھوٹ بولا تھا ۔ اصل خبر یہ تھی ۔ پس میرے نزدیک اخبارات کو پورا موقع دینا چاہیئے کہ وہ خبروں کو شائع کریں ۔ جب لوگوں کے پاس ساری خبریں پہنچ جائیں گی تو جھوٹی افواہیں فساد نہیں پھیلا سکیں گی ۔"[۵]

قادیان کے غیر احمدیوں اور غیر مسلموں کی حفاظت کا عہد

حضرت مصلح موعود نے اپنے بابرکت زمانہ خلافت میں ہمیشہ کوشش کی کہ قادیان میں امن قائم رہے اور دشمنوں کی اشتعال انگیزیوں و فتنہ سامانیوں کے باوجود آپ کی یہ کوششیں ہمیشہ کامیاب رہیں اب جبکہ جلد ہی انگریز جا رہے تھے اور ملک کی باگ ڈور ملکی باشندوں کو سپرد ہونے والی تھی فرقہ وارانہ تلخیوں نے پورے ملک کی فضا کو مکدر کر دیا تھا ۔ ظاہر ہے کہ قادیان اور اس کا ماحول اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے ۲۳ ہجرت / مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو ایک مفصل خطبہ ارشاد فرمایا جس میں واضح لفظوں میں اعلان فرمایا کہ قادیان کے غیر احمدی ، سکھ اور ہندو ہماری امانتیں ہیں ہم اپنے عزیزوں سے بڑھ کر ان کی حفاظت کریں گے ۔ چنانچہ فرمایا :-

"یہ ایک حقیقت ہے کہ قادیان کے امن کی ذمہ داری درحقیقت مجھ پر عائد ہوتی ہے کیونکہ قادیان کی

---

[۵] الفضل ۲۹ ہجرت / مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء

۸۵ فیصدی آبادی احمدی ہے یعنی انہوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر حکم میں میری اطاعت کریں گے۔ اِن حالات میں قادیان کے امن کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور میں ایک انسان ہوں۔ غیب کا علم نہیں رکھتا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جماعت کا کوئی فرد کسی وقت اشتعال میں آکر کوئی غلطی کر بیٹھے اور اگر کوئی شخص ایسا کرے تو یہ اس کا ذاتی فعل ہوگا جماعت اس کے اس فعل سے بیزار ہوگی۔ ہماری جماعت کی انتہائی کوشش یہی ہوگی کہ قادیان میں کلی طور پر امن رہے لیکن اگر کوئی شخص میری ہدایات کے باوجود غلطی کرتا ہے تو یہ اس کی جزوی اور انفرادی غلطی ہوگی جماعت اس سے بری الذمہ ہوگی۔ ہاں چونکہ میں امن کی تعلیم دیتا ہوں یہ نہیں ہو سکتا کہ جماعت کی اکثریت فساد میں مبتلا ہو جائے لیکن اس کے ساتھ ہی جو باقی پندرہ فی صدی لوگ ہیں ان کا بھی فرض ہے کہ وہ ارد گرد کے لوگوں کو سمجھائیں کہ وہ فساد نہ کریں اور اگر ان تمام باتوں کے باوجود خدانخواستہ باہر کے لوگ کوئی فساد کھڑا کریں تو اس فساد کی ذمہ داری ہم پر نہیں بلکہ دوسروں پر ہوگی۔ جو شخص کسی کے منہ پر تھپڑ مارتا ہے وہ اس کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کے منہ پر تھپڑ مارا جائے مگر ظالم کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ ایک طرف ظلم بھی کرتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی توقع رکھتا ہے کہ میرے منہ پر تھپڑ نہ مارا جائے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا تو کرتے ہیں کہ وہ ہمیں فساد سے محفوظ رکھے لیکن اگر خدانخواستہ فساد ہو گیا تو شرعاً اور اخلاقاً جماعت احمدیہ کا حق ہوگا کہ ظالم کے منہ پر اسی طرح تھپڑ مارے جیسا کہ اس نے مارا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مواقع پر ہم نے امن کو قائم رکھنے کے لئے بہت زیادہ نرمی اختیار کی ہے۔ احرار کی شورش کے ایام میں بھی میں نے کہا تھا کہ اگر کوئی شخص دیکھے کہ اسکے باپ یا بھائی کو مارا جا رہا ہے تو وہ بھی چپ کر کے گذر جائے لیکن اسلامی قانون یہ تقاضا نہیں کرتا کہ ہر موقع پر تم ایک ہی طریق اختیار کرو۔ نہ ہی اسلامی تمدن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر موقع پر خاموشی اختیار کی جائے بلکہ اسلام یہ کہتا ہے کہ مناسب حال جو موقع ہو ویسا کرو۔ پس میرا فرض ہے کہ میں قادیان میں امن قائم رکھوں لیکن اگر دشمن کی طرف سے حملہ ہو اور جماعت اس کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرے تو اس کا ذمہ دار دشمن ہوگا نہ جماعت احمدیہ۔ اور اس فساد کی ذمہ داری اس پر ہوگی نہ کہ جماعت احمدیہ پر۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں اَلْبَادِیْ اَظْلَمُ اصل ظالم وہ ہوتا ہے جو فساد کی ابتداء کرتا ہے۔ پس تو ہم کوشش کر رہے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے صلح اور امن

کو قائم رکھا جائے اور ہم ارد گرد کے علاقہ میں بھی یہی کوشش کر رہے ہیں اور دوزنز دیک کے سب لوگوں کو سمجھا رہے ہیں کہ کوئی فریق ابتداء نہ کرے لیکن اس امر کو ہندو سکھ سب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر فساد ہوا تو صرف ہمارے لئے نہیں ہو گا بلکہ سب کے لئے ہو گا اور سب کو مل کر امن قائم رکھنے کی کوشش کرنا چاہیئے لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود ہم وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ فساد نہیں ہو گا اور ہماری کوششیں ضرور کامیاب ہوں گی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی جوشیلا فریق اشتعال میں آکر اخلاق اور روحانیت کا ظلم واستبداد کے استھان پر چڑھاوا چڑھاوے ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ قادیان فساد کی لپیٹ میں آجائے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ایسا وقت نہ آئے لیکن اگر خدانخواستہ فساد ہو جائے تو میں قادیان کے احمدی سے کہوں گا کہ بہادری اور جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے جان دیدو اور یہ ثابت کر دو کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان کی قربانی سب سے آسان قربانی ہے۔ ہم کسی سے لڑنے کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ کبھی اس قسم کا خیال ہمارے دل میں آنا چاہیئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ۔ تم دشمن سے لڑائی کی خواہش بھی نہ کرو اپنے خیالات امن اور صلح والے رکھو کیونکہ جس شخص کے دل میں لڑائی کے خیالات موجزن ہوں گے وہ ذرا سی بات سے ہی مشتعل ہو جائیگا اور جس شخص کے دل میں صلح و آشتی کے خیالات ہوں گے وہ جلدی مشتعل نہیں ہو گا۔ یہ قدرت کا ایک قانون ہے کہ انسان اپنی حالت کو یکدم نہیں بدل سکتا۔ فرض کرو کوئی شخص قہقہہ مار کر ہنس رہا ہو اور اسے یہ خبر دی جائے کہ تمہارا بیٹا مر گیا ہے تو یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ اسی وقت یکدم رونا شروع کر دے بلکہ اس کی ہنسی تھوڑی دیر میں رکے گی۔ پھر وہ کچھ دیر کے بعد افسردہ ہو گا۔ پھر آنسو بہانا شروع کر دے گا اسی طرح جس شخص کے دل میں صلح و آشتی کے خیالات ہوں وہ یکدم مشتعل نہیں ہو سکتا۔ جب ریل اپنا کانٹا بدل لیتی ہے تو وہ بھی آہستہ ہو جاتی ہے اور سست رفتار ہو کر اس جگہ سے گذرتی ہے۔ اگر وہ تیزی سے کانٹا بدلے تو اس کے الٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فطرت انسانی کیلئے یہ قانون بنایا ہے کہ وہ اپنی حالت کو آہستہ آہستہ بدلتی ہے۔ اگر فوراً حالت بدل جاتی تو ہسٹیریا یا جنون ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ پس جو دماغ پہلے سے لڑائی کے خیالات میں منہمک ہوتا ہے وہ فوراً مشتعل ہو جاتا ہے۔ لیکن جس دماغ میں صلح اور امن کے خیالات ہوتے ہیں وہ کچھ دیر کے بعد مشتعل ہوتا ہے اور اتنی دیر میں مجرم کا جرم ثابت ہو جاتا ہے پس میں جماعت کو نصیحت

کرتا ہوں کہ فساد ہی سے نہ بچو بلکہ جھگڑے ڈالنے والے خیالات بھی اپنے دماغ میں پیدا نہ ہونے دو۔ لیکن ہماری تمام کوششوں کے باوجود جو ہم صلح اور امن کے قیام کے لئے کر رہے ہیں اگر کوئی ایسا واقعہ ہو جائے جو فساد کی بنیاد رکھنے والا ہو تو یاد رکھو کہ اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ یہ حرام اور ناجائز ہے کہ جرم کوئی کرے اور سزا کسی کو دی جائے ہماری شریعت ہمیں یہ حکم دیتی ہے کہ جہاں تم رہتے ہو وہاں تم ایک دوسرے کے لئے امانت ہو۔ اس لحاظ سے قادیان کے ہندو، سکھ اور غیر احمدی ہمارے لئے بمنزلہ امانت ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ان کی حفاظت کریں اور ہندو سکھ اور احمدی غیر احمدیوں کے لئے بمنزلہ امانت ہیں اور ان کا فرض ہے کہ ان کی حفاظت کریں اسی طرح جہاں ہندو یا سکھ زیادہ طاقت ور ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کی حفاظت کریں کیونکہ مسلمان ان کے پاس بطور امانت ہیں۔ اسلامی شریعت کے لحاظ سے ہر شریف انسان کا فرض ہے کہ وہ امانت کو دیانتداری سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔ پس اگر خدانخواستہ قادیان خطرے میں پڑے تو میں قادیان کے ہندوؤں اور سکھوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم ان کی اپنے عزیزوں سے بڑھ کر حفاظت کریں گے اور اپنی طاقت کے مطابق ہر ممکن ذریعہ سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں گے۔"[1]

مسلمانانِ ہند کو تدبیر کامل اور یقین کامل سے کام لینے کی پُر زور تلقین

حضرت مصلح موعود ایک طرف جماعت احمدیہ کو اس کی ذمہ داریوں کا احساس دلا رہے تھے۔ تو دوسری طرف دوسرے مسلمانانِ ہند کو "نذیر مبین" کی حیثیت سے بیدار کر رہے تھے چنانچہ ۹/ ہجرت ۱۳۲۶ھش / ۹ مئی ۱۹۴۷ء کو حضور نے مجلس علم و عرفان میں مسلمانانِ ہند کو جھنجھوڑا کہ وہ اپنی ملّی زندگی کے نازک ترین دور میں داخل ہو چکے ہیں۔ انہیں شدید خطرے کے ان ایام میں تدبیر کامل اور یقین کامل سے کام لینا چاہیئے چنانچہ حضور نے فرمایا:-

"ان ایام میں مسلمان ایک نہایت ہی نازک دَور میں سے گذر رہے ہیں اور ان کے اندر موجودہ حالات کی نزاکت کا اتنا احساس نہیں پایا جاتا جتنا کہ پایا جانا چاہیئے ...... ان ایام میں ہم دیکھتے ہیں کہ چاہے مسلمان پنجاب اور بنگال میں اکثریت رکھتے ہیں مگر جب کبھی حقوق کا سوال اٹھتا ہے یورپین قومیں دشمن کے حق میں اور ان کے خلاف رائے رکھتی ہیں اور انگلستان اور امریکہ وغیرہ سے بھی جو آواز اٹھتی ہے وہ عام

---

[1] الفضل ۲۹/ ہجرت ۱۳۲۶ھش (۲۹ مئی ۱۹۴۷ء)

طور پر مسلمانوں کے خلاف ہوتی ہے.... اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت انگلستان کے لوگوں کے مدّ نظر کوئی مصلحت ہے یا حکومت کی طرف سے انہیں ایسا کرنے کیلئے کوئی اشارہ ہے... ادھر ہندوستان کے اندر انگریز افسر عام طور پر ہندوؤں اور سکھوں کی تائید کرتے ہیں مسلمانوں کی نہیں کرتے جہاں تک زیادتی اور ظلم کا سوال ہے اس کا دونوں قوموں نے ارتکاب کیا ہے ہم بُرے فعل کو ضرور بُرا کہیں گے مگر ہم ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ جہاں مسلمانوں پر ظلم ہوا ہے اس کے خلاف بھی آواز اٹھنی چاہیئے... جو اٹھتا ہے وہ کہتا ہے نواکھلی کے مظالم کو دیکھو راولپنڈی اور ملتان کے مظالم کو دیکھو مگر یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ کبھی بہار، گڑھ مکتیسر، احمد آباد، امرتسر اور لاہور کے مظالم کو بھی دیکھو۔ یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جو مسلمانوں کی آنکھ کھولنے کے لئے کافی ہیں اور وہ مسلمانوں کو اس خطرہ اور مصیبت سے آگاہ کر رہی ہیں جو اُن پر آنیوالا ہے مگر مسلمان ہیں کہ خواب خرگوش سے بیدار ہونے کا نام ہی نہیں لیتے زمانہ اُن کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا رہا ہے لیکن وہ جاگنے کا نام نہیں لیتے مصائب کے سیاہ بادل اُمڈے چلے آتے ہیں لیکن مسلمان اپنی آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں مخالفت کے طوفان ان کے سفینے پر بار بار تباہ کر دینے والی لہریں اچھالتے ہیں لیکن وہ ابھی تک یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ یہ سب کچھ خواب ہے... وہ اپنے وعدوں کی جھوٹی امید لگائے بیٹھے ہیں اور جب انہیں سمجھایا جائے کہ اس وقت مسلمانوں کو سخت خطرہ درپیش ہے تو کہیں گے نہ نہ نہ اس بات کا نام نہ لینا ورنہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور ان کی دلیری جاتی رہے گی...

میں سمجھتا ہوں کہ اگر مسلمان اپنے اندر ایک دوسرے کی ہمدردی کا جذبہ پیدا کرتے اور جہاں کہیں کسی مسلمان کو دکھ پہنچتا وہ جتھوں کی صورت میں اس کے پاس پہنچتے اس کے نقصان کی تلافی کرتے اور اس کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کرتے تو دشمن کبھی بھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکتا مگر افسوس کہ وہ اپنی اصلاح کی طرف سے بالکل غافل بیٹھے ہیں اور دعووں پر دعوے کرتے جا رہے ہیں ... اب دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مسلمان ایسے ہیں جن پر کلی طور پر خوف کی حالت طاری ہے اور وہ امید کے راستہ سے بھٹک چکے ہیں وہ لوگ کانگرس کے سامنے ہاتھ جوڑ رہے ہیں اس ڈر سے کہ اگر کانگرس ہم سے ناراض ہو گئی تو خدا جانے ہم پر کونسی آفت ٹوٹ پڑے گی اور کانگرس کی مخالفت سے ہمیں کیا کیا نقصانات برداشت کرنے پڑیں گے۔ پس ایک طبقہ مسلمانوں کا ایسا ہے

جو غلط خوف کی طرف جھکا ہوا ہے اور دوسرا طبقہ ایسا ہے جو غلط امیدیں لگائے بیٹھا ہے۔
حالانکہ مومن کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو راستہ تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس پر بیک وقت خوف و رجا کی حالت طاری ہے۔ ایک طرف اس کے دل میں دشمن کی طرف سے یہ خدشہ ہے کہ کب وہ اچانک اس پر حملہ کر دیتا ہے اور وہ اس کے لئے تدبیریں سوچتا رہے۔ دوسری طرف وہ اپنی طرف سے تمام تدبیریں کر چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل کا منتظر ہو جائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ سے ہجرت کی تو رات کے وقت کی اور آپ دشمن کی نظروں سے بالکل چھپ کر نکلے حالانکہ آپؐ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے آپؐ کو دشمن کے منصوبوں سے بچانے کے بے شمار وعدے تھے اور آپؐ نے ان وعدوں کے ہوتے ہوئے بھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضرور دشمنوں سے محفوظ و مصئون رکھے گا۔ حتی الامکان دشمن کی نظروں سے بچکر نکلنے کی کوشش کی۔ یہ نہیں کہا کہ آجاؤ مکے والو! مجھے پکڑ لو مگر اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہوسکتا کہ آپ ڈرتے تھے بلکہ آپ نے صرف احتیاطی پہلو اختیار کیا تھا ورنہ آپ کی دلیری کا یہ عالم تھا کہ جب آپؐ اپنے رفیق حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ غار ثور کے اندر تھے تو دشمن عین غار کے منہ پر پہنچ گیا اور اس کے ساتھ کھوجی بھی تھے جو پاؤں کے نشانوں کا کھوج لگاتے وہاں تک پہنچے تھے مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ماتحت جب آپؐ غار کے اندر داخل ہو گئے تو ایک مکڑی نے غار کے منہ پر جھٹ جالا تن دیا۔ دشمنوں نے یہ دیکھکر کہ غار کے منہ پر تو مکڑی کا جالا ہے اس میں سے کسی آدمی کے گزرنے کا امکان نہیں ہوسکتا یہ خیال کر لیا کہ آپؐ کسی اور طرف چلے گئے ہیں حالانکہ مکڑی دو یا چار منٹ کے اندر نہایت تیزی کے ساتھ اپنا جالا تیار کر لیتی ہے اور میں نے خود مکڑی کو جالا تنتے دیکھا ہے مگر چونکہ خدا تعالیٰ پردہ ڈالنا چاہتا تھا اس لئے دشمن کی سمجھ میں ہی یہ بات نہ آسکی اور انہوں نے کہدیا کہ یا تو وہ غار کے اندر ہیں یا آسمان پر چلے گئے ہیں کیونکہ پاؤں کے نشانات غار تک پہنچکر ختم ہو جاتے تھے اس وقت جبکہ دشمن یہ کہہ رہے تھے کہ یا تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور اس کا ساتھی غار کے اندر ہیں یا آسمان پر چلے گئے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اندر ان کی باتیں سن رہے تھے۔ ان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور آہستہ سے آپ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دشمن تو سر پر آپہنچا ہے۔ اس واقعہ کو قرآن کریم نے بھی بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

ابوبکرؓ ڈر نے کیوں ہو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پس ایک طرف تو آپ نے اتنی احتیاط کی کہ آپؐ مکہ سے چھپ کر نکلے اور دوسری طرف آپ کی امید کا یہ عالم تھا کہ باوجود اس کے کہ دشمن ہتھیاروں سے مسلح تھا اور اگر وہ ذرا بھی جھک کر غار کے اندر دیکھتے تو وہ آپؐ کو دیکھ سکتے تھے کیونکہ غار ثور کا مُنہ بڑا چوڑا ہے اور دونین گز کے قریب ہے۔ آپ نہایت دلیری اور حوصلہ کے ساتھ فرماتے ہیں ابوبکر! ڈر نے کیوں ہو اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا جب خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے تو ہمیں کس بات کا ڈر ہے۔ اِدھر حضرت ابوبکرؓ کے اخلاص کی یہ حالت تھی کہ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنے لئے تو نہیں ڈر رہا میں تو اس لئے ڈر رہا ہوں کہ اگر آپ خدانخواستہ مارے گئے تو خدا تعالیٰ کا دین تباہ ہو جائے گا۔" نیز فرمایا " پس آپ کو ایک طرف تو خدا تعالیٰ کے وعدوں پر پورا اور کامل یقین تھا اور دوسری طرف یہ سمجھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ غنی بھی ہے۔ آپ کو خوف بھی تھا مگر اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ احتیاط کی طرف سے کلی طور پر پہلو تہی کرتے ہوئے صرف امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرماتے ہیں مومن کو امید کی بھی اور احتیاط کی بھی سخت ضرورت ہے مگر مسلمان کہتے ہیں دیکھا جائیگا آجکل کے مسلمان دونوں حدود کے سر پر پہنچے ہوئے ہیں حالانکہ اصل طریق جو اُن کو اختیار کرنا چاہئیے وہ یہ ہے کہ خوف اور امید کی درمیانی راہ تلاش کریں اور خدا تعالےٰ کے بنائے ہوئے راستوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تجویزوں پر عمل کریں۔ ایک طرف انہیں انتہا درجہ کی تنظیم کرنی چاہئیے اور دوسری طرف خدا تعالےٰ پر کامل یقین رکھنا چاہیئے"۔[1]

تمام احمدی بالغ مردوں اور عورتوں کو باقاعدہ تہجد پڑھنے کی تحریک

حضرت مصلح موعود نے ۱۳ ر احسان / جون ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء کے خطبہ جمعہ میں احباب جماعت کو ملک کی تشویشناک صورت حال کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ " آجکل ہمارے ملک پر ابتلا کے بعد ابتلا آرہا ہے ہر آنے والا معاملہ پہلے کی نسبت زیادہ سنگین اور شدید صورت اختیار کرتا جارہا ہے۔ اسوقت تقسیم ملک کا سوال درپیش ہے اور اس کے متعلق جس جس رنگ میں تجویزیں پیش ہو رہی ہیں۔ اُن کو دیکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ ہمارا ملک کہیں ایسی شکل نہ اختیار کر جائے جیسا کہ ہزار پائے کے پاؤں ہوتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ملک کے چھوٹے چھوٹے حصے کر دیئے گئے تو کوئی حصہ بھی آزادی کے

[1] الفضل ۱۷ ر احسان / جون ۱۳۲۶ہش

ساتھ ترقی نہیں کر سکے گا۔ اگر یہی جوش و خروش رہا تو ملک کا چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو جانا کوئی بعید از قیاس بات نہیں۔ درحقیقت یہ تقسیم ایسے رنگ میں ہونی چاہیئے کہ ملک کے باشندوں کے لئے آرام دہ اور نفع مند ثابت ہو لیکن جیسا کہ میں نے اس سے قبل کئی دفعہ بتایا ہے ان باتوں میں ہمارا کوئی دخل نہیں کیونکہ ہم تو ایک اقلیت ہیں اور فیصلہ اکثریت نے کرنا ہے ... ہم جو بات سیاسی مشورہ کے طور پر بیان کرتے ہیں وہ محض لوگوں کی بہتری اور بہبودی کے لئے بیان کرتے ہیں ورنہ سیاسی طور پر ہم اسے جاری نہیں کر سکتے کیونکہ اگر ہماری جماعت سیاسی کاموں میں لگ جائے تو دین کا خانہ خالی رہ جائے اور مذہب کا پہلو کمزور ہو جائے"

ازاں بعد حضور نے احمدی بالغ مردوں اور عورتوں کو باقاعدہ تہجد پڑھنے اور دعائیں کرنے کی خصوصی تحریک کی چنانچہ فرمایا:- " ان حالات میں ہمارے لئے صرف ایک ہی صورت رہ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دن رات دعائیں کریں جیسا کہ آج تک ہماری جماعت ایسے نازک موقعوں پر ہمیشہ دعائیں کرتی رہی ہے اور اکثر اوقات اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کی دعاؤں کو قبول فرمایا ہے یہ موقع بھی نہایت نازک مواقع میں سے ہے اس لئے تمام جماعت کو التزام کے ساتھ یہ دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو ان ناقابل برداشت فتنوں سے بچائے عام طور پر ہمارے ملک کے لوگ جغرافیہ سے ناواقف ہیں اور اس وجہ سے وہ ایسی باتوں کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے اب بھی جو صورت حالات پیدا ہونے والی ہے آپ لوگ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ کیونکہ آپ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے نقشے نہیں لیکن میری آنکھوں کے سامنے سب نقشے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ کس میدان میں لڑائی لڑی جا رہی ہے اگر اس قسم کے خطرناک اقدام کئے گئے تو اس سے دونوں فریق ہی نقصان اٹھائیں گے میں سمجھتا ہوں کہ ملک کے بٹوارے سے زیادہ مصیبت ان حد بندیوں کی وجہ سے پیدا ہوگی اور ملک کی آزادی پہلی غلامی سے بھی بدتر ہوگی ... حکومتوں کی تبدیلی عوام الناس پر اتنی اثر انداز نہیں ہوتی جتنی کہ سرحدوں کی تبدیلی ان پر اثر انداز ہوتی ہے اس قسم کے بٹوارے کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسا کہ دو ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کر دیا جائے ... پس ان تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہماری جماعت کو خصوصیت کے ساتھ دعائیں کرنی چاہئیں بلکہ تمام بالغ مرد اور عورتوں کو تہجد کیلئے اٹھنا چاہیئے اور اگر زیادہ نہیں تو دو نفل ہی پڑھ لینے چاہئیں اور جو مرد اور عورتیں اس سے پہلے تہجد نہیں پڑھتے انہیں باقاعدگی کے ساتھ تہجد پڑھنی شروع کر دینی چاہیئے اور نہایت تضرع اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان مشکلات کا حل پیدا کرے اور یہ مصیبت ہمارے ملک کے لئے باعث رحمت بن جائے" (الفضل ۱۴ راحسان ۱۳۲۶ ہش صفحہ ۱ و ۳
۱۹۴۷ء)

فصل ششم

چار ممتاز اور مشہور بزرگوں کی المناک رحلت

اس سال (تقسیم ہند سے قبل) جماعت احمدیہ کو یکے بعد دیگرے چار ایسے ممتاز اور مشہور بزرگوں کی مفارقت کے پے در پے صدمات سہنے پڑے جن کی پوری زندگی اسلام اور احمدیت کی بے لوث خدمت میں گذری اور جن کا وجود سلسلہ احمدیہ کے لئے آیۂ رحمت تھا۔ ان بزرگوں کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت سیٹھ محمد غوث صاحب رضؓ حیدر آبادی (وفات ۲۸ تبلیغ/فروری ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء بعمر قریباً ۷۰ سال) [۱]

۲۔ حضرت بابو عبدالرحمٰن صاحب رضؓ امیر جماعت احمدیہ انبالہ (وفات ۱۱ امان/مارچ ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء) [۲]

۳۔ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب رضؓ (وفات ۳ احسان/جون ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء) [۳]

۴۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب رضؓ (وفات ۱۸ وفا/جولائی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء) [۴]

ان بزرگوں کے مختصر سوانح ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

حضرت سیٹھ محمد غوث صاحب حیدر آبادی

حضرت سیٹھ صاحب ایک تجارت پیشہ خاندان میں پیدا ہوئے آپ حضرت سیٹھ شیخ حسن صاحب احمدی (صحابی) یادگیر کے چچازاد بھائی تھے اور انہی کی تحریک و تبلیغ سے خلافتِ اولیٰ میں احمدیت سے منسلک ہوئے۔

حضرت سیٹھ صاحب نے بیعت کے بعد جس احساس و اضطراب کو اپنے اندر پایا وہ حضرت مسیح موعود کے عصر سعادت کو پانے کے باوجود اس کی برکات سے محروم رہ جانے کا کرب تھا۔ یہ احساس انہیں ہر وقت بیقرار رکھتا۔ یہی عاشقانہ جذبہ ان کو صحابہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کرتے وقت بیتاب کر دیتا۔ اور جیسا کہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے ان کے مفصل سوانح میں لکھا ہے اس خصوص میں ان کی حالت حضرت منشی اروڑے خاں صاحب رضی اللہ عنہ سے ملتی ہے جو بعد وصالِ مسیح موعود ہونے کے سکے نذر پیش

---

[۱] "الفضل" ۱۴ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۵؛ [۲] "الفضل" یکم شہادت/اپریل ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴؛
[۳] " ۱۴ احسان/جون " صفحہ ۸؛ [۴] " ۱۹ وفا/جولائی " صفحہ ۱؛

کرنے کے لئے آئے اور بیتاب ہو گئے۔[1]

حضرت سیٹھ صاحبؓ نے اپنے ایمان کی ترقی اور اس متاعِ گم گشتہ کو پانے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اہلبیت خصوصاً حضرت مصلح موعود سے محبّت و اخلاص اور فدائیت و شیدائیت میں یہانتک ترقی کی اور اپنے مخلصانہ تعلق کو اس قدر بڑھایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود اور دوسرے افراد خاندانِ مسیح محمدی علیہ السلام نے انہیں اپنے خاندان ہی کا فرد سمجھا اور بارہا اپنی تقریروں اور مختلف تقریبوں میں اس کا اظہار بھی فرمایا۔[2]

حضرت مصلح موعود نے ۱۴ر شہادت / اپریل ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء کو نماز جمعہ کے بعد آپ کا جنازہ غائب پڑھایا اور خطبہ ثانیہ میں آپ کی نسبت فرمایا:۔

"حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں میری ان سے واقفیت ہوئی اور مَیں جب حج کے لئے گیا تو مَیں نے ان کو بمبئی میں دیکھا کہ اس وقت انہوں نے ایسے اخلاص اور محبت کا ثبوت دیا کہ اس وقت سے اُن کے تعلقات میرے ساتھ خانۂ واحد کے تعلقات ہو گئے مَیں اپنے سامان کی تیاری کے لئے جہاں جاتا وہ سائے کی طرح میرے ساتھ لگے رہتے اور جہاز تک انہوں نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اُن کا اخلاص اتنا گہرا تھا۔ کہ عبدالحی صاحب عرب نے (جن کو مَیں اپنے ساتھ بطور ساتھی لے گیا تھا) ایک دفعہ پانی پینے کے لئے ایک خوبصورت گلاس نکالا۔ مَیں نے اُن سے پوچھا کہ یہ پہلے تو آپ کے پاس نہیں تھا اب آپ نے کہاں سے لیا ہے۔ تو انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے سیٹھ صاحب نے لے کر دیا تھا کہ جب اس میں پانی پیو گے تو مَیں یاد آجاؤں گا اس وقت ان کو میرے لئے دُعا کے لئے یاد کرا دینا۔ دوسری دفعہ جب مَیں بمبئی گیا تو سیٹھ صاحب پھر حیدر آباد سے بمبئی پہنچ گئے حالانکہ حیدر آباد سے بمبئی بارہ چودہ گھنٹے کا راستہ ہے لیکن پتہ چلتے ہی فوراً وہاں پہنچ گئے اور آخر دن تک ساتھ رہے بلکہ مجھے اُن کا ایک لطیفہ اب تک یاد ہے۔ وہ ایسے ساتھ ہو لئے کہ ان کا ساتھ دینا گراں گذرنے لگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم جہاں جاتے کھانے کا وقت آتا وہ اسی جگہ کسی اچھے سے ہوٹل میں تمام قافلہ

---

[1] "الفضل" ۱۱ر شہادت / اپریل و ۵ر وفا / جولائی ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء (مضمون حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)۔

[2] ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد ہشتم صفحہ ۶۱۹ و تاریخ احمدیت جلد نہم صفحہ ۲۴۲۔

کے لئے کھانے کا انتظام کر دیتے اور کھانا کھانے پر مجبور کرتے۔ آخر میرے دل میں خیال آیا کہ اب تو حد سے زیادہ مہمان نوازی ہو گئی ہے۔ ایک دن مَیں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آپ لوگ سیٹھ صاحب کو کیوں ساتھ لے لیتے ہیں۔ وہ جہاں جاتے ہیں وہیں کھانے کا انتظام کر دیتے ہیں اور اب تو مہمان نوازی بہت لمبی ہو چکی ہے۔ چنانچہ یہ طے ہوا کہ آج وقت سے دو گھنٹے پہلے ہی یہاں سے نکل جائیں تاکہ جب سیٹھ صاحب آئیں تو اُن کو ہمارے متعلق علم نہ ہو سکے۔ ہم لوگ موٹروں میں بیٹھ کر دو گھنٹے پہلے ہی گھر سے روانہ ہو گئے۔ کچھ دُور جا کر پھر ہم ریل میں سوار ہوئے۔ جب ریل اس سٹیشن پر جا کر کھڑی ہوئی جہاں ہم نے اُترنا تھا تو ہم نے دیکھا کہ سیٹھ صاحب بھی وہاں کھڑے ہیں۔ جب ہم اُترے تو انہوں نے آتے ہی السّلام علیکم کہا اور کہا چلئے کھانا تیار ہے۔ ہم حیران ہوئے کہ ان کو ہمارے پروگرام کا کس طرح علم ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے جب بھی بمبئی جانے کا اتفاق ہوا سیٹھ صاحب بھی بمبئی پہنچ جاتے اور قیام کے دوران میں میرے ساتھ رہتے۔ اس عرصہ میں ان کی بیویوں کے میری بیویوں سے اور ان کی بچیوں کے میری بچیوں سے اور میرے بچوں کے اُن کے بچوں سے تعلقات ہو گئے اور آہستہ آہستہ یہ تعلقات ایک گھر کی مانند ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُن کے بچوں اور بچیوں میں بھی بہت اخلاص ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کو سلسلہ کی خدمت کرنے کی توفیق دے رہا ہے۔ ان کے بڑے لڑکے محمد اعظم صاحب سکرٹری مال ہیں اور جماعت کے معیار کو بلند کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے بیٹے معین الدین صاحب ہیں۔ وہ حیدر آباد میں خدام الاحمدیہ کے قائد ہیں اور تیسرا بچہ ابھی چھوٹا ہے اور تعلیم حاصل کر رہا ہے اور ان کی لڑکیوں کے میری بیوی امۃ الحی مرحومہ سے بھی بہت تعلقات تھے"[1][2]

---

[1] "الفضل" ۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲

[2] حضرت سیدنا المصلح الموعود نے آپ کے بارے میں ۱۲ تبلیغ/فروری ۱۳۳۰ ہش/۱۹۵۱ء کے خطبہ جمعہ میں یہ واقعہ بھی بیان فرمایا تھا:-

"ایک جلسہ پر مَیں نماز پڑھانے لگا۔ عموماً لوگوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ نماز میں میرے ساتھ کھڑے ہوں۔ سیٹھ غلام غوث (محمد غوث) مرحوم جو حیدر آباد دکن کے رہنے والے تھے نہایت مخلص احمدی تھے۔ ان کے بیٹے سیٹھ محمد اعظم صاحب بھی نہایت مخلص نوجوان ہیں اور جماعت حیدر آباد دکن کے سکرٹری مال ہیں سارا خاندان ہی مخلص ہے۔ ان کا وطن قادیان سے ضرور بارہ سو میل فاصلہ پر ہے۔ وہ جب جلسہ پر آتے تو نماز میں میرے ساتھ کھڑے ہوتے تاکہ انہیں دعائیں کرنے کا زیادہ موقعہ مل سکے۔ اس جلسہ پر کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت بابو عبدالرحمٰن صاحبؓ امیر جماعت احمدیہ انبالہ

حضرت بابو عبدالرحمٰن صاحب انبالوی اپنی سوانح اور قبول احمدیت کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

"مجھ کو میرے والد مرحوم و مغفور سے معلوم ہوا کہ اندازاً یہ عاجز ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوا یعنی غدر دہلی ۱۸۵۷ء سے نو سال بعد . . . . حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام جب انبالہ چھاؤنی تشریف لائے تھے تو والد صاحب مرحوم بھی حضور کی زیارت کو گئے تھے۔ اس وقت حضرت صاحب نے دعویٰ نہیں کیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ والد صاحب نے آکر فرمایا کہ مرزا صاحب اہلِ حدیث کے بڑے جیّد عالم ہیں . . ."

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے حضرت بابو صاحبؓ کا جنازہ غائب بھی ۴ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو نماز جمعہ کے بعد پڑھایا اور خطبہ ثانیہ میں سب سے اول آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

"بابو عبدالرحمٰن صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُرانے صحابی تھے اور نہایت نیک اور مخلص انسان تھے۔ منشی رستم علی صاحب کی تبلیغ سے آپ احمدی ہوئے اور پھر اس کے بعد تمام عمر جماعت کی تربیت میں مصروف رہے۔ ان کی زندگی نیکی اور تقویٰ کی ایک مثال تھی۔ ایسے لوگوں کا گذر جانا قوم کے لئے ابتلاء کا موجب ہوتا ہے اور آنے والی نسلوں کا فرض ہوتا ہے کہ ان کی یاد کو اپنے دلوں میں تازہ رکھیں اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور ان کے رُوحانی وجود کو دُنیا میں قائم رکھیں" [1]

غضنفرِ احمدیت حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ

حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحب جنہیں حضرت مسیح موعودؑ نے اعجاز احمدی میں "غضنفر" (شیر) کے لقب سے ملقب فرمایا حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ اس خاندان کی شاخیں خانیار (کشمیر)، داتہ، سجی کوٹ، پیر کوٹ، پشاور، مظفر آباد،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) موقعہ پر بھی وہ میرے ساتھ کھڑے تھے کہ گجرات کے ایک احمدی آگے بڑھے اور انہیں پیچھے دھکیل کر کہنے لگے کہ آپ لوگوں کو تو یہ موقع روز ملتا ہے۔ ہم لوگ دُور سے آتے ہیں ہمیں بھی حضور کے ساتھ کھڑا ہونے کا موقع دیں۔ اب گجرات قادیان سے ۷۰۔۸۰ میل پر واقعہ ہے اور حیدر آباد دکن اور قادیان کے درمیان ہزار بارہ سَو میل کا فاصلہ ہے لیکن انہوں نے بغیر تحقیقات کے اسے اپنا حق سمجھ لیا"
("الفضل" ۲۹ شہادت/اپریل ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء)

ایضاً الفضل ۲۰ جنوری ۱۹۲۴ء

[1] "الفضل" ۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲

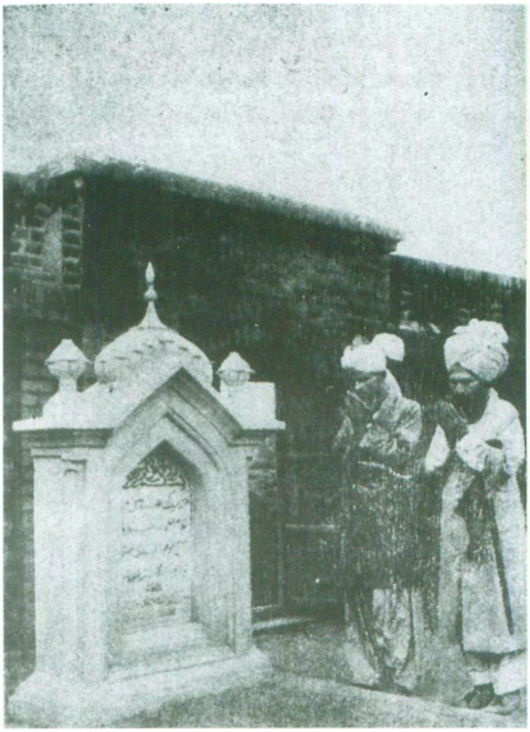

حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ
سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار مبارک پر
دعا کر رہے ہیں (آپ کے ساتھ چوہدری محمد طفیل
صاحب کھرڑیانوالہ ضلع لائل پور)

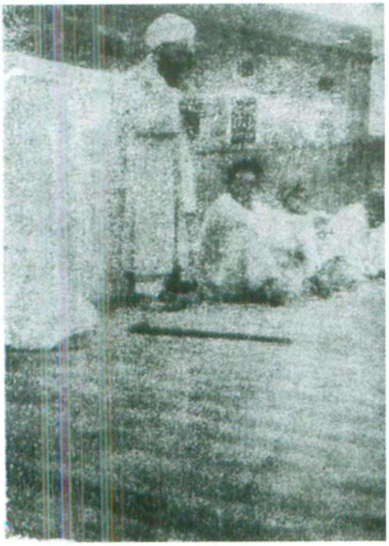

حضرت مولانا صاحبؓ مسجد اقصیٰ قادیان میں درس دے رہے ہیں۔
(پیچھے حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کی قبر ہے)

جہانگیر آباد (دکن)، گھنڈی، نورسیری، کٹھائی۔ لباسی، سندگراں، بوئی، دہنی، انبور اور سیالکوٹ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس خاندان کے ایک درخشندہ گوہر اور مشہور بزرگ حضرت سید شاہ محمد غوث صاحب کا مزار لاہور میں ہے۔

حضرت مولانا محمد سرور شاہ صاحب ۱۰ ستمبر سنہ ۱۸۷۳ء[۱] کے لگ بھگ موضع گھنڈی ضلع مظفر آباد میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ دینی تعلیم ہندوستان کی مشہور درسگاہ دیوبند سے حاصل کی۔ دوم مدرس مولوی خلیل الرحمٰن انبیٹھوی نے آپ کو سند دی جس میں مولوی محمود حسن صاحب اوّل مدرس نے تحریر کیا تھا کہ میں تیس سال سے اس مدرسہ میں پڑھا رہا ہوں۔ اس عرصہ میں تین بے مثل طالب علم میرے پاس آئے ہیں۔ ایک مولوی محمد بنگالی کہ اسے اعتراض پیدا کرنے میں بہت کمال حاصل تھا جس بات کے متعلق ہمارے وہم میں بھی یہ بات نہ آتی ہو کہ اس پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے اس میں بھی وہ کوئی اعتراض پیدا کر لیتے تھے۔ دوسرے پنجابی مولوی کہ مشکل اور پیچیدہ عبارت کو بھی بہت صحیح طور پر حل کر لیتے تھے اور تیسرے سرور شاہ صاحب کہ ان کا ذہن کبھی غلط بات کی طرف جاتا ہی نہیں جو بھی بات کہتے ہیں وہ نہایت معقول ہوتی ہے۔ لیکن حضرت مولوی صاحب نے یہ سند واپس کر دی اور کہا کہ آپ یہ دُعا کریں کہ جو سند اللہ تعالیٰ نے مجھے دی ہے وہ سند قائم رہے اور زبان پکڑ کر بتایا کہ یہ میری سند ہے۔

ایبٹ آباد میں ایک دوست بابو غلام محی الدین احمدی تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں وفات پا گئے تھے۔ حضرت مولوی صاحب نے ان سے بیعت پر آمادگی کا اظہار کیا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ سر دست آپ بیعت نہ کریں۔ اس علاقہ کے لوگ ہنوز احمدیت سے بکلّی ناآشنا ہیں اور اگر آپ نے بیعت کر لی تو یہ لوگ آپ سے فائدہ نہیں اُٹھا سکیں گے بلکہ مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ لیکن اگر آپ اسی حالت پر رہ کر انہیں سمجھاتے رہیں گے تو جب آپ بیعت کریں گے۔ سب نہیں تو اکثر آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں گے مگر حضرت مولانا صاحب کی طبیعت اسے پسند نہ کرتی تھی اور تاخیر برداشت سے باہر تھی۔ آخر آپ نے مناسب سمجھا کہ حضور سے مشورہ لے کر اس پر عمل کریں چنانچہ آپ نے لکھا کہ یہ امر یقینی ہے کہ میرے اعلان احمدیت پر یہ لوگ میرے مخالف ہو جائیں گے اور اس ملازمت سے برخاست کر دیں گے۔ برخاستگی مجھے ناپسند ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلے استعفیٰ دوں اور پھر اعلان کروں۔ احمدی احباب مجھے مشورہ دیتے ہیں کہ دو تین ماہ تک اسی حالت میں رہوں اور اس کے بعد بیعت کروں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ حق اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھول دیا ہے اور میں بیعت کر لوں۔ آپ کو حضرت مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ کے قلم سے حضور علیہ السلام کا جواب ملا کہ احمدی احباب کا مذکورہ مشورہ صحیح نہیں کیونکہ اپنے نفس کا حق اپنے اُوپر دوسروں سے زیادہ ہوتا ہے اس لئے اپنی اصلاح

---

[۱] اصحاب احمد جلد پنجم حصہ دوم صفحہ ۱۰۱

دُوسروں کی اصلاح سے مقدّم ہوتی ہے۔ پس آپ فوراً بیعت کا اعلان کر دیں اور استعفیٰ کے متعلق خیال صحیح نہیں۔ شریعت کا حکم ہے اَلْاِقَامَۃُ فِیْمَا اَقَامَ اللّٰہُ۔ اور اگر کوئی اس کے خلاف کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے گذارہ کو خود چھوڑتا ہے تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو مَیں نے دیا تھا وہ تم نے چھوڑ دیا اب تم خود اپنے لئے کچھ کرو اور انسان ابتلاء میں پڑجاتا ہے۔ لیکن اگر خدا خود چھڑا دیتا ہے تو پھر وہ خود کفیل ہوتا اور اس کے لئے کوئی صورت نکال دیتا ہے۔ پس آپ استعفیٰ مت دیں اور جب وہ نکال دیں گے تو اللہ تعالیٰ کوئی اور انتظام کر دیگا۔

چنانچہ ظہر کی نماز پڑھا کر آپ حنفی طریق پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ پڑھ رہے تھے کہ کسی نے حضور کا مذکورہ خط آپ کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ پہلا لفظ یہ تھا کہ آپ فوراً بیعت کا اعلان کر دیں۔ آپ نے اتنا پڑھ کر اگلا حصہ پڑھے بغیر کھڑے ہو کر یہ اعلان کر دیا کہ میری بیعت کی قبولیت کا خط قادیان سے آگیا ہے اور آج سے مَیں احمدی ہوگیا ہوں۔ اور مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ تم لوگوں نے میری امامت میں جتنی نمازیں پڑھی ہیں اُن میں سے زیادہ قابلِ قدر اور لائق قبولیت وہ ہیں جو میرے احمدی ہونے کے بعد آپ نے میرے پیچھے پڑھی ہیں۔ لیکن اگر تعصّب کی وجہ سے کسی کو نماز دوہرانے کا شوق ہو تو وہ اپنی نماز دُہرا سکتا ہے۔

آپ کے اعلان بیعت کے بعد ایبٹ آباد بلکہ علاقہ بھر میں شور پڑ گیا۔ یہ ۶ مارچ ۱۸۹۷ء سے قبل کا واقعہ ہے ایبٹ آباد میں آپ جامع مسجد کے مدرسہ میں پڑھاتے تھے اور پچیس روپے اور کھانا معاوضہ ملتا تھا۔ لیکن جب آپ پشاور میں آگئے تو مشن کالج سے ایک سَو روپیہ اور پادری ڈے سے اسّی روپے ماہوار یعنی کُل ایک سَو اسّی ۱۸۰ روپے ملتے تھے۔ اس کے بعد آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت سے اپریل یا مئی ۱۹۰۱ء میں مستقل طور پر قادیان ہجرت کر کے آگئے اور نہایت قلیل گذارہ پر قانع ہو کر نہایت درجہ خلوص، فدائیت کے ساتھ سلسلہ کی اہم علمی خدمات بجا لانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے خلوص میں بے اندازہ برکت ڈالی اور آپ کو مسلسل چھیالیس سال تک نہایت جلیل القدر اور بے شمار خدمات سر انجام دینے کی توفیق عطا ہوئی مثلاً سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے عہد مبارک میں آپ نے مدرسہ تعلیم الاسلام میں تدریس کے فرائض انجام دیئے اور موضع مُدّ میں مولوی ثناء اللہ صاحب سے کامیاب مناظرہ کیا۔ قائمقام نائب ناظم بہشتی مقبرہ، رسالہ تعلیم الاسلام اور رسالہ تفسیر القرآن کی ادارت میں مصروفِ عمل ہوئے

خلافتِ اولیٰ میں مدرّس و پروفیسر کے فرائض کے علاوہ تبلیغ احمدیت کی۔ ہندوستان کی مختلف اسلامی

درسگاہوں کا معائنہ و مطالعہ کیا۔ امام الصلوٰۃ و خطیب جمعہ کی حیثیت سے کام کیا ۔ مجلس برائے نصاب مدرسہ احمدیہ کے رُکن منتخب ہوئے۔ رسالہ تفسیر القرآن کے بدستور مدیر رہے۔

خلافتِ ثانیہ میں رُکن مجلس معتمدین و افسر مدرسہ احمدیہ ، پروفیسر اعلیٰ، سیکرٹری بہشتی مقبرہ ، جنرل سکرٹری ، ناظر تعلیم و تربیت ، سکرٹری مجلس منتظمہ جلسہ سالانہ ، ناظم جلسہ اندرونِ شہر ، افسر بیت المال ، رُکنِ شوریٰ ، ۱۹۲۴ء کی انتظامیہ کمیٹی کے ممبر ، افسر مساجد مرکزیہ ، مفتی سلسلہ ، پرنسپل جامعہ احمدیہ اور پرنسپل جامعۃ الواقفین ۔ غرضکہ متعدد شعبوں کے انچارج کی حیثیت سے مثالی کام کیا اور ہر شعبہ کو اپنے ایثار خلوص ، محنت اور دُعاؤں سے نمایاں ترقی دی اور آنے والی نسلوں کے لئے خدمت دین کا ایسا فقید المثال شاندار نمونہ قائم کیا جو رہتی دُنیا تک مشعلِ راہ کی حیثیت سے یادگار رہے گا۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین سیدنا المصلح الموعود نے حضرت مولانا صاحب کے وصال کے تیسرے روز ۲۰ احسان / جون ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو ایک مفصل خطبہ دیا جس میں آپ کے سنہری کارناموں پر نہایت شرح و بسط سے روشنی ڈالی اور فرمایا :-

" اُس زمانہ میں ہماری جماعت میں کوئی اچھے پایہ کا فلسفی اور منطقی دماغ رکھنے والا آدمی نہ تھا سو اللہ تعالیٰ نے مولوی سیّد محمد سرور شاہ صاحب کو ہدایت دے دی اور وہ آپ پر ایمان لے آئے اس کے بعد آپ پشاور میں پروفیسر مقرر ہوئے ۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد قادیان کی محبت نے غلبہ کیا ۔ اور آپ قادیان تشریف لے آئے اور دستی بیعت کی ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی صاحب سے فرمایا ۔ آپ یہیں رہ جائیں چنانچہ آپ یہیں رہنے لگ گئے ۔ بعض لوگوں نے زور دیا کہ مولوی صاحب کالج میں پروفیسر ہیں اور اچھی جگہ کام کر رہے ہیں ان کی ملازمت سے سلسلہ کو فائدہ ہوگا اور ان کے ذریعہ تبلیغ ہوگی چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو واپس جانے کی اجازت دے دی ۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد مولوی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اجازت لے کر واپس آگئے اور قادیان میں مستقل رہائش اختیار کر لی ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مولوی صاحب کا مُدّ کا مباحثہ مشہور چیز ہے ۔

اس زمانہ میں مولوی صاحب مدرسہ احمدیہ میں پڑھایا کرتے تھے ۔ آپ نے کالج کی پروفیسری چھوڑ کر سکول کی مدرسی اختیار کی ۔ اس وقت آپ کو پندرہ بیس روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی ۔ مَیں بھی اُن دنوں سکول میں پڑھتا تھا اور کچھ عرصہ مَیں نے بھی مولوی صاحب سے تعلیم حاصل کی ہے .....

. . . جب مدرسہ احمدیہ کالج کی شکل اختیار کرگیا تو آپ کو اس کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ یہ حالت ان کی قابلیت کے معیار کے کسی حد تک مطابق تھی۔ ظاہری لحاظ سے مدرسی تعلیم میں مولوی صاحب سب سے زیادہ ماہرفن تھے۔ مَیں نے کئی دفعہ دیکھا کہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ درسی کتب کے بعض مشکل مقامات کے متعلق مولوی سید سرور شاہ صاحب سے فرماتے کہ آپ اس کا مطالعہ کر کے پڑھائیں مجھے اس کی مشق نہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب وہ مشکل مقامات طالب علموں کو پڑھاتے۔ مجھے یاد ہے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے سیبویہ کتاب کے متعلق بھی مولوی صاحب کو فرمایا کہ اس کے بعض مقامات مجھ پر حل نہیں ہوئے۔ اس لئے آپ یہ کتاب طالب علموں کو پڑھائیں ایسی ایک دو اَور کتابوں کے متعلق بھی حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ یہ طالب علموں کو پڑھا دیں۔ اور جب مولوی صاحب طالب علموں کو پڑھاتے تو حضرت خلیفہ اوّل رض بھی سُنا کرتے۔"

"غرض مولوی صاحب نے مدرسی تعلیم کو کمال تک پہنچا دیا تھا اور قدرتی طور پر ان کا دماغ بھی فلسفیانہ تھا۔ جس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا جاتا خواہ وہ عام مسئلہ ہی ہوتا مولوی صاحب اسے فلسفیانہ رنگ میں خوب کھول کر بیان کرتے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ پوچھنے والے کو ان کے بیان کردہ فلسفہ سے اتفاق ہو یا نہ ہو۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی ان سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا ہو اور انہوں نے اس کا فلسفیانہ رنگ میں جواب نہ دیا ہو۔ آپ صرف یہی نہیں بیان کرتے تھے کہ فلاں نے اس کے متعلق یہ لکھا ہے اور فلاں کی اس کے متعلق یہ رائے ہے بلکہ یہ بھی بتاتے تھے کہ اس مسئلہ کی بنیاد کس حکمت پر مبنی ہے اور اس کے چاروں کونے خوب نمایاں کرتے تھے اور پھر اس مسئلہ کی جزئیات کی بھی تشریح کرتے۔"

"حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت کے آخری ایام میں ایک وفد باہر گیا۔ اس وفد نے بعض ایسی باتیں کیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان اور آپ کے درجہ کے منافی تھیں۔ چنانچہ جب وہ وفد واپس آیا تو یہ سوال مَیں نے اُٹھایا کہ وفد کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان کے متعلق جو بیانات باہر دیئے گئے ہیں وہ آپ کی شان کے منافی ہیں اور آپ کے درجہ میں کمی کی گئی ہے۔ مولوی سیّد سرور شاہ صاحب بھی اس وفد میں شامل تھے۔ جب انہوں نے

اس بات کو سُنا تو انہوں نے کہا کہ واقعہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں کمی کی گئی ہے اور ہم سے چُوک ہوئی ہے۔ لیکن اس دن سے لے کر وفات تک مولوی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہمیشہ ہی صحیح مقام بیان کرتے تھے اور آپ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقام بیان کرتے تو آپ کی طبیعت میں ایک خاص قسم کا جوش پیدا ہو جاتا تھا یہاں تک کہ اُن کی آخری ملاقات جس کو آٹھ دس دن ہوئے ہیں مجھ سے اس سلسلہ میں ہوئی تو مولوی صاحب نے مجھے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں کمی کی جاتی ہے اور آپ کو صرف مسیح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حالانکہ مہدی کی شان مسیح کی شان سے کہیں بلند ہے جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا ذکر کئی جگہ اپنی کتب میں کیا ہے۔ صرف مسیح موعود لکھنے کا کہیں یہ نتیجہ نہ ہو کہ آہستہ آہستہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حقیقی مقام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ مَیں نے مولوی صاحب کو کہا کہ آپ یہ بات مجھے لکھ کر بھیج دیں مَیں اس پر غور کروں گا۔ چنانچہ اس کے تیسرے یا چوتھے دن مولوی صاحب کی طرف سے ایک تحریر اسی مضمون کی مجھے مِل گئی۔ گویا مولوی صاحب کو اپنی وفات کے قریب بھی یہی فکر رہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں کہیں کمی نہ ہو جائے۔

جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے مَیں مولوی صاحب کا شاگرد رہا ہوں۔ عمر کے لحاظ سے مولوی صاحب مجھ سے بہت بڑے تھے اور مَیں ان سے بہت چھوٹا تھا۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ وہ میرے اُستاد تھے، باوجود اس کے کہ وہ عمر میں مجھ سے بڑے تھے، باوجود اس کے کہ وہ مدرسی تعلیم میں بہت زیادہ دسترس رکھتے تھے مَیں نے اکثر دیکھا کہ مولوی صاحب کاغذ پنسل لے کر بیٹھتے تھے اور باقاعدہ میرا لیکچر نوٹ کرتے رہتے تھے۔ ان میں محنت کی اتنی عادت تھی کہ مَیں نے جماعت کے اَور کسی شخص میں نہیں دیکھی۔ اگر مجھے کسی کی محنت پر رشک آتا تھا تو وہ مولوی صاحب ہی تھے۔ بسا اوقات مَیں بیماری کی وجہ سے باہر نماز کے لئے نہیں آ سکتا تھا اور اندر بیٹھ کر نماز پڑھنا شروع کر دیتا تھا۔ لیکن مسجد سے مولوی صاحب کی قرأت کی آواز کانوں میں آتی تو میرا نفس مجھے ملامت کرتا کہ مَیں جو عمر میں ان سے بہت چھوٹا ہوں مَیں تو گھر میں بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہوں اور یہ اسی سال کا بڈھا مسجد میں نماز پڑھا رہا ہے۔ میرے زمانہ خلافت میں میری جگہ اکثر مولوی صاحب ہی نماز پڑھاتے تھے۔ صرف آخری سال سے مَیں نے ان کو نماز پڑھانے سے روک دیا تھا کیونکہ

گرمی کی شدّت کی وجہ سے وہ بعض دفعہ بیہوش ہو جاتے تھے اور مقتدیوں کی نماز خراب ہو جاتی تھی اس لئے مَیں نے اُن کو جبراً ہٹا دیا ورنہ وہ کام سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ سینکڑوں آدمیوں نے دیکھا ہوگا کہ وہ روزانہ بلاناغہ مجلسِ عرفان میں شامل ہوتے تھے حتیٰ کہ وفات سے صرف دو رات پہلے وہ مجلس میں آئے اور بیٹھے رہے۔ ان کو مجلس میں ہی بے ہوشی شروع ہوگئی اور مَیں نے دیکھا کہ مولوی صاحب بیٹھے ہوئے بیچ پر جُھکے جا رہے ہیں۔ مَیں نے اُن کے بعض شاگردوں سے کہا مولوی صاحب بیمار معلوم ہوتے ہیں ان کا خیال رکھنا۔ اسی دن سے آپ پر بیہوشی طاری ہوئی اور آپ تیسرے دن فوت ہو گئے۔

ایسے عالم کی زندگی نوجوان علماء کے لئے بہت ہی کار آمد تھی۔ نوجوان علماء کی وہ نگرانی کرتے تھے اور نوجوان علماء اُن سے اپنی ضرورت کے مطابق مسائل پوچھ لیتے تھے۔ مجھے کئی سال سے یہ فکر تھا کہ جماعت کے پُرانے علماء اب ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یکدم جماعت کو مصیبت کا سامنا کرنا پڑے اور جماعت کا علمی معیار قائم نہ رہ سکے۔ چنانچہ اس کے لئے مَیں نے آج سے تین چار سال قبل نئے علماء کی تیاری کی کوشش شروع کر دی تھی۔ کچھ نوجوان تو مَیں نے مولوی صاحب سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے مولوی صاحب کے ساتھ لگا دیئے اور کچھ نوجوان باہر بھجوا دیئے تاکہ وہ دیوبند وغیرہ کے علماء سے ظاہری علوم سیکھ آئیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور قدرت کی بات ہے کہ ان علماء کو واپس آئے صرف ایک ہفتہ ہوا ہے جب وہ واپس آگئے تو مولوی صاحب فوت ہو گئے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت تک وفات نہ دی جب تک کہ علم حاصل کرکے ہمارے علماء واپس نہیں آگئے اتنی دیر تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ رکھا تاکہ ظاہر ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کی تائید و نصرت کرتا ہے اور خود اس کا قائم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس دن تک ہماری جماعت کے ایک چوٹی کے عالم کو فوت نہیں ہونے دیا جب تک کہ نئے علماء کی بنیاد نہیں رکھی گئی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ نوجوان ابھی اس مرتبہ کو نہیں پہنچے۔ لیکن وہ جوں جوں علمی میدان میں قدم رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں گے اتنا ہی وہ ان علماء کے قائم مقام ہوتے جائیں گے مولوی صاحب جب کالج سے فارغ ہو کر آئے تھے تو اس وقت ان کی اَور حالت تھی اور جب انہوں نے یہاں آکر لمبی لمبی دُعائیں کیں اور رُوحانیت سے اپنا حصہ لیا تو وہ بالکل بدل گئے اور

ایک نیا وجود بن گئے۔ اسی طرح ہمارے نوجوانوں کو علم تو حاصل ہو گیا ہے۔ مگر اب وہ جتنا جتنا رُوحانیت کے میدان میں بڑھیں گے اور اپنے تقویٰ اور نیکی کو ترقی دیں گے اتنا ہی وہ بلند مقام کی طرف پرواز کریں گے۔

جہانتک کام کرنے کا تعلق ہے مولوی صاحب میں کام کرنے کی انتہائی خواہش تھی۔ لیکن تنظیم کے معاملہ میں وہ زیادہ کامیاب نہ تھے۔ ہاں ایک کام ہے جو اُن کے سپرد ہوا اور انہوں نے اس میں کمال کر دیا اور وہ کام ان کی ہمیشہ یادگار رہے گا۔ جس طرح لنگرخانہ اور دارالشیوخ میر محمد اسحاق صاحب کے ممنونِ احسان ہیں اسی طرح وصیّت کا انتظام مولوی سیّد سرور شاہ صاحب کا ممنون احسان ہے۔ مولوی صاحب نے جس وقت وصیّت کا کام سنبھالا ہے اس وقت بمشکل وصیّت کی آمد پچاس ساٹھ ہزار تھی مگر مولوی صاحب نے اس کام کو ایسے احسن طور پر ترقی دی کہ اب وصیّت کی آمد پانچ لاکھ روپیہ سالانہ تک پہنچ گئی ہے۔ آپ کو وصیّت کے کام میں اس قدر شغف تھا کہ آپ بہت جوش و خروش کے ساتھ اس کام کو سرانجام دیتے تھے کیونکہ نظامِ وصیّت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قائم کردہ ہے اور آپ نہیں چاہتے تھے کہ اس میں کوئی کمزوری واقع ہو جائے۔ یہ آپ ہی کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے کہ اب ہمارے چندہ عام سے چندہ وصیت زیادہ ہے۔ یہ کام ہمیشہ کے لئے آپ کی یادگار رہے گا۔ . . . . .

بہرحال مولوی صاحب کی وفات سے جماعت کا ایک بہت بڑا نقصان ہوا ہے اور ان کی اولاد کا تو دوہرا نقصان ہوا ہے بلحاظ اولاد ہونے کے بھی اور بلحاظ احمدی ہونے کے بھی ان کو دوھرا نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔ مولوی صاحب باوجود ۸۴ سال عمر پانے کے آخری دم تک کام کرتے رہے۔"[۱]

حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحب نے مندرجہ ذیل لٹریچر بطور علمی یادگار چھوڑا:۔

۱۔ القولِ المحمود فی شان المحمود ۲۔ خلافت حقّہ ۳۔ کشف الاختلاف ۴۔ الفارُوق

۵۔ تفسیر سروری ۶۔ حمائل شریف مترجم[۲]

---

[۱] "الفضل" ۱۳/ احسان/ جون ۱۳۲۶ ہش/ ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ تا ۵۔

[۲] نرینہ اولاد: ۱۔ سیّد محمد ناصر شاہ صاحب سکول ٹیچر آزاد کشمیر۔ ۲۔ سیّد مبارک احمد شاہ صاحب سرور انسپکٹر وصایا ربوہ۔

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب ۱۸ جولائی ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے۔[1] آپ حضرت ام المؤمنین سیدہ نصرت جہاں بیگم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت نانا جان میر ناصر نواب صاحب نے ۵ جون ۱۸۹۱ء کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی اور اس طرح آپ اُن کے ساتھ داخلِ احمدیت ہوئے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کا نام ۳۱۳ اصحاب کبار میں نمبر ۷۰ پر درج فرمایا۔[2]

۴ اپریل ۱۹۰۵ء کو جب کانگڑہ کا زلزلہ آیا تو آپ ان دنوں میڈیکل کالج لاہور میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اس روز لاہور سے کئی دوستوں کے خط حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے کہ ہم کو خداوند تعالیٰ نے اس آفت سے بچا لیا مگر حضرت میر صاحب سے متعلق کوئی خیریت نامہ تین دن تک موصول نہ ہوا جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دُعا کی تو الہام ہوا ”اسسٹنٹ سرجن“[3] خدا کی قدرت! آپ اسی سال میڈیکل کالج لاہور کے آخری امتحان میں پنجاب بھر میں اوّل نمبر پر پاس ہو کر اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوئے اور ۱۹۲۸ء میں سول سرجن لگ کر ۱۹۳۶ء میں ریٹائر ہوئے۔

جنوری ۱۹۰۶ء میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کا قیام عمل میں آیا تو حضرت اقدس علیہ السلام نے آپ کو بھی مجلس معتمدین کا ممبر نامزد فرمایا۔[4]

حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعود نے آپ کو سفر یورپ (۱۹۲۴ء) کے دوران ناظر اعلیٰ تجویز فرماتے ہوئے ۱۱ جولائی ۱۹۲۴ء کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:-

”ان کے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت بلکہ عشق خاص طور پر پایا جاتا ہے۔ اس محبت کی وجہ سے رُوحانیت کا ایک خاص رنگ ان میں پیدا ہو گیا ہے اس لئے مَیں سمجھتا ہوں ایسی ٹھوکر سے جو دوسروں کو لگ جاتی ہیں یا لگ سکتی ہیں خدا نے اُن کو محفوظ کیا ہوا ہے اور مَیں امید کرتا ہوں کہ اس تعلق کی وجہ سے جو برکات اُن پر نازل ہوتی ہیں ان کے باعث جماعت کے لئے بہت مفید ثابت ہوں گے“[5]

حضرت میر صاحب پنشن لینے کے بعد قادیان تشریف لے آئے تھے اور آپ حضرت مولوی شیر علی

---

[1] ”الفضل“ ۲۲ وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱، ”سیرت نصرت جہان بیگم“ حصہ اوّل صفحہ ۱۷۶ (از شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مدیر ”الحکم“)۔
[2] ”ضمیمہ انجام آتھم“ صفحہ ۴۲۔ [3] ”بدر“ ۲۰ جولائی ۱۹۰۵ء صفحہ ۷۔ [4] ”بدر“ ۲۳ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۶-۷۔
[5] ”الفضل“ ۲۲ جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۶۔

صاحب کے مکان (واقع دارالعلوم) سے متصل اپنے مکان "دارالصفہ" میں رہائش پذیر ہو گئے تھے[۱]۔ یوں تو آپ پنشن کے بعد قریباً بیمار ہی چلے آ رہے تھے مگر ماہ امان۔ شہادت/ مارچ۔ اپریل ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں آپ کو دمہ کے شدید دَورے شروع ہو گئے اور وسط ماہ احسان/ جون میں آپ کی حالت بہت زیادہ نازک ہو گئی اور نیم بیہوشی کی حالت طاری ہو گئی۔ چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ نے ۴ وفا/ جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے خطبہ جُمعہ میں احباب جماعت کو آپ کے لئے تحریکِ دُعا کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب قریباً ایک ماہ سے سخت بیمار ہیں اور اب وہ بہت ہی کمزور ہو چکے ہیں اور دو دن سے ان پر قریباً بیہوشی کی سی حالت طاری ہے۔

ہماری جماعت ابھی تک بہت سی تربیت کی محتاج ہے اور تربیت کے لئے صحابہ کا وجود بہت ضروری ہے۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت تھوڑے صحابہ باقی رہ گئے ہیں خصوصاً ایسے صحابہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی زمانہ کے حالات سے واقف ہیں اور جنہوں نے آپ کے ابتدائی ایام سے ہی آپ کی صحبت سے فیضان حاصل کئے تھے ان کی تعداد بہت ہی کم رہ گئی ہے اس لئے ایسے لوگوں کا وجود جماعت کی ایک قیمتی دولت ہے اور جتنا جتنا یہ لوگ کم ہوتے چلے جاتے ہیں اتنا ہی جماعت کی رُوحانی ترقی بھی خطرہ میں پڑتی چلی جاتی ہے۔ اور چونکہ صحابہ کا وجود ایک قومی دولت اور قومی خزانہ ہوتا ہے۔ اس لئے جماعت کے افراد پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ایسے موقعہ پر خاص طور پر دُعائیں کریں تاکہ یہ خزانہ ہمارے ہاتھوں سے جاتا نہ رہے اور اللہ تعالےٰ صحابہ کے وجود کو ایک لمبے عرصہ تک قائم رکھے تاکہ جماعت ایسے مقام پر پہنچ جائے کہ وہ رُوحانی طور پر اپنے پاؤں پر آپ کھڑی ہو سکے اور جماعت کے اندر ایسے نئے وجود پیدا ہو جائیں جو اپنی قربانی اپنے اخلاص اور اپنے تقویٰ کے لحاظ سے صحابہ کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہوں۔ جہانتک جانی اور مالی قربانیاں کرنے والے ہیں اور اس کے لئے ان کے اندر بہت زیادہ جوش بھی پایا جاتا ہے مگر رُوحانی رنگ ظاہری قربانیوں سے پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ

---

[۱] حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ شروع میں دارالمسیح اور اس کے قرب وجوار میں رہتے تھے۔ ۱۹۱۳ء کے آخر میں آپ نے دارالعلوم میں اپنے رہائشی مکان کی بنیاد رکھی اور اس کے بعد جلد ہی نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ نے حضرت ڈاکٹر صاحبؓ کا مکان "دارالصفہ" بنوایا جہاں پہلے پہل حضرت ڈاکٹر صاحب کے بسلسلہ ملازمت باہر رہنے کے ایام میں آپ کے چھوٹے بھائی حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ اپنے خاندان سمیت لمبے عرصہ تک قیام فرما رہے۔

"الفضل" ۲۲ وفا/ جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱ کالم ۱ ؎

سے دُعائیں کرنا، اس کے کلام پر غور کرنا، اس کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنا اور دُوسروں کے اندر بھی ان صفات کو پیدا کرنا اس کا نام رُوحانیت ہے۔ محض قربانیاں تو غیر اقوام اور غیر مذاہب کے لوگوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ جو چیز دُنیا کی دوسری قوموں کے اندر نہیں پائی جاتی اور صرف الٰہی جماعتوں میں ہی پائی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور صفات الٰہیہ کو اپنے اندر جذب کرنا اور لوگوں کو ان چیزوں کی طرف توجہ دلانا ہے اور یہی اصل رُوحانیت ہے۔ اس کے بعد دوسری چیزوں کا نمبر آتا ہے" [1]

حضرت میر صاحبؓ کے علاج معالجہ کی ہر ممکن کوششیں جاری تھیں۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب، کیپٹن ڈاکٹر شاہنواز صاحب اور صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب شب و روز اس خدمت پر متعین تھے ڈاکٹر عبدالحق صاحب ڈینٹل سرجن لاہور سے اور ڈاکٹر محمد یعقوب صاحب ماہر ایکس رے امرتسر سے بُلوائے گئے۔ مگر منشاءِ الٰہی کچھ اور تھا۔

۶-۷ ر وفا (جولائی) کو آپ پر نمونیہ کا سخت حملہ ہوا جس سے پھیپھڑے بھی بہت متاثر ہو گئے اور غشی میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اسی عالم میں ۱۸ ر وفا / جولائی جمعہ کا دن آگیا اور حالت تیزی سے بگڑنے لگی اس تشویشناک مرحلہ پر حضرت مُصلح موعود ان کی کوٹھی (دار الصفہ) میں تشریف لے گئے۔ نُور ہسپتال کے تمام ڈاکٹر بھی پہنچ گئے معائنہ کے بعد علاج کا مشورہ ہوا۔ حضور نے سب سے پہلے فرمایا کہ آکسیجن دی جائے جو لاہور کے سوا نہ مل سکتا تھا۔ آخر معلوم ہوا کہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے کارخانہ میں کمرشل آکسیجن ہے وہ لا کر شروع کر دی گئی جس سے چہرہ کی نیلاہٹ سُرخی میں تبدیل ہو گئی۔ پھر پنسلین کا ایک لاکھ یونٹ دیا گیا اور ساتھ ہی کونین کا ٹیکہ بھی۔ مگر بے ہوشی میں کمی نہ ہوئی اور ساتھ ہی ۱۰۴-۱۰۵ تک بخار ہو گیا۔ اس موقعہ پر حضرت امیر المومنین نہایت صبر اور اطمینان سے ڈاکٹروں کو ضروری ہدایات دیتے رہے۔ ساڑھے چھ بجے شام کے قریب حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب نے سورۂ یٰسین کی تلاوت نہایت سوز اور درد میں ڈوبی ہوئی آواز کے ساتھ شروع کر دی۔ خاندانِ مسیح موعودؑ کی قریباً سب خواتین اور بزرگان اور صاحبزادگان خاموشی سے اپنا اپنا آخری حقِ خدمت ادا فرما رہے تھے جن میں پیش پیش حضرت میر صاحبؓ کی اہلیہ ثانی تھیں۔ ساڑھے سات بجے کے قریب جبکہ حضرت امیر المومنین المصلح الموعود اور ڈاکٹر شاہنواز خاں صاحب صحن میں حضرت میر صاحب کی

---

[1] "الفضل" ۷ ر وفا / جولائی ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۱-۲

حالت پر تبصرہ کر رہے تھے کہ اچانک اندر سے آواز آئی کہ جلدی آئیں حالت خطرناک ہے۔ اس پر حضور مع ڈاکٹر صاحب اندر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ حضرت میر صاحب کا سانس اُکھڑ رہا ہے اور نبض بالکل بند ہے سات بجکر چالیس منٹ پر آپ نے آخری سانس لیا۔ آہ! وہ سانس کیا تھا، صرف مبارک اور پیارے لبوں کی آخری معمولی سی جنبش تھی اور قلب کی حرکت ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اس سانحہ ارتحال کے بعد حضرت مصلح موعود نے وضو فرما کر خدام کو نماز مغرب پڑھائی اور حضور نے آپ کی وصیّت کے مطابق فیصلہ فرمایا کہ آپ کو حضرت نانی اماںؓ کی قبر اور دیوار کے درمیان قطعہ خاص میں جگہ دی جائے۔ پھر حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "مَیں شام کے قریب ڈاکٹر (شاہنواز خاں۔ناقل) صاحب کو ساتھ لے کر ٹہل رہا تھا کہ میری نگاہ سامنے کے مکان پر پڑی جہاں زرد سی دھوپ نظر آرہی تھی گویا تین چار منٹ سُورج غروب ہونے میں تھے۔ اس وقت مَیں نے اس خیال سے کہ شاید میر صاحب کی طبیعت پر کسی خواب کی بناء پر یہ اثر ہو کہ جمعہ وفات کا دن ہے اور اگر یہ تین چار منٹ خیریت سے گذر جائیں تو ایک ہفتہ (یعنی اگلے جمعہ تک) زندگی اَور بڑھ سکتی ہے دُعا کرنی شروع کی مگر جلد ہی اندر سے بلاوا آگیا کہ میر صاحب کا سانس اُکھڑ رہا ہے۔" [1]

حضرت میر صاحبؓ کی المناک وفات کی خبر آناً فاناً قادیان کے گوشے گوشے میں پھیل گئی اور بہت سے احباب آپ کی کوٹھی پر جمع ہونا شروع ہو گئے۔ آپ نے عرصہ ہوا اپنی تجہیز و تکفین سے متعلق خود مفصل ہدایات وصیت کے طور پر تحریر فرما دی تھیں حتیٰ کہ اپنے کفن کا بھی انتظام فرما لیا تھا۔ چنانچہ رات ہی کو آپ کی وصیّت کے مطابق حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب قادیانی، جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی اور جناب حکیم عبداللطیف صاحب گجراتی نے آپ کو غسل دیا اور تجہیز و تکفین کی۔ اگلے دن (۱۹؍وفا/جولائی) کو صدر انجمن احمدیہ کے تمام دفاتر اور تعلیمی اداروں میں تعطیل کر دی گئی۔ صبح ہی سے احباب اور خواتین آپ کی کوٹھی پر جمع ہونا شروع ہو گئے۔ آٹھ بجے کے قریب سیدنا حضرت امیرالمومنین بھی تشریف لے آئے۔ اور ایک بڑے مجمع کے درمیان آپ کا جنازہ اُٹھایا گیا۔ راستے میں مجمع ہر لمحہ بڑھتا چلا گیا۔ ہر شخص جنازہ کو کندھا دینے اور اس طرح ایک ایسے وجود کا آخری حق الخدمت ادا کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو عُمر بھر نہایت بے نفسی کے ساتھ بنی نوع انسان کی دینی اور دنیوی خدمت کرتا رہا۔ جب جنازہ حضرت مسیح موعود

---

[1] "الفضل" ۹؍ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۴-۵ (ملخصاً از مضمون ڈاکٹر کیپٹن شاہنواز خاں صاحب)

علیہ السلام کے باغ میں پہنچا تو حضرت امیرالمؤمنین نے اپنی نگرانی میں صفوں کو درست کرایا اور پھر ایک بہت بڑے مجمع کے ہمراہ جو انیس لمبی صفوں پر مشتمل تھا نماز جنازہ ادا فرمائی۔ نماز جنازہ میں شامل ہونے والے افراد کی تعداد کا اندازہ چھ اور سات ہزار کے درمیان ہے۔

نماز جنازہ کے بعد حضرت امیرالمؤمنین المصلح الموعود نے اپنے دست مبارک سے کفن کا منہ کھولا اور حضرت میر صاحب کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ پھر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اور پھر خاندانِ مسیح موعود کے دیگر افراد نے باری باری بوسہ دیا۔ اس کے بعد حضور جنازہ کے قریب ہی زمین پر خدام کے ہمراہ تشریف فرما ہو گئے اور احباب کو تنظیم کے ماتحت حضرت میر صاحب کا چہرہ آخری بار دیکھنے کا موقعہ دیا گیا۔ آپ کا چہرہ باوجود طویل علالت کے بہت بارونق شگفتہ اور نورانی نظر آتا تھا۔ بعد ازاں جنازہ اُٹھایا گیا۔ حضرت امیرالمؤمنین نے قبر تک نعش کو کندھا دیا۔ حضور خود قبر میں اُترے اور میر داؤد احمد صاحب ابن حضرت میر محمد اسحٰق صاحب اور میر سیّد احمد صاحب ابن حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب نے نعش کو لحد میں اُتارا۔ حضرت میر صاحب کی قبر میں حضور نے اپنے دستِ مبارک سے مٹی ڈالی۔ قبر تیار ہو جانے پر حضور نے دعا فرمائی اور پھر واپس تشریف لے آئے۔"[1]

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب سلسلہ کے چوٹی کے بزرگ ولی اللہ، نہایت بلند پایہ صحابی اور ایک زبردست ستون کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کا انتقال ایک زبردست قومی صدمہ تھا جس کو جماعت احمدیہ نے عموماً اور صحابہ مسیح موعود نے خصوصاً بہت محسوس کیا اور آپ کی وفات پر نہایت گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ بطور مثال صرف تین اکابر صحابہ کے تاثرات درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب نے تحریر فرمایا:۔

"حضرت ڈاکٹر میر صاحب مرحوم کے ریٹائر ہو کر قادیان آنے کے وقت سے باقاعدہ آپ کی ہمسائیگی بندہ کو میسّر آئی۔ اس عارضی اور مستعار زندگی کے دوران میں آپ نے ہمسائیگی کے تعلق کو جس خوبی اور عمدگی سے نباہا ہے بندہ اس کے بیان سے اپنے آپ کو عاجز پاتا ہے۔ آپ ان تمام حقوق کی ادائیگی میں جن کو کہ اسلامی شریعت ایک مسلمان ہمسایہ پر واجب قرار دیتی ہے نہایت ہی اعلیٰ، بلند پایہ اخلاق پر قائم تھے یہانتک کہ بندہ نے دیکھا کہ آپ کی طرف سے ہمسائیگی کا تعلق

---

[1] "الفضل" ۲۱ جولائی ۱۹۴۷ء / ۲۱ وفا ۱۳۲۶ہش صفحہ ۴

یگانگت اور شفقت اور محبت میں تبدیل ہو گیا تھا اور اس پاک وجود نے دُوئی کے تمام پردوں کو چاک کر کے رکھ دیا تھا۔ آپ بلا تکلف بلا احساس غیریت نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے مشفقانہ اور برادرانہ رنگ میں بندہ کے مکان پر تشریف لاتے۔ گھریلو قسم کے ادنیٰ ادنیٰ معاملات پر گفتگو فرماتے اور ہر چھوٹے بڑے امر میں دلچسپی لیتے۔

آپ کی ذات میں مَیں نے بہترین قسم کا ساتھی، ہر کام کا عمدہ مُشیر اور ہر دُکھ میں بہترین غمگسار پایا "بندہ کو علمی رنگ میں بھی آپ سے دو دفعہ خصوصیت کے ساتھ استفاضہ حاصل کرنے کا موقع پیش آیا۔ دو مضمونوں کی تیاری کے لئے مَیں نے آپ سے امداد چاہی۔ آپ نے نہ صرف بغیر سوچنے کے ان مضمونوں کے لئے مجھے ضروری مصالح بہم پہنچا دیا (گویا ان مضمونوں کے متعلق تمام معلومات پہلے ہی سے ان کے دماغ میں موجود تھیں) بلکہ جو مصالح انہوں نے بہم پہنچایا وہ صرف عام باتوں پر مشتمل نہیں تھا بلکہ نہایت ہی قیمتی اور نادر نکات پر مشتمل تھا" [1]

۲۔ حضرت حافظ سیّد مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری نے فرمایا:۔

"حضرت میر محمد اسماعیل صاحب اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب دونوں بھائی اپنے رنگ میں بے نظیر تھے اور سلسلے کے آفتاب و ماہتاب تھے۔

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب نہایت متقی اور نہایت متواضع تھے۔ مخلوقِ خدا کی دینی و دُنیوی مدد کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اپنی تکلیف نظر انداز کر کے بھی دوسروں کا کام کر دینا اُن کی عادت تھی۔ جو شخص ایک بار آپ سے ملتا تھا ہمیشہ آپ سے دوبارہ ملنے اور باتیں کرنے کی خواہش رکھتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ آپ کو ایک خاص قسم کا تعلق تھا آپ کی نظر بہت باریک بین تھی۔" [2]

۳۔ ابو البرکات حضرت مولانا غلام رسول صاحب قدسی راجیکی نے آپ کے فضائل و مناقب پر ایک مفصّل مضمون لکھا جس میں تحریر کیا کہ

"حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کے وجود با جود میں دونوں طرح کے نمونے اس اعلیٰ مقصدِ حیات کے نشان اجلی نمایاں طور پر پائے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور

---

[1] "الفضل" ۲۲؍ وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۴۔
[2] " " ۲۳؍ " " " "

عبادت اور معرفت کے لحاظ سے آپ کے اندر عبد مسلم کا بہترین نمونہ پایا جاتا تھا۔ اور اللہ تعالےٰ کی مخلوق کی شفقت کی رُو سے آپ کے ڈاکٹری معالجات کا فن جو انواع و اقسام کے مریضوں اور بیماروں کے علاج کے طور پر شب و روز مسلسل فائدہ بخش ہوتا رہتا شفقتِ علیٰ خلق اللہ کے معنوں میں احسانات کا ایک وسیع سلسلہ تھا جس کے رو سے آپ کا عبدِ محسن ہونا نمایاں شان رکھتا تھا۔ چنانچہ جس جس علاقہ میں بھی آپ نے اپنے اوقات کو اس طرح گذارا وہاں کے بیمار اور تیمار دار اب تک آپکے حد درجہ مدّاح پائے جاتے ہیں۔ اور حدیثِ نبوی کی رُو سے علاوہ اَور لوگوں کے صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا خصوصیّت کے ساتھ آپ کا مدّاح ہونا علاوہ برکات وصیت کے بیان فرمودہ علامات کے یہ بھی آپ کے جنّتی ہونے کی ایک بیّن علامت ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ قرآنی حقائق اور لطائف سے خاص طور پر لُطف اندوز ہوا کرتے تھے اور مجھ سے زیادہ تر آپ کی محبّت قرآن کریم کی وجہ سے ہی تھی۔ گو آپ میرے محبوبوں میں سے ایک محبوب ہستی تھے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ خدا تعالیٰ کے پیارے بندوں کی نظرِ محبّت و نگاہِ شفقت کبھی نہ کبھی مجھ جیسے غریب اور حقیر پر بھی پڑ جایا کرتی ۔

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

قرآنی حقائق کا فہم دقیق آپ کو عطا کیا گیا تھا۔ آپ قرآنی معارف کے غوّاص تھے اور آپ کا فہم رسا دقائق کی گہرائیوں میں دُور تک نکل جاتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رُوحانی تعلّقات کے لحاظ سے بھی مجھے آپ سے ایک گہرا تعلّق تھا جس کا ثبوت ذیل کے ایک واقعہ سے بھی ملتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خاکسار کو دو ہفتہ سے کچھ زائد عرصہ تک درد گردہ کا شدید دورہ رہا جس کا سلسلہ کسی قدر اب بھی چلا جا رہا ہے۔ ہاں نسبتاً آجکل کچھ افاقہ ہی ہے اور یہ مضمون بھی بحالت علالت لکھا جا رہا ہے۔ ۱۲ - ۱۳ جولائی کی درمیانی شب کو بوجہ شدید دورۂ دردِ گردہ کے مَیں سو نہ سکا اور شدتِ درد کے باعث آنکھ نہ لگی ۔

اسی سلسلہ میں مجھ پر اچانک ایک ربودگی اور غنودگی کی کیفیت طاری ہوئی۔ اس وقت مجھے

ایسا معلوم ہوا کہ میرے کانوں کے بالکل قریب ہو کر کوئی کلام کرنے لگا ہے۔ نہایت فصیح اور موثر لہجہ میں کلام کا طرز ہے۔ اس وقت مجھے یہی محسوس کرایا جا رہا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آواز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی حلم اور رحم کے پیرایہ میں یُوں کلام فرمایا :-

"میر محمد اسماعیل ہمارے پیارے ہیں۔ ان کے علاج کی طرف فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ ہم خود ہی ان کا علاج ہیں"

. . . . . اس مبشرہ میں ایک امر تو حضرت میر صاحب کے لئے بطور بشارت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا پیارا اور محبوب قرار دیا ہے۔ دوسرے حضرت میر صاحب طبی اور ڈاکٹری علاج سے بالا اپنے لئے علاج کے خواہاں معلوم ہوتے تھے جس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے دوسرے علاجوں سے ان کے استغنار کا اظہار فرما کر اس اصل علاج کا ذکر فرما دیا جس کی طبعی طور پر بلحاظ جذباتِ محبّت و ذوقِ فطرت ان کو شدید خواہش تھی اور وہ علاج اللہ تعالیٰ نے خود ہی ذکر فرما دیا کہ ہم خود ہی ان کا علاج ہیں۔ گویا وہ بقول حضرت امیر خسرو ؎

از سر بالینِ من برخیز اے ناداں طبیب
دردمندِ عشق را داروُ بجُز دیدار نیست

حضرت میر صاحب جیسے عاشقِ وجہ اللہ کا علاج اللہ تعالیٰ کا دیدار اور وصال ہی ہو سکتا تھا جو بالآخر آپ کو حسب پسند خاطر نصیب ہو گیا۔ رزقنا اللہ مارزقہ عشقاً و وصلاً "[1]

حضرت میر صاحب کے مزار کا کتبہ

حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کا کتبہ حضرت سیّدنا المصلح الموعود نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا جو یہ تھا

" میر محمد اسمٰعیل صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ سے پہلے پیدا ہوئے حضرت ام المومنین سے سولہ سال چھوٹے تھے۔ حضرت ام المومنین کی پیدائش کے بعد پانچ بچے تولّد ہوئے جو سب کے سب چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد میر محمد اسماعیل صاحب پیدا ہوئے اور زندہ رہے۔

حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ نے جب پنشن لے کر قادیان میں رہائش اختیار کی تو بوجہ اس

---

[1] "الفضل" ۶ ظہور / اگست ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۳-۴۔

سکے کہ قادیان میں کوئی سکول نہیں تھا انہوں نے ان کو لاہور پڑھنے کے لئے بھجوا دیا اور ساری تعلیم انہوں نے لاہور میں ہی حاصل کی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سے بہت محبت تھی اور ان کے تمام کاموں میں آپ دلچسپی لیتے تھے۔ اسی طرح حضرت میر صاحبؓ کا بھی آپ کے ساتھ عاشقانہ تعلق تھا۔ بھائیوں میں حضرت امّ المؤمنین کو میر محمد اسماعیل صاحبؓ سے زیادہ محبّت تھی نہایت ذہین اور ذکی تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب خطبہ الہامیہ دیا۔ تو آپ نے اس ارشاد کو سُن کر کہ لوگ اسے یاد کریں انہوں نے چند دنوں میں ہی سارا خطبہ یاد کرکے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سُنا دیا تھا۔ باوجود نہایت کامیاب ڈاکٹر ہونے کے اور بہت بڑی کمائی کے قابل ہونے کے زیادہ تر پریکٹس سے بچتے تھے اور غربار کی خدمت کی طرف اپنی توجّہ رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے ملازمت کے بعد کئی اچھے مواقع آپ نے کھوئے کیونکہ گو اُن میں آمدن زیادہ تھی اور رتبہ بڑا تھا مگر خدمتِ خلق کا موقعہ کم تھا۔ میری بیوی مریم صدیقہ ان کی سب سے بڑی بیٹی تھی جو توام پیدا ہوئیں۔ پنشن کے بعد قادیان آگئے لیکن بوجہ صحت کی خرابی کے کوئی باقاعدہ عہدہ سلسلہ کا نہیں لے سکے بلکہ جب طبیعت اچھی ہوتی "الفضل" میں مضامین لکھ دیا کرتے۔ بہرحال میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ میں سے تھے اور آپ کے منظورِ نظر تھے۔ آپ کی وفات کے بعد تمام ابتلاؤں میں سے محفوظ گذرتے ہوئے سلسلہ کی بہت سی خدمات بجالانے کا آپ کو موقعہ ملا۔ اللہ تعالےٰ اُن کے رُوحانی مدارج کو بلند فرمائے" آمین"[۱]

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کی تالیفات

حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ نے مندرجہ ذیل لٹریچر بطور یادگار چھوڑا:۔

۱۔ تاریخ مسجد فضل لنڈن ۲۔ کرنہ کر ۳۔ مقطعاتِ قرآنی ۴۔ اربعین اطفال
۵۔ تحفہ احمدیت ۶۔ جامع الاذکار ۷۔ بخار دل حصہ اوّل و دوم ۸۔ مذہب کی ضرورت
۹۔ حفاظتِ ریش ۱۰۔ آپ بیتی ۱۱۔ دُکھ سُکھ[۲]

---

[۱] "الفضل" ۲۳ر احسان / جون ۱۳۳۱ھش / ۱۹۵۲ء ۔ [۲] منقول از کتابچہ "دادا الصحف نشرت" صفحہ ۲۳۔

ناشر میاں عبدالعظیم صاحب پروپرائٹر احمدیہ بکڈپو قادیان

فصل ہفتم

جماعت احمدیہ کو دُعاؤں کی بار بار تحریک

حضرت مصلح موعود اگرچہ اس سال ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے شروع ہی سے جماعت کو بار بار اپنے خطبات اور ملفوظات میں دُعاؤں کی طرف توجہ دلاتے آرہے تھے مگر ماہ اگست/ظہور کے آتے ہی حضور پہلے سے بھی زیادہ زور دُعاؤں پر ہی دینے لگے۔

اوّل۔ چنانچہ یکم ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"خدا ہی کی طرف توجہ کرو اور اس سے دُعائیں کرو کہ اس نازک موقعہ پر تم اسلام کے لئے شرمندگی کا موجب نہ بنو بلکہ تمہارے دلوں میں ایسی طاقت پیدا ہو جائے کہ موت تو کیا چیز ہے۔ بڑے سے بڑے ابتلاء کو بھی تم کھیل سمجھنے لگ جاؤ تاکہ اگر ہم نے مرنا ہے تو خدا تعالےٰ کی راہ میں ہنستے ہوئے مریں اور اس کے نام کا نعرہ بلند کرتے ہوئے مریں اور ہماری موتیں اسلام کی آئندہ ترقی کی بنیادیں نہایت مضبوطی سے گاڑ دینے والی اور اس کے جھنڈے کو دُنیا میں بلند کرنے والی ہوں۔"[1]

دوم۔ چار روز بعد حضرت مصلح موعود کی خدمت میں ۵؍اگست ۱۹۴۷ء کو لاہور سے یہ اطلاع پہنچی کہ ریڈ کلف ایوارڈ کے سامنے ہندو وکیل مسٹر سیتلواد نے اس بات پر زور دیا ہے کہ گورداسپور کو ہندوستان میں شامل کیا جائے۔ اس تشویشناک اطلاع پر حضرت مصلح موعود نے اس روز نماز مغرب کے فرض پڑھانے کے معاً بعد احباب کو خاص طور پر دُعا کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:۔

"حد بندی کمیشن کے سامنے ہندوؤں کے وکیل نے تین چار گھنٹے اس امر پر زور دیا کہ ضلع گورداسپور کو ہندوستان میں شامل کیا جائے۔ سکھوں کے وکیل نے بھی اپنا آدھا وقت اسی موضوع پر صرف کیا حالانکہ ہندوؤں اور سکھوں کا کوئی اقتصادی اور تمدنی مفاد اس ضلع سے وابستہ نہیں اقتصادی اور تمدنی لحاظ سے انہوں نے اپنے مفاد کو لاہور، لائل پور، منٹگمری وغیرہ سے وابستہ بتلایا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ضلع گورداسپور کا مطالبہ کرنا بتلاتا ہے کہ ان کی کوئی خاص غرض ہے۔

---

[1] "الفضل" ۸؍ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳

اس لئے ان ایام میں دوستوں کو خاص طور پر دُعائیں کرنی چاہئیں۔ حد بندی کمیشن نے مورخہ ۴، ۵ و ۶ اگست کو اپنے دلائل صدر کمیشن کی خدمت میں پیش کرنے ہیں۔ دو روز گذر چکے ہیں۔ صرف ۶ اگست کا دن باقی ہے اس دن دوست خاص طور پر دُعائیں کریں۔ صدر کمیشن نے ۱۱ اگست تک فیصلہ کرنا ہے۔ اس لئے گیارہ اگست تک بھی خاص طور پر دُعائیں کی جائیں۔ اگرچہ صدر کمیشن ممبران کمیشن کی آراء و دلائل سُن کر ۶ اگست تک اپنا ارادہ قائم کرلے گا۔ لیکن دلوں پر تصرف تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ بعد میں بھی تصرف کرکے صدر سے فیصلہ تبدیل کرا سکتا ہے۔ اس لئے دوستوں کو گیارہ اگست تک خاص طور پر دُعائیں کرنی چاہئیں کہ جو بھی فیصلہ ہو ہمارے لئے مفید ہو اور شماتتِ اعداء کا باعث نہ ہو۔ سب دوست جو موجود ہیں اپنے اپنے محلّوں میں جاکر اس کا اعلان کرا دیں"

(حضور کے حکم کی تعمیل میں اسی وقت محلّوں میں دوستوں کو بھجوا کر اعلان کرا دیا گیا) [۱]

سوم۔ پنجاب حد بندی کمیشن کی کارروائی کے خاتمہ کے دوسرے دن ۸ اگست/ظہور کے خطبہ جمعہ میں حضور نے درد و سوز اور تضرع اور ابتہال میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں فرمایا:۔

" موجودہ ایام میں ہماری جماعت ایسے سخت خطرات میں سے گذر رہی ہے کہ اگر تمہیں ان خطرات کا پُوری طرح علم ہو اور اگر تمہیں پوری طرح اس کی اہمیت معلوم ہو تو شاید تم میں سے بہت سے کمزور دل لوگوں کی جان نکل جائے۔ لیکن تم کو وہ باتیں معلوم نہیں اس لئے تم اپنی مجلسوں اور گلیوں میں ہنستے کھیلتے نظر آتے ہو۔ تمہاری مثال اس بچے کی سی ہے جس کی عمر دو اڑھائی سال کی تھی اور اس کی ماں رات کے وقت مَر گئی۔ جب وہ صبح کو اُٹھا تو وہ اپنی ماں کے ساتھ چمٹ گیا۔ لوگوں نے جب دروازہ کھولا تو انہوں نے دیکھا کہ بچہ اپنی ماں کے مُنہ پر تھپڑ مار کر ہنس رہا تھا۔ وہ خیال کر رہا تھا کہ اس کا نہ بولنا مذاق کی وجہ سے ہے حالانکہ وہ مَری پڑی تھی۔ جس قسم کی حالت میں سے اور جس قسم کی بے وقوفی اور نادانی کی کیفیات میں سے وہ بچہ گذر رہا تھا اسی قسم کی حالت میں سے تم بھی گذر رہے ہو۔ مَیں نے دو دن ہوئے جماعت کے دوستوں کو توجہ دلائی تھی اور آج پھر اسی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ آج بیسویں رمضان کی ہے اور حضرت خلیفہ

---

[۱] "الفضل" ۸ ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۴

اوّل رضی اللہ عنہ کے عقیدہ کی رُو سے اعتکاف صبح سے شروع ہو چکا ہے لیکن عام حنفی عقیدہ کی رُو سے جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بھی عمل تھا۔ اعتکاف آج شام کو شروع ہو گا۔
جہاں تک نوجوانوں کا تعلق ہے جن کو آج کل کام پر لگایا جانا ضروری ہے اُن کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس دفعہ اعتکاف نہ بیٹھیں۔ ان کا اعتکاف نہ بیٹھنا زیادہ ثواب کا موجب ہو گا بہ نسبت اعتکاف بیٹھنے کے۔ ایک دفعہ جہاد کے موقعہ پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آج روزہ داروں سے بے روزہ بڑھ گئے ہیں کیونکہ بے روزہ تو میدانِ جہاد میں پہنچتے ہی کام کرنے لگ گئے اور روزہ دار لیٹ کر ہانپنے لگے۔
آجکل پہرے کے دن اور اِدھر اُدھر گھومنے کے ایام ہیں۔ اس لئے ان دنوں نوجوانوں کا اور نوجوانوں کی طرح کام کر سکنے والوں کا اعتکاف نہ بیٹھنا بہ نسبت اعتکاف بیٹھنے کے زیادہ ثواب کا موجب ہے۔ پس ایسے لوگوں کو جن کی سلسلہ کو ہنگامی کاموں کے لئے ضرورت ہے اعتکاف نہ بیٹھنا چاہیئے۔ اگر وہ اعتکاف بیٹھیں گے تو یہ ان کی نیکی نہ ہو گی بلکہ ان کے نفس کا دھوکہ ہو گا۔ لیکن جو لوگ اس عُمر کے نہیں اور نوجوانوں کی طرح پہرہ وغیرہ کا کام نہیں کر سکتے ان سے میں کہتا ہوں کہ وہ جتنے زیادہ اعتکاف میں بیٹھ سکیں اتنے ہی زیادہ بیٹھ جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور اتنی دُعائیں کریں اتنی دعائیں کریں کہ جیسے محاورہ میں کہتے ہیں کہ اس کے ناک رگڑے جائیں اور ان کے ماتھے گھس جائیں تمہیں چاہیئے کہ آج یونس[۳] نبی کی قوم کی طرح تمہارے بچے اور تمہاری عورتیں اور تمہارے نوجوان اور تمہارے بوڑھے سب کے سب خدا تعالیٰ کے سامنے روئیں تاکہ خدا تعالےٰ ہماری جماعت کو تباہی سے بچالے اور اپنے فضل سے ہماری دست گیری کرے۔ دنیا میں ہر شخص کا کوئی نہ کوئی سفارش کرنے والا موجود ہے۔ کسی کی تجارتیں اس کی سفارش کر رہی ہیں۔ کسی کے بنک اس کی سفارش کر رہے ہیں کسی کے اعداد و شمار اس کی سفارش کر رہے ہیں۔ لیکن اگر کوئی جماعت دُنیا میں زندہ رہنے کی مستحق ہے اور اگر کوئی جماعت دنیا میں بڑا اہم کام کر رہی ہے تو وہ ہماری جماعت ہے مگر تمہاری پُشت پر کوئی نہیں جو تمہاری سفارش کرنے والا ہو سوائے خدا تعالیٰ کی ذات کے۔ اس لئے اگر ہم اپنی دُعاؤں اور گریہ وزاری سے خدا تعالیٰ کے فضل کو کھینچ لیں تو یقیناً دُنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی ہمارے حقوق کو تلف نہیں کر سکتی۔ لیکن

اگر ہم خدا تعالیٰ کے فضل کو نہ کھینچ سکیں تو ہم سے زیادہ بے یار و مددگار دُنیا میں اور کوئی نہیں ہوگا۔ محض عقلی دلائل پر انحصار رکھنا نادانی اور حماقت ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عقلی طور پر ہماری بات معقول ہے اس لئے ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ ہماری بات مانی جائے گی۔ لیکن اس دھینگا مشتی کے زمانہ میں عقل کو کون پوچھتا ہے۔ اگر لوگ عقل کو پوچھتے تو آج خدا اور اس کا رسُول بیکسی کی حالت میں کیوں ہوتے۔ اور اگر لوگ عقل کی بات کو پوچھتے تو آج محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حکومت کی جگہ مشرکوں کی حکومت کیوں ہوتی؟ تمہاری تائید میں جو دلائل ہیں ان سے بہت زیادہ دلائل قرآن کریم اور خدا تعالےٰ کی تائید میں ہیں۔ اسی طرح تمہارے تائیدی دلائل سے بہت زیادہ دلائل محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تائید میں ہیں۔ لیکن آج عقل کو کوئی نہیں پوچھتا۔ آج لوگ لٹھ کو دیکھتے ہیں اور لٹھ تمہارے ہاتھ میں نہیں بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے تم خدا تعالیٰ سے دُعائیں کرو۔ خدا تعالیٰ اگر آج بھی چاہے تو وہ آسمان سے صرف ایک کُنْ کہہ کر ساری دُنیا کے نقشوں کو بدل سکتا ہے۔ اس لئے ہر شخص دُعاؤں میں مشغول ہو جائے۔ خصوصاً پہلے ایک دو دن ایسے ہیں جن میں دُعاؤں کی زیادہ ضرورت ہے۔ آج یا کل یا حد سے حد پرسوں کا دن ایسا ہوگا جس میں فیصلے ہو جائیں گے اور خدا تعالےٰ کی یہ سُنّت ہے کہ وہ ماضی میں تغیر نہیں کیا کرتا بلکہ مستقبل میں تغیر کرتا ہے۔ ماضی کے متعلق تو وہ کہتا ہے کہ جد و جہد کرو اور پھر ہم سے مدد طلب کرو اور آئی ہوئی چیز کے بدلنے میں خدا تعالےٰ کا قانون جو وقت چاہتا ہے وہ ضرور لگتا ہے۔ پس خدا جانے اس پر کتنا وقت لگے اور کتنی تکلیفوں میں سے ہمیں گذرنا پڑے لیکن ہمیں اپنی تکلیفوں کا بھی اتنا احساس نہیں جتنا سلسلہ کی تکالیف کا احساس ہے۔ اگر ہماری زندگیوں کا ہی سوال ہوتا تو ہم میں سے بہت سے اپنی اور اپنے بیوی بچّوں کی جانیں پیش کر دیتے اور کہتے کہ ہماری جانیں اس غرض کے لئے حاضر ہیں لیکن یہاں جانوں کا سوال نہیں بلکہ سلسلہ کی عزّت کا سوال ہے۔ مَیں نے اس دفعہ مصلحتاً عورتوں کو اعتکاف بیٹھنے سے منع کر دیا ہے کیونکہ ہم ہنگامی کاموں میں بہت زیادہ مصروف ہونے کی وجہ سے ان کی حفاظت کا صحیح طور پر انتظام نہیں کر سکتے۔ لیکن مَردوں میں سے جو بڑی عُمر کے ہیں انہیں چاہیئے کہ اگر ہو سکے تو ساری ساری رات جاگیں اور خدا تعالےٰ

کے حضور گریہ وزاری کریں، اکیلے بھی اور مشترکہ طور پر بھی۔ اسی طرح عورتوں کو چاہیئے کہ وہ گھروں میں بیٹھ کر دُعائیں کریں اور اتنی تضرّع اور گریہ وزاری سے دُعائیں کریں کہ خدا تعالیٰ کا عرش ہل جائے۔ بلکہ یونس نبی کی قوم کی طرح اگر وہ اپنے دُودھ پیتے بچوں کو بھوکا رکھ کر انہیں بھی دُعاؤں میں شامل کرلیں تو یہ بھی کوئی بڑی قربانی نہیں ہوگی۔ ہمارے خدا میں سب طاقتیں ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ ہوگا آخر سلسلہ کے لئے بہتر ہوگا۔ لیکن آخر سلسلہ کے لئے بہتر ہوگا اور اب بہتر ہو جائے، اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آخر میں تو ضرور ایسا ہوگا کہ ہمارے سلسلہ کو کامیابی حاصل ہو۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ ہماری غفلت اور کوتاہیوں کی وجہ سے درمیانی عرصہ میں ہزاروں جانوں کو دُکھ برداشت کرنا پڑے اور ہزاروں عزتوں کو برباد کرنا پڑے اور ہزاروں نوجوانوں کو قربان ہونا پڑے۔ پس دُعائیں کرو۔ دُعائیں کرو اور دُعائیں کرو۔ کیونکہ اس سے زیادہ دُنیوی طور پر نازک وقت ہماری جماعت پر کبھی نہیں آیا۔ خدا ہی ہے جو اس گھڑی کو ٹلا دے اور اپنے فضل سے ایسے راستے پیدا کر دے۔ کہ جن سے جلد سے جلد ہماری کامیابی کی صورتیں پیدا ہونے لگ جائیں“[۱]

امرتسر کے مُسلمان پناہ گزین قادیان میں اور اُن کے قیام وطعام کا مرکزی انتظام

۳ر جُون ۱۹۴۷ء کی سکیم کے مطابق ضلع گورداسپور مغربی پنجاب (پاکستان) میں شامل کیا گیا تھا اس لئے جونہی مشرقی پنجاب کے دوسرے اضلاع یعنی امرتسر، ہوشیارپور، لُدھیانہ وغیرہ میں مسلمانوں پر منظم حملے شروع ہو گئے۔ مُسلمان اس ضلع میں پناہ گزین ہو گئے اور بالخصوص امرت سر کے پناہ گزینوں کی ایک بھاری تعداد بٹالہ اور قادیان میں آپہنچی۔

حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود نے ۱۲ر اگست ۱۹۴۷ء کو مولانا جلال الدین صاحب شمس مبلّغ بلاد عربیہ و انگلستان کو انچارج مہاجرین مقرر فرما دیا تا آنے والے مظلوم، بے بس اور نہتے مسلمان بھائیوں کے کھانے اور رہائش کا بہتر انتظام کیا جا سکے۔

قادیان کے غیر مُسلم باشندوں کا وفد حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں

۱۳ر اگست ۱۹۴۷ء کو قادیان کے غیر مسلم باشندوں کا ایک وفد

---

[۱] ”الفضل“ ۱۱ر ظہور / اگست ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ تا ۳۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ پناہگزینوں کی داستانیں سن کر یہاں کوئی فساد ہی نہ ہو جائے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کی اس وفد سے کیا گفتگو ہوئی؟ اس کی تفصیل آپ نے وفد کے جانے کے معاً بعد حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بھجوا دی جو مندرجہ ذیل الفاظ میں تھی :-

"ابھی ابھی قادیان کے ہندوؤں اور سکھوں کا وفد مجھے مل کر گیا ہے۔ یہ لوگ بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں تسلی دلائی کہ جب حضرت صاحب اور ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ ہم کسی کے خلاف پہل نہیں کریں گے بلکہ اگر قادیان کے غیر مسلم ہمارے ساتھ وفادار رہیں گے تو اُن کی بھی حفاظت کریں گے تو گھبراہٹ کیسی ؟ انہوں نے کہا کہ حالات کی خرابی کے باعث ہم تسلی کیلئے دوبارہ ملنے آئے ہیں۔ دوسری بات انہوں نے یہ کہی کہ قادیان میں باہر سے بہت سے پناہگزین آرہے ہیں ہمیں ڈر ہے کہ اُن کی وجہ سے اور ان کی باتوں کو سُن کر کوئی فساد کی صورت نہ پیدا ہو جائے۔ میں نے کہا جہانتک احمدی پناہ گزینوں کا تعلق ہے وہ ہماری جماعت کا حصہ ہیں اور ہمارے نظام کے ماتحت ہیں۔ باقی رہے غیر احمدی پناہ گزین تو وہ تو خود بیچارے ظلموں سے بھاگے ہوئے ہیں اُن سے کسی کو کیا ڈر ہو سکتا ہے؟ اور ہم نے اُن کے انتظام کے لئے پہلے سے ایک افسر مقرر کر دیا ہے تاکہ ایک طرف انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو اور دوسری طرف اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ان کی وجہ سے اشتعال کی صورت نہ پیدا ہو۔

بہرحال یہ وفد تسلی پا کر گیا ہے اور یہ بھی کہہ کر گیا ہے کہ ہم آپ کے ساتھ ہر طرح وفادار رہیں گے"

گورداسپور کے مسلمانوں کا حوصلہ بلند رکھنے کی جدوجہد

علاقہ بھر میں سخت ابتری اور افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ ان حالات میں ضرورت اس بات کی تھی کہ ضلع گورداسپور اور بالخصوص قادیان کے ارد گرد کے علاقہ میں مسلمانوں کے حوصلے بلند رکھے جائیں اور انہیں آنے والے حالات میں ثابت قدم رہنے اور اپنے اندر تنظیم اور یک جہتی پیدا کرنے کی تلقین کی جائے۔ اس اہم ملی تقاضا کے پیش نظر اگست کے وسط میں کئی ایسی پارٹیاں ارد گرد کے علاقہ میں بھجوائی گئیں۔ اس سلسلہ میں پہلی پارٹی موضع تلونڈی جھنگلاں میں بھیجی گئی۔ موضع تلونڈی قادیان سے شمال مغربی جانب پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں اکثریت احمدیوں کی تھی۔ سولہ گھر سکھوں اور

بیس کے قریب مہتروں کے تھے۔ کُل آبادی دو ہزار کے قریب تھی۔ گڑبڑ کے دنوں میں ہی تین ہزار مسلمان پناہ گزین ہو کر یہاں آ گئے تھے۔ جب ہنگامے اُٹھنا شروع ہوئے تو تلونڈی کے باشندوں کی درخواست پر قادیان سے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو چودہ[14] نوجوان بھجوائے گئے اور انہیں کھُلے لفظوں میں ہدایت کی گئی کہ اُن کا مقصد مسلمانوں کے حوصلہ کو بلند رکھنا اور ان کی تنظیم کرنا ہے۔

دوسری پارٹی ۱۶ اگست ۱۹۴۷ء کو آٹھ بجے شام جو بارہ[12] افراد پر مشتمل تھی، کڑی، بھیٹ، بیری وغیرہ مسلمان علاقوں کی طرف بھجوائی گئی۔ جب یہ پارٹی روانہ ہوئی تو رات سخت اندھیری اور تاریک تھی اور بارش ہونے کے باعث دلدل کا یہ حال تھا کہ ایک ایک فٹ تک پاؤں دھنستے جاتے تھے مگر یہ پارٹی حکم کی تعمیل میں آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئی۔ کڑی، بھیٹ کے تین مسلمان گھڑسوار پارٹی کی راہ نمائی کر رہے تھے اور پارٹی پیدل جا رہی تھی۔ خدا خدا کر کے دو بجے شب کڑی، بھیٹ کی زمین نظر آئی جہاں دوسرے دن صبح گاؤں کے معتبر افراد کو اکٹھا کیا گیا اور انہیں خود حفاظتی کی نہایت موثر رنگ میں تلقین کی گئی مگر انہوں نے کہا کہ سکھوں کے ساتھ ہمارے پُرانے تعلقات ہیں اُن سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے شام کو پارٹی بیری وغیرہ کی طرف روانہ ہونے لگی تو بھیٹ والوں نے ان کا راستہ روک لیا اور اُنھیں نہایت بھولے پن سے یہ مشورہ دیا کہ آج کی بجائے صبح چلے جانا۔ پارٹی نے اپنا ارادہ صبح پر ملتوی کر دیا۔ اور سمجھا کہ شاید انہیں ہماری گذارشات کے متعلق کچھ احساس پیدا ہو گیا ہے مگر اُن کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے اُن کی زبان سے یہ بات سُنی کہ ہم اپنے گاؤں کے کئی جوہڑے آپ کے ساتھ بھیج رہے ہیں تا آپ راستہ میں سکھ دیہات پر حملہ کر کے انہیں بھگا دیں اور ہمارے مسلمان بھائی گندم کی لُوٹ سے "فیض یاب" ہو سکیں۔ پارٹی کے افراد نے جھنجلا کر کہا کہ ایسا کرنا شرافت کے صریح خلاف ہے اور یہ کہہ کر ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا اور دوسرے دن علی الصبح ۵ بجے بیری کی طرف روانہ ہو پڑے۔ راستہ میں اولکھ اور سونچ (دو سکھ دیہات) میں یہ عجیب خبر مشہور ہو گئی کہ کوئی جتھہ آ رہا ہے جس پر اولکھ وغیرہ کے سکھوں نے بیری کے مسلمان نمبردار اور دو تین معتبرین کو اپنے پاس بُلا کر اصل کیفیت پوچھی۔ اُن میں سے ایک مسلمان نے جواب دیا کہ یہ قادیان والے ہیں جو عوام کو پُر امن طور پر رہنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ ان کا قیام میرے ہاں ہے اس لئے آپ کو کسی قسم کا فکر نہ کرنا چاہیئے۔ یہ سُن کر سکھوں نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے اگر قادیان والے ہیں تو وہ یہاں رہیں ان سے کسی قسم کی خرابی کی ہرگز کوئی توقع نہیں ہو

سکتی۔ مگر یہ پارٹی جب ۱۷ اگست کو ایک بجے شب کے بعد واپس قادیان آرہی تھی تو بیری اور قادیان کے رستہ میں نہر کے پُل پر سکھوں کا ایک جتھہ ان کا راستہ روکنے کے لئے موجود تھا مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت! جب پارٹی کے افراد پُل پر پہنچے تو پہلی ڈیوٹی والے دوسری ڈیوٹی والے سکھوں کو نزدیک کے باغ میں جگانے کے لئے چلے گئے اور پارٹی خاموشی سے پُل پار کر کے چار بجے صبح مرکز میں پہنچ گئی۔

حضرت مُصلح موعود کا ایک الہام

حضرت مصلح موعود ۱۲ ظہور/اگست کو نماز عشاء کے لئے تشریف لائے تو حضور نے احباب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"جس امر کے متعلق مَیں دوستوں کو پہلے بھی دُعا کی طرف توجہ دلا چکا ہوں۔ اس امر کے متعلق آج پھر دُعا کی تحریک کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت تک جو خبریں آرہی ہیں وہ تشویشناک ہیں۔ دوستوں کو دُعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا فرمائے جن سے ہماری مشکلات دُور ہوں اور جماعت کو ترقی حاصل ہو"

اس کے بعد حضور نے اپنے بعض تازہ الہامات و رؤیا کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:۔

"اسی طرح آج عصر کے بعد مجھے الہام ہوا کہ

"اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا"

اس الہام میں تبشیر کا پہلو بھی ہے اور انذار کا بھی۔ تفرقہ تو ایک رنگ میں پہلے ہو گیا ہے۔ یعنی ہماری کچھ جماعتیں پاکستان کی طرف چلی گئی ہیں اور کچھ ہندوستان کی طرف۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اُن کے اکٹھا ہونے کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ اگر ہمارا قادیان ہندوستان کی طرف چلا جائے تو اکثر جماعتیں ہم سے کٹ جاتی ہیں کیونکہ ہماری جماعتوں کی اکثریت مغربی پنجاب میں ہے۔ اس لئے دوستوں کو اس معاملہ میں خاص طور پر دُعاؤں سے کام لینا چاہیئے۔ جب کسی شخص کا بچہ بیمار ہوتا ہے تو اُسے دُعا کا کتنا بڑا احساس ہوتا ہے اور یہ معاملہ کسی ایک شخص سے نہیں بلکہ جماعت کے لاکھوں آدمیوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے تمام دوستوں کو نہایت تضرّع اور انکسار کے ساتھ دُعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں ہماری مدد فرمائے اور ایسے سامان پیدا فرمائے جو ہماری بہتری اور ترقی کا موجب ہوں" [1]

---

[1] "الفضل" ۱۸ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲۔

پاکستان اور بھارت کے قیام پر حضرت سیدنا المصلح الموعود کی دُعا

۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان انگریزی اقتدار سے آزاد ہو کر پاکستان اور بھارت کی دو آزاد حکومتوں میں تقسیم ہو گیا اور ساتھ ہی وسطی پنجاب میں خونریز فسادات شروع ہو گئے۔ حضرت سیدنا المصلح الموعود نے آزادی کے دوسرے روز ۱۵ راگست (ظہور) کو خطبہ جمعہ میں اس تغیر عظیم کا ذکر کرتے ہوئے پہلے تو مشرقی پنجاب میں قتل و غارت اور فساد پہ نہایت درجہ غم و اندوہ کا اظہار کیا اور فرمایا :-

"اس آزادی کے ساتھ ساتھ خونریزی اور ظلم کے آثار بھی نظر آتے ہیں خصوصاً ان علاقوں میں جن کے ہم باشندے ہیں۔ وسطی پنجاب اس وقت لڑائی جھگڑے اور فساد کا مرکز بنا ہوا ہے ان فسادات کے متعلق روزانہ جو خبریں آ رہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سینکڑوں آدمی روزانہ موت کے گھاٹ اُتارے جا رہے ہیں اور ایک بڑی جنگ میں جتنے آدمی روزانہ مارے جاتے تھے اتنے آجکل اس چھوٹے سے علاقہ میں قتل ہو رہے ہیں اور ایک بھائی دوسرے بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ پس ان حالات کے ماتحت جیسے عید کے دن اس عورت کے دل میں خوشی نہیں ہو سکتی جس کے اکلوتے بچے کی لاش اس کے گھر میں پڑی ہوئی ہے اور جیسے کسی قومی فتح کے دن ان لوگوں کے دل فتح کی خوشی میں شامل نہیں ہو سکتے جن کی نسل فتح سے پیشتر اس لڑائی میں ماری گئی۔ اسی طرح آج ہندوستان کا سمجھدار طبقہ باوجود خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے اپنے دل میں پُوری طرح خوش نہیں ہو سکتا"

اس اظہار تاسف کے بعد حضور نے فرمایا :-

"یہ دو حکومتیں جو آج قائم ہوئی ہیں ہمیں ان دونو سے ہی تعلق ہے کیونکہ مذہبی جماعتیں کسی ایک ملک یا حکومت سے وابستہ نہیں ہوتیں۔ ہماری جماعت کے افراد پاکستان میں بھی ہیں اور ہماری جماعت کے افراد انڈیا میں بھی ہیں۔ . . . گو ہماری جماعت کے افراد پہلے بھی غیر ملکوں میں رہتے تھے مگر وہ تو پہلے ہی ہم سے الگ رہتے تھے۔ مگر اب جو ہمارے بھائی ہم سے الگ ہو رہے ہیں وہ ایک عرصہ سے اکٹھے رہتے آ رہے تھے۔ اب ہم ایک دوسرے سے اس طرح مِلا کریں گے جیسے غیر ملکی لوگ آپس میں ملتے ہیں۔

پس ہم امن، آزادی اور جدائی کے موقعہ پر خدا تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ دونوں ملکوں ہی کو ترقی بخشے ان دونوں ملکوں کو عدل و انصاف پر قائم رہنے کی توفیق بخشے اور ان دونوں ملکوں کے لوگوں کے دلوں میں محبت اور پیار کی رُوح بھر دے۔ یہ دونوں ملک ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں مگر پڑوسیانہ طور پر اور ہمدردانہ طور پر اور مخلصانہ طور پر اور جہاں ان میں رُوحِ مقابلہ پائی جائے وہاں ان میں تعاون اور ہمدردی کی روح بھی پائی جائے اور یہ ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ میں شریک حال ہوں۔ خدا تعالیٰ انہیں ہر شر سے بچائے اور اپنے فضل سے امن اور صلح اور سمجھوتے کے ذریعہ سے ایسے سامان پیدا کر دے کہ ہم . . . . اس کو اسلام کی روشنی کے پھیلانے کا مرکز بنا سکیں۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن" [1]

قادیان میں یوم آزادی کی تقریب

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو قادیان میں پورے وقار سے یوم آزادی کی تقریب منائی گئی۔ قادیان کی سرکاری عمارتوں، ڈاک خانہ، ایکسچینج آفس، پولیس چوکی وغیرہ پر پاکستان کا جھنڈا لہرایا گیا اور اُسے سلامی دی گئی۔ نیز غرباء میں مٹھائی تقسیم کی گئی اور کھانا کھلایا گیا۔

علاوہ ازیں نماز جمعہ کے بعد مسجد اقصیٰ میں حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے (ایم۔ ایل۔ اے) کی صدارت میں ایک جلسہ بھی منعقد ہوا جس میں حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ اور حضرت چوہدری صاحب نے تقریریں فرمائیں اور ان اہم ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی جو آزاد ہونے کے بعد اہلِ مُلک پر عائد ہوتی ہیں۔ اجتماعی دعا پر یہ جلسہ برخاست ہوا۔ [2]

فصل ہشتم

قادیان کے ہندوستان میں شامل کئے جانے کا فیصلہ اور حضرت سیدنا المصلح الموعود کا پُرشوکت اعلان

اب ہم تاریخ احمدیت کے ایک ایسے سنگین اور پُرفتن موڑ میں داخل ہو رہے ہیں جس کی ہولناکیوں کا تصور آج بھی لرزہ براندام

---

[1] و [2] "الفضل" ۱۶ ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱ و ۲ ۔

کر دیتا ہے اور جس دَور کے اثرات صدیوں تک قائم رہیں گے۔

جماعت احمدیہ کے مقدس امام اور خدا کے پیارے مصلح موعود آنے والے خوفناک خطرات کو اپنی بصیرت کی آنکھ سے دیکھ رہے تھے اور ان پرفتن ایّام میں مجسم گریہ و بکا بنے ہوئے تھے۔ حضرت مصلح موعود کی انتہائی خواہش تھی کہ قادیان پاکستان میں شامل ہو اور اس کی تکمیل کے لئے آپ نے ایک فقید المثال اور سرفروشانہ جدّوجہد بھی کی اور بے شمار اقتصادی مشکلات اور محدود ذرائع کے باوجود ہزاروں روپے اس سلسلہ میں قربان کر ڈالے۔ بہترین علمی قابلیتیں اور فنّی صلاحیتیں صرف کیں اور ریڈکلف ایوارڈ کے سامنے حق و صداقت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا مگر خدائی تقدیر جس کے اندر بے شمار مصلحتیں اور حکمتیں مضمر تھیں بہرکیف پوری ہو کے رہی یعنی ریڈکلف ایوارڈ میں ۱۷ اگست ۱۹۴۷ء (مطابق ۱۷ ظہور ۱۳۲۶ ہش) کو نہایت ظالمانہ طور پر بٹالہ، گورداسپور اور پٹھانکوٹ کی مُسلم اکثریت کی تحصیلیں ہندوستان کا حصہ بنا دی گئیں جس کے نتیجہ میں قادیان کی مقدس بستی بھی بھارت میں شامل کر دی گئی۔

اس فیصلہ کا اعلان سُن کر قادیان کے احمدیوں پر کیا گذری؟ اس کا اندازہ آج نہیں لگایا جا سکتا۔ اس دن ہر آنکھ اشکبار، ہر چہرہ اُترا ہوا، ہر سینہ زخم رسیدہ، ہر جسم نڈھال اور ہر رُوح لرزہ براندام تھی۔ اس ہوشرُبا قیامت کے دوران شام ہوئی تو حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعود مسجد مبارک میں تشریف لائے۔ نماز مغرب پڑھائی اور پھر مجلسِ علم و عرفان میں رونق افروز ہو کر نہایت تفصیل سے بتایا کہ ہم کئی دنوں سے قادیان کے پاکستان میں شامل ہونے کے لئے دُعائیں کر رہے تھے اور بعض کو اس سلسلہ میں مبشر خوابیں بھی آئی تھیں۔ اس ضمن میں فرمایا:-

"جن دوستوں نے اپنی کی ہوئی تعبیروں کے خلاف ہوتے دیکھا ہے انہیں گھبرانا نہیں چاہئیے۔ اور نہ یہ سمجھنا چاہئیے کہ ان کی خوابیں شیطانی تھیں۔ جنہوں نے اپنی خوابوں کی تعبیر کی تھی کہ قادیان پاکستان میں شامل ہوگا۔ ان کی تعبیریں ابھی غلط نہیں ہوئیں اور اپنے وقت پر سچّی ثابت ہوں گی"

اس سلسلہ میں مزید فرمایا:-

"ہم تم تو شطرنج پر ایک مُہرے کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ سلسلہ احمدیہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک لمبی اور نہ ختم ہونے والی تاریخ کا مالک ہے اور اسلام قیامت

تک کی تاریخ کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اگر اس دُنیا کے دو پرت فرض کر لئے جائیں تو یُوں سمجھنا چاہیئے کہ ایک پرت قبل از اسلام اور احمدیت کا ہے اور ایک پرت اسلام اور احمدیت کا ہے گویا ورقِ عالم کا ایک صفحہ قبل از اسلام اور احمدیت کا ہے اور دوسرا صفحہ اسلام اور احمدیت کا ہے اور اس صفحہ پر ہماری حیثیت زیر اور زبر بلکہ نقطہ کی بھی نہیں کیونکہ کروڑوں کروڑ احمدیوں کے مقابلہ میں چند لاکھ کی کیا حیثیت ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ آئندہ کیا نتائج نکلنے والے ہیں اور ہم میں سے کون زندہ رہ کر دیکھے گا اور کون مر جائے گا لیکن **فتح بہرحال احمدیت کی ہوگی۔** پس خدا تعالیٰ کے اس فعل کو اپنے لئے مُضر نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ خدا تعالیٰ کا کوئی فعل ہمارے لئے مُضر نہیں ہوسکتا بلکہ **وہ ہماری ترقیات کا پیش خیمہ ثابت ہوگا اور اللہ تعالیٰ مخالف حالات میں ہماری تائید اور نصرت فرما کر یہ بات واضح کر دے گا کہ وہ ہماری جماعت کے ساتھ ہے۔** ممکن ہے خدا تعالیٰ ہمارے ایمانوں کی آزمائش کرنا چاہتا ہے اور ہمیں ابتلاؤں میں ڈال کر یہ دیکھنا چاہتا ہو کہ ہم میں سے کون اپنے ایمان میں کچے ہیں اور کون ہیں جو مجھ پر اور میری نصرت پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہر حال میں ہمارا حامی و ناصر ہو اور اپنے فضل کے دروازے ہم پر کھول دے اور ہمیں ہر ابتلاء میں ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے۔" [1]

حضرت مصلح موعود کا ولولہ انگیز خطبہ عید الفطر

دوسرے دن ۱۸ ظہور/اگست کو عید الفطر تھی عید کے اس اجتماع میں فسردگی طاری تھی۔ ہر احمدی احمدیت اور قادیان کے مستقبل کے متعلق مشوش اور پریشان خاطر تھا کہ حضرت مصلح موعود رونق افروز ہوئے، نمازِ عید پڑھائی اور اپنے پُرشوکت خطبہ سے اسلام اور احمدیت کی ترقی اور غلبہ پر ایک زندہ ایمان اور زندہ ولولہ پیدا کر دیا۔ اور زخم رسیدہ بلکہ مُردہ دلوں میں پھر سے زندگی کی زبردست رُوح پھونک دی۔ حضور نے فرمایا :-

"جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے اور جب سے اللہ تعالیٰ کے رسُول دُنیا میں آنے شروع ہوئے ہیں یہ الٰہی سنّت چلی آتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے لگائے ہوئے درخت ہمیشہ آندھیوں اور طوفانوں

[1] "الفضل" ۵ر تبلیغ/ فروری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵ کالم ۲ تا ۴۔

کے اندر ہی ترقی کیا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جماعت کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ ان آندھیوں اور طوفانوں کو صبر سے برداشت کرے اور کبھی ہمّت نہ ہارے۔ جس کام کے لئے الٰہی جماعت کھڑی ہوتی ہے وہ کام خدا تعالیٰ کا ہوتا ہے بندوں کا نہیں ہوتا۔ پس وہ آندھیاں اور طوفان جو بظاہر اس کام پر چلتے نظر آتے ہیں درحقیقت وہ بندوں پر چل رہے ہوتے ہیں اس کام پر نہیں چل رہے ہوتے اور یہ محض نظر کا دھوکہ ہوتا ہے۔ جیسے تم نے ریل کے سفر میں دیکھا ہوگا کہ چل تو ریل رہی ہوتی ہے مگر تمہیں نظر یہ آتا ہے کہ درخت چل رہے ہیں۔ اسی طرح جب آندھیاں اور طوفان الٰہی سلسلوں پر آتے ہیں تو جماعتیں یہ خیال کرتی ہیں کہ یہ آندھیاں اور طوفان ہم پر نہیں بلکہ سلسلہ پر چل رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ سلسلہ پر نہیں آ رہے ہوتے بلکہ افراد پر آ رہے ہوتے ہیں۔ اُن افراد پر جو اس سلسلہ پر ایمان لانے والے ہوتے ہیں۔ ان آندھیوں اور طوفانوں کو بھیج کر اللہ تعالیٰ مومنوں کے ایمان کا امتحان لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے کلام اور خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تعلیم کا امتحان لینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ امتحان تو انسانوں کا لیا جاتا ہے۔ پس یہ آندھیاں اور یہ طوفان انسانوں پر آتے ہیں۔ مگر انسان کم عقلی سے یہ سمجھتا ہے کہ کسی اَور پر آ رہے ہیں اور وہ طوفان جو اس کو ہلا رہے ہوتے ہیں ان کے متعلق وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ خدائی سلسلہ کو ہلا رہے ہیں۔ . . . .

پس ہماری جماعت کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ پودا جو خدا تعالیٰ نے لگایا ہے وہ بڑھے گا، پھلے گا اور پھُولے گا اور اس کو کوئی آندھی تباہ نہیں کر سکتی۔ ہاں ہماری غفلتوں یا ہماری سُستیوں یا ہماری لغزشوں کی وجہ سے اگر کوئی ٹھوکر آ جائے تو وہ ہمارے لئے ہوگی سلسلہ کے لئے نہیں ہوگی۔ جب ہم اپنے توازن کو درست کر لیں گے اور اپنے ایمانوں کو مضبوط کر لیں گے تو وہ حوادث خود بخود دُور ہوتے چلے جائیں گے بلکہ وہ حوادث ہمارے لئے رحمت اور برکت کا موجب بن جائیں گے۔

رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے ہجرت کی تو لوگوں نے سمجھا کہ ہم نے ان کے کام کا خاتمہ کر دیا ہے اور یہ حادثہ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے لئے زبردست حادثہ ہے لیکن جس کو لوگ حادثہ سمجھتے تھے کیا وہ حادثہ ثابت ہوا یا برکت؟ دنیا جانتی ہے کہ

وہ حادثہ ثابت نہ ہوا بلکہ وہ الٰہی برکت بن گیا اور اسلام کی ترقیات کی بنیاد اسی پر پڑی۔ پس ہماری جماعت کو اپنے ایمانوں کی فکر کرنی چاہیئے۔ اگر تم اپنے ایمانوں کو بڑھا لوگے اور اپنے ایمانوں کو مضبوط کر لوگے تو تمہارے لئے سال میں صرف دو عیدیں ہی نہیں آئیں گی بلکہ ہر نیا دن تمہارے لئے عید ہوگا اور ہر نئی رات تمہارے لئے نیا چاند لے کر آئے گی۔ تم خدا تعالےٰ کی برگزیدہ جماعت ہو اور خدا تعالےٰ اپنی برگزیدہ جماعت کو اُٹھانے اور بڑھانے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔" [۱]

حضرت مصلح موعود نے اپنے اس خطبہ عید کے آخر میں جماعت احمدیہ کے ہر فرد کو یہ نصیحت بھی فرمائی کہ

"تم اپنے متعلق صرف یہ سمجھو کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں قربانی کا بکرا بنایا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ عید ان بکروں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ عید بالکل الگ چیز ہے اور بکرے الگ چیز ہیں۔ پس تم اپنے دلوں کے اندر یہ یقین رکھو کہ تم صرف قربانی کے بکرے ہو اور جو کچھ ہے وہ تمہارا خدا ہی ہے تم کچھ بھی نہیں۔ جس دن تم اس انکسار کے مقام پر کھڑے ہو جاؤ گے اور جس دن تم اعترافِ نصرت باری کا مقام حاصل کر لوگے تو گو نصرتِ الٰہی اب بھی تمہارے شاملِ حال ہے مگر اس وقت جو اللہ تعالےٰ کی نصرت تمہارے لئے آئے گی وہ اس سے کہیں بالا ہوگی۔ پس تم اپنے آپ کو الٰہی قدرتوں کا آلہ بنا لو . . . . . تم خدا تعالےٰ کی تلوار بن جاؤ۔ ہتھیار بے شک ایک بے جان چیز ہے مگر یہ نہ سمجھو کہ تم بے جان ہو کر گر جاؤ گے۔ اگر ایک بادشاہ کی جُوتی یا کسی بادشاہ کا قلم یا شکسپیئر کی کتابیں کچھ حیثیت رکھتی ہیں تو تم سمجھ لو کہ جو شخص خدا تعالےٰ کا ہتھیار بن جائے اُس کی کیا حیثیت ہوگی۔ پس میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ تکبّر اور بڑائی کا خیال چھوڑ دو اور اپنے نفسوں پر ایک موت وارد کر لو تا کہ اللہ تعالےٰ تمہیں اپنا ہتھیار بنا لے" [۲]

---

[۱] "الفضل" ۲۵/۲۶ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء [۲] ایضاً

فصل نہم

قادیان کے ماحول میں فسادات اور قتل و غارت، اغوا اور آتشزنی کا خطرناک سلسلہ

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے اوائل ماہ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں لاہور، امرت سر اور ملتان وغیرہ میں فرقہ وارانہ فسادات اُٹھ کھڑے ہوئے جن کی وجہ سے پنجاب بھر میں خوف و ہراس پھیل گیا اور سکھوں کی طرف سے آئندہ فسادات کے لئے زبردست تیاریاں شروع ہوگئیں۔ چنانچہ کتاب "سکھوں کا منصوبہ" میں ماہ مئی ۱۹۴۷ء کے واقعات کی ذیل میں مستند معلومات کی بناء پر لکھا ہے:۔

"مہینے کے آخر میں سکھوں کی تیاریاں موگا، مالوہ اور دوآبہ میں مکمل ہوگئیں۔ ماجھا ابھی تیار نہ تھا۔ لیکن علاقہ تھانہ سرہالی، ترنتارن، بیاس اور ڈیرہ دوال کے باشندوں کو مسلّح کرنے کی طرف توجہ کی گئی۔ **قادیان کے آس پاس رہنے والے سکھ بالکل تیار ہوچکے تھے** لیکن تحصیل بٹالہ میں ان کی تیاری اب تک پوری نہ ہوئی تھی" [1]

قادیان کے ماحول میں فساد کا پہلا واقعہ ۲۴-۲۵ جولائی ۱۹۴۷ء (وفا ۱۳۲۶ہش) کی درمیانی شب کو پیش آیا۔ پچیس تیس سکھوں نے وڈالہ گرنتھیاں سٹیشن پر قادیان کی طرف جانے والی گاڑی کو روک کر اس پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے ڈرائیور اور پانچ چھ اشخاص زخمی ہوگئے۔ فائرمین نے نہایت ہوشیاری سے گاڑی چلا دی اور اس طرح گاڑی کو قادیان لے آنے میں کامیاب ہوگیا۔[2]

۱۲/اگست (ظہور) ۱۹۴۷ء کو قادیان کی ریل بند کر دی گئی اور اس کے ساتھ ہی ڈاک کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا اور پھر جلد ہی تار کا سلسلہ بھی عملاً کٹ گیا

۱۷/اگست/ظہور ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء ریڈ کلف ایوارڈ کے فیصلہ کے مطابق قادیان کو ہندوستان یونین میں شامل کر دیا گیا۔ اور قادیان "بھاری خدائی امتحان" میں داخل ہوگیا۔ چنانچہ اگلے روز ہی

۱۸/اگست/ظہور ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو ضلع گورداسپور کے مسلمان دیہات پر سکھوں کے حملوں کا آغاز ہوا جس

---

[1] صفحہ ۱۲۔ ناشر سول ملٹری گزٹ لمیٹڈ لاہور۔ [2] "الفضل" ۲۰/وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸۔

کے ساتھ قتل و غارت، لُوٹ مار، اغوا اور آتشزنی کے بھیانک حادثات شامل تھے اور یہ سلسلہ روز بروز زیادہ وسیع اور زیادہ خطرناک ہوتا گیا حتّٰی کہ بالآخر ضلع بھر کے سب مسلمان دیہات قتل و غارت کے ذریعہ خالی کرائے گئے۔ انہی ایام میں سکھوں نے قادیان کے ارد گرد سب راستے اور نہروں کے پُل مسدود کرنا شروع کر دیئے اور آمد و رفت پُرخطر اور سخت مخدوش ہو گئی۔

۲۱ اگست (ظہور) کو قادیان سے غربی جانب واقع احمدی گاؤں ونجواں پر سکھوں نے حملہ کیا جس کے نتیجہ میں قریباً ۵ آدمی شہید اور ۲۹ زخمی ہوئے اور لُوٹ مار سے گاؤں خالی کرا لیا گیا۔

۲۲ اگست (ظہور) کو میجر چودھری شریف احمد صاحب باجوہ بی۔اے، ایل ایل بی سیفٹی آرڈی نینس کے تحت گرفتار کر لئے گئے۔[1]

محاسب صدر انجمن احمدیہ کے دفتر کا قیام پاکستان میں

ریڈکلف ایوارڈ کے فیصلہ کے بعد سیدنا حضرت المصلح الموعود نے سب سے پہلا اور اہم قدم یہ اُٹھایا کہ جماعت احمدیہ کا خزانہ پاکستان میں منتقل کرنے کا فوری انتظام فرمایا۔ اور ۲۳ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو دفتر محاسب صدر انجمن احمدیہ کی ایک شاخ ۱۲ ٹمپل روڈ لاہور میں کھول دی گئی اور راجہ علی محمد صاحب ناظر بیت المال نے بذریعہ مطبوعہ سرکلر (مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء) تمام امراء و صدرصاحبان کو اطلاع دی کہ

"آئندہ تمام جماعتیں جو مغربی پنجاب اور صوبہ سرحد اور سندھ میں واقع ہیں وہ تا اطلاع ثانی صدر انجمن احمدیہ کے ہر قسم کے چندے اور حفاظت مرکز کی تحریک کے متعلق تمام رقمیں بنام محاسب صاحب صدر انجمن احمدیہ ۱۲ ٹمپل روڈ لاہور بھیجیں اور ہر مقامی جماعت کے ذمہ جس قدر چندے اور وعدے قابلِ ادائیگی ہیں وہ فوراً ادا کئے جائیں۔"[2]

---

[1] "الفضل" ۴ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔

[2] قریشی محمد عبداللہ صاحب (حال سپرنٹنڈنٹ تعلیم الاسلام کالج) کا بیان ہے کہ

حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد تھا کہ محاسب صدر انجمن احمدیہ (مرزا عبدالغنی صاحب) فوراً لاہور بذریعہ ہوائی جہاز چلے جائیں اور اپنے ساتھ کوئی ہوشیار کارکن جسے وہ پسند کریں ساتھ لے جائیں اور وہاں دفتر محاسب و امانت جاری کریں اور اپنے ساتھ روپیہ بھی لیتے جائیں۔

چنانچہ مرزا عبدالغنی صاحب ۱۹ اگست ۱۹۴۷ء کو جمعہ کی نماز کے بعد مسجد سے دفتر خزانہ صدر انجمن احمدیہ سے خزانہ کا روپیہ لے کر دارالانوار پہنچ گئے اور بذریعہ ہوائی جہاز لاہور روانہ ہو گئے۔ آپ نے روانگی سے قبل خاکسار کو جو اس وقت دفتر محاسب و امانت کا ہیڈ کلرک تھا، ہدایت فرمائی کہ کل صبح نماز فجر کے معاً بعد حضرت صاحبزادہ مرزا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت سیدنا المصلح الموعود کا پہلا پیغام بیرونی احمدی جماعتوں کے نام

قادیان کا تعلق باقی دنیا سے کٹ چکا تھا جس کی وجہ سے بیرونی جماعتوں کا مشوش اور پریشان ہونا لازمی امر تھا حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ان حالات کو دیکھ کر بیرونی احمدیوں کے لئے اپنے قلم مبارک سے بعض پیغامات لکھے تا دوسری احمدی جماعتیں نہ صرف مرکز کی مخدوش صورت حال سے باخبر ہوں بلکہ نئے تقاضوں کے پیش نظر اپنی ذمہ داریوں کو مومنانہ جرأت سے نباہنے کے لئے سرتاپا عمل ہو جائیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ سے ہدایات لے کر لاہور پہنچ جاؤں جس کی تعمیل میں خاکسار دوسرے دن ۲۰ راگست کو ہفتہ کے روز نماز فجر مسجد اقصیٰ میں ادا کرتے ہی حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اندر چٹ اپنے نام کی بھیج کر ہدایت چاہی جس پر حضرت میاں صاحب نے سرخی سے نوٹ فرمایا:-

"لاہور ابھی چلے جائیں۔ جہاز دارالانوار میں تیار ہوگا۔ اپنے ساتھ صرف دفتر کا ضروری سامان دفتر چلانے کے لئے جو دس سیر سے زائد نہ ہو لے جا سکتے ہیں"

مَیں بجائے اس کے کہ گھر جاتا جو وہاں سے صرف پانچ چھ منٹ کا راستہ تھا دفتر محاسب پہنچا اور وہاں سے کچھ رسیدات اور دو ایک ضروری رجسٹر ساتھ لئے اور خزانہ کے پہرہ دار کو کہا کہ میرے گھر پیغام دے دیں کہ مَیں حضور کے ارشاد کی تعمیل میں لاہور جا رہا ہوں۔ مَیں بھاگا بھاگا دارالانوار پہنچا۔ وہاں مسجد دارالانوار کے پاس جہاز اڑان کے لئے سٹارٹ ہو چکا ہوا تھا۔ اس کے پائلٹ سید محمد احمد صاحب تھے۔ مَیں نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کی چٹ سید محمد احمد صاحب کو دی۔ انہوں نے جو آدمی پہلے جہاز میں لاہور جانے کے لئے بیٹھا تھا اُسے اُتار دیا۔ اور مجھے اس میں بیٹھنے کو فرمایا۔ مَیں نے رجسٹر وغیرہ جہاز میں رکھے اور جہاز میں بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھتے ہی جہاز لاہور کے لئے اڑان کر گیا اور مَیں نے جہاز میں بیٹھے بیٹھے وطن کو آخری سلام کیا۔ اس دن بارش ہو رہی تھی۔ راستے میں سید صاحب موصوف مختلف جگہوں پر سکھوں اور ہندو حملہ آوروں کے ہجوم بھی دیکھتے تھے تاکہ وہ اس کی اطلاع حضرت امیر المومنین رض کو دے سکیں۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا۔ مَیں جہاز کی کھڑکیاں مذکورہ اطلاع لینے کے لئے کھول رہا ہوں جم کر بیٹھے رہو۔ کھڑکیاں کھُل گئیں۔ نیچے جگہ جگہ حملہ آوروں کے ہجوم مختلف دیہات میں دیکھے گئے۔ کئی جگہ آگ لگ رہی تھی۔

ہمارا جہاز امرتسر کے بالکل اوپر سے نہیں گذرا کیونکہ امرتسر میں تو ہمارے جہاز کو اُڑا دینے کے پورے سامان موجود تھے۔ اس لئے جہاز امرتسر سے ذرا ہٹ کر گذرا۔ قادیان سے لاہور ہم صرف نصف گھنٹہ میں پہنچ گئے۔ یہاں ہوائی اڈہ پر مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہی اس وقت لاہور میں مقامی امیر تھے۔ مَیں نے انہیں اپنی آمد اور آمد کے مقصد سے اطلاع دی۔ مجھے انہوں نے اپنی کار میں بٹھایا۔ اور کوٹھی ۱۳ ٹمپل روڈ لاہور میں (جو صدر انجمن کی ملکیتی ہے) پہنچے۔ یہاں اس وقت لاہور شہر اور بیرونجات سے احمدی احباب فسادات کے سلسلہ میں محلوں اور شہر میں جو لوٹ مار ہو رہی تھی کے باعث مکرم شیخ صاحب سے مشورے کرنے آ رہے تھے۔ مجھے تو حکم ہوا کہ مَیں وہاں کوٹھی میں دفتر قائم کر لوں اور جو احباب چندہ جات وغیرہ دیتے ہیں لینے شروع کر دوں۔ مَیں نے باوجودیکہ کوٹھی میں تِل دھرنے کو بھی جگہ نہ تھی ایک کونے میں کرسی لگا کر کام

اس ضمن میں حضور نے سب سے پہلا پیغام ۲۲ ظہور/ اگست ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو تحریر فرمایا اور بذریعہ ہوائی جہاز شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور کو بھیجا کہ وہ اسے چھپوا کر پاکستان اور اس سے باہر ممالک کی جماعتوں کو پہنچا دیں۔ چنانچہ انہوں نے اس کی پوری تعمیل کی۔ اس اہم پیغام کا متن یہ تھا:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

برادران جماعت احمدیہ!   السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

فسادات بڑھ رہے ہیں۔ قادیان کے گرد دشمن گھیرا ڈال رہا ہے۔ آج سنا گیا ہے۔ ایک احمدی گاؤں پوری طرح تباہ کر دیا گیا ہے۔ اس گاؤں کی آبادی چھ سو سے اوپر تھی۔ ریل، تار، ڈاک بند ہے۔ ہم وقت پر نہ آپ کو اطلاع دے سکتے ہیں اور نہ جو لوگ قادیان سے باہر ہوں اپنے مرکز کے لئے کوئی قربانی ہی کر سکتے ہیں۔

میں نے احتیاطاً خزانہ قادیان سے باہر بھجوا دیا ہے۔ پھر بھی اگر ان فسادوں کی وجہ سے بعض کو روپیہ ملنے میں دیر ہو تو انہیں صبر سے کام لینا چاہیئے کہ یہی وقت ایمان کی آزمائش کے ہوتے ہیں۔ مجھے بعض لوگ مشورہ دیتے ہیں کہ میں قادیان سے باہر چلا جاؤں۔ ان لوگوں کے اخلاص میں شبہ نہیں لیکن میری جگہ قادیان ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ تفسیر کا کام اور کئی اور کام پڑے ہیں۔ لیکن ان کاموں کے لئے خدا تعالیٰ اور آدمی پیدا کر دے گا یا وہ مجھے قادیان میں ہی دشمن کے حملہ سے بچالے گا۔ لیڈر کو اپنی جگہ نہیں چھوڑنی چاہیئے۔ یہ خدا تعالیٰ پر بدظنی ہے۔ مجھے یقین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) شروع کر دیا۔

چونکہ ابھی قادیان کی حفاظت کے سلسلہ میں سامان اور رضاکار بھجوائے جا رہے تھے جس کے لئے شیخ صاحب مکرم پہلے پرچی جاری کرتے اور محاسب صاحب کی تصدیق سے میں ادائیگی کر دیتا تھا۔ مذکورہ ضروریات کے لئے حضور رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق حبیب بنک لمیٹڈ لاہور میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان لاہور کے نام سے اکاؤنٹ کھولا گیا جس کے آپریٹر شیخ بشیر احمد صاحب اور مرزا عبد الغنی صاحب محاسب قرار پائے تھے۔

مجھے بنک سے حسب ضرورت پچاس ساٹھ ہزار روپیہ نکلوا دیا گیا۔ میں روزانہ جو آمد چندہ جات وصول ہوتی اُسے بنک مذکور میں جمع کرا دیتا اور بنک سے برآمد شدہ رقم ہر دو افسران کی ہدایات کے تحت خرچ کرتا اور اس کا حساب رکھتا جاتا۔

لاہور میں اس وقت مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب (جو اس وقت پاکستان کے وزیر خارجہ تھے) اور جماعت احمدیہ کی ہر طرف تعریف ہو رہی تھی کہ یہی ایک مسلمانوں کی جماعت ہے جو ہندو سکھوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہی ہے"

ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا اور ہمیں فتح دے گا مگر پھر بھی حضرت مسیح موعودؑ کی عزت اور احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض مستورات کو باہر بھجوانے کا ارادہ ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ نے انتظام کر دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے وعدوں کے مطابق آگئی تو یہ سب خدشات صرف ایک احمقانہ ڈر ثابت ہوں گے۔ لیکن اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے سمجھنے میں غلطی کی ہے تو یہ احتیاطیں ہمارے لئے ثواب کا موجب ہوں گی۔

آخر میں مَیں جماعت کو محبّت بھرا اسلام بھجواتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو۔ اگر ابھی میرے ساتھ مل کر کام کرنے کا وقت ہو تو آپ کو وفاداری سے اور مجھے دیانت داری سے کام کرنے کی توفیق ملے اور اگر ہمارے تعاون کا وقت ختم ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو اور آپ کے قدم کو ڈگمگانے سے محفوظ رکھے۔ سلسلہ کا جھنڈا نیچا نہ ہو۔ اسلام کی آواز پست نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کا نام ماند نہ پڑے۔ قرآن سیکھو اور حدیث سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ اور خود عمل کرو اور دوسروں سے عمل کراؤ۔ زندگیاں وقف کرنے والے ہمیشہ تم میں سے ہوتے رہیں اور ہر ایک اپنی جائداد کے وقف کا عہد کرنے والا ہو۔ خلافت زندہ رہے اور اس کے گرد جان دینے کے لئے ہر مومن آمادہ کھڑا ہو۔ صداقت تمہارا زیور، امانت تمہارا حُسن، تقویٰ تمہارا لباس ہو۔ خدا تعالیٰ تمہارا ہو اور تم اُس کے ہو۔ آمین۔

میرا یہ پیغام ہندوستان کے باہر کی جماعتوں کو بھی پہنچا دو اور انہیں اطلاع دو کہ تمہاری محبّت میرے دل میں ہندوستان کے احمدیوں سے کم نہیں۔ تم میری آنکھ کا تارا ہو۔ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ جلد سے جلد اپنے ملکوں میں احمدیت کا جھنڈا گاڑ کر آپ لوگ دوسرے ملکوں کی طرف توجہ دیں گے اور ہمیشہ خلیفۂ وقت کے جو ایک وقت میں ایک ہی ہو سکتا ہے فرماں بردار رہیں گے اور اس کے حکموں کے مطابق اسلام کی خدمات کریں گے۔ والسّلام

خاکسار مرزا محمود احمد ۴۷-۸-۲۲"

پاکستان اور بیرونی مُلکوں میں حضرت مُصلح موعُود کا پیغام اور دُوسری مرکزی اطلاعات پہنچانے کا انتظام

حالات کے تبدیل ہوتے ہی امیر جماعت احمدیہ لاہور (شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ) نے جماعت کراچی سے رابطہ قائم کر لیا جہاں جماعت احمدیہ

کے ناظر امورِ عامہ مولانا عبدالرحیم صاحب درد مقیم تھے اور قادیان کی صورتِ حال کے متعلق پاکستان کے وزراء سے ملاقاتیں کر رہے تھے۔ کراچی کی جماعت غیر ملکی جماعتوں تک اطلاعات پہنچا دیتی تھی۔ یورپ کے تمام مشنوں تک اطلاعات کے ارسال کرنے کا طریق یہ اختیار کیا گیا کہ لندن مشن کو کراچی سے اطلاعات موصول ہوتیں اور یہاں سے اُسے یورپ کے دوسرے مشنوں تک پھیلا دیا جاتا۔ اسی طریق کے مطابق سیدنا حضرت مصلح موعود کا یہ پیغام بھی پہلے لاہور پہنچا جہاں سے جماعت احمدیہ لاہور نے بذریعہ فون اُسے کراچی تک پہنچا دیا اور جماعت کراچی نے اسے بیرونی جماعتوں تک پہنچانے کا انتظام کیا اور دہلی اور رنگون دونوں سے بذریعہ سرکلر یہ پیغام نشر کیا گیا۔ پاکستان اور پاکستان کے باہر دوسرے ممالک تک اطلاعات پہنچانے کا جو طریق اختیار کیا گیا وہی طریق ہندوستان کی جماعتوں کے لئے معرضِ عمل میں لایا گیا۔ یعنی کراچی سے براہِ راست دلّی کو اطلاعات دی جاتی رہیں۔ جب فسادات شروع ہوئے تو جناب صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب ملک دریا گنج دہلی میں تھے اور مجلس خدام الاحمدیہ کے قائد تھے۔ آپ نے یہ دیکھ کر کہ قادیان کی اطلاعات جماعتوں تک نہیں پہنچ رہیں، ۲۱ اگست ۱۹۴۷ء سے مندرجہ ذیل امراء جماعت کو سرکلر لیٹر بھجوانے کا انتظام فرمایا:۔

آگرہ ۔ انبالہ ۔ بمبئی ۔ بھوپال ۔ بریلی ۔ پٹیالہ ۔ پانی پت ۔ جالندھر ۔ حیدر آباد دکن ۔ ڈیرہ دون منصوری ۔ رہتک ۔ شاہجہان پور ۔ کلکتہ ۔ کانپور ۔ کراچی ۔ کوئٹہ ۔ لکھنؤ ۔ لدھیانہ ۔ کپورتھلہ مالیر کوٹلہ ۔ امرتسر ۔ اٹک ۔ نوک کنڈی ۔ بنگلور ۔ بھاگلپور ۔ پشاور ۔ پٹیالہ ۔ جے پور ۔ رانچی حیدر آباد سندھ ۔ راولپنڈی ۔ جہلم ۔ چمن ۔ چٹاگانگ ۔ سکندر آباد ۔ سرگودھا ۔ سیالکوٹ سورت ۔ سرینگر ۔ کرنال ۔ کاٹھیاواڑ گجرات ۔ قصور ۔ لاہور ۔ مدراس ۔ میانوالی ۔ مالابار ۔ وزیر آباد

چنانچہ دہلی کے پہلے سرکلر لیٹر میں تحریر کیا گیا کہ ہمیں مرکز سے کوئی اطلاعات نہیں موصول ہو رہیں۔ مگر احباب کو چاہیئے کہ حضور کے خطبہ جمعہ کے ارشاد کے مطابق بار بار دُعائیں کریں۔

دوسرے سرکلر میں بتایا گیا کہ ہم ایک خادم کو ہفتہ میں ایک بار بذریعہ ہوائی جہاز لاہور بھجوایا کریں گے نیز لکھا کہ ہم مرکز سے بالکل بے خبر ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ ہر وقت تعلق رکھیں۔ جس جماعت کو بھی کوئی قابلِ اعتبار خبر ملے وہ دوسری جماعتوں تک فوراً پہنچائے۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کی جماعتوں کے لئے مندرجہ ذیل سات مرکز تجویز کئے گئے جن کے ذریعہ فرض عائد کیا گیا کہ وہ روزانہ دہلی سے اطلاعات حاصل کر کے اپنے قرب و جوار کی جماعتوں تک پہنچائیں۔

۱۔ حیدرآباد (برائے جنوبی ہند) ۲۔ بمبئی (برائے صوبہ بمبئی۔ گجرات۔ کاٹھیاواڑ)

۳۔ ناگپور (" راجپوتانہ) ۴۔ بنگال (" بنگال۔ آسام۔ اُڑیسہ)

۵۔ پٹنہ (" صوبہ بہار) ۶۔ لکھنؤ (" صوبہ یو۔ پی)

۷۔ کراچی (" سندھ بلوچستان)

یہ دوسرا سرکلر لیٹر لکھا جا چکا تھا کہ مولانا عبدالرحیم صاحب درد کی طرف سے کراچی سے ۲۴ اگست کو مندرجہ ذیل پہلا تار موصول ہوا (اس مضمون کے مختلف تار کراچی سے دیگر ممالک کی جماعتوں کو بھی دیئے گئے)

"COMMUNICATIONS WITH QADIAN COMPLETELY CUT OFF. BEING SURROUNDED WITH HOSTILE POPULATIONS ATTACK FEARED BY ANY MOMENT. IMPRESS UPON LORD MOUNTBETTON BY URGENT WIRES NEED OF TAKING DECISIVE AND IMMEDIATE MEASURES FOR RESPECT AND SECURITY OF OUR HEADQUARTERS AND RESTORE COMMUNICATIONS. INFORM U.P. AND BIHAR SIMMILAR ACTION. DARD.

۲۸ اگست ۱۹۴۷ء کے سرکلر میں بتایا گیا کہ حال ہی میں چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے گورنر جنرل انڈین یونین سے ملاقات کر کے قادیان کی حفاظت کے سلسلہ میں فوری انتظام کا مطالبہ کیا ہے۔ مولوی محمد سلیم صاحب (مبلغ کلکتہ) نے پنڈت نہرو، سردار بلدیو سنگھ اور مولانا آزاد سے ملاقات کی اور درخواست کی کہ قادیان سے سلسلہ مواصلات جاری کیا جائے۔ نیز جماعتوں سے کہا گیا کہ وہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن، قائداعظم جناح، پنڈت نہرو اور لیاقت علی خان کو درخواست کریں کہ ہمیں اپنے پیارے امام اور مرکز کی کوئی اطلاع نہیں مل رہی۔ براہِ کرم انتظام فرمایا جائے۔

اس سے قبل ایک اور سرکلر میں بتایا گیا کہ احباب سے بذریعہ سرکلر ہم نے وعدہ کیا تھا کہ مرکز سے متعلقہ تمام معلومات جُوں جُوں ہمیں معلوم ہوں گی فوراً دوستوں تک پہنچا دی جائیں گی۔ اب تک حسب ذیل اطلاعات موصول ہو چکی ہیں۔ (اس کے بعد کچھ معلومات درج ہیں۔ اور پھر لکھا) مولوی محمد سلیم صاحب مبلغ اپنے ہیڈکوارٹر

سے بذریعہ ہوائی جہاز کل یہاں پہنچے تاکہ مرکز سے متعلقہ خبریں جماعت کلکتہ کو بھیجیں (اس کے بعد کلکتہ، بمبئی، کراچی اور حیدرآباد کی جماعتوں کے پتے درج کئے گئے ہیں)

صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب ۱۳؍ اگست ۱۹۴۷ء کو بذریعہ ہوائی جہاز لاہور تشریف لے آئے تو دہلی کی مجلس خدام الاحمدیہ کے سکرٹری رشید احمد ملک نے یہ ڈیوٹی اپنے ذمہ لے لی کہ وہ ہندوستان کی جماعتوں کو مرکزی اطلاعات سے ضرور باخبر رکھیں گے اور متعدد سرکلر بھجوائے۔

غرضکہ قادیان کی مقدس بستی ریڈکلف ایوارڈ کے فیصلہ سے قبل ہی باقی دنیا سے منقطع ہو چکی تھی مگر اس کے فدائی اور شیدائی اس صورتِ حال کو نہایت اضطراب کی نظر سے دیکھتے ہوئے ہر اس ممکن کوشش میں مصروف تھے کہ ہمیں اپنے محبوب آقا اور محبوب مرکز کے حالات کا علم ہو جائے۔

شیخ بشیر احمد صاحب کے نام پہلا اہم مکتوب

پریس میں مسٹر غضنفر علی خاں وزیر خوراک پاکستان کے متعلق یہ خبر شائع ہوئی کہ آپ ۲۲؍ اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی سے لاہور آرہے ہیں اور وہ جالندھر میں پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم بھارت سے مشرقی پنجاب کے فسادات کے سلسلہ میں مشورہ کریں گے نیز شائع ہوا کہ دونوں اصحاب نے مشرقی پنجاب میں قیام امن کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور وہ فساد زدہ علاقوں کا دَورہ کریں گے اور اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک امن قائم نہیں ہو جاتا۔[۱]

سیدنا حضرت المصلح الموعود نے اس اطلاع پر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور کے نام اپنے قلم مبارک سے مندرجہ ذیل مکتوب تحریر فرمایا:-

"مکرمی شیخ بشیر احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بار بار باتیں لکھی جاتی ہیں۔ ایسا نہ ہو مشوش ہو جائیں۔ ایک کاپی بنا کر اس پر لکھوا لیا کریں۔ کراچی سے راجہ غضنفر علی آرہے ہیں ان سے ضرور مل کر مندرجہ ذیل باتیں کریں:-

۱۔ سارے مشرقی پنجاب میں صرف گورداسپور ہی مسلم اکثریت کا ضلع ہے اس لئے اسے تباہ کرنے کی طرف سکھ لگ گئے ہیں اور اس وقت تک پچاس ہزار آدمی بھاگ چکا ہے۔ اور عملاً یہ ضلع اقلیت کا

---

[۱] "الفضل" ۲۵ ظہور / اگست ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۴ کالم ۱۔

ہو گیا ہے۔ یہی ان لوگوں کا منشا رتھا۔ یہ حالت اس طرح پیدا ہوئی ہے۔

الف۔ فوراً ہی سب مسلمان پولیس واپس چلی گئی۔

ب۔ ملٹری بھی ہندو لگائی گئی۔

ج۔ افسر مسلمان سب چلے گئے۔

د۔ گاڑیاں، تار، ڈاک بند ہو گئے۔ عوام نے سمجھا، ہمیں بند کر کے مارنے لگے ہیں۔ اس لئے بھاگو۔ سکھوں نے پراپیگنڈا کیا کہ اب یا سکھ ہونا پڑے گا یا ملک چھوڑنا پڑے گا۔ مسلمانوں نے گاؤں چھوڑا تو گاؤں جلا دیئے۔ اب واپس بھی نہیں جا سکتے۔

ہ۔ مغربی و مشرقی حکومتوں کی طرف سے پے در پے اعلان ہوئے کہ تبادلہ آبادی کا انتظام کیا جا رہا ہے اس سے لوگ بالکل ہی دل ہار بیٹھے اور اب تو بزدلی کی یہ حالت ہے کہ ایک سکھ نیزہ والا نظر آ جائے۔ چوڑھا دھمکی دے دے تو سارا گاؤں، گاؤں خالی کر کے بھاگ پڑتا ہے ظلم بھی بے انتہا کیا ہے۔ بوڑھے، بچے، عورتیں اس قدر مارے گئے ہیں کہ الامان! یہ لوگ دوسری جگہ جاتے ہیں تو اپنی داستانوں سے اور لوگوں کے حوصلے پست ہوتے ہیں۔

آپ انتظام کرنے آئے ہیں۔ خدا کرے کامیاب ہوں۔ مگر اسلام اور مسلمانوں کی مدد کرنی ہے تو اسی طرح اسلام کی بے حرمتی کو روکئے۔ سکھوں کے آگے سے محمد رسول اللہ کے کے نام لیوا بھاگے جا رہے ہیں۔ اس سے دل سخت دکھی ہوتا ہے۔ ترکیب یہ ہے کہ

۱۔ فوراً تار، ڈاک اور ریل کے جاری کرنے پر زور دیجئے۔ یہ روک مشرقی پنجاب کی طرف سے ہے۔ اور مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے۔

۲۔ اوّل تو سارے مشرقی پنجاب کے متعلق کہہ دیجئے کہ اپنی اپنی جگہ مسلمانوں کو بساؤ۔ ہم ہندوؤں کو بسائیں گے۔ نہ اُن کو اُدھر جانے دیں گے نہ ان کو اِدھر آنے دیں گے۔ ہم ان لوگوں کو بے وطن نہیں کرنا چاہتے۔ اگر دوسری جگہ کے مسلمان ایسا نہیں کر سکتے تو گورداسپور کے متعلق ضرور ہی زور دیں۔ اس سے مسلمان بھی کچھ ٹھہرنے لگ جائیں گے۔ مَیں نے دیکھا ہے۔ پناہ گزینوں کے نکالنے میں ہندو سکھ افسر ایسی دلچسپی لیتے تھے کہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس میں وہ اپنا فائدہ سمجھتے ہیں۔

۳- فوراً ایک دو ہزار پولیس کا مسلمان فارغ کر کے ادھر بھجوائیے اور زور دیجئے کہ فوراً مسلمان علاقوں میں پھیلا دیں۔ اتنا ہی ہندو اپنی طرف لے کر ہندوؤں کے علاقے میں لگا دیں۔

۴- ملٹری اس وقت خطرہ کا موجب بن رہی ہے۔ فوراً مسلمان ملٹری خواہ ½ ہو پہ زور دیجئے نیز اس پہ کہ افسر غیر مسلم ہو تو نائب مسلمان ہو۔ نائب غیر مسلم ہو تو افسر مسلمان ہو

۵- ہوائی جہازوں کی سہولت پیدا کی جائے تا ادھر ادھر لوگ جا سکیں۔

۶- آپ گورداسپور میں ضرور آئیں۔ قادیان بھی ہو سکے تو، ورنہ گورداسپور بٹالہ ضرور، تا یہ اکثریت کا ضلع اقلیت کا نہ ہو جائے۔ والسلام خاکسار

مرزا محمود احمد" [1]

فیض اللہ چک پر حملہ

۲۴ اگست کو قادیان سے شمالی جانب احمدی گاؤں فیض اللہ چک پر ہزاروں مسلح سکھوں نے پولیس اور ملٹری کی موجودگی میں حملہ کیا جس میں بہت سے احمدی اور غیر احمدی شہید ہوئے اور کئی مسلمان عورتیں اغوا کر لی گئیں اور سارا گاؤں معہ ملحقہ دیہات کے خالی کرا لیا گیا اور ایک احمدی جو فیض اللہ چک کی خیریت دریافت کرنے کے لئے موٹر پر جا رہا تھا اس کے ڈرائیور کو گولی کا زخمی کر کے موٹر ضبط کر لی گئی۔

شیخ بشیر احمد صاحب کے نام دوسرا اہم مکتوب

اس سانحہ ہوشربا کے معاً بعد حضرت مصلح موعود نے شیخ بشیر احمد صاحب کے نام حسب ذیل مکتوب تحریر فرمایا:-

"مکرمی شیخ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل رات سے فیض اللہ چک احمدی گاؤں پر حملہ ہوا۔ دو دفعہ وہ لوگ پسپا ہوئے۔ مگر پھر پولیس کی مدد سے جو جب بھی فیض اللہ چک کو غلبہ ملتا سکھوں کی مدد کرتی۔ آخر کل قصبہ تباہ ہوا۔ بہت آدمی مارے گئے۔ دو ہزار پناہ گزین قادیان رات کو آیا ہے۔ اس وقت قادیان کی حالت بالکل

---

[1] مسٹر غضنفر علی خاں ۲۴ راگست کو لاہور میں پہنچے اور آپ نے مشرقی پنجاب کی صورت حال کی نسبت وزرائے مغربی پنجاب سے طویل ملاقات کی اور قائداعظم محمد علی جناح کے حکم کے مطابق اہم ہدایات دیں۔

بے بسی کی ہے کیونکہ ملٹری اور پولیس کا رویہ خطرناک ہو رہا ہے گو ظاہراً نہیں۔ اس وقت پیر احسن الدین پر زور دیں کہ ایک رفیوجی سنٹر قادیان بھی کھلوا دیں۔ جہاں چھ ہزار سے زائد پناہ گزین ہو چکا ہے اور اَور لوگ آ رہے ہیں۔ اس طرح یہاں مسلمان ملٹری اور ایک مسلمان افسر رہ سکے گا۔ جبکہ گورنمنٹ خود مخالفت کر رہی ہے میں سوچ رہا ہوں کہ آیا مقامات سے زیادہ آدمیوں کی حفاظت کی ضرورت نہیں؟ حضرت صاحب کا ایک الہام بھی ہے کہ یَاْتِیْ عَلَیْکَ زَمَنٌ کَمَثَلِ زَمَنِ مُوْسٰی یعنی موسیٰ کی طرح تجھ پر بھی ایک زمانہ آنے والا ہے۔ سو ممکن ہے عارضی ہجرت اس سے مُراد ہو۔ لیکن اب تک تو کنوائے ہی نہیں آیا۔ حالانکہ کل اطلاع آئی تھی کہ آرہا ہے بٹالہ سے ہزاروں کی تعداد میں عورتیں بچے نکالے جا رہے ہیں۔ پیر احسن الدین صاحب کو کہہ کر کنوائیز کا انتظام کروا دیں تو قادیان سے بھی عورتوں بچوں کو نکلوا دیا جائے مگر نارووال کی طرف"

جماعت احمدیہ کے ہوائی جہازوں پر پابندی

۲۵ ظہور / اگست ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو جماعت احمدیہ کے دونوں جہازوں کا قادیان میں آنا جانا ممنوع قرار دیا گیا جو قادیان اور پاکستان سے رابطہ کا واحد ذریعہ تھے۔

حضرت اُمّ المومنینؓ اور خواتین مُبارکہ کی پاکستان میں تشریف آوری

حالات چونکہ لحظہ بلحظہ تشویشناک ہو رہے تھے اور صاف نظر آ رہا تھا کہ دشمن عنقریب قادیان پر حملہ کرنے کا مصمّم ارادہ کر چکا ہے۔ اس لئے حضرت سیّدنا المصلح الموعود نے صحابہ مسیح موعود سے مشورہ طلب کیا کہ حضرت ام المومنین اور خاندان مسیح موعود کی دوسری مبارک خواتین کو پاکستان میں بھجوانا مناسب ہے یا نہیں؟ مولانا جلال الدین صاحب شمس نے ۲۶ ظہور / اگست ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو حضرت مصلح موعود کی خدمت میں لکھا:۔

"حضرت ام المومنین اور خواتینِ مبارکہ کے کسی محفوظ مقام پر پہنچانے کے لئے میں نے اپنے محلّہ (دارالرحمت) کے ۴۲ صحابہ سے اپنی طرف سے تجویز پیش کرکے آج بعد نماز ظہر مشورہ کیا تھا۔ ان سب نے باتفاق یہی مشورہ دیا کہ حضرت سیّدۃ النساء اور خواتین مبارکہ کو کسی محفوظ جگہ پہنچانا مناسب ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ اس مشورہ کے بعد دوسرے اشخاص سے بھی مشورہ کروں لیکن بھائی عبدالرحیم صاحب نے فرمایا کہ میرا مشورہ یہ ہے کہ اس کے متعلق مشورہ کی بجائے

صرف حضور ہدایت دے دیں۔ اسے اشاعت دینے کی ضرورت نہیں"

اس پر حضرت مصلح موعود نے فیصلہ فرمایا کہ خواتین مبارکہ کو جلد سے جلد قادیان سے پاکستان پہنچانے کا انتظام کیا جائے چنانچہ ۲۵ ظہور/اگست کو یہ انتظام ہو گیا اور حضرت ام المومنین اور دوسری خواتین مبارکہ (باستثناء حضرت سیدہ امّ متین صاحبہ و حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ) لاہور تشریف لے آئیں۔

حضرت سیّدنا المصلح الموعود کا تیسرا اہم مکتوب شیخ بشیر احمد صاحب کے نام

ابھی جماعت احمدیہ کے ہوائی جہازوں پر پابندی کی اطلاع حضرت مصلح موعود تک نہیں پہنچی تھی کہ حضور نے اپنے قلم سے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کو ایک اہم مکتوب لکھا جو پیش آمدہ حالات کے مدنظر نہایت بیش قیمت ہدایات پر مشتمل تھا۔ اس مکتوب سے جو دراصل شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کے لئے لکھا گیا چونکہ ان پُرخطر اور پُرفتن ایام کی صحیح معنوں میں عکاسی ہوتی ہے اس لئے اُسے بجنسہٖ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"یہ مضمون پڑھ لیں[2]۔ جب بھی موقع ملے یہ مضمون شیخ بشیر احمد صاحب کو چھپوا کر شائع کروانے اور اخباروں کو اطلاع دینے کے لئے بھجوا دیا جائے۔ انہیں اطلاع دی جائے کہ (قادیان میں[3]) امن کی رپورٹ (جو بعض افسروں نے کی ہے[4]) بالکل غلط ہے، اس کی تردید کریں۔ کچھ دنوں سے فسادات کی صورت ترقی کی طرف ہے کمی پر نہیں۔ ہاں مُسلمان کچھ زیادہ مقابلہ کرنے لگے ہیں (یہاں حضور نے اپنے قلم سے حاشیہ میں لکھا " ہاں چوہدری سر ظفر اللہ خاں صاحب کو بھی کسی طرح تار دے کر بلوایا جائے تا وہ حالات خود دیکھ کر وائسرائے، نہرو، سر تردیدی وغیرہ کو مل سکیں۔ حالات روبروز بگڑ رہے ہیں") پس اس وجہ سے اب سکھ ذرا سوچنے لگا ہے۔ دوسرے ایک دو دن سے سکھ[6] کیزولیٹی CASUALTY بڑھ گئی ہے (قادیان میں[5]) مسلمان ملٹری آگئی ہے۔ (جس کا افسر ہندو ہے مگر کوئی خاص فائدہ ابتک نظر نہیں آتا۔ ہاں سکھ کچھ محتاط ہو گیا ہے مگر ساتھ اس کے حیلے سے زیادہ کام لینے لگ گیا ہے جو زیادہ خطرناک ہے۔ جماعت کو جھوٹے الزامات سے

---

[1] "الفضل" ۷ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء

[2] اس صفحہ پر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے یہ نوٹ دیا " مَیں نے پڑھ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر نتائج پیدا کرے ولاحول ولاقوة الّا باللہ العظیم مرزا بشیر احمد ۲۶/۸/۴۷"

[3]، [4]، [5] و [6] حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے قلم سے اضافہ

نقصان پہنچانے کی تدبیریں ہو رہی ہیں . . . . ہمارے سپرد قافلہ کو فوراً واپس
کرنے کا انتظام کیا جائے۔ ڈاکٹر احد کو بھی۔ (ہمارے مَردوں کے جانے کی وجہ سے سخت ضعف
ہو رہا ہے۔ کام کرنے والے کم ہو گئے ہیں۔ ان لڑکوں نے سخت غلطی کی ہے کہ مل کر باہر چلے گئے
سلسلہ کی عظمت اپنی ذاتی خواہشات پر مقدّم ہونی چاہیئے۔ اب اگر اُن کی عدم موجودگی میں حملہ
ہوا تو یہ لوگ ثواب سے اس طرح محروم رہ جائیں گے۔

مظفّر سے فون یا خط وغیرہ سے باقاعدہ تعلق رکھیں۔ وہ پولیس کے چند آدمی حسب فیصلہ بھجوا
دیں۔ بہت ہوشیار ہوں۔ وہ ڈیرہ بابا نانک سے قادیان تک کا مناسب راستہ دیکھتے آئیں اور
قادیان آکر اطلاع دیں۔ ڈیرہ کے دوسری طرف یا جہاں سے سیالکوٹ کو راستہ ہے ایک باقاعدہ
چوکی لگوا دیں مسلّح پولیس کی تا جانے والوں کی حفاظت ہو سکے۔ ڈیرہ کا تھانیدار شرارتی ہے وہ
ضرور شرارت کرے گا۔ اگر کسی بہانے سے ملٹری کا کوئی نہ کوئی سپاہی ادھر آتا رہے تو اس کا
بھی فائدہ ہو سکتا ہے۔ ملٹری کے اسکورٹ سے سیالکوٹ سے بھی کنوائے CONVOY آسکے
تو مفید ہے۔ آنے والوں کے لئے رہائش کی جگہ ایک علاقہ کے مختلف گاؤں میں ہو جائے۔
داتہ زید کا کے آس پاس کے گاؤں میں احمدی زیادہ ہیں۔ اگر وہاں کئی درجن مکان لئے جائیں کچھ
نئے احمدیوں سے گارے کے تعمیر کروائے جائیں تو کام چل سکتا ہے ۹/۴۷ ۲۶

نیز آپ ایک سوسائٹی سیاسی کام کے لئے فوراً بنالیں۔ اس کا اعلان ہو۔ چند مخلص نوجوانوں کو شامل
کرلیں۔ ان کی طرف سے آمدہ اطلاعات کی بناء پر جن لوگوں سے شرارت کا شبہ ہو انہیں تنبیہہ
ہوتی رہے تاکہ ان کی اصلاح ہو جائے۔ مثلاً پٹیالہ، فرید کوٹ اور کپور تھلہ نے فوجیں بھجوا
دی تھیں اور اعلان کر دیا ہے کہ فوجیں بھاگ گئی ہیں۔ انہیں اس سوسائٹی کی طرف سے خط
چلے جائیں کہ اگر آپ اپنی سَو دو سَو یا ہزار فوج کو نہیں سنبھال سکے تو چار کروڑ مسلمان کو کون
سنبھال سکتا ہے۔ اس کا خمیازہ پھر آپ ہی کو بھگتنا پڑے گا۔ اسی طرح مسلمانوں کو ادھر
کے حالات کی خبر ملتی رہے مگر فساد نہ ہو۔

عزیزم مظفّر احمد کو کہیں ایک اسکورٹ اپنی کار کے نام پر لادیں۔ پھر وہاں سے بھجوا کے وہ سیالکوٹ
کا قریب ترین راستہ اور محفوظ دیکھ کر قادیان آئے اور معلومات دے جائے وگرنہ اگر وسیع پیمانے

یہ ہجرت کا سوال ہوا تو ناقابل برداشت مشکلات ہوں گی اور اس صورت میں ملٹری اسکورٹ ضروری ہے ورنہ یہاں کی ملٹری راستہ میں حملہ کرے گی۔ غالباً اتنا بڑا قافلہ کوئی چار دن میں نارووال بارڈر کو پار کر سکے گا۔ کوئی پینتالیس میل کا فاصلہ ہے یا پچاس میل کا۔ کیا ایسا اسکورٹ وہاں سے آسکتا ہے۔ اصل غرض یہ ہے کہ خود ملٹری اور پولیس شرارت نہ کرے۔ عورتوں اور بچوں پر جو آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ ادھر ادھر سے فائرنگ نہ ہو۔ خطرہ ہے کہ جہاز بھی ضبط کئے جائیں گے تب آپ لوگوں کو وہاں سے جہاز لا کر روزانہ خبر لانی ہو گی۔ والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد"

حضرت امیر المومنین کی ضروری ہدایات احباب قادیان کیلئے

حضرت مصلح موعود نے ۲۹ ظہور (اگست) ۱۳۲۶ ہش ۱۹۴۷ء کو مسجد مبارک میں خطبہ جمعہ پڑھایا۔

یہ حضور کا قادیان میں آخری خطبہ تھا۔ جس میں حضرت اقدس نے اہل قادیان کو خصوصیت سے مندرجہ ذیل ہدایات دیں۔

۱۔ حالات خواہ کچھ ہوں مومن کو بہر حال انصاف، انکسار، محبت، شفقت اور رحم پر قائم رہنا چاہیئے اور اپنے دلوں کو بغضوں اور کینوں سے پاک رکھنا چاہیئے کہ نیک نمونہ دشمن کو بھی خیر خواہ بنا سکتا ہے۔ ہمیں ہر ہندو اور سکھ عورت اور بچے کی اپنی بہن اور بچے کی طرح حفاظت کرنی چاہیئے۔

۲۔ ایک خاص حد تک ظلم برداشت کرنے کے بعد اسلام نے ظلم کا مقابلہ کرنے کی اجازت دی اور دنیا کی کوئی حکومت اسے ناجائز قرار نہیں دے سکتی ظالم کے مقابلہ کے وقت ایک مومن دس دس اشخاص پر بلکہ بعض اوقات ساٹھ ساٹھ، ستر ستر اشخاص پر غالب ہوتا ہے۔ پس ظلم کا بہادری کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیئے۔ خطرے کے وقت بھاگنا خود ہلاکت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔

۳۔ قادیان میں پناہ گزینوں کی کثرت ہے۔ اس لئے ضروریاتِ زندگی گندم، لکڑی، مٹی کے تیل کو چاندی کی طرح سنبھال کر رکھنا چاہیئے اور کم سے کم استعمال کرنا چاہیئے۔

۴۔ دعاؤں میں کمی نہیں آنے دینی چاہیئے۔ حالات خواہ کچھ ہوں لیکن بندے کا کام یہی ہے۔

کہ وہ دُعا مانگتا چلا جائے اور پھر خدا تعالےٰ جو کچھ کرے اس پر راضی رہے" [1]

اس تعلق میں حضور نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مندرجہ ذیل اہم دُعاؤں [2] کو خصوصیت سے پڑھنے کا ارشاد فرمایا:-

۱- اَعُوْذُ بِکَلِمٰتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۔ مَیں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامّہ کے ذریعہ مخلوق کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔

۲- بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے جس کے ہوتے ہوئے نہ زمین میں کوئی چیز ضرر پہنچا سکتی ہے اور نہ آسمان میں اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

۳- اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ جَھْدِ الْبَلَآءِ وَدَرَکِ الشَّقَآءِ وَسُوْٓءِ الْقَضَآءِ وَ

---

[1] "الفضل" یکم تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱ ۔

[2] حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ان ایام میں بعض بزرگوں کو خاص طور پر تحریک فرمائی کہ وہ حضرت مصلح موعود، مرکز سلسلہ اور جماعت کی حفاظت کے لئے دُعائیں کریں اور آگے دوسرے اصحاب اور اپنے اہل و عیال میں بھی یہی تحریک کریں اور اگر کوئی امر ظاہر ہو تو اس سے مطلع فرمائیں۔ ان احباب کے اسماء گرامی یہ ہیں:-

۱- حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب
۲- " ڈاکٹر سیّد غلام غوث صاحب
۳- " بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی
۴- " میاں خیر دین صاحب سیکھوانی
۵- " پیر منظور محمد صاحب
۶- " پیر افتخار احمد صاحب
۷- " بابا حسن محمد صاحب
۸- " منشی محمد اسمٰعیل صاحب سیالکوٹی
۹- " ماسٹر محمد دین صاحب
۱۰- " قاضی محمد عبداللہ صاحب
۱۱- " چوہدری فتح محمد صاحب
۱۲- " میاں محمد شریف صاحب
۱۳- " قاضی ظہور الدین اکمل صاحب
۱۴- " ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب
۱۵- " مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری
۱۶- " مولوی جلال الدین صاحب شمس
۱۷- حضرت سیّد ولی اللہ شاہ صاحب
۱۸- " میاں محمد دین صاحب کھاریاں
۱۹- " مرزا محمد اشرف صاحب
۲۰- " صوفی غلام محمد صاحب مدرشیں
۲۱- " مولوی غلام رسول صاحب راجیکی
۲۲- " مولوی عبدالرحیم صاحب نیّر
۲۳- " حافظ محمد ابراہیم صاحب
۲۴- " سیّد محمود عالم صاحب
۲۵- " مولوی غلام نبی صاحب مصری
۲۶- " شیخ فضل احمد صاحب
۲۷- " ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب کوئٹہ
۲۸- " عبدالسمیع صاحب امروہی
۲۹- " ملک مولا بخش صاحب
۳۰- " چودھری غلام محمد صاحب سابق ہیڈ ماسٹر
۳۱- " مولوی عبدالقادر صاحب *

خاکسار مرزا بشیر احمد ۴۷-۸-۲۹

* ایم-اے بھاگلپوری مراد ہیں (ناقل)

شَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ ۔ اے اللہ میں بلاء کی شدت سے، شقاوت کا شکار بننے سے، تقدیر کے بُرے مقدر سے اور دشمنوں کے خوش ہونے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

۴۔ اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ مِنْ رَوْعَاتِنَا ۔ اے اللہ ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمارے خطرات کو امن سے بدل دے۔

۵۔ اَللّٰھُمَّ سَجَدَ لَكَ سَوَادِیْ وَخَیَالِیْ وَاٰمَنَ بِكَ فُؤَادِیْ وَاَقَرَّ لَكَ لِسَانِیْ فِیْھِمَا اَنَا ذَا بَیْنَ یَدَیْكَ یَا عَظِیْمُ یَا غَافِرَ الذَّنْبِ الْعَظِیْمِ ۔ اے اللہ میرا جسم بھی اور میرا خیال بھی تیرے لئے سجدہ کر رہے ہیں اور میرا دل تجھ پہ ایمان رکھتا ہے اور میری زبان تیرے احسانوں کی مقر ہے۔ اب میں تیرے سامنے ہوں۔ اے باعظمت بادشاہ۔ اے گناہِ عظیم بخشنے والے خدا۔[1]

بیرونی جماعتوں کیلئے حضرت مُصلح موعُود کا دُوسرا پیغام

حضرت مصلح موعود نے قادیان سے ۳۰ ظہور/ اگست ۱۳۲۶ہش/ ۱۹۴۷ء کو بیرونی جماعتوں کے لئے حسب ذیل دوسرا اور آخری پیغام دیا:-

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کیساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

جماعت کو ہدایات جو فوراً شائع کر دی جائیں۔

باوجود بار بار زور دینے کے لاہور کی جماعت نے کنوائے نہیں بھجوائے جس کی وجہ سے قادیان کا بوجھ حد سے زیادہ ہو گیا۔ اگر کنوائے آتے تو شاید میں بھی چلا جاتا اور جب مسٹر جناح اور پنڈت جی آئے تھے اُن سے کوئی مشورہ کرتا مگر افسوس کہ فرض شناسی نہیں کی گئی۔

اگر قادیان میں کوئی حادثہ ہو جائے تو پہلا فرض جماعت کا یہ ہے کہ شیخوپورہ یا سیالکوٹ میں ریل کے قریب لیکن نہایت سستی زمین لے کر ایک مرکزی گاؤں بسائے مگر قادیان والی غلطی نہیں کہ کوٹھیوں پہ زور ہو۔ سادہ عمارات ہوں۔ فوراً ہی کالج اور سکول اور مدرسہ احمدیہ اور جامعہ کی تعلیم کو جاری کیا جائے۔ دینیات کی تعلیم اور اس پر عمل کرنے پر ہمیشہ زور ہو۔ علماء بڑے سے بڑے

[1] یکم تبوک/ ستمبر ۱۳۲۶ہش/ ۱۹۴۷ء صفحہ ۱۔

پیدا کرتے رہنے کی کوشش کی جائے۔

۲۔ تبلیغ کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے۔ وقف کے اصول پر جلد سے جلد کافی مبلغ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

۳۔ اگر مَیں مارا جاؤں یا اور کسی طرح جماعت سے الگ ہو جاؤں تو پہلی صورت میں فوراً خلیفہ کا انتخاب ہو اور دوسری صورت میں ایک نائب خلیفہ کا۔

۴۔ جماعت باوجود ان تلخ تجربات کے شورش اور قانون شکنی سے بچتی رہے اور اپنی نیک نامی کے ورثہ کو ضائع نہ کرے۔

۵۔ ہمارے کاموں میں ایک حد تک مغربیت کا اثر آگیا تھا یعنی حکمانہ کارروائی زیادہ ہوگئی تھی۔ اسے چھوڑ کر سادگی کو اپنانا چاہیئے اور تصوّف اور سادہ زندگی اور نماز و روزہ کی طرف توجہ اور دُعاؤں کا شغف جماعت میں پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

۶۔ قرآن کریم کا ترجمہ و تفسیر انگریزی و اردو جلد جلد شائع ہوں۔ مَیں نے اپنے مختصر نوٹ بھجوا دیئے ہیں اس وقت تک جو ترجمہ ہو چکا ہے اس کی مدد سے اور تیار کیا جا سکتا ہے۔ ترجمہ کرنے والے دُعائیں بہت کرے

۷۔ ان مصائب کی وجہ سے خدا تعالیٰ پر بدظنّی نہ کرنا اللہ تعالیٰ جماعت کو کبھی ضائع نہ کریگا پہلے نبیوں کو بڑی بڑی تکالیف پہنچ چکی ہیں۔ عزّت وہی ہے جو خدا اور بندے کے تعلق سے پیدا ہوتی ہے۔ مادی اشیاء سب فانی ہیں خواہ وہ کتنی ہی بزرگ یا قیمتی ہوں۔ ہاں خدا تعالیٰ کا فضل مانگتے رہو شاید کہ وہ یہ پیالہ ٹلا دے۔ والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد ۳۰-۸-۴۷"

قادیان کے تشویشناک ماحول کا ذکر اخبار "ڈان" (کراچی) میں

اخبار "ڈان" کراچی نے انہی دنوں قادیان کے تشویشناک ماحول کی خبر حسب ذیل الفاظ میں شائع کی:-

QADIAN SURROUNDED
by
HOSTILE SIKHS: HEAD'S LIFE IN DANGER

By Dawn staff Reporter: Qadian, the headquarter of Ahmadiyya Movement, is surrounded by a hostile mob of Sikhs during

the last few days. All Communications have been cut off from the outside world. There is a fear of attack at any moment. About 2000 muslims from the neighbouring villages had taken refuge in Qadian. In view of the grave situation it is now proposed to shift women and children to a safer place, says a telegram received by Dr. Ahmad acting Amir of the Ahmadiyya Jamaat Karachi from the Head of the Ahmadiyya Community in Qadian. Dr. Ahmad in an interview said that members of his community in Karachi and elsewhere were gravely perturbed and grave anxiety prevails about the safety of their Head and the Community in Qadian, several young members of community have decided to leave for Qadian immediately disregarding all dangers.

(ترجمہ)

قادیان سکھوں کے گھیرے میں
سربراہ کی زندگی خطرے میں

(ڈان کے سٹاف رپورٹر سے)

گذشتہ چند دنوں سے جماعت احمدیہ کے مرکز قادیان کو سکھوں کے ایک مخالف گروہ نے محاصرہ میں لے لیا ہوا ہے۔ باہر کی دُنیا سے سلسلہ مواصلات بالکل منقطع ہے۔ کسی گھڑی بھی حملہ ہو سکتا ہے گرد و نواح کے دو ہزار مسلمانوں نے یہاں پناہ لی ہوئی ہے۔ جماعت احمدیہ قادیان کے سربراہ نے ڈاکٹر احمد امیر جماعت احمدیہ کراچی کو بذریعہ تار اطلاع دی ہے کہ خطرے کے پیش نظر تجویز ہے کہ عورتوں اور بچوں کو کسی محفوظ مقام پر بھجوا دیا جائے۔

ڈاکٹر احمد نے ایک بیان میں کہا کہ ممبران جماعت کراچی و دیگر مقامات تشویش میں ہیں کہ مبادا حضرت امام جماعت احمدیہ کو کوئی گزند پہنچے جماعت کے سینکڑوں نوجوانوں نے فیصلہ کیا ہے کہ خطرات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ قادیان ضرور جائیں گے۔

قادیان اور اس کے ماحول کی المناک کیفیت ظہور / اگست ۱۹۴۷ء ۱۳۲۶ ہش میں

اگست کے آخر میں قادیان اور اس کے ماحول کی کیفیت کیا تھی، اس کی تفصیل حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے مندرجہ ذیل مکتوب سے بآسانی معلوم ہو سکتی ہے جو آپ نے سیدنا حضرت مصلح موعود کے ارشاد پر حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے کے نام تحریر فرمایا:۔

"حضور کا ارشاد ہے کہ فوراً بٹالہ جائیں وہاں پنڈت جواہر لال صاحب نہرو اور نواب لیاقت علی خاں صاحب آئے ہوئے ہیں۔ آپ ان دونوں سے الگ الگ ملیں لیکن اگر الگ الگ ملنے کا موقعہ نہ ہو تو پھر بیشک اکٹھے مل لیں اور انہیں (قادیان) اور اس کے ماحول کے حالات بتائیں اور خصوصاً مندرجہ ذیل باتوں کا ذکر کریں:۔

۱۔ معلوم ہوا ہے کہ آپ ضلع گورداسپور کے حالات دیکھنے کے لئے گورداسپور جا رہے ہیں اور وہاں ڈی۔سی صاحب اور دوسرے افسروں سے مل کر حالات معلوم کریں گے۔ اصل کام یہ ہے کہ آپ تباہ شدہ علاقے یا خطرے والے علاقے کو دیکھیں اور میں آپ کو دعوت دینے آیا ہوں کہ آپ سلسلہ احمدیہ کے مرکز قادیان کو چل کر دیکھیں کہ اس کا ماحول کس طرح تباہ شدہ ہے اور خود قادیان کس طرح خطرات سے گھرا ہوا ہے۔ قادیان ایک ساری دُنیا میں پھیلی ہوئی جماعت کا مرکز ہے اور بہت سے علمی اور تحقیقاتی اداروں کا صدر مقام ہے اور ضلع میں سب سے زیادہ اہم جگہ ہے۔ اس کی حفاظت کا تسلّی بخش انتظام ہونا چاہئیے۔ جو اس طرح ہو سکتا ہے کہ وہاں ہمدرد اور کافی تعداد میں ملٹری مقرر کی جائے اور اس ملٹری کو واضح ہدایت دی جائے کہ اس نے بہرحال قادیان اور اس کے ماحول میں امن قائم رکھنا ہے اور کہہ دیا جائے کہ امن شکنی ہوئی تو تم ذمہ دار ہو گے۔

قادیان جیسی جگہ پر تباہی کا آنا حکومت کے لئے ساری دُنیا میں بدنامی کا موجب ہوگا ورنہ ہم عارضی طور پر مرکز بھی دوسری جگہ بنا سکتے ہیں۔ گو اپنے مقدس مقامات کو بھی چھوڑا نہیں جا سکتا۔

۲۔ قادیان میں اس وقت سات آٹھ ہزار پناہ گزین ہے جو ارد گرد کے مسلمان دیہاتوں سے بےخانماں ہو کر یہاں بیٹھا ہوا ہے اس کے لئے نہ تو حکومت کی طرف سے پناہ گزینوں کا کیمپ ہے اور نہ ان پناہ گزینوں کو دوسرے علاقہ میں منتقل کرنے کا کوئی انتظام موجود ہے اس کے علاوہ

خود قادیان کی رہنے والی ہزاروں مستورات اور بچے ایسے ہیں جنہیں خطرے کے وقت میں دوسری جگہ منتقل کرنا ضروری ہے۔ پس اس تعلق میں دو قسم کے انتظامات فوری طور پر درکار ہیں۔ اوّل پناہ گزینوں کے کیمپ کا قیام، دوسرے قادیان سے عورتوں اور بچوں اور پناہ گزینوں کو لاہور یا سیالکوٹ منتقل کرنے کا انتظام۔

۳۔ قادیان میں ایک عرصہ سے ریل اور تار بند ہے اور ٹیلیفون گو چند دن بند رہنے کے بعد اب کھلا ہے مگر عملاً اس کا کنکشن نہیں ملتا اور چونکہ سڑک کا راستہ مسافروں کے لئے بغیر انتظام کے خطرناک ہے اس لئے ہمارا مرکز ایک عرصہ سے باہر کے علاقہ سے بالکل کٹا ہوا ہے اور ڈاک اور اخبارات کا سلسلہ بالکل بند ہے، ضروری ہے کہ پبلک میں اعتماد پیدا کرنے کے لئے ریل اور تار کو جلد تر کھول دیا جائے اور ٹیلیفون کے رستہ میں جو عملی روکیں ہیں کہ امرتسر کا ایکسچینج کنکشن نہیں دیتا اُسے دُور کیا جائے۔

۴۔ ہمارے پاس دو جہاز تھے جن سے ہم اپنی ڈاک و تاریں لاہور بھجواتے تھے اور لاہور سے اپنی ڈاک اور تاریں منگوا لیتے تھے یا دوائیاں اور دیگر ضروریات زندگی لاہور سے منگوا لیتے تھے۔ یا کسی سواری کو کسی کام پر لاہور بھجوانا ہو تو اُسے بھجوا دیتے تھے۔ مگر چند دن سے مقامی افسروں نے ہمارے جہازوں پر بھی پابندی لگا دی ہے اور اب وہ لاہور میں بند پڑے ہیں[۱]۔ الزام یہ لگایا گیا ہے کہ یہ جہاز سکھ دیہات پر پھر کر ان میں دہشت پیدا کرتے تھے اور ہوا سے بم گراتے اور شوٹ کرتے تھے۔ ہم ایک مذہبی جماعت ہیں اور خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتے ہیں کہ یہ الزامات بالکل غلط ہیں اور ایک بہانہ بنا کر ہمارے اس آخری تعلق کو کاٹ دیا گیا ہے جو لاہور وغیرہ کے ساتھ ہمیں حاصل تھا۔ اور اب تو ہم ضلع کے حکام کے ساتھ بھی کوئی ملاپ کی صورت نہیں رکھتے حالانکہ ہم نے اس بات کی آمادگی ظاہر کی تھی کہ ہمارے جہازوں کی حرکات پر جو بھی معقول پابندی لگائی جائے ہم اس کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ بہرحال ضلع کے عملی حالات اس بات کو واضح کر رہے ہیں کہ ظلم کس قوم پر ہو رہا ہے اور ہمارے جہازوں نے عملی نتیجہ کیا پیدا کیا ہے۔

۵۔ ہمیں یہ بھی دھمکی دی جا رہی ہے کہ قادیان میں جو جائز لائسنس والا اسلحہ ہے اسے ضبط کر لیا جائیگا۔

---

[۱] ان جہازوں کے پائلٹ میر سید محمد احمد صاحب (ابن حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ) اور محمد لطیف صاحب (ابن حضرت ڈپٹی میاں محمد شریف صاحب ریٹائرڈ ای۔اے۔سی) تھے جنہوں نے ان ایام میں نہایت درجہ اخلاص اور کمال فدائیت اور جانفروشی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی۔

ہم انصاف کے نام پر اپیل کرنا چاہتے ہیں کہ جب دوسری قوم کا ایک طبقہ ناجائز اسلحہ سے علاقہ میں قتل و غارت کر رہا ہے تو کیا مظلوم قوم کا جائز اسلحہ ضبط کرنا قرینِ انصاف ہے۔

۶۔ موجودہ حالات کو بہتر بنانے کے لئے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ پاکستان اور انڈیا میں اوّل تو مستقل طور پر ورنہ کم از کم عارضی طور پر اقلیت والی قوم کے افسر اور فورس مناسب تعداد میں مقرر ہونے چاہئیں یعنی انڈیا میں سول اور پولیس مناسب تعداد مسلمان افسروں کی ہو اور پاکستان میں ہندو اور سکھ افسروں کی مناسب تعداد ہو جب تک کہ نارمل حالات پیدا نہیں ہو جاتے۔ بلکہ یہ انتظام مستقل طور پر قائم ہو سکے تو اَور بھی بہتر ہے۔ یہ افسر اور یہ پولیس جو مشرقی پنجاب میں ہوگی بیشک مشرقی پنجاب کی حکومت کے ماتحت ہوگی مگر پھر بھی اقلیت کو ایک سہارا ہوگا اور اعتماد کی صورت ہوگی۔

۷۔ اسی طرح موجودہ غیر معمولی حالت میں یہ ضروری ہے کہ مشرقی پنجاب میں کچھ مسلمان ملٹری ہو اور مغربی پنجاب میں کچھ غیر مسلم ملٹری ہو جو بے شک علاقہ کی حکومت کے ماتحت ہو مگر اس کا وجود اقلیت کے اندر اعتماد پیدا کرنے میں مفید ہوگا۔

۸۔ قادیان میں رسد ختم ہو رہی ہے اور ہمیں پناہ گزینوں اور مقامی آبادی کو رسد پہنچانے میں مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے۔ اس کے لئے بھی مناسب انتظام ہونا چاہیئے جن میں سے ایک یہ ہے کہ کم از کم پناہ گزینوں کے لئے حکومت جنس مہیا کرے۔

۹۔ چونکہ سارے انتظامات کے باوجود ایک حصہ آبادی کو قادیان سے لاہور۔ سیالکوٹ کی طرف منتقل کرنا ہوگا اس لئے کافی تعداد میں اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد کنوائے کا انتظام ہونا چاہیئے جس کے ساتھ مسلّح گارڈ ہو جس میں کافی حصہ بلکہ موجودہ حالات میں سالم حصہ مسلمانوں کا ہو۔ اس کنوائے کے ذریعہ قادیان کی عورتوں اور بچوں اور کمزور بیمار مَردوں کے علاوہ پناہ گزینوں کو بھی باہر نکالنے کا انتظام ہوگا۔

۱۰۔ یہ بھی کہا جائے کہ احمدیہ جماعت ہندوستان اور پاکستان دونوں میں موجود ہے اور طبعاً ہم دونوں حکومتوں سے تعلق اور دلچسپی رکھتے ہیں اور دونوں پر حقوق بھی۔

خاکسار مرزا بشیر احمد ۳۰ ۸/۴۷"

(افسوس حضرت چودھری صاحب پنڈت جواہر لال صاحب نہرو سے مل نہ سکے)

احبابِ قادیان کیلئے ضروری اعلان حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی ہدایت پر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی طرف سے ۱۳؍ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو قادیان کے صدر صاحبان کو حسب ذیل اعلان بھجوایا گیا۔

"بخدمت صدر صاحبان! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضرت صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ موجودہ خطرے کے ایام میں جو احمدی عورتیں اور چھوٹی عمر کے بچے قادیان سے باہر پاکستان کے علاقہ میں جانا چاہیں انہیں اس کی اجازت ہے بشرطیکہ لاہور میں ان کی رہائش کا انتظام ہو سکے یا لاہور سے آگے جانے کا انتظام موجود ہو۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ قادیان سے باہر پاکستان کے علاقہ تک پہنچنے کے لئے مُسلم ملٹری گارڈ کا انتظام موجود ہو مگر قادیان کا کوئی احمدی مرد آجکل بغیر اجازت باہر نہیں جا سکتا۔ جس شخص کو کوئی مجبوری پیش ہو وہ اپنی مجبوری بیان کر کے اجازت حاصل کرے۔

یہ بات بھی قابلِ وضاحت ہے کہ سلسلہ کی طرف سے مُسلم کنوائے کا انتظام کیا جا رہا ہے جو کبھی کبھی قادیان آیا کرے گا اور اس میں حسبِ گنجائش مستورات اور بچوں اور اجازت والے مردوں کو موقع دیا جائے گا۔ مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ چونکہ گنجائش محدود ہوتی ہے اس لئے باری باری ہی موقع مل سکتا ہے۔ جو غیر احمدی اصحاب باہر جانا چاہیں وہ بھی اس انتظام میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اگر گورنمنٹ کا کانوائے آئے تو وہ بلا کرایہ لے جائے گا۔ لیکن اگر اپنے کانوائے کا استعمال کیا جائے تو اس کے لئے مناسب کرایہ لگے گا مگر غرباء کو سہولت دی جائے گی۔

صدر صاحبان اپنے محلہ میں یہ بھی بتا دیں کہ ایسے بچوں، عورتوں، مردوں کی فہرست شیخ عبد الحمید صاحب عاجز بی۔ اے کی نگرانی میں تیار ہوتی ہے۔ پس تمام درخواستیں ان کے پاس جانی چاہئیں جو بعد منظوری نظارت، باری باری لوگوں کو موقعہ دیں گے۔

صدر صاحبان کو یہ بھی چاہیئے کہ اس کام میں گھبراہٹ کا رنگ نہ پیدا ہونے دیں بلکہ وقار اور انتظام کے ماتحت سارا کام سرانجام پائے۔ فقط والسلام

مرزا بشیر احمد ۳۱/۸/۴۷

محلوں میں اجتماعی دُعا صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نے بواسطہ مولوی ابوالعطاء صاحب تجویز پیش کی تھی کہ ۱۳ ظہور/اگست کو محلوں کی مساجد میں اجتماعی طور پر دُعا کی جائے۔ چنانچہ اس روز ۸ ½ بجے سے ۹ بجے تک تمام مساجد میں دُعا کی گئی۔

قادیان کے مرکزی افسروں اور کارکنوں کا خلوص ان تکلیف دہ ایام میں قادیان کے مرکزی احمدی افسروں اور کارکنوں نے نہایت درجہ خلوص کا ثبوت دیا۔ چنانچہ سیدنا المصلح الموعود فرماتے ہیں:-

"قادیان کے . . . کارکن . . . سب کے سب اپنی جانیں ہتھیلی پر لئے ہوئے خدا تعالیٰ کے شعائر کی حفاظت میں لگے ہوئے ہیں . . . وہاں بالعموم بائیس بائیس گھنٹے تک کام کرنا پڑتا ہے خود مجھ پر بہت راتیں ایسی گزری ہیں کہ صبح تک مَیں آنکھ بھی جھپک نہیں سکا کیونکہ ماتحت عملہ کی ڈیوٹی تو بدلتی رہتی ہے لیکن اوپر جو عملہ ہوتا ہے اور جس کا فرض دوسروں سے کام لینا ہوتا ہے، اس کی ڈیوٹی بدل نہیں سکتی۔ رات کو کام کرنے والے آتے ہیں تو وہ کام بھی کرتے ہیں اور اپنے افسر کو بھی بتاتے ہیں کہ انہوں نے کیا کام کیا۔ اسی طرح دن کو کام کرنیوالے کام کرتے ہیں تو وہ اپنے افسر کو بھی کام کی رپورٹ دیتے اور اس کی ہدایات کے مطابق عمل کرتے ہیں" [1]

فصل دہم

حضرت مُصلح موعُود کا سفرِ ہجرت اور پاکستان میں ورودِ مسعود اب ہم متحدہ ہندوستان کے اس آخری یادگار اور اہم واقعہ تک آپہنچے ہیں جس سے جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایک نئے اور انقلابی دَور کا آغاز ہوا۔ ہماری مراد سیدنا حضرت مُصلح موعود کے سفرِ ہجرت سے ہے جو حضور نے جماعتی مشورہ کے بعد ۳۱ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو اختیار فرمایا۔

---

[1] "الفضل" ۳۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کالم ۲-۳ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء بمقام مسجد احمدیہ لاہور)۔

الوداعی پیغام

حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اپنی روانگی سے ایک روز قبل یعنی ۳۰ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کی رات کو قادیان و جماعتہائے احمدیہ ضلع گورداسپور کے نام حسب ذیل الوداعی پیغام لکھا اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کو اپنے پیچھے امیر مقامی مقرر کرتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ حضور کے قادیان سے روانہ ہونے کے بعد جماعت تک پہنچا دیا جائے چنانچہ آپ نے اس کی نقلیں کروا کے مغرب اور عشاء کی نمازوں میں قادیان کی تمام احمدی مساجد میں بھجوا دیں جو پڑھ کر سُنا دی گئیں۔

پیغام یہ تھا :-

"اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم   بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مَیں مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی تمام پریذیڈنٹان انجمن احمدیہ قادیان و محلہ جات و دیہات ملحقہ قادیان و دیہات تحصیل بٹالہ و تحصیل گورداسپور کو اطلاع دیتا ہوں کہ متعدد دوستوں کے متواتر اصرار اور لمبے غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قیام امن کے اغراض کے لئے مجھے چند دن کے لئے لاہور ضرور جانا چاہئیے کیونکہ قادیان سے بیرُونی دُنیا کے تعلقات منقطع ہیں اور ہم ہندوستان کی حکومت سے کوئی بھی بات نہیں کر سکتے حالانکہ ہمارا معاملہ اس سے ہے لیکن لاہور اور دہلی کے تعلقات ہیں۔ تار اور فون بھی جا سکتا ہے۔ ریل بھی جاتی ہے اور ہوائی جہاز بھی جا سکتا ہے۔ مَیں مان نہیں سکتا کہ اگر ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال صاحب پر یہ امر کھولا جائے کہ ہماری جماعت مذہباً حکومت کی وفادار جماعت ہے تو وہ ایسا انتظام نہ کریں کہ ہماری جماعت اور دوسرے لوگوں کی جو ہمارے ارد گرد رہتے ہیں حفاظت نہ کی جائے۔ جہانتک مجھے معلوم ہے بعض لوگ حکام پر یہ اثر ڈال رہے ہیں کہ مسلمان جو ہندوستان میں آئے ہیں ہندوستان سے دشمنی رکھتے ہیں، حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ انہیں اپنے جذبات کے اظہار کا موقعہ ہی نہیں دیا گیا۔ ادھر اعلان ہوا اور ادھر فساد شروع ہو گیا ورنہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ مُسلمان مسٹر جناح کو اپنا سیاسی لیڈر تسلیم کرنے کے باوجود ان کے اس مشورہ کے خلاف جاتے کہ اب جو مسلمان ہندوستان میں گئے ہیں انہیں ہندوستان کا وفادار رہنا چاہئیے۔ غرض ساری غلط فہمی اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ یکدم فسادات ہو گئے اور صُوبائی حکام اور ہندوستان کے حکام پر حقیقت نہیں کھُلی۔ امن حالات

ہیں میں سمجھتا ہوں کہ مجھے ایسی جگہ جانا چاہیئے جہاں سے دہلی و شملہ سے تعلقات آسانی سے قائم کئے جاسکیں اور ہندوستان کے وزراء اور مشرقی پنجاب کے وزراء پر اچھی طرح معاملہ کھولا جاسکے۔ اگر ایسا ہو گیا تو وہ زور سے ان فسادات کو دُور کرنے کی کوشش کریں گے۔

اسی طرح لاہور میں سکھ لیڈروں سے بھی بات چیت ہو سکتی ہے جہاں وہ ضرورتاً آتے جاتے رہتے ہیں اور اس سے بھی فساد دُور کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

ان امور کو مدِنظر رکھ کر مَیں نے فیصلہ کیا ہے کہ مَیں چند دن کے لئے لاہور جا کر کوشش کروں۔ شاید اللہ تعالیٰ میری کوششوں میں برکت ڈالے اور یہ شور و شر جو اس وقت پیدا ہو رہا ہے دُور ہو جائے۔ میں نے اس امر کے مدِنظر آپ لوگوں سے پوچھا تھا کہ ایسے وقت میں اگر میرا جانا عارضی طور پر زیادہ مفید ہو تو اس کا فیصلہ آپ لوگوں نے کرنا ہے یا مَیں نے، اگر آپ نے کرنا ہے تو پھر آپ لوگ حکم دیں تو مَیں اسے مانوں گا لیکن مَیں ذمہ داری سے سبکدوش ہوں گا اور اگر فیصلہ میرے اختیار میں ہے تو پھر آپ کو حق نہ ہوگا کہ چون وچرا کریں۔ اس پر آپ سب لوگوں نے لکھا کہ فیصلہ آپ کے اختیار میں ہے۔ سو مَیں نے چند دن کے لئے اپنی سکیم کے مطابق کوشش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

آپ لوگ دعائیں کرتے رہیں اور حوصلہ نہ ہاریں۔ دیکھو مسیح کے حواری کتنے کمزور تھے مگر مسیح انہیں چھوڑ کر کشمیر کی طرف چلا گیا اور مسیحیوں پر اس قدر مصائب آئے کہ تم پر ان دنوں میں اس کا دسواں حصہ بھی نہیں آئے لیکن انہوں نے ہمت اور بشاشت سے ان کو برداشت کیا۔ ان کی جُدائی تو دائمی تھی مگر تمہاری جدائی تو عارضی ہے اور خود تمہارے اور سلسلہ کے کام کے لئے ہے۔ مُبارک وہ جو بدظنّی سے بچتا ہے اور ایمان پر سے اس کا قدم لڑکھڑاتا نہیں۔ وہی جو آخر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کا انعام پاتا ہے۔ پس صبر کرو اور اپنی عُمر کے آخری سانس تک خدا تعالیٰ کے وفادار رہو۔ اور ثابت قدمی اور نرمی اور عقل اور سُوجھ بوجھ اور اتحاد و اطاعت کا ایسا نمونہ دکھاؤ کہ دُنیا عش عش کر اُٹھے جو تم میں سے مصائب سے بھاگے گا وہ یقیناً دوسروں کے لئے ٹھوکر کا موجب ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ کی لعنت کا مستحق۔ تم نے نشان پر نشان دیکھے ہیں اور خدا تعالیٰ کی قُدرتوں کا منوّر جلوہ دیکھا ہے اور تمہارا دل دوسروں سے زیادہ بہادر ہونا چاہیئے۔ میرے سب لڑکے اور داماد اور دونوں بھائی اور بھتیجے قادیان میں ہی رہیں گے اور مَیں اپنی غیر حاضری کے ایام میں عزیز

مرزا بشیر احمد صاحب کو اپنا قائمقام ضلع گورداسپور اور قادیان کے لئے مقرر کرتا ہوں۔ ان کی فرماں برداری اور اطاعت کرو اور ان کے ہر حکم پر اس طرح قربانی کرو جس طرح محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ مَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَ مَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ یعنی جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ پس جو اُن کی اطاعت کرے گا وہ میری اطاعت کرے گا۔ اور جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اطاعت کرے گا وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے گا اور وہی مومن کہلا سکتا ہے دوسرا نہیں۔

اے عزیزو! احمدیت کی آزمائش کا وقت اب آئے گا اور اب معلوم ہوگا کہ سچا مومن کونسا ہے۔ پس اپنے ایمانوں کا ایسا نمونہ دکھاؤ کہ پہلی قوموں کی گردنیں تمہارے سامنے جھک جائیں اور آئندہ نسلیں تم پر فخر کریں۔ شاید مجھے تنظیم کی غرض سے کچھ اور آدمی قادیان سے باہر بھجوانے پڑیں مگر وہ میرے خاندان میں سے نہ ہوں گے بلکہ علماء سے ہوں گے۔ اس سے پہلے بھی مَیں کچھ علماء باہر بھجوا چکا ہوں۔ تم اُن پر بدظنی نہ کرو۔ وہ بھی تمہاری طرح اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن خلیفہ وقت کا حکم انہیں مجبور کرکے لے گیا۔ پس وہ ثواب میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہیں اور قربانی میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہیں۔ ہاں وہ لوگ جو آنوں بہانوں سے اجازت لے کر بھاگنا چاہتے ہیں وہ یقیناً کمزور ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کے گناہ بخشے اور سچے ایمان کی حالت میں جان دینے کی توفیق دے۔

اے عزیزو! اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ رہے اور مجھے جب تک زندہ ہوں سچے طور پر اور اخلاص سے تمہاری خدمت کی توفیق بخشے اور تم کو مومنوں والے اخلاص اور بہادری سے میری رفاقت کی توفیق بخشے۔

خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو اور آسمان کی آنکھ تم میں سے ہر مرد ہر عورت اور ہر بچہ کو سچا مخلص دیکھے اور خدا تعالیٰ میری اولاد کو بھی اخلاص اور بہادری سے سلسلہ کی خدمت کرنے کی توفیق بخشے۔ والسلام

خاکسار
(دستخط حضرت) مرزا محمود احمد
خلیفۃ المسیح ۳۰ / ش ۲۷ " ۱

۱ "الفضل" ۸ احسان/جون ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳

اگلے روز (۳۱ ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو) حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے روانگی سے قبل اپنے لخت جگر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کو قصر خلافت کا بالائی کمرہ سپرد فرمایا۔ اور انہیں اپنے بعد اس میں قیام پذیر ہونے کی ہدایت فرمائی۔ ازاں بعد حضور کیپٹن ملک عطاء اللہ صاحب آف دوالمیال کی اکورٹ میں قریباً ایک بجے احمدیہ چوک قادیان میں موٹر میں سوار ہوئے اور پھر سوا ایک بجے کوٹھی دارالسلام قادیان میں پہنچے جہاں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب اور نوابزادہ میاں عباس احمد خاں (جو حضور کے ساتھ ہی کوٹھی دارالسلام میں آئے تھے) اور ان کے علاوہ خاندان مسیح موعود کے بعض اور افراد نے حضور کو الوداع کہا اور حضور یہاں سے بذریعہ موٹر روانہ ہو کر ۴½ بجے کے قریب شیخ بشیر احمد صاحب امیر مقامی جماعت احمدیہ لاہور کے مکان پر بخیر و عافیت پہنچ گئے۔ اس تاریخی سفر میں حضرت سیدہ ام متین صاحبہ اور حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ (حرم حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب) بھی حضور کے ہمراہ تھیں[1]۔

حضرت مسیح موعودؑ کی ہجرت سے متعلق ایک اہم پیشگوئی کا شاندار ظہور

حضرت سیدنا فضل عمر خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی ہجرت پاکستان سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ۸۷-۱۸۸۵ء کی ایک خواب پوری ہوئی جس میں حضور پر انکشاف کیا گیا تھا کہ آپ خود یا آپ کا کوئی خلیفہ ہجرت کرے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

> "ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک شخص میرا نام لکھ رہا ہے تو آدھا نام اس نے عربی میں لکھا ہے اور آدھا انگریزی میں لکھا ہے۔ انبیاء کے ساتھ ہجرت بھی ہے لیکن بعض رویا نبی کے اپنے زمانہ میں پورے ہوتے ہیں اور بعض اولاد یا کسی متبع کے ذریعے سے پورے ہوتے ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قیصر و کسریٰ کی کنجیاں ملی تھیں تو وہ ممالک حضرت عمر کے زمانہ میں فتح ہوئے"[2]

اس پیشگوئی کی تفصیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بعض اور الہامات بھی ہوئے جو حضور نے براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۱ پر درج کئے۔ اور "دافع البلاء" (مطبوعہ اپریل ۱۹۰۲ء) کے صفحہ ۲۱ پر ان کا ترجمہ مع تشریح مندرجہ ذیل الفاظ میں شائع فرمایا:۔

---

[1] "الفضل" ۸ احسان/جون ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳۔ [2] "بدر" ۷ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲، "الحکم" ۱۰ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳۔

"عیسائی لوگ ایذا رسانی کے لئے مکر[1] کریں گے اور خدا بھی مکر کرے گا اور وہ دن آزمائش کے دن[2] ہوں گے اور کہہ کہ خدایا پاک زمین[3] میں مجھے جگہ دے۔ یہ ایک رُوحانی طور کی ہجرت ہے"

سفرِ ہجرت کے حالات حضرت مُصلح موعُود کی زبانِ مُبارک سے

حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

"جماعتی طور پر ایک بہت بڑا ابتلاء ۱۹۴۷ء میں آیا اور الٰہی تقدیر کے ماتحت ہمیں قادیان چھوڑنا پڑا۔ شروع میں مَیں سمجھتا تھا کہ جماعت کا جرنیل ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ قادیان میں لڑتا ہوا مارا جاؤں ورنہ جماعت میں بزدلی پھیل جائے گی اور اس کے متعلق مَیں نے باہر کی جماعتوں کو چٹھیاں بھی لکھ دی تھیں۔ لیکن بعد میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کے مطالعہ سے مجھ پر یہ امر منکشف ہوا کہ ہمارے لئے ایک ہجرت مقدر ہے اور ہجرت ہوتی ہی لیڈر کے ساتھ ہے۔ ویسے تو لوگ اپنی جگہیں بدلتے ہی رہتے ہیں مگر اسے کوئی ہجرت نہیں کہتا۔ ہجرت ہوتی ہی لیڈر کے ساتھ ہے۔ پس مَیں نے سمجھا کہ خدا تعالیٰ کی مصلحت یہی ہے کہ مَیں قادیان سے باہر چلا جاؤں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کے مطالعہ سے میں نے سمجھا کہ ہماری ہجرت یقینی ہے اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ مجھے قادیان چھوڑ دینا چاہئے تو اس وقت لاہور فون کیا گیا کہ کسی نہ کسی طرح ٹرانسپورٹ کا انتظام کیا جائے لیکن آٹھ دس دن تک کوئی جواب نہ آیا اور جواب آیا بھی تو یہ کہ حکومت کسی قسم کی ٹرانسپورٹ مہیا کرنے سے انکار کرتی ہے اس لئے کوئی گاڑی نہیں چل سکتی۔ مَیں اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کا مطالعہ کر رہا تھا۔ الہامات کا مطالعہ کرتے ہوئے مجھے ایک الہام نظر آیا "**بعد گیارہ**" میں نے خیال کیا کہ گیارہ سے مراد گیارہ تاریخ ہے اور مَیں نے سمجھا کہ شاید ٹرانسپورٹ کا انتظام قمری گیارہ تاریخ کے بعد ہوگا مگر انتظار کرتے کرتے عیسوی ماہ کی ۲۸ تاریخ آگئی لیکن گاڑی کا کوئی انتظام نہ ہو سکا۔ ۲۸ تاریخ کو اعلان ہوگیا کہ ۳۱ اگست کے بعد ہر ایک حکومت اپنے اپنے علاقہ کی حفاظت کی خود ذمہ دار ہوگی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انڈین یونین اب مکمل طور پر قادیان پر قابض ہوگئی ہے مَیں نے اس وقت خیال کیا کہ اگر مجھے جانا ہے تو اس کے

[1] مکر عربی زبان میں باریک اور خفیہ تدبیر کو کہا جاتا ہے جس میں ریڈ کلف ایوارڈ کے عیسائی منصوبے کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔
[2] حضرت مصلح موعود کی ہجرت کے ایام عام مسلمانوں کے لئے عموماً اور جماعت احمدیہ کے لئے خصوصاً ابتلاء اور آزمائش کے ایام تھے۔
[3] "پاک زمین" یعنی پاکستان۔

لئے فوراً کوشش کرنی چاہیئے ورنہ قادیان سے نکلنا محال ہو جائے گا اور اس کام میں کامیابی نہیں ہو سکے گی ان لوگوں کے مخالفانہ ارادوں کا اس سے پتہ چل سکتا ہے کہ ایک انگریز کرنل جو بٹالہ لگا ہوا تھا میرے پاس آیا اور اس نے کہا مجھے ان لوگوں کے منصوبوں کا علم ہے۔ جو کچھ یہ ۳۱ اگست کے بعد مسلمانوں کے ساتھ کریں گے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ باتیں کرتے وقت اس پر رقت طاری ہو گئی لیکن اس نے جذبات کو دبا لیا اور منہ ایک طرف پھیر لیا۔ جب میں نے دیکھا کہ گاڑی وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں ہو سکتا اور میں سوچ رہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام "بعد گیارہ" سے کیا مراد ہے تو مجھے میاں بشیر احمد صاحب کا پیغام ملا کہ میجر جنرل نذیر احمد صاحب کے بھائی میجر بشیر احمد صاحب ملنے کے لئے آئے ہیں۔ دراصل یہ ان کی غلطی تھی وہ میجر بشیر احمد صاحب نہیں تھے بلکہ ان کے دوسرے بھائی کیپٹن عطاء اللہ صاحب تھے۔ جب وہ ملاقات کے لئے آئے تو میں حیران تھا کہ یہ تو میجر بشیر احمد نہیں اُن کے چہرے پر تو چیچک کے داغ ہیں مگر چونکہ مجھے ان کا نام میجر بشیر احمد ہی بتایا گیا تھا اس لئے میں نے دورانِ گفتگو میں جب انہیں میجر کہا تو انہوں نے کہا میں میجر نہیں ہوں کیپٹن ہوں اور میرا نام بشیر احمد نہیں بلکہ عطاء اللہ ہے کیپٹن عطاء اللہ صاحب کے متعلق پہلے سے میرا یہ خیال تھا کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں سے زیادہ مخلص ہیں اور میں سمجھتا تھا کہ اگر خدمت کا موقعہ مل سکتا ہے تو اپنے بھائیوں میں سے یہی اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ میں نے انہیں حالات بتائے اور کہا کہ کیا وہ سواری اور حفاظت کا کوئی انتظام کر سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں آج ہی واپس جا کر کوشش کرتا ہوں۔ ایک جیپ میجر جنرل نذیر احمد کو ملی ہوئی ہے اگر وہ مل سکی تو دو اَور کا انتظام کر کے میں آؤں گا کیونکہ تین گاڑیوں کے بغیر پوری طرح حفاظت کا ذمہ نہیں لیا جا سکتا کیونکہ ایک جیپ خراب بھی ہو سکتی ہے اور اس پر حملہ بھی ہو سکتا ہے لیکن ضرورت ہے کہ تین گاڑیاں ہوں تا سب خطرات کا مقابلہ کیا جا سکے۔ یہ باتیں کر کے وہ واپس لاہور گئے اور گاڑی کے لئے کوشش کی۔ مگر میجر جنرل نذیر احمد صاحب کی جیپ انہیں نہ مل سکی۔ وہ خود کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ آخر انہوں نے نواب محمد دین صاحب مرحوم کی کار لی اور عزیز منصور احمد کی جیپ اسی طرح بعض اور دوستوں کی کاریں حاصل کیں اور قادیان چل پڑے۔ دوسرے دن ہم نے اپنی طرف سے ایک اَور انتظام کرنے کی بھی کوشش کی اور چاہا کہ ایک احمدی کی معرفت کچھ گاڑیاں مل جائیں۔ اس دوست کا وعدہ تھا کہ وہ ملٹری کو ساتھ لے کر آٹھ نو بجے قادیان پہنچ جائیں گے لیکن وہ نہ پہنچ سکے یہاں تک کہ دس بج گئے۔ اس وقت مجھے یہ خیال آیا کہ شاید

گیارہ سے مراد گیارہ بجے ہوں اور یہ انتظام گیارہ بجے کے بعد ہو۔ میاں بشیر احمد صاحب جن کے سپرد ان دنوں ایسے انتظام تھے۔ اُن کے بار بار پیغام آتے تھے کہ سب انتظام رہ گئے ہیں اور کسی میں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ مَیں نے انہیں فون کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام "بعد گیارہ" سے مَیں سمجھتا ہوں کہ گیارہ بجے کے بعد کوئی انتظام ہو سکے گا۔ پہلے مَیں سمجھتا تھا کہ اس سے گیارہ تاریخ مراد ہے لیکن اب میرا خیال ہے کہ شاید اس سے مراد گیارہ بجے کا وقت ہے۔ میرے لڑکے ناصر احمد نے بھی جس کے سپرد باہر کا انتظام تھا۔ مجھے فون کیا کہ تمام انتظامات فیل ہو گئے ہیں۔ ایک بدھ فوجی افسر نے کہا تھا کہ خواہ مجھے سزا ہو جائے مَیں ضرور کوئی نہ کوئی انتظام کروں گا اور اپنی گارد ساتھ روانہ کروں گا لیکن عین وقت پر اُسے بھی کہیں اَور جگہ جانے کا آرڈر آ گیا اور اس نے کہا مَیں اب مجبور ہوں اور کسی قسم کی مدد نہیں کر سکتا۔ آخر گیارہ بج کر پانچ منٹ پر مَیں نے فون اُٹھایا اور چاہا کہ ناصر احمد کو فون کروں کہ ناصر احمد نے کہا کہ مَیں فون کرنے ہی والا تھا کہ کیپٹن عطاء اللہ یہاں پہنچ چکے ہیں اور گاڑیاں بھی آ گئی ہیں چنانچہ ہم کیپٹن عطاء اللہ صاحب کی گاڑیوں میں قادیان سے لاہور پہنچے۔ یہاں پہنچ کر مَیں نے پورے طور پر محسوس کیا کہ میرے سامنے ایک درخت کو اکھیڑ کر دوسری جگہ لگانا نہیں بلکہ ایک باغ کو اکھیڑ کر دوسری جگہ لگانا ہے ہمیں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ فوراً ایک نیا مرکز بنایا جائے اور مرکزی دفاتر بھی بنائے جائیں"[۱]

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی ہجرت کے بعد کس طرح انتہائی زہرہ گداز اور جگر پاش حالات میں قادیان کے مخلص احمدیوں اور جانفروش درویشوں نے مشرقی پنجاب بلکہ پورے ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا بلند رکھا۔ نیز پاکستان میں خدا تعالیٰ کے پاک وعدوں اور بشارتوں کے عین مطابق اس کے اولوالعزم اور مقدس خلیفہ موعود کے مبارک ہاتھوں سے نئے سرے سے احمدیت کا باغ لگایا گیا یعنی ربوہ جیسا عالمگیر شہرت کا حامل، مثالی اور شاندار مرکز تعمیر ہوا۔ اور طیور ابراہیمی آسمانی قرنا کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے دوبارہ جمع ہو گئے؟ ان سب ایمان افروز واقعات کی تفصیل انشاء اللہ العزیز وبتوفیقہ تعالیٰ اگلی جلد میں آئے گی۔

---

[۱] "الفضل" ۱۳ وفا/جولائی ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۵-۶۔

ضمیمہ ۱

۱۔ تعلیم الاسلام کالج قادیان کا پہلا پراسپکٹس ۱۳۲۳-۲۴ ہش / ۱۹۴۴-۴۵ء

متعلقہ صفحہ ۲۵

(انگریزی سے ترجمہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید و تعارف

موجودہ دور میں اخلاقی انحطاط اور مادہ پرستی جس انتہا کو پہنچی ہوئی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ بدقسمتی سے مغربی تعلیم کا وہ نظام جو اس وقت ہمارے ملک میں جاری ہے باوجود اس کے کہ اس کے بعض پہلوؤں میں کچھ خوبیاں بھی موجود ہیں اس نے مغربی تہذیب کو ہوا دینے میں جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔ پس اس مقصد کے پیش نظر کہ ہمارے احمدی بچے مادہ پرستی اور موجودہ تہذیب کے سیلاب سے محفوظ رہیں نیز یہ کہ وہ دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلام اور احمدیت کی روحانی برکات سے بھی آراستہ ہوں۔ اور ایک خاص دینی اور اخلاقی ماحول میں پرورش پائیں۔ جماعت احمدیہ نے اپنے مقدس بانی حضرت احمد علیہ السلام کی زیر ہدایت قادیان میں تعلیم الاسلام ہائی سکول جاری فرمایا اور اب یہ ادارہ مئی ۱۹۴۴ء میں انٹرمیڈیٹ کالج (آرٹس اور سائنس) کی صورت میں ترقی پا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت جلد اسے ڈگری کالج کے معیار تک پہنچا دیا جائے گا۔ جس میں آرٹس اور سائنس کے تمام مضامین (چار سالہ کورس) بالترتیب پڑھائے جائیں گے۔

کالج کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ ایسے بلند کردار نوجوان پیدا کئے جاویں جو نہ صرف موجودہ علوم اور زندگی کے موجودہ تقاضوں سے پوری طرح عہدہ برا ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ بلکہ اسلامی تمدن کی حقیقی رنگ کے حامل۔ اور احمدیت اور اسلام کی اخلاقی اور روحانی

اقتدار کا مجسمہ ہوں۔ اس کے علاوہ وہ بہترین شہری اور معاشرت کا عمدہ ترین نمونہ ہوں۔

یہ کالج صدر انجمن احمدیہ کے زیر انتظام ہوگا اور ایک بہت بڑے وسیع دیہاتی طبقے (کہ جس کا مرکز اس وقت قادیان ہے) کی تعلیمی ضروریات بھی پوری کرے گا اس میں تمام طلباء کو بلا تفریق مذہب و ملت داخلے کی اجازت ہوگی۔ اور ہر طالب علم اپنے ضمیر کے مطابق پوری دلجمعی کے ساتھ تمام علوم سے بہرہ ور ہو سکے گا۔ البتہ داخلہ گنجائش کے مطابق و نوعیتِ مضامین کے اعتبار سے کیا جا سکے گا۔

اسٹاف

۱۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب ایم اے (پنجاب) بی اے (پنجاب) بی اے آنرز (ماڈرن گریٹس آکسن۔ انگلستان) پرنسپل اور لیکچرار دینیات۔ اور اقتصادیات۔

۲۔ مکرم اخوند عبدالقادر صاحب ایم اے لیکچرار انگریزی

۳۔ مکرم عباس بن عبدالقادر صاحب ایم اے لیکچرار تاریخ

۴۔ مکرم خواجہ عبدالعزیز صاحب حقانی ایم اے۔ بی۔ ٹی۔ ایچ۔ (علیگ) لیکچرار فلاسفی۔

۵۔ مکرم عبدالرحمٰن صاحب ناصر ایم اے۔ لیکچرار ریاضی۔

۶۔ مکرم ذوالفقار علی صاحب غنی ایم ایس سی۔ لیکچرار فزکس اور کیمسٹری۔

۷۔ مکرم بشارت الرحمٰن صاحب ایم اے لیکچرار عربی۔

۸۔ مکرم قاضی محمد نذیر صاحب (ایم اے۔ ایچ پی) لیکچرار فارسی اور اردو۔

۹۔ مکرم صوفی محمد ابراہیم صاحب بی ایس سی بی ٹی ڈیمانسٹریٹر اور ٹیچر سائنس

۱۰۔ مکرم محمد ابراہیم صاحب بی اے ایس اے وی ٹیچر انگلش اور جنرل نالج۔

۱۱۔ مکرم محمد ابراہیم صاحب ناصر بی اے بی ٹی ٹیچر ریاضی۔

۱۲۔ مکرم ماسٹر محمد اسلام خان صاحب ڈرائینگ ماسٹر[۱]

۱۳۔ فزیکل انسٹرکٹر (آسامی جلد پر کی جاوے گی)[۲]

---

[۱] نمبر ۹ تا ۱۲ پر مندرج اساتذہ انٹرمیڈیٹ کالج کے باقاعدہ افتتاح سے قبل ہی تعلیم الاسلام ہائی سکول سے منسلک کر دیئے گئے۔

[۲] پہلے فزیکل انسٹرکٹر چوہدری محمد اسماعیل صاحب ننگلی تھے ۲۔ تبلیغ (فروری) ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء میں ان کی بجائے چوہدری محمد فضل داد صاحب مقرر ہوئے۔

۱۴۔ لائبریرین (آسامی جلد پُر کی جاوے گی)[۱]

۱۵۔ میڈیکل آفیسر۔ جناب خان صاحب ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب

۱۶۔ آفس کلرک[۲] اور خزانچی[۳] (آسامی جلد پُر کی جائے گی)

۱۷۔ لیبارٹری اسسٹنٹ[۴] دو کس (آسامیاں جلد پُر کی جائیں گی)[۵]

مضامین

کالج میں موجودہ حالات میں مندرجہ ذیل مضامین پڑھائے جائیں گے۔

(۱) انگریزی (۲) عربی (۳) فارسی (۴) ریاضی (۵) اقتصادیات (۶) تاریخ (۷) فلسفہ (۸) فزکس (۹) کیمسٹری (۱۰) اردو اور دینیات زائد مضامین ہوں گے۔

طلباء مندرجہ ذیل مضامین کے گروپ میں سے اپنے لئے کسی مناسب گروپ کا انتخاب کر سکتے ہیں۔

(۱) انگریزی	عربی یا فارسی ۔	ریاضی اور تاریخ
(۲) انگریزی	عربی یا فارسی	ریاضی اور اقتصادیات
(۳) انگریزی	عربی یا فارسی	ریاضی اور فزکس
(۴) انگریزی	عربی یا فارسی	تاریخ اور فلسفہ
(۵) انگریزی	عربی یا فارسی	ریاضی اور فلسفہ

۱۔ کالج کے پہلے لائبریرین مولوی محمد دین صاحب ہیں۔ آپ نے وفا/جولائی ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء سے اسسٹنٹ کے طور پر چارج سنبھالا۔

۲۔ منشی حمید الدین صاحب بی اے بی ٹی منشی فاضل (برادر اکبر مولانا ... صاحب جاہد طاہر عربیہ دکمیب) نے شروع میں بطور ہیڈ کلرک کام کیا۔ منشی صاحب ۲۸ امان / مارچ ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء کو نیشنل گارڈز میں عملی ٹریننگ لیتے ہوئے گولی سے شہید ہوئے (الفضل ۲۸ شہادت مطابق اپریل ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۷ کالم ۲۔ ماہ ہجرت / مئی ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء میں قاضی عبدالرحمٰن صاحب جنید ابن حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل گجراتی سپرنٹنڈنٹ آفس بنے۔

۳۔ عبدالمجید صاحب ناصر کلرک (تقرر ۹ وفا / جولائی ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء) ۴۔ اولین لیبارٹری اسسٹنٹ چوہدری غلام حیدر صاحب (تقرر ماہ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء) ۵۔ ۱۔ قاضی محمد بشیر صاحب (تقرر ماہ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء) ۲۔ شیخ فضل قادر صاحب (تقرر ۲۰ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء) ۳۔ ملک عبدالعزیز صاحب (تقرر ۸ امان ۱۳۲۵ہش مطابق ۸ مارچ ۱۹۴۶ء)

(۶) انگریزی	عربی یا فارسی	تاریخ اور اقتصادیات
(۷) انگریزی	عربی یا فارسی	اقتصادیات اور فلسفہ

الف ایس سی (نان میڈیکل)

انگریزی فزکس کیمسٹری۔ اور ریاضی۔

طلباء کا داخلہ

یونیورسٹی کے قواعد کے مطابق ضروری ہے کہ کالج میں داخلے کے وقت طلبا خود حاضر ہوں چنانچہ فرسٹ ایر کلاس میں داخلے کے وقت طلباء کی حاضری اصالتاً ضروری ہے یہ داخلہ میٹرک کے نتائج کے دس دن کے بعد سے شروع کیا جاوے گا۔

داخلے کے وقت طلبار کو حسب ذیل سرٹیفکیٹ پیش کرنے ہوں گے۔

۱۔ پروویژنل سرٹیفکیٹ جس میں تاریخ پیدائش درج ہو اور گزشتہ امتحان یونیورسٹی میں لئے گئے مضامین اور ان کے نمبروں کی تفصیل درج ہو۔

۲۔ عمدہ چال چلن کا سرٹیفکیٹ۔ جو اُس ادارے کے سربراہ کی طرف سے جاری کیا گیا ہو۔ جس میں طالب علم نے آخری مرتبہ تعلیم حاصل کی ہے

۳۔ والدین یا سرپرست کی طرف سے تصدیق کہ طالب علم مذکور کو کالج میں داخلے کی اجازت ہے

فیس

ایف اے کی کلاسوں کی فیس حسب ذیل ہوگی

فیس داخلہ	۲	
یونیورسٹی رجسٹریشن فیس	۴۔۰۰	(داخلے کے موقع پر ایک مرتبہ)
ٹیوشن فیس (۱۲ مہینوں کے لئے)	۶۔۰۰	(فی ماہ)
لائبریری فیس	۵۔۰۰	(قابل واپسی جب کہ کالج چھوڑا جائے)
میڈیکل فیس	۰۔۲۵	(فی ماہ)
یونین کلب فنڈ	۱۔۲۵	(فی ماہ)

ہوسٹل کی فیس

فیس داخلہ		۱ — ۰۰	(بوقت داخلہ)
رہائش		۲ — ۰۰	(فی ماہ)
	علیحدہ کمرہ	۳ — ۰۰	〃
روشنی		۱ — ۵۰	〃
پنکھا (اگر استعمال کیا جائے)		۴ — ۰۰	〃
ضمانت		۵ — ۰۰	(قابلِ واپسی)
کھانے کا پیشگی خرچ		۱۰ — ۰۰	(داخلے کے وقت ایک مرتبہ اور پھر قابلِ واپسی)

نوٹ :۔ بورڈنگ میں طلباء کو چارپائیاں مہیا کی جاویں گی لیکن روشنی کے لئے بلب اور پنکھے انہیں خود ہی حاصل کرنے ہوں گے ۔

(مطبوعہ پنجاب ایجوکیشنل پریس لاہور)

۲- فوٹو بر موقع رہائی از جیل (مارشل لاء) متعلقہ ص ۱۰۶

(۱) پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب ایم اے (۲) پروفیسر مقبول احمد صاحب ایم اے (مرحوم) (۳) مولانا غلام احمد صاحب بدوملہی (۴) پروفیسر اخوند عبدالقادر صاحب ایم اے (ان کے پیچھے معین الرشید صاحب ہاشمی) (۵) چوہدری غلام حیدر صاحب سٹور کیپر فزکس (حال لیکچرار اسسٹنٹ) (۶) مولوی ابوالفتح عبدالقادر صاحب ایم اے قائم مقام پرنسپل تعلیم الاسلام کالج (۷) عبدالرحمٰن صاحب جنید ہاشمی۔ آفس سپرنٹنڈنٹ (ان کے پیچھے افضل خان صاحب ترکی) (۸) چوہدری محمد فضل داد صاحب D.P.E. ان کے پیچھے غلام نبی صاحب لیبارٹری اسسٹنٹ (۹) حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) پرنسپل تعلیم الاسلام کالج۔ (۱۰) محمد احمد صاحب انور حیدرآبادی ایم اے۔ ان کی گود میں مرزا فرید احمد صاحب سلمہ تعالیٰ اور پیچھے لطیف الدین صاحب مددگار کارکن (۱۱) پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب ایم ایس سی (۱۲) پروفیسر

محمود احمد صاحب ایم ایس سی بیالوجی (۱۳) پروفیسر عباس بن عبدالقادر صاحب ایم اے ہسٹری (۱۴) پروفیسر میاں عطاء الرحمٰن صاحب ایم ایس سی فزکس (۱۵) پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم اے عربی (۱۶) پروفیسر سید سجاد حیدر صاحب (حال ڈپٹی کمشنر) (۱۷) مولوی محمد الدین صاحب ایم اے لائبریرین۔

یہ فوٹو تعلیم الاسلام کالج لاہور (سابقہ ڈی اے وی کالج) میں کھینچی گئی۔

۳۔ فوٹو بتقریب لیکچر "اسلام کا اقتصادی نظام"

سٹیج پر نیچے بیٹھنے والے (دائیں سے بائیں) ۱۔ مولوی صدرالدین صاحب واقف زندگی (مبلغ ایران) (۲) حضرت شیخ مشتاق حسین صاحب (والد مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ) (۳) مکرم عبدالحمید صاحب آصف۔ (۴) صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب (۵) لطیف احمد صاحب طاہر (۶) مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب واقف زندگی مبلغ ہالینڈ و انڈونیشیا (۷) چوہدری عبداللطیف صاحب واقف زندگی (مبلغ جرمنی) (۸) جناب محمد صدیق صاحب ثاقب زیروی (ایڈیٹر لاہور) (۹) مکرم نعیم الرحمٰن صاحب نعیمی ایم اے (۱۰) ملک عطاء الرحمٰن صاحب (مبلغ فرانس) (۱۱) خالد احمدیت ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم)

۴۔ حضرت مصلح موعودؓ کے قلم مبارک سے تاریخِ احمدیت سے متعلق بعض اہم سوالات کا جواب

(مؤلف کتاب ھذا نے ظہور/اگست ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء میں حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بذریعہ مکتوب عرض کیا کہ حضور از راہ شفقت (۱) اپنے تاریخی سفر دہلی (۱۹۴۶ء) (۲) جون ۱۹۴۷ء کے امرتسر ریلیف کیمپ (۳) لٹریچر بابت باؤنڈری کمیشن اور (۴) احمدیہ میموریںڈم کی تفصیلی معلومات کے تعلق میں اس عاجز کی رہنمائی فرمائیں۔ حضرت امیر المومنین نے (جو ان دنوں صوبہ سندھ میں تشریف فرما تھے) اپنے قلم مبارک سے ان استفسارات کا بالترتیب مندرجہ ذیل جواب تحریر فرمایا۔

(1)

[illegible]

(2)

[illegible]

(3)

[illegible]

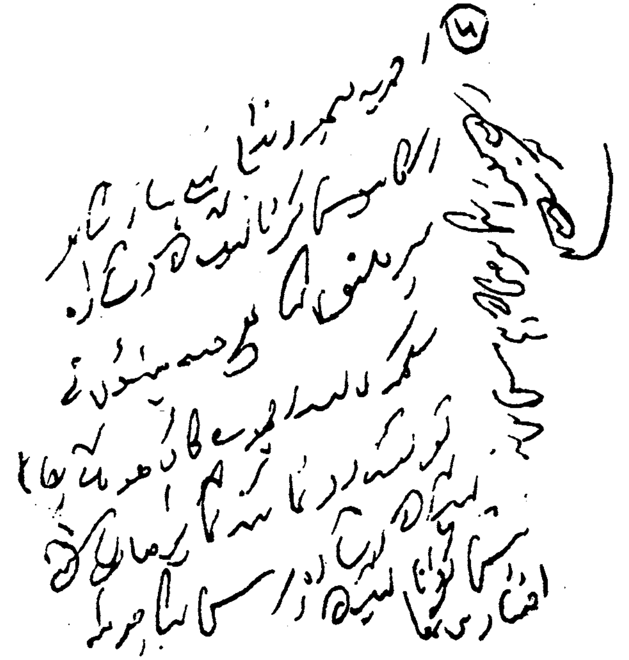

(۱) بہرحال سب امور اخبارات میں یا امور عامہ کی رپورٹوں میں آچکے ہوں گے مگر ربوہ آکر درد صاحب اور میاں بشیر احمد صاحب سے بات کر کے نوٹ لکھوائے جاسکتے ہیں۔

(۲) یہ کام دوسرے لوگ کرتے ہیں۔ مرزا ناصر احمد اور میاں بشیر احمد زیادہ بتا سکتے ہیں۔

(۳) لٹریچر امریکہ سے ہوائی جہاز میں ایک ہزار سے زائد خرچ ڈاک کا لگا۔

(۴) احمدیہ میمورنڈم پہلے تیار کیا اس کو پیش کرنا لیگ کے اشارہ پر ملتوی کیا۔ پھر جب ہندوؤں نے سکھوں اور اچھوت کا ڈھونگ رچایا تو تعداد نمائندگی بڑھانے کے لئے لیگ کے اشارہ پر پیش کیا چونکہ پیش کروانا لیگ کے اختیار میں تھا۔ اس لئے بغیر اس کی مرضی کے ہم پیش ہی نہ کر سکتے تھے۔

نوٹ: مندرجہ بالا جواب میں نمبروں کا اضافہ قارئین کی سہولت کے لئے کیا گیا ہے حضرت امیر المؤمنینؓ کے الفاظ یہ نمبر نہیں ہیں (۲) جواب پر ۲۷ر اگست ۱۹۵۲ء کی مہر ثبت ہے۔

ضیاء الاسلام پریس ربوہ ۞ ناشر ادارۃ المصنفین ربوہ
۲۵ر دسمبر ۱۹۶۹ء
۱۲۳۸ ہ

ضمیمہ نمبر ۲

Comments on English Translation
of
THE HOLY QURAN

"The publication of this first volume of a new annotated translation of the Quran marks a stage in the accomplishment of a very great enterprise. It is now some fifteen years since the learned scholars of the Ahmadiyya Community of Qadian, under the inspiring leadership of H s Holiness Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad, embarked upon an ambitious plan to produce an edition of the text of the Quran, accompanied by a faithful English translation and a full commentary. This first volume comprises the first nine Suras, together with a long general introduction from the pen of His Holiness, who explains that the commentary is based on the interpretation of the Quran established by the Founder of the Ahmadiyya Movement, his first Successor, and himself, the second Successor. The translation and commentary may thus be accepted as the authentic voice of the Ahmadiyya Movement. It is to be completed in two more volumes.

It is no exaggeration to describe this work as a veritable monument of Islamic scholarship. A formidable list of authorities has been consulted at all stages of the undertaking, and the translators have taken into account the views not only of traditional Arab exegesis but also of European criticism. The translation is in faultless and dignified English.

The general introduction, in 275 large, closely-printed pages, comprises a biography of the prophet Muhammad, a history of the compilation of the Quran, and an account of the chief features of the Quranic teachings ; it contains incidentally a detailed refutation of views on Islam expressed by non-Muslims, and a

criticism of other religions. Much of the apologetics perhaps seems somewhat partisan and even captious to the non-Muslim reader; but it is sincerely animated, and merits careful study as throwing light on the reactions of pious and learned Muslims to what they find objectionable in the traditional doctrines of other faiths.

The appearance of this first volume at a time when the Ahmadiyya Community in India was suffering most grievously—the story of this senseless persecution needs to be more widely known, for it was a most disturbing feature of the transfer of power—is itself a symbol of the fortitude and devotion which have been such outstanding characteristics of the Movement since its inception. All men of good will must wish prosperity and good fortune to the enterprise in its remaining stages, and recognise the high importance of this fine product of pious endeavour and good learning."

(A. J. ARBERRY.)

"THE HOLY QURAN, WITH ENGLISH TRANSLATION AND COMMENTARY. Vol. I. Distributed by the Ahmadiyya Movement in Islam 220 S. State St., Chicago, $ 12. 50.

This impressive work is "published under the auspices of Hazrat Mirza Bashiruddin Mahmud Ahmad, Second Successor of the Promised Messiah, by the Sadr Anjuman Ahmadiyya, Qadian, India." It was produced in India. The present volume (the first of three) contains 276 pages of introduction to the Quran (Koran to most readers in English), and 968 pages of Arabic text with parallel English translation and commentary, linguistic and theological. Since perhaps few readers of this paper are sufficiently familiar with the Arabic language to avail themselves of the remarkable aids here offered to its study, the organisation which issues the book may be more interesting to them than the book itself. The Ahmadiyya Movement, the only active missionary movement now at work in Islam, was founded in 1890 by Hazrat Mirza Ghulam Ahmad, in the Punjab. "He claimed to be the Mahdi whose advent was foretold by the Holy Prophet Muhammad and the Messiah whose advent had been foretold in the Bible and in the

Moslem Scriptures." The "second successor," named above, is his son. This son, born in 1889 and now resident in Pakistan, was described in prophecy as "the Word of God." The expectation of his followers is: "The greater part of the people of Europe will believe in Hazrat Ahmad, the Promised Messiah and Mahdi. All other religions will give place to Islam and Ahmadiyyat, and will in the end almost cease to exist. The earth shall be inherited by Hazrat Ahmad's followers, and the followers of other religions shall be few in number and shall occupy humble positions." Many communities have been established, and the publication of this splendid edition of the Quran is evidence that they are not without resources."

(THE CHRISTIAN CENTURY)

"The book is very well printed. The type is good, easily readable. Altogether it is a very valuable addition to the literature of Islam in the English tongue. The world is greatly indebted to the Ahmadiyya Movement for it" (Dr. Charles S. Braden, Chairman, History and Literature of Religions Deptt. North western University Evanston, Ill).

"After reading it, I turned to the translation and for commending this edition as better than any previous attempt to present an English version." (H. A. R. Gibb).

"The English is faultless, and misprints are remarkably few. Evidently no pains have been spared to present the Quran in as perfect a form as possible."

"The characteristics of Quranic Teachings thus authoritatively expounded are certainly modern and in most respects admirable. If the United Nations could act up to the principles here laid down, it might regain some of its prestige."

"The Commentary is full and often shows a fine sense of spiritual values."

"There are many details which may weaken controversy. But it would be ungracious not to recognise that we have here the first part of a great and meritorious enterprise. It has no doubt been a labour of love to its authors."

"This attempt to present the teaching of the Quran

in a form adapted to the needs of the present, is a sign of spiritual life and Missionary enterprise, and is on the whole enlightened and progressive." (Richard Bell).

"The translation is—as we say in French—sticking to the text. No one could praise enough the merit of this exactitude that helps to elucidate any difficulties of the Quranic language." (Regis Blachere, Professor of Literary Arabic, School of Oriental Languages at Paris).

"I do not think I am going too far in saying that, up to now, no translation of the Quran in a European language has pushed its endeavours so far to instruct the reader who is no scholar of Arabic with regard to the explicit as well as implicit contents of the text translated. One would wish that the publication of a work that will be epoch-making in the popularization of the book of Islam in Europe may be completed soon" (Ibid)

تاریخ احمدیت

جلد یازدہم

سیدنا المصلح الموعودؓ کی ہجرت پاکستان سے لیکر امان/مارچ ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء کے
یادگار اور عظیم الشان جلسہ لاہور تک کے ایمان افروز واقعات۔

مؤلفہ

دوست محمد شاہد

ناشر

ادارۃ المصنفین ربوہ

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد دہم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-10 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

© Islam International Publication Ltd.

Published By:
Islam International Publications Ltd.
Islamabad,
Sheephatch Lane
Tilford, Surrey GU10 2AQ
United Kingdom

Printed at:
Raqeem Press,
Islamabad, Tilford (U.K)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جابجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرّخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنّفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۱۱ کو جلد نمبر ۱۰ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد دہم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

پبلشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

تاریخ احمدیت کی گیارھویں جلد

(رقم فرمودہ مکرم و محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب)

امسال ادارۃ المصنفین کی طرف سے تاریخ احمدیت کی گیارھویں جلد شائع ہو رہی ہے۔ یہ جلد جماعت احمدیہ کے پاکستانی دور سے شروع ہوتی ہے جس میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ کن حالات میں احمدیت کا قافلہ اپنے مرکز سے ہجرت کر کے پاکستان میں داخل ہوا اور کس طرح حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اُکھڑے ہوئے باغ کے درختوں کو اس طور پر پھر لگا دیا کہ وہ سب درخت اپنا پھل دینے لگ گئے اور بہار کا سماں پیدا ہو گیا جیسا کہ ہم میں سے ہر ایک مشاہدہ کر رہا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ ہجرت کے بعد جونہی لاہور وارد ہوئے حضورؓ نے جماعت کی تنظیم کو قائم کرنے کے لئے صدر انجمن احمدیہ پاکستان اور تحریک جدید انجمن احمدیہ پاکستان کی بنیاد قائم کی اور اس طرح سے سارے ادارے قائم ہو کر اپنے اپنے طور پر کام کرنے لگ گئے اور جماعت کی تنظیم بحال ہو گئی۔ قادیان سے احمدی آبادی کا انخلاء اور پھر پاکستان میں وارد ہونے کے بعد ان کے ٹھہرانے اور ان کی آبادکاری کا عظیم کام حضورؓ کی توجہ اور طفیل سے ایسے طور پر ہوا کہ جن تکالیف کا دوسرے لوگوں کو سامنا کرنا پڑا اُن سے بہت حد تک جماعت محفوظ رہی۔ اور پھر حضورؓ کی جدوجہد سے جماعت کے عظیم مرکز ربوہ کی بنیاد پڑی اور تبلیغ اسلام کا کام پہلے سے بڑھ کر جوش سے ہونے لگ گیا اور اب اس نئے مرکز سے شب و روز اسلام کے مبلغ اور اس کے منادی بیرون پاکستان جا رہے ہیں اور کامیابی و کامرانی کے ساتھ واپس لوٹتے ہیں۔ اور بیرونجات کی احمدی جماعتوں کے افراد مرکز میں پہنچ کر تازگی ایمان کے نشانات دیکھتے ہیں۔

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ جب پاکستان پہنچے تو حضورؓ نے ہجرت کے وقت کی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ”جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور میں فوت ہوئے اُس وقت میری شادی تو ہو چکی تھی

لیکن بچّہ کوئی نہ تھا۔ ایک بچّہ ہُوا تھا جو چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گیا۔ اُس وقت مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سرہانے کھڑے ہو کر یہ عزم کیا تھا اور خدا تعالیٰ کے سامنے قسم کھائی تھی کہ اگر جماعت اِس ابتلاء کی وجہ سے فتنہ میں پڑ جائے اور ساری ہی جماعت مرتد ہو جائے تب بھی مَیں اس صداقت کو نہیں چھوڑوں گا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لائے، اور اُس وقت تک تبلیغ جاری رکھوں گا جب تک وہ صداقت دُنیا میں قائم نہیں ہو جاتی۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھ سے اب ایک اَور عہد لینا چاہتا تھا۔ وہ وقت میری جوانی کا تھا اور یہ وقت میرے بڑھاپے کا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے کام کرنے کے لئے جوانی اور بڑھاپے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جس عمر میں بھی انسان اللہ تعالیٰ کے کام کے لئے کھڑا ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو برکت مل جائے اسی عمر میں وہ کامیابی اور کامرانی حاصل کر سکتا ہے۔ لاہور ہی تھا جس میں مَیں نے وہ عہد کیا تھا اور یہاں پاس ہی کیلیانوالی سڑک پر وہ جگہ ہے۔ شاید یہاں سے ایک لکیر کھینچی جائے تو وہ جگہ اسی کے محاذ میں واقع ہوگی۔ بہرحال اسی لاہور اور ویسے ہی تاریک حالات میں مَیں اللہ تعالیٰ سے توفیق چاہتے ہوئے یہ اقرار کرتا ہوں کہ خواہ جماعت کو کوئی بھی دھکا لگے مَیں اس کے فضل اور اس کے احسان سے کسی اپنے صدمہ یا اپنے دُکھ کو اس کام میں حائل نہیں ہونے دوں گا (بفضلہ تعالیٰ وبتوفیقہ وبنصرہٖ) جو خدا تعالیٰ نے اسلام اور احمدیت کے قائم کرنے کا میرے سپرد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس عہد کے پورا کرنے کی توفیق دے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے میری تائید فرمائے۔ باوجود اِس کے کہ مَیں اب عمر کے لحاظ سے ساٹھ سال کے قریب ہوں اور ابتلاؤں اور مشکلات نے میری ہڈیوں کو کھوکھلا کر دیا ہے پھر بھی میرے حیّ و قیّوم خدا سے بعید نہیں۔ اُمید کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے میرے مرنے سے پہلے مجھے اسلام کی فتح کا دن دکھا دے"۔

یہ وہ عہد ہے جو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ابتدائے ہجرت میں کیا۔ اور پھر اس عہد کو جس طرح نبھایا یہ جلد اور آئندہ جلدیں اس کی تفصیل ہیں۔ جماعت کے نوجوانوں کو خاص طور پر اِس جلد کو اور اگلی جلدوں کو زیرِ مطالعہ لانا چاہیئے تاکہ ان کے اندر احمدیت کی تبلیغ کا وہی جوش پیدا ہو اور قائم رہے جس کی حضرت مصلح موعودؓ خواہش رکھتے تھے۔ وباللہ التوفیق ؏

والسلام

خاکسار ظفر اللہ خان

۱۲/۱۲/۷۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ـــــــــــــــ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

پیش لفظ

محض اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے ادارۃ المصنفین کی طرف سے امسال احباب کی خدمت میں تاریخ احمدیت کی گیارہویں جلد پیش کی جا رہی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد جو واقعات مرکز احمدیت میں رونما ہوئے۔ اس جلد میں ان کا تفصیل سے ذکر ہے۔ اسی طرح سے ہجرت کے بعد حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جس عزم اور بہادری کے ساتھ جماعت کے نظام کو قائم فرمایا اور استحکام پاکستان کے لئے بے نظیر جہاد کیا اس کا بھی شرح و بسط سے ذکر کیا گیا ہے۔

خدا کے فضل سے ربوہ مرکز احمدیت اس وقت ایک بڑا شہر بن چکا ہے اور اس میں وہ تمام سہولتیں بھی میسر ہیں جو ایک شہری کو میسر آنی چاہئیں۔ یہ سب حضرت المصلح الموعود کے عزم اور ہمت کا کرشمہ ہے۔ جن حالات میں ربوہ کی زمین خریدی گئی اور پھر اس کے حصول کے لئے جو جدوجہد کی گئی وہ سب مفصّل طور پر اس تاریخ میں بیان ہے۔

احباب جماعت سے التماس ہے کہ وہ اس جلد کا خود بھی مطالعہ فرمادیں اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی مطالعہ کی تحریک فرمائیں۔

مکرم مولانا دوست محمد صاحب قابلِ شکریہ ہیں کہ انہوں نے دن رات ایک کر کے اس جلد کے مضمون کو تیار کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ اور ان کو اپنی برکات سے نوازے۔ اسی طرح میں اپنے ان تمام دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے کسی نہ کسی رنگ میں کتاب کی طباعت میں مدد فرمائی۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری سعی کو قبول فرمائے اور اپنی جناب سے اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

والسلام

خاکسار ابو المنیر نور الحق

مینیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین ربوہ

۱۷ / ۱۲ / ۷۰

فہرست مضامین "تاریخ احمدیت" جلد یازدہم

عنوان	صفحہ
دیباچہ تحریر فرمودہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب	۱
پہلا باب	
سیدنا حضرت مصلح موعود کی ہجرت پاکستان	۳
صدر انجمن احمدیہ پاکستان اور تحریک جدید انجمن احمدیہ پاکستان کی بنیاد۔ قادیان سے احمدی آبادی کے انخلاء اور مہاجرین کے ٹھہرانے اور آباد کرنیکا انتظام مرکز احمدیت قادیان کے المناک واقعات اور اس کی حفاظت کے لئے بیرونی جدوجہد۔	
تاریخ احمدیت کا نازک ترین موڑ	۳
حضرت مصلح موعود کا عہد ہجرت قادیان کے وقت	۵
ہجرت کے وقت ناخوشگوار ماحول	۵
سیدنا المصلح الموعود کا عہد مسجد احمدیہ لاہور میں	۷
فصل اوّل	
جودھامل بلڈنگ میں اجلاس اور صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی بنیاد	۱۰
جودھامل بلڈنگ میں دفاتر کا قیام	۱۳
رتن باغ کی مرکزی حیثیت۔	۱۵
رتن باغ میں مشاورتی مجلس کا باقاعدہ سلسلہ	۲۱
صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی بے پناہ مشکلات اور ان کا حل	۲۹
۱۹۴۷ء-۱۹۴۸ء کا بجٹ اور پاکستان میں ابتدائی ایام کی آمدنی	۳۵
امانت فنڈ کی برکت سے ہزاروں احمدیوں کا مالی استحکام	۳۷
لوائے احمدیت کا پاکستان میں منتقل کیا جانا	۳۹
حضرت مصلح موعود کا پاکستان میں پہلا خطبہ جمعہ اور مستقبل احمدیت سے متعلق پُر شوکت پیشگوئی	۳۹
ستمبر کی اہم مشاورتیں اور اہم جماعتی فیصلے	۴۴
ریڈیو پاکستان سے قادیان کی خبروں کا نشر کیا جانا	۵۱
صدر انجمن احمدیہ پاکستان کا پہلا باضابطہ دفتر اجلاس	۵۱
بلیٹن کی اشاعت اور لندن مشن کو روزانہ اطلاعات بھجوانے کا انتظام	"
فصل دوم	
پاکستان سے روزنامہ الفضل کا اجراء	۵۴
سیدنا المصلح الموعود کے بلند پایہ مضامین الفضل کے اداریہ میں	۵۶
قادیان کی احمدی آبادی کے انخلاء کی جدوجہد	۵۹
احمدی خواتین کی حفاظت کا نہایت شاندار کارنامہ	۶۸
قادیان کی جماعت کا بحفاظت پاکستان میں آنا	۷۶
خدا تعالیٰ کی طرف سے ایام کرب و بلا میں احمدیوں کے ساتھ امتیازی سلوک	۷۸
دہلی اور سرگودھا کے احمدی شہداء	۷۹
مسلم مہاجرین کی آبادکاری کیلئے قیمتی اور اہم تجاویز	۸۳
لاہور میں انجمن انصار المسلمین کا قیام اور مشرقی پنجاب	

عنوان	صفحہ
مسلمانوں کی صورت حال سے متعلق اشتہار	۸۵
مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کی کامل بربادی کے سامان	۸۶
مسلمانان پاکستان میں اتحاد، تنظیم اور قربانی کی رُوح پیدا کرنے کی تحریک	۸۹
فصل سوم	
مہاجر احمدیوں کو ملک میں باوقار اور منظم طریق سے بسانے کی ملک گیر کوشش	۹۲
آبادی اور حفاظت مرکز کے انتظامات کے مختلف پہلو	۹۵
احمدی مہاجرین کے لئے کمبلوں، لحافوں اور توشکوں کی خاص تحریک	۹۹
احمدی مہاجرین کے معاشی و تنظیمی مسائل حل کرنے کیلئے وفود	۱۰۳
قادیان کی امانتوں کا لاہور میں لانے کا انتظام	۱۰۴
تقسیم ہند کے بعد بھارت اور پاکستان میں مبلغین احمدیت کے نظام عمل پر ایک نظر۔	۱۰۷
قادیان سے دفاتر کا عملہ۔ ریکارڈ اور دستاویزات منگوانے کا پہلا مرحلہ۔	۱۰۹
فصل چہارم	
مرکز احمدیت کی حفاظت کے لئے مخلصین جماعت کا قابل رشک مظاہرہ۔	۱۱۴
اہل وفائے قادیان کا مجاہدانہ عزم اور بے مثال مخلصانہ جذبات	۱۲۸
بیرون قادیان کے احمدیوں کی مرکز احمدیت سے بے پناہ عقیدت۔	۱۳۲
سیدنا المصلح الموعود کا ایک پُرجوش اور ولولہ انگیز مضمون اور اس کا اثر۔	۱۴۶

عنوان	صفحہ
فصل پنجم	
حضرت مصلح موعود کی ہجرت پاکستان کے بعد قادیان اور اس کے ماحول کے دردناک حالات۔	۱۵۰
حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے دو اہم مکتوب	۱۵۱
روزنامچہ قادیان از یکم ستمبر تا ۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء۔	۱۵۶
قادیان پر حملہ اور خونریز جنگ کی واضح تفصیلات	۱۶۱
سیدنا المصلح الموعود کا پہلا اہم مضمون	۱۶۳
" " دوسرا اہم مضمون	۱۸۱
" " تیسرا اہم مضمون	۱۸۵
سیدنا المصلح الموعود کے خطبہ جمعہ میں شہدائے قادیان کا درد انگیز ذکر۔	۱۹۱
کوائف قادیان سے متعلق سیدنا المصلح الموعود کی پریس کانفرنس۔	۱۹۳
قادیان پر جبر و تشدد کے متفرق خونی واقعات کا جامع نقشہ	۱۹۵
فصل ششم	
قادیان کے المناک کوائف اور جماعت احمدیہ کی مظلومیت اور ملی خدمات کا چرچا عالمی پریس میں۔	۲۱۹
پاکستانی اخبارات و کتب	۲۱۹
بھارت کے اخبارات	۲۵۹
برما کے اخبارات	۲۶۰
ایران کے اخبارات	۲۶۱
ارجنٹائن کے اخبارات	۲۶۴
برطانوی اخبارات	۲۶۵

عنوان	صفحہ
فصل ہفتم	
پاکستان میں قیام امن کے لئے بے لوث خدمات	۲۶۶
حضرت مصلح موعود کی مخلصانہ اپیل گاندھی جی سے	۲۷۹
تحریک جدید صدر انجمن احمدیہ پاکستان کا قیام اور رجسٹریشن۔	۲۸۰
فصل ہشتم	
مرکز پاکستان کی خاطر زمین خریدنے کے لئے کامیاب کوشش۔	۲۸۱
موزوں جگہ کی تلاش	۲۸۱
سیدنا حضرت مصلح موعود کا سفر نئے مرکز کی مجوزہ زمین ملاحظہ فرمانے کے لئے۔	۲۸۶
ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع جھنگ کے نام خرید اراضی کے لئے درخواست۔	۲۸۹
خرید اراضی کے لئے دفتری کارروائی کی تفصیلات	۲۹۲
قیمت اراضی کا ادخال	۲۹۳
اخبارات میں گمراہ کن پروپیگنڈا	۲۹۴
ناظر امور خارجہ کا تردیدی بیان	۲۹۵
حکومت مغربی پنجاب کا اعلان	۲۹۵
اراضی پر باضابطہ قبضہ	۲۹۶
دوسرا باب	
فصل اوّل	
حضرت مصلح موعود کی راہنمائی پاکستان کے داخلی مسائل میں	۲۹۹
انڈونیشیا۔ ایبے سینیا اور سعودی حکومت سے	

عنوان	صفحہ
سفارتی تعلقات قائم کرنے کی تحریک۔	۳۰۱
پاکستانی فوج میں اضافہ اور پاکستانی جرنیل مقرر کرنے کا مشورہ	۳۰۳
دفاع پاکستان کے لئے ٹیریٹوریل فورس اور فوجی کلبوں کے اجراء کی مفید تجویز۔	۳۰۶
ملکی پریس کو صحیح خبریں شائع کرنے کی تلقین	۳۱۰
کارخانے جلد جاری کروانے کا مشورہ	۳۱۱
سپریم کمانڈ کے توڑنے کی مخالفت	۳۱۲
اسلامی جمہوریت کے تقاضوں کے مطابق بعض فوری آئینی تبدیلیاں کرنے کا مطالبہ	۳۱۳
پاکستان کا نظام حکومت اسلامی ہونا چاہیئے۔	۳۱۶
فصل دوم	
کشمیر و فلسطین کے مسائل میں گہری دلچسپی اور مدبرانہ مشورے۔	۳۲۰
کشمیر کو ہر قیمت پر پاکستان میں شامل کیا جائے۔ (حضرت مصلح موعودؓ کا بیان)۔	۳۲۴
مسئلہ کشمیر کے فوری حل کیلئے الفضل میں مفصل مضمون	۳۲۴
ماؤنٹ بیٹن کی الحاق کشمیر سے متعلق دیرینہ سازش کا انکشاف۔	۳۲۷
مجاہدین کشمیر کے لئے اپیل	۳۳۰
مسئلہ کشمیر سے متعلق شرائط صلح کے خلاف احتجاج	۳۳۲
مسئلہ فلسطین کے متعلق سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے معرکۃ الآرا مضامین۔	۳۳۳
جماعت احمدیہ کے لئے بعض خاص ہدایات	۳۳۴

عنوان	صفحہ
احمدیوں کو ملکی دفاع کیلئے فوجی فنون سیکھنے کی تلقین	۳۲۴
ذکر الٰہی کی تحریک	۳۲۵
مہاجرین کو متوکلانہ زندگی بسر کرنے کا ارشاد	۳۲۶
اشاعت اسلام کیلئے فقیرانہ رنگ پیدا کرنے کی ہدایت	۳۲۶
قرآن کریم سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا فرمان۔	۳۲۷
محبت قادیان کے جذبہ کو اپنے مقصد میں روک نہ بننے دیں۔	۳۲۸
مخلصین احمدیت کی طرف سے اخلاص و قربانی کی روح کا مظاہرہ۔	۳۲۹
فصل سوم	
قادیان کو احمدیوں سے خالی کرانے کے لئے سول اور فوجی افسروں کی الزام تراشیاں	۳۴۱
قادیان میں مخصوص احمدی آبادی سے متعلق ایک اہم میٹنگ۔	۳۴۷
حضرت سیدنا المصلح الموعود کا فیصلہ	۳۴۸
درویشوں کے انتخاب کا اولین مرحلہ	۳۴۹
قادیان میں احمدی آبادی کی حدود کیلئے گفتگو اور سمجھوتہ	۳۵۱
احمدی محلہ کی حد بندی سے لیکر ۱۶ نومبر کے آخری کنوائے تک کے بعض کوائف۔	۳۵۳
درویشانِ قادیان کے لئے زریں ہدایات اور اہم فیصلے	۳۵۶
حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا مفصل مکتوب قادیان کے آئندہ نظام عمل سے متعلق۔	۳۶۲
۱۶ نومبر کے آخری کنوائے کی روانگی کا رقت انگیز منظر	۳۶۷
عہد درویشی کا آغاز	۳۶۸
درویشان نمبر ۲ کی تنظیم کا ایک خاکہ۔	۳۶۹
صدر انجمن احمدیہ قادیان کے اولین ممبران	۳۷۱
۱۹۴۷ء کے اولین خوش نصیب درویشوں کی فہرست	۳۷۲
صدر انجمن احمدیہ و تحریک جدید قادیان کے ممبر یا کارکن۔	۳۷۲
قادیان کے دوسرے مقامی احمدی	۳۷۳
دیہاتی مبلغین	۳۷۸
مستقل خدام	۳۸۰
بیرونی خدام	۳۸۴
درویشانِ قادیان کی قابل رشک زندگی۔	۳۸۷
صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب کا ایک قابل قدر نوٹ	۳۸۸
حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کی چشم دید شہادت	۳۹۰
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا ایک جامع نوٹ۔	۳۹۳
درویشانِ قادیان کو غیروں کا زبردست خراج تحسین۔	۳۹۳
فصل چہارم	
برصغیر میں جماعت احمدیہ کی قبل از تقسیم درسگاہیں	۴۰۱
قادیان کی مرکزی درسگاہوں کا پاکستان میں احیاء	۴۰۲
مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے عارضی دفتر کا قیام	۴۰۵
فصل پنجم	
حضرت مصلح موعودؓ کے چھ نہایت بصیرت افروز اور معلومات افزا لیکچر "پاکستان اور اسکا مستقبل" کے اہم موضوع پر	۴۰۶
لیکچروں کے موضوعات	۴۰۷

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
صدارت کرنے والی شخصیتیں	۴۰۷	لاہور کے جلسہ میں حضرت مصلح موعود کا پُر معارف خطاب	۴۴۷
علمی طبقہ کی طرف سے زبردست خراج تحسین	۴۰۸	دوسرے بزرگوں اور فاضل مقرروں کی اہم تقریریں	۴۴۸
پہلا لیکچر ۔	۴۱۰	دوسرے دن کا پہلا اجلاس	۴۵۳
دوسرا لیکچر ۔	۴۱۵	دوسرے اجلاس میں حضرت مصلح موعود کی	۴۵۳
تیسرا لیکچر ۔	۴۲۱	معرکۃ الآراء تقریر ۔	
چوتھا لیکچر	۴۲۲	پاکستان کو اسلامستان کی سیڑھی بنانے کے	۴۵۵
پانچواں لیکچر	۴۲۳	عزم کا پُرشوکت اعلان ۔	
چھٹا لیکچر (دستور اسلامی یا اسلامی آئین اساسی)	۴۲۵	حضور کی تقریر کا پریس میں ذکر	۴۵۷
اسلامی نظام اقتصادی	۴۳۳	ظلی جلسے کے پروگرام کا تتمہ۔ مجلس مشاورت	
مساوات رکھنے کا اسلامی نظام	۴۳۴	۱۹۴۸ء کے موقع پر	۴۵۸
اسلامی احکام کی خصوصیات	۴۳۴	حضرت سیدنا المصلح الموعود کی افتتاحی تقریر ۔	۴۵۸
مزدوروں کے متعلق احکام اسلامی	۴۳۶	حضرت مصلح موعود کی دوسری رُوح پرور تقریر ۔	۴۶۰
فصل ششم			
عہد درویشی کا پہلا جلسہ سالانہ	۴۳۷	**ضمیمہ**	
لاہور میں مجلس مشاورت اور ظلی جلسہ سالانہ کے	۴۴۵		
انعقاد کا فیصلہ		حضرت مصلح موعود کے چار اہم ۔غیر مطبوعہ	
مجلس مشاورت (رتن باغ)	۴۴۶	مکتوب ۔	

نایاب تصاویر

۱۔ المصلح الموعود کی الوداعی دُعا قادیان کے لئے قافلہ پاکستان کی روانگی پر	۱ عدد	صفحہ ۱
۲۔ مضافات قادیان کے مسلمانوں پر مظالم کے دردناک مناظر	۴ عدد	״ ۹۳، ۱۶۳
۳۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۴۷ء کو مویشیوں کی لوٹ	۳ ״	״
۴۔ حضرت مصلح موعود کی رتن باغ سے خطبہ جمعہ کے لئے روانگی	۱ ״	״ ۴۵۸
۵۔ حضرت مصلح خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے ہیں ۔	۱ ״	״ ״
۶۔ مجلس مشاورت ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے دو مناظر ۔	–	״ ۴۶۰
۷۔ جلسہ امان/مارچ ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے چار رُوح پرور مناظر ۔	–	–

کتابت :۔ محمد ارشد کاتب ربوہ

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ

جلسہ سالانہ قادیان کے لئے قافلہ پاکستان کی روانگی پر جودھامل بلڈنگ کے سامنے پر سوز دعا کرا رہے ہیں۔

(۲۵ فتح ۱۳۲۸ ہش بمطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۴۹ء)

جماعتِ احمدیہ کے پاکستانی دَور

کا

آغاز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

پہلا باب

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی ہجرتِ پاکستان اور مقدس عہد، صدر انجمن احمدیہ پاکستان اور تحریک جدید انجمن احمدیہ پاکستان کی بنیاد، قادیان سے احمدی آبادی کے انخلاء اور مہاجرین کے ٹھہرانے اور آباد کرنے کا انتظام، مرکز احمدیت قادیان کے المناک اور خونچکاں واقعات اور اس کی حفاظت کے لئے بیرونی جدوجہد

تاریخ احمدیت کا نازک ترین موڑ ۳۱؍ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کا دن سلسلہ احمدیہ کے پاکستانی دور کا نقطۂ آغاز اور اس کی ابتدائی اٹھاون سالہ قومی تاریخ کا اپنی نوعیت کے اعتبار سے نازک ترین موڑ ہے کیونکہ (جیسا کہ پچھلی جلد میں ذکر آچکا ہے) یہی وہ دن ہے جس میں قافلۂ احمدیت کے موعود اور آسمانی قائد سیدنا حضرت اقدس امیر المومنین

خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے قادیان دارالامان سے پاکستان کی نوزائیدہ مسلم مملکت کی طرف ہجرت فرمائی۔ حضور سوا بجے دوپہر حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علیخاں صاحبؓ کی کوٹھی "دارالسلام" سے روانہ ہوئے اور ساڑھے چار بجے شام بخیریت شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت لاہور کی کوٹھی (واقع ۱۳ ٹمپل روڈ) میں پہنچے۔ اور اس طرح تحریک احمدیت کا دور جدید شروع ہوا۔ جیسا کہ حضور نے خود ارشاد فرمایا:-

"آج ہر احمدی سمجھ لے کہ اب احمدیت پر ایک نیا دور آیا ہے"[1]

مذاہب عالم کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کی جماعتوں کے ساتھ ہجرت ... ایک لازمی چیز رہی ہے لیکن جماعت احمدیہ کو اس بارے میں دو خصوصیتیں حاصل ہیں۔ (۱) اس ہجرت سے قریباً ترپن برس قبل ۱۸ ستمبر ۱۸۹۴ء کو حضرت مسیح موعود و مہدی مسعودؑ پر "داغ ہجرت"[2] کا الہام نازل ہوا جس میں ہجرت کی واضح خبر دی گئی تھی۔ (۲) اس خبر میں ہجرت کے لئے "داغ" کا پُر حکمت لفظ اختیار کیا گیا تھا جو اُردو زبان میں زخم، گھاؤ، جراحت اور رنج و صدمہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔[3] جس میں یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ جماعت احمدیہ کو اپنے دائمی مرکز ـــــ **قادیان** ـــــ سے جن حالات میں ہجرت کرنا پڑے گی وہ نہایت ہی خوفناک، پُر آشوب اور تکلیف دہ ہوں گے۔ چنانچہ سچ مچ ایسا ہی وقوع میں آیا

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا قیام ہوا اور ساتھ ہی پورا ہندوستان خصوصاً مشرقی پنجاب ہندو مسلم فسادات کی آماجگاہ بن گیا اور رفتہ رفتہ قادیان اور اس کے گرد و نواح میں بھی فسادات کے شُعلے اُٹھ کھڑے ہوئے اور مظلوم اور نہتے مسلمانوں کا قتل عام ہونے لگا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حیرت انگیز فراست و ذہانت سے ان تشویشناک حالات کے ہولناک نتائج کا جائزہ لیا اور سب سے پہلے جماعت کا مرکزی خزانہ بذریعہ ہوائی جہاز پاکستان منتقل کر دیا۔ اور بعد ازاں حضرت اُمّ المومنینؓ اور خواتین مبارکہ کو بسوں کے ذریعہ لاہور بھجوا دیا اور

---

[1] "الفضل" ۱۸ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴۔

[2] "تشحیذ الاذہان" جون / جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۴، "ریویو آف ریلیجنز" اردو جون ۱۹۱۴ء صفحہ ۲۲۳۔

[3] "فرہنگ آصفیہ" زیر لفظ "داغ"

بالآخر جب خطرہ براہ راست قادیان کی آبادی پر منڈلانے لگا اور حالات لحظہ بلحظہ زیادہ بگڑتے نظر آنے لگے تو حضور رضی اللہ عنہ جماعت احمدیہ کے سر برآوردہ اور ذمہ دار اصحاب کے مشورہ سے پاکستان تشریف لے آئے۔

حضرت مصلح موعود کا عہد قادیان سے ہجرت کے وقت

حضرت مصلح موعود نے قادیان سے پاکستان کی طرف روانہ ہوتے وقت ایک نہایت اہم عہد کیا جو حضور کے مبارک الفاظ میں درج ذیل کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"قادیان کے چھوٹ جانے کا صدمہ لازماً طبیعتوں پر ہوا ہے۔ میری طبیعت پر بھی اس صدمہ کا اثر ہے۔ لیکن مَیں نے جب قادیان چھوڑا یہ عہد کر لیا تھا کہ مَیں اس کا غم نہیں کرونگا . . . میری ایک لڑکی کے ابھی بچہ پیدا ہوا تھا۔ اس کی تھوڑا ہی عرصہ ہوا شادی ہوئی تھی اور ایک سال کے اندر ہی اس کے بچہ پیدا ہوا تھا۔ ان کی ماں وفات پا چکی تھی وہ میرے پاس رخصت ہونے کے لئے آئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مَیں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا خاموش رہو یہ وقت رونے کا نہیں بلکہ یہ وقت کام کا ہے۔ چنانچہ مَیں نے اس عہد کو سختی سے نبھایا ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ یوں معلوم ہوتا تھا میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ مگر مَیں سمجھتا ہوں کہ جب مَیں ایک عزم کر چکا ہوں تو مَیں اس عزم کو آنسوؤں کے ساتھ کیوں مشتبہ کر دوں۔ ہم اپنے آنسوؤں کو روکیں گے یہاں تک کہ ہم قادیان کو واپس لے لیں" [1]

ہجرت کے وقت ناخوشگوار ماحول

حضور نے جب سرزمین پاک میں قدم رکھا تو ملکی ماحول بالکل قابو سے باہر ہو چکا تھا۔ سیاسی صورت حال نہایت تیزی کے ساتھ نازک سے نازک تر ہوتی جا رہی تھی اور پورا برصغیر فتنہ و فساد کے شعلوں کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔ خصوصاً مشرقی پنجاب کا علاقہ ایک وسیع قتل گاہ کی صورت اختیار کر گیا تھا جہاں دشمنانِ اسلام مسلمانوں کے لئے دوسرا اسپین بنانے کا خونی منصوبہ باندھ چکے تھے اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے مٹانے پر تُلے ہوئے تھے۔ روزانہ سینکڑوں ہی نہیں ہزاروں نہتے مسلمان

---

[1] "الفضل" ۵ راحسان/جون ۱۳۲۸ ہش ۱۹۴۹ء صفحہ ۴-۵ کالم ۴-۱

نہایت درجہ سفاکی، بے رحمی بلکہ درندگی سے تہ تیغ کئے جا رہے تھے۔ مسلمان عورتوں کی عصمت دری اور ان کے ساتھ شرمناک سلوک کے صبح شام بے شمار واقعات پیش آ رہے تھے اور ان کے سامنے ان کے معصوم اور شیرخوار بچوں کو تلواروں، نیزوں اور کرپانوں سے ذبح کیا جا رہا تھا۔ غرض اسلام کے نام لیواؤں پر ہر سُو ایک قیامت برپا تھی، ایک حشر ٹوٹ رہا تھا۔ ظالموں کی چیرہ دستیوں سے بچ نکلنے والے مظلوم مسلمان یا کیمپوں میں جمع ہو چکے تھے یا لُٹے پٹے قافلوں کی صورت میں پاکستان کا رُخ کئے ہوئے تھے۔ اکّے دکّے مسلمانوں کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا!!

جہانتک تحصیل بٹالہ بالخصوص قادیان کا تعلق ہے اس کے قرب و نواح میں بسنے والی بہت سی مسلمان بستیاں اُجڑ چکی تھیں اور ہزاروں نہتّے اور مفلوک الحال مسلمان اپنا گھر بار اور ساز و سامان چھوڑ کر نہایت درجہ کس مپرسی اور پریشان حالی کے عالم میں قادیان میں پناہ گزین ہو چکے تھے۔ اور سکھوں کے شوریدہ سر جتھے جن کو خُونِ مُسلم کی چاٹ لگ چکی تھی فوج اور پولیس کی پشت پناھی میں ایک سوچی سمجھی سکیم کے مطابق قادیان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور اس پر حملہ کرنے کی درپردہ نہایت خوفناک تیاریاں کر رہے تھے اور ماحول قادیان میں مسلم آبادی کا مکمل خاتمہ کرنے کے بعد وہ جلد از جلد اپنی اس ناپاک سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دینا چاہتے تھے اور اپنے بے پناہ مادی سامانوں اور ظاہری تدبیروں کے بَل بوتے پر یقین کئے ہوئے تھے کہ وہ مشرقی پنجاب میں ملّت اسلامیہ کی اس آخری پناہ گاہ کی (معاذاللہ) اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے[1] اور اس صوبہ کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک اسلام کا جھنڈا ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہو جائے گا۔

قتل و غارت اور آتشزنی کے اس وسیع اور خونی چکر میں جماعت احمدیہ جیسی محدود وسائل رکھنے والی پُرامن اور قلیل جماعت کا بے شمار مسائل سے دوچار ہونا لازمی امر تھا۔ سب سے اہم مسئلہ تو قادیان کی حفاظت اور اس کے باشندوں کو صحیح و سالم پاکستان لانے کا تھا۔

---

[1] جناب محمد صدیق صاحب ثاقب زیروی کے ایک تحریری بیان (مورخہ ۴ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء) سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں اخبار "آزاد" لاہور کے چیف ایڈیٹر نے دفتر "آزاد" میں بتایا کہ مشرقی پنجاب کے بعض ایم۔ایل۔اے قادیان کے احمدیوں کو واپس دیئے جانے کی سخت مخالفت کر رہے ہیں۔ بلکہ چوہدری کرشن گوپال دت اور چوہدری کرتار سنگھ ایم۔ایل۔اے نے اپنے خطوں میں یہانتک لکھا ہے کہ قادیان کی واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قادیان والوں کو نکالنے کے لئے ہی تو ہم نے سارا ضلع گورداسپور لیا ہے۔

دوسرے جماعت احمدیہ کو اُس خطرناک اور تباہ کن مالی بحران سے نجات دلانا ضروری تھا جس کی طرف حالات تیزی سے بہائے لئے جا رہے تھے۔ اخراجات بے تحاشا اُٹھ رہے تھے مگر ذرائع آمد قطعی طور پر بند تھے۔ وقت کا تیسرا اور اہم ترین تقاضا یہ تھا کہ پہلے ایک عبوری اور پھر جلدی ہی ایک مستقل مرکز قائم کر کے پوری جماعت کو از سرِ نو منظم و مستحکم کرنے کی ہر ممکن تدابیر بروئے کار لائی جائیں۔ مختصر لفظوں میں یہ کہ ایک ساکت و جامد جسم تھا جس کی رگوں میں زندگی کا تازہ خون ڈالنے اور قوت و طاقت کی ایک نئی رُوح پھونکنے کی ضرورت تھی جو بظاہر انتہائی کٹھن، صبر آزما بلکہ ناممکن دکھائی دیتا تھا۔

خود سیدنا المصلح الموعودؓ کا بیان ہے کہ

> "یہاں پہنچ کر میں نے پورے طور پر محسوس کیا کہ میرے سامنے ایک درخت کو اکھیڑ کر دوسری جگہ لگانا نہیں بلکہ ایک باغ کو اُکھیڑ کر دوسری جگہ لگانا ہے" [1]

مصائب و آلام کی ان سیاہ اور تاریک گھڑیوں میں جبکہ کچھ سُجھائی نہ دیتا تھا اور کسی کو اندازہ تک نہ ہو سکتا تھا کہ مستقبل میں کیا ہوگا اور حالات کیا رُخ اختیار کریں گے؟ خدائے عزّوجل کے اس اولوالعزم اور برحق موعود خلیفہ نے (جسے آسمانی نوشتہ میں "مسیحی نفس" "جلال الٰہی کے ظہور کا موجب"، "نور" اور "جلد جلد بڑھنے والا" قرار دیا گیا تھا) اپنے ربّ کے حضور عہد کرتے ہوئے اعلان فرمایا:۔

سیدنا المصلح الموعود کا عہد مسجد احمدیہ لاہور میں

> "قادیان اس وقت بیرونی اسلامی دُنیا سے بالکل کٹ گیا ہے مَیں سمجھتا ہوں کہ ایسے وقت میں . . . . انسان کو اپنا دل ٹٹول کر ایک ایسا عزم کر لینا چاہیئے جس پر وہ مرتے دم تک قائم رہے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور میں فوت ہوئے اس وقت میری شادی تو ہو چکی تھی لیکن بچہ کوئی نہیں تھا۔ ایک بچہ ہوا تھا جو چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گیا۔ اس وقت مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سرہانے کھڑے ہو کر یہ عزم کیا تھا اور خدا تعالیٰ کے سامنے قسم کھائی تھی کہ اگر جماعت اس ابتلاء کی وجہ سے فتنہ میں پڑ

---

[1] "الفضل" ۳۱ وفا/جولائی ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۶ کالم ۱-۲

جائے اور ساری ہی جماعت مُرتد ہو جائے تب بھی مَیں اس صداقت کو نہیں چھوڑوں گا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لائے اور اس وقت تک تبلیغ جاری رکھوں گا جب تک وہ صداقت دُنیا میں قائم نہیں ہو جاتی۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھ سے اب ایک اور عہد لینا چاہتا ہے۔ وہ وقت میری جوانی کا تھا اور یہ وقت میرے بڑھاپے کا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے کام کرنے کے لئے جوانی اور بڑھاپے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جس عمر میں بھی انسان اللہ تعالیٰ کے کام کے لئے کھڑا ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو برکت مل جائے اسی عمر میں وہ کامیابی اور کامرانی حاصل کر سکتا ہے۔ لاہور ہی تھا جس میں مَیں نے وہ عہد کیا تھا اور یہاں پاس ہی کیلیاں والی سڑک پر وہ جگہ ہے۔ شاید یہاں سے ایک لکیر کھینچی جائے تو وہ جگہ اسی کے محاذ میں واقع ہو گی۔ بہرحال اسی لاہور اور ویسے ہی تاریک حالات میں مَیں اللہ تعالیٰ سے توفیق چاہتے ہوئے یہ اقرار کرتا ہوں کہ خواہ جماعت کو کوئی بھی دھکا لگے مَیں اس کے فضل اور اس کے احسان سے کسی اپنے صدمہ یا اپنے دُکھ کو اس کام میں حائل نہیں ہونے دوں گا۔ بفضلہٖ تعالیٰ وبتوفیقہٖ وبنصرہٖ۔ جو خدا تعالیٰ نے اسلام اور احمدیت کے قائم کرنے کا میرے سپرد کیا ہے اللہ تعالیٰ مجھے اس عہد کے پورا کرنے کی توفیق دے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے میری تائید فرمائے۔ باوجود اس کے کہ مَیں اب عمر کے لحاظ سے ساٹھ سال کے قریب ہوں اور ابتلاؤں اور مشکلات نے میری ہڈیوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ پھر بھی میرے حیّ و قیوم خدا سے بعید نہیں۔ امید کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے میرے مرنے سے پہلے مجھے اسلام کی فتح کا دن دکھا دے"[1]

حضرت سیدنا محمودؓ نے اپنے زمانہ شباب کے عزم کو کس شان سے پُورا کر دکھایا، اس کا مفصّل تذکرہ تاریخ احمدیت کی گذشتہ سات جلدوں میں آچکا ہے۔ اب موجودہ جلد سے ان واقعات پر روشنی ڈالی جائے گی جو حضور کے اُس مقدّس اور ولولہ انگیز عہد سے وابستہ ہیں۔ جو حضور نے بڑھاپے کے وقت ایک نئی امنگ، نئے شوق اور نئے جوش کے ساتھ کیا اور

---

[1] "الفضل" ۲۱ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱-۲

جس کو اپنی زندگی کے آخری سانس تک بے مثال جرأت و شجاعت اور عدیم النظیر جوانمردی، حوصلہ مندی بلکہ جاں نثاری، سرفروشی اور فداکاری سے نبا ہا۔ خلافت ثانیہ کے پاکستانی دور میں متعدد ابتلا پیدا ہوئے، مصائب کے زلزلے آئے، حوادث کی آندھیاں چلیں، مگر کاروانِ احمدیت خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ اپنے آسمانی راہ نما کی سرکردگی میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا اور قرآنی وعدہ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ کا ایمان افروز نظارہ بار بار آنکھوں کے سامنے پھر گیا جیسا کہ آئندہ تفصیلات سے واضح ہو جائیگا۔

فصل اوّل

جودھامل بلڈنگ میں اجلاس اور صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی بنیاد

حضرت سیدنا المصلح الموعود ابھی قادیان ہی میں رونق افروز تھے کہ جماعت احمدیہ لاہور کی کوشش سے حضور اور احباب جماعت کے قیام کے لئے میو ہسپتال کی وسیع و عریض عمارت کے پاس چار ایسی کوٹھیوں کا انتظام کیا جا رہا تھا جن کے غیر مُسلم مالک پاکستان بننے پر بھارت جا چکے تھے اور وہ خالی پڑی تھیں۔ ان کوٹھیوں کے نام یہ تھے :۔

۱۔ رتن باغ ۲۔ جودھامل بلڈنگ ۳۔ جسونت بلڈنگ ۴۔ سیمنٹ بلڈنگ

حضرت امیر المومنین اور خاندان مسیح موعودؑ کی رہائش کے لئے رتن باغ تجویز کیا گیا۔ دفاتر کا کام جاری کرنے اور کارکنوں کے ٹھہرانے کے لئے جودھامل بلڈنگ اور دیگر افراد کی سکونت کے لئے موخر الذکر کوٹھیوں کو موزون سمجھا گیا۔

حضرت امیر المومنین نے لاہور پہنچتے ہی متروکہ رہائش گاہوں کے اس حلقہ کا بنفس نفیس جائزہ لیا اور یکم تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو یعنی ہجرت کے دوسرے ہی روز جودھامل بلڈنگ کے صحن میں ایک فوری میٹنگ منعقد فرمائی جس میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی بنیاد رکھی۔ اس موقعہ پر حسب ذیل پانچ اصحاب موجود تھے (ان میں سے پہلے چار حضور کی خصوصی ہدایت پر ۲۵ ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو خواتین مبارکہ کے مقدس قافلہ کے ساتھ بسوں کے ذریعہ پہنچے تھے اور گویا سلسلہ کی تنظیم نو میں ہراول دستہ کی حیثیت رکھتے تھے) :۔

۱۔ حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب

۲۔ ابوالمنیر مولوی نورالحق صاحب — واقف زندگی

۳۔ مولوی محمد صدیق صاحب — واقف زندگی

۴۔ ملک سیف الرحمن صاحب — واقف زندگی

۵۔ چوہدری عبدالباری صاحب بی۔اے۔

حضور نے صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی بنیاد رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل عہدیداران وممبران مقرر فرمائے:۔

۱۔ حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب	ناظر اعلیٰ
۲۔ حضرت خانصاحب منشی برکت علی صاحب شملوی (ان کی عدم موجودگی میں) چوہدری عبدالباری صاحب	ناظر بیت المال
۳۔ حضرت نواب محمد دین صاحب	ناظر دعوۃ وتبلیغ
(۱۸ ر تبوک ستمبر کو حضور نے مولوی عبدالمغنی صاحب کو جائنٹ ناظر دعوۃ وتبلیغ مقرر فرمایا)	
۴۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے	ناظر امور عامہ وخارجہ وناظر تعلیم وتربیت
۵۔ ابوالمنیر مولوی نورالحق صاحب فاضل	افسر محکمہ انخلاء آبادی
۶۔ مولوی محمد صدیق صاحب فاضل	ممبر
۷۔ ملک سیف الرحمٰن صاحب فاضل	"
۸۔ چودھری سر محمد ظفراللہ خاں صاحب	"
۹۔ چودھری اسداللہ خاں صاحب ایڈووکیٹ	"
۱۰۔ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور	"
۱۱۔ صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز سابق مبلغ انگلستان	ڈائریکٹر انفارمیشن [1]

اس تاریخی اجلاس میں حضور انور نے کیا ہدایات دیں۔ افسوس! ان کی تفصیل ہمیں سلسلہ احمدیہ کے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ریکارڈ میں سے نہیں ملتی۔ البتہ نظارت علیا (صدر انجمن احمدیہ پاکستان) کی اوّلین فائلوں میں حضرت کے قلم کی لکھی ہوئی ایک ایسی قیمتی یادداشت ضرور محفوظ ہے، جو اندرونی قرائن کے مطابق قطعی طور پر اس موقعہ کی یادگار قرار پا سکتی ہے۔ اس یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے اس اجلاس میں متعدد ارشادات فرمائے۔ مثلاً

[1] ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء

۱۔ جودھامل بلڈنگ کے ماحول میں واقع مزید کوٹھیاں حاصل کی جائیں۔
۲۔ صدر انجمن احمدیہ اور حضور کی ان زمینوں کو جو پاکستان میں واقع تھیں اور رہن تھیں ان کو آزاد کرایا جائے۔
۳۔ مہاجر احمدی افراد اور جماعتوں کی نسبت معلوم کیا جائے کہ وہ کہاں ہیں اور ان کو خاص نظام کے ساتھ بسایا جائے۔
۴۔ خزانہ صدر انجمن احمدیہ کے رجسٹر قادیان سے لاہور منگوائے جائیں۔
۵۔ قادیان سے آنے اور جانے والوں کی فہرست مرتب کی جائے۔
۶۔ بابو عبدالحمید صاحب ریلوے آڈیٹر کو انجمن کے حسابات کے لئے عارضی طور پر آڈیٹر مقرر کیا جائے۔
۷۔ روزانہ دس سے بارہ بجے تک رتن باغ میں میٹنگ ہو جس میں کام کی رپورٹ پیش کی جائے اور آئندہ کے لئے ہدایات لی جائیں۔

صدر انجمن کے اجلاس کے لئے جو حضور نے اپنے قلم مبارک سے اپنے لئے مختصراً یادداشت لکھی تھی اس کو ہم تبرکاً درج ذیل کرتے ہیں:۔

"زمینیں جو میری ہیں ان کو FREE کروا لیا جائے۔ اس کے لئے حسن احمد صاحب کو مقرر کیا جائے۔ شملہ میں متواتر رویاء دیکھیں کہ مبارک احمد کو جبکہ ایک سال کا تھا سکھ نے پکڑا ہوا ہے اور اِرد گرد کی عورتیں بھی پکڑی ہیں۔ آدمی پکڑ لئے ہیں۔ سکھ مارے گئے طوفان سارا قادیان پر گرد دیکھا کہ کراچی میں قدم لگ گئے ہیں۔ نظام کے متعلق روزانہ لسٹیں موجود ہونی چاہئیں۔

(۱) اس وقت جو کوٹھی ملی ہے اس کے ارد گرد کوٹھیاں لے لینی چاہئیں۔
(۲) زیادہ مستقل رہنے کے لئے شیخ بشیر احمد صاحب کے ارد گرد کوٹھیوں پر قبضہ کر لیا جائے
(۳) زمین جو انجمن نے خریدی ہے اس کو آزاد کر لیا جائے اور عمارتیں کچی بنوانی چاہئیں اور حسن احمد صاحب (کو) مقرر کیا جائے۔ ایک دو دن میں وہ رپورٹ کریں۔
(۴) عارضی طور پر محاسب اس کے مقابل ناظر بیت المال۔ ناظر اعلیٰ میاں عبداللہ خان

صاحب۔ تعلیم و امور عامہ درد صاحب۔ مال علیا برکت علی صاحب۔ عبد الباری تبلیغ نواب محمد دین صاحب معاون ہوں۔ امور عامہ میں محمد شریف صاحب چھٹی پر آئیں اور کام کریں۔ افسر ایووکیشن نورالحق

جو جو احمدی آئے ہیں وہ اطلاع دیں تاکہ ان کے متعلق فیصلہ کیا جائے۔ جماعتیں جہاں جہاں ہوں وہ اطلاع دیں کہ وہ کہاں ہیں۔ نمائندہ بھیجیں۔ اگر جماعت نہ ہو تو پھر خود آکر گفتگو کریں۔ اکٹھے ان کو بھجوائے جائیں۔ ایک قسم کی آبادی ایک جگہ ہو۔

(۵) خزانے کے رجسٹر لاہور میں آنے ضروری ہیں۔

(۶) ایک لسٹ ہو کہ اتنے آدمی قادیان سے آئیں گے اور اتنے جائیں گے۔ ہر جماعت سے پوچھا جائے کہ کتنی امداد دو گے۔

(۷) جہاں جو رہتے ہیں ان کے متعلق الاؤنس دیا جائے اس طرح خرچ بڑھ جاتا ہے تو پھر کسی کے گھر انتظام کر دیا جائے تو کم از کم خرچ کیا جائے۔

(۸) آڈیٹر مقرر کیا جائے کہ کہاں خرچ کیا ہے۔ بابو عبد الحمید صاحب آڈٹ کریں عارضی

(۹) دس سے بارہ بجے تک میٹنگ۔"

جودھامل بلڈنگ میں دفاتر کا قیام

صدر انجمن احمدیہ پاکستان معرض وجود میں آچکی تو حضور کے ارشاد پر جودھامل بلڈنگ کی نچلی منزل میں مختلف نظارتوں کے دفاتر جاری کر دیئے گئے۔ شروع میں اگرچہ فوری طور پر صدر انجمن احمدیہ پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ مگر اس عمارت میں تحریک جدید قادیان کے دفاتر اور اس کے کارکنوں کے لئے گنجائش پہلے روز ہی سے رکھ لی گئی۔ چنانچہ جوں جوں تحریک جدید کے ذمہ دار منتظم اور نمائندے پاکستان میں پہنچے باقاعدہ تحریک جدید کے دفتروں کا افتتاح ہوتا چلا گیا۔ بہرحال ابتدائی عرصہ میں دفاتر کی ترتیب حسب ذیل نقشہ کے مطابق تھی:۔

(نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

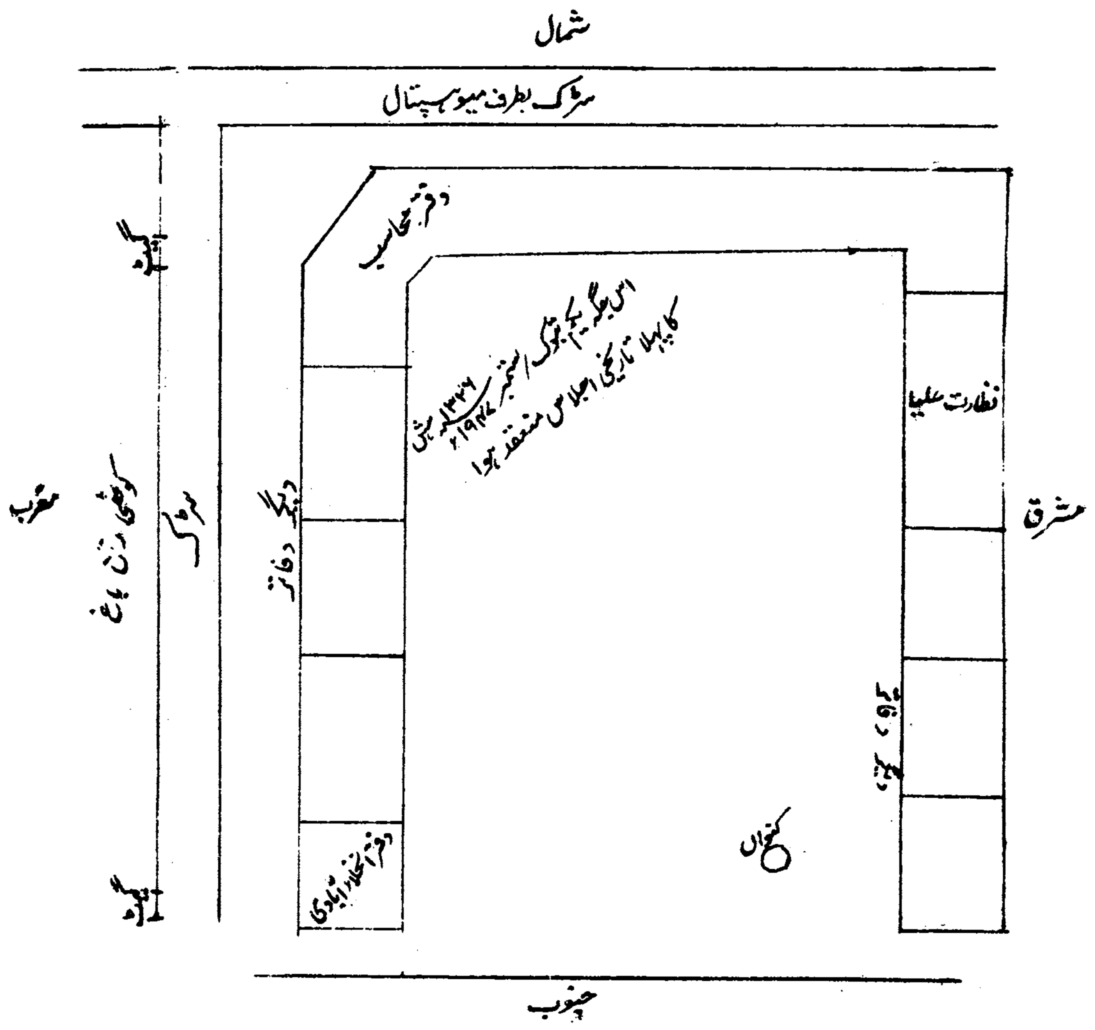

ریڈیو پاکستان اور پاکستانی پریس میں اعلان

صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے قیام پر حضرت مصلح موعود کی اجازت سے ریڈیو اور پریس میں مندرجہ ذیل اعلان بھجوایا گیا:-

"امام جماعت احمدیہ قادیان نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی ایک شاخ لاہور میں قائم فرما دی ہے۔ فی الحال یہ شاخ پاکستان اور ماسوائے ہندوستان باقی دُنیا کی احمدی جماعتوں کا سارا کام سنبھالے گی۔ لیکن ملک میں امن قائم ہو جانے کے بعد یہ شاخ صرف پاکستان

کے لئے وقف رہے گی۔ اس لئے تمام جماعت ہائے احمدیہ اندرون و بیرون ہند کو اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ ہر قسم کی خط و کتابت اب شاخ لاہور سے کریں اور چندوں اور امانتوں کی تمام رقوم بجائے قادیان کے لاہور بھیجیں۔ محاسب صاحب قادیان سے لاہور آ چکے ہیں۔ شاخ لاہور کے لئے خان محمد عبداللہ خان صاحب آف مالیر کوٹلہ کو ناظر اعلیٰ مقرر کیا گیا ہے شاخِ لاہور کا پتہ ۱۳ ٹمپل روڈ لاہور ہے۔ جو احمدی احباب یہ اعلان سُنیں دوسروں تک پہنچا دیں"

اس اعلان کے علاوہ صدر انجمن احمدیہ شاخ لاہور کی طرف سے بیرونی جماعتوں کو بھی بذریعہ تار اطلاعات دی گئیں۔

رتن باغ کی مرکزی حیثیت جودھامل بلڈنگ کے ساتھ رتن باغ[1] کا وسیع احاطہ تھا جہاں حضرت سیدنا المصلح الموعود (معہ خواتین مبارکہ کے) فروکش ہو گئے۔

بعد ازاں جب حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مرزا شریف احمد صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے دوسرے چشم و چراغ بھی پاکستان میں ہجرت کر کے آ گئے تو انہیں بھی اپنی پناہ گزینی کے ابتدائی تکلیف دہ ایام یہیں گذارنے پڑے۔

---

[1] دیوان رتن چند صاحب مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کے ایک قابل منشی اور معزز درباری تھے جو حضور نویسی کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ دیوان صاحب کو تعمیرات کا بہت شوق تھا۔ ۱۸۴۴ء میں جب لاہور کے محلہ مائی لاڈو کے عالیشان مکانات اور عظیم الشان باغات کی بنیادوں اور کھنڈروں پر عمارات کا آغاز ہوا تو دیوان صاحب نے اس زمین کو صاف اور ہموار کرایا اور یہاں ایک عالیشان مکان اور باغ بنا کر اپنی یادگار قائم کی جو "رتن باغ" کے نام سے مشہور ہوئی۔ برصغیر کے مشہور مؤرخ و صحافی منشی محمد الدین صاحب فوق مدیر اخبار کشمیری نے اپنی آخری تصنیف "مآثر لاہور" میں یہ حالات بیان کرنے کے بعد ۱۹۴۳ء میں اس یادگار کا نقشہ بایں الفاظ کھینچا:۔

"باغ کے چاروں کونوں پر چار پختہ مکانات بنے ہوئے ہیں جن میں دیوان رتن چند کے جانشینوں نے بہت کچھ ترمیم اور ایزادی کر دی ہے۔ درمیانی بارہ دری دو منزلہ ہے اور اس میں بڑا وسیع سرد خانہ ہے۔ بارہ دری کی دیواروں میں فوارے ہیں اور صحن میں ایک بڑا کشتی نما حوض بنا ہوا ہے جس کے گرد فواروں کی موج بہار عجب لطف دیتی ہے۔ باغ کے دروازہ کی ڈیوڑھی چار منزلہ

ماہ ظہور/اگست ۱۳۲۷ہش ۱۹۴۸ء میں اس احاطہ کے مکینوں کی تعداد ۳۹۵ تک جا پہنچی۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اُن دنوں رتن باغ اور اس کے ملحقہ مکانوں کی مردم شماری کرائی جس کی تفصیل میں آپ نے تحریر فرمایا کہ

"اس وقت صدر انجمن احمدیہ کی وساطت سے چار مکانات جماعت کے نام الاٹ شدہ ہیں یعنی (۱) رتن باغ (۲) جودھامل بلڈنگ (۳) جسونت بلڈنگ اور (۴) سیمنٹ بلڈنگ۔ ان عمارتوں میں حضرت خلیفۃ المسیح امام جماعت احمدیہ اور آپ کے خاندان کے علاوہ صدر انجمن احمدیہ کے کارکن اور بہت سے دوسرے احمدی پناہ گزین آباد ہیں اور صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر بھی انہیں عمارتوں میں ہیں۔ بہرحال مردم شماری کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

نمبر شمار	نام عمارت	تعداد خاندان	تعداد افراد	کیفیت
(۱)	رتن باغ	۸۲	۳۹۵	
(۲)	جودھامل بلڈنگ	۲۲	۱۴۱	
(۳)	جسونت بلڈنگ	۲۴	۱۳۹	
(۴)	سیمنٹ بلڈنگ	۲۴	۱۲۶	
	میزان	۱۵۲	۸۰۱	

بقیہ حاشیہ:- ہے۔ اور اپنی گولائی کی وجہ سے بہت خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ اندر نگاہ پڑتے ہی دُور تک سروں کی دو رویہ قطار دکھائی دیتی ہے۔ باغ کا رقبہ سات ایکڑ کے قریب ہے۔ ایک بلند اور طویل دیوار نے جس کا ارتفاع بارہ تیرہ فٹ سے کم نہیں باغ کے احاطہ کو اپنی آغوش میں لیا ہوا ہے۔ . . . . تمام پُرانے باغات میں یہ باغ سب سے بہتر ہے۔ اس کے اندر ایک مردانہ ہائی سکول اور ایک زنانہ کالج بھی ہے۔ اس باغ کے ایک طرف ٹریبیٹیون کا دفتر اور مسجد مائی لاڈو واقع ہے"

جناب محمد عبداللہ صاحب قریشی جنہوں نے "ماثر لاہور" کے اوراق کو مفید حواشی اور عمدہ معلومات کے اضافہ کے ساتھ جمع کر کے بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے مرتب کیا "رتن باغ" کے مندرجہ بالا حالات

اُوپر کے نقشہ سے ظاہر ہے کہ اس وقت سے جو چار عمارتیں بشمول رتن باغ ہمارے قبضہ میں ہیں اُن میں ۱۵۲ (ایک سو باون) خاندان آباد ہیں اور کل تعداد ۸۰۱ (آٹھ سو ایک) ہے۔ اور یہ خاندان فرضی نہیں بلکہ ایسے خاندان ہیں جو قادیان میں اپنے علیحدہ علیحدہ مکانات اور مستقل انتظام رہائش رکھتے تھے۔ اور ابھی ان اعداد و شمار میں وہ احمدی مہمان شامل نہیں ہیں جو جماعت احمدیہ کے مرکز میں کثرت کے ساتھ آتے رہتے ہیں اور موجود حالات میں ان میں سے اکثر کو ٹھہرانے اور جگہ دینے کے لئے ہمارے پاس کوئی انتظام موجود نہیں ہے اور وہ اِدھر اُدھر پرائیویٹ گھروں میں ٹھہر کر نہایت تنگی کے ساتھ گذارہ کرتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جو خاندان ان عمارتوں میں آباد ہیں ان میں سے کئی ایسے ہیں جو قادیان میں پانچ پانچ یا دس دس یا بعض صورتوں میں پندرہ پندرہ یا اس سے بھی زیادہ کمروں کے مکانوں میں رہائش رکھتے تھے۔ مگر اب انہیں رتن باغ یا اس کی ملحقہ عمارتوں میں ایک یا دو دو کمروں میں بڑی تنگی کے ساتھ گذارا کرنا پڑتا ہے" [1]

بقیہ حاشیہ:۔ درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"۱۷ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان عالم وجود میں آیا اور حالات ایسے پیدا ہوئے کہ آبادیوں کا تبادلہ شروع ہو گیا۔ ہندو اور سکھ یہاں سے ہندوستان چلے گئے اور وہاں کے مسلمان یہاں آنے پر مجبور ہو گئے۔ اس وقت قادیان سے **مرزا بشیر الدین محمود احمد** اور ان کی **جماعت کے اکثر افراد نے لاہور پہنچ کر اس علاقے کی اکثر عمارتوں پر قبضہ کیا۔ رتن باغ اور اس کی ملحقہ کوٹھی مرزا بشیر الدین** محمود کے حصہ میں آئی مگر باغ کی دیکھ بھال میں کوئی خاص توجہ نہ دی گئی۔ جب شہر کی بڑھتی ہوئی آبادی اور ضروریات کے پیش نظر میو ہسپتال کی توسیع لازمی ہو گئی اور مغربی پاکستان کے قیام کے بعد سرکاری ملازمین اور بیرونی مریضوں کے لئے یونٹ ہسپتال قائم کرنے کی تجویز عمل میں لائی گئی تو رتن باغ سب سے پہلے اس منصوبہ کی زد میں آیا۔ چنانچہ اسے صاف کر کے اس کی جگہ ون یونٹ ہسپتال بنا دیا گیا۔ اب باغ اور اس کی چار دیواری کا کوئی وجود باقی نہیں۔ البتہ کوٹھی شکست و ریخت سے بچ گئی ہے اور اسے ڈاکٹروں کے استعمال کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ اخبار ٹریبیون کا دفتر بھی ۱۹۴۷ء میں یہاں سے انبالہ منتقل ہو گیا تھا اور اب وہاں پاکستان ٹائمز پریس قائم ہے جہاں سے پاکستان ٹائمز، امروز، لیل و نہار، اور سپورٹس ٹائمز وغیرہ اخبار اور رسالے نکلتے ہیں" (رسالہ "نقوش" لاہور نمبر صفحہ ۳۸۹-۳۹۰ مدیر محمد طفیل صاحب ناشر "ادارہ فروغ اردو" لاہور۔ فروری ۱۹۶۲ء)

[1] "الفضل" ۱۷ ظہور/اگست ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲

سیدنا المصلح الموعودؓ نے رتن باغ میں قیام فرما ہوتے ہی اس کوٹھی کا سامان حفاظت کے ساتھ اپنی نگرانی میں محفوظ کرادیا یہانتک کہ ۲۴ فتح / دسمبر ۱۳۲۶ ہش (۱۹۴۷ء) کو اس کوٹھی کے مالک اور دیوان بہادر دیوان صاحب کے پوتے گوبند سہائے دیوان خود لاہور میں آئے اور حضور نے انہیں ان کا سارا سامان دیئے جانے کا ارشاد فرمایا۔ اگرچہ بعض لوگ اس بات کے حق میں نہیں تھے کہ اُن کو سامان واپس کیا جائے کیونکہ مشرقی پنجاب سے جو مسلمان بیکسی کی حالت میں پاکستان پہنچے تھے ان کو آباد ہوتے وقت ہر قسم کے سامان کی ضرورت تھی اور یہ ضرورت اسی صورت میں پوری ہوسکتی تھی کہ غیر مسلم باشندوں کا متروکہ سامان مہاجرین کو دیا جائے۔ ان سب حالات کے باوجود سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے یہی فیصلہ فرمایا کہ دیوان صاحب کا سارا سامان ان کو واپس کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ احمدیوں کی ضروریات کا خود کفیل ہوگا ۔ چنانچہ دیوان صاحب اس بات سے نہایت ہی متاثر ہوئے اور اُن کے دل پر حضور کے ان اخلاق نے بہت ہی گہرا اثر کیا جس کا اظہار انہوں نے درج ذیل تحریر کی صورت میں کیا:۔

Gobind Sahai grandson of Diwan Bahadr Diwan have fonnd the true spirit of honesty int he Qadian Community. The head of his Community is at present staying at our banglow Rattan Bagh Lahore. He has given me all the household things specialy some ornaments which were left by our family members. Some of the money which was lying in our almirah was also given to me by Mirza Bashir ud Din head of the Ahmadiyya Community Personally. I am really very much pleased by the treatment which this community has shown to me.

Sd: Gobind Sahai Diwan

Dated 24 12 47.

(ترجمہ) "مَیں گوبند سہائے دیوان بہادر دیوان کے پوتے نے جماعت قادیان میں دیانت داری کی صحیح رُوح دیکھی ہے۔ اس جماعت کے امام آجکل ہماری کوٹھی رتن باغ میں قیام پذیر ہیں۔ انہوں نے مجھے ہمارے گھر کی وہ تمام اشیاء یہاں تک کہ زیورات بھی جو ہمارے خاندان کے افراد پیچھے چھوڑ گئے تھے واپس دے دیئے ہیں۔ کچھ نقد روپیہ جو الماری میں پڑا تھا وہ (حضرت) مرزا بشیر الدین امام جماعت احمدیہ نے خود مجھے واپس کیا ہے۔ مَیں حقیقۃً اس سلوک سے جو اس جماعت نے ہم سے روا رکھا ہے بہت ہی خوش ہوں۔

(دستخط) گوبند سہائے دیوان

مورخہ ۲۴/۱۲/۴۷

کوٹھی رتن باغ کا ایک بیرونی اور وسیع کمرہ قبلہ رُخ تھا جسے پہلے روز سے پنجوقتہ نمازوں اور وعظ و تلقین کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ اسی میں حضرت مصلح موعود کی خدمت میں حاضر ہونے والے ملاقات کی سعادت حاصل کرتے اور اپنے مقدس اور جان سے پیارے آقا کے زندگی بخش کلمات سے مستفید ہوتے تھے اور اسی جگہ تمام اہم مرکزی اجلاسوں کی کارروائی ہوتی تھی۔ حضور نے دَورِ پاکستان کے ابتدائی سات خطبات جمعہ دہلی دروازہ کی احمدیہ مسجد میں ارشاد فرمائے۔ مگر جب احمدی مہاجرین کا بے پناہ سیلاب اُمڈ آیا تو حضور نے ۱۷ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء کے خطبہ ثانیہ میں فرمایا:۔

"چونکہ مسجد میں جگہ تنگ ہے اور لوگ زیادہ تعداد میں آئے ہیں اس لئے منتظمین کو چاہیئے کہ وہ آئندہ خطبہ کا کسی اور جگہ انتظام کریں جو موجودہ جگہ سے زیادہ فراخ اور وسیع ہو۔ مردوں کے علاوہ عورتوں کو بھی شکایت ہے کہ وہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے خطبہ سُننے کے لئے نہیں آ سکتیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ جب تک عورتوں کی اصلاح نہ ہو آئندہ نسل کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کسی وسیع جگہ کا جمعہ کے لئے انتظام کرنا چاہیئے تاکہ تمام عورتیں بھی شامل ہو سکیں اور مرد بھی۔ اس مسجد میں عورتوں کے لئے جو جگہ ہے اس سے پندرہ بیس گُنا زیادہ جگہ صرف عورتوں کے لئے چاہیئے اور مردوں کے لئے بھی موجودہ جگہ سے کم از کم دوگنی جگہ ہونی چاہیئے۔ پس آئندہ خطبہ جمعہ کا کسی کھُلی جگہ انتظام کیا جائے کیونکہ بہت سے لوگ

جمعہ سُننے سے محروم رہتے ہیں اور یہ مناسب نہیں ہے“[1]

حضور کے اس فرمان مبارک کی تعمیل میں نظارت تعلیم و تربیت[2] نے رتن باغ کے احاطہ میں ۲۴ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء سے نماز جمعہ کا انتظام کیا جو یکم اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء[3] تک باقاعدگی سے جاری رہا۔ کچھ عرصہ بعد حضور نے قیام لاہور کے دوران مسجد احمدیہ دہلی دروازہ میں ہی جمعہ کی نماز پڑھانا شروع فرما دی

شروع شروع میں اخبار ”الفضل“ کا دفتر بھی رتن باغ میں رہا۔ ۲ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء سے حضرت مصلح موعود کے ارشاد پر کارکنان صدر انجمن احمدیہ کی روزانہ بوقت صبح ورزش جسمانی کا انتظام کیا گیا جس کے نگران صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب مقرر ہوئے یہ ورزشی پروگرام بھی رتن باغ کے احاطہ میں ہوتا تھا۔ قادیان جانے والے مخلصین کا کیمپ بھی یہیں کھلا۔ اسی طرح جہاد آزادی کشمیر میں جس مشہور عالم ”فرقان فورس“ نے سرگرم اور نمایاں حصہ لیا اور شاندار کارنامے انجام دیئے اس کے

---

[1] ”الفضل“ ۳۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۴ کالم ۲ ۔

[2] صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی رپورٹ سال اول ۲۷-۱۳۲۶ہش/۴۸-۱۹۴۷ء سے معلوم ہوتا ہے کہ نظارت تعلیم و تربیت نے تین ہزار کی لاگت سے ۱۸ × ۳۶ سائز کے آٹھ شامیانے تیار کرائے تھے۔ لاؤڈ سپیکر کی تمام مشینری اگرچہ قادیان میں رہ گئی تھی مگر ایمپلی فائر اور مائیکروفون بحفاظت لاہور پہنچ گیا تھا جہاں فلپ ریڈیو کے مالک بابو ذکاء اللہ صاحب نے برقی رَو کو بآسانی تبدیل کرنے کے لئے اپنا کنورٹر عاریتاً پیش کر دیا جس سے رتن باغ میں آلہ مکبر الصوت کا انتظام ہو گیا۔ ضمناً یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کے دَور پاکستان کے اوّلین خطبہ کے سوا جو مولوی عبدالعزیز صاحب فاضل نے قلمبند کیا ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کی آخری سہ ماہی کے سب خطبے مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر انچارج شعبہ زود نویسی کی ہمت و محنت کی بدولت محفوظ ہوئے ۔

[3] اس روز حضور نے خطبہ جمعہ کے آغاز میں اعلان فرمایا کہ

”اب چونکہ ہمارے دفاتر آہستہ آہستہ ربوہ کی طرف منتقل ہو رہے ہیں اور کوشش کی جا رہی ہے کہ ایک دو ہفتہ میں دفاتر کا بہت سا حصہ ربوہ میں منتقل کر دیا جائے اس لئے مجبوری کی وجہ سے جمعہ کی نماز جو ہم نے یہاں پڑھنی شروع کر دی تھی انشاء اللہ اگلے جمعہ سے پھر مسجد احمدیہ میں پڑھنی شروع کر دینگے تا ہمارے ربوہ جانے سے پہلے پہلے لوگ مسجد کی طرف جانے کے عادی ہو جائیں“

(الفضل ۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲ کالم ۱)

مجاہد رضا کار سرائے عالمگیر کی طرف روانہ ہونے سے قبل رتن باغ میں ہی قیام فرماتے رہے اور عرصہ تک ان کی اور حفاظت مرکز کے مستقل خدام کی تربیت یہاں ہی ہوتی رہی۔

الغرض "رتن باغ" کو حضرت مصلح موعود کے رہائش پذیر ہونے کے بعد جماعت احمدیہ میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی تھی جو ۱۹ تبوک/ستمبر ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء تک برقرار رہی۔

رتن باغ میں مشاورتی مجلس کا باقاعدہ سلسلہ

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ چونکہ جماعت احمدیہ کی از سر نو تنظیم کے بارے میں انتہائی متفکر و مشوش تھے اس لئے حضور نے صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی تاسیس کے ساتھ ہی یہ حکم دے دیا کہ ناظر صاحبان (اور بعد ازاں صدر انجمن یا تحریک جدید کے بعض مخصوص شعبوں کے انچارج) روزانہ رتن باغ میں جمع ہوں اور اپنی رپورٹیں سُنا کر ہدایات حاصل کریں۔

چنانچہ ابتدائی اور ہنگامی ایام میں روزانہ اور پھر حسب ضرورت ہفتہ میں تین، دو یا ایک بار یہ اہم مشاورتی میٹنگ ہوتی تھی۔ اس سلسلہ کی آخری مجلس جس کی کارروائی محفوظ ہے، ۲۸ شہادت/اپریل ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء کو منعقد ہوئی۔ اس مجلس میں وقتاً فوقتاً جن اصحاب کو شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی اُن کے نام یہ ہیں:۔

حضرت نواب محمد عبد اللہ خان صاحب ناظر اعلیٰ۔ خانصاحب منشی برکت علی صاحب ناظر بیت المال۔ چوہدری عبد الباری صاحب نائب ناظر بیت المال۔ حضرت نواب محمد الدین صاحب۔ حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد ناظر امور خارجہ۔ مولوی ابو المنیر نور الحق صاحب ناظر انخلاء و آبادی۔ مولوی محمد صدیق صاحب۔ ملک سیف الرحمٰن صاحب۔ قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب۔ حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب۔ حضرت قاضی محمد عبد اللہ صاحب ناظر ضیافت۔ ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے ایڈیٹر تفسیر القرآن۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس۔ راجہ علی محمد صاحب ناظر بیت المال۔ چوہدری بہار الحق صاحب۔ مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور انچارج تحریک جدید۔ چوہدری محمد شریف صاحب خالد۔ چوہدری برکت علی صاحب فنانشل سکرٹری۔ قریشی عبد الرشید صاحب۔ حضرت مولوی عبد المغنی صاحب۔ حکیم فضل الرحمٰن صاحب۔ مولوی نور الدین صاحب منیر۔ مرزا بشیر احمد بیگ صاحب۔ مولوی عبد اللہ صاحب اعجاز۔ ڈاکٹر عبد الواحد صاحب

ڈائریکٹر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ مکرم روشن دین صاحب تنویر ایڈیٹر "الفضل"۔ چودھری عبدالسلام صاحب اختر ایم۔اے۔ چودھری اعجاز نصراللہ صاحب۔ حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال۔ محمد صدیق صاحب ثاقب زیروی۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب[1]۔ حسن محمد خاں صاحب عارف۔ چودھری حبیب اللہ صاحب سیال۔ چودھری صلاح الدین احمد صاحب۔ ملک محمد خورشید صاحب۔ صوفی محمد رفیق صاحب۔

شریک مجلس ہونے والے اصحاب کے نام درج ہوتے اور غیر حاضر ہونے والوں سے جواب طلبی کی جاتی۔ حضور ایک ایک سے رپورٹ لیتے، ہدایات دیتے اور اس طرح سے ہر کام کی جزئیات تک کی نگرانی فرماتے تھے۔ ان دنوں ہر اہم معاملہ خواہ اس کا تعلق صدر انجمن احمدیہ سے ہو یا تحریک جدید سے اس مجلس میں ضرور زیرِ غور آتا تھا۔ اس میٹنگ کی سکرٹری مجلس کی طرف سے باقاعدگی کے ساتھ کارگذاری لکھی جاتی اور رپورٹ سُنائی جاتی تھی۔ اور اگر کوئی امر قابلِ تصحیح ہوتا تو حضرت اقدس اس کی اصلاح فرما دیتے۔

اس مجلس میں مولوی محمد صدیق صاحب، ابُوالمنیر مولوی نورالحق صاحب، حسن محمد خاں صاحب عارف، مولوی نورالدین صاحب مُنیر اور مولانا جلال الدین صاحب شمس نے وقتاً فوقتاً سکرٹری شپ کے فرائض انجام دیئے۔ ان اصحاب کی قلمبند کی ہوئی متعدد رپورٹیں دو رجسٹروں کی صورت میں اب تک محفوظ ہیں[2]۔

حضرت سیّدنا المصلح الموعود نے ان رُوح فرسا اور لرزا دینے والے حالات میں جس خداداد فراست اور اولُوالعزمی سے رہنمائی فرمائی اس کا ایک واضح ثبوت یہ مشاورتی مجلس بھی ہے جس کے دوران حضور نے وقتی اور ہنگامی مسائل کے لئے متعدد ایسے امور پر بھی روشنی ڈالی جو تاریخ سلسلہ میں ہمیشہ مشعل راہ کی حیثیت سے یادگار رہیں گے۔ اس تعلق میں حضور کے بعض فرمودات بطور نمونہ درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

(۲۵ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء) فرمایا:۔ کام پر جانا ہو تو پروگرام بتا کر جانا چاہیئے۔

---

[1] یاد رہے۔ آپ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء میں جیل سے رہا ہوئے جس کے بعد آپ کو اس مجلس میں آنے کا موقعہ میسر آیا۔

[2] یہ رجسٹر مولوی محمد صدیق صاحب فاضل اور مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب کی تحویل میں ہیں۔

(۸ تبلیغ / فروری ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء) فرمایا :-

یہ دیکھا جائے کہ یورپ میں ہمارے لئے کون کون سی چیز ضروری ہے ۔ مثلاً عیسائیت کے وہ سوال جن کا علم ہونا چاہیئے ۔ پھر مولوی محمد دین صاحب اور ملک غلام فرید صاحب سے پتہ کیا جائے کہ ان کے ساتھ وہ کیا سوالات کرتے تھے ۔ پھر ایک قسم کے متعلقہ سوالات کی ایک کتاب لکھی جائے ۔ یہ دیکھا جائے کہ اس سے ہم نفع کیسے حاصل کر سکتے ہیں یا کم از کم بغیر نقصان کے چلا سکتے ہیں ۔ اصول یہ ہونا چاہیئے کہ کتاب چھپوا کر مبلغین کو لکھا جائے کہ جتنی کتاب مانگو گے ہم بھیجیں گے اور تم اتنی ہی مانگو گے جتنی چھ ماہ میں فروخت ہو سکے ۔ اس کی قیمت چھ ماہ میں قسط وار وضع کر لیں گے ۔

واقفین میں سے پانچ ایسے تیار کئے جائیں جو زود نویس بنائے جائیں ۔ الفضل کے لئے بھی اسی طرح واقفین میں سے تیار کئے جائیں جن کا ادبی مذاق ہو ۔ ہر مبلغ جو اخبار لیتا ہے اس کا فرض ہے کہ اہم مضامین کے کٹنگ وہ بھیجے ۔

(۲۶ شہادت / اپریل ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء) فرمایا :-

(تحریک جدید میں) ایک پبلک سروس کمیشن مقرر کیا جائے جو کام کرنے والوں کی نگرانی کرے ۔ باہر کے مبلغین کو وہاں ہی آزاد نہ کیا جائے بلکہ ایسے آدمیوں کو یہاں لا کر تین چار ماہ رکھا جائے ۔ اگر کام کے لائق ہوں تو کام لیا جائے ورنہ فارغ کر دیا جائے ۔

ایک چیز ہے جس پر اگر زور ہو تو میرا خیال ہے کہ جماعت تباہی سے بچ جائے گی وہ نماز کی باجماعت ادائیگی ہے ۔ اس سے وقت کی پابندی لازم ہو گی اور پھر اس سے ہر کام بروقت ہو گا

(۵ ہجرت / مئی ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء) فرمایا :-

لوگوں کے ذہن میں اس وقت یہ ہے کہ مقبرہ بہشتی ہاتھ سے نکل گیا ہے لہذا وصیت کی ضرورت نہیں ۔ لہذا چاہیئے کہ انہیں سمجھائیں کہ اس کے معنی یہ نہیں کہ وصیت ختم ہو گئی حضور علیہ السلام نے تو خود فرمایا ہے کہ باہر دفن ہو سکتا ہے وہاں اس کا نام لکھ دیا جائیگا ویسے بھی سب کا وہاں دفن ہونا ہی محال ہے کیونکہ اتنی جگہ ہی نہیں میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ ہمیں قرعہ اندازی کرنی پڑے گی ۔ مثلاً ایک مقام پر جب سو آدمی فوت ہو جائیں تو ان میں سے

قرعہ اندازی کے ساتھ ایک کو وہاں لے جائیں اور باقیوں کی وہاں فہرست لگا دی جائے یا اصول مقرر کر دیا جائے کہ فلاں قسم کے آدمی یہاں آسکیں گے۔

(۱۰ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء) فرمایا:۔

سو دفعہ کہہ چکا ہوں کہ مبلغوں میں یہ ذہنیت پیدا کی جائے کہ تم خلافت اور رسالت کے قائم مقام ہو۔ تم ہر کام خود کرو۔ وقار تو خدا تعالٰے دیتا ہے۔ جب تک اپنے اندر نیکی پیدا نہیں کرتے وقار نہیں ہو سکتا۔ وقار تو اپنے اندر سے پیدا ہوتا ہے۔ خدمت خلق ہو اور قربانی کا مادہ ہو تو وقار خود بخود ہی ہو جاتا ہے۔ جب تک یہ لوگ انتظار کرتے ہیں کہ لوگ ہماری آکر خدمت کریں اس وقت تک ان کا ادب نہیں ہو سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں گر موجود ہے کہ ہم لوگوں کے دلوں میں وحی کریں گے۔ پس جب تم لوگ اپنے اندر تبدیلی کرو گے تو لوگ خود بخود آئیں گے۔

(۱۵ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء) فرمایا:۔

شام والوں کو لکھا جائے کہ کسی نہ کسی طرح کبابیر والوں کو اطلاع دیں کہ تنگی کے دن ہیں صبر سے گذار لیں اور کسی قیمت پر بھی کبابیر کی زمین یہود کے پاس فروخت نہ کریں۔

(۲ احسان/جون ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء) فرمایا:۔

دفتر پرائیویٹ سکرٹری کے متعلق میرا آرڈر ہے کہ جب میری ڈاک جائے تو دو افسر (پرائیویٹ سکرٹری اور اسسٹنٹ پرائیویٹ سکرٹری) بیٹھیں۔ ایک کا کام ہے کہ اُسے گن کر دوسرے کے حوالے کر دے اور دوسرا اس پر مُہر لگا دے۔

انجنیئروں سے یہ بھی مشورہ کر کے انتظام کیا جائے کہ ایک ایک قبر میں ایک کے بجائے تین قبریں ہوں تہہ خانہ کی صورت میں۔ اس کے حصے بنے ہوئے ہوں اور ایک SLATE پر سب نام لکھ دیئے جائیں۔ یہ چیز جذباتی لحاظ سے بھی لوگوں پر زیادہ اثر کرے گی کہ ہم حضرت مسیح موعود کی دی ہوئی جگہ میں آگئے ہیں۔ دوسرا طریق یہ کرنا پڑیگا کہ مختلف اضلاع میں مقبرہ بہشتی کا حصہ مقرر کر دیا جائے وہاں دفن ہوں اور قادیان میں ان کا نام ہو۔ حضورؑ نے خود بھی اس کے متعلق لکھا ہے۔

(۵/احسان/جون ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء) فرمایا:-

سرحد والے اگر تبلیغ کے لئے مبلغ مانگتے ہیں تو انہیں لٹ کے دینے پڑیں گے ورنہ یہ سمجھا جاوے گا کہ تبلیغ سے ان کو دلچسپی نہیں

(۲۲/تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء) فرمایا:-

یہ قانون بنایا جائے کہ جب کوئی افسر باہر جائے تو اپنے پروگرام کی ایک کاپی دفتر میں دے کر جائے اور اگر بعد میں اس کی تبدیلی کی ضرورت پیش آئے تو بذریعہ تار دفتر میں اطلاع دے۔

(۳/اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء) فرمایا:-

شہروں اور قوموں کی آبادی بغیر تکلیف کے نہیں ہوتی۔

(یکم صلح/جنوری ۱۳۲۸ ہش ۱۹۴۹ء) فرمایا:-

رپورٹرز کو بیان دینے میں بہت احتیاط سے کام لیں۔ اگر فوری طور پر بیان دینا مشکل ہو۔ یا ایسا سوال ہو کہ جس پر رپورٹر غلط فہمی پیدا کر سکتا ہو تو کہہ دینا چاہیئے کہ ابھی اس معاملہ میں غور نہیں کیا گیا۔

(۱۵/صلح/جنوری ۱۳۲۸ ہش ۱۹۴۹ء) فرمایا:-

کارکنان کو رخصت رعایتی جبراً دی جایا کرے تا دماغ تازہ ہو جایا کریں۔

حضور نے اپنی دعوتوں کے متعلق فرمایا کہ ان کی اصل غرض تبادلہ خیالات کا موقعہ بہم پہنچانا ہوتی ہے اس لئے میزوں اور کرسیوں کی ترتیب اس رنگ میں ہونی چاہیئے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو بات چیت کرنے کا موقعہ مل سکے۔

۱۷/صلح/جنوری ۱۳۲۸ ہش ۱۹۴۹ء) فرمایا:-

پریس تاروں کی عبارت ایسی ہونی چاہیئے جسے خبر تسلیم کیا جا سکے۔

فرمایا۔ اونچے طبقہ کے سنجیدہ اور اثر لینے والے لوگوں کو تبلیغی نکتہ نظر سے بار بار ملنا چاہیئے اور انہیں لٹریچر دینا چاہیئے۔

بیرونی مشنوں میں INSPECTING مبلغ بھجوانے چاہئیں جن کے دورہ کے وقت مقامی حکام و معزز افراد کی دعوت کے انتظام کے ذریعہ تبادلہ خیالات کا موقعہ بہم پہنچایا جائے۔

اس طرح ایک دو دَوروں میں ہی ہر جگہ کے مبلّغین کا STATUS بڑھ جائے گا۔

لنگرخانہ کاجاری ہونا دفاتر صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے ساتھ ہی رتن باغ کے ایک حصّہ میں لنگرخانہ کھول دیا گیا اور ملک سیف الرحمٰن صاحب فاضل ناظر ضیافت مقرر ہوئے اور ان کی امداد کے لئے شیخ محبوب الٰہی صاحب کا تقرر ناظم سپلائی کی حیثیت سے ہوا چونکہ کوئی خاص انتظام لنگر اور کارکنوں کا نہیں ہو سکتا تھا اس لئے پہلے آٹھ ماہ میں بازار سے قریباً سات ہزار کے نان خریدنے پڑے[1]۔ سامان کی کمی کا یہ عالم تھا کہ قادیان سے صرف آٹھ دیگیں اور کچھ سامان بمشکل منگوایا جا سکا[1]۔

خوردنی اشیاء مثلاً آٹا، گندم، چاول، چینی کے لئے پرمٹ حاصل کرنا پڑتا تھا اور باقی ضروریات یعنی لکڑی، گھی، دالوں وغیرہ کا انتظام بیرونجات اور مقامی منڈی سے کیا جاتا تھا۔

شروع شروع میں لنگر لاہور میں مہمانوں کی ایک وقت میں روزانہ اوسط قریباً چار سو نفوس تک ہوتی تھی۔ وجہ یہ کہ ان دنوں بہت سے احباب جو مشرقی اضلاع سے ہجرت کرکے لاہور میں پناہ گزین ہوئے لاہور میں عارضی رہائش کے دوران سلسلہ احمدیہ کے مہمان ہوتے تھے۔ لیکن آخر تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء میں یہ اوسط گر کر تین سو تک آگئی۔ چنانچہ ۲۹ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء کی صبح کو لنگر سے کھانا حاصل کرنے والوں کی تعداد ۲۹۷ تھی[3]۔

عام حالات میں رتن باغ اور اس کی متصل کوٹھیوں میں مقیم یا دیگر پناہ گزین اصحاب کو ضروری اجناس کے حصول میں بہت سی مشکلات پیش آسکتی تھیں اور آرہی تھیں مگر لنگرخانہ نے معاوضہ پر خشک راشن (اجناس اور دیگر ضروریات خور و نوش) جاری کرکے ان مشکلات پر بہت حد تک قابو پالیا۔ علاوہ ازیں غیر مہمان احباب کو بوقت ضرورت قیمتاً بھی کھانا مہیا کئے جانے کا

---

[1] سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۴۸/۱۹۴۷ء صفحہ ۳۵۔

[2] " " " " ۵۴/۱۹۵۳ء صفحہ ۲۶۔

[3] تفصیل:۔ مستورات بذریعہ پرچی سکرٹری صاحبہ لجنہ اماء اللہ (۱۰۱) مستقل خدام و انصار مقیم رتن باغ (۱۲) مہمانان بذریعہ پرچی افسر خوراک و ناظر ضیافت (۹۵) عارضی اصحاب معاوضہ پر (۳۰) مستقل اصحاب معاوضہ پر (۴۱) عملہ لنگر، خدام، باورچی نانبائی وغیرہ (۱۸) میزان ۲۹۷۔

بھی انتظام کر دیا گیا جس سے احباب کو بھاری سہولت رہی۔[1]

۱۳ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء سے نظارت ضیافت کی نگرانی حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب کو سونپ دی گئی[2] اور ملک سیف الرحمٰن صاحب جائنٹ ناظر ضیافت کے فرائض انجام دینے لگے۔ ماہ احسان/جون ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کو آپ علمی مشاغل اور درس و تدریس کے لئے فارغ کر دیئے گئے اور آپ کی جگہ چوہدری حبیب اللہ خاں صاحب سیال بی۔اے واقف زندگی نے کام سنبھالا جو ماہ امان/مارچ ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء تک انچارج ضیافت لاہور رہے جس کے بعد بالآخر مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب قائم مقام ناظر ضیافت مقرر ہوئے۔ اس طرح لاہور میں لنگر خانہ کا انتظام مہمان نوازی یکم تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء سے لے کر آخر ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء تک قائم رہا۔[3]

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدنا المصلح الموعود کے طفیل خاندانِ مسیح موعودؑ کے خورد و نوش کا انتظام

ان ایام میں جبکہ ہر طرف یاس و حسرت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ غم و اندوہ اور درد و اضطراب کی لہریں دوڑ رہی تھیں اور مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے اور کوئی کسی کا پرسان حال نظر نہ آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا المصلح الموعود کی برکت سے کس طرح خاندانِ مسیح موعودؑ کے خورد و نوش کا انتظام کرا دیا؟ اس کی تفصیل خود حضور ہی کے الفاظ میں لکھی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"ہم جب قادیان سے آئے اس وقت ہمارے خاندان کی تمام جائیدادیں پیچھے رہ گئی تھیں اور ہمارے پاس کوئی روپیہ نہیں تھا۔ بعض دوستوں کی امانتوں کا صرف نو سو روپیہ میرے پاس تھا۔ ادھر ہمارے سارے خاندان کے دو سو کے قریب افراد تھے اور ان میں سے کسی کے پاس روپیہ نہیں تھا۔ اس حالت میں بھی میں نے یہ نہیں کیا کہ لنگر سے کھانا منگوانا شروع کر دوں بلکہ میں نے سمجھا کہ وہ خدا جو پہلے دیتا رہا ہے اب بھی دے گا۔ چنانچہ میں نے اپنے خاندان کے سب افراد سے کہا کہ تم فکر مت کرو سب کا کھانا اکٹھا تیار ہوا کریگا

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۵۰-۱۹۴۹ء صفحہ ۵۳-۵۵

[2] 〃 〃 〃 ۲۷-۱۳۲۶ ہش/۴۸-۱۹۴۷ء صفحہ ۳۶

[3] 〃 〃 〃 ۲۸-۱۳۲۷ ہش/۴۹-۱۹۴۸ء صفحہ ۵۳

اور ایسا ہی ہوا۔ اپنے خاندان کے تمام افراد کے کھانے کا انتظام مَیں نے کیا اور برابر کئی ماہ تک اس بوجھ کو اُٹھایا۔ آخر کسی نے چھ ماہ کے بعد اور کسی نے نو ماہ کے بعد اپنے اپنے کھانے کا الگ انتظام کیا۔ اس عرصہ میں وہ لوگ جن کا روپیہ میرے پاس امانتاً پڑا ہوا تھا وہ بھی اپنا روپیہ لے گئے اور ہمیں بھی خدا نے اس طرح دیا کہ ہمیں کبھی محسوس نہیں ہوا کہ ہم کوئی اَور تدبیر ایسی اختیار کریں جس سے ہماری روٹی کا انتظام ہو۔ مَیں جب تک لاہور نہیں پہنچا۔ ہمارے خاندان کے لئے لنگر سے کھانا آتا رہا تھا مگر جہانتک مجھے علم ہے اس کی بھی لنگر کو قیمت ادا کر دی گئی تھی اور اس کے بعد اپنے خاندان کے دو۲ سَو افراد کا بوجھ اُٹھایا۔ حالانکہ اس وقت ماہوار خرچ کھانے کا کئی ہزار روپیہ تھا۔ غرض خدا دیتا چلا گیا اور مَیں خرچ کرتا چلا گیا۔

اگر مَیں خدا تعالیٰ سے ٹھیکہ کرنے بیٹھ جاتا اور اس سے کہتا کہ پہلے میری تنخواہ مقرر کی جائے پھر مَیں کام کروں گا اور خدا تعالیٰ خواب یا الہام کے ذریعہ پوچھتا کہ بتا تجھے کتنا روپیہ چاہیئے تو اُس زمانہ کے لحاظ سے، جب میری ایک بیوی اور دو بچے تھے مَیں زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتا تھا کہ سَو روپیہ بہت ہوگا مجھے ایک سو روپیہ ماہوار دیا جائے۔ لیکن اگر مَیں ایسا کرتا تو آج کیا کرتا جبکہ میری چار بیویاں اور بائیس بچے ہیں اور بہت سے رشتہ دار ایسے ہیں جو اس بات کے محتاج ہیں کہ مَیں اُن کی مدد کروں۔ میرے وہ رشتہ دار جن کا اب بھی میرے سر پر بوجھ ہے ساٹھ ستّر کے قریب ہیں۔ اگر سو روپیہ مَیں اپنے لئے مانگتا تو ان کو ڈیڑھ ڈیڑھ روپیہ بھی نہیں آ سکتا تھا۔ پھر مَیں روٹی کہاں سے کھاتا، کپڑے کہاں سے بنواتا۔ اپنے بچوں کو تعلیم کس طرح دلاتا اور اپنے خاندان کے افراد کی پرورش کس طرح کرتا۔ بہرحال مَیں نے خدا تعالیٰ سے یہ کبھی سوال نہیں کیا کہ تُو مجھے کیا دے گا اور خدا تعالیٰ نے بھی میرے ساتھ کبھی سودا نہیں کیا۔ مَیں نے خدا تعالیٰ سے یہی کہا کہ مجھے ملے نہ ملے، مَیں تیرا بندہ ہوں اور میرا کام یہی ہے کہ مَیں تیرے دین کی خدمت کروں۔ اور اس کے بعد خدا تعالیٰ نے بھی یہی کیا کہ یہ سوال نہیں کہ تیری لیاقت کیا ہے۔ یہ سوال نہیں کہ تیری قابلیت کیا ہے۔ ہم بادشاہ ہیں اور ہم اپنے بادشاہ ہونے کے لحاظ

سے تجھے اپنی نعمتوں سے ہمیشہ متمتع کرتے رہیں گے

غرض خدا سے سچا تعلق رکھنے والا انسان ہمیشہ آرام میں رہتا ہے۔ لیکن فرض کرو وہ یہی فیصلہ کر دیتا ہے کہ ہم بھوکے مر جائیں تو کم از کم مجھے تو وہ موت نہایت شاندار معلوم ہوتی ہے جو خدا تعالےٰ کی راہ میں بھوکے رہ کر حاصل ہو بجائے اس کے ہم پیٹ بھر کر خدا تعالیٰ کے راستہ سے الگ ہو جائیں۔ اگر ہم اس کی راہ میں بھوکے مر جائیں تو خدا تعالےٰ کے سامنے ہم کتنی شان سے پیش ہوں گے۔ کتنے دعویٰ کے ساتھ پیش ہوں گے کہ ہم نے تیرے لئے بھوکے رہ کر اپنی جان دے دی۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ زندگی وقف کرنے والے نوجوانوں کے جدید حصہ میں اب وہ توکل نہیں جو ایک سچے مومن کے اندر ہونا چاہئیے۔ حالانکہ اگر سلسلہ ان کو ایک پیسہ بھی نہ دے اور وہ توکل سے کام لیں تو یقیناً زمین اُن کے لئے اُگلے گی اور آسمان ان کے لئے اپنی نعمتیں برسائے گا" ؎۱

صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی بے پناہ مشکلات اور ان کا حل

ہر نئے کام کی ابتداء میں کچھ نہ کچھ مشکلات ضرور پیش آتی ہیں مگر صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی تشکیل و تاسیس ہی مشکلات کے ناقابل عبور طوفانوں اور تند و تیز آندھیوں کے دوران ہوئی۔ قادیان کے بیرونی دُنیا سے کٹ جانے کے باعث برصغیر کی احمدی جماعتوں کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور سینکڑوں احمدی مرد، عورتیں اور بچے نہایت قابل رحم حالت اور بے سرو سامانی کے عالم میں مشرقی پنجاب سے پاکستان آرہے تھے اور یہ سلسلہ روز بروز بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اس ملک گیر سانحہ میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان کو اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کے جن بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا آج اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم تین مشکلات تو بالکل واضح تھیں :-

۱۔ ریکارڈ کی مشکلات۔ صدر انجمن احمدیہ قادیان کے دفاتر کی دستاویزات اور ریکارڈ کا معتدبہ حصہ فسادات قادیان کے فسادات میں اس خدشہ کے پیش نظر نذر آتش کر دیا گیا تھا کہ دشمن اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکے اور جو بچ رہا تھا (محاسب وغیرہ کے بعض رجسٹرات کے سوا) وہ شروع میں

؎۱ "الفضل" ۷/ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۴۔

لایا نہ جا سکا تھا۔[1]

۲۔ عملہ کی مشکلات۔ دفتروں کا قریباً سب تجربہ کار عملہ ابھی قادیان میں محصور تھا اور بدلے ہوئے حالات میں بظاہر کوئی صورت دفاتر کے قائم ہونے کی نہیں تھی۔

۳۔ مالی مشکلات۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ جماعت کا مالی نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ مشرقی پنجاب کی جماعتیں تہیدست اور بے خانماں ہو کر پہنچ رہی تھیں اور پاکستان کی جماعتوں سے بھی چندہ کا آنا بند ہو چکا تھا اور امانتوں سے روپیہ لے کر کام چلایا جا رہا تھا جیسا کہ حضور نے ۱۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو خطبہ جمعہ کے دوران بتایا کہ

"امانتوں کا سلسلہ جاری نہ ہوتا تو جہانتک دُنیاوی تدابیر کا تعلق ہے اب تک قادیان کی اینٹ سے اینٹ بج چکی ہوتی (خدانخواستہ رفع اللہ بنیانہٗ و اعزّ شانہٗ)"[2]

جہانتک ریکارڈ کا تعلق ہے اسے بعد میں آہستہ آہستہ منگوانے کا انتظام کیا گیا۔ اور فوری اور ہنگامی ضرورتوں کو پُورا کرنے کے لئے ضروری سٹیشنری لاہور ہی سے خرید لی گئی۔

عملہ کی کمی صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے لئے ایک نہایت پریشان کن مسئلہ تھا جس کا حل حضرت مُصلح موعود نے یہ فرمایا کہ ۱۱ تبوک/ستمبر کی صبح روزانہ منعقد ہونے والی میٹنگ کے دوران یہ حکم دیا کہ صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر میں کام کرنے کے لئے خدام الاحمدیہ میں تحریک کی جائے کہ نوجوان آگے آئیں اور اپنے آپ کو والنٹیر کریں کہ وہ دفاتر میں کام کریں گے اور ایسے خدام کی فہرست نظارت علیا رکھے کہ کون سے خدام کب اور کتنے عرصہ کے لئے دفاتر کے کام میں مدد دے سکتے ہیں۔ حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب نے اسی روز قائد مجلس خدام الاحمدیہ لاہور قریشی محمود احمد صاحب ایڈووکیٹ کو حضور کا یہ فرمان پہنچاتے ہوئے لکھا کہ "لاہور کے خدام میں آپ تحریک کریں اور جو خدام کم از کم ایک ماہ دے سکیں ان کی فہرستیں جن میں ان کی تعلیمی قابلیت، عمر اور عام صحت کا ذکر ہو"

حضرت المصلح الموعود نے میٹنگ کے دوران ہدایت جاری فرمانے کے علاوہ اگلے روز خطبہ جمعہ

---

[1] رپورٹ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۲۷-۱۳۲۶ ہش/۴۸-۱۹۴۷ء

[2] "الفضل" ۳۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۳

میں بھی عام تحریک کرتے ہوئے اظہارِ افسوس فرمایا کہ روزانہ جالندھر، ہوشیارپور اور دوسرے علاقوں کے لوگ ہمارے پاس آتے ہیں اور ہمیں ان کے لئے مختلف کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے مگر یہ نظر نہیں آتا کہ کس سے کام لیں۔ حضور نے اس خطبہ میں جماعتِ لاہور کی ذمہ داریوں کی طرف نہایت پُرجلال طریق سے توجہ دلائی جس پر متعدد احمدیوں نے سلسلہ کی رضاکارانہ خدمات کے لئے اپنے تئیں پیش کر دیا۔ ان خدام دین میں سے بعض وہ اصحاب بھی تھے جو لاہور یا بیرونی شہروں سے اپنا کاروبار بند کر کے یا رخصت لے کر آ گئے۔ مثلاً چوہدری فضل احمد صاحب کراچی، چوہدری لطیف احمد صاحب کراچی[۱]، قریشی محمد طفیل صاحب اختر، بابو عبدالمجید صاحب آڈیٹر، شیخ محبوب الٰہی صاحب لاہور، عبدالحمید صاحب عارف، چوہدری عبدالرحمٰن صاحب (خلف الصدق حضرت چوہدری غلام محمد صاحب مینجر نصرت گرلز ہائی سکول قادیان[۲])، چوہدری عبداللہ خاں صاحب۔

لاہور کے ان خدام میں سے جنہیں ان دنوں سلسلہ احمدیہ کے اعزازی کارکن کی حیثیت سے کام کرنے کا موقعہ ملا، شیخ نور احمد صاحب (ایڈووکیٹ) بھی تھے۔ ذیل میں ہم شیخ صاحب موصوف کا ایک بیان درج کرتے ہیں جس سے ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے ہنگامی حالات کا صحیح اندازہ لگانے میں آسانی ہوگی۔

آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"میں ان دنوں لاء کالج میں متعلم تھا مگر تعطیلاتِ گرما کے باعث صرف ۱۸ روز پیشتر ایک فوجی افسر کی نوازش سے آرڈیننس ڈپو لاہور چھاؤنی میں بطور سینئر کلرک دو ماہ کے لئے ملازم ہوا تھا۔ حضور پُرنور کی مقدس زبان سے یہ الفاظ سُنتے ہی دل میں ارادہ کر لیا کہ جمعہ کی نماز کے فوراً بعد اپنی خدمات رضاکارانہ طور پر پیش کر دوں گا۔ چنانچہ نماز سے فارغ ہوتے ہی متعلقہ دفتر میں استعفیٰ لکھ کر بھیج دیا اور جودھامل بلڈنگ پہنچ کر دفتر میں آپ (یعنی حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب۔ ناقل) کی خدمت میں حاضر ہوا جو اُن دنوں ناظرِ اعلیٰ تھے۔ آپ کے مشفقانہ استفسار پر خاکسار نے اپنے کوائف اور ارادہ کا اظہار کیا تو بہت خوش ہوئے اور مُسکراتے ہوئے فرمایا کہ ابھی (ابوالمنیر) مولوی نورالحق صاحب ناظر انخلاء کی طرف سے ایک

---

[۱] برادر اصغر چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر بی۔ اے مبلغ امریکہ جو ہوائی جہاز کے ایک حادثہ میں جاں بحق ہو گئے۔

[۲] "اصحاب احمد" جلد سوم طبع دوم صفحہ ۲۰۹ حاشیہ (مؤلفہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے قادیان)

کارکن کے لئے شدید مطالبہ ہو رہا تھا۔ آپ نے مجھے ان کے پاس بھیج دیا۔ . . . . .
ناظر صاحب انخلاء نے مجھے فرمایا کہ دو تین چوہڑے لے کر سیمنٹ بلڈنگ کو صاف کراؤ۔ اور چوہڑوں کے لئے غالباً دو تین روپے بھی دیئے۔ وہاں جا کر دیکھا تو ہر منزل، ہر کمرہ، سیڑھیاں غرض ہر جگہ کو مہاجرین نے واقعی بیت الخلاء بنا رکھا تھا اور خوفناک تعفّن پیدا ہو چکا تھا خاکسار اور دونوں خاکروبوں نے مل کر دو اڑھائی گھنٹے میں صفائی کی اور پھر دفتر آکر رپورٹ پیش کی۔ بعد ازاں ناظر صاحب انخلاء مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب نے مجھے ناظر صاحب اعلیٰ کے پاس بھجوا دیا۔ حضرت نواب زادہ صاحب کو مَیں نے سارا واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا۔ مجھے سخت فکر اور غم لگا ہوا تھا کہ سیمنٹ بلڈنگ میں غلاظت کے باعث بچّے اور عورتیں کسی بیماری کا شکار نہ ہو جائیں۔ اب مجھے اطمینان ہو گیا ہے۔ اس وقت آپ کا دلرُبا تبسّم اور جذبات اتقاء کا اختلاط عجیب قسم کا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ آپ کے دل و دماغ پر جہاں داغِ ہجرت کا جانگداز احساس مستولی ہے وہاں خدا کے مامور رسُول کی تخت گاہ اور راحت بھرے نشیمن سے دستِ قدرت کے اُڑائے ہوئے طیور کی آسائش و آرام اور بہبودی کا جذبہ بھی موجزن ہے۔

آپ ان دنوں انضباط اوقات کو دفتر میں بالکل ملحوظ نہ رکھتے تھے بلکہ ایک لحاظ سے چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی سرانجام دیتے تھے کیونکہ سارا دن مختلف دفتروں میں مختلف امور کے متعلق سرکاری حکام یا دیگر لوگوں سے ملاقاتیں کرنا پڑتی تھیں اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ابھی آکر بیٹھے ہیں کہ ایک فون آگیا جس کو سُنتے ہی پھر چلے گئے یا حضرت اقدس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے کسی ہنگامی کام کے لئے بُلوا بھیجا۔ اس طرح عشاء کے وقت تک تو مَیں نے عموماً آپ کو کام کرتے دیکھا۔ آپ کی طبیعت میں عجیب قسم کا سکون، تحمّل، بردباری، کیفیتِ اتقاء، حسن صورت و سیرت، جذبۂ اخوت و ہمدردی اور مفوضہ فرائض کی سرانجام دہی میں انتھک سعی اور استغراق پایا جاتا تھا۔ . . . .

غالباً دو تین دن اپنے دفتر میں رکھنے کے بعد حضرت نواب صاحب نے مجھے حضرت نواب محمد دین صاحب کی خدمت میں بھیج دیا جو اُن دنوں ناظر دعوت و تبلیغ تھے۔ اس سے پہلے

اُن سے تعارف نہ تھا۔ حُسنِ اتفاق سے دونوں نواب صاحبان کا حُسنِ انتخاب عمل میں آیا تھا۔ عُمر کے لحاظ سے ایک جوان اور دوسرے ضعیف العمر مگر جنونِ مومنانہ، فعالیت، جذبۂ ایثار اور انتھک عملی زندگی کے اعتبار سے دونوں میں فرق قائم کرنا مشکل تھا حضرت نواب محمد دین صاحب سارا سارا دن اپنی رفاقت شعار شیوہ کے کارمیں مختلف النوع جماعتی امور کی تکمیل کے سلسلہ میں متعلقہ دفاتر اور محکمہ جات میں افسران مجاز سے ملاقاتیں کرتے تھے اور خاکسار کو ہر وقت ساتھ رکھتے اور ساتھ ساتھ مختلف امور نوٹ کراتے جاتے۔ آپ للّٰہیت اور حسنِ اخلاق اور عشقِ احمدیت کا نمونہ تھے۔ تعطیلات کے اختتام پر اور فسادات کی حالت اچھی ہونے پر لاء کالج میں پڑھائی شروع ہو گئی تو اس خیال سے کہ کام کی شدت اور وسعت بھی کم ہو چکی تھی مَیں نے حضرت نواب صاحب سے مناسب الفاظ میں ذکر کیا تو آپ نے محبت بھرے دعائیہ الفاظ میں رخصت کیا۔"[1]

اگرچہ حضرت امیرالمومنین کی آواز پر متعدد احمدیوں نے لبیک کہی مگر جب تک قادیان سے ۱۶/ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ ہش ۱۹۴۷ء کا آخری کانوائے نہیں آگیا عملہ کی قلت بدستور قائم رہی۔ یہی وجہ ہے کہ رتن باغ میں جہاں ناظر اعلیٰ کی طرف سے ضروری اطلاعات کے لئے ایک بورڈ لگوا دیا گیا تھا۔ ۶/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو چاک سے حسب ذیل اعلان لکھوایا گیا:-

"احباب موجودہ حالات کی نزاکت سے بخوبی واقف ہیں کہ کس طرح سلسلہ عالیہ اور اس کے افراد پر ایک ناگہانی ابتلاء پیش آیا ہے۔ اس وقت جو محکمے لاہور میں کام کر رہے ہیں وہ کارکنوں کی قلّت کی وجہ سے اپنے فرائض بخوبی انجام نہیں دے سکتے اور احباب کی پوری مدد نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ایسے احباب جو کسی نہ کسی صورت میں جو خدمت انجام دے سکتے ہوں مثلاً کلرک، ٹائپسٹ، حساب دان، ڈاکٹر، کمپونڈر وغیرہ وغیرہ بہت جلد ناظر صاحب اعلیٰ کے دفتر میں اپنا نام دیتے مع دیگر تفصیلات متعلق صلاحیت خدمت درج کرائیں اور اس طرح اجر عظیم کے مستحق ہوں۔ امید ہے کہ احباب بہت جلد توجہ فرمائیں گے"

یہ اعلان اس دَور کی دفتری مشکلات کی مُنہ بولتی تصویر ہے چنانچہ مولانا جلال الدین صاحب

---

[1] "اصحاب احمد" جلد ۱۲ سیرت حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحبؓ صفحہ ۱۳۹ - ۱۴۱ +

شمس قائم مقام ناظر اعلیٰ نے صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی سال اوّل کی رپورٹ میں تحریر فرمایا:۔

"پُرانے اور کہنہ مشق کارکنوں کی جگہ نئے اور اعزازی کارکنوں نے لے لی اور وہ رات اور دن نہایت اخلاص اور محنت کے ساتھ سلسلہ کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو دین و دنیا میں بہتر سے بہتر جزا دے۔ لیکن یہ امر ظاہر ہے کہ یہ نئے اور اعزازی کارکن جن کو پہلے صدر انجمن احمدیہ کے کاموں کا تجربہ نہیں تھا اس کمی اور خلاء کو پورا نہیں کر سکتے تھے، جو تجربہ کار پُرانے کارکنوں کی عدم موجودگی میں پیدا ہو چکا تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ . . .

. . . کوئی مؤثق ریکارڈ نہیں رکھا جا سکا"

پھر لکھا :۔

"عملہ . . . کے جو افراد قادیان میں تھے وہ یکے بعد دیگرے جنوری ۱۹۴۸ء تک لاہور آ گئے اور مفوضہ کام ان کے سپرد کر کے اعزازی کارکنوں کو شکریہ کے ساتھ فارغ کر دیا گیا۔"[۱]

مالی مشکلات۔ جماعت کا پورا نظام چندوں پر چل رہا تھا۔ لیکن چندوں کی آمد ملکی ذرائع و وسائل کے محدود و مخدوش ہونے کے باعث یکسر معطل ہو چکی تھی جو نہایت درجہ تشویش انگیز امر تھا۔ اس تعلق میں حضور نے کیا اقدام فرمایا۔ اس بارہ میں جناب مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب کا بیان ہے کہ:۔

"حضور رضی اللہ عنہ نے صدر انجمن کے قیام کے ساتھ ہی ہدایت فرمائی کہ چونکہ چندے نہیں آ رہے اس لئے ہر محکمہ کو کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ خود کفیل بنے اور اپنے اخراجات کو چلانے کی تجویز کرے۔ ان حالات کا تھوڑا سا اندازہ دو واقعات سے ہو سکتا ہے۔ صدر انجمن کے قیام کے بعد حضور نے مکرم مولوی محمد صدیق صاحب کو جودھامل بلڈنگ میں ایک دوکان کھلوا دی تاکہ اس کی تجارت کے ساتھ کوئی آمد کا ذریعہ پیدا ہو سکے۔ چنانچہ کافی عرصہ تک ان کو یہ کام کرنا پڑا۔ اسی طرح سے خاکسار کو ارشاد فرمایا کہ اپنے محکمہ کے کام کو چلانے کے لئے تم مالٹے بیچا کرو چنانچہ خاکسار مالٹوں کا ٹرک بھر کر روز واہگہ بارڈر پہ جاتا اور اس سے جو آمد ہوتی اس کی رپورٹ حضور کو دیتا تھا۔ ان حالات میں صدر انجمن احمدیہ کے ناظران اور عملہ نے کام شروع کیا۔ ناظر صاحب بیت المال کو حضور کا یہ ارشاد تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے وہ چندوں کی فراہمی

---

[۱] رپورٹ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۱۳۲۶-۲۷ ہش ۱۹۴۷-۴۸ء صفحہ ۵۱۔

کے لئے کوشش کریں تاکہ ان اخراجات کو جن کا کرنا ضروری تھا، کیا جا سکے۔ اسی طرح سے دیگر محکمہ جات کو بھی ہدایات دیں"[له]

۱۳۲۶-۲۷ہش / ۱۹۴۷-۴۸ء کا بجٹ اور پاکستان میں ابتدائی چار ایام کی آمد کے اعداد و شمار

متحدہ ہندوستان میں صدر انجمن احمدیہ کے آخری مطبوعہ بجٹ (بابت ۱۳۲۶-۲۷ہش / ۱۹۴۷-۴۸ء) کے مطابق آمد و خرچ کا تخمینہ یہ تھا:-

آمد

نمبر شمار	مدّات	رقم
۱	چندہ عام ۳۴۰۰۰۰ حصہ آمد ۴۲۰۰۰۰ چندہ مستورات ۳۰۰۰	۷۶۳۰۰۰
۲	آمد دیگر مدّات صدر انجمن احمدیہ	۴۷۴۸۵۶
۳	جلسہ سالانہ	۶۰۰۰۰
۴	آمد برائے اخراجات مشروط بہ آمد	۲۹۶۴۸
۵	آمد تعلیم الاسلام کالج و فضل عمر ہوسٹل	۱۱۴۰۲۲
۶	چندہ خاص	۱۲۷۷۵۱
	میزان	۱۵۶۹۳۷۷
۷	آمد صیغہ جات امانتی	۲۶۳۸۴۰
۸	آمد زکوٰۃ	۲۶۰۰۰
۹	آمد خاص جو خاص اخراجات کے لئے مخصوص تھی	۲۳۴۵۰۳
	کل میزان	۲۰۹۳۶۲۰

له غیر مطبوعہ

خرچ

نمبر شمار	مدات	رقم
۱-	اخراجات معمولی	۱۲۷۷۲۷۲
۲-	جلسہ سالانہ	۶۰۰۰۰
۳-	مشروط بہ آمد	۲۹۶۴۸
۴-	تعلیم الاسلام کالج و فضل عمر کالج کمیٹی	۲۰۲۳۵۷
	میزان	۱۵۶۹۲۷۷
۵-	صیغہ جات امانتی صدر انجمن احمدیہ	۲۶۳۸۴۰
۶-	زکوٰۃ	۲۶۰۰۰
۷-	خاص اخراجات	۲۳۴۵۰۳
	کل میزان	۲۰۹۳۶۲۰

اس بجٹ کے مطابق اگر کم از کم پونے دو لاکھ روپے ماہوار آمد جاری رہتی تو پھر اخراجات مجوزہ پورے ہو سکتے تھے مگر صورت یہ تھی کہ ایک عرصہ سے آمد قطعی بند تھی اور روپیہ بے شمار خرچ ہو رہا تھا بلکہ اب جو صدر انجمن احمدیہ پاکستان قائم ہوئی تو اس کا آغاز مالی اعتبار سے نہایت دلشکن اور تکلیف دہ صورت حال کے ساتھ ہوا جس کے ثبوت میں ہم اس انجمن کے پہلے چار دنوں کے اعداد و شمار درج ذیل کرتے ہیں جو نظارت علیا کے مستند ریکارڈ سے اخذ کئے گئے ہیں:-

تاریخ	آمد کی تفصیل		میزان
یکم تبوک ۱۳۲۶ھش / ستمبر ۱۹۴۷ء	حفاظت مرکز -/۱۵	تحریک جدید -/۸۳ (احباب لاہور سے یہ رقم آئی)	۰ — ۹۸

تاریخ	آمد کی تفصیل	میزان
۲؍تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء	حفاظت مرکز ۳۸۸/-/۰ ، تحریک جدید ۱۲۸/۸/۰ ، حصہ آمد ۱۲۸/۶/۹ ، چندہ عام ۱۲۴/۰/۰ ، چندہ جلسہ سالانہ ۲۳/-/۰ ، کشمیر فنڈ ۲/۸/۰ ، برائے اشاعت کشتی نوح ۲۰/-/۰ ، مساکین ۱/۶/۶ ، قطرانہ ۱۸/-/۰ ، غلہ فنڈ ۱۸/-/۰ ، غلہ فنڈ ۲/-/۰ ، الفضل ۲/۱۲/۰	روپے ۹۳۹ ، آنے ۹ ، پائی ۶
۳؍تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء	حفاظت مرکز ۱۱۰/-/۰ ، حصہ آمد ۱۱۰/-/۰ ، الفضل ۹/-/۰	۲۲۹ ـــ ـــ
۴؍تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء	حفاظت مرکز ۱۹۰/-/۰ ، حصہ آمد ۶۰/-/۰ ، چندہ عام ۱۰۰/-/۰ ، مساکین ۵/-/۰ ، تحریک جدید ۱۰۰/-/۰	۴۵۵ ـــ ـــ

"امانت فنڈ" کی برکت سے ہزاروں احمدیوں کا مالی استحکام

۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء کے سکھ مسلم فسادات میں مشرقی پنجاب کے لاکھوں مسلمان اپنے گھروں سے زبردستی نکال کر پاکستان کی طرف دھکیلے جا رہے تھے۔ پاکستان پہنچنے والے ان مظلوم، بے بس اور بیکس پناہ گزینوں کی حالت ناقابل بیان حد تک دردناک تھی۔ وہ بمشکل اپنی جانیں بچا کر پہنچے اور کوڑی کوڑی کے محتاج ہو گئے حتی کہ اکثر وہ مسلمان رؤسا جو شاہانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے اور معقول جائیدادوں کے مالک تھے اور بھاری رقوم اپنے یہاں نقد رکھتے تھے جب اپنے گھروں سے نکلے، یا نکالے گئے، تو بالکل خالی ہاتھ تھے۔ یہی کیفیت مشرقی پنجاب سے آنے والے اکثر و بیشتر احمدیوں کی تھی۔ لیکن جن احمدیوں نے اپنے مقدس آقا کی آواز پر قبل از وقت لبیک کہتے ہوئے اپنی رقوم صدر انجمن احمدیہ قادیان یا تحریک جدید کی امانت فنڈ میں جمع کرا دی

تھیں۔ ان کا جمع شدہ تمام سرمایہ چونکہ حضرت مصلح موعود کی بروقت توجہ اور ذہانت و بصیرت کے طفیل بذریعہ ہوائی جہاز بالکل محفوظ صورت میں پہلے ہی پاکستان پہنچ چکا تھا۔ اس لئے جونہی وہ پاکستان پہنچے انہیں ان کے طلب کرنے پر پُورے کا پُورا روپیہ مل گیا اور ان کی مالی حالت میں یکایک استحکام پیدا ہوگیا اور جہاں دوسرے لاکھوں پناہ گزین دربدر ٹھوکریں کھاتے پھر رہے تھے یا کیمپوں میں گل سڑ رہے تھے وہاں ان کی مختلف تجارتیں اور دیگر کاروبار کامیابی سے چل نکلے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے یکم فتح/دسمبر ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء کو "امانت فنڈ" کی اس حیرت انگیز برکت اور خدا تعالیٰ کے مالی نشان پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے بیان فرمایا:-

"جس وقت ہم قادیان سے نکلے ہیں اس وقت وہی لوگ محفوظ رہے ہیں جن کی امانتیں تحریک جدید یا صدر انجمن احمدیہ میں تھیں۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے روپیہ واپس لے لیا اور کاروبار شروع کئے۔ اب ان میں سے بعض بڑی بڑی تجارتوں کے مالک ہیں۔ دوسرے لوگ لُٹ گئے لیکن یہ لوگ بچ گئے۔ خدا تعالیٰ نے فضل کر دیا کہ جن بنکوں میں جماعت کا روپیہ تھا انہوں نے دیانت داری سے کام لیا اور ہمارا روپیہ واپس کر دیا۔ ہمارے عملہ نے تو سُستی کی لیکن جب ہم لاہور پہنچے تو مَیں نے کہا روپیہ فوراً نکلوا لو۔ مجھے کہا گیا کہ روپیہ نکلوانے کی کیا ضرورت ہے؟ بنکوں میں محفوظ پڑا ہے، پڑا رہے۔ لیکن مَیں نے کہا حالات ایسے ہیں کہ اگر اب روپیہ نہ نکلوایا گیا تو بعد میں بہت سی دقتیں پیدا ہوجائیں گی۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۴۷ء کے مہینہ میں ہی دفتر نے روپیہ پاکستان تبدیل کروا لیا اور سلسلہ ایک بڑے صدمے سے بچ گیا۔ اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ نہ کوئی روپیہ واپس لا سکتا ہے اور نہ ہندوستان بھیج سکتا ہے۔ چونکہ سوائے اتنے روپے کے جس کی قادیان والوں کو ضرورت تھی باقی سارا روپیہ واپس آگیا تھا اس لئے لاکھوں لاکھ روپیہ انجمن بلا تکلف واپس دیتی چلی گئی اور اب بیسیوں نہیں سینکڑوں ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اس روپیہ سے تجارتیں جاری کیں۔ اگر ان کا روپیہ یہاں نہ ہوتا تو سکھوں نے لُوٹ لینا تھا لیکن اب ان میں سے بعض لکھ پتی ہیں۔

غرض یہ فائدہ بخش چیز بھی ہے اور خدمتِ دین بھی ہے۔ اس میں برکت ہی تھی کہ امانت رکھنے والوں نے یہ خیال کیا کہ روپیہ بے فائدہ گھر پڑا ہے اُسے دفتر میں رکھ دیں تاکہ وقتی

طور پر اس سے سلسلہ فائدہ اُٹھالے اور نیک نیتی کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے انہیں بڑی ٹھوکر سے بچا لیا۔ یہاں پہنچ کر مَیں سمجھتا ہوں کہ پندرہ سولہ لاکھ کے قریب روپیہ لوگ واپس لے چکے ہیں۔" [1]

"امانت فنڈ" کے ان شاندار اور شیریں ثمرات کا اقرار احمدیت کے بدترین مخالفوں کو بھی کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ لائل پور کے ہفت روزہ "المنبر" نے اپنی ۲؍مارچ ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"تقسیم ملک کے وقت مشرقی پنجاب کی یہ واحد جماعت ہے جس کے سرکاری خزانہ میں معتقدین کے لاکھوں روپے جمع تھے اور جب یہاں مہاجرین کی اکثریت بے سہارا ہو کر آئی تو قادیانیوں کا سرمایہ جوں کا توں محفوظ پہنچ چکا تھا۔ اس سے ہزاروں قادیانی بغیر کسی کاوش کے از سر نو بحال ہو گئے۔"

"لوائے احمدیت" کا پاکستان میں منتقل کیا جانا

۳؍تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کا دن سلسلہ احمدیہ میں خاص اہمیت کا حامل ہے اس لئے کہ اس دن حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ناظر اعلیٰ قادیان نے حضرت قمر الانبیاء کی خصوصی ہدایت پر "لوائے احمدیت" کا بکس پاکستان بھجوا دیا۔ یہ یادگار بکس مرزا عبد الغنی صاحب محاسب صدر انجمن احمدیہ لائے تھے۔

حضرت سیدنا المصلح الموعود کا پاکستان میں پہلا خطبہ جمعہ اور مستقبلِ احمدیت سے متعلق پُرشوکت پیشگوئی

حضرت سیدنا المصلح الموعود نے پاکستان میں پہلا خطبہ جمعہ ۵؍تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو ارشاد فرمایا۔

خدا کے برگزیدہ خلفاء معرفت و بصیرت کے کتنے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ مقام پر کھڑے ہوتے ہیں اور انہیں اپنے پیارے رب کے پاک وعدوں پر کتنا زبردست یقین ہوتا ہے؟ اس کا اندازہ حضور کے اس پہلے خطبہ ہی سے بخوبی لگ سکتا ہے جس میں حضور نے از حد نامساعد اور ناموافق حالات میں واضح پیشگوئی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان ابتلاؤں میں تحریکِ احمدیت کو یقینی طور پر کامیابی بخشے گا۔

---

[1] "الفضل" ۱۹؍فتح/دسمبر ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء صفحہ ۵ کالم ۳-۴۔

چنانچہ حضور نے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا :-

" آج جبکہ لاکھوں انسان موت کے گھاٹ اُتارا جا رہا ہے یا موت کے مقام سے بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے لمبی باتیں اور لمبی کہانیاں کچھ فائدہ نہیں دے سکتیں۔ ایسے خطرناک وقت میں سوچنے اور کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ وقت قربانی اور ایثار کا ہوتا ہے نہ کہ باتیں کرنے کا۔ آجکل ہماری جماعت جن مشکلات میں سے گذر رہی ہے ، شاید باقی جماعتیں ان مشکلات میں سے نہیں گذر رہیں بلکہ شاید کیا یقیناً دوسری جماعتوں کو اس قسم کی مشکلات درپیش نہیں ہیں جو ہماری جماعت کو درپیش ہیں کیونکہ ہمارا مرکز ہاں وہ مرکز جو ہماری امیدوں کی آماجگاہ ہے اور جس کا نام سُن کر ہمارے دل دھڑکنے لگتے ہیں وہ ایسے حالات سے دوچار ہو رہا ہے کہ دنیوی اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ پس سب سے زیادہ مشکلات ہمارے لئے ہیں۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ جو مشکلات ہمیں پیش آئی ہیں وہ انسانی تدبیر سے بالا تھیں۔ میرے نزدیک یہ مشکلات ایسی ہیں کہ اگر صحیح تدابیر اختیار کی جاتیں تو یہ حالات پیدا ہی نہ ہوتے اور عام مسلمانوں کو بھی اور احمدیوں کو بھی یہ مشکلات پیش نہ آتیں۔ لیکن اب وقت ہاتھ سے نکل چکا ہے اور نکتہ چینی کا کوئی فائدہ نہیں۔

جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے ایسے اوقات قربانی اور کام کرنے کے ہوتے ہیں۔ مگر بہرحال ایک دفعہ دُنیوی لحاظ سے ہماری جماعت کی بنیادیں بظاہر ہل گئی ہیں اور اب اللہ تعالیٰ امتحان لینا چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ از سرنو ان بنیادوں کو مضبوط کیا جائے اور اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کتنے ہیں جو ایمان اور اخلاص کے میدان میں پُورے اُترتے ہیں اور کتنے ہیں جو قربانی اور ایثار سے کام لے کر اپنے ایمانوں پر مُہر ثبت کرتے ہیں۔ انہی مسائل پر روشنی ڈالنے کے لئے مَیں قادیان سے آیا ہوں کہ جماعت کے سامنے ان امور کو پیش کروں جن کے متعلق مَیں مشورے کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ مَیں آج جماعت سے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ یہ اس کے امتحان کا وقت ہے ایسے موقع پر ہر شخص کو مردِ میدان ثابت ہونا چاہیئے . . . . . . اور جو شخص ایسے وقت میں مردِ

میدان ثابت نہیں ہوتا اُسے پکڑ کر کھڑا رکھنا بھی جائز نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کو اب جلدی ہی جماعت سے علیحدہ ہونا پڑیگا۔ اب جماعت کو ایسے امتحانات پیش آنے والے ہیں کہ جن کے بعد وہی لوگ اس جماعت میں شامل رہ سکیں گے جو قربانیوں میں شامل ہونگے باقی لوگوں کو ان کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا جائے گا۔ وہ زمانہ چلا گیا کہ جب ہم یہ کہتے تھے کہ یہ کچھ ہماری طرف سے خدا کے لئے پیش ہے۔ اب وہ زمانہ آگیا ہے جبکہ ہم یہ نہ کہیں گے کہ یہ چیز ہماری طرف سے پیش ہے بلکہ اب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ منتظم ہم سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے مال میں سے اتنا ہم تم کو دیتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو ایسی قربانی سے بچنے کی کوشش کرے گا جماعت میں شامل نہیں رہ سکے گا۔ اگر نوّے فیصدی لوگ بھی اس ابتلاء میں گر جائیں تو بھی مَیں یقین رکھتا ہوں کہ بقیہ جماعت سینکڑوں گنا زیادہ کام کر سکے گی۔ پس تم میں سے ہر شخص کو دُعاؤں میں لگ جانا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اسے احمدیت میں ثابت قدم رکھے اور سچی قربانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ایک دن وقت میں ہم امن میں رہنے والے جنگ وجدال میں مبتلا کر دیئے گئے اور پُر امن ہندوستان میں رہنے والے پاکستان میں پھینک دیئے گئے۔ لیکن اگر یہ صحیح ہے کہ اس دُنیا کا پیدا کرنے والا کوئی خدا ہے۔ اور اگر یہ صحیح ہے کہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا دین سچا ہے اور اللہ تعالےٰ کا قائم کردہ دین ہے اور اگر یہ درست ہے کہ جب رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دین میں کمزوری پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا تاکہ آپ دوبارہ اس دین کو قائم کریں تو پھر یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ سُورج ڈوبے اور پھر نہ چڑھے اور ہم اس کے چڑھنے کا انتظار کرتے رہیں یا سُورج چڑھے اور وہ نہ ڈوبے اور ہم اس کے ڈوبنے کا انتظار کرتے رہیں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ بڑی سے بڑی آفت بھی اسلام کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق پُرانی کتابوں میں آتا ہے کہ وہ کونے کا پتھر ہے جس پر وہ گرے گا اسے چکنا چُور کر دے گا اور جو اس پر گرے گا وہ بھی چکنا چُور ہوگا۔ سو یقیناً ہم آئندہ ابتلاؤں میں کامیاب ہوں گے لیکن یہ خوشی انہی کے لئے ہوگی جو اس وقت ہلاکت کے سمندر میں

اپنے آپ کو یہ کہتے ہوئے ڈال دیں گے کہ ؎

ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم"[1]

اس پہلے خطبہ جمعہ کے بعد حضور نے بار بار مختلف پیرایوں اور کھلے لفظوں میں یہ بھی پیشگوئی فرمائی کہ جماعت احمدیہ موجودہ خونی انقلاب سے صحیح سلامت گذرنے کے بعد عنقریب پہلے سے زیادہ قوت وشوکت حاصل کرے گی۔ مثلاً ۱۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے دوسرے خطبہ جمعہ میں حضور نے یہ بشارت دی کہ

"اس زمانہ میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی خدمت کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا ہے اور خدا نے اپنے ہاتھ سے ہماری جماعت کو قائم کیا ہے۔ خدا اپنے لگائے ہوئے پودے کو دشمن کے (ہاتھ) سے کبھی تباہ نہیں ہونے دے گا۔ خدا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا اس ملک میں کبھی نیچا نہیں ہونے دے گا۔ خدا قرآن کو اس ملک میں کبھی ذلیل نہیں ہونے دے گا۔ وہ ضرور ان کو پھر عزت بخشے گا اور ان کو فتح و کامرانی عطا کرے گا۔ ہاں اگر ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے یہ ابتلاء لمبا ہو جائے تو اور بات ہے ورنہ خدا تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ اسلام کی فتح ہو، محمد رسول اللہؐ کی فتح ہو اور پھر اسلام کا جھنڈا دنیا کے تمام جھنڈوں سے اونچا لہرائے"[2]

اسی طرح ۲۵ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو رتن باغ میں ایک رویاء کی تعبیر میں فرمایا کہ

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات خواہ بظاہر کیسے ہی خطرناک ہوں ہمیں خدا تعالیٰ موجودہ مینار سے زیادہ شاندار مینار عطا فرمائے گا اور ہماری طاقت اور قوت میں اضافہ فرمائے گا"[3]

---

[1] "الفضل" ۱۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱، ۲۔

[2] "الفضل" ۳۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸ کالم ۲-۳۔

[3] "الفضل" یکم اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱-۲۔

حضور نے ۳ر اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء یعنی عین اس روز جبکہ قادیان پر براہ راست حملہ کیا گیا تھا خطبہ جمعہ میں یہانتک فرمادیا کہ

"موجودہ ابتلاء تو کوئی چیز نہیں ہم سمجھتے ہیں اگر سارے احمدی مارے جائیں اور صرف ایک پودا اللہ تعالیٰ رکھ لے تو اس سے احمدیت پھر دوبارہ ترو تازہ ہو جائے گی اور خدا کی باتیں کبھی پوری ہونے سے رہ نہیں سکیں گی۔" [1]

ازاں بعد ۲۴ر اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے خطبہ جمعہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک لطیف کشف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہماری جماعت پر اس وقت ایک مصیبت آئی ہے لیکن یہ مصیبت ایسی نہیں جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں پہلے سے خبر نہ مل چکی ہو۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک رویا، اس طرف صریح طور پر اشارہ کر رہا تھا اور گو اس رویا کے اور معنی ہماری جماعت پہلے کرتی رہی ہے اور وہ معنی بھی اپنی جگہ پر درست تھے مگر اس کے دوسرے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ہم ایک نیا آسمان اور نئی زمین بنا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس رویاء میں اسی زمانے کے متعلق پیشگوئی کی گئی ہو۔ جب قادیان کے آسمان اور زمین کو دشمن نے بدل دینا تھا۔ اور بتایا گیا ہو کہ تم اپنے لئے ایک آسمان اور زمین بناؤ گے مگر دشمن اسے تباہ کر دے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں پھر توفیق دے گا کہ تم ایک نیا آسمان اور نئی زمین بناؤ۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اب وہی وقت آگیا ہے جب ہمیں ایک نئے آسمان اور نئی زمین کی ضرورت ہے" [2]

حضرت اقدس نے اسی خطبہ کے دوران مزید فرمایا:۔

"اس وقت سارے مسلمانوں پر ایک مصیبت کا دَور آیا ہوا ہے اور ہم بھی اس دَور میں سے گذر رہے ہیں۔ مگر یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے درخت اپنی

---

[1] "الفضل" ۱۰ر اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۷ کالم ۱-۲۔

[2] "الفضل" ۳۱ر اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳ کالم ۳۔

جگہ سے اکھیڑے جاتے اور پھر دوسری جگہ اس لئے لگائے جاتے ہیں کہ ان کا پھل پہلے سے زیادہ لذیذ اور میٹھا ہو۔ اس وقت دنیا نے دیکھنا ہے کہ ہماری پہلی ترقی آیا اتفاقی تھی یا محنت اور قربانی کا نتیجہ تھی۔ اگر تو وہ اتفاقی ترقی تھی اور ہماری محنت اور قربانی کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا تو یہ یقینی بات ہے کہ ہم دوبارہ اپنی جڑیں زمین میں قائم نہیں کرسکیں گے۔ اور اگر پہلی ترقی اتفاقی نہیں تھی بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل اور ہماری کوششوں اور محنتوں اور قربانیوں کا نتیجہ تھی تو پھر یہ یقینی بات ہے کہ موجودہ مصیبت ہمارے قدم کو متزلزل نہیں کرسکتی بلکہ اس کے ذریعہ سے ہماری جڑیں اَور بھی پاتال میں چلی جائیں گی اور ہماری شاخیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں گی۔" [1]

۷/تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء کی اہم مشاورت میں اہم جماعتی فیصلے

سیدنا المصلح الموعود نے صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی تشکیل کرنے کے ساتھ ہی (یکم تبوک/ستمبر کو) یہ فیصلہ بھی فرمایا کہ جماعت احمدیہ کی تنظیمِ نَو سے متعلق حضور کے مدنظر جو پروگرام ہے اس کی تفصیلات طے کرنے کے لئے ۷/تبوک/ستمبر کو نمائندگان جماعت کی فوری مشاورت منعقد کی جائے جس کا مقام رتن باغ اور وقت صبح نو بجے مقرر فرمایا۔ اس سلسلہ میں نہ صرف مکرم شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے پاکستانی جماعتوں کو سائیکلو سٹائل کئے ہوئے سرکلر[2] سے اطلاع دی گئی بلکہ اس کا اعلان ریڈیو پاکستان سے بھی نشر کیا گیا۔

---

[1] "الفضل" ۳۱/اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳ کالم ۱-۲۔

[2] (نقل مطابق اصل) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود۔ ھوالناصر۔ خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔ لاہور یکم ستمبر ۱۹۴۷ء۔ مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز آج یہاں تشریف فرما ہیں حضور نے فرمایا ہے کہ مغربی پنجاب۔ سرحد۔ سندھ (مملکت پاکستان) میں رہائش پذیر نمائندگان مشاورت کو حالات حاضرہ کے بارے میں غور کرنے کے لئے لاہور بلایا جائے۔ براہ مہربانی سب نمائندگان مجلس مشاورت کو حضور کا یہ ارشاد پہنچا دیں اور تاکید فرما دیں کہ تمام نمائندگان ۶/ستمبر ۱۹۴۷ء کو ضرور لاہور پہنچ جائیں۔ مجلس شوریٰ کا اجلاس ۷/ستمبر ۱۹۴۷ء کو منعقد ہوگا۔ نمائندگان مسجد احمدیہ بیرون دہلی دروازہ پہنچ جائیں۔

والسلام۔ خاکسار بشیر احمد امیر جماعت احمدیہ لاہور

۱۳ ٹمپل روڈ لاہور

جہاںتک ہندوستانی جماعتوں کا تعلق ہے حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے نے ۲؍ستمبر کو کراچی سے جماعت احمدیہ دہلی کو بذریعہ تار اس کی اطلاع دی جس پر رشید احمد صاحب ملک سکرٹری مجلس خدام الاحمدیہ دہلی نے (جو اُن دنوں نہایت باقاعدگی کے ساتھ اندرون ہند مرکزی اطلاعات بھجوانے کا اہتمام کر رہے تھے) ہندوستانی جماعتوں کے نام حسب ذیل سرکلر بھیجا :۔

"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

دہلی

مورخہ ۳؍ستمبر ۱۹۴۷ء

۱۰ بجے شب

احباب کرام !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

احباب کو آج سرکلر بھیجا جا چکا تھا کہ شام کو مولانا عبدالرحیم صاحب درد کی طرف سے کراچی سے تار موصول ہوا کہ امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ۳۱ تاریخ کو لاہور پہنچ چکے ہیں اور خیریت سے ہیں۔ الحمدللہ

دیگر یہ کہ حضور نے جماعت کی ایک فوری اور نہایت اہم مجلس مشاورت لاہور میں مؤرخہ ۷؍ستمبر ۱۹۴۷ء بروز اتوار بُلائی ہے جس کے لئے جس قدر جماعتوں کو اطلاع پہنچ سکے وہ فوراً اپنے اپنے نمائندگان کو وہاں بھیج دیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل تار آج یہاں سے ہم نے مختلف جماعتوں کو بھجوا دیا ہے۔ امید ہے اس وقت تک آپ کو یہ تار پہنچ چکا ہوگا اور آپ نے اپنے نمائندگان کو بھجوانے کا انتظام کر دیا ہوگا اور اپنے گرد و نواح کی جماعتوں کو بھی اطلاع دے دی ہوگی۔

جماعتوں پر اس مجلس مشاورت کی اہمیت واضح کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اور امید ہے کہ آپ اپنے پیارے امام کے اس ارشاد پر لبیک کہتے ہوئے جلد سے جلد پہنچینگے اور جیسا کہ ہدایت کی گئی ہے اگر بعض دوستوں کو کراچی یا بمبئی کی طرف سے بھی ہو کر یا زیادہ اخراجات برداشت کر کے بھی آنا پڑے تو وہ پروا نہ کریں۔ اور وقت سے پہلے لاہور پہنچیں۔

اس دوران اگر مرکز کے متعلق کوئی خبر یا حضور ایدہ اللہ کی طرف سے مزید ہدایات ملیں تو وہ ہم بذریعہ سرکلر فوراً جماعتوں کو روانہ کر دیں گے۔ انشاء اللہ

والسلام

خاکسار

رشید احمد ملک

سکرٹری مجلس خدام الاحمدیہ دہلی

یہ مشاورت حسب پروگرام رتن باغ کے کمرۂ نماز میں منعقد ہوئی۔ کوئی ڈیڑھ صد کے قریب نمائندگان جماعت نے شمولیت کی۔ حیدرآباد سے حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب اور سیٹھ محمد اعظم صاحب اور دہلی سے مولوی محمد سلیم صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ بذریعہ ہوائی جہاز شامل ہوئے۔

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے نمائندگان سے قریباً پانچ گھنٹے تک خطاب فرمایا۔ اور نہایت شرح و بسط سے حالات حاضرہ پر روشنی ڈالی۔

اس مجلس میں چھ نہایت اہم اور بنیادی فیصلے ہوئے جن کی تفصیل درج ذیل کی جاتی ہے :۔

اوّل۔ مشرقی پنجاب کے تمام احمدی (خصوصاً جماعت قادیان) اپنی اپنی جگہ رہیں۔ البتہ عورتوں اور بچوں کو مغربی پنجاب میں پہنچا دیا جائے چنانچہ ۱۰-۱۱ ستمبر کی درمیانی شب کو پاکستان ریڈیو پر یہ خبر نشر ہوئی :۔

"حضرت امام جماعت احمدیہ قادیان نے اپنی جماعت کے نمائندوں سے مشورہ کر کے فیصلہ کیا ہے کہ مشرقی پنجاب کے تمام احمدی خصوصاً قادیان کی جماعت کے لوگ اپنی اپنی جگہ رہیں اور حالات خواہ کچھ ہوں اپنی جگہ کو نہ چھوڑیں۔ عورتوں اور بچوں کو مغربی پنجاب میں پہنچا

دیا جائے۔ حالات کے اچھے ہونے پر انہیں واپس بُلایا جا سکتا ہے" [۱]

اخبار "انقلاب" نے نوٹ لکھا :۔

"

مشرقی پنجاب کے احمدی

امام جماعت کا مشورہ

لاہور۔ ۱۰ ستمبر۔ احمدیہ جماعت کے مقتدر ارکان کی ایک کانفرنس زیر صدارت امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد منعقد ہوئی جس میں مشرقی پنجاب کے احمدیوں خاص کر علاقہ قادیان میں رہنے والے احمدیوں کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اپنے علاقوں میں واپس جا کر از سر نو آباد ہو جائیں اور فی الحال عورتوں اور بچوں کو مغربی پنجاب میں چھوڑ جائیں اور وہ احمدی جو بہت جلد اپنے گھروں کو لوٹ نہیں سکتے انہیں اجتماعی صورت میں کسی ایک جگہ سکونت پذیر ہو جانا چاہیئے جہاں سے ان کی عورتیں اور بچے بالکل قریب ہوں تاکہ جب بھی وقت آئے وہ بہت جلد اپنے گھروں میں جا کر آباد ہو سکیں" [۲]

اخبار "نوائے وقت" نے لکھا :۔

" لاہور۔ ۱۰ ستمبر۔ آج مرزا بشیر الدین محمود صاحب رئیس جماعت احمدیہ کی صدارت میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں مشرقی پنجاب کے قادیانیوں کو بالعموم اور قادیان کے احمدیوں کو بالخصوص یہ ہدایت کی گئی کہ جونہی ممکن ہو وہ واپس مشرقی پنجاب جائیں اور اپنے دیہات میں بڑے بڑے بلاکوں کی صورت میں پھر آباد ہو جائیں۔ ہاں اپنی عورتوں اور بچوں کو مغربی پنجاب میں چھوڑ جائیں

مرزا بشیر الدین احمد صاحب نے کہا ہے کہ جو لوگ فوراً واپس جانے سے قاصر ہیں وہ اپنے گھروں سے قریبی مقامات پر آباد ہوں تاکہ جب بھی ممکن ہو وہ (انفرادی طور پر نہیں اجتماعی طور پر) اپنے گھروں کو لوٹ سکیں" [۳]

---

[۱] " الفضل ۱۲ ر تبوک / ستمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ کالم ۳ ۔

[۲] ضمیمہ " انقلاب " (لاہور) ۱۳ ر ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۴ ۔

[۳] " نوائے وقت " (لاہور) ۱۲ ر ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۵ ۔

دوم - چندوں کی نسبت یہ طے پایا کہ فی الحال ہندوستان اور مشرقی پاکستان کے سوا ہر قسم کے چندے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی شاخ لاہور کو ارسال کئے جائیں۔ حضور نے اس موقعہ پر خصوصی تحریک فرمائی کہ فوراً چندے بھجوائیں۔

چنانچہ اخبار "انقلاب" لاہور ۱۲ ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱ کالم ۶ پر اس بارے میں حسب ذیل اعلان شائع کیا گیا :-

" ضروری اعلان

حالاتِ حاضرہ کے پیش نظر مجلس مشاورت جماعت احمدیہ منعقدہ ۷ ستمبر بمقام لاہور کے غیر معمولی اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ تا اطلاع ثانی تمام جماعت ہائے احمدیہ ماسویٰ ہندوستان و مشرقی پاکستان ہر قسم کے چندے اور امانتیں نیز چندہ ہائے تحریک جدید انجمن احمدیہ قادیان کی شاخ لاہور کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔ پتہ حسب ذیل ہے۔

محاسب صدر انجمن احمدیہ جودھامل بلڈنگ جودھامل روڈ لاہور "

سوم - اس اجلاس میں حضور نے مرکز پاکستان کی سکیم بھی پیش فرمائی اور قرار پایا کہ اس ضمن میں احمدی جماعتیں پانچ لاکھ روپیہ فراہم کریں۔[۱]

نیا مرکز کہاں قائم کیا جائے؟ یہ سوال بھی زیر غور آیا۔ حضور کی تجویز تھی کہ اس کے لئے ضلع شیخوپورہ میں کوئی مناسب جگہ انتخاب کی جائے۔[۲]

چہارم - قادیان کی حفاظت کے تعلق میں جو فیصلہ کیا گیا وہ حضرت مصلح موعود کے الفاظ میں یہ تھا کہ

" فیصلہ کیا گیا کہ قادیان کی حفاظت اور اس کے آباد رکھنے کی پوری کوشش کی جائے۔ لیکن چونکہ بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ پولیس وغیرہ سرکاری محکمے بھی فسادیوں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ اس خطرہ کو دیکھتے ہوئے قادیان سے سر دست عورتوں بچوں کو نکال لینا چاہیئے اسی طرح ایسے افراد کو جن کو انتظام کی خاطر باہر آنا ضروری ہو۔ نیز قادیان میں ایک معقول تعداد احمدی محافظین کی موجود رہنی چاہیئے جو قادیان کی حرمت اور ارد گرد کے اسلامی علاقہ کی حفاظت

۴۹ "زیر ترمیم"

---

[۱] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۱۹۴۷-۴۸ء صفحہ ۱۲۹

[۲] و [۳] حضور کی ایک غیر مطبوعہ تحریر سے ماخوذ

مزید فیصلہ ہوا کہ

" تمام جماعتیں اپنے ۱۸ سال سے ۵۵ سال کی عمر کے مردوں کی فہرست بنا کر ان کو آٹھ حصوں میں تقسیم کر دیں اور ⅛ حصہ آدمی قرعہ ڈال کر فوراً قادیان کی حفاظت کے لئے بھجوا دیں"

حضرت سیدنا المصلح الموعود نے " الفضل " لاہور کے پہلے شمارہ (صفحہ ۲) میں احباب جماعت کو اس ضروری فیصلہ کی طرف خاص توجہ دلاتے ہوئے تحریر فرمایا :-

" قادیان سے دفاتر اور کارکنوں کا ایک بڑا حصہ فوراً نکلوانا ضروری ہے۔ گذشتہ تین ماہ سے انہوں نے دن رات کام کیا ہے اور سب کام سلسلہ کے بند ہیں۔ اس لئے فوراً نئے فیصلہ کے ماتحت باہر سے آدمی جانے چاہئیں۔ قادیان کی مرد آبادی کا ⅛ ہر وقت قادیان رہے گا۔ اس طرح قادیان پر پھر بھی دوسروں سے زیادہ بوجھ رہے گا۔ یہ وقت دیر کا نہیں فوراً اس انتظام کے ماتحت آدمی بھجوائیے۔ اس میں مرضی کا سوال نہیں۔ جبراً ہر شخص کو یہ خدمت دینی ہوگی اور تین ماہ تک یہ خدمت کرنی ہوگی۔ ہر تین ماہ کے بعد یہ ڈیوٹی بدلتی رہیگی" [1]

اہل قادیان کو مجلس شوریٰ کے فیصلہ سے باخبر کرنا اور ایک خاص نظام کے تحت ان کے انخلاء اور پاکستان میں منتقل کئے جانے کی تدابیر کا اختیار کرنا ایک کٹھن مرحلہ تھا جس کو طے کرنے کے لئے حضرت مصلح موعود کی ہدایت پر حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب ناظر اعلیٰ پاکستان نے ۱۴ تبوک / ستمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو مولانا جلال الدین صاحب شمس اور مولانا ابوالعطاء صاحب کو حسب ذیل مکتوب لکھا :-

" آپ کو علم ہو گیا ہوگا کہ مجلس مشاورت کے خاص اجلاس نے جو کہ ۷ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ہوا تھا یہ فیصلہ کیا تھا کہ قادیان کی حفاظت کے لئے صرف ایک ہزار یا اس سے کچھ کم و بیش نوجوان افراد کو رکھنا چاہیئے۔ باقی آبادی کو قادیان سے نکال لیا جائے۔ یہ فیصلہ اس بناء پر کیا گیا تھا کہ وہ علماء و اکابر سلسلہ جو کہ ہماری تیس چالیس سالہ مساعی کا پھل ہیں اگر خدانخواستہ تباہ یا ضائع ہو جائیں تو ان کی جگہ دوسروں کو لینے کے لئے ایک عمر چاہیئے اور اگر یہ پیشبندی بھی فوری طور پر نہ کی گئی تو سلسلہ کی ترقی ایک لمبا عرصہ کے لئے پیچھے جا پڑے گی۔ اس فیصلہ کو مدنظر

---

[1] " الفضل " ۱۵ تبوک / ستمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ ۔

رکھتے ہوئے حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب اور دیگر علما سلسلہ کو اور وہ لوگ جن کے ہاتھ میں کلیدی کام ہیں ان کو جلد سے جلد قادیان سے نکال لینے کی کوشش کی جائے۔ حضور کے خاندان کے متعلق مجلس مشاورت نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ ان سب کو نکال لیا جائے۔ لیکن حضور کا اپنا خیال یہ ہے کہ خاندان کے افراد میں سے بھی مقررہ حصہ ضرور قادیان میں رہنا چاہیئے اور ان کے علاوہ ایک جوان بھی باری باری سے۔ جو انتظام کا ذمہ دار ہو۔ دوسروں میں سے بھی جتنے افراد جماعت رکھنا چاہے رکھ سکتی ہے۔ لیکن خاندان کے افراد اسی نسبت سے آئیں گے جس نسبت سے باقی جماعت کے افراد۔ وہاں رہنے والے افراد کے متعلق یہ صورت اختیار کی جائے کہ اوّل تمام جوان یعنی ۱۸ سال سے ۵۵ سال کی عمر کے لوگوں میں سے ½ قرعہ کے ذریعے منتخب ہوں اور پہلی دفعہ یہ وہاں ٹھہریں۔ ان کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے اور اپنے کام کے لئے رہنا چاہے وہ بھی رہ سکتا ہے ایک وقت میں ۹سو سے بارہ سو تک آدمی قادیان میں رہنے چاہئیں۔ اس وقت باہر سے ۵ سو آدمی گیا ہوا ہے۔ قادیان سے چھ سات سو آدمی صرف لینا پڑے گا۔ مجلس شوریٰ کا جو فیصلہ ہے اس کی بناء پر ہم نے صرف ⅓ قادیان کی آبادی سے بذریعہ قرعہ والنٹیرز لینے ہیں اور ⅔ باہر سے قادیان میں بھجوانے ہیں۔ اس لئے جب مزید کمک قادیان پہنچ جائے گی تو قادیان کی آبادی کے ۳۰۰ - ۴۰۰ کے قریب آدمی رہ جائیں گے۔ پس آپ حضور کے حکم اور مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۔ ستمبر کی روشنی میں فوری کارروائی کرائیں۔ آپ جو قدم اس بارہ میں اُٹھائیں اُس سے مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو۔ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔ آپ کو اس لئے لکھا جاتا ہے تا جماعت سے آپ اچھی طرح مشورہ کر لیں۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحب خود امیر ہونے کی وجہ سے شاید حجاب کریں۔ مکرر عرض ہے کہ لوگوں کے قلوب میں یہ بات ذہن نشین کر دینی چاہیئے کہ کیوں ان افراد کا نکال لینا ضروری ہے۔ مخلص احباب تو سلسلہ کے ہر فیصلہ کے آگے سر جھکا دیتے ہیں لیکن کمزور لوگوں کو بھی ساتھ لینا ہمارا فرض ہے۔ اور یہ واضح کر دیا جائے کہ جس قربانی کا ان سے مطالبہ ہے وہی حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان اور دوسرے کارکن پیش کریں گے۔ لیعنی افراد کی تعداد کے مطابق اُن میں سے

بھی قادیان میں رہیں گے۔ والسلام

محمد عبداللہ خاں

ناظر اعلیٰ لاہور

۲۶-۹-۴۷ [1]

پنجم۔ مہاجرین کی آبادی کے لئے مختلف احمدی جماعتوں کے ذمہ ایک مخصوص تعداد لگا دی گئی کہ وہ ان کے بسانے کا انتظام کریں۔ اس ضمن میں حضرت المصلح الموعود کی ایک غیر مطبوعہ تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مشاورت میں مندرجہ ذیل جماعتوں کو خاص طور سے یہ فرض سونپا گیا۔

لاہور۔ بھیرہ۔ گجرات۔ کھاریاں۔ شادیوال۔ بہلول پور۔ چک سکندر گوجرانوالہ۔ چہور۔ چک ۱۱/۴ منٹگمری۔ لودھراں۔ شاہ مسکین۔ سیالکوٹ ڈسکہ۔

ششم۔ مشاورت میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ ہر بالغ احمدی کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ سال میں پندرہ دن ضرور تبلیغ کے لئے وقف کرے سوائے اس کے جو معذور ہو اور اجازت لے [2]

ریڈیو پاکستان سے قادیان کی خبروں کا نشر کیا جانا

قادیان کی صورت حال سے جماعتوں کو باخبر رکھنے کے لئے شروع میں یہ انتظام کیا گیا کہ شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور روزانہ شام کے سوا آٹھ بجے ریڈیو سے قادیان کی خبریں نشر کرتے تھے۔

صدر انجمن احمدیہ پاکستان کا پہلا باضابطہ دفتری اجلاس

مجلس مشاورت کے تین روز بعد صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے ممبروں کا پہلا باضابطہ دفتری اجلاس ۱۱ تبوک / ستمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو منعقد ہوا جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ صدر انجمن احمدیہ دو حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے اور اخراجات میں اضافہ ناگزیر ہے اس لئے ضروری ہے کہ قواعد و ضوابط میں سادگی اور اختصار ہو تاکہ کم سے کم عملہ سے کام لیا جا سکے اور فیصلوں میں ناواجب تاخیر نہ ہو۔

---

[1] ریکارڈ نظارت علیا صدر انجمن احمدیہ پاکستان۔

[2] حضور کی ایک غیر مطبوعہ تحریر سے ماخوذ۔

بایں غرض صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے یہ طے کیا کہ سردست صدر انجمن احمدیہ قادیان ہی کے قواعد و ضوابط اس نئی انجمن کے متصور ہوں۔ نیز ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ و ناظر صاحب امور عامہ و خارجہ و تعلیم و تربیت و نائب ناظر بیت المال پر مشتمل ایک سب کمیٹی مقرر کی گئی جو دو ہفتوں کے اندر اندر تمام قواعد و ضوابط کو ترتیب دے اور ۲۸؍تبوک/ستمبر تک اس کی رپورٹ مجلس میں پیش کرے۔ کام کو جلد نپٹانے کے لئے یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ فی الحال ایک ہفتہ تک روزانہ پانچ بجے شام ممبروں کا اجلاس ہوا کرے۔ کورم چار کا تجویز کیا گیا اور دفاتر صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے کھلنے اور بند ہونے کے حسب ذیل اوقات مقرر ہوئے:-

۹ بجے صبح سے ۵ بجے شام تک (وقفہ ۱½ بجے سے ۲ بجے دوپہر تک)[1]

حضرت امیر المومنین نے ارشاد فرمایا تھا کہ صدر انجمن احمدیہ لاہور کے لئے ایک آڈیٹر مقرر کیا جائے جو جماعت لاہور کے مہمان نوازی اور اُن دیگر اخراجات کی بھی پڑتال کرے جو قادیان کے EVACUEE کے سلسلہ میں کئے گئے ہیں۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں صدر انجمن احمدیہ لاہور نے اپنے پہلے اجلاس میں بابو عبدالحمید صاحب آڈیٹر کو مقرر کیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے یہ بھی فیصلہ فرمایا تھا کہ صدر انجمن احمدیہ لاہور کو بھی تحریک جدید کی طرح رجسٹر کروا لیا جائے اور یہ کام جلد ہو۔ چنانچہ یہ کام اس اجلاس میں شیخ بشیر احمد صاحب اور چوہدری اسداللہ خاں صاحب کے سپرد ہوا۔

محکمہ جات نے چونکہ ابھی بجٹ نہیں بنایا تھا اور ہنگامی کاموں پر پے در پے اخراجات ہو رہے تھے جس کی مقدار چار ہزار تک پہنچ چکی تھی اس لئے صدر انجمن احمدیہ نے اپنے ۱۳؍تبوک/ستمبر کے اجلاس میں نظارت علیا کو مدِ امانت سے مبلغ دس ہزار روپیہ بطور قرض لینے کی اجازت دی۔[2]

بلیٹن کی اشاعت اور لنڈن مشن کو روزانہ اطلاعات بھجوانے کا انتظام

"الفضل" جو جماعتی خبروں کا ترجمان اور بیرونی جماعتوں سے رابطہ کا اہم ترین ذریعہ تھا پاکستان سے ابھی جاری نہیں ہوا تھا اور قادیان میں اس کی صورت مخدوش حالات کے باعث محض ایک مقامی ایڈیشن کی رہ گئی تھی۔[3]

---

[1] و [2] ریکارڈ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء۔

[3] ۱۷؍تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو "الفضل" قادیان کا آخری پرچہ شائع ہوا۔

حضرت امام ہمام چونکہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ جماعتوں کو منظم کرنے اور مرکز سے وابستہ کرنا چاہتے تھے اس لئے حضور نے اس کی متبادل صورت یہ اختیار فرمائی کہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی طرف سے جماعتوں کے نام روزانہ مختصر بلیٹین شائع کرانے کا بندوبست فرمایا جس میں چندوں کی ادائیگی کی طرف خاص توجہ دلائی جاتی تھی۔ نیز ہدایت فرمائی کہ "ہمارے دفاتر کے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ شائع ہونے والی باتوں کو جلد از جلد ہر طرف پھیلا دیا کریں۔" اس سلسلہ میں حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب ناظر اعلیٰ نے ۱۳ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو حسب ذیل اعلان فرمایا:-

"لاہور

۲۶ - ۹ - ۱۳

مکرم محترم ناظر صاحبان

السلام علیکم۔ حضور نے فرمایا ہے کہ آجکل جماعت نہایت نازک دور سے گذر رہی ہے۔ تمام ناظر صاحبان کو چاہیئے کہ وہ اہل قلم بن جائیں اور جن جن دقتوں سے جماعت گذر رہی ہے اس سے پوری طرح تمام جماعت کو آگاہ کیا جائے اور مختلف رنگوں میں ان کو احساس کرایا جائے کہ کس کس قسم کی ضروریات اس وقت سلسلہ کو لاحق ہو رہی ہیں۔ نیز حضور نے فرمایا ہے کہ روزانہ بلیٹین شائع ہوں۔ اس لئے ناظر صاحبان ضرور کچھ نہ کچھ نوٹ اس میں دیں۔ مہربانی فرما کر حضور کے اس ارشاد کو ملحوظ رکھیں اور ضروری کارروائی فرمائیں۔

(دستخط) محمد عبداللہ خاں ناظر اعلیٰ

۴۷ - ۹ - ۱۳"

حضور کے ارشاد کی تعمیل میں بلیٹین کا یہ مفید سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

حضور نے پاکستان سے باہر احمدی جماعتوں کو سلسلہ احمدیہ کے حالات سے باخبر رکھنے کے لئے ۱۳ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو یہ قطعی ہدایت جاری فرمائی کہ روزانہ انگلستان مشن کو بذریعہ ہوائی ڈاک اطلاعات پہنچائی جائیں اور لکھا جائے کہ تمام ممالک کے سفیروں اور ذمہ دار لوگوں کو یہاں کے حالات سے مطلع کیا جائے اور جہانتک وہ پراپیگنڈا کر سکتے ہوں کرنا چاہیئے۔[1]

---

[1] ریکارڈ نظارت علیا صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء۔

اُن ایام میں بیرونی دنیا تک سلسلہ احمدیہ کی خبریں پہنچانے کا یہ ذریعہ بہت مفید اور بہت موثر ثابت ہوا۔ اور جماعت احمدیہ کے عبوری مرکز سے اُٹھنے والی آواز کی بازگشت ہر جگہ سُنائی دینے لگی۔

فصل دوم

پاکستان سے روزنامہ "الفضل" کا اجراء

سیدنا المصلح الموعود کی ہدایت پر شروع ہی سے پاکستان میں اخبار "الفضل" کی اشاعت کے لئے دوڑ دھوپ کی جا رہی تھی جو دو ہفتوں کے اندر اندر نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ حکومت نے روزنامہ "الفضل" کی منظوری دے دی اور اسے ۱۵؍تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ ہش ۱۹۴۷ء سے جناب روشن دین صاحب تنویرؔ ہی کی ادارت میں باقاعدہ جاری کر دیا گیا۔

قبل ازیں مرکزی اطلاعات خصوصاً حضرت امام ہمام کے حالات سے بے خبری کا جو عارضی وقفہ پڑ گیا تھا وہ اب اللہ کے فضل اور اس کی عنایت سے ختم ہو گیا اور دُنیا بھر کی احمدی جماعتیں جو اپنے پیارے آقا کے تازہ کلمات پڑھنے کے لئے پیاسی تڑپ رہی تھیں کوثر و تسنیم کی اس رُوحانی نہر سے دوبارہ سیراب ہونے لگیں۔

پاکستان میں "الفضل" کے اغراض و مقاصد کیا قرار پائے؟ اس کی تفصیل اس کے پہلے شمارہ میں بایں الفاظ درج تھی:-

"روزنامہ الفضل کا کیا مقصد ہے اور وہ کن عزائم کا علمبردار ہے؟ اس کا جواب الفضل کی پینتیس ۳۵ سالہ تاریخ کا ایک ایک ورق دے رہا ہے۔

اسلام کے خوبصورت اور حسین چہرہ پر بیگانوں کی عداوت اور اپنوں کی غفلت کی وجہ سے شکوک و شبہات کے جو تاریک پردے پڑ چکے تھے انہیں دُور کر کے دُنیا کو حقیقی اسلام سے رُوشناس کرانا اور اسلام کو اس کی عملی شکل میں قائم کرنا یہ وہ عظیم الشان مقدس فریضہ

ہے جیسے حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جماعت احمدیہ کا مقصد وحید قرار دیا ہے اور اسی مقصد کی تکمیل میں اپنی بساط کے مطابق حصہ لینا "الفضل" کا پہلا اور آخری فرض ہے۔ اس فرض کو حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات اور ہدایات کی روشنی میں سرانجام دینے کی کوشش کی جائے گی۔ انشاءاللہ

"الفضل" لاہور اسلام کی حقیقی تعلیمات کو دُنیا پر ظاہر کرنے اور اُسے اپنی عملی صورت میں دُنیا میں قائم کرنے کی کوشش کرے گا۔ "الفضل" لاہور جماعت احمدیہ اور اس کے اندرونی نظام کو حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کی روشنی میں مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی کوشش کرے گا اور احباب جماعت کو سلسلہ کی اہم ضروریات سے آگاہ کریگا۔ کیونکہ یہی نظام دُنیا میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد بننے والا ہے۔

اس وقت مسلمان جس نازک دَور میں سے گذر رہے ہیں اور ہندوستان اور پاکستان میں مسلمانوں کے لئے جو اہم اور پیچیدہ مسائل پیدا ہو چکے ہیں اُن کے سلسلے میں "الفضل" حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کے اہم اور گرانقدر ارشادات اور ہدایات کو جلد سے جلد اپنے قارئین تک پہنچانے کا فریضہ ادا کرے گا۔ اس وقت ملک میں جو ہولناک فسادات شروع ہیں "الفضل" انہیں دُور کرنے اور امن و امان کی فضا پیدا کرنے کی پُوری کوشش کرے گا جماعت احمدیہ کے مسلّمہ اصُول کے مطابق "الفضل" قیام امن کے لئے اور دیگر اہم امور کے سلسلہ میں حکومت کے ساتھ پُورا پُورا تعاون کرے گا اور اس سلسلہ میں حکومت کی ہر ممکن مدد کرنے کی کوشش کرے گا۔ احباب سے درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ "الفضل" ملک و قوم کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکے اور اپنے اغراض و مقاصد میں کامیاب ہو۔ آمین"

حضور کی ہدایت پر مولانا تنویر صاحب، جناب شیخ خورشید احمد صاحب اور مکرم احمد حسین صاحب کاتب ۹ / ۱۰ ستمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو قادیان سے لاہور پہنچے۔ اُن دنوں "الفضل" کے مینیجر جناب چوہدری عبدالواحد صاحب (سابق مدیر "اصلاح" سرینگر) تھے اور طابع و ناشر قاضی عبدالحمید صاحب بی اے ایل ایل بی مقرر ہوئے۔ طباعت گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ میں ہوتی تھی۔ اخبار کا ابتدائی کام مسجد لاڈو کے سامنے ایک کوٹھی میں نہایت بے سروسامانی میں شروع کیا گیا۔ بعد ازاں دفتر پہلے رتن باغ میں پھر ۱۲ / اخاء ۱۳۲۶ ہش کو پنجاب نیشنل بنک (فلیٹ نمبر ۳) میں منتقل ہو گیا۔ ۱۸ / امان / مارچ

۱۳۲۸ ہش ۱۹۴۹ء سے جناب مسعود احمد خاں صاحب دہلوی بی۔ اے (نائب مدیر الفضل) اخبار کے طابع وناشر بنا دیئے گئے جو آجتک یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

سیدنا المصلح الموعود کے بلند پایہ مضامین "الفضل" کے اداریہ کی صورت میں

اخبار "الفضل" کے ابتدائی پاکستانی دَور کی ایک بھاری خصوصیت یہ تھی کہ اس زمانہ میں خود حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود اپنی گوناگوں اور بے شمار مصروفیات کے باوجود "الفضل" کے لئے پورے التزام کے ساتھ نہایت درجہ معلومات افزا مضامین تحریر فرماتے۔ جو (حضور کا نام لکھے بغیر) ادارہ کی طرف سے شائع کئے جاتے تھے۔ حضور کی اس خصوصی توجہ اور غیر معمولی رہنمائی کی بدولت یہ نیا جاری شدہ اخبار جلد ہی پاکستان کے معیاری روزناموں میں اپنا خاص مقام پیدا کرنے کے قابل ہوگیا۔

ذیل میں حضور کے لکھے ہوئے ان بلند پایہ رشحات قلم کی فہرست دی جاتی ہے جو بطور اداریہ سپرد اشاعت کئے گئے اور جن میں اسلامی دُنیا خصوصاً پاکستان کے اہم مسائل پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی تھی۔[1]

نمبر شمار	عناوین	تاریخ اشاعت
۱	پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات	۲۰ تبوک / ستمبر ۱۳۲۶ ہش ۱۹۴۷ء
۲	برطانیہ اور مسلمان	" " "
۳	گوالیار کے مسلمان خطرے میں	" " "
۴	قومیں اخلاق سے بنتی ہیں	۲ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۶ ہش ۱۹۴۷ء
۵	مشرقی اور مغربی پنجاب کا تبادلہ آبادی	۳ " " "
۶	پاکستان کی سیاست خارجہ	۴ " " "
۷	کچھ تو ہمارے پاس رہنے دو	۸ " " "
۸	قادیان	۹ " " "

[1] نوٹ:۔ یہ فہرست مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر انچارج شعبہ زودنویسی نے "تاریخ احمدیت" کیلئے مرتب فرمائی تھی۔

نمبر شمار	عناوین	تاریخ اشاعت
۹	سیاست پاکستان	۱۴ر اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش ۱۹۴۷ء
۱۰	پاکستان کا دفاع	۱۵ر 〃 〃 〃
۱۱	〃 〃 〃 (۲)	۱۶ر 〃 〃 〃
۱۲	پاکستانی فوج اور فوجی مخزن	۱۷ر 〃 〃 〃
۱۳	کشمیر اور حیدر آباد	۱۹ر 〃 〃 〃
۱۴	کشمیر کی جنگ آزادی	۷ر نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش ۱۹۴۷ء
۱۵	پاکستان کی اقتصادی حالت	۹ر 〃 〃 〃
۱۶	کشمیر	۱۲ر 〃 〃 〃
۱۷	کشمیر اور پاکستان	۱۴ر 〃 〃 〃
۱۸	سپریم کمانڈر کا خاتمہ	۱۵ر 〃 〃 〃
۱۹	مسٹر ایٹلی کا بیان	۱۶ر 〃 〃 〃
۲۰	صوبجاتی مسلم لیگ کے عہدیداروں میں تبدیلی	۲۰ر 〃 〃 〃
۲۱	کانگرس ریزولیوشن	۲۱ر 〃 〃 〃
۲۲	کانگرس ریزولیوشن	۲۳ر 〃 〃 〃
۲۳	تقسیم فلسطین کے متعلق روس اور یونائیٹڈ سٹیٹس کے اتحاد کا راز	۲۸ر 〃 〃 〃
۲۴	مسلم لیگ پنجاب کا نیا پروگرام	۲۹ر 〃 〃 〃
۲۵	کشمیر کے متعلق صلح کی کوشش	۳۰ر 〃 〃 〃
۲۶	آخر ہم کیا چاہتے ہیں	۱۵ر ہجرت/مئی ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء
۲۷	خطرہ کی سرخ جھنڈی	۲۸ر صلح/جنوری ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء

پاکستانی احمدیوں کے لئے دستور العمل

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے "کیا آپ سچے احمدی ہیں" کے عنوان سے ایک اہم مضمون رقم

فرمایا جو "الفضل" (پاکستان) کے پہلے شمارہ میں شائع ہوا۔ یہ مضمون جو بدلے ہوئے حالات میں پاکستانی احمدیوں کے لئے دستورالعمل کی حیثیت رکھتا تھا اور نہایت واضح اور قیمتی ہدایات پر مشتمل تھا بجنسہٖ درج ذیل کیا جاتا ہے :۔

"(۱) اگر آپ سچے احمدی ہیں تو آج ہی سے اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں۔ دعاؤں پر زور دیں۔ نمازوں پر زور دیں۔ اگر آپ کی بیوی نماز میں کمزور ہے اُسے سمجھائیں باز نہ آئے طلاق دے دیں۔ اگر آپ کا خاوند نماز میں کمزور ہے اُسے سمجھائیں اگر اصلاح نہ کرے تو اس سے خلع کرا لیں۔ اگر آپ کے بچے نماز میں کمزور ہیں تو ان کا اس وقت تک کے لئے مقاطعہ کر دیں کہ وہ اپنی اصلاح کریں۔

(۲) جب موقع ملے نفلی روزے رکھیں اور گزشتہ رمضانوں کے روزوں میں سے کوئی کمی رہ گئی ہو تو جلد سے جلد وہ قرضہ اُتاریں۔

(۳) اِن دنوں مسلمانوں پر بڑی مصیبت آئی ہوئی ہے۔ آپ اس مصیبت میں حکومت اور افراد کی پوری امداد کریں۔

(۴) آج ہی اپنے دل میں عہد کر لیں کہ قادیان کی حفاظت کرتے چلے جانا ہے اور اس بارہ میں جو سکیم بنی ہے اس پر فوراً عمل شروع کر دیں . . . . . اور اگر ہندوستانی حکومت کے دباؤ سے ہمیں قادیان خدانخواستہ خالی کرنا پڑے تو ہر ایک احمدی قسم کھالے کہ وہ اسے واپس لے کر چھوڑے گا اور اگر اس میں دیر ہو تو ہر بچہ جب جوان ہو اس سے قسم لی جایا کرے یاد رکھو قادیان خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ مرکز ہے اور ضرور تمہارے پاس رہنا چاہیئے اور رہے گا انشاء اللہ۔ اگر عارضی طور پر کوئی روک پیدا ہو گئی تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر وقت اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیں۔

(۵) اس مصیبت کے وقت میں زیادہ کماؤ کم خرچ کرو۔ زیادہ سے زیادہ چندہ دو۔ اب کم سے کم چندہ پچاس فی صدی آمدنی چاہیئے۔ اس سے زیادہ جتنی خدا تعالیٰ توفیق دے۔

(۶) ہر ایک احمدی کو اُجڑے ہوئے احمدیوں کو بسانے کے لئے پورا زور لگانا چاہیئے۔ مگر تمہاری ہمدردی صرف احمدیوں سے نہیں ہونی چاہیئے۔ ہر مسلمان کی ہمدردی تمہارا نصب العین

ہونا چاہیئے۔ اس وقت اختلافات پر زور دینا یا احمدی غیر احمدی میں فرق کرنا ایک قومی غدّاری ہے۔ جن مسلمانوں پر ظلم ہوا ہے اُن کے عقیدے یا فرقے کی وجہ سے نہیں ہوا۔ اس لئے ہوا ہے کہ وہ اپنے آپ کو محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کہتے تھے۔ پس ظالموں نے ان آدمیوں پر ظلم نہیں کیا، محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ظلم کیا ہے اور جس پر محمّد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کی وجہ سے ظلم ہوا ہماری عقیدت اور ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم اس کی مدد کریں تا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر کسی کا احسان نہ رہے۔

(۷) تم کبھی غریب اور بیکس پر ظلم نہ کرو۔ ہر ہندو اور سکھ بھی خدا تعالیٰ کا بندہ ہے۔ اس کے بھائیوں نے اگر غلطی کی ہے تو ہم کو سوچنا چاہیئے کہ کیا بھائی کی غلطی یاد رکھے جانے کے قابل ہے یا آسمانی باپ کا رشتہ۔ ہم سب اپنے آسمانی باپ کے ذریعہ سے بھائی بھائی ہیں۔ پس ان تمام اختلافات کے باوجود ایک ہندو بھی ہمارا بھائی ہے اور ایک سکھ بھی ہمارا بھائی ہے ہم اس کو ظلم نہیں کرنے دیں گے مگر ہم اس پر ظلم ہونے بھی نہیں دیں گے۔ پھر یہ بھی سوچو کہ کسی دن یہی لوگ اسلام میں داخل ہو کر اسلام کی ترقی کا موجب ہوں گے۔ کل جس باغ کے پھل ہمیں ملنے والے ہیں ہم اُسے کیوں اُجاڑیں۔

والسّلام

مرزا محمود احمد ۱۴ ستمبر ۴۷ء "[1]

قادیان کی احمدی آبادی خصوصاً مستورات اور احمدی بچوں کے انخلاء کی مجنونانہ جدوجہد

۷ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کی مشاورت میں طے پایا تھا کہ قادیان سے احمدی عورتوں اور احمدی بچوں کو پاکستان میں پہنچانے کا فوری بندوبست کیا جائے۔ یہ معاملہ جتنا سنگین، اہم اور فوری توجہ کا مستحق تھا اتنا ہی مشکل اور کٹھن بھی تھا مگر حضرت مصلح موعود نے اس مقصد کے پیش نظر مجنونانہ جدوجہد شروع فرما دی۔ پہلے تو انفرادی طور پر پاکستان کے احمدیوں کو قادیان جانے اور عورتوں بچوں کو وہاں سے لانے کی تلقین کی ازاں بعد ۱۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے خطبہ جمعہ میں جماعت کے سامنے تحریک عام فرمائی کہ ہمیں قادیان کی

[1] "الفضل" ۱۵ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱-۲۔

عورتوں اور بچوں کو نکالنے کے لئے کم از کم دو سو ٹرکوں کی فوری ضرورت ہے جو دوست بھی ٹرک لے جاسکتے ہوں وہ اطلاع دیں تا اُن کو ایک انتظام کے ماتحت قادیان بھجوایا جا سکے۔ چنانچہ فرمایا :-

"ہماری جماعت کے وہ دوست جو فوج میں ملازم ہیں اور جنہیں ٹرک مل سکتے ہیں ان کو چاہیئے کہ جس طرح بھی ہو سکے ٹرکوں کا انتظام کر کے قادیان پہنچیں اور وہاں سے عورتوں اور بچوں کو نکالنے کی کوشش کریں۔ فوجیوں کو اپنے اپنے رشتہ دار لانے کے لئے عام طور پر ٹرک مل جایا کرتے ہیں۔ ۲۰ - ۲۵ دوست اس وقت اپنے اپنے رشتہ داروں کو قادیان سے لا چکے ہیں۔ وہاں آٹھ نو ہزار عورتیں اور بچے ہیں جو نکالنے کے قابل ہیں۔ ورنہ غذا کی حالت، حفاظت کے انتظامات میں سخت دقتیں پیدا ہو جائیں گی۔ جو فوجی دوست ہوں یہاں لاہور میں یا باہر کسی اور مقام پر۔ اور اُن کو ٹرک مل سکتا ہو۔ ان سب کو چاہیئے کہ وہ فوراً ٹرکوں کا انتظام کر کے ہمیں اطلاع دیں۔ فوجیوں کو ٹرک ملنے میں عام طور پر آسانی ہوتی ہے۔ اور چونکہ اکثر لوگوں کے کوئی نہ کوئی رشتہ دار قادیان میں موجود ہیں۔ اس لئے ہم ٹرکوں کے ذریعہ ایک نظام کے ماتحت عورتوں اور بچوں کو لا سکتے ہیں۔ پس جن دوستوں کو کوئی ٹرک مل سکتا ہو وہ فوراً انتظام کر کے ٹرک قادیان لے جائیں اور وہاں سے عورتوں اور بچوں کو نکال لائیں۔ اور اگر کوئی شخص خود ٹرک کا انتظام نہ کر سکتا ہو لیکن اس کے علم میں کوئی ایسے دوست ہوں جو یہ انتظام کر سکتے ہوں تو وہ اطلاع دے دیں۔ ہمیں کم از کم اس وقت دو سو (۲۰۰) ٹرکوں کی ضرورت ہے تب کہیں قادیان سے عورتوں اور بچوں کو نکالا جا سکتا ہے۔ چونکہ کچھ عورتیں اور بچے وہاں سے آ گئے ہیں اس لئے باقی عورتوں میں بے چینی پائی جاتی ہے۔ کچھ عورتیں تو ایسی دلیر ہیں کہ وہ نکلنے سے انکار کر دیتی ہیں۔ لیکن اکثر عورتیں اور بچے اُن عورتوں اور بچوں کو دیکھ کر جو وہاں سے نکل آئے ہیں گھبرا رہے ہیں۔ اور یوں بھی وہاں کی غذائی حالت خراب ہے۔ نمک مرچ سب ختم ہو چکا ہے۔ گو مَیں نے یہاں سے انتظام کر کے یہ چیزیں وہاں کچھ بھجوائی ہیں مگر پھر بھی وہاں کی غذائی حالت تشویشناک ہے۔ آٹے کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ گھی ختم ہے۔ لکڑی ختم ہے اس لئے عورتوں اور بچوں کو قادیان سے نکالنا قادیان کی حفاظت کے لئے ضروری ہے۔ پس جس جس دوست کی طاقت میں ہو اور وہ ٹرک کا انتظام کر سکتے ہوں انہیں

چاہیئے کہ وہ ٹرکوں کا انتظام کر کے میاں بشیر احمد صاحب کو ملیں تا کہ ایک نظام کے ماتحت عورتوں اور بچوں کو وہاں سے نکالا جاسکے۔ جو دوست یہاں موجود ہیں ان کا اگر کوئی فوجی دوست واقف ہو تو اسے فوراً یہ اعلان پہنچا دیں اور اگر وہ خود انتظام کر سکتے ہوں تو خود ٹرکوں کا انتظام کر کے ہمیں اطلاع دیں۔ پنجاب اور سندھ میں جہاں جہاں فوجی افسر یا کمشنڈ افسر ہیں جن کو ٹرکیں مل سکتی ہیں۔ ان سب کو چاہیئے کہ وہ ٹرکوں کے متعلق پوری کوشش کریں اور جلد سے جلد ہمیں اس بارہ میں اطلاع دیں تا کہ ہم ٹرک قادیان بھجوا سکیں اور عورتوں اور بچوں کو وہاں سے نکالا جائے" [1]

اللہ تعالیٰ نے حضور کی اس تحریک میں زبردست برکت ڈالی اور لاہور سے قادیان جانے والے فوجی ٹرکوں کا ایک تانتا بندھ گیا اور (اُن ایام کے سوا کہ جس میں خود حکومت مشرقی پنجاب نے بعض بہانوں کا سہارا لے کر مگر در پردہ قادیان پر حملہ کرنے کی نیت سے ٹرکوں کو قادیان جانے سے روک دیا تھا) کانوائے کا یہ سلسلہ قریباً دو ماہ تک جاری رہا۔ سب سے بڑا کنوائے جس کے ذریعہ سے قادیان کی تمام احمدی مستورات اور بچے بحفاظت پاکستان پہنچ گئے، ۱۱۔ ۱۲ ماہ اخاء/ اکتوبر کا تھا جس میں پہلے روز اٹھارہ ٹرک اور دوسرے روز بہتر ٹرک تھے جو پاکستان فوج کے میجر آرنسن [2] کی سرکردگی میں قادیان گیا تھا۔ آخری کنوائے ۱۶ ماہ نبوت/ نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو واپس آیا۔ یہ سب کنوائے جودھامل بلڈنگ اور رتن باغ کے سامنے آکر کھڑے ہوتے تھے۔ اور ان کے ذریعہ نہ صرف قادیان کی سب احمدی عورتیں اور سب احمدی

---

[1] "الفضل" ۱۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸ کالم ۳-۴۔

[2] میجر آرنسن قادیان کے احمدی جوانوں کا بلند حوصلہ، مضبوط کیریکٹر اور ان کی غیر معمولی بہادری دیکھ کر بیحد متاثر ہوئے۔ اور انہوں نے سیدنا امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ اعتراف کیا کہ

"مَیں نے قادیان میں جو نوجوان دیکھے ہیں وہ ان یہودی نوجوانوں سے بھی زیادہ بہادر ہیں جنہیں فوجی طور پر ٹرینڈ کیا گیا ہے اور جو ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہیں" نیز عرض کیا:۔

"آپ کے نوجوانوں نے اگر اپنی جانیں دے دیں تو بیشک ان کی موت شاندار موت ہوگی لیکن مَیں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ انہیں مرنے نہ دیں کیونکہ اگر وہ زندہ رہے تو ان کی زندگی ان کی موت سے بھی زیادہ شاندار ہوگی" (الفضل ۱۵ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳ کالم ۱)

عورتیں اور سب احمدی بچے دشمنوں کے تمام معاندانہ اور اخلاق سوز منصوبوں کو خاک میں ملاتے ہوئے ہر طرح صحیح و سالم پاکستان میں پہنچے بلکہ قادیان کی بقیہ احمدی آبادی بھی پوری حفاظت کے ساتھ سرزمین پاکستان میں منتقل ہوئی۔

انخلاء آبادی[1] کا یہ عظیم معرکہ سَر کرنے کے لئے کتنی زبردست اور فقید المثال جدّ و جہد سے کام لینا پڑا۔ اس کا نقشہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سے بڑھ کر بھلا کون کھینچ سکے گا؟ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

---

[1] اس سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب امیر مقامی قادیان کا وہ سرکلر درج کیا جانا ضروری ہے جو آپ نے ۳۱ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو صدر صاحبان قادیان کے نام تحریر فرمایا۔ اور جس کے بعد قادیان کی آبادی کا باقاعدہ انخلاء شروع ہوا۔ آپ نے تحریر فرمایا:۔

"بخدمت صدر صاحبان!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

حضرت صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ موجودہ خطرے کے ایام میں جو احمدی عورتیں اور چھوٹی عمر کے بچے قادیان سے باہر پاکستان کے علاقہ میں جانا چاہیں انہیں اس کی اجازت ہے بشرطیکہ لاہور میں ان کی رہائش کا انتظام ہو سکے یا لاہور سے آگے جانے کا انتظام موجود ہو۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ قادیان سے باہر پاکستان کے علاقہ تک پہنچنے کے لئے مُسلم ملٹری گارد کا انتظام موجود ہو۔ مگر قادیان کا کوئی احمدی مرد آجکل بغیر اجازت باہر نہیں جا سکتا۔ جس شخص کو کوئی مجبوری پیش ہو وہ اپنی مجبوری بیان کر کے اجازت حاصل کرے۔

یہ بات بھی قابل وضاحت ہے کہ سلسلہ کی طرف سے مُسلم کنوائے کا انتظام کیا جا رہا ہے جو کبھی کبھی قادیان آیا کرے گا اور اس میں حسب گنجائش مستورات اور بچوں اور اجازت والے مردوں کو موقع دیا جائے گا۔ مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ چونکہ گنجائش محدود ہوتی ہے اس لئے باری باری ہی موقع مل سکتا ہے جو غیر احمدی اصحاب باہر جانا چاہیں وہ بھی اس انتظام میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اگر گورنمنٹ کا کانوائے آئے تو وہ بلا کرایہ لے جائے گا لیکن اگر اپنے کانوائے کا استعمال کیا جائے تو اس کے لئے مناسب کرایہ لگے گا مگر غرباء کو سہولت دی جائے گی۔

"ہماری آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ قادیان اور اس کے ماحول میں فتنہ دن بدن بڑھ رہا ہے۔ اور ضلع گورداسپور کے ایک ایک مسلمان گاؤں کو خالی یا تباہ کر کے قادیان کے ارد گرد خطرہ کا دائرہ روز بروز تنگ کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف قریباً پچاس ہزار بیرونی پناہ گزینوں نے قادیان میں جمع ہو کر ہماری مشکلات میں اور بھی اضافہ کر دیا تھا اور ہم دیکھتے تھے کہ مفسدہ پردازوں کی سکیم صرف قتل و غارت یا لوٹ مار یا مسلمان آبادی سے ضلع کو خالی کرانے تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں مسلمان عورتوں کے ننگ و ناموس کو برباد کرنا بھی شامل ہے (چنانچہ میری موجودگی میں ہی ماحول قادیان کی اغوا شدہ عورتوں کی تعداد سات سو تک پہنچ چکی تھی۔ اور بہت سی معصوم عورتوں کی عصمت دری کے نظارے گویا ہماری آنکھوں کے سامنے تھے) اس لئے ہم نے دوستوں کے مشورہ اور حضرت صاحب کی اصولی ہدایت کے ماتحت یہ فیصلہ کیا تھا کہ جہانتک ممکن ہو عورتوں اور بچوں کو جلد از جلد قادیان سے باہر بھجوا دیا جائے[ؔ]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ صدر صاحبان اپنے اپنے محلہ میں یہ بھی بتا دیں کہ ایسے بچوں عورتوں مردوں کی فہرست شیخ عبدالحمید صاحب عاجز بی۔اے (حال ناظر بیت المال قادیان۔ ناقل) کی نگرانی میں تیار ہوتی ہے۔ پس تمام درخواستیں ان کے پاس جانی چاہئیں جو بعد منظوری نظارت باری باری لوگوں کو موقعہ دیں گے۔

صدر صاحبان کو یہ بھی چاہیئے کہ اس کام میں گھبراہٹ کا رنگ پیدا نہ ہونے دیں بلکہ وقار اور انتظام کے ماتحت سارا کام سرانجام پائے۔"

ؔحاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا:۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے اس سکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل ایک مرکزی کمیٹی مقرر فرما دی تھی:۔

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس۔ مولوی ابوالعطاء صاحب۔ مرزا عبدالحق صاحب۔

یہ کمیٹی ۱۸؍ تبوک/ستمبر کو قائم ہوئی اور اسی روز اس کا مشورہ سیدنا حضرت امیرالمومنین کے حضور بھجوا دیا گیا

اور اس کے لئے ہم قریباً مجنونانہ جد وجہد کے ساتھ دن رات لگے ہوئے تھے[لہ] حتیٰ کہ ایک دن میں نے انتہائی بے بسی کی حالت میں حضرت صاحب کو خط لکھا کہ ہمارے اردگرد خطرہ کا دائرہ بڑی سرعت کے ساتھ تنگ ہوتا جا رہا ہے اور آپ کی ہدایت یہ ہے کہ کسی صورت میں بھی حکومت کا مقابلہ نہ کیا جائے (اور حکومت کا مقابلہ ہماری تعلیم کے بھی خلاف ہے اور ہماری طاقت سے بھی باہر گو حق یہ ہے کہ اس وقت سکھ جتھے اور حکومت گویا ایک معجون مرکب بنے ہوئے ہیں اور ایک کو دوسرے سے جُدا رکھنا مشکل ہے) اور آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ مومن کی جان کو حتی الوسع بچاؤ کیونکہ ضائع شدہ جائدادیں اور سامان تو پھر بھی مل جائیں گے مگر مومنوں کی ضائع شدہ جانیں جو گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ کے لگائے ہوئے پودے ہیں پھر نہیں ملیں گے۔ تو اب مجھے بتائیں کہ میں ان ہزاروں ننگ و ناموس رکھنے والی عورتوں کے متعلق جو قادیان میں موجود ہیں، کروں تو کیا کروں۔ مال کے مقابل پر بیشک قیمتی جان بچائی جا سکتی ہے اور مومن کی جان واقعی بہت بڑی چیز ہے۔ مگر کیا میں اپنی آنکھوں کے سامنے احمدی عورتوں کے ننگ و ناموس کو خطرہ میں ڈال دوں اور سامنے سے ہاتھ نہ اُٹھاؤں۔ حضرت صاحب نے مجھے تسلی کا خط لکھا اور بعض ہدایتیں بھی دیں اور فرمایا کہ میں ان مشکلات کو سمجھتا ہوں۔ مگر ادھر ہم زیادہ سے زیادہ ٹرک بھجوانے کی کوشش کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ (گو پاکستان حکومت کے پاس ٹرک محدود ہیں اور اس نے سارے مشرقی پنجاب میں سے مسلمانوں

[لہ] حضرت میاں صاحب نے مفوضہ ذمہ داریوں کی بجا آوری کے لئے ایک نہایت عمدہ نظام قائم کر رکھا تھا اور مختلف سربرآوردہ اصحاب کو اپنے نائب کی حیثیت سے مختلف کام سپرد کر دیئے تھے۔ اس تعلق میں آپ نے ۱۵ نبوت/نومبر کو حضور کی خدمت میں لکھا کہ "میرے ساتھ نائب کے طور پر ملک غلام فرید صاحب اور مرزا عبدالحق صاحب اور عبدالمجید صاحب معاجز اور دوسرے بھی دوست لگے ہوئے ہیں اور نیچے بھی ہاتھ بٹاتے رہتے ہیں۔ اکثر اوقات رات کے دو تین بجے تک اور کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ کام ہوتا ہے۔" اسی طرح حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب کو اطلاع دی کہ "قادیان میں ڈاک کی وصولی اور روانگی کے متعلق میں نے عزیز مرزا وسیم احمد صاحب کو مقرر کیا ہے ... ... موقع پر شیخ مبارک احمد صاحب یا میاں ناصر احمد صاحب یا چوہدری محمد علی صاحب یا چوہدری ظہور احمد صاحب وصول کرتے ہیں اور پھر آگے میرے پاس بھجوا دیتے ہیں اور پھر میری نگرانی میں عزیز وسیم احمد صاحب کھول کر تقسیم کروا دیتے ہیں" (مکتوب ۹ تبوک ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء)

کو نکالنا ہے) اور اُدھر تم جس طرح بھی ہو، ہر ٹرک میں زیادہ سے زیادہ عورتیں اور بچے لدوا کر انہیں جلد سے جلد باہر بھجوا دو۔ اور جب عورتیں محفوظ ہو جائیں تو پھر باقی معاملہ جو ہماری طاقت سے باہر ہے خدا پر چھوڑ دو۔ وَلِلْبَیْتِ رَبٌّ یَمْنَعُہٗ

اب ٹرکوں کا حال یہ تھا کہ قادیان میں دو قسم کے ٹرک پہنچتے تھے۔ ایک وہ پرائیویٹ ٹرک جو بعض احمدی فوجی افسر اپنے اہل و عیال اور اپنے ذاتی سامان کو لے جانے کے لئے اپنے فوجی حق کی بنا پر حاصل کر کے قادیان لے جاتے تھے اور دوسرے وہ جماعتی ٹرک جو جماعتی کوشش سے جماعتی انتظام کے ماتحت حکومت کے حکم سے قادیان بھجوائے جاتے تھے۔ جہاں تک پہلی قسم کے ٹرکوں کا سوال ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ پرائیویٹ چیز تھی اور مجھے یا کسی اَور کو دخل دینے کا حق نہیں تھا۔ ان کے متعلق صدر صاحبان محلہ جات قادیان کو میری ہدایت صرف اس قدر تھی کہ اس بات کی نگرانی رکھیں کہ ان پرائیویٹ ٹرکوں کے اندر بیٹھ کر کوئی احمدی مرد بلا اجازت باہر نہ چلا جائے۔ نیز یہ کہ پرائیویٹ ٹرک والے فوجی افسر سے پوچھ لیا کریں کہ کیا اس ٹرک میں کسی زائد سواری کی گنجائش ہے، اور اگر گنجائش ہوا کرے تو مجھے بتا دیا کریں تا میں ایسے ٹرکوں میں زائد احمدی عورتیں بھجوا سکوں۔ اور اس طرح ہماری سکیم کی جلد تکمیل میں مدد ملے۔ چنانچہ ایسا ہوتا رہا اور جہاں تک ممکن تھا میں حکمت عملی اور سمجھوتہ کے طریق پر پرائیویٹ ٹرکوں میں بھی زائد عورتیں بھجواتا رہا۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ ٹرک میرے کنٹرول میں نہیں تھے اور جہاں تک سامان کا تعلق ہے ان ٹرکوں کے مالک جتنا سامان چاہتے تھے اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور میں اس میں دخل نہیں دے سکتا تھا۔ اور میں جانتا ہوں کہ بعض ایسے پرائیویٹ ٹرکوں والوں نے اپنا سارے کا سارا سامان باہر نکال لیا۔ مگر یہ ان کا قانونی حق تھا جس میں میں دخل نہ دے سکتا تھا۔ البتہ دوسرے ٹرک جو جماعتی انتظام کے ماتحت جاتے تھے۔ وہ بیشک کلیۃً ہمارے انتظام میں تھے (سوائے اس دخل اندازی کے جو ملٹری کی طرف سے ہوتی رہتی تھی اور دن بدن بڑھتی جاتی تھی) اور میں نے ایسے جماعتی ٹرکوں کے لئے ایک مستعد عملہ اور کچھ اصولی ہدایتیں مقرر کر رکھی تھیں اور ہر باہر جانے والی پارٹی کو باقاعدہ ٹکٹ ملتا تھا۔ - - - - - - - - - - -

جس میں باہر جانے والی عورتوں اور بچوں کی تعداد اور سامان کی مقدار درج ہوتی تھی جس

کے مطابق مقررہ عملہ چیک کر کے سواریاں بٹھاتا تھا۔ سامان کا اصول سب پر یکساں چسپاں ہوتا تھا اور اس میں ضروریات زندگی کی چیزوں کو مقدّم رکھا گیا تھا۔ مثلاً بستر اور پہننے کے کپڑے یا بعض صورتوں میں اقل تعداد میں کھانے کے برتن وغیرہ اور پارٹی کی تعداد کے مطابق سامان میں کمی بیشی کا اصول بھی مقرر تھا۔ البتہ دو چیزوں کے متعلق استثناء رکھی تھی۔ ایک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تبرکات اور دوسرے نایاب تبلیغی یا علمی کتابیں اور بعد میں اس میں ایک تیسری چیز کا بھی اضافہ کر دیا گیا یعنی ایسی اشیاء جو کسی شخص کی روزی کا ذریعہ ہوں مثلاً درزی کے لئے سینے کی مشین یا بڑھئی کے لئے اوزار وغیرہ۔ یہ اصول امیر و غریب سب پر یکساں چسپاں ہوتا تھا۔ گو ظاہر ہے کہ نسبتی لحاظ سے اس اصول سے غربا کو ہی زیادہ فائدہ پہنچتا تھا بلکہ غرباء کے متعلق تو میری یہانتک ہدایت تھی کہ صرف صدر صاحبان کی سفارش پر ہی معاملہ نہ چھوڑا جائے بلکہ میرے دفتر کے مرکزی کارکن خود جستجو کر کے یتامیٰ اور بیوگان اور ایسے مساکین کو تلاش کر کے میرے نوٹس میں لائیں جن کا حق ان کی غربت اور بے بسی کے سوا اور کوئی نہ ہو چنانچہ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میری اس ہدایت کی وجہ سے مجھے ملک غلام فرید صاحب نے رات کے دو بجے دارالفضل سے فون کیا کہ میں نے محلہ دارالبرکات میں ایک ایسی بیکس اور بے بس عورت تلاش کی ہے جس کے ٹکٹ کے لئے ابھی تک کسی نے سفارش نہیں کی۔ میں نے فوراً ہدایت دی کہ اسے اس کے ضروری سامان کے ساتھ دوسرے دن کے کنوائے میں بھجوا دیا جائے۔

الغرض جب تک میں قادیان میں رہا میں نے بلا امتیاز غریب و امیر سب کے واسطے ایک جیسا اصول رکھا اور عموماً صدر صاحبان کی تصدیق پر فیصلہ ہوتا تھا اور سامان کے متعلق بھی سب کے لئے ایک جیسا اصول تھا گو یہ علیحدہ بات ہے کہ بعض بے اصول لوگ چوری یا سینہ زوری کے ذریعہ زیادہ فائدہ اُٹھا لیتے ہوں مگر یہ ناگوار رخنے جن کی تعداد بہرحال کم ہوتی ہے، ہر انتظام میں ہو جاتے ہیں اور ہنگامی حالات میں تو لازمی ہوتے ہیں مگر ان زبردستی کی استثناؤں کی وجہ سے سارے نظام پر اعتراض کرنا درست نہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ پیش آمدہ حالات کے ماتحت جو کچھ بھی کیا گیا وہ حالات اور موقعہ کی نزاکت

کو دیکھتے ہوئے بالکل درست بلکہ ضروری تھا اور یہ سب کچھ نیک نیتی کے ساتھ اپنے آپ کو دن رات کی انتہائی کوفت میں مبتلا کر کے خالصۃً لوجہ اللہ کیا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ جب لاہور سے کنوائے پہنچتا تھا تو اس کی تیاری کے لئے مَیں اور میرا عملہ بسا اوقات رات کے تین تین بجے تک مسلسل کام میں لگے رہتے تھے اور بعض راتیں تو ہم ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہیں سوئے مگر یہ ہمارا کسی پر احسان نہیں ہے بلکہ خدا کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے ان خطرہ کے ایام میں خدمت کا موقعہ دیا۔ ان ایام میں بعض دوست میرے پاس آتے تھے کہ ہمیں زیادہ سامان بھجوانے کی اجازت دی جائے۔ مَیں انہیں سمجھاتا تھا کہ دیکھو اس وقت حال یہ ہے کہ خطرہ بالکل قریب آگیا ہے اور ٹرکوں کی تعداد تھوڑی ہے۔ اب چاہو تو احمدی عورتوں اور بچوں کی جان بچالو اور چاہو تو اپنا سامان محفوظ کر لو۔ اکثر دوست میرے اس اشارہ کو سمجھ جاتے تھے مگر بعض کوتاہ بین لوگ دل برداشتہ بھی نظر آتے تھے۔ لیکن مَیں مجبور تھا کہ بہرحال مومنوں کی جانوں اور خصوصاً عورتوں کی جانوں کو (جن کی جانوں کے ساتھ ان کے ناموس کا سوال بھی وابستہ تھا) سامان پر مقدم کروں۔ آخر ہر ٹرک کی گنجائش اور بوجھ اٹھانے کی طاقت محدود ہوتی ہے۔ اگر ہم ایک ٹرک پر سامان زیادہ لاد دیں گے تو لازماً سواریاں کم بیٹھ سکینگی اور اگر سامان کم ہوگا تو لازماً سواریوں کے لئے زیادہ گنجائش نکل آئے گی۔ ہماری اس تدبیر کا نتیجہ عملی صورت میں بھی ظاہر ہے کہ مشرقی پنجاب کی تمام دوسری جگہوں کی نسبت قادیان میں جانی نقصان نسبتی طور پر بہت کم ہوا ہے اور اغوا کے کیس تو خدا کے فضل سے بہت ہی کم ہوئے ہیں بلکہ جہاں تک میرا علم ہے قادیان کے احمدی مہاجرین میں سے کوئی ایک عورت بھی اغوا شدہ نہیں ہے جو ظاہری لحاظ سے (کیونکہ اصل حفاظت تو خدا کی ہے) اسی تدبیر کا نتیجہ تھا کہ اکثر عورتوں کو خطرہ سے پہلے نکال لیا گیا اور جو تعداد حملہ کے وقت قادیان میں موجود تھی وہ اتنی محدود تھی کہ خطرہ پیدا ہوتے ہی ہمارے آدمی انہیں فوراً سمیٹ کر محفوظ جگہوں میں لے آئے ورنہ اگر زیادہ تعداد ہوتی تو انہیں اتنے قلیل نوٹس پر سمیٹنا ناممکن ہوتا اور ان کا اتنی محدود جگہ میں سمانا بھی ناممکن تھا۔" [1]

---

[1] "الفضل" ۱۲ر نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳-۴ ۔

احمدی خواتین کی حفاظت کا نہایت شاندار کارنامہ اور اس کے بعض حیرت انگیز پہلو

بلاشبہ احمدی خواتین کو قادیان سے بحفاظت پاکستان پہنچا دینا سیدنا المصلح الموعود کا ایک ایسا شاندار کارنامہ ہے جو ہمیشہ آبِ زر سے لکھا جائے گا۔ ہم اس عظیم الشان اور بے مثال کارنامہ کا ایک جامع خاکہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے قلم سے سطور بالا میں لکھ چکے ہیں۔ اب جناب خواجہ غلام نبی صاحبؓ سابق ایڈیٹر "الفضل" کے لفظوں میں اس کے بعض حیرت انگیز پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ محترم خواجہ صاحبؓ اپنی ذاتی واقفیت اور چشمدید حالات کی بناء پر تحریر فرماتے ہیں :-

"قادیان کے ارد گرد کے مسلمان دیہات میں سکھوں کے مظالم جب روز بروز بڑھنے لگے۔ لُوٹ مار، قتل و غارت اور آتشزنی کے واقعات میں غیر معمولی اضافہ ہونے لگا۔ ملٹری اور پولیس لُٹیروں اور غنڈوں کی زیادہ سے زیادہ امداد کرنے اور مسلمانوں کی تباہی کو انتہا تک پہنچانے میں منہمک ہو گئی اور خطرات کا سیلاب زیادہ سے زیادہ شدت کے ساتھ قادیان کے قریب سے قریب تر پہنچنے لگا تو حفاظتی اور دفاعی انتظامات کے سلسلہ میں خواتین اور بچوں کی حفاظت کی طرف حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے خاص توجہ مبذول فرمائی۔ اور حضور کے ارشاد کے ماتحت لجنہ اماء اللہ کی کارکن خواتین نے ایسی مستورات کی فہرست تیار کی جنہیں ضعفِ قلب کی تکلیف یا کوئی اور عارضہ لاحق تھا تاکہ سب سے پہلے ان کو قادیان سے باہر محفوظ مقام پر پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ پہلے پہل اس قسم کی فہرست میں نام درج کرانے سے بہت سی ایسی خواتین نے انکار کر دیا جنہیں کوئی نہ کوئی عارضہ تو لاحق تھا لیکن دل مضبوط تھے۔ ان کی خواہش تھی جس کا انہوں نے باصرار اظہار بھی کیا کہ موت کے خطرہ سے انہیں قادیان سے باہر نہ بھیجا جائے۔ اگر اب موت ہی مقدر ہے، تو قادیان سے بہتر جگہ اور کونسی ہو سکتی ہے! پھر ان کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ خطرہ کے وقت ممکن خدمات سرانجام دینے کے موقع سے انہیں کیوں محروم کیا جاتا ہے۔ لیکن جب بتایا گیا کہ ان کی موجودگی مردوں کی سرگرمیوں میں مشکلات اور رکاوٹیں پیدا کرنے کا موجب ہوگی اور دشمن کا مقابلہ اس اطمینان اور انہماک سے نہ ہو سکے گا جو ان کے چلے جانے کے بعد کیا جا سکتا

ہے تو وہ با دلِ ناخواستہ قادیان سے باہر جانے پر آمادہ ہوسکیں۔

چونکہ خواتین اور بچوں کو محفوظ طریق سے باہر بھیجنے میں سخت مشکلات درپیش تھیں۔ ذرائع آمد و رفت بالکل مفقود تھے اور راستہ کے خطرات بے شمار، سرکاری حفاظت میں لاریوں اور ٹرکوں کا ملنا نہایت دشوار تھا۔ ان حالات میں تجویز یہ کی گئی کہ جوں جوں ٹرک میسّر آتے جائیں۔ پہلے بیمار، کمزور اور گود میں بچہ رکھنے والی عورتوں کو، لڑکیوں اور چھوٹے بچوں کو بھیجا جائے۔ اس کے لئے محلوں کے پریذیڈنٹوں سے فہرستیں طلب کی جائیں اور آمدہ ٹرکوں میں گنجائش کے مطابق نہایت چھان بین اور غور وخوض کے بعد حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اپنے دستخطوں سے ٹکٹ جاری فرماتے اور ساری ساری رات اپنے عملہ سمیت اس کام میں مصروف رہتے۔ اس کا اندازہ مجھے اس سے ہوا کہ پہلی دفعہ میرے گھر کی مستورات کا ٹکٹ رات کے قریباً دو بجے پہنچا مگر بارش کی وجہ سے سوار نہ کرایا جا سکا۔ دوسری دفعہ بھی ٹکٹ رات کے بارہ بجے کے بعد پہنچا۔

جب چند ٹرک پہنچتے تو ان کی واپسی کے انتظامات شروع کر دیئے جاتے اور روز بروز نازک سے نازک تر ہوتے جانے والے حالات کے پیش نظر اس بات کی انتہائی کوشش کی جاتی کہ زیادہ سے زیادہ عورتوں اور بچوں کو بھیجا جا سکے۔ اس وجہ سے کم از کم اور نہایت ضروری سامان عام طور پر پہننے کے کچھ کپڑے اور ایک آدھ بستر لے جانے کی تاکید کی جاتی چونکہ اردگرد کے دیہات کے بے شمار پناہ گزین بھی جمع تھے اور وہ ٹرکوں میں سوار ہونے کے لئے بے تحاشہ یورش کر دیتے تھے۔ اس لئے جن کو ٹکٹ دیئے جاتے ان کا سوار ہونا بہت مشکل ہو جاتا اور انتظامات میں بہت گڑبڑ پیدا ہو جاتی۔ اس کے علاوہ مسلح ملٹری کی دخل اندازی مشکلات کو انتہا تک پہنچا دیتی۔ مگر باوجود اس کے حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے صاحبزادگان ہر قسم کی مشکلات پر غالب آنے اور خواتین کو سوار کرانے کے لئے بذاتِ خود نہایت تندہی سے مصروف ہوتے۔ اس طرح یہ نہایت مشکل کام سرانجام پاسکتا تھا۔ لیکن جہاں دوسرے پہلوؤں سے ملٹری اور پولیس کا ظلم و تشدد بڑھتا گیا۔ وہاں خواتین کی روانگی میں بھی ملٹری نے انتہائی مشکلات پیدا

کرنی شروع کر دیں اور بات بات میں مداخلت کرنے اور جبر و ستم کا مظاہرہ کرنے پر تُل گئی۔
ایک دن جبکہ انتظام کے ماتحت ہمارے اپنے دس بارہ ٹرک احمدی عورتوں کو لے جانے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ عورتیں اور بچے ان میں سوار ہو چکے تھے کہ ملٹری نے حکم دے دیا کہ آدھے ٹرک فوراً خالی کر دیئے جائیں۔ ان میں ہم اپنی مرضی سے لوگوں کو سوار کرائیں گے۔ اس پر جب صدائے احتجاج بلند کی گئی تو ہندو ملٹری نے سب ٹرکوں پر قبضہ کر کے نہایت بیدردی اور سفاکی سے پردہ دار عورتوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر پھینک دیا۔ اور اس طرح ٹرک خالی کر کے لے گئی۔ ملٹری کے اس طریق عمل سے نہ صرف سلسلہ کے انتظام کے ماتحت اور احمدی ملٹری افسروں کی حفاظت میں آئے ہوئے ٹرکوں میں سوار ہونے سے احمدی خواتین اور احمدی بچے رہ گئے بلکہ کئی ایک کو چوٹیں بھی آئیں اور تھوڑا بہت سامان جو اُن کے ساتھ تھا وہ برباد ہو گیا۔

پھر حکومت کی طرف سے تو اس قسم کے اعلانات کئے جا رہے تھے کہ پناہ گزینوں کی نہ تو تلاشی لی جاتی ہے سوائے اسلحہ کی تلاشی کے اور نہ ان سے کوئی اسباب چھینا جاتا ہے لیکن قادیان میں اس تشدّد اور سختی سے ایک ایک بستر اور ایک ایک ٹرنک کھول کر دیکھا جاتا اور چھان بین کی جاتی کہ کوئی کام کی چیز باقی نہ رہ جاتی اور اس میں اتنی سرگرمی اور انہماک کا اظہار کیا جاتا کہ کئی بار تھوڑے تھوڑے ٹرکوں کو محض اس لئے رات بھر وہیں رُکنا پڑا کہ ان کی تلاشی ختم نہ ہو سکی۔ اس طرح عورتوں اور بچوں کو نہ صرف ساری رات کھلے میدان میں خوف و خطر کے اندر پڑے رہنا پڑا بلکہ کھانے پینے اور حوائج ضروریہ پُورا کرنے میں بھی انتہائی تکلیف اُٹھانی پڑتی۔

عورتیں اور بچے صبح کے ۴-۵ بجے ٹرکوں پر سوار ہونے کے لئے گھروں سے نکل کر مقررہ جگہوں پر جمع ہونے شروع ہو جاتے اور پناہ گزینوں کے بے پناہ ہجوم کی وجہ سے بڑی مشکلوں سے منتظمین جن میں زیادہ تر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے خاندان کے صاحبزادگان ہوتے سوار کرا سکتے۔ ابتدائی ایّام میں دھوپ میں کافی حدّت تھی۔ جب عورتیں بچے ٹرکوں میں کھچا کھچ بھر جاتے تو پھر ٹرک ملٹری کے احکام کی انتظار میں دھوپ میں کھڑے رہتے۔ آخر خدا خدا

کر کے چلتے تو تلاشی کی خاطر ریلوے لائن کے قریب کھلے میدان میں ان کو روک دیا جاتا۔ پھر اس بُری طرح ایک ایک چیز کو کھولا اور بکھیرا جاتا کہ باقی بچی کھچی اشیاء کا سمیٹنا بھی سخت مشکل ہو جاتا۔ خاص کر اس لئے کہ عام طور پر صرف مستورات اور بچے جا رہے ہوتے مرد اُن کے ساتھ نہ ہوتے۔ اس طرح اس قدر دیر ہو جاتی کہ قافلہ روانہ نہ ہو سکتا اور اسی جگہ عورتوں اور بچوں کو ایسی حالت میں رات گذارنی پڑتی جبکہ ایک طرف غنڈے سکھوں اور ملٹری و پولیس سے شدید خطرہ میں گھرے ہوتے اور دوسری طرف بھوک پیاس اور دن بھر کی کوفت سے نڈھال ہو رہے ہوتے

اس قسم کے دو قافلے مجھے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ہمارے نوجوانوں نے ان گرفتارانِ مصیبت کو کھانا اور پانی پہنچانے کی پوری کوشش کی اور خدا تعالیٰ نے خاص فضل یہ کیا کہ ان دونوں قافلوں کے ساتھ مسلمان ملٹری جن میں ہمارے احمدی نوجوان بھی شامل تھے کافی تعداد میں کافی اسلحہ کے ساتھ موجود تھی اور اس نے حفاظت کا پورا پورا حق ادا کیا۔ آخری قافلہ جس میں ہزاروں عورتیں اور بچے شامل تھے بہت بڑا قافلہ تھا اور انچارج ایک نہایت فرض شناس انگریز افسر تھا۔ اس کے قافلہ کے دس ٹرک غیر مسلم پناہ گزینوں کو گورداسپور لے کر گئے تھے اور ان کو حکم تھا کہ گورداسپور سے خالی ٹرک لے کر بڑے کنوائے کے ساتھ قادیان آملیں تاکہ ان پر بھی قادیان سے عورتوں اور بچوں کو سوار کرایا جائے۔ لیکن جب ٹرک وقت مقررہ کے بعد بھی قادیان نہ پہنچے تو مذکورہ بالا فرض شناس انگریز خود جیپ کار پر سوار ہو کر گورداسپور گیا اور وہاں سے خالی ٹرک ساتھ لے کر قادیان پہنچا۔ معلوم ہوا کہ گورداسپور کے افسر خالی ٹرک واپس نہیں آنے دیتے تھے بلکہ وہاں سے ہی لوگوں کو سوار کر کے بھیجنا چاہتے تھے۔ مگر اس انگریز افسر کی کوشش کامیاب ہوئی اور وہ اپنے ساتھ خالی ٹرک لے کر قادیان پہنچا اور ان پر عورتوں اور بچوں کو دوسرے دن سوار کرایا۔

قادیان کے حالات چونکہ اُسے بھی بیحد خطرناک نظر آ رہے تھے۔ ہر طرف تباہی و بربادی پھیلی ہوئی تھی۔ سکھوں کے مسلح جتھے اِدھر اُدھر منڈلا رہے تھے۔ ملٹری اور پولیس بھی قابلِ اعتماد نظر نہ آتی تھی۔ اس لئے اس نے ضروری سمجھا۔ کہ ہزاروں عورتیں اور بچے جن کی حفاظت کا فرض اس پر عائد ہو چکا ہے۔ ان کی حفاظت اور سلامتی کے لئے ہر ممکن

کوشش اور انتظام کرے اور کہنا پڑتا ہے کہ جہانتک ظاہری کوشش اور سامان کا تعلق ہے، اس نے نہایت ہوشیاری اور عقلمندی سے یہ فرض ادا کیا۔ سَو کے قریب ملٹری ٹرک تھے جن کو دائرہ کی شکل میں کھڑا کر دیا اور اندر کی طرف ہر ایک کی سواریوں کو اتار کر آرام کرنے کے لئے کہہ دیا۔ باہر کی طرف کڑا پہرہ قائم کر دیا۔ اس کے علاوہ قریب قریب کے مکانوں پر مضبوط پکٹیں قائم کر دیں۔ افسروں کو نگرانی پر کھڑا کر دیا۔ خود بھی مسلح کار پر چکر لگاتا رہا۔ ملٹری جو قریباً ساری کی ساری احمدی نوجوانوں پر مشتمل تھی، بڑے سے بڑے خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے ساری رات بالکل تیار رہی۔ اس طرح رات امن اور خیریت سے گذر گئی اور صبح کو قافلہ روانہ ہو گیا۔ یہ اس قافلہ کا ذکر ہے جس میں قادیان کی تمام عورتیں اور بچے آخری بار روانہ ہو گئے۔ اس سے قبل پرائیویٹ لاریوں کا ایک اور کنوائے ملٹری کی حفاظت میں اس وقت پہنچا تھا جبکہ ابھی قادیان میں رہنے والوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالا گیا تھا اس پر سوار ہونے والوں پر بھی انتہائی تشدّد کیا گیا۔ ابھی وہ کنوائے رُکا ہی ہوا تھا کہ اگلے دن صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب میجر ابن حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کی سرکردگی میں چند ملٹری ٹرکوں پر مشتمل ایک اور کنوائے پہنچ گیا۔ جب یہ کنوائے تیار ہو کر اس جگہ پہنچا جہاں ہندوستانی ملٹری تلاشی لیتی تھی تو پہلا کنوائے وہیں رُکا پڑا تھا۔ اور ملٹری کی مار دھاڑ کا شکار ہو رہا تھا۔ اس وقت حضرت صاحبزادہ صاحب نے عورتوں اور بچوں کی سہولت کی خاطر اپنے رتبہ اور درجہ کی کوئی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک ایسا طریق اختیار کیا جو نہایت کامیاب ثابت ہوا۔ اور ان کے زیر حفاظت کنوائے تھوڑی دیر کے بعد ہی روانہ ہو گیا۔ اس وقت موقعہ پر تلاشی لینے والا بڑا افسر موجود نہ تھا۔ وہ گورداسپور گیا ہوا تھا اور انچارج صاحبزادہ صاحب کے مقابلہ میں کوئی بہت چھوٹے درجہ کا افسر تھا۔ مَیں نے دیکھا۔ صاحبزادہ صاحب نے بے تکلفانہ گفتگو کرتے ہوئے اپنا بازو اس کی کمر میں ڈال دیا۔ اسے ساتھ لئے ہوئے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے اور وہ آپ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ آپ کی یہ ادا دیکھ کر میرا (دل خوشی اور مسرت سے بھر گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد ہمارے لئے کیا کیا کوشش کر رہی ہے چند ہی منٹ بعد آپ کے

کنوائے کو بغیر تلاشی لئے روانگی کی اجازت مل گئی اور اس طرح آپ نے حسین تدبیر سے خواتین اور بچوں کو بڑی تکلیف سے بچا لیا بجالیکہ آپ سے پہلے آنے والا قافلہ اس دن بھی نہ جاسکا جو اگلے دن روانہ ہوا۔

ٹرکوں میں سوار ہونے کے سلسلہ میں عورتوں کو ایک بڑی تکلیف یہ بھی درپیش تھی کہ ہندو ملٹری کا قریباً ہر سپاہی اور افسر چند ایک بیرونی پناہ گزین مردوں اور عورتوں کو اپنے ساتھ لگائے پھرتا اور ہر ٹرک میں جو پہلے ہی عورتوں اور بچوں سے لبالب بھرا ہوتا نہ صرف عورتوں کو بلکہ مردوں کو بھی زبردستی ٹھونسنا چاہتا اور باوجود بار بار صدائے احتجاج بلند کرنے کے ٹھونس کر ہی رہتا۔ یہ کون لوگ تھے، وہی خانماں برباد جو اپنی رہی سہی پونجی ان بھیڑیوں کی نذر کر دیتے تاکہ جان بچا کر ان کے نرغہ سے نکل سکیں۔

ان ہولناک اور تباہ کن ایام میں جبکہ مشرقی پنجاب کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک لاکھوں مسلمان انتہائی مظالم کا شکار ہو رہے اور سفاکوں کے ظلم و ستم سے بچنے اور اپنے ننگ و ناموس کو بچانے کی کوئی صورت نہ پاتے تھے۔ چنانچہ اب تک لاکھوں ہی موت کے گھاٹ اُتر چکے اور لاکھوں ابھی تک مخلصی پانے کا کوئی ذریعہ میسر نہ آنے کی وجہ سے موت کے پنجہ میں گرفتار ہیں۔ یہ انتظامات ——— قادیان سے ہزاروں عورتوں اور بچوں کو صحیح سلامت نکال لانے کے انتظامات ——— خواتین کے ننگ و ناموس اور عزت و حرمت کو محفوظ رکھنے کے یہ انتظامات ——— حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی دن رات کی ان کوششوں اور مساعی کا ہی نتیجہ ہے جنہیں خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے شرفِ قبول بخشا اور جن کی کامیابی کی مثال، جان و مال، عزت و آبرو کی تباہی کے اس غیر معمولی سیلاب میں اور کہیں نہیں مل سکتی۔ اور جب یہ دیکھا جائے کہ ہمارے راستہ میں جس قدر مشکلات حائل تھیں۔ ہمارے مقابلہ میں رکاوٹوں کے جس قدر پہاڑ کھڑے تھے اور ہم بے سرو سامانی کی جس حد کو پہنچے ہوئے تھے اس کی مثال بھی کسی اور جگہ نہیں مل سکتی تو اس کامیابی اور کامرانی کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بیحد و حساب مشکلات اور روکاوٹوں کے دوران میں قادیان کے ہزاروں بچوں، عورتوں اور مردوں کو قادیان سے نکالنے کا جو انتظام فرمایا وہ اتنا شاندار اور اس قدر کامیاب تھا کہ اس کی مثال سارے مشرقی پنجاب میں اور کہیں نہیں مل سکتی۔ اس انتظام کی کامیابی کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کی پابندی کرنے والے اور اس کے ماتحت قادیان سے آنے والے ہزارہا نفوس میں سے خطرات اور خدشات سے پُرطویل راستہ میں نہ تو کوئی ایک بھی متنفّس ضائع ہوا اور نہ ظالم اور جفاکار سکھوں کے ہاتھ پڑا۔ حالانکہ راستہ تو الگ رہا خود قادیان میں ہندو فوج، ہندو پولیس اور سکھ لٹیروں اور قاتلوں کے جتھوں کی یہ حالت تھی کہ جس کو چاہتے بے دریغ اور بلا وجہ گولیوں کا نشانہ بنا دیتے۔ جسے چاہتے بلا خوف و خطر لوٹ لیتے اور دن دہاڑے دیہاتی پناہ گزینوں کے مجمع میں گھس کر عورتوں کو اُٹھا لے جاتے اور مزاحمت کرنے والوں کو گولیوں یا کرپانوں سے موت کے گھاٹ اُتار دیتے۔ ان حالات میں کئی دنوں تک گھری ہوئی قادیان کی احمدیہ جماعت کی ہزاروں عورتوں، بچوں اور مردوں کو ایک بھی جان کے ضائع یا گم ہونے کے بغیر درندہ صفت دشمنوں کے پنجۂ ستم سے نکال کر صحیح و سلامت منزلِ مقصود تک لے جانا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ مَیں تو قادیان میں بیٹھا ہوا ہوں جوں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے اس انتظام کو اور اس کی کامیابی کو دیکھتا اس کی مثال ڈھونڈھنے سے قاصر ہوتا جاتا۔ میرے دماغ میں موت اور تباہی کے نہایت وسیع طوفان سے انسانوں کو بچا کر محفوظ مقام پر پہنچانے کی بڑی سے بڑی مثال ڈنکرک کے واقعہ کی آئی جبکہ گذشتہ جنگِ عظیم کے دوران میں انگریزی اور ہندوستانی بہت بڑی سپاہ اس مقام پر جرمنی کی قہرمانی فوجوں کے گھیرے میں گھر گئی تھی اور انگریزوں نے اپنی تمام مساعی اس کو نکال کر لے جانے میں صرف کر دی تھیں۔ آخر بہت بڑا جانی و مالی نقصان برداشت کر کے جس قدر جانوں کو بھی انگریز بچا کر لے جانے میں کامیاب ہوئے اسے بہت بڑا کارنامہ سمجھا گیا اور فی الواقعہ یہ بڑا شاندار کارنامہ ہی تھا۔ لیکن میری نگاہ میں قادیان سے بچوں عورتوں اور آخر میں مردوں کو موت کے منہ سے نکال کر لے جانے کا واقعہ اس سے بھی بڑھ

کر شاندار اور اہم ہے کسی خوش فہمی کی بنا پر نہیں بلکہ دلائل کی بنا پر۔ صفحہ (۱) ڈنکرک میں وقتی طور پر بیشک دشمن کو غلبہ حاصل ہوگیا تھا۔ اور اس کی طاقت زیادہ تھی مگر باوجود اس کے مقابلہ میں انگریز بھی بالکل بے دست و پا نہ تھے۔ ان کے پاس بھی جنگ کا ہر قسم کا سامان موجود تھا۔ جسے حتی الامکان انہوں نے استعمال کیا اور اس سے انہیں بچ کر نکلنے میں بڑی مدد ملی۔ لیکن یہاں یہ حالت تھی کہ اُدھر تو ہندو اور سکھ ملٹری کے پاس بندوقیں، مشین گنیں، برین گنیں اور بم تک تھے۔ لیکن ادھر احمدیوں کے پاس لاٹھیاں بھی نہ تھیں اور الفاظ کے اصل مفہوم کے مطابق وہ بالکل خالی ہاتھ تھے۔

پھر وہاں تو نرغے سے نکالنے کے بیسیوں ذرائع ان کے پاس تھے۔ ہر قسم کے جہاز، کشتیاں وغیرہ لیکن یہاں اس لحاظ سے بھی کچھ نہ تھا۔ ہماری ذاتی اور سلسلہ کی کاریں اور ٹرک چھین لئے گئے۔ گھوڑے، خچریں، گدھے تک سکھ ڈاکو دن داڑے جبراً لے گئے۔ باہر آئے ہوئے پناہ گزینوں کے گڈوں کے بیل ملٹری اور پولیس بندوقوں کے ذریعہ ہتیا کر لے گئی۔ غرض قادیان میں رہنے والوں کی نقل و حرکت کے نہایت معمولی سے معمولی ذرائع کا بھی خاتمہ کر کے انہیں مکمل طور پر نرغہ میں لے لیا گیا۔

ڈنکرک سے انگریزی اور ہندوستانی فوجوں کو نکالنے کا بیڑا ایک عظیم الشان حکومت نے اُٹھایا تھا۔ اور یہ انتظام ایک وسیع سلطنت کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن قادیان کی جماعت احمدیہ کے بچوں، عورتوں اور مردوں کو سیلاب بلا سے بچانے کا کام انگلیوں پر گنے جا سکنے والے چند افراد کے کمزور اور نحیف ہاتھوں میں تھا۔

وہاں نرغے سے نکلنے والے جانباز جنگجو اور بہادر سپاہی تھے جو جنگ کی صعوبتیں جھیلنے کے عادی اور خطرات میں سے گذرنے کے عادی تھے۔ لیکن یہاں زیادہ تر کم سن حتیٰ کہ دُودھ پیتے بچے، پردہ میں رہنے والی خواتین، بیمار اور کمزور عورتیں اور مرد تھے جن کا اس قسم کے مصائب اور مشکلات میں سے گذرنا تو الگ رہا کبھی ان کے خیال میں بھی نہ آیا تھا۔

ڈنکرک سے بچ کر جانے والوں کے لئے ان کا اپنا وطن اور اپنا مُلک اُلفت اور محبت کی گود پھیلائے اور اپنے ہم وطن اور عزیز اپنے سر آنکھوں پر بٹھانے کے لئے موجود تھے۔

لیکن قادیان سے سب کچھ لُٹا کر آنے والوں کے لئے ایک محدود سی جگہ مہیا ہو سکی تھی۔
وہاں سے نکل کر آنے والوں کے لئے ہر قسم کے آرام و آسائش کے سامان بافراط مہیا تھے۔ لیکن یہاں بیٹھنے تک کے لئے جگہ کا میسر آنا بھی مشکل تھا اور کھانے پینے کے انتظامات میں شدید مشکلات حائل تھیں۔

باوجود ان تمام مشکلات کے حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام فرمایا کہ تمام کے تمام بچے، تمام کی تمام خواتین اور تمام کے تمام مرد بغیر کسی استثناء کے بخیر و عافیت اس سیلِ بلا سے نکل آئے۔ راستہ کے تمام خطرات کو کامیابی سے عبور کر کے نکل آئے اور کسی ایک جان کے نقصان کے بغیر ہزاروں انسان نکل آئے۔ حالانکہ وہ مسلسل ایک لمبے عرصہ تک گھروں پر رہتے ہوئے خوف و خطر میں گھرے رہے۔ پھر گھروں سے باہر نکالے جانے کے بعد کئی دنوں تک جان اور آبرو کے خطرہ میں مبتلا رہے دشمنوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ خطرات اور مصائب سے بچ کر نکلنے کے تمام راستے مسدود کر دے۔ پھر ہزاروں بچوں اور عورتوں کو قادیان کی آخری رات کھلے میدان میں ہندو سکھ ملٹری اور پولیس اور گرد و نواح کے ڈاکو اور لٹیرے سکھوں کے شدید نرغہ میں گذارنی پڑی پھر رستہ کا چپہ چپہ خطرات سے پُر تھا اور جا بجا ظالم اور کینہ صفت دشمنوں کے مظالم کے نشانات قبروں کی شکل میں موجود تھے لیکن خدا تعالیٰ نے حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ذریعہ جماعت پر اتنا عظیم الشان فضل کیا کہ اس نے ان تمام خوفناک مراحل کو بخیریت عبور کر لیا۔" [1]

قادیان کی جماعت کا بحفاظت پاکستان میں آنا اعجازی نشان ہے

مندرجہ بالا واقعات پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنا چنداں مشکل نہیں کہ قادیان کی احمدی خواتین اور احمدی بچوں کا بحفاظت پاکستان میں آ جانا سیدنا المصلح الموعود کا ایک عظیم کارنامہ ہے جو دُنیا میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ سیدنا فرماتے ہیں:۔

"ہمارا قادیان سے آنا ہی لے لو۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ اسی وجہ سے ٹھوکریں کھا

---

[1] "الفضل" ۱۷؍ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۵۔

رہے ہیں حالانکہ اس حادثہ کی وجہ سے ہمارے ایمان تو پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گئے ہیں۔ اوّل تو جس رنگ میں ہماری قادیان کی جماعت کے افراد دشمن کے حملوں سے محفوظ رہ کر پاکستان پہنچے ہیں اس کی نظیر مشرقی پنجاب کی کسی اور جماعت میں نہیں ملتی۔ جس طرح ہماری عورتیں محفوظ پہنچی ہیں جس طرح ہمارے مرد محفوظ پہنچے ہیں اور جس طرح جلسیوں لوگوں کے سامان بھی ان کے ساتھ آئے ہیں۔ اس کی کوئی ایک مثال بھی مشرقی پنجاب میں نظر نہیں آسکتی۔ نہ لدھیانہ کے قافلوں میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے، نہ جالندھر کے قافلوں میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے اور نہ فیروز پور کے قافلوں میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے لدھیانہ اور جالندھر کے قافلوں کے ساتھ فوجیں تھیں۔ حفاظت کا سامان تھا مگر پھر بھی ان میں سے ہزاروں لوگ مارے گئے۔ لیکن قادیان کے لوگوں کے ساتھ کوئی فوج نہیں تھی۔ پھر بھی وہ سب کے سب سلامتی کے ساتھ پاکستان پہنچ گئے۔

پس اوّل تو یہی کتنا بڑا نشان ہے کہ ہزاروں افراد کی جماعت قادیان سے نکلی۔ اور سلامتی کے ساتھ یہاں پہنچ گئی۔ کوئی ایک مثال بھی تو پیش نہیں کی جاسکتی جس میں اللہ تعالیٰ کا یہی سلوک اور مسلمانوں کے ساتھ ہوا ہو۔ پھر چاہے بعض کو ٹھوکریں لگیں۔ مگر یہ کتنا بڑا نشان ہے کہ ہماری انجمن کا اتنا بڑا محکمہ قادیان سے اُٹھ کر لاہور آگیا اور یہاں آتے ہی چالو ہو گیا۔ گورنمنٹ کے محکموں کے سوا کوئی ایک مثال ہی بتائی جائے کہ کسی جماعت کے وہاں اس قدر محکمے ہوں اور پھر وہ اُسی طرح آتے ہی چل پڑے ہوں جس طرح پہلے چل رہے تھے۔ یہ تو بالکل اللہ دین کے چراغ والی بات ہو گئی جس طرح اس چراغ سے آناً فاناً ایک محل تیار ہو جاتا تھا۔ اسی طرح یہ ایک حیرت انگیز واقعہ ہوا کہ قادیان سے احمدیت اُٹھی اور لاہور میں آکر قائم ہو گئی اور قائم بھی ایسی شان سے ہوئی کہ آج دُنیا میں احمدیت کا نام جس قدر بلند ہے جس قدر عظمت اُسے حاصل ہے یہ بلندی اور عظمت اس سے بہت زیادہ ہے جو اُسے قادیان میں حاصل تھی" [1]

---

[1] "الفضل" ۱۳/اخاء/اکتوبر ۱۳۲۸ ہش ۱۹۴۹ء صفحہ ۶

قادیان کے قافلوں کی حفاظت کیلئے صدقہ

بالآخر یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت مصلح موعود بیشک مادّی ذرائع کو کام میں لاتے مگر آپ کا توکل اور انحصار ہمیشہ خدا تعالےٰ کی ذات پر رہا۔ یہی صورت قادیان کے محصور احمدیوں کے لئے آپ نے اختیار فرمائی۔ یعنی آپ کنوائے بھی بھجواتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ دعاؤں اور صدقات پر بھی زور دیتے تھے۔ چنانچہ خود ہی بیان فرماتے ہیں :۔

"مَیں جب قادیان سے آیا ہوں تو مَیں نے خیال کیا کہ جو لوگ وہاں بیٹھے ہیں ان کے لئے صدقہ دیتے رہنا چاہیئے۔ چنانچہ جب تک آخری قافلہ نہیں آیا مَیں پچیس روپیہ روزانہ صدقہ دیتا تھا اور یہ ساڑھے سات سو ماہوار بنتا ہے۔ جب قافلے آگئے اب سو روپے ماہوار صدقہ دیتا ہوں تا خدا تعالےٰ وہاں کے رہنے والوں کو محفوظ رکھے" [۱]

خدا تعالےٰ کی طرف سے ایام کرب و بلا میں احمدیوں کے ساتھ امتیازی سلوک

ماہ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں قتل و غارت کا جو بازار گرم ہوا تھا وہ ماہ تبوک/ستمبر میں انتہاء کو پہنچ گیا۔ لاکھوں مسلمان چھوٹے یا بڑے ڈیروں میں یا تو دہشت زدہ ہو کر سکڑے بیٹھے تھے یا سڑکوں پر پاکستان کا رُخ کئے جا رہے تھے۔ ظلم و ستم کی حد یہ تھی کہ وہ ظالم حملہ آور جنہوں نے اُن کے گاؤں جلائے۔ ان کی عورتوں کو بے آبرو کیا اور بچے کھچے بدنصیبوں کو بھگا دیا، اب بھی ان کا تعاقب کر کے ان کو رستے ہی میں تہ تیغ کر رہے تھے "سکھ میدان کارزار میں" نہایت مستند واقعات کی روشنی میں ان حملوں کا ذکر ہے جو انبالہ، جالندھر، امرتسر، فیروزپور اور جالندھر کے پیدل قافلوں پر کئے گئے اور جن میں بے شمار جانیں ضائع ہوئیں۔ بہت سے مسلمان جن میں شیرخوار کم عمر بچے اور بوڑھی عورتیں اور مرد شامل تھے، آتشیں اسلحہ برچھیوں اور کرپانوں سے شدید زخمی ہوئے۔ [۲]

---

[۱] "الفضل" ۲۶ تبلیغ/فروری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء (خطبہ جمعہ) صفحہ ۶ کالم ۱۔

[۲] کتاب "سکھ میدان کارزار میں" کے اندر یہاں تک لکھا ہے کہ ستمبر کے دوسرے ہفتہ میں سات ہزار مسلمان زیرہ (ضلع فیروزپور) سے پیدل روانہ ہوئے۔ رستہ میں ان پر حملہ کیا گیا۔ تمام جوان آدمی مار ڈالے گئے اور جوان عورتیں اُٹھا لی گئیں۔ دو ہزار سات سو اشخاص جن میں زیادہ تر بوڑھی عورتیں اور مرد تھے قریب

اگرچہ مشرقی پنجاب کے دوسرے مسلمانوں کی طرح احمدیوں کو بھی اس قیامت صغریٰ سے دوچار ہونا پڑا اور واہگہ سے لے کر دہلی تک کا علاقہ ان کے لئے میدان کرب و بلا بن گیا مگر خدا تعالےٰ کی غیر معمولی نصرت اور حفاظت کا ہاتھ ہر جگہ ان کے لئے کار فرما رہا۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ (چند مستثنیات کے سوا) جہاں خدا کے فضل و کرم سے احمدی خواتین کا دامن عصمت و حرمت، ننگِ انسانیت ظالموں اور بدسگالوں کی چیرہ دستیوں سے بالکل محفوظ رہا وہاں جماعت احمدیہ کا جانی نقصان بھی نسبتاً بہت ہی کم ہوا۔ اکثر و بیشتر جماعتیں پیدل یا فوجی ٹرکوں یا گاڑیوں میں بحفاظت پاکستان پہنچیں۔[5] بعض جماعتوں (مثلاً کپور تھلہ وغیرہ) کی نسبت افواہ پھیل گئی کہ ان کے اکثر افراد مار دیئے گئے ہیں مگر تحقیقات سے معلوم ہوا کہ صرف ایک احمدی شہید ہوا ہے (اور قادیان اس کے مضافات، سڑوعہ اور دہلی وغیرہ کے سوا) چند ہی ایسی جماعتیں ہوں گی جس کے دو تین حد چار سے زیادہ احمدیوں کو سانحہ شہادت پیش آیا ہو۔

دہلی کے احمدی شہداء

قادیان اور اس کے ماحول کے شہداء کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ یہاں ہم دہلی اور سڑوعہ کے شہیدوں کا ذکر کرتے ہیں۔

دہلی میں خانہ جنگی کے دوران مندرجہ ذیل چار نہایت مخلص احمدیوں کو شہادت نصیب ہوئی:۔

۱۔ بابو نذیر احمد صاحبؓ امیر جماعت احمدیہ دہلی۔ آپ ۷/ستمبر کو کرفیو ہٹنے کے دوران صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب (ابن حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ) کے ہاں دریا گنج تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں چند ہندو نوجوانوں کے ہاتھوں شہید کر دیئے گئے اور آپ کی نعش ایسی جگہ پہنچا دی جہاں سے باوجود

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ قریب ننگے گنڈا سنگھ والا پہنچے۔ انہی دنوں تین ہزار مسلمانوں کا ایک اور قافلہ ضلع فیروز پور کے جنوب سے ابوہر جا رہا تھا۔ ڈپٹی کمشنر منٹگمری کو اطلاع پہنچی کہ اس قافلے پر حملہ کیا گیا ہے۔ اس نے پنجابی رجمنٹ کے ایک افسر کو دیکھ بھال کے لئے روانہ کیا جس نے واپس آ کر بتایا کہ اس نے ابوہر کے ارد گرد کی سڑکیں نعشوں سے پٹی ہوئی دیکھی ہیں۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ جو ڈوگرے مسلمانوں کے پہرہ دار مقرر کئے گئے تھے انہی کی امداد سے سارے کا سارا قافلہ ذبح کر ڈالا گیا ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس افسر کو کسی عورت کی نعش نظر نہیں آئی جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عورتیں سب کی سب اٹھا لی گئیں۔

ف۵ گاڑیوں کا سفر عام طور پر نسبتاً محفوظ سمجھا جاتا ہے مگر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کے آتشیں ماحول میں پیدل قافلوں کی طرح گاڑیوں میں بھی نہایت سفاکی اور درندگی سے قتل عام کیا گیا۔ کتاب "سکھوں کا منصوبہ" کے آخر میں ۱۷ اگست ۱۹۴۷ء سے لے کر ۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء تک کی ایسی واردات کا مفصل نقشہ دیا گیا ہے۔

کوشش کے تلاش نہیں کی جا سکتی تھی۔

۲۔ بابو محمد یونس صاحب۔ آپ بابو نذیر احمد صاحب کے ماموں تھے جو ۱۲ تبوک/ستمبر کو غالباً لیڈی ہارڈنگ ہسپتال میں دوائی لینے کی غرض سے گئے۔ مگر آہ! پھر واپس نہ آسکے۔

۳۔ چودھری غلام محمد صاحب سب پوسٹ ماسٹر۔ آپ فسادات کے دوران نیتا رام نند لعل کے کوارٹر میں ایک سکھ انسپکٹر کے ایما سے شہید کر دیئے گئے۔

۴۔ محمد حسین صاحب واچ مین۔ آپ ۱۹ تبوک/ستمبر دہلی سے مع اپنی اہلیہ کے پرانا قلعہ کیمپ میں پہنچے۔ پاکستان جانے کے لئے ایک اسپیشل ٹرین پر سفر کر رہے تھے کہ بیاس اسٹیشن کے قریب گاڑی پر حملہ ہوا۔ اور اس حملہ میں مرحوم اور ان کی رفیقہ حیات دونوں شہید کر دیئے گئے۔[۱]

سٹروعہ کے احمدی شہداء

سنہ ۱۹۰۱ء کے قریب سٹروعہ (تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیار پور) میں احمدیت کا آغاز ہوا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی یہاں ایک مخلص اور جانثار جماعت قائم ہو گئی تھی۔ اس گاؤں میں ایک ہزار کے قریب مرد و زن اور بچے احمدی آباد تھے۔ ۳۰ ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو (بوقت ۹ بجے صبح) ۲۱ ہزار مسلح سکھوں نے گاؤں پر دھاوا بول دیا۔ اس وقت سٹروعہ میں صرف پانچ بندوقیں تھیں مگر درے سات تھے جہاں سے سکھ باسانی داخل ہو سکتے تھے۔ احمدی و غیر احمدی مسلمانوں نے ان سات دروں پر اپنی حفاظتی چوکیاں قائم کرلیں۔ اور تہیہ کر لیا کہ مر جائیں گے مگر سکھوں کو گاؤں کے اندر داخل نہیں ہونے دیں گے۔ سکھوں نے دھمکیاں دیں کہ سٹروعہ کو لڑائی کے بغیر خالی کر دو ورنہ قتل و غارت کے علاوہ عورتوں کی بھی بے عزتی کی جائے گی مگر مسلمانوں نے سکھوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے صاف انکار کر دیا جس پر دن کے دو بجے گاؤں کے باہر دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ مشرقی درے پر ہندو گوجروں نے حملہ کیا تھا۔ جب ایک کوٹھے سے ان پر گولیاں برسنا شروع ہوئیں تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ نکلے۔ اس موقعہ پر صوبیدار عبدالمجید خاں احمدی پنشنر اور چودھری عبدالحکیم خاں احمدی نے شجاعت اور بہادری کے شاندار کارنامے نمایاں دکھائے۔ وہ اپنا درہ چھوڑ کر دوسرے غیر محفوظ دروں کی طرف بھی جا کر فائر کرتے اور پھر اپنا درہ بھی سنبھال لیتے تھے۔ شام کے پانچ بجے ہوں گے کہ اس وقت اگرچہ صرف چودہ گولیاں باقی رہ گئی

---

[۱] "الفضل" ۲۵ تبلیغ/فروری ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔

تھیں مگر ابھی تک سکھوں کو گاؤں کے اندر داخل نہیں ہونے دیا تھا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے اچانک اس طرح مدد فرمائی کہ تین فوجی مسلمان اپنا ایک فوجی ٹرک لے کر وہاں آنکلے اور انہوں نے سکھوں کو حملہ آور دیکھتے ہی گولیاں چلانی شروع کر دیں جس سے سکھوں میں سخت بھاگڑ مچ گئی اور ۲۱ ہزار سکھ بھاگ نکلا اور آگ لگانے کے لئے تیل کے پیپے جو ہمراہ لائے تھے وہ مڑوعہ والوں کے ہاتھ لگے۔ اس طرح عین آخری وقت پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تائید و نصرت فرما کر اہل مڑوعہ کی خواتین کی عزت و عصمت کو محفوظ فرما دیا۔ بعض مستورات نے اس جنگ میں لڑنے والے مردوں کو پانی پلانے کا کام کیا۔ مڑوعہ کے ۷ مسلمان جن میں چوہدری احمد خاں صاحب ولد بڈھے خاں صاحب، اللہ بخش صاحب تیلی، احمد علی خاں صاحب وٹرنری انسپکٹر پنشنر جیسے مخلص احمدی بھی تھے داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ دوسری طرف سکھوں کے ۶۱۰ مرد کام آئے مسلمانان مڑوعہ اس معرکہ کے دوسرے روز اسی فوجی ٹرک کی امداد سے گڑھ شنکر میں جا پناہ گزیں ہوئے[1] جہاں سے بالآخر پاکستان میں ہجرت کر آئے۔

مشرقی پنجاب میں اسلامی پرچم لہرانے کے لئے مجاہدانہ عزم

اگرچہ ہندوؤں اور سکھوں کی خوفناک سازشوں اور جارحانہ کارروائیوں کو دیکھ کر یہ تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ کوئی ایک بھی کلمہ گو اور اسلام کا نام لیوا مشرقی پنجاب کے خونین غدر میں باقی رہ سکتا ہے مگر حضرت سیدنا المصلح الموعود کی غیرت ایک لمحہ کے لئے گوارا نہیں کرتی تھی کہ اتنا بڑا علاقہ جہاں مدتوں پوری شان و شوکت سے اسلامی پرچم لہراتا رہا یکسر خالی ہو جائے اسی لئے حضور کا منشا مبارک یہ تھا کہ اس علاقہ کے مسلمان خصوصاً احمدی اپنے بال بچوں کو پاکستان میں چھوڑ کر اپنے اپنے مقامات کی طرف واپس جانے کی کوشش کریں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو وہ پاکستان کی سرحد کے ساتھ ایسی جگہوں پر آباد ہوں جہاں اُن کے لئے اپنی بستیوں میں پہنچنا آسان ہو چنانچہ حضور نے ۱۲ اخاء/اکتوبر کے خطبہ جمعہ میں مشرقی پنجاب سے آنے والے احمدیوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

---

[1] "الفضل" ۲۵ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳

"مَیں اُن لوگوں کو جو مشرقی پنجاب سے آئے ہیں کہتا ہوں کہ تم اپنے اپنے مقامات میں واپس جانے کی کوشش کرو۔ اگر دُور دُور کے گاؤں میں نہیں جا سکتے تو تم لاہور، سیالکوٹ اور قصور کے پاس پاس چلے جاؤ۔ فیروزپور کے ارد گرد رہو یا تم اجنالہ میں رہو یا بٹالہ یا گورداسپور میں رہو۔ یہ تحصیلیں ایسی ہیں جو پاکستان سے لگتی ہیں۔ دو گھنٹے میں انسان اِدھر جا سکتا ہے اور دو گھنٹے میں انسان اُدھر جا سکتا ہے۔ اگر ۴۴ لاکھ مسلمان مشرقی پنجاب سے نکل آیا تو یاد رکھو کہ چار کروڑ مسلمان جو یو۔ پی، بمبئی اور مدراس میں رہتا ہے وہ سب کا سب مارا جائے گا۔ اور سارا گناہ اُن مسلمانوں پر ہوگا جو مشرقی پنجاب میں سے بھاگ رہے ہیں۔ تم دس دس میل سے بھاگ رہے ہو اور پاکستان میں آ رہے ہو تو اُن کے اور پاکستان کے درمیان تو تین چار سو میل کا فاصلہ ہے وہ کس طرح آئیں گے۔ یقیناً وہ اسی جگہ مارے جائیں گے۔ لیکن اگر اُن کو تسلی ہوئی کہ مسلمان بھگوڑے نہیں تو اُن کے اندر بھی جرأت پیدا ہو جائے۔ اور وہ بھی اپنے اپنے مقام پر کھڑے رہیں گے ورنہ یاد رکھو جتنا ثواب حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ، حضرت نظام الدین صاحب اولیاءؒ اور حضرت فرید الدین صاحب شکر گنج والوں کو ہندوستان کو مسلمان بنانے کا ملا۔ اس سے کہیں بڑھ کر عذاب تمہیں ہندوستان سے اسلام ختم کرنے کی وجہ سے ملے گا۔ پس مشرقی پنجاب میں تم پھر واپس جاؤ۔ بیشک اپنی عورتوں اور بچّوں کو اِدھر چھوڑ جاؤ۔ لیکن اگر تم نے اس ملک کو خالی کیا تو اسلام کا نام و نشان تک اس میں سے مٹ جائے گا اور پھر نہ معلوم سینکڑوں سال بعد یا کب اسلام کی دوبارہ ترقی کے لئے اللہ کی طرف سے نئی رَو پیدا ہو۔ یہ چیزیں بے شک ابتلاء والی ہیں مگر تمہیں یہ بھی تو سوچنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے پہلے سے ہمیں ان باتوں کی خبر دی ہوئی ہے۔ اگر اُس کی منذر خبریں تمہارے دلوں کو پریشان کرتی اور مسلمانوں کا تنزّل تم کو غمگین بناتا ہے تو کیا اس کی بشارتیں تمہارے دلوں میں ایمان پیدا نہیں کرتیں اور کیا تم یقین نہیں رکھتے کہ جس خدا کی وہ باتیں پوری ہوگئیں جو مسلمانوں کے تنزّل کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں اس خدا کی وہ باتیں بھی ضرور پوری ہو کر رہیں گی جو اسلام کی ترقی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔" [1] [2]

---

[1] "الفضل" ۳۰ر تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳

[2] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

مُسلم مہاجرین کی آبادکاری کیلئے قیمتی اور اہم تجاویز

سیدنا المصلح الموعود نے مشرقی پنجاب میں اسلامی اثر و اقتدار کے قائم رکھنے کا جو مثالی اعلان فرمایا اس سے احمدیوں کے علاوہ غیر احمدی مسلمانوں کو بھی باخبر کرنا ضروری تھا تا انہیں بھی ایک عمومی تحریک ہو جائے۔ چنانچہ حضور نے خاص اس غرض سے ۶ تبوک / ستمبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء کو (یعنی اپنی ہجرت کے پہلے ہی ہفتہ میں) ایک پریس کانفرنس کو خطاب فرمایا جس میں مُسلم مہاجرین کی آبادکاری کے لئے ارباب حکومت کے سامنے بعض نہایت بیش قیمت اور اہم تجاویز رکھیں۔ اس پریس کانفرنس کی مفصّل خبر لاہور کے اخبارات میں سے "نوائے وقت" اور "انقلاب" نے بھی شائع کی۔

(حاشیہ متعلقہ صفحہ گزشتہ) :-

خود ساختہ تحریکات کے سیاسی راہ نماؤں اور فدائی جماعتوں کے سربراہوں میں عملی قوتوں، عزائم اور دعاوی کے اعتبار سے کتنا واضح، بیّن اور روشن فرق اور امتیاز ہوتا ہے۔ اس کی فیصلہ کُن مثال قادیان اور جمال پور آج بھی پیش کر رہے ہیں۔

جمال پور ضلع گورداسپور کی تحصیل پٹھانکوٹ کی بستی ہے جہاں سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی اور ان کے رفقاء ۱۵ جون ۱۹۴۲ء سے لے کر ۲۱ اگست ۱۹۴۷ء تک مقیم رہے۔ یہ مقام تقسیم ہند سے قبل "جماعت اسلامی" کا مرکز تھا۔ جماعت اسلامی اسے "دارالاسلام" کی حیثیت دیتی تھی۔ جب ضلع گورداسپور کے اس علاقہ میں فسادات اُٹھ کھڑے ہوئے تو جناب مودودی صاحب نے دھڑلے سے یہ اعلان کیا کہ

"اگر کسی علاقے سے مسلمانوں کے قومی خروج یا اخراج کی نوبت آجائے تو اپنی جگہ چھوڑنے والوں میں ہم سب سے پہلے نہیں بلکہ سب سے آخری ہوں گے" (ترجمان القرآن جلد ۳۱ ۔ صفحہ ۲۶۱)

مگر فسادات کے شروع ہی میں جب [گورداسپور] سرکاری کیمپ بنا دیا گیا تو مودودی صاحب اور ان کے رفقاء اپنا "دارالاسلام" ہندوؤں اور سکھوں کے حوالہ کر کے ۳۰ ظہور / اگست ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء کو پاکستان میں آگئے۔

اس کے برعکس سیدنا المصلح الموعود نے اپنے وعدہ کو جس اولوالعزمی اور استقلال کے ساتھ پورا کر کے دکھا دیا وہ تاریخ مذاہب میں اپنی مثال آپ ہے۔ جماعت احمدیہ کا مرکز قادیان جمال پور سے بڑھ کر ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا اور باوجود عالمی مطالبہ کے اس کو سرکاری کیمپ بھی تجویز نہ کیا گیا۔ بایں ہمہ سیدنا المصلح الموعود کے جانباز فدائی اور احمدی مجاہد فسادات ۱۹۴۷ء میں بھی اسلام کا پرچم تھامے ہوئے قادیان میں ڈٹے رہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چنانچہ اخبار "نوائے وقت" نے لکھا :-

"مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو حوصلہ نہیں ہارنا چاہیئے

مرزا بشیر الدین محمود احمد کی پریس کانفرنس

لاہور ۱۷ ستمبر - مرزا بشیر الدین محمود احمد امیر جماعت احمدیہ قادیان نے آج ایک پریس کانفرنس میں مسلمان اخبار نویسوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے اپنے وطن نہیں چھوڑنے چاہئیں اور ان کے ذہن میں یہی بات ہونی چاہیئے کہ انہیں واپس وہیں جا کر رہنا ہے - آپ نے کہا کہ اس کے لئے مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنا لازمی ہے - اس کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی کے تناسب کے مطابق انہیں ملازمتوں میں نیابت دی جائے - مرزا صاحب نے یہ کہا کہ مسلمانوں میں اب بھی اتنی جان ہے کہ وہ اس صوبہ میں باعزت زندگی بسر کر سکیں - اس وقت ان کی اکثریت حوصلہ چھوڑ چکی ہے - مگر ان کے قدم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور آج بھی تبلیغ اسلام کے لئے سربکف ہیں - اور وہ دن دُور نہیں جبکہ ان مقدس درویشوں کی دینی سرگرمیاں ملک میں ایک ایسا رُوحانی ، اخلاقی اور علمی انقلاب برپا کر دیں گی کہ ہندوستان پھر سے خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستور حیات کی تجلیوں سے بقعہ نور بن جائے گا اور ہندو قوم فوج در فوج آنحضورؐ کے غلاموں میں شامل ہونا شروع ہو جائے گی جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اپنی کتاب "التفہیمات الالٰہیہ" میں پیشگوئی فرمائی ہے کہ

"اِنِ اتَّفَقَ غَلَبَۃُ الْھُنُوْدِ مَثَلاً عَلٰی اِقْلِیْمِ ھِنْدُوْسْتَانَ غَلَبَۃً مُسْتَقِرَّۃً عَامَّۃً وَجَبَ فِی حِکْمَۃِ اللّٰہِ اَنْ یُّلْھِمَ رُؤُسَائَھُمُ التَّدَیُّنَ بِدِیْنِ الْاِسْلَامِ کَمَا اَلْھَمَ التُّرْکَ " (جلد ۱ صفحہ ۲۰۳ مطبوعہ مدینہ برقی پریس بجنور یو - پی ۱۳۵۵ھ)

یعنی اگر کسی وقت ہندوستان پر ہندوؤں کا عام غلبہ و اقتدار ہو گیا تو خدا کی حکمت میں یہ واجب ہو گا کہ وہ ہندوؤں کے لیڈروں کو حلقہ بگوش اسلام ہونے کیلئے ویسے ہی الہام فرمائے جس طرح اس نے ترکوں کو الہام کیا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد خود سیدنا المسیح الموعود کو بھی ہندوؤں کے بکثرت مسلمان ہونے کی خبر دی گئی چنانچہ حضور فرماتے ہیں :-

"مجھے یہ بھی صاف لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ پھر ایک دفعہ ہندو مذہب کا اسلام کی طرف زور کے ساتھ رجوع ہو گا" (اشتہار ۱۲ مارچ ۱۸۹۷ء تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۴۱)

ایک جگہ بھی جم گئے تو مسلمان پھر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں گے۔

آپ نے یہ تجویز پیش کی کہ جن مسلمان مہاجرین کو مغربی پنجاب میں بسایا جا رہا ہے ان کی جمعیّت کو نہ توڑا جائے بلکہ کوشش کی جائے کہ مشرقی پنجاب کے ایک علاقہ کے مسلمانوں کو ان کی جمعیت قائم رکھتے ہوئے مغربی پنجاب میں آباد کیا جائے۔

مرزا صاحب نے ریڈکلف ایوارڈ کے متعلق اظہار رائے کرتے ہوئے کہا کہ یہ فیصلہ بددیانتی پر مبنی تھا اور قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے سے ہو چکا تھا۔ حدبندی کا کمشن محض ایک ڈھونگ تھا "[۱]

اخبار "انقلاب" نے مندرجہ بالا خبر حسب ذیل الفاظ میں شائع کی:-

"

امام جماعت احمدیہ کے ارشادات

لاہور ۲۷ ستمبر۔ کل بعد نماز مغرب امام جماعت احمدیہ نے ایک غیر معمولی اجلاس میں عوام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں پر اس سے زیادہ نازک دَور کبھی نہیں آیا۔ قادیان جو احمدیوں کا محبوب مرکز ہے وہ انتہائی خطرے میں گھر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلاؤں کی اطلاعیں بھی ہیں اور بشارتیں بھی۔ لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ آسمان پر ان میں سے کس چیز کے لئے کونسا وقت متعین ہے۔ مسلمانوں کیلئے جو اذیتیں اور ابتلاء مقدر ہیں وہ بہرحال آکر رہیں گے۔ ہماری دُعا صرف یہی ہونی چاہیئے کہ جس جس کے لئے قید و بند کا یا کوئی اور امتحان مقدر ہے وہ اس میں ایسا ثابت قدم نکلے اور جام شہادت بھی اس بہادری اور شجاعت سے پئے کہ مسلمانوں کی آئندہ نسلیں بجا طور پر اس پر فخر کر سکیں اور ہر جوان بچے اور بوڑھے کا عمل ہمیشہ کے لئے باعث تقلید ہو سکے۔" [۲]

لاہور میں انجمن "انصار المسلمین" کا قیام اور مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی صورتحال سے متعلق اشتہار

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی اجازت سے لاہور میں ایک انجمن "انصار المسلمین" کے نام سے قائم کی گئی جس نے پاکستانیوں

---

[۱] "نوائے وقت" ۲۸ ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۴۔

[۲] "انقلاب" ۲۸ ستمبر ۱۹۴۷ء (اخبار پر سہواً ۱۹۴۸ء درج ہے)

کو مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی تازہ صورت حال سے آگاہ کرنے کے لئے اشتہار شائع کئے۔ اس ضمن میں اس کے زیرِ انتظام تبوک/ستمبر ۱۳۶۶ھ ش / ۱۹۴۷ء کے وسط میں شائع شدہ ایک ہینڈ بل بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے:۔

”مشرقی پنجاب میں مُسلمانوں کی کامل بربادی کے سامان

”اگست کی گیارہ تاریخ سے سکھوں نے امرتسر اور ضلع گورداسپور میں حملہ شروع کیا۔ اٹھارہ سے فیروزپور، جالندھر، ہوشیارپور اور لدھیانہ میں حملے شروع ہوئے۔ پہلے چند دن تک افسران نے ظاہرداری برتی۔ شاید یہ خیال تھا کہ کہیں یہ علاقہ پاکستان میں نہ چلا جائے۔ لیکن جونہی اعلان ہوا کہ یہ علاقے ہندوستان میں چلے گئے ہیں اندھیر نگری شروع ہو گئی ہے حالات چھپائے جا رہے ہیں اور باہر نکلنے نہیں دیئے جاتے۔ جھوٹی رپورٹیں امن کی شائع ہو رہی ہیں حالانکہ فساد بڑھ رہے ہیں کم نہیں ہوئے۔ بٹالہ کی تحصیل میں مسلمانوں کی تعداد ۵۵ فیصدی تھی آج بمشکل ۲۵ فیصدی ہوگی۔ کچھ مارے گئے کچھ بھاگ گئے۔

حملہ کی ترتیب یوں ہوتی ہے کہ بڑے بڑے چند قصبات کو چُن کر ان کے ارد گرد کے چھوٹے دیہات پر حملہ کر دیا جاتا ہے تاکہ ماحول کمزور کر کے بڑے دیہات پر حملہ کیا جائے مسلمانوں کے پاس سوائے شاذ و نادر کے سب اسلحہ لائیسنس والا ہے اس لئے اسلحہ بھی کم اور سامان بھی کم ہوتا ہے۔ رات کے وقت ہر گاؤں سے مقررہ تعداد لوگوں کی ایک گاؤں میں جمع ہوتی ہے اور وہاں سے کسی گاؤں پر حملہ کے لئے چل پڑتی ہے۔ حملہ یا شروع رات میں کیا جاتا ہے یا آخر شب میں صبح کے قریب۔ حملہ آوروں کے پاس ۳۰۳ کی فوجی رائفلیں برین گن۔ بم اور عام بندوقیں بکثرت ہیں۔ سُنا گیا ہے کہ پٹیالہ، فرید کوٹ، کپورتھلہ وغیرہ نے اپنی فوجوں کا ایک حصّہ انہیں دیا ہوا ہے اور ظاہر میں یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اتنی فوج رائفلوں سمیت بھاگ گئی ہے۔ اس فوج کے کچھ نوجوان بعض دفعہ وردی میں گاؤں کے پاس جاتے ہیں اور اپنے آپ کو ملٹری ظاہر کر کے لوگوں کو تسلّی دیتے ہیں۔ اور اس کے معاً بعد غافل مسلمانوں پر سکھ حملہ کر دیتے ہیں۔

شاید آپ کہیں کہ باقی علاقہ کے مسلمان کیوں مدد نہیں کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کہ ہر سکھ گاؤں نے سڑکوں کے ناکے روکے ہوئے ہیں اور اِدھر سے اُدھر کسی مسلمان کو نہیں جانے دیتے۔ جو ظاہر ہیں جائے اسے زبردستی واپس کر دیتے ہیں۔ جو چھپ کر جائے اسے موقع ملے تو مار دیتے ہیں۔ اگر کوئی بچ نکلے تو پولیس میں رپورٹ کرتے ہیں کہ فلاں فلاں ہمیں لوٹنے آئے تھے۔ اور پولیس یہ جاننے کے باوجود بھی کہ مارے مسلمان جا رہے ہیں ان کی شکایت کا پیچھا کرتی ہے۔ اگر مسلمان اکٹھے ہو کر نکلیں تو سیفٹی ایکٹ کے ماتحت انہیں شوٹ کرنے کی دھمکی دی جاتی ہے۔

ایک گاؤں کے (نام معلوم ہے) لوگوں کو سکھوں نے لوٹا۔ وہ (زیادہ تر بچے اور عورتیں) بھاگ کر کچھ زیور اور نقدی لے کر ایک دوسرے مسلمان گاؤں (نام معلوم ہے) کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک سکھ گاؤں تھا۔ انہوں نے اِس عورتوں بچوں کے قافلہ پر حملہ کیا اور ۲۵ ہزار کے زیورات (یہ مسافر تاجر تھے) بہت سے کپڑے اور ایک نوجوان عورت لے کر بھاگ گئے۔ جس مسلمان گاؤں کی طرف یہ مسلمان آ رہے تھے ان کے پاس صرف ایک بندوق تھی۔ خبر ملنے پر تین آدمی وہاں سے بھاگ کر پہنچے اور ڈیڑھ سو حملہ آوروں کے سامنے ہو گئے جس پر سکھ بھاگے اور اس طرح عورتیں اور کپڑے مزید لوٹ سے بچ گئے۔ مگر ایک عورت اور نقدی زیور کو لے کر وہ فرار ہو گئے۔ ان تینوں نے پیچھا کیا اور عورت کو چھڑا لائے۔ مگر روپیہ زیور واپس نہ لا سکے۔ ملٹری ایک میل پر تھی۔ جب وہ گاؤں پر پہنچی تو مسلمان دوڑ کر اس کے پاس شکایت کرنے کے لئے گئے۔ افسر نے آگے سے یہ ہمدردی کی کہ جھڑک کر کہا۔ تم چار افراد سے زیادہ ہو اس دفعہ تو چھوڑ دیا ہے پھر کبھی ایسا ہوا تو فوراً گولی مار دی جائیگی۔

ایک گاؤں پر ۲۴ گھنٹے حملہ رہا۔ دو دفعہ تو سکھ جتھہ کو مسلمانوں نے بھگا دیا۔ پولیس تماشہ دیکھ رہی تھی۔ دو دفعہ جب جتھہ کو دبا کر مسلمان آگے بڑھے تو پولیس نے ان پر فائر کئے اور مار کر بستی میں دھکیل دیا۔ ۲۴ گھنٹوں کے بعد مسلمانوں کا بارود ختم ہو گیا تو گاؤں جلایا گیا اور ۵۴ مرد عورت بچے مارے گئے۔ ایک درجن سے زیادہ عورتیں اغوا کی گئیں اور قصبہ لوٹا گیا۔

ایک جگہ مسلمانوں کے پاس ہوائی جہاز تھا۔ جب تار، ٹیلیفون اور ریل بند کر دیئے گئے اور مسلمان دوسری دُنیا سے کٹ کر رہ گئے تو بعض مسلمان دیہات نے درخواست کی کہ ایک دفعہ ہوائی جہاز ہمارے سروں پر چکر لگا جایا کرے تاکہ ہمیں معلوم تو رہے کہ باہر کے مسلمانوں کو ہمارا حال معلوم ہے اور ہمیں اس ہوائی جہاز سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے گاؤں سے پرے بھی حضرت محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی نام لیوا اب تک زندہ ہے۔ باوجود مشکلات کے ہوائی جہاز نے چکر لگا کر علاقہ کے مسلمانوں کا حال دیکھنا شروع کیا۔ کئی جگہ وقت پر حملہ کی اطلاع ملٹری کو کی جو شریف ہونے کی صورت میں بعض دفعہ مدد بھی پہنچا دیتی تھی ورنہ خاموش رہتی تھی۔ سڑکوں پر جو جتھے جمع ہوتے تھے ہوائی جہاز کے ذریعے اُن کا حال معلوم ہو جاتا تھا اور پتہ لگ جاتا تھا کہ حملے کا کہاں ارادہ ہے۔ مگر جب یہ دیکھا گیا کہ اس دفاعی تدبیر سے مسلمانوں کے قتلِ عام میں کمی آنے کا امکان ہے فوراً یہ الزام لگا دیا گیا کہ اس جہاز نے نیچے اُتر کر فائر کئے ہیں۔ مگر ستم یہ ہے کہ الزام یہ نہیں کہ پولیس پر فائر کئے۔ یہ بھی نہیں کہ پُرامن شہریوں پر کئے بلکہ یہ الزام ہے کہ اس جہاز نے اُتر کر ایک ایسے سکھ جتھے پر فائر کئے جو مسلمان گاؤں کی طرف حملہ آور تھا۔ گو یہ بات جھوٹ ہے اگر سچی بھی ہوتی تو اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ چونکہ اس طرح مظلوم مسلمانوں کی حفاظت کی گئی اس لئے اب جہاز والے کو سزا ملنی چاہئیے۔ چنانچہ سیفٹی ایکٹ کے ماتحت حکم دے دیا گیا کہ گورداسپور کے ضلعے کے تمام پرائیویٹ ہوائی جہاز ضبط کر لئے جائیں اور جو اس ضلع پر اُڑان کرے اُسے گولی سے اُڑا دیا جائے۔ اس علاقہ کے ملاپ اور تعلقات کو دوسرے علاقوں سے قطعی طور پر کاٹنے کا یہ آخری حربہ ہے۔ اس کے بعد اللہ جانے کہ باقی مسلمانوں کا کیا حشر ہے۔ آپ لوگوں کو صبر سے کام لینا چاہئیے۔ کیونکہ اگر آپ نے خونریزی کی تو مسلمانوں پر اَور بھی ظُلم ہوگا۔ لیکن حکومت پاکستان پر یہ زور ضرور دینا چاہئیے کہ وہ ہوائی جہاز کے ذریعے سے ان علاقوں سے تعلقات پیدا کرے اور ہر روز اس کے ہوائی جہاز امرتسر گورداسپور، جالندھر، ہوشیارپور، لدھیانہ اور فیروزپور میں ہر اس قصبہ میں جس کی آبادی چھ سات ہزار ہو اُتر کر وہاں کے حالات معلوم کرکے آیا کرے۔ صرف یہی طریقہ ان علاقوں

میں امن قائم کرنے کا ہے۔ تقریروں سے کچھ نہیں بنے گا جب تک مشرقی پنجاب کے غیر مسلم اور اس علاقہ کی حکومت یہ محسوس نہ کریں گے کہ ان کی ایک ایک کرتوت مغربی پنجاب کے لوگوں تک پہنچ رہی ہے۔ جب تک انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ ضرورت کے موقع پر مسلمان ہوائی جہازوں سے بھی مسلمان بھائیوں کا حال دیکھنے کے لئے پہنچ جائیں گے اس وقت تک نہ مظلوم مسلمانوں کا ڈر کم ہوگا اور نہ دشمن کی دلیری۔

دوسری تدبیر یہ ہے کہ مشرقی پنجاب کے ہر ضلعے اور تحصیل میں مسلمان افسر مناسب تعداد میں بھجوائے جائیں۔ اس کے بدلہ میں اتنی ہی پولیس اور اتنے ہی افسر مغرب میں غیر مسلموں کے لے لئے جائیں۔ مگر یہ کام فوری ہے۔ اس کے بعد سب علاج بیکار ہو جائیں گے۔

سکرٹری انجمن انصار المسلمین لاہور"

مسلمانانِ پاکستان میں اتحاد تنظیم اور قربانی کی رُوح پیدا کرنے کی تحریک

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے ساتھ ہی مسلمانانِ پاکستان ہزاروں بیرونی اور اندرونی مشکلات میں گھر گئے تھے جن سے نپٹنے کے لئے اتحاد، تنظیم اور قربانی کی رُوح کا پیدا کیا جانا ضروری تھا۔ اخبار "الفضل" نے (جس کے بنیادی اغراض و مقاصد میں پاکستان کا استحکام سرفہرست شامل تھا) اس نازک مرحلہ پر مسلمانانِ پاکستان کو انتباہ کرتے ہوئے صاف صاف لکھا کہ

"یہ عجیب مصیبت ہے جو اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں پر نازل ہوئی ہے اور خدا جانے کب تک جاری رہے گی۔ سوال یہ ہے کہ ایسی صورت حال میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے ہم پہلے ہی صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ اس مصیبت کا ہرگز یہ علاج نہیں ہے کہ مسلمان بھی پاکستان میں وہی کریں جو ہندوستان مسلمانوں کے ساتھ کر رہا ہے اور ہمیں افسوس ہے کہ مغربی پنجاب میں بھی کئی جگہوں پر اس کا ردِ عمل نظر آیا ہے اور پاکستان کے مسلمان بھی اس رَو میں بہتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن ہماری رائے میں پاکستان کے مسلمانوں کو صرف دینی نقطۂ نظر سے ہی نہیں بلکہ مصلحتِ وقت کے لحاظ سے بھی کوئی ایسے عقلمندانہ طریقے اختیار کرنے چاہئیں کہ جن سے ہندوستانی حکومت کو آمادہ کیا جاسکے کہ وہ ہندوستان

سے مسلمانوں کے مزید اخراج کو روک دے اور جو مسلمان وہاں سے برباد ہو کر نکل آئے ہیں انہیں پھر اپنے گھروں میں آباد کرنے کے لئے کوشش کرے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض فتنہ انگیز لوگوں اور مُسلم لیگ کے دشمنوں نے یہ حالت دیدہُ دانستہ پیدا کی ہے۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ پاکستان میں تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو بسانے کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ ایک چال ہے جو اچھی طرح سوچ سمجھ کر چلی گئی ہے اور اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو گذشتہ چند سالوں سے کانگرس مسلم لیگ کے لئے پھیلاتی چلی آئی ہے۔

مسلمانوں کے لئے اس مصیبت کا علاج صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اُن میں عام بیداری پیدا کی جائے اور آپس کے مذہبی اور سیاسی تمام تفرقات کو نسیاً منسیا کر دیا جائے اور ہر اس شخص کو جو اللہ تعالےٰ اور محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام لیوا ہے اور مسلمان کہلاتا ہے ایک ہی تنظیم میں منظم کر لیا جائے اور اس مشترکہ مصیبت کا پوری طرح منظم ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں میں قربانی کی رُوح پیدا کی جائے۔ جب تک ہر مسلمان اپنی جان اپنی اولاد اور اپنا تمام مال قوم کے لئے وقف نہیں کر دے گا اس وقت تک سمجھ لینا چاہیئے کہ کوئی دُنیا کی طاقت ہم کو برباد کرنے سے نہیں بچا سکتی۔ تنظیم اور قربانی ہی ایک ایسی چیز ہے جو اس وقت مسلمانوں کو بچا سکتی ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہمارے بڑے بڑے لیڈروں کو قربانی کرنا سیکھنا چاہیئے امراء میں قربانی کا ایسا احساس پیدا ہونا چاہیئے . . . . کہ وہ اپنی تمام دولت قوم کے حوالے کر دیں ورنہ نصف جائداد دینے سے تو ذرا دریغ نہ کریں اور تمام مسلمان نفسا نفسی چھوڑ کر تمام تگ و دو اجتماعی مفاد کے لئے وقف کر دیں اور اپنے لئے صرف اس قدر رکھیں جو زندگی کے سہارے کے لئے ضروری ہو۔

اگر مسلمانوں نے اس انتہائی مصیبت کے وقت بھی نفسا نفسی کو ترک نہ کیا تو لازماً قدرت کے عام قانون اور اللہ تعالےٰ کی سُنّت کے مطابق وہ بھی ان قوموں میں شامل ہو جائیں گے جن کا ذکر اب محض عبرت کے لئے کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ایسی کئی قوموں کا ذکر آتا ہے اور

اللہ تعالیٰ نے نہایت پُر اثر انداز سے مسلمانوں کی توجہ ان برباد شدہ قوموں کے اعمالِ بد کی طرف دلائی ہے۔ ہم کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں کے مخالفین کون سے ولی اللہ ہیں کہ وہ ہر بات میں کامیاب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس قوم کو اللہ تعالےٰ اسلام کی امانت سپرد کرتا ہے اگر وہ اپنا کام چھوڑ دیتی ہے تو اللہ تعالےٰ اس کو خاص طور پر سزا دیتا ہے اور اس کی جگہ کسی اَور قوم کو مقرر کرتا ہے۔ اس کے سزا دینے کے طریقے قانون قدرت کے مطابق ہی ہوتے ہیں اس لئے ایسی ناشکر گزار قوم کو مٹانے والے خواہ ولی اللہ نہ بھی ہوں خواہ وہ باطل پرست ہی ہوں قانونِ قدرت کے مطابق بعض اوقات ان سے بھی وہی کام لینا ہے جو قدرت کی دوسری طاقتوں سے لیتا ہے۔ پھر انہی باطل پرستوں میں سے ایسی قوم پیدا کرتا ہے جو اس کا کام کرتی ہے فتنۂ تاتار کے وقت یہی ہوا تھا۔ تاتاریوں نے مسلمانوں کو مٹانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی اور لاکھوں مسلمانوں کا خون اسلامی شہروں کی گلیوں میں ندیوں کی طرح بہہ گیا تھا۔ لیکن ابھی ایک پشت بھی تاتاری غلبہ کی نہیں گذری تھی کہ انہی باطل پرستوں میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے کام کرنے والے چُن لئے اور چند ہی سالوں میں پھر سے وہی دُنیا پر اسلام کا غلبہ ہو گیا۔

آج مسلمانوں پر جو مصیبت آئی ہے وہ تاتاری فتنے سے بھی سینکڑوں گنا بڑی ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کا کام ابھی سے شروع نہ کر دیا تو پھر وہ کسی اور قوم کو اپنے کام کے لئے چُن لے گا اور ہمارا جو حشر ہو گا سو ظاہر ہے۔“ ؎۱

احمدی طیارے کا کارنامہ

صدر انجمن احمدیہ پاکستان کو یہ اطلاع پہنچی کہ فتحگڑھ چوڑیاں کے مسلمان محصور ہیں اور قلت خوراک کے سبب زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ اس اطلاع پر انجمن نے اپنا ذاتی طیارہ بھجوایا جس نے بہت بڑی مقدار میں نہ صرف روٹیاں گرائیں بلکہ ان کو حوصلہ دلانے کے لئے ؎۲ اشتہارات بھی پھینکے چنانچہ اخبار ”انقلاب“ نے ”پناہ گزینوں پر روٹیوں کی بارش“ اور ”احمدی طیارے کا کارنامہ“ کے دوہرے عنوان سے حسب ذیل خبر شائع کی:۔ ”یہ معلوم ہونے پر کہ فتحگڑھ چوڑیاں میں جو پناہ گزین جمع ہیں وہ قلت خوراک کی وجہ سے بھوکے مر رہے ہیں صدر انجمن احمدیہ لاہور (پاکستان) نے کل اپنے ایک پرائیویٹ ہوائی جہاز کے ذریعے سے بہت بڑی مقدار میں وہاں روٹیاں گرائیں:۔ اس کے علاوہ تسلّی و تشفی کے لئے عزم و استقلال کی تلقین کے --- اشتہارات بھی گرائے گئے (ص ۱۰)

؎۱ ”الفضل“ ۲۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲-۳ ٭ ؎۲ ”انقلاب“ ضمیمہ ۱۴ ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱ کالم ۵ ٭

فصل سوم

مہاجر احمدیوں کو ملک میں باوقار اور منظم طریق سے بسانے کی ملک گیر کوشش

جس طرح برصغیر میں تبادلۂ آبادی کی کوئی مثال تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی اسی طرح جماعت احمدیہ کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ اسے اتنے وسیع پیمانے پر ہجرت کرنا پڑی۔

متحدہ ہندوستان میں احمدی افراد کی مجموعی تعداد پانچ لاکھ اور مشرقی پنجاب میں کم و بیش ایک لاکھ ہوگی جس میں سے چودہ ہزار کے لگ بھگ مرکز احمدیت قادیان میں آباد تھے۔ قادیان اور اس کے ماحول میں مندرجہ ذیل محلوں اور ملحقہ دیہات میں احمدی پائے جاتے تھے:۔

مسجد مبارک، مسجد اقصیٰ، مسجد فضل، دارالانوار، دارالفتوح، ناصر آباد، دارالبرکات، دارالفضل، دارالعلوم، دارالسعۃ، اسلام پور، بھینی بانگر، ننگل خورد، ننگل کلاں باغبانان، قادر آباد (ترکھانانوالی)، احمد آباد (نواں پنڈ)، کھارا، کریم پورہ۔

قادیان اور اس کے ان قریبی دیہات کے علاوہ ضلع گورداسپور میں مشہور احمدی جماعتیں حسب ذیل مقامات پر قائم تھیں:۔

بٹالہ، دھرمکوٹ بگہ، قلعہ لال سنگھ، بھاگووال، شاہ پور امرگڑھ، ونجواں، اٹھوال، خان فتح، لودی ننگل، تیجہ کلاں، فیض اللہ چک، بیبل چک، تلونڈی جھنگلاں، سیکھواں، ہرسیاں، دیال گڑھ، گلانوالی، بسراواں، کلوسوہل، گل منج، سارچور، چھٹہ، تلونڈی راماں، شکارپور ماچھیاں، دھرمکوٹ رندھاوہ، ڈیرہ بابا نانک، تھہ غلام نبی، بیری، پھیروچیچی، گھوڑیواہ، بگول، بھینی میلواں، کڑی افغاناں، ستھیالی، کاہنووان، لمین کرال، گورداسپور، اوجلہ، طالب پور بھنگواں، پیٹھانکوٹ، دولت پور، بہلولپور، ماڑی بچیاں، بہادر حسین، مسانیاں، ٹھیکریوالہ، میانی شیرا، پیرو شاہ، ڈیریوالہ (دارو غیاں)، ڈلہ، ڈھیڑ، پاروول، دھرمسالہ، پکیواں، بھابڑہ،

رحیم آباد ، کوٹلہ گوجراں، لوہ چپ، بھاگی ننگل، سکوہیہ، کھوکھر، دیوانی وال کلاں ، کھوکھر کھجور والی،
دھاریوال ، غازی کوٹ ، غزنی پور ، چوہدریوالہ ، نادون ، لنگروال، کلو
ڈلہوزی ، اٹر پنڈی ، چھچھریالہ ، چھنہ بیٹ ، چھنہ ریت والہ ، قلعہ ٹیک سنگھ ۔
تلہ یار راجپوتاں ، بھٹیاں ، مرزاجان ، کوٹلی گجراں ، مراد پور ، بہادر تواں پنڈ ، گھنیکے بانگر کھوکھر
دھندسے ، چمن پنڈوری ، تتلہ ، بازوچک ، دارا پور ، بھینی پسوال ،

ضلع گورداسپور کے علاوہ مشرقی پنجاب کے دیگر حلقوں کی بعض مشہور و معروف احمدی جماعتیں یہ تھیں :۔
نوٹ : حلقہ سے مراد ضلع نہیں بلکہ وہ علاقہ ہے جو صدر انجمن احمدیہ قادیان نے تقسیم سے قبل اپنے نظام مالیات پر کنٹرول کرنے کیلئے متعین کر رکھا تھا۔

حلقہ امرتسر :۔ امرتسر ، بھڈیار ، محلانوالہ ، دوجو وال ، گلانوالی ، ٹرپئی ، بھوئیوال ،
رعیہ ، دیرو وال ، بابا بکالہ ، کرتپال ، بھوماں وڈالہ ، گھونیوالہ ، موتلہ ، سندرگڑھ
اجنالہ ۔

حلقہ فیروزپور[1] :۔ فیروزپور شہر ، فیروزپور چھاؤنی ، قصور ، زیرہ ، فرید کوٹ ، سکھانند ،
لدھیکے نیویں ، کھرپیڑاں مع جوڑہ ، طال والہ ، پٹی ، سلیمانکی ہیڈ ورکس ، موگا ، فاضلکا ،
کوٹ کپورا ۔

حلقہ جالندھر :۔ جالندھر شہر ، جالندھر چھاؤنی ، بنگہ ، کھاچوں ، کریام ، مکند پور ،
راہوں ، لنگڑوعہ ، اوڑ ، گوڑ ، صریح ، نور محل ، لنگیری ، بہرام ، بھاگو ارائیں ،
شیخ وال ، ماڑ میانوال ، پرجیاں خورد ، نکودر ، لوہیاں ، پھلور ، کپورتھلہ ۔

حلقہ ہوشیار پور :۔ ہوشیار پور شہر ، بھمیاں ، ماضر بدیال ، سوہنٹ پور ، اجیرہ ، اہرانہ ، کاٹھاں ،
پھگانہ ، مہلیانہ ، بیرم پور ، گڑھ شنکر ، ماہل پور ، گڑھدیوالہ ، سڑوعہ ، کاٹھ گڑھ ، بیگم پور
کنڈی ، پنام ، عالم پور ، ٹانڈہ تھوپور ، تھینہ ، عمر پورہ ، گھسیٹا پور ، مہت پور ،
بہبووال چھنیاں ، کنگنہ ۔

حلقہ لدھیانہ :۔ لدھیانہ شہر ، جمعہ ، ملود ، چک لوہٹ ، رائے کوٹ ، جبگراؤں ،
چنگن ، ساہنے وال ، علی پور کھنہ ، ملہہ ، سمرالہ ۔ کھنہ ۔ شیر پور خورد ۔ مالیرکوٹلہ ۔

حلقہ پٹیالہ :۔ پٹیالہ ، سامانہ ، مروڑی ، سنور ، بنوڑ ، بیرادر ، سرہند ، خان پور ،

---

[1] ۔ حلقہ فیروزپور کے بعض تحصیلات مثلاً قصور ۔ یا گاؤں مثلاً کھرپیڑ پاکستان میں شامل کئے گئے ۔

ماچھیواڑہ ، غوث گڑھ ، رائے پور ، نابھہ ، دھوری ، برنالہ ، بٹھنڈہ ، مانسہ منڈی ، سنگرور ، ہر بنس پور ، سنام ۔ پائل ۔

حلقہ انبالہ :- انبالہ ، مکووال ، اٹر پور ۔

حلقہ دہلی وشملہ میں حسب ذیل جماعتیں قائم تھیں :-

شملہ ، دہلی ، بلب گڑھ ، حصار ، محمود پور ۔ کلانور ۔ کانپور ۔ کرنال ۔

مندرجہ بالااکثر جماعتیں تبادلہ آبادی کے سیلاب کی زد میں آگئیں اور الاماشاءاللہ نہایت خستہ حالی اور بے سروسامانی کی حالت میں پاکستان پہنچیں۔

سیّدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی نے اگر ایک طرف دین اسلام کے ایک غیوّر جرنیل کی حیثیت سے آنے والے احمدی مہاجرین میں غیرت اسلامی کی رُوح زندہ رکھنے کی انتہائی کوشش کی۔ تو دوسری طرف ایک مشفق و محسن باپ سے بڑھ کر اُن کے آرام و آسائش کا خیال رکھا اور ان کو پاکستان میں باوقار اور منظم طریق پر بسانے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔

اس تعلق میں حضور نے آتے ہی جودھامل بلڈنگ میں نظارت آبادی اور نظارت تجارت کے شعبے کھلوا دیئے۔ اوّل الذکر کے ذمہ بنیادی لحاظ سے اُجڑے ہوئے احمدیوں کو منظم طریق پر بسانے کا کام تھا۔ اور ثانی الذکر کا حقیقی مقصد یہ تھا کہ آباد ہو جانے والے احمدی اقتصادی طور پر جلد سے جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔

ان شعبوں کا طریق کار کیا تھا اور وہ کن خطوط پر اپنی مفوضہ ذمہ داری بجا لا رہے تھے اس کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل دو اعلانات کا مطالعہ کرنا چاہیئے جو وسط ماہ تبوک / ستمبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء میں بذریعہ "الفضل" اشاعت پذیر ہوئے :-

نظارت آبادی کی طرف سے اعلان

مشرقی پنجاب سے آنے والے احمدیوں کو اطلاع

ضلع جالندھر ، ہوشیار پور ، گورداسپور ، امرتسر کی شہری اور دیہاتی جماعتوں کے لئے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ جودھامل بلڈنگ لاہور میں اس امر کے لئے دفتر کھول دیا گیا ہے۔ کہ

مذکورہ اضلاع سے آنے والوں کے مستقبل کے متعلق مناسب انتظام کیا جائے۔ اس لئے وہ جماعتیں جو کسی ایک جگہ اکٹھی ہوں وہ ہمارے پاس نمائندے بھجوا دیں اور اگر کسی جگہ جماعتیں اکٹھی نہ ہوں بلکہ منتشر حالت میں ہوں تو جو دوست اس اعلان کو دیکھیں وہ ہمیں خود آ کر ملیں تا کہ انہیں مناسب مشورہ دیا جا سکے۔

ابوالمنیر نورالحق جودھامل بلڈنگ جودھامل روڈ لاہور"[1]

نظارت تجارت کی طرف سے اعلان

"ایسے تاجر جو مشرقی پنجاب سے آ رہے ہیں یا وہ تجار اصحاب جنہوں نے اپنے نام دفتر تجارت لاہور میں لکھوائے ہوئے ہیں وہ اپنی پہلی فرصت میں مجھ سے آ کر ملیں تا کہ مَیں یہ معلوم کر سکوں کہ وہ کیا کام کرتے تھے اور اب کہاں ہیں اور کیا کرتے ہیں اور کس قسم کی تجارت کا انہیں خاص تجربہ ہے تا کہ ان کے حسب حال انتظام جہانتک ممکن ہو سکے کیا جاوے مثلاً بعض ایسے اصحاب ہیں جو آڑھت کے کام سے تعلق رکھتے تھے اور انہیں اس کا تجربہ ہے اور بعض کو لوہا را، اور اسی طرح دوسرے ضروری کاموں سے واقفیت حاصل کروائی جائے گی۔ وہ جودھامل بلڈنگ لاہور پاکستان میں جلد اطلاع دیں تا کہ ان کو مناسب کاموں پہ لگایا جائے اور وہ قوم کے لئے مفید وجود بن سکیں۔

ناظم تجارت لاہور پاکستان "[2]

آبادی اور حفاظتِ مرکز کے انتظامات کے مختلف پہلو

مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ قائم مقام ناظر اعلیٰ نے اپنے مکتوب (مورخہ ۲۹ احسان/جون ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء) میں قمرالانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں آبادی اور حفاظت مرکز کے انتظامات کی تفصیل حسب ذیل الفاظ میں لکھی:۔[3]

"اس وقت حسب ذیل دوست حفاظت مرکز اور قادیان سے متعلقہ کام کر رہے ہیں۔

---

[1] "الفضل" ۱۵ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳ کالم ۱۔ [2] "الفضل" ۱۸ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

[3] یہ زمانہ قیام لاہور کا واقعہ ہے جبکہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے دفاتر جودھامل بلڈنگ میں جاری تھے اور حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد کے مطابق حفاظت مرکز کے کام کو ایک ہی شعبہ سے مخصوص کرنے کا سوال زیر غور تھا۔

ابوالمنیر مولوی نورالحق صاحب کے سپرد اس وقت حسب ذیل کام ہیں :۔
آبادی۔ چنیوٹ، احمد نگر میں لوگوں کو آباد کرنا اور ان کی مشکلات کا حل۔ لاوارث مستورات جو رتن باغ میں مقیم ہیں ان کی ضروریات کی دیکھ بھال۔
حفاظت مرکز۔ طوعی خدام حفاظت کو بلانے کی تحریک کرنا اور ان کے لئے لاہور میں رہائش اور نگرانی، ان کے ماہوار اخراجات کا انتظام کرنا، بوڑھے دوستوں میں تحریک کرنا تا وہ قادیان جانے کے لئے اپنے نام پیش کریں۔
ابوالمنیر مولوی نورالحق صاحب کے علاوہ مولوی محمد صدیق صاحب کے سپرد بعض کام ہیں مثلاً لاوارث مستورات کے لئے روئی کا حاصل کرنا اور کپڑا بنوانا یا قادیان جو اشیاء بھجوانی ہوتی ہیں ان کو مہیا کرنا۔
مستقل خدام کا انتظام میجر شریف احمد باجوہ کے سپرد ہے۔"

سیدنا المصلح الموعود کی ذاتی نگرانی خاص توجہ اور شبانہ روز دعاؤں کے نتیجہ میں کس طرح مرکزی نظام کی پوری مشینری بے خانماں احمدیوں کو آباد کرنے میں وقف رہی اور چند ماہ کے اندر اندر مشرقی پنجاب کی تمام جماعتوں کے بسانے کا انتظام کامیابی کے مراحل میں داخل ہوگیا۔ اس کا اجمالی خاکہ ہم محترم مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب (ناظر انخلاء و آبادی) کے الفاظ میں ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ موصوف اپنے ایک غیر مطبوعہ بیان میں لکھتے ہیں کہ

"مشرقی پنجاب اور قادیان سے آنے والے احباب کے عارضی قیام کے انتظام اور ان کی آبادی اور قادیان سے انخلاء کا انتظام حضور نے خاکسار کے سپرد کیا تھا۔ چونکہ کثیر تعداد میں آنے والے مہاجرین کے ٹھہرانے کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی اس لئے حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی نے یہ ہدایات دیں کہ جودھامل بلڈنگ کے متصل خالی میدان میں (جو اب آباد ہو چکا ہے) سائبان لگا لئے جائیں اور قضائے حاجت کے لئے ایک طرف گہری اور لمبی خندقیں کھود دی جائیں اور ایسا انتظام کیا جائے کہ وبا پھیلنے نہ پائے۔ ان کے کھانے کے انتظام کے لئے لنگر خانہ مسیح موعودؑ میں انتظام کیا گیا۔ یہ سب اخراجات اس وقت ضروری تھے لیکن چندوں کے نہ آنے کی وجہ سے بہت دقتیں تھیں۔ حضورؓ نے اپنے گھر کے افراد کے لئے یہ فیصلہ کیا کہ تمام لوگ صبح و شام ایک ایک روٹی پر گذارہ کریں اور یہی قانون

باہر والوں کے لئے بھی تھا۔

قادیان سے احباب کا نوائے کے ذریعہ سے گروہ در گروہ لاہور پہنچنا شروع ہوگئے۔ خاکسار کے ذمہ ان لوگوں کو ٹھہرانے اور پھر ان کو آباد کرنے کا کام تھا اور یہ کام بظاہر بڑا مشکل اور بڑا نازک تھا۔ اس غرض کے لئے خاکسار نے جودھامل بلڈنگ میں دفتر قائم کیا اور ملک محمد احمد صاحب واقف زندگی بطور کلرک متعین کئے گئے۔ حکومت کی طرف سے جو محکمہ جات مہاجرین کی آبادکاری کے لئے مقرر کئے گئے تھے اُن کے ساتھ مَیں نے رابطہ قائم کیا۔ پاکستان کی جماعت کے امراء کے ساتھ اور ذی اثر لوگوں کے ساتھ خط و کتابت کی اور ان حالات کا پوری طرح سے بغور جائزہ لیا جن کے ذریعہ سے ہمارے احمدی احباب کو سر چھپانے کے لئے جگہ اور پیٹ پالنے کے لئے کام مل سکتا تھا۔ چنانچہ جو احباب قادیان سے لاہور پہنچتے ان کو سائبانوں کے نیچے جگہ دی جاتی۔ ان کے لئے کھانے کا بندوبست کیا جاتا اور ہر ایک سے تبادلہ خیالات کر کے ان کے مناسب حال مقامات پر پہنچانے کے لئے سفارشی چٹھیاں دی جاتیں۔ میرے دفتر کی طرف سے آبادکاری کے لئے ہر مہاجر کو ایک سرٹیفکیٹ دیا جاتا تھا جسے دیکھ کر تمام سرکاری محکمہ جات بھی سرٹیفکیٹ کے حامل کو پوری مدد دیتے تھے اور انہیں مکان، زمین اور دیگر سامان مہیا کرتے۔

حضرت امیرالمومنینؓ نے مجھے یہ ہدایت فرمائی کہ چونکہ قادیان ہمارا دائمی مرکز ہے اور ہم اس میں جلد یا بدیر واپس جائیں گے ہمیں اسے اپنے سامنے رکھنے کے لئے زمیندار اصحاب کو قادیان سے قریب ترین علاقہ میں بسانے کی کوشش کی جائے۔ چونکہ قادیان سے قریب ترین علاقہ سیالکوٹ، شکرگڑھ اور نارووال کا تھا اس لئے مَیں نے زمیندار اصحاب کو وہاں زمینیں دلانے اور آباد کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اب تک کئی ایک احمدی زمیندار ان زمینوں پر آباد ہیں۔ جن مہاجر احمدی احباب کے پاکستان میں رشتہ دار تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ آبادکاری میں وہ ان کو مدد دے سکیں گے ان کی خواہش پر ان کے رشتہ داروں کے پاس پہنچانے کا انتظام کر دیا جاتا۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور حضور رضی اللہ عنہ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ لاکھوں کی

تعداد میں ہجرت کرکے آنے والے احمدیوں کو لاہور میں ٹھہرانے اور پھر ان کو پاکستان کے مختلف شہروں میں آبادی کے لئے پہنچانے کا انتظام میرے دفتر کی طرف سے کیا گیا اور اللہ کے فضل سے یہ لوگ جلد ہی اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے اور اس قابل ہو گئے کہ نہ صرف یہ کہ اپنے آپ ہی کو سنبھالیں بلکہ جماعت کی بھی مدد کر سکیں۔ بے سروسامانی کے وقت میں یہ کام جس طرح سے کیا گیا یہ محض اللہ کا فضل تھا۔ کیونکہ اتنے لوگوں کو آباد کرنے کے لئے بہت وسائل کی ضرورت تھی جو ہمیں میسّر نہ تھے۔ ہمارے پاس روپیہ نہیں تھا۔ لیکن اس بے سروسامانی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے رنگ میں کام کرنے کی توفیق دی کہ جماعت کا روپیہ بھی بہت ہی قلیل خرچ ہوا اور سب دوست آباد بھی ہو گئے۔

اتنے احباب کے ٹھہرانے اور ان کے لئے انتظام کرنا بڑا مشکل تھا اور ہر لحظہ یہ خطرہ ہوتا تھا کہ کوئی وبا نہ پھوٹ پڑے۔ یہ محض اللہ کا فضل تھا کہ ہمارے صرف دو تین احباب ہیضہ کی وجہ سے شہید ہوئے جن میں سے ایک مولوی محمود احمد صاحب خوشابی معلم مدرسہ احمدیہ تھے۔ ان تمام احباب کو خاکسار خود ہی سنبھالتا رہا اور اللہ سے دعا کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں وباؤں سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عام طور پر فرشتوں کے ذریعہ سے ہماری مدد کی اور سوائے دو تین احمدیوں کے جو اس وبا سے شہید ہوئے باقی محفوظ رہے۔ ہمیں آباد کرنے کے لئے دن رات چوبیس گھنٹوں میں جو جدوجہد کرنی پڑتی تھی اس کا نقشہ کھینچنا الفاظ میں ناممکن ہے کیونکہ عملہ کی کمی تھی اور ہم صرف دو کارکن تھے ہمیں کئی ماہ تک دفتر چوبیس گھنٹے کھلا رکھنا پڑتا رہا حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا اپنا یہ حال تھا کہ ان بے سروسامان احمدی احباب کی تکلیف کو دیکھتے ہوئے حضور نے اپنی چارپائی پر سونا ترک کر دیا اور ایک عرصہ دراز تک جب تک احباب آباد نہیں ہو گئے چارپائی سے نیچے ہی سوتے رہے۔ اور دن رات آپ کو یہی فکر ہوتا تھا کہ کسی طرح کسی دوست کو کوئی پریشانی نہ ہو اور وہ آباد ہو جائے " [1]

مہاجرین کی آبادی کے سلسلہ میں حضرت منشی محمد دین صاحب ملتانی مختار عام کی انتھک مساعی اور بے لوث خدمات کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ حضرت منشی صاحب ۱۳ اخا / اکتوبر ۱۳۲۶ہش ۱۹۴۷ء کو قادیان سے

---

[1] غیر مطبوعہ۔

لاہور تشریف لائے جہاں ۱۸ر اخاء/اکتوبر تک دفتر جائیداد لاہور میں کام کیا۔ ۲۰ر تا ۲۲ر اخاء چنیوٹ میں آپ سلسلہ کے ایک ضروری کام پر متعین رہے۔ بعد ازاں ۲۵ر اخاء/اکتوبر سے اراضی مرکز کی خرید کے علاوہ چنیوٹ، احمد نگر، ڈاور وغیرہ جگہوں میں احمدی مہاجرین کی آبادکاری کے لئے مقرر کئے گئے۔[1] چنانچہ آپ کی کوشش سے نہ صرف تعلیم الاسلام ہائی سکول، مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کے لئے عمارتوں کا انتظام ہوا بلکہ بہت سے احمدی مہاجرین ان جگہوں میں مکان اور اراضی الاٹ کرا کے آباد کئے گئے۔ یہی نہیں، انہوں نے مہاجرین کے لئے سامان رہائش اور خوراک وغیرہ کا بھی بندوبست کیا۔[2]

حضرت منشی صاحبؓ یکم ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء تک اس خدمت پر مامور رہے۔[3]

احمدی مہاجرین کیلئے کمبلوں لحافوں اور توشکوں کی خاص تحریک

مشرقی پنجاب سے آنے والے ایک لاکھ احمدیوں میں سے غالب اکثریت ان لوگوں کی تھی جو صرف تن کے کپڑے ہی بچا کر نکل سکے تھے۔ اس تشویشناک صورتِ حال نے آبادکاری کے انتظام کے بعد جلد ہی ایک خطرناک اور سنگین مسئلہ کھڑا کر دیا۔ اور وہ یہ کہ جوں جوں سردی کے ایام قریب آنے لگے ہزاروں ہزار احمدی مرد، بچے اور بوڑھے سردی سے نڈھال ہونے لگے۔

سیدنا المصلح الموعود سے اپنے خدام کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ چنانچہ آپ نے مغربی پنجاب کے احمدیوں کے نام پیغام دیا کہ سردی کا موسم سر پر آپہنچا ہے انہیں اپنے مہاجر بھائیوں کے لئے بستروں کمبلوں اور توشکوں کا فوری انتظام کرنا چاہئیے۔ حضور کے اس پیغام کا مکمل متن حسب ذیل تھا:۔

"اس وقت ایک لاکھ سے زیادہ احمدی مشرقی پنجاب سے مغربی پنجاب کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔ جس طرح کتے لاشوں پر جھپٹتے ہیں اسی طرح سکھ جتھوں اور پولیس اور ملٹری نے ان علاقوں کا مال و اسباب لوٹ لیا ہے۔ اکثر تن کے کپڑے بچا کر ہی نکل سکے ہیں۔ بستر بہت ہی کم لوگ لا سکے ہیں۔ ہزاروں ہزار بچہ اور عورت سردی سے نڈھال ہو رہا ہے۔ پانچ ہزار آدمی اس وقت صرف ہمارے پاس جودھامل بلڈنگ، دوسری بلڈنگوں اور ان کے ملحقہ میدانوں میں پڑا ہے۔ ان میں سے اکثر قادیان میں سے آئے ہوئے ہیں جن میں زیادہ مکانوں اور جائدادوں والے تھے مگر ان کے مکانوں پر سکھوں نے قبضہ کر لیا ہے اور ان کے گھروں کو سکھوں نے

---

[1] ریکارڈ نظارت علیا۔ [2] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۲۷-۱۳۲۶ہش/۴۸-۱۹۴۷ء صفحہ ۸۷۔
[3] ریکارڈ نظارت علیا۔

لُوٹ لیا ہے۔ قادیان کے رہنے والوں میں چونکہ یہ شوق ہوتا تھا کہ وہ اپنا مکان بنائیں اس لئے عورتوں کے پاس زیور اور مردوں کے پاس روپیہ بہت ہی کم ہوتا تھا۔ اس لئے جب لوگوں کو قادیان چھوڑنا پڑا تو مکان اور اسباب سکھوں نے لُوٹ لئے اور روپیہ اور زیور ان کے پاس تھا ہی نہیں۔ اکثر بالکل خالی ہاتھ پہنچے ہیں۔ اور اگر جلد ان کے لئے کچھ کپڑے اور رضائیاں وغیرہ مہیّا نہ کی گئیں تو ان میں سے اکثر کی موت یقینی ہے۔ اس لئے میں مغربی پنجاب کے تمام شہری، قصباتی اور دیہاتی احمدیوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ آج ان کے لئے ایثار اور قربانی کا جذبہ دکھانے کا وقت آگیا ہے اور سوائے ان بستروں کے جن میں وہ سوتے ہیں اور سوائے اتنے کپڑوں کے جو اُن کے لئے اشد ضروری ہیں باقی سب بستر اور کپڑے ان لوگوں کی امداد کے لئے دے دیں جو باہر سے آرہے ہیں۔ سیالکوٹ کی جماعت کو مَیں ہدایت کرتا ہوں کہ گورداسپور اور اَور کئی جگہوں کے زمیندار وہاں بھٹائے جا رہے ہیں ان میں سے بھی اکثروں کے پاس کوئی کپڑا وغیرہ نہیں۔ جو پہلے بھاگ آئے ان کے پاس کچھ کپڑے ہیں مگر جو بعد میں آئے ان کے پاس کوئی کپڑا نہیں۔ خصوصاً جو قادیان میں پناہ گزین تھے۔ اور وہاں سے آئے ہیں ان سب کا مال سکھوں اور ملٹری نے لُوٹ لیا تھا۔ ان میں سے ہر شخص کے لئے بستر اور کپڑے مہیّا کرنا سیالکوٹ کی جماعت کا فرض ہے۔ ہمارے ملک میں یہ عام دستور ہے کہ زمیندار ایک دو بستر زائد رکھتے ہیں تا کہ آنے والے مہمانوں کو دیئے جا سکیں۔ ایسے تمام بستر ان لوگوں میں تقسیم کر دینے چاہئیں اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں اور عزیزوں سے بھی جتنے بستر مہیّا ہوسکیں جمع کر کے ان لوگوں میں بانٹنے چاہئیں۔ اس کے علاوہ سیالکوٹ کی تمام زمیندار جماعتوں کو اپنا یہ فرض سمجھنا چاہیئے کہ تمام ارد گرد کے تالابوں سے کسیر جمع کر کے اپنے چھکڑوں میں ان جگہوں پر پہنچائیں جہاں پناہ گزین آباد ہوئے ہیں۔ اسی طرح گنّوں کی کھوری اور دھان کے چھلکے جمع کر کے ان لوگوں کے گھر میں پہنچا دیں تا کہ بطور بستروں کے کام آسکے۔

تمام جماعتوں اور پریذیڈنٹوں کو اپنی رپورٹوں میں اس بات کا بھی ذکر کرنا چاہیئے کہ انہوں نے اس ہفتہ یا اس مہینہ میں پناہ گزینوں کی کیا خدمت کی ہے اور ان کے آرام کے لئے انہوں نے کیا کوششیں کی ہیں۔ سیالکوٹ کے علاوہ دوسرے اضلاع میں جو آدمی بس رہے ہیں

ان کی امداد کے لئے بھی وہاں کی جماعتوں کو فوراً توجہ کرنی چاہیئے۔ اپنے زائد بستر ان کو دے دینے چاہئیں۔ اسی طرح جو لوگ قادیان سے آرہے ہیں اور لاہور میں مقیم ہیں ان کے لئے بھی کچھ کپڑے بھجوانے چاہئیں۔ زیادہ کمبلوں، لحافوں، توشکوں اور تکیوں کی ضرورت ہے چونکہ سردی روز بروز بڑھ رہی ہے اس کام میں دیر نہیں کرنی چاہیئے اور خواہ آدمی کے ذریعے سے یہ [illegible] جلد یہ چیزیں ہمیں بھجوا دینی چاہئیں۔ اس کے علاوہ میں جماعتوں کو اس بات کی طرف بھی توجہ دلاتا ہوں کہ ان کے ارد گرد کی منڈیوں وغیرہ میں اگر دوکانیں نکالنے کا موقعہ ہو، ایسی دوکانیں جو غریب اور بیکس لوگ بغیر روپیہ کے جاری کر سکیں تو ان کے متعلق بھی فوراً مجھے چٹھیاں لکھیں تا کہ ایسے لوگوں کو جو تعلیم یافتہ ہیں اور تجارت کا کام کر سکتے ہیں، وہاں بھجوا دیا جائے" [1]

حضرت امیرالمومنین کے اس پُر درد اور اثر انگیز پیغام نے پاکستان کی احمدی جماعتوں پر بجلی کا سا اثر کیا اور انہوں نے اپنے پناہ گزین بھائیوں کی موسمی ضروریات کو پورا کر دینے کی ایسی سر توڑ کوشش کی کہ انصار مدینہ کی یاد تازہ ہو گئی اور اس طرح حضرت مصلح موعود کی بروقت توجہ سے ہزاروں قیمتی اور معصوم جانیں موسم سرما کی ہلاکت آفرینیوں سے بچ گئیں۔

مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ نے صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی پہلی سالانہ رپورٹ میں حضور جیسے محسن آقا کے اس لطف و کرم اور شفقت و احسان کا تذکرہ مندرجہ ذیل الفاظ میں فرمایا:۔

"جماعت کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور ہزاروں مرد اور عورتیں اور بچے بے سروسامانی کی حالت میں لاہور میں آکر آستانِ خلافت پر پڑے تھے۔ سینکڑوں تھے جنہیں تن پوشی کے لئے کپڑوں کی ضرورت تھی اور ہزاروں تھے جن کو خورد و نوش کی فکر تھی اور سینکڑوں تھے جو صدموں کی تاب نہ لا کر بیمار اور مضمحل ہو رہے تھے۔ مزید برآں موسم سرما بھی قریب آرہا تھا اور ان غریبوں کے پاس سردیوں سے بچنے کا کوئی سامان نہ تھا۔ پھر ان لوگوں کو مختلف مقامات پر آباد کرانے اور ان کی وجہ معاش کے لئے حسب حالات کوئی سامان کرنے کا کام بھی کچھ کم اہمیت نہ رکھتا تھا۔ یہ مشکلات ایسی نہ تھیں جو غیر از جماعت لوگوں پر نہیں آئیں مگر ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا اور ہمارا ایک مونس و

---

[1] "الفضل" ۱۹ر اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش (۱۹۴۷ء) صفحہ ۳

غمخوار تھا۔ جب وہ لوگ پراگندہ بھیڑوں کی طرح مارے مارے پھر رہے تھے ہم لوگوں کو آستانۂ خلافت کے ساتھ وابستہ رہنے کی وجہ سے ایک گونہ تسکین قلب حاصل تھی۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خدام کی تکالیف کو دیکھا اور ان کے مصائب کو سُنا اور ہر ممکن ذریعہ سے نہ صرف سلسلہ کی طرف سے بلکہ ذاتی طور بھی ان کی دلجوئی کے سامان کئے۔ اپنے رُوح پرور کلام سے ان کی ہمتوں کو بڑھایا اور ان کے حوصلوں کو بلند کیا۔ مہاجر غربار کی تن پوشی کے لئے تحریک کر کے ذی استطاعت اور مخیر اصحاب سے کپڑے مہیا کرائے اور سلسلہ کے اموال کو بے دریغ خرچ کر کے ان کو فقر و فاقہ کی حالت سے بچایا۔ بیماروں کے لئے ادویات اور ڈاکٹروں کا انتظام کرایا[1] اور لاہور سے باہر جا کر آباد ہونے والوں کے لئے حسب ضرورت زاد راہ مہیا کیا اور ان کے گذاروں کے لئے ہر اخلاقی اور مالی امداد فرمائی۔ موسم سرما میں کام آنے والے پارچات مہیا کرائے۔ غرض ہزاروں لاکھوں برکات اور افضال نازل ہوں اس محبوب اور مقدس آقا پر جس نے ایسے رُوح فرسا حالات میں اپنے خدام کی دستگیری فرمائی۔ ہمارے دل حضور کے لئے تشکر و امتنان کے جذبات سے معمور ہیں لیکن ہماری زبانیں ان جذبات کے اظہار سے عاجز ہیں۔"[2]

احمدی مہاجرین کے معاشی و تنظیمی مسائل حل کرنے کیلئے وفود

اگرچہ سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی ہدایات دار شادات

---

[1] صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی پہلی سالانہ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ یکم اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء سے سیمنٹ بلڈنگ لاہور میں ایک مختصر سی ڈسپنسری کی صورت میں نور ہسپتال کا احیاء عمل میں آیا جو لاہور میں ۳۰ شہادت/ اپریل ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء تک صرف آؤٹ ڈور ڈسپنسری کے طور پر چلتا رہا۔ اگرچہ اِن ڈور مریضوں کے لئے کوئی انتظام ممکن نہ تھا تاہم رتن باغ، جودھامل بلڈنگ، سیمنٹ بلڈنگ اور ۱۳ میکلوڈ روڈ میں جو احمدی اور کارکنان سلسلہ مقیم تھے ان میں سے اگر کوئی زیادہ بیمار ہوتا تو ہسپتال کے فرض شناس کارکن ان کے گھر پہ جا کر باقاعدہ علاج معالجہ کیا کرتے۔ علاوہ ازیں لاہور کے مختلف محلوں کی کثیر تعداد بلکہ بیرون شہر کے بعض دوستوں کو بھی ہسپتال سے استفادہ کے مواقع میسر آئے۔

(رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۲۹-۱۳۲۸ ہش/ ۵۰-۱۹۴۹ء صفحہ ۴۳)

[2] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۲۷-۱۳۲۶ ہش/ ۴۸-۱۹۴۷ء صفحہ ۵۰۔

کے مطابق ہر جگہ نہایت تیزی سے احمدیوں کو بسانے کا کام جاری تھا۔ مگر چونکہ وقت کا تقاضا تھا کہ اس کو جلد سے جلد پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا جائے اس لئے حضور نے ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے آخر میں مغربی پنجاب اور صوبہ سرحد کی طرف چار وفود روانہ فرمائے۔ ان وفود نے قریباً ایک ماہ تک مختلف علاقوں کا دورہ کیا اور احباب جماعت کو جو ابھی تک ایک پراگندہ اور منتشر حالت میں مختلف مقامات پر اپنے معاشی وسائل تلاش کر رہے تھے امداد بہم پہنچائی اور جماعتوں کو توجہ دلائی کہ اپنے بے بس اور مظلوم پناہ گزین بھائیوں کی ہر ممکن اعانت کریں۔[1]

۸ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ان وفود کے لئے از خود حلقے متعین فرمائے اور ہدایت فرمائی کہ ہر ضلع میں بڑے بڑے شہر مقرر کر دیئے جائیں مثلاً ملتان میں لودھراں اور کبیر والا، منٹگمری میں اوکاڑہ اور پاک پٹن۔ یہ وفد صرف شہروں میں جائیں۔ شہروں کے بجٹ تو دشخیص کریں اور باقی حلقہ کے مبلغین اور سکرٹریاں وغیرہ کو ہدایات بھجوائیں کہ اس شہر میں جمع ہوں۔ اس طرح باقی حلقوں کا کام ان کے سپرد کریں اور ساتھ ہی یہ رپورٹ بھی پیش کریں کہ مشرقی پنجاب کے احمدی کہاں کہاں بسے ہیں اور کس جگہ سے آئے ہیں۔ علاوہ ازیں ارشاد فرمایا کہ وفود جانے سے پہلے حضور سے ملیں اور ہدایات لے کر جائیں اور پھر وہی ہدایات اپنے بعد والوں کو دیں۔

حضرت امیر المومنین نے ان وفود کے حسب ذیل امراء و ارکان تجویز فرمائے:۔

وفد ۱۔ قاضی محمد نذیر صاحب فاضل (امیر وفد)، مولوی نذیر احمد صاحب مبشر، مولوی محمد سعید صاحب انسپکٹر بیت المال۔ (اس وفد نے سیالکوٹ، گوجرانوالہ اور شیخوپورہ کے اضلاع کا دورہ کیا)

وفد ۲۔ صاحبزادہ میاں عبدالمنان صاحب عمر ایم۔اے (امیر وفد)، چوہدری عبدالسلام صاحب اختر ایم۔اے، مولوی غلام احمد صاحب فرخ، ماسٹر فقیر اللہ صاحب انسپکٹر بیت المال (یہ وفد لائل پور، سرگودھا، جھنگ کے اضلاع میں گیا)

وفد ۳۔ مولوی قمر الدین صاحب (امیر وفد)، مولوی محمد حسین صاحب، مولوی محمد احمد صاحب نعیم (اس وفد کے حلقہ میں کیمبل پور، راولپنڈی، جہلم اور گجرات کے اضلاع تھے)

---

[1] رپورٹ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۲۷-۱۳۲۶ہش/۴۸-۱۹۴۷ء۔

وفد ۴۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی (امیرِ وفد) مولوی غلام باری صاحب سیف، صاحبزادہ محمد طیب صاحب، بابو شمس الدین صاحب (اس وفد کا حلقہ صوبہ سرحد مقرر کیا گیا تھا۔[1]

المختصر سیدنا المصلح الموعود کی ان تمام کوششوں کا مجموعی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ جہاں دوسرے بہت سے مسلم مہاجرین سرکاری سرپرستی اور حکومت کے وسیع ذرائع کے باوجود ایک عرصہ تک بے خانماں رہے وہاں مشرقی پنجاب کی نوے فیصدی جماعتیں چند ماہ کے اندر اندر نہ صرف آباد ہوگئیں بلکہ مالی اور تنظیمی رنگ میں پاکستان کی مقامی جماعتوں اور افراد کے دوش بدوش حصہ لینے لگیں۔

قادیان کی امانتوں کا لاہور میں لانے کا انتظام

حضرت سیدنا المصلح الموعود جب سے ہجرت کے بعد لاہور تشریف لائے تھے اس فکر میں تھے کہ جن لوگوں نے قادیان میں مرکز کے سپرد اپنی امانتیں کر رکھی تھیں وہ جلد سے جلد پاکستان میں پہنچ جائیں۔ حالات سخت مخدوش تھے اور راستے پرخطر، مگر محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور کی خصوصی توجہ کی بدولت آخر ۲۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو حضور کی یہ دلی تمنا پوری ہوگئی جبکہ حضرت شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی یہ تمام امانتیں پاکستان کی طرف منتقل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس ایمان افروز واقعہ کی تفصیل حضرت شیخ صاحب مرحوم کے قلم سے درج ذیل کی جاتی ہے:۔

"اگست ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک ہوئی اور قادیان سے نکلنے کا سامان ہونے لگا۔ یہ بڑی مصیبت کے دن تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے ہمارے دلوں پر اپنی رحمت کے مرہم کا پھایا رکھا۔ حضرت

---

[1] "الفضل" ۲۷ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۵ کالم ۲۔ مولوی محمد سعید صاحب اور ماسٹر فقیر اللہ صاحب کے علاوہ جو شریک وفد ہوئے، اس نازک دور میں بیت المال کے مندرجہ ذیل انسپکٹروں نے جماعت کے مالی اور تنظیمی استحکام میں قابل قدر حصہ لیا اور سفر کی انتہائی مشکلات کے باوجود اپنے فرائض منصبی نہایت عمدگی سے ادا کرتے رہے:۔

۱۔ سید محمد لطیف صاحب، ۲۔ چوہدری محمد شجاعت علی صاحب، ۳۔ چوہدری ظفر اسلام صاحب ۴۔ سید سعید احمد صاحب بنگالی، ۵۔ ماسٹر محمد یٰسین صاحب، ۶۔ سید اصغر حسین صاحب، ۷۔ مولوی عبدالرحیم صاحب ملکانہ، ۸۔ چوہدری محمد طفیل صاحب، ۹۔ سید اعجاز احمد صاحب

(رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۲۷-۱۳۲۶ہش/۴۸-۱۹۴۷ء صفحہ ۲۳)

امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ لاہور تشریف لے گئے اور وہاں سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو (جو قادیان میں بحیثیت امیر تمام امور کے منتظم تھے) پیغامات بھیجے کہ قادیان میں جو لوگوں کی امانتیں ہیں لاہور بھجوائی جائیں۔ اس پر حضرت ممدوحؓ نے مجھے حکم دیا کہ میں وہ امانتیں لاہور لے جاؤں۔ ان دنوں حضرت خلیفۃ المسیح لاہور سے ٹرک بھجوایا کرتے تھے جن میں قادیان کی مستورات اور بچے لاہور جاتے تھے مگر ان ٹرکوں میں لاہور جانا کارے دارد والا معاملہ تھا۔ قادیان کے غیر احمدی لوگ بڑا بڑا کرایہ دے کر ٹرک والوں سے جگہ لے لیتے تھے اور بہت سے احمدی جگہ نہ پا کر واپس آجاتے تھے۔ یہی حالت میری تھی۔ میں صبح کو امانتوں کے ٹرنک دفتر سے حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کی کوٹھی پر لاتا۔ جگہ نہ ملتی تو شام کو واپس خزانہ صدر انجمن میں لے جاتا۔ آخر ۲۰ ستمبر کو مجھے جگہ مل گئی اور میں یہ ٹرنک لے کر قادیان سے روانہ ہوا۔ جب ہم قادیان سے ایک میل باہر آئے تو اس چھ بسوں والے قافلہ کو روکا گیا اور سامان اور ٹرنک وغیرہ چیک ہونے کا انتظار کرنا پڑا۔ اتنے میں میاں روشن دین صاحب زرگر میرے پاس آئے اور منت سماجت سے کہنے لگے کہ یہ میرا پارسل لاہور لے جائیں اس میں سونے کی تین سلاخیں ہیں۔ میں نے مان لیا اور ان کا پارسل اپنے کیش بکس میں رکھ لیا۔ اتنے میں ایک ڈوگرہ لیفٹیننٹ آگیا اور سامان چیک کرنے لگا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ اس کیش بکس میں کیا رکھا ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے ایک شخص نے یہ کہہ کر پارسل بطور امانت دیا ہے کہ اس میں تین سلاخیں سونے کی ہیں۔ اس نے پارسل کھولا اور میری طرف مخاطب ہو کر کہا۔ یہ دیکھ لیں میں آپ کی سونے کی سلاخیں آپ کو واپس دے رہا ہوں اور پھر بس کے اندر دوسرے سامان کو چیک کرنے لگا۔ اس میں فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے جستی ٹرنک اور بڑے بڑے صندوق تھے۔ ان میں کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ وہ جس صندوق کو کھولتا اُوپر سے نیچے تک چیک کرتا کہ کتابوں کے علاوہ کوئی اور چیز اسلحہ وغیرہ تو نہیں جب وہ دو تین ٹرنک دیکھ چکا اور اس کو اطمینان ہو گیا تو میری طرف آیا اور جہاں میرے والے امانتوں کے جستی ٹرنک تھے ان کو دیکھ کر از خود ہی کہنے لگا۔ یہ بھی ریسرچ کا ہی سامان ہے اور اس نے قافلے کو جانے کی اجازت دے دی۔ بسیں روانہ ہوئیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا

شکر ادا کیا۔ کیونکہ میرے ساتھ جو امانت کے ٹرنک جا رہے تھے ان میں لاکھوں روپے کی ڈبیاں اور پارسل تھے۔ کسی کے زر و جواہر، کسی کے زیورات، کسی میں پونڈ وغیرہ۔ واللہ اعلم کیا کچھ نہ تھا۔ اور اگر اس افسر کو شبہ بھی ہو جاتا کہ ان ٹرنکوں میں لاکھوں کا مال ہے تو وہ ضرور روک لیتا اور ٹرنک کھلواتا اور اندر سے ہر ایک ڈبہ کھولتا تو خدا جانے وہ لالچ میں آکر کہتا کہ ہم جانے نہیں دیں گے۔ بھارت سرکار کو رپورٹ ہوگی۔ اگر سرکار نے اجازت دی تو یہ مال جائے گا ورنہ نہیں۔ یہ ایسی مصیبت تھی جس کے تصور سے ہی میری جان پر بن جاتی تھی کہ کسی کو میری بات کا یقین کیسے آئے گا کہ یہ مال فلاں نے لے لیا ہے نہ مجھے کوئی رسید دی جائے گی نہ کوئی اور صورت اطمینان کی ہوگی۔ مگر میں اپنے خدا پر قربان جاؤں کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی توجہ سے یہ مشکل یوں حل ہوئی کہ فوجی افسر نے بغیر دیکھے ہی سمجھ لیا کہ یہ ریسرچ کا سامان ہے اور چونکہ وہ ریسرچ کے ٹرنک دیکھ کر اطمینان کر چکا تھا کہ ان میں کتابیں ہیں اور کچھ نہیں اس لئے اس نے یہی گمان کیا کہ ان میں بھی کتابیں ہیں۔ یہ کس قسم کا زمانہ تھا اور کیسی مصیبت کا وقت تھا۔ جن لوگوں نے وہ مصیبت نہیں دیکھی وہ اس کا قیاس بھی نہیں کر سکتے اور میں نے چونکہ یہ نظارے دیکھے تھے اس لئے میرے دل پر یہی اثر ہے کہ یہ محض خدا کا رحم اور فضل تھا جو حضرت خلیفہ ثانی کی توجہ اور دعاؤں سے مجھ پر ہوا۔ کیونکہ حضور چاہتے تھے کہ امانتیں لاہور پہنچ جائیں اور اس پر زور دیتے تھے۔ جیسا کہ میں نے سنا ہے یہ کہتے ہوئے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت فرمائی تھی تو حضرت علیؓ کو حکم دیا تھا کہ امانتیں جلد مدینہ بھجوائی جائیں۔ یہ تڑپ تھی جو احمدیوں کا مال بچا کر لانے کا ذریعہ بن گئی ورنہ بظاہر مجھے کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

جب ہمارا قافلہ موضع تتلے کی نہر کے پل پر پہنچا تو بس کے کلینر نے شور کرنا شروع کر دیا کہ سر نیچے کر و، سامنے سکھ بندوقیں لے کر مورچے بنائے بیٹھے ہیں۔ قریب ہے کہ قافلہ پر حملہ کر دیں ؎

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا پڑ گئی اور یہ کیسی میرے اللہ نئی!

بسیں جب پل سے پار ہوئیں تو قافلہ کے انچارج حوالدار نے حکم دیا کہ بسیں اسی جگہ ٹھہر

جائیں۔ اس نے اُتر کر اپنی برین گن سیٹ کی، اسی طرح اس کے ایک ماتحت نے بھی۔ سکھوں نے جو کھیتوں کی منڈیروں کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک قسم کا مورچہ بنائے ہوئے تھے گولیاں چلانی شروع کر دیں مگر خدا تعالیٰ نے بچا لیا۔ قافلہ کے کسی فرد پر نہ لگیں۔ اور حوالدار اور اس کے ساتھی نے فائر کرنے شروع کئے۔ کہا جاتا تھا کہ تیس بتیس سکھ مارے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ واللہ اعلم۔ غرض قافلہ وہاں سے روانہ ہوا۔ اور کچھ دُور ہی گیا تھا کہ سامنے سے سکھوں یا ڈوگروں کی فوج کے افسر ایک جیپ میں آ رہے تھے ہمیں خیال آیا کہ جب وہ سکھوں کی لاشیں دیکھیں گے تو ہمارے قافلے کا تعاقب کر کے ہمیں روک لیں گے مگر خدا تعالیٰ نے رحم کیا اور ہم بٹالہ پہنچ گئے۔ وہاں سڑک پر دیکھا کہ ایک ڈھیر لگا ہوا ہے اور اس میں سینکڑوں قرآن شریف پڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے وہاں سے چند قرآن شریف اُٹھائے۔ بٹالہ میں قافلہ کو روکا گیا۔ بڑی دیر میں چلنے کی اجازت ملی۔ ہم نے خدا تعالیٰ کا شکر کیا اور روانہ ہوئے۔ امرتسر پہنچے تو وہاں بڑی دیر لگی۔ وہاں سے چلے تو راستہ میں چھ بسوں میں سے ایک خراب ہو گئی۔ غرض خدا خدا کر کے لاہور بارڈر پہ پہنچے تو یُوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا جنّت میں آ گئے ہیں۔ رات کے دس بجے ہم جودھامل بلڈنگ پہنچے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ "[1]

تقسیمِ ہند کے بعد بھارت اور پاکستان میں مبلّغینِ احمدیت کے نظامِ عمل پہ ایک نظر

جماعتِ احمدیہ برصغیر کی ایک خالص تبلیغی اور رُوحانی جماعت تھی جس کی تمام سرگرمیاں ہمیشہ پُوری انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے وقف رہیں۔ بایں ہمہ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کی فرقہ دارانہ شورش میں براہِ راست اس کا مرکز بھی انسانیت سوز اور دلدوز مظالم کا نشانہ بن گیا جس نے اس کے تبلیغی نظم و نسق کو تہ و بالا کر دیا اور اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد میں وقتی طور پر تعطّل واقع ہو گیا۔ تاہم یہ حالت صرف چند ماہ تک قائم رہی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی توجہ کے طفیل مبلّغین کے نظامِ عمل میں جو بظاہر بالکل درہم برہم ہو گیا تھا، پھر سے حرکت پیدا ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ازسرِنو مضبوط بنیادوں پر استوار ہو گیا۔

---

[1] "اصحابِ احمد" جلد سوم طبع دوم (دسمبر ۱۹۶۹ء) صفحہ ۱۱۸-۱۲۰ (از ملک صلاح الدین صاحب ایم-اے)۔

اس جگہ اُن احمدی مبلغین کا ذکر کرنا ضروری ہے جنہوں نے ہندوستان کی آزادی اور قیام پاکستان کے پہلے سال نہایت نامساعد اور پُرخطر ایام میں اسلام اور احمدیت کا جھنڈا بلند کئے رکھا اور ناقابل برداشت مصیبتوں کے دوران بھی نہایت استقلال کے ساتھ اشاعت حق میں سرگرم عمل رہے۔

بھارت کے مبلغین:۔ مولانا عبداللہ صاحب مالاباری (جنوبی ہند)، مولوی احمد رشید صاحب مالاباری (مالابار) مولوی محمد سلیم صاحب (کلکتہ) مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دیال گڑھی (لکھنؤ) مولوی بشیر احمد صاحب (کلکتہ) مولوی سمیع اللہ صاحب[1] دھرم پرکاش (بہار) حکیم محمد دین صاحب (بمبئی) مولوی عبدالمالک خاں صاحب (حیدرآباد دکن) مولوی فضل الدین صاحب (آگرہ حیدرآباد)

ان مبلغین میں سے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دیالگڑھی اور مولوی عبدالمالک خاں صاحب کچھ عرصہ تک بھارت میں کامیابی سے خدمت سلسلہ کا فریضہ ادا کرنے کے بعد پاکستان میں آگئے جہاں آجتک تبلیغ دین میں مصروف ہیں۔

پاکستان کے مبلغین:۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی (پشاور) مولوی عبدالغفور صاحب (سرگودھا) مولوی ظل الرحمٰن صاحب (چنیوٹ) مولوی چراغ دین صاحب (مردان) شیخ عبدالقادر صاحب (سابق سوداگرمل) (لاہور) مولوی غلام احمد صاحب فرخ (سندھ) سید احمد علی صاحب (کراچی) سید اعجاز احمد صاحب (بوگرا) صاحبزادہ محمد طیب صاحب (مردان) صاحبزادہ ھبۃ اللہ صاحب (اسماعیلہ) مولوی ابوالخیر محب اللہ صاحب (چٹا گانگ ڈھاکہ) مرزا حسام الدین صاحب لکھنوی (جھنگ) مولوی عبدالرحیم صاحب عارف (جھنگ) مولوی محمد حسین صاحب (جہلم۔ گجرات) گیانی عباداللہ صاحب (گوجرانوالہ) مہاشہ محمد عمر صاحب (گوجرانوالہ) گیانی واحد حسین صاحب (راہوالی) مولوی محمد احمد صاحب نعیم (کیمبل پور)

ان کے علاوہ مولوی احمد خاں صاحب نسیم انچارج تبلیغ مقامی قادیان جو ۹ ہر تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء کو گرفتار کر لئے گئے تھے، شہادت/اپریل ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء میں رہا کر دیئے گئے جس کے بعد اپنی گذشتہ روایات کے مطابق سلسلہ احمدیہ کی خدمات دینیہ میں مصروف ہو گئے۔

---

[1] یہ صاحب احمدیت قبول کرنے سے پہلے آریہ ہو گئے۔ بالآخر اخاء/اکتوبر ۱۳۴۸ھش/۱۹۶۹ء میں غیر مبائعین سے منسلک ہو گئے۔

قادیان سے دفاتر کا عملہ، ریکارڈ اور دستاویزات منگوانے کا پہلا مرحلہ

دفتر محاسب کے چند رجسٹروں یا بعض دیگر ضروری کاغذات کے سوا کوئی خاص ریکارڈ قادیان سے شروع میں نہیں لایا گیا تھا۔ لیکن اب جبکہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان کا قیام ہو گیا تو قادیان سے مزید عملہ اور ریکارڈ منگوانے کی فوری ضرورت پیش آگئی اور گو ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے دوران مختلف اوقات میں سلسلہ کے مرکزی دفاتر کے بعض کارکن مع ریکارڈ لاہور بلوائے گئے مگر عملہ دفاتر اور ریکارڈ کے منگوانے کا حقیقی معنوں میں پہلا مرحلہ ۲۴؍تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو شروع ہوا۔ حضرت سیدنا المصلح الموعود کی خاص ہدایت پر حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب نے حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب امیر مقامی قادیان کے نام حسب ذیل مراسلہ بھیجا:۔

(نوٹ:۔ مراسلہ میں خط کشیدہ فقرات سیدنا المصلح الموعود کے لکھے ہوئے ہیں جن کا اضافہ بعد نظر ثانی خود حضور نے اپنے قلم مبارک سے فرمایا تھا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

جودھامل بلڈنگ۔ ۲۴؍ستمبر ۱۹۴۷ء

مکرمی مرزا صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم

حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ سید محمد حسین شاہ ناظم جائیداد، بہاء الحق صاحب ناظم تجارت، مولوی عبدالمغنی خاں اور ایک ایک کلرک ریکارڈ سمیت، برکت علی صاحب فنانشل سکرٹری تحریک جدید معہ حساب امانت و وعدہ جات وغیرہ، شیخ نورالحق صاحب جو سندھ کی زمینوں میں کام کرتے ہیں اور پرائیویٹ سکرٹری کے دفتر کے اوپر کے کمرہ میں بیٹھتے ہیں، ان سب (کو)[1] تاکید کی جائے کہ اپنا اپنا مکمل ریکارڈ یا بحالت مجبوری ضروری ریکارڈ لے کر آئیں شیخ نورالحق صاحب اور شاہ صاحب خرید کردہ زمینوں کے قبالے بھی لائیں۔ اگر سرکاری کنوائے کا انتظام نہ ہو تو ان کو پرائیویٹ کنوائے میں ہی بھجوانے کا انتظام کریں مگر یہ دیکھ لیں کہ ساتھ حفاظت کے لئے اسکورٹ کافی ہے کہ نہیں۔ دفتر پرائیویٹ سکرٹری کے آدمی رفیق احمد صاحب کو بھجوا دیا جائے وہ پہرہ یا حفاظت کے قابل نہیں۔ ان کے ساتھ ایک اور تجربہ کار کارکن منشی

---

[1] سہواً رہ گیا ہے۔

فتح الدین صاحب یا اور کوئی جس کو حفاظت والے بخوشی فارغ کر سکیں۔

عطاء الرحمٰن صاحب پروفیسر فزکس تعلیم الاسلام کالج کو کہا جائے کہ جس قدر سامان کالج کا لایا جا سکتا ہے لے کر لاہور پہنچیں۔ زیادہ اہم اور ضروری سامان کو مقدم کیا جائے جس کا دوسری جگہ ملنا مشکل ہوگا۔ اور حضور نے فرمایا ہے کہ فیملی شیخ محمد حسین صاحب آف کلکتہ والد حافظ بشیر احمد صاحب اور شیخ دوست محمد صاحب آف کلکتہ کی فیملیوں کو بھی بھجوانے کا انتظام کیا جائے۔ اسی طرح شیخ محمد صدیق صاحب کلکتہ کی فیملی کو یعنی جب کنوائے آئے یا کسی ٹرک میں جگہ خالی ہو۔ دیہاتی مبلغین یا زیر تعلیم دیہاتی مبلغین، دعوۃ والتبلیغ کے مبلغین، انجمن کے محصلوں میں سے جن کو عملۂ حفاظت آسانی سے فارغ کر سکے ان کو بھی بھجوایا جائے تا یہاں کام شروع کیا جا سکے۔ کیانی صاحب لیگل ریممبرنس کے چپڑاسی کی فیملی فیروز دین پٹواری کے ہاں رہتی ہے اس کو بھی بھجوانے کا انتظام کریں اگر وہ ابھی تک آ نہیں چکی۔ کلیدی کاموں پر جو لوگ مامور ہیں جن کا ابتداءً نام لے کر ذکر کیا گیا ہے باقیوں کے متعلق حضور نے فرمایا ہے کہ صاحبزادہ میرزا ناصر احمد صاحب کے مشورہ سے ان کارکنوں کو بھجوایا جائے جن کی ضرورت نہ ہو تا سلسلہ کے کاموں کا تسلسل جاری رہے۔ لیکن بہرحال آپ کی ضروریات قادیان مقدم ہیں۔ پس ان کو ملحوظ رکھیں۔ عبدالباری نائب ناظر بیت المال قادیان میں حراست میں لے لئے گئے ہیں۔ ان کو ضمانت پر چھڑانے کی کوشش کی جائے۔ ان کے پاس لاہور کے حسابات کی رسیدات پیشگی رقوم کا حساب ہے۔ اگر ممکن ہو سکے حاصل کر کے فوراً بھجوانے کا انتظام فرماویں۔ دس بارہ ہزار روپیہ کا ان کے پاس حساب اور رسیدات ہیں۔ اس ضمن میں پوری کوشش وسعی ہونی چاہئیے ممنون ہوں گا۔ خاکسار

محمد عبداللہ خاں

مکرر آنکہ سائیکلوسٹائل پریس قادیان میں تین ہیں۔ ایک ریسرچ میں، دوسرا تحریک جدید میں، تیسرا محکمہ دعوۃ والتبلیغ کے صیغہ اطلاعات میں ہے۔ ان تینوں کو جلدی بھجوانے کا انتظام کریں۔ کم از کم ایک تو فوری طور پر آجانا چاہئیے۔ یہاں ان کی اشد ضرورت ہے۔

حضور نے کسی کنوائے یا پرائیویٹ کنوائے کے آنے (پر[1]) حضرت پیر منظور محمد صاحب کو

[1] سہواً رہ گیا ہے

بھجوانے کا ارشاد بھی فرمایا۔ اس کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ ان کو خاص نگرانی میں آرام سے بھجوایا جائے۔ ضرورت ہو تو کوئی شخص راستہ میں افیون کا ٹیکہ دیتا لائے تا تکلیف نہ ہو۔ ان سے کہہ دیا جائے کہ اس وقت جانوں کا لے جانا اسباب سے مقدم ہے۔ ہاں بار بار لکھا جا چکا ہے کہ الفضل، الحکم، بدر، ریویو، پیغام صلح کا ایک ایک مکمل سیٹ شروع سے آخر تک کا فوراً بھجوایا جائے تا سلسلہ کی تاریخ غائب نہ ہو جائے مگر اب تک توجہ نہیں ہوئی۔ افسوس صاحب خود یہ کام کریں۔ ..... صاحب اس قابل معلوم نہیں ہوتے"

دوسرا مرحلہ عملہ اور ریکارڈ کے لاہور میں منتقل کئے جانے کے دوسرے مرحلہ کا آغاز ۲۸ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ ہش ۱۹۴۷ء کو ہوا جبکہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے اس بارے میں خاص اجلاس منعقد کیا اور منگوائے جانے والے کارکنوں کا انتخاب کر کے اس کی روداد حضرت امیرالمومنین کی خدمت میں آخری منظوری کے لئے بھیجی۔

صدر انجمن کے اس اجلاس میں مندرجہ ذیل ممبران موجود تھے:۔

۱۔ مکرم حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب صدر ۲۔ مکرم نواب محمد عبداللہ خاں صاحب ناظر اعلیٰ ۳۔ نواب محمد دین صاحب ناظر دعوۃ والتبلیغ ۴۔ مکرم عبدالرحیم صاحب درد ناظر تعلیم و تربیت و امور عامہ و خارجہ ۵۔ مولوی سیف الرحمٰن صاحب ناظر ضیافت ۶۔ ابوالمنیر مولوی نورالحق صاحب ناظر انخلاء و آبادی ۷۔ مولوی محمد صدیق صاحب واقف زندگی ممبر ۸۔ خانصاحب منشی برکت علی صاحب ناظر بیت المال ۹۔ مرزا عبدالغنی صاحب محاسب صدر انجمن احمدیہ لاہور۔

حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب نے حسب فیصلہ صدر انجمن احمدیہ حضرت امیرالمومنین سے رہنمائی حاصل کرنے کے بعد ناظر اعلیٰ صاحب قادیان کو معین ہدایات بھجوانے کے لئے مکتوب کا ایک مسودہ تیار کیا جسے انہوں نے آخری منظوری کے لئے دوبارہ حضور کی خدمت میں رکھا اور بعد منظوری قادیان بھجوایا۔ اس مسودہ کے الفاظ یہ تھے:۔

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

بخدمت مکرم جناب ناظر صاحب اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ قادیان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مندرجہ ذیل کارکنان صدر انجمن احمدیہ قادیان دفاتر صدر انجمن احمدیہ لاہور (پاکستان) میں کام کرنے کے لئے لاہور بھجوا دیئے جائیں۔ لیکن پہلے یہ فہرست میاں ناصر احمد صاحب اور آپ بغور دیکھ لیں تو ان میں سے جو لوگ حفاظت کی غرض سے یا دفاتر صدر انجمن احمدیہ قادیان کی ضرورت کی غرض سے قادیان رکھے جانے ضروری ہوں ان کے نام اس فہرست سے خارج کر دیئے جائیں اور ان کی بجائے متعلقہ دفاتر کے دیگر کارکن لاہور بھجوا دیئے جائیں۔

۱۔ (ا) عملہ نظارت دعوۃ وتبلیغ ۔ پیر خلیل احمد صاحب کلرک کے علاوہ ایک اور کلرک

ب۔ عملہ مبلغین ۔ مولوی عبدالغفور صاحب مبلغ ۔ مولوی ظل الرحمٰن صاحب بنگالی۔ مجاہد محمد عمر صاحب۔ مولوی محمد حسین صاحب مبلغ پونچھ۔ گیانی واحد حسین صاحب۔ مجاہد فضل حسین صاحب مبلغ۔ مولوی عبدالعزیز صاحب مبلغ۔ حافظ عبدالسمیع صاحب امروہی نیز دیہاتی مبلغین میں سے منسلکہ فہرست میں سے جو قادیان میں ڈیوٹی دے رہے ہیں یا ڈیوٹی کے قابل ہوں ان کے سوا باقی سب کو بھجوا دیا جائے۔

ج۔ عملہ الفضل۔ امیر محمد صاحب کلرک، مینیجر معہ ٹائپ مشین و رجسٹر امپرسٹ۔ محمد اسلم صاحب کلرک مینیجر عبدالرشید صاحب۔ نسیم احمد صاحب۔ عبدالحمید صاحب۔ امیر محمد صاحب مددگار کارکنان۔ دو کاتب حسب انتخاب۔ منیر احمد صاحب ونیس۔

د۔ عملہ اطلاعات۔ عنایت اللہ صاحب ٹائپسٹ معہ رونیو سیٹ اور ٹائپ مشین

۲۔ تعلیم و تربیت ۔ ماسٹر خیر دین صاحب۔ قاری محمد امین صاحب کلرک۔ سید محمد شاہ صاحب کلرک۔ میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی (اگر آنا چاہیں)۔ قاضی عزیز احمد صاحب معہ لاوڈ سپیکر۔ حافظ محمد رمضان صاحب۔ حافظ فتح محمد صاحب اور حافظ کرم الٰہی صاحب

۳۔ امور عامہ و خارجہ ۔ مولوی فضل الدین صاحب وکیل۔ منشی کظیم الرحمٰن صاحب۔ سید سردار علی شاہ صاحب رشتہ ناطہ۔ ایک مددگار کارکن امور عامہ جو سائیکل چلانا جانتے ہوں۔

نور ہسپتال۔ ایک ڈسپنسر مطابق انتخاب مرزا منور احمد صاحب یہاں بھجوا دیا جائے

امور خارجہ۔ عبدالقدیر صاحب اور نسیم احمد صاحب میں سے حسب انتخاب مولوی برکات احمد صاحب

۴۔ دارالافتاء۔ رجسٹرات افتاء

۵۔ نظارت بیت المال۔ چوہدری عبدالرحیم صاحب کاٹھگڑھی۔ مرزا عبدالحمید صاحب کلرک عطاء الرحمٰن صاحب کلرک۔ مختار احمد صاحب ہاشمی۔ محمد اسلم صاحب کلرک (تابع مرضی شعبہ حفاظت)۔ مولوی عبدالعزیز صاحب شرقپوری اور شجاعت علی صاحب انسپکٹران۔ امام دین صاحب مددگار کارکن اور محمد اسمٰعیل صاحب دفتری۔

۶۔ محاسب۔ منشی سردار محمد صاحب۔ شیخ فیض اللہ صاحب۔ منشی غلام نبی صاحب منشی عبدالغنی صاحب۔ پیر مظہر الحق صاحب خزانچی۔ منشی رشید احمد صاحب۔ منشی غلام احمد صاحب۔ چوہدری عبدالمجید صاحب۔ عطاء اللہ صاحب عبدالستار صاحب دفتری۔

۷۔ آڈیٹر۔ سید محمود عالم شاہ صاحب۔

۸۔ نظارت علیا۔ قاضی عبدالرحمٰن صاحب یا محمد عبداللہ صاحب پرویز و سعید اللہ صاحب تابع انتخاب مرضی مرزا عزیز احمد صاحب۔ میاں محمد بخش صاحب مددگار کارکن نیز عارضی عملہ میں سے ایک دو کلرک جو حفاظت سے فارغ ہو سکیں۔

۹۔ صیغہ جائداد۔ منشی محمد دین صاحب معہ رجسٹرات قبالہ جات۔

۱۰۔ بہشتی مقبرہ۔ دو کلرک تابع ضروریات حفاظت (اگر ایسے ہوں جن کے اہل و عیال باہر آ چکے ہوں اور ان کی وہاں ضرورت نہ ہو اور کام سنبھال سکتے ہوں تو بہتر ہوگا)

والسلام

خاکسار

(دستخط) محمد عبداللہ خاں

ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ لاہور

مورخہ ۲۸ $\frac{۹}{۴۷}$

اس مسودہ میں جہاں دیہاتی مبلغین کا تذکرہ تھا وہاں حضور نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا :-

"یہ کُل مبلغ ۱۲۷ ہیں۔ ان میں سے جن کو مرزا ناصر احمد اور مرزا عزیز احمد صاحب اور مولوی شمس صاحب سہولت سے تمیں جن کو وہ بہ خوشی فارغ کر سکیں بھجوا دیں تاکہ ان سے تبلیغ اور چندہ کا کام لیا جائے۔ یہ شرط نہیں کہ وہ فارغ شدہ ہے خواہ نئے طالب علموں سے ہوں خواہ پرانے پاس شدوں میں سے۔ اس طرح مشورہ کر کے بہ شرح صدر اور قادیان کے فائدہ کو مدنظر رکھ کر اطلاع دیں کہ اَعد کتنے ان مبلغوں میں سے بغیر ذرہ سے بھی خطرہ کے فارغ کر سکتے ہیں۔ ہمارے احساس کا کسی صورت میں خیال نہ رکھیں۔ سَو فیصدی مقدم قادیان کے فائدہ اور کام کا خیال رکھیں"[1]

فصل چہارم

مرکزِ احمدیت کی حفاظت کے لئے مخلصینِ جماعت کا قابلِ رشک مظاہرہ

بر تبوک / ستمبر کی مشاورت کے اس فیصلہ پر کہ جماعتیں حفاظتِ قادیان کے لئے بذریعہ قرعہ جوانوں کو بھجوائیں پاکستان کی احمدی جماعتوں نے جس جوش و خروش اور عشق و شیفتگی اور والہانہ اخلاص کا مظاہرہ کیا وہ رہتی دُنیا تک یادگار رہے گا۔

پاکستان[2] میں جہاں جہاں جماعتیں پائی جاتی تھیں انہوں نے حسب فیصلہ اپنی کُل تعداد کے

---

[1] ریکارڈ نظارت علیا صدر انجمن احمدیہ پاکستان۔

[2] پاکستان کے علاوہ لکھنؤ کی احمدیہ جماعت کے سولہ مخلصین نہایت دشوار گذار راستوں سے محض حفاظت مرکز کے لئے لاہور پہنچے (رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۱۳۲۶-۲۷ ہش / ۱۹۴۷-۴۸ء صفحہ ۲)

[3] مولانا جلال الدین صاحب شمس نے اپنے مکتوب (۲۹ احسان / جون ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء بنام حضرت قمر الانبیاء) میں تحریر فرمایا :-

"حضرت امیر المومنین نے کوئٹہ جانے سے تین چار روز پہلے مجلس میں . . . . فرمایا۔ قادیان کے متعلق دو عملی ہو رہی ہے۔ سارے کام کا ایک ہی انچارج ہو۔ میاں بشیر احمد صاحب سے مل کر دریافت کر لیا جائے اگر واقعی کام زیادہ ہو تو دو تین آدمی بطور سکرٹری ان کو دے دیئے جائیں۔ لیکن صیغہ ایک ہی ہو۔ اس کا نام ہی قادیان ہو۔ آدمی جمع کرنا، بھجوانا، قادیان والوں کو ریلیز کرنا، خط و کتابت کرنا اس صیغہ کے ماتحت ہو۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۵ پر)

آٹھویں حصہ کا قرعہ ڈالا اور عشاقِ احمدیت دیوانہ وار رتن باغ پہنچنے لگے جہاں حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب ناظر انخلاء و آبادی کی زیر نگرانی ایک مستقل کیمپ کھلوا دیا اور انہیں باقاعدہ ایک نظام کے ساتھ قادیان بھجوایا جانے لگا (احسان/جون ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء سے حفاظت مرکز قادیان کا مستقل صیغہ قائم ہوا جس کے نگران و منتظم سیدنا المصلح الموعود نے قمرالانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو مقرر فرمایا جو آخر دم تک اس صیغہ کے فرائض نہایت کامیابی سے انجام دیتے رہے)

اگرچہ شمعِ حق و صداقت کے یہ سب پروانے جو اپنے سینہ میں قادیان کی الفت و محبّت کا شہر بسائے ہوئے ملک کے طول و عرض سے کھچے چلے جا رہے تھے یکساں طور پر جذبۂ خلوص و ارادت سے سرشار اور اپنی مثال آپ تھے مگر جماعت احمدیہ کراچی کے بعض جوانوں کا نمونہ ایسا خوشکن اور شاندار تھا کہ خود حضرت مصلح موعود نے ان کے جوش ایمانی، شوق قربانی اور رُوح ایمانی پر اظہار خوشنودی فرمایا اور اسے پوری جماعت کے لئے ایک قابلِ تقلید مثال قرار دیتے ہوئے (۱۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے خطبہ جمعہ کے دوران) ارشاد فرمایا:-

"۔ ۔ ۔ ۔ جیسے کراچی کے دوستوں نے نمونہ دکھایا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہم قادیان جائیں گے اور چونکہ وہاں سرکاری محکموں میں احمدی زیادہ ہیں دفاتر والوں نے سمجھا کہ اگر سب احمدی چلے گئے تو کام بند ہو جائے گا اس لئے انہوں نے چھٹی دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر کئی احمدیوں نے اپنے استعفاء نکال کر رکھ دیئے کہ اگر یہ بات ہے تو ہم اپنی ملازمت سے مستعفی ہونے کے لئے تیار ہیں۔ ایک اخبار جو احمدیت کا شدید ترین دشمن تھا میں نے خود اس کا ایک تراشہ پڑھا ہے جس میں وہ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ ہوتا ہے ایمان۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اخلاص کا نمونہ دکھایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا عزّت سے نام لیا جائے گا اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا احمدیت کی تاریخ میں نام لکھا جائیگا۔"[۲]

احمدی جوانوں کی جانبازی کا ایک ناقابل فراموش واقعہ

احمدی جوانوں کو پاکستان سے قادیان تک پہنچنے کے لئے کس طرح موت سے کھیلنا اور اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر جانا پڑتا تھا۔ آج کی دنیا اس کا تخیّل و تصوّر کرنے سے قاصر ہے اس سلسلہ میں

---

[۱] حاشیہ متعلقہ ھذا صفحہ ۱۱۴ پر درج ہو گیا ہے۔ وہاں سے حاشیہ ۳ مطالعہ فرمائیں۔

[۲] "الفضل" ۳۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴۔

۲؍ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کا ایک واقعہ (جسے نونہالانِ احمدیت کی جانبازی و فداکاری کا قابلِ فخر اور مثالی نمونہ سمجھنا چاہیئے) خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

خان محمد علی جان صاحب (حال سکرٹری اصلاح و ارشاد کوئٹہ) اس سانحہ ہوشربا کا آنکھوں دیکھا حال درج ذیل الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :-

"ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز . . . . نے حکومت پاکستان کی اجازت سے ایک مرتبہ بتیس لاریاں کرایہ پر لے کر قادیان بھجوائیں۔ ان لاریوں کے ساتھ پچاس احمدی تھے جن میں کوئٹہ کے احباب میں سے ڈاکٹر میجر محمود احمد صاحب شہید، ڈاکٹر میجر منیر احمد صاحب خالد، جناب شیخ محمد اقبال صاحب، چوہدری منور علی صاحب درویش، حوالدار محمد ایوب صاحب درویش، میاں بشیر احمد صاحب ایم۔اے، میاں احمد دین صاحب بٹ، میاں کریم بخش صاحب، مرزا محمد صادق صاحب جہلمی، خان عبدالرحمٰن خان صاحب ایجنٹ اور خاکسار بھی شامل تھے۔ ہم میں سے اکثر حفاظتِ مرکز کے لئے جا رہے تھے۔ بعض اپنے رشتہ داروں کو لانے کے لئے گئے تھے۔

۲؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کی صبح کی نماز کے بعد حضور نے اس مختصر سے قافلہ کو بعض ضروری ہدایات دینے اور صبر و استقلال کی تلقین کرنے کے بعد فرمایا کہ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اس قافلہ کے ساتھ کوئی خطرناک حادثہ پیش آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ و ناصر ہو۔ اس کے بعد حضور نے لمبی اور پرسوز دُعا کرائی۔ وہ دُعا تھی یا عرش کو لرزا دینے والا زلزلہ! ہماری ہچکیاں بندھ گئیں اور آہ و بکا سے آسمان گونج اُٹھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعا کے ساتھ ہمارا یہ قافلہ منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوا۔ کوئی دس بجے کے قریب ہم پاکستان کی سرحد کو عبور کر کے ہندوستان کی سرحد میں داخل ہو گئے۔ یہاں ملٹری چوکی پر ہمارا قافلہ رُک گیا۔ کچھ دیر کے بعد پوچھ گچھ اور تفتیش ہونے لگی۔ تسلّی پانے کے بعد انہوں نے ہمیں روانگی کا حکم دیا۔

یہ دوپہر کا وقت تھا۔ آسمان پر سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ ہر طرف سکوت طاری تھا۔ ہماری لاریاں چالیس ۴۰ پینتالیس ۴۵ میل کی رفتار سے جا رہی تھیں۔ سڑک کے دونوں اطراف حدِّ نظر تک ویران ہی ویران دکھائی دے رہی تھیں۔ مستقبل کے عجیب و غریب تصورات

آنکھوں کے سامنے گھوم رہے تھے اور دل میں قادیان پہنچنے کی خواہش مچل رہی تھی غرض اس قسم کے اور بہت سے تخیّلات ہمارے ذہن کو گھیرے ہوئے تھے کہ اچانک ناقابلِ برداشت بدبُو، ایسی بدبُو جس سے ناک سڑنے لگے اور دماغ پھٹنے لگے محسوس ہوئی۔ لاری سے باہر جو نظر پڑی تو یہ دیکھ کر رُوح کانپ اٹھی کہ سڑک کے دونوں اطراف کچھ فاصلہ پر کھیتوں میں انسانی لاشوں کو بڑے بڑے بدنما گدھ اور کُتّے نوچ رہے تھے۔ اُف! یہ نہایت بھیانک اور تکلیف دہ منظر تھا کہ دیکھتے ہی ہم پر دہشت طاری ہوگئی اور کافی دیر تک ہم بے حس و حرکت ہو کر رہ گئے۔ ابھی ہماری بدحواسی دُور نہ ہونے پائی تھی کہ ہماری نظر مسلمان پناہ گزینوں کے ایک قافلہ پر پڑی جو پاکستان کی طرف جا رہا تھا۔ اس جگہ کچھ وقفہ کے لئے ہمارا قافلہ رُکا تاہم اپنے مظلوم اور بدنصیب بھائیوں کی خستہ حالت پر چار آنسو بہائیں۔ یہ لوگ کچھ تو بیل گاڑیوں پر سوار اور کچھ پیادہ تھے۔ اس قافلہ میں سب سے زیادہ دلخراش اور جگر سوز منظر جو میں نے دیکھا وہ ایک عورت کی انتہائی بےچارگی اور مظلومیت کا تھا۔ اس کو دیکھ کر میری آنکھوں سے بے تحاشا آنسو ڈھلک رہے تھے۔ وہ بیچاری پیدل جا رہی تھی۔ اس کے پاؤں کافی متورم تھے۔ پیٹ پھُولا ہوا تھا۔ چہرہ بھی سُوجا ہوا تھا۔ پاؤں میں شدید درد کی وجہ سے لنگڑا رہی تھی۔ درد اور کرب سے "ہائے ہائے" کرتی جا رہی تھی۔ چند قدم چل کر بیٹھ جاتی اور ماتھے پر ہاتھ مار کر کہتی 'ہائے ربا! مَیں مری" اور پھُوٹ پھُوٹ کر روتی۔ اس کا رونا اس قدر دلسوز تھا کہ پتھر دل بھی موم ہو جاتا۔ اس عورت کی یہ دردناک حالت دیکھ کر یقین کیجئے کلیجہ پھٹنے لگا۔ بیچاری جب دیکھتی کہ اس کے ساتھی کچھ دُور نکل گئے تو پھر چل پڑتی لیکن با دلِ ناخواستہ۔ کاش اس عورت کی ہم کوئی مدد کرنے کے لائق ہوتے!

خدا خدا کرکے شام پانچ بجے ہم بٹالہ کے حدود میں داخل ہو گئے۔ اس جگہ پہنچ کر قادیان دیکھنے کی آرزو پھر دل میں انگڑائیاں لینے لگی۔ لیکن ہمیں کیا معلوم تھا کہ تقدیر ہم پر مسکرا رہی تھی اور ہماری یہ آرزو دل ہی دل میں مرجانے والی تھی۔ ابھی ہم بٹالہ شہر سے کوئی ایک میل باہر ہی تھے کہ انڈین پولیس اور ملٹری حکام نے ہمارے قافلہ کو رُکنے کا حکم دیا۔ فوراً تعمیل ہوئی۔ ہم نے بھی اس موقعہ کو غنیمت جانا اور اپنی تھکان دُور کرنے اور تازہ دم ہونے کے

لئے لاریوں سے اُتر کو اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے۔ دائیں بائیں عمارتیں کھنڈرات کی صورت میں نظر آرہی تھیں۔ فیکٹریاں اور ان کی ٹوٹی ہوئی مشینیں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ ہم سب چُپ چاپ دیر تک ان کھنڈرات میں گھُوم رہے تھے۔ یکایک مشرق کی طرف سے ہمارے کچھ آدمی ایک کمرہ نما عمارت کے گرد جمع ہونے شروع ہوئے۔ مَیں بھی دیکھا دیکھی وہاں پہنچ گیا۔ اُف! کیسا مکروہ منظر مجھے دیکھنا پڑا۔ ایک عورت کی نصف لاش کٹی ہوئی پڑی تھی۔ لاش بالکل تازہ تھی۔ مَیں تو زیادہ دیر وہاں ٹھہر نہ سکا۔ سر میں چکّر آنے لگے اور آنکھوں میں اندھیرا۔ فوراً واپس اپنی لاری میں آکر بیٹھ گیا اور ان وحشیانہ تصورات سے قریب تھا کہ مَیں دیوانہ ہو جاتا۔

ہمیں وہاں رُکے ہوئے کافی دیر ہوگئی تھی۔ سُورج غروب ہونے کو تھا۔ دلوں میں خوف و اضطراب کی لہر دوڑنے لگی جوں جوں وقت گذرتا گیا ہمارا اضطراب بھی اسی مقدار سے بڑھتا گیا۔ اس وقت جب سورج کی سنہری کرنیں آنکھوں سے اوجھل ہوئیں اور تاریکی فضا پر چھا رہی تھی۔ مطلع پر ستارے ہماری مظلومیت پر آنسو بہانے کے لئے بے نقاب ہو رہے تھے۔ تب عین اس وقت خبر آئی کہ رات یہیں پر گذاری جائے گی۔ ہم بالکل نہتے تھے۔ اور نہتے ہونے کے احساس نے ہمیں بُری طرح گھائل کیا ہوا تھا۔ "حکمِ حاکم مرگ مفاجات" ناچار ہمیں رات وہیں گذارنی پڑی۔ لیکن اس بھیانک ماحول میں بھلا نیند کس کو آسکتی تھی۔ بڑی مشکل سے اُٹھتے بیٹھتے ہم نے رات گذار دی۔

صبح کو آٹھ بجے خبر آئی کہ چونکہ بارش کی وجہ سے قادیان کا راستہ خراب ہو چکا ہے اس لئے تم واپس لاہور چلے جاؤ ورنہ یہاں تمہیں ہندو اور سکھ زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ سُنتے ہی ہمارے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اتنا خرچ، اتنی تگ و دَو اور اتنی صعوبتوں کے بعد بے نیل و مرام واپس جانا ہمارے لئے ایک صدمۂ عظیم تھا۔ ہم نے ان ظالموں کی بڑی منّت و سماجت کی۔ لجاجت اور انکساری سے ان سے درخواست کی۔ کہ وہ ہمیں قادیان جانے کی اجازت دے دیں مگر ان کا پتھر دل ہماری لجاجت سے ذرا بھی متاثر نہ ہوا۔ دراصل راستہ کوئی خراب نہ تھا۔ صرف اس لئے وہ ہمارے واپس جانے پر مصر تھے کہ اس رات وہ قادیان پر حملہ کرنے کی تیاری میں مصروف تھے۔ بالآخر ہم نے اپنے ساتھ بٹالہ کے

مسلمان پناہ گزین لے جانے کی اجازت کے لئے ان سے درخواست کی تو کچھ دیر تامل کے بعد انہوں نے ہمیں ایسا کرنے کی اجازت دے دی۔ ہم کوئی دس بجے ایک میدان میں سے گذر کر پناہ گزین کیمپ میں داخل ہوئے۔ یہاں ایک بہت بڑا جوہڑ تھا جس کے کنارے یہ ستم رسیدہ پناہ گزین پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ ان کی حالت انتہائی قابلِ رحم تھی۔ لاغر اور مفلوک الحال تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا برسوں سے بیمار ہیں۔ اور جیسے خوشیاں ہمیشہ کے لئے ان سے منہ موڑ چکی ہیں۔ چلنے پھرنے کی ان میں سکت نہ تھی۔ ننگی اور کھردری زمین ہی ان کا بستر بچھونا تھی۔ پھٹے پرانے چیتھڑے زیب تن کئے ہوئے تھے۔ کوئی سویا ہوا تھا کوئی لیٹا ہوا تھا۔ کوئی جوہڑ سے پانی پی رہا تھا۔ معمر عورتیں ایک دوسرے کے سامنے آلتی پالتی مارے بیٹھی تھیں۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر یقین جانیئے ہمارا کلیجہ پھٹ گیا۔ کیمپ میں ایک ہولناک سکوت طاری تھا۔ ہم حیران تھے کہ ہمیں دیکھ کر یہ خوش کیوں نہیں ہوئے۔ شاید اس لئے کہ ان کی یہاں سے بچ نکلنے کی امید بالکل منقطع ہو چکی تھی اور زندہ رہنے کا احساس مٹ چکا تھا۔ لیکن جونہی ان کو بتایا گیا کہ ہم ان کو پاکستان لے جانے کے لئے آئے ہیں تو خدا معلوم ان میں اتنی پھرتی اور طاقت کہاں سے آ گئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے سب کے سب لاریوں پر ٹوٹ پڑے۔ وہ لاریوں پر چڑھنے کی دُھن میں ایک دوسرے سے بُری طرح ٹکرا رہے تھے اور ان میں وہ گھما گھمی ہوئی کہ ہم انگشت بدنداں رہ گئے۔ آنِ واحد میں ساری لاریاں بھر گئیں۔ کیمپ میں کچھ ہندو اور سکھ اِدھر اُدھر پھرتے ہوئے نظر آ رہے تھے جو ہمیں غیظ و غضب کی نظروں سے گھور رہے تھے

جب ہماری تمام لاریاں بھر گئیں اور ہم روانہ ہونے کو تھے دفعتہً کیمپ کے ارد گرد لمبی لمبی گھاس اور گھنی جھاڑیوں میں سے جہاں مشین گنیں اور برین گنیں تھامے ہوئے یہ ظالم چھپے ہوئے تھے گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہوئی۔ ایسی غضب کی بوچھاڑ تھی کہ کانوں کے پردے پھٹ جانے کا اندیشہ ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر ہمارے دل دہل گئے اور بے بسی کے عالم میں موت کے ہیبت ناک خوف سے ہمارے جسم کپکپانے لگے۔ بیچارے پناہ گزین جو چند لمحہ پہلے پاکستان پہنچنے کا خوشگوار خواب دیکھ رہے تھے اب ایک دوسرے کی طرف

خوفزدہ نظروں سے تکنے لگے۔ ان بیچاروں کو کیا معلوم تھا کہ ان کا خواب اتنی جلدی شرمندۂ تعبیر ہونے والا نہ تھا۔ بیسیوں پناہ گزین چند لمحوں میں لقمۂ اجل بن گئے۔ اس طرح بے بسی کی حالت میں مارے جانے کا احساس دوسرے انسانوں کو بھی بدحواس کر دینے کے لئے کافی تھا۔ جس لاری میں میں بیٹھا ہوا تھا وہ خاص طور پر ظالموں کا نشانہ بنی ہوئی تھی اور گولیاں بے تحاشہ اس طرف تڑ تڑ کرتی ہوئی آ رہی تھیں۔ یہ صورت حال میرے لئے اور بھی مایوس کن تھی چند سیکنڈ تک میں اپنی جگہ بے حس و حرکت دہشت زدہ آنکھوں سے دیکھتا رہا کہ کس طرح بعض پناہ گزین ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ رہے تھے۔ بعض کے شانوں سے خون کی دھار اُبل رہی تھی اور بعض خون میں لوٹ پوٹ رہے تھے۔ اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ساری کائنات کراہ رہی ہے۔ ان کے چہرے فرط خوف سے سپید پڑ چکے تھے۔ ٹانگیں تھرتھرا رہی تھیں۔ اگرچہ میری کیفیت یہ نہ تھی تاہم موت کو اتنے قریب پا کر اپنے حواس برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔ پناہ گزینوں کو اس طرح مرتے ہوئے اور زخمی ہوتے ہوئے مجھ سے دیکھا نہ گیا تھا۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں لاری سے اُتر جانے کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن اس وقت اُترنا بہت سخت اور جان لیوا مرحلہ تھا مگر مجبوراً دھڑکتے دل کے ساتھ میں لاری سے اُتر گیا اور نزدیک جوہڑ کے کنارے گولیوں کی زد سے بچنے کے لئے ایک مٹی کے ٹیلہ کی آڑ لی۔ لیکن ابھی میں بمشکل وہاں بیٹھا ہی تھا کہ دو گولیاں سنسناتی ہوئی میرے دائیں بائیں سے اتنے قریب سے گذریں کہ میری ذرا سی جنبش مجھے موت کے آغوش میں سلانے کے لئے کافی تھی اور ایک گولی میرے سامنے آکر زمین میں دھنس گئی جس کی گرد سے آنکھیں چندھیا گئیں۔ میں ذرا پیچھے ہٹا تا اپنے آپ کو اور محفوظ جگہ پر پہنچاؤں لیکن آپ میرے خوف و ہراس کا اندازہ نہیں لگا سکتے جب میں نے دیکھا کہ مجھے وہاں تنہا چھوڑ کر لاریاں روانہ ہونے لگی ہیں۔ دل سخت دھڑکنے لگا اور چند سیکنڈ تک میں اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ میرا ذہن بالکل ماؤف ہو چکا تھا میری ہمت قطعاً جواب دے چکی تھی۔ اگرچہ مجھے موت کا کوئی خوف نہیں تھا لیکن اس طرح دشمن کے گھیرے میں کُتّے کی موت مرنے کو میں تیار نہیں تھا۔ اس وقت اگر مجھے غیبی ہاتھ تھامے ہوئے نہ ہوتا تو میں کبھی کا ان درندوں کے ہاتھوں لقمۂ اجل بن چکا

ہوتا۔ اسی وقت طرفۃ العین میں مجھ میں اپنی شکستہ ہمت اور دہشت زدہ حواس پر قابو پانے کی طاقت بجلی کی طرح عود کر آئی اور میں اپنی پوری طاقت سے دوڑ کر ایک لاری پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اگرچہ جس جگہ میں چڑھا تھا وہ تکلیف دہ اور غیر محفوظ تھی یعنی ڈرائیور کے پیچھے جہاں لاری کا فالتو پہیہ رکھا جاتا ہے۔ میرا اوپر کا نصف جسم باہر فضا میں تھا اور کسی وقت بھی دشمن کی بے تحاشہ گولیوں سے چھلنی ہو جاتا لیکن کیمپ میں تنہا رہ کر کتے کی موت مرنے کی نسبت یہ جگہ میرے لئے بہشت بریں سے کم نہ تھی۔

ابھی تک ہماری لاریاں اسی وسیع میدان میں چل رہی تھیں جہاں سے ہم گئے تھے اور گولیاں برابر سنسناتی ہوئی ہمارے سروں پر سے گذر رہی تھیں۔ پناہ گزین بیچارے ایسے سہمے بیٹھے تھے جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم میدان سے نکل کر بازار کی ایک گلی میں داخل ہو گئے۔ عجیب بات تھی۔ یہاں لوگ ہمیں دیکھ کر بے تحاشا اِدھر اُدھر بھاگنے لگے جیسے ہم ان پر حملہ کرنے والے تھے۔ بازار میں سے نکل کر ہم ریلوے سٹیشن کے ساتھ والی سڑک پر آ گئے۔ کافی دور تک سڑک خالی اور غیر آباد تھی۔ کہیں کہیں بے چارے تباہ شدہ مسلمانوں کی ٹوٹی اور لُوٹی ہوئی دکانیں دیکھنے میں آتی تھیں۔ کچھ دُور جا کر ہماری لاریاں ایک دَم رُک گئیں۔ ہم حیران ہوئے کہ یہ رُکنے کی کونسی جگہ تھی۔ مگر جب میری نظر سڑک کے سامنے پڑی تو یہ دیکھ کر میرا خون منجمد ہونے لگا کیونکہ ہمارا راستہ لوہے کے بڑے بڑے پہیئے رکھ کر بند کیا ہوا تھا اور سڑک کی دونوں جانب زمین پر دو دو سکھ اور دو دو ڈوگرے برین گن تھامے ہوئے اوندھے مُنہ لیٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے اُنگلی برین گن کی لبلبی پر رکھی ہوئی تھی۔ وہ حکم کے منتظر تھے اور نزدیک ہی جنوب کی طرف ایک دو منزلہ عمارت کی چھت پر کئی مسلح ہندو سکھ لوہے کی ٹوپیاں پہنے ہوئے سُوراخوں سے ہمیں تاک رہے تھے۔ نہ معلوم کتنی دیر ہم وہاں ان کے رحم و کرم پر پڑے رہے۔ اسی اثناء میں سفید لباس میں ملبوس بے شمار سکھ ہندو ہمارے ارد گرد جمع ہونے شروع ہوئے۔ ہر ایک نے کوئی نہ کوئی ہتھیار ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ ان کی آنکھوں سے غیظ و غضب اور وحشت کے شرارے پھوٹ رہے تھے۔

بائیں طرف ایک طویل وعریض میدان تھا جو اُن لوگوں سے اس قدر بھرا ہوا تھا کہ تِل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ دائیں طرف ایک لمبی چوڑی گلی میں جو ہجوم سے اَٹی پڑی تھی۔ آس پاس سڑک کے کنارے دکانیں تھیں جن کی چھتوں پر بکثرت لوگ چڑھے ہوئے تھے۔ ایک سکھ حوالدار جو اس خوفناک ڈرامے کا ہیرو تھا اور جو اِن ہلاکت خیز سرگرمیوں میں اہم رول ادا کر رہا تھا کی زبانی معلوم ہوا کہ سات ہزار سکھ ہندو اپنے دل کی پیاس ہمارے خون سے بجھانے کی غرض سے جمع ہیں۔ اور وہ ہم پر ٹوٹنے اور ہمارے جسموں کو اپنے تیز اور نوکدار ہتھیاروں سے چھیدنے کے لئے بالکل تیار کھڑے ہیں۔ یہ خونچکاں منظر دیکھ کر ہمارے دل پر جو کیفیت گذری وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ . . . . . مَیں جس جگہ کھڑا تھا وہ چونکہ عین مورچہ کے مُنہ پر تھا اس لئے مَیں نے مناسب سمجھا کہ مَیں یہاں سے اُتر کر دوسری جگہ چلا جاؤں۔ اس وقت اُترنا یقیناً موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ دل تھام کر مَیں اُتر ہی گیا۔ مگر اس خیال سے پھر واپس اپنی جگہ پر آیا کہ اس وقت موت سے اپنی جان بچانا بزدلی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے یاد آیا کہ مَیں نے ابھی تک ظہر اور عصر کی نمازیں نہیں پڑھیں چنانچہ لاری کے ترپال پر تیمم کرکے مَیں نے دونوں نمازیں اشاروں سے ادا کیں۔ ادھر مَیں نماز سے فارغ ہوا۔ اور ادھر ایک لرزہ خیز دھماکہ سے ساری فضا گونج اُٹھی۔ پیچھے جو مُڑ کر دیکھا تو ہماری سب سے پچھلی لاری پر ایک دستی بم پھینکا گیا جس سے یہ قیامت خیز دھماکہ ہوا تھا۔ اس لاری کے تمام کل پُرزے ہوا میں اس طرح اُڑ رہے تھے جس طرح روئی کے گالے۔ اس میں بیٹھے ہوئے پناہ گزینوں پر جو گذری اس کا اندازہ آپ تصور میں بھی نہیں لا سکتے۔ ان میں سے اکثر موت کے آغوش میں ہمیشہ کی نیند سو گئے اور جو باقی بچے تھے وہ بُری طرح مجروح ہوئے۔ ابھی اس دردناک اور جگر سوز منظر کا زخم مندمل نہ ہونے پایا تھا کہ ان سفاکوں نے مورچے سے پُوری فائرنگ کھول دی۔ الامان الحفیظ! وہ فائرنگ تھی یا بلائے ناگہانی۔ فضا گولیوں کی سنسناہٹ سے گونج اٹھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قریب سے آتش فشاں پہاڑ پھٹ گیا ہے۔ گولیاں بارش کی طرح سَن سَن کرتی ہوئی گذر رہی تھیں۔ پناہگزین بیچارے دانوں کی طرح بھُنے جا رہے تھے۔ معلوم نہیں ہم میں سے کتنے زخمی ہوئے اور کتنے مارے گئے

یہ فائرنگ کتنی دیر رہی۔ اس کا صحیح اندازہ لگانا ناممکن تھا۔ اور سچ پوچھئے اس وقت اندازہ لگانے کی ہوش کس کو تھی۔ جب زندہ رہنے کی امیدیں مٹ چکی تھیں تو اندازہ لگا کر کیا کرتے۔

"یا الٰہی! تیرے محبوب کے غلاموں کے لئے یہی موت مقدر تھی" ابھی یہ فقرہ زبان پر ہی تھا کہ میری ٹانگ کو اس زور کا جھٹکا لگا جیسے بجلی کی زبردست کرنٹ اس میں داخل ہو گئی جب ٹانگ پر نظر پڑی تو خون کی موٹی موٹی دھاریں فوارے کی طرح پھوٹ رہی تھیں اور شلوار خون سے لت پت ہو چکی تھی۔ تب مجھے یقین ہوا کہ گولی نے اپنا کام کر لیا ہے۔ گولی دائیں ران کے اُوپر کے حصے میں سے ایک طرف پیوست ہو کر دوسری طرف ایک بہت بڑا زخم کر کے نکل گئی۔ اگر الٰہی نصرت شامل حال نہ ہوتی تو میں ضرور سڑک کے اُوپر ڈھیر ہو جاتا اور بعد میں جو میرا حشر ہوتا وہ ظاہر تھا۔ ابھی زخمی ہونے کے احساس سے میں فارغ ہی نہ ہوا تھا کہ ایک اَور گولی میری اسی ٹانگ کے نزدیک سے گزرتی ہوئی ہماری لاری کی پٹرول ٹینکی میں پیوست ہو گئی جس سے سارا پٹرول اسی وقت زمین کی نذر ہو گیا۔ آپ یقین جانئے کہ مجھے اپنے زخمی ہونے کا اس قدر صدمہ نہ ہوا جس قدر پٹرول کے ضائع ہونے سے ہوا تھا۔ کیونکہ اس سے زندہ بچنے کی امید کی آخری کرن بھی ختم ہو گئی۔ آپ کے دل میں یہ خیال ضرور گذرا ہو گا کہ میری ٹانگ جبکہ لاری کی موٹی چادر کے پیچھے محفوظ جگہ پر تھی تو گولی وہاں کس طرح پہنچی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ فرنٹ سیٹ میں ڈاکٹر میجر منیر احمد صاحب خالد فوجی یونیفارم میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ میاں بشیر احمد صاحب پاسپورٹ آفیسر بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کا انھوں نے نشانہ کیا تو گولی ان دونوں کے بازوؤں کے درمیان میں سے نکل کر لاری کی چادر کو چیرتی ہوئی میری ٹانگ کو بُری طرح زخمی کرنے کا موجب بن گئی۔

گولیاں ابھی تک بارش کی طرح برس رہی تھیں اور سات ہزار سکھ ہندو جو اس سے پیشتر کچھ فاصلے پر ہمارے گرد وپیش کھڑے تھے۔ اب ہمارے قریب ہونے لگے۔ دیکھنے میں وہ انسان تھے مگر حقیقت میں وہ خونخوار درندے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آگ برس رہی تھی۔ کیا بتاؤں وہ منظر کس قدر خوفناک تھا؟ بس یہی سمجھ لیجئے کہ موت اپنے ہیبت ناک جبڑے کھولے ہوئے خراماں خراماں ہماری طرف آ رہی تھی۔ موت یقینی تھی۔ اس

وقت نہ مجھے اپنی بیوی بچوں کا خیال تھا نہ عزیز رشتہ داروں کا احساس اور نہ ہزاروں روپیہ کے کاروبار کے ضائع ہونے کی فکر تھی۔ ہاں صرف یہ احساس ستائے جا رہا تھا کہ جب ہمارے پیارے امام کو ہماری اس طرح موت کی خبر پہنچے گی تو حضور کو کتنی تکلیف اور قلق ہوگا۔ انہی احساسات میں مَیں گُم تھا کہ اچانک سامنے کی طرف سے تین ملٹری ٹرک اپنی طرف آتے ہوئے دیکھے اور یہ ٹرک عین اس جگہ آکر رُک گئے جہاں ہمارا راستہ بڑے بڑے لوہے کے پہیئے رکھ کر مسدود کیا ہوا تھا۔ چونکہ جس لاری پر مَیں تھا وہ دوسرے نمبر پر تھی اس لئے مجھے ان ٹرکوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی ایک ایک حرکت صاف نظر آرہی تھی۔ مَیں نے دیکھا کہ اگلے اور پچھلے ٹرک میں بیٹھے ہوئے چند مسلح فوجیوں نے رائفلیں اُٹھائیں اور اُن کا رُخ درمیان والے ٹرک (جس میں ہندو سکھ مرد اور عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں) کی طرف پھیر دیا۔ اس پر ان ہندو سکھوں نے مورچے والوں کی اپنے ہاتھوں کے اشاروں سے منت سماجت کی کہ وہ فائرنگ بند کر دیں۔ واقعہ یوں ہوا تھا کہ لاہور سے ہندو سکھ پناہ گزینوں سے بھرا ہوا ایک ٹرک پاکستانی فوجی دستہ کی نگرانی میں بٹالہ لایا جا رہا تھا۔ اس فوجی دستہ نے جب ہمارا یہ حشر دیکھا تو اس نے ہندو پناہ گزینوں کو رائفلوں سے ڈرا دھمکا کر کہا کہ فائرنگ بند کراؤ ورنہ تم سب کو ابھی یہاں ڈھیر کر دیا جائے گا۔ چنانچہ ان کی یہ تجویز کارآمد ثابت ہوئی اور فائرنگ بند ہوگئی۔

جونہی فائرنگ بند ہوئی ایک خوبصورت جسیم نوجوان نے جو شکل و شباہت سے اس دستہ کا آفیسر دکھائی دے رہا تھا فوراً لاری سے اُتر کر سڑک پر سے دو پہیئے ہٹا دیئے اور اُنگلی کے اشارے سے ہمارے ڈرائیوروں کو فوراً نکل جانے کو کہا۔ بس پھر کیا تھا اشارہ ملتے ہی ہماری اگلی لاری ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ لاری کو روانہ ہوتے دیکھ کر میرا دل بیٹھ گیا کیونکہ میرے سامنے ہماری لاری کا پٹرول گر کر ضائع ہو چکا تھا۔ اور بغیر پٹرول کے لاری چل کس طرح سکتی تھی۔ اور پھر میرے لئے یہ اَور بھی قابلِ افسوس امر تھا کہ ہماری وجہ سے باقی تمام پچھلی لاریاں رُکی رہیں گی۔ لیکن اللہ کی شان نرالی ہے۔ سچ ہے جس کو اللہ رکھے اس کو کون چکھے۔ آپ میری حیرت کا اندازہ نہیں لگا سکتے جب مَیں نے دیکھا کہ ہماری

لاری بھی آنِ واحد میں ہوا میں اُڑنے لگی۔ مجھے اس کا قطعاً علم نہ تھا کہ بعض لاریوں میں دو پٹرول ٹینکیاں ہوا کرتی ہیں۔ ایک ظاہر اور دوسری پوشیدہ۔ اس علم کا انکشاف بعد میں ہوا جبکہ مَیں ہسپتال میں تھا۔

ابھی تک میرے زخم سے خون کی دھاریں اُبھر رہی تھیں۔ زیادہ خون نکلنے کی وجہ سے مَیں سخت نڈھال اور کمزور ہو چکا تھا۔ فرنٹ سیٹ کی چھت پر مَیں نے اپنا سر رکھا اور پھر اس کے بعد ایسی غشی طاری ہوئی کہ واگہ پہنچ کر میری آنکھ کھُلی۔ جب آنکھ کھُلی تو مَیں نے اپنے آپ کو مکرم مرزا محمد صادق صاحب جو اس وقت مکرم میاں بشیر احمد صاحب کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے کی پیٹھ پر اُٹھائے ہوئے دیکھا۔ مَیں نے مرزا صاحب سے پوچھا کہ آپ کیا کرنے لگے ہیں؟ فرمانے لگے تمہارے لئے ایمبولنس کار آئی ہوئی ہے تمہیں میو ہسپتال لے جا رہا ہوں۔ اس جگہ تشکر کے طور پر یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر مرزا صاحب نے جو میری خدمت کی ہے وہ تا قیامت بھُلائی نہیں جا سکتی۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ انہوں نے نہایت احتیاط اور آرام کے ساتھ مجھے ایمبولنس کار میں لٹا دیا۔ اس وقت زخم شدہ پاؤں میں مجھے شدید درد محسوس ہونے لگی۔ مَیں نے مرزا صاحب سے عرض کی کہ وہ میرے پاؤں سے بُوٹ اُتار دیں لیکن پاؤں سُوجنے کی وجہ سے بُوٹ نہیں اُتر رہا تھا۔ پھر میں نے جیب سے چاقو نکال کر ان کو دیا اور کہا کہ بُوٹ کاٹ کر نکال دیں۔ انہوں نے فوراً ہی بُوٹ کاٹ کر نکال دیئے اور اس طرح مجھے کافی حد تک تسکین ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک سکھ ڈاکٹر آئے۔ اُن کے ہاتھ میں کچھ مرہم پٹی تھی۔ میرے زخم کو جُھک کر دیکھنے لگے۔ مَیں نے ان سے پوچھا۔ آپ کیا کرنے لگے ہیں؟ کہنے لگے۔ مرہم پٹی کرنے لگا ہوں مَیں نے کہا۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ چلے جائیں اور میرے زخم کو ہاتھ نہ لگائیں کہنے لگے۔ خان صاحب خون کافی بہہ رہا ہے اور اس حالت میں آپ کا ہسپتال پہنچنا ناممکن ہے۔ مَیں نے کہا۔ پروا نہیں۔ وہ کوئی رحمدل ڈاکٹر معلوم دیتے تھے اس لئے انہوں نے مرزا صاحب کو کہا۔ آپ اپنے ہاتھوں سے اس کی مرہم پٹی کریں کیونکہ اگر خون

بند نہ ہوا تو یہ راستہ میں ہی ختم ہو جائے گا۔ مَیں نے پھر بھی انکار کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب چلے گئے اور ہماری کار میو ہسپتال کی طرف روانہ ہو گئی۔ راستہ میں کار کے ہچکولوں کی وجہ سے مجھے کبھی کبھی ناقابلِ برداشت درد ہوتی تھی۔ معلوم نہیں رات کتنے بجے ہم میو ہسپتال پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب فوراً زخم کو دیکھنے کے لئے آئے۔ زخم دیکھ کر فرمانے لگے اس میں کچھ تو گولی کے ذرات رہ گئے ہیں اور کچھ زہر پھیل چکا ہے اس لئے اس وقت پٹی نہیں کی جائے گی۔ البتہ کل صبح کو اس کا اپریشن ہو گا۔ اس کے بعد پھر مجھے معلوم نہ ہوا کہ کس طرح اور کب مجھے سرجیکل وارڈ میں لایا گیا۔ جب آنکھ کھُلی تو مَیں نے مکرم ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب کو اپنے سرہانے کھڑے دیکھا اور ان کے پاس چند نرسنگ آرڈرلی سٹریچر پکڑے ہوئے کھڑے تھے۔ مَیں نے جان لیا کہ اب مجھے اپریشن کے لئے لے جا رہے ہیں۔ مَیں نے ڈاکٹر صاحب سے نہایت انکساری سے عرض کی کہ خدا کے لئے میری ٹانگ نہ کٹوائیں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ بغیر ٹانگ کٹنے کے میرا بچنا محال ہے تو بیشک مجھے مرنے دیجئے لیکن ٹانگ نہ کٹوائیں۔ بھلا ڈاکٹروں پر بھی کسی مریض کی لجاجت اثر انداز ہو سکتی ہے۔ وہ تو ڈیوٹی کے بندے ہیں خواہ کسی کی ٹانگ کٹے یا بازو ان کی بلا سے۔ جب ڈاکٹر صاحب نے میری یہ دردمندانہ گذارش سُنی تو مُسکرا کر فرمانے لگے گھبراؤ نہیں اللہ تعالےٰ خیر کرے گا۔ اس کے بعد مجھ پر ایسی غشی طاری ہوئی کہ مجھے قطعاً معلوم نہ ہو سکا کہ کب میرا اپریشن ہوا۔ اور کس وقت مجھے چارپائی پر واپس لایا گیا۔ جب مجھے قدرے ہوش آئی اور مَیں نے آنکھ کھولی تو اپنے اردگرد چند ڈاکٹر، چند نرس اور بعض اپنے عزیز رشتہ داروں کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ ان میں اپنے خسر محترم مولوی عطا محمد صاحبؓ[1] کو بھی دیکھا۔ مَیں نے اُن سے دریافت کیا کہ کیا میرا اپریشن ہو چکا ہے۔ فرمانے لگے جی ہاں ہو چکا ہے۔ پھر مَیں نے پوچھا کیا میری ٹانگ تو نہیں کاٹی گئی۔ انہوں نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری خواہش اپنے خاص فضل سے پُوری کر دی۔ ورنہ ٹانگ کاٹنے کے لئے سارے اوزار یعنی آری و دیگر ضروری سامان تیار رکھے ہوئے تھے۔ اس سے مجھے کافی اطمینان ہوا۔ اور اپنے دل میں مولا کریم کا سجدۂ شکر بجا لایا۔ پھر انہوں نے

---

[1] صحابی مسیح موعود برادر ماسٹر [illegible] محمد صاحب [illegible] (ناقل)

سارا واقعہ سُنایا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر میری ٹانگ کو کٹنے سے بچایا۔ انہوں نے بتایا کہ ران کی ہڈی کا معائنہ کرنے کے لئے تمہارے زخم کو کافی گہرائی تک چیرا دیا گیا۔ اگر ہڈی کو گولی سے گزند پہنچا ہوتا تو پھر ٹانگ ضرور کاٹ دی جاتی۔ لیکن جب ڈاکٹروں نے دیکھا کہ ہڈی بالکل محفوظ ہے اور گولی ہڈی کے آس پاس گوشت میں ہی گھوم کر نکل گئی تو ششدر رہ گئے۔ کیونکہ ان کے تجربہ میں کبھی ایسا عجوبہ کیس نہیں آیا کہ گولی ہڈی کے سیدھ میں داخل ہونے کے باوجود ہڈی کو نقصان نہ پہنچائے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ محض حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی دعاؤں کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس ناچیز اور حقیر بندے کو موت کے مُنہ سے نکال کر دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔

اب قافلہ کا حال سُنئے۔ جب ہمارا قافلہ پہلے ظالموں سے بچ بچا کے واہگہ پہنچا تو یہاں تین ہزار غیر مسلم فوجیوں نے قافلہ کا استقبال بھری ہوئی رائفلوں سے کیا۔ قریب تھا کہ ہمارا قافلہ ان خونخواروں کی گولیوں سے چھلنی ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا تصرف فرمایا کہ عین اس وقت جبکہ وہ فائرنگ کے حکم کے منتظر تھے اللہ تعالیٰ نے بلوچ رجمنٹ کو فرشتۂ رحمت بنا کر وہاں پہنچا دیا۔ بس اس رجمنٹ کا پہنچنا تھا کہ ان لوگوں کے وحشیانہ ارادے خاک میں مل گئے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے قافلہ کو بال بال بچایا"[1]

اہلِ وفائے قادیان کا مجاہدانہ عزم اور بے مثال مخلصانہ جذبات

مسیح محمدی کی خدا نما بستی اسلام اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لاکھوں نشانوں کی تجلّی گاہ تھی اور اسے اغیار کے حوالہ کر دینا اسلام واحمدیت سے غداری اور ایمانی خودکشی کے مترادف تھا جس کا تصور کوئی کمزور سے کمزور ایمان رکھنے والا احمدی بھی نہ کر سکتا تھا کجا یہ کہ اہلِ وفائے قادیان سے اس کی توقع کی جا سکتی۔ ملّت کے یہ فدائی اور شیدائی تو اس بارہ میں اس درجہ حساس واقع ہوئے تھے اور ان کے جذباتِ اخلاص ومحبت کا تو یہ عالم تھا کہ وہ اس مجاہدانہ عزم کے ساتھ مرکزِ احمدیت میں دھونی رمائے بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے مگر قادیان میں اسلام

---

[1] "الفرقان" ربوہ ستمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۲۵-۲۶۔

کا جھنڈا سرنگوں نہیں ہونے دیں گے۔

اس حقیقت کا جائزہ لینے کے لئے ان ایمان افروز خطوط و مکاتیب کا مطالعہ کرنا کافی ہے جو اُس زمانہ میں جوانانِ احمدیت نے سرزمینِ قادیان سے اپنے پیارے آقا سیّدنا المصلح الموعود یا اپنے دوسرے بزرگوں یا عزیزوں کے نام لکھے۔ ان میں سے بعض کے ضروری حصّے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں :۔

۱۔ ایک مخلص احمدی جوان نے سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی خدمت میں حسب ذیل مکتوب لکھا :۔

"قسم ہے اس خدا کی جس نے قادیان کو اشاعت اسلام کا مرکز بنایا ہے۔ ہماری وہ رات جو پہرہ پر گذرتی ہے اس دن سے زیادہ پرسکون ہوتی ہے جو گھر میں گذرتا ہے۔ ہمارے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ رات لمبی ہو جائے اور دن کم ہو جائے۔ رات کو ہم پہرہ دار خدا کے وعدوں کا ذکر کرکے اور موجودہ نشانات کو یاد کرکے اپنے دلوں کو نہایت مضبوط اور طاقتور بنا لیتے ہیں . . . حضور ہماری استقامت کے لئے دُعا فرمائیں" [۱]

۲۔ ایک اور احمدی جوان نے اپنے والد کی خدمت میں لکھا :۔

". . . اب تک مجھے چار مواقع پیش آچکے ہیں جن سے محض دستِ قدرت نے مجھے بچا لیا۔ مگر بفضلِ خدا چاروں مواقع پر خوف و ہراس میرے پاس تک نہیں پھٹکے۔ بلکہ جوں جوں خطرہ بڑھتا جاتا توں توں میرا دل اور مضبوط ہوتا جاتا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

الغرض جب میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا خیال کرتا ہوں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میں خوش و خرم ہوں۔ البتہ جب کبھی ان مقامات مقدسہ اور دیارِ حبیب کے فراق کا خیال کرتا ہوں تو دل سے ایک آہ نکل جاتی ہے اور کہتا ہوں کہ میں اس مقدس بستی ہی کی حفاظت کرتے ہوئے اُس امانت کو جو خدا تعالیٰ نے مجھے ودیعت کر رکھی ہے اس کے حضور پیش کردوں۔ تا اس منحوس گھڑی کو جو بظاہر قریب سے قریب تر ہوتی نظر آرہی ہے نہ دیکھوں"

"دعاؤں کی ضرورت ہے کہ اللہ کریم مجھے استقلال بخشے۔ علوم ظاہری و باطنی اور نورِ ایمان سے منور کرکے خاتمہ بالخیر کرے۔ آمین! میرا جینا اور میرا مرنا خدا ہی کے لئے ہو اور اس کی

---

[۱] "الفضل" ۲۷ر تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء

رضا جوئی میرا منتہائے مقصود۔ میرا آقا مجھ سے راضی ہو اور میں اس سے۔ آمین"

"آپ کی طرف خط لکھنے سے پہلے حضرت صاحب کی طرف خط لکھ کے فارغ ہوا ہوں۔ کہ خواہ قرعہ میرے نام نکلے بھی۔ میں قادیان ہی میں رہنا چاہتا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ جان وہی ہے جو اسلام اور احمدیت کے کام آئے۔ یوں تو موت ہر کسی کے لئے مقدّر ہے کوئی فرد بشر نہیں جو اس سے بچ سکا ہو تو اس سے ڈرنے کے کیا معنی۔ یہ گھڑی آج نہیں تو کل ضرور آکر رہے گی۔ پھر کیوں نہ اس جان کو دین کی راہ میں نچھاور کریں۔

۱۰ر اکتوبر ۱۱ بجے شب" [۵۱]

۳۔ رشید احمد صاحب سیالکوٹی نے ایک خط اپنی والدہ صاحبہ کے نام بھیجا جس میں لکھا:۔

"جب آپ قادیان سے روانہ ہو رہی تھیں تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے مگر میں نے آپ سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ ہم کو دیکھ کر رو رہے ہیں تو میں آپ سے نہیں بولوں گا۔۔۔

۔۔۔ ہمیں اب آپ سے زیادہ محبت اسلام اور احمدیت سے ہے۔ آپ کا بیشک ہم پر بہت بڑا احسان ہے جو کہ زندگی بھر ہم نہیں بھلا سکتے اور ہم انشاء اللہ نہیں بھلائیں گے مگر آپ ذرہ بھر کے لئے سوچیں تو سہی کہ اگر ہم پیدا ہی نہ ہوتے تو پھر اب ہم جبکہ پیدا ہو گئے ہوئے ہیں اور اب ہم جوان ہیں اور خدا تعالیٰ نے احمدیت کی خاطر صحیح معنوں میں قربانی مانگی ہے ہمیں بہت خوشی ہے"

" اسلام اور احمدیت کا مرکز قادیان اس وقت خطرہ میں ہے اور وہ ہم سے چاہتا ہے کہ ہم اس کی حفاظت کریں۔ گو حفاظت خدا تعالیٰ نے کرنی ہے ہم نے تو لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونا ہے۔ پس میں آپ کو مطلع کر دینا چاہتا ہوں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں خنساء نامی عورت نے اپنے تینوں بیٹوں سے کہا کہ جاؤ بیٹا اسلام کی خاطر تم لڑو۔ یا تو تم لڑائی میں مارے جانا اور یا غازی ہو کر واپس لوٹنا۔ اسی طرح وہاں تو عورت نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا۔ میں تیرا بیٹا ماں سے کہتا ہوں کہ میں قادیان میں ہی رہوں گا اور تم کو اس وقت تک نہیں ملوں گا جب تک یا تو قادیان کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہو جاؤں یا قادیان کو

---

[۵۱] "الفضل" ۲۴ر اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲۔

واپس لے لوں اور یا حضور کے حکم سے مجھے بُلا لیا جائے ۔ . . . . آپ خدا تعالیٰ سے میرے لئے ایسے ہی دعا کریں جیسا کہ ہمارا پیارا امام المصلح الموعود اس وقت اپنی اولاد کے لئے کر رہا ہے یعنی اگر ہمارے مقدّر میں ہماری زندگی ہے تو اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت کرے اور اسلام اور احمدیت پر استقامت بخشے اور اگر شہادت ہی ہے تو خدا تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں احمدیت اور اسلام پر شہادت دے" [۱]

۴- ایک اَور مخلص نوجوان نے اپنی والدہ کے نام لکھا :-

"اس وقت قادیان میں کوئی عورت اور بچہ نہیں ہے۔ جو لوگ یہاں ہیں ان کی فہرستیں بنائی جا رہی ہیں۔ یعنی جو جانا چاہتا ہے ان کی الگ فہرست اور جو آخری دم تک یہاں رہنا چاہتا ہے ان کی الگ فہرست۔ خاکسار نے دوسری فہرست میں نام لکھوایا ہے اس لئے میری آپ سے اور تمام بہنوں اور ماں صاحبہ اور چچا اور چچی صاحبہ اور تمام رشتہ داروں سے علیحدہ درخواست ہے کہ آپ ہمارے لئے درد دل سے تمام نمازوں میں دعائیں کرتے رہا کریں لیکن یہ بات ضرور یاد رکھیں کہ آپ ہمارے متعلق کسی قسم کا کوئی فکر نہ کریں اور جس طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں صحابہؓ اور ان کی عورتوں نے نمونہ دکھایا تھا آج وہی وقت آپ کے لئے بھی آگیا ہے اور ہمارے متعلق آپ اس طرح خیال کریں کہ گویا ہم خدا تعالےٰ کی امانت تمہارے پاس تھے اور یہ الفاظ آپ کے مُنہ سے نکلنے چاہئیں کہ اے خدا مَیں نے اتنا عرصہ ان کو پالا تھا اور اب تیرے دین کی خاطر ان کی ضرورت پڑی ہے مَیں ان کو محض تیری رضا کی خاطر تیرے سپرد کرتی ہوں۔ اب اے خدا اگر تُو چاہتا ہے کہ یہ تیرے پاس آئیں تو تُو ان کو بُلا لے یا جس وقت تُو چاہے ان کو بُلا سکتا ہے مَیں ہر حالت تیری رضا پر راضی رہوں گی" [۲]

۵- ایک احمدی بیٹے نے اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں لکھا کہ

"اللہ تعالےٰ جانتا ہے کہ دشمن کی طرف سے ان مصیبتوں کا اور دشمن کے ان مظالم کا جو اس وقت وہ ہم پر کر رہے ہیں اور جو منصوبے اور تدبیریں وہ ہمارے تباہ و برباد کرنے کے لئے کر رہے ہیں ہمارے دلوں میں ذرّہ بھر بھی فکر یا خوف نہیں اور ہمارے ایمان خدا تعالیٰ کے فضل

---

[۱] "الفضل" ۵ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ ۔ [۲] "الفضل" ۱۶ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ ۔

سے مضبوط تر ہوتے چلے جاتے ہیں کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ہی پیدا ہوئے ہیں اور اسی کی طرف پھر کر جانا ہے اور اسی کے لئے ہم نے اس سچے اور مقدس نُور کو قبول کیا تھا جو کہ اپنے پیارے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے ہم کو عطا ہوا۔ اس کے علاوہ ہم نے ایسے ظاہری نشان اور ایسے معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں بلکہ روز دیکھتے رہتے ہیں کہ دشمنوں کے منصوبوں اور ان کی مکارانہ چالوں اور ان کی غیر منصفانہ کارروائیوں سے اور ان کے ظلموں سے چاہے یہ ناخنوں تک زور لگالیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ رائی کے دانہ کے برابر بھی ہمارے ایمان میں فرق نہیں آسکتا۔ یہانتک کہ اگر یہ لوگ ہم سب کو باری باری شہید کر دیں پھر بھی جو آخری احمدی رہ جائے گا اس کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہ ہوگا کہ اب میں اکیلا رہ گیا ہوں اب مَیں کیسے مقابلہ کر سکتا ہوں۔ بلکہ جیسے جیسے خطرہ زیادہ ہوتا چلا جائے گا ہمارے ایمان اللہ تعالیٰ کے فضل سے چٹان کی طرح مضبوط ہوتے چلے جائیں گے اور سب سے آخری آدمی کے دل میں بھی اتنا ہی ایمان اور جوش ہوگا کہ جتنا سب سے پہلے شہید ہونے والے کے دل میں ہوگا اور آخری دم تک لڑتے ہوئے خوشی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مرنا قبول کرے گا۔ یہ تازہ رُوح اور یہ تازہ ایمان اور یہ نئی زندگی ہم کو ہمارے پیارے آقا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی برکت سے ہی حاصل ہوئی ہے۔"

"آج پورے مشرقی پنجاب کے اندر بلکہ پورے ہندوستان کے اندر شاید ہی ایسی جگہ نظر آئے جہاں کہ حضرت محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کا جھنڈا بلند ہو۔ اگر کوئی جگہ ایسی ہے تو صرف ایک ہی ہے اور وہ وہ بستی ہے جہاں پر خدا کے بندے ہمارے پیارے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا کا نام لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے محمد رسُول اللہ کے سچے دینِ اسلام کو اصل رنگ میں دُنیا کے سامنے پیش کیا تھا اور یقیناً اس بستی کا نام قادیان دار الامان ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بستی واقعی دار الامان بھی ہے کیونکہ آزمائش اور ابتلاء کے دن

تو ہمیشہ ہمیش خدا کے نیک بندوں پہ آیا ہی کرتے ہیں لیکن اگر یہ بستی دارالامان نہ ہوتی تو یقیناً آج اس زبردست زلزلہ کے وقت ہم قادیان کے اندر موجود نہ ہوتے"

"اس وقت قادیان کی آبادی تین مقدس جگہوں پر مشتمل ہے۔ اول مسجد اقصیٰ، دوم مسجد مبارک سوم بہشتی مقبرہ۔ یہ وہ مقدس مقامات ہیں جن کے لئے ہر احمدی اپنا خون خوشی سے بہانے کے لئے تیار ہے۔"

"اس لئے ہمارے عزیزوں اور بزرگوں کو چاہیئے کہ ہمارے متعلق بالکل کسی قسم کا فکر نہ کریں اور دعاؤں پر زور دیں۔ ہاں کبھی کبھی اگر ہو سکے تو خیریت کا پیغام ارسال فرما دیا کریں تاکہ ہم کو آپ کی نسبت بھی یہ معلوم ہوتا رہے کہ آپ بھی مرکز کی حفاظت کے لئے اپنے دل میں کچھ تڑپ رکھتے ہیں اور آپ کی تحریروں سے ہمارا ایمان تازہ ہو اور خدمت دین کے لئے سچا جوش پیدا ہو" [1]

بیرونِ قادیان کے احمدیوں کی مرکزِ احمدیت سے بے پناہ عقیدت

جہاں شعائر اللہ کی حفاظت کا فریضہ بجا لانے والے احمدی اپنی جان کی بازی تک لگائے بیٹھے تھے وہاں ان کے اقرباء کے دل میں خواہ وہ مرد ہوں یا عورت، بوڑھے ہوں یا جوان، مرکزِ احمدیت کے لئے بے پناہ عقیدت موجزن تھی اور وہ اپنی بے شمار مشکلات کے باوجود نہ صرف اپنے عزیزوں کا قادیان میں رہنا ان کے لئے باعثِ برکت و سعادت اور اپنے لئے موجب صد افتخار سمجھتے تھے بلکہ اس نازک موقعہ پر قادیان کی پیاری بستی سے اپنی دُوری و مجبوری کا غم انہیں کھائے جا رہا تھا۔ اُن کے بس میں ہوتا تو وہ اُڑ کر دیارِ حبیب میں پہنچتے اور اپنے جسم کا ذرّہ ذرّہ اس کی گلیوں پر قربان کر دیتے۔

مجاہدینِ قادیان کے اعزہ واقارب کے ان دلی جذبات کی عکاسی ان خطوط سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے قادیان لکھے اور جن میں سے بعض کے اقتباسات بطور نمونہ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ محترم ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم (سابق امیر المجاہدین ملکانہ) کراچی نے اپنے بیٹے مکرم یونس احمد صاحب اسلم کو حسب ذیل خط لکھا:۔

---

[1] "الفضل" ۱۶ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۳۔

"تمہارا ایک خط مجھے ۲۴ ستمبر کو ملا تھا وہ بھی ۱۷ ستمبر کو لکھا ہوا تھا۔ اب جبکہ قادیان پر حملے شروع ہیں کوئی خیریت نامہ تمہارا نہیں ملا۔ مَیں اور تمہاری والدہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہیں۔ تمہارے لئے میرا یہی کہنا ہے بُزدلی نہ دکھانا۔ موت صرف ایک دفعہ آئے گی۔ اگر ابھی تمہارا وقت نہیں آیا تو کوئی طاقت تمہاری زندگی کو ختم نہیں کر سکتی اور اگر شہادت کی نعمت تمہاری قسمت میں ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر بڑا فضل ہوگا اور ساتھ ہی میری گردن بھی اُونچی ہوگی۔ دُنیا چند روزہ ہے۔ ایسے نازک وقت اگر یہ خط تم کو مل جائے تو ہم سب کے لئے دُعا کرنا اور میرے گناہوں کی معافی خدا تعالیٰ سے مانگنا۔ ہم سب تمہارے لئے دُعا کرتے ہیں۔ زیادہ کیا لکھوں۔ تمہارا حافظ و ناصر خدا تعالیٰ ہی ہے۔ اسی پر کامل یقین رکھو اور قادیان کی حفاظت کو مدنظر۔ فقط۔"

۲۔ مکرم سلطان عالم صاحب احمدی گوٹریالہ ضلع گجرات نے اپنے لختِ جگر مکرم بشارت احمد صاحب کو لکھا:۔

"ایک کارڈ دو لفافے آپ کے پہنچے جن سے ۱۶ ۹/۴ تک کے حالات سے آگاہی ہو چکی ہے۔ دل ہر طرح سے مطمئن ہے۔ ملول کیا؟ خوشی ہے کہ اگر مَیں بذاتہ اس خدمت کے بجا لانے کے قابل نہیں ہوں تو خدا نے آپ کو توفیق دی ہے"

(۲۸ تبوک / ستمبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء)

۳۔ سید محمد ہاشم صاحب بخاری[1] کا ایک خط اپنے ایک عزیز کے نام:۔

"آج صبح خاندان کے تمام افراد سوائے عزیز عبد الباسط[2] کے بخیریت . . . . پہنچے۔ الحمد للہ۔ عزیز کو نہ پا کر کوفت ہوئی مگر اس خیال سے کہ عزیز خدمت کے زرین موقعہ پر دار الامان رہا ہے دل سکون پا تا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے اور ہر شر کو دُور فرما دے۔ دشمنوں کے ہاتھوں کو روک دے۔ جیسا کہ مسیح پاک کے الہامات سے واضح ہوتا ہے کہ خدا کا وعدہ ہے۔ اے کاش! یہ وعدہ ہمارے سامنے پُورا ہوتا اور ہم بھی اس خوشی کو دیکھ سکتے۔ تقدیر کے نوشتے ضرور پورے ہوں گے۔ اور یہ اس کی تقدیر ہے

---

[1] سابق مبلغ مغربی افریقہ۔ [2] نائب معتمد خدام الاحمدیہ مرکزیہ اور سید محمد ہاشم صاحب بخاری کے داماد۔

کہ احمدیت پھیلے پھلے اور پھولے اور مرکز بھی محفوظ رہے۔ بہت مبارک ہو کہ مرکز میں خدا کے مقدسین کے سائے میں اور ان کی معیت میں موجود ہو۔ ہمارا فکر نہ کرنا، ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اور اب اس امر کے سوا ہمارے پاس اَور کوئی ذریعہ عزیزہ کے ساتھ تعلق کا باقی نہیں ہے۔ شعائر اللہ کی بے حرمتی کا تصوّر کرتے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان رودادوں کے پڑھنے سے جو اخبارات میں دارالامان کے متعلق جلی عنوانات سے آرہی ہیں دل ہولتا ہے مگر چارہ کار کیا؟ میری آنکھوں میں پھر تکلیف ہو گئی ہے مگر یہ محض قادیان کے فکر میں آنسو بہا کر۔ کیا ہماری مساجد گوردوارے بن جائیں گی؟ کیا قادیان کی پرانی گوردوارہ بنی ہوئی مسجد ہی ہمارے لئے کافی نہ تھی کہ اب اَور نیا ظلم ہوگا۔ قادیان سے مستورات کس طرح نکلیں گی اور بچے اور بوڑھے کیا کریں گے یہ خیالات ہیں جو ہر وقت مستولی رہتے ہیں اور کوئی بات تصور میں آتی ہی نہیں۔ ہمیں اپنے مال و اسباب سے محروم ہونے کا غم نہیں۔ جان دینا بھی مشکل نہیں مگر مرکز کی اہانت ناقابلِ برداشت ہے۔ مقبرہ بہشتی کے دشمنوں کی جولانگاہ بن جانا ایک ایسا ہولناک تصور ہے جس کے لئے الفاظ نہیں مل سکتے کہ بیان کر سکوں بہرحال ہم سب دُعا کر رہے ہیں۔"

(۳ر اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء)

۴۔ مولوی محمد عثمان صاحب[1] آف ڈیرہ غازیخاں نے فضل حق صاحب، عبدالغنی صاحب اور ہدایت اللہ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا:-

"آپ مومنانہ شان کے ساتھ ہمت اور استقلال سے مرکز کی حفاظت کرتے رہیں۔ ہماری دُعا ہے کہ آپ خیریت سے رہیں اور خدا تعالیٰ آپ کو دشمن کے ہر شر سے محفوظ رکھے۔ آمین"

(۴ر اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء)

۵۔ محترم مولوی عبدالکریم صاحب شرما[2] واقف زندگی نے اپنے والد ماجد جناب عبدالرحیم صاحب شرما

---

[1] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ آخری عمر میں جماعت احمدیہ ضلع ڈیرہ غازیخاں کی امارت کے فرائض بھی بجا لاتے رہے۔

[2] سابق مبلغ مشرقی افریقہ۔

اور عبدالرشید صاحب شرما و عبدالحفیظ صاحب شرما (قادیان میں مقیم بھائیوں) کو حسب ذیل عریضہ لکھا:-

"قادیان کے بارہ میں جو خبریں آ رہی ہیں اُن سے دل پھٹا جا رہا ہے۔ وہ پیاری بستی جو ہمیں دُنیا کی سب چیزوں سے زیادہ عزیز ہے اس پر دشمن قابض ہو گیا ہے۔ آپ لوگ بہت ہی خوش قسمت ہیں کہ آپ کو اپنے پیارے امام کی ہدایت کے مطابق قادیان کی خدمت کا موقع ملا ہوا ہے۔ قادیان کی حالت ایسی ہے کہ وہاں رہنے کا بظاہر انجام ظاہر ہے۔ مگر انسان کی زندگی کے چند دن ہیں۔ ایک نہ ایک دن مرنا ضرور ہے۔ وہ موت کیا ہے! مبارک موت ہے جو شہادت کی موت ہو۔ خدا جانتا ہے کہ میرا دل بھی چاہتا ہے کہ ایسے موقع پر آپ لوگوں کے ساتھ ہی مروں مگر مجبور ہوں آ نہیں سکتا۔ ہم آپ لوگوں کے لئے دُعا کر رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔ اگر خدا تعالیٰ کو ہم سے کسی کی شہادت ہی منظور ہو تو چاہیئے کہ ہم میں سے کوئی کمزوری نہ دکھائے اور اس امتحان کے موقع پر اپنے خاندان کی لاج رکھ لے"

(۸/اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء)

۶۔ اہلیہ صاحبہ محترم حسن محمد خاں عارف وکیل التجارت[1] کا مراسلہ اپنے شوہر کے نام:-

"خدا کرے آپ لوگ جلد قادیان کو فتح کر لیں۔ خدا آپ کا اور سب کا حامی و مددگار ہو۔ اس کا فضل آپ سب کے شاملِ حال رہے۔ اور آپ ایسی خدمتِ دین بجا لائیں کہ خدا آپ سے خوش ہو جائے اور زیادہ سے زیادہ اپنی رحمتیں اور برکتیں آپ لوگوں پر نازل فرمائے"

(۹/اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء)

۷۔ محترمہ امۃ اللطیف بیگم صاحبہ (لاہور) نے اپنے خاوند محترم ڈاکٹر محمد احمد صاحب کو ایک خط میں لکھا:-

"اب میری بھی یہی نصیحت ہے اور اماں جی کی بھی یہی نصیحت ہے کہ وہاں پر خدا کے بھروسہ پر بیٹھے رہیں۔ اللہ تعالےٰ وہاں پر ہی حفاظت کرے گا اور ایمان رکھنے والوں کو ضائع نہیں کرے گا آپ اجازت لینے کی بھی کوشش نہ کریں"

"ہم سب کو خدا کے حوالے کر دیں وہی سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ جب اس نے پیدا کیا ہے تو وہی حفاظت بھی کرے گا اور کھانے کو بھی دے گا۔ اگر اس نے زندہ رکھنا ہے تو ہر طرح

---

[1] حال نائب وکیل التبشیر تحریک جدید ربوہ۔

رکھے گا اور مدد کرے گا۔ اور اگر موت مقدر ہے تو اس سے کہیں بھی مفر نہیں چاہے سات پردوں میں چھپ جائیں۔ میری طرف سے آپ اطمینان رکھیں۔ مَیں اتنی بزدل نہیں ہوں۔ میرا ایمان اللہ تعالیٰ پر مضبوط ہے۔ اگر اس کی طرف سے ابتلاء آنا ہے تو ہر طرح آنا ہے۔ بس یہی دُعا ہے کہ وہ ہر طرح ثابت قدم رکھے اور ہمارا ایمان کسی طرح متزلزل نہ ہو جائے"

"قادیان پر حملے کی خبر سُن کر دل سخت پریشان ہوگیا ہے۔ آج الفضل میں حضرت صاحب کا ایک مضمون چھپا جس میں حملہ کی تفاصیل موجود تھیں جس سے ۲۰۰ مسلمانوں کی شہادت کا علم ہوا۔ نہ معلوم بچارے کون کون سے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو قبول فرمائے۔ اور اُن کا خون اسلام کے پودے کو اس طرح پہنچے کہ یہ کبھی بھی نہ مُرجھائے اور ابدالآباد تک ہرا بھرا اور لہلہاتا اور پھلتا پھولتا نظر آئے۔ آمین یارب العالمین۔ یا اللہ! تو ان شہداء کا صدقہ قادیان پر رحم کر اور اس کے رہنے والوں کو اپنی حفاظت میں لے لے اور اس کے مقدس مقامات کی حفاظت کے لئے اپنے فرشتے بھیج دے جو کافروں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیں۔ آمین"

(۱۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء)

۸۔ خواجہ عبدالحمید صاحب ضیاء نے اپنے چھوٹے بھائی خواجہ عبداللطیف صاحب آف ڈیرہ دُون کو لکھا:۔

"آپ دونوں بھائیوں نے جس قربانی سے کام لیا ہے وہ سُن کر ہم اپنے دل کی خوشی بیان نہیں کر سکتے۔ ہماری گردنیں فخر سے اُونچی ہوتی ہیں اور ہم نے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے اگر ہمیں نہیں تو ہمارے بھائیوں کو احمدیت کی تاریخی مہم میں نمایاں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائی۔ الحمد للہ۔ مَیں دونوں بھائیوں کو مبارکباد کہتا ہوں۔ خدا تعالیٰ تمہاری قربانیوں اور کوششوں کو ضائع نہیں فرمائے گا اور وہ نہ صرف تمہیں ہی بلکہ تمہاری قربانیوں کی خاطر جماعت کے لاکھوں انسانوں کی عزت کو قائم فرمائے گا

آپ لوگوں کی قربانیاں بڑی ہیں لیکن اب آپ ہرگز تمام کئے کرائے پر پانی نہ پھیریں۔ اور بغیر حضور کی یا کارکنوں کی اجازت کے قادیان سے نہ آئیں۔ ایک ذرا سی غلطی تمام نیک اعمال

کو خراب کر دیتی ہے۔ اس لئے حضور کے منشاء کے خلاف خود بھی آنے کی کوشش نہ کریں اور جو آنے کی کوشش کریں اُن کو روکیں اور حضور کی ناراضگی سے بچانے کی کوشش کریں۔ اس میں کامیابی ہے اور حضور کے منشاء کے مطابق عمل ہی میں نجات ہے۔ آپ لوگ خدا تعالیٰ پر توکّل کرتے ہوئے حضور کے منشاء کے مطابق عمل کریں اور ڈٹے رہیں۔ اس طرح خدا تعالیٰ کے خلیفہ کی برکات حاصل کریں۔

. . . . اماں جی بہت بہت السلام علیکم کہتی ہیں اور تاکید کرتی ہیں کہ بغیر اجازت کے نہ آئیں۔ خدا تعالیٰ حافظ ہے۔ حضور کے فرمان کے مطابق عمل ہی میں برکت ہے۔"

(۱۲ اِخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء)

۹۔ محمد لطیف صاحب ابن مستری نور محمد صاحب گنج مغلپورہ لاہور کو ان کی والدہ صاحبہ نے لکھا:۔

"گو آج قادیان میں رہنا بہت بڑا مجاہدہ ہے تم نہایت استقلال اور جوانمردی سے حفاظت مرکز کی ڈیوٹی دیتے رہو اور اگر اس راہ میں جان بھی دینی پڑے تو دریغ نہ کرو۔ یاد رکھو تم پر ہم تبھی خوش ہوں گے جبکہ تم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس بستی قادیان کی حفاظت میں قربانی کا وہ اعلیٰ درجہ کا نمونہ دکھاؤ جو ایک احمدی نوجوان کے شایانِ شان ہے۔ گھبراؤ نہیں خدا تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ ہم آپ کے ماں باپ تمہارے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں استقامت بخشے" [۵]

۱۰۔ مکرم محمد ابراہیم صاحب پولیس کنسٹیبل منٹگمری (ساہیوال) کے دو خطوط مکرم عمر الدین صاحب آف موگہ ساکن محلہ دارالشکر غربی قادیان کے نام:۔

(الف) "آپ کے صبر و استقلال کو اللہ تعالیٰ اَور بھی ترقی دیوے۔ واقعی میرے عزیز آپ نے وہ قربانی کی ہے جس کا میری زبان سے ذکر ہونا مشکل ہے۔ بعد میں آکر دوڑ ایسی لگائی کہ ہمیں کوسوں پیچھے چھوڑ گئے۔"

(۱۹ اِخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء)

(ب) "میرے جسم کا ہر ذرّہ آپ پر خوش ہے۔ آپ کی ہمشیرہ صاحبہ نے آپ کے کام اور ارادوں اور خدمتِ دین کی باتیں کیں جس سے میرا دل بھر آیا اور نفل ادا کئے اور قادیان اور آپ کے

---

[۵] "الفضل" ۱۹ اِخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۴

لئے اور مجاہدین کے لئے خوب تضرع سے دعائیں کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش رکھے اور سلسلہ کی خدمت کی بیش از پیش توفیق عطا فرماوے"

۱۱۔ یہ مکتوب مکرم بابو غلام رسول صاحب احمدی گڈز کلرک آف شیخوپورہ نے اپنے چھوٹے بھائی مولوی غلام احمد صاحب ارشد کو تحریر فرمایا :۔

"حضرت امیرالمومنین کے حکم کے ماتحت آپ کا وہاں رہنا بہت مبارک اور باعث خوشی ہے اللہ تبارک آپ کے ساتھ ہو اور اس جہاد میں آپ کو کامیابی عطا فرماوے۔ آمین۔ آپ اپنی خیریت سے اطلاع دیتے رہا کریں۔ دعاؤں میں یاد رکھیں۔ والسلام۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو لکھیں"

(۲۳ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء)

۱۲۔ فضل محمد خاں صاحب شملوی نے اپنے لخت جگر حسن محمد خاں عارف واقف زندگی کے نام متعدد مکتوبات میں اپنے جذبات محبت و اخلاص کا اظہار کیا۔ چنانچہ لکھا :۔

"دن رات آپ کی اور سعید کی خیر مانگنے میں گذرتا ہے۔ سعید بہت پہرے دیتا تھا معلوم نہیں زندہ ہے یا کام آچکا۔ اللہ تعالیٰ آپ دونو کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ قادیان کے عمل نے دُنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے"

"قادیان کی سراسیمگی نے ساری جماعت کو نیم پاگل بنا دیا ہے اور حضرت اقدس خود آسمانی مدد اور تائید پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں۔ کیا ہونے والا ہے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ . . . حضرت کی نمازوں میں دُعا کا شور قیامت ہوتا ہے۔ حضرت دن رات مصلے پر رہتے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ ضرور فتح اور غلبہ ہوگا۔ کاش آپ فتحیاب لوگوں میں زندہ رہیں"

"اسباب کے نہ پہنچنے کے سبب نہایت ہی پریشان کن تکلیف میں مبتلا ہیں۔ کوئی دری بستر یا کسی قسم کا بھی پہننے کا کپڑا نہیں۔ اتنے دنوں میں تیلیوں والا حال ہوگیا ہے۔ معلوم نہیں کس طرح گذارہ ہوگا۔ ان سب باتوں کے باوجود آپ زیادہ پریشان نہ ہوں۔ اپنی حفاظت اور قادیان کی حفاظت کے لئے کوشش اور دُعا جاری رکھیں"

(۲۳ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء)

۱۳۔ محترمہ آمنہ بیگم صاحبہ رتن باغ لاہور کی طرف سے اپنے خاوند محترم عبدالرحیم صاحب کو ذیل کا

مکتوب موصول ہوا :-

" استقلال اور ہمت سے اور جوانمردی کے ساتھ ڈٹے رہو اور اس کو فتح کرنا آپ کا فرض ہے۔ بہرحال جب تک حضور کا حکم نہ ہو آپ قادیان کو چھوڑ کر یہاں بالکل نہ آئیں۔ مجھے قادیان کی یاد بہت ستاتی ہے اور یہاں دل اُداس رہتا ہے۔ بالکل دل نہیں لگا۔ حضور کافی کمزور ہو چکے ہیں۔ واقعی قادیان کے غم میں ان کی کمر خمیدہ ہو چکی ہے۔ کاش! حضور کے غم کو دُور کر سکتے "

(۲۴/اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء)

۱۴۔ چوہدری حاجی اللہ بخش صاحب چندر کے منگولے ضلع سیالکوٹ نے اپنے بیٹوں مکرم چوہدری محمد اسحٰق صاحب سابق مبلغ چین و مکرم بشیر احمد صاحب[1] کے نام حسب ذیل مکتوب تحریر فرمایا :-

" میرے پیارے لخت جگر محمد اسحٰق و بشیر احمد

اللہ تعالیٰ ہر آن تم دونوں کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مدت سے تمہارا کوئی خط نہیں ملا۔ آج ۲۴ نومبر کو عزیز محمد عبداللہ صاحب کیپٹن[2] ٹرک لے کر یہاں اپنی بیوی کو لینے آئے۔ ان سے دارالامان کے حالات معلوم ہوئے۔ انہوں نے بتایا کہ پولیس نے تلاشیاں لے کر پہلے اہل قادیان کو نہتہ کیا۔ اور پھر سکھوں نے حملہ کیا اور پولیس اور ملٹری نے ہمارے احمدیوں کا قتل عام کیا اور دو سَو سے اوپر احمدی شہید ہو کر جنت میں جا پہنچے۔ سُنا ہے کہ حملہ دارالرحمت پر ہوا۔ اور تم دونوں بھی دارالرحمت میں تھے۔ اگر تم شہید ہو گئے ہو تو اپنی مراد کو پہنچ گئے ہو۔ اس صورت میں مَیں عثمان غنی[3] کو بھی جلدی قادیان بھیج دوں گا۔ اگر تم زندہ ہو تو مجھے یقین ہے کہ تم نے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا ہوگا۔ تم نے احمدی باپ سے پرورش پائی ہے اور احمدی ماں کا دُودھ پیا ہوا ہے۔ دارالامان سے پیارا ہمیں اور کچھ

---

[1] چوہدری محمد اسحاق صاحب واقف زندگی کے چھوٹے بھائی جو چندر کے منگولے سے نہایت خطرناک حالات میں دوسرے بیس احمدیوں کے ساتھ پیدل قادیان پہنچے (مرتب)

[2] میجر محمد عبداللہ صاحب مہار مراد ہیں (مرتب)

[3] چوہدری محمد اسحاق صاحب کے تیسرے بھائی کا نام ہے جنہیں ان کے والد ماجد اپنے دو بیٹوں کی شہادت کے بعد قادیان بھیجنے کا فیصلہ فرما رہے تھے۔

نہیں۔ شعائر اللہ ہمارے پاس ہیں اور میری تمہیں نصیحت ہے کہ تمہارے جیتے جی شعائر اللہ تک دشمن نہ آئے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دے رکھا ہے اور تم قطعاً پرواہ نہ کرو کہ تمہارے بعد ہمارا کیا بنے گا۔ جب سے دارالامان پر حملے کا سُنا ہے سخت بیقراری اور بے چینی ہے اور میرا تو پیشہ ہی رونا ہو گیا ہے"

(۲۴؍اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء)

۱۵۔ عبدالمجید صاحب نیاز نے اپنے والد محترم عبدالرحیم صاحب (دیانت سوڈا واٹر فیکٹری) کو اپنے ایک خط میں یقین دلایا کہ

"پیارے اور محترم والد صاحب۔ آپ ہمارا کسی قسم کا فکر نہ فرماویں۔ ہمیں کوئی تکلیف نہیں۔ اں قسم ہے مجھے ذات پاک کی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ کسی طرح قادیان پہنچوں"

(۲۴؍اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء)

ایک اور خط میں لکھا:۔

"آپ قادیان میں رہیں تو یہ ہمارے لئے باعثِ فخر ہے اور خوشی کا موجب ہے"

۱۶۔ سعود احمد خاں صاحب دہلوی[1] بی۔اے بی ٹی واقف زندگی نے اپنے برادر اکبر مسعود احمد خاں[3] صاحب دہلوی کو لکھا۔

"میرا پاسپورٹ[2] دہلی میں نہیں بن سکا۔ اب انشاء اللہ لاہور سے بنواؤں گا۔ میری شامتِ اعمال کی وجہ سے مَیں اس سعادت سے محروم کر دیا گیا کہ مَیں بھی مرکز کی حفاظت سے نوازا جاؤں۔ آپ تینوں صاحبان (مسعود احمد صاحب بی۔اے واقف زندگی۔ مولود احمد صاحب بی۔اے واقف زندگی اور مقصود احمد صاحب واقف زندگی) واقعی قابل مبارکباد ہیں کہ اس نعمت سے سرفراز کئے گئے"

(۲۵؍اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء)

---

[1] سابق ٹیچر سیکنڈری سکول کماسی حال پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ ۔

[2] مقصود احمد خلف صاحب کا بیان ہے کہ "مکرم مسعود احمد صاحب دفتر وکالت تبشیر (قادیان) کی ہدایت کے ماتحت دہلی کو مغربی افریقہ کے لئے پاسپورٹ حاصل کرنے کے سلسلہ میں گئے ہوئے تھے۔ اس دوران میں فسادات شروع ہو گئے جس کی وجہ سے وہاں ان کو تکالیف کا سامنا ہوا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل و رحم کے ساتھ وہ لاہور پہنچ گئے۔ لاہور پہنچ کر یہ خط تحریر کیا"۔

[3] سابقاً نام مسعود خاں۔

۱۷۔ محترمہ صادقہ بیگم صاحبہ نے موضع مانگٹ اُونچے ضلع گوجرانوالہ سے اپنے شوہر محمد شریف صاحب مولوی فاضل واقف زندگی کو حسب ذیل خط لکھا:۔

"یہ پڑھ کر کہ آپ نے اپنا نام ہمیشہ رہنے کے لئے دے دیا ہے، بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی عطا فرمائے اور آپ کا حافظ و ناصر ہو۔ خدا کرے کہ جلدی قادیان ہمارا ہو جائے اور ہم جلدی آکر اس کو آباد کریں۔ (آمین)"

(۲۸ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء)

۱۸۔ محترمہ امۃ المجید صاحبہ رتن باغ لاہور کا خط جو انہوں نے اپنے والد چوہدری وزیر محمد صاحب پٹیالوی دارالفتوح قادیان کے نام لکھا:۔

"ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے خیریت سے ہیں۔ اماں جان سست رہتی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ایک تو کھانے کی سخت تکلیف ہے۔ کوئی چیز نہیں ملتی۔ لانے والا کوئی ہمارے پاس نہیں اس وجہ سے کچھ بچے بیمار ہیں۔ ہم تاریخ میں صحابہ کے کارنامے پڑھا کرتے تھے۔ ہم خوش قسمت ہیں اور وہ نظارہ ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ میں آپ کو ہر کنوائے میں خط لکھتی رہی ہوں۔ لیکن آپ کی طرف سے اتنے عرصہ میں ہمیں ایک بھی خط نہیں ملا۔ یہ تکلیفیں ہم خدا کی رضا کے لئے برداشت کر رہے ہیں اور اگر اور بھی تکلیفیں اُٹھانی پڑیں تو ہم بخوشی برداشت کریں گے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے ابّا جان خدا کی رضا کے لئے سلسلہ کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں تو ہماری یہ تکلیفیں خوشی میں بدل جاتی ہیں۔ آپ ہمارا کوئی کسی قسم کا فکر نہ کریں۔ خوب دُعائیں کریں اور خدا کی رضا حاصل کریں۔ خداوند تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔ اور ہم بھی ہر وقت دُعاؤں میں لگی رہتی ہیں۔"

(۲۹ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء)

۱۹۔ مکرم محمد طفیل صاحب ننگلی نے محمد یعقوب صاحب، جلال الدین صاحب، محمد صادق صاحب اور محمد صدیق صاحب کو ذیل کا مکتوب ارسال کیا:۔

"آپ کا نوازش نامہ ہمارے لئے باعثِ صد مسرت ہوا۔ اور ہمارے مغموم دلوں کو آپ کے اس نوید جانفزا نے کہ ہم دیارِ محبوب میں شعائر اللہ کی حفاظت کے لئے درویشانہ زندگی

بسر کریں گے خوشی میں بدل دیا۔ بلاشک ہم اس وقت نہایت کس مپرسی کی حالت میں بے یارو مددگار ہیں۔ بچے بیمار ہیں نہ زاد راہ ہے۔ متوکل علی اللہ اب لاہور سے کسی جہت کو نکل جائیں گے اور صمیم قلب سے یہ دُعا کرتے رہیں گے کہ آپ جو عظیم الشان مقصد رکھتے ہیں اللہ تعالےٰ اس کو نوازے اور آپ کے عزم و استقلال و پایۂ ثبات کو ثابت قدم رکھے اور توقع رکھتے ہیں کہ ہر وہ گھڑی جس میں زندگی اور موت کا سوال ہو آپ صفِ اوّل میں کھڑے ہوں گے"

(۳۰/اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء)

۲۰۔ محترمہ امۃ اللطیف صاحبہ[۵۱] رتن باغ لاہور کا خط اپنے والد عبدالرحیم صاحب مالک دیانت سوڈا واٹر فیکٹری قادیان کے نام :۔

"جب کنوائے قادیان سے آئے تو نہایت مضطربانہ حالت ہو جاتی ہے . . . جب تک ہم کو قادیان نہ ملے ہمارے لئے دُنیا اندھیر ہے۔ باوجود فراخ ہونے کے تنگ ہے۔ جلد اللہ تعالےٰ کسی قربانی کو نوازے اور ہماری مشکلات حل ہوں۔ امۃ الشکور کو اپنا گھر معلوم نہیں ہوتا۔ ہر وقت روتی رہتی ہے۔ آپ کو اتنا یاد نہیں کرتی جتنا قادیان کو"

(۲/نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء)

۲۱۔ سیّد عبدالرشید صاحب (بمبے پوشش ہاؤس) کا مکتوب اپنے فرزند سید سعید احمد صاحب کے نام :۔

"مَیں تو خود قادیان سے کہیں جانے میں خوش نہ تھا مگر آپ کے اصرار پر اور پھر آپ کی والدہ اور ہمشیرگان کی قیام گاہ کا انتظام کرنے کے لئے چل دیا ورنہ مَیں بھی آپ کے ہمراہ ہی رہنے میں خوش تھا۔ ایک عرصہ سے حضرت مسیح موعودؑ اور خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ارشادات سے یہ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ وقت قریب آتا جا رہا ہے کہ جب خدا کے دین کے لئے ہر قسم کی قربانیوں کا مطالبہ شروع ہو گا مگر ہماری بدقسمتی سے ہم نے اس وقت کو ابھی دُور سمجھا حالانکہ وہ دروازہ پر تھا . . . پس اب صرف ایک اور ایک راستہ ہی ہے جس سے ہمارا پیارا خدا خوش ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے

۵۱۔ اہلیہ صاحبہ شیخ خورشید احمد صاحب نائب مدیر الفضل ربوہ۔

حکم کے مطابق اپنی زندگی کو اس سانچہ میں ڈھال لیں جس کا نقشہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ "اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ" ہر احمدی کے دروازہ پر، مکانوں پر اور دلوں پر جب تک اس لائحہ عمل کو تحریر نہ کر دیا جاوے اور پورا پورا عمل نہ کیا جاوے کامیابی ناممکن ہے"

(۸ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء)

۲۲۔ محترمہ مسعودہ برلاس صاحبہ نے اپنے بھائی مرزا الطاف الرحمٰن صاحب آف برلاس ہاؤس دارالرحمت قادیان کے نام لکھا:۔

"تم ہمارا فکر نہ کرنا مستقل مزاجی سے قادیان میں رہ کر تکالیف کو برداشت کر کے خداوند کے فضلوں کے وارث بننا۔ احمدیت کا کارآمد ستون بننا۔

ہمیں خوشی اور فخر ہے کہ ہمارا ایک ہی بھائی ہے جسے احمدیت کی خدمت کے لئے خداوند کریم نے خاص موقع اور اس میں استقامت عطا فرمائی۔ ہم اس پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے امی بھی تمہیں دعا دیتی ہیں"

(۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء)

۲۳۔ محترمہ سیدہ رشیدہ بیگم صاحبہ نے اپنے بیٹے سید سعید احمد صاحب قادیانی متعلم جامعہ احمدیہ قادیان کے نام لکھا:۔

"عزیزان قادیان میں رہو۔ آج آپ لوگوں کے امتحان کا وقت ہے۔ دعا ہے کہ خدا تم کو امتحان میں کامیاب کرے۔ آپ قادیان میں ہی رہیں یہانتک کہ حضرت امیرالمومنین کی طرف سے آپ کو قادیان سے جانے کی اجازت مل جاوے۔ دوبارہ تاکید ہے کہ بلا اجازت حضرت امیرالمومنین کے کسی صورت میں بھی قادیان سے نہ آئیں کیونکہ اب ایمان کی آزمائش کا وقت ہے۔ خدا سے دعا (ہے) کہ تم اپنے ایمان کا بہتر نمونہ دکھاؤ اور دین کے ستارے بن کر چمکو اور دنیا کے لوگوں کے لئے راہنما بنو"

(۲۳ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء)

۲۴۔ خط صالحہ بیگم صاحبہ عفیفہ لاہور بنام جناب مقصود احمد صاحب واقفِ زندگی:۔

"آپ سوچتے ہوں گے کہ میری بیوی بھی کیسی دنیا دار ہے کہ ایک دفعہ بھی اس بات

کا اظہار نہیں کیا کہ خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے یہ قربانی کی گئی ہے جس کا دل پر ہرگز ملال نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر سچ پوچھئے اور یقین جانئے میں یہ باتیں پوشیدہ ہی رکھنا چاہتی تھی۔ میں سوچتی تھی کہ اپنے جذبات ظاہر کر کے خواہ مخواہ ریاکار بنوں۔ مگر پھر دل نے کہا کہ خاوند سے بھی کوئی بات پوشیدہ رکھی جاسکتی ہے۔ اس لئے اب میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں بالکل مطمئن ہوں اور اپنے آپ میں بہت خوشی محسوس کرتی ہوں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس شاندار قربانی کا موقع عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

لوگ دنیاوی جنگوں میں سمندر پار چلے جاتے تھے اور جدائی کی گھڑیاں کئی مہینے گذارتے تھے تو کیا آپ جو کہ ایک دینی جنگ میں حصہ لے رہے ہیں اس کی خاطر اگر ہم تھوڑی سی جدائی برداشت کریں تو نہ معلوم اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ہم پر کیا افضال نازل فرمائے اے خدا تو ایسا ہی کریو۔ آمین ثم آمین" (بلا تاریخ)

۲۵۔ محترمہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نے اپنے بیٹے محترم ڈاکٹر محمد احمد صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی نعیم احمد صاحب اور ان کے بہنوئی محمد رفیق صاحب اور ان کے بھتیجے عبدالرشید کے نام حسب ذیل نصیحت نامہ بھجوایا :۔

"جو آزمائش کا وقت تم سب پر آیا ہے اس کو دلیری اور جوانمردی سے گذارو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے وہ تم سب کو ثابت قدم رکھے اور دین کی خدمت کا زیادہ سے زیادہ موقع عطا فرمائے"

۲۶۔ محترمہ[1] امۃ الرشید شوکت صاحبہ نے اپنے بھائی مولوی نورالدین صاحب[2] منیر انچارج بیعت کو ذیل کا خط تحریر کیا :۔

"قادیان کے حالات سے مطلع فرمائیں۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے قادیان میں رہ کر جہاد کرنے کا موقع دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزا دے اور استقامت عطا فرمائے۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ اپنے آپ آنے کی درخواست نہ دیں۔ جب حضور خود بلائیں گے تو

---

[1] بنت حضرت ماسٹر چراغ دین صاحب رضی اللہ عنہ (مدیرہ "مصباح")۔
[2] حال نائب وکیل التصنیف تحریک جدید ربوہ۔

نائیں۔ والدہ مکرمہ کی طرف سے ماموں شمس[1] و ماموں قمر الدین اور ماموں اسماعیل صاحب کو السلام علیکم دیں "

۲۷۔ محترم چوہدری فضل احمد صاحب[2] کے دو گرامی نامے اپنے بیٹوں (محمد احمد صاحب و شریف احمد صاحب) کے نام :-

(الف) " یہ خط میں پرائیویٹ سکرٹری صاحب کی معرفت بھیجتا ہوں کیونکہ ویسے نہ تمہارا خط مجھے پہنچ سکتا ہے نہ میرا تمہیں . . . جو کام ملے خوب کرو۔ صحت کا تم سب خیال رکھو تاکہ اچھی طرح سے خدمت سرانجام دے سکو جو تمہارے سپرد ہو (آمین) "

(ب) " آپ سب تاریخ احمدیت میں عزّت سے یاد کئے جاؤ گے۔ اپنی ڈیوٹی استقلال سے کرو۔ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے ایسے ہی موقعے ہوتے ہیں۔ یہ گھنگنیاں جو آپ کو کھانے میں ملتی ہیں۔ یہ آپ جیسے خوش قسمت نوجوانوں کو ہی نصیب ہو سکتی ہیں جو قومی قربانی کا کام کریں "

۲۸۔ محترمہ عائشہ بی بی صاحبہ لاہور نے اپنے خاوند اللہ دتّا صاحب برٹ محلہ دارالرحمت قادیان کے نام یہ مکتوب لکھا :-

" آپ نے بڑا اچھا کیا جو قادیان میں رہنے کے لئے نام دے دیا ہے اور اب آپ کو چاہیئے کہ بغیر اجازت امیر صاحب کے ہرگز قادیان سے باہر نہ جائیں "

۲۹۔ محترمہ نصیرہ نزہت صاحبہ رتمل ضلع گجرات سے اپنے شوہر مکرم حافظ بشیر الدین صاحب[3] واقف زندگی کے نام رقمطراز ہیں :-

" خوش رہیں۔ کامیابی و کامرانی کی مرادیں دیکھیں۔ قادیان کے جھنڈے کو بلند کرنے والوں میں سے ہوں اور دُعا بھی کریں کہ خدا کے نام کو پھیلانے والوں میں ہمارا بھی نام ہو . . . . . آپ کی خیریت کی مجھے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ ملتی بھی کیسے ؟ میں ایسی جگہ ہوں جہاں قادیان کی مقدس بستی کے حالات واقعات جو بعد میں رُونما ہوئے نہیں پہنچتے۔ میں یہاں (رتمل

---

[1] حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس مراد ہیں ۔ [2] حال ناظر تعلیم صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۔
[3] ابن حضرت مولوی عبید اللہ صاحب رض مبلغ شہید ماریشس ۔

ضلع گجرات) کیوں آئی؟ کس طرح آئی؟ بس سمجھ لیجئے خدا کی کسی حکمت کے ماتحت میرا یہاں آنا ہوا۔ میرے جیسی گنہگار پر خدا تعالیٰ کے اتنے بڑے احسانات!! اُف اگر میرے جسم کا ذرّہ ذرّہ بھی اس کے شکریہ میں دن رات سربسجود رہے تو اس کا عشرِ عشیر بھی ادا نہیں ہو سکتا..... آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مَیں جب سے یہاں آئی ہوں۔ کس طرح دن گذرتے ہیں اور کس طرح ستارے گنتے گنتے راتیں کٹتی ہوں گی۔ لیکن زبان سے اگر کوئی لفظ نکلتا ہے تو یہی کہ اے قادیان کی بستی تجھ پر لاکھوں سلام! اور اے قادیان میں رہنے والے جانبازو! تم پر لاکھوں درود۔ دنیوی حکومتیں تو تمہیں تباہ کرنے کے لئے تیر اور بم تیار کرتی ہیں جو دس دس پندرہ پندرہ میل تک جا کر رہ جاتے ہیں۔ مگر ہم انشاءاللہ وہ بم تیار کریں گے جو آسمان سے برسیں گے۔ اور زمینی دشمنوں کو تباہ کر کے رکھ دیں گے۔ اے خدا تُو ایسا ہی کر..... یہاں کے مفصّل حالات تو پھر کبھی سہی مگر یہ تکلیف کہ قادیان کے متعلق ہمیں کوئی خبر نہیں ملتی، ایسی ہے جو ناقابلِ برداشت ہے۔ اگر کوئی ذریعہ ایسا ہو کہ قادیان سے لاہور تک خط آسکے تو ضرور مندرجہ ذیل پتہ پر لکھ کر ڈال دیں تاکہ میری ہر وقت کی تشویش دُور ہو۔

کاش! خدا آسمان سے کہے کہ دُنیا کے پردے پر میرے کچھ معصوم بندے رہتے ہیں جن کا کوئی والی وارث نہیں۔ وہ بیکس ہیں، وہ بے بس ہیں۔ کوئی ان کا روزگار نہیں لیکن مَیں ان کا حامی ہوں۔ مَیں ان کا محافظ ہوں، ناصر ہوں، مددگار ہوں۔ اے میرے فرشتو! تم دنیا میں جاؤ اور ان میرے بندوں کے بازو بن جاؤ، تم ان کی تلواریں بن جاؤ جس سے وہ دشمن کی صف کو کاٹ کر رکھ دیں۔ اے خدا ایسا ہی کر۔ ہم آسمان سے خدا کی رحمت کو کھینچنے والے بنیں"

سیدنا المصلح الموعود کا ایک پُرجوش اور ولولہ انگیز مضمون اور اُس کا اثر

سیدنا المصلح الموعود نے ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے بالکل ابتدائی ایام میں جبکہ قادیان پر آخری فیصلہ کن حملہ کا آغاز ہو چکا تھا مگر ابھی پاکستان میں اس کی خبر نہیں پہنچی تھی ایک ولولہ انگیز مضمون لکھا جس کا عنوان تھا "جماعت احمدیہ کے امتحان کا وقت" حضرت

امیرالمومنین نے اپنے اس مضمون میں جنگ احزاب کے دوران آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی فدائیت و وارفتگی کا اثر انگیز نقشہ کھینچنے کے بعد احمدیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مَیں احمدیوں سے کہتا ہوں کہ جب وہ بیعت میں داخل ہوئے تھے تو انہوں نے اقرار کیا تھا کہ وہ دین کو دُنیا پر مقدم کریں گے اور اس 'دُنیا' کے لفظ میں ان کی جانیں بھی شامل تھیں ان کے بچّوں کی جانیں بھی شامل تھیں۔ ان کی بیویوں اور دوسری گھر کی مستورات کا مستقبل بھی شامل تھا۔ پس آج جبکہ باوجود ہمارے اس اعلان کے کہ ہم جس حکومت کے ماتحت رہیں گے اس کے وفادار رہیں گے، ظالم دشمنوں کو ہم پر مسلّط کیا جا رہا ہے حکومت ان کو سزا دینے کی بجائے ہمارے آدمیوں کو سزا دے رہی ہے۔ ہماری جماعت کے نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ قطعی طور پر بھُول جائیں کہ ان کے کوئی عزیز اور رشتہ دار بھی ہیں۔ وہ بھُول جائیں اس بات کو کہ ان کے سامنے کیا مصائب اور مشکلات ہیں۔ انہیں صرف ایک ہی بات یاد رکھنی چاہیئے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے ایک عہد کیا ہے اور اس عہد کو پُورا کرنا ان کا فرض ہے۔ آج خدا ہی ان کا باپ ہونا چاہیئے۔ خدا ہی ان کی ماں ہونی چاہیئے اور خدا ہی ان کا عزیز اور رشتہ دار ہونا چاہیئے۔ میرے بیٹوں میں سے آٹھ بالغ بیٹے ہیں اور ان آٹھوں کو مَیں نے اس وقت قادیان میں رکھا ہوا ہے۔ مَیں سب سے پہلے انہی کو خطاب کر کے کہتا ہوں اور پھر ہر احمدی نوجوان سے خطاب کر کے کہتا ہوں کہ آج تمہارے ایمان کا امتحان ہے۔ آج ثابت قدمی کے ساتھ قید و بند اور قتل کی پروا نہ کرتے ہوئے قادیان میں ٹھہرنا اور اس کے مقدس مقامات کی حفاظت کرنا تمہارے فرض میں شامل ہے۔ تمہارا کام حکومت سے بغاوت کرنا نہیں۔ تمہارا کام ملک میں بدامنی پیدا کرنا نہیں۔ اسلام تم کو اس بات سے روکتا ہے۔ اگر حکومت ہم کو وہاں سے نکالنا چاہتی ہے تو حکومت کے ذمہ دار افسر ہم کو تحریر دے دیں کہ تم قادیان چھوڑ دو۔ پھر ہم اس سوال پر بھی غور کر لیں گے۔ مگر جب تک حکومت کے ذمہ دار افسر مُنہ سے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی کو یہاں سے نکالنا نہیں چاہتے اور ان کے نائب ہمیں دُکھ دے دے کر اپنے مقدس مقامات سے نکالنا چاہتے ہیں

اس وقت تک اُن کی کارروائی غیر آئینی کارروائی ہے اور ہم اسے کسی صورت میں بھی تسلیم نہیں کریں گے۔ مشرقی پنجاب سے اسلام کا نام مٹا دیا گیا ہے۔ ہزاروں ہزار مسجدیں آج بغیر نمازیوں کے ویران پڑی ہیں جن میں جُوئے کھیلے جاتے ہیں۔ شرابیں پی جاتی ہیں۔ بدکاریاں کی جاتی ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ کم سے کم ہم جب تک ہماری جان میں جان ہے مشرقی پنجاب میں قادیان کے ذریعہ سے محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا بلند رکھیں۔ اسلام کو بغیر قربانی کے ختم نہیں ہونے دینا چاہیئے۔ اسلام تو پھر جیتے گا ہی، احمدیت تو پھر بھی غالب ہی آئے گی۔ لیکن ہماری بدقسمتی ہوگی اگر ہم اپنے ہاتھوں سے اسلام کا جھنڈا چھوڑ کر بھاگیں۔ مَیں اگر قادیان سے باہر ہوں تو صرف اس لئے کہ جماعت نے کثرتِ رائے سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جماعت کی تنظیم اور اس کے کام چلانے کے لئے جب تک امن نہ ہو مجھے اور بعض ضروری دفاتر کو قادیان سے باہر رہنا چاہیئے تاکہ دُنیا کی جماعتوں کے ساتھ مرکز کا تعلق رہے۔ لیکن اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ جماعت کے نوجوان خدانخواستہ اس قربانی کو پیش کرنے کے لئے تیار نہیں جس کا مَیں اُوپر ذکر کر چکا ہوں تو پھر اُن کو صاف لفظوں میں یہ کہہ دینا چاہیئے۔ ہم ان کو باہر بُلا لیں گے اور خود ان کی جگہ جانیں دینے کے لئے چلے جائیں گے۔ ہمارا باہر آنا اپنی جانوں کو بچانے کے لئے نہیں بلکہ سلسلہ کے کام کو چلانے کے لئے ہے۔ اگر ہمارا باہر آنا بعض لوگوں کے ایمانوں کو متزلزل کرنے کا موجب ہو تو ہم سلسلہ کی شوریٰ کے فیصلہ کی بھی پرواہ نہیں کریں گے اور ان لوگوں کو جن کے دلوں میں ایمان کی کمزوری ہے اس کام سے فارغ کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ رکھتے ہوئے خود اس کام کو شروع کر دینگے میرا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ قادیان کے اکثر نوجوانوں میں کمزوری پائی جاتی ہے۔ مجھے کثرت کے ساتھ نوجوانوں کی یہ چٹھیاں آ رہی ہیں کہ وہ دلیری کے ساتھ اور ہمّت کے ساتھ ہر قربانی پیش کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ خود میرے بعض بیٹوں اور بعض دوسرے عزیزوں کی مجھے اس قسم کی چٹھیاں آئی ہیں کہ گو ان کا نام قرعہ کے ذریعہ باہر آنے والوں میں نکلا ہے مگر ان کو اجازت دی جائے کہ وہ قادیان میں رہ کر خدمت کریں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو بخشے جانے والے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو احمدیت اور اسلام کے جھنڈے کو دنیا میں بلند رکھیں گے۔ خواہ مارے جائیں خواہ زندہ رہیں۔

چاہیئے کہ صفائی کے ساتھ اور بار بار حکومت کو جتاتے رہو کہ ہم حکومت کے وفادار ہیں۔ اور ہم ایک اچھے شہری کے طور پر اس ملک میں رہنے کا وعدہ کرتے ہیں اور ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ مسٹر گاندھی اور مسٹر نہرو کی طرف سے اعلان ہو رہے ہیں وہ سچے ہیں جھوٹے نہیں۔ اس لئے ہم ان اعلانوں پر یقین رکھتے ہوئے قادیان میں بیٹھے ہیں۔ اگر ان اعلانوں کا کچھ اور مطلب ہے تو ہمیں کہہ دو کہ قادیان سے چلے جاؤ۔ لیکن اگر مسٹر گاندھی اور مسٹر نہرو کے بیانات صحیح ہیں تو پھر ان کے مطابق عمل کرو اور پُرامن شہریوں کو دق نہ کرو۔ اس طرح بار بار اُن پر حجت تمام کرتے رہو اور قید و بند اور قتل کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے ایمان کا ثبوت دو اور خدا تعالیٰ پر یقین رکھو کہ اوّل تو فتح اور نصرت کے ساتھ وہ تمہاری مدد کرے گا۔ لیکن اگر تم میں سے بعض کے لئے قید و بند یا قتل مقدر ہے تو خدا تعالیٰ تمہیں ابدی زندگی بخشے گا اور اپنے خاص شہداء میں جگہ دے گا اور کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی ایسی موت اس کی زندگی سے زیادہ شاندار نہیں۔ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کا حافظ و ناصر ہو اور تم کو ہر تنگی اور ترشی اور مصیبت اور ابتلاء میں صبر اور توکل اور ایثار کی توفیق بخشے اور تم اپنا ایمان نہ صرف خدا تعالیٰ کے سامنے سلامت لے جاؤ بلکہ اس کو نہایت خوبصورت اور حسین بنا کر خدا تعالیٰ کی خدمت میں پیش کرو تا خدا تعالیٰ تم سے اور تمہاری اولادوں سے (اگر کوئی ہیں) اس سے بھی زیادہ نیک سلوک کرے جتنا تم ان کی زندگی میں ان سے کر سکتے تھے“ [1]

حضرت امیر المومنینؓ کے مندرجہ بالا مضمون نے جو دینی غیرت، اولوالعزمی اور مردانگی و شجاعت کا شاہکار تھا، احمدیوں کے لہو کو اور بھی گرما دیا اور وہ تقدس اسلام کے لئے کٹ مرنے کو پہلے سے بھی زیادہ آمادہ و تیار ہو گئے۔

اس حقیقت کے ثبوت میں بطور نمونہ ایک احمدی خاتون کے قلبی تاثرات ملاحظہ ہوں۔ محترمہ جمیلہ بیگم صاحبہ نے اپنے خاوند محترم درویش خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب احمدی آف بمبئی کو لکھا:۔

”کل حضرت امیر المومنین کا ایک مضمون (”جماعت احمدیہ کے امتحان کا وقت“ الفضل ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء) شائع ہوا ہے وہ آپ کو بھیج رہی ہوں۔ گو پہلے بھی مَیں نے آپ کو قادیان

---

[1] ”الفضل“ ۱۴ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ و ۴۔

رہنے سے روکا نہیں تھا۔ لیکن کل حضور کا مضمون پڑھنے کے بعد میں نے سجدہ میں گر کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے اللہ میں اپنا سرمایہ شرح صدر سے تیرے رسُول کے تخت گاہ کی حفاظت کے لئے پیش کرتی ہوں اور اے میرے خدا تو قادر ہے تو ان کو دین کی خدمت کا موقع دیتے ہوئے بھی اپنی حفاظت میں رکھ۔ آمین۔ اس وقت میں زیادہ نہیں لکھ سکتی۔ اللہ تعالیٰ قادیان کو سلامت رکھے اور سلامتی کے ساتھ ہمیں ملائے۔ آمین۔ اللّٰھم آمین"[1]

فصل پنجم

حضرت مُصلح موعُود کی ہجرت پاکستان کے بعد قادیان اور اُس کے ماحول کے خُونچکاں اور دردناک حالات

سیدنا امیرالمومنین المصلح الموعود کی ہجرت کے بعد قادیان کی مقدس بستی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رُوحانی فرزند جلیل کی تخت گاہ اور اس کے ماحول پر کیا بیتی؟؟؟ اس دردناک، زہرہ گداز اور لرزہ خیز داستان (جو دراصل ہزاروں المانگیز حوادث کا مجموعہ ہے) کی جُملہ تفصیلات کو لکھنے کا ابھی موقعہ نہیں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔ تاہم ان پُرفتن ایام اور صبر آزما مشکلات کا کسی قدر اندازہ لگانے کے لئے اس پُرآشوب دَور کے واقعات پر تین پہلوؤں سے روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

اوّل۔ کوائف قادیان کا مختصر خلاصہ

دوم۔ قادیان پر حملہ اور اس کی ضروری تفصیلات

سوم۔ قادیان پر جبر و تشدد کا ایک جامع نقشہ

---

[1] خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب کا بیان ہے کہ "اس وقت میرے چار بچے عمر ۶ سال ۴ سال ۲ سال اور چھ ماہ میری اہلیہ کے ساتھ تھے اور چلتے وقت نقد روپیہ کی قلت کی وجہ سے صرف ۲۰/- روپیہ ساتھ دے سکا تھا اور میں نے خود عہ۶ر رکھے تھے اور بس۔ میرے بچے پرائیویٹ ٹرک میں ۲۲ ستمبر کو گئے تھے۔ اس خط میں میری اہلیہ نے اپنی اور بچوں کی خیریت تک کا ذکر نہیں کیا اور یہ ان کے جانے کے بعد پہلا خط مجھے ملا تھا۔"

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے دو[2] اہم مکتوب

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے سیدنا المصلح الموعودؓ کی ہجرت سے لیکر ۱۶ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء تک (یعنی قادیان سے آنے والے آخری کنوائے تک) کے حالات و واقعات کا ایک جامع اور حقیقت افروز خلاصہ روزنامچہ کی صورت میں تحریر فرمایا تھا۔

قبل اس کے کہ آپ کا لکھا ہوا یہ اہم خلاصہ درج کیا جائے ہم آپ کے دو مکتوبات حوالہ قرطاس کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ دونوں خطوط حضرت مصلح موعودؓ کے نام ہیں اور اس زمانہ کے ہیں جبکہ آپ، حضور کے حکم سے قادیان میں امیر مقامی کے بھاری اور نازک فرائض بجا لا رہے تھے۔ ایک خط آپ کے دور امارت کا پہلا یادگار خط ہے اور دوسرا آخری جس کے بعد آپ پاکستان میں تشریف لے آئے۔ یہ خطوط جن سے اس دور کے بہت سے تلخ حقائق کی تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے درج ذیل ہیں:۔

پہلا مکتوب

قادیان دارالامان — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدنا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کل ساڑھے چھ بجے کے قریب حضور کی خیریت سے لاہور پہنچ جانے کی اطلاع مل گئی تھی جس سے بھاری فکر دور ہوا۔ آج وقیع الزمان صاحب کے ذریعہ زبانی پیغام بھی ملا۔ آج قادیان کے ماحول میں پھر سکھوں کی نقل و حرکت زیادہ رہی۔ کیونکہ ایک تو راستے خشک ہیں اور دوسرے مسلمان ملٹری واپس جا رہی ہے . . . آج دو احمدی جو سیکھواں سے قادیان آرہے تھے تتلے اور سیکھواں کے درمیان سکھوں کے ہاتھ سے مارے گئے اور سٹھیالی پر بھی حملے کا آغاز ہے۔ کرٹری منقص کا ہنوان کو سخت خطرہ لاحق تھا۔ ملٹری نے ہمت کر کے پناہ گزینوں کو گورداسپور پہنچا دیا۔ بھامڑی میں کافی وسیع آغاز میں[1] ار سے دیکھی گئی۔ عالمے کا گاؤں جلا دیا گیا اور لوگ اٹھ کر پیچھے چھپی میں گئے مگر ملٹری کی واپسی کی وجہ (سے) وہاں بھی بہت ہراساں ہیں۔ آج کیپٹن[2] رائے بٹالے گیا ہوا ہے اور ابھی تک ملٹری عملاً واپس نہیں ہوئی کیونکہ اس سے چارج لینے والی ملٹری ابھی تک نہیں پہنچی۔ شاہ صاحب[3] واپس قادیان آگئے ہیں۔ انہیں صبح گورداسپور مرزا صاحب[4]

---

[1] نقل مطابق اصل۔ [2] مسلمان ملٹری کے انچارج۔ [3] حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ

[4] یعنی مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ گورداسپور جو حضرت شاہ صاحب کے ساتھ ۵ تبوک/ستمبر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کو لانے اور ضلع کے حکام سے ملاپ کرنے کے لئے بھیجا جائے گا۔

حضور کا خط حضور[1] کے تشریف لے جانے کے تین گھنٹے بعد شمس صاحب اور مولوی ابو العطاء صاحب کو پڑھا دیا گیا تھا اور شام کو جملہ صدر صاحبان کو پڑھا دیا گیا اور آج دوپہر کو مساجد میں سُنا دیا گیا۔ اثر بہت اچھا ہے اور اس کی وجہ سے کوئی گھبراہٹ نہیں مگر تعجب کر رہے ہیں کہ کس طرح علم ہونے کے بغیر حضور تشریف لے گئے۔

باقی سب خیریت ہے اور ہم سب دُعا کے طالب ہیں۔

فقط والسّلام

(دستخط) خاکسار مرزا بشیر احمد

۲ - ۹ - ۴۷

دوسرا مکتوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدنا حضرت امیر المومنین ایدکم اللہ تعالےٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے حضور کی طبیعت اچھی ہو گی۔ آج کا دن کچھ ہنگامی رنگ میں گذرا۔ صبح چھ بجے ہی پولیس اور ملٹری احمدیہ چوک میں پہنچ گئی اور بڑے گیٹ کھلوانے کے لئے آواز دی اور جب اس میں کچھ دیر ہوئی تو ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کے مکان کی ساتھ والی دکانوں کی چھتوں پر سے کود کر احمدیہ چوک میں پہنچ گئے اور ہمارے مکانات کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی تحریک جدید کے دفاتر اور سید ناصر شاہ صاحب کے مکان کا بھی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) (۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء) کو قادیان پہنچ گئے۔ مرزا صاحب موصوف نے وہاں مسلم پناہ گزینوں کو پاکستان بھجوانے کی قابل قدر خدمات انجام دی تھیں بلکہ عین اسی روز گورداسپور سے مسلمانوں کا آخری قافلہ جو تیرہ ہزار نفوس پر مشتمل تھا روانہ ہو چکا تھا اور آپ یہ خدمت پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے بعد قادیان تشریف لائے تھے۔ آپ کو گورداسپور کیمپ کے احمدی پناہ گزینوں کی امداد کے بھی متعدد مواقع ملے۔

[1] حضور کا یہ خط جو پیغام کی صورت میں تھا تاریخ احمدیت جلد دہم میں آچکا ہے۔

چاروں طرف نظر رکھنے والی) فوج کی ایک مسلح پارٹی مینار پر چڑھ گئی۔ تھوڑی دیر میں ہی سیّد ناصر شاہ صاحب کے مکان اور سیّدہ ام طاہر احمد مرحومہ کے مکان میں ملٹری اور پولیس گھس گئی اور چابیاں منگوا کر تلاشی شروع کرا دی اور اس کے بعد تھوڑی دیر میں ام طاہر مرحومہ کے اُوپر والے صحن اور خلیل والے مکان اور لجنہ کے دفاتر میں بھی پولیس اور ملٹری پہنچ گئی اور پھر میرے مکان سے ہوتے ہوئے عزیز حمید احمد کے چوبارے میں جا پہنچی اور نگرانی کے لئے میرے مکان کے صحن میں ایک فوجی متعین کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے پولیس اور ملٹری نے داخل ہو کر مطالبہ کیا کہ حضور کا اوپر والا دفتر کھلوایا جائے کہ اس کی بھی تلاشی لی جائے گی چنانچہ عزیز منور احمد کو بھیج کر دفتر کھلوا دیا گیا اور مرزا عبدالحق صاحب اور عزیزم منور احمد کی موجودگی میں حضور کے تینوں کمروں کی تلاشی ہوئی مگر کوئی چیز قابل اعتراض برآمد نہیں ہوئی۔ ام طاہر مرحومہ کے مکان میں سے حضور کی بندوق تلاش کرنے والوں نے طاہر کے پاس سے اپنے قبضہ میں کر لی اور لائسنس کا مطالبہ کیا اور چونکہ اس وقت تک لائسنس نہیں ملا تھا (جو تھوڑی دیر بعد عزیز داؤد نے لاہور سے پہنچایا) اس لئے بندوق اپنے ساتھ رکھ لی اور کہا کہ لائسنس دیکھنے کے بعد فیصلہ کریں گے۔ اسی طرح عزیز حمید احمد کے چوبارے میں سے میاں محمد احمد کی ۲۲ بور بندوق تلاشی والوں نے اپنے قبضہ میں کر لی اور باوجود اس کے کہ لائسنس موجود تھا یہ جواب دیا کہ کپتان صاحب لائسنس دیکھ کر فیصلہ کریں گے۔ عزیز حمید احمد کے چوبارے سے صاحبزادہ عبدالحمید ٹوپی کے سُوٹ کیس میں سے ایک ریوالور بھی برآمد ہوئی جس کا لائسنس بھی موجود تھا مگر سرسری مقابلہ میں ریوالور کا نمبر لائسنس کے درج شدہ نمبر سے نہیں ملتا تھا۔ یہ بھی ملٹری اور پولیس نے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ سیّد ناصر شاہ صاحب والے مکان میں انگیٹھی کے اندر سے برچھیوں کے بھالے نکلے اور چند بندوق کے کارتوس، یہ بھی قبضہ میں کر لئے گئے۔ تحریک جدید کے دفتر میں سے چند فوجی تھیلے برآمد ہوئے جو غالباً DISPOSAL سے خریدے ہوئے تھے ان پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ ان کے علاوہ کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی۔ جن مکانوں کی تلاشی ہوئی وہ یہ ہیں۔

(۱) سیّدہ ام طاہر احمد کا سارا مکان مع مکان خلیل احمد

(۲) میرا مردانہ اور عزیز احمد کا بالاخانہ

(۳) مکان ام وسیم احمد

(۴) مکان سید ناصر شاہ صاحب

(۵) حضور کا دفتر

(۶) پرائیویٹ سکرٹری کا دفتر

(۷) تحریک جدید کا دفتر

(۸) لجنہ کا دفتر

(۸)[ؑ] مولوی عبداللہ صاحب اعجاز کا مکان (غالباً)

(۹) محمد امین خاں بخارائی صاحب کا مکان

(۱۰) بابو نور احمد سابق ریویو مکان اور

(۱۱) مہر دین آتشباز کا مکان

تلاشی میں دو برچھیاں پرائیویٹ سیکرٹری کے پہرہ دار کے کمرہ سے نکلیں جو باہر سے مقفل تھا سیّدہ ام طاہر کے بالاخانہ عزیز ظفر احمد اور میاں شریف احمد کا اسباب آیا ہوا تھا۔ اس کے کھلوانے میں کچھ دیر ہوئی تو پولیس اور ملٹری نے بعض قفل توڑ دیئے۔ لجنہ کے دفتر میں سے ایک [illegible] KNIFE نکلا اور لجنہ کے دفتر کے ساتھ والے کمرہ میں ۱½، ۲ فٹ زمین کھود کر تسلّی کرنی چاہی کہ یہاں کچھ دبایا ہوا تو نہیں مگر کچھ نہیں ملا۔ غرض یہ تلاش قریباً ۱۱ بجے تک ہوتی رہی اور حضرت اماں جان اور ام ناصر احمد صاحب کے مکان کے علاوہ پولیس اور ملٹری ہر جگہ پہنچی۔ ہمارے آدمی مرزا عبدالحق صاحب اور مولوی عبدالرحمٰن جٹ صاحب اور سید محمود اللہ شاہ صاحب اور محمد عبداللہ خاں صاحب سب انسپکٹر اور ملک غلام فرید صاحب اور بعض پیچھے ساتھ تھے۔ فوجی کپتان اور سردار ہزارہ سنگھ بھی تلاشی میں ساتھ تھے گو سارا وقت ساتھ نہیں رہے۔ فوجی صوبیدار عموماً ہمدرد رہا اور اس قسم کے ریمارکس کئے کہ بات کچھ نہیں یونہی شرفاء کو تنگ کرنے والی بات ہے۔ تلاشی کے وقت

[ؑ] نقل مطابق اصل (مرتب)۔

پولیس نے لالہ ہری رام کو ملا کر ساتھ رکھا تھا اور اس کا رویہ بظاہر اچھا رہا بلکہ بعد میں مجھے پیغام بھیجا کہ مجھے پولیس مجبور کر کے اور مار کر ساتھ لائی۔ الغرض چار گھنٹے تک یہ ہنگامہ رہا پولیس کے سپاہیوں میں سے بھی بعض کا رویہ اچھا تھا اور بعض کا خراب۔ مَیں اور میاں ناصر احمد اور مرزا عزیز احمد صاحب اور بعض دوسرے بچے اس وقت مصلحتاً حضرت اماں جان کے مکان میں رہے اور پولیس اور ملٹری ادھر ادھر جاتے ہمیں دیکھتی رہی مگر اس طرف نہیں آئی چونکہ بعد میں حضور کا لائیسنس پہنچ گیا تھا اس لئے مرزا عبدالحق صاحب کے ہاتھ یہ لائیسنس اور میاں محمد احمد صاحب والا لائیسنس پولیس اسٹیشن میں بھجوا دیئے گئے تاکہ مقابلہ کر کے تسلّی کر لیں۔ صاحبزادہ عبدالحمید والا لائیسنس پہلے سے دے دیا گیا تھا مگر ابھی تک کوئی ہتھیار واپس نہیں ملا۔ اور آئندہ کا علم نہیں۔ یہ ہتھیار ملٹری کیمپ میں ہیں۔

کچھ عرصہ بعد ایک ذریعہ سے جو بظاہر پختہ تھا اطلاع ملی کہ میری گرفتاری کے احکام جاری ہو چکے ہیں مگر یہ معلوم نہیں ہوا کہ الزام کیا رکھا گیا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ شاید صاحبزادہ عبدالحمید کے ریوالور کے تعلق میں کوئی بات ہو یا SAFETY ORDINANCE کے ماتحت کوئی حکم ہو یا کوئی اور بات بنالی گئی ہو اور ساتھ ہی اطلاع ملی کہ بٹالہ کا D.S.P ایک گارد کے ساتھ قادیان پہنچ رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی مقامی پولیس نے کہلا بھیجا کہ D.S.P چار بجے قادیان پہنچ رہے ہیں۔ جماعت کے نمائندے پولیس اسٹیشن میں آکر ملیں۔ چنانچہ مرزا عبدالحق صاحب، راجہ علی محمد صاحب، سیّد محمود اللہ شاہ صاحب، مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ اور ملک غلام فرید صاحب پولیس اسٹیشن میں کافی عرصہ انتظار کرتے رہے اور اس عرصہ میں بٹالہ سے پولیس کی ایک موٹر بھی آئی مگر وہ سیدھی ملٹری کیمپ میں چلی گئی۔ معلوم نہیں اس میں کون تھا۔ البتہ اس میں کچھ ایڈیشنل پولیس تھی۔ اس کے بعد اب تک کوئی مزید کارروائی نہیں ہوئی۔ گو مَیں نے مرزا عزیز احمد صاحب کو امارت کا چارج سمجھا دیا تھا اور بچوں کی تسلّی کے لئے بھی انہیں نصیحت کی گئی اور جو دوست موجود تھے یا یہ خبر سُن کر آگئے انہیں تسلّی دی گئی اور ان کی ہمدردی کی گئی۔ دوستوں پر اس خبر کا بہت بھاری اثر تھا اور سب نے استقلال اور رضا بقضا کا ثبوت دیا اور تضرّع کے ساتھ دعا کی۔ رات

کے ۱/۲ ۔ ۱ بجے میں کرفیو لگا ہوا ہے مگر بعض دوست آج میرے مکان پر ہی ٹھیر گئے ہیں۔ تا اگر رات کو کوئی واقعہ ہو تو دُعا کے ساتھ رخصت کر سکیں۔ باقی میں خدا کے فضل سے خدا کی رضا میں راضی ہوں اور حضور سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر یہی خُدا کی مرضی ہے تو مجھے اس امتحان میں ثابت قدمی اور سرخروئی کے ساتھ گذرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آج معلوم ہوا ہے کہ گذشتہ شام کو چودھری عبدالباری صاحب نائب ناظر بیت المال کو گرفتار کر لیا گیا ہے[۵۵] جو اپنی موٹر لے کر کنوائے کے ساتھ باہر جانا چاہتے تھے۔ الزام کا یقینی طور پر علم نہیں ہو سکا۔ لیکن سُنا ہے کہ موٹر کا لائیسنس اور PERMIT نہیں تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان کے ساتھ ۱۵-۲۰ ہزار روپیہ کا زیور بھی تھا جس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ مگر یہ خبر ابھی تک مصدقہ نہیں ہے۔ مَیں حضور کی خدمت میں یہ لکھنا بھُول گیا کہ چار دن ہوئے سیّد محبوب عالم صاحب بہاری برادر اکبر سید محمود عالم صاحب صبح کی نماز کے بعد اپنے گھر سے سیر کے لئے نکلے تھے اور ابھی تک باوجود تلاش کے لاپتہ ہیں۔ یہ جمعہ کے دن صبح کی بات ہے۔ غالب گمان ہے کہ وہ سکھوں کے ہاتھ سے قتل ہو چکے ہیں۔

عزیز داؤد احمد دو ٹرک لے کر آیا ہوا ہے اور صبح واپس جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ اگر مَیں آج رات گرفتاری سے محفوظ رہا تو داؤد کے ساتھ میاں ناصر احمد صاحب اور بعض دوسرے بچوّں کو جن کا باہر جانے کا قرعہ نکلا ہوا ہے لاہور بھجوا دیا جائے گا۔ دوستوں کا اب یہی مشورہ ہے اور بہرحال جب حضور کی سکیم پر عمل کرنا ہے تو پھر قرعوں کا بھی نتیجہ یہی ہے۔

دوسرے بچوّں کے قرعہ کے نتیجہ میں مَیں نے عارضی طور پر کچھ تبدیلی کی ہے۔ قرعہ میں رہنے والے یہاں بہ نکلے تھے۔ عزیز ظفر احمد، عزیز مجید احمد، عزیز حفیظ احمد/عزیز طاہر احمد

---

۵۵ چودھری صاحب ۲۱ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو گورداسپور جیل سے رہا ہو کر ۲۳ اخاء کی شام کو سیالکوٹ پہنچے اور ۲۴ اخاء/اکتوبر کو لاہور آئے۔ آپ اپنے ساتھ گورداسپور جیل سے حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور چودھری شریف احمد صاحب باجوہ کے خطوط جو سیدنا امیرالمومنین حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے نام تھے اپنے ہمراہ لائے جن سے ان کے کوائف کا علم ہوا۔

عزیز انور احمد، عزیز مسعود احمد اور عزیز محمد احمد خاں۔ مَیں نے اس بیں حضور کے ارشاد کی وجہ سے محمد احمد کی تبدیلی کے علاوہ دوستوں اور بچوں کے مشورہ سے مندرجہ ذیل تبدیلی مجھوتہ کے ساتھ کر دی ہے اور اب یہاں کم از کم عارضی طور پر ذیل کے بچے یہاں ٹھہریں گے۔

عزیز مبارک احمد، عزیز منور احمد، عزیز ظفر احمد، عزیز مجید احمد، عزیز میر داؤد احمد، گو فی الحال عزیز اظہر احمد اور طاہر احمد کو بھجوا رہا ہوں یا حضور کے ارشاد کے ماتحت محمد احمد کو۔ باقی انشاء اللہ آہستہ آہستہ تکمیل سکیم کے لئے روانہ کئے جائیں گے۔

بالآخر دعا کے لئے عرض ہے۔ یہ خط ساڑھے گیارہ بجے شب تحریر کیا گیا ہے اللہ تعالےٰ یہاں کا اور وہاں کا حافظ و ناصر ہو۔ والسلام

خاکسار

(دستخط) مرزا بشیر احمد

۹/۴۷ ۲۲ [۱]

روزنامچہ قادیان

از یکم تبوک/ستمبر تا ۱۶ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے مندرجہ بالا خطوط کے بعد اب آپ کا مرتبہ روزنامچہ قادیان درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

۲ ستمبر ۱۹۴۷ء۔ مسلمان گاؤں سٹھیالی پر جہاں خود حفاظتی کے خیال سے علاقہ کے اور کئی مسلمان دیہات بھی جمع تھے سکھوں کے حملہ کا آغاز ہوا جس میں جمعدار محمد اشرف احمدی شہید ہوئے۔ [۲]

---

[۱] مکتوب کی عبارت جناب ملک غلام فرید صاحب کی ڈائری سے معلوم ہوئی ہے اور متن کا حضرت میاں صاحب کے قلم سے ہے۔

[۲] جمعدار صاحب مرحوم احمدیہ کمپنی ۸/۱۵ پنجاب رجمنٹ سے جنوری ۱۹۴۷ء میں فارغ ہوئے اور قادیان تشریف لے آئے تھے۔ ۲۵ اگست ۱۹۴۷ء کو آپ نے حفاظت سلسلہ کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ ۲۶ اگست کو جناب شیر ولی صاحب کے حکم سے صوبیدار عبدالمنان صاحب دہلوی، عبدالسلام صاحب سیالکوٹی، حوالدار میجر محمد یوسف صاحب گجراتی، محمد اقبال صاحب عبدالقادر صاحب کھارے والے، غلام رسول صاحب سیالکوٹی، فضل احمد صاحب اور عبدالغفار صاحب کے ہمراہ سٹھیالی روانہ کئے گئے جہاں سکھوں نے رائفل، سٹین گن، برین گن اور گرنیڈ ۳۶ کا بے دریغ استعمال کیا۔ جمعدار محمد اشرف صاحب اور صوبیدار عبدالمنان صاحب دہلوی اور محمود احمد صاحب عارف تینوں بڑی بہادری دلیری اور جرأت سے دفاع کر رہے تھے کہ یکایک برین گن کا ایک برسٹ جمعدار محمد اشرف صاحب کے سر پہ لگا اور آپ اپنے مولائے حقیقی کے حضور پہنچ گئے۔ اس معرکہ میں صوبیدار عبدالمنان صاحب زخمی ہوئے اور آپ کے سینے اور منہ پر گولیاں لگیں۔ اسی طرح فضل احمد صاحب کے گھٹنے میں مشین گن کی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۴؍ستمبر ۱۹۴۷ء۔ قادیان کے مشرقی جانب مواضعات بگول اور خوشحال پور وغیرہ کے سات احمدی نہر کے پُل پر کاہنوان کی پولیس نے گولی مار کر شہید کر دیئے۔

۵؍ستمبر ۱۹۴۷ء۔ قادیان کے جنوبی جانب مراد پورہ گاؤں کا ایک احمدی سکھوں نے شہید کر دیا اور بعض دوسرے احمدیوں کے اموال لوٹ لئے۔

۸؍ستمبر ۱۹۴۷ء۔ بٹالہ میں قادیان کے تین احمدی نوجوان جو ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو ایک چٹھی پہنچانے کے لئے جا رہے تھے خاکی لباس پہننے کی وجہ سے گرفتار کر لئے گئے اور ان کے موٹر سائیکل چھین لئے گئے۔[ل]

۹؍ستمبر ۱۹۴۷ء۔ قادیان کے گرد و نواح میں جیپ گاڑیوں کی نقل و حرکت ممنوع قرار دے دی گئی۔[اور]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) گولی پیوست ہوگئی جو قادیان میں ڈاکٹر میجر شاہ نواز خان صاحب نے اپریشن کر کے نکالی۔
یہاں ضمناً یہ بتانا بھی مناسب ہوگا کہ ان ایام میں چونکہ روز بروز گرد و نواح سے آنے والے زخمی مسلمانوں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہو رہا تھا اس لئے حضرت میاں بشیر احمد صاحب کی اپیل پر تمام احمدی ڈاکٹروں نے اپنی خدمات زخمیوں کی امداد کے لئے رضاکارانہ طور پر پیش کر دی تھیں حضرت میاں صاحبؓ نے اپنی اپیل میں فرمایا:۔

"احمدی ڈاکٹروں کا فرض صرف اس حد تک محدود نہیں ہے کہ زخمیوں کو امداد پہنچائیں بلکہ ہر جہت سے اُن کے آرام کا خیال رکھنا اور انہیں بروقت خوراک وغیرہ مہیا کرنا اور اُن میں اچھی رُوح کو قائم رکھنا اور اُن کے ساتھ ہر رنگ میں ہمدردی کے ساتھ پیش آنا بھی ڈاکٹروں کے فرض میں شامل ہے"

نیز انہیں یقین دلایا کہ

"اگر انہیں خرچ کا خیال ہو تو میں اس بات کی ذمہ واری لیتا ہوں کہ انشاءاللہ سلسلہ کی طرف سے تمام ضروری اور معقول خرچ برداشت کیا جائے گا"

ل حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے ان میں سے دو احمدی جوانوں کا ذکر اپنی سالانہ رپورٹ ۱۳۲۶-۲۷ ہش / ۱۹۴۷-۴۸ء میں بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

"ضلع کے حکام کو بار بار لکھا گیا میں خود خطرناک حالات میں اس غرض سے دو بار گورداسپور گیا اور پھر موٹر سائیکل پر مستری احمد علی صاحب اور عبدالکریم صاحب پسر بابا نظام الدین کو اپنی ضروری چٹھیوں کے ساتھ گورداسپور ڈی۔سی اور ڈسٹرکٹ بریگیڈیئر کے پاس بھیجا۔ یہ دونوں نوجوان گرفتار کر لئے گئے اور انہیں جیل میں ٹھونسا گیا" (رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۱۳۲۶-۲۷ ہش / ۱۹۴۷-۴۸ء صفحہ ۴۲)

تیسرے احمدی جو اُن کے ساتھ قید ہوئے محمد یحیٰی صاحب سرساوی تھے۔ یہ تینوں پہلے بٹالہ اور پھر گورداسپور میں قریباً ایک ماہ تک جیل میں رکھے گئے آخر یکم/۲ الحمد ہو دوگ جیل کی سختیاں جھیلنے کے بعد گورداسپور سے رہا ہو کر بٹالہ لائے گئے جہاں سے ایک مسلمان قافلہ کے ساتھ پاکستان پہنچے مستری احمد علی صاحب کا بیان ہے کہ میں گورداسپور جیل سے حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کے بعض ضروری کاغذات بھی لایا تھا جو میں نے رتن باغ پہنچتے ہی حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بھجوا دیئے۔ ادھر یہ کاغذات پہنچے اُدھر حضور بنفس نفیس سیڑھیوں میں تشریف لے آئے اور آتے ہی فرط محبت سے بغلگیر ہوگئے اور دیر تک مجھے اپنے سینہ سے لگائے رکھا اور حالات دریافت فرمانے کے بعد متعلقہ کارکنوں کو ارشاد فرمایا کہ ان کے کھانے پینے اور علاج معالجہ کا انتظام کیا جائے چنانچہ حضور کے اس فرمان مبارک کی پوری تعمیل کی گئی۔

چونکہ ہمارے پاس زیادہ تر جیپ گاڑیاں ہی تھیں اس لئے قادیان کے احمدیوں کی نقل وحرکت بالکل بند ہوگئی۔

۱۱-۱۲ستمبر ۱۹۴۷ء۔ ماحول قادیان کے بہت سے دیہات خالی ہو کر قادیان پہنچ گئے جس سے بالآخر قادیان میں پناہ گزینوں کی تعداد ۵۰ ہزار تک جا پہنچی اور قادیان کا ہر مکان اور ہر باغ ہر میدان اور ہر راستہ عملاً پناہ گزینوں کا کیمپ[۱] بن گیا۔

۱۲ستمبر ۱۹۴۷ء۔ قادیان میں متعینہ فوج[۲] نے باہر جانے والے پناہ گزینوں کی تلاشی شروع کر دی اور جلد بعد اس تلاشی کے دوران میں لائسنس والے اسلحہ کو بھی چھیننا شروع کر دیا۔[۳]

۱۳ستمبر ۱۹۴۷ء۔ چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے، ایم ایل اے ناظر مقامی تبلیغ کو بے بنیاد الزام پر دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند کے ماتحت گرفتار کر لیا گیا۔[۴]

۱۴ستمبر ۱۹۴۷ء۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ جماعت احمدیہ کو بے بنیاد الزام پر دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند کے ماتحت گرفتار کر لیا گیا۔[۵]

---

[۱] مندرجہ ذیل مقامات خاص طور پر مسلم پناہ گزینوں کی رہائش گاہ بنے ہوئے تھے۔ نصرت گرلز ہائی سکول، تعلیم الاسلام ہائی سکول، تعلیم الاسلام پرائمری سکول، دارالانوار کے بعض مکانات، برآمدہ تعلیم الاسلام کالج۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ۱۰ستمبر ۱۹۴۷ء کو مولانا جلال الدین صاحب شمس اور مولانا ابوالعطاء صاحب کے ساتھ ان جگہوں کا دورہ بھی کیا۔

[۲] حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ امیر مقامی نے ۱۱ستمبر ۱۹۴۷ء کو حضرت سیدنا المصلح الموعود کی خدمت میں لکھا کہ

"قادیان کی نئی ملٹری جو آج آئی ہے راجپوتوں کی ہے اور بلا استثناء سب کی سب ہندو ہے یعنی کیپٹن بھی اور ماتحت افسر بھی اور سپاہی بھی اور مزید یہ ہے کہ کیپٹن وہی ہے جو گورداسپور میں تھا اور سٹھیالی میں احمدیوں کے خلاف بہت کچھ کارروائیاں کرتا رہا ہے۔ ملٹری کی درجہ بدرجہ تبدیلی میں مجھے ایک سوچی ہوئی تدبیر کا پہلو نظر آتا ہے۔ سب سے پہلی ملٹری کا افسر بھی مسلمان تھا اور سپاہی بھی۔ دوسری ملٹری کا افسر غیر مسلم تھا۔ مگر سپاہی سب کے سب مسلمان تھے۔ تیسری ملٹری کا افسر غیر مسلم اور سپاہی قریباً نصف مسلمان تھے اور نصف غیر مسلم۔ اور اب جو ملٹری آئی ہے اس کا افسر بھی غیر مسلم ہے، ور سب کے سب سپاہی بھی۔ غالباً پولیس نے حکام میں خلاف رپورٹیں کر کے یہ صورت حال پیدا کی ہے۔"

[۳] اس تاریخ کو جمعہ تھا مگر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے حالات کی نزاکت کے مدنظر ہدایت فرمائی کہ جمعہ ہر محلہ کی مسجد میں ہوگا۔ مسجد اقصیٰ میں مولانا شمس صاحب نے جمعہ پڑھایا۔

[۴] چودھری صاحب کو سری گوبند پور کی پولیس نے قادیان میں آکر گرفتار کیا اور الزام یہ رکھا کہ آپ نے موضع ڈھیجی میں سابق ملٹری کی معیت میں کسی سکھ کو گولی کا نشانہ بنایا ہے حالانکہ یہ محض ایک بے بنیاد بات تھی۔

[۵] حضرت شاہ صاحب نے اپنی کتاب "حیات الآخرۃ" میں اپنے زمانہ اسیری کے بعض نہایت روح پرور واقعات لکھے ہیں۔

۱۶ ستمبر ۱۹۴۷ء۔ محلہ اسلام آباد متصل آریہ سکول قادیان پر سکھوں نے حملہ کیا اور محمد شریف احمدی کو شہید کر دیا۔

۱۷ ستمبر ۱۹۴۷ء۔ مقامی امیر نے صحابہ کی جماعت کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار پر جا کر اجتماعی دعا کی کہ اے خدا تُو جماعت کے مقدس مرکز کو دشمنوں کے حملہ سے محفوظ رکھ اور اگر تیرے ازلی علم میں یہ حملہ کسی وجہ سے مقدر ہے تو ہمیں صبر و رضاء کے مقام پر قائم رکھ۔[۱]

۱۸ ستمبر ۱۹۴۷ء۔ عزیزم مکرم میاں شریف احمد صاحب کو ان کی علالت کی وجہ سے موٹر کنوائے میں لاہور بھجوا دیا گیا۔

۱۹ ستمبر ۱۹۴۷ء۔ محلہ دارالسعتہ قادیان پر پولیس کی امداد سے سکھ جتھوں نے حملہ کیا اور اسے زبردستی خالی کرا لیا گیا۔[۲]

بہشتی مقبرہ کے ملحقہ گاؤں ننگل باغباناں کو سکھوں نے خالی کرا لیا۔

۱؎ قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ایک بار اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا:۔
"مَیں جب ایک دن قادیان میں صحابہ اور دوسرے بزرگان کی ایک جماعت کو لے کر بہشتی مقبرہ میں دُعا کے لئے گیا تو حضرت مسیح موعودؑ کے مزار کو دیکھ کر میرے منہ سے بے اختیار یہ مصرعہ نکلا کہ

مصرعہ: اے سیدِّ الورٰی مددے! وقتِ نصرت است

اس شعر کے دوسرے مصرعہ (در بوستاں سرائے تو کس باغباں نہ ماند) کے پڑھنے کی مجھے ہمت نہیں ہوئی اور مَیں نے دل میں کہا کہ جب دشمن اپنی مادّی طاقت کے مظاہرہ سے ہمیں ختم کرے گا تو پھر اس وقت قادیان سے باہر کے دوست اسے پڑھنے کا حق رکھیں گے"
(الفضل ۵ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴)

۲؎ ۱۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو سیّد محبوب عالم صاحب بہاری قادیان میں شہید کئے گئے۔ سیّد صاحب جو ایک نیک اور بے نفس بزرگ تھے ۱۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کی صبح کی نماز کے بعد ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ سیر کے لئے گئے۔ لیکن ڈی۔اے۔وی سکول قادیان کے قریب موضع رام پور کے مقابل پر کسی نے انہیں گولی کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا۔ شروع میں تو ان کی شہادت مشکوک رہی اور انہیں لاپتہ تصور کیا جاتا رہا۔ لیکن اس واقعہ کے تین دن بعد ایک مسلمان دیہاتی نے جو پناہ گزین کے طور پر باہر سے آیا تھا سیّد صاحب کے داماد سیّد صادق حسن صاحب کو بتایا۔ مَیں نے اس اس حلیہ کی ایک مسلمان نعش جس کے گلے میں نیلا کُرتہ تھا ریلوے لائن کے قریب دیکھی ہے۔ چونکہ سیّد صاحب مرحوم اسی طرف سیر کو گئے تھے اور یہ حُلیہ بھی اُن سے ملتا تھا۔ اس لئے اس رپورٹ میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔"
(الفضل ۱۰ تبلیغ/ فروری ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳ کالم ۴)

۲۰ر ستمبر ۱۹۴۷ء۔ موضع قادر آباد مشمولہ قادیان پر سکھ جتھوں نے حملہ کیا اور پولیس کی امداد سے خالی کرا لیا۔

قادیان میں متعینہ ہندو ملٹری نے ان ٹرکوں کی سواریوں میں دخل اندازی شروع کر دی جو پاکستان حکومت کی طرف سے قادیان بھجوائے جاتے تھے جس کے نتیجہ میں کئی کنوائے جزواً اور ایک کنوائے کلیتہً ہمارے ہاتھ سے چھین لیا گیا۔

۲۱ر ستمبر ۱۹۴۷ء۔ چوہدری عبدالباری صاحب بی۔اے نائب ناظر بیت المال کو بے بنیاد الزام پر سیفٹی آرڈی ننس کے ماتحت قادیان سے لاہور آتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا اور ان کی پرائیویٹ موٹر کار معہ قیمتی سامان کے ضبط کر لی گئی۔

قادیان میں بلا کسی جائز وجہ کے کرفیو[۱] لگا دیا گیا جو شروع میں ۸ بجے شام سے لے کر چھ بجے صبح تک رہتا تھا مگر بعد میں وسیع کر دیا گیا اور پھر تو یہ حال تھا کہ پولیس جب چاہتی تھی کسی مصلحت سے دن کے اوقات میں بھی کرفیو لگا دیتی تھی مگر ہندو سکھ عملاً آزاد ہوتے تھے۔[۲]

۲۲ر ستمبر ۱۹۴۷ء۔ پولیس اور ملٹری نے حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے مکانات اور دفتر اور خاکسار مرزا بشیر احمد کے مکان کی تلاشی لی اور یہ تلاشی صبح ۶ بجے سے لے کر دن کے گیارہ بجے تک جاری رہی اور ہمارے مکانات کے تمام حصوں اور ملحقہ رستوں میں مسلح پولیس اور ملٹری کا پہرہ لگا دیا گیا۔ تلاشی میں ٹرنکوں، پیٹیوں اور الماریوں وغیرہ کے قفل توڑ توڑ کر ہر چیز کو غور سے دیکھا گیا اور بعض کمروں کے فرشوں کو اکھیڑ اکھیڑ کر بھی تسلی کی گئی کہ وہاں کوئی قابلِ اعتراض چیز تو دبائی ہوئی نہیں۔ پولیس اور ملٹری جیسا کہ قاعدہ ہے اپنی تلاشی دینے کے بغیر اور زنانہ مکانوں میں پردہ کرانے کے بغیر جس حصہ میں چاہتی تھی گھس جاتی تھی۔ مگر کوئی قابلِ اعتراض چیز برآمد نہیں کر سکی۔ البتہ لائسنس والا ہتھیار جو بھی نظر آیا اُسے اُٹھا کر لے گئی۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ کی ایک شارٹ گن، خان محمد احمد خان کی

---

[۱] کرفیو کا نفاذ دراصل قادیان پر براہ راست تشدد کا آغاز تھا جس کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ احمدیوں اور دوسرے مسلمانوں کو صبح اور مغرب وعشاء کی نمازیں مسجدوں میں ادا کرنے کی عملاً ممانعت کر دی گئی۔

[۲] "الفضل" (لاہور) ۱۷ر صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔

ایک بائیس[۲۲] بور رائفل اور عزیز مرزا حمید احمد کا ایک پستول لائیسنس دکھانے کے باوجود ابھی تک واپس نہیں کیا گیا۔

۲۳؍ستمبر ۱۹۴۷ء۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کے حکم کے ماتحت خاکسار مرزا بشیر احمد عزیز میجر داؤد احمد کی اسکورٹ میں قادیان سے روانہ ہو کر لاہور آگیا۔[۱] میرے پیچھے حضرت صاحب کے ارشاد کے ماتحت مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔اے مقامی امیر مقرر ہوئے۔

۲۴؍ستمبر ۱۹۴۷ء۔ عزیز مرزا ناصر احمد سلمہ ایم۔اے پرنسپل تعلیم الاسلام کالج قادیان اور حضرت امیر المومنین ایدہٗ کے بڑے صاحبزادے کے مکان "النصرۃ" واقعہ دارالانوار قادیان کی تلاشی لی گئی مگر کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہیں ہوئی۔

۲۴؍ستمبر ۱۹۴۷ء۔ پولیس نے محلہ دارالشکر قادیان کے متعدد مکانات کی تلاشی لی اور گو کوئی قابلِ اعتراض چیز برآمد نہیں ہوئی مگر ہزاروں روپے کے زیورات اور نقدی اور دیگر اشیاء

لہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی قبل ازیں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو بغرض مشورہ آنے کا ارشاد فرما چکے تھے جس پر حضرت قمر الانبیاء نے حضور کی خدمت میں لکھا تھا:۔

"مجھے تو حضور نے جب سے قادیان سے جاتے ہوئے امیر مقرر فرمایا تھا میں نے اس وقت سے سمجھ لیا تھا اور دل میں عہد کر لیا تھا کہ اب یہ زندگی اور موت کی بازی ہے۔ انشاء اللہ اسے خدا کی توفیق کے ساتھ نباہنے کی کوشش کروں گا اس لئے میں تو صرف اس وقت باہر جاؤں گا جبکہ حضور کا معیّن حکم ہوگا مگر میرا خیال ہے کہ میاں ناصر احمد کو جلد باہر بھجوا دیا جائے کیونکہ ان کے متعلق قانونی پیچیدگی کا زیادہ اندیشہ ہے"

سیدنا المصلح الموعود کی طرف سے ۲۰ر تبوک/ستمبر کو ہدایت پہنچی کہ مسجد مبارک کا قرعہ فوراً ڈال لیا جائے اور اگر مرزا بشیر احمد صاحب کا نام اس قرعہ میں نکل آئے تو انہیں فوراً بھجوا دیا جائے۔ اس پر جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں۔ آپ کے دل پر بھاری بوجھ پڑ گیا کہ میں کام کی تکمیل سے قبل میدانِ عمل سے باہر جا رہا ہوں (الفضل ۵ر اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۴) اسی پریشانی کے عالم میں آپ نے حضور کی خدمت میں لکھا کہ

"حضور کا ارشاد بہر حال قابل تسلیم ہے مگر میں اس وقت عجیب دبدہ میں ہوں کیونکہ ایک طرف تو حضور والی تفصیلی سکیم صدر صاحبان کو بتلا تو دی گئی ہے اور بعض دوسرے اصحاب کے علم میں بھی آ گئی ہے مگر حسب ہدایت ابھی مساجد میں اعلان نہیں ہوا۔ اور میں ڈرتا ہوں کہ عام اعلان کے ہونے اور لوگوں کے اس سکیم کو جذب کر لینے سے قبل میرا یہاں سے جانا گھبراہٹ کا باعث نہ ہو۔ . . . مگر بہر حال حضور کا ارشاد مقدم ہے اور میں نے شمس صاحب اور مولوی ابوالعطاء صاحب اور میاں ناصر احمد صاحب کی ایک کمیٹی بنا دی ہے کہ وہ اس معاملہ میں رائے دیں" مگر یہ کمیٹی بھی غور و فکر کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچی کہ حضرت میاں صاحب کا پاکستان جانا سلسلہ کے مفاد و مصالح کے مطابق ضروری ہے۔ تب آپ میجر مرزا داؤد احمد صاحب کے اسکورٹ کے ذریعہ پاکستان تشریف لائے۔

مضافات قادیان کے نہتے اور ستم رسیدہ مسلمانوں پر شرمناک مظالم

(ستمبر ۱۹۴۷ء)

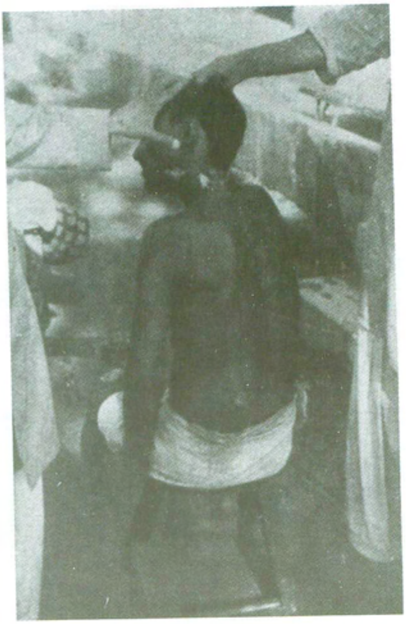

۲۷ تبوک۔ ستمبر ۱۳۲۶ ھش / ۱۹۴۷ء

کو

قادیان

میں

مویشیوں

کی

وسیع

پیمانے

پر

لوٹ

اُٹھا کر لے گئی اور پناہ گزینوں کی پانچ لڑکیاں بھی پکڑ کر ساتھ لے گئی جنہیں بعد میں واپس کر دیا گیا۔

۲۵ ستمبر ۱۹۴۷ء۔ چار مسلمان پناہ گزینوں کو جو مکان آشیانہ مبارک محلہ دارالانوار میں پناہ لے کر بیٹھے ہوئے تھے پولیس نے گولی کا نشانہ بنا کر ہلاک کر دیا اور ان کی عورتوں کو پکڑ کر لے گئی۔ اس کے علاوہ دو مزید آدمی لاپتہ ہو گئے اور بعض زخمی ہوئے۔ یہ واقعہ ۲۵ اور ۲۶ ستمبر کی درمیانی شب کو ہوا۔

۲۷ ستمبر ۱۹۴۷ء۔ قادیان میں ٹھہرے ہوئے پناہ گزینوں کے علاوہ مقامی احمدیوں کے قریباً پانچ ہزار مویشی (مالیتی قریباً ۲۰ لاکھ روپیہ) پولیس کی امداد کے ساتھ سکھوں نے لوٹ لئے اور ان کے گڈے اور چھکڑے بھی لے گئے۔ جس کی وجہ سے وہ آئندہ چلنے والے پیدل قافلہ میں اپنا سامان ساتھ رکھنے کے ناقابل ہو گئے۔ پناہ گزینوں کے علاوہ مقامی احمدیوں کے متعدد مویشی بھی سکھ حملہ آور لوٹ کر لے گئے۔

۲۸ ستمبر ۱۹۴۷ء تا یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کی کوٹھی بیت الظفر[1] واقع محلہ دارالانوار قادیان کا تمام سامان (سوائے کچھ معمولی فرنیچر کے) ملٹری نے لوٹ لیا اور یہ لوٹ برابر پانچ دن تک جاری رہی۔ ملٹری کے ٹرک رات کو آتے تھے اور کوٹھی کا سامان سمیٹ سمیٹ کر لے جاتے تھے۔ کوٹھی کے مویشی بھی لوٹ لئے گئے۔

۲۹ ستمبر ۱۹۴۷ء۔ مولوی احمد خاں صاحب نسیم مولوی فاضل انچارج مقامی تبلیغ اور مولوی عبدالعزیز صاحب (بھامڑی) مولوی فاضل انچارج شعبہ خبر رسانی جماعت احمدیہ کو پولیس نے دفعہ ۳۹۶ و ۳۹۷ تعزیرات ہند کے ماتحت گرفتار کر لیا۔ اور معلوم ہوا ہے کہ انہیں پولیس کی حراست میں سخت تکلیف دی جاتی رہی ہے۔[2]

---

[1] یہ وہ دن تھے جب کہ چودھری صاحب موصوف قائد اعظم محمد علی جناح کے ارشاد کے مطابق یو۔ این۔ او میں شامل ہونے والے پہلے پاکستانی وفد کی قیادت فرما رہے تھے اور آپ کی کوٹھی (بیت الظفر) میں بھامڑی کے مسلمان پناہ گزین تھے۔

[2] حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ کی سالانہ رپورٹ (۲۷-۱۳۲۶ ہش میں / ۴۸-۱۹۴۷ء) میں "شعبہ کار خاص" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:۔

"مولوی عبدالعزیز صاحب کو گذشتہ فسادات کے ایام میں پولیس نے بلاوجہ محض اس شعبہ کا انچارج ہونے کی وجہ سے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا اور ہنگامی اور انقلابی حالات کے ماتحت مولوی احمد خاں نسیم فاضل مبلغ (برما) . . . . کو بھی مولوی عبدالعزیز صاحب کے ساتھ اس ڈیوٹی پر کام کرنا پڑا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محلہ دارالانوار قادیان کے متعدد مکانوں کو لُوٹا گیا۔ ان مکانوں میں کرنل ڈاکٹر عطاء اللہ صاحب اسسٹنٹ ڈائرکٹر جنرل میڈیکل سروس پاکستان اور خان بہادر چودھری ابوالہاشم خاں ایم۔ اے ریٹائرڈ انسپکٹر آف سکولز اور مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے سابق امام مسجد لنڈن کے مکانات بھی شامل تھے۔

۱۳ر ستمبر ۱۹۴۷ء۔ پولیس نے مقامی خاکروبوں کو حکم دے دیا کہ مسلمانوں کے گھروں میں صفائی کے لئے نہ جائیں جس کی وجہ سے احمدیوں کے گھر نجاست سے اَٹ گئے اور احمدیوں کو خود اپنے ہاتھ سے صفائی کا کام کرنا پڑا۔

یکم اکتوبر تا چھ اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ بٹالہ کی ملٹری نے پاکستان کی حکومت کے بھجوائے ہوئے ٹرکوں کو یہ بہانہ رکھ کر قادیان جانے سے روک دیا کہ قادیان کی سڑک زیرِ مرمت ہے۔ اور جب ہمارے ٹرک بٹالہ میں رُکے تو اس پر سکھ جتھوں اور غیر مسلم ملٹری نے مل کر فائر کئے جس کے نتیجہ میں کئی آدمی زخمی ہوئے اور بعض لاپتہ ہیں اور ٹرک بھی جلا دیا گیا۔ اس کنوائے میں میرا لڑکا مرزا منیر احمد بھی شامل تھا جو بٹالہ میں دو دن تک قیامت کا نمونہ دیکھنے کے بعد لاہور واپس پہنچا۔[1] رستہ کے زیرِ تعمیر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مولوی عبدالعزیز صاحب اور مولوی احمد خاں صاحب نسیم دونوں گرفتار ہوئے۔ ان کا مُنہ کالا کرکے دھاریوال کے بازاروں میں پھرایا اور لوگوں سے پٹوایا گیا۔ بقول مولوی احمد خاں صاحب کم از کم ایک ایک ہزار جُوتا انہیں مارا گیا۔ ان سے پوچھا جاتا تھا کہ بتلاؤ ...... (MPS ڈی) ذخائر اسلحہ کہاں کہاں ہیں؟ اس طرح تین ہفتہ تک انہیں بلائے تعذیب میں مبتلا رکھا گیا اور جب انہیں جیل میں لایا گیا اور مجھے دیکھنے کا موقعہ ملا تو نہایت ہی قابلِ رحم حالت میں پایا گیا۔ ان دونوں نے صبر و تحمل کا قابلِ رشک نمونہ دکھایا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔ ہماری آنے والی نسلوں کے لئے ان کا نمونہ صبر و تحمل بطور نیک یادگار کے انشاء اللہ قائم رہے گا"

[1] اخبار "الفضل" نے سکرٹری انصار المسلمین کے حوالہ سے اس کنوائے کی حسب ذیل خبر شائع کی:۔

"جمعرات کو ایک کنوائے قادیان کے مسلم پناہ گزینوں کو نکالنے کے لئے روانہ ہوا۔ یہ کنوائے ۲۳ ٹرکوں پر مشتمل تھا۔ دس فوجی ٹرک فوجیوں کے بال بچوں کو نکالنے کے لئے، ۵ فوجی ٹرک ۸ سول ٹرک عام مُسلم پناہ گزینوں کو نکالنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ یہ سب ٹرک مغربی پنجاب کے غیر مُسلم پناہ گزینوں کو لے کر گئے تھے۔ جب یہ کنوائے بٹالہ پہنچا تو اُسے روک لیا گیا اور سول ٹرک پناہ گزینوں کے کیمپ میں بھیج دیئے گئے۔ چند ایک ٹرکوں نے قادیان جانے کے لئے اصرار کیا۔ انہیں کہا گیا کہ گورداسپور جا کر اجازت لے لو چنانچہ یہ ٹرک گورداسپور پہنچے لیکن حکام نے یہ کہہ کر قادیان جانے سے روک دیا کہ قادیان کی سڑک خراب ہے چنانچہ یہ ٹرک بٹالہ واپس آ گئے اور وہاں سے مسلم پناہ گزینوں کو سوار کر لیا۔ ابھی یہ ٹرک کیمپ سے باہر نکلے ہی تھے کہ ان پر گولیوں کی بارش ہونی شروع ہوئی۔ بٹالہ پولیس اسٹیشن کے قریب پہنچنے پر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہونے کا عذر محض بہانہ تھا اور غرض یہ تھی کہ ان ایام میں بیرونی دُنیا سے قادیان کا تعلق بالکل کاٹ کر قادیان کے احمدیوں کو لُوٹا اور ختم کیا جاسکے چنانچہ جیسا کہ بعد کے واقعات بتائیں گے قادیان پر بڑا حملہ انہی تاریخوں میں ہوا۔

یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کا مکان بیت الحمد واقع محلہ دارالانوار قادیان جس میں حضور کے بعض بچے رہائش رکھتے تھے ملٹری نے زبردستی خالی کرا کے اپنے قبضہ میں کر لیا۔

۲ر اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ پولیس نے احمدیوں کی آٹا پیسنے کی چکیاں عملاً بند کرا دیں جس کے نتیجہ میں قادیان کے محصور شدہ ہزاروں احمدیوں کو (جن میں بچے، عورتیں اور بوڑھے شامل تھے) کئی دن تک گندم کے دانے اُبال اُبال کر کھانے پڑے اور اس وجہ سے بیشمار لوگ پیچش کی مرض کا شکار ہو گئے۔

۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ تعلیم الاسلام ڈگری کالج قادیان اور فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قادیان کی عمارت اور سامان پر ملٹری نے جبراً قبضہ کر لیا اور احمدیوں کو زبردستی باہر نکال دیا۔

سکھ جتھوں نے پولیس کی امداد سے محلہ دار الراحت (یہ محلہ دار الرحمت نہیں ہے بلکہ قادیان کی پرانی آبادی کے ساتھ جنوب مغربی جانب دار الصحت کے قریب ایک اَور محلہ ہے) پر حملہ کیا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) معلوم ہوا کہ دشمنوں نے سڑک روک رکھی ہے اور باقاعدہ محاذ بنا رکھا ہے چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد سامنے سے گولیوں کی بوچھاڑ ہونی شروع ہوئی۔ سات پناہ گزین جاں بحق اور متعدد مجروح ہوئے۔ اس جھتے سے بچ بچا کر جب یہ ٹرک واہگہ پہنچے تو مشرقی پنجاب کی متعینہ فوجی پکٹ نے انہیں کئی گھنٹے روکے رکھا۔ ایک اطلاع مظہر ہے کہ فوج نے اسکارٹ سے ہتھیار رکھوائے۔ کیمپ میں گولیاں تقریباً ایک گھنٹہ تک چلتی رہیں۔

ایک اور اطلاع کے مطابق ان ٹرکوں کے بعد ۱۸ سول ٹرکوں نے بھی پناہ گزینوں کو سوار کر لیا تھا۔ لیکن ان پر گولیوں کی بے پناہ بارش کی گئی۔ دشمن کا حملہ اتنا شدید تھا کہ کسی پناہ گزین کے بچ کر نکلنے کی امید نہیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اتر سوں محکمہ نہر کے چار ٹرکوں کے بٹالہ میں روکے جانے پر مغربی پنجاب کی حکومت نے فوجی حکام کے سامنے جب یہ سوال اُٹھایا تو میجر جنرل چمنی نے جواب دیا تھا کہ کنوائے کے کمانڈر کو سرٹیفکیٹ کے لئے اصرار کرنا چاہیئے تھا۔ اس کا یہ مطالبہ جائز ہوتا اور آئندہ کسی ایسے کنوائے کو جس کے پاس سرٹیفکیٹ ہوگا نہیں روکا جائے گا۔ میجر جنرل چمنی نے اس بات کی بھی تردید کی تھی کہ قادیان کی سڑک خراب ہے چنانچہ جمعرات کو یہ کنوائے اسی اطمینان کی بنا پر روانہ ہوا تھا"

(روزنامہ "الفضل" ۵ر اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ہش ۱۹۴۷ء صفحہ ۶)

حملہ آوروں کا ایک جتھہ محلہ مسجد فضل قادیان میں بھی گھس آیا اور لوٹ مچائی۔

موضع بھینی بانگر متصل محلہ دارالبرکات و دارالانوار قادیان پر سکھ جتھوں نے حملہ کیا۔ ہندو ملٹری موقعہ پر موجود تھی مگر ہوا میں فائر کرنے کے سوا اس نے حملہ کے روکنے میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اور ۲-۳ر اکتوبر کی درمیانی شب قریباً ساری رات گولیاں چلتی رہیں۔ بھینی کی کئی مسلمان عورتیں اغوا کر لی گئیں اور گاؤں خالی کرا لیا گیا۔" [۱]

۲ر اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ ۲ر اور ۳ر اکتوبر کی درمیانی شب کو قادیان کی مسجد اقصیٰ (یعنی منارۃ المسیح والی جامع مسجد) میں بم پھینکا گیا جو ایک قریب کے ہندو مکان کی طرف سے آیا تھا۔ اس بم سے موذن مسجد کا لڑکا [۲] بُری طرح زخمی ہوا۔ اور دشمن نے ہمیں بتا دیا کہ ہم مسلمانوں کے جان و مال اور عزت ہی کے پیاسے نہیں بلکہ ان کی مقدس جگہوں کی بےحرمتی کے واسطے بھی تیار ہیں۔

۳ر اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ یہ دن قادیان کی تاریخ میں خصوصیت سے یادگار رہے گا کیونکہ اس دن دشمنوں کے مظالم اپنی انتہا کو پہنچ گئے اور لوٹ مار اور قتل و غارت اور اغوا کے واقعات بھیانک ترین صورت میں ظاہر ہوئے۔ سب سے پہلے آٹھ اور نو بجے صبح کے درمیان قادیان کی غربی جانب سے محلہ مسجد فضل پر ہزارہا سکھوں نے پولیس کی معیت میں حملہ کیا اور قتل و غارت کرتے ہوئے مسجد اقصیٰ کے عقب تک پہنچ گئے اور جو عورتیں مسجد کے پچھواڑے پناہ لینے کے لئے جمع تھیں ان میں سے کئی ایک کو اغوا کر لیا گیا۔ اور جب احمدی نوجوان عورتوں کی آہ و پکار سن کر اُن کی طرف بڑھے تو دو نوجوانوں کو خود پولیس نے گولیاں چلا کر مسجد کی دیوار کے ساتھ شہید کر دیا۔ عین اس وقت اطلاع ملی کہ قادیان کے محلہ دارالفتوح اور محلہ دارالرحمت پر بھی ہزارہا سکھوں نے حملہ کر دیا ہے اور ساتھ ہی ان کے حملہ کو کامیاب بنانے کے لئے پولیس نے کرفیو کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ اس حملہ میں دو سو کے قریب مسلمان (احمدی اور غیر احمدی، مرد اور عورتیں، بچے اور بوڑھے) یا تو شہید ہو گئے اور یا لاپتہ ہو کر اب تک مفقود الخبر ہیں۔ شہید ہونے والوں میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی ایک حرم محترم کے حقیقی ماموں مرزا احمد شفیع صاحب بی۔ اے

---

[۱] روزنامہ الفضل ۷ر صلح/جنوری ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء صفحہ ۴-۵

[۲] (پروفیسر) ناصر احمد صاحب ابن سراج الدین صاحب موذن مسجد اقصیٰ مراد ہیں (مرتب)

بھی تھے۔[1] جو اپنے مکان کی ڈیوڑھی میں پولیس کے ہاتھوں گولی کا نشانہ بنے مگر ظالم دشمنوں نے شہید احمدیوں کی لاشیں تک نہیں لینے دیں تاکہ ان کی شناخت اور صحیح تعداد کو مخفی رکھا جا سکے اس دن عملہ آوروں نے لاکھوں روپے کا سامان احمدیوں کے گھروں سے لوٹا۔ اس قسم کے نازک حالات میں بیرونی محلہ جات کے صدر صاحبان نے جماعت کی حفاظت (خصوصاً عورتوں اور بچوں کی حفاظت) کے خیال سے یہ ضروری سمجھا کہ قادیان کی احمدی آبادی کو بعض مخصوص جگہوں میں سمیٹ کر محفوظ کر لیا جائے۔ چنانچہ ایک حصہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے بورڈنگ میں جمع ہو گیا اور دوسرا دار المسیح اور مدرسہ احمدیہ اور اس کے ملحقہ مکانات میں بند ہو گیا۔ ہزارہا انسانوں کے تھوڑی سی جگہ میں محصور ہو جانے سے صفائی کی حالت نہایت درجہ ابتر ہو گئی اور بعض جگہ پر ایک ایک فٹ تک نجاست جمع ہو گئی جسے احمدی خدام نے خود خاکروبوں کی طرح کام کر کے گڑھوں میں بند کیا۔ دوسری طرف آٹے کی مشینوں کے بند ہونے کی وجہ سے جہاں اکثر حصہ آبادی کا گندم اُبال اُبال کر کھا رہا تھا وہاں بیماروں اور دودھ پلانے والی عورتوں اور چھوٹے بچوں کے واسطے آٹا مہیا کرنے کے لئے بہت

---

[1] جناب مرزا عزیز احمد صاحب (ابن مرزا عطاء اللہ صاحب) تحریر فرماتے ہیں کہ

"برادرم مرزا احمد شفیع صاحب حضرت مرزا محمد شفیع صاحبؓ (محاسب صدر انجمن احمدیہ) مرحوم و مغفور کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ اگست ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی نہایت متین اور کم گو واقع ہوئے تھے۔ طبعاً بہت ذہین تھے اور اس کے علاوہ علم کا شوق بھی بہت تھا۔ علم ریاضی کے خاص طور پر ماہر تھے۔ ۱۹۳۱ء میں آپ نے اعلیٰ نمبروں سے میٹرک پاس کیا۔ چونکہ حساب کی طرف خاص رغبت تھی اس لئے ایف۔ اے اور بی۔ اے میں فل میتھ لے کر اعلیٰ نمبروں سے ڈگری حاصل کی طبیعت حد درجہ سادہ تھی اس لئے بورڈنگ میں رہنے کے باوجود اور کالج کی زندگی گذارنے کے بعد بھی آپ نے وہاں کے ماحول کا کوئی اثر نہ لیا اور نہایت ہی سادگی سے یہ ایام گذارے۔

ڈگری حاصل کرنے کے بعد ۱۹۳۷ء میں آپ ٹریننگ کالج لاہور میں S. A. V. کی ٹریننگ کے لئے داخل ہو گئے۔ جہاں آپ نے ایک سال میں ٹریننگ حاصل کر لی۔ اس وقت سے آپ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں بطور اُستاد کے اپنے فرائض سر انجام دیتے رہے۔ سلسلہ کی خدمت کو اپنا شعار بنایا۔ نماز باجماعت اور خدام الاحمدیہ کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتے رہے۔ ہر قسم کے چندوں اور خصوصاً تحریک جدید میں ہر سال اضافہ کے ساتھ حصہ لیتے رہے۔ اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اپنے فرائض کو نہایت احسن طور پر نبھاتے رہے اور آخر ۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو اپنے مرکز اپنے جان سے پیارے قادیان کی حفاظت کرتے ہوئے اپنے محبوب حقیقی کی گود میں جا بیٹھے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر"

(الفضل ۱۳ ار فتح / دسمبر ۱۳۲۶ ہش ۱۹۴۷ء صفحہ ۴)

سے معزز احمدی مردوں کو اپنے ہاتھ سے چکیاں چلانی پڑیں۔ یہ دن وہ تھے جبکہ دارالمسیح اور مدرسہ احمدیہ میں ٹھہرے ہوئے لوگ ان احمدیوں سے بالکل کٹے ہوئے تھے جو تعلیم الاسلام ہائی سکول کے بورڈنگ میں محصور تھے کیونکہ درمیانی راستہ بالکل بند اور خطرناک طور پر مخدوش تھا۔ انہی ایام میں نواب محمد علی خاں صاحب مرحوم کی کوٹھی دارالسلام اور عزیزم مکرم میاں شریف احمد صاحب کی کوٹھی پر جبراً قبضہ کرلیا گیا۔

۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ قادیان میں جمع شدہ پناہ گزینوں میں سے چالیس ہزار انسانوں کا پہلا پیدل قافلہ قادیان سے علی الصبح روانہ ہوا۔ ہندو ملٹری ساتھ تھی لیکن ابھی یہ قافلہ قادیان کی حد سے نکلا ہی تھا کہ سکھ جتھوں نے حملہ کردیا اور چھ میل کے اندر اندر کئی سو مسلمان شہید کردیئے گئے۔ اور بہت سی عورتیں اغوا کرلی گئیں اور جو رہا سہا سامان مسلمانوں کے پاس تھا وہ لوٹ لیا گیا۔ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ کئی دن بعد تک نہر کے ساتھ ساتھ میل ہا میل تک لاشوں کے نشان نظر آتے تھے۔[1]

۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کرفیو اٹھنے کے بعد جب بعض بیرونی محلوں میں رہنے والے احمدی اپنے مکانوں دیکھ بھال کے لئے باہر جانے لگے تو بڑے بازار کے اختتام پر جو ریتی چھلہ سے ملتا ہے، عین دن دہاڑے برسر بازار سات احمدیوں کو گولی کا نشانہ بنا کر شہید کردیا گیا۔ ان لوگوں میں میاں سلطان عالم بی اے معاون ناظر ضیافت بھی تھے۔[2] اور جب بعض لوگ شہید ہونے والے احمدیوں

---

[1] اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس روز قادیان سے لاہور کے فون کا کنکشن بحال ہوگیا جس کے ذریعہ قادیان اور اس قافلہ پر حملہ کی خبر پاکستان پہنچی اور پاکستان ریڈیو سے نشر کردی گئی جس پر ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے حکم سے پاکستان سے فون کے رابطہ کی براہ راست لائن کاٹ دی گئی۔

[2] مرحوم کے والد ماجد قریشی شیر عالم صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی لکھتے ہیں کہ
"عزیز سلطان عالم ۲۶ نومبر ۱۹۲۲ء کو پیدا ہوا۔ . . . ۱۹۳۸ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے درجہ اوّل میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس عرصہ میں تحریک جدید بورڈنگ میں داخل رہا اور باقاعدہ تہجد خواں ہونے کی وجہ سے انعام حاصل کرتا رہا۔ زمیندارہ کالج گجرات سے اعلیٰ درجہ دوم میں ایف۔ اے پاس کیا اور M. A. C. کے مقابلہ کے امتحان میں کامیاب ہوکر ملازم ہوگیا۔ دوران ملازمت میں ہی منشی فاضل کا امتحان پاس کرکے بی اے پاس کرلیا۔ ۱۹۴۲ء میں وصیت کی۔ پھر حضور کے حکم کے ماتحت اپنی جائداد وقف کردی۔ جون ۱۹۴۷ء میں مرحوم مہمانخانہ میں معاون ناظر ضیافت کے فرائض کی انجام دہی کے لئے تعینات کیا گیا۔ اپنی ۱۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کی چٹھی میں جو ۱۵ ستمبر کو

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی لاشوں کو اُٹھانے کے لئے آگے بڑھے تو وہ بھی گولی کا نشانہ بنا دیئے گئے۔

۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ سٹار ہوزری قادیان کے مال کو لُوٹ لیا گیا جس میں بیش قیمت اُون اور لاتعداد جرابیں اور سویٹر اور کمبل وغیرہ شامل تھے اور یہ لُوٹ مار مقامی مجسٹریٹ کی آنکھوں کے سامنے ہوئی۔

۵ر اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ بیرونی پناہ گزینوں کا دوسرا پیدل قافلہ قادیان سے روانہ ہوا۔ اس قافلہ میں قریباً دس ہزار مسلمان شامل تھے اور کچھ ۳ر اکتوبر والے حملہ میں قادیان میں شہید ہو چکے تھے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس قافلہ پر راستہ میں کیا گذری۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول کے بورڈنگ میں محصور شدہ احمدیوں سے ہندو ملٹری نے جبراً بیگار لی اور ان کے سر پر کھڑے ہو کر پناہ گزینوں کے چھوڑے ہوئے سامانوں کو اکٹھا کروا کر مختلف مقامات پر پہنچانے کے لئے مجبور کیا۔ اس قسم کی بیگار کئی دن لی جاتی رہی۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول کی عمارت پر معہ اس کے سامان کے قبضہ کر لیا گیا۔

جماعت احمدیہ کا مردانہ اور زنانہ نورُ ہسپتال جبراً خالی کروا لیا گیا اور بیماروں اور زخمیوں کو بڑی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) گولی پہنچی۔ مرحوم نے لکھا "حضور کا حکم ہے کہ عورتوں اور بچوں کو بھیجدو اور خوب ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ ہم تو حضور کے حکم کے مطابق خون کا آخری قطرہ بہانے کے لئے یہاں بیٹھے ہیں۔" حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ناظر ضیافت نے ان کی وفات پر اپنے تاثرات کا اظہار درج ذیل الفاظ میں فرمایا:۔ "قریشی صاحب مرحوم واقعی نہایت صالح مخلص نوجوان احمدی تھا۔ اپنی شب و روز محنت و سعی سے جو سلسلہ عالیہ کی خدمت میں اپنے فرائض ادا کرتے ہمیں اپنا گرویدہ بنا لیا۔ رات کے دس دس بجے تک کام کرتے رہتے اور صبح تہجد کے لئے بھی جاگتے اور نماز فجر کے بعد فوراً جملہ انتظامی امور کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ دراصل ہر وقت فرائض مفوضہ کے ادا کرنے میں مستعد رہتے" ("الفضل" ۳ر فتح / دسمبر ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۶ کالم ۲)

صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی رپورٹ ۲۷-۱۳۲۶ھش / ۴۸-۱۹۴۷ء میں لکھا ہے:۔

"وہ دن رات مہمان خانہ کے اندر رہتے اور مہمانوں کی ضروریات کو پورا کرنے میں بہت دلچسپی لیتے تھے مگر افسوس کہ ۴ر اکتوبر کی صبح کو جبکہ وہ اپنے فرائض ادا کر کے کرفیو دو گھنٹے اُٹھ جانے کی وجہ سے باہر محلہ میں جانے کے لئے قصد کرتے ہوئے بھائی محمود احمد صاحب میڈیکل ہال کی دکان سے گذر رہے تھے کہ ایک ظالم سکھ سپاہی نے انہیں گولی کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا۔" (صفحہ ۳۴)

چونکہ بھارت کی حکومت یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ اس کے ہاتھوں بہت کم نقصان ہوا ہے اس لئے مرحوم کو نور ہسپتال کے ایک گڑھے میں دبا دیا گیا جہاں اب کتبہ بھی نصب کر دیا گیا ہے۔ شہید نے بوڑھے والدین، جوان بیوہ (بنت ڈاکٹر عمر دین صاحب افریقی ساکن گجرات) اور دو بیٹے (خلیل احمد اور نعیم احمد) دو بھائی (پیر محمد عالم صاحب۔ پیر حمید عالم سجاد صاحب) اور تین بہنیں بطور یادگار چھوڑیں۔ خلیل احمد صاحب جو حادثہ شہادت کے وقت تین برس کے تھے اب گورنمنٹ مڈل سکول گولیکی میں جماعت ہشتم کے انچارج ہیں اور نعیم احمد صاحب جو ایک برس کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے ان دنوں کھاریاں چھاؤنی میں بطور لیفٹیننٹ متعین ہیں۔

بے دردی کے ساتھ باہر نکال کر ہسپتال کا قبضہ ایک ہندو ڈاکٹر کو دے دیا گیا اور بعد میں ایک سکھ ڈاکٹر کو اس کا انچارج بنا دیا گیا۔[۱]

۱۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ مسجد اقصیٰ پر پھر بمباری کی گئی۔ چار بموں میں سے دو نے پھٹ کر مسجد کے فرش کو نقصان پہنچایا۔ اور ایک بم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد بزرگوار کی عین قبر کے پاس گرا مگر خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ پھٹا نہیں۔[۲]

عزیزم مرزا رشید احمد کی بیوک کار ضبط کر لی گئی۔ اس سے قبل ملک عمر علی صاحب بی۔ اے کی پرائیویٹ کار بھی ضبط کر لی گئی تھی۔ اس طرح جماعت کے دو بھاری ٹرک اور دو پندرہ ہنڈرڈ ویٹ والے ٹرک بھی ضبط کر لئے گئے۔ اسی طرح بعض اور موٹر گاڑیاں بھی حکومت کی ضرورت کا بہانہ رکھ کر ضبط کر لی گئیں۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔ اے، کرنل ڈاکٹر عطاء اللہ صاحب کی اسکورٹ میں لاہور آ گئے اور ان کی جگہ قادیان میں مولوی جلال الدین صاحب شمس سابق امام مسجد لنڈن کو امیر مقامی مقرر کیا گیا۔[۳]

---

[۱] ۶ تا ۹ اکتوبر کے بعض ضروری واقعات: ۶ اکتوبر۔ قادیان سے ½۱۰ بجے بذریعہ فون یہ اطلاع موصول ہوئی "ہم لوگ گندم اُبال کر کھا رہے ہیں۔ پناہ گزینوں کو گندم اُبال کر بوریوں میں ڈال کر پہنچا دیگئی..... اگر ہمیں فون کرنا ہو تو گورداسپور فون کیا جائے تو ۳۷ نمبر پر گھنٹی بجتی ہے اور ہم لوگ MESSAGE سُن لیتے ہیں ورنہ دوسرے طریقہ سے فون نہیں ہو سکتا۔ ہمارے گھروں میں عورتوں اور بچوں کی کثرت کی وجہ سے تعفن بہت پیدا ہو گیا ہے" (یاد رہے اس روز آٹھ دس ہزار مسلم پناہ گزینوں کا قافلہ قادیان سے روانہ ہوا تھا اور اُبلی ہوئی گندم کی بوریاں جس کا ذکر فون کے ابتدا میں کیا گیا ہے اسی قافلہ کے پناہ گزینوں کو پہنچائی گئی تھیں) ۷ اکتوبر۔ ایک پاکستانی جہاز نے جس پر برین گن کے گولے برسائے گئے حسب ذیل رقعہ پھینکا "میاں صاحب! السلام علیکم۔ کنوائے بٹالہ سے واپس کر دیا گیا ہے۔ اس سے قبل بھی تین دفعہ کانوائے واپس کئے جاتے رہے ہیں کنوائے بھیجنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ۸ اکتوبر۔ تعلیم الاسلام کالج قادیان سکھ نیشنل کالج کے سپرد کر دیا گیا۔ ۹ اکتوبر۔ پندرہ سولہ سکھوں نے صبح اندھیرے میں حملہ کر دیا۔ گولیاں چلائیں اور تین بم ایسے مکان پر پھینکے جہاں احمدی مستورات پناہ گزین تھیں۔

[۲] یہ صبح کی نماز کا وقت تھا۔ بم دیسی ساخت کے تھے عین اس وقت جبکہ مسجد اقصیٰ پر بمباری کی جا رہی تھی محلہ دار العلوم کے عقب سے بورڈنگ تحریک جدید پر بھی فائر ہونے شروع ہو گئے۔ (مرتب)

[۳] اسی روز (۱۴ ماہ اخاء کو) جامعہ احمدیہ کی عمارت (واقع گیسٹ ہاؤس دار الانوار) پر ملٹری نے قبضہ کر لیا۔ اور اس میں مقیم طلبہ کو زبردستی باہر نکال دیا۔ یہ طلبہ حضرت مولوی عبد المغنی خاں صاحب کے مکان میں منتقل ہو گئے اور ان کے بعد جامعہ کی بیش قیمت لائبریری نذر آتش کر دی گئی۔

۱۵؍اکتوبر ۱۹۴۷ء - جماعت احمدیہ کا پریس جس میں جماعت کا مرکزی اخبار "الفضل" چھپتا تھا اور اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی لائبریری اور اس کے ساتھ شامل شدہ دیگر لائبریریوں پر قبضہ کر کے ان پر مُہریں لگا دی گئیں۔ اس مرکزی لائبریری میں تیس ہزار کے قریب علمی کتابیں تھیں، جو زیادہ تر عربی اور فارسی میں تھیں اور کئی نایاب کتب اور بیش قیمت قلمی نسخے بھی لائبریری میں موجود تھے جن سے احمدی علماء اپنی علمی تحقیقاتوں میں فائدہ اُٹھاتے تھے۔

۳۰؍اکتوبر ۱۹۴۷ء - اس دن معلوم ہوا کہ حملہ کے ایام میں اور اس کے بعد قادیان کی تین مسجدوں کی بےحرمتی کی گئی ہے یعنی مسجد محلہ دارالرحمت کے مینار مسمار کر دیئے گئے تاکہ مسجد کی علامت کو مٹا دیا جائے۔ مسجد نوجیاں (جو قادیان کے دوسرے مسلمانوں کی مسجد تھی) پر یہ بورڈ لگا دیا گیا کہ یہ آریہ سماج کا مندر ہے اور محلہ دارالعلوم کی مسجد نُور جو تعلیم الاسلام کالج کے ساتھ ملحق تھی اسے غیر مسلموں نے اپنی جلسہ گاہ بنالیا اور صحن مسجد کے نلکوں پر سکھوں نے کپڑے دھونے شروع کر دیئے۔

۱۶؍نومبر ۱۹۴۷ء - حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مولوی جلال الدین صاحب شمس اور عزیزم مرزا ناصر احمد صاحب قادیان سے لاہور آگئے۔

اور شمس صاحب کی جگہ قادیان میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل امیر مقامی اور عزیزم مرزا ظفر احمد صاحب ناظر اعلیٰ مقرر ہوئے"[1]

قادیان پر حملہ اور خونریز جنگ کی واضح تفصیلات

حضرت قمرالانبیاء کے الفاظ میں قادیان پر ہونے والے مظالم کا اجمالی خاکہ درج کرنے کے بعد اب ہم قادیان پر حملہ اور خونریز جنگ کی واضح تفصیلات سیدنا المصلح الموعود کی زبان مبارک سے پیش کرتے ہیں۔ حضور نے یہ تفصیلات انہی ایام میں تین مفصل اور معرکۃ الآراء مضامین اور ایک خطبہ جمعہ اور پریس کانفرنس میں بیان فرمائی تھیں۔

---

[1] "الفضل" ۸؍صلح/جنوری، ۷؍صلح/جنوری، ۹؍صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء۔
حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ نے الفضل کے ان گرانقدر مضامین کو اُردو میں "مظالم قادیان کا خونی روزنامچہ" کے نام سے اور انگریزی میں "QADIAN DIARY" کے نام سے بکثرت شائع فرمادیا تھا۔

سیّدنا المصلح الموعود کا پہلا مضمون بعنوان "قادیان"

حضرت سیّدنا المصلح الموعودؓ نے کوائف قادیان کی نسبت جو پہلا اہم مضمون تحریر فرمایا وہ بجنسہٖ درج ذیل کیا جاتا ہے[1]:-

"قادیان اس وقت ہندوستان یونین کی دیانتداری کی آزمائش کا محل بنا ہوا ہے۔ قادیان احمدیہ جماعت کا مرکز ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ جس حکومت کے ماتحت رہیں اس کے پورے طور پر فرمانبردار اور مددگار رہیں۔ جب ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت تھی احمدیہ جماعت ہمیشہ حکومت کے ساتھ تعاون کرتی تھی گو مناسب طریق پر اس کی غلطیوں سے اسے آگاہ بھی کرتی رہتی تھی۔ بعض لوگ جماعت احمدیہ کے اس طریق پر اعتراض کرتے تھے اور اسے انگریزوں کا خوشامدی قرار دیتے تھے۔ جماعت احمدیہ اس کے جواب میں ہمیشہ یہی کہتی تھی کہ ہم صرف انگریزوں کے فرمانبردار نہیں بلکہ افغانستان میں افغانی حکومت کے اور عرب میں عربی حکومت کے، مصر میں مصری حکومت کے اور اسی طرح دوسرے ممالک میں ان کی حکومتوں کے فرماں بردار اور مددگار ہیں۔ ہمارے نزدیک دُنیا کا امن بغیر اس کے قائم ہی نہیں رہ سکتا کہ ہر حکومت میں بسنے والے لوگ اس کے ساتھ تعاون کریں اور اس کے مددگار ہوں۔ پچھلے پچاس سال میں جماعت احمدیہ نے اس تعلیم پر عمل کیا ہے اور آئندہ بھی وہ اسی تعلیم پر عمل کرے گی جب ہندوستان دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا اور اس میں ہندوستان یونین اور پاکستان قائم ہوئے تو اس وقت بھی جماعت احمدیہ نے اعلان کیا کہ ہندوستان یونین میں رہنے والے احمدی ہندوستان یونین کی پوری طرح اطاعت کریں گے اور پاکستان میں رہنے والے احمدی پاکستان حکومت کے متعلق جاں نثاری اور اطاعت سے کام لیں گے۔ پاکستان حکومت نے تو ان کے اس اعلان کی قدر کی اور اچھے شہریوں کی طرح اس سے برتاؤ کیا لیکن ہندوستان یونین نے ان کے اس اعلان کی ذرا بھی قدر نہیں کی اور ۱۶ر اگست کے بعد پہلے قادیان کے اردگرد اور پھر قادیان میں وہ فساد مچوایا کہ جس کی کوئی حد ہی نہیں۔ ایک ایک کر کے احمدی گاؤں کو برباد کیا گیا اور جنہوں نے دفاع کی کوشش کی ان کو پولیس اور ملٹری نے گولیوں سے مارا۔ جب قادیان کے اردگرد کے گاؤں ختم ہو گئے تو پھر قادیان پر حملہ شروع ہوا۔ احمدی جماعت کے معززین پکے

[1] یہ مضمون پمفلٹ کی صورت میں بھی شائع کیا گیا جسے بھارتی حکومت نے ضبط کر لیا تھا۔

بعد دیگرے گرفتار ہونے شروع ہوئے۔ قتل، ڈاکے اور خونریزی کے الزام میں گویا وہ جماعت جس نے اپنی طاقت اور قوت کے زمانہ میں قادیان کے رہنے والے کمزور اور قلیل التعداد ہندوؤں اور سکھوں کو کبھی تھپڑ بھی نہیں مارا تھا اس نے تمام علاقہ کے مسلمانوں سے خالی ہو جانے کے بعد اور سکھ پولیس اور ہندو ملٹری کے آجانے کے بعد ان علاقوں میں نکل کر جن میں کوئی مسلمان نہ دن کو جا سکتا تھا نہ رات کو، ڈاکے مارے اور قتل کئے اور یہ ڈاکے اور قتل بھی ان لوگوں نے کئے جو جماعت کے چوٹی کے آدمی تھے۔ جن میں سے بعض ساٹھ سال کی عمر کے تھے۔ مرکزی نظام کے سیکرٹری تھے اور یونیورسٹیوں کے گریجوایٹ تھے۔ گویا احمدیہ جماعت جو اپنی عقل اور دانائی میں دنیا بھر میں مشہور تھی اس وقت اس کی عقل کا دیوالہ نکل گیا اور سکھ اور ہندو ملٹری کے آنیکے بعد اس نے اپنے مرکزی کارکنوں کو زمیندار سکھوں کو مروانے کے لئے باہر بھیجنا شروع کر دیا اور اس کے گریجوایٹ مبلّغ ڈاکے مارنے کے لئے نکل پڑے۔ شاید پاگل خانہ کے ساکن تو اس کہانی کو مان لیں مگر عقلمند لوگ ان باتوں کو قبول نہیں کر سکتے شاید ہندوستان یونین کے افسر یہ خیال کرتے ہیں کہ دُنیا ان کی ہر بے وقوفی کی بات مان لیگی یا شاید وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے سوا باقی ساری دُنیا جاہل یا مجنون ہے۔ ہندوستان یونین کے وزراء نے بار بار یہ اعلان کیا ہے کہ وہ کسی مسلمان کو اپنے ملک سے نکل جانے پر مجبور نہیں کرتے لیکن قادیان کی مثال موجود ہے کہ ان لوگوں کو جو ہندوستان یونین میں رہنے پر راضی ہی نہیں بلکہ مصر ہیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا کر پولیس اور ملٹری کے زور سے نکالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ قادیان کے متعلق ہندوستان یونین دُنیا کو کیا جواب دے گی۔ کیا وہ یہ کہے گی کہ یہ لوگ اپنے مقدس مذہبی مقام کو چھوڑ کر جا رہے تھے ہم نے ان کو روکا نہیں۔ یا وہ یہ کہے گی کہ ایک کیپٹن اور ایک پوری کمپنی ملٹری کی وہاں موجود تھی اور اس کے علاوہ پولیس کا تھانہ بھی وہاں موجود تھا۔ ۳۰۳ کی رائفلوں کے علاوہ سٹین گن اور برین گن بھی موجود تھیں مگر ان کے باوجود ہندوستان یونین ان سکھوں کے حملوں کو نہ روک سکی جو قادیان پر حملہ کر رہے تھے اور ان احمدیوں کو اپنے مکانات خالی کرنے پڑے جن کے بڈھے بھی بقول ہندوستان یونین اس فتنہ کے زمانہ میں بھی آٹھ آٹھ دس دس میل باہر جا کر سکھوں کو مار رہے

تھے اور جن کے مبلغ اور گوجوایٹ اردگرد کے سکھوں کے دیہات پر جاکر ڈاکے مار رہے تھے کیا دُنیا کا کوئی شخص اس کو تسلیم کر سکے گا کہ یہ باہر نکل نکل کر ڈاکے مارنے اور قتل کرنے والے لوگ ان سکھ جتھوں سے ڈر کر جن کے مالوں کو لُوٹنے کے لئے وہ باہر جاتے تھے اپنے مکان چھوڑ دیں گے اور ملٹری اور پولیس بھی ان بہادر سکھوں کے مقابلہ میں بے کار ہو جائے گی۔ جن کے گاؤں پر دو دو احمدی جاکر ڈاکہ مارنے کے قابل ہو سکے اور جنہیں سلسلہ احمدیہ کے بڈھے سیکرٹری اردگرد کے علاقہ میں گولیوں کا نشانہ بناتے پھرتے تھے۔ ہر عقلمند انسان اس بات کو تسلیم کرے گا کہ دونوں کہانیوں میں سے ایک کہانی جھوٹی ہے اور یا پھر دونوں ہی جھوٹی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں کہانیاں ہی جھوٹی ہیں۔

آج ہندوستان کی یونین کے افسر حکومت کے نشہ میں اس قسم کے افتراء کو معقول قرار دے سکتے ہیں مگر آئندہ زمانہ میں مؤرخ ان کہانیوں کو دنیا کے بدترین جھوٹوں میں سے قرار دیں گے۔ احمدیہ جماعت قادیان میں بیٹھی ہے اور اپنے عقائد کے مطابق بار بار حکومت کو کہہ چکی ہے کہ ہم یہاں رہنا چاہتے ہیں لیکن اگر تم ہمارا یہاں رہنا پسند نہیں کرتے تو ہمیں حکم دے دو۔ پھر ہم تمہارے اس حکم کے متعلق غور کر کے کوئی فیصلہ کریں گے۔ لیکن ہندوستان یونین کے افسر ایسا نہیں کرتے اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس سے ان کی ناک کٹ جائے گی اور وہ دنیا میں ذلیل ہو جائیں گے۔ وہ گولیوں کی بوچھاڑوں اور پولیس اور ملٹری کی مدد سے بغیر کسی آئینی وجہ کی موجودگی کے احمدیوں کو قادیان سے نکالنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ تازہ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ چند دن سے قادیان جانے والی لاریوں کو سڑک کی خرابی کے بہانہ سے روکا جا رہا ہے۔ لیکن اصل منشاء یہ ہے کہ دنیا سے قادیان کو کاٹ کر وہاں من مانی کارروائیاں کی جائیں۔ چنانچہ ہفتہ اور اتوار کی درمیانی رات کو جبکہ سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر سے انتظامی معاملات کے متعلق فون پر بات کر رہے تھے۔ انہیں یکدم قادیان کے فون کی آواز آئی اور معلوم ہوا کہ قادیان کا کوئی شخص ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو فون کر رہا ہے۔ وہ ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو یہ اطلاع دے رہا تھا کہ دو دن سے یہاں گولی چلائی جا رہی ہے۔ قادیان کے دو محلوں کو لوٹا جا چکا ہے اور

ان محلّوں کے احمدی سمٹ کر دوسرے محلّوں میں چلے گئے ہیں۔ اور یہ گولی پولیس اور ملٹری کی طرف سے چلائی جا رہی ہے۔ اس خبر کے سننے کے بعد ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے ڈپٹی کمشنر گورداسپور سے پوچھا کہ آپ نے یہ بات سُنی۔ اب آپ کا کیا ارادہ ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہمیں یہ تو اطلاع تھی کہ بھینی پر سکھ حملہ کر رہے ہیں مگر یہ اطلاع نہیں تھی کہ قادیان پر سکھ حملہ کر رہے ہیں۔ گویا بھینی میں انسان نہیں بستے اور وہ ہندوستان یونین کے شہری نہیں اور اس لئے بھینی میں مسلمانوں کا خون بالکل ارزاں ہے۔ اس پر ڈی۔ سی سیالکوٹ نے کہا۔ اب آپ کیا کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تو ڈی۔ سی گورداسپور نے جواب دیا کہ میں کل سپرنٹنڈنٹ پولیس کو وہاں بھجواؤں گا۔ ڈی۔ سی سیالکوٹ نے ان کو کہا۔ یہ اس قسم کا اہم معاملہ ہے کہ اس میں آپ کو خود جانا چاہیئے .... آپ خود کیوں نہیں جاتے۔ انہوں نے کہا۔ اچھا میں خود ہی جاؤں گا۔ اس کے بعد قادیان سے فون پر حالات معلوم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور اتفاقاً فون مل گیا جو اکثر نہیں ملا کرتا۔ اس فون کے ذریعہ جو حالات معلوم ہوئے ہیں وہ یہ ہیں کہ کل تک ۱۵۰ آدمی مارا جا چکا ہے جن میں سے دو آدمی مسجد کے اندر مارے گئے ہیں۔ احمدیہ کالج پر بھی پولیس اور ملٹری نے قبضہ کر لیا ہے اور دو احمدی محلے لُٹوا دیئے ہیں۔ دارالانوار اور دارالرحمت۔ دارالانوار میں سر ظفر اللہ خاں کی کوٹھی بھی اور امام جماعت احمدیہ کا بیرونی گھر بھی لُوٹا گیا ہے۔

لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ اب ان باتوں کا نتیجہ کیا ہوگا۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں، احمدیہ جماعت کا یہ مسلک نہیں کہ وہ حکومت سے ٹکر کھائے۔ اگر سکھ جتھے ایک ایک احمدی کے مقابلہ میں سَو سَو سکھ بھی لائیں گے تو قادیان کے احمدی ان کا مقابلہ کریں گے اور آخر دم تک ان کا مقابلہ کریں گے۔ لیکن جہاں جہاں پولیس اور ملٹری حملہ کرے گی وہ ان سے لڑائی نہیں کریں گے۔ اپنی جگہ پر چمٹے رہنے کی کوشش کریں گے۔ مگر جس جگہ سے ملٹری اور پولیس ان کو زور سے نکال دے گی اس کو وہ خالی کر دیں گے اور دُنیا پر یہ ثابت کر دیں گے کہ ہندوستان یونین کا یہ دعویٰ بالکل جھوٹا ہے کہ جو ہندوستان یونین میں رہنا چاہے خوشی سے رہ سکتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ اگر ایسی ہی بات ہے تو آپ لوگ اپنے آدمیوں کی جانیں کیوں خطرہ

میں ڈال رہے ہیں۔ آپ قادیان کو فوراً خالی کر دیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم قادیان میں تین اصول کو مدنظر رکھ کر ٹھہرے ہوئے ہیں:۔

اوّل مومن کو خدا تعالیٰ کی مدد سے آخر وقت تک مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ جب تک ہم کو پکڑ کر نہیں نکالا جاتا ہمیں کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ خدا کی مشیت اور خدا کا فیصلہ کیا ہے۔ اس لئے احمدی وہاں ڈٹے رہیں گے تاکہ خدا تعالیٰ کے سامنے ان پر یہ حجّت نہ کی جائے کہ خدا کی نصرت تو آ رہی تھی تم نے اس سے پہلے کیوں مایوسی ظاہر کی۔

دُوسرے جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے احمدیوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ ہندوستان یونین کے دعووں کی آزمائش کریں گے اور یہ حقیقت آشکار کر کے چھوڑیں گے کہ جب وہ کہتے ہیں کہ کسی کو ہندوستان یونین سے جانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا تو وہ سچ کہتے ہیں یا جھوٹ۔ احمدی چاہتے ہیں کہ انہیں بھی معلوم ہو جائے اور دُنیا کو بھی معلوم ہو جائے کہ ہندوستان یونین کے وزراء جھُوٹے ہیں یا سچے۔ بے شک احمدیوں کو وہاں ٹھہرے رہنے میں قربانی کرنی پڑے گی لیکن ان کے وہاں ٹھہرے رہنے سے ایک عظیم الشان حقیقت آشکار ہو جائے گی یا تو دُنیا کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہندوستان یونین کے افسر نیک نیتی اور دیانت داری کے ساتھ اپنے ملک میں امن قائم رکھنا چاہتے تھے اور یا دنیا پر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ وہ مُنہ سے کچھ اَور کہتے تھے اور ان کے دلوں میں کچھ اَور تھا۔ کیونکہ قادیان سے احمدیوں کا نکالا جانا ایک فوری واقعہ نہیں تھا کہ جس کی اصلاح ان کے اختیار میں نہیں تھی۔ قادیان پر حملہ ایک مہینہ سے زیادہ عرصہ سے چلا آ رہا ہے۔ اس کے علاوہ خود میں نے پنڈت جواہر لال صاحب نہرو سے باتیں کیں اور ان کو اس طرف توجہ دلائی۔ پنڈت جواہر لال صاحب نہرو نے مجھے یقین دلایا کہ ہندوستان یونین ہرگز مسلمانوں کو اپنے علاقہ سے نکلنے پر مجبور نہیں کرتی۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ تین چار دنوں تک وہ فون اور تار کے راستے کھُلوانے کی کوشش کریں گے اور دو ہفتہ تک قادیان کی ریل گاڑی کے جاری کروانے کی کوشش کریں گے۔[1] احمدیہ جماعت کا وفد سردار بلدیو سنگھ صاحب سے بھی ملا اور انہوں نے اصلاح کی ذمہ واری لی اور یہاں تک کہا کہ وہ خود قادیان جا کر ان معاملات کو درست کرنے کی کوشش کریں گے۔ احمدیہ جماعت

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

کے وفد نے ہندوستان کے ہائی کمشنر مسٹر سری پرکاش صاحب سے کراچی میں ملاقات کی اور ان کو یہ واقعات بتائے۔ انہوں نے کہا مَیں نے ہندوستان یونین کو اس طرف توجہ دلائی ہے اور دو تاریں اس کے متعلق دی ہیں مگر مجھے جواب نہیں ملا۔ احمدیہ جماعت کا وفد اس عرصہ

(حاشیہ متعلقہ صفحہ گذشتہ) حضرت سیدنا المصلح الموعود نے "سیر روحانی" میں اس ملاقات کا ذکر درج ذیل الفاظ میں فرمایا ہے:۔

"چنانچہ جب پارٹیشن ہوئی تو مَیں جو پہلے اس طرف آیا ہوا تھا اس غرض سے آیا تھا کہ پنڈت نہرو صاحب یہاں آئے ہوئے تھے۔ مَیں نے سمجھا کہ اس سے جا کر بات کروں کہ یہ کیا ظلم ہو رہا ہے۔ سردار شوکت حیات صاحب کے ہاں وہ ٹھہرے تھے مَیں نے انہیں ملنے کے لئے لکھا تو انہوں نے وقت دے دیا۔ مَیں نے ان سے کہا ہم قادیان میں ہیں۔ گاندھی جی اور قائداعظم کے درمیان سمجھوتہ ہوا ہے کہ جو ہندو ادھر رہے گا وہ پاکستانی ہے اور جو مسلمان ادھر رہ جائے وہ ہندوستانی ہے اور اپنی اپنی حکومت اپنے اپنے افراد کو بچائے اور وہ لوگ جو حکومت کے وفادار رہیں قائداعظم اور گاندھی جی کے اس فیصلہ کے مطابق ہم چونکہ ہندوستان میں آ رہے ہیں اس لئے ہم آپ کے ساتھ وفاداری کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ آپ ہمیں ہندوستانی بنائیں اور رکھیں۔ وہ کہنے لگے ہم تو رکھ رہے ہیں۔ مَیں نے کہا۔ آپ کیا رکھ رہے ہیں۔ فسادات ہو رہے ہیں۔ لوگ مار رہے ہیں۔ قادیان کے ارد گرد جمع ہو رہے ہیں مسلمانوں کو مارا جا رہا ہے۔ کہنے لگے۔ آپ نہیں دیکھتے ادھر کیا ہو رہا ہے۔ مَیں نے کہا اِدھر جو ہو رہا ہے وہ تو مَیں نہیں دیکھ رہا میں تو اُدھر سے آیا ہوں۔ لیکن فرض کیجئے ادھر جو کچھ ہو رہا ہے ویسا ہی ہو رہا ہے تب بھی میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہاں کا جو ہندو ہے وہ تو پاکستانی ہے اور اس کی ہمدردی پاکستان گورنمنٹ کو کرنی چاہیئے۔ ہم ہیں ہندوستانی آپ کو ہماری ہمدردی کرنی چاہیئے۔ اس کا کیا مطلب کہ یہاں کے ہندوؤں پر سختی ہو رہی ہے تو آپ وہاں کے مسلمانوں پر سختی کریں گے۔ کہنے لگے۔ آپ جانتے نہیں لوگوں میں کتنا جوش پھیلا ہوا ہے۔ مَیں نے کہا۔ آپ کا کام ہے کہ آپ اس جوش کو دبائیں۔ بہرحال اگر آپ مسلمانوں کو رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو ان کی حفاظت کرنی پڑیگی۔ وہ کہنے لگے ہم کیا کر سکتے ہیں لوگوں کو جوش اس لئے آتا ہے کہ آپ کے پاس ہتھیار ہیں۔ آپ انہیں کہیں کہ جو ہتھیار ناجائز ہیں وہ چھوڑ دیں۔ مَیں نے کہا آپ یہ تو فرمائیے مَیں ان کا لیڈر ہوں اور مَیں انہیں کہتا رہتا ہوں کہ جُرم نہ کرو، شرارتیں کرو نہ فساد کرو۔ اگر کسی نے ناجائز ہتھیار رکھا ہوا ہے تو کیا وہ مجھے بتا کر رکھے گا۔ مَیں تو انہیں کہتا ہوں جرم نہ کرو۔ پس وہ تو مجھ سے چھپائے گا اور جب اس نے اپنا ہتھیار مجھ سے چھپایا ہوا ہے تو مَیں اسے کیسے کہوں کہ ہتھیار نہ رکھے۔ کہنے لگے آپ اعلان کر دیں کہ کوئی احمدی اپنے پاس ہتھیار نہ رکھے۔ مَیں نے کہا۔ اگر مَیں ایسا کہوں تو

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں سردار سمپورن سنگھ صاحب ڈپٹی ہائی کمشنر ہندوستان یونین سے ملا اور متعدد بار ملا۔ انہوں نے یقین دلایا کہ انہوں نے افسران کی توجہ کو اس طرف پھرایا ہے اور انہوں نے ایک خط بھی دکھایا جو انہوں نے ڈاکٹر بھارگوا صاحب وزیر اعظم مشرقی پنجاب اور سردار سورن سنگھ صاحب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میری جماعت تو مجھے لیڈر اس لئے مانتی ہے کہ میں معقول آدمی ہوں۔ وہ مجھے کہیں گے صاحب! ہم نے آپ کو معقول آدمی سمجھ کے اپنا لیڈر بنایا تھا۔ یہ کیا بیوقوفی کر رہے ہیں کہ چاروں طرف سے ہندو اور سکھ حملہ کر رہا ہے اور مار رہے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ تم اپنے پاس کوئی ہتھیار نہ رکھو۔ آپ یہ بتائیں کہ ہم جان کیسے بچائیں گے۔ کہنے لگے، کہئیے ہم بچائیں گے حکومت بچائے گی۔ جب انہوں نے کہا حکومت بچائے گی تو میں نے کہا، بہت اچھا۔ میں اس وقت اپنے ساتھ تمام علاقہ کا نقشہ لے کر گیا تھا۔ میں نے کہا۔ قادیان کے گرد اسّی گاؤں پر حملہ ہو چکا ہے جو ہندوؤں اور سکھوں نے جلا دیئے ہیں اور لوگ مار دیئے ہیں۔ میں یہ نقشہ آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ جب میں ان سے کہوں گا کہ دیکھو اپنے پاس ہتھیار نہ رکھو کیونکہ حکومت تمہیں بچائے گی تو وہ کہیں گے کہ سب سے آخری گاؤں جو حد پر تھا جس پر حملہ ہوا تو کیا گورنمنٹ نے اسے بچایا۔ میں کہوں گا۔ ارے گورنمنٹ عذا تھوڑی ہی ہے اسے آخر آہستہ آہستہ پتہ لگتا ہے کچھ عقل کرو۔ دو چار دن میں گورنمنٹ آجائے گی۔ پھر وہ اگلے گاؤں پر ہاتھ رکھیں گے اور کہیں گے۔ تین دن ہوئے یہ گاؤں جلا تھا۔ کیا گورنمنٹ نے مسلمانوں کو کوئی امداد دی۔ میں کہوں گا خیر کچھ دیر تو لگ جاتی ہے تو وہ اگلے گاؤں پر ہاتھ رکھیں گے۔ اچھا ہم مان لیتے ہیں کہ کچھ دیر لگنا ضروری ہے۔ مگر اس گاؤں پر حملہ کے وقت حکومت نے حفاظت کا انتظام کیوں نہ کیا میں نے کہا۔ یہ اسّی گاؤں ہیں۔ اسّی گاؤں پر پہنچ کر وہ مجھے فاتر العقل سمجھنے لگ جائیں گے یا نہیں کہ جتنے گاؤں ہم پیش کر رہے ہیں ان میں سے کسی پر بھی حملہ ہوا تو حکومت نہیں آئی۔ شرمندہ ہو گئے اور کہنے لگے میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ امن قائم رکھوں گا۔ میں نے کہا کتنی دیر میں۔ کہنے لگے پندرہ دن میں۔ پندرہ دن میں ریلیں بھی چلا دیں گے تاریں بھی کھل جائیں گی۔ ڈاکخانے بھی کھل جائیں گے اور ٹیلیفون بھی جاری ہو جائے گا۔ آپ چند دن صبر کریں۔ میں نے کہا۔ بہت اچھا ہم صبر کر لیتے ہیں۔ لیکن جب پندرہ دن ختم ہوئے تو آخری حملہ قادیان پر ہوا جس میں سب لوگوں کو نکال دیا گیا۔ پھر ان حملوں میں بچے مارے گئے اور ایسے ایسے ظالمانہ طور پر قتل کئے گئے کہ بچوں کے پیٹوں میں نیزے مار مار کے انہیں قتل کیا گیا ہم نے اس وقت تصویریں لی تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ بچوں کے ناک کاٹے ہوئے ہیں۔ کان چیرے ہوئے ہیں۔ پیٹ چرا ہوا ہے۔ انتڑیاں باہر نکلی ہوئی ہیں اور وہ تڑپ رہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے چھ چھ مہینہ کے اور سال سال کے تھے جن پر یہ ظلم کیا گیا۔"

("سیر روحانی" جلد سوم صفحہ ۲۵۳ تا ۲۵۵)

ہوم منسٹر مشرقی پنجاب کو لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ مشرقی پنجاب مسلمانوں سے خالی ہو گیا ہے۔ اب صرف قادیان باقی ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے اور احمدیہ جماعت کا مقدس مذہبی مرکز ہے۔ اسے تباہ کرنے میں مجھے کوئی حکمت نظر نہیں آتی۔ اگر اس کی حفاظت کی جائے تو یہ زیادہ معقول ہوگا۔ پھر ڈپٹی ہائی کمشنر کے مشورہ سے احمدیہ جماعت کا ایک وفد جالندھر گیا اور ڈاکٹر بھارگوا صاحب اور سردار سورن سنگھ صاحب سے[1] ملا اور چوہدری لہری سنگھ صاحب سے ملا۔ ان لوگوں نے یقین دلایا کہ وہ احمدیہ جماعت کے مرکز کو ہندوستان یونین میں رہنے کو ایک اچھی بات سمجھتے ہیں۔ اچھی بات ہی نہیں بلکہ قابلِ فخر بات سمجھتے ہیں اور یہ کہ فوراً اس معاملہ میں دخل دیں گے۔ پھر اس بارہ میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو بھی متواتر تاریں دی گئیں مسٹر گاندھی کو بھی متواتر تاریں دی گئیں۔[2] بہت سے ممالک سے ہندوستان یونین کے وزراء کو تاریں آئیں۔ انگلستان کے نومسلموں کا وفد مسٹر ہینڈرسن سے جو ہندوستان کے معاملات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ملا۔ مسز وجے لکشمی پنڈت نے بھی اپنے بھائی کو تار دی۔ اس عرصہ میں قادیان کے بہادر

---

[1] اس ملاقات کی خبر اخبار "نوائے وقت" لاہور نے اپنی ۲۵ستمبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں بھی دی تھی جو یہ تھی:-

"

مشرقی پنجاب کے وزیر اعظم سے احمدیوں کے وفد کی ملاقات

لاہور ۲۳ستمبر۔ آج احمدیوں کے ایک وفد نے مشرقی پنجاب کے وزیر اعظم ڈاکٹر گوپی چند بھارگو اور سردار سورن سنگھ سے ملاقات کرکے قادیان کے عوام پر حکومت کے ناجائز تشدّد کا شکوہ کیا۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کی اطلاع کے مطابق ڈاکٹر بھارگو اور سورن سنگھ نے اس وفد کو یہ یقین دلایا ہے کہ مشرقی پنجاب کی حکومت مسلمانوں کے مکمل اخراج کی خواہاں نہیں ہے"

(نوٹ: یہ پہلا وفد حسب ذیل ارکان پر مشتمل تھا۔ حضرت نواب محمد الدین صاحب۔ چوہدری اسد اللہ خان صاحب۔ جناب شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور۔ یہ وفد ۲۳ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو جالندھر میں مشرقی پنجاب کے وزراء اور ہوم منسٹر سے ملا)

[2] اخبار "انقلاب" لاہور ۲۰ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ پر "گاندھی جی کو مرکزی انجمن احمدیہ کا تار" کے عنوان سے حسب ذیل خبر شائع ہوئی:-

"لاہور ۱۸ستمبر پاکستان کی مرکزی جماعت احمدیہ نے گاندھی جی کی اس تجویز کا دلی خیر مقدم کیا ہے کہ آبادی کا تبادلہ نہ کیا جائے سکرٹری صاحب نے جو تار گاندھی جی کو بھیجا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ اقلیتوں کے تحفظ کی ذمہ داری متعلقہ حکومت پر عائد ہوتی ہے جو حکومت اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی وہ دُنیا کی نظروں میں قابل احترام نہیں ٹھہر سکتی۔ اور آبادی کا تبادلہ حکومتوں کو دیوالیہ بنا کر رکھ دیگا۔ وہ احمدی جن کے گھر مشرقی پنجاب میں ہیں وہ اپنے گھروں کو واپس چلے جانے پر آمادہ ہیں۔ گاندھی جی سے استدعا کی گئی کہ وہ اپنے اثر و رسوخ کو معرض استعمال میں لاکر ان لوگوں کی حفاظت کا انتظام کرائیں" (اوپی)

باشندے انسانوں کے ڈر کو دل سے نکال کر پولیس، ملٹری اور سکھ جتھوں کے مشترکہ حملوں کو برداشت کرتے چلے گئے۔ لیکن اس تمام لمبے زمانہ میں حکومت کی طرف سے کوئی قدم اصلاح کا نہیں اُٹھایا گیا۔ ان واقعات کی موجودگی میں ہندوستان یونین یہ نہیں کہہ سکتی کہ ہمیں اصلاح کا موقعہ نہیں ملا۔[1]

تیسرے: اپنے مقدس مقامات کو یونہی چھوڑ دینا ایک گناہ کی بات ہے۔ جب تک تمام ممکن انسانی کوششیں اس کے بچانے کے لئے خرچ نہ کی جائیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کام میں احمدیہ جماعت کو بہت سی قربانی کرنی پڑے گی اور بظاہر دُنیا کو وہ بیکار نظر آئے گی لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا

---

[1] جماعت احمدیہ کی طرف سے کس طرح ہر مرحلہ پر بھارتی حکومت اور اس کے راہنماؤں کو مطلع اور باخبر رکھا اور قیام امن کے لئے اپیلیں کیں، تار دیئے، وفود بھیجے۔ اس کی مکمل تفصیل حضرت قمرالانبیاء نے ایک کتابچہ "QADIAN A TEST CASE" میں نہایت جامعیت کے ساتھ شائع فرما دی تھیں۔ روزنامہ "انقلاب" نے اس رسالہ پر حسب ذیل الفاظ میں تبصرہ شائع کیا تھا:۔

تنقید و تبصرہ "قادیان ایک آزمائشی کیس"

QADIAN —— A TEST CASE

مرکزی انجمن احمدیہ (رتن باغ لاہور) کے چیف سیکرٹری صاحب نے سو صفحے کے اس پمفلٹ میں یہ بتایا ہے کہ ۱۲ اگست سے لے کر اب تک قادیان میں کیا کچھ، قتل، خون، لوٹ مار گرفتاریاں ہوئیں۔ ناظر امور عامہ قادیان نے ۱۲ ستمبر کو ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو ایک مفصل چٹھی لکھی جس میں قادیان کے واقعات بیان کرکے ان کے تدارک کی طرف توجہ دلائی۔ مرزا بشیر احمد صاحب نے سردار سورن سنگھ کو مراسلہ بھیجا۔ ناظر امور عامہ نے سردار پٹیل کو چٹھی لکھی۔ پھر ۷ اکتوبر کو پنڈت جواہر لال نہرو کو خط لکھا۔ حضرت امام جماعت احمدیہ نے پنڈت سندر لال کی وساطت سے گاندھی جی کو ایک بیان بھیجا۔ پھر چیف سیکرٹری انجمن احمدیہ نے ڈپٹی کمشنر اور علاقہ مجسٹریٹ کو خط لکھے۔ پھر پنڈت جواہر لال نہرو کو تار دیا۔ ائی کمشنر مسٹر ریکاش کو چٹھی لکھی۔ پھر ناظر امور خارجہ نے پنڈت جواہر لال نہرو کو خط لکھا۔

ان تمام مراسلات میں قادیان کے حوادث کی ۰۰۰۰۰ اطلاع دی گئی اور بتایا گیا کہ ہم پُرامن ہیں۔ پُرامن رہنا چاہتے ہیں۔ حکومت کے لئے کسی قسم کی پریشانی کا باعث نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن ہمارے ہاں بے شمار آدمی مارے جا چکے ہیں۔ سینکڑوں عورتیں اغوا کی جا چکی ہیں۔ قتل و خون کا بازار گرم ہے۔ ہماری جائیدادیں لوٹی جا رہی ہیں۔ اگر آپ کہیں تو ہم قادیان چھوڑ کر چلے جائیں۔ اگر آپ یہ کہنے کے لئے تیار نہیں۔ تو ہماری حفاظت کا انتظام کیجئے۔ لیکن ان تمام خطوط کا کسی نے جواب نہ دیا۔

اس پمفلٹ میں قادیان اور اس کے نواحی دیہات کی تباہی، مساجد کے انہدام، قتل و جروح اور لوٹ مار

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے حقیقت میں وہ بیکار نہیں ہو گی۔ وہ قربانی جو قادیان کے احمدی پیش کریں گے وہ پاکستان کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں کام آئے گی۔ اور اگر ہندوستان یونین نے اب بھی اپنا رویہ بدل لیا تو اس کا یہ رویہ ایک پائیدار صلح کی بنیاد رکھنے میں ممد ہو گا۔

جماعت احمدیہ کمزور ہے۔ وہ ایک علمی جماعت ہے۔ وہ فوجی کاموں سے ناواقف ہے۔ لیکن وہ اسلام کی عزت قائم رکھنے کے لئے اپنے ناچیز خون کو پیش کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ ہمارے سینکڑوں عزیز بھاگتے ہوئے نہیں اپنے حق کا مطالبہ کرتے ہوئے مارے گئے ہیں اور شاید اَور بھی مارے جائیں۔ کم سے کم لوکل حکام کی نیت یہی معلوم ہوتی ہے کہ سب کے سب مارے جائیں لیکن ہم خدا تعالیٰ سے یہ امید کرتے ہیں کہ وہ ہماری مدد کرے گا اور ہمارے دلوں کو صبر اور ایمان بخشے گا۔ ہمارے مارے جانے والوں کی قربانیاں ضائع نہیں جائیں گی وہ ہندوستان میں اسلام کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں کام آئیں گی۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو

خاکسار مرزا محمود احمد"[1]

سیدنا المصلح الموعود کا دوسرا اہم مضمون بعنوان "قادیان"

پہلے مضمون کے بعد قادیان کے حالات جلد جلد پلٹا کھانے لگے جس پر حضور نے "قادیان" ہی کے عنوان سے حسب ذیل دوسرا مضمون سپرد قلم فرمایا:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی تفصیلات کے اعداد و شمار بھی فراہم کئے گئے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ قادیان کے معاملے نے مشرقی پنجاب کی حکومت اور حکومت ہند کی بدنیتی اور فساد پروری کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ بعض دوسرے واقعات کے متعلق وہ لوگ لاعلمی کا اظہار کر سکتے ہیں۔ لیکن قادیان کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہیں واقعات کا علم نہ تھا۔ کیونکہ ہر مرحلے پر ہر متعلقہ حاکم اور وزیر کو اطلاع دی گئی۔ اخباروں میں شور مچایا گیا لیکن جالندھر اور دہلی والوں نے ایسی عجیب سادھی گویا سازش کر رکھی ہے۔ قادیان کے معاملے میں حکومت ہند اور حکومت مشرقی پنجاب پر غفلت اور سنگدلی اور مسلم کشی کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ قادیان والے تقسیم پنجاب کی رُو سے مشرق میں رہ گئے تھے اور امن و امان سے رہنے کا عہد کر چکے تھے لیکن انہیں بھی وہاں نہ رہنے دیا گیا اور ان کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہ کیا گیا"

(روزنامہ انقلاب لاہور ۷ جنوری ۱۹۴۸ء صفحہ ۱۱)

[1] "الفضل" ۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۱-۲

"ہم قادیان کے متعلق پہلے کچھ حالات لکھ چکے ہیں۔ ہم بتا چکے ہیں کہ قادیان اور مشرقی پنجاب کے دوسرے شہروں میں فرق ہے۔ قادیان کے باشندے قادیان میں رہنا چاہتے ہیں۔ لیکن مشرقی پنجاب کے دوسرے شہروں کے باشندوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ مشرقی پنجاب میں نہ رہیں۔ ہندوستان یونین کی گورنمنٹ بار بار کہہ چکی ہے کہ ہم کسی کو نکالتے نہیں۔ لیکن قادیان کے واقعات اس کے اس دعویٰ کی کامل طور پر تردید کرتے ہیں۔ حال ہی میں قادیان کے کچھ ذمہ دار افسر گورنمنٹ افسروں سے ملے اور باتوں باتوں میں ان سے کہا کہ آپ لوگ اپنی پالیسی ہم پر واضح کر دیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم قادیان چھوڑ دیں تو پھر صفائی کے ساتھ اس بات کا اظہار کر دیں۔ افسر مجاز نے جواب دیا کہ ہم ایسا ہرگز نہیں چاہتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ قادیان میں رہیں۔ جب اسے کہا گیا کہ وہ کہاں رہیں۔ پولیس اور ملٹری کی مدد سے سکھوں نے تو سب محلّوں کے احمدیوں کو زبردستی نکال دیا ہے اور سب اسباب لُوٹ لیا ہے۔ آپ ہمارے مکان خالی کرا دیں تو ہم رہنے کے لئے تیار ہیں تو اس پر افسر مجاز بالکل خاموش ہو گیا اور اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ درحقیقت وہ افسر خود تو دیانتدار ہی تھا لیکن وہ وہی کچھ رَٹ لگا رہا تھا جو اُسے اُوپر سے سکھایا گیا تھا۔ جب اس پر اپنے دعویٰ کا بودا ہونا ثابت ہو گیا تو خاموشی کے سوا اس نے کوئی چارہ نہ دیکھا۔ شاید دل ہی دل میں وہ ان افسروں کو گالیاں دیتا ہو گا جنہوں نے اسے یہ خلاف عقل بات سکھائی تھی۔

قادیان کے تازہ حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لکڑی تقریباً ختم ہے۔ گندم بھی ختم ہو رہی ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے غذا مہیا کرنے کا کوئی انتظام نہیں۔ اب تک ایک چھٹانک آٹا بھی گورنمنٹ نے مہیا نہیں کیا۔ عورتوں اور بچّوں کے نکالنے کا جو انتظام تھا اس میں دیدہ دانستہ روکیں ڈالی جا رہی ہیں۔ بارش ہوئے کو آج نو دن ہو چکے ہیں۔ بارش کے بعد قادیان سے دو قافلے آ چکے ہیں۔ اسی طرح قریباً روزانہ ہندوستانی یونین کے ٹرکس فوج یا پولیس سے متعلق قادیان آتے جاتے ہیں۔ اور اس کے ہمارے پاس ثبوت موجود ہیں۔ چار تاریخ کو پولیس کا ایک ٹرک قادیان سے چل کر واہگہ تک آیا۔ تین تاریخ کو پاکستان کے ان فوجی افسروں کے سامنے جو گورداسپور کی فوج سے قادیان جانے کی اجازت لینے گئے تھے ایک فوجی افسر نے آکر میجر سے پوچھا کہ وہ

ٹرک جو قادیان جانا تھا کس وقت جائے گا۔ پاکستانی افسروں کی موجودگی میں اس سوال کو سُن کر میجر گھبرا گیا اور اس کو اشارہ سے کہا چلا جا۔ اور پھر پاکستانی افسروں سے کہا اس شخص کو غلطی لگی ہے۔ قادیان کوئی ٹرک نہیں جا سکتا۔ چار ہی تاریخ کو پاکستان کے جو ٹرک قادیان گئے تھے اور ان کو بٹالہ میں روکا گیا تھا، انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دو ملٹری کے ٹرک قادیان سے بٹالہ آئے۔ سب سے کُھلا ثبوت اس بات کے غلط ہونے کا تو یہ ہے کہ انہی تاریخوں میں جن میں کہا جاتا ہے کہ قادیان جانے والی سڑک خراب ہے پُرانی ملٹری قادیان سے باہر آئی ہے اور نئی ملٹری قادیان گئی ہے۔ کیا یہ تبدیلی ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ پس یہ بہانہ بالکل غلط ہے اور اصل غرض صرف یہ ہے کہ قادیان کے باشندوں کو جنہوں نے استقلال کے ساتھ مشرقی پنجاب میں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے اس جُرم میں ہلاک کر دیا جائے کہ وہ کیوں مشرقی پنجاب میں سے نکلتے نہیں۔ مونہہ سے کہا جاتا ہے ہم کسی کو نکالتے نہیں۔ لیکن عمل سے اس بات کی تردید کی جاتی ہے۔ یہ بات اخلاقی لحاظ سے نہایت ہی گندی اور نہایت ناپسندیدہ ہے جماعت احمدیہ نے مسٹر گاندھی کے پاس بھی بار بار اپیل کی ہے، تاریں بھی دی ہیں اور بعض خطوط بھی لکھے ہیں لیکن مسٹر گاندھی کو ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں مسٹر نہرو کو بھی اس طرف توجہ دلائی گئی ہے مگر وہ بھی بڑے کاموں میں مشغول ہیں چند ہزار بیگناہ مسلمانوں کا مارا جانا ایسا معاملہ نہیں ہے جس کی طرف یہ بڑے لوگ توجہ کر سکیں۔ ایک چھوٹی سی مذہبی جماعت کے مقدس مقامات کی ہتک ان بڑے آدمیوں کے لئے کوئی قابل اعتناء بات نہیں۔ اگر اس کا سَوواں حصہ بھی انگریز قادیان میں بس رہے ہوتے اور ان کی جان کا خطرہ ہوتا تو لارڈ مونٹ بیٹن کو حقوقِ انسانیت کا جذبہ فوراً بے تاب کر دیتا۔ مسٹر گاندھی بیسیوں تقریریں انگریزوں کے خلاف کارروائی کرنے والوں کے متعلق پبلک کے سامنے کر دیتے۔ مسٹر نہرو کی آفیشل مشین فوراً متحرک ہو جاتی مگر کمزور جماعتوں کا خیال رکھنا خدا تعالیٰ کے سپرد ہے۔ وہی غریبوں کا والی وارث ہوتا ہے یا وہ انہیں ایسی تکالیف سے بچاتا ہے اور یا پھر وہ ایسے مظلوموں کا انتقام لیتا ہے۔ ہم تمام شریف دنیا کے سامنے اپیل کرتے ہیں کہ اس ظلم کے دُور کرنے کی طرف توجہ کریں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ پاکستان گورنمنٹ اس ظلم کو دُور کرنے میں کیوں بے بس ہے۔ بجائے

اس کے کہ ان باتوں کو سن کر پاکستان گورنمنٹ کے متعلقہ حکام کوئی موثر قدم اٹھاتے انہوں نے بھی یہ حکم دے دیا ہے کہ چونکہ قادیان کی سڑک کو مشرقی پنجاب نے ناقابل سفر قرار دیا ہے اس لئے آئندہ ہماری طرف سے بھی کوئی کانوائے وہاں نہیں جائے گی حالانکہ انہیں چاہئیے یہ تھا کہ جب مغربی پنجاب کے علاقوں میں بھی بارش ہوئی ہے تو وہ ان علاقوں کو بھی ناقابل سفر قرار دے دیتے اور مشرقی پنجاب جانے والے قافلوں کو روک لیتے۔ قادیان کے مصائب کو کم کرنے کا ایک ذریعہ یہ تھا کہ قادیان کو ریفیوجی کیمپ قرار دے دیا جاتا۔ لیکن دونوں گورنمنٹیں فیصلہ کر چکی ہیں کہ ریفیوجی کیمپ وہی گورنمنٹ مقرر کرے گی جس کی حکومت میں وہ علاقہ ہو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو معاہدہ ہو اس کی پابندی کی جائے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ اگر بار بار توجہ دلانے کے بعد بھی ہندوستان یونین مسلمان پناہ گزینوں کے بڑے بڑے کیمپوں کو ریفیوجی کیمپ قرار نہیں دیتی تو پاکستان کی حکومت کیوں مشرقی پنجاب کے پناہ گزینوں کے نئے مقامات کو ریفیوجی کیمپ قرار دے رہی ہے۔ حال ہی میں پاکستان گورنمنٹ نے پانچ نئے ریفیوجی کیمپ مقرر کئے جانے کا اعلان کیا ہے۔ کیا وہ اس کے مقابلہ میں ہندوستان یونین سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتی کہ تم بھی ہماری مرضی کے مطابق پانچ نئے کیمپ بناؤ۔ ہمیں موثق ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ حال ہی میں ہندوستان یونین نے ڈیرہ اسمٰعیلخاں میں ریفیوجی کیمپ بنانے کا مطالبہ کیا ہے جہاں صرف پانچ ہزار پناہ گزین ہیں۔ پاکستانی حکومت کو چاہئیے کہ ہندوستان یونین سے کہے کہ اگر تم ڈیرہ اسمٰعیلخاں میں کیمپ بنوانا چاہتے ہو تو قادیان میں بھی کیمپ بناؤ۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پاکستانی حکومت کا رُعب کم ہوتا جائے گا اور ہندوستان یونین کے مطالبات بڑھتے جائیں گے اور مسلمانوں کے حقوق پامال ہوتے چلے جائیں گے۔

تازہ آفیشل رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک سولہ لاکھ چھیالیس ہزار سات سو پچاس مسلمان مشرقی پنجاب کے کیمپوں میں پڑے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں صرف سات لاکھ سینتالیس ہزار دو سو بہتر غیر مسلم مغربی پنجاب میں ہیں۔ ہمارے حساب سے تو یہ اندازہ بھی غلط ہے مسلمان ساڑھے سولہ لاکھ نہیں۔ ۲۵-۲۶ لاکھ کے قریب مشرقی پنجاب میں پڑے ہیں اور خطرہ ہے کہ اپنے حقوق کو استقلال کے ساتھ نہ مانگنے کے نتیجہ میں یہ سات لاکھ غیر مسلم بھی جلدی سے اُدھر

نکل جائے گا اور ۲۵ لاکھ مسلمانوں میں سے مشکل ایک دو لاکھ ادھر پہنچے گا یا کوئی اتفاقی بچکر نکلا تو نکلا ورنہ جو کچھ سکھ جتھے اور سکھ ملٹری اور پولیس ان سے کر رہی ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی امید ان کے بچنے کی نظر نہیں آتی۔ بعض چھوٹے افسر یہ کہتے بھی سُنے گئے ہیں کہ مغربی پنجاب اتنے پناہ گزینوں کو سنبھال نہیں سکتا۔ پس جتنے مسلمان ادھر مرتے ہیں اس سے آبادی کا کام آسان ہو رہا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی خطرناک خیال ہے۔ ہمیں یقین ہے۔ مغربی پنجاب کی حکومت کے اعلیٰ حکام اور وزراء کا یہ خیال نہیں مگر اس قسم کا خیال چند آدمیوں کے دلوں میں بھی پیدا ہونا قوم کو تباہی کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے۔ مغربی پنجاب کے مسلمانوں کو جلدی منظّم ہو جانا چاہیئے اور جلد اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کی سعی کرنی چاہیئے۔ اگر آج تمام مسلمان منظّم ہو جائیں اور اگر آج بھی حکومت اور رعایا کے درمیان مضبوط تعاون پیدا ہو جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمان اس ابتلاء عظیم میں سے گذرنے کے بعد بھی بچ سکتا ہے اور ترقی کی طرف اس کا قدم بڑھ سکتا ہے"[1]

سیدنا المصلح الموعود کا تیسرا اہم مضمون بعنوان "قادیان کی خونریز جنگ"

مندرجہ بالا دو مضامین کے بعد سیدنا المصلح الموعود نے تیسرا اہم مضمون " قادیان کی خونریز جنگ " کے عنوان سے تحریر فرمایا جس میں پہلی بار دُنیا کے سامنے حملہ کی اہم تفصیلات منظرِ عام پر آئیں۔ اس مضمون[2] کا مکمل متن یہ تھا:۔

"أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّاصِرُ

قادیان کی خونریز جنگ

(از حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ)

اکتوبر کی پہلی تاریخ کو جب گورداسپور کی ملٹری نے قادیان میں کنوائے جانے کی ممانعت کر دی تو

---

[1] "الفضل" ۹ ماہ اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱ و ۲۔
[2] ۔ یہ مضمون بھی جو پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا گیا تھا بھارتی حکومت نے ضبط کر لیا تھا۔

میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ اب قادیان پر ظلم توڑے جائیں گے۔ لاہور میں کئی دوستوں کو میں نے یہ کہہ دیا تھا اور مغربی پنجاب کے بعض حکام کو بھی اپنے اس خیال کی اطلاع دے دی تھی۔ اس خطرہ کے مدنظر ہم نے کئی ذرائع سے مشرقی پنجاب کے حکام سے فون کر کے حالات معلوم کئے۔ لیکن ہمیں یہ جواب دیا گیا کہ قادیان میں بالکل خیریت ہے اور احمدی اپنے محلوں میں آرام سے بس رہے ہیں۔ صرف سڑکوں کی خرابی کی وجہ سے کنوائے کو روکا گیا۔ لیکن جب اس بات پر غور کیا جاتا کہ لاہور ایویکویشن کمانڈر کی طرف سے مشرقی پنجاب کے ملٹری حکام کو بعض کنوائز کی اطلاع دی گئی اور انہیں کہا کہ اگر قادیان کی طرف کنوائے جانے میں کوئی روک ہے تو آپ ہم کو بتا دیں۔ میجر چمنی سے بھی پوچھا گیا اور بریگیڈیر پریم پائے متعینہ گورداسپور سے بھی پوچھا گیا تو ان سب نے اطلاع دی کہ قادیان جانے میں کوئی روک نہیں۔ باوجود اس کے جب کنوائے گئے تو اُن کو بٹالہ اور گورداسپور سے واپس کر دیا گیا۔ یہ واقعات پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ ان واقعات نے میرے شبہات کو اور بھی قوی کر دیا۔ آخر ایک دن ایک فون جو قادیان سے ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے نام کیا گیا تھا اتفاقاً سیالکوٹ میں بھی سُنا گیا۔ معلوم ہوا کہ قادیان پر دو دن سے حملہ ہو رہا ہے اور بے انتہا ظلم توڑے جا رہے ہیں۔ پولیس حملہ آوروں کے آگے آگے چلتی ہے اور گولیاں مار مار کر احمدیوں کا صفایا کر رہی ہے۔ تب اصل حقیقت معلوم ہوئی۔

دوسرے دن ایک سب انسپکٹر پولیس[1] جو چھٹی پر قادیان گیا ہوا تھا کسی ذریعہ سے جس کا ظاہر کرنا مناسب نہیں لاہور پہنچا اور اس نے بہت سی تفاصیل بیان کیں۔ اس کے بعد ایک ملٹری گاڑی میں جو قادیان بعض مغربی پنجاب کے افسروں اور بعض مشرقی پنجاب کے افسروں کو قادیان کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی، بعض اَور لوگ تھے جنہوں نے اور تفصیل بیان کی ان حالات سے معلوم ہوا کہ حملہ سے پہلے کرفیو لگا دیا گیا تھا۔ پہلے قادیان کی پُرانی آبادی پر جس میں احمدیہ جماعت کے مرکزی دفاتر واقع ہیں، حملہ کیا گیا۔ اس حصہ کے لوگ اس حملہ کا مقابلہ کرنے لگے۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ باہر کے محلّوں پر بھی تھوڑی دیر بعد حملہ کر دیا گیا ہے۔ یہ لوگ سات گھنٹہ تک لڑتے رہے اور اس خیال میں رہے کہ یہ حملہ صرف مرکزی مقام پر ہے۔

---

[1] جناب راجہ محمد عبداللہ خاں صاحب (ابن راجہ مدد خاں صاحبؓ) مراد ہیں (مرتب)

باہر کے مقام محفوظ ہیں۔ چونکہ جماعت احمدیہ کا یہ فیصلہ تھا کہ ہم نے حملہ نہیں کرنا بلکہ صرف دفاع کرنا ہے اس لئے تمام محلّوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب تک ایک خاص اشارہ نہ کیا جائے کسی محلہ کو باقاعدہ لڑائی کی اجازت نہیں۔ جب افسر یہ تسلی کر لیں کہ حملہ اتنا لمبا ہو گیا ہے کہ اب کوئی شخص یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ احمدیہ جماعت نے مقابلہ میں ابتدا کی ہے، وہ مقررہ اشارہ کریں گے اس وقت جماعت منظم طور پر مقابلہ کرے گی۔ اس فیصلہ میں ایک کوتاہی رہ گئی وہ یہ کہ اس بات کو نہیں سوچا گیا کہ اگر پولیس بیرونی شہر اور اندرونی شہر کے تعلقات کو کاٹ دے تو ایک دوسرے کے حالات کا علم نہ ہو سکے گا۔ پس ان حالات میں ہر محلہ کا الگ کمانڈر مقرر ہو جانا چاہیئے جو ضرورت کے وقت آزادانہ کارروائی کر سکے۔ یہ غلطی اس وجہ سے ہوئی کہ قادیان کے لوگ فوجی تجربہ نہیں رکھتے وہ تو مبلغ، مدرّس، پروفیسر، تاجر اور زمیندار ہیں۔ ہر قسم کے فوجی نقطہ نگاہ پر عادی ہونا ان کے لئے مشکل ہے۔ بہرحال یہ غلطی ہوئی اور باہر کے محلوں نے اس بات کا انتظار کیا کہ جب ہم کو وہ اشارہ ملے گا۔ تب ہم مقابلہ کریں گے۔ لیکن اس وقت اتفاق سے سب ذمہ دار کارکن مرکزی دفاتر میں تھے اور باہر کے محلوں میں کوئی ذمہ دار افسر نہیں تھا۔ اور مرکز کے لوگ غلطی سے یہ سمجھ رہے تھے کہ حملہ صرف مرکزی مقام پر ہے باہر کے محلوں پر نہیں اور باہر کے محلے یہ سمجھ رہے تھے کہ ہمارے حالات کا علم مرکزی محلّہ کو ہو گا کسی مصلحت کی وجہ سے انہوں نے ہمیں مقابلہ کرنے کا اشارہ نہیں کیا۔ سات گھنٹہ کی لڑائی کے بعد جب مرکزی محلہ پر زور بڑھا تو مرکزی محلّہ کی حفاظت کے لئے معین اشارہ کیا گیا مگر اس وقت تک بہت سے بیرونی محلوں کو پولیس اور ایک حد تک ملٹری کے حملے صاف کروا چکے تھے۔ حملہ آوروں کی بہادری کا یہ حال تھا کہ سات گھنٹہ کے حملہ کے بعد جب جوابی حملہ کا بگل بجایا گیا تو پانچ منٹ کے اندر پولیس اور حملہ آور جتھے بھاگ کر میدان خالی کر گئے۔ ان حملوں میں دو سو سے زیادہ آدمی مارے گئے لیکن ان کی لاشیں جماعت کو اُٹھانے نہیں دی گئیں تا اُن کی تعداد کا بھی علم نہ ہو سکے اور ان کی شناخت بھی نہ ہو سکے۔ بغیر جنازہ کے اور بغیر اسلامی احکام کی ادائیگی کے یہ لوگ ظالم مشرقی پولیس کے ہاتھوں مختلف گڑھوں میں دبا دیئے گئے تاکہ دُنیا کو اس ظلم کا اندازہ نہ ہو سکے جو اس دن قادیان میں مشرقی پنجاب کی پولیس نے کیا تھا۔ مشرقی پنجاب کے

بالا حکام سے جو ہمیں اطلاع ملی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقامی حکام نے مرکزی حکام کو صرف یہ اطلاع دی کہ سکھ جتھوں نے احمدی محلّوں پر حملہ کیا۔ تیس آدمی سکھ جتھوں کے مارے گئے اور تیس آدمی احمدیوں کے مارے گئے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دو سَو سے زیادہ قادیان میں احمدی مارے گئے جن میں کچھ غیر احمدی بھی شامل تھے جیسا کہ آگے بتایا جائے گا اور سکھ بھی تیس سے زیادہ مارے گئے کیونکہ گو اس غلطی کی وجہ سے جو اُوپر بیان ہو چکی ہے منظم مقابلہ نہیں کیا۔ لیکن مختلف آدمی بھی حفاظتی چوکیوں پر تھے، انہوں نے اچھا مقابلہ کیا اور بہت سے حملہ آوروں کو مارا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جب باہر سے پولیس اور سکھ حملہ کر رہے تھے اور ملٹری بھی ان کے ساتھ شامل تھی (گو کہا جاتا ہے کہ ملٹری کے اکثر سپاہیوں نے ہوا میں فائر کئے ہیں) اس وقت کچھ پولیس کے سپاہی محلّوں کے اندر گھُس گئے اور انہوں نے احمدیوں کو مجبور کیا کہ یہ کرفیو کا وقت ہے اپنے گھروں میں گھُس جائیں۔ چنانچہ ایک احمدی گریجوایٹ[۱] جو اپنے دروازے کے آگے کھڑا تھا اسے پولیس مین نے کہا کہ تم دروازے کے باہر کیوں کھڑے ہو۔ جب اس نے کہا کہ یہ میرا گھر ہے، مَیں اپنے گھر کے سامنے کھڑا ہوں تو اسے شوٹ کر دیا گیا اور جب وہ تڑپ رہا تھا تو سپاہی نے سنگین سے اس پر حملہ کر دیا اور تڑپتے ہوئے جسم پر سنگین مار مار کر اسے مار دیا۔ اس کے بعد بہت سے محلّوں کو لُوٹ لیا گیا اور اب ان کے اندر کسی ٹوٹے پھوٹے سامان یا بے قیمت چیزوں کے سوا کچھ باقی نہیں۔ مرکزی حصّہ پر جو حملہ ہوا اس میں ایک شاندار واقعہ ہوا ہے جو قرونِ اولیٰ کی قربانیوں کی یاد دلاتا ہے۔ جب حملہ کرتے ہوئے پولیس اور سکھ شہر کے اندر گھُس آئے اور شہر کے مغربی حصّہ کے لوگوں کو مار پیٹ کر خالی کرانا چاہا۔ اور وہ لوگ مشرقی حصّہ میں منتقل ہو گئے تو معلوم ہوا کہ گلی کے پار ایک گھر میں چالیس عورتیں جمع تھیں وہ وہیں رہ گئی ہیں۔ بعض افسران کو نکلوانے کے لئے گلی کے سِرے پر جو مکان تھا وہاں پہنچے اور ان کے نکالنے کے لئے دو نوجوانوں کو بھیجا۔ یہ نوجوان جس وقت گلی پار کرنے لگے تو سامنے کی چھتوں سے پولیس نے ان پر بے تحاشا گولیاں چلانی شروع کیں اور وہ لوگ واپس گھر میں آنے پر مجبور ہو گئے۔ تب لکڑی کے تختے منگوا کر گلی کے مشرقی اور مغربی مکانوں کی دیواروں پر رکھ کر عورتوں کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کی گئی۔ جو نوجوان اس

---

[۱] :- مرزا احمد شفیع صاحب بی۔ اے (ناقل)

کام کے لئے گئے ان میں ایک غلام محمد صاؔحب ولد مستری غلام قادر صاحب سیالکوٹ تھے اور دوسرے عبد الحق نام قادیان کے تھے جو احمدیت کی طرف مائل تو تھے مگر ابھی جماعت میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ یہ دونوں نوجوان برستی ہوئی گولیوں میں سے تختے پر سے کودتے ہوئے اس مکان میں چلے گئے جہاں چالیس[1] عورتیں محصور تھیں۔ انہوں نے ایک ایک عورت کو کندھے پر اٹھا کر تختے پر ڈالنا شروع کیا اور مشرقی مکان والوں نے انہیں کھینچ کھینچ کر اپنی طرف لانا شروع کیا۔ جب وہ اپنے خیال میں سب عورتوں کو نکال چکے اور خود واپس آ گئے تو معلوم ہوا کہ انتالیس عورتیں آئی ہیں اور ایک بڑھیا عورت جو گولیوں سے ڈر کے مارے ایک کونے میں چھپی ہوئی تھی رہ گئی ہے۔ اب اِرد گرد کی چھتوں پر پولیس جتھوں کا ہجوم زیادہ ہو چکا تھا گولیاں بارش کی طرح گر رہی تھیں اور بظاہر اس مکان میں واپس جانا ناممکن تھا مگر میاں غلام محمد صاحب ولد میاں غلام قادر صاحب سیالکوٹی نے کہا جس طرح بھی ہو میں واپس جاؤں گا اور اس عورت کو بچا کر لاؤں گا اور وہ برستی ہوئی گولیوں میں جو نہ صرف درمیانی راستہ پر برسائی جا رہی تھیں بلکہ اس گھر پر بھی برس رہی تھیں جہاں احمدی کھڑے ہوئے بچاؤ کی کوشش کر رہے تھے کود کر اس تختے پر چڑھ گئے جو دونوں مکانوں کے درمیان پُل کے طور پر رکھا گیا تھا۔ جب وہ دوسرے مکان میں کود رہے تھے تو رائفل کی گولی ان کے پیٹ میں لگی اور وہ مکان کے اندر گر پڑے۔ مگر اس حالت میں بھی اس بہادر نوجوان نے اپنی تکلیف کی پروا نہ کی اور اس

---

[1] بعض احمدی عورتوں نے بھی اس دن شجاعت اور بہادری کا شاندار نمونہ دکھایا۔ چنانچہ سیدنا المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"جب قادیان میں ہندوؤں اور سکھوں نے حملہ کیا تو شہر کے باہر کے ایک محلہ میں ایک جگہ پر عورتوں کو اکٹھا کیا گیا اور ان کی سردار بھی ایک عورت ہی بنائی گئی جو بھیرہ کی رہنے والی تھی اس عورت نے مردوں سے بھی زیادہ بہادری کا نمونہ دکھایا۔ ان عورتوں کے متعلق یہ خبریں آئی تھیں کہ جب سکھ یا ہندو حملہ کرتے تو وہ عورتیں ان دیواروں پر چڑھ جاتیں جو حفاظت کی غرض سے بنائی گئی تھیں اور ان سکھوں اور ہندوؤں کو جو تلواروں اور بندوقوں سے ان پر حملہ آور ہوتے تھے بھگا دیتی تھیں اور سب سے آگے وہ عورت ہوتی تھی جو بھیرہ کی رہنے والی تھی۔ اور ان کی سردار بنائی گئی تھی"

(رسالہ مصباح ماہ صلح/جنوری ۱۳۳۶ہش/۱۹۵۷ء، الازھار لذوات الخمار صفحہ ۱۷۱ بار دوم حصہ دوم)

بڑھیا کو تلاش کر کے تختے پر چڑھانے کی کوشش کی لیکن شدید زخموں کی وجہ سے وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا اور دو تین کوششوں کے بعد نڈھال ہو کر گر گیا۔ اس پر میاں عبدالحق صاحب نے کہا کہ میں جا کر ان دونوں کے بچانے کی کوشش کرتا ہوں اور وہ کود کر اس تختہ پر چڑھ گئے۔ ان کو دیکھتے ہی ایک پولیس مین دوڑا ہوا آیا اور ایک پاس کے مکان سے صرف چند فٹ کے فاصلہ پر سے ان کی کمر میں گولی مار دی اور وہ وہیں فوت ہو گئے۔ جب حملہ آور بگل بجنے پر دوڑ گئے تو زخمی غلام محمد صاحب اور اس بڑھیا کو اس مکان سے نکالا گیا۔ چونکہ ہسپتال پر پولیس نے قبضہ کر لیا ہے اور وہاں سے مریضوں کو زبردستی نکال دیا ہے اور تمام ڈاکٹری آلات اور دوائیاں وہاں ہی پڑی ہیں، مریضوں اور زخمیوں کا علاج نہیں کیا جا سکتا اور یوں بھی غلام محمد صاحب شدید زخمی تھے معمولی علاج سے بچ نہ سکے اور چند گھنٹوں میں فوت ہو گئے مرنے سے پہلے انہوں نے ایک دوست کو بلایا اور اسے یہ باتیں لکھوائیں کہ "مجھے اسلام اور احمدیت پر پکا یقین ہے۔ میں اپنے ایمان پر قائم جان دیتا ہوں۔ میں اپنے گھر سے اسی لئے نکلا تھا کہ میں اسلام کے لئے جان دوں گا۔ آپ لوگ گواہ رہیں کہ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور جس مقصد کے لئے جان دینے کے لئے آیا تھا میں نے اس مقصد کے لئے جان دے دی۔ جب میں گھر سے چلا تھا تو میری ماں نے نصیحت کی تھی کہ بیٹا دیکھنا پیٹھ نہ دکھانا۔ میری ماں سے کہہ دینا کہ تمہارے بیٹے نے تمہاری وصیت پوری کر دی اور پیٹھ نہیں دکھائی اور لڑتے ہوئے مارا گیا۔"

چونکہ ظالم پولیس نے سب راستوں کو روکا ہوا ہے مقتولین کو مقبروں میں دفن نہیں کیا جا سکا اس لئے جو لوگ فوت ہوتے ہیں یا قتل ہوتے ہیں انہیں گھروں میں ہی دفن کیا جاتا ہے ان نوجوانوں کو بھی گھروں میں ہی دفن کرنا پڑا۔ اور میاں غلام محمد اور عبدالحق دونوں کی لاشیں میرے مکان کے ایک صحن میں پہلو بہ پہلو سپرد خاک کر دی گئیں۔

یہ دونوں بہادر اور سینکڑوں اور آدمی اس وقت منوں مٹی کے نیچے دفن ہیں لیکن انہوں نے اپنی قوم کی عزت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ مرنے والے مر گئے۔ انہوں نے بہر حال مرنا ہی تھا۔ اگر اور کسی صورت میں مرتے تو ان کے نام کو یاد

رکھنے والا کوئی نہ ہوتا اور وہ اپنے دین کی حفاظت اور اسلام کا جھنڈا اُونچا رکھنے کے لئے مرے ہیں۔ اس لئے حقیقتاً وہ زندہ ہیں۔ اور آپ ہی زندہ نہیں بلکہ اپنے بہادرانہ کاموں کی وجہ سے آئندہ اپنی قوم کو زندہ رکھتے چلے جائیں گے۔ ہر نوجوان کہے گا کہ جو قربانی ان نوجوانوں نے کی وہ ہمارے لئے کیوں ناممکن ہے۔ جو نمونہ انہوں نے دکھایا وہ ہم کیوں نہیں دکھا سکتے۔ خدا کی رحمتیں ان لوگوں پر نازل ہوں اور ان کا نیک نمونہ مسلمانوں کے خون کو گرماتا رہے اور اسلام کا جھنڈا ہندوستان میں سرنگوں نہ ہو۔

اسلام زندہ باد ! محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم زندہ باد !

خاکسار

مرزا محمود احمد "[1]

سیدنا المصلح الموعود کے خطبہ جمعہ میں شہدائے قادیان کا درد انگیز ذکر

اب ہم سیدنا المصلح الموعود کے ایک خطبہ جمعہ (فرمودہ ۱۰/ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء) کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جس میں شہدائے قادیان سے ہونے والے بہیمانہ سلوک کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ حضور نے فرمایا:-

"آج ایک عرصہ کے بعد قادیان سے جو خطوط موصول ہوئے ہیں ان سے اور اُن آنے والوں سے جو پچھلے ایک دو دن میں یہاں آئے ہیں وہ حالات معلوم ہوئے ہیں جو گذشتہ چھ دنوں میں گورنمنٹ کے مقامی نمائندوں نے قادیان میں پیدا کر دیئے تھے اور جن کی مثال شاید پُرانے زمانہ کی وحشی اقوام میں بھی نہیں ملتی۔ ہمارے دو سَو سے زیادہ احمدی مارے گئے ہیں اور ان کی لاشیں بھی ہمارے حوالے نہیں کی گئیں بلکہ گڑھے کھود کر ان کو خود ہی دفن کر دیا گیا ہے۔ جنرل تھمایا جو ایسٹ پنجاب گورنمنٹ میں جالندھر ڈویژن کے افسر ہیں وہ بعض احمدیوں کے ساتھ ایک سکیم کے ماتحت جب قادیان گئے تو انہوں نے کہا ہماری رپورٹیں تو یہ ہیں کہ تیس کے قریب احمدی مارے گئے ہیں اور جب انہوں نے افسروں سے پوچھا کہ کتنے احمدی مارے گئے ہیں تو انہوں نے بھی کہا۔ ٹھیک ہے تیس احمدی مارے گئے ہیں۔ اس وقت ہمارے لوکل نمائندوں

---

[1] "الفضل" ۱۱/ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۱-۲ *

نے کہا کہ آپ کہتے ہیں تیس احمدی مارے گئے ہیں۔ ہمیں ایک گڑھے کا علم ہے جس میں چالیس احمدیوں کی لاشیں دبائی گئی ہیں۔ چلئے ہم ابھی آپ کو وہ چالیس لاشیں دکھانے کے لئے تیار ہیں اور اس کے علاوہ ہم اَور بھی کئی گڑھے دکھا سکتے ہیں جن میں احمدیوں کو دفن کیا گیا ہے۔ اس پر جنرل تھمایا خاموش ہو گئے (مگر تعصب کا بُرا ہو کہ ریڈیو کے اعلان سے معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے جا کر رپورٹ یہی دی ہے کہ قادیان پر معمولی حملہ ہوا۔ دونوں طرف کے ساٹھ آدمی مارے گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون) نہایت ذلیل ترین حرکت جو کوئی قوم کر سکتی ہے وہ مُردوں کی ہتک ہے۔ ایک ہزار سال تک مسلمانوں کے ساتھ رہنے کے بعد کیا ہندو اور سکھ قوم یہ نہیں سمجھ سکتی تھی کہ مسلمانوں میں جنازہ کے متعلق کیا احکام ہیں۔ وہ کس طرح غسل دیتے، کفن پہناتے جنازہ پڑھتے اور پھر اپنے مُردوں کو دفن کرتے ہیں مگر ان اسلامی رسوم کے ادا کرنے سے بھی ہمیں محروم کر دیا گیا اور ہماری لاشوں کو بغیر اس کے کہ ہم ان کا جنازہ پڑھتے گڑھوں میں دبا دیا گیا۔ ہمارے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا طریق تو یہ تھا کہ جنگ احزاب کے موقعہ پر جب کفار کا ایک لیڈر خندق میں گرا اور وہیں مارا گیا تو مکہ والوں نے کئی ہزار روپیہ اس غرض کے لئے پیش کیا کہ اس شخص کی لاش ہمیں دے دی جائے۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جواب دیا کہ ہم نے تمہارا مُردہ رکھ کر کیا کرنا ہے تم اس کو اُٹھا کر لے جاؤ اور اپنا روپیہ بھی اپنے پاس رکھو۔ لیکن یہ وہ گورنمنٹ ہے جو کہتی ہے کہ ہم ایک بڑے مُلک کی گورنمنٹ ہیں جو کہتی ہے کہ رعایا ہماری فرمانبردار رہے۔ کیا یہی طریقے فرمانبرداری کے حصول کے ہوتے ہیں اور کیا یہ طریق حکومت کرنے کے ہوتے ہیں کہ بیگناہ شہریوں کو مارا جائے، بے قصور شہریوں کو قتل کیا جائے اور پھر ان کی لاشوں کی تذلیل کی جائے اور گڑھوں میں بغیر گور و کفن کے دفن کر دیا جائے۔ بہرحال وہ مرنے والے مر گئے اور ہر حالت میں انہوں نے مَرنا ہی تھا۔ اب وہ ہماری یادگار اور ہماری تاریخ کی امانت ہیں اور ہماری جماعت ان کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ رکھے گی اور اگر وہ بے نام ہیں تب بھی وہ احمدیہ تاریخ میں زندہ رہیں گے اور احمدی نوجوان ان کے واقعہ کو اپنے سامنے رکھ کر ہمیشہ قربانی کی رُوح اپنے اندر تازہ رکھیں گے۔ پس وہ مَرے نہیں زندہ ہیں۔ خدا کرے اُن کی

قربانی ضائع نہ جائے بلکہ ہماری جماعت کے افراد اُن سے سبق حاصل کریں اور اسی قسم کی قربانی کے لئے ہر احمدی تیار ہے "[1]

کوائفِ قادیان سے متعلق سیدنا المصلح الموعود کی پریس کانفرنس

سیدنا حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے ۱۶ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ہش/ ۱۹۴۷ء کو لاہور کے پریس نمائندوں کو بیان دیتے ہوئے فرمایا:-

" قادیان کے مقامی افسر اب ہم کو قادیان سے ایسی چیزیں اور سامان بھی نہیں لانے دیتے جن کی ان کو تو ضرورت نہیں مگر ہمارے لئے وہ نہایت ضروری ہے. مثلاً ہماری لائبریری کو جس میں ہماری مذہبی علمی کتب کا نہایت قیمتی ذخیرہ ہے جن میں بعض عربی کے قلمی نسخے بھی ہیں بند کر کے مُہر لگا دی گئی ہے. نیز ہمارے ضیاءالاسلام پریس کو بھی جس سے الفضل چھپتا تھا سیل کر دیا گیا ہے. پھر ہماری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا سامان ہے. ڈاکٹر بھٹناگر نے جب وہ قادیان گئے تھے تو انہوں نے بھی کہا تھا کہ ہندوستان کے بہترین انسٹی ٹیوٹوں میں اس کا شمار ہو سکتا ہے. لیکن مسلمانوں کا تو یہ واحد سائنس کا ادارہ ہے وہ بھی ضبط ہو گیا ہے. فسادات کی وجہ سے ہمارا یہ کام دو سال پیچھے جا پڑا ہے.

آپ نے فرمایا. اب ہمارے ٹرک جو قادیان سے عورتوں اور بچوں کے لینے کے لئے گئے تھے پہلے ان کو باہر ہی روک دیا گیا. پھر جب وہ باہر سامان اور بچوں اور عورتوں کو لے کر نکلے تو سکھوں اور پولیس نے حملہ کر کے سامان لُوٹ لیا. حالانکہ یہاں سے ہندو اور سکھ پناہ گزین بہت سا سامان ساتھ لے جاتے ہیں مگر اُدھر سے مسلمانوں کا سامان نہیں آنے دیا جاتا.

آپ نے کہا کہ قادیان کی بڑی آبادی کو نہایت چھوٹی سی جگہ میں مقید کر دیا گیا ہے. یہانتک کہ کثرت نفوس کی وجہ سے ٹخنوں ٹخنوں تک غلاظت جمع ہو گئی تھی جس کو ہمارے لڑکوں اور دیگر احمدیوں نے خود صاف کیا. ہسپتال بھی ہمارے قبضہ سے لے لیا گیا ہے اور زخمیوں اور بیماروں کو وہاں سے نکال دیا گیا ہے جن کا اب علاج کرنا بھی مُشکل ہو گیا

---

[1] " الفضل " ۱۸ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ہش/ ۱۹۴۷ء صفحہ ۱-۲

ہے۔ آپ نے کہا کہ ہمارے ۲۰۰ آدمی وہاں حملوں میں مارے گئے ہیں۔ قادیان میں دونوں حکومتوں کے نمائندے جنرل کری آپا کے حکم سے تحقیقات کے لئے گئے تھے لیکن جنرل تھمایا نے حکومت ہندوستان کو بالکل خلافِ واقعہ رپورٹ دی ہے۔ اتنے بڑے افسر سے اتنی امید نہ تھی۔ آپ کو قادیان میں اس وفد کے سامنے ہمارے لوگوں نے واضح طور پر بتا دیا تھا کہ ۲۰۰ مسلمان شہید ہوئے ہیں اور حملہ کروا کر ہمارے محلوں کو لُوٹ لیا اور خالی کرا لیا گیا اور بے شمار مال لُوٹ لیا گیا اس پر جب جنرل تھمایا نے سوال کیا کہ میری رپورٹ تو یہ ہے کہ صرف تیس آدمی مرے ہیں۔ تو میرے بڑے لڑکے نے بتایا کہ مَیں آپ کو صرف ایک گڑھا ایسا بتا سکتا ہوں جس میں ۲۸ مسلمان دبے پڑے ہیں اور ابھی اَور بھی بہت سے گڑھے ہیں۔ اس پر تھمایا صاحب خاموش ہو گئے۔ مگر پھر بھی بیان اس کے خلاف دیا۔ جن پناہ گزینوں کو قافلوں کی صورت میں قادیان سے بالجبر بھیجا گیا تھا ان کو خوراک نہیں دی گئی۔

ایک عورت کا بیان ہے کہ اس نے چھ دن شیشم کے پتے کھا کر گذارے۔ ہماری جماعت نے قادیان سے قافلے کے لئے ۲۰ بوری گندم اُبال کر افسروں کی خواہش پر بھیجی مگر وہ بھی اُن کو نہ دی گئی اور جانوروں کو کھلا دی گئی۔

پھر کئی دن کے بعد ان کو آدھی آدھی روٹی دی گئی اور ساتھ یہ کہا کہ ہم نے مسٹر جناح اور تمہارے خلیفہ کو تار دی تھی مگر انہوں نے روٹی نہیں دی مگر آج نہرو جی کی طرف سے تم کو کھلائی جاتی ہے۔

ان حالات کے باوجود ہمارا پختہ ارادہ ہے کہ جب تک حکومتِ ہندوستان ہم کو قادیان سے نکل جانے کا حکم نہیں دے گی ہمارے آدمی قادیان کو نہیں چھوڑیں گے اگرچہ ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے نوجوان وہاں مارے جائیں گے مگر قومیں قربانی کے بغیر ترقی نہیں کر سکتیں۔ اگر ہم آج قربانیاں نہ دیں گے تو ہماری آئندہ نسلوں کو بھی قربانیاں دینے کی تحریک نہ ہو گی۔

آپ نے فرمایا کہ میرے لڑکے نے بذریعہ فون مجھے بتایا ہے کہ ایک اکالی لیڈر نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ اگر ننکانہ صاحب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کا ہمیں یقین دلایا جائے تو ہم قادیان کے مقدس حصہ کو آباد رہنے دیں گے۔

مگر یہ صرف قادیان کا سوال نہیں بلکہ اسلامی مقدس مقامات کا سوال ہے مثلاً سرہند، درگاہ نظام الدین اولیاء، درگاہ اجمیر شریف وغیرہ۔ ان کے متعلق باعزت سمجھوتہ کی کوشش ہونی چاہیئے۔

آپ نے فرمایا کہ میرے خیال میں ہمارے مقدس مقامات جو مشرقی پنجاب اور ہندوستان میں واقع ہیں ہمیں ان کو بغیر قربانی کے کبھی نہیں چھوڑنا چاہیئے کیونکہ قومی زندگی کے لئے ایسی قربانیاں نہایت ضروری ہوتی ہیں۔

آپ نے کشمیر کے متعلق فرمایا کہ کشمیر اور حیدرآباد کا فیصلہ اکٹھا اور ایک ہی اصول پر ہونا چاہیئے ورنہ ڈر ہے کہ دونوں ہاتھ سے نکل جائیں۔ اگر حکمران کی مرضی پر فیصلہ ہو تو ہمیں حیدرآباد مل جائے گا۔ اور اگر رعایا کی مرضی پر ہو تو ہمیں کشمیر مل جائے گا۔ اگر اکٹھا فیصلہ نہ ہوا تو اس سے مسلمانوں کو سخت نقصان ہوگا۔ کیونکہ ایک فیصلہ کو اپنے حق میں کرا کے انڈین یونین پھر اپنا اصول بدل کر دوسری ریاست کے بارے میں جھگڑا کر سکتی ہے۔

بالآخر آپ نے فرمایا کہ گو حیدرآباد اور کشمیر دونوں کا سوال اہم ہے مگر بعض لحاظ سے میرے خیال میں کشمیر کا معاملہ بہت زیادہ اہم ہے خصوصاً اس لئے کہ اس سے پاکستان کی حفاظت اور مضبوطی پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔"[1]

قادیان پر جبر و تشدد کے متفرق خونی واقعات کا جامع نقشہ ایک مستند عینی شاہد کے قلم سے

قادیان کے کوائف کا خلاصہ، اس پر حملہ کی تفصیلات درج ہو چکیں۔ اب ہمیں اس دور جبر و تظلم کے متفرق خونی واقعات کا ایک جامع نقشہ قارئین کے سامنے رکھنا ہے۔ سیدنا المصلح الموعود اور حضرت قمر الانبیاء کے علاوہ قادیان سے ہجرت کے معاً بعد متعدد اہل قلم احمدی اصحاب مثلاً خواجہ غلام نبی صاحب بلانوی سابق ایڈیٹر الفضل، حضرت ڈاکٹر محمد طفیل صاحب بٹالوی[2]، مولانا ابوالعطاء صاحب[3] اور

---

[1] "الفضل" ۲۷ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ - ۵۔

[2] ملاحظہ ہو "الفضل" ۷ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ - ۴۔

[3] آپ کے ایام محاصرہ سے متعلق دو قیمتی نوٹ "الفضل" ۲۴ تبلیغ / فروری ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۴، "الفضل" ۳۰ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۵ میں شائع شدہ ہیں۔

قریشی ضیاءالدین صاحب بی۔اے، ایل ایل بی ایڈووکیٹ[۱] اور بعض دوسرے اصحاب نے بھی اپنے چشم دید اور گوش شنید واقعات شائع کرا دیئے تھے۔ جن میں سب سے مفصل خواجہ غلام نبی صاحب بلانوی کے قلم سے نکلے جنہوں نے "قادیان کے المناک اور خونچکاں حادثات میں سے کچھ" کے زیر عنوان آٹھ اقساط میں ایک مبسوط اور مستند مضمون لکھا تھا جو ذیل میں لفظاً لفظاً درج کیا جاتا ہے:۔

"مَیں حال ہی میں اس قافلہ کے ساتھ قادیان سے لاہور پہنچا ہوں جس میں پچاس سال سے زائد عمر کے اصحاب کو بھیجا گیا ہے۔ مَیں نے قادیان میں شروع سے لے کر ۲۰ اکتوبر تک اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا اور کانوں سے سُنا وہ اگرچہ مقامی پولیس اور ملٹری کی عائد کردہ پابندیوں اور انتہائی خطرات کی وجہ سے جو سیلاب کی طرح اُمڈے چلے آتے تھے، ایک نہایت ہی محدود اور مختصر حلقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ تاہم اس بات کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے کہ ان ایام میں قادیان کی مقدس بستی اور اس کے امن پسند ساکنین جو اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر قادیان میں آ بیٹھے تھے اور جن کی زندگی کا مقصد اپنے خالق و مالک کی عبادت اور رضا جوئی اور اس کی مخلوق کی خواہ وہ کسی مذہب و ملّت کی ہو خدمت گذاری اور خیر خواہی تھی اور جو گذشتہ نصف صدی سے زائد عرصہ سے اپنے قول اور فعل سے اس بات کا ناقابل تردید ثبوت دُنیا کے سامنے پیش کرتے چلے آ رہے ہیں، ان پر کیا کچھ گذری۔ کیسے کیسے شرمناک اور انسانیت سوز مظالم کا انہیں نشانہ بنایا گیا اور حکومت کے ان کارندوں نے جو قیام امن کے ذمہ دار، قانون کے محافظ اور رعایا کی جان و مال اور عزّت و آبرو کے نگہبان سمجھے جاتے ہیں۔ امن پسند، قانون کے پابند اور مخلوقِ خدا کے حقیقی خیر خواہ اور ہمدرد انسانوں کو بلا وجہ اور بغیر قصور کس طرح انتہائی مصائب اور آلام کا نشانہ بنایا اور اس وقت تک چین نہ لیا جب تک گلستان کی طرح پھلے پھولے قادیان کو اور اس کے بے شر ساکنین کو بے گھر نہ کر دیا اور بستے گھروں کو اُجاڑ کر وحشی لٹیروں کی تحویل میں نہ دے دیا چونکہ میرا مکان محلہ دارالرحمت میں واقع تھا اور آبادی کے مغرب میں اسی طرف تھا جدھر سے سوچی سمجھی ہوئی سکیم کے مطابق انتہائی شدّت اور پورے انتظام کے ساتھ سکھ غنڈوں نے کثیر تعداد میں جمع ہو کر پولیس اور ملٹری کی امداد کے ساتھ ۳ اکتوبر کو حملہ کیا اور مَیں اپنے مکان کی چھت پر

---

[۱] "الفضل" ۳۰ صلح/جنوری، ۲۰ امان/مارچ، ۱۹ امان/مارچ ۱۳۲۷ھش ؍ ۱۹۴۸ء

کھڑے ہو کر کسی قدر ان کی نقل و حرکت دیکھ سکا۔ اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ میں چشم دید واقعات اور دوسرے حالات جو براہ راست شنید سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کی صداقت میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، احباب کے سامنے پیش کروں۔

۱۔ بلا وجہ کرفیو

قادیان میں تشدد تو اسی دن سے شروع کر دیا گیا تھا جس دن کہ مسلمان ملٹری کو واپس بلا لیا گیا تھا۔ گو ارد گرد کے مسلمانوں کے دیہات اس سے پہلے ہی سکھوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بن کر اور اپنا سب کچھ لٹا کر ہزاروں کی تعداد میں روزانہ قادیان آنے لگ گئے تھے۔ لیکن ۱۲ر ستمبر کو جب قادیان میں بلا وجہ کرفیو لگا دیا گیا۔ بلا وجہ اس لئے کہ فرقہ وارانہ فساد تو رہا ایک طرف، کوئی معمولی لڑائی جھگڑے کا واقعہ بھی تو رونما ہوا تھا اور نہ اس بات کا امکان تھا۔ کیونکہ جماعت احمدیہ کو نہ صرف پُر امن رہنے اور قانون کی پوری پوری پابندی کرنے کے متعلق حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالےٰ احکام جاری کر چکے تھے جن کی تعمیل ہر احمدی اپنے لئے باعث سعادت یقین کرتا تھا خواہ اس کے لئے اپنی جان اور مال ہی کیوں نہ قربان کر دینا پڑتا۔ بلکہ یہ بھی ارشاد فرما چکے تھے کہ ان مصیبت اور افراتفری کے ایام میں ہر اس شخص کو امداد دو جو تمہاری امداد کا محتاج ہو خواہ وہ کسی مذہب کا ہو۔ اور ہر وہ امداد دو جو تم دے سکتے ہو۔ اس ارشاد کی تعمیل بھی ہر احمدی کے فرائض میں داخل تھی۔ ان حالات میں یہ کس طرح ممکن تھا کہ قادیان میں کوئی احمدی کسی قانون کی خواہ وہ ہنگامی ہوتا یا مستقل خلاف ورزی کرتا اور کسی لڑائی جھگڑے کی خواہ وہ کیسا ہی مجبور کن ہوتا طرح ڈالتا۔ ہاں اپنی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کرتے ہوئے قانون شکن حملہ آوروں کا مقابلہ احمدی اپنا حق سمجھتے تھے، ایسا حق جو ہر مہذب گورنمنٹ نے اپنی رعایا کو دے رکھا ہے اور جس کا انکار کوئی حکومت کھلم کھلا کر کے دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ سکتی۔ قادیان میں مقیم پولیس نے اسی حق سے احمدیوں کو محروم کرنے اور قانون شکن سکھ غنڈوں کو خلاف امن و قانون کھلا چھوڑ دینے کے لئے ۱۲ر ستمبر سے کرفیو لگا دیا اور اس طرح مسلمانوں کو مغرب، عشاء اور صبح کی نمازیں مسجدوں میں ادا کرنے سے روک دیا۔ پھر گھنٹی اتنی تھوڑی دیر اور اتنی ہلکی بجائی جاتی کہ عام طور پر کرفیو کے شروع

اور ختم ہونے کا پتہ ہی نہ لگتا۔ اور خاص کر اس وجہ سے لوگ سخت بےچینی اور اضطراب میں رہتے کہ دن کو بھی جس وقت پولیس والوں کا جی چاہتا اور جب وہ تشدد کا کوئی نیا کارنامہ سرانجام دینا چاہتے گھنٹی کھڑکا دیتے۔ کرفیو لگ جانے پر نہ تو کوئی احمدی گھروں سے نکلتا تھا اور نہ کوئی پناہ گزین جو گھروں کے علاوہ گلیوں اور میدانوں میں پڑے سےتے اپنی جگہ سے ہلتے تھے اور پیشاب پاخانہ کی ناقابلِ برداشت تکلیف خاص کر بچے اور عورتیں برداشت کرتے تھے یا پھر جہاں پڑے ہوتے اسی جگہ کو گندہ کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ لیکن اردگرد کے دیہات کے غنڈے سکھ نہ صرف ٹولیاں بنا بنا کر اور تلواریں کندھوں پر رکھ کر آبادی میں پھرتے بلکہ جہاں موقعہ پاتے حملہ کر کے مال واسباب بھی لوٹ لیتے اور پناہ گزین مسلمان خواتین کی عصمت دری بھی کرتے اور جب اس پر بیکس و بے بس مسلمان چیختے، چلاتے، اور شور مچاتے تو بجائے اس کے کہ پولیس اور ملٹری انہیں ظالموں کے دستِ ظلم سے بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں ہلاتی نہ معلوم کہاں بیٹھی دنادن گولیاں چلانا شروع کر دیتی۔ ادھر محلوں میں متعینہ سپاہی ہوائی گولیاں برسانے لگ جاتے۔ اور اس طرح مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کی آہیں دب کر رہ جاتیں۔

کچھ دیر کے بعد کسی اور طرف سے آہ و زاری کا شور مچتا اور اس کا بھی یہی حشر ہوتا۔ دن کے وقت جب کرفیو لگایا جاتا اس وقت مسلح سکھوں پر کوئی پابندی عائد نہ نظر آتی۔ وہ تلواروں برچھیوں بھالوں کلہاڑیوں اور ٹکووں سے سجے ہوئے جھوم جھوم کر ادھر اُدھر اس طرح پھرتے جس طرح کسی دیہاتی میلے میں شراب پی کر پھرا کرتے ہیں۔ یوں بھی عام طور پر بڑا بڑا ہجوم بنا کر اور تلواریں کندھوں پر رکھ کر پھرتے اور اُن لوگوں کو ڈرا دھمکا کر جو اُن کے گاؤں سے بھاگ آئے تھے مختلف قسم کے مفادات حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ ایک موقعہ پر اتفاقاً مَیں نے دیکھا چند سکھوں نے ایک مسلمان کو جو اُن کے گاؤں کا مکین معلوم ہوتا تھا۔ اور ایک دوکان کے کونہ میں بیوی بچوں کو لے کر بحالت خستہ پڑا تھا اشارہ سے بُلایا اور وہ مسحور پرند کی طرح کھنچا ہوا ان کی طرف دوڑتا چلا آیا اور نہایت لجاجت سے سلام کر کے بولا۔ آپ اچھے ہیں۔ بتائیے مَیں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ ایک اور موقعہ پر مَیں نے دیکھا دو تین سکھ ایک مسلمان سے کہہ رہے تھے ہم جو گھوڑی لے گئے تھے تم اس کے فروخت کرنے کی اپنی طرف سے رسید لکھ

دو۔ انگوٹھا بیشک نہ لگاؤ وہ ہم کسی اَور کا لگالیں گے اور وہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کی حالت میں مبتلا نظر آرہا تھا۔

ان حالات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ قادیان میں قیام امن کے ذمہ داروں اور قانون کے محافظوں نے مصیبت زدہ ستم رسیدہ اور بے دست و پا مسلمانوں کو کن جکڑ بندیوں میں کس رکھا تھا اور ان کے مقابلہ میں ظالموں، لٹیروں، ڈاکوؤں، قاتلوں، قانون شکنوں کو کس طرح ظلم پر ظلم کرنے کے لئے آزادی دے رکھی تھی اور پھر کس دیدہ دلیری سے ان کی مدد کی جاتی اور انہیں آسانیاں اور سہولتیں بہم پہنچائی جاتی تھیں۔[1]

۲۔ بجلی بند

قادیان میں ایک طرف تو کرفیو لگا کر احمدیوں کو مجبور کر دیا گیا کہ ۶ بجے شام سے پانچ ساڑھے پانچ بجے صبح تک گھروں میں بند رہیں اور ہزارہا پناہ گزین مرد عورتیں اور بچے جو قادیان کے گلی کوچوں اور ارد گرد کے کھیتوں میں دُور دُور تک پڑے تھے اپنی اپنی جگہ پر دبک جائیں اور دوسری طرف بجلی بند کر کے تمام آبادی کو تاریکی اور ظلمت میں گم کر دینے کی ظالمانہ کوشش کی گئی۔ علاوہ ازیں قریباً دو لاکھ کی مظلوم اور ستم رسیدہ آبادی کو بھوکوں مارنے کے لئے آٹا پیسنے والی مشینوں کو جو بجلی سے چلتی تھیں آٹا پیسنے کے ناقابل بنا دیا اور آخر کار بجلی اس وقت تک جاری نہ ہوئی جب تک کثیر التعداد مسلح سکھ لٹیروں کے ساتھ مل کر ملٹری اور پولیس نے قادیان میں بسنے والے لوگوں کو نہایت ہی بے سرو سامانی کی حالت میں انتہائی جبر و تشدد کر کے گھروں سے نہ نکال دیا۔ جس دن یہ ظالمانہ اقدام کیا گیا اور جب کئی میلوں میں پھیلی ہوئی قادیان کی آبادی کو سمیٹ کر اندرون اور بیرون شہر کے دو نہایت ہی محدود حلقوں میں ٹھونس دیا گیا اور مکانات خالی کرا لئے گئے تو اسی دن شام کے قریب بجلی بھی جاری کر دی گئی تاکہ رات کی تاریکی سکھ لٹیروں کی راہ میں حائل نہ ہو اور وہ اطمینان کے ساتھ ایک ایک چیز پسند کر کے اور قیمتی اشیاء چھانٹ چھانٹ کر لے جا سکیں۔ چنانچہ صبح تک محلہ دار الرحمت کا کوئی مکان ایسا نہ رہا جو مکمل طور پر لُوٹ نہ لیا گیا۔ دوسرے محلوں اور پُرانی آبادی کے بعض مکانات بچ گئے لیکن ایسے تمام مکانات پر جن کے مالک مکان خالی کر دینے پر مجبور کر دیئے گئے

---

[1] "الفضل" ۲۹ ماہ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ ہش ۱۹۴۷ء

تھے ملٹری اور پولیس نے قبضہ کر لیا اور مالکوں کو اپنے مکانوں میں جانے اور بھرے گھروں سے کھانے پینے اور پہننے تک کے لئے کوئی چیز لانے سے روک دیا اور اگر کوئی کچھ لاتا ہوا نظر آیا تو اس سے چھین لیا۔

پھر بجلی بند ہو جانے کے دوران میں سکھ لٹیروں اور غنڈوں کے رات کے حملوں میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ سرِ شام ہی مختلف اطراف سے چیخ و پکار اور آہ و فغاں کی دردناک آوازیں آنی شروع ہو جاتیں۔ ملٹری بڑی فیاضی سے رات بھر بندوقوں اور برین گنوں کے مُنہ کھولے رکھتی لیکن نہ تو کوئی قاتل اور لٹیرا سکھ ان کی زد میں آتا اور نہ ہی ستم رسیدہ مسلمانوں کی آہ و زاری بند ہوتی۔

غرض مسلسل کئی دنوں تک بجلی بند کر کے اور اس وقت تک بند رکھ کر جبتک مکانات سے ان کے مکینوں کو نکال نہ دیا گیا سکھ غنڈوں نے ملٹری اور پولیس کی امداد سے وہ وہ ستم ڈھائے جو حد بیان سے باہر ہیں۔

۳۔غلّہ چھین لیا

بجلی سے چلنے والی آٹا پیسنے کی مشینوں کے بند ہو جانے کی وجہ سے گو کھانے کی سخت دقّت پیش آئی کیونکہ کثیر التعداد انسانوں کو آٹے سے محروم کر کے فاقہ کشی کے لئے مجبور کر دیا گیا۔ تاہم ان حالات میں جو کچھ ہو سکتا تھا کیا گیا۔ اکثر لوگ گیہوں اُبال کر اس سے پیٹ بھرنے لگے۔ بعض گھروں میں دستی چکیاں تھیں وہ دن رات چلنے لگیں اور مرد عورتیں آٹا پیسنے لگے۔ ہمارے محلّہ میں ایک تیل سے چلنے والی چکّی تھی وہ ادھر ادھر سے تیل مہیّا کر کے حرکت میں آنے کی کوشش کرتی رہی لیکن یہ جد وجہد ان لوگوں کو کب گوارا ہو سکتی تھی جو دن رات مظلومین کو زیادہ سے زیادہ دُکھ دینے میں مصروف رہتے اور روز نئے ستم ایجاد کرنے میں منہمک ہوتے تھے۔ انہوں نے یہ منادی کرادی کہ کسی گھر میں دو بوری سے زائد گندم نہیں رہنی چاہیئے اور سب گندم پولیس چوکی میں پہنچا دی جائے اور دوسری طرف تیل کی چکّی پر قبضہ کر کے پہرہ بٹھا دیا۔ وہاں جس قدر آٹا اور غلّہ موجود تھا وہ چھین لیا اور اس کے ساتھ ہی جو مرد عورتیں اور بچے تھوڑا تھوڑا غلّہ پسانے کے لئے بیٹھے تھے اُن سے چھین لیا۔ اگر کسی نے اپنی فاقہ کشی کی دردناک کہانی سُناتے

ہوئے پست ولعل کی تو اس کی تواضع مکّوں طمانچوں اور بندوق کے بٹ سے کی گئی۔

چونکہ پناہ گزین کثیر تعداد میں ایک لمبے عرصہ سے قادیان میں پڑے تھے اور باوجود انتہائی جدوجہد اور پناہ گزینوں کی اتنی بڑی تعداد کے حکام نے قادیان میں کیمپ بنانا منظور نہ کیا تھا۔ اس لئے ان لوگوں کی خوراک کا بہت بڑا بوجھ قادیان کے رہنے والوں پر پڑا ہوا تھا اور وہ اپنی خریدی ہوئی گندم اُنہیں کھلا رہے تھے کیونکہ ان لوگوں کو ملٹری اور پولیس نے نہایت بے سروسامانی کی حالت میں گھروں سے نکال کر بلکہ راستہ میں لُوٹ مار کا شکار بنا کر قادیان پہنچایا تھا۔ مگر پولیس نے ہر ممکن کوشش کی کہ ان کو بھُوکا مارے تا کہ وہ یا تو یہیں ختم ہو جائیں یا مجبور ہو کر کسی طرف اُٹھ بھاگیں تو وہاں ان کا خاتمہ ہو جائے۔

۴۔ قاتلانہ حملے

قادیان کے شمال مغرب کی طرف مسلمانوں کے جو دیہات تھے وہاں کے مظلوم زیادہ تر محلہ دارالرحمت میں آئے تھے۔ اُن میں سے جن کو سکھ راستہ میں قتل کرتے اور اُن میں سے جو لاشیں کسی نہ کسی طرح لائی جا سکتیں وہ ہمارے محلہ میں آتیں اور قریب کے قبرستان میں دفن کرنے کا انتظام کیا جاتا۔ ایک دن اتفاقاً مَیں نے ایسی تین لاشیں دیکھیں اور ایک اَور دن جبکہ پناہ گزینوں کا قافلہ ریلوے لائن کے قریب ٹرکوں پر سوار ہونے کے لئے بہت بڑی تعداد میں کھڑا تھا پولیس اور ملٹری اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ عورتوں اور بچّوں کو اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دھکیل رہی تھی مَردوں پر لاٹھیاں برسا رہی تھی، قریب ہی ایک پناہ گزین کو سکھوں نے کرپانوں سے دم زدن میں قتل کر دیا اور اس کے بعد تھوڑی دُور جا کر کھڑے ہو گئے۔ مقتول کے وارث آہ و فغاں کرتے ہوئے لاش کے پاس پہنچے اور روتے دھوتے لاش کو چارپائی پر ڈال کر تمام مجمع میں سے گذرے مگر پولیس اور ملٹری ٹس سے مَس نہ ہوئی۔ البتہ کچھ دیر بعد اتنا اس نے ضرور کیا کہ ہوا میں بندوقیں چلانی شروع کر دیں۔ پھر ایک احمدی کے مکان میں گھُس کر چھت پر جا چڑھی اور ہوا میں کارتوس ضائع کرنے لگی۔

دراصل جب کوئی قافلہ روانہ ہونے والا ہوتا تو اردگرد کے دیہات کے سکھ بہت بڑی تعداد میں مسلح ہو کر اِدھر اُدھر منڈلانا شروع کر دیتے تا کہ لُوٹ مار کے لئے کوئی موقع تلاش کریں

لیکن جب قافلے ٹرکوں پر مسلمان ملٹری کی حفاظت میں جانے لگے تو لٹیرے اس تاک میں رہتے کہ سوار ہوتے وقت جو ہجوم ہوتا ہے اسے خوفزدہ کریں تاکہ وہ اپنا تھوڑا بہت اسباب بھی چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور ہو جائے۔ اس کے لئے پولیس اند ملٹری کی موجودگی میں قتل تک نوبت پہنچا دی مگر کسی نے ان کو نہ روکا۔ البتہ ملٹری اور پولیس نے گولیاں چلا کر مظلومین پر اپنی موجودگی اور شدید سے شدید اقدام کے لئے تیاری ظاہر کر دی اور بندوق کی زبان سے اعلان کر دیا کہ بے حس و حرکت قاتلوں اور لٹیروں کے آگے پڑے رہو۔

ایک دن عصر کے قریب آریہ سکول کے قریب مسلمانوں کی چھوٹی سی آبادی میں رونے دھونے اور چیخ و پکار کا شور بلند ہوا۔ مَیں نے مکان کی چھت سے دیکھا تو کچھ لوگ ادھر دوڑے جاتے نظر آئے۔ پھر پولیس پہنچی۔ فائروں کی آوازیں آنے لگیں۔ آخر نتیجہ یہ معلوم ہوا کہ چند سکھ آبادی میں گھس کر دو مسلمانوں کو قتل کر گئے ہیں اور پولیس نے یہ کہہ کر مسلمانوں کو گھروں سے نکل جانے پر مجبور کر دیا کہ وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ اگر جان بچانی ہے تو گھروں سے نکل جاؤ۔ چنانچہ لوگ نہایت ابتر حالت میں آنے شروع ہو گئے۔ اس طرح جب وہ ساری آبادی خالی کرالی گئی تو قریب کے دیہات کے سکھوں نے لُوٹنا شروع کر دیا جو پرا باندھے وہاں کھڑے تھے اور صبح تک سب کچھ لے جانے کے بعد مکانوں کی چھتیں اُکھیڑ کر لے جانے لگے۔ یہ سب کچھ وہ کھلم کھلا کرتے نظر آرہے تھے مگر ملٹری اور پولیس نے جس کے لئے مسلمان مظلومین کی آہ تک ناقابلِ برداشت تھی ظالم سکھوں کی ان حرکات کو توجہ کے قابل ہی نہ سمجھا اور کسی نے ان کو روکنے کی تکلیف گوارہ نہ کی۔ راتوں کو کرفیو کے باوجود جو حملے پناہ گزینوں پر کئے جاتے اور جن میں جان و مال کے علاوہ خواتین کی عصمت کو بھی لُوٹا جاتا اور جن کے دوران پولیس اور ملٹری حملہ آوروں کی پُشت پر نہیں بلکہ ان کے پہلو بہ پہلو ہوتی۔ ان کا کسی قدر ذکر کرفیو کے عنوان کے نیچے کیا جا چکا ہے۔

غرض یہ حملے روز بروز زیادہ شدید اور کثیر ہوتے گئے حتّٰی کہ انتہا کو جا پہنچے۔[1]

۵۔ تباہ حال مسلمانوں کے مویشی لُوٹ لئے۔

دو دن اور تین رات کی مسلسل بارش کے بعد جب مطلع صاف ہوا تو سُورج نکلنے کے

---

[1] "الفضل" ۲۹ر اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء۔

تھوڑی دیر بعد ہی کرفیو لگا دیا گیا۔ اس پر وہ لوگ جو مکانوں میں یا کھلے میدان کے کیچڑ اور پانی میں پڑے تھے ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ کسی قدر سردی اور بہت زیادہ بھوک سے نڈھال گھٹ کر رہ گئے اور پھر معاً بعد ہتھیار بند پولیس کی معیت میں مسلح سکھوں کی ٹولیاں محلہ دار الرحمت کے جنوب سے محلہ میں داخل ہونا شروع ہو گئیں اور تمام مال مویشی جن میں اُونٹ بیل بھینسیں بھینسے گائیں گھوڑیاں خچریں گدھے اور بھیڑ بکریاں شامل تھیں کیلوں سے کھول کر ہانکنے لگے۔ اور تمام محلہ میں سے نہ صرف تباہ حال پناہ گزینوں کے بلکہ بعض مقامی اصحاب کے مویشی بھی ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے کر کے محلہ کے شمال کی طرف نکل گئے۔ مویشیوں میں زیادہ تر اعلیٰ نسل اور بھاری قیمت کے بیل تھے جن کے ذریعہ پناہ گزین گڈوں میں اپنا بچا کھچا اسباب لاد کر لائے تھے اور اس امید میں پڑے تھے کہ پیدل قافلہ روانہ ہوگا تو وہ گڈوں میں سامان لے جاسکیں گے لیکن پولیس نے نہایت شقاوت قلبی سے تمام مویشی چھین کر اُن کو بے دست و پا بنا دیا۔ اور جب ان لوگوں نے دیکھا کہ اب نہ صرف گڈوں کا لے جانا ان کے لئے ممکن نہیں بلکہ گڈے بھی لٹیرے سکھ پولیس کی مدد سے چھین لیں گے تو انہوں نے گڈے جو کئی سَو کی تعداد میں تھے توڑ پھوڑ کر جلانے شروع کر دیئے اور دوسرے تیسرے دن جب سکھ گڈوں کی تلاش میں آنکلے تو اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

۶۔ ۳؍ اکتوبر کا المناک دن

ان حالات میں آخر وہ دن آگیا جب ملٹری پولیس اور سکھوں نے مل کر قادیان میں قیامت برپا کر دی اور ان لوگوں کو اپنے انتہائی ظلم وستم کا نشانہ بنایا جو نہ صرف حکومت کے قوانین کی پوری پوری پابندی کرنے اور سچی وفاداری کا ثبوت دینے کا اعلان کر چکے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کر رہے تھے اور جن کے ہاتھوں پاکستان کے کسی حصہ میں نہ صرف کسی سکھ یا ہندو کو جانی یا مالی کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ کثیر التعداد سکھوں کی جان و مال اور عزت و آبرو احمدیوں نے بچائی۔ انہی ایام میں جبکہ سکھوں نے قادیان کو نہایت بے دردی اور بے رحمی سے اپنی طرف سے اُجاڑ دیا اور نہایت شرمناک مظالم احمدیوں پر کئے۔ مَیں نے دیکھا کہ ایک نہایت معزز عمر رسیدہ سکھ جن کی شکل وشباہت سے شرافت اور عالی نسبی ظاہر تھی معہ چند

اور ساتھیوں کے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکانوں سے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا اس لئے شکریہ ادا کرکے واپس جا رہے تھے کہ ایک معزز احمدی افسر نے نہایت نازک وقت میں ان کی حفاظت کی اور ان کو بال بچوں سمیت بخیریت محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔

۲۔ ۳ اکتوبر کی درمیانی رات بڑی کثرت سے گولیاں چلتی رہیں۔ برین گنیں تڑ تڑ کرتی رہیں بموں کے چلنے کی آوازیں بھی آتی رہیں۔ مصیبت زدہ لوگوں کی چیخ و پکار بھی سنائی دیتی رہی۔ اور ساری رات یہ سلسلہ جاری رہا۔ جب دن چڑھا تو مَیں نے مکان کی چھت پر سے دیکھا کہ اردگرد کے دیہات سے سکھ بڑی کثرت کے ساتھ آ رہے ہیں اور محلہ دارالرحمت کے قریب کھیتوں میں اور ایک مندر میں جمع ہو رہے ہیں۔ جوں جوں دن چڑھتا گیا ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ سینکڑوں سے گذر کر ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ کچھ لوگ قادیان کے ہندوؤں اور سکھوں کے محلّوں سے نکل کر بھی ان میں شامل ہوتے نظر آئے اور بعض دیہاتی گھوڑے، خچریں اور گدھے وغیرہ قادیان کی پُرانی آبادی سے ہانک کر اپنے گاؤں کی طرف لے جاتے دیکھے گئے۔ سکھوں کے اس اجتماع کے آگے جو لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا تھا سکھ پولیس کے سوار اور پیدل سپاہی بھی موجود تھے جو ادھر ادھر نقل و حرکت کرتے دکھائی دیتے تھے اور معلوم ایسا ہوتا تھا کہ وہ ڈاکو اور لٹیرے سکھوں کو لُوٹ مار اور قتل و غارت سے روکنے اور منتشر کرنے کی بجائے خاص ہدایات دے رہے اور احمدیہ آبادی پر حملہ کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ لٹیرے پولیس کے پاس سے گذرتے اور تھوڑی دیر ٹھہر کر آگے بڑھ جاتے۔

عین اس وقت جب پولیس کی موجودگی میں بے بس و بے کس مسلمانوں پر ستم ڈھانے کے لئے یہ تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ کئی ہزار سکھ تلواریں چمکا چمکا کر خوف و ہراس پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور کمریں کس کر تیار بہ تیار کھڑے تھے۔ مَیں نے دیکھا کہ عین اس جگہ سے جہاں پولیس کے سپاہی کھڑے تھے کچھ سکھ تلواریں سونت کر نکلے اور محلّہ کی طرف بڑھنے لگے اور جب انہوں نے دیکھا کہ سامنے ایک بوڑھا آدمی پاخانے بیٹھا ہوا ہے تو للکارتے ہوئے اس پر پل پڑے اور وہیں اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ دو تین اور آدمیوں کی طرف بڑھے کہ وہ بھی پاخانہ کرنے بیٹھے تھے مگر انہوں نے حملہ آوروں کو ذرا دُور سے دیکھ لیا اور بھاگ کر

آبادی میں آگئے۔ سکھ گندی گالیاں بکتے ہوئے ان کے پیچھے دوڑے لیکن یکایک تھوڑی دُور جا کر ٹھٹکے اور پھر سر پر پاؤں رکھ کر پیچھے کو بھاگ آئے۔ آگے بڑھنے اور آبادی میں گھسنے کی انہوں نے جرأت نہ کی۔ اس کے متعلق معلوم ہوا کہ ان قاتلوں کا شور و شر سُنکر ہمارے چند جاں نثار نوجوان اس مورچہ پر پہنچ چکے تھے جس کے پاس سے وہ سکھ قتل و خونریزی کے ارادہ سے آبادی میں داخل ہو سکتے تھے۔ سکھوں کی نظر جب اُن پر پڑی تو آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے کو بھاگنا انہوں نے ضروری سمجھا۔ احمدی فدائیوں کو یہ سخت ہدایت تھی کہ وہ نہ تو آبادی سے باہر نکل کر سکھوں پر حملہ کریں اور نہ بھاگتے ہوئے سکھوں کا تعاقب کریں بلکہ اپنے مورچہ میں رہ کر یا پھر محلہ کی گلیوں میں خود حفاظتی کا فرض ادا کریں اور اس خوبی سے ادا کریں کہ جہاں اس کی ادائیگی کی ضرورت پیش آئے وہاں سے کامیابی یا شہادت ہی ان کے قدم ہٹائے۔ کسی صورت میں انہیں ہٹنے کا خیال تک نہ آئے۔

ہمارے مجاہد نوجوانوں نے بڑی خوشی اور بیحد جوش کے ساتھ یہ عہد کر رکھا تھا اور وہ اسے پُورا کرنے کے لئے ہر لمحہ تیار تھے ورنہ ان کے لئے حملہ آور دشمن کا اور ایسے کمینہ اور انسانیت کش دشمن کا آبادی سے نکل کر مقابلہ کرنا کوئی مرعوب کن بات نہ تھی جو عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں تک کو بے دریغ قتل کر دینا اپنا بڑا کارنامہ سمجھتا تھا اور جو پاخانہ بیٹھے ہوئے بیخبر بیمار اور بوڑھے انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے میں ذرا بھی شرم محسوس نہ کرتا تھا۔ لیکن اپنے نفس پر قابو رکھنے، قانون کا زیادہ سے زیادہ احترام کرنے اور مسلمانوں کے خلاف بھری ہوئی ملٹری اور فوج کو ظلم و ستم میں غیر معمولی اضافہ کرنے کا حتی الامکان کوئی موقع نہ دینے کی خاطر احمدی مجاہدین کی اس ہدایت پر عمل کیا کہ وہ کسی حالت میں بھی بھاگتے ہوئے حملہ آوروں کا آبادی سے باہر جا کر تعاقب نہ کریں ورنہ اس ہدایت کی پابندی نہ کرنے والے دشمن کے ہاتھوں اگر کوئی نقصان اُٹھائیں تو نہ صرف اس کی کوئی قدر نہ کی جائے گی بلکہ ایسے لوگوں کو سلسلہ کی طرف سے بھی سزا دی جائے گی۔

یہ تھی وہ ہدایت اور وہ ارشاد جس نے ہمارے عزیز نوجوانوں کو مقررہ جگہ سے ایک انچ بھی آگے بڑھنے نہ دیا ورنہ وہ منظر جو اس وقت پیش نظر تھا کہ سکھوں کا ایک بہت بڑا

مجمع گدھوں کی طرح حملہ کرنے کے لئے پر تول رہا تھا اور بوڑھے بیکس مسلمان کو محض اس لئے کہ وہ مسلمان تھا اس کا اور کوئی قصور نہ تھا، ابھی ابھی قتل کر چکا تھا اور اس کے خون کے قطرے ان سکھوں کی تلواروں سے ٹپک رہے تھے۔ جو دوسرے مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے ان کے پیچھے بھاگ کر آتے ہوئے زد میں آچکے تھے اور ان کا زندہ بچ کر واپس چلا جانا ممکن نہ تھا۔ ان کو ٹھکانے لگا دینا بالکل آسان تھا۔ لیکن ایسے وقت میں ہمارے نوجوانوں نے جوش کو دبایا اور تعمیلِ حکم کے جذبہ کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے نظم اور ضبط کے احترام کا قابلِ ستائش ثبوت دیا۔ یہ سُورمے سکھ جو ایک بوڑھے اور بیمار کو بیٹھے ہوئے قتل کر کے اور ہمارے چند چھوٹی عمر کے نوجوانوں کو دیکھ کر سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے تھے جب اپنے مجمع میں واپس پہنچے تو وہاں کچھ غیر معمولی حرکت نظر آنے لگی۔ کچھ سکھ اِدھر اُدھر منتشر ہوتے بھی نظر آئے مگر پولیس نے اُن پر قابو پالیا اور اُن کے اُکھڑتے ہوئے قدم پھر ٹھہر گئے۔[1]

۷۔ پولیس اور ملٹری کی معیت میں سکھوں کا حملہ اور انتہائی مظالم

۳ر اکتوبر کو جب سکھوں نے محلہ دارالرحمت کے قریب کے کھیت میں ایک بوڑھے بیمار پاخانہ بیٹھے ہوئے پناہ گزین مسلمان کو قتل کر دیا اور بعض اور کو قتل کرنے کے لئے اُن کے پیچھے بھاگے تو اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ شرارت کا آغاز کریں اور لوگوں کو خوفزدہ کر کے مکانات خالی کر دینے پر مجبور کر دیں۔ لیکن جب حملہ آوروں نے دیکھا کہ احمدی نوجوان آبادی کے اندر مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں تو بھاگ کر اسی مجمع میں چلے گئے جس سے نکل کر آئے تھے اور وہاں کچھ دیر ہلچل مچی رہی۔ اس دوران میں پولیس اور ملٹری دوسری طرف سے محلہ میں داخل ہو گئی اور کثرت سے گولیاں چلانے لگی۔ ادھر محلہ کی گلیوں میں اور پناہ گزینوں کے آس پاس ملٹری اور پولیس گولیاں چلا رہی تھی ادھر میں نے دیکھا کہ سکھ غنڈوں کے مجمع سے قطاریں باندھ کر سکھ مختلف اطراف سے محلہ کی طرف بڑھنے لگے یہ لوگ مختلف قسم کے ہتھیاروں سے مسلّح تھے جن میں سے تلواریں اور برچھیاں خاص طور پر نمایاں تھیں۔ سوار اور پیدل پولیس ان کے پاس کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ مگر وہ بھی

[1] "الفضل" ۴ نبوت/ نومبر ۱۳۲۶ ہش/ ۱۹۴۷ء۔

چونکہ کلیتہً سکھوں اور ہندوؤں پر مشتمل تھی اس لئے بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ حملہ آور دل کو لُوٹ مار کے متعلق ضروری ادگھات بتا کر روانہ کر رہی ہے اور غنڈے پولیس و ملٹری کے گولیاں چلانے کے اشارہ پر آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس دو طرفہ حملہ کو دیکھ کر پناہ گزین مسلمان جو گھروں میں اور کھلی جگہوں میں پڑے تھے۔ تھوڑا بہت اسباب سمیٹ کر بے تحاشا بھاگنے لگے مگر ان کو بتایا گیا کہ آبادی سے باہر نہ جائیں ورنہ غنڈے سکھ ان سے سب کچھ چھین لینگے اور اُن کی جان کے علاوہ عزّت و آبرو پر بھی ڈاکہ ڈالیں گے بلکہ بورڈنگ کی عمارت کی طرف جائیں اور وہاں جا کر پناہ لیں۔ چونکہ محلّہ میں ابھی تک بہت سی احمدی عورتیں اور بچے موجود تھے اور سکھ غنڈے ملٹری اور پولیس کی پناہ میں آبادی میں داخل ہو رہے تھے اس لئے ہمارے نوجوان ان کی حفاظت کے لئے ملٹری اور پولیس کی گولیوں اور سکھوں کی کرپانوں کی کوئی پرواہ نہ کرتے ہوئے ضروری مقامات پر پہنچ گئے۔ ان نوجوانوں کو جہاں یہ ہدایت تھی کہ کسی موقع پر بھی پولیس اور ملٹری سے نہ ٹکرائیں خواہ وہ کتنا ہی ظلم و ستم کرے وہاں یہ بھی حکم تھا کہ اگر کسی عورت کی عصمت پر حملہ کیا جائے تو خواہ حملہ کرنے والا کوئی ہو اس کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اور کسی قسم کے خطرہ کی کوئی پرواہ نہ کریں بلکہ مردانہ وار دادِ شجاعت دیں۔ اس فرض کی ادائیگی کے لئے ہمارے عزیز بچے برستی گولیوں اور چمکتی کرپانوں کے دوران اپنی اپنی مقررہ جگہ پر جم کر کھڑے ہو گئے اور اس طرح انہوں نے عورتوں اور بچّوں اور نہتے مردوں کی جو ہزاروں کی تعداد میں محصور ہو چکے تھے گھروں سے نکلتے وقت قابلِ تعریف شجاعت کے ساتھ حفاظت کی۔ سارے محلّہ میں ملٹری اور پولیس کی گولیوں اور وحشی سکھوں کی کرپانوں نے قیامت برپا کر رکھی تھی۔ انہوں نے خالی مکانوں میں گھس کر اور تالے توڑ کر لُوٹ مار شروع کر دی تھی۔ کئی لوگوں کو زخمی کر چکے تھے اور بہت بڑی تعداد میں جنگلی درندوں کی طرح شور مچاتے ہوئے اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔ مگر احمدی عورتیں اور بچے پوری احتیاط اور حفاظت کے ساتھ گھروں سے نکال کر بورڈنگ میں پہنچائے جا رہے تھے۔ اس وقت ہماری خواتین اور بچّوں نے بھی بڑے حوصلے اور وقار کا اظہار کیا باوجودیکہ انتہائی خطرات ہر طرف سے انہیں گھیرے ہوئے تھے اور دیہاتی پناہ گزین عورتوں اور بچّوں کی چیخ و پکار ہر چہار اطراف سے سنائی دے

رہی تھی۔ مگر کیا مجال کہ کسی احمدی عورت اور بچے نے کسی قسم کے خوف وہراس کا اظہار کیا، یا اضطراب اور بےچینی کا کوئی کلمہ مُنہ سے نکالا۔ ہمارا ہر مرد، ہر عورت بلکہ ہر بچہ رضا بالقضا کا مجسمہ نظر آرہا تھا اور چپ چاپ اس ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کہ ملٹری اور فوج کا مقابلہ نہیں کرنا بھرے گھروں کو خالی کیا جا رہا تھا کیونکہ ملٹری اور مسلح پولیس ایک ایک مکان پر جا کر کہہ رہی تھی کہ فوراً مکان خالی کردو ورنہ گولی چلا دی جائے گی اور سکھ جن کو ہم نے روک رکھا ہے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیں گے۔ اس ظالمانہ اور وحشیانہ حکم کو بعض جگہ پولیس اور ملٹری نے عملی جامہ بھی پہنایا۔ چنانچہ میرے مکان کے بالکل قریب مرزا احمد شفیع صاحب بی۔ اے کو گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

جب ظلم وستم اور جبر و تشدّد کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو اکثر لوگ مکان خالی کر دینے پر مجبور ہو گئے اور ایسی حالت میں خالی کرنے پر مجبور ہو گئے کہ اکثر احباب بالکل خالی ہاتھ نکلے کیونکہ اگر کوئی کچھ لے کر نکلتا تو پولیس اور ملٹری کی موجودگی میں سکھ لُوٹ لیتے اور ملٹری والے بھی اس میں حصّہ دار ہوتے۔

۸۔ احمدی نوجوانوں کی شجاعت اور جاں نثاری

مَیں اپنے ایک بچے حمید احمد سمیت جو مرکزی حفاظت کا فریضہ ادا کرنے والے نوجوانوں میں شامل تھا اور محلّہ کی مخدوش حالت کی اطلاع پاکر اور یہ سُن کر کہ سکھوں کے حملہ کا بہت بڑا زور ہمارے مکان کے پاس ہے میری خبر معلوم کرنے کے لئے گھر آیا تھا اور ہم یہ دیکھ کر کہ قریب قریب کی عورتیں اور بچے جا چکے ہیں اپنے مکان سے نکلے اور بابو اکبر علی صاحب مرحوم کی کوٹھی میں پہنچے جہاں مرکزی حفاظت کرنے والے نوجوان مقیم تھے۔ میرے وہاں جانے کے تھوڑی دیر ہی بعد انچارج صاحب کو اطلاع پہنچی کہ ایک مکان میں ابھی تک بہت سی عورتیں اور بچے محصور ہیں اور خطرہ لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جا رہا ہے ان کو بحفاظت نکالنے کا انتظام کیا جائے اس پر انچارج صاحب نے نوجوانوں کو آواز دی اور وہ دوڑتے ہوئے آکر ان کے گرد جمع ہو گئے اور جب انہیں بتایا گیا کہ فلاں مکان میں عورتیں اور بچے موجود ہیں ان کو نکال لائیں تو ایک لحظہ کا توقف کئے بغیر سارے کے سارے نوجوان جن کی تعداد ۱۵۔۔۲۰ سے زیادہ نہ تھی اور

جو اس وقت وہاں پہنچے تھے۔ ملٹری اور پولیس کی گولیوں اور سکھوں کی چار چار فٹ لمبی کرپانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے صرف لاٹھیاں لے کر دوڑ پڑے اور تھوڑی ہی دیر میں دو سو کے قریب عورتوں اور بچوں کو بحفاظت نکال لائے۔ ان عورتوں اور بچوں سے بھی کسی قسم کی گھبراہٹ اور بے صبری کا اظہار نہ ہوتا تھا۔ جب ہمارے مجاہد اُن کو اپنی حفاظت میں بورڈنگ کی طرف لا رہے تھے تو موضع بٹراں سے قادیان آنے والے راستے کے قریب جو محلہ دار الرحمت اور محلہ دار العلوم کے درمیان واقع ہے۔ بہت سے مسلح سکھوں نے حملہ کرنے کی کوشش کی یہ دیکھ کر ہمارے نوجوان جن کے پاس صرف لاٹھیاں تھیں اُن کے مقابلہ میں ڈٹ گئے۔ خدا تعالیٰ نے ان کی خاص مدد اور نصرت فرمائی۔ جب تک ملٹری اور پولیس وہاں پہنچی کئی ایک سکھوں کو انہوں نے مار گرایا اور باقی دُم دبا کر بھاگ گئے اور پیچھے مُڑ کر بھی نہ دیکھا۔ ہمارے نوجوانوں میں سے کسی کو خراش تک نہ آئی بحالیکہ ان کے پاس صرف لاٹھیاں تھیں اور سکھوں کے پاس کرپانیں، اور وہ سمجھتے تھے کہ پولیس اور ملٹری ان کی پشت پناہ ہے۔ خواتین اور بچوں کو نرغہ سے نکالنے کے لئے جو مجاہدین اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر مردانہ وار آگے بڑھے تھے اگرچہ وہ اپنے مقصد میں خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیاب ہوئے لیکن ان میں سے ایک مجاہد جو نہایت سجیلا جوان تھا اور رضاکارانہ قادیان کی حفاظت کا فرض ادا کرنے کے لئے کھاریاں ضلع گجرات سے آیا ہوا تھا۔ نیاز علی نام تھا۔ نہ معلوم اپنے ساتھیوں سے کس طرح علیحدہ ہو گیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ ملٹری نے نہایت سفاکی سے اسے گولی کا نشانہ بنایا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اس کی لاش بھی نہ اُٹھانے دی۔ خدا تعالیٰ کی بے شمار برکات اور انعامات نازل ہوں ہمارے اس شہید پر جنہوں نے اس ظلم و ستم کے دَور میں مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں مومنانہ شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے جام شہادت پیا۔ ہماری آئندہ نسلیں ان کی ذات پر فخر کریں گی اور ان کے کارنامے یاد کر کے اپنی محبت اور اخلاص کے پھول ان پر نچھاور کریں گی۔ ان کی جُدائی سے ہمارے دل غمگین اور ہماری آنکھیں نمناک ہیں مگر انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کر کے جو درجہ اور مرتبہ حاصل کر لیا ہے اس پر ہم ان کو مبارکباد کہتے

ہیں۔ نہ صرف ان کو بلکہ اُن ماؤں کو بھی جنہوں نے ایسے بہادر اور خدا تعالیٰ کی خاطر فدا ہونے والے سپُوت جنے، اُن باپوں کو بھی جن کے ہاں ایسے جوانمرد اور دلیر بچّے پیدا ہوئے، ان بہنوں اور بھائیوں کو بھی جن میں وہ کھیلے کودے اور پروان چڑھے، اُن سہاگنوں کو بھی جن کے سہاگ ہمیشہ کی زندگی پاکر لازوال بنا گئے، ان بچّوں کو بھی جن کی قدر و منزلت کو چار چاند لگا گئے۔ وہ خود زندہ ہو گئے کیونکہ خدا تعالےٰ کا ان کے متعلق یہ ارشاد ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ کہ جو خدا تعالےٰ کی راہ میں قتل کئے جائیں ان کو مُردہ مت کہو وہ زندہ ہیں۔ اور دوسروں کے لئے ایسی زندگی حاصل کرنے کے لئے اس زمانہ میں مثال قائم کر گئے ہیں۔ پس ہم ان کے درجات کی مزید بلندی کے لئے دُعا کرتے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے ان شہیدوں کو قصرِ احمدیت میں بلند مقام پر جگمگاتے ہوئے ستارے بنائے گا اور دوسرے نوجوان ان سے روشنی حاصل کریں گے۔

ہمارے ان مقامی اور بیرونی مجاہد نوجوانوں نے اپنے مقاماتِ مقدسہ اور قادیان میں بسنے والے لوگوں کی حفاظت کے سلسلہ میں کئی ماہ مسلسل جو خدمات سرانجام دیں ان کا ذکر کوئی ایسا بھائی کرے جو ان کی تفصیلات سے واقف اور ان کا عینی شاہد ہو تو زیادہ موزوں ہوگا۔ مجھے ان کی سرگرمیوں اور مجاہدانہ جدوجہد کا جو ایک آدھ نظارہ اتفاقاً دیکھنے کا موقعہ ملا میں اسی کا ذکر کر سکتا ہوں۔

ہمارے محلہ دارالرحمت میں سکھوں سے مقابلہ کا ایک اور نہایت شاندار کارنامہ بھی عمل میں آیا۔ اس وقت جبکہ سکھ محلہ میں داخل ہو چکے تھے۔ ملٹری اور پولیس ان کی حمایت میں گولیاں چلا رہی تھی۔ ایک اور مکان میں کچھ عورتیں اور بچّے محصور ہو چکے تھے اور مسلّح سکھ غنڈوں نے اس مکان کے ارد گرد منڈلانا شروع کر دیا تھا حتّٰی کہ اس مکان میں داخل ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو ہمارے نوجوانوں نے مقابلہ کرنا ضروری سمجھا اور وہ ہر قسم کے خطرات کا پورا پورا احساس رکھتے ہوئے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ پولیس اور ملٹری نہ صرف سکھ ڈاکوؤں اور لٹیروں کی اپنے اسلحہ سے حفاظت کر رہی ہے

بلکہ ان کی حمایت میں بیگناہ اور نہتے احمدیوں کو بغیر کسی وجہ کے قتل بھی کر رہی ہے، سر پہ کفن باندھ کر خواتین کی حفاظت کے لئے اپنے فرض کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آن کی آن میں نہ صرف محلہ کا وہ حصہ درندے سکھوں سے خالی ہو گیا جہاں عورتیں اور بچے رو کے پڑے تھے بلکہ ملٹری اور پولیس کے سورمے بھی بھاگ گئے اور دُور دُور تک اُن کا نام و نشان نظر نہ آیا۔ اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر اور یہ سمجھ کر کہ ملٹری اب مزید کمک حاصل کر کے لوٹے گی عورتوں اور بچوں کو بخیریت وہاں سے نکال کر محفوظ مقام پر پہنچا دیا گیا اس مقابلہ میں بھی کئی سکھ جان سے گئے مگر ہمارے مجاہدین خدا تعالیٰ کے فضل سے بخیریت نکل آئے۔

یہ ہیں اس سفاکانہ حملہ کے کچھ حالات جو مسلح سکھوں کے ایک بہت بڑے ہجوم نے پولیس اور ملٹری کی معیت میں محلہ دارالرحمت پر کیا اور جو پولیس کی عائد کردہ شدید پابندیوں کی وجہ سے مَیں محض اتفاقیہ طور پر ایک نہایت محدود حلقہ میں دیکھ سکا کیونکہ اس بات کا کوئی امکان ہی نہ تھا کہ چل پھر کر سارے حالات معلوم کئے جا سکتے۔ ان بیان کردہ حالات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قادیان کی بے بس اور نہتی آبادی کو اس کے گھروں سے نکالنے اور اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلے جانے کے لئے ملٹری اور پولیس نے سکھوں کو امداد دے کر کیسا سفاکانہ حملہ کرایا اور کیسے کیسے شرمناک مظالم کا نشانہ بنایا۔

۹۔ حیرت انگیز غلط بیانی

مگر ہندوستان ریڈیو نے اپنے ایک بڑے افسر کے حوالہ سے اعلان کیا کہ قادیان پر کوئی حملہ نہیں کیا گیا بلکہ لوگ خود بخود گھر چھوڑ کر گھروں سے نکل گئے اور لکھا گیا کہ قادیان کے ارد گرد چونکہ سکھوں کے گاؤں آباد ہیں اس لئے احمدی قدرتاً خوفزدہ ہو کر اپنے گھر چھوڑ گئے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ احمدی نہ کبھی ارد گرد کے سکھوں سے خوفزدہ ہوئے اور نہ ہو سکتے تھے اور اس کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ وہ سکھ جنہوں نے علاقہ میں ایک عرصہ سے لُوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا اور جب سے گورداسپور کو ہندوستان کے حوالے کر دیا گیا اس وقت سے تو سکھوں کی سفاکیاں اور ستم آرائیاں حد سے بڑھ چکی

تھیں لیکن انہیں قادیان کی احمدی آبادی پر حملہ کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوئی حتیٰ کہ ارد گرد کے مسلمانوں کے تمام دیہات ویران کر دینے کے باوجود بھی اس وقت تک جرأت نہ ہوئی جب تک پولیس اور ملٹری کھلم کھلا ان کی حمایت میں کھڑی نہ ہوگئی اور ۳ ؍ اکتوبر تک اس کے لئے اس نے پوری تیاری نہ کر لی۔ ملٹری اور پولیس بہت بڑی تعداد میں قادیان میں جمع کر لی گئیں۔ لائسنسوں سے بندوقیں لے لی گئیں اور متواتر کئی روز تشدّد کا سلسلہ جاری کر کے خوف وہراس پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ جب یہ سب کچھ کر لیا گیا تو سکھوں کو ہزاروں کی تعداد میں جمع کر کے قادیان پر دھکیل دیا اور ان کی امداد کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی۔ حتیٰ کہ بہت سے بیگناہوں کو گولیوں سے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

یہ نہتے اور بے بس احمدیوں پر حملہ اور نہایت شرمناک حملہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر پولیس اور فوج سکھوں کی پشت پناہ اور مددگار بن کر اس حملہ میں شریک نہ ہوتی تو سکھوں کو قطعاً جرأت نہ ہوتی کہ احمدیوں کی طرف منہ بھی کر سکتے اور اگر کرتے تو دُنیا دیکھتی کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اب فوج اور پولیس کے جبر و تشدد کے ذریعہ قادیان کو خالی کرا کر یہ کہنا کہ احمدی سکھوں کے خوف سے اپنے گھروں کو خود خالی کر گئے، حقیقت پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش اور سیاہی کے ان دھبوں کو مٹانے کی ناکام سعی ہے جو اِن فوجیوں اور پولیس والوں کے ہاتھوں پر لگ چکے ہیں اور جو قیامت تک مٹائے بھی نہ مٹیں گے۔

۱۰۔ غلاظت اور عفونت کی بھرمار

ملٹری اور پولیس نے انتہائی تشدّد اور ظلم سے کام لے کر اور گولیوں سے بہت سے بیگناہوں کی جانیں ضائع کر کے قادیان کے مختلف محلّوں کے ہزاروں مردوں اور عورتوں اور بچّوں کو بورڈنگ کی عمارت اور اس سے ملحقہ جانب غرب کے گرے پڑے احاطوں میں جب بھیڑ بکریوں کی طرح ٹھونس دیا تو ساتھ ہی یہ حکم دے دیا کہ کوئی اِدھر اُدھر حرکت نہ کرنے پائے ورنہ گولی سے اُڑا دیا جائے گا۔ اور رات بھر گولیاں چلا چلا کر بتا دیا کہ ملٹری اور پولیس اپنے اس حکم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار کھڑی ہے۔ بورڈنگ کے قریب کے میدانوں اور عمارتوں میں اردگرد کے دیہات کے ہزارہا پناہ گزین بہت دنوں سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر

وقت گذار رہے تھے اور کرفیو کی پابندیوں اور پولیس و ملٹری کے مظالم کی وجہ سے وہ چونکہ آس پاس ہی رفع حاجت کے لئے مجبور تھے اس لئے بورڈنگ کے قریب قریب کا حصہ غلاظت اور عفونت کی وجہ سے پہلے ہی سنڈاس بن چکا تھا اور ان رستوں سے گذرنا محال تھا لیکن ملٹری اور پولیس کی شکل میں ظلم و ستم کی آندھی ہزاروں مقامی مردوں عورتوں اور بچوں کو جب اُن کے آباد گھروں سے اُڑا کر باہر لے آئی تو انہیں اسی سنڈاس میں رات گذارنی پڑی اور صبح اُٹھ کر دیکھا کہ بورڈنگ ہاؤس کے صحن کا وہ حصہ جو گیلا ہو جانے کی وجہ سے پناہ گزینوں کے ٹھیرنے کے قابل نہ تھا غلاظت سے اَٹ گیا اور اس میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اسی دن صبح صبح ان ہزارہا لوگوں کو جو اِدھر اُدھر بکھرے پڑے تھے اور بہت دنوں سے انتظار میں تھے کہ ملٹری کی حفاظت میں قافلہ پیدل روانہ ہو تو وہ بھی کسی طرف کا رُخ کریں، انہیں ملٹری اور پولیس نے زبردستی ہانک ہانک کر بٹالہ کی طرف روانہ کرنا شروع کر دیا۔ اور وہ لوگ نہ صرف بہت کچھ اپنا اسباب پھینک کر بلکہ اپنے بوڑھے اور بیمار رشتہ داروں کو بھی چھوڑ چھاڑ کر جانے لگے۔ اس وقت ہمارے منتظمین نے اعلان کر دیا کہ کوئی احمدی اس قافلہ میں نہ جائے کیونکہ راستہ میں لُوٹ مار اور قتل و غارت کا سخت خطرہ ہے۔ آخر اس لُٹے ہوئے قافلہ کو جسے ملٹری اور پولیس نے یہ کہہ کہہ کر روانہ کیا تھا کہ وہ اس کی حفاظت کرے گی بٹالہ پہنچتے پہنچتے بالکل ہی لُٹوا دیا اور بیسیوں آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ کیونکہ راستہ کے دونوں طرف ہزارہا مسلح سکھ لٹیرے کھڑے تھے جو کھلم کھلا لُوٹتے اور قتل کرتے تھے اور کوئی ان کو روکنے والا نہ تھا۔ تباہ حال پناہ گزینوں کو موت کے مُنہ زبردستی دھکیل کر پولیس اور ملٹری نے جو جگہ خالی کروائی تھی وہ اگرچہ غلاظت اور گندگی کی وجہ سے ہی ٹھیرنے کے ناقابل تھی لیکن جس تکلیف اور مصیبت میں گذشتہ رات جگہ کی تنگی کی وجہ سے گذاری گئی تھی۔

وہ مجبور کر کے اپنا گھر گئی قریب قریب کی جگہ تھا ان دنوں سکول اور بورڈنگ کے منتظمین نے

سر چھپانے کی کوشش کی جائے لیکن ملٹری کی طرف سے حکم جاری ہو گیا کہ اس سارے علاقہ میں جہاں سے پناہ گزین اُٹھے ہیں کوئی داخل نہ ہو بلکہ ادھر سے گذرنے کی بھی جرأت نہ کرے ورنہ گولی سے اُڑا دیا جائے گا۔ اس طرح کئی ہزار مردوں عورتوں اور بچوں کو ایک چھوٹے سے احاطہ میں محصور کر کے جہاں کھانے پینے کی ضروریات سے یکسر محروم کر دیا گیا وہاں اس بات کے لئے

بھی مجبور کر دیا کہ عفونت اور گندگی کی شدید تکلیف میں پڑے رہیں جو کہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی ان حالات میں مسلسل کئی دن گذارے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بورڈنگ کے صحن میں چلنا پھرنا یا اس کے آس پاس آنا تو الگ رہا بدبُو اور تعفّن کی وجہ سے کمروں کے اندر بیٹھنا تک محال ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی غلاظت کی بھر مار کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ بے انتہا کثرت کے ساتھ مکھی پیدا ہو گئی جس نے رہا سہا چین بھی چھین لیا۔ اس دوران میں غلاظت سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی مگر سوائے اس کے کیا بھی کیا جا سکتا تھا کہ محدود سی جگہ میں گڑھے کھود کھود کر غلاظت کو دبانے کی کوشش کی جاتی۔ سب سے پہلے یہ کام کرتے ہوئے مَیں نے ایک نوجوان کو دیکھا جس کا نام عطاء اللہ ہے اور محلہ دارالفضل کا رہنے والا تھا اس نے دوسرے ہی دن کدال ہاتھ میں لے کر یہ کام شروع کر دیا اور روزانہ کرتا رہا۔ بعد میں اَور بھی نوجوان اس کام میں مصروف ہوتے گئے اور انہوں نے یہ خدمت ادا کرنے میں قابلِ تعریف اور لائق تحسین سرگرمی دکھائی۔ باوجود اس کے حالت نہایت ہی تکلیف دہ اور پریشان کُن تھی۔ آخر ایک دن جب یہ معلوم ہوا کہ اعلیٰ فوجی افسر ہوائی جہاز کے ذریعہ حالات ملاحظہ کرنے کے لئے آ رہے ہیں تو اتنی اجازت دی گئی کہ کالج کے ہوسٹل اور قریب دو چار مکانوں میں جو لوگ رہنا چاہیں جا سکتے ہیں اس پر کچھ لوگ وہاں چلے گئے۔

۱۱۔ جبراً تبدیلیٔ مذہب

کالج کے ہوسٹل میں ایک دن صبح ہی صبح دو مرد عورتیں اور چند بچے ہانپتے کانپتے متصل کے ایک گاؤں جوگی چیمہ سے پہنچے۔ جنہوں نے بتایا کہ گاؤں کے سکھوں نے انہیں زبردستی سکھ بنا کر ایک مکان میں زیرِ حراست رکھا ہوا تھا۔ لیکن گذشتہ رات موقع پا کر وہ کھیتوں میں چھپتے چھپاتے بھاگ آئے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ سکھوں کے دیہات میں جو مسلمان بستے تھے انہیں نہ صرف گھروں سے نہ نکلنے دیا گیا بلکہ جبراً ان کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔

۱۲۔ کالج اور ہوسٹل پر قبضہ

کالج کی عمارت سے سخت بارش کے دوران پناہ گزینوں کو نکال کر ملٹری نے پہلے ہی اس پر قبضہ کر لیا تھا اور وہاں اپنا اڈہ قائم کر رکھا تھا۔ اب کالج کے ہوسٹل کو بھی خالی کرا لیا گیا۔

اور جو لوگ یہاں رہنے لگے تھے انہیں پھر بورڈنگ آنا پڑا۔

۱۳۔ کھانے پینے کی مشکلات

بورڈنگ کا تعلق اسی دن سے شہر میں رہنے والے احمدیوں سے منقطع کر دیا گیا جس دن کہ لوگوں کو گھروں سے نکال کر بورڈنگ میں ٹھونس دیا گیا تھا۔ نہ کوئی شہر میں جا سکتا تھا اور نہ آ سکتا تھا۔ کھانے پینے کی ضروریات پوری کرنے سے بالکل روک دیا گیا لیکن باوجود اس کے ہمارے منتظمین نے ہزاروں مردوں عورتوں اور بچوں کی جانیں بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ بورڈنگ اور ہوسٹل میں غلّہ کا کافی ذخیرہ موجود تھا جو اس آڑے وقت کام آیا۔ ابتدا میں کچھ دن گندم اُبال اُبال کر کھانے کے لئے دی جاتی رہی۔ بعد میں تھوڑے بہت آٹے کا انتظام ہو گیا اور فی کس ایک ایک روٹی صبح و شام ملنے لگی۔ کچھ چاول بھی میسّر آ گئے۔ وہ بھی اُبال کر تھوڑے تھوڑے دیئے جاتے۔ اس قسم کی خوراک سے پیچش کی بیماری عام طور پر پھیل گئی جس کے لئے نہ تو کھانے پینے میں پرہیز ممکن تھا۔ نہ علاج میسّر تھا۔ کیونکہ ہمارے ہسپتال پر قبضہ کر لینے کے علاوہ پرائیویٹ دکانوں کو بھی ملٹری اور پولیس نے اپنے تصرّف میں لے کر کسی دوائی کا حاصل کرنا ناممکن بنا دیا تھا۔

۱۴۔ ہوائی جہاز پر گولیوں کی بوچھاڑ

بیرونی دُنیا سے بالکل منقطع کر دینے کے لئے ڈاک، تار، اور ٹیلیفون وغیرہ کا سلسلہ تو پہلے ہی کاٹ دیا گیا تھا۔ لاہور سے ہوائی جہاز کبھی کبھی ظلم و ستم کا نظارہ کرنے کے لئے آیا کرتا تھا۔ اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کی جاتی تھی۔ آخر جہاز کا آنا بھی بند ہو گیا۔ لیکن جب قادیان کو ملٹری اور پولیس نے غنڈے سکھوں کی آڑ میں ویرانہ بنا دیا تو ایک دن ایک زرد رنگ کا ہوائی جہاز آیا۔ حسب معمول پولیس اور ملٹری نے اس پر بھی گولیاں برسانی شروع کر دیں مگر وہ ان کی کوئی پرواہ کئے بغیر بہت نیچے اُڑتا ہوا اور ساری قادیان پر کئی چکر لگا کر تباہی و بربادی کو اچھی طرح دیکھ کر چلا گیا۔

۱۵۔ خواتین کی حفاظت کا انتظام

بورڈنگ کے قریب قریب کے مکانوں میں چونکہ فوراً ہی سکھوں کو داخل کر دیا۔ اُدھر

رات بھر ملٹری ہمارے ارد گرد چکر لگاتی اور گولیاں چلاتی رہتی۔ ایسی حالت میں ان سکھوں نے شرارتیں کرنی شروع کر دیں۔ اور ایک رات ایک مکان سے ہماری طرف دو بم بھی پھینکے گئے مگر وہ نہ پھٹے۔ اس سے ان کی غرض بورڈنگ خالی کرانا تھی۔ مگر ہمارے نوجوانوں کی سرفروشی اور خود حفاظتی کے جذبہ نے انہیں ناکام رکھا اور نوجوانوں کے اسی جذبہ نے اس وقت بھی بہت کام دیا جب عورتوں اور بچوں کو نکالنے کے لئے ملٹری ٹرک بہت بڑی تعداد میں قادیان پہنچے اور ان میں عورتوں اور بچوں کو سوار کر کے روانہ کیا گیا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کو نہ صرف پوری حفاظت کے ساتھ سوار کرایا گیا بلکہ راستہ میں بھی پوری حفاظت کا انتظام کیا گیا اور سارا قافلہ امن و امان سے لاہور پہنچ گیا۔ جتنے دن عورتیں اور بچے قادیان میں محصور اور غیر معمولی خطرات میں گھرے رہے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نہایت ہی بے چین اور بیکل رہے۔ اس بے چینی کا کسی قدر اظہار حضور نے ایک والا نامہ کے ذریعہ بھی فرمایا جو اہلِ قادیان کے نام تھا اور سب کو سُنایا گیا اور اس کے سُننے سے جہاں ہر مرد و عورت کے حوصلے بلند اور دل اور زیادہ مضبوط ہو گئے وہاں ہر ایک نے یہ بھی محسوس کیا کہ حضور کو اپنی جماعت کے اس ناتواں طبقہ کا جو عورتوں اور بچوں پر مشتمل ہے کس قدر فکر اور خیال ہے اور اس کی حفاظت کے لئے کس قدر بےچین ہیں۔ دراصل ظلم و ستم کے خوفناک طوفان بیکراں میں سے مرکز جماعت کی تمام خواتین اور بچوں کا جن کا شمار ہزاروں میں تھا ہر طرح کی حفاظت کے ساتھ بخیر و عافیت نکال لینا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے کارناموں میں سے ایک عظیم الشان کارنامہ ہے جس کی اہمیت کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ اور جوں جوں زمانہ گذرتا جائے گا اور غور و فکر کرنے کا موقعہ ملے گا اس کی اہمیت بڑھتی ہی جائے گی اور غور کرنے والوں کو محوِ حیرت کرتی رہے گی اور اس سلسلہ میں جن احباب کو حضور کے ارشادات اور تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کی سعادت حاصل ہوئی اگر اُن میں سے کوئی تفصیلی حالات قلمبند کر کے شائع کرائے تو بہت ہی اچھا ہو۔[1]

---

[1] "الفضل" ۱۴/ نبوت/ نومبر ۱۳۲۶ ہش ۱۹۴۷ء صفحہ ۳-۴۔

. . . .[1] حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے خاص انتظامات کے ماتحت تمام عورتوں اور بچّوں کے قادیان سے روانہ ہو جانے کے بعد مَردوں کے کندھوں سے ان کی حفاظت کی ذمہ داری کا بہت بڑا بوجھ اُتر گیا تو ملٹری اور پولیس نے یہ کہہ کر کہ بورڈنگ میں سے عورتوں کے چلے جانے کی وجہ سے مَردوں کے رہنے کی گنجائش نکل آئی ہے فضلِ عمر ہوسٹل اور قریب قریب کے مکانات جن میں احمدی پناہ گزین تھے جبراً خالی کرانے شروع کر دیئے اور پھر سب کو بورڈنگ میں محبوس کر دیا۔

۱۷۔ بیگار

ان ایام میں فوجی پہرہ میں ہم سے کئی قسم کی بیگار بھی لی گئی۔ منتظمین سے کہا جاتا کہ کام کرنے کے لئے فوراً اتنے آدمی بھیج دو ورنہ ملٹری جبراً کام کرائے گی۔ ایک دن مولوی ابوالعطاء صاحب نے فضلِ عمر ہوسٹل میں آکر بھی اعلان کیا کہ دوست خود بخود چلے جائیں اور احباب چلے گئے۔ بیرونی دیہات کے ہزارہا مرد، عورتیں اور بچے بہت دنوں سے بورڈنگ اور کالج کے وسیع میدانوں میں پڑے تھے جہاں انہوں نے شدید گرمی اور شدید بارشوں کی صعوبتیں جھیلی تھیں اور تھوڑا بہت سامان خاص کر لحاف اور کپڑا وغیرہ جو گھروں سے لائے تھے وہ ضائع ہو گئے تھے۔ جب انہیں جبراً ۴؍ اکتوبر کو پیدل بٹالہ کی طرف دھکیلا اور درندہ صفت سکھوں کے آگے بے دست و پا کر کے ڈال دیا گیا جنہوں نے انتہائی کمینگی کا اظہار کرتے ہوئے بیکسوں کو نہایت بیرحمی سے لُوٹا اور قتل کیا تو وہ اپنے برتن اپنی چارپائیاں اپنے ٹرنک، اپنے لحاف اور کپڑے جو چیتھڑے ہو چکے تھے اور جو غلاظت سے لتھڑے ہوئے تھے وہیں چھوڑ گئے۔ ملٹری نے یہ سب چیزیں ہمارے آدمیوں کو جن میں گریجوایٹ، اعلیٰ تعلیمیافتہ اور اعلیٰ خاندانوں کے افراد بھی شامل تھے بیگار میں پکڑ کر اکٹھی کرائیں۔ پھر اینٹیں جن کے فرش بنا کر پناہ گزینوں نے بارش کے دن گذارے تھے اور کیچڑ میں لت پت ہونے کی بجائے ان پر بیٹھ کر راتیں کاٹی تھیں اُن کو جمع کرانے کے لئے بھی

---

[1] اس مقام پر خواجہ غلام نبی صاحب مرحوم نے احمدی خواتین کی حفاظت کے بارہ میں حضرت مصلح موعود کے کارنامہ پر تفصیلی روشنی ڈالی تھی جو فصل دوم کا حصہ بن چکا ہے۔

ہم سے بیگار لی گئی۔ یہ اینٹیں جو ہزاروں کی تعداد میں زمین میں گڑی ہوئی تھیں ان کو چونکہ خالی ہاتھوں سے ہمیں اکھیڑنا پڑا۔ اس لئے ہمارے ہاتھ اس مشقّت سے چھل گئے۔ چار چار کوڑی کے ڈوگرہ اور سکھ سپاہی ہمیں کام کرتے ہوئے ڈانٹتے ڈپٹتے بھی اور شاباش شاباش بھی کہتے۔ مگر ہمیں ان کی کسی حرکت کی کوئی پروا نہ تھی۔ ہم تو اپنے نظام کے ماتحت چل رہے تھے اور قضاو قدر کے کرشمے دیکھتے ہوئے اللہ تعالےٰ کی کبریائی کے ترانے گا رہے تھے۔ ایسی حالت میں ان کی شاباش ان کی ڈانٹ ڈپٹ سے زیادہ ایذارساں محسوس ہوتی تھی

۱۷۔ ملٹری کی لُوٹ مار

پولیس والوں اور فوجیوں کی لُوٹ مار کے شرمناک حادثات کی داستانیں تو روزانہ سُننے میں آتی تھیں۔ لیکن اس بارے میں خود مشاہدہ کرنے کا موقع اس وقت ملا جب مَیں بورڈنگ سے قصبہ میں آگیا اور دفتر "الفضل" کی بالائی منزل میں رہنے لگا۔ یہاں سے مَیں نے دیکھا کہ جب سابقہ ہندوستانی ملٹری کا تبادلہ ہوا۔ اور وہ لوگ فوجی ٹرکوں میں بیٹھ کر روانہ ہوئے تو کئی ایک بڑے بڑے ٹرک لبالب مختلف قسم کے اسباب سے بھرے ہوئے تھے اور اس کے اُوپر تھوڑے تھوڑے سپاہی بیٹھے تھے۔ قادیان سے باہر جانے والوں کو جب ٹرکوں پر چڑھنے کے لئے تھوڑا بہت اسباب لے کر قصبہ سے باہر جانا پڑتا تو ہندو ملٹری کی موجودگی میں سکھوں نے دن دہاڑے رہزنی شروع کر دی۔ اکیلے دوکیلے پر اچانک حملہ کرکے اسباب چھین لیتے اور بعض حالتوں میں زخمی کرکے بھاگ جاتے۔ البتہ چند افراد اگر اکٹھے مل کر جاتے تو حملہ کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ مَیں جب بورڈنگ سے قصبہ میں آیا تو میرے ساتھ پانچ سات نوجوان بچّے بھی تھے۔ اس دن بھی اگرچہ کئی اصحاب پر حملے ہو چکے تھے مگر ہم بخیریت پہنچ گئے۔ رہزنی کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک مسلمان ملٹری نہ پہنچ گئی۔ اور ہر خطرہ کے مقام پر ہندو فوجی کے ساتھ مسلمان فوجی نہ کھڑا کر دیا گیا۔

یہ وہ مختصر حالات ہیں جو مَیں نے آنکھوں دیکھے بیان کئے ہیں۔ اگر کانوں سُنے بھی بیان کئے جاتے تو یہ المناک داستان نہایت ہی طویل ہوجاتی۔" [1]

---

[1] "الفضل" ۱۸ر فتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۵ ؛

فصل ششم

قادیان کے المناک کوائف اور جماعت احمدیہ کی مظلومیت اور ملی خدمات کا چرچا عالمی پریس میں،

قادیان چونکہ ایک بین الاقوامی فعّال اور منظم جماعت کا ایک شہرۂ آفاق مرکز تھا، اس لئے جہاں مشرقی پنجاب بلکہ دہلی جیسے شہر میں خونِ مُسلم سے جو ہولی کھیلی گئی اس پر بیرونی اخبارات نے بہت کم نوٹس لیا وہاں قادیان میں فتنہ و فساد اور قتل و غارت کی تفصیلی خبریں برصغیر پاک و ہند کے مشہور اخبارات کے علاوہ دوسرے عالمی پریس نے بھی جلی عنوانوں سے شائع کیں جس سے دُنیا بھر میں زبردست تہلکہ پڑ گیا اور قادیان کے احمدی جوانوں کی جرأت و مردانگی اور استقلال و پامردی کی ہر جگہ دھوم مچ گئی

پاکستانی اخبارات

پاکستان کے مسلم پریس کو ہمیشہ یہ امتیاز حاصل رہے گا کہ اس نے اس موقعہ پر دیگر سب ممالک سے بڑھ کر فرض شناسی، مسلم نوازی اور بیدار مغزی کا ثبوت دیا۔ بالخصوص زمیندار، احسان، نوائے وقت اور انقلاب کے کالم دُنیا کو قادیان اور اہل قادیان کے حالات سے باخبر رکھنے کے لئے گویا وقف رہے۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ، ڈان، ڈیلی گزٹ اور آبزرور میں بھی گاہے گاہے فسادات قادیان کی خبریں چھپتی رہیں۔

اخبار "زمیندار" لاہور

اخبار "زمیندار" (لاہور) اپنے نامہ نگار خصوصی اور دوسرے ذرائع سے ملنے والی خبریں نہایت اہتمام سے اپنے قارئین تک پہنچاتا رہا جو بطور نمونہ درج ذیل کی جاتی ہیں:۔

۱۔ اخبار "زمیندار" کے ۲۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کے شمارہ میں " قادیان کے نواحی دیہات پر پولیس کا حملہ، مقتدر مسلمانوں کی گرفتاریاں۔ خانہ تلاشیاں اور ظلم و تشدد " کے عنوان سے قادیان کے ایک پناہ گزین (عبدالرحمٰن خاں) کی طرف سے ایک مضمون شائع ہوا جس کا ایک حصہ یہ تھا:۔

" پریتم سنگھ نے ایک پروگرام قادیان پر حملہ کرنے کے واسطے تیار کر کے ایک کنسٹیبل کو برائے تعمیل مختلف جتھوں کے واسطے بھیجا تھا۔ جب وہ کنسٹیبل موضع سٹھیالی پہنچا تو وہاں فرنٹیر

فورسز کی پکٹ تھی۔ انہوں نے اسے روک لیا۔ اس کی رائفل بھی لے لی اور اس کو گرفتار کر لیا۔ اس کی تلاشی سے قادیان پر حملہ کے پروگرام کا کاغذ برآمد ہوا۔ قادیان میں اس وقت قریباً ایک لاکھ پناہ گزین موجود ہیں جو اس طرف کے علاقہ سری گوبند پور وغیرہ سے اور ضلع ہوشیار پور سے جمع ہوئے ہیں۔ خوراک وغیرہ کی از حد تکلیف ہے۔ سکھ جتھے کھلم کھلا کیمپ میں چکر لگاتے رہتے ہیں اور پناہ گزینوں کا قیام بالکل غیر محفوظ ہو چکا ہے اس واسطے گذارش ہے کہ اس کیمپ کے تمام پناہ گزینوں کو جلد سے جلد نکال لیا جائے ورنہ ممکن ہے کہ کسی وقت حملہ آور تمام کے تمام پناہ گزینوں کا کسی وقت خاتمہ کر دیں... الخ"

۲۔ اخبار "زمیندار" نے اپنی ۲۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں سید غلام مصطفےٰ شاہ خالد گیلانی آف راولپنڈی کا "جہاد کشمیر کی اہمیت" کے عنوان پر ایک مضمون شائع کیا جس میں قادیان کی مثال پیش کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:۔

"صبح و شام امن امن کا وظیفہ کرنے والے عاقبت نا اندیش لوگ مجھے بتائیں کہ جس قوم کی کم و بیش بیس ہزار بہو بیٹیاں اور مائیں بہنیں اغیار کے قبضہ میں ہوں اور اغیار بھی وہ جن کا تہذیب و شرافت کی تاریخ میں نام و نشان تک نہ ہو وہ قوم ہجرت کرنے میں حق بجانب ہے! ہر گز نہیں۔ ۴۵ لاکھ مسلمان اگر مقابلہ کا ارادہ کر لیتے تو صورت حالات بالکل مختلف ہوتی۔ قادیان کی مثال ہمارے سامنے ہے"

۳۔ اخبار "زمیندار" نے اپنی ۲۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت کے صفحہ اول پر حسب ذیل خبر دی:۔

"موجودہ فسادات کی ذمہ داری سکھوں پر عائد ہوتی ہے

بیاس کا تمام مغربی علاقہ پاکستان میں شامل ہونا چاہیئے

لندن ۲۳ ستمبر۔ ڈاکٹر او۔ ایچ۔ کے سپیٹ آف لندن سکول آف اکنامکس نے لندن مالک میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پنجاب باؤنڈری کمیشن ایوارڈ یک طرفہ اور لغو تھا۔ ڈاکٹر سپیٹ حال ہی میں ہندوستان سے واپس آئے ہیں جہاں وہ حد بندی کمیشن میں قادیان کے نمائندہ کے طور پر پیش ہوئے تھے اور مسلم لیگ کونسل کے غیر سرکاری مشیر تھے۔ ڈاکٹر سپیٹ نے کہا۔ کانگرس نے سکھوں کو اپنا آلۂ کار بنایا اور انہیں لڑائی پر آمادہ کیا۔ ہندو اور سکھوں کی انتہائی چالبازیاں

اور مسلمانوں کی انتہائی دیانتداری میرے لئے ازحد تعجب کا باعث ہوئی۔ دارالعوام میں ہنڈرسن اور ہٹلر کے اعلانات نے بھی حالات پر بہت بُرا اثر ڈالا اور سکھوں کو غیر ضروری طور پر دلیر بنا دیا۔ پنجاب کی تقسیم ہر حالت میں سکھوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ہر شخص کو اُن کی اس حالت پر افسوس ہوتا ہے لیکن ـــ خود کردہ را چارہ نیست ـــ آپ نے ہندو سکھوں اور مسلمانوں کے کیس کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ اوّل الذکر کا کیس سرمایہ داری اور موخر الذکر کا کیس انسانیت پر مبنی تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ایوارڈ میں مُسلم اکثریت کے علاقوں کی تحصیلوں کو تقسیم کر کے ہندوستان میں شامل کر دیا گیا۔ مزید اچھوتوں، عیسائیوں اور اینگلو انڈینوں کو ان کی مرضی کے خلاف ہندوستان کے رحم و کرم پر ڈال دیا گیا۔

آپ نے کہا کہ حد بندی کے مسئلہ کو دوبارہ اُٹھایا جائے۔ میرے خیال میں بیاس سے اس طرف کا تمام علاقہ پاکستان میں شامل ہونا چاہیئے۔ گورداسپور مُسلم اکثریت کا علاقہ ہے۔ سر سِرل نے سکھوں کے جذبہ جنگ کی تسکین کے لئے اسے سکھوں اور ہندوؤں کے حوالے کر دیا۔ لیکن سکھوں نے پھر بھی فتنہ پردازی کی جو طے شدہ سکیم کے مطابق معلوم ہوتی ہے۔ مسٹر وکٹر نسٹر (ایڈیٹر ٹیلیجین) نے برطانیہ کو تمام فسادات کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ مسٹر ہیڈ فورڈ ریٹائرڈ چیف انجنیئر کینال پنجاب نے پُرجوش تقریر میں کہا۔ مَیں سکھوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ ان کا واحد علاج رائفل ہے۔ اگر حکومت پاکستان نے مزید نرمی سے کام لیا تو یقین جانئے سکھوں کا اگلا قدم مغربی پنجاب میں ہوگا۔

چوہدری مشتاق احمد باجوہ امام لندن ماسک نے اپنے صدارتی خطبہ میں کہا۔ مسلمانوں کو منظّم ہونا چاہیئے وگرنہ سپین کی طرح ہندوستان میں بھی ان کا بُرا حال ہوگا۔"[ا]

۴۔ اخبار "زمیندار" نے اپنے نامہ نگار خصوصی کی ایک اور رپورٹ مع اپنے تعارفی نوٹ کے حسب ذیل الفاظ میں شائع کی :۔

" اس وقت جبکہ مشرقی پنجاب کے تمام اضلاع قریباً مسلمانوں سے خالی ہو چکے ہیں

لہ " زمیندار" ۲۵ ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱ ۔

قادیان میں کم از کم ڈیڑھ لاکھ پناہ گزین جمع ہیں جن کو پاکستان لانے کی ضرورت ہے۔

قادیان اور اس کے نواحی دیہات کی مفصّل رپورٹ جو ہمارے نامہ نگار خصوصی نے قادیان کے دورے کے بعد مرتب کی ہے درج ذیل ہے۔

قادیان کے ساتھ اس کے ملحقہ دیہات بھی جوانمردی کے ساتھ سکھوں کے مسلح جتھوں کی روک تھام کر رہے ہیں۔ لیکن یہ بات پوری ذمہ داری اور یقین کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ مشرقی پنجاب کی حکومت مسلمانوں کو مشرقی پنجاب سے نکل جانے پر خود مجبور کر رہی ہے۔ قادیان اور اس کے دیہات اس لئے بیٹھے تھے کہ جب تک حکومت خود ہمیں نکل جانے کے لئے نہیں کہے گی ہم اپنے گاؤں خالی نہیں کریں گے۔ چنانچہ قادیان کے ذلیل خصلت اور فتنہ پرداز سکھ تھانیدار نے پولیس اور ہندو ملٹری کی مدد سے مسلمانوں کے گاؤں زبردستی ان سے خالی کروائے اور ان دیہات کے معزز مسلمانوں کو بیحد بیعزت کیا موضع ڈیریوالہ کا ذیلدار چوہدری سلطان ملک اس علاقے میں بہت ہی عزت دار آدمی تھا۔ سکھ تھانیدار اسے قید کر کے قادیان لے آیا جہاں لا کر تھانے میں اس کی مونچھیں کھینچیں۔ پھر اُسے سپاہیوں کی حراست میں ڈیری والہ واپس کیا۔ اس کے مُنہ پر کالک اور گندی کیچڑ ملی۔ اور سارے علاقہ میں اسے پھرایا۔ چوہڑے اس کے مُنہ پر جُوتے مارتے اور تھوکتے تھے اسی طرح کئی معزز مسلمانوں کو ذلیل و خوار کیا جاتا ہے۔

قادیان کے چند معزز شہری جن میں چودھری فتح محمد سیال ایم ایل اے اور زین العابدین سیّد ولی اللہ شاہ ناظر امور عامہ قادیان بھی شامل ہیں گرفتار کئے جا چکے ہیں اور گورداسپور جیل میں اُن کے ساتھ بھی بہت بُرا سلوک کیا جا رہا ہے۔ اس سے قبل قادیان کا ایک معزّز شہری چودھری محمد شریف باجوہ بھی گورداسپور جیل میں ہے جس کے ساتھ نہایت بہیمانہ اور انسانیت سوز ظلم کیا جاتا ہے۔ کبھی اس کے بدن پر خنجر مارے جاتے ہیں۔ کبھی اس کے مُنہ میں پیشاب ڈالا جاتا ہے اور کبھی یک لخت اُسے ٹھنڈے پانی میں ڈال دیا جاتا ہے اور سکھ پولیس کے ظالم سپاہی اور افسر اس سے پُوچھتے ہیں

" بتاؤ قادیان میں اسلحہ وغیرہ کہاں ہے "

جب جرمنی کے وحشی درندوں کے سے مظالم کے بعد چودھری محمد شریف لاعلمی کا اظہار کرتا اور کہتا ہے کہ قادیان میں کوئی اسلحہ وغیرہ نہیں وہاں صرف چند لائیسنس والی بندوقیں ہیں جن کا حکومت کو علم ہے تو سکھ سپاہی بے تحاشہ طیش میں آکر وحشیانہ انداز میں اُسے زدوکوب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

چودھری محمد شریف باجوہ کے خلاف الزام یہ ہے کہ وہ قادیان کا رہنے والا اور مسلمان ہے۔ سکھ پولیس کے نازی ظلم و ستم سے تنگ آکر اس مرد مجاہد نے کئی دفعہ مطالبہ کیا ہے کہ مَیں جانتا ہوں میرا قصور صرف یہ ہے کہ مَیں مُسلمان ہوں اس لئے تم مجھے اس جُرم کی سزا میں ایک ہی دفعہ شوٹ کر دو اور میرا قصّہ پاک کرو۔ لیکن اس کے اس صبر و استقلال کو دیکھ دیکھ کر سکھ پولیس اَور بھی وحشیانہ سزاؤں پر اُتر آئی ہے۔ اگر گورداسپور جیل کے تمام واقعات کو منظرِ عام پر لایا جائے تو سنگدل سے سنگدل انسان بھی کانپ جائے۔ مراد پور کے مسلمان جو قادیان آرہے تھے ڈلّہ کے سکھّوں نے لوٹ لئے۔ جب تھانیدار کے پاس رپورٹ کی گئی تو اس نے ان بیچاروں کی اَور بھی بے عزّتی کی۔ مسلمانوں کا تمام سامان ڈلّہ کے گوردوارہ میں مقفّل کر دیا گیا۔ چند مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔ ایک زخمی عورت نے وہاں چھپ کر اپنی جان بچائی اور کھیتوں میں چھپ چھپا کر قادیان پہنچی۔ صاف شہادتوں کے باوجود قادیان کی پولیس نے کوئی ایکشن نہیں لیا۔

تلونڈی جھنگلاں کے مسلمان بھی جب قادیان آئے تو اُن کا بھی سب سامان اور مویشی ان سے زبردستی چھین لئے گئے۔

۱۸ستمبر کو قادیان کی ہندو ملٹری نے سکھّوں کو اسلحہ دے کر موضع کھارا میں بھیجا اور مسلمانوں کو زبردستی وہاں سے نکلوا دیا اور کوئی چیز نہیں لانے دی۔ اُن کا آٹا وغیرہ بھی راستے میں چھین لیا اور ان کے مکان تباہ و برباد کر دیئے۔

۱۳ستمبر کو چند سکھ تحصیلدار کا ایک رقعہ لے کر قادیان کے تھانیدار کے پاس آئے۔ جس میں یہ لکھا تھا کہ انہیں موضع ننگل میں بسایا جائے جو قادیان سے ایک میل کے فاصلے پر ہے لیکن اس میں مسلمان آباد تھے۔ ۱۹ستمبر کو ہزارہ سنگھ تھانیدار سکھ پولیس کو لے کر

ننگل پہنچا اور مسلمانوں سے کہا کہ ننگل کو فوراً خالی کر دو جو نہیں کرے گا اسے شوٹ کر دیا جائے گا مجبوراً مسلمان اپنا سب سامان چھوڑ کر آ گئے۔

اسی طرح کڑی افغاناں نزد بیاس کے مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔ اور ان بچاروں کو صرف پندرہ منٹ کا نوٹس دیا گیا کہ گاؤں کو خالی کر دو۔ جب قافلہ قادیان کی طرف روانہ ہوا تو پیچھے سے سکھوں کے ایک زبردست جتھے نے حملہ کر کے اُن کا سامان لُوٹ لیا اور کئی مُسلمان شہید ہوئے۔ سکھ پولیس اور ہندو ملٹری نے قادیان کو زیر کرنے کے لئے اس کے تمام ملحقہ دیہات زبردستی خالی کروائے اور اس طرح مشرقی پنجاب اور ہندوستان کی حکومتوں کے مُنہ پر اپنے ہاتھوں سے سیاہی ملی۔ جو یہ کہتی تھی کہ مشرقی پنجاب میں سے کسی کو زبردستی نہیں نکالا جائے گا۔ لیکن جب ان حکومتوں کو توجہ دلائی گئی کہ دیکھو کیا ہو رہا ہے تو وہ مندر کی مورتی کی طرح ٹس سے مس نہ ہوئیں۔

اس وقت قادیان میں کم از کم ڈیڑھ لاکھ پناہ گزین موجود ہیں جو ہندو ملٹری اور سکھ پولیس کے رحم و کرم پر پڑا ہے۔

ہمارے نامہ نگار نے ان پناہ گزینوں سے مختلف قسم کے سوالات دریافت کئے اور خصوصیت کے ساتھ ایک بات کے متعلق تمام مسلمان حیران و ششدر ہیں اور وہ یہ کہ جب مسٹر لیاقت علی خان اور پنڈت جواہر لعل نہرو کے درمیان یہ بات طے پا چکی ہے کہ مغربی پنجاب کے غیر مُسلموں کی حفاظت ہندو سکھ ملٹری کرے گی اور مشرقی پنجاب میں مسلمان پناہ گزینوں کی حفاظت مسلمان ملٹری کرے گی تو پھر قادیان جس میں اس وقت ڈیڑھ لاکھ مسلمان پڑے ہیں ان کے اُوپر کیوں ہندو ملٹری چھوڑی گئی جو غریب مسلمانوں کو ڈراتی اور دھمکاتی ہے۔ قادیان کے پناہ گزین مسلمان پاکستان کے وزیراعظم مسٹر لیاقت علی خاں سے دریافت کرتے ہیں کہ پاکستان کی مسلم فوج کہاں ہے وہ کیوں قادیان میں نہیں پہنچتی؟ کیا ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کی جانیں ان کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ ایک طرف سکھ پولیس ہے دوسری طرف ہندو ملٹری جو آنکھیں سُرخ کئے تیوریاں چڑھائے عہد گذشتہ کے مصری فرعونوں کی طرح ظلم و استبداد اور غرور و نخوت

کے مظاہرے کر رہی ہے۔ اگر پاکستان کی مسلمان ملٹری قادیان میں مقیم مسلمانوں کی حفاظت کے لئے نہیں بھیجی جا سکتی تو کم از کم انہیں جواب ہی دے دیا جائے۔

قادیان بیرونی دُنیا سے بالکل منقطع ہو چکا ہے۔ واہگہ تک تمام راستے پُرخطر ہو چکے ہیں۔ قادیان کے مجاہدین موت سے نہیں ڈرتے بلکہ وہ اس موت کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں جو مُنہ کھولے ہوئے ان کی طرف بڑھ رہی ہے۔ وہ صرف پناہ گزینوں بوڑھوں عورتوں اور بچوں کو جلد سے جلد پاکستان بھیج دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ آنے والی موت کے ساتھ بے فکر ہو کر لڑ سکیں۔

ہمارے نامہ نگار نے "محکمہ حفاظتِ قادیان" کے ماتحت کام کرنے والے نوجوانوں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ یہ نوجوان ساری ساری رات جاگتے اور پہرہ دیتے ہیں۔ ان میں سے اکثر کو چوبیس چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹیاں ادا کرنی پڑتی ہیں۔ ان کے بدن تھکے ہوئے، آنکھیں سُوجی ہوئی، اعضاء مضمحل ہیں لیکن اس کے باوجود وہ خوفزدہ نہیں بلکہ مسرور و شادماں نظر آتے ہیں جب ان سے پُوچھا جاتا ہے "کیا تم لاہور جانا چاہتے ہو" تو وہ جواب دیتے ہیں ہم موت سے ڈر کر بھاگنا نہیں چاہتے بلکہ موت کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں"

پہرہ داروں میں سے ایک نوجوان نے جس کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی ہمارے نامہ نگار کو کہا کہ "پہلے ہمارے اردگرد سکھوں کا گھیرا تھا۔ مگر اب ہمیں چاروں طرف موت نظر آ رہی ہے۔ یہ موت کیا ہے۔ ہندو سکھ ملٹری جو ہمیشہ اسی تاک میں رہتی ہے کہ کب موقعہ ملے تو وہ ہمیں ہلاک کر دے لیکن ہم موت سے نہیں ڈرتے"

قادیان کے اردگرد کے دیہات کو مسلمانوں سے صاف کرکے اور وہاں سکھوں کو بسا کر اب ہندو ملٹری قادیان تک محلّوں پر حملے کروا رہی ہے۔ پہلے قادیان کے ایک محلّے اسلام آباد کو زبردستی خالی کروایا گیا جو آریہ ہائی سکول اور ریلوے لائن کے ساتھ ہے۔ پھر پولیس نے دوسرے محلّے قادر آباد کے مسلمانوں کو گرفتار کیا۔ ان کے ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ دیئے۔ فائر کئے۔ انہیں لاٹھیوں سے زدوکوب کیا اور ہزارہ سنگھ تھانیدار نے انہیں گالیاں دیں کہ بدمعاشو یہاں سے نکل جاؤ، تم کیوں نہیں نکلتے۔ پھر ملٹری نے بھی وہاں پہنچ کر پولیس

کی حمایت کی۔

پنڈت جواہر لعل نہرو اور اس کی نام نہاد حکومت کہاں ہے جو کہتی تھی کہ زبردستی کسی کو نہیں نکالا جائے گا۔ کیا اس نے قادیان کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں؟

پھر سکھ محلّہ دارالسعتہ کی طرف بڑھے اور اسے لوٹنا شروع کر دیا۔ اہلِ قادیان نے فوراً ملٹری کو توجہ دلائی کہ تم ہماری حفاظت کے لئے آئے ہو۔ دیکھو یہ کیا ہو رہا ہے؟ مگر ملٹری کے سپاہی اس وقت والی بال کھیل رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ چلے جاؤ ہم کچھ نہیں کر سکتے پھر پانچ نہتے لڑکے دارالسعتہ کی طرف بڑھے اور انہوں نے سکھوں کو بھگا دیا۔

سکھ ہزاروں کی تعداد میں قادیان کی خالص مسلم آبادی کی گلیوں میں تلواریں برچھیاں اور دیسی ساخت کی بندوقیں لے کر پھرتے اور جب ملٹری اور پولیس سے کہا جاتا۔ ان لوگوں کا یہاں کیا کام ہے تو جواب ملتا ہے ہم شریف آدمیوں کو چلنے پھرنے سے کیونکر روک سکتے ہیں اور ادھر اگر کسی مسلمان کے پاس کوئی سونٹا یا چاقو یا غلیل ہوتی ہے تو وہ بھی چھین لی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ تم ہراس پھیلاتے ہو۔ گویا اس وقت ہر سکھ غنڈہ اور لٹیرا ایک شریف آدمی ہے اور ہر مسلمان شریف آدمی غنڈہ ہے۔ سکھ مسلم پناہ گیروں کے مال اور مویشی زبردستی اُٹھا لیتے ہیں اور مسلمانوں کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔

ملٹری کے ہندو کیپٹن نے سکھ تھانیدار کے ساتھ مل کر یہ سازش کی کہ کسی طرح مسلم پناہ گیروں کو قادیان سے باہر لے جا کر ہلاک کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے سکیم بنائی کہ ان کو قافلہ کی صورت میں بٹالہ کی طرف ہانکا جائے اور راستہ میں تہ تیغ کیا جائے۔ کیپٹن نے اعلان کروایا کہ قادیان سے قافلہ جائے گا اور تمام پناہ گیروں کو قادیان سے نکال دیا جائے گا۔ جو رہ جائے گا ہم اس کی حفاظت کے ضامن نہیں۔ ادھر سکھ تھانیدار جیپ کار پر سوار ہو کر تمام سکھ دیہات میں گھوم آیا اور سکھوں کو مطلع کر دیا کہ قافلہ آنے والا ہے تیار ہو جاؤ کوئی بچ کر نہ جانے پائے۔ اہلِ قادیان نے اس قافلہ کی مخالفت کی اور کہا کہ ہم ہندو ملٹری کی حفاظت میں قافلہ روانہ نہیں ہونے دیں گے۔ ۲۰ ستمبر کو ہندو کیپٹن نے ڈھنڈورا پٹوایا کہ کل قافلہ جائے گا اور جو شخص اس کے ساتھ نہ جائے گا اُسے گرفتار کر کے

شوٹ کر دیا جائے گا۔ لیکن مسلمانوں میں سے کوئی بھی تیار نہ ہوا۔ ادھر سکھ ارد گرد کے دیہات میں جمع ہوتے رہے کہ قافلہ آنے والا ہے اس کو لوٹیں گے انہوں نے سکھ تھانیدار کو پیغام دیا کہ قافلہ جلد بھیجو ہم تو گھروں سے نکل کر اب کماد وں میں بیٹھے ہیں۔

۲۰ ستمبر کو قادیان سے چار ٹرک جن میں پناہ گزین بیٹھے تھے۔ جب قادیان سے نکل کر نہر پر آئے تو پنجگرائیاں کے موڑ پر سکھوں کے ایک جتھے نے ان ٹرکوں پر حملہ کر دیا۔ ملٹری نے فائرنگ کی تو سکھ بھاگ گئے اور قادیان میں ہندو ملٹری نے یہ بات مشہور کر دی کہ مسلمان ملٹری نے جو ٹرکوں کے ساتھ تھی یونہی جان بوجھ کر شرارت کی ہے اور سات سکھ مار دیئے ہیں۔ سکھ کہتے ہیں کہ ہم قادیان کے قبرستان میں ہل چلائیں گے اور یہاں کی مسجدیں اب گوردوارے بنیں گے۔ ہندو ملٹری ان کے ساتھ پورا تعاون کر رہی ہے۔ ۲۱ ستمبر کو انہوں نے قادیان میں کرفیو نافذ کر دیا ہے جس کا صاف طور پر مطلب یہ ہے کہ اب سکھ رات کو پولیس اور ملٹری کی مدد سے لوٹ مار مچائیں گے۔ قادیان میں بیس مزید سپاہی بھرتی کئے گئے ہیں جو سب کے سب سکھ ہیں۔ مسلمانوں نے کہا کہ مسلمان سپاہی بھی رکھو چنانچہ بعض احراری بھی گئے۔ انہوں نے کہا۔ ہم نے پاکستان کی مخالفت کی ہے۔ ہم مسلم لیگی نہیں ہیں۔ بعض نیشلسٹ مسلمان بھی تھے۔ مگر تھانیدار نے کہا ہم کسی "مُسلے" کو بھرتی نہیں کر سکتے یہاں سے دفع ہو جاؤ۔

اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ قادیان میں جلد سے جلد مسلمان ملٹری بھیجی جائے تاکہ ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کی حفاظت ہو سکے۔ پناہ گزین عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو وہاں سے بحفاظت پاکستان میں لایا جائے۔ ہم پاکستان کے ڈیفنس منسٹر لیاقت علی خان سے پُرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ جلد سے جلد قادیان میں مُسلم ملٹری کو بھیجے۔ مغربی پنجاب کے ہر مسلم کیمپ میں گورکھا ہندو اور سکھ ملٹری ہے وہاں کیوں پاکستان کی فوج نہیں بھیجی جاتی قادیان میں راشن کی قلت ہے۔ ہم مغربی پنجاب کی حکومت اور وزیر اعظم پاکستان سے درخواست کرتے ہیں کہ قادیان میں ٹرینیں بھیجی جائیں جن کے ساتھ اچھی خاصی مُسلم ملٹری ہو۔ ہر گاڑی کے ساتھ دو انجن ہوں۔ ایک آگے ایک پیچھے۔ ایک کرین بھی ہو اور پٹڑی جوڑنے کا سامان

بھی ہو کیونکہ سکھوں نے کہا ہے کہ ہم قادیان سے چلنے والی گاڑیوں کو بھی روکیں گے۔ گاڑیوں کے ڈرائیور بھی مسلمان ہوں کیونکہ سکھ ڈرائیور کوئلہ یا پانی ڈالنے کے بہانے انجن کو گاڑی سے علیحدہ لے جاتے ہیں اور پھر سکھ جتھے گاڑیوں پر حملے شروع کر دیتے ہیں"[1]

۵۔ اخبار "زمیندار" نے چند دن بعد اپنے اداریہ میں جماعت احمدیہ کی ملّی خدمات کو خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے لکھا:۔

"ضلع گورداسپور میں یوں تو متعدد مقامات پر مسلمان محصور ہیں مگر تین کیمپ بہت بڑے ہیں (۱) بٹالہ کے پناہ گزینوں کی حالت بہت ہی خراب ہے۔ نہ سر چھپانے کے لئے کوئی پناہ گاہ ہے نہ کھانے کے لئے کوئی چیز ہے۔ ہندو فوجیوں نے قیامت برپا کر رکھی ہے۔ زیورات اور سامان پر ڈاکے ڈالے ہی جاتے تھے اب تو خواتین کی عصمت و عزّت پر بھی ہاتھ ڈالا جاتا ہے۔ دوسرا کیمپ سری گوبند پورہ میں ہے۔ وہاں کی صورتِ حال بھی بٹالہ سے کم خوفناک نہیں۔ تیسرا کیمپ قادیان میں ہے۔ اس میں شک نہیں۔ مرزائیوں نے مسلمانوں کی خدمت قابلِ شکریہ طریقے پر کی۔ لیکن اب حالات بدل رہے ہیں۔ جوانوں کے سوا تمام مرزائیوں کو قادیان سے نکالا جا رہا ہے۔ لہٰذا وہ فوجی لاریوں میں گنجائش رہنے ہی نہیں دیتے۔ حکومت کا فرض ہے کہ اوّل تینوں کیمپ میں مُسلم فوج بھجوائے۔ دوم راشن کا خاطر خواہ انتظام کرے۔ سوم مہاجرین کو لاریوں اور محفوظ قافلوں کے ذریعے سے پاکستان پہنچانے کی کوشش کرے۔ ورنہ دو لاکھ مسلمان عزّت و دولت کے ساتھ ہی زندگی بھی گنوا بیٹھیں گے"[2]

۶۔ اخبار "زمیندار" نے "قادیان کے دردناک کوائف" کے عنوان سے اپنے نامہ نگار خصوصی کے قلم سے ستمبر کے آخری ایام کی ایک اور مفصل رپورٹ شائع کی جو بجنسہٖ درج ذیل کی جاتی ہے:۔

" قادیان میں حالات اب نازک ترین صورت اختیار کر چکے ہیں۔ زمیندار کے نامہ نگار خصوصی نے جو رپورٹ بھیجی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی پنجاب کی حکومت کسی گہری سازش کے ماتحت قادیان کو خالی کروانے پر تُلی ہوئی ہے کیونکہ قادیان کی ہندو ملٹری اور سکھ

---

[1] "زمیندار" ۲۷ ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ ۔ [2] "زمیندار" ۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ ۔

پولیس اب شدید ظلم و ستم پر اُتر آئی ہے اور پولیس اور ملٹری کے سپاہی ارد گرد کے دیہات میں جا کر سکھوں سے کہتے ہیں کہ تم قادیان پر حملہ کرو۔ اگر تم قادیان پر حملہ نہیں کرو گے تو ہم تم پر ہی گولی چلا دیں گے۔

(پولیس کی امداد سے ڈاکہ)

۷/ستمبر کو سکھوں نے پولیس کی مدد سے مظلوم پناہ گزینوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ پولیس نے کوئی مداخلت نہیں کی بلکہ پناہ گزینوں کے پانچ ہزار مویشی لوٹ لئے گئے اور جب تھانہ میں کہا گیا کہ یہ اندھیر نگری کیا ہے تو جواب دیا گیا کہ چونکہ قادیان میں چارہ نہیں اس لئے ان مویشیوں کے مرجانے کا خطرہ تھا لہٰذا یہ آزاد کر دیئے گئے ہیں۔

مشرقی پنجاب کی حکومت کے کارنامے

قادیان میں شدید بارش ہوئی ہے ایسی بارش کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ غریب پناہ گزینوں نے تعلیم الاسلام کالج، جامعہ احمدیہ، ہائی سکول، بورڈنگ ہاؤس، نصرت گرلز ہائی سکول اور محلہ جات کے مکانوں میں پناہ لی۔ بعض باہر ہی بھیگ گئے اور پھر اس پر پولیس کا جابرانہ رویہ۔ کسی شخص کو پکڑ لیا اور اس کی جیب خالی کروا لی۔ کسی کے گھر میں گھس گئے اور لوٹ مار شروع کر دی۔ کسی کے مویشی ہانک لئے۔ کسی کا زیور اور روپیہ چھین لیا۔ گویا یوں معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی پنجاب میں کوئی حکومت ہی نہیں اور پولیس اور ہندو ملٹری کو ہر قسم کا جبر و تشدد کرنے کی کھلی چھٹی دے دی گئی ہے۔

تلاشیاں لی جا رہی ہیں

باوجود اس امر کے کہ پاکستان اور ہندوستان کی حکومتوں میں ایک دوسرے کے کنوائے کی تلاشی نہ لینے کا معاہدہ ہو چکا ہے اور پاکستان کی حکومت اس معاہدے پر پورا پورا عمل کر رہی ہے مگر قادیان سے جو قافلہ روانہ ہوتا ہے اس کی وہیں زبردست تلاشی لی جاتی ہے۔ اس تلاشی میں تو بعض لوگوں سے گھڑیاں قلمیں اور بعض اس قسم کی دوسری چیزیں بھی چھین لیں اور ادھر مغربی پنجاب میں غیر مسلموں کے پوڈر اور لپ اسٹک کے بل بن رہے ہیں۔

بھوکوں مارنے کی سازش

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ مغربی پنجاب میں جہاں جہاں ہندو اور سکھ جمع ہیں، پاکستان کی حکومت ان کی خوراک کا معقول بندوبست کرتی ہے حتیٰ کہ ان کے لئے پھل، ترکاریاں اور دودھ بھی سرکاری طور پر مہیا کیا جاتا ہے مگر قادیان میں حالت یہ ہے کہ پولیس نے ۲۹ ستمبر کو منادی کرا دی کہ قادیان میں جس شخص کے گھر میں دو بوریوں سے زیادہ آٹا یا گندم ہوگی اُسے فوراً گرفتار کر لیا جائے گا۔ گویا اس کا صاف طور پر مطلب یہ ہے کہ قادیان کے لوگوں کا راشن اپنے قابو میں کر کے انہیں بھوکوں مارا جائے۔ اس وقت ہزاروں پناہ گزین احمدیوں کے گھروں سے روٹیاں کھا رہے ہیں۔ قادیان کے مسلمانوں نے حکومت سے راشن کے لئے درخواست نہیں دی۔ اور حکومت (جس کا نام ایک تھانیدار اور چند سکھ سپاہی ہے) قادیان سے غلہ غصب کر کے وہاں کے باشندوں اور پناہ گزینوں کو بھوکوں مارنا چاہتی ہے۔

کیا دنیا میں کسی قوم پر اس سے بڑھ کر بھی ظلم و ستم کیا جا سکتا ہے۔ مغربی پنجاب کی حکومت کیوں قادیان کی طرف توجہ نہیں دیتی۔ کم از کم وہاں مسلمان ملٹری ہی بھجوا دی جائے اور مشرقی پنجاب کی حکومت سے نوٹس لیا جائے کہ وہ کیوں قادیان کے باشندوں سے گندم زبردستی چھین رہی ہے۔

لیڈر توجہ کریں

پاکستان کے وزیر اعظم مسٹر لیاقت علی خان اور میاں افتخار الدین صاحب ذرا اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لیں کیونکہ قادیان میں اب حالات انتہائی نازک صورت اختیار کر چکے ہیں۔

اگر تم قصور نہ کرو گے

رپورٹ میں ہمارے نامہ نگار نے ایک دلچسپ لطیفہ بھی سپرد قلم کیا ہے کہ سکھا شاہی عہد کی عجیب و غریب حکایتیں سنا کرتے تھے مگر قادیان میں عملی طور پر دیکھ لی ہیں مثلاً ایک آدمی چلا جا رہا تھا کہ سکھ سپاہی نے اسے فوراً گرفتار کر لیا۔ جب اس آدمی نے پوچھا۔ میرا قصور کیا ہے تو یہ سُن کر سکھ سپاہی نے جواب دیا کہ اگر تم قصور نہ کرو گے تو کیا ہم تمہیں پکڑیں گے ہی نہیں؟

عام گرفتاریاں

پولیس جس شخص کو چاہتی ہے گرفتار کر لیتی ہے چنانچہ اس وقت تک قادیان کے پچاس آدمیوں کے وارنٹ نکل چکے ہیں اور اگر دریافت کیا جائے تو کوئی جواب نہیں ملتا اور ادھر اُدھر جھوٹے الزام لگا کر ٹال دیا جاتا ہے۔

ہر طرف اندھیرا

جوگندر نگر کی بجلی فیل ہو جانے سے قادیان میں تین دن سے اندھیرا رہا۔ وہاں تیل بھی نہیں ہے۔ بعض ضروریاتِ زندگی تو پہلے ہی ختم ہو چکی ہیں۔ آٹا اور گندم رہ گئی تھی اس پر پولیس کا جبر و تشدد نازل ہو چکا ہے۔ آٹے کی چکیاں نہ چلنے کی وجہ سے شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

ظلم و ستم کا دَور

قادیان کے ارد گرد چاروں طرف سکھ ہی سکھ آباد ہیں۔ سکھ پولیس اور ہندو ملٹری کے ظلم و ستم انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ وہاں جو ٹرک جاتے ہیں۔ ملٹری کپتان ان کے چلنے میں دیر کراتا ہے تاکہ اندھیرا ہو جائے اور سکھوں کے جتھوں کو ان پر حملہ آور ہونے کا موقعہ مل سکے۔ ملٹری کے سپاہی شرابیں پی کر قادیان میں پھرتے ہیں اور پناہ گزینوں کی لڑکیاں اُٹھا کر لے جاتے ہیں جن میں سے بعض کو واپس لایا گیا ہے۔

خاکروبوں کی دھمکی

۲۹ ستمبر کی رات کو پولیس نے خاکروبوں کو دھمکی دی کہ اگر تم نے مسلمانوں کے مکانوں کی صفائی کا کام نہ چھوڑا تو ہم تمہارے ساتھ بہت بُرا سلوک کریں گے۔

نامہ نگار نے اطلاع دی ہے کہ قادیان چاروں طرف سے گھیرے میں آیا ہوا ہے اور اس ماحول میں رہتے ہوئے بھی آدمی کا دل گھبرانے لگ جاتا ہے اور اس پر ثبوت کا ہیبت ناک احساس طاری ہو جاتا ہے۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ قادیان کا مسئلہ مغربی پنجاب کی حکومت براہ راست اپنے ہاتھ میں لے۔ عورتوں بچوں اور بوڑھوں کا اخراج بہت ضروری ہے پہرہ دیا جا رہا ہے۔

نوجوان باقاعدہ پہرہ دے رہے ہیں۔ مگر ہم پاکستان کے وزیر دفاع سے پُر زور درخواست کرتے ہیں کہ اب بالکل دیر نہ کریں اور قادیان میں تھوڑی بہت مسلمان ملٹری ضرور بھجوا دیں۔ مغربی پنجاب میں تو سکھوں کے گوردواروں اور ہندوؤں کے مندروں اور ان کے کابلوں کی حفاظت کے لئے بھی گورکھے سپاہی مقرر ہیں۔ کیا قادیان کے ایک لاکھ سے زائد پناہ گزینوں کی جانوں کی حفاظت کے لئے چند مسلمان فوجی بھی نہیں بھیجے جا سکتے "[۱]

۷۔ اخبار "زمیندار" (۱۱ر اکتوبر ۱۹۴۷ء) میں یہ خبر شائع ہوئی:۔

" قادیان کے تمام حصے صحرا کا منظر پیش کر رہے ہیں

ہندوستانی فوج کے چار بڑے افسروں کا دَورہ کے بعد بیان

لاہور ۹ر اکتوبر۔ کل صبح ہندوستانی فوج کے ایک بڑے افسر نے مع تین بریگیڈیرز کے قادیان کا دورہ کیا۔ اس پارٹی کا متفقہ بیان ہے کہ قادیان کے تمام حصے صحرا کا منظر پیش کر رہے ہیں۔ ہر جگہ ہُو کا عالَم ہے۔ البتہ تین علاقے ایسے ہیں جہاں ایسے مسلمان دکھائی دیئے جو کفّار کے مقابلہ کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کا عزم صمیم کر چکے ہیں۔ ان لوگوں کے چہروں سے بشاشت ٹپکتی ہے

یہ بھی خبر ملی ہے کہ پولیس نے مسلمان مجروحین اور بیماروں کو فوراً ہسپتال سے نکال دیا ہے یہ ہسپتال ایک غیر مسلم ڈاکٹر کے حوالے کر دیا گیا ہے اور علاقوں کی مسلم خواتین کے لئے نہ تو خوراک کا کوئی خاص انتظام ہے اور نہ انہیں طبّی امداد دی جاتی ہے۔ جو کثیر التعداد مسلمان باہر سے پناہ لینے کے لئے قادیان میں جمع ہوئے تھے انہیں نکال دیا گیا ہے اور پیدل قافلوں کی صورت میں انہیں پاکستان چلے جانے کا حکم دیا گیا ہے۔

ان پناہ گزینوں کی حالت بہت ابتر ہے۔ مقامی ملٹری نے انہیں خوراک دینے سے انکار کر دیا ہے اور احمدیہ انجمن سے کہا ہے کہ وہ ان مصیبت زدوں کی خوراک کا انتظام کرے۔ چنانچہ انجمن اپنا راشن کم کر کے ان پناہ گزینوں کو خوراک دے رہی ہے۔ اُبلی ہوئی گندم دی جا رہی ہے۔ (او۔پی)"[۲]

---

[۱] "زمیندار" ۱۶ر اکتوبر ۱۹۴۷ء۔

[۲] "زمیندار" ۱۱ر اکتوبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۸ کالم ۳۔

اخبار "احسان" لاہور

اخبار "احسان" لاہور نے لکھا :۔

۱۔ " قادیان میں اس وقت بیس ہزار کے قریب پناہ گزین جمع ہیں۔ سکھوں نے آٹھ آٹھ نو نو میل تک مُسلم دیہات کو تباہ کر دیا ہے اور پھر قادیان کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ راشن کا بھی شدید خطرہ ہے۔ مغربی پنجاب کی حکومت وہاں فوراً ریلیف کیمپ قائم کرے اور جلد از جلد وہاں پاکستان کی فوج مقرر کی جائے تا پناہ گزینوں کو جانی اطمینان ہو جائے" [۱]

۲۔ اسی اخبار نے ۲۴ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو مندرجہ ذیل دو خبریں شائع کیں :۔

(الف) " لاہور ۲۲ر ستمبر۔ ۱۹ر ستمبر کو مسلّح سکھوں نے قادیان کے ایک شمال مشرقی محلے پر ہلّہ بول دیا لیکن کارگر نہ ہوا۔ اس کے بعد پولیس نے اہل محلہ کی تلاشیاں شروع کر دیں۔ پولیس جانتی ہے کہ حملے ہو رہے ہیں پھر بھی وہ اسلحہ کے لئے تلاشیاں لے رہی ہے اور اس کی یہ حرکت معنی خیز ہے۔ تقاضائے وقت یہ تھا کہ پولیس مسلمانوں کو معمولی سے اسلحہ سے محروم کرنے کی بجائے مسلّح جتھوں کے قلع قمع کی طرف توجہ دیتی جو فتنہ و فساد اور قتل و غارت پر تُلے بیٹھے ہیں۔ سکھوں نے موضع ننگل (قادیان سے آدھ میل دُور) پر قبضہ کر لیا ہے۔ پولیس نے اس وقت تک حملہ آور سکھوں پر گولی نہیں چلائی اور اگر اس کی یہی رفتار رہی تو فساد کے بڑھ جانے میں کوئی کسر نہ رہے گی۔ کل قادیان سے ایک قافلہ چلا تھا۔ لیکن سکھوں نے قادیان اور بٹالہ کے درمیان اس پر ہلّہ بول دیا۔ لیکن قافلہ کے فوجی محافظ ٹس سے مس نہ ہوئے"

(ب) " لاہور ۲۲ر ستمبر۔ سکرٹری انجمن احمدیہ نے اعلان کیا ہے کہ ۲۱ر ستمبر سے قادیان میں شام کے ۶ بجے سے صبح کے ۵ بجے تک کرفیو لگا دیا گیا ہے۔ اگر یہ اقدام حقیقی طور پر قیام امن کے لئے ہو تو مسلمان اس کے لئے ممنون ہوں گے۔ لیکن اگر اس اقدام کا مطلب صرف یہ ہو کہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف فتنہ و فساد برپا کرنے والی طاقتوں کو بھڑکایا جائے اور مسلمانوں کے پاس دفاع کا جو معمولی سا سامان رہ گیا ہو اس سے بھی انہیں محروم کر دیا جائے تو یہ بڑا افسوسناک ہوگا۔ غیر سرکاری اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ پولیس کی طرف

---

[۱]:۔ احسان ۱۵ر ستمبر ۱۹۴۷ء

سے مسلمانوں کی تلاشیاں لی جا رہی ہیں اور مسلمانوں کو لائسنس والے اسلحہ سے بھی محروم کیا جا رہا ہے۔ امیر جماعت احمدیہ کے اقامت گاہ کی بھی تلاشی لی گئی ہے اور پولیس اس اسلحہ آتشیں اور کارتوسوں کو بھی لے گئی ہے جن کے لئے باقاعدہ طور پر لائسنس حاصل کئے گئے تھے۔ اس امر کا شدید خطرہ ہے کہ اب غیر متوقع واقعات پیش آئیں گے اور حکام صرف یہ کہہ دیں گے کہ یہ ہمارے کنٹرول سے باہر ہیں۔"

۳۔ اسی اخبار (احسان) نے اگلے دن (۲۵ ستمبر کو) یہ خبر شائع کی۔

"لاہور ۲۲ ستمبر۔ کل احمدیوں کے وفد نے جالندھر میں ڈاکٹر گوپی چند بھارگوا اور مسٹر سورن سنگھ وزیر داخلہ مشرقی پنجاب سے ملاقات کی۔ دونوں وزیروں نے انہیں اطمینان دلایا کہ حکومت مشرقی پنجاب مسلمانوں کو نکالنا نہیں چاہتی۔ وفد کے استفسار کرنے پر وزیروں نے کہا، کہ قادیان میں کرفیو آرڈر اس لئے لگایا گیا ہے کہ قادیانیوں نے موضع کھارہ (متصل قادیان) میں چار سکھوں کو گولیوں سے مجروح کیا۔ ۲۶ ستمبر کو کابینہ مشرقی پنجاب کے اجلاس میں قادیان کی حالت پر غور ہوگا۔ وفد نے کہا کہ موضع کھارہ میں کسی احمدی نے کسی سکھ پر گولی نہیں چلائی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ موضع کھارا پر مسلح سکھوں نے حملہ کیا تھا اور وہاں گولیوں کا تبادلہ ہوا تھا جس کے نتیجے پر چند سکھ ہلاک و مجروح ہوئے۔ کیا ایک قریبی گاؤں کے واقعات کی وجہ سے قادیان میں کرفیو آرڈر لگانا درست ہے۔ سکھوں اور مسلمانوں میں گولیوں کے مبادلے کی وجہ یہ ہے کہ سکھوں نے پیدل جانے والے قافلہ پر حملہ کر دیا تھا۔ سکھوں پر گولی محافظ فوج کی طرف سے چلائی گئی تھی۔ فوج کے قصور پر قادیان کو سزا دینا درست نہیں۔"

۴۔ "احسان" کے اسی پرچہ میں " قادیان کے باشندوں پر سکھ فوج اور پولیس کے بے پناہ مظالم ان لوگوں نے آخری وقت تک مقابلہ کی ٹھان لی " کے زیر عنوان حسب ذیل مضمون چھپا :-

"آخر قادیان کے متعلق بھی ہندوؤں اور سکھوں کی سازشیں بروئے کار آگئیں۔ ۲۱ ستمبر سے شہر میں کرفیو نافذ کر دیا گیا ہے۔ تازہ اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ سکھ پولیس اور ہندو ملٹری کی مدد سے قادیان میں تباہی مچانا چاہتے ہیں۔ اس وقت قادیان میں کم از کم ڈیڑھ لاکھ پناہ گزین جمع ہیں۔ ہندو ملٹری اور سکھ پولیس کے ظلم و ستم اور آئین سوز حرکات کے باوجود

قادیان کے نوجوان ہراساں نہیں ہوئے۔ وہ خندہ پیشانی کے ساتھ موت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہاں سے عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں کو جلد از جلد پاکستان میں لے آئے۔ نامہ نگار کی تازہ رپورٹ درج ذیل ہے :۔

۱۳ ستمبر کو چوہدری سلطان ملک ذیلدار ڈیری والہ کو جو علاقہ کے معززین میں سے ہیں۔ قادیان کے سکھ تھانیدار نے گرفتار کر لیا۔ انہیں گالیاں دیں۔ مونچھیں کھینچیں اور پھر منہ پہ سیاہی اور کیچڑ لگا کر تمام علاقہ میں گشت کروایا اور چوہڑوں سے جوتے مروائے گئے۔

مراد پور کے مسلمان قادیان آرہے تھے کہ ڈلہ کے مقام پہ سکھوں نے ان کا سب سامان لوٹ لیا۔ وہ سامان گوردوارہ میں منتقل کر دیا گیا۔ جب قادیان کے تھانیدار کو اطلاع دی گئی تو اس نے الٹی مسلمانوں کو گالیاں دیں اور شہادتوں کے باوجود کوئی ایکشن نہیں لیا۔

۱۴ ستمبر کو تلونڈی کے مسلمانوں کو پولیس نے کماد میں بیٹھ کر شوٹ کیا۔ ۱۵ اور ۱۶ ستمبر کو قادیان میں سکھوں کے جتھے خالص مسلم آبادی میں پھرتے رہے۔ اور انہوں نے بازار میں لائن بنا کر جلوس بھی نکالا۔ جب جلوس نکالا گیا تو اس وقت سکھ برچھیوں، تلواروں اور دیسی ساخت کی بندوقوں سے مسلح تھے۔ پولیس اور ملٹری نے انہیں منتشر کرنے کا کوئی اقدام نہیں اُٹھایا۔ جب پولیس کو کہا گیا کہ مسلم آبادی کی گلیوں میں سکھوں کا یوں مسلح ہو کر پھرنے کا مطلب کیا ہے تو تھانیدار نے جواب دیا کہ ہم شریف آدمیوں کو چلنے پھرنے سے نہیں روک سکتے۔

ایک ہوائی جہاز قادیان پہ دو دن پرواز کرنے آیا۔ ملٹری نے اس پہ فائرنگ کی مگر ہوائی جہاز بچ کر نکل گیا۔

سکھ پولیس نے چوہدری فتح محمد سیال ایم ایل اے اور سید زین العابدین ولی اللہ شاہ ناظر امور عامہ قادیان کی گرفتاری کے علاوہ ان کے مکانوں کی تلاشی لی اور لائسنس والا اسلحہ بھی قابو کر لیا۔ پھر ملٹری نے تعلیم الاسلام کالج کا محاصرہ کر لیا اور کہا کہ ہم تلاشی لیں گے مگر "محکمہ حفاظت قادیان" کے پہرہ داروں نے تلاشی دینے سے انکار کر دیا۔ ملٹری کے ہندو کیپٹن نے نہایت مغرورانہ انداز میں کہا کہ ہم شوٹ کر دیں گے۔ پہرہ داروں نے جواب دیا

کہ ہم گولیوں سے ڈرنے والے نہیں۔ کافی ردّ و قدح کے بعد ملٹری واپس چلی گئی۔

۸ار ستمبر کو ننگل خورد کے چند آدمی مویشی چرا رہے تھے کہ سکھوں نے حملہ کر دیا۔ اور مویشی بھگا کر لے گئے۔ پولیس اور ملٹری کو رپورٹ کی گئی مگر وہ سپاہی ہنس کر چُپ ہو گئے۔

قادیان میں جو پناہ گزین جمع تھے ان کو قافلہ کی صورت میں روانہ کرنے کا خیال تھا۔

۸ار ستمبر کو سکھوں کا ایک وفد تھانیدار سے ملا اور اس نے کہا کہ ہم مسلمانوں کو ایک پائی تک ساتھ نہیں لے جانے دیں گے۔

۸ار ستمبر کو ملٹری کیپٹن نے اعلان کیا جو شخص قافلے کے ساتھ نہیں جائیں گے ان کی حفاظت کے ہم ذمہ دار نہیں۔ تھانیدار نے جیپ کار میں سوار ہو کر سکھوں کے گاؤں کا دورہ کیا۔ اور انہیں بتایا کہ قافلہ آنے والا ہے تیار ہو جاؤ ایک بھی شخص بچ کر نہ جائے۔ سکھ گھروں سے نکل کر کمادوں میں بیٹھ گئے۔

۸ار ستمبر کو ملٹری نے سکھوں کو اسلحہ دے کر کھارا کے مسلمانوں پر حملہ کرایا اور جب مسلمان قادیان کی طرف چلے تو کوئی چیز ساتھ نہیں لینے دی حتیٰ کہ آٹا وغیرہ بھی چھین لیا۔ ان کے مکانوں کو تباہ کیا۔ چھت کی کڑیاں شہتیر اور دروازے اُکھاڑ کر لے گئے۔ اسلام آباد جو قادیان کا ایک محلّہ ہے پہلے ہی خالی ہو چکا تھا اور وہاں سکھ آباد ہو گئے تھے۔

۱۹ار ستمبر کو تکیہ کمال الدین پر قبضہ کیا گیا اور اس دن محلہ دارالساعت[1] پر سکھوں نے حملہ کر دیا۔ اہلِ قادیان نے ملٹری کے سپاہیوں کو اطلاع دی جو والی بال کھیل رہے تھے مگر انہوں نے جواب دیا کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ پھر چند نہتے نوجوان آگے بڑھے اور سکھوں کو بھگا دیا۔

۱۴ار ستمبر کو تحصیلدار نے چند سکھوں کو ننگل نزد قادیان میں بسانے کے لئے بھیجا حالانکہ ننگل میں مسلمان آباد تھے۔ ۱۹ار ستمبر کو تھانیدار نے پولیس کی مدد سے ننگل کے مسلمانوں کو زبردستی وہاں سے نکال دیا اور اُن کا سامان لُوٹ لیا۔

۲۰ار ستمبر کو محلہ قادر آباد کے مسلمانوں کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ ان کی مشکیں باندھیں فائر کئے۔ لاٹھیوں سے زدوکوب کیا اور تھانیدار ہزارہ سنگھ نے مسلمانوں کو گالیاں دیں۔

---

[1]:۔ مراد دارالسعتہ (ناقل)

کہ " بدمعاشو! یہاں سے نکل جاؤ "

۲۰ ستمبر کو جو کنوائے قادیان سے بٹالہ کی طرف جا رہی تھی۔ پنجگرائیاں میں نہر کے پُل پر سکھوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ ملٹری نے فائرنگ کی۔ حملہ آور بھاگ گئے۔ قادیان کی ہندو ملٹری نے یہ غلط پراپیگنڈہ کر دیا کہ مسلم ملٹری نے جان بوجھ کر شرارت کی اور جاتے جاتے سات سکھ مار دیئے ہیں۔

۱۹-۲۰ ستمبر کی درمیانی رات کو ہندو کیپٹن نے قادیان میں ڈھنڈورا پٹوایا کہ کل یہاں سے پیدل قافلہ روانہ ہوگا اور ہم تمام پناہ گزینوں کو قادیان کی حد سے پار کر دیں گے جو قافلہ کے ساتھ نہیں جائے گا اسے شوٹ کر دیا جائے گا۔ مگر ۲۰ ستمبر کو قافلہ روانہ نہ ہوا۔ کیونکہ مسلمان ہندو ملٹری کے ساتھ روانہ ہونے پر تیار نہ تھے اور پھر اس قافلے کو لوٹنے اور تباہ کرنے کیلئے منظم سازش کے ماتحت سکھ دو دن تک نہر کی پٹڑی اور کھیتوں میں چھپے ہوئے تھے اور وہ سکھ تھانیدار کو پیغام بھیج رہے تھے کہ قافلہ جلد روانہ کرو۔

۲۱ ستمبر کو قادیان میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ اس سے قبل پولیس نے بعض لڑکوں کے پاس سے قلمتراش اور غلیلیں پکڑ لی تھیں اور سکھ قادیان کے بازاروں میں لمبے لمبے برچھے تلواریں اور بغیر لائسنس کی بندوقیں لے کر گھومتے تھے۔

اس وقت جو مسلمان کھیتوں میں چارہ کاٹنے کے لئے جاتے ہیں اُن کو پولیس پکڑ لیتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ ہندوستان کے کھیت ہیں تم چارہ نہیں کاٹ سکتے۔ شاید کل پولیس یہ کہہ کر کہ قادیان میں جو مسلمان مقیم ہیں وہ ہندوستان میں ہیں اس لئے یہ سانس بھی نہیں لے سکتے تمام مسلمانوں کو ہلاک کر دے۔

قادیان کے نوجوان ملٹری کے جبر و تشدّد کے باوجود خوفزدہ نہیں۔ وہ صرف اس بات کے خواہشمند ہیں کہ عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو یہاں سے نکال دیا جائے وہ خوب جانتے ہیں کہ اب وہ آہستہ آہستہ موت کے گھیرے میں آتے جاتے ہیں اور نہرو کی وہ حکومت جو کہتی تھی کہ کسی مسلمان کو مشرقی پنجاب سے نکلنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا وہ قادیان کے مسلمانوں کو وہاں سے زبردستی نکلوانے اور انہیں تباہ کرنے پر تُلی ہوئی ہے۔" محکمہ حفاظت

قادیان" کے ماتحت کام کرنے والے نوجوان بعض اوقات چوبیس چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی ادا کرتے اور رات دن پہرہ دیتے ہیں۔ گو نیند اور بے آرامی کی وجہ سے ان کی صحت کمزور ہو چکی ہے مگر وہ موت کے ڈر سے بھاگنے کی بجائے موت سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہیں۔ وہاں کوئی ملٹری مسلمان نہیں ہے۔ ہندو ملٹری اور سکھ پولیس انہیں ڈراتی دھمکاتی ہے۔ ہندو کیپٹن بھرا ہوا پستول ہاتھ میں پکڑے دہشت پھیلانے کے لئے ادھر اُدھر پھرتا رہتا ہے۔

مغربی پنجاب کی حکومت اور پاکستان کے وزیر اعظم مسٹر لیاقت علی خان کو چاہیئے کہ وہاں فوراً مُسلمان ملٹری بھیجی جائے اور ادھر سپیشل ٹرینیں چلائی جائیں۔ ٹرینوں کے ساتھ بھی کافی مسلمان ملٹری ہونی چاہیئے۔ ڈرائیور بھی مسلمان ہوں۔ کیونکہ سکھ ڈرائیور کوئلے یا پانی کا بہانہ کرکے انجن کو گاڑی سے الگ کر لیتے ہیں اور مسلّح جتھے ٹرین پر حملہ کر دیتے ہیں۔ ایک ٹرین کے ساتھ کم از کم دو انجن ایک کرین اور پٹڑی جوڑنے کا سامان اور چند فٹر ضرور ساتھ ہونے چاہئیں۔ کیونکہ خفیہ طور پر ایسی سازش کا انکشاف ہو چکا ہے کہ قادیان سے اگر کوئی ٹرین چلی تو سکھوں نے اس کو لُوٹنے اور تباہ کر دینے کا پُورا تہیہ کیا ہوا ہے۔ پاکستان گورنمنٹ حالات کا مقابلہ کرنے اور پناہ گزینوں عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو قادیان سے نکالنے کا فوری بندوبست کرے۔"

۵۔ اخبار" احسان" نے اسی اشاعت میں" قادیان کے پچاس ہزار مسلمانوں کو بچاؤ" کے عنوان سے حسب ذیل نوٹ بھی شائع کیا:۔

پاکستان گورنمنٹ کی توجہ کے قابل

قادیان میں اس وقت نواحی علاقہ جات سے جمع شدہ مسلمانوں کی تعداد پچاس ہزار کے قریب ہے۔ یہ لوگ چاروں اطراف سے ہندو سکھ فوج کے نرغہ میں گھرے ہوئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قادیان سے ملحقہ علاقوں سے اپنا سب کچھ لُٹا کر آئے ہیں اور اب بے بسی اور خاک بسری کے عالم میں مقیم ہیں۔ حالات روز بروز بد سے بدتر ہو رہے ہیں۔ اگر گورنمنٹ کی طرف سے جلد ان کو نکالنے کا انتظام نہ کیا گیا تو ڈر ہے انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح نہ کر ڈالا جائے۔

خلیفہ صاحب قادیان اپنی جماعت کو یہی مشورہ دے رہے ہیں کہ قادیان کی حفاظت

کے لئے آخری دم تک وہیں رہے۔ خلیفہ صاحب کی یہ ہمت قابل داد ضرور ہے۔ لیکن حالات سے بے نیاز ہو کر کام کرنا اور ہزارہا نہتے لوگوں کو اتنی بڑی آزمائش میں ڈالنا مناسب نہیں۔ قادیان میں کرفیو لگا ہوا ہے وہاں محلوں میں تمام لوگوں کی سختی سے تلاشی لی جارہی ہے۔ بیرونی محلہ جات پر حملے ہو رہے ہیں۔ نزدیک کے دیہات پر سکھوں کا قبضہ ہو چکا ہے اور کچھ عجب نہیں قادیان میں بھی قتل عام شروع ہو جائے۔ اس وقت افراتفری کے عالم میں اگر لوگ وہاں سے نکلے تو پھر اس قدر نفوس موت کے گھاٹ اُتر جائیں گے جن کا اندازہ لگانا مشکل ہو گا اور مشرقی پنجاب کی پراپیگنڈا مشینری اسے معمولی سا حادثہ قرار دے کر دُنیا کی نظروں میں دھول ڈالنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ یہ محض خام خیالی ہے کہ وہاں بہت دیر تک مقابلہ میں جمے رہنے سے اس بات کو اس قدر شہرت ملیگی کہ ہندوستانی حکومت مرعوب ہو کر قادیان کو تباہ کرنے سے اپنا ہاتھ کھینچ لے گی۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہاں ابھی تک ہزاروں خواتین اور بچے موجود ہیں جن کو وہاں سے نکالا نہیں جا سکا۔ کیا ان سب کو اس لئے موت کے مُنہ میں چھوڑ دیا جائے کہ خلیفہ صاحب قادیان سے ہجرت نہیں کرنا چاہتے۔ یہ معاملہ ایسا نہیں کہ ایک شخص کی مرضی پر اسے چھوڑ دیا جائے۔ پاکستان گورنمنٹ کو چاہیئے کہ سپیشل ٹرینیں چلا کر جس قدر لوگوں کو وہاں سے نکالا جا سکتا ہے نکال لے اور ہم خلیفہ صاحب قادیان سے بھی یہی گذارش کریں گے کہ نہتے لوگوں کو اس کس مپرسی کے عالم میں چھوڑ دینا ٹھیک نہیں۔ بلکہ وہ ان لوگوں کو یہاں لا کر ہر طرح سے مسلح اور منظم کریں تو جہاں ایک طرف یہ اقدام پاکستان حکومت کو تقویت کا موجب ہو گا وہاں ہزارہا بے گناہ لوگوں کو موت کے پنجے سے بھی نکال لائے گا۔

(شیخ محمد طفیل ایم۔ اے) "[1]

۶۔ اس اخبار کا ایک اور نوٹ ملاحظہ ہو:۔

"لمبی چوڑی باتیں لکھنے کا وقت نہیں . . . . . اس وقت ہم کم و بیش ۵ ہزار افراد قادیان میں پناہ لئے بیٹھے ہیں۔ ہمیں احمدیوں کی طرف سے زندہ رہنے کے لئے کھانا مل رہا ہے۔ بعض کو مکان بھی مل چکے ہیں۔ مگر اس قصبہ میں اتنی گنجائش کہاں؟ ہزاروں آسمان کی

[1] "احسان" ۲۵ ستمبر ۱۹۴۷ء میں یہ مضمون شائع ہوا۔

چھت کے نیچے زمینی فرش پر پڑے ہیں جنہیں دھوپ بھی کھانا پڑتی ہے اور بارش میں بھی بھیگنا پڑتا ہے۔ پھر بھی ہم جوں توں کر کے زندگی کے دن گذار رہے ہیں مگر جو تنگی اب ملٹری اور پولیس کی طرف سے دی جا رہی ہے اور جو مصیبتیں اب نازل ہو رہی ہیں ان کا کیا علاج۔ پچھلے جمعہ کو ہمیں یہاں سے قافلہ کی صورت میں ملٹری نے چلے جانے کا حکم دیا۔ لیکن یہاں کے بھلے لوگوں نے ہمیں اس لئے روک لیا کہ حفاظت کے بغیر رستے میں لُٹ جاؤ گے اور مارے جاؤ گے" [1]

اخبار "نوائے وقت" لاہور

اخبار " نوائے وقت " نے لکھا :-

۱ - " قادیان کا مورچہ

قادیان مشرقی پنجاب میں ایک قصبہ ہے۔ جہاں مسلمان ابھی تک ڈٹے ہوئے ہیں۔ خاص قادیان میں مسلمانوں کی تعداد کچھ بہت زیادہ نہ تھی کیونکہ یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے مگر ارد گرد کے دیہات سے ہزاروں مسلمانوں نے اس قصبہ میں پناہ لی ہے اور اب ایک روایت کے مطابق پچاس ہزار مسلمان قادیان میں پناہ گزین ہیں۔ مشرقی پنجاب کی حکومت یہ اعلان کرتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس صوبہ سے نکالنا نہیں چاہتی۔ مسٹر گاندھی بھی مسلمانوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ واپس آجائیں مگر قادیان کے متعلق جہاں مسلمان ابھی تک بیٹھے ہوئے ہیں حکومت مشرقی پنجاب اور حکومت ہند دونوں کی پالیسی یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو ڈرا دھمکا کر ——— اور اگر ضرورت پڑے تو مار پیٹ کر ——— قادیان سے نکال دیا جائے۔ قادیان سے بعض معززین کی بلا وجہ گرفتاریاں، قصبہ کا محاصرہ، ریل تار اور ڈاک کی بندش اور قادیان پر ہوائی جہاز کی پرواز کی ممانعت، یہ سب حربے اسی ایک مقصد کے پیش نظر استعمال کئے جا رہے ہیں کہ مسلمان قادیان چھوڑ کر بھاگ جائیں۔

ہم اس وقت اختلاف عقائد کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے نہ یہ وقت اس بحث کو چھیڑنے کے لئے موزوں ہے۔ مسلمانوں سے ہماری درخواست صرف اس قدر ہے کہ اغیار کو اس وقت اس سے کوئی غرض نہیں کہ فلاں شخص کے عقائد کیا ہیں حتّٰی کہ انہیں اب کانگرسی اور

---

[1] " احسان " (لاہور) ۲ ؍ اکتوبر ۱۹۴۷ء ۔

لیگی کا بھی کوئی امتیاز نہیں۔ وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ نام مسلمانوں کا ہے اور شکل وصورت مسلمانوں کی سی ہے ایسا ہر شخص ان کے نزدیک واجب القتل ہے۔ اگر اہلِ قادیان کا ارادہ یہ ہے کہ وہ غنڈہ گردی کا مقابلہ کریں گے اور مدافعت و مزاحمت کئے بغیر یہاں سے نہیں نکلیں گے تو ہر کلمہ گو کو ان سے حسب استطاعت عملی یا محض اخلاقی ہمدردی کا اظہار کرنا چاہیئے۔" [۱]

۲۔ اسی اخبار "نوائے وقت" نے اپنی اشاعت ۲۳ ستمبر میں حسب ذیل خبر شائع کی:۔

" قادیان میں حکام نے کرفیو نافذ کر دیا ـــــ خانہ تلاشیوں کی بھرمار لوگوں سے اسلحہ چھینا جا رہا ہے۔ سکرٹری انجمن احمدیہ پاکستان کا بیان

لاہور ۲۲ ستمبر۔ وسطی انجمن احمدیہ پاکستان کے سکرٹری نے مندرجہ ذیل بیان اخبارات کے نام جاری کیا ہے کہ ۱۱ ستمبر سے قادیان میں ۶ بجے شام سے لے کر صبح پانچ بجے تک کے لئے کرفیو لگا دیا گیا ہے۔ اگر تو اس اقدام سے امن قائم رہا تو مسلمان اس کارروائی پر حکومت کے ممنون ہوں گے لیکن اگر اس کارروائی سے قادیان کے مسلمانوں کے خلاف کوئی جارحانہ حملہ کیا جانا مقصود ہے تو اس بات میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوگی کہ کرفیو اس لئے لگایا جائے کہ مسلمانوں کو جو دفاع کے لئے تیاریاں کر رہے ہیں، انہیں تہس نہس کر دیا جائے۔

سرکاری خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ پولیس تلاشیاں لے رہی ہے اور لائسنس یافتہ بندوقیں اور گولی بارود ضبط کر رہی ہے۔ پولیس نے احمدیہ جماعت کے امام کے گھر پر چھاپہ مارا اور ان کا تمام اسلحہ ضبط کر لیا جس کا لائسنس ان کے پاس موجود تھا۔

اس امر کا خدشہ ہے کہ کوئی حملہ نہ ہو جائے اور حکومت پھر یہ عذر نہ کرے کہ جتھے قابو سے باہر ہو گئے اور انہوں نے فوج پر حملہ کر دیا اس لئے احمدیوں کے خلاف کارروائی کرنی پڑی۔ ہر ایک آدمی سمجھ سکتا ہے کہ کرفیو کے نفاذ کے بعد سکھ جتھے اور پولیس کا کوئی کارروائی کرنا سوائے اس کے اور کچھ مقصد نہیں رکھتی کہ پولیس احمدیوں کے خلاف ان جتھوں کی مدد کرے۔" [۲]

---

[۱] "نوائے وقت" ۲۲ ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ ؛ [۲] "نوائے وقت" ۲۳ ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۴ ؛

۳۔ پھر اگلے دن (۲۴ ستمبر کو) درج ذیل خبر شائع کی:۔

"
قادیان کے قریب ایک گاؤں پر سکھوں کا قبضہ
سکھوں نے قادیان پر حملہ شروع کر دیا

لاہور ۲۳ ستمبر۔ قادیان سے پناہ گزینوں کو لانیوالی ایک ٹرین پر بٹالہ اور قادیان کے درمیان حملہ کر دیا گیا۔ اس ریل گاڑی کے ساتھ فوجی دستہ بھی تھا۔ فوج نے گولی چلا دی جس سے حملہ آور بھاگ گئے۔

جو اطلاعات موصول ہو رہی ہیں اُن سے معلوم ہوا ہے کہ سکھوں نے قادیان سے آدھ میل کے فاصلہ پر واقعہ ننگل پر قبضہ کر لیا ہے اور اب سکھ دستے قادیان کے بیرونی محلوں پر حملے کر رہے ہیں۔" [1]

۴۔ "نوائے وقت" (لاہور) نے ۴ر اکتوبر کے پرچہ میں یہ خبر شائع کی کہ

"
مسلمان پناہ گزینوں کو قادیان سے پاکستان نہ آنے دیا گیا
چار ٹرک بٹالہ سے واپس لاہور بھیج دیئے گئے

لاہور۔ ۲ر اکتوبر۔ انجمن انصار المسلمین لاہور کے سکرٹری نے ایک بیان میں کہا ہے کہ "کل نیوی ڈیپارٹمنٹ کے چار ٹرک اس محکمہ کے ملازمین کے رشتہ داروں کو لانے کے لئے قادیان گئے اور لاہور سے غیر مسلم پناہ (گزین) امرتسر لے گئے۔ یہاں سے انہوں نے دریافت کیا کہ آیا کوئی ایسے غیر مسلم پناہ گزین ہیں جو امرتسر سے بٹالہ یا قادیان جانے کے خواہاں ہوں۔ لیکن یہاں ٹرک والوں کو بتایا گیا کہ ایسے کوئی پناہ گزین امرتسر میں موجود نہیں۔ جب یہ ٹرک بٹالہ پہنچے تو انہیں قادیان نہ جانے دیا گیا اور وجہ یہ بتائی گئی کہ وہ اپنے ساتھ غیر مسلم پناہ گزین نہیں لائے علاوہ بریں چند دن تک قادیان جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ٹرکوں کو بالآخر ناکام لاہور واپس آنا پڑا اور تضییع اوقات کے علاوہ پٹرول بھی ضائع ہوا" [2]

---

[1] اخبار "نوائے وقت" (لاہور) مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۶

[2] " " " " ۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱

۵ - پھر اسی اخبار نے لکھا کہ:-

”قادیان پر سکھ غنڈوں کے حملے فوج اور پولیس حملہ آوروں کو امداد دے رہی ہے

فوج نے سر محمد ظفر اللہ کا مکان خود لوٹا۔ شہر میں تباہی کے آثار

لاہور ۸ اکتوبر۔ سکرٹری انجمن انصار المسلمین نے ایک بیان میں کہا ہے کہ قادیان کی تازہ ترین صورت حال کے متعلق جو خبریں موصول ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیان کی حالت پہلے سے بھی ابتر ہو گئی ہے۔ قادیان کے ایک محلہ پر سکھ غنڈوں نے حملہ کر دیا لیکن محلہ والے تیس غنڈوں کو موت کے گھاٹ اُتارنے میں کامیاب ہو گئے۔ بعد ازاں پولیس اور فوج حملہ آوروں کی امداد کے لئے پہنچ گئی اور محلے والوں کو بُری طرح گولیوں کا نشانہ بنا دیا۔ پولیس اور فوج کی کارروائیوں میں بیشمار مسلمان شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کو اپنے بھائیوں کی لاشوں کے پاس تک نہ جانے دیا گیا۔

قادیان سے ایک فوجی مسلمان کپتان لاہور پہنچا ہے۔ اس کا مکان لُوٹ لیا گیا ہے چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں کا مکان بھی لُوٹا جا چکا ہے۔ ٹی۔ آئی ڈگری کالج کی عمارت پر قبضہ کر لیا گیا ہے اور کالج کی عمارت لاہور کے سکھ نیشنل کالج کے لئے وقف کر دی گئی ہے۔ پاکستان کا ایک ہوائی جہاز کل قادیان پر سے ہو کر لاہور پہنچا ہے۔

ہوائی جہاز والوں کی روایت کے مطابق ہر طرف تباہی و بربادی کے آثار پائے جاتے ہیں مقامی مسلمان مسجدوں میں ٹھیرے ہوئے ہیں۔“ [۱]

۶ - پھر اسی اخبار ”نوائے وقت“ نے حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی پریس کانفرنس میں بیان فرمودہ قادیان کی موجودہ صورت حال کے متعلق ذکر کرتے ہوئے لکھا:-

”قادیان اور حکومت ہندوستان

مرزا بشیر الدین محمود احمد کی پریس کانفرنس

لاہور ۱۶ اکتوبر۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد امیر جماعت احمدیہ نے آج شام کو ایک پریس کانفرنس میں اخباری نمائندوں کو قادیان کی موجودہ صورت حال سے آگاہ کیا۔ مرزا صاحب نے بتایا کہ قادیان میں اکا دکا حملے ابھی تک ہو رہے ہیں۔ پناہ گزینوں کو ہراساں کیا جا رہا ہے۔

---

[۱] ”نوائے وقت“ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱

اور جماعت احمدیہ پر ہر جائز و ناجائز طریقے سے دباؤ ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ وہ قادیان کو خالی کر دیں۔ شہر کے بہت سے حصّے خالی کر دیئے گئے ہیں اور باقیماندہ آبادی کو مجبور کیا گیا ہے کہ وہ شہر کے صرف ایک حصے میں جس میں آبادی کی تعداد کے لحاظ سے بہت کم مکانیت ہے جا کر رہے۔ یہ جگہ بہت تنگ ہے۔ وہاں کے لوگوں کو تنگ جگہ میں رہنے پر مجبور کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ بالآخر وہ شہر خالی کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ راشن دینا بھی بالکل بند کر دیا گیا ہے اور قادیان کے باشندوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مرزا صاحب نے بریگیڈیر بھتایا کے عالیہ بیان اور آل انڈیا ریڈیو کے اس اعلان کو کہ قادیان میں بالکل امن ہے جھٹلایا اور حیرانی ظاہر کی ہے کہ اتنے بڑے اور ذمہ دار عہدے پر فائز کوئی افسر اتنا سفید جھوٹ بول سکتا ہے۔

مرزا صاحب نے کہا۔ ہم پہلے بھی بارہا اعلان کر چکے ہیں اور میں پھر دوہرانا چاہتا ہوں کہ جماعت احمدیہ کا مسلک ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ با اقتدار حکومت کا ساتھ دے اور اس کی وفادار رہے۔ ہم نے حکومت ہند کو بھی یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ احمدیہ جماعت کے جو پیرو قادیان میں مقیم رہیں گے وہ ہندوستان کے ہر طرح سے وفادار رہیں گے۔ مگر ہمیں افسوس ہے کہ باوجود ہمارے یقین دلانے کے اور باوجود گاندھی جی اور پنڈت نہرو کے بار بار یہ کہنے کے کہ ہندوستان سے ان مسلمانوں کو نہیں نکالا جائے گا جو انڈین ڈومینین سے اپنی وفاداری کا یقین دلائیں گے مشرقی پنجاب کی حکومت کی انتہائی کوشش یہ ہے کہ کسی طرح قادیان خالی ہو جائے۔ اور اس ارادے کا اظہار کئی طریقوں سے مشرقی پنجاب کے افسر کر چکے ہیں۔ ان سب تکلیفوں، مظالم اور مشکلات کے ہوتے ہوئے مرزا صاحب نے اس مصمم ارادے کا اظہار کیا کہ جب تک حکومت ہند صاف الفاظ میں یہ نہ کہہ دے کہ تم لوگوں کو قادیان خالی کر دینا چاہیئے ہم قادیان ہرگز ہرگز خالی نہ کریں گے اور ہم اس مقصد کے لئے ہر قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مرزا صاحب نے کہا کہ ان کے سات نوجوان بیٹے ابھی تک قادیان میں ہیں اور آخری دم تک وہیں رہیں گے

مرزا صاحب نے آخر میں انتہائی ناراضگی اور افسوس کا اظہار کیا کہ قادیان کے حکام

نے جماعت کو اپنی لائبریری اور سائنس انسٹی ٹیوٹ کو پاکستان منتقل کرنے کی اجازت نہیں دی۔ انہوں نے بتایا کہ یہ لائبریری ہندوستان بھر میں سب سے بڑی چار اسلامی لائبریریوں میں سے تھی اور اسی طرح ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی۔ یہ دونوں جماعت کی اپنی ملکیت تھیں اور ان پر قبضہ کرنے کا حکومت کو کوئی حق نہیں۔

(نامہ نگار)" [۱]

۷۔ نیز یہ خبر شائع کی کہ

"۱۶ راکتوبر کو انبالہ سے اسّی ہزار مسلمان مہاجرین ریل گاڑیوں میں لاہور پہنچے۔ اسّی ہزار مہاجرین سہارنپور سے اور سات ہزار قادیان سے موٹروں پر پہنچے" [۲]

۸۔ اخبار "نوائے وقت" ہی میں ذیل کی خبر بھی شائع ہوئی:۔

"## قادیان میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا گیا، دو سو مسلمان شہید ہوئے کئی عورتیں اغوا کر لی گئیں اور بیشمار محلے لوٹ لئے گئے

لاہور ۲۲ راکتوبر۔ قادیان میں مسلمانوں پر ظلم و تشدّد اور گرفتاریوں کے واقعات کے سلسلہ میں پنڈت نہرو نے وزیراعظم پاکستان کو ایک تار بھیجا تھا جس میں ان واقعات کی تردید کرنے کی جرأت کی گئی تھی۔ آج احمدیہ ہیڈکوارٹرز لاہور نے وزیراعظم ہندوستان کو یہ تار روانہ کیا

"قادیان میں دو سکرٹری، ایک اسسٹنٹ سکرٹری، تین مشنری اور کئی دوسرے کارکنان غلط الزامات کی بناء پر گرفتار کئے جا چکے ہیں۔ جن مسلمانوں کے مکانات کی تلاشیاں ہوئیں ان میں موجودہ خلیفہ قادیان کا مکان بھی شامل ہے۔ کئی محلے جبراً خالی کرا کے لوٹے جا چکے ہیں۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول، احمدیہ پریس اور سنٹرل لائبریری پر قبضہ کیا جا چکا ہے۔ کئی خواتین اغوا کی گئیں اور تقریباً دو سو مسلمان شہید کئے گئے اور ان کی لاشیں ورثار کے حوالہ نہیں کی گئیں۔ اس کے باوجود آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ احمدیوں کو تنگ نہیں کیا گیا اور ان کی حفاظت کی جا رہی ہے" [۳]

---

[۱] "نوائے وقت" ۱۸ راکتوبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱ ؛ [۲] "نوائے وقت" ۱۹ راکتوبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱ ؛

[۳] " " ۲۴ راکتوبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ ؛

اخبار "انقلاب" لاہور	اخبار "انقلاب" (لاہور) نے لکھا:-

۱- "

قادیان میں مسلمان برابر ڈٹے ہوئے ہیں
پاکستان کی فوج ان کی حفاظت کرے

قادیان کے نواحی علاقے میں سکھوں نے متعدد دیہات میں تباہی پھیلا رکھی ہے مسلمانوں کو قتل اور ان کی جائیدادوں کو برباد کیا جا رہا ہے لیکن انہیں قادیان پر حملہ کرنے کی ابھی جرأت نہیں ہوئی۔ اہل قادیان اللہ کے فضل سے طاقتور اور منظم ہیں اور حضرت امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ان کو ہر وقت صبر و سکون اور توکل علی اللہ کی تلقین کر رہے ہیں لیکن مسلمانان پاکستان کا مطالبہ یہ ہے کہ خطرے کے سدباب کے لئے فی الفور پاکستانی فوج قادیان کی حفاظت کے لئے مقرر ہونی چاہیئے مبادا سکھ غیر مسلم فوج اور پولیس کی امداد یا اغماض سے فائدہ اٹھا کر قادیان کے خلاف کوئی سازش کریں" [1]

۲- "

مسلمانوں کے قتل عام کی ذمہ داری باؤنڈری کمیشن کے صدر پر ہے
قائد اعظم کو مجلس خدام الاحمدیہ دہلی کا تار

نئی دہلی ۱۲ ستمبر۔ مجلس خدام الاحمدیہ دہلی نے پاکستان کے گورنر جنرل قائد اعظم محمد علی جناح کو ایک برقی پیغام ارسال کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا جو قتل عام ہوا ہے اس کی ذمہ داری صدر پنجاب باؤنڈری کمیشن کے کندھوں پر ہے۔ مسلم اکثریت والے علاقوں کو ہندوستان میں منتقل کر کے مشرقی پنجاب کے غیر مسلموں کو صاف اشارہ کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جارحانہ مہم کا آغاز کر دیں۔ مسٹر جناح سے استدعا کی ہے کہ وہ اس معاملے کو جمعیت اتحاد امم کے حوالے کر دیں" [2]

۳-

قادیان میں نواحی علاقہ کے پچاس ہزار پناہ گزین
آخری دم تک حفاظت خود اختیاری کا تہیہ

ڈسکہ ضلع سیالکوٹ ۱۲ ستمبر۔ چوہدری شکر اللہ خاں نے مندرجہ ذیل بیان انقلاب اور دوسرے

---

[1] و [2] "انقلاب" ۱۶ ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۸ کالم ۲

اخباروں کو ارسال فرمایا ہے :۔

اس وقت جب سارے مشرقی پنجاب میں افراتفری زوروں پر ہے اور لاکھوں مسلمان اپنے عزیز وطن چھوڑ کر محض جان بچا کر مغربی پنجاب میں پہنچ رہے ہیں اور بحیثیت مجموعی مسلمانوں کے وقار کو ضعف پہنچ رہا ہے۔ قادیان ضلع گورداسپور کے مسلمان اپنے مقام پر ڈٹے ہوئے ہیں اور وہ باعزت موت کو ذلت اور رسوائی کی زندگی پر ترجیح دینے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ اہل قادیان کے علاوہ نواحی علاقہ کے پچاس ہزار اور پناہ گزین وہاں جمع ہو چکے ہیں۔ قادیان کے امام جماعت احمدیہ نے اعلان کر دیا ہے کہ جب تک حکومت ہمارے نام قادیان خالی کر دینے کا حکم صادر نہ کرے ہم اپنے محبوب وطن اور مرکز کو کسی قیمت پر خیر باد نہیں کہہ سکتے اور آخری دم تک اپنی اور اپنے پناہ گزینوں کی حفاظت کرتے رہیں گے۔

مسلمانوں پر یہ نہایت ہی خطرناک وقت ہے کہ دشمن اس کے قومی وقار کو ہمیشہ کے لئے (ختم[1]) کر دینا چاہتا ہے۔ اس وقت ہر قسم کی کشیدگیوں اور اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر قادیان اور اس کے پناہ گزینوں کی سلامتی کے لئے دعائیں کرنی چاہئیں "[2]

۴۔ احمدیوں کے طیاروں کو پرواز سے حکماً روک دیا گیا

ایریا کمانڈر کا حکم، کوئی جیپ کار باہر نہیں جا سکتی

لاہور ۱۱ ستمبر۔ صدر انجمن احمدیہ لاہور نے آج مندرجہ ذیل اعلان جاری کیا ہے۔ ۱۰ ستمبر کی سہ پہر کو چار بجے ہمیں یہ پیغام ملا کہ اس علاقے کی فوج کے انچارج بریگیڈیر نے چند احمدی نمائندوں کو قادیان سے بٹالے بلا کر مندرجہ ذیل احکام ان کے گوش گذار کئے۔

۱۔ آئندہ کسی ہوائی جہاز کو اس ایریا کی فضا میں پرواز کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

۲۔ قادیان کے احمدیوں کی کسی جیپ کار کو باہر جانے کی اجازت نہیں ہو گی۔

۳۔ اور کسی احمدی کو کسی ایسی وردی پہننے کی اجازت نہیں ہو گی جو کسی صورت میں بھی فوجیوں سے ملتی جلتی ہو۔ "[3]

---

[1] لفظ اُڑے ہوئے ہیں۔ غالباً "ختم" کا لفظ ہے (مرتب) [2] "ضمیمہ انقلاب لاہور ۲ ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱ [3] "ضمیمہ انقلاب" ۱۱ ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۸ کالم ۴

۵۔ " نواحِ قادیان میں مسلمانوں کے ۵۴ گاؤں جلا دیئے گئے
۷۷ دیہات کی تباہی، حملہ آور ۱۴۰ عورتیں اُٹھا کر لے گئے

"لاہور ۱۱ستمبر۔ بُدھ کے دن احمدیہ ہیڈ کوارٹرز لاہور سے قادیان اور اس کے نواحی دیہات کے متعلق مندرجہ ذیل بیان شائع کیا گیا ہے:۔

مرکزِ احمدیت قادیان کے گرد و نواح کے ۷۷ دیہات پر حملہ کیا گیا ہے اور لوٹ کھسوٹ کی گئی ہے ان میں سے ۵۴ کو نذرِ آتش کر دیا گیا ہے حملہ آور ۱۴۰ عورتوں کو اُٹھا کر لے گئے ہیں"[۵۱]

۶۔ " قادیان میں تحریکِ احمدیت کے دو نہایت ہی ممتاز لیڈر گرفتار کر لئے گئے
قادیان میں اعیان و اکابر کی خانہ تلاشیاں
ایک لاکھ مسلمانوں کو دہشت زدہ کر کے نکال دینے کی کوشش

لاہور ۱۷ستمبر۔ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ قادیان کے ناظرِ اعلیٰ چوہدری فتح محمد سیال ایم اے (ایم ایل اے) اور سلسلہ احمدیہ کی نظارت امورِ عامہ کے انچارج سید زین العابدین ولی اللہ شاہ کو سری گوبند پور تھانے کے علاقے کے سکھوں کو قتل کرنے کے الزام میں زیرِ دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند گرفتار کر لیا گیا ہے۔ گرفتاری کے وقت مسلح پولیس اور فوج کے علاوہ اس علاقے کے سکھ برچھیوں بھالوں اور گنڈاسوں سے مسلح تھے ہمراہ تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی مقام پر دھاوا بولا جا رہا ہے۔ قادیان کے معزز اور مقتدر ارکان اور پناہ گزینوں کی تلاشیاں بھی لی گئیں۔

قادیان میں اس وقت ایک لاکھ کے قریب مسلمان جمع ہیں اور اگر اُن کی حفاظت کے لئے مسلمان فوجی دستے متعین ہو جائیں تو وہ اپنے گھروں کو چھوڑنے کی بجائے اپنے دیہات ہی میں آباد ہونے کو ترجیح دیں گے۔"[۵۲]

۷ " قادیان کے اکابر کی گرفتاری

جماعت احمدیہ کے اکابر میں سے چودھری فتح محمد سیال ایم۔اے (ایم ایل اے) اور سید زین العابدین ولی اللہ شاہ کو مشرقی پنجاب کی حکومت نے زیرِ دفعہ ۳۰۲ سکھوں کے

---

[۵۱] "انقلاب" ضمیمہ ۱۴ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱ ؎ [۵۲] "انقلاب" ۱۸ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱

قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا ہے۔ ان دونوں حضرات کی عمر ساٹھ ساٹھ سال ہوگی اور اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ اور معزز آدمی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قادیان کے مسلمانوں نے اب تک ثبات و استقلال کا جو ثبوت دیا ہے اور نواحی علاقے کی تباہی کے باوجود جس صبر و سکون سے ڈٹے رہے ہیں وہ مشرقی پنجاب کے حکام کے نزدیک بہت تکلیف دہ ہے یہی وجہ ہے کہ اب انہوں نے قادیان میں تلاشیاں اور گرفتاریاں شروع کر دی ہیں۔ ان کا منشاء یہ ہے کہ قادیان میں جو ایک لاکھ مسلمان اس وقت جمع ہیں وہ بھی پریشان ہو کر بھاگ کھڑے ہوں اور خونخوار غنڈے ہر طرف سے ان پر حملہ کر کے انہیں ختم کر دیں۔

پاکستان کے وزیر اعظم کا فرض ہے کہ قادیان کے مسئلہ کی طرف بطور خاص حکومت ہندوستان کی توجہ مبذول کرائیں" [1] (اداریہ)

۸۔ "پنڈت جواہر لعل نہرو کے نام تار
پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ ملتان کی طرف سے

"سکھوں نے آپ کی حکومت اور سکھ ریاستوں کی فوج اور پولیس کی امداد سے مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو تباہ کر دیا ہے۔ اب آپ کی حکومت کے تمام احکام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اب قادیان کی تباہی کی باری ہے۔ قادیان کے ارد گرد دو دو میل تک کا علاقہ تودۂ خاکستر بنا دیا گیا ہے حالانکہ آپ کی حکومت ان لوگوں کی حفاظت کا وعدہ کر چکی تھی تازہ احکام یہ ہیں کہ قادیان پر نہ طیارے اڑائے جائیں نہ قادیان کے باہر جیپ کاریں چلائی جائیں نہ احمدی کوئی وردی پہنیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت نہ صرف اہل قادیان کو اپنی حفاظت کا موقع دینا نہیں چاہتی ہے بلکہ ان کی تباہی کی اطلاع کو بھی باہر پہنچنے سے روک رہی ہے میری استدعا ہے کہ آپ ظلم و ستم کے نتائج پر غور کریں اور یاد رکھیں کہ احمدیوں نے قادیان کی مقدس سرزمین کے لئے اپنی جانیں قربان کر دینے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ خدا آپ کی حکومت کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اس نے ظلم و ستم کرنے والوں کو ہمیشہ برباد کیا ہے۔ اگر آپ خدا سے نہ ڈریں گے تو وہ ایک دن آپ کو بطش شدید میں گرفتار کرے گا" [2]

---

[1] "انقلاب" ۱۶ ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ ۔ [2] "انقلاب" ۲۵ ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۵ ۔

۹۔ "قائداعظم کے نام تار

مجلس خدام الاحمدیہ گوجرانوالہ نے قائداعظم محمد علی جناح کے نام حسب ذیل تار دیا ہے:۔

"مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کے قتل عام کی ذمہ داری باؤنڈری کمیشن کے صدر پر عائد ہوتی ہے جس نے مسلم اکثریت کے علاقوں کو ہندوستان میں شامل کر دیا۔ اس نے صریحاً غیر مسلموں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ از راہ کرم اس مسئلہ کو مجلس اقوام متحدہ میں پیش کیجئے۔ اس کے علاوہ گذارش ہے کہ قادیان میں مسلم پناہ گزینوں کے جم غفیر کی حفاظت کے لئے پاکستانی فوج کے بھیجنے کا انتظام فرمائیے۔"[1]

۱۰۔ قادیان پر سکھوں کا حملہ

لاہور ۲۷ ستمبر۔ صدر انجمن احمدیہ پاکستان لاہور کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ سکھوں کے جتھے نے محلہ دارالسعة پر حملہ کیا اور بہت سے مسلمانوں کو لوٹ لیا حملہ آور مسلمانوں میں داخل ہو گئے۔ ان مکانوں میں نواب محمد الدین باجوہ سابق وزیر ریاست جودھ پور کا مکان بھی شامل ہے اس سلسلے میں دوسری اطلاع مظہر ہے کہ جونہی سکھوں کے ان مکانوں میں داخل ہونے کی خبر قادیان میں پھیلی۔ خدام الاحمدیہ کے صدر نے نوجوانوں کو ان سکھوں کو مکانوں سے نکالنے کے لئے بھیجا۔ سکھ مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ گئے۔ محلہ دارالسعة کے چاروں طرف پہرہ سخت کر دیا گیا اور خالی مکانوں میں پناہ گزینوں کو دوبارہ بسا دیا گیا۔"[2]

۱۱۔ قادیان کے ایک محلہ پر سکھوں کا حملہ ، نواحی گاؤں پر قبضہ کر لیا گیا
پولیس کرفیو لگا کر تلاشیاں لیتی رہی۔ لائسنس و اسلحہ ضبط کر لیا گیا

لاہور ۲۲ ستمبر۔ صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے مرکزی سیکرٹری نے مندرجہ ذیل بلیٹن جاری کیا ہے۔ گذشتہ شب یہ اطلاع موصول ہوئی کہ قادیان کے ایک محلہ پر جو شمال مشرق میں واقع ہے ۱۹ ستمبر کو سکھ جتھوں نے حملہ کیا۔ پولیس موقعہ پر پہنچ گئی۔ مگر اس نے حملہ آوروں سے تعرض کرنے کی بجائے اس احمدی محلے میں خانہ تلاشیوں کا سلسلہ شروع کر دیا اور اسلحہ کی

---

[1] "انقلاب" ۲۵ ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۲

[2] "انقلاب" ۲۸ ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱ (نوٹ: اس پرچہ پر ۱۹۴۷ء کی بجائے غلطی سے ۱۹۴۸ء درج ہو گیا ہے)

تلاش ہوتی رہی۔ پولیس کا یہ طرز عمل تحیر خیز ہے۔ ایک طرف تو قانون شکن جتھے کھلے بندوں مصروف عمل ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کو اپنے بچاؤ کے لئے کوئی ہتھیار رکھنے کی بھی اجازت نہیں۔ غالباً پولیس یہ تسلی کر لینا چاہتی ہے کہ مسلمان نہتے ہیں اور جب ان پر حملہ ہو جائے تو اُن کے پاس بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں۔ ننگل کے گاؤں پر جو قادیان سے کوئی آدھ میل دُور ہے سکھوں نے قبضہ کر لیا۔ ایک کانوائے پر جو قادیان سے پناہ گزین لا رہا تھا۔ قادیان اور بٹالہ کے درمیان حملہ ہوا۔ حفاظتی فوجی دستے کو گولی چلانی پڑی۔

ایک اور اطلاع مظہر ہے کہ پولیس نے قادیان میں کرفیو لگا کر تلاشیاں لیں۔ امام جماعت احمدیہ کے مکان پر چھاپہ مار کر لائسنس والی بندوقیں اور ان کے کارتوس چھین لئے گئے۔ پولیس تمام اسلحہ جس کا لائسنس لوگوں نے لے رکھا ہے چھین رہی ہے کرفیو کا وقت شام کے چھ بجے سے صبح پانچ بجے تک ہے"[۱] (ا۔ پ)

اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور	"سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور نے لکھا:۔

"

امتحان

اس وقت قادیان دُنیا کی نظروں کا مرکز بنا ہوا ہے کہ وہاں ہندوستانی گورنمنٹ اقلیتوں کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے۔ احمدیہ جماعت کے نزدیک قادیان صرف جماعت کا مرکز ہی نہیں بلکہ ان کی نگاہوں میں اس شہر کا درجہ کچھ اور ہی ہے۔ احمدی ایک محنت کش، اخوت پسند، اور نہایت ہی منظم جماعت ہے۔ جس حکومت کے ماتحت بھی یہ رہتے ہوں اس کے ساتھ وفاداری گویا کہ ان کے مذہب کا ایک جزو ہے۔ اگر قادیان پاکستان میں آجاتا تو کٹر مسلمانوں کی طرف سے مذہبی بنا پر ان کو زاید کوئی تکلیف پہنچتی مگر ہندوستان میں آجانے کی وجہ سے اس قسم کے تفکرات کی ان کو کوئی امید نہیں تھی اور وہ پُر امن زندگی بسر کرنے کے امیدوار تھے مگر بعد کے واقعات نے ان کی ان تمام امیدوں کو غلط ثابت کر کے دکھلایا صرف اس لئے کہ یہ مسلمان تھے مغربی پنجاب سے آنے والی اقلیتوں نے اپنے نقصان کا

---

[۱] "انقلاب" ۲۴ ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱

بدلہ ان پر بے پناہ ظلم توڑنے کی صورت میں لیا۔ احمدیوں کی طرف سے اپنی حفاظت کے ذرائع اختیار کرنے کے فعل کو حکومت کی طرف سے جُرم قرار دیا گیا اور ان کی روایات اور سابقہ عمل سے قطعی اغماض کرتے ہوئے ان کے خلاف کارروائی کی گئی اور ان کو ان کے دشمنوں کے رحم پر چھوڑ دیا گیا۔ جب اہالیان قادیان کے لئے اپنی حفاظت کرنا ناممکن ہو گیا تو ملٹری کی حفاظت میں عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو قادیان سے نکالنے کا فیصلہ کیا گیا۔ بقیہ دو ہزار کے قریب افراد جو وہاں رہے ان کو نہایت تکلیف دہ حالات میں قصبہ کے مرکزی حصہ میں نہایت تنگ جگہ میں محصور کر دیا گیا ہے۔ ان کے سکول اور ہسپتال پر زبردستی قبضہ کر لیا گیا ہے اور بہت سے رہائشی مکانوں کو لُوٹ لیا گیا ہے۔ ہندوستانی گورنمنٹ یہ تو اعلان کر سکتی ہے کہ وہ تمام کارروائیاں جو قادیان کے متعلق اس نے کی ہیں وہ اسے دشمنی کے طوفان سے محفوظ کرنے کے لئے ہیں جو ارد گرد اُمڈ آیا تھا۔ اس کی صداقت صرف غیر جانب دار تفتیش کر کے ہی ثابت ہو سکتی ہے لیکن اس کا گرفتاریوں اور بدسلوکی سے صاف انکار کر دینا ان حقائق کے خلاف ہے جو آزاد مشاہدہ کرنے والوں نے اچھی طرح ثابت کر دیئے ہیں۔ اب پنڈت جواہر لال نہرو کو جو کرنا چاہیئے اور جس کی ضرورت ہے وہ تردیدیں نہیں ہیں بلکہ انہیں کوئی ایسا تعمیری اثباتی اقدام لینا چاہیئے جو دُنیا پر ثابت کر دے کہ ہندوستانی مقرروں کے اعلانات محض کھوکھلے الفاظ نہیں ہیں اور یہ حکومت ہندوستان کا حکم تمام نوآبادیوں میں جس میں مشرقی پنجاب بھی شامل ہے نافذ ہے" (ترجمہ)[1]

اخبار "ڈان"۔ "ڈیلی گزٹ" اور "سندھ آبزرور" میں پریس نوٹ

اخبار "ڈان"۔ "ڈیلی گزٹ" اور "سندھ آبزرور" (۳۰ ستمبر ۱۹۴۷ء) نے حکومت پاکستان کا حسب ذیل پریس نوٹ شائع کیا :-

"The Pakistan Government has learnt that 10,000 Muslims have taken refuge at the minisrry

---

[1] بحوالہ "الفضل" ۴ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ +

of Evacuation and Rehabilitation of the Government of Pakistan. They have telegraphed to the Government of India to declare Qadian a refugee camp and to provide adequate protection".

وزارت مہاجرین و آبادکاری حکومت پاکستان کا ایک اخباری بیان مظہر ہے کہ حکومت پاکستان کو یہ معلوم ہوا ہے کہ دس ہزار مسلمان قادیان ضلع گورداسپور میں پناہ گزین ہیں۔ وزارت کی طرف سے ایک برقی پیغام کے ذریعہ سے انڈین گورنمنٹ سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ قادیان کو مہاجر کیمپ قرار دیا جائے اور اس کی مناسب حفاظت کا انتظام کیا جائے۔

مظالم قادیان کا ذکر "سکھ میدان کارزار میں" کے کتابچہ میں

حکومت پاکستان کی طرف سے ایک کتابچہ "سکھ میدان کارزار میں" شائع کی گئی۔ اس کتابچہ میں مظالم قادیان کا ذکر حسب ذیل الفاظ میں کیا گیا۔

"قادیان کے نواحی دیہات سے کوئی ایک لاکھ مسلمان خاص قادیان میں جمع ہو گئے تھے کیونکہ سکھوں نے ہندو فوج اور سکھ پولیس کی امداد سے ان پر حملے کر کے انہیں گھروں سے نکال دیا تھا۔ ان کے گھر لوٹ لئے تھے اور بہت سی عورتیں غائب کر دی تھیں۔ اس کے بعد سکھ اسسٹنٹ سب انسپکٹر نے سکھوں کو قادیان میں بلا لیا۔ ۱۵ یا ۱۶ ستمبر کو قصبے پر کرفیو لگا دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی سکھوں نے ہندو فوجیوں اور غیر مسلم پولیس کی مدد سے دارالانوار، دارالصحۃ، دارالشکر اور اسلام آباد کے مسلم محلوں پر حملہ کر دیا اور ان پر لوٹ مچا دی۔ اسسٹنٹ سب انسپکٹر فوج کی معیت میں محلہ دارالانوار کی کوٹھی "گل رعنا" پر حملہ کر کے اس میں گھس گیا جہاں چار سو مسلمان جمع ہو چکے تھے۔ فوجی سپاہیوں نے جتنی بیش قیمت اشیاء کا مطالبہ کیا وہ انہیں دے دی گئیں۔ اس کے بعد مسلمان تین ٹولیوں میں تقسیم کئے گئے جو عورتوں، بوڑھے آدمیوں اور نوجوان مردوں پر مشتمل تھیں۔ نوجوان مردوں کو سامنے آنے پر مجبور کیا گیا اور ملٹری نے ان پر گولیاں چلائیں۔ ۲۵ ستمبر کو سر ظفر اللہ خاں کی کوٹھی "بیت الظفر"

کی باری آگئی جس میں موضع ننگل کے مسلمان پناہ گیر جمع تھے۔ ہندو فوجیوں نے اس کوٹھی کی تلاشی لی اور پناہ گیروں سے ان کے زیورات اور نقدی چھین لی۔ دیہاتی رقبوں سے مسلمان لڑکیاں تعلیم الاسلام کالج کے نزدیک اور دوسرے مقامات پر کھلی جگہ جمع ہو گئی تھیں۔ رات کے وقت ان میں سے متعدد لڑکیوں کو ہندو فوجی اُٹھا لے گئے۔ بعض تو عصمت دری کے بعد والدین کو دے دی گئیں اور بعض ہمیشہ کے لئے غائب ہو گئیں۔ ۲۷ ستمبر کو لیفٹیننٹ کرنل گوربچن سنگھ نے قادیان کے مسلمانوں کو بتایا کہ مغربی پنجاب کے غیر مسلم پناہ گیر حکومت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ انہیں مشرقی پنجاب میں آباد کیا جائے اس لئے مقامی مسلمانوں کو عنقریب یہاں سے نکال دینا پڑے گا تاکہ غیر مسلموں کے لئے جگہ نکالی جا سکے۔ ۲ اور ۳ اکتوبر کی درمیانی رات کو ۹ بجے کوئی دو ہزار سکھوں نے موضع بھینی پر حملہ کیا۔ مسلمان دوسرے دن صبح کو یہاں سے رخصت ہو گئے۔ سکھ اور ہندو فوجیوں نے ان کے گاؤں کو لوٹ لیا اور گاؤں کے مسلمان ذیلدار کی لڑکیوں کو سکھ اُٹھا کر لے گئے۔

۳ اکتوبر کو ۹ بجے صبح کرفیو کے دوران میں سکھوں نے قادیان پر دھاوا بول دیا اور بیک وقت دار الفتوح، دار الرحمت اور دار الیُسر پر حملہ کیا۔ سکھوں نے فوجیوں کی امداد سے ایک اَور حملہ بھی کیا۔ مسلمانوں کو جبراً ان کے گھروں سے نکالا اور کوئی پچاس افراد کو ہلاک کر دیا۔

ایک فوجی کنوائے جس کے کمانڈر میجر داؤد تھے قادیان بھیجا گیا تاکہ مقامی مسلمانوں کو نکال لائے۔ قادیان کے ہندو فوجیوں نے اس کانوائے کو پریشان کیا۔ مسلمان محافظ دستے کی گولی بارود کی پڑتال کی اور پھر ساڑھے چار گھنٹے تک کانوائے کو روکے رکھا۔ سکھ اپنی ہم مذہب پولیس کے اغماض سے فائدہ اُٹھا کر پناہ گیروں کی بیش قیمت چیزیں لُوٹ رہے تھے جو لوگ اپنے مال کی تلاشی یا چھین جھپٹ پر مزاحمت کرتے تھے وہ گولی کا نشانہ بنا دیئے جاتے تھے۔ یہ اطلاع کیپٹن جہاگ سنگھ (۳/۱ پنجاب رجمنٹ) کو جو اب ۳/۱ پیرا رجمنٹ میں ہے پہنچائی گئی اور اس نے اس کے تدارک کا وعدہ بھی کیا۔ لیکن مسلمانوں کے گھر برابر لُوٹے جاتے رہے۔ دراصل ملٹری اور پولیس خود مسلمانوں کو لُوٹتی تھی اور سکھ لٹیروں کی مدد بھی کرتی تھی۔ خان بہادر عبدالحسین ریٹائرڈ سب انسپکٹر

مدارس کا مکان بالکل تاخت و تاراج کر دیا گیا۔ اگرچہ کیپٹن بھاگ سنگھ نے وعدہ کیا تھا کہ کانوائے کی تلاشی نہیں لی جائے گی۔ لیکن اس کے باوجود اس کانوائے کو جس میں چھ لاریاں تھیں روک لیا گیا اور مرد و زن سب کی تلاشی لی گئی۔ ہندو جمعدار نے دو سَو روپے کا مطالبہ کیا جو ادا کر دیئے گئے" ؎[1]

کتاب "کاروانِ سخت جان" میں فسادات قادیان کا تذکرہ

ادارہ رابطہ قرآن (دفاتر محاسبات دفاع پاکستان) نے "کاروان سخت جان" کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں "فسادات کا اثر قادیان پر" کے عنوان سے لکھا:-

"ضلع گورداسپور کی سب سے بڑی تحصیل بٹالہ ہے جس کی آبادی ضلع کی دوسری تمام تحصیلوں کے برابر ہے۔ یہاں کی مسلم آبادی کا تناسب ۵۵ فیصدی تھا۔ اس تحصیل کے صدر مقام یعنی بٹالہ کو چھوڑ کر دوسرے نمبر پر قادیان ایک بڑا قصبہ ہے جہاں کی آبادی ۱۸ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ یہ مقام علاوہ اپنی صنعتی اور تجارتی شہرت کے جماعت احمدیہ کا مرکز ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس کے گرد و نواح میں تمام تر سکھوں کی آبادی ہے چنانچہ فسادات کے ایام میں بیس بیس میل دور کے مسلمان بھی قادیان شریف میں پناہ لینے کے لئے آ گئے۔ یہ تعداد بڑھتے بڑھتے ۷۵ ہزار نفوس تک پہنچ گئی۔ چونکہ ان پناہ گزینوں کو ظالم اور سفاک سکھوں نے بالکل مفلس اور قلاش کر دیا تھا لہٰذا قادیان کے باشندگان نے ان بیچاروں کی کفالت کا بیڑا اُٹھایا۔ ظاہر ہے اتنی بڑی جمعیت کے لئے خوراک اور رہائش کا بار اُٹھانا کوئی معمولی کام نہیں ہے اور خصوصاً ایسے ایام میں جبکہ ضروریات زندگی کی اتنی گرانی ہو چنانچہ یہ ناخواندہ مہمان قادیان کی کفالت میں اس وقت تک رہے جب تک حکومت نے عمداً ان کو ایسا کرنے سے روک نہ دیا۔ یہ سلسلہ تقریباً ڈیڑھ ماہ تک جاری رہا۔ قادیان سے واقف اصحاب اس کی صفائی اور نفاست تعمیر سے کماحقہٗ آگاہ ہوں گے۔ لیکن پناہ گزینوں کی کثرت سے یُوں معلوم ہوتا تھا جیسے میدانِ حشر ہے۔ جس وقت سکھ بدمعاشوں نے ایک ایک کر کے تمام نواحی گاؤں مسلمانوں سے خالی کرائے تو اب انہوں نے قادیان کی طرف بھی رجوع

---

[1] کتاب "سکھ میدان کارزار میں" صفحہ ۳۱-۳۲۔

کیا۔ فسادات سے چند ماہ پیشتر قادیان کے چاروں طرف ایک فصیل بنا دی گئی تھی اور ہر طرف مناسب جگہوں پر حفاظتی چوکیاں قائم کر دی گئی تھیں چنانچہ بعض چوکیوں پر بدمعاش سکھوں سے مقابلہ ہوا جن میں انہوں نے مُنہ کی کھائی۔ چونکہ اس ہندوستان گیر سازش میں حکومت وقت بھی شامل تھی اس لئے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ سکھ آہستہ آہستہ تمام اطراف سے بڑھتے گئے اور قادیان والے اب شہر کی چار دیواری سے باہر نہ نکل سکتے تھے۔ یہ دباؤ دن بدن بڑھتا ہی گیا چنانچہ مقامی حکومت نے اپنے مقاصد میں کامیابی کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ شام ۵½ بجے سے کرفیو لگا دیا جاتا تھا اور غیر مسلموں کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ جہاں چاہیں پھریں اور کسی مسلمان کو دیکھ پائیں تو موت کے گھاٹ اُتار دیں۔ کرفیو کے اوقات میں مسلمانوں کے املاک کو لُوٹا گیا اور شہریوں کو بلا وجہ کرفیو کی خلاف ورزی کی پاداش میں طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔

مقامی پولیس کے ایک سکھ اسسٹنٹ سب انسپکٹر کو تمام اختیارات سونپ دیئے گئے چنانچہ اب کرفیو کا لگانا اور کسی مسلمان کو پکڑ بُلانا اس کی مرضی پر موقوف ہو گیا۔ یہ اعلان بذریعہ مُنادی کرا دیا گیا کہ مقامی لوگ اپنا اپنا لائسنس یافتہ اسلحہ پولیس اسٹیشن میں جمع کرا دیں ورنہ ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔ علاوہ ازیں مہاجرین کو بھوکا مارنے کے لئے اعلان کر دیا کہ ہر ایک مقامی شخص صرف ایک من غلہ اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ اس مقدار سے فاضل غلہ گورنمنٹ کے پاس جمع کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس حکم کی خلاف ورزی کے سلسلہ میں بہت سے شہریوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ ان مظالم کے باوجود قادیان والے اپنی جگہ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ حکومت چاہتی تھی کہ یہ لوگ اپنی بستیوں کو خالی کر دیں۔ اس لئے مقامی پولیس اور ملٹری نے یہ چال چلی کہ بہت سے دیہاتی سکھوں کو جعلی طور پر پولیس اور ملٹری کا لباس پہنا دیا گیا اور تمام شہر میں ان لوگوں نے خانہ بخانہ جا کر مویشیوں کو کھول لیا۔ اور اس بہانے ان کو ہنکا کر لے گئے کہ قادیان میں چارہ کی کمی ہے۔ چنانچہ ایک دن میں لاکھوں روپے کے مویشی لوٹ لئے گئے۔

علاوہ ازیں الیکٹرک کو عمداً فیل کر کے اندھیرے میں لوگوں کے گھروں کو لُوٹا گیا۔ لیکن

اس پر بھی لوگوں نے کوئی گھبراہٹ محسوس نہ کی اور اپنے "مرکز" کو چھوڑنے پر رضامند نہ ہوئے تو مقامی پولیس نے دیہاتی سکھوں میں اسلحہ تقسیم کیا اور ان کو مجبور کیا کہ قادیان پر جا کر چاروں طرف سے حملہ کرو ورنہ تم کو مار دیا جائے گا۔ یہ لوگ چار و ناچار حملہ آور ہوئے ان میں بہت سے آدمی فوجی تربیت یافتہ بھی تھے جن کو سفید کپڑوں میں ملبوس رکھا گیا تھا۔ یہ ہی اس جتھہ کی قیادت کر رہے تھے۔ قادیان کی جنوبی سمت سے ان لوگوں نے حملہ کر دیا۔ دیہات کے لوگ چونکہ اس قسم کے حملہ سے واقف نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے خوفزدہ ہو کر ادھر اُدھر بکھرنا شروع کر دیا۔ جو نوجوان باقاعدہ مقابلے کے لئے نکلے انہوں نے پورے آلاتِ حرب سے ان کا مقابلہ کیا۔ لیکن حکومت کا مقابلہ کوئی آسان کام نہیں اس لئے جب حکومت کے کارندے درمیان میں آ گئے اور ہمارے مسلمان بھائیوں کو مجبور کر دیا کہ وہ خود حفاظتی تدابیر سے دست کشی کر لیں تو مجبوراً تاب مقابلہ کے باوجود ہاتھ روکنا پڑا جب جوابی کارروائی رُک گئی تو شیطانوں کے لشکر آبادی میں گھس آئے۔ انہوں نے کوشش کی کہ ہماری خواتین پر دست درازی کریں۔ ہم نے خواتین بچوں اور ضعیفوں کو مقامی تعلیم الاسلام کالج کے بورڈنگ ہاؤس میں لا کر جمع کر دیا اور باہر خود پہرہ دیتے رہے کثیر تعداد جمع ہو جانے کے باعث بورڈنگ جو ایک وسیع جگہ تھی تنگ ہو رہی تھی۔ سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ راشن لوگوں کے پاس نہیں رہا تھا۔ اگر کسی کے پاس گندم تھی تو وہ بھی تو نہ چبائی جا سکتی تھی چنانچہ قہر درویش بر جان درویش بورڈنگ ہاؤس کے فرنیچر کو جلا جلا کر گندم کو اُبال اُبال کر گذارہ کیا گیا۔ چونکہ ابھی تک محصورین کو پاکستان بھجوانے کا انتظام نہ ہو سکا تھا۔ اس لئے مصیبت دس بارہ روز تک جھیلنا پڑی۔ اس دوران میں حکومت کا آرڈر ہوا کہ جو لوگ پاکستان جانا چاہیں وہ تیار رہیں۔ اس حکم میں جو چیز در پردہ تھی وہ سمجھدار لوگوں سے پوشیدہ نہ تھی لیکن مضافات کے پناہ گیر مسلمان اس فریب میں آ گئے اور تیس پینتیس ہزار افراد پر مشتمل ایک قافلہ ہندوستانی ملٹری کی حفاظت میں چل کھڑا ہوا۔ پانچ چھ میل ادھر تک یہ ملٹری اس قافلہ کے ساتھ گئی۔ لیکن بعد میں انہوں نے قافلہ سے کہہ دیا کہ اب تم خود ہی جاؤ۔ چنانچہ قافلہ بے یار و مددگار آگے بڑھا۔ لیکن آگے خونخوار بھیڑیئے گھات میں

بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ قافلہ والوں سے کہا گیا کہ جو کچھ سامان ان کے پاس ہے وہ زمین پر رکھ دیا جائے۔ اس کے بعد نوجوان عورتوں کو بھگا لے جایا گیا۔ معمر عورتوں اور مردوں کو قتل کیا گیا۔ اس کے بعد جو مصیبت زدہ بچ گئے ان کو پاکستان کی طرف دھکیل دیا گیا"[1]

"خاک و خون" میں حالاتِ قادیان کا مختصر ذکر

برصغیر پاک و ہند کے مشہور و نامور ادیب و ناول نویس جناب نسیم حجازی نے اپنی کتاب "خاک و خون" کے صفحہ ۵۸۲-۵۸۳ پر کوائف قادیان پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے تحریر کیا کہ

"بٹالہ ضلع گورداسپور کا سب سے بڑا شہر تھا۔ ضلع کے حکام اور بلوائیوں کو خطرہ تھا کہ یہ شہر کہیں آس پاس کی بستیوں کے مسلمانوں کا دفاعی مورچہ نہ بن جائے۔ چنانچہ باؤنڈری کمیشن کے اعلان کے ساتھ ہی پولیس نے شہر کو مسلمانوں سے خالی کروانے کی مہم شروع کر دی تھی۔ قرب و جوار کے دیہات کے مسلمان شہر کا رُخ کر رہے تھے اور شہر کے مسلمان سنگینوں کے پہرے میں اپنا گھر بار خالی کر کے کیمپوں میں پناہ لے رہے تھے۔ اس کے بعد کچھ لوگوں کو مسلمان سپاہی فوجی ٹرکوں اور لاریوں میں بٹھا کر امرتسر کے راستے لاہور کی طرف لے گئے اور باقی ہزاروں کی تعداد میں ڈیرہ بابا نانک کا راستہ اختیار کرنے لگے۔ اس کے بعد قادیان حکومت، فوج اور بلوائیوں کی توجہ کا مرکز بنا۔ احمدیہ جماعت کے لیڈروں کو ہندوستان کی حکومت یہ اطمینان دلا چکی تھی کہ انہیں کوئی خطرہ نہیں۔ بٹالہ کی صورت حال سے پریشان ہو کر قادیان کے ارد گرد چھ سات میل کے دائرے میں مُسلم آبادی اپنے گھر بار خالی کر کے وہاں جمع ہو گئی۔ اس کے بعد آگ کا دائرہ قادیان کے گرد تنگ ہونے لگا اور اِس اِس قسم کی خبریں آنے لگیں۔

"آج احمدیہ جماعت کا وفد ہندوستان کے فلاں لیڈر سے ملا ہے اور انہوں نے یقین دلایا ہے کہ قادیان کی حفاظت کی جائے گی"

"آج قادیان کے مضافات پر حملے ہوئے، اتنے مارے گئے، اتنی عورتیں اغوا کر لی گئیں۔ ہندوستان کے فلاں وزیر نے بیان دیا ہے کہ قادیان کو کوئی خطرہ نہیں"

"آج قادیان میں کرفیو آرڈر لگا دیا گیا ہے" "قادیان کے مسلمانوں کی تلاشیاں لی

---

[1] "کارروان سخت جان" صفحہ ۱۴۷-۱۴۸ ناشر ادارہ رابطہ قرآنی دفاتر محاسبات دفاع پاکستان راولپنڈی مارچ ۱۹۵۱ء

جا رہی ہیں "

"قادیان کے فلاں فلاں محلّوں پر حملے ہوئے ہیں"

"قادیان کی خبروں کا بلیک آؤٹ"

احمدیہ جماعت کے دو خانگی ہوائی جہازوں کو لاہور اور قادیان کے درمیان پرواز کرنے سے منع کر دیا گیا"

"قادیان کے لوگوں کو زبردستی شہر سے نکالا جا رہا ہے۔ آج چالیس ہزار آدمیوں کا قافلہ پاکستان کی طرف روانہ ہو گیا"

"قادیان اور بٹالہ کے درمیان قافلہ پر سکھوں کے حملے"

"قادیان میں بہت تھوڑے آدمی رہ گئے ہیں"

"پولیس اور ضلع کے حکام لوٹ مار میں حصہ لے رہے ہیں"

"ہندوستان کے فلاں لیڈر اور فلاں منسٹر نے بیان دیا ہے کہ قادیان میں بالکل امن ہے"[1]

بھارت کے اخبارات بھارت کے مسلمان اخبارات "نوجوان" (مدراس) اور "حقیقت" (لکھنو) وغیرہ نے بھی قادیان کی نسبت اطلاعات شائع کیں۔

اخبار "نوجوان" چنانچہ اخبار "نوجوان" نے لکھا:۔

"

قادیان میں قتل و غارت

خلیفۂ قادیان کا مکان اور ظفر اللہ خان کی کوٹھی لوٹ لی گئی

افسوس ہے قادیان کے حالات دن بدن زیادہ ابتر ہوتے جا رہے ہیں۔ تازہ اطلاعات سے یہ معلوم کرنا حد درجہ افسوسناک ہے کہ جناب میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا مکان بیت الحمد اور چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کی کوٹھی لوٹ لی گئی۔ محلہ دار الرحمت اور دار الانوار میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا جس میں کہا جاتا ہے ڈیڑھ دو سو آدمی شہید ہوئے۔ مسجد میں گرد و نواح کے ہندو مکانات سے بم پھینکے گئے جس سے ۲ آدمی شہید ہوئے۔ اس کے علاوہ ایک فوجی کنوائے پر جو قادیان سے پناہ گزینوں کو پاکستان لا رہا تھا۔ بٹالہ میں حملہ کیا

---

[1] "خاک و خون" (بار ہفتم) صفحہ ۵۸۲-۵۸۳ ؎

گیا اور گولیوں کی بارش کی گئی جس سے کئی آدمی شہید ہو گئے۔ کیا یہ حالات اس قابل نہیں کہ اُن کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کیا جائے۔ مسٹر لیاقت علی کا درس امن اپنی جگہ پر بے شک قابل قدر اور لائق توجہ ہے لیکن مشرقی پنجاب کے اُن مظالم کے سدّباب کے لئے بھی تو کوئی مؤثر تدابیر عمل میں آنی چاہئیں (ب.ص)" [1]

اخبار "حقیقت" لکھنؤ اخبار "حقیقت" (لکھنو) نے اپنی ۲ر نومبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں لکھا:-

"

قادیان نرغۂ اعداء میں

جماعت احمدیہ کے مرکز قادیان سے جو مصدقہ اطلاعات آ رہی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت ہند کو ان مظالم سے بے خبر رکھا گیا ہے جو وہاں کے باشندوں پر پچھلے چند ہفتوں کے اندر کئے گئے ہیں اور آج بھی وہاں سکھ پوری طرح مسلّط ہے۔ خاص قادیان اور گرد و نواح کے مسلمان ہزاروں کی تعداد میں بھاگ گئے ہیں۔ احمدی جماعت ہمیشہ حکومت کی وفادار رہی ہے اور جماعت کے امام کی طرف سے آج بھی بار بار اس بات کا اعلان کیا جا رہا ہے کہ جس طرح وہ انگریزی حکومت کی وفادار تھی۔ اسی طرح وہ ہندوستانی یونین کی بھی وفادار رہے گی۔ لیکن ان اعلانات کے باوجود قادیان پر سکھوں کا تسلّط روز بروز سخت ہوتا جاتا ہے۔ حکومت ہند اور مشرقی پنجاب کی حکومت کے ذمہ داروں نے بار بار وعدے کئے کہ وہ قادیان کے حالات کی جلد اصلاح کر دیں گے لیکن آج تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ہمارے خیال میں کسی جماعت کو زبردستی اس کے وطن سے نکالنا کوئی انصاف کی بات نہیں۔ مشرقی پنجاب کی حکومت کے اس طرز عمل کو کوئی مہذب انسان پسندیدہ نہیں کہہ سکتا۔ حکومت ہند کے لئے یہ مناسب نہیں ہوگا کہ وہ سکھوں سے مرعوب ہو کر ایک ایسی زبردستی اور ناانصافی کو روا رکھے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی"

برما کے اخبارات برما کے اخبارات میں سے ایک اخبار "پیغام" تھا جو رنگون سے ایس۔ ایم علی افسر کے زیر ادارت چھپتا تھا۔ اس اخبار نے اپنی ۲ر نومبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں "قادیان کے مسلمانوں کے حالات" "ہندوستان یونین کے مظالم کے خونچکاں واقعات" "سر

---

[1] اخبار نوجوان مدراس ۲۰ر اکتوبر ۱۹۴۷ء صا۔

ظفراللہ خاں کی کوٹھی بھی لوٹ لی گئی" کی تین سرخیوں کے ساتھ تین کالم کا ایک مبسوط مضمون شائع کیا جو دراصل حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے قادیان سے متعلق مضامین کا بہترین خلاصہ تھا اور وہ بھی قریباً حضور ہی کے الفاظ میں!

ایران کے اخبارات

ایرانی جرائد میں سے "اخبار دُنیائے اسلام" اور روزنامہ "نجبات" (طہران) نے حسب ذیل نوٹ شائع کئے:۔

اخبار "دُنیائے اسلام"

اخبار "دُنیائے اسلام" نے لکھا:۔

"ظلم و ستم ہندوہا و سیکھا

ہندوہائے ہندوستان کہ بُت پرست و اشد ترین دشمنانِ اسلام می باشند راجع بمسلمانہا اظہار داشتند کہ ما بامنیت و تحفظ آنہا بہ ہندوستان خواہیم پرداخت ولے صد افسوس از دل می خواہند مسلمانان بے نوایاں را ازمیان برداشتہ بہ ہندوستان حکومت کنند ہزارہا مسلماں را تہ تیغ کردند وہنوز مشغول اغتشاشات و درصدد ازبین بردن آنہا ہستند برائے توزیع و تقسیم پنجاب سیکھا را برانگیختند و از ایالت ہای بسیاری از آں بہندوستان داخل نمودند و پس از آں در تعیین حدود بواسطہ پول و بے انصافی قسمتہائے دیگری از پنجاب بردند و بایں طور بہ مسلمانان جالندھر، ہوشیارپور، فیروزپور و گورداسپور ظلم و ستم نمودہ و پس از آں سیکھا بحمایت ہندوہا باستیصال مسلمانان قدم برداشتند و ہزارہا دولت کدھا را ویران و مسلماناں را بقتل رسانیدند و درایں اغتشاشات دست جواہر لال نہرو و گاندھی بسرعت تمام کار میکند زیرا ما میبینیم کہ از یک ماہ سیکھا بعد از آنکہ در ایالت جالندھر و ہوشیارپور و فیروزپور کار شاں را تمام کردند رو بہ گورداسپور گذاشتہ ہزاراں نفر را ازبین بردند و از یک ماہ بقادیان محاصرہ کردند و تاہنوز ادامہ دارد۔ ریل گاری (ترین) تلگراف پست ہمہ منقطع است۔ بجواہر لال نہرو از طرف جماعتہائے احمدیہ تلگرافات بے اندازہ و عرائض بیشمار از ہندوستان و نقاط دیگرے ارسال دادہ شد ولے بقرار اینکہ جواہر لال نہرو می خواہد مسلماناں را برباد کند مثل خواب خرگوش میخواہد و ظیفہ خود را باجرائے ریل گاری (ترین) و تلگراف و پست کہ بعہدۂ او ست انجام نمی دہد آیا برائے آشوب گراں قشون و اسلحہ نمی دارد کہ محاصرہ ایں قدر

یک ماہ طول کشیدہ است چرا وظیفۂ خود را انجام نمی دہد و ریل و تلگراف و پست را جاری نمی کند۔ آیا برائے ہمیں منظور نیست کہ میخواہد مسلماں را تباہ کند۔ ای کاش مسلمانان دیگرے بہ برادران خود شان چہ بہ تحریر چہ بہ تقریر و چہ بہ کردار ہر طور کہ باشد کمک رسانند و عنداللہ ماجور شوند۔ صدرالدین ہندی "

(روزنامہ "دُنیائے اسلام" طہران صفحہ ۳ کالم ۲ نمبر ۴ مطابق ۱۱ ذیقعدہ الحرام ۱۳۶۶
۴ مہر ماہ ۱۳۲۶)

(ترجمہ)

مسلمانانِ ہند پر ہندوؤں اور سکھوں کا ظلم وستم

ایرانی اخبار "دُنیائے اسلام" اپنے ۲۷ ستمبر ۱۹۴۷ء کے پرچہ میں رقمطراز ہے :۔

ہندوستان کے ہندو جو کہ بُت پرست اور اسلام کے شدید ترین دشمن ہیں مسلمانوں سے بارہا یہ وعدہ کرتے رہتے ہیں کہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں کے تحفظ وسلامتی کے ذمہ دار ہوں گے مگر صد افسوس! کہ وہ دل سے اس بات کے متمنی ہیں کہ ہندوستان سے مسلمانوں کا صفایا کر کے خود حکومت کریں۔ یہ لوگ ہزارہا مسلمانوں کو تہ تیغ کر چکے ہیں اور ابھی تک اِن کے قتل وغارت میں مشغول اور ان کی بربادی کے در پے ہیں۔ انہوں نے تقسیم پنجاب کے لئے سکھوں کو برانگیختہ کر کے پنجاب کے بہت سے اضلاع کو ہندوستان میں شامل کرا لیا ہے۔ پھر تعیین حدود کے صریح غیر منصفانہ فیصلہ کے ذریعہ کئی اور علاقے بھی حاصل کر لئے۔ اس ستم کے بعد سکھوں نے ہندوؤں کی زیر حمایت اضلاع جالندھر، ہوشیار پور، فیروزپور اور گورداسپور میں مسلمانوں کا استیصال شروع کر دیا۔ ہزارہا بستیوں کو ویران اور مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ اس قتل وغارت کی تمام تر ذمہ داری جواہر لال نہرو اور گاندھی پر ہے کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اضلاع جالندھر، ہوشیار پور اور امرتسر کے مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے بعد سکھوں نے ضلع گورداسپور میں ہزارہا نفوس کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور ایک ماہ سے قادیان کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں جو ابھی تک بدستور قائم ہے۔ ریل گاڑی، تار، ڈاک اور دیگر وسائل منقطع ہو چکے ہیں۔ جواہر لعل نہرو کو ہندوستان اور دیگر ممالک کی جماعت ہائے احمدیہ کی طرف سے بے شمار تاریں اور درخواستیں بھیجی گئیں۔ لیکن چونکہ جواہر لال

نہرو مسلمانوں کو برباد کرنا چاہتا ہے اس لئے خواب خرگوش میں سو رہا ہے اور ریل گاڑی تار اور ڈاک وغیرہ ذرائع رسل و رسائل کو جاری نہ کر کے اپنے فرض منصبی کو سرانجام دینے میں بھی کوتاہی کر رہا ہے۔ کیا فسادیوں کو دبانے کے لئے اس کے پاس اسلحہ اور طاقت نہیں کہ یہ صورت حال اتنا طول پکڑ گئی ہے۔ اس کا باعث اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی تباہی کا خواہشمند ہے۔ دیگر ممالک کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ تحریر و تقریر اور عمل غرضکہ ہر ممکن طریق سے اپنے بھائیوں کو امداد پہنچا کر عند اللہ ماجور ہوں۔

اخبار "نجات" اخبار "نجات" نے لکھا:۔

"
آخرین اخبار پاکستان

برحسب اطلاعیکہ از لاہور پاکستان رسیدہ ہندوہا و سیکھا بشہرستان ہائے دہلی، امرتسر، جالندھر، ہوشیارپور، گورداسپور، قادیان حملہ نمودہ۔ چہار ہزار نفوس کشتہ شدہ و از بین بردہ اند و تقریباً پنج ملیون از نفوس مسلمانان در نہایت عسرت و بدبختی بہ قسمت ہائے غربی پاکستان مہاجرت نمودہ اند۔

در منطقہ قادیان قریب پنجاہ ہزار نفر در محاصرہ سیکھا ہستند و ہر روز کشتار می دہند بموجب خبرے کہ از قادیان واصل گردید پانصد نفر از جوانان زبدہ شہید شدہ اند۔

دولت ہندوستان بوسیلہ شہربانی باسیکھا ہمکاری نزدیک نمودہ و در این قتل و خونریزی بر مسلمانان اقدامات شدیدی می نماید"

(روزنامہ "نجات" طہران خاص نمبر ۱۴ آبان ماہ ۱۳۲۶ صفحہ ۱ کالم ۲)

(ترجمہ)

پاکستان کی آخری خبریں

اس اطلاع کے مطابق جو لاہور پاکستان سے پہنچی ہے۔ ہندوؤں اور سکھوں نے دہلی، امرتسر، جالندھر، ہوشیارپور، گورداسپور اور قادیان کے علاقوں پر حملہ کر کے چار لاکھ مسلمانوں کو قتل و غارت کیا ہے اور تقریباً پچاس لاکھ مسلمانوں نے نہایت تنگی اور بدبختی کے ساتھ پاکستان کے مغربی حصہ کی طرف ہجرت کی ہے۔

قادیان کے حصے میں تقریباً پچاس ہزار آدمی سکھوں کے محاصرہ میں ہیں اور ہر روز قتل کا بازار گرم ہوتا ہے۔ اس خبر کے مطابق جو قادیان سے پہنچی ہے تقریباً پانچ سو جوان شہید ہو گئے ہیں ہندوستان کی حکومت پولیس کے ذریعہ ان کی مدد کر رہی ہے اور مسلمانوں کے قتل اور خونریزی کے لئے سخت اقدامات کر رہی ہے۔

ارجنٹائن کے اخبارات

ارجنٹائن کے مشہور اور کثیرالاشاعت اخبار (ELMUNDO) نے بھی قادیان کے متعلق نمایاں جگہ میں مندرجہ ذیل واضح نوٹ شائع کیا:۔

۱۔ ”ایک علمی اور مرکزی شہر کی حفاظت کا مطالبہ

گذشتہ رات مولوی رمضان علی صاحب ہمارے ادارۂ تحریر میں ملاقات کے لئے آئے۔ آپ ہندوستان کے صوبۂ پنجاب کے قادیان شہر کی جماعت احمدیہ کی طرف سے اس ملک میں ڈیلی گیٹ مبلغ ہیں اور آپ نے ہمیں یہ بتایا کہ مذکورہ شہر آخری فسادات کے سبب کس قدر مشکل اور خطرناک حالت میں ہے۔

قادیان کے متعلق یہ ذکر کرتے ہوئے کہ یہ شہر یک گونہ یونیورسٹی والا شہر ہے۔ جہاں کئی ایک کالج اور ہائی اور پرائمری سکول ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے ہمیں بتایا کہ اس شہر کے بیس ہزار باشندے سخت خطرہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ لوگ امن پسند اور نہتے ہیں اور انہیں مسلح جتھوں نے کامل طور پر گھیرا ہوا ہے اور یہ جتھے اس شہر کو جلا دینا چاہتے ہیں اور ان خطرات کا علم انہیں اُن تاروں سے ہوا ہے جو انہیں گذشتہ ایام میں ملے ہیں۔ مولوی صاحب چاہتے ہیں کہ ان بہت سے افراد کے نام پر جو اس شہر کے دوست ہیں جن میں سے کئی ایک ارجنٹائن قومیت کے ہیں یا جو ارجنٹائن تو نہیں لیکن ان کے بچے یہاں پیدا شدہ ہیں ایک ہمدردانہ تحریک کی جائے اور ہندوستانی حکومت سے اس قدیم علمی شہر اور اس میں بسنے والے باشندوں کی حفاظت کی درخواست کی جائے۔ مولوی صاحب نے ہمیں بتایا کہ وہ مندرجہ بالا حکومت کے لئے ارجنٹائن کی حکومت سے اخلاقی اور معنوی مدد حاصل کرنے کی کوشش کریں گے“ (ترجمہ)

لہ بحوالہ ”الفضل“ ۱۸ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۶ہش ۱۹۴۷ء

۲۔ ارجنٹائن (جنوبی امریکہ) کے مشہور اخبار "السلام" نے اپنی ۲۳ ستمبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں "قادیان" کے عنوان سے ایک نوٹ شائع کیا جس میں لکھا کہ

لنڈن کے تاروں سے معلوم ہوا ہے کہ قادیان جو ہندوستان کا ایک مشہور دارالعلوم اور جماعت احمدیہ کا مرکز ہے اسے سکھوں کی ایک زبردست جمعیت نے پولیس اور ملٹری کے بل بوتے پر چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اور اسے تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی کوشش ہو رہی ہے کہ ارجنٹائن کی حکومت اس امر میں مداخلت کرکے ہندوستان کی حکومت سے قادیان کی حفاظت کا مطالبہ کرے۔ اور اسے اہلِ قادیان کے ساتھ شریف شہریوں کا سا سلوک کرنے کی تحریک کرے

اخبار مذکور نے مزید لکھا ہے کہ

قادیان کے متعلق جیسا کہ ہمیں علم ہے وہاں کئی ایک کالج، ہائی سکول اور ابتدائی مدارس ہیں اور جماعت احمدیہ کا مرکز ہونے کی وجہ سے قادیان تمام دُنیا میں مشہور ہے (ترجمہ)[1]

برطانوی اخبارات

برطانوی پریس میں بھی قادیان کے لرزہ خیز واقعات کی بازگشت سنائی دی گئی اور ملک کے چوٹی کے اخبارات مثلاً "ساوتھ ویسٹرن سٹار" (SOUTH WESTERN STAR)، "ڈیلی پریزر" (DAILY PRESER) "برسٹل ایوننگ پوسٹ" (BRISTOL EVENINC POST) "ڈیلی گریفک" (DAILY GRAPHIC) "دی ڈیلی ٹیلیگراف اینڈ مارننگ پوسٹ" (THE DAILY TELECRAPH AND MORNINGPOST) اور "ڈیلی ایکسپرس" (DAILY EXPRESS) وغیرہ نے قادیان سے متعلق مسٹر بشیر آرچرڈ کے بیانات نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع کئے۔

---

[1] بحوالہ "الفضل" ۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۴

فصل ہفتم

پاکستان میں قیام امن کیلئے بے لوث خدمات

جیسا کہ اس باب کے آغاز میں ذکر آچکا ہے کہ حضرت مصلح موعود نے پاکستان میں قدم رنجہ فرماتے ہی احمدیوں کو تاکید فرما دی تھی کہ وہ ہندوؤں اور سکھوں میں سے کسی پر ظلم نہ ہونے دیں کیونکہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں اور وہ خود یا اُن کی نسلیں کسی دن اسلام میں داخل ہو کر اس کی ترقی کا موجب بنیں گے۔

صوبیدار نصر اللہ صاحب آف شیخ پور ضلع گجرات کا بیان ہے کہ

"میں شروع اگست (۱۹۴۷ء) میں اپنے گاؤں شیخ پور سے قادیان جانے کے لئے لاہور آیا۔ لیکن چونکہ میری رخصت بہت تھوڑی رہ گئی تھی اس واسطے کارکنوں نے مجھے واپس کر دیا۔ واپسی سے پہلے ہمارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جودھامل بلڈنگ میں چھوٹا سا لیکچر دیا۔ اس میں یہ بات بھی تھی کہ تم لوگ اب واپس اپنے اپنے گھروں میں جاؤ۔ اپنے علاقہ کے ہندو اور سکھوں کی ہر ممکن طریقے سے حفاظت اور امداد کرو۔ اگر تم ان کی حفاظت کرتے ہوئے مارے بھی گئے تو یہ شہادت ہوگی۔ اگر کوئی جتھہ ہندوؤں یا سکھوں کا ہندوستان جاتا ہوا تمہارے پاس سے گذرے تو تم ان کو اگر کھانا وغیرہ کھلا سکو تو ضرور کھلاؤ[1]"

جماعت احمدیہ نے امیر المومنین کے اس حکم کا نہایت شاندار عملی جواب دیا۔ اور خدا کے فضل و کرم سے اپنی بے سروسامانی اور دہشت انگیز ماحول کے باوجود ہزاروں بندگان خدا کی جان، مال اور آبرو کی اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر حفاظت کی اور اس طرح "اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا[2]" کے ارشاد نبوی کی تعمیل کر کے خدمت خلق کا بہترین نمونہ قائم کر دکھایا۔ اس ضمن میں بطور مثال بعض اہم واقعات کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] "الفضل" ۸ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

[2] یعنی اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنے مظلوم بھائی کی مدد کا مطلب تو سمجھتا ہوں لیکن ظالم بھائی کی کس طرح مدد کروں۔ فرمایا۔ اسے ظلم سے روکو اور منع کرو کہ یہی اس کی مدد ہے (بخاری کتاب الاکراہ مصری جلد ۴ صفحہ ۱۳۷)۔

پہلا واقعہ

پہلا واقعہ صوبیدار نصراللہ صاحب ہی کا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ
”حضور کی یہ تقریر سننے کے بعد ہم لوگ دوسرے یا تیسرے روز واپس آگئے۔ صاف صاف اور کھلے بندوں ہم نے غیر مسلموں کی حفاظت شروع کر دی۔ سکھوں کے متعلق زیادہ خطرہ تھا ان کی زیادہ حفاظت کرتے۔ بلکہ بعض دفعہ مَیں خود رات کو بندوق کے ساتھ اُن کا پہرہ دیتا۔ پھر پولیس والوں نے غیر مسلموں سے مال کھانے کی کوشش کی۔ ہم نے یہ کوششیں بے کار کر دیں حتیٰ کہ پولیس کی ہمارے ساتھ عداوت بھی ہوگئی۔ لیکن ہم نے صاف طور پر ان لوگوں سے کہہ دیا کہ کچھ بھی ہو ہم نہ اُن کا مال ضائع ہونے دیں گے اور نہ ہی ان کو کسی قسم کی تکلیف ہونے دیں گے۔ پہلے ہم ان پر جانیں دیں گے پھر اُن کے نزدیک کوئی آئے گا۔ آخر ایک دن پولیس ہمارے گاؤں میں غیر مسلموں کو لینے کے لئے آئی۔ عورتیں بھاگ کر کوئی تیس کے قریب میرے مکان میں آگئیں۔ رات اور دن بھر میرے گھر کے اندر رہیں۔ ہم نے نہ مردوں کو اور نہ عورتوں کو کسی قسم کی تکلیف ہونے دی۔ ان سب کو بحفاظت کیمپ میں پہنچا دیا گیا۔ سکھوں کو مَیں رات کے وقت خود جا کر حفاظت سے کیمپ میں چھوڑ آیا۔ اسی طرح ایک اور پارٹی کو مَیں خود لے کر کیمپ چھوڑ آیا۔ وہ سب اپنا سامان اونٹوں اور خچروں پر لدوا کر ساتھ لے گئے۔ دوسری پارٹی میں تقریباً پچاس کے قریب مرد اور عورتیں تھیں۔

پہلی پارٹی کے کیمپ میں جانے کے بعد مَیں ان کی امانتیں جو کہ نقدی اور زیور کی صورت میں بھی تقریباً اٹھارہ ہزار روپیہ کا مال ہوگا جو کہ میرے پاس تھا۔ وہاں کے کیمپ کمانڈر کے پاس گیا اور اس کو کہا کہ میرے پاس میرے گاؤں کے غیر مُسلموں کی امانتیں ہیں۔ آپ اپنا ایک افسر میرے ساتھ بھیجیں تاکہ مَیں سب کے سامنے ان کو تقسیم کروں۔ میجر صاحب جو کہ یونٹ کا ایڈجوٹنٹ تھا۔ اس نے اپنے صوبیدار میجر کو میرے ساتھ بھیجا۔ مَیں نے سینکڑوں آدمیوں کے سامنے ایک ایک کو بُلوا کر ان کا زیور اور روپیہ تقسیم کیا۔ . . .
اس کے بعد جس جس چیز کی ان کو ضرورت تھی ان کے گھروں سے ان کو بھجوا دی گئی۔ ان کا ضائع شدہ سینکڑوں روپیہ کا مال اور زیور برآمد کر کے بعد میں کیمپ میں جا کر دیا۔ . . . میری رخصت ۱۸ ستمبر (۱۹۴۷ء) تک تھی۔ لیکن گجرات ایریا کمانڈر نے اس

مضمون کی تار دے کر میرے واسطے بیس روز کی مزید رخصت لی کہ اگر یہ یہاں سے چلا گیا۔ تو سینکڑوں جانیں تباہ ہو جاویں گی۔ . . . . .

ایک دفعہ تقریباً پچاس کے قریب ہندو عورتیں اور مرد لا رہا تھا۔ سامان ساتھ چھڑوں اور اُونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ ایک گاؤں کے کچھ آدمیوں نے حملہ بول دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کے دل میں ڈر پیدا کر دیا اور وہ واپس بھاگ گئے۔ ایک گاؤں کے ہندوؤں کو جو کہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن وہ وہاں رہنا نہیں چاہتے تھے۔ میں نے نہایت اعلیٰ بندوبست کر کے ان کو ہر طرح سے محفوظ وہاں سے نکالا۔

جماعت احمدیہ نے ہر طرح کی قربانی کر کے ان غیر مسلموں کی جان، مال، عزت اور آبرو کی حفاظت کی۔ لیکن اس کے برعکس ہزار افسوس ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے مقدس شہر کو تباہ اور برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ جس کے ذریعہ ہم ان پر ہر چیز قربان کر دینے کو فخر خیال کرتے ہیں" [1]

دوسرا واقعہ مولانا عبدالقادر صاحبؓ (سوداگرمل) مربّی سلسلہ احمدیہ نے کرتو ضلع شیخوپورہ میں احمدیوں کی غیر مسلموں سے حُسنِ سلوک کے بارہ میں حسب ذیل تفصیلات شائع کیں:-

"کرتو ضلع شیخوپورہ میں ایک مشہور قصبہ ہے۔ وہاں غیر مُسلم قریباً دو صد کی تعداد میں ہیں جب مشرقی پنجاب میں قتل و غارت کا میدان گرم ہوا۔ اور ہزاروں کی تعداد میں تباہ حال مسلمان مغربی پنجاب میں آئے اور انہوں نے اپنے المناک واقعات سُنائے تو قصبہ کے مسلمانوں کا خون اپنے بھائیوں کے لئے اس قدر جوش مارنے لگا کہ اُن میں سے ہر ایک ہندوؤں کے خون کا پیاسا نظر آتا تھا۔ نوبت یہانتک پہنچی کہ تمام غیر مسلموں کو کہہ دیا گیا کہ کل تمہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا جو تمہاری خواہشات ہیں ان کو پُورا کر لو۔ چنانچہ دوسرے دن انہیں مقررہ جگہ پر لے جایا گیا۔ مگر عین وقت پر جماعت احمدیہ کے امیر جناب چودھری رحمت علی صاحب والد ماجد چودھری اعظم علی صاحب سینئر سب جج اپنے لڑکے کو لے کر موقعہ پر پہنچ گئے اور انہوں نے ان تمام ہندوؤں کو بچا کر دو دن اپنے گھر میں رکھا اور تیسرے روز تمام

[1] "الفضل" ۸ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کالم ۲-۳-۴

قصبہ میں اعلان کر دیا کہ جو شخص ان پر ہاتھ اُٹھائے گا وہ یوں سمجھے کہ اس نے ان پر حملہ نہیں کیا بلکہ ہم پر حملہ کیا ہے۔“ ؎۱

تیسرا واقعہ لاہور میں نندہ لعل صاحب چوپڑہ (پنشنر کرنل) جو دھامل بلڈنگ میں رہتے تھے محض احمدیوں کی کوشش سے جموں کی سرحد تک پہنچے۔ چنانچہ کرنل چوپڑہ نے ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کی خدمت میں لکھا:۔

”آپ کے اس انتظام، کرمفرمائی اور حفاظت کے لئے ہم سب آپ کے تہ دل سے مشکور ہیں اور آپ کے اس احسان اور محبت کے اظہار کے لئے جہانتک انسانیت کا تقاضا ہے میرا یقین واثق ہے کہ مَیں اور میری اولاد تازیست آپ کے گرویدۂ احسان ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ جذبۂ شکر گذاری ہمارے دل میں قائم رہے اور جیسا کہ حالات اچھے ہو رہے ہیں ہم کو پھر موقعہ ملے کہ آپ کی قدمبوسی حاصل کر سکیں اور آپ کے شیریں الفاظ وعظ اور محبت سے حظ اُٹھانے کا ہم سب کو موقعہ ملے۔ مَیں آپ کا احسان الفاظ سے بیان نہیں کر سکتا۔ میرا دل ہی اس کی شہادت دے سکتا ہے۔ آپ بزرگ ہیں، خدا رسیدہ ہیں، محبت انسانی سے بھرپور ہیں۔ میرے لئے دُعا کریں کہ مجھے ضرور پھر کبھی محبت، پریم اور پیار کا نیاز حاصل ہو“

چوتھا واقعہ چوتھا واقعہ جناب ملک عبدالرحمٰن صاحبؓ خادم امیر ضلع گجرات کی ایک مفصل رپورٹ سے ہمیں ملتا ہے۔

گجرات میں چالیس افراد پر مشتمل تین ہندو خاندان آباد تھے۔ جن میں لالہ دسوندھی رام زرگر، لالہ دینا ناتھ صرّاف، لالہ موتی رام دوکاندار، لالہ میلا رام نقشہ نویس وغیرہ لوگ شامل تھے۔ جماعت احمدیہ گجرات نے تقریباً دو ہفتہ تک اس خاندان کو پناہ دی۔ اس دوران میں ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ اور دیگر احمدی نہایت فرض شناسی سے پہرہ دیتے رہے۔ بلوائیوں نے حملہ کرنے کی پوری کوشش کی مگر ناکام رہے اور ان کو بالآخر حفاظت کے ساتھ ہندوستان بھجوا دیا گیا۔

اس کے علاوہ لالہ دینا ناتھ ایڈووکیٹ گجرات کو عین اس وقت جبکہ ہندو اپنے مکانات چھوڑ کر

؎۱ ”الفضل“ ۱۹ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء

کیمپ میں بھاگے جا رہے تھے اور کرفیو کا وقت بالکل قریب تھا۔ انہیں ان کے منشار کے مطابق ظہور احمد صاحب وکیل کے گھر پہنچایا گیا جہاں وہ کئی روز مقیم رہنے کے بعد بھارت چلے گئے۔ لالہ دینا ناتھ صاحب نے دہلی سے ۲۲ جنوری ۱۹۴۸ء کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضؓ کے نام ایک مکتوب میں لکھا:۔

"دُنیا میں پیارے دوست خادم صاحب ہیں وہ میری بڑی حفاظت کرتے (رہے) ہیں . .
. . . . دُنیا میں آپ کی تعریف بہت ہو رہی ہے۔ دہلی، انبالہ، امرتسر میں آپ کی جماعت کی اس قدر تعریف ہو رہی ہے کہ بیان سے باہر ہے جن ہندوؤں کو آپ کی جماعت نے پناہ دی ہے وہ ہر وقت آپ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ ایسی جماعت کے اصول کمال درجے کے ہیں۔ آپ کی جماعت کے آدمیوں نے جن ہندوؤں کا روپیہ رکھا تھا وہ واپس دیا۔ ان کی زندگیاں بچائی ہیں۔ ہر وقت دُعا دیتے ہیں۔ خداوند کریم تمہاری عمر بہت لمبی کرے اور آپ کی جماعت کو اتنی طاقت بخشے کہ دُنیا میں لوگوں کی بھلائی اچھی طرح کریں"

قیام امن اور غیر مسلموں کی حفاظت کے چند مخصوص واقعات کا بطور نمونہ تذکرہ کرنے کے بعد اب ہم مختصر طور پر یہ بتاتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کی یہ خدمات صرف چند افراد یا بعض مقامات سے مخصوص نہیں تھیں بلکہ اُن کا سلسلہ پورے مغربی پاکستان پر پھیلا ہوا تھا حتیٰ کہ جہاں کہیں اکے دکے احمدی بھی موجود تھے۔ انہوں نے اسلام کے اصول رواداری اور پیغام اخوتِ انسانی پر عمل کرتے ہوئے اپنی جان کی بازی تک لگا دی مگر غیر مسلموں پر آنچ نہیں آنے دی

صوبہ مغربی پنجاب مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا جو قتل عام ہوا، اس کا سب سے زیادہ ردِّ عمل مغربی پنجاب میں ہوا۔ لہٰذا سب سے پہلے اس صوبہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

تحصیل شکر گڑھ کے علاوہ ضلع گورداسپور کی باقی تحصیلیں (جو بھارت میں شامل کر دی گئی تھیں) فتنہ و فساد کا مرکز بنی ہوئی تھیں جہاں مسلمانوں بالخصوص احمدیوں کے خلاف ایک حشر برپا تھا مگر تحصیل شکر گڑھ میں احمدی غیر مسلموں کی حفاظت کے لئے سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ مثلاً فقیر محمد صاحب مہاجر عارف والا ضلع منٹگمری (ساہیوال) ان دنوں شاہ پور امر گڑھ میں امن کمیٹی کے سیکرٹری تھے۔ آپ نے ایک سکھ کو جو تنہا رہ گیا تھا اپنی حفاظت میں رکھا۔ اسی طرح شکر گڑھ میں ڈاکٹر فضل کریم صاحب نے چک قاضیاں کی ایک غیر مسلمہ کو کئی دنوں تک پناہ دے کر بحفاظت سرحد تک پہنچایا۔

ضلع سیالکوٹ (باستثناء تحصیل شکر گڑھ) اس ضلع میں احمدیوں نے غیر مُسلموں کو بچانے کے لئے جو خدمات انجام دیں اُن کا خلاصہ یہ ہے :-

۱۔ جماعت احمدیہ کلاسوالہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ نے اس قصبہ کے تقریباً ڈیڑھ ہزار غیر مسلموں کی ہر ممکن حفاظت و اعانت کی۔ اب یہ لوگ قادیان میں آباد ہیں۔ احمدیوں کی ہمدردی اور محبت و رواداری پر رطب اللسان ہیں۔

۲۔ قاضی محمد ابراہیم صاحب ہیڈ ماسٹر کھرولیاں نے چار پانچ ملحقہ گاؤں کے غیر مُسلموں کو بچانے کے لئے دو تین بار اپنے تئیں خطرے میں ڈالا اور ان کی ذاتی کوششوں سے یہاں سکھ مسلم تصادم ہوتے ہوتے رہ گیا۔

۳۔ جماعت احمدیہ چونڈہ نے قریباً دو سَو غیر مُسلموں کو اپنے محلّہ میں بحفاظت رکھا اور محفوظ صورت میں غیر مُسلم کیمپ تک پہنچایا۔[1]

۴۔ چودھری فیض عالم صاحب پریزیڈنٹ مالو کے بھگت اور محمد یوسف صاحب سکرٹری مال مالو کے بھگت کا بیان ہے کہ موضع مانگا کے غیر مُسلموں کے دو قافلے جو قریباً ساڑھے تین چار ہزار النفوس پر مشتمل تھے مالو کے بھگت سے گذرے تو اُن پر حملہ کرنے کی کوشش کی گئی جو احمدیوں کی مداخلت سے ناکام بنا دی گئی اور وہ صحیح سالم گذر گئے۔

۵۔ شہر سیالکوٹ کے ایک سابق باشندے سانجی مل پر تین حملہ آور کلہاڑے سے ٹوٹ پڑے مگر فتح محمد صاحب سہگل (اسلام پور سیالکوٹ) درمیان میں آ گئے اور سانجی مل بچ گیا۔

۶۔ موضع رامبراہ کے نمبردار شاہ نواز صاحب کی کوشش سے سات افراد پر مشتمل ایک ہندو کنبہ نیز ۷۴ دیگر غیر مُسلم صحیح سلامت سرحد تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

۷۔ چونڈہ کا ایک غیر مُسلم بیدی سُندر سنگھ فسادات سے قبل بغرض تجارت ایران چلا گیا اور گھر کی ذمہ داری ایک احمدی محمد عبداللہ صاحب (ولد اللہ بخش صاحب) پر تھی۔ چنانچہ جونہی قتل و غارت کا بازار گرم ہوا، اُس احمدی نے اس کے بال بچوں کو امرتسر تک پہنچا دیا۔ علاوہ ازیں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر چونڈہ کے شونا تھ اور درگا داس کی جان بچائی اور ان کی دکان سے سامان لا کر

---

[1] بروایت رحیم بخش صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ چونڈہ ۔

دیا اور پھر بھارتی سرحد تک چھوڑ آئے۔

۸۔ نارووال کے نزدیک ایک ہندو عورت گھر گئی تھی۔ محمد یعقوب صاحب سب انسپکٹر کوآپریٹو سوسائٹیز ڈچکوٹ ضلع لائل پور نے اس کی جان بچائی اور راوی کے پل تک پہنچا دیا۔

ضلع لاہور

۱۔ پنڈت تیرتھ رام کانسٹیبل ہڈیارہ ضلع لاہور فسادات کے ایام میں سپیشل ڈیوٹی پر لاہور میں تھے اور ان کے اہل و عیال ہڈیارہ میں۔ لیفٹیننٹ جمال الدین صاحب (۸ پنجاب رجمنٹ سنٹر لاہور چھاؤنی) کو اطلاع ملی کہ پنڈت صاحب مارے گئے ہیں۔ جس پر لیفٹیننٹ صاحب خود لاہور پہنچے اور ان کو تلاش کر کے بچوں سمیت ہندوستان کی طرف روانہ کر دیا۔ پنڈت باوا کرم چند صاحب شرما وید ہڈیارہ کے مکان پر حملہ ہوا تو موصوف نے ان کی طرف سے کامیاب مدافعت کی۔ اسی طرح ہڈیارہ کی چھبیسویں[۲۶] پادشاہی کے گوردوارہ کو دیگر مسلمانوں سے مل کر خاکستر ہونے سے بچایا اور اس کی حفاظت کے لئے اسکورٹ مقرر کر دی۔ اس گوردوارہ میں ایک سردار جے سنگھ کے دو بوڑھے رشتہ دار تھے جن کا سامان لیفٹیننٹ صاحب نے خود اٹھایا اور ہندوستان جانے والی جیپ گاڑی تک پہنچا دیا۔

۲۔ حویلا سنگھ آتما سنگھ آف بٹر کلاں متصل قادیان کا روپیہ لاہور میں جمع تھا جو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی کوشش سے برآمد ہوا۔ اور انہیں بھجوایا گیا۔

۳۔ مولوی محمد احمد صاحب فاضل نے آرڈیننس ڈپو لاہور چھاؤنی کے حوالدار کلرک پرتاپ سنگھ کو مغلپورہ کے ایک مشتعل ہجوم سے باہر نکالا اور بحفاظت سرحد تک پہنچایا۔

۴۔ عبدالرحیم صاحب ہیڈ ڈرافسمین اسلامیہ پارک نے متعدد مظلوموں کی مدد کی۔ سردار کرتار سنگھ ڈویژنل ہیڈ ڈرافسمین لاہور کو ان کا روپیہ اور مسٹر بھگوان چند آف لاہور کو ان کا فرنیچر اور متفرق سامان بھجوایا۔

۵۔ سردار ہزارہ سنگھ سپرنٹنڈنٹ جالندھر جیل کے بعض رشتہ دار لاہور جیل میں تھے جن کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے ضروری امداد مہیا فرمائی۔

ضلع شیخوپورہ

۱۔ مکرم برکت علی صاحب ایس ڈی سی کینال کوارٹر لائل پور نے شیخوپورہ کے قریباً ۴۰ غیر مسلموں

کو جن میں بعض اچھے اچھے عہدوں پر تھے، پناہ دی۔ بعض کے زیورات ان کے مکانوں سے لا کر دیئے جس میں ان کے فرزند محمد افضل صاحب کا بھی ہاتھ تھا۔ وہ گولیوں کی بوچھاڑ میں پہنچے اور کئی غیر مسلموں کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی بدولت تین کنواری لڑکیوں نے بھی مفسدوں کے چنگل سے نجات پائی۔

۲۔ برکت اللہ صاحب مہاجر لودھی ننگل ضلع گورداسپور کے ذریعہ سے شیخوپورہ کے متعدد غیر مسلموں کی جان بچ گئی اور عین اس وقت جبکہ گولی چل رہی تھی وہ ان کا دفینہ اور اندوختہ نکال لائے اور ان کے سپرد کر دیا۔

۳۔ حکیم علی احمد صاحب دیہاتی مبلغ کرم پورہ نے ایک سکھ اور اس کی بیوی کو حفاظت سے رکھا۔

۴۔ سید ولایت حسین شاہ صاحب امیر جماعت احمدیہ شاہ مسکین کو معلوم ہوا کہ ان کے گاؤں کے نزدیک فیض پور میں کچھ ہندو محصور ہیں۔ چنانچہ آپ انہیں شاہ مسکین میں لے آئے اور ان کے خورد و نوش کا انتظام کیا۔ بعد کو یہ لوگ کیمپ ٹھلہ میں آباد ہوئے۔

ضلع لائلپور

عصمت اللہ صاحب پٹواری نہر جڑانوالہ نے موضع دھول سر کے دس غیر مسلموں کو پناہ دی۔ اور خورد و نوش کا انتظام کیا۔

ضلع سرگودھا

۱۔ احمد خاں صاحب دیہاتی مبلغ چک ۳۲/جنوبی نے تحریری طور پر اطلاع دی کہ ہم نے بعض غیر مسلموں کو (جو قبل ازیں ایک شخص کے یہاں پناہ گزیں ہوئے اور روپیہ لے کر نکال دیئے گئے تھے) چک ۵۶۵ میں ٹھہرایا اور پبلک کی عام مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پندرہ دن تک ان کو پناہ دی اور پھر ننکانہ صاحب تک پہنچا دیا۔

۲۔ چودھری شیر محمد صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ چک ۳۲ جنوبی کی تحریک پر ایک احمدی چودھری محمد عالم صاحب نے ایک سکھ کا سامان جانی خطرہ مول لے کر بچایا۔ اسی طرح احمدیوں نے قریبی چکوں کے بعض غیر مسلموں کے مال و جان کی حفاظت کی۔

۳۔ ماسٹر ضیاء الدین صاحب ارشد احمدی ٹیچر ڈھڈا رانجھا موضع نصیر پور کے ایک غیر مسلم ہرنام داس

ایس۔ ڈی ٹیچر کو سخت مخدوش ماحول میں بذریعہ سائیکل سرگودھا لائے اور فوجی امداد سے اس کے رشتہ داروں کو برآمد کرایا۔ اس طرح ۹۲ میل کا سفر سائیکل پر طے کیا۔

۴۔ نذیر احمد صاحب میانی ضلع شاہ پور نے ایک ہندو مرد اور عورت کی حفاظت کی۔

۵۔ سکھوں نے قادیان میں خان بہادر نواب محمد دین صاحب باجوہ سابق ڈپٹی کمشنر و سابق ریونیو منسٹر جودھپور سٹیٹ کی کوٹھی لُوٹ لی تھی جس کے ایک حصہ پر چودھری عزیز احمد صاحب باجوہ سب جج سرگودھا کا قبضہ تھا۔ اس مکان کا مال و اسباب لُوٹ لیا گیا تھا اور اس کی محافظہ بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگ سکی تھی۔[1]

اس کے مقابل چودھری عزیز احمد صاحب کا طرزِ عمل یہ تھا کہ انہوں نے سرگودھا کی احمدی جماعت کے دوسرے افراد کے تعاون سے کئی سکھوں اور ہندوؤں کی جانیں بچائیں جن میں سرگودھا کے مشہور ایڈووکیٹ لالہ بھگت رام صاحب بھی تھے۔[2]

ضلع گوجرانوالہ

۱۔ موضع لوپریوالہ اور اس کے گرد و نواح کے سب غیر مسلم جماعت احمدیہ کے اثر و رسوخ سے جانی و مالی وغیرہ ہر نوع کے نقصانات سے بالکل محفوظ رہے۔[3]

۲۔ پنڈی بھٹیاں میں صرف دو ایک احمدی تھے مگر انہوں نے حتی الوسع ہر مظلوم کی مدد کی۔ ایک ہندو مسافر خانہ اور گیراج کو نذرِ آتش ہونے سے بچایا۔ دو غیر مسلم عورتوں کو پناہ دی اور ان کا قیمتی سامان کیمپ تک پہنچایا۔ اسی طرح تین غیر مسلم ساہوکاروں کا سامان بھی پوری امانت و دیانت سے اُن کے حوالہ کیا۔[4]

۳۔ کیلیانوالہ کے پنڈت گوکل چند مہرہ نے فسادات کے دنوں میں احمدیہ جماعت مدرسہ چٹھہ کے ہاں پناہ لی۔ جماعت نے ان کی اور بعض دیگر مظلومین کی بھی امداد کی۔ نیز ایک اغوا شدہ لڑکی کو برآمد کرایا۔[5]

[1-2] "الفضل" ۲۷ تبوک / ستمبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲۔

[3] بروایت چودھری عزیز اللہ خانصاحب ایڈووکیٹ لوپریوالہ ضلع گوجرانوالہ۔

[4] بروایت حافظ محمد عبد اللہ صاحب پنڈی بھٹیاں۔

[5] بروایت غلام محمد صاحب سکرٹری تبلیغ مدرسہ چٹھہ و چوہدری محمد حیات صاحب۔

ضلع گجرات

۱۔ جماعت احمدیہ گولیکی کی ہمت و جرأت کے نتیجہ میں گولیکی کے ہندو سکھوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ جماعت نے اس قصبہ کے باسٹھ غیر مسلموں کو بیس روز تک اپنے یہاں رکھا اور پھر مع ساز و سامان کے کیمپ میں پہنچایا۔ اسی طرح موضع سنیاروں کے ۱۲ غیر مسلموں کی سرحد تک حفاظت کی[لہ]

۲۔ عبدالصادق صاحب کوٹیاں ضلع گجرات نے ایک ہندو عورت کو حملہ آوروں سے نجات دلائی اور سرحد تک پہنچایا۔

۳۔ ملک عبدالرحیم صاحب (نزیل خانپور بہاولپور) قادیان سے نہایت بے سروسامانی کی حالت میں کنجاہ پہنچے تھے مگر انہوں نے کنجاہ کے گوراندتہ مل کو جبکہ وہ کیمپ میں تین دن سے بھوکا تھا۔ خوراک مہیا کی اور کنجاہ کے رئیس جگن ناتھ کا امانتی مال بھی بلا تامل واپس کر دیا۔

۴۔ جماعت احمدیہ کڑیانوالہ نے گجرات کے لالہ بوٹا مل کی بھاری مدد کی اور اسے ہندو کیمپ تک لے جانے کا انتظام کیا۔[کہ]

ضلع راولپنڈی

۱۔ چوہدری علی احمد صاحب انسپکٹر واچ اینڈ وارڈ راولپنڈی کا بیان ہے کہ فسادات کی وجہ سے ہندوؤں اور سکھوں کا ڈیوٹی پر حاضر ہونا مشکل تھا اس لئے میں نے مسلمان عملہ ڈیوٹی پر مقرر کر کے ان غیر مسلموں کو اپنی ذمہ داری پر رخصت دے دی۔ یہ لوگ پندرہ روز تک میرے مکان میں رہے بعد ازاں انہیں بحفاظت کیمپ تک پہنچا دیا گیا۔

ضلع کیملپور

حوالدار سوندھا خاں صاحب پنشنر پچنند اور صوبیدار محمد خاں صاحب امیر جماعت احمدیہ پچنند نے چکڑالہ کے ۱۸۔۲۰ غیر مسلموں کے قافلہ کو مشتعل ہجوم سے بچا کر پناہ دی۔ علاوہ ازیں پچنند کے ۸۔۹ افراد کو بھی اپنے گھروں میں رکھا اور گاؤں والوں کی سخت مخالفت کے باوجود ان کا بال تک بیکا نہ ہونے دیا۔

ضلع منٹگمری

۱۔ ایک غیر مسلمہ جو زندہ ہی نہر میں پھینک دی گئی تھی۔ دیوان صاحب پاکپٹن کے مریدوں کے

[کہ] بروایت چودھری محمد عالم صاحب کڑیانوالہ۔ [لہ] بروایت چوہدری فتح محمد صاحب امیر جماعت احمدیہ گولیکی و محمد اکبر صاحب سیکرٹری گولیکی۔

ذریعہ سے نہر سے نکالی گئی اور بابو فقیر اللہ صاحب سگنیلر نہر ڈلن ضلع ملتان کے پاس پہنچی جبکہ وہ سر اور پاؤں سے برہنہ تھی۔ بابو صاحب نے اس کو کپڑے پہنائے اور تین دن پناہ میں رکھ کر اور کچھ نقدی دے کر ہندوستان کی طرف روانہ کر دیا۔

۲۔ ہڑپہ ضلع منٹگمری (ساہیوال) کے امیر جماعت مکرم نورالدین صاحب مختلف دیہات کے غیر مسلموں کو بحفاظت بھارت کی سرحد تک لے گئے۔

۳۔ غلام احمد صاحب ڈسپنسر حجرہ ضلع منٹگمری (ساہیوال) کی رپورٹ ہے کہ باوجودیکہ ہندوؤں نے ہمارے ساتھ بُرا سلوک کیا مگر ہم نے ۲۷ غیر مسلموں کو ہسپتال میں رکھا اور محفوظ طور پر کیمپ میں پہنچایا۔ میری اہلیہ اپنے ہاتھ سے ان لوگوں کو کھانا پکا کر دیتی رہی۔

۴۔ چوہدری غلام قادر صاحبؓ امیر جماعت اوکاڑہ نے اپنے ایک بھتیجے کے ساتھ بعض غیر مُسلموں کی حفاظت کی جس پر بعض لوگ ان پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے بلکہ خود ہندو ملٹری نے یہ خیال کر کے کہ وہ حملہ آوروں کی پشت پناہی کرتے ہیں آپ کے بھتیجے کو گولی سے اُڑا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ آخر بڑی مشکل سے اصل حقیقت کھُلی اور یہ معاملہ رفع دفع ہوا۔

۵۔ فتح محمد صاحب ہیڈ ماسٹر مڈل سکول چک ۴/ جی ڈی نے بعض ہندوؤں کو بحفاظت کیمپ میں پہنچایا۔

ضلع ملتان

۱۔ محمد نواب خاں صاحب سیال لودھراں ضلع ملتان نے بستی وریام کملانہ ضلع جھنگ کے ایک ہندو کو قریباً ایک ماہ تک اور رباغ ضلع جھنگ کے ایک سکھ کو قریباً دو ماہ تک پناہ دی۔ راتوں کو پہرہ دیا۔ اور باوجود مخالفت کے ان کی حفاظت اور کھانے پینے کا بندوبست کیا۔

۲۔ ملک حسن خانصاحب پنشنر چھنی تاجہ رہان نے ایک سکھ رسالدار پنشنر کی دو لڑکیوں کو حملہ آوروں سے بچا کر ملتان میں ملٹری پولیس کے سپرد کیا۔ اس کے علاوہ کئی سکھوں کی جان بچائی۔

۳۔ غلام حسین خاں صاحب اسسٹنٹ ریکارڈ کلرک آر۔ ایم۔ ایس ملتان نے ایک ہندو کو مع اس کے اہل و عیال پناہ بھی دی اور مالی امداد بھی کی۔ ایک اور ہندو کو اس کے اکلوتے بچہ سمیت جہاز پر سوار کرایا۔

۴۔ عبدالرحمٰن صاحب چک ۲۶۶ دُنیا پور ضلع ملتان نے دنیا پور کے دو ہندوؤں کو حملہ آوروں سے بچا کر

اپنے پاس رکھا۔ راتوں کو پہرے دیئے اور انہیں فوجی گارد کے ذریعہ ہندو کیمپ تک پہنچایا۔

ضلع ڈیرہ غازیخاں

۱۔ میاں دوست محمد صاحب حجانہ ڈیرہ غازیخاں نے متعدد ہندوؤں کو بچایا۔ آپ نے اغوا شدہ مستورات بھی برآمد کر کے حوالۂ ورثاء کیں۔ ایک ۷۰ سالہ غیر مسلم ڈپٹی انسپکٹر تعلیم کو ڈیرہ غازیخاں سے ملتان پہنچایا۔

۲۔ اللہ بخش صاحب ہمدانی نے موضع ہمدانی کے تمام غیر مسلموں کو دو دن تک اپنے گھر میں رکھا اور کھانا کھلایا۔ ان لوگوں پر بلوائیوں نے حملہ کر کے دو کو شدید زخمی کر دیا تھا۔ ان کی مرہم پٹی کرائی گئی اور ہندو ملٹری کی حفاظت میں ان کو ٹرک پر سوار کرایا گیا۔

ریاست بہاولپور

ریاست بہاولپور کے احمدیوں نے بھی غیر مسلموں کی حفاظت و اعانت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ مثلاً

۱۔ مشرقی پنجاب سے مہاجرین کی آمد پر ریاست میں غیر مسلموں کے خلاف زبردست اشتعال پیدا ہو گیا تھا۔ ان حالات میں ان کے تحفظ کا ہر اقدام گویا اپنے تئیں موت کو دعوت دینا تھا۔ تاہم چک $\frac{141}{9\text{-}R}$ کے باقی احمدیوں نے اس صورتِ حال کے باوجود بعض غیر مسلموں کی حفاظت کی۔ مگر افسوس! مشرقی پنجاب پہنچنے والے بعض ہندوؤں نے اُلٹا ان کے خلاف رپورٹ درج کرا دی کہ ہماری عورتوں کو روکا ہوا ہے حالانکہ احمدی ان کی حفاظت کر رہے تھے۔ انہیں تھانہ میں بُلا کر ڈانٹ پلائی گئی۔ مگر جب مشرقی پنجاب پہنچنے والے غیر مسلموں کے شکریہ کے خطوط دکھائے گئے تو انہیں بَری کر دیا۔ غیر مسلموں کی حفاظت کے دوران ایک دوست مہاجرین کے ہاتھوں شہید بھی کر دیئے گئے لیکن غیر مسلموں کو کوئی گزند نہیں پہنچنے دیا۔[۱]

۲۔ غلام نبی صاحب اہلکار چشتیاں منڈی بہاولپور سٹیٹ نے چشتیاں منڈی کے بعض ہندوؤں کا رات کے وقت پہرہ دیا اور اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر مع ان کی کثیر نقدی کے سرحد پر چھوڑ آئے۔ اسی قصبہ کا ایک ہندو ان کے گھر میں بھی پناہ گزین ہوا جسے انہوں نے کچھ امداد دے کر ہندوستان بھجوا دیا۔

۳۔ بابو محمد بخش صاحب سگنیلر بنگلہ قاضی والہ ریاست بہاولپور چک R ـ ۹ راجباہ نے پانچ ہزار کے ایک غیر مسلم قافلہ کا رات بھر پہرہ دیا۔ صبح کو جب آپ اُسے سرحد تک چھوڑنے جا رہے تھے تو ایک شخص نے حملہ کرنا چاہا جو بعض لوگوں نے روک دیا اور آپ بچ گئے اور قافلہ بھی صحیح سلامت ریاست

---

[۱] بروایت فضل محمد صاحب چک $\frac{141}{9\text{-}R}$ ٭

بیکانیر کی حدود میں داخل ہو گیا۔

۴۔ چک ۸۹ بہاولپور کے سب غیر مسلم ہر طرح محفوظ رہے جو مقامی احمدیوں کے حسن انتظام اور تدبر کا نتیجہ تھا[۱]

صوبہ سرحد

جماعت احمدیہ کی انسانیت پرور مساعی صوبہ پنجاب کے علاوہ صوبہ سرحد میں بھی جاری تھیں مثلاً سعد اللہ خاں صاحب ترنگ زئی ضلع پشاور نے اطلاع دی کہ ترنگ زئی میں سیٹھ فقیر چند کے سوا باقی ہندو سکھ فسادات کی خبر سن کر بھاگ گئے جس پر ہم نے سیٹھ مذکور سے درخواست کی کہ وہ ہم سے کرایہ لے کر انہیں واپس لے آئیں۔ ہم ان کی حفاظت کریں گے۔ اس نے کرایہ تو نہ لیا البتہ سب کو ان کے اہل وعیال سمیت واپس لے آیا۔ چنانچہ ہم نے ایک عرصہ تک انہیں اپنے یہاں پناہ دی۔

موضع سرکی میں ہمارے چچا عادل شاہ نے مہر سنگھ وغیرہ صاحبان کو اپنے گھر میں رکھا۔ اتمان زئی میں بعض غیر مسلموں کو حفاظت کی پیشکش کی گئی جو انہوں نے قبول نہ کی۔ چارسدہ میں ایک ہندو ڈاکٹر مل کی حفاظت کی گئی۔ ترنگ زئی میں ایک ہندو نیوز ایجنٹ کی غلہ سے مدد کی گئی۔ وغیرہ۔

صوبہ بلوچستان

صوبہ بلوچستان میں احمدیوں نے اپنے امام کی آواز پر کس طرح لبیک کہی۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو ان ایام میں ایک احمدی مکرم محمد اقبال صاحب کوئٹہ کی دوکان کو آگ لگا دی گئی تھی اور ۲۰ ہزار روپیہ کا نقصان ہو گیا تھا مگر انہوں نے اس مالی نقصان کی چنداں پروا نہ کی اور اپنے تئیں خطرہ میں ڈال کر بھٹاچاریہ صاحب مینیجر کلکتہ نیشنل بنک کوئٹہ کو تین یوم تک پناہ دی اور حفاظت کے ساتھ ہندوستان کی طرف روانہ کیا۔

---

[۱] بروایت صادق علی صاحب چک ۸۹ بہاولپور ۔

صوبہ سندھ

کراچی میں پنڈت وشنو ناتھ شاستری اور ان کا خاندان تھا جسے مکرم فتح محمد صاحب شرما نے بذریعہ ہوائی جہاز ہندوستان بھجوانے کا بندوبست کیا اور ان کی نقدی اور زیورات بھی بحفاظت پہنچا دیئے

حضرت مُصلح موعُود کی مُخلصانہ اپیل گاندھی جی سے اور اُن کا جواب

بالآخر یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ فسادات کے ایام میں حضرت مصلح موعود نے مسٹر گاندھی سے اپیل کی کہ وہ قیام امن کے لئے کوشش کریں۔ نیز پیشکش کی کہ اگر وہ مظلومین کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوں تو جماعت ان کی پوری پوری اعانت کرنے کا وعدہ کرتی ہے۔

حضور کا مکتوب اور گاندھی جی کے جواب کا متن درج ذیل ہے:۔

"مجھے یقین ہے کہ آپ پر ان اندوہناک واقعات کا اثر ہوگا جو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں رونما ہو رہے ہیں۔ میری اور آپ کی اور ہر رُوحانی شخص کی ڈیوٹی ہے کہ ان ننگ انسانیت واقعات کو روکا جائے۔ یہ کہنا کہ اگر مَیں نے جُرم کیا ہے تو آپ نے بھی تو ایسا کیا ہے درست نہیں اور امن پیدا نہیں کر سکتا۔ سچائی اور انصاف ایک مقدس کام ہے۔ سیاسی آدمی کہہ سکتے ہیں کہ اگر تم ایسا کروگے تو مَیں بھی ایسا ہی کروں گا لیکن اخلاقی اور مذہبی رہنماؤں کا یہ حال نہیں ہو سکتا۔ میری جماعت مغربی پنجاب میں اپنا فرض ادا کر رہی ہے اور ہم اس ظلم کو روکنے کی پوری کوشش کرینگے جس کی ہمیں اطلاع مل جائے۔

مَیں سینکڑوں ایسی مثالیں پیش کر سکتا ہوں جہاں کہ میرے متبعین نے ہندوؤں اور سکھوں کی بے لوث خدمت کی ہے (ضلع گجرات کے ایک آریہ سماجی کا ایک مکتوب بھی اس اپیل کے ساتھ شامل کیا گیا) مَیں درخواست کرتا ہوں کہ (مشرقی) پنجاب میں قتل و غارت کی روک تھام کریں۔ آپ دہلی میں اچھا کام کر رہے ہیں لیکن یہ سیاسی کام ہے۔ دہلی انڈین یونین کا مرکز ہے۔ اور ہر شورش کو وہاں کے غیر ملکی نمائندے دیکھتے ہیں۔ میری رائے میں پنجاب میں چونکہ سینکڑوں گنا زیادہ خون بہا دیا گیا ہے اس لئے توجہ کا محتاج ہے۔

اگر آپ مغربی پنجاب میں آئیں تو میری جماعت آپ کی امداد کرے گی۔ میری ذاتی رائے ہے کہ چونکہ آپ کا ہندوؤں سکھوں پر زیادہ اثر ہے اسلئے اپنا کام مشرقی پنجاب میں ہی شروع کریں اور مغربی

پنجاب میں ہمیں کام کرنے دیں۔ لیکن اگر آپ کے خیال میں پہلے مسلمانوں کو خوش کرنا چاہیئے۔ تب بھی آپ کی مدد کریں گے اور اپنا معاملہ خدا پر چھوڑیں گے۔ اگر ہندوستانی ہوش میں آجائیں تو ہم اپنا کام اچھی طرح کر سکتے ہیں۔ مَیں کسی پر الزام نہیں دیتا۔ جو کچھ ہوا واقعات کی رَو میں ہوا۔ اگر دریاؤں کے راہ بدل سکتے ہیں تو قوموں کا راستہ بھی بدل سکتا ہے۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ اس کے لئے راستہ کھُلا رہنے دیں"

(محررہ ۱۸؍ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

گاندھی جی نے اس محبت بھرے مکتوب کا حسب ذیل جواب دیا:۔

" از برلا ہاؤس نئی دہلی

۴۷-۱۱-۷

مرزا صاحب آپ کا خط ملا۔ آپ کہتے ہیں وہ ٹھیک ہے کہ جو خون خرابی ملک میں چل رہی ہے، مٹنی چاہیئے۔ یہ بھی آپ ٹھیک فرماتے ہیں کہ فرض ادا کرنے میں امن کی بات چھوٹ جاتی ہے۔ جو کام مَیں مغربی پنجاب میں کر سکتا ہوں وہی یہاں کر رہا ہوں۔ اس لئے میرا منتر ہے کرنا یا مرنا۔ اگر کر سکا تب ہی آگے بڑھنے کی بات اُٹھ سکتی ہے۔ یہ تو ہوئی آج کی بات، کل کی خدا ہی جانتا ہے۔

آپ کا م۔ک۔ گاندھی"

تحریک جدید صدر انجمن احمدیہ پاکستان کا قیام اور رجسٹریشن

اگرچہ تحریک جدید کے فنانشل سکرٹری چوہدری برکت علیخان صاحب کی زیر نگرانی تحریک جدید کے چندوں کی وصولی کا ابتداء ہی سے انتظام ہو چکا تھا اور تحریک جدید انجمن احمدیہ کی بنیاد بھی رکھ دی تھی اور ممبران بھی مقرر ہو چکے تھے۔ مگر ضرورت تھی کہ پاکستان میں تحریک جدید کا ادارہ باقاعدہ صورت میں قائم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے حضرت سیدنا المصلح الموعود نے وسط ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور انچارج تحریک جدید کو قادیان سے بلوایا۔[1] انہوں

[1] جناب مولویصاحب موصوف کا بیان ہے کہ "۱۳؍ نومبر ۱۹۴۷ء کو خاکسار کو اطلاع ملی کہ خاکسار قادیان سے فوراً لاہور پہنچے تاکہ تحریک جدید کے دفاتر کو سیٹ کر کے کام شروع ہو۔ چنانچہ میں حضور کے ارشاد پر ان پانچ ٹرکوں کے قافلہ میں لاہور پہنچا جو مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی کوٹھی واقع دارالانوار سے آپ کا سامان لانے کے لئے حکومت پاکستان نے بھجوائے تھے"۔

نے آتے ہی جسونت بلڈنگ کے ایک کمرہ میں دفتر بنا کر کام شروع کر دیا۔

تحریک جدید کے "میمورنڈم اینڈ آرٹیکلز آف ایسوسی ایشن (MEMORANDUM AND ARTICLES OF ASSOCIATION) کے مسودہ کی تشکیل و ترتیب کی خدمت محترم جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ نے انجام دی اور یہ ادارہ ۱۹ر فروری ۱۹۴۸ء کو (سوسائٹی رجسٹریشن ایکٹ کے زیر دفعہ ۲۱ بابت ۱۸۶۰ء) رجسٹر ہو گیا۔ اور ابتداء میں اس کے حسب ذیل ڈائریکٹرز مقرر کئے گئے:۔

۱۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور مولوی فاضل وکیل الدیوان تحریک جدید

۲۔ بہاؤالحق صاحب ایم۔ اے (کامرس اینڈ اکنامکس) وکیل الصنعت تحریک جدید

۳۔ (حضرت) مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔ اے (آکسن) پرنسپل تعلیم الاسلام کالج

۴۔ مولوی عبدالمغنی خاں صاحب بی۔ایس۔سی وکیل التبشیر تحریک جدید

۵۔ خان بہادر نواب چودھری محمد دین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر

۶۔ شیخ بشیر احمد صاحب بی۔ اے (آنرز) ایل۔ ایل۔ بی ایڈووکیٹ لاہور

۷۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس مولوی فاضل

۸۔ چودھری برکت علی خاں صاحب وکیل المال تحریک جدید

۹۔ خواجہ عبدالکریم صاحب بی ایس سی کمرشل سکرٹری تحریک جدید[1]

فصل ہشتم

مرکز پاکستان کیلئے زمین خریدنے کی کامیاب کوشش

مرکز پاکستان کیلئے موزوں جگہ کی تلاش

پاکستان میں نئے مرکز کے قیام کا اولین مرحلہ یہ تھا کہ کسی موزوں جگہ کی تلاش کی جائے۔ یہ کام خدا کی مشیّت ازلی میں چودھری عزیز احمد صاحب باجوہ کے لئے مقدر تھا جو ان دنوں سرگودھا میں سیشن جج کے عہدہ پر فائز تھے۔ حضرت

---

[1] بعد ۲ر جون ۱۹۴۸ء کو ڈائریکٹر مقرر کئے گئے۔

مصلح موعود نے انہیں بذریعہ تار لاہور بلوایا اور اس بارہ میں مشورہ طلب فرمایا۔[1]

چوہدری موصوف نے ۲۵ ؍ تبوک / ستمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو مندرجہ ذیل یادداشت لکھی جو اسی روز حضرت سیّدنا المصلح الموعود کی خدمت میں رتن باغ کی روزانہ مجلس کے دوران سُنائی گئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلّی علٰے رسولہ الکریم

وعلٰی عبدہ المسیح الموعود

۱۔ مقصد اوّل۔ احمدیہ جماعت کے لئے ضلع شیخوپورہ میں ننکانہ صاحب کے نزدیک ۱۰۰ مربعہ کے قریب زمین حاصل کی جاوے تاکہ وہاں ایک قصبہ بسایا جاوے۔

۲۔ تجاویز ابتدائی

(الف) ضلع شیخوپورہ کا نقشہ دیہہ وار حاصل کیا جاوے

(ب) احمدی احباب جن کو اس علاقہ کی واقفیت ہے ان سے معلومات حاصل کی جاویں، اور مشورہ کیا جاوے۔

(ج) موقعہ کا ملاحظہ کیا جاوے

(د) اخبارات کی سابقہ فائیلوں کو دیکھا جاوے اور معلوم کیا جاوے کہ اس علاقہ کے ہندو سکھوں میں کون اپنی اراضی فروخت یا تبادلہ کرنا چاہتا ہے

(ڈ) اخبار میں اشتہار دیا جاوے کہ کون اپنی اراضی واقع شیخوپورہ بذریعہ تبادلہ مابین دینا چاہتا ہے۔

(س) افسران متعلقہ سے گفتگو کی جاوے کہ وہ اس معاملہ میں ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں۔

دریافت طلب امور:۔

۱۔ اشتہار اخبار میں کس پتہ و نام پہ دیا جاوے اور کس کس اخبار میں دیا جاوے۔

---

[1] جناب قریشی عبد الرشید صاحب ایڈووکیٹ لاہور سابق سیکرٹری کمیٹی آبادی کا بیان ہے کہ "کئی مقامات تجویز ہوئے اور زیر غور آئے۔ ننکانہ صاحب کے بارے میں بھی ایک وقت کافی غور ہوا۔ ماڈل ٹاؤن کی دبے لفظوں میں حکومت کی طرف سے پیش کش ہوئی۔ مگر شہر کی مسموم فضا کے پیش نظر حضور کو یہ جگہ پسند نہ تھی حضور نے فرمایا کہ ایک خواب کی وجہ سے میرا ذہن سندھ کی طرف جاتا ہے۔۔۔ مگر۔۔۔ جماعتی تنظیم کے لحاظ سے پنجاب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی پنجاب میں ہی مبعوث ہوئے۔ اگر پنجاب کو چھوڑ دیا گیا تو پھر پنجاب کو پہلے جیسی پوزیشن کبھی حاصل نہ ہوگی۔ اور بھی کئی مقامات تجویز ہوئے۔ بالآخر چوہدری عزیز احمد صاحب سیشن جج سرگودھا کی تجویز پر چک ڈھگیاں کی اراضی جہاں اب ربوہ تعمیر ہوا ہے، مرکز نو کے لئے منظور کی گئی" (غیر مطبوعہ)

۲۔ خط و کتابت کس کے نام سے کی جاوے؟
۳۔ کارروائی کے متعلق رپورٹ کس افسر انجمن کو کی جاوے؟

مقصد دوم

۱۔ کوٹھی حضور واقع ڈلہوزی کا تبادلہ کسی کوٹھی واقع لاہور سے کیا جاوے
۲۔ سوال۔ کیا یہ فیصلہ شدہ تجویز ہے کہ جدید مرکز شیخوپورہ کے نواح میں بنایا جاوے۔ اگر یہ فیصلہ شدہ آخری حکم نہ ہو تو مندرجہ ذیل امور پر غور کیا جاوے۔

۱۔ ضلع شیخوپورہ کی آب و ہوا گرم مرطوب اور وسطی پنجاب کے تمام اضلاع سے ناقص اور ملیریل ہے۔ جائے وقوع بھی خراب ہے۔
۲۔ ننکانہ صاحب کے نزدیک بلکہ اس سارے علاقہ میں احمدیوں کی تعداد بہت کم ہے اور لوگوں میں احمدیت قبول کرنے کا زیادہ مادہ نہیں ہے۔
۳۔ سکھوں پر اس کا اچھا اثر نہیں پڑے گا بلکہ وہ اس کو غلط نظریہ سے دیکھیں گے
۴۔ غالباً سکھ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کو ننکانہ صاحب بہرحال خالی کرنا پڑے گا۔
۵۔ اگر کبھی غیر احمدیوں کی طرف سے ننکانہ صاحب پر حملہ ہوا تو سکھ اس کو مسلمانوں کی طرف سے تصور کریں گے اور تجربہ بتلاتا ہے کہ وہ احمدیوں غیر احمدیوں میں تمیز نہیں کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ غیر احمدیوں کے غلط رویہ کی سزا احمدیوں کو ملے گی۔
۶۔ سکھوں کے مرکز کی حفاظت اپنے ذمہ لینا دوسرے مسلمانوں سے بیر مول لینے کے مترادف ہوگا
۷۔ اگر شیخوپورہ میں مرکز قائم کرنے کا یہ مقصد ہے کہ سکھوں کو واضح رہے کہ اگر انہوں نے قادیان پر قبضہ کیا تو ہم ننکانہ پر قبضہ کرلیں گے تو یہ دیگر ذرائع سے بھی ظاہر کیا جاسکتا ہے۔
۸۔ سکھوں میں کمیونزم پھیل رہا ہے اور وہ ننکانہ صاحب کو مقام مقدس خیال نہیں کرتے بلکہ محض سیاسی فائدہ کے لئے اس کو استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

کیا مندرجہ ذیل مقامات مرکز کے لئے زیادہ موزوں نہ رہیں گے؟
۱۔ سیالکوٹ شہر۔ اس جگہ یہ نقص ہے کہ غیر احمدیوں کی کثرت ہو گی اور غالباً جگہ حاصل کرنے کے لئے زیادہ قیمت لگے گی۔

۲۔پسرور۔ یہ جگہ اُونچی جگہ پر واقع ہے۔ہندوؤں کے گھر موزوں جگہ پر واقع ہیں۔ مگر بہرحال غیر احمدی بڑی تعداد میں ہوں گے۔

۳۔کلاسوالہ۔ یہ قصبہ پسرور سے ۴ میل کے فاصلہ پر ہے۔سکھ اس کو خالی کر رہے ہیں۔ تجارت کا مرکز ہے۔

۴۔چوہڑ منڈہ۔یہ ہندوؤں کا گاؤں تھا۔یہاں کافی پختہ مکانات ہیں۔تھوڑا خرچ کرنے پر یہ قلعہ کی صورت اختیار کر لے گا۔

۵۔ کوئی اور موزوں جگہ سیالکوٹ ضلع میں

نوٹ:۔چوہڑ منڈہ ۔ کلاسوالہ اس علاقہ میں واقع ہیں جہاں ارد گرد کافی احمدی آباد ہیں۔سکھوں کے دیہات خالی پڑے ہیں۔ضلع سیالکوٹ میں مرکز بنانے کا یہ فائدہ ہوگا کہ وہ گورداسپور کے نزدیک ہے اور وہاں کثرت سے احمدی ہیں اور زمینداروں میں احمدیت بڑی مقبول ہے۔ مرکز اگر اس جگہ ہوگا تو حفاظت اچھے طریقہ سے ہو سکتی ہے۔

۶۔چناب کے کنارے پر جہاں سے وہ پہاڑوں سے نکلتا ہے

۷۔ راوی کے کنارے پر جہاں سے وہ شکر گڑھ تحصیل میں داخل ہوتا ہے۔

۸۔ کہوٹہ۔ضلع راولپنڈی میں حفاظت کے لئے یہ موزوں ترین جگہ ہے۔

۹۔چنیوٹ کے بالمقابل دریائے چناب کے پار۔اس جگہ خیال ہے کہ کافی رقبہ گورنمنٹ سے مل سکیگا۔یہ جگہ ہر طرح سے موزوں ہے سوائے اس کے کہ احمدی ارد گرد کم ہیں۔

۱۰۔ ایک تجویز کہ جو دیہات سکھوں اور ہندوؤں نے راوی کے کنارے اور کشمیر کی سرحد کے نزدیک خالی کئے ہیں اُن میں احمدی بسائے جائیں

عزیز احمد

۲۵ $\frac{۹}{۴۷}$ "

حضرت اقدس نے مندرجہ بالا یادداشت سننے کے بعد چوہدری عزیز احمد صاحب کو ارشاد فرمایا کہ آپ فوراً علاقہ شیخوپورہ میں جا کر اراضیات وغیرہ دیکھ آئیں۔ ان دنوں شیخوپورہ کی طرف ٹرین دوسرے دن جاتی تھی اور لاریاں بند تھیں۔اس لئے آپ نے صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے ذریعہ

جیپ کے حصول کی کوشش کی مگر اس میں کامیابی نہ ہو سکی۔ اسی دوران میں ان کی اپنے چچازاد بھائی کرنل عطاء اللہ صاحب باجوہ سے نواب محمد دین صاحب کی کوٹھی پر ملاقات ہوئی۔ چودھری عزیز احمد صاحب اور نواب صاحب کی تحریک پر چودھری عطاء اللہ صاحب نے بخوشی اپنی جیپ پیش کر دی۔ اور اُن کو لے کر پہلے تو شیخوپورہ اور جڑانوالہ میں مختلف اراضی کا جائزہ لیا بعد ازاں چنیوٹ کی طرف سے دریائے چناب کو پار کر کے جب اُس سرزمین پر پہنچے جہاں اب ربوہ آباد ہے تو انہوں نے اس خطہ کو مرکز کے لئے سب سے زیادہ موزوں قرار دیا۔ کرنل عطاء اللہ صاحب باجوہ نے ۲۴ر صلح / جنوری ۱۳۲۹ ہش / ۱۹۵۰ء کو حضرت مصلح موعود کی خدمت میں اس سفر کی تفصیل میں لکھا کہ

"میرے چچازاد بھائی چودھری عزیز احمد صاحب مرکز کی تلاش میں گئے ہوئے تھے تو میں اُن کے ساتھ تھا اور وہ قصہ اس طرح سے ہے کہ میں لائل پور سے اوکاڑہ تین دن کی چھٹی جا رہا تھا اور جب میں لاہور سے گذرا تو مجھے بھائی عزیز احمد صاحب نواب صاحب مرحوم کی کوٹھی پر ملے اور انہوں نے اور نواب صاحب نے فرمایا کہ کیونکہ میرے پاس جیپ ہے اور ٹرانسپورٹ وغیرہ ملتی نہیں اس واسطے میں ان کے ساتھ جاؤں۔ اس کے بعد میں اوکاڑہ اور منٹگمری گیا کیونکہ وہاں کام تھا اور اگلے دن رات کو نو دس بجے کے قریب بھائی محمد شریف صاحب کو لے کر واپس ۱۲ بجے رات کے قریب لاہور پہنچا۔ اور اگلے دن بھائی عزیز احمد صاحب کے ساتھ سرگودھا کی طرف چل پڑے۔ ایک صاحب جن کو حضور نے ہی اس کام کے واسطے چھانٹا تھا وہ بھی ساتھ تھے۔ ہم لوگ شیخوپورہ اور جڑانوالہ کے قریب رقبہ دیکھتے رہے اور پھر اس کے بعد سرگودھا کی طرف کو چل دیئے اور جب چنیوٹ پہنچے اور دریائے چناب نظر آیا تو میں نے بھائی صاحب کو کہا کہ ہمارا مرکز اس دریا کے پار ہونا چاہیئے۔ . . . پھر ہم لوگوں نے دریا کے شمالی کنارے کے ساتھ نماز پڑھی اور پھر آگے چل دیئے اور جس جگہ سے سڑک پہاڑ کو عبور کرتی ہے اور کھلا میدان آجاتا ہے (جس جگہ پر اب ربوہ ہے) وہاں پہنچے تو بھائی صاحب اور ہم دونوں نے فوراً یہی کہا کہ یہ جگہ ہے جہاں ہمارا مرکز بننا چاہیئے۔ یہ قطعہ زمین دیکھنے کے بعد چودھری عزیز احمد صاحب نے حضرت امیر المومنین سیدنا المصلح الموعود کی خدمت میں اپنی رائے پیش کر دی۔

راجہ علی محمد صاحب کا بیان ہے کہ

"جیساکہ اس وقت مختلف احباب نے اطلاع بہم پہنچائی یا مشورہ دیا۔ زمین کے کئی قطعات حضور کے زیر نظر تھے۔ ان میں ایک سرزمین ربوہ اور دوسرا کڑانہ کی پہاڑیوں کے دامن میں یہ دونو سرگودھا کی سڑک پر تھے۔ اس ربوہ والے قطعہ کے متعلق ایک موقعہ پر مَیں نے یہ عرض کیا کہ یہ رقبہ میرا بھی دیکھا ہوا ہے۔ ضلع جھنگ کے گذشتہ بندوبست میں مَیں تحصیل چنیوٹ کا تحصیلدار بندوبست تھا اور اس رقبہ سے کئی دفعہ میرا گذر ہوا تھا۔ مَیں نے عرض کیا کہ یہ قطعہ زمین زراعت کے ناقابل بالکل کلّر تھور ہے جہاں صرف ایک بوٹی "لانی" کے جو اونٹوں کا چارہ ہے اور جو خود زمین کے ناقابل زراعت ہونے کا ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی قسم کی سبزی، درخت وغیرہ کا وہاں نشان تک نہیں۔ بعض سرمایہ داروں نے لمبی میعاد کے پٹہ پر گورنمنٹ سے یہ زمین لے کر اس کو آباد کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے"[1][2]

حضرت سیدنا المُصلح الموعُود کا سفر نئے مرکز کی مجوّزہ زمین ملاحظہ فرمانے کیلئے

اس مایوس کن رپورٹ کے باوجود خدا تعالیٰ کے مقدس اولوالعزم خلیفہ موعود نے یہ قطعہ زمین خود ملاحظہ فرمانے کا مصمم فیصلہ کر لیا۔

چنانچہ حضور پُرنور نے خاص اس مقصد کے لئے ۱۸ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء[3] کو مندرجہ ذیل خدام کے

---

[1] مشہور روایت ہے کہ ایک کروڑپتی ہندو بہادر چند نامی نے اس زمین کو قابل زراعت بنانے کے لئے ہزارہا روپیہ خرچ کر ڈالا مگر اسے ناکامی ہوئی اور وہ اس صدمہ ہی سے چل بسا۔ بہادر چند کی کھدوائی ہوئی نہر کے آثار اب بھی موجود ہیں۔

[2] "الفضل" ۷ احسان / جون ۱۳۴۳ ہش / ۱۹۶۴ء صفحہ ۲۔

[3] اس تاریخ کی تعیین مکرم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر امیر جماعت احمدیہ لائل پور کے مندرجہ ذیل نوٹ سے ہوتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:-

"۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد خاکسار رتن باغ لاہور میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جہانتک مجھے یاد ہے یہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۷ء کا واقعہ ہے حضور نے مجھ سے فرمایا:-

"کل مَیں وہ جگہ دیکھ کر آیا ہوں جو پہاڑیوں کے درمیان ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے رویاء میں دکھائی تھی" اثنائے گفتگو میں حضور نے پسند فرمایا کہ خاکسار لائل پور میں اپنا کام شروع کرے اور فرمایا کہ وہ جگہ لائل پور سے قریب ہے آپ ہم سے قریب ہوں گے۔ یہ تلطّف اور یہ تعہد۔ آہ! آہ!

("الفضل ۱۸ جنوری/صلح ۱۹۶۹ء (۱۳۴۸ ہش))

ساتھ سفر سرگودھا اختیار فرمایا:۔

۱۔ قمرالانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ۲۔ حضرت نواب محمد دین صاحب

۳۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد ۴۔ چوہدری اسداللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء

۵۔ راجہ علی محمد صاحب افسر مال ۶۔ شیخ محمد دین صاحب دفتر جائیداد صدر انجمن احمدیہ

راجہ علی محمد صاحب فرماتے ہیں کہ

"رتن باغ لاہور سے صبح سویرے روانہ ہو کر تقریباً دس بجے یہ قافلہ ربوہ میں جہاں ربوہ میں اب بسوں کا اڈہ ہے وہاں پہنچا۔ وہاں حضور نے اپنی کار سے نکل کر سڑک پر کھڑے کھڑے رقبہ کا جائزہ لیا۔ بالخصوص سڑک پختہ ریلوے لائن کے درمیان اس رقبہ کے واقع ہونے کا اور اس طرح اس کی جائے وقوع پر غور فرمایا۔ پھر حضور نے سڑک کے متوازی سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پہاڑی کے پیچھے زمین کی سطح کو دیکھنے کا خیال کیا اور پہاڑی پر چڑھنا شروع کیا لیکن اس کی نصف بلندی تک پہنچ کر فرمایا کہ میں کمزوری محسوس کرتا ہوں اور اُوپر نہیں جا سکتا۔ اور نیچے اُتر آئے مگر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور مکرم و محترم مولوی عبدالرحیم صاحب درد رضی اللہ عنہما جو حضور کے ساتھ اُوپر چڑھ رہے تھے چوٹی پر پہنچے اور آکر پہاڑی کے پیچھے جو زمین کی صورت تھی۔ اس کا حضور سے ذکر کیا۔ بعد ازاں سڑک پر تھوڑی دور سرگودھا کی طرف سے آگے چل کر سڑک پر پانی پینے کے ہینڈ پمپ سے خود چُلّو میں پانی لے کر چکھا اور فرمایا کہ پانی تو خاصا اچھا ہے۔ وہاں سے روانہ ہو کر احمد نگر کے بالمقابل سڑک پر اپنی موٹر سے نکل کر نزدیک ہی ایک کنوئیں کے قریب درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے اور تمام ہمراہی احباب کے حلقہ میں احمد نگر کے چند غیر احمدی معززین سے جو وہاں آ گئے تھے مخاطب ہوئے بالخصوص وہاں کے نمبردار چوہدری کرم علی صاحب سے (جو فوت ہو چکے ہیں) دریافت فرمایا کہ دریائے چناب میں سیلاب کے پانی کی زد کی حد کہاں تک ہے۔ نمبردار نے عرض کیا کہ سیلاب کا پانی تو یہاں تک بھی پہنچ جاتا ہے۔ پھر دریافت فرمایا کہ آیا وہ رقبہ جہاں اب ربوہ آباد ہے سیلاب کی زد میں ہے۔ اس پر نمبردار مذکور نے کہا کہ وہاں تو پانی صرف ایسی صورت میں پہنچے گا کہ جب سیلاب کے پانی کی بلندی اس درخت کی جس کے نیچے حضور کھڑے

تھے جھکی ہوئی شاخوں کو چھوئے گی۔ ان لوگوں کی تالیف قلوب کے لئے تھوڑی دیر اور وہاں گفتگو فرمائی اور پھر سرگودھا کی طرف سفر شروع کیا۔ موٹر میں بیٹھے کرانہ پہاڑیوں کے دامن میں جو کھلا میدان ہے اس کا جائزہ لیا۔ سرگودھا پہنچ کر محترم چوہدری عزیز احمد صاحب سب جج کی کوٹھی پر جو اُن دنوں وہاں تعینات تھے دوپہر کا کھانا تمام ہمراہی احباب سمیت تناول فرمایا۔ یہ کھانا حضرت نواب چوہدری محمد دین صاحب پکوا کر اپنے ہمراہ موٹر میں لے گئے تھے اس کے بعد نماز ظہر و عصر جمع کر کے پڑھائیں اور بعد نماز جلدی لاہور کو روانہ ہو کر قریباً شام کے وقت واپس لاہور پہنچ گئے" [۱]

حضرت سیدنا المصلح الموعود کی زبانِ مبارک سے اس تاریخی سفر کے حالات

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے ۸ ارتبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو اپنی زبان مبارک سے اس تاریخی سفر کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:۔

"ہم سات آٹھ مہینے سے کوشش کر رہے تھے کہ ایک جگہ لی جائے جہاں قادیان کی اُجڑی ہوئی آبادی کو بسایا جائے۔ یہ تجویز ستمبر ۴۷ء میں ہی کر لی گئی تھی اور اس خواب کی بناء پر جو مَیں نے ۱۹۴۱ء میں دیکھی تھی کہ مَیں ایک جگہ کی تلاش میں ہوں جہاں جماعت کو پھر جمع کیا جائے اور منظم کیا جائے۔ ہم نے یہاں پہنچتے ہی ضلع شیخوپورہ میں کوشش کی۔ پہلے ہماری یہ تجویز تھی کہ ننکانہ صاحب کے پاس کوئی جگہ لے لی جائے تا سکھوں کو یہ احساس رہے کہ اگر انہوں نے قادیان پر جو احمدیوں کا مرکز ہے حملہ کیا تو احمدی بھی ننکانہ صاحب پر حملہ کر سکتے ہیں۔ اس خیال کے ماتحت مَیں نے قادیان سے آتے ہی آٹھ نو دن کے بعد بعض دوستوں کو ہدایات دے کر ضلع شیخوپورہ بھجوا دیا تھا۔ وہاں ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی زمینوں کے متعلق ان کے ایجنٹوں سے بات چیت بھی کر لی گئی تھی اور بعض لوگ زمین دینے پر رضامند بھی ہو گئے تھے۔ لیکن جب اس کا گورنمنٹ کے افسران سے ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا۔ گورنمنٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ غیر مسلموں کی چھوڑی ہوئی جائداد فروخت نہ کی جائے۔ ہم نے انہیں کہا ہم بھی ریفیوجی ہیں اس لئے کسی غیر کے پاس زمین فروخت

[۱] "الفضل" ۷ راحسان/جون ۱۳۴۳ہش/۱۹۶۴ء صفحہ ۵ ؎

کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر انہوں نے جواب دیا کہ چونکہ ایسا کرنے میں غلط فہمی ہو سکتی ہے اس لئے یہ زمین قیمتاً نہیں دی جا سکتی۔ اسی دوران میں بعض احمدیوں[۱] نے یہ خیال ظاہر کیا کہ سکھوں میں ایک طبقہ حد سے زیادہ جوش والا ہے اس لئے بجائے اس کے کہ اس تجویز سے فائدہ ہو ایسے لوگ زیادہ شرارت پر آمادہ ہو جائیں۔ ایک دوست نے یہ بھی کہا۔ آپ نے خواب میں جو جگہ دیکھی تھی وہ جگہ تو پہاڑیوں کے بیچ میں تھی اور یہ جگہ پہاڑیوں کے بیچ میں نہیں ہے[۲] مَیں نے ایک جگہ دیکھی ہے جو آپ کے خواب کے زیادہ مطابق ہے۔ چنانچہ پارٹی تیار کی گئی اور میں بھی اس کے ساتھ موٹر میں سوار ہو کر گیا۔ وہ جگہ دیکھی واقعہ میں وہ جگہ ایسی ہی تھی۔ صرف فرق یہ تھا کہ مَیں نے خواب میں جو جگہ دیکھی تھی اس میں سبزہ تھا اور یہاں سبزہ کی ایک پتی بھی نہ تھی۔ یہ جگہ اونچی ہے اور نہر کا پانی اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ مَیں نے ایک گاؤں کے زمیندار سے پوچھا کہ آیا کسی وقت سیلاب کا پانی اس جگہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس نے کہا۔ نہیں اور ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جس کے نیچے ہم کھڑے تھے کہا کہ اگر پانی اس درخت کی چوٹی تک پہنچ جائے تب اس جگہ تک پانی پہنچ سکتا ہے۔ اب حال میں جو سیلاب آیا ہے اس کا پانی بھی اس جگہ سے نیچے ہی رہا ہے اور اس جگہ تک نہیں پہنچ سکا۔ لیکن ہم نے سمجھا کہ اگر کوشش کی جائے تو شاید یہاں بھی سبزہ ہو سکتا ہے۔"[۳]

ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع جھنگ کے نام خرید اراضی کیلئے درخواست

یہ جگہ (ایک خفیف سے فرق کے ساتھ) چونکہ حضور کی پانچ سال قبل کی خواب سے بالکل ملتی جلتی تھی اس لئے حضور کی ہدایت پر ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی طرف سے ڈپٹی کمشنر

---

[۱] یہ رائے سید ظہور احمد شاہ صاحب (انڈین ڈیری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بنگلور سابق مبلغ نجی) کی تھی جس کا اظہار انہوں نے اپنے مکتوب (محررہ ۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء) میں کیا۔ حضرت اقدسؓ نے اس خط کے جواب میں فرمایا "ننکانہ کا خیال چھوڑ دیا ہے اس خیال سے جو آپ نے لکھا ہے" اس خط پر دفتر پرائیویٹ سیکرٹری رتن باغ لاہور کی طرف سے روانگی کی تاریخ ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء درج ہے۔

[۲] حضرت المصلح الموعود نے یہ خواب ۱۲ فتح/دسمبر ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء کے خطبہ جمعہ (مطبوعہ "الفضل" ۲۱ فتح/دسمبر ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء) میں بیان فرمائی تھی جس کی تفصیل "تاریخ احمدیت" جلد نہم (صفحہ ۲۷۳ تا ۲۷۶) میں گذر چکی ہے۔

[۳] "الفضل" ۲۸ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵۔

صاحب جھنگ کی خدمت میں انگریزی میں ایک درخواست[۱] دی گئی جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:۔

"رتن باغ ۔ لاہور

۱۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء

محترم جناب ڈپٹی کمشنر صاحب

ضلع جھنگ

جناب عالی!

قادیان (مشرقی پنجاب) کا قصبہ جماعت احمدیہ کا مرکز ہے اور اس لحاظ سے بےحد اہمیت رکھتا ہے کہ اس کی شاخیں تقریباً تمام دُنیا میں قائم ہیں۔ جماعت احمدیہ کی نیّت یہی تھی کہ باوجود ملک کی تقسیم کے قادیان ہی جماعت کا مرکز رہے۔ لیکن سکھوں کے متواتر حملے اور ان حملوں میں ہندوستانی فوج اور پولیس کی امداد کی وجہ سے قادیان کے اکثر باشندوں کو بالجبر اور بالاکراہ اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ ادھر ہندوستانی فوج کے احکامات کے تحت جماعت احمدیہ کے ڈگری کالج، ہائی سکول اور جامعہ احمدیہ کی عمارات کو خالی کرایا گیا۔ ڈگری کالج کی عمارت کو سکھ نیشنل کالج کی تحویل میں دے دیا گیا اور نُور ہسپتال کی عمارت کو بھی بالجبر خالی کرایا گیا۔ ان اقدامات کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً دس ہزار سے زائد آبادی کو اپنے آبائی گھروں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ قادیان کی یہ آبادی ان ہزارہا باشندوں کے علاوہ تھی جو مقامی حکومت کے مظالم سے تنگ آکر ترکِ وطن پر مجبور ہوئے تھے۔

جناب! قادیان کے یہ ہزاروں باشندے اپنا تمام اثاثہ اور گھر بار چھوڑ کر پاکستان میں ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ ان میں تمام پیشوں سے تعلق رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ اہلِ علم بھی ہیں، انجنیئر بھی اور تاجر اور مزدور طبقہ کے علاوہ اہلِ فن اور حرفت و صنعت کے ماہر بھی۔ آج جماعت کو ضرورت ہے کہ انہیں آباد کرنے کے لئے ایک ایسا خطہ حاصل کیا جاوے جہاں پہلے تو ابتدائی رہائش گاہیں تعمیر ہوں اور پھر انہیں پختہ رہائش گاہوں میں تبدیل کر کے ایک قصبہ کی شکل دے دی جائے۔

---

[۱] یہ درخواست ۱۷ اکتوبر کو یعنی ایک دن پہلے ہی ٹائپ کرائی گئی تھی۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ دریائے چناب کے نزدیک چنیوٹ سرگودھا سڑک پر ''چک ڈھگیاں'' کے نام سے ایک قطعہ اراضی موجود ہے جس کا رقبہ ۱۵۰۶ ایکڑ ہے۔اس میں سے ۴۷۲ ایکڑ کا رقبہ تو ''غیر ممکن'' کہلاتا ہے یعنی اس میں آبادی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں ریلوے لائن، بڑی سڑک اور پہاڑیوں کے علاقے شامل ہیں۔ بقیہ رقبہ ۱۰۳۴ ایکڑ بھی اس قسم کا ہے کہ وہ زراعت کے ناقابل ہے البتہ اس میں مکانات وغیرہ تعمیر ہو سکتے ہیں۔ یہ زمین اب تک کسی فرد کی زیر ملکیّت نہیں۔اور نہ ہی کبھی یہ زرعی علاقہ سمجھا گیا ہے۔

ہماری درخواست یہ ہے کہ یہ قطعہ اراضی صدر انجمن احمدیہ کو دے دیا جاوے۔ ہو سکتا ہے کہ اس خطّے کے ملحقہ علاقے کو بھی بعد میں حاصل کر لیا جاوے مگر اس کے لئے پھر درخواست پیش کی جاوے گی۔ فی الحال ہمیں اپنے وسیع نظام کو مرکوز کرنے کے لئے اور اپنے دفاتر اور انجمن کی متعدد شاخوں کو یکجائی طور پر ایک مرکز سے منسلک کرنے کے لئے ایک ایسے خطے کی ضرورت ہے جسے مرکزی حیثیت حاصل ہو۔

خاکسار آپ کا خادم

(دستخط) محمد عبداللہ خاں

ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ پاکستان

منشی محمد دین صاحب نے یہ درخواست اسی روز (۱۸/اخاء/اکتوبر) کو بنگلہ لالیاں میں ڈپٹی کمشنر صاحب جھنگ (چوہدری مشتاق احمد صاحب چیمہ) کی خدمت میں پیش کر دی۔ چنانچہ وہ تیسرے روز ایک جیپ پر سپرنٹنڈنٹ پولیس صاحب اور شیخ محمد دین صاحب کے ساتھ اراضی دیکھنے کے لئے تشریف لائے اور تحصیلدار صاحب کو موقعہ کا نقشہ شامل کر کے رپورٹ کرنے کا حکم دیا۔ آخر کاغذات مکمل ہو کر ڈپٹی کمشنر صاحب کی خدمت میں پہنچے جو انہوں نے سفارش کے ساتھ کمشنر صاحب کو بھجوا دیئے جہاں سے فنانشل کمشنر (جناب اختر حسین صاحب) کی خدمت میں بغرض منظوری پہنچے۔ ریونیو منسٹر نے بعض اعتراضات کے ساتھ یہ سب کاغذات واپس کر دیئے۔ ازاں بعد جوابات کی تکمیل پر یہ کیس دوبارہ ریونیو منسٹر کے دفتر میں پہنچا اور بالآخر ایک طویل کشمکش کے بعد ۱۱/ماہ احسان/جون ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو حکومت پنجاب سے حسب ذیل الفاظ میں زمین دیئے جانے کی منظوری ملی۔

"The Proposed sale against a price of Rs. 10/- per acre was approved in principle. It was however directed that the town planners should examire the entire building plans of the purchaser particularly with a view to see that plenty of room is left for the widening of through road."

ترجمہ:- دس روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے مجوزہ فروخت اصولی طور پر منظور کی گئی۔ تاہم یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ ٹاؤن پلیز کو چاہیئے کہ خریدار کے تمام تعمیری (عمارتی) منصوبہ کا اچھی طرح ملاحظہ کریں خصوصاً اس نظریہ کے تحت کہ سڑکوں کو کشادہ رکھنے کے لئے کافی جگہ چھوڑی گئی ہے۔

حکومت پنجاب کے اس فیصلہ کی باقاعدہ اطلاع اے.جی رضا ڈپٹی سیکرٹری ڈویلپمنٹ کی طرف سے بتاریخ ۲۲/جون ۱۹۴۸ء کمشنر صاحب ملتان کو بھجوائی گئی جہاں سے ڈپٹی کمشنر کو اطلاع پہنچی۔ سیّدنا المصلح الموعود اس کام میں ایک ایک منٹ کی دیر کو خطرناک سمجھتے تھے اور دراصل یہ آپ ہی کی خصوصی توجہ اور دُعا کا نتیجہ تھا کہ یہ کوششیں بارآور ہوئیں ورنہ حالات قدم قدم پر سخت مخدوش تھے۔ حضور کے بعد اس مقصد کی تکمیل میں جس بزرگ نے کمال سرفروشانہ جدوجہد کی وہ حضرت نواب محمد دین صاحب تھے۔ جنہیں خود حضرت سیّدنا المصلح الموعود نے یہ کام سونپا تھا۔ آپ کے علاوہ حضرت مرزا عزیز احمد صاحب، حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب دردؔ، راجہ علی محمد صاحب سابق افسر مال، ملک عمر علی صاحب کھوکھر رئیس ملتان، شیخ محمد دین صاحب مختار عام اور عبدالغنی صاحب ہیڈ کلرک بندوبست جھنگ (سابق امیر جماعت مگھیانہ) کی مساعی جمیلہ کا بھی نمایاں عمل دخل رہا۔

خرید اراضی کیلئے دفتری کارروائی کی تفصیلات سیّدنا المصلح الموعود کے الفاظ میں

اراضی مرکز کی خرید کے لئے کیا کیا دفتری کارروائی کی گئی؟ اُس کی تفصیلات حضرت سیّدنا المصلح الموعود نے ۱۰/تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء کو حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمائی:-

"ہم نے گورنمنٹ سے اس کے خریدنے کی درخواست کی اور اس سے کہا کہ آخر آپ نے ہمیں کوئی جگہ دینی ہی ہے اور کہیں بسانا ہی ہے۔ اگر یہ جگہ ہمیں مل جائے تو جتنے احمدی یہاں بس جائیں گے ان کا بوجھ گورنمنٹ پر نہیں پڑے گا۔ قادیان کے باشندوں کو اگر کسی اور جگہ آباد کیا جائے تو انہیں بنی بنائی جگہیں دی جائیں گی۔ لیکن اگر وہ یہاں بس جائیں تو کروڑوں کی جائیداد بچ جائے گی جو دوسرے مہاجرین کو دی جاسکتی ہے۔ قادیان میں دو ہزار سے زائد مکانات تھے جن میں بعض پچاس پچاس ہزار کے تھے اور بعض لاکھ دو لاکھ کے تھے۔ لیکن اگر پانچ ہزار روپے فی مکان بھی قیمت لگائی جائے تو ایک کروڑ کے مکانات قادیان میں تھے اور یہ قیمت صرف مکانوں کی ہے، زمین (کی قیمت) اس سے الگ ہے۔ زمین کی قیمت اس وقت دس ہزار روپے فی کنال تک پہنچ گئی تھی اور پانچ سو ایکڑ کے قریب زمین مکانوں کے نیچے تھی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ چالیس ہزار کنال زمین پر مکانات بنے ہوئے تھے۔ اگر پانچ ہزار روپے فی کنال بھی قیمت لگا دی جائے تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ دو کروڑ کی زمین تھی جس پر مکانات بنے ہوئے تھے۔ گویا تین کروڑ کے قریب مالیت کے مکانات قادیان والے چھوڑ کر آئے ہیں۔ اگر لاہور، لائل پور، سرگودھا وغیرہ اضلاع میں قادیان کے لوگوں کو بسایا جائے تو پھر وہاں زمین اور مکانات کی قیمتیں قادیان کی زمین اور مکانات سے بڑھ کر ہوں گی۔ اگر احمدیوں کو یہ جگہ دے دی جائے اور وہ وہاں بس جائیں تو قریباً چار کروڑ کی جائیداد بچ جاتی ہے جو دوسرے لوگوں کو دی جاسکتی ہے۔ انہوں نے اس تجویز کو پسند کیا اور کہا کہ قاعدہ کے مطابق اسے گزٹ میں شائع کرنا ہوگا اور وعدہ کیا کہ وہ نومبر یا دسمبر میں اسے شائع کر دیں گے۔ مگر جب جنوری میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ ہم بھول گئے ہیں۔ ہم نے کہا یہ آپ کا قصور ہے۔ ہمارے آدمی آوارہ پھر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا خواہ کچھ بھی ہو، بہرحال اسے شائع کرنا ضروری ہے تا معلوم کیا جائے کہ اس زمین کا کوئی دعویدار ہے یا نہیں۔ اس کے بعد کہہ دیا گیا جب تک کاغذات کمشنر کی معرفت نہ آئیں کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ ایک مہینہ میں کاغذ کمشنر کے پاس سے ہو کر پہنچے اور اس طرح مارچ کا مہینہ آگیا۔ پھر کہا گیا کہ ان کاغذات پر قیمت کا اندازہ نہیں لکھا

گیا اس لئے ہم کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔ پھر دوبارہ کاغذات مکمل کر کے بھیجے گئے۔ پھر افسر مقررہ نے ایک مہینہ بعد تعمیل کی۔ پھر اپریل میں قیمت لگائی گئی۔ پھر یہ سوال اُٹھایا گیا کہ کاغذات منسٹری کے پاس جائیں۔ ہم نے کہا کہ یہ کام تو فنانشل کمشنر صاحب خود کر سکتے ہیں۔ مگر کہا گیا کہ یہ کام چونکہ اہم ہے اس لئے کاغذات کا منسٹری کے پاس جانا ضروری ہے۔ کاغذات منسٹری کے پاس بھیجے گئے۔ منسٹری نے کہا۔ ابھی ان پر غور کرنے کے لئے فرصت نہیں۔ آخر ایک لمبے انتظار کے بعد جون میں فیصلہ ہوا اور زیادہ سے زیادہ جو قیمت ڈالی گئی وہ وصول کی گئی۔ یہ واقعات میں نے اس لئے بتائے ہیں کہ گورنمنٹ کے افسران نے ہمارے ساتھ کوئی محابا نہیں کی بلکہ ان میں سے بعض کی غفلت کی وجہ سے ہم سال بھر تک اُجڑے رہے۔ اب جگہ ملی ہے۔ صرف ایک کسر باقی ہے۔ اگر وہ دُور ہو گئی تو جلد آبادی کی کوشش کی جائے گی"[1]

قیمت اراضی کا ادخال اور رجسٹری

اراضی کی خرید کے بارے میں تمام مراحل طے ہونے کے بعد اس کی قیمت کے ادخال اور رجسٹری کرانے کے معاملات اوّلین توجہ کے محتاج تھے چنانچہ صدر انجمن احمدیہ نے بھی اس کی طرف خصوصی توجہ دی اور ۲۲ احسان/جون ۱۳۲۷ہش (۱۹۴۸ء) کو زمین کی قیمت اور اخراجات رجسٹری وغیرہ کے لئے فوری طور پر بارہ ہزار (12,000) روپے چوہدری عبدالباری صاحب مختار عام صدر انجمن احمدیہ کو ادا کر دیئے جنہوں نے ۲۷ احسان/جون کو جھنگ جا کر زمین کی قیمت داخل خزانہ سرکار کرا دی۔ بعد ازاں سرکاری سند پر فنانشل کمشنر، اسسٹنٹ سیکرٹری اور ڈپٹی کمشنر کے دستخط بھی کرائے اور یوں سرکاری سند کی رجسٹری مکمل ہوئی۔

اخبارات میں گمراہ کن پراپیگنڈا

اگرچہ رجسٹری تو عام دفتری روایات کے برخلاف بہت جلد ہو گئی مگر زمین کا قبضہ دیئے جانے میں متعلقہ حکام کی طرف سے ناواجب تاخیر ہونے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پیچیدگیوں اور دشواریوں کا ایک نیا دروازہ کھُل گیا اور وہ اس طرح کہ پنجاب کے بعض اخبارات (آزاد، احسان، مغربی پاکستان اور زمیندار) نے احمدیوں کے ہاتھوں اس رقبہ اراضی کی فروخت پر سخت نکتہ چینی شروع کر دی بلکہ یہانتک لکھا کہ کئی لوگ اس زمین کو پندرہ سو روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے خریدنے پر تیار تھے مگر حکومت نے دس روپے فی ایکڑ پر اتنا بڑا رقبہ احمدیوں کے حوالہ کر دیا ہے۔

---

[1] "الفضل" ۲۸ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش (۱۹۴۸ء) صفحہ ۵۔

جماعت احمدیہ کے ناظر امور خارجہ کا تردیدی بیان

جماعت احمدیہ کے ناظر امور خارجہ نے اس غلط پراپیگنڈا کی تردید میں ۲ ظہور / اگست ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء کو حسب ذیل بیان جاری کیا :-

" اخبار " زمیندار " نے اپنی اشاعت یکم اگست ۱۹۴۸ء میں احراری اخبار " آزاد " کے حوالہ سے ایک مقالہ افتتاحیہ سپرد قلم کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جو اراضی جماعت احمدیہ نے چنیوٹ کے قریب دس روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے خریدی ہے اس اراضی کو بعض لوگ پندرہ سو روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے خریدنے کے لئے تیار تھے۔ سو اگر یہ درست ہے تو واقعی حکومت کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز گورنمنٹ کے اس نقصان کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے حضور نے مجھے ہدایت فرمائی ہے کہ میں یہ پریس کمیونک جاری کروں کہ ہم یہ رقبہ جو ۱۰۳۴ ایکڑ ہے مندرجہ بالا پیش کردہ قیمت پر فروخت کرنے کو تیار ہیں اور علاوہ ازیں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس رقم کا (جو پندرہ لاکھ اور اکاون ہزار روپیہ بنتی ہے) وصول ہوتے ہی ایک ایک روپیہ فوراً حکومت پاکستان کے خزانے میں داخل کرا دیں گے۔

آخر میں ہم پاکستان کے شہریوں کو یقین دلاتے ہیں کہ اس معاملہ کے متعلق اخبار " آزاد " کا لفظ لفظ کذب بیانی پر مبنی ہے۔ " [1]

حکومت مغربی پنجاب کا اعلان

حکومت مغربی پنجاب نے بھی مندرجہ بالا بیان کی تائید میں ایک سرکاری اعلان شائع کیا جو بجنسہٖ ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-

" احمدیوں کو دس روپے فی ایکڑ کے بھاؤ بنجر زمین دی گئی ہے
یہاں قادیان کے خانماں ویران لوگ آباد ہوں گے حکومت کا اعلان

لاہور۔ سرکاری اطلاع۔ ۲۸ اگست۔ بعض اخبارات میں ایک خبر چھپی ہے جس میں اس بات پر نکتہ چینی کی گئی ہے کہ حکومت مغربی پنجاب نے ۱۰۳۴ ایکڑ زمین ضلع جھنگ میں چنیوٹ کے قریب جماعت احمدیہ کے ہاتھ دس روپے فی ایکڑ کے حساب سے بیچی۔ الزام یہ ہے کہ تقسیم

---

[1] " الفضل " ۴ ظہور / اگست ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۱

سے پہلے بعض مُسلم انجمنیں اس زمین کو پندرہ سو روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے خریدنا چاہتی تھیں۔ یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ جب ضلع وار آبادکاری کی تجویز کو منظور نہیں کیا گیا تو احمدیہ جماعت کو یہ موقع کیوں دیا گیا ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے کو اپنی کالونی بنالے۔

یہ رپورٹ گمراہ کن اور اصلیت سے دور ہے۔ جس زمین کے متعلق یہ اعتراض کیا گیا ہے وہ بنجر ہے اور عرصہ دراز سے اسے زراعت کے ناقابل سمجھا گیا ہے . . . . اسے جماعت احمدیہ کے ہاتھ فروخت کرنے سے پہلے حکومت نے اس کا اشتہار اخبارات میں دے دیا تھا اور پورے ایک مہینہ تک کسی شخص نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

جہاں تک قیمت کا تعلق ہے حکومت کو آج تک پندرہ سو روپیہ فی ایکڑ اس زمین کی قیمت کسی فرد یا کسی جماعت کی طرف سے پیش نہیں کی گئی۔ چونکہ ابھی تک سکونتی اغراض کے لئے زمین بیچنے کی کوئی نظیر موجود نہیں تھی اس لئے حکومت نے اس کے لئے وہی شرح مقرر کی جو حکومت کے محکموں کے لئے ہے۔

جماعت احمدیہ اس علاقے میں ایک نئی بستی آباد کرنا چاہتی ہے جس میں قادیان کے اُجڑے ہوئے لوگ آباد ہوں گے۔ ان کا خیال ہے کہ یہاں سکول ہوں، کالج ہوں، مذہبی مدارس ہوں اور صنعتی ادارے ہوں۔ ان کی یہ تجویز کسی صورت میں بھی ان وجوہ سے نہیں ٹکراتی جن کی بنا پر حکومت نے مہاجرین کی ضلع وار آبادی کی تجویز کو مسترد کر دیا ہے، جو صوبے کے ایک بڑے علاقے میں بسائے جا چکے ہیں۔" [1]

سیدنا المُصلح الموعُود کی خصُوصی توجہ سے اراضی پر باضابطہ قبضہ

چونکہ اراضی مرکز کا معاملہ پریس کا موضوع بن چکا تھا اس لئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کو اس معاملہ میں پہلے سے بھی زیادہ فکر و تشویش پیدا ہو گئی۔ چنانچہ حضور نے ۲ ظہور/اگست ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو کوئٹہ سے ناظر اعلیٰ کے نام تار دیا کہ بذریعہ ایکسپرس تار اطلاع دی جائے کہ قبضہ مل چکا ہے یا نہیں۔ جواباً عرض کیا گیا کہ تحصیلدار صاحب چنیوٹ نے چودھری عبدالباری صاحب کو بتاریخ ۴ اگست ۱۹۴۸ء قبضہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس پر حضور نے بذریعہ تار ارشاد فرمایا:-

---

[1] اخبار "انقلاب" لاہور ۳۱ اگست ۱۹۴۹ء صفحہ ۶ کالم ۲-۳ *

"I dont believe in these promises. Anjman neglected its duty."

یعنی مجھے ان وعدوں پر قطعاً اعتماد نہیں۔ انجمن نے اپنے فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی کی ہے

چوہدری عبدالباری صاحب مختار عام جو صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے اس کام پر متعین تھے پہلے بھی تین بار چنیوٹ اور جھنگ جا کر قبضہ لینے کے لئے دوڑ دھوپ کر چکے تھے مگر کوئی عملی نتیجہ ظاہر نہ ہوا تھا۔ لیکن اب جو حضور کا تار پہنچا تو خدا کے فضل و کرم اور حضورؓ کی دُعاؤں اور توجہ روحانی کی بدولت ۵ ظہور/ اگست ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو صدر انجمن احمدیہ پاکستان حکومت سے زمین کا قبضہ لینے میں کامیاب ہوگئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

بالآخر راجہ علی محمد صاحب سابق ناظر بیت المال کا ایک قیمتی نوٹ جس سے حضرت مصلح موعود کی خرید اراضی کے بارے میں غیر معمولی سرگرمی اور پُرجوش جد و جہد کا پتہ چلتا ہے ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں:-

" اس رقبہ کے حصول کے لئے حضور کی سرگرمی اور گرم جوشی کا بیان کرنا میری قلم کی طاقت سے باہر ہے۔ اپنی کوتاہ بینی کی وجہ سے ہم میں سے بعض یہ خیال کرتے تھے، کہ جس کام کا ارادہ حضور کر لیں آپ اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ اس وقت تمام فکر و تدبیر مشغولیت و مصروفیت اور حضور کی ہمہ تن توجہ اس کام کے لئے وقف شدہ معلوم ہوتی تھی لیکن جلدی بعد میں جب آنے والے واقعات نے ہماری آنکھیں کھولیں تو حضور کی عجلت پسندی اور فکر اور گرمجوشی ہمارے لئے دست غیب کا ایک کرشمہ تھا جو حضور کے ہاتھ پر ظاہر ہوا کیونکہ اس کے بعد بہت جلدی جماعت احمدیہ کے خلاف تعصب، بغض و عناد اور حسد اور نفرت کا لاوا اندر ہی اندر پکنا شروع ہوگیا۔ اور جوں جوں دن گذرتے گئے جماعت احمدیہ کے ساتھ ہمدردی اور خیر سگالی کا جذبہ جو قادیان اور اس کے گرد و نواح میں مُسلمانوں کی حفاظت کے لئے احمدیوں کے مثالی مومنانہ ایثار اور استقلال کی وجہ سے پیدا ہوا تھا وہ افتراء و کذب بیانی اور منافرت کے لاوا میں دبتا گیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہماری ہر بات کو ناکام کرنے کی کوشش کی جانے لگی۔ ایسے حالات میں کوئی یہ خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ربوہ کی سرزمین کا حاصل کرنا

ہمارے واسطے ممکن ہوگا۔ ربوہ کی زمین کا اس طرح حاصل ہونا ایک معجزہ ہے جو اور جس طرح کی کوشش ان دنوں حضور نے کی اس میں ایک گھنٹہ کی غفلت بھی مقصد کی کامیابی میں دنوں کا التواء اور دنوں کی غفلت مہینوں کا التواء ثابت ہوتی۔ اور چند مہینوں کی غفلت تو غالباً اصل مقصود اور مدّعا اور اس کے لئے جو اقدام کیا گیا تھا یہ سب ایک کوشش منفی ثابت ہوتی۔ پس ربوہ مرکز ثانی کا وجود ایک معجزہ ہے جو حضرت موعود اولوالعزم اور مُصلح اور امام ربّانی کے ہاتھ پر ظاہر ہوا۔"[1]

---

[1] "الفضل" ۷/احسان/جون ۱۳۴۳ہش/۱۹۶۴ء صفحہ ۵

دُوسرا باب

— حضرت المُصلح المو عُود کی راہنمائی پاکستان کے داخلی مسائل میں —

— کشمیر و فلسطین کے معاملات میں مُخلصانہ مشورے —

جماعتِ احمدیہ کیلئے بعض خاص ہدایات

— قادیان میں دورِ درویشی کا آغاز —

مرکزی درسگاہوں کا احیاء

"پاکستان کا مُستقبل" کے موضُوع پر معلُومات افزا اور فاضلانہ لیکچر

اور ملک کے ممتاز علمی طبقہ کے تاثرات

— قادیان اور لاہور کے سالانہ جلسے —

فصل اوّل

پاکستان کے اہم داخلی مسائل میں سیدنا المصلح الموعود کی راہ نمائی اور مخلصانہ مشورے

پاکستان کی نوزائیدہ مسلمان مملکت معرض وجود میں آتے ہی سینکڑوں ہزاروں داخلی و خارجی الجھنوں میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اس نازک موقعہ پر حضرت سیدنا المصلح الموعود پاکستان کی خدمت کا عظیم مقصد لے کر میدان عمل میں اُترے اور آپ نے اس کی مضبوطی اور استحکام کے لئے اسی زور و شور اور شدّ و مدّ سے خدمات انجام دینا شروع کر دیں جس طرح حضور نے اور حضور کی قیادت میں جماعت احمدیہ نے قیام پاکستان کے جہاد میں نمایاں اور سرگرم حصہ لیا تھا۔

سب سے اوّل ضرورت اس امر کی تھی کہ ملک کے پیش آمدہ مسائل میں اسلامی تعلیم اور ملکی تقاضوں کی روشنی میں ارباب حلّ و عقد کی بر وقت رہنمائی کی جائے اور اُن کو مخلصانہ مشورے دیئے جائیں۔ چنانچہ اس غرض کے لئے حضور نے ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے "الفضل" میں بہت سے قیمتی اداریئے سپرد قلم فرمائے جو حضور کی فراست و بصیرت اور علمی و سیاسی ذہانت کا شاہکار ہیں۔ ہم ذیل میں بطور نمونہ ان تاریخی اداریوں میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں:۔

انڈونیشیا، ایبے سینیا اور سعودی حکومت سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کی تحریک

۱۔ حضرت سیدنا المصلح الموعود نے حکومت پاکستان کو تحریک فرمائی کہ اسے انڈونیشیا، ایبے سینیا اور سعودی حکومت سے فوری طور پر سفارتی تعلقات قائم کرنے چاہئیں چنانچہ تحریر فرمایا کہ

> "بہت سے ضروری ممالک جن سے فوراً پاکستان کا تعلق قائم ہو جانا چاہیئے تھا ان سے اب تک تعلق قائم نہیں ہو سکا اور شاید پاکستانی حکومت کے ذمہ داروں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ بعض طریقے ایسے بھی ہیں کہ بہت کم خرچ سے بیرونی ممالک سے تعلق قائم کئے جا سکتے ہیں۔
>
> اس وقت ہم تین ملکوں کا ذکر کرتے ہیں جن سے پاکستان کے سیاسی تعلقات فوراً قائم ہو جانے چاہیئے تھے اور جن کی طرف حکومت پاکستان کو فوری توجہ دینی چاہیئے تھی

مگر ایسا نہیں ہوا۔ یہ ملک انڈونیشیا، ایبے سینیا اور سعودی عرب ہیں۔ انڈونیشیا دوسرا بڑا اسلامی ملک ہے جس میں مسلمانوں کی آبادی چھ کروڑ سے بھی زیادہ ہے۔ پھر اس کا مقام وقوع ایسی جگہ پر ہے کہ اس کے تعلقات آئندہ پاکستان کی ترقی اور حفاظت میں بہت کچھ ممد ہو سکتے ہیں۔ لیکن جبکہ ہندوستان یونین اس کے ساتھ تعلق بڑھا رہی ہے پاکستان حکومت نے اب تک پوری جد وجہد سے کام نہیں لیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان کو مسلمان سے پیار ہے اور وہ ایک دوسرے سے ہمدردی رکھتے ہیں لیکن سیاسی معاملات کچھ ایسے پیچیدہ ہوتے ہیں کہ بعض دفعہ دوست دشمن بن جاتے ہیں اور دشمن دوست بن جاتے ہیں اور صرف مذہبی اتحاد کو سیاسی اتحاد کا پورا ذریعہ نہیں بنایا جا سکتا۔ . . . دوسری خبر اسی سلسلہ میں ہمیں یہ ملی ہے کہ اب تک سعودی عرب سے بھی تعلقات پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ حالانکہ سعودی عرب وہ ملک ہے جس میں ہمارا مقدس مقام مکہ مکرمہ اور ہمارا قبلہ گاہ بیت اللہ اور ہمارے آقا کا مقام ہجرت اور مدفن مدینہ منورہ واقعہ ہیں۔ ہم خواہ کسی مذہب اور فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں ہم اُن مقامات کی طرف سے اپنی نظریں نہیں ہٹا سکتے اور جس حکومت کے ماتحت بھی یہ مقامات ہوں اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنا ہمارا ضروری فرض ہے کیونکہ مسلمانوں کا حقیقی اتحاد مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے ذریعہ سے ہی ہو سکتا ہے . . . .

تیسری شکایت ہمیں یہ پہنچی ہے کہ ایبے سینیا میں ہندوستان کی آزادی کا دن منایا گیا اور ہندوستانی جھنڈے تقسیم کئے گئے اور خوشی سے ایبے سینیا کے لوگوں نے ہندوستانی جھنڈے لہرائے لیکن پاکستان کی آزادی کا دن نہ منایا گیا اور نہ پاکستان کے جھنڈے وہاں لہرائے گئے۔ ایبے سینیا کے شاہی خاندان کا ایک حصہ مسلمان ہے۔ اور بعض زبردست فوجی قبائل بھی مسلمان ہیں۔ وہ اس نظارہ کو دیکھ کر بہت مایوس ہوئے اور ایبے سینیا کے ہندوستانی ڈاکٹر جو اتفاقاً احمدی ہے سے پوچھا کہ یہاں پاکستانی جھنڈے کیوں نہیں آئے اور پاکستان کی طرف سے ہم لوگوں کو خوشی میں شامل ہونے کا موقع کیوں نہیں دیا گیا۔ وہ سوائے افسوس کے اور کیا کر سکتا تھا۔ اب اس نے پاکستان کو لکھا

ہے۔ کچھ پاکستانی جھنڈے بھجوا دیئے جائیں تاکہ وہ مسلمانوں میں تقسیم کئے جائیں اور اس نمونہ پر وہ اپنے لئے جھنڈے بنوالیں کیونکہ ایبے سینیا کے مسلمان چاہتے ہیں کہ وہ بھی پاکستان کی خوشی میں شامل ہوں۔

ایبے سینیا گو حکومت کے لحاظ سے عیسائی ہے۔ اس کو تین عظیم الشّان حیثیتیں حاصل ہیں۔ ایک یہ کہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں ایبے سینیا نے ہجرت اُولیٰ کے مسلمانوں کو پناہ دی تھی اور اس وقت کا بادشاہ مسلمان بھی ہوگیا تھا اور رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس بادشاہ اور اس کی قوم کے لئے خاص طور پر دُعا فرمائی تھی۔ آج تک رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خط اس ملک میں محفوظ چلا آتا ہے۔ دوسرے ایبے سینیا کے شاہی خاندان کا ایک حصّہ مسلمان ہے۔ کبھی کبھی وہ غالب آکر اس ملک میں اسلامی حکومت بھی قائم کر دیتا ہے۔ ایبے سینیا اپنے معدنی اور دوسرے ذرائع کی وجہ سے اور اپنے ملک کی وسعت کی وجہ سے اور اپنے مقام وقوع کی وجہ سے حیثیت رکھتا ہے کہ اگر کسی وقت وہاں اسلامی حکومت قائم ہوگئی تو وہ اسلامی سیاست کی تقویت میں بہت بڑی ممد ثابت ہوگی۔" [1]

پاکستانی فوج میں اضافہ اور اس کی راہنمائی کیلئے پاکستانی جرنیل مقرر کرنے کا مشورہ۔

۲۔ حضور نے حکومت کو فوج میں اضافہ اور اس کی راہ نمائی کے لئے پاکستانی جرنیل مقرر کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے لکھا:-

"پاکستان کو جہاں کچھ مشینی دستوں کی ضرورت ہے وہاں اسے ایسی فوج کی بھی ضرورت ہے جو بے سڑک والے علاقوں میں گھوڑوں پر سوار ہو کر دو سڑکوں کے درمیانی علاقوں کو صاف کرتی چلی جائے اور مشینی فوج کے عقب کی حفاظت کر سکے۔ مگر یہ سوال تو اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ پاکستان حملہ آور کی حیثیت میں ہو۔ پاکستان تو کسی پر حملہ کرنے کی نیت ہی نہیں رکھتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ بہترین جرنیلوں کا مقولہ ہے کہ بہترین دفاع حملہ ہے۔ اگر کوئی ہم پر حملہ کرے تو اس حملہ سے بچنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ ہم اس پر حملہ

---

[1] "الفضل" ۱۴ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱-۲۔

کر دیں تو بھی ہم اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ کوئی فوج محض حملہ کرنے کی تدبیروں سے کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جرمن حکومت گذشتہ دونوں لڑائیوں میں محض اس لئے شکست کھا گئی کہ اس نے صرف حملہ کی تیاریاں کی تھیں۔ دفاع کی کوئی تیاری اس نے نہیں کی تھی۔ دونوں دفعہ جب اس کا حملہ ناکام رہا تو وہ دفاع کی قوت سے بھی محروم ہو گیا کیونکہ دفاع کا پہلو اس نے مدّ نظر نہیں رکھا تھا۔ یہ پُرانا مقولہ اب تک بھی درست چلا آ رہا ہے کہ جنگ دو سرِ دارد۔ جنگ میں کبھی انسان آگے بڑھتا ہے کبھی پیچھے ہٹتا ہے۔ جب تک پیچھے ہٹنے کے لئے بھی پوری تدبیریں نہ کی گئی ہوں کبھی کوئی فوج کامیاب نہیں ہوتی۔

پس صرف مشینی دستوں پر زور دینا پاکستان کے دفاع کو فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ کسی دشمن کے حملہ کی صورت میں اس کے حملہ کی شدّت کو روکنے کے لئے بالمقابل حملہ کرنے میں تو یہ دستے کام آ جائیں گے۔ لیکن ان کا فائدہ دیرپا اور دُور رس نہیں ہوگا کیونکہ پاکستان کے اردگرد جتنے ممالک ہیں ان میں سڑکوں کا وسیع جال اس طرح نہیں پھیلا ہوا جس طرح یورپ میں پھیلا ہوا ہے۔ پس اس معاملہ میں یورپ کی نقل کرنا خواہ اس کا فیصلہ بڑے بڑے جرنیل ہی کیوں نہ کریں خلافِ عقل اور نامناسب ہے۔ ہمارے نزدیک پاکستان کی فوج کا بڑھانا نہایت ضروری ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ پاکستانی فوج کی پاکستانی جرنیل ہی راہنمائی کریں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت ہمارے پاس تجربہ کار افسر بہت کم ہیں لیکن جہاں ناتجربہ کاری نقصان دہ ہوتی ہے، ہمدردی کی کمی اس سے بھی زیادہ نقصان دہ ہوتی ہے۔ اگر جاں نثار اور تجربہ کار مل جائیں تو فبہا، لیکن اگر ایسے افسر نہ ملیں تو کم تجربہ کار لیکن جاں نثار افسر تجربہ کار لیکن بے تعلق افسر سے یقیناً بہت زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

پولینڈ جب رُوس اور جرمنی سے آزاد ہوا تو اس کے پاس تجربہ کار افسر نہیں تھے۔ کیونکہ نہ جرمن کی فوجوں میں پولش لوگوں کو بڑے عہدے ملتے تھے اور نہ روسی فوجوں میں پولش لوگوں کو بڑے عہدے ملتے تھے۔ اس وقت پولش نے اپنی فوجوں کی کمان ایک گویّے کے سپرد کی اور اس گویّے نے تھوڑے بہت فوجی اصول سے واقف پولش

افسروں کی مدد سے اپنے ملک کو آزاد کرا لیا۔ کیا پاکستان کے مُسلمان افسر اس گویّے سے بھی کم قابلیت رکھتے ہیں؟ اس گویّے کی کیا قابلیت تھی، صرف حُبّ الوطنی۔ وطن کی محبت کے بے انتہا جذبہ نے اس گویّے کو ایک قابل جرنیل بنا دیا۔ کیا ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ پاکستانی فوج کے مسلمان افسروں کے دل سے وطن کی محبت کا جذبہ بالکل مفقود ہے؟ ہم مانتے ہیں کہ پُرانی روایات کا اثر اب تک افسروں کے دل پر باقی ہے ابھی ان کی حب الوطنی کی رُوح نے ان کی آنکھیں نہیں کھولیں۔ ابھی اپنی قوم کو سربلند بالا کرنے کے جذبات اُن کے دل میں پوری طرح نہیں اُمڈے۔ مگر پھر بھی ایک پاکستانی پاکستانی ہی ہے۔ اپنے ملک کی خدمت کے علاوہ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کی جان بچانے کی خواہش بھی اسے زیادہ محنت سے کام کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اگر پاکستان پر کوئی حملہ ہو تو ایک پاکستانی جرنیل کو صرف اپنے ملک کی عزت کا ہی خیال نہیں ہوگا بلکہ اسے یہ بھی نظر آرہا ہوگا کہ اگر دشمن آگے بڑھا تو اس کے ماں باپ، اس کی بیوی، اس کے بھائی، اس کی بہنیں، اس کے بچے، اس کے دوسرے عزیزوں کے بچے، اس کے پڑوسی، اس کے املاک، اس کی جائیدادیں، یہ سب تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ پس ملکی جذبہ کے علاوہ خاندان اور قرابت کے بچانے کا جذبہ بھی اس کے اندر کام کرتا ہوگا۔ پس ہمیں اس بات کی فکر میں زیادہ نہیں پڑنا چاہیئے کہ ہمارے ملک کے آدمی ابھی پوری طرح تجربہ کار نہیں۔ جدید ٹرکی کے بانی کمال اتاترک صرف ایک کرنیل تھے لیکن وطنی محبت کے جذبہ میں سرشار ہو کر اس کرنیل نے بڑے بڑے جرنیلوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ فرانس کا مشہور مارشل شہنشاہ نپولین صرف فوج کا ایک لیفٹیننٹ تھا۔ لیکن اس لیفٹیننٹ نے دُنیا کے مشہور ترین جرنیلوں کی قیادت کی۔ صرف اس لئے کہ اس کا دل وطن کی محبت کے جذبات سے سرشار تھا۔ امریکہ کا پہلا پریذیڈنٹ اور پہلا کمانڈر انچیف جارج واشنگٹن محض ایک سویلین تھا۔ لیکن وطن کی محبت کے جذبات نے اس کے اندر وہ قابلیت پیدا کر دی کہ بڑے بڑے جرنیلوں کی راہنمائی کر کے اس نے اپنے ملک کو انگریزی غلبہ سے آزاد کروا لیا۔ ہٹلر کا انجام چاہے کیسا ہی خراب ہوا ہو لیکن اگر اس

کیا شک ہے کہ وہ فوج میں صوبیداری کا عہدہ رکھنے والا دُنیا کے بہترین جرنیلوں کے پیدا کرنے کا باعث ہوا۔ گوئرنگ محض ایک ہوا باز تھا اور ہوا باز بھی ایسا جو ابھی صرف تجربہ ہی حاصل کر رہا تھا۔ مگر ملک کی محبت کے جذبات نے پائلٹ گوئرنگ کو دُنیا کے سب سے زبردست ہوائی جہاز کے بیڑہ کا مارشل گوئرنگ بنا دیا۔ ہم کیوں خیال کریں کہ پاکستان کے افسر حب الوطنی کے جذبہ سے بالکل عاری ہیں۔ یقیناً اُن میں بھی اپنے وطن پر جان دینے کی خواہش رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ اگر انہیں موقع دیا جائے کہ وہ اپنے مُلک کی آزادانہ خدمت کریں تو یقیناً وہ مُلک کے لئے بہترین تعویذ اور فخر کا موجب ثابت ہوں گے۔"[1]

یہ پیشگوئی آئندہ چل کر کس شان سے پوری ہوئی اور ہو رہی ہے؟ اس کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

دفاع پاکستان کیلئے ٹیریٹوریل فورس اور فوجی کلبوں کے اجراء کی مفید تجویز

۳۔ دفاع پاکستان کا مسئلہ نہایت درجہ اہم اور نازک تھا۔ اس بارے میں بھی حضور نے نہایت قیمتی مشورے دیئے اور یہ تجویز پیش فرمائی کہ مُلک میں ٹیریٹوریل فورس اور فوجی کلبیں جاری کر دی جائیں۔

چنانچہ حضور نے فرمایا :۔

"پاکستان کی آبادی صوبہ سرحد اور سندھ کو ملا کر دو کروڑ اسی ہزار ہے۔ اگر قبائلی علاقوں کو بھی ملا لیا جائے تو تقریباً تین کروڑ ہو جائے گی۔ اگر کشمیر بھی شامل ہو جائے تو کشمیر کی ۳۲ لاکھ مسلمان آبادی مل کر یہ تعداد تین کروڑ ۳۰ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس آبادی میں سے صرف ۶۰ لاکھ آبادی ایسی ہے جس میں سے اچھا سپاہی نہیں مل سکتا۔ باقی دو کروڑ ۷۰ لاکھ آبادی ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہایت ہی شاندار سپاہی پیدا کرتی رہی ہے اور کر سکتی ہے۔ سرحد کا پٹھان، آزاد علاقہ کا قبائلی، پونچھ، میرپور، کوٹلی اور مظفر آباد کا پہاڑی، پنجاب کا پٹھان، راجپوت، بلوچ،

[1] "الفضل" ۱۵ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۱ و ۲

اور جاٹ یہ سب کے سب نہایت اعلیٰ درجہ کے سپاہی ہیں۔ اور صرف مرنا ہی نہیں جانتے بلکہ دشمن کو مارنا بھی جانتے ہیں۔ قومی جنگوں میں ۶ فیصدی سے لے کر ۱۶ فیصدی تک کی آبادی لڑائی میں کارآمد ہوتی ہے۔ اوسطاً اگر ۱۰ فیصدی سمجھی جائے تو مشرقی پاکستان میں سے ۲۷ لاکھ سپاہی مہیا کیا جا سکتا ہے۔ اس کے مقابل میں ہندوستان کی جنگی نفری بہت کم ہے۔ ہندوستان کا ۶۰ فیصدی آدمی ایسا ہے جو جنگ کے قابل نہیں۔ ریاستوں کو نکال کر ہندوستان کی آبادی کوئی ۲۰ کروڑ ہے جس میں سے ۱۲ کروڑ آدمی تو کسی صورت میں بھی لڑنے کے قابل نہیں۔ باقی رہ گئے آٹھ کروڑ۔ ان میں سے بھی اکثر حصہ ناقص سپاہی ہے۔ صرف تین چار کروڑ آدمی ان کا ایسا ہے جس میں سے اچھا سپاہی لیا جا سکتا ہے مگر وہ بھی اس پایہ کا نہیں ہے جس پایہ کا مسلمان سپاہی ہے۔ پس ہندوستان میں سے بھی پورا زور لگانے کے بعد تیس پینتیس لاکھ سپاہی بن سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ لیکن جب لڑائی کے سوال پر غور کیا جاتا ہے تو صرف نفری نہیں دیکھی جاتی بلکہ سرحد کی لمبائی بھی دیکھی جاتی ہے۔ جس طرح لمبی سرحد کی حفاظت تھوڑے سپاہی نہیں کر سکتے اسی طرح چھوٹی سرحد پر ساری فوج استعمال نہیں کی جاتی۔ ۶۰۰ میل کی لمبی سرحد پر ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ ۶۔۷ لاکھ فوج استعمال کی جا سکتی ہے۔ باقی ساری فوج ریزرو میں رہے گی اور راستوں کی حفاظت کا کام کرے گی۔ پس اگر خدا نخواستہ کبھی ہندوستان اور پاکستان میں جنگ چھڑ جائے تو جہاں تک نفری کا سوال ہے ان دونوں کے درمیان کی سرحد کو مدنظر رکھتے ہوئے ہندوستان کی آبادی کی کثرت ہندوستان کو یہ نفع تو پہنچا سکتی ہے کہ وہ جنگ کو زیادہ دیر تک جاری رکھ سکے یا زیادہ آدمیوں کی قربانی برداشت کر سکے لیکن جہاں تک جنگ کا تعلق ہے وہ پاکستان کی فوج سے زیادہ تعداد والی فوج نہیں بھیج سکتا کیونکہ درمیان کی سرحد کی لمبائی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ایک وقت میں اس جگہ اتنی فوج کو استعمال کیا جا سکے خصوصاً اس لئے کہ جیسے پہلے بتایا جا چکا ہے یہ دونو ملک عمدہ سڑکوں سے محروم ہیں اور گو سرحد چھ سو میل لمبی ہے لیکن ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچنے کے جو راستے ہیں وہ بہت محدود ہیں اور جنگ زیادہ تر رستوں سے ہی کی جا سکتی ہے جہاں سے توپخانہ اور سامان وغیرہ

موٹروں پر آگے پیچھے بھیجا جا سکتا ہے اور جہاں پر سے فوج قطاروں میں مارچ کر سکتی ہے غرض جہاں تک فوجی نفری کا سوال ہے۔ صرف مشرقی پاکستان ہی تمام پاکستان کی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے اور اس معاملہ میں کسی مایوسی کی ضرورت نہیں۔ ہاں سوال صرف یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ دونوں ملکوں میں جنگ چھڑ جائے تو اتنی فوج مہیا کس طرح کی جائے گی سپاہیانہ قابلیت کا آدمی موجود ہونا اور بات ہے اور سپاہی کا موجود ہونا اور بات ہے ہر جاٹ اور بلوچ سپاہی بننے کی قابلیت رکھتا ہے لیکن ہر جاٹ اور بلوچ سپاہی تو نہیں اس لئے بغیر فوجی مشق کے جنگ کے وقت میں وہ کام نہیں آ سکتا اور جنگ کے وقت فوری طور پر سپاہی کو فنون جنگ سکھائے نہیں جا سکتے اور اس سے بھی زیادہ مشکل یہ ہے کہ افسر فوراً تیار کئے جا سکیں۔ افسروں کی تعداد بالعموم ڈیڑھ فیصدی ہوتی ہے۔ ۲۷ لاکھ فوج کے لئے چھوٹے بڑے افسر ۴۰ ہزار کے قریب ہونے چاہئیں۔ ہماری تو ساری فوج ہی ۳۰ ہزار ہے۔ اگر خطرے کا موقع آیا تو کسی صورت میں بھی اس فوج کو معقول طور پر وسیع نہیں کیا جا سکتا اور اس کا علاج ضروری ہے۔ یہ علاج کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے یہ مختلف سکیمیں پیش کی جا رہی ہیں اور پیش کی جا سکتی ہیں۔

اوّل۔ ملک کے تمام افراد کو رائفلیں رکھنے کی کھلی اجازت دی جائے۔ اور جہاں تک ہو سکے گورنمنٹ خود رائفلیں سستے داموں پر مہیا کرے۔

دوم۔ نیشنل گارڈز کے طریق کو رائج کیا جائے جو مسلم لیگ کے ماتحت ہو۔

سوم۔ ہوم گارڈز کے اصول پر نوجوانوں کو فوجی ٹریننگ دی جائے جو گورنمنٹ کی نگرانی میں ہو

چہارم۔ ایک ٹیریٹوریل فورس فوجی انتظام کے ماتحت تیار کی جائے۔

پنجم۔ جبری بھرتی ملک میں جاری کی جائے اور اس کا انتظام ملٹری کے ماتحت ہو۔[1] حضور نے ان پانچوں پہلوؤں پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے فرمایا:۔

"ملک میں اسلحہ کو بالکل آزاد کر دینا اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ ملکوں میں بھی کبھی بابرکت

---

[1] "الفضل" ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱-۲

ثابت نہیں ہوا۔ لائسنس کی شرطیں ضرور رہنی چاہئیں۔ فسادی یا غیر معتبر لوگوں کو لائسنس نہیں ملنے چاہئیں۔ نیشنل گارڈز جو ایک سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں ان کی اجازت ہرگز نہیں ہونی چاہیئے۔ اگر ایک سیاسی پارٹی کو فوج بھرتی کرنے کی اجازت ہو تو ہر پارٹی کو فوج بھرتی کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ یہ درست نہیں کہ جو پارٹی برسر اقتدار آجائے اُسے تو فوج بھرتی کرنے کی اجازت ہو اور دوسری پارٹیوں کو نہ ہو اس طرح سیاسی آزادی خطرہ میں پڑ جائیگی اور ڈکٹیٹر شپ اور فاسزم کے اصول جاری ہو جائیں گے۔ ہوم گارڈز کا اصول بھی غلط ہے۔ کیونکہ ایک تو ان کی ٹریننگ ناقص ہوتی ہے، دوسرے ان کا انتظام سویلین لوگوں کے ماتحت ہونے کی وجہ سے ان کا فوج کے ساتھ ٹکراؤ ہوتا ہے اور فوج کو اس بات کی تحریک ہوتی ہے کہ وہ سیاسی معاملات میں دخل دینے لگ جائے اور یہ نہایت خطرناک بات ہے۔ جبری بھرتی بھی نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ ملک ابھی اس کے لئے تیار نہیں لیکن ٹیریٹوریل فورس اور فوجی کلبوں کا اجراء فوراً شروع ہو جانا چاہیئے۔ ان دونوں چیزوں پر ایسی صورت میں کہ دو تین لاکھ آدمی کی ٹریننگ مدنظر ہو ایک کروڑ روپیہ سالانہ سے زیادہ خرچ نہیں ہوگا۔ کیونکہ سوائے معلموں اور سوائے رائفل اور کارتوس کے خرچ کے اور ایک حصہ کے وردی کے خرچ کے اور کوئی بوجھ ملک پر نہیں ہوگا۔ اس فوج کی بڑی تعداد ایسے خدمت گاروں کی ہوگی جو اپنی وردیوں کا خرچ خود اُٹھائیں گے۔ اور جہاں تک ٹریننگ کا سوال ہے پچیس ۲۵ رائفلیں سو آدمیوں کو کام سکھائیں گی کیونکہ پریڈیں مختلف وقتوں میں آگے پیچھے ہوں گی اور ایک ہی رائفل چار دفعہ استعمال ہو سکے گی۔ اس طرح لوگوں کو حب الوطنی کے جذبات دکھانے کا بھی موقعہ مل جائے گا اور پاکستان کی آبادی میں جنگی فنون کا میلان بھی پیدا ہو جائے گا اور ہر محلے اور گلی میں ایک طوعی سپاہیوں کی موجودگی اور بیسیوں آدمیوں کے فوجی زندگی کی خواہش پیدا کر دے گی اور موت کے ڈر کو دلوں سے نکالتی چلی جائے گی" [۱]

اسی سلسلہ میں مزید لکھا کہ:۔

"اگر ان نوجوانوں کی صحیح تربیت کی جائے اور ان کے اخلاق کو بلند کیا جائے اور

---

[۱] "الفضل" ۱۶ر اکتوبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۳۔

ٹیریٹوریل فورس اور فوجی کلبوں کے ذریعہ سے جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ان کو ملک کی فوجی خدمت میں حصہ لینے کا موقع دیا جائے تو یقیناً لاہور ہی سے ایک لاکھ پاکستانی سپاہی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ لاہور کے ضلع کی سرحد جو ہندوستان سے ملتی ہے وہ پچاس میل کے قریب ہوگی۔ اگر لاہور سے اتنا سپاہی پیدا ہو جائے تو لاہور، قصور اور چونیاں کی تحصیل سے بھی یقیناً پچاس ساٹھ ہزار سپاہی مل سکتا ہے۔ ان سپاہیوں کے ذریعہ سے نہ صرف لاہور کی حفاظت کی جا سکتی ہے بلکہ سارا پاکستانی ملک محفوظ ہو سکتا ہے اور پاکستانی فوج کا کام بہت آسان ہو جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک ٹیریٹوریل فورس اور فوجی کلبوں کے قیام میں بالکل دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ فوج کے مہیا کرنے کا یہ ایک بہترین اور سہل ترین ذریعہ ہے۔ اس کا انتظام کلّی طور پر فوج کے محکمہ کے ماتحت ہونا چاہیئے اور سول محکموں کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیئے تاکہ دو عملی پیدا نہ ہو اور فوج کو سیاسی مسائل سے بالکل الگ رکھا جا سکے" [1]

ملکی پریس کو صحیح خبریں شائع کرنے کی تلقین

۴۔ ملکی اخبارات ملک کی ترقی و بہبود میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنے ایک اداریہ میں اس پہلو پر بھی قلم اُٹھایا اور پاکستانی پریس کو صحیح خبریں شائع کرنے کی تلقین کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:۔

"ہم بادب تمام مسلمانوں سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ

اوّل۔ اخباروں یا دوسرے اداروں کو ہرگز کوئی ایسی خبر نہ بھیجیں جو ثابت شدہ حقیقت نہ ہو اور جس میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہو۔ ایسی خبروں سے قوم کے حوصلے نہیں بڑھتے بلکہ جب ان کی غلطی ثابت ہوتی ہے تو قوم کے حوصلے گر جاتے ہیں اور عارضی طور پر بڑھا ہوا حوصلہ ایک مستقل شکست خوردہ ذہنیت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور قوم ایک ایسے گڑھے میں گر جاتی ہے جس میں سے اس کا نکالنا مشکل ہو جاتا ہے

دوم۔ اخبارات کو بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ہر نامہ نگار کی خبر کو تسلیم نہ کر

---

[1] "الفضل" ۱۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲

لیا کریں بلکہ اگر کوئی نامہ نگار غلط خبر دے تو اس سے سختی سے باز پرس کیا کریں تاکہ آئندہ کے لئے نامہ نگاروں کے کان ہو جائیں اور وہ اخبار کی بدنامی اور قوم کی تباہی کا موجب نہ بنیں۔

سوم ہمیں یہ عادت ترک کر دینی چاہیئے کہ چاروں طرف حقیقت حال کے معلوم کرنے کے لئے نوٹ شنوائی کا جال پھیلاتے پھریں۔ یا تو کام کرنے والوں پر ہمیں اعتبار ہے۔ یا ہمیں اعتبار نہیں۔ اگر کام کرنے والوں پر ہمیں اعتبار ہے تو ہمیں ان کو کام کرنے دینا چاہیئے اور ان کے راستہ میں مشکلات پیدا نہیں کرنی چاہئیں۔ اور اگر ہمیں کام کرنے والوں پر اعتبار نہیں تو ہمیں دوسرے کام کرنے والے پیدا کرنے چاہئیں۔ یا کوئی ایسا فیصلہ کرنا چاہیئے جس سے کام کرنے والوں کی اصلاح ہو۔"[1]

کارخانے جلد جاری کروانے کا مشورہ

۵۔ پاکستان کی اقتصادی حالت کو سدھارنے کے لئے کارخانوں کا جلد سے جلد جاری کرنا ضروری تھا چنانچہ حضرت سیدنا المصلح الموعود نے لکھا:۔

"پاکستان کی اقتصادی حالت کو درست کرنا گورنمنٹ کے اہم ترین فرائض میں سے ہے اور اس کی طرف جتنی بھی توجہ دی جائے کم ہے۔ لیکن یہاں تو یہ حال ہے کہ اب تک فیکٹریاں کرائے پر بھی نہیں دی گئیں اور نہ لوہے کی پتیوں کا انتظام کیا گیا ہے نہ کوئلے کا انتظام کیا گیا ہے جس کی وجہ سے کارخانوں کے تقسیم ہو جانے کے بعد بھی کام فوراً نہیں چل سکے گا۔ اول تو کم سے کم دو ہفتے کارخانوں کی صفائی پر لگیں گے۔ پھر عملہ تلاش کرنے میں بھی ٹھیکیداروں کا وقت خرچ ہو گا۔ بلکہ اگر ہماری اطلاعات ٹھیک ہیں تو بہت سی جگہوں پر ہندو مالکان کارخانہ نے بعض اہم پرزے مشینوں میں سے نکال کر چھپا دیئے ہیں جس کی وجہ سے کارخانوں کے چلانے میں دقت ہو گی۔ اور جب انجنیئر مشینوں کو صاف کرنے لگیں گے تو انہیں معلوم ہو گا کہ وہ مشینیں اس وقت تک چلنے کے قابل ہی نہیں جب تک کہ بیرونی ممالک سے نئے پرزے لا کر ان میں نہ ڈالے جائیں۔ جس کے دوسرے معنے یہ ہوں گے کہ اس سال روئی کے بہت سے کارخانے چل ہی نہیں سکیں گے۔ خدانخواستہ اگر ایسا ہوا تو زمیندار کی تباہی میں کوئی شبہ ہی نہیں رہتا۔

[1] "الفضل" ۷ رنبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱-۲۔

اور پاکستان کی مالیات کو بھی سخت نقصان پہنچنے کا امکان ہے کیونکہ پاکستان کی بڑی دولتوں میں سے ایک دولت اس کی کپاس ہے۔ لیکن اگر یہ اطلاعات درست نہیں تب بھی بغیر کوئلہ اور بغیر لوہے کی پتیوں اور بغیر اُن کے وقت پر مہیا ہو جانے کے اور کارخانوں کے فوراً جاری ہو جانے کے زمیندار کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

پس ہم حکومت کو اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ اس معاملہ میں زیادہ دیر نہ کرے اور فوراً کارخانے جاری کروا دے ورنہ زمیندار تو تباہ ہو ہی جائیں گے حکومت کی اپنی مالی حالت کو بھی سخت دھکا لگے گا اور اسے بہت سے مقامات پر معاملہ اور آبیانہ معاف کرنا پڑے گا کیونکہ ان حالات میں زمیندار معاملہ دے کر اگلے چھ مہینے روٹی نہیں کھا سکتا۔ اور اگر اگلے چھ مہینے وہ روٹی کھائے گا تو گورنمنٹ کا معاملہ ادا نہیں کر سکے گا" [1]

سپریم کمانڈ کے توڑنے کی مخالفت

۶۔ ملک تقسیم ہو چکا تھا مگر پاکستان کے حصہ کا فوجی سامان ابھی تک ہندوستان میں پڑا تھا اس لئے حکومت پاکستان نے سامان کی واپسی تک دونوں ملکوں کی سپریم کمانڈ توڑنے کی مخالفت کی۔ حضرت سیدنا المصلح الموعود نے حکومت کی اس رائے سے اتفاق کیا اور اس کے حق میں آواز بلند کرتے ہوئے فرمایا:۔

"پاکستان کی فوج کا بہت سا حصہ تو ادھر آ چکا ہے لیکن پاکستان کا بہت سا سامان ہندوستان میں پڑا ہے۔ بعض غیر ضروری سامان ایسا بھی ہے جو پاکستان کے پاس زیادہ ہے اور ہندوستان میں کم ہے۔ لیکن ضروری سامان زیادہ تر ہندوستان یونین میں پڑا ہے۔ پاکستان کے گولہ بارود کا حصہ پچھتر ہزار ٹن یعنی تقریباً ۲۱ لاکھ من اب تک ہندوستان یونین میں ہے اور توپ خانہ کا بہت سا سامان اور ہوائی جہازوں کا بہت سا سامان اور بحری فوج کا بہت سا سامان انڈین یونین کے پاس ہے۔ اس سامان کے بغیر پاکستان کی حفاظت کی کوئی کوشش نہیں کی جا سکتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سپریم کمانڈ نے پورے انصاف سے کام نہیں لیا اور جس سرعت سے پاکستان کو سامان مہیا ہونا چاہیئے، اس

---

[1] "الفضل" ۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲

رعت سے پاکستان کو سامان مہیا نہیں کیا۔ اور جس نسبت سے پاکستان کا سامان نکالنا چاہیئے تھا اس نسبت سے زیادہ تیزی کے ساتھ پاکستان سے سامان نکالا گیا ہے لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ نسبت قائم رکھی گئی ہے۔ اگر سپریم کمانڈ ختم ہو گئی تو پاکستان کا سامان کا بھجوانا کلی طور پر ہندوستان یونین کے ہاتھ میں ہوگا۔ کیا کوئی سمجھدار انسان کہہ سکتا ہے کہ جنرل آخنلک پاکستان کے جس سامان کو ہندوستان یونین سے پاکستان کی طرف نہیں بھجوا سکتا اس کو سردار بلدیو سنگھ بھجوا دیں گے یہ اتنی غلط بات ہے جس کو ہر چھوٹی سے چھوٹی عقل والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان گورنمنٹ جو پہلے خود سپریم کمانڈ کے توڑنے کی تائید میں تھی اب اس وقت تک اس کمانڈ کے توڑنے کی تائید میں نہیں جب تک کہ پاکستان کا سامان پاکستان کو نہ مل جائے اور یہ فیصلہ پاکستان گورنمنٹ کا بالکل عقل کے مطابق ہے اور ہمارے نزدیک پاکستان گورنمنٹ کو اصرار کرنا چاہیئے کہ جب باہمی سمجھوتہ سے ایک تاریخ مقرر ہو چکی ہے تو ہم اس وقت تک سپریم کمانڈ کو توڑنے کی اجازت نہیں دے سکتے "[1]

اسلامی جمہوریت کے تقاضوں کے مطابق ملک میں بعض فوری آئینی تبدیلیاں کرنے کا مطالبہ

۷۔ سیدنا المصلح الموعود نے ایک اداریہ میں حکومت پاکستان سے یہ پُرزور مطالبہ فرمایا کہ اسلامی جمہوریت کے تقاضوں کی روشنی میں ملک کے آئینی ڈھانچہ میں فی الفور بعض بنیادی تبدیلیاں عمل میں لائی جائیں۔ حضور کے اس اہم اداریہ کا ایک ضروری اقتباس نیچے درج کیا جاتا ہے:۔

"ہمارا یہی فرض نہیں کہ ہم قوم کو ایک ایسے راستہ پر چلائیں جو ٹھیک ہو۔ بلکہ ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہم قوم کو ایسی تربیت دیں کہ وہ خود سوچنے اور سمجھنے کی اہل ہو جائے اور پھر ہر نئے مسئلہ کو ایسے رنگ میں اس کے سامنے پیش کریں کہ وہ عمدگی اور خوبی کے ساتھ اس پر غور کر کے ایک نتیجہ پر پہنچے اور جب وہ ہمارے خیالات سے متفق ہو جائے تو ہم اس خیال کو جاری کر دیں۔ یہی وہ اسلامی جمہوریت ہے جو دنیا کی دوسری جمہوریتوں سے مختلف ہے۔ لیکن یہی وہ جمہوریت ہے جو ساری جمہوریتوں کے عیوب سے پاک ہے۔ اچھی سے اچھی چیز کو غفلت

---

[1] "الفضل" ۱۵ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴

گھبراہٹ کے موقعہ پر قوم پر کھٹونس دینا اور یہ عمل کرنا کہ ہم قوم کی خیر خواہی کر رہے ہیں کسی وقت میں بھی قوم کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ اگر بعض صورتوں میں قوم کو مادی فائدہ پہنچے گا تو اس کی ذہنیت پست ہو جائے گی اور وہی اچھی غذا اس کے لئے زہر بن جائے گی اور وہ خود سوچنے کی عادت سے محروم رہ جائے گی۔ ایک تندرست ہٹے کٹے انسان کے مُنہ میں لقمہ دینا کسی قدر بدتہذیبی کا فعل سمجھا جاتا ہے۔ لقمہ بھی وہی ہوتا ہے، دانت بھی وہی ہوتے ہیں لیکن دوسرے ہاتھ سے جو شاید بعض حالات میں اپنے ہاتھ سے بھی زیادہ صاف ہو، وہ لقمہ کھانا ایک تندرست و توانا آدمی کے لئے کتنا گھناؤنا معلوم ہوتا ہے۔ چاول کا دانہ مکھی سے زیادہ معدہ میں گڑبڑ پیدا کر دیتا ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان سے سب مقصد حاصل ہو گئے اب ہمیں فوری طور پر کسی نئے پروگرام کے اختیار کرنے کی ضرورت نہیں وہ بھی غلطی کرتے ہیں۔ اگر بڑی اور اصولی باتوں کے لئے ہمیں نہ صرف خود سوچنے کی ضرورت ہے بلکہ قوم کو خود سوچنے کا موقعہ دینے کی ضرورت ہے بلکہ اہم مسائل کے متعلق ملک سے رائے عامہ لینے کی ضرورت ہے۔ تو بعض باتیں ایسی بھی تو ہیں جن کو ملک سوچ چکا ہے اور جو دیر سے زیر بحث چلی آتی رہی ہیں کیوں نہ ان کے متعلق فوری طور پر کوئی تدابیر اختیار کی جائیں۔ مثلاً یہی لے لو کہ گو پاکستان ایک جمہوری اصول پر قائم شدہ حکومت ہے، لیکن بہرحال وہ مسلمانوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے تو کیوں نہ فوری طور پر ان امور کے متعلق کوئی قانون جاری کر دیا جائے جن میں کوئی دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔ مثلاً کیوں نہ فوری طور پر یہ قانون پاس کر دیا جائے کہ ورثہ کے متعلق اسلامی قانون مسلمانوں میں جاری ہو۔ اسی طرح طلاق اور خلع کے متعلق اسلامی قانون جاری ہو۔ اسی طرح شراب کا پینا یا بیچنا مسلمان کیلئے منع ہو۔ یہ قانون بہرحال مسلمان کیلئے ہوتے۔ اس پر ہندو یا عیسائی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ ایک ہندو کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان شراب نہیں پیتا یا اپنی جائیداد کا حصہ اپنی بیٹی کو کیوں دیتا ہے۔ یا ایک مرد کو طلاق کا اور عورت کو خلع کا خاص شرائط کے ماتحت حق حاصل ہے۔ اسی طرح یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں تھا کہ ملک کے آزاد ہوتے ہی ملک میں اسلحہ کو قیود سے آزاد کیا جاتا۔ لائسنس کے بغیر تو کسی مہذب ملک میں بھی اسلحہ

کی اجازت نہیں۔ لیکن ان مہذب ممالک میں لائسنسوں پر ایسی قیود نہیں لگائی گئیں جیسی کہ اس ملک میں۔ حکومت کو فوراً ہی لائسنس پر سے قیود ہٹانی چاہیئے تھیں اور اس قسم کا قانون پاس کرنا چاہیئے تھا کہ سوائے بدمعاشوں اور فسادیوں کے ہر شریف شہری ہتھیار رکھ سکے اور اسے ہتھیار چلانا آتا ہو۔

اسی طرح سالہا سال سے کانگرس بھی اور مسلم لیگ بھی اس بات پر لڑتی چلی آئی تھی کہ جلسہ اور تقریر اور تحریر کی عام آزادی ملنی چاہیئے۔ اس بات کے متعلق بھی کسی نئے غور کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ تو ایک انسانی حق ہے جس کا مطالبہ دُنیا کی ہر قوم کرتی چلی آئی ہے۔ حکومت کو چاہیئے تھا کہ فوراً ان امور کے متعلق احکام نافذ کر دیتی اور ملک کے اندر یہ احساس پیدا کر دیتی کہ اب وہ آزاد ہیں، پہلے کی طرح غلام نہیں ہیں۔

اسی طرح ایگزکٹو اور جوڈیشل کو جُدا کرنے کا مسئلہ ہے۔ سالہا سال سے اس پر بحثیں ہوتی چلی آئی ہیں۔ کانگرس نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ مُسلم لیگ نے بھی اس کی تائید کی ہے اسلامی قانون کے مطابق بھی یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ایگزکٹو کا محکمہ الگ ہونا چاہیئے اور قضا کا محکمہ الگ ہونا چاہیئے۔ جب تک ان دونوں محکموں کو آزاد نہ کیا جائے افراد میں آزادی کی رُوح پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ ہر شخص کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ قضا کے ذریعہ سے اپنا حق لے سکتا ہے اور ہر افسر کو محسوس ہونا چاہیئے کہ اگر وہ کسی کا حق مارے گا تو اسے اس کی جوابدہی بھی کرنی پڑے گی۔

ان امور اور ایسے ہی کئی امور کے متعلق حکومت فوری کارروائی کر سکتی تھی۔ لیکن ہُوا یہ کہ وہی پُرانے قانون اور وہی پُرانے طریق باقی رہے۔ اور ابھی تک ملک کے باشندوں نے پوری طرح یہ بھی محسوس نہیں کیا کہ ان کا مُلک آزاد ہو چکا ہے۔

پس ہمارے نزدیک دونوں فریق کی غلطی تھی۔ اس نقص کی اصلاح کا یہ بھی ایک طریقہ تھا کہ مُسلم لیگ کے عُہدے ایسے لوگوں کو دیئے جاتے جو وزارت کے ممبر نہ ہوتے۔ ۱۶ر تاریخ کو یہ نیک قدم اُٹھایا گیا ہے۔ ہمیں اس سے تعلق نہیں کہ کون صدر ہوا ہے کون نہیں ہم یہ جانتے ہیں کہ ملک کے فائدہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ ملک کی سیاسی انجمن پر مُلک

کے وزراء قابض نہ ہوں۔ لیکن جس طرح یہ ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ملک کی آئین ساز مجلس، ملک کی وزارت اور اس کے افسروں کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرے۔ ان تین آزاد یا نیم آزاد اداروں کے باہمی تعاونوں سے ہی ملک کی حالت درست ہوا کرتی ہے۔ سیاسی انجمن کو حکومت کے افسروں کے اثر سے آزاد ہونا چاہیئے۔ مجلس آئین ساز کو سیاسی ادارے کے حکم سے آزاد ہونا چاہیئے اور حکومت اور حکام کو سیاسی انجمن کی دخل اندازی سے آزاد ہونا چاہیئے۔ بیشک اگر سیاسی انجمن یہ سمجھتی ہے کہ مجلس آئین ساز اس کی پالیسی کو ٹھیک طرح نہیں چلائے گی تو آئندہ انتخاب کے موقع پر وہ اس کے ممبروں کی جگہ دوسرے ممبر کھڑے کر دے۔ آئین ساز اسمبلی کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ سمجھتی ہے کہ وزراء اس کی مرضی کے مطابق کام نہیں کر رہے تو وہ اُن کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ پاس کر دے۔ اگر حکام صحیح طور پر کام نہ کر رہے ہوں تو پلیٹ فارم پر سے اُن کے خلاف آواز اُٹھائی جا سکتی ہے۔ لیکن خفیہ دباؤ یا مستقل طور پر اُن کے کام میں دخل اندازی کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہو سکتی۔ اگر ایسا کیا جائیگا تو نظام کی کل بالکل ڈھیلی پڑ جائے گی اور دُنیا کا بہترین قانون بھی پاکستان کو مضبوط نہ بنا سکے گا۔"[1]

پاکستان کا نظام حکومت اسلامی ہونا چاہیئے

۸۔ سیدنا المصلح الموعود نے ۱۷ر فتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو "پاکستان میں آئندہ حکومت کیسی ہو" کے موضوع پر اپنے قیمتی خیالات کا اظہار فرمایا۔ حضور کے ارشادات کا ملخص درج ذیل کیا جاتا ہے۔ فرمایا:۔

"اس وقت پاکستان میں یہ سوال زور سے اُٹھ رہا ہے کہ پاکستان کی آئندہ حکومت کیسی ہونی چاہیئے۔ آیا اسلامی ہونی چاہیئے یا عام سیاسی رنگ کی؟ میرے نزدیک یہ سوال خود ظاہر کر رہا ہے کہ جو لوگ اس پر بحث کرتے ہیں انہوں نے صحیح رنگ میں اسلام کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ وہ کبھی اس سوال کو بحث کا موضوع نہ بناتے۔ مثلاً یہ پوچھا جاتا ہے

[1] "الفضل" ۲۰ر نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲-۳

کہ پاکستان میں رہنے والے غیر مُسلم کس طرح اسلامی قانون کو تسلیم کریں گے۔ اب جو شخص اسلامی تعلیم سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ یہ کوئی پیچیدہ سوال نہیں ہے۔ اسلام نے عمل کے دو حصے کئے ہیں۔ ایک حصہ وہ ہے جو اپنے مذہب کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس حصہ کے متعلق تو صاف طور پر اسلامی احکام یہ ہیں کہ ہر قوم کو اپنے مذہب کی ہدایات پر چلنے کی اجازت ہے۔ قرآن مجید میں صاف طور پر آتا ہے کہ مذہب سے تعلق رکھنے والے امور کے متعلق اہلِ انجیل کو انجیل کی تعلیم کے مطابق اور اہلِ تورات کو تورات کی تعلیم کے مطابق فیصلے کرنے چاہئیں۔ یہی اصُول تمام دیگر مذاہب کے متبعین پر چسپاں ہوگا۔ پس جہاں تک اپنے اپنے مذہب کے طریق پر چلنے اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے کا سوال ہے۔ اسلام کسی مذہب میں بھی دخل اندازی نہیں کرتا۔ اس کا تو صاف حکم ہے کہ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ کہ ہر شخص کو اپنے اپنے طریق پر چلنے کی اجازت ہے۔ اسلام کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ فلاں چیز کھاؤ اور فلاں نہ کھاؤ یا مثلاً ورثہ کے متعلق ضرور اسلام کی تعلیم پر عمل کرو۔ ان امور میں اپنے اپنے مذہب کے پرسنل لاء پر عمل کرنے کی اجازت ہے۔ دوسرا حصہ اعمال کا ملکی اور اجتماعی سیاست کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ سو اس کے متعلق اسلام نے ایسی اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی ہے جو فطرت کے عین مطابق ہے اور جس کے متعلق کسی مذہب کا پیرو بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ میری مذہبی تعلیم میں مداخلت کے مترادف ہے۔ مثلاً اسلام نے چوری کی سزا مقرر کی ہے۔ اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے مذہب میں چوری جائز ہے۔ اس لئے اس کی سزا دینا مذہب میں مداخلت ہے۔ ہاں دیکھنے والی بات صرف یہ ہوگی کہ کوئی سزا انسانیت کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً کھال کھینچنا چونکہ انسانیت کے خلاف ہے، اس لئے اس کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ دیگر مذاہب میں اس بات کا لحاظ بالکل نہیں رکھا گیا۔ مثلاً ہندو مذہب کی یہ تعلیم یقیناً انسانیت کے خلاف ہے کہ شودر اگر وید منتر سُن لے تو سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں ڈالا جائے جو گویا اُسے جان سے مار دینے کے مترادف ہے۔ رہا یہ کہ چوری کی سزا کیا ہو۔ سو اس سلسلے میں تو ہر مُلک میں الگ الگ سزا مقرر ہے۔ ان چیزوں کی تفصیلات کے متعلق مسلمانوں کا حق ہے کہ جہاں وہ اکثریت

میں ہوں، جمہوری اصول کے مطابق اپنی مذہبی تعلیم کو نافذ کرنے کی کوشش کریں۔ اس میں کوئی مذہبی مداخلت کا سوال نہیں ہے۔

ٹیکسز کے متعلق اسلام نے جو عام اصول مقرر کئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ مذہبی دخل اندازی کا اُن میں بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اسلام میں دو قسم کے ٹیکس دینے کا حکم ہے۔ ایک زکوٰۃ شخصی اور ذاتی ہے۔ جس شخص کے پاس مال جمع ہو اُسے اس کا چالیسواں حصہ سالانہ زکوٰۃ میں دینا پڑتا ہے۔ لیکن یہ زکوٰۃ حکومت وصول نہیں کرتی بلکہ ہر شخص کو انفرادی طور پر خود دینی ہوتی ہے۔ اس لئے اس میں کسی جبر کا سوال ہی نہیں ہے۔ دوسرا ٹیکس زکوٰۃ جانوروں اور زمین وغیرہ کا ہوتا ہے۔ سو یہ ٹیکس ساری حکومتیں ہی ٹیکسوں کی صورت میں وصول کرتی ہیں۔ مسلمان اگر یہ ٹیکس اسلامی ہدایات کے مطابق وصول کریں گے تو کوئی شخص اسے مذہب میں مداخلت قرار نہیں دے سکتا۔ کیا کوئی غیر مسلم کہہ سکتا ہے کہ اگر مثلاً اتنا ٹیکس لوگے تو یہ میرے مذہب کے مطابق ہے اور اگر اتنا لوگے تو یہ مذہب میں مداخلت ہو جائے گی۔

ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ قانون کو اسلام ہی نے جنم دیا ہے سوائے تفصیلات کے جس میں اختلاف ہوا ہی کرتا ہے۔ جہاں تک اصول کا تعلق ہے موجودہ قانون بڑی حد تک اسلام کی مقرر کردہ لائنوں پر ہی وضع کیا گیا ہے۔ پس اسلام نے جو اصولی تعلیم دی ہے وہ کسی کے لئے بھی موجب اعتراض نہیں ہو سکتی اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ تعلیم جمہوریت کے اصولوں کے منافی ہے۔ حضور نے بطور مثال اس سلسلہ میں پردہ کے متعلق اور مقدمات میں گواہوں کی شہادت لینے کے متعلق اسلام کی پُر حکمت تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے وضاحت سے بتایا کہ درحقیقت ایک بھی حکم اسلام کا ایسا نہیں جو انسانی فطرت اور طبعی تقاضوں کے مطابق نہ ہو اور جس کے متعلق کوئی غیر مسلم یہ کہہ سکے کہ یہ مذہب میں مداخلت ہے۔

پس اس صورت میں یہ بحث ہی فضول ہے کہ پاکستان میں اسلامی حکومت ہوگی یا نہ ہوگی۔ اس حصہ کے متعلق پاکستان میں یقیناً اسلامی احکام نافذ ہونے چاہئیں اور چونکہ وہ فطرت کے مطابق ہیں اس لئے ان کے نفاذ میں نہ کوئی مشکل پیش آسکتی ہے اور نہ کسی کو

اعتراض ہو سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں حضور نے اس سوال کا بھی ذکر فرمایا کہ آیا پاکستان کی حکومت کو اسلام کا نام دیا جائے یا نہ دیا جائے۔ حضور نے فرمایا۔

پُرانے زمانے میں تو ہر جگہ مذہب کے نام پر حکومت چلا کرتی تھی۔ اسلئے اسوقت اور صورت تھی۔ اب یہ صورت نہیں ہے۔ اب اگر ہم اسلام کا نام حکومت کو دیں گے تو غیر مسلموں کا تو کچھ نہیں بگڑے گا بلکہ ان کا تو فائدہ ہی ہو گا کیونکہ اسلام انہیں پرسنل لاء کے معاملہ میں پوری آزادی دے گا اور ویسے بھی اسلامی لاء کے ماتحت انہیں ترقی کے پورے مواقع مل جائیں گے لیکن جہاں غیر مسلموں کی حکومت ہو گی اور مسلمان اقلیت میں ہوں گے وہاں انہیں مسلمانوں کو تنگ کرنے کا موقع ضرور مل جائے گا کیونکہ وہ کہیں گے کہ ہم بھی اب اپنی حکومت کو مذہبی رنگ دیں گے اور چونکہ ان کا مذہب مذہبی آزادی تو کجا انسانیت کے ابتدائی حقوق بھی غیر مذہب کے متبعین کو دینے کے لئے تیار نہیں ہے اس لئے لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی مذہبی حکومت مسلمانوں کے لئے سخت تکلیف اور تباہی کا موجب ہو گی۔

پس میرے نزدیک مذہب کا نام دینے کی ضرورت نہیں۔ اصل غرض تو مذہبی احکامات نافذ کرنے سے ہے۔ سو جس جگہ بھی مسلمانوں کی اکثریت ہو ان کا فرض ہے کہ وہ اسلامی احکامات کو نافذ کرنے کی کوشش کریں۔ ہمیں بھلا غیر مسلموں کو یہ کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ ہم تم سے ضرور قرآنی تعلیم پر عمل کرائیں گے جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ ہماری مذہبی تعلیم ہی ایسی فطرت کے مطابق ہے کہ غیر مُسلم آہستہ آہستہ خود اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ ہاں ضرورت اس بات کی ہے کہ آئندہ نظام حکومت مرتب کرنے کے لئے ایسے لوگ مقرر کئے جائیں جو اسلامی لاء کے ماہر ہوں۔ اگر ایسے لوگ مقرر کئے گئے جو خود اسلامی لاء سے ناواقف ہوں تو لازمی بات ہے کہ وہ اسلام کے نام پر غیر اسلامی قانون بنائیں گے، اس کے دو خطرناک نتیجے نکلیں گے۔ ایک یہ کہ وہ اسلام کو بدلیں گے دوسرا یہ کہ چونکہ وہ قانون ناقص اور غیر فطری ہوں گے اس لئے غیروں کو اسلام پر اعتراض کرنے کا موقعہ مل جائے گا"[1]

---

[1] ملخصاً "الفضل" ۱۹ ار فتح ۱۳۲۶ ہش / دسمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۴ تا ۵ +

فصل دوم

سیدنا المصلح الموعود نے پاکستان کے داخلی مسائل ہی میں راہ نمائی نہیں فرمائی بلکہ اس کے خارجی مسائل بالخصوص کشمیر و فلسطین کے معاملات میں گہری دلچسپی لی اور نہایت مخلصانہ اور مدبرانہ مشورے دیئے۔

حضرت سیدنا المصلح الموعود کے مبارک ہاتھوں سے آزاد کشمیر حکومت کی بنیاد

حکومت پاکستان کی طرف سے ابھی تک نہ صرف یہ کہ معاملہ کشمیر کے بارے میں سرے سے کوئی عملی قدم نہیں اُٹھایا گیا تھا بلکہ کوئی واضح پالیسی بھی اختیار نہیں کی گئی تھی کہ حضرت سیدنا المصلح الموعود کے مقدس اور مبارک ہاتھوں سے آزاد کشمیر حکومت کا وجود عمل میں آیا جس کی تفصیل سردار گل احمد خاں کوثر سابق چیف پبلسٹی آفیسر جمہوریہ حکومت کشمیر کے الفاظ میں درج کی جاتی ہے:۔

"یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جونا گڑھ میں عارضی متوازی حکومت کا اعلان کیا گیا اور نواب جونا گڑھ کو معزول کیا گیا۔ جناب مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ نے دیکھا کہ یہی وقت کشمیریوں کی آزادی کا ہے تو آپ نے کشمیری لیڈروں اور ورکروں کو بلایا میٹنگ میں یہ فیصلہ ہوا کہ مفتی اعظم ضیاء الدین صاحب ضیاء کو عارضی جمہوریہ کشمیر کا صدر بنایا جائے مگر انہوں نے انکار کیا۔ اس کے بعد ایک اور نوجوان قادری صاحب کو کہا گیا۔ اس نے بھی انکار کیا۔ آخر میں قرعہ خواجہ غلام نبی صاحب گلکار انور صاحب کے نام پڑا۔ ۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو گجرات میں ایک اور میٹنگ ہوئی جس میں غضنفر علی خاں وغیرہ سے مشورہ ہوا۔

بمشورہ ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتی پلیڈر مسودہ تیار کیا گیا۔ اس کی نقل بذریعہ ماسٹر امیر عالم صاحب کوٹلی اور چوہدری رحیم داد صاحب حال سب جج بھمبر آزاد کشمیر جناب مرزا صاحب کی خدمت میں لاہور بھیج دی گئی۔ سیلاب کی وجہ سے راولپنڈی اور لاہور کی ریل بند تھی۔ مرزا صاحب نے خواجہ غلام نبی صاحب گلکار انور کو اپنے ذاتی ہوائی جہاز میں لاہور سے گوجرانوالہ بھیج دیا۔

۴؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کو بمقام پیرس ہوٹل متصل ریلوے پُل راولپنڈی کارکنوں کی کئی میٹنگیں ہوئیں۔ آخر مسودہ پاس ہو کر خواجہ غلام نبی صاحب گلکار انورؔ کے ہاتھ سے لکھکر انور بانی صدر "عارضی جمہوریہ حکومت کشمیر" کے نام سے ہری سنگھ کی معزولی کا اعلان ہوا۔ خواجہ غلام نبی گلکار انورؔ صاحب نے یہ تار راولپنڈی صدر تار گھر سے غالباً چالیس روپیہ دے کر دے دیا۔ یہ پریس ٹیلیگرام ہندوستان اور پاکستان کے اخبارات کے علاوہ اے۔پی۔ آئی کو دیا گیا۔ راولپنڈی میں اس وقت اے پی پی کا کوئی نمائندہ نہیں تھا۔ مسٹر بشارت "پاکستان ٹائمز" کے نمائندے تھے۔ اعلان کے بعد ۵ر تاریخ کو راقم الحروف[1] خواجہ غلام نبی گلکار انورؔ اور بشارت صاحب نے باجازت باقی ممبران کیبنٹ سردار محمد ابراہیم خاں صاحب پرائم منسٹر عارضی جمہوریہ حکومتِ کشمیر کا بیان تیار کر کے شائع کر دیا گیا۔ جو اخبارات میں چھپ گیا۔ خواجہ غلام نبی گلکار انور صاحب بانیٔ صدر عارضی جمہوریہ حکومتِ کشمیر کے بیان میں یہ واضح کر دیا گیا کہ ۴؍اکتوبر ۱۹۴۷ء ایک بجے رات کے بعد ہری سنگھ کی معزولی کے ساتھ "عارضی جمہوریہ حکومتِ کشمیر" کا قیام بمقام مظفر آباد عمل میں لایا گیا اور انورؔ اس حکومت کا صدر ہے۔

۴؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کو بمقام پیرس ہوٹل راولپنڈی حسب ذیل وزیر اور عہدہ دار مقرر ہوئے۔ چونکہ معاملہ عارضی تھا اور کسی کو کیا گمان تھا کہ یہ حقیقت بن کر رہے گا مگر دل سے جو آواز نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

صدر "عارضی جمہوریہ حکومت کشمیر"	خواجہ غلام نبی صاحب گلکار انور
پرائم منسٹر	سردار محمد ابراہیم خاں صاحب بمشورہ مولوی غلام حیدر صاحب جنڈالوی (سردار ابراہیم خانصاحب میٹنگ میں موجود نہ تھے)
وزیر مالیات	سید نذیر حسین شاہ
وزیر دفاع	مولوی غلام حیدر جنڈالوی

[1] یعنی احمد گل صاحب کوثر مدیر اخبار "ہمارا کشمیر" (مظفر آباد)۔

چیف پبلسٹی آفیسر   گل احمد خاں کوثر (راقم الحروف)

میٹنگ میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ خواجہ انور صاحب کو سرینگر فوراً روانہ کر دیا جائے۔ اور انہیں مکمل اختیار دے دیا گیا کہ وہ جنہیں مناسب سمجھیں انڈر گراونڈ گورنمنٹ میں وزیر یا عہدیدار بنالیں۔ چنانچہ ریڈیو سے ۴۔ ۵ ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پے در پے "عارضی جمہوریہ حکومت کشمیر" کے قیام کا اعلان بمقام مظفر آباد ہوتا رہا۔ خواجہ انور بانی صدر ۶ ر اکتوبر کو راولپنڈی سے روانہ ہوئے۔ اسی روز انہیں مسٹر عبدالرحیم دُرّانی دومیل پُل کے پاس ملے تو انہیں ڈیفنس سکرٹری مقرر کرکے کشمیر چھوڑنے کو کہا۔ خواجہ غلام دین صاحب وانی کو بھی مظفر آباد چھوڑنے کو کہا۔ اور ان دونوں صاحبان کو فوری لاہور مرزا صاحب کے پاس جانے کو کہا گیا۔ ۴ ر اکتوبر ۱۹۴۷ء میں یہ فیصلہ بھی ہوا تھا کہ وزیر مالیات سید نذیر حسین شاہ صاحب وزیر دفاع مولوی غلام حیدر صاحب جنڈالوی، گل احمد خاں کوثر (راقم الحروف) اور دیگر لیڈران تحریک جناب مرزا صاحب کی خدمت میں لاہور پہنچ جائیں گے اور مشورہ کریں گے۔ کیونکہ اس وقت حالت یہ تھی کہ مغربی پاکستان اور کشمیر کی آزادی دونوں خطرے میں نظر آ رہی تھیں اور عارضی حکومت کا اعلان اخبارات میں چھپ چکا تھا۔ مگر ان مذکورہ بالا آدمیوں کے سوا کسی کو علم نہ تھا کہ یہ اعلان کس نے کیا اور کیسے ہوا؟

خواجہ غلام نبی گلکار انور صاحب بانی صدر ۸ ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو شیخ محمد عبداللہ صاحب کے مکان واقع سورہ سرینگر پر ملے۔ ½ ۲ گھنٹے باتیں ہوئیں۔ آخر میں یہ طے پایا کہ ان کے اور قائد اعظم کے درمیان ملاقات کا بندوبست کر دیا جائے۔ ۷ ر اکتوبر ۱۹۴۷ء سے لے کر ۲۲ ر اکتوبر ۱۹۴۷ء تک گویا ۱۵ یوم کے عرصہ میں چھان بین کرکے حسب ذیل وزراء اور عہدیدار مقرر ہوئے۔[۱]

وزیر تعلیم ۔ مسٹر علیم (ڈاکٹر نذیر الاسلام صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی)

وزیر صحت و صفائی ۔ مسٹر لقمان (ڈاکٹر وزیر احمد صاحب قریشی مرحوم ۔ ۔ ۔ سابق ملحقہ آفیسر سرینگر)

---

[۱] اصل نام مصلحتاً پوشیدہ رکھے گئے اور ان کی بجائے ان کے متبادل نام رکھے گئے تھے تاکہ ان کو کام کرنے میں آسانی ہو (مؤلف)

وزارت زراعت ۔ مسٹر فہیم (اندرون کشمیر ہیں)
وزیر عدل و انصاف۔ مسٹر انصاف (اندرون کشمیر ہیں)
وزیر صنعت و حرفت۔ مسٹر کارخانہ (اندرون کشمیر ہیں)
گورنر کشمیر۔ مسٹر شمس النہار (اندرون کشمیر ہیں)[1]
ڈائریکٹر ریشم خانہ۔ مسٹر ریشم الدین (اندرون کشمیر ہیں)
ڈائریکٹر میڈیکل سروسز۔ ڈاکٹر بشیر محمود صاحب وانی مرحوم آف پونچھ
چیف انجنیئر۔ مسٹر انعام (خلیفہ عبد المنان صاحب)
انسپکٹر جنرل پولیس۔ مسٹر حکیم صاحب
ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس۔ مسٹر سلیم (محمد اکبر کیانی صاحب)
سکرٹری فار ٹرانسپورٹ۔ مسٹر رحمت اللہ صاحب آف چراغدین اینڈ سنز
ڈپٹی پبلسٹی آفیسر۔ منور (خواجہ عبد الغفار صاحب ڈار)

انڈر گراؤنڈ گورنمنٹ کی تشکیل کے بعد فوجی رضاکاروں کو منظم کرنے کے لئے مسٹر جون (اندرون کشمیر ہیں) کو کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا۔ اور ہری سنگھ کی گرفتاری کی سکیم کی تعمیل پر غور ہوتا رہا اور سکیم کا بہت سا حصہ بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ اس میں کیپٹن بدرالدین صاحب، کیپٹن جمال الدین صاحب، مرزا میاں عبدالرشید ایم۔ایل۔اے، سجادہ نشین درگاہ کبینا شریف اور بہت سے دوست تھے جو اندرونِ کشمیر میں مقیم ہیں۔ اس شعبہ کے اجلاس کارونیشن ہوٹل متصل لال چوک ایبا کدل ہوتے رہے۔"[2]

حیدرآباد اور کشمیر کو متوازی سطح پر حل کرنے کے لئے پُرزور آواز

اس ابتدائی زمانہ میں حضرت سیدنا المصلح الموعود نے یہ آواز بھی بلند کی کہ کشمیر کو بہرکیف پاکستان میں شامل کیا جائے اور حکومت پاکستان حیدرآباد اور کشمیر کو ایک متوازی سطح پر حل کرنے کے لئے فوری کارروائی کرے چنانچہ اس سلسلہ میں حضور نے ۱۶؍اخاء/اکتوبر

---

[1] خواجہ غلام محمد خاں مرحوم المعروف عدم تشدد ۔
[2] روزنامہ "ہمارا کشمیر" مظفرآباد مورخہ ۱۴؍اکتوبر ۱۹۵۳ء (ایڈیٹر گل احمد خاں کوثر) ۔

۱۷ ؍ اخاء ۱۳۲۶ہش ؍ ۱۹۴۷ء کو ایک پریس کانفرنس منعقد کی جس کی روداد اخبار "زمیندار" نے حسب ذیل الفاظ میں شائع کی:۔

"

کشمیر کو ہر قیمت پر پاکستان میں شامل کیا جائے

مرزا بشیر الدین امیر جماعت احمدیہ کا بیان

لاہور ۱۷ اکتوبر۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے کل ایک پریس کانفرنس میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان یا ہندوستان میں ریاست ہائے کشمیر و حیدر آباد کی شمولیت کا فیصلہ بیک وقت ہونا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ خواہ حکمران یا خواہ عوام کو شمولیت کے فیصلے کا مجاز قرار دیا جائے۔ لیکن دونوں ریاستوں کے فیصلہ کا معیار ایک ہی ہونا چاہیئے۔

مرزا صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ کشمیر کا پاکستان میں شامل ہونا اشد ضروری ہے کیونکہ اگر کشمیر ہندوستان میں شامل ہو گیا تو پاکستان کی سرحد پانچ سو میل لمبی ہو جائیگی اور حملے کا خطرہ بڑھ جائے گا۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ حکومت پاکستان اس سلسلے میں مؤثر اقدام کرے گی۔ آپ نے ہر دو حکومتوں سے مطالبہ کیا کہ انہیں مقدس مقامات کی حفاظت کے لئے آپس میں معاہدہ کرنا چاہیئے۔" [1]

مسئلہ کشمیر کے فوری حل کیلئے "الفضل" میں مفصل مضمون

حضور انور نے حکومت پاکستان اور عوام دونوں پر اپنا مندرجہ بالا نقطۂ نگاہ نمایاں کرنے کے لئے "کشمیر اور حیدر آباد" کے عنوان سے ایک مفصل مضمون رقم فرمایا جو "الفضل" ۱۹ ؍ اخاء ؍ اکتوبر ۱۳۲۶ہش ؍ ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ حضور نے حیدر آباد اور کشمیر کے حالات کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا:۔

"حیدر آباد اور کشمیر کے سوال متوازی ہیں اور ایک کا فیصلہ دوسرے کے فیصلہ کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ جب تک ان میں سے کوئی ایک حکومت فیصلہ نہیں کرتی۔ اس وقت تک پاکستان کے ہاتھ مضبوط ہیں۔ عقلی طور پر ان دونوں ریاستوں کے فیصلے دو اصول میں سے ایک پر مبنی ہو سکتے ہیں یا تو اس اصل پر کہ جدھر راجہ جانا چاہے اس کو اجازت ہو۔ اگر یہ اصل تسلیم کر لیا جائے تو حیدر آباد پاکستان میں شامل ہو سکتا ہے یا آزادی کا اعلان کر کے

---

[1] "زمیندار" ۱۹ ؍ اخاء ؍ اکتوبر ۱۳۲۶ہش ؍ ۱۹۴۷ء صفحہ ۵

پاکستان سے معاہدہ کر سکتا ہے اور کشمیر ہندوستان یونین میں شامل ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں پاکستان کی آبادی میں پونے دو کروڑ کی زیادتی ہو جائے گی اور ایک طاقت ور حکومت جس میں کثرت سے معدنیات پائی جاتی ہیں پاکستان کو مل جائے گی اور بوجہ پاکستان میں شمولیت کے ہندوستان اس کے ذرائع آمد و رفت کو بھی بند نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ اس طرح وہ پاکستان سے جنگ کرنے والا قرار پائے گا۔

دوسرے اس اصل پر فیصلہ ہو سکتا ہے کہ ملک کی اکثریت جس امر کا فیصلہ کرے اسی طرف ریاست جا سکتی ہے۔ اگر اس اصل کو تسلیم کر لیا جائے تو کشمیر پاکستان کے ساتھ ملنے پر مجبور ہوگا اور حیدرآباد ہندوستان کے ساتھ ملنے پر مجبور ہوگا۔ اگر ایسا ہوا تو پاکستان کو یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ بتیس لاکھ مسلمان آبادی اس کی آبادی میں اَور شامل ہو جائے گی۔ لکڑی کا بڑا ذخیرہ اس کو مل جائے گا۔ بجلی کی پیداوار کے لئے آبشاروں سے مدد حاصل ہو جائے گی اور روس کے ساتھ اس کی سرحد کے مل جانے کی وجہ سے اسے سیاسی طور پر بڑی فوقیت حاصل ہو جائے گی۔

پس پاکستان کے لئے ان دونوں ریاستوں میں سے کسی ایک کا مل جانا نہایت ہی ضروری ہے لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس معاملہ کی طرف پاکستان گورنمنٹ نے توجہ نہیں کی اور ہندوستانی گورنمنٹ جلد جلد ایسے حالات پیدا کر رہی ہے کہ شاید دونوں ریاستیں ہی ہندوستان میں شامل ہو جائیں۔ پاکستان گورنمنٹ کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ ان دونوں ریاستوں کے متعلق ویسی ہی جلدی سے کام لیتی جیسا کہ ہندوستان لے رہا ہے اور ہندوستان پر یہ زور ڈالتی کہ ان دونوں ریاستوں کے متعلق ایک ہی اصل سے کام لیا جائے گا۔ یا دونوں ریاستوں کا فیصلہ حکمران کے فیصلہ کے مطابق ہوگا یا دونوں ریاستوں کا فیصلہ آبادی کی اکثریت کے فیصلہ کے مطابق ہوگا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ اب یہ تشویشناک اطلاعیں آ رہی ہیں کہ چار پانچ کے دن کے اندر اندر حیدرآباد اپنا آخری فیصلہ کر دے گا بلکہ شاید آج ۱۶ تاریخ کو ہی اس کا آخری فیصلہ شائع ہو جائے۔ اگر ایسا ہو گیا اور حیدرآباد ہندوستان کے ساتھ مل گیا تو دنیا دیکھ لے گی کہ ہندوستان یونین کی اکثریت کے

فیصلہ کو نظر انداز کر کے اس امر پر زور دینے لگے گی کہ جو والئ ریاست کہے اسی کے مطابق فیصلہ ہونا چاہیئے۔ اور کشمیر کا والئ ریاست یقیناً ہندوستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کرے گا جب تک حیدر آباد ہندوستان یونین میں شامل نہیں ہوتا، ہندوستان یونین اس دلیل کو کبھی تسلیم نہیں کرے گی۔ کیونکہ اگر وہ کشمیر کو ملانے کے لئے اس دلیل پر زور دے تو حیدر آباد اس کے ہاتھ سے جاتا ہے۔ لیکن جب حیدر آباد اس کے ساتھ مل گیا تو پھر وہ اسی دلیل پر زور دے گا خصوصاً اس لئے کہ پاکستان کے بعض لیڈر یہ اعلان کر چکے ہیں کہ موجودہ قانون کے لحاظ سے فیصلہ کا حق والئ ریاست کو ہے نہ کہ ملک کی اکثریت کو۔ اس صورت میں کشمیر کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل باقی نہیں رہے گی۔

پس ہمارے نزدیک پیشتر اس کے کہ حیدر آباد کے فیصلہ کا اعلان ہو حکومت پاکستان کو اعلیٰ سیاسی سطح پر ان دونوں ریاستوں کے متعلق ایک ہی وقت میں فیصلہ کرنے پر اصرار کرنا چاہیئے اور ہندوستانی یونین سے یہ منوا لینا چاہیئے کہ وہ دونوں طریق میں سے کس کے مطابق فیصلہ چاہتا ہے۔ کہ آیا والئ ریاست کی مرضی کے مطابق یا آبادی کی کثرت رائے کے مطابق۔ اگر والئ ریاست کی مرضی کے مطابق فیصلہ ہو تو حیدر آباد اور جونا گڑھ کے متعلق ان کو اصرار کرنا چاہیئے کہ یہ پاکستان میں شامل ہوں اور اگر آبادی کی کثرت رائے کے مطابق فیصلہ ہو تو پھر کشمیر کے متعلق ان کو اصرار کرنا چاہیئے کہ وہ پاکستان میں شامل ہو

ہم جو کچھ اُوپر لکھ آئے ہیں اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پاکستان کا فائدہ اسی میں ہے کہ کشمیر اس کے ساتھ شامل ہو۔ حیدر آباد کی حفاظت کرنی اس کے لئے مشکل ہے۔ اور پھر کسی ایسی حکومت کو دیر تک قابو میں نہیں رکھا جا سکتا جس کی آبادی کی اکثریت ایسے اتحاد کے مخالف ہو۔ تیسرے حیدر آباد چاروں طرف سے ہندوستان یونین میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے برخلاف کشمیر کی اکثر آبادی مسلمان ہے۔ کشمیر کا لمبا ساحل پاکستان سے ملتا ہے۔ کشمیر کی معدنی اور نباتاتی دولت ان اشیاء پر مشتمل ہے جن کی پاکستان کو اپنی زندگی کے لئے اشد ضرورت ہے اور کشمیر کا ایک ساحل پاکستان کو چین اور رُوس کی سرحدوں سے ملا دیتا ہے۔ یہ فوائد اتنے عظیم الشان ہیں کہ ان کو کسی صورت میں بھی چھوڑنا درست نہیں۔ ایک بات یہ بھی ہے

کہ پاکستان کی سرحدیں کشمیر کے ہندوستان یونین میں مل جانے کی وجہ سے بہت غیر محفوظ ہوجاتی ہیں۔ پس ملک کے ہر اخبار، ہر انجمن، ہر سیاسی ادارے اور ہر ذمہ دار آدمی کو پاکستان حکومت پر متواتر زور دینا چاہیئے کہ حیدر آباد کے فیصلہ سے پہلے پہلے کشمیر کا فیصلہ کروا لیا جائے ورنہ حیدر آباد کے ہندوستان یونین سے مل جانے کے بعد کوئی دلیل ہمارے پاس کشمیر کو اپنے ساتھ شامل کرنے کے لئے باقی نہیں رہے گی سوائے اس کے کہ کشمیر کے لوگ خود بغاوت کرکے آزادی حاصل کریں لیکن یہ کام بہت لمبا اور مشکل ہے اور اگر کشمیر گورنمنٹ ہندوستان یونین میں شامل ہوگئی تو پھر یہ کام خطرناک بھی ہوجائے گا کیونکہ ہندوستان یونین اس صورت میں اپنی فوجیں کشمیر میں بھیج دے گی اور کشمیر کو فتح کرنے کا صرف یہی ذریعہ ہوگا کہ پاکستان اور ہندوستان یونین آپس میں جنگ کریں'' [۱]

افسوس اس بروقت انتباہ پر ابھی چند روز ہی گذرے تھے کہ ۲۷؍ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن گورنر جنرل بھارت نے کشمیر کو انڈین یونین میں شامل کرنے کا اعلان کر دیا اور ہندوستانی فوجیں کشمیر میں داخل ہوگئیں۔ اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے کشمیر میں پاکستانی فوج روانہ کرنے کا فوری حکم صادر فرما دیا۔ اور یہ حکم حکومت مغربی پاکستان کے ملٹری سیکرٹری کی معرفت ایکٹنگ پاکستان کمانڈر انچیف جنرل گریسی کے پاس بھی پہنچ گیا مگر جنرل گریسی نے جواب دیا کہ سپریم کمانڈر کی منظوری کے بغیر وہ خود کوئی ہدایت فوج کو جاری نہیں کر سکتے۔ اور سپریم کمانڈر فیلڈ مارشل سر کلوڈ اوکنلک نے قائداعظم کے سامنے یہ موقف اختیار کیا کہ اب جبکہ کشمیر ہندوستان سے الحاق کر چکا ہے انڈین یونین کو مہاراجہ کی درخواست پر کشمیر میں فوج داخل کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ کیمبل جانسن اپنی کتاب "عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن" میں اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ قائداعظم نے اوکنلک کی موجودگی میں اپنا آرڈر منسوخ کر دیا۔ [۲]

ماؤنٹ بیٹن کی الحاق کشمیر سے متعلق دیرینہ سازش کا انکشاف

اہل پاکستان کے لئے کشمیر کا ہندوستان سے الحاق بظاہر ایک نیا مسئلہ تھا مگر سیدنا المصلح الموعود نے واضح فرمایا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن عرصہ سے کشمیر کو بھارت سے ملانے کی سازش کر رہے تھے اور پٹھانکوٹ

---

[۱] "الفضل" ۱۹؍ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۱-۲

[۲] "عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن" مصنفہ کیمبل جانسن مترجمہ یونس احمد ایم۔اے۔ ناشر نفیس اکیڈیمی کراچی نمبر ۱۹۶۲ء

اور بٹالہ کی تحصیلوں کو انڈین یونین میں شامل کرنے کا منصوبہ اس سلسلہ کی بنیادی کڑی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

"یوں تو مسلمان عام طور پہ یہ سمجھتے ہیں کہ کشمیر کا معاملہ نہایت اہم ہے۔ لیکن اس کی اہمیت کا پورا انکشاف انہیں حاصل نہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کشمیر کا ہندوستان سے الحاق شاید کوئی نیا مسئلہ ہے مگر یہ بات درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کے ہندوستان سے الحاق کی داغ بیل بہت عرصہ پہلے پڑ چکی تھی۔ بونڈری کے فیصلہ سے عرصہ پہلے ہندوستان کی تقسیم کے سوال کا فیصلہ ہوتے ہی لارڈ مونٹ بیٹن کشمیر گئے اور ان کے سفر کا مقصد وحید یہی تھا، کہ وہ مہاراجہ کشمیر کو ہندوستان میں شامل ہونے کی تحریک کریں۔ حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ لارڈ مونٹ بیٹن کلی طور پہ ہندوؤں کی تائید میں رہے ہیں اور مسلمانوں کے مفاد کی انہوں نے کبھی بھی پروا نہیں کی۔ اگر انہوں نے پاکستان کے بنانے کے حق میں رائے دی تو اس یقین کے ساتھ دی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں پاکستان تباہ ہو کر پھر ہندوستان میں شامل ہو جائے گا اور ان کا سارا زور اسی بات کے لئے خرچ ہوتا رہا۔ جب لارڈ مونٹ بیٹن کشمیر کے راجہ کو نصیحت کرنے کے لئے وہاں گئے اور اسی طرح کانگرس کے اور لیڈر بھی جیسے مسٹر گاندھی وہاں گئے تو لازمی بات ہے کہ ان بحثوں میں گورداسپور کے ضلع کا سوال بھی پیدا ہوا ہوگا . . . . پس جب لارڈ مونٹ بیٹن مہاراجہ کشمیر سے ملنے کے لئے گئے اور کانگرس نے مہاراجہ کشمیر پہ زور دینا شروع کیا کہ وہ ہندوستان یونین کے ساتھ شامل ہوں تو اس کے معنی یہ تھے کہ ان لوگوں نے گورداسپور اور بٹالہ کو ہندوستان یونین میں شامل کرنے کا پہلے سے فیصلہ کیا ہوا تھا اور جب سر ریڈکلف نے گورداسپور اور بٹالہ کو خلافِ انصاف اور خلافِ عقل ہندوستان یونین میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کے یہ معنے تھے کہ کشمیر کو ہندوستان یونین میں شامل کرنے کا فیصلہ پہلے سے ہو چکا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان نتائج کو صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں انگلستان کی دو بڑی ہستیوں پر خطرناک الزام عائد ہوتا ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ مندرجہ بالا واقعات کی بناء پر اس نتیجہ کے سوا اور کوئی نتیجہ نکل ہی نہیں سکتا۔ اگر یہ بات ممکن تھی اور اگر عقل اور انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ گورداسپور اور بٹالہ کی تحصیلیں پاکستان میں شامل ہوں تو سر

ریڈ کلف کے ایوارڈ سے پہلے لارڈ مونٹ بیٹن، مسٹر گاندھی اور دوسرے کانگرسی اکابر کا مہاراجہ کشمیر کے پاس جانا اور انہیں ہندوستان یونین میں شامل ہونے کی تحریک کرنا بالکل بے معنی ہو جاتا ہے۔ کیا کوئی عقل مند آدمی اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ لارڈ مونٹ بیٹن مسٹر گاندھی اور دوسرے کانگرسی اکابر ایک ایسی بات منوانے کے لئے کشمیر گئے تھے جو تحصیل گورداسپور اور تحصیل بٹالہ میں مسلم اکثریت ہونے کی وجہ سے بالکل ناممکن تھی۔ ان کا جانا بتاتا ہے کہ یہ بات پہلے سے طے پا چکی تھی ۔۔ اور تحصیل بٹالہ اور تحصیل گورداسپور باوجود مُسلم اکثریت کے ہندوستان یونین میں شامل کی جائیں گی۔ اور اگر یہ بات پہلے سے طے کی جا چکی تھی تو سر ریڈ کلف کا ایوارڈ محض ایک دکھاوا تھا۔ ایک طے شدہ بات کے اعلان سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہ تھی . . . .

بہرحال جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کشمیر کو ہندوستان یونین میں ملا دینے کا فیصلہ برطانوی حکومت کے بعض نمائندے اور کانگرس مشترکہ طور پر پہلے کر چکے تھے۔ اس کے بعد جو کچھ کیا گیا ہے وہ محض دکھاوا اور کھیل ہے۔ مگر بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ کشمیر کو ہندوستان یونین میں ملا دینے کا فیصلہ صرف کشمیر کی خاطر نہیں کیا گیا بلکہ اس لئے کیا گیا ہے کہ صوبہ سرحد کے ساتھ ہندوستان یونین کا تعلق قائم ہو جائے۔ صوبہ سرحد میں سرخپوش (RED SHIRTS) کے ذریعہ سے کانگرس کی تائید میں ایک جال پھیلایا گیا ہے۔ عبدالغفار خاں کے ذریعہ سے لاکھوں روپیہ کانگرس سرحد میں تقسیم کر رہی ہے . . . .

اب تین طاقتیں پاکستان کے خلاف صوبہ سرحد میں کام کر رہی ہیں۔ پاکستان کے شمال مغربی سرحدی صوبہ میں سرخپوشوں کی جماعت، آزاد سرحد میں فقیر ایپی کے لوگ۔ اور افغانستان میں وہ پارٹی جو افغانستان کی سرحدوں کو سندھ تک بڑھا دینے کی تائید میں آوازیں اُٹھا رہی ہے۔ افغانستان کی فوجی طاقت ہرگز اتنی نہیں کہ وہ پاکستان میں داخل ہو کر سندھ کو فتح کر سکے۔ یہ فریب اسے ہندوستان کے بعض آدمیوں نے دیا ہے اور سکیم یہ ہے کہ خدانخواستہ اگر کشمیر کی آزادی کی تحریک کو کچل دیا جائے اور ہندوستان یونین کا اثر کشمیر کی آخری سرحدوں تک پہنچ

جائے تو وہاں سے روپیہ اور اسلحہ شمال مغربی صوبہ میں پھیلایا جائے اور سرحد پار کے قبائل میں پھیلایا جائے۔ اس اسلحہ اور روپیہ کے قبول کرنے کے لئے زمین تیار ہے، اور اس اسلحہ اور روپیہ کو پھیلانے کے لئے بھی آدمی میسر ہیں۔ جب یہ سکیم مکمل ہو جائے گی تو ادھر سے سرحد میں بغاوت کرا دی جائے گی۔ ادھر سے فقیر ایپی کے ساتھی سرحدی صوبہ میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے اور تیسری طرف کشمیر کی طرف سے ڈوگرے اور سکھ سپاہی فوج سے چوری بھاگ کر ضلع ہزارہ اور راولپنڈی پر حملے شروع کر دیں گے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ پاکستان کی حالت اگر مشرقی سرحد سے سکھ بھی حملے کرنے شروع کر نے لگ جائیں تو صرف اس مصالحہ کی سی رہ جائے گی جو شامی کباب (سینڈوچ) کے پیٹ میں بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اور ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایسی خطرناک صورت ہوگی کہ اس سے بچنا نہایت اور نہایت ہی مشکل ہوگا۔ تقسیم پنجاب سے پہلے کی سوچی ہوئی یہ سکیمیں ہیں اور شطرنج کی سی چال کے ساتھ ہوشیاری کے ساتھ اس سکیم کو پورا کیا جا رہا ہے۔

ہم نے وقت پر اپنے اہل وطن کو ہوشیار کر دیا ہے۔ زمانہ بتا دے گا، کہ جو بات آج عقل کی آنکھوں سے نظر آ رہی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد واقعات بھی اس کی شہادت دینے لگیں گے۔ ہمارے نزدیک اس کا علاج یقیناً موجود ہے اور حکومت پاکستان اب بھی اپنی مات کو جیت میں تبدیل کر سکتی ہے۔ اب بھی وہ ان منصوبوں کے بداثرات سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ کیا کسی کے کان ہیں کہ وہ سُنے۔ کیا کسی کی آنکھیں ہیں کہ وہ دیکھے۔ کوئی دل گردے والا انسان ہے جو ہمت کر کے اس مقصد کو پُورا کرنے کے لئے کھڑا ہو جائے؟"[1]

مجاہدینِ کشمیر کیلئے اپیل

سیّدنا المصلح الموعود کو تحریک آزادیٔ کشمیر کے قائد ہونے کی حیثیت میں برسوں سے کشمیری مسلمانوں کے ساتھ جو گہرا تعلق رہا تھا اس میں آزاد کشمیر حکومت کے قیام کے بعد اَور بھی اضافہ ہو گیا تھا اور اب آپ اس کی کامیابی کی تجاویز و تدابیر

---

[1] "الفضل" ۱۴؍ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۱-۲

سوچنے کے لئے گویا وقف ہو گئے تھے۔

سردیاں آپہنچی تھیں۔ اور اگرچہ تحریک کشمیر میں کام کرنے والے لوگ جو مظفرآباد، پونچھ، ریاسی، میرپور اور سرحد کے باشندے تھے، برفانی علاقوں کے تھے۔ مگر باوجود اس کے کہ وہ موزوں لباس کے بغیر ان علاقوں میں جدوجہد آزادی جاری نہیں رکھ سکتے تھے اور انہیں گرم جرابوں، گرم سویٹروں، بوٹوں، پیٹیوں اور بھاری کمبلوں کی فوری ضرورت تھی۔ لہذا حضور نے ۱۲ ؍نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے الفضل میں مجاہدین کشمیر کے لئے اعانت کی پُرزور اپیل فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:۔

"کشمیر کا مستقبل پاکستان کے مستقبل سے وابستہ ہے۔ آج اچھا کھانے اور اچھا پہننے کا سوال نہیں۔ پاکستان کے مسلمانوں کو خود فاقے رہ کر اور ننگے رہ کر بھی پاکستان کی مضبوطی کے لئے کوشش کرنی چاہیئے اور جیسا کہ ہم اُوپر بتا چکے ہیں۔ پاکستان کی مضبوطی کشمیر کی آزادی کے ساتھ وابستہ ہے۔ ہم تمام پاکستان کے رہنے والوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ آزادی کشمیر کی جدوجہد میں حصہ لینے والوں کی کمبلوں، گرم کوٹوں، برساتی کوٹوں، زمین پر بچھانے والی برساتیوں، برفانی بوٹوں، گرم جرابوں اور گرم سویٹروں سے امداد کریں۔ یہ چیزیں کچھ تو ان دکانوں سے مہیا کی جا سکتی ہیں جنہوں نے گذشتہ زمانہ میں ڈسپوزل کے محکمہ سے سامان خریدا تھا اور کچھ سامان ابھی ڈسپوزل کے سٹوروں میں پڑا ہوگا جو ملک کے پاس فروخت کرنے کے لئے ہے۔ وہاں سے بھی سامان خریدا جا سکتا ہے اور کچھ سامان خود سرحد کشمیر اور پونچھ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے صحیح جگہ پر روپیہ بھجوا دینا نہایت ضروری ہے۔ ہم پاکستان کے تمام اخباروں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے خریداروں سے روزانہ اس کام کے لئے چندہ کی اپیل کریں یا سارے اخبار مل کر ایک کمیٹی بنالیں جو مشترکہ طور پر روپیہ جمع کرے اور ایسے ضروری سامان خریدے جو مغربی پاکستان میں مل سکتے ہیں۔ اور جو مغربی پاکستان میں نہیں مل سکتے لیکن خود کشمیر، پونچھ اور سرحد میں مل سکتے ہیں ان کے لئے روپیہ عارضی حکومت کو بھجوائیں یا عارضی حکومت کی ان شاخوں کو بھجوائیں۔ جو ملک کے مختلف حصوں میں کام کر رہی ہیں" [1]

---

[1] "الفضل" ۱۲ ؍نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۳، ۴۔

مسئلہ کشمیر سے متعلق شرائط صلح کے خلاف احتجاج

پاکستانی پریس میں یہ خبر شائع ہوئی کہ کشمیر کے بارہ میں حکومت پاکستان اور حکومت ہندوستان کے ساتھ مفاہمت کی کوئی گفتگو جاری ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کی بنیاد کے لئے شرائط صلح بھی متعین ہو چکی ہیں۔ سیدنا المصلح الموعود نے اس صورت حال کو مسلمانان کشمیر کے لئے سخت تشویشناک قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"آج کی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر کے متعلق صلح کی گفتگو ہو رہی ہے اور یہ بھی انہی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں شیخ عبداللہ صاحب کو اس غرض کے لئے بلایا گیا ہے۔ خبر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ صلح اس اصول پر ہو رہی ہے کہ پاکستان زور دے کر قبائلی لوگوں کو واپس کرا دے۔ ہندوستان کی فوج کی واپسی کا کوئی ذکر نہیں۔ مسٹر گاندھی بھی بہت خوش نظر آتے ہیں کہ صلح کے امکانات روشن ہو رہے ہیں۔ اور ان کا خیال ہے کہ لارڈ مونٹ بیٹن کی کوشش سے ہندوستان میں امن کے قیام کی صورت نکل آئے گی۔ شرائط صلح جو بتائی گئی ہیں وہ کشمیر کے مسلمانوں کے لئے نہایت خطرناک ہیں۔ کشمیر کے مسلمانوں نے جو قربانیاں کی ہیں وہ ایسی نہیں کہ ان کو یونہی نظر انداز کر دیا جائے۔ خصوصاً پونچھ کے مسلمانوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی ہے۔ کوئی ایسا سمجھوتہ جو اُن کے حقوق کی حفاظت نہ کرے یقیناً پونچھ کے بہادر جانبازوں کی زندگی ختم کرنے والا ہوگا۔ اس جنگ کے بعد اگر کشمیر پر کوئی ایسی حکومت قابض ہوئی جو ڈوگرہ راج کے تسلسل کو جاری رکھنے والی ہوئی یا جس میں آزاد مسلمانوں کا عنصر بڑی بھاری تعداد میں نہ ہوا تو پونچھ، میرپور اور ریاسی کا بہادر مسلمان ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ وہ کسی صورت میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ خدا کرے یہ خبر غلط ہو۔ لیکن چونکہ پاکستان گورنمنٹ کی طرف سے اس کے خلاف کوئی اعلان نہیں ہوا۔ اس لئے ہمیں شبہ ہے کہ یہ خبر اگر ساری نہیں تو کچھ حصہ اس کا ضرور سچا ہے۔

پاکستان گورنمنٹ نے بار بار اعلان کیا ہے کہ وہ کشمیر کی آزادی کی جد وجہد میں حصہ نہیں لے رہی۔ اور اگر یہ بات درست ہے تو پاکستان گورنمنٹ کو آزاد کشمیر

تحریک کے راستہ میں روڑے اٹکانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ پبلک کی ہمدردیاں آزاد ملکوں میں ہمیشہ ایسے ممالک کے حق میں جاتی ہیں جن سے کہ ان کا کوئی تعلق ہوتا ہے انگلستان، یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ، فرانس، جرمنی اور دوسرے ممالک باوجود اس کے کہ ان کی حکومتیں بعض جگہوں میں شامل نہیں ہوئیں دو جنگ کرنے والے فریق میں سے ایک کی مدد کرتی رہی ہیں۔ اگر پاکستان کی آبادی بھی اسی طرح کشمیر کی تحریک آزادی میں حصہ لینے والوں کی مدد کرے تو وہ اپنے جائز حقوق سے کام لیتی ہے۔ اور اسے روکنے کا کسی کو حق نہیں۔ کشمیر کا پاکستان کے ساتھ ملنا یا کُلّی طور پر آزاد ہونا لیکن پاکستان کے ساتھ اس کے دوستانہ تعلقات کا ہونا پاکستان کی زندگی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر پاکستان ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس کوئی ایسی تجویز جو اس کے خلاف ہو، وہ ہرگز پاکستان کے لئے قابل قبول نہیں ہونی چاہیئے"[1]

مسئلہ فلسطین کے متعلق سیدنا المصلح الموعود کے دو معرکۃ الآراء مضامین

اگر کشمیر پاکستان کے لئے رگِ جان کی حیثیت رکھتا ہے تو فلسطین پورے عالم اسلام کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔

مسئلہ فلسطین یکم دسمبر ۱۹۴۷ء کو ایک نئے مرحلہ میں داخل ہوا، جبکہ امریکہ اور روس دونوں کی متفقہ کوشش سے جنرل اسمبلی نے تقسیم فلسطین کا ظالمانہ فیصلہ کر دیا۔

سیدنا المصلح الموعود نے تقسیم فلسطین کے پس منظر کو بے نقاب کرنے کے لئے دو معرکۃ الآراء مضامین لکھے جن میں سے ایک فیصلہ تقسیم سے قبل ۲۸ نومبر کو شائع ہوا۔ اور دوسرا دس روز بعد ۱۱ دسمبر کو حضور نے ان مضامین میں نہایت شرح و بسط سے بدلائل ثابت کیا کہ یہودیوں کی فلسطین میں آبادی رُوس، امریکہ اور برطانیہ تینوں کی پرانی سازش کا نتیجہ ہے۔ گو یہ طاقتیں اپنے سیاسی اغراض کے لئے ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار نظر آتی ہیں مگر مُسلم دشمنی کے مقصد میں سب مشترک ہیں "عربوں اور مسلمانوں سے کسی کو ہمدردی نہیں ہے مسلمان صرف اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا

---

[1] "الفضل" ۳۰ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۳۔

ہے اور اسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔"[1]

اس ضمن میں حضور نے یہ بھی فرمایا کہ

"فلسطین کا معاملہ اسلامی دنیا کے لئے ایک نہایت ہی اہم معاملہ ہے۔ ایک ہی وقت میں پاکستان، انڈونیشیا اور فلسطین کی مصیبتیں مسلمانوں کے لئے نہایت ہی تشویشناک صورت پیدا کر رہی ہیں۔ ہمیں ان سب مشکلات پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے کوئی ایسا راہ نکالنا ہے جو آئندہ اسلام کی تقویت کا موجب ہو اور ہمیں اس وقت اپنے ذہنوں کو دوسری چھوٹی سیاسی باتوں میں پھنسا کر مشوش نہیں کرنا چاہیئے۔ فلسطین کا معاملہ ایک الٰہی تدبیر کا نتیجہ ہے اور قرآن کریم، احادیث اور بائیبل میں ان تازہ پیدا ہونے والے واقعات کی خبریں پہلے سے موجود ہیں"[2]

جماعت احمدیہ کیلئے بعض خاص ہدایات

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی مصلحانہ قیادت کی یہ حیرت انگیز شان تھی کہ حضور کی دُور بین نگاہیں بیک وقت دین کے ہر چھوٹے بڑے محاذ پر بھی رہتی تھیں اور آپ کا آسمانی دماغ وقت کے ہر نئے تقاضے کے عین مطابق صحیح راہ متعین کرنے میں ہمیشہ کامیاب ہو جاتا تھا جس سے تمکین دین کی منزل قریب سے قریب تر ہو جاتی تھی۔

حضور کی اس امتیازی خصوصیت کا ہجرت پاکستان کے بعد بار بار اور نمایاں صورت میں اظہار ہوا۔ جبکہ آپ نے ایک طرف عالم اسلام اور خصوصاً مملکت پاکستان کے مسائل میں بصیرت افروز رہنمائی فرمائی اور دوسری طرف احمدیوں کو قدم قدم پر ان کے جماعتی اور ملی فرائض کی طرف متوجہ کیا۔ اس تعلق میں یہاں بعض ان ہدایات کا ذکر کیا جانا مناسب ہوگا جو حضور انور کی طرف سے ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کی آخری سہ ماہی میں جاری کی گئیں۔

احمدیوں کو ملکی دفاع کیلئے فوجی فنون سیکھنے کی تلقین

۱۔ حضور نے ۱۰ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کے خطبہ جمعہ میں احمدیوں کو فوجی فنون سیکھنے کی تلقین

[1] "الفضل" ۲۸ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۴ کالم ۲۔

[2] "الفضل" ۱۱ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۴۔

کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

"آج ہر احمدی سمجھ لے کہ اب احمدیت پر ایک نیا دَور آیا ہے اور اب اسے اللہ تعالےٰ کے ساتھ ایک نیا عہد کرنا پڑے گا۔ میرے نزدیک آج سے ہر مخلص احمدی کا خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں رہتا ہو یہ فرض ہے کہ وہ فوجی فنون سیکھے۔ اگر عارضی طور پر وہ فوجی ملازمت اختیار کر سکتا ہو تو عارضی طور پر اور اگر مستقل طور پر فوجی ملازمت اختیار کر سکتا ہو تو مستقل طور پر فوجی ملازمت اختیار کرے۔ کیا پتہ کہ کس وقت پاکستان پر حملہ ہو جائے اس وقت ہمارا پہلا فرض ہوگا کہ ہم پاکستان کی پُوری پُوری مدد کریں۔ ہندوستان میں جو احمدی ہوں گے ان کے متعلق تو یہی قانون ہوگا کہ وہ ہندوستان یونین کے فرمانبردار رہیں۔ مگر جو پاکستان میں رہنے والے ہوں گے ان کا فرض ہوگا کہ وہ حکومت پاکستان کی مدد کریں اور دوسروں سے زیادہ جوش اور اخلاص اور ہمت سے پاکستان کی حفاظت کریں اور اس ملک کو دشمن کے حملوں سے پوری طرح محفوظ رکھیں تاکہ اس مُلک سے اسلام کا نشان مٹ نہ جائے اور ایک ہزار سال کے بعد اسلام کا جھنڈا سرنگوں نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ بڑی بھاری شرم کی بات ہوگی۔ بڑی بھاری ذلت کی بات ہوگی۔ بڑی بھاری رُسوائی کی بات ہوگی۔ آج محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امانت ہمارے ہاتھ میں ہے اور اس امانت کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے"[۱]

ذکرِ الٰہی کی تحریک

۲۔ حضرت اقدسؓ نے ۱۲ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو مجلس عرفان میں ایک پُر معارف تقریر کے ذریعہ احمدیوں کو ذکر الٰہی اور نماز باجماعت کی خاص تحریک کی۔ چنانچہ فرمایا :-

"ہمیں تو ایسے رنگ میں اپنے اعمال کو ڈھالنا چاہیئے جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دے۔ پھر نماز سے پہلے اور پیچھے ذکر الٰہی کرنے میں بھی بہت غفلت سے کام لیا جاتا ہے۔ نماز سے پہلے جو وقت امام کے انتظار میں گذارا جاتا ہے اس کو بالعموم اِدھر اُدھر کی باتوں میں گنوا دیا جاتا ہے۔ حالانکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے

---

[۱] "الفضل" ۱۸ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴۔

فرمایا ہے کہ وہ وقت ایسا ہی ہوتا ہے جیسے جہاد کا وقت۔ ذکر الٰہی سے دماغ صاف ہوتا ہے۔ فرشتوں سے تعلق مضبوط ہوتا ہے اور نفس کی کمزوریاں دور ہوتی ہیں۔ پس ذکر الٰہی کی عادت ڈالو۔ اپنے وقتوں کو صحابہ کے رنگ میں گذارو، ورنہ وہ برکتیں دیر تک پیچھے پڑتی ہی جائیں گی جو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے مقدر کر رکھی ہیں۔ ان فتنوں کا ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ خدا تعالےٰ کا فضل ہم پر نازل ہو۔

پس خدا کے فضل کے جاذب بنو اور دعائیں کرو کہ قوم کے اندر اتحاد، قربانی اور ایثار کا مادہ پیدا ہو۔ اگر پاکستان میں بھی خدانخواستہ مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے تو پھر سوائے سمندر میں جا کر غرق ہو جانے کے اس مُلک میں مسلمانوں کے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا"[1]

مہاجرین کو متوکّلانہ زندگی بسر کرنے کا ارشاد

حضور نے ۱۴ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کی مجلس عرفان میں مشرقی پنجاب سے آنے والے احباب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

" اگر تم مومن اور متوکّل ہو تو پھر تمہیں اپنی جائیدادوں کے تلف ہونے کی پروا نہیں کرنی چاہیئے اور گھبراہٹ کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے۔ اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ جب دینے پر آتا ہے تو دے دیتا ہے اور جب لینے پر آتا ہے تو لے لیتا ہے۔ ہمارا مقام یہی ہے کہ جس حالت میں اللہ تعالیٰ رکھے ہم اس پر راضی رہیں۔ یہی حقیقی توکّل ہے۔ اور جب یہ پیدا ہو جائے تو پھر انسان طوعی اور جبری دونوں طرح کی قربانیوں کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور شرح صدر کے ساتھ قربانیوں کے میدان میں آجاتا ہے"[2]

اشاعتِ اسلام کیلئے فقیرانہ رنگ پیدا کرنے کی ہدایت

۴۔ حضور پُرنور نے ۱۷ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا:۔

" اگر عیسائی مذہب دُنیا میں پھیل سکتا ہے، اگر بُدھ مذہب دُنیا میں پھیل سکتا ہے تو اسلام جو بہت سی خوبیاں اپنے

---

[1] "الفضل" ۱۴ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۴ ﴾

[2] "الفضل" ۱۶ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۴ کالم ۲ ﴾

اندر رکھتا ہے اور جو تمام مذاہب سے زیادہ مکمل اور حسین ہے، وہ کیوں پھیل نہیں سکتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کی اشاعت کے لئے صحیح ذرائع سے کام لیا جائے۔ اگر تم اسلام کی اشاعت صرف کالجوں اور مدرسوں کے ذریعہ کروگے۔ تو یہ ایک مذہب نہیں بلکہ سوسائٹی ہوگی اور سوسائٹی میں صرف چند آدمی داخل ہوا کرتے ہیں، ساری دُنیا داخل نہیں ہوا کرتی۔ لیکن اگر تم اپنی تبلیغ کو مذہبی رنگ دے دو تو پھر جوق در جوق تمام دُنیا کے لوگ اسلام میں داخل ہونے لگ جائیں گے۔ پس اپنی تبلیغ کو مذہبی رنگ دو اور اسلام کی اشاعت کے لئے فقیرانہ رنگ اختیار کرو پھر دیکھو کہ تمہاری تبلیغ کس سُرعت اور تیزی کے ساتھ دنیا میں پھیلتی چلی جاتی ہے"[1]

اس سلسلہ میں ۱۶ ماہ فتح / دسمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو مزید فرمایا :-

"ہماری جماعت کو چاہیئے کہ ہر فرد ہم میں سے اپنے نفس کو ٹٹولتا رہے اور اپنے دل میں دین کے ساتھ ایک محبت اور شغف پیدا کرنے کی کوشش کرے تاکہ دین کے کام اسے بوجھ محسوس نہ ہوں بلکہ وہ انہیں میں لذت اور خوشی محسوس کرے۔ لوگ تو دین کو ایک بوجھ کہتے ہیں۔ ہماری جماعت کے دوستوں کو اس سے بالکل اُلٹ دُنیا کے کاموں کو ایک چٹی اور بوجھ سمجھنا چاہیئے کیونکہ ہمارا اصل کام تو دین کی محبت اپنے دل میں پیدا کرنا اور دین کی اشاعت کرنا ہی ہے۔ باقی دنیا کے کام ہرگز ہمارا مقصد نہیں ہیں۔ محض زبانی باتیں ہمیں کبھی فائدہ نہیں دے سکتیں۔ ہمارے دماغ پر تو سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے بس ایک ہی مقصد حاوی ہونا چاہیئے۔ اور وہ یہ کہ اسلام دنیا میں غالب آئے"[2]

قرآن کریم سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا فرمان

۵۔ حضور نے ۲۱ ماہ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو خاص طور پر اس موضوع پر خطبہ جمعہ دیا کہ اگر ہماری جماعت قرآن کریم کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے تو سارے مصائب آپ ہی آپ ختم ہو جائیں۔ چنانچہ فرمایا :-

---

[1] "الفضل" ۳۰ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۴۔ کالم ۲-۳

[2] "الفضل" ۱۸ فتح / دسمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۴

"سلسلہ الٰہیہ کو سلسلہ الٰہیہ سمجھنا اور اس کی تعلیم پر عمل نہ کرنا بالکل لغو اور فضول ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات عذابِ الٰہی کو بھڑکانے کا موجب بن جاتا ہے۔ پس ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ قرآن کریم کے پڑھنے اور پڑھانے کا اتنا رواج دے کہ ہماری جماعت میں کوئی ایک شخص بھی نہ رہے جسے قرآن نہ آتا ہو . . . . ابھی تک جماعت کے بعض لوگ اس سلسلے کو محض ایک سوسائٹی کی طرح سمجھتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بیعت کرنے کے بعد اگر چندہ دے دیا تو اتنا ہی ان کے لئے کافی ہے . . . . حالانکہ . . . جب تک ہم اپنے ساتھیوں اور اپنے دوستوں اور اپنے رشتہ داروں کو قرآن کریم کے پڑھانے اور اس پر عمل کرانے کی کوشش نہ کریں گے اس وقت تک ہمارا قدم اس اعلیٰ مقام تک نہیں پہنچ سکتا جس مقام تک پہنچنے کے نتیجہ میں انبیاء کی جماعتیں کامیاب ہوا کرتی ہیں"[۱]

محبتِ قادیان کے جذبہ کو اپنے مقصد میں روک نہ بننے دو

قادیان کے چھن جانے کا اثر طبعی طور پر جماعت احمدیہ کے ہر طبقہ پر نہایت گہرا ہوا۔ اس صدمۂ عُظمیٰ سے جسم نڈھال اور دل افسردہ اور پریشان تھے اور زندگی بالکل بے کیف ہو کے رہ گئی تھی۔ ان اندوہناک حالات میں حضرت مصلح موعود نے اپنی جماعت کو اپنے اندر ہمّت و جرأت پیدا کرنے کا وہی امید افزا پیغام دیا جو خلفاء ربانی کا ہمیشہ طرۂ امتیاز رہا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

"قادیان چھوٹ جانے کا احساس بیشک ضروری چیز ہے۔ لیکن اس احساس کے نتیجہ میں بجائے بے ہمتی پیدا ہونے کے ہماری جرأت اور ہمارے حوصلہ میں زیادتی اور ترقی ہونی چاہیئے قادیان ظالمانہ طور پر ہم سے چھینا گیا ہے اور ظالم کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں پہلے سے بہت زیادہ ہمت اور طاقت اور حوصلے کی ضرورت ہے۔ مُردے کبھی میدان فتح نہیں کیا کرتے۔ میدان ہمیشہ زندہ اور بہادر لوگ جیتا کرتے ہیں۔ پس آج تو ایسا وقت ہے کہ ہمارے بوڑھوں کو بھی جوان بن جانا چاہیئے کیونکہ کام جو اللہ تعالیٰ نے اب ہمارے سپرد کیا ہے وہ جوانوں والا ہے۔ اگر ہمارے بوڑھے بھی کمر ہمت باندھ لیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھی کام کرنے کی طاقت دے گا اور مومن کے لئے دین کی راہ کام کرنا ہی سب

---

[۱] "الفضل" ۹ فتح / دسمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۵-۶۔

سے زیادہ خوشی کا موجب ہوتا ہے۔ گو ہمارا یقین یہی ہے کہ جلد ہی قادیان ہمیں واپس مل جائیگا لیکن فرض کرو جلد نہ ملے اور سَو دو سَو سال بھی لگ جائیں تو پھر بھی کیا حرج ہے۔ جتنا عرصہ مومن کو زیادہ قربانی کے لئے مل جاتا ہے مومن کو تو اُتنا ہی خوش ہونا چاہیئے نہ کہ غمگین . . . .

. . . پس یہ وقت رونے دھونے کا نہیں ہے بلکہ اپنی ہمتوں کو اور اپنے حوصلوں کو پہلے سے بہت زیادہ بلند کرنے کا وقت ہے۔ ہمارے جوانوں کو بہت زیادہ جوان بن جانا چاہیئے اور ہمارے بوڑھوں کو جوان بن جانا چاہیئے اور اپنے اصل مقصد یعنی خدا تعالےٰ کی محبت اور اس کے دین کی اشاعت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینا چاہیئے کہ خدا کی محبت کروڑوں کروڑ قادیان سے بھی زیادہ قیمتی اور قابلِ قدر چیز ہے" [1]

مخلصینِ احمدیت کی طرف سے اخلاص و قربانی کی رُوح کا مظاہرہ

جماعت احمدیہ کے نظامِ مالیات کو فسادات کے دوران سخت دھکا لگ چکا تھا مگر مخلصین جماعت نے ان نازک ایّام میں کس ذوق و شوق سے مالی جہاد میں حصہ لیا؛ اس کی بعض شاندار مثالیں حضرت سیدنا المصلح الموعود کی زبان مبارک سے ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔ فرمایا :-

۱- " جالندھر کی ایک احمدی عورت میرے پاس آئی اور اس نے بتایا کہ ان کے ساتھ کیا ہوا ہے اور یہ کہ وہ بالکل برباد ہو گئے ہیں۔ پھر اس نے دو زیور نکال کر بطور چندہ دے دیئے۔ مَیں نے اسے کہا تم تو لُٹ کر آئی ہو، یہ چندہ تو ان لوگوں پر ہے جو یہاں تھے اور جو لُوٹ مار سے محفوظ رہے۔ وہ عورت یہ بھی کہہ چکی تھی کہ اس نے حفاظتِ مرکز کا چندہ ادا کر دیا ہوا ہے اس نے کہا مَیں یہی دو زیور نکال کر لائی ہوں۔ جب مَیں نے دیکھا کہ جماعت نازک دَور سے گذر رہی ہے تو مَیں نے خیال کیا کہ میرا سارا زیور اور دوسری جائیداد تو کفار نے لُوٹ لی ہے کیا اس میں خدا تعالےٰ کا کوئی حصہ نہیں۔ میرے پاس یہی دو زیور ہیں جو مَیں بطور چندہ دیتی ہوں" [2]

---

[1] " الفضل " ۱۷ فتح / دسمبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۴ کالم ۳ - ۴ +

[2] " الفضل " ۲۶ تبلیغ / فروری ۱۳۲۸ہش / ۱۹۴۹ء صفحہ ۵ کالم ۳ +

۲۔ "میں نے دیکھا ہے کہ قادیان سے آنے کے بعد بعض غرباء نے اتنی اتنی رقم بطور چندہ کے دی ہے کہ اگر اُس کا اندازہ لگایا جائے تو اس کا سینکڑواں حصہ بھی امراء نے نہیں دیا۔ جو کچھ بھی انہوں نے اپنی ضرورتوں کے لئے پس انداز کیا ہوا تھا وہ میرے سامنے لاکر رکھ دیا۔ پتہ نہیں کہ وہ روپیہ انہوں نے کتنے سالوں میں جمع کیا تھا۔ کسی امیر نے ایسا نہیں کیا بلکہ سَو سے کم آمدن والوں نے ایسا کیا ہے، ۷۵ سے کم آمدن والوں نے ایسا کیا ہے بلکہ پچاس سے کم آمدن والوں نے ایسا کیا" [۱]

۳۔ "میں یہ نہیں کہتا کہ امراء اخلاص دار نہیں ہوتے۔ امراء میں بھی اخلاص ہوتا ہے لیکن ان کے اخلاص کو دیکھتے ہوئے ایسے مخلصوں کی تعداد کم ہے۔ . . . سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب سلسلہ کے کاموں میں اتنی فراخدلی اور فراخ حوصلہ سے حصہ لیتے ہیں کہ ان پر رشک آتا ہے گذشتہ دنوں میں حیدرآباد میں بدامنی تھی۔ جونہی ڈاک کھلی وہاں سے چندے آنے شروع ہو گئے۔ پس مخلص لوگ امراء میں بھی ہوتے ہیں اور غرباء میں بھی ہوتے ہیں مگر نسبت کے لحاظ سے یہ تعداد زیادہ ہوتی ہے" [۲]

۴۔ سیدنا المصلح الموعود نے ۲۸ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو تحریک جدید کے چودھویں سال کا اعلان فرمایا۔ اس مالی جہاد میں سب سے زیادہ جوش و خروش قادیان کے احمدی مہاجرین نے دکھایا۔ جس پر حضور نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اس وقت تک سب سے زیادہ جوش قادیان کے مہاجرین نے ہی دکھایا ہے۔ چنانچہ جتنی موعودہ رقم آئی ہے اس کا نوّے فیصدی قادیان کے وعدوں پر ہی مشتمل ہے" [۳]

---

[۱] و [۲] "الفضل" ۲۶ تبلیغ/فروری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵۔

[۳] "الفضل" ۱۶ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳ کالم ۳۔

فصل سوم

قادیان کو احمدیوں سے خالی کرانے کے لئے سول اور فوجی افسروں کی الزام تراشیاں اور دھمکیاں۔

بھارتی حکومت اگرچہ بار بار یہ ادعا کر رہی تھی کہ وہ اقلیتوں کو اپنے وطن میں آباد رکھنا چاہتی ہے مگر عمل اس کے بالکل برعکس تھا۔ خصوصاً قادیان کی نسبت تو اس کے خفیہ عزائم عملاً تقسیم ہند کے ساتھ ہی بے نقاب ہونے شروع ہو گئے تھے اور جماعت احمدیہ پر الزام تراشیوں کی ابتدا بھی ماہ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے آخری ہفتہ سے ہو گئی تھی مگر حکومت کے خطرناک ارادوں کا احمدیوں کے سامنے لفظاً اظہار پہلی بار ۸ تبوک/ستمبر کو ہوا جبکہ قادیان کی پولیس چوکی کے انچارج ہزارہ سنگھ صاحب اور دوسرے سکھ سپاہیوں نے بٹالہ میں بعض ذمہ دار احمدیوں سے پوچھا کہ آپ کا قادیان خالی کرنے کے متعلق کیا ارادہ ہے؟ کیا اسے خالی نہیں کرنا؟

اگلے روز (۹ تبوک/ستمبر کو) صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب اور مکرم مرزا عبدالحق صاحب کی بٹالہ میں بریگیڈیر پنجو بھائی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مکرم مرزا عبدالحق صاحب نے ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور (مسٹر کنہیا لعل) اور سپرنٹنڈنٹ پولیس (سردار نرنجن سنگھ صاحب) کی موجودگی میں جماعت احمدیہ کی تعلیم و حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ ہم ہمیشہ پُر امن اور قانون کے پابند رہے ہیں اور آج سے پندرہ دن تک ہمارے خلاف کوئی شکایت نہ تھی مگر اب یکایک ہمیں بدنام کرنے کے لئے بے بنیاد الزامات لگائے جا رہے ہیں۔

بریگیڈیر صاحب نے جواباً کہا۔ میں سمجھتا ہوں بعض رپورٹیں غلط بھی ہوں گی مگر چند دن ہوئے امتناعی حکم کے باوجود آپ لوگوں کی جیپ باہر گئی اور اس میں بعض اشخاص فوجی وردی پہنے ہوئے تھے (بات یہ تھی کہ خود ملٹری نے جماعت سے جیپ مانگ کر لی اور ملٹری کے سپاہیوں نے ہی اسے استعمال کیا تھا) بریگیڈیر صاحب نے دوسرا الزام یہ عاید کیا کہ ایک بیرونی گاؤں سے منارۃ المسیح کی طرف بذریعہ وائرلیس پیغام آیا کہ ہمارا گولہ بارود ختم ہے اور بھجوائیں (یہ بات بھی سراسر غلط تھی۔ ہاں یہ صحیح تھا کہ ایک ملحقہ گاؤں خطرہ کی حالت

میں تھا اور اس کی اطلاع دینے کے لئے ٹارچ کے ساتھ اشارہ کیا گیا کہ مظلوم مسلمانوں کے بچاؤ کی کوئی صورت کریں چنانچہ اسی وقت مقامی ملٹری کو اس سے باخبر کر دیا گیا)۔

بریگیڈیئر صاحب نے تیسرا الزام یہ دیا کہ آپ کا ہوائی جہاز علاقہ بھر میں دہشت پھیلا رہا ہے۔ (اس الزام میں بھی ذرہ برابر صداقت نہ تھی کیونکہ ہوائی جہاز صرف بیرونی دنیا سے رابطہ قائم کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ البتہ ہوائی جہاز نے ایک بار احمدیوں کے تباہ شدہ دو گاؤں دھرم کوٹ اور فیض اللہ چک کا معائنہ کیا تھا۔ مگر یہ پرواز بھی سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس گورداسپور کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے تھی کہ وہ یہ گاؤں اپنی آنکھ سے دیکھنا چاہتے تھے)۔

مرزا عبدالحق صاحب نے اپنی معلومات کے مطابق ان الزامات کی تردید کی مگر بریگیڈیئر صاحب نے کہا کہ جو ہوا سو ہوا۔ آئندہ فوجی وردیوں سے ملتی جلتی وردیوں اور قادیان سے باہر جیپوں کا استعمال نہ کیا جائے اور نہ جماعت کا ہوائی جہاز اس علاقہ میں پرواز کرے۔ اور نہایت سخت لہجہ میں کہا کہ ہم دیکھیں گے وہ کیسے اڑتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ ہم اسے شوٹ کر دیں گے۔

اگرچہ بریگیڈیئر صاحب نے اس موقعہ پر جماعت احمدیہ کے مرکزی نمائندوں کو خاص طور پر بلوایا تھا۔ مگر ان کو اپنی معروضات کی تفصیل پیش کرنے کا کوئی موقع نہ دیا۔ بلکہ مرزا صاحب موصوف کو یہ کہکر روک دیا کہ تفصیلات کی ضرورت نہیں اور ساتھ ہی یہ مطالبہ بار بار اور پورے زور سے کیا کہ آپ یقین دلائیں کہ آئندہ احمدی جوان جارحانہ رنگ کی کوئی حرکت نہیں کریں گے۔ حالانکہ احمدی مظلوم اور محاصرہ کی حالت میں تھے۔ اور صبح و شام فوج اور پولیس کی کھلی جارحیت کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔

۱۰ ماہ تبوک / ستمبر کو یہ رپورٹ موصول ہوئی کہ قادیان کی پولیس چوکی کے انچارج صاحب سارا دن یہی کہتے رہے کہ احمدیوں سے یہ سخت غلطی ہوئی ہے کہ انہوں نے پاکستان کی حمایت کی اب ہماری گورنمنٹ کو کیسے اعتبار ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے وفادار ہوں گے۔ یہ غلطی کوئی معمولی غلطی نہیں اور خطرناک نتائج کا باعث بنے گی۔

۱۱ ماہ تبوک / ستمبر کو قادیان میں نئی ملٹری آئی جس کے ایک صوبیدار نے آتے ہی ایک ہندو معاند سے کہا کہ ہم دیکھیں گے قادیان والے قادیان خالی نہیں کریں گے۔ صرف بم پڑنے کی دیر ہے کہ یہ سب بھاگ جائیں گے۔ اسی روز بریگیڈیئر پنجو صاحب، گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر صاحب اور سپرنٹنڈنٹ پولیس صاحب کے ہمراہ ۱۲ بجے قادیان تشریف لائے اور امیر مقامی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سے آپ کے مکان پر ملاقات کی۔

بریگیڈیئر صاحب نے دوران گفتگو اپنی پہلی باتوں کو دہرایا۔ حضرت میاں صاحب نے نہایت تحمل اور وقار سے ان کی ایک ایک شکایت کا تسلّی بخش جواب دیا۔ البتہ جہاں تک ہوائی جہازوں کے پرواز کرنے کا تعلق تھا آپ نے فرمایا کہ ہم باہر کے علاقہ سے بالکل منقطع ہیں اور ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ ہم ان تک یہ ہدایت یا خواہش پہنچا سکیں۔ کہنے لگے ہاں یہ درست ہے مَیں ایسا انتظام کردوں گا کہ آپ کی طرف سے لاہور میں یہ اطلاع چلی جائے کہ جہازوں کو اس علاقہ میں پرواز کرنے سے روک دیا جائے۔

اسی روز پھر یہ رپورٹ موصول ہوئی کہ قادیان چوکی کے انچارج صاحب نے جماعت کے ایک ذمہ دار کارکن سے خاص طور پر یہ کہا کہ جماعت احمدیہ نے حمایت پاکستان کر کے سخت غلطی کی ہے اور اسی لئے بھارتی حکومت احمدیوں کی مخالف ہو رہی ہے۔ نیز کہا کہ اب یہاں ضلع میں کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا۔

۱۹ ماہ تبوک/ستمبر کو پاکستان سے ایک ہوائی جہاز قادیان کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے آیا۔ ملٹری اور پولیس نے جونہی اسے پرواز کرتا دیکھا۔ فائرنگ شروع کر دی اور چونکہ فوجی کپتان کو یہ خبر دی گئی تھی کہ جہاز سے ایک تھیلی تعلیم الاسلام کالج پر پھینکی گئی ہے اس لئے فوجی کپتان فوراً کالج میں پہنچا اور وہاں موجود اشخاص سے کہا کہ ہمارے حکم کے خلاف جہاز آیا ہے اس لئے تھیلی بھی ہمارے حوالہ کرو اور یہ عمارت بھی شام تک خالی کر دو۔ ڈیوٹی پر موجود کارکن نے کہا کہ مَیں نے کوئی تھیلی نہیں دیکھی اور نہ مَیں اس عمارت کا ذمہ دار افسر ہوں۔ آپ پرنسپل صاحب کالج کو جو حکم دینا ہے دیں۔ چنانچہ کیپٹن نے ایک احمدی جوان (خواجہ محمد امین صاحب) کو جیپ دے کر شہر کے اندر بھجوایا کہ پرنسپل صاحب کو جا کر لے آؤ۔ اور حکم دیا کہ ہم یہاں ایک پکٹ رکھنا چاہتے ہیں۔ پرنسپل صاحب چونکہ ان دنوں رخصت پر تھے اس لئے ان کی طرف سے سیکرٹری کالج کمیٹی مکرم ملک غلام فرید صاحب اور مکرم سیّد محمود اللہ شاہ صاحب کیپٹن کے پاس پہنچے اور اسے بتایا کہ جہاز ہمارا نہیں پاکستان سے آیا ہے۔ ہاں ہم اپنی خواہش لکھکر دے دیتے ہیں جسے آپ پاکستان میں پہنچا دیں کہ آئندہ جہاز نہ آیا کرے۔ چنانچہ کیپٹن اس گفتگو سے متاثر ہوا۔ نیز معذرت کی کہ مَیں نے کالج کی عمارت کے متعلق یونہی چڑ کر بات کر دی اور جماعت احمدیہ کی تعریف کی کہ بہت متحمل مزاج اور بہت منظم ہے۔

مگر اس متحمل مزاج جماعت کے خلاف حکومت کی مشینری روز بروز تیز ہوتی جا رہی تھی۔ چنانچہ ۲۶ ماہ تبوک/ستمبر کو ۱۱ بجے کے قریب مسٹر سونی صاحب مجسٹریٹ علاقہ قادیان آئے۔ مکرم مرزا عبدالحق صاحب اور مکرم سیّد محمود اللہ شاہ صاحب جماعت کی نمائندگی کے لئے خود اُن کے بلانے پر اُن کے پاس گئے۔ مجسٹریٹ صاحب

علاقہ نے اپنی لمبی اور طویل گفتگو میں صاف صاف بتایا کہ حکومت کی پالیسی اس وقت ڈپٹی کمشنر صاحب کے سپرد نہیں - بلکہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کے سپرد ہے جو اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ خواہ کچھ کرنا پڑے قادیان کے احمدیوں کو بہر حال نکال کر ہی دم لیں گے - نیز کہا کہ حکومت کا خیال ہے احمدیوں کے پاس کافی اسلحہ ہے - اور انہوں نے قادیان کے ارد گرد سرنگیں بچھائی ہوئی ہیں - اور وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو نکالنے کے بعد مقابلہ کریں گے اور آخر میں ان سرنگوں ہی سے (معاذ اللہ) قادیان کو اڑا دیں گے -

جناب مجسٹریٹ صاحب علاقہ نے اس عجیب و غریب اور ناقابل فہم انکشاف کے ثبوت میں ایک انتہائی مضحکہ خیز اور خلاف حقیقت بات کا سہارا لیا یعنی انہوں نے کہا کہ پہلے مرحلہ کے طور پر احمدیوں نے اپنی گندم جلانی شروع کر دی ہے - حالانکہ یہ بات بالکل خلاف واقعہ تھی -

جناب مجسٹریٹ صاحب نے دوران گفتگو میں یہ بھی کہا کہ مرزا صاحب (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) پاکستان کے حامی ہو گئے تھے - لہٰذا اب انہیں پاکستان ہی میں رہنا چاہیئے - آخر میں کہا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب اور پولیس آپ سے مطالبہ کرتی ہے کہ آپ ناجائز اسلحہ حکومت کے حوالہ کر دیں - اور گندم کے ذخیرے تباہ نہ کریں -

احمدی نمائندوں نے (جو یہ سب فرضی کہانی اور فسانہ نہایت حیرت و استعجاب اور صبر و تحمل سے سن رہے تھے) مجسٹریٹ صاحب علاقہ کو یقین دلایا کہ ہم لوگ ایک بااصول اور امن و رواداری کو اپنا مذہبی فریضہ قرار دینے والی جماعت کے افراد ہیں - نہ تو ہمارے پاس کوئی ناجائز اسلحہ ہے - نہ ہم نے سرنگوں کا کوئی جال بچھا رکھا ہے اور نہ گندم کو جلانے کا کوئی واقعہ اب تک پیش آیا ہے اور نہ آئندہ کوئی ایسی صورت ہمارے مدنظر ہے - نیز صاف طور پر بتایا کہ جماعت احمدیہ کسی حالت میں بھی حکومت وقت کے آئین کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گی اور نہ ایسا کرنا اس کے مسلّمہ مذہبی اصولوں اور عقیدوں کی رُو سے جائز ہے - البتہ حکومت پر یہ اخلاقی فرض ضرور عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی پالیسی سے ہمیں مطلع کرے اور واضح طور پر بتائے کہ وہ ہمارے متعلق آئندہ کیا ارادہ رکھتی ہے ؟

۲۸ تبوک/ستمبر کو ایک لیفٹیننٹ کرنل، ایک انگریز میجر اور ایک سکھ میجر صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب اور کیپٹن وقیع الزمان صاحب سے ملے اور انہوں نے نہایت تند و تیز لب و لہجہ میں کہا کہ تم لوگ یہاں سے کیوں نہیں جاتے؟ بلکہ ایک نے تو اپنے غیظ و غضب کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ :-

IN PAKISTAN YOUR BLOODY PEOPLE HAVE WIPED-
OUT ONE OF OUR COMPANIES "

یعنی تم لوگوں نے پاکستان میں ہماری ایک کمپنی کا صفایا کر دیا ہے ۔

۲۹ تبوک/ستمبر کو امرتسر میں سکھ لیڈروں کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ قادیان والوں کو نکلنے نہیں دیا جائے گا ۔ سول اور فوجی افسروں کی یہ دھمکیاں اور الزام تراشیاں جو ظلم وستم کی بے شمار کارروائیوں کے ساتھ متوازی چل رہی تھیں بالآخر قادیان پر حملہ کے خونی واقعات پر منتج ہوئیں ۔ (جن کی تفصیل گزر چکی ہے) بھارتی حکام کا خیال تھا کہ ۳ اکتوبر کا دن احمدیوں کے انخلاء کے بارہ میں ایک فیصلہ کن دن ثابت ہوگا اور احمدیوں کو بہر حال اپنا مرکز چھوڑنا پڑے گا ۔ لیکن کئی گھنٹوں کے حملہ کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ اگرچہ وہ قادیان کی بیرونی آبادی کو ایک مقام میں محصور کرنے میں کامیاب ضرور ہو گئے ہیں ۔ لیکن مرکزی حلقہ ابھی تک سکھ جتھوں اور ملٹری اور پولیس کی سفاکیوں اور چیرہ دستیوں کے باوجود اپنے مقدس مقامات کی حفاظت کے لئے پوری طرح ثابت قدم ہے تو ان میں غم وغصہ کی ایک نئی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے اپنی انتقامی سرگرمیاں اور بھی زیادہ تیز کر دیں ۔

چنانچہ حملہ کے تیسرے دن یعنی (۵ اخاء/اکتوبر) کو ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور کی امیر مقامی صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب سے ملاقات ہوئی جس کی تفصیل صاحبزادہ صاحب کے الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے :-

"پرسوں ڈپٹی کمشنر نے پیغام بھیجا کہ میں ملنا چاہتا ہوں ۔ میں، مرزا عبدالحق صاحب اور مکرم ملک غلام فرید صاحب کو ساتھ لے کر اُن کو ملنے گیا ۔ ڈپٹی کمشنر صاحب مجسٹریٹ صاحب علاقہ کے ساتھ شیخ رحمت اللہ صاحب کے مکان محلہ دارالعلوم میں ٹھہرے ہوئے تھے ۔ میرا دل روز روز کے مظالم اور وعدہ خلافیوں کو دیکھ کر بھرا ہوا تھا ۔ باوجودیکہ حضور کی ہدایت ہے کہ افسروں سے ادب اور نرمی سے ملو ۔ مجھ سے کچھ نہ کچھ تلخی ضرور ہو گئی ۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا آپ کو کیا تکلیف ہے میں نے کہا کوئی ایک تکلیف ہو تو بتاؤں اور اگر کسی کی نیت ہماری تکالیف کو دور کرنے کی ہو تو اس کا ذکر بھی کریں (اس کے بعد تفصیل سے اپنی حالت بتائی) ڈپٹی کمشنر صاحب نے پوچھا کہ اب اپنے متعلق آپ کا کیا ارادہ ہے ؟ میں نے کہا کہ آپ کا ارادہ ہمارے متعلق کیا ہے ؟ وہ کہنے لگے ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ آپ یہاں رہیں ۔ میں نے کہا کہ آپ کے چاہنے کی بات نہیں ۔ یہ فرمائیں کہ گورنمنٹ کیا چاہتی ہے ۔ کہنے لگے کہ میں ہی گورنمنٹ ہوں ۔ میں اس وقت تیزی میں تھا میں نے کہا کہ آپ گورنمنٹ نہیں ۔ آپ کچھ بھی نہیں ۔

کہنے لگے کہ آپ کس کو گورنمنٹ کہتے ہیں ۔ میں نے کہا کہ مشرقی پنجاب کے ہوم منسٹر صاحب اگر ہمیں لکھ دیں کہ وہ ہمیں رہنے دینا چاہتے ہیں ۔ تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے ۔ ان کے نیچے کسی افسر کی

کوئی حقیقت نہیں۔

ڈپٹی کمشنر صاحب نے جتنی باتیں کیں ان سب میں اس بات پر زور دیا کہ جو لوگ مغربی پنجاب سے لُٹ کر آئے ہیں وہ اتنے DESPERATE[1] ہیں کہ اُن کو لوٹ مار سے روکنا مشکل ہے۔ اس بارہ میں کئی قصے بھی سُنائے۔ مَیں نے کہا کہ ان پناہ گیروں کو ہم جانتے ہیں ان کی حالتِ زار کو ہم نے دیکھا ہے۔ وہ لُوٹنے والے نہیں۔ لُوٹنے والے یہاں کے سکھ یہاں کے ہندو اور اُن کی پشت پناہ پولیس اور بعض اوقات ملٹری ہوتی ہے۔ دورانِ گفتگو میں اُس نے "اصل بات" یہ بتائی کہ میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ آپ کی جگہ BORDER (سرحد) پر واقع ہے اور اگر مشرقی اور مغربی پنجاب کی BORDER پر کوئی INCIDENT (حادثہ) ہو تو آپ کی پوزیشن بہت خطرناک ہو جائے گی غالباً اس کا اشارہ اس طرف تھا کہ ایسی حالت میں یا تم ختم ہو جاؤ گے یا قیدی بنائے جاؤ گے ...... آخر میں سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس نے کہا کہ باوجود ہمارے بار بار کہنے کے غیر لائیسنس شدہ اسلحہ واپس نہیں کیا جا رہا۔ اُن سے کہا گیا کہ ہمیں علم ہو کہ کہاں اور کس کے پاس ہے تو واپس بھی کریں۔ نیز کہا کہ ہمارے متعلق تو یہ بھی مشہور کیا گیا ہے کہ یہاں MINES (سرنگیں) بچھائی ہوئی ہیں حالانکہ ہم بار بار اس سے انکار کر چکے ہیں اور کہہ چکے ہیں کہ حکومت تلاشی وغیرہ سے اس کے متعلق تسلّی کر لے۔ اسے علم ہو جائیگا کہ یہ بات غلط ہے۔ اس پر سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس نے کہا۔ کہ ایسی چیزیں کہیں تلاشی سے بھی ملا کرتی ہیں؟ ہم نے کہا کہ ہمارے جانے کے بعد تو آپ ان کو نکال ہی لیں گے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ آپ لوگ ساتھ لے جائیں گے۔ ہم نے کہا کہ ہم اس کا کیا جواب دیں۔ ہمارا معمولی سامان تو لے جانے نہیں دیا جاتا MINES کو ہم کس طرح لے جائیں گے۔

دورانِ گفتگو میں ملٹری میجر (جو بعد میں آ کر مجلس میں شامل ہو گیا تھا) اور مجسٹریٹ صاحب علاقہ نے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی ٹرانسمیٹر ہے...... ان سے کہا گیا کہ ہم حلف کھاتے ہیں اور اس کے متعلق تحریر دینے کو تیار ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ٹرانسمیٹر نہیں۔"

۸ راخاء/ اکتوبر کو سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس نے جماعت کے ایک نمائندہ سے کہا کہ اگر کوئی واقعہ سرحد پر ہو گیا تو قادیان کے ہر شخص کو مار دیا جائے گا۔

---

[1] :- شکستہ خاطر:

اِس کے چند روز بعد پاکستان سے میجر آرنسن ایک کنوائے لیکر قادیان آئے - انہوں نے جماعت کے ذمہ دار عہدیداروں کو صاف لفظوں میں بتایا کہ وہ آپ لوگوں کے پاس یہاں کے افسروں کا ایک پیغام لے کر آئے ہیں اور وہ ایک THREAT (دھمکی) ہے جو انہوں نے آپ لوگوں کو دی ہے - یعنی اگر آپ نے یہاں رہنے کا ارادہ کر لیا وہ آپ کو تباہ کر دیں گے -

۱۲/اخاء/اکتوبر کو کرنل گوربچن سنگھ صاحب نے جماعت احمدیہ کے ایک نمائندہ کو بتایا کہ یہاں کی حکومت آپ کو کہے گی کہ آپ یہاں رہیں...... لیکن صحیح بات یہی ہے کہ گورنمنٹ آپ کو یہاں رہنے نہیں دے گی - اور آپ کو یہاں سے نکلنا پڑے گا - اگر آپ نہ نکلیں گے تو آپ پر شدید حملہ ہو گا -

۱۳/اخاء/اکتوبر کو مجسٹریٹ صاحب علاقہ نے ایک احمدی کارکن سے کہا کہ خدا کے لئے قادیان سے چلے جاؤ میں سخت تنگ آگیا ہوں - کارکن نے جواب دیا کہ آپ لکھ دیں کہ یہاں سے چلے جاؤ - مجسٹریٹ صاحب نے جواب دیا آپ کو بہر حال نکلنا پڑے گا -

۱۴/اخاء/اکتوبر کو مجسٹریٹ صاحب نے مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل جٹ سے کہا - آپ لوگوں کو چاہیئے کہ باہر ریفیوجی کیمپ میں آجائیں - کیونکہ مسجد مبارک کے حلقہ میں خون خرابے کا اندیشہ ہے - اسی دن بعض باوثوق ذرائع سے یہ خبر بھی ملی کہ قادیان کے انچارج صاحب چوکی نے ایک صوبیدار سے کہا ہے کہ پہلے شہر کی پرانی آبادی کو خالی کرانا چاہیئے تھا پھر دوسرے محلوں کو - دوسرے محلوں کو پہلے خالی کرانے میں ہم نے غلطی کی ہے -

۱۸/اخاء/اکتوبر کو مجسٹریٹ صاحب علاقہ کے جوش غضب کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے بعض احمدیوں سے کہا کہ آج رات خدا نے مجھے کہا ہے کہ ان کو قادیان سے نکال دو ان کو یہاں نہ رہنے دو - اگر وہ رہ گئے تو بہت خطرہ ہے -

قادیان میں مخصوص احمدی آبادی سے متعلق ایک اہم میٹنگ

کوائف قادیان پر مشتمل پرانے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے - کہ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے دوسرے ہفتہ کی ابتدا میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے بذریعہ مکتوب قادیان کے مرکزی عہدیداروں سے یہ مشورہ طلب فرمایا کہ حفاظت قادیان سے متعلق آئندہ کیا صورت اختیار کی جائے اور مستقبل میں احمدی آبادی کس رنگ میں رہے ؟

حضور کے اس ارشاد پر چند مخصوص اور سربرآوردہ اشخاص کی میٹنگ بلائی گئی - امیر مقامی صاحبزادہ مرزا

عزیز احمد صاحب نے ۱۱ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو اس میٹنگ کی روداد حضرت امیر المومنین کی خدمت میں بھجوادی جس میں لکھا :-

"ان احباب کا خیال ہے کہ یہ لوگ نہ تو کالج ہمیں واپس کریں گے اور نہ مکانات کو اب خالی کریں گے اس لئے سوائے مقامات مقدسہ یعنی بہشتی مقبرہ، مسجد اقصیٰ، مسجد مبارک اور دار المسیح کے کہیں اور اپنے آدمی نہیں رکھے جا سکتے اور ان مقامات کی حفاظت کے لئے دوصد آدمی کافی ہوں گے اور حضور کی تجویز کے مطابق یکصد آدمی عملہ حفاظت سے نکل آئیں گے اور ۵۰ قادیان کے احباب سے اور ۵۰ باہر سے آئیں گے۔ یہاں کے ہندوؤں اور سکھوں کا رویہ ہمارے مقامات مقدسہ کے متعلق نہایت معاندانہ ہے۔ اگر گورنمنٹ سے اس بارہ میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو شاید اُن کے نظریہ اور رویہ میں کچھ تبدیلی ہو جائے۔"

حضرت سیّدنا المصلح الموعود کا فیصلہ

حضرت سیّدنا المصلح الموعود نے فیصلہ فرمایا کہ آئندہ قادیان میں درج ذیل تقسیم کے ساتھ ۲۵۰ احمدی مقیم رہیں جو مقامات مقدسہ کی حفاظت کا فریضہ بجالائیں :-

قادیان کے تنخواہ دار محافظین :-	۷۵
بیرونی رضا کار :-	۱۱۵
باشندگان قادیان :-	۶۰

قبل ازیں حضور کی منظور شدہ سکیم کے مطابق یہ فیصلہ بھی ہو چکا تھا کہ

"سب احمدی عورتوں اور اٹھارہ سال سے کم عمر کے سب بچوں اور پچپن سال سے زیادہ عمر کے سب مردوں کو قادیان سے باہر نکال لیا جائے اور جو مرد اٹھارہ اور پچپن سال کے درمیان عمر رکھتے ہیں ان میں سے قرعہ اندازی کے ساتھ ایک تہائی کو تین ماہ کے لئے قادیان کے اندر رکھا جائے اور دو تہائی کو قادیان سے باہر لے جایا جائے۔ اور یہ قرعہ اندازی محلہ وار بنیاد پر ہو۔ البتہ انتظامی اہلیت والوں کے علاوہ بعض اور مخصوص گروپ بھی علیحدہ کر دیئے جائیں اور ان میں علیحدہ قرعہ ڈالا جائے۔ مثلاً ڈاکٹر، کمپونڈر، وکلاء، مقامی ملٹری اور پولیس سے رابطہ رکھنے والے صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے کارکن، باورچی، دھوبی، نائی وغیرہ۔"

اِس سکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آخر ماہ تبوک/ستمبر سے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب۔ مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس[1]۔ مکرم مولانا ابو العطاء صاحب اور مکرم مرزا عبد الحق صاحب پر مشتمل کمیٹی قائم ہو چکی تھی جس نے حضور کے نئے فیصلہ کے مطابق قرعہ اندازی سے ۳۱۳ افراد کے انتخاب کا کام شروع کر دیا۔

درویشوں کے انتخاب کا اوّلین مرحلہ

اس سلسلہ میں سب سے قبل تمام احمدیوں سے پوچھا گیا کہ ان میں سے کون کون رضا کارانہ طور پر رہنا چاہتے ہیں بعد ازاں مندرجہ ذیل اصول و قواعد کے پیش نظر قرعہ اندازی کی گئی:۔

۱۔ حضرت مصلح موعودؓ کی اولاد اور باقی خاندان حضرت مسیح موعودؑ اور خاندان حضرت خلیفہ اوّلؓ کے افراد کے الگ الگ قرعے ڈالے گئے۔

۲۔ صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے قدیم ڈھانچہ کو بنیادی طور پر قائم رکھنے کے لئے کوشش کی گئی کہ صدر انجمن احمدیہ کی مندرجہ ذیل نظارتوں کے نمائندے اور محررین موجود رہیں:۔

نظارت علیا۔ نظارت امور عامہ و خارجہ۔ نظارت ضیافت، محاسب۔ بیت المال۔

تحریک جدید کے سب صیغوں کی طرف سے ایک نمائندہ کافی سمجھا گیا۔ ناظر ضیافت یا ناظر امور عامہ میں سے کسی کو امین بنانے اور دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت کی نظارتوں کو دوسری کسی نظارت سے منسلک کرنے کی تجویز کی گئی۔ نیز قرار پایا کہ ایک آڈیٹر کا بھی انتخاب کیا جائے۔

۳۔ بیرونی رضا کاروں اور قادیان کے باشندوں میں سے جو احباب منتخب ہوئے ان میں ایک اہم اصول یہ پیش نظر رکھا گیا کہ ان میں علماء سلسلہ بھی ہوں، ڈاکٹر اور کمپونڈر بھی۔

اِسی طرح آبادی کی سہولت کے لئے دوکانداروں، دھوبیوں، حجاموں، درزیوں، نانبائیوں غرضکہ ہر طبقہ کی الگ الگ لسٹیں بنا کر اُن کا قرعہ نکالا گیا۔

۴۔ چونکہ اس وقت خیال یہی تھا کہ تین ماہ کے بعد ان کا تبادلہ ہوتا رہے گا اس لئے محافظین، خدام بیرونی اور قادیان کے باشندوں کے انتخاب میں یہ بات بھی مدنظر رکھی گئی کہ اچھے قابل اور درمیانی قابلیت کے احباب باری باری رکھے جائیں۔

---

[1]۔ مولانا شمس صاحب ۱۴؍اخاء سے ۱۵؍ماہ نبوت ۱۳۲۶ہش تک امیر مقامی کے فرائض بجا لاتے رہے۔ اور انتخاب درویشاں کا آخری مرحلہ انہیں کے عہد امارت میں طے پایا۔

۵۔ قادیان کی جماعت کے امراء اور ان کے نائبوں کے ناموں کی الگ الگ فہرستیں بنائی گئیں۔

امراء:۔ مندرجہ ذیل اصحاب بطور امیر تجویز کئے گئے:۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب۔ سید محمود اللہ شاہ صاحب۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس، ملک غلام فرید صاحب۔ شیخ بشیر احمد صاحب۔ چوہدری اسد اللہ خاں صاحب۔ مرزا عزیز احمد صاحب۔ مرزا مبارک احمد صاحب۔ مرزا ظفر احمد صاحب۔ مرزا منیر احمد صاحب مولوی عبدالمنان صاحب عمر۔ میاں مسعود احمد خاں صاحب۔ ڈاکٹر کرنل عطاء اللہ صاحب۔ چوہدری بشیر احمد صاحب۔ مرزا منصور احمد صاحب۔ میجر داؤد احمد صاحب۔ ملک عبدالرحمن صاحب خادم۔ چوہدری نقیر محمد صاحب۔ شیخ رفیع الدین صاحب ڈی۔ ایس۔ پی ریٹائرڈ۔ چوہدری محمد انور حسین صاحب۔ میر محمد بخش صاحب۔ شیخ اعجاز احمد صاحب۔ پیر صلاح الدین صاحب۔ ڈاکٹر غلام احمد صاحب۔ میاں غلام محمد صاحب اختر۔ میاں عطاء اللہ صاحب وکیل۔ مرزا عبدالحق صاحب وکیل۔ بابو قاسم دین صاحب سیالکوٹ:۔

نائب امراء:۔ نائب امیر کی حیثیت سے مندرجہ ذیل افراد کا انتخاب عمل میں آیا:۔

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے۔ ملک عزیز الرحمن صاحب۔ شیخ مبارک احمد صاحب۔ مشتاق احمد صاحب ظہیر۔ چوہدری ظہور احمد صاحب۔ مرزا بشیر بیگ صاحب۔ چوہدری عزیز احمد صاحب۔ مولوی برکات احمد صاحب۔ راجہ بشیر احمد صاحب۔ ملک صلاح الدین صاحب۔ مولوی عبدالرحمن صاحب جٹ۔ مولوی قمر الدین صاحب فاضل۔ صوفی محمد ابراہیم صاحب۔ صوفی غلام محمد صاحب:۔

مندرجہ بالا اسماء پیش کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی خدمت میں درخواست کی گئی کہ حضور انہیں ان میں سے نامزد فرما دیں۔ (حضور نے امراء اور اُن کے نائبین کا عرصہ قیام ڈیڑھ ماہ مقرر فرمایا)۔

۶۔ حضرت سیدنا المصلح الموعود کے نونہالوں کا حسب ذیل ترتیب سے قرعہ نکلا:۔

صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب۔ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب۔ صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب۔ صاحبزادہ مرزا انور احمد صاحب۔ صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب۔

۷۔ قرعہ میں سیدنا المصلح الموعود کے صاحبزادگان کے علاوہ دوسرے خاندان مسیح موعودؑ اور خاندان حضرت

خلیفہ اوّل رضؓ کے جگر گوشوں کے نام بالترتیب یہ تھے :۔

مرزا ظفر احمد صاحب ۔ میاں عبدالوہاب صاحب ، مرزا مجید احمد صاحب ۔ میاں عبدالمنان صاحب عمر ۔ مرزا منصور احمد صاحب ۔ سیّد مسعود احمد صاحب ۔ مرزا مبشر احمد صاحب ۔ مرزا منیر احمد صاحب ۔ مرزا نسیم احمد صاحب ۔ میاں مسعود احمد صاحب ۔ سیّد داؤد احمد صاحب ۔ سید سیّد احمد صاحب ۔

۸ ۔ علماءِ سلسلہ میں سے مولوی ظہور حسین صاحب سابق مبلّغ بخارا اور مولوی شریف احمد صاحب امینی (ٹیچر مدرسہ احمدیہ) کا نام قرعہ میں نکلا ۔

۹ ۔ محاسب اور بیت المال کے لئے عبدالحمید صاحب عاجز ۔ امورِ عامہ کے لئے مولوی برکات احمد صاحب بی ۔ اے اور ضیافت کے لئے بطور نمائندہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل جٹ کا نام تجویز ہوا ۔

۱۰ ۔ خاندانِ حضرت مسیح موعود ، علماءِ سلسلہ اور بعض دیگر افراد کو (جن کا نام سب سے پہلے ٹھہرنے والوں میں نکلا ۔) ہفتہ عشرہ کے لئے پاکستان میں جانے کی عام اجازت دے دی گئی ۔

قادیان میں احمدی آبادی کی حدود کے لئے گفتگو اور سمجھوتہ ۔

اب چونکہ مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کے لئے احمدیوں کی ایک مختصر سی تعداد کی موجودگی کا قطعی فیصلہ ہو چکا تھا اس لئے جماعت کے مرکزی عہدیداروں نے مقامی فوجی افسروں پر خود ہی یہ واضح کرنا شروع کر دیا کہ ہم میں سے ہر شخص اگرچہ یہی چاہتا ہے کہ قادیان کے سب احمدی محلے دوبارہ آباد ہوں اور کوئی احمدی قادیان سے نہ جائے مگر چونکہ موجودہ فضا میں ہماری یہ دلی خواہش پوری نہیں ہو سکتی ۔ اس لئے ہم قادیان کے صرف اُسی حلقہ میں سمٹ کر آباد رہنا چاہتے ہیں جس میں ہمارے مقدس مقامات موجود ہیں ۔ کیونکہ ان کی حفاظت ہماری مذہبی اور دینی ذمہ داریوں میں سے نہایت اہم ذمہ داری ہے ۔

ملٹری اور فوج کے ذمہ دار افسر پہلے تو اسی کوشش میں مصروف رہے کہ کسی نہ کسی طرح احمدیوں کو مکمل طور پر قادیان سے باہر نکال دیا جائے لیکن پھر جلد ہی محسوس کر لیا کہ احمدیوں کو اپنے مذہبی مرکز سے ایسی زبردست اور فقید المثال محبت و عقیدت ہے کہ وہ اپنی جانیں ایک ایک کر کے قربان کر دیں گے ۔ مگر جیتے جی اسے خالی نہیں کریں گے ۔ سوائے اس کے کہ انہیں حکومت کی طرف سے قادیان چھوڑ دینے کا تحریری حکم دیا جائے یا جبراً اس سرزمین کو محروم کر دیا جائے ۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر سرکاری افسران اس نتیجہ پر پہنچے کہ احمدیوں کی آبادی کے لئے قادیان میں کچھ نہ کچھ علاقہ

ہر حال مخصوص کرنا ضروری ہے۔ اس پر انہوں نے احمدی نمائندوں سے خود بھی پوچھنا شروع کیا کہ مستقبل سے متعلق اُن کی کیا پالیسی ہے؟ احمدی نمائندوں نے انہیں بتایا کہ اگر ہمیں یہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا تب بھی اپنے مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کے لئے مناسب تعداد ہم میں سے ضرور موجود رہے گی۔ ابتداء میں جب جماعت کی طرف سے کہا گیا کہ یہاں رہنے والوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہوگی تو ملٹری کے افسروں نے کہا کہ ہزار تو بڑی تعداد ہے۔ اگر اس سے کم لوگ یہاں رہیں اور وہ بھی ادھیڑ عمر کے تو غور کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ سوال بھی خود بخود گفتگو کا محور بن گیا کہ احمدیوں کو اپنے مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لئے کس قدر حلقہ در کار ہوگا؟

آخر ۱۸ / ماہ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء کو قادیان میں درویشانہ زندگی گذارنے والے احمدیوں کی حدود آبادی پر ملٹری کے ذمہ دار آفیسر (لیفٹیننٹ کرنل) اور احمدی نمائندوں کا اتفاق رائے ہو گیا جس کے مطابق احمدی محلہ کا محل وقوع حسب ذیل تھا:۔

شمال میں ۔ مکان حضرت سیّد ناصر شاہ صاحبؓ ۔ قصرِ خلافت ۔ دفاتر صدر انجمن احمدیہ مرکزیہ ۔ دفتر تحریک جدید مکان مکرم مدد خاں صاحبؓ ۔ مکان حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی ۔ جلسہ گاہ قدیم ۔

جنوب میں ۔ محلہ ناصر آباد ۔ بہشتی مقبرہ ۔ باغ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۔

مشرق میں ۔ مکرم نیک محمد خاں صاحب ، مکرم مولوی عبدالمغنی خاں صاحب اور مکرم امتیاز علی صاحب کے مکانات ۔

مغرب میں ۔ مسجد فضل ۔ سڑک ڈسٹرکٹ بورڈ بطرف ہیل کلاں ۔ مکان مولوی عبدالحق صاحب بدو ملہوی ۔ مسجد اقصیٰ ۔

مولانا جلال الدین صاحب شمس نے (جو اُن دنوں امیر مقامی کے فرائض انجام دے رہے تھے) سیّدنا المصلح الموعود کی خدمت میں لکھا:۔

"آج شام (۱۸/اکتوبر) کو تین بجے لیفٹیننٹ کرنل صاحب ، ڈی۔ ایس۔ پی صاحب ۔ مجسٹریٹ صاحب علاقہ ، ہزارہ سنگھ صاحب مع لیفٹیننٹ کپتانی تشریف لائے ۔ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب مرزا عبدالحق صاحب اور خاکسار نے ان سے ملاقات کی ۔ نقشہ قادیان پر وہ علاقہ دکھایا گیا جسکی حفاظت احمدی چاہتے ہیں ۔ مجسٹریٹ صاحب علاقہ کے سوا اور کسی نے ہماری مخالفت نہ کی ۔ کرنل صاحب نے ہماری تجویز سے اتفاق کیا ۔ رستوں میں غیر مسلموں اور سکھوں کے آنے جانے کے متعلق ذکر کیا حضرت صاحبزادہ صاحب نے کہا ہمیں کوئی اعتراض نہیں کہ وہ بھی ہمارے رستوں میں آتے جاتے رہیں ۔

لیفٹیننٹ کرنل نے کہا کہ جو یہاں رہیں گے وہ آزادی سے دوسرے شہریوں کی طرح رہیں گے محصور ہو کر نہیں رہیں گے۔ انہوں نے پوچھا کہ مسلم ملٹری کہاں ٹھہرائیں اور کیا مخلوط ملٹری پہرہ پر رکھی جائے؟ تو صاحبزادہ صاحب نے کہا مسلم ملٹری آپ کے ماتحت ہو جیسے آپ پسند کریں اس پر اعتراض نہیں"۔

احمدی محلہ کی حد بندی سے لے کر ۱۶؍ نومبر کے آخری کنوائے تک کے بعض کوائف

قادیان میں احمدیہ محلہ کی حد بندی ۱۸؍ ماہ اخاء/اکتوبر کو ہوئی اور پاکستان سے آخری کنوائے ۱۵؍ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو قادیان میں پہنچا۔ اس درمیانی عرصہ کے بعض کوائف کا کسی قدر تفصیل مکرم صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کی ایک ڈائری سے ملتی ہے جو آپ اُن ایام میں لکھا کرتے تھے۔ ذیل میں اس ڈائری سے بعض واقعات ملخصاً درج کئے جاتے ہیں :۔

۱۸؍ ماہ اخاء/اکتوبر۔ بورڈنگ تحریک جدید سے احمدی احباب واپس آنے شروع ہو گئے تا سب احمدی شہر ہی میں اکٹھے ہو جائیں۔

۱۹؍ ماہ اخاء/اکتوبر۔ صبح نو بجے مس سارہ بائی قادیان آئیں۔ احمدیوں کی طرف سے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب۔ مولوی جلال الدین صاحب شمس۔ مکرم ملک غلام فرید صاحب۔ مرزا عبدالحق صاحب اور مکرم مرزا منور احمد صاحب ان کو ملنے بیت الظفر گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ مس سارہ بائی کے ساتھ مسٹر کرشنا مورتی اور ڈاکٹر سوفٹ صاحب بھی آئے ہیں۔ موخر الذکر ہسپتال کی حالت کا جائزہ لینے آئے تھے۔ صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نے ان کو ہسپتال کے متعلق تازہ کوائف بتائے اور پھر ان کے ساتھ موٹر میں بیٹھ کر ہسپتال گئے۔ دیکھا تو تمام تالے ٹوٹے پڑے تھے۔ قیمتی سامان لوٹ لیا گیا تھا۔ اپریشن روم سے سب کے سب اوزار لُٹ چکے تھے۔ ڈاکٹر سوفٹ صاحب نے بے ساختہ کہا افسوس ہسپتال برباد کر دیا گیا ہے ۔.... بعد ازاں ڈاکٹر سوفٹ کے کہنے پر ہسپتال میں فوجی پہرہ لگا دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد مرزا منور احمد صاحب دوبارہ حضرت میاں ناصر احمد صاحب، ملک غلام فرید صاحب، مولوی جلال الدین شمس صاحب اور مرزا عبدالحق صاحب کے ساتھ بیت الظفر گئے۔ جہاں ملک غلام فرید صاحب نے مسٹر کرشنا مورتی صاحب کو سب واقعات بتائے اور کہا کہ جب ہم لوگ یہاں رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں کیوں نکالا جاتا ہے؟ کہنے لگے بات یہ ہے کہ تم لوگ INDO - PAKISTAN BORDER کے بالکل قریب ہو۔ اس لئے یہ سب کچھ ہے۔ اس گفتگو کے بعد مس سارہ بائی کو قادیان کے خونچکاں حالات بتائے گئے۔ مس سارہ بائی نے اس موقعہ پر مقامی ہندو سکھوں کو بھی جو باہر آئے ہوئے

تھے اندر بلالیا اور کہا مغواشدہ عورتوں کی بازیابی اور غلط افواہوں کے تدارک وغیرہ کے لئے ایک امن کمیٹی قائم کی جائے ۔ چنانچہ ان کی تجویز پر ایک کمیٹی بن گئی جس میں دو ہندو ، دو سکھ اور دو احمدی ممبر بنے ۔

۲۳ راخاء/اکتوبر ۔ اس روز تقریباً ساڑھے دس بجے جناب حسین شہید صاحب سہروردی ۔ میجر جنرل تھمایا صاحب کے ساتھ ہوائی جہاز پر آئے اور جہاز سے اُتر کر سیدھے شہر میں احمدیوں کے حلقہ کی طرف آئے ۔ مگر میجر جنرل تھمایا صاحب تو واپس بیت الظفر چلے گئے ۔ سہروردی صاحب کے ساتھ ڈاکٹر ڈنشا مہتہ صاحب بھی تھے جو گاندھی کے خاص نمائندے کی حیثیت سے آئے تھے ۔ ان لوگوں کو حضرت میاں بشیر احمد صاحب کے مکان پر بٹھایا گیا اور حضرت میاں ناصر احمد صاحب ، ملک غلام فرید صاحب ، مولوی جلال الدین شمس صاحب اور مرزا منور احمد صاحب ملاقات کے لئے گئے اور ان کو نہایت تفصیل کے ساتھ قادیان کے گذشتہ واقعات سے مطلع کیا جن کو دونوں نے بہت دلچسپی سے سُنا اور ساتھ کے ساتھ نوٹ بھی لیتے گئے ۔ ساڑھے گیارہ بجے تک ملاقات ہوتی رہی ۔ دونوں ہی ان واقعات سے بہت متاثر معلوم ہوتے تھے ۔ اس موقعہ پر بنگال کے احمدیوں کا وفد بھی سہروردی صاحب سے ملا ۔ اس کے بعد سہروردی صاحب کو مسجد اقصیٰ کی وہ جگہ دکھائی گئی جہاں بم گرائے گئے تھے ۔ پھر جناب سہروردی صاحب نے بعض احمدیوں کے ساتھ منارۃ المسیح پر سے مسجد فضل دارالفتوح ۔ دارالرحمت وغیرہ محلے دیکھے جن پر سکھوں نے حملہ کیا تھا جناب سہروردی صاحب نے یہاں سے شہر کی تصویریں لیں ۔ اور دُوربین پکڑ کر کہا کہ لاؤ میں مسلمانوں کا وہ کالج آخری بار دیکھ لوں ۔ جو اب غیر مسلموں کے ہاتھوں میں جارہا ہے ۔ اس پر ڈاکٹر ڈنشا مہتہ نے کہا کہ مجھے یقین ہے ۔ یہ عارضی طور پر جارہا ہے پھر ضرور جلدی ہی واپس آئے گا ۔ اس کے بعد جناب سہروردی صاحب اور ڈاکٹر ڈنشا مہتہ وغیرہ جیپوں میں بیٹھ کر بیت الظفر گئے ۔ جہاں سے یہ لوگ بذریعہ ہوائی جہاز واپس چلے گئے ۔ جناب سہروردی صاحب اور ڈاکٹر ڈنشا نے جاتے ہوئے وعدہ کیا کہ ہم وزیر اعظم پنڈت جواہر لال صاحب نہرو کو سب واقعات بتائیں گے اور آپ کے ڈھائی تین سو آدمیوں کے یہاں بحفاظت رہنے کا پورا انتظام ہو جائے گا ۔

۲۴ راخاء/اکتوبر ۔ صبح کو مس سارہ بائی صاحبہ اور مسز کرشنا مورتی پھر آئے اور حضرت میاں ناصر احمد صاحب ۔ مرزا عبد الحق صاحب سے حضرت میاں بشیر احمد صاحب کے مکان میں ملاقات کی ۔ بہشتی مقبرہ بھی دیکھنے گئے ۔ اسی دن امن کمیٹی کا ایک جلسہ بھی مسجد نور میں ہوا ۔ جس میں مقامی ہندوؤں ، سکھوں نے احمدیوں کے خلاف

بہت پُرجوش تقریریں کیں۔

۲۶ ماہ اخاء/اکتوبر۔ صبح نو بجے نمازِ عید ہوئی جو مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ نے مسجد اقصیٰ میں پڑھائی۔ تقریباً بارہ تیرہ سو احمدی نماز میں شامل ہوئے۔ اُن دنوں مسلمان فوج کے بعض سپاہی بھی قادیان میں متعین تھے جن میں سے بعض مسجد اقصیٰ کی چھت پر ڈیوٹی دیتے رہے۔

جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے مسلمان فوج کے سپاہیوں کے اعزاز میں حضرت امّ طاہر کے مکان کے اوپر (صحن میں) عشائیہ دیا گیا۔ اس تقریب پر کچھ نظمیں بھی پڑھی گئیں اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے ایک مختصر تقریر بھی فرمائی جس میں جماعت احمدیہ کے قادیان سے گہرے تعلق پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی۔

۲۷ ماہ اخاء/اکتوبر۔ اس دن قادیان کے ماحول سے متواتر اطلاعات موصول ہوئیں کہ سکھ وغیرہ حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ بھی خبر پہنچی ہے کہ بٹالہ اور امرتسر کے غیر مسلم یہ سازش کر رہے ہیں کہ قادیان کو آنے والے کنوائے پر حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا جائے۔

۲۸ ماہ اخاء/اکتوبر۔ اطلاع ملی کہ سکھ کافی تعداد میں آریہ سکول میں اکٹھے ہو رہے ہیں۔ شاید حملہ کریں۔ مگر کچھ دیر بعد یہ لوگ منتشر ہو گئے۔

۳۱ ماہ اخاء/اکتوبر۔ صبح گیارہ بجے کنوائے تقریباً چار، سوا چار سو آدمی کو لے کر روانہ ہو گیا۔ جماعت کا ریکارڈ اور کتب وغیرہ کے چڑھانے میں دقّت پیدا ہو گئی تھی۔ مجسٹریٹ صاحب علاقہ (مسٹر سوہنی) نے انکار کر دیا کہ سامان کوئی نہیں چڑھنے دوں گا۔ آخر مرزا عبدالحق صاحب اور کنوائے کے ساتھ آنے والے کیپٹن گلزار صاحب کی کوشش سے مجسٹریٹ صاحب مان گئے اور بمشکل یہ جماعتی سامان جا سکا۔ مجسٹریٹ صاحب نے بعض لوگوں کے سامان کی تلاشی بھی لی۔ مگر پھر کیپٹن گلزار (صاحب) نے کہا۔ آپ تلاشی نہیں لے سکتے کیونکہ دونوں حکومتوں کا معاہدہ ہے کہ تلاشی نہیں ہوگی اگر آپ تلاشی لینا چاہتے ہیں تو لکھ کر دے دیں۔ اس پر مجسٹریٹ صاحب نے تلاشی کا ارادہ ترک کر دیا۔

۲ ماہ نبوت/نومبر۔ شام پانچ بجے تین احمدی نوجوان دارالانوار کی سڑک پر سیر کرنے گئے تھے۔ کہ وہاں فوج کے ایک سپاہی نے ان کو مشتبہ قرار دے کر پکڑ لیا۔ اور بُری طرح لاٹھیوں سے زدوکوب کیا۔ آخر مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ اور فضل الٰہی صاحب پولیس چوکی گئے ...... اور کچھ دیر بعد ان تینوں نوجوانوں کو لے آئے۔

۳ ماہ نبوت/نومبر۔ قبل ازیں مجسٹریٹ صاحب نے مولوی جلال الدین صاحب شمسؔ کو گرفتار کرنے کی دھمکی دی تھی

مگر اسی روز مقامی فون کے اپریٹر نے چوہدری ظہور احمد صاحب کو بتایا کہ گذشتہ رات ہی ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور کا فون مجسٹریٹ صاحب قادیان کو آیا تھا کہ کسی کو گرفتار وغیرہ بالکل نہیں کرنا۔ یہ سُنکر احمدیوں کو بہت خوشی ہوئی کہ اب مجسٹریٹ صاحب شمس صاحب پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔

۸ رماہ نبوت/نومبر۔ لاہور سے بذریعہ فون یہ اطلاع ملی کہ مرزا مظفر احمد صاحب نے ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور کو فون کیا اور مجسٹریٹ صاحب کی دھمکی کی نسبت بات ہوئی۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا کہ شمس صاحب کو گرفتار نہیں کیا جائے گا۔

۹ رماہ نبوت/نومبر۔ ساڑھے آٹھ بجے شب کے قریب ایک کنوائے قادیان آیا جس میں مرزا ظفر احمد صاحب اور مرزا خلیل احمد صاحب بھی تھے۔

۱۰ رماہ نبوت/نومبر۔ تقریباً ایک بجکر بیس منٹ پر قادیان کی چوکی پولیس کے انچارج صاحب اور مجسٹریٹ صاحب (امولک سنگھ) اور بعض سپاہیوں کے ہمراہ الدّار میں آئے اور حضرت میاں بشیر احمد صاحب کے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے مکان کی درمیانی پرائیویٹ گلی میں مٹی کے اُن ڈھیروں کو الٹ پلٹ کے دیکھنا شروع کر دیا جو فسادات شروع ہونے سے پہلے آگ بجھانے کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ پولیس کے سپاہی پندرہ بیس منٹ تک یہ کام کرتے رہے۔ پتہ چلا کہ مجسٹریٹ صاحب کو ایس پی پُھلکا سنگھ صاحب نے بھجوایا ہے کہ جاکر ان ڈھیروں کے نیچے سے ناجائز اسلحہ برآمد کریں۔ آخر جب کچھ نہ نکلا تو یہ لوگ واپس چلے گئے۔

۱۱ رماہ نبوت/نومبر۔ اس دن ایک مسلمان عورت مع اپنے دو بچوں کے موضع ظفر وال سے بھاگ کر آئی۔ جس نے بتایا کہ وہاں سکھوں کے قبضہ میں تھی۔ کئی دن سے بھاگنے کا ارادہ کر رہی تھی آخر آدھی رات کے وقت بھاگ کے قادیان میں پناہ لینے کا موقعہ مل گیا۔ اور اس کو کنوائے میں پاکستان بھجوا دیا گیا۔

ایک دردناک سانحہ یہ دیکھنے میں آیا کہ اس روز نو دس سال کی ایک معصوم بچی قادیان کے ایک محلہ سے ملی جو قریباً دس دن سے وہاں پڑی تھی۔ بیچاری کی صرف ہڈیاں رہ گئی تھیں جسم دوہرا ہو گیا تھا اور فاقوں نے اس کا دماغ مختل کر دیا تھا۔ اس بچی کی خوراک اور علاج معالجہ کا انتظام کیا گیا۔

حضرت سیّدنا المصلح الموعود کا نہایت اہم مکتوب درویشانِ قادیان کے لئے زرّیں ہدایات اور اہم فیصلے۔

اب چونکہ درویشان قادیان کے علاوہ باقی سب احمدی جلد پاکستان میں آنے والے تھے اور شعائر اللہ کی حفاظت کا کام نئی اور مستقل

بنیادوں پر شروع ہونے والا تھا۔ اسی لئے حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ۱۲/ماہ نبوت/نومبر امیر مقامی (مولوی جلال الدین صاحب شمس) کے نام ایک مفصل مکتوب میں مستقل طور پر قادیان رہنے والوں کے لئے زریں ہدایات دیں اور بعض اہم فیصلے فرمائے۔ اس اہم اور قیمتی دستاویز کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

" بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکرمی شمس صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج معلوم ہؤا ہے۔ کہ جو کنوائے جانا تھا وہ کل کے کنوائے کی وجہ سے منسوخ ہو گیا ہے۔ اب کوشش کر رہے ہیں۔ کہ دوبارہ اس کی اجازت مل جائے خدا کرے مل جائے تو پھر یہ خط پہنچ جائیگا ورنہ جب خدا چاہے گا۔ آپ لوگوں کی ملاقات کا موقع میسّر آجائے گا۔

۱۔ مجھے افسوس ہے یہ معلوم ہؤا ہے کہ وہاں کوئی تنظیم نہیں۔ علماء کو بغیر غور کے باہر نکال دیا گیا ہے۔ وہاں صرف مولوی عبدالقادر صاحب[۱] اور مولوی ابراہیم صاحب ہیں۔ اب ہم کوشش کریں گے۔ اگر ہو سکا تو محمد شریف[۲] امینی کو بھجوا دیا جائیگا۔ حالانکہ علماء بھی آخری قافلہ میں جا سکتے تھے۔ قادیان میں خرچ بے تحاشا ہؤا ہے اور تنخواہوں کے خرچ کے علاوہ صرف اکتوبر میں اوپر کے اخراجات کے متعلق ساڑھے چھ ہزار کی تفصیل آئی ہے۔ اس سے پہلے ماہ تو سارے مہینہ کی آمدن ہی چھ ہزار تھی۔ اکتوبر میں کچھ زیادتی ہوئی۔ نومبر اسی طرح چل رہا ہے کوئی خاص زیادتی نظر نہیں آتی بلکہ کمی کا خطرہ ہے۔ ان حالات میں اتنا خرچ کس طرح برداشت کیا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک قادیان میں چونکہ غلہ موجود ہے۔ دس روپیہ فی کس سے زیادہ کھانے کا خرچ نہیں ہونا چاہیئے۔ مستقل محافظوں کو تو گزارہ ملتا ہے اُن کے گزارہ میں سے اُن کا خرچ کاٹنا چاہیئے دیہاتی مبلغین کو بھی گزارہ ملتا ہے۔ اُن کے گزارہ میں سے بھی کھانے کا خرچ نکالنا چاہیئے۔ گندم چونکہ موجود ہے اس لئے میرے خیال میں گندم کے علاوہ دس روپے سے زیادہ مہینہ کا خرچ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس طرح کل خرچ اڑھائی ہزار روپے ماہوار ہوگا۔ اس میں سے قریباً سترہ سو روپیہ ایسے لوگوں سے واپس مل جائیگا جن کو گزارے ملتے ہیں۔ اور باقی صرف آٹھ سو روپے کا خرچ رہ جائیگا گزاروں کی رقم مستقل محافظوں اور دیہاتی مبلغوں کی اگر ملائی جائے تو پانچ ہزار کے قریب بنتی ہے۔

۱؎:۔ مراد مولوی عبدالقادر صاحب جسمانی مدہوشی ہیں؛

۲؎ ۔ مولوی شریف احمد صاحب امینی سابق مجاہد سلسلہ احمدیہ قادیان؛

آٹھ سو روپیہ پہلا اور پانچ ہزار یہ ملا کر پانچ ہزار آٹھ سو روپیہ بنتا ہے۔ جو لوگ باہر سے آئے ہوئے وہاں رہیں گے اُن کی تعداد ساٹھ کے قریب ہوگی اور قادیان والوں اور باہر سے آنے والے لوگوں کی تعداد قریباً ایک سو پچاس ہوگی۔ ان لوگوں پر تیل اور صابن وغیرہ کے لئے پانچ پانچ روپے خرچ کئے جائیں تو ساڑھے سات سو روپے کے قریب یہ بنتا ہے۔ صفائی وغیرہ اور دوسرے اخراجات دفتری کے لئے قریباً پانچ سو روپیہ رکھا جائے تو سات ہزار روپیہ بن جاتا ہے۔ یہ کھانے اور گذارہ اور تنخواہوں کو ملا کر رقم بنتی ہے۔ لیکن مستقل محافظ اور دیہاتی مبلغ غالباً اپنے گذارہ میں سے کچھ رقم اپنے رشتہ داروں کو باہر بھجوانا چاہیں گے۔ میرے خیال میں وہ رقم تین ہزار سے کم نہیں ہوگی۔ اس کو نکال دیا جائے تو چار ہزار روپیہ ماہوار کا خرچ ہوتا ہے۔ اس طرح جو قادیان میں موجود روپیہ ہے اس کے ساتھ آٹھ مہینے تک آسانی سے گذارہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ قادیان میں جو گندم ہے اُس میں سے دو ہزار من ڈیڑھ سال کے خرچ کے لئے رکھ لی جائے۔ گندم اچھی طرح رکھی جائے تو دو دو تین تین چار چار سال تک رکھی جا سکتی ہے۔ باقی چار ہزار من اگر حکمت کے ساتھ فروخت کر دی جائے تو چالیس ہزار روپیہ کی رقم اور آ جائے گی۔ اس طرح قریباً ڈیڑھ سال کا خرچ قادیان میں محفوظ رہے گا۔ وہاں کے لوگوں کا صرف یہی کام نہیں کہ بیٹھے رہیں۔ ان کا کام یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک مستقل آبادی کی صورت دیں اور اُسی جگہ مستقل آمدنی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ مگر یہ ضرور کوشش ہونی چاہیئے کہ گندم ضبط نہ ہو جائے۔ فروخت ہو مگر محتاط طریق پر۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کو گندم کی فروخت کا لائسنس دلایا جائے۔

۴۔ جن لوگوں کے پاس لائسنس ہیں اور اُن کی میعاد دسمبر میں ختم ہوتی ہے۔ اُن کو اپنے لائسنسوں کے دوبارہ جاری کرانے کی درخواستیں ابھی سے دینی چاہئیں، ایسا نہ ہو کہ لائسنس ضبط ہو کر بندوقیں ضبط ہو جائیں اور ہمارے آدمی نہتے ہو جائیں۔ اس طرح خزانہ کی حفاظت کی جو بندوقیں ہیں اُن کے لئے بھی لائسنس کے دوبارہ اجراء کی درخواستیں دے دینی چاہئیں۔

میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں اب پھر لکھتا ہوں۔ کہ اب جو لوگ وہاں رہیں۔ اُن کو یہ سمجھ کر رہنا چاہیئے کہ انہوں نے مکی زندگی اور مسیح ناصری والی زندگی کا نمونہ دکھلانا ہے۔ اگر ہمارے کسی آدمی کی سختی کی وجہ سے یا مقابلہ کی وجہ سے مقامات مقدسہ کی ہتک ہوئی تو اسکا ذمہ وار وہ ہوگا۔ اللہ تعالےٰ

نے پہلے انبیاء کے ذریعہ سے ہم کو یہ نمونے دکھائے ہوئے ہیں۔ اب نصیحت اور تبلیغ اور ضمیر کے سامنے اپیل کرنے سے کام لینا چاہیئے اور دعا اور گریہ وزاری اور انکساری سے کام لینا چاہیئے اور ظلم برداشت کرکے ظلم کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیئے جبتک یہ طریق ہماری وہاں کی آبادی نہیں دکھائے گی۔ دوبارہ قادیان کا فتح کرنا مشکل ہے۔ ہمارے آدمیوں کو چاہیئے کہ وہ دعائیں کریں اور روزے رکھیں یہانتک کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن کو دعاؤں کی قبولیت اور الہام کی نعمت میسّر آجائے پھر وہ اس نعمت کے ذریعہ سے سکھ اور ہندو آبادی کے دلوں کو فتح کریں اور جسطرح باوا نانک صاحب باوا فرید کے مرید ہوئے تھے وہاں کے سکھ اور ہندو ان کے مرید بن جائیں اور جو جسمانی شوکت ہم سے چھن گئی ہے وہ روحانی طور پر ہم کو پہلے سے بھی زیادہ مل جائے۔ یہ طریقہ بھی اختیار کریں کہ کوئی مصیبت زدہ سکھ یا ہندو ملے تو اُس کو یہ تحریک کریں کہ تم احمدیت کی نذر مانو تو تمہاری یہ تکلیف دُور ہو جائیگی پھر اُس کیلئے دعائیں بھی کریں۔ بیماروں کی شفا، مقدمہ والوں کی فتح اور اس قسم کے اور مصیبت زدوں کے لئے بھی یہ تحریک کرتے رہیں تو تھوڑے دنوں میں ہی سینکڑوں آدمی سکھوں اور ہندوؤں میں اُن کے مرید بن جائیں گے اور ایک روحانی حکومت اُن کو حاصل ہو جائے گی۔

مَیں نے اُوپر لکھا ہے کہ وہاں خود اپنی آمدن پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اسکے چار ذرائع ہیں:۔ اوّل۔ دوکانوں کا افتتاح۔ دوم۔ طب۔ سوم۔ زمینداری۔ ہمارے لڑکے وہاں موجود ہیں وہ کہیں کہ ہم اپنی زمینوں میں ہل چلانا چاہتے ہیں۔ سب لوگ مل کر خود ہل چلائیں۔ زمینوں کو آباد کریں قادر آباد جو مشرق میں واقع ہے وہ اور اُسکے ساتھ ہماری سو ڈیڑھ سو ایکڑ زمین ہے اگر اس میں غلّہ اور ترکاری وغیرہ کی کاشت کریں۔ گنا بوئیں اور کواپریٹو فارم کے طور پر یہ کام شروع کریں تو خدا تعالیٰ کے فضل سے اسمیں سے اکثر کا گذارہ پیدا ہو سکتا ہے اور کم سے کم ایک سال کا غلّہ اور ترکاری اور دودھ اور گھی اور انڈا مفت مل سکتا ہے۔ چونکہ آدمیوں نے بدلتے رہنا ہے اسلئے کواپریٹو اصول پر یہ کام ہونا چاہیئے۔ چھوٹی چھوٹی صنعتیں جاری کی جائیں۔ جیسے بوٹ بنانا۔ بیگ بنانا اور اسی قسم کے اور کام میں آدمی ہم باہر سے کام سکھا کر وہاں بھجوا سکتے ہیں۔ اس طرح بھی بہت سی آمد پیدا کی جا سکتی ہے۔ جب چیزیں بن جائیں تو وہ مشرقی یا مغربی پنجاب کی منڈیوں میں بیچنے کے لئے بھیجی جا سکتی ہیں۔ بہرحال قادیان کی آبادی تصوف کے اصول پر ہی قائم کی جا سکتی ہے اور تصوف کا اصول یہ ہے کم گفتن و کم خوردن و کم خفتن۔ باتیں

تھوڑی کی جائیں۔ کھانا تھوڑا کھایا جائے۔ سویا کم جائے اور اس کے مقابلہ میں ذکرِ الٰہی زیادہ کیا جائے۔ محنت زیادہ کی جائے اور خدمتِ خلق زیادہ کی جائے۔ ان چار اصولوں پر عمل کر کے روٹی کی فکر باقی نہیں رہتی لوگوں کی مخالفت کی زرح ٹوٹ جاتی ہے اور خدا کے فضل زیادہ سے زیادہ نازل ہونے لگتے ہیں۔

۵۔ چونکہ آئندہ کنوائے بند ہو گا۔ فون، تار اور ڈاک کے ذریعہ کام لیں۔ لیکن یہ احتیاط کریں کہ ہر چیز پر دشمن کی نگرانی ہوتی ہے کوئی بات ایسی نہ لکھیں جس سے یا جھوٹے طور پر آپ لوگوں کے خلاف اثر لیا جا سکے۔

مَیں نے سُنا ہے بجلی کا خرچ بالکل بے فائدہ اور لغو کیا جاتا ہے اور بڑا بھاری بل ادا کرنا پڑتا ہے۔ ان دنوں اس قسم کا خرچ نہایت ہی افسوسناک امر ہے۔ آپ لوگوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ خدانخواستہ ملک میں اگر کوئی اور گڑبڑ ہوئی تو ہم پیسہ بھی آپ لوگوں کو نہیں بھیج سکیں گے۔ اور شاید اس موجودہ تین ہزار روپے سے ہی آپ کو سالوں گذارنے پڑیں گے۔ اس لئے فوراً اپنی آمدن پیدا کریں اور فوراً اپنے اخراجات کو انتہائی درجہ تک گرا دیں۔ ہاں صحت کا خیال ضروری رکھا جائے ہو سکتا ہے کہ باورچی بھاگ جائیں یا باورچی نہ ملیں اس لئے مومنانہ قربانی سے کام لیتے ہوئے ہر شخص روٹی پکانا سیکھے جس طرح ہر سپاہی روٹی پکا سکتا ہے۔ اسی طرح قادیان میں رہنے والے ہر شخص کو روٹی پکانی آنی چاہیئے۔ تاکہ ضرورت کے موقعہ پر بیماری اور تکلیف کا شکار نہ ہونا پڑے۔ جو کام لوگ دنیا کی خاطر کر سکتے ہیں۔ آپ لوگ دین کی خاطر کیوں نہیں کر سکتے۔ فوجوں میں بھی ہوتا ہے کہ چار آدمیوں میں سے ایک آدمی باری باری روٹی پکاتا ہے۔ اور تین آدمی دوسرے کام کے لئے فارغ ہوتے ہیں نیز یا دو مل کر انتظام کیا جائے۔ تو غالباً دس آدمیوں کے پیچھے ایک آدمی روٹی پکانے والا کافی ہو سکتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور مشق ہو جائے تو فی آدمی تیس آدمی کا کھانا بھی پکا سکتا ہے۔ گھی، مصالحہ ہم نے اتنا بھیج دیا ہے کہ اُن آدمیوں کیلئے غالباً سال سے بھی زیادہ عرصہ کے لئے کافی ہو۔

۶۔ قادیان کے انتظام کے لئے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ایک کمیٹی وہاں کام کرے گی۔ امیر اس کا صدر ہو گا اور اس کے ممبر ہمارے خاندان کے دونوں نمائندے۔ محاسب، ناظر بیت المال۔ تحریکِ جدید کا ایک نمائندہ۔ دونوں مبلغ۔ باہر سے آنے والوں کا ایک نمائندہ۔ قادیان کے آدمیوں کا ایک نمائندہ۔ ڈاکٹر اور امورِ عامہ کا ایک نمائندہ ہو گا۔ اس کمیٹی کا نام صدر انجمن احمدیہ ہو گا اور اسی کا نام تحریکِ جدید

ہوگا۔ لہذا اس کا نام مقامی کمیٹی ہوگا۔ یہ کمیٹی قادیان کی آبادی کو قائم رکھنے، اخراجات کا کنٹرول کرنے، دینی روح پیدا کرنے، ہر قسم کی آمد کے ذرائع پیدا کرنے، مقامات مقدسہ کی حفاظت، تبلیغ اور اس تمام علاقہ کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کی ذمہ دار ہوگی جو اس وقت احمدیہ جماعت کے ہاتھ میں ہے۔ اوپر کے بتائے ہوئے قاعدے کے مطابق اس کے کل ممبر بارہ ہیں۔ لیکن ان میں ضرورت کے مطابق زیادتی بھی کی جا سکتی ہے۔ بہرحال ہمارے نزدیک اتنے آدمیوں سے ہر حصہ کی نمائندگی ہو جاتی ہے۔ اصل چیز تو یہی ہے۔ کہ اپنے رسوخ کو اتنا بڑھایا جائے کہ وہاں کے ہندو اور سکھ آپ لوگوں کے مرید بن جائیں اور وہیں سے آمد پیدا ہونی شروع ہو جائے اور یہ مشکل نہیں۔ اپنی ذمہ داری کو آپ لوگ سمجھیں تو ایسا ہو سکتا ہے۔

خلیل احمد[1] اپنی مذہبی تعلیم کو جاری رکھے اور خود مطالعہ کرکے اور علماء سے مدد لے کر اپنی پڑھائی میں ہرج نہ ہونے دے اور کچھ وقت دیہاتی مبلغوں کو پڑھائے۔ کیونکہ پڑھانے سے علم بڑھتا ہے۔ عزیز ظفر احمد کو بھی مذہبی معلومات بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور یہی نصیحت میری تمام قادیان کے رہنے والوں کو ہے۔ چھ سات گھنٹے ہر شخص کچھ نہ کچھ کمائی کے لئے خرچ کرے دو گھنٹے ہر شخص ایسے رنگ میں تبلیغ کرے کہ کوئی جھگڑے والی بات نہ پیدا ہو اور تصوف کی طرف لوگوں کو مائل کرکے احمدیہ جماعت کی دعاؤں کی قبولیت، خدا تعالیٰ کے الہامات، اس کی تائید، نصرت اور بیماروں کی شفاء وغیرہ کی طرف توجہ دلائیں۔ ایک دو گھنٹے قرآن کریم کے درس اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کے پڑھنے میں صرف کئے جائیں۔ تہجد کی ہر شخص عادت ڈالے۔ وہاں رہنے والے ہفتہ میں ایک دو روزے ضرور رکھیں۔ تہجد کی عادت ڈالنے کے لئے یہ طریق مقرر کر دیں کہ تراویح کی طرح سارا سال ہی نماز تہجد مسجد میں ہوا کرے یا اپنے اپنے حلقوں میں باجماعت تہجد کی عادت ڈالی جائے تمام کتب دفتر خلافت میں جمع کر دی جائیں۔ میری لائبریری کی الماریاں اکثر خالی ہوں گی ان میں رکھ دی جائیں۔ تمام اخباروں کے فائل اکٹھے کرلئے جائیں وہ بڑا قیمتی خزانہ ہے اور تاریخ سلسلہ کی بنیاد اسی پر ہے۔ تمام لٹریچر کی لسٹیں بنوا کر یہاں بھجوائی جائیں اور وہاں بھی محفوظ رکھی جائیں۔ حضرت صاحب کی کتب کے کچھ سیٹ وہاں رہیں اور کچھ یہاں آ جائیں۔ اسی طرح میری کتابوں کے کچھ سیٹ وہاں رہیں اور کچھ یہاں آ جائیں۔ تفسیر کبیر کی کچھ جلدیں بھی وہاں رکھی جائیں۔ حضرت صاحب کا جو لٹریچر آیا ہے مجھے نہیں معلوم کہ اس میں حضرت صاحب کے اشتہارات کا مجموعہ شامل ہے یا نہیں۔ اگر وہ نہ آیا ہو تو

---

[1]: صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب (ناقل)

اُس کی کچھ کاپیاں یہاں بھجوائی جائیں اور کچھ کاپیاں وہاں رکھی جائیں، پرانی تفسیریں بھی کچھ وہاں رکھی جائیں تاکہ وہاں رہنے والے ان سے فائدہ اُٹھاتے رہیں ۔

باقی دعائیں بہت کرتے رہیں - قادیان سے بھی زیادہ اس طرف کو خطرہ ہے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار پر جا کر اور مسجد مبارک میں بہت دعائیں کریں ۔ یاد رکھیں کہ دعاؤں اور برکتوں کی جگہ قادیان ہے وہاں کے رہنے والے قادیان کی حفاظت کے علاوہ جماعت کی حفاظت کا کام بھی کریں گے کیونکہ بیرونی جماعتوں کی حفاظت میں قادیان کے لوگوں کی دعائیں بہت کچھ کام دے سکتی ہیں - اگر خدا نخواستہ بیرونی جماعتوں پر اور کوئی آفت آئے تو قادیان کی جماعت کو یہ مدّنظر رکھنا چاہیئے کہ احمدیت اور اسلام کا جھنڈا قائم رکھنا اُن کا فرض ہے ۔ تمام دنیا میں احمدیہ لٹریچر کی حفاظت اور تبلیغ وہ اپنا کام سمجھے بہرحال احمدیت کا بیج دنیا سے مٹ نہیں سکتا - اور ہر مومن کا فرض ہے کہ اس بیج کو بڑھانے - اور پھیلانے میں حصّہ لے ۔

یہ خط اپنے پیچھے رہنے والے امیر اور نائب امیر اور نگران محافظین کو پڑھا دیں اور وہ اپنے وقت پر اپنے بعد والوں کو پڑھا دیں تا سب کے ذہن میں رہے ۔

مرزا محمود احمد ۱۲ ہش ۔" ؎۱

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا مفصل مکتوب قادیان کے آئندہ نظام عمل سے متعلق ۔

حضرت سیدنا المصلح الموعود کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے بھی ایک مفصل مکتوب امیر مقامی کے نام لکھا جس میں آپ نے حضور کی ہدایات کے مطابق قادیان کے آئندہ نظام عمل کی تفصیلات پر نہایت شرح وبسط سے روشنی ڈالی - چنانچہ آپ نے لکھا :-

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

از رتن باغ لاہور ۱۴ ہش مکرمی ومحترمی شمس صاحب ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل مورخہ ۱۵ ہش کو انشاء اللہ قادیان کا قافلہ جارہا ہے ۔ یہ غالباً آخری باقاعدہ کانوائے ہوگا ۔ اس لئے اس میں باہر آنیوالے عزیزوں اور دوستوں کو دُعا اور پیچھے رہنے والے دوستوں سے

؎۱ :- مکتوبات اصحاب احمد جلد اوّل صفحہ ۳۹ تا ۴۲ ۔

باقاعدہ رخصت ہونے کے بعد باہر آجانا چاہیئے ۔ اللہ تعالیٰ قادیان والوں اور باہر والوں سب کا حافظ و ناصر ہو چند ضروری ہدائتیں نوٹ فرمالیں ۔ میں نمبروار درج کردوں گا ۔

۱ ۔ امارت کے متعلق حضرت صاحب کا فیصلہ یہ ہے کہ آپکے بعد مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ امیر ہوں گے ۔ اور عزیز مرزا ظفر احمد نائب امیر ۔

۲ ۔ ناظر اعلیٰ عزیز مرزا ظفر احمد ہوں گے ۔

۳ ۔ نگران حفاظت کیپٹن شیر ولی صاحب ہوں گے ۔

۴ ۔ قادیان میں صدر انجمن احمدیہ اور تحریک کا نظام اس کمیٹی کے ہاتھ میں ہوگا جو حضرت صاحب نے اپنے خط میں تجویز فرمائی ہے ۔ اور اس کمیٹی کے ممبر صدر اور تحریک کے ممبر سمجھے جائیں گے ۔

۵ ۔ تحریک کی جائیداد واقع قادیان کی ذمہ داری بھی صدر انجمن پر ہوگی ۔

۶ ۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ سردست قادیان میں ہی ٹھہریں ۔ دسمبر کے بعد دوسرا انتظام کیا جائیگا ۔

۷ ۔ قادیان میں مندرجہ ذیل طبقات ہوں گے :۔

(الف) قادیان کے باشندوں میں سے قرعہ کے ذریعہ قادیان ٹھہرنے والے ۔

(ب) دیگر احمدی پبلک جو خوشی سے وہاں ٹھہرنا چاہے یا بطریق پرائیویٹ ملازمت وہاں ٹھہرے ۔

(ج) تنخواہ دار عملہ حفاظت ۔

(د) خدام بیرونی اور

(ھ) صدر انجمن یا تحریک کے کارکن ۔

ان میں سے نمبر الف کے آسودہ حال لوگوں کو لنگر سے قیمتاً کھانا دیا جائے ۔ یعنی اگر وہ لنگر سے لینا چاہیں ۔ اور جو آسودہ حال نہ ہوں انہیں مفت دیا جائے ۔ نمبر ب میں سے جن کی گذارہ کی صورت ہو انہیں لنگر سے قیمتاً کھانا دیا جائے ۔ جن کی گذارہ کی صورت نہ ہو انہیں مفت دیا جائے نمبر ج کو قیمتاً کھانا دیا جائے یعنی اگر وہ لنگر سے لینا چاہیں ۔ نمبر د کو لنگر سے مفت کھانا دیا جائے ۔ نمبر ھ کو قیمتاً کھانا دیا جائے یعنی اگر وہ لنگر سے کھانا چاہیں ۔

۸ ۔ کھانے کی قیمت بورڈ نگوں کے اصول پر چارج کی جائے یعنی حساب نکال کر فی کس پر قیمت پھیلائی جائے ۔ مگر قیمت نقد وصول کی جائے قرض نہ دیا جائے ۔

۹۔ آئندہ قادیان کے دفتر محاسب کی امانت حفاظت (ح) میں سے مقررہ کمیٹی کے فیصلہ کیساتھ ناظر اعلیٰ کو براۤمد کا اختیار ہوگا۔ پابندیاں خرچ کے متعلق وہی ہوں گی جو حضرت صاحب نے اپنے خط مورخہ ۱۲ ۱۱/ہش میں لکھدی ہیں۔ تمام خرچ نہایت کفایت کے ساتھ کیا جائے اور خرچ کے مقابل پر آمد بھی پیدا کی جائے اور زندگی درویشانہ رکھی جائے اور حساب رکھا جائے اور آڈٹ بھی ہوتا رہے۔

۱۰۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ قادیان میں ایک آڈیٹر ہونا ضروری ہے (خواہ قریشی عبدالرشید صاحب۔ خواہ راجہ بشیر احمد صاحب) جو صدر اور تحریک اور امانت حفاظت سب کا حساب چیک کرے اور اسے خزانہ کو بھی چیک کرنے کا اختیار ہو۔ خزانہ کی چابی کے علاوہ محاسب کے علاوہ ایک امین بھی ضروری ہے۔

۱۱۔ ملک صلاح الدین صاحب کو حضرت صاحب نے فی الحال دسمبر تک ٹھہرنے کی اجازت دی ہے اس کے بعد پھر غور ہوگا۔

۱۲۔ قادیان میں جو تنخواہ دار عملہ ہوگا۔ خواہ صدر یا تحریک کا اور خواہ عملہ حفاظت اس کیلئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ ابھی ان رقوم کی تعیین کرے جو وہ اپنے عزیزوں کو پاکستان میں ماہوار ادا کروانا چاہتے ہیں پھر اس کے مطابق انہیں قادیان میں اس قدر رقم ادا کر دی جائیگی اور باقی پاکستان میں ان کے عزیزوں کو ادا کی جاتی رہے گی۔ یہ حصے بجٹ کے بھی الگ الگ ہو جائیں گے اس کے مطابق فوراً تحریریں لے کر ایک نقل قادیان میں رہے اور ایک لاہور آجائے۔

۱۳۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ جو چٹھی امور عامہ قادیان کی طرف سے مسٹر[لہ] سونی مجسٹریٹ قادیان کو لکھی گئی ہے (نمبری ۱۰۲ مورخہ ۱۰ ۱۱/ہش) اُس کا لب و لہجہ بہت قابل اعتراض ہے۔ اور خواہ مخواہ چڑانے والا ہے۔ اوّل تو یہ کوئی جواب نہیں کہ آپ نے اتنی دفعہ یہ پاکٹ خالی کرنے کیلئے کہا ہے کہ ہم جواب میں کوئی مثال نہیں بتا سکتے۔ (مثالیں یاد ہوتی ہیں اور بتانی چاہئیں۔ کیونکہ ان کے بغیر ہر معقول آدمی بناوٹی اعتراض سمجھتا ہے)۔ دوسرے تحریر کا لب و لہجہ ہرگز چڑانے والا نہیں ہونا چاہیئے جس میں طعن کا رنگ ہو۔ آخر آپ لوگوں نے اب قادیان میں انتہائی بردباری اور تحمل اور انکساری کے ساتھ رہنا ہے بلکہ یہ درویشانہ زندگی ہوگی۔ کیا درویشوں کا یہ لب لہجہ ہوتا ہے

لہ:۔ سردار محکم سنگھ صاحب سونی ایڈووکیٹ، گورداسپور جو تقسیم ملک کے بعد قادیان میں مجسٹریٹ مقرر ہوئے تھے۔
(مکتوبات اصحاب احمد جلد دوم ص۲۶ حاشیہ)

أئندہ بہت احتیاط رکھی جائے ۔ اور حکمتِ عملی اور اخلاق اور انکساری سے کام لیا جائے ۔ اور مولوی برکات احمد صاحب سوفی صاحب سے مل کر زبانی بات کر کے سابقہ اثر کو دھونے کی کوشش کریں ۔

۱۴۔ آپ نے جو فہرست کارکنان صدر انجمن احمدیہ اور تحریک ملک صلاح الدین صاحب کے دستخط سے بھجوائی ہے یعنی ان لوگوں کی جنہوں نے قادیان میں ٹھہرنا ہے ۔ اس پر حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ یہ فہرست زیادہ ہے اور بعض صیغوں کی اب الگ صورت میں رہنے کی ضرورت نہیں مثلاً تحریک کا صیغہ تجارت اور صیغۂ صنعت قادیان میں رہنا فضول ہے ۔ تحریک کا صرف ایک نمائندہ کافی ہے اس کی جائیداد وغیرہ کا خیال رکھنے کیلئے ۔ دراصل اس وقت قادیان میں یہ صیغے کافی ہیں ۔ (الف) نظارت علیا ۔ (ب) نظارت امور عامہ و خارجہ ۔ (ج) نظارت ضیافت ۔ (د) محاسب اور بیت المال مرکب ۔ (ھ) ایک نمائندہ تحریک سب صیغوں کیلئے ۔ ان سب کے لئے مناسب عملہ محررین ہونا چاہیئے ۔ اور وہ بھی مشترک ہو سکتے ہیں ۔ نظارت دعوۃ اور تعلیم کا کام بھی اوپر کے کسی افسر کے ذمہ لگایا جا سکتا ہے اور ناظر امور عامہ ۔ ناظر ضیافت میں سے ہی کوئی امین ہو جائے ۔ آڈیٹر علیحدہ ہونا چاہیئے ۔ جو قریشی عبدالرشید صاحب یا راجہ بشیر احمد میں سے کسی کو مقرر کر کے رکھ لیا جائے ۔

۱۵۔ خزانہ کے پہرہ دار دو ہونے ضروری ہیں ۔ ایک کافی نہیں ۔ گھروں کے دربان فارغ کر دیئے جائیں اور خدام اور عملہ حفاظت سے کام لیا جائے ۔

۱۶۔ خدام اور عملۂ حفاظت اور دوسرے اصحاب کو بار بار نصیحت کی جائے ۔ یہ خدائی امتحان کا وقت ہے ۔ اس وقت خشیت پیدا ہونی چاہیئے ۔

۱۷۔ خزانہ سے اگر بڑا سیف قادیان آ سکے تو مناسب ہو گا ۔ تاکہ یہاں اس میں سربمہر امانتیں رکھی جا سکیں ۔ لیکن اگر اس کی وجہ سے پیچیدگی کا ڈر ہو تو رہنے دیں اور بہر حال خالی بھجوائیں تا اگر پولیس اور ملٹری کو شبہ ہو تو اسے کھول کر دکھا دیں ۔

۱۸۔ گندم کے متعلق حضرت صاحب کے خط میں تفصیلی ہدایت ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے ۔

۱۹۔ جب قادیان سے روانہ ہوں تو مقبرہ اور مسجد مبارک میں دعا کر کے آئیں اور سب دوستوں سے باقاعدہ مل کر اور رخصت ہو کر آئیں ۔ اور انہیں اپنے پیچھے صبر اور قربانی اور انکساری

اور باہمی اخوت کے ساتھ رہنے اور تقویٰ کی زندگی بسر کرنے کی نصیحت کر کے آئیں۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ والے درویش ہیں۔

۲۰۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب کی وفات کی خبر ریڈیو پر نشر کی جا چکی ہے۔ بیماری تو تھی ہی مگر اس وقت قادیان سے جدائی کا صدمہ اور نقصان لوگوں کے اعصاب پر سخت اثر پیدا کر رہا ہے اور اس صدمہ کی وجہ سے بیماری کے مقابلہ کی طاقت کم ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہو۔ بعض دوستوں نے خواہش کی تھی جسے حضرت صاحب نے بھی پسند کیا کہ اگر ممکن ہو سکے تو ان کا جنازہ قادیان پہنچایا جائے۔ لیکن اس وقت تک اس کا انتظام نہیں ہو سکا۔ گو ڈپٹی ہائی کمشنر نے ڈی۔سی گورداسپور کے نام چٹھی دیدی ہے اور بغیر پورے انتظام کے جنازہ کی بے حرمتی کا ڈر ہے۔ دیکھیں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ ورنہ بہرحال لاہور میں امانتاً دفن ہوں گے۔ (آخری فیصلہ یہی ہوا ہے کہ لاہور میں امانتاً دفن کیا جائے)۔

۲۱۔ سیٹھ ابوبکر صاحب[1] کے متعلق حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ وہ لاہور آ جائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کے ساتھ ہو۔ آپ کے بھی جو باہر آنے والے ہیں اور ان کے بھی جو پیچھے قادیان رہیں گے۔ فقط والسلام

خاکسار مرزا بشیر احمد ۱۱/۱۲/۴۷

یہ خط اپنے پیچھے ریکارڈ اور دوستوں کے مطالعہ کیلئے چھوڑ آئیں۔

نوٹ:۔ جن دوستوں کا قادیان میں اسلحہ رہتا ہے جس کے متعلق علیحدہ ہدایت کی جا چکی ہے۔ اب دسمبر کے آخر میں تجدید کی درخواست دے دینی چاہیئے۔

مرزا بشیر احمد

حضرت صاحب کا خط مورخہ ۱۱/۱۲/۴۷ سب کو پڑھا دیا جائے اور ریکارڈ رہے۔

مرزا بشیر احمد

نقل بخدمت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ۔ مرزا بشیر احمد ۱۱/۱۲/۴۷"[2]

---

[1] والد ماجد حضرت سیدہ امّ وسیم صاحبہ حرم حضرت سیدنا المصلح الموعود (ناقل)

[2] "مکتوبات اصحاب احمد" جلد دوم ص ۷۹، ۸۰، مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے۔ طبع اوّل ناشر احمدیہ بک ڈپو ربوہ پاکستان۔

۱۶ رنومبر کے آخری کنوائے کی روانگی کا رقت انگیز منظر

پاکستان سے قادیان جانے والا آخری کنوائے ۱۵ رماہ نبوت/نومبر کو پہنچا جو اگلے ہی روز قادیان سے روانہ ہوا۔ یہی وہ کانوائے ہے جس کے ذریعہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، مولانا جلال الدین صاحب شمس اور دوسرے بزرگان سلسلہ اور احباب جماعت لاہور تشریف لائے۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس نے رخصت ہوتے ہوئے نہایت درد بھرے الفاظ میں کہا:۔

"اے قادیان کی مقدس سرزمین! تو ہمیں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ پیاری ہے۔ لیکن حالات کے تقاضا سے ہم یہاں سے نکلنے پر مجبور ہیں۔ اسلئے ہم تجھ پر سلامتی بھیجتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں"۔ [۱]

صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب اس کانوائے کی روانگی کے رقت انگیز منظر کا نقشہ درج ذیل الفاظ میں کھینچتے ہیں:۔

"آخری قافلہ یہاں سے ۱۶ رنومبر ۱۹۴۷ء کو گیا۔ چونکہ بہت لوگوں نے جانا تھا۔ ہر قسم کی تیاری کرنی تھی اسلئے اکثر لوگ قریباً بیشتر حصہ رات کا جاگتے رہے مگر صبح ہی پھر چہل جلدی ہی شروع ہوگئی اور سامان کے ساتھ یہ لوگ محلہ دارالانوار کی سڑک پر پہنچنے شروع ہو گئے۔ بارہ بجے کے قریب سب ٹرک لد گئے اور اجتماعی دعاؤں کے بعد جو کہ مسجد مبارک، بیت الدعا، مسجد اقصیٰ اور بہشتی مقبرہ میں ہوئیں سب لوگ ٹرکوں کے پاس پہنچ گئے۔ مگر وہاں منظر ہی اور تھا۔ جانے کی خوشی تو کسی کو کیا ہونی تھی۔ ہر ایک رنج اور غم سے پسا جا رہا تھا۔ ہر ایک قدم جو کنوائے کی طرف اٹھتا تھا وہ آگے سے بوجھل ہوتا۔ جو ضبط کی طاقت رکھتے تھے وہ ضبط کی کوشش کرتے۔ مگر اسکے راز کو ان کی سرخ آنکھیں پکار پکار کے فاش کر رہی تھیں اور جن کو ضبط کی طاقت نہ تھی وہ اس طرح روتے تھے جسطرح کہ کوئی بچہ اپنی ماں سے بچھڑنے کے وقت روتا ہے آخر وہ وقت بھی آ گیا یعنی الوداعی دعا کا۔ جس کرب اور الحاح کے ساتھ یہ دعا مانگی گئی اور جس تضرع اور عاجزی سے انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا اس کو الفاظ بیان نہیں کر سکتے اور جس نے وہ نظارہ دیکھا وہ بھی اسے بھول نہیں سکتا۔ وہاں بہت سے غیر مسلم آئے ہوئے تھے اسکے علاوہ مسلم ملٹری کے سب سپاہی موجود تھے اور وہ سب محو حیرت تھے کہ ان لوگوں کو کیا ہوا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ان لوگوں کی گذشتہ

---

[۱]:۔ الفرقان درویشان قادیان نمبر۔ اگست ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۶۔

چار ماہ موت کے مُنہ میں جھانکنے کے باوجود بھی اس وقت یہ حالت ہے جبکہ ان کو موت سے بچایا جارہا ہے۔ دُعا ختم ہوئی ٹرک ایک ایک کر کے روانہ ہوئے، جانے والے چلے گئے اور پیچھے رہنے والے ایک سکتہ کی حالت میں ان کو تکتے رہے۔ میں بھی انہیں لوگوں میں تھا جو کہ اُن کو الوداع کر رہے تھے۔"[1]

عہدِ درویشی کا آغاز

اس آخری کانوائے کے بعد قادیان کے ایک نئے دَور یعنی عہدِ درویشی کا آغاز ہوا جس میں امارت کے اہم فرائض حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ فاضل کے سپرد ہوئے اور قریباً ۳۱۳ جانثار اور کفن بردوش احمدی اس عزم کے ساتھ قادیان میں اقامت گزیں ہو گئے کہ ہم بہرحال مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کے لئے اپنی جان، مال اور عزّت وآبرو قربان کر دیں گے مگر مرکزِ احمدیت پر آنچ نہ آنے دیں گے۔

ان خوش نصیبوں نے جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرزندِ جلیل کی تخت گاہ کی نگہبانی کے لئے چنا اور قادیان میں رہنے کی سعادت پائی۔ مسیح مہدی کے الہام "یہ امان (تیرے لئے اور تیرے ساتھ کے درویشوں کے لئے ہے" کے مطابق "درویش" کا قابلِ فخر خطاب پایا۔[2]

۱۶ رنومبر/نبوت کو قادیان کے ٹھہرنے والے درویشوں میں ۲۲۱ نوجوان ۵۰ درمیانی عمر کے اور ۲۵ بوڑھے تھے جن میں ۱۱ صحابہ مسیح موعود کا پاک اور قدوسی گروہ بھی شامل تھا۔[3] قادیان کے مقامی احمدی درویشوں کو اُن کے انتخاب کی اطلاع قبل ازیں یکم نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو بذریعہ کارڈ دی گئی تھی۔ جو امیر جماعت احمدیہ قادیان مولانا جلال الدین صاحب شمس کے دستخطوں سے جاری کیا گیا اور جس پر یہ عبارت درج تھی:۔

"درویش نمبر ــــ نام ــــ مبارک ہو کہ آپ کو اگلے دو ماہ کے لئے قادیان میں ٹھہرنے کیلئے منتخب کیا گیا ہے اُمید ہے آپ امن اور صلح سے رہیں گے اور اپنے ساتھیوں سے تعاون کریں گے۔ خود تکلیف اُٹھائیں گے مگر ساتھیوں کو تکلیف نہ ہونے دیں گے۔"

درویشوں سے حسبِ ذیل عہد لیا گیا:۔

"ہم احمدی.... جن کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں۔ خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم تا حکم ثانی (جو انشاء اللہ تعالیٰ موجودہ فیصلہ کے مطابق دو ماہ تک ہوگا) قادیان کو نہیں چھوڑیں گے۔ امن اور صلح سے رہیں گے ایک دوسرے سے تعاون کریں گے۔ اور ہم میں سے جو افسر ہیں وہ خود تکلیف اُٹھائیں گے لیکن

---

[1]:۔ الفضل ۱۰ رصلح / جنوری ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۵۔

[2]:۔ تریاق القلوب صفحہ ۶۔

[3]:۔ الفرقان "درویشانِ قادیان نمبر" صفحہ ۱۵۱۔

دوسروں کو تکلیف نہ پہنچنے دیں گے" ۱؎

اس ابتدائی مرحلہ پر جملہ درویش نظم و نسق کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم کئے گئے:-

۱۔ حفاظت مرکز کے مستقل خدام جن کے پہلے نگران کیپٹن شیر ولی صاحب تھے۔ درویشان نمبر ۱ کے نام سے موسوم کئے گئے۔

۲۔ درویشان نمبر ۲ میں قادیان کے مقامی احمدی احباب شامل تھے جن کے نگران مرزا محمد حیات صاحب مقرر کئے گئے۔

۳۔ بیرونی خدام کو درویشان نمبر ۳ قرار دیا گیا اور ان کی نگرانی کی خدمت چوہدری سعید احمد صاحب بی۔ اے آنرز کو سونپی گئی۔ ۲؎

درویشان نمبر ۲ کی تنظیم کا ایک خاکہ

یہاں درویشان نمبر ۲ یعنی قادیان کے مقامی احمدیوں کی تنظیم کا ایک خاکہ بیان کرنا مناسب ہوگا۔

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے درویشان نمبر ۲ کے نگران مرزا محمد حیات صاحب تھے جنہوں نے صوفی عبدالقدیر صاحب (ابن مولوی عبدالحق صاحب بدوملہوی حلقہ مسجد فضل قادیان) کو اپنا نائب اور خواجہ عبدالکریم صاحب خالد (ابن خواجہ عبدالواحد صاحب دارالفضل قادیان) اور ضیاء الدین احمد صاحب (ابن میاں روشن دین صاحب زرگر حلقہ مسجد فضل قادیان) کو معاون نگران مقرر کیا۔ علاوہ ازیں احمدیہ محلہ کے پورے حلقہ کو تین بلاک میں تقسیم کر دیا گیا جس کے بلاک لیڈر بالترتیب مجید احمد صاحب ولد غلام حسین صاحب ساکن باب الانوار قادیان، شیخ محمود احمد صاحب ولد شیخ اللہ بخش صاحب ساکن دارالرحمت قادیان اور سید محمد اجمل صاحب ولد سید محمد افضل شاہ صاحب ساکن مسجد فضل قادیان تجویز کئے گئے۔ ہر ایک بلاک کے ماتحت تین تین حزب بنائے گئے جن کی تفصیل مع اسماء سائقین حسب ذیل ہے:-

حزب نمبر ۱۔ سائق مرزا ظہیر الدین منور احمد صاحب۔

" ۲ - " بشیر احمد صاحب ٹھیکیدار بھٹہ۔

" ۳ - " جلال الدین صاحب ننگلوی۔

" ۴ - " امیر الدین صاحب۔

" ۵ - " ممتاز احمد صاحب ہاشمی۔

" ۶ - " عبدالرشید صاحب بدوملہوی۔

۱؎ :- غیر مطبوعہ ڈائری ۲۶-۲۷ نبوت ۱۳۲۶ہش (نومبر ۱۹۴۷ء) مرتبہ جناب مرزا محمد حیات صاحب نگران) ۲؎ : ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش (۱۹۴۷ء) سے مستقل یعنی تنخواہ دار درویشوں کو درویشان ناصر آباد، درویشان بیرون کو درویشان مسجد اقصیٰ اور درویشان مقامی کو درویشان مسجد مبارک کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔

حزب نمبر ۷ سائق مولوی غلام احمد صاحب ارشد

" ۸ " سعید احمد صاحب ولد عبد الکریم صاحب۔

" ۹ " بھائی شیر محمد صاحب دوکاندار۔

ہر حزب کم سے کم ۹ اور زیادہ سے زیادہ ۱۳ درویشوں پر مشتمل تھا اور اسے مختلف مکانات میں متعین کیا گیا اور اُن کا فرض قرار دیا گیا کہ وہ مکانات کو کسی صورت میں نہ چھوڑیں۔ اور کسی غیر شخص کو اپنی حدود میں داخل نہ ہونے دیں۔ یہ تمام مکانات جن میں درویشوں کو رکھا گیا۔ بیرونی حدبندی پر واقع تھے۔ اندرونی مکانات درویشوں کی کمی کے باعث خالی رہے۔ اور درویشوں کو تاکید کی گئی کہ لوگوں کا کافی مال و اسباب ضائع ہو چکا ہے۔ اگر کسی دوست کا سامان وہاں پر ہو تو اس کی حفاظت کریں اور نظارت امور عامہ کے مقرر کردہ سٹور کیپر صاحب کو سامان لے جانے سے نہ روکیں۔

حزب نمبر ۱ کے سپرد مندرجہ ذیل احباب کے مکانات کئے گئے:۔

(۱) حافظ فیض اللہ صاحب۔ (۲) بابو نذیر خاں صاحب۔ (۳) حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی۔ (۴) قاری غلام حٰم صاحب۔ (۵) لال دین صاحب ٹیلر ماسٹر۔

حزب نمبر ۲ کو مندرجہ ذیل دوستوں کے مکانات میں متعین کیا گیا:۔

(۱) مرزا محمد یعقوب صاحب۔ (۲) سید سردار حسین صاحب۔ (۳) حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ (۴) بابو عبد الحمید صاحب۔ (۵) سید محمد اجمل صاحب۔

حزب نمبر ۳ کے سپرد مندرجہ ذیل اصحاب کے مکانات کئے گئے:۔

(۱) مولوی عبد المغنی خانصاحب۔ (۲) ممتاز علی خانصاحب۔ (۳) حافظ فیض اللہ صاحب۔ (۴) حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب۔ (۵) نیاب محمد خانصاحب پٹھان۔

حزب نمبر ۴ کے سپرد مندرجہ ذیل احباب کے مکانات کئے گئے:۔

(۱) محمد حسین صاحب ڈپو ہولڈر۔ (۲) عبد اللہ صاحب بوڑی۔ (۳) حاجی جنود اللہ صاحب۔ (۴) مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی۔ (۵) نذیر احمد صاحب ڈیری فارم۔

حزب نمبر ۵ کے سپرد مندرجہ ذیل احباب کے مکانات کئے گئے:۔

(۱) حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔ (۲) چوہدری محمد شفیع صاحب ایس۔ ڈی۔ او۔ (۳) مولوی رحمت علی صاحب مبلغ جاوا۔ (۴) ڈاکٹر فضل کریم صاحب۔ (۵) دفتر الفضل۔ (۶) منشی احمد حسین صاحب کاتب

(۷) مدد خانصاحب مرحوم ۔ (۸) عبداللہ صاحب حجام ۔

حزب نمبر ۶ کے سپرد مندرجہ ذیل مکانات کئے گئے :۔

(۱) صوفی عبدالقدیر صاحب بدوملہوی ۔ (۲) بیوہ محمد امین مرحوم پٹھان ۔ (۳) عبدالرحمن صاحب ۔ (۴) مولوی محمد عبداللہ صاحب اعجاز ۔

حزب نمبر ۷ کے سپرد مندرجہ ذیل احباب کے مکانات کئے گئے :۔

(۱) مرزا محمد حیات صاحب ۔ (۲) منشی عبدالکریم صاحب ۔ (۳) شیخ محمد نصیب صاحب ۔ (۴) فضل الٰہی خان صاحب ۔

حزب نمبر ۸ محلہ ناصرہ آباد میں متعین کیا گیا ۔

حزب نمبر ۹ میں چونکہ اکثر احباب عمر رسیدہ تھے اسلئے ان کے ذمہ صرف صبح کی ڈیوٹی گیٹ پر مقرر کی گئی اور رات کو سٹور میں سونے کی ڈیوٹی بھی ان کے سپرد کی گئی ۔ نیز مریضوں کی خبر گیری کا کام بھی[1]

صدر انجمن احمدیہ قادیان کے اوّلین ممبران

زمانہ درویشی کے ابتداء میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کے اوّلین ممبر حسب ذیل تھے :۔

۱ ۔ صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب بیرسٹر ایٹ لاء (ناظر اعلیٰ و نمائندہ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام) ۔

۲ ۔ صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب (ناظر تعلیم و تربیت و ناظر دعوت و تبلیغ و " " " ") ۔

۳ ۔ حضرت مولوی عبدالرحمن صاحب فاضل (امیر جماعت احمدیہ قادیان و ناظر ضیافت ۔ حضرت مولوی صاحب ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء سے اس وقت تک عہدہ امارت پر سرفراز ہیں) ۔

۴ ۔ مکرم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی بی ۔ اے واقف زندگی (ناظر امور عامہ و امور خارجہ) ۔

۵ ۔ مکرم شیخ عبدالحمید صاحب عاجز بی ۔ اے ۔ (ناظر بیت المال و محاسب)

۶ ۔ مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی ۔ (ممبر)

۷ ۔ مکرم چوہدری سعید احمد صاحب بی ۔ اے آنرز نمائندہ درویشان نمبر ۳ (ممبر)

۸ ۔ مکرم کیپٹن شیر ولی صاحب نمائندہ درویشان نمبر ۱ (ممبر)

۹ ۔ مکرم ڈاکٹر میجر محمود احمد صاحب " (ممبر)

---

[1] :۔ غیر مطبوعہ ڈائری مرتبہ مرزا محمد حیات صاحب سے ماخوذ ۔

۱۰۔ مکرم حسن محمد خان صاحب عارف بی۔ اے واقف زندگی و نمائندہ تحریک جدید۔ (ممبر)

۱۱۔ مکرم مرزا محمد حیات صاحب نمائندہ درویشان نمبر ۲۔ (ممبر) (۱۲) مکرم مولوی شریف احمد صاحب امینی (ممبر)

۱۳۔ مکرم قریشی عبدالرشید صاحب اڈیٹر صدر انجمن احمدیہ قادیان۔[1]

۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء کے اوّلین خوش نصیب درویشوں کی فہرست

ان ابتدائی پرخطر اور پرآشوب ایام کے قریباً ۳۱۳ درویشوں کی فہرست درج ذیل کی جاتی ہے۔ یہ فہرست ۱۹۷۰ء میں مرتب کی گئی اور اس میں "کیفیت" کے تحت اندراجات بھی اسی سال کی رو سے ہیں۔

نوٹ:۔ (۱) ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء کے ان اوّلین درویشوں کے بعد جو مقدس صحابہ اور دوسرے بزرگ یا احباب دیارِ حبیب میں مستقل قیام کے لئے پاکستان یا ہندوستان کے مختلف علاقوں سے قادیان تشریف لے گئے اُن کا تذکرہ اگلی جلدوں میں اپنے مقام پر آئے گا۔

(۲) گول دائرہ ٥ کا نشان بتاتا ہے کہ یہ درویش بعد کو پاکستان چلے آئے۔

صدر انجمن احمدیہ و تحریک جدید قادیان کے ممبر یا کارکن

نمبر شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۱	صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب بار ایٹ لاء	حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ	الدار قادیان	٥ الیس ۶ مارچ ۱۹۴۸ء
۲	״ ״ خلیل احمد صاحب	״ سیدنا المصلح الموعود رضی اللہ عنہ	״ ״	٥ ״ ״
۳	حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ (صحابی)	״ ملک برکت علی صاحب رضی اللہ عنہ	باب الانوار ״	حال ناظر اعلیٰ و امیر جماعت احمدیہ قادیان وفات ۲۰-۱-۷۷ء
۴	مولوی برکات احمد صاحب راجیکی رضی اللہ عنہ	״ مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ عنہ	دارالرحمت قادیان	تاریخ وفات ۷ نومبر ۱۹۶۲ء
۵	شیخ عبدالحمید صاحب عاجز	شیخ محمد حسین صاحب	-	حال ناظر جائیداد ״ وفات ۲۸-۸-۰۵ء
۶	مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی	میاں مہر دین صاحب	مسجد فضل قادیان	حال نائب ناظر دعوت و تبلیغ وفات ۲۷-۹-۷۸ء
۷	میجر ڈاکٹر محمود احمد صاحب رضی اللہ عنہ	قاضی محمد شریف صاحب ایگزیکٹو انجنیئر لائلپور	کوئٹہ	٥ کوئٹہ میں ۱۹ اگست ۱۹۴۸ء کو جام شہادت نوش کیا۔
۸	مکرم حسن محمد خان صاحب عارف	فضل محمد خان صاحب شملوی	-	٥

[1] :۔ الفرقان درویشان قادیان نمبر، اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۴۳، ۴۴۔

نمبر شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۹	مکرم ملک صلاح الدین صاحب ایم اے	ملک نیاز محمد صاحب	قادیان	حال وکیل المال تحریک جدید قادیان وفات ۰۳ء۔۲۔۲
۱۰	" قریشی عبدالرشید صاحب	ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب	"	٥ سابق اڈیٹر صدر انجمن احمدیہ قادیان
۱۱	" فضل الٰہی خانصاحب	حکیم کرم الٰہی صاحب	حلقہ مسجد فضل قادیان	وفات ۹۷ء۔۱۱۔۹
۱۲	" مولوی شریف احمد صاحب امینی	سیٹھ محمد ابراہیم صاحب بنگوی	بورڈنگ مدرسہ احمدیہ قادیان	حال انچارج مبلغ سلسلہ احمدیہ بمبئی وفات ۹۰ء۔۹۔۲۲
۱۳	" قریشی عطاء الرحمٰن صاحب اعوان	حضرت حافظ محمد امین صاحب کیمپلپوری	ناصر آباد قادیان	حال بیت المال (خرچ) وفات ۷۸ء۔۱۔۳۰
۱۴	" چوہدری عبدالحق صاحب	چوہدری اللہ دتا صاحب	قادیان	وفات ۸۰ء۔۶۔۴
۱۵	" عبدالقیوم صاحب کمپونڈر	محمد ظہور صاحب	قادیان	٥
۱۶	" مولا بخش صاحب باورچی صحابی	خیرات اللہ صاحب	متصل لنگر خانہ قادیان	تاریخ وفات ۲۲ جولائی ۱۹۵۴ء
۱۷	" معراج دین صاحب مؤذن	غلام قادر صاحب	دارالرحمت قادیان	٥
۱۸	" مولوی عبدالقادر صاحب اعوان	حاجی محمد بخش صاحب	بستی رنداں ضلع ڈیرہ غازیخان	٥
۱۹	" مرزا محمد زمان صاحب	مرزا احمد دین صاحب	لنگر خانہ قادیان	وفات ۹۲ء۔۱۔۱۹

قادیان اور ماحول قادیان کے احمدی

نمبر شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۲۰	مکرم مرزا محمد حیات صاحب	حکیم عطا محمد صاحب	حلقہ مسجد فضل قادیان	٥ واپسی ۱۱ مئی ۱۹۴۸ء
۲۱	" صوفی عبدالقدیر صاحب	مولوی عبدالحق صاحب	"	٥
۲۲	" خواجہ عبدالکریم صاحب خالد	خواجہ عبدالواحد صاحب	دارالفضل قادیان	٥
۲۳	" میاں ضیاء الدین احمد صاحب	میاں روشن دین صاحب زرگر	حلقہ مسجد فضل "	٥ واپسی ۱۱ مئی ۱۹۴۸ء
۲۴	" مجید احمد صاحب ڈرائیور	غلام حسین صاحب	باب الانوار "	تاریخ وفات ۲ اکتوبر ۱۹۹۴ء
۲۵	" مرزا ظہیرالدین منور احمد صاحب	مرزا برکت علی صاحب	دارالعلوم "	وفات ۲۰۰۱ء۔۸۔۲۴
۲۶	" عبدالواحد صاحب پانفروش	شیخ عبداللہ صاحب	مسجد مبارک "	
۲۷	" عبدالرحیم صاحب دیانت سوڈا واٹر فیکٹری	حضرت مولوی فضل محمد صاحب ہرسیاں والے	دارالفتوح "	وفات ۸۰ء۔۲۔۷
۲۸	" عبدالواحد صاحب	محمد رمضان صاحب	ناصر آباد "	٥

نمبر شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۲۹	مکرم عبد الحمید صاحب	چوہدری خدا بخش صاحب	بھینی بانگر	
۳۰	″ سائیں عبد الرحمٰن صاحب	مستری فضل دین صاحب	باغ اللانوار قادیان	وفات ۱۶-۴-۹۵ء
۳۱	″ فضل الدین صاحب ماشکی	نور محمد صاحب	″ مسجد مبارک	۵
۳۲	″ لال دین صاحب	فقیر محمد صاحب	″ دار الیسر	۵
۳۳	″ محمد احمد خان صاحب	منشی نور محمد خان صاحب	″ دار الفضل	
۳۴	″ محمد عبد اللہ صاحب	نور محمد صاحب	″ مسجد مبارک	۵
۳۵	″ بشیر احمد صاحب ٹھیکیدار گٹھڑ	محمد عبد اللہ صاحب	″ دار البرکات	وفات ۴-۱۲-۹۸ء
۳۶	″ چوہدری عبد الغفور صاحب	چوہدری اللہ دتا صاحب	″ حلقہ مسجد فضل	۵
۳۷	″ مستری محمد حسین صاحب	محمد قاسم صاحب راجپوت	″ مسجد مبارک	وفات ۲۵-۷-۸۶ء
۳۸	″ محمد حسین صاحب (خورد)	نور محمد صاحب	″ حلقہ مسجد فضل	۵
۳۹	″ قریشی فضل حق صاحب	میاں کمال الدین صاحب	″ مسجد مبارک	وفات ۲۸-۴-۸۶ء
۴۰	″ بشیر احمد صاحب	علم دین صاحب	″ ″ ″	۵
۴۱	″ طیب علی صاحب بنگالی	عبد المبارک صاحب	″ ″ ″	
۴۲	″ رفیق احمد صاحب یونس	محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی	دار الفتوح قادیان	۵
۴۳	″ محمد یحییٰ صاحب	محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی	″ ″	۵ واپسی ۱۱ مئی ۱۹۵۰ء متوفی
۴۴	″ محمد عبد اللہ صاحب	صدر الدین صاحب	″ حلقہ مسجد فضل	وفات ۲۴-۱۲-۸۹ء
۴۵	″ عطاء الٰہی صاحب	امام الدین صاحب	″ ″ ″ ″	۵
۴۶	″ ناصر احمد صاحب	محمد عبد اللہ صاحب	″ ″ ″ ″	۵ واپسی ۵ مارچ ۱۹۴۸ء
۴۷	″ خواجہ مجید احمد صاحب	خواجہ محمد شریف صاحب	″ مسجد فضل	۵
۴۸	″ خلیفہ منیر الدین صاحب	حضرت خلیفہ رشید الدین صاحبؓ	″ مسجد مبارک	۵ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں شہید ہوئے۔[1]
۴۹	″ ماسٹر عبد الغنی صاحب	فضل الدین صاحب	″ حلقہ مسجد فضل	۵
۵۰	″ مرزا محمد اقبال صاحب	مرزا اعظم بیگ صاحب	″ مسجد مبارک	

[1] تاریخ واپسی ۶ مارچ ۱۹۴۸

نمبر شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۵۱	مکرم جلال الدین صاحب	رحیم بخش صاحب	محلہ باغبانان متصل قادیان	۵
۵۲	" محمد اسحاق صاحب	عبد الکریم صاحب	" " " "	۵
۵۳	" محمد صدیق صاحب	عزیز الدین صاحب	" " " "	۵
۵۴	" عبد الغنی صاحب	محمد بخش صاحب	" " " "	۵
۵۵	" محمد اسمٰعیل صاحب	فقیر محمد صاحب	" " " "	۵
۵۶	" عبد الرحمٰن صاحب	رحمت اللہ صاحب	" " " "	۵
۵۷	" دین محمد صاحب	محمد عبد اللہ صاحب	" " " "	وفات ۲۸-۴-۴۰ء
۵۸	" نذیر احمد صاحب	الٰہی بخش صاحب	" " " "	۵
۵۹	" محمد صادق صاحب	ذریام دین صاحب	" " " "	
۶۰	" محمد شریف صاحب	مہر دین صاحب	" " " "	۵
۶۱	" علی محمد صاحب	دین محمد صاحب	" " " "	۵
۶۲	" محمود احمد صاحب	شیخ اللہ بخش صاحب پشاوری	دار الرحمت قادیان	۵
۶۳	" امیر الدین صاحب	فضل الدین صاحب	حلقہ مسجد فضل "	۵
۶۴	" غلام حسین صاحب	نظام الدین صاحب	دار البرکات "	وفات ۲۱-۳-۴۰ء
۶۵	" محمد اسمٰعیل صاحب	محمد عبد اللہ صاحب	دار الیسر "	۵
۶۶	" محمد شفیع صاحب	مولا بخش صاحب	" "	وفات ۲۶-۶-۷۸ء
۶۷	" جلال الدین صاحب	صدر دین صاحب	" "	۵
۶۸	" دین محمد صاحب	عبد الستار صاحب	" "	۵
۶۹	" عبد الغفور صاحب	احمد دین صاحب	رسول نگر گلی ننگلاں والی ضلع گوجرانوالہ	۵
۷۰	" قمر الدین صاحب	ابراہیم صاحب	" "	۵
۷۱	" محمد سلیمان صاحب	رسول بخش صاحب	دار الیسر قادیان	وفات ۱-۴-۹۴ء
۷۲	" فضل الرحمٰن صاحب	روشن الدین صاحب	" "	وفات ۱۷-۹-۸۵ء

نمبر شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۷۳	مکرم محمد احمد صاحب صحابی	غلام حسین صاحب	مسجد مبارک قادیان	٥
۷۴	" ممتاز احمد صاحب ہاشمی	قریشی شاہ دین صاحب	دار الشکر قادیان	وفات ۶۰ء ۱-۲۵
۷۵	" سید محمود احمد صاحب	سید حسین علی شاہ صاحب دھرم کوٹی	دار الرحمت "	٥
۷۶	" چوہدری غفور احمد صاحب	چوہدری نور محمد صاحب	دار الشکر "	٥
۷۷	" عمر دین صاحب	محمد خاں صاحب	" "	٥
۷۸	" محمد سلطان صاحب خوشنویس	میاں جمعہ خانصاحب	دار البرکات شرقی "	٥
۷۹	" مستری ہدایت اللہ صاحب موگا گروپ	میاں مہر دین صاحب	" غربی "	وفات ۸۵ء ۷-۳۱
۸۰	" میاں عبد العظیم صاحب جلد ساز	میاں رحمت اللہ صاحب	دار الفضل قادیان	وفات ۹۱ء ۴-۱
۸۱	" محمد شفیع صاحب پینٹر	میاں لال دین صاحب زرگر	مسجد مبارک "	٥
۸۲	" مستری غلام قادر صاحب	محمد دین صاحب	دار الرحمت "	٥
۸۳	" محمود احمد صاحب سرگودھوی	شیخ مولا بخش صاحب	" "	٥
۸۴	" شیر محمد صاحب پونچھی	فضل الدین صاحب	دار الفتوح "	وفات ۳۰ر جون ۱۹۶۲ء مدفون ربوہ
۸۵	" عبد الرشید صاحب انور بدوملہی	مولوی عبد الحق صاحب	حلقہ مسجد فضل "	٥
۸۶	" غلام احمد صاحب	محمد دین صاحب جلال پوری	دار الرحمت "	٥
۸۷	" مولوی غلام مصطفے صاحب	مولوی عبد الحق صاحب	" "	٥ تاریخ واپسی ۵ر مارچ ۱۹۴۸ء گوجرانوالہ میں وفات پائی
۸۸	" نذیر احمد صاحب ٹیلر	نور احمد صاحب	حلقہ مسجد فضل قادیان	وفات ۶۰ء ۱-۱۹
۸۹	" قریشی عبد القادر صاحب اعوان	حضرت حافظ محمد امین صاحب رضی اعوان	" " "	وفات ۸۰ء ۴-۲۲
۹۰	" محمد دین صاحب	غلام نبی صاحب	دار الفضل "	٥
۹۱	" عبد المطلب صاحب بنگالی	منشی دائم اللہ صاحب	دار الرحمت "	وفات ۸۵ء ۱۲-۷
۹۲	" مرزا عبد اللطیف صاحب	مرزا مہتاب بیگ صاحب رضی	مسجد اقصیٰ "	وفات ۸۴ء ۱۲-۳۰
۹۳	" سید محمد اجمل صاحب	سید محمد افضل صاحب	حلقہ مسجد فضل "	٥ تاریخ واپسی ۵ر مارچ ۱۹۴۸ء
۹۴	" خواجہ عبد الستار صاحب	خواجہ محمد عبد اللہ صاحب	دار الفتوح "	

نمبر شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۹۵	مکرم میر غلام رسول صاحب ہزاروی	میر ولی خان صاحب ہزاروی	دارالفتوح قادیان	٥
۹۶	" مولوی غلام احمد صاحب ارشد	مولوی نور محمد صاحب	دارالشکر "	واپسی ۱۱ رمئی ۱۹۵۰ء
۹۷	" خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب صحابی	خواجہ غلام رسول صاحب	دارالفضل "	٥
۹۸	" حافظ عبدالرحمن صاحب پشاوری صحابی	میاں احمد جان صاحب	مسجد مبارک "	وفات ۱۵-۱۲-۷۴ء
۹۹	" حکیم نعمت اللہ صاحب	حکیم اللہ دتہ صاحب قلعی ساز	دارالفتوح "	٥
۱۰۰	" قاضی عبدالحمید صاحب	قاضی عبدالعزیز صاحب	دارالرحمت "	وفات ۱۲-۶-۹۵ء
۱۰۱	" محمد عبداللہ صاحب	عبدالحمید صاحب	دارالفتوح "	٥
۱۰۲	" امیر احمد صاحب سابق مؤذن مسجد مبارک	مہر دین صاحب	مسجد مبارک "	وفات ۳-۱-۹۶
۱۰۳	" چوہدری بدرالدین صاحب عامل	چوہدری عبدالغنی صاحب	دارالبرکات "	وفات ۵-۲-۰۶ء
۱۰۴	" عبدالرشید صاحب نیاز	چوہدری عبدالحکیم صاحب	دارالبرکات غربی "	وفات ۱۳-۸-۸۶ء
۱۰۵	" فخرالدین صاحب مالاباری	ماحن کٹی صاحب	مسجد مبارک "	تاریخ وفات
۱۰۶	" سعید احمد صاحب	عبدالکریم صاحب	دارالعلوم "	وفات ۲۳-۶-۸۴ء
۱۰۷	" شیخ عبدالقدیر صاحب	عبدالکریم صاحب (نومسلم)	ناصر آباد "	
۱۰۸	" احمد حسین صاحب	محمد حسین صاحب	" "	
۱۰۹	" محمد یوسف صاحب زیروی	نظام الدین صاحب	" "	٥ وفات ۳۰-۱۰-۹۰ء
۱۱۰	" سراج الدین صاحب ثالث	چراغ دین صاحب	دارالسعت "	٥
۱۱۱	" محمد طفیل صاحب سابق پٹواری	چوہدری فیض محمد صاحب	ڈھپریوالہ داروغہ تحصیل گورداسپور	وفات ۲۸-۳-۷۸ء
۱۱۲	" محمد دین صاحب	عمر دین صاحب	ناصر آباد - قادیان	
۱۱۳	" شبیر احمد خان صاحب	خان میر صاحب کابلی محافظ حضرت مسیح موعود	" "	وفات ۵-۳-۷۹ء
۱۱۴	" بابا اللہ بخش صاحب صحابی	محکم دین صاحب ہرچووال	" "	٥
۱۱۵	" حضرت بھائی شیر محمد صاحب صحابی	میراں بخش صاحب	مسجد مبارک "	وفات ۲۴-۱۱-۷۴ء
۱۱۶	" حکیم عبدالرحیم صاحب	میاں محمد جعفر صاحب	حلقہ مسجد فضل "	(تاریخ وفات ۱۰ر جون ۱۹۹۱ء)

نمبر شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۱۱۷	محترم صدر الدین صاحب صحابی	رحیم بخش صاحب	حلقہ مسجد فضل قادیان	تاریخ وفات ۴ر دسمبر ۱۹۶۰ء
۱۱۸	" بھاگ دین صاحب صحابی	محمد بخش صاحب	" " "	" ۱۳ر مارچ ۱۹۶۰ء
۱۱۹	" بابا بھاگ صاحب امرتسری صحابی	میاں جیوا صاحب	مسجد اقصیٰ "	" ۱۸ر جون ۱۹۵۶ء
۱۲۰	" خدا بخش صاحب	گاگو صاحب	حلقہ مسجد مبارک "	" ۲۵ر مئی ۱۹۵۹ء
۱۲۱	" علی محمد صاحب	جمال الدین صاحب	دار الفتوح "	
۱۲۲	" شیخ احمد صاحب صحابی	غلام حکیم صاحب رض	مسجد مبارک "	" ۱۰ر فروری ۱۹۵۸ء
۱۲۳	" سید عبد الرحیم صاحب افغان	سید امیر صاحب پٹھان	" "	" ۳۱ر اکتوبر ۱۹۶۴ء
۱۲۴	" صوفی علی محمد صاحب	مولا بخش صاحب	" "	
۱۲۵	" شمس الدین صاحب (معذور)	شیرین خانصاحب	" "	" ۱۱ر اگست ۱۹۵۰ء
۱۲۶	" میر عبد السبحان صاحب صحابی	رحمان میر صاحب	" "	" ۲۳ر اپریل ۱۹۶۱ء
۱۲۷	" منشی محمد صادق صاحب	محمد طفیل صاحب	قادیان	(مختار عام حضرت مرزا بشیر احمد صاحب و خاندان مسیح موعود
۱۲۸	" عبد العزیز گونگا صاحب	شمس الدین صاحب	خادم حضرت مرزا بشیر احمد صاحب	٥
۱۲۹	" محمد عبد اللہ صاحب	حضرت خان ذو الفقار علی خانصاحب	قادیان	

دیہاتی مبلغین

نمبر شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۱۳۰	مکرم سید منظور احمد شاہ صاحب	سید حسین شاہ صاحب	ملکپور ضلع گجرات	٥
۱۳۱	" بشیر احمد صاحب ماہلپوری	علی بخش صاحب	ماہل پور ضلع ہوشیار پور	
۱۳۲	" نواب خان صاحب	خواج دین صاحب	فتح پور ضلع گجرات	
۱۳۳	" عطاء اللہ صاحب	مولوی شیر محمد صاحب	ٹھٹھہ رانجھا ضلع سرگودھا	وفات ۶۰-۵-۱۷
۱۳۴	" محمد شریف صاحب	نبی بخش صاحب		٥
۱۳۵	" فیض احمد صاحب	حبیب اللہ صاحب	کنڈی خیر پور میرس سندھ	

نمبر شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۱۳۶	مکرم سلطان احمد صاحب	سید فضل احمد شاہ صاحب	الحکم سٹریٹ قادیان	٥
۱۳۷	" عبدالرحیم صاحب کشمیری	عبدالعزیز صاحب	از گام تحصیل کولگام ضلع اسلام آباد	
۱۳۸	" علی محمد صاحب کشمیری	عبدالصمد صاحب	کولگام ضلع اسلام آباد	
۱۳۹	" محمد رمضان صاحب	چوہدری غلام احمد صاحب	ہموساں کشمیر	٥
۱۴۰	" عبدالغنی صاحب	محمد دین صاحب	چک نمبر ۹۸ شمالی سرگودھا	٥
۱۴۱	" محمد صادق صاحب	شیخ رحیم بخش صاحب	مزنگ لاہور	٥
۱۴۲	" بشیر احمد صاحب خادم	میاں اللہ بخش صاحب	محلہ دارالشکر قادیان	وفات ۰۱ء-۷-۲۶
۱۴۳	" فتح محمد صاحب اسلم	رُوڈا صاحب	دھرم کوٹ بگہ ضلع گورداسپور	وفات ۸۱ء-۱۲-۱۳
۱۴۴	" سید منظور احمد صاحب عامل	سید فضل محمد شاہ صاحب	ترانڈی ۳۲۳ ڈبریک سنگھ لائلپور	وفات ۷۵ء-۴-۷
۱۴۵	" بشیر احمد صاحب بانگروی	محمد اسمٰعیل صاحب	بدوملہی سیالکوٹ	وفات ۹۸ء-۱۰-۲۲
۱۴۶	" بشیر احمد صاحب ڈھلو	محمد حسین صاحب	ڈھلوں ضلع سیالکوٹ	٥
۱۴۷	" قریشی محمد شفیع صاحب عابد	میاں اللہ رکھا صاحب	اکال گڑھ ضلع گوجرانوالہ	وفات ۰۶ء-۵-۲۷
۱۴۸	" مولوی خورشید احمد صاحب پر بھاکر	چوہدری نواب دین صاحب	موضع دھنی دیو ۳۳۲ لائلپور	
۱۴۹	" حکیم سراج دین صاحب	حکیم محمد بخش صاحب	شادیوال ضلع گجرات	٥
۱۵۰	" سراج الحق صاحب	حضرت منشی عبدالحق صاحب کاتب	جوڑا کرنانہ ضلع گجرات	وفات ۰۶ء-۵-۱۷
۱۵۱	" غلام نبی صاحب	چوہدری فضل الدین صاحب	موضع دانگا ضلع سیالکوٹ	وفات ۰۴ء-۶-۷
۱۵۲	" محمد احمد صاحب (فقیر سائیں صاحب)	مولا بخش صاحب	کالا قادر " "	
۱۵۳	" محمد یوسف صاحب	رحیم بخش صاحب	موکل سندر سنگھ والا ضلع لاہور	٥
۱۵۴	" محمد شریف صاحب	محمد علی صاحب	چندر کے منگولے ضلع سیالکوٹ	٥
۱۵۵	" عبداللطیف صاحب	عبدالرحمٰن صاحب	جلیانوالہ تحصیل کبیروالہ ضلع لائلپور	٥
۱۵۶	" محمد عبداللہ صاحب کشمیری	غلام محمد صاحب	رتیال جموں	
۱۵۷	" حافظ اللہ دین صاحب	نواب دین صاحب	لنگیاڈالکانہ قطب تحصیل فتح جنگ ضلع کیمبلپور	وفات ۸۳ء-۱۲-۳۰

نمبر شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۱۵۸	مکرم مولوی عبدالحمید صاحب مومن	اللہ دتا صاحب	جنڈانوالہ ۱۹۵ ر ب ضلع لائلپور	۵
۱۵۹	” اسلم خاں صاحب	اسداللہ خانصاحب	فتح پور شہر (یو۔پی)	
۱۶۰	” فیروز دین صاحب	کریم اللہ صاحب	دین پورہ خوردہ ضلع گورداسپور	۵
۱۶۱	” مولوی محمد صادق صاحب ناقد	اللہ رکھا صاحب	دھیرو کے ۲۴۳ ج ب ضلع لائلپور	۵
۱۶۲	” عبدالحق صاحب فضل	احمد دین صاحب	گنجے ضلع سیالکوٹ	۵
۱۶۳	” اللہ بخش صاحب	خدابخش صاحب	اور رحمہ ضلع سرگودھا	(تاریخ وفات[1] ۵ ستمبر ۱۹۳۹ء)
۱۶۴	” خان محمد صاحب	امام دین صاحب	عالم گڑھ ضلع گجرات	۵
۱۶۵	” عبدالستار صاحب	اللہ بخش صاحب	خانقاہ ڈوگراں ضلع شیخوپورہ	۵
۱۶۶	” غلام محمد صاحب	رحیم بخش صاحب	عالم گڑھ ضلع گجرات	۵
۱۶۷	” محمد عثمان علی صاحب بنگالی	عباس علی صاحب	حلقہ مسجد فضل	۵
۱۶۸	” عبیدالرحمٰن صاحب فانی بنگالی	حافظ عطاء الرحمٰن صاحب	موضع میرنگ لواڈاکخانہ رامو ضلع چاٹگام	وفات ۲۷ـ۳ـ۱۴
۱۶۹	” نعمت اللہ خاں صاحب	عنایت اللہ خانصاحب		
۱۷۰	” مطہر علی صاحب بنگالی	اکبر علی صاحب	گواہی لورٹو ترا پور مشرقی بنگال	۵
۱۷۱	” مولوی محمد عمر علی صاحب بنگالی	بشیر الدین صاحب	گھاٹورا ضلع پبڑا ”	مدرس مدرسہ احمدیہ
۱۷۲	” عبدالسلام صاحب بنگالی	قالو حاجی	چرامگی ضلع میمن سنگھ ”	۵
۱۷۳	” عبدالمطلب صاحب بنگالی	منشی دائم اللہ صاحب	نارگھاٹ ضلع پبڑا ”	۵

مستقل خدام

۱۷۴	مکرم کیپٹن شیر ولی صاحب	حیات خاں صاحب	دریا مال ڈاکخانہ کریالہ تحصیل چکوال جہلم	۵
۱۷۵	” صوبیدار عبدالغفور صاحب	صوبیدار خوشحال خاں صاحب	ٹوپی تحصیل صوابی ضلع مردان	۵
۱۷۶	” صوبیدار برکت علی صاحب	محمد اسماعیل صاحب	نصیرہ ڈاکخانہ ارہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات	
۱۷۷	” جمعدار راجہ صوبہ خاں صاحب	راجہ غلام محمد صاحب ذیلدار	ٹلوڈاکخانہ ڈھلواں تحصیل پنڈدادنخاں ضلع جہلم	۵

[1] : ۔ دیہاتی مبلغ بنسیہ ضلع مظفر نگر (یوپی) ایک تالاب میں تیرنے کی مشق کرتے ہوئے ڈوب کر وفات پاگئے تھے ۔ (الفضل [illegible])

نمبر شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۱۷۸	مکرم صوبیدار اللہ یار صاحب	فتح محمد صاحب	چاہ چوگی والا سرار پور ضلع سرگودھا	۵
۱۷۹	،، جمعدار محمد عبداللہ صاحب	چوہدری نور محمد صاحب	چک نمبر ۲۶۶ تحصیل لودھراں ملتان	
۱۸۰	،، جمعدار عبدالحمید صاحب	احمد دین صاحب	ناروداں ضلع سیالکوٹ	۵
۱۸۱	،، جمعدار مبشر احمد صاحب	ماسٹر حسین خان صاحب	دارالفضل قادیان	۵
۱۸۲	،، جمعدار ملک محمد رفیق صاحب	چوہدری علی بخش صاحب	بھڑتانوالہ ضلع سیالکوٹ	۵
۱۸۳	،، مولوی عبدالقادر صاحب دانش	حضرت ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب دہلوی رضی	دارالفضل قادیان	حال سیکرٹری بہشتی مقبرہ قادیان
۱۸۴	،، محمود احمد صاحب عارف	حکیم شیر محمد صاحب	لوان کوٹ تحصیل شاہدرہ شیخوپورہ	حال آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ قادیان
۱۸۵	،، عزیز احمد صاحب	منشی عبدالخالق صاحب	دارالبرکات شرقی قادیان	۵
۱۸۶	،، جلال الدین صاحب	میاں شہاب الدین صاحب	پکیواں تحصیل و ضلع گورداسپور	۵
۱۸۷	،، محمد بوٹا صاحب (محمد خضر صاحب)	چوہدری جھنڈے خاں صاحب	کھوڈالی تحصیل پسرور سیالکوٹ	
۱۸۸	،، محمد شریف صاحب	میراں بخش صاحب	شیخ پور ضلع گجرات	
۱۸۹	،، غلام قادر صاحب	عبدالغفار صاحب	شادیوال ،،	
۱۹۰	،، بشیر احمد صاحب	نظام الدین صاحب	ڈبریانوالہ ضلع سیالکوٹ	۵
۱۹۱	،، محمد یوسف صاحب	محمد اسمٰعیل صاحب	نصیرہ ضلع گجرات	۵
۱۹۲	،، محمد عزیز صاحب	منصب خانصاحب	نورنگ ،، گجرات	وفات ۷۳ء-۱۲-۱۲
۱۹۳	،، بہادر خاں صاحب	میاں شادی خاں صاحب	ادرحمہ ضلع سرگودھا	وفات ۸۲ء-۱۰-۱۵
۱۹۴	،، محمد یوسف صاحب	یعقوب خانصاحب	دارالفضل قادیان	۵
۱۹۵	،، خورشید احمد صاحب ضیاء۔	ثناءاللہ صاحب	گدہرپور ضلع سیالکوٹ	۵
۱۹۶	،، احمد خاں صاحب	باز خاں صاحب	نورنگ ضلع گجرات	۵
۱۹۷	،، محمد موسیٰ صاحب	میاں محمد عبداللہ صاحب	سیّدوالہ تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ	
۱۹۸	،، مرزا احمد اسحاق صاحب	میاں محمد دین صاحب	گجو چک تحصیل و ضلع گوجرانوالہ	وفات ۶۱ء-۲-۲۱
۱۹۹	،، فضل الٰہی صاحب گجراتی	میاں عبداللہ صاحب	کھاریاں ضلع گجرات	(تاریخ وفات ۹ جولائی ۶۲ء)

نمبر شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۲۰۰	مکرم نواب دین صاحب	میاں خواجہ دین صاحب	دارالرحمت قادیان	٥
۲۰۱	" غلام احمد صاحب صوفی	سردار محمد صاحب	سٹھیالی ضلع گورداسپور	٥
۲۰۲	" منظور احمد صاحب	چوہدری نور محمد صاحب چیمہ	داتہ زید کا " سیالکوٹ	
۲۰۳	" شریف احمد صاحب ڈوگر	سردار خان صاحب	چھینکے " "	وفات ۱۹_۹_۹۸ء
۲۰۴	" محمد فاضل صاحب	شاہ محمد صاحب	چک سکندر " گجرات	٥
۲۰۵	" چوہدری سکندر خان صاحب	لال خان صاحب	کھاریاں " "	وفات ۱۰_۱۱_۰۰ء
۲۰۶	" عطاء اللہ صاحب	میاں سلطان بخش صاحب	کارکہار " جہلم	٥
۲۰۷	" رفیع الدین صاحب	میراں بخش صاحب کاشمیری	سوک کلاں " گجرات	٥
۲۰۸	" سلطان احمد صاحب	محمد بخش صاحب	کھاریاں " "	٥
۲۰۹	" ضیاء الحق صاحب	ملک بہاء الحق صاحب	دوالمیال " جہلم	٥
۲۱۰	" مسیح اللہ صاحب	عبدالغفور صاحب	کھیوڑہ " "	٥
۲۱۱	" محمد خان صاحب	کالے خان صاحب	چک سکندر " گجرات	٥
۲۱۲	" حوالدار محمد اشرف صاحب	رحمت خان صاحب	چاکانوالی " "	٥
۲۱۳	" مظفر احمد صاحب	عبدالمجید صاحب	گوکھووال چک ۲۷۶ لائل پور	٥
۲۱۴	" امیر علی صاحب	عبدالمجید صاحب	رتوچھ ڈاکخانہ چوہا سیدن شاہ ضلع جہلم	٥
۲۱۵	" بشیر احمد صاحب جہار	حاجی خدابخش صاحب	میاں خانانوالی ضلع سیالکوٹ	
۲۱۶	" مرزا محمد دین صاحب	مرزا غلام محمد صاحب	چوکھنانوالی ضلع گجرات	٥
۲۱۷	" فضل احمد صاحب	منشی احمد دین صاحب	" "	٥
۲۱۸	" فتح محمد صاحب	قطب الدین صاحب	شیخ پور "	
۲۱۹	" حسن محمد صاحب	نور الدین صاحب	دارالرحمت قادیان	٥
۲۲۰	" عبدالقیوم صاحب	احمد دین صاحب	الگووال ضلع گجرات	
۲۲۱	" غلام محمد صاحب	رحیم بخش صاحب	عالم گڑھ " "	٥

نمبر شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۲۲۲	مکرم صلاح الدین صاحب	میاں فضل حق صاحب	صدر گوگیرہ ضلع ساہیوال	٥
۲۲۳	" عبدالسلام صاحب	چوہدری عبدالحکیم صاحب	درگانوالی " سیالکوٹ	وفات ۶۰ء_۹_۱۸
۲۲۴	" عبدالغفور صاحب	مولوی رحمت اللہ صاحب	کوٹ الہ دین " ساہیوال	٥
۲۲۵	" نذیر احمد صاحب	خدا بخش صاحب	محلہ دھوبی گھاٹ لائل پور	٥ واپسی ۱۱ مئی ۱۹۵۰ء
۲۲۶	" محمد خاں صاحب	راجہ خاں صاحب	فتح پور ضلع گجرات	٥
۲۲۷	" عبدالکریم صاحب	مولا بخش صاحب	رعیہ " امرتسر	وفات ۹۶ء_۱۱_۹
۲۲۸	" بشیر احمد صاحب	"	عالمگڑھ " گجرات	
۲۲۹	" محمد اسمٰعیل صاحب	میاں جھنڈے خاں صاحب	حسن پورہ " گورداسپور	٥ واپسی ۱۱ مئی ۱۹۵۰ء
۲۳۰	" محمد شفیع صاحب	عمر دین صاحب	شادیوال " گجرات	٥
۲۳۱	" شاہ محمد صاحب	صاحبداد صاحب	دیونا ماجرہ " "	٥
۲۳۲	" ولی محمد صاحب	شاہ محمد صاحب	شادیوال " "	وفات ۹۴ء_۲_۲۷
۲۳۳	" محمد بشیر صاحب	ملک محمد ابراہیم صاحب	محلہ کریم پورہ لالہ موسیٰ "	وفات ۹۴ء_۱_۲۶
۲۳۴	" ظہور احمد صاحب ناصر	محمد مراد صاحب	بھاگا بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ	٥ واپسی ۱۱ مئی ۱۹۵۰ء
۲۳۵	" مرزا بشیر احمد صاحب	مرزا بہادر بیگ صاحب	نسووالی سوہل خورد " گجرات	٥
۲۳۶	" ظہور احمد صاحب	فتح الدین صاحب	شیخ پور " "	وفات ۰۴ء_۸_۲۸
۲۳۷	" بشیر احمد صاحب حافظ آبادی	میاں محمد مراد صاحب متوطن پنڈی بھٹیاں	حافظ آباد " گوجرانوالہ	وفات ۰۴ء_۱_۱۳
۲۳۸	" میراں بخش صاحب	مولاداد صاحب	نسووالی سوہل خورد ضلع گجرات	
۲۳۹	" محمد رمضان صاحب	عمر بخش صاحب	سدوکے " "	٥
۲۴۰	" عبدالحمید صاحب	الٰہی بخش صاحب	ابوالخیر ضلع شیخوپورہ	٥
۲۴۱	" صدیق احمد صاحب	چراغ دین صاحب	گوکھووال ۲۷۶/R.B ضلع لائلپور	٥
۲۴۲	" ذکریا خاں صاحب	محمد صدیق صاحب	مجوکہ ضلع سرگودھا	٥ واپسی ۱۱ مئی ۱۹۵۰ء
۲۴۳	" نذیر احمد صاحب چجہ	احمد دین صاحب	چک ۹۹ شمالی "	٥

نمبر شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۲۴۴	مکرم محمود احمد صاحب	غلام محمد صاحب	چک نمبر ۹۹ شمالی ضلع سرگودھا	
۲۴۵	″ حوالدار محمد نواز صاحب گوریایہ	مہر دین صاحب	فیروز والہ ضلع گوجرانوالہ	٥
۲۴۶	″ مرزا غالب بیگ صاحب	مرزا محمد اکرم صاحب	توپ خانہ بازار لاہور چھاؤنی	٥
۲۴۷	″ عطاء اللہ صاحب گجراتی	اللہ دتا صاحب	بوہڑانوالہ۔ ضلع گجرات	٥
۲۴۸	″ غلام رسول صاحب	چوہدری شاہ محمد صاحب	دوست پور ضلع شیخوپورہ	٥
۲۴۹	″ چوہدری عطاء اللہ صاحب	عبد الرحمٰن صاحب	میاں جانانوالی ضلع سیالکوٹ	٥
۲۵۰	″ ملک نذیر احمد صاحب	ملک مشتاق احمد صاحب	محلہ جہانگیرپورہ مسجد احمدیہ پشاور	وفات ۲۲-۷-۷۳

بیرونی خدام

۲۵۱	چوہدری سعید احمد صاحب	چوہدری فیض احمد صاحب	پوہلہ مہاراں ضلع سیالکوٹ	حال نائب ناظر امور عامہ قادیان وفات ۲۱-۱-۹۱ء
۲۵۲	″ عبد الغنی صاحب	″ محمد حیات صاحب	کھاریاں ضلع گجرات	٥
۲۵۳	″ محمد صادق صاحب	″ ابراہیم صاحب	چک نوال ڈاکخانہ کالی صوبہ ضلع گوجرانوالہ	٥
۲۵۴	″ بشارت احمد صاحب	منشی سلطان عالم صاحب	گوٹریالہ ضلع گجرات	
۲۵۵	میر رفیع احمد صاحب	ڈاکٹر برکت اللہ صاحب	نئی آبادی بیرون شاہدولہ گیٹ گجرات	٥
۲۵۶	مرزا محمد صادق صاحب	مرزا امام الدین صاحب	مرزا احمد صادق اینڈ کمپنی۔ کوئٹہ	٥
۲۵۷	ملک سلطان احمد صاحب	ملک خان محمد صاحب	چکوال سب آفس چونترہ ضلع اٹک	٥
۲۵۸	شیخ عبد الحق صاحب	شیخ میراں بخش صاحب	محلہ کریم پورہ لالہ موسیٰ ضلع گجرات	٥
۲۵۹	میاں غلام رسول صاحب	میاں نبی بخش صاحب	کمال ڈیرہ ضلع نوابشاہ سندھ	٥
۲۶۰	چوہدری روشن الدین صاحب	چوہدری اللہ دتا صاحب	منگولے ″ سیالکوٹ	٥
۲۶۱	″ غلام محمد صاحب	″ عبد اللہ خاں صاحب	چک ۹۳/۶-R بہاولپور	٥
۲۶۲	″ محمد شفیع صاحب	″ فضل الدین صاحب	″ ″	٥
۲۶۳	″ محمد اسلم صاحب	″ پیر محمد صاحب	چک ۱۵۲/۲-L ″	٥

نمبر شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۲۶۴	مکرم وڈیرا عبدالرحمٰن صاحب	وڈیرا رمضان صاحب	گابر مسن گوٹھ یا ڈاکخانہ اسٹیشن ضلع لاڑکانہ سندھ	٥
۲۶۵	" چوہدری غلام محمد صاحب	چوہدری فتح علی صاحب	چک سکندر۔ ضلع گجرات	٥
۲۶۶	" " محمد حسین صاحب	" غلام حسین صاحب	کوٹ رحمت خاں ضلع شیخوپورہ	٥
۲۶۷	" میاں محمد اسمٰعیل صاحب	میاں علم دین صاحب	چک سکندر ضلع گجرات	
۲۶۸	" چوہدری محمد علی صاحب	چوہدری اکبر علی صاحب	" "	٥
۲۶۹	" ماسٹر محمد ابراہیم صاحب ٹیلر ماسٹر	میاں فضل کریم صاحب	کراچی ٹیلر شاپ R.A.F کیمپ ماڑی پور	وفات ۳-۹-۲۵
۲۷۰	" یونس احمد صاحب اسلم	ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم سابق امیر المجاہدین ملکانہ	بالمقابل جوبلی سنیما کراچی	تاریخ وفات ۱۵ جون ۱۹۶۸ء
۲۷۱	" چوہدری بشیر احمد صاحب	چوہدری حیات محمد صاحب	ہڈیار ڈاکخانہ چوہڑ منڈا سیالکوٹ	٥
۲۷۲	" پی محمد صاحب	عبداللہ مالاباری	پوجر کینڈا نگتھ دیجکا سٹیٹ ڈینیر پالا بار	٥
۲۷۳	" زین العابدین صاحب	عبدالقادر صاحب	ملابار	٥
۲۷۴	" خاں عبدالرحمٰن صاحب	خاں عبداللہ خاں صاحب	طوغی روڈ کوئٹہ	٥
۲۷۵	" میاں غلام رسول صاحب	میاں احمد الدین صاحب	کوٹ شاہ عالم ضلع گوجرانوالہ	٥
۲۷۶	" چوہدری نبی احمد صاحب	چوہدری غلام محمد صاحب	میر خاں شہامی ریاست خیرپور میرس سندھ	٥
۲۷۷	" " علم دین صاحب	" امام بخش صاحب	موٹھی ڈاکخانہ دریا خاں مری نوابشاہ سندھ	٥
۲۷۸	" " غلام رسول صاحب	" سردار خاں صاحب	۱۴۱ چک بند مراد۔ ریاست بہاولپور	٥
۲۷۹	" ٹیلر ماسٹر عبدالحق صاحب ناصر	ماسٹر عبدالمجید صاحب ٹیلر	گلی غلام حیدر آباد محلہ راجے گوجرانوالہ	٥
۲۸۰	" عبدالرحیم صاحب	الٰہی بخش صاحب	کنڈی ریاست خیرپور سندھ	٥
۲۸۱	" میاں سلطان احمد صاحب	میاں محمد دین صاحب	پنڈی چیری ضلع شیخوپورہ	٥ واپسی ۱۱ مئی ۴۸ء
۲۸۲	" " محمد امین صاحب	" مبارک احمد صاحب کرشن	" "	٥
۲۸۳	" چوہدری شاہ محمد صاحب	چوہدری فتح الدین صاحب	چک نمبر ۹۰ ریاست بہاولپور	٥
۲۸۴	" " منظور احمد صاحب	" غلام قادر صاحب	" ۸۴ ریاست "	

کیفیت	سکونت	ولدیت	نام	نمبر شمار
٥	لکرالی ضلع گجرات	چوہدری فضل احمد صاحب	مکرم چوہدری محمد احمد صاحب	۲۸۵
	جہلم شہر	مولوی غلام محی الدین صاحب	" مولوی محمد ایوب صاحب شمس	۲۸۶
٥	گوٹھ دین مہر شاہ دیہہ لاکھا تحصیل ٹھٹھ ضلع خیرپور سندھ	چوہدری خدا بخش صاحب	" چوہدری نذیر احمد صاحب	۲۸۷
	ترگڑی ضلع گوجرانوالہ	ملک عبد الکریم صاحب	" ملک بشیر احمد صاحب	۲۸۸
٥	محلہ اسلام آباد مشن روڈ کوئٹہ	محمد عبد اللہ صاحب	" کریم بخش صاحب ڈرائیور	۲۸۹
٥	سورج گنج روڈ کوئٹہ	چوہدری شیر علی صاحب	" چوہدری منور علی صاحب	۲۹۰
٥	کوٹلی پٹھاناں ضلع گجرات	میاں علم الدین صاحب	" میاں احمد دین صاحب	۲۹۱
٥	چانگریاں " سیالکوٹ	مستری حسن دین صاحب	" مستری روشن الدین صاحب	۲۹۲
	ترگڑی ضلع گوجرانوالہ	ملک بڈھے خاں صاحب	" ملک غلام محمد صاحب	۲۹۳
٥	سیالکوٹ شہر	میاں اروڑا صاحب	" میاں اللہ رکھا صاحب	۲۹۴
٥	محلہ راجگڑھ لاہور	مستری محمد اسمٰعیل صاحب	" مستری محمد احمد صاحب	۲۹۵
٥	کابرمسن گوٹھ اسٹیشن لاڑکانہ سندھ	احمد خاں صاحب	" محمد خاں صاحب	۲۹۶
٥	" "	علی بخش صاحب	" گہنہ خاں صاحب	۲۹۷
٥	شیرکا چک ۲۷ ضلع لائلپور	رائے غلام قادر صاحب	" رائے سردار علی صاحب	۲۹۸
٥	ڈنگہ ضلع گجرات	بابو عطا محمد صاحب	" ماسٹر عبد الحی صاحب ٹیلر ماسٹر	۲۹۹
٥	لنگے " "	چوہدری حاکم دین صاحب	" چوہدری نبی احمد صاحب	۳۰۰
٥	پریم کوٹ ضلع گوجرانوالہ	میاں اللہ دتہ صاحب	" میاں نذیر محمد صاحب	۳۰۱
(تاریخ وفات ۴؍اپریل ۱۹۶۴ء)	فتح پور " گجرات	میاں محمد ابراہیم صاحب	" دفعدار محمد عبد اللہ صاحب	۳۰۲
٥	مونگ " "	میاں تاج الدین صاحب	" میاں جلال الدین صاحب	۳۰۳
	چانگریاں " سیالکوٹ	مستری نظام الدین صاحب	" مستری منظور احمد صاحب	۳۰۴
٥	ترگڑی ضلع گوجرانوالہ	چوہدری نبی بخش صاحب	" عبد الکریم صاحب	۳۰۵

نمبر شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
٣٠٦	مکرم چوہدری عطاء اللہ صاحب	چوہدری محمد بخش صاحب	پھیرو چیچی حال ناصر آباد اسٹیٹ ڈاکخانہ کنری	٥
٣٠٧	" چوہدری نذیر احمد صاحب	" رستم علی صاحب	محمود آباد اسٹیٹ سابق شکار ماچھیاں ضلع گورداسپور	٥
٣٠٨	" " غلام رسول صاحب	" محمد الدین صاحب	چک ۲۷۶ گ ب گھوڑال لائلپور	٥
٣٠٩	" " بشیر احمد صاحب	" غلام احمد صاحب	گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ	وفات ۲۰-۱۲-۲۳
٣١٠	" " خدا بخش صاحب	" محمد علی صاحب	محمود آباد اسٹیٹ سندھ	٥
٣١١	" شریف احمد صاحب	میاں غلام محمد صاحب	کوٹ رحمت خاں ضلع شیخوپورہ	٥
٣١٢	" غلام حسین صاحب	ملک فتح الدین صاحب	شمس آباد تحصیل چونیاں ضلع لاہور	٥
٣١٣	" شیخ سراج دین صاحب	شیخ چراغ دین صاحب	چک ۶۲ ضلع شیخوپورہ	٥ واپسی ۱۱ مئی ۱۹۵۰ء
٣١٤	" چوہدری بشیر احمد صاحب	چوہدری غلام محمد صاحب	محمود آباد اسٹیٹ سندھ	(وفات ربوہ میں ہوئی)
٣١٥	" " محمد شریف صاحب	" حسن محمد صاحب	کوٹ رحمت خاں ضلع شیخوپورہ	
٣١٦	" چوہدری مبارک علی صاحب	" بانے خاں صاحب	طالب پور پنڈوری ضلع گورداسپور	

درویشانِ قادیان کی قابلِ رشک زندگی

یہ زمانہ اگرچہ درویشانِ قادیان کے لئے انتہائی صبر آزما اور نہایت درجہ ابتلا کا زمانہ تھا جس میں ایسے ایسے خطرناک اوقات بھی آئے جبکہ اُن سب کا موت کے گھاٹ اتار دیا جانا یقینی نظر آتا تھا مگر جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے متعدد بار فرمایا ہے۔ یہی ابتلا دراصل فتوحات و برکات کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں:۔

"ایسے ایسے ابتلاء بھی آجاتے ہیں جو کمر توڑ دیتے ہیں مگر مستقل مزاج سعید الفطرت ان ابتلاؤں اور مشکلات میں بھی اپنے رب کی عنایتوں کی خوشبو سونگھتا ہے اور فراست کی نظر سے دیکھتا ہے کہ اس کے بعد نصرت آتی ہے ان ابتلاؤں کے آنے میں ایک سِرّ یہ بھی ہوتا ہے کہ دُعا کے لئے جوش بڑھتا ہے۔" [1]

---

[1]:۔ ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ جلد ۴ صفحہ ۳۴-۲۲۵ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ ؛

"جو سچا مومن ہے ابتلا میں اس کی ایمان کی حلاوت اور لذت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی قدرتوں اور اس کے عجائبات پر اس کا ایمان بڑھتا ہے اور وہ پہلے سے بہت زیادہ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرتا اور دعاؤں سے فتحیاب اجابت چاہتا ہے"۔ ۱؎

انہی ابتلاؤں کے نتیجہ میں انسان میں وہ زبردست روحانی اور ذہنی انقلاب بالآخر برپا ہو جاتا ہے جو اُسے ابدال کے اُس زمرہ میں شامل کر دیتا ہے جس کی نسبت حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

"ابدال وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے اندر پاک تبدیلی کرتے ہیں اور اس تبدیلی کی وجہ سے اُن کے قلب گناہ کی تاریکی اور زنگ سے صاف ہو جاتے ہیں۔ شیطان کی حکومت کا استیصال ہو کر اللہ تعالیٰ کا عرش اُن کے دل پر ہوتا ہے پھر وہ روح القدس سے قوت پاتے اور خدا تعالےٰ سے فیض پاتے ہیں۔ تم لوگوں کو بشارت دیتا ہوں کہ تم میں سے جو اپنے اندر تبدیلی کرے گا وہ ابدال ہے۔ انسان اگر خدا کی طرف قدم اُٹھائے تو اللہ تعالیٰ کا فضل دوڑ کر اسکی دستگیری کرتا ہے"۔ ۲؎

خدا تعالیٰ کی ابتلاؤں سے متعلق اس قدیم سنت کے مطابق درویشوں پر آنے والے مصائب و آلام کے یہ ایام بھی اپنے دامن میں آسمانی برکتوں اور رحمتوں کے نزول کا موجب بن گئے چنانچہ اُدھر ۱۶ ماہ نبوت/نومبر کا آخری کنواں ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوا۔ اِدھر اُن کے قلوب و اذہان کی کثافتیں دھلنی شروع ہو گئیں اور رفتہ رفتہ اُن میں ایسی پاک تبدیلی کے آثار پیدا ہو گئے کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ کے مقدس زمانہ کی قادیان ایک بار پھر پلٹ آئی۔ وہی روحانی جذب و تاثیر اور ذوق و شوق، وہی دعاؤں اور عبادتوں کا شغف، وہی قرآن مجید کے مطالعہ کا التزام اور وہی اخوتِ اسلامی کے روح پرور نظارے جن کو دیکھنے کیلئے آنکھیں ترس گئی تھیں دوبارہ دکھائی دینے لگے۔

صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب کا ایک قابل قدر نوٹ

چنانچہ صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب نے انہیں دنوں قادیان سے لکھا:۔

"جب یہ آخری مرحلہ طے ہو گیا تو اللہ تعالےٰ نے پھر ایک سکون بخشا اور سب کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اچھا اب جو مقصد ہمارے رہنے کا ہے وہ پورا ہو۔ اور یہ مبالغہ نہ ہو گا اگر یہ کہا جائے کہ پیچھے رہنے والوں میں ایک معجزانہ تبدیلی پیدا ہو گئی۔ اور یکایک ہر ایک اس بات میں کوشاں ہو گیا کہ

۱؎:۔ ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ جلد ۶ صفحہ ۲۵۳۔

۲؎:۔ " " " جلد ۱ صفحہ ۲۲۸،۲۲۷۔

حضرت امیر المومنین ایدہ کے سب ارشادات پر پورا عمل کیا جاوے اور اس کے لئے نہ صرف اجتماعی طور پر کوشش کی گئی بلکہ ہر ایک شخص فرداً فرداً اس کوشش میں لگ گیا تاکہ اسکی بھائی کی سستی سے احمدیت کو یا جماعت کو نقصان نہ ہو۔ اور وہ لوگ جو کہ پہلے فرائض پر ہی اکتفا کرتے تھے بہت شوق سے نوافل پر زور دینے لگے اور جو کہ پہلے ہی نوافل کے عادی تھے انہوں نے مزید عبادات پر زور دیا۔ مساجد میں چھ وقت کی نماز (پانچ فرض نمازیں اور ایک تہجد) لوگ اس شوق اور ذوق سے ادا کرتے ہیں اور اس طرح سنوار سنوار کر اپنی عبادت کرتے ہیں کہ خیال ہوتا ہے کہ بچپن سے ہی اس کے عادی ہیں۔ اور نہ صرف مسجدوں میں بلکہ باہر بھی لوگ زیادہ وقت خاموشی اور ذکر الٰہی میں گزارتے ہیں۔ پیر اور جمعرات کے دن تو ہر شخص روزہ رکھتا ہی ہے۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ جو طاقت رکھتے ہیں وہ ہر روز روزہ رکھتے ہیں۔ اور جہاں بڑی بڑی تقریروں کے بعد کسی کو کسی وظیفہ یا خاص عبادت کے لئے آمادہ نہ کیا جا سکتا تھا وہاں اب کسی کے کان میں کسی خاص طرز کے وظیفے کی بھنک پڑ جائے تو اُسے شروع کر دیتے ہیں۔ بہشتی مقبرہ جا کر لوگ باقاعدگی سے دُعا کرتے ہیں۔ اور ہر ایک کی دُعا میں وہی الحاح اور زاری ہوتی ہے۔ جس کی حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے یہاں کے رہنے والوں سے اُمید کی تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کا مطالعہ ان کا ایک شغف ہے۔ زیادہ وقت مساجد میں گزارنا اور اللہ اور اسکے رسول کی باتیں کرنا۔ لغویات سے پرہیز ان کی ایک عادت بن گئی ہے۔ لڑائی جھگڑے سے اور ایسی جگہوں سے جہاں فساد یا فتنہ کا امکان ہو بہت اجتناب کیا جاتا ہے۔

الغرض یہ خدا کا فضل ہے کہ اس نے اس چھوٹی سی جماعت کو اتنی جلدی اپنے اندر ایسی عظیم الشان تبدیلی پیدا کرنے کی توفیق دی۔ صحت کا بھی خیال ہے۔ عصر کی نماز کے بعد والی بال، ہاکی اور بعض دوسری کھیلیں کھیلی جاتی ہیں۔ صبح ورزش اور پی ٹی بھی ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ جماعتی کام مثلاً کمرہ یا دیوار وغیرہ بنانے کے لئے مٹی اور اینٹوں وغیرہ کے ڈھونے کا کام بڑی خوشی سے کیا جاتا ہے۔ ابھی پہرہ داروں کے لئے ایک کمرہ بہشتی مقبرہ میں بنایا گیا ہے۔ اور دو اور بنائے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بہشتی مقبرہ کے اردگرد دیوار بنانے کا بھی ارادہ ہے۔ انشاء اللہ..... سب سے آخر یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ یہاں جس قدر لوگ ٹھہرے ہیں کسی کے دل میں بھی ذرا بھر انقباض نہیں کہ ہم کیوں ٹھہرے بلکہ دل سے خوش ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ خدا نے یہ فضل کیا کہ ہمیں یہاں ٹھہرنے کا موقعہ ملا۔

اور اس نیکی کے کرنے کی توفیق دی۔ کہ معلوم نہیں پھر کسی کو ملتی بھی ہے کہ نہیں۔ اور اگر ملتی بھی ہے تو کب اور سب سے زیادہ تو یہ کہ اب بعد میں جو آویں گے۔ وہ پہلے ٹھہرنے والے نہ کہلا سکیں گے۔ ہمارے شیر ولی خاں صاحب خصوصاً بار بار کہتے ہیں۔ کہ خدا کا کتنا فضل ہوا کہ وہ ٹھہر گئے۔ چونکہ انہوں نے کام پچھلے دنوں بہت اچھا کیا تھا اسلئے ان کو بھجوانے کا خیال تھا۔ مگر جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ یہ جذبہ ہر ایک کا ہے۔ وہ چونکہ حضرت ام المؤمنین کے مکان کے ایک حصہ میں رہتے ہیں۔ اسلئے یہی کہتے رہتے ہیں کہ او شیر ولی اگر تو یہاں نہ رہتا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں رہنے کی اور دعائیں کرنے کی کہاں توفیق ملنی تھی۔

وقت تو گذر جاویگا۔ مگر یہ خدا تعالیٰ کے انعامات اور یہ باتیں دل سے کبھی بھول نہیں سکتیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری آزمائشوں کو بھی ہمارا انعام بنا دیا۔" [۵]

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کی چشم دید شہادت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشہور، ممتاز اور بلند پایہ صحابی حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے (جو اگلے سال ۱۲ رماہ ہجرت / مئی ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء کو مستقل طور پر قادیان تشریف لے گئے) ۲۱ رماہ ہجرت / مئی ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء کو حضرت مصلح موعود کی خدمت میں ایک مفصل مکتوب تحریر کیا جس میں درویشان قادیان کے حالات دکوائف پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے لکھا:-

"قادیان پہنچے ملیں روز ہوئے ہیں۔ پہلا ہفتہ تو قریباً آٹھ ماہی جدائی کی حسرت و حرمان کی تلافی کی کوشش میں گزر گیا۔ اور ماحول کی طرف نظر اٹھانے کی بھی فرصت نہ ملی۔ دوسرے ہفتہ کچھ حواس درست ہوئے تو دیکھتا اور محسوس کرتا ہوں کہ ایک نئی زمین اور نئے آسمان کے آثار نمایاں ہیں۔ ایک تغیر ہے عظیم، اور ایک تبدیلی ہے پاک، جو یہاں کے ہر درویش میں نظر آتی ہے۔ چہرے ان کے چمکتے۔ آنکھیں ان کی روشن۔ حوصلے اُن کے بلند پائے۔ نمازوں میں حاضری سو فیصدی۔ نمازیں نہ صرف رسمی بلکہ خشوع خضوع سے پُر۔ بیٹھنے میں آئیں۔ رقت و سوز، یکسوئی و ابتہال محسوس ہوا۔ مسجد مبارک دیکھی تو پُر۔ مسجد اقصیٰ دیکھی تو بارونق۔ مقبرہ بہشتی کی نئی مسجد جس کی چھت آسمان اور فرش زمین ہے۔ وہاں گیا تو ذاکرین و عابدین سے بھرپور پائی۔ ناصر آباد کی مسجد ہے تو خدا تعالیٰ کے فضل سے آباد ہے اذان و اقامت برابر پنجوقتہ جاری ..... مساجد کی یہ آبادی اور رونق دیکھ کر الٰہی بشارت کی یاد سے دل سرور سے

---

[۵]:- الفضل ۱۰ رصلح / جنوری ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۵، ۶

بھر گیا۔ اور اُمید کی روشنی دکھائی دیتی ہے...... نہ صرف یہی کہ فرائض کی پابندی ہے۔ بلکہ نوافل میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہی کثرت۔ ہجوم اور انہماک پایا۔ مقامات مقدسہ کے گونہ گونہ کے علم پانے کا عموماً ان نوجوانوں کو حریص دیکھا۔ اور پھر عامل بھی۔ حتیٰ کہ حالت یہ ہے۔ کہ اس تین ہفتہ کے عرصہ میں مَیں نے بارہا کوشش کی کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیت الدعا میں کوئی لمحہ تنہائی کا مجھے بھی مل سکے۔ مگر ابھی تک یہ آرزو پوری نہیں ہوئی۔ جب بھی گیا نہ صرف یہ کہ وہ خالی نہ تھا بلکہ تین تین چار چار نوجوانوں کو وہاں کھڑے اور رکوع و سجود میں روتے اور گڑگڑاتے پایا۔ اسی پر بس نہیں۔ بلکہ متصلہ دالان اور بیت الفکر تک کو اکثر بھرپور اور معمور پایا۔

تہجد کی نماز چاروں مساجد میں برابر باقاعدگی اور شرائط کے ساتھ باجماعت ادا ہوتی ہے۔ اور بعض درویش اپنی جگہ پر بعض اپنی ڈیوٹی کے مقام پر ادا کرتے ہیں۔ کھڑے کھڑے چلتے پھرتے بھی ان کی زبانیں ذکر الٰہی سے نرم اور تر ہوتی دیکھی اور سُنی جاتی ہیں۔ اور مَیں یہ عرض کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں۔ کہ نمازوں میں حاضری اللہ تعالیٰ کے فضل سے سو فیصدی ہے۔ درس تدریس اور تعلیم و تعلّم کا سلسلہ دیکھکر دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ ہر مسجد میں ہر نماز کے بعد کوئی نہ کوئی درس ضرور ہوتا ہے۔ اور اس طرح قرآن، حدیث اور سلسلہ کے لٹریچر کی ترویج کا ایک ایسا سلسلہ جاری ہے جس کی بنیاد صحیح اور نیک۔ نیت پُر شوق اور لذت کے ساتھ اُٹھائی جا رہی ہے۔ عام علوم کے درس ان کے علاوہ ہیں۔ اور روزانہ دفتار عمل۔ تعمیر و مرمت، صفائی و لپائی مکانات، مساجد اور مقابر راستے اور کوچہا بلکہ نالیاں تک۔ اس کے علاوہ خدمت خلق بڑی بشاشت اور خندہ پیشانی سے کی جاتی ہے جس میں ادنیٰ سے ادنیٰ کام کو کرنے میں تکلیف، ہتک یا کبیدگی کی بجائے بشاشت و لذت محسوس کی جاتی ہے۔ گیہوں کی بوریاں آٹے کے بھاری تھیلے اور سامان کے بھاری صندوق، بکس اور گٹھے یہ سفید پوش، خوش وضع اور شکیلے نوجوان جس بے تکلفی سے اِدھر سے اُدھر گلی کوچوں میں جہاں اپنے اور پرائے مرد اور عورت اور بچے ان کو دیکھتے ہیں لئے پھرتے ہیں۔ قابل تحسین و صد آفرین ہے اور ان چیزوں کا میرے دل پر اتنا گہرا اثر ہے جو بیان سے بھی باہر ہے۔

یہ انقلاب، تغیر اور پاک تبدیلی دیکھکر میرے آقا بے ساختہ زبان پر جاری ہوا۔

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند
زیر آں گنج کرم بنہادہ اند

خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ خدمتِ خلق کے سلسلہ میں ہمارا ہسپتال جو خدمات بجا لا رہا ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے

بلاتمیز و تفریق مذہب و ملت عورت، مرد اور بچے بیشمار روزانہ اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اور عزیز مکرم ڈاکٹر بشیر احمد صاحب جو ان دنوں انچارج اور چند نوجوان ان کی زیر قیادت ان خدمات پر مامور ہیں۔ نہایت توجہ، ہمدردی اور محبت، نرمی سے مفوضہ خدمات بجا لا رہے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں رجوع خلق میں روز افزوں نمایاں اضافہ نظر آتا ہے۔ اور اب ڈاکٹر عطاء الدین صاحب کے آجانے پر ایک ویٹرنری ہسپتال بھی جاری کر دیا گیا ہے۔

مقبرہ بہشتی کی ہر قبر بلکہ ہر قبر کے ایک ایک کونہ اور گوشہ میں روشوں اور نالیوں اور پودوں اور درختوں کی جو خدمت اس محصور خلق خدا نے کر دکھائی ہے..... قابل رشک ہے۔ جس کو دیکھ کر میں ششدر ہو گیا۔ اور مرحبا اور صد آفرین کی صدا از خود دل کی گہرائیوں سے بلند ہونے لگی۔ مقبرہ کے گرد چار دیواری جس محنت اور جانفشانی کے ان ہونہاروں نے تیار کی وہ بے مثال ہے۔ جنوبی جانب، جنوب مشرقی اور جنوب مغربی دونوں کونوں میں دو کوارٹر دو دو منزلہ بغرض رہائش محافظین بنا کر نہایت ہوشیاری و عقلمندی اور محبت کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کوارٹروں میں پانچ پانچ نوجوان دن رات رہتے ہیں۔ اسی طرح مزار سیدنا حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چار دیواری کے شمال مشرقی کونہ پر بھی ایک دو منزلہ کوارٹر بنایا گیا ہے۔ اور ایک کوٹھڑی جو پہلے سے جنوب مغربی کونہ چار دیواری کے باہر تھی اس کو بھی بغرض حفاظت دو منزلہ بنا دیا گیا ہے اور آج کل تیس نوجوان صرف مقبرہ بہشتی کی حفاظت پر مامور ہیں۔ جو وقفہ عمل کے وقت دوسرے درویشوں کے ساتھ مل کر بھی کام کرتے ہیں۔
الغرض..... یہ تو ہے ایک مختصر سا خاکہ۔

سب کچھ کھو کر بھی..... اگر خدا مل جائے۔ اس کی رضا حاصل ہو جائے اور حضور کے زیر قیادت و ہدایت یہ راہیں ہمارے لئے آسان ہوتی جائیں اور صبر و استقلال سے تحصیل علوم دینیہ، عبادت و ذکر الٰہی، خدمت خلق اور روحانی ترقیات کے سامان میسر رہیں۔ نیتیں نیک اور اعمال ہمارے صالح ہوں تو عجب نہیں کہ وہ مقام عالی حضور کے غلاموں کو اس محاصرہ کی حالت اور مشکلات کے دور میں میسر آجائے تو یہ سودا بہت سستا اور مفید ہے۔

آقا! ہماری جس تبدیلی کے لئے حضور ہمیشہ تحریکیں فرماتے چلے آئے ہیں۔ اور رات اور دن حضور کے اسی کوشش اور فکر میں گزرتے چلے آئے ہیں۔ کیا عجب کہ وہ اسی قیامت ہی سے وابستہ ہوں۔ اور قضاء و قدر کا قانون خاص ہی حضور کے ان مقاصد کی توفیق جماعت کو عطا فرمادے اور پاک تبدیلی اسی قانون پر منحصر ہو۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ دنیا تو گئی اگر خدا مل جائے تو پھر کوئی خسارہ ہے نہ گھاٹا۔

نوجوانوں کی کایا پلٹ ہو گئی ہے یا کم از کم ہو رہی ہے۔ خدا کرے کہ اس حرکت میں برکت ہو۔ اور اس قدم کے

اُٹھانے میں اللہ تعالیٰ دوڑ کر ہماری طرف آئے۔ دستگیری فرمائے اور اٹھا کر زمینی سے آسمانی بنا دے۔

میرے آقا قصہ کوتاہ یہ وقت ایک خاص وقت ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ مصلحت الٰہی اور منشا ایزدی نے اس انقلاب کے ساتھ جماعت میں اس پاک تبدیلی کو وابستہ کر رکھا ہے جو حضور ہم میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ حضور یہ وقت ہے جس میں خدا کا قرب پانے کے مواقع میسّر ہیں۔" ؎۱

حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا ایک جامع نوٹ

حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحب نے درویشان قادیان کی نسبت حسب ذیل نوٹ سپردِ قلم فرمایا:۔

"مکرمی بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی اور دوسرے درویشان قادیان کے مضامین سے دوستوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ موجودہ حالات کے نتیجہ میں آج کل قادیان کی زندگی کتنی رُوحانی فیوض سے معمور ہے گویا کہ اس کے لیل و نہار مجسم رُوحانی بن چکے ہیں۔ کیونکہ قادیان میں رہنے والے دوستوں کو دُنیا کے دھندوں سے کوئی سروکار نہیں اور ان کی زندگی کا ہر لمحہ روحانی مشاغل کے لئے وقف ہے۔ قرآن و حدیث کا درس، نوافل، نمازوں اور خصوصاً تہجد کا التزام خشوع و خضوع میں ڈوبی ہوئی دُعاؤں کا پروگرام، نفلی روزوں کی برکات اور دن رات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بابرکت گھر اور بیت الدعا اور مسجد مبارک اور مسجد اقصیٰ اور بہشتی مقبرہ میں ذکر الٰہی کے مواقع۔ یہ وہ عظیم الشان نعمتیں ہیں جن سے جماعت کا بیشتر حصہ آجکل محروم ہے اور قادیان کا ماحول ان نعمتوں سے بہترین صورت میں فائدہ اُٹھانے کا موقعہ پیش کرتا ہے۔" ؎۲

درویشان قادیان کو غیروں کا زبردست خراج تحسین

قادیان کے درویشوں کو (خواہ وہ ۱۶ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء سے مسیح محمدی کی مقدس بستی میں آباد ہوئے یا بعد کو تشریف لے گئے اور اب تک دیار حبیبؐ میں دھونی رمائے بیٹھے ہیں) اپنوں ہی نے نہیں غیروں نے بھی زبردست خراج تحسین ادا کیا ہے۔ بطور نمونہ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ احراری اخبار "آزاد" نے اپنی ۲۶ مئی ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں "مشرقی پنجاب کے سجّادہ نشین" کے عنوان سے حسب ذیل نوٹ شائع کیا:۔

"مشرقی پنجاب کے عوام تو خیر عوام ہی تھے۔ اگر انہوں نے پولیس اور فوج اور مسلّح انسانوں کے ہجوم سے گھبرا کر

؎۱:۔ الفضل ۸ ماہ احسان/جون ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۵ ؎۲:۔ الفرقان "درویشان قادیان نمبر" صفحہ ۱۳

مہاجرت اختیار کی تو ظاہر ہے کہ وہ مجبور تھے ۔ لیکن جس بزدلی سے مسجدوں کے اماموں ۔ خانقاہوں کے مجاوروں اور ایں شریف و آں شریف کے سجادہ نشینوں نے فرار اختیار کیا ۔ وہ اسلام کی سپرٹ اور تعلیم کے صریحاً خلاف تھا ۔ تمام عمر اوقاف کی کمائی اپنے نفس پر صرف کر کے شعائر اللہ کو کافروں کے حوالہ کر دینا اور خود بھاگ نکلنا قابل شرم فعل ہے ۔ خواجہ بختیار کاکیؒ دہلی کے سجادہ نشین صاحب جو اس مقدس تُربت کی کمائی تمام عمر کھاتے رہے ۔ یوں بھاگے کہ بستی کے لوگوں سے فرمایا ۔ حضرت صاحب نے خواب میں حکم دیا ہے ۔ کہ میں پاکستان جا رہا ہوں تم بھی چلو ۔ اجمیر کے متعلق حال ہی میں حیدر آباد سندھ کے متوتبوں کا ایک پوسٹر آیا تھا ۔ جس میں درج تھا کہ خواجہ اجمیر کا عرس دار الکفر کی بجائے دار السلام میں منایا جا رہا ہے ۔ اور تمام اہل اسلام کو دعوت شمول ہے ۔ امام ناصر الدین جالندھر کا روزہ آج بے یار و مددگار پڑا ہوا ہے ۔ مجدد الف ثانی کے مزار اقدس پر آج نہ کوئی چراغ جلانے والا ہے اور نہ کوئی پھول چڑھانے والا ہے ۔ اور نہ مسجد میں اذان دینے والا ہے ۔ اسی طرح ہزاروں مساجد جن میں کئی مسجدیں یادگاریں ہیں ۔ ٹوٹی پڑی ہیں ۔ اور ان گنت اپنی حرمت کھو کر گوردواروں میں تبدیل ہو چکی ہیں ۔ بعض کو گھوڑوں کی شکل دیدی گئی ہے اور بہت سی اصطبلوں اور پاخانوں میں بدل دی گئی ہیں ۔ کیا ان مساجد اور معابد کے ٹھیکیداروں کو علم ہے کہ ان کے اس اسلام پر خود کفر کی جبیں سے عرق ندامت کے قطرے ٹپکتے ہیں ؟

ان سطروں کے لکھنے کی ضرورت اسی لئے لاحق ہوئی کہ " انقلاب " کی تازہ اشاعت میں ایک قادیانی ملک صلاح الدین ایم ۔ اے کا ایک مکتوب چھپا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آج بھی مرزا غلام احمد کے مزار کی حفاظت کے لئے وہاں جانثار مرزائی موجود ہیں ۔ اور اب بھی وہاں کی مسجدوں میں اذان دی جاتی ہے ۔ ایک طرف نبوت باطلہ کے پیروؤں کا اعتقاد دیکھئے کہ وہ اپنے " مقدس مقام " کی حفاظت کے لئے اب تک ڈٹے ہوئے ہیں ۔ اور اپنی مسجدوں کی آبرو کو بچائے رکھا ہے ۔ لیکن ذرا ان سے بھی پوچھئے ۔ جو درگاہ امام ناصر ، مزار مجدد الف ثانی اور اسی طرح دوسرے سینکڑوں اہل اللہ کے مقبروں کی آمدنی ڈکارتے رہے ۔ اور اب دار الکفر کی بجائے دار الاسلام میں عرس منا کر ضعیف الاعتقاد مریدوں کی جیبیں ٹٹول رہے ہیں ۔ ملک صلاح الدین قادیانی کے مکتوب کی عبارت کے بعض حصص حسب ذیل ہیں :۔

" ہم قریباً سوا تین سو احمدی مسلمان قادیان ضلع گورداسپور میں مقیم ہیں ۔ ابتداء میں تو ظاہری حالات کے ماتحت قریباً یقین تھا کہ ہم موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے ۔ لیکن اب حالات روز بروز سدھرتے جاتے ہیں ۔ ہمارے یہاں قیام سے بفضلہ تعالیٰ اغوا شدہ مستورات کو بہت فائدہ ہوا ہے ۔ چونکہ کشمیر کی سرحد اس ضلع سے ملتی ہے ۔ اس لئے اس ضلع کو ممنوع قرار دیدیا گیا ہے ۔ اور یہاں پاکستان کی ملٹری یا پولیس

مستورات کو نکالنے کے لئے نہیں آسکتی۔

گذشتہ اکتوبر سے اس وقت تک ہمارے قریب کے دیہات سے پولیس نے صرف چار پانچ عورتیں برآمد کی ہیں۔ لیکن چونکہ خدا کے فضل سے اس وقت بھی قادیان میں چار جگہ سے اذان بلند ہوتی ہے۔ اس لئے جب متعدد مسلمان عورتوں کو اذان سنکر معلوم ہوا کہ ہم یہیں ہیں۔ تو وہ موقع پاکر ہمارے پاس پہنچ گئیں۔ بعض کو عیسائی ہمارے پاس پہنچا گئے۔ بعض کو خود بعض شریف مزاج سکھ پہنچا گئے۔ بعض چونکہ دیہات پر حملہ ہونے کے وقت قادیان آکر ٹھہری تھیں اس لئے انہیں علم تھا کہ یہ بھی مسلمانوں کا مرکز ہے۔ یا انہوں نے غیر مسلموں سے قادیان کا ذکر سنا تھا تو چھپ چھپا کر موقع پاکر بھاگ آئیں۔ خوف کی وجہ سے مذہب تبدیل کرنیوالی محملا قریباً اسی کی تعداد میں ہمارے پاس آئے اور ہم نے اُن کی رہائش اور خوراک کا انتظام کیا۔ اور جب ہمارے ٹرک قادیان آتے تھے تو ہم انہیں بحفاظت پاکستان پہنچا دیتے تھے اور اب سپیشل پولیس کے ذریعے انہیں پاکستان بھجوادیا جاتا ہے۔ اور ان کے اقارب کو خطوط، تار اور فون کے ذریعے اطلاع دی جاتی ہے۔ گرد و نواح کے قادیان کے علاوہ ان عورتوں میں کئی ہوشیار پور، امرتسر، فیروزپور، سیالکوٹ کے اضلاع اور ریاست جموں کی تھیں"۔

کیا اس خط کے بعد مشرقی پنجاب کے سجادہ نشین اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں۔ کہ ان کے دل میں بھی اسلام ہے۔ ؎

اس مسلمان سے سو بار ہے کافر اچھا
جس مسلماں کے پیشِ نظر انجام نہ ہو"۔ [1]

۲:۔ مسٹر ایچ آر ڈوہرا نے مشہور اخبار سٹیٹسمین (نئی دہلی) مورخہ ۱۷، ۱۸ نومبر ۱۹۴۹ء میں لکھا:۔

"قادیان (حضرت مرزا) غلام احمد (علیہ السلام) کی جائے پیدائش ہے۔ جنہوں نے ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ آپ نے اس بات کا اظہار کیا کہ آپ حضرت مسیح علیہ السلام کی صفات اور خوبو لے کر آئے ہیں۔ قادیان لاکھوں مسلمانوں کا جو احمدیہ جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مقدس مقام ہے۔ اس کی چپہ چپہ زمین احمدیوں کو محبوب ہے۔ یہ قصبہ احمدیہ جماعت کا مرکز رہا ہے۔ اور اس میں مسیح (موعود علیہ السلام) کے خلفاء کی رہائش رہی ہے۔

قادیان میں مقیم ۳۱۳ مومنین باوجود سرکاری افسران کی ابتدائی مخالفت اور غیر مسلم پناہ گزینوں کی عداوت کے قادیان میں قائم رہے۔ اس کی وجہ اپنی جماعت کے اصولوں میں ان کا غیر متزلزل ایمان، حکومت وقت کے ساتھ وفاداری اور تمام

---

[1] :۔ بحوالہ الفضل ۲۸ ہجرت/مئی ۲۷ ۱۳۲۸ ہش ۱۹۴۹ء صفحہ ۵

مذاہب کے ساتھ ان کی رواداری کی تعلیم ہے۔

احمدیہ جماعت کے افراد کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ جملہ مذاہب سے یکساں سلوک کیا جائے۔ اسی اصول کی بناء پر وہ قادیان کے ہندو، سکھ یتیموں کی مدد کرتے رہے ہیں۔ اور اب بھی جبکہ جماعت کی مالی حالت بہت کمزور ہو چکی ہے ان یتیموں کی ایک تعداد اپنے وظائف حسب معمول احمدیہ جماعت سے حاصل کر رہی ہے "۔ ؎۱

۳۔ ڈاکٹر شنکر داس مہرہ بی۔ ایس۔ سی، ایم۔ بی بی۔ ایس نے اخبار سٹیٹسمین ۱۲ر فروری ۱۹۴۹ء میں لکھا:۔

" قادیان کے مقدس شہر میں ایک ہندوستانی پیغمبر پیدا ہوا۔ جس نے اپنے گرد و پیش کو نیکی اور بلند اخلاق سے بھر دیا۔ یہ اچھی صفات اس کے لاکھوں ماننے والوں کی زندگی میں بھی منعکس ہیں۔ احمدیہ جماعت کا نقطۂ نظر تعمیری اور اس کا مذہب پابند قانون ہے۔ یہی ایک واحد جماعت ہے۔ جو عدالتی ریکارڈ کی رو سے جرم سے پاک ثابت ہوتی ہے۔ گذشتہ فرقہ وارانہ فسادات (فسادات ۱۹۴۷ء) میں بھی احمدیوں نے اپنے ہاتھ (قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ سے) صاف رکھے۔ یہ سب کچھ ان کے روحانی پیشوا کی عمدہ تعلیم کے بغیر وقوع میں نہیں آسکتا۔ قادیان کے موجودہ خلیفہ (حضرت مرزا بشیر (الدین محمود) احمد (صاحب) محبت و علوّت کا مجسمہ ہیں۔

بہت کم شخصیتوں نے اہل اسلام پر ایسا اثر ڈالا ہے جیسا (حضرت) مرزا غلام احمد (صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے۔ آپ کی عظمت کا اندازہ آپ کی شخصیت، عقیدہ اور تعلیم کے خلاف پراپیگنڈہ کی شدت سے کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ پرانے عقائد کے مسلمانوں کو اس بات کا ڈر تھا کہ اُن کے ہم خیال (احمدیت میں داخل ہو کر) کم ہوتے جائیں گے۔ حکومت ہند کو چاہیئے کہ امن اور انسانیت کے مفاد کے پیش نظر اس خالص ملکی اور ہندوستانی جماعت کو نظر انداز نہ کرے کیونکہ مناسب وقت میں احمدیہ جماعت ہمارے ملک کے تعلقات اسلامی دنیا سے مضبوط کرنے اور ہندوستان کو عظمت اور بڑائی حاصل کرانے میں ایک اہم پارٹ ادا کرے گی "۔ ؎۲

۴۔ اخبار تنظیم پشاور (۳۰ر جولائی ۱۹۵۰ء) نے لکھا:۔

" رسولؐ کے تین سو تیرہ ساتھیوں نے مکّے والوں کو شکست دی اور بعد میں مکّہ بھی فتح کیا۔ آج آپ ہی کے نقشِ قدم پر مرزا غلام احمد قادیانی ولد مرزا غلام مرتضیٰ قوم مغل سکنہ قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور کے تین سو تیرہ مرید قادیان میں ڈٹے ہوئے ہیں اور اُن کا یہ حتمی فیصلہ ہے کہ وہ رسول اکرم کے صحابہ کرام کے نقش قدم پر چل کر قادیان کی مسجد مبارک جامعہ احمدیہ اور بہشتی مقبرہ جہاں حضرت مرزا صاحب دفن ہیں کی حفاظت کے لئے تن من دھن سے مصروف

؎۱:۔ بدر ۲۰ر دسمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۶ ؎۲:۔ بحوالہ بدر ۲۰ر دسمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۶

یا دِ خدا و امدادِ خدا ہیں ۔ ان میں بہت سے عالم حافظ اور صوفی ہیں "

۵ ۔ اخبار دی سینٹینل (THE SENTINEL) رانچی نے ۱۴ر جولائی ۱۹۵۱ء کی اشاعت میں لکھا :۔

" قادیان کے نور و برکت کی حد بندی کرنے کی ضرورت نہیں ۔ تمام دنیا اس کو براہ راست یا بالواسطہ جانتی ہے کچھ عرصہ پیشتر یہ مقام زاویہ گمنامی میں پڑا ہوا تھا لیکن اکسٹھ سال پہلے ایک روحانی کیفیت اس تہذیب کے لحاظ سے پسماندہ جگہ میں ظاہر ہوئی ۔ اس کا ظہور (حضرت) مرزا غلام احمد (صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے وجود میں ہوا ۔ کاؤنٹ ٹالسٹائے (روسی مفکر) بھی ان لوگوں میں سے تھے جو آپ کے افکار عالیہ سے سیراب ہوئے ۔ انہوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ جو شخص قادیان سے کلام کر رہا ہے وہ کوئی معمولی فانی انسان نہیں ۔ فی الحقیقت دنیا کے تمام مفکرین نے جن کو آپ کی کتب و تعلیم کے مطالعہ کا موقعہ ملا ۔ آپ میں معجزہ کا ظہور اور حقیقی راحت و اطمینان پایا ۔ آپ نے دنیا پر ظاہر کیا کہ وہ خلیج جو خالق اور مخلوق کے درمیان وسیع ہو گئی ہے ۔ اس کو پاٹنا آپ کی زندگی اور بعثت کا مقصد ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام گوشوں سے لوگ آپ کے گرد و پیش جمع ہو گئے اور آپ کی ذات میں انہوں نے مسیح موعود کی بعثت کو پورا ہوتے دیکھا ۔ آجکل آپ کے ماننے والے تمام ملکوں میں اور تمام حکومتوں کے ماتحت ترقی کر رہے ہیں ۔

تقسیم ملک کے وقت قادیان میں ایک بہت بڑی تعداد علماء، سائنس دانوں اور مقدس بزرگوں کی تھی ۔

اس پس منظر کے ساتھ ہمیں چاہیئے کہ ہم موجودہ قادیان کا نظارہ کریں ۔ تاکہ ہمیں اس میں رہنے والے احمدیوں کے صبر و استقلال ۔ ایمان اور انجام کا علم ہو سکے (ہندوستان کے) احمدیوں کی پورے طور پر جانچ پڑتال کی گئی ہے ۔ ان کی حکومت کے ساتھ وفاداری کسی طرح مشتبہ نہیں اور نہ ہی کوئی کدورت یا غیر مخلصانہ رنگ ان میں پایا جاتا ہے ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کے دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ ہو ۔ حکومت ہند کے وہ وفادار ہیں ۔ دل کی گہرائیوں سے اپنی انگلیوں کے پوروں تک بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ تمام دنیا میں جس جس حکومت کے ماتحت رہتے ہیں اس کے وفادار ہیں اور جملہ پیشوایانِ مذاہب کا احترام و عزت کرنا ان کے بنیادی مذہبی اصولوں میں داخل ہے " ؎۵

۶ ۔ مشہور بھارتی اخبار ہندوستان ٹائمز کلکتہ مورخہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۵۱ء نے لکھا :۔

" قادیان جو احمدی فرقہ کے مسلمانوں کا مقدس مذہبی مرکز ہے آئندہ کرسمس کے ہفتہ میں مذہبی تقاریر سے گونجے گا ۔ اس موقع پر تقریباً آٹھ سو زائرین جن میں ایک صد کے قریب پاکستانی ہوں گے اور بقیہ ہندوستان کے

؎۵ :۔ بحوالہ بدر ۲۰ر دسمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۶

تمام حصوں سے آئیں گے ۔ جلسہ سالانہ میں شرکت کے لئے قادیان میں جمع ہوں گے ۔ اس قسم کا جلسہ آج سے ساٹھ سال پیشتر ہوا جسکی ابتداء (حضرت) مرزا غلام احمد (صاحب) بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے کی ۔ ملک کی تقسیم سے پہلے اس مقام میں دُنیا کے تمام علاقوں سے زائرین جمع ہوتے تھے لیکن تقسیم کے بعد ان کی تعداد چند سو رہ گئی ۔

..... احمدیہ جماعت بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے ۔ کیونکہ اس کی شاخیں یورپ اور ایشیا کے مختلف ممالک افریقہ اور شمالی اور جنوبی امریکہ کے متفرق حصوں اور آسٹریلیا میں پھیلی ہوئی ہیں ۔ ہر جگہ اس کے ماننے والے اپنی مخصوص تعلیم اور تبلیغی سرگرمی کے لئے ممتاز اور نمایاں ہیں ۔ احمدیوں کی تعداد کا اندازہ دس لاکھ کے قریب ہے ۔ پرانے خیالات کے مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف مسلمانوں کی یہ جماعت ان اختلافات کو جو مختلف قوموں اور مذاہب میں پائے جاتے ہیں تسلیم کر کے یہ مناسب سمجھتی ہے کہ ان اختلافات کو جبر اور طاقت سے نہ مٹایا جائے بلکہ وعظ اور نصیحت اور باہمی مفاہمت سے دُور کیا جائے ۔ احمدیہ جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ تمام مذاہب جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے کے مدعی ہیں اور ایک لمبے عرصہ سے دُنیا میں قائم ہیں ۔ وہ یقیناً سچے اور خدا کی طرف سے ہیں ۔ گو یہ ہو سکتا ہے کہ لمبا زمانہ گزرنے کی وجہ سے ان کی تعلیم میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہو اور انکی روحانی طاقت کمزور ہو گئی ہو ۔

احمدیت کی تعلیم کی رُو سے یہ ناجائز ہے کہ مذہبی معاملات میں طاقت اور جبر کا استعمال کیا جائے ۔ عقیدہ، ضمیر اور عمل کی آزادی احمدیوں کے نزدیک ہر مذہب کا بنیادی حق ہے ۔ اور جہاد کا خیال جس رنگ میں پرانے خیالات کے دوسرے مسلمانوں میں رائج ہے جس کی رُو سے مذہب کے نام پر جبر اور طاقت کا استعمال جائز ہے احمدیت اس کو نہیں مانتی ۔

سیاسی لحاظ سے احمدیہ جماعت کا یہ اصول اور طریق ہے کہ احمدی جس ملک یا علاقہ میں بھی رہتے ہیں وہاں کی قائم شدہ حکومت کے وفادار ہوتے ہیں ۔ اور ہر رنگ میں ملک کے قانون اور دستور کی اطاعت کرتے ہیں ۔ یہ بات ان کے بنیادی اصولوں اور مذہبی عقائد میں شامل ہے کہ وہ حکومت کے ساتھ تعاون کریں اور کسی صورت میں بھی سٹرائیک (ہڑتال)، تحریک عدم تعاون یا کسی بغاوت یا غیر قانونی کارروائی میں شامل نہ ہوں ۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران میں (حضرت) مرزا بشیر الدین محمود احمد (صاحب) اپنے ایک ہزار سے زائد پیروؤں کے ساتھ پاکستان ہجرت کر گئے ۔ آپ اپنے پیچھے تین صد کے قریب اپنے مخلص پیرو مذہبی مرکز کی حفاظت کیلئے چھوڑ گئے ۔

پاکستان میں آپ نے عارضی مرکز پہلے لاہور میں قائم کیا اور پھر ربوہ میں ۔ اب تک بھی قادیان اہم مرکز ہے ۔ اور یہیں سے صدر انجمن احمدیہ قادیان اپنی ۱۲۵ شاخوں کی جو ہندوستان کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی

ہیں۔ دیکھ بھال اور نگرانی کرتی ہے۔

موعود نبی کی ایک پیشگوئی کے مطابق احمدیہ جماعت اس بات پر پورا یقین رکھتی ہے کہ قادیان دوبارہ جماعت کا ایک زندہ، فعّال اور معمور مرکز بن جائے گا۔" [1]

۷۔ روزنامہ "اجیت" جالندھر (مورخہ ۱۲ر مئی ۱۹۵۳ء) نے لکھا:۔

"ہمیں خوشی ہے۔ کہ اس وقت جماعت احمدیہ قادیان کے معزز افراد ان تعلقات محبّت کو مضبوط کرنے کے لئے پے در پے سکھ بھائیوں کے ساتھ ہمدردی اور تعاون کا سلوک کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے کئی دفعہ اپنے تعاون اور محبّت کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ ان کے اچھے سلوک سے ہم ان تلخ باتوں کو جو تقسیم ملک کے وقت ہمارے سامنے آئیں بھولتے جاتے ہیں۔

کچھ عرصہ پیشتر چند شرارت پسند لوگوں نے ہمیں احمدیہ جماعت کی طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور ہم حقیقتاً ان کے ادارہ اور صُلح کُل جماعت سے بدظن رہے۔ لیکن اب اس جماعت کو قریب سے دیکھنے اور اس سے پریم بڑھانے سے معلوم ہوا۔ کہ اس جماعت کے لوگ بہت ہی با اخلاق اور روادار ہیں اور بہت بلند خیالات کے مالک ہیں۔ اُمید ہے کہ ایسے لوگوں سے ہی دوبارہ محبّت اور سلوک پیدا ہوگا اور آپس میں جھگڑا اور فساد مٹ جائے گا۔" [2]

۸۔ سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون ایڈیٹر "ریاست" دہلی نے اپنے مؤقر اخبار میں متعدد بار عام احمدیوں کی عموماً درویشوں کی پاک نہاد اور خدا نما جماعت کی خصوصاً بہت تعریف کی مثلاً ۱۳ر نومبر ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں لکھا:۔

"ہم کہہ سکتے ہیں کہ جہاں تک اسلامی شعار کا تعلق ہے ایک معمولی احمدی کا دوسرے مسلمانوں کا بڑے سے بڑا مذہبی لیڈر بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ احمدی ہونے کے لئے یہ لازمی ہے۔ کہ وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور دوسرے اسلامی احکام کا عملی طور پر پابند ہو۔ چنانچہ ایڈیٹر "ریاست" کو اپنی زندگی میں سینکڑوں احمدیوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اور ان سینکڑوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں دیکھا گیا۔ جو کہ اسلامی شعار کا پابند اور دیانتدار نہ ہو۔ اور ہمارا تجربہ ہے۔ کہ ایک احمدی کے لئے بددیانت ہونا ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ خدا سے ڈرتے ہی نہیں بلکہ خدا سے بدکتے ہیں۔ اور ان کے مبلّغین کو دیکھ کر تو عیسائیوں کے بلند کیریکٹر کے وہ پادری یاد آجاتے ہیں جن کے اُسوہ حسنہ کو دیکھ کر ہندوستان کے لاکھوں انسانوں نے عیسائیت کو قبول کیا۔" [3]

---

[1] :۔ بحوالہ الفرقان "درویشانِ قادیان نمبر" صفحہ ۱۳۲۔ [2] :۔ ایضاً صفحہ ۱۳۷۔

[3] :۔ ایضاً صفحہ ۱۳۷۔

۱۶ر مارچ ۱۹۵۲ء کے الشوریٰ میں لکھا :۔

" جو لوگ احمدیوں کے مذہبی کیریکٹر اور ان کے بلند شعار سے واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر دُنیا کے تمام احمدی ہلاک ہو جائیں، ان کی تمام جائیداد لُوٹ لی جائے۔ صرف ایک احمدی زندہ بچ جائے۔ اور اُس احمدی سے یہ کہا جائے۔ کہ اگر تم بھی اپنا مذہبی شعار تبدیل نہ کرو گے تو تمہارا بھی یہی حشر ہو گا۔ تو یقیناً دُنیا میں زندہ رہنے والا یہ واحد احمدی بھی اپنے شعار کو نہیں چھوڑ سکتا۔ مرنا اور تباہ ہونا قبول کرے گا " ۔ لہ

" ریاست " (۲ر دسمبر ۱۹۵۸ء) میں یہ ریمارکس دیئے :۔

" یہ واقعہ انتہائی دلچسپ ہے۔ کہ جب مشرقی پنجاب میں خونریزی کا بازار گرم تھا۔ مسلمانوں کا مسلمان ہونا ہی ناقابلِ تلافی جرم تھا۔ مشرقی پنجاب کے کسی ضلع کے کسی مقام پر بھی کوئی مسلمان باقی نہ رہا۔ اور یا تو پاکستان چلے گئے۔ اور یا قتل کر دیئے گئے۔ تو قادیان میں چند درویش صفت احمدی تھے جنہوں نے اپنے مقدس مذہبی مقامات کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ اور انہوں نے ننگِ شرافت لوگوں کے ننگِ انسانیت مظالم برداشت کئے۔ اور جنکو بلاخوف تردید مردِ مجاہد قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور جن پر آئندہ کی تاریخ فخر کرے گی۔ کیونکہ امن اور آرام کے زمانہ میں تو ساتھ دینے والی تمام دنیا ہوا کرتی تھی۔ ان لوگوں کو انسان نہیں فرشتہ قرار دیا جانا چاہیئے۔ جو اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھکر اپنے شعار پر قائم رہیں۔ اور موت کی پرواہ نہ کریں۔ اب بھی ...... قادیان کے درویشوں کے اسوۂ حسنہ کا خیال آتا ہے تو عزت و احترام کے جذبات کے ساتھ گردن جھک جاتی ہے۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ یہ ایسی شخصیتیں ہیں جن کو آسمان سے نازل ہونے والے فرشتے قرار دینا چاہیئے "۔

۹ - شری بلدیو متر صاحب ایڈیٹر " راہی " دہلی کے تاثرات یہ ہیں :۔

" دُنیا جہان میں کچھ شخصیتیں ایسی اُترتی ہیں جو ہمیشہ ہمیش کیلئے اپنے نقش عوام کی راہنمائی کے لئے چھوڑ جاتی ہیں۔ چنانچہ قادیان بھی ایسی ہی ایک شخصیت کا نقش ہے جس سے لوگ ایسا درس حاصل کر سکتے ہیں جو انہیں اس حقیقی منزل کی طرف لے جا سکے۔ جہاں محبت، اخوت اور رواداری ہے۔ کاش میرے ملک کے لوگ اس منارہ سے جو آسمان کی بلندیوں تک پہنچ کر ان کو یہی روشنی عطا کرتا ہے وہ روشنی حاصل کرتے جس سے ان کے دلوں کی کدورتیں مٹ جاتیں۔ اور وہ باہم مل جل کر زندگی بسر کرنا سیکھتے۔ خیر! میرا یقین ہے کہ قادیان میں تعمیر شدہ منار صلح آشتی کا پیغام دیتا رہے گا۔ میری یہاں آمد بالکل اتفاقیہ ہے۔ کافی برسوں سے اس مقام کی زیارت کا شوق رہا

لہ : بحوالہ الفرقان " درویشانِ قادیان نمبر " صفحہ ۱۳۶ - ۱۳۷ ۔

لیکن وقت کا انتظار لازمی ہے ۔ مدت کے بعد یہ آرزو برآئی ۔ میری تمنا ہے کہ اس خزاں رسیدہ چمن میں پھر پہلی سی بہار و شگفتگی جلد آئے۔" ۱؎

۱۰ ۔ اخبار "المنبر" (لائل پور) نے لکھا :۔

"یہ وہ واحد جماعت ہے جس کی ۳۱۳ افراد تقسیم کے لمحہ سے آج تک قادیان میں موجود ہیں اور وہاں اپنے مشن کے لئے کوشاں بھی ہیں اور منظّم بھی"۔ ۲؎

۱۱ ۔ رسالہ چٹان (لاہور) نے لکھا :۔

"ہم عاجز ہیں اور ہمیشہ ہی اپنے عجز کا اقرار کیا ہے ۔ لیکن اتنے ہیٹے بھی نہیں کہ جماعت اسلامی کے ارکان کو اولیاء اللہ کی صف میں جگہ دیں اور خود مرید با صفا بنے رہیں ۔ آدمی تو ہر شخص اکٹھا کر لیتا ہے ۔ مرزا غلام احمد نے بھی اکٹھے کر لئے تھے رفقاء کی ایک بہت بڑی جماعت اس کی جانثار ہے ۔ پھر یہ واقعہ نہیں ؟ کہ "دار السلام" کے جاپانی بزرگ دنوں میں اکثر برقعے پہن کر بھاگ نکلے تھے ۔ مگر مرزا غلام احمد کے پیرو آج تک قادیان کی حفاظت تین سو تیرہ کی جتھہ بندی سے کر رہے ہیں"۔ ۳؎

فصل چہارم

برصغیر میں جماعتِ احمدیہ کی قبل از تقسیم درسگاہیں

تقسیم ہند سے قبل جماعت احمدیہ کے حسب ذیل مدارس تھے :۔

تعلیم الاسلام کالج قادیان ۔ جامعہ احمدیہ قادیان ۔ مدرسہ احمدیہ قادیان ۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان ۔ نصرت گرلز ہائی سکول قادیان ۔ نصرت گرلز مڈل سکول قادیان ۔ احمدیہ پرائمری سکول ننکار ماچھیاں ضلع گورداسپور ۔ احمدیہ پرائمری سکول الھوال ضلع گورداسپور ۔ احمدیہ پرائمری سکول سیکھواں ضلع گورداسپور ۔ تعلیم الاسلام مڈل سکول کاٹھگڑھ ضلع ہوشیارپور ۔ احمدیہ پرائمری سکول شورت کشمیر ۔ احمدیہ پرائمری سکول ہرڈی بالا کشمیر ۔ تعلیم الاسلام مڈل سکول چارکوٹ کشمیر ۔ احمدیہ پرائمری سکول کیرنگ اڑیسہ ۔ احمدیہ پرائمری سکول کرڈاپلی مالابار ۔ نصرت گرلز مڈل سکول گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ ۔ احمدیہ پرائمری

۱؎ ۔ الفرقان "درویشان قادیان نمبر" صفحہ ۱۳۶ ۔ ۲؎ ۔ "المنبر" ۲ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۰ کالم ۴ ۔
۳؎ ۔ چٹان جلد ۱۱ شمارہ ۴ صفحہ ۶ (سنہ ۱۹۶۱ء) ۔

سکول شادیوال ضلع گجرات ۔ احمدیہ پرائمری سکول کھاریاں ضلع گجرات ۔ ؎۵

قادیان کی مرکزی درسگاہوں کا پاکستان میں احیاء

چونکہ فسادات کے دوران قادیان اور مشرقی پنجاب اور کشمیر کے جملہ مدارس بند ہو گئے تھے اور احمدی نونہالوں کی تعلیم و تربیت کو سخت دھکہ لگنے کا اندیشہ تھا اس لئے حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے حکم دیا کہ تعطیلات کے بعد قادیان کی مرکزی درسگاہوں کو جاری کرنیکا فوری انتظام کیا جائے ۔ چنانچہ حضور کی توجہ اور حضور کے خدام کی انتھک اور شبانہ روز کوششوں سے ماہ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء کے دوران ہی احیاء عمل آگیا ۔ جو پیش آمدہ حالات میں یقیناً ایک حیرت انگیز کارنامہ تھا جس کی کوئی مثال مسلمانان مشرقی پنجاب کے کسی دوسرے مہاجر ادارے میں نہیں مل سکتی ۔

تعلیم الاسلام کالج

تعلیم الاسلام کا دوبارہ قیام کس بے سروسامانی کے عالم میں ہوا اور کس طرح اس نے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ) کی نگرانی میں جلد جلد ارتقائی منازل طے کئے ؟ اسکی تفصیل تاریخ احمدیت جلد دہم (صـ تا صـ ۱۶۸) میں آچکی ہے جسکے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ۔

جامعہ احمدیہ و مدرسہ احمدیہ

صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی پہلی سالانہ رپورٹ ۱۳۲۶ - ۲۷ہش / ۱۹۴۷ - ۴۸ء میں جامعہ احمدیہ اور مدرسہ احمدیہ کے الحاق اور از سر نو قیام کی روداد حسب ذیل الفاظ میں درج ہے :-

" موسمی تعطیلات ۱۹۴۷ء تک جامعہ احمدیہ اور مدرسہ احمدیہ قادیان میں بخیر و خوبی جاری رہے ۔ مگر تعطیلات کے دوران میں جو طلباء اپنے گھروں میں گئے وہ فسادات کی وجہ سے واپس نہ آسکے ۔ اس لئے تعطیلات کے اختتام پر قادیان میں بوجہ ہنگامی حالات ہونے کے یہ مدارس جاری نہ کئے جاسکے ۔

مورخہ ۱۰ / نومبر ۱۹۴۷ء کو جامعہ احمدیہ اور مدرسہ احمدیہ کے اساتذہ لاہور آئے ۔ اور سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے ماتحت ۱۳ / نومبر سے دونوں ادارے لاہور میں جاری کر دیئے گئے ۔ مگر جگہ کی تنگی کی وجہ سے نیز ہوسٹل کی سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے ان دونوں اداروں کو چنیوٹ منتقل ہونے کا حکم دیا گیا ۔ پھر دو ماہ کے بعد پرنسپل صاحب (مولانا ابو العطاء صاحب) کی درخواست پر دونوں ادارے احمد نگر میں منتقل کئے گئے جہاں یہ اب تک قائم ہیں ۔

عرصہ زیر رپورٹ میں مدرسہ احمدیہ کی جماعت اوّل، دوم و سوم اور جامعہ احمدیہ کے درجہ اُولیٰ اور ثانیہ اور ثالثہ کا نتیجہ ۹۸ فی صدی رہا ۔ پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل کے امتحان میں ہمارے صرف چار طلبہ شامل ہوئے اور چاروں پاس ہوئے ۔ نتیجہ سو فیصدی رہا ۔ اس امتحان میں مولوی عطاء الرحمٰن صاحب طاہر یونیورسٹی میں دوم رہے اور مولوی عبد اللطیف صاحب ستکوہی سوم رہے ۔

؎۵ :- رپورٹ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۱۳۲۶ - ۲۷ہش / ۱۹۴۷ - ۴۸ء صـ ۱۳ تا ۱۷ ؛

نظارت تعلیم کی ہدایات کے مطابق جامعہ احمدیہ اور مدرسہ احمدیہ میں سات عدد علمی مجالس قائم کی گئیں ان مجالس نے مضامین فقہ، حدیث، تاریخ، ادب، کلام اور منطق و فلسفہ میں تحقیقی کام شروع کیا جسے سیدنا حضرت امیر المومنین، ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے پسند فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ مجالس کا یہ سسٹم ہائی سکول میں بھی قائم کیا جائے ....

جامعہ احمدیہ اور مدرسہ احمدیہ میں بھی ہائی سکول کی طرح ابتداء میں طلباء کی سخت کمی اور مشکلات کا ہجوم رہا لیکن رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی کہ ہم مشکلات پر قابو پائیں۔ اس وقت طلباء کی تعداد ۵۵ ہے۔ ابتداءً ۲۰ طلباء سے زائد حاضر نہ تھے۔ مزید چونکہ سٹاف کے چار اساتذہ[1] ہجرت کے بعد سلسلے کے نظام کے ماتحت قادیان میں ہی ٹھہرے رہے اور اب تک ٹھہرے ہوئے ہیں اس لئے حضور کے ارشاد کے مطابق دونوں اداروں کو مشترک کر دیا گیا اور پرنسپل صاحب جامعہ (مولوی ابو العطاء صاحب) کو دونوں اداروں کا چارج دیدیا گیا۔ احمد نگر میں طلبہ کے انہماک اور علمی ترقی کو دیکھکر جناب ڈپٹی کمشنر صاحب جھنگ لالیاں تشریف لائے اور اہل قصبہ کی طرف سے ایک ایڈریس پیش کیا گیا جس میں ہمارے اساتذہ اور طلبہ نے بھی شرکت کی۔ ڈپٹی کمشنر کی سفارش پر جامعہ احمدیہ کو احمد نگر کے قریب ایک مربع زمین الاٹ ہوئی۔ جو اب بطور گراؤنڈ استعمال کی جارہی ہے۔

مجالس علمی میں تو طلبہ اپنے رجحان کے مطابق شریک ہی ہیں۔ لیکن یہ بھی مناسب سمجھا گیا کہ جامعہ کی طرف سے ایک علمی مجلہ بھی شائع کیا جایا کرے۔ چنانچہ سہ ماہی المنشور[2] کا اجراء ہو گیا ہے۔

بورڈنگ مدرسہ احمدیہ کا انتظام چوہدری غلام حیدر صاحب کے سپرد رہا اور جامعہ احمدیہ کے ہوسٹل کا مولوی ارجمند خاں صاحب کے سپرد۔ مولوی ارجمند خاں صاحب کے رخصت پر جانے سے مولوی ظفر محمد صاحب نے ہوسٹل کا کام سنبھال لیا جو وہ بھی تسلی بخش طور پر کر رہے ہیں۔

فسادات کے دوران میں بھی اور ہجرت کے بعد کام کو شروع کرنے میں بھی مولوی ابو العطاء صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ، مولوی ظفر محمد صاحب اور دیگر اساتذہ کی کوشش قابل شکریہ ہے۔"[3]

---

[1] یعنی حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحب جٹ۔ مولوی شریف احمد صاحب امینی۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی۔ مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری۔

[3] رپورٹ سالانہ ۱۳۲۶-۲۷ ہش صفحہ ۱۶۱-۱۶۲۔ [2] المنشور کا پہلا شمارہ ۳۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو شائع ہوا جو ۱۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس شمارہ میں چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب وزیر خارجہ پاکستان کے ایک اہم مضمون "اساتذہ اور طلبہ کے لئے نہایت ضروری ہدایات" کے علاوہ کوائف جامعہ و مدرسہ احمدیہ۔ ارجنٹائن کے احمدی مبلغ کی پاکیزہ زندگی، صحاح ستہ کے مصنفین کے حالات۔ نظریہ اشتراکیت پر تبصرہ، تاریخ کی ابتداء، علم کلام کے متعلق قرآن مجید کا زریں اصول، جامعہ احمدیہ کے فارغ التحصیل چالیس علماء کے موضوعات بھی شامل اشاعت تھے۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول

صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی پہلی سالانہ رپورٹ میں تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ابتدائی کوائف پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ :-

"تعلیم الاسلام ہائی سکول کا سٹاف ۳۱ را کتوبر ۱۹۴۷ء کو لاہور پہنچا۔ اور ۶ر نومبر ۱۹۴۷ء کو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کے ارشاد کے بموجب چنیوٹ میں منتقل ہوا۔ چنیوٹ میں ہمیں ملک بھگوان داس کی بلڈنگ الاٹ ہوئی۔ جہاں ہمارے آنے سے پہلے ہندو پناہ گزین ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہوں نے جاتے وقت سکول کی تمام کھڑکیاں، دروازے، الماریاں اور دیگر سامان جلا ڈالا تھا۔ حتیٰ کہ روشندان تک جل گئے تھے۔ اور بیرونی چار دیواری بھی محفوظ نہ تھی۔

چنیوٹ پہنچ کر مکرم سید محمود اللہ شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر ہائی سکول نے فوری طور پر تمام انتظام سنبھالا۔ مختلف اساتذہ کو ضروریات زندگی کی بہم رسانی پر مقرر کیا گیا۔ بعض کو راشن فراہم کرنے کے لئے اور بعض کو حصول مکانات پر مقرر فرمایا اسی دوران میں سردیوں کیلئے لحاف، دریاں اور دیگر پارچات حاصل کئے گئے اور پھر پڑھائی شروع ہوئی۔

پہلے دن سکول میں صرف ۵۲ طلبہ حاضر تھے۔ جن کے لئے نہ مکان کا انتظام تھا اور نہ ہی مناسب قیام کا۔ مگر رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔ اور ہمیں پانچ مکان رہائش کے لئے مل گئے۔ اس کے علاوہ ایک بلڈنگ بطور بورڈنگ بھی استعمال میں لائی گئی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کے احسن انتظام کے مطابق طلباء سکول اور بورڈنگ میں ہر روز وقارِ عمل مناتے اور فرش و دیواروں وغیرہ کی مکمل صفائی کرتے۔ آہستہ آہستہ طلباء کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہوا۔ چنانچہ ایک ماہ کے بعد جب انسپکٹر صاحب محکمہ تعلیم کی طرف سے سکول کا معائنہ ہوا۔ تو طلبہ کی تعداد ۱۸۰ تھی۔ اور اس کے علاوہ طلبہ کی محنت اور پڑھائی بھی اسی ذوق شوق کے ساتھ جاری تھی۔ انسپکٹر صاحب نے معائنہ پر اطمینان کا اظہار کیا۔

جناب ڈپٹی کمشنر صاحب جھنگ نے ہمیں سکول کے لئے اینٹیں اور عمارتی لکڑی عطا فرمائی جس سے طلباء کے لئے عارضی طور پر بنچ بنوائے گئے۔ اور کچھ کرسیاں اور میزیں بھی بنوائی گئیں۔ اس کے علاوہ محکمہ تعلیم کی طرف سے مبلغ -/۵۰۰۰ روپیہ بطور امدادی گرانٹ بھی عطا ہوا۔ آخر اپریل میں طلبہ کی تعداد ۲۲۵ ہوگئی اور بورڈران کی تعداد بھی ۱۰۰ کے لگ بھگ ہوگئی۔ بعض میں اور خطوط کے ذریعے سے والدین کو توجہ دلائی گئی کہ وہ اپنے لڑکوں کو تعلیم الاسلام ہائی سکول میں تعلیم کے لئے بھیجیں۔ اس کا بفضل خدا خاطر خواہ نتیجہ ہوا۔ چنانچہ آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے تعداد طلباء ۳۰۰ سے زائد ہو چکی ہے اور روز بروز بڑھ رہی ہے چونکہ طلباء کی تعداد شروع میں نسبتاً کم تھی۔ اور بجٹ میں بھی کئی مدات میں تخفیف کی گئی تھی۔ اس لئے تعلیم الاسلام ہائی سکول کے نصف سے زیادہ سٹاف کو تخفیف میں لایا گیا۔ گو ان اساتذہ کی خدمات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم نے یہ وعدہ بھی کیا۔ کہ انہیں انشاء اللہ تعالیٰ عند الضرورت واپس بلا لیا جائیگا۔ اب ان میں سے بعض اساتذہ کو واپس بلایا جارہا

ہے۔ اس موقع پر نظارت (تعلیم و تربیت) خصوصاً سید محمود اللہ شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر ہائی سکول، چوہدری عبد الرحمن صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی سپرنٹنڈنٹ، سید عمیع اللہ شاہ صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی، ماسٹر محمد ابراہیم صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی، مکرم صوفی محمد ابراہیم صاحب بی۔ ایس۔ سی کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ کہ انہوں نے سکول کو کامیاب بنانے میں انتھک کوشش کی اور طلباء کو ہر قسم کی سہولتیں پہنچاتے رہے"۔ [1]

نصرت گرلز ہائی سکول و مڈل

نصرت گرلز ہائی سکول و مڈل سکول کے اجراء کی نسبت اسی رپورٹ میں لکھا ہے کہ:۔

"یہ دونوں زنانہ ادارے قادیان میں موسمی تعطیلات تک بخیر و خوبی جاری تھے۔ ہائی سکول میں طالبات کی تعداد ۵۸۹ تھی اور گرلز مڈل سکول میں ۳۹۵ طالبات تھیں۔ استانی امۃ الرحمن صاحبہ بی۔ اے بی ٹی اور استانی امۃ العزیز عائشہ صاحبہ علی الترتیب ہائی سکول اور مڈل سکول میں ہیڈ مسٹرس کے فرائض ادا کر رہی تھیں مگر فسادات کی وجہ سے ہمیں دونوں زنانہ اداروں کو موسمی تعطیلات سے بھی کچھ دن پہلے بند کرنا پڑا۔

ہجرت کے بعد جب لاہور میں قیام ہوا۔ تو طالبات کی تعلیم کا انتظام نہایت ہی غیر تسلی بخش حالت میں تھا۔ ہمیں محکمہ کی طرف سے گرلز سکول کی کوئی بلڈنگ الاٹ نہیں ہوئی تھی اور جو محکمہ عمارتیں دے رہا تھا وہ انتظامی لحاظ سے اور بوجہ نامناسب ماحول کے ہمیں پسند نہ تھیں۔ اس لئے عملی طور پر زنانہ سکول رتن باغ کے پچھلے احاطہ میں بہت ہی مجبوری کی حالت میں جاری کیا گیا۔ لڑکیوں کی کل تعداد صرف ۵۰ کے قریب تھی مگر بارش اور دھوپ میں مناسب انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی طالبات کو دوسرے سکولوں میں داخل ہونا پڑا۔ رتن باغ کے پچھلے احاطہ میں ایک سکول کی عمارت موجود بھی تھی مگر وہاں لجنہ اماء اللہ کے زیر اہتمام کئی مستورات ٹھہری ہوئی تھیں..... ان شدید تکالیف کے باوجود طالبات کسی نہ کسی حد تک استانیوں سے پڑھتی رہیں۔ گو اسے ہم کوئی منظم صورت نہیں کہہ سکتے۔ البتہ جامعہ نصرت کی طالبات کو استانی محمدی بیگم صاحبہ وقت دیتی رہیں۔ اور ان طالبات نے پڑھائی جاری رکھی"۔ [2]

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے عارضی دفتر کا قیام

سلسلہ احمدیہ کی مرکزی تربیتی تنظیموں میں سے مجلس خدام الاحمدیہ نے سب سے پہلے پاکستان میں اپنا دفتر قائم کیا۔ [3]

---

[1]:۔ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۱۳۲۶-۲۷ ہش / ۱۹۴۷-۴۸ء صفحہ ۱۴-۱۵ + [2]:۔ ایضاً صفحہ ۱۶-۱۷ +

[3]:۔ قائمقام معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے الفضل (۸ ماہ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲) میں اعلان کیا کہ:۔

"قادیان جانے اور آنے اور دیگر رسل و رسائل کے ذرائع چونکہ بند ہیں اس لئے عارضی طور پر دفتر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ۴ میکلوڈ روڈ لاہور پر کھول دیا گیا ہے۔ خدام اور مجالس کو چاہیئے کہ آئندہ دفتر خدام الاحمدیہ مرکزیہ سے متعلق ہر قسم کی خط و کتابت مندرجہ بالا پتہ پر فرمائیں۔ البتہ چندہ خدام الاحمدیہ محاسب صاحب صدر انجمن احمدیہ پاکستان جودھامل بلڈنگ لاہور کے نام بھجوایا جائے"

حضرت صدر محترم کا پیغام خدام الاحمدیہ کے نام

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ۱۶ ماہ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو قادیان سے لاہور تشریف لائے۔ آپ نے یہاں پہنچتے ہی ایک اہم قدم یہ اُٹھایا کہ نوجوانان احمدیت کی تنظیم نو کی طرف توجہ فرمائی اور اس ضمن میں اخبار الفضل (۱۲ نبوت ۱۳۲۶ ہش) میں خدام الاحمدیہ کے نام مندرجہ ذیل پیغام دیا:۔

"قادیان عارضی طور پر ہمارے ہاتھوں سے جا چکا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مومن کا بھروسہ چونکہ محض اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ چونکہ خدا تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق ہو رہا ہے اس لئے ہمیں پختہ یقین ہے کہ یہ سب دُکھ اور مصائب محض ہماری ترقیات کے لئے ہیں۔ اگر ہم اپنے آپ کو ان وعدوں کا اہل بنائیں اور یہی ہمارے لئے غور کا مقام ہے۔ کیا ہم ان وعدوں کے اہل ہیں؟ کیا ہم ان مصائب میں اپنے ایمان اور اخلاق پر پختگی سے قائم ہیں؟ کیا ہم نے یہ عہد کر لیا ہے کہ اب دُنیا کے آرام سے ہم اسی وقت متمتع ہوں گے جب روحانی اور جذباتی آرام ہمیں پھر سے حاصل ہو جائیگا۔ جب ہمارا قادیان پہلے کی مانند ہمارا ہو جائیگا؟ اگر ایسا ہے تو ہم نے سب کچھ کھو کر بھی کچھ نہیں کھویا۔

اگر ہم اپنے مولیٰ کی رضا پر راضی ہیں۔ اگر ہم اپنے اوقات، مال، جان اور آرام کو خدا تعالیٰ کے لئے قربان کرنے کو تیار ہوں تو وہ دن دُور نہ ہوں گے جب ہم پھر سے اپنے "معاد" کی طرف فتح و کامرانی کے ساتھ واپس لوٹیں گے جیسا کہ خدا تعالیٰ کا ہم سے وعدہ ہے۔ اے خدا جلد ایسا ہی کر (آمین)

اس نازک دَور میں خدام پر بہت ہی اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں اس دَور کی نزاکت کے سمجھنے اور اس کی ذمہ داریوں کے نباہنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین"

فصل پنجم

حضرت سیدنا المصلح الموعود کے چھ نہایت بصیرت افروز اور معلومات افزا لیکچر "پاکستان اور اُسکا مستقبل" کے اہم موضوع پر

حضرت سیدنا المصلح الموعود کے دل میں زبردست تڑپ تھی کہ پاکستان کی نوزائیدہ مملکت کی اسلامی عمارت کو جلد سے جلد اوجِ ثریا تک پہنچتے ہوئے دیکھ لوں۔ حضور اس یقین سے لبریز تھے کہ آزادی کے بعد پاکستانیوں کے سامنے ترقی کے لئے غیر محدود ذرائع ہیں کہ اگر وہ

ان کو اختیار کریں تو دنیا کی کوئی قوم اُنکے مقابلہ میں ٹھہر ہی نہیں سکتی۔ اور پاکستان کا مستقبل نہایت شاندار ہو سکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضور پاکستان کو عالمگیر اسلامستان کی بنیاد تصور فرماتے تھے اور اس بنیاد کو اپنے مقدس ہاتھوں سے مضبوط سے مضبوط تر کرتے چلے جانا اب آپ کی زندگی کا نصب العین بن چکا تھا جو کسی لمحہ اور لحظہ بھی آپ کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتا تھا۔ جماعت احمدیہ جس کے آپ روحانی پیشوا اور مذہبی لیڈر تھے دُنیا میں پھیلی ہوئی جماعت تھی جس کو نہایت قیامت خیز صورت حال سے دوچار ہو کر اپنے پیارے مرکز سے محروم ہونا پڑا تھا اور اسکے مرکزی نظم و نسق اور اس کے افراد جماعت کی بحالی کا سخت مشکل، پیچیدہ اور کٹھن مرحلہ درپیش تھا جسکی وجہ سے آپ کی مصروفیات جو ہمیشہ غیر معمولی رہتی تھیں انتہا تک پہنچ چکی تھیں مگر اس کے باوجود استحکام پاکستان کے لئے آپ کا علمی و قلمی جہاد برابر جاری رہتا تھا۔

چنانچہ پہلے تو حضور نے پاکستان کے ضروری مسائل پر قلم اُٹھایا ازاں بعد ملک کے مدبروں، دانشوروں اور سیاسی و قومی سوجھ بوجھ رکھنے والوں کو براہ راست اپنے خیالات سے آگاہ کرنے کے لئے لاہور میں نہایت فاضلانہ پُرمعارف، معلومات افزاء اور بصیرت افروز لیکچروں کا ایک سلسلہ جاری فرمایا جو ۲ ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۰ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء تک نہایت کامیابی سے جاری رہا جو آپ کی حیرت انگیز فہم و فراست کا شاہکار تھا اور جسے تاریخ پاکستان میں ہمیشہ سنگ میل کی حیثیت حاصل رہے گی۔

لیکچروں کے موضوعات

لیکچروں کے اس سلسلہ میں حضور نے مندرجہ ذیل مسائل پر روشنی ڈالی:۔

(۱) پاکستان کا مستقبل دفاع، زراعت اور صنعت کے لحاظ سے (۳ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء)

(۲) پاکستان کا مستقبل نباتی، زرعی، حیوانی اور معدنی دولت کے لحاظ سے (۷ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء)۔

(۳) پاکستان کا مستقبل معدنی دولت کے لحاظ سے (۱۳ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء)۔

(۴) پاکستان کا مستقبل اس کی بری، فضائی اور بحری دفاعی طاقت کے لحاظ سے (۲۰ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء)۔

(۵) بحری طاقت اور سیاست کے لحاظ سے پاکستان کا دفاع (۱۰ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء)۔

(۶) پاکستان کا آئین (۱۷ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء)۔

صدارت کرنیوالی شخصیتیں

ابتدائی پانچ لیکچر مینارڈ ہال کالج میں ہوئے اور آخری لیکچر یونیورسٹی ہال میں ہوا۔ ان لیکچروں میں بالترتیب مندرجہ ذیل قومی شخصیتوں نے صدارت کے فرائض انجام دیئے:۔

(۱) جسٹس محمد منیر صاحب۔

(۲) ملک فیروز خان صاحب نون۔

(۳) ملک عمر حیات صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی۔

(۴) میاں فضل حسین صاحب۔

(۵)، (۶) شیخ سر عبدالقادر صاحب بالقابہ۔

علمی طبقہ کی طرف سے زبردست خراج تحسین

ان لیکچروں میں حضور نے اتنی تفصیل کے ساتھ ملک و قوم کے جملہ اہم مسائل میں پاکستانیوں کی راہ نمائی فرمائی اور انکے سامنے پاکستان کے شاندار مستقبل کے تعلق میں ایسے ایسے پہلو بے نقاب کئے کہ سننے والے دنگ رہ گئے۔ اور تسلیم کیا کہ یہ پاکستان کی ایک بے مثال خدمت ہے اور یہ کہ ارباب حل و عقد کو چاہیئے کہ آپ کے قیمتی مشوروں سے استفادہ کرکے پاکستان کو مضبوط و مستحکم بنائیں۔

چنانچہ ملک عبدالقیوم صاحب پرنسپل لاء کالج نے ۴ر دسمبر ۱۹۴۷ء کو حضور کی خدمت میں لکھا:۔

"پیارے حضرت صاحب

کل میں نے پاکستان سے متعلق آپ کا لیکچر نہایت دلچسپی سے سنا اور بہت فائدہ اٹھایا۔ لیکچر نہ صرف نئے علوم پر مشتمل تھا بلکہ امید اور جرأت و دلیری کی روح سے بھی معمور تھا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے دوسرے سننے والے ساتھی بھی یہی تاثر لے کر اٹھے ہوں گے۔ یہ صرف لیکچر ہی نہیں تھا بلکہ درحقیقت یہ وقت کا نہایت اہم انتباہ ہے اُن لوگوں کے لئے جو اشیاء کو بالکل مختلف زاویہ نگاہ سے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔

اثناء لیکچر میں آپ نے پاکستان کی بری اور بحری سرحدوں کے غیر محفوظ ہونے کی خوب وضاحت فرمائی ہے اور جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے یہ بھی کلیۃً حقیقت پر مبنی ہے کہ پاکستان کا "قابل انتظام زمینی رقبہ ہی ہمارے حق میں ہو سکتا ہے ....

میں آپ کی اس تجویز سے بھی متفق ہوں کہ مشرقی پاکستان سے سمندر کے راستہ جزائر لکادیپ اور مالدیپ کے ذریعہ تعلق قائم کریں۔ اگر ہمارے پاس زمینی راستہ نہ بھی ہو تو راستے میں ایک امدادی اسٹیشن تو ہونا چاہیئے۔" (ترجمہ از انگریزی)

لاء کالج کے ایک پروفیسر شیخ عبدالکریم صاحب نے قریشی محمود احمد صاحب (ایڈووکیٹ) سے کہا:۔

"حضور کا لیکچر اس قدر بلند تھا اور اس قدر پُر از معلومات کہ ہر ڈیفنس ممبر کو حضرت صاحب سے مشورہ کرتے رہنا چاہیئے۔"

مرزا مسعود بیگ صاحب احمدیہ بلڈنگس نے حسب ذیل چٹھی حضور کی خدمت میں لکھی:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حضرت مخدومی و معظمی زاد مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جناب کے دو[2]

Law College, Lahore.
4.12.1947

My dear Hazrat Sahib,

I listened with great interest and profit to your lecture on Pakistan yesterday. It was full of new knowledge and breathed spirit of courage and hope. I am sure, my fellow-listeners must have come away from it with the same feeling. It was not merely a lecture, it was a timely warning to those who were accustomed to look at things from an entirely different angle.

In the course of the lecture, you were good enough to point out the insecurity of Pakistan's land and sea boundries. It is absolutely so and it was also true, as you added that the manageable width of land-area constituting Pakistan was a point in our favour.........

I heartily endorse your suggestion of West Pakistan seeking a sea link with E. Pakistan through the Lacadive and the Malidive Islands. If we could not have a land-corridor let there be a calling-station enroute............

Yours in Islam,
Sd/-
Principal
Law College.

لیکچر مینارڈ ہال میں ہو چکے ہیں ۔ اور اہالیان لاہور پر اُن لیکچروں کا گہرا اثر ہے ۔ ارباب حل وعقد کو بھی خدا توفیق دے کہ وہ آنجناب کے قیمتی مشوروں اور بیش قیمت نصائح سے استفادہ کر کے ملک و ملّت کی مشکلات کا مداوا کریں ۔

کل رات کے لیکچر کا جو حصہ باقی رہ گیا تھا وہ سب سے زیادہ اہم تھا۔ اس سلسلہ میں جناب سے یہ گذارش ہے کہ تیسرا لیکچر صرف اسی حصہ پر ہو اور اس طرح کل لیکچر چار کی بجائے پانچ ہو جائیں ۔

اگر کسی بڑے ہال (مثلاً "حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج") میں لیکچر کا انتظام کیا جائے تو زیادہ تعداد میں لوگ استفادہ کر سکیں گے ۔ یونیورسٹی امتحانات کی وجہ سے ممکن ہے رکاوٹ ہو تاہم ایک دن کیلئے ہال خالی کرایا جا سکتا ہے ۔

امید ہے منتظمین جلسہ تیسرے جلسہ میں لاؤڈ سپیکر کا بہترین انتظام کریں گے اور ناقص قسم کا آلہ تقریر کی روانی میں بار بار مخل انداز نہ ہوگا ۔

دعا ہے کہ جناب کے وجود سے مسلمانوں کو بیش از پیش فوائد حاصل ہوں ۔ والسلام

مخلص ۔ مسعود بیگ احمدیہ بلڈنگس لاہور ۸/۱۲/۴۷

یہ تو سامعین کی بعض آراء ہیں جہاں تک ان اجلاسوں کی صدارت کرنے والی شخصیتوں کا تعلق ہے انہوں نے اپنے صدارتی ریمارکس میں ان لیکچروں کو بہت سراہا اور اسے پاکستان کی عظیم خدمت سے تعبیر کیا ۔

چنانچہ فیروز خاں صاحب نُون نے کہا :۔

" حضرت صاحب کے دماغ کے اندر علم کا ایک سمندر موجزن ہے ۔ انہوں نے تھوڑے وقت میں ہمیں بہت کچھ بتایا ہے اور نہایت فاضلانہ طریق سے مضمون پر روشنی ڈالی ہے ۔" [1]

ملک عمر حیات صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج ۔ وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی نے اپنی طرف سے اور سامعین کی طرف سے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا :۔

" حضرت مرزا صاحب کی تقریر اتنی پُر از معلومات اور جامع تھی ۔ کہ ہم نے اوّل سے آخر تک یکساں دلچسپی سے سُنی ہے ۔

آپ نے حضور کی تقریر کی تائید کرتے ہوئے پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ کراچی کا ذکر کر کے بتایا کہ اس کانفرنس نے اسلام کو پاکستان کے نظام تعلیم کی بنیاد قرار دیا ہے اور مدارس میں دینیات کی تعلیم کو لازمی مضمون کے طور پر رائج کرنے کا فیصلہ کیا ہے ۔" [2]

---

[1] :۔ الفضل ۹ فتح / دسمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۱

[2] :۔ الفضل ۱۴ فتح / دسمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲

جناب شیخ سر عبد القادر صاحب نے پانچویں لیکچر کی نسبت فرمایا :-

"حضرت مرزا صاحب کے پُرمغز اور پُراز معلومات لیکچروں کا اصل منشاء یہی ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کو اس اہم موضوع پر غور و خوض کرنے کی طرف توجہ ہو اور انہیں معلوم ہو کہ گو ہمارے سامنے بہت سی مشکلات ہیں لیکن اگر ہم استقلال کے ساتھ ان مشکلات پر قابو پانے کی کوشش کریں گے اور کام کرتے چلے جائیں گے تو یقیناً ہم اپنی منزل کو پالیں گے۔ حضرت مرزا صاحب نے ان لیکچروں کے ذریعہ ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ ہم سب دل سے ان کے ممنون ہیں"۔ [۱]

آپ نے چھٹے لیکچر کے اختتام پر اپنی صدارتی تقریر میں کہا :-

"حضرات میں سمجھتا ہوں کہ میں آپ سب کے دل کی بات کہہ رہا ہوں۔ جب کہ میں آپ سب کی طرف سے حضرت مرزا صاحب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ نہ صرف آج کے لیکچر کے لئے بلکہ گذشتہ پانچ لیکچروں کے لئے بھی جن میں بے شمار اہم معاملات اور مسائل کے متعلق نہایت مفید اور ضروری باتیں آپ نے بیان فرمائی ہیں۔ میں فاضل مقرر سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر ان لیکچروں کو کتاب کی شکل میں شائع کر دیا جائے [۲] تو پبلک آپ کی بہت ممنون ہوگی۔

ایک چیز کا میرے دل پر خاص اثر ہے باوجود اس کے کہ فاضل مقرر اور ان کی جماعت کو گذشتہ ہنگاموں میں خاص طور پر بہت نقصان اُٹھانا پڑا لیکن آپ نے ان حوادث کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا کرنے میں ایک بہت بڑی حکمت مدنظر تھی اور وہ یہ کہ حضرت مرزا صاحب کا یہ طریق ہے کہ جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا اسے اب بدلا نہیں جا سکتا اس لئے اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب جو کچھ آئندہ ہو سکتا ہے اور جو ہمارے اختیار میں ہے صرف اسی پر گفتگو ہونی چاہیئے"۔ [۳]

ان لیکچروں کے پس منظر اور ان کے عمومی اثرات پر مختصر روشنی ڈالنے کے بعد اب ہر ایک لیکچر کا الگ الگ تذکرہ کیا جاتا ہے۔

پہلا لیکچر اگرچہ "پاکستان کا مستقبل" کے موضوع پر حضور کا یہ پہلا لیکچر تھا مگر اس میں بھی لاء کالج کا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا علمی لیکچر ہونے کی وجہ سے تعلیم یافتہ طبقہ خاص طور پر موجود تھا۔ اس لیکچر میں حضور نے دنیاوی تحریکات کا ذکر کرتے ہوئے نہایت شرح و بسط سے بتایا کہ پاکستان ایک ارتقائی تحریک ہے۔ پاکستان کے دفاع کے متعلق حضور نے فرمایا کہ جس کے ہمسائے اس کے خیر خواہ نہیں۔ ہندوستان میں تو ایک طبقہ ایسا موجود ہے جو پاکستان کے بن جانے کو ظلم خیال کرتا ہے اور اس کو واپس لینے کے لئے کوشاں ہے۔ ان حالات کی وجہ سے پاکستان محفوظ نہیں۔ پاکستان کی سرحد

---

[۱] :- الفضل ۱۱ صلح / جنوری ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۵ *

[۲] :- افسوس! سر عبد القادر مرحوم کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور دنیا اس قیمتی خزانہ سے محروم رہ گئی *

[۳] :- الفضل ۱۸ ماہ صلح / جنوری ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۲ *

ایک تو بہت لمبی ہے دوسرے گنجان آبادی والے شہر اس کی سرحد پر واقع ہیں۔ اس لئے دفاع کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے" ؎۱

لاہور کے اُردو۔ انگریزی پولیس نے اس لیکچر کی خبر نہایت جلی عنوانوں اور شرح و بسط کے ساتھ شائع کی۔

اخبار "نوائے وقت":۔

(۱) چنانچہ "نوائے وقت" نے لکھا:۔

" مشکلات حقائق پسندی پیدا کر دیں گی۔

مرزا بشیر الدین محمود کی رائے

لاہور ۲ر دسمبر۔ مرزا بشیر الدین محمودؐ نے کل مسٹر جسٹس محمد منیر کی صدارت میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے۔ یہ رائے ظاہر کی کہ پاکستان اور پاکستانی عوام کو اس وقت جن گوناگوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہ قوم میں حقائق پسندی پیدا کر دیں گی جن کی مدد سے قوم کے لئے شاہراہ ترقی پر گامزن ہونا آسان ہو گا۔

مرزا بشیر الدین نے پاکستان کی زرعی پوزیشن پر تبصرہ کرتے ہوئے بیکار زمینوں کو فوراً آباد کرنے پر زور دیا۔ آپ نے کہا کہ لوہے کے علاوہ پاکستان کے پاس دوسری تمام معدنیات موجود ہیں جن سے پاکستان اپنی ضروریات بوجوہ احسن پوری کر سکتا ہے۔ اگر کوشش کی جائے بلوچستان میں اتنا پیٹرول مل سکتا ہے کہ وہ ایران کو بھی مات کر دیگا۔ اسی طرح کوئلے کی کانوں کے لئے جستجو اور تلاش جاری رکھی جائے تو پاکستان اپنی جملہ ضروریات کا خود کفیل ہو جائے گا

مرزا صاحب نے کہا کہ حکومت پاکستان کو جزائر لیک دیپ اور مال دیپ کا مطالبہ کرنا چاہیئے جہاں مسلم آبادی کی اکثریت ہے۔ اسی طرح پاکستان کو سائنسی قوت کے لئے ریسرچ بھی کرنا چاہیئے" ؎۲

اخبار "نظام":۔

(۲) اخبار "نظام" نے لکھا:۔

" کشمیر کی ہندوستان میں شمولیت کا مطلب پاکستان کو ہر سمت سے گھیرنا ہے۔ مسلمانانِ پاکستان اپنے ملک کی حفاظت کے لئے مجاہدین کشمیر کی ہر قسم کی مدد کریں۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود صاحب کی تقریر۔

لاہور ۲ر دسمبر۔ کل شام ملت احمدیہ کا ایک (اجلاس) زیر صدارت جسٹس محمد منیر منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے صدر ملت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود نے فرمایا کہ مسئلہ کشمیر پاکستان کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ کشمیر کا

؎۱:۔ الفضل ۲ر فتح / دسمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۱ ؎۲:۔ نوائے وقت ۴ر دسمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۵

ہندوستان میں جانے کا یہ مطلب ہے کہ پاکستان کو ہر سمت سے گھیر لیا جائے اور اس کی طاقت کو ہمیشہ زیر رکھا جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ باشندگان پاکستان کو کشمیر کے جہاد حریت میں ہر قسم کی امداد کرنی چاہیئے۔ مجاہدین کشمیر نہایت بہادرانہ جنگ لڑ رہے ہیں اور ان کو گرم کپڑوں کی فوری اشد ضرورت ہے جو ان کو فوراً پہنچائے جائیں۔ پاکستان کی سرحدی حفاظت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ سرحد سے متعلقہ دیہات اور آبادیوں کو مسلح کر دیا جائے اور انہیں فوراً ملٹری تربیت دی جائے انہوں نے عوام میں نظم و ضبط کی سخت ضرورت کا اظہار کیا۔ ملک کی زراعتی ترقی کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ پاکستان کی زراعتی حالت تسلی بخش ہے اور اگر شاہ پور، جھنگ، مظفر گڑھ۔ سرحد کے کچھ اضلاع اور پورے سندھ میں زراعتی پیداوار کی طرف دھیان دیا جائے تو ہماری زراعتی پیداوار قابلِ رشک ہو جائے گی۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے پاکستان کی صنعتی خوشحالی کا بھی ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کوئلہ۔ پیٹرول اور دیگر دھاتیں کافی تعداد میں موجود ہیں۔ لیکن ابھی تک گمشدگی کی حالت میں ہیں اس کے لئے مکمل غور و خوض کی فوری ضرورت ہے مثال کے طور پر بلوچستان تیل کا زبردست منبع ہے لیکن ابھی تک اس سے فائدہ نہیں اُٹھایا گیا۔ حضرت مقرر (نے) پاکستان کی قومی لیبارٹری کھولنے اور پاکستان کی صنعتی پیداوار کو ترقی دینے کے لئے زور دیا۔ آپ نے یہ بتایا کہ پاکستان کی اس قسم کی ایک بھی لیبارٹری نہیں ہے۔" لہ

اخبار زمیندار:۔

۳۔ اخبار زمیندار نے یہ خبر شائع کی:۔

"مجاہدین کشمیر کو ہر قسم کی امداد دیجئے۔ باشندگان پاکستان سے امام جماعت احمدیہ کی اپیل۔

لاہور۔ ۲ر دسمبر۔ امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے ایک میٹنگ کو خطاب کرتے ہوئے باشندگانِ پاکستان سے اپیل کی کہ مجاہدین کشمیر کو جو پسماندہ عوام کی خاطر جنگ آزادی لڑ رہے ہیں۔ ہر قسم کی امداد دی جائے۔ مجاہدین کی فتح سے پاکستان کی دفاعی لائن بہت مضبوط ہو جائے گی۔

آپ نے پاکستان کے دفاعی نقطہ نظر سے جغرافیائی اور معدنی ذرائع کا وسیع سلسلہ بیان کرتے ہوئے کہا کمرشل انڈسٹری زراعتی اور دفاعی صنعت کی ریسرچ کے لئے پاکستان کا ایک قومی ادارہ قائم کرنا چاہیئے۔ مسٹر جسٹس محمد منیر نے میٹنگ کی صدارت کی۔" ٢ہ

زمیندار نے اسی اشاعت میں یہ خبر بھی شائع کی:۔

لہ:۔ "نظام" لاہور ۴ر دسمبر ۱۹۴۷ء؛ ٢ہ:۔ "زمیندار" ۴ر دسمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ کالم ۱؛

"پاکستان کو جزائر سنگلدیپ اور مالا دیپ کا مطالبہ کرنا چاہیئے۔ مرزا بشیر الدین محمود کا بیان۔

۲ دسمبر۔ مرزائی قادیانی جماعت کے امیر مرزا بشیر الدین محمود نے ایک بیان میں حکومت پاکستان کو مشورہ دیا ہے کہ وہ کراچی سے چٹاگانگ جانیوالے بحری رستے پر واقع ہیں اور اُن کی آبادی نوّے فیصدی مسلمان ہے۔ (ا۔پ)"۔ لہ

اخبار "سفینہ":۔

۴۔ اخبار "سفینہ" نے لکھا:۔

"کشمیر کا مسئلہ پاکستان کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ تمام طبقوں میں تنظیم اور ضابطہ کی ایک مضبوط روح پھونک دی جائے۔ (جناب مرزا بشیر الدین محمود صاحب کی تقریر)۔

لاہور۔ ۲ دسمبر! کشمیر کا مسئلہ پاکستان کے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ کشمیر کا انڈین یونین کے قبضے میں ہونا پاکستان کا ہر طرف سے محصور ہونا ہے اور اسے ایک اجیر کی حیثیت تک پہنچانا ہے جسے ہر وقت تباہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود امیر جماعت احمدیہ نے لاء کالج ہال میں ایک میٹنگ میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ یہ میٹنگ دائرہ معارف اسلامیہ کے زیر اہتمام منعقد ہوئی تھی۔ مسٹر جسٹس منیر اس کے صدر تھے۔ آپ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے باشندوں کو کشمیر کی جنگ آزادی جیتنے کے لئے پوری پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ اس میں پاکستان کی نوزائیدہ ریاست کے استحکام اور دفاع کا راز ہے۔ کشمیر میں مجاہدین مشکل ترین حالات کے باوجود جنگ لڑ رہے ہیں۔ انہیں گرم کپڑوں کی اشد ضرورت ہے اسکے کام کو آسان بنانے کے لئے گرم کپڑے انہیں بہت جلد پہنچ جانے چاہئیں۔

پاکستان کے سرحدی دفاع کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ سرحدات کے قریب رہنے والے لوگوں کو فوراً مسلح کر دینا چاہیئے۔ اس وقت سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ آبادی کے تمام طبقوں میں تنظیم اور ضابطہ کی ایک روح پھونک دی جائے۔

آپ نے پُر زور تائید کی کہ ملک کی زراعت کو زیادہ سے زیادہ ترقی دی جائے۔ اس کے لئے پاکستان میں بہت زیادہ امکانات ہیں۔

شاہ پور، جھنگ، منٹگمری کے اضلاع اور شمال مغربی صوبہ سرحد کے چند اضلاع اور سندھ کا تمام صوبہ موجودہ ترقی یافتہ طریقوں پر بہت جلد پاکستان کی زراعتی دولت میں اضافے کا سبب بن سکتے ہیں۔ پاکستان معدنیات کے طور پر بھی مالا مال تھا۔ یہاں کوئلہ، سیسہ، پیٹرول وغیرہ عام تھا لیکن یہ تمام ذرائع ادھورے پڑے ہیں ان کی ملکی جانچ پڑتال وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ مثلاً بلوچستان میں پیٹرول عام تھا لیکن اس کی جانچ پڑتال نہیں کی گئی تھی۔

لہ:۔ "زمیندار" لاہور ۴ دسمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۶ ؎

معزز (مقرر) نے تقریر کے دوران میں ایک پاکستان قومی لیبورٹری کا قیام عمل میں لایا جائے۔ جہاں ملک کی صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے ریسرچ کا کام اعلیٰ پیمانہ پر کیا جا سکے۔ ہنوز پورے پاکستان میں اس قسم کی کوئی لیبورٹری نہیں۔
تقریر دو گھنٹے سے زیادہ دیر تک ہوتی رہی۔ پاکستان کے قیام کے بعد پاکستان کے مستقبل پر یہ پہلی تقریر ہے آئندہ لیکچروں کی تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔" [1]

اخبار ایسٹرن ٹائمز:-

۵۔ انگریزی اخبار "ایسٹرن ٹائمز" نے اپنی ۳ر دسمبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں صفحہ اوّل پر حسب ذیل رپورٹ شائع کی:-
"کشمیر کی جنگ آزادی کے لئے بھرپور جدوجہد کی ضرورت ہے۔ حضرت امام جماعت احمدیہ کا بیان۔
سرحد کے ساتھ ساتھ بسنے والوں کے لئے فوجی ٹریننگ وقت کا اہم تقاضا ہے۔
لاہور۔ ۲ر دسمبر ۱۹۴۷ء "کشمیر کی آزادی پاکستان کے لئے زندگی و موت کا مسئلہ ہے۔ کشمیر کا علاقہ ہندوستانی ہاتھوں میں ہونے کا مطلب یہ ہے گویا پاکستان چاروں طرف سے دشمنوں میں گھر جائے اور بھارت کے لئے ایک لقمۂ تر بن جائے جسے وہ جب چاہے ہڑپ کر جائے۔"
یہ بیان حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ کا ہے جو آپ نے اپنے لیکچر میں گزشتہ شام ایک اجلاس میں دیا۔ جو لاء کالج ہال میں زیر انتظام "دائرہ اسلامیہ" منعقد تھا۔ اس کی صدارت مسٹر جسٹس محمد منیر فرما رہے تھے۔
"پاکستان کے عوام کو چاہیئے" آپ نے تقریر کے درمیان فرمایا "کہ کشمیر کی جنگ آزادی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں یہ کیونکہ اسی میں پاکستان کی نوزائیدہ مملکت کے استحکام کا راز پنہاں ہے۔ مجاہدین اس وقت باطل کے خلاف شدائد و آلام کے باوجود استقلال سے نبرد آزما ہیں۔ ان کو اس وقت گرم ملبوسات کی اشد ضرورت ہے جو فوری طور پر پہنچانے چاہئیں تاکہ ان کو کچھ سہولت میسر ہو........" [2]

پاکستان کا سرحدی دفاع

پاکستان کے سرحدوں کے تحفظ اور دفاع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔ حضرت امام جماعت احمدیہ کی یہ رائے تھی کہ "وہ لوگ جو سرحد کے ساتھ ساتھ بستے ہیں انہیں فوری طور پر مسلح کر دیا جائے اور انہیں فوجی اسلحہ کے استعمال کی تربیت دی جائے۔
"وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے" آپ نے فرمایا کہ "آبادی کے ہر طبقے میں تنظیم و ضبط کی روح پیدا کی جائے۔"

---

[1]: "سفینہ" لاہور ۴ر دسمبر ۱۹۴۷ء۔
[2]: ترجمہ "ایسٹرن ٹائمز" لاہور ۳ر دسمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱۔

a strong spirit of organization and discipline among all sections of the population. He strongly upheld the view that the agriculture of the country should be developed. There was ample scope for this in Pakistan. The districts of Shahpur, Jhang, muzaffargarh, some districts of the N.W.F.P. and the entire province of Sind could easily be developed on modern lines to increase the agricultural wealth of Fakistan.

Pakistan was rich in mineral resources like coal, lead, petroleum, mica etc ; but all these resources were in an undeveloped form. A complete survey was the supreme need of the time. For example Baluchistan was rich in petroleum but the difficulty was only lack of survey.

Pakistan National Liboratory

The speaker suggested the establishment of a Pakistan National Laboratory for carrying out researches industry, agriculture and defence. There was no such laboratory in the whole of Pakistan at present. The lecture continued for more than two hours and was first of the series of lectures on the future of Pakistan. Dates of other lectures will-be announced later. (O.P.I.)

(The Eastern Times Lahore 3.12.1947.)

Kashmir's Fight For Freedom.
All-out help Urged By Qadian Amir

Military Training For Border Villages.

Lahore...Dec. 2—"The problem of Kashmir is question of life and death to Pakistan. Kashmir in the hands of the Indian Union means an allround encirclement of Pakistan and reducing it to the position of a sandwich, likely to be devoured any time."

This observation was made by Hazrat Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad, head of the Ahmadiyya Community, addressing a meeting held last evening in the Law College Hall, under the auspices of the Daire-e-Islamia. Mr. Justice Mohammad Munir presided.

The people of Pakistan, the speaker continued should make all-out efforts to help Kashmir's fight independence. There lies the secret of stabilising the defence of the new-born state of Pakistan. The Mujahideen are fighting a grim battle against heavy odds in Kashmir. They are in dire need of warm clothes which should be immediately rushed to make their task easy."

(The Eastern Times Lahore 3-12-1947.)

Border Defence of Pakistan

Refering to the border defence of Pakistan, the the head of the Ahmadiyya Community held the opinion that the people living near the borders should at once be equipped with arms and be provided with military training.

The greatest need, he said, was of inculcating

اُنہوں نے اس امر پر بھی بہت زور دیا کہ ملک کی زرعی ترقی کی طرف توجہ دی جائے۔ کیونکہ پاکستان میں اس میدان میں بڑے وسیع ذرائع ہیں۔ کیونکہ اضلاع شاہ پور (سرگودھا) جھنگ، مظفر گڑھ اور شمال مغربی سرحد کے بعض علاقے اور تقریباً سارے سندھ کا علاقہ بہت جلد ترقی یافتہ خطوط پر عمل درآمد کرنے سے زرعی دولت پیدا کر سکتے ہیں۔

اسی طرح پاکستان کا علاقہ معدنی دولت سے بھی مالا مال ہے مثلاً کوئلہ، سکہ، پیٹرولیم، ابرک وغیرہ معدنیات سے استفادہ کا کام ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔ معدنیاتی وسائل کی مکمل سروے (پیمائش وافزائش) کا کام وقت کا اہم تقاضا ہے۔ مثلاً بلوچستان کے علاقے میں پیٹرولیم کی بہتات تھی۔ لیکن ابھی تک نتیجہ خیز پیمائش وافزائش کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔

پاکستان کی قومی لیبارٹری

فاضل مقرر نے ایک ایسی قومی لیبارٹری کے قیام کی تجویز پیش کی جس میں تجارتی، صنعتی، زرعی اور دفاع ملک کی ضروریات پر تحقیقات اور ریسرچ کا کام ہو۔ آجکل پاکستان میں کسی جگہ بھی ایسی لیبارٹری نہیں ہے۔ یہ فاضلانہ لیکچر مسلسل دو گھنٹے تک جاری رہا۔ جو "پاکستان کے مستقبل" کے موضوع کے سلسلے میں پہلا تھا۔ آئندہ لیکچروں کے اوقات کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔" [۱]

ویر بھارت:۔

اِس لیکچر کی بازگشت ہندوستان میں بھی سنائی دی۔ چنانچہ امرتسر کے اخبار "ویر بھارت" نے "امریکہ اور پاکستان" کے عنوان سے اس پر حسب ذیل شذرہ لکھا:۔

"احمدیوں کے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے ۹ ارب ڈالر کے اس قرضہ کے خلاف آواز اُٹھائی ہے۔ جو پاکستان امریکہ سے لینا چاہتا ہے۔ مرزا صاحب کا خیال ہے کہ اس طرح پاکستان اقتصادی اور سیاسی طور پر امریکہ کا غلام بن جائے گا۔" [۲]

دوسرا لیکچر

سیدنا المصلح الموعود نے اس دوسرے لیکچر کے لئے قیمتی نوٹ الفضل (۹ رفتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء) میں شائع کرا دیئے تھے جو ذیل میں بجنسہٖ نقل کئے جاتے ہیں:۔

---

[۱] :۔ ایسٹرن ٹائمز ۳ ردسمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱ (ترجمہ)

[۲] :۔ "ویر بھارت" امرتسر ۱۳ ردسمبر ۱۹۴۷ء

أعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھُوَ النّاصِرُ

پاکستان کا مستقبل

نباتی، زرعی، حیوانی اور معنوی دولت کے لحاظ سے

میں نے ، تاریخ کو مینارڈ ہال میں اسی مضمون پر ایک تقریر کی تھی۔ چونکہ وقت کم تھا اور مضمون زیادہ۔ اس لئے کئی حصے بیان کرنے سے رہ گئے تھے اور کئی کھول کر بیان نہ ہو سکے۔ چونکہ سننے اور پڑھنے میں فرق ہوتا ہے۔ پڑھتے وقت انسان زیادہ غور سے کام لے سکتا ہے۔ اور مختصر اشاروں کو بھی سمجھ سکتا ہے۔ اسلئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی لکھی ہوئی مختصر یادداشت کو شائع کر دوں تاکہ مضمون کا ایک مکمل نقشہ بھی ذہن میں آجائے۔ اور یادداشت کے طور پر بھی ان لوگوں کے ہاتھ میں رہے جو اس میں بیان کردہ مضامین پر مزید غور کرنا چاہتے ہیں۔

"پاکستان کا مستقبل بحیثیت نباتی دولت کے"

ملک کی حفاظت اور اس کی ترقی کے لئے سوختنی اور تعمیری لکڑی کا وجود نہایت ضروری ہے۔ سوختنی لکڑی کوئلے کا بھی کام دے سکتی ہے۔ پرانے زمانہ کے تمام بڑے شہروں کے اردگرد سوختنی لکڑی کے رکھ بنائے جاتے تھے۔ جہاں سے شہروں کو لکڑی مہیا کی جاتی تھی۔ اور قصبات میں زمینداروں کے ذمہ لگایا جاتا تھا کہ وہ درخت لگائیں اور انہیں چھوٹے درخت کاٹنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ تاکہ لکڑی ضائع نہ ہو۔ ہر گاؤں میں اتنے درخت بوئے جاتے تھے۔ کہ اس گاؤں کی سوختنی اور تعمیری ضرورتیں ان سے پوری ہو سکتی تھیں۔ انگریز چونکہ ایک صنعتی ملک کے رہنے والے ہیں ان کی حکومت کے زمانہ میں دیہات کی اقتصادی اور تمدنی حالت کی طرف توجہ کم ہو گئی۔ اور شہروں کی طرف توجہ بڑھ گئی اسلئے پرانا نظام قائم نہ رہ سکا اور درخت کٹتے کٹتے گاؤں ننگے ہو گئے اور مسلمان بھی ہندوؤں کی نقل میں جانور کا گوبر چولہوں میں جلانے لگے۔ حالانکہ گوبر کا جلانا صفائی کے لحاظ سے بھی اور زراعتی لحاظ سے بھی نہایت مضر ہے۔ بائبل میں یہودیوں کی سزا کے متعلق آتا ہے۔ کہ تم انسان کے پاخانہ سے روٹی پکا کر کھاؤ گے۔ (حزقیل باب ۴ آیت ۱۲) گو یہاں انسانی پاخانہ کا ذکر ہے۔ مگر جانور کا پاخانہ بھی تو گندی شے ہے خواہ نسبتاً کم ہو اور اس سے روٹی پکانی بھی یقیناً ایک سزا ہے۔

اس حوالہ کے مطابق گوبر کا چولہوں میں استعمال خدائی سزا اور قوم کی ذلّت کی علامت ہے۔ پس مسلمانوں کو اس سے بچنا

چاہیئے تھا ۔ مگر دیہاتی اقتصادی حالت کے خراب ہونے کی وجہ سے وہ بھی مجبور ہو کر ہندوؤں کے پیچھے چل پڑے جو گائے کے گوبر کو متبرک خیال کرتے ہیں ۔ اور اسے چولھے میں جلانا تو الگ رہا کھانے کی چیزوں میں ملانے سے بھی دریغ نہیں کرتے پاکستانی حکومت کا فرض ہے کہ وہ ایسا انتظام کرے کہ سوختنی لکڑی کثرت سے تمام دیہات اور قصبات میں مل سکے اتنی کثرت سے کہ زمینداروں کو جلانے کے لئے اوپلوں کی ضرورت پیش نہ آئے ۔ میرے نزدیک پاکستانی حکومت کو پانچ پانچ چھ چھ گاؤں کا ایک یونٹ بنا کر ان کی ایک پنچایت بنا دینی چاہیئے ۔ جو اقتصادی اور صحت انسانی کے قیام کی ضرورتوں کے مہیا کرنے کی ذمہ دار ہو ۔ ان گاؤں کے درمیان میں ایک حصّہ درختوں کے لگانے کے لئے مخصوص کر دیا جائے ۔ یہ درخت تعمیری کاموں کے لئے مخصوص ہوں ۔ اس کے علاوہ ہر گاؤں میں چراگاہوں کی حفاظت ان کے سپرد ہو ۔ جہاں چراگاہیں ہیں وہ ان پنچائتوں کے سپرد کی جائیں ۔ اور جہاں نہیں ہیں حکومت خود چراگاہیں بنا کر ان پنچائتوں کے سپرد کرے اور ہر گاؤں میں حکومت اتنے درخت سوختنی لکڑی کے لگوائے جو اس گاؤں کی ضرورت کو پورا کر سکیں ۔ اور ان پنچائتوں کا فرض ہو کہ وہ دیکھتی رہیں کہ ہر گاؤں مقررہ تعداد درخت کی لگاتا رہتا ہے ۔ اگر یہ انتظام جاری کیا جائے تو یقیناً سوختنی لکڑی کا سوال حل ہو جائیگا اور گوبر کھاد کے لئے بچ جائیگا ۔ جس سے ملک کی زراعت کو بھی فائدہ پہنچے گا ۔ ہر ایسے قصبہ کے لئے جس کی آبادی دس ہزار سے زیادہ ہو قصبہ سے کچھ فاصلہ پر ڈسٹرکٹ بورڈوں کی نگرانی میں سوختنی لکڑی کی رکھیں بنوانی چاہئیں ۔ بلکہ میرے نزدیک تو جس طرح ڈسٹرکٹ بورڈ مقرر ہیں ۔ اسی طرح ہر ضلع میں اس کی میونسپل کمیٹیوں کا ایک مشترکہ بورڈ ہونا چاہیئے جس کے سپرد اس قسم کے رفاہ عام کے کاموں کی نگرانی ہو ۔ اس طرح میونسپل کمیٹیوں کے کاموں میں ہم آہنگی بھی پیدا ہو جائے گی اور باہمی تعاون سے ترقی کے نئے راستے بھی نکلتے رہیں گے ۔ پچاس ہزار سے اوپر کے جو شہر ہوں ان کے لئے سوختنی لکڑی سے رکھ بنانا صوبہ واری حکومت کا فرض ہو ۔ ان شہروں کے لئے شہر کے ایسی طرف زمین حاصل کر کے جس طرف شہر کے بڑھاؤ کا رُخ نہ ہو دو تین میل فاصلہ پر سوختنی لکڑی کی رکھیں بنا دینی چاہئیں ۔ جہاں سے شہریں لکڑی سپلائی ہوتی رہے ۔ پچاس ہزار آدمی کی آبادی یا اس سے زیادہ کے شہروں کے لئے جتنی سوختنی لکڑی کی ضرورت ہوتی ہے اُس کو مدّ نظر رکھتے ہوئے یہ ایک اقتصادی یونٹ ہوگا ۔ اور حکومت کو اس انتظام میں کوئی مالی نقصان نہیں ہوگا ۔ بلکہ نفع ہی ہوگا ۔ اس انتظام کے علاوہ مرکزی حکومت کے انتظام کے ماتحت بعض بڑے بڑے رکھ بنانے چاہئیں ۔ تا ضرورت کے موقع پر ملک کو سوختنی لکڑی مہیا کی جا سکے اور اگر کسی وقت کوئلہ میں کمی ہو تو کارخانے اس لکڑی کے ذریعہ سے چلائے جا سکیں ۔ دوسرے ڈسٹرکٹو ڈسٹیلیشن (DESTRUCTIVE DISTILLATION) کے ذریعہ بہت سارے کیمیاوی اجزا ملک کے استعمال اور بیرونی دساور کے لئے پیدا کئے جا سکتے ہیں ۔ ڈسٹرکٹو ڈسٹیلیشن زیادہ تر سخت لکڑی سے کیا جاتا ہے ۔ جیسے کیکر، شیشم،

پھلائی وغیرہ ۔ اس ذریعہ سے سپرٹ بھی پیدا کیا جا سکتا ہے ۔ جنگی ضرورتوں کے بھی کام آئے گا ۔ اور کئی کیمیاوی کارخانوں میں بھی استعمال ہوگا ۔ اسکے علاوہ ایسی ٹون ۔ ایسٹک ایسڈ اور فارمیلڈی ہائیڈ بھی اسسے بنائے جا سکتے ہیں ۔ اوّل الذکر بارود کے بنانے میں کام آتا ہے شیشم اور کیکر کے درخت بہت حد تک تعمیری ضرورتوں کو بھی پورا کر سکتے ہیں ۔ آجکل تعمیری ضرورتوں کے لئے زیادہ تر دیودار کی قسم کی لکڑیاں استعمال ہوتی ہیں ۔ جیسے دیار ۔ کیل ۔ پڑتل اور چیل یہ لکڑیاں پہاڑوں پہ ہوتی ہیں ۔ پہلے کشمیر ، چنبہ ، اور منڈی سے یہ مہیا کی جاتی تھیں ۔ ریلوں کی لائنیں بنانے میں یہی لکڑی کام دیتی تھی ۔ کیونکہ ریل پر بچھائی جانے والی شہتیریاں ہر وقت ننگی رہتی ہیں اور ان پر بارش کا پانی پڑتا ہے ۔ عام لکڑی زیادہ دیر تک گیلی رہنے سے خراب ہو جاتی ہے ۔ دیار کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ گیلے ہونے سے خراب نہیں ہوتی ۔ ان لکڑیوں کو بعض ادویہ سے اس قابل بنایا جاتا ہے کہ ان کو کیڑا نہ لگ سکے ۔ اور پھر ریل کی پٹڑی پر استعمال کیا جاتا ہے اس طرح اچھی عمارتوں کی تعمیر میں بھی یہ کام آتی ہے ۔ یہ لکڑی چنبہ اور منڈی کے ہندوستان میں چلے جانے کی وجہ سے اور کشمیر کی حالت مشتبہ ہو جانے کی وجہ سے اب پاکستان کو نہیں مل سکے گی ۔ صرف مری اور ہزارہ سے کچھ لکڑی پاکستان کو مل سکے گی ۔ مگر وہ اس کی ضرورتوں کے لئے کافی نہیں ۔ اس لکڑی کے مہیا کرنے کے لئے پاکستان کو کچھ اور علاقے تلاش کرنے ہوں گے ۔ پاکستان کے ملحقہ علاقوں میں سے چترال اور بالائے سوات کے علاقہ میں یہ لکڑیاں بڑی کثرت سے پائی جاتی ہیں ۔ اور بعض بعض حصوں میں تو ہزار ہزار سال کے پرانے درخت پائے جاتے ہیں ۔ جن کی قیمت عمارتی لحاظ کر بہت ہی زیادہ ہوتی ہے ۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ان علاقوں سے لکڑی پاکستان میں پہنچائی نہیں جا سکتی ۔ چترال سے صرف ایک دریائی راستہ پاکستان کی طرف آتا ہے ۔ اور وہ حکومت کابل میں سے گذرتا ہے ۔ اسکے سوا کوئی دریائی رستہ نہیں ۔ خشکی کے رستے ان لکڑیوں کا پہنچانا بالکل ناممکن ہے ۔ دریائے کابل کے ذریعہ سے اس لکڑی کے لانے میں بہت سی سیاسی اور اقتصادی دقتیں ہوں گی ۔ اگر ریاست کابل اجازت بھی دیدے تو لکڑی کا محفوظ پہنچنا نہایت ہی دشوار ہوگا ۔ اسی طرح بالائے سوات کی لکڑی کا پہنچنا اور بھی زیادہ مشکل ہے ۔ مگر بہرحال فوری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے پاکستان کو کچھ معاہدوں کے ذریعہ سے اس دقت کو دور کرنا چاہیئے ۔ اور ساتھ ہی اس بات کی سروے کرانی چاہیئے کہ کچھ پہاڑی کو ملا کر کیا کوئی ایسا نالا نہیں نکالا جا سکتا ۔ جو کہ چترال اور بالائے سوات سے براہِ راست پاکستان میں داخل کیا جا سکے ۔ اگر ایسا ہو سکے تو یہ ضرورت پوری ہو جائے گی ۔ لیکن اسکے علاوہ جنگلات کے ماہروں کو اس بات کیلئے ہدایت ملنی چاہیئے کہ وہ درختوں کی مختلف اقسام پر غور کر کے ایسی اقسام معلوم کریں جو پاکستان کی آب و ہوا میں اگائے جا سکیں ۔ اور عمارتوں کی تعمیر اور جہازوں کی ساخت اور ریلوں کی پٹڑیاں بنانے کے کام میں استعمال کئے جا سکیں ۔

نرم لکڑی

لکڑی کی ایک قسم بہت ہی نرم ہوتی ہے۔ ان لکڑیوں سے دیا سلائی کی تیلیاں بنائی جاتی ہیں۔ اس وقت تک یہ لکڑیاں انڈیمان اور بحیرہ بار سے آتی تھیں مگر دریافت سے معلوم ہوا ہے۔ کہ بلوچستان میں بھی ایک اس قسم کا درخت پایا جاتا ہے جس کی لکڑی سے دیا سلائی کی تیلیاں بن سکتی ہیں اور یہ درخت اتنی مقدار میں پائے جاتے ہیں کہ اگر ان سے دیا سلائی کی تیلیاں بنائی جائیں۔ تو نہ صرف پاکستان بلکہ سارے ہندوستان کی ضرورتیں اس سے پوری ہو سکتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ایسا کارخانہ بنایا جائے جو بلوچستان میں یہ تیلیاں بنا کر دیا سلائی کے کارخانوں کے پاس فروخت کرے۔ اور یہ صنعت جس کی سب سے بڑی مشکل ان تیلیوں کا مہیا ہونا ہے۔ پاکستان میں فروغ پا سکے۔

لکڑی کی کمی کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان میں فوراً پلاسٹک کے کارخانے جاری کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ مگر چونکہ یہ سوال میری تقریر کے زراعتی حصّہ کے ساتھ متعلق ہے میں اس کا ذکر آگے چل کر کروں گا۔

جڑی بوٹیاں

نباتی دولت کا ایک بڑا جزو جڑی بوٹیاں بھی ہوتی ہیں۔ شمالی جڑی بوٹیاں کشمیر، چنبہ، چترال، صوبہ سرحد اور بلوچستان میں ملتی ہیں۔ کشمیر کا سوال مشتبہ ہے۔ اور چنبہ قطعی طور پر انڈین یونین میں شامل ہو چکا ہے اسلئے پاکستان میں جڑی بوٹیاں چترال، صوبہ سرحد اور بلوچستان میں سے جمع کی جا سکتی ہیں۔ اور پاکستان کی خوش قسمتی سے ان تینوں علاقوں میں کافی جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ بعض جڑی بوٹیاں ایسی نادر ہیں۔ کہ دنیا کے بعض دوسرے حصوں میں نہیں ملتیں۔ بلوچستان کی جڑی بوٹیوں کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ ان میں الکلائیڈ جو کہ دواؤں کا فعال جزو ہوتا ہے۔ دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بلوچستان میں بارشیں کم ہوتی ہیں۔ جڑی بوٹیوں سے بہت سی ادویہ اور کیمیاوی اجزاء تیار کئے جاتے ہیں۔ ابھی تک ہندوستان کی جڑی بوٹیاں کامل سائنٹیفک تحقیقات سے محروم ہیں اور ہزاروں ہزار مفید ادویہ اور کیمیاوی اجزاء ان میں مخفی پڑے ہوئے ہیں۔ یورپ کے لوگ قدرتی طور پر ان ادویہ کی تحقیق کرتے ہیں جو ان کے ملکوں کی جڑی بوٹیوں سے بنائی جا سکتی ہیں۔ یا جو آسانی سے ان کے قبضہ میں آ سکتی ہیں۔ تاکہ ان کا تجارتی نفع انہیں کو ملے۔ اب پاکستان ایک آزاد ملک ہے اور اس کے لئے موقع ہے کہ اپنی نباتی دولت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے۔ اگر ایک محکمہ بنا دیا جائے جو جڑی بوٹیوں کے الکلائیڈز اور دوسرے کیمیاوی اجزاء دریافت کرے۔ تو تھوڑے ہی عرصہ میں بیسیوں نئی دوائیں پاکستان میں ایجاد ہو جائیں گی جو دنیا کی ساری منڈیوں میں اچھی قیمت پر بک سکیں گی۔ حکیم اجمل خانصاحب مرحوم کو اس کا خیال آیا تھا۔ اور انہوں نے طبیہ کالج دہلی کیساتھ ایک

چھوٹی سی لیبارٹری اس کام کے لئے مقرر کردی تھی۔ مشہور ہندوستانی سائنسدان چوہدری صدیق الزمان صاحب اس کے انچارج مقرر کئے گئے تھے اور انہوں نے بنگال کی مشہور بوٹی چھوٹی چندن پر تجربات کرکے اس کا الکلائیڈ معلوم کرلیا تھا۔ مگر ہندوستانی روائتی پھوٹ کا شکار محکمہ ہوگیا۔ چوہدری صدیق الزمان صاحب کو حکومت ہند میں ایک اچھی جگہ مل گئی اور ان کے جانے کے ساتھ ہی یہ محکمہ بھی ختم ہوگیا۔ اب چوہدری صدیق الزمان صاحب حکومت پاکستان میں آگئے ہیں اُن کے مشورہ سے یا اُن کی نگرانی میں اس قسم کا محکمہ پھر کھولا جاسکتا ہے۔ شاید ایک لاکھ یا ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ کے خرچ سے ابتدائی لیبارٹری قائم کی جاسکتی ہے۔ اور پھر آہستہ آہستہ اُس سے لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ کا نفع حاصل ہونے کی اُمید پیدا ہوسکتی ہے۔ بعض جڑی بوٹیاں طبی طور پر اتنی مفید ہیں۔ کہ انگریزی دوائیں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ مگر مشکل یہ ہے۔ کہ اُن کے استعمال کا طریق ایسا ہے۔ کہ آج کل کے نزاکت پسند لوگ اُس کی برداشت نہیں کرسکتے اگر الکلائیڈز اور دوسرے فعّال اجزاء نکال لئے جائیں یا ایکسٹریکٹ بنائے جائیں تو یقیناً نہ صرف طب میں ایک مفید اضافہ ہوگا۔ بلکہ پاکستان کی دولت میں ایک عظیم اضافہ ہوگا۔ ادویہ کے علاوہ جڑی بوٹیوں میں بعض اور کیمیاوی اجزاء بھی ہیں۔ جو مختلف صنعتوں میں بڑا کام آسکتے ہیں۔ چنانچہ بہت سی بوٹیوں کے نغدوں سے کشتے بنائے جاتے ہیں۔ آخر ان کے اندر ایسے اجزاء ہیں جو کہ دھاتوں کو تحلیل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اگر ان کو الگ کرلیا جائے تو نہ صرف کشتہ بنانے آسان ہوجائیں گے۔ بلکہ اور کئی قسم کی صنعتیں جاری کرنے کا امکان پیدا ہوجائے گا۔" [1]

اخبار زمیندار (۱۰ دسمبر ۱۹۴۷ء) نے اس لیکچر کا خلاصہ حسب ذیل الفاظ میں شائع کیا:۔

"امریکہ سے قرضہ لینا پاکستان کی آزادی کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ پاکستان کی زراعت کو خطرہ۔ فوری تدابیر کو عمل میں لانے کی اشد ضرورت۔ مرزا بشیرالدین امام جماعت احمدیہ کی تقریر۔

لاہور۔ ۸ دسمبر۔ مرزا بشیرالدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ نے کل شام مینارڈ ہال لاء کالج میں پاکستان اور اس کا مستقبل کے موضوع پر ایک عظیم اجتماع کے سامنے تقریر کرتے ہوئے پاکستان کی زراعت، اقتصادیات اور معاشیات پر فصیح و بلیغ لیکچر دیا۔ ملک فیروز خاں نون اس اجتماع کے صدر تھے۔ مرزا صاحب نے زراعت کے سلسلے میں ذرائع آبپاشی خصوصاً نہروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ پچاس سال کے بعد نہروں کے خراب ہوجانے کے باعث پاکستان کی زراعت کو سخت خطرہ ہے اور اس خطرے کے تدارک کے لئے سائنس کے اصولوں پر کام کرنے کے لئے اتنی دولت کی ضرورت ہے اور اتنے اخراجات کا احتمال ہے۔ بصورت موجودہ ہماری حکومت جن کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ لیکن بیرونی سلطنتوں خصوصاً

---

[1] :۔ الفضل ۹ رفتح / دسمبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۵ ، ۶۔

امریکہ سے قرضہ لینا ہماری آزادی کے لئے زبردست خطرے کا باعث ہوگا۔ لہٰذا اس کا علاج صرف یہ ہے کہ بیرونی کمپنیوں کو پاکستان میں سرمایہ لگانے کی مشروط اجازت دی جائے ان فرموں کو چالیس فی صدی حصے دئے جائیں اور چالیس فی صدی حکومت پاکستان دے۔ باقی بیس فی صدی حصوں کے مالک پاکستان کے عوام ہوں۔ اس سلسلے میں فرموں سے یہ شرط بھی کی جائے کہ وہ ہمارے حصہ دار کو ساتھ ساتھ ٹریننگ دیں گے۔"

اخبار "طاقت" ۹ر دسمبر ۱۹۴۷ء نے لکھا:۔

"لاہور، ر دسمبر۔ جماعت احمدیہ کے امام مرزا البشیر الدین محمود احمد نے آج شب لاء کالج ہال میں ایک مجمع کو خطاب کرتے ہوئے اس تجویز کی سخت مخالفت کی ہے کہ حکومت پاکستان امریکہ سے ساٹھ کروڑ ڈالر کا قرضہ حاصل کرے۔ ملک فیروز خان نون نے اس جلسہ کی صدارت کی۔

مرزا البشیر الدین نے کہا کہ اس قرضہ کا مطلب پاکستان پر ساڑھے پانچ کروڑ سالانہ سود کا بوجھ اور ایک غیر حکومت کا معاشی غلبہ ہوگا۔ اس کے مقابلہ میں انہوں نے دوسری سکیم پیش کی ہے کہ حکومت پاکستان غیر ممالک کی فرموں کو اپنا روپیہ پاکستان میں لگانے کی دعوت دے۔ ان فرموں کو سرمایہ کا کل چالیس فی صدی روپیہ لگانے کی اجازت دینی چاہیئے۔ اور باقی روپیہ حکومت اور باشندگان پاکستان لگائیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس کا بھی انتظام کرنا چاہیئے کہ باشندگان پاکستان ان فرموں کے ٹیکنیکل آدمیوں سے باقاعدہ کام سیکھ سکیں۔ (ا۔پ)"۔

تیسرا لیکچر

حضور نے ابتداً اپنی گذشتہ تقریر کے تسلسل میں حکومت پاکستان کی طرف سے امریکہ سے قرض لینے کی تجویز کا ذکر کیا اور فرمایا۔ گو اب مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ قرضہ کی شکل وہ نہیں ہوگی۔ جو اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔ تاہم میرے نزدیک اس تجویز پر عمل کرنے سے قبل متعدد اہم امور پر غور کرنا ضروری ہے حضور نے ان امور کی وضاحت کرتے ہوئے اس امر پر بھی زور دیا۔ کہ اس تجویز کے متعلق ملک کی اسمبلی کی منظوری حاصل کر لینی چاہیئے۔

اس کے بعد حضور نے اصل موضوع پر تقریر شروع کرتے ہوئے بتایا۔ کہ کسی ملک کی معنوی دولت ہی اسکی اصل قوت ہوا کرتی ہے باقی سب چیزیں اس کے مقابل پر ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر پاکستان کا ہر نوجوان عقل سے کام لے دماغ پر زور دے اور یہ اقرار کرے کہ میں نے اپنی تمام قوتیں ملک و ملت کے لئے وقف کر دینی ہیں تو یقیناً ہماری ساری ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔ اور ہم ملک کا اتنا اچھا دفاع کر سکتے ہیں کہ توپیں اور ہوائی جہاز اس کے مقابلہ

میں کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتے ۔

حضور نے فرمایا ۔ معنوی دولت افراد کے دماغ اور ان کے جسم مل کر پیدا کرتے ہیں ۔ اور اس لحاظ سے پاکستان کے پاس یہ دولت پیدا کرنے کے بہترین ذرائع موجود ہیں ۔ دماغی لحاظ سے ایک مسلمان چار امور سے متاثر ہوتا ہے :۔

(۱) عقیدۂ توحید ۔ (۲) عقیدہ عبودیت ۔ (۳) دُعا ۔ (۴) مذہب ۔

حضور نے ان چاروں اصولوں کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ اگر مسلمان ان چاروں اُمور پر کامل یقین اور ان کے مطابق تبدیلی پیدا کریں اور اس کے نتیجہ میں ان کے اندر خود بخود جرأت ، دلیری ، بہادری ، علوم کی ترقی کا شوق ۔ غرض ترقی کرنے کی تمام صفات پیدا ہو جائیں گی ۔ جسمانی قوت کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا ۔ مغربی پاکستان کا بچہ بچہ بہادر ہے ۔ میرا اندازہ ہے ۔ کہ ہندوستان کے بیس۲۰ کروڑ افراد میں سے جتنے سپاہی نکل سکتے ہیں ۔ پاکستان کے دو۲ کروڑ افراد میں سے اتنی ہی تعداد میں لیکن قابلیت کے لحاظ سے ان سے بہتر سپاہی مہیا ہو سکتے ہیں ۔ حضور نے معنوی دولت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز بیان فرمائیں :۔

(۱) پاکستان میں ہر مسلمان کے لئے قرآن مجید کا ترجمہ جاننا لازمی قرار دیا جائے ۔

(۲) مادری زبان میں تعلیم دی جائے اس سلسلے میں مشرقی پاکستان پر زور دیا جائے ۔ کہ وہ ضرور اُردو کو ذریعہ تعلیم بنائے ورنہ وہ پاکستان سے علیحدہ ہو جائے گا ۔ کیونکہ وہاں کے باشندوں کو بنگالی زبان سے ایک قسم کا عشق ہے

(۳) اُردو زبان کو لینگوا فرینکا قرار دیا جائے ۔ اس سلسلہ میں حضور نے یہ تجویز پیش فرمائی کہ غالب ، مومن اور داغ کے گھرانوں میں جو اعلیٰ اور شیریں اُردو رائج ہے ۔ اس کے تحفظ کے لئے دہلی کے مہاجرین کی ایک علیحدہ بستی آباد کی جائے ۔ ورنہ اب یہ خاندان منتشر ہو رہے ہیں اور آہستہ آہستہ ان کی زبان ناپید ہو جائے گی ۔

حضور نے اس سلسلہ میں نوجوانوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ۔ کہ وہ اخلاق کو درست کریں ۔ سوچنے اور غور کرنے کی عادت ڈالیں ۔ وقت کی قدر کریں اور اسے ملک اور قوم کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنائیں ۔ امیر اور غریب کے درمیان ارتباط پیدا کریں ۔ اور اقتصادی حالت کو اُونچا کرنے کی کوشش کریں ۔" [1]

چوتھا لیکچر

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے اپنی تقریر شروع کرتے ہوئے فرمایا ۔ کہ میری آج کی تقریر پاکستان کی بری ، فضائی اور بحری دفاعی طاقت کے لحاظ سے اس کے مستقبل کے متعلق ہے لیکن اصل موضوع کے شروع کرنے سے قبل میں ایک غلط فہمی کا ازالہ کر دینا چاہتا ہوں ۔ جو میری پچھلی تقریر کے ایک حصّہ کے متعلق ایک

---

[1] :۔ الفضل ۱۴ فتح / دسمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲۱۱ ۔

روزنامہ اخبار کو پیدا ہوئی ہے۔ جس میں میری طرف یہ منسوب کیا گیا ہے کہ گویا میں نے یہ کہا ہے۔ کہ ایک اہم عہدہ پر ایک اوورسیئر کو مقرر کیا گیا ہے اور وہ اس کا اہل نہیں ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ ایک شخص ترقی کر کے بہت بلند مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ میرے کہنے کا مطلب صرف یہ تھا۔ کہ ٹیکنیکل کام صرف ٹیکنیکل ماہر ہی کر سکتے ہیں۔ دوسرے اس کو سرانجام نہیں دے سکتے۔

اس کے بعد اصل موضوع شروع کرتے ہوئے حضور نے فرمایا۔ موجودہ زمانہ میں جنگ ۳ ظاہری اور ۲ مخفی طریقوں سے لڑی جاتی ہے۔ جو یہ ہیں:۔ (۱) بّری۔ (۲) فضائی۔ (۳) بحری۔ (۴) اقتصادی دباؤ۔ (۵) ففتھ کالم۔ سب سے پہلے میں بّری کو لیتا ہوں:۔ اس میں پیادہ فوج۔ ٹیکنیکل فوج۔ توپ خانہ۔ خوراک، لباس وغیرہ کی سپلائی اور سٹور کرنے والے، علاج کرنے والے اور پیرا شوٹرز شامل ہیں۔

اس کے بعد حضور نے نہایت تفصیل کے ساتھ پاکستان کی دفاعی طاقت کا جائزہ لیا۔ اس کے بعض قابل توجہ پہلوؤں کی نشاندہی فرمائی اور بعض ایسے اہم اور مفید طریق بتلائے جو دفاع پاکستان کے لئے اس دور میں مفید تھے۔ حضور نے پاکستان کی فضائی طاقت کو مضبوط بنانے پر بھی بہت زور دیا اور فرمایا کہ عوام میں فضائی تربیت حاصل کرنے کا رجحان پیدا کرنا چاہیئے اور یونیورسٹیوں اور کالجوں میں اس کا انتظام کرنا چاہیئے۔ اس ضمن میں حضور نے فرمایا کہ ضرورت کے وقت ہوائی جہاز تو ایک دن میں خرید سے جا سکتے ہیں لیکن آدمی ایک دن میں تیار نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ابھی سے اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

حضور کی تقریر کے بعد صاحب صدر میاں فضل حسین صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں حضور کی پیشکردہ تجاویز پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت ضرورت ہے کہ پاکستان کا ہر فرد فوجی تربیت حاصل کرے۔"[1]

پانچواں لیکچر

پانچویں لیکچر کے آغاز میں حضور نے بتایا کہ ملکوں کی بحری طاقت مختلف اقسام کے جہازوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ پھر حضور نے بحری طاقت کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیتے ہوئے بتایا کہ پاکستان کے پاس اس وقت تجارتی بیڑے کی حفاظت کرنے والے چند چھوٹے جہاز موجود ہیں۔ اگر اچھے افسر ہوں تو ان ہی سے لڑائی میں کسی حد تک کام لیا جا سکتا ہے۔ بحری جہازوں میں کام کرنے کی ٹریننگ کے لئے کراچی میں دو سکول موجود ہیں ایک چھوٹے بچوں کے لئے اور ایک نوجوانوں کے لئے لیکن تارپیڈو کا کام سکھلانے اور مکینیکل ٹریننگ کے لئے کوئی سکول موجود نہیں ہے۔ یہ سکول فوری طور پر قائم ہو جانے چاہئیں۔ پاکستان کے پاس اچھی بندرگاہ صرف کراچی کی ہے۔ حضور نے اس امر پر زور دیا کہ پاکستان کو SUBMARINES (آبدوز کشتیاں) - MINELAYERS -

---

[1] :- الفضل ۲۱ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱

(سرنگ بچھانے والے) MINE SWEEPERS (سرنگیں صاف کرنے والے)، DESTROYERS (تباہ کن جہاز)، AIR CRAFT CARRIERS (ہوائی جہاز بردار جہاز)۔ حاصل کرنے کے لئے فوری طور پر قدم اُٹھانا چاہیئے۔ زیادہ سے زیادہ کروڑ دو کروڑ روپیہ ان چیزوں پر خرچ کرکے ہم فوری طور پر کراچی کی بندرگاہ کو محفوظ کرسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں تجارتی بیڑہ قائم کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ کیونکہ اس وقت تمام بحری تجارتی کمپنیاں غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کی وجہ سے ہم جو سامان بھی باہر سے منگواتے ہیں وہ پہلے بمبئی جاتا ہے اور انڈین یونین مختلف ذرائع سے سامان پر قبضہ کرلیتی ہے۔ حضور نے یہ تحریک بھی کی کہ مسلمان نوجوانوں کو بحری ملازمتیں کرنے اور سمندری سفر کرنے کا اپنے دلوں میں خاص شوق پیدا کرنا چاہیئے۔ پاکستان کی یونیورسٹیوں کو بحری ٹریننگ کے لئے کلبیں قائم کرنی چاہئیں کیونکہ درحقیقت بغیر سمندری طاقت کے صحیح معنوں میں آزادی مل ہی نہیں سکتی۔ مسلمانوں نے ہی سب سے پہلے دُنیا میں کھلے سمندر میں سفر کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن افسوس کہ اب سب سے زیادہ اس سلسلے میں غفلت بھی مسلمانوں پر ہی طاری ہے۔

سیاست کے لحاظ سے پاکستان کے دفاع پر روشنی ڈالتے ہوئے حضور نے بتایا۔ ملکوں کے سیاسی تعلقات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) جبری۔ یہ تعلقات بالعموم ہمسایہ ممالک سے ہوتے ہیں۔ (۲) اختیاری۔ پاکستان کے جبری تعلقات (اچھے یا بُرے) ہندوستان، افغانستان، ایران، برما، عرب اور برطانیہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ان میں سے ایران، عرب اور برما سے پاکستان کے تعلقات اچھے ہیں۔ افغانستان میں گو ایک عنصر ایسا موجود ہے جس کی پاکستان کے بعض علاقوں پر نظر ہے۔ لیکن وہاں کی رائے عامہ چونکہ ہمسایہ مسلمان ممالک سے ہمدردی اور تعلقات بڑھانے کے حق میں ہے اس لئے یہ عنصر سردست پاکستان کی مخالفت کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ البتہ انڈین یونین سے ضرور خطرہ ہے کیونکہ ایک تو اسے لفظ پاکستان پر ہی غصہ ہے دوسرے مغربی پاکستان سے غیر مسلم قریباً نکل چکے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں ابھی چار کروڑ مسلمان باقی ہیں۔ جنہیں انڈین یونین بطور یرغمال استعمال کرسکتی ہے۔ اس لئے بھی وہ آسانی سے پاکستان پر حملہ کرنے پر آمادہ ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اہم بات یہ ہے کہ پاکستان میں انڈین یونین کا ففتھ کالم موجود ہے۔ لیکن انڈین یونین میں پاکستان کا ففتھ کالم موجود نہیں۔ اس موقعہ پر حضور نے بتایا۔ کانگرس نے پنجاب میں بھی اور سرحد میں بھی بعض لوگوں کے ساتھ ساز باز کرلی ہے۔ یہ لوگ ایک تنظیم اور سکیم کے ماتحت آہستہ آہستہ پاکستان کو ضعف پہنچانے کی کوششیں شروع کرچکے ہیں۔ پاکستان کے عوام کو اور حکومت کو ان لوگوں سے خبردار رہنا چاہیئے۔

حضور نے دیگر ممالک کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں روس سے حملہ کے خطرہ کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے بتایا۔

روس ایک سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت آہستہ آہستہ ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے میدان تیار کر رہا ہے۔ روس کے منشاء کی وجہ سے ہی انگریزوں نے ہندوستان کو آزاد کیا ہے۔ اس لئے ہمیں روس کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ حضور نے دیگر ممالک کے ساتھ پاکستان کے سیاسی تعلقات کے سلسلے میں تیرہ اہم تجاویز پیش کرتے ہوئے مندرجہ ذیل امور پر خاص طور پر زور دیا۔

(۱) پاکستان کو اپنی طرف سے کوئی ایسی بات نہ کرنی چاہیئے جس سے اس کی ہندوستان سے تعلقات خراب ہوں۔ اسے اپنی طرف سے صلح کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔ لیکن یہ صلح باعزت ہو نہ کہ ہتھیار ڈالنے کے مترادف۔

(۲) برطانیہ اور امریکہ سے بھی خوشگوار تعلقات رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے لیکن ان کی چالوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔

(۳) روس کے متعلق بھی امن پسندانہ رویہ رکھنا چاہیئے اور اپنی طرف سے کوئی وجہ اشتعال پیدا نہ ہونے دینی چاہیئے۔

(۴) عرب ممالک سے زیادہ سے زیادہ دوستانہ تعلقات قائم کرنے چاہئیں۔

(۵) عراق اور شام کے ساتھ ریل کے ذریعے پاکستان کا اتصال قائم کرنا ضروری ہے۔ تاکہ ضرورت پر ان ممالک کے ذریعے سامان آسکے۔

(۶) برما اور سیلون کے مخصوص ملکی حالات اس قسم کے ہیں کہ ان کے ساتھ بہت آسانی سے گہرے سیاسی تعلقات قائم کئے جا سکتے ہیں اور یہ تعلقات مشرقی پاکستان کی مدد کے لئے بالخصوص بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

(۷) سپین، ارجنٹائن، جاپان، آسٹریلیا، ابی سینیا اور الیسٹ افریقہ سے بھی دوستانہ تعلقات استوار کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ یہ ممالک اپنے اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے بہت سے سیاسی فوائد کا موجب بن سکتے ہیں"۔ [۱]

چھٹا لیکچر اس آخری لیکچر کا خلاصہ خود سیدنا المصلح الموعود کے الفاظ میں درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ——— نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

دستور اسلامی یا اسلامی آئین اساسی

یہ سوال اس وقت بزور اٹھ رہا ہے کہ پاکستان کا دستور اسلامی ہو یا قومی؟ اس بحث میں حصہ لینے والوں کی باتوں سے معلوم

[۱] :۔ الفضل ۱۱ صلح/جنوری ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵۔

ہوتا ہے کہ وہ آئینِ عام اور آئینِ اساسی میں فرق نہیں سمجھتے ۔ آئینِ اساسی سے مراد وہ قانون ہوتے ہیں جن کی حد بندیوں کے اندر حکومت اپنا کام چلانے کی مجاز ہوتی ہے ۔ اور جن کو وہ خود بھی نہیں توڑ سکتی ۔ بعض حکومتوں میں یہ آئین معیّن صورت میں اور لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض میں صرف سابق دستور کے مطابق کام چلایا جاتا ہے ۔ اور کوئی لکھا ہوا دستور موجود نہیں ہوتا ۔ یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ مثال ہے ان حکومتوں کی جن کا دستور لکھا ہوا ہوتا ہے ۔ اور انگلستان مثال ہے ان حکومتوں کی جن کا دستور لکھا ہوا نہیں ۔ اس کی بنیاد تعاملِ سابق پر ہے ۔

اسلام نام ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر نازل ہونے والی وحی پر ایمان لانے کا ۔ پس اسلامی آئین اساسی کے معنے یہی ہوں گے کہ کوئی ایسی بات نہ کی جائے جو قرآن کریم سنّت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف ہو ۔ قرآن کریم ایک غیر مشتبہ کتاب ہے ۔ سُنّت ایک غیر مشتبہ دستور العمل ہے ۔ قول رسولؐ بلحاظ سند کے ایک اختلافی حیثیت رکھتا ہے ۔ بعض اقوالِ رسولؐ متفقہ ہیں ، بعض مختلفہ ۔ جو متفقہ ہیں وہ بھی کلام اللہ اور سنّت رسول اللہ کا درجہ رکھتے ہیں ۔ جن اقوالِ رسولؐ کے متعلق مختلف فرقِ اسلام میں اختلاف ہے ۔ یا ایک ہی فرقہ کے مختلف علماء میں اختلاف ہے ان کا قبول کرنا یا نہ کرنا اجتہاد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ۔ اس لئے وہ آئینِ اساسی نہیں کہلا سکتے ۔ اسی طرح قرآن کریم کی آیات میں سے وہ حصّہ احکام کا جن کے معنوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے وہ آیتیں تو آئینِ اساسی میں داخل سمجھی جائیں گی ۔ کیونکہ وہ غیر مشتبہ ہیں لیکن اس کے الف یا ب معنے آئینِ اساسی کا حصہ نہیں سمجھے جائیں گے بلکہ الف کو اختیار کر لینا یا ب کو اختیار کر لینا حکومت وقت کے اختیار میں ہوگا ۔ پس جہاں تک آئینِ اساسی کا سوال ہے اگر پاکستان اسلامی آئینِ اساسی کو اختیار کرنا چاہتا ہے تو اُسے اپنے آئین میں یہ دفعہ رکھنی ہوگی کہ پاکستان کے قوانین جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے قرآن و سنت پر مبنی ہوں گے ۔ اور جن امور میں قرآن و سنّت سے واضح روشنی نہ ملتی ہوگی اور اجتہاد کی اجازت ہوگی وہاں قرآن کریم ، سُنّت اور کلامِ رسولؐ کی روشنی میں قانون تجویز کئے جائیں گے اگر قانونِ اساسی اسلامی نہیں بلکہ حنفی یا شافعی یا حنبلی یا مالکی بنانا ہوگا تو پھر اُوپر کے قانون میں یہ بھی اضافہ کرنا ہوگا کہ یہ قانون فلاں فلاں فرقہ کے علماء کے اجتہادوں پر مبنی ہوں گے مگر اس خصوصیت کی وجہ سے یہ قانون اسلامی آئین نہیں بلکہ حنفی آئین یا شافعی آئین یا حنبلی آئین یا مالکی آئین کہلانے کے مستحق ہوں گے کیونکہ اسلام کے لفظ میں تو سب ہی فرقِ اسلام شامل ہیں ۔

اسلامی اصول پر مبنی گورنمنٹ کے لئے چونکہ انتخاب کی شرط ہے اس لئے اگر اسلامی آئین پر گورنمنٹ کی بنیاد رکھی جائیگی تو مندرجہ ذیل شرائط کو مدّنظر رکھنا ہوگا ۔

اوّل :۔ حکومت کا ہیڈ منتخب کیا جائیگا ۔ انتخاب کا زمانہ مقرر کیا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ پاکستان کا ہیڈ خلیفہ نہیں

ہوگا۔ خلیفہ کو سارے مسلمانوں پر حکومت حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ صرف حکومت کا ہیڈ نہیں ہوتا بلکہ مذہب کا بھی ہیڈ ہوتا ہے۔ پاکستان کے ہیڈ کو نہ دوسرے ملکوں کے مسلمان تسلیم کریں گے اور نہ علماء مذہب کے مسائل میں اُس کو اپنا ہیڈ ماننے کے لئے تیار ہوں گے۔ اس لئے خلافت کے اصول پر اس کے اصول تو مقرر کئے جا سکتے ہیں۔ مگر نہ وہ خلیفہ ہو سکتا ہے نہ خلافت کے سارے قانون اس پر چسپاں ہو سکتے ہیں۔

خلافت کے اصول یہ ہیں :۔

(۱) اس کا تقرر انتخابی ہو (اس انتخاب کے کئی طریق ہیں لیکن اس تفصیل میں جانے کی اس وقت گنجائش نہیں)۔

(۲) وہ مملکت کے کام مشورہ سے چلائے (مشورہ کے لئے اسلام کے تین اصول ہیں۔ عام مسلمانوں سے مشورہ لینا۔ یعنی ریفرنڈم۔ چند تجربہ کار لوگوں سے مشورہ لینا یعنی ایگزیکٹو باڈی سسٹم۔ قوموں کے منتخب نمائندوں کے مشورہ لینا۔ جیسے آجکل کی پارلیمنٹس ہوتی ہیں یہ تین طریقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہیں) لیکن جہاں تک خلافت کا سوال ہے خلیفہ مشورہ لینے کا پابند ہے مشورے پر عمل کرنے کا پابند نہیں۔ پس اگر سو فی صدی خلافت کے اصول پر پاکستان کا آئین بنایا جائے تو حکومت کا ہیڈ ایگزیکٹو کا ہیڈ ہوگا۔ ایگزیکٹو کا انتخاب اس کے اپنے اختیار میں ہوگا وہ تمام ضروری امور میں پبلک کے نمائندوں سے مشورہ لے گا لیکن اُن مشوروں پر کاربند ہونے کا پابند نہیں ہوگا لیکن میں پہلے بتا چکا ہوں کہ پاکستان کا ہیڈ خلیفہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ نہ ساری اسلامی حکومتیں اس کو ہیڈ تسلیم کریں گی نہ علماء اس کو مذہبی ہیڈ تسلیم کریں گے۔ اس لئے ہم خلافت کے پس پردہ جو اصول کارفرما ہیں ان سے روشنی تو حاصل کر سکتے ہیں ان کی پوری نقل نہیں کر سکتے اور چونکہ خلافت اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک دنیا کی سب مسلمان حکومتیں اور افراد اس انتخاب پر متفق نہ ہو جائیں یا اکثریت متفق نہ ہو جائے اور یہ ناممکن ہے اس لئے یہ کہنا کہ پاکستان کا آئین اساسی اسلام پر مبنی ہو درست نہیں۔ جس طرح انگریزی حکومت کے ماتحت ہمیں شریعت کے وہ احکام نافذ کرنے کا اختیار نہ تھا جو حکومت کے متعلق تھے اور ہم اس کی وجہ سے گنہگار نہیں تھے۔ اسی طرح اسلامی آئین حکومت چونکہ خلافت سے تعلق رکھتا ہے اور خلافت کا قیام مسلمان افراد اور حکومتوں کی اکثریت کے اتفاق کے بغیر ناممکن ہے اس لئے اگر ہم اس نظام کو قائم نہیں کرتے تو ہم ہرگز خدا تعالیٰ کے سامنے مجرم نہیں کیونکہ اس نظام کے قائم کرنے کے لئے جو شرطیں اسلام نے مقرر کی ہیں وہ شرطیں اس وقت پوری نہیں ہوتیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان کی حکومت اسلامی اثر سے بالکل آزاد ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں جو چیز ہمارے اختیار میں نہ ہو اسے چھوڑنے میں تو ہم حق بجانب کہلا سکتے ہیں لیکن جو چیز ہمارے اختیار میں ہو اسے

چھوڑنے کا ہمیں کوئی حق حاصل نہیں۔ انگریزی حکومت میں اگر ہم چور کا ہاتھ نہیں کاٹتے تھے تو ہم گنہگار نہیں ہوتے تھے لیکن اگر ہم نماز نہیں پڑھتے تھے تب ضرور گنہگار ہوتے تھے۔ اگر ہم ایک زانی کو کوڑے نہیں لگاتے تھے تو ہم گنہگار نہیں ہوتے تھے۔ لیکن اگر ہم روزے نہیں رکھتے تھے تو ہم ضرور گنہگار ہوتے تھے۔ پس جو حصہ ہمارے اختیار میں نہیں اس کے نہ کرنے پر ہم پر کوئی الزام نہیں۔ لیکن جو حصہ ہمارے اختیار میں ہے اس کے نہ کرنے پر یقیناً ہم پر الزام ہے۔ اسلامی آئین کے مطابق ہم اپنی حکومت نہیں بنا سکتے کیونکہ اس کے لئے خلافت کی شرط ہے اور خلافت کی شرط کو پاکستان پورا نہیں کر سکتا۔ اسلامی خلیفہ سارے عالم اسلام کا سردار ہوتا ہے وہ مذہب اور حکومت دونوں کا سردار ہوتا ہے۔ وہ سیاست اور انفرادی زندگی کا بھی سردار ہوتا ہے۔ یہ شرطیں پاکستان ہرگز پوری نہیں کر سکتا۔ لیکن جہاں تک قانون سازی اور انفرادی زندگی پر اسلامی احکام کے نفاذ کا سوال ہے اس میں کوئی چیز ہمارے رستے میں روک نہیں بن سکتی۔ پس اگر پاکستان کی کانسٹی ٹیوشن میں مسلمان جو کہ بھاری اکثریت ہوں گی یہ قانون پاس کر دیں کہ پاکستان کے علاقے میں مسلمانوں کے لئے قرآن اور سنت کے مطابق قانون بنائے جائیں گے ان کے خلاف قانون بنانا جائز نہیں ہوگا۔ تو گو اساسی حکومت کلی طور پر اسلامی نہیں ہوگی کیونکہ وہ ہو نہیں سکتا۔ مگر حکومت کا طریق عمل اسلامی ہو جائے گا اور مسلمانوں کے متعلق اس کا قانون بھی اسلامی ہو جائے گا اور اسی کا تقاضا اسلام کرتا ہے اسلام ہرگز یہ نہیں کہتا کہ ہندو اور عیسائی اور یہودی سے بھی اسلام پر عمل کروایا جائے بلکہ وہ بالکل اس کے خلاف کہتا ہے۔

اس اصولی تمہید کے بعد میں آئین کے لحاظ سے پاکستان کے مستقبل کے متعلق کچھ تفصیلی نوٹ دیتا ہوں:۔

آئین کے لحاظ سے پاکستان کا مستقبل بہت عظیم الشان ہے کیونکہ اس کے باشندوں کی کثرت اس منبع آئین میں یقین رکھتی ہے جس کی نسبت خالق جن و انس فرماتا ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (مائدہ ع۱) یعنی میں نے تمہاری ضرورتوں کے تمام مدارج کے لئے قانون بنا دیئے ہیں اور تمہاری ساری ہی ضرورتوں کو قانون کے ذریعے سے پورا کر دیا ہے گویا قرآنی قانون ان ٹن سو (INTENSIVE) بھی ہے اور ایکس ٹن سو (EXTENSIVE) بھی ہے۔

یہ سوال کہ ایک ہی قانون ہمیشہ کی ضرورتوں کو کس طرح پورا کر سکتا ہے؟ اس کا جواب سمجھنے سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ آئین دو قسم کے ہوتے ہیں رجڈ اور فلیکسیبل۔ یعنی غیر لچکدار اور لچکدار۔ غیر لچکدار قانون میں یہ کمزوری ہوتی ہے کہ اس کو جلد جلد بدلنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے لیکن لچکدار قانون کو فوری بدلنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان قانونوں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کپڑے کا کرتہ اور سویٹر۔ کپڑے کا بنا ہوا کرتہ بچے کے بڑھنے کے ساتھ جلدی جلدی تبدیل

کرنا پڑتا ہے۔ سو یہ بوجہ لچکدار ہونے کے بہت دیر تک کام آتا رہتا ہے۔ ایسا لچکدار قانون گو دیر تک کام دیتا ہے لیکن اس میں یہ نقص ہوتا ہے کہ وہ کبھی اپنے منبع سے بالکل دُور چلا جاتا ہے۔ اور نئی نئی توجیہوں سے آخر اس کی شکل ہی بدل جاتی ہے۔ اسلام بعض حصّوں میں انتہائی غیر لچکدار ہے مگر اس کی بعض تعلیمات انتہائی لچکدار ہیں اور یہ اس کا غیر معمولی امتیاز اور غیر معمولی کمال ہے کہ اس کا غیر لچکدار قانون کبھی بھی خلاف زمانہ نہیں ہوتا اور اُس کا لچکدار قانون کبھی بھی ایسی شکل نہیں بدلتا کہ اپنے منبع سے بالکل کٹ جائے۔ اس لئے اسلام ہمیشہ کے لئے قائم رہنے والا قانون ہے۔

اب مَیں اصل سوال کو لیتا ہوں کہ آخر ایسا کس طرح ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض باتوں کا جواب "کیوں" اور "کس طرح" سے حل نہیں ہوتا۔ بلکہ چیز کی حقیقت کو دیکھ کر حل ہوتا ہے۔ اسلام کا کوئی حکم بھی ایسا نہیں جو زمانہ کی ضرورتوں سے پیچھے رہ گیا ہو۔ خصوصاً اس زمانہ کے لحاظ سے تو اسلام کے احکام کی خوبی دوبارہ ثابت ہو گئی ہے۔ طلاق، نکاح بیوگان، قریبی رشتہ داروں سے شادی، شراب کے استعمال کو حرام کرنا۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن پر پچھلے سو سال میں شدت سے اعتراض ہوتا آیا ہے۔ لیکن اب وہی معترض قومیں اور حکومتیں ان قانونوں کو اپنا رہی ہیں۔ کثرت ازدواج پر اعتراض ہوتا ہے مگر کیا اس تازہ مصیبت کے بعد بھی مسلمانوں کی سمجھ میں اس کی حکمت نہیں آئی۔ جب ہندوستان میں اسلام کی تبلیغی ترقی رُکی تھی اس وقت کے مسلمان اگر کثرتِ ازدواج کے ذریعہ سے اسلامی نسل کو بڑھانا شروع کر دیتے تو آج یہ تباہی نہ آتی تمام قانونوں اور تمام اعمال کا خاص خاص زمانہ ہوتا ہے اُسی وقت ان کی قدر جاکر معلوم ہوتی ہے۔ عقائد میں توحید کا مسئلہ لے لو۔ توحید پر دُنیا نے کتنے اعتراض کئے ہیں لیکن اس صدی میں کیا کوئی ملک اور کوئی قوم بھی باقی رہ گئی ہے جو توحید کی قائل نہ ہو؟ ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے کوئی مسلمان شبہ ہی کس طرح کر سکتا ہے کہ اسلام کے بعض قانون پُرانے ہو گئے ہیں۔ آج سے سو سال پہلے طلاق کا قانون بھی پرانا تھا۔ شراب کا قانون بھی پُرانا تھا۔ جوئے کا قانون بھی پُرانا تھا۔ نکاح بیوگان کا قانون بھی پُرانا تھا قریبی رشتہ داروں میں شادی بھی پرانی تھی۔ اولاد میں جائیداد کی تقسیم بھی پرانی تھی۔ لیکن اب چاً چاً کر ان باتوں کو دنیا مان رہی ہے۔ کیا یہ بات ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں کہ جو دو چار قابلِ اعتراض احکام رہ گئے ہیں وہ بھی اسی طرح حل ہو جائیں گے جس طرح کہ پہلے حل ہوئے۔ جہاں اسلام کے کئی قانون ایسے ہیں کہ جن پر پہلے اعتراض ہوا اور اب دنیا ان پر عمل کرنے لگی ہے۔ وہاں غیر مذاہب کا کوئی بھی حکم نہیں جس کے متعلق یہ کہا جاسکے کہ اسلام کو اسے اپنانے کی ضرورت پیش آئی ہے۔ پردہ کی مثال یہاں چسپاں نہیں ہوتی اور سود کا سوال مختلف ہے کیونکہ سود لینے پر مسلمان بنکوں اور حکومتوں کے قانونی دباؤ کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں۔ لیکن جن غیر مسلم اقوام نے طلاق وغیرہ کے مسائل اختیار کئے ہیں وہ کسی اسلامی دباؤ کی وجہ سے نہیں۔ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے ان سوالات کو بھی حل کر سکتے ہیں۔ جب بھی

مسلمانوں میں سود کے متعلق اسلامی احکام جاری کرنے کا احساس پیدا ہوا ہم یقیناً سود کو مٹا دیں گے۔ ہم اسے مٹا سکتے ہیں اور اسلامی قانون کی برتری ثابت کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ اس زمانہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ (حجر ع) یعنی کفار کے دل میں کئی بار خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے اور اسلامی قانون کی برتری سے فائدہ اُٹھاتے۔ یہ آیت اپنے اندر بڑی بھاری صداقت رکھتی ہے۔ ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام ہر معاملہ میں دخل دیکر عقل انسانی کو معطل کر دیتا ہے۔ یہ اعتراض اسلام پہ ہرگز نہیں پڑتا۔ اسلام تو کہتا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ (مائدہ ع) یعنی ہر معاملہ کے متعلق سوال نہ کیا کرو کیونکہ قرآن کریم میں ہر امر کا بیان ہو جانا تمہارے لئے تکلیف کا موجب ہوگا۔ پس اسلام کا کمال صرف یہی نہیں کہ وہ ہر مسئلہ پر روشنی ڈالتا ہے۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ ایک حادی تعلیم کے باوجود بہت سی جزئیات کو مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ تاکہ وہ اُن کے لئے قانون بنائیں۔

اسلام کی تعلیم اس لحاظ سے مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم ہے:۔

اوّل۔ اصولی تعلیم۔ یہ غیر مبدّل ہے اصولی طور پر۔ مبدّل ہے حالات مخصوصہ میں۔ نماز میں بیمار کا بیٹھ جانا یا نماز لیٹ کر پڑھنا۔ وضو نہ کرنے کی صورت میں تیمّم کر لینا۔ رمضان کے مہینہ میں سفر یا بیماری کی وجہ سے دوسرے دنوں میں روزہ رکھ لینا۔ یہ سب حالات مخصوصہ کی تبدیلیاں ہیں۔ اس طرح جن ملکوں میں چوبیس ۲۴ گھنٹے سے دن یا رات بڑے ہوتے ہیں ان میں روزہ زکوٰۃ اور حج کے فرائض کو دوسرے ممالک کے دنوں اور مہینوں پر قیاس کر کے پورا کرنا۔ یہ سب غیر مبدّل اصولی حکم کی تبدیلیاں ہیں جو حالاتِ مخصوصہ میں ہو جاتی ہیں۔

دوسرے جزوی تعلیم۔ یہ کئی قسم کی ہے۔

الف۔ غیر معیّن احکام ہیں جن کی کمیّت یا کیفیت افراد یا جماعتوں پر چھوڑ دی گئی ہے۔ جیسے نفلی نماز، نفلی صدقہ، نفلی روزہ عمرہ۔

ب۔ مماثل حالات میں مسائل اخذ کرنے کا حق دیا ہے۔ اس طرح قانون سازوں کے لئے مواقع نکلتے ہیں۔

ج۔ جرائم بتائے ہیں سزا تجویز نہیں کی۔ اس طرح بھی قانون سازی کے لئے مواقع نکلتے ہیں۔

اسلامی قانون کے اصول یہ ہیں۔ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَیُزَکِّیْهِمْ۔ (البقرہ ع ۱۵)۔

۱۔ ہر حکم کسی فائدہ کے لئے ہونا چاہیئے۔

۲۔ ہر نہی کسی نقصان کے دُور کرنے کے لئے ہونی چاہیئے۔

۳ - ہر حکم ذہنی تزکیۂ ذہن و قلب اور قومی ترقی کے مدنظر ہونے چاہئیں ۔

۴ - لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ ع۴) کوئی حکم ایسا نہیں ہونا چاہیئے جو فرد یا قوم کی طاقت سے بالا ہو۔ یہ طاقت جسمانی بھی ہو سکتی ہے امکانی بھی۔ یعنی ظاہر میں طاقت ہو لیکن امکانی ترقی کو نقصان پہنچا دے اور ذہنی بھی یعنی قوم کی ذہنی قوتوں کو ضائع کر دے ۔

۵ - قانون حریتِ ضمیر کو مارنے والا نہ ہو۔ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ (مائدہ ع۷) اور یہود کی نسبت ہے وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ (مائدہ ع۶) مسلمانوں کے متعلق فرمایا۔ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ (مائدہ ع۷) ۔

۶ - کوئی حکم فرد یا پارٹی کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو ۔ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ (ص ع۲)

۷ - کوئی حکم یا نفاذِ حکم ایسا نہ ہو کہ کمزوروں کو ترقی سے روکے یا ترقی کے امکانات کو خاص افراد یا اقوام میں محصور کر دے ۔ مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (الحشر ع۱) ۔

۸ - کوئی قانون ایسا نہ ہو کہ ایک قوم یا حکومت اُس کے ذریعہ سے دوسری اقوام پر ناجائز فوقیت حاصل کرنا چاہے یا اُسے دبانا چاہے ۔ تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ (النحل ع۱۳) اسی کے ماتحت زمیندار اور غیر زمیندار میں فرق جائز نہیں ۔

اسلام قانون کو فردی پاکیزگی کے ساتھ وابستہ قرار دیتا ہے۔ کیونکہ سوسائٹی کی اصلاح فرد کی اصلاح کے ساتھ وابستہ ہے اور اچھے سے اچھا قانون فرد کے طوعی تعاون کے بغیر اچھا نتیجہ نہیں دے سکتا ۔ اسی لئے اسلام فرماتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ (مائدہ ع۱۴) اس لئے کوئی اسلامی آئین جاری نہیں ہو سکتا ۔ جب تک کہ فرد ذاتی احکام پر پہلے عمل نہ کرے ۔ اگر قانون کو کامیاب کرنے والی رُوح نہ ہو تو قانون کیا کر سکتا ہے ؟ ہر قانون توڑا جا سکتا ہے ۔ ہر قانون کے مستثنیات ہیں اور ہر شخص اپنے آپ کو مستثنےٰ بنا سکتا ہے ۔ یہ سچ ہے کہ میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی ۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ وہ راضی نہ ہوں تو بھی وہ قاضی غریب کو اُلّو بنانے کے لئے سو جتن کر لیتے ہیں ۔

پس اسلامی آئین بنانے (جس کے معنے ہیں اسلامی سوسائٹی بنانے) سے پہلے اسلامی فرد بنانا ہوگا۔

ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ جو اسلامی فرد نہ ہوگا اسے آئین اسلام سے کیا دلچسپی؟۔ جو ذاتی احکام پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں وہ کیوں قومی آئین کے لئے فکرمند ہوگا اگر وہ ایسا کرے گا تو کسی ذاتی غرض کے لئے۔ اس لئے وہ آئین اسلام نہ بنائے گا بلکہ آئین اسلام کے نام سے ایسا قانون بنائیگا جو اس کی ذات کے لئے مفید ہو۔ ایسا آئین یقیناً غیر اسلامی آئین سے بھی خطرناک ہوگا کیونکہ وہ سوسائٹی کے لئے بھی مضر ہوگا اور اسلام کو بھی بگاڑنے اور بدنام کرنے والا ہوگا۔

پس جب تک فرد اپنے ذاتی اعمال کو اسلام کے مطابق کرنے کے لئے تیار نہیں اسے کوئی حق نہیں کہ اسلامی آئین بنانے کا مطالبہ کرے یا دعویٰ کرے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ اسلام کا آئین بنانے والے فردی قانون اسلام پر خود کاربند ہیں۔

اب میں تفصیل کو لیتا ہوں۔ اسلامی آئین کے جاری کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیئے کہ سُود حرام کرنا ہوگا۔ موجودہ سینما بند کرنے ہوں گے۔ اسلامی پردہ رائج کرنا ہوگا۔ شراب (پینے والی) بند کرنی ہوگی۔ انشورنس حرام ہوگا۔ جوا۔ صرف بازاری نہیں بلکہ اس کے مشابہ کھیلیں بھی جو چانس گیمز کہلاتی ہیں منع ہوں گی۔ ڈاڑھیاں رکھی جائیں گی۔ مردوں کے لئے سونے کا زیور یا استعمال کی چیز، چاندی سونے کے برتن۔ بلکہ تالیاں بجانا بھی منع کرنا ہوگا۔ جاندار کی مصوری اور ان تصویروں کی نمائش بھی ناجائز ہوگی اگر مسلمان اس کے لئے تیار ہوں تو پھر وہ شوق سے اسلامی آئین جاری کریں۔ لیکن اس کے لئے اس اعلان کی ضرورت نہیں۔ کہ وہ اسلامی حکومت جاری کریں گے۔ کیونکہ قرآن کریم تو صاف کہتا ہے کہ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (مائدہ ع) کیا مسلمان دوسری اقوام کو مجرم بنانا چاہتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی اجازت کو چھین لیں گے اور قرآنی حکم پر عمل ہوگا کہ ہر مذہب کے پیرو اپنے مذہب کے قانون کے مطابق عمل کریں گے تو پھر اس فتنہ کا دروازہ کھولنے کی کیا ضرورت ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو نقصان پہنچے۔ یہ کیوں نہ کہا جائے کہ پاکستان میں مسلمانوں کے باہمی معاملات اسلام کے مطابق طے ہوں گے اور دوسرے مذاہب اگر چاہیں تو ان کے معاملات ان کے مذہب کے مطابق ورنہ ان کی کثرت رائے کے مطابق قانون بنا دیا جائے گا۔ ان الفاظ میں وہی مطلب حاصل ہوگا جو اسلامی حکومت کے لفظوں میں ہے۔ لیکن کسی کو اعتراض کرنے یا بدلہ لینے کا حق نہیں ہوگا۔ غیر مذاہب میں سے جو اعلان کر دیں کہ وہ اسلامی قانون یا اُس کے فلاں حصّہ کی پیروی کریں گے ان پر اسلامی قانون عاید کر دیا جائے گا۔

اب رہ جاتا ہے وہ حصہ قانون کا جو حکومت سے تعلق رکھتا ہے اس میں اسلامی قانون کی روشنی میں ملکی قانون بنایا جاسکتا ہے۔ بہرحال اسلامی ملک میں مسلمانوں ہی کی زیادتی ہوگی۔ اس طرح کوئی بھی جھگڑا پیدا نہیں ہوتا اور اسلام کا منشاء بھی پورے طور پر بغیر کسی کمی کے پورا ہو جاتا ہے۔ ورنہ دشمن کو اشتعال ہو کر دوسرے مسلمانوں کو نقصان ہوتا ہے۔ اور قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (انعام ع ۱۳)۔

اُوپر کی تمہید کے بعد میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلامی اصولوں کے مطابق بنائی ہوئی پارٹی کا نام سوشل ڈیموکریٹک انٹرنیشنل رکھا جاسکتا ہے۔ اور اس کا وہ حصہ جو صرف مسلمانوں پر مشتمل ہو اسلامک سوشل ڈیموکریٹک انٹرنیشنل کہلا سکتا ہے۔

اسلامی نظامِ اقتصادی

اسلام کے اصول کے مطابق اصل مالک خدا تعالیٰ ہے اسنے سب چیزیں بنی نوع انسان کے لئے پیدا کی ہیں۔ اس لئے ہر ایک کی کمائی میں دوسروں کا حق ہے وہ حق زکوٰۃ اور عُشر اور خمس کے ذریعہ ادا کیا جاتا ہے جو رقوم کہ حکومت لیتی اور غرباء پر استعمال کرتی ہے یا پبلک کاموں پر۔

اس روپیہ کے استعمال میں یہ امر مدّ نظر رکھا جاتا ہے کہ يُؤْخَذُ مِنْ اُمَرَاءِهِمْ وَ يُرَدُّ اِلٰى فُقَرَاءِهِمْ۔ مگر اس کے ساتھ یہ امر بھی کہ امیر و غریب کے کھانے کپڑے کا انتظام حکومت کرتی ہے۔ راشن سسٹم ہر وقت جاری رہتا ہے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس کا مؤید ہے۔ بحرین کا بادشاہ مسلمان ہوا تو آپ نے اس کو لکھا کہ جن کے پاس زمین نہ ہو ان کو چار درہم اور مناسب کپڑا بطور گذارہ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اسلامی احکام اور اس عمل کے مطابق ہر مسلمان کی خوراک و لباس کا انتظام کیا اور مفت راشن کا سسٹم جاری کیا۔ مگر اسکے علاوہ احسان اور صدقہ کو بھی اسلام نہیں مٹاتا۔ اور

انفرادی ترقی کے راستے کھلے چھوڑتا ہے

زمین کی ملکیت کے بارہ میں اسلام نے ہرگز روک نہیں ڈالی۔ جو حوالے پیش کئے جاتے ہیں وہ سرکاری زمین یا عطیاتِ سرکار یا غصبِ حکام کے بارہ میں ہیں۔ ایک حوالہ بھی خرید کردہ یا ورثہ کی زمین کے متعلق نہیں ہے۔ انصار صحابہؓ نے خود نصف زمین دینی چاہی مگر مہاجرین نے نہیں لی۔ فتوحات کے موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ یا یہ زمین مہاجرین کے پاس رہنے دو یا اپنی نصف ان کو دیدو اور یہاں سے نصف لے لو۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ معاملہ بالکل جداگانہ ہے۔ یہ انصار کے شک کو دُور کرنے کے لئے تھا۔ اور اس میں کیا شک ہے۔ کہ حکومت کا مال غربا کے پاس جانا چاہیئے۔ انصار نے جواب دیا کہ ہم دونوں باتوں پر راضی نہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہیں کہ نئی اُمدہ زمین مہاجرین کو ہی دی جائے۔ اور ہماری زمین کا نصف بھی۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہ کیا۔

مساوات رکھنے کا اسلامی نظام

زکوٰۃ۔ سُود کی ممانعت۔ ورثہ۔ برتھ کنٹرول کی ممانعت۔ بھاؤ بڑھانے یا گھٹانے کو ناجائز قرار دیا۔ سادہ زندگی خوراک لباس رہائش اور زیور میں۔ تمام افراد کا کھانا کپڑا اور مکان حکومت کے ذمہ ہے۔ حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ کسی قانون کے غلط استعمال پر اس قانون میں جزوی تبدیلی عارضی طور پر کر دے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک وقت میں تین طلاق دینے والے کی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دینے کا فیصلہ فرمایا۔ حالانکہ اصل میں وہ تین نہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔ آپ کی غرض شریعت کی حدبندیوں کو توڑنے والے کو سزا دینا تھی۔

اسلامی احکام کی خصوصیات

عورت کے حقوق۔ اولاد کے حقوق۔ عوام کے حقوق۔ ملازموں کے حقوق۔ مجرموں کے حقوق۔ مساوات انسانی اور بین الاقوامی تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔ دوسری شرائع اس بارہ میں خاموش ہیں۔

اسلام کے بعض اہم مسائل جن پر اعتراض کیا جاتا ہے:۔

۱۔ زنا کی سزا رجم بہت سخت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں اس سزا کا ذکر نہیں۔ قرآن کریم اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (نور ع) زانی مرد یا زانی عورت کو سو کوڑے لگاؤ اور جو جھوٹا الزام لگائے اُسے اسّی کوڑے لگاؤ۔ اِن دونوں حکموں کے بعد فرماتا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (نور ع)۔ پس یہ سو کوڑے بھی فحش کی سزا ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو اس طرح زنا کرے گا کہ چار گواہ اس کے فعل کے مل سکیں گے وہ زنا سے زیادہ فحش کا

مرتکب ہوگا۔ اور فحش ہی کی یہ سزا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ زنا کی کیا سزا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ زنا کی سزا خدا تعالٰے کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ زانی کے متعلق فرماتا ہے یَلْقَ اَثَامًا (فرقان ع ۶) یعنی وہ اپنے گناہ کی سزا خدا سے پائے گا ہاں زنا کو روکنے کے لئے شریعتِ اسلامیہ نے اس کی مبادی کو روکا ہے۔ مثلاً غیر محرم مرد و عورت کے اختلاط کو روکا ہے۔

۲۔ چوری کی قطع ید۔ اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا (مائدہ ع ۶) یہ سزا سخت بتائی جاتی ہے۔

جواب۔ یہ سزا ہر چوری کی نہیں۔ بلکہ اس کے لئے شرطیں ہیں۔

اوّل۔ چوری اہم ہو۔ **دوم**۔ بلا ضرورت ہو یعنی عادۃً۔ طعام کی چوری پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے سزا نہ دی۔ اسی طرح بھاگے ہوئے غلام کے متعلق ہے کہ ہاتھ نہ کاٹے جائیں گے جس کی یہ وجہ ہے کہ وہ کما نہیں سکتا اور بھوک سے مجبور ہے۔ **سوم**۔ توبہ سے پہلے گرفتار ہو تب سزا ملے گی۔ **چہارم**۔ مال چوری کر چکا ہو۔ صرف کوشش سرقہ نہ ہو۔ **پنجم**۔ اس کی چوری مشتبہ نہ ہو۔ یعنی اشتراک مال کا مدعی نہ ہو جس کے گھر سے چوری کرے وہ اس کے عزیز یا متعلق نہ ہوں جن پر اس کا حق ہو۔ (بیت المال کی چوری پر حضرت عمرؓ نے سزا نہ دی) مثلاً کسی مذہبی جنون کے ماتحت ہو۔ جیسے بُت چرا لینا۔ یہ مذہبی دیوانگی کہلائے گی اور حکومت تعزیری کارروائی کرے گی ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائیگی یا جوشِ انتقام میں چوری کرے جیسے جانوروں کی چوری کرتے ہیں۔ یا جبراً چوری کرائی جائے **ششم**۔ وہ شخص نابالغ نہ ہو۔ **ہفتم**۔ عقلمند ہو بیوقوف یا فاتر العقل نہ ہو۔ **ہشتم**۔ اس پر اصطلاحِ چور کا اطلاق ہو سکتا ہو۔ چور سے مال واپس دلوایا جائے گا۔

۳۔ ڈاکہ۔ بغاوت اور ارتدادِ باغیانہ کی سزا قتل ہے۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (مائدہ ع ۵) اس میں چار الگ سزائیں بتائی ہیں۔ یہ سزائیں جرم کی نوعیت کے لحاظ سے ہیں۔ اگر ایسے لوگ ساتھ قتل کرتے ہوں تو قتل کئے جائیں گے۔ صلیب دیتے ہوں تو صلیب دئے جائیں گے۔ ہاتھ پاؤں کاٹتے ہوں تو ان سے یہی کیا جائے گا۔ محض دنگا فساد کرتے ہوں تو قید یا جلاوطنی کی سزا دی جائے گی۔ اس پر کیا اعتراض ہے؟ اگر مسلمان یہی معاملہ غیر اسلامی حکومت میں کرے اور اس سے یہی سلوک ہو تو مسلمانوں کو کیا اعتراض؟

سوال یہ ہے کہ باغی کافی تھا مرتد کو کیوں شامل کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مرتد کا ذکر اسلئے ضروری تھا کہ وہ جنگی سپاہیوں کے حق کا مطالبہ نہ کرے جو باوجود قتل کے قاتل نہیں بن جاتے اور قتل نہیں کئے جاتے ۔

مرتد کے قتل کے خلاف یہ بھی دلیل ہے کہ پھر ان کو بھی حق پہنچتا ہے ۔ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ میں اس حق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

۴ ۔ **غلامی** ۔ اسلام میں نہیں ۔ جنگی قیدیوں کا ذکر ہے ۔ اور اُن کے بارہ میں حکم ہے ۔ اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (محمد ع) اور جس کو فداء حاصل نہ ہو اُس کیلئے "کتابت" کا حکم ہے ۔ پس غلامی کی کوئی صورت بھی موجود نہیں ۔ جنگی قیدیوں کا ذکر ہے جو ہر زمانہ میں پکڑے جاتے ہیں ۔ اور ہر حکومت پکڑتی ہے اس کے علاوہ بھی اسلام نے قیدیوں کی آزادی کے مختلف حکم دئے ہیں ۔

قصاص قتل ۔ اس میں معافی کی اجازت ہے ۔ خواہ خطا کی دیت ہو خواہ عمد کی سزا ہو ۔ مگر حکومت شہادت میں دخل دے گی ۔

قصاص اعضاء ۔ مار پیٹ کا یا اَلسِّنَّ بِالسِّنِّ وغیرہ ۔ ہاں جلانے کی اجازت نہیں ۔ نہ ہتک کرنیکی ۔ اس قسم کی سزا کا ہونا امن کے لئے ضروری ہے ۔ مگر اس میں بھی عفو یا دیت جائز ہے اور عمد کی شرط ہے ۔ ہاں قاضی دباؤ اور ڈر کی صورت میں معافی کو برطرف کر سکتا ہے ۔

ملزم کی تعذیب ۔ بلکہ مجرم کی بھی جائز نہیں ۔ اسے روکنے کیلئے اقرار جرم کے بعد انکار جرم کو جائز رکھا گیا ہے ۔

جبری جرم ۔ جرم نہیں بلکہ جرم کرانے والا مجرم ہے ۔

حکومت عوام کی ہے ۔ انتخاب ضروری ہے ۔ ریفرنڈم بھی اسلام سے ثابت ہے اور مشورہ بواسطہ نمائندگان بھی ۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (نساء ع) وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (شوریٰ ع) شَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ (آل عمران ع) اور پھر حدیث نبوی لَا خِلَافَةَ اِلَّا بِالْمَشْوَرَةِ اس بارہ میں مشعل راہ ہیں ۔

مزدوروں کے متعلق احکام اسلامی

مزدور کی مزدوری فوراً ادا ہو ۔ اس پر سختی نہ کی جائے ۔ اسکی وہ کام نہ لیا جائے جو انسان خود نہ کرے ۔ اس کی مزدوری کا جھگڑا حکومت کے ذریعہ چکایا جا سکتا ہے ۔

بین الاقوامی جھگڑوں کے متعلق لیگ آف نیشنز کا اصول مقرر فرمایا ہے۔ فرماتا ہے۔ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (الحجرات ع ۱) ۔ (۱) جب دو قومیں لڑیں تو دوسری اقوام مل کر ان میں صلح کرائیں۔ (۲) اگر کوئی فریق صلح پر راضی نہ ہو تو دوسری سب اقوام اُس کی مدد کریں جو صلح پر آمادہ ہے اور جنگ کرنے والی قوم سے لڑیں۔ (۳) جب جنگ کرنے والی قوم جنگ بند کر دے تو یہ بھی جنگ بند کر دیں۔ (۴) اس کے بعد پھر اصل جھگڑے کے متعلق باہمی تصفیہ کیا جائے۔ (۵) بوجہ اس کے کہ ایک قوم نے پہلے صلح پر رضامندی ظاہر نہ کی تھی اُس سے سختی نہ کی جائے۔ بلکہ تنازع کا فیصلہ انصاف سے کیا جائے۔

اس وقت مسلمانوں میں مفتی ہیں لیکن مقنن اور قاضی نہیں ہیں اور ادھر حکم ہے کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ آہستگی سے دین کو جاری کرو۔ یعنی اسلامی قانون کو جاری کرنے میں نہایت غور اور فکر اور سہولت کی ضرورت ہے۔ مگر بہت سے احکام فوراً جاری کئے جا سکتے ہیں۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ جاری نہ کئے جائیں۔ مجلس قانون ساز کے متعلق دقت یہ ہے کہ اسلام ہر شخص کا عالم دین ہونا ضروری قرار دیتا ہے۔ لیکن اس زمانہ میں عیسائیوں کی طرح علماء اور عوام کا الگ الگ فرقہ بن گیا ہے۔ اس مشکل کو کون فوراً حل کر سکتا ہے کہ مقنن اقتصادی ماہر اور سیاسی ماہر دین نہیں جانتے۔ دین جاننے والے مقنن اقتصادی ماہر اور سیاسی ماہر نہیں ہیں۔ مونہہ سے دعویٰ کرنا اور بات ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے۔ حالانکہ ہمارے آقا جرنیل بھی تھے۔ اقتصادی ماہر بھی۔ سیاسی ماہر بھی۔ مقنن بھی تھے۔ مفتی بھی تھے اور قاضی بھی تھے۔ فِدَاكَ نَفْسِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔[1]

فصل ششم

حضرت سیدنا مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام نے ۲۳ دسمبر ۱۹۰۲ء کو خواب میں دیکھا کہ :-

"میں کسی اور جگہ ہوں اور قادیان کی طرف آنا چاہتا ہوں ایک دو آدمی ساتھ ہیں۔ کسی نے کہا

[1] :- اسلام کا آئین اساسی۔ ناشر مولانا عبدالرحمن صاحب انور وکیل الدیوان تحریک جدید جودھامل بلڈنگ لاہور ۱۸ فروری ۱۹۴۸ء

راستہ بند ہے۔ ایک بحرِ ذخّار چل رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ واقع میں کوئی دریا نہیں بلکہ ایک بڑا سمندر ہے اور پیچیدہ ہو ہو کر چل رہا ہے جیسے سانپ چلا کرتا ہے۔ ہم واپس چلے آئے کہ ابھی راستہ نہیں اور یہ راہ بڑا خوفناک ہے۔" ؎۱

یہ ذوالوجوہ اور معنی خیز رویاء اگرچہ سیدنا حضرت مصلح موعود کی ہجرت پاکستان سے بھی پوری ہو چکی تھی اور ہو رہی ہے مگر اس کی عملی تعبیر کا ایک نہایت درجہ تلخ اور روح فرسا پہلو پہلی بار ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے آخری ہفتہ میں یہ سامنے آیا کہ امن پسندی اور حکومت وقت کی اطاعت و وفاداری میں مشہور جماعت۔ جماعت احمدیہ۔ اپنے مقدس مرکز سے باہر لاہور میں سالانہ جلسہ کرنے پر مجبور ہوئی اور حضرت مصلح موعود جو اس مقدس تقریب کے حقیقی معنوں میں روح رواں تھے اس وجہ سے قادیان کے سالانہ جلسہ میں رونق افروز نہ ہو سکے کہ قادیان کے رستہ میں ملکی اور سیاسی مشکلات اور پیچیدگیوں کا ایک خوفناک سمندر حائل ہو چکا تھا۔ قبل ازیں اس تقریب پر شمع احمدیت کے ہزاروں پروانے برصغیر کے چاروں اطراف سے پہنچ جاتے تھے اور اس کی برکات سے فائدہ اٹھاتے تھے مگر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے سالانہ جلسہ قادیان میں پاکستان بلکہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے بھی کوئی احمدی شامل جلسہ نہ ہو سکا جو سلسلہ کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا الم انگیز سانحہ تھا۔

عہدِ درویشی کا پہلا سالانہ جلسہ

کہتے ہیں تاریخ اپنے اوراق الٹتی ہی نہیں۔ دہراتی بھی ہے۔ یہ اصول یا مسلّمہ سالانہ جلسہ قادیان کے بارہ میں سو فیصدی صحیح نکلا چنانچہ جس طرح حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ مبارک میں (جلسہ ۱۸۹۲ء کے سوا جو ڈھاب کے کنارے ہوا) سب سالانہ جلسے مسجد اقصیٰ میں منعقد ہوئے۔ اسی طرح عہد درویشی کا یہ پہلا سالانہ جلسہ بھی (۲۶-۲۷-۲۸ دسمبر ۱۹۴۷ء کو) مسجد اقصیٰ ہی میں منعقد ہوا۔ جس میں ۳۱۵ نفوس کو جن میں ۲۵۳ درویش اور ۶۲ غیر مسلم (ہندو۔ سکھ) تھے شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ علاوہ ازیں تین احمدی اور چار غیر احمدی خواتین اور ایک ننھی بچی نے بھی ایک پردہ کے پیچھے (جو برآمدہ مسجد کے شمالی حصہ میں سیڑھیوں کے ساتھ نصب کیا گیا تھا) جلسہ کی کارروائی سنی۔ جلسہ کا سٹیج مسجد کے شمالی حصہ میں چبوترہ پر بنایا گیا تھا جس کا رُخ جنوب کی طرف تھا اور اس پر حضرت مولوی عبدالرحمن صاحب جٹ اور صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب تشریف فرما تھے۔ ؎۲

؎۱: البدر ۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۸، تذکرہ طبع سوم صفحہ ۴۶۲۔

؎۲: اس موقعہ پر سردار سرجن سنگھ صاحب اے۔ ایس۔ آئی انچارج چوکی پولیس قادیان (مع ایک کنسٹبل کے) اور سیکیورٹی آفیسر بھی موجود تھے نیز قریب ہی ایک اونچے مکان پر ملٹری کی ایک پکٹ بھی لگی ہوئی تھی۔

جلسہ کا پروگرام صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب ناظر دعوت و تبلیغ قادیان نے مرتب فرمایا تھا۔

۲۶ رفتح / دسمبر ۔ جلسہ کے افتتاحی اجلاس کی کارروائی کا آغاز کلام پاک کی تلاوت سے کیا گیا۔ جو حافظ عبدالرحمٰن صاحب پشاوری نے کی۔ پھر گوجرانوالہ کے بشیر احمد صاحب نے حضرت مصلح موعود کی درد انگیز نظم "نونہالان جماعت سے خطاب" سنائی۔ ازاں بعد حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ نے نہایت رقت بھری آواز سے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی اور اپنی مختصر تقریر میں بتایا کہ جب میں ۱۹۰۲ء میں پہلی دفعہ قادیان میں آیا تو ڈاک ہفتہ میں صرف دو بار آتی تھی اور تار کا کوئی انتظام ہی نہیں تھا۔ بعد میں جب جماعت نے تار گھر کھلوانا چاہا تو محکمہ نے بطور ضمانت ایک معقول رقم جماعت سے وصول کی۔ لیکن آمد اتنی زیادہ ہوئی کہ ایک ماہ میں ہی ہماری رقم واپس کر دی گئی۔ پھر کچھ عرصہ بعد ٹیلیفون کا سلسلہ بھی جاری ہو گیا۔

حضرت مولوی صاحب نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ قادیان موجود ہے۔ اس کے مقدس شعائر موجود ہیں۔ اس کی مساجد موجود ہیں۔ اس کا لنگرخانہ موجود ہے لیکن افسوس ہمارا پیارا امام یہاں موجود نہیں۔ آنکھیں اپنے آقا کو دیکھنے کے لئے ترستی ہیں مگر پاتی نہیں۔ تاہم ہمیں ایک گونہ خوشی ضرور ہے کہ حضور نے ہم خادموں کو اپنے پیغام سے نوازا ہے۔ یہ بشارت سنانے کے بعد حضرت مولوی صاحب نے امام ہمام امیرالمومنین سیدنا المصلح الموعود کا پیغام پڑھ کر سنایا جو یہ تھا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم وعلٰی عبدہ المسیح الموعود

خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

برادرانِ جماعتِ احمدیہ مقیم قادیان!

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

۱۹۱۲ء میں جب میں حج کے لئے گیا تھا تو حج سے واپسی ایام دسمبر میں ہوئی تھی۔ جہاز دو دن لیٹ ہو گیا اور میں جلسہ میں شمولیت سے محروم رہا۔ اس کو پورے پینتیس ۳۵ سال ہو گئے۔ آج پورے ۳۵ سال کے بعد پھر اس سال کے جلسہ میں شامل ہونے سے محروم ہوں۔ ہم قادیان کے جلسہ کی یادگار میں باہر بھی جلسہ کر رہے ہیں۔ لیکن اصل جلسہ وہی ہے جو کہ قادیان میں ہو رہا ہے اور پورے چالیس ۴۰ سال کے بعد پھر یہ جلسہ مسجد اقصیٰ میں ہو رہا ہے۔ مسجد اقصیٰ میں ہونے والا آخری جلسہ وہی تھا جو کہ حضرت مسیح موعود کی زندگی کے آخری سال میں ہوا۔ آپ کی وفات کے بعد

پہلا جلسہ مدرسہ احمدیہ کے صحن میں ہوا اور ۱۹۱۱ء سے جلسے مسجد نور میں ہونے شروع ہوئے اور گذشتہ سال تک دارالعلوم کے علاقہ میں ہی جلسے ہوتے چلے آئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی کسی حکمت کے ماتحت آج پھر مسجد اقصیٰ میں ہمارا سالانہ جلسہ ہو رہا ہے اس لئے نہیں کہ جلسہ سالانہ میں شامل ہونے والے مشتاقوں کی تعداد کم ہو گئی ہے۔ بلکہ شمع احمدیت کے پروانے سیاسی مجبوریوں کی وجہ سے قادیان نہیں آ سکتے۔ یہ حالات عارضی ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیں پورا یقین ہے کہ قادیان احمدیہ جماعت کا مقدس مقام اور خدائے وحدہٗ لاشریک کا قائم کردہ مرکز ہے۔ وہ ضرور پھر احمدیوں کے قبضہ میں آئے گا اور پھر اس کی گلیوں میں دنیا بھر کے احمدی خدا کی حمد کے ترانے گاتے پھریں گے۔ جو لوگ اس وقت ہمارے مکانوں اور ہماری جائداد پر قابض ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا قبضہ قبضہ مخالفانہ ہے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ وہ لوگ مجبور اور معذور ہیں وہ لوگ بھی اپنے گھروں سے نکالے گئے ہیں اور ان کی جائیدادوں سے انہیں بے دخل کیا گیا ہے۔ گو وہ ہمارے مکانوں اور ہماری جائدادوں پر جبراً قابض ہوئے ہیں مگر ان کے اس دخل کی ذمہ داری ان پر نہیں بلکہ ان حالات پر ہے جن میں سے ہمارا ملک گذر رہا ہے۔ اس لئے ہم ان کو اپنا مہمان سمجھتے ہیں۔ دوسرے آپ لوگ بھی انہیں اپنا مہمان سمجھیں ان سے بھی اور تمام ان شریف لوگوں سے بھی جنہوں نے ان فتنہ کے ایام میں شرافت کا معاملہ کیا ہے۔ محبت اور درگذر کا سلوک کریں اور جو شریر ہیں اور انہوں نے ہمارے احسانوں کو بھلا کر ان فتنے کے ایام میں چوروں اور ڈاکوؤں کا ساتھ دیا ہے آپ لوگ ان کے افعال سے بھی چشم پوشی کریں۔ کیونکہ سزا دینا یا خدا تعالیٰ نے اپنے اختیار میں رکھا ہے یا حکومت کے سپرد کیا ہے اور حکومت آپ کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اور لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ اگر حکومت اپنا فرض ادا کرے گی تو وہ خود ان کو سزا دے گی۔ بہرحال یہ آپ لوگوں کا یا ہمارا کام نہیں ہے کہ ہم حکومت کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ خدائے واحد لاشریک کے سامنے رعایا بھی اور حاکم بھی پیش ہوں گے اور ہر ایک اس کے سامنے اپنے کاموں کا جواب دہ ہوگا۔ پس خدا کے حکم کے ماتحت اس حکومت کے فرمانبردار رہو جس حکومت میں تم بستے ہو۔ یہی احمدیت کی تعلیم ہے جس پر گذشتہ ستاون سال سے ہم زور دیتے چلے آئے ہیں۔ یہ تعلیم آج کل کے حالات سے بدل نہیں سکتی۔ اور نہ آئندہ کے حالات کبھی بھی اسے بدل سکتے ہیں۔ دنیا میں کبھی بھی امن قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس تعلیم پر عمل نہ کیا جائے کہ ہر ملک میں بسنے والے اپنی حکومت کے فرمانبردار رہیں اور اس کے قانون کی پابندی کریں۔ کوئی اس تعلیم کو مانے یا نہ مانے احمدی جماعت کا فرض ہے کہ ہمیشہ اس تعلیم پر قائم رہے۔ ملک کے قانون کے ماتحت اپنے حق مانگنے منع نہیں۔ لیکن قانون توڑنا اسلام میں جائز نہیں۔ میں نے سنا ہے کہ بعض غیر مسلموں نے میری ایک تقریر کے بعض فقرات کو بگاڑ کر قادیان میں اشتہار دیا کہ میں نے کہا ہے کہ تمام ہندوستان کے احمدیوں

کو آزاد کشمیر کی گورنمنٹ کی امداد کرنا چاہیئے۔ اور جنگ میں اُن کا ساتھ دینا چاہیئے۔ میری اس تقریر میں جنگ کا کوئی ذکر نہیں تھا بلکہ سردی میں ٹھٹھرنے والے لوگوں کے لئے کپڑے کی امداد کا ذکر تھا۔ اسی طرح ہندوستان کے احمدیوں کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ بلکہ پاکستان میں رہنے والے لوگوں سے خطاب تھا۔ اور جیسا کہ مَیں اُوپر بتا چکا ہوں احمدیت کی یہ تعلیم ہے کہ جس حکومت میں کوئی رہے اس کی اطاعت کرے پاکستان کے احمدی پاکستان کے مفاد کا خیال رکھیں گے اور ہندوستان کے احمدی ہندوستان کے مفاد کا خیال رکھیں گے۔ اسی طرح جس طرح پاکستان کے رہنے والے ہندو پاکستان کا خیال رکھیں گے اور ہندوستان میں رہنے والے عام مسلمان ہندوستان کے مفاد کا خیال رکھیں گے۔ یہی وہ بات ہے جس کی پاکستان کے لیڈر ہندوستان کے مسلمانوں کو تلقین کر رہے ہیں اور یہی وہ بات ہے جس کو ہندوستان کے لیڈر پاکستان کے ہندوؤں کو سمجھا رہے ہیں۔ اگر ہندوستان کے بعض باشندے اپنے چوٹی کے لیڈروں کی بات بھی نہیں سمجھ سکتے تو وہ میری بات کس طرح سمجھ سکتے ہیں۔ پس تم ان کی باتوں پر صبر کرو اور احمدیت کی اس نصیحت پر ہمیشہ کاربند رہو کہ جس حکومت میں رہو اس کے فرمانبردار رہو۔

مَیں آسمان پر خدا تعالیٰ کی انگلی کو احمدیت کی فتح کی خوشخبری لکھتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ جو فیصلہ آسمان پر ہو زمین اسے ردّ نہیں کر سکتی اور خدا کے حکم کو انسان بدل نہیں سکتا۔ سو تسلّی پاؤ اور خوش ہو جاؤ۔ اور دعاؤں اور روزوں اور انکساری پر زور دو اور بنی نوع انسان کی ہمدردی اپنے دلوں میں پیدا کرو کہ کوئی مالک اپنا گھوڑا بھی کسی ظالم سائیس کے سپرد نہیں کرتا۔ اسی طرح خدا بھی اپنے بندوں کی باگ ان ہی کے ہاتھ میں دیتا ہے جو بخشتے ہیں اور چشم پوشی کرتے ہیں اور خود تکلیف اٹھاتے ہیں تاکہ خدا کے بندوں کو آرام پہنچے۔ ہر ایک مغرور، خود پسند اور ظالم عارضی خوشی دیکھ سکتا ہے مگر مستقل خوشی نہیں دیکھ سکتا۔ پس تم نرمی کرو اور عفو سے کام لو اور خدا کے بندوں کی بھلائی کی فکر میں لگے رہو۔ تو اللہ تعالیٰ جس کے ہاتھ میں حاکموں کے دل بھی ہیں وہ ان کے دِلوں کو بدل دے گا اور حقیقتِ حال ان پر کھول دیگا یا ایسے حاکم بھیج دیگا جو انصاف اور رحم کرنا جانتے ہوں۔ تم لوگ جن کو اس موقعہ پر قادیان میں رہنے کا موقعہ ملا ہے اگر نیکی اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تاریخِ احمدیت میں عزت کے ساتھ یاد کئے جاؤ گے اور آنے والی نسلیں تمہارا نام ادب و احترام سے لیں گی اور تمہارے لئے دعائیں کریں گی اور تم وہ کچھ پاؤ گے جو دوسروں نے نہیں پایا۔ اپنی آنکھیں نیچی رکھو لیکن اپنی نگاہ آسمان کی طرف بلند کرو۔ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا۔

خاکسار مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی) ۲۳ر دسمبر ۱۹۴۷ء"[۵]

---

[۵] :- مکتوبات اصحاب احمد جلد اوّل صفحہ ۴۴-۴۶ (مرتبہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے)۔

حضرت امیرالمومنین کے اس رُوح پرور اور درد انگیز پیغام نے جہاں درویشوں کے اندر ایک نئی روح پھونک دی وہاں حضور کے رُخِ انور کی زیارت اور حضور کی مجلس علم و عرفان اور پاک اور مقدس کلمات سے محرومی کا تکلیف دہ احساس یکایک بڑھ گیا اور مسجد اقصیٰ آہ و بکا، گریہ وزاری اور کرب والم کا ایک زہرہ گداز منظر پیش کرنے لگی۔

حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب پیغام پڑھ چکے تو آپ کی استدعا پر صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب نے غم رسیدہ درویشوں کے ساتھ نہایت درد اور الحاح اور تضرع اور ابتہال سے ایک لمبی اور پُر سوز دُعا کرائی۔

دُعا کے بعد مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی نے ۱۱½ بجے سے ۱۲ بجے تک "ذکرِ حبیب" کے موضوع پر تقریر کی۔ جو سالانہ جلسہ پر حضرت مفتی محمد صادق صاحب کا ہمیشہ محبوب موضوع ہوتا تھا۔ اس تقریر کے بعد اجلاس اوّل ختم ہوا۔

اجلاس دوم۔

صدرِ جلسہ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے دوسرے اجلاس سے قبل فرمایا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے سالانہ جلسہ کو حج کے عالمگیر اجتماع سے تشبیہ دی ہے اور حج کی نسبت ارشادِ ربّانی ہے فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (بقرہ ع ۲۵) - حج (کے ایام) میں نہ تو کوئی شہوت کی بات نہ کوئی نافرمانی اور کسی قسم کا جھگڑا کرنا جائز ہوگا۔ سو ان خاص ایام میں ہمیں بھی ان باتوں سے پرہیز واجب ہے۔ اس اصولی ہدایت کے بعد مولوی غلام احمد صاحب ارشد مولوی فاضل نے دلکش، دلآویز اور وجد انگیز آواز سے سورہ یوسف (رکوع ۴۔ ۵) میں سے فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ سے اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ تک کی آیات کی تلاوت فرمائی۔ آپ کے بعد حافظ عبدالرحمٰن صاحب پشاوری نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مشہور نظم ؎

اک نہ اک دن پیش ہوگا تو فنا کے سامنے

نہایت خوش الحانی سے پڑھ کر سنائی۔ ازاں بعد پہلے مولوی شریف احمد صاحب امینی سابق مدرس مدرسہ احمدیہ نے ۱۵ منٹ تک "خصوصیاتِ اسلام" کے عنوان پر اور پھر مولوی عبد القادر صاحب احسان نے پچیس منٹ تک "زمانہ روحانی مصلح کا متقاضی ہے" کے عنوان پر تقریریں کیں۔ یہ اجلاس ۱۲ بجکر ۲ منٹ پر اختتام پذیر ہوا۔

۲۷ فتح/دسمبر (اجلاس اوّل)

اس روز پہلا اجلاس بھی حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی صدارت میں شروع ہوا۔ سب سے قبل آپ نے حاضرین سمیت دُعا فرمائی۔ پھر عبدالرحمٰن صاحب فانی بنگالی نے سورہ بقرع ۱۹ کی ابتدائی پانچ آیات کی تلاوت کی۔ پھر میر رشید احمد صاحب گجراتی نے حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی کی مقبولِ عام نظم "علیک الصلوٰۃ علیک السّلام"

سنائی۔ پھر دس بجکر سینتالیس منٹ سے ساڑھے گیارہ بجے تک مولوی غلام مصطفٰی صاحب فاضل بدوملہوی نے نہایت عمدگی سے "حضرت مسیح موعود کے کارنامے" کے عنوان پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ پھر مولوی غلام احمد صاحب ارشد نے "قرآن مجید کی پیشگوئیاں اس زمانہ کے بارہ میں" کے موضوع پر سوا بارہ بجے تک فاضلانہ تقریر کی۔ آپ کے بعد بشیر احمد صاحب گوجرانوالہ نے متحدہ ہندوستان کے آخری سالانہ جلسہ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کے موقعہ کی حضرت مصلح موعود کی نظم ع "اللہ کے پیاروں کو تم کیسے بُرا سمجھے" خوش الحانی سے سُنائی۔ نظم کے بعد مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی نے عہد حاضر سے متعلق حضرت مسیح موعود کی بعض پیشگوئیاں بیان کیں۔ اس تقریر کے بعد اجلاس ملتوی ہوا۔ [1]

اجلاس دوم۔

سب سے قبل مولوی غلام احمد صاحب ارشد نے سورہ یوسف کا پہلا رکوع تلاوت کیا۔ پھر حافظ عبدالرحمٰن صاحب پشاوری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ایک نظم پڑھی۔ ازاں بعد ملک صلاح الدین صاحب ایم اے کی مفصل تقریر "حضرت مسیح موعودؑ اور آپؑ کے خدام کا غیر مسلموں سے سلوک" کے عنوان پر ہوئی۔ آپ کے بعد مکرم مولوی شریف احمد صاحب امینی نے ۵۸-۲ سے پون گھنٹہ تک تقریر فرمائی جس میں اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم رواداری وغیرہ کے متعلق غیر مسلموں کی آراء کا بھی تذکرہ کیا۔

اس تقریر کے بعد جلسہ میں موجود ۲۳ ہندو سکھ دوستوں میں ارجن سنگھ صاحب عاجز ایڈیٹر اخبار "رنگین" امرتسر کی کتاب "سیر قادیان" کے نسخے تقسیم کئے گئے۔ اس کارروائی کے بعد بشیر احمد صاحب آف گوجرانوالہ نے حضرت امام ایدہ اللہ تعالیٰ کی نظم "تعریف کے قابل ہیں یا رب تیرے دیوانے" سنائی۔ پھر قریشی عبدالرشید صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ نے پچیس ۲۵ منٹ تک "تحریک جدید کے قیام کی اہمیت" پر تقریر کی۔ اور یہ اجلاس سوا چار بجے اختتام پذیر ہوا۔

۲۸ رفتح/دسمبر۔ (اجلاس اوّل)۔

حسب سابق یہ اجلاس بھی حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل کی صدارت میں شروع ہوا۔ سب سے پہلے آپ نے احباب سمیت دعا کی۔ پھر مولوی غلام احمد صاحب ارشد نے سورہ مریم کے دوسرے رکوع کی تلاوت کی۔ پھر جناب حافظ عبدالرحمٰن صاحب پشاوری نے نظم پڑھی۔ آپ کے بعد چوہدری سعید احمد صاحب بی۔ اے نے

---

[1] :۔ الفضل ۶ر صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵ (رپورٹ مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے)۔

پونے گیارہ سے بیس منٹ تک "اصلاحِ نفس کے ذرائع" بیان کئے۔

پھر مولوی شریف احمد صاحب امینی نے "حکومت و رعایا کے باہمی تعلقات اسلام اور احمدیت کے نقطۂ نگاہ سے" کے موضوع پر پچپن منٹ تک ایک سیر حاصل تقریر کی۔ اس کے بعد یونس احمد صاحب اسلم نے اپنے والد ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم (سابق امیر المجاہدین ملکانہ کی) ایک نظم سنائی۔

بعد ازاں سوا بارہ بجے سے پونے ایک بجے تک مکرم صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب نے "برکاتِ دعا" کے مضمون پر تقریر کی۔

اجلاس دوم۔

اس روز کا اجلاس دوم بشیر احمد صاحب آف گوجرانوالہ کی تلاوت سے شروع ہوا۔ آپ نے سورۃ الفتح کا آخری رکوع تلاوت کیا۔ پھر یونس احمد صاحب اسلم نے ایک نظم سنائی۔ ازاں بعد مولوی غلام مصطفےٰ صاحب بدوملہی نے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصائب پر صبر اور توکل علی اللہ" کے موضوع پر دو بجکر پچیس منٹ سے تیئس ۲۳ منٹ تک تقریر کی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے مصائب پر صبر کے بہت سے سبق آموز واقعات سنائے۔ اس کے بعد مکرم صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب بار ایٹ لاء نے "ہمارا قادیان" کے عنوان پر تیئس منٹ میں ایک بہت ہی دلچسپ اور ایمان افروز مقالہ پڑھا۔ جس میں قادیان کے آباد ہونے کی تاریخ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آباء کرام کے حالات انگریزوں کی حکومت سے قبل قادیان کے اُجڑنے کے واقعات اور ایک سکھ ریاست میں پناہ لینے۔ پھر قادیان میں واپسی اور مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب سے چند دیہات واپس ملنے کا ذکر کر کے بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کیا مقصد تھا؟ ہمیں قادیان کیوں پیاری ہے؟ اور ہمارا حکومت سے اور غیر مسلموں سے کیا سلوک ہونا چاہیئے؟ اور کیا سلوک ہوگا؟ آپ کی تقریر کے بعد مولوی شریف احمد صاحب امینی نے حضرت امیر المومنین کا پیغام دوبارہ سنایا۔

آخر میں حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحب جٹ صدر جلسہ نے پھر حکام اور غیر مسلم سامعین اور مقررین اور احمدی حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اور حکام کو جماعت کی وفاداری کا یقین دلاتے ہوئے بتایا کہ جب کوئی غیر مسلم نہیں کہہ سکتا کہ قادیان میں اپنی اکثریت کے زمانہ میں ہم نے اس کی عزت، مال اور جان پر کبھی ہاتھ ڈالا ہو تو اب جبکہ ہم نہایت اقلیت میں ہیں ہم سے انہیں کیا خوف ہو سکتا ہے؟ نیز وعدہ کیا کہ ہم نئے بسنے والے غیر مسلموں سے بھی ہمیشہ اپنی طاقت کے مطابق حُسنِ سلوک کریں گے۔ کیونکہ وہ ہمارے مہمان ہیں۔ پھر آپ نے حضرت امیر المومنین

المصلح الموعود اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی طرف سے احباب کو سلام پہنچایا۔ نیز فرمایا کہ اس موقعہ پر ہمارا پیارا امام دُعا کرایا کرتا تھا۔ اب وہ تو ہم میں موجود نہیں لیکن اس کے دو عزیز موجود ہیں۔ مکرم صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب نے میری درخواست پر جلسہ کے افتتاح کے موقعہ پر دُعا کرائی تھی۔ اب بھی مکرم صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب کی خدمت میں آخری دُعا کرانے کی تحریک کرتا ہوں۔ اس پر صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب نے نہایت رقت اور آہ و زاری کے ساتھ قریباً دس منٹ تک دُعا کرائی جس کے بعد یونس احمد صاحب اسلم اور میر رفیع احمد صاحب نے نظمیں سنائیں اور عہد درویشی کا یہ پہلا سالانہ جلسہ چار بج کر اکیس منٹ پر بخیر و خوبی ختم ہوا۔ الحمد للہ۔[1]

لاہور میں مجلس مشاورت اور ظلّی جلسہ سالانہ کے انعقاد کا فیصلہ

اصل جلسہ سالانہ تو وہی تھا جو مرکز احمدیت قادیان میں حسب دستور ہوا مگر حضرت سیدنا المصلح الموعود نے خدائی تحریک کی بناء پر ۱۲ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے خطبہ جمعہ میں اس فیصلہ کا اعلان فرمایا کہ جلسہ قادیان کے علاوہ ۲۶ فتح/دسمبر کو نمائندگان جماعت کی مشاورت ہوگی اور ۲۷-۲۸ فتح/دسمبر کو لاہور میں جماعت احمدیہ کا ظلّی جلسہ سالانہ ہوگا۔[2]

اس سلسلہ میں حضور نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ:-

(۱) "اس جلسہ پر عورتوں کو آنے کی اجازت نہیں ہوگی سوائے اُن کے جن کے رشتہ داروں نے اپنے طور پر یہاں رہائش اور خوراک وغیرہ کا انتظام کیا ہؤا ہو۔"

(۲) اس جلسہ پر صرف دو ہزار مہمانوں کا (جن میں نمائندگان شوریٰ بھی شامل ہوں گے) انتظام کیا جائیگا۔

بعد ازاں حضور نے مختلف جماعتوں اور حلقوں کے لئے حسب ذیل کوٹا مقرر فرمایا:-

مشرقی پاکستان۔ہندوستان بشمول حیدرآباد دکن ۱۰۰، حلقہ سیالکوٹ ۳۱۰، حلقہ شیخوپورہ ۱۰۰، حلقہ گوجرانوالہ ۱۰۰، حلقہ لائل پور ۱۸۲، حلقہ جھنگ ۱۰۰، حلقہ سرگودھا ۲۵۰، حلقہ گجرات ۲۵۰، حلقہ جہلم ۶۰، حلقہ راولپنڈی کیمل پور ۱۴۰، حلقہ ڈیرہ غازیخان ۱۳، حلقہ سرحد ۷۰، حلقہ ملتان معہ بہاولپور ۱۲۵، حلقہ منٹگمری ۵۰، حلقہ سندھ معہ کوئٹہ بلوچستان ۱۰۰۔[3]

---

[1] :- الفضل ۷ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۶۔ [2] :- الفضل ۱۶ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۵۔

[3] :- الفضل ۱۴ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳۔

۳۔ دو ہزار کی اس معینہ تعداد کے علاوہ جو احباب لاہور میں اپنی رہائش اور خوراک کا خود انتظام کر سکتے ہوں وہ جلسہ میں شریک ہونے کے لئے آسکتے ہیں۔[۵۱]

مجلس مشاورت

چنانچہ حضرت مصلح موعود کے فیصلہ کے مطابق ۲۶ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو رتن باغ میں مجلس مشاورت کا انعقاد ہوا۔ مجلس مشاورت کے اس غیر معمولی اجلاس کا ایجنڈا حسب ذیل تھا:۔

۱۔ آمد کا کیا انتظام کیا جائے؟

۲۔ تبلیغ کے لئے کیا ذرائع استعمال کئے جائیں؟

۳۔ پناہ گزینوں کو کس طرح منظم کیا جائے۔ تا وہ جماعتوں سے کٹ کر سست نہ ہو جائیں؟

۴۔ قادیان کی حفاظت کے متعلق کیا تدابیر اختیار کی جائیں؟

۵۔ جماعتی تنظیم اور ترقی کے متعلق تجاویز۔

اس اجلاس میں بھی سابقہ منتخب نمائندے ہی شامل ہوئے۔ البتہ یہ اجازت دیدی گئی کہ جو منتخب نمائندے شامل اجلاس نہ ہو سکیں ان کی جگہ دوسرے نمائندوں کا انتخاب فوری طور پر کر لیا جائے۔[۵۲]

اس مشاورت کی روداد کا خلاصہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے الفاظ میں درج کرنا مناسب ہوگا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے کو بذریعہ مکتوب اطلاع دی کہ:۔

"کل لاہور میں مشاورت کا خاص اجلاس تھا جو رتن باغ کے ہال یعنی ہماری موجودہ نمازگاہ میں منعقد ہوا۔ سب لوگ فرشوں پر بیٹھے۔ البتہ حضرت صاحب کے لئے میز اور کرسی تھی اور لاؤڈ سپیکر کا انتظام بھی تھا۔ جماعت کے مستقبل کے متعلق اہم امور کے بارے میں مشورہ ہوا۔ مثلاً جماعت کی مالی حالت کو مضبوط بنانا، مشرقی پنجاب سے آئے ہوئے احمدی پناہ گزینوں کی تنظیم، تبلیغ کی توسیع اور قادیان کی آبادی وغیرہ کے متعلق ضروری مشورہ کیا گیا۔ حضرت صاحب نے اس اجلاس میں دوبارہ اس اصول کو تاکید کے ساتھ بیان فرمایا کہ جہاں پاکستان کے احمدیوں کا یہ فرض ہے کہ وہ حکومت پاکستان کے وفادار رہیں اور اس کی مضبوطی اور ترقی کے لئے کوشش کریں۔ وہاں انڈین یونین میں رہنے والے احمدیوں کا یہ فرض ہے کہ وہ انڈین یونین کے وفادار رہیں۔"[۵۳]

۵۱:۔ الفضل ۱۶ فتح/دسمبر و ۱۴ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء۔ ۵۳:۔ الفضل ۱۷ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳۔

۵۳:۔ مکتوبات اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۹۶۔ (مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے)۔

لاہور کے ظلّی جلسہ میں حضرت مصلح موعود کا پُر معارف افتتاحی خطاب

مشاورت کے بعد پروگرام کے مطابق ۲۷ ماہ فتح / دسمبر کو جماعت احمدیہ کا ظلّی جلسہ جودھامل بلڈنگ متصل رتن باغ لاہور کے ایک وسیع میدان[1] میں اپنی مخصوص شان کے ساتھ شروع ہوا - اس روز دس بجے کے قریب سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود اسٹیج پر رونق افروز ہوئے اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا - آج کا جلسہ غیر معمولی حالات میں منعقد ہو رہا ہے - گذشتہ سال قادیان میں جلسہ سالانہ کے موقعہ پر کوئی احمدی یہ قیاس بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اگلے جلسے کے موقعے پر ہم اپنے مرکز سے محروم ہوں گے اور ہمیں کسی اور جگہ پر اپنا جلسہ کرنا پڑے گا - جگہوں کے لحاظ سے تو ساری جگہیں ہی ایک جیسی حیثیت رکھتی ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ کُلُّھَا مَسْجِدًا یعنی میرے لئے ساری زمینیں مسجد بنا دی گئی ہیں اگر ہر جگہ ہی خدا کی سجدہ گاہ بن سکتی ہے تو وہ مومن کے لئے جلسہ گاہ بھی بن سکتی ہے - لیکن بہر حال عادتیں تعلقات اور محبتیں ضرور قلب پر اثر ڈالنے والی چیزیں ہیں - اور ہر چیز انسان کو عجیب معلوم ہوتی ہے - اگر کرائے کا ایک مکان بھی تبدیل کیا جائے تو تکلیف ہوتی ہے اگر کوئی شخص اپنی ملکیت کا مکان بھی خود اپنی مرضی سے فروخت کرتا ہے تو اُسے بھی تکلیف محسوس ہوتی ہے تو پھر وہ جگہ چھوڑنے پر کیوں تکلیف محسوس نہ ہو جو ہماری نگاہ میں مقدس تھی، جو ہمارے نزدیک روحانی ترقی کا ذریعہ تھی جو ہمارے نزدیک دین کی اشاعت اور تبلیغ کا مرکز تھی اور جس سے ہمیں جبری طور پر اور ایسے طور پر محروم کر دیا گیا ہے کہ جبتک وہاں کے حالات پھر پلٹا نہ کھائیں، ہم آسانی سے وہاں نہیں جا سکتے - یہ چیز تکلیف دہ تو ضرور ہے اس سے دل مجروح تو ضرور ہوتے ہیں لیکن مومن ہاں وہ سچا مومن جو محض سُن سُنا کر خدا پر ایمان نہیں لاتا بلکہ جس کا ایمان پورے یقین اور وثوق پر مبنی ہے وہ جانتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ یہ تغیر ایک عارضی تغیر ہے اسے خوب معلوم ہے کہ قادیان میری چیز ہے وہ میری ہے کیونکہ میرے خدا نے وہ مجھے دی ہے - گو آج ہم قادیان نہیں جا سکتے گو آج ہم اس سے محروم کر دیئے گئے ہیں - لیکن ہمارا ایمان اور ہمارا یقین ہمیں بار بار کہتا ہے کہ قادیان ہمارا ہے وہ احمدیت کا مرکز ہے اور ہمیشہ احمدیت کا مرکز رہے گا (انشاء اللہ) حکومت خواہ بڑی ہو یا چھوٹی بلکہ حکومتوں کا کوئی مجموعہ بھی ہمیں مستقل طور پر قادیان سے محروم نہیں کر سکتا - اگر زمین ہمیں قادیان لے کر نہ دے گی تو ہمارے خدا کے فرشتے آسمان سے اُتریں گے اور

---

[1] - جلسہ گاہ ۲۲۰×۱۵۰ فٹ کے رقبہ میں بنایا گیا تھا - چاروں طرف بہتر[2] گیلریاں تھیں اور وسط میں شامیانہ کے نیچے سٹیج تھی - اب اس وسیع میدان پر دکانیں تعمیر ہو چکی ہیں؛

ہمیں قادیان لے کر دیں گے (نعرہ ہائے تکبیر) اور جو طاقت بھی اس راہ میں حائل ہو گی وہ پارا پارا کر دی جائے گی وہ نیست ونابود کر دی جائے گی۔ قادیان خدا نے ہمارے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اس لئے وہ ہمیں آپ قادیان لے کر دے گا (انشاء اللہ) پس ہمارے دل غمگین نہ ہوں تم پر افسردگی طاری نہ ہو کہ یہ کام کا وقت ہے اور کام کے وقت میں افسردگی اچھی نہیں ہوتی۔ بلکہ کام کے وقت میں ہم میں نئی زندگی اور نئی روح پیدا ہو جانی چاہیئے۔ ہمارے بوڑھے، جوان ہو جانے چاہئیں اور ہمارے جوان پہلے سے بہت زیادہ طاقتور ہو جانے چاہئیں۔ ہم مذہبی لوگ ہیں حکومتوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ ہمارا کام دلوں کو فتح کرنا ہے نہ کہ زمینوں کو۔ ہمارا یہ کام دوسرے کاموں سے بہت زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ پس ہمیں دوسروں کی نسبت زیادہ ہمت اور قربانی کرنی چاہیئے۔ آؤ ہم اپنے رب کے حضور دُعا کرتے ہوئے یہ التجا کریں کہ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں، ہمارے جسموں اور ہمارے سامانوں کی کمزوری اور قلّت کو تو خوب جانتا ہے۔ ہم ہر طرح بے کس، بے بس اور ناتواں ہیں۔ ہمارے پاس تیرے حضور پیش کرنے کے لئے ایک ہی چیز ہے اور وہ ہے ہمارا ٹوٹا پھوٹا کمزور، ناقص اور کرم خوردہ ایمان۔ ہم تیری محبّت کے اس نقطے کا واسطہ دیکر جو اس پر موجود ہے اس ایمان کو تیرے حضور پیش کرتے ہیں۔ تو ہم پر رحم فرما۔ ہمارے مردہ ایمانوں کو زندہ کر اور ہمیں ہمارے مقصد میں کامیاب فرما۔ اے ہمارے رب تیرے سب بندے ہمارے بھائی ہیں۔ خواہ وہ پاکستان میں رہتے ہیں یا ہندوستان میں۔ خواہ وہ ایشیا میں رہتے ہیں یا یورپ میں۔ خواہ وہ ہمارے کتنے ہی دشمن ہوں تو ان کے متعلق ہمارے دلوں کے کینے اور بغض کو نکال دے اور ان کے دلوں میں دین سے بے رغبتی کی جگہ اپنی محبت پیدا فرما دے اور ہمیں ہمارے مقاصد میں کامیاب کر تا تیری بادشاہت اسی طرح زمین میں بھی قائم ہو جائے جس طرح کہ وہ آسمان پر ہے۔ اس پُر معارف خطاب کے بعد حضور نے دُعا فرمائی اور واپس رتن باغ تشریف لے گئے۔ [1]

دوسرے بزرگوں اور فاضل مقرروں کی اہم تقریریں

حضور کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین آف حیدر آباد دکن کی صدارت میں بالترتیب مندرجہ ذیل بزرگوں اور فاضل مقرروں کی تقریریں ہوئیں:۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحب (ذکر حبیب۔ حضرت مسیح موعودؑ کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے محبّت)۔

الحاج مولوی محمد سلیم صاحب۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم زندہ نبی ہیں)۔

---

[1]:۔ الفضل ۲۸ر دسمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ ؎

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ۔ (انشورنس اور بنکنگ کے متعلق اسلامی نظریہ)۔

قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری ۔ (اناجیل کی حیثیت)۔

حضرت مصلح موعودؓ کا دوسرا ولولہ انگیز خطاب

مندرجہ بالا تقریروں کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے ظہر و عصر جلسہ گاہ میں پڑھائی ۔ اس کے بعد ظلّی جلسہ کا دوسرا اجلاس شروع ہوا سب سے پہلے ماسٹر فقیر اللہ صاحب نے تلاوت کی اور مکرم محمد صدیق صاحب ثاقب زیروی نے حضور کی تازہ نظم نہایت خوش الحانی سے پڑھ کر سنائی ۔ اس نظم کے چند اشعار یہ تھے :- ؎

دردِ نہاں کا حال کسی کو سنائیں کیا — طوفان اُٹھ رہا ہے جو دل میں بتائیں کیا
دامن تہی ہے، فکر مشوّش، نگہ غلط — آئیں تو تیرے در پہ مگر ساتھ لائیں کیا
اپنا ہی سب قصور ہے اپنی ہے سب خطا — الزام اُن پہ ظلم و جفا کا لگائیں کیا

اس نظم کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے حالات حاضرہ کے متعلق ایک نہایت ولولہ انگیز اور پُرجوش تقریر فرمائی ۔ ابتداء میں حضور نے فرمایا جن حالات کی وجہ سے لاکھوں مسلمانوں کو مشرقی پنجاب اور اس کے ملحقہ علاقوں سے پاکستان میں آنا پڑا اور لاکھوں ہندوؤں اور سکھوں کو پاکستان سے نکل کر ہندوستان کی طرف جانا پڑا ان کی وجہ سے لازماً طبائع میں بار بار یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تھا اور کیا ہوگیا؟ اور یہ کہ ہمیں آئندہ کیا کرنا چاہیئے؟ ہماری جماعت کے قلوب میں بھی لازماً یہی جذبات پیدا ہوتے ہوں گے اس لئے میں انہیں کے متعلق آج کچھ کہنا چاہتا ہوں ۔

موجودہ حالات مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لئے پیدا ہوتے ہیں ۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا ۔ اگر یہ صحیح ہے کہ اسلام خدا کا مذہب ہے ۔ اور اگر یہ درست ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی ہیں جن کے بعد کوئی نئی شریعت نہیں آسکتی اور جس کے بعد کوئی ایسا عالم نہیں آسکتا جو آپ کے کسی حکم کو بدلے ۔ اور اگر یہ صحیح ہے کہ آپ کی بادشاہت قیامت تک جاری ہے تو پھر لازماً ہمیں ماننا پڑیگا کہ اسلام کی ترقی اور تنزل میں خدا کا ہاتھ ہے اور یہ کہ حالات خواہ کچھ بھی ہوں خواہ وہ حالات خدا کی طرف سے بطور سزا کے ہوں یا بطور تنبیہہ ۔ بہرحال اس میں خدا کی طرف سے کوئی نہ کوئی پہلو بھلائی کا ضرور مخفی ہوگا ۔ اگر ہم اپنا یہ نقطۂ نگاہ بنالیں ۔ کہ بھلائی کا وہ مخفی پہلو کیا ہے اور اس سے ہم کس طرح فائدہ اُٹھا سکتے ہیں؟ تو یقیناً ہمارا مستقبل ماضی سے زیادہ شاندار اور روشن ہوسکتا ہے ۔ بیشک مسلمانوں پر بڑی بھاری تباہی آئی ۔ پانچ چھ لاکھ مسلمان مارے گئے اور پانچ چھ

لاکھ کو جبراً مرتد بنا یا گیا ۔لیکن اصل چیز تباہ کرنے والی مایوسی ہوتی ہے ۔اگر حوصلہ اور امید قائم ہے تو یہ تعداد کچھ حیثیت نہیں رکھتی ۔اگر پچاس کروڑ میں سے دس بارہ لاکھ نکل گئے تو اس سے بھلا کیا فرق پڑ سکتا ہے ۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مثال دیکھو ۔کہ سات سو کی تعداد تک پہنچ جانے کے بعد وہ یہ کہتے تھے ۔کہ اب کوئی طاقت ہمیں تباہ نہیں کر سکتی ۔پس مرنے یا جائداد کے نقصان کا سوال ہی نہیں ہے ۔اصل چیز ایمان ہے ۔اگر ایمان موجود ہے تو پھر اگر پچاس کروڑ ننانوے لاکھ مسلمان بھی مارے جائیں تو پھر بھی مسلمان مٹ نہیں سکتے ۔وہ ضرور بڑھیں گے اور ترقی کریں گے ۔اور اگر یہ حالات خدا نے ہماری کسی غفلت کی بناء پر بطور سزا وارد کئے ہیں ۔تو پھر بھی ہمیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ۔کیونکہ کوئی شخص بھی اپنے عزیز کو تباہ کرنے کے لئے سزا نہیں دیا کرتا ۔بلکہ اُسے ہوشیار کرنے کیلئے سزا دیا کرتا ہے ۔پس اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں اور اسلام خدا کا مذہب ہے تو پھر ہمیں یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ یہ تکلیف ہمیں بیدار کرنے کیلئے دی گئی ہے ۔نہ کہ تباہ کرنے کے لئے ۔

حضور نے جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ۔پس یہ غمگین اور رنجیدہ ہونے کا وقت نہیں ۔تم بھلا دو ان چیزوں کو جو دلوں کو افسردہ اور ہمتوں کو پست کرنے والی ہوں ۔اور یاد رکھو کہ دوست کی طرف سے اگر سختی بھی ہو تو وہ بھلائی کے لئے ہوتی ہے نہ کہ سختی کے لئے ۔اور اگر یہ نہ بھی ہو تو جس خدا سے ہم نے اب تک اتنے آرام حاصل کئے اور اتنے میٹھے لقمے کھائے ہیں ۔وہ ایک کڑوا لقمہ بھی دیدے تو کیا حرج ہے ۔اگر ہم اس پر بُرا منائیں تو یہ ہماری ہی بڑی بے حیائی اور بے شرمی ہوگی ۔کن وجوہ کی بناء پر یہ حالات پیدا ہوئے ۔اصل چیز جو ہمارے لئے قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ ہماری کن غفلتوں کی وجہ سے یہ حالات پیدا ہوئے اور اس کا علاج کیا ہے ؟ اس سلسلہ میں حضور نے بتایا کہ تنظیم کی کمی اور بروقت احتیاطی تدابیر اختیار نہ کرنے کی وجہ سے یہ حالات پیدا ہوئے ۔مسلمان اربوں روپیہ چھوڑ کر آئے ہیں ۔اگر وہ اپنی جائداد کا ایک فی صدی حصہ بھی اپنی اجتماعی حفاظت اور تنظیم پر خرچ کرتے تو یہ حالات کبھی پیدا نہ ہوتے ۔حضور نے فرمایا ۔اب مجھے یہ خیال آتا ہے کہ اوّل تو مسلمانوں کو بھاگنا نہیں چاہیئے تھا ۔لیکن اگر وہ بھاگتے بھی تو انہیں بجائے پاکستان کی طرف آنے کے دہلی کی طرف جانا چاہیئے تھا ۔اگر وہ ادھر رُخ کرتے تو یقیناً موجودہ حالات پیدا نہ ہوتے ۔بلکہ دہلی کے نواح میں مسلمانوں کی طاقت مجتمع ہو جاتی ۔اور چونکہ وہاں تمام بیرونی ممالک کے نمائندے موجود ہوتے ہیں ۔اسلئے حکومت دہلی کے قرب میں اس قسم کے حالات پیدا کرنے سے یقیناً ہچکچاتی ۔جیسے مشرقی پنجاب میں نمودار ہوئے ۔کیونکہ اس سے اسکی بیرونی ممالک میں بدنامی ہوتی ۔

حضور نے مشرقی پنجاب سے آنیوالے احمدیوں کو بالخصوص اور عام مسلمانوں کو بالعموم یہ نصیحت فرمائی کہ انہیں واپس اپنے اپنے

مقامات پر جانیکا خیال ہرگز بھولنا نہیں چاہیئے ۔ وہاں ہمارے اسلاف کی بنائی ہوئی مسجدیں اور مقابر ہیں ۔ انہیں یونہی چھوڑ دینا بے غیرتی ہے ۔ کہ ہمیں اُٹھتے بیٹھتے ۔ چلتے پھرتے ہروقت وہاں جانے کیلئے تیار رہنا چاہیئے اور اس کیلئے ایک دوسرے کو تحریک کرتے رہنا چاہیئے ۔ حضور نے مسلمانوں کے حق میں پیدا ہونیوالے حالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ۔ اب مسلمانوں پر ہونیوالے دردناک مظالم دنیا پر اتنے واضح ہو چکے ہیں کہ آئندہ انڈین یونین آسانی سے اس کا اعادہ نہیں کر سکتی ۔ اب اگر ایسا ہوا تو دُنیا کے بڑے بڑے ممالک فوراً حالات کا جائزہ لینے کے لئے اپنے اپنے نمائندے بھیج دیں گے ۔ اس سلسلے میں حضور نے یہ تجویز پیش فرمائی کہ کسی ایک ضلع کے مسلمانوں کو تنظیم کے ساتھ واپس مشرقی پنجاب میں جانے کا فیصلہ کرنا چاہیئے ۔ پہلے انہیں دیگر ممالک میں بھی اور انڈین یونین کے سامنے بھی یہ بات واضح کر دینی چاہیئے کہ وہ انڈین یونین کے وفادار رہیں گے ۔ لیکن برابر کے شہری حقوق لیں گے ۔ وہ صرف اپنی ذاتی جائدادوں پر جا کر قابض ہوں گے اور یہ کہ وہ بغیر ہتھیار کے جائیں گے ۔ اور اگر وہ یہ امور واضح کر کے کسی معین تاریخ کو مشرقی پنجاب میں داخل ہو جائیں تو یقیناً دُنیا کے بہت سے ممالک کے نمائندے یہ دیکھنے کیلئے آجائیں گے کہ انڈین یونین ان سے کیسا برتاؤ کرتی ہے اور ان نمائندوں کی موجودگی میں حکومت آسانی سے مسلمانوں کے ساتھ ظلم کا برتاؤ نہیں کر سکتی ۔ حضور نے فرمایا کہ اسلام کی تعلیم کے مطابق اپنے دشمن کے متعلق بھی دلوں سے کینہ اور بغض نکال دینا چاہیئے ۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ تم حالات کو درست کرنے سے غافل ہو جاؤ ۔ تمہیں اس وقت اطمینان کا سانس نہیں لینا چاہیئے جبتک کہ چالیس پچاس ہزار اغوا شدہ عورتوں کو واپس ان کے گھروں میں نہ پہنچا دو ۔ یاد رکھو کہ مشرقی پنجاب کے گوشے گوشے سے مسلمان عورتیں تمہیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ اے مسلمانو اگر تمہارے دل میں کچھ غیرت ہے تو آؤ اور ہمیں چھڑاؤ ۔

حضور نے انڈین یونین میں رہنے والے مسلمانوں کو بالعموم اور احمدیوں کو بالخصوص یہ مشورہ دیا کہ اب جبکہ پاکستان کے لیڈروں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو اور ہندوستان کے لیڈروں نے پاکستان کے غیر مسلموں کو اپنی اپنی حکومت کا وفادار رہنے کا مشورہ دیا ہے ۔ یہ ضروری ہے کہ ہندوستان کے مسلمان وہاں کی ایسی سیاسی پارٹیوں میں شامل ہو جائیں جن میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کر سکیں ۔ اس وقت انڈین یونین میں دو پارٹیاں ہیں ۔ ایک پارٹی مہاسبھا کی طرف جھک رہی ہے ۔ اور دوسری پارٹی کانگریس ہے ۔ وہ چونکہ سالہا سال سے غیر مذہبی اور جمہوری پارٹی ہونے کا اعلان کرتی رہی ہے اسلئے وہ مجبوراً اب بھی جمہوری اور غیر فرقہ وارانہ پارٹی ہونے کا اعلان کر رہی ہے ان دونوں پارٹیوں میں سخت رسہ کشی ہو رہی ہے ۔ چونکہ اس وقت بظاہر دوسری پارٹی کمزور ہے ۔ گو وہ برسراقتدار ہے ۔

اسلئے وہ مجبور ہے اس بات پر کہ اپنی طاقت کو دیگر عناصر کی مدد سے قائم رکھے۔ پس میرے نزدیک مسلمانوں کو اس پارٹی کا ساتھ دینا چاہیئے۔ اس سے موجودہ ظلم تعدی رک جائے گی اور آہستہ آہستہ طاقت کا توازن مسلمانوں کے ہاتھ میں آجائے گا۔

پس میرا مشورہ احمدیوں کو یہی ہے کہ انہیں اس پارٹی کا ساتھ دینا چاہیئے۔ ہاں ایک دو ماہ وہ انتظار کر سکتے ہیں۔ تاکہ ماسٹر محمد اسمٰعیل کنوینر انڈین مسلم لیگ کی طلب کردہ کانفرنس کے نتائج سامنے آجائیں۔ اگر انہوں نے کوئی ٹھوس تجویز پیش نہ کی تو پھر مسلمانوں کو کانگرس میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ اور فوراً شامل ہو جانا چاہیئے۔ ایک اور چیز جو فتنوں کو دبانے میں ممد ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ فسادات میں انڈین یونین کی جو بدنامی ہوئی ہے اسکی وجہ سے وہاں کے بین الاقوامی شہرت رکھنے والے لیڈروں کے وقار کو بھی بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ خصوصاً چونکہ احمدی ہر علاقہ اور ہر ملک میں موجود ہیں اسلئے قادیان کے معاملہ میں انکی بڑی بدنامی ہوئی ہے اور قادیان ان کیلئے بھڑوں کا ایک ایسا چھتہ ثابت ہوا ہے جس کی وجہ سے ان کی حقیقت ساری دنیا میں کھل گئی ہے۔ اس بدنامی کی وجہ سے انہیں کچھ کچھ ہوش آرہی ہے اور انہیں مسلمانوں کو دوبارہ اپنی اپنی جگہ بسانے کا احساس ہو رہا ہے۔ حضور نے ہندوستان اور پاکستان میں بسنے والے احمدیوں کو تاکید فرمائی کہ وہ ہر حال اپنی اپنی حکومتوں کے وفادار رہیں۔ بشرطیکہ ان کے مذہبی معاملات میں دخل نہ دیا جائے۔ دونوں ڈومینینوں کے احمدیوں کو اپنی اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے۔

حضور نے اس تجویز کا بھی ذکر فرمایا کہ ہر سال ہم ایک ایسا دن منایا کریں جبکہ ہر احمدی مرد عورت یہ اقرار کرے کہ وہ قادیان لیکر چھوڑیں گے۔ اور اس کیلئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اسی سلسلے میں دو کمیٹیاں بنا دی جائیں گی ایک ہندوستان کیلئے اور دوسری پاکستان کیلئے۔ یہ کمیٹیاں اپنے ملکی حالات کے ماتحت پروگرام وضع کریں گی۔ یہ گویا سال میں ایک دن ہوا کرے گا جبکہ قادیان کا معاملہ ساری دنیا کی نگاہوں کے سامنے آجایا کریگا۔ اور اسطرح یہ سوال اسوقت تک زندہ رکھا جائیگا جب تک کہ ہندوستان کی یونین قادیان ہمیں نہ دے دے۔ یا خدا کسی اور رنگ میں اپنا فیصلہ صادر نہ کرے۔

حضور نے دوران تقریر اس امر کی مذمت فرمائی کہ مشرقی پنجاب کے بعض لوگ بجائے کام کرنے کے یونہی ادھر ادھر پھر رہے ہیں۔ اور حکومت کے خلاف شکایات کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنے مخفی جوہروں کو کام میں لانا چاہیئے اور محنت کر کے خود کام کرنا چاہیئے۔ یہ نہایت ذلیل ذہنیت ہے کہ ہم بجائے خود کام کرنے کے حکومت سے اپنی

اُمیدیں وابستہ رکھیں۔ حضور نے اِس سلسلے میں فرمایا کہ سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ سچے مسلمان بننے کی کوشش کرو۔ کہ یہی ہماری مشکلات کا علاج ہے۔ ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے پانچ ارکان توحید۔ نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ پر عامل ہو جائے اور اپنے اندر ایک نیک تبدیلی پیدا کرے۔ مجھے تو شرم آتی ہے کہ میں ابھی احمدیوں کو ان باتوں کی طرف توجہ دلا رہا ہوں جن پر انہیں بہت پہلے عامل ہونا چاہیئے تھا۔ پانچ ظاہری خصوصیات کے بالمقابل پانچ باطنی خوبیاں بھی پیدا کرنی چاہئیں اور وہ یہ ہیں۔ سچ۔ انصاف۔ رحم۔ دیانت اور محنت۔ حضور نے ان پانچوں امور کی تشریح اور وضاحت کرنے کے بعد فرمایا وقت آگیا ہے کہ ہماری جماعت میں سے جو سُست ہیں اور ان امور پر عمل نہیں کرتے انہیں جماعت سے الگ کر دیا جائے اور آئندہ جماعت کے متعلق قوانین کی بنیاد ایسے امور پر رکھی جائے کہ ان امور میں غفلت کرنیوالے جماعت میں نہ رہ سکیں گے۔ بیشک ایسا کرنے سے ہزاروں افراد نکل جائیں لیکن انکا نکلنا جماعت کیلئے ضعف کا موجب نہیں۔ بلکہ طاقت کا موجب ہوگا۔ پس جو لوگ ان امور پر عمل نہیں کرتے میں انہیں تنبیہہ کرتا ہوں کہ اگر وہ دین کے اصولوں کی پابندی نہیں کریں گے تو وہ اس جماعت میں شامل نہیں رہ سکتے۔ [1]

دوسرے دن کا پہلا اجلاس

۲۸ رفتح / دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے پہلے اجلاس میں حسب ذیل تقریریں ہوئیں:۔

(۱) مولانا جلال الدین صاحب شمس (حضرت مسیح کے سفرِ کشمیر کا عیسائی دنیا پر اثر)

(۲) آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب (اسلامی نظام حکومت کا خاکہ)

(۳) مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب۔ (جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات)

(۴) حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔ اے آکسن۔ (نوجوانانِ احمدیت سے خطاب)

دوسرے اجلاس میں حضرت مصلح موعود کی معرکۃ الآراء تقریر

اِن اہم تقریروں کے بعد سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے جلسہ گاہ میں ظہر و عصر کی نمازیں پڑھائیں۔ اور پھر دوسرے اجلاس کی کارروائی شروع فرمائی۔ سب سے پہلے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے تلاوت فرمائی۔ آپ کے بعد الحاج مولوی محمد سلیم صاحب نے حضور کی ایک تازہ عربی نظم[2] خوش الحانی سے سنائی اور تین بجے کے قریب حضرت امیر المومنین نے اپنی تقریر کا آغاز فرمایا۔ ابتداء میں حضور نے فرمایا کہ اس روز میں ہمیشہ علمی تقریر کیا کرتا ہوں اور آج بھی میرا ارادہ تقاریر کے سلسلہ کو جو سیر روحانی سے موسوم ہے جاری کرنے کا تھا مگر چونکہ یہاں مہمانوں کو رہائش کی سہولتیں میسر نہیں اسلئے میں لمبی تقریر نہیں کرتا۔ البتہ مختصر وقت میں بعض متفرق امور بیان کر دیتا ہوں تفسیر کبیر کی

---

[1] :۔ الفضل ۲۸ دسمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۲۔

[2] :۔ یہ نظم الفضل ۲ صلح / جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳ پر شائع شدہ ہے۔

جلد جو اس وقت چھپ جانی چاہیئے تھی۔ قادیان سے یہاں منتقل ہو جانیکی وجہ سے معرضِ التواء میں پڑ گئی ہے۔ البتہ انگریزی قرآن کریم کے پہلے دس پارے چھپ گئے ہیں اور انکی جلد بندی ہو رہی ہے۔ اس موقعہ پر حضور نے حضرت مولوی شیر علی صاحب[۱] کی وفات پر اظہارِ افسوس کیا جنہوں نے ترجمہ وغیرہ کا کام نہایت محنت اور اخلاص سے کیا۔

تعلیم: حضور نے نوجوانوں کو تعلیم دلانیکی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ فتنہ فساد کی وجہ سے بہت سے طلباء کالجوں کے بند ہو جانے اور دیگر مشکلات کے حائل ہو جانے کی وجہ سے تعلیم چھوڑ چکے ہیں۔ بیشک مشکلات ضرور ہیں لیکن والدین کو مشکلات برداشت کر کے بھی ان کی تعلیم کو جاری رکھنا چاہیئے کیونکہ ہمارا مستقبل انہیں سے وابستہ ہے اور اگر آج ہم اس میں کوتاہی کریں گے تو آئندہ ہماری نسلیں۔ اولادیں فتح و کامرانی کا منہ نہیں دیکھ سکیں گی۔ تعلیم ہر حال لازمی ہے اور یہ امر کہ کونسی تعلیم ہو یہ میں آپ لوگوں پر چھوڑتا ہوں۔ البتہ قرآن کریم کا ترجمہ اور حدیث وغیرہ کے ضروری مسائل جاننا ہر احمدی کا فرض ہے۔

چندہ: موجودہ حالات کی وجہ سے ہمارے چندوں پر بہت اثر پڑا ہے۔ کیونکہ اوّل تو مشرقی پنجاب کی جماعتیں نادار ہو گئی ہیں اور دوسرے مغربی پنجاب کے کثیر حصہ کو مہاجرین کا بوجھ اٹھانا پڑا ہے۔ لیکن اسکے باوجود ہم نے خدا کا کام کرنا ہے اور اس سلسلہ کے بوجھ کو اٹھانا ہے۔ اور اس بارہ میں مشاورت میں جو ہدایات میں نے دی ہیں ان پر عمل کیا جائے۔

مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ: مشرقی پنجاب سے آنیوالے مہاجرین کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ یہ لوگ جتنی زمین مشرقی پنجاب میں چھوڑ آئے ہیں اس سے بہت زیادہ یہاں غیر مسلم چھوڑ گئے ہیں۔ اگر ان کو علاقہ وار تقسیم کیا جاتا تو کوئی مشکل نہ ہوتی اور سب کو زمین مل جاتی۔ اب چونکہ ان کو بے تحاشا بھجوا دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے بہت سے نقائص واقع ہو گئے ہیں۔ ایک نقص تو یہ واقع ہوا ہے کہ زمینداروں نے کمیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر زیادہ زمین حاصل کر لی۔ اور دوسرے ان کمیوں نے کسی دوسری جگہ جا کر اور زمین حاصل کر لی۔ تیسرے زمین کا بڑا حصہ پٹواریوں نے اپنے رشتہ داروں وغیرہ کیلئے ریزرو کر لیا ہوا ہے۔ چوتھے بعض لوگوں نے پٹواریوں سے مل کر ہندوؤں کی زمین اپنے نام لکھوا لی ہے کہ وہ پچھلے سال سے ہی اس کی کاشت کر رہے تھے۔

بہر حال موجودہ طریقِ تقسیم میں بہت سے نقائص ہیں۔ اگر اس کو بدل دیا جائے تو سب لوگوں کو تقسیم کرنے کے بعد کچھ زمین بچ بھی جائے گی۔

---

[۱]: حضرت مولانا شیر علی صاحب اور تقسیم ہند کے بعد ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء میں انتقال کرنیوالے دوسرے بزرگوں کا ذکر اگلی جلد میں ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء کے بقیہ حالات کے ضمن میں آرہا ہے۔

پاکستان کی ترقی - فرمایا اس بات سے نہیں گھبرانا چاہیئے کہ اتنے زیادہ لوگ یہاں آگئے ہیں اور یہ کھائیں گے کہاں سے - یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے کہ روزی صرف زراعت میں ہی نہیں ہے - تجارت میں بھی ہے - بلکہ زراعت سے بہت زیادہ اس لئے لوگوں کو زمینوں کے پیچھے پڑنے کی بجائے تجارت کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہیئے - اور ملک ہمیشہ تجارت سے ہی خوشحال ہوا کرتا ہے - موجودہ حالات کی وجہ سے پاکستان کی ترقی کے ایسے ذرائع پیدا ہوگئے ہیں کہ بہت جلد یہ ملک دنیا میں بلند مقام حاصل کرلے گا - کثرت آبادی ملک کی ترقی میں روک نہیں ہوا کرتی بلکہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ملک کی تمام تر ترقی آبادی کی کثرت سے وابستہ ہے -

پاکستان کو اسلامستان کی سیڑھی بنانے کے عزم کا پرشوکت اعلان

حضرت مصلح موعود نے ان ضروری مسائل پر روشنی ڈالنے کے بعد نہایت پُرجلال انداز میں فرمایا :-

"پاکستان کا مسلمانوں کو مل جانا اس لحاظ سے بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سانس لینے کا موقعہ میسر آگیا ہے اور وہ آزادی کیساتھ ترقی کی دوڑ میں حصہ لے سکتے ہیں - اب ان کے سامنے ترقی کے اتنے غیر محدود ذرائع ہیں کہ اگر وہ انکو اختیار کریں تو دنیا کی کوئی قوم ان کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتی اور پاکستان کا مستقبل نہایت ہی شاندار ہو سکتا ہے - مگر پھر بھی پاکستان ایک چھوٹی چیز ہے ہمیں اپنا قدم اس سے آگے بڑھانا چاہیئے اور پاکستان کو اسلامستان کی بنیاد بنانا چاہیئے - بیشک پاکستان بھی ایک اہم چیز ہے - بیشک عرب بھی ایک اہم چیز ہے - بیشک حجاز بھی ایک اہم چیز ہے بیشک مصر بھی ایک اہم چیز ہے - بیشک ایران بھی ایک اہم چیز ہے مگر پاکستان اور عرب اور حجاز اور دوسرے اسلامی ممالک کی ترقیات صرف پہلا قدم ہیں - اصل چیز دنیا میں اسلامستان کا قیام ہے - ہم نے پھر سارے مسلمانوں کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کرنا ہے - ہم نے پھر اسلام کا جھنڈا دنیا کے تمام ممالک میں لہرانا ہے - ہم نے پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عزت اور آبرو کے ساتھ دنیا کے کونے کونے میں پہنچانا ہے - ہمیں پاکستان کے جھنڈے کے بلند ہونے پر بھی خوشی ہوتی ہے - ہمیں مصر کے جھنڈے بلند ہونے پر بھی خوشی ہوتی ہے - ہمیں عرب کے جھنڈے بلند ہونے پر بھی خوشی ہوتی ہے ہمیں ایران کے جھنڈے بلند ہونے پر بھی خوشی ہوتی ہے - مگر ہمیں حقیقی خوشی تب ہوگی جب سارے ملک آپس میں اتحاد کرتے ہوئے اسلامستان کی بنیاد رکھیں - ہم نے اسلام کو اس کی پرانی شوکت پر قائم کرنا ہے - ہم نے خدا تعالیٰ کی حکومت دنیا میں قائم کرنی ہے - ہم نے عدل اور انصاف کو دنیا میں قائم کرنا ہے اور ہم نے عدل و انصاف پر مبنی پاکستان کو اسلامک یونین کی پہلی سیڑھی بنانا ہے - یہی اسلامستان ہے جو دنیا میں حقیقی امن قائم کریگا - اور ہر ایک کو اسکا حق دلائیگا - جہاں روس اور امریکہ فیل ہوا صرف مکہ اور مدینہ ہی انشاء اللہ کامیاب ہونگے - یہ چیزیں اس وقت ایک

پاگلوں کی بڑ معلوم ہوتی ہیں مگر دنیا میں بہت سے لوگ جو عظیم الشان تغیر کرتے رہے ہیں وہ پاگل ہی کہلاتے رہے ہیں۔ اگر مجھے بھی لوگ پاگل کہدیں تو میرے لئے اس میں شرم کی کوئی بات نہیں میرے دل میں ایک آگ ہے ایک جلن ہے، ایک تپش ہے۔ جو مجھے آٹھوں پہر بیقرار رکھتی ہے۔ میں مسلمانوں کو انکی ذلت کے مقام سے اٹھا کر عزت کے مقام پر پہنچانا چاہتا ہوں۔ میں پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلانا چاہتا ہوں۔ میں پھر قرآن کریم کی حکومت دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ بات میری زندگی میں ہوگی یا میرے بعد۔ لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ میں اسلام کی بلند ترین عمارت میں اپنے ہاتھ سے ایک اینٹ لگانا چاہتا ہوں۔ یا اتنی اینٹیں لگانا چاہتا ہوں جتنی اینٹیں لگانے کی خدا مجھے توفیق دیدے۔ میں اس عظیم الشان عمارت کو مکمل کرنا چاہتا ہوں یا اس عمارت کو اتنا اونچا لے جانا چاہتا ہوں جتنا اونچا لے جانے کی اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دیدے اور میرے جسم کا ہر ذرہ اور میری روح کی ہر طاقت اس کام میں خدا تعالیٰ کے فضل سے خرچ ہوگی۔ اور دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی میرے اس ارادہ میں حائل نہیں ہوگی۔ میں جماعت کے دوستوں سے بھی کہتا ہوں کہ وہ اپنے نقطۂ نگاہ کو بدلیں۔ وہ زمانہ گیا جب ایک غیر قوم ان پر حکمران تھی اور وہ محکوم سمجھے جاتے تھے۔ میں تو اس زمانہ میں بھی اپنے آپ کو غلام نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن چونکہ ایک غیر قوم ہم پر حکمران تھی کبھی کبھی خواہش پیدا ہوتی کہ ہندوستان کو چھوڑیں اور کسی اسلامی ملک میں جا کر رہنا شروع کر دیں۔ مگر اب اللہ تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ بجائے اس کے کہ ہم دور کسی اسلامی ملک مثلاً عرب یا حجاز میں جاتے اس نے ہمیں وہ ملک دیدیا۔ جو عمل کرے یا نہ کرے۔ کہلاتا خدا کا ہے۔ کہلاتا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ ہمارے لئے بہت بڑی خوشی کا مقام ہے کہ چاہے اس نے ایک چھوٹی چیز دیدی۔ مگر اپنی تو دیدی۔ یہاں کوئی میری مانے یا نہ مانے سنے یا نہ سنے۔ جب میں یہ کہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کہتے ہیں تو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میرے ساتھ کیا تعلق ہے۔ کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ایک حکومت قائم ہو گئی ہے۔ پس اس تصور سے میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی میں ان غموں کو بھول جاتا ہوں۔ جو ہندوستان میں ہمیں پیش آئے۔ اسلئے کہ میرا مکان گو میرے ہاتھ سے جاتا رہا مگر میرے آقا کو ایک مکان مل گیا۔ یہ درست ہے کہ چالیس لاکھ مسلمانوں کے مکان ان کے ہاتھ سے جاتے رہے۔ وہ گھر سے بے گھر ہو گئے وہ جائدادوں سے بیدخل ہو گئے مگر ایک جگہ ایسی ضرور پیدا ہو گئی ہے جس کے متعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ میری جگہ ہے۔ اور یہ خوشی ہماری اپنی جائدادوں کے کھوئے جانے سے بہت زیادہ ہے۔" [1]

بیرونی مشن :- اس اہم ارشاد کے بعد حضور نے بیرونی ممالک میں اسلام و احمدیت کے تبلیغی حالات بتاتے ہوئے فرمایا کہ اس سال بیرونی ممالک میں خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اور ہمارے مبلغوں نے نہایت اخلاص اور جانفشانی سے کام کر کے جماعت کو بہت بلند مقام پر پہنچا دیا۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس سال وہ اس سے بھی زیادہ اخلاص اور جوش سے کام کریں گے۔

---

[1] :- الفضل ۲۳ امان / مارچ ۱۳۳۵ ہش / ۱۹۵۶ء صفحہ ۸

تجارت کے لئے چندہ :- فرمایا جس طرح پر عام چندہ لیا جاتا ہے اس طرح آئندہ ایک اور چندہ لیا جائیگا جس سے مختلف مقامات پر کارخانے اور دکانیں کھولی جائیں گی اور یہ چندہ ہر ایک کے لئے لازمی ہوگا۔ اس وقت تجارت کا بہت موقعہ ہے۔ آڑھت کی تجارت بہت فائدہ مند ہے اور اس طرف بہت کم لوگوں نے توجہ دی ہے۔

فوجی تربیت :- اسکے بعد حضور نے مختصراً "جماعت کو فوجی تربیت حاصل کرنے اور مختلف قسم کی فوجی تنظیموں میں شمولیت کی تلقین کی۔

قادیان کی جدائی کا صدمہ :- اپنی تقریر کے آخری حصہ میں حضور نے فرمایا کہ قادیان چھوٹ جانے پر بعض لوگوں نے نہایت جزع فزع کیا ہے اور آنسو بہائے ہیں لیکن میں اسے بے غیرتی سمجھتا ہوں۔ یہ رونے کا وقت نہیں ہے بلکہ کام کا وقت ہے۔ میرا آنسو قادیان کے لئے اس دن بہے گا جب میرا دوسرا آنسو اس خوشی میں بہے گا کہ میں قادیان میں فاتحانہ داخل ہو رہا ہوں۔ جذبات بیشک کام کی تکمیل میں ممد ہوتے ہیں۔ لیکن ہمیں اپنے جذبات اس دن کیلئے وقف رکھنے چاہئیں جب ہم قادیان لینے کے لئے نکلیں۔

ہجرت اور دوبارہ آمد کے متعلق پیشگوئیاں :- حضرت امیر المومنین نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں جو قادیان سے ہجرت کے متعلق تھیں اور اسی مضمون کے اپنے رؤیا و کشوف بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ جب ان پیشگوئیوں کے وہ حصے جو یہاں سے نکلنے کے متعلق تھے پورے ہوگئے تو ضروری ہے کہ وہ حصے بھی پورے ہوں گے جو قادیان میں دوبارہ آنے اور فاتحانہ داخل ہونے کے ہیں۔ پانچ بجے کے قریب حضور کی یہ معرکۃ الآراء تقریر ختم ہوئی۔ اور یہ تاریخی جلسہ دعا کے بعد نہایت خیر و خوبی اور نہایت درجہ کامیابی کے ساتھ برخواست ہوا۔[۱][۲]

حضور کی تقریر کا ذکر پریس میں

اخبار "جدید نظام" نے حضور کی اس تقریر کا خلاصہ درج ذیل الفاظ میں شائع کیا :-

"پاکستان اسلامی حکومت ہے اس کا ضابطہ حیات بھی اسلامی ہی ہونا چاہیئے۔ مہاجرین کا مسئلہ کوئی ناقابل حل مسئلہ نہیں۔ امیر جماعت احمدیہ کا اعلان۔ لاہور ۳۱ر دسمبر۔ احمدیہ کانفرنس میں مرزا بشیر الدین محمود نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ کہ مشرقی پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے حصوں سے پناہ گزینوں کے سیلاب سے پاکستان کے مسلمان مایوس نہ ہوں پناہ گزینوں کو دوبارہ آباد کرنے کا کام ایسا نہیں جس پر قابو نہ پایا جاسکے۔ آپ نے سکھ اور

---

[۱] :- الفضل ۳۰ر فتح/دسمبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳

[۲] :- اس ظلی جلسہ کے نگران اعلیٰ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب افسر جلسہ سالانہ حضرت قاضی محمد عبد اللہ صاحب اور ناظم جلسہ سالانہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب تھے۔ مہمانوں کے کھانے کا انتظام رتن باغ اور دیو سماج بلڈنگز میں نظامتیں قائم تھیں جن کے نگران بالترتیب صوفی محمد ابراہیم صاحب بی۔ اے اور ماسٹر علی محمد صاحب بی۔ اے بی۔ ٹی مقرر کئے گئے۔ دوسرے انتظامات کے منتظمین یہ تھے۔ چوہدری اسد اللہ خاں صاحب حفاظت خاص (نظامت مکانات) چوہدری محمود احمد صاحب قائد خدام الاحمدیہ لاہور (انتظام جلسہ گاہ) میاں غلام محمد صاحب اختر (نظامت استقبال و انکوائری آفس) شیخ محبوب الٰہی صاحب بی۔ اے (نظامت سپلائی) (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۵)

ہندو پناہ گزینوں کی اراضی کے اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ان تمام اراضی کو اچھے طریقے سے بانٹا جائے تو تمام زراعت پیشہ پناہ گزین آباد ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوؤں اور سکھوں کا کاروبار پر بہت ہی اثر تھا۔ اگر مسلمان اس طرف توجہ دیں تو پندرہ بیس لاکھ پناہ گزین کاروبار میں جذب ہو سکتے ہیں۔ آپ نے مزید کہا کہ پاکستان ایک مسلم ریاست ہے اس لئے اسے اسلامی اصولوں پر چلانا چاہیئے۔ پاکستان کے عوام کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس کے حل کے لئے روس یا دوسرے ہمسایہ ممالک کی طرف دیکھنا اور اس کے نظام کو اپنانے کی ضرورت نہیں۔ ان کا حل پیغمبر اسلام کی تعلیم سے ہی مل سکتا ہے۔ آپ نے کہا کہ دنیا کے ہر مسئلہ کا حل قرآن میں ہے کیونکہ یہ خدا کا کلام ہے۔ آپ نے مزید کہا کہ میں پاکستان اور اسلامی ممالک کے تعلقات خوشگوار چاہتا ہوں اور عنقریب اس مقصد کے لئے مشرق وسطیٰ کا دورہ کروں گا۔" [1]

ظلی جلسے کے پروگرام کا تتمہ مجلس مشاورت ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے موقعہ پر

چونکہ ظلی جلسہ پر مستورات اور بچوں کو شریک ہونے سے ممانعت کر دی گئی تھی اس لئے حضور نے اعلان فرمایا کہ مجلس مشاورت ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے ساتھ ایک دن بڑھا دیا جائے تا وہ عورتیں اور بچے جو گذشتہ موقعہ پر نہیں آسکے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا سکیں۔[2] یاد رہے ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کی مجلس مشاورت ۲۶۔۲۷ امان/مارچ کو رتن باغ میں ہوئی تھی جس میں پاکستان کے علاوہ ریاست حیدرآباد اور انڈین یونین سے بھی نمائندے تشریف لائے حضرت مصلح موعود نے اس کے افتتاحی اجلاس میں نصیحت فرمائی کہ "ہمیں اپنے اوقات کو پوری طرح خدا تعالیٰ اور اسلام کی خدمت میں لگا دینا چاہیئے۔ افتتاحی اجلاس میں ارشاد فرمایا۔ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو۔ پھر دیکھو خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ کیسا معاملہ کرتا ہے۔" [3]

اخبار "انقلاب" لاہور نے اپنی ۳۰ مارچ ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں "جماعت احمدیہ کی مجلس مشاورت" کے عنوان سے اس مشاورت کی حسب ذیل خبر شائع کی۔ "لاہور (اپنے نامہ نگار سے) ۲۹ مارچ کل شام کو جماعت احمدیہ کی مجلس مشاورت جو ۴۹-۱۹۴۸ء کے میزانیے پر بحث کیلئے بلائی گئی تھی ختم ہو گئی اور سال آئندہ کا بیس لاکھ کا بجٹ باتفاق رائے پاس ہو گیا۔ اس بحث میں پاکستان و ہندوستان و دیگر دور دراز کے علاقوں کے ۲۵۱ نمائندوں نے شرکت کی۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ سال آئندہ کیلئے بیس لاکھ میں سے ۳ لاکھ تبلیغ اور ساڑھے تین لاکھ روپے کی رقم جماعت کی تعلیم و تربیت کیلئے رکھی گئی ہے۔

حضرت سیدنا المصلح الموعود کی افتتاحی تقریر جلسہ عام میں

مشاورت کے اگلے روز (۲۸ امان/مارچ کو) جودھامل بلڈنگ سے ملحقہ وسیع میدان میں جماعت احمدیہ کے سالانہ جلسہ کا تتمہ پروگرام شروع ہوا۔ اس موقعہ پر ہزاروں احباب مختلف مقامات سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت مصلح موعود پورے

---

[1] "جدید نظام" لاہور ۲ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳؛ [2] الفضل ۳۰ امان/مارچ ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲؛
[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اخبار الفضل لاہور ۲۷-۲۸ امان/مارچ ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء؛

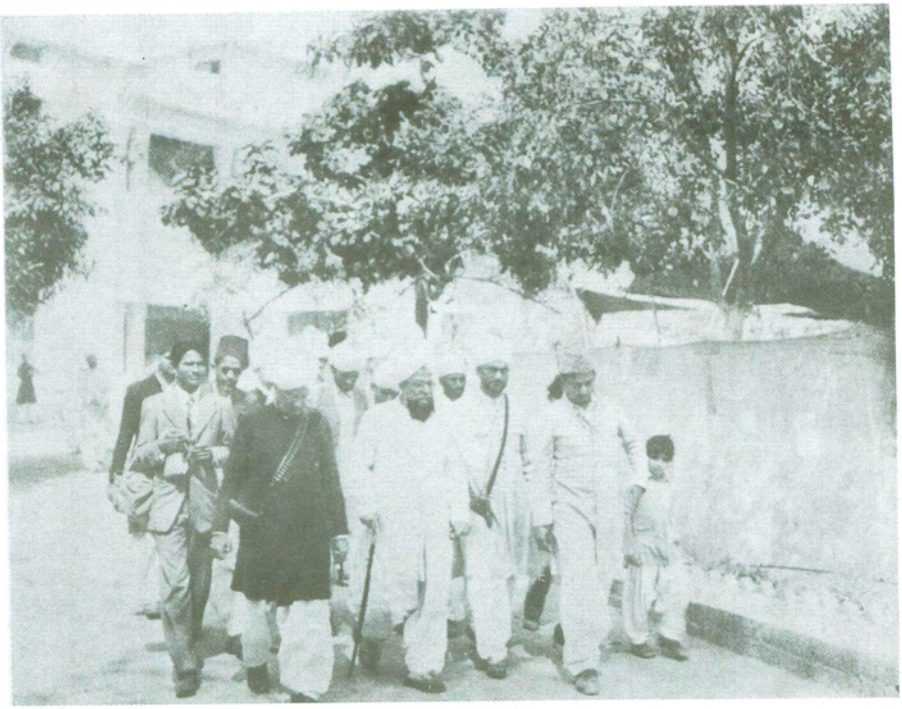

(اوپر) حضرت مصلح موعودؓ ۲۶ مارچ ۱۹۴۸ء کو رتن باغ سے جلسہ گاہ میں جمعہ پڑھانے کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں۔ (نیچے) حضور خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے ہیں۔

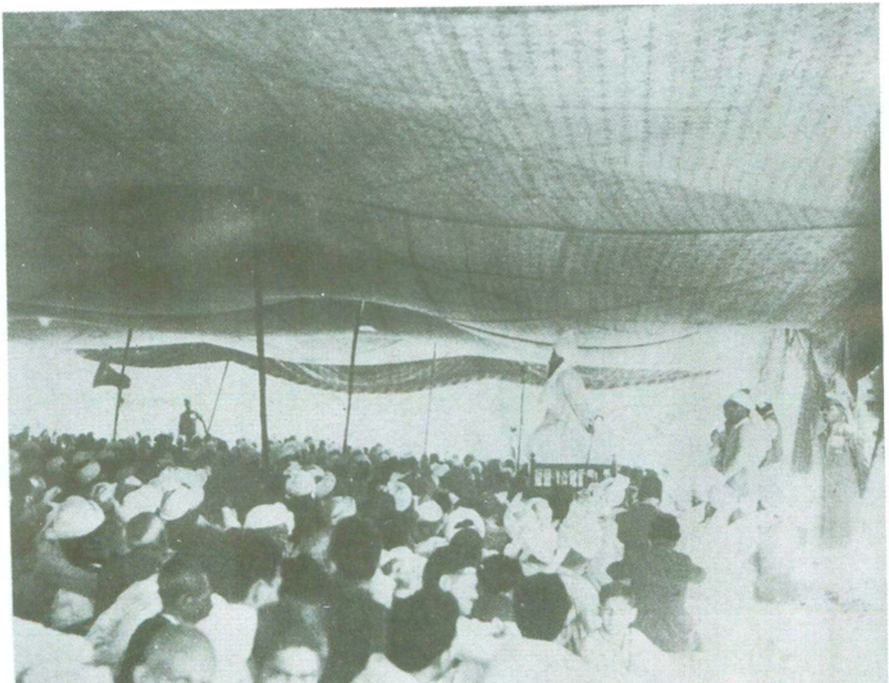

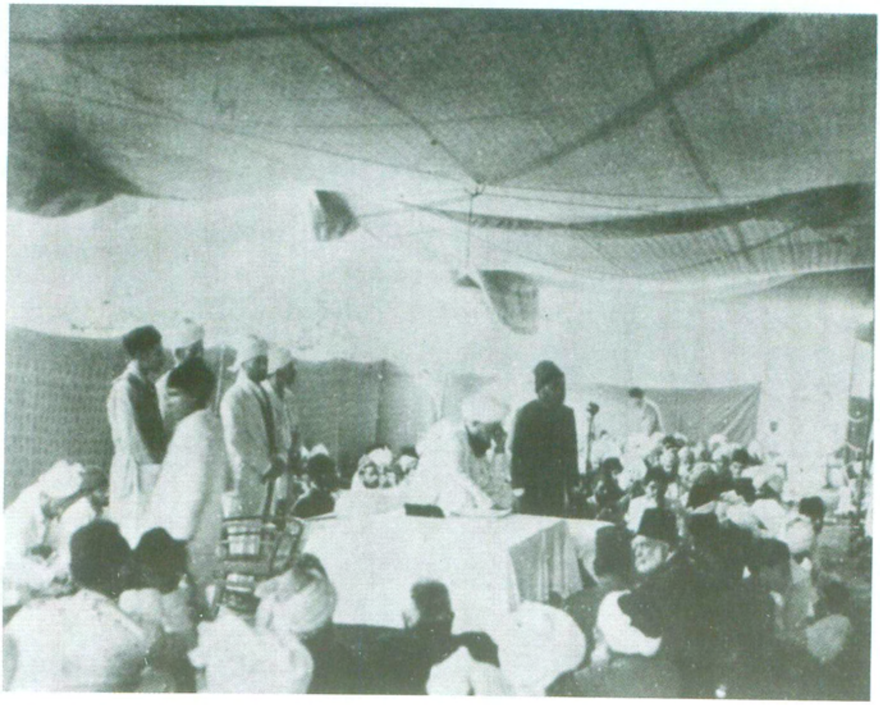

مجلس مشاورت ۲۶۔۲۷۔امان۔۱۳۲۷ھش/مارچ ۱۹۴۸ء

دس بجے تشریف لائے اور دُعا کے بعد جلسہ کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اجتماع وہی بابرکت ہوتے ہیں جو نیک ارادوں کے ساتھ شروع کئے جائیں۔ ہمارا یہ چھوٹا سا اجتماع یا قادیان کا اجتماع جس میں ۳۰، ۴۰ ہزار آدمی ہوتے تھے۔ دُنیا کی دو ارب آبادی کے مقابلہ میں کونسی بڑی بات ہے۔ مگر ہمارے سامنے تو دو ارب نفوس کے قلوب کو فتح کرنا ہے اس لئے ہمیں دیکھنا ہے کہ ہم کس رفتار سے جارہے ہیں۔ اگر ہماری رفتار معقول طور پر معقول زمانے میں کامیاب ہو تو الحمد للہ۔ لیکن اگر ہماری رفتار اتنی سُست ہے، کہ صدیوں کا انتظار کرنا پڑے۔ تو یہ افسوس اور رنج کی بات ہے۔ پس محض جلسے، جلوسوں اور اجتماعوں پر اکتفا نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ مومنانہ جوش اور اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت۔ تبلیغ اور اشاعت حق کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

اس کے بعد حضور نے اپنے چند خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ بیشک یہ مصائب کے دن ہیں لیکن آخر کٹیں گے۔ چنانچہ میری یہ خوابیں بتا رہی ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدیت کا مستقبل تاریک نہیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں مشکلات پر غالب آنے کی توفیق دیگا۔ اور یہ ہی نہیں بلکہ ہمارے ذریعے ہندوستان میں روحانی حکومت قائم کریگا۔ اور اسکے بعد جسمانی حکومت تو اس کے تابع ہوا ہی کرتی ہے۔ جب لوگ مسلمان ہو جائیں تو بادشاہ خود بخود ہی مسلمان ہو جاتا ہے۔ ہمیں یہ بات خوش نہیں کرسکتی کہ زید یا بکر وزیر ہو بلکہ ہماری خوشی تو یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اسلام قائم ہو جائے۔ دُنیا کا گورنر جنرل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور دُنیا پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حکومت قائم ہو۔ ہمارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے جائیں۔ ہمارے بچے اور بیویاں ہماری آنکھوں کے سامنے قتل کردیئے جائیں۔ مگر ہمیں یہ خوشخبری مل جائے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ ہیں تو یہ موت ہماری ہزاروں زندگیوں سے بہتر ہے۔ اپنی سُستیوں کو ترک کرو اور اپنے اندر نیک تبدیلی پیدا کرو اور یہ مت خیال کرو۔ کہ ہم تھوڑے ہیں کیونکہ "کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ" (بقرہ ع ۳۳) بہت سی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آچکی ہیں۔[۱]

اس افتتاحی خطاب کے بعد حضور واپس تشریف لے گئے اور تلاوت و نظم کے بعد بالترتیب مندرجہ ذیل فاضل مقررین نے معلومات افزا تقریریں کیں۔

(۱) قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔ اے کینٹب ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ آف سائیکالوجی گورنمنٹ کالج لاہور۔
(اسلامی نظامِ حکومت کا خاکہ)

(۲) صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی مجاہد امریکہ - (امریکہ میں تبلیغ اسلام)

(۳) حکیم فضل الرحمٰن صاحب مجاہد مغربی افریقہ - (افریقہ میں تبلیغ اسلام)[۲]

---

[۱]، [۲]:- الفضل ۳۰ امان/مارچ ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء ص ۲

حضرت مصلح موعود کی دوسری روح پرور تقریر

اڑھائی بجے کے قریب جلسہ کا دوسرا اجلاس شروع ہوا۔ ماسٹر نقیر اللہ صاحب نے تلاوت کی۔ اس کے بعد سیدنا حضرت مصلح موعود نے پہلے تو قادیان کے درویشوں اور جماعت امریکہ کا پیغام سلام و دعا پہنچایا۔ نیز امریکہ، ہالینڈ اور جرمن نومسلموں کے اخلاص پر اظہار خوشنودی فرمایا اور پھر "سیر روحانی" کے روح پرور سلسلہ مضامین کی چوتھی کڑی یعنی "عالم روحانی کا بلند ترین مینار یا مقام محمدیت" کے موضوع پر اس شان سے روشنی ڈالی کہ حاضرین پر وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی حضور نے اپنی تقریر کے دوران مقام محمدیت کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا :-

"ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ اور ہم جانتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سچا غلام بڑے سے بڑا مقام حاصل کر سکتا ہے اور جتنا بھی وہ بڑھتا چلا جائے گا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے ہی استفادہ کرے گا اور ہمیشہ آپ کے غلاموں اور چاکروں میں ہی اس کا شمار ہوگا۔ ہمیں اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ اس دعویٰ کے نتیجہ میں ہم مارے جائیں یا قتل کئے جائیں یا اپنے وطنوں سے نکال دیئے جائیں۔ ہم فخر سمجھیں گے کہ ہم نے ماریں کھا کر اور گالیاں سن کر اور وطنوں سے بے وطن ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بلند کیا اور آپ کی عظمت کو دنیا میں روشن کیا۔"

حضور پُر نور نے اپنے اس حقائق و معارف سے لبریز لیکچر کے آخر میں افراد جماعت کو یہ قیمتی نصیحت فرمائی۔ کہ

"جس دن تم اُٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بن جاؤ گے اور جس دن تمہاری زندگی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی جھلک پیدا ہو جائے گی۔ دنیا سمجھ لے گی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور تمہارے اعمال اور اخلاق اور کردار کو دیکھ کر اس کے دل میں تمہاری محبت بڑھتی چلی جائے گی۔ تم ایک زندہ اور مجسم نمونہ ہوگے تم چلتی پھرتی تبلیغ ہوگے۔ تم دنیا کے راہ نما اور راہبر ہو گے تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ کی طرف دنیا کو کھینچ کر لانے والے ہوگے اور وہ لوگ بھی آخر تمہارے نمونہ کو دیکھ کر بیتاب ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ جب تک ہم سب سے بڑے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ لیں ہم صبر نہیں کر سکتے۔ تب دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم ہو جائے گی اور تمام بنی نوع انسان آپ کی غلامی میں شامل ہو جائیں گے۔" [1]

---

[1] "سیر روحانی" جلد ۲ صفحہ ۶۹، ۷۵، ۷۶۔

تتمہ سالانہ جلسہ ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء کے یک روزہ اجلاس کے روح پرور مناظر

(۱) حضرت مصلح موعودؓ نماز ظہر و عصر پڑھانے سے قبل (۲) حضرت مصلح موعود خطاب فرما رہے ہیں (۳) سامعین جلسہ (۴) اختتام جلسہ کے بعد

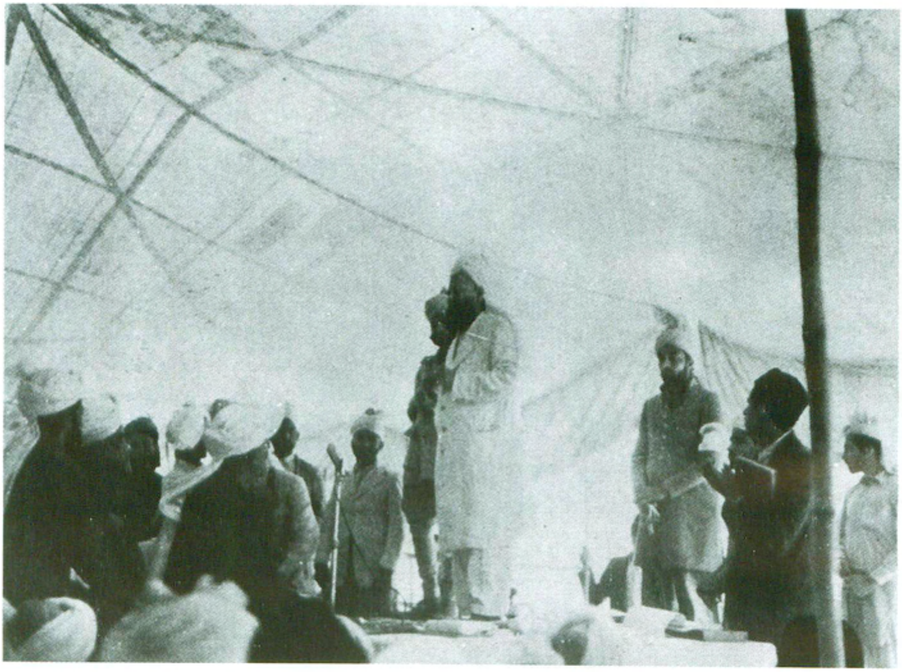

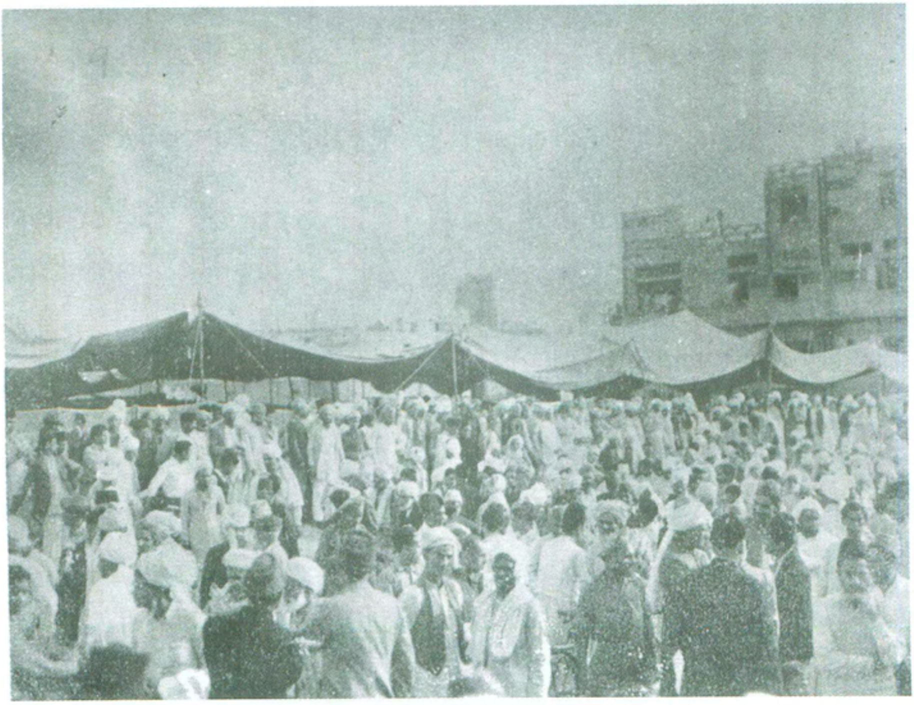

حضرت مصلح موعود کی اس معرکۃ الآراء تقریر کے وقت جلسہ گاہ کے اندر اگرچہ ہو ا چار ہزار کے قریب سامعین کی تعداد شمار کی گئی لیکن جلسہ گاہ سے باہر ہر گیٹ اور ملحقہ سڑک پر خلقت کا بے پناہ ہجوم تھا۔ تقریر کے دوران پریس گیلری بالکل بھری ہوئی تھی۔ [1]

اس نہایت کامیاب اجتماع سے احمدیوں میں ایک نیا ولولہ نیا جوش اور نئی قوت و طاقت پیدا کر دی اور دُنیا پر بھی واضح ہو گیا کہ احمدیت کا زخم رسیدہ قافلہ اپنے مرکز سے ہجرت کے چند ماہ بعد ہی پھر سے تازہ دم ہو گیا ہے۔ اور خدا کے فضل و کرم سے اپنے فتح نصیب قائد کی سرکردگی میں فتح و ظفر کے پرچم لہراتا ہوا دوبارہ شاہراہِ ترقی پر گامزن ہو چکا ہے۔

---

[1]: الفضل ۳۰ ماہ امان/مارچ ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵

ضمیمہ (تاریخ احمدیت جلد ۱۱)

سیدنا امیر المومنین حضرت مصلح موعودؓ کے اہم اور تاریخی مکتوبات

- قائد اعظم محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ کے نام (۶ر اکتوبر ۱۹۴۶ء و ۲۰ر اکتوبر ۱۹۴۶ء)
- حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، ملک غلام فرید صاحب، مولانا جلال الدین صاحب شمس، مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور کے نام۔ (اکتوبر ۱۹۴۷ء)۔
- قادیان میں مقیم اپنے جسمانی اور روحانی بچوں کے نام۔ (اکتوبر ۱۹۴۷ء)۔

(۱)

۸۔ یارک روڈ۔ نئی دہلی۔

۲۰ر اکتوبر ۱۹۴۶ء

ڈیئر مسٹر جناح!

السلام علیکم۔

مجھے یہ سُنکر بے حد مسرت ہوئی کہ آخر کار موجودہ گفت و شنید تصفیہ کے آخری مراحل پر ہے (اس دوران میں اپنی رائے پر پختگی سے قائم رہا ہوں کہ ہمیں ہرگز اپنے نصب العین کو بھولنا نہیں چاہیئے اور نہ اس کے حصول کیلئے اپنی جدوجہد ہی میں کمزوری دکھانی چاہیئے۔ لیکن ہر وقت مجھوتے کیلئے بھی تیار رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اسلام ایسے موقعوں پر سمجھوتہ کرنے کی اجازت دیتا ہے) ۔ بشرطیکہ ایسا مجھوتہ با عزت ہو اور ہمارے آگے بڑھنے کے لئے آئینی جدوجہد کا رستہ کھلا رہے۔ تا کہ ہم مستقبل میں اپنے مطمح نظر کے حاصل کرنے میں فائز المرام ہو سکیں۔ یہی وہ امر ہے جسے عُرف عام میں "زیرِ احتجاج" قبول کرنا کہتے ہیں۔ چونکہ عبوری حکومت کو نیک و بد کرنے کے وسیع اختیارات دیدیئے گئے ہیں اس لئے قدرتی طور پر مجھے بیحد تشویش ہوئی کہ کوئی ایسا راستہ نکالا جائے۔ کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان حکومت میں شامل کئے جائیں۔ تاہم مجھے مسرت ہوئی کہ آپ نے موقعہ کی نزاکت کو بڑی عقلمندی اور فراست سے سنبھال لیا۔ اور با اثر دستوں کے تعاون سے یہ ممکن ہو سکا۔

اگر کوئی مزید رکاوٹ اچانک پیدا نہ ہو گئی۔ اور تصفیہ بالخیر طے پا گیا (جس کی ہمیں امید ہے اور میں دعا گو بھی ہوں) تو مجھے آپکی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانی ہے کہ مسلم لیگ کی تنظیم و توسیع کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل پانچ امور پر اساس قائم کی جائے:۔

۱۔ مرکزی تنظیم و ترتیب میں استحکام پیدا کیا جائے۔ صوبوں اور اضلاع کی تنظیم میں مضبوطی اور زیادہ سے زیادہ نیابت دی جائے۔

۲۔ مستقل فنڈز قائم کرنے کی سکیم بنائی جائے اور دیرپا آمد کیلئے یقینی صورت پیدا کی جائے۔

۳۔ مرکز اور صوبائی سطح پر مسلم پریس کو مضبوط کیا جائے۔

۴۔ لیگ کی مرکزی تنظیم کا ایسا نظام قائم کیا جائے کہ وہ مسلمانوں کو تجارت اور صنعت کے میدان میں ترقی کے مواقع بہم پہنچائے۔

۵۔ غیر ممالک سے تعلقات وسیع اور استوار کئے جائیں۔

لاریب کام کرنے کا نہایت وسیع میدان موجود ہے۔ تاہم اگر اب سیدھی سادی ابتداء کی داغ بیل ڈالدی جائے تو مستقبل میں ترقی و خوشحالی مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس تنظیم کی وسعت پذیری ایک اور رنگ میں بھی خوش آئند ہو سکتی ہے وہ یہ کہ موجودہ دور میں ایک کافی تعداد قابل اور صاحب دانش و فہم مسلمانوں کی ایسی ہے جو اسلام اور مسلمانان ہند کی خدمت کے لئے بطیب خاطر اور ذوق شوق سے اپنے آپ کو پیش کر سکتے ہیں۔ اس توسیع شدہ تنظیم کو چاہیئے کہ ایسے آمادہ بکار لوگوں کو اپنے اندر جذب کرنے کے لئے دروازے وا کردے۔ ورنہ رفتہ رفتہ یہ لوگ برگشتہ ہو جائیں گے۔ بلکہ ان میں سے بعض غیر مطمئن ہو کر شر پسندی اور فساد کا موجب بن سکتے ہیں۔

میں شاید اس سے قبل آپ کو مطلع نہیں کر سکا۔ کہ اسی روز جس دن میں نے آپ سے ملاقات کی تھی میں نے ہز ایکسی لینسی وائسرائے کو ایک خط بھجوا دیا تھا۔ جس میں انہیں لکھا تھا کہ مسلم لیگ کے تمام مطالبات کے ساتھ مجھے اور میری جماعت کو پورا پورا تعاون اور حمایت حاصل ہے۔

آپ کا مخلص

دستخط (مرزا بشیر الدین محمود احمد)

(ترجمہ)

(۳)

قادیان

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۶ء

ڈیئر مسٹر ایم۔ اے۔ جناح

السلام علیکم۔

قلمدانِ وزارت کی نئی تشکیل کا اعلان ہو چکا ہے۔ اگرچہ ان کی تقسیم منصفانہ اور معقول نہیں ہے۔ تاہم میں آپ کو آپ کی کامیاب مساعی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ بعض اہم وزارتیں مثلاً دفاع، امور خارجہ۔ امور داخلہ وغیرہ ہم اب بھی کانگرس کے ہاتھوں ہی ہیں۔ ان میں سے خصوصاً ایک یعنی دفاع یا رسد کا محکمہ مسلم لیگ کو تفویض کرنا چاہیئے تھا۔ تاہم مسلم لیگ کے نمائندے آپ کی ہدایت کے تابع رہیں گے۔ اور اس وقت تک تندہی اور محنت سے کام کرتے رہیں گے۔ جب تک کہ مسلمانوں کے حقوق کا کلی طور پر تحفظ نہیں ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عظیم مساعی میں برکت ڈالے اور صحیح رستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

آپ کا مخلص

دستخط (مرزا بشیر الدین محمود احمد)

(ترجمہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اب تک یہ ہو رہا ہے کہ ہم خط لکھتے ہیں اور اُدھر سے جواب یا آتا ہی نہیں یا آدھا جواب آتا ہے اور آدھا نہیں آتا۔ ایسے وقت میں کہ ہر دفعہ خیال ہوتا ہے کہ اگلا خط آئے گا یا نہیں یہ حالت نہایت افسوسناک ہے۔ اس لئے اس خط کی چار نقلیں بھجوا رہا ہوں یعنی میرزا ناصر احمد کو۔ بابا غلام فرید صاحب کو اور انور صاحب[1] کو اور یہ خط آپ کو آپ میں سے ہر اک کا فرض ہے کہ دیکھے کہ ایک ایک بات کا جواب آتا ہے اور جو باتیں اس خط میں تعمیل کے بغیر رہ جائیں آئندہ ان کا خیال رکھا جائے کہ بغیر اس کے کہ انکی نسبت یاد دہانی کروائی جائے ان کی تعمیل آپ لوگ کرتے رہیں۔

(۱) تیس ۳۰ دیہاتی مبلغ جو مانگے گئے تھے ان میں سے صرف نو پہنچے ہیں باقی ۲۱ (اکیس) مبلغ اس دفعہ بھجوائے جائیں ان کو تاکید ہو کہ آتے ہی رپورٹ کریں۔

(۲) پچھلی دفعہ بہت سے نوجوان بورڈنگ تحریک سے آگئے وہ کہتے ہیں کہ ہم کو زبردستی بھجوایا گیا۔ ملٹری نے اور خدام نے بہت سے گواہوں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس دفعہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ نوجوانوں کو پہلے ہی قادیان بلوا لینا چاہیئے تھا تاکہ اس قسم کی شرارت نہ ہوتی۔ آخر ان کو باہر کیوں رکھا ہوا ہے۔

(۳) قادیان سے باہر آدمی بھجوانے کے متعلق یہ امور مدنظر رہیں۔

---

[1] مولانا عبدالرحمٰن صاحب انور انچارج تحریک جدید مراد ہیں۔ (ناقل)

The expanded organization will be beneficial in another way also. There is at present a fairly large number of capable Muslims who are ready or rather eager to serve the cause of Islam and Muslims in India. The expanded organization will open the door for absorbing them; otherwise they might become gradually alienated and even discontented and some of them may eventually turn out to be a source of mischief.

I did not perhaps inform you that the very day I met you I sent a note to H.E. the Viceroy telling him that the Muslim League demands had the full sympathy and support of my community.

Yours Sincerely,
Sd/-
(Mirza B. Mahmud Ahmad)

Qadian
Oct. 27, 1946

Dear Mr. M. A. Jinnah,
Assalam-o-Alaikum.

The new allotment of portfolios has been announced. Though their distribution is not equitable yet I must congratulate you on your successful efforts. The important protfolios like Defence, External Affairs, Home etc. are still with the Congress. One of them especially the Defence or the Supply ought to have been given to the Muslim League. However, the Muslim League representatives will follow your advice and work assiduously till the rights of Muslims are fully secured. May Allah help you in your great task and lead you to the right path, Amen.

Yours Sincerely,
Sd/-
(M.B. Mahmud Ahmad)

8, York Road,
New Dehli
6.10.46

Dear Mr. Jinnah,
Assalam-o-Alaikum.

I am very glad to hear that after all the present negotiations are nearing a settlement. I have all along been of the opinion that though we should never lose sight of our ideal or slacken our struggle for it we should at the same time be ready to accept a compromise (for Islam allows compromise on such occasions) provided it is honourable and leaves us free to continue lawful struggle for further achievement. This is what is popularly known as accepting a thing under protest. As the interim government has immense power for good and evil I was naturally very anxious that some way might be found for the Muslims to get in and I am glad that your good handling of the situation and the co-operation of influential friends have made that possible.

If no further hitch crops up and a settlement is finally reached, which we call hope and pray for, I would draw your attention to the great need of strengthening and expanding the organization of the Muslim League. To begin with five things seem to be essential :

(1) Organizing the Centre, the Provinces and the Districts on a firmer and more representative basis.
(2) Laying out a scheme for permanent funds and ensuring permanent income.
(3) Strengthening Muslim Press at the Centre and in Provinces.
(4) Setting up Central League Orgnization for helping Muslims in the fields of commerce, industry etc.
(5) Extending and consolidating foreign relations.

There is, of-course, a very vast field of work but even if a modest beginning is made the foundation will be laid for future progress and prosperity. May God help you.

الف :۔ محافظین دو سو کے قریب ہیں ۔ ان میں سے ایک سو وہاں رکھے جائیں ۔ خواہ طوعی طور پر خواہ قرعہ ڈالکر ۔ افسر بھی مناسب تجویز کر لئے جائیں ۔ باقی سو کے قریب اور ہوگا ان کو مختلف قافلوں میں باہر بھجوا دیا جائے انکو فارغ نہ کیا جائیگا بلکہ یہاں کام لیا جائیگا اور باری باری ان کا تبادلہ مرکزی محافظین سے ہوتا رہے گا ۔

ب۔ سو آدمی باہر سے گئے ہوئے والنٹیرز سے لیا جائیگا ۔ خواہ قرعہ کے ذریعے خواہ طوعی طور پر پیش کرنیوالوں میں سے باقیوں کو آہستہ آہستہ واپس کر دیا جائے ۔ ان لوگوں کو گھروں کو جانے کی اجازت ہوگی ۔ اگلی دفعہ نئے آدمی بھجوائے جائیں گے انشاءاللہ ان والنٹیرز میں سے انتخاب کے وقت یہ خیال رکھا جائے کہ جس کی مدت زیادہ باقی ہو یعنی جو اکتوبر کے شروع میں آئے ہوں یا ستمبر کے آخر میں ۔ ان کو رکھا جائے ۔ تا جلد نہ بدلنا پڑے ۔ اور پرانوں کو فارغ کیا جائے کیونکہ ان کی مدت ختم کے قریب ہوگی ۔

نیا بیچ دسمبر میں آنا شروع ہوگا ۔ تا اُن لوگوں کو فارغ کرے ۔

ج ۔ پچاس آدمی قادیان کے باشندوں سے لئے جائیں گے ان کے انتخاب میں یہ شرط ہوگی کہ کسی باپ کی اولاد کا ایک سے زیادہ فرد انتخاب میں نہ آئے ۔ اکلوتا بیٹا کسی باپ کا انتخاب میں نہ آئے ۔ ہمارے خاندان کا قرعہ الگ ڈالا جائے ۔ میری اولاد کے سوا دوسرے بھائی بہنوں اور ماموں کی اولاد اور حضرت خلیفہ اول کی اولاد کا قرعہ الگ ڈالا جائے ان میں سے ایک فرد ہمیشہ قادیان میں رہے ۔

میری اولاد کا قرعہ الگ ڈالا جائے ان میں سے ایک فرد ہر دفعہ قادیان میں رہے ۔ دو یہ ہو گئے باقی قادیان سے (۴۸) اڑتالیس آدمی لئے جائیں ۔

د ۔ یہ قرعے فوراً ڈال کر وہاں رہنے والی نفری کو معین کر لیا جائے ۔ تا کہ وہاں سے باہر نکالنے والے آدمیوں کی بھی تعیین ہو جائے اور یہ نہ ہو کہ آئندہ قافلوں میں وہ لوگ بھی آجائیں جو قادیان میں رہنے چاہئیں ۔

ھ ۔ اوپر کے آدمیوں کے علاوہ ایک آدمی محاسب اور بیت المال کا اور ایک کلرک ضرور وہاں رہے گا تا کہ مالی انتظام کرے ۔ چوہدری عزیز احمد اور عبد الحمید صاحب دفتر بیت المال یہ دونوں نوجوان اچھے ہیں یہ باری باری وہاں رکھے جائیں گے ان کا قرعہ نکال کر فیصلہ کر لیا جائے کہ پہلے یہاں کون رہے گا ۔ اگر عبد الحمید صاحب کا نام نکلے تو ان کو فوراً چوہدری عزیز احمد صاحب کے ساتھ کام پر لگا دیا جائے تا کہ پندرہ بیس دن میں کام سیکھ لیں ۔ اسکے بعد چوہدری عزیز احمد کو تین ماہ کے لئے بلا لیا جائیگا اور چوہدری عبد الحمید صاحب وہاں کام کریں گے ۔ ایک کلرک بیت المال کا اور ایک محاسب کا انکی مدد کیلئے قرعہ سے نکال کر وہاں رکھ لیا جائے ۔ قادیان میں بہر حال محاسب اور بیت المال کا عہدہ ایک ہی شخص کے پاس رہے گا ۔

و ۔ ان کے علاوہ ایک افسر امور عامہ کے نمائندہ کے طور پر رہیگا ۔ اسکا فیصلہ کر کے بھی اطلاع دیں ۔ ایک آدمی کم کر کم ضیافت کا بھی وہاں رکھا جائے ۔

ز ۔ دو علماء قرآن و حدیث کا درس دینے کیلئے رہیں گے ان کا نام بھی قرعہ سے نکال لیا جائے ۔

ح ۔ کوئی دو دکاندار ، دھوبی ، نائی ، حجام ، نانبائی اور اسکا عملہ درزی بھی چنا جائے اور اندرون شہر کی دکانیں ان کو دی جائیں ۔

ط۔ ایک ڈاکٹر ایک کمپونڈر بھی رہنا چاہیئے۔ اڑھائی تین سو آدمی کیلئے اتنا عملہ کافی ہوگا۔ ڈاکٹر سرورؔ ایک یہاں کی بھجوایا جا رہا ہے۔

ی۔ چودہ آدمیوں کے نام پہلے لکھے جا چکے ہیں ان میں اور چند علماء جو لیڈری کے قابل ہوں ان کے نام شامل کر کے قرعہ ڈالا جائے اور دو آدمی چن لئے جائیں۔ ایک لیڈر اور ایک نائب لیڈر۔

ک۔ ان انتخابات کے بعد باقی لوگ باہر آنے والوں میں سے ہونگے انکو جب جب کنوائے آئے اس میں واپس کر دیا جائے۔

ل۔ مگر یہ خیال ہے کہ اگر میرزا ناصر احمد اور مرزا منور احمد کا نام باہر آنے والوں میں ہو تو یہ آخری کنوائے میں آئیں۔ اسی طرح مولوی جلال الدین صاحب شمس اور بابا غلام فرید بھی۔ کیونکہ پہلے دوسرے لوگوں کا نکالنا ضروری ہے تاکہ بعد کا ناتجربہ کار عملہ زیادہ آدمیوں کے سنبھالنے سے قاصر نہ رہے۔

اگر اوپر کی ہدایات سے کوئی کچھ میں نہ آئے تو کنوائے کی واپسی پر خط لکھدیں تا جواب فوراً دیا جا سکے۔

م۔ جو لوگ وہاں رہنے والے ہوں ان سے عہد لیا جائے۔ قسم کی ضرورت نہیں کہ وہ امن اور صلح سے رہیں گے۔ ایک دوسرے سے تعاون کریں گے اور افسر خود تکلیف اٹھائیں گے مگر ساتھیوں کو تکلیف نہ ہونے دیں گے۔

۴۔ میری لائبریری اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی لائبریری کی خاص کتب بھجوانے کی کوشش اسی طرح الفضل۔ الحکم۔ البدر۔ پیغام۔ اشاعۃ السنہ۔ تشحیذ۔ ریویو کے فائل۔ لائبریریوں میں سے پہلے عربی کی کتب بھجوائی جائیں۔ پہلے غلطی سے تازہ مطبوعہ کتب بہت آگئی ہیں اور سلسلہ کی جو کتب شائع شدہ ہیں وہ بھی ہر دفعہ کچھ نہ کچھ بھجوائی جائیں تا تبلیغ میں روک نہ ہو۔
اب چونکہ چند کنوائے آئیں گے اس لئے پہلے سے کتب PACK رکھی جائیں۔

میری کتب میں سے انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا ضرور آجائے وہ سب سے آخری ایڈیشن ہے اسی طرح [۵] ہسٹری آف دی ورلڈ۔ انگریزی کتب عربی کتب کے نیچے رکھی جائیں تا ان کی طرف توجہ نہ ہو۔ لاریوں تک یہ پارسل اسی طرح بھجوائے جائیں کہ حفاظت سے پہنچ جائیں ....

(۵) امانت کے بکس اگر چھوٹے ہوں تو ایک وردی سے ٹرنک میں بھر کر اچھا تالا لگا کر احتیاط سے بھجوا دئے جائیں۔ عبدالحمید صاحب یا چوہدری عزیز احمد صاحب اپنے ساتھ لے آئیں۔ اگلے کنوائے میں واپس چلے جائیں۔ بشرطیکہ آدمی واپس پہنچ سکتا ہو۔ ملٹری کی طرف سے روک نہ ہو ورنہ آنے والے معتبر آدمیوں میں تین چار آدمیوں سے قسمیں لیکر اکٹھی ذمہ واری کے ماتحت بھجوا دئے جائیں۔ دیہاتی مبلغوں میں سے ہشیار اور مجرب آدمیوں کے یہ کام سپرد کیا جا سکتا ہے۔

جو امانتیں بڑے صندوقوں میں ہوں ان کو معتبر آدمیوں کے سامنے کھول کر ایک ٹرنک میں بھر کر بھجوا دیا جائے ہر ایک چیز پر کاغذ باندھ کر لکھدیا جائے کہ فلاں شخص کی امانت ہے .... ۔

مرزا محمود احمد

[۵] یہاں دو لفظ میں جو پڑھے نہیں جاتے (ناقل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیارے بچو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

تم لوگوں کا پیغام محمد عبداللہ لایا۔ قادیان کے خطرناک حالات معلوم ہوئے تم لوگوں کو یہ غلطی لگی ہوئی ہے کہ گویا ہم کچھ کرسکتے ہیں۔ لیکن کرتے نہیں حقیقت یہ ہے کہ ہم بھی اور حکومت بھی بے بس ہیں اب سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہی کچھ کرے گا تو کرے گا۔

ہم نے دو کنوائے بھجوائے تھے ایک چوبیس ٹرک کا اور ایک تینتیس کا اگر وہ آجاتے تو قریباً سب عورتیں نکل آتیں پھر تمہارا بوجھ ہلکا ہوجاتا مگر انکو بٹالہ سے واپس کردیا گیا اور ایک قافلہ پر حملہ بھی کیا گیا کوئی سو آدمی مارا گیا۔ سپاہی بھی کچھ مارے گئے۔ اصل میں ہم تو اسی وقت سمجھ گئے تھے کہ یہ روک قادیان کو فنا کرنے کیلئے ہے۔ العیاذ باللہ۔

تم لوگوں کے کھانے کی تکلیف کا علم بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کا علاج کر سکتا ہے۔ ڈی سی گورداسپور نے مظفر سے وعدہ کیا تھا کہ خود جاکر قادیان کے حالات دیکھے گا۔ مگر معلوم نہیں کہ گیا یا نہیں اور کچھ کیا یا نہیں۔ جنرل کریاپا نائب کمانڈر انچیف کو آج ملے اس نے بظاہر ہمدردی کا اظہار کیا اور اسکے رویہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ خود بھی شاید قادیان جائے۔ ابھی اطلاع ملی ہے کہ قادیان کو ریفیوجی کیمپ بنانے کیلئے دہلی کو دونوں حکومتوں کے نمائندے وائرلیس کر رہے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو شاید مسلمان ملٹری بھی لگ جائے اور کم سے کم حکومت کی ذمہ داری ہی بڑھ جائے اور غذا کی ذمہ داری بھی بڑھ جائے۔ بہرحال استقلال سے جمے رہو۔ جب تم لوگ خدا کی راہ میں شہید ہونے کیلئے بیٹھے ہو تو پھر خوف کو دل میں آنے دینے کے معنے ہی کیا ہوئے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کے راستہ میں قربان ہونے کیلئے بیٹھا ہوا ہے پھر کسی قسم کے انجام کا ڈر نہیں ہوتا کیونکہ موت کے بعد اور کوئی سا خطرہ رہ جاتا ہے مجھے تو صرف عورتوں کی فکر ہے خدا کرے عورتوں کی عزت محفوظ رہے...

مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اپنے حوصلے کو بلند رکھو اگر دین کی اشاعت کا خیال نہ ہوتا اور مجھ سے اشاعت اسلام کا کام وابستہ نہ ہوتا تو میں تم لوگوں کو باہر بھجوا دیتا اور آپ تم لوگوں کی جگہ وہاں کام کرتا۔ کربلا کا واقعہ یاد رکھو اور سب دوستوں کو یاد کراؤ کس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب خاندان نے بھوکے پیاسے رہ کر ثابت قدمی سے آخر دم تک لڑائی کی اور سب نے جان دیدی۔ تمہارا خطرہ ان کے برابر نہیں آخر یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کا ہے اور وہ ضرور اپنی قدرت دکھائیگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے۔ یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ شاید یہ وہی ابتلاء ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ابتلاء میں ڈال کر ہمارے خاندان کے گناہوں کو جو بہت بڑے ہیں معاف کر دے گا۔ یا شہادت دیکر انکو دھو دے گا۔ اور آئندہ سلسلہ کی زندگی کا اسے ایک ذریعہ بنا دے گا۔

ہم لوگ بھی خطرہ سے باہر نہیں۔ پاکستان سخت خطرہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ آئندہ کیا ہوگا اور یہ کہ کہیں کچھ عرصہ کیلئے احمدیت کا مرکز ہندوستان سے باہر تو نہیں لے جانا پڑیگا۔ مگر اس صورت میں شاید مجھے بھی شہادت کا ہی راستہ اختیار کرنا پڑیگا۔ اور شاید بقیہ کام اللہ تعالیٰ کسی اور سے لے۔

اس وقت ساری دنیا کی نظریں تم لوگوں پر ہیں۔ ہر دشمن تک حیرت سے تم لوگوں کے استقلال اور قربانی کو دیکھ رہا ہے اور تمہارا

یہ قربانی سلسلہ کی عزت کو چار چاند لگا رہی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کم فضل نہیں کہ تم لوگوں کو یہ ثواب مل رہا ہے۔

میری کمر سلسلہ کے غم میں خمیدہ ہو رہی ہے اور صحت کمزور ہو رہی ہے مگر اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس غم کو آخر اسلام کی کامیابی کا موجب بنا دیگا۔ اگر ایسا ہو تو ہماری زندگیاں ٹھکانے لگیں گی لیکن ہماری قربانیاں۔ قربانیاں نہیں بلکہ انعام بن جائیں گی۔ میرے بچو! جسمانی اور روحانی بچو! اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نااُمید نہ ہو اور اپنے حوصلے پست نہ ہونے دو۔ کہ موت بہرحال آئیگی۔ چاہیئے کہ جتنا خطرہ بڑھے تمہارے حوصلے بھی بڑھتے جائیں اور تمہارے دل میں خوشی کی لہر دوڑتی جائے کہ اس عظیم الشان قربانی کیلئے جو اسمٰعیل کی قربانی کے مشابہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے تم کو چنا۔ اے قادیان کے ساکنو آج آسمان کے فرشتے تمہارے استقلال پر خدا تعالیٰ کی حمد گا رہے ہیں۔ آج اللہ تعالیٰ بھی تمہارے کام دیکھکر خوش ہے کہ میرا مسیح کامیاب آیا اور اُس نے ایسی جماعت بنا دی جو خدا تعالیٰ کی راہ میں فاقہ اور پیاس اور موت کو فخر سمجھتی ہے اور دُنیا کی محبت اس کے دل سے سرد ہے۔ آج ہمارا مسیح بھی یقیناً خوش ہوگا۔ وہ آپ لوگوں کے لئے دُعا بھی کرتا ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ کی حمد کے ترانے بھی گاتا ہوگا۔ کہ اُس نے اسکی سچائی کا زندہ ثبوت بہم پہنچا دیا۔ اور دنیا کو بتا دیا کہ اس مسیح نے پہلے مسیح سے زیادہ شاندار مُردے زندہ کئے ہیں۔ تم لوگ زندہ رہے تو اسلام کی زندگی کا ایک نشان ہو گے۔ اور شہید ہوئے تو اسلام کی قوتِ قدسیہ کا ایک ثبوت ہو گے۔ خدا تعالیٰ تمہارا حافظ و ناصر ہو۔ اور تم کو احمدیت کی آئندہ ترقی کیلئے کام کرنے کی توفیق دے۔ مگر اس کے ساتھ ہر تکلیف اور ہر انجام کیلئے بھی تم کو طیار رہنا چاہیئے کیونکہ جو موت سے گھبراتا ہے اسکی زندگی بھی بے کار ہوتی ہے۔

قادیان کی حفاظت کے بارہ میں یہ خیال رکھو کہ جیسا پہلے لکھا جا چکا ہے فوج اور پولیس کا مقابلہ نہ کرو۔ ڈاکوؤں کا خوب مقابلہ کرو۔ ایسا کہ ان پر رعب جمے مگر سامان کو ضائع نہ کرو۔ اور نہ جانوں کو ضائع کرو۔ اگر زبردستی تم کو فوج اور پولیس ایک جگہ سے نکال دے تو دوسری جگہ پر جم جاؤ۔ اور اگر خدانخواستہ ہر جگہ سے نکالدے جو میرے یقین میں انشاء اللہ نہیں ہوگا۔ تو پھر بامر مجبوری ریفیوجی کیمپ میں چلے جانا۔ ہاں سلسلہ کا ریکارڈ اور الفضل۔ الحکم اور البدر کے فائل اور تحریک اور انجمن کی امانتوں اور چندوں کے حساب کا ریکارڈ ضرور ان کے کارکنوں سمیت اور شیخ نور الحق پہلے کنوائے میں بھجوا دیئے جائیں۔ اس کے بغیر سلسلہ کا سخت نقصان ہے۔ ان چیزوں اور ان آدمیوں کے نہ بھجوانے سے سلسلہ کا سخت نقصان ہوا ہے اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ اس کنوائے میں تو نہیں جو بڑا کنوائے پرسوں تک آئیگا اسمیں علاوہ کلرک اور مبلغ اور تیس دیہاتی مبلغ بھی آجانے چاہئیں تاکہ جماعتوں کو فوراً منظم کیا جا سکے۔

خدا کرے ہمارا قادیان سلامت رہے اور ہم اس کی گلیوں میں خدا کی حمد گاتے پھریں۔ خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو۔

والسلام خدا کا عاجز بندہ اور اس کے دین کا خادم۔

تمہارا دُعاگو

مرزا محمود احمد

نوٹ:۔ بڑا کانوائے ۱۳؍اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو قادیان پہنچا تھا اس اعتبار سے مندرجہ بالا مکتوب ۱۰؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کا قرار پاتا ہے۔

مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ ـــــ ناشر ادارۃ المصنفین ربوہ ـــــ بار اوّل ۱۸؍ماہ فتح/دسمبر ۱۳۴۹ہش/۱۹۷۰ء

تاریخ احمدیت

جلد دوازدہم

یورپ کی رُوحانی فتح کیلئے نئے احمدیہ مشنوں کے قیام
سے لیکر ربوہ کے عالمی مرکز کی بنیاد تک

مؤلفہ
دوست محمد شاھد

النّاشر: ادارۃ المصنّفین، ربوہ

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد یازدہم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-118-6

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-11 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt.Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-118-6

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے سفر تورخم کا ایک یادگار فوٹو

(۶ شہادت ۱۳۲۷ ہش اپریل ۱۹۴۸ء۔ ناموں کی تفصیل ضمیمہ میں درج ہے)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْد

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایاپلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جابجاپڑھنے کوملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کوگذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یادرکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پرکیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تونہیں ہے لیکن خداتعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یادرکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہوگیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنّفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۱۲ کو جلد نمبر ۱۱ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان بھی تاریخ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد یازدہم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر و اشاعت قادیان)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

تاریخ احمدیت کی بارھویں جلد

(رقم فرمودہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب صدر عالمی عدالت)

امسال ادارۃ المصنفین کی طرف سے "تاریخ احمدیت" کی بارھویں جلد طبع ہو کر احباب جماعت کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ اس کے بیشتر حصہ کو مَیں نے دیکھا ہے۔ اس میں صقلیہ، فرانس، سپین، سوئٹزرلینڈ اور ہالینڈ میں اشاعتِ اسلام کے لئے جماعت احمدیہ کے نئے مشنوں کے قیام کا ذکر ہے اور اس بات کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے کہ کن حالات میں یہ مشن قائم ہوئے اور احمدی مبشرین نے کس کس رنگ میں اشاعتِ اسلام کا فریضہ ادا کرنے میں مساعئ جمیلہ کیں اور ان مساعی کے نتیجہ میں اب تک کس قدر سعید روحیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے آ جمع ہوئی ہیں۔

۱۹۴۷ء میں ہجرت کے بعد حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ جب لاہور تشریف فرما تھے تو آپ نے پاکستان کے بڑے بڑے شہروں پشاور، راولپنڈی، کوئٹہ اور کراچی میں استحکامِ پاکستان کے متعلق لیکچر دیئے تھے۔ ان لیکچروں میں حضورؓ نے اس بات کو مفصل طور پر بیان فرمایا کہ پاکستان ایک مضبوط، متحد اور مستحکم مملکت کیسے بن سکتی ہے۔ ان لیکچروں کی تفصیل بھی اس جلد میں بیان کر دی گئی ہے۔ اگر آج بھی اہالیانِ پاکستان ان امور کو مشعلِ راہ بنائیں تو پاکستان ایک مضبوط اور قابلِ احترام مملکت بن سکتا ہے۔

اسرائیلی حکومت کے قیام پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے مسلمانانِ عالم کو متحد کرنے کی غرض سے ایک بین الاقوامی تحریک اٹھائی تھی جس پر مشرقِ وسطیٰ کے مسلم پریس نے بالاتفاق خراجِ تحسین ادا کیا اور اس بات کا اعتراف کیا کہ اس فتنہ پر کاری ضرب لگانے کے لئے حضور رضی اللہ عنہ کی تحریک کو اپنائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اس جدّوجہد کا بھی اس جلد میں ذکر ہے۔

کتاب کے آخر میں پاکستان میں جماعت احمدیہ کے عالمی مرکز — ربوہ — کے قیام

اور افتتاح کا ذکر ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق جماعت کو بکھرنے کے بعد مضبوط شیرازے میں جمع کر دیا اور ایسا عظیم مرکز عطا کیا جس سے پھر اعلائے کلمۃ اللہ کا کام شروع ہو گیا اور مبشرینِ اسلام بیرونِ پاکستان اشاعتِ اسلام کے لئے جانے لگے۔ الغرض یہ جِلد پہلی جِلدوں کی طرح نہایت ضروری اور اہم اُمور پر مشتمل ہے۔

ہمارے نوجوانوں کا اپنی تاریخ سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے اِس لئے مَیں جماعت کے نوجوانوں سے خصوصاً اور دیگر احبابِ جماعت سے عموماً درخواست کرتا ہوں کہ وہ نئی جِلد کو جلد از جلد حاصل کر لیں اور پہلی شائع شدہ جِلدوں کا اگر اُنہوں نے مطالعہ نہیں کیا تو ان کا مطالعہ بھی کریں تا وہ مقصد جس کے حصول کے لئے ہم نے تن، من، دھن قربان کرنا ہے وہ ہر وقت ہمارے سامنے رہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق ۔

والسّلام

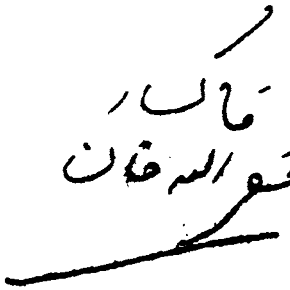

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ـــ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْد

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے تاریخ احمدیت کی بارھویں[۱۲] جلد مکمل ہوکر احباب کی خدمت میں پیش ہو رہی ہے۔ گیارھویں[۱۱] جلد میں اُن واقعات کا ذکر تھا جو ۱۹۴۷ء میں تقسیم مُلک کے بعد رُونما ہوئے نیز ہجرت کے بعد حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے جس عزم اور بہادری سے جماعت کے نظام کو دوبارہ قائم فرمایا اس کا ذکر کیا گیا تھا۔ اِس جلد میں حضور رضؓ کی اس عظیم جدّوجہد کا ذکر ہے جو آپ نے پاکستان میں وارد ہونے کے بعد استحکامِ پاکستان کے لئے کی۔ آپؓ نے لاہور، کراچی، کوئٹہ اور پشاور کا سفر اختیار کیا اور ملکِ عزیز کے ان بڑے بڑے شہروں میں پبلک لیکچر دیئے جن میں ان اُمور کو مفصّل طور پر بیان فرمایا جن کو مدِّنظر رکھنے سے پاکستان مضبوط بنیادوں پر قائم ہو سکتا ہے۔ حضور رضؓ کے ان بصیرت افروز خطبات سے آپ کی عظیم بصیرت اور ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔

جماعتِ احمدیہ کا اہم مشن دُنیا میں اسلام کی اشاعت ہے۔ اِس فریضہ کو سرانجام دینے کے لئے صقلیہ، فرانس، سپین، سوئٹزرلینڈ اور ہالینڈ میں جن حالات میں تبلیغی مشن قائم ہوئے اور مبلّغین کو جو جدّوجہد کرنی پڑی اس کا بھی مفصّل ذکر جلد کے شروع میں کیا گیا ہے۔

پاکستان میں جماعتِ احمدیہ کے عالمی مرکز ـــ ربوہ ـــ کا قیام ہماری تاریخ میں ایک عظیم واقعہ ہے۔ اس کا افتتاح کس رنگ میں عمل میں آیا اس کا مفصّل ذکر بھی اِس جلد کا حصّہ ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ لگایا گیا ہے جس میں افتتاحِ ربوہ کے موقع پر افتتاح کی مُبارک تقریب میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کرنے والے احباب کے اسماء کا اندراج کیا گیا ہے۔ اِسی طرح سیّدنا حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کے بعض خطوط کا عکس

بھی دیا گیا ہے۔

ادارۃ المصنّفین تمام اُن اصحاب کا جنہوں نے اِس جِلد کی تیاری میں کسی نہ کسی رنگ میں مدد کی ہے دِلی شکریہ ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ان سب کی محنت کو نوازے اور اپنے فضلوں کا وارث کرے۔ (آمین)

خاکسار

ابوالمنیر نورالحق

ادارۃ المصنّفین ربوہ

کتابت :- حمیدالدین۔ ربوہ

فہرست مضامین تاریخ احمدیت جلد دوازدہم

عنوان	صفحہ
دیباچہ تحریر فرمودہ محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب	
پہلا باب	
یورپ، مشرق وسطی اور مشرق بعید کے نئے احمدی مشنوں کی بنیاد سے لے کر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء کے متفرق مگر اہم واقعات تک۔	۱
فصل اوّل	
احمدیہ مسلم مشن فرانس کا قیام	۷
اسلام کا دورِ اوّل اور فرانس	
حضرت مصلح موعودؓ کا قیامِ فرانس، تبلیغِ اسلام کے لئے جدّوجہد اور پُرسوز دعائیں۔	۹
فرانس میں تبلیغی مشکلات	۱۰
دوسری جنگِ عظیم کے بعد فرانس میں احمدیہ مسلم مشن کا قیام۔	۱۲
احمدی مجاہدین کے پیرس میں پہلے تین روز	۱۲
فرانس مشن کی پہلی رپورٹ	۱۴
تبلیغ کی قانونی اور سرکاری اجازت اور پریس کانفرنس سے تبلیغی سرگرمیوں کا باضابطہ آغاز۔	۱۶
رائٹر کے نامہ نگار کا ایک مضمون "اسلام کا نیا حملہ یورپ پر"۔	۱۷
فرانس میں پہلا تبلیغی پبلک جلسہ	۲۰
عیسائی لیڈروں کو قبولِ اسلام کی دعوت	۲۰
سفرِ بلجئیم	۲۱
مرکز پر بوجھ ڈالے بغیر مشن جاری رکھنے کا عزم	۲۲
اہلِ کلیسا کے غلط نظریات کی تردید کے لئے تبلیغی لیکچروں کا سلسلہ۔	۲۳
فرانسیسی لٹریچر کی تیاری	״
پہلی فرانسیسی رُوح کا قبولِ اسلام	۲۴
مجاہدِ فرانس کی مرکز میں واپسی	״
تبلیغی مساعی کا فرانس پر اثر	״
فصل دوم	
احمدیہ مسلم سپین مشن کا احیاء اور اس کی شاندار اسلامی خدمات۔	۲۶
حضرت امیر المومنین کا نہایت اہم بیان مجاہدینِ سپین کے پہنچنے پر۔	۲۷
سپین میں تبلیغی مشکلات	۲۹
روسی ترجمان کا قبولِ اسلام	۳۰
دو ہسپانوی باشندوں کا قبولِ اسلام	۳۱
لیکچر "اسلام کا اقتصادی نظام" کے ہسپانوی ترجمہ کی اشاعت۔	۳۳
کتاب کی مقبولیت	۳۵

عنوان	صفحہ
حضرت مصلح موعودؓ کا اظہارِ خوشنودی	۳۶
حضرت مصلح موعودؓ کا مکتوبِ گرامی بارسلونہ کی ایک ہسپانوی خاتون کے جواب میں۔	″
اسلامی اصول کی فلاسفی کے ہسپانوی ترجمہ کی اشاعت	۳۷
احمدیہ مشن کی دیگر ابتدائی نو سالہ عمومی سرگرمیاں (از ماہ ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء تا امان/مارچ ۱۳۳۵ ہش/۱۹۵۶ء)	۴۲
نومسلموں کی تعلیم و تربیت	۴۴
اسلام پر سرکاری پابندی	″
حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے خطبہ جمعہ میں زبردست احتجاج۔	۴۶
جماعتِ احمدیہ کی طرف سے منظم احتجاج	۵۰
مشرقی پاکستان کے مسلم پریس کا احتجاج	″
تبلیغِ اسلام پر پابندی کے بعد سے خلافتِ ثانیہ کے اختتام تک (۱۳۳۵ ہش/۱۹۵۶ء تا ۱۳۴۴ ہش/۱۹۶۵ء)	۵۳
تقاریب و اجتماعات میں شرکت	۵۶
تبلیغ بذریعہ خطوط	۵۷
چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی سپین میں تشریف آوری	″
سپین مشن کی نشأۃِ ثانیہ خلافتِ ثالثہ میں	۵۸
اسلامی لٹریچر کی وسیع پیمانہ پر ترسیل اور اس کے اثرات۔	″
سربراہِ مملکت سپین کے نام تبلیغی مکتوب	۵۹
حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کا مبارک سفرِ سپین۔	۶۰

عنوان	صفحہ
قرطبہ میں ورودِ مسعود	۶۱
غرناطہ میں آمد	″
شوکتِ اسلام کے لئے حضور کی پُرسوز دعائیں اور ان کی قبولیت پر آسمانی بشارت۔	″
غرناطہ سے طلیطلہ تک	۶۴
مراجعت	۶۵
حضرت امیر المومنین کے انٹرویو کی اشاعت میڈرڈ کے مشہور اخبار میں۔	″
احمدیہ مسلم مشن سپین رجسٹرڈ ہو گیا	۶۷
دار التبلیغ سپین کی شاندار خدمات پر ایک طائرانہ نظر	۶۸
افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ کے مسلمان سفیروں کو پیغامِ حق۔	۶۹
احمدیہ مشن کے ذریعہ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے والوں کے اسماء۔	″
سپین کی نسبت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی پُرشوکت پیشگوئی۔	۷۱
فصل سوم	
صقلیہ (سسلی) میں اشاعتِ اسلام	۷۱
حضرت مصلح موعودؓ کا عزم بالجزم	۷۲
مبلغینِ اسلام کا سسلی میں ورود	″
سیدنا المصلح الموعودؓ کی طرف سے اظہارِ خوشنودی	۷۴
فصل چہارم	
سوئٹزرلینڈ مشن کا قیام	۷۶
زیورچ میں احمدی مجاہدین کے ابتدائی چھ ایام	۷۸

عنوان	صفحہ
ٹریکٹ "قبر مسیح" کی اشاعت اور احمدی مبلغین کو ملک سے باہر نکالنے کی مسیحی سازش۔	۸۱
تبلیغی اجلاسوں کا نہایت مفید سلسلہ	۸۳
سوئٹزرلینڈ مشن کے ذریعہ جرمنی میں اشاعتِ اسلام	۸۴
ابتدائی دَور میں قبولِ اسلام و احمدیت کرنے والے خوش نصیب۔	۸۶
رسالہ "الاسلام" کا اجراء اور اس کی مقبولیت	۸۷
تبلیغی ٹریکٹوں اور جرمن ترجمہ قرآن کی اشاعت اور اس کے وسیع اثرات۔	۹۱
جرمن ترجمہ قرآن پر سوئس پریس کے شاندار تبصرے	۹۴
حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کا زیورچ میں ورودِ مسعود	۱۰۹
زیورچ میں حضرت مصلح موعودؓ کی نہایت اہم دینی مصروفیات	۱۱۱
رومن کیتھولک کے پوپ کو تبلیغِ اسلام	۱۱۳
احمدیہ مشن کی اسلامی خدمات اور حلقہ مخالفین	"
سوئٹزرلینڈ کے علمی طبقوں میں اسلام کا عام چرچا	۱۱۸
آسٹریا میں تبلیغِ اسلام	۱۱۹
احمدیہ گزٹ کا اجراء	۱۲۱
زیورچ میں تعمیر مسجد کے لئے قطعہ زمین کا حصول	"
قطعہ زمین پر کھدائی اور دُعا	۱۲۲
اخراجات کے تعلق میں صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا فوری اقدام۔	۱۲۳
حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے دستِ مبارک سے سوئٹزرلینڈ کی پہلی مسجد کا سنگِ بنیاد	"
چندہ مسجد کے لئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی پُرزور اور مؤثر تحریک۔	۱۳۰
سوئٹزرلینڈ کے عیسائی چرچ کا ردِّ عمل	۱۳۱
مسجد کی تکمیل اور اخبارات میں چرچا	۱۳۴
مسجد محمود سوئٹزرلینڈ کا چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب (صدر جنرل اسمبلی) کے ہاتھوں پُرشوکت افتتاح۔	۱۳۵
مسجد محمود کے ملک گیر اثرات و برکات	۱۴۱
صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر سوئٹزرلینڈ میں۔	۱۴۴
حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کا مبارک سفرِ سوئٹزرلینڈ۔	۱۴۵
مسجد محمود میں ۱۳۴۹ھش / ۱۹۷۰ء کی تقریب عید الاضحیہ	۱۴۷
فصل پنجم	
احمدیہ مسلم مشن ہالینڈ کا قیام	۱۴۸
مستقل مشن کا قیام	۱۵۳
مبلغِ اسلام کی ابتدائی تبلیغی سرگرمیاں	۱۵۴
دو مجاہدین تحریکِ جدید کی آمد اور حلقہ تبلیغ میں وسعت۔	۱۶۰
لائیڈن یونیورسٹی کے مسلم طلباء کے اجلاس	"
ہالینڈ میں تبلیغی ٹریکٹوں کی اشاعت اور اُن کا اثر	۱۶۱
تبلیغی اجلاسوں کا آغاز	"
ابتدائی ولندیزی احمدی	"
ملکہ ہالینڈ اور پرنسس کے نام تبلیغی خطوط	۱۶۴
پریس کے رویہ میں خوشگوار تبدیلی	"

عنوان	صفحہ
مبلغینِ اسلام کی ہالینڈ میں سہ روزہ کانفرنس	۱۶۵
ڈچ ترجمہ قرآن کی طباعت و اشاعت	۱۶۷
ملکۂ ہالینڈ اور عمائدِ مملکت کو قرآن مجید کا تحفہ اور پریس۔	۱۷۲
مسجد ہالینڈ کے لئے قطعہ زمین کا حصول	۱۷۴
مسجد ہیگ کی ابتدائی خبر ڈچ اخبارات میں	۱۷۵
حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے چندہ کی تحریک اور احمدی مستورات کا شاندار مالی جہاد	۱۷۷
سنگِ بنیاد	۱۷۹
حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام	"
افتتاح کی بابرکت تقریب	۱۸۰
تکمیل مسجد کے لئے مزید چندہ کی تحریک	۱۸۱
ہالینڈ میں حضرت مصلح موعودؓ کی تشریف آوری	۱۸۳
مرکزِ احمدیت سے دوسرے مجاہدینِ اسلام کی آمد	"
ڈچ رسالہ "الاسلام" کا اجراء	۱۸۵
ایک مشہور عیسائی پادری سے پبلک مناظرہ	"
کیتھولک اور پراٹسٹنٹ عیسائیوں کا اسلام کے خلاف گٹھ جوڑ اور حضرت مصلح موعودؓ کا پُرحکمت ارشاد	۱۸۷
تبلیغی دورے	"
مذاہبِ عالم کانفرنس میں اسلام کی موثر نمائندگی	۱۸۸
حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا سرزمینِ ہالینڈ میں دوبارہ ورودِ مسعود۔	۱۸۹
خدائے ذوالجلال کی قدرت کے ایک نشان کا ظہور	۱۹۰
کیتھولک سنٹر کو دعوتِ مقابلہ	۱۹۴

عنوان	صفحہ
ترکی اور مراکش کے مسلمانوں کی خدمت	۱۹۵
نابیناؤں کے لئے ڈچ ترجمہ قرآن کے لئے خصوصی تعاون۔	"
عیسائی حلقوں کی طرف سے ہالینڈ میں چرچ کے زوال کا واضح اعتراف۔	۱۹۶
ہالینڈ میں اسلام کی واضح پیش قدمی اور ابتدائی فتوحات عیسائی چرچ کی نظر میں۔	۱۹۷
ہالینڈ میں جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات مسلم زعماء کی نظر میں۔	۲۰۹
ہالینڈ مشن کا پیدا کردہ لٹریچر	۲۱۲
ہالینڈ کے بعض مخلص احمدیوں کا تذکرہ	۲۱۳
احمدیہ دار التبلیغ ہالینڈ میں نامور شخصیتوں کی آمد	۲۱۶
فصل ششم	
احمدیہ مسلم مشن بورنیو کا قیام	۲۱۷
احمدیت کا نفوذ	۲۱۸
مستقل مشن کا قیام	۲۲۰
بورنیو میں دوسرے مجاہدینِ احمدیت کی آمد	۲۲۴
بورنیو میں ٹھوس علمی لٹریچر کی اشاعت	"
جماعت کی سرگرمیوں سے عیسائی حلقوں میں اضطراب اور احمدیت کے خلاف عیسائی حکومت کی مخالفت کا آغاز۔	۲۲۵
لنگ کونگن اسٹیٹ میں دورے	۲۲۶
جیسلٹن میں پہلا جلسہ پیشوایانِ مذاہب	۲۲۷
جیسلٹن میں پہلا پبلک جلسہ	"

عنوان	صفحہ
رسالہ PEACE کا اجراء	۲۲۸
راناؤ میں احمدی مبلغ اور جماعتِ احمدیہ کے خلاف فتنہ۔	۲۲۹
مباحثہ راناؤ	۲۳۲
حکومت کی مسلم کش پالیسی کے خلاف مؤثر آواز	۲۳۳
مشرقی ساحل میں احمدیت کی آواز	۲۳۴
حضرت مصلح موعودؓ کی بعض خصوصی ہدایات	۲۳۵
وسیع تبلیغی دورہ	۲۳۷
ڈاکٹر حافظ بدرالدین احمد صاحب کا سفرِ فلپائن	″
برونائی اسٹیٹ میں احمدیت	۲۳۸
پاکستانی باشندوں میں تنظیم کی جدّوجہد	″
سراوک کے خیرسگالی وفد کو پیغامِ حق	″
مبلغین کا تعارفی دورہ	″
افریقی ایشیائی جرنلسٹوں سے ملاقات	۲۳۹
نئی مشکلات	″
ریڈیو پر احمدیت کے خلاف پروپیگنڈا اور اس پر احتجاج۔	″
احمدیہ مسلم سالانہ کانفرنس کی بنیاد	″
سابآہ کی احمدی جماعتیں	۲۴۰
بعض مخلصین کا تذکرہ	۲۴۱
فصل ہفتم	
عدن مشن کا قیام	۲۴۳
عدن کا محلِ وقوع اور تبلیغی اہمیت	″
عدن مشن کے قیام کا پس منظر	۲۴۴
مبشرِ اسلامی کا عدن میں ورود	۲۴۴
ابتدائی تبلیغی سرگرمیاں	″
سرکاری مخالفت	۲۴۶
علماء کی مخالفت	″
شیخ عثمان میں دار التبلیغ کا قیام اور اس کے عمدہ اثرات۔	۲۴۷
عبداللہ محمد شبوطی کی قبولِ احمدیت	″
علماء کی طرف سے کمشنر کو عرضی اور اس کا ردّ عمل	۲۴۸
ڈاکٹر فیروزالدین صاحب کا انتقال	″
ایک اور عالم آغوشِ احمدیت میں	۲۴۹
عیسائی مشنری کا تعاقب	۲۵۰
مباحثے اور انفرادی ملاقاتیں	″
بیرونی شخصیتوں تک پیغامِ حق	۲۵۱
مبلغِ عدن کی واپسی	″
ایک عربی مکتوب کی اشاعت	″
محمود عبداللہ شبوطی کا عزمِ ربوہ	۲۵۲
پہلا پبلک جلسہ	″
محمود عبداللہ شبوطی کی مراجعتِ وطن اور تبلیغِ حق	″
فصل ہشتم	
کوائفِ قادیان	۲۵۳
(از ۱۶ ماہ نبوت/نومبر تا ۳۱ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء)	
درویشانِ قادیان کے لیل و نہار	″
حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے اہم خطوط۔	۲۵۵

عنوان	صفحہ
فصل نہم	
۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	
چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی اقوامِ متحدہ میں مسئلہ فلسطین سے متعلق پُرشوکت تقریر	۲۶۴
حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کا سفرِ انگلستان۔	۲۶۸
بیرونی مشنوں کے حالات	۲۶۹
مجاہدینِ احمدیت کی بیرونی ممالک کو روانگی اور واپسی	۲۷۰
چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا تقرر وزیرِ خارجہ پاکستان کی حیثیت سے۔	۲۷۱
۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء کی نئی مطبوعات	۲۷۳
بعض جلیل القدر صحابہ کا انتقال	〃
دوسرا باب	
حضرت مصلح موعودؓ کی استحکامِ پاکستان سے متعلق مغربی پاکستان کے مشہور شہروں میں پبلک تقاریر سے لے کر جماعتِ احمدیہ کے نئے مرکز ربوہ کی بنیاد تک۔	۲۷۷
(خلافتِ ثانیہ کا پینتیسواں سال ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء)	
فصل اوّل	
استحکامِ پاکستان کے لئے کراچی، پشاور، راولپنڈی اور کوئٹہ میں نہایت ولولہ انگیز پبلک تقریریں، بیش قیمت ارشادات نیز دوسری جماعتی و دینی مصروفیات۔	۲۸۰
سفرِ سندھ و کراچی	۲۸۲
لاہور سے ناصر آباد تک	۲۸۲
ناصر آباد میں قیام اور کراچی کے لئے روانگی	۲۸۷
کراچی میں آمد	〃
خطبہ جمعہ میں خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا اختیار کرنے کی تحریک۔	۲۸۸
خالق دینا ہال میں عظیم الشان پبلک لیکچر	۲۹۲
تھیوسافیکل ہال میں خواتینِ اسلام سے انقلاب انگیز خطاب۔	۲۹۶
کراچی میں پریس کانفرنس	۳۰۱
جماعتِ احمدیہ کو تین بنیادی نصائح	۳۰۲
سفرِ پشاور	۳۰۹
گاڑی پشاور شہر کے اسٹیشن پر	۳۱۱
پشاور میں پہلا پبلک لیکچر	۳۱۲
لنڈی کوتل کے شنواری اور آفریدی سرداروں کے ایک وفد کی ملاقات۔	۳۱۳
اخبار "الجمعیۃ" (پشاور) میں حضرت مصلح موعودؓ کا اہم بیان۔	۳۱۴
پاکستان خبر رساں ایجنسی اور پہلی تقریر	۳۱۵
پشاور میں دوسرا پبلک لیکچر	۳۱۶
حضرت امیر المومنینؓ کے ارشادات خصوصی تقاریب میں	〃
پشاور میں مجلسِ علم و عرفان	۳۱۷
قیامِ پشاور کے آخری دن کی غیر معمولی مصروفیات	۳۱۸
پشاور سے چارسدہ تک	۳۲۰
چارسدہ سے اوتمان زئی اور خان برادران سے ملاقات	۳۲۱

عنوان	صفحہ
اوتمان زئی سے راولپنڈی تک	۳۲۲
راولپنڈی کے جلسۂ عام میں حضرت مصلح موعودؓ کا اثرانگیز خطاب اور اس کا پریس میں چرچا۔	״
الفضل کے نامہ نگارِ خصوصی کی رپورٹ	۳۲۷
راولپنڈی سے واپسی	۳۲۹
سفرِ کوئٹہ	״
حضرت مصلح موعودؓ کے لئے رہائش گاہ کا انتظام اور مخلصینِ کوئٹہ کے اخلاص و ایمان کا روح پرور نظارہ۔	۳۲۹
کوئٹہ میں آمد	۳۳۲
جماعتِ احمدیہ کوئٹہ کی طرف سے مہمان نوازی	۳۳۳
حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کا مسلمانانِ بلوچستان سے پہلا بصیرت افروز خطاب	۳۳۶
بلوچستان پریس میں ذکر	۳۴۳
پنجاب پریس میں خبر	۳۴۴
"پاکستان کا مستقبل" کے موضوع پر ایمان افروز تقریر	״
اوڑک کا تفریحی سفر	۳۵۰
حضرت امیر المومنینؓ کے پرشوکت خطبات جمعہ اور عید، حقیقت افروز تربیتی تقریریں و مجالسِ علم و عرفان اور روح پرور درس القرآن۔	۳۵۱
علمائے کوئٹہ کی مخالفت اور سعید الفطرت لوگوں کا احمدیت کی طرف رجوع۔	۳۵۸
ڈاکٹر میجر محمود احمد صاحب کی المناک شہادت	۳۵۹
بلوچستان اور پنجاب کے مشہور اخبارات کی طرف سے پُرزور مذمت۔	۳۶۱

عنوان	صفحہ
فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں تذکرہ۔	۳۶۵
حضرت مصلح موعودؓ کا ردِّ عمل	۳۶۶
حضرت مصلح موعودؓ کے قلبی تاثرات اور پُرجلال پیشگوئی۔	۳۶۷
کوئٹہ سے مراجعت	۳۶۸
فصل دوم	
سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا اہم مکتوب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے نام	۳۶۹
ہندو پریس کا جماعتِ احمدیہ کے خلاف گمراہ کن اور زہریلا پروپیگنڈا۔	۳۷۲
قادیان سے متعلق ایک نہایت اہم جماعتی عہد نامہ	۳۷۶
حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام پنجاب یونیورسٹی کی اُردو کانفرنس کے نام۔	״
جماعتِ احمدیہ کی طرف سے نصاب کمیٹی حکومتِ مغربی پنجاب کو مخلصانہ مشورہ۔	۳۷۷
فصل سوم	
فتنۂ صیہونیت کے خلاف زبردست اسلامی تحریک اور استعماری طاقتوں کی سازش۔ قائدِ اعظم محمدؐ علی جناح کی وفات پر حضرت امیر المومنینؓ کا بیان۔ پُرمعارف مضمون "احمدیت کا پیغام" اس کی مقبولیت اور غیر ملکی زبانوں میں تراجم۔ مینارڈ ہال میں حضرت امیر المومنینؓ کا اہم لیکچر۔	۳۸۳
استعماری طاقتوں کی سازش اور اس کا انکشاف	۳۹۳

عنوان	صفحہ
بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی وفات اور سقوطِ حیدر آباد کے مصائب اور حضرت مصلح موعودؓ	۴۰۳
حضرت مصلح موعودؓ کے قلم سے رسالہ "احمدیت کا پیغام" کی تصنیف و اشاعت، اور اسکی مقبولیت اور غیرملکی زبانوں میں تراجم۔	۴۰۶
حضرت امیر المومنینؓ کا بصیرت افروز لیکچر مینارڈ ہال لاء کالج لاہور میں۔	۴۰۸
فصل چہارم	
حضرت مصلح موعودؓ کے مقدس ہاتھوں سے اشاعتِ اسلام کے نئے مرکزِ توحید ربوہ کا روح پرور افتتاح	۴۱۰
مرکزِ پاکستان کی مجوزہ اراضی کا تاریخی پس منظر	۴۱۰
حضرت مصلح موعودؓ کی فوری ہدایات مرکزِ پاکستان کی اراضی سے متعلق۔	۴۱۱
تعمیر کمیٹی کی تشکیل	۴۱۳
چنیوٹ اور احمد نگر میں مرکزی ماحول کے استحکام کے لئے اہم ذیلی انتظامات۔	۴۱۵
جماعت کو مرکزِ پاکستان کی نسبت پہلی اطلاع اور بعض فیصلوں کا اعلان۔	۴۱۷
مرکزِ پاکستان میں جگہ حاصل کرنے کے لئے مخلصینِ جماعت کی طرف سے مثالی جوش و خروش۔	۴۲۰
بستی کی آبادی میں قانونی پیچیدگی اور اس کے ازالہ کے لئے خصوصی ارشادِ مبارک۔	۴۲۱
افتتاحِ مرکز کے ابتدائی انتظامات	۴۲۲
مرکزِ پاکستان کا نام "ربوہ" رکھا گیا۔	۴۲۳
افتتاحِ ربوہ کے انتظامات کے لئے ذمہ دار اصحاب کا تقرر۔	۴۲۴
لاہور سے ربوہ کے لئے پہلے قافلہ کی روانگی	۴۲۴
لاہور سے ربوہ کے لئے دوسرے قافلہ کی روانگی	۴۲۷
حضرت مصلح موعودؓ کی تشریف آوری اور نمازِ ظہر کی ادائیگی۔	۴۲۹
حضرت مصلح موعودؓ کا بصیرت افروز خطاب	۴۳۰
اجتماعی دعا	۴۳۲
پانچ بکروں کی قربانی	۴۳۳
نئے مرکز کا پہلا پھل	״
ربوہ اور اس کی وجہ تسمیہ کی نسبت حضرت مصلح موعودؓ کا اعلان۔	۴۳۴
ضمیمہ "تاریخِ احمدیت"	
حضرت مصلح موعودؓ کا مکتوب مبلغ اسلام سپین کی بیگم صاحبہ کے نام۔	۴۴۵
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا گرامی نامہ مبلغ سپین کی بیگم صاحبہ کے نام۔	۴۴۸
اسماء گروپ فوٹو بمقام تورخم	۴۵۱
حضرت مصلح موعودؓ کے مبارک کلمات ڈاکٹر غفور الحق خان صاحب کوئٹہ کے معروضات کے جواب میں۔	۴۵۳
افتتاحِ ربوہ کی تقریب میں شامل اصحاب	۴۶۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

پہلا باب

یورپ، مشرقِ وسطیٰ اور مشرقِ بعید کے نئے احمدی مشنوں کی بنیاد سے لیکر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء کے متفرق مگر اہم واقعات تک

غرناطہ کی آخری مُسلم ریاست پر نویں صدی ہجری اور پندرھویں صدی عیسوی کے آخر میں عیسائی بادشاہ فرڈی نینڈ کا قبضہ ہوا اور مسلمانوں کے پاؤں یورپ سے بالکل اُکھڑ گئے۔ اس حادثہ سے لیکر آج تک مغربی ممالک اپنی سیاسی بالادستی اور عالمی اقتدار کے باعث اسلام کے راستہ میں ایک زبردست اور فولادی دیوار بنے ہوئے ہیں جس کا جلد سے جلد پاش پاش کر دینا ملّتِ اسلامیہ کا اوّلین فرض ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ یورپ کی رُوحانی فتح تحریکِ احمدیت کا بُنیادی مقصد اور اس کے نصب العین کا لازمی حصہ ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزندِ جلیل امام الزمان حضرت سیدنا المسیح الموعود والمہدی المسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام رُوحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں۔ کیا یورپ اور کیا ایشیا ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے

بندوں کو دینِ واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کے لئے مَیں دُنیا میں بھیجا گیا" [۱]

حضرت اقدس علیہ السلام کے دل میں یورپ پر اسلام کا جھنڈا گاڑنے کی کتنی شدید تڑپ تھی؟ اس کا کسی قدر اندازہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے ایک چشم دید واقعہ سے ہوتا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؓ کی روایت ہے کہ:۔

"غالباً ۹۸-۱۸۹۷ء کا ذکر ہے ایک دفعہ مَیں لاہور سے قادیان آیا ہوا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حضورؑ کے اندر کے کمرے میں بیٹھا تھا کہ باہر سے ایک لڑکا پیغام لایا کہ قاضی آل محمد صاحب آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک نہایت ضروری پیغام لایا ہوں حضور خود سُن لیں۔ حضورؑ نے مجھے بھیجا کہ ان سے دریافت کرو کیا بات ہے؟ قاضی صاحب سیڑھیوں میں کھڑے تھے مَیں نے جا کر دریافت کیا اُنہوں نے کہا کہ مجھے حضرت مولوی محمد احسن صاحب نے بھیجا ہے ایک نہایت ہی عظیم الشان خوشخبری ہے اور خود حضرت صاحب کو ہی سُنانی ہے۔ مَیں نے پھر جا کر عرض کیا کہ وہ ایک عظیم الشان خوشخبری لائے ہیں اور صرف حضورؑ کو ہی سُنانا چاہتے ہیں۔ حضور نے فرمایا آپ پھر جائیں اور انہیں سمجھائیں کہ اِس وقت مجھے فرصت نہیں وہ آپ کو ہی سُنا دیں اور آپ آکر مجھے سُنا دیں۔ مَیں نے حکم کی تعمیل کی اور قاضی آل محمد صاحب کو سمجھایا کہ وہ خوشخبری مجھے سُنا دیں مَیں حضرت صاحب کو سُنا دیتا ہوں۔ تب قاضی صاحب نے ذکر کیا کہ ایک مولوی کا مباحثہ حضرت مولوی محمد احسن صاحب کے ساتھ تھا اور اُس مولوی کو خوب پچھاڑا اور لتاڑا گیا اور شکستِ فاش دی گئی۔ مَیں نے آکر یہ خبر حضرت صاحبؑ کے حضور عرض کی۔ حضورؑ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا "مَیں نے سمجھا کہ یہ خبر لائے ہیں کہ یورپ مسلمان ہو گیا ہے"!" [۲]

گو جماعتِ احمدیہ کا قیام ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء[۳] کو ہوا مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھوں

---

[۱] "الوصیت" صہ ۶ طبع اوّل ۲۴ دسمبر ۱۹۰۵ء میگزین پریس قادیان ✦ [۲] "ذکرِ حبیبؑ" مؤلفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ صہ ۵ طبع اوّل۔ ایضاً "سیرت المہدی" حصہ اوّل صفحہ ۲۸۹ - ۲۹۰ (مرتبہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ) طبع ثانی ستمبر ۱۹۳۵ء ناشر احمدیہ کتاب گھر قادیان ✦ [۳] اِس سلسلہ میں ملاحظہ ہو تحقیقی مقالہ بعنوان "بیعتِ اولیٰ کی تاریخ" مطبوعہ "الفرقان" ربوہ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۵۰ہش/۱۹۷۱ء صہ ۱۷-۳۱ ✦

مغربی دنیا میں تبلیغِ اسلام کی بنیاد ۱۸۸۵ء سے رکھی گئی جبکہ حضور نے خدا تعالیٰ کی منشاء مبارک کے مطابق نشان نمائی کی عالمگیر دعوت کے لئے ہزاروں کی تعداد میں انگریزی کا یہ انعامی اشتہار یورپ اور امریکہ کی تمام نامور شخصیتوں کو رجسٹری کر کے بھجوایا۔ اس اشتہار کا متن سُرمہ چشم آریہ میں شائع شدہ ہے۔

۱۸۹۴ء میں حضورؑ نے مسلمانوں کو یورپ میں واعظ بھجوانے کی پُرزور تحریک کی اور فرمایا:۔

" قُومُوا لِإشَاعَةِ الْقُرْآنِ وَسِيْرُوْا فِي الْبُلْدَانِ وَلَا تَصِبُوْا إِلَى الْأَوْطَانِ وَفِي الْبِلَادِ الْانْكَلِيْزِيَّةِ قُلُوْبٌ يَنْتَظِرُوْنَ إِعَانَتَكُمْ وَجَعَلَ اللّٰهُ رَاحَتَهُمْ فِيْ مُعَانَاتِكُمْ فَلَا تَصْمُتُوْا صُمُوْتَ مَنْ رَأَى وَتَعَامَى وَدُعِيَ وَتَحَامَى أَلَا تَرَوْنَ بُكَاءَ الْأَحْزَانِ فِيْ تِلْكَ الْبُلْدَانِ وَأَصْوَاتَ الْخُلَّانِ فِيْ تِلْكَ الْعُمْرَانِ۔ قُوْمُوْا لِتَخْلِيْصِ الْعَانِيْنَ وَهِدَايَةِ الضَّالِّيْنَ وَلَا تَكِبُّوْا عَلٰى سَيْفِكُمْ وَسِنَانِكُمْ وَاعْرِفُوْا أَسْلِحَةَ زَمَانِكُمْ فَإِنَّ لِكُلِّ زَمَانٍ سِلَاحٌ آخَرُ وَحَرْبٌ آخَرُ فَلَا تُجَادِلُوْا فِيْمَا هُوَ أَجْلٰى وَأَظْهَرُ وَلَا شَكَّ أَنَّ زَمَانَنَا هٰذَا يَحْتَاجُ إِلٰى أَسْلِحَةِ الدَّلِيْلِ وَالْحُجَّةِ وَالْبُرْهَانِ لَا إِلَى الْقَوْسِ وَالسَّهْمِ وَالسِّنَانِ فَأَعِدُّوْا لِلْأَعْدَاءِ مَا تَرَوْنَ نَافِعًا عِنْدَ الْعُقَلَاءِ وَلَنْ يَتَمَكَّنَ أَنْ يَكُوْنَ لَكُمُ الْفَتْحُ إِلَّا بِإِقَامَةِ الْحُجَّةِ وَإِزَالَةِ الشُّبْهَةِ وَقَدْ تَحَرَّكَتِ الْأَرْوَاحُ لِطَلَبِ صَدَاقَةِ الْإِسْلَامِ فَادْخُلُوا الْأَمْرَ مِنْ أَبْوَابِهٖ... فَإِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ وَفِي الصّٰلِحٰتِ رَاغِبِيْنَ فَابْعَثُوْا رِجَالًا مِنْ زُمْرَةِ الْعُلَمَاءِ لِيَسِيْرُوْا إِلَى الْبِلَادِ الْانْكَلِيْزِيَّةِ كَالْوُعَظَاءِ لِيُتِمُّوْا عَلَى الْكَفَرَةِ حُجَجَ الشَّرِيْعَةِ الْغَرَّاءِ... وَلَا شَكَّ أَنَّ تَفْهِيْمَ الضَّالِّيْنَ الْغَافِلِيْنَ وَاجِبٌ عَلَى الْعُلَمَاءِ الْعَارِفِيْنَ فَقُوْمُوْا لِلّٰهِ وَأَشِيْعُوْا هُدَاهُ وَلَا تُؤَمِّلُوْا عَلَيْهَا جَزَاءً مِنْ سِوَاهُ... فَإِنْ فَعَلْتُمْ وَكَمَا قُلْتُ عَمِلْتُمْ فَبَقِيَ لَكُمْ مَآثِرُ الْخَيْرِ إِلٰى آخِرِ الزَّمَانِ وَتُبْعَثُوْنَ مَعَ أَحِبَّاءِ الرَّحْمٰنِ وَتُحْشَرُوْنَ فِيْ عِبَادِ اللّٰهِ الْمُجَاهِدِيْنَ فَاسْمَعُوْا رَحِمَكُمُ اللّٰهُ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ ... وَمَنْ ذَهَبَ إِلَى الْبِلَادِ الْإِنْكَلِيْزِيَّةِ خَالِصًا لِلّٰهِ فَهُوَ أَحَدٌ مِنَ الْأَصْفِيَاءِ

وَاِنْ تُدْرِكْهُ الْوَفَاتُ فَهُوَ مِنَ الشُّهَدَاءِ۔" [1]

ترجمہ:- قرآن کے شائع کرنے کے لئے کھڑے ہوجاؤ اور شہروں میں پھرو اور اپنے ملکوں کی طرف میل مت کرو۔ اور انگریزی ولایتوں میں ایسے دل ہیں جو تمہاری مددوں کے انتظار کر رہے ہیں۔ اور خدا نے تمہارے رنج اور ان کے رنج میں راحت رکھی ہے پس تم اس شخص کی طرح چپ مت ہو جو دیکھ کر آنکھیں بند کرے۔ اور بُلایا جاوے اور پھر کنارہ کرے۔ کیا تم ان ملکوں میں ان بھائیوں کا رونا نہیں سنتے اور ان دوستوں کی آوازیں تمہیں نہیں پہنچتیں؟ اے لوگو!! قیدیوں کو چھڑانے کے لئے اور گمراہوں کی ہدایت کے لئے کھڑے ہوجاؤ اور تلوار اور نیزوں پر افروختہ ہوکر مت گرو اور اپنے زمانہ کے ہتھیاروں اور اپنے وقت کی لڑائیوں کو پہچانو کیونکہ ہر ایک زمانہ کے لئے ایک الگ ہتھیار اور الگ لڑائی ہے پس اس امر میں مت جھگڑو جو ظاہر ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ ہمارا زمانہ دلیل اور برہان کے ہتھیاروں کا محتاج ہے۔ تیر اور کمان اور نیزہ کا محتاج نہیں پس تم دشمنوں کے لئے وہ ہتھیار تیار کرو جو عندالعقلاء نافع ہیں۔ اور ہرگز ممکن نہیں جو بغیر حجت قائم کرنے اور شبہات دور کرنے کے تمہیں فتح ہو اور بلاشبہ رُوحیں اسلامی صداقت طلب کرنے کے لئے حرکت میں آگئی ہیں۔ پس تحصیلِ مقصد کے لئے دروازہ میں سے داخل ہو۔ پس اگر تم سچے ہو اور صلاحیت کی طرف راغب ہو تو علماء میں سے بعض آدمی مقرر کرو تاکہ واعظ بن کر انگریزی ملکوں کی طرف جائیں اور تا کافروں پر شریعت کی حجت پوری کریں اور کچھ شک نہیں کہ گمراہوں کا سمجھانا عالموں پر فرض ہے۔ پس خدا تعالیٰ کے لئے کھڑے ہوجاؤ اور اس کی ہدایت کو پھیلاؤ اور اس پر کسی اور کے بدلہ کی اُمید مت رکھو پس اگر تم نے ایسا کیا اور میرے کہنے پر عمل کیا تو اخیر زمانہ تک نیک یادگار تمہاری باقی رہے گی اور تم مقبولوں کے ساتھ اُٹھائے جاؤ گے اور خدا کے مجاہد بندوں میں تمہارا حشر ہوگا۔ سو جوانمردی دکھلاؤ خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ اور فرمانبردار بن کر اُٹھ کھڑے ہو۔ اور جو شخص وعظ کے لئے انگریزی ملکوں کی طرف خالصاً للہ جائے گا پس وہ برگزیدوں میں سے ہوگا۔ اور اگر اس کو موت آجائے گی تو وہ شہیدوں میں سے ہوگا۔"

عصرِ حاضر کے مجاہدِ اعظم سیدنا المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغی جہاد کی اس پُرزور تحریک کے بعد خدا کی پاک وحی سے علم پاکر ایک مسلم یورپ اور مسلم امریکہ کا تخیل پیش کرتے ہوئے یہ خوشخبری

[1] "نور الحق" حصہ ثانیہ صفحہ ۵۰ تا ۵۵ طبع اوّل۔ ذی القعدہ ۱۳۱۱ھ۔ مئی۔ جون ۱۸۹۴ء۔ مطبع مفید عام لاہور۔

دی کہ :-

"خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے ... کہ وہ خالص اور چمکتی ہوئی توحید جو ہر ایک قسم کی شرک کی آمیزش سے خالی ہے جو اَب نابُود ہو چکی ہے۔ اس کا دوبارہ قوم میں دائمی پودا لگا دوں۔ اور یہ سب کچھ میری قوت سے نہیں ہوگا بلکہ اُس خدا کی طاقت سے ہوگا جو آسمان اور زمین کا خدا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ایک طرف تو خدا نے اپنے ہاتھ سے میری تربیت فرما کر اور مجھے اپنی وحی سے شرف بخش کر میرے دل کو یہ جوش بخشا ہے کہ مَیں اس قسم کی اصلاحوں کے لئے کھڑا ہو جاؤں اور دوسری طرف اس نے دل بھی تیار کر دئے ہیں جو میری باتوں کو ماننے کے لئے مُستعد ہوں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ جب سے خدا نے مجھے دُنیا میں مامور کر کے بھیجا ہے اُسی وقت سے دُنیا میں ایک انقلابِ عظیم ہو رہا ہے۔ یورپ اور امریکہ میں جو لوگ حضرت عیسٰیؑ کی خدائی کے دِلدادہ تھے اب ان کے محقق خود بخود اس عقیدہ سے علیحدہ ہوتے جاتے ہیں۔ اور وہ قوم جو باپ دادوں سے بُتوں اور دیوتوں پر فریفتہ تھی بُہتوں کو ان میں سے یہ بات سمجھ آگئی ہے کہ بُت کچھ چیز نہیں ہیں۔ اور گو وہ لوگ ابھی رُوحانیت سے بے خبر ہیں اور صرف چند الفاظ کو رسمی طور پر لئے بیٹھے ہیں لیکن کچھ شک نہیں کہ ہزارہا بیہودہ رُسوم اور بدعات اور شرک کی رسّیاں انہوں نے اپنے گلے پر سے اُتار دی ہیں اور توحید کی ڈیوڑھی کے قریب کھڑے ہو گئے ہیں مَیں اُمید کرتا ہوں کہ کچھ تھوڑے زمانہ کے بعد عنایتِ الٰہی ان میں سے بُہتوں کو اپنے ایک خاص ہاتھ سے دھکا دے کر سچی اور کامل توحید کے اس دارالامان میں داخل کر دے گی۔ یہ اُمید میری محض خیالی نہیں ہے بلکہ خدا کی پاک وحی سے یہ بشارت مجھے ملی ہے۔" ؎۱

حضرت اقدس علیہ السّلام نے اس رُوحانی انقلاب کو قریب سے قریب تر لانے کے لئے مغربی ممالک میں تبلیغ اسلام کا صحیح اور واحد طریق حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا :-

"آجکل ان ملکوں میں جو اسلام نہیں پھیلتا اور اگر کوئی مسلمان ہوتا بھی ہے تو وہ بہت کمزوری کی حالت میں رہتا ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ وہ لوگ اسلام کی اصل حقیقت سے واقف

؎۱ لیکچر "اسلام اور اس ملک کے دیگر مذاہب" صفحہ ۳۴-۳۵ طبع اوّل مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور۔ ۳ ستمبر ۱۹۰۴ء۔

نہیں اور نہ ان کے سامنے اصل حقیقت کو پیش کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کا حق ہے کہ ان کو حقیقی اسلام دکھلایا جاوے جو خدا تعالیٰ نے ہم پر ظاہر کیا ہے۔ وہ امتیازی باتیں جو کہ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ میں رکھی ہیں وہ ان پر ظاہر کرنی چاہئیں اور خدا تعالیٰ کے مکالمات اور مخاطبات کا سلسلہ ان کے سامنے پیش کرنا چاہیئے۔ اور ان سب باتوں کو جمع کیا جاوے جن کے ساتھ اسلام کی عزت اس زمانہ میں وابستہ ہے۔ ان تمام دلائل کو جمع کیا جاوے جو اسلام کی صداقت کے واسطے خدا تعالیٰ نے ہم کو سمجھائے ہیں" [1]

سیدنا المصلح الموعودؓ نے حضرت امام الزمان مہدی مسعود علیہ السلام کے بیان فرمودہ طریقِ تبلیغ کو عملی جامہ پہنانے اور مغربی ممالک کے کونے کونے تک حقیقی اسلام کی آواز پہنچانے کے لئے سب سے پہلا اور بروقت قدم یہ اُٹھایا کہ انگلستان میں احمدیہ دار التبلیغ کا قیام فرمایا اور پے در پے مبلغ بھجوانے شروع کئے۔ جب اسلامی دعوۃ و تبلیغ کی راہ کسی قدر ہموار ہوگئی تو حضور جولائی ۱۹۲۴ء میں بنفسِ نفیس یورپ تشریف لے گئے تا ان ممالک کے تفصیلی حالات و مشکلات کا قریب سے مطالعہ کرنے اور وہاں کے ہر طبقہ اور ہر نقطۂ خیال کے لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد تبلیغِ اسلام کی ایک مستقل سکیم اور ایک مکمل نظام تجویز فرمائیں۔ اس مبارک سفر نے جو قریباً ساڑھے چار ماہ میں اختتام کو پہنچا۔ نہ صرف یورپ کی اسلامی مہم جو اَب تک نہایت محدود اور بالکل ابتدائی اور مختصر صورت میں تھی پہلے سے زیادہ منظم اور تیز کردی بلکہ اس کے اثرات انگلستان سے نکل کر آہستہ آہستہ یورپ کے دوسرے ممالک میں بھی پھیلنے لگے۔ اس کے بعد تحریکِ جدید جیسی عالمی تحریک کا آغاز ہوا جس کے مجاہد ۱۹۳۶ء میں سپین، ہنگری، البانیہ اور یوگوسلاویہ تک اور ۱۹۳۷ء میں اٹلی اور پولینڈ تک جا پہنچے اور یورپ کے ان خطوں نے حضرت مصلح موعودؓ کے تربیت یافتہ شاگردوں کی زبانوں سے براہِ راست اسلام کا پیغام سُنا لیکن ابھی یہ تبلیغی مہم ابتدائی مراحل میں سے گزر رہی تھی کہ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو دوسری عالمگیر اور خوفناک جنگِ عظیم چھڑ گئی جس کا خاتمہ ۱۵۔ اگست ۱۹۴۵ء کو ہوا۔ چھ سال کے اِس درمیانی عرصہ میں حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی پوری توجہ ان مجاہدین تحریکِ جدید کی تربیت کی طرف رکھی جنہوں نے حضور کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے خدمتِ اسلام کے لئے زندگیاں وقف کی تھیں۔ چنانچہ جونہی بیرونی ممالک کے رستے کھُلنے شروع ہوئے

---

[1] بدر قادیان ۲۱۔ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

آپ نے ۱۰ ماہ فتح ۱۳۲۴ ہش / دسمبر ۱۹۴۵ء کو نو مجاہدین کا ایک قافلہ قادیان سے انگلستان روانہ فرمایا جس نے حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس رض امام مسجد لنڈن کی نگرانی میں تبلیغی ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے فرانس، سپین، سسلی، سوئٹزرلینڈ اور جرمنی میں احمدیہ مشن قائم کر دیئے۔ ان مشنوں کو ابتداء میں کیا کیا مشکلات پیش آئیں؟ تبلیغی سرگرمیوں کے شروع کرنے اور جاری رکھنے کیلئے کن ذرائع کو بروئے کار لایا گیا اور ان کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟ وغیرہ ضروری امور کا مفصل ذکر ذیل میں ہر مشن کے تحت کیا جاتا ہے۔

فصل اوّل

احمدیہ مسلم مشن فرانس کا قیام

اسلام کا دورِ اوّل اور فرانس

فرانس کا مشہور ملک برِاعظم یورپ کے شمال مغرب میں واقع ہے جو سپین کے شمال میں ہے اور اس سے ملحق ہے۔ فرانس میں اسلام کا نام پہلی بار ۹۲ھ / ۷۱۰ء میں پہنچا جبکہ مشہور عالم مسلمان جرنیل طارق بن زیاد فتحمندی کا جھنڈا لہراتے ہوئے جبل الطارق (جبرالٹر) تک پہنچ گئے۔ ۹۳ھ / ۷۱۱ء میں امیر افریقہ موسیٰ بن نُصَیر نے پورے اندلس پر مسلم حکومت قائم کر دی[1] اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رح (ولادت ۶۱ھ / ۶۹۰ء۔ وفات ۲۵ رجب ۱۰۱ھ فروری ۷۲۰ء) نے جن کو سیدنا مہدی مسعود علیہ السلام نے نیک اور عادل بادشاہ قرار دیا ہے[2] السمح بن مالک خولانی کو کمانڈر بنا کر بھجوایا[3]۔ تاریخ سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ اسلامی لشکر حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کی خلافت کے پہلے ہی سال ۹۹ھ / ۷۱۸ء میں کوہ پیرینیز (PYRENEES MOUNTAINS) کو عبور کر کے فرانس کی سرحد میں

---

[1] ابن خلدون حصہ پنجم باب ۲۳ (تالیف علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون المغربی۔ ولادت ۷۳۲ھ / ۱۳۳۲ء۔ وفات ۸۰۸ھ / ۱۴۰۶ء)

[2] تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۲۵ طبع اوّل۔

[3] ترجمہ "نفح الطیب" صفحہ ۶۵ از علامہ شہاب الدین ابو العباس التلمسانی المقری (۱۵۹۲ء - ۱۶۱۸ء) مترجم مولوی خلیل الرحمٰن سرادھوی مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علیگڑھ ۱۹۲۱ء۔

داخل ہوچکا تھا اور گال (GAUL) قوم سے معرکہ آزمائی ہورہی تھی۔[1] پروفیسر فلپ۔ کے ۔ حِتّی ۔ السمح بن مالک خولانی کی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ۷۲۰ء میں السمح نے سپتمانیہ (SEPTIMANIA) اور اربونہ کو فتح کر لیا۔ اربونہ کی گڑھی کو بعد میں عربوں نے ایک بڑا قلعہ بنا دیا اور اس میں اسلحہ اور اناج کے گوداموں کے ساتھ ایک اسلحہ ساز کارخانہ بھی قائم کر دیا۔ اسی سال السمح نے ڈیوک اکوتانیا کے صدر مقام تولوز کو فتح کرنے کی کوشش کی اور یہیں جامِ شہادت نوش کیا۔[2] فرانسیسی مؤلف و محقق ڈاکٹر گستاولی بان لکھتا ہے "آٹھویں صدی عیسوی میں جب عربوں نے فرانس پر حملہ کیا تو یہ ملک ان بادشاہوں کی حکومت میں تھا جو سلاطین کاہل الوجود کے نام سے مشہور ہیں۔ جاگیرداروں اور اُمراء کے مظالم سے حالت ابتر ہورہی تھی اور اسی لئے وہ بآسانی عربوں کے ہاتھ آگیا اور انہوں نے بلا کوشش بلیغ اکثر جنوبی شہروں پر قبضہ کر لیا۔ پہلے انہوں نے لانگے ڈاک میں ناربان کے شہر کو فتح کیا اور ۷۲۱ء میں ایکیٹین کے پایہ تخت تُورس کا محاصرہ کیا مگر کامیاب نہ ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے یکے بعد دیگرے کارکاسان۔ نیم لیان۔ ماکان۔ اوتون وغیرہ کو فتح کیا اور دریائے رون صوبہ جات اور ڈافینے اور برگان کے صوبوں تک پہنچ گئے۔ فرانس کا آدھا ملک دریائے لوآر کے کنارے سے فرانش کانتے تک بتدریج عربوں کے قبضہ میں آگیا۔"[3] نیز لکھتا ہے "۷۳۰ء میں مارسیلز کے حاکم نے ان سے پرووانس لے لیا اور انہوں نے آرل پر قبضہ کیا ۸۸۹ء میں وہ سینٹ ٹروپے میں موجود تھے اور دسویں صدی تک ان کا دخل پرووانس پر رہا۔ ۹۳۵ء میں وہ واَلے اور سوئٹزرلینڈ تک پہنچ گئے تھے۔ اور بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ وہ مَٹس تک آگئے تھے۔"[4]

علامہ شہاب الدین ابوالعباس المقری کی کتاب "نفح الطیب" سے معلوم ہوتا ہے کہ عساکر اسلامیہ امیر عبدالرحمٰن الاوسط بن الحکم اول کی زیر سرکردگی ۲۲۶ھ/۸۴۰-۴۱ء میں فرانس سے پیش قدمی کرتے ہوئے برطانیہ تک

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا (ENCYCLOPAEDIA BRITANICA) زیر لفظ سپین جلد ۲۱ صفحہ ۱۱۹۔ پروفیسر کے ۔ حِتّی کی تحقیق کے مطابق جبال البرانس کو سب سے پہلے الحرّ بن عبدالرحمٰن الثقفی نے ۷۱۸ء یا ۷۱۷ء میں عبور کیا تھا (THE ARABS, A SHORT HISTORY) ابن حیانؒ نے لکھا ہے کہ حضرت امیر المومنین سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے قرطبہ میں ایک شاندار پُل تعمیر کیا گیا تھا اور آپ ہی کے فرمان شاہی سے قرطبہ دارالسلطنت قرار پایا ("نفح الطیب" مؤلفہ علامہ مقریؒ)۔

[2] "عرب اور اسلام" صفحہ ۸۶ "دی عربس۔ اے شارٹ ہسٹری" مترجم پروفیسر سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔ اے محمد معین خان صاحب بی۔ اے۔ ناشر ندوۃ المصنفین۔ دہلی۔

[3] "تمدن عرب" (ترجمہ) صفحہ ۲۸۵-۲۸۷ از ڈاکٹر گستاولی بان۔

[4] ایضاً۔

جا پہنچے تھے۔

حضرت مصلح موعودؓ کا قیامِ فرانس تبلیغِ اسلام کیلئے جدّوجہد اور پُرسوز دعائیں

جماعتِ احمدیہ کی طرف سے فرانس میں تبلیغِ اسلام کی سرگرمیوں کا براہِ راست آغاز ۱۹۲۴ء میں ہُوا جبکہ حضرت مصلح موعودؓ اپنے خدام کے ساتھ ویمبلے کانفرنس میں شرکت اور مسجد فضل لنڈن کا سنگِ بنیاد رکھنے کے بعد ۲۶ اکتوبر سے ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۴ء تک فرانس کے دارالحکومت پیرس میں رونق افروز رہے۔[۱] پیرس کے ریلوے سٹیشن پر مسٹر خالد شیلڈریک امام مسجد پیرس اور مسٹر گوسٹن ڈیوربنڈ (نمائندہ HAVER ایجنسی[۲]) نے حضور کا استقبال کیا۔ مسٹر گوسٹن ڈیوربنڈ نے ایک انٹرویو کے دوران پوچھا کہ آپ کے سفر کا مقصد کیا ہے؟ حضرت امیر المومنین نے فرمایا:-

"مَیں اس غرض سے یورپ میں سفر کر رہا ہوں کہ یورپ کی مذہبی حالت کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر صحیح اندازہ کروں جس سے مجھ کو ان ممالک میں اشاعتِ اسلام کے لئے ایک مستقل سکیم تیار کرنے میں مدد ملے۔ اور میرا یہ مقصد ہے کہ چونکہ مَیں دُنیا میں صُلح کا جھنڈا بلند کرنا چاہتا ہوں مَیں دیکھوں کہ مشرق اور مغرب کو کونسے اُمور ملا سکتے ہیں۔"[۳]

اسی طرح الجیریا کے ممتاز مسلم لیڈر سید محمد سماوی ممبر سپریم کونسل کو بھی بتایا کہ مغربی ممالک میں جانے سے میرا مدّعا یہ ہے کہ ان ممالک کی مذہبی حالت کا معائنہ کر کے اشاعتِ اسلام کے لئے ایک سکیم تجویز کروں۔[۴]

جہاں تک فرانس کا تعلق تھا حضور نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو ایک مجلسِ مشاورت منعقد فرمائی اور فیصلہ فرمایا کہ پیرس کے صحافیوں، مشرقی دُنیا پر لکھنے والے مصنفوں، سیاسی لیڈروں اور غیر ملکی سفیروں کو پیغامِ اسلام پہنچانے کے لئے تین پارٹیاں سرگرمِ عمل ہو جائیں۔ اگرچہ وقت مختصر تھا اور زبان کی ناواقفی بہت بڑی سدّ راہ تھی۔ مگر چونکہ قیامِ فرانس کا ایک بنیادی مقصد یہ

---

[۱] حضور انور، مولانا عبدالرحیم صاحب درد، چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب اور حضور کے ٹائپسٹ کا قیام "گرانڈ ہوٹل ڈی یورا" میں تھا اور باقی تمام قافلۂ خدام روسبو نامی گلی کے چار ہوٹلوں میں فروکش ہُوا (الفضل ۲۹ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵ کالم ۳)۔ [۲] ریوٹر (REUTER) کی طرح ایک خبر رساں ایجنسی کا نام۔ [۳] الفضل ۲۹ نومبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۶ کالم ۱۔ یہ گفتگو ایک ترجمان کے توسط سے ہوئی۔ حضور انگریزی میں ارشاد فرماتے تھے اور ترجمان اس کا فرانسیسی میں مطلب بیان کرتا تھا۔ [۴] الفضل ۱۸ دسمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۴ کالم ۲۔

بھی تھا کہ اسلام کی آواز بہرکیف پیرس کے مختلف حلقوں تک پہنچائی جائے اِس لئے انتہائی کوشش کی گئی کہ تبلیغِ حق کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ چنانچہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ نے اخبار نویسوں سے، حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ چوہدری محمد شریف صاحب اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب مصری نے مشرقی مصنفین اور مشرقی ممالک کے سفراء سے اور حضرت خان ذوالفقار علی خان صاحب اور چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے انگریزی اور مغربی سفیروں سے ملاقاتیں کیں۔

خود حضرت مصلح موعودؓ نے قیامِ پیرس کے دوران مسٹر گوسٹن ڈیورنڈ (نمائندہ ہورس ایجنسی) پرنس آف ویلز کی ایک رجمنٹ کے کپتان لارڈ کریو برٹس منسٹر پیرس اور ایڈیٹر "لی جرنل" کو شرفِ ملاقات بخشا وزیر اعظم فرانس موسیو پنکارے (M. POINCARE) سے بھی ملاقات کا پروگرام تھا مگر انہیں فوری طور پر پیرس سے باہر صدر فرانس کے پاس جانا پڑا اِس لئے یہ پروگرام ملتوی کرنا پڑا جس پر ان کی طرف سے معذرت کا خط بھی آیا۔ حکومتِ فرانس ان دنوں ایک عالی شان اور خوشنما مسجد تعمیر کرا رہی تھی حضور معہ خدام ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو بوقت ڈھائی بجے اس شاندار مسجد میں تشریف لے گئے۔ مسجد میں متعدد فرانسیسی اخبارات کے نامہ نگار اور سینما والے اور آرٹسٹ بھی موجود تھے۔ دروازہ پر ناظم مسجد نے بہت سے مؤقر مسلمانوں کے ساتھ حضور کا استقبال کیا اور زیر تعمیر مسجد کے تمام حصے دکھائے۔ مسجد مراکش طرز پر تعمیر ہو رہی تھی۔ مراکش کے مسلمان کاریگر اور فرانسیسی معمار بھی کام کر رہے تھے مگر صنّاع زیادہ تر مغربی تھے۔ مسجد کے محراب میں حضور نے کھڑے ہو کر اپنی جماعت کے ساتھ ایک لمبی دعا کی۔ بلکہ آپ سب سے پہلے شخص تھے جس نے یہاں دعا کی اور فرمایا:۔

"مَیں نے تو یہی دُعا کی ہے کہ یا اللہ یہ مسجد ہم کو ملے اور ہم اس کو تیرے دین کی اشاعت کا ذریعہ بنانے کی توفیق پائیں"۔ [1]

فرانس میں تبلیغی مشکلات

سیدنا المصلح الموعودؓ نے فرانسیسی قوم کے کیریکٹر کا قریبی مطالعہ کرتے ہوئے خاص طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ فرانسیسیوں میں قومی تعصب انتہاء کو پہنچا ہوا ہے۔ چنانچہ حضور نے ۴ ماہ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو فرمایا:۔

---

[1] الفضل ۱۸۔ دسمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۶

" فرانس والوں میں اپنی چیز کے متعلق بہت تعصب پایا جاتا ہے۔ انگریزوں کی چونکہ بہت بڑی ایمپائر ہے اور وہ ساری دُنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اِس لئے ان کا رویّہ دوسروں کے متعلق رواداراَنہ ہو گیا ہے۔ مگر فرانسیسیوں کا طریق جُدا ہے۔ وجہ یہ کہ گو ان کی بھی ایمپائر ہے مگر ان کے مقبوضات اتنے پھیلے ہوئے نہیں۔ اور ان کا رویّہ ایسا ہے کہ ان کے ماتحت جتنی اقوام ہیں وہ پنپ نہیں سکتیں۔۔۔ مجھے خود بھی اس کا تجربہ ہے۔ پیرس میں فرانسیسیوں نے چندہ کر کے ایک اچھی بڑی مسجد بنوائی ہے۔ اس کے ساتھ دکانیں، قہوہ خانے اور ہوٹل وغیرہ بھی ہے تاکہ مراکش وغیرہ سے آنے والے مسلمان یہاں ٹھہریں۔ ہم پیرس گئے تو حکّام نے دعوت دی کہ ہم مسجد دیکھنے آئیں۔ جب ہم مسجد دیکھنے روانہ ہوئے تو معلوم ہوُا کہ موٹر ڈرائیور کو پتہ نہیں کہ مسجد کہاں واقع ہے۔ ایک جگہ دُو آدمی کھڑے باتیں کر رہے تھے ہم میں سے کسی نے جا کر ایک سے پوچھا مسجد کہاں ہے؟ تو اس نے کندھے ہلا کر کہہ دیا کہ مَیں نہیں جانتا اور چل دیا۔ دوسرے شخص نے بتایا کہ مَیں اٹیلین ہوں اور وہ فرانسیسی ہے۔ آپ لوگوں نے چونکہ انگریزی میں اس سے پوچھا اِس لئے اس نے کہہ دیا کہ مَیں نہیں جانتا۔ وجہ یہ کہ فرانسیسی اپنی زبان کے سوا کسی دوسری زبان میں بات کرنا سخت ناپسند کرتے ہیں اور ایسے شخص کو حقارت سے دیکھتے ہیں جو فرانسیسی نہ جانتا ہو۔ اٹالین نے کہا وہ انگریزی جانتا تھا اور مجھ سے انگریزی میں ہی باتیں کر رہا تھا اور اسے مسجد کا پتہ بھی تھا۔ میرا تو واقف تھا اِس لئے باتیں کر رہا تھا مگر آپ لوگوں کے انگریزی میں بات کرنے پر بُرا منا کر چلا گیا۔ تو فرانسیسیوں میں اِس قسم کا تعصب پایا جاتا ہے پھر ان کا یہ بھی طریق ہے کہ اپنی بات بہت سختی سے منواتے ہیں۔۔۔ بیشک انگریز نرمی کرتا ہے مگر وہ نرمی ایسی ہی ہوتی ہے جیسی وہ اپنے کُتّے سے کرتے ہیں۔ اس کے طریقِ عمل سے پتہ لگتا ہے کہ وہ دوسرے کو آدمی نہیں سمجھتا بلکہ کُتا خیال کرتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں فرانسیسی بیشک سختی کرتا ہے مگر ایسی ہی سختی جیسی غلام سے کی جاتی ہے۔ اس کے طریق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انسان تو سمجھتا ہے مگر اپنا غلام (اِس کی مثال یہ ہے کہ۔ ناقل) اگر کسی[1] انگریز کی دعوت کریں تو میز، کُرسی، چُھری کانٹے کا انتظام کرنے کی فکر پڑ جاتی ہے اور اِس طرح

---

[1] یہ مثال شامیوں نے ۱۹۲۴ء میں حضرت مصلح موعودؓ کے سامنے ایک مجلس میں بیان کی تھی۔

گویا ہم انگریز کو ہی اپنے گھر نہیں لاتے بلکہ اس کے گھر کو اور اس کے تمدن کو بھی لانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا انتظام نہ کریں تو انگریز ناک بھوں چڑھاتا ہے اور طبیعت خراب ہے کا بہانہ بنا کر کھانے کی طرف پوری طرح متوجہ نہیں ہوتا مگر فرانسیسی کے لئے ایسا انتظام کیا جاوے تو وہ ناپسند کرتا ہے اِس لئے اسے بُلانے پر کوئی فکر لاحق نہیں ہوتا۔ اور جب اُسے بُلایا جائے تو ہمارے ساتھ فرش پر بیٹھ کر خوشی سے کھا پی لیتا ہے اور خوب بے تکلف ہو کر باتیں کرتا ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جاتے وقت میزبان کو ہتھکڑی لگا کر ساتھ ہی لے جائے غرض انگریز اور فرانسیسی کے کیریکٹر میں یہ ایک نمایاں فرق ہے... اس ماحول میں تبلیغ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ جو شخص دوسرے کو ادنیٰ اور حقیر سمجھتا ہے اُس سے بات کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور اگر کوئی بات کی بھی جاوے تو وہ اُسے کچھ وقعت نہیں دیتا اور اس کا اثر قبول نہیں کرتا۔" [1]

دوسری جنگِ عظیم کے بعد فرانس میں احمدیہ مسلم مِشن کا قیام

ان شدید مشکلات کے باوجود خدا تعالیٰ کے اولوالعزم خلیفہ المصلح الموعودؓ نے جنگِ عظیم کے خاتمہ کے بعد فرانس میں تبلیغی مِشن کھولنے کا ارشاد فرمایا جس پر حضور کے حکم سے لنڈن میں مقیم تحریکِ جدید کے دو مجاہدین یعنی ملک عطاء الرحمٰن صاحب اور مولوی عطاء اللہ صاحب ۷ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو پیرس پہنچ گئے اور ایک ہوٹل کے کمرہ کو اپنا مرکز بنا کر نہایت مختصر سے پیمانہ پر کام شروع کر دیا۔ مولوی عطاء اللہ صاحب جلد ہی فرانس سے افریقہ بھجوا دئیے گئے اور مِشن چلانے کی تمام ذمہ داری ملک عطاء الرحمٰن صاحب کو سونپ دی گئی۔

احمدی مجاہدین کے پیرس میں پہلے تین روز

مبشرین نے اجنبیت کے ماحول میں پہلے تین دن کس طرح گزارے؟ اس کی تفصیل ملک عطاء الرحمٰن صاحب کی ایک ابتدائی رپورٹ میں ہمیں ملتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"شام کے وقت ہم گاڑی سے اُترے... رات کا وقت تھا۔ ماحول ہر طرح اجنبی تھا۔ یہاں کے

[1] الفضل ۱۴ ماہ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۴۔ [2] ۵ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو ان مبلغین کے اعزاز میں جماعتِ احمدیہ لنڈن کی طرف سے ایک الوداعی تقریب عمل میں آئی۔

در و دیوار، یہاں کے لوگوں اور زبان سے مکمل اجنبیت تھی۔ فرانسیسی قوم بہت متعصب، تنگ دل اور شکی واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ بجائے اس کے کہ اس دوران میں جو ہمیں ملا اجنبیت کی وجہ سے ہمارے ساتھ ہمدردی سے پیش آتا ہماری اجنبی شکلوں اور لباس کی وجہ سے ہمیں مشکوک نظروں سے دیکھتا... آخر سٹرک سے ہٹ کر ایک ہوٹل میں جانے کا اتفاق ہوا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ٹھہرنے کے لئے جگہ مل گئی۔

۱۸ ر مئی۔ پیرس اور فرانس میں ہمارا پہلا دن تھا... فی الحال دو کام مدِ نظر تھے رہائش کا کوئی مستقل انتظام اور فرانسیسی زبان سیکھنے کے لئے معلومات کا حاصل کرنا سب سے پہلے برطانوی سفارت خانہ میں گیا رہائش کے لئے امداد کے سلسلہ میں انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ پیرس میں اِن دنوں یہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ زبان سیکھنے کے سلسلہ میں بعض اداروں کا پتہ دیا۔ اس کے بعد برطانوی قونصل خانہ میں گیا وہاں بھی انہی امور کے سلسلہ میں بعض معلومات اور پتے حاصل کئے۔ وہاں سے ۲ دو تعلیمی اداروں اور ایک پرائیویٹ سکول میں گیا اور ممکن معلومات حاصل کیں۔ اس دوران ایک ایسے ادارہ میں بھی گیا جہاں مختلف ممالک کے طلباء کے لئے مقابلتاً بہت ہی کم خرچ پر رہائش اور کھانے کا انتظام ہے...

۱۹ ر مئی۔ دفاتر بند تھے کہیں جا نہ سکتا تھا حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں اور دفتر کو مفصل رپورٹ بھجوائی۔ ہمارے سامان میں کتابوں کا ایک بنڈل تھا جو پیرس پہنچنے پر ہمیں نہ ملا تھا۔ کل اور آج پھر ہم متعلقہ دفاتر میں گئے لیکن اس کا کچھ پتہ نہ چلا کہ کہاں رہ گیا ہے۔ لنڈن میں یا ڈووَر یا کیلے کی بندرگاہ پر رہ گیا۔ ان تینوں مقامات پر دفتر متعلقہ کی طرف سے خط لکھوائے اور تاریں بھجوائیں۔ ایک فرانسیسی نوجوان سے دو اڑھائی گھنٹہ تبلیغی گفتگو ہوتی رہی... وہ نوجوان آبدیدہ ہو گیا اور بڑے درد سے کہنے لگا "افسوس ہم نے یہ مذہب اپنے آباء سے اس رنگ میں پایا ہے کہ ہم اسے چھوڑ نہیں سکتے۔ میرے والدین نے تو میرے اندر عیسائیت ہمیشہ کے لئے بھرنی چاہی ہے، اور بھر دی ہے لیکن مجھے محسوس ہونے لگا ہے کہ آپ کی باتیں میرے عقائد سے مجھے ہلانا چاہتی ہیں۔"

یہ لوگ اپنے مذہب کے لئے اِس قدر ضدی اور متعصب واقع ہوئے ہیں کہ تبدیل مذہب

کا انہیں وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ [1]

۲۰؍ مئی۔ آج صبح پیرس میں مختلف مقامات پر مختلف اُمور کے سِلسلہ میں چند خطوط لکھے۔ ایک پرائیویٹ تعلیمی ادارہ اور ایک دفتر میں بھی گیا۔ اس تعلیمی ادارہ کی منتظمہ سے تعلیم اور رہائش کے سِلسلہ میں بعض معلومات حاصل کیں اور آخر میں اسے پَون گھنٹہ کے قریب تبلیغ کی۔ اس نے بھی یہی کہا کہ "اسلام کی تعلیم کس قدر خوش نما ہے۔ مدلّل اور حقائق پر مبنی ہے لیکن مَیں رومن کیتھولک ہوں یہ نہ خیال کرنا کہ مَیں اپنا مذہب کبھی چھوڑوں گی"۔

فرانس کے حالات سیاسی۔ مُلکی۔ مذہبی اور قومی تبلیغ کی راہ میں روکیں رکھتے ہیں جنہیں صرف اور صرف ہمارا خدا ہی دُور کر سکتا ہے جو انشاء اللہ ضرور دُور کرے گا اور احمدیت جلد ایک دن اپنے الٰہی مقصد میں کامیاب ہو گی، انشاء اللہ"۔ [2]

فرانس مشن کی پہلی رپورٹ اور حضرت مصلح موعود

مجاہدینِ فرانس نے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمتِ اقدس میں جو پہلی رپورٹ بھیجی اس میں خاص طور پر فرانسیسیوں کے قومی تعصب اور ہوش ربا گرانی [3] پر اظہارِ تشویش کیا گیا تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے

---

[1] اگرچہ فرانس میں اسلام کے خلاف صدیوں سے شدید تعصب پایا جاتا ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے عہدِ حکومت کے گہرے اثرات آج تک فرانس کے علم و تمدن میں موجود ہیں۔ چنانچہ جیسا کہ فرانس کے ایک فاضل مصنّف موسیو ڈوزی نے تسلیم کیا ہے۔ فرانسیسی سرمایہ علم و ادب میں ہمیں بے شمار عربی الفاظ و مصطلحات ملتی ہیں۔ یہی بات موسیو سو مَری یو نے لکھی ہے ڈاکٹر گستاولی بان نے "تمدّنِ عرب" کے آخر میں بعض ایسے عربی الفاظ کی فہرست بھی دی ہے جو آج تک فرانسیسی زبان میں مروّج ہیں۔ سترھویں صدی عیسوی تک مسلم اطبّاء کی تالیفات فرانس کی درسی کتابیں بنی رہیں۔ انگلستان کا مؤرخ سنگر تو یہاں تک لکھتا ہے کہ پیرس کی یونیورسٹی میں پروفیسروں کو قسم کھا کر یہ عہد کرنا پڑتا تھا کہ ہم کوئی لفظ ایسا نہ پڑھائیں گے جو ارسطو اور اس کے ترجمان ابن رشد کی تعلیم کے خلاف ہو۔ اگرچہ اس سنہری دَور پر صدیاں گزر گئیں مگر مسلم خون کا اثر اب تک فرانسیسیوں میں باقی ہے۔ چنانچہ جیسا کہ فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاولی بان نے "تمدّنِ عرب" میں لکھا ہے۔ فرانس کے بعض علاقوں میں عربوں کی اولاد بآسانی پہچانی جا سکتی ہے ("تمدّنِ عرب" از ڈاکٹر گستاولی بان "عرب اور اسلام" پروفیسر فلپ۔ کے۔ حِتّی۔ "طب العرب" مسٹر ایڈورڈ۔ جی۔ براؤن "یورپ پر اسلام کے احسان" ڈاکٹر غلام جیلانی برق)۔ [2] الفضل ۲۷؍ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔ [3] دوسری جنگِ عظیم میں جرمن فوج نے فرانس کی میجینو (MAGINOT) لائن توڑ کر رکھ دی اور ۱۶؍ جون ۱۹۴۰ء کو پیرس میں داخل ہو گئی جس کے بعد مارشل پیٹان کی نئی حکومت نے جرمنی کے سامنے ہتھیار ڈال دئے۔ جرمن نے فرانس پر قبضہ کر کے ملک میں سخت لوٹ مار کی اور فرانس کئی سال تک قحط کا شکار ہو گیا۔ روزمرّہ استعمال کی چیزوں کے نرخ تین گنا سے بھی بڑھ گئے اور آٹا تک کمیاب ہو گیا۔ غرضکہ جنگ کی وجہ سے فرانس کی غذائی صورتِ حال حد درجہ نازک صورت اختیار کر گئی۔

۲ ماہ احسان / جون ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء کی مجلس علم و عرفان میں مجاہدینِ فرانس کی ان مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

" یہ باتیں مبلغین نے لکھی ہیں اور ہمیں یہ پہلے بھی معلوم تھیں ہم نے ناواقفیت میں مبلغین کو نہیں بھیجا اور نہ مبلغین ان سے ناواقف تھے۔ دراصل جو قوم کامیاب ہونا چاہتی ہے اسے ہر قسم کی تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اور ہمارے مبلغ یہی سمجھ کر گئے ہیں کہ انہیں کانٹوں پر چلنا ہے اور کانٹے انہیں پیش بھی آئے ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کے لئے خوشی سے برداشت کر رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اور بھی جو مبلغ جانے والے ہیں وہ یہی سمجھ کر جائیں گے اور یہی سمجھ کر جانا چاہیئے حقیقی لیڈر کا یہ کام ہوتا ہے کہ صاف صاف بتا دیتا ہے کہ فلاں کام کرنے میں تکالیف ہوں گی، مشکلات پیش آئیں گی، تلواروں کے سایہ میں چلنا ہوگا۔ ہر قسم کی تکالیف اور مشکلات برداشت کرنی پڑیں گی جس نے چلنا ہے وہ چلے۔ اس کے بعد جو چلتے ہیں وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ ہماری مشکلات اور تکالیف کی تو ابھی ابتداء ہے۔ لوگ ابھی تک ہمیں کھیل سمجھتے ہیں اور ہماری طرف زیادہ متوجہ نہیں ہوتے لیکن جب کوئی قوم ترقی کرنے لگتی ہے اور جلد جلد قدم بڑھاتی ہے تو اس کی زیادہ مخالفت کی جاتی ہے اور اسے زیادہ دُکھ اور تکالیف دی جاتی ہیں۔ کفار نے جتنا بغض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کی زندگی میں ظاہر کیا مکہ کی زندگی میں ظاہر نہیں کیا تھا۔ "[1]

فرانسیسی زبان سیکھنے کی طرف خصوصی توجہ

ابتدائی ڈیڑھ سال میں تبلیغ کا کوئی باقاعدہ کام نہ کیا جا سکا۔ سب سے بڑی روک زبان کی تھی۔ انگریزی میں کوئی مؤثر کام کرنا ممکن نہ تھا۔ اوّل تو وہاں انگریزی جاننے والے بہت کم ملتے تھے۔ اور جو کوئی انگریزی جانتا تھا وہ اس میں بولنا پسند نہ کرتا تھا۔ اس وقت کے پیشِ نظر ملک عطاء الرحمٰن صاحب نے فرانس پہنچتے ہی اپنی پوری توجہ فرانسیسی زبان سیکھنے کی طرف مبذول کر دی جس میں انہیں نمایاں کامیابی ہوئی بلکہ قریباً سوا دو سال کے بعد مشہور احمدی انگریز مسٹر بشیر آرچرڈ یورپ کے احمدی مشنوں کا دَورہ کرتے ہوئے سب سے پہلے پیرس میں ملک صاحب سے ملے تو انہیں فرانسیسی پر خاصہ عبور حاصل ہو چکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے سفرنامہ کے تأثرات میں لکھا:۔

---

[1] الفضل ۴ ماہ احسان / جون ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۵۔

"مَیں لنڈن سے ۳ ستمبر ۱۹۴۸ء کو روانہ ہُوا اور اسی شام پیرس میں پہنچا۔ مَیں پیرس میں چند گھنٹے ٹھہرا اور رات کو زیورک (سوئٹزرلینڈ) کے لئے روانہ ہوگیا جہاں ہمارا مشن قائم ہے۔ پیرس ریلوے سٹیشن پر برادرم ملک عطاء الرحمٰن صاحب موجود تھے۔ برادرم ملک صاحب مجھے اپنے ہمراہ اپنی جائے رہائش پر لے گئے۔ آپ کے پاس صرف دو چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں۔ دورانِ گفتگو مَیں نے ان کے کام کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ آپ اپنے وقت کا ایک منٹ بھی ضائع نہیں کرتے اور نمازِ فجر سے لے کر رات دیر تک اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ آپ نے فرانسیسی زبان پر اچھا عبور حاصل کرلیا ہے اور ابھی تک زبان کو سیکھنے اور مہارت پیدا کرنے میں کوشاں ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ فرانسیسی زبان میں لٹریچر شائع کرسکیں۔ ان کے کھانا پکانے کے انتظامات بہت سادہ ہیں اور خوراک بھی بالکل سادہ ہے۔" (ترجمہ) [1]

تبلیغ کی قانونی اور سرکاری اجازت اور پریس کانفرنس سے تبلیغی سرگرمیوں کا باضابطہ آغاز

ملکی قانون کے مطابق تبلیغِ اسلام کے لئے حکومت کی اجازت حاصل کرنا ضروری تھا جس کے لئے ملک عطاء الرحمٰن صاحب ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء سے برابر کوشش کر رہے تھے آخر ایک لمبی جدوجہد کے بعد ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے آخری عشرہ میں فرانس کی وزارتِ خارجہ نے اجازت دے دی لیکن ابھی کام شروع کرنے کے لئے پولیس کے محکمہ اعلیٰ کی اجازت و منظوری حاصل کرنے کی روک سدِ راہ تھی جو بڑی تگ و دَو، دوڑ دھوپ اور کئی مشکلات کے بعد ۲۲ ماہ احسان/جون ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو دُور ہوئی۔ ملک صاحب نے پولیس کی اجازت ملنے سے ڈیڑھ دو ماہ قبل ملک میں آئندہ تبلیغی پروگرام کا ایک قابلِ عمل ڈھانچہ بنا لیا تھا اور فرانس کو اوّل مرحلہ پر ہی تحریکِ احمدیت سے روشناس کرانے کے لئے ایک تبلیغی پریس کانفرنس کے انعقاد اور ایک پمفلٹ اور ایک ٹریکٹ کی ترتیب و اشاعت کی تیاری شروع کر دی تھی اور پریس سے رابطہ قائم کرنے کے لئے رائٹر (REUTER) اور فرانس کی ایک مقامی خبر رساں ایجنسی سے بھی تعلقات پیدا کر لئے۔ چنانچہ جُونہی منظوری کی دوسری سرکاری اطلاع پہنچی انہوں نے پریس کانفرنس کا اعلان کر دیا۔ بیس ہزار کی تعداد میں چار صفحات پر مشتمل پمفلٹ

---

[1] الفضل ۳۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صہ ۲ کالم ۳-۴۔

LE MESSIE EST VENU اور پانچ سَو[1] کی تعداد میں بارہ صفحات پر مشتمل ٹریکٹ[2] شائع کرنے کے علاوہ دعوت نامے بھی طبع کرائے جو جملہ مشہور و با اثر اخبارات کے علاوہ ملک کے دوسرے شہروں کے مستند اخبارات کو خاص اہتمام سے بھجوائے۔

پریس کانفرنس پروگرام کے مطابق ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے دَوران پیرس کے ایک بڑے ہوٹل میں منعقد ہوئی جس میں ایک درجن کے قریب اخباری نمائندے شامل ہوئے۔[3]

رائٹر کے نامہ نگار کا ایک مضمون "اِسلام کا نیا حملہ یورپ پر"

پریس کانفرنس کے چند ماہ بعد رائٹر کے نامہ نگار نے ملک عطاء الرحمٰن صاحب سے ایک خصوصی انٹرویو لیا اور ایک تفصیلی مضمون تیار کرکے اپنی عالمگیر سروس کے ذریعہ سے تمام ممالک میں بغرض اشاعت بھجوایا۔ اس مضمون کا ملخص یہ تھا کہ:-

"کبھی صرف یہی مشاہدہ میں آتا تھا کہ مغرب مشرق کی تادیب و تعلیم کے لئے مشرق کی ہر سمت پر چھا رہا ہے۔ عام علم و صنعت میں ہی نہیں بلکہ مغرب مشرق کا معلّم دین و رُوحانیت بھی بن چکا تھا لیکن اب تھوڑے عرصہ سے اس کے برخلاف مشرق اپنی دیرینہ روایات اور تعلیم کے ماتحت مغرب کو تدریسِ دین اور اسرارِ رُوحانیت سے واقف کرانے کے لئے مغربی ممالک کی طرف غیر معمولی اہتمام سے بڑھتا ہوا نظر آنے لگا ہے۔ یہ مُہم ایک وقت سے اسلام کے نام

---

[1] الفضل ۱۵ تبلیغ/فروری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صـ۵ کالم ۲۔ پمفلٹ کے پہلے صفحہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شبیہ مبارک تھی جس کے اُوپر الہام "مَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" درج تھا۔ اِسے تصویری زبان میں واضح کرنے کے لئے دُنیا کے نقشہ پر قادیان سے نُور کی شعاعیں ان ممالک تک دکھائی گئی تھیں جہاں جہاں احمدیت کی خبر پہنچ چکی ہے حضور کی شبیہ مبارک کے بعد مختصر تمہید کے ساتھ حضور کا اقوامِ عالَم کے نام صلح و آشتی اور امن و سلامتی کا پیغام دیا گیا تھا جو "الوصیت" "مسیح ہندوستان میں" اور "اسلامی اُصول کی فلاسفی" کے تین اقتباسات کی صورت میں تھا۔ آخر میں اسلامی پیغام سُننے اور مامور وقت سے وابستہ ہونے کی مؤثر اپیل کی گئی تھی (الفضل ۱۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صـ۲) اس پمفلٹ کی ایک کاپی فرانس مشن کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

[2] اس ٹریکٹ میں اختصار کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت سے متعلق انبیاء سابق کی پیشگوئیوں اور نشانات کا تذکرہ کرنے کے علاوہ خود حضور کی بعض پیشگوئیاں بھی دی گئی تھیں اور سلسلہ احمدیہ کی مختصر تاریخ بھی (الفضل ۱۶ وفا/جولائی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صـ۲)۔

[3] ان دنوں ملک صاحب کا پتہ یہ تھا 220 BOULEVARD PEREIRE ٹیلیفون نمبر ۲۱۶۵ تھا اور ٹیلیگرام کے لئے احمد آباد - پیرس (AHMADABAD, PARIS) کے الفاظ رجسٹر کرائے گئے تھے۔

پر قرآنی تعلیم کی اشاعت کے لئے مغربی ممالک بالخصوص یورپ میں شروع ہو چکی ہے۔

اسلام کا یہ حملہ یورپ پر تحریکِ احمدیت کی طرف سے شروع کیا گیا ہے۔ چنانچہ احمدیت کے مبلّغ یورپ کے بیشتر ممالک میں اپنے مراکز قائم کر چکے ہیں۔

حضرت احمد (علیہ الصلوٰة والسلام) تحریکِ احمدیت کے بانی ہیں۔ انہوں نے وفاتِ مسیح کا عقیدہ پیش کر کے اس تحقیق کا انکشاف فرمایا ہے کہ مسیح (علیہ السلام) صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے بلکہ بیہوشی کی حالت میں انہیں صلیب پر سے اُتارا گیا اور پھر وہ عراق، ایران، افغانستان سے ہوتے ہوئے تبت و ہندوستان میں آئے اور آخر سرینگر میں مقیم ہو گئے۔ چنانچہ محلہ خانیار سرینگر میں ایسی قبر بھی موجود ہے جو قبر مسیح کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت احمد (علیہ السلام) نے اپنی کتاب "مسیح ہندوستان میں" میں اس انکشاف پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بیان فرمایا ہے کہ واقعہ صلیب سے ۷۲۱ سال قبل شاہ اسور یہود کے بعض قبائل کو سمریا میں قید کر کے لے گیا تھا۔ ان میں سے ایک حصہ بالآخر ہندوستان میں آباد ہو گیا۔ حضرت احمد (علیہ السلام) نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ افغان اور کشمیر کے قدیم باشندے دراصل اسرائیلی نسل سے ہیں چنانچہ اس کی تائید میں بعض قابلِ اعتماد مبصرین کی آراء پیش کی گئی ہیں جن کی روشنی میں ان اقوام کے خدوخال و نقوش اور رسوم و عادات اس تھیوری کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض عیسائی محققین اس انکشاف میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ تحریکِ احمدیت کے موجودہ امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد (ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) ہیں۔ اسلامی تبلیغ کی عالمگیر مُہم انہی کی قیادت میں عمل میں آرہی ہے۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام حقائق اور تمام صداقتیں خدا کے آخری اور اکمل کلام قرآن پاک میں موجود ہیں اور دُنیا میں کوئی صداقت نہیں جو قرآن مجید میں موجود نہ ہو۔

یورپ پر اس حملہ کی تیاری آج سے دس سال قبل شروع کی جا چکی تھی مگر لڑائی کی وجہ سے مجوّزہ پروگرام ملتوی ہوتا چلا گیا۔ لڑائی کے معاً بعد اس غیر معمولی مُہم کے سلسلہ میں اسلام کے مبلّغ فرانس، اٹلی، سپین، سوئٹزرلینڈ اور ہالینڈ وغیرہ پہنچ گئے۔ چنانچہ اس تھوڑے عرصہ میں وہ ان ممالک میں اپنے مراکز باقاعدہ قائم کر چکے ہیں۔

(چوہدری) مشتاق احمد صاحب باجوہ امام لنڈن مسجد کی زیرِ نگرانی ایک انگریز نو مسلم برائن آرچرڈ برسٹل (انگلینڈ) جن کا اسلامی نام بشیر احمد ہے اسلامی علم پڑھ رہے ہیں انہیں اسلام کی تبلیغ کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ بشیر احمد آرچرڈ قادیان سے لنڈن اس وقت بھجوائے گئے تھے جب قادیان تقسیمِ ہند کے وقت ہندوستان میں شامل کیا گیا تھا اور اہلِ قادیان زبردستی وہاں سے نکالے جا رہے تھے۔

اس وقت تک سپین اسلامی تجدید کے لحاظ سے زیادہ زرخیز ثابت ہو رہا ہے۔ غالباً صدیوں کی موروثی حکومت کے ورثہ و ترکہ کی وجہ سے!

فرانس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اسلامی تعلیم و تبلیغ کے لئے یہ ملک دُنیا بھر میں سب سے زیادہ سنگلاخ ہے۔ فرانس میں تبلیغِ اسلام کا دُشوار ترین کام ملک عطاء الرحمٰن کے سپرد کیا گیا ہے۔ وہ آجکل پیرس میں مقیم ہیں اور حال ہی میں اپنی تبلیغی مُہم کا آغاز کر چکے ہیں۔

ملک عطاء الرحمٰن (جنہیں دیگر مسلمانوں کی طرح سگرٹ اور شراب سے مکمل پرہیز ہے) کے نزدیک فرانس خاصہ دلچسپ مُلک ہے۔ باوجود اس کے مذہبی عقائد کی سختی سے پابندی ان کے لئے فرانس کے مشہورِ عالم لذیذ کھانوں اور بے مثال شرابوں کے چکھنے میں سختی سے روک ہے۔

جماعتِ احمدیہ ابھی تک تقسیم پنجاب کو خلاف انصاف وعدل ایک ظالمانہ فیصلہ سمجھتی ہے کہ جس کے ماتحت قادیان کو ہندوستان میں شامل کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک انہیں انتہائی مظالم اور سختی کے ساتھ اپنے مقدس مرکز سے ہجرت پر مجبور کیا گیا ہے۔ پندرہ ہزار سے بیس ہزار احمدی اپنے مرکز سے ہجرت کر کے پاکستان میں منتقل ہونے پر مجبور کر دئے گئے۔ تمام مرکزی دفاتر اور تنظیم کو وقتی طور پر لاہور میں قائم کیا گیا لیکن جہاں وہ اس ظلم کے خلاف ظاہری لحاظ سے ہر طرح احتجاج کر رہے ہیں وہاں ان کے نزدیک یہ ہجرت خدائی نوشتوں کے ماتحت ہے کہ جس کی پیشگوئی حضرت احمد (علیہ السلام) کے الہامات میں پہلے سے موجود تھی اور یہی نہیں بلکہ ان کا ایمان ہے کہ جس طرح یہ ہجرت پہلے سے آسمانی نوشتوں میں موجود تھی ان کے مرکز قادیان کی واپسی کا بھی خدائی وعدوں میں وضاحت سے ذکر ہے اور وہ ایک

دن ضرور اپنے مرکز میں واپس لوٹیں گے۔"[1]

فرانس میں پہلا تبلیغی پبلک جلسہ

تبلیغی پریس کانفرنس نے فرانس میں اشاعت و تبلیغ اسلام و احمدیت کے لئے ایک خوشکن اور نمایاں حرکت سی پیدا کر دی تھی ملک صاحب نے اس سے فائدہ اٹھانے اور اپنے تبلیغی حلقہ کو مزید وسعت دینے کے لئے ۱۳ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کو وسیع پیمانہ پر ایک پبلک جلسہ کا انتظام کیا جو ملک میں اپنی نوعیت کا پہلا اور کامیاب اجتماع تھا پوسٹر، ریڈیو[2] اور پریس تینوں ذرائع سے جلسہ کا اعلان کیا گیا۔ علاوہ ازیں قریباً ایک ہزار مطبوعہ دعوت نامے بھجوائے گئے۔ مدعوئین میں پیرس کی بعض ادبی سوسائٹیوں کے ممبر اور پیرس یونیورسٹی کے پروفیسر اور بعض مستشرقین بھی تھے۔

یہ جلسہ پیرس کے ایک بڑے پبلک ہال میں پیرس یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کی صدارت میں ہوا جس میں مجاہدِ فرانس نے "جنگ اور اس کے بعد ـــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات اور پیشگوئیوں کی روشنی میں" کے موضوع پر ایک گھنٹہ تک لیکچر دیا جو توجہ، سکون اور دلچسپی سے سُنا گیا اور سامعین نے کچھ وقفہ کے بعد اس موضوع پر تقریر کرنے کی خواہش کی جلسہ میں تبلیغی ٹریکٹ اور پمفلٹ بھی تقسیم کئے گئے۔[3] اس جلسہ کے بعد ملک صاحب کو پیرس کی "فلوسافیکل سوسائٹی" کے زیرِ اہتمام "ہستی باری تعالیٰ" اور "وجود ملائکہ" کے مضمونوں پر لیکچر دینے کا موقعہ ملا۔ ان لیکچروں میں لوگوں نے پہلے سے بھی بڑھ کر دلچسپی لی اور سوالات کے ذریعہ اپنی معلومات میں اضافہ کیا۔[4]

عیسائی لیڈروں کو قبولِ اسلام کی دعوت

فرانس میں ان دنوں ۵۸ کے قریب مشنری سوسائٹیاں تھیں جن کے ہزاروں منّاد دُنیا کے اکثر ممالک میں عیسائیت کا پراپیگنڈہ کر رہے تھے۔ ان سوسائٹیوں میں سے بعض کے بڑے بڑے فرانسیسی شہروں میں

---

[1] اخبار الفضل مؤرخہ ۲ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔ [2] ملک صاحب کی ایک مطبوعہ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں پریس پر یہود کا کافی اثر و نفوذ تھا۔ اور ریڈیو پر تو وہ گویا مسلط تھے بعض دوستوں نے کہا یہ اسرائیل کسی اسلامی جلسہ کا کہاں اعلان کرنے دیں گے؟ لیکن ملک صاحب نے کوشش برابر جاری رکھی اور نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے فضل سے ریڈیو کے اسرائیلی افسر اعلان جلسہ پر رضامند ہوگئے۔ ازاں بعد جب آپ نے اپنی آٹھ تبلیغی تقاریر کا سلسلہ جاری کیا تو ان تقریروں کا اعلان بھی ریڈیو سے نشر کیا گیا جس سے یہودیت نواز عیسائی ریڈیو پر اسلام کی بالواسطہ رنگ میں تبلیغ بھی ہوگئی (الفضل ۲۷ امان/مارچ ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء)۔ [3] الفضل ۲۷ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵۔ [4] الفضل ۳۱ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۶ کالم ۳-۴، ۲۷ امان/مارچ ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۵ کالم ۲-۳۔

ایک سے زائد مراکز قائم تھے۔ ملک صاحب نے ان سوسائٹیوں اور ان کی شاخوں کو ایک مطبوعہ خط بھجوایا جس میں انہیں بتایا کہ مسیح صرف بنی اسرائیل کے نبی تھے مگر اسلام کا نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) رحمۃ للعالمین ہے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت سارے جہانوں اور زمانوں کے لئے ہے۔

سفرِ بلجیم

فرانس کے ساتھ ہی بلجیم کا مشہور ملک ہے جہاں زیادہ تر فرانسیسی رائج ہے۔ اور گو اسکے بعض حصوں میں فلیمنگ زبان بھی بولی جاتی ہے مگر شائستہ اور اعلیٰ طبقہ میں فرانسیسی کو ہی پسند کیا جاتا ہے۔ ملک عطاء الرحمٰن صاحب اس ملک تک پیغامِ احمدیت پہنچانے کے لئے ۲۶ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو پہلے اس کے دارالحکومت برسلز میں اور پھر مشہور شہر اینٹورپ میں تشریف لے گئے۔ آپ کو دونوں شہروں میں اخباری نمائندوں سے ملاقات کرنے اور پبلک مقامات پر تبلیغی ٹریکٹ تقسیم کرنے کا موقعہ ملا۔ اس ایک روزہ سفر کا یہ اثر ہوا کہ برسلز کے بعض اخبارات نے پہلی بار اسلام اور احمدیت کی نسبت عمدہ نوٹ شائع کئے۔ مثلاً اخبار "فیر ڈی مانش" (PHARE DIMANCHE) نے "یورپ پر اسلام کا حملہ" کے عنوان سے حسبِ ذیل شذرہ سپردِ اشاعت کیا:۔

"یورپ پر اسلام کا حملہ"

"کچھ دن ہوئے ایک ذہین النظر، خوش کلام اور سنجیدہ طبع صاحب ہمارے اخبار "PHARE DIMANCHE" کے دفتر میں ملنے کے لئے آئے۔ مسیح کے نمائندہ کے طور پر انہوں نے ہم سے اپنا تعارف کرایا۔

معلوم ہوا کہ ایک "مسیح" ہندوستان میں مبعوث ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے معتقدین کے سپرد یہ کام کیا ہے کہ وہ زمین کے کناروں تک ان کا پیغام پہنچائیں۔ چنانچہ مسلمان اب اس طرح عیسائیوں کو اسلام کی طرف کھینچنا چاہتے ہیں۔ قرآن کے ذریعہ نہ کہ پہلے کی طرح تلوار کے ذریعہ۔ چنانچہ یہ اپنے رنگ کا نیا اور جدید طریق ہوگا۔

مسیح کے اس نمائندہ کے بیان کے مطابق حضرت احمد (علیہ السلام) وہ "موعود مسیح" ہیں کہ جنکے متعلق مختلف انبیاء نے کتبِ سابقہ میں پیشگوئیاں فرمائی تھیں۔ چنانچہ وہ ساری پیشگوئیاں حضرت احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے وجود میں پوری ہوئیں۔ مثلاً گندمی رنگ، قدرے لکنت، کدعہ بستی میں، وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام پیشگوئیوں کے مطابق وہ ہندوؤں کے لئے کرشن ہوئے۔

زرتشتیوں کے لئے میسودربہی، عیسائیوں کے لئے مسیح اور مسلمانوں کے لئے مہدی۔

ان تمام اُمور میں کیونکر شک کیا جاسکتا ہے اور پھر اس پیشگوئی پر کیوں شک ہوگا کہ جو اس مہدی نے فرمائی ہے کہ ساری ہی دُنیا اپنے خاتمہ سے پہلے اسلام قبول کرے گی۔

اس نمائندہ کے بیان کے مطابق تحریکِ احمدیت نے دُنیا کی تمام وسعتوں میں اپنے مراکز اور جماعتیں قائم کی ہیں۔ امریکہ اور انگلستان اور فرانس میں بھی۔ ہوسکتا ہے کہ کبھی بلجیم میں بھی ان کی جماعت قائم ہو۔

چنانچہ اس کے علاوہ ہم اَور کیا کرسکتے ہیں کہ خدا ان صاحب کو اس مقصد کے لئے نیک مواقع عطا فرمائے۔ کیا تمام مذاہب اور عقائد اعزاز و اکرام کے حقدار نہیں؟" [1]

مرکز پر بوجھ ڈالے بغیر مشن جاری رکھنے کا عزم

پاک و ہند کی احمدی جماعتیں چونکہ سانحۂ ہجرت کے دَوران شدید مالی بُحران سے دوچار تھیں اِس لئے فیصلہ کیا گیا کہ فرانس مشن اور دوسرے نئے جاری شدہ احمدی مشنوں کو فی الحال بند کر دیا جائے مگر مبلّغِ فرانس ملک عطاء الرحمٰن صاحب نے دوسرے مجاہدینِ یورپ کی طرح اِس عزم کا اظہار کیا کہ وہ مرکز پر مشن کے اخراجات کا بوجھ ڈالے بغیر تبلیغِ اسلام کا کام جاری رکھیں گے۔ انہیں اس گہوارۂ الحاد و دہریّت میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ سیّدنا المصلح الموعودؓ نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی اور ۲۶۔ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے خطبۂ جمعہ میں فرمایا:۔

"فرانس میں مبلّغ بھیجے گئے مگر کامیابی کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ وہاں کے بھی مبلّغ کو جو لاہور کے ہی ہیں کہا گیا کہ تم واپس آجاؤ تو اُنہوں نے بھی کہا کہ مجھے واپس نہ بُلایا جائے مَیں یہاں اپنی کمائی سے کام کروں گا۔ انہیں وہاں چھوڑ دیا گیا اور انہیں اپنے خرچ پر کام کرنے کی اجازت دی گئی۔ اب وہاں بھی کام شروع ہوگیا ہے۔ ان کی تار آئی ہے کہ اب وہاں بھی جلسوں اور تقریروں کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ پریس اور دوسرے لوگ بھی توجہ کر رہے ہیں۔ آج ہی اطلاع ملی ہے کہ وہاں کی ایک سوسائٹی نے اقرار کیا ہے کہ اگر الہام کے متعلق مضامین لکھے جائیں تو وہ خود بھی ان کی اشاعت میں مدد کرے گی۔" [2]

---

[1] الفضل ۱۳ صلح/جنوری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء ص۳۔ یورپ میں جماعتِ احمدیہ کی تبلیغی مساعی۔
[2] الفضل ۵ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء ص۲ کالم ۱۔

اہلِ کلیسا کے غلط نظریات کی تردید کے لئے تبلیغی لیکچروں کا سلسلہ

فرانس اور دوسرے مغربی ممالک میں اہلِ کلیسا کے تعصب نے اسلام کی خوبصورت اور حسین و دلکش تصویر کو ایسے مکروہ، بھیانک اور گھناؤنے رنگ میں پیش کیا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ عوام ہی نہیں اچھے پڑھے لکھے اونچے طبقہ کے لوگ بھی اسلام کے بارے میں انتہائی غلط اور بے بنیاد نظریات رکھتے اور ان کی فخریہ اشاعت کرتے ہیں۔ اُن دنوں چونکہ افریقہ کے بعض مسلمان ممالک فرانس کے مقبوضات میں شامل تھے اِس لئے فرانسیسی عام طور پر اسلام کو بھی سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کے نزدیک اسلام معاذ اللہ صرف زن اور زر پرستوں اور جبر و تشدد کا مذہب سمجھا جاتا تھا۔

ملک صاحب چونکہ اپنے مفید لیکچروں کی وجہ سے پیرس کے علمی حلقوں میں کسی حد تک متعارف ہو چکے تھے اِس لئے اب آپ اسلام کے خلاف پھیلائے جانے والے اعتراضات کی برسرِ عام اور پبلک میں ازالہ کرنے کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے پیرس کا ایک معروف ہال کرایہ پر لے کر لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا جو قسط اوّل کے طور پر مندرجہ ذیل آٹھ عنوانات پر مشتمل تھا۔

(۱) حقیقی اسلام (۲) عیسائیت اور دیگر مذاہب (۳) اسلام میں عورت کی حیثیت
(۴) اسلام اور تعدد ازدواج (۵) اسلام اور جنگیں (۶) اسلام اور غلامی
(۷) اسلام اور صوفی ازم (۸) اسلام کے پانچ ارکان۔

اِن لیکچروں کا پوسٹروں اور پیرس ریڈیو سے بھی اعلان کیا جاتا تھا اور لوگ ہر لیکچر میں پہلے سے زیادہ ذوق و شوق سے شامل ہوتے اور فائدہ اُٹھاتے تھے۔ [1]

فرانسیسی لٹریچر کی تیاری

مغربی ممالک میں لوگ اِس درجہ مصروف رہتے ہیں کہ ان کے لئے روزمرہ کے پروگرام میں سے لیکچروں یا پرائیویٹ ملاقاتوں کے لئے وقت نکالنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ اِن حالات میں تبلیغی میدان کو وسعت دینے کے لئے لٹریچر کی افادیت بہت بڑھ جاتی ہے ملک عطاء الرحمٰن صاحب نے فرانسیسی زبان میں کچھ دسترس حاصل کر لی تو انہیں جلد سے جلد فرانسیسی لٹریچر تیار کرنے کی فکر دامنگیر ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے پہلے تو پریس کانفرنس کے موقعہ پر پمفلٹ

---

[1] الفضل ۲۷ امان/مارچ ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۳۔

اور ٹریکٹ شائع کئے اور فرانس اور بلجیم دونوں جگہ اس کی اشاعت کی۔ اس کے بعد "اسلامی اُصول کی فلاسفی" کے فرانسیسی ترجمہ پر نظر ثانی کی۔ "اسلام کا اقتصادی نظام" کا فرانسیسی ترجمہ کیا۔ علاوہ ازیں اسلام اور تحریکِ احمدیت سے متعلق تعارفی اور بُنیادی معلومات پر مشتمل دو کتابیں تالیف کیں[1]

پہلی فرانسیسی رُوح کا قبولِ اسلام

فرانس میں پہلی رُوح جسے قبولِ اسلام کی سعادت نصیب ہوئی۔ ایک تعلیم یافتہ فرانسیسی خاتون MADAME MARGAERITE DEMAGANY تھیں جو ۲۳ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کو بیعت فارم پُر کر کے داخلِ احمدیت ہوئیں اور حضرت مصلح موعودؓ نے ان کا اسلامی نام عائشہ رکھا۔ ملک صاحب جب تک فرانس میں تبلیغِ اسلام کے فرائض بجالاتے رہے یہ خاتون ان کے فرانسیسی تراجم میں ان کا ہاتھ بٹاتی رہیں[2]

مجاہدِ فرانس کی مرکز میں واپسی

ملک عطاء الرحمٰن صاحب قریباً سوا پانچ برس تک فرانس کی سنگلاخ زمین میں کلمۂ حق بلند کرنے کے بعد ۱۱ ماہ نبوّت/نومبر ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء کو واپس مرکز میں تشریف لے آئے اور ساتھ ہی یہ مشن بھی بند ہو گیا۔

تبلیغی مساعی کا فرانس پر اثر

اگرچہ ملک صاحب کی لگاتار اور اَن تھک مخلصانہ کوششوں کے باوجود فرانس میں نئے مسلمان ہونے والوں کی تعداد میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا مگر ان کو یہ کامیابی ضرور نصیب ہوئی کہ انہوں نے دہریّت اور مادہ پرستی کے مرکز میں برسوں تک نہایت استقلال اور پامردی کے ساتھ نہ صرف اسلام کا دفاع کیا بلکہ اہلِ فرانس کے علمی طبقہ کو اس کے اُصولوں کی برتری اور اس کی زندہ طاقت کا احساس دلا دیا۔ آپ کا پیغام سُن کر جہاں ایک قلیل طبقہ تو اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کے تصوّر سے لرزاں، خوفزدہ اور مبہوت ہو گیا کیونکہ اس کے نزدیک یہ بات کہ اسلام ابھی زندہ موجود ہے ایک ناقابلِ برداشت صدمہ سے کم نہ تھی وہاں وہ عنصر جو مغربی تہذیب کے گھناؤنے، حیاسوز اور شرمناک اثرات اور دوسری جنگِ عظیم کی تباہ کاریوں سے مضمحل ہو کر مایوس ہو چکا تھا۔ دعوتِ اسلام کو زندگی کے نئے پیغام سے تعبیر کرنے لگا۔ چنانچہ جیسا کہ ذکر آچکا ہے فرانس کے ایک اخبار نے اگر جماعتِ احمدیہ کی تبلیغی مُہم کو "یورپ پر اسلام کا حملہ" قرار دیا تو بلجیم کے ایک اخبار نے اسے یورپ کے لئے "زندگی کا نیا پیغام" قرار دیتے ہوئے یہ اُمید ظاہر کی کہ کاش اسلام

---

[1] الفضل ۱۵ تبلیغ/فروری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۵ ۔ [2] الفضل ۹ ظہور/اگست ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۴ ۔

ہی دُنیا میں قیامِ امن کا ذریعہ ثابت ہو کر دُنیا کی مشکلات دُور کرنے کا باعث بنے۔

ملک عطاء الرحمٰن صاحب نے ۲۹ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء کو مجلس ارشاد تعلیم الاسلام کالج کے زیرِ اہتمام ایک تقریر میں اہلِ فرانس کے اس ملے جُلے ردّ عمل پر تفصیل سے روشنی ڈالی تو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا:۔

"ملک عطاء الرحمٰن صاحب کی تقریر سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جماعتِ احمدیہ کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں آج اسلام کسمپرسی کی حالت سے نکل کر عیسائیت پر حملہ آور ہونے کے قابل ہو گیا ہے۔ آج جو مذاہب مسلمانوں کی مجرمانہ غفلت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اسلام پر حملہ آور ہو رہے ہیں وہ خود ان کے خیالی معیار پر پُورے نہیں اُترتے پس ہمیں اسلام کے خلاف صدیوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے ایسے حملہ آوروں کو بتا دینا چاہیئے کہ وہ خود کتنے پانی میں ہیں؟ جب ہم اسلام کی اصل تصویر اور ان کے اپنے مذاہب کی موجودہ ہیئت کذائی انہیں دکھانے میں کامیاب ہو جائیں گے تو وہ کھرے کھوٹے میں خود تمیز کر کے اسلام قبول کر لیں گے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم دُنیا کو اسلام کے منوّر چہرے سے رُوشناس کراتے چلے جائیں اور ساتھ ساتھ دوسرے حملہ آور مذاہب کا چہرہ بھی انہیں دکھاتے رہیں جب دونوں تصویریں بیک وقت دُنیا کے سامنے آکر ذہن نشین ہو جائیں گی تو یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا نقشہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ پس اگر آئندہ بیس۲۰ تیس۳۰ برس تک نومسلموں کی تعداد میں اضافہ نہ بھی ہو تب بھی ہمیں اسلام اور دیگر مذاہب کا اصل چہرہ دکھانے میں مصروف رہنا چاہیئے جس دن یہ کام باحسن وجوہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا اُسی دن دُنیا دیوانہ وار اسلام کی طرف دوڑ پڑے گی اور ہمیں اپنی تمام مساعی کا اچانک ثمرہ مل جائے گا۔" [1]

---

[1] الفضل ۳۰ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء صفحہ ۸۔

فصل دوم

احمدیہ مسلم سپین مشن کا احیاء اور اُس کی شاندار اسلامی خدمات

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کے دل میں سپین کے اندر از سرِ نو اسلامی حکومت قائم کرنے کی اِس درجہ تڑپ تھی کہ جب مارچ ۱۹۴۶ء میں برطانوی وزارتی مشن ہندوستانی سیاست کی گتھیاں سلجھانے کے لئے ہندوستان آیا تو حضور نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

"کیا سپین میں سے نکل جانے کی وجہ سے ہم اسے بھول گئے ہیں؟ ہم یقیناً اسے نہیں بھولے۔ ہم یقیناً ایک دفعہ پھر سپین کو لیں گے... ہماری تلواریں جس مقام پر جا کر کند ہو گئیں وہاں سے ہماری زبانوں کا حملہ شروع ہوگا اور اسلام کے خوبصورت اُصول کو پیش کر کے ہم اپنے ... بھائیوں کو خود اپنا جزو بنا لیں گے۔" [1]

اِس اعلان پر ابھی دو ماہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ مجاہدِ تحریکِ جدید مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر اور مولوی محمد اسحٰق صاحب ساقی ۳ ۱ حسان (جون) کو سپین کو محمد رسول اللہؐ کے قدموں پر لانے کا عزم کر کے لنڈن سے روانہ ہوئے اور ۱۰ ماہ احسان (جون) کو اس کے دار الحکومت میڈرڈ [3] میں پہنچ گئے۔ [2] دونوں احمدی جوان قریباً چھ ماہ سے دوسرے مجاہدین کے ساتھ لنڈن میں مقیم تھے اور نہایت بے تابی سے سپین میں داخلہ کی اجازت کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ مجاہدین میڈرڈ پہنچ کر PENS ON DIEZ ECHEGRAY نامی گلی میں مقیم ہو۔ [4]

---

[1] جیسا کہ "تاریخ احمدیت" جلد ہشتم میں آچکا ہے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے حکم سے سپین میں پہلا مشن ملک محمد شریف صاحب گجراتی نے مارچ ۱۹۳۶ء میں قائم کیا تھا جو اندرونی خانہ جنگی کے باعث بند کر دینا پڑا اور ملک صاحب سپین سے نکل کر اٹلی میں تشریف لے گئے۔

[2] الفضل ۶ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء۔ [3] MADRID اسلامی نام ماتریط یا مجریط۔

[4] الفضل ۵، ۱۷ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صہ۲۔

حضرت امیر المومنین کا نہایت اہم بیان مجاہدینِ سپین کے پہنچنے پر

سیدنا المصلح الموعود نے فرزندانِ احمدیت کے سپین میں پہنچنے کی اطلاع پر مسجد مبارک قادیان میں ایک تقریر کرتے ہوئے سپین میں مسلمانوں کے شاندار عروج اور دردناک زوال کی تاریخ پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی اور فرمایا :۔

" اسلامی تاریخ میں ایک نہایت ہی اہم واقعہ سپین پر اسلامی لشکر کا حملہ ہے جس سے یورپ میں اسلام کا قیام ہوا۔ یوں تو سارے انسان ہی خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک جیسے ہیں اور کسی جماعت یا کسی طبقہ کو کسی دوسری جماعت پر فوقیت نہیں لیکن یورپ اس اسلامی حملہ کے بعد سارے مشرق پر چھا گیا۔ گویا یہ اسلامی حملہ ایسا تھا جس نے ذوالقرنین کے بند کو توڑ دیا۔ یورپ سویا ہوا تھا اسلامی حملہ نے اُسے بیدار کر دیا۔ یورپ غافل تھا اسلامی حملہ نے اُسے ہوشیار کر دیا۔ اس نے بیدار ہوتے ہی ایشیا اور افریقہ پر قبضہ کر لیا مسلمان اگر ہمت دکھاتے اور جو چیز ان کو دی گئی تھی اسے مضبوطی سے پکڑے رکھتے اور اپنی طاقت کو کمزور ہونے سے بچاتے تو آج مسلمانوں کی یہ حالت نہ ہوتی کہ بجائے اِس کے کہ ایشیا یورپ پر قابض تھا آج یورپ ایشیا پر قابض ہے۔ اور بجائے اِس کے کہ اسلام کے غلبہ اور شوکت کی وجہ سے یورپ میں عیسائیت کا نام و نشان نہ ملتا آج عیسائیت ایشیا میں اسلام کو کمزور کر رہی ہے۔ ...

اس ملک میں آج تک مسلمانوں کے بنائے ہوئے عالی شان محلات موجود ہیں۔ غرناطہ اور قرطبہ میں اِس اِس قسم کے محلات تھے کہ تاج محل ان کے مقابل پر کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ انسان جب ان کے کھنڈرات کی تصویروں کو دیکھتا ہے تو عش عش کر اُٹھتا ہے۔ غرناطہ میں ہزاروں باغات تھے مسلمانوں کے وقت میں جگہ جگہ لائبریریاں تھیں بعض کتب میں لکھا ہے کہ چھ سات سَو کے قریب وہاں لائبریریاں تھیں اور بعض لائبریریوں میں لاکھ لاکھ ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ کتابیں تھیں۔ سارا یورپ وہاں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتا تھا جس طرح آج لوگ برلن اور انگلینڈ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں یہی حال اُس وقت قرطبہ[1] اور غرناطہ[2] کا تھا۔ اور فرانس کی یونیورسٹیوں میں اٹھارھویں صدی تک وہاں کی لکھی ہوئی کتابیں

---

[1] CORDOVA + [2] OGARANADA +

پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ جس مُلک میں مسلمانوں نے اِس شان سے حکومت کی آج وہاں کوئی ایک مسلمان بھی نہیں ملتا۔ کوئی غیر ملک سے وہاں تعلیم کے سِلسلہ میں یا اَور کسی کام کے لئے گیا ہو تو اَور بات ہے لیکن اس ملک کا کوئی باشندہ مسلمان نظر نہیں آئے گا۔ وہ لوگ جنہوں نے سینکڑوں سال تک سپین پر حکومت کی وہ آج سپین کے زیرِنگیں ہیں اور وہ لوگ جو سپین کے بادشاہ تھے آج سپین کے غلام ہیں۔ یہ واقعات ایسے اہم ہیں جن کو کسی وقت بھی بُھلایا نہیں جاسکتا۔ آٹھ سَو سال کی حکومت کوئی معمولی بات نہیں لیکن آج اس مُلک کی یہ حالت ہے اس میں کسی مسلمان کی ہوا تک سُونگھنے کو نہیں ملتی۔ اندلس میں مسلمانوں کو جو شان و شوکت حاصل تھی اور پھر اس کے بعد جو سلوک وہاں کے مسلمانوں سے کیا گیا اسی طرح صقلیہ میں مسلمانوں کا جو رُعب و دبدبہ تھا اور اس کے بعد جس طرح انہیں وہاں سے نکالا گیا جب مَیں نے یہ حالات تاریخوں میں پڑھے تو مَیں نے عزم کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی تو مَیں ان علاقوں میں احمدیت کی اشاعت کے لئے اپنے مبلّغین بھجواؤں گا جو اسلام کو دوبارہ ان علاقوں میں غالب کریں اور اسلام کا جھنڈا دوبارہ اس ملک میں گاڑ دیں۔

پہلے مَیں نے ملک محمد شریف صاحب کو اس ملک میں بھیجا لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہاں اندرونی جنگ شروع ہوگئی اور سپین کے انگریزی قنصل نے ان سے کہا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں، پھر مَیں نے ان کو اٹلی بھیج دیا مگر اَب جو وفود گئے ہیں ان میں مَیں نے سپین کو بھی مدِّنظر رکھا ہے اور اب خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے مبلّغ سپین کے دارالسلطنت میڈرڈ میں پہنچ گئے ہیں جیسا کہ اخبار میں شائع ہو چکا ہے۔ دو آدمی اتنے بڑے علاقہ کے لئے کافی نہیں ہوسکتے اور ہمیں اس کے لئے مزید کوشش جاری رکھنی ہوگی مگر سرِدست ہم ان دو کو ہی ہزاروں کا قائمقام سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے لئے کثرت سے اہم مقامات پر نئے تبلیغی رستے کُھل رہے ہیں اور وہاں سے پیاسی رُوحیں پکار رہی ہیں کہ ہماری سیرابی کا کوئی انتظام کیا جائے لیکن ہمارے پاس نہ اتنی تعداد میں آدمی ہیں کہ ہم ہر آواز پر ایک وفد بھیج دیں اور نہ ہی وفود بھیجنے کے لئے اخراجات ہیں۔ ایسے حالات میں ایک مومن کا خُون کھولنے لگتا ہے، خصوصاً

سپین اور صقلیہ کے واقعات کو پڑھ کر تو اس کا خون گرمی کی حد سے نکل کر اُبلنے کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ جہاں ہمارے آباء واجداد نے سینکڑوں سالوں تک حکومتیں کیں اور وہ ان ممالک کے بادشاہ رہے وہاں مسلمانوں سے یہ سلوک کیا گیا کہ ان کو جبراً عیسائی بنا لیا گیا اور آج وہاں اسلام کا نام لینے والا بھی کوئی نہیں۔ پھر یہ علاقے اِس لحاظ سے بھی خصوصیت رکھتے ہیں کہ وہاں سے تمام یورپین ملکوں میں تبلیغ کے رستے کھلتے ہیں پس اِس فریضہ کو سرانجام دینے کے لئے ضرورت ہے اخلاص کی، ضرورت ہے متواتر قربانی کی، ضرورت ہے بلند عزائم کی۔" [1]

سپین میں تبلیغی مشکلات

مجاہدینِ سپین کو فرانس کے احمدی مبلغین کی طرح اوّل قدم پر ہی شدید تبلیغی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغربی ممالک میں مدتوں سے جو رَو چل رہی تھی اس کی ابتداء مسلمانوں کے مکمل اخراج کے بعد سپین ہی سے ہوئی تھی اور یہ ملک صدیوں سے نہایت متعصب اور ظالم و متشدد کیتھولک چرچ (CATHOLIC CHURCH) کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا ہُوا تھا جہاں کیتھولک فرقہ کے سوا کسی دوسرے مذہب بلکہ عیسائی فرقہ پروٹسٹنٹ (PROTESTANT) تک کو اپنے مخصوص نظریات پھیلانے کی اجازت نہ تھی۔

ملکی آئین کے مطابق دوسرے مذاہب والے اگرچہ حکّام کو اطلاع دے کر اپنے مکان کے اندر عبادت تو کر سکتے تھے مگر باہر اپنا بورڈ وغیرہ آویزاں نہیں کر سکتے تھے۔

۱۹۴۵ء میں جرمنی کی شکست کے بعد جب بین الاقوامی سیاست نے پلٹا کھایا تو اس ملک کی خارجہ پالیسی میں بھی کسی قدر لچک پیدا ہوگئی اور اس نے اسلام کے نام سے انتہائی نفرت کے باوجود شام، شرق الاردن، سعودی عرب اور ترکی وغیرہ مسلم ممالک سے سفارتی تعلقات قائم کرلئے اِس طرح خدا کے فضل وکرم سے اگرچہ مبلغینِ احمدیت کو بھی سپین میں داخلہ کی اجازت مِل گئی مگر خفیہ پولیس مشن کی خاص نگرانی پر متعین کر دی گئی۔ [2]

مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر نے ESCULA NACIONAL DE IDIOMAS میں داخلہ لیا اور چھ ماہ میں اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کے قابل ہوگئے۔ زبان سیکھنے کے ساتھ ساتھ ایک رُوسی ترجمان SR ENVIQUE KUZINIW کی خدمات حاصل کرلیں اور پرائیویٹ ملاقاتوں میں اسلام

---

[1] الفضل ۱۷ وفا / جولائی ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۲، ۵۔ [2] الفضل ۱۹ فتح / دسمبر ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۵۔

کی آواز بلند کرنا شروع کر دی اور نہایت حکیمانہ انداز سے عیسائی عقائد کی حقیقت واضح کرنے کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کے زندہ صلیب سے اُترنے اور کشمیر میں چلے آنے کا تذکرہ کرنے لگے۔ سپین میں عیسائیت کے خلاف یہ پہلا علمی محاذ تھا جس کا ہسپانوی عیسائیوں سے کوئی معقول جواب نہ بن پڑتا تھا جس پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس پر رکیک حملے شروع کر دیتے تھے۔ دوسرے مغربی ممالک کی طرح یہاں بھی یہ اعتراض عام طور پر بڑی شدّ و مد سے کیا جاتا تھا کہ اسلام کی اشاعت تلوار سے ہوئی مبلغینِ اسلام نے اِس خطرناک غلط فہمی کے ازالہ کی طرف بھی خاص توجہ دینا شروع کر دی۔

مجاہدینِ سپین کی طرف سے جو سب سے پہلی رپورٹ مرکز میں پہنچی وہ ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء کی تھی جس میں مندرجہ بالا ابتدائی سرگرمیوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا تھا کہ:۔

"یہاں کے لوگ دوسرے لوگوں اور دوسری اقوام کی نسبت سخت بُغض اور تعصّب رکھتے ہیں۔ یہاں کے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا ملک تمام ممالک سے بہر حال عمدہ اور بہتر ہے اور دیگر تمام ممالک کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ خصوصاً مسلمانوں سے ایسا بُغض ہے کہ انہیں دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے جس کا سب سے بڑا سبب یہاں کے پادریوں کی فتنہ پردازی ہے۔ رعایا کی ضمیر پر پادریوں کا قبضہ ہے۔ کوئی شخص اپنی مرضی کے مطابق کچھ نہیں کر سکتا حتّٰی کہ دفتر میں کام کرنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ چرچ سے کیتھولک ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا جائے"۔[1]

رُوسی ترجمان کا قبولِ اسلام

ہسپانیہ میں احمدیہ مسلم مشن کا پہلا ثمر ان کے رُوسی ترجمان کا قبولِ اسلام تھا جو ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء کے وسط آخر میں حضرت مصلح موعود کے اعجازِ قبولیتِ دعا کے نتیجہ میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوا۔[2]

---

[1] الفضل ۱۵ ظہور/اگست ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء صـ۲۔

[2] مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر کی رپورٹ میں اس خوش قسمت جوان کا ذکر بایں الفاظ ملتا ہے:۔

" یہ سعید نوجوان ملک رُوس کا اصل باشندہ ہے اس کا باپ زار کے زمانہ میں جنرل سٹاف میں کمانڈنٹ کے عہدہ پر مامور تھا۔ یہ نوجوان خارکوف میں پیدا ہوا۔ انقلابِ رُوس کے بعد اس کے باپ

(باقی اگلے صفحہ میں)

دو ہسپانوی باشندوں کا قبولِ اسلام

۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء میں اسلام نے اس ملک کے اصل باشندوں پر براہِ راست نفوذ و اثر پیدا کرنا شروع کر دیا چنانچہ اس سال کے وسط میں دو ہسپانوی جوانوں پر بھی (جن میں سے ایک کا نام مسٹر میگل[1] اور دوسرے کا مسٹر فلپی ارویو مینکرڈس[2] تھا) صداقتِ اسلام منکشف ہو گئی اور وہ بیعت کر کے داخلِ احمدیت ہو گئے۔ حضرت مصلح موعود نے ان کا اسلامی نام بالترتیب اجمل احمد اور فلاح الدین تجویز فرمایا[3]

مسٹر فلپی ارویو نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں جو مکتوب لکھا وہ چونکہ اِس لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے احمدیہ مسلم سپین مشن کے ابتدائی حالات اور ہسپانیہ کے سب سے پہلے نومسلموں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ؎ کو رُوس سے بھاگ کر جان بچانی پڑی اور استھونیا میں چلے گئے جو آزاد ریاست تھی۔ پھر جلد ہی وہاں سے جنوبی امریکہ آ گئے اور اس نوجوان نے ارجنٹائن میں تعلیم حاصل کی۔ اور وہاں چونکہ ہسپانوی زبان بولی جاتی ہے اور انگریزی بھی۔ اس لئے دونوں زبانیں وہاں سیکھیں ۱۹۳۶ء میں استھونیا واپس آیا کیونکہ اس کو اس ملک کے حقوقِ شہریت حاصل تھے۔ استھونیا میں جب رُوس کا قبضہ جرمنی سے معاہدہ ہو جانے پر ہو گیا تو اس کا وہاں ٹھہرنا ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ سپینش زبان جاننے کی وجہ سے سپینش محکمہ اطلاعات میں جرمنی میں ملازم ہو گیا۔ بعد میں ایک کرنیل کی مدد سے ۱۹۴۴ء میں سپین آ گیا ہم جس روز لنڈن سے روانہ ہوئے تو وکٹوریہ سٹیشن پر خاکسار نے نہایت الحاح سے دعا کی کہ اے مولا کریم اپنے گناہوں اور کمزوریوں کا مجھے اعتراف ہے مگر ان کو نظر انداز کرتے ہوئے سیدنا حضرت المصلح الموعود کی قوتِ قدسیہ کے طفیل ہی ایسا نشان دکھلا کہ يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِنَ السَّمَآءِ کا نشان پُورا ہو۔ چنانچہ تھامس کک ایجنسی سے اس نوجوان کو ہمارے ساتھ کر دیا کہ ہمیں کوئی نہایت سستی سی رہائش کی جگہ تلاش کر دے۔ یہ ملک بیکاری کے لحاظ سے بالکل ہندوستان کے مشابہ ہے۔ باوجود اس کے کہ نوجوان ہر لحاظ سے قابل ہے۔ ٹائپ، شارٹ ہینڈ اور اس کے علاوہ پانچ چھ زبانیں جانتا ہے لیکن عرصہ سے باوجود انتہائی کوشش کے بیکار تھا اور اسے اسی روز ہی ملازمت اس ایجنسی میں بطور ترجمان ملی تھی اور اس کا پہلا کام ہمارے ساتھ ہی شروع ہوا۔ یہ بعض مشکلات میں تھا۔ جس ہمدردی اور حُسنِ سلوک سے بوجہ اجنبی ہونے کے یہ ہمارے ساتھ پیش آیا اس سے متأثر ہو کر خاکسار نے فوراً حضرت اقدس المصلح الموعود اطال اللہ بقاءہٗ و اطلع شموس طالعہ کی خدمت میں خصوصیت سے دردمندانہ طور پر دعا کے لئے درخواست کی۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی مشکلات دُور ہو گئیں اور حضور کی دعاؤں کی قبولیت کو دیکھ کر اس نے اسلام قبول کر لیا، الحمد للہ علیٰ ذالک۔" (الفضل ۲۰ تبوک / ستمبر ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۳)۔

حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا:- [1] SR MIGUEL MIRANDA۔
[2] SR JESUS FELIPE ARROYO۔ [3] الفضل ۳ وفا / جولائی ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۵۔

کے کوائف پر روشنی پڑتی ہے اِس لئے اس کا اُردو ترجمہ فائدہ سے خالی نہیں۔ اُنہوں نے لکھا۔

"میرے پیارے آقا۔ سنٹرل لینگوئیج سکول میں ساقی صاحب اور ظفر صاحب سے جہاں وہ سپینش اور خاکسار انگریزی اور فرانسیسی سیکھ رہے ہیں، واقفیت ہوئی۔ اس دوستانہ تعارف کے بعد مجھے ان سے گفتگو کرنے کی خواہش پیدا ہوئی جو کہ بہت آسانی سے پُوری بھی ہو گئی۔ انہوں نے دوسرے روز ہی مجھ سے میرا نام دریافت کیا۔ جواباً میں نے اپنا نام بتایا۔ پھر دَورانِ گفتگو ساقی صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی اور موت کے بارے میں گفتگو شروع کر دی لیکن تنگیٔ وقت اور کلاس کا وقت ہونے کی وجہ سے سلسلہ گفتگو ختم نہ ہو سکا۔ مزید گفتگو کے لئے مجھے اُنہوں نے اپنے مکان پر دعوت دی میں مکان پر گیا اور مذہبی گفتگو ہوئی۔ مذہبی گفتگو کا سلسلہ کئی روز بلکہ مہینوں جاری رہا اور اِس اثناء میں میں نے "ٹیچنگز آف اسلام" اور "مسیح ہندوستان میں" کا بھی مطالعہ کیا۔ پہلے پہل تو میں اسلام سے بہت متنفر تھا کیونکہ میرے رگ و ریشہ میں کیتھولک مذہب سمایا ہُوا تھا لیکن روزانہ کی بحث و گفتگو نے آخر مجھ پر اسلام کی صداقت منکشف کر دی۔

میں بے انتہا شکر گزار ہوں اُس خدا کا جس نے مجھے اسلام کی تعلیم سے واقفیت کی توفیق بخشی اور جس نے حضور کو دُنیا کے مختلف اطراف میں مبلّغین بھجوانے کی توفیق عطا فرمائی خصوصیت سے سرزمینِ سپین میں جہاں اسلام نے کئی صدیوں تک حکومت کی۔

میں نے شرائطِ بیعت پڑھ لئے ہیں اور میں اقرار کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی مدد سے زندگی بھر ان پر عمل کروں گا اور آپ کے تمام حکموں کو بجا لاؤں گا۔ آخر میں حضور کی خدمت میں نہایت انکسار سے درخواست کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ مجھے ہر حالت میں ان پر عمل کرنے کی اور فرمانبرداری کی توفیق بخشے اور دن بدن ایمان میں زیادہ سے زیادہ ترقی کروں اور میرا ہر دن اطاعت و فرمانبرداری میں بسر ہو اور خدا تعالیٰ مجھے نُورِ رُوحانیت عطا فرماوے جس کے ذریعہ اَور لوگوں کو منوّر کر سکوں جو ابھی تک ایمان نہیں لائے۔

حضور کا فرمانبردار خادم فیلی اردیو مینکرڈس " [1]

[1] الفضل ۲۰ وفا/جولائی ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۴

لیکچر "اسلام کا اقتصادی نظام" کے ہسپانوی ترجمہ کی اشاعت

یہ مشن ابھی ابتدائی مراحل میں تھا کہ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء میں مبلّغین کا خرچ ختم ہو گیا اور مرکز کو اسے بند کر دینے کا فیصلہ کرنا پڑا[1]۔ مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر نے تبلیغِ اسلام کا جھنڈا سرنگوں ہونا کسی طرح گوارا نہ کیا اور اخراجاتِ مشن چلانے کے لئے عطر فروخت کرنے کا کام شروع کر دیا[2]۔ میڈرڈ کارپوریشن کی طرف سے پھیری والوں کو مال بیچنے کی ممانعت تھی جس کی وجہ سے بڑی مشکلات پیش آئیں مگر انہوں نے اپنا کام جاری رکھا جو عملاً سپین میں ایک چلتا پھرتا تبلیغی ادارہ تھا جس کو حکومت کے سپاہی مشتبہ نظروں سے دیکھتے تھے بلکہ ایک بار جب آپ خوانچہ لگائے عطریات فروخت کر رہے تھے خفیہ پولیس کے پانچ آدمی آپ کو گرفتار کر کے لے گئے اور چار گھنٹہ تک زیرِ حراست رکھا[3]۔

ہسپانوی زبان میں کوئی اسلامی لٹریچر موجود نہیں تھا اس خلاء کو جلد سے جلد پُر کئے بغیر تبلیغی مساعی

---

[1] چوہدری محمد اسحٰق صاحب ساقی ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء میں سپین سے پاکستان بلوا لئے گئے۔

[2] مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر تحریر فرماتے ہیں:۔

"برصغیر ہند و پاکستان کی تقسیم کے وقت جب فسادات کی وجہ سے جماعت کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور قادیان سے ہجرت کر کے پاکستان جانا پڑا تو مالی تنگی کی وجہ سے سیدنا حضرت المصلح الموعود نے یورپ کے بعض مشنوں کو بند کرنے کا فیصلہ فرمایا اُن میں سپین کا مشن بھی تھا۔ خاکسار نے حضور پُرنور کی خدمت مبارک میں عرض کیا کہ مشن نہ بند کریں، خاکسار خود اخراجات پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ لنڈن میں جو عطر کا کام سیکھا تھا کام آیا۔ عطر کی شیشیاں بھر کر بعض دوستوں کے ذریعہ فروخت کرنے کی کوشش کی مگر آمد بہت قلیل ہوتی تھی۔ میڈرڈ یونیورسٹی کے ایک انگریز پروفیسر SR MORRIS سے تعارف تھا۔ ان کی اہلیہ ہسپانوی خاتون تھیں انہوں نے تحریک کی کہ RASTRO سنڈے مارکیٹ کیوں نہیں جاتے؟ چنانچہ ایک ہسپانوی دوست کے ساتھ سنڈے مارکیٹ جانا شروع کر دیا۔ خدا کے فضل سے ہر اتوار کو تین چار پونڈ بکری ہو جاتی تھی۔ اسی طرح ایک واقف فیملی نے رائے دی کہ آپ انٹرنیشنل انڈسٹری نمائش ZARAGOZA جائیں چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۸ء میں وہاں گیا، الحمد للہ وہاں اچھی بکری ہوئی۔ ۱۹۴۹ء میں اشبیلیہ بھی گیا۔ ماہ مئی ۱۹۴۹ء میں VALENCIA کی صنعتی نمائش میں بھی شامل ہوا اور اس سال BARCELONA کی صنعتی نمائش میں بھی حصہ لیا اور کچھ رقم بھی جمع کر لی۔" (اقتباس از مکتوب محررہ ۱۴ احسان/جون ۱۳۴۰ھش/۱۹۶۱ء بنام مؤلف "تاریخ احمدیت")۔

[3] الفضل یکم تبوک/ستمبر ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء صفحہ ۵۔

مُلک پر کوئی نتیجہ خیز اثر نہیں ڈال سکتی تھیں۔ مبلغ اسلام مولوی کرم الٰہی صاحب ظفرؔ نے اس شدید کمی کو محسوس کرتے ہوئے پہلے ہی سال حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کے مشہور لیکچر "اسلام کا اقتصادی نظام" کا ہسپانوی ترجمہ مکمل کیا اور اس کی اشاعت کے لئے وزارتِ تعلیم میں درخواست کر دی اور ساتھ ہی ماہِ وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں اس کتاب کا انگریزی ایڈیشن محکمہ سنسرشپ میں پیش کر دیا۔ خیال تھا کہ چونکہ سپین کی حکومت دن رات کمیونزم کے خلاف پراپیگنڈا کر رہی ہے اس لئے اِس کتاب کی اشاعت کی ضرور اجازت مِل جائے گی خصوصاً اس لئے کہ اِس میں دوسرے مذاہب کے خلاف ایک لفظ تک بھی موجود نہیں اور خالص مثبت انداز میں اسلام کے معاشی نظریات کی ترجمانی کی گئی تھی مگر اِس معاملہ نے بہت طُول کھینچا۔ ہُوا یہ کہ چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفرؔ نے کتاب کے دیباچہ میں لکھا تھا کہ کمیونزم کا علاج صرف اسلام ہے۔ سنسر والوں نے اصرار کیا کہ اس فقرہ سے اسلام کا لفظ کاٹ دیا جائے۔ اِس پر مولوی صاحب موصوف نے بعض ذمّہ دار افسروں سے ملاقات کی اور بار بار درخواستیں دیں کہ عیسائیت کا ذکر کئے بغیر اسلامی تعلیم پیش کی گئی ہے۔ آخر خدا خدا کر کے خط و کتابت کے بعد یہ معاملہ وزارتِ تعلیم تک پہنچا اور کتاب کے اس فقرہ میں کسی قدر ترمیم کے بعد کتاب شائع کرنے کی اجازت مِل گئی۔[1] پریس نے ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں اسے چھاپنا شروع کیا اور ۲۳ ماہ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو اس کا پہلا نمونہ تیار کر کے دیا۔ اخبار الفضل سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا تین ہزار نسخہ شائع کیا گیا اور اس پر پانچ سو پونڈ سے بھی زیادہ لاگت آئی جو اصل تخمینہ سے قریباً ایک تہائی حصہ زیادہ تھی۔[2]

---

[1] ان دنوں پروفیسر SR D.JUAN BENEYTO PEREZ محکمہ سنسرشپ کے انچارج تھے جو پریس کے ڈائریکٹر جنرل بھی رہے اور آج کل سپین کی پریس کونسل کے صدر ہیں۔ چونکہ سنسرشپ نے بہت سی تبدیلیوں کا مطالبہ کیا تھا اِس لئے پروفیسر صاحب مذکور نے مولوی کرم الٰہی صاحب ظفرؔ کو بُلا کر کہا کہ خواہ خفیف سی ہو کوئی تبدیلی بہرحال کر دیں۔ چنانچہ دیباچہ میں جہاں یہ لکھا تھا کہ "اسلام جو سب سے زیادہ سچّا اور مکمّل مذہب ہے" مولوی صاحب نے "اسلام" کے بعد "جو میرے نزدیک" کے الفاظ کا اضافہ کر دیا جس پر کتاب شائع کرنے کی اجازت مِل گئی۔ اِس سلسلہ میں SR. CERDERA ڈائریکٹر جنرل پراپیگنڈا اور PEDRO EXEMO. S.R. ROCAMORA (حال جج سپریم کورٹ سپین و ممبر رائل مارل اور پولیٹیکل سائنس اکیڈیمی کے ممبر) نے گرانقدر امداد دی۔ یہ کتاب AFRO DICIO AGUADO پریس میں چھپی۔

[2] سپین مشن کی ایک رپورٹ کے مطابق اس کتاب (مع ترجمہ) کی قیمت کے قریباً چار سو پونڈ اخراجات ہوئے تھے

نتیجۃً آپ زیر بار ہو گئے۔ اسی دوران آپ کو ماہِ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ھش/ ۱۹۴۷ء میں صوبہ اراگون کے قدیم ترین شہر مشارا گوتا کی قومی صنعتی نمائش میں پھیری لگا کر عطر بیچنے کی اجازت مِل گئی جس سے خدا تعالیٰ کے فضل سے اتنی آمد ہوئی کہ سب قرضہ بے باق ہو گیا۔[1]

کتاب کی مقبولیت مُلک میں تبلیغی ٹریکٹوں کی اشاعت اور پبلک اجتماعات کے انعقاد میں بھاری رُکاوٹیں تھیں مگر اس کتاب کی اشاعت نے سپین میں تبلیغ کی ایک نئی اور وسیع راہ کھول دی۔ ایک فوری اثر یہ بھی ہوُا کہ سپین کے بعض متعصب عیسائیوں نے بھی یہ برملا اقرار کرنا شروع کر دیا کہ اسلام کا اقتصادی نظام ہی دُنیا کے دُکھوں دردوں کا بہترین اور کامیاب علاج ہے۔

کتاب کے متعلق بہت سے خطوط موصول ہوئے جن میں سرکردہ علمی و سیاسی طبقہ کے افراد نے نہایت اعلیٰ تأثرات کا اظہار کیا تھا چنانچہ سپریم ٹربیونل کے پریذیڈنٹ SY. D. JOSE CASTAN نے کتاب پڑھ کر حسبِ ذیل مکتوب لکھا :-

" میڈرڈ ۲۴ اپریل ۱۹۵۰ء

امیر کرم الٰہی ظفر

نہایت مکرم و محترم

مَیں آپ کے نوازش نامہ کا بہت شکر گزار ہوں۔ اس کے ساتھ ایک بہترین کتاب ہے جس کے مطالعہ نے میری طبیعت پر نہایت شاندار اور اعلیٰ تأثرات پیدا کئے ہیں۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ (اللہ تعالیٰ) آپ کو اِس ملک (سپین) میں اور اس کے باہر بھاری کامیابی عطا کرے گا۔ کتاب حالاتِ حاضرہ کے متعلق نہایت دلچسپ ہے۔

آپ کا نیاز مند

(دستخط) " (ترجمہ)

سپین کے عوامی اور خصوصی حلقوں کے علاوہ مُلکی پریس نے بھی کتاب پر بہت عُمدہ تبصرے شائع کئے[2] جن میں اِس کتاب کی بیان کردہ تعلیمات کی برتری کا اقرار کیا۔

---

[1] الفضل ۱۹ فتح ۱۳۲۶ ہش صفحہ ۵

[2] بطور نمونہ میڈرڈ کے مشہور اور ضخیم رسالہ " انسٹی ٹیوٹ آف پولیٹیکل سائنس " کا مفصّل ریویو " تاریخ احمدیت " جلد دہم صفحہ ۴۶۹، ۴۷۰ پر نقل کیا جا چکا ہے ؏

مختصر یہ کہ حضور کی اِس بلند پایہ تصنیف کی وجہ سے بفضلہ تعالیٰ تبلیغ اسلام کے کام میں بہت وسعت پیدا ہوگئی اور سنجیدہ طبقہ میں اسلامی تعلیمات کی برتری کے احساس کو پیدا کرنے میں بھاری مدد ملی۔[1]

حضرت مصلح موعود کا اظہارِ خوشنودی

حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود نے سپین مشن کے انچارج مبلغ مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر کی تبلیغی کوششوں پر (۲۶ ماہِ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے) خطبہ جمعہ میں اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا:-

"ہسپانیہ کے مبلغ نے بہت اچھا نمونہ دکھایا ہے۔ جب سلسلہ کی مشکلات بڑھیں اور اُن نقصانات کے بعد جو مشرقی پنجاب میں ہوئے ہم مجبور ہوگئے کہ وہاں سے مشن ہٹالیں اور اسے بتایا گیا تو اس نے لکھا کہ مجھے واپس نہ بُلایا جائے بلکہ مجھے اجازت دی جائے کہ مَیں اپنے گذارہ سے یہاں کام کروں۔ چنانچہ اس نے پھیری کا کام کرکے گذارہ کیا اور نہ صرف گذارہ کیا بلکہ اس نے ایک کافی رقم جمع کرکے میرے لیکچر "اسلام کا اقتصادی نظام" کا ترجمہ کرکے شائع کیا۔ دو اڑھائی ہزار روپیہ کے قریب اس پر خرچ آیا اور اب وہ اِس فکر میں ہے کہ وہ اِس کام کو وسیع کرے۔"[2]

حضرت مصلح موعود کا مکتوب گرامی بارسلونہ کی ایک ہسپانوی خاتون کے جواب میں

ایک خاتون نے جو "اسلام کا اقتصادی نظام" سے بہت متأثر تھی، حضرت سیدنا المصلح الموعود کی خدمت میں ہسپانوی زبان میں ایک خط لکھا جس کے جواب میں حضور نے تحریر فرمایا:-

---

[1] ایک عرصہ سے سی آئی ڈی نے مبلغِ اسلام کی نگرانی ترک کر دی تھی مگر کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" کے منظرِ عام پر آنے کے بعد اس کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا۔ چنانچہ ایک بار خفیہ پولیس کا ایک آدمی کیتھولک چرچ کی رپورٹوں کی بناء پر آپ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ کیا تم نے کوئی کتاب شائع کی ہے؟ اس کے بعد سنسرشپ کا اجازت نامہ دیکھنے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے اسے نہایت وضاحت سے بتایا کہ جب بندہ اسلام کا مبلغ ہے تو میرا کام اسلام کی تبلیغ کرنا ہے آپ لوگوں کو اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ بندہ ہرگز ہرگز ملک کے سیاسی معاملات میں دخل نہیں دیتا۔ میرا سپین میں پانچ سالہ قیام اِس بات پر شاہد ہے۔" (الفضل ۲۲ صلح/جنوری ۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء صفحہ ۷ کالم ۱-۲)

[2] الفضل ۵ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴

"ہسپانیہ ایک ایسا ملک ہے جس نے اسلام کی ایک دفعہ پہلے بھی روشنی دیکھی تھی لیکن اُس وقت اس کی روشنی جنگ کے ذریعہ ظاہر ہوئی تھی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ آخر میں مشتبہ ہوگئی۔ اَب وہ روشنی محبت، اور صلح کے پیغام کے ذریعہ ظاہر ہوئی ہے اِس وجہ سے وہ دائمی ہوگی اور کبھی نہ بُجھے گی اور کبھی وہاں سے نکالی نہ جائے گی۔" [1]

اِسلامی اُصول کی فلاسفی کے ہسپانوی ترجمہ کی اشاعت

کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" شائع ہوچکی تو مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی معرکۃ الآراء اور حقائق و معارف سے پُر اور قرآنی علوم سے لبریز کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی" کا بھی ہسپانوی ترجمہ شائع کریں۔

لیکن اِس کتاب کی اشاعت ایک زبردست معرکہ تھا۔ سب سے دُشوار اور حل طلب مسئلہ اجازت کا تھا۔ محکمہ سنسر شپ کے انچارج پروفیسر BENEYTO نے جو "اسلام کا اقتصادی نظام" کی اجازت میں ممد و معاون تھے اپنی ذاتی ذمہ داری پر اِس کتاب کی بھی اجازت دے دی اور ساتھ ہی تاکید کر دی کہ جلد طبع کر کے شائع کر دو تا کوئی روک نہ پڑ جائے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے ۱۹۵۰ء (۱۳۲۹ھش) میں یہ کتاب بھی اُسی مطبع (AFRO DICIO AGUADO) کو دے دی جہاں پہلی کتاب طبع ہوئی تھی۔ کتاب پانچ ہزار کی تعداد میں چھپ کر تیار ہو چکی تھی اور سرورق لگ رہا تھا کہ سپین حکومت کے وزیرِ تعلیم [2] نے ایک خاص آرڈر کے ذریعہ مطبع والوں کو حکم جاری کر دیا کہ کتاب کی اشاعت روک دی جائے اور اس کی تقسیم شُدہ کاپیاں ضبط کر لی جائیں۔ اِس پر مولوی صاحب نے وزیرِ تعلیم سے ملنے کی کوشش کی، خطوط پر خطوط لکھے، تار دیئے، مختلف شخصیتوں سے بار بار ملاقاتیں کیں۔ چوھدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے بھی (جو اُن دنوں حکومتِ پاکستان کے وزیرِ خارجہ تھے) ہسپانوی سفراء پر کتاب پر سے پابندی اُٹھا لینے کے لئے زور دیا لیکن وزارتِ تعلیم نے جواب تک دینا گوارا نہ کیا۔

آخر سپین کی وزارتِ خارجہ نے ایک روز مولوی صاحب موصوف کو بُلا کر کہا کہ اگر آپ اِس کتاب میں سے بعض عبارتیں حذف کرنے کو تیار ہوں تو ہم اسے شائع کرنے کی اجازت دے دیں گے۔ مولوی

---

[1] الفضل ۱۲ / صلح / جنوری ۱۳۳۱ھش / ۱۹۵۲ء صفحہ ۴۔

[2] نام SR JOSE ILEANOZ MARTIN (یہ صاحب اب فوت ہو چکے ہیں)۔

صاحب نے کہا کہ آپ ایک ایسی بات کا مطالبہ کر رہے ہیں جسے دُنیا کا کوئی بھی انصاف پسند اور عقلمند انسان تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ یہ خالص ایک مذہبی کتاب ہے اور اس کے مصنّف ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے فرستادہ تھے۔ ان کی کتاب میں تبدیلی کا کسی کو حق نہیں پہنچتا۔

علاوہ ازیں ماہِ تبوک/ستمبر ۱۳۳۰ھش/۱۹۵۱ء میں لنڈن کے پاکستان آفس نے بھی بذریعہ چٹھی اطلاع دی کہ اگر کتاب میں ہسپانوی حکومت کی رائے کے مطابق ترمیم و تصحیح کر دی جائے تو یہ پابندی اُٹھالی جائے گی مگر مبلّغِ اسلام نے اسے بھی اپنے تار اور مفصّل مکتوب میں یہی جواب دیا کہ تبدیلی ناممکن ہے۔

یہ سلسلۂ مُراسلت ابھی جاری تھا کہ اِس اثناء میں سنسرشپ کا محکمہ وزارتِ تعلیم کی بجائے وزارتِ اطلاعات کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا۔ اِس تبدیلی سے کتاب کا معاملہ از سرِ نو اُٹھانا پڑا[۱] جناب ظفر صاحب نے ایک مفصّل خط ڈائریکٹر آف پراپیگنڈا کو لکھا اور ملاقات بھی کی مگر اُنہوں نے چند دنوں کے بعد جواب بھجوایا کہ وہ سابق وزیرِ تعلیم کا فیصلہ منسوخ نہیں کر سکتے جبکہ دوسرے مذاہب کے بارے میں حکومت کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے[۲] قبل ازیں پریس کے مالک نے وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر کتاب کی تمام قیمت ادا کر دی جائے تو وہ کتاب مشن میں لے جانے کی اجازت دے دے گا مگر اس نے بھی معذرت کر دی اور بتایا کہ ڈائریکٹر جنرل نے کہا ہے کہ جب تک کتاب پر سے پابندی نہیں اُٹھائی جاتی ساری ذمّہ داری مطبع والوں پر ہوگی۔ اِس پر مبلّغِ اسلام نے ڈائریکٹر جنرل آف پراپیگنڈا کو پے در پے خطوط لکھے۔ ایک زوردار خط کے ذریعہ اُن کو قائل کرنے کی بہت کوشش کی کہ سچے مذہب کی نشانی یہ ہے کہ غیر مذاہب کو کُھلی تبلیغ و اشاعت کی اجازت دیتا ہے۔

ڈائریکٹر جنرل صاحب نے بظاہر بڑی ہمدردی کا خط لکھا کہ آپ کی کوششوں کا مُعترف ہوں مگر ساتھ ہی یہ دو ٹوک جواب دیا کہ سپین میں کیتھولک کے سوا کسی مذہب کو تبلیغ کی قانوناً اجازت نہیں ہے مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر نے مختلف شخصیتوں کے ذریعہ سے بھی اس پابندی کے اُٹھائے جانے کی بہت کوششیں کیں مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی[۳]

خدا کی قدرت! اُن ایام میں جبکہ سپین گورنمنٹ کی طرف سے کتاب پر نہایت سختی سے پابندی عائد

۱؎ الفضل ۲۷ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۳۰ھش/۱۹۵۱ء صفحہ ۴ کالم ۲ ٭ ۲؎ الفضل ۲۲ صلح/جنوری ۱۳۳۱ھش/۱۹۵۲ء صفحہ ۷ کالم ۱ ٭ ۳؎ الفضل ۱۹ شہادت/اپریل ۱۳۳۱ھش/۱۹۵۲ء صفحہ ۵ کالم ۲ ٭

تھی خدائے قادر و توانا ذوالمجد والعلیٰ نے اہم ہسپانوی شخصیتوں تک کتاب پہنچانے کا یہ سامان پیدا کر دیا کہ لنڈن کے ایک نئے احمدی دوست محمد لیسین صاحب نے مولوی صاحب موصوف سے وعدہ کیا کہ اسلامی اصول کی فلاسفی کا ہسپانوی ترجمہ اور ہسپانیہ کے چوٹی کے معزز اشخاص کے پتے ہمیں بھجوا دیں ہم لنڈن سے یہ کتاب اُن کو بھجوا دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے کتاب پہنچنے پر لنڈن ہی سے بذریعہ ڈاک ہسپانوی معززین کو پہنچانا شروع کر دی۔ اسی دَوران میں مولوی صاحب نے "اسلامی اصول کی فلاسفی" کا ایک نسخہ سپین کے صدر جنرل فرانکو کی خدمت میں بھی بھجوا دیا جنرل موصوف نے ایک خط کے ذریعہ کتاب کا دِلی شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ کتاب انہیں بے حد پسند آئی۔ اِس خط کے بعد مولوی صاحب نے کتاب کی محدود رنگ میں تقسیم شروع کر دی۔ پولیس والے اکثر جواب طلبی کے لئے آتے تھے لیکن جب آپ ان کو جنرل فرانکو کا خط دکھاتے تو وہ خط کی نقل لے کر چل دیتے تھے۔ اِس کے علاوہ اَور بھی بہت سے اہم لوگوں نے کتاب سے متعلق اپنے اعلیٰ تأثرات کا اظہار کیا۔

چنانچہ ۱۹۶۴ء میں کارڈینل آرچ بشپ اشبیلہ نے کتاب ملنے پر حسبِ ذیل مکتوب لکھا:۔

" اشبیلہ کا آرچ بشپ کارڈینل، کرم الٰہی ظفر امیر مشن احمدیہ سپین کو سلام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے سلامتی طلب کرتا ہے۔

" اسلامی اصول کی فلاسفی" کے بھجوانے پر دِلی ممنون ہوں اور خوشی کا اظہار کرتا ہوں۔ کتاب مَیں نے انتہائی دلچسپی سے پڑھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر ہو اور باقی سب پر بھی۔

مَیں اِس حقیقت کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مجھے ہر وہ تحریک بہت پسند ہے جو انسان کو مادّی زندگی سے نکال کر رُوحانیت کی رفعتوں پر لے جائے اور اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنے میں ممد ہو۔ صرف اللہ تعالیٰ کے تعلق سے ہی امن و سلامتی و باہمی اُخوّت، نیکی اور خوشی حاصل ہو سکتی ہے۔ ہم جس دَور میں سے گزر رہے ہیں وہ بے لگام مادہ پرستی کا دَور ہے جس میں بے شمار لوگ خطرناک طور پر ملوّث ہو چکے ہیں اور وہ اس امر کو بھول چکے ہیں کہ اِس دُنیا کی زندگی حقیقی اور ابدی زندگی نہیں بلکہ دائمی اور رُوحانی زندگی اللہ تعالیٰ کے سچے تعلق سے حاصل ہوتی ہے۔

آپ کی کتاب میں بے شمار ایسی عبارتیں موجود ہیں جو ہمیں نیکی کی طرف لے جاتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے نام پر ہمارے درمیان اتحاد، اتفاق اور اُخوّت پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ ان عبارتوں کی وجہ سے ہمارے پختہ عقیدہ پر کہ مسیح خدا کے بیٹے اور تمام دُنیا کے نجات دہندہ تھے کوئی اثر یا فرق نہیں پڑتا۔

خدا تعالیٰ سے تمام اسلامی دُنیا کی خوشحالی طلب کرتا ہوں۔ اس کی رحمت آپ پر ہو۔ دستخط (ترجمہ)

اِس خط کا بھی بہت فائدہ ہُوا۔ عوام اور پولیس میں سے جو لوگ مولوی صاحب موصوف کے پاس آتے تو آپ انہیں اس کی فوٹو کاپی دکھا دیتے جس سے ان پر یہ گہرا اثر پڑتا کہ جب اُن کے ایک مذہبی رہنما کو کتاب بہت پسند آئی ہے تو کتاب مفید ہی ہو گی۔[1]

بالآخر چودہ ۱۴ برسوں کے بعد انفارمیشن منسٹر D. MANUEL FRAGA نے نہ صرف اِس کتاب کے شائع کرنے کی بلکہ ایک ٹریکٹ "مَیں اسلام کو کیوں مانتا ہوں"[2] کے چھپوانے کی بھی باقاعدہ سرکاری اجازت دے دی۔ اِس کتاب کا پہلا ایڈیشن پانچ ہزار کی تعداد میں اور دوسرا ایڈیشن چھ ہزار کی تعداد میں چھپ کر سپین کے سرکردہ علمی، سیاسی اور مذہبی طبقوں کے اکثر معزز اشخاص تک پہنچ چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عام طور پر اس کی نسبت بہترین خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔

ذیل میں بطور نمونہ بعض ہسپانوی مقتدر شخصیتوں کے تأثرات درج کئے جاتے ہیں جن سے اِس شاندار کتاب کے وسیع اثرات کا پتہ چلتا ہے :-

---

[1] سپین مشن کی مطبوعہ رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر نے اس کتاب کی عام اشاعت تک مشن ہاؤس میں اِس کتاب کا درس جاری رکھا۔ (الفضل ۲۲ صلح/جنوری ۱۳۳۱ ہش / ۱۹۵۲ء صہ۲ کالم ۲) ٭

[2] اِس ٹریکٹ کا پہلا ایڈیشن پانچ ہزار اور دوسرا ایڈیشن چھ ہزار کی تعداد میں چھپ کر تقسیم ہو چکا ہے اور ہسپانوی عوام نے اسے بے حد پسند کیا ہے۔ ایک اعلیٰ سرکاری افسر نے اسے پڑھ کر مبلّغ اسلام سے کہا کہ مَیں دستخط کر دیتا ہوں کہ مَیں ٹریکٹ میں بیان کردہ اسلامی تعلیم سے سَو فیصدی اتفاق کرتا ہوں۔ مبلّغ اسلام نے طرگونہ TARRAGONA میں یہ ٹریکٹ تقسیم کئے۔ ایک نوجوان یہ ٹریکٹ پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے جن کا نام حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے محمود احمد رکھا ٭

(۱) پریذیڈنٹ رائل اکیڈیمی آف قرطبہ (D. RAFAEL CASTEJON Y MORTIOZ DE ARIZALA) نے درج ذیل مکتوب کی صورت میں خراج تحسین ادا کیا :-

قرطبہ ۔ ۳۰ نومبر ۱۹۶۵ء

جناب کرم الٰہی ظفر

احمدیہ مسلم مشن میڈرڈ

نہایت واجب الاحترام

آپ کا نوازش نامہ اور کتاب مصنفہ (حضرت) احمد (مسیح موعود علیہ السلام) ملی میں اس تحفہ کے بھجوانے پر دلی شکریہ ادا کرتا ہوں میں نے اس کتاب کو انتہائی دلچسپی اور توجہ سے پڑھا ہے اس میں بیان کردہ تعلیم حقائق و معارف اور علم و عرفان سے پُر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی گئی ہے جس کے مطالعہ سے میرا دل و دماغ معطر ہو گیا۔

میں نے ڈائریکٹر آف انسٹی ٹیوٹ (ESTUDIOS CALIFALES) جن کا نام D. VICENTE GARICA FIGUERA ہے اور جو چیف آف سٹیٹ کے کرنل بھی ہیں کو یہ کتاب پڑھنے کے لئے دی۔ ان کو یہ کتاب اس قدر دلچسپ معلوم ہوئی کہ آپ نے اس ماہ کی ۲۰ تاریخ کو رائل اکیڈیمی میں اس کے متعلق ایک لیکچر دیا۔

ہم ایک رسالہ "الملک" شائع کرتے ہیں جس میں عموماً خلفاء بنو امیہ آف قرطبہ کے تاریخی اور آثارِ قدیمہ سے متعلق مضامین شائع کرتے ہیں۔ اگر آپ ہمیں رسالہ ریویو آف ریلیجنز بھجوا دیا کریں تو یہ رسالہ ہم آپ کو بھجوا سکتے ہیں۔

آخر میں پھر دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ دستخط (ترجمہ)

(۲) کلچر ہسپانی (CULTURE HISPANI) کے ڈائریکٹر صاحب نے لکھا :-

"روحانی علم و عرفان سے پُر کتاب پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی" [1]

(۳) میڈیکل پروفیسر و ممبر رائل اکیڈیمی آف میڈیسن (D. ALFONSO DELAFUENTE) نے مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر کے نام لکھا کہ :-

[1] ماہنامہ "تحریک جدید" ربوہ فتح / دسمبر ۱۳۴۵ ہش / ۱۹۶۶ء صفحہ ۱۵ (ایڈیٹر مولانا نسیم سیفی صاحب)

جنابِ من مَیں آپ کا اسلامی اصول کی فلاسفی کے بھجوانے پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کتاب انسان کی رُوحانی ترقی کے لئے علم و عرفان اور وعظ و نصیحت سے پُر ہے جس کی آجکل شدید ضرورت ہے جبکہ دُنیا ضلالت و گمراہی میں مُبتلا ہے اور لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین نہیں رہا۔ مَیں خلوصِ دل سے آپ کو دِلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور آخر میں دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اِس کا مطالعہ میرے لئے بے حد مفید ثابت ہُوا ہے۔[1] (ترجمہ)

(۴) ایک میڈیکل سکول کے پرنسپل اور رائل اکیڈیمی کے ممبر سر وِلّا نووا SR VILLA NOVA نے ۵ مئی ۱۹۶۹ئ کو لکھا:۔

"مَیں نے بڑی خوشی سے اِس کا مطالعہ کیا اور اسے بے حد مفید پایا۔ مَیں اِس کتاب کے مطالعہ سے بے حد متاثر ہُوا ہوں۔ نہایت اعلیٰ اخلاقی تعلیم احسن رنگ میں بیان کی گئی ہے۔ یہ کتاب عالمگیر خوبیوں کی حامل ہے جس میں اسلامی تعلیم کا گہرا فلسفہ بیان کیا گیا ہے ہم سب کو اس سے فائدہ اُٹھانے کی ضرورت ہے۔ مَیں دوبارہ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور خلوصِ دل سے اپنی دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔"[2]

احمدیہ مشن کی دیگر ابتدائی نو سالہ عمومی سرگرمیاں

(از ماہ ظہور ۱۳۲۶ہش / اگست ۱۹۴۷ء تا امان ۱۳۳۵ہش / مارچ ۱۹۵۶ء)

احمدیہ دارالتبلیغ سپین کی دو ابتدائی اور نہایت اہم اور اثر انگیز مطبوعات کا یکجائی تذکرہ کرنے کے بعد اب ہم پھر پیچھے پلٹتے ہیں اور اِس مشن کی بعض دیگر ابتدائی نو سالہ عمومی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

چونکہ سپین میں تبلیغی مشکلات بے اندازتھیں اِس لئے مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر نے جماعتِ احمدیہ کے مستقل سیاسی مسلک اور روایات کے عین مطابق قانونِ ملکی کا احترام کرتے اور اُس کی حدود میں رہتے ہوئے اُن تمام ذرائع کو حتی الامکان بروئے کار لانے کی انتہائی کوشش فرمائی جو ملک کے مختلف حلقوں سے خوشگوار تعلقات قائم کرنے اور اُن تک حق و صداقت کی آواز پہنچانے میں کسی طرح بھی مفید و معاون بن سکتے تھے۔ مثلاً:۔

---

[1] الفضل ۱۲ وفا / جولائی ۱۳۴۸ہش / ۱۹۶۹ء صـ۱ کالم ۱؎

[2] الفضل ۱۲ وفا / جولائی ۱۳۴۸ہش / ۱۹۶۹ء صـ۳

۱۔ احمدیہ دارالتبلیغ میں ہر اتوار کو دوپہر کے بعد اسلام کے بارے میں دلچسپی لینے والوں اور معلومات حاصل کرنے والوں کا گویا ہجوم رہتا تھا مولوی صاحب موصوف اس موقع سے کما حقہٗ فائدہ اُٹھاتے۔ آپ ان کے سامنے موقع محل کے مطابق مختصر تقریر کرتے اور سوال و جواب کی صورت میں اسلام کے خلاف مختلف شُبہات کا ازالہ کرتے تھے۔

۲۔ اس عرصہ میں آپ نے سپین کے سفارت خانوں، سرکاری افسروں، تعلیمی اداروں اور ملک کے دیگر مختلف حلقوں اور باہر سے آنے والے لوگوں سے روابط و مراسم پیدا کرنے کی کوششیں برابر جاری رکھیں چنانچہ اس دَور کی رپورٹوں میں ہسپانوی مراکش کے ولی عہد شہزادہ مولائی مہدی بن حسن[1]، ہسپانوی کمرشل اٹیچی، سفیر ارجنٹائن، برطانوی سفیر، سفیر برائے پاکستان، مصری سفیر فرانسیسی سفیر، وزیر پبلک ورکس اور گوائی کے وزیر مختار، امریکی سفیر، فلپائن کے سفیر، کولمبیا اور لبنان کے صحافیوں، سپین کے مشہور مؤلف و مؤرخ DR. GREGNO MANON اور سپین کی مختلف خطاب یافتہ شخصیتوں (COUNTS) سے ملاقاتوں کا ذکر ملتا ہے۔ اس زمانہ میں مجاہدِ اسلام نے سفارت ارجنٹائن کے افسروں سے بالخصوص گہرے دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے تھے اور ان لوگوں کو اکثر خوشگوار ماحول میں تبلیغ کے مواقع ملتے رہتے تھے اسی اثنا میں ملٹری اٹیچی کے سیکرٹری نے سائیکلوسٹائل مشین کا تحفہ احمدیہ مسلم مشن کو پیش کیا۔[2]

۳۔ مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو میڈرڈ[3] (دارالحکومت) ہی میں محدود نہیں رکھا بلکہ وقتاً فوقتاً سپین کے دوسرے مشہور شہروں مثلاً اشبیلیہ[4]، تاراگوتا[5]، برشلونہ[6] تشریف لے جا کر پیغامِ حق پہنچانے کی کوشش کی۔ بلنسیہ[7] سپین کا تیسرے نمبر پر بڑا شہر ہے جو بحیرۂ روم کے

---

[1] ان ایام میں مراکش کے بیشتر حصہ پر فرانس نے قبضہ کر رکھا تھا مگر ایک حصہ سپین کے ماتحت تھا۔ اس علاقے میں ایک مورش سردار حکمران تھے جن کا نام المولائی حسن تھا جو خلیفہ سپینش مراکو کے نام سے ملقّب تھے۔ یہاں انہی کے ولیعہد کا ذکر ہے۔

[2] الفضل ۱۹ شہادت/اپریل ۱۳۳۱ ہش/۱۹۵۲ء صہ ۴ و تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۷ نبوت/نومبر ۱۳۳۰ ہش/۱۹۵۱ء، ۲۲ صلح/جنوری ۱۳۳۱ ہش/۱۹۵۲ء، ۲۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۳۱ ہش/۱۹۵۲ء، ۸ وفا/جولائی ۱۳۳۵ ہش/۱۹۵۶ء صہ ۳۔ [3] اسلامی نام ماترید یا مجریطہ۔ [4] SEVILLA۔ [5] ZARAGOZA۔ [6] BARCELONA [7] VALENCA۔

ساحل پر واقع اہم بندرگاہ ہے اور جہاں جابجا اسلامی عہدِ حکومت کے آثارِ قدیمہ ملتے ہیں مجاہدِ اسلام نے ۱۳۳۱ھش/۱۹۵۲ء میں اِس علاقے کی طرف بھی تبلیغی سفر کیا اور ایک گاؤں الکھن سیڈل فارو (ALKHAN SIDELFORO) میں اسلام کی منادی کی[1]

۴۔ آپ نے "اسلام کا اقتصادی نظام" اور "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے ہسپانوی ترجموں کے علاوہ عام طور پر ملک میں درج ذیل لٹریچر معززین کو بطور تحفہ یا قیمتاً دیا :-

"خطبہ الہامیہ" (عربی)۔ "مسیح ہندوستان میں" (انگریزی)۔ "اسلامی اصول کی فلاسفی" (انگریزی وفرانسیسی)۔ "اسلام کا اقتصادی نظام" (انگریزی)۔ "کمیونزم اینڈ ڈیموکریسی" (انگریزی از حضرت مصلح موعود)۔ "مسیح کہاں فوت ہوئے؟" (انگریزی)۔

اِن کتابوں میں سے بعض بیرونی ممالک میں بھی بھجوائی گئیں مثلاً "اسلام کا اقتصادی نظام" پریذیڈنٹ ری پبلک ارجنٹائن کو جنہوں نے کتاب موصول ہونے پر تحریری شکریہ ادا کیا[2]

۵۔ آپ نے تبلیغِ اسلام کی وسعت کے لئے ایک کارگر ذریعہ یہ اختیار کیا کہ زیرِ تبلیغ احباب کے نام بکثرت خطوط لکھے جن میں ان کے شکوک و وساوس کا ازالہ کیا اور صحیح اسلامی تعلیم پیش کی[3]

نومسلموں کی تعلیم و تربیت

مندرجہ بالا ذرائع کے نتائج خدا کے فضل و کرم سے بہت خوشکن نکلے اور اس کے نتیجہ میں ہر سال نومسلموں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اسلام میں آنے والوں کی اس نئی جماعت نے مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر پر ان کی تعلیم و تربیت کی بھاری ذمہ داری ڈال دی جس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے انہوں نے خاص توجہ دی اور نومسلموں کو نماز، اذان اور تکبیر سکھانے یسترنا القرآن پڑھانے اور عام دینی مسائل سے آگاہ کرنے کا کام بھی برابر جاری رکھا نتیجۃً سپین کے بعض نئے اسلامی بھائی جن میں مبارک احمد صاحب بہت نمایاں تھے۔ تبلیغِ اسلام کی جدّوجہد میں سرگرم حصّہ لینے لگے۔

اِسلام پر سرکاری پابندی

سپین میں مبلغِ اسلام کی تبلیغی سرگرمیاں اگرچہ شروع ہی سے کیتھولک پادریوں کے لئے ناقابلِ برداشت تھیں لیکن اَب جو اسلام کا اثر و

[1] الفضل ۱۲ اخاء/اکتوبر ۱۳۳۱ھش/۱۹۵۲ء صٓ [2] الفضل ۲۲ صلح/جنوری ۱۳۳۱ھش/۱۹۵۲ء صٓ کالم ۱ [3] الفضل ۲۷ نبوت/نومبر ۱۳۳۰ھش/۱۹۵۱ء صٓ، ۲۲ صلح/جنوری ۱۳۳۱ھش/۱۹۵۲ء صٓ

نفوذ بڑھنے لگا اور سعید رُوحیں حق و صداقت قبول کرنے لگیں تو انہوں نے ماہ مارچ ۱۹۵۶ء میں سرکاری حلقوں سے گٹھ جوڑ کر کے تبلیغِ اسلام پر پابندی لگوا دی[1] پاکستانی سفارت خانہ کی طرف سے ۲۶۔ مارچ ۱۹۵۶ء کو اس کی اطلاع بھی پہنچ گئی۔ اِس افسوسناک اور رنجیدہ اقدام کی تفصیل مولوی کرم الٰہی صاحب ظفرؔ کے قلم سے لکھی جاتی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ماہ مارچ کے شروع میں ایک روز صبح سفارتِ پاکستان کے فرسٹ سیکرٹری مسٹر افضل اقبال نے مجھے بُلا کر کہا کہ ہسپانوی حکومت آپ کی طرف سے لوگوں کو قبولِ اسلام کی دعوت دینے کو اپنے مُلک کی کانسٹی ٹیوشن کی خلاف ورزی تصور کرتی ہے۔ میرا بھی یہی مشورہ ہے کہ آپ کوئی ایسا کام نہ کریں جسے حکومت مُلک کے قانون کی خلاف ورزی تصور کرے۔ بعد میں انہوں نے یہ نوٹس کی صورت میں لکھ کر بھی بھجوا دیا۔ مَیں نے ان کو کہا کہ مذہبی آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے جسے دُنیا کی ہر مہذب حکومت تسلیم کرتی ہے۔ اگر سپین کی کوئی ایسی CONSTITUTION ہے تو اسے انہیں تبدیل کرنا چاہیئے ورنہ پاکستان کو بھی ان کے مشنریوں کو تبلیغ کی اجازت نہیں دینی چاہیئے۔ اگر وہ مجھے مُلک سے باہر نکالنے کی دھمکی دیتے ہیں تو ہماری حکومت ان کے مشنریوں کو بھی نکل جانے کا نوٹس دیدے۔ کہنے لگے ہمارا ملک مذہبی آزادی کو تسلیم کرتا ہے مگر ان کا ملک تسلیم نہیں کرتا ہم ان کو ان کے ملکی قانون بدلنے کے لئے کیسے مجبور کر سکتے ہیں؟

خاکسار نے ہسپانوی وزیرِ خارجہ کو ایک خط لکھا کہ مَیں دس سال سے سپین میں مقیم ہوں اَب تک میرے خلاف کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی اب حکومت میری سرگرمیوں کو کیوں

---

[1] انہیں دنوں کا واقعہ ہے کہ جناب ظفرؔ صاحب ایک روز گلی میں اسلام کی عام اخلاقی تعلیم بیان فرما رہے تھے کہ ایک صاحب نے کہا کہ تم ہمارے مُلکی قانون کے خلاف اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہے ہو؟ سامعین نے اس کی مداخلت پر ملامت کی مگر وہ سیدھے پولیس والوں کے پاس پہنچے۔ پولیس افسر صاحب نے ایک سپاہی بھیج کر آپ کو بُلوایا اور تنبیہہ کی کہ آپ کو شارع عام میں ہرگز کوئی بات نہیں کرنی چاہیئے ورنہ حکومتِ سپین آپ کو ملک سے نکالنے پر مجبور ہوگی۔ کیتھولک مجلسِ عمل ACTION CATHOLIC کے ممبر نے بھی کہا کہ وہ اپنا پُورا زور صرف کریں گے کہ آپ کو ملک سے نکال دیا جائے۔ خود شکایت کنندہ نے بتایا کہ چرچ آپ کی ہر حرکت و نقل کی نگرانی کر رہا ہے اور سپین چرچ کو اِس ملک میں آپ کی موجودگی کسی طرح گوارا نہیں۔

ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے؟ ہسپانوی حکومت سرکاری طور پر کیتھولک گورنمنٹ ہے اس کا دعویٰ ہے کہ یہ مذہب سچا ہے جو خدا تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا ذریعہ اور اعلیٰ اخلاق کا حامل ہے۔ میری تبلیغ کا مقصد بھی محض اعلیٰ اخلاق کا قیام اور بنی نوع انسان کا خدا تعالیٰ سے حقیقی تعلق قائم کرنا ہے۔ میری تبلیغ کا واحد مقصد یہ ہے کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کو تمام مخلوق پہچان لے۔ نیز مَیں نے اِس بات پر زور دیا کہ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسلام ہرگز ملکِ سپین کے لئے کسی قسم کا خطرہ نہیں بلکہ اس سرزمین کی حقیقی فلاح و بہبود کا خواہش مند ہے۔ خط کا جواب ملا کہ وزیر خارجہ صاحب نے آپ کے خط کا اچھا اثر لیا ہے۔

دراصل ساری شرارت پادریوں کی ہے کہ انہوں نے پولیس والوں اور حکام کو انگیخت کی ہے۔" [1]

حضرت مصلح موعود کی طرف سے خطبہ جمعہ میں زبردست احتجاج

حکومتِ سپین کے اِس فیصلہ کی اطلاع ملنے پر حضرت مصلح موعود نے ۲۰ شہادت/اپریل ۱۳۳۵ہش/۱۹۵۶ء کو ربوہ میں ایک پُرجلال خطبہ پڑھا جس میں فرمایا:-

"کرم الٰہی صاحب ظفر کو گورنمنٹ کی طرف سے نوٹس دیا گیا ہے کہ ہمارے مُلک میں اسلام کی تبلیغ کی اجازت نہیں ہے۔ چونکہ تم لوگوں کو اسلام میں داخل کرتے ہو جو ہمارے ملک کے قانون کی خلاف ورزی ہے اس لئے تمہیں وارننگ دی جاتی ہے کہ تم اس قسم کی قانون شکنی نہ کرو ورنہ ہم مجبور ہوں گے کہ تمہیں اپنے مُلک سے نکال دیں۔ ہمارا ملک اسلامی ملک کہلاتا ہے لیکن یہاں عیسائی پادری دھڑلے سے اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں اور کوئی انہیں عیسائیت کی تبلیغ سے نہیں روکتا لیکن وہاں ایک مبلّغ کو اسلام کی تبلیغ سے روکا جاتا ہے اور پھر بھی ہماری حکومت اس کے خلاف کوئی پروٹسٹ نہیں کرتی۔ وہ کہتے ہیں مَیں نے پاکستان کے ایمبیسڈر سے کہا کہ تمہیں تو ہسپانوی حکومت سے لڑنا چاہیئے تھا اور کہنا چاہیئے تھا کہ تم اسلامی مبلّغ پر کیوں پابندی عائد کرتے ہو؟ جبکہ حکومتِ پاکستان نے اپنے ملک میں عیسائی پادریوں کو تبلیغ کی اجازت دے رکھی ہے اور وہ ان پر کسی قسم کی

---

[1] الفضل ۸ روفا/جولائی ۱۳۳۵ہش/۱۹۵۶ء صفحہ ۳

پابندی عائد نہیں کرتی۔ اس نے کہا یہ تو درست ہے مگر سپین کی وزارتِ خارجہ کا سیکرٹری یہ کہتا تھا کہ تم اپنے ملک میں لوگوں کو جو بھی آزادی دینا چاہتے ہو بیشک دو ہمارے ملک کی کانسٹی ٹیوشن اس سے مختلف ہے اور ہمارے ملک کا یہی قانون ہے کہ یہاں کسی کو اسلام کی تبلیغ کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ بہرحال یہ ایک افسوس کا مقام ہے کہ ہماری حکومت دوسری حکومتوں سے اتنا ڈرتی ہے کہ وہ اسلام کی حمایت بھی نہیں کر سکتی۔ حالانکہ اس کا فرض تھا کہ جب ایک اسلامی مبلغ کو ہسپانوی حکومت نے یہ نوٹس دیا تھا تو وہ فوراً پروٹسٹ کرتی اور اس کے خلاف اپنی آواز بلند کرتی مگر پروٹسٹ کرنے کی بجائے ہسپانوی حکومت نے یہ نوٹس بھی ہمارے مبلغ کو پاکستانی نمائندہ کے ذریعہ ہی دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مَیں نے ایک وزیر سے کہا کہ مجھے یہ نوٹس براہِ راست کیوں نہیں دیا گیا تو اس نے کہا یہ نوٹس براہِ راست تمہیں اِس لئے نہیں دیا گیا کہ اگر ہم تمہیں نکال دیں تو پاکستانی گورنمنٹ ہم سے خفا ہو جائے گی پس ہم نے چاہا کہ پاکستانی سفیر تمہیں خود یہاں سے چلے جانے کے لئے کہے تا کہ ہمارے خلاف حکومتِ پاکستان کو کوئی خفگی پیدا نہ ہو...

پاکستانی گورنمنٹ کے نمائندے کے ذریعہ ہسپانوی گورنمنٹ کی طرف سے ہمارے مبلغ کو یہ نوٹس دیا گیا ہے کہ چونکہ تم اسلامی مبلغ ہو اور ہمارے مُلک کے قانون کے ماتحت کسی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ دوسرے کا مذہب تبدیل کرے اِس لئے تم اسلام کی تبلیغ نہ کرو ورنہ ہم مجبور ہوں گے کہ تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں۔ شاید کوئی محبتِ اسلام رکھنے والا سرکاری افسر میرے اِس خطبہ کو پڑھ کر اِس طرف توجہ کرے اور وہ اپنی ایمبیسی سے کہے کہ تم ہسپانوی گورنمنٹ کے پاس اس کے خلاف پروٹسٹ کرو اور کہو کہ اگر تم نے اسلام کے مبلغوں کو اپنے مُلک سے نکالا تو ہم بھی عیسائی مبلغوں کو اپنے مُلک سے نکال دیں گے۔

بیشک اسلام ہمیں مذہبی آزادی کا حکم دیتا ہے مگر اسلام کی ایک یہ بھی تعلیم ہے کہ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا یعنی اگر تمہارے ساتھ کوئی غیر منصفانہ سلوک کرتا ہے تو تمہیں بھی حق ہے کہ تم اس کے بدلہ میں اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو۔ پس اگر کوئی

حکومت اپنے ملک میں اسلام کی تبلیغ کو روکتی ہے تو مسلمان حکومتوں کا بھی حق ہے کہ وہ اس کے مبلغوں کو اپنے ملک میں تبلیغ نہ کرنے دیں۔ اسی طرح چاہیئے کہ ہماری گورنمنٹ انگلستان کی گورنمنٹ کے پاس بھی اس کے خلاف احتجاج کرے اور کہے کہ یا تو سپین کی حکومت کو مجبور کرو کہ وہ اپنے ملک میں اسلام کی تبلیغ کی اجازت دے نہیں تو ہم بھی اپنے ملک میں عیسائیت کی تبلیغ کو بالکل روک دیں گے۔ اسی طرح وہ امریکہ کے پاس احتجاج کرے اور کہے کہ وہ ہسپانوی گورنمنٹ کو اپنے اس فعل سے روکے ورنہ ہم بھی مجبور ہوں گے کہ عیسائی مبلغوں کو اپنے ملک سے نکال دیں۔ بہرحال یہ ایک نہایت ہی افسوسناک امر ہے کہ ایک ایسا ملک جو پاکستان سے دوستانہ تعلقات رکھتا ہے ایک اسلامی مبلغ کو نوٹس دیتا ہے کہ تم ہمارے ملک میں اسلام کی تبلیغ کیوں کرتے ہو؟[1] ایک دفعہ پہلے بھی پانچ سات نوجوان ہمارے مبلغ کے پاس بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ سی۔ آئی۔ ڈی کے کچھ آدمی وہاں آ گئے اور انہوں نے کہا کہ تم حکومت کے باغی ہو کیونکہ حکومت کا مذہب رومن کیتھولک ہے اور ہم نے سُنا ہے کہ تم مسلمان ہو گئے ہو۔ ان نوجوانوں نے کہا ہم حکومت کے تم سے بھی زیادہ وفادار ہیں لیکن اِس امر کا مذہب سے کیا تعلق ہے؟ انہوں نے کہا دراصل پادریوں نے حکومت کے پاس شکایت کی ہے کہ یہاں اسلام کی تبلیغ کی جاتی ہے اور گورنمنٹ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم تمہاری نگرانی کریں۔ انہوں نے کہا تم ہمیں دوسرے کی باتیں سُننے سے نہیں روک سکتے اگر ہمارا دل چاہا تو ہم مسلمان ہو جائیں گے لیکن تمہیں کوئی اختیار نہیں کہ تم دوسروں پر جبر سے کام لو۔ اُس وقت سے یہ مخالفت کا سلسلہ جاری تھا جو آخر اس نوٹس کی شکل میں ظاہر ہوا۔ بہرحال یہ ایک نہایت ہی افسوسناک امر ہے کہ بعض عیسائی ممالک میں اب اسلام کی تبلیغ پر بھی پابندیاں عائد کی جا رہی ہیں۔ پہلے عیسائی ممالک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف رات اور دن جھوٹ بولتے رہتے تھے ہم نے ان افتراؤں کا جواب دینے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیقی شان دُنیا میں ظاہر کرنے کے لئے اپنے مبلغ

---

[1] یہ واقعہ ۲۹ صلح/جنوری ۱۳۳۵ہش/۱۹۵۶ء کا ہے۔

بھیجے تو اب ان مبلغوں کی آواز کو قانون کے زور سے دبانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اسلام کی تبلیغ سے انہیں جبراً روکا جاتا ہے مسلمان حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ اسلام اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نام کی بلندی کے لئے عیسائی حکومتوں پر زور دیں کہ وہ مسیحیوں کو اس سے روکیں ورنہ ہم بھی مجبور ہوں گے کہ ہم عیسائی مبلغوں کو اپنے ملکوں سے نکال دیں۔

دیکھو سویز کے معاملہ میں مصر کی حکومت ڈٹ گئی اور آخر اس نے روس کو اپنے ساتھ ملالیا۔ اگر سویز کے معاملہ میں مصر ڈٹ سکتا ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کی بلندی کے لئے پاکستان کی حکومت اگر ڈٹ جائے تو کیا وہ دوسری اسلامی حکومتوں کو اپنے ساتھ نہیں ملا سکتی۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت یقیناً کروڑ کروڑ سویز سے بڑھ کر ہے۔ اگر ایک سویز کے لئے امریکہ اور برطانیہ کے مقابلہ میں مصر نے غیرت دکھائی اور وہ ڈٹ کر کھڑا ہو گیا تو کیا دوسری اسلامی حکومتیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اتنی غیرت بھی نہیں دکھا سکتیں۔ انہیں عیسائی حکومتوں سے صاف صاف کہہ دینا چاہیئے کہ یا تو تم اسلامی مبشرین کو اجازت دو کہ وہ تمہارے ملکوں میں اسلام کی اشاعت کریں ورنہ تمہارا بھی کوئی حق نہیں ہوگا کہ تم ہمارے ملکوں میں عیسائیت کی تبلیغ کرو۔ اگر تم ہمارے ملک میں عیسائیت کی تبلیغ کر سکتے ہو تو تمہارا کیا حق ہے کہ تم کہو کہ ہم اسلام کی باتیں نہیں سن سکتے۔ بیشک ہمارے مذہب میں رواداری کی تعلیم ہے مگر ہمارے مذہب کی ایک یہ بھی تعلیم ہے کہ اگر کوئی تمہارے ساتھ بے انصافی کرے تو تم بھی اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو۔ یہ ایک نہایت صاف اور سیدھا طریق ہے مگر افسوس ہے کہ مسلمان حکومتوں کا ذہن ادھر نہیں جاتا اور وہ اسلام کے لئے اتنی بھی غیرت نہیں دکھاتیں جتنی کرنل ناصر نے سویز کے متعلق غیرت دکھائی۔ اگر مسلمان حکومتیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سویز جتنی غیرت بھی دکھائیں تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں اور اسلام کی تبلیغ کے راستے کھل جائیں۔ اور جب اسلام کی تبلیغ کے

راستے کھل گئے تو یقیناً سارا یورپ اور امریکہ ایک دن مسلمان ہو جائے گا۔" ؎۱

جماعتِ احمدیہ کی طرف سے منظم احتجاج حضور کے اس خطبہ نے جماعتِ احمدیہ میں تشویش و اضطراب کی لہر دوڑا دی۔ اس کی شہری اور دیہاتی شاخوں کی طرف سے احتجاجی قرار دادیں پاس کی گئیں۔ سفارت خانوں کو یادداشتیں بھجوائی گئیں۔ احمدی اخبارات و رسائل نے مضامین اور اداریے لکھے۔

مشرقی پاکستان کے مسلم پریس کا احتجاج احمدی مسلمانوں کے علاوہ مشرقی پاکستان کے دوسرے مسلم پریس نے بھی اس موقعہ پر غیرتِ ایمانی کا نمایاں ثبوت دیا اور اس بندش کے خلاف پُر زور اور مؤثر آواز بلند کی۔ چنانچہ مشرقی پاکستان کے مشہور روزنامہ "آزاد" نے اپنی ۲۶ جون ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں "سپین اور اسلام" کے عنوان کے تحت ایک پُر مغز اداریہ سپردِ قلم کیا جس میں لکھا کہ:-

"سپین میں چونکہ حکومت کا مذہب (STATE RELIGION) صرف عیسائیت ہے اس لئے وہاں دوسرے مذاہب کی تبلیغ کی اجازت روک دی گئی ہے۔ اس بنا پر سپین کی حکومت نے جماعتِ احمدیہ کے مبلغ کو جو وہاں تبلیغِ اسلام کا کام کر رہا تھا نکل جانے کا حکم دیا ہے۔ حکومتِ سپین کے اسی حکم کے خلاف جماعتِ احمدیہ صدائے احتجاج بلند کر رہی ہے۔ اس کی طرف سے کثرت سے احتجاجی خطوط بھجوائے جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک احتجاجی خط کراچی میں غیر ملکی سفارت خانوں کو بھی یادداشت کے طور پر دیا گیا ہے۔ احمدیہ جماعت کی بے چینی بالکل طبعی امر ہے۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے جس کا جماعتِ احمدیہ کے بڑے سے بڑے نقاد بھی انکار نہیں کر سکتے کہ مغربی ممالک میں اسلام کا پیغام صرف جماعتِ احمدیہ ہی اپنی اَن تھک کوششوں کے ذریعہ پہنچا رہی ہے۔ قریباً ہر ایک ملک میں ہر ایک مذہب کو اپنی اشاعت کا کم و بیش موقعہ ملتا ہے اور یہی بین الاقوامی مسلّمہ اصول ہے۔ لہٰذا سپین کی حکومت کا اس بنیادی حق کو چھیننا ایک ایسا امر ہے کہ جس پر جماعتِ احمدیہ کے ممبران بے چین ہوئے

؎۱ الفضل ۱۵ ہجرت / مئی ۱۳۳۵ ہش / ۱۹۵۶ء خطبہ ۲؎ صفحہ ۲-۳۔

بغیر نہیں رہ سکتے اور اس معاملہ میں دوسرے مذاہب کے مشنری اور تمام رواداری برتنے والے اور بین الاقوامی انسانی حقوق کی حفاظت کے خواہاں اصحاب بھی جماعتِ احمدیہ کی ہمنوائی کریں گے۔

حکومتِ سپین کا قابلِ نفرت حکم ہمارے سامنے پرانے زمانہ کے ایسابیلا ISABELLA اور فرڈی نینڈ FERDINAND کی حکومت کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ نیز ہمیں سپین میں عرب تمدن کے سنہری زمانہ اور طارق و موسیٰ بن نصیر کی بے نظیر جرأت بھی یاد دلاتا ہے۔ درحقیقت عربوں نے ہی سپین کی تاریخ کو بنایا تھا۔ انہوں نے اپنے زمانہ میں عمارت سازی، انڈسٹری، علمِ موسیقی، ادب اور علوم و فنون کو ترقی دی تھی مگر وقتی طور پر عربوں کی یہ جلائی ہوئی شمعیں ناموافق حالات کی وجہ سے بجھا دی گئیں مگر کچھ عرصہ بعد وہی یورپ کے ظلمت کدوں میں روشن ہوگئیں۔ اسی کو تاریخ میں یورپ کی نئی زندگی (RENAISSENCE) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایک وقت تھا کہ سپین سے عرب حکومت کو اور مسلمانوں کو بہ نوکِ شمشیر نکال دیا گیا مگر ایسا کرنے والوں نے اسلام کو سپین سے نکال کر عربوں سے زیادہ خود یورپ کے تمدن کو نقصان پہنچایا۔ اسی وجہ سے مشہور عیسائی مؤرخ لین پول لکھتا ہے:-

"اسی طرح سے سپین والوں نے اس عرب ہنس کو قتل کر دیا جو روزانہ ایک سنہری انڈا دیا کرتا تھا۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کا تمدن پانچ سو سال پیچھے پڑ گیا۔"

مندرجہ بالا تمام حقائق سپین کے موجودہ مدبر بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اور آج کل جنرل فرانکو سپین کی اس پرانی غلطی کا ازالہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ حقیقت انکی مساعی سے آشکار ہو رہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے مسلم ممالک میں اپنے تمدنی مشنز بھجوا کر اور افریقہ میں اپنے مقبوضہ مسلم علاقہ کی آزادی کا اعلان کرکے اسی بات کا واضح ثبوت فراہم کیا ہے آج کل سپین میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ پیرانیز پہاڑ سے ہی افریقہ شروع ہو جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سپین اور افریقہ میں گہرا تمدنی تعلق ہے۔

ماضی اور حال کے ان مختلف حقائق و واقعات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آج سپین گورنمنٹ کا یہ حکم خاص طور پر اسلامی دُنیا کے لئے حیران کُن اور انتہائی تکلیف دہ ہے اور طبعاً دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ سپین اور اسلامی دُنیا کی دوستی اور تعلقات کیا صرف ایک کھوکھلی نمائش ہے اور کیا آج بھی سپین میں پُرانے زمانہ کی طرح اسلام کے متعلق بُغض موجود ہے۔

اگر ان حقائق کو نظر انداز کر دیا جائے تو پھر بھی مذہب کی تبلیغ ہر ایک انسان کا بنیادی حق ہے جس کو حکومتِ سپین نے اپنے حکم کے ذریعہ سے ختم کرنا چاہا ہے۔ اس کے متعلق حکومتِ پاکستان کو غور و فکر کرنا چاہیئے اور اس کے جواب میں اسے سفارتی کارروائی اور حکومتی خط و کتابت کے علاوہ حکومت کو اپنے ملک میں دوسرے مذاہب کے مبلغین کے بارے میں بھی نئے سرے سے اُصول وضع کرنے چاہئیں۔ اس ضمن میں ہماری ہمسایہ حکومت بھارت کا رویہ بھی قابلِ غور ہے۔ نہ معلوم اِس سلسلہ میں ہماری حکومت نے بھی کچھ غور و فکر کیا ہے یا نہیں"۔ (ترجمہ) [1]

مشرقی پاکستان کے دوسرے مشہور اخبار "اتفاق" نے ۲۹ جون ۱۹۵۶ء کے پرچہ میں لکھا کہ:۔

"حکومتِ فرانکو نے حال ہی میں سپین میں صرف عیسائیت کو STATE RELIGION ہونے کا اعلان کیا ہے اور دوسرے مذہب کی تبلیغ پر پابندی عائد کر دی ہے اسی وجہ سے میڈرڈ میں مقیم مبلّغِ اسلام کو سپین سے چلے جانے کا حکم جاری کیا گیا ہے۔

حکومتِ سپین کا یہ فعل بین الاقوامی حقوقِ انسانیت پر ایک کاری ضرب ہے اور تمام عالمِ اسلام کے لئے خصوصاً انتہائی طور پر تکلیف دہ ہے۔ سپین ایک زمانہ میں یورپ میں اسلامی تمدّن کا مرکز تھا اور یہاں فلسفہ، ادب، علوم و فنون اور علمِ صنعت و حرفت نے اِس حد تک ترقی کر لی تھی کہ بعد میں یہی چیز یورپ کی نئی زندگی کا باعث بنی۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دراصل سپین میں عربوں کے ذہنی ارتقاء نے ہی موجودہ ماڈرن یورپ کو جنم دیا۔ پھر بین الاقوامی اُصول کی رُو سے بھی مذہبی آزادی کا حق ہر ایک کے لئے تسلیم

---

[1] الفضل ۴ روفا/جولائی ۱۳۳۵ھش/۱۹۵۶ء صفحہ ۳۔

کیا گیا ہے۔ سپین کی موجودہ حکومت عالمِ اسلام کے ساتھ گہرے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی خواہاں ہے لیکن اگر اس نے ایسا رویہ اختیار کیا جو عالمِ اسلام کو تکلیف دینے والا ہو تو اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوگا کہ یہ محض ایک نمائشی خواہش ہے۔ حکومت کا یہ حکم پُرانے زمانہ کے ایسا بیلا اور فرڈی نینڈ کے بُغض و تعصّب سے کم نہیں ہے۔ حکومتِ فرانکو نے مذہبی آزادی کو ختم کرنے کے لئے جو حکم جاری کیا ہے اس پر حکومتِ پاکستان کو بیدار ہونا چاہئیے اور ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ فوری طور پر سیاسی گفت و شنید سے اِس اہم معاملہ کو طے کرے۔" (ترجمہ) [1]

مشرقی پاکستان کے ایک اَور مؤقر جریدہ "مِلّت" (۲۱ جون ۱۹۵۶ء) نے لکھا:-

"ایک خبر سے یہ معلوم ہُوا ہے کہ حکومتِ سپین نے اپنے ملک سے مبلّغِ اسلام کو نکل جانے کا حکم دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حکم پاکستانی سفارت خانہ کے ذریعہ سے دیا گیا ہے۔ یہ امر انتہائی تکلیف دہ ہے۔ مذہبی مبلّغ کی آزادی کا ہر مُلک میں ہونا نہایت ضروری ہے۔ پاکستان میں عیسائی مبلّغین عیسائیت کی تبلیغ نہایت آزادی کے ساتھ بلا روک ٹوک کر رہے ہیں۔ ہمیں یہ اُمید ہے کہ ہماری حکومت اِس حکم کے ازالہ کے لئے مناسب کارروائی فرمائے گی۔" (ترجمہ) [2]

تبلیغِ اِسلام پر پابندی کے بعد سے خلافتِ ثانیہ کے اختتام تک

۱۳۳۵ھ / ۱۹۵۶ء تا ۱۳۴۴ھ / ۱۹۶۵ء

اب اگرچہ حکومت کی طرف سے تبلیغِ اسلام کی راہیں قانوناً بند کر دی گئیں اور مسلم مشن پر پولیس کی خُفیہ نگرانی اَور بھی سخت ہوگئی تھی جس نے عوامی ذہن پر ایک ہیبت سی طاری کر دی تاہم خدا کا یہ فضلِ خاص ہُوا کہ مُلک کے چھوٹے اور بڑے، نچلے اور اُونچے حلقوں کی اسلام سے دلچسپی میں کوئی کمی نہیں آئی۔ لوگوں کے اِس ملے جُلے قلبی رُجحان کی ایک ابتدائی جھلک مبلّغِ اسلام کی ایک ماہانہ رپورٹ (بابت ماہ احسان / جون ۱۳۳۵ھش / ۱۹۵۶ء) کے مندرجہ ذیل چند فقروں سے خوب نمایاں ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:-

"روزانہ دو یا چار وردی والے پولیس کے آدمی میرے پاس آجاتے ہیں۔ دو دفعہ خُفیہ

---

[1] الفضل ۶ وفا / جولائی ۱۳۳۵ھش / ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔ [2] الفضل ۶ وفا / جولائی ۱۳۳۵ھش / ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔

پولیس والوں نے بھی دخل اندازی کی۔ لوگ جب اسلام کے متعلق شوق اور دلچسپی کا اظہار کرتے اور کتب خریدتے تو خاکسار اُن سے اُن کا پتہ مانگتا تو ان میں سے بعض کی حالت قابلِ رحم ہوتی۔ پولیس کے ڈر سے ہاتھ کانپ رہے ہوتے تھے اور بعض تو جلدی سے بھاگ جانے کی کرتے۔" [1]

مرعوبیتِ اقتدار اور تلاشِ حق کی اس کشاکش میں احمدی مبلغ کی تبلیغی مساعی محدود پیمانہ پر خلافتِ ثانیہ کے اختتام تک نہایت باقاعدگی سے برابر جاری رہیں جن کا خلاصہ یہ ہے :۔

اسلامی لٹریچر کی اشاعت :۔ سپین کے طول و عرض میں مندرجہ ذیل اسلامی لٹریچر کی اشاعت کی گئی۔ ۱۔ انگریزی ترجمہ قرآن مجید، ۲۔ اسلام کا اقتصادی نظام، ۳۔ لائف آف محمدؐ، ۴۔ کمیونزم اینڈ ڈیموکریسی، ۵۔ کشتی نوح، ۶۔ احمدیہ موومنٹ، ۷۔ نظامِ نَو، ۸۔ مسیح کشمیر میں، ۹۔ مسیح کہاں فوت ہوئے؟، ۱۰۔ میں اسلام کو کیوں مانتا ہوں، ۱۱۔ اسلامی اصول کی فلاسفی، ۱۲۔ رسالہ ریویو آف ریلیجنز۔

اِس سلسلہ میں جن لوگوں کو مشن کی طرف سے لٹریچر دیا گیا ان میں مندرجہ ذیل شخصیتیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ سپین کے وائس پریذیڈنٹ، ان کے پرائیویٹ سیکرٹری اور ملٹری ڈاکٹر اور پانچ لیفٹیننٹ کرنل فوجی افسر، صدر امریکہ جانسن، سپین کے متعدد سِول گورنر[2]، سول گورنر آف BADAJOZ اور شہر ALMERIDA کے میئر جائنٹ سیکرٹری وزارت رفاہِ عام، جائنٹ سیکرٹری انفارمیشن منسٹری چیف آف پروٹوکل وزارتِ خارجہ، وائس پریذیڈنٹ وون (D.AGUSTIN) انفارمیشن منسٹر (D.MANUELFRAGA) پروفیسر ڈاکٹر LOPEZ DEGBOZ، پروفیسر D. JUANBENCYTS، مشہور وکیل JUAN BRANO، وزیر اعظم اطالیہ، وزیر خارجہ اٹلی، چلی کے قونصل (S.D.CARLOS SANPER)، عرب، اطالیہ اور پرتگال کے قونصل خانوں کے سربرآوردہ اصحاب، میلگا (MALGA) شہر کے آرچ بشپ، یونیورسٹی کے لاء پروفیسر

---

[1] الفضل ۱۳ روفا/جولائی ۱۳۳۷ہش/۱۹۵۸ء صفحہ ۳۔

[2] سپین میں قریباً ۵۲ صوبے ہیں۔ اوائل ۱۳۴۲ہش/۱۹۶۳ء تک ستائیس ۲۷ گورنروں تک "اسلامی اصول کی فلاسفی" اور "اسلام کا اقتصادی نظام" بھجوایا جا چکا تھا۔
(الفضل ۲ ہجرت/مئی ۱۳۴۲ہش/۱۹۶۳ء صفحہ ۳)

(D. PASCUAL MARIN) ، جوڈیشنل انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر (D. ISIDROAR CEN EGRU) ، وزیر تعلیم (BURGOS) ، SALHMAHEH یونیورسٹی کے وائس چانسلر ، جنرل ڈانکو کے جنرل سول سیکرٹری ، جج سپریم کورٹ۔[1]

پرائیویٹ ملاقاتیں:۔ اس دور میں مبلغ اسلام نے بھاری تعداد میں اہلِ سپین سے ملاقاتیں کر کے ان تک پیغام حق پہنچانے کی کوشش کی۔ ملک کے نامور معززین میں سے صدر مملکت جنرل فرانکو ، محکمہ امور عامہ کے چیف ، وزارتِ خارجہ کے جنرل سیکرٹری ، سول گورنر BADAGAZ ، المیریڈا ALMERIDA کے میئر ، سپین کے واحد سرکاری خبر رساں ایجنسی کے ڈائریکٹر ، ٹیلی گراف آفس کے آفیسر ، ڈائریکٹر جوڈیشنل انسٹی ٹیوٹ سے ملاقاتیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔[2]

اس کے علاوہ نائب صدر مملکت سے مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر نے ۱۶ ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۴۳ھش/۱۹۶۴ء کو ایک خصوصی ملاقات کی جس کی تفصیل انہیں کے الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے :۔

"۶ فروری سوا ایک بجے ہز ایکسی لینسی نے ملاقات کے لئے وقت دیا اور مجھے اپنے دفتر میں بلا لیا۔ خاکسار نے ان کی خدمت میں قرآن کریم (انگریزی) کا تحفہ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مقدس اور مکمل کلام ہے جو اس کے پیارے نبی سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوا اور قرآن کریم اصل تورات اور انجیل کی سچائی کو تسلیم کرتا ہے۔ بائبل کے بیان کردہ تمام انبیاء کو خدا تعالیٰ کے سچے مبعوث کردہ رسول مانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرآن کی سچائی پر آپ ایمان لائیں تا آسمانی برکات سے آپ اور آپ کی قوم بھی حصہ لے

میں نے ایڈریس میں مزید لکھا کہ قادیان کی ایک چھوٹی سی گمنام بستی میں سیدنا حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے ہیں جن کے مقدس وجود میں مسیح موعود کی آمدِ ثانی کی پیشگوئی پوری ہو گئی ہے۔ آپؑ کی آمد کے ساتھ ایک نئے روحانی دور کا آغاز

---

[1] الفضل ۴ ؍شہادت ۱۳۳۸ھش صفحہ ۳ ، ۱۷ ؍احسان ۱۳۳۸ھش صفحہ ۳ ، یکم وفا ۱۳۳۹ھش صفحہ ۴ ، ۲۶ شہادت ۱۳۴۲ھش صفحہ ۵ ، ۲ ؍ہجرت ۱۳۴۲ھش صفحہ ۳ ، ۲۳ ؍صلح ۱۳۴۵ھش صفحہ ۳ ، ۱۰ ؍احسان ۱۳۴۲ھش صفحہ ۸ ، ۲ ؍وفا ۱۳۴۲ھش ، ۲۳ ؍صلح ۱۳۴۵ھش۔

[2] الفضل ۱۳ ؍وفا/جولائی ۱۳۳۷ھش/۱۹۵۸ء صفحہ ۳ ، ۱۰ ؍احسان/جون ۱۳۴۴ھش/۱۹۶۵ء صفحہ ۲۔

اور مُردہ پرستی اور ضلالت و گمراہی کے دَور کا خاتمہ ہوتا ہے۔

وائس پریذیڈنٹ صاحب نے نہایت شوق اور غور سے ہماری باتوں کو سُنا، ان کی خدمت میں "لائف آف محمدؐ"، "احمدیہ موومنٹ"، "کشتی نوحؑ" اور "اسلام کا اقتصادی نظام" کا ہسپانوی ترجمہ بھی پیش کیا۔ دروازہ تک الوداع کہنے آئے اور اسلامی طریق پر السلام علیکم کہا۔

ان کے پرائیویٹ سیکرٹری، ان کے ملٹری ڈاکٹر اور پانچ لیفٹیننٹ کرنل فوجی افسروں کو بھی تبلیغ کا موقعہ ملا اور "اسلامی اُصول کی فلاسفی" (ہسپانوی ترجمہ) مطالعہ کے لئے بطور تحفہ پیش کیں۔ اہم مذہبی اور علمی شخصیتوں کو "اسلامی اصول کی فلاسفی" بطور تحفہ بھجوائی گئی۔[1]

علاوہ ازیں مبلغ اسلام کو اِس عرصہ میں ریاست اینڈورا (ANDORA) جرمنی، ہالینڈ، برطانیہ، جنوبی امریکہ، کولمبیا، پرتگال اور مینزولا کے بعض باشندوں کو تبلیغ کرنے اور مندرجہ ذیل ممالک کے سفیروں یا نمائندوں کو احمدیت یعنی حقیقی اسلام سے متعارف کرانے کا موقع ملا۔

چلّی، برطانیہ، یونان، شام، مراکش، الجیریا، تیونس، مصر، عراق، لبنان، سعودی عرب، لیبیا، امریکہ، ٹرکی، انڈیا، جرمنی، ارجنٹائن۔

تقاریب و اجتماعات میں شرکت

مختلف تقاریب و اجتماعات تبلیغ کا مؤثر ذریعہ بنتے ہیں۔ مولوی کرم الٰہی صاحب ظفرؔ نے سپین میں ہمیشہ اِس ذریعہ سے ہر ممکن فائدہ اُٹھایا ہے چنانچہ انہوں نے اُس زمانہ میں بھی جبکہ تبلیغِ اسلام پر سرکاری پابندی عائد تھی ملک کی صنعتی نمائش[2]، ویجی ٹیرین سوسائٹی کے سینٹر[3]، سپین یونیورسٹی[4]، اخوان کیتھولک تنظیم[5] اور پاکستان نیشنل ڈے[6] کے اجتماعات میں شرکت کر کے تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کیا۔

سفر

مولوی کرم الٰہی صاحب ظفرؔ نے اس دَور میں بعض تبلیغی سفر بھی کئے مثلاً گرنیگا (GRANGA) میڈرڈ کے نواح میں ایک گاؤں ہے جہاں آپ ۱۳۳۷ہش/۱۹۵۸ء میں تین ہفتہ تک چرچ کی شدید

---

[1] الفضل ۲۰ ہجرت / مئی ۱۳۴۴ہش/۱۹۶۵ء صفحہ ۳ ۔ [2] الفضل ۱۳ وفا / جولائی ۱۳۳۷ہش/۱۹۵۸ء صفحہ ۳ ۔ [3] الفضل ۱۴ شہادت / اپریل ۱۳۳۸ہش/۱۹۵۹ء صفحہ ۳، ۲۸ شہادت / اپریل ۱۳۳۸ہش/۱۹۵۹ء صفحہ ۴ ۔ [4] الفضل ۱۱ اخاء / اکتوبر ۱۳۳۷ہش/۱۹۵۸ء صفحہ ۳ ۔ [5] الفضل ۲۸ شہادت / اپریل ۱۳۳۸ہش/۱۹۵۹ء صفحہ ۴ ۔ [6] ایضاً صفحہ ۴ ۔

مخالفت کے باوجود اشاعتِ اسلام میں مصروف رہے۔[1]

تبلیغ بذریعہ خطوط

اِس عرصہ میں تبلیغی خط وکتابت کا سلسلہ بھی باقاعدہ جاری رہا خصوصاً بارسیلونہ کے باشندوں سے۔[2]

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی سپین میں تشریف آوری،

اِس دَور کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ اس میں سلسلہ احمدیہ کی دو مقتدر شخصیتوں یعنی چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب (صدر عالمی اسمبلی) اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب (وکیل الاعلیٰ والتبشیر تحریکِ جدید) نے احمدیہ مسلم مشن سپین میں مختصر قیام فرمایا۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب روم میں F.A.O کے اجلاس کی صدارت کے لئے تشریف لیجا رہے تھے۔ میڈرڈ ہوائی مستقر پر چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر، اسلامی ممالک کے اکثر سفراء اور وزارتِ خارجہ سپین کے ڈائریکٹر جنرل (SIR MARQUES DENERNA) نے استقبال کیا۔ چوہدری صاحب ایک گھنٹہ کے لئے احمدیہ مشن ہاؤس میں تشریف لے گئے ہسپانوی نومسلم آپ کی ملاقات سے بے حد خوش ہوئے۔ اس موقعہ پر میڈرڈ کے پریس، ریڈیو اور ٹیلیویژن پر بھی احمدیہ مشن کا ذکر آیا۔[3]

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب جو اُن دنوں مغربی افریقہ کے مشنوں کا دَورہ کر رہے تھے واپسی پر ایک روز کے لئے سید مسعود احمد صاحب مبلغ انچارج سیکنڈے نیویا کی معیّت میں ۲۳ ہجرت/مئی ۱۳۴۴ھش/۱۹۶۵ء کو میڈرڈ پہنچے۔ آپ کی تشریف آوری بھی ہسپانوی احمدیوں کے لئے غیر معمولی مسرّت کا موجب ہوئی۔ احمدیوں کے علاوہ ایک ہسپانوی کرنل (FRADE) اور ایک ہسپانوی مصنّف (ALARCON) کو بھی آپ سے ملاقات کا موقعہ ملا۔[4]

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب قبل ازیں بھی ایک بار سپین میں تشریف لے گئے تھے۔ اس دَورہ میں بشیر احمد صاحب رفیق امام مسجد لنڈن اُن کے ہمراہ تھے۔[5]

---

[1] الفضل ۱۱ اخاء/اکتوبر ۱۳۳۷ھش/۱۹۵۸ء صـ۳ ٭ [2] الفضل ۱۱ اخاء/اکتوبر ۱۳۳۷ھش/۱۹۵۸ء صـ۳ ٭ [3] الفضل ۲ ہجرت/مئی ۱۳۴۲ھش/۱۹۶۳ء صـ۳ کالم ۱ ٭ [4] الفضل ۲ وفا/جولائی ۱۳۴۴ھش/۱۹۶۵ء صـ۳ کالم ۲ ٭

[5] الفضل ۵ ہجرت/مئی ۱۳۵۰ھش/۱۹۷۱ء صـ۳ کالم ۲ ٭

سپین مشن کی نشاۃِ ثانیہ خلافتِ ثالثہ میں

خلافتِ ثالثہ کے عہدِ مبارک سے سپین مشن ایک نئے دور میں داخل ہو چکا ہے جبکہ نہ صرف اس کی تبلیغی سرگرمیوں کی وسعت پذیری اور رفتارِ ترقی دونوں میں بہت اضافہ ہوا اور ہو رہا ہے بلکہ اب اس کا طریقِ کار اور پروگرام پہلے سے زیادہ معیّن، واضح اور نمایاں صورت اختیار کر چکا ہے۔

اسلامی لٹریچر کی وسیع پیمانہ پر ترسیل اور اس کے اثرات

خلافتِ ثالثہ کے ابتدائی چار پانچ سال میں اس مشن کی طرف سے سب سے زیادہ توجہ اس امر کی طرف دی گئی کہ ملک کے مشہور اداروں اور نامور شخصیتوں تک اسلامی لٹریچر بکثرت پہنچا دیا جائے[1] اس لٹریچر میں سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کا "پیغامِ امن اور حرفِ انتباہ" خاص طور پر شامل تھا چنانچہ اس عرصہ میں جن ممتاز اور مشہور لوگوں کو اسلامی لٹریچر دیا گیا ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:-

۱- ہزایکسی لینسی (SR. RENE SHICK) پریذیڈنٹ نکراگوآ (NICRABUA) وسطی امریکہ۔

۲- ملٹری اٹیچی صاحب افسر رابطہ (CHIEF OF PROTOCOL) نکراگوآ۔

۳- ہزمیجسٹی (D. JUANDE BOSTION) جلاوطن بادشاہ سپین مقیم پرتگال۔

۴- سپین کے مشہور ڈاکٹر D. CARLOS JIMENEZ وزیر اقتصادیات سپین۔

۵- ہزایکسی لینسی D. PEDRO CUAL VILL ABLE وزیر اعظم پرتگال۔

۶- D. ANTO MIS OLIVIERA SALAZAR پریذیڈنٹ رائل اکیڈمی فزیکل سائنس۔

۷- سیکرٹری پریس ایسوسی ایشن۔[2]

۸- سابق وزیر خارجہ سپین D. AL BERTO MARTIN ARTAJO[3]

۹- D. JUAN BENEYTO پریذیڈنٹ کونسل آف پریس سپین۔

---

[1] مثلاً احسان ۱۳۴۸ہش میں رائل میڈیکل اکیڈمی، رائل اکیڈمی آف ہسٹری، جوڈیشل رائل اکیڈمی۔ رائل اکیڈمی آف فارمیسی کے ۱۰۳ ممبروں کو اسلامی اصول کی فلاسفی بھجوائی اور بعض کو اسلام کا اقتصادی نظام بھی۔

[2] رسالہ "تحریکِ جدید" وفا/جولائی ۱۳۴۵ہش/۱۹۶۶ء۔

[3] الفضل ۱۲ وفا/جولائی ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء صـ ۳۔

۱۰- D.FELIPEXIMENEZ SHDIDOYAL

۱۱- لیفٹیننٹ جنرل SR CON DE CASALOJA

۱۲- لیبر یونین کے وزیر D. EMIGNE GAREIS RAMAL

۱۳- ہزایکسی لینسی جنرل فرانکو صدر مملکت سپین مع وزراء کونسل S.E, SR, D.FRANCISCO FRANCO BAHAMONDE

۱۴- پریذیڈنٹ فرانس ہزایکسی لینسی موسیو جارج پومپیڈو (GEORGE POMPIDO) [1]

اِن شخصیتوں نے اسلامی لٹریچر کے مہیّا کئے جانے پر نہ صرف شکریہ ادا کیا بلکہ اس کا دلچسپی سے مطالعہ کر کے نہایت عمدہ تأثرات کا اظہار کیا مثلاً لیبر یونین کے وزیر (D. EMIGNE GAREIS RAMAL) نے "اسلامی اصول کی فلاسفی" "کمیونزم اینڈ ڈیموکریسی" "اسلام کا اقتصادی نظام" "پیغامِ امن اور ایک حرفِ انتباہ" کی نسبت لکھا:۔

"مَیں خط کا جواب دیر سے دے رہا ہوں کیونکہ نیا چارج لینے کی وجہ سے بے حد مصروفیت رہی ہے لیکن یہ کتب پڑھنے کا بے حد اشتیاق تھا کچھ دن ہوئے مَیں نے کتب پڑھ لی ہیں۔ آپکو یقین دلاتا ہوں کہ یہ کتب علومِ رُوحانی کا خزانہ ہیں اور انتہائی دلچسپ ہیں۔ آپ کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔" [2]

سربراہِ مملکت سپین کے نام تبلیغی مکتوب

مبلّغِ اسلام مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر نے ماہِ فتح / دسمبر ۱۳۴۸ھش / ۱۹۶۹ء میں مملکت سپین کے سربراہ ہزایکسی لینسی جنرل فرانکو کی خدمت میں ایک اہم تبلیغی مکتوب لکھا جس میں اسلام اور احمدیت کے اہم بنیادی عقائد کا خلاصہ بیان کیا۔ اور آخر میں انہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرزندِ جلیل مہدی معہود علیہ السلام پر ایمان لانے کی دعوت دی۔

صدرِ مملکت جنرل فرانکو نے اِس مکتوب کے موصول ہونے پر ۲۴ دسمبر ۱۹۶۹ء کو شکریہ کا خط لکھا۔

---

[1] الفضل ۷ احسان / جون ۱۳۴۹ھش / ۱۹۷۰ء صہ ۳

[2] (ترجمہ) الفضل ۷ احسان / جون ۱۳۴۹ھش / ۱۹۷۰ء صہ ۳

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایّدہ اللہ تعالیٰ کا مبارک سفرِ سپین

۲۵۔ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۴۹ ہش/۱۹۷۰ء کا دن سپین کی پوری تاریخ میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا کیونکہ اس روز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرزندِ جلیل سیّدنا احمد المسیح الموعود کا تیسرا خلیفہ راشد مغربی افریقہ کے نہایت درجہ کامیاب اور بے شمار برکتوں سے معمور دورہ سے واپسی پر لنڈن سے بذریعہ ہوائی جہاز سپین کے دارالحکومت میڈرڈ (ماترید) میں رونق افروز ہوا۔[۱]

اس مبارک سفر میں حضرت سیّدہ منصورہ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی، صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل اعلیٰ تحریکِ جدید، چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ[۲]، پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے[۳]، بشیر احمد خانصاحب رفیق[۴] اور محمد سلیم صاحب ناصر کو بھی حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی بابرکت رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔[۵]

جناب بشیر احمد خاں صاحب رفیق کا بیان ہے کہ :-

"ہوائی جہاز میں یہ سفر قریباً دو گھنٹے میں طے ہوا۔ جوں جوں میڈرڈ قریب آتا گیا حضور کی طبیعت میں ایک اضطراب کی سی کیفیت نظر آنے لگی۔ میڈرڈ کا ہوائی اڈہ نظروں کے سامنے آیا تو حضور نے پیچھے مُڑ کر فرمایا :-

"مجھے تو طارق کے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سُنائی دے رہی ہیں کیا تم کو بھی سُنائی دے رہی ہیں۔"[۶]

حضور نے اِس سرزمین کو (جس کا ذرہ ذرہ مسلمانوں کی شوکتِ رفتہ اور عظمتِ پارینہ کا دائمی نشان اور ان کی عبرت ناک شکست اور الم انگیز پسپائی پر خون کے آنسو رُلا رہا ہے) قریباً ایک ہفتہ تک اپنے مبارک قدموں سے برکت بخشی۔

حضور کے اِس مبارک سفرِ سپین کی تفصیلات تو خلافتِ ثالثہ کے عہدِ مبارک کی تاریخ میں بیان ہونگی

---

[۱] الفضل ۲۸ ہجرت/مئی ۱۳۴۹ ہش/۱۹۷۰ء صفحہ ۱۔ [۲] حال ناظر امورِ عامہ و خارجہ ربوہ۔ [۳] حال پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ۔ [۴] سابق امام مسجد فضل لنڈن حال پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح۔ [۵] الفضل ۵ ہجرت/مئی ۱۳۵۰ ہش/۱۹۷۱ء صفحہ ۲۔ [۶] ایضاً صفحہ ۲ کالم ۱۔

یہاں ہمیں مختصراً صرف اِسی قدر بتانا ہے کہ حضور انور پہلے دُو روز میڈرڈ (مائرید) میں قیام فرما رہے بعد ازاں دوسرے تاریخی مقامات قرطبہ، غرناطہ اور طلیطلہ کی طرف تشریف لے گئے۔

قرطبہ میں ورود مسعود

چنانچہ حضور مع قافلہ ۲۷ ہجرت/مئی کی صبح کو میڈرڈ سے روانہ ہو کر شام کے وقت قرطبہ[1] پہنچے حضور کا قیام میلیا (MELIA) ہوٹل میں تھا۔ مختصر وقفہ کے بعد حضور شام کو مسجد قرطبہ میں تشریف لے گئے۔ اس موقع پر حضور کے پُرانوار اور خدانما چہرہ کی زبردست مقناطیسی اور رُوحانی کشش کے بعض عجیب اثرات دیکھنے میں آئے۔ ایک تو یہ کہ جب حضور پہنچے تو قرطبہ کالج کے ایک پروفیسر پہلے ہی موجود تھے جو حضور کے رُخِ مبارک سے اتنے متأثر ہوئے کہ انہوں نے از خود مسجد دکھانے کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ دوسرے یہ کہ محراب کے گرد لوہے کا جنگلہ لگا ہوا تھا اور کسی کو محراب کے اندر جانے کی اجازت نہیں تھی مگر مسجد کے عیسائی محافظ نے بغیر کسی درخواست کے بلا تامّل حضور کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ حضور جنگلہ کے اندر محراب میں تشریف لے چلیں اور ساتھ ہی آہنی جنگلے کا دروازہ بھی کھول دیا۔ محراب میں داخلے کا نظارہ نہایت دردناک تھا۔ حضور تو مجسّم دُعا بنے ہی ہوئے تھے قافلہ کے باقی تمام افراد پر بھی رِقّت طاری تھی۔ حضور نے محراب میں کھڑے ہو کر نہایت الحاح وزاری سے دُعا کی۔

غرناطہ میں آمد

حضور نے قرطبہ میں دعاؤں سے معمور ایک شب گزارنے کے بعد اگلے روز علی الصبح مسجد قرطبہ اور قرطبہ کے مشہور محل "القصر" کو دوبارہ ملاحظہ فرمایا اور پھر غرناطہ[2] روانہ ہوئے اور شام کو غرناطہ پہنچے۔ حضور کا قیام قصر "الحمراء" کے ایک حصّہ (یعنی غرناطہ پیلس ہوٹل) میں تھا۔ اگلے روز حضور نے الحمراء کا پُرشکوہ محل دیکھا[3]۔

شوکتِ اسلام کیلئے حضور کی پُرسوز دُعائیں اور ان کی قبولیت پر آسمانی بشارت

حضور انور نے لندن سے سپین کے لئے روانگی کے وقت سے ہی اپنے پیارے ربّ کے حضور پُرسوز دعاؤں کا جو خاص سلسلہ شروع کر رکھا تھا وہ غرناطہ میں نقطۂ عروج تک پہنچ گیا۔ اور غرناطہ ہی میں ربِّ جلیل نے اپنے پاک الہام سے ان کی قبولیت کی

---

[1] CORDOVA۔ [2] GRANADA۔ [3] الفضل ۶ ہجرت/مئی ۱۳۵۰ھش/۱۹۷۱ء صہ۲۔

بھاری بشارت عطا فرمائی۔ اِس ایمان افروز واقعہ کی تفصیل امیر المومنین سیدنا حضرت فاتح الدین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کے مبارک الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے۔ فرمایا:۔

"مَیں بہت پریشان تھا۔ سات سو سال تک وہاں مسلمانوں کی حکومت رہی ہے۔ اُس وقت کے بعض غلط کار علماء کی سازشوں کے نتیجہ میں وہ حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔ وہاں کوئی مسلمان نہیں رہا۔ ہم نے نئے سرے سے تبلیغ شروع کی چنانچہ اس ملک کے چند باشندے احمدی مسلمان ہوئے۔ وہاں جاکر شدید ذہنی تکلیف ہوئی۔ غرناطہ جو بڑے لمبے عرصہ تک دارالخلافہ رہا، جہاں کئی لائبریریاں تھیں، یونیورسٹی تھی، جس میں بڑے بڑے پادری اور بشپ مسلمان اُستادوں کی شاگردی اختیار کرتے تھے مسلمان وہاں سے مٹا دیئے گئے۔ غرض اسلام کی ساری شان و شوکت مادّی بھی اور رُوحانی بھی اور اخلاقی بھی مٹادی گئی ہے۔ طبیعت میں اس قدر پریشانی تھی کہ آپ اندازہ نہیں کرسکتے۔ غرناطہ جاتے وقت میرے دل میں آیا کہ ایک وقت وہ تھا کہ یہاں کے درودیوار سے درُود کی آوازیں اُٹھتی تھیں آج یہ لوگ گالیاں دے رہے ہیں۔ طبیعت میں بڑا تکدّر پیدا ہوا۔ چنانچہ مَیں نے ارادہ کیا کہ جس حد تک کثرت سے درُود پڑھ سکوں گا پڑھوں گا تاکہ کچھ تو کفّارہ ہوجائے لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت نے مجھے بتائے بغیر میری زبان کے الفاظ بدل دیئے۔ گھنٹے دو گھنٹے کے بعد اچانک جب مَیں نے اپنے الفاظ پر غور کیا تو مَیں اس وقت درُود نہیں پڑھ رہا تھا بلکہ اس کی جگہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ پڑھ رہا تھا یعنی توحید کے کلمات میری زبان سے نکل رہے تھے۔ تب مَیں نے سوچا کہ اصل تو توحید ہی ہے۔ حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی قیامِ توحید کے لئے تھی۔ مَیں نے فیصلہ تو درست کیا تھا یعنی یہ کہ مجھے کثرت سے دعائیں کرنی چاہئیں لیکن الفاظ خود منتخب کرلئے تھے۔ درود سے یہ کلمہ کہ اللہ ایک ہے زیادہ مقدّم ہے۔ چنانچہ مَیں بڑا خوش ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی میری زبان کے رُخ کو بدل دیا۔

ہم غرناطہ میں دُو راتیں رہے۔ دوسری رات تو میری یہ حالت تھی کہ دس منٹ تک میری آنکھ لگ جاتی پھر کھُل جاتی اور مَیں دُعا میں مشغول ہوجاتا۔ ساری رات مَیں سو نہیں سکا۔ ساری رات اِسی سوچ میں گزر گئی کہ ہمارے پاس مال نہیں یہ بڑی طاقتور قومیں ہیں۔

مادی لحاظ سے بہت آگے نکل چکی ہیں۔ ہمارے پاس ذرائع نہیں ہیں، وسائل نہیں ہیں ہم انہیں کس طرح مسلمان کریں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو یہ مقصد ہے کہ تمام اقوامِ عالم حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خادم بن جائیں گی۔ یہ بھی اقوامِ عالم میں سے ہیں یہ کس طرح اسلام لائیں گی اور یہ کیسے ہوگا؟ غرض اِس قسم کی دعائیں ذہن میں آتی تھیں اور ساری رات میرا یہی حال رہا۔ چند منٹ کے لئے سوتا تھا پھر جاگتا تھا۔ پھر چند منٹ کے لئے سوتا تھا۔ ایک کرب کی حالت میں مَیں نے رات گزاری۔ وہاں دن بڑی جلدی چڑھ جاتا ہے۔ میرے خیال میں تین یا ساڑھے تین بجے کا وقت ہوگا مَیں صبح کی نماز پڑھ کر لیٹا تو یکدم میرے پر غنودگی کی کیفیت طاری ہوئی اور قرآن کریم کی یہ آیت میری زبان پر جاری ہوگئی:۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ (الطلاق آیت ۴)

اِس بات کا بھی جواب آگیا کہ ذرائع نہیں کام کیسے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اللہ پر توکّل رکھو اور جو شخص اللہ پر توکّل رکھتا ہے اسے دوسرے ذرائع کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی وہ اس کے لئے کافی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ۔

اللہ تعالیٰ جو اپنا مقصد بناتا ہے اسے ضرور پورا کرکے چھوڑتا ہے اِس لئے تمہیں یہ خیال نہیں آنا چاہیئے یہ خوف نہیں پیدا ہونا چاہیئے کہ یہ نہیں ہوسکتا یہ ہوگا اور ضرور ہوگا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی غرض ہی یہ ہے کہ تمام اقوامِ عالم کو وحدتِ اسلامی کے اندر جکڑ دیا جائے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں لاکر کھڑا کر دیا جائے۔

دوسرا یہ خیال تھا اور اِس کے لئے مَیں دعا بھی کرتا تھا کہ خدایا یہ ہوگا کب؟ اِس کا جواب بھی مجھے مل گیا۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ اور تخمینہ مقرر کیا ہوا ہے جس وقت وہ وقت آئے گا ہو جائے گا تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ مادی ذرائع اگر نہیں ہیں تو تم فکر نہ کرو اللہ کافی ہے وہ ہو کر رہے گا۔ چنانچہ میرے دل میں بڑی تسلی پیدا ہو گئی۔" [1]

غرناطہ سے طلیطلہ تک

حضور انور غرناطہ میں دو روزہ قیام کے بعد طلیطلہ[2] تشریف لے گئے طلیطلہ میں اب تک چار قدیم مساجد باقی ہیں جو سپین کے نیشنل ٹرسٹ کی تحویل میں ہیں۔ ان مساجد میں وہ چھوٹی سی مسجد بھی ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہاں طارق بن زیاد نے اِس سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد سب سے پہلی نماز پڑھی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے طلیطلہ کی اِس تاریخی مسجد میں دعا کی۔ حضرت اقدس جب دعا کے بعد مسجد کے قریبی دروازہ سے گزر کر باہر تشریف لائے تو یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے بتایا کہ یہ وہ دروازہ ہے جو مسلمانوں کے دورِ حکومت میں خلیفہ کے لئے مخصوص تھا۔[3]

دَورۂ طلیطلہ کی ایک بھاری خصوصیت یہ بھی ہے کہ حضرت اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ نے یہاں سپین میں اسلام اور مسلمانوں کی گم گشتہ عظمت و شوکت کی بازیابی کے لئے ایک خاص سکیم بھی تجویز فرمائی جس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب بھی سپین میں تشریف لے جا چکے ہیں۔

حضور انور نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲ احسان/جون ۱۳۴۹ہش/۱۹۷۰ء میں اس خاص سکیم کی طرف اشارہ کرتے اور اس کے لئے خصوصی دعا کی تحریک کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"سپین کے متعلق مَیں ایک اَور کوشش کر رہا ہوں جس کو ظاہر کرنا اِس وقت مناسب نہیں لیکن جس کے لئے دعا کرنا آج ہی ضروری ہے۔ اِس لئے بڑی کثرت سے یہ دعا کریں کہ جس مقصد کے لئے مَیں سپین گیا تھا اور جس کے پورا ہونے کے بظاہر آثار پیدا ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحم سے ہمارا کام کر دے کیونکہ ہم کمزور اور عاجز بندے

---

[1] الفضل ۱۵ وفا/جولائی ۱۳۴۹ہش/۱۹۷۰ء صفحہ ۱۳ ٭ [2] TOLEDO ٭ [3] الفضل ۶ ہجرت/مئی ۱۳۵۰ہش/۱۹۷۱ء صفحہ ۴ ٭

ہیں۔ پھر وہ دن ساری اُمّتِ مُسلمہ کے لئے بڑی خوشی کا دن ہوگا بعض اس کو پہچانیں گے اور خوش ہوں گے بعض نہیں پہچانیں گے یہ ان کی بدقسمتی ہوگی لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ دن ساری اُمّتِ مُسلمہ کے لئے خوشی کا دن ہوگا۔" [1]

مراجعت حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ طلیطلہ کی یادگار مسجدوں کو دیکھنے اور دعا کرنے کے بعد شام کو واپس میڈرڈ پہنچے اور اپنی نیم شبی دعاؤں اور اشکبار اور پُرنم آنکھوں سے آسمان پر مسلم سپین کی ایک بُنیادی اینٹ رکھنے کے بعد یکم ماہِ احسان/جون ۱۳۴۹ھش/۱۹۷۰ء کو میڈرڈ سے بذریعہ ہوائی جہاز لنڈن تشریف لے گئے اور یہ مبارک سفر بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

حضرت امیر المومنین کے انٹرویو کی اشاعت میڈرڈ کے مشہور اخبار میں اگرچہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کا دورۂ سپین نہایت مختصر تھا تاہم ہسپانوی پریس میں حضور انور کی آمد کا خوب چرچا ہوا۔ چنانچہ میڈرڈ کے ایک کثیر الاشاعت اخبار پوائبلو (PUEBLO) نے اپنی ۲ جون ۱۹۷۰ء کی اشاعت میں حضور کا ایک مفصل انٹرویو شائع کیا جس کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

اِسلام کے ایک شہزادے کا میڈرڈ میں ورودِ مسعود

"مجھے اپنی زندگی بھر میں ایک زندہ مجسمہ کے اتنا قریب ہونے کا موقعہ نہیں ملا جتنا آج حضرت امام جماعت احمدیہ سے مل کر نصیب ہوا۔ حضرت اقدس کا نورانی چہرہ دیکھ کر میں ورطۂ حیرت میں پڑ گیا۔ میں جو میڈرڈ میں دُنیوی مشاغل اور لہو و لعب میں مصروف زندگی دیکھنے کا عادی ہوں مجھے حضرت امام جماعت احمدیہ کے ساتھ جو دس ملین جماعت کے رُوحانی مقتدا ہیں ان سے بات کرنے کے لئے کافی ذہنی تیاری کی ضرورت پیش آئی۔ ہوٹل ہلٹن کے جس کمرے میں حضور تشریف رکھتے ہیں خوشبو سے مُعطّر تھا۔ کمرے کے اندر داخل ہوتے ہی حضور اقدس کی دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی نظر نے مجھ پر جو اثر کیا میں اس کی کیفیت الفاظ میں بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

جماعتِ احمدیہ جو دُنیائے اسلام کا ایک جدید فرقہ اور زبردست منظّم تبلیغی اور فعّال

---

[1] الفضل ۱۵ وفا/جولائی ۱۳۴۹ھش/۱۹۷۰ء ص ۴

جماعت ہے۔ان کے افراد کی تعداد دس ملین ہے۔

حضور اقدس کا نام حضرت مرزا ناصر احمد ہے حضور اس جماعت کے امام ہیں جو اسلام میں ایک نیا فرقہ ہے اور زبردست منظّم تبلیغی اور فعّال جماعت ہے جو اِس صدی میں ظاہر ہوئی۔یہ دس ملین کی جماعت ساری دُنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔اِس جماعت کے متعلق مشہور ہے کہ عیسائیت کا یہی ایک جماعت (خصوصًا) افریقہ میں مقابلہ کر رہی ہے۔

مَیں اس پُر اثر شخصیّت اور بزرگ مقدّس ہستی سے جن کی سفید ریش مبارک اور سفید عمامہ میں تقدّس کا نشان پایا جاتا ہے گفتگو کے نیاز حاصل کرتا ہوں۔مَیں اِس حقیقت کا دلی طور پر اظہار کرتا ہوں کہ حضور اقدس کا وجود حقانیت کا زندہ ثبوت ہے۔

ہم سب برابر ہیں

جماعتِ احمدیہ اور باقی مسلمانوں میں بنیادی عقائد کا کوئی فرق (نہیں)۔ان کے لئے قرآن کریم کامل کتاب اور اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہے جس سے عقائد صحیحہ، اعلیٰ کامل اُصول اور احکامات کا رُوحانی چشمہ بہتا ہے جس کی تعلیم سب مسلمانوں پر فرض ہے۔اسلام کی تعلیم غیر متبدّل ہے۔خدا تعالیٰ کو واحد مانتے ہیں۔ہم عیسائیوں کے تثلیث کے عقیدہ کو نہیں مانتے اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان براہِ راست تعلق قائم کرتا ہے۔اسلام میں خدا تعالیٰ کو اللہ کہتے ہیں۔حضرت امام جماعت احمدیہ کے خیالات اور افکار میں انسانیت کے لئے گہری ہمدردی اور محبّت کے جذبہ کا نمایاں اثر پایا جاتا ہے۔بنی نوع انسان سے سچّی ہمدردی اور سچّی محبّت اِس امر میں اسلام اور عیسائیت کی تعلیم (میں) کوئی فرق نہیں۔

اِسلام کا پیغام محبّت کا پیغام ہے

فرمایا۔ہم نے اپنے مبلّغوں کے ذریعہ اِس محبّت کا پیغام اہلِ افریقہ تک پہنچایا۔ہم نے کئی لاکھ دلوں کو فتح کر لیا ہے۔

سوال:۔دُنیا میں بدامنی قتل وغارت کا جو فساد برپا ہے اس کا کیا علاج ہے؟

جواب:۔دُنیا میں انشاء اللہ تعالیٰ امن وسلامتی کا نظام قائم ہو کر رہے گا۔دُنیا کی

تاریخ میں ایک مثال بھی ایسی نہیں کہ سچی محبت کا پیغام ناکام ہوا ہو محبت کا پیغام ہمیشہ ہی کامیاب ہوا ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ انسان انسان سے محبت کرنا سیکھے اور حقیقی ہمدردی سے پیش آئے۔

سوال :۔ آپ کے نزدیک امن و انصاف کی کیا تعریف ہے؟

جواب :۔ امن و امان اور ظلم و تعدّی دو متضاد چیزیں ہیں۔ دُنیا میں کئی لوگ امن قائم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن عملی طور پر وہ ظلم اور بے انصافی سے کام لیتے ہیں اور اِس امر کا عملی ثبوت بہم پہنچاتے ہیں کہ وہ دل سے حقیقی طور پر دُنیا میں امن قائم کرنا نہیں چاہتے جب مَیں امن و سلامتی کے الفاظ استعمال کرتا ہوں تو دل سے حقیقی طور پر امن و سلامتی کا خواہش مند ہوں۔

افریقہ کے باشندے ہمارے متعلق سچی گواہی دے سکتے ہیں کہ ہم دُنیا میں سچے دل سے امن و سلامتی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ پچاس سال کے عرصہ میں جب سے ہم نے وہاں مشن کھولے ہیں ہم وہاں سے ایک پائی تک بھی نہیں لائے۔ ہم نے ہزاروں پونڈ اہلِ افریقہ کی بہتری اور بھلائی کے لئے خرچ کئے ہیں۔ افریقہ کے احمدی احباب کا غیر از جماعت احباب پر نہایت ہی اچھا اثر پڑا ہے۔ وہ محض ان کے نیک نمونہ کی وجہ سے ہے۔

آخری سالوں میں جماعتِ احمدیہ نے ڈنمارک، سوئٹزرلینڈ، جرمنی، ہالینڈ وغیرہ میں اپنی مسجدیں بنائی ہیں۔ میڈرڈ میں بھی ایک چھوٹی سی جماعت موجود ہے۔ ان کا اپنا مشن کھلا ہوا ہے۔ یہ آخری گفتگو ہے جو حضرت امام جماعتِ احمدیہ سے کر سکا۔ مجھے بتایا گیا کہ پاکستانی سفیر نے بُلایا ہے۔ اِسی طرح آپ ساتھ والے کمرے میں داخل ہو گئے اور خوشبو کی دِلرُبا مہک اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔"[1]

احمدیہ مُسلم مشن سپین رجسٹرڈ ہو گیا

خلافتِ ثالثہ کے مبارک دَور کی ایک برکت یہ بھی ہے کہ ۱۳۴۹ہش/۱۹۷۰ء سے حکومتِ سپین نے "احمدیہ مسلم مشن سپین" کو باقاعدہ رجسٹرڈ کر لیا ہے جس کے بعد اب پولیس کی طرف سے کڑی نگرانی اور بے وجہ تنگ کرنے کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا

[1] الفضل ۸۔ظہور/اگست ۱۳۴۹ہش/۱۹۷۰ء صفحہ ۵۔

ہے اور تبلیغِ اسلام پر بھی اَب قانوناً کوئی پابندی نافذ نہیں ہے۔ فَالحَمدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ [1]

دار التبلیغ سپین کی شاندار خدمات پر ایک طائرانہ نظر

احمدیہ مشن نے اِس وقت تک اسلام کی جو شاندار خدمات انجام دیں ان سے اِس ملک میں اسلام کا مستقبل صاف طور پر روشن نظر آنے لگا ہے جس کا بھاری ثبوت یہ ہے کہ چرچ کی اسلام کے خلاف جاری شدہ نفرت کی ظالمانہ مہم آہستہ آہستہ بے اثر ہوتی جارہی ہے اور قلوب و اذہان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید اور مسلمانوں سے نفرت و حقارت کے خیالات وجذبات میں بتدریج نمایاں کمی واقع ہو رہی ہے اور ان کی جگہ رواداری اور محبّت نے لینی شروع کردی ہے۔

ایک زمانہ وہ تھا جبکہ سپین کا ملکی پریس اسلام اور مسلمانوں کو نظر انداز کر دیتا تھا مگر اَب پریس کا رجعت پسندانہ اندازِ فکر و طرزِ عمل بھی بدل رہا ہے۔ اِس خوشگوار تغیر و تبدّل کا ایک نمونہ بارسیلونہ کے ہفتہ وار رسالہ REVISTA کا وہ مفصّل مضمون بھی ہے جو اُس نے اپنی ۱۹ تا ۲۵ جولائی ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں شائع کیا۔[2]

یہ مضمون چونکہ اسلام سے متعلق سپین کے موجودہ بدلتے ہوئے رجحانات کی ایک واضح تصویر پیش کرتا ہے اِس لئے اِس کے ایک حصّہ کا ترجمہ دیا جانا ضروری ہے۔ اخبار مذکور نے "کرم الٰہی ظفر مبلغِ اسلام" کے جلی عنوان سے لکھا:۔

> " احمدیت کے بُنیادی اُصول سمجھنے مشکل نہیں ہیں ہاں ہمارے لئے ان کا قبول کرنا مشکل ہے کیونکہ ہم یورپ کو زیادہ ترقی یافتہ سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ سب اقتدار ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہمارا مقصد صاف ہے جیسا کہ گزشتہ وقتوں میں دُہرایا جاچکا ہے۔ کیا مشرق ہی ہمیں اخلاقِ حسنہ سکھائے؟ ہوسکتا ہے مشرق ہی ہمیں آکر اخلاقِ حسنہ سکھائے

---

[1] مبلّغِ اسلام مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر کا مکتوب بنام مؤلف "تاریخ احمدیت" (مورخہ ۱۴/۱۰ احسان / جون ۱۳۵۰ہش ۱۹۷۱ء)

[2] REVISTA نے اِس مضمون کے ساتھ ایک گروپ فوٹو بھی شائع کیا جس میں مبلّغِ اسلام مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر کے ساتھ سابق سفیر سپین مقیم کراچی۔ سابق وزیر محنت سپین۔ سابق وزیر خارجہ سپین SR MARTIN ARTAJO (حال S.R. SANZ DRRIO جنرل سیکرٹری آف سٹیٹ کونسل) اور سابق سفیر پاکستان مقیم میڈرڈ سیّد میراں محمد شاہ صاحب بھی کھڑے تھے۔

جبکہ TOYNBEE کہتا ہے کہ آخر میں یہ دو متوازی تمدن اکٹھے ہو جائیں گے۔ BERTRAND RUSSELL کہتا ہے کہ یورپ اپنی مادہ پرستی کی وجہ سے اپنی تہذیب کا گلا گھونٹ رہا ہے اِس لئے خیال گزرتا ہے کہ شاید یہ سچ ہی ہو۔

سچ تو یہ ہے کہ انتہائی ضلالت اور خوفناک مصائب کے اندر ایک نیا تہذیب و تمدن جنم لے رہا ہے ہمیں اس کو اس کی علامات سے پہچاننا چاہیئے تاکہ انسان کا حقیقی وقار و عزت قائم ہو۔"

افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ کے مسلمان سفیروں کو پیغامِ حق

سپین مشن کی تبلیغی سرگرمیوں کا دائرہ سپین سے باہر افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ تک وسیع ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس مشن کی طرف سے سفیر مصر (مصطفیٰ الطفیٰ) سفیر شام (لنشأة الحبی) سفیر مراکو نمائندہ لیبیا، نمائندہ الجزائر، نمائندہ موریطانیہ کو "اسلامی اصول کی فلاسفی" (عربی) "اسلام کا اقتصادی نظام" (عربی)۔ "نَحْنُ مُسْلِمُوْن" (عربی)۔ "سفینہ نوح"۔ "دعوتِ احمدیت و غرضہا" اور دیگر کتب اور پمفلٹ پیش کئے گئے۔ ان ممالک کے سفارتی عملہ کے باقی ممبروں کو بھی سلسلہ کا لٹریچر مطالعہ کے لئے دیا گیا اور "لِمَا اَعْتَقِدُ الْاِسْلَامَ" کی وسیع تقسیم کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں انور سادات (صدر مصر)۔ بومحی الدین (صدر الجزائر)۔ حسن ثانی (والیٔ مراکش)۔ حبیب بورقیبہ (صدر ٹیونس)۔ میجر جنرل جعفر نمیری (صدر سوڈان)۔ کرنل قذافی (صدر لیبیا)۔ جنرل حافظ الاسد (صدر شام) کو بھی "فلسفہ اُصول الاسلامیہ"۔ "نظام الاقتصاد فی الاسلام"۔ "سفینہ نوح"۔ "دعوۃ احمدیت و غرضہا" وغیرہ عربی لٹریچر بھجوایا گیا۔

احمدیہ مشن کی کوششوں کا یہ بھی نتیجہ ہے کہ خدا کے فضل سے مراکو کے دو تعلیم یافتہ مسلمان محمد بن عیسیٰ (CENTA شمالی افریقہ مقبوضہ سپین) اور احمد عروشی (ربط) حلقہ بگوشِ احمدیت ہو چکے ہیں۔

احمدیہ مشن کے ذریعہ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے والوں کے اسماء

احمدیہ مشن کے ثمرات و نتائج کا اندازہ اِس سے لگ سکتا ہے کہ سرکاری پابندیوں اور کیتھولک چرچ کی پُرزور مخالفت کے باوجود وسط احسان/جون ۱۳۵۰ھش ۱۹۷۱ء تک سپین کے مندرجہ ذیل انتیس ۲۹ افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔

فہرست

اسلامی نام	ہسپانوی نام
۱۔ مکرم محمد احمد صاحب آف استونیا	SR EURIQUE KUZMIN
۲۔ مکرم انور احمد صاحب	SR MANNEL BUENO
۳۔ مکرم اجمل احمد صاحب	SR MIGUEL MIRANDA
۴۔ مکرم بشیر احمد صاحب (ڈاکٹر)	SR LUIS CARENO
۵۔ مکرم فلاح الدین صاحب	SR JESUS JCLIPE ARROYO
۶۔ مکرم مبارک احمد صاحب	SR FERNANDO CHICARANDA
۷۔ مکرم عطاء اللہ ناصر صاحب	SR ANTONIO JGLESIA LAGUNA
۸-۹۔ مکرم سعید احمد صاحب و سعیدہ صاحبہ	SRS CARLOS COLMENARES
۱۰۔ مکرم عبد اللطیف صاحب	SR LUIS DE VAL
۱۱۔ مکرم بشیر الدین صاحب	SR VICENTE CARBALLO
۱۲۔ مکرم عبد الرحیم صاحب بارسلونہ	SR JOSE ABAD
۱۳۔ مکرم انیس عبد الباقی صاحب غرناطہ (وکیل)	SR ALBERDI
۱۴۔ مکرم منصور احمد صاحب	SR JOSE MARIA GARZON
۱۵۔ مکرمہ نصیرہ صاحبہ (جرمنی میں فوت ہو گئیں)	SR TA CARMEN
۱۶۔ مکرم سیف الاسلام صاحب	SR MANUEL BUENO PRELLEZO
۱۷۔ مکرم عبد السلام صاحب و ناصرہ صاحبہ	SRS. FMILIO CASTILLOS (CEUTA)
۱۸۔ مکرم ظفر اللہ صاحب	SR FRANCISCO POZO
۱۹۔ مکرمہ امۃ اللہ صاحبہ (اہلیہ)	
۲۰۔ مکرم عطاء المنان صاحب	SR ANGEL MORENO GARCIA
۲۱۔ مکرم بشارت الرحمٰن صاحب	SR FRANCISCO DUCHEN
۲۲۔ مکرمہ منصورہ عائشہ صاحبہ	SRTA CARMENDEL RIO

۲۳۔ مکرم محمدّ احمد صاحب	SR XAVIERICARTI GARCTA
۲۴۔ مکرم عبدالواحد محمود صاحب	SR EDUARDO DE CORDOBA
۲۵۔ مکرم عبدالاحد ناصر صاحب	SR FERNEMDO BARREJOU
۲۶۔ مکرم منوّر احمد صاحب	SR VICENTE BRIZ ALVAREZ
۲۷۔ مکرم عبدالحی صاحب و اہلیہ صاحبہ	SR RESTI TUTO SINDO
۲۸۔ مکرم بشیر احمد صاحب	SR JOSE REQUENA GOUZALEZ
۲۹۔ مکرم نور الحق صاحب	SR MIGUEL SEQUI

سپین کی نسبت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی پُرشوکت پیشگوئی

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے سپین کے مستقبل کی نسبت ایک نہایت پُرشوکت پیشگوئی ۲۹ ماہِ احسان/جون ۱۳۴۹ہش ۱۹۷۰ء کو فرمائی جس کو درج کرکے سپین مشن کے حالات و کوائف ختم کئے جاتے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا:۔

"ہم مسلمان سپین میں تلوار کے ذریعہ داخل ہوئے اور اس کا جو حشر ہوا وہ ظاہر ہے۔ اب ہم وہاں قرآن لے کر داخل ہوئے ہیں اور قرآن کی فتوحات کو کوئی طاقت ٹال نہیں کرسکتی۔" [1]

فصل سوم

صقلیہ (سسلی) میں اشاعتِ اسلام

صقلیہ اٹلی کے نچلے حصہ میں ایک جزیرہ ہے جہاں یورپ میں سپین کے بعد دوسرے نمبر کی اسلامی

---

[1] الفضل ۷ وفا/جولائی ۱۳۴۹ہش ۱۹۷۰ء صفحہ ۳ کالم ۲۔

حکومت قائم تھی اور جس کے ذریعہ مسلمانوں کی ہسپانوی سلطنت کے خاتمہ کے بعد بھی قریباً دو صدیوں تک پوری شان وشوکت سے اسلام کا جھنڈا لہراتا رہا تھا۔ صقلیہ کے اسلامی دَور میں بکثرت اصحابِ فضل وکمال پیدا ہوئے جو اپنے علم وفن میں ہسپانوی علماء کے ہم پلّہ، نابغۃ الدہر اور یکتائے روزگار تھے اور یہ جزیرہ ہر قسم کی اسلامی یونیورسٹیوں کا مرکز تھا لیکن افسوس جو دردناک حشر ہسپانوی مسلمانوں کا ہُوا وہی اس خطہ کے برگشتہ نصیب مسلمانوں کا ہُوا۔ ۴۸۴ھ/۹۲-۱۰۹۱ء میں عیسائی بادشاہ راجر اوّل نے صقلیہ کے آخری مسلمان تاجدار ابن البعباع کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا اور مسلمان عیسائی حکومت کی رعایا قرار پائے۔ ۶۴۷ھ/۵۰-۱۲۴۹ء میں فریڈرک نے تمام صقلوی مسلمانوں کو اٹلی کے علاقہ (لوجارہ) نوسیرا میں جلاوطن کر دیا مگر یہاں بھی عیسائی بادشاہوں نے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور یہ غریب اور نہتے مسلمان ناقابلِ برداشت تکالیف برداشت کرتے کرتے بالآخر جبراً عیسائی بنا لئے گئے۔ ۷۰۰ھ/۱۳۰۰ء میں یہ پُورا علاقہ اسلام کے نام لیواؤں سے خالی ہو گیا۔[1]

حضرت مصلح موعود کا عزم بالجزم

حضرت مصلح موعود نے جب اُندلس اور صقلیہ میں مسلمانوں کے رُعب ودبدبہ اور پھر ان کے اخراج کی دردناک تاریخ پڑھی تو آپ نے مصمم ارادہ کیا کہ ان علاقوں میں ضرور احمدی مبلّغین بھجوائیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

"اگر کوئی مسلمان مُردہ دِل ہو تو اَور بات ہے ورنہ ایک غیرت رکھنے والے مسلمان کے دِل پر ان حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد جو زخم لگتے ہیں ان کے اندمال کی کوئی صُورت نہیں ہو سکتی سوائے اس کے کہ وہ اپنا خونِ دل پیتا رہے۔۔ جب مَیں نے یہ حالات تاریخوں میں پڑھے تو مَیں نے عزم کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی تو میں ان علاقوں میں احمدیت کی اشاعت کے لئے اپنے مبلّغین بھجواؤں گا جو اسلام کو دوبارہ ان علاقوں میں غالب کریں اور اسلام کا جھنڈا دوبارہ اس ملک میں گاڑ دیں"۔[2]

مبلّغینِ اسلام کا سِسلی میں وُرود

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی اس دیرینہ خواہش کی تکمیل کے لئے ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیل اور مولوی

---

[1] تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ صقلیہ" از جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی۔ ناشر ندوۃ المصنفین اُردو بازار جامع مسجد دہلی۔

[2] الفضل ۱۷ وفا/جولائی ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۳ کالم ۲۔

محمد عثمان صاحب حضور کے حکم پر ۱۴؍ ماہِ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء کو لنڈن سے اٹلی اور صقلیہ کیلئے روانہ ہوئے۔[1]

یہ پہلے مبلغین تھے جو جنگِ عظیم کے خاتمہ کے بعد یورپ کی رُوحانی فتح کے لئے لنڈن سے بھجوائے گئے۔[2] اِن مبلغین نے کچھ وقت فلارنس (اٹلی) میں پیغامِ حق پہنچایا بعدازاں مسینہ (سسلی) کو اپنا مرکز بنا کر اشاعتِ اسلام کی مہم کا آغاز کر دیا[3] جس کے نتیجہ میں یہاں ایک حرکت سی پیدا ہوگئی چنانچہ نہ صرف یہ کہ اٹلی اور سسلی کے پریس[4] میں اسلام کا چرچا ہُوا اور ان کے متعلق مضامین شائع کئے بلکہ بعض لوگوں نے قبولِ اسلام کی سعادت بھی پائی۔ مجاہدینِ اسلام کی تبلیغی سرگرمیاں ابھی بالکل ابتدائی حالت میں تھیں کہ سسلی کی کیتھولک حکومت نے ان کو ملک میں مزید قیام کی اجازت دینے سے انکار کر دیا جس پر پہلے مولوی محمد عثمان صاحب آخر ستمبر ۱۹۴۷ء میں مسینہ کو خیرباد کہہ کے فلارنس (اٹلی) چلے آئے پھر ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیل بھی ۱۲؍ نومبر ۱۹۴۷ء کو جنیوا پہنچ گئے جہاں ان کا قیام ۱۳؍ جنوری ۱۹۴۸ء تک رہا[5] جس کے بعد آپ حضور انور کے حکم سے فری ٹاؤن (سیرالیون) میں تشریف لے گئے۔[6] آپ کو سیرالیون میں گئے ہوئے تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا کہ مولوی محمد عثمان صاحب بھی اعلائے حق کیلئے فلورنس سے سیرالیون پہنچ گئے اور تبلیغ اسلام میں مصروف ہو گئے۔

---

[1] الفضل ۲۰ ہجرت/مئی ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۵-۶۔ [2] جناب ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیل مجاہدِ سسلی کا بیان ہے کہ "ہم پہلے لنڈن گئے تین ماہ وہاں رہے۔ اٹلی کے ویزا کی کوشش کی حکومتِ اٹلی نے لکھا کہ کسی مبلغ کو اٹلی جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ حضرت مصلح موعود کی خدمت میں دعا کے لئے لکھا۔ آخر معجزانہ طور پر ویزا مل گیا اور ہم دونوں ٹرین کے ذریعہ پیرس سے روم پہنچے جب سوئٹزرلینڈ کے ملک سے ہماری گاڑی جا رہی تھی تو وہاں کی حکومت نے ہماری تلاشی لی اور ہمارے بستر وہاں ہی رکھ لئے۔ ہم حیران و پریشان، وہ سوس زبان بولیں ہم نہ سمجھیں۔ آخر تسلی کرنے کے بعد ایک ماہ تک ہمارے بستر بخیریت فلورنس پہنچ گئے"۔ [3] شروع میں ملک محمد شریف صاحب گجراتی مبلغِ اٹلی ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیل کے ساتھ مسینہ ۱۹۴۶ء میں تشریف لے گئے۔ یہ ۱۹؍ احسان/جون ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے۔ یہ مبلغین اٹیلین اور انگریزی زبان کے ٹریکٹ بھی ساتھ لے گئے تھے (الفضل ۴؍ وفا/جولائی ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲)۔ [4] مثلاً پراٹسٹنٹ عیسائیوں کے اخبار "لاروشے" (روشنی۔ نور) روم نے ۱۵؍ ستمبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں "مسلمان مبلغ" کے عنوان سے احمدیہ مشنوں کے تبلیغی کارناموں کا مختصر تذکرہ شائع کیا۔ "سسلی میں محمدؐ" کے عنوان سے تورین سے چھپنے والے ایک اخبار (ILLUSTRAJIENE DEL POPOLS) نے ۲؍ مارچ ۱۹۴۷ء کے ایشوع میں ایک مضمون سپردِ اشاعت کیا اور اس میں مبلغینِ سسلی کے فوٹو بھی دیئے۔ اس کے علاوہ بلونیا سے شائع ہونے والی ایک کتاب (CADOTTRINA DELL, ISLAM) کے صفحہ ۱۳۵ تا ۱۳۸ میں تحریک احمدیت کا ذکر کیا گیا۔ کتاب کے مصنف کا نام (M.M. MORENO) ہے۔ [5] ان تاریخوں کا تعین مکرم ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیل کے ویزا سے ہوتا ہے۔

[6] الفضل ۱۳ دسمبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۱ کے مطابق آپ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو لنڈن سے فری ٹاؤن کیلئے روانہ ہوئے تھے۔

سیدنا المصلح الموعودؓ کی طرف سے اظہارِ خوشنودی

اِس تفصیل سے ظاہر ہے کہ صقلیہ میں اگرچہ مبلّغینِ اسلام کا قیام نہایت مختصر تھا مگر اِس قلیل سے عرصہ میں خدا کے فضل و کرم سے اسلام کا بیج بو دیا گیا۔ حضرت سیّدنا المصلح الموعود ان مبلّغین کے سِسلی میں پہنچنے پر کس درجہ مسرور و محظوظ ہوئے۔ اِس کا اندازہ اِس سے لگ سکتا ہے کہ جب حضور کی خدمت میں مبلّغینِ اٹلی کی طرف سے یہ خوشکن اطلاع پہنچی کہ پہلے ۲ دو روز میں ہی خدا کے فضل و کرم سے دو نفوس[1] حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے ہیں تو حضور نے انہی دنوں مجلسِ علم و عرفان میں اِس پر خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"صقلیہ کے لوگ آجکل اپنی آزادی کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ اس علاقے کے مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنایا گیا تھا لیکن امتدادِ زمانہ کی وجہ سے وہ اب اپنے آبائی مذہب کو بالکل بدل گئے ہیں۔ صقلیہ میں رہنے والوں میں سے لاکھوں ایسے ہیں جو مخلص، دیندار اور پرہیزگار مسلمانوں کی اولادیں ہیں ان کے آباؤ اجداد اسلام کے فدائی اور بہت متقی لوگ تھے لیکن یہ لوگ اسلام سے بالکل غافل ہیں اور عیسائیت کو ہی اپنا اصلی مذہب سمجھتے ہیں۔ مَیں نے اٹلی کے مبلّغین کو لکھا کہ آپ اس علاقہ میں تبلیغ پر زور دیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان کے آباء و اجداد کی ارواح کی تڑپ اور ان کی نیکی ان کی اولادوں کو اسلام کی طرف لے آئے پہلا خط[2] ان کا جو مجھے پہنچا اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ ہم اب روم سے آگئے ہیں اور صقلیہ کی طرف جا رہے ہیں۔ پھر ان کا دوسرا خط[3] مجھے پہنچا کہ ہم مسینہ میں پہنچ گئے ہیں۔ لوگ ہمارے لباس کو دیکھ کر جوق در جوق ہمارے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں۔ ہم ان کو یہ وعظ کرتے ہیں کہ تمہارے باپ دادا تو مسلمان تھے تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اسلام سے دُور چلے گئے ہو۔ اب دوسرا مسیح آگیا ہے آؤ اور اس کے ذریعہ حقیقی اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ تیسرا خط اُن کا

---

[1] سِسلی کے ابتدائی نومسلموں کا نام محمود اور بشیر رکھا گیا۔

[2][3] یہ دونوں خط جن میں سے ایک ملک محمد شریف صاحب کا اور دوسرا ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیل کا لکھا ہوا تھا الفضل کی ۲۰ رو فار / جولائی ۱۳۲۵ھش ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں محفوظ ہیں حضور نے یہ خط ملاحظہ فرمانے کے بعد اپنے قلم سے تحریر فرمایا "اللہ تعالیٰ نے میری خواہش پوری کی اِس وقت سپین اور سسلی دونوں سابق اسلامی ملکوں میں ہمارے مبلّغ پہنچ گئے ہیں اور تبلیغِ اسلام کا کام شروع ہو چکا ہے"۔

مجھے آج ملا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہاں کے دو نوجوان احمدی ہوگئے ہیں۔ دونوں بہت جوشیلے احمدی ہیں۔ احمدیت کی تبلیغ کا بہت جوش رکھتے ہیں۔ ایک کا نام ہم نے محمود رکھا ہے اور دوسرے کا نام ہم نے بشیر رکھا ہے۔ ان کا خط بھی مجھے آیا ہے جس میں انہوں نے بیعت کا لکھا ہے۔ ہمارے لئے یہ حالات خوش کن ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں توفیق دے کہ یہ دونوں ملک (سپین اور صقلیہ۔ ناقل) ہمارے ذریعہ پھر اسلام کا گہوارہ بن جائیں"۔ اس کے ساتھ ہی حضور نے جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

"جہاں ہمارے مبلّغین بیرونی ممالک میں تبلیغ کے لئے جارہے ہیں اور وہ ہماری طرف سے فریضہ تبلیغ ادا کر رہے ہیں وہاں ہم پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم ان کی امداد صحیح طور پر کریں اور ان کے اخراجات کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔۔ ہمارے مبلّغین کا تو بیرونی ممالک میں یہ حال ہے کہ ان میں سے ایک یعنے ماسٹر محمد ابراہیم صاحب نے جنگل میں جا کر درختوں کے پتّے کھا کر پیٹ بھرا اور دوسرے بھی نہایت تنگی کے ساتھ گزارہ کرتے ہیں"۔ [1]

علاوہ ازیں حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ایک اہم مضمون بھی سپردِ قلم فرمایا جس میں سسلی کے نومسلموں کے خطوط کا چربہ اور ترجمہ دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ :-

"یہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ اُس نے اسلام کی شوکتِ گزشتہ کو واپس لانے کے لئے ہماری جماعت کو قائم کیا ہے اور پھر ہمارے نوجوانوں میں اخلاص اور قربانی کی رُوح پیدا کی ہے اور آج ہم سپین اور سسلی دونوں جگہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے دوبارہ اسلام کا جھنڈا گاڑنے کی جدّ و جہد میں مشغول ہیں۔ الحمد للہ علےٰ ذالک"۔ [2]

گو صقلیہ مشن نامساعد حالات کی وجہ سے جلد بند کر دینا پڑا مگر یورپ میں قیامِ توحید سے متعلق خدائی بشارتوں کی بناء پر ہمیں یقین ہے کہ جلد یا بدیر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے خدّام ایک بار پھر اس علاقہ میں پہنچیں گے اور اس کے چپہ چپہ پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم کرکے

---

[1] الفضل ۱۷ وفا/جولائی ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء صفحہ ۳-۴ ۔ [2] الفضل ۴ وفا/جولائی ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء صفحہ ۳ کالم ۲۔

ہی دَم لیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ؀

فصل چہارم
سوئٹزرلینڈ مشن کا قیام

سوئٹزرلینڈ وسطی یورپ کا مشہور ملک ہے جو عیسائیت کی عالمگیر تبلیغی مہم میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس ملک میں درجن کے لگ بھگ ایسی مشنری سوسائیٹیاں ہیں جو دُنیا کے مختلف حصّوں میں عیسائیت کا پرچار کر رہی ہیں۔ ایک محتاط اندازہ کے مطابق اس مُلک کے اٹھارہ سَو کیتھولک پادری دُنیا میں صلیبی مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ کے ساتھ جرمنی، فرانس، اٹلی اور آسٹریا کی سرحدیں ملتی ہیں۔ اِس ملک کا بہتّر فیصد علاقہ جرمن زبان بولتا ہے اور بقیہ حصّہ میں فرانسیسی اور اطالوی زبان رائج ہے۔ یہ ملک اگرچہ ایک چھوٹا ملک ہے مگر چونکہ بین الاقوامی اعتبار سے اسے ایک خاص مرکزی حیثیت حاصل ہے اِس لئے یہاں سے اُٹھائی ہوئی آواز کا اثر ہمسایہ ممالک خصوصاً جرمنی پر بہت خوشگوار پڑتا ہے۔ وجہ یہ کہ سوئٹزرلینڈ کے اپنے پڑوسی ملکوں سے ہمیشہ گہرے اور عمدہ تعلقات رہے ہیں۔

سیّدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی دُور رَس نگاہِ انتخاب نے ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء میں قلبِ یورپ کے اس اہم ملک کو بھی اشاعتِ اسلام کے لئے چُنا اور اس میں مضبوط تبلیغی مرکز قائم کرنے کے لئے لنڈن سے شیخ ناصر احمد صاحب کو (چوہدری عبداللطیف صاحب[1] اور مولوی غلام احمد صاحب بشیر[2]

---

[1] [2] چوہدری عبداللطیف صاحب اور مولوی غلام احمد صاحب بشیر ۱۲ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو سوئٹزرلینڈ سے ہالینڈ بھجوا دیئے گئے جہاں حافظ قدرت اللہ صاحب کے ہاتھوں ۲۰ وفا/جولائی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو احمدیہ مشن کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ چوہدری عبداللطیف صاحب نے کچھ عرصہ سوئٹزرلینڈ میں تبلیغی خدمات بجالانے کے بعد ۲۰ صلح/جنوری ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء کو جرمنی میں مستقل مشن کی بنیاد رکھی جیسا کہ آگے مفصّل ذکر آئے گا (الفضل ۱۸ تبلیغ/فروری ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۵) الفضل یکم امان/مارچ ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲

کے ہمراہ، سوئٹزرلینڈ بھجوا دیا تا نہ صرف اِس ملک میں پیغامِ حق پہنچایا جائے بلکہ جرمنی سے آنے جانے والوں میں بھی تبلیغ کا رستہ جلد کھل جائے اور جرمنی میں داخلہ کی اجازت ملتے ہی وہاں بھی احمدیہ مسلم مشن کھولا جاسکے۔

مجاہدینِ تحریکِ جدید کا یہ وفد ۱۰/اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء کو لنڈن کے وکٹوریہ اسٹیشن سے بوقت دس بجے صبح بذریعہ گاڑی روانہ ہوا اور پیرس میں مجاہدینِ فرانس کے ساتھ نمازِ جمعہ کی ادائیگی اور مختصر قیام کے بعد ۱۳/اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء کو دوپہر کے وقت سوئٹزرلینڈ کے مشہور شہر زیورچ پہنچا حضرت مصلح موعود کی خدمت میں اس کی اطلاع ۱۵/اخاء/اکتوبر کو سفرِ دہلی سے واپسی پر بذریعہ تار قادیان موصول ہوئی اور اس کا تذکرہ بھی حضور نے اسی شام مجلس علم و عرفان میں اوّل نمبر پر کیا نیز فرمایا:۔

"جرمنی میں احمدیہ تبلیغی مشن قائم کرنے کے لئے بار بار کوشش کی گئی کہ احمدی مبلّغین کو جرمنی میں جانے کی اجازت دی جائے مگر امریکہ نے بھی اور برطانیہ نے بھی اجازت نہیں دی۔ اس پر مَیں نے اپنے جرمنی جانے والے مبلّغین کو ہدایت کی کہ وہ ہالینڈ چلے جائیں جو جرمنی کی سرحد پر ہے اور وہاں سے جرمنی میں بھی تبلیغ کی جاسکتی ہے۔ مگر یہ کوشش بھی بہت لمبی ہو گئی۔ ہالینڈ کی گورنمنٹ کو برطانوی گورنمنٹ نے بھی توجہ دلائی مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جب مَیں نے دیکھا کہ یہ صورت بھی پیدا ہوتی نظر نہیں آتی تو مَیں نے یہ ہدایت بھجوائی کہ سوئٹزرلینڈ کا علاقہ ایسا ہے جہاں لوگوں کی حالت اچھی ہے اور جنگ کی وجہ سے وہاں سیاسی حالات اِس قسم کے پیدا نہیں ہوئے کہ نازک صورت ہو اِس لئے وہاں جانے کی کوشش کی جائے۔ چونکہ پہلے یہ بات تجربہ میں آچکی تھی کہ غیر ممالک کا سکّہ مشکل سے ملتا ہے اٹلی کے مبلّغ اِس وجہ سے سخت تکلیف اُٹھا چکے تھے اِس لئے مَیں نے ہدایت کی کہ سوئٹزرلینڈ کا سکّہ اتنا حاصل کر لیا جائے کہ کم از کم چھ ماہ گزارا ہو سکے اور پھر سوئٹزرلینڈ کو جائیں۔ سپین میں جانے کا راستہ خدا تعالیٰ نے اِس طرح کھول دیا کہ وہاں ایک ہندوستانی رہتا تھا اس کے پاس کافی سکّہ تھا اور وہ واپس آنا چاہتا تھا اسے انگریزی سکّہ کی ضرورت تھی اتفاقاً وہ ہمارے مبلّغین سے ملا اور اس نے کہا اگر تمہیں ضرورت ہو تو میرے پاس یہاں کے کافی سکّے ہیں انگریزی سکّہ سے تبادلہ کر لیں چنانچہ تبادلہ کر لیا گیا اور اس طرح

سپین کے مبلغین کے ایک سال کے خرچ کا انتظام ہو گیا۔
اٹلی کے لئے کوشش کی گئی جس کا نتیجہ نکل چکا ہو گزشتہ مہینوں کا خرچ بھیجنے کی گورنمنٹ نے اجازت نہیں دی تھی اس لئے ہمارے مبلغین کو محنت و مشقت کر کے پیٹ پالنا پڑا مگر اس طرح تبلیغ کا کام اچھی طرح نہ کر سکتے تھے اب انہیں خرچ بھیجنے کا انتظام ہو گیا ہے۔ اس تلخ تجربہ کی وجہ سے میں نے ہدایت کر دی تھی کہ سوئٹزرلینڈ کے خرچ کا انتظام ہو سکے تو مبلغ جائیں۔ اب انتظام ہونے پر جرمنی جانے والا وفد سوئٹزرلینڈ چلا گیا ہے اور ایسی جگہ جا کر ٹھہرا ہے جو جرمنی کی سرحد پر ہے۔" [1]

زیورچ میں احمدی مجاہدین کے ابتدائی چھ ایام

شیخ ناصر احمد صاحب نے انچارج احمدیہ مشن سوئٹزرلینڈ کی حیثیت سے ابتدائی چھ ایام کی جو مختصر رپورٹ ۱۸/ اخاء/ اکتوبر بروز جمعہ مرکز میں بھیجی اس میں تحریر کیا کہ:-

"۱۳/ اخاء بروز اتوار دو پہر ایک بج کر اٹھارہ منٹ کی گاڑی سے ہم تینوں (برادرم چوہدری عبداللطیف صاحب۔ برادرم مولوی غلام احمد بشیر صاحب اور خاکسار ناصر احمد) سوئٹزرلینڈ کے شہر زیورچ پہنچے۔ گاڑی سے اترنے سے قبل ہم نے خدا تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ وہ اپنی خاص قدرتوں اور طاقتوں کے ذریعہ ہمیں کامیاب فرمائے اور ہر قدم پر اس کی تائید اور نصرت ہمارے شامل حال ہو۔ تاہم اس نہایت ہی عظیم الشان ذمہ داری کو باحسن وجوہ ادا کر سکیں جس کا بار وقف کے گراں قدر فریضہ نے ہمارے کمزور کندھوں پر رکھا ہے سرزمین سوئٹزرلینڈ پر قدم رکھتے وقت خاموش دعا کی گئی اور نیک فال کے طور پر پہلا کلمہ تبلیغ حق کا اس نئی سرزمین کو مخاطب کر کے منہ سے نکالا کہ خدا ہماری آواز میں برکت رکھ دے اور ہمارا طرز تبلیغ نیک طبائع کی کشش کا موجب بنے۔ سامان کی پڑتال کرنے کے بعد ہم ایک ہوٹل میں گئے جس میں ابتدائی تین ایام کے لئے جگہ کا انتظام کیا تھا۔ سٹیشن اور ہوٹل کے درمیان چند سو گز کا فاصلہ تھا لیکن اس قلیل فاصلہ کے طے کرنے کے دوران میں بے شمار افراد ہمارے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے۔ انہیں ہم اپنی پگڑیوں اور اچکنوں

---

[1] الفضل ۱۸/ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۵ھش/ ۱۹۴۶ء صفحہ ۳

ہیں عجوبہ نظر آئے۔ اکثر نے اِس لباس میں کسی انسان کو پہلی بار دیکھا ہوگا۔ لوگ حیرت سے ایکدوسرے کی طرف دیکھتے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ اور کہاں سے آئے ہیں؟ بعض ہنس دیتے۔ غرضکہ شہر میں قدم رکھتے ہی ہمیں ایک حیران اور ششدر پبلک کا سامنا کرنا پڑا۔ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا عوام کی حیرت کم ہوتی جائے گی لیکن ابھی ان کی حیرت کے بہت سے مواقع ہیں۔ کچھ وقت ہمیں زبان کی دِقّت سَر کرنے کے لئے درکار ہے۔ ہم اپنے ساتھ دو قسم کے ٹریکٹ جرمن زبان میں طبع کرا کر لائے ہیں جن میں اپنے آنے کی غرض، اسلام کی صداقت، حضرت مسیح موعودؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری اور قبرِ مسیح کا اعلان وغیرہ اُمور درج ہیں۔ ہم ابھی یہ ٹریکٹ تقسیم نہیں کر رہے کیونکہ جب تک ہم ان کی زبان میں تفصیل کے ساتھ بات کرنے اور لٹریچر کی اشاعت کے لازمی نتیجہ کے طور پر پیش کئے جانے والے سوالات کا جرمن زبان میں جواب دینے کے قابل نہ ہو جائیں اس وقت تک ان ٹریکٹوں کی اشاعت سے کماحقہٗ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اُمید ہے کہ انشاء اللہ العزیز جلد ہی ہم اِس قابل ہو جائیں گے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوفِیْق ... یہاں ایک بڑے بنک کے ایک ڈائریکٹر مسٹر آرنی کے ساتھ ہمارا غائبانہ تعارف ہو چکا تھا جو مکرم چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ایک دوست کے دوست ہیں ہم اگلے روز ان سے ملے بہت خوش خُلقی سے پیش آئے۔ ہم نے سب سے پہلے انہیں کسی مکان کا انتظام کرنے کے لئے کہا کیونکہ اس وقت سب سے بڑی ضرورت ہماری یہی تھی بصورت دیگر یورپ کے اِس حد درجہ گراں مُلک میں جہاں دُنیا بھر سے عموماً اور جنگ کے مصیبت زدہ یورپ سے خصوصاً لوگ تفریح کے لئے آتے ہیں ہمارا بہت خرچ ہو رہا ہے۔ اشیاء یہاں لندن سے بہت مہنگی ہیں۔ چائے کی ایک پیالی کی قیمت قریباً ۸ پنس ہے اور اسی نسبت سے ہوٹلوں اور دوسرے بورڈنگ ہاؤسوں کے کرائے ہیں۔ مسٹر آرنی نے بتایا کہ زیورچ میں مکان ملنا بہت دُشوار ہے تاہم وہ کوشش کریں گے۔

ہم ٹامس کُک کے دفتر میں بھی گئے اور وہاں سے کچھ معلومات حاصل کیں اور بعض ضروری اُمور سرانجام دیئے۔ ۱۵ تاریخ کو برطانوی کونسل جنرل کے دفتر میں جا کر ہم نے اپنے نام رجسٹرڈ کرائے اور اس کے بعد شہر میں پھرتے رہے تا حالات کی واقفیت حاصل کریں...

ابھی ابھی جبکہ میں یہ سطور لکھ رہا ہوں ہم شہر سے باہر جا کر نماز جمعہ ادا کر کے واپس آئے ہیں۔ ہم کسی کھلی جگہ کی تلاش میں دُور نکل گئے۔ پہاڑیوں پر چڑھ کر چلتے چلتے جب کوئی جگہ نہ ملی تو جنگلات کا رُخ کیا اور قریباً ½ گھنٹہ کی تلاش کے بعد گھنے جنگلات میں بلند اور خوبصورت درختوں کے جھنڈ تلے جا کر ہم نے اذان کہی جو اس طور پر پہلی اذان ہو گی کہ نماز جمعہ کے لئے دی گئی۔ اس کے بعد ہم نے نماز ادا کی اور خدا تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ وہ ہمیں اِس علاقے میں مسجد تعمیر کرنے کی توفیق دے ہمیں یہ نماز جمعہ ہمیشہ یاد رہے گی۔ یہ ہماری بے کسی اور ابتدائی کمزور حالت کا نشان ہو گی۔ اور ہم اپنے خدا سے اُمید رکھتے ہیں کہ وہ ہماری عاجزانہ دعاؤں کو ضرور قبول فرمائے گا اور ہمیں اپنے اعلیٰ اور مقدس نام کو پھیلانے کی توفیق عطا فرمائیگا۔[۱]

ماہِ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء تا آخر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء کا زمانہ سوئٹزرلینڈ مشن کی داغ بیل کا زمانہ تھا جبکہ ملک میں بے سرو سامانی کے عالم میں نہایت مختصر پیمانہ پر تبلیغی جدّ و جہد کا آغاز کیا گیا جو بوجہ اجنبی ماحول کے گردوپیش کے حالات کا جائزہ لینے، رہائش کا انتظام کرنے اور غیر زبان سیکھنے اور پرائیویٹ ملاقاتوں میں پیغامِ حق پہنچانے تک محدود رہی۔[۲] اس ابتدائی زمانہ میں مبلّغینِ اسلام نے جن لوگوں کو تبلیغِ اسلام کی ان میں (اینگلو انڈین) ہیفیلی، مسٹر مڈسن، (ڈنمارک) مسٹر لیبرمین، مسز سٹائل، مسٹر شیف الکنگ، مسز فُلر، کیتھولک پادری شرانز، مسٹر ایگرمین، مسٹر برونر (زیورچ یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر) اور پروفیسر فارا بھی تھے[۲] ان ملاقاتوں کے علاوہ مبلّغین نے بعض تبلیغی خطوط بھی لکھے۔ مثلاً زیورک سے باہر سینٹ گالن سے ایک صاحب نے بذریعہ خط معلومات طلب کیں جن کو مفصّل مکتوب لکھا۔[۲] ایک روز انہیں یہودیوں کی ایک مجلس میں جانے کا اتفاق ہوُا۔ وہ یہ سُنکر حیران و ششدر رہ گئے کہ کیا مسلمان مبلغ بھی اپنا دین پھیلانے کے لئے یہاں آنے کی "جسارت" کر سکتے ہیں۔ یہودیوں ہی کو نہیں اکثر سوئس باشندوں کو مبلّغینِ اسلام کے آنے کی غرض معلوم کر کے حد درجہ حیرت ہوتی تھی اور وہ کہتے تھے کہ اسلام دُنیا میں کیسے پھیل جائے گا۔ اسی زمانہ میں شیخ ناصر احمد صاحب سے ایک بڑے ڈاکٹر نے کہا کہ ہم دیکھیں گے کہ کِس طرح سوئٹزرلینڈ کے لوگ اسلام کو قبول کر لیتے ہیں۔ غرضکہ ان ابتدائی ایّام میں لوگ احمدی مبلّغین

---

۱ الفضّل ۲۶ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔ ۲ الفضّل ۱۲ فتح/دسمبر ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء صفحہ ۴، ۵،
الفضّل ۲۸ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء صفحہ ۵۔

کی باتیں اکثر ہنسی میں اُڑا دیتے تھے اور اس ملک میں اشاعتِ اسلام کو ناممکن تصوّر کرتے تھے۔

ٹریکٹ "قبرِ مسیح" کی اشاعت اور احمدی مبلغین کو ملک سے باہر نکالنے کی مسیحی سازش

کفر کی آنکھ بھی تیز ہوتی ہے۔ اگرچہ اُن دنوں احمدیہ مسلم مشن اپنی زندگی کے ابتدائی دور سے گزر رہا تھا مگر چرچ نے شروع ہی میں بھانپ لیا کہ سوئٹزرلینڈ سے اُٹھنے والی اسلام کی بظاہر کمزور آواز صلیبی مذہب کے لئے مہیب خطرہ ثابت ہوگی۔ چنانچہ جونہی مجاہدین اسلام نے "قبرِ مسیح" کے ٹریکٹ کی اشاعت شروع کی تو چرچ احمدی مبلغین کو ملک سے باہر نکالنے کی سازشیں کرنے لگا۔ یہ وقت مجاہدین کے لئے بہت صبر آزما تھا۔ ذیل میں شیخ ناصر احمد صاحب کے قلم سے اس کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔ شیخ صاحب نے ماہِ تبلیغ/فروری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کی رپورٹ میں لکھا:۔

"گزشتہ سال یہاں قبرِ مسیح کے اعلان پر مشتمل ٹریکٹ کی اشاعت کے نتیجہ میں مخالفت کا ایک غبار اُٹھا تھا۔ سخت کلامی سے لبریز خطوط ہمیں آئے۔ اخبارات میں مضامین ہمارا مضحکہ اُڑانے اور مشن کی مخالفت کی غرض سے لکھے گئے۔ پادری طبقہ بالخصوص بوجہ اپنی نوعیّت[1] کے ہمارا مخالف ہوگیا۔ چنانچہ ان ہی دنوں کی بات ہے کہ ایک پادری صاحب نے ہماری مالکۂ مکان کو کہلا بھیجا کہ وہ حیران ہے کہ اس نے ہمیں رہنے کے لئے جگہ کیوں دے رکھی ہے۔ اکتوبر کے شروع میں ہم نے جبکہ برادران غلام احمد بشیر اور چوہدری عبداللطیف صاحبان ابھی یہیں تھے اپنے ویزا کی توسیع کی درخواست دی۔ چار ہفتہ کے بعد ہر دو صاحبان ہالینڈ تشریف لے گئے۔ قریباً چار ماہ تک اس درخواست کا کوئی جواب نہ آیا۔ یہ دیر غیر معمولی اور تشویشناک تھی۔ گزشتہ ماہ کے آخر میں خاکسار کو کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ میرے یہاں قیام کی اجازت کا معاملہ چرچ کونسل کے سامنے ہے۔ اِس خبر میں مجھے خطرہ کی سُرخی نظر آئی چنانچہ احتیاطی طور پر بعض تدابیر اختیار کیں۔ ۱۶۔ فروری کو خاکسار ایک کام کے سلسلہ میں پولیس کے دفتر میں گیا وہاں سے معلوم ہوا کہ پولیس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میری درخواست کو ردّ کر دیا جائے اور یکم مارچ تک ملک چھوڑ دینے کے احکام جاری کئے جائیں۔ نادان پولیس مین نے یہ بھی کہا کہ چونکہ آپ کا مشن پورا ہوگیا ہے اور ایک سال کا عرصہ اِس کیلئے کافی ہے اِس لئے اَب آپ کو چلے جانا چاہیئے۔ مَیں نے کہا کہ آپ اپنے عیسائی مشنوں کو بھی

---

[1] نقل مطابق اصل

مصر وغیرہ ممالک سے واپس بلالیں۔ کہنے لگا ہمارے مشنوں اور آپ کے مشنوں میں فرق ہے
مَیں نے کہا بہت اچھا، اور اس کا شکریہ ادا کر کے واپس آگیا۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ کاغذات
تصدیق کے لئے برن (دارالحکومت) بھجوائے ہوئے ہیں جہاں سے آخری احکام جاری ہوں گے
۔حقیقت یہ ہے کہ اِس ملک کے لوگوں میں ایک خاص قسم کی کجی پائی جاتی ہے جو شاید یورپ
کے کسی اَور ملک میں مفقود ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بوجہ مخصوص اور معلوم حالات کے یہ ملک ایک
عرصہ سے جنگوں سے محفوظ رہا ہے اور اِس امر نے انہیں ایک بے جا فخر عطا کیا ہے اور یہ سمجھنے
لگ گئے ہیں کہ ان کی ذاتی خوبیاں، ان کا حُسنِ تدبّر اور نہ جانے کیا کچھ ان کے امن کی ضمانت
ہیں لیکن یہ ایک غلط فہمی ہے۔ ملک کے افراد میں اس غرور کی جھلک نمایاں ہے اور انانیت
کے جذبہ کو ان کی اِس حالت نے بہت تقویّت دی ہے۔ چنانچہ یہ لوگ اپنی انفرادی مرضی
کے خلاف کوئی بات سُننے کو تیار نہیں اور ہمچو ما دیگرے نیست کا راگ الاپتے ہیں۔

دوسری بات اِس سلسلہ میں یہ ہے کہ یہاں کی پولیس جو غیر ملکیوں سے متعلق ہے اس کے
اختیارات بہت وسیع ہیں کیونکہ ان کا صیغہ ہوم ڈیپارٹمنٹ کے ماتحت نہیں اِس لئے
یہ لوگ مَن مانی کارروائیاں کرتے ہیں۔ اور غیر ملکیوں کے لئے قوانین بھی سخت ہیں معلوم ہُوا
ہے کہ بسا اوقات پولیس نے اپنے اِس رویّہ کے باعث غیر ملکیوں کو خواہ مخواہ تکلیف پہنچائی
ان پر اَور تو کسی شعبۂ حکومت کا اقتدار نہیں اِس لئے انجام کار فیڈرل کورٹ میں جا کر
پولیس کے خلاف فیصلہ ہُوا اور بیچارے غیر ملکیوں کے حقوق کی حفاظت ہوئی۔ مَیں نے
محسوس کیا کہ پولیس کے چھوٹے بڑے میں میرے خلاف مخالفت کی آگ لگی ہوئی ہے۔ اسی
تنگ دلی اور کم ظرفی سے یہاں کے چرچ کو خاطر خواہ حصّہ ملا ہے۔ وہ جنہوں نے صدیوں
تک اپنے جھوٹے عقائد کے خلاف کوئی زبان ہلتی اور کوئی قلم چلتی نہ دیکھی تھی آج یہ کیا
ہُوا کہ اچانک ان کے "ایمان" کی جڑوں پر تبر رکھ دیا گیا اور مسیح کے سپاہی قلم و زبان
سے باطل کا بُطلان کرنے لگے۔ ان کے نزدیک تو ہمارا ایک سال کا عرصہ ہی ہمارے
مشن کی تکمیل کے لئے کافی ہے۔ وہ لوگ جن کے دِلوں میں عیسیٰ کی جھوٹی خدائی کا بُت ہے
وہ کب برداشت کر سکتے ہیں کہ کوئی اس بُت کو توڑے۔ نہ صرف توڑے بلکہ بے دردی سے

توڑے۔ ہم محمود کے سپاہی بفضلِ خدا اِس سومنات کے بُت کو توڑیں گے، توڑیں گے۔ اے خدا! ہمارے ہتھوڑے کو بھاری اور اس کی ضرب کو کاری بنا۔ آمین ... اِس سلسلہ میں یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ پولیس والوں نے اپنی پوزیشن کو بیرونی دُنیا کی نظروں میں محفوظ بنانے کے لئے ایک جعلی عُذر کی آڑلی اور کہا کہ چونکہ مرکزِ احمدیت اب مشن کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا اسلئے آپ یہاں ٹھہر نہیں سکتے۔ اب یہ تو مستقبل بتائے گا کہ ہم ان کے اس باطل عُذر کو کس طرح باطل ثابت کریں گے اور پولیس کو اس آخری دلیل کا سہارا بھی نہ ملے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ تاہم خاکسار اس امداد کو ریکارڈ کرنا چاہتا ہے جو اس نازک وقت میں ہماری نو احمدی بہن محترمہ محمودہ کی طرف سے ملی۔ ان ایام میں ایک رقم کی ضرورت تھی جسے بطور ثبوت کے پیش کیا جا سکتا (بوقتِ ضرورت) کہ سلسلہ ہمارے اخراجات کا کفیل ہے۔ محترمہ محمودہ نے کہا کہ ان کے پاس تین صد[۳۰۰] فرینک کی ایک رقم ٹیکس کی ادائیگی کے لئے موجود ہے جس کی فی الحال ضرورت نہیں۔ چنانچہ یہ رقم لے کر اپنے نام پر بنک میں جمع کرا دی گئی تا ہمارا کیس مضبوط ہو جائے۔ اِس رقم کے ساتھ محترمہ محمودہ نے لکھا "خدا آپ کی مدد کرے۔ خدا بالخصوص اِس موقعہ پر آپ کے ساتھ ہو۔"[۱]

تبلیغی اجلاسوں کا نہایت مفید سلسلہ سوئٹزرلینڈ میں اشاعتِ اسلام کا باقاعدہ کام ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء سے شروع ہوا جبکہ شیخ ناصر احمد صاحب نے تبلیغی اجلاسوں کا سلسلہ جاری کیا۔ اِس ضمن میں پہلا اجلاس ۲۰ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو ایک ہوٹل کے کمرہ میں منعقد کیا گیا۔ گو اس پہلے اجلاس کی حاضری تو بہت کم تھی مگر اس نئے تجربہ نے ملک میں تبلیغ کا ایک نیا رستہ کھول دیا۔[۲] حلقہ واقفیت میں وسعت پیدا ہوتی گئی اور اسلام میں دلچسپی لینے والوں کی تعداد بھی

---

[۱] الفضل ۱۸ امان/مارچ ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵۔ [۲] ملک عطاء الرحمن صاحب مجاہدِ فرانس کو ۱۵ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے اجلاس میں شمولیت کا موقع ملا تو وہ اس کی کامیابی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور لکھا "اجلاس بفضلہ تعالیٰ خوب کامیاب تھا۔ مغربی ممالک کی مذہب سے بے رغبتی اور اسلام سے تعصب کے پیشِ نظر حاضری غیر معمولی تھی۔" (الفضل ۱۸ تبلیغ/فروری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۳) اِن اجلاسوں کے لئے دعوت نامے بھجوانے کے علاوہ اخبارات میں اعلان شائع کئے جاتے تھے۔ اجلاس میں بالعموم پہلے شیخ ناصر احمد صاحب کسی اہم موضوع پر خطاب فرماتے پھر حاضرین کو سوالات کے ذریعہ اسلام سے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کا موقع دیا جاتا۔ بعض اجلاسوں میں اسلامی لٹریچر بھی تقسیم کیا گیا۔ سال میں ایک بار دیگر مذاہب کے نمائندوں کو

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بڑھنے لگی۔ ابتداء میں یہ اجلاس زیورچ میں کئے جاتے تھے مگر بعد ازاں برن، بازل، باڈن، ونٹر تھور، سینٹ گالن، شاف ہاؤزن میں بھی ان کا انعقاد عمل میں لایا گیا[1] اور یہ ہر مقام پر کامیاب رہے اور ان سے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کی مہم کو تیز کرنے میں بھاری مدد ملی۔

سوئٹزرلینڈ مشن کے ذریعہ جرمنی میں اشاعتِ اسلام

جرمنی میں ابھی مستقل مشن کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا کہ خط و کتابت کے ذریعہ کم و بیش بیس[2] افراد پر مشتمل ایک جماعت قائم ہو چکی تھی جس کی دیکھ بھال کے لئے شیخ ناصر احمد صاحب کنٹرول کمشن جرمنی سے اجازت لے کر گاہے گاہے تشریف لے جاتے رہے[3]۔ اس دوران میں آپ کو جرمنی میں اشاعتِ اسلام کے متعدد مواقع میسر آئے بلکہ ایک بار تو ہمبرگ ریڈیو نے آپ کی ایک تقریر بھی نشر کی، تقریر کا موضوع تھا "یورپی ممالک میری نظر میں"۔ اس تقریر کے بعض اقتباسات درج ذیل کئے جاتے ہیں تا معلوم ہو سکے کہ مجاہدینِ احمدیت مغربی دُنیا کو کس جذبہ اور قوت و شوکت سے خدائے واحد و یگانہ کا پیغام پہنچاتے ہیں:-

"آج یورپ خستہ حالی میں ہے... جرمنی میں جو تباہی اور ہولناک بربادی نظر آ رہی ہے وہ یورپی اقوام کی معروف محنت و قابلیت کی متناقض ہے۔ اس صورتِ حالات کی اِس قوتِ استعماری سے مطابقت دکھلانا مشکل ہے جس کی بدولت یورپ کو صنعتی ترقی حاصل ہوئی۔ مَیں اپنے نفس سے یہ سوال کرتا ہوں کہ یورپ کی صنعت و سائنس کس کام کی اگر اس کے نتیجہ میں پائدار امن حاصل نہیں ہوا؟ اس میں سائنس کا قصور نہیں، ہم اسے ملزم نہیں کر سکتے۔ بنیادی طور پر کہیں کوئی نقص ہے۔ یورپ نے مادی ترقی کو ایک خوشحال سوسائٹی کی بُنیاد سمجھا۔ آج یورپ مادیت میں اِس قدر مستغرق ہو چکا ہے کہ رُوح کی طرف توجہ کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا... رُوحانی دائرہ میں مَیں یورپ کو بہت قلاّش پاتا ہوں۔ اِس موقع پر مجھے خدا کے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک قول یاد آ گیا ہے جو آپ نے کئی صدیاں پیشتر فرمایا کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- بھی ایک پلیٹ فارم اور ایک ہی موضوع پر بولنے کی دعوت دی جاتی تھی تا لوگ اسلام اور دیگر مذاہب کا بآسانی تقابلی مطالعہ کر سکیں۔ (الفضل ۷ ظہور/اگست ۱۳۳۶ھش/۱۹۵۷ء صفحہ ۳)

حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا: [1] الفضل ۵ ظہور/اگست ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء صفحہ ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا مقامات میں ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء تک تبلیغی اجلاس منعقد کئے جا چکے تھے۔ [2][3] چوہدری عبداللطیف صاحب (انچارج مبلغ جرمنی مشن) کے مکتوب مورخہ ۱۴ ہجرت/مئی ۱۳۴۴ھش/۱۹۶۵ء سے ماخوذ۔

ایک شخص نمودار ہوگا جو بہت جھوٹ بولے گا اور ایک آنکھ سے کانا ہوگا۔ کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے یورپ میں مادّیت کے ظہور کو قبل از وقت بھانپ لیا تھا۔ وہ مادّیت جو آب خستگی اور بدحالی کے عالم میں ٹھوکریں کھاتی ہے کیونکہ ایک آنکھ سے کانی ہے۔ اور رُوح کی طرف نظر نہیں کرتی مغرب کے خلاف یہ کوئی توہین آمیز کلمہ نہیں جب یہ کہا جائے کہ یورپ کی ایک آنکھ تو تیز اور صاف دیکھتی ہے لیکن دوسری ظلمت سے نُور کو شناخت نہیں کر سکتی۔ کیا یہ تعجب انگیز امر نہیں کہ مغربی اقوام نے پہاڑوں کی بلندیاں اور سمندروں کی گہرائیاں تو سَر کرلیں پر نہ سمجھیں تو اپنے نفس کو۔ وہ ہر حادثہ کا سبب تلاش کرتے ہیں اور واقعات کو سائنس کی تحقیقات کی روشنی میں دیکھنا پسند کرتے ہیں تحقیق کے اِس جنون کو بُرا قرار نہ دیا جاتا اگر زندگی کے دوسرے پہلو کی جُستجو بھی اسی جوش و خروش سے ہوتی۔ یہ لوگ اگر سمندروں کی گہرائیوں سے موتی نکال لاتے ہیں تو اُن کے لئے خدا کی تلاش کیوں ممکن نہیں؟ ... انسان کو اب نئے سِرے سے کوشش کرنی چاہیئے اور ایک نئی بُنیاد پر، اگر اتحادِ عالَم کی کوئی بنیاد پڑ سکے تو سب اقوام کی یہ خوش قسمتی ہوگی۔ ہاں یہ بناء محض اسی صورت میں قابلِ اعتماد ہو سکتی ہے جب یہ انسانی دماغ کی اختراع نہ ہو بلکہ آسمانی الہام پر مبنی ہو ... انسان پر بوجہ آزاد ہونے کے بھاری ذمّہ داری یہ ہے کہ اپنے آپ کو انسان ثابت کرے صنعت، سائنس اور تمدّن تبھی مفید ہیں اگر ہم اپنی خواہشات کو صحیح راستوں پر چلائیں۔ یہ چیز ہے جس کی مغربی ممالک کو بالخصوص ضرورت ہے۔ مَیں دوہراتا ہوں کہ ہم پاکستانی مادّیت کے عالَم میں یورپ کو قطعاً حقیر نہیں جانتے۔

ہمارے لئے مایوس ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں۔ ایک مومن ہمّت نہیں ہار سکتا۔ وہ اِس یقین کی چٹان پر قائم ہے کہ خدا ہماری مدد کرے گا۔ خدا صرف ہندوستانیوں یا مصریوں ہی کا خدا نہیں، وہ یورپ کا بھی خدا ہے، ہم خواہ اُسے چھوڑ دیں لیکن وہ ہمیں ترک نہیں کرتا۔ وہ صرف ہم سے یہ چاہتا ہے کہ ہم اس کے فرمانبردار رہیں جُونہی انسانیت خدا کی طرف جُھکے گی اس کی سب مشکلات خود بخود رفع ہو جائیں گی۔

شاید یورپ اِس میدان میں بھی ایک مثال قائم کر سکتا ہے۔ اگر یورپ سچّے خدا کی تلاش

اسی جوش، محنت اور توجہ سے شروع کر دے جس محنت اور جوش اور توجہ سے وہ دوسرے اُمور کی جستجو کرتا ہے اور دیگر سب اقوام کے لئے بھی راہبر بن جائے گا۔"[1] (ترجمہ)

ابتدائی دَور میں قبولِ اسلام و احمدیت کرنے والے خوش نصیب

مجاہدِ سوئٹزرلینڈ شیخ ناصر احمد صاحب کی اَن تھک تبلیغی مساعی اور دیوانہ وار کوششوں کے عملی نتائج ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے آغاز میں رونما ہونے لگے چنانچہ ۱۲۔ماہِ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو اس ملک کی پہلی رُوح نے قبولِ اسلام کیا اور اس کا نام محمودہ رکھا گیا۔[2] محمودہ کے بعد شیخ صاحب کے ذریعہ سے جو خوش نصیب حلقہ بگوشِ اسلام و احمدیت ہوئے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں :۔

(۱) پی۔ جے۔ ایف۔ کے (۲) عبدالرحمٰن المہدی بن کوپی (۳) ہر ایرک وٹیسٹائن (HERR ERICH WETISTEIN) (اسلامی نام حمید رکھا گیا)[3] (۴) محمد اسمٰعیل ابراہیم راشد مصری[4] (۵) ہر کارل سکمیڈٹ (HERR CARL SCHMIDT) (اسلامی نام عبدالرشید رکھا گیا)[5] (۶) ہر اگسٹ بارڈر (HERR AUGUST BARDER) (اسلامی نام بشیر رکھا گیا)[6] (۷) ہر اینڈر بٹزی (HERR ANDRE BITZI) (اسلامی نام سعید رکھا گیا) (۸) ہر ہیرو زیئر (HERR HARRO ZEIER) (اسلامی نام امین رکھا گیا)[7] (۹) کمال فولمار[8]

---

[1] الفضل ۱۳۔ہجرت/مئی ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۵ ۔ [2] یہ ایک کیتھولک عقیدہ رکھنے والی جرمن نژاد خاتون تھیں جن کا پیدائشی نام فراؤ والی ولڈہابر تھا۔ ابتداء میں ان کے سوس خاوند نے ان کے اسلامی رُجحان کو پسند نہ کیا لیکن یہ امر اُن کے شوق میں کمی کا باعث نہ بن سکا۔ شیخ صاحب موصوف کی متعدد مواقع پر لمبی گفتگوؤں اور خطوط کے ذریعہ تبلیغ کے بعد اُن کے دل میں انشراح پیدا ہُوا اور بیعت فارم پُر کرنے کے ساتھ ہی فی الفور ممنوعات کا استعمال ترک کر دیا اور بذریعہ خط اِس عزم کا اظہار کیا کہ" اب مَیں بھی بہاؤ کے خلاف تیرنے کی کوشش کروں گی۔" (الفضل ۲۵۔تبلیغ/فروری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء ص۵)۔ [3] الفضل ۱۶۔امان/مارچ ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء ص۵، الفضل ۱۸۔امان/مارچ ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء ص۶۔ [4] الفضل ۱۲۔شہادت/اپریل ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء ص۲ [5] الفضل ۲۴۔احسان/جون ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء ص۵۔ [6] الفضل ۱۷۔ظہور/اگست ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء ص۶۔ [7] الفضل ۱۵۔شہادت/اپریل ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء ص۵۔ [8] چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ (موجودہ انچارج سوئٹزرلینڈ مشن) کمال فولمار مرحوم کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

" سوئٹزرلینڈ کے دارالحکومت برن کی یونیورسٹی میں ان کے والد صاحب قانون کے پروفیسر تھے۔ مرحوم کو اس کے مضمون سے شغف پیدا نہ ہُوا۔ فنی، تجارتی تعلیم حاصل کی اور پھر زرعی انجنیئرنگ میں لگ گئے۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد کچھ عرصہ ٹریکٹروں کی فرم میں ملازم ہو گئے اور مسلمان ملکوں خصوصاً مراکش اور ترکی میں اس

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رسالہ "الاسلام" کا اجراء اور اس کی مقبولیت

اشاعتِ اسلام کی مہم کو چلانے کے لئے چونکہ لسانی جہاد کے ساتھ قلمی جہاد بھی ضروری تھا اِس لئے شیخ صاحب موصوف نے ایک مخلص احمدی محمد راشد صاحب مصری کے مالی تعاون سے ایک سائیکلوسٹائل

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :- فرم کی نمائندگی کے سلسلہ میں جاتے رہے اور اس طرح اسلام میں دلچسپی پیدا ہوگئی مجھے باقی ممالک کا تو علم نہیں لیکن یورپ کے ممالک میں خاصی تعداد ان احمدیوں کی ہے جو مختلف ملکوں میں گھومتے رہے ہیں۔ یہ بھی ایک طیوری صفت ہے۔ اللہ کی تقدیر اس طرح ان میں وسعتِ نظر پیدا کر دیتی ہے اور ان کو ایک نئے ماحول سے قدرے مانوس کر دیتی ہے اور ان کے لئے صداقت کی شناخت میں سہولت پیدا کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو خدمت مرحوم سے لینا چاہتا تھا۔ اس کے لئے مزید تربیت کی ضرورت تھی۔ ان کی شادی جرمن میں ایسے باپ کی بیٹی سے ہوئی جو اخبار نویس تھا اور وہ خود اخبار ایڈٹ کرنے لگے جنگ کے بعد وہ سوئٹزرلینڈ آ گئے اور ایک فارم خرید لیا۔ زمینداره اور صحافت ان کا شغل ہو گیا ۱۹۵۹ء میں (جبکہ برادرم شیخ ناصر احمد صاحب یہاں مبلغ انچارج تھے) کا واقعہ ہے کہ ان کی ہمشیرہ نے جو معلمہ ہیں اپنے ایک مضمون "اسلام میں عورت کی حیثیت" کی تیاری کے سلسلہ میں ان سے قرآن کریم کے حوالہ جات میں مدد چاہی۔ ان کے پاس اس وقت قرآن کریم کا کوئی نسخہ موجود نہ تھا انہیں مشن کا پتہ کسی اخبار سے مل گیا اور انہوں نے مشن سے قرآن کریم طلب کیا۔ اِس طرح مشن سے رابطہ پیدا ہوا اور ۷ ار دسمبر ۱۹۵۹ء کو انہوں نے بیعت کر لی، الحمد للہ۔۔۔ برادرم فولمار ہماری ہر مجلس کی زینت ہوتے۔ میرے بار بار کہنے پر بیوی بچوں کو بھی ہمراہ لانا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ ہم نے گھر میں ان کے بیوی بچوں کو مدعو کیا۔ برادرم فولمار مرحوم نے مجھے کہا کہ اس سفر نے سینکڑوں صفحات کے مطالعہ سے زیادہ کام دیا۔ ایک موقعہ پر عربوں کی حمایت میں اجلاس تھا مقصود یہ تھا کہ حالات بتائے جائیں اور چندہ کی اپیل کی جائے۔ برادرم کمال فولمار کو بلایا مگر نہ آئے۔ بعد میں مجھے بتایا کہ انہیں عربوں پر ظلم وستم کا اِس قدر رنج ہے کہ انہیں ڈر تھا کہ وہ اپنے پر ضبط نہ رکھ سکیں گے اِس لئے نہ آئے۔

۱۹۶۷ء میں جب سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز تشریف لائے تو انہیں جماعت کی طرف سے حضور کی خدمت میں ایڈریس پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضور جب اس موقعہ پر ان سے ملے اور معلوم ہوا کہ وہ کینسر سے بیمار رہیں تو فرمایا میں آپ کے لئے ایک بُوٹی بھیج دوں گا وہ استعمال کیجئے۔ چنانچہ حضور نے بُوٹی بھجوائی۔ برادرم کمال مرحوم نے جذباتِ تشکر کے ساتھ اس کا استعمال شروع کیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت فائدہ ہوا۔ معلوم نہیں اللہ تعالیٰ نے بُوٹی میں کچھ تاثیر رکھی ہے یا بُوٹی بھجوانے والے کی دعا کی تاثیر تھی صحت پر بڑا اچھا اثر پڑا۔ برادرم مرحوم نے چاہا کہ وہ ہدایت کے مطابق استعمال کرتے ہی رہیں۔ محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب بعد میں بھجواتے رہے۔ اور آخری بار تو انھوں نے اکٹھی دو سَو خوراکیں بھجوائیں وہ ختم نہ کر پائے تھے کہ مرحوم ان کی ضرورت سے بے نیاز ہو گئے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مشین کا انتظام کرکے ماہِ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء سے "DER ISLAM" (الاسلام) نامی ایک ماہوار رسالہ جاری کیا۔ اس رسالہ کا پہلا پرچہ تین اوراق پر مشتمل تھا جس میں اسلام کی تعلیم، قرآن کریم، احادیث النبیؐ اور ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ کے اقتباسات درج تھے۔[1] یہ رسالہ جس کی ابتداء نہایت سادہ اور مختصر صورت میں ہوئی اپنے اثر و نفوذ میں بہت جلد ترقی کر گیا اور اس کے علمی اور مدلّل مضامین اسلام سے دلچسپی لینے والے حلقہ میں نمایاں اضافہ کا موجب ہوئے "DER ISLAM" (الاسلام) نے سوئٹزرلینڈ کے پڑھے لکھے طبقہ پر کتنا گہرا اثر ڈالا؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے بعض سوئس لوگوں کی آراء کا مطالعہ کافی ہوگا:۔

۱۔ ایک شخص نے لکھا:۔

"آپ کے رسالہ" اسلام" کا دسمبر کا ایشوع میرے لئے ایک نہ بولنے والی یادگار بن کر رہ گیا ہے۔ اس رسالہ کے ذریعہ آپ مسلمانوں کے خلاف غلط فہمیوں اور تعصبات کے پہاڑ کو اُٹھا رہے ہیں۔"

۲۔ ایک صاحب نے اپنی رائے یہ دی کہ:۔

"مجھے بغداد میں تین سال بطور پروفیسر رہنے کا موقعہ ملا۔ رسالہ" اسلام" ہر بار میرے لئے وہاں کی خوشگوار یاد کو تازہ کر دیتا ہے۔"

۳۔ پرچہ کا باقاعدگی سے مطالعہ کرنے والے ایک دوست نے خط لکھا کہ:۔

"مجھے تین سال سے رسالہ" اسلام" کا مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ اس کے مضامین میرے لئے حد درجہ دلچسپ اور امید افزاء ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ہاں کی مذہبی اور فرقہ وارانہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ برادرم فولمار طویل القامت، گرانڈیل، بارعب انسان تھے۔ مَیں نے جب بھی پوچھا کیا حال ہے؟ الحمد للہ کہا خطوط میں بھی الحمد للہ ہی لکھتے لیکن کینسر کی مرض ختم نہ ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضور کی دعاؤں اور حضور کی محبت سے تجویز فرمائی ہوئی بُوٹی سے تو ان کی حالت کچھ بہتر رہی مگر پھر کینسر کے زخم سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ مسز فولمار کو اہلیہ امام نے ہفتہ عشرہ کے لئے اپنے ہاں مدعو کیا تا وہ اس ماحول میں کچھ عرصہ رہ کر اسلام کا مطالعہ کر سکیں۔ اس دوران میں مسز فولمار نے زور دیا کہ اس کے شوہر کو ضرور ہسپتال جانا چاہیئے۔ میرے اصرار پر وہ آمادہ ہو گئے مگر افسوس ہے کہ کوئی علاج انکی زندگی کو لمبا نہ کر سکا۔ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔" (الفضل ۲۰ تبوک/ستمبر ۱۳۴۸ھش/۱۹۶۹ء)

حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا:۔ [1] الفضل ۱۹ اخاء/اکتوبر و ۲۲ نبوت/نومبر ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء۔ "الاسلام" کا پہلا نسخہ اقبال احمد خان صاحب ایم۔ ایس سی (سکالر فضل عمر انسٹی ٹیوٹ) نے جو ان دنوں انگلستان میں تھے ۲ پونڈ میں خریدا (الفضل ۲۲ نبوت/نومبر ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء)

جماعتوں کی طرف سے اسلام کے خلاف کس قدر خطرناک غلط باتیں پھیلائی جاتی ہیں! وقت آگیا ہے کہ ایک بار اس بڑے مذہب پر صحیح روشنی ڈالی جائے اور اس کی تعلیم کو صحیح وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے۔"

۴۔ قارئین "الاسلام" میں سے ایک کا تأثر یہ تھا کہ:۔

"اگرچہ رسالہ "اسلام" ہر نوع کے لوگوں کے مذاق کے مطابق تیار کیا جاتا ہے تاہم میرے لئے یہ پرچہ ہر ماہ خاص رنگ میں تسلی بخش مواد لاتا ہے۔ اِس کے ذریعہ نہ صرف اسلامی تاریخ اور اسلامی تعلیمات کو خاطر خواہ رنگ میں پیش کیا جاتا ہے بلکہ ایک مسلمان کے طرزِ خیال اور اسکے فلسفۂ حیات پر بھی روشنی ڈالی جاتی ہے۔" [۱]

۵۔ ایک اور صاحب نے اپنے تاثرات مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کئے کہ:۔

"رسالہ اسلام کا جوبلی نمبر شائع کرنے پر مَیں دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ آپ کے کام میں مستقبل میں بھی برکت ڈالے۔ کام کے دوران میں آپ کو بہت سے مواقع خوشی کے اور بہت سے مواقع مایوسی کے بھی آئے ہوں گے تاہم آپ اِس امر پر یقیناً خوش ہو سکتے ہیں کہ آپ کو متعدد مقامات پر اسلام کے خلاف بالکل بے بنیاد اور غلط باتوں کی تردید کی توفیق ملی۔ مَیں اِس امر کا اندازہ بخوبی لگا سکتا ہوں کہ آپ کا کام آسان نہیں۔ وہ متعصب نظریات جو صدیوں سے چلے آتے ہیں وہ ایک دِن میں دُور نہیں کئے جا سکتے۔ یہ بہت صبر ۔ ۔ ۔ چاہتا ہے کیونکہ بہت سی طاقتیں محض اس کام پر لگی ہوئی ہیں تا لوگوں کے سامنے اسلام کو ممکن ترین بھدّی شکل میں پیش کیا جائے۔ مثال کے طور پر اکثر ایسے مضامین پڑھنے میں آتے ہیں جن میں لکھا ہوتا ہے کہ محمدؐ اگرچہ مذہبی آدمی تھے تاہم آپ (نعوذ باللہ) بہت چالاک تھے۔ حیرت ہے کہ یہ باتیں ایک ایسے شخص کے متعلق کہی جاتی ہیں جس کے متعلق اس کی بیوی (جو اسے یقیناً سب سے زیادہ جانتی تھی) یہ شہادت دیتی ہے کہ آپؐ کی زندگی آپ کی تعلیم کے مطابق اور آپ کی تعلیم آپ کی زندگی کے مطابق تھی۔" [۲]

۶۔ ایک صاحب نے لکھا:۔

---

[۱] الفضل ۲۷ وفا/جولائی ۱۳۳۶ھش/۱۹۵۷ء صفحہ ۳۔ [۲] الفضل ۲۹ صلح/جنوری ۱۳۳۷ھش/۱۹۵۸ء صفحہ ۳۔

"میں "رسالہ اسلام" کے نئے پرچہ کا ہر دفعہ شوق سے انتظار کرتا ہوں۔ آپ کا یہ رسالہ مہینہ میں دو بار بلکہ ہر ہفتہ شائع ہونا چاہیئے تا اسلامِ مقدس کے خلاف یورپین پریس کے ذریعہ پھیلائے جانے والی غلط فہمیوں اور تعصبات کا جواب دیا جاسکے۔"

۷۔ ڈنمارک سے ایک شخص نے لکھا کہ:۔

"تحریکِ احمدیت پر شائع ہونے والے سلسلہ مضامین کو پڑھ کر انہیں حضرت مرزا صاحبؑ کی صداقت کا یقین ہوگیا ہے۔ آپ محض محدث نہ تھے۔ اور خلافت اسلامی تعلیم، احادیث اور بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی تحریرات کے مطابق صراطِ مستقیم ہے۔" [۱]

۸۔ ایک سولہ [۱۶] سالہ نوجوان نے لکھا:۔

"اسلام سے مجھے دلچسپی ہے کیونکہ یہ ایک اہم عالمگیر مذہب ہے۔ ان ممالک میں اسلام کو لوگ نہیں جانتے بلکہ بہت سی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ جماعتِ احمدیہ اسلام کی بہت خدمت کر رہی ہے۔ یہ جماعت اسلام کی عزت کو دوبارہ قائم کرتی ہے۔ آپ کی کوششوں کا بہت بہت شکریہ۔ سوئٹزرلینڈ کی نوجوان سرگرم عمل جماعتِ احمدیہ کو میرے دلی جذبات پہنچا دیں۔ یہ لوگ ہر احترام کے اہل ہیں ہمیں ان کی قدر کرنی چاہیئے۔" [۲]

۹۔ ایک اسّی سالہ شخص نے مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا:۔

"اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے رسالہ "اسلام" کے ذریعہ معرفتِ الٰہی کا علم ہوا۔ خدا تعالیٰ کے قوانین کے بارے میں پڑھا۔ ہاں خدائی قانون نہ کہ انسانی۔ اپنی یہ کوشش جاری رکھئے تا اس تاریکی کے زمانہ میں خدائی نور کا جلوہ قائم رہے۔ میری زندگی میں آپ پہلے شخص ہیں جو خدائی صداقت کو جانتے ہیں۔ آپ کے پاس خدائی نور ہے اور خدا تعالیٰ کی معرفت ہے اور آپ اس روشنی کو تاریکی کے درمیان روشن کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تاریکی بہت عمیق ہے اور تاریک انسانی ارواح میں اس روشنی کو جلانے کے لئے آپ کی جرأت کے باعث خاموش طور پر آپ کو شاباش کہتا ہوں۔" [۳]

رسالہ "الاسلام" نہایت باقاعدگی کے ساتھ بلاناغہ پہلے چھ سال سائیکلوسٹائل کرکے نکالا کرتا تھا

---

[۱] یہ صاحب بعد میں حلقہ بگوشِ احمدیت ہوگئے۔ [۲] الفضل ۲۶ وفا / جولائی ۱۳۳۷ہش / ۱۹۵۸ء صفحہ ۳۔

[۳] الفضل ۲۰ نبوت / نومبر ۱۳۴۰ہش / ۱۹۶۱ء صفحہ ۳۔

مگر پھر پریس میں چھپنے لگا۔ شروع میں اسے اگرچہ سوئٹزرلینڈ کے مخصوص حالات وکوائف کو پیش نظر رکھ کر ہی مرتّب کیا جاتا تھا اور زیادہ تر اسی میں اشاعت پذیر ہوتا تھا مگر جوں جوں تبلیغی دُنیا میں اس کی اہمیت وضرورت بڑھتی گئی اور اس کے مندرجات ومضامین میں خاص تنوع اور محققانہ رنگ نمایاں ہوتا گیا تو اسے سویڈن، ڈنمارک، ناروے، آسٹریا، جرمنی، ہالینڈ، فرانس، مشرقی جرمنی، انگلستان، سپین، یوگوسلاویہ، پولینڈ، ٹرکی، فلسطین، مصر، افریقہ کے ممالک، شمالی امریکہ، کنیڈا، انڈونیشیا، پاکستان میں بھی بھجوایا جانے لگا۔[۱]

یہ ماہنامہ اَب تک نہایت باقاعدگی اور اہتمام کے ساتھ جاری ہے اور اس کی ادارت کے فرائض مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ مجاہدِ اسلام سوئٹزرلینڈ، مکرم مسعود احمد صاحب ایم۔ اے، اور ڈاکٹر ایم۔ اے۔ ایچ چوسی (M.A.H. CHUSSI) بجا لا رہے ہیں۔

تبلیغی ٹریکٹوں اور جرمن ترجمہ قرآن کی اشاعت اور اس کے وسیع اثرات

بلاشبہ ان دُو جرمن زبان کے پمفلٹوں نے جو مجاہدینِ اسلام لنڈن سے چھپوا کر لائے تھے سوئٹزرلینڈ کے باشندوں میں صحیح اسلامی خیالات وافکار کا پہلا بیج بو دیا تھا مگر خدا کے فضل اور اس کی توفیق سے اس بیج کے بڑھانے اور بالآخر ایک ایسے تناور درخت کی شکل دینے کے لئے جس کی دُور دُور تک پھیلی ہوئی شاخوں پر حق جوئی کے پرندے آرام کرسکیں ایک نہایت بلند پایہ، علمی اور وسیع لٹریچر درکار تھا یہی وجہ ہے کہ شیخ ناصر احمد صاحب نے جرمن زبان پر عبور حاصل کرتے ہی جرمن لٹریچر کی طرف اپنی پُوری توجہ مبذول کر دی اور سب سے پہلے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت، مقام، اعلانِ قبرِ مسیح، کرسمس اور سالِ نَو کے پیغامات پر مشتمل چار ٹریکٹ[۲] مشن کی طرف سے چھپوا کر ملک میں تقسیم کئے نیز اُن اخبارات ورسائل کو بھجوائے جن میں احمدیہ مُسلم مِشن سوئٹزرلینڈ کی نسبت مضامین شائع ہوئے تھے اور جن کی تعداد باوَن تھی۔[۳] ان ٹریکٹوں کے بعد آپ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ پر ایک کتابچہ بھی شائع کیا اور زیورک کے

۱؎ الفضل ۱۲؍شہادت/اپریل ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء صفحہ ۱۔ ۲؎ الفضل ۱۸؍تبلیغ/فروری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵۔ موخر الذکر ٹریکٹ کا نام "ندائے آسمانی" تھا جس میں حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات سے چھ مختلف اقتباسات جمع کئے گئے تھے۔ یہ ٹریکٹ بذریعہ ڈاک ممتاز شخصیتوں کو بھجوایا گیا۔ اس ٹریکٹ کے اخراجات کا بڑا حصہ چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ مبلّغ انگلستان نے اپنے دادا مرحوم کی رُوح کو ثواب پہنچانے کے لئے ادا کئے۔ (الفضل ۲۱؍صلح/جنوری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۴) ۳؎ الفضل ۲۱؍صلح/جنوری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۴۔

علاوہ لوزآن اور برن نیز دوسرے مقامات پر بھی اس کی اشاعت کی۔ علاوہ ازیں فلسطین، شمالی امریکہ اور ہالینڈ کے احمدی مشنوں کو بھی بھجوایا کیونکہ ان ممالک میں بھی جرمن زبان بولنے والے لوگ بستے ہیں۔[1]

اس کتابچہ کا نام محمد تھا۔ سوئٹزرلینڈ کے ایک اخبار نے اس پر حسب ذیل الفاظ میں تبصرہ کیا:۔

"اسلام حملہ آور ہوتا ہے!" "تم عیسائی کیا کہہ رہے ہیں؟" یہ ایک لیکچر کا عنوان تھا جسے سُننے کے لئے خاکسار گیا۔ مقرر نے حاضرین کو بتایا کہ اسلام یہاں بھی پھیلایا جا رہا ہے۔"[2]

جرمن لٹریچر کے ضمن میں سب سے اہم قدم جو شیخ ناصر احمد صاحب نے اُٹھایا وہ یہ تھا کہ آپ نے جرمنی ترجمہ قرآن کے اُس مسودہ پر جو حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کی زیرِ نگرانی انگلستان میں تیار ہوا تھا سالہا سال تک اس پر کمال محنت و جانفشانی سے نظر ثانی کی اور ۱۷ تبلیغ / فروری ۱۳۳۳ھش / ۱۹۵۴ء کو اس کی طباعت مکمل ہوئی[3] اور "DER HEILIGE QUR-AN" کے نام سے اسے شائع کر دیا گیا۔ یہ پہلا ترجمہ قرآن تھا جو جماعتِ احمدیہ کی طرف سے جنگِ عظیم دوم کے بعد یورپ کی کسی زبان میں چھپا اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت مقبول ہوا اور بہت جلد نایاب ہو گیا جس پر شیخ صاحب نے "تفسیر صغیر" کی روشنی میں دوبارہ نظر ڈالی اور یہ ترمیم شدہ ترجمہ بھی نہایت مفید اصلاحات و ترمیمات کے ساتھ اور نہایت دیدہ زیب اور نفیس شکل میں ماہِ نبوت / نومبر ۱۳۳۸ھش / ۱۹۵۹ء میں منظرِ عام پر آ گیا۔[4] جناب شیخ ناصر احمد صاحب اس ترجمہ کی خصوصیات اور طباعت سے متعلق بعض ضروری تفصیلات پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"تفسیر صغیر کے ترجمہ کی روشنی میں پہلا ترجمہ قرآن کریم کا جرمن زبان میں شائع کرنے کی اس مشن کو توفیق ملی۔ ہمارے جرمن ترجمہ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا تھا جس پر خاکسار نے کئی سال محنت کی تھی۔ جب یہ ایڈیشن ختم ہونے کے قریب آیا تو خاکسار نے نئے ایڈیشن کی نظر ثانی کا کام شروع کر دیا۔ اِس کام پر ایک سال گزرنے کے بعد تفسیر صغیر چھپ گئی اِس لئے ایک بار پھر

---

[1] الفضل ۱۹ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۸ھش / ۱۹۴۹ء صہ۔ [2] الفضل ۲۳ ہجرت / مئی ۱۳۲۹ھش / ۱۹۵۰ء صہ۔ [3] الفضل ۱۷ تبلیغ / فروری ۱۳۳۳ھش / ۱۹۵۴ء صہ۔ [4] یہ دوسرا ایڈیشن ۶۵۳ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے ابتداء میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے قلم مبارک کے لکھے ہوئے شہرۂ آفاق دیباچہ تفسیر القرآن کا جرمن زبان میں ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے جو ۳۰۱ صفحات کو محیط ہے اور جس نے اس ترجمہ کی افادیت و عظمت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ یہ ایڈیشن ہیگ (ہالینڈ) میں طبع ہوا اور VERLAG "DER ISLAM" ZURICH کی طرف سے شائع کیا گیا۔ [5] جرمن ترجمہ قرآن کا پہلا ایڈیشن کن کٹھن مراحل میں سے گزر کر منظرِ عام پر آیا اس کی تفصیل مکرم شیخ ناصر احمد صاحب کے قلم سے ۱ احسان / جون ۱۳۳۳ھش / ۱۹۵۴ء کے الفضل میں شائع شدہ ہے۔

اس نئے ترجمہ کی روشنی میں جرمن ترجمہ کی نظر ثانی کا کام شروع کیا گیا اور ساتھ ساتھ نوٹ بھی لکھے گئے... مختلف آیات کے ۲۴۴ تشریحی نوٹ کتاب میں شامل کئے گئے۔ چھوٹے چھوٹے حاشیہ کے نوٹ اس کے علاوہ ہیں۔ کتاب کی ظاہری خوبصورتی کے لئے ایک موزوں ٹائپ خرید کیا۔ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مقامات پر مفید اصلاحات ترجمہ میں کی گئیں اور جرمن زبان کے اسلوب کے مطابق مضمون کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی جس سے ترجمہ میں مزید روانی آگئی۔ ہمارا پہلا ترجمہ بھی بہت اچھا تھا اور اس کی بہت تعریف ہوئی تھی۔ تاہم یہ دوسرا ایڈیشن خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت ہی مفید اصلاحات کا حامل ہے۔ اور بعض افراد نے دونوں ترجموں کا مقابلہ کر کے بہت تعریفی رنگ میں خطوط لکھے ہیں۔ بالخصوص نوٹوں کے ذریعہ بہت سے مشکل مقامات پڑھنے والے کے لئے حل ہو گئے ہیں۔ کتاب کا حجم آٹھ صد صفحات سے اُوپر ہے۔

اِس کام میں علاوہ دوسری مشکلات کے مالی مشکلات بھی تھیں۔ ادھر قرآن کریم کی مانگ بہت تھی اور آرڈر پر آرڈر جمع ہو رہے تھے۔ تاجرانِ کتب بار بار پوچھتے تھے انہیں مختلف میعادیں دی گئیں۔ بالآخر نومبر تک کتاب کو مارکیٹ میں لانے کا خاکسار نے تہیّہ کر لیا۔ اگست تک مطبع والوں نے کام شروع نہ کیا تھا۔ وقت بہت تھوڑا تھا صرف پروف دیکھنے اور اصلاح کرنے کا کام ہی اِس قدر وقت طلب تھا کہ روزانہ نصف دن اِس کام پر لگانے سے یہ کام چار مہینوں میں ختم ہوتا تھا۔ کام کے آخری مراحل کو تیز تر کرنے کے لئے وسط اکتوبر میں خاکسار نے ہالینڈ جا کر مطبع والوں کے ساتھ مل کر کام کیا۔ یہ وقت بے حد مصروفیت کا تھا۔ آخر اس تمام تگ و دَو کا نتیجہ کام کے بر وقت ختم ہونے کی صورت میں نکل آیا جو خدا تعالیٰ کے خاص فضل کے بغیر ممکن نہ تھا۔ پہلے ایڈیشن کی طباعت کے وقت قرآن کریم کی مانگ اتنی زیادہ نہ تھی جتنی اب جبکہ وہ ایڈیشن نایاب ہو گیا تھا۔ پہلے ایڈیشن نے مارکیٹ کو تیار کرنے میں مدد دی اور جب مارکیٹ تیار ہو گئی تو کتاب ختم ہو گئی اِس لئے دوسرے ایڈیشن کو مُلتوی کرنا بہت مُضر ہوتا۔ علاوہ ازیں دوسرے لوگ بھی ترجمہ کو مارکیٹ میں لا رہے تھے جس کے نتیجہ میں ایک تو لوگ غلط ترجمہ پڑھتے اور اسلام سے دُور ہو جاتے دوسرے ہمارا ترجمہ فروخت نہ ہوتا یہ سب اُمور خاکسار کے نئے کام کو جُملہ مشکلات کے باوجود ایک معیّن وقت تک ختم کرنے

میں محرّک ثابت ہوئے۔ مورخہ ۱۱ نومبر کو ہیگ کی مسجد میں ایک خاص تقریب کے دوران میں مطبع کی فرم کے ڈائریکٹر MR. STOOK نے خاکسار کو پہلا تیار شدہ نسخہ قرآن کریم کا پیش کیا۔ اس پر خاکسار نے قرآن کریم کی خوبیوں اور نئے ایڈیشن کی تیاری اور ضرورت پر مختصر تقریر کی۔ اس کام پر خاکسار کے کم و بیش تین سال صرف ہوئے۔ اور اگر پہلے ایڈیشن کے کام کو بھی ساتھ ملا لیا جائے تو یہ کام گیارہ برس کی محنت کے بعد بحمد اللہ ختم ہؤا۔ سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کو ترجمہ کی طباعت مکمل ہونے کی اطلاع ہوئی تو حضور نے ازراہِ ذرہ نوازی حسبِ ذیل تار خاکسار کو ارسال فرمایا:۔

ترجمہ :۔ "مَیں مبارکباد دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کے کام کو یورپ میں اسلام کی اشاعت کے لئے ایک نہایت مؤثر ذریعہ بنائے" (خلیفۃ المسیح)

علاوہ ازیں حضور نے خط کے ذریعہ فرمایا:۔

" جزاك الله۔ بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اِس ترجمہ کو قبول کرے"

ایک اور خط میں حضور نے فرمایا:۔

" اللہ تعالیٰ واقعہ میں اس کو یورپ کے لئے فائدہ مند بنائے ؎

آ رہا ہے اِس طرف احرارِ یورپ کا مزاج

اِس کے ذریعہ وہ لوگ جن کو تعصب نہیں اسلام کی طرف مائل ہو جائیں گے

آمین" [1]

جرمن ترجمہ قرآن پر سوِس پریس کے شاندار تبصرے

جرمن ترجمہ قرآن کی اشاعت سوئٹزرلینڈ کی مذہبی تاریخ میں ایک اہم اور انقلابی واقعہ تھا جس نے ملک بھر میں دھوم مچا دی۔ سوئٹزرلینڈ کے اہلِ قلم نے اِس کارنامہ کو خوب سراہا اور سوِس پریس نے دِل کھول کر اِس پر بڑے مفصل اور شاندار تبصرے شائع کئے۔ بطور نمونہ بعض اخبارات و رسائل کی آراء و افکار کا ترجمہ دیا جاتا ہے:۔

---

[1] الفضل ۱۸ / امان / مارچ ۱۳۳۹ھش / ۱۹۶۰ء صفحہ ۳

(۱) ایک مشہور بدھ جماعت کے ماہنامہ "DIE EINSICHT" ۱۹۵۴ء کے آٹھویں شمارہ کے صفحہ ۱۲۶/۱۲۷ پر جرمن ترجمہ قرآن کریم کی نسبت حسبِ ذیل ریمارکس شائع ہوئے:-

"۸۰۰ صفحات پر مشتمل جرمن ترجمہ قرآن مع عربی متن۔ پہلا مستند اور قابلِ اعتماد ترجمہ — قیمت ۱۸ مارک۔

جماعتِ احمدیہ کی طرف سے زیورچ اور ہمبرگ کے مشنوں کے نام سے شائع شدہ یہ ترجمہ قرآن کریم اِس لحاظ سے قابلِ توجہ ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے دوسرے خلیفہ حضرت میرزا محمود احمد صاحب نے اس کے شروع میں ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ایک دیباچہ تصنیف کیا ہے جو بہت دلچسپ اُمور پر اِس لحاظ سے روشنی ڈالتا ہے کہ اسلام کا مطمحِ نظر دیگر مذاہب کی تعلیمات کے بارہ میں کیا ہے۔ اِس دیباچہ کے پہلے حصّہ میں قرآن کریم کی ضرورت پر بحث کی گئی ہے اور بائبل اور ویدوں کے ہستی باری تعالیٰ کے متعلق نظریات کی وضاحت کی گئی ہے۔ خاص طور پر یسوع مسیح (JESUS CHRIST) کی پوزیشن کو واضح کیا گیا ہے کہ وہ عالمگیر نبی نہ تھے کیونکہ انہوں نے خود واضح الفاظ میں "مَیں صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو اکٹھا کرنے کے لئے آیا ہوں" (متی ۱۵/۲۴) کہکر اِس امر کو ظاہر کیا ہے کہ ان کی بعثت کا مقصد بنی اسرائیل کے لئے محدود تھا اور وہ تمام دُنیا کی طرف مبعوث نہیں ہوئے تھے۔

صفحہ ۲۳ پر یہ بھی تحریر ہے کہ حضرت بدھ بھی عالمگیر تعلیمات نہیں لائے۔ اگرچہ ان کی تعلیمات ان کی وفات کے بعد چین میں پھیلیں لیکن ان کا اپنا ذہن ہندوستان کی چار دیواری سے باہر کبھی گیا ہی نہیں۔

آگے چل کر تمدّن و تہذیب اور کلچر کی اہمیّت کے بارہ میں اسلامی نظریات کو پیش کیا گیا ہے اور یہ سوال اُٹھایا گیا ہے "کیا پہلی کُتب میں کوئی ایسا نقص تو نہیں آ گیا تھا جس کی وجہ سے ایک نئی کتاب کی ضرورت شدید طور پر دُنیا کو محسوس ہو رہی تھی اور قرآنِ کریم اس ضرورت کو پُورا کرنے والا تھا"

نئے اور پُرانے عہد نامہ میں سے متعدد حوالے پیش کرنے کے بعد اِس سوال کا جواب مثبت میں دیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ اِس بات کی واقعی ضرورت تھی "کہ خدا تعالیٰ ایک نئے الہام کو نازل کرتا جو غلطیوں سے منزّہ ہوتا اور بنی نوعِ انسان کو اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ رُوحانیت کی طرف لے جانے والا ہوتا اور وہ کتاب اور الہام قرآن کریم ہے"

اِسی طرح ویدوں کی ظالمانہ تعلیمات، توہمات، تناقض اور خلافِ اخلاق تعلیمات پر سیر کُن بحث

کی گئی ہے تاکہ ان قابلِ اعتراض تعلیمات کی روشنی میں قرآن کریم جو کہ ان باتوں سے بالا اور منزّہ ہے، کی تعلیمات کی اہمیّت واضح کی جائے۔

دوسرے حصّہ میں جمع القرآن پر بحث کی گئی ہے اور اسلامی تعلیمات کی خصوصیّات بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ خدا تعالیٰ پر ایمان کیسا لانا چاہیئے۔ اس کی ہستی کے ثبوت کیا ہیں۔ اور وہ اس امر پر زور دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی تاریکی کے وقتوں میں اپنا کلام نازل کرکے اور اپنی غیر معمولی قدرتوں کو ظاہر کرکے اپنی ہستی کو ثابت کرتا رہتا ہے۔"

"نجات کیا ہے اور کس طرح حاصل ہوتی ہے۔ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ نجات تین قسم کی ہے۔ کامل۔ ناقص اور ملتوی نجات۔ کامل نجات انسان اِس دُنیا سے حاصل کرتا ہے۔"

"قرآن تعلیم اور دماغی نشوونما پر خاص زور دیتا ہے۔ وہ فکر اور غور کرنے کو مذہبی فرائض میں سے قرار دیتا ہے۔ وہ لڑائیوں اور جھگڑوں سے روکتا ہے اور کسی حالت میں بھی حملہ میں ابتداء کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔"

"قرآن کریم غلامی کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ صرف جنگی قیدیوں کے پکڑنے کی اجازت دیتا ہے مگر اس کے لئے بھی یہ شرط مقرر کرتا ہے کہ ہر قیدی اپنے حصّہ کا حرجانہ ادا کرکے آزاد ہونے کا حق رکھتا ہے۔"

"قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جو انسان کی رُوح اور اس کی پیدائش کے متعلق مکمّل بحث کرتی ہے اِس بارہ میں دوسری کتب یا تو خاموش ہیں یا قیاس آرائیوں پر اکتفا کرتی ہیں۔"

"قرآن کریم یہ بھی بتاتا ہے کہ خدا تعالیٰ تمام اشیاء کی علّت العلل بھی ہے یعنی تمام کی تمام مُفردات اس سے نکلی ہیں اور سب کی سب مخلوق اس کی طرف لوٹتی ہے۔"

"انسان کی پیدائش کے متعلق قرآن کریم بتاتا ہے کہ تورات اور انجیل کے دعووں کے خلاف انسان کی پیدائش تدریجی طور پر ہوئی ہے۔"

"انسانی پیدائش سے متعلق قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے تا وہ خدا تعالیٰ کی صفات کو ظاہر کرے اور اس کا نمونہ بنے۔"

اِس تمہید کے آخر میں مرزا محمود احمد صاحب نے جماعتِ احمدیہ کے بانی کی وفات کے بعد ۱۹۰۸ء

میں پیدا شدہ اختلافات کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے جماعت کے وجود کو خطرہ لاحق ہو گیا یہاں تک کہ خدا نے انہیں خود مصلح موعود بنایا اور توفیق دی کہ وہ جماعت کے شیرازہ کو دوبارہ قائم کر سکیں اور انہیں دشمنوں پر غلبہ عطا کیا۔ مندرجہ ذیل فقرات قابلِ غور ہیں:۔

"یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے جماعتِ احمدیہ کو میرے ذریعہ سے دُنیا بھر میں پھیلا دیا اور قدم قدم پر خدا تعالیٰ نے میری راہنمائی کی اور بیسیوں مواقع پر اپنے تازہ کلام سے مجھے مشرّف فرمایا یہاں تک کہ ایک دن اس نے مجھ پر یہ ظاہر کر دیا کہ مَیں ہی وہ موعود فرزند ہوں جس کی خبر حضرت مسیح موعودؑ نے ۱۸۸۶ء میں میری پیدائش سے پانچ سال پہلے دی تھی۔ اُس وقت سے خدا تعالیٰ کی نصرت اور مدد اَور بھی زیادہ زور پکڑ گئی۔ اور آج دُنیا کے ہر برِّ اعظم پر احمدی مشنری اسلام کی لڑائیاں لڑ رہے ہیں۔"

اِس کتاب کا بیشتر حصہ عربی اور جرمن متن پر مشتمل ہے۔ عربی جاننے والے احباب کے لئے یہ امر لذّت کا باعث ہو گا کہ وہ جرمن ترجمہ کا اصل عربی متن سے مقابلہ کر سکیں گے۔ اِس کتاب کے شروع میں جو یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ ترجمہ ایک قابلِ اعتماد تمہید پر مشتمل ہے اور علمی طبقہ کے لئے اپنے عربی متن کے ساتھ جس کی وجہ سے اسلامی تعلیمات اور اسلامی دُنیا کو جاننے کے لئے ایک نیا دروازہ کھولتا ہے سے ہمیں اس سے کُلّی اتفاق ہے۔ (ترجمہ)

(۲) ایک مشہور علمی اور ادبی ماہوار رسالہ GEO POLITIK (اگست ۱۹۵۴ء) میں انڈونیشیا میں مقیم جرمن سفیر DR. OTTO VON HENTIG کے قلم سے حسبِ ذیل تبصرہ شائع ہوا:۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے قرآن کریم کے مستند جرمن ترجمہ کی ضرورت شدّت سے محسوس ہوتی رہی ہے۔ جرمنی سے قریبی اور مشرقِ وسطیٰ کے ممالک سے دوبارہ تعلقات قائم ہونے کے باعث جرمن عوام میں قرآن کریم کے مطالعہ کا شوق بڑھ رہا ہے۔ احمدیہ جماعت کے زیورک اور ہمبرگ کے مشنوں نے اورینٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کارپوریشن ربوہ (پاکستان) کی طرف سے نمونہ انداز میں قرآن کریم کے مستند جرمن تراجم کی کمی کو پُورا کرنے کی سعی کی ہے۔ قرآن کریم کا یہ ترجمہ صاف ستھرے باریک کاغذ پر ہالینڈ میں چھپا ہے اور اس کے دائیں طرف اصل عربی متن محبّت اور پُوری احتیاط کے ساتھ ایک ماہر تحریر کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے اور اپنی تحریر کی خوبی کی وجہ سے اِس ترجمہ کو کتابی متاع کا موجب بناتا ہے۔ جرمن ترجمہ ہر صفحہ کے بائیں طرف درج کیا گیا ہے۔ ہر سُورۃ کے شروع میں

سورۃ کا عربی نام اور اسی طرح سورۃ کے نزول کا مقام (مکہ یا مدینہ)۔ آیت کا نمبر اور رکوع درج کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کے دو زبانوں کے متنوں (جنہیں ۶۲۹ صفحات میں مکمل کیا گیا ہے) سے پہلے مفصل دیباچہ دو حصوں میں درج کیا گیا ہے۔ اِس دیباچہ کے مصنف جماعتِ احمدیہ کے امام حضرت مرزا محمود احمد صاحب ہیں۔ اِس دیباچہ کے پہلے حصہ میں قرآنی تعلیمات کا دوسرے بڑے مذاہب عیسائیت، یہودیت اور ہندو ازم کی تعلیمات سے موازنہ کیا گیا ہے۔ دوسرے حصہ میں جمع القرآن اور اس کے نزول کی تفصیل کے ساتھ ساتھ اس کی تعلیمات کی خصوصیات پر بحث کی گئی ہے۔ قرآن کریم کے اس جرمن ترجمہ کے متعلق شائع کرنے والوں نے لکھا ہے کہ وہ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ یہ ترجمہ بہترین ہے۔ قدامت پسند علماء کی رائے کے مطابق قرآن کریم کا ترجمہ دوسری زبانوں میں محال ہے۔ اِس بارہ میں تمام کوششیں تفسیر قرار دی جا سکتی ہیں مسلمانوں کے لئے یقیناً اِس ترجمہ کے متعلق کہیں کہیں اعتراض کی گنجائش ہو گی لیکن چونکہ اِس ترجمہ کو اصل عربی متن کے ساتھ شائع کیا گیا ہے اِس لئے اس کے شائع کرنے والوں نے اِس احتیاط اور یقین کا سامان بہم پہنچا دیا ہے کہ اس کو پڑھنے والے اسلام کی صحیح تصویر حاصل کر سکیں گے۔ قرآن کریم کی مستند اور مشہور علماء کے ہاتھ سے لکھی ہوئی مختلف تفاسیر اِس بات کو واضح طور پر ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن کریم کا ایسا ترجمہ شائع کرنا جو سب کی رائے میں درست ہو کتنا مشکل کام ہے۔ اِس ترجمہ کے نئے ایڈیشن کے متعلق اِس امر کا اہتمام غالباً مناسب ہو گا کہ ہر سورۃ کا جرمن ترجمہ بھی درج کیا جائے اور مختصر طور پر یہ بھی واضح کیا جائے کہ یہ نام کیوں تجویز کیا گیا ہے۔ جرمن پبلک کے لئے یہ بھی ضروری ہو گا کہ مشکل اور اہم آیات کا مطلب تفصیلی فٹ نوٹ کی صورت میں درج کیا جائے۔ (ترجمہ)

(۳) مشہور سوئس اخبار "NEUE ZURCHER ZEITUNG" نے اپنے ۳۱ اگست ۱۹۵۴ء کے ایشوع میں لکھا:۔

گزشتہ کئی سال سے زیورخ میں احمدیہ مسلم مشن کی ایک شاخ قائم ہے۔ جماعتِ احمدیہ اسلام ہی کا ایک روشن خیال فرقہ ہے جس کا نام اس کے بانی مرزا غلام احمد آف قادیان پنجاب (۱۸۳۵ء۔ ۱۹۰۸ء) کے نام پر رکھا گیا ہے۔ آپ کا دعویٰ تھا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو الہامِ الٰہی کے ذریعہ اسلام اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت کے لئے مامور کیا ہے۔ آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ رسالت و نبوت کے بھی دعویدار تھے لیکن نبوت کے باوجود آپ کا دعویٰ تھا کہ آپ قرآنی

شریعت اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کامل متبع ہیں۔ اور آپ کوئی نیا قانون لے کر نہیں آئے۔ گویا اس طرح وہ اپنے آپ کو صرف "تنبیہہ کرنے والا" سمجھتے رہے جیسے نبی پاک کے بروز کامل کی صورت میں قرآن کریم کی پیشگوئیوں کے مطابق مسیح اور مہدی ہو کر آنا تھا اور جس کا کام مادی دنیا میں صرف روحانی بیج بونا تھا۔ آپ نے اپنی پیشگوئی کے ذریعہ اطلاع دی تھی کہ آپ کی جماعت زمین کے کناروں تک پھیلے گی اور آپ کے متبعین کو قربِ الٰہی حاصل ہوگا۔

اس پیغامِ ربانی کے ساتھ آپ کا ظہور ۱۸۸۰ء میں آپ کے اپنے گاؤں میں ہوا اور آپ نے اس وقت ان نشانات و معجزات کا ذکر کیا جن سے آپ کے مشن اور پیشگوئیوں کی صداقت کا اظہار ہوتا تھا ابتدائی مخالفت کے باوجود آپ کی جماعت پھیلتی ہی گئی حتّٰی کہ ہندوستان اور بیرونی مسلم دنیا میں اسکی شاخیں قائم ہو گئیں۔

۱۸۸۹ء میں آپ نے جماعت کے خلیفہ (امام) کی حیثیت سے بیعت لینی شروع کی۔ ۱۹۱۴ء میں آپ کے پہلے خلیفہ (حضرت حکیم الاُمّت) مولانا نورالدین (رضی اللہ عنہ) کی وفات پر جماعت میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا اور کچھ لوگ جنہیں بعد میں لاہوری پارٹی کے نام سے موسوم کیا گیا اس وجہ سے الگ ہو گئے کہ وہ حضرت احمد کو نبی ماننا پسند نہ کرتے تھے بلکہ صرف مصلح سمجھتے تھے۔ جماعت قادیان متفقہ طور پر حضرت احمد کے فرزند (حضرت) مرزا محمود احمد کے ہاتھ پر جمع ہوئی اور آپ کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی پیدائش سے قبل ہی خدا تعالیٰ نے آپ کے موعود خلیفہ ہونے کے متعلق خبر دے دی تھی۔ آپ ہی کے عہدِ خلافت میں اسلام کا مشن یورپ میں قائم ہوا جس کا مرکز انگلستان ہے لیکن مشن کا کام فرانس، سپین، ہالینڈ، جرمنی اور کچھ سال سے سوئٹزرلینڈ میں بھی جاری ہے اسی طرح شمالی اور جنوبی امریکہ میں بھی جماعت تبلیغ کا کام کر رہی ہے۔

جماعتِ احمدیہ کے عقائد کی بنیاد اسلام کی معروف تعلیم پر ہے۔ صرف تین امور میں اختلاف پایا جاتا ہے:۔

اوّل:۔ یسوع مسیح جو خدا کے نبی اور (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) سے قبل بطور ارہاص آئے تھے۔ وہ صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ ان کی حالت وفات یافتہ شخص کے مشابہ ہو گئی تھی۔ وہ اپنی قبر سے اُٹھ کر مشرق کی جانب روانہ ہو گئے تاکہ کشمیر میں اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو جاری رکھ

سکیں (مسیح کی زندگی کے بارہ میں اِسی طرح کے اَور غلط خیالات بھی ان میں پائے جاتے ہیں)
آپ نے ۱۲۰ سال کی عمر کے بعد کشمیر میں وفات پائی جہاں سرینگر شہر میں دفن ہوئے اب تک ان کا مقبرہ موجود ہے لیکن غلطی سے اِس مقبرہ کو یوز آصف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔
(۲) :- جہاد یعنی جنگِ مقدس کا استعمال منکرین کے استیصال کے لئے ناجائز ہے۔ اسلام کی تبلیغ قرآنی دلائل کی روشنی میں صرف امن و آشتی سے ہی کی جانی چاہیئے۔
(۳) :- موعود مہدی حضرت احمد ہیں جو یسوع کے مثیل اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے نقشِ حقیقی ہیں برخلاف عام مسلمانوں کے جو ایسا عقیدہ نہیں رکھتے ہیں۔

گو جماعتِ احمدیہ قرآن کریم کی تشریحات کے بارہ میں آزادی کی قائل ہے لیکن ان کا کوئی عقیدہ اسلام کے منافی نہیں مسلمانوں کے عام فرائض نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے علاوہ جماعتِ احمدیہ کی طرف سے دین داری اور اخلاقِ فاضلہ پر خاص زور دیا جاتا ہے اور ہر فرد و قوم کے ساتھ پُرامن برتاؤ کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اِس طور پر جماعتِ احمدیہ جو اسلام ہی کا ایک فرقہ ہے اور اصلاحی تحریک ہے اپنے آپ کو دلچسپ طریق پر پیش کرتی ہے۔ پُرانی رسُومات کے خلاف یہ جماعت اسلام کو محض مذہب تک محدود رکھتی ہے اور ان کا یہ استدلال قرآنی تعلیم پر مبنی ہے۔

حکومتِ برطانیہ نے بھی جماعتِ احمدیہ کے اِس مؤقف کو تسلیم کیا ہے کہ جماعت ۱۹۰۰ء سے ہی اپنی تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف رہی ہے اور انہوں نے سیاساتِ ملکی میں حصّہ نہ لے کر یہ کام اُور لوگوں کے سپرد رکھا ہے۔

حالیہ ترجمۃ القرآن بھی ان کی تبلیغی کارروائیوں کا ہی ایک اہم حصّہ ہے۔ مشہور و معروف مشرقی علوم کی اشاعت کی ذمّہ دار فرم LEIPZIG OTTO HARRASSOWITZ نے جو پہلے پہل میں قائم ہوئی تھی اِس کتاب کو خوبصورتی اور نفاست کا لباس پہنایا ہے۔ یہ ترجمہ جو عربی متن کے ساتھ ہے انڈکس، مبسوط دیباچہ اور تشریح الالفاظ کے ساتھ رکسون کی لچک دار جلد میں خوبصورت طباعت کے ساتھ اور باریک کاغذ پر شائع کیا گیا ہے اور اپنی تمام خصوصیات کے باوجود نہایت تھوڑی قیمت پر میسّر آتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا جامع ترجمہ ہے جو مسلمانوں کے زُعم میں یورپین اقوام کے سامنے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم کو پیش کرتا ہے۔ اگرچہ عربی زبان کے اسلوب و محاورات کو جانچنے

اور اس کی جزئیات پر نظر رکھنے کے قابل وہی شخص ہو سکتا ہے جس کی تربیت اسلامی ماحول میں ہوئی ہو دراصل یہ ترجمہ بھی پرانے تراجم سے کوئی خاص اختلاف نہیں رکھتا اور جہاں کہیں تھوڑا بہت اختلاف بھی ہے اسے کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں۔ سورۃ فاتحہ کے مطالعہ کے وقت بھی کوئی خاص فرق معلوم کرنا مشکل ہے۔

جہاں نئے ترجمہ کا ہر لحاظ سے خیر مقدم کیا گیا ہے وہاں ۶۰ صفحات پر مشتمل دیباچہ جسے مرزا محمود احمد (خلیفہ ثانی) نے تصنیف کیا ہے ایسے تبلیغی پراپیگنڈا پر مبنی ہے جس کا نوٹس لیا جانا ضروری ہے۔ ناشرین کو واقعی اس کا حق پہنچتا ہے لیکن کیا ہم بھی اِس پروپیگنڈا کو جانچنے اور اس پر تنقید کرنے کا حق رکھتے ہیں؟

دیباچہ کا دوسرا حصّہ مجمل طور پر قرآنی تعلیمات کو پیش کرتا ہے جو یسوع مسیح کی مخصوص تعلیم سے ٹکراتی ہیں۔ پہلے حصّہ میں بتایا گیا ہے کہ پرانی کُتبِ مقدسہ کے ہوتے ہوئے نئی کتاب ــ قرآن مجید کی کیا ضرورت تھی۔ پرانے مذاہب کا اختلاف اِس بات کا متقاضی تھا کہ کوئی نیا مذہب ان کی جگہ لے جس کا دائرۂ عمل تمام اقوامِ عالم ہوں کیونکہ بائبل اور انجیل کے خدا خاص خاص اقوام کے قومی خدا تھے حتّٰی کہ جب مسیح بپتسمہ دینے کے لئے اقوام کا ذکر کرتے تو اُن کا مطلب بنی اسرائیل کے قبائل ہوا کرتا تھا۔ اِسی طرح ویدوں، زرتشت اور کنفیوشس کا حلقۂ عمل خاص اقوام تک محدود رہا صرف اسلام ہی توحیدِ الٰہی کا معلّم ہے اور اِس کا پیغام ساری دُنیا کے لئے ہے۔ پہلی کُتب میں بہت سی خامیاں ہیں۔ اِس کے علاوہ یہ متضاد اُمور سے بھرپور ہیں۔ خالص الٰہی الفاظ متن میں قائم نہیں رہے۔

ان کی تعلیم وحشیانہ، غیر معقول اور غلط فلسفۂ الٰہیات پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ایک کامل و مکمل کتاب کی ضرورت پیش آئی جو قرآن مجید کے وجود سے پُوری ہوئی۔ باقی تمام مذاہب مکمل اور آخری مذہب ہونے کے دعویدار نہیں ہیں بلکہ ان سب میں ایک موعود نبی کی خبر موجود ہے جو (حضرت) محمد (صلعم) ہیں جن کے ذریعہ آخری فتح اسلام کے حق میں مقدر ہو چکی ہے۔

تاریخ کے یہ اُوراق خواہ کتنے ہی حیران کُن ہوں لیکن یہ تصویر کس طور پر سامنے آئی؟ اِس بارہ میں یہ کہنا ضروری ہے کہ (حضرت) مرزا احمد (علیہ السّلام) اِن معاملات کو ناموزوں پیمانوں سے

ناپتے ہیں۔ وہ اپنے خیال میں اگر کوئی معمولی سی خامی ان کتب میں دیکھتے ہیں جو مقابلہ کے وقت انہیں نظر آتی ہے اس کے متعلق وہ یک طرفہ نظریہ قائم کر لیتے ہیں اور اکثر اوقات ان کا فیصلہ معمولی اور نامناسب طریق پر ہوتا ہے۔

واقعۃً یہ امر صداقت پر مبنی نہیں کہ عہد نامہ عتیق جس کو جمع کرنے پر ایک ہزار برس لگے متضاد اُمور پر مشتمل اور عہد نامہ جدید میں بہت سے اَور لوگوں کے کلام کا دخل ہے۔ ہر وہ بات جس سے قومی عدوبندی کی تنقیص ہوتی ہے اس سے احتراز کیا گیا ہے۔ مثلاً یسعیاہ ۲/۲-۵ یا ملاقی ۱ : ۱۱ یا اس کی غلط تعبیریں کی گئی ہیں۔ مثلاً متی ۲۸ : ۱۹۔

دوسری طرف فریضۂ جہاد پر خاموشی اختیار کی گئی ہے جس کے ذریعہ اسلام کو محمد رسول اللہ صلعم کی شروع مدنی زندگی سے ہی بزورِ شمشیر پھیلایا گیا۔ اسلام کے اِس اہم مسئلہ میں بڑی آسانی سے اصلاح کر دی گئی ہے۔ مزید یہ زور دیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے لئے جادوگری کے مرتکب کو جو موت کی سزا کا حکم توریت نے دیا ہے (خروج ۱۸ : ۲۲) یہ وحشت و بربریت پر مبنی ہے کیونکہ حقیقی جادوگر کبھی صفحۂ ہستی پر ظاہر نہیں ہوئے۔ البتہ توریت کی اِس تعزیر کا اطلاق ان فن کاروں پر ہوتا ہے جو اپنی شعبدہ بازیوں سے لوگوں کے لئے سامانِ تفریح بہم پہنچاتے ہیں۔

لیکن آخری دونوں سورتوں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ خود (حضرت) محمد سحرکار، یا اس سے ملتی جلتی کسی شئے کے وجود کو تسلیم کرتے رہے ہیں۔

عہد نامۂ جدید کے پیرے۔ متی ۱۲ : ۴۷ اور یوحنا ۲ : ۴ پر سخت نقطہ چینی کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اس میں ماں کی عزت کو برقرار نہیں رکھا گیا لیکن حقوقِ نسواں سے متعلق قرآنی دلائل (ص۱۳۱) چوتھی سورت کے ہوتے ہوئے بہت کم سچائی پر مبنی نظر آتے ہیں۔

اِس طرح نہ صرف اسلام بلکہ قرآن کی ایک معیاری اور خوبصورت تصویر کو پیش کیا گیا ہے اور سارے قرآن کو ایسے ربطِ باہمی سے منسلک قرار دیا گیا ہے جس سے (پڑھنے والے کو) مکّی اور مدنی زندگی میں نازل ہونے والی سورتوں میں کوئی اختلاف نظر نہیں آسکتا۔ نہ اسے ان اہم مقامات کا پتہ لگ سکتا ہے جہاں موضوع سے ہٹ کر نیا موضوع چھیڑا گیا ہے۔ نہ قاری کو ان دلچسپ تبدیلیوں پر آگاہی ہو سکتی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خیالات میں وقتاً فوقتاً پیدا ہوتی رہی ہیں۔ مثلاً دوسرے

حصّہ میں توحیدِ الٰہی پر بہت زور دیا گیا ہے اور الحاد پر سخت حملے کئے گئے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف سخت رویہ روا رکھا گیا ہے لیکن جہاں فردوس کی نعماء کا ذکر کرتے وقت صرف وفادار بیویوں کو نہ کہ سیاہ چشم حُوروں کو مجاہدین شہداء کا منتظر دکھایا گیا ہے۔ اگرچہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو جو "جھوٹے نبی" کے نام سے پکارا جاتا رہا ہے اس کی کتنی ہی پُرزور تردید کیوں نہ کی جائے۔ جیسا کہ بیل (BALE) کا پادری ہر اتوار کو بلاناغہ پُرانے طریق کے مطابق اپنے منبر سے یہ آواز اُٹھاتا ہے کہ "جھوٹے محمد کے قلعوں کو مسمار کر دو"۔ تب بھی عہد نامۂ عتیق کے نبیوں اور (حضرت) محمد (صلعم) کا موازنہ ان کے (حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم) کے حق میں بہت غیر مفید ثابت ہوتا ہے سوائے اِس کے کہ اِس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ جو باتیں محمد رسول اللہ (صلعم) کی زندگی ہی میں منصۂ شہود پر آگئی تھیں ان کے حصول کے لئے یہودیت اور عیسویت کو صدیوں کی مساعی کرنی پڑیں اور وہ بھی مختلف طریق عمل پر۔

اِس حقیقت سے بھی انکار مشکل ہے کہ محمد رسول اللہ (صلعم) مکّی زندگی میں بلاشبہ نبی تھے۔ ان کا سراپا ان کے مشن میں محو تھا اور انہوں نے دیانتدار مُصلح یا ریفارمر کی زندگی بسر کی لیکن جونہی آپ مدینہ میں منتقل ہوئے آپ میں وہ تمام صلاحیتیں نظر آنے لگیں جو ایک کہنہ مشق سیاستدان میں ہونی چاہئیں۔ جو اپنے مقصد کے حصول کے لئے کیا کچھ نہیں کر گزرتے۔ وہ اس زمانہ میں خدا کی طرف سے ایسی وحی کے بھی مُدعی ہیں جن میں ان کے ذاتی مراعات کا جواز یا ذکر ہے اور ان مراعات کا دائرہ کسی حد تک اخلاقیات پر بھی حاوی ہے۔ اسی طرح سورۃ ۳۳ : ۴۹ جس میں آپ کے لئے ازواج کی تعداد کا ذکر ہے یا جب آپ کی نظر خوبصورت زینب پر جا پڑی جو آپ کے متبنّٰی کی بیوی تھی۔ آپ کی خواہش تھی کہ زیدؓ کے عقد سے آزاد ہونے کے بعد اس سے شادی کر لیں تو ایک "وحی" کے ذریعہ تمام شکوک مخالفت کو دبا دیا گیا ($\frac{۳۳}{۳۸-۳۶}$) اسی طرح سورۃ $\frac{۶۶}{۱}$ میں ذکر ہے کہ فرشتۂ وحی آپ کو رنج واندوہ کے پنجوں سے آزاد کرانے کے لئے حرمِ نبویؐ میں بھی اُترا کرتا تھا۔

بائبل اور قرآن (کریم) کی اصلیت کا موازنہ اور ان پر بحث کرتے ہوئے بھی جدا جدا پیمانے استعمال کئے گئے ہیں"۔

(۴) آسٹریا کے مؤقر جریدہ BIBEL UNDLITURGIE نے اپنی اشاعت اگست وستمبر

۱۹۵۴ء میں قرآن کریم کے جرمن ترجمہ پر درج ذیل الفاظ میں ریویو شائع کیا:۔

"قرآن کریم کا نیا شائع کردہ ترجمہ عربی زبان اور اس کے لٹریچر کو سمجھنے میں کافی مدد دینے کا موجب ہوگا۔ آسٹریا میں الٰہیات اور مشرقی علوم کے طالب علموں کو جو عربی میں ڈاکٹری کے امتحان میں شامل ہو رہے ہیں ادبِ عربی میں مہارت پیدا کرنے کے لئے اِس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے"۔

(۵) زیورخ کے بااثر اخبار DAS BUCHER BLATT نے اپنی ۲۴ر ستمبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"۸۰۰ صفحات پر مشتمل خوبصورت ریکسون کی جلد میں قرآن کریم کا ترجمہ عربی زبان سے جرمن زبان میں احمدیہ مسلم مشن زیورخ کے زیرِ اہتمام شائع ہوا ہے۔ اصل کتاب کے ساتھ الفاظ کی تشریح اور انڈیکس کے علاوہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی) کے قلم سے ایک مبسوط دیباچہ بھی شامل ہے۔

گزشتہ کئی سال سے سوئٹزرلینڈ میں احمدیہ مسلم مشن قائم ہے جس کا صدر مقام زیورخ میں ہے عربی اور جرمن زبان کے حالیہ ترجمے کی اشاعت کا سہرا اسی مشن کے سر ہے۔ اصل کتاب سے پہلے تقریباً ڈیڑھ صد صفحات پر مشتمل ایک لمبا دیباچہ شامل ہے جس کے فاضل مصنف کا ذکر اُوپر آچکا ہے جو مسیح موعود کے دوسرے خلیفہ اور جماعتِ احمدیہ کے موجودہ امام ہیں۔ مسلمان اِس بات کے دعویدار ہیں کہ اسلام کے ظہور کا مقصد یہودیت وعیسویت کا استیصال ہے اور ان کا یہی دعویٰ نیم مخاصمت کی وجہ ہے۔ عربی متن اور اس کے ترجمہ کے بارہ میں علمی حلقوں سے تنقید کی آوازیں سُنی گئی ہیں لیکن ان کا ذکر اِس موقع پر بے جا ہوگا۔ ہم اِس ترجمہ کی اشاعت کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ HENNING نے جو ترجمہ REKLAME, UNIVERSITY کی لائبریری کے لئے کیا تھا وہ بھی چونکہ اَب نایاب ہے اِس لئے بھی یہ ترجمہ ان لوگوں کی ضرورت پُورا کرنے کا موجب ہے جو اسلام کا اصل چہرہ اور اس کی رُوح ان کی کتابِ مقدس سے دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ (ترجمہ)

(۶) اخبار "FIER ARBERT UND BESINNUNG STUTLTGUST" نے یکم فروری ۱۹۵۵ء کو ایک طویل تبصرہ سپردِ قلم کیا جس کا ملخص درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

انیسویں صدی میں اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں جماعتِ احمدیہ کی مساعی خاص طور پر قابلِ ذکر

ہیں۔ اِس جماعت نے حال ہی میں قرآن کریم کا ترجمہ جرمن زبان میں شائع کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلا نہیں بلکہ اِسکی خوبی یہ ہے کہ اسے ایک اسلامی جماعت نے خود اپنے زیرِ اہتمام شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے اور جرمن ترجمہ کے ساتھ عربی متن بھی دیا گیا ہے۔ احمدیہ جماعت کی بنیاد (حضرت) میرزا غلام احمد صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ۱۸۸۰ء میں رکھی جو ۱۸۳۵ء میں قادیان میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق چودھویں صدی کے سر پر بطور مسیح اور مہدی ظاہر ہوئے ہیں وہ ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے اور ۱۹۱۴ء سے حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب جماعت کے دوسرے خلیفہ اور امام ہیں۔ اِس ترجمہ قرآن کریم کا دیباچہ انہی کی قلم سے لکھا ہوا ہے۔ اِس دیباچہ میں اِس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اسلام سے پہلے مذاہب وقتی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے آئے تھے لیکن حضرت نبی کریمؐ اور اسلام کے ذریعہ مذہب کی تکمیل ہوئی۔ مثال کے طور پر حضرت مسیح صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو اکٹھا کرنے آئے تھے۔ گو ان کے حواریوں نے بعد میں دوسروں کو تبلیغ کرنی بھی شروع کی لیکن حضرت مسیح کا یہ مشن نہ تھا کیونکہ متی $\frac{۱۰}{۲۳}$ میں صاف لکھا ہے:۔

"مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم اسرائیل کے سب شہروں میں نہ پھر چکو گے جب تک کہ ابنِ آدم نہ آئے گا۔"

پس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے ذریعہ اسلام سے پہلے قائم شدہ مذاہب کے اختلافات کو دُور کیا گیا جو وقتی اور قومی تعلیموں کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے۔ پس گزشتہ مذاہب کا اختلاف اِس بات کو ثابت کرتا ہے کہ وہ دُنیا کو متحد کرنے والی آخری تعلیم کے رستہ میں روک نہیں بلکہ ان کا وجود ہی ایک ایسی عالمگیر اور کامل تعلیم کا متقاضی ہے۔

عہد نامہ قدیم انسانی ضروریات کو مکمل طور پر پورا کرنے سے قاصر ہے کیونکہ اس میں تناقضات اور اختلافات موجود ہیں اور اس میں مصنف نے اپنے خیالات کو بھی درج کر دیا ہے۔ پھر عہد نامہ قدیم میں ظالمانہ احکام موجود ہیں۔ غلاموں کے لئے سخت اور انسان سوز احکام درج ہیں۔ چنانچہ خروج $\frac{۲۱}{۲۰-۲۱}$ میں لکھا ہے:۔

"اگر کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو لاٹھیاں مارے اور وہ مار کھاتی ہوئی مر جائے تو اُسے سزا دی جائے لیکن اگر وہ ایک دن یا دو دن جئے تو اسے سزا نہ دی جائے اِس لئے کہ وہ اس کا

حال ہے۔"

اِس تعلیم میں غلاموں کے لئے کتنی سختی ہے۔ پھر بائبل میں خلافِ عقل تعلیم بھی موجود ہے۔ چنانچہ احبار باب ۲۰ آیت ۲۷ میں لکھا ہے:۔

"مرد یا عورت جس میں جِن ہو یا وہ جادوگر ہو تو وہ قتل کئے جاویں چاہیئے کہ تم ان پر پتھراؤ کرو اور ان کا خون انہیں پر ہووے۔"

یہ کیسی تعلیم ہے۔ یہ سب اختلافات ظالمانہ اور خلافِ عقل تعلیمات قرآن کریم کی ضرورت پیدا کرتی ہیں۔ عہد نامہ جدید یعنی اناجیل مسیح کے اقوال پر مشتمل نہیں کیونکہ مسیح اور ان کے حواری یہودی النسل تھے اِس لئے اگر مسیح کا کوئی قول محفوظ ہو سکتا ہے تو عبرانی زبان میں لیکن انجیل کا کوئی نسخہ عبرانی زبان میں محفوظ نہیں بلکہ تمام اناجیل یونانی زبان میں ہیں۔ اناجیل کے اندر بھی اختلافات اور توہمات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً مرقس $\frac{1}{12-13}$ میں لکھا ہے:۔

"اور رُوح اسے فی الفور بیابان میں لے گئی اور وہ وہاں بیابان میں چالیس دن تک رہ کر شیطان سے آزمایا گیا اور جنگل کے جانوروں کے ساتھ رہتا تھا اور فرشتے اس کی خدمت کرتے تھے۔"

وہ انسان جو حضرت مسیح کی عظمت اور ان کے مقام کا قائل ہے اِس نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور ہے کہ یہ مقامات اناجیل میں بعد میں داخل کئے گئے ہیں۔ پھر مسیح نے اناجیل میں اپنے نہ ماننے والوں کے خلاف جو سخت الفاظ استعمال کئے ہیں مثلاً انہیں سؤر اور کتّے قرار دیا اور اپنی والدہ کا بھی لحاظ نہیں کیا اور اس کی بے ادبی کی۔ یہ سب اُمور ہماری رائے میں بعد کے آنے والے لوگوں نے ایجاد کئے ہیں جبکہ مسیح اِس دُنیا سے جاچکے تھے اور ایک مصنوعی اور خیالی مسیح اس زمانہ کے نادان اور دین سے ناواقف لوگ بنا رہے تھے۔ ان سب اُمور کے پیشِ نظر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک نئے الہام کی ضرورت تھی جو اس قسم کی غلطیوں سے پاک ہو اور بنی نوع انسان کو اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ رُوحانیت کی طرف لے جائے اور وہ کتاب قرآن مجید ہے۔ قرآن کریم ایک مکمل اور عالمگیر شریعت ہے جو کامل نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے وجود باجود سے معرضِ وجود میں آئی۔

بائبل میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بارہ میں متعدد پیشگوئیاں بھی موجود ہیں مثلاً

خدا تعالیٰ کے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وعدے جس طرح حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ پورے ہوئے اسی طرح حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل سے جو وعدے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے پورے ہوئے۔ اِسی طرح یسعیاہ اور دانیال کی پیشگوئیوں کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور استثناء ۱۸/۱۹-۱۵ باب کی پیشگوئی نبی کریم صلعم کے وجود میں نہ کہ مسیحؑ کے وجود میں پوری ہوئی کیونکہ اِس پیشگوئی کے مطابق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک نئی شریعت کے حامل ہیں اور مسیحؑ کو کوئی شریعت نہیں دی گئی۔ اور پھر اس پیشگوئی کے مطابق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مکمّل تعلیم دی گئی۔

اِسی طرح متی ۲۱/۴۲-۴۴ کی پیشگوئی کے مصداق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آخر وہ کون تھا جس سے عیسائیت اور یہودیت ٹکرائی اور پاش پاش ہوگئی۔ یہ سب اُمور دیباچہ میں بیان کئے گئے ہیں۔

قرآن کریم خدا تعالیٰ کا کلام ہے جو ۲۳ سال کے عرصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہؤا حضرت مسیح خدا کے بیٹے نہیں بلکہ دیگر انبیاء کی طرح ایک نبی تھے اور وہ صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ اسلام اور قرآن کے ذریعہ ہی دین و ایمان کی تکمیل ہو سکتی ہے۔

عیسائی دُنیا اِس سوال کا جواب کیا دے گی کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور نبی کریمؐ کے ذریعہ دین کی تکمیل ہوئی۔ امام جماعتِ احمدیہ اِس دیباچہ میں عیسائی دُنیا کو مندرجہ ذیل الفاظ میں چیلنج کرتے ہیں:۔

"اگر مسیحی پوپ یا اپنے آرچ بشپوں کو اِس بات پر آمادہ کریں کہ وہ میرے مقابل پر اپنے پر نازل ہونے والا تازہ کلام پیش کریں جو خدا تعالیٰ کی قدرت اور علمِ غیب پر مشتمل ہو تو دُنیا کو سچائی کے معلوم کرنے میں کس قدر سہولت ہو جائے گی۔"

امام جماعتِ احمدیہ اپنے آپ کو مصلح موعود قرار دیتے ہیں جن کی پیدائش کی خبر حضرت مسیح موعود نے ان کی پیدائش سے پانچ سال قبل ۱۸۸۶ء میں دی تھی۔ وہ اپنے الہامات کو اسلام اور قرآن کی صداقت کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن کے نئے علوم اُن پر کھولے گئے ہیں اور دوسرے مسلمان جماعتِ احمدیہ کی مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ افغانستان میں ۱۹۲۴ء میں دو احمدیوں کو شہید کیا گیا جماعتِ احمدیہ جہاد کی تعریف دوسرے مسلمانوں کی طرح یہ نہیں کرتی کہ آنے والا مسیح اور

مہدی کافروں کا تلوار سے قلع قمع کرے گا۔ ان کے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ صلیب سے زندہ اُترے اور پھر مرہم عیسیٰ کے ذریعہ سے شفاء پائی اور بعد میں کشمیر گئے اور سرینگر میں فوت ہوئے۔ یہ بات غلط ہے کہ قرآن کریم معجزات کا قائل نہیں بلکہ قرآن کریم پورے یقین کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ اور امام جماعتِ احمدیہ نے دیگر امور کے علاوہ نبی کریم کی پیشگوئیوں کو بھی معجزات قرار دیا ہے۔ ہاں قرآن کریم اِس قسم کی جاہلانہ باتیں نہیں کہتا کہ محمد رسول اللہ حقیقی مُردے زندہ کیا کرتے تھے یا سُورج اور چاند کی رفتار کو ٹھہرا دیا کرتے تھے یا پہاڑوں کو چلایا کرتے تھے، یہ تو بچّوں کی کہانیاں ہیں۔ اِن باتوں کو قرآن کریم نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتا ہے اور نہ کسی اَور نبی کی طرف بلکہ اگر پہلی کُتب میں اِس قسم کی باتیں استعمال ہوئی ہیں تو قرآن کریم ان کی تشریح کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ باتیں محض استعارۃً استعمال ہوئی ہیں اور لوگوں نے انہیں حقیقی رنگ دینے میں غلطی کی ہے مسیح کی اُلوہیت اور ان کی طرف خدائی قوتوں کو منسوب کرنے کا بھی جماعتِ احمدیہ نے ردّ کیا ہے۔ جماعتِ احمدیہ اِس بات کو بھی پیش کرتی ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائرۂ رسالت میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کے برعکس تمام دُنیا کو مدِّ نظر رکھا۔ ان کی تعلیمات میں حضرت موسیٰ کی تعلیمات اور حضرت عیسیٰ کی نرمی اور بُردباری اور محبّت کی تعلیمات کامل طور پر موجود ہیں۔ وہ دشمنوں سے صُلح کرنے اور اہلی زندگی کے لئے بالخصوص عالمگیر اور کامل مثال ہیں۔

(حضرت) مسیح موعود نے اِس بات کو بھی واضح کیا ہے کہ انہوں نے قرآنی مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السّلام) کے خلاف کبھی نہیں لکھا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے سچے نبی تھے بلکہ جہاں جہاں انہوں نے مسیح پر حملے کئے ہیں وہاں انجیل کے مسیح پر انجیل کی تعلیمات کے مطابق الزامات لگائے ہیں جیسے وہ دُنیا کا نجات دہندہ اور خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ اگر نجات مسیح کے دامن سے ہی وابستہ ہے تو پھر اِس بات کا کیا جواب ہے کہ جو انبیاء اور راست باز لوگ مسیح سے پہلے گزرے ان کی نجات کیسے ہوئی جبکہ مسیح پر ایمان نہیں لائے تھے۔

اسلام اب عیسائیت کے خلاف زور سے حملہ آور ہے اور احمدیت کے مرکز میں یہ پروپیگنڈا پُورے زور سے جاری ہے۔ اور یہ امر عیسائی دُنیا کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ (ترجمہ)

(۷) ڈاکٹر محمد عبد اللہ صاحب ماضی منیجر مدارسِ دینیہ مصر نے جرمن ترجمہ قرآن کے متعلق مندرجہ

ذیل رائے تحریر کی:۔

"أَمَّا التَّرْجَمَةُ نَفْسُهَا فَقَدْ اخْتَبَرْتُهَا فِي مَوَاضِعَ مُخْتَلِفَةٍ وَفِي كَثِيرٍ مِنَ الْآيَاتِ فِي مُخْتَلَفِ السُّوَرِ فَوَجَدْتُهَا مِنْ خَيْرِ التَّرْجَمَاتِ الَّتِي ظَهَرَتْ لِلْقُرْآنِ الْكَرِيمِ فِي أُسْلُوبٍ دَقِيقٍ مُحْتَاطٍ وَمُحَاوَلَةٍ بَارِعَةٍ لِأَدَاءِ الْمَعْنَى الَّذِي يَدُلُّ عَلَيْهِ التَّعْبِيرُ الْعَرَبِيُّ الْمُنَزَّلُ لِآيَاتِ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ" [1]

یعنی جہاں تک ترجمہ کا تعلق ہے مَیں نے مختلف مقامات اور مختلف سُورتوں کی بہت سی آیات کا ترجمہ بنظرِ غائر دیکھا ہے۔ مَیں نے اِس ترجمہ کو قرآن مجید کے جُملہ تراجم سے جو اس وقت منصۂ شہود پر آچکے ہیں بہترین پایا ہے۔ اِس ترجمہ کا اسلوب نہایت محتاط علمی رنگ لئے ہوئے ہے۔ باریک بینی کو مدّنظر رکھا گیا ہے اور معانی قرآن کی ادائیگی میں انتہائی علمی قابلیت کا اظہار کیا گیا ہے تاکہ عربی میں نازل شدہ قرآنی آیات کی کماحقہٗ ترجمانی ہوسکے۔ [2]

حضرت سیّدنا المصلح الموعود کا زیورچ میں ورودِ مسعود

سوئٹزرلینڈ مشن کو اپنی زندگی کے نویں سال یہ دائمی فخر نصیب ہوا کہ حضرت سیّدنا المصلح الموعود جب دوسری بار یورپ تشریف لے گئے تو حضور زیورچ (سوئٹزرلینڈ) میں بھی ۹۔ ماہِ ہجرت/مئی سے ۱۰ ماہِ احسان/جون ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء تک جلوہ افروز رہے۔ حضور کی رہائش سے متعلق جُملہ انتظامات کی سعادت شیخ ناصر احمد صاحب کے حصّہ میں آئی جس پر حضور نے درجِ ذیل الفاظ میں بذریعہ تار اظہارِ خوشنودی فرمایا کہ:۔

"ہم خدا کے فضل سے اہل و عیال کے ساتھ بخیریت پہنچ گئے ہیں جنیوا سے آگے تمام انتظامات شیخ ناصر احمد (مبلّغ سلسلہ) نے کئے تھے جو کہ بہت عمدہ تھے۔ شروع میں تازہ روغن ہونے کی وجہ سے کچھ تکلیف ہوئی لیکن چند گھنٹے کے بعد یہ تکلیف رفع

---

[1] مجلّۃ الازھر فروری ۱۹۵۹ء۔

[2] بحوالہ الفضل ۳۱۔ امان/مارچ ۱۳۴۶ھش/۱۹۶۷ء صٓ۔

ہو گئی" [1]

سیدنا المصلح الموعود کا سوئٹزرلینڈ میں ورود مسعود ڈاکٹر پروفیسر روسیو کی نگرانی میں معائنہ اور علاج کی غرض سے تھا[2] اور حضور نے نہ صرف ان سے طبی مشورہ لیا بلکہ زیورچ میں ڈاکٹر پروفیسر روزنیر ہومیوپیتھ ڈاکٹر گیزل اور مشہور معالج ڈاکٹر (DR. BOSIO) سے اور جنیوا میں ہومیوپیتھ ڈاکٹر شمڈٹ (DR. SCHMIDT) سے مشورہ فرمایا۔ تمام طبی ٹسٹ مکمل ہو چکے تو ڈاکٹر بوسیو نے ۲۳ رمئی ۱۹۵۵ء کو طبی رپورٹوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنی تشخیص بتائی چنانچہ حضور انور نے اسی روز حسب ذیل خصوصی پیغام بذریعہ تار ارسال فرمایا:۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمام طبی ٹسٹ مکمل ہو گئے ہیں اور بیماری متعین کر لی گئی ہے۔ مشہور معالج ڈاکٹر بوسیو (DR. BOSIO) نے رپورٹوں کا مطالعہ کرنے کے بعد آج اپنی تشخیص سے مطلع کر دیا ہے ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے خون اور شریانیں اور باقی ہر چیز معمول کے مطابق پائی گئی ہے لیکن یہ کہ مجھے بہت زیادہ آرام کرنا چاہیئے اور اگر ممکن ہو سکے تو مجھے یہاں کچھ زیادہ عرصہ قیام کرنا چاہیئے۔ پھر یہ کہ میری تقریریں زیادہ مختصر

---

[1] الفضل ۱۲ ہجرت / مئی ۱۳۳۴ہش / ۱۹۵۵ء صا۔ مکرم جناب چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ نے (جنہیں اس سفر میں حضرت مصلح موعود کے پرائیویٹ سیکرٹری ہونے کا شرف حاصل ہوا) حضورؓ کے قیام زیورچ کی ایک رپورٹ میں تحریر فرمایا:۔

"۹ مئی کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ تقریباً ایک بجے زیورچ پہنچے اور کاروں میں سوار ہو کر قافلہ اپنی جائے رہائش BEGONIAN STRASSE2 میں آیا۔ یہ ایک چار منزلہ مکان ہے جس کے نیچے کی دو فلیٹیں شیخ ناصر احمد صاحب نے کوشش کر کے مالک سے جلدی جلدی تیار کروالیں۔ بقیہ حصہ ابھی زیر مرمت ہے اور ان فلیٹوں کے آگے کی سیڑھیاں، ہال وغیرہ میں ابھی پینٹ ہو رہا ہے۔ خدا تعالیٰ کے خاص بندوں کی جو علوم آسمانی کے امین اور عارف اسرار ربانی ہوتے ہیں حسیں بہت تیز ہوتی ہیں حضور کو بدبو بہت ناگوار گزری اور ایسا معلوم ہوا کہ یہاں رہنا ممکن نہیں مگر فلیٹ کے اندر ایسی بُو نہ تھی۔ آہستہ آہستہ اس فلیٹ کی خوبیاں بھی حضور کے سامنے آئیں اور حضور نے جب میں شام کو مائکرو بس پر جنیوا سے زیورچ پہنچا یہی خیال ظاہر فرمایا کہ فلیٹ اچھی ہے اور کرایہ کے لحاظ سے بہت عمدہ ہے"

(الفضل ۲۴ ہجرت / مئی ۱۳۳۴ہش / ۱۹۵۵ء صہ کالم ۱)

[2] ڈاکٹر پروفیسر روسیو زیورک کے ہسپتال KANTONSPITZAL میں کام کرتے تھے اور سوئٹزرلینڈ کے مشہور ڈاکٹر تھے ہز ایکسی لینسی مسٹر غلام محمد گورنر جنرل پاکستان انہیں کے زیر علاج رہے۔

ہونی چاہئیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ گزشتہ سال حملے کے نتیجے میں جو زخم لگا تھا وہ خطرناک تھا اور یہ کہ سرجن کی رائے درست نہیں تھی، ایکسرے فوٹو سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ چاقو کی نوک گردن میں ٹوٹ گئی تھی جو اب بھی اندر ہی موجود ہے اور ریڑھ کی ہڈی (سپائینل کارڈ) کے قریب ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ جن خطرناک معائنوں سے بچنے کی کوشش کی جا رہی تھی اب انکی ضرورت باقی نہیں رہی"۔ [1]

زیورچ میں حضرت مصلح موعود کی نہایت اہم دینی مصروفیات

طبی تشخیص کے بعد حضرت سیدنا المصلح الموعود زیورچ میں مزید ڈھائی ہفتے رونق افروز رہے۔ اگرچہ قبل ازیں بھی حضور کی دینی مصروفیات برابر جاری رہیں چنانچہ حضور مرکزی ڈاک ملاحظہ فرمانے اور یورپ میں تبلیغِ اسلام کو کامیاب طور پر وسیع کرنے کی سکیم تیار کرنے میں شب و روز منہمک رہے نیز لندن میں یورپ اور امریکہ کے مبلغین کی تبلیغی کانفرنس بلوانے کا فیصلہ سوئٹزرلینڈ ہی میں فرمایا [2] لیکن قیامِ زیورچ کے آخری ایام میں حضور کی دینی مصروفیات یکایک بڑھ گئیں اور اہلِ سوئٹزرلینڈ کو عموماً اور سوئس احمدیوں کو خصوصاً اپنے مقدس و محبوب آقا کی مبارک و رُوح پرور مجالس سے فیضیاب ہونے اور حضور کے رُوح پرور کلمات و ارشادات سننے کے ایسے ایسے قیمتی مواقع میسر آئے جو ہمیشہ کے لئے اِس سرزمین کے فرزندوں کیلئے سرمایۂ افتخار رہیں گے۔ اِس سلسلہ میں حضرت مصلح موعود کی دینی سرگرمیوں کا مختصر اور تاریخ وار خاکہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

۲۴۔ ہجرت (مئی) حضور نے عید الفطر کی تقریب پر جماعت کے نام یہ پیغام دیا کہ

"ایک دوست نے لکھا ہے کہ آپ عید پر کوئی پیغام دیں چنانچہ میں یہ پیغام بھجواتا ہوں اللہ تعالیٰ ہمارے دوستوں کے روزے قبول فرمائے اور عید اُن کے لئے بہت بہت مبارک کرے"۔ [3]

۳۔ احسان (جون) آج حضور نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ [4]

۴۔ احسان (جون) آج حضرت اقدس زیورچ کے احمدیہ مشن میں تشریف لائے اور معائنے

---

[1] الفضل ۲۴۔ ہجرت/مئی ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ [2] الفضل ۲۴۔ ہجرت/مئی ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔
[3] الفضل ۲۴۔ ہجرت/مئی ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ [4] الفضل ۷۔ احسان/جون ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

کے بعد اپنے دستِ مُبارک سے تحریر فرمایا کہ

"خدا تعالیٰ سوئٹزرلینڈ کے باشندوں کی اپنے دین کی طرف رہنمائی فرمائے اور اُن کا حامی و ناصر ہو۔" [1]

۵ر احسان (جون) آج حضور کی طبیعت نسبتاً بہتر رہی۔ حضور نے آج سوئٹزرلینڈ کے احمدی احباب کو بیلوائر پارک (BELVOIR PARK) میں چائے پر مدعو کیا۔ اِس موقع پر حضور نے احباب سے خطاب کرتے ہوئے اِس تقریب کو باپ اور بیٹوں کی ملاقات سے تعبیر فرمایا۔ سوئٹزرلینڈ کے احمدی احباب نے اپنے آقا اور رُوحانی باپ کو اپنے درمیان رونق افروز پا کر بے حد خوشی اور مسرّت کا اظہار کیا۔[2]

۵ر احسان (جون) حضور نے آج چائے پارٹی کے موقع پر سوئٹزرلینڈ کے احمدی احباب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے میرے رُوحانی بچّو مَیں تم سے مِل کر بہت خوش ہُوا ہوں بیشک سوئٹزرلینڈ ایک چھوٹا سا ملک ہے لیکن اگر تم اللہ تعالیٰ کی ہدایات پر عمل کرو گے تو بڑے بڑے ملک بھی تم پر رشک کریں گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ ہمیش قائم رہنے والی عزّت عطا کرے گا۔ حضور نے انگریزی زبان میں خطاب فرمایا اور شیخ ناصر احمد صاحب (مبلّغ سوئٹزرلینڈ) کو جرمن زبان میں ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔[3]

۸ر احسان (جون) آج سوئس ٹیلیویژن کے ذریعہ حضور انور کا انٹرویو نشر ہُوا۔ حضور نے یہ انٹرویو انگریزی زبان میں دیا جس کا ترجمہ مکرم شیخ ناصر احمد صاحب ہی نے جرمن زبان میں کر کے سُنایا۔ حضور نے سفرِ یورپ کی غرض، رمضان المبارک کی اہمیّت، جماعتِ احمدیہ کی تبلیغی جدّ وجہد اور اس کی ضرورت سے متعلق سوالات کے جوابات دیئے۔ یوگوسلاویہ کا ایک باشندہ حضور کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے داخلِ احمدیت ہُوا۔[4] آج شب کو حضور کا ایک انٹرویو بھی سوئس ٹیلیویژن کے ذریعہ نشر ہُوا اور اِس ملک کے خوش نصیب باشندوں نے خدا کے مقدّس مصلح موعود کا پُر انوار اور مقدّس چہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور حضور کو اسلام کے حقیقی تصوّر اور اس کی اہمیّت پر گفتگو فرماتے ہوئے سُنا۔[5]

---

[1] الفضل ۷ر احسان/جون ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ [2] الفضل ۸ر احسان/جون ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

[3] ایضاً۔ [4] الفضل ۱۱ر احسان/جون ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ [5] ایضاً۔

۱۰ احسان (جون) آج حضور نے نماز جمعہ پڑھائی۔[1]

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود تیس[2] دن تک سوئٹزرلینڈ کی سرزمین کو اپنے مقدس وجود سے برکت عطا کرنے اور اس کے باشندوں کو نورِ اسلام سے منور کرنے کے بعد ۱۰ احسان (جون) کو ڈھائی بجے بعد دوپہر زیورچ سے جنوبی سوئٹزرلینڈ کے مقام لوگانو (LOGANO) تشریف لے گئے جہاں سے روانہ ہو کر ۱۱ احسان (جون) کو اٹلی کی مشہور بندرگاہ وینس میں پہنچے[2] اور سوئٹزرلینڈ کی اسلامی تاریخ کا ایک زریں ورق اُلٹ گیا۔

رومن کیتھولک کے پوپ کو تبلیغِ اسلام

جون جسٹ وسوم (POPE JOHN XXIII) کا انتخاب ۱۳۳۷ھش/۱۹۵۸ء کے آخر میں عیسائیوں کے رومن کیتھولک فرقے کے نئے پوپ کی حیثیت سے ہوا تو محترم شیخ ناصر احمد صاحب (مبلغ اسلام سوئٹزرلینڈ) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کے مطابق ان کے نام ایک مفصل تبلیغی مکتوب لکھا جس میں مروجہ عیسائی معتقدات ونظریات کا غلط ہونا ثابت کرنے کے بعد انہیں دعوتِ اسلام دی اور توجہ دلائی کہ وہ اسلام کی دائمی تعلیمات اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی اور پاک سیرت کا یورپ کے روایتی تعصب سے بالا ہو کر مطالعہ کریں اور بانی تحریکِ احمدیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوئ ماموریت پر غور کر کے اُس صداقت کو قبول کرنے کی سعادت حاصل کریں جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اکنافِ عالم میں پھیلانے کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔[3] اِس خط کے بعد شیخ صاحب نے بعض اَور تبلیغی خطوط بھی پوپ کے نام لکھے۔

احمدیہ مشن کی اِسلامی خدمات اور حلقہ مخالفین

احمدیہ مشن کی لسانی وقلمی اسلامی خدمات سوئٹزرلینڈ کے حلقہ مخالفین کو کسی طرح گوارا نہیں تھیں۔ اور چرچ جو ابتداء ہی سے مبلغینِ اسلام کی آمد کو اپنے لئے زبردست چیلنج سمجھتا تھا اسلام کے رُوحانی انقلاب کی راہ روکنے کے لئے اب آہستہ آہستہ کُھل کر سامنے

---

[1] الفضل ۱۴ احسان/جون ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء صفحہ ۱ ‫٭‬ [2] ایضاً ‫٭‬ [3] الفضل ۵ نبوت/نومبر ۱۳۳۷ھش/۱۹۵۸ء صفحہ ۱ ۔ شیخ صاحب نے اِس مکتوب کا جرمن ترجمہ ایک چھوٹی تقطیع کے رسالہ کی صورت میں چھپوا لیا اور اس کے نسخے سوئٹزرلینڈ اور آسٹریا کے نئے احمدیوں کو بغرض تقسیم بھجوائے۔
(الفضل ۱۵ ہجرت/مئی ۱۳۳۸ھش/۱۹۵۹ء)

آنے لگا چنانچہ اخبار KIRCHENZEITUNG LUCERNE نے اپنی ۶۔فروری ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں مجاہدینِ احمدیت کی سرگرمیوں کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کو چرچ کے لئے خطرہ قرار دیتے ہوئے انتباہ کیا کہ:-

"مسلمانوں کی ایک جماعت اِس کوشش میں ہے کہ اسلام کی تعلیمات کو ہر جگہ پہنچائے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ مسلمان مبلّغین ہمارے ملک میں بھی مقرر کئے جائیں کیونکہ سوئٹزرلینڈ بھی اب اُن علاقوں میں شامل ہو چکا ہے جن میں اسلامی مبلّغین مصروفِ عمل ہیں مختلف طریقے جو یہ جماعت اِس جدوجہد کے سلسلہ میں عمل میں لائے گی ظاہر ہے۔ وہ نام جس کا گزٹ میں ذکر کیا گیا ہے وہ بھی کم دلچسپ نہیں۔ ہمیں اِس امر کا خیال بھی نہیں آسکتا تھا کہ کبھی AUGUST BADER یا JAKOB FREI بھی اسلام کی خدمت میں لگ جائیں گے یہ زیادہ دیر کی بات نہیں جب اِس امر کا علم ہوا کہ اسلام کا منظم تبلیغی کام سوئٹزرلینڈ میں بھی شروع ہو رہا ہے۔ اِس امر کا بھی اعلان ہو چکا ہے کہ یہ جماعت زیورک میں ایک مسجد کی تعمیر کا ارادہ رکھتی ہے۔ گو ہمیں اِس سے خائف نہیں ہونا چاہیئے لیکن بہتر یہ ہے کہ ہم اپنے آپکو مناسب وقت کے اندر اندر اس کے مقابلہ کے لئے تیار کرلیں اور اسے یہ سمجھ کر نہ چھوڑ دیں کہ وہ کسی عملی خطرہ کا پیش خیمہ نہیں ہے۔ اگرچہ وقتی طور پر وہ خطرہ معلوم نہیں ہوتا تاہم ہمیں اِس امر کی ترغیب دلا رہے ہیں کہ ہم اپنی دینی معلومات اور مذہبی طریقۂ زندگی کے متعلق گہرا مطالعہ شروع کر دیں۔"[1]

اِسی طرح اخبار OSESCH WEIZ ST. GALLE نے اپنے ۷۔مارچ ۱۹۵۸ء کے اشاعت میں لکھا:-

"آج مسلمانوں کے ثقافتی حلقوں میں تبلیغ و اشاعت کی شدید خواہش پیدا ہو رہی ہے۔ یہ خواہش جو اپنے جوش کی وجہ سے اچانک پھوٹ پڑی ہے۔ یورپین مبصرین کے لئے سنسنی خیز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی دُنیا اچانک اپنی قوت سے دوبارہ آگاہ ہو گئی ہے

---

[1] (ترجمہ) بحوالہ "مغرب کے افق پر" (تقریر سالانہ جلسہ ۱۳۳۸ھش/۱۹۵۹ء جناب صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر تحریکِ جدید ربوہ) صفحہ ۲۸-۲۹۔

ایسی قوت ہے جو سیاسی نہیں بلکہ نظریاتی ہے۔ ایک ایسی خواہش جو تین صدیوں تک دبی رہی اچانک شعلہ بن کر یورپ کے ثقافتی حلقوں کو متأثر کرنے کے عزم صمیم میں تبدیل ہو چکی ہے تاکہ مسلمان قرآن اور ہلال کے لئے موجودہ ترقی یافتہ تبلیغی کام کے ذریعہ نئے آفاق تلاش کر سکیں۔ اسلام عرصہ سے اپنی اشاعت کے اِس نئے جوش اور نئے ولولہ کی وجہ سے یورپ کو اپنی کوششوں کا مرکز قرار دے چکا ہے اور محض یہی نہیں بلکہ اپنے قدموں کو مضبوطی سے جما رہا ہے۔ اگر کوئی اِس حقیقت کو خوش فہمی سمجھ کر نظر انداز کرنے کی کوشش کرے تو اسے ان حقائق پر غور کرنا چاہیئے۔ زیورک میں چند سالوں سے ایک اسلامی تبلیغی مرکز قائم ہے جو اپنا رسالہ خود شائع کرتا ہے۔ اور جو اپنے لیکچروں اور خطبات کے ذریعہ سوئٹزرلینڈ کی ہر سوسائٹی اور ایسوسی ایشن سے ہر ممکن تعلق پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ اسلامی لٹریچر کی سرگرم اشاعت کے کسی موقع کو ضائع نہیں ہونے دیتا، خاص طور پر نوجوانوں میں ایسے مواقع کو کسی صورت میں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ زیورک کا یہ اسلامی مرکز کسی لحاظ سے بھی ایک الگ تھلگ کوشش نہیں بلکہ ایک بہت بڑی منظم سکیم کی ایک شاخ ہے۔ اَب ہر ایک شخص کو یہ حقیقت مدِّنظر رکھنی پڑے گی کہ سُرخ دیو آہنی پردے کے پیچھے آڑ لئے بیٹھا ہے اور وہ اپنی تمام تر طاقتوں کو مجتمع کئے ہوئے منتظر ہے کہ کب اسے موقع میسّر آئے اور وہ مغرب کا گلا گھونٹنے کے لئے میدان میں آئے۔ اِس اثناء میں اسلام بھی یورپ کا مقابلہ کرنے کے لئے نہایت اطمینان کیساتھ پیش قدمی کر رہا ہے مگر اس کی پیش قدمی اس کی محتاط، محرّک اور مؤثر قوت کے ساتھ ہے جو اس کا خاصہ ہے۔" [1]

۱۳۴۰ھش/۱۹۶۱ء میں سوئٹزرلینڈ کے مخالفِ اسلام طبقے کیا سوچ رہے تھے اور کیا کر رہے تھے؟ اس کا نقشہ شیخ ناصر احمد صاحب نے اپنی ماہِ تبوک/ستمبر ۱۳۴۰ھش/۱۹۶۱ء کی رپورٹ میں بایں الفاظ کھینچا:۔

"مخالفین کے حلقہ میں سے ایک شخص نے گمنام خط لکھا کہ اپنا بستر بوریا باندھ کر واپس چلے جاؤ اور پھر نہ لوٹو۔ ایک رسالہ میں ہمارے ایک مضمون پر کڑی تنقید شائع ہوئی لیکن

---

[1] (ترجمہ) بحوالہ "مغرب کے افق پر" صفحہ ۲۹-۳۰۔

مضمون نگار نے بات کو محض بگاڑ کر پیش کیا اور لوگوں کو ہمارے خلاف اُبھارنا چاہا ہم نے مختصر رنگ میں اس کا جواب دیا۔ ان ہی دنوں خاکسار کو پولیس والوں نے ایک بیان کے لئے بُلایا اور مضمون مذکورہ بالا کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں لوگوں کے مذہبی جذبات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ خاکسار نے انہیں جواباً کہا کہ ہمیں اس امر سے سخت حیرت ہے کہ اس مضمون میں جو اسلام میں خدا تعالیٰ کے تصوّر کے موضوع پر لکھا گیا ہے کسی صحیح الدماغ انسان کو کوئی اعتراض ہوسکتا ہے۔ خاکسار کے دریافت کرنے پر معلوم ہوُا کہ پولیس افسر نے ہمارے مضمون کو خود پڑھا تک نہ تھا۔ لہذا خاکسار نے مناسب سمجھا کہ انہیں نفسِ مضمون سے آگاہ کر دیا جائے چنانچہ خاکسار نے بتایا کہ ہم نے مضمون میں لکھا ہے کہ اسلام میں خدا صرف ایک وجود ہے جس کا نہ بیٹا ہے نہ بیوی۔ خدا تعالیٰ کا یہ تصوّر عیسائیت کے تصوّرِ تثلیث سے بالکل مختلف ہے۔ شاید ایک عیسائی توحیدِ باری تعالیٰ کے تصوّر کو نہ سمجھ سکے لیکن ہم مسلمان تثلیث کو نہیں سمجھ سکتے نہ ہی خدا تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک کر سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک مشکل یا مصیبت کے اظہار کے وقت "یسوع خدا" پکارنا خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔ نہ ہی ہم ابنیت کے قائل ہیں نہ ہی صلیبی موت کے۔ اسلام کے خدا کو کسی مدد کی حاجت نہیں وہ کسی کام کو کرنے پر مجبور نہیں وغیرہ۔ اس پر پولیس افسر نے کہا کہ آپ کو یہ سب باتیں کہنے کا حق ہے اور یہ مذہبی آزادی کے عین مطابق ہے۔ خاکسار نے کہا کہ آپ کے نزدیک مخالف مضمون نگار نے کوئی معقول بات بھی پیش کی ہے یا صرف جذباتی طور پر ہمارے خلاف لوگوں کو اُبھارا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ اس کے نزدیک بھی مضمون متعلقہ کو جرم سے کوئی تعلق نہیں۔ خاکسار نے کہا کہ اگر اِس قسم کے بے ضرر مضمون پر بھی اعتراض ہوسکتا ہے تو پھر اسلام کی تبلیغ ہی بند کر دینی چاہیئے۔ قرآن کریم کی اشاعت ممنوع قرار دینی چاہیئے بلکہ ہر بات جو موجودہ چرچ کے خلاف ہے اسے حکماً روک دینا چاہیئے لیکن پھر ملک میں مذہبی آزادی نہیں رہے گی بلکہ مسلمان تو الگ رہے یہودیوں کو بھی خلافِ قانون قرار دینا پڑے گا کیونکہ مسلمان تو بہر حال حضرت مسیحؑ کی عزت کرتا اور انہیں خدا تعالیٰ کا نبی مانتا ہے برعکس اِس کے یہودی آپ کو نعوذ باللہ کذّاب اور ملعون سمجھتے ہیں۔ خاکسار

کی باتوں کو پولیس افسر اچھی طرح سمجھ گیا۔“ لہ

نیز لکھتے ہیں :-

”مخالفت کے ذکر کے سلسلہ میں عیسائی مشنری کونسل کے ایک رسالہ کا ذکر بہت ضروری ہے جو انہوں نے گزشتہ عرصہ میں شائع کیا ہے۔ یہ ایک دو ماہی رسالہ ہے جس کا نام "WONDERER" ہے۔ اسے شائع کرنے والی کونسل کے اراکین دس مشنری سوسائٹیز ہیں جو اس ملک کی طرف سے دُنیا کے مختلف حصّوں میں عیسائیت کا پرچار کر رہی ہیں۔ (سوئٹزرلینڈ کا ملک عیسائیت کی عالمگیر تبلیغی مہم میں خاص حیثیت رکھتا ہے۔ صرف کیتھولک فرقہ کے ہی اٹھارہ صد مبلغ دُنیا بھر میں کام کر رہے ہیں۔ ایک شہر بازل کی ایک تبلیغی انجمن نے ہی ۲۲۵ مبلغ بھجوا رکھے ہیں) لطف یہ ہے کہ یہ سارے کا سارا رسالہ ہماری تبلیغی مساعی کے بیان پر مشتمل ہے اور اس مشن کی کارروائیوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور لوگوں کو ہماری جانب سے خطرہ سے خبردار کر کے لکھا گیا ہے کہ یہ احمدی لوگ ایک خاص جذبہ سے سرشار ہیں ان کی سکیموں کو حقیر نہ جانو اور نہ ہی ان کی کارروائیوں سے لاپرواہی برتو بلکہ اپنے آپ کو ان کے مقابلہ کے لئے تیار کر لو کیونکہ اگر یہ لوگ ایک غلط بات کی تائید میں اس قدر محنت اور قربانی کا نمونہ دکھا سکتے ہیں تو کیا ہم عیسائی لوگ اس کی خاطر ان سے بھی زیادہ قربانی نہیں دکھا سکتے جس نے ہمارے لئے اپنی جان تک دے دی! رسالہ مذکورہ میں ایک صفحہ پر ہمارے قبرِ مسیح والے اشتہار کی فوٹو دی گئی ہے۔ ایک صفحہ پر قرآن کریم کے جرمن ترجمہ کا ایک پورا صفحہ دیا گیا ہے اور جماعت کی تاریخ حضرت مسیح موعودؑ کے دعاوی حضور کی پیشگوئیوں۔ مشنوں کے قیام۔ یورپ کی مساجد مسجد زیورک وغیرہ اُمور کا ذکر کیا گیا ہے۔

یورپ میں تبلیغِ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ چرچ نے اس تفصیل اور شدّت کے ساتھ ہمارا نوٹس لیا ہے۔ پہلے یہ لوگ ہمیں کم مایہ اور حقیر سمجھتے تھے لیکن اب ان کے تفکرات میں ایک نمایاں انقلاب آ رہا ہے اور یہ اپنے لوگوں کو

لہ الفضل ۳۰ نبوت/نومبر ۱۳۴۰ھش/۱۹۶۱ء صفحہ ۳۔

ہمارے مقابلہ کے لئے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ ضمنی طور پر یہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری کمزور کوششوں کی فوقیت اور اثر کا اعتراف بھی ہے۔

گزشتہ دنوں ایک مشہور اخبار میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان ایک بحث کا سلسلہ چل پڑا۔ ہمارے لئے اس مباحثہ میں دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ایک مضمون نگار نے لکھا کہ اسلام اس قدر سُرعت سے آگے بڑھ رہا ہے اور اب اس ملک میں بھی قدم جما چکا ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے اندرونی اختلافات کو بھلا کر اس بیرونی خطرہ کا مقابلہ کریں۔ اس رپورٹ کی تیاری کے دوران میں اطلاع ملی ہے کہ ایک کتاب اسلام کے متعلق ایک مخالف نے شائع کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اسلام کا چرچا اس قدر بڑھتا جاتا ہے کہ عوام کو اس کی اصل تعلیم سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔" [1]

سوئٹزرلینڈ کے علمی طبقوں میں اسلام کا عام چرچا

۱۳۳۸ھش / ۱۹۵۹ء کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں سوئس کے علمی حلقوں میں اسلام کا خوب چرچا ہوا۔ چنانچہ شیخ ناصر احمد صاحب نے لکھا:۔

"ان دنوں سوئٹزرلینڈ میں مختلف مواقع پر اسلام پر لیکچر ہو رہے ہیں۔ اخبارات میں مضامین بھی آئے دن چھپتے رہتے ہیں۔ دراصل ہماری تحریک پر ہی زیورک کی یونیورسٹی میں ایک سلسلہ تقاریر کا جاری ہوا جس میں ایک پروفیسر نے اسلام پر لیکچر دئے۔ احمدیت کا ذکر بھی کیا۔ آخری لیکچر کے دن ہم نے ایک اشتہار سائیکلوسٹائل کر کے سامعین میں تقسیم کیا اور انہیں دعوت دی کہ اسلام پر مزید معلومات ہم سے حاصل کریں اور رسالہ "اسلام" طلب کریں۔ چنانچہ اس پر بہت سے لوگوں نے اپنے پتے اس غرض کے لئے ہمیں بھجوائے۔ یوں ریڈیو پر بھی چند مہینوں سے ایک سلسلہ لیکچروں کا شروع ہے جس کا عنوان ہے "اسلام اور مغرب"۔ اس پروگرام میں حصّہ لینے والوں نے بعض دفعہ اسلام کے بارہ میں بہت اچھی باتیں کہی ہیں۔ ایک دفعہ ایک صاحب نے احمدیہ جماعت کی تبلیغی مساعی کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ صرف ایک ہی تنظیم ایسی ہے جو اسلام کی تبلیغ کا کام کر رہی ہے۔ یہ لوگ تربیت یافتہ

---

[1] الفضل ۳۰ نبوت / نومبر ۱۳۴۰ھش / ۱۹۶۱ء صفحہ ۳-۴

نوجوانوں کے ذریعہ تحریر و تقریر کے ہتھیاروں سے اسلام کو پھیلا رہے ہیں۔ آسٹرین ریڈیو پر بھی ایک پروفیسر نے اسلام پر ایک لیکچر نشر کیا جس کی نقل ہم نے منگوائی " [1]

آسٹریا میں تبلیغ اسلام

سوئٹزرلینڈ مشن کے ذریعہ جرمنی کے علاوہ آسٹریا تک بھی اسلام کا پیغام پہنچا۔ اِس سلسلہ میں شیخ ناصر احمد صاحب نے ۱۳۳۹ھش/۱۹۶۰ء میں آسٹریا کے دَورے بھی کئے[2] جن میں سے دو کی رپورٹ خود شیخ صاحب کے قلم سے لکھی جاتی ہے۔

پہلا دَورہ:۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"آسٹریا کے دَورہ کے سلسلہ میں مورخہ ۹ر جون کو انزبروک کی یونیورسٹی میں خاکسار نے "اسلام کی رُوحانی دُنیا" کے موضوع پر ایک مفصّل لیکچر دیا۔ اِس لیکچر کے بعد سامعین کو مزید معلومات حاصل کرنے کی دعوت دی گئی چنانچہ رہائش گاہ پر ایک گروپ سامعین کا آیا اور دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ تقریر کے موقعہ پر مسلمان ممالک کے بہت سے طلباء بھی موجود تھے جنہوں نے ہماری مساعی کو بہت تحسین و قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ تقریر سے پہلے بھی انفرادی گفتگو ہوتی رہی۔ اِس لیکچر کا اعلان لوکل اخبارات میں شائع ہوا۔ نیز ریڈیو پر بھی متعدد بار اس کا اعلان نشر کیا گیا۔ خاکسار اس موقعہ پر ایک پروفیسر ڈاکٹر LEONHARD FRANZ سے بھی ملا اور یونیورسٹی میں مزید لیکچروں کے مواقع پر گفتگو ہوئی۔ چنانچہ دسمبر میں وہاں دو لیکچروں کا انتظام ہوگیا ہے۔ علاوہ ازیں آسٹریا کے دوسرے شہروں میں بھی لیکچروں کے انتظام کے لئے خط و کتابت ہو رہی ہے۔ جون کے مہینہ میں ویؔ آنا گیا اور وہاں مقامی احمدی افراد سے متعدد انفرادی اور اجتماعی ملاقاتیں کر کے تبلیغی کام کو وسیع کرنے کی ایک سکیم پر غور کیا گیا انشاء اللہ العزیز یہ سکیم تیار کر کے اس پر عمل شروع کر دیا جائے گا۔

---

[1] الفضل ۱۵۔ ہجرت/مئی ۱۳۳۸ھش/۱۹۵۹ء صفحہ ۴ [2] قبل ازیں شیخ صاحب موصوف کی آسٹریا کے بعض دوستوں سے تبلیغی خط و کتابت کرنے اور کتب بھجوانے کا سلسلہ جاری تھا جیسا کہ مشن کی رپورٹ (از وفا/جولائی تا تبوک/ستمبر ۱۳۳۷ھش/۱۹۵۸ء) سے ثابت ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"آسٹریا سے بھی خطوط سوالات پر مشتمل آئے جن کے تفصیلی جوابات خاکسار نے بھجوائے اور لٹریچر کی ترسیل نیز خطوط کے ذریعہ وہاں بھی تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا۔"

(الفضل ۲۳۔ اخاء/اکتوبر ۱۳۳۷ھش/۱۹۵۸ء)

وی آنا میں خدا کے فضل سے ایک چھوٹی سی جماعت قائم ہو چکی ہے۔ اپریل میں ایک خاندان نے بیعت کی۔ جون میں ایک اور خاتون نے۔ اِس خاتون کے خاوند ڈاکٹر خالد رسیڈلر چند سال سے احمدیت قبول کر چکے ہیں۔

مورخہ ۱۴ جون کو خاکسار آسٹریا کے فیڈرل صدر DR. ADOLF SCHARB سے اُن کے ایوانِ خاص میں ملاقات کے لئے گیا۔ اس موقعہ پر ان کی خدمت میں قرآن کریم کا ایک نسخہ پیش کیا گیا۔ گفتگو کے دَوران میں صدرِ محترم نے خود ہی اِس امر کا اعتراف کیا کہ مسلمانوں نے اپنے زمانۂ اقتدار میں عیسائی حکومتوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ رواداری کا نمونہ دکھایا ہے۔ اس سے ایک روز قبل خاکسار نے وی آنا کے صدر بلدیہ HERN FRANZ JONAS کو بھی ایک نسخہ قرآن کریم کا بطور تحفہ پیش کیا۔ وی آنا کے ایک اخبار میں ایک نوٹ شائع کرایا گیا تا اسلام سے دلچسپی رکھنے والے حضرات خاکسار سے مل کر مزید معلومات حاصل کریں۔ ایک روز ایک چھوٹے سے گروپ کے ساتھ گفتگو کرنے اور لٹریچر تقسیم کرنے کا موقع ملا۔ وی آنا میں ہی خاکسار ایک لیکچروں کی انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر سے ملا اور اسلام پر تقاریر کا انتظام کروایا۔ آسٹریا کے دَورہ کی خبر یونائیٹڈ پریس آسٹرین پریس ایجنسی، رائٹر اور وی آنا کے اخبارات کو دی گئی۔[۱]

دوسرا دَورہ :-

"آسٹریا کے دَورہ کے سلسلہ میں مورخہ ۹۔ اکتوبر کو ایک جگہ HOLLABRUNN میں پبلک یونیورسٹی میں خاکسار کا لیکچر "اسلام کی رُوحانی دُنیا" کے موضوع پر ہوا۔ حاضری بہت خوش کُن تھی اور سامعین نے یہ مفصل لیکچر بہت شوق اور توجہ کے ساتھ سُنا۔ مورخہ ۱۳۔ اکتوبر کو وی آنا میں ایک لیکچر "اسلام اور نبیٔ اسلام" کے موضوع پر ہُوا۔ اِس کے بعد اسلام پر ایک اور لیکچر وی آنا میں مورخہ ۲۰۔ اکتوبر کو ہُوا۔ بعد میں سامعین کو اُن کی خواہش پر لٹریچر پیش کیا گیا۔ اِس سفر کے دَوران میں خاکسار نے سالزبرگ، وی آنا، ہولابرن اور گرائز میں مختلف اداروں سے ملاقاتیں کر کے آئندہ لیکچروں کا اجمالی پروگرام طے کیا۔ وی آنا

---

[۱] الفضل ۲۵ ظہور/اگست ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۵۔

کے احمدی افراد سے متعدد ملاقاتیں انفرادی اور اجتماعی رنگ میں کی گئیں تبلیغ کے کام کو وسعت دینے کے ذرائع پر غور کیا گیا۔ وہیں ایک آسٹرین نومسلم میاں بیوی کا نکاح ان کی خواہش پر اسلامی طریق پر بھی پڑھا گیا۔ اُن کی شادی قبولِ اسلام سے پہلے کی ہے۔

دسمبر ۱۹۶۰ء میں شہر آنزبرگ کی یونیورسٹی میں دو لیکچروں کا انتظام تھا جن کا اعلان علاوہ اخبارات کے ریڈیو کے ذریعہ بھی کیا گیا۔ اکتوبر والے لیکچروں کا اعلان بھی پوسٹروں اور ریڈیو کے ذریعہ ہوا تھا۔۔۔ مورخہ ۶ دسمبر کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ نیز تعلیم الاسلام پر ایک تقریر ہوئی۔ بعد میں بعض سامعین نے علیحدہ بیٹھ کر مزید سوالات کے ذریعہ معلومات حاصل کیں۔" ؎۱

احمدیہ گزٹ کا اجراء

مُلک میں قبولِ اسلام کرنے والوں کی تعداد جب بتدریج بڑھنے لگی تو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ سوئس احمدیوں کی دینی و رُوحانی تربیت، مرکز اور مشن سے مضبوط رابطہ اور تعلق پیدا کرنے اور ان کے سامنے جماعت کے مالی جہاد کی تحریکات رکھنے کے لئے ایک مخصوص پرچہ شائع کیا جائے۔ چنانچہ شیخ ناصر احمد صاحب نے اِس اہم ضرورت کی تکمیل کے لئے ۱۳۴۰ھش/۱۹۶۱ء کے شروع سے "احمدیہ گزٹ" جاری کیا جس سے نہ صرف نئے مسلمانوں کی تربیت و اصلاح میں بھاری مدد ملی بلکہ رسالہ "اسلام" کے صفحات پر جو دباؤ قلّتِ حجم کے باعث تھا وہ بھی کم ہو گیا۔ ؎۲

زیورچ میں تعمیرِ مسجد کیلئے قطعہ زمین کا حصول

مغربی ممالک میں اشاعتِ اسلام کا بہترین ذریعہ مسجد کا قیام ہے کیونکہ یہ اسلام کے رُوحانی انقلاب اور آسمانی نوبت خانے کا علامتی نشان ہونے کے علاوہ اسلامی درسگاہ بھی ہے اور خدائے واحد کی عبادت کا مرکز بھی۔ جناب شیخ ناصر احمد صاحب مسجد کی اس خصوصی اہمیت سے بخوبی واقف تھے اور شروع ہی سے دلی تڑپ رکھتے تھے کہ سوئٹزرلینڈ میں اسلام کی پنجوقتہ منادی کے لئے جلد سے جلد مسجد تعمیر کی جائے۔ چنانچہ اِس غرض سے شیخ صاحب نے ۱۳۳۶ھش/۱۹۵۷ء کے وسط اوّل میں سب سے پہلے شہر کے میئر سے ملاقات کی بعد ازاں دوسرے مقامی حُکام سے متعدد بار مِل کر موزون قطعہ زمین کے حصول کی کوشش کی۔ آخر ۱۳۳۸ھش/۱۹۵۹ء کی شبانہ روز جدّوجہد کے بعد خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے معجزانہ طور

؎۱ الفضل ۱۶ شہادت/اپریل ۱۳۴۰ھش/۱۹۶۱ء صفحہ ۳۔ ؎۲ الفضل ۱۲ شہادت/اپریل ۱۳۴۰ھش/۱۹۶۱ء صفحہ ۴

پر مدد فرمائی اور نہایت نامساعد حالات میں ایک گرجا گھر کے سامنے نہایت باموقع قطعہ زمین کا انتظام ہو گیا۔[1] قطعہ زمین کے انتظامات کے ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد ماہِ شہادت/اپریل ۱۳۳۹ ہش/۱۹۶۰ء میں بلڈنگ پرمٹ کی درخواست دی گئی جو تعمیر کے پروگرام میں مشکل ترین مرحلہ تھا۔ یہ مرحلہ کس طرح طے ہوا؟ اس کی تفصیل شیخ صاحب موصوف کے قلم سے درج ذیل کی جاتی ہے۔ لکھتے ہیں:-

"پہلے ایک اعلان گزٹ میں شائع ہوتا ہے تا اعتراض کرنے والے اپنے اعتراض کورٹ میں پیش کریں اس کے بعد ایک محکمہ سے دوسرے محکمہ میں فائلیں جاتی اور باریک نکتہ چینی اور جرح قدح ہوتی ہے جس پر کئی ہفتے لگ جاتے ہیں۔ استثنائی حالات میں معاملہ بالائی حکومت کے پاس بھی جاتا ہے۔ خاکسار نے ہر مرحلہ پر اپنی درخواست کا جائزہ لیا اور قدم قدم پر افسران سے ملا۔ آرکیٹیکٹوں، کارپوریشن کے محکمہ جائداد والوں، تعمیر کے محکمہ کے افسران بغرض ہر قسم کے اراکین کے ساتھ قدم قدم پر تعلق قائم رکھا معاہدہ کی رُو سے مسجد کی تعمیر کا کام دسمبر (۱۹۶۰ء) تک ایک خاص مرحلہ پر پہنچ جانا چاہیئے۔۔۔ ایک مرحلہ پر چرچ والوں نے بھی مداخلت کی اور حکومت کو لکھا کہ ان لوگوں کو مسجد نہ بنانے دی جائے کیونکہ اسی جگہ ایک چرچ بھی ہے حکومت نے چرچ کی اس درخواست کو ردّ کر دیا ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ بالخصوص اعلیٰ حکام سے مفید رنگ میں ملنے کی توفیق ملی اور چرچ کی مخالفت بے ثمر رہی۔"[2]

قطعہ زمین پر کھدائی اور دُعا

جس طرح قطعہ زمین کے حصول کی سعادت محترم جناب شیخ ناصر احمد صاحب کے حصہ میں آئی اسی طرح اس پر تعمیر مسجد کے جملہ انتظامات سوئٹزرلینڈ مشن کے دوسرے انچارج اور مجاہد تحریک جدید محترم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ کی زیرنگرانی پایۂ تکمیل کو پہنچے جو مرکز کے حکم سے ۱۳۴۱ ہش/۱۹۶۲ء کے آغاز میں لنڈن سے سوئٹزرلینڈ تشریف لے گئے اور وہاں اب تک خدماتِ دینیہ بجا لا رہے ہیں۔ چوہدری صاحب نے ۱۳ وفا/جولائی ۱۳۴۱ ہش/۱۹۶۲ء کو بُل ڈوزر کے ذریعہ کھدائی کا کام شروع کرایا۔ کھدائی سے پہلے جماعتِ احمدیہ زیورچ نے اجتماعی دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ مسجد کی تعمیر کو بابرکت فرمائے اور یہ سوئٹزرلینڈ میں اشاعت و غلبۂ اسلام کا ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہو۔[3]

---

[1] الفضل ۲۷ وفا/جولائی ۱۳۳۶ ہش/۱۹۵۷ء و ۱۵ ہجرت/مئی ۱۳۳۸ ہش/۱۹۵۹ء ؛ [2] الفضل ۲۵ ظہور/اگست ۱۳۳۹ ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۳ ؛ [3] الفضل ۵ ظہور/اگست ۱۳۴۱ ہش/۱۹۶۲ء صفحہ ۱ ؛

اخراجات کے تعلق میں صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا فوری اقدام

چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ اخراجاتِ مسجد کے تعلق میں محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے فوری اقدام کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"وکیل التبشیر ہونے کے باعث تمام مشنوں سے طبعاً ایک گہرا رابطہ ہے لیکن اس مسجد محمود کے ساتھ تو آپ کا ایک خاص تعلق ہے وہ یہ کہ زیورک میں تعمیر کے بلند معیار کے تقاضا کے باعث ایک بڑی رقم کی ضرورت تھی اور پھر زرِمبادلہ کا سوال تھا۔ حکومتِ پاکستان سے نصف سے بھی کم رقم کا زرِمبادلہ ملا۔ بقیہ رقم بیرونی ممالک سے جہاں زرِمبادلہ کی پابندی نہیں، مہیا ہونی تھی۔ مرکز کی عظیم ذمہ داریوں کے پیشِ نظر یہ بوجھ اتنا زیادہ محسوس ہوتا تھا کہ خود مجھے اس پر اصرار کی ہمت نہ تھی۔

خوش نصیبی سے اِس شعبہ کے انچارج محترم میاں صاحب تھے انہیں غیر معمولی جرأت اور توکل حاصل تھا۔ محترم میاں صاحب کی منظوری کا تار ملا جس کے بعد گرامی نامہ مورخہ ۲۵ر جولائی کو ملا۔ اس میں آپ نے تحریر فرمایا:۔

"مسجد کی تعمیر کے متعلق وکالتِ مال صاف انکاری تھی مجلسِ تحریک ذمہ داری لینے کو تیار نہ تھی میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے خود فیصلہ کر دیا۔ خدا تعالیٰ سامان بھی پیدا فرما دے گا۔ ایک شریف انسان بھی دوسرے کے اعتماد کو ضائع نہیں کرتا تو پھر وہ قادرِ کامل اپنے پر کئے گئے اعتماد کو کیسے ضائع کرے گا اِس لئے مجھے تو کامل یقین ہے کہ سب راہیں آسان ہو جائیں گی۔ گو اِس وقت کوئی رستہ نظر نہیں آتا لیکن لُطف بھی اسی میں ہے کہ کامل تاریکی سے انسان کامل روشنی میں آجائے۔ اَب آپ اللہ کا نام لے کر بنیادیں رکھیں۔" [1]

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے دستِ مبارک سے سوئٹزرلینڈ کی پہلی مسجد کا سنگِ بنیاد

۲۵ ظہور/اگست ۱۳۴۱ھش/۱۹۶۲ء کو سوئٹزرلینڈ کی اِس پہلی یادگار مسجد کا سنگِ بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُختر نیک اختر حضرت سیدہ امۃ الحفیظ

---

[1] الفضل ۲۴ وفا/جولائی ۱۳۴۴ھش/۱۹۶۵ء صفحہ ۳

بیگم صاحبہ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا اور دُعا فرمائی۔ اِس مقدس تقریب کے ایمان افروز کوائف و احوال مجاہدِ اسلام سوئٹزرلینڈ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ کے قلم سے لکھے جاتے ہیں:۔

"دُنیا میں بے شک تقدیر اور تدبیر دونوں الٰہی قانون جاری ہیں لیکن مجھے اپنی زندگی میں تقدیر اِس طرح تدبیر پر حاوی نظر آئی ہے گویا تدبیر کا وجود ہی نہیں۔ سوئٹزرلینڈ میں مبلّغ مقرر کئے جانے کا خیال میرے دماغ کے کسی گوشے میں بھی نہیں آسکتا تھا لیکن تقدیر یہاں پر لے آئی۔ اور پھر وہم میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبشر اولاد میں سے کسی کے ہاتھوں مسجد زیورک کا سنگِ بنیاد رکھا جائے گا۔ غیر متوقع طور پر حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی کے دستِ مبارک سے اِس مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا جانا محض تقدیرِ الٰہی کا ایک کرشمہ ہے۔

عاجز نے یہاں سخت نامساعد حالات میں اللہ تعالیٰ پر توکّل کرتے ہوئے یہ کام شروع کیا اور جُملہ مراحل یکے بعد دیگرے محض اس کے کرم سے سرانجام پا گئے حتّٰی کہ مسجد کے پلاٹ پر کام شروع کرنے کا دن آگیا۔ مَیں نے صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر سے درخواست کی تھی کہ وہ خود سنگِ بُنیاد کے لئے تشریف لاویں لیکن اُنہوں نے جواب دیا کہ میرے لئے امسال یورپ آنا ممکن نہیں آپ خود ہی بنیاد رکھ لیں۔ مَیں نے پھر اپنی اِس شدید خواہش کا اظہار کیا کہ مسجد کی بنیاد ایسے ہاتھوں سے رکھی جائے جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دوہرا تعلق ہو۔ نہ صرف یہ کہ وہ سلسلہ کا خادم ہو بلکہ جسمانی طور پر بھی حضورؑ کے برگ و بار میں سے ہو۔ سنگِ بنیاد رکھنے کا وقت قریب آرہا تھا کوئی انتظام نہ ہونے کے باوجود قلب کو اطمینان تھا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی جناب سے سامان پیدا کر دے گا۔

اچانک ایک دن محترم امام صاحب مسجد لنڈن چوہدری رحمت خان صاحب کا مکتوبِ گرامی آیا جس میں حضرت سیّدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی تشریف آوری کا ذکر تھا۔ یہ خبر اتنی غیر متوقع اور خوشکن تھی کہ اِس کے سچّا ہونے پر یقین نہ آتا تھا۔ مَیں نے یہ خط اہلیہ ام کو دیا اُنہوں نے بھی پڑھ کر تعجب کا اظہار کیا۔ خاکسار نے حضرت بیگم صاحبہ کی خدمت میں بذریعہ تار یورپ تشریف آوری پر خوش آمدید عرض کیا اور مسجد زیورک کا سنگِ بنیاد رکھنے کی درخواست

کی آپ نے کمالِ شفقت سے اسے منظور فرمایا اور تحریر فرمایا کہ وہ اسے بڑی سعادت سمجھتی ہیں۔

مَیں نے سوئٹزرلینڈ کے تمام احمدی احباب سے جن میں سے اکثر زیورک سے باہر رہتے ہیں رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی تا کہ وہ اِس تقریب میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کریں۔ آسٹریا کے احمدیوں کو بھی مدعو کیا گیا۔ اخبارات اور نیوز ایجنسیوں سے بھی رابطہ قائم کیا۔ پھر اپنی جماعت کے احباب کے علاوہ زیورک یا اس کے نواح میں مقیم مختلف ممالک کے مسلمانوں کو بھی اِس تاریخی تقریب میں مدعو کیا۔ اِس موقعہ پر پریس کے لئے جرمن زبان میں ایک تفصیلی بیان تیار کیا گیا۔ اِس دَوران حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ، اور محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے پیغامات بھی موصول ہو گئے، ان کا بھی جرمن ترجمہ تیار کروایا گیا۔

حضرت بیگم صاحبہ ممدوحہ حسبِ پروگرام مورخہ ۲۴ر اگست بروز جمعہ پونے بارہ بجے ڈنمارک سے محترمہ صاحبزادی فوزیہ بیگم صاحبہ کے ہمراہ تشریف لائیں۔ ہوائی اڈّہ پر صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب معہ بیگم صاحبہ بھی موجود تھے جو ایک دن قبل ہمبرگ پہنچ گئے تھے۔ ائرپورٹ پر پُرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق اسی روز دو بجے ایک نیوز ایجنسی نے ایک خاتون کو ٹیپ ریکارڈر کے ساتھ حضرت بیگم صاحبہ کا انٹرویو ریکارڈ کرنے کے لئے بھجوایا۔ حضرت بیگم صاحبہ سے اس خاتون نے مختلف سوالات کئے اور حضرت بیگم صاحبہ کی زبانِ مبارک سے جواب ریکارڈ کرنے کے بعد عزیزہ امۃ المجید بنت چوہدری عبد اللطیف صاحب امام مسجد ہمبرگ نے اس کا جرمن ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ بھی ریکارڈ کیا گیا۔

حضرت بیگم صاحبہ نے اپنے بیان کے آخر میں فرمایا کہ سوئس لوگوں کے لئے میرا پیغام یہ ہے کہ وہ اسلام کا مطالعہ کریں اور ہمارے مبلغ مشتاق احمد صاحب باجوہ سے رابطہ پیدا کر کے لٹریچر حاصل کریں۔ اس کی اوّلین سعادت نیوز ایجنسی کے مینیجر کو حاصل ہوئی اس نے فوراً فون کیا کہ مَیں لٹریچر دیکھنا چاہتا ہوں مجھے بھجوایا جائے۔ چنانچہ بذریعہ ڈاک اسے لٹریچر بھجوایا گیا۔ حضرت بیگم صاحبہ کا یہ انٹرویو زیورک کے ایک اخبار میں من وعن شائع ہوا۔

۲۵ر اگست کو ساڑھے دس بجے صبح مسجد کی بنیاد کا وقت مقرر تھا۔ صبح اُٹھے تو مطلع ابر آلود تھا۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ خاکسار صبح ہی وہاں پہنچ گیا کیونکہ بعض دوست جو

باہر سے آ رہے تھے ان سے مسجد کے قریبی ایک ریسٹوران میں ہی ملاقات کرنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ خاکسار بعض احباب و خواتین کے ہمراہ پلاٹ پر مہمانوں کا منتظر تھا کہ بارش میں کچھ اضافہ ہو گیا۔ اِس اثناء میں حضرت بیگم صاحبہ کے ریسٹوران میں تشریف لے آنے کی اطلاع موصول ہوئی۔ اَب کافی دوست جمع ہو چکے تھے۔ برادرم چوہدری عبداللطیف صاحب بھی ہمبرگ سے پہنچ گئے تھے آپ کی بڑی خواہش تھی کہ اِس مُبارک تقریب میں شریک ہوں۔ حضرت بیگم صاحبہ کی خدمت میں درخواست بھجوائی گئی کہ اَب تشریف لے آویں۔ چند منٹ میں آپ کی کار آ گئی۔ خاکسار نے آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھولا۔ حضرت بیگم صاحبہ مدظلہا العالی محترمہ صاحبزادی فوزیہ بیگم صاحبہ، محترمہ بیگم صاحبہ صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب، عزیزہ امۃ المجید اور اہلیہ ام کی معیت میں اُترے۔ یہ نظارہ سوئس آنکھوں کے لئے عجیب تھا۔ پریس فوٹو گرافروں کے کیمرے حرکت میں آ گئے۔ سب سے پہلے جماعتِ احمدیہ سوئٹزرلینڈ کی طرف سے السّلام علیکم اور خوش آمدید عرض کرنے کے لئے ہماری نومسلمہ بہن مس فاطمہ ہولٹز شو آگے بڑھیں اور ان سے مصافحہ کے بعد پھول پیش کئے۔ ان کے ساتھ دوسری نومسلم بہن مس جمیلہ سونتز نک تھی۔ حضرت بیگم صاحبہ مدظلہا العالی دونوں کے ہمراہ سٹیج کی طرف تشریف لے گئیں چند منٹ وہاں خواتین کے ساتھ ٹھہرنے کے بعد خاص طور پر تیار شُدہ سیڑھیوں کے ذریعے نیچے بنیاد کی جگہ پر تشریف لے گئیں۔ خاکسار آپ کے ہمراہ تھا۔ ایک بالٹی میں سیمنٹ رکھا تھا۔ مَیں نے آپکی خدمت میں مسجد مبارک کی وہ اینٹ جو سیّدنا حضرت امیرالمومنین اطال اللہ بقاءہ واطلع شموس طالعہ سے دعا کے بعد ربوہ سے بھجوائی گئی ہوئی تھی پیش کی آپ نے اس پر سیمنٹ لگایا اور دعا کے ساتھ بنیاد میں رکھ دی پھر اس کے اُوپر تھوڑا سا سیمنٹ لگایا۔ خاکسار نے اس کے بعد مزید پلستر لگا کر حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی لختِ جگر اور مبشرہ صاحبزادی کے دستِ مبارک کی رکھی ہوئی بنیاد کو محفوظ کر دیا۔ اس کے بعد حضرت بیگم صاحبہ سیڑھیوں پر سے ہوتی ہوئی اُوپر سٹیج پر تشریف لائیں۔ خاکسار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادِ کعبہ کے موقع کی دعائیں تلاوت کیں۔ سوئس ریڈیو کا نمائندہ اِس کارروائی کو ریکارڈ کرنے کے لئے آیا ہوا تھا اُس نے اپنا مائیک میرے سامنے رکھ دیا۔ ہمارے نومسلم بھائی مسٹر

رفیق چانن نے جو اِس تقریب کے لئے لمبا سفر کر کے آئے تھے اُن کا جرمن ترجمہ پڑھ کر سُنایا۔ حضرت بیگم صاحبہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور دعا فرمائی اور پھر برادرم چوھدری عبد اللطیف صاحب نے اس کا جرمن ترجمہ سُنایا اور آخر میں خاکسار نے حضرت بیگم صاحبہ اور حاضرین سمیت ہاتھ اُٹھا کر لمبی دعا کی اِس طرح یہ تاریخی تقریب انجام پذیر ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب قدرت تھی کہ حضرت بیگم صاحبہ کی آمد سے قبل بارش ہو رہی تھی لیکن اس تقریب کے آغاز کے ساتھ ہی بارش بالکل رُک گئی۔ حضرت بیگم صاحبہ اپنے قافلہ سمیت مشن ہاؤس تشریف لے گئیں اور باقی احباب و خواتین جن میں سوئٹزرلینڈ اور آسٹریا کے احمدی بہن بھائیوں کے علاوہ مختلف ممالک کے مسلمان بھی موجود تھے، ریستوران میں تشریف لے گئے۔ یہاں پر ریڈیو کے نمائندہ نے بعض سوالات دریافت کئے برادرم لطیف صاحب نے ان کے جوابات ریکارڈ کروائے۔

مسجد کے پلاٹ کے ساتھ جلد سازی کی ایک بہت بڑی فرم کا کارخانہ ہے اس کے ڈائریکٹر نے ۲۲۔ اگست کو جب خاکسار انجنیئروں کے ہمراہ پلاٹ پر بنیاد کی سکیم طے کر رہا تھا آکر ملاقات کی اور ہمیں خوش آمدید کہا اور اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ اس کے علاوہ اس نے ایک خوبصورت بیضوی البم تیار کروایا اس البم کو اس تاریخی تقریب میں شریک ہونے والے احباب و خواتین کی یاد محفوظ رکھنے کے لئے دستخطوں کے واسطے استعمال کیا گیا۔

۲۵ کی شام کو جب ریڈیو نے ہماری اِس مسجد کے افتتاح کی خبر نشر کی تو اس کے ساتھ ہی ایک پادری کا مسجد کے بارہ میں تبصرہ بھی براڈ کاسٹ کیا گیا۔ ایک نو مسلم خاتون نے اِس بارہ میں اپنا تأثر دیتے ہوئے بتایا کہ اس پادری کی آواز کی لرزش سے اس کی سراسیمگی ہویدا تھی۔ اس نے کہا کہ مَیں یہ نہیں سمجھ سکا کہ عین گرجا کے سامنے کیوں مسجد بنائی جا رہی ہے!

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص تقدیر ہے جس میں کسی انسانی تدبیر کا دخل نہ تھا۔ اتفاق سے ہمیں مسجد کے لئے پلاٹ ایسی جگہ ملا ہے جو عین گرجا کے سامنے ہے۔ مسجد خدائے واحد کا گھر ہے اور اس سے پانچوں وقت اس کی توحید کی منادی ہوتی ہے اسکے بالمقابل مسیحی گرجا تثلیث کا مرکز ہے۔ اِن کے ایک دوسرے کے مقابل پر ہونے

سے تصویری زبان میں توحید وتثلیث کے مقابلہ کا اظہار ہے اور یہی چیز ہے جس کو سوئٹزرلینڈ میں فطری طور پر محسوس کیا جا رہا ہے۔ یہاں کے لوگوں کے سوالات اُن کے اِس احساس کے آئینہ دار ہیں۔"

سوئس پریس نے اِس واقعہ کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ ملک کے ایک سرے سے لیکر دوسرے تک جرمن۔ فرنچ اور اطالوی زبان کے اخبارات نے یہ خبر شائع کی۔ بعض نے تبصرہ بھی کیا ہے اور بعض نے مضمون لکھے ہیں۔ بعض اخبارات نے تقریب کی تصاویر شائع کی ہیں اِس وقت تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۱۱۷ ایسے اخبارات یا اُن کے تراشے موصول ہو چکے ہیں جن میں یہ خبر شائع ہوئی ہے، الحمدللہ۔

پریس کے نقطۂ نظر سے سوئس کے لئے اِس خبر کی اہمیت کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ اخبار زُسرشر (ZURCHERWOCHE) نے جو زیورک کا اپنی تعداد اور اثر کے لحاظ سے بہت وقیع ۲۴ صفحات کا ہفت روزہ ہے، ۲۸ اگست کو اِس بناء پر میرا انٹرویو لیا کہ مسجد کے باعث لوگوں میں اسلام اور جماعت کے متعلق کوائف معلوم کرنے کی جستجو پیدا ہو گئی ہے۔ یہ انٹرویو ۳۱ اگست کے پرچہ میں شائع ہوا۔ یہ اخبار ہر ہفتہ نیا پرچہ شائع ہونے پر پوسٹر شائع کرتا ہے جس میں اِس ہفتہ کے پرچہ کے اہم مضامین کے عنوان دیئے ہوئے ہوتے ہیں تا لوگوں میں اس کو خریدنے کے لئے کشش پیدا ہو۔ یہ پوسٹر تمام ٹراموں اور بسوں میں لٹک رہا ہوتا ہے اور اس اخبار کے بیچنے والے ایجنٹ اپنی دُکانوں کے باہر نمایاں جگہ پر اسے لگاتے ہیں۔

۳۱ اگست کو یہ پوسٹر زیورک میں تمام جگہوں پر ایک ہفتہ کے لئے لگا دیا گیا۔ اِس پوسٹر کا پہلا جلی عنوان یہ تھا "زیورک میں مسجد کیوں؟"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبشر اولاد میں سے ایک کے اِس موقعہ پر لمبا سفر کر کے سوئٹزرلینڈ میں پہنچ جانا اور اپنے دستِ مبارک سے یورپ کے اِس امیر ترین اور حسین ترین خطہ میں جسے بعض قلبِ یورپ کہتے ہیں مسجد کی بُنیاد رکھنا زیورک یا سوئٹزرلینڈ کے عوام کے لئے ہی نہیں بلکہ جماعتِ احمدیہ کے لئے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم نہ

صرف مسجد کی اِس اینٹ وکنکریٹ کی عمارت کو شایانِ شان طریق پر مکمل کریں اور فرش کریں بلکہ اس کو ہمیشہ نمازیوں سے آباد رکھیں اور اسے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے ایک مؤثر مرکز کے طور پر قائم رکھنے کی سعی کریں جس کے لئے طویل اور مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے۔

حضرت بیگم صاحبہ ممدوحہ نے اپنے ایک نوٹ میں تحریر فرمایا۔

"... بنیاد کے تعلق کی بناء پر کچھ ایسی ذمہ داری محسوس ہو رہی ہے جیسے میرے ہی کاندھوں پر بوجھ ہے۔"

جو ذمہ داری ہمارے پیارے آقا کی صاحبزادی پر بنیاد رکھنے سے عائد ہوئی ہے ہم سب احمدی اپنے آقا سے تعلق کی نسبت سے اس میں شریک ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اِس سے باحسن عہدہ برآ ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین!

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی کو اللہ تعالیٰ نے بہت نکتہ سنج طبیعت بخشی ہے آپ نے اِس موقعہ پر یہ دُعا تحریر فرمائی ہے:۔

"اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عزیزہ امۃ الحفیظ بیگم کے سنگِ بنیاد رکھنے کو مُبارک اور مثمر ثمراتِ حسنہ کرے اور ہمشیرہ کے نام کی طرح اِس مسجد کو یورپ کے اِس علاقہ کے لئے حفاظت کا قلعہ بنادے۔ آمین"

حضرت بیگم صاحبہ مدظلہا العالی اپنے ایک مکتوب میں لنڈن سے تحریر فرماتی ہیں:۔

"مجھے بے حد خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اِس مسجد کو شروع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ورنہ مبلغ تو اِس مُلک میں عرصہ دراز سے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر خاص احسان ہے۔ میری دعا ہے کہ آپ ہی کے ہاتھوں سے یہ پایۂ تکمیل کو پہنچے اور اس کا افتتاح بنیاد کے موقعہ سے بھی شاندار اور خوشی کا موجب ہو۔ میں تو یہ دعا کر رہی ہوں کہ اللہ تعالیٰ سیّدنا بھائی صاحب ہی کو کامل صحت عطا فرمائے اور رسمِ افتتاح اُن کے مُبارک ہاتھوں سے انجام پائے۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے اگر ایسا ہو جائے تو آپ کی خوش نصیبی قابلِ رشک ہوگی۔"

حضرت بیگم صاحبہ کے قلبِ مطہر سے جو دُعا نکلی ہے وہ ہر احمدی کے دل میں درد کی ٹیس پیدا کرتی ہے۔ اس کی وجہ سے میرے دل میں شدید تڑپ پیدا ہوگئی ہے کہ کاش ایسا ہی ہو اگر اللہ تعالیٰ یہ دن لے آئے تو میری خوش نصیبی میں کیا شبہ! یہ مبارک دن ساری دُنیا کے احمدیوں کے لئے ایک مسرت کا دن ہوگا۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مسیح پاک علیہ السلام کے جگر گوشہ کی یہ پُر سوز دعا، ایک دردمند بہن کی بارگاہِ الٰہی میں پکار، ایک مخلصہ کے قلب کی صدا جس سے ہر احمدی کے قلب کی صدا ہم آہنگ ہے، سُن لے!

حضور اطال اللہ بقاءہٗ کی ولادتِ باسعادت سے قبل سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے مسجد کی دیوار پر محمود لکھا دیکھا تھا۔ بیشک یہ جماعت کی امامت کی پیشگوئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اِس رنگ میں بھی اس کو پورا کیا کہ سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ الودود کو مشرق و مغرب میں جابجا مساجد تعمیر کروانے کی توفیق بخشی۔ گویا اِس لحاظ سے اِن مساجد کی دیوار پر محمود کا نام ہی تحریر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی پیشگوئیوں کے ماتحت اس پسرِ موعود، اِس اولوالعزم امام کو مراکزِ تثلیث میں خدائے واحد کے نام کی منادی کے لئے مساجد بنانے اور رُوحانی لحاظ سے ایک وسیع عالمی نظام قائم کرنے کی توفیق بخشی ہے اب وہ خدائے قدیر اپنی قدرتِ کاملہ سے اسے حضور کی آنکھوں کے سامنے پروان چڑھتا بھی دکھائے۔ کامل صحت بخشے اور صحت و عافیت کے ساتھ لمبی کامیاب بامُراد عمر دے تا نہ صرف یورک کی مسجد میں آپ کی تلاوتِ قرآن پاک گونج پیدا کرے بلکہ یورپ اور دُنیا بھر میں ان مقدس ہونٹوں سے نکلی ہوئی تلاوت دیر تک گونج پیدا کرتی رہے۔ آمین۔" [1]

چندہ مسجد کیلئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی پُرزور اور مؤثر تحریک

مسجد سوئٹزرلینڈ کی تعمیر میں دُنیا بھر کے احمدیوں نے اپنی گزشتہ روایات کے مطابق سرگرم حصہ لیا حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ایک مکتوب گرامی میں جو آپ نے ۱۶ تبوک/ستمبر ۱۳۴۱ھش/۱۹۶۲ء کو وکیل المال کے نام رقم فرمایا چندہ مسجد میں حصہ لینے کے لئے ایک پُرزور اور مؤثر تحریک فرمائی چنانچہ آپ نے لکھا:-

---

[1] الفضل ۲۸ تبوک/ستمبر ۱۳۴۱ھش/۱۹۶۲ء صفحہ ۳-۴

"الحمد للہ کہ جماعتِ احمدیہ کے دوست اِس مبارک تحریک میں دِل کھول کر حصہ لے رہے ہیں دراصل یہ مسجد لندن کی مسجد کے بعد یورپ کی مسجدوں میں ایک خاص امتیاز رکھتی ہے کیونکہ ایک تو یہ مسجد یورپ کے وسطی ملک میں واقع ہے جس کا چاروں طرف اثر پڑتا ہے اور دوسرے یہ مسجد ایک ایسے ملک میں بنائی جارہی ہے جو عرصہ دراز سے امن کا گہوارہ رہا ہے۔ پس درحقیقت یہ مسجد نہ صرف ہماری بڑی دعاؤں کی مستحق ہے بلکہ اِس بات کی مستحق ہے کہ اس کی امداد کے لئے دِل کھول کر چندہ دیا جائے۔" ؎۱

سوئٹزرلینڈ کے عیسائی چرچ کا ردِّعمل

سوئٹزرلینڈ کے پادری جو مبلّغِ اسلام کی تبلیغی سرگرمیوں خصوصاً جرمن ترجمہ قرآن کے باعث سخت پریشان ہو رہے تھے مسجد کے سنگِ بنیاد پر اور بھی مشوش ہوگئے۔ عیسائی چرچ کا خانہ خدا کی تاسیس پر کیا ردِّعمل تھا اُس کا اندازہ سوئٹزرلینڈ کے مشہور عیسائی اخبار SCHWEIZER EVANGELIST (۱۷ اکتوبر ۱۹۶۲ء) کے درج ذیل نوٹ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:-

"ہمیں ایک اعلان کے ذریعہ پتہ چلا ہے کہ حال ہی میں مختلف یورپی ممالک میں ۲۷ مقامی باشندوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اِن میں سے اکثر نومسلم سکنڈے نیوین ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر ہم اُن تمام مساجد کو مدِّنظر رکھ کر جو گزشتہ سالوں میں یورپ کے ان عیسائی ممالک میں تعمیر ہوئی ہیں دیکھیں تو نومسلموں کی یہ تعداد بہت تھوڑی ہے جرمنی میں تعمیر شدہ اور زیرِ تعمیر مساجد کی مجموعی تعداد سات ہے۔ لندن، دی ہیگ اور ہلسنکی میں بھی مساجد تعمیر ہوچکی ہیں اور ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا سوئٹزرلینڈ کے شہر زیورک میں بھی ایک مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا گیا ہے۔

اِن مساجد میں سے اکثر مساجد گزشتہ تین سال کے عرصہ میں ہی تعمیر ہوئی ہیں یا اُنہیں تعمیر کرنے کی تجویز منصّۂ شہود پر آئی ہے۔ یہ مساجد اِس امر کی آئینہ دار ہیں کہ یورپ میں اسلامی مشنوں کا ایک جال پھیلایا جارہا ہے۔ اِن مشنوں کے قائم کرنے والے مسلمانوں کے صفِ اوّل کے دو بڑے گروہوں یعنی شیعہ اور سنّی فرقوں سے تعلق نہیں رکھتے، ان کا تعلق مسلمانوں

؎۱ الفضل ۲۰ تبوک/ستمبر ۱۳۴۱ھش/۱۹۶۲ء صفحہ ۲۔

کی ایک ایسی جماعت سے ہے جنہیں بالعموم "بدعتی" سمجھا جاتا ہے۔ اس جماعت کا نام جماعتِ احمدیہ ہے۔ یورپ کی اکثر مساجد اِس جماعت نے ہی تعمیر کی ہیں۔ یہ جماعت آج سے ستر سال قبل برِّصغیر پاک و ہند میں معرضِ وجود میں آئی تھی۔ اِس جماعت کے افراد کی تعداد دس لاکھ کے قریب ہے۔ اِس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ حقیقی اسلام کی علمبردار ہے۔ اپنے اِس دعویٰ کی رُو سے یہ نوعِ انسان کی فلاح اور دُنیا میں امن کے قیام کے لئے کوشاں ہے۔ احمدیہ تحریک اوّل و آخر ایک مشنری تحریک ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ ہر خاندان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے میں سے کم از کم ایک فرد ایسا پیش کرے جو تبلیغِ اسلام کے لئے اپنی زندگی وقف رکھے یہ عمل کو اپیل کرنے کی بنیاد پر اپنے مشن بالعموم اسلامی ممالک میں نہیں بلکہ افریقی ممالک میں اور ان میں سے بھی زیادہ تر مغربی افریقہ میں اور پھر یورپ اور امریکہ میں قائم کر رہے ہیں۔ ان کے یورپی مراکز زیورک، لندن اور کوپن ہیگن میں قائم ہیں۔ ان میں سے زیورک کا مرکز وسطی یورپ اور اٹلی کے علاقہ کو کنٹرول کرتا ہے۔ لندن کے مرکز کا رابطہ سارے مغربی یورپ سے ہے اور کوپن ہیگن کے مرکز کے دائرۂ عمل میں شمالی یورپ کا تمام علاقہ شامل ہے۔

اِن اسلامی مشنوں کو اب تک جو کامیابی ہوئی ہے اسے کوئی عظیم یا نمایاں کامیابی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ڈنمارک کا نو مُسلم گروپ ۴۲ ڈینش مسلمانوں پر مُشتمل ہے۔ کوپن ہیگن میں جو دوسرے مسلمان رہتے ہیں وہ زیادہ تر عرب باشندے ہیں۔ ۱۹۶۰ء کے دَوران زیورک میں عیسائیوں کے علاوہ دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے صرف ۱۵۷ باشندے شمار کئے گئے تھے اُن کا ایک قلیل حصّہ اسلام سے تعلق رکھتا ہے۔ یورپ کی مساجد صرف اِس غرض کے لئے ہی قائم نہیں کی گئی ہیں کہ مسلمان ان میں عبادت کریں بلکہ تبلیغِ اسلام کی ساری مہم اِن مساجد کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ مساجد سے ملحق کلب کے کمرے اور لائبریریاں وغیرہ بھی ہوتی ہیں تاکہ ان میں جماعت کے افراد باہم مِل کر اپنی مساعی اور سرگرمیاں جاری رکھ سکیں۔۔۔ یورپ کے عیسائی ممالک میں اسلام کے یہ نمائندے بُدھ مت والوں کے برخلاف عیسائیت کا مقابلہ کرنے میں بہت پیش پیش ہیں۔ اِن لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ مسیح کی اصل تعلیم عہد نامہ جدید کے واسطہ سے تحریف کا شکار ہونے کے بعد بدلی ہوئی شکل میں آگے پھیلی ہے۔ یہ مسیح کی صلیبی موت کے

نظریہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ اِس طرح سے یہ لوگ بائبل کے مندرجات اور عیسائی معتقدات کے بارہ میں نئی توجیہات پیش کرکے ناقص علم رکھنے والے سامعین اور قارئین کو متأثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جرمن زبان میں ان کی جو مطبوعات شائع ہوئی ہیں اُن میں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلام میں زمانۂ حال کے جدید مسائل کا پُورا حل موجود ہے اور اسلام ہی انسانی ضرورتوں کے مناسبِ حال وہ اکیلا مذہب ہے جو وسعتِ فکر، تعمیر و ترقی اور آزاد خیالی کا علمبردار ہے۔ اپنے اِس دعویٰ کے ثبوت میں انہیں اسلامی روایات کی نئی تشریح کرنی پڑتی ہے۔ جرمنی میں مسلم طلبہ کو یہ سمجھایا جاتا ہے کہ کسی کا مسلمان ہونا ہر لحاظ سے بہتر اور اعلیٰ و افضل ہے۔ اِسی طرح اُن پر واضح کیا جاتا ہے کہ تقدیر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مستقبل میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ پہلے سے طے شدہ ہے اور یہ کہ مستقبل کے بارہ میں ہمیں چنداں فکر پالنے کی ضرورت نہیں۔ تقدیر کا یہ مفہوم ہرگز درست نہیں ہے۔ تقدیر کا عقیدہ نہ صرف یہ کہ سرگرمی اور جدّوجہد سے منع نہیں کرتا بلکہ یہ بذاتِ خود نسبتاً زیادہ سرگرمی اور جدّوجہد کا متحمل ہے۔

جماعتِ احمدیہ نے قرآن مجید کا جو جرمن ترجمہ شائع کیا ہے اس کے شروع میں ایک دیباچہ بھی درج کیا گیا ہے یہ دیباچہ اپنے مندرجات کی رُو سے بائبل اور عیسائیت کے خلاف ایک بھرپور حملہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن مجید کے ترجمہ میں الفاظ کے انتخاب کا خاص خیال رکھ کر یورپی دماغوں کو متأثر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اِس لئے اس میں لفظی ترجمہ پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ اس کے باوجود اُس میں اِس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ عربی زبان ہی ایک ایسی زبان ہے جو گوناگوں اور باریک در باریک معانی و مطالب کے اظہار پر پُوری قدرت رکھتی ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ اگر ہم اسلام قبول کریں تو ساتھ ہی ہمیں عرب ثقافت کو بھی قبول کرنا ہوگا۔ اِس لحاظ سے ایک ایسا مسلمان جو عربی نہ جانتا ہو صحیح معنوں میں پُورا مسلمان نہیں بن سکتا۔ اندریں حالات یورپ میں اِن اسلامی مشنوں کا مقصد مُشتبہ اور ناقابلِ یقین نظر آنے لگتا ہے۔ تاہم اگر یہ لوگ افریقہ میں ہی اپنے پاؤں جمانے کی کوشش کریں تو یہ بات قرینِ قیاس ہوتے ہوئے سمجھ میں آسکتی ہے۔" [1]

---

[1] ترجمہ بحوالہ رسالہ "انصار اللہ" ربوہ نبوت/نومبر ۱۳۴۱ھش / ۱۹۶۲ء صفحہ ۴۲ تا ۴۴۔

مسجد کی تکمیل اور اخبارات میں چرچا

یہ مسجد قریباً نوماہ میں مکمل ہوئی۔ ابھی اس کے مینارے بھی پوری طرح نہیں بنے تھے کہ سوئس اخبارات کی دلچسپی کا خصوصی مرکز بن گئی چنانچہ زیورک کے وقیع روزنامہ NEU ZURCHER - ZEITUNG نے جو نہ صرف سوئٹزرلینڈ میں بلکہ جرمنی اور آسٹریا میں بھی بکثرت پڑھا جاتا ہے ۱۷؍اپریل ۱۹۶۳ء کے پرچہ میں گرجا کے خاکستری لیکن بہت اونچے مینار کے ساتھ مسجد کے مینار کی تصویر شائع کی اور اس کے ساتھ حسب ذیل نوٹ بھی سپردِ قلم کیا:-

جب کوئی شخص مختلف دیار و امصار میں سیاحت کے بعد اپنے وطن واپس آتا ہے تو وہ ان چیزوں کو خصوصاً دیکھتا ہے جن سے ہمارے اس شہر کو عظمت حاصل ہوتی ہے اور دیکھنے والے کے سامنے ایک نیا منظر آتا ہے۔ عام خاکستری پتھروں کی عمارتوں کے درمیان.. عین بالگرسٹ (BALGRIST) کے گرجا کے بالمقابل سوئٹزرلینڈ کی اوّلین مسجد کا چھوٹا سا مینار جو تقریباً مکمل ہو چکا ہے سفید چمکتا نظر آتا ہے۔ ایک اجنبی ہمارے گھروں کے اندر گھونسلا بناتا ہے اور ہمیں اس کا احساس ہوتا ہے... (ترجمہ)

زیورک کے اس اخبار کے علاوہ باؔزل، برؔن، باڈؔن، آراؔؤ وغیرہ کے جرمن زبان کے اخبارات میں سفید مینار کی تصویر کے ساتھ نوٹ شائع ہوئے۔ ایک تراشہ سے جو آسٹریا کے اخبار کا ہے معلوم ہوتا ہے قریبی ملکوں میں بھی یہ امر دلچسپی کا موجب ہوا۔ فرانسیسی زبان کے جنیوا کے مشہور اخبار ٹریبیون نے بھی مینار کی تصویر اپنے نوٹ کے ساتھ شائع کی۔ باؔزل کے اخبار "NATIONAL - ZEITUNG" مورخہ ۱۹؍اپریل ۱۹۶۳ء کے نوٹ کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے:-

سوئٹزرلینڈ میں مذہبی آزادی مختلف مذہبی جماعتوں کو پنپنے کا موقع دیتی ہے.. سوئٹزرلینڈ کی پہلی مسجد زیورک میں پایۂ تکمیل کو پہنچ رہی ہے۔ احمدیہ مشن جس کا مرکز مغربی پاکستان میں ہے اس مسجد سے اپنے خطبات سنایا کرے گا۔ ہماری تصویر میں مسجد کا نفیس مینارہ جس کے اوپر ترکی انداز کا ہلال ہے نور رخ مرٹک زیورک پر نظر آرہا ہے۔ [۲]

مورخہ ۳۰؍مئی ۱۹۶۳ء کو جب مینار کے علاوہ مسجد کی عمارت پر بھی پینٹ ہو چکا تھا زیورک کے مشہور

---

[۱] مسجد سوئٹزرلینڈ کا مینار قریباً ۶۸ فٹ بلند ہے۔ [۲] الفضل ۱۷؍ہجرت؍مئی ۱۳۴۲ھش؍۱۹۶۳ء صفحہ ۳-۴۔

روزنامہ DIE TAT نے بڑے سائز کی تصویر اخبار کے آخری سرورق پر نمایاں طور پر شائع کی اور نیچے لکھا کہ زیورک کی چھتوں کے اُوپر ہلال۔ زیورک میں بالگرسٹ کے محلہ میں مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی[1]۔

مسجد محمود سوئٹزرلینڈ کا چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب (صدر جنرل اسمبلی) کے ہاتھوں پُرشوکت افتتاح

سیدنا المصلح الموعود کے عہدِ مبارک کی اِس اہم مسجد کا نام مسجد محمود تجویز کیا گیا اور اس کی شاندار افتتاحی تقریب ۲۲ احسان / جون ۱۳۴۲ ہش / ۱۹۶۳ء کو چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کے ہاتھوں عمل میں آئی جس کی مفصل رُوداد چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ انچارج سوئٹزرلینڈ مشن کے الفاظ میں دی جاتی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ماہ جون کے شروع میں پریس کے نام ایک چار ورقہ چٹھی تیار کر کے بھجوائی گئی جس میں احمدیت کی مختصر تاریخ اس کی عالمگیر علمی و تبلیغی و تربیتی سرگرمیوں کا خاکہ دیا گیا۔ افتتاح کے سلسلہ میں منعقد ہونیوالی تقاریب کے پروگرام میں نمائندگان پریس کو شمولیت کی دعوت دی گئی، الحمدللہ اِس طریق سے پریس، ریڈیو ٹیلیویژن سب ہماری فعّال جماعت سے متعارف ہو گئے نہ صرف زیورک بلکہ باہر کے بعض اخبارات نے بھی اپنے نوٹوں میں اِس سے استفادہ کیا۔ محترم حافظ قدرت اللہ صاحب کے تعاون سے جرمنی اور ہالینڈ کے پریس کو بھی یہ چٹھی پہنچا دی گئی۔

سوئس ٹیلیویژن نے یہ خواہش کی کہ اِس تقریب سے قبل مسجد محمود کے بارہ میں انہیں فلم تیار کرنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ ۱۸ رجون کو دن کے وقت اور پھر رات کو فلش لائٹ کی روشنی میں کئی گھنٹے لگا کر انہوں نے یہ فلم تیار کی جسے ۱۹ رجون کی شب کو دکھایا گیا۔ احمدیت کی مختصر تاریخ سے تو وہ پہلے ہی واقف ہو گئے تھے لیکن انہیں فوٹو بھی مطلوب تھے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے محترم امیر صاحب جماعتِ احمدیہ کراچی اور خدام الاحمدیہ کراچی کو کہ گزشتہ سال انہوں نے اپنا البم خاکسار کو بھجوا دیا تھا وہ اِس موقعہ پر کام آیا۔ اِس میں سے ٹیلیویژن نے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ اور حضرت مصلح الموعود اطال اللہ بقاءہٗ کے فوٹو لئے۔ افتتاح کی خبر کے لحاظ سے محترم چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کے فوٹو کی ضرورت تھی جو آن کی اسلام کے بارہ میں تازہ شہرۂ آفاق تصنیف کے

---

[1] الفضل ۱۷ ہجرت / مئی ۱۳۴۲ ہش / ۱۹۶۳ء

گردپوش سے لیا گیا مسجد کی دیوار پر مسجد محمود کے نیچے کلمہ طیبہ کی عبارت اسی طرح سبز دھات کے حروف میں نصب کی گئی ہے۔ یہ کتبہ محترم شیخ رحمت اللہ صاحب امیر جماعتِ احمدیہ کراچی نے بڑی محنت سے کم سے کم وقت میں تیار کرا کے بھجوا دیا تھا۔ ۱۸ اگست کو آرٹسٹ اسے چوبی چبوترہ پر کھڑا نصب کر رہا تھا اِس مرحلہ پر بعض حروف کی درستی کے لئے مَیں خود چبوترہ پر گیا۔ خود درستی کی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ کس کیمرہ کا اِس طرف رُخ ہے لیکن معلوم ہوا کہ یہ منظر بھی فلمایا گیا تھا۔ پس اخبارات اور ٹیلیویژن کے چرچا کے باعث سوئٹزرلینڈ کے لوگوں میں اِس مسجد کے دیکھنے کا اشتیاق اور بڑھ گیا۔

مورخہ ۲۱ جون کو ریڈیو نے خواہش کی کہ مَیں ان کے سٹوڈیو میں احمدیت اور مسجد کی تاریخ کے بارہ میں مختصر پیغام ریکارڈ کروا دوں تا ۲۲ کو وہ افتتاح کی تقریب کے بارہ میں خبر دیتے ہوئے اسے بھی شامل کر سکیں۔ مَیں نے اس کی تعمیل میں پیغام ریکارڈ کروا دیا۔ محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب پراگ سے تشریف لا رہے تھے ایئر پورٹ پر خاکسار، محترم حافظ قدرت اللہ صاحب اور محترم چوہدری عبد اللطیف صاحب (مبلغین کے نمائندگان کے طور پر) اور جماعت کے کچھ احباب موجود تھے پریس کے نمائندے اور فوٹو گرافر بھی پہنچ گئے تھے۔ حکومتِ سوئٹزرلینڈ کی طرف سے چیف پراٹوکول موجود تھے۔ اقوامِ متحدہ میں سوئٹزرلینڈ کے مبصر آج کل یہاں رخصت پر ہیں وہ بھی استقبال کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا جہاز تقریباً پونے ایک بجے اترا۔ آپ رُوس اور مشرقی یورپ کے ایک لمبے سفر سے واپس آرہے تھے مگر آپ کے چہرہ پر تکان کے اثرات نہ تھے حسبِ معمول ہشاش بشاش تھے۔ آپ جب مشن ہاؤس پہنچے تو احباب باہر استقبال کے لئے منتظر تھے۔

محترم چوہدری صاحب اڑھائی بجے پریس کانفرنس میں تشریف لائے جو مشن کے دفتر کے کمرہ میں منعقد ہو رہی تھی۔ کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ بین الاقوامی پریس ایجنسیوں، سوئس پریس ایجنسیوں، زیورک اور سوئٹزرلینڈ کے دیگر مقامات کے بعض اہم اخبارات کے نمائندے بھی موجود تھے۔ ہم نے مسیحی اخبارات کو بھی دعوت بھجوائی تھی۔ بعض ان کے نمائندے بھی شریک تھے۔ چنانچہ ایک ایسے ہی صاحب نے اپنے ان تاثرات کا اظہار کیا کہ مسجد میں پریس کانفرنس بلائی گئی تو اتنے لوگ آگئے کہ کھڑے ہونے کے لئے بھی جگہ نہیں لیکن جب چرچ کی طرف سے کانفرنس بلائی جاتی ہے اُس وقت یہ لوگ توجہ ہی نہیں دیتے۔ محترم چوہدری صاحب نے پریس کے سوالات کے جوابات دیئے۔ مسٹر عبد السلام میڈیسن اور خاکسار بھی ساتھ موجود

تھے بعض سوالات جو مشن سے تعلق رکھتے تھے اُن کے جوابات خاکسار نے دیئے۔ ریڈیو کے نمائندہ اور ہمارے امام مسجد فرینکفورٹ میاں مسعود احمد صاحب جہلمی نے یہ پریس کانفرنس ٹیپ ریکارڈ کی۔

افتتاح کی تقریب کے لئے تین بجے کا وقت مقرر تھا۔ مختلف ملکوں کے مسلمان کثیر تعداد میں جمع تھے۔ اپنے احمدی احباب دُور دُور سے آئے ہوئے تھے۔ مبلّغینِ یورپ میں سے تین کا ذکر اُوپر کر چکا ہوں ان کے علاوہ محترم چوہدری رحمت خان صاحب امام مسجد لندن، محترم کرم الٰہی صاحب ظفر مبلّغ سپین، محترم میر مسعود احمد صاحب رئیس التبلیغ سکنڈے نیویا، محترم عبدالسلام میڈسن صاحب مبلّغ ڈنمارک، محترم محمود سیف الاسلام ارکسن صاحب مبلّغ سویڈن بھی شریکِ تقریب تھے۔ محترم چوہدری عبدالرحمان صاحب واقفِ زندگی بھی تشریف لائے تھے۔ جرمنی سے احمدی مصنّف اور جرنلسٹ محمد ایس عبداللہ اپنی بیگم صاحبہ اور بعض جرنلسٹ احباب اور سار برو کن ریڈیو کے نمائندہ کے ہمراہ تشریف لائے تھے۔ اسی طرح ایک اَور جرمن خاتون محترمہ وینڈلٹ بھی تشریف لائی تھیں۔

زیورک اور اس کے نواح بلکہ دُور دُور کے شہروں سے جو معزّزین شریک ہوئے ان کی فہرست طویل ہے۔ ان میں اِس شہر کے پریذیڈنٹ، اس کانٹول کے صدر و سابق صدر، اراکینِ پارلیمنٹ، شہری کونسل کے اراکین، ڈاکٹر صاحبان، سفارتِ طونس اور سفارتِ پاکستان کے فرسٹ سیکرٹری، ڈچ قنصل، برطانوی قنصلیٹ کے نمائندہ، ڈومینکین قنصل وغیرہ ایک کثیر تعداد میں معزّزین موجود تھے۔ یونیورسٹی اور فیڈرل درس گاہ کے طلبہ کے علاوہ مختلف کارخانوں وغیرہ میں کام کرنے والے مختلف ملکوں کے احباب بھی موجود تھے۔ مسلمان احباب نے میزبانی کے جذبہ کا مظاہرہ کیا اور لیکچر روم کی اکثر نشستیں غیر مسلموں کے لئے خالی کر دی گئیں۔ باہر کے دروازہ سے لے کر اُوپر کی منزل کو آنے والی سیڑھیاں مسجد کے آگے خالی جگہ ہر طرف لوگ موجود تھے۔ لاؤڈ سپیکر کا اہتمام تھا۔

اِس مبارک تقریب کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا جو خاکسار کے قدیمی رفیق کار محترم حافظ قدرت اللہ صاحب نے مخصوص پُر اثر انداز میں فرمائی اس کے بعد خاکسار نے اپنے افتتاحی خطاب میں منجملہ دیگر اُمور کے احمدیت کی مختصر تاریخ اور مصلح موعود کی پیشگوئی بیان کی جو انگریزی اور جرمن دونوں زبانوں میں سائیکلوسٹائل کر کے شائع کر دی گئی تھی۔ اس کے بعد محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اپنی تقریر پڑھ کر سُنائی۔ اس کا جرمن ترجمہ پریس اور پبلک کے پاس تھا اِس لئے غیر زبان میں ہونے

کے باوجود حاضرین کی دلچسپی قائم رہی۔ پھر محترم ڈاکٹر ایمل لانڈالٹ (DR. EMIL LANDOLT) پریذیڈنٹ زیورک مائیکروفون پر تشریف لائے اور ایک دلچسپ تقریر فرمائی جس میں مذہبی آزادی اور جماعتِ احمدیہ کو مسجد کے لئے پلاٹ دیئے جانے کا ذکر فرمایا۔

آخر میں محترم عبدالرشید فوگل (VOGEL) نے سیّدنا حضرت امیرالمومنین اطال اللہ بقاءہٗ، حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی، حضرت سیّدہ محترمہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ اور محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر کے پیغامات مختصراً پڑھ کر سنائے۔ اسکے بعد مستشرقین انگلستان، ہالینڈ، جرمنی کے پیغامات میں سے اقتباسات پیش کئے۔ تمام پیغامات اپنے اپنے رنگ میں اچھے تھے اور ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان ممالک میں احمدیت کے ذریعے مؤثر رنگ میں اسلام کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر منٹگمری واٹ (DR. MONTGAMERY WALT) کا پیغام جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنی تصنیف کی وجہ سے (دو جلدوں میں سیرت کی تصنیف ہے) عالمِ اسلام میں غیر معمولی شہرت حاصل کر چکے ہیں، بہت ہی اچھا تھا۔۔

آخر میں بعض عمائدینِ حکومت کی طرف سے موصولہ پیغامات پیش کئے گئے۔ مملکتِ لائبیریا کے صدر زیورک تشریف لائے ہوئے تھے خاکسار انہیں ملا اور انہوں نے افسوس ظاہر کیا کہ ۲۲ کو انکی روانگی کا پروگرام بن چکا ہے جس کے باعث افتتاح کی تقریب میں شرکت ممکن نہیں ورنہ وہ ضرور شامل ہوتے تاہم وہ اپنا پیغام روانگی سے قبل ضرور بھجوا دیں گے۔ چنانچہ ان کی طرف سے طویل پیغام موصول ہوا جس میں ہمارے مبلغ (محترم مبارک احمد صاحب ساقی) کے کام کا بھی ذکر ہے۔

سیرالیون کے رئیس التبلیغ مولوی بشارت احمد صاحب بشیر نے سیرالیون کے نائب وزیرِ اعظم اور وزیرِ تجارت اور فری ٹاؤن کے میئر کے اِس تقریب کے لئے پیغامات بھجوائے۔ نائیجیریا کے وزیرِ داخلہ نے بھی اپنا پیغام بھیج دیا۔ پیغامات سوائے دو تین کے جو آخر میں موصول ہوئے جرمن زبان میں شائع کر دئے گئے تھے۔ اِس تقریب پر مندرجہ ذیل ملکوں کے مبلغینِ کرام کی طرف سے بھی پیغامات موصول ہوئے:۔

سیرالیون، نائیجیریا، برما، ملایا، سنگاپور، لائبیریا، ٹوگو، ٹانگانیکا، بورنیو، غانا۔

کانو نائیجیریا سے محترم ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب اور ساؤتھ افریقہ کے ڈاکٹر عمر سلیمان صاحب نے لندن سے اپنے محبت بھرے پیغامات سے نوازا (اِس تقریب کے بعد فجی سے بھی پیغام موصول ہوا۔ اللہ تعالےٰ

سب کو اپنے فضل سے جزائے خیر بخشے۔ آمین)

مسٹر عبدالرشید نوگل کے پیغامات پیش کرنے کے ساتھ تقاریر کا پروگرام ختم ہوا۔ خاکسار نے میٹنگ کے سٹیج پر ہی مسجد محمود کی چابی زیورک کے پریذیڈنٹ محترم ڈاکٹر ایمل لانڈالٹ کو دی کہ وہ اس قصبہ کے میزبان کے جذبہ کے اظہار کے طور پر محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو پیش کریں۔ انہوں نے مائیکروفون پر آکر چند کلمات کے ساتھ چاندی کی طشتری میں یہ چابی محترم چوہدری صاحب کو پیش کی۔ چوہدری صاحب یہ چابی لیتے ہوئے انبوہِ کثیر کے ساتھ مسجد کے دروازہ کی طرف بڑھے اور اللہ کے نام کے ساتھ اس خدا کے گھر کا دروازہ کھولا۔ محترم کرم الٰہی صاحب ظفر مبلغِ سپین نے مائیکروفون پر جو بالکونی میں رکھا ہوا تھا پہلی اذان دی۔ محترم چوہدری صاحب نے نماز ظہر و عصر جمع کر کے پڑھائیں اور اس طرح مسجد محمود کی تقریبِ افتتاح تکمیل پذیر ہوئی، الحمدللہ۔

اُوپر کی منزل میں مسجد ہے اور نیچے کی منزل میں رہائشی کمرے ہیں۔ افتتاحی تقریب کے بعد مہمانوں کے لئے اکل وشرب کا انتظام تھا۔ برادران وخواتین کی کمروں میں ڈیوٹیاں تقسیم تھیں مبلغینِ کرام بھی اس خدمت میں حصہ لے رہے تھے۔ جگہ کی تنگی اور مہمانوں کی کثرت کے باعث انتظامات میں خاصی دِقت تھی۔ اور پھر بعض چیزیں اپنے طور پر بھی تیار کرنی تھیں۔ تین خواتین نے دن رات کام کیا۔ ان میں سے ایک جس نے حال ہی میں بیعت کی ہے خاکسار کی امداد کے لئے پندرہ دن کی اپنے دفتر سے رخصت حاصل کر لی ہوئی تھی۔ اور ٹائپ، سائیکلوسٹائل، خطوط، پریس سے رابطہ وغیرہ سیکرٹری کا جملہ کام شب و روز محنت سے کیا۔

تمام اُمور کو نہایت خوش اُسلوبی سے سرانجام دیا۔ اِس موقعہ پر میاں مسعود احمد صاحب جہلمی امام مسجد فرینکفورٹ نے مسلسل بہت ہمّت سے کام کیا، جزاکم اللہ۔ محترم چوہدری عبداللطیف صاحب مبلغِ جرمنی آغازِ کار میں خاکسار کی امداد فرماتے رہے ہیں اور اب افتتاح کے ضمن میں انہوں نے بہت امداد کی۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی جناب سے جزائے خیر بخشے، آمین۔ ۲۲ جون کو شام چوہدری صاحب اور مبلغینِ کرام کے اعزاز میں ڈنر کا اہتمام تھا جس میں احبابِ جماعت اور بعض دیگر دوست شریک ہوئے۔ ۲۳ جون بروز اتوار صبح نو بجے۔ یورپین مشنز کانفرنس شروع ہوئی۔ محترم چوہدری صاحب نے دُعا اور تقریر سے اس کا افتتاح فرمایا۔

اسی روز ۲½ بجے مجلس تقاریر منعقد ہوئی جس میں محترم چوہدری صاحب کی صدارت میں مندرجہ ذیل یورپین احمدی احباب نے تقاریر فرمائیں :-

(۱) مسٹر محمد ایس عبد اللہ جرمنی
(۲) مسٹر عبد السلام میڈسن ڈنمارک
(۳) مسٹر رفیق چانن سوئٹزرلینڈ
(۴) مسٹر عبد الرشید فوگل سوئٹزرلینڈ

پہلے تین مقررین نے "یورپ میں اسلام کا کردار" کے موضوع پر تقاریر فرمائیں اور علی الترتیب ماضی، حال اور مستقبل کے بارہ میں بیان کیا۔ چوتھے مقرر نے افریقہ میں اسلام کے موضوع پر تقریر فرمائی محترم چوہدری صاحب کے ریمارکس کے بعد جن کا ترجمہ ساتھ ساتھ محترم چوہدری عبد اللطیف صاحب فرماتے رہے اِس علمی مجلس کا اجلاس ختم ہوا۔

محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا جہاز ساڑھے پانچ بجے ائرپورٹ سے روانہ ہونا تھا آپ احباب سے رخصت ہوئے۔ محترم رفیق چانن صاحب لندن اپنی شادی کے لئے جا رہے تھے اور چوہدری عبد الرحمٰن صاحب آپ کے اِس سفر میں ہم رکاب تھے خاکسار نے ائرپورٹ پر دِلی شکریہ کے ساتھ الوداع کہا۔

ابھی یورپین مشنز کی کانفرنس کا کام باقی تھا۔ کانفرنس نے متعدد اہم اُمور پر غور کیا اور محترم عبد السلام میڈسن صاحب کارروائی کا ریکارڈ رکھتے رہے اور اس کے اختتام پر رپورٹ تیار کی ....

مورخہ ۲۵ جون اڑھائی بجے دوپہر پریس کانفرنس منعقد ہوئی جس میں شریک ہونے والوں کو تیار کردہ بلیٹن دے دیا گیا اور ساتھ ہی ان کے سوالات کے جوابات بھی دیئے گئے۔ مسٹر محمود ارکسن نے بڑی توجہ سے ٹائپ کا کام کیا۔ اِسی طرح محترمہ ناصرہ رینڈلٹ نے بھی اِس کام میں امداد فرمائی۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

ٹیلی ویژن، ریڈیو اور اخبارات میں چرچا کے باعث مسجد محمود کی شہرت دُور و نزدیک پہنچ چکی ہے زائرین کا تانتا بندھ رہا ہے۔ ایک طبقہ میں واقعی حق کی جستجو کا جذبہ نظر آتا ہے وہ عیسائیت سے مطمئن نہیں، اُن کے قلوب میں صراطِ مستقیم کے لئے تڑپ ہے۔" [1]

---

[1] الفضل ۱۸ وفا / جولائی ۱۳۴۲ھش / ۱۹۶۳ء ص ۴-۵

مسجد محمود کے مُلک گیر اثرات و برکات مسجد محمود کی تعمیر سے ملک میں اسلام اور احمدیت کی شہرت دُور دُور تک پھیل چکی ہے اور اس کے مُلک گیر اثرات و برکات روز بروز نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ اِس سلسلہ میں بعض ممتاز شخصیتوں کے تأثرات ملاحظہ ہوں۔

(۱) ڈاکٹر محمد عزالدین حسن البانوی نژاد[۱] نے ایک تقریب سعید پر جو صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر کے اعزاز میں منعقد کی گئی مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار فرمایا:۔

"ساری دُنیا میں احمدیت اسلام کی علمبردار ہے اور اس نے اَب تک بہت کچھ حاصل کر لیا ہے۔ قبل ازیں عثمانی سلطنت کے دَور میں اسلامی دُنیا میں ترکی ایک نمایاں حیثیت رکھتا تھا اور ترکی کی ہر چھوٹی بڑی سفارت کے ساتھ ایک مسلمان عالم ہوتا تھا جو اس مُلک میں مسلمانوں کی ضروریات کا خیال رکھتا تھا۔ بدقسمتی سے پہلی جنگِ عظیم کے بعد یہ دستور عموماً مسلمان حکومتوں نے ترک کر دیا۔ اَب یہ جماعتِ احمدیہ کی بڑی خوبی ہے کہ اس نے پیش قدمی کی اور وہ ہر جگہ اسلام کے مراکز قائم کر رہی ہے۔ بہت سے ممالک میں مسلمان اقلیتوں کے لئے یہ مساعی بہت خوش کُن ہے۔ زیورک میں اِس مسجد کی تعمیر احمدیت کی مساعی کی ایک روشن مثال ہے اس کی اہمیت کا اظہار مسلمانوں کی بڑی تعداد سے ہوتا ہے جو عیدین پر یہاں جمع ہوتے ہیں یہاں پر مقیم مسلمانوں کے بچّوں کی تعلیم کا بھی جماعت نے بیڑا اُٹھایا ہوُا ہے۔ جماعت کا ایک اَور بڑا کام قرآن کریم کے بہت سی زبانوں میں تراجم ہے اور حال ہی میں قرآن کریم کے یہ تراجم ان ممالک میں جہاں کی زبان عربی نہیں ہے مذہبی تعلیم کے حصول کے لئے بڑی قیمت رکھتے ہیں۔ اُمید کی جاتی ہے کہ باقی مسلمان بھی احمدیوں کا اپنے معتقدات پر عمل اور مسلمان بھائیوں کی امداد کی مثال کی تقلید کریں گے۔"[۲]

---

[۱] ڈاکٹر صاحب ایک مسلم انجنیئر ہیں جن کا خاندان پہلی جنگِ عظیم میں سقوطِ ترکی کے بعد یورپ اور مصر میں آباد ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب خود سوئس شہری ہیں۔ پانچ زبانیں بول سکتے ہیں اور ملک کے مختلف طبقوں میں نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

[۲] الفضل ۲۵ وفا/جولائی ۱۳۴۴ہش/۱۹۶۵ء صفحہ ۳۔

(۲) ایک ترک دوست قہرمان تونابلو[1] نے کہا:-

"مجھے سوئٹزرلینڈ میں رہتے پانچ سال ہوگئے ہیں۔ میرے لئے اپنے والدین اور وطنِ عزیز سے دُور رہنا بڑا مشکل تھا۔ اپنے والدین اور وطن سے دُوری کو والدین، عزیزوں اور دوستوں سے خط و کتابت کم کر دیتی لیکن ایک مسجد کی آرزو جہاں تمام مسلمان جمع ہوسکیں کی تکمیل کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ ۲۲ جون ۱۹۶۳ء کو جماعتِ احمدیہ کی اس مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی، اب تمام ترک اور دوسرے مسلمان یہاں جمع ہوسکتے اور نمازیں ادا کرسکتے ہیں۔ ہمارے امام کے پُر اثر خطبات اور تشریحات نہ صرف میرے لئے بلکہ بہت سے ترک احباب کے لئے بہت ممد ثابت ہوتے ہیں۔ مجھے یہ بھی ذکر کرنا ہے کہ قرآنِ مجید کے تراجم اور ایسا ہی اور بہت سی کتب کے تراجم مثلاً دیباچہ تفسیر القرآن کا ترکی زبان میں ترجمہ ہمارے لئے بہت ہی قابلِ قدر ہے۔ یہاں ہماری یہ مسجد ہمیں قلبی سکون اور مسرت بخشتی ہے اور پھر ہم خوش ہیں کہ اسلام کا نُور دُور دراز علاقوں میں پھیلتا اور روشن سے روشن تر ہوتا جا رہا ہے۔"[2]

(۳) سوئٹزرلینڈ کے ایک کیتھولک دوست مسٹر فرودن فرولا[3] نے مسجد کی اہمیت و عظمت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:-

"ہم اسے خوش قسمتی تصوّر کرتے ہیں کہ اس مسجد کی تعمیر سے ایک ایسا مرکز قائم ہوگیا جو نہ صرف وسطی یورپ کے مسلمانوں کے لئے مقامِ اجتماع ہے بلکہ غیر مسلموں کے لئے بھی مذہبی تبادلۂ خیالات کے لئے ایک ادارہ کا کام دیتا ہے۔ اس سے باہمی مفاہمت کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ مسجد محمود کی شہرت نے ہر جگہ بڑی کشش پیدا کی ہے۔ درحقیقت یہاں پر نہ صرف زیورک بلکہ سوئٹزرلینڈ کے مختلف حصّوں اور ہمسایہ ممالک جرمنی اور آسٹریا سے لوگ آتے ہیں۔ کچھ چھوٹے چھوٹے گروپ تعلیمِ عربی کے حصول اور قرآن و بائبل کے موازنہ اور تاریخ و ادب سے بہتر واقفیت

---

[1] زیورک کی فیڈرل یونیورسٹی کے ایم۔ ایس سی!! جو اُن دنوں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے سوئٹزرلینڈ میں مقیم تھے۔ [2] (ترجمہ) الفضل ۲۵ وفا/جولائی ۱۳۴۴ھش/۱۹۶۵ء صفحہ ۳۔ [3] ایک ممتاز الیکٹریکل انجنیئر۔

حاصل کرنے کے مئے بن گئے۔ مَیں خود ایک ایسے گروپ سے تعلق رکھتا ہوں جو ہر ہفتہ عربی تعلیم کے حصول کے لئے جمع ہوتا ہے... ہم نے عربی کی تعلیم کی بنیاد کے طور پر قاعدہ یسّرنا القرآن کو استعمال کیا ہے جو پاکستان میں طلبۂ مدارس کے لئے ابتدائی کتاب کے طور پر استعمال ہوتا ہے ... بڑی مشکل کے بعد اپنے اُستاد باجوہ صاحب کی راہ نمائی میں جو ہم سے ناقابلِ یقین محبت اور شفقت سے پیش آتے ہیں اِس قاعدہ کو ختم کر دیا ہے۔ ہم اَب قرآن کو گرامر اور لُغت اور محاورات کے ساتھ پڑھ رہے ہیں۔ اِس حاصل کئے ہوئے عِلم کو استعمال کرنے اور ان ممالک اور ان کے لوگوں کو دیکھنے کے لئے ہم میں سے تین اَب تک مشرقِ وسطیٰ کی سیاحت کر چکے ہیں انہوں نے اِن ممالک کو اپنی توقعات سے بڑھ کر پایا۔ مَیں خود بھی ارادہ رکھتا ہوں کہ کسی مناسب موقع پر مُسلم ممالک دیکھوں'' لہ

(۴) ہِز ایکسی لینسی سیّد توفیق عبد الفتاح سفیر جمہوریہ متحدہ عربیہ نے ایک الوداعی دعوت میں (جو ان کے اعزاز میں جماعتِ احمدیہ زیورچ کی طرف سے دی گئی) تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

'' سوئٹزرلینڈ میں میرے پہلے سال کے قیام کے دَوران مجھے زیورک میں مسجد کا علم نہ تھا اسکے بعد مجھے ایک لبنانی ڈاکٹر سے مسجد کا عِلم ہوُا اور اُن کی تحریک پر ہم عیدالاضحیٰ کی تقریب میں شریک ہوئے اس کے بعد مَیں آتا رہا اور امام مسجد نے ہمیشہ مجھے خوش آمدید کہا۔ یہاں ہمیں بہت سے سوئیس مسلمانوں اور دوسرے مسلمانوں سے تعارف کا موقعہ ملا جن کے ساتھ ہمارے بہت اچھے تعلقات ہیں اور صحیح رابطہ قائم ہو چکا ہے جب بھی امام نے مجھے بُلایا مَیں نے کبھی آنے میں تامّل نہیں کیا۔ مَیں امام کی سرگرمیٔ عمل کو شدّت سے محسوس کرتا رہا ہوں اور اِس مجلس میں اِس تأثر کے اظہار سے مجھے خوشی ہے۔

امام! مَیں پھر آپ کے اِس پُرتپاک خوش آمدید کے لئے شُکریہ ادا کرتا ہوں اور مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کبھی مجھے بھولے نہیں جب بھی مجھے قاہرہ جانے کا موقعہ ملا مَیں آپ کا ذکر کرتا رہا۔ الازہر کے امام سے کئی دفعہ آپ کے متعلق بات ہوئی اور مَیں نے انہیں آپ کے مشن کی کارگذاری سے آگاہ کیا۔ ابھی گزشتہ رمضان میں مَیں قاہرہ میں

لہ (ترجمہ) الفضل ۲۵ وفا / جولائی ۱۳۴۴ھش / ۱۹۶۵ء صـ ۳

تھا وہ آپ کا اور آپ کے مشن کا ذکر بڑی دلچسپی سے سُنتے رہے۔ مَیں نے انہیں بتایا کہ آپ یہاں کس قدر کامیاب ہیں۔ آپ اور آپ کے سوئٹزرلینڈ میں کارہائے نمایاں کے لئے اپنے ممنونیت کے جذبات کا اظہار ایک حقیر خدمت ہے جو مَیں بجالاتا ہوں۔“ [1]

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر سوئٹزرلینڈ میں

۱۳۴۴ھش / ۱۹۶۵ء کا ایک قابلِ ذکر واقعہ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی سوئٹزرلینڈ میں آمد ہے۔ صاحبزادہ صاحب مغربی افریقہ کے تبلیغی دَورہ پر تشریف لے جاتے ہوئے ۲۲ ماہِ شہادت کو زیورک پہنچے اور ۲۷ ماہِ شہادت تک ٹھہرے آپ کے اس مختصر سے قیام سے نہ صرف سوئٹزرلینڈ کی احمدیہ جماعت کو بہت فائدہ پہنچا بلکہ آپ کی مؤثر گفتگو نے زیرِ تبلیغ اصحاب اور جماعت سے اخلاص و احترام رکھنے والے دوسرے دوستوں کو بھی بہت متأثر کیا۔ صاحبزادہ صاحب دَورۂ مغربی افریقہ سے واپسی پر لنڈن سے استنبول جاتے ہوئے دوبارہ سوئٹزرلینڈ سے گزرے اور ایک اثر انگیز خطاب فرمایا۔ [2]

---

[1] الفضل ۲۴ شہادت / اپریل ۱۳۴۹ھش / ۱۹۷۰ء صٖ ۳

[2] چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ نے اپنی مفصّل رپورٹ میں لکھا:۔

”۲۴ اپریل کو محترم میاں صاحب کی آمد متوقع تھی چنانچہ استقبال کی ہم تیاری میں مصروف تھے۔ ۲۳ اپریل کو محترم میاں صاحب کے سیکرٹری مکرم میر مسعود احمد صاحب پہنچ گئے۔ ان کے استقبال کے بعد واپس آئے ہی تھے کہ اچانک محترم میاں صاحب بھی غیر متوقع طور پر پروگرام سے ایک دن قبل تشریف لے آئے۔ اس اچانک آمد سے بہت خوشی ہوئی۔ معلوم ہوا کہ بعض وجوہ کے باعث پروگرام میں کچھ تبدیلی کرنی پڑی اور اس لئے ایک دن پہلے پہنچ گئے۔

آپ زیورک میں ۲۷ اپریل کی دوپہر تک ٹھہرے۔ ۲۵ کو آپ کے اعزاز میں عصرانہ دیا گیا۔ احبابِ جماعت کے علاوہ زیرِ تبلیغ اصحاب اور جماعت سے اخلاص و احترام کا تعلق رکھنے والے دیگر دوست مدعو کئے گئے تھے۔ اس موقع پر محترم میاں صاحب کی ازحد مؤثر گفتگو سے حاضرین کے قلوب پر گہرا اثر ہوا۔ اس تقریب کے علاوہ ہمارے بعض احباب خصوصاً نو احمدی حبیب احمد سینرش اور پرانے مخلص احمدی عبدالرشید فوگل کو ان کی صحبت سے بہت مستفید ہونے کا موقع ملا۔ حبیب احمد سینرش نے ۲۹ دسمبر ۱۹۶۴ء کو بیعت کی اور مَیں نے نام حبیب احمد رکھا۔ ان کی والدہ نے مخالفت شروع کی مَیں نے ان کو مدعو کیا اور وہ کافی نرم پڑ گئیں مگر ان کے پادری نے انہیں اُکسایا اور کہا کہ مذہب کی تبدیلی کا سوال

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کا مبارک سفرِ سوئٹزرلینڈ

سوئٹزرلینڈ کی سرزمین کو ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء میں اگرسیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے مبارک قدموں نے برکت بخشی تو ۱۳۴۶ھش/۱۹۶۷ء میں اسے حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کے خدانما اور مقدس وجود سے براہِ راست انوار وفیوض حاصل

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: ۔ نہیں لیکن اسلام بھی کوئی مذہب ہے۔ یہ تو یورپ کے لوگوں کے لئے قطعاً موزوں نہیں۔ یہ قرونِ وسطیٰ کا مذہب ہے۔ ان پادری صاحب نے اس فرم کے مالک سے بھی بات کی جہاں وہ ملازم تھے۔ وہ پہلے ہی ایک متعصب کیتھولک تھا اس نے ان کو پندرہ یوم کا نوٹس دے دیا انہوں نے کہا کہ پندرہ یوم کا سوال نہیں مَیں مستقل طور پر ہی فارغ ہوتا ہوں۔ اِس پر والدین نے اُور مخالفت شروع کر دی۔ مَیں فون کرتا تو حبیب کو بات نہ کرنے دیتے اور خط لکھتا تو اس تک پہنچنے نہ دیتے آخر تنگ آکر ایک دن مَیں ان کے ہاں گیا۔ وہ زیورک سے دُور رہتے ہیں۔ ان کے گھر پہنچا۔ اہلیہ اور عزیزم یحییٰ بھی ہمراہ تھے۔ یہ ان کی والدہ کے پاس بیٹھے اور مجھے حبیب اپنے کمرہ میں لے گیا۔ دیکھا کہ سامنے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا کتبہ لگا ہوا ہے مسجد کی تصویر دیوار پر آویزاں ہے اور عید کا دعوتی کارڈ بھی زینت کے طور پر لگا ہوا ہے۔ اس نے بتایا کہ کس طرح اس کی مخالفت ہو رہی ہے اور یہ کہ وہ اللہ کے فضل سے اسلام پر قائم ہے مَیں نے آئندہ کے لئے ایک ترک دوست کی معرفت ڈاک بھجوانے کا انتظام کیا اُور اس کو ہدایت کی کہ وہ خود مجھے گاہے بگاہے فون کر لیا کرے۔ یہ نوجوان کئی گھنٹے محترم میاں صاحب کے ساتھ رہے۔

ہمارے ایک دوست جو پشاور یونیورسٹی میں لیکچرار تھے اور اب یہاں ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں استقبالیہ تقریب سے اِس قدر متاثر ہوئے کہ محترم میاں صاحب کے اعزاز میں اپنے ہاں عشائیہ کا اہتمام فرمایا۔ محترم میاں صاحب انہیں اور باقی حاضرین کو لطیف انداز میں جماعت کی اسلامی خدمات بتاتے رہے۔

محترم میاں صاحب نے یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ واپسی پر سفتہ عشرہ قیام کر سکیں گے چنانچہ اِس امید پر کہ جلد ہی پھر ملاقات ہوگی ۲۷ر اپریل کو انہیں الوداع کہا۔

واپسی کے لئے مختلف تقاریب کا پروگرام زیرِ غور تھا کہ فون پر لندن سے معلوم ہُوا کہ وہ تو ۶ر جون کی شب کو پہنچیں گے اور ۷ر جون کو پونے دو بجے کے جہاز پر استنبول کو روانہ ہو جائیں گے مَیں نے اپنے خاص دوستوں کو فون پر اطلاع دی ائرپورٹ پر محترم میاں صاحب کے استقبال کے لئے خاکسار بعض احباب کے ساتھ موجود تھا۔ ہمارے نواحمدی بھائی ضیاء اللہ مایر (MEIER) نے جماعت کی طرف سے گلدستہ پیش کیا۔ ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا جو اپنے رنگ میں فروعی تھا مَیں نے اپنے مختلف طبقات کے احباب کو تھوڑا تھوڑا وقت دیا کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں اور بعد میں محترم میاں صاحب نے تقریر فرمائی۔" (الفضل ۲۲۔۲۵ وفا/ جولائی ۱۳۴۴ھش/۱۹۶۵ء)

کرنے کا سنہری موقعہ میسر آیا۔

حضور پُرنور اپنے دورۂ یورپ کے دوران ۱۰ وفا/جولائی ۱۳۴۶ھش/۱۹۶۷ء کو پیر کے روز صبح گیارہ بجے کے قریب زیورک میں رونق افروز ہوئے۔ ہوائی مستقر پر سوئٹزرلینڈ کے معززین اور سربرآوردہ مسلمانوں نے حضور کا استقبال کیا۔ اسی روز شام کو حضور کے اعزاز میں ایک استقبالیہ تقریب منعقد ہوئی جس میں معززین بکثرت شامل ہوئے اور اس موقعہ پر مختلف ملکوں کے مسلمانوں نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمتِ اقدس میں اپنے جذباتِ محبت وعقیدت پیش کئے۔[1]

اگلے روز (مورخہ ۱۱ جولائی بروز منگل) سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے اعزاز میں وسیع پیمانہ پر ایک ظہرانہ کا اہتمام کیا گیا جس میں سات ملکوں کے سفیروں، متعدد دیگر سفارتی نمائندوں اور سوئٹزرلینڈ کے سربرآوردہ حضرات نے شرکت کی۔ سویس ریڈیو نے حضور کا ایک خصوصی انٹرویو نشر کیا۔ ٹیلیویژن نے حضور کے انٹرویو اور استقبالیہ تقریب کی فلم تیار کی۔ انٹرویو کے مناظر اسی شام ٹیلیویژن پر دکھائے گئے۔[2]

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ زیورک میں چار روز قیام کے بعد ۱۴ ماہِ وفا/جولائی کو ہیگ (ہالینڈ) تشریف لے گئے۔[3]

مسجد محمود میں ۱۳۴۹ھش/۱۹۷۰ء کی تقریب عید الاضحیہ

مسجد محمود میں ۱۷ تبلیغ/فروری ۱۳۴۹ھش/۱۹۷۰ء کو تقریبِ عید الاضحیہ منائی گئی۔ اس عید کو پہلی بار یہ خصوصیت حاصل تھی کہ زیورک ریڈیو نے کافی وقت پہلے طے کئے ہوئے پروگرام کے مطابق نصف گھنٹہ سے بھی زیادہ وقت اس تقریب کے لئے مخصوص کیا۔ ریڈیو پروگرام میں (جو آسٹریا، جرمنی اور سوئٹزرلینڈ کا اکٹھا چھپتا ہے) اس کا ذکر بھی شائع شدہ تھا۔ اس میں انچارج مبلغ سوئٹزرلینڈ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ کا مکمل خطبہ ریکارڈ کیا گیا اور مختصر تبصرہ وتعارف کے ساتھ نشر کیا گیا۔ اس پروگرام میں دلچسپی رکھنے والے کروڑوں لوگوں نے اسے سنا۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شہرۂ آفاق خطبہ الہامیہ اور کتاب برکات الدعا کے اقتباسات اور اپنے محبوب امام

---

[1] الفضل ۱۳ وفا/جولائی ۱۳۴۶ھش/۱۹۶۷ء صفحہ ۱
[2] الفضل ۱۴ وفا/جولائی ۱۳۴۶ھش/۱۹۶۷ء صفحہ ۱
[3] الفضل ۱۸ وفا/جولائی ۱۳۴۶ھش/۱۹۶۷ء صفحہ ۱

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے برقی پیغام کا ترجمہ بھی سُنایا گیا۔[1]

عید کے روز سخت سردی تھی اور برفباری ہو رہی تھی اور پھر کام کا دن تھا تاہم حاضری اچھی ہوگئی۔ حتٰی کہ اِس موسم میں برآن سے الجزائر کے سفیر ہز ایکسی لنیسی محمد یوسفی اور انڈونیشین سفارت کے سیکنڈ سیکرٹری نے بھی شرکت کی۔ مقامی ترکی قنصل کے نمائندے بھی اس وقت موجود تھے۔ اِس یادگار تقریب کی رپورٹ جرمن اور فرنچ دونوں حصّوں کے پریس میں شائع ہوئی۔ اخبار ٹاگس اینائگر "TAGES ANZEIGER" نے اپنی ۱۲ر فروری ۱۹۷۰ء کی اشاعت میں لکھا:-

"اِس تقریب میں بکثرت شرکت سے ان کے مختلف رنگوں، نسلوں اور مذہبوں کے باعث اپنی اپنی الگ زبانوں اور انوکھے آداب سے ایسا عجیب اور رنگین امتزاج پیدا ہوگیا تھا کہ زیورک کے ایک عام باشندے کو گو وہ اس حلقہ میں دِلی مسرّت کے ساتھ قبول کرلیا گیا ہو ضرور قدرے اجنبیّت کا احساس ہوگا۔"[2]

المختصر وہ سرزمین جو ۱۳۲۵ھش / ۱۹۴۶ء میں کبھی مجاہدینِ احمدیت کے لئے بالکل اجنبی تھی اَب اس میں اسلام ایک مؤثر اور طاقتور تحریک کی صُورت میں اُبھرتا دکھائی دیتا ہے۔ قرآن مجید اور دوسرا اسلامی لٹریچر سوئیس مفکروں، دانشوروں، صحافیوں، سیاستدانوں اور صاحبِ علم طبقوں کی توجہ کا مرکز بنتا جارہا ہے، شاندار مسجد۔ مسجد محمود۔ تعمیر ہوچکی ہے، دِل اسلام کے لئے جیتے جارہے ہیں اور سعید رُوحیں آہستہ آہستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آرہی ہیں اور یہ تثلیث کدہ بھی اذانوں سے گونجنے لگا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

---

[1] الفضل ۲۳ر شہادت / اپریل ۱۳۴۹ھش / ۱۹۷۰ء صہ ۳۔

[2] (ترجمہ) الفضل ۲۳ر شہادت / اپریل ۱۳۴۹ھش / ۱۹۷۰ء صہ ۳۔

فصل پنجم

احمدیہ مسلم مشن ہالینڈ کا قیام

تبلیغی نقطۂ نگاہ سے ہالینڈ نہایت درجہ اہمیت رکھتا ہے یہی وہ ملک ہے جس نے تین سو پچاس سال تک جزائر شرق الہند[1] کے دس کروڑ باشندوں پر حکمرانی کی ہے۔ ان باشندوں کی بھاری اکثریت مسلمان ہے اور ان کا ایک حصہ ہالینڈ میں ہی مستقل بودوباش اختیار کر چکا ہے۔ اس ملک کا تعلق جنوبی امریکہ کی بعض نوآبادیات سے بھی ہے جہاں مسلمان خاصی تعداد میں آباد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہالینڈ کی لائیڈن یونیورسٹی (LEIDEN UNIVERSITY) مشرقی علوم کے "مغربی مرکز" کی حیثیت سے نہ صرف پورے یورپ بلکہ دنیا بھر میں بہت مشہور ہے اور علمی دنیا میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام رکھتی اور بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ لہذا یہاں کے مستشرقین کو حقیقی اسلام سے روشناس کرانے سے یورپ کے اونچے علمی طبقوں میں زبردست انقلاب آسکتا ہے اور اسلام کی روحانی فتح کے دروازے کھل سکتے ہیں۔

اگرچہ ہالینڈ سے انڈونیشی مسلمانوں کے ایک عرصہ سے تعلقات چلے آرہے تھے اور ایک بڑی تعداد اس میں مقیم ہو گئی تھی لیکن اتنے لمبے زمانہ میں یہاں اشاعتِ اسلام کی کوئی قابلِ ذکر کوشش نہیں کی گئی حتیٰ کہ کسی مسلمان کو یہ خیال تک نہیں آیا کہ اپنی مرکزیت کو برقرار رکھنے اور خدائے واحد کا

---

[1] انڈونیشیا شرق الہند کے اسی مجمع الجزائر کا دوسرا نام ہے جو سترھویں صدی عیسوی کے آغاز سے لیکر ۱۹۴۹ء تک ہالینڈ کے مقبوضات میں شامل رہا ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران جاپانی فوجوں نے ولندیزی فوجوں کو زیر کر کے ان جزائر پر قبضہ جما لیا ۱۹۴۵ء میں جاپان نے ہتھیار ڈال دیئے تو ملک میں تحریکِ آزادی اٹھ کھڑی ہوئی اور آخر بڑی کشمکش کے بعد حکومتِ ہالینڈ نے ریاست ہائے متحدہ انڈونیشیا کی آزادی تسلیم کر لی اور آزاد انڈونیشیا کے ساتھ اتحاد و اشتراکِ عمل کا ایک پختہ معاہدہ طے کر لیا جس کی رو سے ہالینڈ اور انڈونیشیا تاجِ ولندیزی کے دو مساوی رتبہ ملک قرار پائے۔ ان ملکوں نے طے کیا کہ خارجہ امور، دفاع اور اہم اقتصادی معاملات میں دونوں ملک باہمی مشورہ سے پالیسی طے کیا کریں گے (تاریخ اقوام عالم از جناب مرتضیٰ احمد خان میکش صفحہ ۷۹۴ – ۷۹۸)۔

نام بلند کرنے کے لئے اِس سرزمین میں کوئی خانۂ خدا ہی تعمیر کردیں۔[1]

ہالینڈ میں اسلام و احمدیت کی پہلی آواز مسجد فضل لنڈن کے افتتاح کے بعد مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے مبلغ انگلستان کے ذریعہ سے پہنچی جنہوں نے ۱۹۲۶ء میں بلجیم اور اس ملک کا دورہ کیا اور وہاں کی متعدد سوسائیٹیوں میں لیکچر دیئے۔[2] ۱۹۳۳-۳۴ء میں آپ نے ہالینڈ کے پروفیسر ونسنک سے خط و کتابت کی۔[3] ۱۹۳۴-۳۵ء میں بعض ڈچ سفراء سے ملاقات کی اور انہیں بتایا کہ جاوا میں ہمارا مشن قائم ہے جس پر انہوں نے احمدیت سے متعلق واقفیت حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اور جب آپ دوسری مرتبہ ملنے کے لئے تشریف لے گئے تو ان کے پاس احمدیت کا لٹریچر موجود تھا۔[4] مولانا کی سالانہ رپورٹ ۱۹۳۵-۳۶ء سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈچ سفیر سے انہوں نے مسلسل رابطہ قائم رکھا۔[5] لنڈن مشن کی سالانہ رپورٹ ۱۹۳۷-۳۸ء میں ہالینڈ کے دو پادریوں کے مسجد فضل لنڈن میں آنے کا ذکر ملتا ہے۔[5] مولانا درد انگلستان ہی میں تھے کہ ۵ راپریل ۱۹۳۰ء کو مسٹر انڈریاسا ڈچ قنصل قادیان گئے۔ یہ پہلے ولندیزی باشندے تھے جنہیں مرکزِ احمدیت میں جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مسٹر انڈریاسا سماٹرا میں ڈچ آفیسر مقرر تھے اور انہیں مولوی رحمت علی صاحب مبلغ جاوا و سماٹرا کے ذریعہ سلسلہ احمدیہ کے حالات کا علم ہوا تھا۔[6] مسٹر انڈریاسا مرکزِ احمدیت کے پُرانوار ماحول اور اہلِ قادیان کی اسلامی اخوت و رواداری سے بے حد متأثر ہوئے چنانچہ انہوں نے واپسی پر حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے نام ڈچ زبان میں حسبِ ذیل خط لکھا:-

"ہم نے قادیان میں نیکی کے سوا اور کچھ نہیں پایا۔ سو ہندوستان سے جو بہت سے اثرات میرے دل پر ہوئے ہیں ان میں سے خاص اثرات قادیان کے ہیں جنہوں نے میرے دل میں خاص جگہ حاصل کی ہے۔ سب سے اوّل آپ لوگوں کی مہمان نوازی ہے جس سے مَیں مسرور ہُوا اور مَیں آپ کا ممنون ہوں گا اگر آپ میرا شکریہ اپنے سب احباب کو پہنچا دیں۔ خاص بات

---

[1] "جماعتِ احمدیہ کی اسلامی خدمات" ص۱۸ (از حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے ناظر دعوت و تبلیغ قادیان) ماہ دسمبر ۱۹۲۷ء مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس دہلی دروازہ لاہور۔ [2] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۳۳-۳۴ء صفحہ ۱۹۶۔ [3] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۳۴-۳۵ء صفحہ ۴۲۔ [4] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۳۵-۳۶ء صفحہ ۳۱۔ [5] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۳۷-۳۸ء صفحہ ۱۶۔ [6] الفضل ۸ اپریل ۱۹۳۰ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

جو مجھ پر اثر کرنے والی ہوئی وہ ایک طبعی ایمان اور سچی برادری ہے جو للّٰہی محبت سے پیدا ہو کر قادیان کو رسولوں کی سی ایک فضا بخش رہی ہے جو عیسائی حلقوں میں شاذو نادر ہے۔ آپ کے فاضل ذوالفقار علی خاں صاحب (ناظر اعلیٰ) نے (جن کے ساتھ مجھے خاص محبت حاصل ہوگئی ہے) جو کتب مجھے عطا فرمائی ہیں ان کے پڑھنے کے بعد پھر آپکو اطلاع دوں گا۔" [1]

مولانا عبد الرحیم صاحب درؔد کی انگلستان سے مراجعت کے بعد مولانا جلال الدین صاحب شمس کے قیامِ لنڈن کا زمانہ آتا ہے جو ہالینڈ میں احمدیت کی داغ بیل کے اعتبار سے ایک سنہری دَور ہے [2] جس میں دوسری یورپین زبانوں کے تراجم کے علاوہ ڈچ ترجمہ قرآن بھی آپ کے زیرِ نگرانی مکمل ہوا۔ اِس ترجمہ کی سعادت ایک ولندیزی خاتون مسز زمرمان کے حصّہ میں آئی جو ڈچ کے علاوہ انگریزی اور جرمن زبان کی بھی ماہر ہیں اور اٹیلین پر بھی ایک حد تک عبور رکھتی ہیں۔ اِس خاتون نے اِس مقدّس فریضہ کی بجا آوری کے دَوران صداقتِ اسلام کے بعض قہری نشان دیکھے اور بالآخر اللہ کے فضل اور احمدی مبلّغوں کی مساعیٔ جمیلہ کے نتیجہ میں داخلِ اسلام ہوگئیں اور آج تک نہایت خلوص سے ہالینڈ میں مبلّغینِ اسلام کے دوش بدوش شاندار اسلامی خدمات بجا لا رہی ہیں مسز ناصرہ زمرمان (N. ZIMMERMAN) نے اپنے قبولِ اسلام کی ایمان افروز سرگزشت اپنے قلم سے لکھی ہے جس کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"۱۹۴۵ء کا سال میرے لئے تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس سال کے شروع میں مَیں بمباری سے مسمار شدہ لنڈن میں پہنچی ہی تھی کہ مجھے ایک ترجمہ کرنے والے محکمہ (TRANSLATION BUREAU) کی طرف سے ملاقات کے لئے پیغام ملا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ ملاقات قرآنِ کریم کے ڈچ ترجمہ کے سلسلہ میں ہے۔ مجھے آخری تین سَو صفحات کا ترجمہ کرنے کے لئے کہا گیا اِس پر مجھے خواہش پیدا ہوئی کہ مَیں یہ دیکھوں کہ پہلے حِصّہ کا ترجمہ کیسا ہوا ہے؟ مَیں پہلے

---

[1] الفضل ۹ مئی ۱۹۳۰ء صٹ کالم ۲-۳ ؛ [2] لنڈن مشن کی رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا شمس نے لندن پہنچنے کے بعد ڈچ باشندوں میں تبلیغِ اسلام کا سلسلہ جاری کر دیا تھا چنانچہ آپ نے اپنے قیامِ انگلستان کے پہلے سال ہالینڈ، جرمنی اور سویڈن کے سکولوں کی ہائی کلاسز کے قریباً ستّر طلباء کو ایک تقریب پر مدعو کیا (رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۳۹-۱۹۳۸ء صفحہ ۵۵) ؛

حصّہ کے چند صفحات کو لے کر گھر لوٹی اور ان کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا۔ اس ترجمہ کا میری طبیعت پر بہت بُرا اثر ہوا۔ مترجم نے قدیم ڈچ زبان میں جس کو آج کل سمجھنا بھی مشکل ہے ترجمہ کیا ہوا تھا۔ اور پھر اس کا انداز بھی کوئی اچھا نہ تھا اِس لئے مَیں نے ترجمہ کرنے سے انکار کر دیا میرے لئے یہ کام اِس وجہ سے بھی مشکل تھا کہ میری پیدائش اور تربیت عیسائی ماحول میں ہوئی تھی جس میں سِرے سے گناہ کا تصور ہی بالکل اَور ہے۔ یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ حضرت یسوع ہمارے گناہوں کی خاطر مصلوب ہو گئے قرآن کریم کی تعلیمات میرے لئے صدمہ کا موجب ہوئیں کیونکہ قرآن کریم میں اعمال پر بہت زور دیا گیا ہے اور گناہوں کی پاداش میں سزا کا بھی ذکر ہے اِس لحاظ سے بھی قرآن کریم کا ترجمہ کرنا میرے لئے محال تھا۔ آخر لمبی سوچ اور گہرے غور کے بعد مَیں نے اِس مبارک کام کو سرانجام دینے کا فیصلہ کیا اور مَیں نے دفتر کے ڈائریکٹر سے تمام قرآن کا ترجمہ اپنے طرز اور موجودہ ڈچ زبان میں کرنے کی اجازت لے لی۔ مَیں نے اِس کام کو سرانجام دینے کے لئے دن رات ایک کر دیا اور ابتدائی ۳۰، ۴۰ صفحات کا ترجمہ کر کے مَیں ڈائریکٹر کے پاس لے کر گئی۔

اِس موقعہ پر اِس امر کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ جب مَیں ڈائریکٹر کو ملنے گئی تو ہماری قرآن کریم کے متعلق طویل گفتگو ہوئی۔ ڈائریکٹر نے اِس مقدس کتاب کے متعلق نہایت ہی توہین آمیز کلمات استعمال کئے، بعد میں بھی اس کا رویّہ یہی رہا اور اس نے وہاں کئی بار متواتر اور مسلسل قرآن کریم کی توہین جاری رکھی جن کا میری طبیعت پر بہت ناگوار اثر ہوا لیکن جلد ہی جب مَیں دوبارہ اسے ملنے گئی تو مَیں نے اسے نہایت ہی المناک کیفیت میں پایا۔ اسے LAMBAGO کا شدید حملہ ہوا مَیں نے اسے فوری طور پر گھر پہنچانے کا انتظام کیا جہاں اگلے ہی روز وہ چل بسا چند روز بعد دوسری ڈائریکٹرس بھی جس نے اِس گفتگو میں حصّہ لیا تھا بیمار ہوئی اور اس مقدس کتاب کی توہین کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہ بچ سکی اور ہسپتال میں اِس جہان سے رخصت ہو گئی۔ ان واقعات نے میری طبیعت پر گہرا اثر کیا لیکن ابھی خدا تعالیٰ نے اِس مقدس کتاب کی صداقت کو میرے قلب پر اَور منقوش کرنا تھا۔ خدا تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ اِن واقعات

کے بعد اس دفتر کا ٹائپسٹ جس نے اس توہین آمیز اور مضحکہ خیز گفتگو میں حصہ لیا تھا اجنبی امریکہ گیا تین ہفتہ کے اندر اندر ہی مجھے معلوم ہؤا کہ وہ بھی خدائی عذاب کا شکار ہو کر اس دُنیا سے کوچ کر گیا ہے۔ ایک اور سیکرٹری جس نے اِس توہین میں کبھی حصّہ نہ لیا تھا صحیح و سلامت رہی۔

اِن واقعات نے میری دُنیا یکسر بدل ڈالی۔ میری طبیعت پر قرآن کریم کی صداقت اور حقانیت کا سِکّہ بیٹھنا شروع ہؤا اور اِس کتاب کی عظمت کا میرے دل پر گہرا اثر ہؤا انہی واقعات نے میری توجہ اسلام کی طرف مبذول کی۔ مَیں نے اِن واقعات کا اس لئے بھی ذکر کر دیا ہے تاکہ یہ مخالفین کے لئے حُجّت کا باعث ہو سکیں۔ مَیں اپنے مولا کریم کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے اِس کام کے کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔ مَیں نے ترجمہ کے دَوران میں اِس مقدّس کتاب سے جو رُوحانی شیرینی اور پُرکیف رُوحانی اثرات حاصل کئے وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا۔ جو روشنی مَیں نے قرآن کریم سے حاصل کی وہ خدا تعالیٰ کی صفت رحمانیت اور رحیمیّت کا نتیجہ ہے خدا تعالیٰ نے میرے ساتھ بالخصوص اپنی رحمت کا سلوک فرمایا۔ مَیں ترجمہ کے دوران قرآن کریم کی صداقت کی دل سے قائل ہو چکی تھی چنانچہ مَیں نے قرآن شریف سے لگاؤ اور تعلق کو بڑھانے کے لئے لنڈن مسجد میں گاہے گاہے جانا اور احمدیت کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ میرے ساتھ ہر دفعہ برادرانہ اخوّت اور محبّت کا سلوک کیا گیا اور میری رُوحانی تشنگی دُور کرنے کے سامان مہیّا کئے جاتے رہے۔ اِس محبّت اور اخوّت بھرے سلوک نے مجھے احمدیت کے بہت ہی قریب کر دیا۔

ہالینڈ آنے پر تھوڑے عرصہ میں ہی یہاں مشن قائم ہو گیا۔ یہاں تینوں مبلّغین نے میری تربیت کے لئے اخلاص اور محنت سے کام کیا۔ مجھے کتب مطالعہ کے لئے انہوں نے دیں۔ لمبی لمبی دیر تک اپنا قیمتی وقت مجھ پر صرف کرتے رہے۔ ان کی مخلصانہ کوششوں کی وجہ سے مجھے احمدیت جیسی نعمت ملی۔ مَیں ہمیشہ اپنے اِن تینوں بھائیوں کی ممنون ہونگی جن کے ہاتھوں میری نجات کے سامان ہوئے۔" ؎۱

؎۱ الفضل ۱۶ تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۴

مسٹر زمرمان کے علاوہ جن کا لنڈن مشن سے تعلق بالآخر قبولِ اسلام پر منتج ہوا حضرت مولانا شمس صاحب کے ذریعہ ایک ڈچ طالب علم مسٹر کاخ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ یہ پہلے ولندیزی نومسلم تھے جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا فخر حاصل کیا اور ان کا نام ظفر اللہ رکھا گیا۔ مسٹر کاخ کا شمار آج یورپ کے اُن پُرجوش نومسلموں میں ہوتا ہے جنہیں اسلام اور سلسلہ احمدیہ سے انتہائی اخلاص اور اُنس ہے۔

مستقل مشن کا قیام ہالینڈ میں مستقل احمدیہ مسلم مشن کی بنیاد حافظ قدرت اللہ صاحب کے ہاتھوں پڑی جو دوسرے مجاہدینِ تحریکِ جدید کے ساتھ کچھ عرصہ انگلستان میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کرنے کے بعد ۲ ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء کو ہالینڈ میں پہنچے۔[1] آپ نے ہیگ کی کولمبس سٹریٹ (COLAMBUS STR.) میں ایک کمرہ کرایہ پر لے کر اشاعتِ اسلام کی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔

ایک مبلغِ اسلام کے آنے کا واقعہ اِس ملک کی تاریخ میں چونکہ ایک انوکھا اور نرالا واقعہ تھا اِس لئے ڈچ پریس نے اس میں خاصی دلچسپی لی۔[2] ہالینڈ میں جب پہلی بار اسلامی مشن کے قیام کی خبر منظرِ عام پر آئی تو ڈچ عوام نے اگرچہ اِس خبر کو دلچسپی کے ساتھ پڑھا مگر اس دلچسپی میں تعجب اور تعصّب کے ملے جلے جذبات تھے۔ چنانچہ ہیگ کے ایک بااثر ہفت روزہ (HAAGSCHE POST) نے "ایشیا کی بیداری" کے زیرِ عنوان یہ لکھا:-

"یورپ کے لئے ایشیا کی یہ بیداری بالکل غیر متوقع ہے۔ آج مروجہ پہلے طریق کے بالکل اُلٹ مشرق سے اسلام کے مبلّغ مغرب کو بھیجے جا رہے ہیں اور جماعتِ احمدیہ اِس کوشش میں پیش پیش ہے۔"

جہاں تک کیتھولک پبلک کا تعلق ہے اس نے اسلامی مشن کا استقبال دوسروں سے بھی بڑھ کر انقباض کے ساتھ کیا چنانچہ وہاں کا ایک کیتھولک ہفتہ وار اخبار TIMOTHEUS (جولائی ۱۹۴۷ء) نے اپنے ایک نوٹ پر سُرخی دی کہ:-

"کیا ہالینڈ کے آسمان پر ہلالِ اسلامی کا طلوع گوارا کیا جاسکتا ہے؟"

---

[1] الفضل ۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء صفحہ ۵ کالم ۱۔ [2] ایضاً۔

نیز لکھا:۔

"ہمیں ذاتی طور پر اِن مبلغِ اسلام صاحب سے تعرّض کرنے کی چنداں ضرورت نہیں مگر ہم اِن کو یہ ضرور بتا دینا چاہتے ہیں کہ انہیں اپنے تبلیغی ارادوں کے ضمن میں ڈچ لوگوں سے کوئی خاص امید نہیں وابستہ کرنی چاہیئے۔ اور اگر وہ کوئی ایسی امید لے کر آئے ہیں تو ہمیں ڈر ہے کہ انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اِس لئے بہتر ہے کہ وہ اپنا بستر بوریا ابھی سے باندھ لیں اور واپسی کی ٹھان لیں۔" [1]

پریس کے علاوہ سرکاری حلقوں نے بھی انتہائی تعصب کا مظاہرہ کیا بلکہ ڈچ وزیر اعظم نے شروع میں ایک بار حافظ قدرت اللہ صاحب سے دورانِ ملاقات یہاں تک کہہ ڈالا کہ ہالینڈ میں آپ کو وقت ضائع کرنے کا کیا فائدہ ہوگا آپ اپنے لئے کوئی اور ملک انتخاب کر لیں۔[2]

مبلغِ اسلام کی ابتدائی تبلیغی سرگرمیاں

حافظ قدرت اللہ صاحب نے ہالینڈ کی سرزمین میں انوارِ قرآنی پھیلانے کے لئے اولین توجہ ہیگ کے مختلف ڈچ خاندانوں اور شخصیتوں سے خوشگوار تعلقات پیدا کرکے انہیں دعوتِ اسلام دینے کی طرف دی۔ ازاں بعد آہستہ آہستہ ہالینڈ کے دوسرے شہروں اور علاقوں کی طرف بھی تبلیغی سفر کئے اور پیغامِ حق پہنچایا۔ حافظ صاحب کی اِن مساعی کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند ماہ کے اندر اندر مشرقی ہالینڈ کی ایک مخلص خاتون اسلام میں داخل ہوگئیں جس نے قبولِ حق کرتے ہی مالی قربانی کا ایسا بہترین نمونہ پیش کیا کہ قرنِ اوّل کی مسلم خواتین کی مالی قربانیوں کی یاد تازہ ہوگئی۔

مذکورہ بالا ابتدائی سرگرمیوں کا ذکر حافظ صاحب کی ایک رپورٹ میں ملتا ہے جو اخبار الفضل کی ۲۴ و ۲۶ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کی اشاعتوں میں موجود ہے۔ اِس اہم رپورٹ کے ضروری حصے ہدیۂ قارئین کئے جاتے ہیں۔ آپ نے لکھا کہ:۔

"اِس عرصہ میں خاص ملاقاتوں اور بعض مشہور احباب سے تعلقات پیدا کرنے کے علاوہ مختلف خاندانوں سے تعلقات پیدا کئے۔ اِن افراد میں سے ایک صاحب مسٹر کونگ ہیں

---

[1] مضمون حافظ قدرت اللہ صاحب مطبوعہ رسالہ خالد ربوہ امان/مارچ ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء صفحہ ۱۵۔ [2] الفضل ۲۸ وفا/جولائی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۶۔

جو میری آمد کی خبر پڑھتے ہی مجھے ملنے کے لئے آ گئے اور کہا کہ مَیں ایک عرصہ تک انڈونیشیا میں آزاد خیال پادری کے فرائض انجام دے چکا ہوں اور کہ مَیں ہر مذہب و ملّت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور ہر ایک شخص کو خواہ وہ کسی مذہب سے متعلق ہو اپنا بھائی خیال کرتا ہوں چنانچہ اُس نے اپنی مدد کا ہاتھ میرے لئے بڑھا دیا۔ اِسی طرح اِسی سٹریٹ میں ایک خاندان سے واقفیت پیدا ہو گئی جس سے زبان کے حصول میں کافی مدد ملی۔

ایک دفعہ روٹرڈم جانے کا موقعہ ملا تو وہاں اتفاقاً ایک دوست سے بات چل نکلی۔ چنانچہ اِس مختصر سے تعارف کے بعد انہوں نے چائے پر مجھے بُلایا اور پھر تعلقات وسیع ہوتے گئے۔ آخر اپنے اس دوست کی تقریب نکاح اور بعض دیگر خاندانی اجتماعوں میں شرکت کا موقعہ ملا جس سے بہت سے لوگوں سے تعارف کا موقعہ پیدا ہو گیا۔ اِسی طرح ایک انڈونیشین فیملی سے تعلقات قائم کرنے کا موقعہ ملا انہیں مسلمانوں کے ساتھ خاص اُلفت ہے اور طبیعت بہت ہی مہمان نواز چنانچہ دونوں عیدوں کا انتظام اس فیملی نے بخوشی اپنے ہاں کیا اور مہمانوں کی تواضع کی۔

ایک اَور خاندان جس کا جماعتِ احمدیہ کی تاریخ کے ساتھ بھی ایک گونہ تعلق قائم ہو چکا ہے اور ڈچ مشن کے ساتھ مزید قُرب کا تعلق ہے یہ وہ فیملی ہے جس نے ہمارا قرآن کریم ڈچ زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ پہلے ان کی رہائش لندن میں تھی مگر تھوڑا عرصہ ہوا (میرے آنے کے بعد) وہ اِس ملک میں مقیم ہو گئے۔ مسز زمرمان جنہوں نے یہ مقدس کام سرانجام دیا ڈچ ہیں جو انگریزی، جرمن اور فرنچ زبانوں کے متعلق خوب مہارت رکھتی ہیں اور اٹیلین سے ایک گونہ واقفیت ہے۔ آپکے خاوند مسٹر زمرمان انگریز ہیں جنہوں نے وقتاً فوقتاً اِس مقدس کام میں اپنی بیگم کو امداد دی۔ اِن کے ساتھ تعلقات کچھ برادرانہ سا رنگ اختیار کر گئے ہیں۔ دونوں احباب بڑے احترام اور محبت سے پیش آتے ہیں۔ اِسی طرح بعض اَور خاندان ہیں جن کا وجود کسی نہ کسی رنگ میں مفید ضرور رہے۔ اِس سلسلہ میں سب سے قبل مسٹر کوپے کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن سے غائبانہ تعارف لندن میں ہی ہو چکا تھا۔ آپ کی والدہ جرمن ہیں اور والد ڈچ۔ ایک عرصہ آپ نے جرمنی میں بسر کیا پھر ایک

خاصہ عرصہ اسلامی ممالک میں گزارا۔ اسی ماحول کا اثر تھا کہ آپ نے اسلام قبول کرلیا اور تب سے آپ اسلام کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور ارکانِ اسلام کو ادا کرنے کے پابند ہیں۔ آپ نے میرے ساتھ برادرانہ ہمدردی کا پورا ثبوت دیا اور ابتدائی ایام میں ہفتہ وار اور کبھی پندرہ روزہ ایمسٹرڈم سے صرف ملنے کی خاطر آتے رہے۔ آپ کو احمدیت کی تعلیمات اور عقائد سے پوری واقفیت ہے اور قریباً ہر مسئلہ میں احمدیہ نقطۂ نگاہ کے ساتھ متفق ہیں۔ تمام اختلافات اور تفصیلات کو سمجھنے کے باوجود نماز میرے پیچھے ادا کرتے ہیں مگر ابھی آخری قدم اُٹھانے میں کچھ ہچکچاہٹ سی محسوس کرتے ہیں خدا کرے کہ انہیں علی الاعلان احمدیت کا اعلان کرنے کی جلدی ہی توفیق ملے۔ آمین [1]

دوسرے دوست مسٹر العطاس ہیں جن کی مدد اور دوستانہ اور برادرانہ ہمدردی شروع سے میرے شاملِ حال رہی۔ آپ لائیڈن یونیورسٹی میں تعلیم پاتے ہیں۔ رہائش بھی لائیڈن میں ہے۔ آپ کا اصل وطن حضر موت ہے مگر آپ کے والد انڈونیشیا میں تاجر ہیں۔ مسٹر العطاس کی وجہ سے لائیڈن میں بہت سے تعلقات قائم کرنے کا موقعہ ملا۔

مسٹر العطاس نے کچھ عرصہ ہوا اپنے ہاں بعض مسلم طلبہ کو اِس غرض کے لئے جمع کرنا شروع کیا (دو ہفتہ یا تین ہفتہ کے وقفہ کے بعد) تا کہ انہیں اسلام کے متعلق بعض مسائل سمجھا سکوں۔ چنانچہ چار پانچ دفعہ ایسی مجلس میں شامل ہونے کا موقع ملا جو اپنے مقاصد کے لحاظ سے بہت مفید رہا۔ مسٹر کوپے بھی بعض دفعہ ایمسٹرڈم سے اس درس میں شریک ہونے کے لئے آجاتے رہے اور رات وہیں قیام رہا۔

اِس ملک میں صوفی موومنٹ کا بھی کافی اثر ہے۔ گو ان کا اصلی ہیڈکوارٹر تو سوئٹزرلینڈ میں ہے مگر ماحول اچھا پیدا ہو جانے کی وجہ سے ان کی مساعی کا عملی دائرۂ عمل زیادہ تر اسی ملک میں ہے۔ ان کا ایک رسالہ بھی ایمسٹرڈم سے نکلتا ہے اِس کے ایڈیٹر خان بک نے جب میری خبر اخبار میں پڑھی تو مجھے ملاقات کے لئے انہوں نے اپنے مکان واقع واسے نار (مضافات ہیگ) میں دعوت دی۔ چنانچہ مسٹر کوپے کی معیت میں ان سے ملاقات کی۔

---

[1] مسٹر کوپی نے جنوری ۱۹۴۸ء میں اسلام قبول کرلیا (الفضل ۶ امان ۱۳۲۷ھش صفحہ ۵)۔

اِس موومنٹ کے ایک اور خاص ممبر مسٹر ہوبک ہیگ میں مقیم ہیں جنہوں نے کافی کتب تصنیف کی ہیں۔ کچھ عرصہ ہُوا انہوں نے ایک کتاب THE UNKNOWN QURAN لکھ کر اہلِ یورپ کو قرآن کریم کے بعض مضامین سے متعارف کرایا ہے۔ اِن سے کئی بار میری ملاقات ہو چکی ہے۔ ان کو اپنے صوفیانہ رنگ کے فلسفہ پر ناز ہے۔ مگر تبادلۂ خیالات نے جب کبھی گہرا رنگ اختیار کیا تو جواب سے عاجز ضرور آگئے۔ تصنیف کے علاوہ آپ کا کام بسا اوقات پبلک میں لیکچر سے اپنے خیالات کی اشاعت کرنا بھی ہے۔

اِن ملاقاتوں کے علاوہ مسٹر گوبے سابق قونصل جدہ، لائیڈن یونیورسٹی کے بعض پروفیسر خصوصاً مشہور پروفیسر کرامر جو علومِ شرقیہ کے ہیڈ کے طور پر یونیورسٹی میں متعیّن ہیں نیز ریورنڈ ڈاکٹر تراؤ۔ نیز ایک بشپ اور بعض پادریوں سے ملاقاتیں بھی ہوئیں۔

روٹرڈم کے نزدیک سخیڈم جگہ میں بعض ہندوستانی جہازیوں کی خواہش پر جانے کا موقعہ ملا۔ یہ جہازی ایک ڈچ جہاز میں ملازم ہیں۔ عرصہ تین ماہ سے ان کا قیام یہاں ہے اور شائد ایک ماہ مزید وہ یہاں رہیں۔ اِن جہازوں کی تعداد چوبیس ۲۴ کے قریب ہے سوائے ایک کے سب کے سب مسلمان ہیں۔ اکثر میرپور کشمیر سے اور کچھ بمبئی کے علاقہ سے۔ انہوں نے تحفہ کے طور پر کچھ رقم بھی میرے لئے جمع کر کے مجھے دی مگر مَیں نے ایسا ذاتی تحفہ لینے سے انکار کر دیا کیونکہ مَیں نے انہیں کہا کہ مَیں اپنی کسی ذاتی ضرورت کے پیشِ نظر یہاں نہیں آیا بلکہ تبلیغِ اسلام کے فریضہ کو لے کر یہاں آیا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اِس تحفہ کی صورت کو تبدیل کرتے ہوئے تبلیغِ اسلام کے لئے یہ رقم پیش کی چنانچہ پھر مَیں نے اسے قبول کر لیا جس سے وہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ اگر مَیں عید پڑھانے کے لئے اُن کے ہاں پھر آسکوں۔ مگر مَیں نے یہ کہتے ہوئے معذرت کی کہ عید کا انتظام مَیں نے ہیگ میں اپنے بعض دوستوں کی معیّت میں کیا ہے اِس لئے میرے لئے یہاں آنا مشکل ہے ہاں اگر آپ میں سے کسی کو فرصت ہو تو ہیگ میں اُس دن آسکتے ہیں۔

اِن ملاقاتوں کے علاوہ لائیڈن کے بعض طلبہ نیز ہارلم اور ڈیلفٹ کے بعض اشخاص سے بھی واقفیت پیدا ہوئی۔ پچھلے دنوں ایک نہایت ہی قابل عورت مسز WOLTURE

کا پتہ چلا اور نیز معلوم ہؤا کہ وہ مسلمان نہیں مگر انہیں مسلمانوں کے ساتھ گہری ہمدردی ہے چنانچہ ان سے وقت مقرر کر کے ملاقات کی۔ واقعہ میں انہیں اسلامی کلچر اور اسلامی مسائل سے دلچسپی ہے اور وہ اپنی تقریر و تحریر میں اپنے تأثرات کو پھیلانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔

عرصہ قریباً تین سال کا ہؤا جبکہ محترم مولانا شمس صاحب لندن میں فریضۂ تبلیغِ اسلام انجام دینے میں معروف تھے ایک ڈچ طالبِ علم مسٹر کاخ آپ کے ذریعہ احمدیت میں داخل ہوئے خدا کے فضل سے بہت نیک اور مخلص نوجوان ہیں۔ ابھی آپ کی تعلیم جاری ہی تھی کہ مجھے ہالینڈ آنے کا ارشاد ہؤا۔ اتفاقاً مسٹر کاخ بھی ان دنوں اپنی رخصتیں گزارنے کے لئے ہالینڈ میں تھے۔ گو آپ کی رہائش ہیگ سے کافی دُور فاصلہ پر تھی مگر پھر بھی بہت حد تک مفید رہی۔ برادرم مسٹر کاخ کا قیام کچھ عارضی سا قیام نظر آتا تھا اِس لئے طبعاً ایک گہری خواہش تھی کہ خدا جلدی ہی کوئی اَور مخلص احمدی عطا کر دے تو بڑے لُطف کا باعث ہو اپنے اعمال تو اس قابل نہ تھے کہ کسی ایسی نعمت سے نوازا جاتا مگر خدا کی رحمت نے جلدی ہی ایسا سامان کر دیا میری آمد کی خبر پڑھ کر مشرقی ہالینڈ سے ایک خاتون کا خط ملا جو عرصہ سے اِس ملک میں کسی اچھے مسلم بھائی کی تلاش میں سرگرداں تھی۔ اس خط میں اسنے ملنے کی خواہش کی۔ گو فاصلہ کافی دُور کا تھا مگر قلیل عرصہ میں چار پانچ دفعہ ملنے آئی قرآنِ کریم کا انگریزی ترجمہ۔ ٹیچنگز آف اسلام۔ احمدیت یعنی حقیقی اسلام۔ انگریزی ریویو کے بعض پرچے اور احمدیت کا بعض دوسرا لٹریچر نہایت شوق سے چند ہی ایام میں مطالعہ کر لیا اور پھر ایک دن خود ہی اپنے احمدی ہونے کی خواہش کا اظہار کر دیا۔ یہ خاتون اپنے مذہبی رُجحان کے باعث اپنے خاوند سے بھی الگ ہو چکی ہیں اور ایک حد تک کسمپرسی میں دن گزار رہی ہیں۔ ان کے پاس اپنی ضروریات کے لئے کچھ سرمایہ تھا مگر خدمتِ اسلام کا جذبہ کچھ عجیب ہی رنگ میں موجزن ہؤا اپنے اعلانِ احمدیت کے ساتھ ہی ایک ہزار گلڈر (یکصد پونڈ) کا مختصر سرمایہ بطور چندہ پیش کر دیا۔ مَیں نے اُن کی تنگ حالی کے پیشِ نظر اِسے لینے سے جب کچھ گریز کیا تو نہایت رِقّت آمیز لہجہ میں اس کے

قبول کرنے پر اصرار کرتے ہوئے یہ کہا کہ میری گزشتہ عمر گنہگاری میں گزری ہے اور خدا جانے مَیں نے اپنے پروردگار کو ناراض کرنے کا کس قدر سامان کیا آج مجھے سکونِ قلب عطا ہؤا ہے اس کے مقابلہ میں تبلیغِ اسلام کے لئے میری یہ پُونجی بالکل بے حقیقت ہے آپ اِس کو قبول کرلیں۔ پھر سختی سے انہوں نے یہ کہا کہ قربانی کے راستہ میں آپ کا میرے لئے روک بننا کسی طرح بھی جائز نہیں، یہ آپ کی ذات کے لئے نہیں بلکہ اسلام کی خاطر پیش کر رہی ہوں۔ آپ اگر اسلام کے لئے اپنی تمام مصروفیات کو قربان کرسکتے ہیں تو کیا مَیں یہ چھوٹی سی رقم اس کے لئے پیش نہیں کرسکتی؟

آخر مَیں نے وہ رقم لے لی اور حضور انور کی خدمت میں اس کا بیعت نامہ اور اس کا چندہ پیش کر دیا۔ خدا تعالیٰ اس کے ایمان اور اخلاص کو ترقیات عطا فرما دے۔ آمین خدا کے فضل سے یہ خاتون شریعتِ اسلامی کی پورے طور پر پابند ہیں۔ پنجوقتہ نمازیں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرتی ہیں۔ ماہِ رمضان میں باوجود مشکلات کے اپنے سارے روزے رکھے اور راتوں کو عبادت میں صرف کیا۔ الحمد للہ کہ خدا نے بعض نہایت عُمدہ خوابوں اور بشارات کے ذریعہ سے اس کے ایمان کو تقویت دی۔

عرصہ زیرِ رپورٹ میں بعض دیگر تقاریب میں بھی وقتاً فوقتاً شامل ہونے کا موقعہ ملا مگر اپنے طور پر جو تقاریب منعقد کیں وہ عیدین کی تقاریب تھیں۔ اِن دونوں موقعوں کے انتظام میں برادرم مسٹر العطاس نے نہایت اخلاص سے حصّہ لیا۔ پہلی عید پر تو چھ سات افراد ہی تھے مگر دوسری عید میں چودہ پندرہ احباب شامل ہوگئے۔ برادرم مسٹر کارخ بارن سے، نو احمدی خاتون رضیہ سلطانہ نو اسل سے، مسٹر کوپے ایمسٹرڈم سے، بعض طلبہ لائیڈن سے اور بعض ہیگ سے۔ خدا کے فضل سے یہ اجتماع اچھا کامیاب رہا۔ عید کے بعد کھانے کا انتظام بھی کیا گیا تھا چنانچہ دو گھنٹہ کی دلچسپ گفتگو کے بعد سب نے اکٹھے ظہر وعصر کی نماز پڑھی پھر کھانا کھایا پھر اس اجتماع کا فوٹو لیا گیا۔

اس عید کے موقعہ پر سوئٹزرلینڈ سے دو واقفین برادران کی آمد کی خبر بھی مِل گئی تھی چنانچہ خطبہ میں ہی مَیں نے یہ خبر احباب کو بتا دی جس سے احباب بہت خوش ہوئے۔

تبلیغی اغراض کے ماتحت عرصہ زیرِ رپورٹ میں بعض علاقوں کا سفر بھی مجھے اختیار کرنا پڑا۔ گو حتی الوسع ایسے سفروں سے مجتنب ہی رہا مگر پھر بھی بارن، ارن ہم، بُسّم، ہلورسم، وارنمنڈ، روٹرڈم، سخیڈم، نولن ڈم نیز بعض دفعہ ہیگ کے مضافات اور اکثر دفعہ لائیڈن جانا پڑا۔ ملکی لوگوں سے تعلقات کے نتیجہ میں خط و کتابت نے بھی کافی وقت لیا۔ ایک دفعہ کیلیفورنیا سے ایک خط آیا جس میں خط بھیجنے والے نے اپنا تعارف یُوں کرایا کہ "مَیں چونکہ ڈچ مسلم ہوں اس لئے ایک امریکن رسالہ میں آپ کی آمد کی خبر پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی خدا تعالیٰ آپ کو آپ کے کام میں کامیابی عطا کرے۔" چنانچہ ان کے ساتھ بعد میں خط و کتابت جاری رہی۔ اِس کے علاوہ ایک خط ڈچ گی آنا (جنوبی امریکہ) سے ایک مسلم لیڈر کا موصول ہوا جس میں اس نے مجھ سے تعلقات پیدا کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اِسی طرح اِس ملک سے بعض اَور خطوط اِسی رنگ کے موصول ہوئے۔" [1]

دو مجاہدین تحریکِ جدید کی آمد اور حلقۂ تبلیغ میں وسعت

حافظ قدرت اللہ صاحب کو ہالینڈ میں تشریف لائے ابھی صرف چار ماہ ہی ہوئے تھے کہ حضرت مصلح موعود کے ارشاد پر چوہدری عبد اللطیف صاحب اور مولوی غلام احمد صاحب بشیر ۴ ماہِ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء کو ہیگ پہنچ گئے اور تبلیغِ اسلام کی مہم میں اضافہ اور حلقۂ تبلیغ میں وسعت پیدا ہونے لگی۔ چوہدری عبد اللطیف صاحب دسمبر ۱۹۴۸ء تک ہالینڈ میں رہے اور ۲۰ جنوری ۱۹۴۹ء کو ہمبرگ پہنچ کر یورپ کے نئے اسلامی مشن کی بنیاد رکھی مگر مولوی غلام احمد صاحب بشیر حضرت مصلح موعود کے طفیل ماہ صلح/جنوری ۱۳۳۵ھش/۱۹۵۶ء تک تبلیغی خدمات بجا لاتے رہے [2]

لائیڈن یونیورسٹی کے مسلم طلبہ کے اجلاس

۱۹۴۷ء کے آخر میں مجاہدینِ اسلام نے لائیڈن یونیورسٹی کے مسلمان طلباء کی صحیح اسلامی تربیت کرنے اور ان کو احمدیت یعنی حقیقی اسلام سے متعارف کرانے کے لئے اجلاسوں کا ایک سلسلہ جاری کیا طلباء ان اجلاسوں میں اسلامی تعلیمات سے متعلق سوالات دریافت کرتے جن کا تسلی بخش جواب دیا جاتا[3]

---

[1] ملخصاً از الفضل ۲۸۔ ۳۱ / فتح/دسمبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء ؛ [2] یاد رہے تحریکِ جدید نے انہیں ۴ ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۳۵ھش/۱۹۵۶ء کو وقف سے فارغ کر دیا جس کے بعد وہ نظامِ خلافت سے برگشتہ ہو کر غیر مبائعین میں جا شامل ہوئے۔

[3] الفضل ۱۶ / امان/مارچ ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳ کالم ۳ ؛

ہالینڈ میں تبلیغی ٹریکٹوں کی اشاعت اور اُن کا اثر

دسمبر ۱۹۴۷ء میں مبلغینِ احمدیت کی طرف سے انگلینڈ میں تبلیغی ٹریکٹ دو ہزار کی تعداد میں چھپوایا گیا۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں اس کی مزید پانچ ہزار کاپیاں طبع کرائی گئیں[1]۔ اس ٹریکٹ کے بعد "ڈچ لوگوں کے نام ایک پیغام" کے عنوان سے ایک اور انگریزی ٹریکٹ شائع کیا گیا جو پہلے زیادہ تر ہیگ کے اندر بعد ازاں ایمسٹرڈم میں تقسیم کیا گیا۔ اِس ٹریکٹ کا پبلک پر ایسا اثر ہوا کہ بہت سے خطوط موصول ہوئے۔ بلکہ ایک اخبار نے "سمندر کے کنارے تبلیغِ اسلام" کے عنوان سے ایک طویل اداریہ بھی لکھا[2]۔ ماہِ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء میں اس ٹریکٹ کا ایک اور ایڈیشن حضرت مسیح کی صلیبی موت کے مسئلہ پر اضافہ کے بعد سات ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا اور ملک کے مختلف حصوں میں اسے باقاعدہ پروگرام کے ساتھ تقسیم کیا گیا[3]۔ مبلغینِ احمدیت کی یہ ابتدائی تحریری مُہم تھی جس کے بعد آہستہ آہستہ اسلام کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئی۔

تبلیغی اجلاسوں کا آغاز

یورپ کے دوسرے اسلامی مشنوں کے دوش بدوش ہالینڈ میں بھی ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء سے تبلیغی اجلاس منعقد کئے جانے لگے۔ اِس غرض کے لئے ابتداء میں دعوت نامے سائیکلوسٹائل کئے جاتے اور روزناموں میں اعلان کرایا جاتا تھا[4]۔ یہ تجربہ اِس ملک میں بھی بہت مفید ثابت ہوا ہے۔

ابتدائی ولندیزی احمدی

شروع شروع میں جن ولندیزی باشندوں کو مبلغینِ اسلام کی مساعی کے نتیجہ میں شناختِ حق کی توفیق ملی ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:-

(۱) مسز زمرمان (آپ کے قبولِ اسلام کی تفصیل آچکی ہے)

---

۱ الفضل ۱۲؍امان ۱۳۲۷ھش صفحہ ۵ کالم ۴۔
۲ الفضل ۱۷؍وفا ۱۳۲۷ھش صفحہ ۵ کالم ۱، ۲۸؍وفا ۱۳۲۷ھش صفحہ ۶۔
۳ الفضل ۲۸؍اخاء ۱۳۲۷ھش صفحہ ۲۔
۴ الفضل ۲۸؍اخاء ۱۳۲۷ھش صفحہ ۲۔

(۲) مسٹر پی، جے، ایف، کے المہدی عبد الرحمٰن بن کوپے[1]

[1] جناب حافظ قدرت اللہ صاحب نے اپنے ایک مضمون میں مسٹر کوپے کے حالاتِ زندگی پر مفصل روشنی ڈالی تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

آپ کا پورا نام مسٹر پی۔ جے۔ ایف۔ کے المہدی عبد الرحمٰن ابن کوپے ہے۔ آپ جرمنی میں پیدا ہوئے۔ والدہ آپ کی جرمن ہیں اور باپ ڈچ۔ اسلام کے ساتھ دلچسپی کچھ بچپن سے ہی پیدا ہو چکی تھی۔ ۱۹۳۳ء میں کچھ مینی سیلرز اس ملک میں آنکلے۔ عربی سے دلچسپی کی وجہ سے ان کے ساتھ میل ملاقات ہونے لگی اور آخر ان کے اثر سے متاثر ہو کر ۱۹۳۴ء میں برلن میں مسلمان ہو گئے اس کے بعد فرانس میں بعض عربوں اور الجیرین سے وقتاً فوقتاً ملاقات کے مواقع میسر آتے رہے۔ آپ کے مینی دوست علوی طریقہ کے پابند تھے چنانچہ آپ پر بھی وہی رنگ غالب تھا اور آپ کے تعلقات الجیریہ علوی مشن کے ساتھ مضبوط تر ہوتے گئے۔

عرصہ قریباً ۲½ سال کا ہوا مسٹر کوپے نے ایک خط انجمن احمدیہ کو لکھا اور وہ خط محترم مولانا شمس صاحب کو لندن بھیج دیا گیا۔ چنانچہ محترم موصوف نے پھر مسٹر کوپے سے خط و کتابت جاری رکھی۔ انہیں اسلامی لٹریچر بھجواتے رہے اور احمدیت کی تعلیم سے آگاہی دیتے رہے۔ محترم مولانا شمس صاحب کا ارادہ بھی تھا کہ وہ ایک دفعہ خود ہالینڈ آکر مسٹر کوپے سے ملاقات کریں مگر اس کے لئے حالات سازگار نہ ہو سکے۔ حضور (مصلح موعود) ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے جب مجھے ہالینڈ جانے کا ارشاد فرمایا تو اس موقع پر مسٹر کوپے کی خدمات حاصل کی گئیں چنانچہ انہوں نے بہت ہی ہمدردی اور اخلاص کا ثبوت دیا اور میرے لئے کمرۂ رہائش کا انتظام ہیگ میں کر دیا۔ ابتدائی ایام میں مسٹر کوپے بہت کثرت کے ساتھ ایمسٹرڈم سے مجھے ملنے کے لئے آتے رہے۔ اسلامی امور کے متعلق تو انہیں ایک حد تک کافی معلومات تھیں مگر احمدیت کے متعلق بہت سے حقائق ان سے پوشیدہ تھے۔ آہستہ آہستہ ان کے شکوک کا ازالہ ہوتا رہا اور حقیقت کھلتی گئی۔ اڑھائی ماہ کا عرصہ ہوا الجیرین علوی ہیڈ کوارٹر کی طرف سے مسٹر کوپے کو ایک ہدایت موصول ہوئی اور ان سے خواہش کی گئی کہ وہ ہالینڈ میں ان کی طرف سے علوی طریقہ کا ایک مشن کھول کر تبلیغ کا کام شروع کر دیں۔ مسٹر کوپے ابھی اس معاملہ پر غور ہی کر رہے تھے کہ انہیں کیا جواب دیا جائے کہ دوسری طرف ہماری نوجوان احمدی خاتون رضیہ نے ایک دن پوچھا کہ مسٹر کوپے اب احمدیت میں داخل کیوں نہیں ہو جاتے؟ میں نے اس سے کہا کہ وہ اپنے علوی دوستوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور انہیں چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔ اس پر انہیں جوش سا آیا اور کہا کہ انہیں اپنی ایمانی جرأت سے کام لینا چاہیئے اور دوستوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے اخلاص بھرے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۳) مسٹر ولی اللہ جانسن[1]

(۴) مسز لا فان پر توں ین لوپن[2]

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ دو تین خطوط مسٹر کوپے کو لکھے فطرت نیک تھی۔ خود بھی دعائیں کیں بزرگوں کی دعائیں بھی شاملِ حال تھیں۔ ایک روز ایمسٹرڈم سے آئے اور آکر اپنے احمدی ہونے کا اعلان کر دیا" (ملخصاً از الفضل ۲۳ شہادت/اپریل $\frac{۱۳۲۷}{۱۹۴۸}$ھش صفحہ۳)

حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا:۔ [1] مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کے باتصویر مجلہ بابت $\frac{۱۳۳۱}{۱۹۵۲}$ھش صفحہ ۹۲ پر آپ کے خود نوشت حالات شائع شدہ ہیں۔

[2] مسز لا فان پر توں ین لوپن ایک اعلیٰ فوجی افسر کی بیوی ہیں۔ ان کے والدین آسٹریلین ہیں اور ان کے دادا مصری اور دادی آئرلینڈ کی رہنے والی تھیں۔ یہ دونوں شادی کے بعد آسٹریلیا چلے گئے اور انہوں نے آپس میں عہد کر لیا کہ بچوں کو اسلام یا عیسائیت قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا سنِ بلوغت پر پہنچنے پر وہ خود فیصلہ کریں گے کہ انہیں کونسا مذہب پسند ہے؟ چنانچہ خاتون موصوفہ کے والد جوان ہوئے تو انہیں موقعہ دیا گیا کہ دونوں میں سے جو پسند آئے اسے قبول کر لیں۔ انہوں نے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دی اور کہا کہ ان کے نزدیک دونوں ہی اچھے ہیں لہذا وہ نہ مسلمان ہوئے اور نہ ہی عیسائیت پر عمل پیرا۔ انہوں نے بھی اپنے خاندان کی اس روایت کو زندہ رکھتے ہوئے اپنے بچوں کو آزادانہ مذہب اختیار کرنے کی اجازت دی۔ ان کے تین بچوں میں سے دو نے عیسائیت کو قبول کر لیا اور ایک خاتون موصوفہ نے اسلام کو ترجیح دی۔۔۔ ایک ڈچ فوجی افسر سے شادی کرنے کے بعد ہالینڈ تشریف لائیں جہاں انہیں آئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ مارمن چرچ کے دو مشنری ان کے مکان پر انہیں بھی تبلیغ کرنے لگے۔ محترمہ موصوفہ نے انہیں بتایا کہ وہ مسلمان ہیں اس لئے انہیں تبلیغ کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

یہ مشنری ایک دفعہ مبلغ ہالینڈ سے مل چکے تھے اس پر انہوں نے کہا کہ یہاں مسلمان مشنری بھی ہیں وہ سن کر حیران رہ گئیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اسلام اور مشنری؟ انہوں نے یقین دلایا کہ ہیگ میں موجود ہیں اور انہیں مشن کا ایڈریس وغیرہ دیا۔ کچھ دنوں کے بعد فون کے ذریعہ وقت مقرر کر کے تشریف لائیں۔ دو تین گھنٹے تک گفتگو کرتی رہیں۔ انہیں اپنے سلسلہ کے حالات بتائے گئے۔ قبرِ مسیح کے متعلق گفتگو ہوئی۔ انہیں بعض کتب مطالعہ کے لئے دی گئیں جو انہوں نے غور سے مطالعہ کیں اس کے بعد دو تین دفعہ حافظ قدرت اللہ صاحب سے ملاقات کی اور ہر دفعہ اور کتب مطالعہ کے لئے لے گئیں۔

آخر غور کر کے فارم بیعت پُر کر دیا۔

(ملخصاً الفضل ۳۰ وفا/جولائی $\frac{۱۳۲۸}{۱۹۴۹}$ھش صفحہ۴)

ملکہ ہالینڈ اور پریس کے نام تبلیغی خطوط

ماہِ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء میں تختِ ہالینڈ سے دستبردار ہونے والی ملکہ QUEEN WILHELMINA کے پچاس سالہ عہدِ حکومت کے اختتام پر جوبلی کی تقریب اور اسی طرح نئی ملکہ QUEEN JULIANA کی تاجپوشی کی رسم نہایت تزک و احتشام سے منائی گئی۔ مبلغینِ اسلام نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دونوں کی خدمت میں تہنیت نامے ارسال کئے اور پیغامِ حق پہنچایا۔ ملکہ WILHELMINA نے جواباً جماعتِ احمدیہ ہالینڈ کا شکریہ ادا کیا اور جماعتِ احمدیہ کی مساعی کے متعلق خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا۔[۱]

پریس کے رویہ میں خوشگوار تبدیلی

احمدیہ مشن کو قائم ہوئے ابھی تین ہی سال کا عرصہ گزرا تھا کہ پریس کے رویہ میں بھی ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہونے لگی چنانچہ ہالینڈ کے ایک مؤقر روزنامہ DE AMSTERDAMSE COURANT نے اپنی ایک اشاعت میں چار کالمی سُرخی دے کر لکھا:۔

"آشتی اور تحمل جماعتِ احمدیہ کا طرّۂ امتیاز ہے۔ جماعتِ احمدیہ جہاد کے غلط تصور کی اصلاح کرتی ہے۔ اس کے مشن نہ صرف ہندوستان اور ایشیا میں بلکہ افریقہ، یورپ اور امریکہ میں بھی موجود ہیں۔ اس جماعت سے وابستہ ہونے والے زیادہ تر پڑھے لکھے مسلمان ہیں جو اس کے لئے مالی قربانی بھی کرتے ہیں"[۲] (ترجمہ)

مبلغینِ اسلام کی ہالینڈ میں سہ روزہ کانفرنس

ماہِ ظہور/اگست ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء میں ہالینڈ مشن کے زیرِ اہتمام یورپ کے مبلغینِ اسلام کی سہ روزہ کانفرنس منعقد ہوئی اس کانفرنس میں جرمنی، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، اسپین، فرانس، اٹلی اور انگلستان کے مجاہدینِ اسلام نے شرکت فرمائی۔ یورپ میں تبلیغِ اسلام کی مہم کو تیز کرنے کے سلسلہ میں بعض نہایت اہم تجاویز زیرِ غور آئیں اور آئندہ کے لئے ایک جامع پروگرام تجویز کیا گیا۔ کانفرنس کے آخر میں ایک استقبالیہ دعوت کا بھی اہتمام کیا گیا جس میں ہالینڈ کی نامور شخصیتوں اور اعلیٰ سرکاری

---

[۱] الفضل ۲۸ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صہ ۲۔

[۲] بحوالہ "خالد" ربوہ بابت ماہ امان/مارچ ۱۳۴۸ھش/۱۹۶۹ء صہ ۱۵۔

افسروں کے علاوہ متعدد پاکستانیوں نے شمولیت کی[1]

حافظ قدرت اللہ صاحب نے کانفرنس کے کوائف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا :-

" اِس کانفرنس میں یورپ میں کام کرنے والے ہمارے سات مشنوں نے حصّہ لیا۔ نمائندہ حضرات کے اسماء درج ذیل ہیں :- برادرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ (لنڈن)، برادرم بشیر احمد صاحب آرچرڈ (سکاٹ لینڈ)، برادرم ملک عطاء الرحمٰن صاحب (فرانس)، برادرم عبداللطیف صاحب (جرمنی)، برادرم شیخ ناصر احمد صاحب (سوئٹزرلینڈ)، برادرم چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر (سپین)، اور خاکسار ہالینڈ سے۔ علاوہ ازیں اِس موقعہ پر چوہدری عبدالرحمٰن صاحب (لنڈن) اکاؤنٹنٹ کی ملاقات بھی مسرّت کا باعث ہوئی۔ ہماری کانفرنس یہاں کے ہوٹل پوموناؔ میں تین روز تک منعقد رہی۔ کُل کارروائی (سب کمیٹیوں کے وقت کے علاوہ) کوئی ۱۶ گھنٹے تھی جو ۶ اجلاس پر مشتمل تھی۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق برادرم چوہدری ظہور احمد باجوہ سیکرٹری کے فرائض انجام دیتے رہے اور کانفرنس کے اجلاس انتخاب کے مطابق مختلف احباب کی صدارت میں منعقد ہوئے۔ کانفرنس میں تمام مشنوں کے تبلیغی حالات اور مساعی کا ایک جائزہ لیا گیا۔ گزشتہ سال کے فیصلہ جات پر نظرِ ثانی کی گئی اور اِس سلسلہ میں جو اُمور خاص طور پر قابلِ توجہ نظر آئے یا جن نئے امور کی طرف توجہ دینے کی ضرورت محسوس کی گئی انہیں سامنے لایا گیا۔ مثال کے طور پر یورپ میں یومِ پیشوایانِ مذاہب کا انعقاد یا ایک ماہوار اعلےٰ انگریزی اخبار کا اجراء وغیرہ۔ ہماری کانفرنس بفضلہ تعالیٰ ہر رنگ کامیاب رہی اور شامل ہونے والے نمائندگان نے مختلف وجوہ سے اِس اجتماع کا فائدہ اُٹھایا خصوصاً تبادلۂ خیالات اِس پہلو کی رُو سے کہ آئندہ یورپ میں تبلیغ کو کس کس رنگ میں کامیاب طریق سے کیا جا سکتا ہے ؟ بہت ہی مفید ثابت ہوئی۔ ... حاضری کوئی ۱۳۰ احباب پر مشتمل تھی جو اچھے تعلیم یافتہ طبقہ سے متعلق تھی۔ پاکستانی اور ایرانی منسٹرز کے علاوہ ڈچ ایسٹرن فارن ڈیپارٹمنٹ کے چیف، مڈل ایسٹ براڈ کاسٹ محکمہ کے افسرِ اعلیٰ، جاوا کی ایک ریاست کے حکمران اور کئی

[1] الفضل ۲۹ ظہور/اگست ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء صفحہ ۲

سوسائٹیوں کے ہیڈز اور سرکاری محکمہ جات سے مختلف افسران اس میں شامل ہوئے۔ ان تمام احباب کی چائے وغیرہ سے تواضع کی گئی۔ پریس نمائندگان کی ایک تعداد بھی تھی جنہوں نے اپنے فرائض اچھی طرح سرانجام دیئے۔ ایک حصہ حاضرین میں سے مستشرقین کا بھی تھا جنہوں نے خاصی دلچسپی کا اظہار کیا۔ اِس تقریب میں خاکسار نے پہلے مختصر طور پر احبابِ کرام کو خوش آمدید کہا جس کے بعد جُملہ مبلغینِ کرام نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ صدارت کے فرائض محترم جناب سید لال شاہ صاحب بخاری نے انجام دیئے۔ مسجد کے قیام کے سلسلے میں ایک پریس کانفرنس کا انعقاد دیر سے زیرِ غور تھا جسے مبلغینِ یورپ کی کانفرنس کے موقعہ پر پُورا کرنے کی توفیق ملی۔ پریس کانفرنس کے لئے جگہ وہی مقرر کی گئی جس میں بعض مبلغین کی رہائش کا انتظام تھا اور اسی ہوٹل میں مبلغین کی تین روزہ کانفرنس بھی منعقد ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس نے اِس کانفرنس کو کامیاب دیکھنے کی توفیق دی۔ اٹھارہ نمائندگانِ پریس نے شمولیت کی جو قریباً تمام ہی کے تمام ایسے تھے جو مختلف ایجنسیوں کے اعلیٰ نمائندے تھے۔ محکمہ براڈ کاسٹ کے دو نمائندگان (ورلڈ براڈ کاسٹ اور محکمہ براڈ کاسٹ پاکستان و انڈیا) موجود تھے۔ نیز یہاں کی بڑی ڈچ نیوز ایجنسی A.N.P. رائٹر، فرنچ اور بلجیم نیوز ایجنسیز کے نمائندگان کے علاوہ بعض سرکردہ اخبارات کے ایڈیٹرز بھی موجود تھے جس کے نتیجہ میں ہماری کانفرنس کی خبر دُور و نزدیک پھیل گئی۔

کانفرنس کے شروع میں خاکسار نے مختصر الفاظ میں اپنے آنے والے مبلغین کا تعارف کرایا جس کے بعد برادرم شیخ ناصر احمد صاحب نے ہماری تبلیغی مساعی کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ہمارا کام اسلام کو صحیح رنگ میں یورپ کے سامنے پیش کرنا ہے نیز یہ کہ دُنیا کی موجودہ بدامنی کا علاج اسلامی تعلیم میں مضمر ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا۔

اِس مختصر سے تعارف کے بعد نمائندگانِ پریس کو موقعہ دیا گیا کہ وہ اِس سلسلہ میں جو جو استفسارات کرنا چاہیں کریں۔ چنانچہ جُملہ مبلغین نے اِس تبادلۂ خیالات اور گفتگو میں حصہ لیا اور یہ کانفرنس کوئی پونے دو گھنٹہ تک جاری رہی۔" [1]

---

[1] الفضل ۲۹۔ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۹ہش / ۱۹۵۰ء صفحہ ۴۔

اِس کانفرنس کے بعد مشن کی تبلیغی سرگرمیاں پہلے سے تیز تر ہو گئیں اور ہیگ کے علاوہ دوسرے متعدد اہم شہروں میں بھی اسلام پھیلنے لگا۔

ڈچ ترجمہ قرآن کی طباعت واشاعت

ماہِ نبوت/نومبر ۱۳۳۲ھش/۱۹۵۳ء سے ہالینڈ کے اسلامی مشن کی ترقی، کامیابی اور شہرت کے نئے دَور کا آغاز ہوتا ہے جبکہ قرآن مجید کا ڈچ ترجمہ نظرِ ثانی اور طباعت کے مختلف مراحل طے کرنے کے بعد اشاعت پذیر ہوا۔ سیدنا المصلح الموعودؓ نے ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء میں ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید کے ڈچ ترجمہ کی طباعت سے متعلق فوراً معلومات حاصل کی جائیں چنانچہ حافظ قدرت اللہ صاحب لائیڈن کی ایک ممتاز و مشہور فرم BRILL کے ڈائریکٹر صاحب اور بعض ممتاز مستشرقین سے ملے اور چوہدری عبداللطیف صاحب نے ہیگ کی مختلف فرموں سے رابطہ قائم کیا[۱]۔ ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء تک ڈچ ترجمہ کی تین کاپیاں ٹائپ کر لی گئیں جس کے بعد ترجمہ کے بعض حصّوں پر ادبی نقطہ سے ناقدانہ نظر ڈالی گئی[۲]۔

مسوّدہ پر تسلّی بخش صورت میں نظرِ ثانی کا کام مکمل ہو چکا تو اسے پریس میں دے دیا گیا اور ماہ نبوت/نومبر ۱۳۳۲ھش/۱۹۵۳ء میں یہ چھپ کر تیار ہو گیا۔ یہ ترجمہ جو ہالینڈ ہی میں طبع ہوا چونکہ سابقہ تمام ڈچ[۳] تراجم قرآن سے ظاہری اور معنوی دونوں اعتبار سے فوقیت رکھتا تھا اِس لئے اسے بہت جلد قبولِ عام کی سند حاصل ہو گئی اور آج یہ ملک بھر میں بنظرِ استحسان دیکھا جاتا ہے۔ ترجمۂ ڈچ کا دوسرا ایڈیشن ربوہ سے شائع کیا گیا ہے۔ اِس ترجمہ کی اشاعت نے ہالینڈ کے عوام و خواص کی آنکھیں کھول دیں اور ان کو نہ صرف محسوس کرا دیا کہ اسلام آج بھی ایک زندہ اور ناقابلِ شکست طاقت ہے بلکہ انہیں جماعتِ احمدیہ کی اِس ٹھوس اور شاندار اسلامی خدمت کا کھُلے بندوں اقرار کرنا پڑا۔ اِس حقیقت کے ثبوت میں بطور مثال ڈچ اخبارات کے چند نوٹ، تبصرے اور خبریں ملاحظہ ہوں:۔

---

[۱] الفضل ۱۶ امان/مارچ ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۶۔ الفضل ۱۷ وفا/جولائی ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵۔ [۲] الفضل ۲۸ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲۔ [۳] یاد رہے ڈچ زبان میں سب سے پہلا ترجمہ "وعریش القرآن" کے نام سے شویگر کے ترجمہ کی بناء پر سنہ ۱۶۴۱ء میں ہمبرگ سے شائع کیا گیا۔ ایک اَور ترجمہ دوراٹر کے ترجمہ سے جے ایچ گلیس میکر نے لیڈن میں سنہ ۱۶۵۸ء میں چھاپا۔ ڈیلفٹ (ہالینڈ) کے پروفیسر شرع محمدی ڈاکٹر کیرز نے بھی ایک ترجمہ سنہ ۱۸۶۰ء میں ہارلم سے شائع کیا۔ بعد ازاں ڈاکٹر ڈی کیمر نے سیل کے انگریزی ترجمہ کو ڈچ زبان کا لباس پہنا کر چھاپا۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں ایک اَور ترجمہ ڈچ زبان میں ہیگ کے ایک ڈچ مسلمان فاضل نے شائع کیا۔ (پیام امین از محمد عبداللہ منہاس)

(۱) روٹرڈم (ہالینڈ) کے اخبار NIEUWE ROTTERDAMSE COURANT نے اپنے ۱۴ر جنوری ۱۹۵۴ء کے ایشوع میں لکھا:۔

"قرآن مجید کا نیا ترجمہ جس کے چھپنے کی خبر ہم اپنے اخبار کی ۲۴ر اکتوبر کی اشاعت میں دے چکے ہیں اب چھپ کر منظرِ عام پر آگیا ہے۔ ایسی شکل وصورت میں کہ ہم اسے مذہبی کتاب کے لئے بطور نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔ اس کی ظاہری خوبصورتی جو گہرے سبز رنگ کے چمڑے پر سُنہری عربی حُروف اور دلکش کتابت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ اِسی طرح اس کا مناسب سائز۔ یہ سب اُمور اِس پر دال ہیں کہ اس کی طرف خاص توجہ مبذول کی گئی ہے۔ ہم پریس اور پبلشر کو جنہوں نے دی اورنٹیل اینڈ رلیجس پبلشنگ کارپوریشن ربوہ اور احمدیہ مسلم مشن ہالینڈ کے کہنے پر اسے شائع کیا ہے اس کامیابی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

جب ہم اِس کتاب کو کھولتے ہیں تو اس کے صفحات کے دائیں طرف عربی متن اور بائیں طرف ڈچ ترجمہ پاتے ہیں۔ ہر سُورت کی ابتداء میں نہایت خوبصورت بلاکس میں سُورت کا عربی نام درج کیا گیا ہے۔ قرآن (مجید) سے پہلے جو حصہ چھ سو ستائیس صفحات پر مشتمل ہے ۱۸۰ صفحات کا دیباچہ ہے جو حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے لکھا ہے۔ آپ حضرت احمد کے دوسرے جانشین ہیں جو ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔

چونکہ یہ موقع اسلام اور عیسائیت پر بحث کرنے کا نہیں ہے اِس لئے ہم اس عالمانہ لکھے ہوئے دیباچہ پر تنقید کئے بغیر آگے چلتے ہیں۔ ہم یہ بیان کرنا مناسب خیال کرتے ہیں کہ اس میں اسلامی اُصولوں کو بیان کیا گیا ہے اور مشنری تحریک کے رنگ میں بعض سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

احمدیت اپنے اندر ایک عالمگیر رنگ رکھتی ہے۔ وہ مذاہب کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کا اعلیٰ الہام اور گزشتہ مذاہب کا جزو قرار دیتی ہے جہاں باقی بڑے بڑے مذاہب اپنی انتہاء پاتے اور اپنے وجود کو کھو دیتے ہیں۔ یہ خلاصہ ہے اس دیباچہ میں بیان کئے ہوئے نظریات کا۔

اِس ترجمہ کی نظر انداز نہ ہونے والی خصوصیت یہ ہے کہ اسے چار ڈچ زبان دانوں کی مدد سے تیار کیا گیا ہے جنہوں نے انتخاب الفاظ میں نہایت ہی اعلیٰ معیار پیشِ نظر رکھا ہے۔ اس کی زبان واضح اور سادہ ہے مگر قابلِ قدر اور اعلیٰ۔ اِس ترجمہ کے لئے جماعتِ احمدیہ مرکزیہ کی طرف سے ۱۹۴۷ء میں شائع ہونے والے انگریزی ترجمہ کو بطور بنیاد رکھا گیا ہے اور ترجمہ کے دوران میں مسلمان عربی دانوں کے ساتھ خاص طور پر مشورہ کیا جاتا رہا ہے جس کی وجہ سے اصل متن کو قابلِ اعتبار طور پر ترجمہ میں پیش کیا گیا ہے۔ ہمیں بتلایا گیا ہے کہ جہاں تک ایک مشرقی زبان کے متن میں اتحاد ہو سکتا ہے اِس ترجمہ کا دوسرے تراجم سے کوئی اُصولی فرق نہیں ہے اِس لئے اس کا پُرانے تراجم کے ساتھ ملانا اور بھی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

جو ترجمہ ۱۹۳۲ء میں قرآن فنڈ جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کے کہنے پر بٹاویہ (جاکرتا) میں VISSER کی طرف سے شائع ہوا تھا وہ ایک کمیشن نے کیا تھا جس میں مسٹر سودیلوو بھی شامل تھے۔ اس کے ساتھ ایک دیباچہ اور مولانا محمد علی صاحب کے نوٹس بھی شامل ہیں۔ اس ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ترجمہ کرنے والے پُورے طور پر ڈچ زبان نہیں جانتے تھے اِس وجہ سے نیا ترجمہ بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اِس میں الفاظ مختصر، زیادہ قابلِ فہم اور صحیح تر ہیں۔ سُورتوں کے فقرات میں جو تعلق اور بندش تھی اسے بھی قائم رکھا گیا ہے جس کی وجہ سے مختلف آیات ایک مجموعہ کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔ اِسی طرح الفاظ کا انتخاب بھی نمایاں طور پر بہتر ہے۔ آیتوں میں بہ نسبت بٹاویہ میں چھپنے والے ترجمہ کے زیادہ سلاست ہے۔

یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ پہلی بار اِس ترجمہ میں ہی خدا کا نام GOD کی بجائے اللہ پیش کیا گیا ہے۔ گزشتہ تراجم میں لفظ GOD ہی استعمال ہوتا رہا ہے۔

مسٹر سودیلوو کے ترجمہ میں عیسائیت کے اثر کی وجہ سے پُرانے عہد نامہ کی طرز پر کلام کو اختیار کیا گیا ہے جس کی وجہ سے بہت سے مقامات ہماری توجہ کو زبور کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں یا بائبل کے دوسرے ترجمہ کے مطابق گزشتہ انبیاء کی طرف حتّٰی کہ ۱۸۵۹ء

میں جو ترجمہ پروفیسر کیزر (KEYZER) کی زیرِ نگرانی چھپا تھا اس میں بھی لفظ GOD ہی استعمال ہوا ہے۔ اس وجہ سے نئے ترجمہ نے کامل طور پر ایک الگ حیثیت اختیار کر لی ہے جو کہ پڑھنے والے کو اسلام کے اثر و نفوذ کے دائرہ میں لا کھڑا کرتی ہے۔

یہ ترجمہ پروفیسر کیزر (KEYZER) کے ترجمہ کے مقابلہ میں بہت بڑی حیثیت رکھتا ہے اُنھوں نے اپنے کام کے لئے بہت سے غیر زبان والوں کو ساتھ ملایا تھا جس کی وجہ سے ڈچ زبان مُبہم سی ہو کر رہ گئی ہے۔ علاوہ ازیں اس کی چھپوائی بہت ردّی تھی اور پبلشر آخری ایڈیشنوں میں بھی اصلاح نہ کر سکا۔

یہ کوئی قابلِ تعجب امر نہیں ہے کہ عربی الفاظ کے بہت سے معانی ہیں سے اِس ترجمہ میں ان معانی کو ترجیح دی گئی ہے جو ایک ترقی کرنے والی جماعت (جیسا کہ جماعتِ احمدیہ ہے) کے خیالات سے اتفاق کرتے ہیں۔ ہم اس کے متعلق صرف چند ایک باتیں ہی بیان کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

مثلاً عورتوں کے معاشرتی حقوق میں انصاف و مساوات کو دوسرے تراجم کی نسبت واضح طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اِسی طرح معنوی اُمور کو ظاہر پر ترجیح دی گئی ہے۔

اَخلاقیات کے معاملہ میں بھی معنویات کی طرف زیادہ میلان نظر آتا ہے۔ افسوس ہے کہ مفصّل فقرات کا درج کرنا بہت زیادہ جگہ کا متقاضی ہے (لہٰذا ہم ایسا نہیں کر سکتے) اور قارئینِ کرام کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اِس ترجمہ کا دوسرے تراجم کے ساتھ ضرور مقابلہ کریں۔ خواہ صرف ان مقامات کا ہی کیا جائے جو پہلے واضح نہ تھے اور اب واضح اور عام فہم ہو گئے ہیں۔

اِس ترجمہ کا کچھ عرصہ کے بعد ڈاکٹر کرامرس کے ترجمہ کے ساتھ مقابلہ کرنا بہت بڑی دلچسپی کا باعث ہوگا جو کہ ELSVIER شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

جماعتِ احمدیہ جو اپنے اندر ایک زبردست مشنری رُوح رکھتی ہے اس نے نہایت ہی اچھا کام کیا ہے کہ قدامت پسند مسلمانوں کے اعتراضات کی پروا نہ کرتے ہوئے قرآن مجید کا دوسری یورپین زبانوں اور ڈچ زبان میں ترجمہ کر دیا ہے ہم اِس معاملہ میں ہر حیثیت

اسے کامیاب یقین کرتے ہیں۔"[۱] (ترجمہ)

(۲) ریفارمڈ چرچ کے ہفت روزہ "KERKBODE, ABBLASSER, WOARD" نے اپنی ۲۰ جنوری ۱۹۵۴ء کی اشاعت میں لکھا:-

"اس وقت مسلمانوں کی مقدس کتاب "قرآن" ہمارے زیر نظر ہے جو عربی اور ڈچ زبان میں چھپی ہے ترجمہ نہایت سلیس ہے۔ یہ ایڈیشن نہایت ہی اچھا تیار کیا گیا ہے۔ کاغذ عمدہ جلد پر سنہری حروف کا ٹھپہ لگا ہوا ہے۔ اگرچہ قرآن میں بہت کچھ بائبل سے لیا گیا ہے تاہم دیباچہ میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ) کی تعلیم بائبل سے اچھی ہے۔ اس کا اندازہ کرنے کے لئے صرف ورق اٹھانے کی ضرورت ہے۔

جو شخص مسلمانوں کے مذہب سے دلچسپی رکھتا ہو یا دوسرے لوگوں کے مذاہب سے اس کے لئے یہ بہترین ذریعہ ہے۔" (ترجمہ)

(۳) ہالینڈ کے مشہور اور با اثر روزنامہ HET VRIJE VOLK (۸ مارچ ۱۹۵۴ء) نے ڈچ ترجمہ قرآن پر درج ذیل الفاظ میں تبصرہ شائع کیا:-

"قرآن مجید ڈچ ترجمہ کے ساتھ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کی زیر ہدایت دی اورنٹیل اینڈ ریلیجس پبلشنگ ربوہ پنجاب نے شائع کیا ہے، اور (ZUID HOLLAND) کی پبلشنگ کمپنی نے ہالینڈ میں اس کی اشاعت اپنے ذمہ لی ہے یہ ایڈیشن ایک دیباچہ، عربی متن اور ڈچ ترجمہ پر مشتمل ہے۔ دیباچہ میں اس امر پر مفصل بحث کی گئی ہے کہ یہود و نصاریٰ کے مذاہب کے بعد اسلام کی کیا ضرورت تھی؟

اس میں اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ مسیح صرف یہود کے لئے تھے نہ کہ ساری دنیا کیلئے جیسا کہ محمدؐ۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں متی ۱۵/۲۴ اور ۲۱/۲۹ کو پیش کیا گیا ہے۔" (ترجمہ)

(۴) ایک ہفت روزہ IN DE WEEGSCHAAL نے اپنی ۵ مارچ ۱۹۵۴ء کی اشاعت میں لکھا:-

"احمدیہ مسلم مشن نے قرآن مجید کا ڈچ ترجمہ تیار کیا ہے اس میں عربی حروف کو خاص قاعدہ

---

[۱] بحوالہ المصلح کراچی ۲۴ تبلیغ / فروری ۱۳۳۳ہش / ۱۹۵۴ء صفحہ ۳۔

کے مطابق لکھا گیا ہے جس کی وجہ سے قرآن کو Q سے لکھا گیا ہے (عام طور پر K سے لکھا جاتا ہے) اِس ایڈیشن میں اصل عربی متن اور اس کا ڈچ ترجمہ اکٹھا دیا گیا ہے۔ اس کے دیباچہ میں جو حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا لکھا ہُوا ہے قرآن کی عالمگیری کو بائبل اور ویدوں کی قومی تعلیم سے بالا قرار دیا گیا ہے۔ اِس دیباچہ کے مطابق عہدِ قدیم کی بہت سی پیشگوئیاں مسیح سے تعلق نہیں رکھتیں بلکہ ان کا تعلق اسلام کے نبی پاک سے بتلایا جاتا ہے جو مسلمانوں کی اس پاک کتاب سے واقفیت حاصل کرنا چاہے اب ڈچ زبان میں کر سکتا ہے۔"

(ترجمہ)

ملکۂ ہالینڈ اور عمائدِ مملکت کو قرآن مجید کا تحفہ اور پریس

احمدیہ مشن ہالینڈ کی طرف سے ملکہ ہالینڈ کے علاوہ محترم وزیر اعظم، وزیر تعلیم، میئر آف روٹرڈم دی ہیگ اور ایمسٹرڈم کی خدمت میں ڈچ ترجمہ کی ایک ایک کاپی بھی پیش کی گئی جس کا ذکر ہالینڈ کے پانچ چھ چوٹی کے اخباروں نے کیا چنانچہ "ALGEMEEN HANDELSBLAD" نے اپنی ۱۵۔ اپریل ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں "قرآن نئے ڈچ ترجمہ کے ساتھ" کے عنوان کے ماتحت لکھا:-

"کل دوپہر کے بعد احمدیہ مسلم مشن نے نئے ڈچ ترجمہ کی ایک کاپی وزیرِ تعلیم کی خدمت میں پیش کی ہے۔ اِس سے قبل ملکہ جولیانا، وزیر اعظم ڈاکٹر والیس میئر آف روٹرڈم اور میئر آف دی ہیگ کی خدمت میں بھی اس کی ایک ایک کاپی پیش کی جا چکی ہے۔

وزیرِ تعلیم کے نام ایک خط میں احمدیہ مسلم مشن کے انچارج غلام احمد صاحب بشیر نے ان کی توجہ اِس امر کی طرف مبذول کروائی ہے کہ ہالینڈ میں بھی دوسرے مغربی ممالک کی طرح سکولوں میں بچوں کو اسلام کے متعلق غلط تعلیم دی جاتی ہے۔ مسٹر بشیر کے خیال کے مطابق تاریخ کی کتب میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام اپنے متبعین کو اس تعلیم کے جبری پھیلانے کی تلقین کرتا ہے یہ بالکل صحیح نہیں۔ اِس لئے وزیرِ تعلیم کی خدمت میں یہ درخواست کی گئی ہے کہ ان درسی کتابوں پر نظرِ ثانی کی جائے۔"

اخبار "HAAGSCHE COURANT" نے ۱۵۔ اپریل ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں یہ خبر بایں الفاظ شائع کی:-

"وزیر تعلیم مسٹر کالس کی خدمت میں قرآن پیش کیا گیا" اسلام کے متعلق بہتر معلومات بہم پہنچانے کی درخواست"

"کل دوپہر کے بعد احمدیہ مسلم مشن ہالینڈ کی طرف سے وزیر تعلیم کی خدمت میں نئے ڈچ ترجمہ کی کاپی پیش کی گئی۔ اس کے ساتھ وزیر تعلیم کی خدمت میں ایک تحریری درخواست بھی پیش کی گئی ہے جس میں یہ عرض کیا گیا ہے کہ ڈچ درسی کتب میں اسلام کے متعلق بہتر اور زیادہ صحیح معلومات بہم پہنچائی جائیں۔

علاوہ ازیں ملکہ ہالینڈ، وزیر تعلیم، میئر آف دی ہیگ اور روٹرڈم کی خدمت میں بھی اس ترجمہ کی ایک ایک کاپی پیش کی گئی ہے"

محولہ بالا خبر کو ہارلم کے روزانہ اخبار نے بھی دوہرایا۔ اسی طرح "نیوہاگسے کرانت" "ہیت فادر لینڈ" نیوے روٹرڈمس کرانت میں بھی نقل کیا۔

مندرجہ ذیل خبر چار ڈچ اخبارات میں چھپی:۔

"۲۴۔ اپریل کو قرآن مجید کی ایک کاپی ایمسٹرڈم کے میئر کی خدمت میں پیش کی گئی جنہوں نے اسے بہت ہی پسند کیا اور کافی دیر تک اس کے متعلق گفتگو کرتے رہے"

اخبار ALGEMEEN HANDELSBLAD نے لکھا:۔

"آج مسٹر بشیر انچارج احمدیہ مسلم مشن ہالینڈ نے قرآن کے نئے ڈچ ترجمہ کی ایک کاپی جو کہ نہایت ہی خوبصورت تھی ایمسٹرڈم کے میئر کی خدمت میں پیش کی ہے۔ اس کتاب میں جس میں ایک دیباچہ اور تمہیدی مضمون بھی ہے ڈچ ترجمہ کے ساتھ اصل عربی متن بھی طبع کیا گیا ہے۔ (۲۴۔ اپریل ۱۹۵۳ء ایمسٹرڈم)"

ایک کیتھولک اخبار MAASBODE ROTTERDAM میں اس کی ۲۶۔ اپریل ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں یہ خبر چھپی:۔

"قرآن کا نیا ایڈیشن" "گزشتہ ہفتہ کے روز احمدیہ مسلم مشن ہالینڈ کے انچارج مسٹر بشیر نے ایمسٹرڈم کے میئر کی خدمت میں ڈچ ترجمہ کا نیا ایڈیشن پیش کیا۔ یہ کتاب ایک تمہیدی مضمون اور دیباچہ کے علاوہ عربی متن (جس کے مقابل پر ڈچ ترجمہ دیا گیا ہے) پر مشتمل ہے"

اخبار DEUBRSKARANT AMSTERDAM نے اپنے ۲۶ راپریل ۱۹۵۴ء کے نمبر میں یہ خبر شائع کی:-

"گزشتہ ہفتہ کے روز احمدیہ مسلم مشن ہالینڈ کے انچارج مسٹر بشیر نے ایمسٹرڈم کے میئر کی خدمت میں قرآن کے نئے ڈچ ترجمہ کی ایک کاپی پیش کی تھی جو کہ نہایت ہی خوبصورت ہے اس کتاب میں عربی متن کے مقابل پر ڈچ ترجمہ دیا گیا ہے"

یہ خبر TELEGRAAF AMSTERDAM میں بھی انہی الفاظ میں شائع ہوئی۔ [1]

الغرض ڈچ ترجمہ قرآن کا ولندیزی حکومت کے عمائدین کے ہاتھوں پہنچنے کی دیر تھی کہ پریس کے ذریعہ اس واقعہ کی خبر آناً فاناً ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ گئی۔ یہ خدائی نصرت کا گویا ایک نیا سامان تھا جس نے ملک بھر میں قرآن مجید اور اسلام کی عظمت کا سکہ دلوں میں بٹھا دیا اور کیتھولک چرچ پر جماعت احمدیہ کا علمی رُعب طاری ہو گیا۔

مسجد ہالینڈ کے لئے قطعہ زمین کا حصول سیدنا حضرت مسیح موعود کو ۱۸۸۶ء میں کشفی طور پر دیوارِ مسجد پر مصلح موعود کا مبارک نام محمود دکھایا گیا تھا [2] جس میں یہ اشارہ بھی کیا گیا تھا کہ دورِ مصلح موعود کو تعمیرِ مساجد کے ساتھ گہرا تعلق ہوگا چنانچہ عملاً ایسا ہی ہوا اور حضرت مصلح موعود نے اپنے عہدِ مبارک میں یورپ، امریکہ، افریقہ، ایشیا غرضکہ جملہ براعظموں میں متعدد مسجدیں بنوائیں اور ہمیشہ ہی جماعت کو یہ نصیحت فرماتے رہے کہ "ہمیں ہر اہم جگہ پر ہی نہیں ہر جگہ پر مسجدیں بنانی ہوں گی" [3]

جہاں تک ہالینڈ کا تعلق ہے حضرت مصلح موعود کی ہدایت پر اس سرزمین پر ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء میں ایک شاندار اور عالی شان مسجد کی تعمیر کی گئی۔ مسجد فضل لنڈن کی طرح یہ مسجد بھی خواتینِ احمدیت کے چندوں سے تیار ہوئی۔

مسجد ہالینڈ کے لئے زمین کا حصول ایک بڑا معرکہ تھا۔ ہالینڈ کے کیتھولک چرچ نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ ہیگ بلکہ ملک کے کسی گوشہ میں مسجد تعمیر نہ ہونے پائے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے

---

[1] الفضل ۱۳ احسان/جون ۱۳۳۳ھش/۱۹۵۴ء صفحہ ۳ ۔ [2] "تریاق القلوب" صفحہ ۳۴ طبع اول ۔
[3] الفضل ۲ صلح/جنوری ۱۳۳۰ھش/۱۹۵۱ء صفحہ ۱ ۔

طاقت کا ایسا غیبی ہاتھ دکھایا کہ چرچ کی تمام کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں اور ۷ ماہِ وفا/جولائی ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء بروز جمعہ ہیگ میں ایک موزوں قطعہ کی باضابطہ منظوری ہو گئی[1] چنانچہ حافظ قدرت اللہ صاحب اپنی ایک رپورٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"۱۹۵۰ء میں جب مسجد کے لئے زمین خریدنے کا معاملہ زیرِ غور تھا تو اس وقت بھی بعض حالات ایسے رنگ میں ظاہر ہوئے جو ہمارے لئے ازدیادِ ایمان کا موجب ہیں ہیگ میں مسجد کے لئے مناسب جگہ کی تلاش سے لئے کافی تگ و دَو کرنی پڑی تھی۔ آخر حُسنِ اتفاق ایسا ہوا کہ ہماری توقعات سے بڑھ کر ایک نہایت عُمدہ جگہ اس غرض کے لئے ہمیں مل گئی۔ یہ جگہ ایک چرچ اور ایک اہم کیتھولک انسٹی ٹیوٹ کے نہ صرف قریب تھی بلکہ انکے راستہ پر پڑتی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مذہبی حلقوں کی طرف سے اس کی مخالفت ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا مگر ہیگ کی میونسپل کمیٹی کا جو ذمہ دار شخص تھا اس نے اس تمام مخالفت کا ایسا ذمہ دارانہ مقابلہ کیا کہ آج بھی اس کے لئے دِل سے دعا نکلتی ہے لُطف کی بات یہ ہے کہ ہمیں ان مشکلات کا علم اس وقت ہوا جب فیصلہ ہو کر پریس کے ذریعہ یہ خبر منظرِ شہود پر آگئی کہ کمیٹی کے ایک ہنگامی اجلاس میں یہ امر بالآخر طے پا گیا ہے کہ مجوزہ جگہ پر مسجد تعمیر کر لی جائے۔ کمیٹی کے اِس تاریخی اجلاس میں کیتھولک مخالفت کے باوجود ڈاکٹر بیاکے سخت (BAKKE SCHUT) جو کمیٹی کے چیف ٹاؤن پلینر تھے ان کی پارٹی کو فتح حاصل ہوئی فالحمد للہ علیٰ ذالک"[2]

مسجد ہیگ کی ابتدائی خبر ڈچ اخبارات میں

مسجد کے لئے زمین کا حصول ایک ایسا اہم واقعہ تھا کہ ولندیزی پریس نے اس کا خاص طور پر چرچا کیا چنانچہ یہ خبر ہالینڈ کے قریباً ساٹھ اخباروں نے شائع کی جن میں ہالینڈ کے چوٹی کے اخباروں سے لے کر صوبہ جاتی اخبار تک شامل تھے۔ مثلاً ایک اخبار نے لکھا:۔

---

[1] الفضل ۲۸ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء صہ ۲ + [2] رسالہ خالد ربوہ امان/مارچ ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء صہ ۱۷

اس مسجد کا رقبہ آٹھ سَو مربع میٹر کے قریب ہے۔ حضرت مصلح موعود کا منشاء مبارک تو اس سے زیادہ رقبہ لینے کا تھا مگر حالات نے اس کی اجازت نہ دی۔ زمین باموقع اور اچھے علاقہ میں ہے اور اوست ڈاؤن لان (OOST DUINLAAN) نامی سڑک پر واقع ہے +

"بزاؤدن ہاؤت محلہ میں مسلم مشن کی طرف سے مسجد کی تعمیر

چند سالوں کے اندر اندر ہالینڈ میں دو مسجدیں ہو جائیں گی پہلی مسجد ہیگ میں OOSTDUINLAAN (سڑک پر) B.P.M بلڈنگ کے مدِ مقابل تعمیر ہوگی (یہ ایک کمپنی کی بلڈنگ کے مدِ مقابل تعمیر ہوگی)[1] یہ جگہ اَب تک فارغ پڑی رہی تھی اور اِس جگہ کے اِرد گرد بہت دیر سے مکان تعمیر ہو چکے ہیں۔ شاید خدا تعالیٰ نے اِس جگہ کو اِس لئے خالی رہنے دیا ہوگا کہ اِس جگہ مسجد تعمیر ہوگی۔ دوسری مسجد ایمسٹرڈم میں TALRPLEIN چوک کے پاس تعمیر کی جائے گی۔ اِس طرح مسلم مشن ہمارے ملک میں اپنی دو عمارتوں کا مالک ہو جائے گا جو نبیٔ اکرم کی تعلیم کو پھیلانے کے لئے نقطۂ مرکزی کی حیثیت اختیار کریں گی۔"

اِس قسم کی خبریں احمدیہ مسلم مشن ہالینڈ کے انچارج مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب کے ذریعہ سے نشر ہوتی ہیں۔ مسجد ہیگ کی تعمیر میں اب امام جماعتِ احمدیہ کی اجازت کا انتظار ہے۔ ان کی خدمت میں مسٹر دالیون سے ایک نقشہ تیار کرواکے بھجوایا جا چکا ہوا ہے۔ اِس نقشہ کی منظوری پر کام شروع ہو جائے گا۔ مسجد کے لئے زمین کسی پرائیویٹ مالک سے ۲۸ ہزار گلڈرز میں خریدی گئی ہے جس کا رقبہ ۸۰۰ مربع میٹر ہے تعمیر پر قریباً ایک لاکھ گلڈرز خرچ ہوگا تب جا کر ایک سفید مسجد بلند ہو سکے گی جس میں دو سَو کے قریب مومنین اپنی عبادت کر سکیں گے۔ اِسی طرح ایک وسیع ہال بھی تعمیر ہوگا جس میں دو سو افراد بیٹھ سکیں گے۔ اسکی تعمیر کے ایک سال بعد اُمید کی جاتی ہے کہ ایمسٹرڈم میں بھی مسجد کی تعمیر شروع ہو جائے گی۔

جماعتِ احمدیہ اِس وقت حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی زیرِ قیادت کام کر رہی ہے۔ آپ جماعتِ احمدیہ کے بانی حضرت احمد (علیہ السلام) کے سب سے بڑے فرزند ہیں۔ حضرت احمد نے ۱۸۸۹ء[2] میں بمقام قادیان مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ کی حین حیات میں جماعت نے کافی ترقی کی اور اب آپ کے فرزندِ ارجمند کی قیادت میں اَور بھی بڑھ چڑھ کر ترقی کی ہے ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ افریقہ، ایشیا اور

---

[1] یہ ایک کمپنی کی بلڈنگ ہے اور ہالینڈ میں بہت مشہور ہے۔ [2] اصل ۱۸۹۰ء (ناقل)۔

انڈونیشیا میں اس جماعت کے بہت سے افراد پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں جماعتِ احمدیہ کے مشن اٹلی۔ ارجنٹائن۔ لنڈن۔ واشنگٹن۔ پیرس۔ زیورچ۔ میڈرڈ۔ ہیمبرگ میں بھی پائے جاتے ہیں۔

حافظ صاحب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہالینڈ جیسے ملک میں ان کا کام کوئی آسان نہیں ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ چونکہ وہ پیغام جو ہم لے کر آئے ہیں محبت، صُلح و آشتی کا پیغام ہے۔ کیونکہ اسلام کا مطلب ہی یہ ہے کہ خدا اور انسانوں کے ساتھ صُلح۔ اِس لئے ہم کامیابی کی اُمید کرتے ہیں۔

جماعت کی تعداد ہمارے ملک میں ابھی تک بہت ہی تھوڑی ہے لیکن یہاں ایک اَور تحریک بھی ہے جس میں بہت سے انڈونیشین شامل ہیں۔ اس سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر محمد روم صاحب ہائی کمشنر برائے انڈونیشیا کی رہائش گاہ واقع واسنار میں اپنے اجتماعات کرتے ہیں اور اسی جگہ انہوں نے عید کی نماز بھی ادا کی تھی۔ ہیگ، ایمسٹرڈم، اوترخت وغیرہ میں لوگوں نے بہت دلچسپی کا اظہار کیا ہے اور بہت سے لوگ ان کے جلسوں میں شریک ہوتے ہیں مگر ابھی تک ڈیڑھ درجن کے قریب لوگوں نے بیعت کی ہے۔ ہالینڈ سے ایک ماہانہ دو ورقہ پرچہ بھی نکالا جاتا ہے جو ممبران جماعتِ احمدیہ کے ساتھ تعلقات قائم رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ جماعتِ احمدیہ کی مستورات ہیگ کی مسجد کے لئے اور مرد امریکہ کی مسجد کے لئے چندہ جمع کر رہے ہیں۔"[1] (ترجمہ)

حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے چندہ کی تحریک اور احمدی مستورات کا شاندار مالی جہاد

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے تحریک فرمائی کہ ہالینڈ کی مسجد احمدی عورتوں کے چندہ سے تعمیر کی جائے۔ احمدی خواتین نے اپنی گزشتہ مثالی روایات کے عین مطابق اِس مالی تحریک کا ایسا والہانہ اور پُرجوش خیر مقدم کیا کہ اس پر حضرت مصلح موعود نے تقریروں اور خطبوں میں اپنی زبانِ مبارک سے متعدد بار اظہارِ خوشنودی کیا۔ مثلاً ایک خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:۔

---

[1] الفضل ۳۰ ظہور/اگست ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء صفحہ ۶

"ہالینڈ کی مسجد کے متعلق عورتوں میں تحریک کی گئی تھی انہوں نے مَردوں سے زیادہ قربانی کا ثبوت دیا ہے۔ گو ان کی تحریک بھی چھوٹی تھی۔ عورت کی آمدن ہمارے ملک میں تو کوئی ہوتی ہی نہیں۔ اگر اسلامی قانون کو دیکھا جائے تو عورت کی آمد مرد سے آدھی ہونی چاہیئے کیونکہ شریعت نے عورت کے لئے آدھا حصّہ مقرر کیا ہے اور مرد کے لئے پُورا حصّہ۔ پس اگر مردوں نے چالیس ہزار روپیہ دیا تو چاہیئے کہ عورتیں بیس ہزار روپیہ دیتیں مگر واقعہ یہ ہے کہ مردوں نے اگر ایک روپیہ چندہ دیا ہے تو عورتوں نے سوا روپے کے قریب دیا ہے۔ انہوں نے زمین کی قیمت ادا کر دی ہے اور ابھی چھ سات ہزار روپیہ ان کا جمع ہے جس میں اَور روپیہ ڈال کر ہالینڈ کی مسجد بنے گی۔ پھر یہ چندہ انہوں نے ایسے وقت میں دیا ہے جبکہ لجنہ کا دفتر بنانے کے لئے بھی انہوں نے چودہ پندرہ ہزار روپیہ جمع کیا تھا۔" [1]

سالانہ جلسہ ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء کے موقعہ پر بتایا :-

"مسجد ہالینڈ کا چندہ عورتوں نے مردوں سے زیادہ دیا ہے۔ مردوں کے ذمّہ واشنگٹن کی مسجد لگائی گئی ہے اور اس کا خرچ مسجد بنا کر قریباً اڑھائی پونے تین لاکھ ہوتا ہے اور جو عورتوں کے ذمّہ کام لگایا تھا مسجد ہالینڈ کا اس کی ساری رقم زمین وغیرہ ملا کر کوئی اسّی ہزار یا لاکھ کے قریب بنتی ہے انہوں نے اپنے اسّی ہزار میں سے چھیالیس ہزار روپیہ ادا کر دیا ہے ... مَیں سمجھتا ہوں کہ عورتوں کو توجہ دلانے کی اتنی ضرورت نہیں مجھے یقین ہے کہ وہ میری اس مختصر تحریک سے ہی اپنے فرض کو سمجھنے لگ جائیں گی اور اس نیک کام کو تکمیل تک پہنچا دیں گی۔ مَیں عورتوں سے کہتا ہوں تمہاری قربانی مردوں سے اِس وقت بڑھی ہوئی ہے۔ اپنی اِس شان کو قائم رکھتے ہوئے اپنے دفتر کے قرضہ کو بھی ادا کرو اور اس کے ساتھ مسجد ہالینڈ کو بھی نہ بھولنا۔ اس کے لئے ابھی کوئی پچاس ہزار روپیہ کے قریب ضرورت ہے۔ ہمارا پہلا اندازہ مکان اور مسجد کی تعمیر کا تیس ۳۰ ہزار کے قریب تھا لیکن اب وہ کہتے ہیں کہ ساٹھ ہزار سے کم میں وہ جگہ نہیں بن سکتی کیونکہ اس جگہ پر گورنمنٹ کی طرف سے کچھ

---

[1] اخبار الفضل ۲۰ فتح / دسمبر ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء صفحہ ۵

قیود ہیں اور وہ ایک خاص قسم کی اور خاص شان کی عمارت بنانے کی وہاں اجازت دیتے ہیں اس سے کم نہیں دیتے پس زمین کی قیمت مِل کر نوّے ہزار سے ایک لاکھ تک کا خرچ ہوگا جس میں سے وہ بفضلہٖ چھیالیس ہزار تک اِس وقت تک ادا کر چکی ہیں۔"[1]

احمدی عورتوں نے اپنے آقا کے اِس ارشاد پر مسجد ہالینڈ کے لئے عطیات کی مہم تیز تر کر دی۔

کھدوائی کا مرحلہ

تعمیر مسجد کے لئے چندہ کی ایک معقول رقم احمدی مستورات کی طرف سے فراہم ہو چکی تھی اس لئے حضرت مصلح موعود کی ہدایت پر ۱۲ ماہِ تبلیغ/فروری ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء کو چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب جج عالمی عدالتِ انصاف (حال چیف جسٹس) نے دعا کے ساتھ مسجد کی بنیادیں اُٹھانے کے لئے کھدوائی کا کام شروع کرا دیا۔ اِس موقع پر مقامی جماعتِ احمدیہ کے اکثر احباب کے علاوہ مختلف اخبارات کے نمائندے اور پریس فوٹوگرافر بھی موجود تھے۔ سب سے پہلے حضرت چوہدری صاحب نے تمام احباب سمیت اجتماعی دعا کرائی پھر آپ نے کدال چلائی۔ بعد ازاں مبلّغ ہالینڈ جناب مولوی ابوبکر ایوب صاحب نے کچھ زمین کھودی۔ پھر بعض دوسرے احمدیوں نے بھی اِس میں حصّہ لیا۔[2]

سنگِ بنیاد

کھدائی کا ابتدائی مرحلہ بخیر و خوبی طے ہو چکا تو ۲۰ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء کو حضرت چوہدری صاحب ہی کے مبارک ہاتھوں سے سرزمینِ ہالینڈ کی اِس پہلی مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ اس موقعہ پر بہت سے مسلم ممالک کے نمائندوں اور ممتاز صحافیوں نے شرکت کی۔[3]

حضرت مصلح موعود کا پیغام

مبلّغ انچارج ہالینڈ مشن کی طرف سے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں مسجد کے سنگِ بنیاد کی خوشخبری پہنچی تو حضور کو از حد مسرّت ہوئی اور حضور نے ایک خصوصی پیغام بھجوایا جس میں فرمایا کہ:-

"جزاک اللہ مبارک ہو آپ کو بھی اور سب احمدی نومسلموں کو بھی۔ اللہ تعالیٰ چوہدری صاحب کے لئے یہ خدمتِ عظیم بہت بہت مُبارک کرے اور ثواب کا مُوجب بنائے

---

[1] الفضل ۳۱ فتح/دسمبر ۱۳۳۱ھش/۱۹۵۲ء صـ۳ ۔ [2] الفضل ۲۷ تبلیغ/فروری ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء صـ۱ ۔

[3] الفضل ۲۴ ہجرت/مئی ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء صـ۲ ۔

پس وہی ہے جو سر عبد القادر نے مسجد لنڈن کا افتتاح کرتے ہوئے کہا تھا ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تعالیٰ نے چوہدری صاحب کو مجھے آرام سے یہاں پہنچانے کی سعادت بخشی اور اس کے بدلہ میں ان کو مسجد ہالینڈ کا سنگِ بُنیاد رکھنے کی عزت بخشی۔ یہ وہ عزت ہے جو بہت بڑے بڑے لوگوں کو بھی نصیب نہ ہوئی ہوگی۔ ہم نئے سرے سے اسلام کا سنگِ بُنیاد رکھ رہے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلعم کا نائب ہونا کوئی معمولی عہدہ نہیں۔ آج دُنیا اس کی قدر کو نہیں جانتی ایک وقت آئے گا جب ساری دُنیا کے بادشاہ رشک کی نظر سے ان خدمات کو دیکھیں گے ... اللہ تعالیٰ جلد ہالینڈ کے اکثر لوگوں کو احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق بخشے"۔[1]

افتتاح کی بابرکت تقریب

سیدنا حضرت مصلح موعود کی خاص توجہ اور نگرانی کے تحت مسجد ہالینڈ کی تعمیر پایۂ تکمیل تک پہنچ چکی تو چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے ۹ر فتح / دسمبر ۱۳۳۴ھش / ۱۹۵۵ء کو اس کا افتتاح فرمایا۔ افتتاحی تقریب میں متعدد ممالک کے سربرآوردہ حضرات کثیر تعداد میں شامل ہوئے۔ مدعوین میں پاکستان، مصر، شام اور انڈونیشیا کے سفارتی نمائندے، یونیورسٹی کے پروفیسر صاحبان، مشہور فرموں کے ڈائریکٹرز، میونسپل افسران اور جرمنی، سوئٹزرلینڈ اور انگلستان کے مبلغینِ احمدیت خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں ہیگ اور بعض دوسرے مقامات کے احمدی اور پریس اور ریڈیو کے نمائندگان بھی اس تقریب میں موجود تھے۔[2]

ہالینڈ میں مسجد کی تعمیر کو غلبۂ اسلام کی شاہراہ میں ہمیشہ سنگِ میل کی حیثیت حاصل رہے گی۔ اس سرزمین میں خانۂ خدا کی اہمیت کو ہالینڈ کے اُونچے طبقے نے خاص طور پر محسوس کیا ہے چنانچہ ہیگ کا ایک کثیر الاشاعت روزنامہ "NIEUWE HEAGSE COURANT" نے مسجد ہیگ میں نماز کی حالت کا ایک بڑا سا فوٹو دیتے ہوئے لکھا کہ:۔

"یہ فوٹو کراچی، قاہرہ یا بغداد کی نہیں بلکہ یہ مسجد خود ہیگ میں ہے جس میں لوگ

---

[1] الفضل ۲۳ر احسان / جون ۱۳۳۴ھش / ۱۹۵۵ء صہ ۳ کالم ۱ و ۲۔ [2] الفضل ۱۳ر فتح / دسمبر ۱۳۳۴ھش / ۱۹۵۵ء صہ ۱۔

نماز ادا کر رہے ہیں۔"

اور پھر اسی مضمون کو جاری رکھتے ہوئے اخبار مذکور لکھتا ہے کہ:۔

"مسلمان دو دفعہ اس سے پہلے بھی یورپ میں آئے۔ ایک دفعہ آٹھویں صدی میں اور دوسری دفعہ پندرھویں صدی میں۔ مگر دونوں دفعہ ان کا آنا سیاسی نوعیت کا تھا مگر اس دفعہ ہمارے زمانہ میں اُن کی آمد یورپ میں عقبی دروازہ سے ہوئی ہے اور اس طرف سے انہیں کسی لشکر یا فوج کا سامنا نہیں کرنا پڑا بلکہ اس کے برعکس انہیں وہ خالی دل ملے ہیں جن سے عیسائیت عرصہ ہوا نکل چکی ہے۔"

تکمیل مسجد کیلئے مزید چندہ کی تحریک

مسجد ہالینڈ پر چونکہ اندازہ سے زیادہ خرچ ہو چکا تھا اس لئے حضرت مصلح موعود نے احمدی خواتین کو چندہ کی تحریک برابر جاری رکھی اور اس پر بہت زور دیا چنانچہ فرمایا:۔

"اس سال ہالینڈ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے صرف احمدی مستورات کے چندہ سے ہی ایک نہایت عظیم الشان مسجد تعمیر ہوئی ہے لیکن اس پر جو خرچ ہوا ہے وہ ابتدائی اندازے سے بہت بڑھ گیا ہے۔ اس وقت تک مستورات نے جو چندہ دیا ہے ۹۱ ہزار روپیہ اس سے زائد خرچ ہو گیا ہے مستورات کو چاہیئے کہ جلد یہ رقم جمع کر دیں۔" [1]

ایک اور موقعہ پر فرمایا:۔

"عورتوں نے ہالینڈ کی مسجد کا چندہ اپنے ذمہ لیا تھا مگر اس پر بجائے ایک لاکھ کے جو میرا اندازہ تھا ایک لاکھ چوہتر ہزار روپیہ خرچ ہوا ۷۸ ہزار ان کی طرف سے چندہ آیا تھا گویا ابھی ۹۶ ہزار باقی ہے۔ پس عورتوں کو بھی میں کہتا ہوں کہ وہ ۹۶ ہزار روپیہ جلد جمع کریں تاکہ مسجد ہالینڈ اُن کی ہو جائے۔" [2]

بعد ازاں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:۔

"میں نے مسجد ہالینڈ کی تعمیر کے لئے عورتوں میں ایک لاکھ پندرہ ہزار روپیہ کی تحریک کی تھی جس میں سے ۹۹ ہزار عورتیں اس وقت تک دے چکی ہیں لیکن جو اندازہ وہاں سے

---

[1] الفضل ۴ صلح/جنوری ۱۳۳۶ہش/۱۹۵۷ء صفحہ ۱ ۔ [2] الفضل ۹ امان/مارچ ۱۳۳۶ہش/۱۹۵۷ء صفحہ ۴ ۔

آیا تھا وہ ایک لاکھ چونتیس ہزار روپے کا تھا اور عملاً اب تک ایک لاکھ چھہتّر ہزار روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ تحریکِ جدید کا ریکارڈ کہتا ہے عورتیں ننانوے ہزار روپیہ دے چکی ہیں... مَیں نے وکالتِ مال کے شعبہ بیرون کے انچارج چوہدری شبّیر احمد صاحب کو بُلایا اور اُن سے دریافت کیا کہ کیا آپ کے پاس کوئی ریکارڈ ہے جس سے معلوم ہو کہ جب ہیگ سے ایک لاکھ چونتیس ہزار روپے کا تخمینہ آیا تھا تو مَیں نے عورتوں سے اِس قدر چندہ کرنے کی اجازت دی ہو کیونکہ عورتوں کا حق تھا کہ چندہ لینے سے پہلے اُن سے پُوچھ لیا جاتا کہ کیا وہ یہ چندہ دے بھی سکتی ہیں یا نہیں۔ انہوں نے کہا افسوس ہے کہ اُس وقت ہم سے غلطی ہوئی اور ہم نے حضور سے دریافت نہ کیا کہ آیا مزید رقم بھی عورتوں سے جمع کی جائے ہمارے پاس ایسا کوئی ریکارڈ نہیں جس کی رُو سے زیادہ رقم اکٹھی کرنے کی منظوری لی گئی ہو۔ مَیں نے کہا مَیں یہ مان لیتا ہوں کہ آپ نے ایک لاکھ چونتیس ہزار روپیہ کے جمع کرنے کی منظوری مجھ سے نہ لی لیکن جب وہ رقم ایک لاکھ چھہتّر ہزار بن گئی تو پھر تو آپ نے مجھ سے منظوری لینی تھی کیا آپ نے مجھ سے منظوری لی۔ انہوں نے پھر یہی جواب دیا کہ ہم نے اس کے متعلق بھی حضور سے کوئی منظوری نہیں لی اور ہمارے پاس کوئی ایسی ایسا کاغذ نہیں جس میں یہ لکھا ہو کہ عورتوں سے ایک لاکھ چونتیس ہزار یا ایک لاکھ چھہتّر ہزار روپیہ جمع کرنا منظور ہے۔ اِس لئے مَیں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ لجنہ اماء اللہ اِس سال صرف چھتیس ہزار روپیہ چندہ کر کے تحریکِ جدید کو دے دے اور باقی روپیہ تحریکِ جدید خود ادا کرے۔ لجنہ اماء اللہ چھتّیس ہزار روپے سے زیادہ نہیں دے گی اور مسجد ہالینڈ ہمیشہ کے لئے عورتوں کے نام پر ہی رہے گی"۔ [1]

حضرت مصلح موعودؓ نے تعمیر مسجد ہیگ کے لئے ایک لاکھ پندرہ ہزار روپیہ کی تحریکِ خاص فرمائی تھی مگر خواتینِ احمدیت نے اپنے آقا کے حضور ایک لاکھ تینتالیس ہزار چھ سو چونسٹھ روپے کی رقم پیش کر دی بلکہ بعض مستورات تو اس مدّ کے ختم ہونے کے بعد بھی چندہ بھجواتی رہیں [2]

---

[1] الفضل ۲۳ تبلیغ / فروری ۱۳۳۷ہش / ۱۹۵۸ء صفحہ ۳ ۔ [2] یہ اعداد و شمار حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ مدظلہا العالی کے مکتوب مورخہ ۲۰ اخاء / اکتوبر ۱۳۵۰ہش / ۱۹۷۱ء سے ماخوذ ہیں ۔

ہالینڈ میں حضرت مصلح موعود کی تشریف آوری

مسجد ہیگ ابھی زیرِ تعمیر تھی کہ ہالینڈ مشن کو اپنی تاریخ کا ایک ایسا عظیم اعزاز نصیب ہوا جس پر ہالینڈ کے احمدی خصوصاً اور دوسرے ولندیزی باشندے عموماً جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ یہ اعزاز حضرت مصلح موعود کا وُرودِ ہالینڈ ہے۔

حضرت اقدس دوسرے سفرِ یورپ کے دوران سوئٹزرلینڈ کو اپنے مبارک نزول سے برکت دینے کے بعد ۱۸۔احسان/جون ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء کو ہیگ میں بھی رونق افروز ہوئے[1] حضور یہاں ایک ہفتہ قیام فرما رہنے کے بعد ۲۵۔احسان/جون کو ہمبرگ تشریف لے گئے۔ دورانِ قیام مسجد کی زیرِ تعمیر عمارت کے انٹرنس ہال میں ایک لمبی اور پُرسوز دعا فرمائی[2]

مرکزِ احمدیت سے دوسرے مجاہدینِ اسلام کی آمد

حافظ قدرت اللہ صاحب قریباً ساڑھے تین سال تک تبلیغی فرائض انجام دینے کے بعد ۱۸۔فتح/دسمبر ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء کو ہالینڈ سے پاکستان روانہ ہوگئے اور آپ کے بعد مولوی غلام احمد صاحب بشیر اور مولوی ابوبکر ایوب صاحب سماٹری نے مشن کی تبلیغی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ مقدم الذکر مشن کے انچارج مقرر ہوئے۔ یہ دونوں مبلغین ایک ہفتہ پیشتر ۱۱۔فتح/دسمبر ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء کو لنڈن سے ہالینڈ میں پہنچے تھے[3] مولوی ابوبکر ایوب صاحب سماٹری قریباً ساڑھے چھ برس تک نہایت خلوص اور محبّت سے تبلیغِ اسلام کی خدمت بجالاتے رہے اور ۱۶۔ماہِ وفا/جولائی ۱۳۳۶ھش/۱۹۵۷ء کو ہالینڈ سے تشریف لے آئے[4]

مولوی ابوبکر صاحب ابھی ہالینڈ میں تھے کہ حافظ قدرت اللہ صاحب ۲۹۔ماہِ صلح/جنوری ۱۳۳۵ھش/۱۹۵۶ء کو دوبارہ اس مُلک میں اشاعتِ اسلام کی غرض سے بھجوا دیئے گئے۔ اب چونکہ تعمیرِ مسجد کے بعد ہالینڈ مشن کا کام پہلے سے بہت بڑھ چکا تھا اور روز بروز بڑھ رہا تھا اس لئے مرکز سے ۶۔تبوک/ستمبر ۱۳۳۶ھش/۱۹۵۷ء کو مولوی عبد الحکیم صاحب اکمل ہالینڈ بھجوائے گئے اور قریباً ساڑھے تین برس تک حافظ صاحب کا ہاتھ بٹانے اور اہم تبلیغی خدمات بجالانے کے بعد ۲۳۔امان/مارچ ۱۳۴۰ھش/۱۹۶۱ء کو واپس تشریف لائے اور آپ کی

---

[1] الفضل ۲۱۔احسان۔ ۶ احسان۔ ۲۸۔احسان/جون ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء [2] الفضل یکم تبوک/ستمبر ۱۳۳۹ھش/۱۹۶۰ء صفحہ ۵ کالم ۱ [3] الفضل ۲۸ صلح/جنوری ۱۳۳۰ھش/۱۹۵۱ء صفحہ ۵ [4] الفضل ۱۳ نبوت/نومبر ۱۳۳۶ھش/۱۹۵۷ء صفحہ ۳

جگہ پر صلاح الدین خان صاحب بنگالی مورخہ ۴ ظہور / اگست ۱۳۴۰ ہش / ۱۹۶۱ء ہالینڈ روانہ کئے گئے جنہوں نے وہاں تین سال تک فریضۂ تبلیغ ادا کیا اور ۱۱ اخاء / اکتوبر ۱۳۴۳ ہش / ۱۹۶۴ء کو واردِ ربوہ ہوئے۔ آپ کے بعد دوبارہ مولوی عبدالحکیم صاحب اکمل ۶ ماہِ اخاء / اکتوبر ۱۳۴۳ ہش / ۱۹۶۴ء کو عازمِ ہالینڈ ہوئے۔ تین سال بعد صلاح الدین خان صاحب بھی ۷ ماہِ فتح / دسمبر ۱۳۴۶ ہش / ۱۹۶۷ء کو ہالینڈ تشریف لے گئے اور ۲۰ تبوک / ستمبر ۱۳۵۰ ہش / ۱۹۷۱ء کو واپس آئے۔

لنڈن مشن کی طرح اِس مشن کو بھی چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی بلند پایہ علمی و دینی شخصیت سے بہت فائدہ اُٹھانے کا موقعہ ملا اور مل رہا ہے اور یقیناً اس مشن کی شہرت و ترقی میں اُن کے مبارک وجود کا بھی بفضلہٖ تعالیٰ نمایاں دخل ہے۔ علاوہ ازیں خود مجاہدینِ ہالینڈ تبلیغِ اسلام کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے فضل و کرم سے ہالینڈ کے طُول و عرض میں اسلام کے چرچے عام ہونے لگے اور اسلام کا اثر و نفوذ یہاں تک بڑھا کہ عام ملکی پریس کے علاوہ عیسائی رسالوں[1] میں بھی مبلّغینِ احمدیت کے قلم سے اسلام کی نسبت بکثرت مضامین شائع ہونے لگے۔

حافظ قدرت اللہ صاحب جنہیں ہالینڈ مشن کی بُنیاد رکھنے کے علاوہ مجموعی اعتبار سے قریباً ۱۴ برس تک خدمت کرنے کا فخر بھی نصیب ہوا مشن کا چارج مولوی عبدالحکیم صاحب اکمل کو سونپ کر ۲۱ ماہ فتح /

---

[1] مثلاً مشہور کیتھولک ماہنامہ داہیراؤت (DE HERAUT) نے فروری ۱۹۶۸ء کے شمارہ میں مولوی عبدالحکیم صاحب اکمل انچارج مشن ہالینڈ کا پُر مغز مقالہ "اسلام اور حضرت مسیح ناصری علیہ السلام" سپردِ اشاعت کیا۔ اِسی طرح ایک اَور عیسائی رسالہ "TIFA" (بابت دسمبر ۱۹۶۹ء) میں بھی آپ کا ایک نوٹ شائع ہوا جس کا عنوان تھا "اسلامی تعلیم کی روشنی میں مسیح ناصری علیہ السلام اور کرسمس"

(JEZUS CHRISTUS EN HET KERSTFEEST IN HET LIGHT VAN DE ISLAM)

ہالینڈ کی وزارتِ دفاع کا ترجمان AKSENT چھپتا ہے اس کے مارچ ۱۹۷۰ء کے پرچہ میں جناب اکمل صاحب کے دو مضامین کی اشاعت ہوئی۔ ایک مضمون کا عنوان تھا "اسلام کا اثر و نفوذ ہالینڈ میں"۔ دوسرے مضمون میں آپ نے مدلّل طور پر ثابت کیا کہ اسلام تلوار سے ہرگز نہیں پھیلا۔

اسی طرح نائیمخن (NIJMEGEN) کے ایک ماہنامہ کیتھولک آپسٹورال (KATHOLIC APOSTORAAL) نے اپنے ایک خاص شمارہ میں مشن کے سابق امام حافظ قدرت اللہ صاحب کا ایک مضمون "اسلامی طریقِ تدفین" انگریزی، جرمن، فرانسیسی اور ہسپانوی زبانوں میں شائع کیا۔

دسمبر ۱۳۴۶ھش/۱۹۶۷ء کو مرکز میں تشریف لے آئے۔ آپ کے بعد جناب اکمل صاحب تین سال تک تبلیغی فرائض بجا لاتے رہے اور پھر مشن کا چارج جناب صلاح الدین خاں صاحب کو دے کر ۲۰ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۴۹ھش/۱۹۷۰ء کو مرکز میں پہنچ گئے[1]۔ آپ کی آمد کے چند ماہ بعد مولوی ابوبکر ایوب صاحب سماٹری ۱۳ ماہ وفا/جولائی ۱۳۵۰ھش/۱۹۷۱ء کو ایک بار پھر ہالینڈ تشریف لے گئے اور اب تک اِس ملک کو نورِ اسلام سے منوّر کرنے میں سرگرمِ عمل ہیں۔

ڈچ رسالہ "الاسلام" کا اجراء

حافظ قدرت اللہ صاحب مبلّغ انچارج کی کوشش سے اوائل ۱۳۳۸ھش/۱۹۵۹ء میں مشن کی طرف سے "الاسلام" کے نام سے ایک ڈچ ماہنامہ جاری کیا گیا[2]۔ یہ رسالہ اب تک سائیکلوسٹائل ہو کر آرٹ پیپر کے سادہ مگر دیدہ زیب سرورق کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اِس رسالہ کے اجراء کی غرض و غایت یہ تھی کہ ہالینڈ کے مسلمان حلقوں کو باقاعدگی سے بعض ضروری اور علمی مضامین پر مختصر نوٹ مہیا کئے جائیں تا وہ ان سے عند الضرورت فائدہ اٹھا سکیں اور خدا کے فضل و کرم سے یہ رسالہ اپنے اس مقصد کو بخوبی پُورا کر رہا ہے۔ یہ واحد رسالہ ہے جو ہالینڈ میں اسلام کی ترجمانی کے فرائض انجام دیتا ہے۔ اِس کی مقبولیت کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ملک کی مشہور لائبریریوں یونیورسٹیوں اور گرجا گھروں میں منگوایا جاتا ہے اور مستشرقین اپنے اضافہ معلومات کی خاطر اسے خرید کر پڑھتے ہیں۔ ہالینڈ کے علاوہ سورینام (ڈچ گی آنا) اور انڈونیشیا میں بھی اِس کے خریدار موجود ہیں۔

ایک مشہور عیسائی پادری سے پبلک مناظرہ

مبلّغینِ احمدیت نے ہالینڈ میں آج تک عیسائی پادریوں سے متعدد کامیاب مناظرے کئے ہیں۔ اِسی سلسلہ میں ۱۳۳۸ھش/۱۹۵۹ء کی پہلی ششماہی میں بھی ایک کامیاب پبلک مناظرہ ہوُا۔ مناظرہ میں جماعتِ احمدیہ

---

[1] قیامِ ہالینڈ کے دوران جناب اکمل صاحب کی اہلیہ مسعودہ اکمل صاحبہ ڈچ احمدی خواتین کی تعلیم و تربیت میں دلچسپی لیتی رہیں چنانچہ ان کی کوشش سے نہ صرف ۱۳۴۷ھش/۱۹۶۸ء میں لجنہ اماء اللہ ہالینڈ کا قیام عمل میں آیا بلکہ احمدی بچوں کو اسلام و احمدیت کے مسائل سکھانے کے لئے ایک "سنڈے" تعلیمی کلاس بھی کھولی گئی جو اَب تک جاری ہے۔ لجنہ اماء اللہ ہالینڈ بیرونی ممالک کی فعّال لجنات میں سے ہے۔ سال ۷۰-۱۹۶۹ء میں جبکہ مسعودہ اکمل صاحبہ لجنہ ہالینڈ کی صدر اور مس امۃ الحفیظ (J. OERMEMBAKS) صاحبہ نے سیکرٹری کے فرائض انجام دئے اِس لجنہ نے مرکزی چندہ، خاص تحریکات، نصرت جہاں ریزرو فنڈ، وقفِ جدید اور چندہ اطفال احمدیہ کی مدات میں ۸۰۰ گلڈرز (GILDERS) جمع کئے۔
(ANNUAL REPORT OF THE CENTRAL LAJNA IMAILLAH 1969-70 P:69)

[2] الفضل ۹ شہادت/اپریل ۱۳۳۸ھش/۱۹۵۹ء صفحہ ۳۔

کی نمائندگی مبلغ اسلام حافظ قدرت اللہ صاحب نے کی اور عیسائیوں کی طرف سے مشہور پادری ڈاکٹر ایڈن برج (DR. IDEN BURG) پیش ہوئے جو چرچ سوسائٹی میں بائبل کے پروفیسر اور جاوا سماٹرا کے ایک سابق گورنر جنرل کے بیٹے اور مذہبی حلقوں میں اچھی شہرت کے مالک ہیں۔ جناب عبدالحکیم صاحب اکمل مجاہد ہالینڈ اس دلچسپ مناظرہ کی روداد پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :۔

"اس دفعہ مشن ہاؤس میں ایک کامیاب مناظرہ ہوا۔ عیسائیوں کی طرف سے جناب ڈاکٹر ایڈن برج (DR. IDEN BURG) پیش ہوئے۔ ڈاکٹر موصوف انڈونیشیا کے ایک سابق گورنر جنرل کے لڑکے ہیں اور یہاں مذہبی حلقہ میں اچھی شہرت کے مالک ہیں۔ ہماری طرف سے مکرم جناب حافظ قدرت اللہ صاحب انچارج مبلغ ہالینڈ مشن نے حصہ لیا۔ مباحثہ سے چند دن قبل ہم نے ڈاکٹر صاحب موصوف کو مشن ہاؤس بلا کر مناظرہ کے لئے جملہ شرائط طے کیں۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد "حضرت مسیح علیہ السلام کا مقام" موضوعِ بحث قرار دیا۔

جلسہ کا اعلان اخبارات میں دیا گیا۔ لوگ اس کثرت کے ساتھ آئے کہ بعض لوگوں کو سیڑھیوں میں بیٹھ کر اور انٹرنس ہال میں کھڑے ہو کر کارروائی سننا پڑی۔ پہلے وقت میں ڈاکٹر صاحب موصوف کو اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے کا موقعہ دیا گیا اور بعد میں مکرم برادرم حافظ صاحب نے اسلامی نقطہ نگاہ پیش فرمایا۔ اس کے بعد لوگوں کو سوالات کی کھلی اجازت تھی جس کا اعلان اخبار میں خاص طور پر کیا گیا تھا۔ چنانچہ اکثر سوالات کا رُخ ڈاکٹر صاحب موصوف کی طرف رہا کیونکہ انہوں نے عیسائیت کے اصل معتقدات پیش کرنے کی بجائے اپنے پاس سے دلائل پیش کر کے اس مسئلہ کو کسی قدر قابلِ فہم بنانے کی کوشش کی تھی جس سے ایک حد تک وہ اسلامی نظریہ کے ہی قریب ہو گئے تھے۔ حاضرین میں عیسائی پادری اور ڈاکٹر صاحبان بھی موجود تھے۔ لہذا ڈاکٹر موصوف کے لئے سوالات کا یہ مرحلہ کافی کٹھن ثابت ہوا۔ ہمارے بعض دوستوں کی طرف سے بھی پوچھے گئے سوالات کے جواب میں ڈاکٹر صاحب موصوف صرف اس قدر کہہ سکے کہ میں ان سوالات کا جواب نہیں دے سکتا۔ غرض خدا تعالیٰ کے فضل سے اسلامی نظریات کا لوگوں پر اچھا اثر

رہا۔" [1]

کیتھولک اور پراٹسٹنٹ عیسائیوں کا اسلام کے خلاف گٹھ جوڑ اور حضرت مصلح موعود کا پُرحکمت ارشاد

مولوی عبدالحکیم صاحب اکمل کا بیان ہے کہ" ایمسٹرڈم میں عیسائی منادوں کی ایک بڑے پیمانہ کی کانفرنس ہوئی جس میں افریقہ، یورپ اور بعض دیگر ممالک کے پادری صاحبان شامل ہوئے۔ کیتھولک اور پراٹسٹنٹ دونوں فرقوں کے لوگ شامل تھے۔ موضوع یہ تھا کہ افریقہ میں اسلام بڑی سُرعت سے ترقی کر رہا ہے اور یورپ میں بھی اب پاؤں جمانے لگا ہے اس لئے اِن نئے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک نئی کوشش کی ضرورت ہے۔ تجویز یہ ہے کہ کیتھولک اور پراٹسٹنٹ فرقے مِل کر اور متحدہ محاذ بنا کر مقابلہ کی کوئی صورت بنائیں تا احسن رنگ میں کوششیں بار آور ہو سکیں۔ لمبی کارروائی کے بعد کیتھولک فرقہ کے پادریوں نے کہا کہ دراصل مذہب تو کیتھولک ازم ہی ہے دوسرے لوگ تو احتجاجاً الگ ہوئے ہیں اگر وہ واپس آجائیں تو ہم ہر طرح مقابلہ کے لئے تیار ہیں۔ یہ بات دوسرے فرقوں کو ناگوار گزری اور وہ اتحاد احسن صورت میں نہ ہو سکا البتہ پھر بھی مالی اُمور کے بارہ میں کچھ سمجھوتہ ہو گیا۔ یہ خبر خاکسار نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بھجوائی تو اس پر حضور نے اپنے خط $\frac{۲ ۴۔۱۰۔۴۔۵}{۱-۲-۵۹}$ میں تحریر فرمایا:۔

" ہالینڈ میں پراٹسٹنٹ زیادہ ہیں مگر باقی یورپ میں رومن کیتھولک مذہب والوں کا زور ہے ان کی طرف توجہ دیں۔ رومن کیتھولک کا رومؔ میں پوپ ہے وہ بھی ایک قسم کا خلیفہ ہے۔ اسلامی خلافت اور عیسائی خلافت کی ٹکر میں اسلام کی فتح ہو گی اِس لئے رومن کیتھولک کی طرف زیادہ توجہ دیں۔ یہ لوگ دیر سے مذہب بدلتے ہیں مگر جب بدلتے ہیں تو بڑے پکّے ہوتے ہیں۔ بدھ مذہب اِن میں بہت پھیل رہا ہے۔" [2]

تبلیغی دَورے

$\frac{۱۳۳۸ھش}{۱۹۵۹ء}$ کی پہلی ششماہی میں حافظ قدرت اللہ صاحب مبلغ انچارج اور مولوی عبدالحکیم صاحب اکمل نے مُلک کے مندرجہ ذیل نَو[9] شہروں کا تبلیغی دَورہ کیا:۔

پاپنڈرِیخت[3]، فلاردنگن[4]، روٹرڈم[5]، ڈیلفٹ[6]، ہارلم[7]، ایمسٹرڈم[8]، اُوت ریخت[9]،

---

[1] الفضل ۵ وفا/جولائی $\frac{۱۳۳۸ھش}{۱۹۵۹ء}$ صٹ کالم ۱ [2] غیر مطبوعہ [3] PAPENDRECHT
[4] FLAARDINGEN [5] ROTTERDAM [6] DELFT [7] HAARLEM
[8] AMSTERDAM [9] UTRECHT

ہلفرسوم[1]، واغننگن[2]۔

اِس دَورہ میں مبلّغینِ اسلام کو ممبرانِ جماعت سے ملاقات، تبلیغی مجالس میں شمولیت اور مختلف سوسائٹیوں میں تقاریر کے مواقع میسّر آئے[3]۔

مذاہبِ عالَم کانفرنسوں میں اِسلام کی مؤثر نمائندگی

۲۰ صلح/جنوری ۱۳۳۹ھش/۱۹۶۰ء کو ہالینڈ کے مرکزی شہر اوترخت (UTRECHT) کے آزاد خیال لوگوں کی طرف سے ایک مذاہب کانفرنس منعقد کی گئی جس میں اسلام، ہندو دھرم، بُدھ مت اور یہودیت سے متعلق تقاریر کا وسیع پیمانہ پر انتظام تھا۔ اِس موقعہ پر اسلام کی طرف سے حافظ قدرت اللہ صاحب نے مؤثر رنگ میں نمائندگی فرمائی[4]۔ ازاں بعد اخاء/اکتوبر ۱۳۳۹ھش/۱۹۶۰ء میں ایمسٹرڈم کے قریب ہیم ستیدے (HEEMSTEDE) کے سب سے قدیم اور بڑے گرجے کی عمارت میں بھی ایک مذاہبِ عالَم کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ۲۷ اخاء کو اسلام کے نمائندہ کی حیثیت سے حافظ قدرت اللہ صاحب نے نماز کے موضوع پر لیکچر دیا۔ اِس کانفرنس کی یہ خصوصیت تھی کہ ہر لیکچرار کو جُملہ معلومات اپنی مقدس کتاب ہی سے پیش کرنا ضروری تھیں[5]۔

اِس کے علاوہ ہالینڈ کے ایک اَور اہم شہر آرنہم (ARNHEM) کے اندر ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۴۵ھش/۱۹۶۶ء کے آخری ہفتہ میں ایک اَور بین المذاہب کانفرنس کا انعقاد ہُوا جس میں اسلام، عیسائیت، بدھ ازم، ہندو مت، صوفی موومنٹ، ویجیٹیرین گروپ اور ہیومنسٹ خیالات کے نمائندوں نے حصّہ لیا۔ اِس کانفرنس میں بھی حافظ قدرت اللہ صاحب نے اسلام کی ترجمانی کے فرائض ادا کئے۔ حافظ صاحب کی پوری تقریر گہری دلچسپی اور انہماک سے سُنی گئی۔ تقریر کے اختتام پر وقفہ سوالات تھا۔ صدرِ مجلس نے حاضرین کو سوالات کے لئے کہا مگر لوگ تھے کہ مبہوت ہوئے بیٹھے تھے کسی کو کچھ کہنے کی ہمّت نہ ہوتی تھی[6]۔

---

[1] HILVERSUM ؛ [2] WAGENINGEN ؛

[3] الفضل ۱۴ وفا/جولائی ۱۳۳۸ھش/۱۹۵۹ء صفحہ ۳ ؛ [4] الفضل ۸ شہادت/اپریل ۱۳۳۹ھش/۱۹۶۰ء صفحہ ۳ ؛ [5] الفضل ۱۰ صلح/جنوری ۱۳۴۰ھش/۱۹۶۱ء صفحہ ۳ ؛ [6] الفضل ۱۳ صلح/جنوری ۱۳۴۵ھش/۱۹۶۶ء صفحہ ۳ ؛

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا سرزمینِ ہالینڈ میں دوبار ورودِ مسعود

۱۳۳۴ ہش/۱۹۵۵ء میں حضرت مصلح موعودؓ اس سرزمین میں تشریف لائے تھے بارہ[۱۲] سال بعد بروز جمعہ ۱۴ ماہ وفا/جولائی ۱۳۴۵ ہش/۱۹۶۶ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے مبارک سفرِ یورپ کے دوران زیورک سے ہالینڈ تشریف لائے۔ حضور نے ہیگ کی مسجد میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ بعد ازاں حضور نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا جس میں ڈچ ریڈیو کے نمائندہ کے علاوہ اخباری نمائندے بکثرت شامل ہوئے۔ ڈچ پریس نے حضور کے بیان کو غیر معمولی اہمیت دی اور بڑی سنجیدگی سے اُسے پبلک کے سامنے پیش کیا۔ اگلے روز حضورِ اقدس کے اعزاز میں نمازِ ظہر کے بعد ایک استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں احبابِ جماعت کے علاوہ بہت سے دیگر غیر از جماعت مسلمان دوستوں اور معززینِ شہر نے شرکت کی جن میں ہالینڈ کے مشہور مستشرق پروفیسر ڈاکٹر پیپر (PRO . DR . PIPER)، اور مشہور انجنیئر پروفیسر FRO . THIJSSEN ہالینڈ کے صوفی گروپ بدھسٹ گروپ اور پروٹسٹنٹ گروپ کے لیڈر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اسی روز حضور کا ریڈیو سے خصوصی انٹرویو بھی نشر ہوا اور ۱۶ ماہ وفا/جولائی ۱۳۴۶ ہش/۱۹۶۷ء کو حضور ہالینڈ کا نہایت مؤثر، مبارک اور کامیاب دَورہ مکمل کرنے کے بعد ہمبرگ تشریف لے گئے۔[۱]

ڈھائی تین سال بعد جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے مشہور عالم دَورۂ افریقہ فرمایا تو واپسی پر حضور جن یورپین ممالک میں بھی تشریف لے گئے ان میں سب سے پہلا ملک ہالینڈ تھا جہاں حضور ۱۴ ہجرت/مئی ۱۳۴۹ ہش/۱۹۷۰ء کو بذریعہ ہوائی جہاز سوا نو بجے پہنچے۔ ڈچ نومسلم دُور دُور کے شہروں سے آکر مشن ہاؤس میں جمع تھے اور حضور سے شرفِ ملاقات حاصل کرکے پھولے نہ سماتے تھے۔ اِس موقعہ پر ایک پورا خاندان (FAM . SUFFNER) اور ایمسٹرڈم کے ایک صحافی حضور کے دستِ مبارک پر بیعت کرکے حلقہ بگوشِ احمدیت ہوئے۔ علاوہ ازیں ایک آزاد خیال عیسائی فرقہ سونگ لی (SWINGLI) کے لیڈر ڈاکٹر باؤٹ کیمپ (DR . BUITKAMP) اپنے فرقہ کے چیدہ چیدہ ممبروں کا ایک گروپ لےکر حضور سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے حضور نے انہیں نصف گھنٹہ تک نہایت ایمان افروز رنگ میں تبلیغِ اسلام کی۔ ڈاکٹر صاحب حضور کی گفتگو سے بہت متاثر ہوئے۔ اِس عرصۂ قیام میں ایک اسلامی

---

[۱] ملخصاً الفضل ۱۸ روفا۔ ۱۹ روفا۔ ۱۳ ظہور ۱۳۴۶ ہش صفحہ ۱، ۳، ۴۔

ملک کے سفیر نے حضور اور افرادِ قافلہ کو کھانے پر مدعو کیا اور جماعتِ احمدیہ ہالینڈ کی طرف سے بھی ایک ڈنر دیا گیا نیز صدر عالمی عدالتِ انصاف چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے حضور کے اعزاز میں دعوتِ چائے دی جس میں متعدد ممالک کے معزز جج صاحبان موجود تھے۔ حضور دو روزہ مختصر قیام کے بعد (جو ہالینڈ مشن کے لئے بہت بابرکت ثابت ہوا) ۱۷؍ ماہِ ہجرت/مئی ۱۳۴۹ھش/۱۹۷۰ء کو انگلستان تشریف لے گئے۔[1]

خدائے ذوالجلال کی قدرت کے ایک نشان کا ظہور

۱۳۴۵ھش/۱۹۶۶ء کا واقعہ ہے کہ ہالینڈ مشن کی طرف سے "مسیح کشمیر میں" کے نام سے ڈچ زبان میں ایک مختصر سا پمفلٹ شائع کیا گیا۔ یہ کتابچہ جب ایک کیتھولک اخبار کے چیف ایڈیٹر کو ملا تو اسے سخت غصہ آیا اور اس نے اپنے اخبار میں اس کے خلاف ایک مضمون لکھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ یہاں کیا کرنے آئے ہیں اور انہیں یہاں آنے کی کس نے اجازت دی ہے؟ جب یہ مضمون اخبار میں چھپا تو ہالینڈ کے ایک مستشرق ڈاکٹر فان لیوِن (DR. A.TH. VAN LEEUWEN) نے اس پر ایک مضمون لکھا جس میں انہوں نے جماعتِ احمدیہ کی مختصر تاریخ اور اس کی تبلیغی و اشاعتی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے اس اخبار کے ایڈیٹر کے بارہ میں لکھا:-

> ہمارے ملک کے چرچ اخبارات میں سے ایک بڑے اخبار کے چیف ایڈیٹر نے احمدیہ مسلم مشن کے ایک پمفلٹ پر جو اُن کے گھر کے لیٹر بکس میں ڈالا گیا تھا بڑے غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے اور وہ اس پر بڑے چیں بجبیں ہوئے ہیں۔ اِس مضمون سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایڈیٹر صاحب اَب تک یہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ اسلام کا نام بحرِ روم کے اُس پار افریقہ، مشرقِ بعید یعنی انڈونیشیا میں جو کبھی ڈچ مقبوضات میں شامل تھا، لیا جاتا ہے۔ اور یہ امران کی حیرت اور اچنبھے کا موجب ہے کہ اسلام اب یورپ میں بھی اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز کر چکا ہے بلکہ اب ان کے گھر تک آن پہنچا ہے۔

(ORIENTATIEREEK III PAGE I)

---

[1] الفضل ۱۷-۲۱؍ہجرت/مئی ۱۳۴۹ھش/۱۹۷۰ء صلے ۲۔ حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کے دوروں کی تفصیل اپنے اپنے مقامات پر آئے گی۔ وباللہ التوفیق۔ قیامِ ہالینڈ کے محولہ بالا کوائف مولوی عبدالحکیم صاحب اکمل سابق انچارج مشن ہالینڈ کی ایک غیر مطبوعہ تحریر سے ماخوذ ہیں۔

اِسی طرح ایک اَور اخبار HET PAROOL نے "مسلمان پادری صاحبان سے مناظرہ چاہتے ہیں" کے عنوان سے لکھا:۔

"احمدی مسلمان پادریوں کو للکارتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ ہالینڈ کے اندر ہو رہا ہے چنانچہ احمدیہ مسلم مشن ہیگ کے مبلّغین کی طرف سے پادری صاحبان کو ایک خط موصول ہُوا ہے جس میں اُن کے اعتقادات کے بارہ میں دس سوالات کئے گئے ہیں"

۱۹۶۶ء میں ہالینڈ کے رہنے والے ایک متعصب مستشرق ڈاکٹر HOUBEN نے اسلام کے خلاف ایک مضمون لکھا جس میں انہوں نے اسلام کے خلاف یہ اعتراضات اُٹھائے تھے کہ

۱۔ جماعتِ احمدیہ اور مسجد ہیگ کو ہالینڈ میں اسلام کا نمائندہ تصوّر کرنا غلط ہے اِس لئے کہ اسلام کی جو تشریح و توضیح ان کی طرف سے کی جاتی ہے اُسے ہم کسی صورت بھی اسلام کہنے کو تیار نہیں۔

۲۔ دوسرا اعتراض انہوں نے یہ کیا کہ اسلام کا خدا جابر اور قاہر خدا ہے اور یہ کہ مسجد ہیگ سے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ میں جو پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں یہ درست نہیں۔ کیونکہ ان کا مسیح پر وہ ایمان نہیں جو ہم عیسائیوں کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اِدھر مخالفت سے بھرا ہُوا یہ مضمون نکلا اُدھر اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب کے لئے بھی بعض مخالفین کو ہی تیار کر دیا۔ چنانچہ ہالینڈ کے ایک کیتھولک اخبار "M - 66" نے مارچ ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں

"جماعتِ احمدیہ عیسائی علماء کے لئے خوف و ہراس کا باعث ہے"

کا عنوان دیتے ہوئے اس مضمون کا مفصّل جواب دیا[1]۔ چنانچہ اس نے لکھا:۔

"پروفیسر ڈاکٹر ہیوبن (HOUBEN) نے ہمیں اپنا مضمون جو انہوں نے جماعتِ احمدیہ کے متعلق لکھا ہے غور سے پڑھنے کے لئے کہا ہے اور ان کے اس ارشاد کی تعمیل میں ہم نے اس مضمون کو غور سے پڑھا۔ اس کے مطالعہ سے مندرجہ ذیل دو اہم اعتراضات کا پتہ چلتا ہے جو اُنہوں نے اسلام اور احمدیت پر کئے ہیں۔

اوّل یہ کہ اسلام ایک جابر اور قہار خدا کا تصوّر پیش کرتا ہے اور یہ کہ جماعتِ

---

[1] ترجمہ بحوالہ "بیرونی ممالک میں تبلیغِ اسلام اور اس کے نتائج" صفحہ ۱۳-۱۵

احمدیہ اور مسجد ہیگ کو ہالینڈ میں اسلام کا نمائندہ تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس جماعت کے بانی پر دوسرے مسلمان کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ اس طرح اُن کی طرف سے اسلام کی جو تشریح اور توضیح کی جاتی ہے وہ اسلام نہیں کہلا سکتا[۱]

دوم یہ کہ مسجد ہیگ سے مسیح ناصری کے بارہ میں جھوٹا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ظاہری طور پر تو یہ کہا جاتا ہے کہ ہم مسلمان مسیح ناصری پر ایمان رکھتے ہیں لیکن درحقیقت ان کا ایمان اس ایمان سے بہت مختلف ہوتا ہے جو عیسائی رکھتے ہیں۔"

اخبار مذکور ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"پروفیسر ڈاکٹر ہیوبن کا اسلام کے متعلق یہ لکھنا کہ وہ ایک جابر اور قہار خدا کا تصور پیش کرتا ہے سراسر مغالطہ انگیز ہے۔ اور یہ کہنا کہ اسلام میں تجدید و احیاء کی قوت کا فقدان ہے دُور از حقیقت ہے کیونکہ خود جماعتِ احمدیہ تجدید و احیاءِ اسلام کا ایک زندہ ثبوت ہے اور شاید اسی لئے وہ عیسائی علماء کے لئے خوف و ہراس کا باعث بنی ہوئی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا پروفیسر ڈاکٹر کمپس (CAMPS) نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا تھا اور اس جماعت کی طرف سے ہوشیار رہنے کی طرف توجہ دلائی تھی۔"

آگے چل کر اخبار مذکور نے لکھا ہے کہ:۔

"جماعتِ احمدیہ کی طرف سے اسلام کی تجدید و احیاء کی کوشش اس کی بنیادی تعلیمات یعنی قرآن کریم کے عین مطابق ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ کا تصور یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق سے محبت کرنے والا ہے۔ یہ جماعت اِس تعلیم کے نتیجہ میں بین الاقوامی اخوت کی دعویدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس جماعت نے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنے والے مسلمانوں میں سے پانچ لاکھ کے قریب لوگوں کے قلوب میں تبلیغ و اشاعتِ اسلام کی رُوح پھونک کر تبلیغی مساعی کی حقیقی تڑپ پیدا کر دی ہے اور اِس جماعت نے عیسائیت یا مارکسزم سے یہ نظریات

---

[۱] اب عیسائیوں کی طرف سے دلائل سے عاجز آ کر یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں اختلافات کو ہوا دے کر توجہ ہٹائی جائے خصوصاً جماعتِ احمدیہ کے متعلق یہ پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ یہ تو مسلمان ہی نہیں یہ اسلام کی نمائندگی کیسے کر سکتے ہیں۔ گویا یہ عیسائی اسلام کو زیادہ سمجھتے ہیں +

مستعار نہیں لئے بلکہ خالص اسلام کے پیغام کو لے کر ایک طرف پُرانے خیالات کے مسلمانوں کی اصلاح کا کام شروع کیا ہے تو دوسری طرف اس پیغام کے ذریعہ عیسائی دُنیا اور دہریوں پر اتمامِ حُجّت کر دی ہے۔

یہ درست ہے کہ جماعتِ احمدیہ ساڑھے سینتیس کروڑ مسلمانوں میں ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ اسلام میں اِن معنوں میں ORTHODOX اور متحدہ اکثریت موجود ہی نہیں جن معنوں میں کیتھولک عیسائی یہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ اسلام میں تو کیتھولک مذہب کی طرح DOGMAS (اندھے عقائد) موجود ہی نہیں اور نہ ہی اسلام اپنی تعلیمات پر کسی اَور کو حکم تسلیم کرتا ہے۔ اُس کی تعلیم کا ایک ہی سرچشمہ ہے اور وہ ہے قرآن۔ جس طرح اصلاح یافتہ عیسائیوں کے نزدیک اُن کی مذہبی کتاب بائیبل ہے اور جس طرح بائیبل کی آیات کی مختلف تشریحات و توضیحات سے متعدد فرقے پیدا ہوئے ہیں جو سب کے سب عیسائی ہی ہیں بعینہٖ اسی طرح قرآن کی تشریح اور تفسیر سے بھی مختلف و متعدد مکاتیبِ فکر معرضِ وجود میں آئے۔ لہٰذا کسی فرقہ کو اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دراصل تجدید و احیاء کی بنیاد پر چرچ اور فرقہ میں فرق اور امتیاز کرنا ہمیشہ سے ہی ایک نہایت مشکل اور نازک مسئلہ رہا ہے۔ مسلمانوں نے کبھی بھی علماء کو حَکَم نہیں مانا (جس طرح چرچ اور پوپ مذہبی عقائد میں اجارہ داری رکھتے ہیں نہ کہ کتاب) اور پھر دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرآن جو ایک ہی وجود محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی لائی ہوئی کتاب ہے بائیبل کی نسبت زیادہ واضح زبان میں بات کرتی ہے۔ اور بائیبل کا یہ حال ہے کہ اس میں مختلف لوگوں کی باتوں کو بعد میں جمع کیا گیا ہے۔

احمدیت اسلام کی مختلف شکلوں میں سے ایک شکل ہے مگر یہ اسلام کی ایک ایسی ہی صورت ہے جو اسلام کی نمائندگی کرنے کا پُورا پُورا حق رکھتی ہے۔ اس تحریک کو یقیناً مخالف خیالات رکھنے والے مسلمانوں کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے مگر یہ مخالفت کرنے والے علمی رنگ میں بات کرنے سے تہی اور کیتھولک ذہنیت ہی کے مظہر نظر آتے

ہیں جو اپنے خیالات سے اختلاف رکھنے والوں کو کافر اور دائرۂ مذہب سے خارج قرار دیتے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر ہیو بن نے اپنے مضمون میں گیارہ نکات ایسے بیان کئے ہیں جو اُن کے خیال میں احمدیوں اور دیگر مسلمانوں کے درمیان مابہ النزاع ہیں لیکن اُن کی یہ بات بھی ایسی ہی ہے جیسے کیتھولک مکتبِ فکر کی موجودہ مغالطہ انگیز شکل ہے۔ احمدیہ جماعت کو اسلام سے منحرف صرف اُس وقت قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ وہ قرآنی تعلیمات سے رُوگردانی کرے مگر جماعتِ احمدیہ کا تو یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہو سکتی ہے۔ نیز یہ کہ اگر کہیں یہ محسوس ہو کہ ایک آیت کسی دوسری آیت کی مخالف ہے تو وہاں پر وہ تضاد کسی غلط تشریح کی وجہ سے پیدا ہوا ہوگا۔[۱] (ترجمہ)

کیتھولک سنٹر کو دعوتِ مقابلہ یورپین پادریوں نے اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی چہرہ کو بگاڑ کر پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ مشہور ڈچ مستشرق سی۔ ایس۔ ہرخرنجے (C. S. HURGRONJE) "محمد ازم" میں لکھتے ہیں

"ہر وہ بات جو اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے اختیار کی جاتی یا گھڑی جاتی تھی یورپ ایک لالچی اور حریص آدمی کی طرح اسے اچک لیتا تھا حتّٰی کہ ازمنہ وسطیٰ میں ہمارے آباء واجداد کے ذہنوں میں محمد کا جو تصوّر قائم تھا وہ آج ہمیں ایک انتہائی طور پر مکروہ اور گھناؤنی شکل کے مترادف نظر آتا ہے۔" (ترجمہ)

اِس سلسلہ میں صدیوں سے خاص طور پر یہ اعتراض وسیع پیمانہ پر پھیلایا اور ہر نسل میں اچھی طرح راسخ کیا گیا کہ اسلام تلوار کا مذہب ہے۔

ہالینڈ مشن نے ٹیلی ویژن، ریڈیو، اخبارات کے انٹرویو اور اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ اس جھوٹ کی خوب قلعی کھولی ہے[۲] مگر متعصب پادری ہیں کہ آج تک یہ مغالطہ دیئے جا رہے ہیں

---

[۱] بحوالہ جماعتِ احمدیہ کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ واشاعت صفحہ ۱۶ و صفحہ ۲۰۔ لیکچر صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل الاعلیٰ و وکیل التبشیر بر موقعہ جلسہ سالانہ ۱۹۶۷ء

[۲] ڈاکٹر ڈیلونگ (ہیگ) نے حافظ قدرت اللہ صاحب کی کتاب (WHAT IS ISLAM) کے دیباچہ میں لکھا:-

"اسلام کے بارے میں یہاں لوگوں کو بہت ہی کم صحیح معلومات مہیا ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر ہم بارہا پڑھتے ہیں کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنا مذہب تلوار کے ذریعہ پھیلائیں لیکن اس کے برعکس قرآن کریم

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چنانچہ ہش ۱۳۴۷/ ۱۹۶۸ء کا ذکر ہے کہ ہالینڈ کے کیتھولک سنٹر APASTORAAL نائمیگن (NIJMEGEN) کے ایک ماہوار پمفلٹ میں ایک مستشرق صاحب نے اسلام کے خلاف اسی خیال کی بنا پر ایک مضمون لکھا جس کا احمدیہ مشن کے انچارج جناب عبدالحکیم صاحب اکمل نے فوری نوٹس لیا اور انہیں ایک مکتوب مفتوح کے ذریعہ سے للکارا کہ اگر ان کے موقف میں ذرا برابر صداقت موجود ہے تو وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی ایک آیتِ قرآنی ہی اس کے سیاق و سباق کی روشنی میں پیش کر دکھائیں۔ مگر مستشرق صاحب مذکور اس چیلنج کا جواب تک نہ دے سکے اور کاسرِ صلیب کے شاگردوں کے مقابل بالکل چپ سادھ لی۔[1]

ترک اور مراکش کے مسلمانوں کی خدمت

جماعتِ احمدیہ کے علاوہ ہالینڈ میں بہت سے ترکی اور مراکشی مسلمان بھی آباد ہیں جو اپنے مشکل مسائل و معاملات میں احمدیہ مشن ہاؤس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور احمدی مبلغ ان کی خدمت کے لئے ہر وقت مستعد اور کمربستہ رہتے اور اس میں بہت خوشی محسوس کرتے ہیں۔ مدت سے یہاں ایک مشکل مسئلہ درپیش تھا مسلمان ہالینڈ میں گوشت کا استعمال اپنے انتظام کے تحت باقاعدہ اسلامی ذبیحہ کی شکل میں کرنا چاہتے تھے مگر حکومت کا قانون اس کی اجازت نہ دیتا تھا۔ اس پر مبلغِ ہالینڈ صلاح الدین خاں صاحب نے حکومت کے متعلقہ محکمہ کو اس طرف بذریعہ خطوط توجہ دلائی اور حکومت نے اس کی اجازت دے دی۔[2]

نابیناؤں کیلئے ڈچ ترجمہ قرآن کیلئے خصوصی تعاون

فروری ۱۹۷۰ء میں ہالینڈ مشن کو ایک خوشخبری یہ ملی کہ نابیناؤں کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ میں واضح طور پر فرمان ہے کہ "لا اکراہ فی الدین"۔

اسلام کے جملہ مکاتیبِ فکر میں سے صرف جماعتِ احمدیہ ہی ایک ایسا اسلامی فرقہ ہے جس نے اسلام کی مکمل اور واضح تصویر پیش کی ہے۔"

دیباچہ "WHAT IS ISLAM" DR. K.H.E DE JONG 2 JULY 1958

حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا:۔

[1] الفضل ۳۰ ظہور/ اگست ۱۳۴۷ ہش/ ۱۹۶۸ء صفحہ ۳

[2] الفضل ۳۱ اخاء/ اکتوبر ۱۳۴۹ ہش/ ۱۹۷۰ء صفحہ ۵

رسم الخط میں ڈچ ترجمہ قرآن تیار کیا جائے گا۔ اسلام اور احمدیت سے بڑھتی ہوئی دلچسپی کے پیشِ نظر ہالینڈ کے نابیناؤں کی انجمن کے ڈائریکٹر کے دل میں یہ خیال آیا۔ چنانچہ انہوں نے اِس سلسلے میں مشن کو اپنے خیال سے آگاہ کیا۔ ایک ڈچ قرآن کا مطالبہ کیا۔ مبلّغ ہالینڈ صلاح الدین خاں صاحب نے ان سے خط و کتابت کی اور ایک ڈچ قرآن کا نسخہ بھجوا دیا نیز لکھا کہ اگر زیادہ مہنگا نہ پڑے تو ایک نسخہ ہالینڈ میں جماعتِ احمدیہ کے مشن کی لائبریری کے لئے بھی تیار کیا جاوے جس پر اُن کا جواب آیا ہمیں ایک نسخہ بنانے میں ایک سال کا عرصہ درکار ہوگا لہٰذا یہ کام بہت مہنگا ہے۔ مبلّغِ ہالینڈ نے اُن کو لکھا اگر اِس قدر مہنگا ہے تو مشن متحمّل نہیں ہوسکے گا لہٰذا مشن کے لئے نہ بنوایا جائے۔ مگر اُن کا جواب ملا کہ چونکہ آپ نے ہمارے ساتھ تعاون کیا ہے لہٰذا ہم اب ایک کی بجائے دو نسخے تیار کریں گے ایک اپنی انجمن کے لئے اور دوسرا آپ کے مشن کی لائبریری کے لئے۔ اُمید ہے کہ نابیناؤں کے رسم الخط میں ڈچ قرآن کے یہ نسخے ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ میں تیار ہو جائیں گے۔

عیسائی حلقوں کی طرف سے ہالینڈ میں چرچ کے زوال کا واضح اعتراف

ہالینڈ میں اسلامی مشن کے قیام کا ایک نمایاں ردِّ عمل یہ ہُوا کہ عیسائیت (جسے قبل ازیں ملک میں اجارہ داری حاصل تھی) کُھلے طور پر زوال پذیر ہے اور خود عیسائی حلقوں کی طرف سے اس کا واضح لفظوں میں اعتراف کیا جارہا ہے۔ اِس ضمن میں ہیگ شہر کے اعلیٰ طبقہ میں مقبول روزنامہ "HET VADER LAND" اپنی اشاعت مورخہ ۲۔ جون ۱۹۶۳ء میں لکھتا ہے:-

"ہالینڈ کی پراٹسٹنٹ انجمن کی ہیگ شاخ نے بڑے غور کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ موسمِ گرما میں چرچ میں عبادت کرنا بند رکھا جائے۔ لہٰذا آئندہ سال سے مہینہ کے پہلے اتوار کی صبح کوئی عبادت نہیں ہُوا کرے گی۔ یہ اہم فیصلہ ہیگ شہر کی پراٹسٹنٹ انجمن کی مرکزی کمیٹی کو لوگوں کی چرچ میں آنے میں غیر معمولی کمی کے باعث کرنا پڑا ہے۔

عبادت کے اجتماعات حسبِ اوقات فری میسن سوسائٹی کے ہال میں منعقد کئے جاتے ہیں۔ آخری عبادت کے اجتماع میں جبکہ ایک مہمان پادری نے امامت کے فرائض سرانجام دیئے صرف انّیس ۱۹ آدمی حاضر تھے۔

اِس شاخ کے چرچ پادری یعقوب (DS. JACOB) نے استعفیٰ دے دیا ہے۔"

یہی اخبار اپنی ایک دوسری اشاعت مورخہ ۲۳ ستمبر ۱۹۶۸ء میں رقمطراز ہے:۔

"ہیگ شہر کے ریفارمڈ چرچ کی انجمن نے اپنی حالیہ سالانہ رپورٹ ۱۹۶۷ء میں لکھا ہے کہ

"اِس سال کے دَوران ان کے ممبران میں سے سات ہزار آدمی چلے گئے ہیں۔"

اخبار نے مزید لکھا کہ:۔

"۱۹۶۸ء میں جبکہ ۱۹۵۸ء سے لے کر ۱۹۶۸ء تک کے عرصہ کی رپورٹ مرتب کرتے وقت اِس عرصہ میں چرچ چھوڑ کر جانے والوں کا جائزہ تیار کیا جائے گا تو یہ واضح ہو جائے گا کہ اِس عرصہ میں چرچ سے علیحدہ ہونیوالوں کی تعداد پچاس ہزار ہو چکی ہے۔"

ایک دوسرے آزاد خیال عیسائی حلقہ کا اخبار سونگلی (SWINGLI) اپنی اشاعت مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۶۸ء میں لکھتا ہے:۔

"کیا پچاس سال بعد ایک بھی چرچ باقی رہ جائے گا؟"

نیز ایک پراٹسٹنٹ مناد ڈاکٹر فان ڈوردن (DR. VAN WOERDEN) کے ایک مضمون کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ پادری صاحب نے لکھا ہے کہ:۔

"ان حالات کو دیکھتے ہوئے جو روزانہ میرے اردگرد ہو رہے ہیں مَیں علیٰ وجہ البصیرت یہ کہہ سکتا ہوں کہ جہاں جہاں عیسائی مناد اور انجمنیں پُرانی ڈگر پر گامزن ہیں چرچ ڈگمگاتا ہوا نظر آرہا ہے اور ڈگمگانے کا یہ سلسلہ تیز رفتاری سے بڑھتا جا رہا ہے۔"[1] (ترجمہ)

ہالینڈ میں اِسلام کی واضح پیش قدمی اور ابتدائی فتوحات عیسائی چرچ کی نظر میں

ہالینڈ میں عیسائیت جس تیزی کے ساتھ انحطاط و زوال کے گڑھے کی طرف جارہی ہے اس سے زیادہ برق رفتاری کے ساتھ اسلام خدا کے فضل و کرم، نظامِ خلافت کی برکت اور مبلّغینِ احمدیت کی شبانہ روز مساعی کے نتیجہ میں آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا ہے اور نہایت قلیل عرصہ میں اس نے ملک کے علمی میدان میں واضح پیش قدمی کی ہے۔ جماعت احمدیہ کو اِس بارے میں اَب تک جو فتوحات حاصل ہوئی ہیں وہ اگرچہ بظاہر بہت معمولی اور ایک خوشکن

---

[1] الفضل ۱۲ ۔ نبوت / نومبر ۱۳۴۷ہش / ۱۹۶۸ء صہ ۳۔

ابتدا رسے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں مگر اپنی نوعیّت کے اعتبار سے یقیناً غیر معمولی ہیں۔ اِس حقیقت کا کسی قدر اندازہ ولندیزی پریس خصوصاً چرچ کے اخبارات وجرائد سے کیا جا سکتا ہے۔ اِس ضمن میں بطور مثال صرف چند تحریرات ملاحظہ ہوں۔

(۱) ایک روزنامہ اڈیشہ سے کرنت (EDESCHE COURANT) اپنی ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں ہالینڈ کے لوگوں کو بڑے واضح رنگ میں متنبہ کرتا ہوا لکھتا ہے کہ "اسلام کے بڑھتے ہوئے نفوذ کو اور احمدیہ مشن کی سرگرمیوں کو معمولی خیال نہ کریں"۔ اس کے بعد لکھتا ہے کہ" جماعتِ احمدیہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم کے لئے بہت روشن مستقبل کے خواب دیکھ رہی ہے اور خاص طور پر یورپ میں"۔ پھر لکھا ہے کہ" جب تک یورپ پھر سے ایک دفعہ پورے طور پر متحد ہو کر مسلمانوں کے متحدہ محاذ کا جس میں جماعتِ احمدیہ سب سے زیادہ قوت والی مشینری ہے ڈٹ کر مقابلہ نہ کرے اس وقت تک یہ سیلاب رُکنے والا نہیں"۔ [۱]

(۲) ہیگ کے ایک کثیر الاشاعت اخبار نیو ہا گسے کرنت (N. H. COURANT) اپنی ۲۰۔ ستمبر ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں زیرعنوان" مغربی یورپ میں اسلامی مہم کا آغاز" لکھا :۔

"گزشتہ ۱۱، ۱۲ سال کے عرصہ میں یورپ نے کسی بڑی تعداد میں اسلام کو عملاً قبول نہیں کیا مگر یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ اس عرصہ میں جماعتِ احمدیہ کی کوششوں سے ایک بھاری تعداد اسلام سے ہمدردی رکھنے والوں کی ضرور پیدا ہو گئی ہے"۔

اِسی طرح ہالینڈ مشن کے مختلف اخبارات نے ایک دفعہ "اسلامی ہلال یورپ کے اُفق پر" کے موضوع پر اِس خیال کا اظہار کیا کہ :۔

" یورپ کا نوجوان طبقہ عیسائیت سے کچھ بیزار ہو رہا ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ کسی بھی دوسری چیز کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف اسلام یورپ میں اتحاد کا علَم لئے ہوئے ہے اور یہ نوجوان طبقہ ادھر مائل ہو رہا ہے۔ اِس بہاؤ کو روکنے کے لئے جس کا سبب سے طاقت ور انجمن جماعتِ احمدیہ ہے ان کی راہ میں ایک ستون گاڑنا ہوگا"۔ [۲]

---

[۱] الفضل ۱۰ شہادت / اپریل ۱۳۴۲ھش / ۱۹۶۳ء صفحہ ۴ کالم ۲ ÷ [۲] بحوالہ رسالہ خالد ربوہ امان / مارچ ۱۳۴۸ھش / ۱۹۶۹ء صفحہ ۱۵ تا صفحہ ۱۹

(۳) اخبار نیوے ہاگسے کرنت (NIEUWE HAAGSCHE COURANT) (ہیگ) نے اپنی ۲۰ ستمبر ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں "مغربی یورپ میں اسلامی مہم کا آغاز" کے زیرِ عنوان لکھا:-

"اسلام کسی خاص قوم یا علاقہ کا مذہب نہیں ہے بلکہ یہ ایک عالمگیر مذہب ہے اور موجودہ عالمی مشکلات کا حل اس میں مضمر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گزشتہ گیارہ بارہ سال کے عرصہ میں یورپ کی کسی قابلِ ذکر تعداد نے اسلام کو عملاً قبول نہیں کیا مگر یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ اس عرصہ میں اس جماعت کی کوششوں سے ایک بھاری تعداد اسلام سے ہمدردی رکھنے والی ضرور پیدا ہو گئی ہے۔" [1]

(۴) مشنری سکول کے طلباء کی کانفرنس کے موقعہ پر ایک مشہور مستشرق ڈاکٹر فان لیون (DR. A. TH. VAN LEEUWEN) نے بیان کیا کہ:-

"گزشتہ صدیوں میں عیسائیت صرف مغربی ممالک تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ مسلم ممالک میں بھی پھیلی۔ مگر اب تصویر کا دوسرا رُخ یہ نظر آ رہا ہے کہ ایک عرصہ سے اسلام بھی احمدیہ تحریک کے ذریعہ عیسائی ممالک میں پھیل رہا ہے بلکہ خاص مغربی ممالک میں بھی۔"

مشنری سکول کے اخبار میں بھی اسی پروفیسر کا ایک بیان شائع ہوا کہ

" احمدیہ تحریک کے نام لیوا بڑی جانفشانی سے اسلام کو دُنیا میں پھیلانے میں کوشاں ہیں۔ خاص طور پر افریقہ میں پھر مغربی ممالک میں جن میں ہمارا ملک ہالینڈ بھی شامل ہے انہیں خاصی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"

ڈاکٹر فان لیون (DR. VAN LEEUWEN) نے ریفارمڈ چرچ کے سالانہ اجلاس میں (بمطابق اخبار ترائوس TROUIS ۲۷ اپریل ۱۹۶۰ء) علی الاعلان اس حقیقت اور ضرورت کا بھی اظہار کیا کہ

"احمدیہ مشن جو ہمارے ملک میں اسلام کی تبلیغ کے لئے کوشاں ہے (اور جس کی ہیگ میں مسجد بھی ہے) اس سے ریفارمڈ چرچ تعلق قائم کرے اور بات کر کے کسی نتیجہ پر پہنچے تو بہتر ہے۔" [2]

(۵) ہالینڈ ریفارمڈ چرچ کا نمائندہ اخبار "ہرفارمڈ نیدرلینڈ" (HERVORMD NEDERLAND) نے اپنی ۲۲ جولائی ۱۹۶۱ء کی اشاعت میں زیرِ عنوان "مسلم مشن زندہ چرچ

---

[1] رسالہ خالد ربوہ امان/ مارچ ۱۳۴۸ہش/ ۱۹۶۹ء صفحہ ۲۵-۲۶ ؛ [2] الفضل ۱۰ ارشہادت/ اپریل ۱۳۴۲ہش/ ۱۹۶۳ء صفحہ ۵ کالم ۲

کے لئے ایک صحت مند چیلنج ہے" لکھا:-

"آج سے دس سال قبل اسی اخبار میں یہ سوال زیرِ بحث تھا کہ یہ لوگ (احمدیہ مشن والے) کس لئے یہاں آئے ہیں۔ ہمارے ملک میں ان کا کیا کام ہے اور یہ کہ کس نے انہیں یہاں آنے دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر اب حقیقت کھلی ہے کہ یہ لوگ بڑے پکے ارادے سے آئے تھے اور پورے طور پر سنجیدہ تھے اور اس کا ثبوت اس وقت ملا جب ۱۹۵۵ء میں انہوں نے ہیگ میں ایک مسجد تعمیر کر کے رکھ دی"۔[1] (ترجمہ)

(۹) مندرجہ ذیل مبسوط مضمون ہالینڈ کے پانچ روزناموں میں تصاویر اور جلی عنوانات کے ساتھ ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا:-

"یورپ کے عیسائی مشنری تو کئی صدیوں سے تمام دُنیا میں عیسائیت پھیلانے میں کوشاں ہیں لیکن دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے خصوصاً مشرق کے مسلمان مشنری بھی یورپ میں قدم جما رہے ہیں۔ وہ اسلام کی اشاعت کرتے ہیں اور اپنی تبلیغی مساعی میں سرگرمِ عمل ہیں۔ یورپ کے متعدد ممالک میں انہوں نے مساجد تعمیر کی ہیں۔ ایک مسجد انہوں نے ہالینڈ میں بھی تعمیر کی ہے۔ یہ واحد ڈچ مسجد ہیگ میں ہے۔ یہ ہمارے ملک کے مسلمانوں کا رُوحانی مرکز ہے جہاں سے وہ اپنے عقائد... کی تبلیغ کرتے ہیں۔ یہاں سے سارے ملک میں چھوٹی اور بڑی مختلف کتابیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ تقاریر کی جاتی ہیں اور قرآن پر بہت توجہ دی جاتی ہے مسلمانوں کی اس مقدس کتاب کے ڈچ ترجمہ کی چھ ہزار جلدیں ہالینڈ کے لوگوں کے ہاتھوں میں جا چکی ہیں۔ علاوہ ازیں انگریزی اور جرمن تراجم بھی تقسیم کئے گئے ہیں تبلیغِ اسلام کا یہ سارا کام جماعتِ احمدیہ کے ذریعہ سر انجام دیا جاتا ہے جس کی بُنیاد ۱۸۸۹ء میں رکھی گئی۔ مسلمانوں میں یہی ایک جماعت ہے جو تبلیغِ اسلام کے فرض کو نبھا رہی ہے اور مسلمانوں میں تجدیدِ دین اور اسلامی شریعت کو قائم کرنے کے لئے کوشاں ہے۔

جماعتِ احمدیہ کا مرکز ربوہ، پاکستان میں ہے جہاں سے ایشیا کے مختلف ممالک،

---

[1] الفضل ۱۰ شہادت/اپریل ۱۳۴۲ھش/۱۹۶۳ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

یورپ ، افریقہ اور امریکہ میں مبلّغین بھیجے جاتے ہیں۔ یہ مبلّغین عملی میدان میں قدم رکھنے سے پہلے چار پانچ سال کی ٹریننگ حاصل کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں چودہ۱۴ سال سے اسلامی مشنری کام کر رہے ہیں۔ ان کے مشن نے یہاں ۲ر جولائی ۱۹۴۷ء سے کام شروع کیا تھا اور دسمبر ۱۹۵۵ء میں ہیگ میں مسجد کا افتتاح ہُوا۔ ہالینڈ میں احمدیہ جماعت کے لیڈر اور مسجد کے امام مسٹر کیو۔ یو حافظ ہیں جو یہاں ۱۹۴۷ء سے (سوائے چار سال کے وقفہ کے) کام کر رہے ہیں۔

ہمارے ملک میں لمبے قیام کی بدولت مسٹر حافظ ڈچ بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ حافظ ان کا اصل نام نہیں ہے ان کا اصل نام ڈچ لوگوں کے لئے ادا کرنا کچھ مشکل سا ہے حافظ ایک لقب ہے جو قرآن کو زبانی یاد کرنے والے افراد کو ان کی عزّت افزائی کے لئے دیا جاتا ہے۔

یہ مسجد خالصتاً احمدی جماعت کی مستورات کے چندوں سے بنی ہے۔ یہاں ہر جمعہ کے دن دوپہر ڈھلنے پر نمازِ جمعہ ادا کی جاتی ہے اور اس کے قریب ہی ایک کمرہ میں بیٹھ کر باہم تبادلہ خیالات کیا جاتا ہے۔ جب کوئی مہمان ملاقات کے لئے آتا ہے تو اسے نہایت خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ پھر امام صاحب اسے اپنے مشن کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کرتے ہیں۔ ان کے نائب مسٹر صلاح الدین مشنری کام میں مدد کے لئے حال ہی میں پاکستان سے آئے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اسلام میں احمدیت ہی وہ واحد تحریک ہے جو مشنری کے فرائض سرانجام دے رہی ہے۔ اِسی طرح حضرت احمدؑ کی قائم کی ہوئی یہ تحریک قرآن کی خالص تعلیم کو عملی جامہ میں دیکھنا چاہتی ہے۔ یہ مسلمان اپنے عقیدہ کی تبلیغ تلوار کے ذریعہ نہیں کرتے بلکہ وہ اپنی مقدّس کتاب کے اِس حکم پر بڑی مضبوطی سے کاربند ہیں کہ مذہب میں کوئی جبر نہیں ہونا چاہیئے۔ مسٹر حافظ اِس امر کو یُوں بیان کرتے ہیں کہ ہماری تحریک کی کوشش یہ ہے کہ دُنیا میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو۔ عیسائیوں سے بھی ہمارے تعلقات برادرانہ ہیں۔ ہم دُنیا میں امن اور رواداری کی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام اپنے پیروؤں کو دوسرے مذاہب کی تضحیک سے روکتا ہے اور مسلمانوں کو غیر مذاہب کی

خوبیوں کا احترام کرنا سکھاتا ہے۔

اِن مبلّغین کا اوّلین مقصد لوگوں کو مسلمان بنانا ہی نہیں بلکہ اسلام کے متعلق پیدا کردہ غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا بھی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسلام کو بہتر طور پر سمجھا جائے کیونکہ درسی کتابیں خصوصاً اسلام کی صحیح تصویر کو پیش نہیں کرتیں۔ ہمارے دلوں میں عیسائیت کا پورا احترام ہے ہم حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا ایک برگزیدہ نبی تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن میں قریباً تمام اسرائیلی نبیوں کا تذکرہ موجود ہے۔

احمدیہ تحریک خالصتاً ایک مذہبی تحریک ہے اور وہ سیاسیات میں نہیں اُلجھتی۔ لفظ "اسلام" کے معنی پر زور دیتی ہے جس کے معنے ہیں امن و آشتی قائم کرنا مسلمان وہ شخص ہے جو خدا سے اور بنی نوع انسان سے امن کے تعلقات قائم کرتا ہے۔ خدا کے ساتھ امن رکھنے کے معنی ہیں اس کی مرضی کے آگے کامل طور پر جھک جانا جو کہ ہر قسم کی پاکیزگی اور نیکی کا منبع ہے۔ بنی نوع انسان سے امن قائم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دوسروں سے نیکی اور بھلائی کی جائے۔

اِس تحریک کے پیرو اس خیال کو غلط سمجھتے ہیں کہ (حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی پیروی صرف مشرقی لوگوں ہی کا حق ہے ان کے نزدیک اسلامی تعلیم ایک عالمگیر تعلیم ہے اور مغرب کے لوگوں کے لئے بھی یکساں اہمیت رکھتی ہے۔ یہ مشنری یورپ اور امریکہ میں سرگرمِ عمل ہیں۔ اِس تحریک میں شامل ہونے والوں کو اپنے مشاغل کی سرانجام دہی کی راہ میں ہر قسم کی تکلیف گوارا ہے۔ بہت سے ممالک میں انہوں نے مساجد تعمیر کی ہیں۔ یورپ میں ان کے مندرجہ ذیل مراکز ہیں۔ ہمبرگ، فرینکفورٹ، لندن، زیورچ میں بھی ایک مسجد تعمیر کرنے کی تیاری کی جارہی ہے۔ اِسی طرح کوپن ہیگن میں بھی ایک مسجد بنانے کی تجویز ہے۔ امریکہ میں بارہ ۱۲ مراکز ہیں۔ افریقہ کے مغربی اور مشرقی ساحلوں پر مشنری کام نہایت زوروں پر ہے جہاں بہت سے افریقی اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اسلامی مبلّغین کی کاوشوں کا ردِّ عمل یہاں مختلف ہے۔ چودہ ۱۴ سال قبل جب مسٹر حافظ ہالینڈ پہنچے تھے تو کلوینسٹ (CALVINIST) ـــ ایک کٹر عیسائی فرقہ کے اخبار نے پوچھا "کیا سرزمین

نیدرلینڈ پر اب ہلال طلوع ہوگا؟" ہم مسٹر حافظ صاحب کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ ان کی آمد پر ہم بالکل خوش نہیں۔"

سرد مہری سے استقبال کئے جانے والے مسلمان نے بڑی محبّت کے ساتھ جواب دیا "ہم تو باہم رواداری اور اخوّت کی تبلیغ کرتے ہیں۔" اخبار کل ونیسٹ (CALVINIST) کے لب و لہجہ سے بظاہر مسٹر حافظ نے ہمّت نہ ہاری۔ مسٹر حافظ نے کہا "مَیں یہاں کام کرنا پسند کرتا ہوں اور مَیں یہاں اپنے ملک سے بھی زیادہ مانُوسیّت محسوس کرتا ہوں۔" انہوں نے عیسائی مشنریوں سے جن میں کچھ پادری بھی ہیں خوشگوار تعلقات قائم کر رکھے ہیں۔ وہ رومن کیتھولکس سے بہت ہمدردی رکھتے ہیں کیونکہ وہ مذہب کی رسّی کو مضبوطی سے تھامنا جانتے ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ اسلام کے متعلق پراٹسٹنٹ عیسائیوں کے مقابلہ میں کیتھولک عیسائیوں میں زیادہ دلچسپی پائی جاتی ہے۔ ڈچ نومسلموں میں سے زیادہ تر پہلے رومن کیتھولک فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ نیدرلینڈ میں تقریباً ایک ہزار مسلمان ہیں جن میں طلباء بھی ہیں۔ انڈونیشیا اور ڈچ گی آنا کے مسلمان بھی ہیں اور مسلمان ممالک کے سفارت خانوں کے کارکنان بھی شامل ہیں بہت سے ڈچ نومسلموں کا پہلے افریقہ سے یا مشرق سے کوئی نہ کوئی تعلق رہا ہے۔ ایک ڈچ نومسلم کو جو پہلے رومن کیتھولک تھا اپنے تجربات کے متعلق کچھ بتانے کے لئے کہا گیا تو وہ کہنے لگے "ایک نوجوان کی حیثیت سے مَیں زیادہ دیر رومن کیتھولک عقیدہ پر ایمان نہ رکھ سکا۔ اسلام سے متعلق ایک کتاب میرے ہاتھ لگی اور مَیں نے مسٹر حافظ سے راہ و رسم پیدا کی۔ یہ گفتگو آسان نہ تھی کیونکہ جو کچھ آپ کو گھر سے ملا ہے اس سے آپ آسانی سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔ مسلمان ہو کر آپ کو پراگندہ حالات میں سے گزرنا پڑتا ہے اور خاندان میں آپ کی حیثیت کالی بھیڑ کی سی ہو جاتی ہے۔ میرے والد مجھے ایک پادری کے پاس لے گئے کہ مَیں اس سے گفتگو کروں مَیں نے ایسا ہی کیا مگر یہ امر میری نظرِ انتخاب کو نہ بدل سکا۔"

ماہنامہ "الاسلام" ڈچ زبان میں جو احمدیہ مسلم مشن ہیگ سے شائع ہوتا ہے اس میں

ایک سابق رومن کیتھولک نوجوان کا مضمون (اسلامی تعلیم کے اِس پہلو پر نمایاں طور پر روشنی ڈالتا ہے) کہ "ہم مسلمان ہیں۔ لفظ مسلم کے حقیقی معنوں میں۔ ہم نے اس چیز کو حاصل کر لیا ہے جسے قرآن پاک ہماری زندگی کا مقصد قرار دیتا ہے۔"

مسٹر حافظ اور ان کے اسسٹنٹ ہمارے ملک میں اتنا کام نہ کر سکتے اگر ان کو دوسرے مسلمانوں کا تعاون حاصل نہ ہوتا لیکن یہ امر واضح ہے کہ یہاں کے مسلمان (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم کے پُرجوش اور سرگرم پیرو ہیں۔ مسٹر حافظ کہتے ہیں "ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے تئیں ایک مشنری سمجھے" اور وہ چیز جو ان کے اور عیسائیت کے درمیان ایک بندھن کا رنگ رکھتی ہے یہ ہے کہ دونوں مذاہب لا مذہب کمیونزم کو ناپسند کرتے ہیں۔ مسٹر حافظ کہتے ہیں "مشنری سرگرمیوں کے طفیل ہماری جماعت میں شامل ہونے والوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے" قدیم اسلامی اخوت جو حضرت محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں پائی جاتی تھی اب دوبارہ زندہ ہو رہی ہے۔" "اس مہینے میں ہم سب مسلمان پھر رسولِ خدا حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی یاد کو تازہ کریں گے۔" آپ کے یومِ پیدائش کی تقریب ۲۳ر اگست ۱۹۶۱ء کو اسی مسجد میں منائی جا رہی ہے۔ اِس مسجد کی چھتوں پر مسٹر حافظ چند مینارے بنوانا چاہتے ہیں۔ یہ کام غالباً مستقبل قریب میں ہی ہو جائے گا تب یہ اسلامی عبادت گاہ بڑی آسانی سے پہچانی جائے گی۔" ؎۱ (ترجمہ)

(۷) ایمسٹرڈم کا ایک مشہور کثیر الاشاعت روزنامہ "ہیت پارول" HET PAROOL اپنی ۳۰ر مارچ ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں لکھتا ہے "عیسائیت کو چیلنج" "مشرقی مذاہب کی پیش قدمی"۔ اِس تین کالم کی موٹی سُرخی کے بعد ایک لمبے مضمون کے تسلسل میں یہ اخبار لکھتا ہے کہ یوروپ میں احمدیہ مشن پوری طاقت کے ساتھ تبلیغ میں مصروف ہے۔ یہ تحریک گزشتہ صدی کے آخر میں اُٹھی تھی۔ اب ہمارے ملک میں ہیگ شہر میں اِس مشن کی ایک مسجد ہے۔ اِس کے علاوہ بعض اَور یورپین ممالک مثلاً جرمنی میں ان کی تین مساجد ہیں۔ اس طریق سے یہ مشن اپنی تبلیغ کے لئے راستے ہموار کر رہا ہے۔" ؎۲ (ترجمہ)

(۸) ایمسٹرڈم کا ایک اَور مشہور روزنامہ ہیت فرائے فولک (HET VRIJE VOLK) اپنی

؎۱ الفضل ۱۹ر اخاء/ اکتوبر ۱۳۴۰ھش/ ۱۹۶۱ء

؎۲ الفضل ۱۰ر شہادت/ اپریل ۱۳۴۲ھش/ ۱۹۶۳ء صفحہ ۵ کالم ۳

۹ر جون ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ:۔

"احمدیہ مشن جو ایک اسلامی تحریک ہے چند سالوں سے ہمارے ملک ہالینڈ میں پورے زور سے اسلام کی تبلیغ میں سرگرم عمل ہے اور یہی کیفیت بعض دیگر یورپین ممالک میں ہے۔"[1]

(۹) لائڈن (LEIDEN) یونیورسٹی مشرقی علوم کی درس گاہ کے طور پر تمام دنیا میں مشہور ہے مشہور پروفیسر کرامرز جنہوں نے حال ہی میں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جیسے اہم کام میں اہم کردار ادا کیا اسی درس گاہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی شہر لائڈن میں عیسائیوں کا ایک اہم مشنری سکول بھی ہے جہاں کے تربیت یافتہ مشنری دُور و نزدیک بھجوائے جاتے ہیں۔ اس مشنری سکول کی ایک اہم کانفرنس ۱۹۶۱ء میں ہوئی جس میں یہاں کے ایک مشہور مستشرق ڈاکٹر فان لیون (DR. VAN LEEUWEN) نے بیان کیا کہ

"گزشتہ دَور میں عیسائیت صرف مغربی ممالک تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ مسلم ممالک میں بھی پھیلی مگر اَب تصویر کا ایک دوسرا رُخ یہ نظر آرہا ہے کہ ایک عرصہ سے اسلام بھی احمدیہ تحریک کے ذریعہ عیسائی ممالک میں نفوذ کر رہا ہے بلکہ خود مغربی ممالک میں بھی۔"

پھر آگے جا کر یہی پروفیسر سکول کے جاری کردہ بولیٹن (BULLETIN) کی جون ۱۹۶۱ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ

"احمدیہ تحریک کے نام لیوا بڑی جانفشانی سے اسلام کو دُنیا میں پھیلانے میں کوشاں ہیں خاص طور پر افریقہ میں بلکہ مغربی ممالک میں بھی۔ جن میں ہمارا ملک ہالینڈ بھی شامل ہے یہاں انہیں خاص کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"[2]

(۱۰) لائیڈن یونیورسٹی کے طلباء کا ایک اخبار "هیت آؤلچے" (HET UILTJE) اپنی فروری ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں امام مسجد ہالینڈ کے ایک لیکچر کے ضمن میں لکھتا ہے کہ:۔

"اس لیکچر سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایسا ناقابل مذہب نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے بلکہ اس کے برعکس یہاں ایک نہایت فعال (ACTIVE) احمدیہ جماعت کا مشن اسلام کی تبلیغ میں سرگرم عمل ہے۔"

---

[1] الفضل ۱۰ شہادت/اپریل ۱۳۴۲ھش/۱۹۶۳ء صفحہ ۴ کالم ۴ ؛ [2] ایضاً ؛

(۱۱) اسی طرح ایک اور روزنامہ "لیووارڈر کورنت" (LEEUWARDER COURANT) اپنی ۱۲ جولائی ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں رقمطراز ہے کہ :-

"احمدیہ تحریک کو ہم اس دقیانوسی اسلام پر قیاس نہ کریں جس کا تصور عام طور پر عربی ممالک کے متعلق ہمارے ذہنوں میں ہے بلکہ یہ تحریک ایک نئی جماعت ہے جس کی بنیاد اسلام پر ہے۔ تمام اسلامی دُنیا میں یہی ایک خاص تنظیم ہے جو ACTIVE طور پر اسلام کی تبلیغ کا کام کر رہی ہے۔" [1]

(۱۲) اس ضمن میں لائڈن کے ایک اخبار "فورم اکاڈیمیسے" (FORUM ACADEMISE) کا اظہار خاص طور پر قابلِ ذکر ہے وہ اپنی ۲۹ جون ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں لکھتا ہے :-

"ایک عام یوروپین کے ذہن میں مسلمان کا جو تصور ہے وہ کچھ اس طرح کا ہے کہ وہ گویا جنگ جو انسان ہوتا ہے۔ سؤر کے گوشت سے اجتناب کرتا ہے۔ ریت سے ہاتھ صاف کرتا ہے۔ سر پر پگڑی سی ہوتی ہے اور عورت کو بہت چاہتا ہے۔ مگر یہ تصور یکدم بدل جاتا ہے اگر ایک شخص ہالینڈ میں کام کرنے والے احمدیہ مشن سے تعلق قائم کرے۔ یہ مشن تلوار سے اسلام پھیلانے کا قائل نہیں ہے۔" [2]

(۱۳) اندرونِ ملک کا ایک روزنامہ "ماس اِین بوربودے" (MAAS EN BOERBODE) اپنی ۱۷ اگست ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ :-

"صدیوں سے یہ طریق چلا آرہا تھا کہ یورپ کے عیسائی مبلغ دُنیا کے ملکوں میں جاتے اور عیسائیت پھیلاتے تھے مگر اب دوسری جنگ کے بعد مشرق سے اسلام پھیلانے کے لئے مبلغ یورپ آنے شروع ہو گئے ہیں اور انہوں نے یہاں متعدد مساجد بنا دی ہیں۔ چنانچہ ہیگ میں بھی ایک مسجد ہے۔ تبلیغ کا یہ تمام کام احمدیہ جماعت کے ذریعہ سے ہے جو ۱۸۸۹ء میں پاکستان میں قائم کی گئی۔ یہ واحد اسلامی منظم جماعت ہے جو تبلیغ اور احیاءِ اسلام کا کام کر رہی ہے اور اس کا مرکز ربوہ پاکستان میں ہے۔" [3]

---

[1] الفضل ۱۰ شہادت/اپریل ۱۳۴۲ھش/۱۹۶۳ء صہ کالم ۱-۲۔ [2] ایضاً۔ [3] الفضل ۱۰ شہادت/اپریل ۱۳۴۲ھش/۱۹۶۳ء صہ کالم ۳۔

(۱۴) اخبار "دی نوردِ مستر" (DIE NOORDESTER) نے لکھا کہ :-

" یہ پاکستانی مشنری یعنی امام مسجد ہالینڈ ان بہت سے پاکستانی مشنریوں میں سے ایک ہیں جو جماعتِ احمدیہ کی طرف سے دُنیا کے مختلف ممالک میں اسلام کی تبلیغ اور اسلام کے متعلق صحیح نظریہ لوگوں تک پہنچانے کے لئے بھیجے جاتے ہیں مسلمانوں میں یہی ایک منظّم جماعت ہے جس نے ایک نظام کے ماتحت تبلیغِ اسلام کا بیڑا اُٹھایا ہے مسجد کے ہال میں جو دُنیا کا نقشہ لٹکا ہوا ہے اس پر ایک نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کس طرح دُنیا کے تمام اطراف میں جماعتِ احمدیہ کے مبلّغ سرگرمِ عمل ہیں " ؎۱

(۱۵) پاکستان کا روزنامہ مغربی پاکستان ۱۲ر مارچ ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں لکھتا ہے :-

" ہالینڈ سے شائع ہونے والا ایک کثیر الاشاعت روزنامہ " ڈیلی روٹرڈم " اپنی قریبی اشاعت میں رقمطراز ہے کہ یورپ، ایشیا اور دُنیا بھر میں عیسائی مشنری اداروں کو جماعتِ احمدیہ کے مبلّغین کی اعلیٰ تعلیم اور بھرپور نشر و اشاعت کے سامنے کافی خفّت اُٹھانی پڑ رہی ہے۔ اخبار لکھتا ہے کہ جب سے جماعتِ احمدیہ کے مبلّغین نے ہند و پاکستان سے نکل کر یورپ کا رُخ کیا ہے اُس وقت سے عیسائی مشنری لوگ ان کا کہیں بھی ڈٹ کر مقابلہ نہیں کر سکے۔ اور یہ کتنے دُکھ کا مقام ہے کہ بڑے بڑے پادری تک ان کی دعوتِ مناظرہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اخبار آگے چل کر لکھتا ہے کہ جہاں اسلام یا احمدیت کا نام تک لوگوں نے نہیں سُنا تھا اور جہاں عیسائی مشنری اپنی مرضی کے عین مطابق کام کرتے تھے وہاں اَب عیسائیت سے ان کی نفرت اِس حد تک بڑھ چکی ہے کہ اَب وہی لوگ اس کا نام تک سُننا گوارا نہیں کرتے۔"

" ڈیلی روٹرڈم " نے لکھا ہے کہ احمدیہ جماعت کے لوگ لاکھوں میل دُور سے آکر عیسائیت کا مقابلہ کر رہے ہیں اور وہ لوگ اپنے وطن سے دُور، اپنے دوست احباب اور اہل و عیال سے دُور رہ کر نہایت ہی کٹھن مراحل سے دوچار ہوتے ہوئے بھی اپنے مذہب کا

؎۱ بحوالہ " جماعتِ احمدیہ کا تبلیغی نظام اور اس کے نتائج " صفحہ ۴۲ تا صفحہ ۴۳ لیکچر صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب بر موقع جلسہ سالانہ ۱۹۶۲ء ۔

پراپیگنڈا کرتے ہیں لیکن ہمارے پادری اور مشنری ادارے جنہیں حکومتوں کی سرپرستی تک حاصل ہے وہ اپنے فرائض سے کوتاہی برت رہے ہیں۔

"اخبار مغربی پاکستان کے ایک شہر ربوہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ مسلمانوں کے ترقی یافتہ گروہ جماعتِ احمدیہ کے لئے جنوری کا مہینہ خاص اہمیّت کا حامل ہے جبکہ یہ جماعت اپنے نئے امام مرزا ناصر احمد صاحب کی قیادت میں جمع ہوئی ہے تاکہ ساری دُنیا میں ایک نئے عزم کے ساتھ اپنی تبلیغ جاری رکھ سکے اس کے سالانہ اجتماع پر لاکھوں مسلمان اپنے امام کے خطاب کو سُننے کے لئے جمع ہوتے ہیں جن کا کہنا ہے کہ خدا ان سے کلام کرتا ہے ... اِس جماعت کی بُنیاد موجودہ امام کے دادا نے رکھی تھی جن کا دعویٰ تھا کہ خدا نے ... خود اُن سے کلام کیا۔ وہ اپنے اس دعویٰ کے بعد پُوری طرح اپنے کام میں سرگرمِ عمل ہوگئے مگر اس کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں سے ان کے اختلاف بڑھ گئے۔ عوام نے ان کے دعویٰ کو ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ ان کے نزدیک محمدؐ (رسول اللہ) آخری نبی ہیں مگر عوام کی مخالفت انہیں اپنے مِشن کی تبلیغ سے باز نہ رکھ سکی۔ چنانچہ یہ جماعت اَب بہت سے ممالک میں اپنے قدم مضبوطی سے جما چکی ہے۔

اخبار لکھتا ہے کہ موجودہ خلیفہ کی عمر ۵۷ سال ہے اور وہ آکسفورڈ یونیورسٹی آف لنڈن کے فارغ التحصیل ہیں۔ اگرچہ وہ بظاہر کوئی صوفی منش نظر نہیں آتے لیکن ان کا اکثر وقت دینی اُمور کی انجام دہی اور عوام کی خدمت اور عبادت گزاری ہی میں صَرف ہوتا ہے اور بہت ہی سادہ غذا پر بسر اوقات کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق وہ چار بیویاں رکھ سکتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ اپنی پہلی بیوی سے ہی وفاداری کا اظہار کئے ہوئے ہیں۔ انہیں الہام ہوُا ہے کہ ان کی جماعت ساری دُنیا کو اسلام کی روشنی سے منوّر کر دے گی۔ غانا کے ملک میں اِس جماعت کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے خصوصاً اُن لوگوں میں جو مُشرک ہیں اور سیرالیون میں اِس جماعت کی کوششوں کا ہی اثر ہے کہ وہ لوگ جو عیسائیت سے وابستہ ہوتے تھے اَب اپنے مذہب سے برگشتہ ہو رہے ہیں۔ انڈونیشیا اور نائیجیریا میں ان کی جماعت میں شامل ہونے والے اکثر لوگ پہلے عیسائی تھے۔

اخبار آگے چل کر لکھتا ہے کہ اس جماعت کے امام نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ انکے مشن کو زیادہ کامیابی پروٹسٹنٹ لوگوں کے علاقوں میں حاصل ہوئی ہے... اخبار لکھتا ہے کہ ایسا کبھی نہیں دیکھا یا سُنا گیا ہوگا کہ کوئی اِس جماعت کا فرد کبھی عیسائی ہُوا ہو حالانکہ ہزاروں لاکھوں عیسائی اس جماعت میں داخل ہو چکے ہیں۔ اِس جماعت نے یورپ کے ممالک میں درجنوں شاندار مسجدیں اور مدرسے اور ہسپتال قائم کر دیئے ہوئے ہیں۔

اخبار آخر میں رقمطراز ہے کہ اِس جماعت کا خیال ہے کہ حضرت مسیح نہ صلیب پر مرے اور نہ ہی بعد میں زندہ اُٹھائے گئے بلکہ انہیں فلسطین سے ہجرت کرنی پڑی اور بعد میں وہ پھر کشمیر میں دفن ہوئے۔ موجودہ امام صاحب کے دادا نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ مسیح موعود ہیں۔" [1]

ہالینڈ میں جماعتِ احمدیہ کی اِسلامی خدمات مسلم زعماء کی نظر میں

عیسائی پریس کی اندرونی شہادت کے علاوہ اَب بطور نمونہ بعض اُن مسلم زعماء کے تاثرات کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے جنہیں مغربی ممالک بالخصوص ہالینڈ میں جانے کا اتفاق ہُوا اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے جماعتِ احمدیہ کی اسلامی خدمات کا مشاہدہ کیا اور پھر اُن کا واضح اور کھُلے لفظوں میں اظہار کیا۔

سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض کے لارڈ میئر شہزادہ فہد الفیصل دسمبر ۱۹۵۸ء میں دَورہ ہالینڈ کے دَوران ہیگ بھی تشریف لے گئے۔ مکرم جناب حافظ قدرت اللہ صاحب نے عربی زبان میں ایڈریس پڑھا جس میں شہزادہ موصوف کا خیر مقدم کرتے ہوئے جماعت کی مختصر تاریخ بیان کی اور بتلایا کہ یہ چھوٹی سی غریب جماعت کن مشکل حالات میں بھی خدمتِ اسلام کے مقدس فریضہ کو سر انجام دے رہی ہے نیز جماعت کی طرف سے غیر زبانوں میں شائع کردہ اسلامی لٹریچر اور تراجم قرآن کریم کا ذکر کرتے ہوئے ان کی خدمت میں قرآن مجید انگریزی اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب "اسلامی اُصول کی فلاسفی" کا عربی ترجمہ تحفۃً پیش کیا۔ پرنس موصوف معلومات حاصل کرکے جماعت کے کام سے بہت متاثر ہوئے اور فرمایا کہ مشن کی لائبریری کے لئے اگر کچھ کُتب کی ضرورت ہو تو میں وطن واپس

---

[1] بحوالہ الفضل ۱۳ ہجرت / مئی ۱۳۴۶ھش / ۱۹۶۷ء صفحہ ۲

جاکر ارسال کرسکتا ہوں چنانچہ آپ نے سعودی عرب پہنچ کر قریباً ایک سو جلدیں بذریعہ ہوائی جہاز بھجوائیں جو تفسیر طبری، جامع الاصول فی احادیث الرسول، صحیح ابن حبان، اور دیگر چھوٹی چھوٹی مختلف کتابوں پر مشتمل ہیں۔

اِس موقع پر محترم و مکرم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب بالقابہ بھی باوجود انتہائی مصروفیات کے تشریف لائے ہوئے تھے شہزادہ فہد الفیصل آپ سے مِل کر بہت خوش ہوئے اور آپ کی اُن خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے جو آپ نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے سر انجام دیں، اپنے پُرخلوص اور تشکّرانہ جذبات کا اظہار کیا۔ پرنس موصوف کی معیّت میں ان کے سیکرٹری اور مشیرِ خاص کے علاوہ جرمن سعودی عرب ایمبیسی کے نمائندہ، ڈچ براڈکاسٹ برائے عرب ممالک کے انچارج اور جمہوریہ عرب کی ایمبیسی کا نمائندہ بھی موجود تھے۔ [۱]

حافظ قدرت اللہ صاحب کا بیان ہے کہ ایک عید ہی کا واقعہ ہے کہ سعودی عرب کے ایک دوست عید کی نماز کے لئے تشریف لائے تو ان کی آنکھیں یہ دیکھ کر خوشکن تعجب سے کُھلی کی کُھلی رہ گئیں کہ یورپین لوگ نمازیں پڑھتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں اور اسلام کی اشاعت کے لئے ہر دم کمربستہ ہیں چنانچہ انہوں نے جب یہ نظّارہ دیکھا تو بھری مجلس میں پکار اُٹھے کہ

"آج ایک دفعہ پھر مَیں اسلام کا سُورج مغرب کی وادیوں سے طلوع ہوتے دیکھ رہا ہوں۔" [۲]

ماہِ اگست ۱۹۵۹ء میں نائیجیریا کے ایک مسلمان وزیر الحاج آڈگ بنرو (D.S. ADEGBENRO) کو احمدیہ مسلم مشن ہالینڈ کی سرگرمیاں بچشمِ خود دیکھنے کا اتفاق ہؤا۔ چنانچہ آپ نے مشن کی طرف سے دی گئی ایک استقبالیہ دعوت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اِس سفر کے دَوران جو مواقع مجھے ملے ان سب میں سے آج کے واقعہ کو مَیں سب سے بڑا اور اہم تصوّر کرتا ہوں بلکہ اِس واقعہ نے میرے یہاں کے پروگرام کے اختتام کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ مجھے مسرّت ہے کہ مَیں جب واپس جاؤں گا تو آج کی بہترین یاد کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ جن ممتاز شخصیتوں سے ملنے کا موقع مجھے آج ملا ہے مَیں اس کے لئے اپنے

---

[۱] الفضل ۷ شہادت / اپریل ۱۳۳۸ھش / ۱۹۵۹ء صفحہ ۳۔ [۲] رسالہ خالد ربوہ امان / مارچ ۱۳۴۸ھش / ۱۹۶۹ء صفحہ ۱۵-۱۹۔

دِل میں بڑے قدر کے جذبات پاتا ہوں (آپ کا اشارہ خصوصیت کے ساتھ مکرم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب بالقابہ کی طرف تھا)۔"

اس کے بعد آپ نے ایڈریس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا کہ

" آج جماعتِ احمدیہ جس رنگ میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کر رہی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ مَیں نے افریقہ میں ان کا کام دیکھا ہے اور آج یورپ میں بھی دیکھ رہا ہوں اور اس سے بہت متأثر ہوں۔ جس رنگ میں قرآن کریم کی اشاعت اور اس کی تعلیم پھیلانے میں آپ کی جماعت کوشاں ہے اور جس طرح نوجوانوں کو اسلام کی تعلیم سے آشنا کیا جا رہا ہے یہ صرف جماعتِ احمدیہ کا ہی حصّہ ہے اور وہ اس ضمن میں منفرد ہے۔ دراصل یہ اسلامی تعلیم ہی ہے جس سے دُنیا میں صحیح معنوں میں امن قائم کیا جا سکتا ہے اور یہی ایک گُر ہے جس کے ذریعہ ترقی ہوگی۔ نائیجیریا میں آپ نے جس رنگ میں اسلام کی عظیم الشّان عمارت کی بنیادوں کو پھر سے کھڑا کیا ہے اور سکول اور کالج کھول کر اور مساجد تعمیر کر کے جس طرح اسلامی تعلیم کو رواج دیا ہے آنے والی عمارت میں اسے ستونوں کے طور پر استعمال کیا جائیگا۔"

آپ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ

" آپ کا یہ کام رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ ان قربانیوں کا بدلہ خدا تعالیٰ آپ کو دے گا۔ آج اسلام مظلوم ہے اور اس کو اِس مدد کی بہت ضرورت ہے۔ پھر خود مجھے اپنے بچپن کا تجربہ ہے کہ ایک وقت مَیں کس طرح عیسائیت کے اثر میں گِھر گیا تھا مگر خدا تعالیٰ نے میری دستگیری فرمائی اور مَیں نے پھر صحیح رستہ پا لیا۔"

آپ نے کہا کہ

" یورپ کے ممالک میں آپ لوگوں نے جو کام شروع کر رکھا ہے اس میں مشکلات آپ کو پیش آ رہی ہوں گی مجھے ان کا خُوب احساس ہے مگر آپ یقین رکھیں کہ خدا آپ کے ساتھ ہوگا اور وہ خود آپ کی مدد فرمائے گا۔ مَیں اِس یقین پر قائم ہوں کہ آخرکار اسلام ہی کی تعلیمات دُنیا میں امن قائم کریں گی اور اِس جہان کے خوف اور تفکّرات اور جنگ و جدال کے خاتمہ کا سامان اسلام ہی میں مضمر ہے۔ اسلام مساوات کا حامی ہے اور یہی

اسلامی اخوّت کی تعلیم یقینی طور پر امن کی فضا قائم کر سکتی ہے"۔ ؎۱

ملایا کے وزیر اعظم تنکو عبدالرحمٰن ۲۶ مئی ۱۹۶۰ء کی شام کو اپنے ایک سرکاری دَورہ کے سلسلہ میں لنڈن سے آتے ہوئے ہالینڈ پہنچے۔ یہاں آپ کا قیام صرف سہ روزہ تھا مگر آپ انتہائی مصروفیت کے باوجود مسجد ہیگ میں بھی تشریف لائے اور جماعتِ احمدیہ کی مساعی کو سراہتے ہوئے بہت خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ ؎۲

ہالینڈ مشن کا پیدا کردہ لٹریچر

ہالینڈ مشن کی طرف سے ڈچ ترجمۂ قرآن کے علاوہ حسبِ ذیل ڈچ لٹریچر شائع ہو چکا ہے:۔

۱۔ ڈچ قوم کے نام پیغام (مصنفہ حافظ قدرت اللہ صاحب)

۲۔ اسلام (مصنفہ مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ)

۳۔ اُصولِ اسلام و ارکانِ اسلام (مصنفہ مولانا عبد الرحیم صاحب درد)

۴۔ آنحضرتؐ کی سوانح اور تعلیم (مصنفہ حافظ قدرت اللہ صاحب)

۵۔ کیا مسیح انسان تھے یا خدا (مصنفہ مولوی غلام احمد صاحب بشیر)

۶۔ واقعہ صلیب مسیح

۷۔ قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم (مصنفہ مولوی غلام احمد صاحب بشیر)

۸۔ "WHERE DID JESUS DIE" (مصنفہ مولانا جلال الدین صاحب شمس)

۹۔ ارکانِ اسلام (مصنفہ حافظ قدرت اللہ صاحب)

۱۰۔ امن کا پیغام اور ایک حرفِ انتباہ

(EEN BOODSCHAP VAN VREDEEN EEN WOORD VAN WARSCHUWEN)

۱۱۔ سیرت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم (مصنفہ مولوی عبد الحکیم صاحب اکمل)

(HET LEVEN VAN MOHAMMAD)

؎۱ الفضل ۸ ظہور/اگست ۱۳۳۸ہش/۱۹۵۹ء صفحہ ۳-۴۔

؎۲ الفضل ۱۵ وفا/جولائی ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۵ کالم ۵۔

۱۲۔ مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔

(JESUS NIET GESTORVEN AAN HET KRUIS)

۱۳۔ مسیح ناصری علیہ السلام کا پیغام (DE BOODSCHAP VAN JEZUS)

۱۴۔ اسلام کا پیغام (DE BOODSCHAP VAN DE ISLAM)

۱۵۔ تحریکِ احمدیت (DE AHMADIYYA BEWEGING IN DE ISLAM)

۱۶۔ (HET MYSTERIE VAN GOLGOTHA)

۱۷۔ نماز مترجم

۱۸۔ پندرہ سالہ تاریخ ہالینڈ مشن (ڈچ)

ہالینڈ کے بعض مخلص احمدیوں کا تذکرہ

ہالینڈ میں احمدیہ جماعت کی بُنیاد کو قریباً رُبع صدی کا عرصہ ہو رہا ہے۔ اِس عرصہ میں اللہ کے فضل وکرم سے ہالینڈ میں ایک مخلص، متدیّن اور ایثار پیشہ جماعت قائم ہو چکی ہے جو ہیگ (DEN HAAG) ایمسٹرڈم (AMSTERDAM)، روٹرڈم (ROTTERDAM)، آمرس فورٹ (AMERSFOORT) ڈیلفٹ (DELFT)، ہارلم (HAARLEM)، اُوت رخت (UTRECHT)، پاپندرخت (PAPANDRECHT)، لائیڈن (LEIDEN)، فیلپ (VELP)، مڈل برخ (MIDDELBURG) وغیرہ ملک کے تمام مشہور شہروں میں پھیلی ہوئی ہے۔

حافظ قدرت اللہ صاحب سابق انچارج ہالینڈ مشن تحریر فرماتے ہیں:۔

"جہاں تک اپنے احباب کے اخلاص اور قربانیوں کا تعلق ہے وہ بھی کسی صورت میں کم ایمان افروز نہیں۔ ہماری ایک خاتون عزیزہ والٹر (MRS. WALTER) تھیں جو.... کوئی ۷۵ سال کی عمر پا کر فوت ہوئی ہیں[1]۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت ہی مخلص خاتون تھیں

---

[1] مسز عزیزہ والٹر (MRS. AZIZAH WALTER) کا انتقال ۱۳۴۷ھش/۱۹۶۸ء میں ہوا۔ آپ ہالینڈ کی نہایت مخلص نومسلمہ اور سچ مچ ولیہ تھیں جو ۱۹۵۰ء سے احمدیہ مشن کے ساتھ وابستہ ہوئیں۔ اِس خاتون کو مسجد سے ایک والہانہ تعلق تھا۔ مسجد ہیگ کے محراب کی تزئین اور دیواروں پر آیاتِ قرآنی کے قطعات انہیں کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ بہن بہت دعاگو اور مستجاب الدعوات تھیں۔ بسا اوقات جب کوئی مشکل درپیش ہوتی تو انہیں دعا کی تحریک کی جاتی۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب بھی بسا اوقات انہیں دعا کے لئے کہتے اور جنابِ الٰہی سے اُن کی قبولیت کی بشارت

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رُوحانی رنگ غالب تھا مستجاب الدعوات اور صاحبۂ رؤیا و کشوف تھیں۔ نمازوں کا التزام بہت باقاعدگی کے ساتھ تھا۔ قرآن کریم سے ایسی محبت تھی جو عشق کا رنگ رکھتی تھی مسجد کے ساتھ انہیں ایسا لگاؤ تھا کہ کہا کرتی تھیں مجھے مسجد آکر سکونِ قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ خاتون کوئی بیس برس مشن کے ساتھ وابستہ رہیں اور مالی قربانیوں میں برابر حصّہ لیتی رہیں۔

اِسی طرح ہمارے نوجوانوں میں بھی بعض نہایت اخلاص کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ جماعتی کاموں میں نہایت شوق سے حصّہ لیتے ہیں اور اپنا بہت سا وقت اس کے لئے قربان کرتے ہیں۔ بعض دوستوں کے گھر ہیگ سے خاصے فاصلہ پر ہیں مگر اس کے باوجود مسجد التزام سے آتے ہیں۔ بعض نوجوانوں کو ان کے والدین نے بیعت کرنے پر تکالیف بھی دیں اور بہت تنگ کیا مگر وہ تمام مراحل میں ثابت قدم رہے اور اپنے دین کو ہر چیز پر مقدم رکھا۔ بعض نوجوانوں کو سالہا سال تک اسلام سے وابستگی کو لوگوں سے مخفی رکھنا پڑا اور اِس غرض کے لئے انہیں بہت دفعہ قربانیاں دینی پڑیں مگر ان کے ایمان میں لغزش نہ آئی۔ ہالینڈ کے ایک مخلص نوجوان عمر نام ہیں جن کی آمد کوئی بہت زیادہ نہیں مگر چندوں میں وہ اِس قدر باقاعدہ ہیں کہ اکثر وہ اپنے چندے پیشگی ادا کر دیتے ہیں۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ انہیں اپنی ملازمت سے نوٹس مل گیا۔ اب ایک غریب آدمی کے لئے ایسا وقت بہرحال مشکل ہی کا ہوتا ہے مگر ان کا اخلاص اِس قسم کا تھا کہ انہوں نے اپنی تھوڑی سی جمع شدہ رقم میں سے چار ماہ کا چندہ پیشگی ادا کر دیا تا ایسا نہ ہو کہ کام جلد نہ مِل سکنے کے نتیجہ میں ان کے تنگ دستی کے حالات ان کے چندہ پر اثر انداز ہوں۔ یہ حالات ایسے نہیں کہ انہیں آسانی سے نظر انداز کیا جا سکے۔

اِسی طرح ایک اَور ممبر تھے جو سلسلہ کے لئے مالی قربانی کا خاص جذبہ اپنے اندر رکھتے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- بھی پاتیں۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اُن کی وفات پر خطبہ جمعہ میں انکی خوبیوں کا ذکر فرمایا اور اس نیک خاتون کو "ایک نہایت صالحہ، عابدہ، زاہدہ، صاحبہ رؤیا و کشوف اور مستجاب الدعوات" کے الفاظ سے یاد فرمایا۔ (الفضل ۱۱۔ اخاء/اکتوبر ۱۳۴۷ھش/۱۹۶۸ء صفحہ ۳-۴ (مضمون حافظ قدرت اللہ صاحب) الفضل ۱۲۔ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۴۷ھش/۱۹۶۸ء صفحہ ۳ (مشن رپورٹ از جناب عبدالحکیم صاحب اکمل)

تھے انہیں ایک دفعہ جب علم ہُوا کہ ہالینڈ کی مسجد کے میناروں کے لئے ایک بڑی دُنیوی شخصیت کے پاس جو امداد کی درخواست کی گئی تھی اسکے متعلق ہمیں ایک مایُوس کُن جواب ملا ہے تو اس مخیّر اور مخلص دوست کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ مشن کو اس مایوسی کا سامنا کرنا پڑے چنانچہ انہوں نے بڑے جذبہ کے ساتھ کہا کہ گو مَیں ایک غریب آدمی ہوں اور وہ شان نہیں رکھتا جو فلاں شخص کی ہے اور نہ مالی لحاظ سے میرا اُس کا مقابلہ ہے تاہم مَیں کوشش کروں گا کہ اِس ضرورت کو پُورا کرسکوں۔ چنانچہ انہوں نے محدود آمد کے باوجود دُو صد پونڈ کی رقم اس غرض کے لئے پیش فرمادی۔" [1]

ہالینڈ کے بعض مخلص احمدیوں کے نام درج ذیل کئے جاتے ہیں:-

۱۔ امیر جے۔سی۔باؤنس	(AMIR J.C. BOUWENS)
۲۔ حمید فان فیلدن	(HAMID VAN VELDEN)
۳۔ عمر ہُئبرختس	(OMAR HUYBRECHTS)
۴۔ فیملی۔ایم۔بس	(M. BAS)
۵۔ صادق فان دالنِد	(SADIQ VAN DE LINDE)
۶۔ عبدالعزیز فرہاخن	(ABDUL AZIZ VERHAGEN)
۷۔ ڈاکٹر فلڈیسی	DR. L. FOLDESY)
۸۔ فیملی۔یو۔سوفنر	(FAM. U.U. SOFFNER)
۹۔ ار۔تے۔ویبر	(MR. R. TH. WEBER)
۱۰۔ فیملی اے۔اے۔جمن بخش	(A. A. JOEMANBAKS)
۱۱۔ عبداللطیف لے تے	(ABDUL LATIF LEYTE)
۱۲۔ عبداللطیف لوئیس	(ABDUL LATIF LOUIS)
۱۳۔ الیاس خیرد	(ILYAS GIRRAD)
۱۴۔ فاطمہ وارنڈرف	(MRS. FATIMA WARENDORFF)

[1] رسالہ خالد امان/مارچ ۱۳۴۸ھش/۱۹۶۹ء صفحہ ۱۵-۱۹

۱۵۔ مسز سنائڈر (MRS. SNIJDER)

۱۶۔ عبدالقادر المغربی (ABDUL QADIR EL-MAGHRABI)

۱۷۔ عبدالرحمٰن سٹین ہاؤر (ABDURRAHMAN STEENHOUWER)

۱۸۔ عبدالرشید جے۔ ایم۔ فونٹر (ABDURRASHID J. M. FUNDTER)

۱۹۔ رٹسکو فان فلیٹ (RITSKO VAN VLIET)

احمدیہ دارالتبلیغ ہالینڈ میں نامور شخصیتوں کی آمد

احمدیہ مسجد ہیگ، ہالینڈ میں مسلمانوں کا مشہور مرکز بن چکی ہے جہاں ملک اور بیرونِ ملک کے ہر طبقہ کے زائرین مثلاً سفراء، جج، مستشرقین اور غیر ملکی ٹیموں کے کھلاڑی نہایت ذوق وشوق سے جاتے ہیں اور مبلغینِ احمدیت کی طرف سے اُن کی خدمت میں اسلامی لٹریچر پیش کیا جاتا ہے اِس طرح اشاعتِ اسلام کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہتا ہے۔ اِس وقت تک جن مشہور و نامور شخصیتوں کو اِس اسلامی مرکز[1] میں آنے کا موقع مِل سکا ہے اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:-

۱۔ مسٹر لُنس (LUNS) وزیر خارجہ ہالینڈ ۲۔ شہزادہ فہد الفیصل میئر ریاض سعودی عرب[2] ۳۔ تنکو عبدالرحمٰن وزیرِ اعظم ملیشیا[3] ۴۔ مسٹر اڈگ بنرو[4] (ADEGBENRO) ۵۔ شیخ سلیمان طاہر[5] (خلیج فارس کے علاقہ راس الخیم کے شیخ) ۶۔ صلاح الدین سابق وزیر خارجہ مصر ۷۔ تنغاوی ابیوا

---

[1] زائرین کی آمد کی کثرت دیکھ کر جون ۱۹۷۱ء میں مسجد کو ظاہری طور پر مزید دلکش بنانے کی کوشش کی گئی مسجد اور مشن ہاؤس ایک ہی عمارت پر مشتمل ہے۔ مسجد کو دوسرے حصّۂ عمارت سے نمایاں کرنے کے لئے ایک مختلف رنگ یعنی ہلکا سبز رنگ سے روغن کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اب یہ مسجد پہلے سے زیادہ دیدہ زیب اور نمایاں ہوگئی ہے اور زائرین کے لئے اس کی ظاہری صورت میں پہلے سے زیادہ کشش پیدا ہوگئی ہے۔ یہ کام مبلغِ ہالینڈ صلاح الدین خاں صاحب نے اپنی نگرانی میں ہیگ کی ٹاؤن کمیٹی کے ایک ممتاز انجینئر MR. VERHOECKS کے رضاکارانہ تعاون سے کرایا۔ یہ انجینئر احمدی تو نہیں ہیں مگر پھر بھی ہماری مسجد کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے اور تعمیری نوعیت کے کاموں میں بلامعاوضہ تعاون کرتے ہیں۔

[2] آمد دسمبر ۱۹۵۸ء (تفصیلی کوائف کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۷ شہادت/اپریل ۱۳۳۸ھش/۱۹۵۹ء صفحہ ۳-۴)۔

[3] آمد ۲۶ مئی ۱۹۶۰ء (تفصیل الفضل ۱۵ وفا/جولائی ۱۳۳۹ھش/۱۹۶۰ء صفحہ ۵ پر شائع شدہ ہے)۔

[4] آمد اگست ۱۹۵۹ء (تفصیل الفضل ۸ ظہور/اگست ۱۳۳۸ھش/۱۹۵۹ء)

[5] الفضل ۱۸ وفا/جولائی ۱۳۴۳ھش/۱۹۶۴ء صفحہ ۲ پر آپ کی آمد کا مفصّل ذکر ہے۔

(وزیراعظم نائیجیریا) ۸۔ مسٹر ٹب مین (پریذیڈنٹ لائبیریا) ۹۔ ورلڈ فیتھ آف کانگرس نیدرلینڈ کے صدر ڈاکٹر بوکے (DR. BOEKE) ۔

فصل ششم

احمدیہ مسلم مشن بورنیو کا قیام

بورنیو دنیا کا ایک بہت بڑا جزیرہ ہے جس کے تین چوتھائی حصہ پر ماضی قریب میں ولندیزی قابض تھے اور باقی حصہ انگریزوں کے تسلط میں تھا۔ مقدم الذکر حصہ اب انڈونیشین حکومت کے ماتحت ہے اور کالی منتن (KALIMANTAN) کہلاتا ہے۔ مؤخر الذکر حصہ عرصہ تک برٹش بورنیو سے یاد کیا جاتا رہا اور مندرجہ ذیل دو نو آبادیوں اور ایک ریاست پر مشتمل تھا:۔

۱۔ سراوک کالونی ۲۔ برٹش کراؤن نارتھ بورنیو کالونی ۳۔ ریاست برونائی۔

"برٹش کراؤن نارتھ بورنیو کالونی" کو ۳۱ اگست ۱۹۶۳ء سے ایک آزاد مملکت کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے اور اب اسے سباہ (SABAH) کے نام سے موسوم کیا جانے لگا ہے جو ۱۶ ستمبر ۱۹۶۳ء سے ملیشیا فیڈریشن کا حصہ ہے[1] ریاست برونائی ایک مسلمان ریاست ہے۔ "تاریخ اشاعتِ اسلام" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جزیرہ میں عربوں کا قدم تیرھویں صدی عیسوی سے قبل پڑا۔ ابتداء میں اسلام

---

[1] ملیشیا فیڈریشن کے محرک تنکو عبدالرحمٰن صاحب (سابق وزیر اعظم ملایا) تھے جنہوں نے یہ تحریک ۱۹۶۱ء میں پیش کی۔ فیڈریشن میں ملایا کی گیارہ ریاستوں کے علاوہ سراوک اور سباہ بھی شامل ہیں جو جزیرہ بورنیو کا حصہ ہیں۔ سباہ کی موجودہ واحد سیاسی اور برسرِ اقتدار پارٹی S.W.O. ہے۔ سباہ کے مشہور شہروں کے نام یہ ہیں۔ کوتا کینابالو (جسیلٹن) سنڈاکن۔ تواؤ۔ لاحد داتو۔ سمپورنا۔ لابوان۔ کنگکاڈ۔ بیفرٹ۔ راناؤ تواری۔ قریب تازہ اعداد و شمار کے مطابق سباہ کی آبادی ۶۰۱۴۴۸ نفوس پر مشتمل ہے۔ کدازن قوم (KADAZAN) کل آبادی کا ایک تہائی حصہ ہے اور اس کی اکثریت مشرک ہے۔ اس کے علاوہ ملائی چینی، باجاؤ، مورت، یورپین، پاکستانی اور انڈین لوگ بھی آباد ہیں۔ پاکستانی، ملائی اور باجاؤ سب کے سب اور کدازن اور انڈین لوگوں میں سے بھی بعض مسلمان ہیں۔ عیسائی بھی بھاری تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ہندو، سکھ اور بدھ بھی موجود ہیں۔

کی دعوت اس کے ساحلی علاقوں تک پہنچی اور سب سے اوّل بنجر ماسین کی سلطنت میں ریاست واںک کے باشندوں نے اسلام پھیلایا۔ ۱۵۲۱ء میں جب اُندلس (سپین) کے لوگ اس کے شمال مغربی ساحل پر واقع شہر برونائی (BRUNEI) میں پہنچے تو معلوم ہُوا کہ اس کا بادشاہ مسلمان ہے اور رعایا میں سے بھی بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ عربوں نے ۱۵۵۰ء میں بورنیو کے مغربی ساحل پر سکدانا (SUKADANA) کے شہر میں تبلیغِ اسلام کی اور اکثر باشندوں کو مسلمان بنایا۔ اُن کی یہ تبلیغی کوششیں ۱۵۹۰ء تک جاری رہیں جس کے نتیجہ میں سکدانا کے بیشتر حصے نے اسلام قبول کر لیا یہاں تک کہ ۱۶۰۰ء میں یہاں کا راجہ بھی مسلمان ہو گیا اور یہ اسلامی ریاست بن گئی۔ ریاست سکدانا میں جب اسلام کو فروغ ہُوا تو شریف مکّہ نے ایک عرب شیخ شمس الدین کو ایک شاہی خط دے کر بھجوایا جس میں والئ ریاست کو سلطان محمد صفی الدین کا خطاب دیا۔ اِس بادشاہ نے ۱۶۷۷ء میں انتقال کیا۔ یہ اس خاندان کا دوسرا بادشاہ تھا جو اسلام لایا۔[۱]

احمدیت کا نفوذ بورنیو میں احمدیت کا بیج کنانور (مالابار) کے ایک مخلص تاجر جناب کے عبدالقادر صاحب کے ذریعہ ۱۹۳۱ء میں[۲] بویا گیا۔ آپ اپنے ہمشیرزادہ کے محمد کنہی (M. KUNHI) کے ساتھ اس ملک میں کاروبار کے لئے تشریف لائے اور لابوان جزیرہ میں آکر آباد ہو گئے۔[۳] شروع میں مسلمانوں کی طرف سے آپ کی بہت مخالفت ہوئی حتیّٰ کہ ایک روز آپ کو دکان سمیت جلا دینے یا قتل کر دینے کی دھمکی دی گئی جس پر آپ نے حضرت امیرالمومنین مصلح موعودؓ کی خدمت میں دعا کے لئے تار دیا اور خود دکان کے اندر بیٹھ کر دعائیں کرنے لگے۔ آپ کے ایک زیرِ تبلیغ دوست سلیم شاہ صاحب ضلع جون پور (یوپی) نے جو وہاں اب بھی دُودھ کا کاروبار کرتے ہیں اور ہر روز آپ کو دُودھ سپلائی کرتے تھے دکان بند پاکر دستک دی اور دکان بند کرنے کی وجہ دریافت کی۔ عبدالقادر صاحب نے سارا حال بیان کیا۔ سلیم شاہ صاحب نے یہ سُنتے ہی اپنے دُودھ کے برتن دکان کے سامنے رکھ دیئے اور بازار میں اعلان کر دیا کہ مَیں بھی احمدی ہوتا ہوں جسے جُرأت ہو مجھ پر اور توکے[۴] عبدالقادر پر حملہ کر کے دیکھ لے۔ پھر عبدالقادر صاحب سے بزور دکان کھلوائی اور جزیرہ لابوان کے ہر

---

[۱] "تاریخ اشاعت اسلام" صفحہ ۵۴۰۔۵۴۱ (مولفہ مولانا شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی) ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۲ء ؛ [۲] الفضل ۳۰ ظہور/اگست ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء صفحہ ۶ ؛ [۳] وفات ۱۷ صلح/جنوری ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء۔ جماعتِ احمدیہ لابوان کے پریذیڈنٹ اور موصی تھے۔ آپ کی تبلیغ سے بہت لوگ شاملِ احمدیت ہوئے۔ جماعت کی ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے (الفضل ۳ تبلیغ/فروری ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء صفحہ ۵) ؛ [۴] بورنیو میں دکاندار کو توکے (سیٹھ) کے نام سے پکارتے ہیں ؛

چھوٹے بڑے عالم اور مُلّا کے پاس گئے اور اپنے احمدی ہونے کا اعلان کرتے گئے کہ جس نے آج کے بعد دُودھ بند کرنا ہو بند کر دے میں احمدی ہو گیا ہوں[1]۔ اِس واقعہ کے بعد تبلیغ کا رستہ کُھل گیا اور آہستہ آہستہ ایک مختصر سی مخلص جماعت قائم ہو گئی۔

دوسری عالمگیر جنگ کے آخری سال میں سلسلہ احمدیہ کے ایک مخلص اور پُرجوش فرد حافظ ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحب برٹش نارتھ بورنیو میں بسلسلہ ملازمت[2] مقیم تھے۔ اپنے عرصۂ قیام میں انہوں نے دیکھا کہ یہ علاقہ تبلیغ کے لئے خالی پڑا ہے اور ان کے دِل میں یہ شدید خواہش پیدا ہوئی کہ کسی طرح اِس ملک میں احمدیہ مشن قائم ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار وہاں کے احمدی دوستوں سے بھی کیا جنہوں نے اُن کی رائے سے مکمل اتفاق کیا۔ ازاں بعد جب ڈاکٹر صاحب موصوف ہندوستان میں آکر فوجی ملازمت سے سبکدوش ہو گئے تو انہوں نے خود بورنیو میں پریکٹس کر کے تبلیغِ احمدیت کرنے کا عزم کر لیا۔ نیز حضرت مصلح موعودؓ کی خدمتِ مبارک میں شمالی بورنیو کے لئے مبلغ بھجوائے جانے کی درخواست کی اور پھر ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء[3] کے پہلے ہفتہ میں مع اہل و عیال بورنیو تشریف لے گئے اور جیسلٹن میں مقیم ہو کر (مختصر وقفہ کے ساتھ) قریباً تیرہ سال تک آنریری مبلغِ اسلام کی حیثیت سے قابلِ قدر خدمات انجام دیتے رہے اور ۵ ماہِ صلح/جنوری ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء کو بیماری کی حالت میں پاکستان میں تشریف لائے اور دو ہفتہ بعد انتقال کر گئے۔[4]

---

[1] الفضل ۳ امان/مارچ ۱۳۴۳ہش/۱۹۶۴ء

[2] ولادت ۱۳ جنوری ۱۸۹۸ء۔ وفات ۲۱ جنوری ۱۹۶۱ء۔ حضرت خان صاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ کے فرزندِ اکبر تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی بذریعہ خط بیعت کر کے داخلِ احمدیت ہوئے ۱۹۱۵ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے میٹرک کا اور ۱۹۲۶ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کا امتحان پاس کیا۔ اور کالج کے زمانہ میں آپ احمدیہ ہوسٹل میں رہے۔ امتحان پاس کرنے کے بعد حضرت مصلح موعود کے ارشاد مبارک کی تعمیل میں آپ مشرقی افریقہ تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ نیروبی، کمپالہ اور میگاڈی میں رہنے کے بعد ۱۹۳۵ء میں واپس آئے اور کراچی میں پریکٹس شروع کر دی۔ کراچی میں تین سال گزارنے کے بعد پھر مشرقی افریقہ چلے گئے اور میگاڈی وغیرہ میں پانچ سال تک رہے۔ یہ زمانہ دوسری جنگِ عظیم کا تھا۔ حکومت کو ڈاکٹروں کی خدمات کی ضرورت تھی چنانچہ ڈاکٹر صاحب کیپٹن کے عُہدہ پر فوج میں متعین ہو گئے۔ اِس دوران میں انہوں نے زیادہ تر وقت مشرقِ بعید کے مختلف ممالک میں گزارا۔ ۱۹۴۶ء میں فوج سے سبکدوش ہو کر قادیان واپس آگئے۔ (الفرقان (ربوہ) شہادت/اپریل ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء)

[3] الفضل ۴ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱

[4] الفضل ۱۰ صلح/جنوری، ۲ تبلیغ/فروری ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء

مستقل مشن کا قیام

شمالی بورنیو میں مستقل مشن کا قیام مولوی محمد زہدی صاحب فضلی[1] مولوی فاضل آف ملایا کے ہاتھوں ہوا۔ آپ[2] ۲۸ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو قادیان سے بغرض تبلیغ روانہ ہوئے اور احسان/جون ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں شمالی بورنیو پہنچے اور سوا تین سال تک پیغام حق پہنچانے کے بعد ۱۲ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء کو سورابایا (انڈونیشیا) تشریف لے گئے۔

مولوی محمد زہدی صاحب نے جب اس جزیرہ پر قدم رکھا تو ڈاکٹر حافظ بدرالدین احمد صاحب کے سوا جو جیسلٹن میں قیام فرما تھے یہاں کوئی بھی احمدی نہیں تھا البتہ اس کے قریب جزیرہ لابوان میں کے۔ محمد کنچی صاحب، سلیم شاہ صاحب، سوکارمن صاحب (جاوی)، محمد شریف صاحب تیو (چینی نومسلم) جیسے احمدیت کے فدائی ضرور تھے۔[3]

جناب زہدی صاحب نے کناروت کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنا کر ڈوسون قوم میں تبلیغ شروع کر دی۔ قبل ازیں اس علاقہ کے لوگ احمدیت سے دشمنی تو رکھتے تھے مگر احمدی مبلغ نہ ہونے کی وجہ سے عداوت کی آگ صرف ایک حد تک تھی اور وہ بھی زیادہ تر دبی ہوئی لیکن آپ کے پہنچتے ہی مخالفت کا ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا[4] حتیٰ کہ اس برٹش نارتھ بورنیو کے سب سے بڑے امام سوجیلی (SUHAILI) نے اشتہار دیدیا کہ اگر مبلغ احمدیت جس کا نام محمد زہدی فضلی ہے کسی مسجد میں آئے تو اُس کو پکڑ کر باہر نکال دیا جائے اور جہاں وہ بیٹھے اسے پانی سے دھو دیا جائے۔ امام سوجیلی کے اِس فتویٰ کا یہاں تک اثر تھا کہ ایک نوجوان

---

[1] کوالالمپور (ملایا) میں ۱۳ ستمبر ۱۹۱۸ء کو پیدا ہوئے ۱۹۳۷ء میں حضرت مولانا غلام حسین صاحب ایاز مبلغ سنگاپور کے ذریعہ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۲۴ جنوری ۱۹۳۸ء کو دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے قادیان آئے اور ۱۹۴۶ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد اپنی زندگی حضرت مصلح موعود کی تحریک پر وقف کر دی۔ ازاں بعد پہلے شمالی بورنیو پھر سورابایا، باڈونگ، کالی منتن اور ملیشیا میں ۱۳۴۵ہش/۱۹۶۶ء تک تحریکِ جدید کے زیرِ انتظام تبلیغی جہاد میں مصروفِ عمل رہے۔

[2] الفضل ۲۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱۔

[3] آپ نسلاً چینی اور پیدائشی اعتبار سے ساباہ کے باشندہ ہیں۔ ابتداء میں بدھ مذہب کے پیرو کار تھے۔ لابوان میں مقیم احمدی بزرگوں (توکے عبدالقادر صاحب، سوکارمن صاحب اور سلیم شاہ صاحب) کے ذریعہ دولتِ احمدیت نصیب ہوئی۔ ۱۳۳۷ہش/۱۹۵۸ء میں آپ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لئے پہلے ربوہ میں اور پھر دیارِ حبیب کی برکات سے مستفیذ ہونے کے لئے قادیان تشریف لے گئے۔ ساباہ مشن کے نہایت مفید اور مخلص وجودوں میں ممتاز شخصیت ہیں مبلغینِ احمدیت کا خاص احترام کرتے ہیں۔ دینی معلومات میں اضافہ کرنے اور دوسروں تک پیغامِ حق پہنچانے کا بہت شوق ہے۔

[4] یہ علاقہ آج تک احمدیت کے خلاف تعصب میں حد سے بڑھا ہوا ہے۔ یہاں کے عوام احمدیوں سے بات تک کرنا گوارا نہیں کرتے۔

مانڈور یعقوب آپ کے قتل کا منصوبہ باندھ کے خنجر چھپائے ہوئے آپ کا تعاقب کرنے لگے مگر زہدی صاحب ہمیشہ اُن سے محبت سے ملتے اور انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ جوں جوں تبلیغی مساعی تیز تر ہوتی گئیں توں توں اسی شدّت سے مخالفت بھی زور پکڑتی گئی مگر مبلّغِ احمدیت نے ان صبر آزما حالات کے باوجود اپنا کام بھی جاری رکھا اور نہایت باقاعدگی کے ساتھ حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں دعا کے لئے بھی لکھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کی دعاؤں کو غیر معمولی رنگ میں شرفِ قبولیت بخشا اور آخر کئی ماہ کی زبردست مخالفت کے بعد مانڈور یعقوب کو خود بخود احمدیت سے دلچسپی پیدا ہو گئی اور پھر تحقیقِ حق کے بعد وہ ۱۹۴۲ء میں داخلِ احمدیت ہو گئے اور اب تک سلسلہ احمدیہ سے نہایت مخلصانہ تعلق رکھتے ہوئے ہیں۔ مانڈور یعقوب کا بیان ہے کہ مَیں حیران ہو جاتا تھا کہ مَیں تو زہدی صاحب کے قتل کی تدبیریں سوچتا ہوں اور موقعہ کی تاک میں رہتا ہوں اور یہ سادہ مزاج مولوی مجھے خود ہی اپنے گھر آنے کی دعوت دیتا ہے۔ ان کے اِس فراخ دلانہ سلوک نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا اور بالآخر مجھ پر صداقت کُھل گئی اور پھر مَیں نے ان کے ہاتھ پر توبہ کر کے قبولِ حق کرنے میں دیر نہیں کی۔ مانڈور یعقوب صاحب کے علاوہ جنہیں اس علاقہ میں اوّل نمبر پر صداقتِ احمدیت پر ایمان لانے کی توفیق ملی اُن کے ذریعہ دو اَور دوست بھی سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔[1] ان سعید الفطرت رُوحوں کے آسمانی آواز پر لبّیک کہنے کی دیر تھی کہ ہر طرف مخالفت کا ایک اَور سیلاب اُمڈ آیا لیکن اس سیلاب نے احمدیت کی اشاعت کے حق میں کھاد کا کام دیا اور جلد ہی دس اَور افراد اِسی گاؤں کنارُوت میں احمدی ہو گئے۔[2]

اِس عرصہ میں خدا کا یہ عجیب نشان بھی ظاہر ہوا کہ امام سوحیلی کو جس نے زہدی صاحب کی نسبت مخالفانہ اشتہار اور فتویٰ دیا تھا کسی جُرم کی بناء پر ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر برٹش نارتھ بورنیو کی حد سے نِکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ زہدی صاحب اُس کو جہاز پر الوداع کہنے کے لئے گئے تو وہ آپ سے مصافحہ کرتے وقت بے اختیار رویا اور معافی مانگی۔[3]

زہدی صاحب نے مشن کے اِس ابتدائی دَور میں اجتماعی اور انفرادی تبلیغ کے ساتھ ساتھ تحریری رنگ میں بھی پیغامِ حق پہنچانے کی طرف توجہ دینی شروع کر دی چنانچہ متعدد تبلیغی خطوط لکھے۔ ایک

---

[1] الفضل ۲۳ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صـ۴ ٭ [2] الفضل ۶ صلح/جنوری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صـ۸ ٭

[3] محترم زہدی صاحب کے خود نوشت غیر مطبوعہ حالات سے ماخوذ ٭

ٹریکٹ شائع کیا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی خبر دی اور اس سلسلے میں مخالفین کو چیلنج دیا کہ اگر حضور اِس صدی کے مجدّد نہیں تو پھر کوئی اور مجدّد حدیثِ نبوی کے مطابق پیش کریں اور بیس ہزار روپیہ لیں۔[1]

اِن تبلیغی سرگرمیوں کے علاوہ جن کا سلسلہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا تھا آپ نے احبابِ جماعت کی تعلیم و تربیت کے لئے ہفتہ وار اجلاس جاری کئے اور حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد کے مطابق "الوصیت" کا ملائی زبان میں ترجمہ کیا اور احبابِ جماعت کو نظامِ "الوصیت" سے وابستہ کرنے کی کامیاب کوشش کی۔[2]

ماہِ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء بورنیو مشن کے لئے ایک مبارک مہینہ تھا جس میں نہ صرف کنا روت سے قریباً ستر میل جانب جنوب لینگکونگن (LINGKUNGAN) میں چودہ اشخاص نے قبولِ احمدیت کر کے ایک نئی جماعت کی بنیاد ڈالی بلکہ مشن کے دار التبلیغ کے لئے ایک عمارت خریدی گئی۔ دراصل جناب زہدی صاحب ابتداء ہی سے اِس کوشش میں تھے کہ مشن کے دفتر اور مہمان خانہ کے لئے کوئی جائداد پیدا کی جائے تا زیادہ مستقل مزاجی اور دلجمعی سے تبلیغی فرائض ادا کئے جاسکیں لیکن نیا مکان بنوانے یا خریدنے کی استطاعت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک احمدی دوست کے دِل میں یہ تحریک کر دی کہ وہ اپنا مکان نہایت معمولی قیمت پر دے دیں۔ اِس طرز کا نیا مکان ایک ہزار ڈالر لاگت سے کم پر نہیں بن سکتا تھا مگر اس دوست نے جماعتی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے یہ مکان صرف ۳۵۶ ڈالر پر فروخت کر دیا۔[2] اِن دو تعمیری اور بنیادی کاموں کے علاوہ اِس مہینہ میں زہدی صاحب نے ایک نیا تبلیغی ٹریکٹ چھپوایا اور بورنیو میں اس کی وسیع پیمانہ پر اشاعت کی۔[3]

اَب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شمالی بورنیو میں بیک وقت تین مقامات سے احمدیت کی نورانی شعاعیں جزیرہ پر پھیلنے لگیں۔

(۱) **کنا روت۔** جو مبلغِ احمدیت کا ہیڈ کوارٹر تھا اور جزیرہ کی تمام تبلیغی سرگرمیاں اس کے زیرِ اہتمام ہو رہی تھیں۔ زہدی صاحب کی تعلیم و تربیت نے کنا روت کے احمدیوں میں تبلیغ کا ذوق و شوق پیدا کر دیا تھا اور اُن میں سے بعض تو آنریری مبلغ کی حیثیت سے دوسرے مقامات پر بھی بھجوائے جانے لگے

---

[1] الفضل ۲۳ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء ص۲ ÷ [2] الفضل ۱۰ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء ÷

[3] الفضل ۱۶ صلح/جنوری ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء ص۴ ÷

تھے چنانچہ ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں احمد بوجنگ بن رؤوف صاحب ٹینم (TENOM) نامی مقام کی طرف بغرض تبلیغ روانہ کئے گئے۔[1]

(۲) لینگکونگن (LINGKUNGAN)۔ یہ اگرچہ ایک نئی جماعت تھی مگر بہت مخلص اور پُرجوش ثابت ہوئی۔ اس کی قربانیوں کے باعث احمدیہ مشن کو اس زمانہ میں بہت تقویت پہنچی۔ لینگکونگن کے احمدی نوجوان فدائیت کی رُوح سے سرشار ہو کر گردونواح میں پھیل جاتے اور گھر گھر احمدیت کا پیغام پہنچاتے تھے۔ "خدام الاحمدیہ" اور "لجنہ اماء اللہ" کی شاخیں بھی یہاں ابتداء ہی میں قائم ہو گئیں اور انکے باقاعدہ اجلاس ہونے لگے۔[2] علاوہ ازیں اِس جماعت نے بہت جلد اپنی مسجد بھی تعمیر کر لی جس کا افتتاح زہدی صاحب نے ماہِ امان/مارچ ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء بروز جمعہ کیا۔[3]

(۳) لابوان۔ لابوان کی اوّلین جماعت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنی قربانی اور ایثار میں جلد جلد ترقی کرنے لگی۔ چنانچہ ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء تک اس کے اسّی٨٠ فیصد دوست وصیّت کر چکے تھے۔ اکثر احباب نے اپنی جائدادیں اور اولادیں خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیں اور احمدیہ مسجد اور احمدیہ قبرستان کے لئے زمین کا انتظام کر لیا۔[4] ازاں بعد احمدیہ مسجد کی تعمیر ہو گئی۔ ابتداء میں یہ مسجد دو۲ دیواروں پر کھڑی تھی اور دروازہ کوئی نہیں تھا مگر ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء میں مولوی محمد سعید انصاری صاحب کے قیام لابوان کے دَوران اِس کی مرمّت اور توسیع کا کام ہوا جس سے مسجد میں ستّر نمازیوں کے لئے گنجائش نکل آئی۔ تعمیر مسجد میں سب سے نمایاں حصّہ سلیم شاہ صاحب نے لیا اور دوسرے نمبر پر انصاری صاحب نے۔ قریباً دس روز تک اِن ہر دو اصحاب نے مزدوروں کی طرح کام کیا اور ایک دن تمام جماعت نے تین گھنٹے تک اجتماعی وقارِ عمل منایا۔[5]

اِن تین نسبتاً بڑی جماعتوں کے علاوہ ماہ امان/مارچ ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء میں روکوڈنگ میں بھی احمدیت کا بیج بویا گیا جہاں ایک ذی اثر شخص داخلِ احمدیت ہوئے۔[6] علاوہ ازیں ایناِنم (INANAM) میں بھی لوگوں نے احمدیت قبول کی۔ اِس طرح جزیرہ میں آہستہ آہستہ حق و صداقت کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی

---

[1] الفضل ۹ تبلیغ/فروری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۵ ؛ [2] ایضاً ؛ [3] الفضل ۳ احسان/جون ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۵ ؛ [4] الفضل ۹ تبلیغ/فروری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۵ ؛ [5] رپورٹ مولوی محمد سعید صاحب انصاری محررہ ۱۵ شہادت/اپریل ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء (آپ کی تشریف آوری کا تذکرہ آگے آرہا ہے) ؛ [6] الفضل ۳ احسان/جون ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۵

چلی گئی۔

بورنیو میں دوسرے مجاہدینِ احمدیت کی آمد

قبل اِس کے کہ مشن کے بقیہ ضروری کوائف و حالات پر روشنی ڈالی جائے یہاں ہم اُن مجاہدینِ احمدیت کا یکجائی طور پر ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جنہوں نے بورنیو مشن کے مؤسس مولوی محمد زہدی صاحب کے بعد جماعتِ احمدیہ بورنیو کی تعلیم و تربیت کرنے اور اس کو ترقی دینے میں نمایاں حصہ لیا۔

اِس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے محترم مولوی محمد سعید صاحب انصاری کا ذکر کرتے ہیں جو قریبًا نو برس تک مشرقِ بعید کے اِس دُور افتادہ جزیرہ میں کلمۂ حق بلند کرتے رہے۔ جناب انصاری صاحب چار سال تک پیغامِ حق پہنچانے کے بعد ۱۳ ماہِ فتح/دسمبر ۱۳۳۲ھش/۱۹۵۳ء کو صرف چھ ماہ کی رخصت پر پاکستان آکر واپس تشریف لے گئے اور پانچ سال تک فریضۂ تبلیغ بجالانے کے بعد ۱۰ ظہور/اگست ۱۳۳۸ھش/۱۹۵۹ء کو مرکزِ احمدیت ربوہ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ کے زمانۂ قیام کے دَوران ہی مرزا محمد ادریس صاحب فاضل شاہد اور حضرت مولوی غلام حسین صاحب ایاز سابق مبلغ سنگاپور بھی خدماتِ دینیہ انجام دیتے رہے۔ مولوی غلام حسین صاحب ایاز کا ورود اِس سرزمین پر یکم احسان/جون ۱۳۳۸ھش/۱۹۵۹ء کو ہوا لیکن عمر نے وفا نہ کی اور آپ نے ساڑھے چار ماہ بعد ۱۸ ماہِ اخاء/اکتوبر ۱۳۳۸ھش/۱۹۵۹ء کو لابوآن میں وفات پائی اور یہیں سپردِ خاک کئے گئے۔ مرزا محمد ادریس صاحب مورخہ ۱۴ صلح/جنوری ۱۳۳۲ھش/۱۹۵۳ء کو اِس مشن میں تشریف لے گئے اور متواتر دس سال تک اسلام و احمدیت کا جھنڈا بلند رکھنے اور مشن کا چارج مولوی بشارت احمد صاحب نسیم امروہوی کے سپرد کرنے کے بعد ۱۶ احسان/جون ۱۳۴۲ھش/۱۹۶۳ء کو عازمِ پاکستان ہوگئے۔ اَب تک یہ (سابا) مشن جناب نسیم صاحب ہی کے زیرِ امارت کام کر رہا ہے۔

بورنیو میں ٹھوس علمی لٹریچر کی اشاعت

بورنیو میں اب تک سلسلہ احمدیہ کی تائید میں صرف دو ٹریکٹ شائع ہوئے تھے جو اپنی افادیت کے باوجود بڑھتی ہوئی تبلیغی ضروریات کے لحاظ سے سراسر ناکافی تھے۔ ڈاکٹر حافظ بدرالدین احمد صاحب مرحوم نے اِس طرف خصوصی توجہ دی اور دن رات ایک کرکے ٹھوس علمی لٹریچر پیدا کیا۔ چنانچہ اِس سلسلہ میں آپ نے سب سے پہلے ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء میں "احمدیہ موومنٹ اِن اسلام" تالیف کی جو ۱۹۵۰ء میں شائع کی گئی۔ اِس کتاب کے بعد آپ کے قلم سے انگریزی میں اکنامک سسٹم آف اسلام، آنحضرت صلے اللہ

علیہ وسلم کی مقدس زندگی کا مختصر خاکہ اور "دی ہولی پرافٹ" کے نام سے کتابیں نکلیں۔ اس کے علاوہ احمدیہ مشن بورنیو کی طرف سے آج تک کوئی کتاب تصنیف کر کے شائع نہیں کی گئی۔

جماعت کی سرگرمیوں سے عیسائی حلقوں میں اضطراب اور احمدیت کے خلاف عیسائی حکومت کی مخالفت کا آغاز

۱۹۵۰ء کی ابتداء تک جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں کا رُخ زیادہ تر وہاں کی مسلمان آبادی کی جانب تھا اِس لئے حکومت بھی خاموش تھی مگر اِس سال ڈاکٹر حافظ بدرالدین احمد صاحب کی کتاب "احمدیہ موومنٹ اِن اسلام" شائع ہوئی جس میں محاسنِ اسلام کو بیان کر کے اسلام کے خلاف عیسائی اعتراضات کا ردّ کیا گیا تھا۔ بورنیو کی گزشتہ تاریخ میں غالباً یہ سب سے پہلی کتاب تھی جو وہاں کے ایک پبلک پریس میں چھپی۔ اِس کتاب کی اشاعت سے عیسائی حلقوں میں ایک اضطراب اور غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ انگریزوں کے نوآبادیاتی نظامِ حکومت میں چونکہ مذہب اور حکومت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں لہٰذا پادریوں کی غضبناکی کا مطلب یہ تھا کہ عیسائی حکومت احمدیہ مشن کے خلاف سیخ پا ہو۔ چنانچہ حکومت نے جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لئے اپنی مُہم کا آغاز کر دیا۔ گویا حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ عیسائی پادری خواہ جس قدر اور جس طرح چاہیں اسلام کے خلاف زہر پھیلائیں لیکن اسلام کے نمائندوں کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے دین کی پُرامن صورت میں مدافعت بھی کر سکیں۔ ایسی فضا میں تبلیغی جدوجہد کو جاری رکھنے کے لئے نہایت حزم و احتیاط کی ضرورت تھی یعنی ایسے رنگ میں کام کرنے کی ضرورت تھی کہ تبلیغ احمدیت بھی جاری رہے اور حکومت کے ساتھ براہِ راست تصادم اور ٹکراؤ کی نوبت بھی نہ آئے۔ محتاط رویہ اختیار کرنے کی ضرورت اِس وجہ سے اَور بھی زیادہ بڑھ گئی کہ مرکز کی ہدایت پر ایک اَور مجاہد یعنی مولوی محمد سعید صاحب انصاری سرگودہا سے ۱۱ر نومبر ۱۹۴۹ء کو بورنیو مشن میں تشریف لا چکے تھے اور مولوی محمد زہدی صاحب کے ساتھ بورنیو کے مختلف مقامات کا دَورہ بھی کر چکے تھے۔

عیسائی حکومت جو عیسائیت کے خلاف کوئی معمولی آواز اُٹھانا بھی گوارا نہ کرتی تھی جزیرہ میں بیک وقت اسلام کے دو مبلغوں کا وجود کیسے برداشت کر لیتی؟ انگریزی حکومت نے اِس مرحلہ پر جو سلوک روا رکھا وہ حد درجہ افسوسناک تھا۔ چنانچہ مولوی محمد سعید صاحب انصاری نے لابوان (LABUAN) سے ایک رپورٹ میں لکھا:۔

"ابتداء میں ... یہاں کی پولیس ہمارا (برادرم مولوی محمد زہدی صاحب فضلی اور خاکسار کا تعاقب کرتی رہتی تھی۔ خود ملک کے دارالحکومت جیسلٹن میں متعدد بار راہ چلتے ہمارے پاسپورٹوں کو چیک کیا جاتا تھا اور کوئی نہ کوئی ایسی راہ پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی جس سے جماعت کی پُرامن مذہبی سرگرمیوں کو ختم کیا جاسکے۔ چنانچہ ۱۹۵۱ء کا ایک واقعہ ہے جس میں یہاں کے ڈسٹرکٹ آفیسر نے جماعت کے مبلغ سے نہایت توہین آمیز غیر شریفانہ سلوک کیا تھا اور جب سراسر انسانیت سوز سلوک پر حکومت سے احتجاج کیا گیا تو اُس وقت کے گورنر نے جو نہایت متعصب اور عدوّ اسلام عیسائی تھا باوجود اِس وعدہ کے کہ وہ اِس واقعہ کی تحقیقات کر کے بہت جلد جواب دے گا اس نے اِس احتجاج کا جماعت کو آخری وقت تک کوئی جواب نہ دیا۔ حکومت کے اس سربراہ اور بعض دوسرے افسروں کے اس معاندانہ رویّہ کی وجہ سے ہمارے لئے ناگزیر ہو گیا کہ ہم بہت ہی حزم و احتیاط سے اپنا کام کریں تاکہ دشمن کو کسی ایسے فتنہ کے پیدا کرنے کا موقع نہ ملے جس سے جماعت کے وقار کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہو یا جس سے جماعت کی مذہبی سرگرمیاں کلیۃً ختم ہو جائیں۔ اس وقت کے حالات میں کسی ایسے نئے علاقہ میں جانا جس کی فضا سے سراسر ناآگہی ہو اور جہاں نہ قیام کی جگہ اور نہ کوئی واقف کار ہو بالاتفاق ... نامناسب سمجھا گیا۔ اُس کے بعد بفضلہ تعالیٰ حالات آہستہ آہستہ بہتر ہونے لگے۔" [1]

مولوی محمد زہدی صاحب تو ۱۲۔ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء کو انڈونیشیا کی طرف منتقل ہو گئے اور مشن کا چارج مولوی محمد سعید صاحب انصاری نے لیا۔

لنگ کونگن اسٹیٹ میں دورے

۳۰۔ امان/مارچ ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء کو مولوی محمد سعید صاحب انصاری لابوان سے لنگ کونگن اسٹیٹ کے دورہ پر تشریف لے گئے چونکہ اسٹیٹ کے مینیجر نے آپ کو اسٹیٹ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی اِس لئے آپ نے اس کی حدود سے باہر ایک ہفتہ تک ایک احمدی دوست کے گھر قیام رکھا اور گرد و نواح کے اِکے دُکے احمدیوں کی تربیت و اصلاح کی۔ اِس دورہ کے بعد اسٹیٹ میں احمدیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ چنانچہ جب آپ ماہِ

---

[1] مکتوب مولوی محمد سعید صاحب انصاری محررہ ۷۔ صلح/جنوری ۱۳۳۴ہش/۱۹۵۵ء از لابوان۔

فتح/دسمبر ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء میں دوبارہ اسٹیٹ میں گئے تو اسٹیٹ کے اندر احمدیوں کی تعداد دوسروں کے برابر ہوگئی لہٰذا اسٹیٹ مینجر کو یہ پابندی لگانے کی جرأت نہ ہوسکی۔[1]

جیسلٹن میں پہلا جلسہ پیشوایانِ مذاہب

اب تک جزیرہ میں جماعتِ احمدیہ کی طرف سے کسی جلسہ کا باقاعدہ انتظام نہیں کیا جاسکا تھا ڈاکٹر حافظ بدرالدین احمد صاحب کی کوشش سے ۲۸۔ہجرت/مئی ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء کو جیسلٹن میں پہلا جلسہ پیشوایانِ مذاہب منعقد ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے جلسہ سے قریباً بیس۲۰ روز قبل تمام عیسائی مشنوں کو بذریعہ خطوط دعوت دی کہ وہ جلسہ میں شرکت کریں اور جس پیشوا کی سیرت پر چاہیں لیکچر دیں لیکن کسی نے جواب تک نہ دیا۔ عیسائیوں کی اِس بے رُخی کے بعد بہت کم امید تھی کہ دوسرے مذاہب کے لوگ جو ہر طرح سے عیسائیوں کے زیرِ اثر اور اُن سے مرعوب اور دبے ہوئے تھے اِس تقریب میں حصّہ لینے کی جرأت کریں گے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جیسلٹن کی ریکری ایشن کلب (JESSELTON RECREATION CLUB) نے جہاں تمام پبلک تقریبات کا انعقاد ہوتا تھا کلب میں جلسہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس پر ڈاکٹر صاحب کو اپنی قیام گاہ پر ہی اس کا انتظام کرنا پڑا تیس۳۰ آدمی شریکِ جلسہ ہوئے۔ جلسہ کی کارروائی تلاوتِ قرآن سے شروع ہوئی جس کے بعد حضرت بدھ کی سیرت پر ایک ہندو مدراسی نے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر ایک مدراسی مسٹر نیئر (MR. NAIR) نے، حضرت مسیح کے بارے میں ڈاکٹر حافظ بدرالدین احمد صاحب نے اور کرشن علیہ السلام پر انچارج مبلّغ بورنیو مولوی محمد زہدی صاحب نے تقریریں کیں۔ یہ جلسہ اگرچہ پرائیویٹ احاطہ اور نہایت محدود تعداد کے ساتھ ہوا مگر بحمداللہ توقّع سے زیادہ کامیاب رہا۔[2]

جیسلٹن میں پہلا پبلک جلسہ

اِس پرائیویٹ جلسہ کے چھ۶ ماہ بعد احمدیہ مشن نے ایک اور قدم آگے بڑھایا اور ۲۶ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء کو جیسلٹن میں ہی سیرت النبیؐ کے سلسلہ میں ایک اور جلسہ میں کامیابی ہوئی۔ یہ جلسہ بورنیو مشن کی تاریخ میں پہلا پبلک جلسہ تھا۔ یہ جلسہ ایک چینی کلب کے ہال (JUNIOR CIVIL SERVICE UNION HALL)

---

[1] رپورٹ ہائے مولوی محمد سعید صاحب انصاری ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء ؛

[2] رپورٹ مولوی محمد سعید صاحب انصاری محررہ یکم احسان/جون ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء از لابوان

میں منعقد ہوا اور اِس میں مسٹر آر پرائس (MR. R. PRICE) مسٹر اے۔ کے۔ کے۔ نیئر (MR. A. K. K. NAIR) ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحب اور مولوی محمد سعید صاحب انصاری نے بالترتیب سیرت النبیؐ، سوانح رسولؐ، صحابہؓ کی آنحضرتؐ سے والہانہ عقیدت اور آنحضرتؐ شہزادہ امن کی حیثیت سے کے عنوان پر خطاب کیا۔ مولوی محمد سعید صاحب انصاری کے سوا جنہوں نے ملائی زبان میں تقریر کی باقی سب مقررین نے انگریزی میں لیکچر دیا۔ اِس جلسہ کے لئے چنگ نام پرنٹنگ کمپنی جیسلٹن (CHUNG NAM PRINTING COMPANY JESSELTON) سے چار سَو انگریزی اشتہارات چھپوا کر تعلیم یافتہ طبقہ میں تقسیم کئے گئے[1]۔ علاوہ ازیں ایک مقامی چینی اخبار میں بھی اعلان کیا گیا۔ مولوی محمد سعید صاحب انصاری نے یکم دسمبر ۱۹۵۰ء کی رپورٹ میں اِس جلسہ کی تفصیلی اطلاع مرکز کو دیتے ہوئے لکھا نارتھ بورنیو کا ملک ایک پسماندہ ملک ہے اور اِس ملک کی روایت میں غالباً کبھی کوئی ایسا موقع نہیں آیا جب کسی مذہبی تقریب کو ایسی پبلک صورت دی گئی ہو۔ اِس لئے اِس ملک کی حالت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہ توقع رکھنا کہ سامعین کی کثیر یا معقول تعداد کسی ایسی تقریب کو مل جائیگی غالباً بے جا توقع سے کم نہیں لیکن پھر بھی سیرت النبیؐ کے اِس جلسہ میں باوجود اُس دن شدید بارش کے ۴۲ دوست حاضر تھے... جلسہ کا اثر پبلک پر من حیث المجموع اچھا پڑا اور ایک ایسے ملک میں جو مذہبی تقریبات کو قائم کرنے کے لحاظ سے بے جان سا ملک ہے کسی حد تک کچھ انفاسِ حیات بھرنے کا موقعہ مِل گیا۔

رسالہ PEACE کا اجراء جماعتِ احمدیہ بورنیو کی طرف سے مقامی احمدی جماعتوں کو منظم کرنے، ان کی معلومات میں اضافہ کرنے اور غیر مسلموں تک پیغامِ حق پہنچانے کے لئے ماہ فتح/دسمبر ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء میں ایک سہ ماہی رسالہ PEACE مولوی محمد سعید صاحب انصاری کی ادارت میں جاری کیا گیا۔ یہ رسالہ انگریزی اور ملائی زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔ اِس کے انگریزی حصّہ کی ادارت ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحب کرتے اور ملائی حصّہ مولوی محمد سعید صاحب انصاری ترتیب دیتے تھے۔ یہ رسالہ عموماً پانچ سَو کی تعداد میں چھپتا تھا اور بورنیو کے علاوہ سنگاپور اور فلپائن وغیرہ میں بھی

---

[1] اِس اشتہار کی ایک کاپی مولوی صاحب موصوف کے فائل بابت ۱۳۲۹ہش-۱۳۳۰ہش/۱۹۵۰ء-۵۱ء میں (جو وکالتِ تبشیر تحریکِ جدید ربوہ کی تحویل میں ہے) آج تک محفوظ ہے۔

بھجوایا جاتا تھا۔ یہ رسالہ جماعتِ احمدیہ بورنیو کے واحد ترجمان کی حیثیت سے بہت عمدہ اثرات پیدا کرنے کا موجب ہوا اور اس کے ذریعہ بعض سعید رُوحوں کو قبولِ حق کی بھی توفیق ملی۔ افسوس مولوی محمد سعید صاحب انصاری کی مراجعتِ پاکستان (۱۳۳۸ھش / ۱۹۵۹ء) کے بعد اِس مفید رسالہ کا صرف ایک ایشوع نکل سکا اور پھر سے بند کر دینا پڑا۔

رانائو میں احمدی مبلّغ اور جماعتِ احمدیہ کے خلاف فتنہ

۲۔ ہجرت / مئی ۱۳۳۴ھش / ۱۹۵۵ء کا ذکر ہے کہ مبلّغِ بورنیو مرزا محمد ادریس صاحب ایک نئے تبلیغی میدان کی تلاش میں رانائو کے دُور افتادہ علاقہ میں تشریف لے گئے۔ عیسائی حکومت نے جو پہلے ہی اِس تاک میں تھی کہ کسی طرح احمدی مبلّغین کی سرگرمیوں پر پابندی لگانے کا اسے بہانہ ہاتھ آئے بغیر کسی قانون کے محض ایک روایتی قاعدہ کی آڑ لے کر انہیں بھی اور جناب مولوی محمد سعید صاحب انصاری کو بھی جو بعد میں وہاں تشریف لے گئے اس علاقہ سے نکل جانے کا نوٹس دے دیا۔ چونکہ اِس ظالمانہ کارروائی سے حکومت کی غرض محض یہ تھی کہ اس علاقہ میں تبلیغِ اسلام کی سرگرمیاں روک دی جائیں اِس لئے اسلام کی عزّت وحُرمت اور احمدیت کے وقار کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ ملک میں مذہبی آزادی کے حقوق کا تحفظ کرنے کے لئے آئینی جدّوجہد کی جائے چنانچہ جماعتِ احمدیہ بورنیو اور حکومت کے درمیان اِس مسئلہ پر عرصہ تک خط وکتابت اور ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر حکومت کو احمدی مبلّغین سے یہ پابندی اُٹھانا پڑی اور جہاں تک تبلیغ کا تعلق ہے تمام برٹش بورنیو میں احمدیوں کو قانوناً تبلیغ کی آزادی حاصل ہوگئی اگرچہ حکومت اندر ہی اندر عوام کو احمدیوں کے خلاف برابر اُکساتی رہی۔ مرزا محمد ادریس صاحب کا بیان ہے کہ:۔

"بورنیو کے ایک علاقہ رانائو میں... صرف ایک قوم ڈوسون نامی آباد ہے۔ یہ قوم پہلے لامذہب تھی۔ یہاں عیسائیوں کے دو مشن ایک لمبے عرصہ سے کام کر رہے ہیں۔ حکومت کی بھی پالیسی تھی کہ یہ علاقہ عیسائیت کی آغوش میں چلا جائے اِس لئے حکومت کی طرف سے ہمیشہ مسلمانوں پر جو اِس علاقہ میں داخل ہونا چاہیں پابندیاں لگائی جاتی تھیں۔

جب مَیں اس علاقہ میں گیا تو وہاں کے مقامی مسلمانوں نے میری آمد پر بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ بہت سے لوگوں نے قرآن مجید اور نماز سیکھنی شروع کر دی۔ رانائو میں داخل ہونے

کے معاً بعد عیسائیوں سے ایک پبلک جگہ میں مباحثہ ہوا جس کا خدا کے فضل سے غیر مسلموں اور غیر احمدیوں پر اچھا اثر پڑا۔ ایک غیر مسلم چینی دوست نے بعد میں ایک غیر مسلم کو بتایا کہ وہ خود مباحثہ میں موجود تھے ان پر یہی اثر ہے کہ عیسائیت اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ حکومت نے دیکھا کہ راناؤ کے مقامی مسلمانوں میں بیداری پیدا ہورہی ہے اور انہوں نے احمدی مبلغ سے دینی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی ہے اور نیز یہ کہ احمدیت عیسائیت کا برملا مقابلہ کر رہی ہے۔ راناؤ میں ہر ماہ کی پچیس ۲۵ تاریخ کو منڈی لگتی ہے جس میں علاقہ کے دُور دراز کے لوگ کثرت سے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اس موقع پر اس علاقہ کا انگریز ڈسٹرکٹ آفیسر بھی دَورہ پر ہمیشہ آتا ہے۔ جب منڈی کے موقع پر انگریز ڈسٹرکٹ آفیسر آیا تو اس نے مجھے اپنے آفس میں بُلا کر پوچھا کہ کیا تمہارے پاس ریذیڈنٹ کی طرف سے اِس علاقہ میں داخل ہونے کا اجازت نامہ ہے؟ مَیں نے کہا یہ علاقہ بھی بورنیو کا حصّہ ہے کوئی نئی دوسری حکومت نہیں ریذیڈنٹ سے اجازت نامہ حاصل کرنے کی ضرورت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیا حکومت کا یہ قانون ہے کہ راناؤ میں داخل ہونے سے قبل ریذیڈنٹ کی اجازت حاصل کی جائے؟ کہنے لگا کہ قانون تو نہیں مگر چونکہ یہاں کے لوگ جاہل ہیں اِس لئے حفاظت کی خاطر ضروری ہے کہ ریذیڈنٹ سے اجازت حاصل کی جائے۔ مَیں نے کہا کہ یہاں کے لوگ مجھ سے بڑی محبت سے پیش آتے ہیں۔ بہت سے لوگ بڑے شوق سے دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں۔ بعد میں ڈسٹرکٹ آفیسر نے وہاں کے امام اور نیٹو چیف کو آفس میں بُلا کر میرے متعلق پوچھا کہ ادریس یہاں کیا کام کرتا ہے اور کہاں کہاں جاتا ہے؟ امام اور چیف دونوں نے میری تعریف کی اور کہا کہ ادریس اچھا آدمی ہے یہاں مُفت دینی تعلیم دیتا ہے۔ ڈسٹرکٹ آفیسر نے جب دیکھا کہ اِس طریق سے مبلّغ کو راناؤ سے نکالنے کی کوئی صورت نہیں بنی تو جیسلٹن ریذیڈنٹ کو میرے متعلق تمام حالات سے اطلاع دی۔ ریذیڈنٹ نے خود اور پولیس کے ذریعہ ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحب پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی کہ ادریس کو راناؤ کے علاقہ سے واپس بُلا لو۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی حکومت کو جواب دیا کہ ادریس مبلّغ ہے تبلیغ کی ہر شخص کو آزادی ہے

اِس لئے ہم ادریس کو واپس نہیں بُلا سکتے۔ راناؤ میں میرا قیام ایک ہیڈ ماسٹر ابیر نامی کے گھر میں تھا ہیڈ ماسٹر صاحب کو ہر روز تبلیغ کا موقع ملتا تھا۔ میرے کچھ عرصہ قیام کے بعد ہیڈ ماسٹر صاحب اور ایک اَور سابق سکول ماسٹر صاحب نے بیعت کر لی۔ یہ دونوں احمدی دوست راناؤ میں صاحبِ اثر و رسوخ تھے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب وہاں میرے قیام کے دَوران جبکہ ابھی وہ احمدی نہ ہوئے تھے وہاں کی مسلم ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری تھے۔ عید کے دن مسلم ایسوسی ایشن کی جنرل میٹنگ تھی انہوں نے اپنی مجلسِ عاملہ سے پوچھا کہ اجلاس کہاں کیا جائے۔ مجلسِ عاملہ نے فیصلہ کیا کہ عید کی نماز کے بعد مسجد میں اجلاس ہوگا۔ ہمارے احمدی دوست نے بتایا کہ مَیں چونکہ احمدی ہو گیا ہوں مَیں عید کی نماز احمدی مبلغ کے ساتھ اپنے گھر میں پڑھوں گا عید کی نماز پڑھنے کے بعد ہی مَیں مسجد میں میٹنگ کے لئے حاضر ہوسکونگا ہمارے احمدی دوست عید کی نماز ہمارے ساتھ پڑھنے کے بعد جب مسجد میں میٹنگ کے لئے گئے اور وہاں اجلاس شروع ہُوا تو امام نے وہاں پر میٹنگ میں گڑبڑ کی کہ تم قادیانی کیوں ہو گئے ہو؟ اسی گڑبڑ میں ایسوسی ایشن کی میٹنگ کی کارروائی بھی مکمل نہ ہو سکی۔ مَیں چونکہ راناؤ میں مسلسل تین ماہ سے قیام پذیر تھا۔ راناؤ میں خوراک مناسبِ حال نہ ہونے کی وجہ سے نیز دوسری جماعتوں کا دَورہ کرنے کے لئے راناؤ میں عید پڑھا کر مَیں جیسلٹن آ گیا۔ اِس دوران جبکہ مَیں ابھی جیسلٹن میں تھا بعد میں حکومت نے امام کی طرف سے ہمارے احمدیوں پر مقدمہ دائر کروا دیا کہ احمدیوں نے مسجد میں آ کر فتنہ و فساد اور گڑبڑ کی ہے۔ دو دن تک مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی جس میں ہمارے احمدی دوستوں سے سوالات کئے گئے کہ تم احمدی کیوں ہو گئے ہو، تم مسجد میں آ کر غیر احمدی امام کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ تم نے ایک غیر ملکی احمدی مبلغ کو اپنے گھر میں کیوں رکھا ہوا ہے؟ وغیرہ۔ تمام سوالات کے جواب خدا کے فضل سے ہمارے احمدی دوستوں نے نہایت عمدگی سے دیئے۔ حکومت کا چونکہ مقصد یہ تھا کہ احمدیوں کو ڈرا دھمکا کر احمدیت سے انکار کروایا جائے دوسرے یہ کہ وہاں کی جاہل پبلک کو احمدیت سے متنفر کیا جائے اور انکے دِل میں یہ ڈالا جائے کہ جب حکومت ان سے نفرت کرتی ہے تو ضرور کوئی مخفی بُرائی ان

میں ہو گی جس کی وجہ سے حکومت بھی ان کو پسند نہیں کرتی۔ ہمارے احمدی دوستوں نے کہا کہ ہم احمدیت کو حقیقی اسلام سمجھتے ہیں احمدیت سے انکار نہیں کر سکتے۔ ہمارے احمدیوں کو پچیس پچیس ڈالر جرمانہ کی سزا دی گئی۔

جب راناؤ میں ہمارے احمدی دوستوں پر مقدمہ ہوا اُس وقت میں لنکونگن کی جماعت سے چندہ وصول کرنے کے لئے وہاں دَورہ پر گیا ہوا تھا۔ جب وہاں سے جیسلٹن پہنچا تو مجھے حکومت کی طرف سے تحریری نوٹس دیا گیا کہ حکومت کی فلاں دفعہ کے تحت تم راناؤ کے علاقہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اس پر جماعت کی طرف سے احتجاج کیا گیا اور سنگاپور اور انڈونیشیا کی جماعتوں نے بھی احتجاجی تاریں بورنیو کی حکومت کو بھجوائیں تو خود گورنر راناؤ کے علاقہ میں تحقیق کے لئے گیا راناؤ سے جیسلٹن واپسی پر اُس نے ہمیں بُلایا اور وعدہ کیا کہ ہم اپنا نوٹس واپس لے لیں گے۔ چنانچہ گورنر کے وعدہ کے مطابق جلد ہی حکومت کی طرف سے تحریری اطلاع آگئی کہ جماعتِ احمدیہ کا مبلّغ جب چاہے راناؤ جا سکتا ہے۔

حکومت کے فتنہ اور احمدیوں کو جرمانہ کی سزا دینے کی وجہ سے راناؤ کے عوام ایک لمبا عرصہ تک ہم سے ڈرتے رہے مگر پھر وہاں خدا کے فضل سے حالات اچھے ہو گئے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ وہاں کے علاقہ کا چیف امام جو ہمارا شدید مخالف تھا اور ہمارے راستہ میں ایک بڑی روک تھا فوت ہو گیا اور اس کے فوت ہو جانے کی وجہ سے یہ روک دُور ہو گئی ہے۔ اب اس کا قائم مقام امام اس کا لڑکا ہے۔ اپنے امام منتخب ہونے کے بعد اس نے جو پہلی تقریر کی اس میں اس نے واضح الفاظ میں کہا کہ آئندہ سے وہ احمدیت کے خلاف کوئی بات نہیں کہے گا۔"[1]

مباحثہ راناؤ مندرجہ بالا بیان میں جس مباحثہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ مولوی محمد سعید صاحب انصاری نے ۲/ احسان/ جون ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء کو کیا جس کی تفصیل مرزا محمد ادریس صاحب کی ایک دوسری رپورٹ (مورخہ ۲۰/ جون ۱۹۵۵ء) میں بایں الفاظ ملتی ہے:۔

" ۳۰/ مئی ۱۹۵۵ء کو مکرم مولوی محمد سعید صاحب انصاری جیسلٹن سے راناؤ تشریف لائے

[1] غیر مطبوعہ رپورٹ (وکالتِ تبشیر تحریک جدید ربوہ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے)۔

ان کی آمد کے ساتھ راناؤ میں کافی رونق پیدا ہوگئی۔ انصاری صاحب کی آمد سے تین چار دن قبل ہی عیسائی مسلمانوں کو مقابلہ کے لئے بُلا رہے تھے۔ ایک عیسائی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ اکیلا ہزار مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

مقامی مسلمانوں نے اور عیسائیوں نے آپس میں فیصلہ کر کے دو جون کا دن تبادلۂ خیالات کے لئے مقرر کیا۔ مسلمان خود تو عیسائیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے ان کی ہم سے ہی امیدیں وابستہ تھیں۔ مقامی مسلمانوں نے عیسائیوں کی طرف سے وہ خط ہمیں دیا جس میں مسلمانوں کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ ۲ رجون ۱۹۵۵ء کو فلاں مقام پر تبادلہ خیالات کے لئے حاضر ہو جائیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی خواہش پر مکرم مولوی محمد سعید صاحب انصاری اور خاکسار میدانِ مقابلہ میں پہنچ گئے۔ ہم نے مقامی مسلمانوں کے ذریعہ نیٹو چیف اور پولیس کی طرف سے انتظام کرا لیا تا کسی قسم کا کوئی فتنہ اور شرارت پیدا نہ ہو۔ ہم نے نیٹو چیف اور پولیس کے افسر کو وہ خط دکھا دیا کہ عیسائیوں کی دعوت پر اور مقامی مسلمانوں کی خواہش پر ہم تبادلہ خیالات کرنے کے لئے آئے ہیں۔ کافی انتظار کے بعد پادری تو بوجہ عدیم الفرصتی کے تشریف نہ لائے البتہ ان کے نمائندے پہنچ گئے۔ عیسائیوں کے نمائندوں کے ساتھ مکرم مولوی محمد سعید صاحب انصاری نے قریباً دو گھنٹہ تبادلہ خیالات کیا۔ موضوعِ گفتگو تثلیث تھا۔ اس مباحثہ کے ذریعہ مقامی مسلمانوں پر یہ بات واضح ہوگئی کہ عیسائیت کا مقابلہ صرف جماعتِ احمدیہ ہی کر سکتی ہے۔"

حکومت کی مُسلم کُش پالیسی کے خلاف مؤثر آواز

نارتھ برٹش بورنیو کی عیسائی حکومت نے راناؤ کے مسلمانوں کو اپنے زیرِ اثر رکھنے اور ان کے مذہبی ماحول کو اپنے رنگ میں ڈھالنے اور ان پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لئے یہ طریق جاری کر رکھا تھا کہ وہ راناؤ کا چیف قاضی اور امام خود مقرر کرتی تھی اور ارد گرد کے دیہات میں اس کے منظور شدہ امام کے بغیر کوئی دوسرا شخص نہ امام بن سکتا تھا اور نہ مسلمانوں کو دینی تعلیم دینے کا مجاز تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمان ذہنی طور پر مفلوج ہو گئے تھے اور اس علاقہ کا امام محض حکومت کا آلہ کار بن کے رہ گیا تھا حکومت جو چاہتی

اس سے کہلواتی اور پبلک اس پر اندھا دُھند آمنّا و صدّقنا کہہ دیتی۔

مولوی محمد سعید صاحب انصاری نے حکومت کی اس مسلم کُش پالیسی کے خلاف بورنیو کے واحد روزنامہ SABAH TIMES میں مفصل مضمون شائع کرایا جس میں مسلمانوں کو حکومت کے مقرر کردہ امام اور چیف قاضی کے نقصانات بتائے اور نہایت وضاحت سے بیان کیا کہ اس سے حکومت کا مقصد درپردہ مسلمانوں کی وحدت کو کمزور کرنا اور ان میں فتنہ پیدا کرنا ہے۔

راناؤ کے نئے احمدی نیٹو چیف[1] امان ان دنوں سنڈاکن کی سرکاری کانفرنس میں مدعو تھے۔ مرزا محمد ادریس صاحب نے ان کو بھی خاص طور پر اس معاملہ کی اہمیت بتلائی اور مسلمانوں کے موقف کے بارے میں بعض دلائل دیئے تا اگر یہ مسئلہ حکومت کی طرف سے پیش ہو تو اس کے خلاف مؤثر آواز بلند کی جاسکے[2] نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی حکومت اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہ ہوسکی۔

مشرقی ساحل میں احمدیت کی آواز

مارچ ۱۹۵۵ء میں مولوی محمد سعید صاحب انصاری نے بورنیو کے مشرقی ساحل تک پیغام احمدیت پہنچانے کے لئے ایک کامیاب دورہ کیا۔ اس علاقہ سے سب سے پہلے سنڈاکن کے ڈنٹل مور ا یوسف[3] نے قبولِ احمدیت کا اعلان کیا۔ یہ نوجوان نسلاً فلپینی ہیں۔ انہوں نے ایک لمبے عرصہ تک ہر طرح کے شدائد کا نہایت پامردی اور جرأت سے مقابلہ کیا اور مبلّغ کے ساتھ مِل کر دن رات تبلیغ کرتے رہے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل

---

[1] راناؤ کے علاقہ میں پانچ نیٹو چیف تھے ان میں مسلمان بھی ایک تھے جو مرزا محمد ادریس صاحب کے قیامِ راناؤ کے دوران ۸ / ماہ نبوت / نومبر ۱۳۳۴ھش / ۱۹۵۵ء کو بیعت کر کے داخلِ سلسلہ احمدیہ ہوگئے۔ مرزا محمد ادریس صاحب کی طرف سے جب ان کا بیعت فارم حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں موصول ہوا تو حضور نے ارشاد فرمایا:۔

"ان کو کہیں کہ پہلے تو آپ لوگ آگے نہیں آنے دیتے اب آپ کا کام ہے کہ اپنے قبیلے کو احمدی بنائیں اللہ تعالیٰ آپ کو پائینر (POINEER) بنائے اور دینی برکات عطا فرمائے۔"

نیٹو چیف امان پر بعد میں بڑی سختی کی گئی اور انگریز ڈسٹرکٹ آفیسر اور مسلمان نائب افسر دونوں نے الگ الگ دھمکی دی کہ احمدی ہو جانے سے تم چیف نہ رہو گے مگر وہ نہایت پامردی سے حق پر قائم رہے۔

[2] تبلیغی رپورٹ مرزا محمد ادریس صاحب ۱۹۵۵ء۔

[3] اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی لحاظ سے بھی غیر معمولی ترقی دی۔ احمدیت کو قبول کرتے وقت وہ محکمہ جنگلات میں معمولی کلرک تھے لیکن اب وہ اسی محکمہ میں اعلیٰ افسر ہیں۔ ابھی حال ہی میں گورنمنٹ کے خرچ پر وہ ہالینڈ میں مزید ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد وطن واپس آئے ہیں اور مزید ترقی حاصل کی ہے۔

سے یہ ہوا کہ اب سنڈاکن کی جماعت بورنیو کی سب سے بڑی جماعت ہے اور ڈونلڈ مور ا یوسف صاحب اس کے پریذیڈنٹ ہیں۔

حضرت مصلح موعودؓ کی بعض خصوصی ہدایات

۳۴-۱۳۳۵ھش / ۵۶-۱۹۵۵ء میں جبکہ راناؤ میں انگریزی حکومت کی مشنری جماعت احمدیہ اور اس کے مبلغین کے خلاف پورے زور سے حرکت میں آچکی تھی حضرت مصلح موعودؓ نے ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحب کو وقتاً فوقتاً درج ذیل ہدایات دیں:-

۱۔ ڈاکٹر صاحب کے مراسلہ یکم تبوک/ستمبر ۱۳۳۴ھش / ۱۹۵۵ء پر ارشاد فرمایا:-

"احتجاج کا کیا سوال تھا کہہ دیتے ہم نہیں نکلتے ہمیں بھی وہی حق حاصل ہے، جو اور لوگوں کو ہے۔ اصل طریق یہ ہے کہ بورنیو کے لوگوں میں پراپیگنڈا کریں کہ ہم آزاد ہونا چاہتے ہیں تبھی یہ لوگ سیدھے ہوں گے۔"

۲۔ انہوں نے اپنے مکتوب ۲۰ تبوک/ستمبر ۱۳۳۴ھش میں تبلیغی صورتِ حال کی اطلاع دی تو حضورؓ نے اس پر لکھا:-

"صحابہ کی طرح تبلیغ کریں، جس طرح جونک چمٹ جاتی ہے ہمتیں کریں، غیرت دلائیں، جوش دلائیں، اور ایک ایک کو نہیں ہزاروں کو۔"

۳۔ ڈاکٹر صاحب کے مکتوب ۲۲-۲۳ تبوک/ستمبر ۱۳۳۴ھش / ۱۹۵۵ء پر فرمایا:-

"اصل اہم بات یہ ہے کہ آپ کو نہ نکالیں۔ آپ کہہ دیتے کہ بے شک ادریس کو قید کر لو میرا کوئی تعلق نہیں۔ اگر ادریس قید ہو جاتا اور کہہ دیتا کہ ڈاکٹر بدرالدین کو مجھ پر کیا اختیار ہے؟ نومسلموں سے کہتا کہ مَیں تمہارے ایمان کی خاطر قید ہونے لگا ہوں تو ساری دنیا میں تہلکہ مچ جاتا۔ ہم سارے افریقہ اور امریکہ میں شور مچوا دیتے۔ ڈچ بورنیو میں بھی شور مچوائیں اور کہیں کہ انگریز نکل جائیں ہم بورنیو انگریزوں کے ماتحت نہیں چاہتے۔ جب انگریز نے تبلیغ کو پولیٹیکل معاملہ قرار دیا ہے تو آپ کیوں نہیں پولیٹیکل معاملہ قرار دیتے؛ سارے افریقہ میں لوگ بطور قوم آباد ہیں انہوں نے گورنمنٹ سے ٹکر لی ہے اور ان کو شکست دی۔ جب مَیں نے لیگوس کے چیف سے ذکر کیا کہ میرا ایک رسالہ جو عیسائیت کے خلاف

ہے گورنمنٹ کہیں اسے ضبط نہ کرلے تو اس نے مُٹھی بھینچ لی اور اس کو ہلا کر کہا ہم مسلمان اکثریت میں ہیں ہم گورنر کی گردن بھینچ دیں گے اس کو طاقت کیا ہے... چاہیئے تھا کہ عقل سے کام کرتے مگر ساتھ ہی پبلک کو ایسے حاکموں کے خلاف کھڑا کر دیتے جو ظلم اور تعدّی سے کام لیں۔"

۴۔ ان کے ۲۶؍ستمبر ۱۹۵۵ء کے ایک مکتوب پر تحریر فرمایا:۔

"آپ بار بار گورنر کو ملتے رہیں اِس سے اثر پیدا ہوتا ہے۔ اب آپ اِس علاقہ کو ہرگز نہ چھوڑیں اور اِس موقعہ سے پُورا فائدہ اُٹھائیں اور اس میں تبلیغ پر زور دیں۔ اِس وقت ایسا موقعہ ہے کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو جائیں۔"

۵۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا ایک خط (مورخہ ۱۱؍اخاء؍اکتوبر ۱۳۳۴ھش؍۱۹۵۵ء) کو حضور کی خدمت میں موصول ہوا جس پر حضورؓ نے جو ہدایات فرمائیں وہ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر کے الفاظ میں درج ذیل ہیں:۔

(الف) "گورنر کے نام جو چٹھی لکھی گئی ہے بے شک بھجوا دی جائے مگر اس میں یہ امر وضاحت سے تحریر کر دیا جائے کہ نئی بلڈنگز وغیرہ کے متعلق جو قوانین عیسائی مشنوں کے متعلق ہیں وہ جب تک ان پر عائد ہوں گے ہم بھی ان کی پابندی کریں گے۔ اِس بارہ میں حضور نے یہ تاکید فرمائی ہے کہ اس کے نتیجہ میں تبلیغ پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیئے۔ تبلیغ ہم جہاں چاہیں کریں گے۔

(ب) مقدمہ کی اپیل کے متعلق کل ہی لکھا جا چکا ہے۔ اگر تو گورنمنٹ نے اِس مقدمہ کو آئندہ ہمارے خلاف استعمال نہیں کرنا تو پھر بے شک اپیل نہ کریں ورنہ اپیل کی جائے۔

(ج) اگر کسی علاقہ سے مبلّغ کو تبلیغ سے روکنے کے لئے نکلنے کا حکم دیا جائے تو مبلّغ ہرگز اپنی جگہ نہ چھوڑیں خواہ قید کر لئے جائیں۔ اس صورت میں یہ طریق اختیار کیا جائے کہ پبلک سے ایجی ٹیشن کروایا جائے کہ مذہب میں حکومت دخل دے رہی ہے۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ جلد سے جلد لوکل مبلّغ تیار کئے جائیں کیونکہ اگر حکومت غیر ملکیوں کو نکال ہی دے تو لوکل مبلّغین کو تو نہیں نکال سکتی اِس طرح تبلیغ کا راستہ بند نہ ہوگا بلکہ کھُلا

رہے گا۔"

۶۔ ایک اور مکتوب پر ارشاد فرمایا:۔

"ان کو سمجھائیں کہ جس علاقہ میں جائیں پہلے ان سے دوستیاں کریں، تعلقات بڑھائیں، ہلکی ہلکی تعلیم دیں پھر تبلیغ آسان ہو جائے گی، یاد رکھیں ذوالقرنین پہلے مغرب میں گیا پھر مشرق میں۔ سو پہلے تبلیغ مغرب سے شروع ہوئی اب مشرق کی طرف شروع ہو رہی ہے۔ یہ جو ہے کہ سورج مغرب سے چڑھے گا اگر امریکہ سے رو شروع ہوئی تو راستہ میں آپ کا ملک آتا ہے۔" (۲۱ صلح/جنوری ۱۳۳۵ہش/۱۹۵۶ء)

وسیع تبلیغی دورہ

مرزا محمد ادریس صاحب نے ۱۳۳۵ہش/۱۹۵۶ء کی پہلی سہ ماہی میں راناؤ کے علاوہ مندرجہ ذیل دیہات کا تبلیغی دورہ کیا۔ لیبانگ، تگوڈن، کلیتنل، کینی راسن، پرولیٹ رنڈ اگنگ، موکاب، پرنگ، سنگیٹن، توپنگ، پرنچانگن، لنگست، کنڈ اسنگ، بنڈو توہن۔ ان دیہات کی مجموعی آبادی مسلمان، عیسائی اور لا مذہب لوگوں پر مشتمل ہے۔ مرزا صاحب موصوف نے ان مختلف الخیال لوگوں کو محبت و پیار سے حقیقی اسلام کی طرف دعوت دی تعلیم یافتہ غیر مسلموں کو "اسلامی اصول کی فلاسفی" کا تحفہ دیا اور مسلمانوں کو امام مہدی کی بشارت سنانے کے علاوہ نماز اور قرآن مجید پڑھنے کی طرف توجہ دلائی۔[2]

ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحب کا سفر فلپائن

جماعتِ احمدیہ بورنیو کے ذریعہ ایک عرصہ سے فلپائن کے مسلمانوں تک پیغامِ حق پہنچ رہا تھا اور کئی سعید رُوحیں حق کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو چکی تھیں۔ مرکزِ احمدیت نے فلپائن میں مبلغ بھجوانے کی مسلسل کوششیں کیں مگر فلپائن کی حکومت کسی مسلمان مشنری کو اپنے ملک میں داخل نہیں ہونے دیتی تھی۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحب نے اپنی خدمات حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں پیش کیں چنانچہ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں آپ ۲ ماہِ احسان/جون ۱۳۳۶ہش/۱۹۵۷ء فلپائن تشریف لے گئے جہاں تھوڑے ہی عرصہ میں دو سو سے زائد اشخاص ان کی تبلیغ سے داخلِ سلسلہ ہو گئے جس پر حضور نے سالانہ جلسہ کی تقریر کے دوران خوشنودی کا اظہار

---

[1] مبلغینِ بورنیو کی طرف اشارہ ہے (مؤلف)۔ [2] الفضل ۵ احسان/جون ۱۳۳۵ہش/۱۹۵۶ء صفحہ ۳۔

فرمایا۔[1]

برونائی اسٹیٹ میں احمدیت

ماہِ وفا/جولائی ۱۳۳۷ھش/۱۹۵۸ء میں برونائی میں جو شمالی بورنیو سے ملحق مسلم ریاست ہے مکرم مولوی محمد سعید صاحب انصاری کے ذریعہ احمدیت کی داغ بیل پڑی اور سب سے پہلے یوسف بن بولت کو قبولِ حق کی سعادت نصیب ہوئی۔

پاکستانی باشندوں میں تنظیم کی جدّوجہد

بورنیو میں پاکستانیوں کی بھی خاصی تعداد موجود ہے ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحب کی سالہاسال کی کوشش سے ۱۳۳۹ھش/۱۹۶۰ء میں ان کو متحد و منظم کرنے کے لئے پاکستانی ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں لایا گیا اور اتفاقِ رائے سے اس کی صدارت ڈاکٹر صاحب ہی کو سونپی گئی۔ آپ کی وفات کے بعد ایک مقامی پاکستانی حاجی کالاخان صاحب صدر منتخب کئے گئے اور مبلغِ بورنیو مرزا محمد ادریس صاحب سیکرٹری تجویز ہوئے ۱۴/اگست ۱۹۶۱ء کو بورنیو میں پہلی بار پاکستانیوں نے اپنا یومِ آزادی اہتمام سے منایا جس کے جملہ انتظامات مرزا صاحب موصوف نے کئے۔ اس تقریب کی رپورٹ مقامی اخبار "SABAH TIMES" میں شائع ہوئی۔[2]

سراوک کے خیر سگالی وفد کو پیغامِ حق

ماہِ احسان/جون ۱۳۴۰ھش/۱۹۶۱ء میں سراوک سے سات افراد پر مشتمل ایک خیر سگالی وفد سرکاری طور پر آیا جو چینی اور سراوک کے مسلمان ممبروں پر مشتمل تھا مرزا محمد ادریس صاحب نے ان ممبروں کو سلسلہ کا لٹریچر پیش کیا۔ وفد کے لیڈر نے سراوک سے شکریہ کا خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ آجکل کی دہریّت کی فضا میں مذہب کی تبلیغ قیامِ امن کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ یہ کام انجام دیکر انسانیت کی عظیم خدمت بجالا رہے ہیں۔[3]

مبلّغین کا تعارفی دَورہ

۱۳۴۲ھش/۱۹۶۳ء کی پہلی سہ ماہی کے دَوران مولوی بشارت احمد صاحب نسیم امروہوی مشن کا چارج سنبھالنے کے لئے بورنیو تشریف لے گئے۔ مرزا محمد ادریس صاحب نے اُن کے ساتھ لنکونگن، تنوم اور ساپونگ کا دَورہ کر کے احمدی دوستوں

---

[1] ریکارڈ وکالتِ تبشیر، الفرقان (ربوہ) شہادت/اپریل ۱۳۴۰ھش/۱۹۶۱ء صفحہ ۳۴۔ [2] الفضل ۸ رفتح/دسمبر ۱۳۴۰ھش/۱۹۶۱ء صفحہ ۳۔ [3] ایضاً۔

سے متعارف کرایا۔ اِس سلسلہ میں یہ دونوں مبلغ ساباہ کے دو بڑے انگریزی روزناموں کے ایڈیٹروں سے بھی ملے [۱]

افریقی ایشیائی جرنلسٹوں سے ملاقات

انہیں ایام میں جیسلٹن افریقی ایشیائی جرنلسٹوں کا ایک وفد حکومت کی دعوت پر ساباہ آیا جنہیں مرزا صاحب موصوف نے عربی اور انگریزی اسلامی لٹریچر پیش کیا۔ وفد کے ایک مسلمان ممبر نے بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ ایک مسلمان مشنری ملنے کے لئے آیا ہے نیز کہا کہ آپ پہلے مسلمان ہیں جو مجھے یہاں ایک مسلمان بھائی کی حیثیت سے خاص طور پر ملنے آئے ہیں۔[۲]

نئی مشکلات

ماہ ظہور/اگست ۱۳۴۲ھش/۱۹۶۳ء میں یہ جزیرہ انگریزی تسلط و اقتدار سے آزاد ہو گیا تو خیال کیا جاتا تھا کہ تبلیغِ اسلام کی راہ میں حائل رکاوٹیں آہستہ آہستہ دُور ہو جائیں گی مگر اس کے برعکس جماعتِ احمدیہ کو پہلے سے بھی زیادہ مشکلات سے دوچار ہونا پڑا حتّٰی کہ مختلف مقامات میں احمدیوں کو ورغلانے، لالچ دے کر اپنے ساتھ شامل کرنے اور دھمکیاں دے کر مرعوب کرنے کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

ریڈیو پر احمدیت کے خلاف پراپیگنڈا اور اس پر احتجاج

ساباہ کی آزادی پر ابھی چند ماہ گزرے تھے کہ بعض متعصب لوگوں نے ساباہ ریڈیو سے احمدیت کے خلاف پراپیگنڈا شروع کر دیا۔ مولوی بشارت احمد صاحب نسیم نے ۹ رجنوری ۱۹۶۴ء کو ڈائریکٹر صاحب براڈکاسٹنگ اینڈ انفارمیشن حکومتِ ساباہ اور سراواک کو احتجاجی خطوط لکھے جن کی نقول فیڈرل سیکرٹری اور حکومتوں کے چیف سیکرٹری صاحبان کو بھی ارسال کیں جس پر ان کی طرف سے معذرت کا خط آیا۔[۳]

احمدیہ مسلم سالانہ کانفرنس کی بنیاد

۱۹ فتح/دسمبر ۱۳۴۴ھش/۱۹۶۵ء کا دن ساباہ مشن کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اِس لئے کہ اس روز ساباہ میں سالانہ احمدیہ

---

[۱] ایک روزنامہ اخبار "ساباہ ٹائمز اینڈ نارتھ بورنیو" کے ایڈیٹر و مالک مسٹر ڈونلڈ سٹیفنز (DONALD STEPHANS) تھے جو ملک کی آزادی کے بعد ملیشیا بن جانے پر ساباہ کے پہلے وزیرِ اعلیٰ چنے گئے اور اب آسٹریلیا میں ملیشیا کے ہائی کمشنر ہیں۔

[۲] الفضل ۷ رتبلیغ/فروری ۱۳۴۳ھش/۱۹۶۴ء صفحہ ۳۔

مسلم کانفرنس کی بنیاد پڑی۔

اِس پہلی کانفرنس کے انعقاد کے لئے ملکی حالات کے پیشِ نظر یک روزہ پروگرام بنایا گیا۔ احمدیہ مسلم مشن ہاؤس جیسلٹن کی عمارت ہی میں جلسہ ہؤا اور اسی میں مہمانوں کے قیام وطعام کا انتظام کیا گیا۔ احمدی احباب ۱۸ فتح / دسمبر کی صبح سے ہی آنے شروع ہو گئے۔ قریبی جماعتوں کے احمدیوں نے دُور سے تشریف لانے والے دوستوں کی رہائش اور طعام کا خاطر خواہ بندوبست کیا۔ احمدی بہنوں نے کھانا تیار کر کے اور احمدی بھائیوں نے کھانا پیش کر کے اور حسب ضرورت خوردنی اشیاء شہر سے مہیا کر کے اخلاص کی عُمدہ مثال قائم کی۔ اِس کانفرنس میں پُوتاتن، لوکاوی، رامایہ، ساپونگ، تمالنگ، تیلی پوک، رینانم، ساساگاسا، کوالابلائیت، برونائی اسٹیٹ اور سنڈاکن کے احمدیوں نے شرکت فرمائی۔ پروگرام کے مطابق تین اجلاس ہوئے جن میں مولوی بشارت احمد صاحب نسیم مبلّغ ساباہ کے علاوہ بوجنگ بن رؤوف صاحب، محمد شریف تیوسوچنگ صاحب آف برونائی، ڈنٹل مورا یوسف آف سنڈاکن نے بھی خطاب فرمایا۔ رات کو شوریٰ کا اجلاس منعقد ہؤا جس میں شادی بیاہ، چندوں کی ادائیگی اور بچّوں کی دینی تعلیم کیلئے درس گاہ وغیرہ اہم اُمور زیرِ بحث آئے۔[1] ۱۹۶۷ء کی سالانہ کانفرنس میں مبلّغ انچارج ملیشیا مولوی محمد سعید صاحب انصاری اور مولوی محمد عثمان صاحب چینی مبلّغ سنگاپور بھی شریک ہوئے۔

خدا کے فضل وکرم سے یہ کانفرنس باقاعدگی سے ہر سال منعقد ہوتی ہے اور اس میں مختلف دینی وتربیتی موضوعات پر تقاریر کے علاوہ مجلسِ شوریٰ کا بھی انعقاد ہوتا ہے جس میں تبلیغ وتربیت کے سلسلہ میں فیصلے کئے جاتے ہیں۔ یہ کانفرنس اِس علاقہ کے احمدیوں میں بیداری پیدا کرنے کا عُمدہ ذریعہ ثابت ہو رہی ہے۔

ساباہ کی احمدی جماعتیں

اِس وقت اس ملک میں جسے اَب ساباہ کہا جاتا ہے حسبِ ذیل مقامات پر خدا کے فضل سے احمدی جماعتیں پائی جاتی ہیں:-

۱- کوتاکینابالو (جیسلٹن) KOTA KINABALU (JESSELTON)

۲- رامایہ (پینمپنگ ضلع) KG. RAMAYAN (PENAMPANG)

---

[1] الفضل ۳۰ صلح / جنوری ۱۳۵۵ھش / ۱۹۶۶ء صفحہ ۱

۳ ۔تمالانگ (توارن ضلع) KG. TAMALANG TELIPOK (TUARAN)

۴ ۔ راناؤ

۵ ۔(۱) لنکونگن (۲) کےہیڈوپ آن، انومان، ریوفورٹ ضلع، لنکونگن اسٹیٹ

KG. LINGKUNGAN, KEHIDUPAN, INUMAN (LINGKUNGAN ESTATE)

۶ ۔ساساگا ساپونگ اسٹیٹ (ٹینم ضلع) KG. SASAGA (SAPONG ESTATE)

۷ ۔ لابوان LABUAN

۸ ۔سنڈاکن SANDAKAN

۹ ۔ تواؤ TAWAU

۱۰ ۔برونائی اسٹیٹ (ملک ساباہ سے متصل علیحدہ ملک ہے) BRUNEI ESTATE

بعض مخلصین کا تذکرہ

ساباہ کے احمدیوں کی تعداد اگرچہ بہت تھوڑی ہے مگر ان میں ایثار اور خلوص و فداکاری کی رُوح کارفرما ہے۔ چنانچہ مولوی بشارت احمد صاحب نسیم امروہوی مبلغ ساباہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"تمالانگ جماعت کے پریذیڈنٹ مکرم عبدالہادی صاحب مخلص احمدی ہیں۔ سلسلہ کے کاموں میں خاص دلچسپی لیتے ہیں اور اپنی جماعت کی تربیتی و تعلیمی نگرانی اپنی دینی قابلیت کے مطابق پورے جوش اور شوق سے کرتے ہیں۔

لنکونگن میں مکرم ماندور محمد یعقوب صاحب بن پنگیران احمد صاحب جماعتِ احمدیہ کے ہیڈوپ آن اور لنکونگن کے پریذیڈنٹ بھی ہیں اور بہت پُرانے اور مخلص احمدی ہیں۔ ابتدائی زمانہ میں احمدیت کی بدولت مشکلات کے دَورسے گزرے ہیں اور ثابت قدم رہے ہیں۔ اب ماشاءاللہ ان کے خاندان کے سارے ہی لوگ احمدیت کی آغوش میں ہیں۔

سنڈاکن میں مکرم ڈینٹل مورا یوسف صاحب جو حال ہی میں حج بھی کر کے آئے ہیں جماعتِ احمدیہ سنڈاکن کے پریذیڈنٹ اور لوکل مرکزی نظام کے وائس پریذیڈنٹ ہیں۔ محکمہ جنگلات میں اچھے عُہدہ پر فائز ہیں۔ پُرانے اور نہایت مخلص نوجوان ہیں بعاونین

سلسلہ کے ہاتھوں خاصے مشکل دَور سے گزر چکے ہیں۔ اپنی اہلیہ اور قریبی رشتہ داروں سے بھی ایک لمبا زمانہ انہوں نے پریشان کُن حالات میں گزارا لیکن صبر سے کام لیا۔ ثابت قدم رہے اب انکی اہلیہ صاحبہ بھی حلقہ بگوش احمدیت ہیں اور بچے بھی سارے ہی۔

اِس جماعت کے دوسرے دوست مکرم حسین۔ اتے آل صاحب اگرچہ نئے احمدی ہیں لیکن مخلص اور دیندار نوجوان ہیں۔ آپ کی اہلیہ اور بچگان بھی نظامِ سلسلہ اور نظامِ خلافت سے وابستہ ہیں۔ آپ کی اہلیہ پہلے عیسائی تھیں اور ایک لمبا عرصہ عیسائی رہیں۔ آپ کے احمدیت قبول کرنے کے ایک سال بعد اسلام کی سچائی کی قائل ہو کر احمدیت کی آغوش میں آگئیں۔ اَب مخلص احمدی خاتون ہیں۔

اِسی جماعت کے ایک اَور نوجوان مکرم منصور بن سلیم شاہ صاحب میرین پولیس (MARINE POLICE) میں سب انسپکٹر ہیں۔ اپنے والد مرحوم مکرم سلیم شاہ صاحب آف لابوآن کی طرح نہایت مخلص اور دیندار نوجوان ہیں۔ سلسلہ کے کاموں میں خاص دلچسپی لیتے ہیں۔ چندوں میں باقاعدہ ہیں۔ آپ کے خاندان کے سب افراد خدا کے فضل وکرم سے نظامِ سلسلہ عالیہ احمدیہ سے وابستہ ہیں۔

جماعتِ احمدیہ لابوآن کے پریذیڈنٹ مکرم سکرمان صاحب اِس ملک کے سب سے پہلے احمدی ہیں۔ مخلص ہیں۔ آپ جاوا انڈونیشیا کے باشندہ ہیں لیکن ایک لمبے زمانہ سے اِس ملک میں آباد ہیں۔ خاموش طبع ہیں۔ اِس سے قبل آپ کمیونسٹ تھے۔

جماعتِ احمدیہ توا ؤ کے پریذیڈنٹ مکرم محمد چینی ابراہیم صاحب اور اسمٰعیل سلیم صاحب ہر دو نوجوان اگرچہ نومبائع ہیں لیکن بہت مخلص ہیں۔ یوں ۱۹۶۶ء کی ان کی بیعتیں ہیں۔ اخلاص میں ترقی کر رہے ہیں۔ ان کی بیویاں بھی ان کے بعد بیعت کر چکی ہیں تبلیغ کا شغل جاری رہتا ہے۔ اپنی مخلصانہ جدّوجہد سے سعید رُوحوں کی کشش کا سامان بنے رہتے ہیں۔

برونائی اسٹیٹ میں جماعتِ احمدیہ کے پریذیڈنٹ مکرم محمد شریف صاحب تیو سو چیانگ پُرانے اور مخلص دوست ہیں۔ آپ چینی النسل ہیں۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ بھی چینی النسل ہیں اور آپ کی طرح مخلص اور دیندار خاتون ہیں۔ اِس سے قبل آپ بدھسٹ تھے مکرم

کے عبدالقادر صاحب مرحوم اور مکرم سکرمان صاحب آف لابوآن، مکرم سلیم شاہ صاحب مرحوم لابوان ان کے پُرانے ہم جلیس تھے۔ اور اسی نیک صُحبت کی بدولت انہیں اسلام اور احمدیت ایسی دولت پا لینے کی توفیق میسّر آئی۔ آپ قادیان اور ربوہ کی زیارت بھی کر چکے ہیں"۔ [1]

فصل ہفتم

عدؔن مشن کا قیام

عدؔن کا محلِ وقوع اور تبلیغی اہمیّت بحرِ عرب کے جنوب مغربی ساحل اور اس کے بالائی حصوں میں ایک مشہور مملکت عدن و حضرموت واقع ہے جو مختلف چھوٹے چھوٹے بائیس ۲۲ ٹکڑوں سے مل کر بنتی ہے اور جو کسی وقت بالواسطہ طور پر برطانوی اقتدار کے زیرِ انتظام تھی مگر اَب آزاد ہو چکی ہے اور اس پر مقامی شیوخ حکمران ہیں۔ عدن خاص اور اس کے قُرب وجوار کی آبادی میں عرب مسلمانوں کی کثرت ہے گو عیسائی، پارسی، یہودی اور ہندو بھی خاصی تعداد میں آباد ہیں۔ عدن عرب کا دروازہ اور جنوبی ایشیا کی سب سے بڑی بندرگاہ اور ہوائی مرکز ہے جہاں سے دُنیا کے چاروں طرف ہوائی اور بحری راستے نکلتے ہیں لہذا یہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا بہترین مرکز بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

جماعتِ احمدیہ عدؔن اگرچہ ۱۹۳۶ء سے قائم ہے مگر اس کے اکثر ممبر بیرونی تھے۔ باقاعدہ طور پر اِس مشن کا قیام ماہِ ظہور/اگست ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء میں ہوُا۔

---

[1] مکتوب مورخہ یکم نبوت/نومبر ۱۳۵۰ھش/۱۹۷۱ء بنام مولّف تاریخ احمدیت۔

عدن مشن کے قیام کا پس منظر

اِس مشن کے قیام کا پس منظر یہ ہے کہ یہاں کچھ عرصہ سے پانچ نہایت مخلص احمدی ڈاکٹر قومی اور ملّی خدمات بجا لا رہے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ ڈاکٹر فیروز الدین صاحب۔ ڈاکٹر محمد احمد صاحب۔ ڈاکٹر محمد خان صاحب۔ ڈاکٹر صاحبزادہ محمد ہاشم خان صاحب اور ڈاکٹر عزیز بشیری صاحب۔ ڈاکٹر فیروز الدین صاحب جو اُس زمانے میں جماعتِ عدن کے پریذیڈنٹ تھے عدن سے قادیان آئے تو انہیں ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے اپنے خط مورخہ ۲۲ صلح/جنوری ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء اور تار مورخہ ۲۳ صلح/جنوری ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء میں عدن مشن کھلوانے کی تحریک کی نیز لکھا کہ مَیں مبلّغ کے لئے اپنا مکان چھ ماہ تک دینے کے لئے تیار ہوں اِس عرصہ میں دار التبلیغ کے لئے کسی اَور مکان کا انتظام ہو سکے گا۔ ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے اس کے ساتھ ہی پانچ سَو روپیہ اخراجاتِ سفر کے لئے بھی بھجوا دیئے اور ڈاکٹر عزیز بشیری صاحب نے اتنی ہی رقم کا وعدہ اخراجاتِ قیام کے طور پر کیا۔ چنانچہ ڈاکٹر فیروز الدین صاحب جماعتِ عدن کی نمائندگی میں حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ڈاکٹر محمد احمد صاحب کا خط اور تار پیش کیا اور درخواست کی کہ کوئی موزوں مبلّغ عدن کیلئے تجویز فرمایا جائے ہم پانچوں ڈاکٹر دار التبلیغ کا بار اُٹھانے میں مدد کریں گے۔ اس پر حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے جامعہ احمدیہ کے فارغ التحصیل نوجوان مولوی غلام احمد صاحب مبشّر کو اِس خدمت کے لئے نامزد فرمایا۔

مبشّرِ اسلامی کا عدن میں ورود

مولوی غلام احمد صاحب مبشّر ۴ ماہِ ظہور/اگست ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء کو قادیان سے روانہ ہو کر تیسرے دن ۶ ظہور/اگست کو بمبئی پہنچے جہاں حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب نیّرؓ اور دوسرے احبابِ جماعت نے اُن کا استقبال کیا۔ بعد ازاں ۹ ظہور/اگست کو جہاز میں سوار ہوئے اور ۱۹ ظہور/اگست بروز سوموار عدن پہنچے۔ بندرگاہ پر ڈاکٹر فیروز الدین صاحب اور ڈاکٹر محمد احمد صاحب آپ کو لینے کے لئے پہلے سے موجود تھے۔

ابتدائی تبلیغی سرگرمیاں

مولوی غلام احمد صاحب مبشّر حسبِ فیصلہ ڈاکٹر محمد احمد صاحب کے ہاں مقیم ہوئے اور جلد ہی ڈاکٹر محمد احمد صاحب اور ڈاکٹر فیروز الدین صاحب اور ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب کے ساتھ وفد کی صورت میں عدن سے دس میل کے فاصلہ پر

واقع شیخ عثمان تشریف لے گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض عربی تصانیف مثلاً
اَلْاِسْتِفْتَاء، اَلْخِطَابُ الْجَلِیْل، اَلتَّبْلِیْغ اور سِیْرَةُ الْاَبْدَال وغیرہ مختلف اشخاص
کو پڑھنے کے لئے دیں اور زبانی بھی پیغامِ حق پہنچایا۔ علاوہ ازیں عدن میں عربوں، عیسائیوں اور یہودیوں
میں التبلیغ، سیرۃ الابدال، نظامِ نَو (انگریزی)، اسلام اور دیگر مذاہب، مَیں کیوں اسلام کو مانتا
ہوں وغیرہ کتب اور ٹریکٹ تقسیم کئے۔ احمدی ڈاکٹروں نے ابتداء ہی سے یہ خاص اہتمام کیا کہ
وہ اوّلین فرصت میں اپنے حلقہ اثر کے دوستوں کو مبشرِ اسلامی سے متعارف کرائیں۔ اِس غرض
کے لئے اُنہوں نے بعض خاص تقریبات بھی منعقد کیں جن میں عدن کے باشندوں خصوصاً نوجوانوں
کو مدعو کیا۔ خود مولوی صاحب بھی اشاعتِ حق کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ
نے بھی مولوی صاحب کی پُرجوش تبلیغ میں ایسی برکت ڈالی کہ پہلے مہینہ میں ہی ایک دوست احمد علی
صاحب نامی جو ہندوؤں سے مسلمان ہوئے تھے اور شیخ عثمان کے نواحی علاقہ کے باشندے اور
عدن کے رہنے والے تھے حلقہ بگوش احمدیت ہو گئے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے ان کی بیعت قبول فرمائی
اور مولوی غلام احمد صاحب کو ارشاد فرمایا "**تبلیغ پر خاص زور دیں**" اِس پر مولوی صاحب
نے عدن، شیخ عثمان اور تواہی[1] (سٹیمر پوائنٹ) میں باقاعدہ پروگرام کے مطابق انفرادی ملاقاتوں
اور تقسیم لٹریچر کے ذریعہ سے زور شور سے تبلیغ شروع کر دی اور گرجوں اور معزّزین کے گھروں
اور بازاروں میں عربی، اُردو اور انگریزی لٹریچر تقسیم کرنے لگے۔ چنانچہ آپ نے عربی کتب میں سے
سیرۃ الابدال، اعجاز المسیح، التبلیغ، الاستفتاء۔ اُردو میں احمدی اور غیر احمدی میں فرق، پیغام صلح
اور انگریزی میں احمدیہ موومنٹ، پیغامِ صلح، اور تحفہ شہزادہ ویلز۔ بعض عربوں، ہندوستانیوں
اور انگریزوں کو پڑھنے کے لئے دیں جس سے خصوصاً انگریزوں اور عیسائیوں میں اشتعال پھیل
گیا اور انہوں نے حکّامِ بالا تک رپورٹ کر دی۔

---

[1] اِن مقامات کا انتخاب اِس لئے کیا گیا تھا کہ ان میں احمدی ڈاکٹر قیام پذیر تھے۔ چنانچہ عدن میں ڈاکٹر فیروز الدین صاحب اور ڈاکٹر محمد احمد صاحب، شیخ عثمان میں ڈاکٹر محمد خاں صاحب اور تواہی میں ڈاکٹر کیپٹن عزیز بشیری صاحب رہتے تھے۔ مولوی صاحب موصوف ہفتہ میں دو دو دن شیخ عثمان اور تواہی میں اور تین دن عدن میں تبلیغی فرائض سرانجام دیتے تھے اور جمعہ بھی یہیں پڑھاتے تھے۔

سرکاری مخالفت

انسپکٹر سی۔آئی۔ڈی نے مولوی غلام احمد صاحب کو بُلایا اور وہ لٹریچر جو آپ نے تقسیم کیا تھا اس کی ایک ایک کاپی ان سے طلب کی نیز حکم دیا کہ آپ اپنا لٹریچر بازاروں میں تقسیم نہ کریں صرف اپنے گھر میں لوگوں کو بُلا کر اور دعوت دے کر لیکچر یا لٹریچر دے سکتے ہیں۔ یہ واقعہ ماہِ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء میں پیش آیا جس کے ڈیڑھ مہینہ بعد کیتھولک چرچ کے ایک پادری نے شکایت کر دی کہ مولوی صاحب پبلک لیکچر دیتے اور کیتھولک چرچ میں لٹریچر تقسیم کرتے ہیں۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس عدن نے مولوی صاحب موصوف کو تنبیہہ کی کہ وہ آئندہ نہ کیتھولک چرچ میں کوئی لٹریچر تقسیم کریں نہ پبلک لیکچر دیں ورنہ انہیں گرفتار کر لیا جائے گا۔ مولوی صاحب نے بتایا کہ پبلک لیکچر دینے کا الزام غلط ہے البتہ لٹریچر میں ضرور دیتا ہوں مگر صرف اسی طبقہ کو جو علمی دلچسپی رکھتا ہے۔ مولوی صاحب نے اُن سے کہا کہ عیسائی مشنری تو کھلے بندوں دندناتے پھر رہے ہیں کیا انہیں چھٹی ہے اور صرف مجھ پر یہ پابندی ہے؟ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے جواب دیا کہ یہ پابندی آپ پر ہی عائد کی جا رہی ہے عیسائیوں پر اِس کا اطلاق نہ ہوگا۔

علماء کی مخالفت

عیسائیوں کی انگیخت اور شرارت کے بعد ماہِ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء میں بعض مقامی علماء نے بھی مخالفت کا کُھلم کُھلا آغاز کر دیا۔ بات صرف یہ ہوئی کہ ایک مجلس مولود میں مولوی غلام احمد صاحب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ پر روشنی ڈالی اور ضمناً آپؐ کے فرزندِ جلیل سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بھی ذکر کیا جس پر ۲ علماء اور ان کے ۲ ساتھیوں نے آپ کو سٹیج سے اُتارنے کے لئے ہنگامہ برپا کر دیا۔ مجلس میں اٹھانوے فیصد شرفاء موجود تھے جو خاموش رہے اور انہی کے ایماء پر مولانا نے اپنی تقریر ختم کر دی۔ بعد ازاں شیخ عثمان کے ائمہ مساجد نے روزانہ نمازوں خصوصاً عشاء کے بعد لوگوں کو بھڑکانا شروع کیا کہ وہ احمدی مبلغ کی نہ کتابیں پڑھیں اور نہ باتیں سنیں کیونکہ وہ کافر وملعون ہے یہی نہیں انہوں نے پوشیدہ طور پر گورنمنٹ کو بھی احمدی مبلغ کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا۔ ایک مرتبہ رستے میں مسجد کے ایک فقیہہ نے آپ کو بلند آواز سے پکارا اور آپ سے ایک کتاب یعنی استفتاء عربی مانگی جو آپ نے اسے دے دی۔ کتاب لینے کے بعد اس نے پہلے سوالات شروع کر دیئے اور پھر اُونچی آواز سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شانِ مبارک میں سخت بدزبانی کی

مولوی غلام احمد صاحب نے پورے وقار اور نرم اور دھیمی آواز سے ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ جب آپ وہاں سے واپس آنے لگے تو اس فقیہہ نے آپ کے پیچھے لڑکے لگا دیئے جنہوں نے آپ کو پتھر مارے مگر مولوی صاحب ان کی طرف التفات کئے بغیر سیدھے چلتے گئے۔ قبل ازیں بھی اس مسجد والوں نے آپ سے یہی سلوک کیا تھا

مخالفت کے اس ماحول میں آہستہ آہستہ ایک ایسا طبقہ بھی پیدا ہونے لگا جو مولوی صاحب کی باتوں کو غور سے سُنتا تھا خصوصاً عرب نوجوانوں میں حق کی جُستجو کے لئے دلچسپی اور شوق بڑھنے لگا مگر چونکہ عرب کا یہ حصّہ حُریّت مزاج، آزاد منش اور اکثر بدوی لوگوں پر مشتمل ہے اس لئے عام طور پر فضا بہت مخالفانہ رہی۔

شیخ عثمان میں دار التبلیغ کا قیام اور اس کے عُمدہ اثرات

اَب تک مولوی غلام احمد صاحب مبشّر ڈاکٹر محمد احمد صاحب کے یہاں مقیم تھے لیکن ماہِ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء میں جماعتِ احمدیہ نے ۶۵ روپے ماہوار کرایہ پر ایک موزوں مکان حاصل کر لیا۔ مولوی صاحب موصوف نے یہاں دار التبلیغ قائم کر کے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو پہلے سے زیادہ تیز کر دیا اور خصوصاً نوجوانوں میں پیغامِ حق پھیلانے کی طرف خاص توجہ شروع کر دی کیونکہ زیادہ دلچسپی کا اظہار بھی انہی کی طرف سے ہونے لگا تھا۔ عدن، شیخ عثمان اور تواہی کے علماء کو تبلیغی خطوط لکھے اور اُن تک امام مہدیؑ کے ظہور کی خوشخبری پہنچائی علاوہ ازیں ایک عیسائی ڈاکٹر کو جو پہلے مسلمان تھا اور پھر مُرتد ہو گیا ایک تبلیغی مکتوب کے ذریعہ دعوتِ اسلام دی۔

مستقل دار التبلیغ کا ایک بھاری فائدہ یہ بھی ہوا کہ عوام سے براہِ راست رابطہ اور تعلق پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا اور سعید الفطرت لوگ روزانہ بڑی کثرت سے دار التبلیغ میں جمع ہونے اور پیغامِ حق سُننے لگے۔

عبداللہ محمد شبوطی کی قبولِ احمدیّت

۱۷۔ ماہِ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء بروز جمعۃ المبارک عدن مشن کی تاریخ میں بہت مبارک دن تھا جبکہ ایک یمنی عرب عبداللہ محمد شبوطی جو ان دنوں شیخ عثمان میں بُود و باش رکھتے تھے ساڑھے گیارہ بجے شب بیعت کا

خط لکھ کر داخلِ احمدیت ہو گئے اور اپنے علم اور خلوص میں جلد جلد ترقی کر کے تبلیغِ احمدیت میں مولوی صاحب کے دستِ راست بن گئے۔ اِس کامیابی نے شیخ عثمان کے علماء اور فقہاء کو اَور بھی مشتعل کر دیا اور وہ پہلے سے زیادہ مخالفت کی آگ بھڑکانے لگے مگر مولوی غلام احمد صاحب اور عبداللہ محمد شبوطی نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور نہایت بے جگری، جوش اور فداکاری کی رُوح کے ساتھ ہر مجلس میں اور ہر جگہ دن اور رات زبانی اور تحریری طور پر پیغامِ احمدیت پہنچاتے چلے گئے اور امراء، غرباء، علماء اور فقہاء غرض کہ ہر طبقہ کے لوگوں کو ان کے گھروں میں جا کر نہایت خاکساری اور عاجزی سے دعوتِ حق دینے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض وہ لوگ جو پہلے بات سُننا گوارا نہ کرتے تھے اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیان فرمودہ تفسیر کو سُن کر عش عش کرنے لگے حتیٰ کہ بعض نے یہ اقرار کیا کہ حضرت مرزا صاحبؑ کی بیان فرمودہ تفسیر واقعی الہامی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے آپ کو علمِ لدنی سے نوازا ہے۔

علماء کی طرف سے کمشنر کو عرضی اور اس کا ردِ عمل

ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں علماء نے عدن، شیخ عثمان اور تواہی کے مختلف لوگوں سے ایک عرضی دستخط کروا کر کمشنر کو دی کہ ہم اِس مبشرِ قادیان کا یہاں رہنا پسند نہیں کرتے یہ ہمارے ایمانوں کو خراب کر رہا ہے۔ شیخ عثمان کے بعض نوجوانوں کو اِس شکایت کا پتہ چلا تو انہوں نے علماء کے اس رویّہ کی جو انہوں نے اپنی کم علمی و بے بضاعتی کو چھپانے اور اپنی شکست خوردہ ذہنیت پر پردہ ڈالنے کیلئے اختیار کیا تھا دِل کھول کر مذمّت کی اور ان کے خلاف زبردست پراپیگنڈا کیا۔ بلکہ قریباً پچاس آدمیوں نے یہ لکھا کہ ہم اِس مبشرِ اسلامی کو دیگر سب علماء سے زیادہ پسند کرتے ہیں، اور واقعی یہ حقیقی مسلمان ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت کے فقیہوں اور فریسیوں نے حضرت مسیح کی مخالفت کی تھی یہ لوگ بھی مخالفت کر رہے ہیں کیونکہ انہیں خطرہ ہے کہ اگر اِس شخص کا نفوذ وسیع ہو گیا تو ہماری کوئی وقعت نہ رہے گی۔ غرض کہ اِس مخالفت کا خدا کے فضل سے اچھا نتیجہ نکلا۔

ڈاکٹر فیروز الدین صاحب کا انتقال

ان دنوں عدن میں یہود اور عرب کی کشمکش بھی یکایک زور پکڑ گئی جس کا اثر تبلیغی سرگرمیوں پر بھی پڑنا ناگزیر تھا۔ علاوہ ازیں عدن کی جماعت کے پریذیڈنٹ جناب ڈاکٹر فیروز الدین صاحب عین فسادات

کے دَوران میں داغِ مفارقت دے گئے جس سے مشن کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ مرحوم نہایت مخلص، نہایت پُرجوش اور بہت سی صفاتِ حمیدہ کے مالک تھے۔ تبلیغ کا جوش اور شغف ان میں بے نظیر تھا۔ اگر کوئی مریض ان کے گھر پر آتا تو وہ اس تک ضرور محبت، اخلاص اور ہمدردی سے احمدیت کا پیغام پہنچاتے۔ احمدیت کے مالی جہاد میں بھی آمدنی میں کمی کے باوجود بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے مولوی غلام احمد صاحب مبشّر نے اپنے ۲۷ ماہِ فتح / دسمبر ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء کی رپورٹ میں ان کے انتقال کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا:۔

"احمدیت کی مالی خدمت کا جو جوش اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر رکھا ہوا تھا اس کی نظیر بھی کم ہی پائی جاتی ہے... ہمارا اندازہ ہے کہ وہ ہر سال (اپنی آمد کا) ساٹھ فیصدی اشاعتِ اسلام کے لئے خرچ کر رہے تھے۔ مساکین، غرباء سے ہمدردی اور خدمتِ خلق کا جذبہ تو کُوٹ کُوٹ کر ان کے دل میں بھرا ہوُا تھا۔ اگر کوئی مسکین بھی ان کے دروازے پر آجاتا اور وہ سوال کرتا تو آپ ضرور اس کی حاجت کو پُورا کر دیتے۔ بعض اوقات اپنی نئی پہنی ہوئی قمیص وہیں اُتار کر دے دیتے اور یہی باتیں بعض اوقات ان کے گھر میں کشمکش کا باعث ہو جاتیں۔ غرضیکہ آپ کی زندگی حقیقت میں یہاں کی جماعت کے لئے ایک عُمدہ نمونہ تھی۔"

ایک اَور عالِم آغوشِ احمدیّت میں

اوائل ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء میں مولوی غلام احمد صاحب نے مرکز میں لکھا کہ اِس علاقہ کے لوگ بالکل ہی اسلام سے بے بہرہ اور بدویانہ زندگی بسر کر رہے ہیں حتّٰی کہ انہیں نماز تک نہیں آتی قرآن شریف الگ رہا اگر آپ اجازت دیں تو خاکسار درویشانہ فقیرانہ صورت میں اندرونی حصّہ عرب میں چلا جائے اور ان لوگوں تک اسلام و احمدیت کا حقیقی پیغام بذریعہ تربیت ہی پہنچائے تو عدن کی نسبت زیادہ کامیابی کی اُمّید ہے لیکن مرکز نے اِس کی اجازت نہ دی۔ اِس تجویز کے ایک ماہ بعد محمّد سعید احمد نامی ایک اَور عرب عالم سلسلہ احمدیہ میں شامل ہو گئے جس کے بعد جماعتِ عدن کے بالغ افراد کی تعداد ۹[1] تک پہنچ گئی۔ محمّد سعید لحج کے رہنے والے تھے جو کہ محمیات عدن میں سے ہے۔

---

[1] عرب ۲۔ ہندی گجراتی ۱۔ پنجابی ۶

ماہِ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء میں مولوی غلام احمد صاحب شیخ عثمان (عدن) کے نواح میں ایک گاؤں "مُحَلَّا" نامی میں تبلیغ کے لئے گئے جو کہ شیخ عثمان سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے وہاں ایک فقیہہ عالم سے گفتگو کا موقع ملا۔ مولوی صاحب نے انہیں امام مہدی علیہ السلام کی خوشخبری دی اور احادیثِ صحیحہ اور قرآن کریم سے آپ کی آمد کی علامات بتا کر صداقت ثابت کی اور آخر میں مسئلہ وفاتِ مسیح پر دلائل دیئے۔ قریباً ایک گھنٹہ گفتگو ہوتی رہی۔ آخر انہوں نے تمام لوگوں کے سامنے اقرار کیا کہ حضرت مسیح ناصریؑ فوت ہو چکے ہیں اور باقی مسائل پر گفتگو کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔

عیسائی مشنری کا تعاقب

ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء کا واقعہ ہے کہ ایک عرب نوجوان جو عیسائی مشنریوں کے زیرِ اثر اور اُن کے پاس آتا جاتا تھا آپ کو گفتگو کے لئے ایک پادری کے مکان پر لے گیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ چار نوجوان عرب بیٹھے اناجیل پڑھ رہے ہیں۔ گفتگو شروع ہوئی تو مولوی صاحب نے اناجیل ہی کے حوالوں سے ثابت کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں کوئی خدائی صفات نہ پائی جاتی تھیں۔ پادری صاحب لاجواب ہو کر کہنے لگے کہ آپ ہماری کتابوں سے کیوں حوالے دیتے ہیں؟ مولوی صاحب نے جواب دیا ایک اِس لئے کہ آپ کو وہ مسلّم ہیں دوسرے آپ ہمیں انجیلوں کی طرف دعوت دیتے ہیں لہذا تنقید کرنا ہمارا حق ہے۔ آخر پادری صاحب ناراض ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور مزید گفتگو سے انکار کر کے الگ کمرے میں چل دیئے اس پر سب عرب نوجوانوں نے آپ کا دلی شکریہ ادا کیا کہ آج آپ نے ان کا جھوٹ بالکل واضح کر دیا ہے۔

مباحثے اور انفرادی ملاقاتیں

۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء کے وسط آخر میں مولوی صاحب کے عدن کے علماء سے وفاتِ مسیح، مسئلہ ناسخ و منسوخ، مسئلہ نبوت اور یاجوج ماجوج کے مضامین پر متعدد کامیاب مباحثے ہوئے۔ علاوہ ازیں آپ نے عدن کی بعض شخصیتوں مثلاً سید حسن صافی، محمد علی اسودی تک پیغامِ حق پہنچایا۔ ماہِ تبوک/ستمبر میں آپ نے جعار[1] اور لحج[2] کا تبلیغی دورہ کیا۔ جعار میں حاکم علاقہ علی محمد کو تبلیغ کی اور لحج میں بعض امراء مثلاً

---

[1] عدن سے ۵۰ میل کے فاصلہ پر۔ [2] شیخ عثمان سے ۱۶ میل دور ایک چھوٹی سی آزاد ریاست جس کا مرکز حوطہ ہے۔

وزیر معارف سلطان فضل عبد القوی، وزیر تموین سلطان فضل بن علی وغیرہ سے ملے اور اُن سے نیز مقامی علماء سے تعارف پیدا کیا۔

بیرونی شخصیتوں تک پیغامِ حق

عدن ایک اہم تجارتی شاہراہ پر واقع ہے جہاں مختلف اطراف سے لوگ بکثرت آتے ہیں جن میں گردونواح کے علاقوں کے شیوخ وحکام بھی ہوتے ہیں مولوی غلام احمد صاحب مبشر اور عبد اللہ محمد شبوطی ہمیشہ بیرونی شخصیتوں تک پیغامِ حق پہنچاتے رہتے تھے۔ ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں مولوی غلام احمد صاحب نے عدن کے مشہور سادات میں سے ایک عالم شمس العلماء سید زین العدروس سے اُن کے مکان میں ملاقات کی اور اُن کے سامنے بڑی تفصیل سے حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ اور اس کے دلائل وبراہین بیان کئے۔

مبلغ عدن کی واپسی

مولوی غلام احمد صاحب ایک اَن تھک اور پُرجوش مبشرِ اسلامی کی حیثیت سے ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کے آخر تک مملکتِ عدن میں اسلام و احمدیت کا نُور پھیلاتے رہے اور عدن میں کئی سعید رُوحوں کو حق وصداقت سے وابستہ کرنے کا موجب بنے مگر آپ کی دیوانہ وار مساعی اور جدّ وجہد نے صحت پر سخت ناگوار اثر ڈالا اور آپ کو اس تبلیغی جہاد کے دَوران ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء میں دماغی عارضہ بھی لاحق ہوگیا۔ احمدی ڈاکٹروں نے علاج معالجہ میں دِن رات ایک کر دیا جب طبیعت ذرا سنبھل گئی اور آپ سفر کے قابل ہوئے تو آپ عدن سے ۲۲ ماہِ فتح/دسمبر ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کو بذریعہ بحری جہاز روانہ ہوگئے ۲۸ فتح/دسمبر کو بمبئی پہنچے اور ۱۲ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء کو ربوہ میں تشریف لے آئے۔

آپ کے بعد عدن کے مخلص احمدیوں خصوصاً عبد اللہ محمد شبوطی اور میجر ڈاکٹر محمد خان شیخ عثمان عدن نے اشاعتِ اسلام و احمدیت کا کام برابر جاری رکھا اور آہستہ آہستہ جماعت میں نئی سعید رُوحیں داخل ہونے لگیں۔ مثلاً ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء میں محمد سعید صوفی، ہاشم اعد، رائل عائل نے بیعت کی۔ وسط ۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء میں چار نئے احمدی ہوئے۔ ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء میں علی سالم بادربن سالم عدنی داخلِ احمدیت ہوئے۔

ایک عربی مکتوب کی اشاعت

وسط ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء میں عبد اللہ محمد الشبوطی نے ایک عالم الشیخ الفاضل عبد اللہ یوسف ہروی کے نام

"مطبعة الکمال عدن" سے ایک عربی مکتوب چھپوا کے شائع کیا جس میں حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت اور اختلافی مسائل پر نہایت مختصر مگر عمدہ پیرایہ میں روشنی ڈالی گئی تھی۔

محمود عبداللہ شبوطی کا عزمِ ربوہ

چونکہ عدن میں کسی نئے مبشر و مبلغ کی اجازت کا ملنا ایک مشکل مسئلہ بن کے رہ گیا تھا اِس لئے جماعتِ عدن کے مشورہ سے عبداللہ محمد شبوطی نے اپنے ایک فرزند محمود عبداللہ شبوطی کو بتاریخ ۱۹۔ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۳۱ھش/۱۹۵۲ء مرکز میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے عدن سے روانہ کیا۔ محمود عبداللہ شبوطی ۲۵۔ ہجرت/مئی کو ربوہ پہنچے اور جامعہ احمدیہ میں داخلہ لے لیا۔

پہلا پبلک جلسہ

۲۰۔ ماہِ نبوت/نومبر ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء کو جماعتِ احمدیہ عدن کا پہلا پبلک جلسہ سیرۃ النبیؐ منعقد ہوا۔ جلسہ کا پنڈال دارالتبلیغ کے سامنے تھا اور اس میں مائیکرو فون کا بھی انتظام کیا گیا۔ قبل ازیں احمدیوں کے جلسے محدود اور چار دیواری کے اندر ہوتے تھے مگر اس سال یہ جلسہ عام منانے کا فیصلہ کیا گیا اور علاوہ اخباروں میں اشتہار دینے کے قریباً ۵۰۰ دعوتی کارڈ جاری کئے گئے۔ ایک روز قبل مخالف علماء نے جمعہ کے خطبوں میں نہایت زہر آلود تقریریں کر کے لوگوں کو جلسہ میں آنے سے منع کیا لیکن ان مخالفانہ کوششوں کے باوجود جلسہ بہت کامیاب رہا۔ حاضرین کے لئے تین سَو کرسیاں بچھائی گئی تھیں جو مقررہ پروگرام سے بھی بیس منٹ پہلے پُر ہو گئیں اِس لئے جلسہ کی کارروائی بھی پہلے ہی شروع کر دی گئی۔ صدرِ جلسہ عبدہٗ سعید صوفی تھے جن کے صدارتی خطاب کے بعد بالترتیب منیر محمد خاں (ابن میجر ڈاکٹر محمد خاں) اور عبداللہ محمد شبوطی نے مؤثر تقریریں کیں۔ کرسیوں پر بیٹھنے والوں کے علاوہ جلسہ گاہ کے اردگرد قریباً ایک ہزار نفوس نے پوری خاموشی اور دلچسپی سے تقریریں سُنیں اور نہایت عمدہ اثر لے کر گئے اور بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا[1]۔ اِس کامیاب تجربہ سے عدنی احمدیوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور انہوں نے ہر سال جلسہ سیرت النبیؐ منعقد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

محمود عبداللہ شبوطی کی مراجعتِ وطن اور تبلیغِ حق

محمود عبداللہ شبوطی نے جو سالہا سال سے مرکزِ سلسلہ میں دینی تعلیم حاصل کر

---

[1] میجر ڈاکٹر محمد خاں، عبداللہ محمد شبوطی، سلطان محمد شبوطی، عبدہ سعید صوفی، محمد سعید صوفی، احمد محمد شبوطی، سیف محمد شبوطی نے اِس جلسہ کی کامیابی میں نمایاں حصّہ لیا۔

رہے تھے مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۴۔ ماہِ تبلیغ/فروری ۱۳۳۹ھش/۱۹۶۰ء کو اپنی زندگی خدمتِ اسلام کے لئے وقف کر دی اور حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ان کا وقف قبول فرما لیا اور ساتھ ہی عدن میں مبلغ لگائے جانے کی منظوری بھی دے دی چنانچہ آپ حضور کے حکم پر ۱۴۔ ظہور/اگست ۱۳۳۹ھش/۱۹۶۰ء کو کراچی سے روانہ ہو کر ۱۵۔ ظہور/اگست کو عدن پہنچ گئے۔ آپ نے اگلے سال عدن سے پہلا احمدی رسالہ "الاسلام" جاری کیا اور علمی حلقوں میں اسلام و احمدیت کی آواز بلند کرنے کے علاوہ جماعتی تربیت و تنظیم کے فرائض بھی بجا لانے لگے۔ آپ اب تک اعلائے کلمۂ حق میں مصروف ہیں[1]

فصل ہشتم

کوائفِ قادیان

(از ۱۶۔ ماہِ نبوت/نومبر تا ۳۱۔ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء)

تاریخ احمدیت کی گیارھویں جلد میں ماحول قادیان کے فسادات پر مفصّل روشنی ڈالنے کے بعد بتایا جا چکا ہے کہ کس طرح ۱۶۔ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء کو عہدِ درویشی کا آغاز ہوا۔ اب اِس فصل میں سال ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء کے بقیہ کوائفِ قادیان کا ذکر کرنا مقصود ہے۔

درویشانِ قادیان کے لیل و نہار

ان اوّلین ایام میں درویشانِ قادیان کے لیل و نہار خاص طور پر باجماعت تہجّد، پنجوقتہ نمازوں کی ادائیگی، درس میں شمولیت، مسجدِ اقصیٰ، بیت الدّعا اور بہشتی مقبرہ نیز دوسرے مقاماتِ مقدسہ میں دعاؤں اور ذکرِ الٰہی کے انوار و برکات سے معمور تھے۔ اور ہر درویش حفاظتِ مرکز سے متعلق ہر چھوٹی اور بڑی مفوّضہ

---

[1] عدن مشن کے مرکزی ریکارڈ سے ماخوذ۔

ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے مجسّم اطاعت و ایثار بنا ہوا تھا محصوریت کے یہ ایام انتہا درجہ گھٹن اور بے بسی کے رُوح فرسا ماحول میں گھِرے ہوئے تھے مگر یہ قدوسی پوری بشاشت ایمان اور جذبہ اخلاص کے ساتھ اپنے فرائض بجالاتے اور اِس سلسلے میں کسی کام کو خواہ وہ بظاہر کتنا ہی معمولی یا حقیر کیوں نہ ہو خادمانہ شان کے ساتھ انجام تک پہنچانے کو اپنے لئے بہت بڑی سعادت سمجھتے تھے چنانچہ جیسا کہ مرزا محمد حیات صاحب سابق نگران درویشاں[1] کی غیر مطبوعہ ڈائری سے معلوم ہوتا ہے درویشوں نے ان ابتدائی ایّام میں دِن رات کام کیا۔ مثلاً درویش لنگرخانہ میں سامان پہنچاتے، مہاجر احمدیوں کے گھر سے اسباب بحفاظت جمع کرتے، بہشتی مقبرہ میں معماری کا کام کرتے، بیرونی محلّوں سے جمع شدہ کتابوں کو مرتب اور مجلّد کرتے اور اپنے حلقہ درویشی کے ہر اہم مقام پر نہایت باقاعدگی اور ذمہ داری کے ساتھ پہرہ دیتے تھے۔ درویشوں کی روزانہ ایک معیّن وقت پر اجتماعی حاضری بھی لی جاتی تھی۔ چونکہ احمدی حلقہ کے چاروں طرف غیر مسلم آباد ہو چکے تھے اور حکومت اور عوام دونوں طرف سے خطرات ہی خطرات نظر آتے تھے اِس لئے ۲۲ ماہِ نبوت/نومبر کو حفاظتی نقطہ نگاہ سے دارالشیوخ والی گلی کا دروازہ اور بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کے مکان کے سامنے والی گلی کا دروازہ اینٹوں سے اور احمدیہ چوک سے مسجد مبارک جانے کا راستہ لوہے کا گیٹ لگا کر بند کر دیا گیا اور تمام آمد و رفت دفتر تحریکِ جدید، مرزا محمد اسمٰعیل صاحب کے مکان اور میاں عبدالرحیم صاحب دیانت، سوڈا واٹر کی دکان سے ہونے لگی۔ ۲۳ ماہِ نبوت/نومبر کو نو درویش ہندوؤں اور سکھوں کی آبادی میں سے ہوتے ہوئے اسٹیشن تک گئے اور لنگر کے لئے ایک سو بیس من کوئلہ لاد کر لائے۔ ۲۷ ماہِ نبوت/نومبر کو سکھوں کا پروگرام جلوس نکالنے کا تھا اِس لئے تمام درویشوں کو ان کے مکانات میں ہی متعیّن کر دیا گیا۔ اسی اثناء میں ایک درویش بابا جلال الدین صاحب اپنے مکان سے باہر نکلے تو ملٹری کے ایک سپاہی نے انہیں دو تین تھپّڑ رسید کئے اور کہا کہ باہر کیوں نکلے ہو؟ شام چار بجے کے قریب یہ جلوس چوک میں پہنچا۔ اس موقعہ پر انتہائی اشتعال انگیز نظمیں پڑھی گئیں۔ ایک سکھ نے ہاتھ میں برہنہ تلوار لے کر کہا کہ یہ اِسی تلوار کا اثر ہے کہ یہاں پاکستان نہیں بن سکا۔ یکم ماہ فتح/دسمبر کو بیمار اور معذور درویشوں کے سوا سب نے حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد کی تعمیل میں روزہ رکھا۔ ۵ ماہ فتح/دسمبر کو مولوی عبدالرحمٰن صاحب

---

[1] حال سیالکوٹ۔

فاضل امیر مقامی نے نمازِ فجر کے بعد بہشتی مقبرہ کی چار دیواری کے شمال مشرقی کونہ پر ایک کمرے کی بنیاد رکھی جو درویشوں کے تعاون سے جلد پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا۔ ۹ر ماہِ فتح / دسمبر کو درویشوں نے دفتر اُمورِ عامہ کے جنوبی جانب اجتماعی وقارِ عمل کیا۔ اِس جگہ دو تین ہزار مسلمان پناہ گزین ہو گئے تھے جن کے فضلے سے بہت سڑاند پھیل گئی تھی۔ درویشوں نے اپنے ہاتھ سے اس جگہ کی صفائی کی اور گڑھوں کو مٹی سے پُر کر دیا۔ ۲۳ر ماہِ فتح / دسمبر کو مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل امیر مقامی نے مولوی برکات احمد صاحب راجیکی ناظر اُمورِ عامہ، ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے، فضل الٰہی خاں صاحب اور ۹ دیگر درویشوں کو دارالعلوم اور دارالفضل میں بھجوایا تا قرآن مجید کے جو مقدس اوراق مسجد نور یا دارالفضل کے کھیتوں میں غیر مسلموں نے نہایت بے دردی سے بکھیر رکھے تھے وہ سپردِ آتش کر کے دفن کر دیئے جائیں۔ چنانچہ ان اصحاب نے نہایت محنت سے اِس مفوضہ خدمت کو انجام دیا۔ اِن لوگوں نے نور ہسپتال کے سامنے بیت البرکات کی دیوار پر مندرجہ ذیل فقرات لکھے ہوئے دیکھے "مسلمانوں سے بچ کر رہو"۔ "قادیان کے ہندوؤ! قادیان سے خبردار رہو اور مسلمان کا ناس کرو"۔ ۳۱ر فتح / دسمبر کو کیپٹن شیر ولی صاحب نگران حفاظت قادیان کی تحریک پر بہشتی مقبرہ کے اِردگرد دیوار کی تعمیر کا پہلا مرحلہ شروع کیا گیا۔ درویشوں نے اِس کچی دیوار کو مکمل کرنے میں ازحد جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ یہ دیوار کئی برس تک قائم رہی۔ بعد ازاں اِس جگہ پختہ دیوار تعمیر کر لی گئی۔ اِس طرح بہشتی مقبرہ اور اس سے متصل بڑا باغ بھی (جو سلسلہ کی عظیم تاریخی روایات کا حامل ہے) غیروں کی دست بُرد سے محفوظ ہو گیا۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے اہم خطوط

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے انہی دنوں اپنے قلم سے مولوی عبدالرحمٰن صاحب امیر مقامی قادیان اور جناب ملک صلاح الدین صاحب کو جو متعدد خطوط تحریر فرمائے وہ مکتوبات اصحابِ احمد جلد دوم میں محفوظ ہو چکے ہیں ان مکتوبات سے اس دور کے احوال و کوائف پر خوب روشنی پڑتی ہے اور بآسانی اندازہ لگ سکتا ہے کہ ان ہوش رُبا ایام میں دیارِ حبیبؑ کے اِن عشاق اور فدائیوں کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا؟ بدلے ہوئے حالات میں انہیں کون سے نئے مسائل پیش تھے؟ اور وہ کس طرح اپنی جان ہتھیلی میں لئے ہوئے حفاظتِ

مرکز کا فریضہ بجا لانے کے علاوہ دیگر اہم اسلامی خدمات انجام دے رہے تھے۔ ذیل میں حضرت میاں صاحبؓ کے بعض خطوط کے چند اقتباسات بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں:-

۱۔ (بنام مکرمی مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ امیر جماعت قادیان)

"آپ نے اپنے متفرق خطوط میں چار اغواشدہ (مسلمان) عورتوں کا ذکر کیا ہے جو واپس ہو کر آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں مگر اعلان اور تلاش ورثاء کے لئے آپ نے پورے کوائف درج نہیں کئے۔ مہربانی کرکے ایک نقشہ کی صورت میں اطلاع دیں کہ ان عورتوں کے نام اور ولدیت یا زوجیت اور عمر اور اصل سکونت وغیرہ کیا ہے تاکہ ورثاء کی تلاش میں مدد مل سکے۔ یہ رپورٹ ایک نقشہ کی صورت میں بنا کر بھجوا دیں۔" (۱۶؍دسمبر ۱۹۴۷ء)

۲۔ (بنام ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے)

"آپ نے لکھا ہے کہ بہشتی مقبرہ کی دیواروں اور کمرے کی تعمیر کا کام کرایا جا رہا ہے اور یہ کہ اِس غرض کے لئے وہ اینٹیں لی گئی ہیں جو ڈاکٹر حاجی خان صاحب کے مکان کے پاس ہمارے مشترکہ حساب کی لگی ہوئی تھیں۔ الحمد للہ اس سے بہتر مصرف اِن اینٹوں کا کیا ہو سکتا ہے مگر آپ مجھے بواپسی مطلع فرمائیں کہ بہشتی مقبرہ (میں) کونسا تعمیری کام ہو رہا ہے۔ اور بہتر ہوگا کہ دیوار اور کمرے کا جائے وقوع ایک سرسری نقشہ کی صورت میں تیار کرکے بھجوائیں۔ اس تعمیر کی وجہ سے آپ کا وقار عمل تو خوب ہو رہا ہوگا۔"

"قادیان کی ایک رپورٹ میں یہ ذکر تھا کہ بڑا باغ بھی سکھوں کے قبضہ میں ہے اِس سے فکر ہوا کیونکہ بڑا باغ حضرت اماں جانؓ والا پرانا باغ کہلاتا ہے اور وہ اس رقبہ میں شامل ہے جس پر ہم اپنا قبضہ سمجھتے رہے ہیں اور قادیان میں حکّام کو جو نقشہ دیا گیا تھا اس میں بھی بڑا باغ ہمارے قبضہ میں دکھایا گیا تھا۔ علاوہ ازیں یہ باغ حلقہ مسجد مبارک اور بہشتی مقبرہ کے درمیان واقع ہے اور اگر اِس پر دوسروں کا قبضہ ہو تو بہشتی مقبرہ اور ہمارے آدمیوں کی آمدورفت دونوں خطرہ میں پڑ سکتے ہیں آپ اِس کے متعلق بواپسی جواب دیں۔ اور اگر وہ خدانخواستہ قبضہ سے نکل چکا ہو تو اس کے متعلق

پروٹسٹ کر کے دوبارہ قبضہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔" [1]

"آپ نے کاشت کے واسطے بیلوں کی جوڑی وغیرہ کے لئے لکھا ہے۔آپ زمین کا انتظام کریں پھر یہ انتظام بھی انشاء اللہ ہو جائے گا۔مگر زمین ایسی حاصل کرنی چاہیئے جو ہماری مقبوضہ آبادی سے ملتی ہو تاکہ آنے جانے اور نگرانی میں آسانی رہے اور امن شکنی کا خطرہ بھی نہ ہو۔ دارالانوار میں میرا کنواں اور ساتھ والی میاں رشید احمد کی زمین اور دوسرے ملحقہ قطعات اِس غرض کے لئے اچھے ہیں۔ چاہ جھلار والا بھی اچھا ہے مگر اس میں اتنا نقص ہے کہ اس کے کھیت ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ مخلوط ہیں۔ اراضی تکیہ مرزا کمال الدین مناسب نہیں کیونکہ وہ بالکل ایک طرف نظروں سے اوجھل ہے اور ایسی جگہ میں فساد کا زیادہ خطرہ ہو سکتا ہے۔آپ زمین کے زیادہ اچھا ہونے کا خیال نہ کریں بلکہ آنے جانے کی سہولت اور انتظامی سہولت کے پہلو کو مقدم رکھیں۔" [2]

"مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے لکھا کہ قادیان میں کوئی ایندھن کا ٹال نہیں ہے۔ یہ کام آپ آسانی سے قادیان میں کرا سکتے ہیں کسی احمدی کو کہہ دیا جائے کہ وہ محمد دین

---

[1] مکرم ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے کا بیان ہے کہ

یہ باغ ایک سکھ نے الاٹ کروالیا تھا لیکن ہماری طرف سے اس کو قبضہ نہیں لینے دیا گیا۔ پھر سردار امولک سنگھ صاحب مجسٹریٹ درجہ اوّل (متعیّن قادیان) نے اِس بارہ میں مقدمہ کی سماعت کی اور بطور تبرک بہشتی مقبرہ کا حصہ تسلیم ہو کر ہمیں مل گیا لیکن گزشتہ سال (۱۹۶۳ء۔ناقل) جو احمدیہ محلہ کے نکاس مکانات کی قریباً سوا دو لاکھ روپیہ قیمت طلب کی گئی اور عدم ادائیگی کی صورت میں مرکزی وزارت آبادی نے نیلام کرنے کی دھمکی دی تھی یہ رقم صدر انجمن ادا کر رہی ہے جس میں اس سکھ کی نیشن زنی سے بڑے باغ کی قیمت چوالیس ہزار روپیہ بھی شامل کر دی گئی ہے۔

(مکتوبات اصحاب احمد جلد دوم)

[2] مکرم ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے نے مکتوبات اصحابِ احمد جلد دوم میں لکھا ہے:۔

اس وقت تو اراضی کا انتظام نہ ہو سکا چند سال بعد بعض درویشوں نے اردگرد کے غیر مسلم مہاجرین سے ٹھیکہ پہ اراضی لے کر کاشت کرنا شروع کی اور اب تک کر پاتے ہیں۔ صدر انجمن احمدیہ نیز اس کے صیغہ پراویڈنٹ فنڈ اور بعض درویشوں نے بہشتی مقبرہ کے قریب اراضی خریدیں مگر اب دُور دُور بھی خرید لی گئی ہیں۔

حجام والی زمین[1] متصل مکان بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی میں ٹال کھول دے یا احمدیہ چوک کے کسی حصہ میں کھول دیا جائے۔

مَیں نے آپ کے حسب منشاء قادیان میں احمدی دوستوں کی خیریت کا اعلان الفضل میں کرا دیا تھا۔ آئندہ بھی گاہے گاہے کروا دیا جائے گا۔

مَیں نے آپ کی تجویز کے مطابق ڈاکخانہ اور ٹیلی فون گھر کے کرایہ کے متعلق گورداسپور چٹھی لکھ دی ہے مگر پوسٹ ماسٹر کی بجائے سپرنٹنڈنٹ کو لکھی ہے معلوم نہیں آپ نے پوسٹ ماسٹر کا نام کیوں تجویز کیا تھا۔ [2]

مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے اغواء شدہ عورتوں میں سے جو قادیان واپس آگئی ہیں ان کے متعلق اعلان کرنے کے بارہ میں لکھا تھا مگر ابھی تک ایسی عورتوں کی مکمل فہرست مجھے نہیں ملی جس میں نام و پتہ وزوجیت وعمر وغیرہ کے کوائف درج ہوں۔ آپ ایسا نقشہ بنا کر بھیج دیں تو انشاء اللہ اعلان وغیرہ کے ذریعہ ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔"

(موصولہ قادیان ۲۰ر دسمبر ۱۹۴۷ء)

۴۔ (بنام مولوی عبدالرحمٰن صاحب امیر قادیان)

"آپ نے لکھا ہے یا شاید ملک صاحب نے لکھا تھا کہ حکومت نے چھینی ہوئی موٹروں کا ٹیکس مانگا ہے۔ آپ کو اس کا یہ جواب دینا چاہیئے کہ موٹریں ہمیں واپس دے دی جائیں ہم بڑی خوشی سے ان کا ٹیکس ادا کر دیں گے۔ یا کم از کم ہمیں تسلی کرا دی جائے کہ وہ عنقریب واپس کر دی جائیں گی تو پھر بھی ہم ان کا ٹیکس ادا کر دیں گے۔" [3]

" اس کے علاوہ جو موٹریں قادیان میں حکومت کے افسروں نے ہم سے لے لی ہوئی ہیں

---

[1] یہاں اب ملک محمد بشیر صاحب کا ٹال ہے۔ علاوہ ازیں پرائیویٹ رنگ میں بھی متعدد درویش فروخت ایندھن کا کام کر رہے ہیں۔ (مکتوبات اصحاب احمد جلد دوم)

[2] اس سلسلہ میں طویل خط و کتابت ہوئی لیکن بعد کو کسٹوڈین کے قوانین جاری ہونے کے باعث کرایہ نہیں ملا اور یہ عمارتیں نکاس قرار پائیں۔ (مکتوبات اصحاب احمد جلد دوم)

[3] یہ سب موٹریں جو ایام فسادات میں عارضی طور پر احمدیوں سے حاصل کی گئی تھیں مستقل طور پر ضبط کر لی گئیں۔

ان کے متعلق درخواست دینی چاہیئے کہ اب جبکہ ہنگامی حالات بدل چکے ہیں تو مہربانی کرکے ہمیں یہ موٹریں واپس دلائی جائیں جتنی موٹریں یا ٹرک چھینے گئے ہوں خواہ وہ انجمن کے ہوں یا احمدی افراد کے ان کے متعلق مطالبہ ہونا چاہیئے مگر فہرست احتیاط سے بنائی جائے تاکہ مالکوں کے نام اور موٹروں کی قسم اور نمبر میں غلطی نہ لگے۔ یہ خیال رہے کہ جو کمانڈ کار فیض اللہ چک کے پاس پکڑی گئی تھی وہ کیپٹن عبداللہ باجوہ کی تھی اور انہی کے نام پر مطالبہ ہونا چاہیئے۔ اِسی طرح ایک یا دو موٹر سائیکل بھی ضبط شدہ ہیں انہیں بھی اپنے مطالبہ میں شامل کر لیا جائے۔" (۱۸؍ دسمبر ۱۹۴۷ء)

۴۔ (بنام مولوی عبدالرحمن صاحب امیر مقامی قادیان)

"اِس سوال کا جواب کہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کے ممبروں کے متعلق مشرقی پنجاب کے رجسٹرار کو اطلاع دینے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ ناظر اعلیٰ لاہور سے پُوچھ کر بھجواؤں گا۔ عموماً ایسی اطلاع ہر سال کے شروع میں دی جاتی ہے پس وسط جنوری کے قریب ایسی اطلاع دینی کافی ہوگی اور قاضی عبدالرحمن صاحب سے کہہ دوں گا کہ وہ عبارت بنا کر آپکو بھجوا دیں۔

آپ نے خط نہ پہنچنے کی شکایت کی ہے مگر جب سے مجھے علم ہوا ہے کہ ڈاک کھل گئی ہے مَیں بالعموم روزانہ خط لکھتا ہوں مگر لازماً یہ خط پانچ پانچ چھ چھ دن میں پہنچتے ہیں۔ اُمید ہے اب تک آپ کو خط مل چکے ہوں گے۔

لاری یا ٹرک بھجوانے کی ہمیں خود فکر ہے اور اس کے متعلق مسلسل کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن بعض روکیں ہیں۔ آپ بالکل یہ خیال نہ کریں کہ ہم اس کی طرف سے غافل ہیں۔ دراصل اِس کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ اوّل موٹروں کا ملنا جو اِس وقت گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہیں۔ دوسرے گورنمنٹ کی اجازت کا ملنا اور تیسرے فوجی اسکورٹ کا ملنا۔

جو واپس شدہ مسلمان عورتیں آپ کے پاس پہنچی ہوئی ہیں آپ اُن کو حفاظت سے رکھیں اور ان کی خدمت کا ثواب کمائیں۔ انشاء اللہ جلدی کانوائے بھجوایا جائے گا اس

وقت ان کو لاہور بھجوا دیں۔

مختاراں بی بی سے کہہ دیں کہ اس کے رشتہ داروں کا لاہور میں پتہ لگ گیا ہے اور مَیں نے اُن کو اطلاع دے دی ہے اور وہ اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ زہرہ کے متعلق لاہور ریڈیو پہ اعلان کروایا ہے اور الفضل میں بھی کروا رہا ہوں جب بھی اس کے رشتہ داروں کا پتہ لگا آپ کو اطلاع دی جائے گی۔ مگر مَیں نے آپ کو لکھا تھا کہ واپس شدہ عورتوں کی ایک یکجائی فہرست پورے کوائف کے ساتھ تیار کر کے بھجوا دیں۔

مسماۃ سرداراں جو سوجان پور سے زخمی ہو کر آئی ہے اس کے متعلق حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ خاوند کا پتہ لئے بغیر نکاح کس طرح ہو سکتا ہے اس کا اعلان بھی اچھی طرح ہونا چاہیئے۔ سو آپ مجھے مسماۃ سرداراں کے جملہ کوائف نوٹ کر کے بھجوا دیں تا کہ مَیں اعلان کروا سکوں۔ یعنی خاوند کا نام، باپ کا نام، ماں باپ کے گاؤں کا نام، سسرال کے گاؤں کا نام وغیرہ وغیرہ۔ آپ کی طرف سے کوائف آنے پر انشاء اللہ اخبار میں بھی اور ریڈیو پر بھی اعلان کرا دیا جائے گا۔ [1]

آپ نے پوچھا ہے کہ جن احمدیوں کے مکانوں سے کچھ سامان برآمد ہو رہا ہے اس سامان کو کیا کیا جائے۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ یہ سامان علیحدہ علیحدہ فہرستیں بنا کر مالکِ مکان کے نام پر بطور امانت محفوظ رہنا چاہیئے کیونکہ مالک کی اجازت کے بغیر کسی جگہ خرچ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آپ ایسی فہرست مجھے بھجوا دیں تو مَیں مالکوں کو پوچھ کر اُن کا منشاء بتا سکوں گا۔ اسی طرح پارچات کے متعلق بھی۔

ہمارے بیرونی محلوں میں جو دروازوں، کھڑکیوں اور چھتوں کو نقصان پہنچایا جا رہا ہے آپ اس کے متعلق افسروں کو زبانی اور تحریری توجہ دلاتے رہیں۔ مکانوں کی حتی الوسع حفاظت ہونی چاہیئے ورنہ بعد میں جماعت کو بھاری خرچ کرنا ہوگا۔ [2]

---

[1] یہ مستورات بحفاظت قادیان سے پاکستان بھجوا دی گئی تھیں (مکتوبات اصحاب احمد جلد دوم)۔ [2] بہت سے مکان بطور ملبہ فروخت ہو گئے تھے۔ مکرم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی مرحوم نے بہت محنت کر کے تمام ایسے مکانات کی محلہ وار فہرست حکومت کو مع اس تفصیل کے بھجوائی کہ ان کا کونسا حصہ منہدم ہے؟ بفضلہ تعالیٰ اس کے بعد مکانات کی ناجائز فروخت اور منہدم کرنے کا سلسلہ ختم ہو گیا (مکتوبات اصحاب احمد جلد دوم)۔

حنطہ (گندم) کے متعلق میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ضرورت سے کچھ زائد رکھ کر باقی فروخت کر دی جائے مگر ایسی احتیاط کے ساتھ فروخت کی جائے کہ کسی قسم کا خطرہ یا نقصان کا اندیشہ نہ پیدا ہو۔ یہ صورت آپ مقامی طور پر خود سوچ سکتے ہیں۔

" ننگل باغباناں (متصل قادیان۔ مرتّب) کی احمدیہ مسجد کے جو مینارے گرائے گئے ہیں اور اس میں سکھ پناہ گزین رہتے ہیں اور اس کے اُوپر کانگریس کا جھنڈا لگا دیا گیا ہے۔ آپ اس کے متعلق مقامی پولیس اور علاقہ مجسٹریٹ اور ڈی۔سی کو لکھ کر توجہ دلائیں۔ اِس بات کا بھی پتہ لے کر رپورٹ کریں کہ ہماری قادیان والی مسجدیں اور عید گاہ کس حال میں ہیں۔ نمبروار رپورٹ کریں۔ موجودہ حالات میں انہیں پولیس کی موجودگی میں مقفّل کر دینا چاہیئے اور کُنجیاں اپنے پاس محفوظ رکھی جائیں۔"

"ضیاء الاسلام پریس کے متعلق انشاء اللہ یہاں ضروری کارروائی کی جائے گی آپ بھی اِس کے متعلق احتجاج کریں[1]

عبد اللطیف کے بھٹّہ کی اینٹیں آپ بے شک وہاں سے اُٹھوا کر کچھ بہشتی مقبرہ میں اور کچھ مدرسہ احمدیہ کے صحن میں جمع کروالیں۔ اِس کا خرچ امانت سے برآمد کر لیں۔

مقبرہ بہشتی کے اِردگرد جو چار دیواری بنائی جارہی ہے اس میں صرف قبروں والا حصّہ ہی شامل نہ کریں بلکہ قبروں کے ساتھ جو مقبرہ کی خرید کردہ زمین ہے وہ بھی شامل کر لیں۔"

(۲۲۔ دسمبر ۱۹۴۷ء)

۵۔ (بنام مولوی عبد الرحمٰن صاحب امیر مقامی قادیان)

" آج ملک صلاح الدین صاحب کا فون ملا جس میں یہ ذکر تھا کہ حضرت صاحب کا جلسہ سالانہ والا پیغام ابھی تک نہیں پہنچا[2]۔ مَیں یہ پیغام تین نقلیں کروا کے ۲۳۔ دسمبر کو ہوائی ڈاک کے ذریعہ تین مختلف دوستوں کے نام بھجوا چکا ہوں۔ ایک آپ کے نام جو اصل ہے

---

[1] صدر انجمن احمدیہ نے بعد میں مکمل محکمانہ ثبوت نہ ہونے کے باعث دعویٰ ترک کرکے یہ پریس خرید لیا تھا (مکتوبات اصحابِ احمد جلد دوم)۔

[2] تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۴۱۱ و صفحہ ۴۳۹ میں اس پیغام کا متن سالانہ جلسہ قادیان ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء کے کوائف کے تحت درج ہو چکا ہے۔

دوسرے عزیز ظفر احمد کے نام اور تیسرے ملک صلاح الدین صاحب کے نام۔ امید ہے آپکو ان میں سے کوئی نہ کوئی خط ۲۶-۲۷ تاریخ تک مل جائے گا۔

جلسہ کا پروگرام فون پر معلوم ہوا میں پہلے لکھ چکا ہوں اور آج اس کے متعلق تار بھی دے رہا ہوں کہ ایک تقریر جماعتِ احمدیہ کی پچاس سالہ تعلیم پر ہونی چاہیئے کہ احمدی جس حکومت کے ماتحت بھی ہوں اس کے وفادار بن کر رہیں اور اب جبکہ قادیان انڈین یونین میں آگیا ہے۔ قادیان میں رہنے والے احمدی اپنے مقررہ اصول کے مطابق انڈین یونین کے وفادار ہیں اور رہیں گے اسی طرح جس طرح پاکستان کی حکومت کے اندر رہنے والے احمدی پاکستان کے وفادار ہوں گے اور لنڈن میں رہنے والے احمدی برطانیہ کے وفادار ہوں گے اور امریکہ میں رہنے والے احمدی امریکہ کی حکومت کے وفادار ہوں گے وعلیٰ ہذا القیاس۔"

"منشی محمد صادق صاحب کی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے ساتھ جو نیا دو منزلہ کمرہ تعمیر ہوا تھا وہ پھٹ کر ایک طرف کو جھک گیا ہے۔ اس کی ضروری مرمت ہونی چاہیئے ورنہ گر کر مزید نقصان کا اندیشہ ہے۔"

۶۔ (بنام ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان)

"عزیز مرزا مظفر احمد سیالکوٹ سے آئے ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے ڈی۔سی گورداسپور کو فون کیا تھا اور ہمارے مکان کی جو سکھوں نے گرا کر مکان گوردوارے میں شامل کر لیا ہوا ہے اس کے متعلق فون پر بات کی تھی۔ ڈی۔سی صاحب گورداسپور نے کہا کہ میں نے حکم دے دیا ہوا ہے کہ اگر احمدی اپنی دیوار تعمیر کرائیں اور کوئی سکھ مزاحم ہو تو اسے گرفتار کیا جائے۔ مظفر نے کہا کہ موجودہ حالات اور موجودہ فضا میں بہتر یہ ہے کہ حکومت خود اپنے انتظام میں دیوار تعمیر کرا دے اور ہم سے خرچ لے لے۔ ڈی۔سی صاحب نے اتفاق کیا کہ ایسی ہدایات جاری۔۔۔کر دیں گے۔"[1] (۲۷۔دسمبر ۱۹۴۷ء)

[1] ملک صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں "کچھ عرصہ بعد سردار امرک سنگھ مجسٹریٹ نے سکھوں کو بلا کر ناجائز قبضہ والا حصہ خالی کرنے اور ہمیں قبضہ کرنے کو کہا اور تین روز کی مہلت ہمیں دی گئی۔ غیر مسلم اس حصہ سے ملبہ اٹھانے میں تاخیر کرنا چاہتے تھے۔ بحمد اللہ خاکسار کی تجویز کامیاب ہوئی کہ ہم خود مل کر ملبہ ان کی طرف ڈال کر درمیانی دیوار شام تک کھڑی کر دیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔"

۷۔ (بنام ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے)

"جو دوست اپنی خوشی سے اگلی ٹرم میں قادیان ٹھہرنا چاہیں انہیں اجازت دی جائے۔ جزاھم اللہ خیرًا وکان معھم۔ لیکن احتیاطاً حضرت صاحب سے بھی پوچھ لوں گا اور پھر اطلاع دوں گا۔

آپ نے لکھا ہے کہ مسجد نور میں تین من کے قریب قرآن شریف کے اوراق منتشر پائے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ اس کے متعلق ڈی۔سی گورداسپور اور کمشنر جالندھر اور وزیر اعظم مشرقی پنجاب اور پنڈت نہرو صاحب نئی دہلی اور گاندھی جی نئی دہلی کو لکھیں کہ مسلمانوں کے نزدیک سب سے زیادہ دُکھ دینے والی بات انکے مذہبی احساسات کو صدمہ پہنچانا ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ارشاد کی عملی توجیہہ ہے کہ دشمن کے ملک میں قرآن شریف نہ لے جاؤ۔

ڈاکٹر صاحب اور کمپوڈر ان کی تبدیلی کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

اغواء شدہ مسلمان عورتوں کے متعلق جو قادیان کے ماحول میں ہیں پاکستان کے متعلقہ محکمہ کو توجہ دلائی جا رہی ہے کہ وہ اپنا نمائندہ ہندوستان بھجوائیں"۔

(۲۸۔ دسمبر ۱۹۴۷ء)

۸۔ (بنام ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے)

"مسجد نور میں جو قرآن کریم کے تین من اوراق پھٹے ہوئے پائے گئے ان کا فوٹو مجھے احتیاط کے ساتھ بھجوا دیا جائے"۔ (۲۹۔ دسمبر ۱۹۴۷ء)

۹۔ (بنام ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے)

"آپ نے فون پر کہا تھا کہ عزیز مرزا ظفر احمد کے مضمون[1] نے لوگوں کو بہت رُلایا۔ میں نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ یہاں تو حضرت صاحب نے رونے سے منع کر دیا ہے۔ اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ دعا میں رقت کا پیدا ہونا منع ہے۔ حضرت صاحب کا منشاء تھا کہ قادیان سے باہر آنے والے احمدی قادیان کی یاد میں رونے کی بجائے اپنے درد اور جوش

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ احمدیت" جلد ۱۱ صفحہ ۴۴۴۔

کو قوتِ عملیہ میں منتقل کرنے کی کوشش کریں۔"

فصل نہم

۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

الحمدللہ ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء کے وہ حالات جو تاریخ احمدیت جلد دہم کے آخر سے شروع ہوئے تھے اختتام تک آپہنچے ہیں اب صرف بعض متفرق اور مختصر مگر اہم واقعات کا ذکر باقی ہے۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی اقوامِ متحدہ میں مسئلۂ فلسطین سے متعلق پُرشوکت تقریر

اِن بقیہ واقعات میں سے ایک اہم اور قابلِ ذکر واقعہ احمدیت کے مایۂ ناز فرزند چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی اقوامِ متحدہ میں مسئلہ فلسطین سے متعلق وہ پُرشوکت تقریر ہے جو آپ نے پاکستانی وفد کے لیڈر کی حیثیت سے ۹/ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء کو فرمائی۔[1] چوہدری صاحب نے فلسطینی مسلمانوں

---

[1] مسٹر الفرڈ ایم لِلِنتھل اپنی کتاب "WHAT PRICE ISRAEL" میں (جو ہنری ریگنری کمپنی شکاگو نے شائع کی) لکھتا ہے کہ "پاکستان کے مندوب نے تقسیم کی تجویز کے خلاف عربوں کی طرف سے زبردست جنگ لڑی۔ انہوں نے کہا فلسطین کے بارہ لاکھ عربوں کو اپنی مرضی کی حکومت بنانے کا حق چارٹر میں دیا گیا ہے۔ ادارہ اقوامِ متحدہ صرف ایسی موثر شرائط پیش کر سکتا ہے جن سے فلسطین کی آزاد مملکت میں یہودیوں کو مکمل مذہبی، لسانی، تعلیمی اور معاشرتی آزادی حاصل ہو اس کے لئے عربوں پر کوئی اور فیصلہ مسلط نہیں ہو سکتا (ص۱۷) نیز لکھا "جنرل اسمبلی میں پاکستانی نمائندے کی خطابت جاری رہی "مغربی طاقتوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ کل انہیں مشرقِ وسطیٰ میں دوستوں کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ ان ملکوں میں اپنی عزت اور وقار تباہ نہ کریں۔ جو لوگ انسانی دوستی کے زبانی دعوے کرتے ہیں اُن کا حال یہ ہے کہ اپنے دروازے بے گھر یہودیوں پر بند کئے ہوئے ہیں اور انہیں اصرار ہے کہ عرب فلسطین میں یہودیوں کو نہ صرف پناہ دیں بلکہ ان کی ایک ایسی ریاست بھی بننے دیں جو عربوں پر حکومت کرے۔" (ص۱۸-۱۹)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کا مسئلہ کس مؤثر رنگ میں پیش کیا؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے اخبار "نوائے وقت" میں شائع شدہ دو خبروں کا مطالعہ کافی ہوگا :-

(پہلی خبر) "سر ظفر اللہ کی تقریر سے اقوام متحدہ کی کمیٹی میں سکتے کا عالم طاری ہوگیا امریکہ، روس اور برطانیہ کی زبانیں گنگ ہوگئیں

لیک سیکس، ۱۰ اکتوبر۔ رائٹر کا خاص نامہ نگار اطلاع دیتا ہے کہ اقوام متحدہ کی کمیٹی میں جو فلسطینی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بیٹھی تھی کل پاکستانی مندوب سر ظفر اللہ کی تقریر کے بعد ایک پریشان کن تعطّل پیدا ہوچکا ہے اور جب تک امریکہ اپنی روش کا اعلان نہ کردے دیگر مندوبین اپنی زبان کھولنے کے لئے تیار نہیں۔ امریکن نمائندہ جو اس دوران میں ایک مرتبہ بھی بحث میں شریک نہیں ہوا اس وقت تک بولنے کے لئے آمادہ نہیں جب تک کہ صدر ٹرومین وزیر خارجہ مسٹر جارج مارشل اور خود وفد ایک مشترکہ اور متفقہ حل تلاش نہ کرلیں۔

کمیٹی میں کل کی بحث میں کمیٹی کے صدر ڈاکٹر ہربرٹ ایوات (آسٹریلیا) نے بہت پریشانی اور خفت کا اظہار کیا جب بحث مقررہ وقت سے پہلے ہی آخری دموں پر پہنچ گئی اور امریکن مندوب اس طرح خاموش بیٹھا رہا گویا کسی نے زبان سی دی ہو۔ اقوام متحدہ کے تمام اجلاس میں یہ واقعہ اپنی نظیر آپ ہے۔

پاکستانی مندوب نے ایک لفظ میں دوسرے مندوبین کے واردات قلب کا اظہار کردیا جب اس نے اُکتا کر یہ مشورہ دیا کہ چونکہ بعض سرکردہ مندوبین تقریر کرنے سے واضح طور پر "ہچکچا رہے" ہیں اس لئے فلسطین پر عام بحث فوراً بند کردی جائے۔ امریکن وفد دو دن سے اس بحث میں مبتلا ہے کہ اسے کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے لیکن ابھی تک وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکا ہے۔ وفد کے ایک رکن نے دریافت کرنے پر یہ بتانے سے گریز کیا کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :- حمید نظامی کے ۱۹۵۴ء کے خطوط (مطبوعہ "نشانِ منزل" صد ۴۹) میں یہ ذکر ملتا ہے کہ جب وہ وہی آغا عالمی صحافی کانفرنس میں شرکت کے لئے گئے تو اُن کے جہاز میں ایک یہودی عالم اور ایک یہودی ایڈیٹر بھی سوار تھے جو چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی سخت مذمت کرتے اور آپ کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ یہودی حلقے آپ کی شخصیت سے اتنا بُغض و عناد کیوں رکھتے ہیں ؟ مندرجہ بالا پس منظر کی روشنی میں اس کا سبب بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے +

امریکن صدر مقام میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ مندوبین جس طرح اِس مسئلہ پر اب تک اظہارِ خیال کرتے رہے ہیں اس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کافی وجوہات ہیں کہ مندوبین میں نہ صرف عرب اور یہودی مطالبات اور دلائل کی صحت اور حقانیت کے بارہ میں ہی عارضی اختلافات ہیں بلکہ بعض مندوبین کو اِس امر کا بھی احساس ہے کہ روس سے متعلق امریکہ کی موجودہ حکمتِ عملی کے لئے عربوں کی حمایت اور ہمدردی انتہائی اور فیصلہ کُن اہمیت رکھتی ہے۔

رُوس نے بھی ابھی تک اِس مسئلہ پر اپنی روش کا اظہار نہیں کیا ہے۔ امریکہ کی خاموشی کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ وہ رُوس کو اپنی خاموشی سے تھکا کر بولنے پر مجبور کرنا چاہتا ہے اور خود سب سے آخر میں تقریر کرنا چاہتا ہے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ فلسطینی مسئلہ اَب بُری طرح روس اور امریکہ کی باہمی کشمکش میں اُلجھ جائے گا۔ (رائٹر) [1]

(دوسری خبر)

"فلسطین کے متعلق سر ظفر اللہ کی تقریر سے دھوم مچ گئی
عرب لیڈروں کی طرف سے سر ظفر اللہ خاں کو خراجِ تحسین

نیویارک ۱۰۔ اکتوبر۔ مجلس اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں سر محمد ظفر اللہ خاں رئیس الوفد پاکستان نے جو تقریر کی وہ ہر لحاظ سے افضل و اعلیٰ تھی۔ آپ تقریباً ۱۱۵ منٹ بولتے رہے۔ اِس تقریر کا اثر یہ ہوُا کہ جب آپ تقریر ختم کر کے بیٹھے تو ایک عرب ترجمان نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ فلسطین پر عربوں کے معاملہ کے متعلق یہ ایک بہترین تقریر تھی۔ آج تک مَیں نے ایسی شاندار تقریر نہیں سُنی۔

سر محمد ظفر اللہ خاں نے اپنی تقریر میں زیادہ زور تقسیمِ فلسطین کے خلاف دلائل دینے میں صَرف کیا۔ جب آپ تقریر کر رہے تھے تو مسرّت و ابتہاج سے عرب نمائندوں کے چہرے تمتما اُٹھے۔ تقریر کے خاتمے پر عرب ممالک کے مندوبین نے آپ سے مصافحہ کیا اور ایسی شاندار تقریر کرنے پر مبارکباد پیش کی۔ ایک انگریز مندوب نے سر ظفر اللہ کو پیغام بھیجا کہ آپ کی تقریر نہایت شاندار تھی مجھے اس کی نقل بھیجئے مَیں انہماک سے اس کا مطالعہ کرنا

---

[1] نوائے وقت ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱

چاہتا ہوں۔ تقریر کے بعد سر ظفر اللہ خاں بہت تھکے ماندے نظر آتے تھے "۔ [1]

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے اس تاریخی خطاب نے اقوامِ عالم کے سامنے فلسطینی مسلمانوں کا مسئلہ حقیقی خدوخال کے ساتھ نمایاں کر دیا اور متعدد ممالک نے تقسیمِ فلسطین کے خلاف رائے دینے کا فیصلہ کر لیا لیکن بعد میں انہوں نے دُنیا کی بعض بڑی طاقتوں کی طرف سے دباؤ میں آکر اپنی رائے بدل لی اور ۳۰ر نومبر ۱۹۴۷ء کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو عرب اور یہودی دو علاقوں میں تقسیم کرنے کی امریکی روسی قرارداد پاس کر دی۔ [2]

---

[1] نوائے وقت ۱۲ر اکتوبر ۱۹۴۷ء صہ۲ کالم ۲ ۔

[2] چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے ۹ر دسمبر ۱۹۴۷ء کو گورنمنٹ کالج لاہور میں ایک فاضلانہ خطاب فرمایا جس میں مسئلہ تقسیم فلسطین کی سازش پر مفصل روشنی ڈالی۔ اس تقریر کا ملخص اخبار "نوائے وقت" نے درج ذیل الفاظ میں شائع کیا:۔

"لاہور ۹ر دسمبر۔ ادارہ اقوامِ متحدہ میں پاکستانی وفد کے قائد چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں نے آج مسئلہ فلسطین کے تمام پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالی۔ انہوں نے ادارہ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں تقسیم فلسطین کے فیصلہ کو سخت نامنصفانہ قرار دیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں تقریر کرتے ہوئے سر ظفر اللہ نے سخت افسوس ظاہر کیا کہ امریکی حکومت نے چھوٹی چھوٹی طاقتوں کے نمائندگان پر ناجائز دباؤ ڈال کر تقسیم فلسطین کے حق میں فیصلہ کرا لیا۔ سر ظفر اللہ نے کہا کہ امریکہ کی انتخابی سیاسیات نے فلسطین کو ایک مُہرہ بنایا۔ آپ نے فرمایا کہ سرزمین فلسطین کی مجوزہ یہودی ریاست میں نہ صرف ایک مضبوط عرب اقلیت ہمیشہ کے لئے یہودیوں کی غلام بن جائے گی بلکہ ملک کی اقتصادیات پر بین الاقوامی کنٹرول قائم ہو جائے گا جو قطعاً غیر قانونی حرکت ہے۔

چوہدری سر محمد ظفر اللہ نے بتایا کہ کس طرح امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے یہودی اثر کے ماتحت چھوٹی چھوٹی اقوام پر ناجائز دباؤ ڈالا اور دو تین فیصلہ کن ووٹ حاصل کر لئے جس کے مطابق ادارہ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں فلسطین کی تقسیم کا نامنصفانہ فیصلہ ہوا۔

سر ظفر اللہ نے بتایا کہ ۲۶ر نومبر کو ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ ہم کامیاب ہو گئے ہیں اور مخالف فریق کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا تھا لیکن عین آخری وقت رائے شماری بلاوجہ ۲۸ر نومبر پر ملتوی کر دی گئی تاکہ دوسرے ممالک پر دباؤ ڈال کر فلسطین کے متعلق ان کا رویہ تبدیل کیا جاسکے۔ چنانچہ جب ہیٹی کے مندوب نے رائے شماری کے بعد مجھ سے ملاقات کی تو اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور اس نے افسوس ظاہر کیا کہ اسے آزادی کے ساتھ ووٹ دینے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اکثر ایسے مندوبین نے جنہوں نے تقسیم فلسطین کے حق میں ووٹ ڈالے یہ اعتراف کیا کہ انہوں نے نہایت مجبوری کے عالم میں تقسیم فلسطین

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کا سفرِ انگلستان

اِس سال کے آخر کا ایک واقعہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کا سفرِ انگلستان ہے حضرت صاحبزادہ صاحب ماہِ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء میں اپنے بعض رفقاء سمیت انگلستان تشریف لے گئے اور شروع وفا / جولائی ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء میں واپس پاکستان پہنچے[۱]۔ حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو ہدایت فرمائی تھی کہ انگلستان میں لیبارٹری کا سامان حاصل کرنے کی بھی کوشش کریں۔ چنانچہ آپ نے اس کی تعمیل کی۔ کہتے ہیں کہ سفرِ انگلستان کے دوران آپ کے ایک انگریز سیکرٹری نے بتلایا کہ فنڈ ختم ہو رہا ہے اور سفر جاری رکھنا مشکل ہے۔ آپ نے اللہ سے دعا کی اور فرمایا فکر نہ کرو انشاء اللہ انتظام ہو جائے گا۔ چنانچہ اگلے ہی روز جب آپ ایک بازار میں سے گزر رہے تھے ایک شخص آپ کو دیکھتے ہی بے ساختہ سینٹ (SAINT) یعنی ولی، خدا رسیدہ کہہ کر پکارنے لگا اور ایک بڑی رقم کا چیک آپ کی خدمت میں پیش کر کے دعا کی درخواست کی۔ انگریز سیکرٹری اِس واقعہ سے بہت حیران ہوا اور کہنے لگا واقعی آپ لوگوں کا خدا نرالا ہے[۲]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: ۔ کے حق میں ووٹ ڈالے اور اسی سپرٹ میں تقسیم فلسطین کا فیصلہ ہوا۔"

"سر ظفر اللہ نے بتایا کہ جنرل اسمبلی میں کس طرح شروع میں عربوں کو تقسیم فلسطین کی سکیم کے استرداد کا یقین تھا لیکن بعد ازاں زبردست سازشیں کی گئیں کہ عربوں کی حامی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا گیا۔ صدر اسمبلی نے رائے شماری کو ۲۶۔ نومبر سے ۲۸۔ نومبر پر ملتوی کر دیا۔ دریں اثناء امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے بعض مندوبین پر ان کی حکومتوں کی مدد سے دباؤ ڈالا اور عربوں کے حامی ۱۷ مندوبین میں سے ۲ مندوب دوسرے فریق سے جا ملے۔ لائبیریا کے نمائندے نے اعتراف کیا کہ واشنگٹن میں ان کے سفیر نے انہیں تقسیم فلسطین کی حمایت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہیٹی کے نمائندے نے ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ بتایا کہ وہ اپنی حکومت کی تازہ ہدایات کے ماتحت اب تقسیم فلسطین کے حق میں ووٹ دینے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اس طرح بالآخر تقسیم فلسطین کے حق میں امریکی اور یہودی سازش کامیاب ہو گئی اور تقسیم فلسطین کا فیصلہ کر دیا گیا۔" (نوائے وقت ۱۱۔ دسمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۶)

حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا: ۔ [۱] الفضل ۷ وفا ۔ ۳۰ وفا ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء۔ حضرت میاں صاحب ۲۰۔ نومبر ۱۹۴۷ء کو وارد انگلستان ہوئے۔ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ اور لندن کے دوسرے احمدیوں نے آپ کا استقبال کیا۔

[۲] "سیرت حضرت مرزا شریف احمد" صفحہ ۸۵۔۸۶ (مؤلفہ چوہدری عبد العزیز صاحب واقفِ زندگی۔ ناشر مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ)۔

بیرونی مشنوں کے حالات

نائیجیریا مشن:۔ جماعت احمدیہ اور مخالفین کے درمیان عرصہ سے ایک مقدمہ چل رہا تھا جس کا فیصلہ اِس سال جماعتِ احمدیہ کے حق میں ہو گیا۔[1]

شام مشن:۔ اِس سال جماعتِ احمدیہ دمشق کو اپنے ناظم تبلیغ السید محمد علی بک الارناؤط جیسے مخلص اور مقتدر احمدی کی وفات کا صدمہ اُٹھانا پڑا۔ السید محمد علی پر صداقتِ احمدیت کا انکشاف بذریعہ خواب ہُوا تھا چنانچہ انہوں نے عالمِ رؤیا میں دیکھا کہ ایک شخص آپ سے کہہ رہا ہے "اَحْمَدُ الْقَادِیَانِیْ صَادِقٌ" یعنی احمد قادیانیؑ سچے ہیں۔ اس کے بعد الاستاذ منیر الحصنی صدر جماعتِ احمدیہ دمشق کی تحریک و تبلیغ پر آپ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے شروع میں آپ کا انتقال ہُوا۔ دمشقی پریس نے مرحوم کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ اہلِ شام کا پُرانا اور حقیقی دوست اُن سے جُدا ہو گیا ہے۔ "الف باء" "الایام" "القبس" "الکفاح" "النصر" "المنار" "النضال" وغیرہ شامی اخبارات نے اپنے کالموں میں آپ کے دینی و ملّی کارناموں کو خراجِ تحسین پیش کیا۔[2]

سیرالیون مشن:۔ اِس سال جماعتِ احمدیہ سیرالیون کا قدم ایسی تیزی سے آگے بڑھا کہ عیسائیوں کو مجبوراً اپنے بعض مشن بند کر دینے پڑے۔ چنانچہ ایک عیسائی مبصر اور سیرالیون امریکن مشن کے پادری ولیورڈ گار نے اعتراف کیا:۔

"پورٹ لوکو میں انگریزی چرچ کے پیرو بہت کم ہیں حالانکہ یہ چرچ اس علاقہ میں بیسیوں سال سے کام کر رہا ہے۔ اور امریکن مشن نے بھی لوگوں کو عیسائی بنانے کی بے حد کوشش کی ہے۔ مگر جب ہم اس مشن کا معائنہ کرنے کے لئے گئے تو ہم نے دیکھا کہ یہ مشن اپنا کاروبار بند کر رہا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کام کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا۔ اے۔ ایم۔ ای مشن کی ایک چھوٹی سی شاخ بھی وہاں موجود ہے۔ اِسی طرح انگریزی مشن اور اس کا ایک متحدہ سکول بھی ہے لیکن عملاً پورٹ لوکو کے تمام طالب علم نیٹو ایڈمنسٹریشن سکول واقعہ اولڈ پورٹ لوکو میں اِس کثرت سے چلے گئے ہیں کہ ان کا وہاں سمانا مشکل ہو گیا ہے۔ چونکہ لوگوں کا رُجحان اسلام کی طرف ہے اِس لئے لوگ ایسے سکولوں سے نفرت

---

[1] الفضل ۲۴ تبوک ۱۳۲۶ہش صفحہ ۳ [2] الفضل ۱۶ ہجرت ۱۳۲۶ہش صفحہ ۳

کرتے ہیں جن کے ناموں میں عیسائیت کا نشان پایا جاتا ہو۔ اور نیٹو ایڈ منسٹریشن سکول کو پسند کرتے ہیں جہاں ان کو عربی پڑھائی جاتی ہے۔ جنگل، دلدل اور دریا گویا سب نے سازش کی ہوئی ہے کہ لوگوں کو توہمات میں مصروف رکھیں کیونکہ ان کا پس منظر ہی قدامت پسندانہ ہے جس کا انحصار بے شمار دیوتاؤں کی پوجا پر ہے۔ جب تک جنگل اور جھاڑیاں صاف نہ ہو جائیں اور دلدلوں میں کھیتی باڑی نہ ہونے لگے اور تعلیم اور تمدن اور اقتصادی حالت ترقی نہ کر جائے اس وقت تک صرف توہمات کو برا بھلا کہنے سے عیسائیت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ان حالات میں یہ بہتر ہے کہ لوگوں کو اسلام کی آغوش میں جانے کے لئے چھوڑ دیا جائے جس کی طرف انہیں پہلے ہی دلی رغبت ہے۔ اسلام کی شریعت بہت اعلیٰ اخلاقی اُصول پر مبنی ہے اِس لئے کوئی وجہ نہیں کہ مسیحیت اس کے مقابلہ پر میدان میں شکست پر شکست کھانے کے باوجود لڑتی رہے۔ لڑائی ابھی تک جاری ہے۔ اصول کا تصادم دونوں طرف سے سختی سے جاری ہے لیکن حال میں احمدیہ تحریک کی طرف سے جو کمک اسلام کو پہنچی ہے اور جو رو کوپر کے علاقے میں کافی مضبوطی سے قائم ہو چکی ہے وہ اسلام کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ شہر کا مبیہ میں امریکن مشن کا بند ہو جانا بھی اِسی کشمکش کا نتیجہ ہے۔"[1]

(ترجمہ)

مجاہدینِ احمدیت کی بیرونی ممالک کو روانگی اور واپسی

اِس سال مندرجہ ذیل مجاہدینِ احمدیت تبلیغِ اسلام کے لئے قادیان سے مشرقی افریقہ روانہ ہوئے۔

۱۔ میر ضیاء اللہ صاحب (روانگی ۹ صلح)

۲۔ مولوی فضل الٰہی صاحب بشیر (روانگی ۹ صلح) ۳۔ مولوی جلال الدین صاحب قمر (روانگی ۹ تبلیغ)

۴۔ سید ولی اللہ صاحب (" ۹ تبلیغ) ۵۔ مولوی عنایت اللہ صاحب خلیل (")

۶۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب (")[2]

---

[1] بحوالہ الفضل ۷ ہجرت / مئی ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۴۔

[2] الفضل ۸ صلح۔ ۱۰ صلح، ۱۰ تبلیغ ۱۳۲۶ ہش صفحہ ۳۔

مندرجہ ذیل مجاہدینِ احمدیت نہایت کامیابی کے ساتھ فریضۂ تبلیغ بجالانے کے بعد ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء میں واپس تشریف لائے :۔

۱۔ مولوی نذیر احمد صاحب مبشر (واپسی از گولڈ کوسٹ ۷ر ماہ صلح) [1]

۲۔ الحاج حکیم مولوی فضل الرحمٰن صاحب (" " نائیجیریا ۳ر ماہ فتح) [2]

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا تقرر وزیرِ خارجہ پاکستان کی حیثیت سے

بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح نے مورخہ ۲۵۔ دسمبر ۱۹۴۷ء کو چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو پاکستان کا وزیرِ خارجہ مقرر فرمایا۔

اِس تقرر سے قبل چوہدری صاحب نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ کو میری لیاقت اور دیانت پر پورا اعتماد ہے تو مَیں وزارت کے علاوہ کسی بھی اَور حیثیت میں پاکستان کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ قائدِ اعظم کا جواب صرف یہ تھا کہ تم پہلے شخص ہو جس نے اِن خیالات کا اظہار کیا ہے مَیں جانتا ہوں کہ تم عہدے کے طلبگار نہیں ہو۔ [3]

پاکستان کے صحافتی حلقوں میں چوہدری صاحب کے اِس تقرر کا نہایت گرم جوشی سے خیر مقدم کیا گیا چنانچہ :۔

۱۔ کراچی کے وقیع انگریزی اخبار ڈان (DAWN) نے لکھا:۔

"یہ انتخاب نہایت ہی پسندیدہ ہے اِس سے عالمگیر تائید حاصل ہوگی اور اس سے وزارت کی ذہانت اور حکومت کرنے کی اہلیت میں بیش بہا اضافہ ہوا ہے" [4] (ترجمہ)

۲۔ روزنامہ "احسان" لاہور نے ۳۰۔ دسمبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"چوہدری صاحب کو معاملاتِ خارجہ اور ریاستی تعلقات کا محکمہ سونپا گیا ہے۔۔۔ بین الاقوامی مسائل کو سمجھنے کی صلاحیت کے لحاظ سے چوہدری ظفر اللہ کا انتخاب بُرا نہیں۔ پچھلے دنوں یو۔ این۔ او۔ کے رئیسِ وفد کی حیثیت سے انہوں نے جو کام کیا ہے وہ اِس بات کی بہت بڑی ضمانت ہے کہ معاملاتِ خارجہ کی اہم اور نازک ذمہ داری کو سنبھالنے کی

---

[1] الفضل ۸ر صلح ۱۳۲۶ھش ؛ [2] الفضل ۴ر فتح ۱۳۲۶ھش

[3] افتتاحیہ سول اینڈ ملٹری گزٹ ۱۲۔ اگست ۱۹۵۲ء (ترجمہ) ؛ [4] ڈان ۳۰ر دسمبر ۱۹۴۷ء

صلاحیت ان میں پوری طرح موجود ہے۔"

۳۔ اخبار "طاقت" (لاہور) نے لکھا:۔

"اتحادی قوموں کی اسمبلی کے اجلاس میں پچھلے دنوں چوہدری ظفر اللہ خاں نے پاکستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے اپنی آئینی قابلیت اور سیاسی تدبّر کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا تھا اس کو دیکھتے ہوئے موصوف کو پاکستان کا وزیرِ خارجہ بنائے جانا چنداں باعثِ تعجب نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ چوہدری ظفر اللہ نے فلسطین کے مسئلے پر اتحادی قوموں کے اجلاس میں جو معرکہ آراء تقریریں کیں ان کی گونج ساری دُنیا میں پھیلی اور خاص طور پر عربی دُنیا نے چوہدری ظفر اللہ خاں کی ان تقریروں پر اتنی داد دی اور وہاں کے اخبارات نے ان پر اتنا لکھا کہ آج موصوف کا نام ہر عربی بولنے والے کی زبان پر ہے اور یوں بھی چوہدری ظفر اللہ خاں کی قانون دانی کا ان کا سخت سے سخت دشمن بھی مُعترف ہے اور سفارتی کاموں کا ان کو کافی تجربہ ہے۔ چنانچہ انگریزی راج کے زمانہ میں وہ بعض اہم سیاسی مہموں پر بھیجے گئے اور ہمارا خیال ہے کہ ان کو بین الاقوامی سیاسیات کے نشیب و فراز سے کافی واقفیت ہے۔" [۱]

۴۔ روزنامہ "سفینہ" (لاہور) نے حکومتِ پاکستان کو اس صحیح انتخاب پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے لکھا:۔

"چوہدری سر محمدؐ ظفر اللہ خاں کو پاکستان وزارت میں لے لیا گیا ہے اور ان کے سپرد اُمورِ خارجہ اور دولتِ مشترکہ کے تعلقات کے محکمے کر دیئے گئے ہیں۔

ہم چوہدری صاحب موصوف کی وزارتِ پاکستان میں شمولیّت کا دِلی خیر مقدم کرتے ہیں۔ ان کی سیاسی فراست اور معاملہ فہمی اِس عُہدے کے لئے ہر لحاظ سے مناسب ہے اور ہمیں یقین ہے کہ وہ ادائے فرض میں ہماری توقعات سے کہیں بڑھ کر ثابت ہوں گے چوہدری صاحب بیرونی سیاست کے فہم میں ناقابلِ تردید مرتبہ رکھتے ہیں۔ آپکی قانونی قابلیّت ملک کے داخلہ اور خارجہ اُمور میں ہمیشہ قابلِ اعتماد رہی ہے۔ ہم حکومتِ پاکستان

---

[۱] "طاقت" ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء

کو اس صحیح انتخاب پر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور ہمیں توقع ہے کہ وہ مجوّزہ نئے وزراء کے انتخاب میں بھی اسی طرح مردم شناسی کا ثبوت دے گی"۔ [۱]

۵۔ لاہور کے روزنامہ "انقلاب" نے "چودھری ظفر اللہ خاں کا نیا عہدہ" کے عنوان سے مندرجہ ذیل شذرہ سپردِ قلم کیا:۔

"حکومتِ پاکستان نے چوہدری ظفر اللہ خان کو وزارتِ خارجہ پر مامور کر کے حقیقت میں اپنی مردم شناسی کا ثبوت دیا ہے اور تمام حلقوں میں اس تقرر کی تعریف و تحسین کی گئی ہے۔ آج پاکستان کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ اس کو بیرونی خطرات اور فساد علائق سے محفوظ کر دیا جائے تاکہ ہمارا ملک امن و اطمینان کے ساتھ ترقی و خوشحالی کی منزلیں طے کر سکے۔ چوہدری ظفر اللہ خان کی قابلیت، ان کا تجربہ اور ان کے وسیع تعلقات ہمارے امور خارجہ کے لئے نہایت قیمتی اثاثہ ثابت ہوں گے۔۔۔ ہمیں یقین رکھنا چاہیئے کہ چوہدری صاحب بہت جلد صحیح اصول پر کام شروع کر دیں گے اور انکا عہدِ وزارت پاکستان کے لئے بہت بابرکت ثابت ہو گا"۔ [۲]

۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء کی نئی مطبوعات

اِس سال قادیان سے تفسیر القرآن انگریزی کی پہلی جلد اور حیدرآباد دکن سے "اسماء القرآن فی القرآن" چھپی۔ مؤخر الذکر کتاب حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی الکبیر کی تصنیف تھی۔ علاوہ ازیں حضرت سیٹھ عبداللہ الٰہ دین صاحبؓ نے ۸۵۰ صفحات کی ایک انگریزی کتاب شائع کی۔ [۳] (نام 8500 PRECIOUS GEMS)

بعض جلیل القدر صحابہ کا انتقال

۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء میں حضرت مصلح موعودؓ کی ہجرت کے بعد مندرجہ ذیل جلیل القدر صحابہ نے انتقال کیا:۔

---

[۱] "سفینہ" ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء۔
[۲] روزنامہ "انقلاب" لاہور یکم جنوری ۱۹۴۸ء صہ ۲ کالم ۱۔
[۳] الفضل ۳۱ فتح ۱۳۲۶ھش / دسمبر ۱۹۴۷ء صہ ۴۔

۱۔ حضرت مولوی محمد رحیم الدین صاحب متوطن حبیب والا ضلع بجنور (وفات ۴ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء بعمر ۸۷ سال بمقام قادیان) [1]

۲۔ حضرت میاں امام دین صاحب کپورتھلوی (وفات ۲۷ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء بمقام لاہور) [2]

۳۔ حضرت صوفی غلام محمد صاحب سابق مبلغ ماریشس (وفات ۱۷/۱۸ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء بمقام لاہور) [3]

---

[1] الفضل ۵ تبوک ۱۳۲۶ھش صفحہ ۱۔ ۳۱۳ اصحاب کبار میں آپ کا نمبر ۲۰۲ نمبر پر درج ہے (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۳۲۸) ۱۸۹۴ء میں قبولِ احمدیت کا شرف حاصل کیا۔ پہلی مرتبہ اگست ۱۸۹۶ء میں قادیان کی زیارت کی اور ایک ہفتہ مقیم رہے۔ دوسری بار فروری ۱۸۹۸ء میں آئے اور پورا مہینہ رمضان المبارک کا مرکزِ احمدیت میں گزارا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بابرکت مجلس سے مستفیض ہوئے۔ ۱۸۹۹ء سے مرکزِ سلسلہ کے تمام اخبارات و کتب و رسائل باقاعدہ منگوانے شروع کئے۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ کی وفات پر اگرچہ منکرینِ خلافت کے ٹریکٹ قبل از وقت پہنچے مگر اپنے رؤیا و مکاشفات کی بناء پر بلا تامّل بیعتِ خلافت کر لی۔ حضرت منشی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ "حضرت اقدسؑ کے انثر خطوں کا ذخیرہ میرے پاس محفوظ تھا جن کو مَیں نہایت محبت اور احتیاط سے رکھا کرتا لیکن افسوس ایک دفعہ سیلاب آنے کے باعث جبکہ مَیں اپنی جائے رہائش پر موجود نہ تھا تمام اسباب کوٹھے سمیت دریابُرد ہو گیا۔ انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون" (الفضل ۲۷ وفا ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۶ مضمون میاں محمدؐ یامین صاحب تاجر کتب قادیان)

[2] الفضل ۲۸ تبوک ۱۳۲۶ھش صفحہ ۱ ؛

[3] الفضل ۱۹ اخاء ۱۳۲۶ھش صفحہ ۲ کالم ۲۔ آپ مچھرالہ تحصیل ننکانہ میں ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالی تو باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور آپ حضرت چوہدری رستم علی صاحب مدار ضلع جالندھر کی کفالت میں آ گئے جو اُن دنوں منٹگمری میں کورٹ انسپکٹر تھے۔ جلسہ سالانہ ۱۸۹۳ء میں پہلی بار قادیان تشریف لے گئے اور حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ مئی ۱۸۹۵ء میں بیعت کی اور تعلیم الاسلام ہائی سکول میں داخلہ لے لیا ۱۹۰۵ء میں تعلیم الاسلام کالج قادیان سے ایف۔ اے کا امتحان پاس کیا اور اکتوبر ۱۹۰۵ء میں ایم۔ او کالج علی گڑھ میں داخل ہو گئے ۱۹۰۷ء میں تعلیم کے دَوران حضرت مسیح موعودؑ کی پہلی تحریک وقفِ زندگی پر لبیک کہی ۱۹۱۲ء میں آپ نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی ہدایت پر چھ ماہ کے اندر قرآن مجید حفظ کر لیا۔ ۲۰۔ فروری ۱۹۱۵ء کو جزیرہ ماریشس میں بغرضِ تبلیغ بھجوائے گئے اور ۱۶۔ مارچ ۱۹۲۷ء کو قادیان میں واپس تشریف لائے۔ بعد ازاں بیس سال تک پہلے مدرسۃ البنات میں پھر ہائی سکول میں بعد ازاں عمومی رنگ میں جماعت کی تعلیمی و تربیتی خدمات انجام دیتے رہے ؛

{ "روایاتِ صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۷ صفحہ ۲۶۹
الفضل ۳ فتح ۱۳۲۶ھش/۱۱ ہجرت ۱۳۲۷ھش }

۴۔ چوہدری حکم دین صاحب دیالگڑھی (وفات ۱۹۔اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء بعمر ۸۸ سال بمقام لاہور) [1]

۵۔ مرزا غلام نبی صاحب مسگر امرتسری (وفات ۱۱۔ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء بمقام لاہور) [2]

۶۔ حضرت مولانا شیر علی صاحب (وفات ۱۳۔نبوت/نومبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء بمقام لاہور) [3]

۷۔ حضرت مرزا محمد اشرف صاحب بلانوی (وفات ۱۴ ماہِ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء بعمر ۸۰ سال بمقام جہلم) [4]

---

[1] الفضل ۱۴ امان ۱۳۲۷ھش صفحہ ۴ (والد ماجد مولانا محمد اسمٰعیل صاحب دیالگڑھی مربی سلسلہ احمدیہ حال انچارج شعبہ رشتہ ناطہ اصلاح وارشاد ربوہ) ۱۹۰۱ء میں مولوی حکیم نورالدین صاحب مرحوم ساکن ہیجکہ ضلع شاہپور کی تبلیغ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریری بیعت کا شرف حاصل کیا اور آپ کے ذریعہ دیال گڑھ ضلع گورداسپور کی جماعت کی بنیاد پڑی ۱۹۰۲-۰۳ء میں مقدمہ گورداسپور کے دوران گورداسپور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چہرہ مبارک کی زیارت اور حضورؑ کی روحانی مجلس سے فیضیاب ہونے کی سعادت حاصل کی۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ آپ تبلیغ میں لگے رہیں مومن کبھی اکیلا نہیں رہتا چنانچہ خدا کے فضل سے دیال گڑھ میں آہستہ آہستہ ۶۰۔۷۵ نفوس پر مشتمل ایک مخلص اور فعال جماعت پیدا ہو گئی۔ چوہدری صاحب نہایت راست گو، پاکباز، بےنفس اور منکسر المزاج بزرگ تھے۔ آپ تحریکِ جدید دفتر اوّل کے مجاہد اور موصی تھے اور وصیت کا حصہ اپنی زندگی میں ہی ادا کر دیا تھا۔ ۱۱۔۱۲ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء کے سب سے بڑے کانوائے میں قادیان سے ہجرت کر کے لاہور آرہے تھے کہ لاہور کے قریب چلتی بس سے نیچے گر پڑے۔ سر اور پاؤں میں نہایت سخت چوٹیں آئیں جو جان لیوا ثابت ہوئیں۔ (الفضل ۳۔۴۔امان/مارچ ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء)

[2] الفضل ۱۲۔ماہ نبوت ۱۳۲۶ھش صفحہ ۱

[3] الفضل ۱۴ نبوت ۱۳۲۶ھش صفحہ ۱۔ سلسلہ احمدیہ کے نہایت قیمتی وجود، سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے مخلص ترین صحابہ میں سے ایک نمایاں شخصیت اور مترجم قرآن مجید انگریزی ۱۸۹۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی میں آئے اور آخر دم تک سلسلہ احمدیہ کی خدمات بجالاتے رہے۔ "تاریخ احمدیت" جلد دوم اور اس کے بعد کی جلدوں میں آپ کا ذکر متعدد بار آچکا ہے (تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "سیرت حضرت مولانا شیر علی" از ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ریاض)

[4] الفضل ۲ شہادت ۱۳۲۶ھش صفحہ ۴۔ حضرت مسیح موعودؑ کے قدیم صحابی حضرت مرزا جلال الدین صاحب بلانوی (اصحاب کبار ۳۱۳ میں نمبر اوّل) کے منجھلے بیٹے تھے۔ ۱۹۰۶ء میں مستقل ہجرت کر کے قادیان میں دھوبی رنگادی اور افسر جائداد اور محاسب کی حیثیت سے گرانقدر خدمات انجام دینے کے بعد جب ۱۹۳۲ء میں ریٹائر ہوئے تو حضرت

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

مصلح موعودؓ نے آپ کے اعزاز میں دی گئی الوداعی پارٹی میں نہایت شاندار الفاظ میں آپ کی تعریف فرمائی۔ آپ صاحب کشف و الہام تھے۔ آپ کو بتایا گیا کہ آپ کی وفات ۸۰ برس کی عمر میں دو صحابیوں کے انتقال کے بعد مقدر ہے چنانچہ ایسا ہی عمل میں آیا (الفضل ۲ شہادت ۱۳۲۷ ھش صفحہ ۴) حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۱ ماہ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ ھش / ۱۹۴۷ء کو لاہور میں نماز جمعہ کے بعد آپ کا جنازہ غائب پڑھا اور خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:۔

"مرزا محمد اشرف صاحب پنشنر جو قادیان کے رہنے والے تھے جہلم میں وفات پا گئے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سابقون الاوّلون صحابہ میں سے ایک مرزا جلال الدین صاحب بلانی ضلع گجرات کے ہوتے تھے یہ اُن کے لڑکے تھے اور بڑی دیر تک قادیان میں محاسب رہے۔ نہایت مخلص اور نیک انسان تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی تھے۔ ان کے والد کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کی کلید لکھنے پر مامور فرمایا تھا اور انہوں نے ایک مکمل کلید لکھی بھی جو افسوس ہے کہ اب تک شائع نہیں ہو سکی۔"

(الفضل ۹ فتح ۱۳۲۶ ھش / دسمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۶)

دوسرا باب

حضرت مصلح موعودؓ کی استحکام پاکستان سے متعلق مغربی پاکستان کے مشہور شہروں میں پبلک تقاریر

سے لیکر

جماعت احمدیہ کے نئے مرکز ربوہ کی بنیاد تک

(خلافت ثانیہ کا چونتیسواں سال ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء)

۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء کا سال اپنی گوناگوں تعمیری خصوصیات کے باعث ایک نہایت بابرکت اور غیر معمولی اہمیت کا حامل سال ہے جس کی بشارت ربِّ رحیم نے اپنے خلیفۂ برحق سیدنا المصلح الموعودؓ کو برسوں قبل دے رکھی تھی چنانچہ حضور نے ۲ صلح / جنوری ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء کو رتن باغ میں اس سال کا پہلا خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے یہ خوشخبری سُنائی کہ:۔

"جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹۴۴ء میں مجھے ایک رؤیا میں بتایا تھا یہ سال اپنے اندر نئی نئی اُمیدیں رکھتا ہے۔"

حضرت امیرالمومنینؓ نے اس اجمال کی تفصیل پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:۔

"مارچ ۱۹۴۴ء میں مَیں نے ایک رؤیا دیکھا جبکہ بعض لوگ میرے متعلق ایسی خبریں شائع کر رہے تھے اور کچھ احمدی دوست بھی نہ معلوم کن اثرات کے ماتحت یہ خواہیں

دیکھ رہے تھے کہ میری زندگی کے دن ختم ہو رہے ہیں۔ ان حالات کی وجہ سے جب مَیں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تو مجھے ایک نظارہ دکھایا گیا کہ ایک سمندر ہے اور اس میں کچھ بائے (BUOY) ہیں۔ بوائے انگریزی کا لفظ ہے اور چونکہ یہ صنعتی شے ہے اِس لئے اُردو زبان میں اس کا کوئی ترجمہ نہیں (یہ بوائے ڈھول سے ہوتے ہیں جنہیں آہنی زنجیروں سے سمندر میں چٹانوں کے ساتھ باندھا ہوتا ہے اور وہ سمندر میں تیرتے پھرتے ہیں اور جو جہاز وہاں سے گزرتے ہیں ان کو دیکھ کر جہاز ران یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ اس بوائے سے چٹان قریب ہے اور اس سے بچ کر چلنا چاہیئے۔ اور اگر سمندر کے اندر چٹانوں کا نشان بتانے کے لئے بوائے نہ لگے ہوئے ہوں اور جہاز آجائے تو جہاز کے چٹان سے ٹکرا کر ڈوب جانے کا خطرہ ہوتا ہے...) تو مَیں نے دیکھا کہ سمندر میں اسی قسم کے بوائے لگے ہوئے ہیں اور ان کی زنجیریں بہت لمبی ہیں اور دُور تک چلی جاتی ہیں۔ خواب میں مَیں خیال کرتا ہوں کہ اِس بوائے کا تعلق میری ذات سے ہے اور تمثیلی رنگ میں وہ بوائے مَیں ہی ہوں اور مجھے بتایا گیا کہ یہ نظارہ پانچ سال کے عرصہ سے تعلق رکھتا ہے تب مَیں نے سمجھا کہ آئندہ پانچ سال کے اندر کوئی اہم واقعہ اسلام کے متعلق پیش آنے والا ہے اور گویا مسلمانوں کو اس آفت سے بچانے کے لئے مَیں بطور بائے ہوں۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بھی بتایا کہ جب تک وہ واقعہ پیش نہ آئے مجھے زندہ رکھا جائے گا۔

اِس رؤیا کے پورا ہونے کا ایک پہلو تو یہ بھی نظر آتا ہے کہ ہمارا ملک اس عرصہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے آزاد ہو چکا ہے اور ایسے حالات میں آزاد ہوا ہے جن کی موجودگی میں آزادی مِل جانا خلافِ توقع تھا اور کسی کو یہ وہم بھی نہیں گزر سکتا تھا کہ اتنی جلدی ہمارا ملک آزاد ہو جائے گا۔ پھر آزادی ملنے کے ساتھ ہی ایسے واقعات بھی رُونما ہوئے جو آج سے تھوڑا عرصہ پہلے کسی کے خیال میں بھی نہ تھے مسلمانوں پر ایک بہت بڑی تباہی آئی اور بہت بڑی آفت کا انہیں سامنا کرنا پڑا۔ گو یہ تباہی ہندوؤں پر بھی آئی مگر اس زمانہ میں جب مجھے یہ رؤیا دکھایا گیا تھا کسی شخص کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتا تھا کہ ہمارے ملک میں اتنا بڑا اور عدیم المثال تغیر آئے گا اور ہمارا

مُلک چند سالوں کے اندر اندر آزادی حاصل کرلے گا اور وہ آزادی ایسی ہوگی جو اپنے ساتھ بہت سی تاریکیاں اور ظُلمتیں بھی رکھتی ہوگی۔ اِس رؤیا کے ساتھ ایک اور رؤیا بھی تھی۔۔۔ اس رؤیا میں ایک مضمون بار بار مجھ پر نازل ہوا وہ پُورا مضمون تو مجھے یاد نہیں مگر اتنا یاد ہے کہ اس میں بار بار بیالیس اور اڑتالیس کا لفظ آتا تھا۔۔۔

بہرحال اڑتالیس کا لفظ پنج سالہ زمانہ کی طرف توجہ دلاتا تھا۔ یہ رؤیا میں نے مارچ ۱۹۴۴ء میں دیکھی تھی اور یہ پنج سالہ زمانہ مارچ ۱۹۴۹ء میں ختم ہوتا ہے اور جیسا کہ میں نے پہلے بھی کئی بار بتایا ہے رؤیا کی تعبیر میں اگر پُورا سال ہو تو اس کی کسر بھی ساتھ ہی شامل ہوتی ہے اِس لئے ممکن ہے کہ پانچ سال کی کسر بھی یعنی چھ ماہ اور ملا کر یہ پنجسالہ زمانہ اکتوبر ۱۹۴۹ء تک ہو بہرحال زیادہ سے زیادہ مدّت ۱۹۴۹ء کے آخر تک ہے۔ اور اگر پورے پانچ سال ہوں تو یہ زمانہ مارچ ۱۹۴۹ء میں ختم ہوتا ہے گویا ۲۵ مارچ ۱۹۴۸ء کے بعد پانچواں سال شروع ہو جائے گا۔ پس یہ سال اپنے اندر بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔"[1]

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی بیان فرمودہ تعبیر بالکل درست ثابت ہوئی اور ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء میں رونما ہونے والے متعدد واقعات نے خصوصاً ربوہ جیسے عالمی اور بین الاقوامی شان رکھنے والے اسلامی مرکز کی بنیاد نے اس پر ہمیشہ کے لئے مُہرِ تصدیق ثبت کر دی اور ساتھ ہی بتا دیا کہ سلسلہ احمدیہ کی تاریخ ایک ایسے آسمانی قافلہ کی تاریخ ہے جس کی ہر نئی منزل کے فیصلے آسمانوں پر خدا کے شاہی دفتر میں تیار ہوتے ہیں اور پھر اُن کے مطابق زمین پر تنفیذ ہوتی ہے۔

---

[1] الفضل ۴ تبلیغ / فروری ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۳-۴۔

فصل اوّل

استحکامِ پاکستان کیلئے کراچی، پشاور، راولپنڈی اور کوئٹہ میں نہایت ولولہ انگیز پبلک تقریریں، بیش قیمت ارشادات نیز دوسری جماعتی و دینی مصروفیات

پچھلے سال ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے پنجاب کے دارالسلطنت لاہور میں "پاکستان کا مستقبل" کے عنوان پر متعدد کامیاب اور معرکۃ الآراء لیکچر دیئے جن کو چوٹی کے اہلِ علم طبقوں نے نہایت ذوق و شوق سے سُنا اور زبردست خراجِ تحسین ادا کیا۔ اس سال حضور مغربی پاکستان کے دوسرے متعدد مرکزی مقامات میں تشریف لے گئے اور پاکستان کے ہزاروں باشندوں کو براہِ راست اپنے بصیرت افروز خیالات اور تعمیری افکار سے روشناس کرایا۔ چنانچہ حضورؓ نے سب سے پہلے سیالکوٹ[1] اور جہلم[2] میں بعد ازاں ۱۴ امان/مارچ کو کراچی میں ۵-۸ شہادت/اپریل کو پشاور میں، ۱۲ ار

---

[1] اِس سلسلہ کی پہلی کامیاب تقریر سیالکوٹ میں ہوئی؛

[2] لیکچر جہلم کا ذکر حضورؓ کے ایک خطبہ کراچی میں ملتا ہے۔ فرمایا:۔

"میں نے گزشتہ ایام میں جہلم میں ایک تقریر کی جس میں مسلمانوں کو نصیحت کی کہ انہوں نے جو پاکستان مانگا تھا تو اِس لئے مانگا تھا کہ وہ اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدّن کو آزادانہ طور پر قائم کرسکیں۔ اب جبکہ پاکستان قائم ہوچکا ہے کم از کم پانچ وقت کی نماز ہی مسلمان مسجد میں آکر ادا کرنا شروع کر دیں۔ اگر وہ پانچوں وقت نماز بھی نہیں پڑھتے تو پاکستان مانگ کر انہوں نے کیا لیا۔ اس پر ایک شخص نے پریذیڈنٹ کو رقعہ لکھا کہ میں والنٹیرز کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں بعد میں مجھے موقعہ دیا جائے چنانچہ بعد میں اسے بولنے کا موقعہ دیا گیا۔ اتفاق سے پریذیڈنٹ ایک ایسے دوست تھے جو احمدیت کے مخالف رہے ہیں۔ وہ شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔ مرزا صاحب نے باتیں تو بڑی اچھی کہی ہیں لیکن ہاتھی کے دانت کھانے کے۔ اور

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شہادت/اپریل کو راولپنڈی میں ۱ور ۱۶ راحسان/جون کو کوئٹہ میں نہایت معلومات افزا اور رُوح پرور پبلک تقاریر فرمائیں جن میں پاکستان کے پیش آمدہ اہم ملکی مسائل میں پاکستانیوں کی راہنمائی کرتے ہوئے نہایت شرح وبسط سے انہیں اپنی قومی و ملّی ذمّہ داریوں کی بجا آوری کی طرف توجہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :- اور دکھانے کے اَور ہوتے ہیں۔ اگر نماز کا انہیں اتنا ہی احساس ہے تو اب ہماری نماز ہونے والی ہے مرزا صاحب چلیں اور ہمارے پیچھے نماز پڑھ کر دکھا دیں غرض ایک لمبی تقریر اُس نے صرف اِسی بات پر کی۔ اس وقت میرے دل میں بدظنی پیدا ہوئی کہ شاید پریذیڈنٹ کی مرضی اور ایماء سے یہ تقریر ہو رہی ہے۔ بعد میں پریذیڈنٹ صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مجھے تو رقعہ میں یہ دکھایا گیا تھا کہ میں والنٹیروں کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں مگر تقریر کسی اَور بات پر شروع کر دی گئی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ تقریر کرنے والے صاحب کا منشاء کیا ہے۔ امام جماعتِ احمدیہ نے اپنی تقریر میں یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کو نماز پڑھنی چاہیئے۔ نماز محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اور مسجدیں بھی ہماری اپنی ہیں۔ انہوں نے صرف توجہ دلائی ہے کہ تم اپنے رسولؐ کی بات مانو اور مسجدوں میں نمازیں پڑھا کرو۔ مگر یہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب ان کے پیچھے نماز پڑھیں۔ اگر تو انہوں نے یہ کہا ہوتا کہ مسلمانوں کو میرے پیچھے نمازیں پڑھنی چاہئیں تب بھی کوئی بات تھی وہ کہہ سکتے تھے کہ آپ ہمارے پیچھے پڑھیں۔ یا اگر کہتے کہ مسلمانوں کو احمدیوں کے پیچھے نمازیں پڑھنی چاہئیں تب بھی یہ بات ان کے مُنہ پر سج سکتی تھی کہ اگر ہمیں احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ بھی ہمارے پیچھے پڑھیں لیکن انہوں نے تو ہمارے آقا کی ایک بات ہمیں یاد دلائی ہے۔ کیا ہمارا یہ کام ہے کہ ہم اپنے آقاؐ کی بات پر عمل کریں یا یہ کام ہے کہ ہم کہیں جب تک تم ہمارے پیچھے نماز نہ پڑھو ہم اپنے آقاؐ کے حکم پر بھی عمل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ غرض انہوں نے اسے خوب رگیدا اور لتاڑا۔"

(الفضل ۱۴ر اپریل ۱۹۴۸ء صفحہ ۶)

✣

دلائی اور اپنے پُرجوش اور ثبت بھرے الفاظ، بے پناہ قوتِ ایمان اور ناقابلِ تسخیر عزم و ولولہ سے لاکھوں پژمردہ اور غمزدہ دلوں میں زندگی اور بشاشت کی ایک زبردست رُوح پھونک دی۔

سفرِ سندھ و کراچی حضرت امیرالمومنین سیّدنا المصلح الموعودؓ نے استحکامِ پاکستان اور جماعتی تنظیم و تربیت کے اہم اغراض و مقاصد کی تکمیل کیلئے پہلا طویل سفر سندھ کی طرف اختیار فرمایا۔ یہ انوار و فیوض سے معمور سفر ۴؍ ماہِ تبلیغ؍فروری سے شروع ہوا اور ۲۰؍امان؍مارچ کو بخیر و خوبی اختتام تک پہنچا۔

لاہور سے ناصر آباد تک حضرت امیرالمومنینؓ ۴؍ماہِ تبلیغ؍فروری بروز ہفتہ معہ اہلبیت و خدام لاہور سے روانہ ہوئے۔ پُورا قافلہ ۲۷ نفوس[1] پر مشتمل تھا حضورؓ پونے آٹھ بجے صبح بذریعہ کار رتن باغ سے روانہ ہوکر لاہور سٹیشن پر تشریف لائے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت نواب میاں عبداللہ خاں صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، جناب شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور، جناب چوہدری اسداللہ خاں صاحب اور جماعتِ احمدیہ کے دیگر بہت سے افراد حضورؓ کی مشایعت کے لئے سٹیشن پر موجود تھے حضورؓ نے دوستوں کو شرفِ مصافحہ بخشا اور آٹھ بجے کراچی میل روانہ ہوگئی۔ سفر کی اطلاع چونکہ پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے ان تمام جماعتوں کو دے دی گئی تھی جو اس لائن پر واقع تھیں اِس لئے جب بھی گاڑی کسی سٹیشن پر پہنچتی عموماً جماعت کے کثیر دوست مرد، عورتیں اور بچے وہاں استقبال اور حضورؓ کی زیارت کے لئے موجود ہوتے۔ لاہور کے بعد اوّل رائے ونڈ کے سٹیشن پر جماعت کے دوست حضور کے استقبال کے لئے تشریف لائے۔ اس کے بعد پتوکی، اوکاڑہ، منٹگمری، چیچہ وطنی، میاں چنوں، خانیوال، ملتان چھاؤنی، لودھراں، سماسٹہ، خانپور، رحیم یارخاں، روہڑی اور

---

[1] اِس سفر میں حضرت اُمّ المومنین کے علاوہ حضرت سیّدہ اُمِّ ناصر حرم اوّل، حضرت سیّدہ بشریٰ بیگم صاحبہ حرم رابع سیّدہ امۃ العزیز صاحبہ، سیّدہ امۃ النصیر صاحبہ، سیّدہ امۃ الرشید صاحبہ، سیّدہ امۃ الحکیم صاحبہ، سیّدہ امۃ الباسط صاحبہ، سیّدہ امۃ الجمیل صاحبہ، سیّدہ امۃ المجید بیگم صاحبہ اور صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب اہلبیت میں سے حضورؓ کے ہمرکاب تھے۔ اسی طرح حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب (طبّی مشیر) خانصاحب میاں محمد یوسف صاحب (پرائیویٹ سیکرٹری) مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر (انچارج شعبہ زود نویسی) اور شیخ نورالحق صاحب (انچارج ایم این سنڈیکیٹ و احمدیہ سنڈیکیٹ) کو بھی شریکِ سفر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حیدر آباد سندھ کے سٹیشنوں پر مختلف جماعتیں موجود تھیں۔اوکاڑہ منٹگمری اور خانیوال کے سٹیشنوں پر تو حضور نے گاڑی سے نیچے اُتر کر جماعت کے دوستوں سے مصافحہ فرمایا مگر باقی سٹیشنوں پر گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی حضورؓ مصافحہ فرماتے رہے بعض مقامات پر جماعت کی درخواست پر حضور نے ہاتھ اُٹھا کر دعا بھی فرمائی۔گاڑی جب اوکاڑہ سٹیشن پر پہنچی تو جماعت کے بعض دوستوں نے خوشی میں بندوق سے ہوا میں فائر کئے۔حضور دوستوں کا اژدحام دیکھ کر مصافحہ کرنے کے لئے گاڑی سے اُتر کر پلیٹ فارم پر تشریف لے آئے اور مصافحہ کرنے کے بعد دعا شروع کی۔ابھی حضور دعا کر ہی رہے تھے کہ گاڑی حرکت میں آگئی اور دو ایک ڈبوں کے سوا باقی تمام گاڑی پلیٹ فارم سے آگے نکل گئی اس اثناء میں حضور بدستور مصروفِ دعا رہے۔آخر زنجیر کھینچ کر گاڑی رُکوائی گئی اور حضور اپنے ڈبے میں سوار ہوئے منٹگمری سٹیشن پر چوہدری نورالدین صاحب ذیلدار نے عرض کیا کہ حضور راستہ میں چک ۷ کی جماعت آتی ہے اس جماعت کے دوست لائن کے ساتھ حضورؓ کی زیارت کے لئے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ اس پر حضور نے دفتر کو ہدایت فرمائی کہ جب وہ مقام قریب آجائے جہاں جماعت کے دوست کھڑے ہوں تو مجھے اطلاع دی جائے۔چنانچہ چلتی گاڑی میں حضور کی خدمت میں اطلاع عرض کی گئی اور حضور نے کھڑکی کے قریب تشریف لا کر زائرین کو اپنے دیدار سے مشرف فرمایا۔

دفتر کی طرف سے جماعتوں کو یہ اطلاع دی گئی تھی کہ چونکہ سفر لمبا ہے اِس لئے رات کے ۲ بجے تک جو جماعتیں اسٹیشن پر آسکتی ہیں وہ آجائیں ملاقات صرف ۲ بجے تک ہوسکتی ہے اس کے بعد نہیں مگر جب گاڑی روہڑی اسٹیشن پر پہنچی تو باوجود اس کے کہ اس وقت چار یا پونے چار بجے شب کا وقت تھا پھر بھی دوست اپنے اخلاص اور عقیدت کی وجہ سے اسٹیشن پر موجود تھے۔ چونکہ حضورؓ اس وقت آرام فرما رہے تھے اِس لئے وہ بھی صرف حضور کے ڈبے کے سامنے کھڑے رہے انہیں ملاقات کا موقع نہ مل سکا۔

اِس سفر میں ۱۴ فروری کو دوپہر کا کھانا منٹگمری کی جماعت نے اور شام کا کھانا ملتان کی جماعت نے پیش کیا جو حضور اور حضور کے تمام ہمراہیوں کے لئے تھا۔حضورؓ ۱۵۔فروری کو ۱۰ بجے صبح حیدر آباد سندھ رونق افروز ہوئے اور پھر معہ اہلِ بیت ۱۱ بجے بذریعہ کار عازم میر پور خاص ہوئے اور ۲ بجے کے قریب حضور میر پور خاص پہنچ گئے۔

میرپور خاص میں خان بہادر غلام حسین صاحب کی کوٹھی پر حضورؓ نے قیام فرمایا۔ پانچ بجے خان بہادر غلام حسین صاحب نے حضور کے اعزاز میں اپنے رہائشی مکان پر دعوتِ چائے دی جس میں حضور شریک ہوئے۔ اور بھی بہت سے مقامی معززین اِس دعوت میں شریک تھے۔

۶ بجے شام کے قریب حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ میرپورخاص کے بعض محبوس احمدیوں کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ احمدی دوست جن میں سے اکثر واقفِ زندگی تھے عرصہ چھ سات ماہ سے محمد آباد اسٹیٹ کی زمین میں ایک فساد کے سلسلہ میں زیرِ الزام تھے۔ حضور کے تشریف لے جانے پر جیل کے افسر صاحب کے حکم کے مطابق سب ماخوذین کو برآمدہ میں لائے جانے کی اجازت دی گئی۔ اس جگہ سب دوستوں نے یکے بعد دیگرے حضور سے مصافحہ کا شرف حاصل کیا۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھنے میں سہولت ہے یعنی وضوء وغیرہ کے لئے پانی مل جاتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نماز کی سہولت ہے ہم نماز ادا کر لیتے ہیں۔ وضوء کے لئے قریب کی جگہ سے پانی لے آتے ہیں۔ پھر حضور نے فرمایا ماہِ رمضان میں بھی آپ اِس جگہ تھے روزے رکھ سکتے تھے یا نہیں؟ انہوں نے بتلایا کہ ہم نے رمضان کے روزے رکھے تھے۔ ہم شام کو ہی دونوں وقت کا کھانا پکا لیا کرتے تھے کیونکہ سحری کے وقت آگ وغیرہ جلانے کی اجازت نہ تھی۔ پھر کچھ سکوت کے بعد حضور نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے ایک مختصر تقریر فرمائی جس کا ملخص یہ تھا کہ آپ لوگوں کو استغفار اور دعا کرتے رہنا چاہیئے اور یہ کبھی خیال نہیں آنا چاہیئے کہ ہم بے قصور ہیں خواہ موجودہ الزام غلط ہی ہو کیونکہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ مومن کی بعض غلطیوں کی سزا دہی میں پردہ پوشی سے کام لیتا ہے اور بظاہر ایسے الزام کے ذریعہ تکلیف میں ڈال دیتا ہے جس الزام کے متعلق مومن جانتا ہے کہ یہ الزام غلط ہے۔ اِس طرح اس کو تکلیف تو اس غلطی کی وجہ سے جو پہلے اس سے ہوئی ہے پہنچ جاتی ہے مگر سزا یا تکلیف ایسے رنگ میں اسے پہنچتی ہے جس کی وجہ سے اوّل تو وہ خود کہتا ہے کہ مَیں بے قصور ہوں پھر دُنیا بھی اس الزام کو درست نہیں سمجھتی اس لئے اس کی رُسوائی اس طرح نہیں ہوتی جس طرح اُس پہلی غلطی کے الزام میں پھنس جانے اور الزام کے صحیح ثابت ہونے سے ہوتی۔ آپ اِس وقت جس حالت میں ہیں وہ بیشک تکلیف دہ ہے کیونکہ قید میں ہونے کے باعث ہر قسم کی آزادی سے محروم ہیں لیکن آپ لوگوں کو راضی برضا رہنا چاہیئے اور اس حالت کو خوشی سے برداشت کرنا چاہیئے

دُنیا میں کئی لوگ ایسے بھی ہیں جو بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ وہ نہ سُن سکتے ہیں اور نہ بول سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور ہر قسم کی قید ان پر وارد ہے۔ وہ آپ لوگوں کی نسبت بدرجہا سخت قید میں ہیں مگر پھر بھی وہ اپنی زندگی کو بسر کر رہے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ان کی زندگی ختم کر دی جائے۔ آپ لوگوں پر جو یہ حالت آئی ہے یہ خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی آئی ہے آپ کو اس کا فائدہ اُٹھانا چاہیئے تاکہ جب اس حالت سے آپ لوگ باہر آئیں تو آپ کی حالت وہ نہ ہو جو داخل ہونے کے وقت تھی بلکہ اپنے نفس کی اصلاح کی اعلیٰ درجہ کی حالت میں آپ لوگ باہر آئیں اور ایسے پاک اور صاف ہو کر نکلیں کہ جس سے دُنیا کو رُوحانی نفع پہنچے۔

اِس ارشاد کے بعد حضورؓ واپس قیام گاہ پر تشریف لائے اور مغرب وعشاء کی نمازیں ادا فرمائیں نماز سے فارغ ہونے کے بعد نارنول ریاست پٹیالہ کے ایک غیر احمدی دوست نے جو مسلم لیگ کے سرگرم کارکن رہے تھے حضورؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں پر بہت سی باتیں ایسی کُھلتی رہتی ہیں جن سے لوگوں کو اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے اِس لئے مَیں بھی حضور کی ملاقات کے لئے حاضر ہُوا ہوں میری گزارش یہ ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں پر جو بے مثال تباہی آئی ہے اس کو دیکھتے ہوئے اب اسلام اور مسلمانوں کا کیا بنے گا اور وہ کس طرح ترقی کر سکیں گے۔

حضرت امیر المومنینؓ نے فرمایا یہ کہنا درست نہیں کہ مسلمانوں پر جو تباہی آئی ہے یہ اپنی ذات میں بے مثال ہے بلکہ اس سے پہلے بھی مسلمانوں پر بڑی بڑی تباہیاں آچکی ہیں چنانچہ اِس ضمن میں سپین اور بغداد کی تباہی کا ذکر کیا اور فرمایا کہ سپین میں جو تباہی آئی تھی وہ اِس قسم کی تھی کہ کوئی ایک فرد بھی مسلمانوں میں سے نہیں بچا حالانکہ سپین میں مسلمانوں کا وہ عُروج تھا کہ تمام یورپ پر انکا رُعب اور دبدبہ چھایا ہُوا تھا۔ پھر پنجاب کو کوئی مرکزی حیثیت حاصل نہیں تھی مگر بغداد جب تباہ ہُوا تو وہ مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ پس اِس تباہی اور اُس تباہی میں بڑا فرق ہے۔ اِس وقت گو لاکھوں مسلمان مارے گئے ہیں مگر لاکھوں بچ کر بھی نکل آئے ہیں حالانکہ سپین میں سے کوئی بھی بچ کر نہیں نکل سکا تھا۔

رہا یہ سوال کہ مسلمانوں کا اب کیا بنے گا؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ جب ہم اسلام اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں تو ہمارے لئے یہ سوال کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا

قرآن کریم کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کے تنزل کی بھی پیشگوئیاں ہیں اور مسلمانوں کی ترقی کی بھی پیشگوئیاں ہیں جب ہم نے اپنی آنکھوں سے قرآن کریم کی وہ پیشگوئیاں پوری ہوتی دیکھ لی ہیں جو مسلمانوں کی تباہی اور ادبار کے متعلق تھیں تو ہمیں یقین رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ پیشگوئیاں بھی ضرور پوری ہوکر رہیں گی جو مسلمانوں کے دوبارہ عُروج اور ترقی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔

باقی رہا یہ امر کہ مسلمان غلبہ حاصل کرسکیں گے ؟ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ غلبہ اُسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب اسلام کی صحیح تصویر ان میں نظر آنے لگے گی۔ افسوس ہے کہ ابھی تک مسلمانوں نے اپنی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی مثلاً اگر اِس وقت حکومتِ پاکستان یہ چاہے کہ تمام سینماؤں کو بند کرا دے تو مسلمان اس کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ یہی حال پردہ اور سُود وغیرہ مسائل کا ہے۔ اگر مسلمان اسلامی احکام پر عمل کرنا اپنے لئے فرض قرار دے لیں تو ان کی ترقی بالکل قطعی اور یقینی ہے مگر مسلمانوں میں یہ زندگی اُسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جب وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قبول کرلیں اور اس سلسلہ میں شامل ہوجائیں جو اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے لئے قائم فرمایا ہے۔

اِس موقع پر غیر احمدی دوست نے عرض کیا کہ اَب تو جماعتِ احمدیہ اور عام مسلمانوں میں کوئی زیادہ اختلاف نہیں رہا۔ اِس پر حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے ان عقائد کا ذکر فرمایا کہ وہ قرآن کریم میں ناسخ ومنسوخ کے قائل ہیں اور وحی کو منقطع سمجھتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ ناسخ ومنسوخ کا مسئلہ ایسا ہے کہ اگر اس کو درست تسلیم کرلیا جائے تو امان اُٹھ جاتا ہے اور قرآن کریم پر عمل کرنا سخت مشکل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ جب یہ اعتقاد پیدا کرلیا جائے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیتیں منسوخ ہیں تو نہیں کہا جاسکتا کہ یہ منسوخ ہے یا وہ منسوخ ہے۔ اسی طرح مسلمان وحی کو منقطع سمجھتے تھے حالانکہ یہی ایک ایسی چیز ہے جس سے اسلام کا روشن چہرہ لوگوں کو نظر آتا ہے۔ اگر آسمان سے تازہ وحی کے نزول کا سلسلہ جاری نہ ہو تو اسلام کا مصفّٰی چہرہ غبار آلود ہو جائے۔

رات کا کھانا شیخ بشیر احمد صاحب ایگزیکٹو انجینئر کے ہاں تھا اور حضور ان کی کوٹھی پر کھانے کے لئے تشریف لے گئے۔

۱۶ رتبلیغ رفروری دس بجے صبح حضور معہ قافلہ میرپور خاص سے کنجیجی بذریعہ ٹرین روانہ ہوئے

راستہ میں جیمیس آباد۔ ڈگری۔ جھڈو۔ نوکوٹ۔ فضل بھمبرو۔ ٹالھی۔ نبی سررود ڈا اور کنری اسٹیشن پر جماعت کے دوست حضور کے استقبال اور زیارت کے لئے موجود تھے۔ ہر جگہ دوستوں کو حضور نے مصافحہ کا شرف بخشا۔ ڈگری کی جماعت نے کھانا پیش کیا۔ اسی روز ۳ بجے بعد دوپہر حضورؓ معہ اہل بیت کنجیجی اسٹیشن پر وارد ہوئے۔ جماعت کے دوست کثیر تعداد میں یہاں موجود تھے۔ نعرہ ہائے تکبیر سے حضور کا استقبال کیا گیا۔ حضور معہ اہل بیت کار میں سوار ہوئے اور ناصر آباد اسٹیٹ تشریف لے آئے۔ لہ

ناصر آباد میں قیام اور کراچی کیلئے روانگی

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ اِس علاقہ میں قریباً تین ہفتہ تک ٹھہرے اور ناصر آباد، حیدر آباد، میرپور خاص، کنجیجی، احمد آباد، محمود آباد کا دَورہ کرنے اور اہم جماعتی معاملات کو اپنی زیرنگرانی طے کرنے اور ضروری ہدایات دینے کے بعد ۱۱ امان/مارچ کو ½ ۱۰ بجے کے قریب بذریعہ ٹرین ناصر آباد سے کراچی روانہ ہوئے۔ اسٹیشن پر بہت سے مقامی احباب الوداع کہنے کے لئے موجود تھے۔ راستہ میں کنری، نبی سررود ڈ، ٹالھی اور فضل بھمبرو کے اسٹیشنوں پر بکثرت احمدی مرد، عورتیں اور بچے حضور کی زیارت کے لئے موجود تھے۔ میرپور خاص اور حیدر آباد میں بھی بہت سے احباب حضور کا خیر مقدم کرنے کے لئے حاضر تھے۔ کنری کی جماعت نے حضور کے لئے اور حضور کے ہمراہیوں کے لئے دوپہر کا کھانا پیش کیا۔ میرپور خاص کے سٹیشن پر مکرم ڈاکٹر حاجی خاں صاحب نے شام کے کھانے اور چائے کا اچھا انتظام کر رکھا تھا۔ حیدر آباد کے دوستوں نے چائے پیش کی۔ حیدر آباد سٹیشن پر حضور کچھ وقت ویٹنگ روم میں تشریف فرما رہے جہاں بعض احباب نے حضور سے ملاقات اور گفتگو کا شرف حاصل کیا۔

کراچی میں آمد

صبح ½ ۴ بجے ٹرین حیدر آباد سے کراچی روانہ ہوئی اور بارہ بجے کے قریب حضورؓ معہ قافلہ بخیریت کراچی پہنچ گئے۔ اسٹیشن پر حضور کا خیر مقدم کرنے کے لئے آنیوالے دوستوں کو حضور نے مصافحہ کا شرف عطا فرمایا۔ حیدر آباد اور کراچی میں بعض دوستوں نے حضور کو ہار پہنانے چاہے لیکن حضور نے انہیں منع کر دیا۔ جماعتِ کراچی نے حضور کی رہائش کے لئے ایک ہندو کی کوٹھی کا انتظام کیا تھا جو مخصوص طور پر مذہبی اُمور کی انجام دہی کے لئے بنائی گئی تھی حضور نے وہاں

لہ الفضل ۲۰ تبلیغ/فروری ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵ ۔

رہائش کو پسند نہ فرمایا اور اس کی بجائے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب بالقابہ کی کوٹھی "پروین ولا" واقع ہوشنگ روڈ میں فروکش ہوئے۔ ؎۱

خطبہ جمعہ میں خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا اختیار کرنے کی تحریک

۲ بجے کے قریب حضورؓ باوجود درد نقرس کی تکلیف کے نماز جمعہ کے لئے تشریف لے گئے نماز جمعہ کا انتظام بندر روڈ پر ایک وسیع میدان میں کیا گیا تھا۔ حضورؓ نے خطبہ جمعہ کے شروع میں یہ بتایا کہ:-

"جماعت کے دوستوں نے ہماری رہائش کے لئے یہاں ایک جگہ تجویز کی تھی جس کا نام مندر ہے۔ لوگ کہتے ہیں وہ مندر نہیں تھا بلکہ مذہبی اُمور کے لئے وہ جگہ بنائی گئی تھی لیکن بہرحال مَیں نے اس مکان میں رہنے سے انکار کر دیا ہے ... جب مَیں لاہور آیا تو چونکہ ہمیں کالج اور دوسری ضروریات کے لئے جگہ کی تلاش تھی حکومتِ پنجاب کے بعض افسروں نے یہ تجویز کیا اور بعض لوگ متواتر اِس غرض کے لئے مجھے ملے کہ ہم ننکانہ لے لیں اور اس پر قبضہ کر لیں۔ جب بھی ہم اپنی ضروریات اُن کے سامنے رکھتے وہ زور دیتے کہ ہم ننکانہ آپکو دے دیتے ہیں لیکن مَیں نے ہمیشہ اس سے انکار کیا اور کہا کہ جو قانون ہم اپنے جذبات کے متعلق ضروری سمجھتے ہیں اس قانون کے ماتحت ہم دوسروں کے جذبات کا احترام کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ چونکہ ننکانہ سکھوں کی ایک مذہبی جگہ ہے اِس لئے ہم اس پر قبضہ کر کے دوسروں پر یہ اثر ڈالنا نہیں چاہتے کہ ہم بھی ضرورت کے موقع پر دوسروں کے مذہبی مقامات پر قبضہ کر لینا جائز سمجھتے ہیں۔ ہمیں کہا گیا کہ یہ مکانات خالی ہیں اور بہرحال کسی نے لینے ہیں آپ ہی لے لیں۔ ہم نے کہا کوئی لے لے سوال تو ہمارے جذبات کا ہے کسی دوسرے شخص کے اگر وہ جذبات نہیں جو ہمارے ہیں یا ایسے مقامات پر قبضہ کر لینا کوئی شخص جائز سمجھتا ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ چونکہ فلاں شخص کے جذبات کے لحاظ سے یہ کوئی بُری بات نہیں یا چونکہ ایسے مقامات پر قبضہ کر لینا اَور لوگ جائز سمجھتے ہیں اِس لئے آپ بھی قبضہ کر لیں۔ ان کا معاملہ ان کی ذات سے تعلق رکھتا ہے ہم سے

؎۱ الفضل ۱۸؍امان/مارچ ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔

یہ مطالبہ نہیں کیا جا سکتا کہ ہم بھی اِس معاملہ میں وہی کچھ کریں جو اَور لوگ کرتے ہیں۔ دوسرے ہم یہ ضروری نہیں سمجھتے کہ عبادت گاہ ہی ہو تو اس پر قبضہ کر لینے سے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے بلکہ عبادت گاہ کے بغیر بھی ایسی چیزیں ہیں جن کے چھینے جانے یا جن پر دوسرے مذاہب کے قبضہ کر لینے سے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے۔ اِس نقطۂ نگاہ کے ماتحت قطع نظر اس سے کہ اس کا نام صرف مندر تھا چونکہ وہ ایک ہندو کی عمارت ہے اور یہ عمارت مذہبی جلسوں اور مذہبی انجمنوں کے انعقاد کے لئے استعمال کی جاتی تھی اِس لئے اپنے اُصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مَیں نے یہ پسند نہیں کیا کہ ہم اس عمارت میں ٹھہریں تاکہ ہماری وہ دلیل جو ہم قادیان کے متعلق دے رہے ہیں کمزور نہ ہو جائے اور ہمارا وہ اصول نہ ٹُوٹے جو مذہبی مقامات کی تقدیس اور ان کے احترام کے متعلق ہم دُنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ بعض دوستوں نے کہا ہے کہ وہ اِس عمارت کو خریدنے کا انتظام کر رہے ہیں۔ بلکہ مجھے کہا گیا ہے کہ خود مالک مکان اِسے فروخت کرنا چاہتا ہے۔ چونکہ یہ ایک اہم امر ہے اِس لئے اِس معاملہ میں اگر کوئی قدم مقامی جماعت کی طرف سے اُٹھایا جائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے پوری طرح تمام حالات کو میرے سامنے رکھے اگر میری تسلّی ہو گئی اور مجھے اس میں شُبہ کی کوئی گنجائش نظر نہ آئی تب بھی میرے نزدیک مناسب یہی ہوگا کہ ہم یہ عمارت نہ لیں کیونکہ اپنے اُصول کی پابندی ہمارے لئے نہایت ضروری ہے۔"[1]

اِس وضاحت کے بعد حضور ؓ نے جماعتِ کراچی کو مسجد، مہمان خانہ اور لائبریری کے لئے ایک موزوں قطعہ تلاش کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا:-

"دوسری چیز جس کی طرف مَیں توجہ دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ مَیں نے آج سٹیشن پر دوستوں کو منع کر دیا تھا کہ وہ میرے گلے میں ہار نہ ڈالیں۔ یوں بھی ہار پہننے میں مجھے حیا سی محسوس ہوتی ہے لیکن اِس امر کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تب بھی مَیں سمجھتا ہوں کہ حقیقی ضرورتوں کو سمجھنے والے افراد کو اپنے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے زمانہ

---

[1] الفضل ۳۰ شہادت / اپریل ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۳، ۴

کے مطابق قدم اُٹھانا چاہیئے۔ ہمارے لئے اِس وقت ایک ایسا زمانہ آیا ہُوا ہے جس میں ہم اپنے مقدس مقام سے محروم ہیں اور دشمن اس پر قبضہ کئے ہوئے ہے۔ ہار پہننے کے معنے خوشی کی حالت کے ہوتے ہیں۔ مَیں جہاں جماعت کو یہ نصیحت کیا کرتا ہوں کہ ان کے دلوں میں پژمردگی پیدا نہیں ہونی چاہیئے، ان کے اندر کم ہمتی نہیں ہونی چاہیئے، ان کے اندر پست ہمتی نہیں ہونی چاہیئے وہاں مَیں اِس بات کو بھی پسند نہیں کرتا کہ جماعت اس صدمہ کو بھول جائے اور ایسی غیر طبعی خوشیاں منانے میں محو ہو جائے جن کی وجہ سے وہ ذمہ داری اس کی آنکھ سے اوجھل ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر عائد کی گئی ہے۔ نمائشی باتیں تو یوں بھی ناپسندیدہ ہوتی ہیں مگر کم سے کم اُس وقت تک کے لئے ہمارے نوجوانوں میں یہ احساس زندہ رہنا چاہیئے جب تک ہمارا مرکز ہمیں واپس نہیں مِل جاتا۔ آخر کوئی نہ کوئی چیز ہو گی جس کے ساتھ نوجوانوں کو یہ بات یاد دلائی جا سکے گی۔ اگر ایسے مظاہروں سے نوجوانوں کو روکا جائے تو چونکہ پہلے ہم روکا نہیں کرتے تھے اِس لئے قدرتی طور پر ہر احمدی کے دِل میں یہ بات تازہ رہے گی کہ ہمیں نے اپنے مرکز کو واپس لینا ہے۔ مجھے غیر طبعی خوشیوں کی طرف مائل نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر خدانخواستہ ہم بھی غیر طبعی خوشیوں میں محو ہو گئے اور نوجوانوں کو ہم نے یہ محسوس نہ کرایا کہ کتنا بڑا صدمہ ہمیں پہنچا ہے تو ان کے اندر اپنے مقصد کے حصول کے لئے جدّوجہد اور کوشش کی سچی تڑپ زندہ نہیں رہ سکے گی اِس لئے مَیں سمجھتا ہوں میرے لئے یا کِسی اَور کے لئے ایسے مظاہروں میں کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔"[1]

خطبہ جمعہ کے آخر میں حضور رضؓ نے ارشاد فرمایا:۔

"ہماری جماعت صُلح کی بنیادوں پر قائم ہے اور جہاں تک ہو سکے گا ہم صلح سے ہی اپنے مرکز کو واپس لینے کی کوشش کریں گے۔ دوسرے ہمارے ہاتھ میں حکومت نہیں اور جنگ کا اعلان حکومت ہی کر سکتی ہے افراد نہیں کر سکتے۔ گویا اِس وقت اگر جنگ کا اعلان ہو تو دو ہی حکومتیں کر سکتی ہیں یا انڈین یونین کر سکتی ہے یا پاکستان کر سکتا ہے ہم پاکستان

---

[1] الفضل ۳۰ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صہ۴ ۔

گورنمنٹ نہیں کہ انڈین یونین سے اعلانِ جنگ کر سکیں۔ ہم آزاد علاقہ کے بھی نہیں کہ ہم ایسا اعلان کرنے کے مجاز ہوں۔ اِس لئے اگر جنگ کے ذریعہ ہی ہمارے مرکز کا ملنا ہمارے لئے مقدر ہے تب بھی جنگ کے ... سامان خدا ہی پیدا کر سکتا ہے ہمارے اندر یہ طاقت نہیں کہ ہم ایسا کر سکیں اور نہ شریعت ہمیں جنگ کی اجازت دیتی ہے شریعت جنگ کا اختیار صرف حکومت کو دیتی ہے اور حکومت ہمارے پاس نہیں۔ پس جنگ سے بھی اُسی صورت میں فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے جب خدا ایسے سامان پیدا فرمائے اور انڈین یونین سے کسی اَور حکومت کی لڑائی شروع ہو جائے۔ بہرحال خواہ صُلح سے ہمارا مرکز ہمیں واپس ملے یا جنگ سے دونوں معاملات میں ظاہری تدابیر کام نہیں دے سکتیں صرف خدا ہی ہے جو ہماری مدد کر سکتا اور ہمارے لئے غیب سے نصرت اور کامیابی کے سامان پیدا فرما سکتا ہے۔ اگر دلائل کو لو تو دلائل کا اثر بھی خدا تعالیٰ ہی پیدا کر سکتا ہے ورنہ جو نشۂ حکومت میں سرشار ہو اور جسے اپنی طاقت کا گھمنڈ ہو اس کے سامنے کتنے بھی دلائل پیش کئے جائیں وہ سب کو ٹھکرا دیتا ہے اور کہتا ہے ہم اِن باتوں کو نہیں مانتے اور اگر طاقت کو لو تو اوّل تو مادّی طاقت ہمارے پاس ہے ہی نہیں اور اگر ہو بھی اور فرض کرو ہماری جماعت موجودہ تعداد سے پچاس یا سَو گُنے بھی بڑھ جاتی ہے اور پانچ دس کروڑ تک پہنچ جاتی ہے تب بھی گورنمنٹ ہمارے قبضہ میں نہیں اور ہم شرعی نقطۂ نگاہ سے جنگ نہیں کر سکتے۔ گویا ہماری حالت صلح کی صورت میں بھی اور جنگ کی صورت میں بھی کُلّی طور پر خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا کو اختیار کرنا ہمارا سب سے پہلا اور اہم فرض ہے۔ اگر ہم اپنے اِس فرض کو ادا کر لیں تو یقیناً وہ کام جو ہم نہیں کر سکتے خدا اُسے خود پورا فرمائیگا اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ خدائی طاقت اور قوّت کی کوئی حد بندی نہیں۔ بندے کی بڑی سے بڑی جدّوجہد اور کوشش بھی خدا تعالیٰ کے فضل کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جب خدا کرنے پر آتا ہے تو باوجود اس کے کہ دُنیا ایک کام کو ناممکن سمجھ رہی ہوتی ہے وہ ممکن ہو جاتا ہے۔ شام کو وہ اِس حالت میں سوتی ہے جب وہ اُسے ناممکن سمجھ رہی ہوتی

ہے مگر جب صبح اُٹھتی ہے تو اُسے وہ ناممکن امر ممکن نظر آ رہا ہوتا ہے اور بعض دفعہ صبح وہ ایک کام کو ممکن سمجھتی ہے مگر جب شام ہوتی ہے تو وہی ممکن امر اُسے ناممکن نظر آنے لگتا ہے پس اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ہمارے سب کام کرنے ہیں اور اُسی پر بھروسہ کرنا ہمارا اوّلین کام ہونا چاہیئے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے کاموں اور اپنی خوشیوں اور اپنی ہر قسم کی مصروفیتوں میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ سے زیادہ راضی کرنے کی کوشش کریں۔"[1]

خالق دینا ہال میں عظیم الشّان پبلک لیکچر

حضرت مصلح موعودؓ نے قیامِ کراچی کے تیسرے روز ۱۴ امان/مارچ ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء کو ساڑھے پانچ بجے شام خالق دینا ہال میں "پاکستانیوں سے چند صاف صاف باتیں" کے عنوان سے ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ صدارت کے فرائض آنریبل حاتم بی طیّب جی چیف جسٹس سندھ چیف کورٹ نے انجام دیئے ہال سامعین سے بھرا ہوا تھا بلکہ سینکڑوں احباب کو باہر کھڑے ہو کر لیکچر سُننا پڑا۔ سامعین کا اکثر حصّہ کالجوں کے طلباء، پروفیسروں، ڈاکٹروں اور وکلاء وغیرہ پر مشتمل تھا۔ مسٹر ایم۔ ایچ گزدر ایم۔ ایل۔ اے ایڈوائزر حکومتِ سندھ مسٹر مدنی ڈپٹی سیکرٹری حکومتِ پاکستان۔ خان بہادر نذیر احمد ریٹائرڈ چیف جسٹس کشمیر مسٹر حاتم علوی۔ مسٹر واسطی وائس پرنسپل سندھ کالج اور مرکزی و صوبائی حکومت کے متعدد دیگر اعلیٰ حکّام بھی موجود تھے۔ حضورؓ کی تقریر ڈیڑھ گھنٹہ تک کامل انہماک و سکون اور گہری دلچسپی سے سُنی گئی۔

تقریر کے آغاز میں حضورؓ نے مقررہ موضوع کی وسعت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ موضوع دراصل ایک طویل داستان کی حیثیت رکھتا ہے تاہم چونکہ یہ کراچی میں میرا پہلا لیکچر ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ کراچی کے باشندے کس حد تک میری باتیں سُننے کے لئے تیار ہو سکتے ہیں اِس لئے مَیں مضمون کے بہت سے حصّوں کو چھوڑ کر چند ضروری اُمور بیان کرنے پر اکتفاء کروں گا۔

سب سے پہلے حضورؓ نے اِس بات پر زور دیا کہ چونکہ پاکستان ایک نئی حکومت ہی نہیں بلکہ ایک نیا ملک بھی ہے اِس لئے پاکستانیوں کو وطنیت کا وہ جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے جو پہلے

---

[1] الفضل ۲۰ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵۔

موجود نہ تھا۔ وطنیت کا جذبہ ایک ایسی چیز ہے جو قوم کو اکٹھا رکھنے، اسے اُبھارنے اور ملک کے دفاع کے لئے اسے ہر ممکن قربانی کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ جذبہ پیدا کرنے میں ہم کامیاب نہ ہوئے تو ذرا سا اختلاف ہمارے اتحاد کو توڑنے کا موجب بن جائے گا۔ وطنیت کے جذبہ کے بغیر کبھی مُلک میں سے غدّاری کی رُوح نہیں کُچلی جا سکتی۔

حضور رضؓ نے اصل موضوع پر تقریر شروع کرتے ہوئے فرمایا سب سے پہلے ہمیں یہ سوچنا چاہیئے کہ پاکستان کا مطالبہ کیوں کیا گیا تھا؟ یہ مطالبہ اِس لئے نہیں کیا گیا تھا کہ ہندوستان میں نسلی طور پر دو قومیں آباد تھیں۔ کیونکہ یہ ایک واضح بات ہے کہ ہندوستان میں بہت سی ایسی قومیں موجود ہیں جن کا ایک حصّہ ہندو ہے اور ایک مسلمان۔ پھر زبان کے اختلاف کی بناء پر بھی یہ مطالبہ نہ کیا گیا تھا کیونکہ ہر صوبے میں رہنے والے ہندو اور مسلمان ایک ہی زبان بولتے تھے۔ پھر آخر کیا چیز تھی جس کی بناء پر پاکستان کا مطالبہ کیا گیا؟ ظاہر ہے کہ صرف اسلام ہی اِس مطالبہ کی بُنیاد تھا اور اسلامی کلچر کی حفاظت کرنے کے لئے ہی مسلمان علیحدہ حکومت کے طالب تھے۔ پس مطالبۂ پاکستان کے پسِ پردہ جو چیز کام کر رہی تھی وہ صرف اسلام تھا یعنی مسلمان یہ چاہتے تھے کہ جس جگہ ان کی اکثریت ہو وہاں انہیں ایک ایسی آزاد حکومت قائم کرنے کا موقعہ دیا جائے جس میں وہ اسلامی تعلیم اور اسلامی تہذیب کے مطابق ترقی کر سکیں اور آزادی کے ساتھ دیگر اسلامی ممالک کی مدد کر سکیں۔

حضور رضؓ نے فرمایا اسلامی حکومت کے الفاظ سے بہت سے غیر مسلموں کو دھوکہ لگتا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید غیر مسلموں کو بھی اسلامی احکام پر عمل کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ حالانکہ یہ درست نہیں۔ دُنیا کے سب مذاہب میں سے صرف اور صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے قولاً اور عملاً صاف الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے کہ اسلامی احکام پر عمل کرنے کی پابندی صرف مسلمانوں کے لئے ہے۔ دیگر مذاہب کے پیروؤں کو نہ صرف یہ کہ اسلام کے احکام پر چلنے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ اسلام کہتا ہے کہ ان کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ اپنی اپنی مذہبی کتابوں کے مطابق عمل کریں کیونکہ اگر وہ اپنے مذہب کو سچا سمجھتے ہیں اور پھر اس پر عمل نہیں کرتے تو وہ منافق ہیں اور منافق کبھی بھی اچھے شہری نہیں بن سکتے۔ پس مسلمانوں کو غیر مسلموں کی غلط فہمی کو دُور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور انہیں بتانا چاہیئے کہ اسلامی حکومت کا مطلب صرف یہ ہے کہ مسلموں کے لئے قرآن مجید کے قوانین ہوں گے نہ کہ غیر مسلموں

کے لئے بھی۔

کیا پاکستانی اسلامی حکومت کے قیام کا مطالبہ کرنے میں سنجیدہ ہیں؟ حضورؓ نے اِس اہم سوال پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا جب ایک فرد کہتا ہے کہ اسلامی حکومت قائم ہونی چاہیئے تو بالفاظِ دیگر وہ یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ مَیں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال اسلامی ہوں۔ اب اگر اسلام پر غور کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اسلام کے نزدیک فرد کے اعمال کے تین حصے ہوتے ہیں۔ اوّل خود اس کی ذات سے تعلق رکھنے والے احکام، دوسرے اس کے ہمسایوں اور دوستوں سے تعلق رکھنے والے احکام تیسرے ایسے احکام جن کا تعلق حکومت کے نمائندوں کے ساتھ ہے۔ حکومت سے تعلق رکھنے والے احکام تو فرد کے بس میں نہیں ہیں۔ ہمسایوں سے تعلق رکھنے والے احکام پوری طرح نہیں لیکن کسی قدر اس کے بس میں ہیں۔ البتہ اس کی ذات سے تعلق رکھنے والے احکام پوری طرح اس کے اختیار میں ہیں۔ اب جو مسلمان اسلامی حکومت کا مطالبہ کرتا ہے اس کے مطالبہ کی سنجیدگی کا ثبوت یہی ہو سکتا ہے کہ جو احکام پوری طرح اس کے بس میں ہیں کم از کم ان پر وہ پوری طرح عمل کر کے دکھا دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ وہ اسلامی حکومت کا مطالبہ کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے بلکہ وہ صرف سیاسی اغراض کے ماتحت کسی کو گرانے یا کسی کو بدنام کرنے کے لئے یہ مطالبہ کرتا ہے۔

حضورؓ نے فرمایا۔ قرآن مجید، احادیث اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل واضح الفاظ میں ہمیں بتاتا ہے کہ اسلام نے نماز کا حکم دیا ہے۔ پردے کا حکم دیا ہے۔ روزہ کا حکم دیا ہے۔ سُود کی ممانعت کی ہے اور مرد عورت کے آزادانہ اختلاط کو روکا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلمانوں کے مختلف گروہ سُود کی ممانعت اور پردے کے احکام کی کیا حدود سمجھتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مسلمان اپنی اپنی جگہ اِن احکام کا جو بھی مفہوم سمجھتے ہیں کیا اس پر وہ عمل کرتے ہیں؟ اگر وہ ان احکام پر اپنی اپنی سمجھ کے مطابق عمل کرتے ہیں تو پھر تو بے شک وہ اسلامی حکومت کے قیام کے مطالبہ میں سنجیدہ سمجھے جا سکتے ہیں کیونکہ جن احکام کو پُورا کرنا اُن کے اختیار میں تھا ان پر انہوں نے عمل کر کے دکھا دیا لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو پھر یقیناً وہ اسلامی حکومت کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔

حضورؓ نے فرمایا۔ مسلمان ہندو کے مقابلہ پر کہا کرتے تھے کہ اسلامی کلچر خطرہ میں ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا آج بھی وہ اپنے اپنے بیٹے، اپنے اپنے بھائی اور اپنی اپنی بیوی کو یہ کہنے کے لئے تیار ہیں

کہ اگر تم نے اسلامی احکام پر عمل نہ کیا تو اسلامی کلچر خطرہ میں پڑ جائے گا؟ اگر آپ لوگ یہاں سے اُٹھنے سے پہلے یہ فیصلہ کرلیں کہ اسلام کے جن احکام پر عمل کرنا آپ کے اپنے بس میں ہے اور جن پر عمل کرنے کے لئے کسی حکومت، کسی قانون اور کسی طاقت کی ضرورت نہیں ان پر فوراً عمل کرنا شروع کر دیں گے تو مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ شام سے پہلے پہلے اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ لیکن اگر لوگ مُنہ سے اسلامی حکومت کا مطالبہ کریں اور عملاً اسلامی احکام کی خلاف ورزی کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھیں تو جس طرح کچی اینٹوں کے ایک محل کو پکّا نہیں کہا جا سکتا اسی طرح غیر اسلامی اعمال کرنے والے افراد کے مجموعہ کا نام ہرگز اسلامی حکومت نہیں رکھا جا سکتا۔

زبان کے مسئلہ پر پاکستان میں جو اختلافات نمودار ہو رہے ہیں ان پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے حضور نے فرمایا یہ مسئلہ بالکل سادہ اور صاف تھا لیکن افسوس ہے کہ خواہ مخواہ اسے پیچیدہ بنایا جا رہا ہے اصل مسئلہ صرف یہ ہے کہ جب پاکستان کے سب صوبوں نے اپنی مرضی سے مل کر اور اکٹھے ہو کر کام کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو لازمی بات ہے کہ اس صورت میں کسی ایک صوبے کی زبان سے کام نہیں چل سکتا۔ مل کر کام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی زبان ہو جو سب پاکستانی صوبوں کے باشندے جانتے ہوں۔ انگریزوں کے عہد میں اِس قسم کی مشترکہ زبان کا کام انگریزی سے لیا جاتا تھا اب ان کے جانے کے بعد ہمارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ انگریزی کی قائم مقام کونسی زبان ہو۔ ظاہر ہے کہ چونکہ انگریزی کی نسبت اُردو قرآن مجید کو سمجھنے اور اسلامی ممالک سے اتحاد پیدا کرنے کی زیادہ صلاحیت اپنے اندر رکھتی ہے اِس لئے ہمیں اس زبان کو ہی مشترکہ طور پر کام کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہیئے۔ حضورؓ نے اِس امر پر زور دیا کہ یہ سراسر غلط بحث ہے کہ بنگالی کی جگہ اردو کو دی جائے گی یا سندھی کی جگہ اُردو لے لے گی۔ کیا انگریزی نے بنگالی یا سندھی کی جگہ لے لی تھی؟ اصل سوال تو صرف یہ ہے کہ جس طرح پہلے مل کر کام کرنے کے لئے انگریزی سے کام لیا جاتا تھا اَب کونسی زبان سے کام لیا جائے۔

حضورؓ نے پاکستان کے دفاع کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ پاکستان میں ریلوے لائنیں ایسے رُخ پر واقع ہیں جو دفاع کے لحاظ سے خطرناک ہیں۔ حضور نے اِس سلسلے میں یہ تجویز پیش فرمائی کہ سندھ کے اس پار راولپنڈی سے کراچی تک ایک نئی ریلوے لائن بنائی جائے جس کے ذریعے خطرہ کے اوقات میں سندھ

کا پنجاب کے ساتھ تعلق قائم رہ سکے۔

کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا پاکستان کے دفاع کے نقطہ نگاہ سے یہ ایک اہم سوال ہے۔ اگر کشمیر انڈین یونین میں چلا گیا تو انڈین یونین کی رُوس کے ساتھ سرحد مِل جانے کی وجہ سے اسے ایک بین الاقوامی حیثیت حاصل ہو جائے گی اور مغربی پنجاب کا فوجی خطّہ محصور ہو جائے گا۔ حضورؓ نے بحری طاقت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا پاکستان کے نوجوانوں کو بحری سفر کرنے اور بیرونی ممالک کی سَیر کرنے کا شوق اپنے دلوں میں پیدا کرنا چاہیئے۔

حضور نے زرعی طاقت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا زراعت کو پاکستان کی سب سے بڑی دولت سمجھا جا رہا ہے لیکن ہمیں ایک بہت بڑے خطرے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے اور وہ یہ کہ پاکستان کے زرعی علاقوں کے متعلق ماہرین کا یہ اندازہ ہے کہ پچاس سال میں یہ علاقے بالکل بے کار ہو جائیں گے اور اس کے آثار بھی ظاہر ہو رہے ہیں۔ اِس خطرہ کی وجہ یہ ہے کہ ان علاقوں میں ضرر رساں نمک بڑی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ نہروں کی وجہ سے پانی کی سطح اُونچی ہو رہی ہے اور زمین شور اور سیم والی ہوتی جاتی ہے[1] حضورؓ کی یہ ایمان افروز تقریر سات بجے شام ختم ہوئی۔

تھیوسافیکل ہال میں خواتینِ اسلام سے انقلاب انگیز خطاب

۱۸ امان / مارچ کو حضرت امیر المومنینؓ نے مقامی لجنہ اماء اللہ کی درخواست پر تھیوسافیکل ہال بندر روڈ کراچی میں مستورات کو خطاب فرمایا اِس جلسہ میں تقریباً ساڑھے چھ سَو احمدی وغیر احمدی خواتین شریک ہوئیں جنہوں نے ہمہ تن گوش ہو کر تقریر سُنی اور بہت متاثر ہوئیں[2]

حضور کی اثر انگیز تقریر کا بنیادی مقصد خواتینِ اسلام کو دعا اور قربانی اور ایثار کے لئے سرگرمِ عمل کرنا تھا۔ چنانچہ حضور نے اپنی اِس تقریر میں سورہ کوثر کی نہایت ایمان افروز تفسیر کرتے ہوئے نہایت لطیف پیرایہ میں استنباط فرمایا کہ پاکستان کا استحکام دعا اور قربانی سے وابستہ ہے حضور نے تقریر کے اختتامی حصہ میں نہایت پُر جلالی اور پُر شوکت الفاظ میں فرمایا:۔

"مَیں جب قادیان سے لاہور آیا تو بعض بڑے بڑے آدمی مجھ سے ملنے کے لئے آئے اور

---

[1] الفضل ۱۹ امان / مارچ ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۳-۴ ٭ [2] الفضل یکم شہادت / اپریل ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۲ کالم ۳

انہوں نے کہا اَب تو لاہور بھی خطرہ میں ہے۔ بتائیے کیا کیا جائے؟ مَیں نے کہا لاہور کو ہی خطرہ نہیں سارا پاکستان خطرہ میں ہے۔ جب تم نے پاکستان مانگا تھا تو یہ سمجھ کر مانگا تھا کہ صرف اتنا ٹکڑہ ہمیں ملے گا اس سے زیادہ نہیں۔ اور یہ سمجھ کر مانگا تھا کہ روپیہ ہمارے پاس کم ہوگا، سامان ہمارے پاس کم ہوگا اور ہمیں اپنی حفاظت کے لئے بہت بڑی جدّوجہد سے کام لینا پڑے گا۔ یہ نہیں کہ آپ نے مانگا زیادہ تھا اور مِلا کم۔ یا آپ نے تو ہندوستان کا اکثر حصّہ مانگا تھا اور آپ کو اس کا ایک قلیل حصّہ دے دیا گیا ہے بلکہ جو کچھ آپ لوگوں نے مانگا تھا وہ قریب قریب آپ کو مِل گیا ہے۔ اور یہ خطرات جو آج آپ کو نظر آ رہے ہیں اُس وقت بھی آپ کے سامنے تھے اِس لئے یہ کوئی نئے خطرات نہیں۔ پاکستان کے لئے یہ خطرات ضروری تھے۔ اور اَب جبکہ پاکستان قائم ہو چکا ہے پاکستان کے لئے دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے یا تو وہ فتح پائے گا یا مارا جائے گا۔ اگر تم فتح حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں بھاگنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اگر تم شکست کھانا چاہتے ہو تو یاد رکھو دُنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں جو مغربی پاکستان کے تین کروڑ مسلمانوں کو پناہ دے سکے یا مغربی اور مشرقی پاکستان کے سات کروڑ مسلمانوں کو پناہ دے سکے۔ مشرقی پنجاب میں سے صرف ساٹھ لاکھ مسلمان اِدھر منتقل ہوئے تھے مگر ابھی تک لاکھوں لاکھ آدمی اِدھر اُدھر پھر رہا ہے اور اُسے رہنے کے لئے کوئی ٹھکانا نہیں ملا۔ حالانکہ وہ لاکھوں آدمی اپنی مرضی سے نہیں آیا تھا خود پاکستان کی حکومت نے ان کو بُلوایا تھا یہ کہہ کر بُلوایا تھا کہ ہم مشرقی پنجاب کی حکومت سے معاہدہ کر چکے ہیں کہ اُس طرف کے مسلمان اِدھر آ جائیں اور اِس طرف کے ہندو اُدھر چلے جائیں۔ انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ ہم تمہاری مدد کریں گے، تمہارے لئے زمینوں اور مکانوں کا انتظام کریں گے تم اپنے گھروں کو چھوڑ دو اور مغربی پنجاب میں آ جاؤ۔ اِسی اُمید پر انہوں نے اپنے وطن چھوڑے اور اِسی اُمید پر وہ مغربی پنجاب میں آئے۔ ہم جو قادیان کے رہنے والے ہیں صرف ہماری ایک مثال ہے کہ ہم نہیں چاہتے تھے کہ قادیان کو چھوڑیں۔ ہم ایک چھوٹی سی بستی میں رہتے تھے اور ہمارا ارادہ تھا کہ اگر اِردگِرد کے دیہات اور شہروں میں

رہنے والے مسلمان اتحاد کرلیں تو اس علاقہ کو نہ چھوڑا جائے مگر چند دنوں کے اندر اندر سارا مشرقی پنجاب خالی ہوگیا مگر باوجود اس کے کہ وہ وہاں سے بھاگے اور اِس خیال سے بھاگے کہ پاکستان میں ہمارے لئے جگہ موجود ہے پھر بھی وہ آج چاروں طرف خانہ بدوش قوموں کی طرح پھر رہے ہیں اور انہیں کوئی ٹھکانا نظر نہیں آتا۔ ان کا یہ خیال کہ ہمیں پاکستان میں جگہ مِل جائے گی غلط تھا یا صحیح؟ سوال یہ ہے کہ اگر مشرقی پنجاب کے ساٹھ لاکھ مسلمانوں کو پاکستان پناہ نہیں دے سکا تو پاکستان کے تین کروڑ مسلمانوں کو کیا بلوچستان پناہ دے گا؟ جس کی اپنی آبادی چالیس لاکھ کے قریب ہے۔ کیا ایران پناہ دے گا؟ جس کی آبادی ایک کروڑ کے قریب ہے۔ کیا عرب پناہ دے گا؟ جس کی آبادی ۷۰، ۸۰ لاکھ ہے۔ کیا افغانستان پناہ دے گا؟ جس کی آبادی ایک کروڑ سے زیادہ نہیں۔ آخر کونسا اسلامی ملک ہے جس میں تین کروڑ مسلمانوں کے سمانے کی گنجائش موجود ہے۔ اگر پاکستان نے شکست کھائی تو یقیناً اس کے لئے موت ہے۔ پاکستان میں بھی موت ہے اور پاکستان سے باہر بھی موت ہے۔ اور جب موت ایک لازمی چیز ہے تو اَب سوال یہ نہیں رہ جاتا کہ مسلمان جائیں کہاں؟ بلکہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ لاہور کے آگے لڑتے ہوئے مارے جائیں یا کراچی کے سمندر میں غرق ہوکر مریں۔ مَیں نے کہا یہ دونوں موتیں آپ لوگوں کے سامنے ہیں اَب آپ خود ہی فیصلہ کرلیں کہ آپ کونسی موت قبول کرنا چاہتے ہیں؟ کیا آپ لاہور کے سامنے دشمن سے لڑتے ہوئے مرنا زیادہ پسند کرتے ہیں یا یہ پسند کرتے ہیں کہ بھاگتے ہوئے کراچی کے سمندر میں غرق ہو جائیں اور مارے جائیں؟ بہرحال پاکستان کے لئے اَب سوائے اِس کے اَور کوئی چیز نہیں کہ یا فتح یا موت۔ دوسرے ملکوں کے لئے تو یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی جگہ تبدیل کرلیں کیونکہ ان کی آبادی تھوڑی ہے لیکن پاکستان کی آبادی اتنی زیادہ ہے کہ کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں جو پاکستان کے لوگوں کو پناہ دے سکے۔ کسی ملک سے پاکستان کی آبادی دوگنی ہے اور کسی ملک سے تین گنی۔ اِس لئے کوئی ملک ایسا نہیں جس میں پاکستان کے لوگ سما سکیں بلکہ اُن ممالک میں پاکستان کی بیس فیصدی آبادی کا بسانا بھی ناممکن ہے

تھا یہ کہ کسی ملک سے دوگنی یا تگنی آبادی کو وہاں بسایا جا سکے۔ پس پاکستان کے ہر مسلمان مرد اور عورت کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس نے یا تو عزّت اور فتح کی زندگی بسر کرنی ہے یا عزّت اور فخر کی موت اس نے مرنا ہے۔ یہی ایک راستہ ہے جس پر ہر شریف انسان کو چلنا چاہیئے کہ یا وہ دشمن پر فتح پائے یا عزّت کی موت مرے۔

حیدرالدین میسور کا ایک مسلمان بادشاہ تھا جسے انگریزوں نے بہت بدنام کیا اور اس کے نام پر انہوں نے اپنے کُتّوں کا ٹیپو نام رکھا۔ یہ آخری مسلمان بادشاہ تھا جس میں اسلامی غیرت پائی جاتی تھی۔ حیدرآباد جو آج کئی قسم کی مشکلات میں پھنسا ہوا ہے اسنے ہر دفعہ میسور کی اس حکومت کو تباہ کرنے کے لئے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ جب بنگلور پر انگریزوں نے آخری حملہ کیا تو سلطان حیدالدین قلعہ کی ایک جانب فصیل کے پاس اپنی فوجوں کو لڑائی کے لئے ترتیب دے رہا تھا کہ ایک جرنیل اس کے پاس بھاگا بھاگا آیا اور اس نے کہا بادشاہ سلامت! اِس وقت کہیں بھاگ جائیے کسی غدار نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا ہے اور انگریزی فوج قلعہ کے اندر داخل ہو کر مارچ کرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی آرہی ہے، ابھی کچھ رستے خالی ہیں آپ آسانی سے اِن رستوں کے ذریعہ بھاگ سکتے ہیں۔ حیدرالدین نے نہایت حقارت کے ساتھ اُس کی طرف دیکھا اور کہا تم کہتے ہو مَیں بھاگ جاؤں۔ یاد رکھو شیر کی دو گھنٹہ کی زندگی گیدڑ کی دو سو سال کی زندگی سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ کہا اور تلوار اپنے ہاتھ میں لی اور سپاہیوں کے ساتھ مِل کر انگریزوں سے لڑتا ہوا مارا گیا اور اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ تو جرأت اور بہادری ایسی چیز ہے جو دُنیا میں انسان کا نام عزّت کے ساتھ قائم رکھتی ہے۔ تاریخوں میں کبھی تم نے بُزدلوں کے قصّے بھی پڑھے ہیں کہ فلاں نے جنگ کے موقع پر اِس اِس طرح بُزدلی دکھائی۔ کبھی تم نے بھگوڑوں کے قصّے بھی پڑھے ہیں جن کو تاریخ نے یاد رکھا ہو۔ کبھی تم نے کام چوروں کے قصّے بھی پڑھے ہیں۔ تاریخ میں جن لوگوں کو یاد رکھا جاتا ہے وہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو قوم کے لئے قربانیاں کرتے اور اپنی جانوں اور مالوں کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ یہ قربانیاں کرنے والے مرد بھی ہوتے ہیں، عورتیں بھی ہوتی ہیں

اور بچے بھی ہوتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں بھی اِن قربانیوں کی مثالیں پائی جاتی ہیں اور یورپین تاریخ میں بھی ان قربانیوں کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اور تو اور بعض نابالغ بچوں نے ایسی قربانیاں کی ہیں جن کی مثال بڑے بڑے بہادروں میں بھی نہیں ملتی۔ پس اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ کے الفاظ گو ایک رنگ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر چسپاں ہوتے ہیں مگر ایک رنگ میں آج پاکستان کے ہر فرد کے سامنے یہ الفاظ رہنے چاہئیں اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ خدا نے آپ لوگوں کو ایک آزاد حکومت دے دی ہے جس میں اسلامی طریقوں پر عمل کرنے کا آپ لوگوں کے لئے موقع ہے۔ اَب اِس دوسرے حصّہ کو پُورا کرنا مسلمانوں کا کام ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں، عبادتیں بجالائیں اور اپنی زندگی کو اسلامی زندگی بنائیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے ملک اور اپنی قوم اور اپنے مذہب کی عزّت بچانے کے لئے ہر قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ یہ دُو چیزیں ایسی ہیں کہ اگر مسلمان ان پر عمل کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان سے وعدہ کرتا ہے کہ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ وہ دشمن جو آج انہیں کُچلنا چاہتا ہے خود کُچلا جائے گا۔ وہ دشمن جو انہیں تباہ کرنا چاہتا ہے خود تباہ ہو جائے گا۔ صرف اُس احسان کے بدلے جو اللہ تعالیٰ نے اُن پر کیا ہے کہ اُس نے اُنہیں کوثر بخشا۔ اللہ تعالیٰ ان سے دُو باتیں چاہتا ہے ایک یہ کہ وہ اپنا دین درست کرلیں اور عبادت اور دعاؤں اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جائیں اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے دین اور مذہب کے لئے ہر قسم کی قربانیاں پیش کریں۔ جب وہ ایسا کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ یہ مت خیال کرو کہ تم تھوڑے ہو۔ یہ مت خیال کرو کہ تم کمزور ہو۔ اگر اس جذبہ اور نظریہ اور ایمان سے تم کھڑے ہو گے تو خدا بے غیرت نہیں، خدا بے وفا نہیں وہ چھوڑے گا نہیں جب تک وہ اس زبردست دشمن کو جو تم پر حملہ کر رہا ہے تباہ اور برباد نہ کر دے۔

یہ ایک چھوٹی سی سورۃ ہے مگر قومی فرائض اور ذمہ داریوں کی وہ تفصیل جو اِس

سورۃ میں بیان کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ سے امداد حاصل کرنے کے وہ ذرائع جو اس سورۃ میں بیان کئے گئے ہیں اُن کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے یہ سورۃ آج ہر پاکستانی کے سامنے رہنی چاہیئے۔ خصوصاً ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ اس سورۃ کے مضامین پر غور کرے اور اس کے مطابق اپنی عملی زندگی بنائے کیونکہ جماعتِ احمدیہ نے ایک نیا عہد خدا تعالیٰ سے باندھا ہے اور نئے عہد پُرانے عہدوں سے زیادہ راسخ ہوتے ہیں۔ انہوں نے دُنیا کے سامنے اعلان کیا ہے کہ ہم اسلام کی خدمت کریں گے اور ہم اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو قربان کر کے اسلام کا جھنڈا دُنیا کے کونے کونے میں گاڑ دیں گے۔ جب تک اپنے عمل سے وہ یہ ثابت نہیں کر دیتے کہ اُن میں سے ہر مرد اور ہر عورت اس عہد کے مطابق اپنی زندگی بسر کر رہا ہے۔ جب تک وہ یہ ثابت نہیں کر دیتے کہ اسلام کے لئے فدائیت اور جاں نثاری کا جذبہ اُن کا ایک امتیازی نشان ہے اور وہ اپنی ایک ایک حرکت اِسی جذبہ کے ماتحت رکھیں گے اس وقت تک اُن کا یہ دعوٰی کہ ہم اسلام کی خدمت کے لئے کھڑے ہوئے ہیں ایک باطل دعوٰی ہوگا اور ہر دوست اور دشمن کی نگاہ میں انہیں ذلیل کرنے والا ہوگا۔ مَیں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ ہر احمدی مرد اور عورت کو اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اپنی ذمہ داری سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور انہیں سچّے طور پر اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی قربانی کرنے کی طاقت بخشے تاکہ وہ اپنے مُنہ سے ہی یہ کہنے والے نہ ہوں کہ ہم قربانی کر رہے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فرشتے بھی آسمان پر اُن کی قربانیوں کو دیکھ کر تعریف کریں اور ان کی ترقی اور درجات کی بلندی کے لئے دعائیں کریں اور اللہ تعالیٰ موجودہ مصائب سے بچا کر مسلمانوں کو عزّت، آزادی اور ترقی کی زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔" [1]

کراچی میں پریس کانفرنس

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:-

"مَیں جب کراچی میں تھا تو ایک پریس کانفرنس کے دَوران میں مجھ سے پریس کے بعض نمائندوں نے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ سیکیورٹی کونسل

---

[1] قیامِ پاکستان اور ہماری ذمہ داریاں صفحہ ۴۹ تا ۵۶ (الناشر مہتمم نشر و اشاعت لاہور)

کشمیر کے مسئلہ کے متعلق کیا فیصلہ کرے گی؟ مَیں نے انہیں جواب دیا کہ میرے خیال میں سیکیورٹی کونسل کا فیصلہ عقل اور انصاف پر مبنی نہیں ہوگا بلکہ جو فریق ان کی جھولی میں زیادہ خیرات ڈالے گا وہ اس کے حق میں ووٹ دیں گے۔ مَیں نے ان سے کہا کہ میرے خیال میں انڈین یونین نے ان کی جھولیوں میں کچھ ڈال دیا ہے اِس لئے مجھے اچھے آثار نظر نہیں آتے۔ پریس کے ایک نمائندہ نے کہا کہ پھر آپ سر ظفر اللہ کو تار کیوں نہیں دیتے؟ مَیں نے جواباً کہا کہ سر ظفر اللہ میرے ملازم نہیں بلکہ پاکستان حکومت کے ملازم ہیں ان کی ملازمت کی ذمہ داریوں میں دخل دینا میرے لئے ہر گز جائز نہیں یہ پاکستان حکومت کا کام ہے کہ وہ اُن کو مشورہ دے کہ اس موقع پر ان کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے“ [1]

جماعتِ احمدیہ کو تین بُنیادی نصائح

۱۹؍امان؍مارچ کو حضور کو کراچی سے روانہ ہونا تھا۔ اس روز حضور نے اپنے خطبہ جمعہ میں جماعتِ احمدیہ کو تین بنیادی نصائح فرمائیں جن کی تفصیل حضور ہی کے مبارک الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے۔ فرمایا:-

”جس طرح انسان پر بچپن کا زمانہ آتا ہے اسی طرح قوموں پر بھی ایک بچپن کا زمانہ آتا ہے۔ جب خدا کسی جماعت کو دُنیا میں قائم کرتا ہے تو کچھ عرصہ اسے سیکھنے کا موقعہ دیتا ہے مگر پھر اس پر ایک دوسرا زمانہ آتا ہے جب وہ قوم بالغ ہو جاتی ہے اور اس پر ویسی ہی ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں جیسے بالغوں پر عائد ہوتی ہیں تب بہت سی باتیں جو طفولیت میں معاف ہوتی ہیں اور غلطی ہونے پر چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے بلوغت کے زمانہ میں نہ وہ باتیں اسے معاف ہوتی ہیں اور نہ غلطی واقعہ ہونے پر اس سے چشم پوشی کا سلوک کیا جاتا ہے۔ ہماری جماعت پر بھی بلوغت کا زمانہ آرہا ہے اور خدا تعالیٰ کے فعل نے بتا دیا ہے کہ ہماری جماعت اب ان راستوں پر نہیں چل سکتی جن پر وہ پہلے چلا کرتی تھی بلکہ اب اسے وہ راستہ اختیار کرنا پڑے گا جو قربانی اور ایثار کا راستہ ہے اور جس پر چلے بغیر آج تک کوئی قوم بھی کامیاب نہیں ہوئی۔ ہندوستان میں احمدیوں کی آبادی کا زیادہ تر حصہ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ستّر فیصدی حصہ پنجاب میں

[1] الفضل ۲۲؍امان؍مارچ ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴

تھا۔ اَب چونکہ مشرقی پنجاب کے مسلمان بھی اِدھر آچکے ہیں اِس لئے اَب اسّی۸۰ فیصدی بلکہ اس سے بھی زیادہ حصّہ ہماری جماعت کے افراد کا پاکستان میں آچکا ہے اور بوجہ آزاد گورنمنٹ کا ایک حصّہ ہونے کے ان پر بھی ویسی ہی ذمہ داریاں عائد ہیں جیسی آزاد قوموں پر عائد ہوتی ہیں۔ یہ امر ظاہر ہے کہ آزاد قوموں کو جنگ بھی کرنی پڑتی ہے یہ تو نہیں کہ جنگ کے اعلان پر وزیر جا کر لڑا کرتے ہیں یا سیکرٹری جا کر لڑا کرتے ہیں۔ بہرحال افراد ہی لڑا کرتے ہیں اور اگر کسی ملک کے افراد اپنی ذمہ داری کو نہ سمجھیں تو جنگ میں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہوتا ہے کہ افراد میں قومیت کا احساس ہو۔ اگر لڑنے والے افراد میں قومیت کا احساس نہیں ہوگا تو لازماً ان میں کمزوری پیدا ہوگی اور یہ کمزوری ان کی کامیابی میں حائل ہو جائے گی۔ پس بوجہ اس کے کہ اسّی بلکہ پچاسی فیصدی احمدی آزاد اسلامی حکومت میں آگئے ہیں ان کا فرض ہے کہ اَب وہ پورے طور پر اپنے اندر تغیّر پیدا کریں تا کہ اگر ملک اور قوم کے لئے کوئی خطرہ درپیش ہو تو وہ اس وقت قربانی اور ایثار کا نمونہ دکھا سکیں اور اس طرح ملک کی کامیابی کی صورت پیدا کر دیں۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ملکی دفاع کے لئے ہر فرد پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ بعض بعض انسانوں اور جماعتوں کو لیڈر بننے کی توفیق عطا کی جاتی ہے۔ اگر لیڈر آگے آجاتے ہیں تو ساری قوم ان کے پیچھے چل پڑتی ہے۔ اور اگر لیڈر آگے نہیں آتے تو قوم میں سُستی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ لیڈر بعض دفعہ افراد ہوتے ہیں اور بعض دفعہ قومیں ہوتی ہیں۔ وہ قومیں ایسی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں کہ لوگ ہر اہم موقع پر ان کی طرف دیکھتے ہیں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ کیا کر رہی ہیں۔ ہماری جماعت کی بھی خواہ لوگ کتنی مخالفت کریں اسے ایسی پوزیشن ضرور حاصل ہوگئی ہے کہ لوگ ہماری جماعت کی طرف دیکھتے ہیں اور وہ اس جستجو میں رہتے ہیں کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ اگر آئندہ آنیوالے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہماری جماعت ہر وقت آمادہ رہے گی اور

پاکستان کو جب کوئی خطرہ پیش آیا وہ سب سے بڑھ کر اس کے لئے قربانی کرے گی تو لازمی طور پر دوسرے مسلمان بھی ہماری جماعت کی نقل کرنے کی کوشش کریں گے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ آگے بڑھنے کی کوشش کریں اور اس طرح لوگوں کو بتائیں کہ ملک اور قوم کی خدمت کے معاملہ میں ہم جماعتِ احمدیہ کے افراد سے پیچھے نہیں بلکہ آگے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کو فائدہ پہنچ جائے گا چاہے وہ ایسا طریق ہمارے بُغض کی وجہ سے اختیار کریں یا رشک کی وجہ سے کریں یا مقابلہ کی خواہش کی وجہ سے کریں۔ بہرحال جتنے لوگ آگے آئیں گے اتنا ہی یہ امر ملک کے لئے مفید اور بابرکت ہوگا پس جماعت کو اپنی ذمہ داریاں سمجھنی چاہئیں مگر ذمہ داریوں کا احساس آپ ہی آپ پیدا نہیں ہو جاتا۔ اس کے لئے پہلے اپنی ذہنیت میں تغیر پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جب تک وہ ذہنیت پیدا نہ ہو اس وقت تک لوگوں کا وجود نفع رساں نہیں ہو سکتا اس ذہنیت کو پیدا کرنے کے لئے سب سے پہلی چیز جس کو مدِّ نظر رکھنا ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ وقت کی قیمت کا احساس ہے۔ ہمارے ملک میں لوگوں کو وقت ضائع کرنے کی عام عادت ہے۔ بازار میں جاتے ہوئے کوئی شخص مل جائے تو السلام علیکم کہہ کر اس سے گفت گو شروع کر دیں گے اور پھر وہ دو دو گھنٹے تک باتیں کرتے چلے جائیں گے۔[1] ... مَیں اس کے لئے آپ لوگوں کو ایک موٹا طریق بتاتا ہوں۔ اگر آپ لوگ اسے اختیار کر لیں تو یقیناً آپ سمجھ سکیں گے کہ آپ اپنے وقت کا بہت بڑا حصہ غیر ضروری بلکہ لغو باتوں میں ضائع کر دیتے ہیں۔ وہ طریق یہ ہے کہ چند دن آپ اپنے روزمرہ کے کام کی ڈائری لکھیں جس میں یہ ذکر ہو کہ مَیں فلاں وقت اُٹھا۔ پہلے مَیں نے فلاں کام کیا پھر فلاں کام کیا۔ دن کو تین حصوں میں تقسیم کر لیں اور ہر حصہ کے ختم ہونے پر ۵-۱۰ منٹ تک نوٹ کریں کہ آپ اس عرصہ میں کیا کرتے رہے ہیں۔ اِس طرح آٹھ دس دن مسلسل ڈائری لکھنے کے بعد دوبارہ اپنی ڈائری پر نظر ڈالیں اور نوٹ کریں کہ ان میں سے کون کون سے کام غیر ضروری تھے۔ اس کے بعد آپ اندازہ لگائیں کہ روزانہ ۲۴ گھنٹوں میں سے کتنا وقت

---

[1] یہاں حضور نے بطور مثال دو چشم دید واقعات سُنائے جو منٹگمری اور کلّو میں پیش آئے تھے۔ (مؤلف)

آپ نے ضروری کاموں میں صرف کیا اور کتنا غیر ضروری کاموں میں صرف کیا۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ بہت جلد یہ اندازہ لگا سکیں گے کہ آپ کی بہت سی زندگی رائیگاں چلی جا رہی ہے۔ زیادہ عرصہ نہیں صرف آٹھ دس دن ایسا کرنے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جن کاموں کو آپ بوجھ محسوس کرتے ہیں یہاں تک کہ بعض دفعہ گھنٹہ گھنٹہ بھر یہی کہتے چلے جاتے ہیں کہ مر گئے بہت بڑا بوجھ آپڑا ہے ذرا بھی فرصت نہیں ملتی۔ ان کاموں میں آپ بہت تھوڑا وقت صرف کرتے ہیں اور اکثر حصہ لغو کاموں میں ضائع کر دیتے ہیں۔ پس ایک تو یہ تبدیلی اپنے اندر پیدا کرو کہ وقت ضائع کرنے سے بچو اور اسے زیادہ سے زیادہ قیمتی کاموں میں صرف کرنے کی کوشش کرو۔ دوسری چیز جس کی مَیں جماعت کو نصیحت کرنی چاہتا ہوں (بلکہ اصل میں تو یہ پہلی نصیحت ہونی چاہیئے تھی) وہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کے ہر فرد کو قرآن کریم پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ہماری ساری ضرورتیں قرآن کریم سے پوری ہو سکتی ہیں۔ اور یہ ایک ایسی قطعی اور یقینی حقیقت ہے جس میں شبہ کی کوئی بھی گنجائش نہیں۔ آپ لوگ میرے مرید ہیں اور مرید کی نگاہ میں اپنے پیر کی ہر بات درست ہوتی ہے۔ بعض دفعہ اس کی کوئی بات اسے بُری بھی لگتی ہے تو وہ کہتا ہے سبحان اللہ کیا اچھی بات کہی گئی ہے۔ پس آپ لوگوں کا سوال نہیں کہ آپ میرے متعلق کیا کہتے ہیں، مَیں کہتا ہوں غیروں کا میرے متعلق کیا تجربہ ہے۔ غیر احمدیوں کی کوئی مجلس ہو۔ خواہ پروفیسروں کی ہو خواہ سائنس کے ماہرین کی ہو خواہ علم الاقتصاد کے ماہرین کی ہو میرے ساتھ مختلف دنیوی علوم سے تعلق رکھنے والے افراد نے جب بھی بات کی ہے انہوں نے محسوس کیا ہے کہ میرے ساتھ گفتگو کر کے انہوں نے اپنا وقت ضائع نہیں کیا بلکہ فائدہ ہی اُٹھایا ہے۔ کثرت کے ساتھ ہر طبقہ کے لوگ مجھ سے ملتے رہتے ہیں مگر ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہُوا کہ انہوں نے میری علمی برتری اور فوقیت کو تسلیم نہ کیا ہو۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے ماہر فوجیوں کو بھی مَیں نے دیکھا ہے مجھ سے گفتگو کر کے وہ یہی محسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے مجھ سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ یوں میری تعلیم کے متعلق جب وہ مجھ سے سوال کرتے ہیں مجھے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ

مَیں نے پرائمری بھی پاس نہیں کی لیکن جب علمی رنگ میں گفتگو شروع ہو تو انہیں میری علمی فوقیت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ایک ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی یا ایک پروفیسر یا ایک ڈاکٹر یا ایک فوج کا ماہر بعض دفعہ وہ کچھ بیان نہیں کر سکتا جو خدا تعالیٰ میری زبان سے بیان کروا دیتا ہے۔ اِس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ ان کے علم کا منبع زید اور بکر کی کتابیں ہیں لیکن میرے سارے علم کا منبع خدا تعالیٰ کی کتاب ہے۔ یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ وہ قرآن کریم کو دوسرے لوگوں کی عینک لگا کر پڑھتے ہیں۔ اور چونکہ وہ اِس مفسّر یا اُس مفسّر کی عینک لگا کر قرآن کریم پڑھتے ہیں اِس لئے ان کی نظر قرآنی معارف کی تہہ تک نہیں پہنچتی۔ وہ وہیں تک دیکھتے ہیں جہاں تک اس مفسّر نے دیکھا ہوتا ہے لیکن مجھے خدا تعالیٰ نے شروع سے یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ مَیں نے خدا تعالیٰ کے کلام کو کبھی انسان کی عینک سے نہیں دیکھا۔ جس دن سے مَیں نے قرآن کریم پڑھا ہے مَیں نے یہ سمجھ کر نہیں پڑھا کہ مجھے یہ قرآن رازی کی معرفت ملا ہے یا علامہ ابوحیّان کی معرفت ملا ہے یا ابن جریر کی معرفت ملا ہے بلکہ مَیں نے یہ سمجھ کر اسے پڑھا ہے کہ مجھے یہ قرآن براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے بے شک واسطہ بنایا ہے لیکن مجھے اس نے خود مخاطب کیا ہے اور جب اس نے مجھے خود مخاطب کیا ہے تو معلوم ہؤا کہ میرے سمجھنے کے لئے تمام سامان اس میں رکھ دیا ہے۔ اگر سامان نہ ہوتا تو مجھے مخاطب ہی نہ کرتا۔ اس رنگ میں قرآن کریم کو پڑھنے کی وجہ سے جو فائدہ مَیں نے اُٹھایا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد اَور کسی نے نہیں اُٹھایا کیونکہ مَیں نے اپنے تصوّر میں خدا تعالیٰ کو اپنے سامنے بٹھا کر اس سے قرآن کریم پڑھا ہے اور دوسرے لوگوں نے انسانوں سے قرآن کریم کو پڑھا ہے اِسی لئے مجھے قرآن کریم سے وہ علوم عطا ہوئے ہیں جو دوسروں کو عطا نہیں ہوئے اور اسی وجہ سے ہر علم والے پر اللہ تعالیٰ مجھے کامیابی دیتا چلا آیا ہے۔ اکثر دفعہ ایسا ہؤا ہے کہ فریق مخالف نے مجھ سے گفتگو کر کے تسلیم کیا ہے کہ وہی بات درست ہے جو مَیں پیش کر رہا ہوں اور اگر کوئی ضدّی بھی تھا تو بھی وہ میری برتری کلام کا انکار نہیں کر سکا۔ غرض قرآن کریم میں ایسے

علوم موجود ہیں جو دوسری کتب میں نہیں۔ پھر یہ کیسی بدقسمتی ہو گی کہ ہمارے گھر میں تو خزانہ پڑا ہو اور ہم دوسروں سے پیسہ پیسہ مانگ رہے ہوں۔ ہمارے گھر میں سونے کی کان پڑی ہو اور ہم دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کر رہے ہوں۔ قرآن کریم کی موجودگی میں دوسروں سے علم حاصل کرنے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے خزانہ رکھنے والا دوسروں سے ایک پیسہ مانگنے لگ جائے۔ پس قرآن کریم پڑھنے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس کے لئے کسی لمبے غور اور فکر کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل سے ایسے علوم عطا فرمائے ہیں جس سے بہت آسانی کے ساتھ لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ میری کتابیں پڑھیں ان سے بہت جلد وہ قرآنی علوم سے آگاہ ہو جائیں گے۔[1]

"تیسری بات جس کی مَیں جماعت کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کے افراد اپنے عمل میں درستی پیدا کریں۔ چھوٹی چھوٹی باتیں جن کے چھوڑنے میں کوئی بھی دِقّت نہیں مَیں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک انہی باتوں کو ہماری جماعت کے افراد نہیں چھوڑ سکے۔ مثلاً ڈاڑھی رکھنا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں ہماری جماعت میں ایسے کئی لوگ موجود ہیں جو ڈاڑھی نہیں رکھتے حالانکہ اس میں کونسی دِقّت ہے۔ آخر ان کے باپ دادا ڈاڑھی رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر رکھتے تھے تو پھر اگر وہ بھی ڈاڑھی رکھ لیں تو اس میں کیا حرج ہے پھر باپ دادا کو جانے دو سوال یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ڈاڑھی رکھتے تھے یا نہیں۔ اگر رکھتے تھے تو آپ کی طرف منسوب ہونے والے افراد کیوں ڈاڑھی نہیں رکھ سکتے۔ مجھ سے ایک دفعہ ایک نوجوان نے بحث شروع کر دی کہ ڈاڑھی رکھنے میں فائدہ کیا ہے۔ وہ میرا عزیز تھا اور ہم کھانا کھا کر اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔ اور چونکہ فراغت تھی اِس لئے بڑی دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ جب مَیں نے دیکھا کہ وہ کج بحثی کر رہا ہے تو مَیں نے اسے کہا مَیں مان لیتا ہوں کہ ڈاڑھی رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ آخر تم مجھ سے یہی منوانا چاہتے ہو سو مَیں مان لیتا ہوں کہ ڈاڑھی رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اس پر وہ خوش ہُوا کہ آخر اس کی بات تسلیم کر لی گئی ہے۔ مَیں نے کہا مَیں تسلیم کر لیتا ہوں کہ اس میں کوئی

---

[1] الفضل ۱۴؍ اپریل ۱۹۴۸ء صفحہ ۳ ٭

بھی خوبی نہیں مگر تم بھی ایک بات مان لو اور وہ یہ کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بات مان لینے میں ساری خوبی ہے۔ بے شک ڈاڑھی رکھنے میں کوئی بھی خوبی نہ ہو مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بات مان لینے میں ساری خوبی ہے۔ جب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ ڈاڑھی رکھو تم بے شک سمجھو کہ یہ چیز ہر رنگ میں مضر اور نقصان دہ ہے مگر کیا بیسیوں مضر چیزیں ہم اپنے دوستوں کی خاطر اختیار نہیں کر لیا کرتے۔ اوّل تو مجھے ڈاڑھی رکھنے میں کوئی ضرر نظر نہیں آتا لیکن سمجھ لو کہ یہ مضر چیز ہے پھر بھی جب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں کہ ڈاڑھی رکھو تو ہماری خوبی آیا اس میں ہے کہ ہم ڈاڑھی نہ رکھیں یا اس میں ہے کہ ڈاڑھی رکھیں۔ آخر ایک شخص کو ہم نے اپنا آقا اور سردار تسلیم کیا ہوا ہے جب ہمارا آقا اور سردار کہتا ہے کہ ایسا کرو تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اسکے حکم کے پیچھے چلیں خواہ اس کے حکم کی ہمیں کوئی حکمت نظر نہ آئے صحابہؓ کو دیکھو ان کے دلوں میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا کتنا عشق تھا۔ ڈاڑھی کے متعلق تو ہم دلیلیں دے سکتے ہیں اور ڈاڑھی رکھنے کی معقولیت بھی ثابت کر سکتے ہیں لیکن صحابہؓ بعض دفعہ اس طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بات سنکر اس پر عمل کرنے کے لئے بے تاب ہو جاتے تھے کہ بظاہر اس کی معقولیت کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم تقریر فرما رہے تھے کہ آپؐ نے کناروں پر کھڑے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اُس وقت گلی میں سے آ رہے تھے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ ان کے کانوں میں بھی پڑ گئے اور وہ وہیں گلی میں بیٹھ گئے اور بچوں کی طرح گھسٹ گھسٹ کر انہوں نے مسجد کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ایک دوست ان کے پاس سے گزرے تو انہیں کہنے لگے عبداللہ بن مسعود تم اتنے معقول آدمی ہو کر یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ابھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی آواز میرے کان میں آئی تھی کہ بیٹھ جاؤ اس پر میں بیٹھ گیا۔ انہوں نے کہا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خطاب آپ سے تو نہیں تھا انہوں نے تو یہ بات ان لوگوں سے کہی تھی جو مسجد میں آپؐ کے سامنے کھڑے تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو بے شک

آپ کا یہی مطلب ہوگا لیکن مجھے یہ خیال آیا کہ اگر مَیں مسجد پہنچنے سے پہلے پہلے مر گیا تو ایک بات رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بغیر عمل کے رہ جائے گی اس لئے مَیں گلی میں ہی بیٹھ گیا تا کہ آپ کے حکم پر عمل کرنے کا ثواب حاصل کر سکوں۔

یہ ایمان ہے جو صحابہؓ کے اندر پایا جاتا تھا اور یہی ایمان ہے جو انسان کی نجات کا باعث بنتا ہے۔۔۔

پس تیسری بات جس کی طرف مَیں جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم ہر قسم کے اسلامی احکام کو قائم کرو اور ایسا نمونہ پیش کرو جو لوگوں کو خود بخود عمل کی تحریک کرنے والا ہو۔ شیعہ ہو، سُنّی ہو، کوئی ہو ہر ایک کے پاس جاؤ اور اسے منت سے، سماجت سے، ادب سے، محبت سے کہو اور بار بار کہو کہ یہ اسلامی حکم ہے میرا نہیں آپ کو اگر حضرت مرزا صاحبؑ سے مخالفت ہے تو کیجئے مخالفت۔ اگر احمدیت کو آپ جھوٹا سمجھتے ہیں تو کہئے جھوٹا۔ مگر یہ حکم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے میرا یا کسی اَور کا نہیں اس لئے اِس حکم پر عمل خود آپ کے لئے بھی ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ کسی اَور کے لئے۔۔۔ یہی طریق ہے جو اسلامی احکام کو قائم کرنے کے لئے تمہیں اختیار کرنا چاہئیے۔ تم مسلمانوں سے کہو کہ ہمیں بے شک گالیاں دیجئے، ہمیں بُرا بھلا کہئے مگر یہ حکم ہمارا نہیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے اِس لئے ہماری خاطر نہیں بلکہ اپنے آقا اور مطاع کی خاطر اس حکم پر عمل کریں۔"[1]

سفرِ پشاور کراچی کا شہر اگر بحری شاہراہ پر واقع ہونے کے باعث پاکستان بھر میں ایک خاص امتیاز رکھتا ہے تو پشاور کو درّۂ خیبر کا دروازہ ہونے کی قدیم تاریخی حیثیت حاصل ہے جہاں سے اُٹھائی ہوئی تحریک کے اثرات پاکستان کے پورے شمال مغربی سرحدی علاقے پر ہی نہیں پاکستان کے ہمسایہ ممالک چین، افغانستان، ایران اور روس پر بھی ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اسی اہمیّت کے پیشِ نظر کراچی کے بعد پشاور کی سرزمین کو اپنے وجود سے برکت بخشی اور قریباً ایک ہفتہ تک قیام فرما رہے۔

---

[1] الفضل ۱۴ شہادت / اپریل ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۶-۵

حضرت امیر المومنین ۳ ماہ شہادت/اپریل کو نمازِ عشاء کے بعد لاہور کے اسٹیشن پر تشریف لائے لاہور کے احمدی حضور کو الوداع کہنے کے لئے وہاں موجود تھے۔ حضور احباب کی خاطر گاڑی کی روانگی تک ٹرین کے دروازہ میں ہی کھڑے رہے۔ گاڑی ۹½ بجے رات روانہ ہو کر گوجرانوالہ پہنچی تو متعدد احمدی دوست اپنے محبوب آقا کی زیارت و استقبال کے لئے پلیٹ فارم پر موجود تھے اسی طرح وزیر آباد، لالہ موسیٰ، جہلم اور راولپنڈی کی جماعتوں کے دوست بھاری تعداد میں اسٹیشنوں پر حضور کے استقبال کے لئے آتے رہے۔

کیمبل پور اسٹیشن پر نہ صرف احمدی موجود تھے بلکہ غیر احمدی دوست بھی حضورؓ کی زیارت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ یہ سب قطاروں میں کھڑے تھے حضورؓ نے ٹرین سے نیچے اُتر کر ہر ایک سے مصافحہ کیا اور مصافحہ کے دوران میں چوہدری اعظم علی صاحب سب جج درجہ اول ہر آدمی کا تعارف کراتے جاتے تھے۔ ایک دوست کا نام چوہدری اعظم علی صاحب نے محمدؐ جہان بتایا اس دوست کے پاس حضور کھڑے ہو گئے اور پوچھا آپ کا نام محمدؐ جعفر نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضور میرا نام محمدؐ جعفر ہی ہے۔ اِس پر چوہدری صاحب نے کہا کہ حضور میں نام ادا نہیں کر سکا۔ لاکھوں کی جماعت کے امام کو اپنے خدام کے اِس طرح نام یاد ہونا حیرت انگیز چیز تھی۔

نوشہرہ چھاؤنی پر چالیس احمدی اور تیس غیر احمدی دوست حضورؓ کی زیارت کے لئے موجود تھے حضور نے ان سب کو مصافحہ کا شرف بخشا اور مصافحہ کے دَوران میں مرزا اللہ دتّہ صاحب سیکرٹری مال دوستوں کا تعارف کراتے جاتے تھے۔ اِس کے بعد جماعت کی طرف سے حضور کی خدمت میں اور آپ کے ساتھ والے قافلہ کو ناشتہ پیش کیا گیا۔ مرزا غلام حیدر صاحب امیر جماعت مقامی نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور غیر احمدی دوست اِس بات کے خواہشمند ہیں کہ حضورؓ ان کو کچھ نصائح فرمائیں۔ اِس پر حضور نے ٹرین سے اُتر کر مختصر خطاب فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ زندوں کی خرابیاں اگر دُور ہو جائیں گی تو خدا تعالیٰ ان کے مَرے ہوئے بزرگوں کی قبروں کی درستی اور حفاظت کے سامان بھی کر دے گا اور مسلمانوں کے استحکام کے سامان پیدا ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اسلام کے ساتھ محبت کرتا ہے اور وہ اسلام کے ساتھ محبت کرنے والوں کو کبھی ذلیل نہیں کرے گا۔ وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی محبت اپنے دِلوں میں پیدا کریں گے اور اپنے ظاہر کو

درست کر لیں گے اور نمازوں کو قائم کریں گے تو خدا تعالیٰ ان کے باطن کو بھی درست کر دے گا۔

اس مختصر مگر درد انگیز اور پُر اثر خطاب کے بعد حضور ٹرین کے ڈبہ میں بیٹھ گئے۔ سیکرٹری مال صاحب نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ جو لوگ فوج سے ریلیز ہو رہے ہیں ان کے متعلق حضور کی کیا ہدایت ہے؟ حضور نے فرمایا ان کو ریلیز نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد تکبیر کے نعروں میں ٹرین پشاور کے لئے روانہ ہو گئی۔

گاڑی پشاور شہر کے اسٹیشن پر

جب گاڑی پشاور شہر کے اسٹیشن پر رُکی تو پشاور کی جماعت کے پچاس کے قریب دوست استقبال کے لئے وہاں موجود تھے انہوں نے قطار میں کھڑے ہو کر حضور سے مصافحہ کیا ازاں بعد گاڑی پشاور چھاؤنی اسٹیشن پر پہنچی۔ یہاں صوبہ سرحد کی مختلف جماعتوں مثلاً کوہاٹ، چارسدہ، مردان، پشاور اور اردگرد کے دیہات کے احمدی احباب قریباً ۵۰۰ کی تعداد میں موجود تھے پچاس کے قریب غیر احمدی دوست بھی زیارت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ یہ سب کے سب صف بستہ کھڑے تھے۔ جس ڈبہ میں حضور سوار تھے چونکہ وہ جماعت کے متوقع مقام سے پرے ٹھہرا اس لئے صفوں کو وہاں سے ہلا کر پیچھے لانا پڑا اور از سرِ نو ترتیب کی ضرورت محسوس ہوئی اس میں پانچ سات منٹ کے قریب وقت صرف ہوا اس دوران میں حضور جماعت کے مشورہ کے مطابق گاڑی کے ڈبہ کے دروازہ میں ہی کھڑے رہے اور میجر جنرل نذیر احمد صاحب سے گفتگو فرماتے رہے۔ حضور نے گاڑی کے دونوں طرف آبادی کو دیکھ کر فرمایا آج یہ نظارہ دیکھ کر مجھے اپنا ایک پرانا خواب یاد آگیا ہے۔ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں پشاور ٹرین میں بیٹھ کر آیا ہوں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ گاڑی ایک شہر کی گلی میں سے گزر رہی ہے چنانچہ اِس وقت گاڑی کے دونوں طرف آبادی دیکھ کر مجھے اپنا رُؤیا یاد آگیا ہے اور میرے آنے سے آج پُورا ہو گیا ہے۔

اتنے میں صفوں کو دوبارہ ترتیب دے دی گئی اور شیخ مظفر الدین صاحب امیر جماعت مقامی نے حضور کی خدمت میں گاڑی سے اُترنے کے لئے عرض کیا۔ حضور گاڑی سے اُترے اور دوستوں سے مصافحہ کرنا شروع کیا۔ مصافحہ کے دوران میں قاضی محمد یوسف صاحب آف ہوتی امیر جماعت خان شمس الدین صاحب نائب امیر مقامی اور محمد اکرم خان صاحب تعارف کراتے جاتے تھے۔ مصافحہ ختم ہونے پر حضور مع قافلہ ۴۔ اپریل کو پونے دس بجے صبح شیخ مظفر الدین صاحب کے بنگلہ پر

رہائش کے لئے تشریف لے گئے۔ [1]

پشاور میں پہلا پبلک لیکچر

۵۔ ماہ شہادت / اپریل کو حضرت مصلح موعودؓ کا سپیشل گورنمنٹ ہال بیرون کچہری دروازہ (پشاور شہر) میں "پاکستانیوں سے کھلی کھلی باتیں" کے عنوان سے ایک شاندار لیکچر ہوا۔ ہال اور بیرونی احاطہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ لاؤڈ سپیکر کا بھی انتظام تھا۔ اہل پشاور نے نہایت خاموشی سے حضور کی تقریر سنی اور حضور کے خطاب کے دوران حاضرین پر سناٹا چھا گیا۔ اِس لیکچر کا لوگوں پر نہایت خوشگوار ردِ عمل ہوا اور انہوں نے برملا ایک دوسرے سے کہا کہ جس شخص کو کافر کہا جاتا تھا اس نے تو آنحضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے ارشادات پیش کئے۔ [2]

تورخم میں ورود مسعود

۶۔ ماہِ شہادت / اپریل کو حضور تورخم تشریف لے گئے جو پاکستان اور افغانستان کی سرحد پر ایک مشہور جگہ ہے۔ مولانا عبدالرحیم صاحب درد کے ایک غیر مطبوعہ مکتوب سے اس سفر کے حالات پر مختصر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حضورؓ نے اِس سفر کے دوران فرمایا چار سَو سال ہوئے جب ہمارے باپ دادا اِس راستہ سے برّ صغیر میں آئے تھے۔ تورخم میں جماعت کی طرف سے ایک فوٹو گرافر کا پہلے سے خصوصی انتظام تھا۔ حضور نے پشاور کالج سے لے کر لنڈی کوتل کیمپ تک کی مساجد، قلعے اور سٹیشن موٹر سے دیکھے اور اس درد کا اظہار فرمایا کہ حکومت کی امداد کے سوا اس علاقہ کے باشندوں کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ حضورؓ نے تجویز فرمائی کہ ان علاقوں میں انڈسٹری جاری کرنی چاہیئے۔ تورخم سے واپسی پر حضور لنڈی کوتل پہنچے جہاں حضور کے اعزاز میں ایک وسیع اور پُر تکلّف ضیافت کا اہتمام تھا اور بہت سے سربرآوردہ لوگ جن میں پاسپورٹ آفیسر، خیبر کے ایک لیفٹیننٹ کرنل اور سوات کے شہزادہ بھی شامل تھے بکثرت مدعو تھے۔ لنڈی کوتل سے حضور جمرود آئے اور مختصر سے قیام کے بعد واپس پشاور میں رونق افروز ہو گئے۔

---

[1] الفضل ۸ شہادت / اپریل ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔

[2] ریکارڈ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء۔

لنڈی کوتل کے شنواری اور آفریدی سرداروں کے ایک وفد کی ملاقات

اگلے روز، شہادت ۱۰/ اپریل کو لنڈی کوتل کے شنواری اور آفریدی سرداروں کے ایک وفد کو (جو بارہ[۱۲] معززین پر مشتمل تھا) حضرت مصلح موعودؓ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اورینٹ پریس کے نامہ نگار نے اِس وفد کی آمد پر حسب ذیل لفظوں میں خبر دی:۔

جماعتِ احمدیہ کی بے مثال شجاعت کا اعتراف

پشاور ۹/ اپریل۔ اورینٹ پریس کا نامہ نگار رقمطراز ہے کہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ سے لنڈی کوتل کے شنواری اور آفریدی سرداروں کے ایک وفد نے ملاقات کی۔ آپ نے ان پٹھان سرداروں سے پوچھا کہ وہ ملاقات کرنے کی کیوں خواہش رکھتے تھے؟ انہوں نے جواب میں کہا قادیان کے احمدیوں نے نہایت جانبازی سے اپنے شہر کی حفاظت کی۔ ہم مسلمانوں کے اِس بہادر فرقے کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی عقیدت کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ حضرت امام جماعت احمدیہ نے پٹھان سرداروں کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا مسلمان بہادر ہی ہوتے ہیں وہ کبھی بزدلی نہیں دکھاتے۔ پاکستان کی اقتصادی حالت کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا میرے خیال میں ہندوستان کے مقابلہ میں پاکستان کی اقتصادی حالت بہت بہتر ہے کیونکہ ہمارے وسائل اور ذرائع بہت وسیع ہیں۔ کشمیر کے متعلق سوالات کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا وہ دن دُور نہیں ہیں کہ جب کشمیر پاکستان کا ایک حصہ بن جائے گا۔ ابتداء میں انڈین یونین کشمیر کے معاملہ کو ایک آسان کام سمجھتی تھی لیکن اس سلسلہ میں اسے نہایت تلخ تجربہ ہوا ہے۔ مسلمان عوام بالعموم اور قبائلی پٹھان بالخصوص کشمیر کو پاکستان میں شامل کرانے کا تہیہ کر چکے ہیں کیونکہ وہ پاکستان حکومت کو اپنی حکومت سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو اس سے علیحدہ تصور نہیں کرتے۔ درحقیقت پاکستان کا دارومدار کشمیر پر ہی ہے۔ (او، پی، آئی) [۱]

---

[۱] الفضل ۱۰/ اپریل ۱۹۴۸ء صفحہ ۸

اخبار "الجمعیۃ" (پشاور) میں حضرت مصلح موعودؓ کا اہم بیان

اِس وفد کے بعد ہفت روزہ اخبار "الجمعیۃ" (پشاور) کے مدیر سید محمد حسن گیلانی حضورؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے دورانِ ملاقات حضور نے جو بیان دیا وہ "الجمعیۃ" (۷، اپریل ۱۹۴۷ء) میں شائع ہوا جس کا متن حسبِ ذیل ہے:-

"امیر جماعتِ احمدیہ پشاور میں

جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب قادیانی اِن دنوں پشاور میں تشریف فرما ہیں آپ نے بڑی عنائت فرما کر مجھے ملاقات کا شرف بخشا اور ایک بیان دیتے ہوئے فرمایا "آج آفریدی قبائل کے ایک نمائندہ وفد نے ملاقات کی جس میں خان بہادر ملک مراد خان، نواب زادہ محمد علی خان، ملک لطیف خان، ملک ولی خان، ملک امیر خان، اکبر حسین، ملک جان، ملک نیاز محمد خان، ملک ہوات خان و حاجی عامل خان، شہزادہ نواب دین شامل تھے۔ اور مَیں نے لوگوں سے سوال کیا کہ آپ لوگ مجھے ملنے کی کیوں خواہش کرتے ہیں۔ اِس پر اُنہوں نے جواب دیا کہ ہمارے قادیان کے بھائیوں نے جس استقلال بہادری اور جوانمردی کا گزشتہ چند ماہ میں ثبوت دیا ہے اُس کی مثال ملنی اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے اور ہم پورے وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس فرقہ یا قوم میں اِس قسم کی بہادری پائی جائے یقیناً اُس کا لیڈر (امیر یا پیر) ضرور بہادر ہوگا اور ہمیں بہادر ہونے کا دعویٰ ہے اِس لئے اِس کو اپنا فرض جانتے ہیں کہ بہادروں کی قدر کریں اور اُن کے رہبر کے سامنے اپنی عقیدت پیش کریں۔ اِس پر مَیں نے جواب میں کہا کہ مسلمان ہمیشہ سے بہادر رہیں اور اُس وقت تک وہ بہادر رہیں گے اور بزدلی اُن کے نزدیک نہ پھٹکے گی جس وقت تک وہ اپنے عقیدے سے منحرف نہ ہو جائیں۔

(۲) اِس کے بعد مَیں نے پاکستان کی اقتصادی حالت کے متعلق آپ کی رائے دریافت کی۔ جواباً فرمایا کہ یقیناً پاکستان کی اقتصادی اور مالی حالت ہندوستان سے بدرجہا بہتر ہے اور پاکستان کے باشندے ہندوستان کے رہنے والوں کی بہ نسبت

اَب بھی بہترین زندگی بسر کر رہے ہیں اور آئندہ اَور بھی اچھا ہو جانے کی اُمید ہے۔ اسکے ثبوت میں آپ نے یہ تفصیلی بیان فرمایا کہ پاکستان کے وسائل ہزار درجہ ہندوستان سے بہترین ہیں۔

آخر میں مَیں نے کشمیر کے متعلق پوچھا تو فرمایا انشاء اللہ وہ دن دُور نہیں جبکہ کشمیر پاکستان کا ایک بہترین حصّہ ہوگا ہندوستان کی گورنمنٹ اس کو ابتداء میں (تر نوالہ) سمجھتی تھی لیکن اَب تلخ تجربہ کے بعد اُن کو چھٹی کا دُودھ یاد آ گیا۔ اور یہ بات واضح ہے کہ مسلمان عموماً اور سرحدی قبائل کے پٹھان خصوصاً عہد کر چکے ہیں کہ کشمیر کو فتح کر کے پاکستان کا حصّہ بنائیں گے کیونکہ اِن قبائلی لوگوں نے پاکستان کو اسلامی حکومت مان کر اپنی حکومت تسلیم کر لیا ہے اور اپنے آپکو اِس کا ضروری حِصّہ تسلیم کرتے ہیں"۔ [1]

پاکستان خبر رساں ایجنسی اور پہلی تقریر | حضرتؓ کی پہلی تقریر پشاور کا خلاصہ پاکستان کی ایک خبر رساں ایجنسی نے یہ دیا کہ

"پشاور ۶ر اپریل۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ نے ایک پبلک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ مشرقی پنجاب میں سے مسلمانوں کو ختم کر دینے کے لئے ان پر حملہ ایک سوچی سمجھی ہوئی سکیم کے ماتحت تھا تا کہ ایک خالص بُغَر سِکھ ریاست قائم کر دی جائے۔ اِس غرض کے لئے مشرقی پنجاب کے غیر مسلموں نے جنگ کا ایک خاکہ تیار کیا جس کے ماتحت قادیان کے ستّر نواحی دیہات پر حملہ کر کے چند دنوں کے اندر اندر وہاں سے تمام مسلمانوں کا صفایا کر دیا گیا۔ جب پنڈت جواہر لال نہرو سے مدد کے لئے کہا گیا تو اُنہوں نے حالات میں دخل دینے سے صاف انکار کر دیا جس پر مجبوراً مسلمانوں کو پاکستان میں پناہ لینی پڑی۔ آپ نے فرمایا کہ اِس سازش کا دوسرا حصّہ یہ تھا کہ پاکستان میں رہنے والے تمام غیر مسلموں کو ہندوستان بُلا لیا جائے تا کہ تجارت میں خلاء پیدا ہو کر اقتصادی توازن درہم برہم ہو جائے مگر پاکستان کے دشمن اپنے منصوبوں میں نامراد رہے۔ انہوں نے پاکستان کے مسلمانوں کی پیدائشی جُرأت و بہادری کو غلط قیاس کیا۔ پاکستان کے لئے اسلامی آئین کے مطالبہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے لوگوں سے کہا کہ

---

[1] "الجمعیت" سرحد پشاور ۷ر اپریل ۱۹۴۸ء

پہلے اپنے آپ کو شریعتِ اسلامی کے مطابق بناؤ اور پھر قانونِ شریعت کا مطالبہ کرو۔ آپ نے فرمایا لوگ خود تو اسلامی شریعت پر چلتے نہیں مگر قانونِ شریعت کو جاری کرنے پر زور دے رہے ہیں۔ ایسے لوگ دُنیا کو دھوکہ دے رہے ہیں۔"[1]

پشاور میں دوسرا پبلک لیکچر

۸؍ماہ شہادت/اپریل کو حضرت امیر المومنین نے مشن کالج پشاور میں ۵ سے ۷ بجے شام تک دوسری پبلک تقریر فرمائی جس میں حضور نے نہایت پُرجوش انداز میں پاکستان کے طلبہ اور عوام کو نہایت زرّیں ہدایات دیں۔ صدرِ جلسہ غلام صمدانی صاحب (پولیٹیکل ایجنٹ کے والد) تھے۔ حاضرین میں ڈپٹی کمشنر کے علاوہ ممبران اسمبلی، پروفیسرز اور سرکاری افسران بکثرت شامل ہوئے۔[2]

حضرت امیر المومنینؓ کے ارشادات خصوصی تقاریب میں

ان پبلک تقریروں کے علاوہ پشاور کے مخلص احمدیوں نے اپنے محبوب آقا کے اعزاز میں تقریباً روزانہ ہی پرائیویٹ تقاریب کا انتظام کئے رکھا جس کے نتیجہ میں بہت سے معززین اور سربرآوردہ شخصیتوں کو حضورؓ سے تبادلہ خیالات کرنے اور حضور کے مقدس ملفوظات سے بہرہ ور ہونے کے سُنہری مواقع میسر آئے اور وہ حضور کے تبحرِ علمی، خداداد ذہانت اور غیر معمولی فراست و بصیرت کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ ۸؍ماہ شہادت/اپریل کی شام کو خان بہادر دلاور خاں صاحب کے ہاں دعوت تھی جس میں وزیر اعظم سرحد خان عبدالقیوم خاں کے سوا سرحد کے چوٹی کے سرکاری افسر مدعو تھے۔ علاوہ ازیں پشاور کے مسٹر عباس خاں صاحب چیف جسٹس، ایڈووکیٹ جنرل ملک خدا بخش صاحب[3]، جنرل نذیر احمد صاحب، کرنل احمد صاحب اور انسپکٹر جنرل ہاسپٹل بھی موجود تھے۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں بہت دیر تک سلسلہ سوال و جواب جاری رہا۔ خصوصیت سے اسلامی آئین کے مختلف گوشے زیرِ بحث آئے اور بہت دلچسپی کا مرکز

---

[1] الفضل ۷؍اپریل ۱۹۴۸ء صفحہ ۸۔ یہ خبر اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ کی ۸؍اپریل ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں بھی شائع ہوئی۔ [2] دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے ریکارڈ ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء سے ماخوذ۔
[3] کانگریس کے دورِ وزارت میں اسمبلی کے سپیکر۔

بنے رہے۔ رات کے سوا گیارہ بجے کے قریب واپسی ہوئی۔ [1]

اگلی شام کو حضورؓ میجر جنرل نذیر احمد صاحب کے ہاں دعوت پر تشریف لے گئے جہاں دوسرے فوجی اور سول افسروں کے علاوہ خان عبدالقیوم خان صاحب وزیرِ اعظم سرحد اور خان محمد عباس صاحب وزیر مال صوبہ سرحد بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ کھانے کے بعد یہاں بھی علمی گفتگو کے دوران مختلف سوالات کئے گئے۔ [2]

پشاور میں مجلسِ علم و عرفان حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ پبلک جلسوں اور پرائیویٹ تقاریب میں شمولیت کے علاوہ قیامِ پشاور کے دوران مختلف نمازوں کے بعد مجلسِ علم و عرفان میں بھی رونق افروز ہوتے اور ملک کے پیش آمدہ اہم علمی مسائل میں رہنمائی فرماتے رہے۔ ان مبارک ایام میں بہت سی حق و صداقت سے لبریز باتیں حضورؓ کی زبانِ مبارک سے حاضرین نے سنیں اور اپنے ایمانوں کو زندہ اور روحوں کو تازہ کیا۔ ان روح پرور مجالس کی مختصر رپورٹیں جناب عبدالحمید صاحب آصف نے مرتب کی تھیں جو انہیں دنوں الفضل میں محفوظ ہو گئیں۔ [3] اس مجلسِ علم و عرفان کے دو ایک اہم ارشاد بطور نمونہ ذیل میں ملاحظہ ہوں:۔

تبلیغِ اسلام کی اہمیت ”تمام انبیاء اور اُن کی جماعتیں ایک سے حالات میں سے گزرتی ہیں۔ دُنیا اُن کو پاگل کہتی ہے۔ کام کے لحاظ سے بھی اور باتوں کے لحاظ سے بھی۔ مومن پاگل نہیں ہوتا لیکن دُنیا ہمیشہ اُسے پاگل کہتی آئی ہے۔ انبیاء کی جماعتوں کے اندر ایک جنون ہوتا ہے اور اس جنون کے طفیل وہ دُنیا پہ چھا جاتی ہیں۔ دُنیا کہتی ہے ہم تمہاری باتیں نہیں سُنتے مگر وہ پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ صداقت کو قبول کروانا اور دلوں میں ایمان پیدا کرنا ایک بہت بڑی قربانی چاہتا ہے جو بغیر جنون کے نہیں ہو سکتی۔ اس لئے تم اپنے اندر ایک مجنونانہ کیفیت پیدا کرو اور یہ یاد رکھو کہ بغیر تبلیغ کے اسلام کامیاب نہیں ہو سکتا۔ تم اس حربہ کو استعمال کر کے کامیاب

---

[1] دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے ریکارڈ ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء سے ملخصاً۔ [2] اس گفتگو کا خلاصہ الفضل ۱۴ رماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء میں چھپ چکا ہے۔ [3] الفضل ۱۵ شہادت/اپریل (تبلیغ اور پردہ کے بارے میں) ۱۶۔ شہادت/اپریل، ۲۲۔ شہادت/اپریل، ۵۔ ہجرت/مئی (اسلامی قانون کے متعلق اہم سوالات کے جواب) ۲۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء (اسلامی حکومت کے پاکستان میں قیام سے متعلق)۔

ہو سکتے ہو جو اِس زمانے کے مامور کو خدا کی طرف سے دیا گیا ہے اور وہ تبلیغ ہے۔ اِس وقت دُنیا کے فلاسفروں کی باتیں اسلام کو ترقی نہیں دلا سکتیں۔ زمین اور آسمان اپنی جگہ سے ٹل سکتے ہیں مگر یہ بات نہیں ٹل سکتی کہ اِس زمانہ کے مامور کے بغیر مسلمان دُنیا میں ترقی کر سکیں۔ اور جو شخص اِس بات پر ایمان کو اُس کے مطابق عمل نہیں کرتا وہ اپنا بھی دشمن ہے اور اپنے بال بچوں کا بھی دشمن ہے۔"

مسلم خواتین اور فنونِ حرب۔ "عورتوں کو فنونِ حرب سے واقف کرنا نہایت ضروری ہے مگر عورت اُسی وقت جنگ میں آ سکتی ہے جب مرد لڑتے ہوئے ختم ہو جائیں اُس وقت عورت کو میدان میں نکل کر بہادری کے جوہر دکھانے چاہئیں۔ اور پھر مصیبت پڑنے پر عصمت کی حفاظت بھی وہ عورت اچھی طرح کر سکتی ہے جو فنونِ حرب سے واقف ہو گی۔" [1]

قیامِ پشاور کے آخری دِن کی غیر معمولی مصروفیات

حضورؓ کے قیامِ پشاور کا آخری دن (۹ شہادت/اپریل کا دن) غیر معمولی مصروفیات میں گذرا۔ جماعتِ سرحد کے عہدہ داروں کی حضور کے ارشاد کے مطابق ایک اہم میٹنگ منعقد ہوئی جس میں حضور نے عمومی رپورٹ لینے کے بعد ارشاد فرمایا کہ مَیں کئی سال سے جماعت کو اِس طرف توجہ دلاتا رہا ہوں کہ عہدہ دار اپنے نائب پیدا کریں اور ان پر کام کی ذمہ داری ڈالیں۔ مَیں نے ناظروں کے نائب مقرر کئے اور ان پر کام کی ذمہ داری ڈالی۔ نیز کہا کہ وہ میرے سامنے اپنے کام کی رپورٹ پیش کیا کریں۔ چنانچہ اِس طریق سے کام پہلے سے بہت اچھا ہو رہا ہے۔ حضورؓ نے مثال کے طور پر نائب ناظر بیت المال کے کام کو پیش کیا۔ حضور نے فرمایا کہ جتنا کام قادیان کے فسادات میں رُکا پڑا تھا۔ وہ انہوں نے دو ماہ لگاتار محنت کر کے مکمل کر دیا۔ بجٹ تیار کیا اور آمدنی پر کنٹرول کیا۔ نوجوانوں میں کام کا زیادہ جوش ہوتا ہے انہیں آگے آنے دینا چاہیئے اور ان پر ذمہ داری ڈالنی چاہیئے۔

حضورؓ نے فرمایا کہ تبلیغ کے لئے الگ الگ حلقے مقرر کئے جائیں۔ مثلاً ایک ایسی انجمن ہو جو

---

[1] الفضل ۱۵ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳

علماء کے طبقہ کو تبلیغ کرے۔ ایک ایسی انجمن ہو جو کالج کے طلباء کو تبلیغ کرے۔ ایک ایسی انجمن ہو جو وکلاء اور بیرسٹروں کو تبلیغ کرے۔ اِس طرح ہر طبقہ کے لوگوں کو تبلیغ ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد دیہاتوں میں تبلیغ کرنے کے متعلق حضور نے فرمایا کہ دیہاتوں کے جو احمدی نوجوان لکھ پڑھ سکتے ہیں وہ اپنی زندگیاں وقف کریں ہم ان کو تعلیم دیں گے اور وہ اپنے علاقہ میں تبلیغ کریں گے۔ حضور کی یہ مجلس ایک بجے ختم ہوئی۔ بعد ازاں حضور نے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ مجھے خوشی ہے کہ یہاں کی جماعت نے ایسے مواقع بہم پہنچائے کہ مجھے اپنے خیالات کے اظہار کرنے کا موقعہ ملا۔ دو لیکچر ہوئے جن میں علمی طبقہ کو اور عوام کو مَیں مخاطب کر سکا۔ اِسی طرح یہاں کے دوستوں نے دعوتیں کیں اور ان دعوتوں میں فوجی اور سویلین آفیسر، بیرسٹر اور وکلاء تھے اور انہوں نے مجھ سے سوالات کئے مَیں نے ان کے جوابات دیئے۔ اِسی طرح یہاں نمازوں میں احمدی دوست آتے رہے اور ان کو مجھ سے ملنے کا موقعہ ملتا رہا۔ اِسی طرح پشاور کے علمی طبقہ اور عوام اور احمدیوں کے سامنے مَیں اچھی طرح اپنے خیالات پیش کر سکا۔ اِسی طرح غیر احمدی دوست مجھے ملنے آتے رہے۔ آپس میں ملتے رہنے سے ایک دوسرے کے متعلق صحیح واقفیت ہو جاتی ہے اور ناواجب اختلاف مِٹ جاتا ہے۔ حضور رضؓ نے اِس طرف بھی جماعت صوبہ سرحد کو متوجہ کیا کہ آئندہ صوبہ سرحد کو اہمیّت حاصل ہونے والی ہے اِس لئے پشاور میں اگر کوئی بنا بنایا مکان مِل جائے تو وہ خرید لیا جائے یا زمین خرید کر پشاور کے مرکز کو مضبوط کیا جائے اور تبلیغ کر کے اِس علاقہ میں جماعت کو بڑھایا جائے مگر کئی سالوں سے اس جماعت میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ مسلمان کو دنیوی اسباب سے ترقی نہیں مل سکتی اس کو صرف اور صرف قرآن کریم کے طفیل ترقی ملے گی اِس لئے قرآن پڑھو دوسروں کو پڑھاؤ۔ خدا تعالیٰ پر توکّل کرو وہ تمہیں خود علم سکھائے گا۔

اس کے بعد حضور رضؓ نے اپنی زندگی کے بعض واقعات بیان فرمائے کہ کس طرح حضور بچپن سے بیمار چلے آرہے ہیں اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآنی علوم عطا کئے۔ پھر حضور رضؓ نے فرمایا کہ مَیں بڑی مدّت سے یہ دُعا مانگا کرتا تھا کہ اے اللہ تعالیٰ کوئی ایسا علاقہ دے جہاں ہم قرآنی تعلیم کے مطابق عمل کر سکیں اور جہاں اسلامی تہذیب کو رائج کر سکیں۔ خدا تعالیٰ نے میری ان دُعاؤں کے نتیجہ میں پاکستان کا علاقہ ہمیں عطا کر دیا۔ اَب ہر احمدی کا

فرض ہے کہ وہ یہ عزم، وہ یہ عہد، وہ یہ ارادہ کرے کہ وہ خود مرجائے گا لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کو، آپؐ کی تعلیم کو زندہ کرکے چھوڑے گا۔ اَب ہماری زندگیاں ہمارے لئے نہ ہوں صرف، اور صرف اسلام کے قیام اور اس کی اشاعت کے لئے ہوں۔ جمعہ کی نماز کے بعد حضورؓ نے عورتوں میں تقریر فرمائی۔

عصر کی نماز کے بعد حضور خان عبدالحمید خاں صاحب آف زیدہ کی دعوت پر پرویز ہوٹل میں تشریف لے گئے۔ بعد نماز مغرب ہوائی جہازوں کے محکمہ میں ملازم ۲ دو بنگالی احمدی نوجوانوں کو نیز دیگر مختلف دوستوں کو شرفِ ملاقات بخشا۔

احمدی دوستوں نے حضور کی خدمت میں نوٹ بکیں پیش کیں کہ حضور کوئی نصیحت لکھ دیں اِس پر حضور نے ایک نوٹ بک پر لکھا "اِتَّقُوا اللّٰہَ" ۲ دو پر لکھا "اللہ تعالیٰ پر توکّل کرو" ایک پر لکھا "سنجیدگی اختیار کرو" ایک پر "کلمہ طیبہ" لکھا اور دستخط کر دیئے۔ [۱] [۲]

پشاور سے چارسدّہ تک [۳]

حضورؓ ۱۰ ماہِ شہادت/اپریل کو بذریعہ موٹر پشاور سے چارسدہ تشریف لے آئے۔ دانشمند خاں صاحب آف موضع بانڈہ محب تحصیل نوشہرہ (والد ماجد جناب بشیر احمد خاں صاحب رفیق امام مسجد لنڈن) تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضور خان صاحب محمد اکرم خاں درّانی کی درخواست پر چارسدّہ کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں وہ آشرم حضور کو دکھایا گیا جو خان عبدالغفار خاں نے دریائے ناکھاں کے کنارے پر بنوایا تھا۔ چارسدّہ میں خاں صاحب مرحوم کے مکان پر حضور فروکش ہوئے۔ مجھ کو یاد ہے کہ حضور کی ملاقات کے لئے ملک عادل شاہ صاحب باوجود سخت بیماری کے چارسدّہ تشریف لے آئے تھے۔ ظہر کی نماز حضور نے اس مسجد میں ادا فرمائی جس میں

---

[۱] الفضل ۱۹ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صہ۴ ۔ [۲] مکرم جناب دانشمند خاں صاحب (آف موضع بانڈہ محب تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور) کا بیان ہے کہ "حضورؓ پشاور صدر میں شیخ مظفر الدین احمد صاحب کی کوٹھی میں مقیم تھے۔ حضور نے حکم دیا تھا کہ جن کے پاس اسلحہ کا لائسنس ہو وہ اپنے اسلحہ کے ساتھ آئیں چنانچہ مَیں بھی اپنی شاٹ گن کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہُوا اور علاقہ خلیل اور مہمند ضلع پشاور اور چارسدہ کے دوست بھی اپنے اپنے اسلحہ کے ساتھ پہنچ گئے" ۔ - - - - - - - - [۳] سفر چارسدہ سے متعلق جناب ماسٹر نور الحق صاحب امیر جماعت چارسدّہ کا بیان ضمیمہ میں درج ہے۔

بقول خان صاحب حضرت سید امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجدّد وقت ساکن کوٹھہ نے نماز پڑھائی تھی۔"

چارسدہ سے اوتمان زئی اور خان برادران سے ملاقات

دوسرے دن حضور خان صاحب محمد اکرم صاحب دُرّانی اور حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ کے ہمراہ خان برادران سے ملاقات کے لئے اوتمان زئی تشریف لے گئے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اِس سفر کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"۱۹۴۸ء میں جب میں پشاور گیا تو... ڈاکٹر خان صاحب اور عبدالغفار خان صاحب سے بھی ملنے گیا۔ جہاں تک ظاہری اخلاق کا سوال ہے انہوں نے بڑا اچھا نمونہ دکھایا مثلاً دونوں بھائیوں میں اُن دنوں کسی وجہ سے شکر رنجی تھی اِس لئے وہ آپس میں ملتے نہیں تھے۔ ہماری ملاقات کی یہ تجویز ہوئی کہ وہ ڈاکٹر خاں صاحب کے گھر پر ہو۔ درّد صاحب میرے ساتھ تھے مَیں نے انہیں کہا کہ وہ خان عبدالغفار خاں صاحب سے معذرت کریں اور کہیں کہ مَیں ڈاکٹر خاں صاحب کے ہاں جاؤں گا شاید آپ ان کے مکان پر نہ آسکیں۔ انہوں نے کہلا بھیجا آپ ہمارے مہمان ہیں اور مہمان کی خاطر مَیں وہیں آجاؤں گا۔ چنانچہ وہ وہیں آگئے اور ایک گھنٹہ تک ہماری آپس میں گفتگو ہوتی رہی۔ مَیں نے خان عبدالغفار خاں صاحب سے سوال کیا کہ اگر پاکستان میں کوئی گڑبڑ ہوئی اور اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہندوستان کی فوجیں پاکستان میں آگئیں تو کیا یہاں کے مسلمانوں کی حالت ویسی ہی نہیں ہوجائے گی جیسی مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی ہوئی تھی؟ اس پر انہوں نے بے ساختہ جواب دیا کہ اگر ایسا ہؤا تو پاکستان کے مسلمانوں کی حالت مشرقی پنجاب کے مسلمانوں جیسی نہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان بننے سے پہلے اس کا وجود ضروری تھا یا نہیں لیکن اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ پاکستان بننے کے بعد اگر کچھ ہؤا تو اس کا اثر لازماً مسلمانوں پر پڑے گا۔ اگر پاکستان خطرے میں پڑ جائے تو یہ یقینی بات ہے کہ پاکستان میں اسلام محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ہندوؤں میں پہلے بھی بڑا تعصّب تھا اور ہم نے اس اختلاف

کی وجہ سے یہ برداشت نہ کیا کہ ان کے ساتھ مِل کر رہیں اور ہم سب نے مِل کر کوشش کی کہ ہمیں ایک علیحدہ ملک ملے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہماری خواہش کو پُورا کر دیا اور ہمیں پاکستان کی شکل میں ایک علیحدہ مُلک عطا کیا۔ مسلمانوں کی اِس جدّ و جہد کو دیکھ کر ہندوؤں کے دِلوں میں خیال پیدا ہوگیا کہ مسلمانوں نے ہمیں سارے ہندوستان پر حکومت کرنے سے محروم کر دیا ہے اور انہوں نے سارے ملک میں مسلمانوں کی سیاست اور خود مسلمانوں کے خلاف شدید پروپیگنڈا کیا۔ پہلے ان کی ذہنیت اتنی زیادہ مسموم نہیں تھی اور ان میں سے بعض کے دِل میں مسلمانوں کے لئے رواداری کا جذبہ ایک حد تک پایا جاتا تھا لیکن مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کی وجہ سے ان کی ذہنیت اَب بالکل بدل گئی ہے اور مسلمان انہیں سانپ اور بچھو کی طرح نظر آنے لگ گئے۔ اگر خدانخواستہ پاکستان میں گڑبڑ واقع ہوئی اور اس کے نتیجہ میں ہندوستان کی فوجیں ملک میں داخل ہوئیں تو وہ اس ذہنیت سے نہیں آئیں گی جو اُن کی تقسیم ملک سے پہلے تھی۔ اُس وقت تعصب اتنا زیادہ نہیں تھا جتنا اَب ہے۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ پاکستان حاصل کر کے مسلمانوں نے اپنا ایک جائز حق لیا ہے کوئی جُرم نہیں کیا لیکن سوال یہ نہیں کہ ہم کیا سمجھتے ہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ جس سے ہمارا معاملہ ہے وہ کیا سمجھتا ہے"۔[1]

اوتمان زئی سے راولپنڈی تک

حضرت مصلح موعودؓ چارسدہ اور اوتمان زئی سے ہوتے ہوئے مردان تشریف لائے جہاں ایک رات قیام فرمانے کے بعد اگلے روز ۱۱ر ماہ شہادت/اپریل کو رسالپور سے ہوتے ہوئے نوشہرہ پہنچے اور نوشہرہ[2] سے پانچ بجے کی گاڑی کے ذریعہ راولپنڈی میں رونق افروز ہوگئے۔

راولپنڈی کے جلسۂ عام میں حضرت مصلح موعودؓ کا اثر انگیز خطاب اور اس کا پریس میں چرچا

۱۲ر ماہِ شہادت/اپریل کو حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے نشاط سینما ہال راولپنڈی میں ایک نہایت اثر انگیز لیکچر دیا۔ اخبار

---

[1] الفضل ۲۶ر اخاء/اکتوبر ۱۳۳۱ھش/۱۹۵۲ء صہ ۳ کالم ۲ ٭ [2] افسوس پشاور سے راولپنڈی تک کے حالاتِ سفر سلسلہ کے مطبوعہ لٹریچر میں محفوظ نہیں البتہ ماسٹر نور الحق صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ چارسدہ اور مکرم آدم خاں صاحب امیر جماعت احمدیہ مردان کے چشمدید بیانات شاملِ ضمیمہ ہیں ٭

انقلاب (لاہور) نے اِس کامیاب لیکچر کی حسبِ ذیل رپورٹ شائع کی :-

"سیکیورٹی کونسل کا فیصلہ پاکستان کے خلاف ہوگا ___ راولپنڈی (نامہ نگارِ خصوصی کے قلم سے) ۱۵ اپریل۔ جماعتِ احمدیہ قادیان کے امام جناب مرزا بشیرالدین محمود احمد نے آج یہاں نشاط سینما کے لئے بنائی ہوئی بلڈنگ میں تعلیم یافتہ طبقہ کے ایک بڑے اجتماع کے سامنے تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ سیکیورٹی کونسل کا فیصلہ پاکستان کے خلاف ہوگا۔ اُن کی تقریر کا موضوع "موجودہ نازک وقت میں مسلمانوں کا فرض" تھا۔ انہوں نے موجودہ حالات پر مفصّل روشنی ڈالتے ہوئے مسلمانوں کو بتایا کہ وہ اِس وقت جنگ کی سی حالت میں ہیں لہذا انہیں زمانۂ امن کی تحریکات مزدور تحریک وغیرہ کھڑی کر کے یا ان میں حصّہ لے کر اپنی نوزائیدہ مملکت کے مستقبل کو کمزور نہیں کرنا چاہئیے انہوں نے حکومت کے ذمّہ دار ارکان کو بھی نصیحت کی کہ وہ بدلے ہوئے حالات کے ساتھ اپنے طور طریقوں کو بدلیں اور ایسا رویّہ اختیار کریں جو عوام کے لئے مثالی ہو اور جس سے عوام یہ سمجھنے لگیں کہ ان سے قربانیوں کا مطالبہ کرنے والوں کی زندگیوں پر بھی اپنی حکومت بن جانے کا اثر ہوُا ہے اور وہ اُن کے افسر نہیں بلکہ بہی خواہ اور بھائی ہیں۔

کشمیر کے مسئلے کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا بشیرالدین صاحب نے بتایا کہ سیکیورٹی کونسل کا فیصلہ پاکستان کے خلاف ہوگا۔ اپنے اِس خیال کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے کہا سیکیورٹی کونسل میں کشمیر پر بحث کے پہلے دَور میں امریکہ نے اِس خیال سے پاکستان کی ہمدردی کر کے اُس نے اپنا مقصد حاصل کر لیا لیکن اس کے بعد بین الاقوامی سیاست کا رُخ بدل گیا۔ عرب مجاہدین نے تقسیمِ فلسطین کو ناقابلِ عمل بنا دیا اور رُوس اور امریکہ کی آویزش کا خدشہ روز بروز زیادہ ہوتا چلا گیا۔ اس وقت امریکہ اور برطانیہ نے مسٹر آئینگر کی معرفت ہندوستان سے کچھ سازباز کی اور یہ حقیقت ہے کہ مسٹر آئینگر پاکستان کے متعلق بات چیت کرنے کے بعد امریکہ سے واپس نہیں آئے تھے بلکہ وہ امریکہ اور برطانیہ کی پیش کردہ شرائط پر گفتگو کرنے آئے تھے۔ یہ شرائط اس مطلب کی تھیں کہ اگر رُوس اور امریکہ میں جنگ چھڑ جائے تو ہندوستان اینگلو امریکن بلاک کو اُن کی مطلوبہ

رعایت دینے پر رضامند ہوگا۔

ہندوستان کی طرف سے اِس بات چیت کا جواب امریکہ اور برطانیہ کی خواہشات کے مطابق دیا گیا چنانچہ مسٹر آئینگر کے امریکہ واپس پہنچتے ہی سیکیورٹی کونسل کی فضا پاکستان کے خلاف اور ہندوستان کے حق میں ہوگئی۔

افغانستان کی سیاست :- مرزا بشیرالدین محمود صاحب نے سیکیورٹی کونسل میں پاکستان کے وزیرِ خارجہ کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا "سر ظفراللہ خاں میرے عزیز بھی ہیں اور مرید بھی ہیں۔ وہ ایک قابل آدمی ہیں لیکن اگر دس ظفراللہ خاں ہوں تو بھی کچھ فائدہ نہ ہوگا اور سیکیورٹی کونسل کا فیصلہ بین الاقوامی حالات کے مطابق ہوگا جو بظاہر پاکستان کے خلاف معلوم ہوتے ہیں" مرزا صاحب نے انکشاف کیا کہ مَیں ابھی ابھی صُوبہ سرحد کے دَورہ سے واپس آیا ہوں مجھے اِس دَورہ میں نہایت ہی معتبر ذریعہ سے معلوم ہُوا ہے کہ امریکہ اور رُوس اپنی اپنی طرف سے افغانستان کو ساتھ ملانے کی انتہائی کوشش کر رہے ہیں۔ افغانستان کو پٹرول کی ضرورت ہے اور وہ اُون باہر بھیجتا ہے۔ رُوس نے افغانستان کی ضرورت کا پٹرول مہیّا کرنے اور تمام اُون خریدنے کا یقین دلایا ہے لیکن اس کے مقابلہ پر امریکہ نے رُوس کی نسبت چالیس فیصدی کم قیمت پر پٹرول مہیا کرنے اور ۲۰ فیصدی زیادہ قیمت پر اُون خریدنے کی پیشکش کی ہے۔ اَب پھر روس کی باری ہے لیکن افغانستان نے محض اِس خیال کی بناء پر کہ امریکہ اور برطانیہ ہندوستان کے حامی ہیں کشمیر کے بارے میں پاکستان کے خلاف روش اختیار کر رکھی ہے۔ چنانچہ جو افغانی جہادِ کشمیر میں حصہ لینے آئے تھے ان کو حکومتِ افغانستان نے معتوب گردانا ہے بہرحال اگر افغانستان اینگلو امریکن بلاک میں شامل ہو جائے اور ہندوستان بھی اسی بلاک میں ہو تو پاکستان کے لئے ایک عظیم الشان اُلجھن پیدا ہو جائے گی۔

مسلمانوں کا فرض :- مرزا بشیرالدین صاحب نے اپنے موضوع کی طرف رجوع کرتے ہوئے کہا "حالات کچھ بھی ہوں پاکستان کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ہر قسم کے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کریں بالکل اسی طرح جس طرح زندہ قوموں کے افراد کرتے ہیں ہمیں

نہ تو معمولی ــــ یا ــــ بڑی کامیابیوں پر خوش ہو کر بے فکر ہو جانا چاہیئے اور نہ ہی چھوٹی بڑی ناکامیوں پر دل چھوڑ دینا چاہیئے۔ جو خطرات ہمارے سامنے ہیں ان میں بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق مسلمانوں کے لئے صرف دو ہی مقام ہیں۔ فتح یا شہادت اور مسلمانوں کو انہی دونوں میں سے ایک کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔"

مرزا صاحب نے اختتام تقریر پر مسلمانوں کو آزاد کشمیر اور قبائلی پٹھانوں کی عملی امداد کی طرف بھی توجہ دلائی جو اس وقت بالواسطہ پاکستان کی عظیم الشان خدمت انجام دے رہے ہیں۔

جلسے کی صدارت ڈاکٹر تاثیر صاحب نے کی۔ جلسہ کے اختتام پر جلسہ گاہ کے باہر کچھ لوگوں نے قادیانیوں کے خلاف نعرے لگائے اور بدامنی پیدا کرنی چاہی۔ پولیس نے معمولی سا لاٹھی چارج کر کے لوگوں کو منتشر کر دیا۔" [1] [2]

---

[1] انقلاب ۱۷ اپریل ۱۹۴۸ء صفحہ ۶ ۔ [2] میاں محمد یوسف صاحب پرائیویٹ سیکرٹری نے ۱۳ ماہ شہادت/ اپریل ۱۳۲۷ ہش/ ۱۹۴۸ء کو ایک مکتوب میں حسب ذیل اطلاع لاہور بھیجی :۔

"لیکچر راولپنڈی۔ کل شام ۷½ بجے حضور انور کا لیکچر نشاط سینما ہال میں ہوا۔ ہال سامعین سے بھرا ہوا تھا اور لوگ آس پاس کی دیواروں کے ساتھ بڑی تعداد میں کھڑے تھے۔ گیلری بھی مستورات سے پُر تھی۔ اندر لوگوں کی تعداد ۱۵۰۰ کے لگ بھگ تھی۔ تقریر پونے آٹھ بجے سے سوا نو بجے تک جاری رہی۔ حاضرین ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھے رہے۔ معززینِ شہر کافی تعداد میں موجود تھے۔ سیشن جج صاحب نے کہا کہ کوئی لحہ بھی ایسا تقریر کے دَوران میں نہیں آیا جس میں توجہ کسی اور طرف گئی ہو۔

ہال کے باہر سڑک پر چند شریروں نے شور و غوغا شروع کر دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی پٹھان کو کسی نے گمراہ کر کے اِس بات پر آمادہ کیا کہ وہ گولی چلائے۔ اس کی اطلاع ہمارے ایک انسپکٹر پولیس باجوہ صاحب کو ملی وہ اس وقت ہال کے باہر آئے اور انہوں نے موقعہ پر پہنچ کر پٹھان سے بات چیت کی لیکن اس کے ساتھ تین مولوی بھی تھے باجوہ صاحب ان تینوں مولویوں کو الگ لے گئے مگر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۶ پر)

اخبار "انقلاب" (لاہور) کی اس مفصل خبر کے مقابل لاہور کے دوسرے بعض اخبارات نے اصل تقریر کی رپورٹنگ کرنے کی بجائے جلسہ میں گڑبڑ اور پولیس کی لاٹھی چارج کے واقعہ پر اکتفاء کیا۔ چنانچہ مشہور اخبار "نوائے وقت" (لاہور) نے

"راولپنڈی میں احمدیوں کے جلسہ میں گڑبڑ"
"پولیس کو لاٹھی چارج کرنا پڑی"

کے دوہرے عنوان سے لکھا :-

"راولپنڈی ۱۴۔ اپریل۔ کل مقامی پولیس نے نشاط سینما تھیٹر کے نزدیک ایک ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے معمولی لاٹھی چارج کیا کیونکہ یہ ہجوم ایک ایسے جلسے کو ناکام بنانا چاہتا تھا جس میں احمدیوں کے قائد مرزا بشیرالدین محمود نے تقریر کرنا تھا۔ لاٹھی چارج سے قبل ہجوم کے لیڈروں نے احمدیوں کے خلاف تقریریں کرکے یہ مطالبہ کیا کہ احمدیوں کو پبلک جلسے کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ پولیس کے لاٹھی چارج سے چند اشخاص کو معمولی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :- وہ پٹھان بھی ساتھ ہی آگیا، وہ مولوی۔ باجوہ صاحب کی بات سننے کو بھی تیار نہ تھے اور لوگوں کو اُکسا رہے تھے کہ تقریر کیوں کرائی جا رہی ہے۔ کوئی اس تقریر کو نہ سنے۔ باجوہ صاحب نے سٹی انسپکٹر صاحب کو اطلاع دی اور اس دوران میں پولیس بھی اور منگوائی گئی۔ ان شوریدہ سر لوگوں کی تعداد ۲۵، ۳۰ ہوگئی۔ سفید وردی والی پولیس کے لوگ بھی کافی تعداد میں ان کے ہجوم میں شامل تھے تا ان کو شرارت سے باز رکھیں۔ جو لوگ باہر تقریر سن رہے تھے وہ انہیں کوستے تھے کہ ایسی اعلیٰ تقریر سننے نہیں دیتے۔ راولپنڈی کے ایک مشہور ایڈووکیٹ نے کہا سمجھ نہیں آتا ایسی اعلیٰ تقریر پر بھی کسی کو کوئی اعتراض ہوسکتا ہے... ہال کے اندر سکون ہی سکون تھا۔

آج حضور کا لنچ کرنل عطاء اللہ خان صاحب کے ہاں تھا۔ آزاد کشمیر کے وزراء بھی مدعو تھے۔ کل سردار ابراہیم بھی ملنے کو تشریف لائیں گے۔ اس وقت قریباً پونے سات بجے شام ہے بریگیڈیر شیر خان صاحب ملاقات فرما رہے ہیں۔ انشاء اللہ پرسوں لاہور کے لئے روانگی ہوگی"

(ریکارڈ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری ربوہ)

ضربات آئیں "۔ [1]

اسی طرح لاہور کے ایک دوسرے روزنامہ "غازی" نے

"احمدیوں کی وجہ سے لاٹھی بازی
راولپنڈی کے مسلمانوں پر جبر"

کے عنوان سے حسبِ ذیل اشتعال انگیز خبر شائع کی :-

"راولپنڈی ۱۵ر اپریل۔ کل نشاط تھیٹر میں (مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ) تقریر کر رہے تھے کہ باہر مخالفین کے ایک ہجوم نے طوفان برپا کر دیا۔ پولیس کو ہجوم پر لاٹھی چارج کرنا پڑی جس میں چند افراد زخمی ہوئے۔ مخالف لیڈروں نے مطالبہ کیا کہ احمدیوں کو عام جلسے منعقد کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔ مسلمانوں کی قیادت مولانا مولا بخش صاحب امام جامعہ پنڈی نے کی۔" [2]

الفضل کے نامہ نگارِ خصوصی کی رپورٹ

یہاں طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسی ایمان افروز تقریر میں جو پاکستان اور مسلمانانِ عالم کی ترقی و بہبود پر مبنی مسائل سے متعلق تھی کسی قسم کی شورش انگیزی کا جواز ہی کیا ہو سکتا تھا؟ اس اہم سوال کا جواب الفضل کے نامہ نگارِ خصوصی کی درجِ ذیل رپورٹ سے بخوبی مِل سکتا ہے۔ لکھا ہے:-

"راولپنڈی میں حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کا لیکچر نشاط سینما میں ہؤا تو اس موقع پر جن لوگوں نے شور کیا تھا اور نعرے لگائے تھے ان کے متعلق میرے دِل میں خیال پیدا ہؤا کہ معلوم کرنا چاہیئے کہ آخر یہ کس پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں مری روڈ پر جماعتِ اسلامی ... کا دفتر ہے ان کے متعلق بھی یہ کہا جاتا ہے کہ اس پارٹی کے ارکان بھی اس مظاہرہ میں شامل تھے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ بات کہاں تک ٹھیک ہے خاکسار ان کے دفتر گیا مگر دفتر بند تھا۔ اس دفتر کے پاس ایک دکاندار سے مَیں اور ایک اَور ہمراہی وہاں بیٹھ گئے۔ باتوں باتوں میں دکاندار سے کہا کہ سُنا ہے کل مرزائیوں کا جلسہ ہؤا ہے وہ کہنے لگا جی جلسہ تو ہؤا ہے مگر ہم نے بھی خوب خبر لی۔ اُس نے بیان کیا کہ کل پانچ بجے

---

[1] "نوائے وقت" ۱۶ر اپریل ۱۹۴۸ء ✣ [2] اخبار "غازی" ۱۸ر اپریل ۱۹۴۸ء

مجھے اطلاع ہوئی کہ جلسہ ہو رہا ہے۔ مَیں دکان بند کر کے اپنے والد صاحب (جو مدرس ہیں) کے پاس پہنچا اور ان سے جا کر کہا کہ اِس طرح جلسہ ہو رہا ہے اس کے خلاف ہمیں بھی سینما کے سامنے جلسہ کرنا چاہیئے۔ وہ تیار ہو گئے۔ مجلسِ احرار والے بھی اس جلسہ کے خلاف کارروائی کرنے کی تیاریوں میں تھے ان کا سیکرٹری بھی ہمارے ساتھ ہو لیا اور ہم تینوں جامع مسجد میں خطیب صاحب کے پاس پہنچے۔ اُن کو بھی اپنے ساتھ متفق کر کر لیا اور شام کی نماز کے بعد جامع مسجد میں ۲ دو تقریریں ہوئیں جن میں مرزائیوں کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا گیا بہت سے لوگ ہمارے ساتھ شامل ہو گئے ہم ایک جلوس کی شکل میں نعرے لگاتے ہوئے سینما کی طرف چلے۔ راستہ میں کچھ پٹھان ملے انکو بھی ہم نے اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ اِس طرح لوگوں کو ساتھ ملاتے ہوئے ہم سینما کے سامنے پہنچ گئے۔ سکیم یہ تھی کہ سڑک پر مرزائیوں کے خلاف تقریریں کی جائیں اور یہ شور مچایا جائے کہ پبلک مرزا صاحب کے ساتھ نہیں ہے۔ علماء جو ساتھ تھے وہ سڑک سے ذرا دُور ہو کر کھڑے ہو گئے تاکہ ان کا علم نہ ہو سکے۔ کالج کے لڑکوں کو آگے کر کے اُن سے خوب نعرے لگوائے گئے اور گندی سے گندی گالیاں جس قدر ہم دے سکتے تھے' دیں۔ مرزا صاحب تقریر کر کے دوسری طرف سے کار میں بیٹھ کر چلے گئے اُن کے مُرید کار پر لیٹے ہوئے تھے کہ اگر حملہ ہو تو ہم پر ہو۔ یہ بہت بڑا قربانی کا جذبہ ہے جو مرزا صاحب کے مریدوں میں پیدا ہو چکا ہے۔

مَیں نے سینما کے سامنے جو دکاندار ہیں اُن سے دریافت کیا اور بہت سے لوگوں سے بھی دریافت کیا کہ یہ جو مسلمانوں نے سینما کے سامنے مظاہرہ کیا ہے اور نعرے لگائے ہیں ان کے متعلق ان کی کیا رائے ہے۔ سب نے یہی کہا کہ انہوں نے بُرا کام کیا ہے یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں۔ مرزا صاحب ہی تو آج کل کام کر رہے ہیں اور پھر یہی ہیں جو قادیان میں ڈٹے ہوئے ہیں۔" [1]

---

[1] الفضل ۱۷ ارشہادت / اپریل ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۲ ۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ گجرات میں (۷ ۱۳۲۷ ہش اپریل ۱۹۴۸ء)

(اوپر) حضور جناب عبدالرحمٰن صاحب خادم امیر جماعت احمدیہ گجرات سے

مصروف گفتگو ہیں (نیچے) نماز پڑھ رہے ہیں۔

راولپنڈی سے واپسی

جلسہ راولپنڈی میں شرکت کے بعد حضرت مصلح موعودؓ واپس لاہور تشریف لے آئے۔[1]

سفرِ کوئٹہ

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود استحکامِ پاکستان اور اشاعتِ حق کے سلسلہ میں لاہور سے کراچی اور کراچی سے پشاور تک جن دینی و ملّی سرگرمیوں کا آغاز فرما چکے تھے ان کو حضورؓ کے سفرِ کوئٹہ نے صوبہ بلوچستان تک پھیلا دیا۔ یہ سفر اس سلسلہ کا آخری اور طویل سفر تھا چنانچہ حضور ۹ ماہِ احسان/جون کو لاہور سے روانہ ہوئے[2] اور قریباً تین ماہ کے بعد ۷ ماہِ تبوک/ستمبر کو واپس تشریف لائے۔[3]

حضرت مصلح موعودؓ کے لئے رہائش گاہ کا انتظام اور مخلصینِ کوئٹہ کے اخلاص و ایمان کا روح پرور نظارہ

حضورؓ نے سال ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء کے آغاز میں ہی یہ ارشاد فرما دیا تھا کہ کوئٹہ میں ہماری رہائش کے لئے کوئی موزوں کوٹھی تلاش کی جائے۔ جماعتِ احمدیہ کوئٹہ نے کوٹھی کی تلاش کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی آخر ایک ایسی کوٹھی ملی جو مکانیّت کے اعتبار سے ناکافی اور چار دیواری کے بغیر تھی۔ کوٹھی کا اندرونی حصّہ بھی ناگفتہ بہ حالت میں تھا۔ فرش جگہ جگہ سے ٹوٹا ہوُا اور بجلی کا انتظام سخت ناقص!! جگہ جگہ غلاظت کے ڈھیر پڑے تھے لیکن جماعتِ احمدیہ کوئٹہ کے مخلصین نے فیصلہ کیا کہ ہم دن رات کام کرکے اس کوٹھی کو ہر لحاظ سے درست کرکے چھوڑیں گے اور اسے حضور کی رہائش کے قابل بنا دیں گے چنانچہ انہوں نے نہایت مستعدی سے کوٹھی کے گرد بھی قریباً چھ فٹ اور سات فٹ اونچی دیوار بنوائی اور کوٹھی کے اندر بھی قریباً دو سو فٹ لمبی کچّی دیوار تعمیر کرائی۔ کوٹھی کی صفائی کرکے پانی اور بجلی کا انتظام بالکل

---

[1] حضرت مصلح موعودؓ نے شروع ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء میں گجرات میں بھی قیام فرمایا تھا۔ سفرِ پشاور کی واپسی پر یا قبل ازیں سفرِ جہلم کے دَوران؟ یہ بات زیرِ تحقیق ہے۔

[2] الفضل ۲۵ احسان/جون ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳

[3] الفضل ۸ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۱

درست کر دیا۔ تین نئے کشادہ کمرے تعمیر کئے۔ اس تمام کام میں جماعت کے دوستوں نے خود حصّہ لیا اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے غلاظت کے ڈھیر صاف کئے۔ اپنے ہاتھوں سے گارا بنایا اور گارے کی ٹوکریاں اُٹھا اُٹھا کر دیواروں کی لپائی کی۔ علاوہ ازیں تمام نئے تعمیر شدہ کمروں، دفتر کے خیموں اور نماز کے شامیانے میں بجلی کے ماہر دوستوں نے اپنے ہاتھ سے بجلی کی فٹنگ کی۔

جماعتِ احمدیہ کوئٹہ کے تمام افراد نے امیر جماعت سے لے کر ایک چھوٹے سے چھوٹے فرد تک اِس کام میں نہایت سرگرمی، جوش اور اخلاص کے ساتھ حصّہ لیا اور انہوں نے اپنے ہاتھوں سے خاکروبوں مزدوروں اور معماروں کا کام کر کے اس کوٹھی کو جو لٹن روڈ پر واقع تھی اِس قابل بنا دیا کہ حضور اپنے اہلِ بیت اور خدام کے ساتھ اس میں فروکش ہو سکیں[1-2]

جماعتِ احمدیہ کوئٹہ کی طرف سے اخلاص و محبّت کا یہ ایک ایسا شاندار مظاہرہ تھا کہ اس پر خود حضرت مصلح موعودؓ نے اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اِس دفعہ مَیں نے یہاں کے دوستوں کو لکھا کہ آیا کوئٹہ میں رہائش کا بندوبست ہو جائے گا تو انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ انتظام ہو جائے گا۔ پہلے انتظام ناقص تھا دوست کچھ اَور سمجھتے تھے مگر جب وہ سمجھ گئے تو انہوں نے جگہ کا بندوبست کر دیا اور نہایت قربانی کے ساتھ اس عمارت کی چار دیواری بھی بنا دی۔ گویا ایک نئی بلڈنگ تیار کر کے رکھ دی۔ اِس میں انہوں نے ایک نہایت عُمدہ قربانی کا اظہار کیا ہے۔"[3]

---

[1] الفضل ۲۵ احسان / جون ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۳ ۔ [2] اس خدمت میں میاں بشیر احمد صاحب ٹیکسٹائل آفیسر امیر جماعت احمدیہ کوئٹہ کے علاوہ حضرت شیخ کریم بخش صاحب تاجر، مرزا محمد صادق صاحب، قربان حسین شاہ صاحب انسپکٹر پولیس، غلام دین صاحب، ڈاکٹر عبد الحمید صاحب ڈی ایم او، قاضی شریف الدین صاحب (ہوشیارپوری) اور ناظر حسین صاحب نے خاص طور پر حصّہ لیا۔

(الفضل ۲۵ احسان / جون ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۳)

[3] الفضل ۲۳ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۶ ۔

حضورؓ ۹۔ احسان/جون بروز بدھ لاہور سے پاکستان میل میں عازمِ کوئٹہ ہوئے[1] اسٹیشن پر حضور کو الوداع کہنے کے لئے جماعتِ احمدیہ لاہور کے بہت سے معززین موجود تھے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے دیگر افراد کے علاوہ حضرت نواب محمدؐ دین صاحب، چوہدری اسداللہ خان صاحب، حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے اور شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعتِ احمدیہ لاہور بھی موجود تھے۔

میاں غلام محمد صاحب اختر ڈویژنل پرسنل آفیسر ریلوے لاہور ہمرکاب ہوئے اور ملتان چھاؤنی تک حضور کے ساتھ رہے اور سٹیشن پر حضور اور حضور کے اہلِ بیت کی سہولت اور آرام کا خیال رکھتے رہے۔

حضورؓ معہ اہلِ بیت ساڑھے نو بجے صبح بذریعہ کار رتن باغ سے لاہور ریلوے اسٹیشن پر تشریف لائے اور ان تمام دوستوں کو حضور نے شرفِ مصافحہ عطا فرمایا جو حضور کی مشایعت کے لئے ریلوے اسٹیشن پر موجود تھے۔ گاڑی دس بجے صبح لاہور سے روانہ ہوئی راستہ میں لاہور سے روہڑی تک مندرجہ ذیل احمدی جماعتوں نے اپنی سابقہ روایات کے مطابق نہایت جوش و خروش سے اپنے مقدس آقا کا استقبال کیا۔ رائے ونڈ، پتوکی، اوکاڑہ، منٹگمری، میاں چنوں، خانیوال، ملتان چھاؤنی، لودھراں بہاولپور۔ بہاولپور سٹیشن سے رات کا سفر شروع ہوگیا جو روہڑی تک جاری رہا۔ روہڑی صبح چار بجے کے قریب گاڑی پہنچی۔ یہاں سے کوئٹہ کے لئے گاڑی تبدیل کرنا پڑتی تھی مگر حضور اور اہلِ بیت کے لئے چونکہ سیکنڈ کلاس کے کمپارٹمنٹ ریزرو تھے اس لئے وہ کمپارٹمنٹ پاکستان میل سے کاٹ کر کوئٹہ میل کے ساتھ لگا دیئے گئے۔ روہڑی سے گاڑی چھ بجکر پچیس منٹ پر روانہ ہوئی اور بارہ بجکر پندرہ منٹ پر سبی اسٹیشن پر پہنچی۔ مکرم ڈاکٹر عبدالحمید صاحب ڈی۔ایم۔او معہ اپنے بچوں کے حضور کے

---

[1] اِس سفر میں حضرت اُمّ المومنینؓ، حضور کے چاروں حرم، حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ، سیّدہ آصفہ مسعودہ صاحبہ بنت حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ، بیگم صاحبہ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ، اور حضور کے بچوں میں سے سیّدہ امۃ النصیر صاحبہ، سیّدہ امۃ الجمیل صاحبہ، سیّدہ امۃ المتین صاحبہ اور صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب حضور کے ساتھ تھے۔ خدام کا قافلہ اس کے علاوہ تھا۔ اہلِ بیت، خدام اور خادمات سب کو شامل کرکے یہ قافلہ سینتالیس ۴۷ افراد تک جا پہنچا۔

استقبال اور صبح کے ناشتہ کے انتظام کے لئے کوئٹہ سے سبی تشریف لے گئے تھے تاہم جناب ڈاکٹر صاحب نے حضور اور حضور کے اہلِ بیت اور خدّام کے لئے ناشتہ پیش کیا۔ سبی اسٹیشن کے بعد ساڑھے تین بجے مچ اسٹیشن پر گاڑی پہنچی۔ اس اسٹیشن پر مہتہ عبد القادر صاحب قادیانی، مہتہ عبد الخالق صاحب (چیف جیالوجیکل انجنیئر گورنمنٹ قلات)، ملک کرم الٰہی صاحب ایڈووکیٹ جماعت کوئٹہ کی طرف سے اور میر آزاد خاں صاحب اپنے بھائی سردار گوہر خاں صاحب ساتک زئی سردار علاقہ کی طرف سے استقبال کے لئے حاضر تھے۔ ان کے ہمراہ ساتک زئی قبیلہ کے بعض اور افراد بھی تھے۔

ملک کرم الٰہی صاحب کھانے کے انتظام اور دیگر اُمور کی انجام دہی کے لئے ایک رات پہلے ہی کوئٹہ سے مچ پہنچ گئے تھے۔ حضور، حضور کے اہلِ بیت اور خدّام کو مہتہ عبد القادر صاحب، مہتہ عبد الخالق صاحب اور ملک کرم الٰہی صاحب ایڈووکیٹ کی طرف سے کھانا پیش کیا گیا۔ حضرت امیر المومنینؓ اور دیگر خدّام کو ڈرائنگ رُوم میں اور حضور کے اہلِ بیت اور خادمات کو ان کے کمپارٹمنٹ میں کھانا پہنچایا گیا۔ اسی طرح پھلوں سے تواضع کی گئی۔ کھانے کا انتظام نہایت اعلیٰ تھا۔ میر آزاد خاں صاحب نے بھی حضور کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول کیا اور کافی دیر تک مختلف امور پر حضور سے گفتگو کرتے رہے۔ اس موقع پر سٹار نیوز ایجنسی کا نمائندہ بھی انٹرویو کے لئے مچ سٹیشن پر موجود تھا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے نمائندہ سٹار نیوز ایجنسی سے فرمایا کہ آپ مجھ سے ملنا چاہتے ہوں گے مَیں نماز پڑھ کر اگلے سٹیشن پر دوسرے کمرہ میں آجاؤں گا وہاں آپ مجھ سے جو چاہیں دریافت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حضور کولپور اسٹیشن پر اپنے ڈبہ سے اُتر کر دوسرے ڈبہ میں آگئے اور سٹار نیوز ایجنسی کے نمائندہ سے سپیزنڈ ریلوے اسٹیشن تک مختلف اُمور پر گفتگو فرماتے رہے۔ سپیزنڈ ریلوے اسٹیشن پر کوئٹہ کے چند احمدی بچے حضور کے استقبال کے لئے پہنچے ہوئے تھے۔ اسی طرح بعض اور دوست بھی موجود تھے۔ حضور نے بچوں کو بھی ملاقات کا موقع دیا اور ان مشتاقانِ زیارت کو بھی جو سپیزنڈ ریلوے اسٹیشن پر موجود تھے مصافحہ کا شرف عطا فرمایا۔

کوئٹہ میں آمد

سات بجے شام قریباً تینتیس گھنٹہ کے سفر کے بعد حضرت امیر المومنینؓ کوئٹہ وارد ہوئے۔ سٹیشن پر مقامی جماعت اور معززینِ شہر کا ایک جمِ غفیر حضور کے

استقبال کے لئے موجود تھا۔ بہت سے غیر احمدی معززین بھی تشریف لائے ہوئے تھے اور باوجود اس کے کہ گاڑی چار گھنٹے لیٹ پہنچی وہ اسٹیشن پر ہی حضور کی تشریف آوری کا انتظار کرتے رہے۔

جماعتِ احمدیہ کوئٹہ کے تمام افراد اپنے امیر کے حکم کے ماتحت مختلف صفوں میں کھڑے تھے۔ سب سے پہلے میاں بشیر احمد صاحب امیر جماعتِ احمدیہ کوئٹہ حضور سے ملے اور پھر شہر کے معززین سے انہوں نے حضور کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد حضور نے سب دوستوں سے مصافحہ فرمایا۔ سٹیشن زائرین سے بھرا ہوا تھا اور پولیس کے آفیسر بھی خاص طور پر مصروفِ انتظام تھے۔ مکرم شیر علی صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس ریلوے اس تمام انتظام کے انچارج تھے جنہوں نے نہایت سرگرمی کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کیا۔

مقامی جماعت نے اسٹیشن پر حضور اور حضور کے اہلِ بیت کے لئے کافی تعداد میں کاروں کا انتظام کیا ہوا تھا۔[۱] حضور مصافحہ کے بعد کار میں سوار ہو کر اپنی قیام گاہ بنام "پارک ہاؤس" کی طرف تشریف لے گئے۔ اس موقع پر حضرت اُمّ المومنینؓ اور اپنے اہلِ بیت کو کوٹھی تک پہنچانے کا کام حضور نے مہتہ عبدالقادر صاحب قادیانی کے سپرد فرمایا جنہوں نے والہانہ جوش کے ساتھ یہ فرض ادا کیا۔ اِسی طرح دیگر افرادِ جماعت نے بھی کمال دلچسپی، خلوص اور نظم و اطاعت کی رُوح سے سرشار ہو کر مختلف انتظامات پایۂ تکمیل تک پہنچا دیئے۔[۲]

جماعتِ احمدیہ کوئٹہ کی طرف سے مہمان نوازی

یہاں پہنچنے کے بعد جماعتِ احمدیہ کوئٹہ کے افراد نے تین دن حضور اور حضور کے اہلِ بیت اور خدّام کی مہمان نوازی کے فرائض سرانجام دیئے۔ اِس بارہ میں جماعت کا حُسنِ انتظام ہر لحاظ سے قابلِ تعریف تھا۔ کھانے کا انتظام کوئٹہ کی جماعت نے مہتہ عبدالقادر صاحب قادیانی کے سپرد کیا ہوا تھا جنہوں نے اپنے ساتھ مختلف سرگرم والنٹیرز شامل کر کے اِس خدمت کو احسن طریق سے سرانجام دیا۔ کھانے کے علاوہ پھلوں اور مٹھائی سے بھی مختلف اوقات میں جماعتِ احمدیہ کوئٹہ کی طرف سے تواضع کی گئی۔ اگر کوئی دوست بیمار ہوتا تو اُس کے لئے خاص طور پر الگ پرہیزی کھانا تیار کیا جاتا۔ غرض تین دن جماعتِ احمدیہ کوئٹہ کے ہر فرد نے حضرت امیر المومنین، خاندانِ مسیح موعودؑ

---

[۱] یہ انتظام ملک کرم الٰہی صاحب ایڈووکیٹ کے سپرد تھا۔ [۲] الفضل ۲۵ احسان ۱۳۲۷ھش صفحہ ۳ و ۴

کی خواتینِ مبارکہ اور خدام وخادمات کی جو خدمت کی وہ اس رُوحِ عمل کا ایک زندہ ثبوت ہے جو جماعتِ احمدیہ کوئٹہ کے افراد میں پائی جاتی ہے[۱]

لجنہ اماء اللہ کوئٹہ کی ممبرات نے بھی اسی سرگرمی اور اخلاص کے ساتھ خاندانِ مسیح موعودؑ کی خواتین مبارکہ کی خدمت میں حصہ لیا جس جوش اور اخلاص کے ساتھ خدام اور انصار باہر حصہ لیتے رہے ان تین دنوں میں اندرون خانہ کے تمام انتظامات لجنہ اماء اللہ کے سپرد تھے اور مختلف انتظامات کے لئے مختلف خواتین کی ڈیوٹیاں مقرر تھیں چنانچہ ممبرات بڑی سرگرمی سے اپنے فرائض کو ادا کرتی اور صُبح چار بجے سے لے کر رات کے ایک ایک بجے تک مہمان نوازی کے فرائض سرانجام دیتی رہیں۔[۲]

جماعتِ کوئٹہ کے عشاقِ احمدیت میں سے ڈاکٹر غفور الحق خاں صاحب[۳] ایک نہایت ممتاز فرد

[۱] الفضل ۲۵ احسان/جون ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴ ۔ [۲] ایضاً ۔ [۳] صحابی حضرت مسیح موعود حضرت حاجی نور محمد صاحب شہید فیض اللہ چک کے فرزند! آپ نے میٹرک کا امتحان تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے پاس کیا اور ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کی ڈگری لاہور میڈیکل کالج سے حاصل کی۔ بعدازاں پہلے منٹگمری (ساہیوال) میں پریکٹس شروع کی پھر اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر میجر سراج الحق خاں صاحب (ملٹری ہسپتال کوئٹہ) کی تحریک پر ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ تشریف لے گئے اور بہت جلد بلوچستان کے چوٹی کے ڈاکٹروں میں شمار ہونے لگے۔ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کی خدمت میں کوئٹہ آنے کی استدعا اوّل آپ ہی کی طرف سے کی گئی تھی اور آپ اس امر کے لئے بھی کلیتہً تیار تھے کہ اگر کوئٹہ میں حضور کے لئے کوئی موزوں کوٹھی دستیاب نہ ہوئی تو وہ اور اُن کے بھائی اپنے مکانات حضور کی رہائش کے لئے خالی کر دیں گے اسی دَوران میں انہوں نے حضور کے لئے دو کوٹھیوں کا انتظام بھی کر لیا مگر جماعتِ کوئٹہ نے دوسری کوٹھی کا انتخاب کیا جو بہت ہی مبارک ثابت ہوا مگر اس کوٹھی کو زیرِ استعمال لانے کے لئے اس کے اردگرد ایک احاطہ کی تعمیر ضروری تھی علاوہ ازیں حضور کی تشریف آوری کے نتیجہ میں مقامی جماعت پر بعض غیر معمولی اور ہنگامی اخراجات کا بار پڑنا ایک لازمی امر تھا۔ اسی طرح مہمان نوازی اور دیگر کئی قسم کی ضروریات تین ہزار روپیہ کا فوری تقاضا کرتے تھے جو ڈاکٹر صاحب نے ہینڈلوم فیکٹری کی طرف سے (جس کے آپ پریذیڈنٹ تھے) فوراً پیش کر دیئے (الفضل ۲۲ ظہور ۱۳۲۷ھش صفحہ ۲) ڈاکٹر صاحب موصوف ۹ ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء کو قریباً ۴۴ سال کی عمر میں اپنے آسمانی آقا کے پاس حاضر ہو گئے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کی نماز جنازہ بھی پڑھائی اور تدفین میں بھی شرکت فرمائی۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے آپ کی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تھے جنہوں نے ۱۳۲۷-۲۸ ہش / ۱۹۴۸-۴۹ء میں جبکہ حضور کوئٹہ میں فروکش تھے نہ صرف حضور، حضور کے اہل بیت اور دیگر خدام کی مہمان نوازی کا تین روز تک اہتمام کیا بلکہ ایک رقم خطیر حضور کی خدمت میں اخراجات کوئٹہ کے سلسلہ میں بھجوائی جسے حضور نے ازراہِ شفقت قبول فرمالیا[۱]۔ ڈاکٹر صاحبؓ نے ان دنوں حضور کا اور حضور کے اہل بیت کا طبی معائنہ بھی کیا۔ علاوہ ازیں دواؤں کے علاوہ بکثرت پھل بھی حقیر نذرانہ عقیدت کے طور پر پیش کئے[۲] جس کا ذکر حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ ۹ فتح / دسمبر ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء میں مثالی رنگ میں کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مَیں نے دیکھا ہے کہ ہم جب باہر جاتے ہیں تو کوئی اپنی محبت کی وجہ سے بعض اخراجات ہم پر کرتے ہیں۔ مثلاً مَیں دو سال سے کوئٹہ جاتا رہا ہوں وہاں ہمارے ہی ضلع کے ایک دوست ڈاکٹر غفور الحق خاں صاحب ہیں۔ مَیں نے دونوں سال تجربہ کیا ہے کہ وہ جب کوئی چیز گھر لے جاتے تھے تو اس کی ایک ٹوکری ہمیں بھی بھیج دیتے تھے۔ مثلاً انگور نکلنے شروع ہوئے اور انہوں نے بازار سے گھر کے لئے کچھ انگور خریدے تو ایک ٹوکری زائد خرید کر وہ ہمارے لئے بھی بھیج دیں گے۔ یا خربوزے نکلے اور انہوں نے اپنے استعمال کے لئے کچھ خربوزے خریدے ہیں تو کچھ خربوزے وہ ہمیں بھی بھیج دیں گے۔ وہ چیزیں اِس طرح متواتر آتی تھیں کہ ہم سمجھتے تھے کہ وہ اپنے گھر لے جارہے تھے کہ ہماری محبت کی وجہ سے انہوں نے ہمیں بھی اس میں سے ایک حصہ بھیج دیا (اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے یہ خطبہ مَیں نے دسمبر کے شروع میں دیا لیکن چھپنے سے رہ گیا۔ آج مَیں اس پر نظر ثانی کرنے لگا ہوں جبکہ ابھی ابھی عزیزم ڈاکٹر غفور الحق خاں کو دفنا کر لَوٹا ہوں۔ مَیں اِسے اتفاق نہیں کہہ سکتا یہ خدا تعالیٰ کی قدرت ہے جس نے آج مجھے اسی خطبہ پر نظر ثانی کا موقعہ دیا۔ عزیز زندہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ وفات پر اپنے قلم سے ایک نوٹ میں آپ کے اخلاص و فدائیت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا "بہت ملنسار، مہمان نواز، خدمت گزار اور دوستوں کے لئے دلی خوشی سے قربانی کرنے والے نوجوان تھے۔" (الفضل ۱۱ تبلیغ / فروری ۱۳۲۹ ہش / ۱۹۵۰ء صفحہ ۲) آپ کے برادر اکبر ضیاء الحق خاں صاحب سابق آرڈیننس آفیسر نے الفضل ۶ صلح / جنوری ۱۳۳۰ ہش / ۱۹۵۱ء کے صفحہ ۶ پر آپ کی مختصر سوانح شائع کر دی تھی۔

حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا: [۱] اِس تعلق میں حضرت مصلح موعودؓ کے دستِ مبارک کے خطوط کے چربے ضمیمہ میں ملاحظہ ہوں جن سے ایک سچے خادم کے عاشقانہ رنگ اور ایک محبوب آقا کے مشفقانہ تعلق پر خوب روشنی پڑتی ہے۔ [۲] الفضل ۲۲ ظہور / اگست ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔

ہوتا تو اِسے پڑھ کر کتنا خوش ہوتا مگر اب اس کے عزیز اِسے پڑھ کر خوش ہوں گے کہ ان کے عزیز کو خدا تعالیٰ نے یہ رُتبہ بخشا کہ اس کا ذکر اس محبت کے ساتھ ایک قائم رہنے والے نشان میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیز پر اپنے بہت فضل نازل فرمائے۔ مَیں جب عزیز کا جنازہ پڑھنے لگا تو اس میں بھی مَیں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ یہ کوئی اچھی چیز خود نہ کھاتا تھا جب تک کہ ہمیں نہ کھلالیتا تھا اب تو بھی اسے اپنی جنت کی اچھی اچھی چیزیں ہماری طرف سے کھلا تاکہ ہماری خدمت کا بدلہ اسے ملے۔ عجیب تربات یہ ہے کہ عزیز کوئٹہ سے آتے ہوئے ۲ و بکس پھلوں کے میرے لئے اب بھی لایا تھا وہ اس کی لاش کے ساتھ لاہور سے لائے گئے اور آج صبح اس کے بھائی نے اندر بھجوائے۔ رَحِمَ اللّٰہُ الْمُحِبَّ الْمُخْلِصَ وَجَعَلَ مَثْوَاہُ فِی الْمُخْلِصِیْنَ مِنْ عِبَادِہٖ)"[1]

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کا مسلمانانِ بلوچستان سے پہلا بصیرت افروز خطاب

۱۴۔ ماہِ احسان / جون ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء کو ساڑھے پانچ بجے شام جماعتِ احمدیہ کوئٹہ نے حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کے اعزاز میں "پارک ہاؤس" کے وسیع احاطہ میں ایک پُر تکلّف دعوتِ چائے دی جس میں ایرانی قونصل، ریاست قلات کے وزیر اور بعض دیگر افسران، قبائلی لیڈر، حکومت کے ذمہ دار افسران جن میں سول اور ملٹری دونوں کے آفیسرز شامل تھے مسلم لیگ کے عہدیدار، رؤسا وکلاء، ڈاکٹر اور نمائندگانِ پریس ڈیڑھ سَو کی تعداد میں شامل ہوئے۔ عبدالرشید خان صاحب ریونیو وجوڈیشل کمشنر بلوچستان، مسٹر فلپ ایڈورڈ پولیٹیکل ایجنٹ کوئٹہ، مسٹر بائل سشن جج، خان صاحب مرزا بشیر احمد صاحب سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کوئٹہ، مسٹر مُبلانگ سپرنٹنڈنٹ پولیس، مسٹر بیک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس، خان بہادر ملک بشیر احمد صاحب انڈر سیکرٹری، اے جی جی، خان بہادر مولوی منیر احمد صاحب وزیر قلات، سر اسد اللہ خاں صاحب، نواب رائسانی، راجہ زربخت خان صاحب ڈائریکٹر آف ایگریکلچر بلوچستان، خان صاحب آغا سرور شاہ صاحب کمشنر نوآبادی، راجہ احمد خان

---

[1] الفضل ۲۶ تبلیغ / فروری ۱۳۲۹ھش / ۱۹۵۰ء صفحہ ۴۔

یارک ہاؤس میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے اعزاز میں پارٹی اور حضور کا خطاب

(۱۴/احسان ۱۳۲۷ھش۔ جون ۱۹۴۸ء)

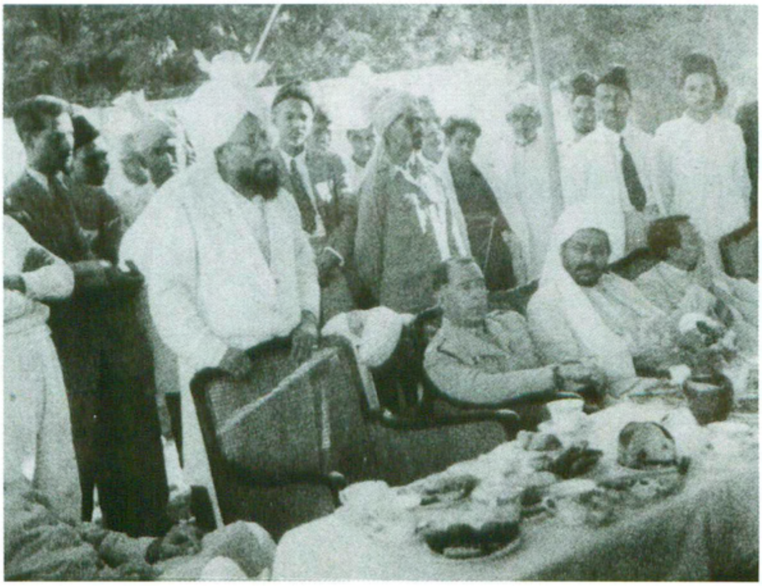

حضور کے قدموں میں مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر تقریر قلمبند کر رہے ہیں

کرسیوں پر مسٹر بشیر احمد ایس پی کوئٹہ، نواب دوداخان صاحب اور مسٹر عبدالرشید خاں

ریونیو کمشنر کوئٹہ ہیں

تورخم، لنڈی کوتل اور جمرود کے بعض اہم مناظر

صاحب ڈویلپمنٹ آفیسر، نواب کرم خاں صاحب کانسی، نواب محمد خاں صاحب جوگےزئی، خان بہادر ارباب محمد عمر خان صاحب، سردار بہادر میر دوداخان صاحب تمندار مری، خانصاحب سردار گوہر خانصاحب ساتکزئی، خان بہادر سردار سمندر خانصاحب یاروزئی، ملک جان محمد صاحب، میر قادر بخش صاحب وائس پریذیڈنٹ پراونشل مسلم لیگ، سیٹھ فدا علی صاحب پریذیڈنٹ کوئٹہ میونسپل کمیٹی، میجر ڈاکٹر نواب علی صاحب قریشی سی ایم او، شیخ محمد عارف صاحب ایڈووکیٹ اور مرزا محمد احمد صاحب بی۔اے۔ایل ایل بی خاص طور پر قابلِ ذکر تھے۔

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کی تشریف آوری پر سب سے پہلے چائے نوشی ہوئی چائے سے فارغ ہونے کے بعد بعض غیر احمدی معززین نے حضور سے استدعا کی کہ حضور اپنے قیمتی خیالات سے ہمیں مستفیض فرمائیں۔ اِس پر حضورؓ نے تشہد و تعوّذ کے بعد فرمایا:۔

"بعض احباب نے یہ خواہش ظاہر فرمائی ہے کہ مَیں اِس موقع پر کچھ باتیں بیان کردوں گو انہوں نے بتایا نہیں کہ کیا باتیں ہوں۔ انہوں نے مجھ پر چھوڑ دیا ہے کہ جو باتیں میرے نزدیک مسلمانوں کے لئے مفید ہوں مَیں انہیں بیان کردوں۔ مَیں سمجھتا ہوں سب سے پہلی چیز جو مسلمانوں کے لئے یہاں بھی اور دُنیا کے ہر گوشہ اور ہر ملک میں نہایت ضروری ہے اور جس کے بغیر ہماری ساری کوششیں اور دعوے اور ادّعا باطل ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارا مذہب اِس حقیقت کو پیش کرتا ہے کہ وہ ایک زندہ مذہب ہے جو قیامت تک قائم رہے گا۔ دُنیا کے باقی مذاہب بھی بے شک اپنے سچے ہونے کے مدعی ہیں لیکن اسلام اور قرآن ایک ایسے مذہب کو پیش کرتا ہے جس کی تائید میں ہمیشہ خدا تعالیٰ اپنے نشانات اور قدرتوں کا اظہار کیا کرتا ہے۔ پس ایک زندہ مذہب کا پیرو ہونے کے لحاظ سے ہمارے اپنے اندر بھی زندگی ہونی چاہیئے۔ آخر خدا تعالیٰ اپنی قدرتیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ اور پھر آپؐ کے تابعین کے ذریعہ سے دُنیا کو دکھاتا رہا ہے یا نہیں؟ وہ ہمیشہ اپنی تائیدات ایسے رنگ میں دکھاتا رہا ہے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی کہ کیا کوئی ایسا سِلسلہ بھی اِس دُنیا میں موجود ہے جس کی تائید کے سامان صرف مادّی اسباب سے وابستہ نہیں بلکہ مادّیات سے بالا ایک اَور ہستی

ان کی تائید کے لئے غیر معمولی سامان پیدا کر دیا کرتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ واضح الفاظ میں فرماتا ہے کہ ہمارا حزب ہمیشہ غالب رہے گا۔

حزب الٰہی کے غلبہ کے اگر یہی معنے ہوں کہ ان کے پاس توپیں زیادہ ہوں گی تو وہ جیت جائیں گے یا آدمی زیادہ ہوں گے تو وہ جیت جائیں گے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں رہتی ساری دُنیا میں یہی ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہمارا حزب ہمیشہ غالب رہے گا تو اس کے معنے یہ ہیں کہ خواہ ان کے پاس سامان کم ہوں گے تب بھی وہ ہماری تائید سے جیت جائیں گے۔ جیسے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بدر اور اُحد کی جنگ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ مسلمانوں کی تائید کے لئے نازل کئے، کفّار کے دلوں میں رُعب ڈال دیا اور مسلمانوں کے ہاتھ ایسے مضبوط کر دیئے کہ وہ زبردست طاقت اور زیادہ تعداد رکھنے والے دشمن پر غالب آ گئے لیکن خدا تعالیٰ کے نشانات کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم بھی اِس قابل ہوں کہ خدا ہماری تائید میں نشانات ظاہر کرے۔ پس سب سے پہلی چیز جس کے متعلق مَیں سمجھتا ہوں کہ وہ ہر مسلمان کے اندر پائی جانی چاہیئے یہ ہے کہ اگر ہم سچے مسلمان ہیں تو ہمیں اپنی نگاہ آج سے تیرہ سَو سال پیچھے لے جانی چاہیئے۔ اگر ہم اپنے گرد و پیش کو دیکھ کر اور یہ اندازہ لگا کر کہ دُنیا کی باقی قومیں کس طرح ترقّی کر رہی ہیں خود بھی انہی کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں تو ہمیں اپنے مقصد میں ہرگز کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں سے وہ وعدے کئے ہیں جو دوسری قوموں سے نہیں کئے۔ اور جب مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ کے ایسے وعدے ہیں جو دوسری قوموں سے نہیں تو لازماً ہمیں ایسے حالات پیدا کرنے پڑیں گے جن میں دوسری قومیں ہم سے مشترک نہ رہیں۔ اور اس کی یہی صورت ہے کہ ہمارے آقا اور سردار حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو تعلیم لائے تھے اس پر ہم عمل کرنے کی کوشش کریں۔ جس رنگ میں وہ ہمیں رنگین کرنا چاہتے تھے وہ رنگ ہم اپنے اندر پیدا کریں اور جو باتیں اسلام کے خلاف ہیں ان سے بچنے کی کوشش کریں۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے اور اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ مغرب کا اچھا

شاگرد بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم کا یہ وعدہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ مغرب کے اچھے شاگردوں کی مدد کرے گا قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تم سے محبت کرے تو تم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلو۔ جب چلوگے تو یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ خدا بھی تم سے محبت کرنے لگے گا۔ پس الٰہی تائید اور نصرت اسی صورت میں آسکتی ہے جب مسلمان محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کی بعض چیزیں ایسی ہیں جو موجودہ زمانہ کے لوگوں کو پسند نہیں لیکن ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ ایک طرف لوگوں کے خوش یا ناخوش ہونے کا سوال ہے اور دوسری طرف محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خوش یا ناخوش ہونے کا سوال ہے۔ لازماً اگر ہم سچے مسلمان ہیں تو خواہ لوگ ہم سے ناراض ہوں خواہ وہ ہمیں اپنے نقطۂ نگاہ سے بدتہذیب قرار دیں ہمارا فرض یہی ہوگا کہ ہم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کریں اور اپنے آپ کو اسلامی تعلیم کا صحیح نمونہ بنائیں۔"

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے حضورؓ نے فرمایا:۔

"آج کل عام طور پر لوگوں میں یہ چرچا پایا جاتا ہے کہ پاکستان میں اسلامی آئین نافذ ہونا چاہیئے مگر میری سمجھ میں یہ مسئلہ کبھی نہیں آیا۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی آئین میرے لئے ہے یا نہیں؟ جب اسلامی آئین ہر مسلمان فرد کے لئے ہے تو مسلمان افراد اسلامی آئین پر خود عمل کیوں نہیں کرتے؟ کیا پاکستان میں کوئی ایسا قانون ہے کہ نماز نہ پڑھو یا کیا پاکستان میں کوئی ایسا قانون ہے کہ اور اسلامی احکام پر عمل نہ کرو۔ جب نہیں تو مسلمان اگر سچے دل سے اسلامی آئین کے نفاذ کے خواہش مند ہیں تو وہ نمازیں کیوں نہیں پڑھتے، وہ اسلامی احکام پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ یہ کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان نے ایسے قانون نہیں بنائے جن کی وجہ سے ہر شخص کو نماز پڑھنے پر مجبور کیا جاسکے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اگر ایسا قانون پاکستان نے نہیں بنایا تو کیا پاکستان کا کوئی قانون شراب پینے پر مجبور کرتا ہے یا ناچنے گانے پر مجبور کرتا ہے۔ یا کوئی قانون یہ کہتا ہے کہ تم نماز نہ پڑھو اگر

پڑھو گے تو چھ ماہ قید کی سزا دے دی جائے گی۔ جب پاکستان میں اِس قسم کا بھی کوئی قانون نہیں تو اگر ہم واقعہ میں مسلمان ہیں تو ہمیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بنائے ہوئے قانون پر خود بخود عمل شروع کر دینا چاہیئے۔ کیا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ قانون سے پاکستان کا قانون زیادہ مؤثر ہو گا۔ اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قانون پر عمل کرتے ہوئے آج سارے مسلمان نمازیں پڑھنے لگ جائیں، ساری ویران مساجد آباد ہو جائیں تو کونسی گورنمنٹ انہیں اِس سے روک سکتی ہے؟ پس بجائے اِس کے کہ لوگ یہ مطالبہ کریں کہ پاکستان میں اسلامی آئین نافذ ہونا چاہیئے ان کو اسلامی آئین خود اپنے نفوس میں جاری کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ میرا یقین ہے کہ برسرِ اقتدار لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب مسلمان آئینِ اسلام کا مطالبہ کرتے ہیں تو آئینِ اسلام کے نفاذ کا مطالبہ محض وزارتوں کی تبدیلی کے لئے ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وزارتوں کے ہم حقدار ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ سب سے بہتر طریق لوگوں میں کسی وزارت کے خلاف جوش پھیلانے کا یہی ہے کہ شور مچا دیا جائے کہ وزراء آئینِ اسلام جاری نہیں کرتے ورنہ وہ خود بھی وہی کچھ کریں جو آج کل کیا جا رہا ہے۔ مَیں مانتا ہوں کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو حکومت کے اختیار میں ہیں ہمارے اختیار میں نہیں مگر اِس بارہ میں بھی حکومت کی طرف سے کوئی قدم اِس لئے نہیں اُٹھایا جاتا کہ وزراء اور لیڈر یہ سمجھتے ہیں کہ اِس قسم کا مطالبہ کرنے والے خود سنجیدہ نہیں۔ اگر سنجیدہ ہوتے تو اپنے گھروں میں اسلامی آئین پر کیوں عمل نہ کرتے؟ غرض ہمارے لئے سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو سچا مسلمان بنانے کی کوشش کریں اور قرآن کریم کے ہر حکم پر عمل کریں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مرد و عورت کے اختلاط کو منع کیا ہے مگر سینما سارے کے سارے مرد و عورت کے اختلاط کا نتیجہ ہوتے ہیں سینما کی فلم بن ہی نہیں سکتی جب تک مرد اور عورت اکٹھے نہ ہوں لیکن اگر سینما کے خلاف ہی آواز اُٹھائی جائے تو آئینِ اسلام کے نفاذ کا شور مچانے والے سب سے پہلے اس کی مخالفت پر اُتر آئیں۔ پس ضروری ہے کہ ہم پہلے افراد کو سچا مسلمان بنانے کی کوشش کریں۔ کچی اینٹوں سے جو عمارت تعمیر کی جائے وہ کبھی پکی نہیں ہو

سکتی۔ وہ عمارت ٹکڑے ٹکڑے ہوگی تب بھی کچّی ہوگی مکمل ہوگی تب بھی کچّی ہوگی اسی طرح جب تک افراد سچے مسلمان نہیں بن جاتے کبھی اسلامی حکومت قائم نہیں ہوسکتی کیونکہ کچّی اینٹوں کی عمارت پکّی عمارت نہیں کہلاسکتی جیسی اینٹ ہوگی ویسی ہی عمارت ہوگی۔"

اِس کے بعد حضورؓ نے مسئلہ کشمیر کی اہمیت بیان فرمائی اور بتایا کہ ہر مسلمان کو اِس بارہ میں اپنے فرائض سمجھنے چاہئیں اور جس حد تک ہوسکے مجاہدینِ کشمیر کی مدد کرنی چاہیئے۔

آخر میں حضورؓ نے فرمایا:۔

"آج مسلمانوں پر جو نازک دَور آیا ہؤا ہے اس میں ان کا اوّلین فرض یہ ہے کہ وہ آپس کے اختلافات کو بھُول کر متحد ہو جائیں۔ اِس وقت پاکستان ایسے حالات میں سے گزر رہا ہے کہ ہم کو اپنے تمام اختلافات کو بھُلا کر دشمن پر یہ واضح کر دینا چاہیئے کہ اگر پاکستان کی طرف اُس نے نظر اُٹھائی تو ہمارا ہر مَرد، ہر عورت، ہر بچّہ اور ہر بُوڑھا اپنے آپ کو قربان کر دے گا مگر وہ اِس آزادی کو کھونے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوگا۔ اگر دُنیا پر ہم اپنے اِس عزم کو ثابت کر دیں تو میرے نزدیک نوّے ۹۰ فیصدی اِس بات کا امکان ہے کہ دشمن پاکستان پر حملہ کرنے کی اگر خواہش بھی رکھتا ہے تو نہیں کرے گا۔ مسلمانوں میں اَور کئی کمزوریاں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ مسلمان ابھی جان دینے سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا بعض دوسری قومیں ڈرتی ہیں۔ اور یہ سیدھی بات ہے کہ اگر لاکھوں کروڑوں کی قوم مرنے کے لئے تیار ہو جائے تو اس قوم کو کوئی مار نہیں سکتا۔ اگر مسلمان بحیثیت قوم یہ فیصلہ کرلیں کہ ہم مر جائیں گے تو یقیناً انہیں مارنے کی کوئی قوم طاقت نہیں رکھتی۔ لیکن اگر ساری قوم مرنے کے لئے تیار نہیں ہوگی تو وہ ضرور مریں گے۔ جب سکھ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کو مار رہے تھے تو مَیں مسلمانوں سے بار بار کہتا تھا کہ یہاں سے مت بھاگو۔ تاریخ اِس امر پر شاہد ہے کہ ظالم سے ظالم قوم بھی کبھی اپنے مظالم میں انتہاء تک نہیں پہنچتی ضرور اس کا قدم رُک جاتا ہے مگر میری بات کسی نے نہ سُنی۔ اَب بھی مَیں کہتا ہوں کہ اگر چار پانچ کروڑ مسلمان مرنے کے لئے تیار ہو جائے تو دشمن ہتھیار پھینک دیگا

اور اُسے اپنے مدارا دوں کو ترک کرنا پڑے گا۔ اگر ہم واقعہ میں آزادی کی قدر و قیمت کو سمجھتے ہیں تو آزادی کی چھوٹی سے چھوٹی قیمت جان کی قربانی ہوتی ہے۔ یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں جان دینا سب سے بڑی قربانی ہے جان دینا سب سے بڑی نہیں بلکہ سب سے چھوٹی قربانی ہے۔ اگر مسلمان جان دینے کے لئے تیار ہو جائیں تو مَیں یقین رکھتا ہوں۔ اور میرا یقین ایک طرف تاریخ پر مبنی ہے جس کا مَیں نے کافی مطالعہ کیا ہوا ہے اور دوسری طرف قرآن پر مبنی ہے جو میرا خاص مضمون ہے اور اس لحاظ سے اس میں غلطی کا بھی امکان نہیں کہ اگر مسلمان واقعہ میں مرنے کے لئے تیار ہو جائیں تو مَیں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ پاکستان ایک دائمی حکومت بن جائے گا مگر مَیں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان کے افراد اپنی اولادوں کے لئے ایک لمبا اور شاندار مستقبل قائم کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ بھاگے تو انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اب ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں۔ اب ان کے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا تو دشمن سے لڑ کر عزّت کی موت مریں یا کراچی کے سمندر میں غرق ہو کر ذِلّت اور لعنت کی موت مریں۔ دُنیا میں کون انسان ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے کِس کو پتہ ہے کہ اس کی کتنی زندگی ہے۔ جب شام کو ایک شخص ہیضہ سے مر سکتا ہے جب ہمارے باپ دادا مرتے چلے آئے اور جب ہم نے بھی ایک دن مرنا ہے تو اگر ہم عزّت کی موت مرنا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم بہادری سے اپنی جان دینے کے لئے تیار رہیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے اور اگر اس ارادہ اور نیّت سے ہم اپنی جان دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے کہ ہندوستان میں یہ آخری جگہ ہے جہاں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا قائم ہے اسے ہم سرنگوں نہیں ہونے دیں گے تو مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ ہمارا خدا یہ بے غیرتی دکھلائے کہ وہ ہمیں تباہ کر دے اور مسلمانوں کو دشمن کے ہاتھوں بالکل مٹنے دے۔"[1]

حضور کی یہ ایمان افروز تقریر قریباً ایک گھنٹہ تک جاری رہی۔ یہ تمام تقریر جو نہایت اہم نکات اور بیش قیمت نصائح پر مشتمل تھی تمام معززین نے انتہائی دلچسپی، پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ سُنی اور وہ حضور کے قیمتی خیالات سے بہت متأثر ہوئے اور تقریر کے بعد سب معزز مہمانوں

[1] الفضل ۲۶ر احسان/جون ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳-۴۔

نے حضور سے شرفِ مصافحہ حاصل کیا اور حضور بھی اُن سے ازراہِ شفقت دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔

بلوچستان پریس میں ذکر بلوچستان پریس نے حضورِ انور کے اِس پُر اثر خطاب میں بہت دلچسپی لی اور نمایاں صورت میں اس کی خبر شائع کی۔ چنانچہ کوئٹہ کے اخبار "میزان" نے ۴؍ جون ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"کوئٹہ ۴؍ جون۔ آج شام کے ۱/۲ ۶ بجے احمدیہ جماعت کے امام مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے کوئٹہ کی جماعت احمدیہ کے پریذیڈنٹ کی طرف سے دعوتِ عصرانہ کی تقریب پر تقریر کرتے ہوئے تین اہم نکات بیان کئے۔ آپ نے فرمایا کہ اسلام کو دِل میں جگہ دو اور دِل سے مسلمان بنو اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کیجئے۔ آپ نے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ کی آیتِ شریفہ پیش کی۔ آپ نے کہا جو لوگ حکومتِ پاکستان سے آئینِ اسلامی کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ دراصل وزارت میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ حکومتِ پاکستان نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سے کیا منع کیا ہے اور کب شراب خوری، چوری اور بدکاری کی تعلیم دی ہے؟

آپ نے دوسرا اہم نکتہ محاذِ کشمیر کو مضبوط تر بنانے سے متعلق پیش کیا۔ آپ نے کہا کہ اگر کشمیر نہیں تو پاکستان نہیں۔ یہاں سے دِلی خلوص اور اخوّت کے جذبہ سے کشمیر کی آزاد فوجوں کی امداد کرنا بہت ضروری ہے اِس کام کو بہت وسیع پیمانہ پر کیا جائے۔ ہر مسلمان ممکن طریق سے زیادہ امداد دے۔

تیسرا نکتہ آپ نے یہ بیان کیا کہ جو قوم مرنے سے نہیں ڈرتی وہ کبھی مرا نہیں کرتی ذلیل زندگی سے عزّت کی موت ہزار درجہ بہتر ہے۔ آج پاکستان کے ہر مسلمان کو یہ تہیّہ کر لینا چاہیئے کہ شاندار عزّت سے آزاد زندگی بسر کریں۔ آپ نے باہمی اختلافات کو ہر مرحلہ پر ختم کرنے کی نصیحت کی اور بہت چیدہ مثالیں دے کر واضح کیا۔ دعوتِ چائے میں سِول حکّامِ اعلیٰ، بلوچستان بھر کے چوٹی کے نواب، سردار، ملک، معتبرین اور اخبار نویس شامل تھے۔

لہ اِس اخبار کا تراشہ خلافت لائبریری کے کٹنگ رجسٹر میں موجود ہے۔

پنجاب پریس میں خبر پنجاب کے اخبارات میں سے "انقلاب" نے حسبِ ذیل الفاظ میں اِس تقریر کا ملخص دیا:۔

"نفاذِ شریعت پر زور نہ دو"
اچھے مسلمان بنو
مرزا محمود کی تقریر

کوئٹہ ۔۔۔ سٹار ۔۔۔ ۱۷؍ جون ۔ کوئٹہ میں ایک جلسہ میں جس میں ایرانی قونصل ایم کاظمی، نواب محمد علی خاں جوگا زئی ممبر پاکستان دستور ساز اسمبلی اور بلوچستان کے ریونیو کمشنر مسٹر اے۔ آر۔ خاں بھی موجود تھے احمدیہ فرقہ کے لیڈر مرزا بشیر الدین محمود احمد نے پاکستان کے مسلمانوں کو پاکستان میں فوری طور پر شریعت کے نفاذ کے لئے تحریک نہ کرنے کی ہدایت کی۔ مرزا بشیر الدین نے کہا کہ "اگر وہ اِس کے بجائے اچھے مسلمان بننے کی کوشش کریں تو بہتر ہوگا اور ہمارے مذہب کا مقصد پُورا ہوگا۔ کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ اگر کشمیر غیر دوستانہ ہاتھوں میں پڑ گیا تو پاکستان کے خود مختار آزادانہ وجود کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا۔

آخر میں اُنہوں نے بلوچستان کے باشندوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے مصیبت زدہ کشمیری بھائیوں کے سلسلہ میں اپنا فرض ادا کریں۔ کشمیر کی مدد کرنے کا مطلب خود اپنی مدد کرنا ہے اور وہ ایسا کر کے آنے والی نسلوں کو غلامانہ زندگی کی لعنت سے بچالیں گے"[1]

"پاکستان کا مستقبل" کے موضوع پر ایمان افروز تقریر حضرت سیّدنا المصلح الموعودؓ نے یہاں دوسرا پبلک لیکچر ۴؍ جولائی کو شہر کے ٹاؤن ہال میں دیا جس کے پہلے حصّہ میں حضورؓ نے نہایت وضاحت سے بتایا کہ پاکستان ایک اینٹ ہے اُس اسلامی عمارت کی جسے ہم نے دُنیا میں قائم کرنا ہے۔ اور آخری حصّہ میں مسلمانوں کو تلقین فرمائی کہ اُن کا فرض ہے کہ وہ اپنی قومی اور انفرادی زندگی میں صرف اسلام کو اپنا دستور العمل بنائیں چنانچہ حضورؓ نے سلسلۂ تقریر شروع کرتے ہوئے فرمایا سب سے پہلے

[1] انقلاب (لاہور) ۱۹؍ جون ۱۹۴۸ء صفحہ ۲۔

تو مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کسی چیز کا حصول ایک علیحدہ امر ہے اور اس چیز کے حاصل ہو جانے کے بعد اسے قائم رکھنا بالکل علیحدہ بات ہے۔ ایسے واقعات تو دُنیا میں کثرت کے ساتھ مِل جائیں گے کہ کسی شخص کو کوئی چیز آپ ہی آپ مِل گئی ہو مگر اِس امر کی کوئی ایک مثال بھی نہیں مِل سکتی کہ کوئی چیز آپ ہی آپ قائم رہی ہو۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی پر مہربان ہو کر اسے مکان دیدے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے کہیں سے روپوؤں کی تھیلی مِل جائے یا اسے نوٹوں کا بنڈل کسی جگہ سے مِل جائے مگر یہ مثال دُنیا میں کہیں نظر نہیں آئے گی کہ کوئی شخص اپنے مکان کی مرمّت کا خیال تک نہ کرے اور اس کی صفائی کی طرف توجہ نہ کرے اور اتفاقی طور پر وہ مکان آپ ہی آپ صحیح اور درست حالت میں چلتا چلا جائے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کسی کو اتفاقی طور پر روپوؤں کی کوئی تھیلی مِل جائے مگر یہ ممکن نہیں کہ اتفاقی طور پر وہ آپ ہی آپ خرچ ہوتی رہے۔ اِسی طرح زمین آپ ہی آپ مِل سکتی ہے۔ جائیداد آپ ہی آپ مِل سکتی ہے مگر یہ ممکن نہیں کہ زمین اور جائیداد بغیر ہماری توجّہ کے آپ ہی آپ قائم رہے۔ یہی حال پاکستان کا ہے۔ پاکستان کا حصول اور پاکستان کے قیام کا سوال دونوں علیحدہ علیحدہ امر ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں وہ لوگ جنہوں نے پاکستان کے حصول کے لئے قربانیاں کی تھیں وہ بھی یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ پاکستان اتنی جلدی اور ایسی صورت میں مِل جائے گا۔ ہم اِس امر سے انکار نہیں کر سکتے کہ ایک گروہ نے اِس غرض کے لئے بڑی بھاری قربانیاں کی ہیں اور بہت بڑی مشکلات کا اسے سامنا کرنا پڑا ہے مگر ہم اِس امر سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ جس رنگ میں پاکستان ملا ہے اس میں صرف انسانی کوششوں کا دخل نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل کا بھی بہت بڑا حصّہ ہے جس نے ان کوششوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔

اَب ہمارے سامنے یہ سوال ہے کہ پاکستان کا مستقبل کیسا ہو؟ اگر کسی کو کوئی اچھی عمارت مِل جائے اور وہ اسے اپنی عدمِ توجّہ سے بگاڑ دے تو دُنیا اسے عزّت کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتی بلکہ اگر اس عمارت کو وہ اسی حالت میں رہنے دے جس حالت میں وہ عمارت اسے مِلی تھی تب بھی وہ تعریف کے قابل نہیں سمجھا جاتا۔ تعریف کے قابل وہ تب سمجھا جاتا ہے جب وہ اسے پہلے سے بہت اچھی حالت میں چھوڑ جائے۔ پس ہمیں اِس سوال پر غور کرتے ہوئے کہ پاکستان کا مستقبل کس طرح اچھا بنایا جا سکتا ہے یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ اصل مقابلہ اسی وقت شروع ہوتا ہے

جب کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے ذہن میں یہ سکیم بنائے کہ مَیں اِس اِس طرح تجارت کروں گا اور میرے پاس لاکھوں روپیہ جمع ہو جائے گا تو محض شیخ چلّی جیسے خیالات پیدا ہونے کی وجہ سے ڈاکو اس کے گھر پر حملہ نہیں کر دیں گے لیکن اگر وہ اپنی سکیموں میں کامیاب ہو جائے تو اس کے بعد بے شک اسے خطرہ پیدا ہو گا کہ کہیں ڈاکو میرے گھر کو نہ لُوٹ لیں۔ پاکستان کا بھی جب تک قیام نہیں ہؤا تھا اس کی مخالفت کا صحیح طور پر جذبہ پاکستان کے مخالفوں کے دِلوں میں پیدا نہیں ہؤا تھا جس طرح کسی شخص کے گھر پر ڈاکہ ڈالنے کا خیال لوگوں کو نہیں آسکتا جس نے ابھی تک اپنی کسی سکیم کو چلایا ہی نہ ہو۔ جب تک پاکستان قائم نہیں ہؤا تھا دشمن سمجھتا تھا کہ پاکستان کا خیال مجنونوں کی ایک بڑ ہے۔ اور گو ایک حصّہ مخالفت بھی کرتا تھا مگر بعض لوگ اِس وجہ سے مخالفت نہیں کرتے تھے کہ جو چیز ابھی بنی ہی نہیں اس کی ہم مخالفت کیوں کریں؟ یا کم سے کم وہ شدید مخالفت نہیں کرتے تھے لیکن جب پاکستان وجود میں آگیا تو جو اس کے مخالف تھے وہ پاکستان کے قیام میں اپنی سکیموں کی تباہی دیکھ رہے تھے ان کی مخالفت کا جذبہ بھڑک اُٹھا اور انہوں نے سمجھا کہ اَب ہمیں اس کو مٹانے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے۔

لیکن جہاں ایک طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کسی چیز کے حصول کے بعد مخالفت بڑھ جاتی ہے وہاں دوسری طرف ہمیں یہ بھی نظر آتا ہے کہ جب کوئی چیز مل جاتی ہے تو بسا اوقات اس چیز کو حاصل کرنے والے کے دِل سے اس کی عظمت مٹ جاتی ہے اور وہ اس چیز کو کھو بیٹھتا ہے۔ چنانچہ دُنیا میں کثرت کے ساتھ ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض لوگوں نے بڑے بڑے کام کئے اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے سرتوڑ کوششیں کیں مگر جب مقصد حاصل ہو گیا تو مطمئن ہو کر بیٹھ گئے اور اِس طرح وہ چیز جس کے حصول کے لئے انہوں نے سالہا سال قربانیاں کی تھیں اسے اپنی غفلت سے ضائع کر بیٹھے۔

آج سے تیس۳۰ سال پہلے جب بلقان کی ریاستوں اور ٹرکی کی آپس میں جنگ ہوئی تو بلقانی ریاستیں جیت گئیں اور ٹرکی شکست کھا گیا مگر جب اسے شکست ہو گئی تو بلقانی ریاستوں میں مال بانٹنے پر آپس میں لڑائی شروع ہو گئی اور وہی لوگ جو پہلے متّحد ہو کر ٹرکی کے مقابلہ میں صف آراء تھے آپس میں لڑنے لگ گئے۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ انہیں کئی علاقے ٹرکی کو واپس کرنے پڑے۔ غرض دُنیا میں ایسی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں کہ جب تک جنگ جاری رہی لوگ قربانی کرتے رہے مگر جب کامیابی ہو گئی

تو انہوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا اور وہ اتحاد و یک جہتی سے رہنے کی بجائے متفرق ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ جو چیز آ چکی تھی وہ بھی ان کے ہاتھوں سے جاتی رہی۔

اصل بات یہ ہے کہ جب تک خطرہ سامنے ہوتا ہے لوگوں کے دِلوں میں بہت جوش ہوتا ہے لیکن جب خطرہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو وہ مطمئن ہو جاتے ہیں حالانکہ خطرہ بدستور موجود ہوتا ہے۔ بیمار کی حالت جب تک خراب ہوتی ہے تیمار دار بھی اور ڈاکٹر بھی بڑی توجہ سے علاج کرتے رہتے ہیں لیکن لبسا اوقات جب بیمار کی طبیعت سنبھالا لیتی ہے تو ڈاکٹر بھی سمجھ لیتے ہیں کہ اسے آرام آرہا ہے اور تیمار دار بھی اِس خیال سے کہ اَب تو اسے افاقہ ہے اِدھر اُدھر چلے جاتے ہیں۔ یا تھکے ہوئے ہوں تو لیٹ جاتے ہیں مگر اِس دَوران میں مریض کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہی حال قوموں کا ہے جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی ہیں تو خطرات ان کی نگاہ سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور وہ سُستی اور غفلت کا شکار ہو جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن ہوشیار ہو کر فائدہ اُٹھا لیتا ہے۔

پاکستان کی حالت بھی اِس وقت ایسی ہی ہے۔ پاکستان نام ہے اس ملک کے ایک ٹکڑے کا جسے پہلے ہندوستان کہا جاتا تھا۔ جس ملک کا یہ ٹکڑا ہے وہ ملک زندہ ہے۔ اگر سارے ملک کا نام پاکستان ہوتا تو خطرہ کی کوئی صورت نہیں تھی مگر اَب تین چوتھائی سے زیادہ حصّہ زندہ موجود ہے اور ¼ کو کاٹ کر الگ کر دیا گیا ہے۔ پس پاکستان کے قیام سے خطرات دُور نہیں ہوئے بلکہ پہلے سے بڑھ گئے ہیں کیونکہ ہمارا ہمسایہ سمجھتا ہے کہ اسے پاکستان کے قیام سے سخت نقصان پہنچا ہے۔ اِس سلسلہ میں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں پر جو مظالم ہوئے تھے انہوں نے مسلمانوں میں جذبۂ انتقام اتنا شدید طور پر پیدا کر دیا ہے کہ اَب مسلمانوں کی طاقت پہلے سے کئی گُنا بڑھ گئی ہے۔ درحقیقت دُنیا میں دو ہی چیزیں طاقت اور قوّت کو بڑھاتی ہیں۔ جذبۂ محبّت یا جذبۂ انتقام۔ مائیں جذبۂ محبّت کی وجہ سے بعض دفعہ ایسے ایسے کام کر جاتی ہیں جو عام حالات میں بالکل ناممکن نظر آتے ہیں۔ اِس طرح جب کسی کو شدید صدمہ پہنچتا ہے تب بھی اس کے انتقام کا جذبہ تیز ہو جاتا ہے اسی وجہ سے محبّت اور انتقام کے جذبہ کو جنون کہتے ہیں، کیونکہ جنون کی حالت میں مجنوں کی طاقتیں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب بدؔر کی جنگ ہوئی تو مسلمانوں کی طرف سے صرف تین سَو تیرہ آدمی اس جنگ میں شریک تھے اور وہ بھی بالکل

بے سروسامان اور ناتجربہ کار لیکن دشمن کا ایک ہزار سپاہی تھا اور وہ سارے کا سارا تجربہ کار آدمیوں پر مشتمل تھا۔ ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی کہ ابوجہل نے ایک عرب سردار کو بھجوایا اور اسے کہا کہ تم یہ اندازہ کرکے آؤ کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے؟ وہ واپس گیا تو اس نے کہا میرا اندازہ یہ ہے کہ مسلمان تین سَو اور تین سَو پچیس کے قریب ہے۔ ابوجہل اس پر بہت خوش ہوُا اور کہنے لگا ہم نے تو میدان مار لیا اس نے کہا اے میری قوم بے شک مسلمان تھوڑے ہیں لیکن میرا مشورہ یہی ہے کہ مسلمانوں سے لڑائی نہ کرو کیونکہ اے میری قوم مَیں نے اُونٹوں پر آدمی نہیں بلکہ موتیں سوار دیکھی ہیں یعنی مَیں نے جس شخص کو بھی دیکھا اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ آج مَیں نے مَر جانا ہے یا مار دینا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی جذبہ ان کے دِلوں میں نہیں پایا جاتا۔ گویا اس جذبۂ انتقام نے مسلمانوں کو ایسی طاقت دے دی کہ ایک شدید ترین دشمنِ اسلام نے بھی ان کے چہروں سے پڑھ لیا کہ اَب وہ اس میدان سے واپس نہیں لوٹیں گے سوائے اس کے کہ وہ کامیابی حاصل کرلیں یا اسی جگہ لڑتے ہوئے جان دے دیں۔ جب یہ جذبات کسی قوم میں پیدا ہو جاتے ہیں تو وہ اسے عام سطح سے بہت اُونچا کر دیتے ہیں لیکن مَیں سمجھتا ہوں کہ کچھ اَور باتیں بھی ہیں جن کو ہمیں نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے اور وہ یہ کہ انتقام کا جذبہ صرف نقصان پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ احساسِ نقصان پر مبنی ہوتا ہے۔ ایک شخص کے اگر دس روپے کوئی شخص چُرا کرلے جائے اور اسے محسوس بھی نہ ہو تو اس کے اندر کوئی جذبۂ انتقام پیدا نہیں ہوگا لیکن دوسرے شخص کا اگر صرف ایک روپیہ کوئی شخص چُرا لیتا ہے اور اسے اس کی چوری کا احساس ہوتا ہے تو اس کے اندر یقیناً جذبۂ انتقام پیدا ہو جائے گا پس جذبات حقیقت پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ احساسِ حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔ اگر ہم کو شدید سے شدید نقصان بھی پہنچا ہے لیکن ہمیں اس نقصان کا احساس نہیں تو محض نقصان اس بات کی دلیل نہیں ہوگا کہ ہمارے اندر جذبۂ انتقام پیدا ہو گیا ہے۔ یہی حال محبّت کا ہے وہ بھی احساس پر مبنی ہوتی ہے۔ ایک حبشی کو اپنا کالا کلوٹا بچّہ ہی خوبصورت نظر آتا ہے حالانکہ دوسرے کی نگاہ میں وہ بدصورت ہوتا ہے۔ غرض انتقام کا جذبہ یا محبّت کا جذبہ دونوں احساس پر مبنی ہوتے ہیں۔ جتنے احساسات تیز ہوں اتنا ہی جذبہ بڑھا ہوُا ہوتا ہے اور جتنے احساسات کم ہوں اتنا ہی اس جذبہ کا فقدان ہوتا ہے۔ پس ہمیں صرف اپنے نقصان کا ہی نہیں بلکہ احساسِ نقصان کا بھی جائزہ لینا پڑے گا۔ اِسی طرح ہمیں دوسرے فریق کے نقصان اور اس کے احساسِ نقصان کا

بھی جائزہ لینا پڑے گا۔ اگر اس کے بغیر ہم کوئی فیصلہ کر لیتے ہیں تو درحقیقت وہ صحیح فیصلہ نہیں کہلا سکتا دوسری چیز جو پاکستان کے مستقبل کے متعلق ہمیں ہمیشہ مدِ نظر رکھنی چاہئیے وہ یہ ہے کہ پاکستان کا مستقبل محض اسلام کو اپنی عملی زندگی میں داخل کرنے کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے پاکستان کا مطالبہ اِس بناء پر کیا تھا کہ ہماری تہذیب الگ ہے اور ہندو تہذیب الگ۔ جب مسلمانوں نے یہ مطالبہ کیا اُس وقت پنڈت جواہر لال صاحب نہرو نے ایک مضمون لکھا تھا کہ بتاؤ تمہاری کونسی تہذیب ہے جو ہندوستانی تہذیب سے الگ ہے؟ ہم اس وقت کہہ سکتے تھے کہ یہ چیز عمل سے تعلق رکھتی ہے عمل کا موقع آئے گا تو ہم تمہیں بتائیں گے کہ ہماری تہذیب کونسی ہے مگر اَب جبکہ ہمیں اس تہذیب کو قائم کرنے کا موقع مل گیا ہے پنڈت نہرو اور ان کے ساتھی اگر ہم سے یہ سوال کریں کہ وہ کونسی تہذیب ہے جس کے لئے تم نے پاکستان مانگا تھا تو یقیناً وہ اپنے اِس مطالبہ میں حق بجانب ہونگے یہ ظاہر ہے کہ جس تہذیب کے بچانے کا ہم دعویٰ کر رہے تھے وہ ایرانی نہیں تھی نہ وہ پٹھانی، بلوچی، سندھی، پنجابی یا بنگالی تہذیب تھی کیونکہ نہ ہم سارے ایرانی تھے نہ ہم سارے پٹھان تھے نہ ہم سارے بلوچی تھے نہ ہم سارے سندھی تھے نہ ہم سارے پنجابی تھے اور نہ ہم سارے بنگالی تھے پھر وہ کیا چیز تھی جس کے لئے ہم سب لڑ رہے تھے؟ یقیناً اسلام ہی ایک ایسی چیز ہے جو ہم سب میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے اور اسلامی تہذیب ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے قیام کا ہم میں سے ہر شخص خواہشمند تھا۔ اسی تہذیب کے قیام کے لئے ہم نے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا اب جبکہ علیحدگی ہو چکی ہے سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے وہ غرض پوری کر لی ہے جس کے لئے ہم نے علیحدگی طلب کی تھی؟ اگر ہم نے اس غرض کو پُورا نہیں کیا تو دُنیا ہمیں کہے گی کہ تم نے غلط دعویٰ کیا تھا درحقیقت تم الگ ذاتی حکومت چاہتے تھے مگر ناواقف لوگوں میں جوش پیدا کرنے کے لئے تم نے اسلامی تہذیب کے نام سے شور مچا دیا مختصر لفظوں میں مَیں یُوں سمجھتا ہوں کہ ہماری لڑائی اِس لئے نہیں تھی کہ ہم اپنے لئے گھر مانگتے تھے بلکہ ہماری لڑائی اِس لئے تھی کہ اس ملک میں ہمارے آقا اور سردار حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا گھر نہیں تھا ہم ایک زمین چاہتے تھے جسے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زمین کہا جا سکے۔ ہم ایک ملک چاہتے تھے جسے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ملک کہا جا سکے۔ ہم ایک حکومت چاہتے تھے جسے محمد رسول اللہؐ کی حکومت کہا جا سکے اور

یہی اصل محرک پاکستان کے مطالبہ کا تھا۔ پس انفرادی اور قومی زندگی میں اسلام کو داخل کرنا ہمارا سب سے پہلا اور اہم فرض ہے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو یقیناً ہم اپنے دعویٰ میں سچے نہیں سمجھے جا سکتے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بات بھی کبھی نظر انداز نہیں کرنی چاہیئے کہ ہم نے ساری دُنیا میں اسلام کو قائم کرنا ہے اور ساری دُنیا میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا بلند کرنا ہے۔ پس پاکستان اس منزل کے حصول کے لئے یقیناً ایک قدم تو ہے مگر بہرحال وہ ایک اینٹ ہے اس عمارت کی جو ہم نے ساری دُنیا میں قائم کرنی ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس عظیم الشان مقصد کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے جس قدر بھی قربانیاں کر سکیں ان سے کبھی دریغ نہ کریں"۔ [1]

اوڑک کا تفریحی سفر

ڈاکٹر غفور الحق خاں صاحب نے ماہِ وفا/جولائی کے ابتداء میں حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کی خدمت میں اوڑک تشریف لے جانے کی استدعا کی۔ اوڑک کوئٹہ سے چودہ میل کے فاصلہ پر ایک خوشگوار پہاڑی مقام ہے جہاں ایک چشمہ واقع ہے۔ چشمہ کے نیچے واٹر ورکس ہے اور اسی واٹر ورکس سے کوئٹہ کو پانی سپلائی کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضور نے ان کی درخواست منظور فرمالی اور ۶۔ جولائی کو اپنے اہلِ بیت اور خدام کے ہمراہ وہاں تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس موقع پر پانچ کاروں اور دو بسوں کا انتظام کیا ہوا تھا۔

حضورؓ ۱۰ بجے صبح روانہ ہو کر پہلے ہنا لیک دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے یہ کوئٹہ سے قریباً آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ حضور اس مقام کے نظارہ سے بہت محظوظ ہوئے۔

ہنا لیک پر قریباً نصف گھنٹہ قیام فرمانے کے بعد حضور مع قافلہ اوڑک پہنچے۔ اوڑک میں ڈاکٹر صاحب کے بڑے بھائی خان ضیاء الحق صاحب اور ان کے خاندان کے دیگر افراد انتظامی اُمور میں حصّہ لینے اور حضورؓ کی پیشوائی کے لئے پہلے سے پہنچے ہوئے تھے۔ حضور کے اہلِ بیت کے لئے نزدیک ہی سرکاری بنگلہ میں خاطر خواہ انتظام تھا۔ کھانا تیار ہونے تک حضور مختلف اُمور پر گفتگو فرماتے رہے۔ نماز ظہر پڑھانے کے بعد حضورؓ نے خدام کے ہمراہ کھانا تناول فرمایا۔ بعد میں بعض احمدی

---

[1] (ملخص) الفضل ۲۳۔ امان/مارچ ۱۳۳۵ھش/۱۹۵۶ء صفحہ ۲-۶

نوجوانوں نے نشانہ بازی کی مشق کی اور حضور کے علاوہ ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب اور مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے نے بھی اس میں حصّہ لیا۔

ازاں بعد حضورؓ نے عصر کی نماز پڑھائی اور پھر معہ اہلِ بیت و خدام واٹر ورکس دیکھنے تشریف لے گئے اور قریباً ساڑھے چھ بجے شام واپس کوئٹہ تشریف لے آئے [1]

حضرت امیر المومنینؓ کے پُرشوکت خطباتِ جمعہ و عید، حقیقت افروز تربیتی تقریریں و مجالسِ علم و عرفان اور رُوح پرور درس القرآن

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی کوئٹہ میں تشریف آوری سے بلوچستان کی دینی و مذہبی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا جس سے صوبہ بلوچستان کے لئے عموماً اور کوئٹہ کی جماعت کے لئے خصوصاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے انوار و برکات کا ایک عظیم الشان دروازہ کُھل گیا اور سنگلاخ اور پتھریلی زمین میں علومِ ظاہری و باطنی کے شاہسوار کی بدولت حق و حکمت کے رُوحانی چشمے جاری ہو گئے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے مقامی جماعت کو اپنے کلماتِ طیّبات سے مستفید فرمانے کے لئے نہ صرف احمدی دوستوں کو بکثرت انفرادی ملاقاتوں کے مواقع عطا فرمائے اور شرفِ باریابی بخشا بلکہ اجتماعی طور پر مندرجہ ذیل چار ذرائع بھی اختیار کئے: ۱۔خطباتِ جمعہ اور عید ۲۔تربیتی اجلاسوں میں تقاریر ۳۔مجالسِ علم و عرفان کا انعقاد ۴۔درس القرآن۔

خطباتِ جمعہ:۔سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے کوئٹہ میں متعدد خطبات ارشاد فرمائے۔ اِن خطبات میں جو اپنے اندر رُوح القدس کی تائید کا ایک خاص رنگ لئے ہوئے تھے حضور پُر نور نے متعدد تربیتی و تنظیمی مسائل بیان فرمائے اور بے شمار نکاتِ معرفت پر روشنی ڈالی۔بطور نمونہ اِس دَور کے بعض خطبات کے چند اقتباسات درج کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے:۔

۱۔ "ہماری جماعت کا سب سے پہلا فرض اپنے نفس کی اصلاح ہے اور نفس کی اصلاح کے بعد خدمتِ خلق ہے جس میں سے مقدّم چیز تبلیغ ہے۔ بھلا یہ کوئی عقل کی بات ہے کہ ایک طرف

---

[1] الفضل ۲۲ ظہور/اگست ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲۔اِس تفریحی سفر کے جملہ انتظامات ڈاکٹر غفور الحق خاں صاحب اور ان کے خاندان کی طرف سے کئے گئے تھے۔

توہم یہ دعویٰ کریں کہ دُنیا ہمارے ہاتھ پر فتح ہو گی اور دوسری طرف دُنیا کو فتح کرنے کا جو ایک ہی ذریعہ ہے یعنی اسلام اور احمدیت کی تبلیغ اس کی طرف توجہ نہ کریں۔ دُنیا کی فتح کے یہ معنے تو نہیں کہ دس بیس آدمی ڈنڈے لے کر کھڑے ہو جائیں گے اور دو ارب کی دُنیا پر حکومت شروع کر دیں گے دُنیا کی فتح کے معنے ہیں کہ دُنیا کی دو ارب آبادی میں سے کم از کم سوا ارب احمدی ہو جائیں اور یا پھر ان لوگوں کو اگر ہم تبلیغ نہیں کرتے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ احمدیوں کو اتنی طاقت حاصل ہو جائے گی اور ساتھ ہی وہ اتنے ظالم بن جائیں گے کہ وہ دوسرے لوگوں کے حقوق کو تلف کر کے ان پر جابرانہ اور ظالمانہ حکومت کرنی شروع کر دیں گے۔ یا ہم یہ اُمید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ساری دُنیا کو مار ڈالے اور صرف احمدی ہی دُنیا میں باقی رہ جائیں۔ آخر ہم اگر تبلیغ سے کام نہیں لیتے اور ساتھ ہی یہ اُمید رکھتے ہیں کہ دُنیا پر غالب آجائیں گے تو سوائے ان دو باتوں کے ہم دُنیا پر غالب ہی کس طرح آسکتے ہیں۔ دُنیا پر غالب یا تم تبلیغ کے ذریعے آ سکتے ہو اور یا پھر دُنیا پر غالب آنے کے یہ معنے ہوں گے کہ ہم ایٹم بم کی ایجاد کر لیں اور لوگوں کو ایسا ڈرائیں کہ ہمارے چند لاکھ آدمیوں کے سامنے سب لوگ ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جائیں اور جو حکم ہم انہیں دیں وہ مان لیں۔ گویا دوسرے لوگ وحشی اور جانور بن جائیں گے اور انکی انسانی حیثیت باقی نہیں رہے گی اور ہم ان پر ایسے چھا جائیں گے جیسے ٹڈی دَل کھیتوں پر چھا جاتا ہے۔ کیا یہ وہی دُنیا ہے جس کا قرآن مجید اپنے مومن بندوں سے وعدہ کرتا ہے۔ اور کیا یہی وہ دُنیا ہے جس میں خدا کی بادشاہت ہو گی۔ غرض جب ہم کہتے ہیں کہ احمدیت دُنیا پر غالب آجائے گی تو یقیناً اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ ہمیں ایسی طاقت حاصل ہو جائیگی کہ سب لوگ چوہڑوں اور چماروں کی طرح ہمارے ڈنڈے کے ڈر سے ہمارے سامنے ہاتھ جوڑتے پھریں گے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم یقیناً ظالمانہ حکومت کو قائم کرنے والے ہوں گے، ہم یقیناً جابرانہ حکومت کو قائم کرنے والے ہوں گے۔ ایسی حکومت نمرود اور شدّاد کی حکومت کو بھی مات کرنے والی ہو گی مگر خدا تعالیٰ اپنے رسولوں کو اِس غرض کے لئے دُنیا میں نہیں بھیجا کرتا۔

دوسری صُورت یہ ہو سکتی ہے کہ کوئی ایسی بیماری پڑ جائے جس سے سارے غیر احمدی

مَر جائیں اور اسی طرح سارے ہندو، سکھ اور غیر مذاہب والے مَر جائیں۔ اگر ایسا ہو تو ہم تو بلوچستان کو بھی آزاد نہیں کر سکتے جس کی آبادی بہت ہی کم ہے۔ ہمارے احمدی دو تین لاکھ ہیں مگر بلوچستان کی آبادی دس بارہ لاکھ کے قریب ہے۔ اگر ساری قومیں مَر جائیں اور احمدی ہی زندہ رہ جائیں تو یہ بلوچستان بھی ویران نظر آنے لگ جائے گا۔ اگر ہم کہیں کہ چلو باقی بلوچستان چھوڑ دو ہم صرف پاکستانی بلوچستان کو آباد کر لیں گے تو پاکستانی بلوچستان کی آبادی بھی چار لاکھ ہے۔ اس میں بھی صرف دو تین لاکھ احمدی آباد ہوں گے باقی سارا بلوچستان خالی پڑا ہو گا۔ اسی طرح سب کا سب چین، جاپان، انڈونیشیا، انگلستان، فرانس، امریکہ اور دوسرے ممالک بالکل ویران اور اُجاڑ ہوں گے۔ شیر اور چیتے ہر جگہ پھر رہے ہوں گے اور ہم دُنیا کے ایک گوشہ میں بیٹھے اِس بات پر خوش ہوں گے کہ ہم نے ساری دُنیا فتح کر لی ہے مگر کیا یہ مقصد کوئی اعلیٰ درجہ کا مقصد ہے؟ پھر کیا چیز رہ جاتی ہے جس سے ہم دُنیا کو فتح کر سکتے ہیں۔ وہ یہی چیز ہے کہ تم لوگوں کو احمدی بناؤ اور احمدیت کی تبلیغ اپنے پورے زور کے ساتھ کرو۔ یہی ایک معقول چیز ہے جو رُوحانی بھی ہے اور جسمانی فائدہ بھی اس سے حاصل ہوتا ہے اور جس سے دُنیا کو حقیقی معنوں میں سُکھ اور آرام میسر آسکتا ہے۔"[1]

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۸۔ وفا/جولائی)

(۲) "ہمارے ایک نئے احمدی دوست ہیں۔ بلوچستان میں ملازم ہیں ویسے یو پی کے رہنے والے ہیں وہ میرے پاس آئے اور اُنہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ وہ کونسے طریقے ہیں جن کو اختیار کرنے سے بلوچستان میں تبلیغ کامیاب ہو سکتی ہے؟ مَیں نے سمجھ لیا کہ ان میں اِس چیز کا احساس پایا جاتا ہے اور مَیں نے اُن کو کئی ایک طریقے بتائے جن کو اختیار کرنے سے بلوچستان میں تبلیغ کامیاب ہو سکتی ہے۔ قادیان کے اِردگرد کی جماعتوں کو مَیں نے اِس طرف توجہ دلائی تھی اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں جماعت کی تعداد دس بارہ ہزار سے ترقی کر کے ساٹھ ستر ہزار ہو گئی تھی۔ پس اگر اِس طرف ذرا بھی توجہ کی جاتی تو یہ مشکل کام نہ تھا۔ جو طریقہ یہاں کی جماعت کے دوستوں نے اختیار کیا ہوا ہے یا عام طور پر احمدی جماعتیں اختیار کرتی ہیں وہ غلط ہے۔ دوستوں کو اس کی اصلاح کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ صحیح طریقہ یہی ہے کہ تم اپنے دوستوں سے صاف صاف

---

[1] الفضل ۷، وفا/جولائی ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵

کہہ دو کہ یا تو تم غلطی پر ہو یا میں غلطی پر ہوں۔ اگر تم مجھے غلطی پر سمجھتے ہو تو دوستی کا حق یہ ہے کہ تم مجھے سمجھاؤ تا میں صحیح راستہ پر آ جاؤں۔ اور اگر میں حق پر ہوں تو تمہیں بھی میرے ساتھ ہو جانا چاہیئے۔ اور اگر صحیح طور پر کام کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ انہیں اِس طرف توجہ نہ دلائی جا سکے۔"

(خطبہ فرمودہ ۱۶؍وفا/جولائی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء پارک ہاؤس کوئٹہ) [1]

(۳) "اِس وقت خواہ ہم کتنے ہی کمزور ہوں ہم نے وقت آنے پر قادیان ضرور واپس لینا ہے۔ یا تو حکومت محبت اور پیار سے ہمارا قادیان ہمارے حوالے کر دے گی۔ جیسے ہم نے بار بار اس سے کہا ہے کہ اس علاقہ میں رہنے والے احمدی تمہاری حکومت کے مطیع اور فرمانبردار بن کر رہیں گے لیکن اگر اس نے ایسا نہ کیا تو ہماری جماعت پر فرض ہے خواہ وہ امریکہ میں بستی ہو یا انگلستان میں، جرمنی میں یا سوئٹزرلینڈ میں، افریقہ میں یا انڈونیشیا میں، پاکستان میں یا عرب میں (سوائے اُن لوگوں کے جو ہندوستان یونین کے باشندے ہیں کہ اُن پر ہندوستان یونین کی فرمانبرداری فرض ہے) کہ وہ ہر جائز اور ممکن ذریعہ سے قادیان واپس لینے کی کوشش کرے۔ اگر وہ صُلح سے نہ ملے تو جب اُسے طاقت ملے طاقت کے زور سے اس مقام کو حاصل کرے۔ جو شخص صُلح کے ہاتھ کو ردّ کرتا ہے وہ خود تلوار کا راستہ کھولتا ہے اور سب الزام اس پر ہے۔"

(خطبہ فرمودہ ۳۰؍وفا/جولائی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء مسجد احمدیہ کوئٹہ) [2]

(۴) "اِس وقت دُنیا میں ہزاروں قصبات اور شہر ایسے ہیں جن میں مسلمانوں کی بنائی ہوئی مسجدیں ویران پڑی ہیں اور ان میں خدا تعالیٰ کے آگے سجدہ کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ بنانے والوں نے تو انہیں اِس لئے بنایا تھا کہ ان میں خدا تعالیٰ کا ذکر کیا جائے لیکن اَب وہ ویران اور غیر آباد پڑی ہیں۔ اَب جب تک یہ تمام مسجدیں پھر اسلام کی عظمت کا ایک زندہ نشان نہ بن جائیں، جب تک قرآن کی حکومت پھر دُنیا میں قائم نہ ہو جائے اس وقت تک اگر کوئی شخص صرف ظاہری عید پر ہی خوش ہو جاتا ہے اور نئے کپڑے پہن کر سمجھ لیتا ہے کہ اُس نے عید منالی ہے تو وہ بے غیرت ہے اِسی طرح وہ انسان جو ہمت ہار کر بیٹھ جاتا ہے وہ بھی نہایت ہی ذلیل اور بُزدل انسان ہے۔ بے شک ہمارے خدا نے ہمیں ظاہری طور پر خوشی منانے کا حکم دیا ہے اور اِس لئے ہم خوشی مناتے

---

[1] الفضل ۴؍ظہور/اگست ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵ ؛ [2] الفضل ۲۵؍تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵ ؛

ہیں لیکن ہمیں حقیقی خوشی اسی وقت حاصل ہو گی جب دُنیا میں ہر جگہ اسلام پھیل جائے گا جب مساجد ذکرِ الٰہی کرنے والوں سے بھر جائیں گی اور جب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی حکومت دُنیا کے چپہ چپہ پر قائم ہو جائے گی۔

پس ہماری جماعت کے ہر فرد کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام اور مسلمانوں کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے ہمارے اندرونی زخم کبھی مندمل نہیں ہونے چاہئیں بلکہ اگر ہمارے زخم کبھی مندمل ہونے لگیں تو چاہیئے کہ ہم اپنی اُنگلیوں سے ان زخموں کو پھر ہرا کر لیں کیونکہ ہماری سب سے بڑی عید اُسی وقت ہو گی جب اسلام دُنیا کے کناروں تک پھیل جائے گا اور دُنیا کے کونہ کونہ سے اللہ اکبر کی آوازیں اُٹھنا شروع ہو جائیں گی۔" (خطبہ عید الفطر فرمودہ ۷ ظہور / اگست ۱۳۲۷ھش ۱۹۴۸ء یارک ہاؤس) [۱]

(۵) "یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم مال کے ذریعہ دُنیا کے مقابلہ میں جیت نہیں سکتے۔ امریکہ کا ایک مالدار ہماری جماعت کی تمام جائدادیں خرید سکتا ہے اور پھر بھی اس کے خزانے میں روپیہ رہتا ہے۔ امریکہ کے بعض مالداروں کے پاس ہماری ساری جماعت سے زیادہ روپیہ ہے۔ بعض کے پاس تو بیس [۲] بیس [۲] ارب روپیہ ہے اور اتنا روپیہ ہماری ساری جماعت کے پاس بھی نہیں۔ ان میں ایسے لوگ سینکڑوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں جن کے پاس اربوں روپیہ ہے۔ وہ لوگ ڈالروں میں اس کا ذکر کرتے ہیں کہ فلاں کے پاس ہزار ملین ہیں فلاں کے پاس دو ہزار فلاں کے پاس تین چار یا پانچ ہزار ملین ڈالر ہے اور یہ تین ارب روپیہ سے لے کر پندرہ ارب روپیہ تک ہو جاتا ہے ایسی قوم کا مقابلہ تم دولت سے کس طرح کر سکتے ہو؟

پھر ہمارے پاس دُنیاوی طاقت بھی نہیں۔ پیشوں کو لے لو، تجارت کو لے لو، تعلیم کو لے لو، صنعت و حرفت کو لے لو، کسی چیز میں بھی تو ہم غالب نہیں آسکتے۔ پس اگر ہم دُنیوی لحاظ سے دیکھیں تو سیدھی بات ہے کہ ہم دوسری قوموں پر غالب نہیں آسکتے۔ پس اگر ہم غالب آسکتے ہیں تو محض اِس طرح سے کہ ہم دین کو دُنیا پر مقدّم کر کے اپنے آپ کو پاگل بنا دیں۔ اگر ہم اپنے آپکو پاگل بنا دیں تو ایک سال میں ہم وہ کام کر لیں جس سے دُنیا کی کایا ہی پلٹ جائے۔ مَیں نے جماعت کو کئی بار توجّہ دلائی ہے کہ ہر احمدی سال میں کم از کم ایک احمدی بنائے اور مَیں نے حساب لگا

---

[۱] الفضل ۱۵ امان / مارچ ۱۳۴۰ھش ۱۹۶۱ء صفحہ ۳، ۴؀

کر بھی بتایا تھا کہ اِس طرح ہم دس پندرہ سال میں کہیں کے کہیں پہنچ جائیں گے۔ اگر ہر احمدی سالی میں ایک ایک احمدی بنائے تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ ہم اِس وقت ہندوستان میں تین لاکھ ہیں ایک سال کے بعد ہم چھ لاکھ ہو جائیں گے، دو سال کے بعد ۱۲ لاکھ ہو جائیں گے، تین سال کے بعد ۲۴ لاکھ ہو جائیں گے، چار سال کے بعد ۴۸ لاکھ ہو جائیں گے، ۵ سال کے بعد ۹۶ لاکھ ہو جائیں گے، ۶ سال کے بعد ایک کروڑ بانوے لاکھ ہو جائیں گے، ۷ سال کے بعد تین کروڑ چوراسی لاکھ ہو جائیں گے، ۸ سال کے بعد سات کروڑ اڑسٹھ لاکھ ہو جائیں گے، ۹ سال کے بعد ۱۵ کروڑ ۳۶ لاکھ ہو جائیں گے، ۱۰ سال کے بعد ۳۰ کروڑ ۷۲ لاکھ ہو جائیں گے۔ تو دیکھو اگر ہر ایک احمدی سال میں ایک ایک احمدی بنائے تو دس سال میں کتنا بڑا تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷ ظہور/ اگست ۱۳۲۷ھش/ ۱۹۴۸ء) [1]

تربیتی اجلاسوں کو خطاب :۔ حضرت امیر المومنین رضؓ نے قیام کوئٹہ کے دوران جماعتی تنظیموں کے بعض تربیتی اجلاسوں میں بھی شرکت فرمائی اور نہایت قیمتی ہدایات سے نوازا مثلاً ۷ ظہور/ اگست کو حضورؓ نے مجلسِ خدام الاحمدیہ کی ایک فروٹ پارٹی میں ایک نہایت بصیرت افروز تقریر کی۔ حضور نے اپنے اِس پُر اثر خطاب کے آخر میں فرمایا :۔

"جب اسلام پھر غالب آئے گا تو ہر انسان اس میں فخر محسوس کرے گا کہ وہ اسلام کی تعلیم پر عمل کرے لیکن جب تک اسلام غالب نہیں آتا ہمیں بڑی بڑی قربانیاں کرنی پڑیں گی، ہمیں اپنے نفسوں کو مارنا ہوگا۔ جب تک ہم اپنے نفسوں کو مار کر موجودہ رسم و رواج کے خلاف اپنے آپ کو نہیں اُبھاریں گے، جب تک دریا کی دھار کے خلاف تیرنے کی کوشش نہ کریں گے، جب تک ہم ملامت کی تلوار کے نیچے اور ہنسی اور مذاق کی تلوار کے نیچے اپنے سر دھرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہیں پاتے، جب تک ہم سیاسی لوگوں کے اعتراضات کی تلوار کے نیچے اپنے سر دھرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہیں پاتے، جب تک ہم مذہبی اور فلسفی لوگوں کے اعتراضات کی تلوار کے نیچے سر دھرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہیں پاتے اس وقت تک ہمیں اس عظیم الشان مقصد کے پُورا ہونے کی اُمید نہیں رکھنی چاہئیے۔

---

[1] الفضل ۱۰ تبوک/ ستمبر ۱۳۲۷ھش/ ۱۹۴۸ء صفحہ ۶

دُنیا میں ایسی کوئی قوم نہیں گزری جس نے میٹھی میٹھی باتوں سے دُنیا کو فتح کر لیا ہو۔ قومیں ہمیشہ تلواروں کے سایہ تلے بڑھتی اور ترقی کرتی ہیں۔ انہیں دوسرے لوگوں کے اعتراضات برداشت کرنے ہی پڑتے ہیں۔ پس اپنے آپ کو اس کا اہل بناؤ۔ جب تک آپ خدا اور اس کے رسولؐ کے دیوانے نہیں بن جاتے جب تک موجودہ فیشن اور علوم کی رَو کو اور رسم و رواج کو کچلنے کے لئے تیار نہیں ہو جاتے، جب تک تم اسلامی تعلیم کو جاری کرنے کے لئے تیار نہیں ہو جاتے اس وقت تک اسلامی احکام کو ایک غیر مسلم کبھی بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔" [۱]

مجالسِ علم و عرفان: ۔حضورؓ کی مجالسِ علم و عرفان کے انعقاد کا سلسلہ کوئٹہ میں بھی برابر جاری رہا ان مجالس میں حضور نے علاوہ دوسرے اہم اُمور کے بعض فقہی مسائل (مثلاً ترتیب نماز وغیرہ) کے معاملہ میں بھی راہ نمائی فرمائی۔ [۲]

درس القرآن: ۔جماعت کوئٹہ کو ان بابرکت اور فیوضِ آسمانی سے معمور ایّام میں حضرت مصلح موعودؓ کے درسِ قرآن کی بیش بہا نعمت بھی میسر آئی۔ چنانچہ اخبار الفضل کے نامہ نگار کی ایک مطبوعہ رپورٹ ملاحظہ ہو:۔

"حضور نے ازراہِ نوازش اور احباب کے فائدہ کے لئے قرآن کریم کا درس جاری رکھا ہے اور عید کے بعد بھی ہر روز عصر کے بعد ایک گھنٹہ درس ہوتا ہے۔ حضور اقدس آجکل سورۃ کوثر کی تفسیر بیان فرما رہے ہیں جس میں حضور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ ہر شعبہ میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو انتہائی درجہ کی ترقی عطا فرمائی یعنی کوثر عطا فرمایا۔ درس کے دَوران میں بھی مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لوگ آتے ہیں اور حضور کے درس کو سُن کر ان غلط افواہوں کی تردید کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں جو مولویوں نے اُن کے کانوں میں ڈالی ہوتی ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جو جماعت احمدیہ کوئٹہ پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔" [۳]

ایک اور رپورٹ میں لکھا ہے:۔

"کوئٹہ ۵ ۸/۴۸۔ آج درس القرآن شروع ہونے سے قبل ایک عیسائی دوست نے بیعت کی۔ اسکے بعد حضور نے سورۃ کوثر کا

---

[۱] الفضل ۲۵۔ ظہور/اگست ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵ ٭ [۲] الفضل ۲۷۔ احسان/جون ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۱ ٭

[۳] الفضل ۲۱۔ ظہور/اگست ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴ ٭

درس دیا اور اسمیں نہایت ہی لطیف انداز میں اسلامی عبادت نماز کو دیگر مذاہب کی عبادتوں پر افضل اور برتر ثابت کیا۔ فرمایا۔ مذہبِ اسلام تمام اقوامِ عالَم کے لئے ہے اسی طرح اس کی عبادت نماز بھی۔ اِس لئے نماز میں تمام حرکات ایسی رکھی گئی ہیں جو کسی نہ کسی قوم میں تعظیم کی علامت ہیں۔ مثلاً بعض اقوام میں جُھکنا، بعض میں سیدھے کھڑے ہونا، بعض میں ہاتھ باندھنا، بعض میں سجدہ کرنا تعظیم کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اِس لئے ہر قوم کے جذبات کو مدِنظر رکھتے ہوئے نماز میں تمام تعظیمی حرکات کو اکٹھا کر دیا گیا تاکہ ہر قوم کے افراد کو یہ عبادت بجا لانے میں آسانی رہے۔" لہ

علمائے کوئٹہ کی مخالفت اور سعید الفطرت لوگوں کا احمدیّت کی طرف رجُوع

الفضل کے نامہ نگارِ خصوصی کا بیان ہے "۱۰ر جون ۱۹۴۸ء کو حضور کوئٹہ میں وارد ہوئے۔ دِن گزرتے گئے لیکن کوئٹہ کی پبلک میں احمدیت کے متعلق کوئی حرکت نہ تھی۔ حضور نے یہاں دو تقاریر پاکستان کے مستقبل کے متعلق کیں۔ گو پبلک نے انہیں بے حد پسند کیا لیکن بعض اخباروں نے اس اچھے اثر کو جو پبلک نے قبول کیا تھا زائل کرنے کی کوشش کی لیکن ان کا اثر اتنا نہ ہوُا تھا کہ پبلک میں ایک تہلکہ مچ جاتا حضور نے ایک خطبہ جمعہ میں اِس کا اظہار فرمایا کہ خدا تعالیٰ کسی حکمت کے ماتحت مجھے یہاں لے آیا ہے۔ شاید اِس لئے کہ بلوچستان کا چھوٹا صُوبہ ہے اور اِس میں احمدیت جلدی پھیل جائے۔ اور دوستوں کو فریضۂ تبلیغ کی طرف متوجہ فرمایا۔ ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے مقدّس مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بات کو پورا کرنے کے آثار ظاہر کرنے شروع فرما دیئے۔

مولویوں نے ایک اشتہار لکھا "فتنۂ قادیان سے بچو" اس کا عنوان تھا۔ اس میں انہوں نے کُفر کا فتویٰ لگایا اور شہر کے مختلف مقامات پر انہیں چسپاں کیا۔ پبلک جگہوں پر مولویوں نے تقاریر کیں اور پبلک کو غلط پراپیگنڈا کر کے جماعتِ احمدیہ کے خلاف بھڑکایا۔ وہ سمجھتے تھے کہ پبلک کو مشتعل کر کے جماعتِ احمدیہ کو کوئٹہ سے ختم کر دیں گے۔ لیکن انہیں یہ امر بھُول گیا کہ انبیاء کی جماعتیں ترقی ہی ایسی مخالف فضا میں پاتی ہیں۔ مخالفتیں اعلیٰ کھاد کا کام کرتی ہیں اور جماعت کی مضبوطی کا باعث بنتی ہیں۔ مولویوں نے خطبہ جمعہ بھی احمدیت کی مخالفت کرنے کے لئے وقف کر دیا اور گالیاں

لہ الفضل ۱۳ر ظہور / اگست ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۷ کالم ۱۔

دینا اپنا شیوہ بنا لیا۔ اِس اشتعال کو دیکھ کر سعید رُوحوں میں تحقیق اور جستجو کی خواہش پیدا ہوئی انہوں نے تحقیقِ حق کرنے کے لئے ضروری سمجھا کہ وہ ہمارے پاس آئیں اور خدا کے مصلح موعود کے چہرۂ مقدس کو دیکھیں اور اصل حقیقت سے آگاہی حاصل کریں۔ مخالف طبقہ نے اِس خیال سے آنا شروع کیا کہ وہ اِس سلسلہ کو نیست و نابود کرنے کا طریقہ تلاش کریں۔

چنانچہ عید کے بعد لوگوں کے گروہ در گروہ آنے شروع ہوئے۔ بُوڑھے، بچے اور جوان اور ہر قسم کے طبقہ کے لوگوں نے حضور کی قیام گاہ پر آنا شروع کر دیا۔ اس وقت سے عجیب ایمان افروز ماحول پیدا ہو گیا ہے۔ ٹولیاں آتی ہیں جاتی ہیں، آکر تبادلۂ خیالات کرتی ہیں اور اصل حقیقت کو معلوم کر کے اس سے استفادہ کرتی ہیں حضور پُرنور سے ملاقات کر کے ان کے مشتعل جذبات نہ صرف زائل ہو جاتے بلکہ ان کے دِل اِس بات پر مجبور ہو جاتے کہ وہ خدا کے پاک مصلح موعود کو خدا رسیدہ ہستی یقین کریں۔ چنانچہ حق کے پیاسوں کے لئے یہ ایک نادر موقع تھا اور اکثر اس سے فائدہ اُٹھاتے بھی تھے۔ جس روز سے شورش پیدا ہوئی اُسی دن سے سعید الفطرت لوگوں کا حق کی طرف رجوع ہونا شروع ہوُا۔ چنانچہ مورخہ ۸؍۸؍۴۸ کو چار اشخاص بیعت میں داخل ہوئے۔ ایک شخص صبح آیا ملاقات کی اور بیعت بھی ساتھ ہی کر لی۔ ایک شخص نے ظہر کی نماز کے بعد اور دو افراد نے درسِ قرآنِ کریم کے بعد دستی بیعت کی۔" [1]

ڈاکٹر میجر محمود احمد صاحب کی المناک شہادت

۱۹ ظہور / اگست کا واقعہ ہے کہ ½۱۱ بجے شب حضرت مصلح موعودؓ کی قیام گاہ واقع لٹن روڈ کے قریب بعض شورش پسندوں نے احمدیت کی مخالفت میں ایک جلسہ منعقد کیا جس میں انتہائی اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں۔ جلسہ کے دَوران ایک مخلص اور ہونہار احمدی نوجوان ڈاکٹر میجر محمود احمد صاحب کا وہاں سے اچانک گزر ہوُا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ مشتعل ہجوم ایک احمدی کو خواہ مخواہ پیٹ رہا ہے۔ میجر صاحب نے اپنی موٹر روک لی اور اس شور و شر کی وجہ دریافت فرمائی۔ اِس پر بعض غنڈوں نے آپ پر پتھر برسانے شروع کر دیئے اور موٹر پر بھی خشت باری کی اور

---

[1] الفضل ۲۱ ظہور / اگست ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۴

تعاقب کرتے ہوئے قریب کی جگہ میں ہی آپ کو چھرا گھونپ کر شہید کر دیا۔[1]

ڈاکٹر میجر محمود احمد صاحب کی اِس المناک شہادت نے ایک نوجوان کے اندر ایمانی حرارت پیدا کر کے اسے مجبور کیا کہ وہ احمدیت میں داخل ہو جائے چنانچہ وہ شہادت کے معاً بعد حضورؓ کی خدمت میں حاضر ہؤا اور حضور کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔ نمازِ ظہر کے بعد ایک اور دوست نے بھی حضور کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اِس طرح دو افراد سلسلہ میں شامل ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب شہید کی نعشِ مبارک غسل دینے کے بعد چھ بجے کے قریب ان کے مکان سے پارک ہاؤس لائی گئی۔ تقریباً تمام احمدی دوست اِس جنازہ کے ساتھ شامل تھے اور ان کے پیچھے پولیس کی لاری تھی۔ حضور نے نمازِ عصر کے بعد شہید کا چہرہ دیکھا اور نمازِ جنازہ پڑھائی پ ۶ بجے کے قریب دوستوں نے نعشِ مبارک کو اٹھایا اور قبرستان کی طرف روانہ ہوئے۔ حضورؓ پُر نور بھی ساتھ تشریف لے گئے۔

تمام احمدی دوست اپنے بھائی کی جُدائی پر افسردہ اور آخری خدمت کرنے کیلئے بیتاب تھے۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ اپنے بھائی کی نعش کو کندھا دے۔ اور وہ اِس خواہش کو پُورا کرتے ہوئے دکھائی دے رہا تھا۔ قبرستان پارک ہاؤس سے کوئی اڑھائی تین میل کے فاصلہ پر تھا اور وہاں پہنچنے تک کوئی ایک گھنٹہ صرف ہؤا۔ نعش کو جب صندوق میں جو قبر میں رکھا جا چکا تھا اُتارا جا رہا تھا تو حضور نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر کسی نعش کو معیّن عرصہ کے لئے دفن کیا جائے تو اس عرصہ کے اندر ہی نکالی جا سکتی ہے۔ فرمایا یہ ایک وہم ہے زمین کے سپرد ایک امانت کی جا سکتی ہے جس وقت چاہے واپس لی جا سکتی ہے۔ اِس طرح میّت کو بغیر کسی عرصہ کے تعیّن کے امانتاً دفن کر دیا گیا۔ دفن کرنے کے بعد تمام دوست کھڑے تھے اور گورکن قبر کی مٹی کو ٹھیک کر رہا تھا تو اس وقت حضور نے فرمایا کہ دفنانے کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے اس سے عام لوگ

---

[1] ڈاکٹر میجر محمود شہید امرتسر کی مشہور احمدی قاضی فیملی کے چشم و چراغ، قاضی محمد شریف صاحب ریٹائرڈ انجنیئر لائل پور کے صاحبزادے اور قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔ اے ([illegible]) سابق پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کے بھتیجے تھے۔ بہت متدیّن نوجوان تھے زمانۂ درویشی کے ابتدائی ایّام نہایت وفاداری سے قادیان میں گزارے اور گرانقدر علمی خدمات بجا لاتے رہے۔

ناواقف ہوتے ہیں ان کی واقفیت کے لئے بتانا چاہتا ہوں کہ وہ مختصر دُعا یہ ہوتی ہے کہ اے خدا ہم جو آخری خدمت اِس بھائی کی کر سکتے تھے وہ ہم نے کر دی ہے۔ جب اس کے پاس فرشتے سوال و جواب کرنے کے لئے آئیں تو ان کے سوال و جواب کو اپنے فضل سے آسان کر دیجیو۔ جب قبر ٹھیک ہوگئی تو حضور نے دُعا فرمائی۔[1]

بلوچستان اور پنجاب کے مشہور اخبارات کی طرف سے پُرزور مذمت

میجر محمود کے دردناک سانحہ شہادت پر بلوچستان اور پنجاب کے فرض شناس اخبارات نے خصوصی شذرے لکھے جن میں اس فعل کی سخت مذمت کی اور مسلمانانِ پاکستان سے اپیل کی کہ وہ اسلامی رواداری کا ثبوت دیں اور قانون کو ہاتھ میں لے کر تشدد کا طریق اختیار کرنے کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیں نیز حکومت سے پُرزور مطالبہ کیا کہ وہ قاتل کو کیفرِ کردار تک پہنچائے۔ چنانچہ "جدید نظام" نے واقعۂ شہادت سے متأثر ہو کر مندرجہ ذیل اداریہ سپردِ قلم کیا:-

"مملکتِ خداداد پاکستان مسلمانوں کو کن دشواریوں کے بعد حاصل ہوئی۔ گزشتہ آٹھ سالہ دَور میں مسلمانوں کو اپنے اس مطالبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کن کن دشوار گزار مراحل سے گزرنا پڑا۔ غیروں کے علاوہ اپنوں کی بیجا مخالفت کا اِس طرح مقابلہ کرنا پڑا کہ انگریز اور ہندو کی ملی بھگت کا بھانڈا کس طرح چوراہے میں پھوڑ دیا؟ کن کن مصائب کو برداشت کر کے مخالفین کا منہ بند کیا گیا؟ کیا کیا سختیاں جھیلیں۔ کتنا سرمایہ مسلمانوں کے ماؤف دماغوں پر صیقل کرنے کے لئے صَرف ہوا۔ مسلمانوں کو حکمرانی کے تخیل سے دوبارہ روشناس کرانے کے لئے کتنی محنت کرنی پڑی؟ یہ تمام حقائق ایسے ہیں کہ سیاسی دُنیا کا بچہ بچہ ان حالات سے واقف ہے اور اَب ان واقعات، ان مصائب، ان تکالیف، اپنوں کی دانشمندی، بیگانوں کی پُرزور مخالفت وغیرہ وغیرہ کی تفصیلات کو دُہرانا تضییعِ اوقات سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ مختصر یہ کہ خدا نے ان تمام تکالیف، صبر آزما انتظار، اَن تھک مساعی کا نتیجہ اِس شکل میں ظاہر کیا کہ آج ہم فخر کے ساتھ آزاد سلطنت کے آزاد شہری کہلا سکتے ہیں۔ خدائے عزّوجل کا یہ انعام مسلمانوں کے لئے ایک رحمت کا پیغام ہے۔ سالہا سال تک خوابِ غفلت میں رہنے کے بعد مسلمانوں نے تھوڑی سی ہمت اور محنت سے کام لیا۔ قلیل

---

[1] الفضل ۲۸۔ ظہور/ اگست ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

عرصہ کے لئے ضبط و نظم کے بھولے ہوئے سبق کو اپنایا۔ مختصر سے عرصہ کے لئے بُنیانِ مرصوص بنے۔ چند سالوں کے لئے امیر اور اطاعتِ امیر کو پُورے طور پر نہ سہی اُدھورے طور پر تو سمجھا تو خدا نے اپنے وعدے کے مطابق اس کی محنتوں کو ضائع نہ ہونے دیا اور اس کے اِس عمل کا صِلہ اس صورت میں دیا کہ اُسے ایک بار پھر حکمرانی کا موقع عطا فرمایا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمان کی سابقہ کاوشوں، اس کے گزشتہ ضبط و نظم کا صِلہ اس سے زیادہ مِل بھی نہ سکتا تھا لیکن اَب اس کے سامنے ایک منزل ہے۔ خدا نے اسے ایک بار موقع عطا فرمایا ہے کہ وہ جہاں گیری و جہاں بانی کی روایات کو زندہ کرے، اپنے پیہم عمل سے وقت کے قیصر و کسریٰ کی اکڑی ہوئی گردنیں خم کر سکے لیکن یہ سب کچھ اُس وقت ہو سکتا ہے جبکہ مسلمانانِ پاکستان زیادہ سے زیادہ ضبط و نظم، زیادہ سے زیادہ اخوّت و مساوات سے کام لیں۔ مسلمانوں کو ان تمام اُمور کا اَب عملی تجربہ ہو چکا ہے۔ سالہا سال کی غلامی کے بعد ان کی زنگ آلود ذہنیت میں جو چمک پیدا ہوئی ہے وہ اس عمل کا نتیجہ ہے جس کا مظاہرہ گزشتہ آٹھ سال میں کیا گیا اور اَب ضرورت ہے کہ ہم اس چمک میں اتنی تیزی پیدا کریں کہ غیروں کی نگاہیں چکا چوند ہو کر رہ جائیں اِس لئے پھر یہی کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کو پہلے سے زیادہ ہمّت پہلے سے زیادہ بلند حوصلگی اور ایثار و قربانی کا حامل بننا پڑے گا۔ دیوبندی اور بریلوی کے قضیے ختم کرنے ہوں گے۔ احمدی اور غیر احمدی کا امتیاز مٹانا ہو گا۔ حنفی اور شافعی کے جھگڑوں کو خیرباد کہنا ہو گا، احرار اور خاکسار کی بحثیں ختم کرنی ہوں گی یہی ایک صورت ہے جسے اپنا کر ہم خالدؓ و طارقؒ کی روایات کو زندہ کر سکتے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ابھی تک ہم اس مقام پر نہیں پہنچ سکے اور اِس کا ثبوت یہ ہے کہ کوئٹہ میں ایک نوجوان ڈاکٹر کو چند جنونیوں نے قتل کر دیا۔ اس کا جُرم یہ تھا کہ وہ دُو پارٹیوں کو جھگڑے سے منع کرنے کے لئے چلتا چلتا رُک گیا یا یہ کہ وہ احمدی خیالات رکھتا تھا۔ ہمیں احمدیوں کی وکالت منظور نہیں لیکن غیر مسلموں کے مظالم احمدی، غیر احمدی، شافعی، حنبلی، خاکسار میں تمیز روا نہیں رکھتے۔ بہار کے قتلِ عام میں ایسے صدہا مسلمانوں کو شہید کیا گیا جو سالہا سال تک کانگرس کو وفادار رہنے کے سرٹیفکیٹ دکھاتے رہے۔ حال ہی میں حکومتِ مشرقی پنجاب نے مولانا حبیب الرحمٰن لُدھیانوی، شیخ حسام الدین اور سکندر مرزا جیسے مِلّت فروش اور کٹّر کانگرسی مسلمانوں کی جان کی حفاظت کا ذِمّہ لینے سے انکار کر دیا تھا۔ مشرقی پنجاب میں کسی مسلمان کا خاکسار یا کانگرسی یا احمدی ہونا اس کی جان کو نہ بچا سکا۔ غنڈوں کا خنجر

سب کے گلے پر کیساں روانی دکھاتا رہا۔ جائدادیں لُٹیں تو سب کی عصمتیں لُٹیں تو سب کی۔ تو پھر کیا یہ سانحۂ عظیمہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں؟ عبرت حاصل کرنے کا اِس سے بڑھ کر موقع کونسا آسکتا ہے؟ اِس لئے ہم مسلمانانِ پاکستان سے دردمندانہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ باہمی اختلافات کو فی الفور ختم کرکے ایک ایسا متحدہ محاذ قائم کریں جس کے ساتھ ٹکرانے والی طاغوتی طاقت پاش پاش ہو جائے گی۔" ؎۱

اخبار "احسان" (لاہور) نے حسبِ ذیل ادارتی نوٹ شائع کیا:۔

" **قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لیجئے**:۔ مرزائی فرقے کے متعلق ہمارے جو خیالات ہیں وہ قارئینِ کرام پر واضح ہیں لیکن ہمیں یہ جان کر بہت دُکھ ہُوا کہ پچھلے دنوں کوئٹہ میں مرزائیوں کے ایک جلسے کے خلاف مظاہرے کرتے ہوئے بعض لوگوں نے حد سے بڑھے ہوئے اشتعال کا ثبوت دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک معزّز مرزائی ڈاکٹر میجر محمود کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ اگر اختلافِ رائے کا مطلب یہی لیا جانے لگے کہ ہر شخص قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر جو چاہے کر گزرے تو اس کے نتائج مرزائیوں کے لئے نہیں عام مسلمانوں کے لئے (بھی) نہایت بھیانک ہوں گے اِس لئے ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اِس قسم کی ذہنیّت کے خلاف شدید احتجاج کرے اور اِس فتنے کو پھیلنے سے روکے۔ مرزائی مسلمان ہوں یا نہ ہوں بہرحال وہ پاکستان کے شہری ہیں اور ایک شہری کی حیثیت سے ان کی جان و مال اور عزّت و آبرو کی حفاظت ہم سب پر لازم ہے۔" ؎۲

اخبار "انقلاب" (لاہور) نے "ڈاکٹر میجر محمود کا قتل" کے عنوان سے مندرجہ ذیل ادارتی نوٹ لکھا:۔

" ۲۰ اگست کا ذکر ہے کوئٹہ میں لٹن روڈ کے قریب عوام نے احمدیت کی مخالفت میں ایک جلسہ منعقد کیا اور جوش و خروش کے عالم میں چند احمدیوں کو زد و کوب کرنے لگے۔ اس وقت ایک احمدی ڈاکٹر میجر محمود احمد وہاں سے گزرے تو یہ منظر دیکھ کر انہوں نے اپنی موٹر کار روک لی اور اس شور و شر کی وجہ دریافت کی۔ اِس پر حاضرینِ جلسہ نے اُن کی موٹر پر پتھر برسائے اور میجر صاحب کا تعاقب کر کے ان کے چھرا گھونپ دیا جس سے اُن کا انتقال ہو گیا۔ یہ واقعہ صرف افسوسناک ہی نہیں بلکہ

؎۱ الفضل ۳ تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء ❖ ؎۲ اخبار "احسان" بحوالہ الفضل ۴ تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء ❖

شرمناک ہے۔ تحریکِ پاکستان کے دوران میں قائدِ اعظم کی حقیقت بینی اور روشن خیالی کی وجہ سے فرقہ پرستانہ رُجحانات کا قلع قمع ہو گیا تھا چنانچہ حکومتِ پاکستان میں شیعہ، سُنّی، احمدی ہر فرقے کے بزرگ شامل ہیں اور کبھی عامۃ المسلمین کی طرف سے ان کے عقائد کا سوال نہیں اُٹھایا گیا پھر خدا جانے بعض لوگ فرقہ پرستی کے جنون میں کیوں اِس قدر سرشار ہو گئے کہ انہوں نے کوئٹہ میں غنڈا پن اختیار کر کے پاکستان کے ایک قابل اور نیک ڈاکٹر کو محض اِس لئے ہلاک کر دیا کہ وہ احمدی تھا۔ ہماری حکومتیں اپنے سیاسی مخالفوں کی دار و گیر میں بے حد مصروف ہیں اور انہیں پاکستان کا دشمن قرار دے رہی ہیں حالانکہ پاکستان کے حقیقی دشمن وہ ہیں جو مذہبی فرقہ بندی کی بناء پر قتل و غارت کا ہنگامہ برپا کرنے میں مصروف ہیں۔ اِس قسم کے خطرناک رُجحانات کو نہایت سختی سے دبانے کی ضرورت ہے۔ حکومتِ پاکستان کو چاہیئے کہ میجر محمود احمد کے قاتلوں کو جلد سے جلد کیفرِ کردار تک پہنچانے کی کوشش کرے۔

میجر صاحب مرحوم خان بہادر ڈاکٹر محمدؐ بشیر اور پروفیسر قاضی محمدؐ اسلم صاحب کے بھتیجے تھے ہمیں تمام افرادِ خاندان سے اِس حادثہ میں دلی ہمدردی ہے۔" [1]

اِسی اخبار نے کئی ہفتہ بعد دوبارہ اِس موضوع پر قلم اُٹھاتے ہوئے لکھا:۔

"آج سے کئی ہفتے پیشتر کوئٹہ میں ایک نہایت قابل، ہر دلعزیز اور جوان ڈاکٹر محمود احمد کو بعض غنڈوں نے فرقہ پرستی کے ایک ہنگامہ میں قتل کر دیا۔ حالانکہ اس کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ لوگوں کو لڑنے بھڑنے سے روک رہا تھا۔ کوئٹہ میں اور پنجاب کے اکثر مقامات پر بھی ڈاکٹر محمود کے اِس خونِ ناحق پر بے حد رنج و تاسف کا اظہار کیا گیا۔ لیکن بے انتہاء تعجّب کا مقام ہے کہ اَب تک کوئٹہ پولیس نے اِس سلسلہ میں کوئی گرفتاری تک نہیں کی حالانکہ یہ معلوم کرنا کچھ بھی مشکل نہیں تھا کہ کون کون لوگ مرحوم پر قاتلانہ حملہ میں شریک تھے اور تھوڑی سی تفتیش قاتلوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لئے کافی تھی۔ حکامِ بلوچستان کو اِس معاملہ میں خاص توجّہ سے کام لینا چاہیئے ورنہ ایسے قاتلوں کی حوصلہ افزائی ہوگی اور قانون و انتظام کا وقار خاک میں مِل جائے گا۔ کیا ہم اُمید رکھیں کہ پولیس جلد از جلد اپنا فرض ادا کرے گی۔" [2]

---

[1] انقلاب ۲۹ اگست ۱۹۴۸ء [2] انقلاب ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء بحوالہ الفضل ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء

فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں تذکرہ

فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء کی تحقیقاتی عدالت کے فاضل ججان جسٹس محمد منیر اور ایم۔ آر۔ کیانی نے اپنی رپورٹ میں اس حادثۂ دل گداز کا ذکر خاص طور پر کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

"میجر محمود کا قتل۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد ۱۹۴۸ء کے موسم گرما میں بمقام کوئٹہ مقیم تھے۔ ان کی موجودگی میں ایک نوجوان فوجی افسر میجر محمود جو احمدی تھا نہایت وحشیانہ طریقے سے قتل کر دیا گیا۔ ریلوے کے مسلم ملازمین کی ایسوسی ایشن نے ایک جلسۂ عام کا اعلان کیا تھا جو ۱۱[1] اگست ۱۹۴۸ء کو منعقد ہوا۔ اس جلسے میں بعض مولویوں نے تقریریں کیں اور ہر شخص نے اپنی تقریر کے لئے ایک ہی موضوع یعنی "ختم نبوت" اختیار کیا۔ ان تقریروں کے دوران میں قادیانیوں کے کفر اور اس کے نتائج کی طرف بار بار اشارے کئے گئے۔ ابھی یہ جلسہ منعقد ہو رہا تھا کہ میجر محمود ایک مریض کو دیکھنے کے بعد واپس آتے ہوئے جلسہ گاہ کے پاس سے گزرے۔ اتفاق سے ان کی موٹر کار جلسہ گاہ کے قریب ٹھہر گئی اور اس کو دوبارہ چلانے کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔ عین اس موقع پر ایک ہجوم موٹر کار کی طرف بڑھا اور اس نے میجر محمود کو گھسیٹ کر نیچے اُتار لیا۔ میجر محمود نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ان کا تعاقب کیا گیا اور آخر پتھر اور چھرے مار مار کر ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ اُن کی پوری انتڑیاں پیٹ سے باہر نکل آئی تھیں۔ ان کی نعش کے پوسٹ مارٹم معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جسم پر کُند اور تیز دھار والے ہتھیاروں سے لگائے ہوئے چھبیس زخم تھے۔ اور موت ایک تو صدمے سے اور دوسرے داخلی جریان خون سے واقع ہوئی جو بائیں پھیپھڑے بائیں گردے اور جگر کے دائیں کنارے کے زخموں سے جاری ہوا تھا۔ کوئی شخص بھی "اسلامی شجاعت" کے اس کارنامے کی نیک نامی لینے پر آمادہ نہ ہوا اور بے شمار عینی شاہدوں میں ایک بھی ایسا نہ نکلا جو اُن "غازیوں" کی نشان دہی کر سکتا یا کرنے کا خواہش مند ہوتا جن سے یہ "بہادرانہ" فعل صادر ہوا تھا۔ لہٰذا اصل مجرم شناخت نہ کئے جا سکے اور مقدمہ بے سراغ ہی داخل دفتر کر دیا گیا۔"[2]

---

[1] اصل واقعہ ۱۱ کی بجائے ۱۹۔ اگست کا ہے۔ (مؤلف)

[2] ترجمہ رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۳۰ و صفحہ ۱۴۱

حضرت مصلح موعودؓ کا ردِّ عمل

حضرت مصلح موعودؓ پر اِس واقعہ کا جو فوری ردِّ عمل ہؤا وہ حضور نے ۲۱ ظہور/ اگست ہش ۱۳۲۷/ ۱۹۴۸ء کے خطبہ جمعہ میں یاں الفاظ بیان فرمایا:-

"میجر محمود صاحب کی شہادت کے واقعہ کا ردِّ عمل لوگوں کے اپنے اپنے نظریّہ کے مطابق ہؤا ہوگا۔ بعض کا بُرا اور غیر اسلامی ردِّ عمل ہوگا اور بعض کے نزدیک اس کا ردِّ عمل اچھا ہؤا ہوگا۔ یہ حملہ جو میجر محمود پر کیا گیا ہے تو اتفاقی حادثہ، درحقیقت یہ حملہ احمدیت پر کیا گیا ہے۔ میجر محمود تو وہاں اتفاقاً چلے گئے اگر کوئی اَور احمدی ہوتا تو اس کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آتا کیونکہ میجر محمود پر کسی ذاتی عناد کی وجہ سے حملہ نہیں کیا گیا بلکہ ان کے احمدی ہونے کی وجہ سے ہؤا ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ جماعت کے دوستوں نے تبلیغ کی طرف توجہ نہیں دی۔ انہوں نے اپنے عقائد کو لوگوں پر واضح نہیں کیا اگر انہوں نے بتایا ہوتا کہ جماعتِ احمدیہ کے یہ عقائد ہیں تو ان سے یہ حرکت سرزد نہ ہوتی۔ انہوں نے اگر شہید کیا ہے تو اس عقیدہ کے ماتحت کیا ہے کہ ان کا یہ فعل انہیں خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے والا ہوگا۔ اِس واقعہ سے ہمارے اندر جو ردِّ عمل ہونا چاہیئے وہ یہ ہے کہ ہم پہلے سے بھی زیادہ انہماک اور تندہی سے تبلیغ کی طرف متوجّہ ہوں۔

ماموریں کی جماعتوں پر ظلم ہوتے ہیں اور وہ ظلموں کے نیچے ہی بڑھتی اور پھولتی ہیں۔ دشمنوں میں بھی شریف الطبع انسان ہوتے ہیں ان کے اندر ظلموں کو دیکھ کر دلیری پیدا ہو جاتی ہے اور سلسلہ میں داخل ہو جاتے ہیں چنانچہ میجر محمود کی شہادت کے بعد ایک دوست آئے اُن کے دِل میں احمدیت کی سچائی گھر کر گئی ہوئی تھی لیکن ایمانی جُرأت پیدا نہ ہوئی تھی اِس واقعہ نے ان کے اندر جُرأت پیدا کر دی اور وہ یہ کہتے ہوئے کہ میجر محمود احمد صاحب شہید کی خالی جگہ اور اِس کمی کو پُورا کرنے کے لئے مَیں احمدیت میں داخل ہوتا ہوں، احمدیت میں داخل ہو گئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ ظلموں سے متاثر ہو کر ایمان کی روشنی سے منوّر ہوئے تھے۔ تو اِس قسم کے ظلم و تشدد کے واقعات جماعت کی ترقی کا باعث ہوتے ہیں اِس لئے ہمیں زیادہ سے زیادہ وقت تبلیغ پر صَرف کرنا چاہیئے تا صحیح عقائد ان پر واضح ہو جائیں اور احمدیت کی سچائی کُھل جائے۔" [1]

---

[1] الفضل ۲۸ ظہور/ اگست ہش ۱۳۲۷/ ۱۹۴۸ء صفحہ ۲ کالم ۱ ۔

حضرت مصلح موعودؓ کے قلبی تاثرات اور پُر جلال پیشگوئی

حضرت مصلح موعودؓ نے سفرِ کوئٹہ کے آخری خطبہ جمعہ میں (جو حضور نے ۳۔ ماہِ تبوک / ستمبر کو پارک ہاؤس میں ارشاد فرمایا) میجر محمود کے واقعہ شہادت پر دوبارہ اپنے قلبی تأثرات کا اظہار فرمایا اور اس کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ پُر جلال پیشگوئی فرمائی کہ خدا کی بادشاہت کے دن قریب ہیں اور وہ زمانہ جلد آ رہا ہے جبکہ دُنیا کے سب ملکوں پر اسلام و احمدیت کا جھنڈا پُوری شان و شوکت کے ساتھ لہرائے گا۔ چنانچہ حضورؓ نے فرمایا :-

" میرے یہاں آنے پر مخالفت شروع ہو گئی۔ ہمارے خلاف باتیں کی جانے لگیں۔ جماعتِ احمدیہ پر اتہام لگانے شروع کر دیئے گئے اور مخالفین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم قرآن کو منسوخ سمجھتے ہیں۔ گویا جتنے مُنہ تھے اتنی باتیں شروع ہو گئیں۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ ایسی باتیں کر کے ہمارا ہی شکار ہو رہے ہیں۔ درحقیقت مخالفت کے ذریعہ ہی لوگوں میں خدائی سلسلہ کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے اگر ہم یہاں آتے اور ہماری مخالفت نہ ہوتی تو کوئی ہماری طرف توجہ نہ کرتا بلکہ کسی کو ہمارے یہاں آنے کا پتہ بھی نہ لگ سکتا۔ اگر ہمارے آدمی دوسروں کے پاس جاتے تو وہ کہہ دیتے۔ اپنے مُنہ میاں مِٹھو۔ لوگ کہتے کوئی ہوگا جو یہاں آ گیا ہے لیکن مولویوں نے ہمارے خلاف تقریریں شروع کر دیں اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی بڑی چیز ہے معمولی چیز نہیں تبھی تو یہ لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ بلّی کے آنے پر تو شور نہیں مچایا جاتا شیر کے آنے پر شور مچایا جاتا ہے۔ اِس طرح یہ لوگ خود ہی ہمارے شکار ہونے لگے۔ جب مَیں نے دیکھا کہ احمدیت کے لئے یہاں رستہ کھُل گیا ہے تو مَیں نے درس دینا شروع کر دیا تا احمدیت اور اسلام کی عظمت ظاہر ہو۔ میرے اندر ایک بے کلی سی تھی جس کی وجہ سے مَیں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جو تفسیر مَیں نے لکھوانی ہے اس کا درس یہاں دے دوں۔ لکھنے والے لکھتے جائیں گے اور سُننے والے اِس سے فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ چونکہ لوگوں میں پہلے ہی رغبت پیدا ہو چکی تھی اس لئے لوگوں نے یہاں آنا شروع کر دیا اور نتیجہ یہ ہُوا کہ مہینہ کے آخر تک پانچ چھ سَو آدمیوں نے ہمارے خیالات سُنے اور پھر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ کسی نے ہماری تائید میں اپنے خیالات کا اظہار کیا اور کسی نے ہماری مخالفت میں۔ اور پھر خدا تعالیٰ نے ایک اَور ذریعہ بنا دیا کہ لوگوں نے جوش میں آ کر ایک احمدی نوجوان کو شہید کر دیا۔ مَیں نے یہ سمجھ لیا کہ اَب ہم ہی کامیاب ہوں گے اور فتح ہماری ہی ہو گی۔

زمین میں جب کوئی بیج ڈالا جاتا ہے تو اس سے وہی چیز اُگتی ہے جس کا وہ بیج ہوتا ہے۔ جب زمین میں ہم گندم کا بیج ڈالتے ہیں تو اس سے گندم پیدا ہوتی ہے اور جب انسان کا بیج ڈالتے ہیں تو اُس سے انسان پیدا ہوتے ہیں... پس یہاں کے لوگوں نے ایک احمدی کو شہید کر کے بلوچستان میں احمدیت کا بیج بو دیا ہے اَب اس کا مٹانا ان کے اختیار میں نہیں رہا دُنیا کی کوئی طاقت اسے مٹا نہیں سکتی۔ یہ بیج بڑھے گا اور ترقی کرے گا اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ ایک تن آور درخت بن جائے گا... خدا کی طاقتوں کا مقابلہ کرنا کس کے اختیار میں ہے خدا تعالیٰ کی تدبیریں جُدا گانہ ہوتی ہیں وہ اپنے کاموں میں نرالا ہے، وہ اپنی حکمتوں میں عجیب ہے اس کے کنہہ کو پہنچنا انسانی عقل کے اختیار میں نہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے میرے اِس سفر کو جس کی غرض یہاں رمضان کا گزارنا تھا اگرچہ یہاں کوئی زیادہ سردی نہیں اگر ہم مری چلے جاتے تو شاید اِس سے بہتر رہتا، ایک دینی سفر بنا دیا اور اس کو ایک خاص اہمیّت بخش دی۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی بادشاہت کے دن اَب قریب ہیں مَیں خدا تعالیٰ کی اُنگلی کو اُٹھا ہوُا دیکھتا ہوں، مَیں اس کے اشارے کو نمایاں ہوتا ہوُا پاتا ہوں، مَیں خدا تعالیٰ کے منشاء کو اس کے فضل سے پڑھ رہا ہوں اور سُن رہا ہوں... ہمیں سارے ملک ہی ملنے والے ہیں۔ دُنیا ہمیں حقارت کی نظروں سے دیکھتی ہے مگر دُنیا نے خدا تعالیٰ کے ماموروں اور ان کی جماعتوں کو کب عزّت کی نگاہ سے دیکھا ہے وہ ہمیشہ ہی انہیں حقیر اور ذلیل سمجھتی ہے مگر وہ جسے حقیر سمجھ کر معماروں نے پھینک دیا تھا خدا کا منشاء یہ ہے کہ وہی کونے کا پتھر ہو اور اس عمارت کے لئے سہارے اور روشنی کا موجب ہو۔ ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے اور اَب بھی یہی ہوگا۔" [1]

کوئٹہ سے مراجعت

حضرت مصلح موعود کوئٹہ میں قریباً تین ماہ تک رونق افروز رہنے اور صوبہ بلوچستان کو اپنے فیضِ رُوحانی سے متمتع کرنے کے بعد ۲۷ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء کو صبح ساڑھے سات بجے بذریعہ کراچی میل واپس لاہور تشریف لے آئے۔

---

[1] الفضل ۲۳ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵۔

فصل دوم

۔ سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اہم مکتوب ۔ ہندو پریس کا گمراہ کُن پروپیگنڈا ۔ قادیان کے بارے میں جماعتی عہد ۔ حضرت مصلح موعودؓ کا ضروری پیغام پنجاب یونیورسٹی کی اُردو کانفرنس کے نام ۔ نصاب کمیٹی حکومتِ پنجاب کو مخلصانہ مشورہ

سیّدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کے مُلک گیر اور مبارک سفروں کا یکجائی تذکرہ کرتے ہوئے ہم ماہ تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء تک جا پہنچے تھے، اب ہم دوبارہ اِس سال کے ابتدائی دَور کی طرف پلٹتے ہیں۔

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا اہم مکتوب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے نام

ماہِ جنوری ۱۹۴۸ء کے تیسرے ہفتہ میں اقوامِ متحدہ کا اجلاس مسئلۂ کشمیر پر بحث کے لئے منعقد ہونے والا تھا اور چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب (وزیرِ خارجہ) پاکستانی وفد کے لیڈر کی حیثیت سے بحث میں حصّہ لینے کے لئے نیویارک تشریف لے جا رہے تھے۔ اس موقعہ پر حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے اُس دیرینہ تعلّق اُلفت و محبّت اور گہری دلچسپی و وابستگی کے باعث جو آپ کو ہمیشہ تحریکِ آزادیٔ کشمیر کے ساتھ رہی چوہدری صاحب موصوف کو نہایت قیمتی نکات پر مشتمل ایک اہم مکتوب بذریعہ ہوائی ڈاک بھجوایا جس کا متن یہ تھا:۔

"عزیزم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سلّمکم اللہ تعالیٰ

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ایک سوال بالکل فیصلہ کُن ہے۔ اگر ریاست کے مسلمان جو اسّی فیصدی ہیں ہندوستان یونین سے ملنا چاہتے ہیں اور آزادی کی جدّوجہد میں حصّہ لینے والوں کو ظالم اور ڈاکو سمجھتے ہیں تو پھر چاہیئے تھا کہ آزاد کردہ علاقہ سے بھاگ کر وہ جموّں کی طرف جاتے لیکن وہ لوگ بھاگ کر پاکستان آئے ہیں اور ایک لاکھ سے زائد آدمی پاکستان میں ہے اور دس بارہ لاکھ آدمی آزاد گورنمنٹ کے ماتحت بس رہا ہے اس کے برخلاف ہندو بھاگ کر جموّں گیا ہے جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ اکثریت حملہ آوروں کو ریڈرز[1] نہیں بلکہ لبریٹرز[2] سمجھتی ہے۔ اگر یہ درست نہیں تو یونین گورنمنٹ بتلائے کہ صُوبہ جموّں اور میرپور کا بھاگا ہؤا کتنا مسلمان جموّں میں پناہ گزین ہے۔ اس کے مقابل پر پاکستان حکومت ثابت کرے گی کہ جموں اور اس کے علاقہ کے مسلمان بھاگ کر پاکستان میں پناہ گزین ہیں۔ کیا کوئی بھاگ کر ڈاکوؤں کے پاس بھی جاتا ہے؟

۲۔ جموں راجہ کا صدر مقام ہے اور ابھی تک راجہ کے قبضہ میں ہے۔ یونین بتائے کہ جموں کے مسلمان اَب کہاں ہیں؟ اگر وہ پاکستان میں آچکے ہیں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو ریاست میں محفوظ نہیں سمجھتے تھے۔ جموں کے شہر کی مسلمان آبادی ۰۸ؔ فیصدی یا ماری جاچکی ہے یا بھاگ کر پاکستان آچکی ہے۔ وہ کن "ریڈرز" سے ڈر کر جموّں سے نکلی ہے اور کیوں ہندوستان یونین میں نہیں گئی بلکہ پاکستان آگئی ہے؟

اگر اِن دو صاف اور واضح اصول پر ہی مجلسِ اقوام تحقیق کروائے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ریاست میں ریڈرز نہیں بلکہ لبریٹرز لڑ رہے ہیں اور ریاست کے مسلمان باشندے آزادی چاہتے ہیں ہندوستان سے الحاق نہیں چاہتے۔

۳۔ ریاست میں قانون ہے کہ جو ہندو مسلمان ہو جائے وہ جائداد سے محروم کر دیا جائے اور اسے لاوارث قرار دیا جائے۔ کیا کوئی عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ مسلمان اِس ظالمانہ اور یک طرفہ قانون کے بعد بھی ہندوستان یونین سے ملنا چاہے گا؟

۴۔ ریاست کا قانون ہے کہ ڈوگرے اور سکھ اور دوسرے ہندو قانونِ اسلحہ سے آزاد ہیں اور مسلمان اِس قانون کے پابند ہیں اور پھر انہیں لائسنس دیا بھی نہیں جاتا۔ یہ قانون چند سال سے

---

[1] RAIDERS
[2] LIBERATORS

بنایا گیا ہے اور اسی کی مدد سے مسلمانوں کا خون بہایا گیا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اِس قانون کی موجودگی میں سوائے چند وظیفہ خواروں کے کوئی مسلمان ہندوستان یونین میں شمولیت کا خواہش مند ہوگا۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ قانون ریاست کا ہے کیونکہ ہندوؤں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا ہے اور مسلمانوں کے ایجی ٹیشن[1] میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔ دوسرے یہی قانون اَب عملاً ہندوستان میں برتا جا رہا ہے اور مسلمانوں سے ہتھیار چھینے جا رہے ہیں۔ خود مسٹر گاندھی نے تقریر میں کہا کہ مسلمانوں کو چاقو تک حکومت کے سپرد کر دینے چاہئیں" تاکہ اکثریت کے دِل میں ان کے متعلق اطمینان پیدا ہو اور اس کا خوف دُور ہو۔" یہ مضحکہ خیز فقرہ اس شخص کا ہے جو عدل و انصاف کا مدّعی ہے اور یہ بہادری کا سرٹیفکیٹ ہے جو وہ ہندو قوم کو دے رہا ہے جو مسلمانوں سے تعداد میں اِس وقت دس گنی ہو چکی ہے۔

۵۔ مسلمان گوشت خور ہے اور گائے بھی کھاتا ہے لیکن کشمیر میں گائے کی قربانی پر دس سال قید کی سزا مقرر ہے اور جب ۳۱ / ۳۲ء میں کشمیر میں ایجی ٹیشن ہوا اور مسلمانوں نے اس قانون کے منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا اور حکومتِ ہند نے بھی اِس قانون کی منسوخی یا اس کے نرم کرنے کا مشورہ دیا تو مہاراجہ کشمیر نے ABDICATE ہو جانے کی دھمکی دی اور یہ قانون اَب تک موجود ہے اور اَب انڈین یونین کے صُوبے بھی گائے کشی کے خلاف قانون بناتے جا رہے ہیں۔ یہ اُمور اگر اچھی طرح بیان کئے جائیں تو یقیناً اس سوال کو حل کرنے کا موجب ہو سکتے ہیں لیکن مجھے ڈر ہے کہ جوناگڑھ کا جھوٹ کی طرح اِس سارے سوال کو خراب کر دے گا اور باؤنڈری کمشن کی طرح اِس ساری کوشش کو بے نتیجہ بنا دے گا۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

یاد رکھیں کہ کشمیر گیا تو پاکستان گیا۔ اِس مسئلہ کو بہرحال عُمدگی سے طے کرانا چاہیئے اور کشمیر کے چھوڑنے پر کسی طرح رضامندی ظاہر نہیں کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے۔

والسّلام

خاکسار (دستخط) مرزا محمود احمد ازلاہور ۱۱ جنوری ۱۹۴۸ء[2]

---

[1] AGITATION + [2] اصل خط دفترِ خدمتِ درویشان ربوہ میں محفوظ ہے۔ اِس دفتر کے ریکارڈ سے یہ بھی منکشف ہوتا ہے کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء کے ابتدائی ایّام میں جبکہ مسئلہ کشمیر جنرل اسمبلی میں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہندو پریس کا جماعتِ احمدیہ کے خلاف گمراہ کن اور زہریلا پروپیگنڈا

متعصب ہندو پریس جو جماعتِ احمدیہ کے خلاف ہمیشہ ہی مسلم مفادات کے تحفظ کی پاداش میں برسرِ پیکار رہا، قادیان کے بیرونی محلوں سے احمدی آبادی کے مستقل انخلاء اور مرکزی محلہ میں حلقہ درویشاں کے قیام پر ایک سوچی سمجھی سکیم کے مطابق دوبارہ زہر اگلنے لگا۔

چنانچہ اخبار "پرتاپ" (نئی دہلی) نے ۸؍جنوری ۱۹۴۸ء کو اپنے اندرونی بغض و عناد کا اظہار کرتے ہوئے بعنوان "یہ پاکستان ہے" لکھا:-

"قادیان ضلع گورداسپور میں ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جسے مرزا غلام احمد بانی جماعتِ احمدیہ کی بدولت خاص اہمیت مل گئی ہے۔ یہ احمدیوں کا گڑھ ہے... احمدی بھاری تعداد میں وہاں آباد ہوتے گئے اس لئے اس کی آبادی بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ ۱۵ اگست سے پہلے احمدیوں نے پوری کوشش کی کہ گورداسپور کا ضلع پاکستان میں آجائے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ مسلمان انہیں کافر سمجھتے ہیں انہوں نے پاکستان کے حق میں آواز اٹھائی لیکن ۱۵ اگست سے پہلے ہی اس جماعت کے موجودہ خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد لاہور چلے گئے اور ان دنوں دیوان بہادر کرشن کشور کی کوٹھی اور رتن باغ پر قابض ہیں۔ اپنی جائداد کی حفاظت کے لئے وہ تین سو پچاس کے قریب احمدی قادیان چھوڑ آئے ہیں۔ انہوں نے مشرقی پنجاب کی گورنمنٹ سے مطالبہ کیا کہ اتنے احمدیوں کو قادیان رہنے کی اجازت دی جائے اور اس کے ساتھ ہی اس بات کی بھی کہ ہر تیسرے مہینے یہ ساڑھے تین سو والنٹیرز بدل دیئے جایا کریں۔ اس نے ان کی یہ بات نہ مانی لیکن ان ساڑھے تین سو احمدیوں کو جو قادیان میں رہ کر پاکستان کے پانچویں کالم کا کام دیتے ہیں وہاں سے نکالا بھی نہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- زیر بحث تھا چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو بذریعہ ڈاک نیویارک نہایت باقاعدگی سے ضروری مواد بھجوایا کرتے تھے چنانچہ آپ نے ۱۷؍ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کے ایک مکتوب میں حضرت مصلح موعود کی خدمت میں لکھا "میں مکرم چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کو قریباً روزانہ ایک دو خط حوالہ جات وغیرہ کے متعلق لکھتا رہتا ہوں۔ دو کتابیں بھی بھجوائی ہیں اور دو مدد فوٹوسیٹ بھی۔ کل مسز ایلیس بینرجی کا اصل حوالہ بھجوایا تھا اور آج مزید چودہ۱۴ عدد حوالے ہوائی ڈاک کے ذریعہ بھجوا رہا ہوں، یہ حوالے عزیز میاں ناصر احمد صاحب کے سٹاف نے نکالے ہیں... ان میں سے بعض حوالے بہت مفید ہیں" (خط کے آخر میں مندرجہ حوالہ جات کے ماخذ بھی درج کئے گئے ہیں)۔

قادیان سے ایک سجن لکھتے ہیں "یہاں لگ بھگ تین سَو پچّاس قادیانی رہتے ہیں جن میں ورتمان خلیفہ مرزا البشیر الدین محمود کے دو پتر ظفر احمد بیرسٹر اور خلیل احمد بھی ہیں۔ انہوں نے ۲۶، ۲۷، ۲۸، دسمبر کو اپنا وارشک اتسو منایا جس میں ورتمان خلیفہ کا ایک پتر بھی سُنایا گیا خلیفہ نے اپنے پتر میں اپنے پیروؤں کو یہ تسلّی دی تھی کہ وہ اپنے دوسرے پیروؤں سمیت جلد قادیان واپس آئیں گے۔ یہاں موجود قادیانیوں نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ جنوری کے پہلے ہفتہ میں ہمارا اگنوائے آنے والا ہے جس میں کچھ قادیانی آئیں گے اور وہ یہاں سے قادیانیوں کو لے بھی جائیں گے۔ جو ساڑھے تین سَو کے قریب قادیانی یہاں ہیں انہوں نے اتنی جگہ گھیر رکھی ہے کہ اس میں ساڑھے تین ہزار منش آسانی سے سما سکتے ہیں۔ ان کے کالج وغیرہ کی عمارتیں بھی اس وقت تک خالی پڑی ہیں۔ اگر انہیں اپنے خلیفہ کے پاس پاکستان بھیج دیا جائے تو دس ہزار اشخاص کے لئے جگہ نکل سکتی ہے۔ کیا آپ مشرقی پنجاب گورنمنٹ کو خبردار کر دیں گے۔

سوتے کو تو جگایا جا سکتا ہے جاگتے کو کون جگائے۔ ہماری سرکار مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر یہاں لا رہی ہے انہیں پاکستان کو کیا بھیجے گی خلیفہ قادیان نے مسلمانوں سے کہا ہے کہ وہ ہزاروں کی تعداد میں مشرقی پنجاب جائیں اور وہاں آباد ہو جائیں۔

اِس سلسلہ میں یہ خبر بھی پڑھ لیجئے۔ ۳۰ دسمبر کو قادیان میں پانچ دونالی بندوقیں، ۴۴ بم، تین امریکن بم اور بہت سا بارود برآمد ہوا ہے (کرشن)۔"

"پرتاپ" نے اِس اشتعال انگیز مضمون کے چند ماہ بعد (عین اس وقت جبکہ اقوامِ متحدہ میں مسئلۂ کشمیر پر بحث غیر معین عرصہ کے لئے ملتوی ہو چکی تھی اور ہندوستان نواز حلقے پاکستان کے خلاف ایک نئی اور سراسر مضر اور ناقابلِ قبول قرارداد پیش کرنے والے تھے) اپنی ۱۹ مارچ ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں یہ مُفتریانہ خبر شائع کی کہ امام جماعت احمدیہ قادیان اور سکھ لیڈروں کے درمیان قادیان اور ننکانہ صاحب کے متعلق ایک سمجھوتہ کی بات چیت ہو رہی ہے جس کی رُو سے قادیان کا علاقہ احمدیوں سے دوبارہ آباد کر دیا جائے گا اور ننکانہ صاحب کا علاقہ سکھوں سے دوبارہ آباد کیا جائے گا اور یہ کہ قادیان اور ننکانہ صاحب تک کے لئے ہر دو طرف کا راستہ معیّن کر کے حکومتِ پاکستان اور حکومتِ ہند کے مشترکہ انتظام میں رکھا جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

چیف سیکرٹری جماعتِ احمدیہ نے اِس بے بُنیاد خبر کی تردید میں فوراً یہ بیان جاری کیا کہ :-

"یہ خبر بالکل بے بُنیاد اور گمراہ کُن ہے۔ جماعتِ احمدیہ اور سکھ لیڈروں کے درمیان اِس قسم کی کوئی بات چیت نہیں ہوئی اور نہ اِس قسم کے باہمی سمجھوتہ کی کوئی تجویز کی گئی ہے۔ قادیان کے تحفظ کے متعلق جماعتِ احمدیہ نے جو کچھ کہنا تھا وہ ایک میمورنڈم کی صورت میں مرتب کرکے مرکزی حکومتِ پاکستان شعبہ پناہ گزیناں کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے اِس میمورنڈم میں ننکانہ صاحب کا کوئی ذکر نہیں اور نہ جماعتِ احمدیہ نے اِس بارہ میں سکھ لیڈروں کے ساتھ براہِ راست کوئی بات کی ہے افسوس ہے کہ اخبار پرتاپ نے اِس مَن گھڑت خبر کے شائع کرنے میں صداقت سے کام نہیں لیا اور ایک فتنہ کا بیج بونے کی کوشش کی ہے۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ نے اپنی بعض پبلک تقریروں میں بھی کئی دفعہ حکومت کو اِس بات کی طرف توجّہ دلائی ہے کہ مسلمانوں کے مقدّس مذہبی مقامات مثلاً سرہند اور اجمیر اور قادیان وغیرہ کے بارہ میں ہر دو حکومتوں کے درمیان کوئی باعزّت سمجھوتہ ہونا ضروری ہے۔" [1]

"پرتاپ" جیسے اسلام دشمن اخبار کا مقصد اِس سراسر غلط اور جھوٹی خبر کے ذریعہ سے مسلمانانِ پاکستان میں قلبی انتشار پیدا کرکے اُن کی یک جہتی اور اتّحاد کو پارہ پارہ کرنا اور مسئلۂ کشمیر کی سرد جنگ کو جیتنا تھا۔ جماعتِ احمدیہ کے مرکز نے اِس خطرناک چال کو بروقت بھانپ کر اصل حقیقت سے پردہ اُٹھا دیا مگر اس کے باوجود بعض پاکستانی اخبارات نے پاکستان اور احمدیوں کو زک پہنچانے کے لئے ہندو پریس کی خبر اُچھالنا شروع کر دی۔

اِس افسوسناک حرکت پر اخبار "سفینہ" لاہور نے حسبِ ذیل اداریہ سپردِ قلم کیا :-

"کشمیر کے متعلق یو۔ این۔ او میں جو نئی صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے اس پر ہر مسلمان کو تشویش ہے اور ہماری رائے میں یہ سب کچھ اِس لئے نہیں ہؤا کہ اِس بارے میں پاکستان یا پاکستان کے نمائندوں کا مؤقف بدل گیا ہے بلکہ یہ سب کچھ ہندوستان کے سیاسی چال بازوں نے صورتِ حال کو بھانپ کر اور مختلف ذرائع سے کام لے کر کیا ہے لیکن مسلمانانِ پاکستان کی بدقسمتی ملاحظہ ہو

---

[1] الفضل ۲۳ امان/مارچ ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳

کو سلامتی کونسل میں کشمیر کے قبضہ کو یہاں ننکانہ اور قادیان کے تبادلے کے قضیہ سے ملا دیا گیا ہے اور محض اس لئے ملا دیا گیا ہے کہ ایک چالاک ہندو اخبار نویس نے موقع کی نزاکت کو دیکھ کر ایک ایسی بات کہہ دی ہے جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ مسلمانوں میں ضرور انتشارِ خیال پیدا ہو جائے گا اور یہاں وہی ہوا۔

چوہدری محمد ظفر اللہ کے متعلق یہ کہنا کہ وہ پاکستان کے کسی معاملے کو قادیان کے کسی معاملے سے ملا سکتے ہیں ہماری ناقص رائے میں ایک بہت بڑی جسارت ہے اس لئے کہ جب باؤنڈری کمیشن کے سامنے قادیان والوں نے اپنا نقطۂ نگاہ پیش کیا اور کمیشن کے ایک ممبر نے چوہدری محمد ظفر اللہ سے پوچھا کہ آپ ان کی تائید کرتے ہیں تو انہوں نے جھٹ جواب دیا کہ صاحب میں تو پاکستان کا کیس پیش کر رہا ہوں مجھ سے پاکستان کی نسبت پوچھئے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی کہ محمد ظفر اللہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں۔ "پرتاپ" نے قادیان اور ننکانہ کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ چوہدری صاحب واپس آکر اس فیصلے کی تصدیق کریں گے۔ اور اس شرارت سے اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں میں ذہنی طور پر انتشار پیدا کیا جائے اور اندرونی طور پر جو کچھ یک جہتی اور ہم آہنگی کشمیر کے معاملے میں مسلمانوں میں پائی جاتی ہے اسے ان پرانے مباحث کی نذر کرا دیا جائے جس کے متعلق مسلم لیگ نے انسانی اجتماعیات کی تاریخ میں بے مثال فتح حاصل کی تھی اور جو مباحث مسلمانوں کی خوش قسمتی سے کچھ دن ہوئے بالکل ختم ہوئے تھے۔

یاد رکھئے کہ یہ وقت ہم آہنگی، ہم قدمی اور ہم دوستی کا ہے، کسی بیرونی اطلاع کی بناء پر جس کی تصدیق نہ ہو سکے یا کسی ایسے افواہ آمیز بیان پر جو شرارتاً دیا گیا ہو آپس میں اُلجھ پڑنا مناسب نہیں۔ دشمن کی چال یہی ہے آپ اس چال میں آئے تو نقصان آپ کا ہوگا ننکانہ اور قادیان کا تبادلہ کوئی طاقت بھی اس وقت تک نہیں کر سکتی جب تک آپ نہ چاہیں۔ یہ دونوں مقامات کسی ایسے شخص کے باپ کی جاگیر نہیں ہیں جو آپ کی مرضی کے خلاف دوسروں کے حوالے کر دے، یہ تو قوموں اور ملکوں کی زندگی کی عزت و آبرو کا مسئلہ ہے اسے کوئی فرد واحد خواہ کتنا ہی بڑا ہو طے نہیں کر سکتا اسے قومیں ہی طے کر سکتی ہیں۔ ننکانہ ایک قوم کا مذہبی مقام ہے اور مذہبی مقامات کے احترام کو مسلمان قوم اچھی طرح جانتی ہے اس کے لئے سکھوں کو قادیان والوں سے نہیں پاکستان

والوں سے بات کرنی ہے۔ اور آج کوئی قادیانی ایسا نہیں ہے جو ننکانہ کی قیمت پر قادیان اِس لئے حاصل کرنا چاہے کہ ان کا ایک بھائی پاکستان کی وزارتِ خارجہ کے عُہدہ پر ہے مسلمانوں کو اس وقت تک خاموش رہنے کی ضرورت ہے جب تک اِس امر کی تصدیق نہ ہولے۔" پرتاپ" ایسا راوی نہیں ہے جس کی بات صحیح ہو" [1]

قادیان سے متعلق ایک نہایت اہم جماعتی عہدنامہ

۲۶-۲۷ ۔ امان / مارچ ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء کی مجلس مشاورت کے دَوران حضرت مصلح موعودؓ نے نمائندگانِ جماعت سے حسبِ ذیل عہد لیا[2]:-

" مَیں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اِس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے قادیان کو احمدیہ جماعت کا مرکز مقرر فرمایا ہے مَیں اس کے اس حکم کو پُورا کرنے کے لئے ہر قسم کی کوشش اور جدّوجہد کرتا رہوں گا اور اس مقصد کو کبھی بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دوں گا۔ اور مَیں اپنے نفس کو اور اپنے بیوی بچّوں کو اور اگر خدا کی مشیّت میں ہو تو اولاد کی اولاد کو ہمیشہ اِس بات کے لئے تیار کرتا رہوں گا کہ وہ قادیان کے حصول کے لئے ہر چھوٹی اور بڑی قربانی کرنے کے لئے تیار رہیں۔ اے خدا مجھے اِس عہد پر قائم رہنے اور اس کو پُورا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اللّٰھمّ آمین۔" [3]

حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام پنجاب یونیورسٹی کی اُردو کانفرنس کے نام

۲۶ ۔ مارچ ۱۹۴۸ء کو پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس کے افتتاحیہ اجلاس میں حضرت امام جماعتِ احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد (المصلح الموعود) کا مندرجہ ذیل پیغام پڑھ کر سُنایا گیا:-

" میرے نزدیک اُردو کی صحیح خدمت یہی ہے کہ جس طرح وہ طبعی طور پر پہلے بڑھی تھی اسے طبعی طور پر اَب بھی بڑھنے دیا جائے۔ میرا یہ خیال ہے اور مجھے خوشی ہوگی۔ اگر میرا یہ خیال غلط ہو کہ اُردو میں

---

[1] سفینہ ۲۳ ۔ مارچ ۱۹۴۸ء ÷ [2] مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے انہیں دنوں یہ عہد نامہ موٹے حروف اور بڑے سائز کے پوسٹر کی صورت میں چھپوا دیا تھا جس کو احمدی جماعتیں ایک عرصہ تک نہایت جوش و خروش سے مسجدوں، پبلک جگہوں اور گھروں میں خاص التزام سے دیواروں پر آویزاں رکھتی رہیں ÷ [3] الفضل ۲۵ مئی / ہجرت ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۶ کالم ۲

عربی اور فارسی کے الفاظ زیادہ سے زیادہ داخل کرنے کی کوشش مسلمانوں کی طرف سے پہلے شروع ہوئی ہے اور ہندوؤں میں بعد میں ردِ عمل پیدا ہوا نسیم لکھنوی تک کی مسلمانی اور ہندووانی اُردو ایک نظر آتی ہے۔

اِسی طرح سرشار کی نثر مسلمانوں کی نثر سے مختلف نہیں۔ اگر ہم نے اپنے چار کروڑ مسلمانوں سے تعلق رکھنا ہے جو ہندوستان میں بستے ہیں تو ہمیں پاکستان میں اُردو کی رَو کو اسی طبعی رنگ پر چلنے دینا چاہیئے جس رنگ پر آج سے سَو پچاس سال پہلے وہ چل رہی تھی۔

دوسرے مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر اُردو کانفرنس دہلی اور اس کے نواحی علاقوں کے اُجڑے ہوئے لوگوں کے لئے یہ تحریک بھی جاری کرے کہ انہیں ایک خاص علاقے میں بسا دیا جائے تاکہ اُردو زبان کے ساتھ پُرانی ہندوستانی اصلی تہذیب بھی اپنا علیحدہ جلوہ دکھاتی رہے تو اِس سے اُردو کی بھی خدمت ہو گی اور ہماری ایک پُرانی یادگار بھی تازہ رہ سکے گی۔ تھل پراجیکٹ میں اس کے لئے کافی گنجائش ہے۔

تیسرے میرے نزدیک اُردو کی یہ بہترین خدمت ہو گی کہ اگر ہم اس کے لئے پاکستان کی زبان بنائے جانے کا مطالبہ کریں۔ پاکستان کی زبان بننے کے بعد صُوبوں کی زبان وہ آپ ہی آپ بن جائیگی ہمیں ابھی صوبجات کے متعلق کوئی بحث نہیں چھیڑنی چاہیئے وہ خود اپنی ضرورتوں کے مطابق اپنے لئے سکیمیں بنا لیں گے۔ اور جب پاکستانی ذہنیت قائم ہو جائے گی اور جب پاکستانی وطنیت ایک جسم اختیار کرلے گی تو صوبجات خود بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیں گے۔ اُردو یقیناً پاکستان ہی کی نہیں ہندوستان کی زبان بھی بننے والی ہے مگر ہمیں جلدی نہیں کرنی چاہیئے اور اس خالص تہذیبی اور علمی سوال کو سیاسی سوال نہیں بنا دینا چاہیئے۔" [1]

جماعتِ احمدیہ کی طرف سے نصاب کمیٹی حکومتِ مغربی پنجاب کو مخلصانہ مشورہ

حکومتِ مغربی پنجاب نے مڈل تک کے نظامِ تعلیم کی اصلاح کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی اور اِس معاملہ میں جماعتِ احمدیہ سے بھی مشورہ طلب کیا جس پر صدر انجمن احمدیہ نے مندرجہ ذیل آٹھ ممبروں پر مشتمل ایک تعلیمی کمیٹی بنائی:-

---

[1] الفضل ۲۷۔ امان / مارچ ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۸۔

قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ (صدر)، ابو الفتح مولوی محمد عبد القادر صاحب ایم۔اے ریٹائرڈ پروفیسر کلکتہ یونیورسٹی (سیکرٹری)، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب، ناظر صاحب تعلیم و تربیت مولوی عبد الرحیم صاحب درد، مولوی ابو العطاء صاحب اور سید محمود اللہ شاہ صاحب۔

اس کمیٹی نے حکومتِ مغربی پنجاب کو جو مشورہ دیا وہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے الفاظ میں درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"(تمہیدی نوٹ) اصل مشورہ پیش کرنے سے قبل مَیں یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہماری کمیٹی اپنے مشورہ کو صرف اُصولی حد تک محدود رکھے گی اور نصاب کی تفصیلات میں جانے یا کُتب تجویز کرنے کے متعلق کوئی مشورہ پیش نہیں کیا جائے گا۔ اور دراصل اِس معاملہ میں زیادہ اہم سوال اُصول ہی کا ہے اور تفصیلات کو بغیر کسی خطرہ کے زیادہ عملی تجربہ رکھنے والے واقف کاروں پر چھوڑا جا سکتا ہے۔ بہرحال جو اصولی مشورہ ہماری کمیٹی امور مستفسرہ کے متعلق دینا چاہتی ہے وہ ذیل کے چند مختصر فقرات میں درج کیا جاتا ہے۔

جہاں تک تعلیم کی غرض و غایت کا سوال ہے وہ محض تعلیم کے لفظ سے پوری طرح ظاہر نہیں کی جا سکتی کیونکہ تعلیم کے لغوی معنے صرف علم دینے کے ہیں مگر اصطلاحی طور پر تعلیم کا مفہوم اس لغوی مفہوم کی نسبت بہت زیادہ وسیع اور بہت زیادہ گہرا ہے۔ دراصل اگر تعلیم کے صحیح مفہوم کو مختصر لفظوں میں ہی ادا کرنا ہو تو صرف لفظ تعلیم کی بجائے تین الفاظ کا مجموعہ زیادہ مناسب ہوگا اور یہ تین الفاظ تعلیم و تنویر و تربیت ہیں۔ تعلیم کی غرض و غایت ہرگز پوری نہیں ہو سکتی جب تک یہ معیّن علم سکھانے کے ساتھ ساتھ بچّوں کے دماغوں میں روشنی پیدا کرنے اور پھر اس کے معلومات کے مطابق عملی مشق کرانے کا انتظام نہ ہو۔ بچّوں کے دماغوں میں محض خشک معلومات کا ذخیرہ ٹھونس دینا چنداں نفع مند نہیں ہوتا جب تک کہ ان کے دماغوں کی کھڑکیاں کھول کر علم کے میدان کے ساتھ بنیادی لگاؤ نہ پیدا کیا جائے۔ اور پھر عملی مشق کے ذریعہ بچّوں کی قوّتِ عملیہ کو ایک خاص ڈھانچے میں نہ ڈال دیا جائے۔ اَب ظاہر ہے کہ تعلیم کا جو وسیع مفہوم اُوپر بیان کیا گیا ہے وہ کبھی حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہر قوم اپنی قومی اور ملکی ضروریات کے پیشِ نظر اپنے بچّوں کی تعلیم کا پروگرام مرتّب نہ کرے۔ انگریز نے اپنے زمانہ میں جو غرض و غایتِ تعلیم

گئی تھی اور جو مقاصد اپنے مصالح کے ماتحت ضروری خیال کئے ان کے پیشِ نظر نصاب بنایا اور درسگاہیں جاری کیں مگر انگریز کے چلے جانے اور آزادی کے حصول اور پاکستان کے قیام کے بعد انگریز کی طے کی ہوئی پالیسی اور انگریز کا جاری کیا ہوُا نصاب ہماری ضرورتوں کو ہرگز پُورا نہیں کر سکتا بلکہ یقیناً وہ بعض پہلوؤں سے ہمارے مقاصد کے خلاف اور متضاد واقع ہوُا ہے مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ کُلی طور پر بدل دینے کے قابل ہے۔ لاریب اس میں کئی باتیں مفید بھی ہیں جو بڑے لمبے تجربے کے بعد حاصل کی گئی ہیں۔ پس دانشمندانہ پالیسی یہ ہوگی کہ تدریج اور آہستگی کے ساتھ قدم اُٹھایا جائے اور سابقہ نصاب کے غیر مفید حصّہ کو ترک کرکے ایسے مفید اضافوں کے ساتھ جو ہمارے موجودہ قومی مصالح کے لئے ضروری ہیں نیا نصاب مرتب کیا جائے۔ ہماری کمیٹی نمبر اوّل پر یہ تجویز پیش کرنا چاہتی ہے کہ جدید نصاب میں دینیات اور اخلاقیات کے مضمون لازماً شامل ہونا چاہئیں کیونکہ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ بچپن میں ہی ایمان و اخلاق کا بیج بو دیا جائے تاکہ قوم کے نونہال بڑے ہو کر اپنے اخلاق اور دین کی بُنیاد اسلام کی دی ہوئی تعلیم پر قائم کرسکیں۔ لیکن ہماری کمیٹی اِس مشکل کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کرسکتی کہ پاکستان میں مختلف اسلامی فرقوں کے لوگ پائے جاتے ہیں اور صحیح طور پر یا غلط طور پر ہر فرقہ کی طرف سے مطالبہ ہوگا کہ اس فرقہ کی مخصوص تشریح کے مطابق اسلامی تعلیم دی جائے اور اس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ دینیات کا نصاب خود ایک جھگڑے کی بُنیاد بن جائے۔ پس جہاں ہم دینیات کی تعلیم کو ضروری خیال کرتے ہیں وہاں ہمارا یہ بھی مشورہ ہے کہ اِس قسم کے اختلاف کے سدِّباب کے لئے جس کی طرف اُوپر اشارہ کیا گیا ہے فی الحال پرائمری اور مڈل میں دینی تعلیم ایک ایسی اقل اصولی تعلیم تک محدود ہونی چاہیئے جس میں اختلافات کا کم سے کم امکان ہو۔ اور کمیٹی ہذا تجویز کرتی ہے کہ اقل نصاب پرائمری اور مڈل میں بصورتِ ذیل ہونا چاہیئے۔

الف۔ قرآن شریف ناظرہ بغیر ترجمہ کے۔

ب۔ قرآن شریف کی بعض چھوٹی سُورتوں اور بعض قرآنی دعاؤں کا حِفظ کرنا۔

ج۔ پنج ارکانِ اسلام یعنی کلمہ طیّبہ۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کے ایسے بُنیادی مسائل جن میں کسی اختلافی مسائل کا دخل نہ ہو۔

د۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مختصر سوانح۔ اسلامی اخلاق پر ایک مختصر رسالہ جو تصنیف کرایا

جا سکتا ہے جس میں راست گفتاری، دیانت، لین دین کی صفائی، عہد کی پابندی، فرضِ منصبی کی ادائیگی، محنت، قربانی، عدل و انصاف، خالق کی محبت، مخلوق کی ہمدردی وغیرہ بنیادی اخلاق کے متعلق سہل اور مؤثر طریق میں تعلیم دی گئی ہو۔

(نوٹ) نصاب دین کے تعلق میں ہماری کمیٹی یہ تجویز بھی پیش کرتی ہے کہ کسی سرکاری سکول میں کسی اقلیت کے طلبہ کی تعداد معقول ہو اور اس طرح اقلیت کی طرف سے یہ مطالبہ ہو کہ اس کے لئے اس کے مذہب کی تعلیم کا نصاب مقرر کیا جائے تو اس کا انتظام بھی ہونا چاہیئے مگر یہ نصاب حیفۂ تعلیم کا منظور شدہ ہونا چاہیئے جو عمومی رنگ کا ہو جس میں اس پہلو کو مدِنظر رکھا جائے کہ دوسرے مذہب پر حملے یا مناظرانہ مسائل نصاب میں داخل نہ ہو جائیں۔ ہماری کمیٹی بڑی سختی کے ساتھ اِس بات کو محسوس کرتی ہے کہ گزشتہ زمانے میں سب سے بڑا فتنہ تاریخ کے نصاب نے پیدا کیا ہے جس میں جھوٹی باتوں کو داخل کرکے اور بعض سچی باتوں کو غلط رنگ دے کر اور بہت سی سچی باتوں کو حذف کرکے بھاری فتنہ پیدا کیا گیا ہے۔ کمیٹی ہذا سفارش کرتی ہے کہ تاریخ کے نصاب کو فوری طور پر بدلنے کی ضرورت ہے حسبِ ضرورت نئی کتب لکھائی جائیں جن میں اِس قسم کے شر انگیز عنصر کو بالکل خارج کر دیا جائے اور صحیح اور مستند واقعات اچھے رنگ میں درج کئے جائیں اور تاریخ کے کورس میں ذیل کے حصے شامل کئے جائیں یعنی تاریخ ہندوستان جس میں اسلامی زمانہ پر زیادہ زور ہو۔ تاریخ اسلام جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سوانح حیات مسلسل اور مربوط صورت میں درج ہوں اور دیگر اسلامی تاریخ کے صرف خاص خاص واقعات ہوں اور اس کے علاوہ تاریخِ عالم پر ایک سرسری نظر ہو۔

کمیٹی ہذا یہ بھی سفارش کرتی ہے کہ تاریخ، جغرافیہ کے مضمون کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر ایک مضمون کی صورت میں رکھنے کی کوئی خاص وجہ نہیں اور نہ ان میں کوئی ایسا غیر منفک واسطہ ہے کہ اس کی وجہ سے ان دو مستقل مضمونوں کو لازماً اس لڑی میں پرو کر رکھنا ضروری ہو انہیں علیحدہ علیحدہ کر دینا ہماری کمیٹی کی رائے میں زیادہ مفید ہوگا۔ ہماری کمیٹی اِس بات کی پُرزور مؤید ہے کہ ذریعہ تعلیم بلا توقف اُردو قرار دینا چاہیئے۔ اُردو کا نصاب بھی کافی اصلاح چاہتا ہے۔ اِس میں دیگر مفید مواد کے علاوہ اسلامی تاریخ کے خاص خاص واقعات اور مشاہیرِ اسلام کے خاص خاص

حالات کا عنصر کافی شامل ہونا چاہیئے مگر ضروری ہے کہ اُردو میں تکلّف کے طریق پر اور غیر طبعی رنگ میں عربی اور فارسی کے الفاظ نہ ٹھونسے جائیں بلکہ اسے ایک زندہ چیز کی طرح طبعی رنگ میں ترقی کرنے کا موقع دیا جائے اور ابتدائی جماعتوں میں تو لازماً زبان بہت سادہ اور سلیس ہونی چاہیئے۔ اس کے علاوہ اُردو کورس میں سادہ اور موثّر قومی اور اخلاقی نظمیں بھی شامل کی جائیں۔ ہماری کمیٹی یہ بھی سفارش کرتی ہے چونکہ عربی مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے، قرآن شریف اور حدیث کو سمجھنے کے لئے عربی کا علم ضروری ہے اور اُردو کی تکمیل کے لئے بھی عربی کافی اثر رکھتی ہے اِس لئے مڈل کی پہلی جماعت سے عربی کی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ ہماری کمیٹی پرائمری یا مڈل کی جماعتوں میں فارسی کے نصاب کے داخل کرنے کی تائید میں نہیں ہے کیونکہ اوّل تو فارسی کو ہمارے مُلک یا ہمارے مذہب کے ساتھ اتنا گہرا تعلق نہیں ہے جتنا کہ اُردو یا عربی کو ہے، دوسرے بچّوں کے دماغوں پر زیادہ زبانوں کا بوجھ ڈالنا کسی طرح مفید نتائج پیدا کرنے والا نہیں سمجھا جا سکتا۔

۱۰۔ ہماری کمیٹی اِس بات کی سفارش کرتی ہے کہ انگریزی زبان کی تعلیم کو پرائمری اور مڈل کے نصاب سے کُلّی طور پر خارج کر دیا جائے۔ انگریز کے چلے جانے سے ہمارے لئے اِس زبان کی وہ اہمیّت نہیں رہی جو پہلے تھی۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ ایک غیر ملکی زبان کے بوجھ سے اپنے بچّوں کی ابتدائی تعلیم کو مشوّش کیا جائے۔

۱۱۔ جغرافیہ ایک ضروری علم ہے اور لازمی ہونا چاہیئے۔ اِس کا پولیٹیکل اور طبعی حصّہ ہر دو نہایت ضروری اور مفید ہے۔

۱۲۔ ریاضی ایک نہایت ضروری علم ہے اور خود قرآن شریف نے اِس کی اہمیّت کی طرف اشارہ کیا ہے پس اِس پر زیادہ زور ہونا چاہیئے۔ یہ علم نہ صرف اپنی ذات میں مفید ہے بلکہ بچوں میں محنت اور استغراق اور صحیح الخیالی کا ملکہ پیدا کرنے میں بھاری اثر رکھتا ہے۔

۱۳۔ سائنس کے ساتھ بچپن سے ہی قومی بچّوں کا لگاؤ پیدا کرنا ضروری ہے اور ہماری کمیٹی اِس بات کی پُر زور تائید کرتی ہے کہ شروع سے ہی اسباق الاشیاء وغیرہ کی صُورت میں سائنس کی تعلیم کو داخل نصاب کرنا چاہیئے۔ عِلمِ طبیعات اور علمِ کیمیا کے ضروری مسائل سادہ اور دلچسپ رنگ میں اسباق الاشیاء کی صورت میں نصاب کا حصّہ بنائے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح ایسی نئی ایجادات جن کے ساتھ

آج کل کے زمانہ میں ہر شہری کا روزانہ واسطہ پڑتا ہے مثلاً تار، ٹیلیفون، وائرلیس، ہوائی جہاز اور پھر موٹر، ریل، دخانی جہاز اور جنگی اسلحہ کے متعلق سادہ ابتدائی معلومات داخلِ نصاب کئے جاسکتے ہیں۔

۱۴۔ کمیٹی ہذا اِس بات کی مؤید ہے کہ بچوں میں مُلک کی بنیادی صنعتوں کے ساتھ ابتداء سے ہی لگاؤ پیدا کرانے کی ضرورت ہے اور ہمارے خیال میں شروع میں اس کے لئے تین شعبوں کا انتخاب ضروری ہوگا یعنی (۱) زراعت (۲) تجارت اور (۳) دستکاری۔ اِن تینوں کے متعلق ابتدائی عملی اور علمی معلومات کا مہیّا کرنا ضروری ہے۔ زراعت کی تعلیم کے لئے سکولوں میں ترقی یافتہ اُصولوں اور عملی کام کی ٹریننگ کا انتظام ہونا چاہیئے۔ تجارت میں درآمد و برآمد کے موٹے اُصول اور چیزوں کے خریدنے اور فروخت کرنے کے طریق بتائے جائیں اور دست کاری میں بعض عام صنعتوں کی ابتدائی تعلیم شامل کی جاسکتی ہے۔

۱۵۔ ورزش کا سوال بھی نہایت اہم ہے اور قوم کی جسمانی ترقی اور صحتوں کی درستی پر بھاری اثر رکھتا ہے۔ پس سکولوں میں اِس کی طرف بھی واجبی توجہ ہونی چاہیئے۔ کھیلیں ایسی رکھی جائیں جو چار اغراض کو پُورا کرنے والی ہوں (۱) جسم اور اعصاب کی طاقت کو بڑھانے والی ہوں (۲) جسم میں پھُرتی پیدا کرنے والی ہوں (۳) عقل کو تیز کرنے والی ہوں (۴) اور باہم تعاون کی رُوح کو ترقی دینے والی ہوں۔

نیز کمیٹی ہذا کی رائے میں بچوں کو تین فنون کا سکھانا ضروری ہے جس کا سکول کی طرف سے انتظام ہونا چاہیئے۔ الف۔ تیرنا۔ ب۔ سواری سائیکل کی یا گھوڑے کی یا اگر ممکن ہو تو موٹر کی بھی۔ ج۔ بندوق چلانا جس کے لئے ابتداء ہوائی بندوق اور بعد میں ۲۲ بور کی رائفل کلبیں جاری کی جاسکتی ہیں تاکہ ابتداء سے ہی بچوں میں فنونِ سپہ گری کا ملکہ اور شوق پیدا ہو۔

۱۶۔ بالآخر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ ہم نے نصاب کے متعلق جو سفارشات کی ہیں ان میں اپنی تجاویز کو صرف پرائمری اور مڈل کی تعلیم تک محدود رکھا ہے مگر اِس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ہم نے کسی مضمون کے مڈل میں رکھے جانے کی سفارش کی ہے تو وہ ہائی کلاسز میں بھی نہیں رکھا جائے گا۔ ہائی کلاسز کے نصاب کا معاملہ ہمارے مشورہ کے دائرہ سے خارج ہے اِس لئے اس کے متعلق ہماری موجودہ تجاویز سے کوئی مثبت یا منفی استدلال کرنا درست نہیں ہوگا کیونکہ وہ حصّہ اپنی ذات

ہیں علیحدہ طور پر زیرِ غور آکر طے ہونا چاہیئے۔

خدا کرے کہ اِس اہم سوال کے متعلق حکومت کا متعلقہ شعبہ ایسے فیصلہ کی طرف راہنمائی حاصل کرے جو ملک اور قوم کے لئے بہترین نتائج پیدا کرنے والا ہو۔ آمین۔

خاکسار مرزا بشیر احمد رتن باغ لاہور

صدر کمیٹی برائے مشورہ نصاب مڈل ۲؍مئی ۱۹۴۸ء[1]

فصلِ سوم

● فِتنہ صیہونیّت کے خلاف زبردست اِسلامی تحریک اور استعماری طاقتوں کی سازش ● قائدِ اعظم محمد علی جناح کی وفات پر حضرت امیر المومنینؓ کا بیان ● پُر معارف مضمون "احمدیّت کا پیغام" اس کی مقبولیّت اور غیر ملکی زبانوں میں تراجم ● مینارڈ ہال میں حضرت امیر المومنینؓ کا اہم لیکچر

فِتنہ صیہونیّت کے خلاف زبردست اِسلامی تحریک

دُنیا کی تمام بڑی بڑی اسلام دشمن طاقتیں ایک لمبے عرصہ سے فلسطین میں یہودیوں کو وسیع پیمانے پر آباد کرتی آرہی تھیں۔ اِس خوفناک سازش کا نتیجہ بالآخر ۱۶؍مئی ۱۹۴۸ء کو ظاہر ہوگیا جبکہ برطانیہ کی عمل داری اور انتداب کے خاتمہ پر امریکہ، برطانیہ اور رُوس کی پُشت پناہی میں ایک

---

[1] الفضل ۱۵؍نبوت/نومبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵۔

نام نہاد صیہونی حکومت قائم ہوگئی اور دُنیائے اسلام کے سینہ میں گویا ایک زہر آلود خنجر پیوست کر دیا گیا۔

اِس نہایت نازک وقت میں جبکہ ملّتِ اسلامیہ زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار تھی۔ حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ نے عالمِ اسلام کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے ایک بار پھر پُوری قوت سے جھنجھوڑا۔ انہیں مغربی طاقتوں اور صیہونی حکومت کے درپردہ تباہ کُن عزائم سے قبل از وقت آگاہ فرمایا اور اس فتنۂ عظمیٰ کے منظّم مقابلہ کے لئے نہایت مفید تجاویز پر مشتمل ایک قابلِ عمل دفاعی منصوبہ پیش کیا۔

چنانچہ حضورؓ نے خاص اِس مقصد کے لئے " اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ "کے نام سے ایک حقیقت افروز مضمون سپردِ قلم فرمایا جس میں دُنیا بھر کے مسلمانوں کو اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے فوراً ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے اور اس کے خلاف سردھڑ کی بازی لگا دینے کی زبردست تحریک فرمائی۔ ذیل میں " اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ " کا مکمّل متن بجنسہٖ نقل کیا جاتا ہے :۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ

وہ دِن جس کی خبر قرآن کریم اور احادیث میں سینکڑوں سال پہلے سے دی گئی تھی۔ وہ دن جس کی خبر تورات اور انجیل میں بھی دی گئی تھی۔ وہ دن جو مسلمانوں کے لئے نہایت ہی تکلیف دہ اور اندیشناک بتایا جاتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ آن پہنچا ہے۔ فلسطین میں یہودیوں کو پھر بسایا جا رہا ہے۔ امریکہ اور روس جو ایک دوسرے کا گلا کاٹنے پر آمادہ ہو رہے ہیں اِس مسئلہ میں ایک بستر کے دو ساتھی نظر آتے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ کشمیر کے معاملہ میں بھی یہ دونوں متحد تھے۔ دونوں ہی انڈین یونین کی تائید میں تھے اور اب دونوں ہی فلسطین کے مسئلہ میں یہودیوں کی تائید میں ہیں۔ آخر یہ اتحاد کیوں ہے؟ یہ دونوں دشمن مسلمانوں کے خلاف اکٹھے کیوں ہو جاتے ہیں؟ اِس کے کئی جواب ہو سکتے ہیں مگر شاید ایک جواب جو ہمارے لئے

خوشکو بھی ہے زیادہ صحیح ہو۔یعنی دونوں ہی اسلام کی ترقی میں اپنے ارادوں کی پامالی دیکھتے ہوں جس طرح شیر کی آمد کی بُو پا کر کتّے اکٹھے ہو جاتے ہیں شائد اسی طرح یہ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ شاید یہ دونوں ہی اپنی دُوربین نگاہوں سے اسلام کی ترقی کے آثار دیکھ رہے ہیں۔شاید اسلام کا شیر جو ابھی ہمیں بھی سوتا نظر آتا ہے بیداری کی طرف مائل ہے۔شاید اس کے جسم پر ایک خفیف سی کپکپی وارد ہو رہی ہے جو ابھی دوستوں کو تو نظر نہیں آتی مگر دشمن اس کو دیکھ چکا ہے۔ اگر یہ ہے تو حال کا خطرہ مستقبل کی ترقی پر دلالت کر رہا ہے مگر ساتھ ہی مسلمانوں کی عظیم الشّان ذمّہ داریاں بھی ان کے سامنے پیش کر رہا ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ ایک ہی وقت میں فلسطین اور کشمیر کے جھگڑے شروع ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ کشمیر اور فلسطین ایک ہی قوم سے آباد ہیں اور یہ عجیب تر بات ہے کہ اسی قوم کا ایک حِصّہ مسلمان ہو کر آج کشمیر میں مسلمانوں کی ہمدردی کھینچ رہا ہے اور دوسرا حصّہ فلسطین میں مسلمانوں کے ساتھ زندگی اور موت کی جنگ میں ٹکر لے رہا ہے۔ آدھی قوم اسلام کے لئے قربانیاں پیش کر رہی ہے اور آدھی قوم اسلام کو مٹانے کے لئے قربانیاں پیش کر رہی ہے۔کشمیر کی جنگ میں بھی کاشر یعنی کشمیری کا نام سُننے میں آتا ہے اور فلسطین کی جنگ میں بھی کاشر شہر کا ذکر بار بار آ رہا ہے۔ اِسی کاشر کے نام پر کشمیر کا نام کاشر رکھا گیا تھا جو اَب بگڑ کر کشمیر ہو گیا ہے یا یہ کہ یہ کاشر ہے یعنی سیریا کی طرح۔

حال ہی میں کشمیر میں ایک آزادی کا دن منایا گیا ہے جن میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کشمیری دِل سے ہندوستان کے ساتھ ہیں۔ اِس مظاہرہ میں رُوس کے نمائندہ نے خصوصیّت کے ساتھ حِصّہ لیا اور دُنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ کشمیر کے معاملہ میں رُوس ہندوستان کے ساتھ ہے۔کیوں ہے؟ یہ تو مستقبل ثابت کرے گا۔ ہے! اسے رُوس کے نمائندے نے ثابت کر دیا ہے۔کشمیر کا معاملہ پاکستان کے لئے نہایت اہم ہے لیکن فلسطین کا معاملہ سارے مسلمانوں کے لئے نہایت اہم ہے۔کشمیر کی چوٹ بالواسطہ پڑتی ہے۔فلسطین ہمارے آقا اور مولیٰ کی آخری آرام گاہ کے قریب ہے جن کی زندگی میں بھی یہودی ہر قسم کے نیک سلوک کے باوجود بڑی بے شرمی اور بے حیائی سے ان کی ہر قسم کی مخالفتیں کرتے رہے تھے۔ اکثر جنگیں یہود کے اُکسانے پر ہوئی تھیں۔کسریٰ کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کروانے پر انہوں نے ہی اُکسایا تھا۔خدا نے ان کا مُونہہ کالا کیا مگر انہوں نے اپنے خبث باطن کا اظہار کر دیا۔غزوۂ احزاب کی لیڈری یہود ہی کے ہاتھ میں تھی۔سارا عرب اس سے پہلے کبھی اکٹھا نہ

ہوا تھا بلکہ والوں میں ایسی قوتِ انتظام تھی ہی نہیں یہ مدینہ سے جلا وطن شدہ یہودی قبائل ہی کا کارنامہ تھا کہ انہوں نے سارے عرب کو اکٹھا کر کے مدینہ کے سامنے لا ڈالا۔ خدا نے ان کا بھی مُونہہ کالا کیا مگر یہودنے اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اصل دشمن مکہ والے تھے مگر مکہ والوں نے کبھی دھوکہ سے آپؐ کی جان لینے کی کوشش نہیں کی۔ آپؐ جب طائف گئے اور ملک کے قانون کے مطابق مکہ کے شہری حقوق سے آپؐ دستبردار ہو گئے مگر پھر آپ کو لوٹ کر مکہ میں آنا پڑا تو اس وقت مکہ کا ایک شدید ترین دشمن آپؐ کی امداد کے لئے آگے آیا اور مکہ میں اس نے اعلان کر دیا کہ میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہریت کے حقوق دیتا ہوں اپنے پانچوں بیٹوں سمیت آپ کے ساتھ ساتھ مکہ میں داخل ہوا اور اپنے بیٹوں سے کہا کہ محمدؐ ہمارا دشمن ہی سہی پر آج عرب کی شرافت کا تقاضہ ہے کہ جب وہ ہماری امداد سے شہر میں داخل ہونا چاہتا ہے تو ہم اس کے اس مطالبہ کو پورا کریں ورنہ ہماری عزت باقی نہیں رہے گی۔ اور اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ اگر کوئی دشمن آپؐ پر حملہ کرنا چاہے تو تم میں سے ہر ایک کو اس سے پہلے مر جانا چاہیئے کہ وہ آپؐ تک پہنچ سکے۔ یہ تھا عرب کا شریف دشمن۔ اس کے مقابلہ میں بدبخت یہودی جس کو قرآن کریم مسلمان کا سب سے بڑا دشمن قرار دیتا ہے اس نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھر پر بلایا اور صلح کے دھوکہ میں چکی کا پاٹ کوٹھے پر سے پھینک کر آپؐ کو مارنا چاہا خدا تعالیٰ نے آپؐ کو اس کے منصوبہ کی خبر دی اور آپؐ سلامت وہاں سے نکل آئے۔ یہودی قوم کی ایک عورت نے آپؐ کی دعوت کی اور زہر ملا ہوا کھانا آپؐ کو کھلایا آپؐ کو خدا تعالیٰ نے اس موقع پر بھی بچا لیا مگر یہودی قوم نے اپنا اندرونہ ظاہر کر دیا۔ یہی دشمن ایک مقتدر حکومت کی صورت میں مدینہ کے پاس سر اُٹھانا چاہتا ہے شاید اس نیت سے کہ اپنے قدم مضبوط کر لینے کے بعد وہ مدینہ کی طرف بڑھے۔ جو مسلمان یہ خیال کرتا ہے کہ اس بات کے امکانات بہت کمزور ہیں اس کا دماغ خود کمزور ہے۔ عرب اس حقیقت کو سمجھتا ہے عرب جانتا ہے کہ اب یہودی عرب میں سے عربوں کو نکالنے کی فکر میں ہیں اس لئے وہ اپنے جھگڑے اور اختلاف کو بھول کر متحدہ طور پر یہودیوں کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو گیا ہے مگر کیا عربوں میں یہ طاقت ہے؟ کیا یہ معاملہ صرف عرب سے تعلق رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نہ عربوں میں اس مقابلہ کی طاقت ہے اور نہ یہ معاملہ صرف عربوں سے تعلق رکھتا ہے۔ سوال فلسطین کا نہیں سوال مدینہ کا ہے۔ سوال یروشلم کا نہیں سوال خود مکہ مکرمہ کا ہے سوال

زید اور بکر کا نہیں سوال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت کا ہے۔ دشمن باوجود اپنی مخالفتوں کے اسلام کے مقابل پر اکٹھا ہو گیا ہے۔ کیا مسلمان باوجود ہزاروں اتحاد کی وجوہات کے اس موقع پر اکٹھا نہیں ہوگا۔ امریکہ کا رویہ اور روس کے منصوبے اور ہتھکنڈے دونوں ہی غریب عربوں کے مقابل پر جمع ہیں۔ جن طاقتوں کا مقابلہ جرمنی نہیں کر سکا عرب قبائل کیا کر سکتے ہیں۔ ہمارے لئے یہ سوچنے کا موقع آ گیا ہے کہ کیا ہم کو الگ الگ اور باری باری مرنا چاہیئے یا اکٹھے ہو کر فتح کے لئے کافی جدّوجہد کرنی چاہیئے۔ مَیں سمجھتا ہوں وہ وقت آ گیا ہے جب مسلمانوں کو یہ فیصلہ کر لینا چاہیئے کہ یا تو وہ ایک آخری جدّوجہد میں فنا ہو جائیں گے یا کُلّی طور پر اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ مصر، شام اور عراق کا ہوائی بیڑا سَو ہوائی جہازوں سے زیادہ نہیں لیکن یہودی اس سے دس گنا بیڑہ نہایت آسانی سے جمع کر سکتے ہیں اور شاید روس تو ان کو اپنا بیڑہ نذر کے طور پر پیش بھی کر دے۔

مَیں نے متواتر اور بار بار مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ روس مسلمانوں کا شدید دشمن ہے لیکن مسلمانوں نے سمجھا نہیں جو بھی اُٹھتا ہے وہ نہایت محبت بھری نگاہوں سے روس کی طرف دیکھنے لگ جاتا ہے اور روس کو اپنی اُمیدوں کی آماجگاہ بنا لیتا ہے حالانکہ حق یہی ہے کہ سب سے بڑا دشمن مسلمانوں کا روس ہے۔ امریکہ یہودیوں کے ووٹ کی بناء پر یہودیوں کی مدد کر رہا ہے اور روس عرب ملکوں میں اپنا اڈّہ جمانے کے لئے یہودیوں کی مدد کر رہا ہے۔ رویّہ ایک ہے مگر بواعث مختلف ہیں اور یقیناً روس کے عمل کا محرک امریکہ کے عمل کے محرک سے زیادہ خطرناک ہے لیکن چونکہ عمل دونوں کا ایک ہے اِس لئے بہرحال عالَمِ اسلامی کو روس اور امریکہ دونوں کا مقابلہ کرنا ہوگا مگر عقل اور تدبیر سے، اتحاد اور یک جہتی سے۔ مَیں سمجھتا ہوں مسلمان اَب بھی دُنیا میں اتنی تعداد میں موجود ہیں کہ اگر وہ مرنے پر آئیں تو انہیں کوئی مار نہیں سکے گا لیکن میری یہ اُمیدیں کہاں تک پوری ہو سکتی ہیں اللہ ہی اس کو بہتر جانتا ہے۔ کشمیر کی لڑائی کو آٹھ مہینے ہو چکے ہیں لیکن اَب تک مسلمانوں نے اِس پہلو کے کانٹے کے متعلق بھی عقلمندی اور ہوشیاری کا ثبوت نہیں دیا۔ فلسطین کا خطرہ تو دُور کا خطرہ ہے خواہ زیادہ اہم ہے وہ انہیں بیدار کرنے میں کہاں کامیاب ہوگا۔ آج ریزولیوشنوں سے کام نہیں ہو سکتا، آج قربانیوں سے کام ہوگا۔ اگر پاکستان کے مسلمان واقعہ میں کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اپنی حکومت کو توجہ دلائیں کہ

ہماری جائیدادوں کا کم سے کم ایک فیصدی حصّہ اس وقت لے لے۔ ایک فیصدی حصّہ سے بھی پاکستان کم سے کم ایک ارب روپیہ اس غرض کے لئے جمع کرسکتا ہے اور ایک ارب روپیہ سے اسلام کی موجودہ مشکلات کا بہت کچھ حل ہوسکتا ہے۔ پاکستان کی قربانی کو دیکھ کر باقی اسلامی ممالک بھی قربانی کریں گے اور یقیناً پانچ چھ ارب روپیہ جمع ہوسکے گا جس سے فلسطین کے لئے باوجود یورپین ممالک کی مخالفت کے آلات جمع کئے جاسکتے ہیں۔ ایک روپیہ کی جگہ پر دو۔ دو روپیہ کی جگہ پر تین۔ تین روپیہ کی جگہ پر چار اور چار روپیہ کی جگہ پر پانچ خرچ کرنے سے کہیں نہ کہیں سے چیزیں مِل جائیں گی۔ یورپین لوگوں کی دیانتداری کی قیمت ضرور ہے خواہ وہ قیمت گراں ہی کیوں نہ ہو انہیں خریدا ضرور جاسکتا ہے خواہ بڑھیا بولی پر مگر بولی دینے کے لئے جیب بھی بھری ہوئی چاہیئے۔ پس مَیں مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اِس نازک وقت کو سمجھیں اور یاد رکھیں کہ آج رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ لفظ بلفظ پُورا ہو رہا ہے۔ یہودی اور عیسائی اور دہریہ مِل کر اسلام کی شوکت کو مٹانے کے لئے کھڑے ہوگئے ہیں۔ پہلے فرداً فرداً یورپین اقوام مسلمانوں پر حملہ کرتی تھیں مگر اَب مجموعی صورت میں ساری طاقتیں مِل کر حملہ آور ہوئی ہیں آؤ ہم بھی سب مِل کر ان کا مقابلہ کریں کیونکہ اِس معاملہ میں ہم میں کوئی اختلاف نہیں۔ دوسرے اختلافوں کو ان اُمور میں سامنے لانا جن میں کہ اختلاف نہیں نہایت ہی بیوقوفی اور جہالت کی بات ہے۔ قرآن کریم تو یہود سے فرماتا ہے :-

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (آلِ عمران ع ۱۵)

اتنے اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی قرآن کریم یہود کو دعوتِ اتّحاد دیتا ہے۔ کیا اِس موقع پر جبکہ اسلام کی جڑوں پر تبر رکھ دیا گیا ہے۔ جب مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ حقیقی طور پر خطرے میں ہیں وقت نہیں آیا کہ آج پاکستانی، افغانی، ایرانی، ملائی، انڈونیشین، افریقن، بربر اور ترکی یہ سب کے سب اکٹھے ہو جائیں اور عربوں کے ساتھ مِل کر اس حملہ کا مقابلہ کریں جو مسلمانوں کی قوّت کو توڑنے اور اسلام کو ذلیل کرنے کے لئے دشمن نے کیا ہے؟

اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ قرآن کریم اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ایک دفعہ پھر

فلسطین میں آباد ہوں گے لیکن یہ نہیں کہا گیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے آباد ہوں گے۔ فلسطین پر ہمیشہ کی حکومت تو عِبَادُ اللّٰہِ الصَّالِحُوْنَ کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ پس اگر ہم تقویٰ سے کام لیں تو اللہ تعالیٰ کی پہلی پیشگوئی اِس رنگ میں پُوری ہو سکتی ہے کہ یہود نے آزاد حکومت کا وہاں اعلان کر دیا ہے لیکن اگر ہم نے تقویٰ سے کام نہ لیا تو پھر وہ پیشگوئی لمبے وقت تک پُوری ہوتی چلی جائے گی اور اسلام کے لئے ایک نہایت خطرناک دھکّا ثابت ہوگی۔ پس ہمیں چاہیئے اپنے عمل سے، اپنی قربانیوں سے، اپنے اتحاد سے، اپنی دعاؤں سے، اپنی گریہ وزاری سے اِس پیشگوئی کا عرصہ تنگ سے تنگ کر دیں اور فلسطین پر دوبارہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حکومت کے زمانہ کو قریب سے قریب تر کر دیں اور مَیں سمجھتا ہوں اگر ہم ایسا کر دیں تو اسلام کے خلاف جو رَو چل رہی ہے وہ اُلٹ پڑے گی۔ عیسائیت کمزوری و انحطاط کی طرف مائل ہو جائے گی اور مسلمان پھر ایک دفعہ بلندی اور رفعت کی طرف قدم اُٹھانے لگ جائیں گے۔ شاید یہ قربانی مسلمانوں کے دِل کو بھی صاف کر دے اور ان کے دِل بھی دین کی طرف مائل ہو جائیں۔ پھر دُنیا کی محبّت اُن کے دِلوں سے سرد ہو جائے۔ پھر خدا اور اس کے رسولؐ اور ان کے دین کی عزّت اور احترام پر وہ آمادہ ہو جائیں اور ان کی بے دینی دین سے اور ان کی بے ایمانی ایمان سے اور ان کی سُستی چُستی سے اور ان کی بدعملی سعیٔ پیہم سے بدل جائے۔ خاکسار مرزا محمود احمد امام جماعتِ احمدیہ"[1]

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کے اِس انقلاب انگیز مضمون نے شام، لبنان، اردن اور دوسرے عرب ممالک میں زبردست تہلکہ مچا دیا۔ شیخ نُور احمد صاحب مُنیر مجاہد بلادِ عربیہ نے اِس مضمون کی نہایت وسیع پیمانے پر اشاعت کی اور شام و لبنان کی تین سَو مشہور اور ممتاز شخصیتوں کو جن میں بیشتر وزراء، پارلیمنٹ کے ممبر، کالجوں کے پروفیسر، مختلف وکلاء، بیرسٹر اور سیاسی اور مذہبی لیڈر تھے خاص طور پر بذریعہ ڈاک بھجوایا اور مجموعی طور پر ہر جگہ اِس مضمون کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا[2]

یہی نہیں شام ریڈیو نے خاص اہتمام سے اس کا خلاصہ نشر کر کے اسے دُنیائے عرب کے کونہ کونہ تک پہنچا دیا۔ اخبار "الیوم"۔ "الف باء الکفاح"۔ "الفیحاء"۔ "الاخبار"۔ "القبس"۔ "النصر"۔ "الیقظہ"۔ "صوت الاحرار"۔ "النہضہ" اور "الاردن" وغیرہ چوٹی کے عربی اخبارات

---

[1] الفضل ۲۱ ہجرت / مئی ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۳ تا ۴ ۔ [2] الفضل ۱۷ تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۲ کالم ۱

نے جلی قلم سے اِس کے اقتباسات شائع کئے اور متفقہ طور پر حضور رض کی پیش فرمودہ تجویز کو نہایت درجہ مستحسن قرار دیا اور اعتراف کیا کہ مسئلہ فلسطین کے حق میں یہ نہایت کارگر پروپیگنڈا اور پُر اثر آواز ہے جو پاکستان سے امام جماعتِ احمدیہ کی زبان سے بلند ہوئی ہے۔

چنانچہ اخبار "النهضة" نے (مورخہ ۱۲۔جولائی ۱۹۴۸ء) زیرِ عنوان "مطبوعات" لکھا:۔

"اَهْدَى اَنَا السَّيِّدُ مِرْزَا مَحْمُوْدُ اَحْمَد كَرَّاسَةً صَغِيْرَةً تَحْتَوِىْ عَلَى الْخِطَابِ الَّذِىْ اَلْقَاهُ فِىْ (لَاهُوْر) بَاكِسْتَان يَدْعُوْا فِيْهَا الْمُسْلِمِيْنَ اِلَى الْاِتِّحَادِ وَالْعَمَلِ الْحَاسِمِ لِاِنْقَاذِ فَلَسْطِيْنَ مِنَ الصَّهَايِنَةِ الْمُجْرِمِيْنَ كَمَا اِنَّهُ يَهِيْبُ بِاَبْنَاءِ الْبَاكِسْتَانِ الْبَرَرَةِ اَنْ يُّبَادِرُوْا اِلٰى مُسَاعَدَةِ عَرَبِ فَلَسْطِيْنَ بِالْمَالِ وَيُذَكِّرُهُمْ بِالرَّسُوْلِ الْكَرِيْمِ (ص) مُسْتَشْهِدًا بِاٰيَاتٍ شَرِيْفَةٍ يَحُضُّ فِيْهَا الْمُسْلِمِيْنَ اَنْ يَّقِفُوْا صَفًّا وَّاحِدًا اَمَامَ سَيْلِ الصَّهْيُوْنِيَّةِ الْمُجْرِمَةِ الَّتِىْ تُؤَيِّدُهَا كُلٌّ مِنْ اَمْرِيْكَا وَرُوْسِيَا الشُّيُوْعِيَّةِ لِمَصَالِحَ وَغَايَاتٍ فِىْ نَفْسِهِمَا وَيَدْعُوْهُمْ اَنْ لَّا يَتَوَانَوْا وَاَنْ يَّضَعُوْا نُصْبَ اَعْيُنِهِمْ مَا يُمْلِيْهِ عَلَيْهِمُ الْوَاجِبُ مِنَ الْجِهَادِ فِىْ سَبِيْلِ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ۔

وَهِىَ خُطْبَةٌ جَيِّدَةٌ وَّدِعَايَةٌ حَسَنَةٌ لِفَلَسْطِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ۔ نَدْعُوْ اللّٰهَ اَنْ يُّحَقِّقَ اٰمَالَنَا وَاَمَانِيَّهُ الْعِذَابَ فِىْ سَبِيْلِ دِيْنِنَا الْقَوِيْمِ وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَاءِ الْقَصْدِ۔"

(ترجمہ) ہمیں ایک ٹریکٹ موصول ہوا ہے جو السیّد مرزا محمود احمد صاحب کے ایک خطبہ پر مشتمل ہے جو اُنہوں نے لاہور (پاکستان) میں دیا ہے۔ اِس خطبہ میں خطیب نے تمام مسلمانوں کو دعوتِ اتحاد دی ہے اور صیہونی مجرموں کے چنگل سے فلسطین کو نجات دلانے کے لئے ٹھوس اور مؤثر اقدام کی طرف توجہ دلائی ہے نیز اہلِ پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ فلسطینی عربوں کی فوری اعانت کریں اور مسلمانوں کو رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد دلاتے اور آیاتِ قرآنی سے استشہاد کرتے ہوئے ترغیب دی ہے کہ وہ مجرم صیہونیوں کے سیلاب کا مقابلہ کرنے کے لئے صف بستہ ہوجائیں جن کی پشت پناہی امریکہ اور اشتراکی رُوس اپنی مصالح اور خاص اغراض کے ماتحت کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ

وہ ضعف و اضمحلال کا اظہار نہ کریں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے لئے جہاد کے سلسلہ میں عائد شدہ ذمہ داری اپنے سامنے رکھیں۔

یہ ایک نہایت عُمدہ خطبہ اور فلسطین اور مسلمانوں کے حق میں نہایت اچھا پروپگینڈا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہیں کہ وہ ہماری اُن نیک آرزوؤں اور عُمدہ خواہشات کو جو ہمارے دین قویم کے لئے ہمارے دلوں میں موجزن ہیں متحقق فرمائے۔ آمین۔

اخبار "الف باء" (دمشق) نے حسب ذیل نوٹ سپرد اشاعت کیا:-

فَلَسْطِيْن وَكَشْمِيْر يَقْطُنُهُمَا بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ"

"وَصَلَتْ اِلَيْنَا نُسْخَةٌ مِنْ خُطْبَةٍ اَلْقَاهَا فِيْ لَاهُوْر" بَاكِسْتَان" اَلسَّيِّدُ مِرْزَا مَحْمُوْدُ اَحْمَدُ اِمَامُ الْجَمَاعَةِ الْقَادِيَانِيَّةِ بِمُنَاسَبَةِ تَشْكِيْلِ دَوْلَةٍ صَيْهُوْنِيَّةٍ مُزَيَّفَةٍ فِيْ فَلَسْطِيْنَ۔ قَالَ فِيْهَا:-

"وَمِنَ الْغَرِيْبِ اَنَّ قَضِيَّةَ كَشْمِيْرَ وَقَضِيَّةَ فَلَسْطِيْنَ عُرِضَتَا لِلْبَحْثِ وَالتَّنْقِيْبِ فِيْ زَمَنٍ وَّاحِدٍ۔ وَمِنَ الْعَجِيْبِ اَيْضًا اَنَّ كَشْمِيْرَ وَفَلَسْطِيْنَ يَقْطُنُهُمَا قَوْمٌ وَّاحِدٌ اَعْنِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ، وَمِنَ الْعَجَبِ الْعُجَابِ اَنَّ جُزْءًا مِّنْ هٰذَا الْقَوْمِ الَّذِيْ كَانَ قَدْ اَسْلَمَ يَجْذِبُ الْيَوْمَ عَوَاطِفَ الْمُسْلِمِيْنَ وَمُوَاسَاتِهِمْ فِيْ قَضِيَّةِ كَشْمِيْرَ وَشَطْرٌ آخَرُ مِنْهُ الْقَاطِنُ بِفَلَسْطِيْنَ يُقَاتِلُ الْمُسْلِمِيْنَ مُقَاتَلَةَ الْمُسْتَمِيْتِ وَالنِّصْفُ مِنْهُمْ يُقَدِّمُ الضَّحَايَا لِاِحْيَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالنِّصْفُ الْآخَرُ يَبْذُلُ مَجْهُوْدَاتِهِ لِاِمَاتَتِهِمْ۔

وَلَقَدْ نَسْمَعُ فِي الْاَنْبَاءِ الْوَارِدَةِ مِنَ الْجِهَةِ الْحَرْبِيَّةِ بِكَشْمِيْرَ ذِكْرَ "كَاشِر" (اِسْمٌ يُطْلَقُ عَلٰى كُلِّ كَشْمِيْرِيٍّ)، وَكَذٰلِكَ يَاْتِيْ ذِكْرُ بَلْدَةِ "كَاشِر" فِي الْمَنْشُوْرَاتِ الْحَرْبِيَّةِ الْفَلَسْطِيْنِيَّةِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَعَلٰى هٰذَا الْاِسْمِ كَانَ سُمِّيَ كَشْمِيْر "كَاشِيْر" ثُمَّ تَبَدَّلَ بِمُرُوْرِ الزَّمَانِ بِكَشْمِيْرَ، اَوْ اَنْ نَقُوْلَ اِنَّ كَشْمِيْرَ كَانَ فِي الْاَصْلِ "كَاشِيْر" اَيْ مِثْلُ سِيْرِيَا (الشَّامُ)

وَالْخُطْبَةُ مَطْبُوْعَةٌ فِيْ مَطْبَعَةِ الْفَيْضِ بِبَغْدَادَ۔ وَقَدْ حَمَلَ فِيْهَا الْخَطِيْبُ

عَلٰی اَمْرِیْکَا وَرُوْسِیَا وَحْدَهُمَا لِمُنَاصَرَتِهِمَا الصَّهْیُوْنِیَّةَ"۔

فلسطین اور کشمیر میں بنو اسرائیل آباد ہیں

(ترجمہ) ہمیں جناب مرزا محمود احمد امام جماعت قادیانیہ کے خطاب کا نسخہ موصول ہوا ہے جو کہ انہوں نے فلسطین میں نام نہاد صیہونی حکومت کے قیام کے سلسلہ میں دیا ہے آپ اس خطبہ میں فرماتے ہیں" یہ عجیب بات ہے کہ ایک ہی وقت میں فلسطین اور کشمیر کے جھگڑے شروع ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ کشمیر اور فلسطین ایک ہی قوم سے آباد ہیں اور یہ عجیب تر بات ہے کہ اس قوم کا ایک حصہ مسلمان ہو کر آج کشمیر میں مسلمانوں کی ہمدردی کھینچ رہا ہے اور دوسرا حصہ فلسطین میں مسلمانوں کے ساتھ زندگی اور موت کی جنگ میں ٹکر لے رہا ہے۔ آدھی قوم اسلام کے لئے قربانیاں پیش کر رہی ہے اور آدھی قوم اسلام کو مٹانے کے لئے قربانیاں پیش کر رہی ہے۔ کشمیر کی جنگ میں کاشر یعنی کشمیر کا نام سننے میں آتا ہے اور فلسطین کی جنگ میں بھی کاشر شہر کا ذکر بار بار آرہا ہے۔ اس کاشر کے نام پر کشمیر کا نام کاشر رکھا گیا تھا جو اب بگڑ کر کشمیر ہو گیا ہے یا یہ کہ یہ کاشیر ہے یعنی سیریا (شام) کی طرح"

یہ لیکچر بغداد کے مطبعۃ الفیض میں طبع ہوا ہے اور اس میں (فاضل) لیکچرار نے صیہونیت کی پُشت پناہی کے باعث امریکہ اور رُوس دونوں کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ (الف باء دمشق)

اخبار "صَوْتِ الْاَحْرَارِ" نے اس انقلاب انگیز مضمون پر حسب ذیل تبصرہ شائع کیا:۔

اَلْکُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ

" بِهٰذَا الْعُنْوَانِ اَلْقَی السَّیِّدُ مِرْزَا مَحْمُوْد اَحْمَدْ اِمَامُ الْجَمَاعَةِ الْاَحْمَدِیَّةِ الْقَادِیَانِیَّةِ فِیْ لَاهُوْر (بَاکِسْتَان) خُطْبَةً مُطَوَّلَةً حَمَلَ فِیْهَا بِشِدَّةٍ وَّعُنْفٍ عَلَی الصَّهْیُوْنِیَّةِ الْاٰثِمَةِ الْمُجْرِمَةِ۔ وَلَمْ یُخْفِ اِسْتِغْرَابَهُ الْعَمِیْقَ مِنْ اِجْتِمَاعِ الْمُتَنَاقِضَاتِ وَاِتِّحَادِ الْاَعْدَاءِ فِیْ سَبِیْلِ اِنْکَارِ عُرُوْبَةِ فَلَسْطِیْن وَالْاِعْتِرَافِ بِکَیَانِ الْیَهُوْدِ الْمَوْهُوْمِ وَیُتَابِعُ حَمْلَتَهُ الشَّدِیْدَةَ ضِدَّ السِّیَاسَةِ الْاِسْتِعْمَارِیَّةِ الَّتِیْ تَنْشُرُ دَوْمًا وَّاَبَدًا الْاِسْتِغْلَالَ وَالظُّلْمَ ثُمَّ یُقَارِنُ مَوْقِفَ هٰؤُلَاءِ الْمُعْتَدِیْنَ مِنْ قَضِیَّةِ فَلَسْطِیْنَ بِمَوْقِفِهِمْ مِنْ قَضِیَّةِ کَشْمِیْر۔ وَیَخْلُصُ اِلَی الْقَوْلِ اَنْ لَّاسَبِیْلَ اِلَی الْاِسْتِقْلَالِ وَالْخَلَاصِ

مِنْ كُلِّ نِيْرٍ اَجْنَبِيٍّ بِغَيْرِ الْإِتِّحَادِ وَالتَّآلُفِ"۔

(ترجمہ) " اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ "

مندرجہ بالا عنوان پر السیّد مرزا محمود احمد امام جماعت احمدیہ نے لاہور (پاکستان) میں ایک طویل لیکچر دیا ہے۔ اِس لیکچر میں آپ نے پُوری قوّت سے ظالم صیہونیت پر حملہ کیا ہے اور متناقضات اور دشمنوں کے اتّحاد و اجتماع سے اپنے گہرے تعجّب کو پوشیدہ نہیں رہنے دیا مبادا فلسطینی عربوں کے مطالبہ کا انکار اور یہود نامسعود کے موہوم حقوق کا اعتراف کیا جائے آپ اس استعماری سیاست کے خلاف نبرد آزما ہیں جو ہمیشہ ظلم اور ناجائز فائدہ اُٹھانے کا اظہار کرتی ہے پھر آپ نے ان ظالموں کے موقف کا باہمی مقابلہ مسئلہ فلسطین اور کشمیر سے کیا ہے۔ اس لیکچر کا خلاصہ یہ ہے کہ سامراجی استعمار سے آزادی اور نجات اتّحاد اور تعاون کے بغیر ناممکن ہے۔

اخبار الشُّورٰی (بغداد) نے اپنے ۱۸ر جون ۱۹۴۸ء کے پرچہ میں ایک عربی نوٹ لکھا جس کا ترجمہ درج ذیل ہے :-

" حضرت مرزا محمود احمد صاحب کا ایک خطبہ" ہمیں ایک ٹریکٹ ملا ہے جو بغداد میں چھپا ہے جس میں حضرت مرزا محمود احمد امام جماعت احمدیہ قادیان کے ایک پُرجوش خطبہ کا ذکر کیا گیا ہے جو انہوں نے نام نہاد اسرائیلی حکومت کی تشکیل کے اعلان کے بعد لاہور (پاکستان) میں پڑھا۔ اِس خطبہ کا عنوان ہے " اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ "۔ جن اصحاب نے یہ مفید ٹریکٹ شائع کیا ہے ہم ان کی اسلامی غیرت اور اسلامی مساعی پر شکریہ ادا کرتے ہیں۔

استعماری طاقتوں کی سازش اور اس کا انکشاف

رُوس اور امریکہ کی استعماری طاقتوں کو مسلمانوں کے اتّحاد کی یہ مؤثّر ترین تحریک بھلا کب گوارا ہو سکتی تھی؟ اِس لئے جُونہی ان کے کانوں میں یہ آواز پہنچی اُنہوں نے خود مسلمانوں ہی کے ایک طبقہ کو آلۂ کار بنا کر جماعتِ احمدیہ کے خلاف پراپیگنڈا کرنے کی مُہم شروع کرا دی۔ اِس گہری سازش کا سنسنی خیز انکشاف بغداد کے مقتدر جریدہ " اَلْاَنْبَاءُ " کے ایک فاضل اور کہنہ مشق ادیب اور نامہ نگار الاستاذ علیّ الخیاط آفندی نے چھ سال بعد کیا۔ چنانچہ انہوں نے بغداد کے مشہور اخبار " اَلْاَنْبَاءُ " (مورخہ ۲۱ر ستمبر ۱۹۵۴ء) میں مندرجہ ذیل مقالہ سپردِ اشاعت کیا :-

أصابع الاستعمار التي تلعب وراء القاديانية في كل مكان

" قامت بعض الصحف في الآونة الأخيرة بتوجيه النقد ضد جماعة القاديانية بصورة مستمرة وبشكل يثير الاهتمام فما هي القاديانية وما هو الدافع لانتقادها بهذه الصورة على صفحات الصحف؟

هناك مشكلة معقدة بين القاديانيين وخصومهم نظراً للتهم التي تكال إليهم حقاً أو باطلاً فالقاديانيون يطلقون على أنفسهم (الجماعة الأحمدية) ويدعون أنهم من أتباع ميرزا غلام أحمد الذي كان يسكن في قرية قاديان في الهند والذي أرسله الله لتوثيق عرى الدين ويعتبرونه المهدي الموعود والمسيح المعهود الذي تنبأت الكتب الدينية بمجيئه في آخر الزمان وهم متمسكون بتعاليم الإسلام ومتعصبون للديانة الإسلامية ويعتنقون المذهب الحنفي....

وأما خصومهم فيطلقون عليهم لقب (القاديانية) ويعتبرونهم مرتدين عن الديانة الإسلامية رغم تظاهرهم بالتمسك بالدين الإسلامي ورغم أدائهم الفرائض الدينية حسب الشريعة الإسلامية.

والأحمدية أو القاديانية كما يسميها خصومها ليست وليدة اليوم بل مضى على تأسيسها سبعون سنة في قرية قاديان بالهند واتبعها بعض الذين كانوا يعتبرونها الطريقة الحقة حسب اعتقادهم. وسواء أكانت هذه الطريقة حقة أو باطلة وسواء أكانت هذه الفئة مسلمة أو خارجة على الإسلام فليس هناك ما يبرر للصحف انتقادها بهذا الشكل وفي مثل هذا الوقت الذي يحتاج فيه المسلمون إلى الاتحاد وجمع الصفوف لمواجهة الأخطار المحيطة بهم من كل جانب.

وقد يستغرب القراء إذا عرفوا أن ليس في العراق من أتباع هذه الجماعة سوى ثماني عشرة عائلة فقط تسكن تسع منها في بغداد وأربع

فِي الْبَصْرَةِ وَ اَرْبَعٌ فِي الْحَبَّانِيَّةِ وَعَائِلَةٌ وَاحِدَةٌ فِي خَانقين وَاِنَّ جَمِيْعَ هٰؤُلَآءِ جَاؤُا مِنَ الْهِنْدِ اِلَى الْعِرَاقِ بِقَصْدِ التِّجَارَةِ وَ قَدْ تَجَنَّسَ بَعْضُهُمْ بِالْجِنْسِيَّةِ الْعِرَاقِيَّةِ كَمَا بَقِيَ الْبَعْضُ الْآخَرُ عَلٰى جِنْسِيَّتِهِمُ الْهِنْدِيَّةِ اَلَّتِيْ اسْتَبْدَلُوْهَا بِالْبَاكِسْتَانِيَّةِ بَعْدَ تَقْسِيْمِ الْهِنْدِ۔

وَ بِالرَّغْمِ مِنْ مُرُوْرِ عَشَرَاتِ السِّنِيْنَ عَلٰى بَقَاءِ هٰؤُلَاءِ فِي الْعِرَاقِ فَاِنَّهُمْ لَمْ يُدْخِلُوْا شَخْصًا وَّاحِدًا مِنَ الْعِرَاقِيِّيْنَ فِيْ زُمْرَتِهِمْ وَلَيْسَ لَهُمْ اَيُّ مَعْبَدٍ خَاصٍّ اَوْ اِجْتِمَاعَاتٍ مَذْهَبِيَّةٍ خَاصَّةٍ وَيَقْتَصِرُ نِشَاطُهُمْ عَلٰى تَوْزِيْعِ بَعْضِ الصُّحُفِ وَالْكَرَاسَاتِ الَّتِيْ تَبْحَثُ عَنْ رُقِيِّ الْاِسْلَامِ اَوِ الدِّفَاعِ عَنْ عُرُوْبَةِ فَلَسْطِيْنَ اَوْ كِيَانِ بَعْضِ الدُّوَلِ الْاِسْلَامِيَّةِ وَالْآنَ يَتَسَاءَلُ الْقَارِئُ اِذَا كَانَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ فَمَا هُوَ سَبَبُ هٰذِهِ الْحَمْلَةِ وَهٰذَا الْاِنْتِقَادُ عَلٰى صَفَحَاتِ الْجَرَائِدِ؟

لَيْسَ هُنَاكَ سِوٰى سَبَبٍ وَاحِدٍ وَهُوَ اِصْبَعُ الْاِسْتِعْمَارِ الَّذِيْ يَلْعَبُ دَوْرًا هَامًّا فِيْ هٰذِهِ الْقَضِيَّةِ لِبَثِّ الشِّقَاقِ وَالتَّفْرِقَةِ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ الَّذِيْنَ لَازَالُوْا بِاِنْتِظَارِ الْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ الَّذِيْ يَقُوْمُوْنَ فِيْهِ بِجَوْلَتِهِمُ الثَّانِيَةِ لِتَطْهِيْرِ الْبِلَادِ الْمُقَدَّسَةِ مِنْ اَرْجَاسِ الصَّهْيُوْنِيَّةِ وَاِعَادَةِ فَلَسْطِيْنَ اِلٰى اَصْحَابِهَا الشَّرْعِيِّيْنَ۔ اِنَّ الْاِسْتِعْمَارَ يَخْشٰى اَنْ يَتَحَقَّقَ حُلْمُ الْعَرَبِ هٰذَا وَتَزُوْلَ دَوْلَةُ اِسْرَائِيْلَ الَّتِيْ تَحَمَّلَ الْكَثِيْرَ مِنَ الْمَشَاقِّ فِيْ سَبِيْلِ تَكْوِيْنِهَا فَيَعْمِدُ اِلٰى اِثَارَةِ الشِّقَاقِ بَيْنَ طَوَائِفِ الْمُسْلِمِيْنَ بِاِثَارَةِ النَّعَرَاتِ لِتَقُوْمَ بَعْضُ الْعَنَاصِرِ بِتَكْفِيْرِ فِرْقَةِ الْاَحْمَدِيَّةِ وَالتَّشْهِيْرِ بِهِمْ حَتّٰى يُؤَدِّيَ ذٰلِكَ اِلَى الشِّقَاقِ بَيْنَ الْبَاكِسْتَانِ وَبَيْنَ بَعْضِ الدُّوَلِ الْعَرَبِيَّةِ الَّتِيْ تَقُوْمُ صُحُفُهَا بِتَكْفِيْرِ ظَفْرُ اللّٰه خَان وَزِيْرِ خَارِجِيَّةِ بَاكِسْتَانِ الَّذِيْ يَتَّبِعُ الطَّرِيْقَةَ الْاَحْمَدِيَّةَ۔

وَلَعَلَّ كَثِيْرًا مِنَ الْقُرَّاءِ يَذْكُرُوْنَ مُحَاوَلَةَ بَعْضِ الْعَنَاصِرِ فِيْ بَاكِسْتَانَ

قَبْلَ مُدَّةٍ تَأْسِيْسِ (اَلْإِسْلَامِسْتَان) اَى جَامِعَةِ الدُّوَلِ الْإِسْلَامِيَّةِ وَذٰلِكَ بِجَمْعِ كَافَّةِ الدُّوَلِ الْإِسْلَامِيَّةِ فِىْ مُنَظَّمَةٍ وَاحِدَةٍ لِتَسْيِيْرِ سِيَاسَتِهَا الْخَارِجِيَّةِ وَالْمُحَافَظَةِ عَلٰى كِيَانِهَا وَاِسْتِقْلَالِهَا اِلَّا اَنَّ هٰذِهِ الْمُحَاوَلَةَ بَاءَتْ بِالْفَشْلِ بَعْدَ اَنْ وَقَفَ بَعْضُ الْعَنَاصِرِ مِنْهَا مَوْقِفًا مُعَارِضًا وَكَانَ مِنْ جُمْلَةِ الْاَسْبَابِ الَّتِىْ اَدَّتْ اِلٰى فَشْلِ هٰذَا الْمَشْرُوْعِ هُوَ سِلَاحُ التَّكْفِيْرِ الَّذِىْ نَاوَلَهُ الْاِسْتِعْمَارُ لِيَدِ بَعْضِ الْمُتَطَرِّفِيْنَ لِيَشْهَرُوْهُ فِىْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ تَبَنَّوا الْمَشْرُوْعَ الْمَذْكُوْرَ لِاَنَّهُمْ قَادِيَانِيُّوْنَ وَمَارِقُوْنَ عَنِ الْإِسْلَامِ۔

وَقَدْ يَظُنُّ بَعْضُ الْقُرَّاءِ اَنَّ مَا اَذْكُرُهُ مِنْ تَدَخُّلِ الْاِسْتِعْمَارِ فِىْ هٰذِهِ الْقَضِيَّةِ لَيْسَ اِلَّا وَلِيْدَ الْحَدَسِ وَالظَّنِّ اَلَا اِنِّىْ اُوَكِّدُ لِلْقُرَّاءِ بِاَنِّىْ مُطَّلِعٌ كُلَّ الْاِطِّلَاعِ عَلٰى تَدَخُّلِ الْاِسْتِعْمَارِ فِىْ هٰذِهِ الْقَضِيَّةِ اِذَا اَنَّه حَاوَلَ اَنْ يَسْتَغِلَّنِىْ فِيْهَا بِالذَّاتِ عَامَ ١٩٤٨ اَثْنَاءَ حَرْبِ فِلِسْطِيْنَ۔

كُنْتُ حِيْنَئِذٍ اُحَرِّرُ اِحْدَى الصُّحُفِ الْفُكَاهِيَّةِ وَكَانَتْ مِنَ الصُّحُفِ الْاِنْتِقَادِيَّةِ الْمَعْرُوْفَةِ فِىْ عَهْدِهَا وَقَدْ اَرْسَلَ اِلَىَّ مُوَظَّفٌ مَسْئُوْلٌ فِىْ اِحْدَى الْهَيْئَاتِ الدِّبْلُوْمَاسِيَّةِ الْاَجْنَبِيَّةِ فِىْ بَغْدَادَ يَدْعُوْنِىْ لِمُقَابَلَتِهٖ وَبَعْدَ تَقْدِيْمِ الْمُجَامَلَةِ وَكَيْلِ الْمَدِيْحِ عَلَى الْاُسْلُوْبِ الَّذِىْ اتبعه فِى النَّقْدِ رَجَانِىْ اَنْ اَنْتَقِدَ الْجَمَاعَةَ الْقَادِيَانِيَّةَ عَلٰى صَفَحَاتِ الْجَرِيْدَةِ الْمَذْكُوْرَةِ بِاَلْذَعِ طَرِيْقَةٍ مُمْكِنَةٍ لِاَنَّهَا جَمَاعَةٌ مَارِقَةٌ عَنِ الدِّيْنِ فَاَجَبْتُهٗ فِىْ بَادِئِ الْاَمْرِ بِاَنِّىْ لَا اَعْلَمُ شَيْئًا عَنْ هٰذِهِ الْجَمَاعَةِ وَعَنْ مُعْتَقَدَاتِهَا وَلِذٰلِكَ لَا يُمْكِنُنِىْ اَنْ اَنْتَقِدَهَا فَزَوَّدَنِىْ بِبَعْضِ الْكُتُبِ الَّتِىْ تَبْحَثُ فِىْ مُعْتَقَدَاتِ الْقَادِيَانِيَّةِ كَمَا اَنَّهٗ زَوَّدَنِىْ بِبَعْضِ الْمَقَالَاتِ عَسٰى اَنْ تَنْفَعَنِىْ بَعْضُ عِبَارَاتِهَا فِىْ كِتَابَةِ مَقَالَاتِى الْمَوْعُوْدَةِ۔ وَاسْتَطَعْتُ اَنْ اَطَّلِعَ عَلٰى بَعْضِ عَقَائِدِ الْجَمَاعَةِ مِنْ مُطَالَعَةِ الْكُتُبِ الَّتِىْ زَوَّدَنِىْ بِهَا

الْمَسْئُوْلُ الْمَذْكُوْرُ وَالَّتِيْ لَمْ اَجِدْ فِيْهَا شَيْئًا يَدُلُّ عَلٰى تَكْفِيْرِهِمْ حَسْبَ اِعْتِقَادِيْ وَبَعْدَ عِدَّةِ مُقَابَلَاتٍ طَلَبْتُ مِنْهُ اَنْ يَعْذُرَنِيْ عَنْ تِلْكَ الْمُهِمَّةِ نَظْرًا لِاعْتِقَادِيْ بِاَنَّ ذٰلِكَ يُسَبِّبُ الشِّقَاقَ بَيْنَ الطَّوَائِفِ الْاِسْلَامِيَّةِ فِيْ مِثْلِ ذٰلِكَ الْوَقْتِ بِالذَّاتِ فَاَجَابَ قَائِلًا: اَلَا اِنَّ هٰؤُلَاءِ لَيْسُوْا بِمُسْلِمِيْنَ وَقَدْ كَفَّرَهُمْ عُلَمَاءُ جَمِيْعِ الطَّوَائِفِ الْاِسْلَامِيَّةِ فِي الْهِنْدِ فَقُلْتُ لَهٗ اِنَّ اَقْوَالَ عُلَمَاءِ الْهِنْدِ لَيْسَتْ اَقْوٰى حُجَّةً مِنَ الْاٰيَةِ الْقُرْاٰنِيَّةِ الَّتِيْ تُصَرِّحُ بِاَنْ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا فَمَا كَانَ مِنْهُ الا ان قَالَ غَاضِبًا وَهَلْ اَثَّرَتْ فِيْكَ دِعَايَةُ الْقَوْمِ فَخَرَجْتَ عَنِ الْاِسْلَامِ وَاَصْبَحْتَ قَادِيَانِيًا وَاَخَذْتَ تُدَافِعُ عَنْهُمْ فَقُلْتُ متهكمًا كُنْ عَلٰى يَقِيْنٍ يَا هٰذَا بِاَنِّيْ لَا اَسْتَطِيْعُ اَنْ اَدَّعِيَ بِاَنِّيْ مُسْلِمٌ بِكُلِّ مَا فِيْ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ مِنْ مَعْنًى بِالرغم مِنْ قَضَائِيْ عَشَرَاتِ السِّنِيْنَ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَهَلْ تَكْفِيْ مُطَالَعَةُ بِضْعَةِ كُتُبٍ لِلْقَادِيَانِيَةِ اَنْ تَجْعَلَنِيْ قَادِيَانِيًا؟

وَقَدْ اِطَّلَعْتُ خِلَالَ تَرَدُّدِيْ عَلٰى هٰذِهِ الْهَيْئَةِ بِاَنِّيْ لَسْتُ الْوَحِيْدَ الْمُكَلَّفَ بِهٰذِهِ الْمُهِمَّةِ بَلْ هُنَاكَ اُنَاسٌ اٰخَرُوْنَ يُشَارِكُوْنَنِي التَّكْلِيْفَ كَمَا اَنِّيْ لَمْ اَكُنْ الشَّخْصَ الْوَحِيْدَ الَّذِيْ رَفَضَ بَلْ رَفَضَهٗ غَيْرِيْ اَيْضًا۔

كَانَ ذٰلِكَ عَامَ ۱۹۴۸ فِي الْوَقْتِ الَّذِيْ اُقْتُطِعَ فِيْهِ جُزْءٌ مِنَ الْاَرَاضِيْ الْمُقَدَّسَةِ وَقُدِّمَ لُقْمَةً سَائِغَةً لِلصَّهْيُوْنِيِيْنَ وَاِنِّيْ اَظُنُّ اَنَّ اِقْدَامَ الْهَيْئَةِ الْمَذْكُوْرَةِ عَلٰى مِثْلِ هٰذَا الْعَمَلِ كَانَ رَدَّ فِعْلٍ لِلْكُرَّاسَتَيْنِ اللَّتَيْنِ نَشَرَتْهُمَا الْجَمَاعَةُ الْاَحْمَدِيَّةُ فِيْ ذٰلِكَ الْعَامِ بِمُنَاسَبَةِ تَقْسِيْمِ فِلِسْطِيْنَ وَكَانَتْ اِحْدَاهُمَا بِعُنْوَان " هَيْئَةِ الْاُمَمِ الْمُتَّحِدَةِ وَقِرَارِ تَقْسِيْمِ فِلِسْطِيْنَ " الَّتِيْ كَانَتْ تَبْحَثُ فِي الْمُؤْمَرَاتِ الَّتِيْ دُبِّرَتْ فِي الْخَفَاءِ بَيْنَ الْمُسْتَعْمِرِيْنَ وَالصَّهْيُوْنِيِيْنَ لِتَسْلِيْمِ الْمَوَانِئِ الْفِلِسْطِيْنِيَّةِ اِلَى الصَّهْيُوْنِيِيْنَ وَكَانَتِ الثَّانِيَةُ بِعُنْوَان (اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ) وَكَانَتْ تَحُثُّ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى تَوْحِيْدِ

الصُّفُوفِ وَجَمْعِ الْمَالِ لِمُحَارَبَةِ الصَّهْيُونِيِّيْنَ وَتَطْهِيْرِ الْبِلَادِ الْمُقَدَّسَةِ مِنْ أَرْجَاسِهِم۔

هٰذَا مَا اطَّلَعْتُ عَلَيْهِ بِنَفْسِيْ فِيْ ذٰلِكَ الْحِيْنِ وَإِنِّيْ وَاثِقٌ كُلَّ الْوُثُوْقِ بِأَنَّ الْاَحْمَدِيِّيْنَ مَادَامُوْا يَبْذِلُوْنَ الْجُهُوْدَ لِجَمْعِ كَلِمَةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَتَوْحِيْدِ صُفُوْفِهِمْ وَيَبْحَثُوْنَ عَنْ اَسْبَابٍ تُتِيْحُ لِلْمُسْلِمِيْنَ الْقَضَاءَ عَلٰى دَوْلَةِ إِسْرَائِيْلَ اللَّقِيْطَةِ ضَيْعَةِ الْمُسْتَعْمِرِيْنَ فَاِنَّ الْاِسْتِعْمَارَ لَنْ يَّتَوَانَ عَنْ تَحْرِيْكِ بَعْضِ الْجِهَاتِ لِلتَّشْهِيْرِ بِهِمْ بِقَصْدِ تَشْتِيْتِ الْكَلِمَةِ۔"[1]

(ترجمہ) غیر ملکی طاقتیں جماعتِ احمدیہ کی مخالفت کی آگ بھڑکا رہی ہیں

"گزشتہ دنوں بعض اخبارات نے قادیانی جماعت کے خلاف پے درپے ایسی صورت میں نکتہ چینی کی ہے کہ جس کی طرف انسان کو توجہ کرنی پڑتی ہے۔ قادیانیت کیا ہے؟ اور اخبارات میں اس کے متعلق اس طرح نکتہ چینی کرنے کی کیا وجہ ہے؟

قادیانیوں اور ان کے مخالفین کے درمیان ایک مشکل درپیش ہے قطع نظر اس امر کے کہ وہ اتہامات جو قادیانیوں پر لگائے گئے ہیں وہ درست ہیں یا غلط ہیں قادیانی لوگ اپنے آپ کو جماعتِ احمدیہ کہتے ہیں اور وہ میرزا غلام احمد صاحب کے پیرو ہونے کے مدعی ہیں جو ہندوستان میں قادیان کی بستی میں رہتے تھے اور جنہیں ان کے دعووں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا تھا کہ دینِ اسلام کو مستحکم کریں۔ قادیانی انہیں وہی مہدی موعود اور مسیح معہود سمجھتے ہیں جن کے آخری زمانہ میں آنے کے متعلق مختلف مذہبی کتابوں میں پیشگوئی پائی جاتی ہے۔ قادیانی اسلامی احکام پر عمل پیرا ہیں اور اسلام کے لئے غیرت رکھتے ہیں اور وہ حنفی مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔

احمدیوں کے مخالف انہیں قادیانی کے لفظ سے پکارتے ہیں اور ان کے ظاہری طور پر اسلام کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے اور شریعت کے مطابق دینی فرائض کے ادا کرنے کے باوجود انہیں مرتد قرار دیتے ہیں۔

احمدیت یا قادیانیت کوئی آج نئی پیدا نہیں ہوئی بلکہ قریباً ستر سال پہلے ہندوستان کے شہر

---

[1] الانباء (بغداد) نمبر ۲۶ مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۵۴ء بحوالہ "الفرقان" ربوہ فتح / دسمبر ۱۳۳۳ھش / ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۰ ضمیمہ

قادیان میں اس کی بُنیاد رکھی گئی اور جو لوگ اِس طریقہ کو درست سمجھتے تھے انہوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق اس کی پیروی کی. ہمارے نزدیک خواہ یہ طریقہ درست ہو یا باطل ہو خواہ یہ لوگ مسلمان ہوں یا اسلام سے خارج ہوں بہرحال اخبارات کے لئے کوئی معقول وجہ اِس امر کی نہیں ہے کہ وہ اِس نازک وقت میں جبکہ مسلمانوں کو چاروں طرف سے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے اتحاد اور یک جہتی کی ضرورت ہے اس طرز پر قادیانیت، کو اپنی تنقید کا ہدف بنائیں۔

شاید قارئین کو تعجب ہو گا جب انہیں یہ معلوم ہو گا کہ سارے عراق میں اس جماعت کے صرف ۸ خاندان بستے ہیں۔ ۹ خاندان بغداد میں، چار بصرہ میں، چار حبانیہ میں اور ایک خاندان خانقین میں۔ اور یہ سب لوگ ہندوستان سے عراق میں تجارت کی نیّت سے آئے تھے بعض نے ان میں سے عراقی قومیّت کے سرٹیفکیٹ حاصل کر لئے ہیں اور بعض اپنی ہندوستانی قومیّت پر قائم رہے جسے انہوں نے ہندوستان کی تقسیم کے بعد پاکستانی قومیّت میں تبدیل کر لیا۔

عراق میں اتنے عرصہ سے رہنے کے باوجود انہوں نے کسی عراقی شخص کو اپنی جماعت میں داخل نہیں کیا۔ ان کا کوئی اپنا معبد نہیں ہے اور نہ ہی ان کے کوئی خاص مذہبی اجتماعات ہیں۔ ان کی ساری جدّوجہد بعض اخبارات اور ایسے ٹریکٹ تقسیم کرنے میں مُنحصر ہے جن میں اسلام کے غلبہ کے متعلق دلائل دیئے گئے ہیں یا فلسطین اور بعض اسلامی حکومتوں کے دفاع پر گفتگو کی گئی ہے۔ اِس جگہ پر پڑھنے والے کے دِل میں یہ سوال پیدا ہو گا کہ جب واقعہ یہ ہے تو اخبارات میں قادیانیوں پر اِس طرح نکتہ چینی کرنے اور اس حملے کی کیا وجہ ہے ؟

حقیقت یہ ہے کہ اِس کا صرف ایک سبب ہے اور وہ یہ کہ استعماری طاقتیں مسلمانوں میں تفرقہ اور شقاق پیدا کرنے کے لئے خاص کوشش کر رہی ہیں اور وہ انہیں اپنی انگلیوں پر نچانا چاہتی ہیں کیونکہ مسلمان ابھی تک اِس انتظار میں ہیں کہ وہ یومِ موعود کب آتا ہے کہ جب وہ دوبارہ بلادِ مقدسہ کو یہودیت کی لعنت سے پاک کرنے کے لئے متحدہ قدم اُٹھائیں گے اور فلسطین اس کے جائز اور شرعی حقداروں کو مِل سکے گا۔ استعماری طاقتیں ڈرتی ہیں کہ کہیں عربوں کا یہ خواب پُورا نہ ہو جائے اور اسرائیلی سلطنت صفحۂ ہستی سے مٹ نہ جائے جس کے قائم کرنے کے لئے انہوں نے بڑی بڑی مشکلات برداشت کی ہیں اِس لئے یہ غیر ملکی حکومتیں ہمیشہ کوشش کرتی ہیں کہ مسلمانوں میں مختلف نعرے لگوا کر منافرت پیدا

کی جائے اور بعض فرقے احمدیوں کی تکفیر اور ان پر نکتہ چینی کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں یہاں تک کہ اس طریق سے حکومتِ پاکستان اور بعض ان عرب حکومتوں میں بھی اختلاف پیدا ہو جائے جن کے اخبارات پاکستان کے وزیرِ خارجہ ظفر اللہ خاں احمدی کو کافر قرار دیتے ہیں۔

غالباً بہت سے پڑھنے والوں کو یاد ہو گا کہ کچھ عرصہ قبل پاکستان کی بعض جماعتوں نے اِس امر کی کوشش کی تھی کہ مسلمان حکومتوں کا ایک اسلامی بلاک قائم کیا جائے تاکہ ان کی ہستی اور ان کی آزادی قائم رہے اور ان کی بیرونی سیاست ایک نہج پر چلے مگر یہ کوششیں بعض دوسری مسلمان جماعتوں کی مخالفت کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکیں۔ اِس تجویز کی ناکامی کے اسباب میں درحقیقت بڑا سبب وہ مسئلہ تکفیر ہے جو بعض انتہاء پسند مولویوں کے ہاتھ میں استعماری طاقتوں نے دیا تھا تاکہ وہ اِس تجویز کے محرّکین کو قادیانی اور اسلام سے خارج کہہ کر اس کو ناکام بنانے کی کوشش کریں۔

شاید کسی شخص کو یہ خیال پیدا ہو کہ میرا اِس معاملے میں استعماری طاقتوں کو دخل انداز قرار دینا صرف ظنّ اور گمان ہے مگر مَیں قارئینِ کرام کو پُورے یقین کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے اِس امر کی پُوری پُوری اطلاع ہے کہ درحقیقت یہ سب کارروائی استعماری طاقتیں کروا رہی ہیں کیونکہ فلسطین کی گزشتہ جنگ کے ایّام میں ۱۹۴۸ء میں استعماری طاقتوں نے خود مُجھ کو اس معاملے میں آلۂ کار بنانے کی کوشش کی تھی۔

اُن دنوں مَیں ایک ظرافتی پرچے کا ایڈیٹر تھا اور اس کا انداز حکومت کے خلاف نکتہ چینی کا انداز تھا چنانچہ انہی دنوں مجھے ایک غیر ملکی حکومت کے ذمہ دار نمائندہ مقیم بغداد نے ملاقات کے لئے بُلایا اور کچھ چاپلوسی اور میرے اندازِ نکتہ چینی کی تعریف کرنے کے بعد مجھے کہا کہ آپ اپنے اخبار میں قادیانی جماعت کے خلاف زیادہ سے زیادہ دِل آزار طریق پر نکتہ چینی جاری کریں کیونکہ یہ جماعت دین سے خارج ہے۔

مَیں نے جواب میں عرض کیا کہ مجھے تو اس جماعت اور اس کے عقائد کا کچھ پتہ نہیں مَیں ان پر کس طرح نکتہ چینی کر سکتا ہوں؟ اس نمائندہ نے مجھے بعض ایسی کتابیں دیں جن میں قادیانی عقائد پر بحث کی گئی تھی اور اُسنے مجھے بعض مضامین بھی دیئے تا وہ مجھے اپنے مقالات کے لکھنے میں فائدہ دیں۔ چنانچہ ان کتابوں کے مطالعہ سے مجھے اس جماعت کے بعض عقائد کا علم ہوُا لیکن مَیں نے ان میں کوئی ایسی بات نہ دیکھی جس سے میرے عقیدہ کے مطابق انہیں کافر قرار دیا جا سکے۔ اس استعماری نمائندہ سے چند ملاقاتوں کے بعد مَیں نے اِس کام کے کرنے سے معذرت پیش کر دی اور کہا کہ میرے عقیدہ کے مطابق یہ طریق اِس وقت اسلامی فرقوں

میں اختلاف و انشقاق بڑھانے والا ہے۔ اس شخص نے مجھ سے کہا کہ قادیانی تو مسلمان ہی نہیں اور ہندوستان کے تمام فرقوں کے علماء انہیں کافر قرار دے چکے ہیں۔ مَیں نے اس سے کہا کہ ہندوستانی علماء کے اقوال قرآن مجید کی اِس آیت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا تَقُوْلُوا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا کہ جو شخص تمہیں السّلام علیکم کہے اس کو کافر مت کہو۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ وہ شخص غضب ناک ہو گیا اور کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی پراپیگنڈے نے تمہارے دل پر بھی اثر کر دیا ہے اور تُو قادیانی بن گیا ہے اور اسلام سے خارج ہو گیا ہے اسی لئے تو ان کی طرف سے جواب دے رہا ہے۔ مَیں نے مذاق کرتے ہوئے کہا کہ جناب یقین جانیں کہ مَیں اتنے لمبے عرصہ سے مسلمان کہلانے اور مسلمانوں میں رہنے کے باوجود یہ دعویٰ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا کہ مَیں صحیح معنوں میں مسلمان ہُوں تو کیا قادیانیت کے متعلق چند کتب کا مطالعہ مجھے قادیانی بنا سکتا ہے ؟

مَیں جن دنوں اس سفارت خانہ میں جایا کرتا تھا مجھے معلوم ہؤا کہ مَیں اکیلا ہی اِس کام کے لئے مقرر نہیں کیا جا رہا بلکہ کچھ اَور لوگوں کو بھی اِس میں شریک کیا جا رہا ہے۔ پھر مجھے یہ بھی پتہ لگا کہ اِس کام کے کرنے سے صرف مَیں نے ہی انکار نہیں کیا بلکہ بعض دوسرے لوگوں نے بھی استعمار کا آلۂ کار بننے سے انکار کر دیا تھا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ۱۹۴۸ء میں ارضِ مقدسہ کا ایک حصّہ کاٹ کر صیہونی حکومت کے سپرد کر دیا گیا تھا اور اسرائیلی سلطنت قائم ہوئی تھی۔ اور میرا خیال ہے مذکورہ بالا سفارت خانہ کا یہ اقدام درحقیقت ان دو ٹریکٹوں کا عملی جواب تھا جو تقسیمِ فلسطین کے موقع پر اسی سال جماعتِ احمدیہ نے شائع کئے تھے۔ ایک ٹریکٹ کا عنوان "ھَیْئَۃُ الْاُمَمِ الْمُتَّحِدَۃِ وَقَرَارُ تَقْسِیْمِ فَلَسْطِیْن" تھا جس میں مغربی استعماری طاقتوں اور صیہونیوں کی ان سازشوں کا انکشاف کیا گیا تھا جن میں فلسطینی بندرگاہوں کے یہودیوں کو سپرد کر دینے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ دوسرا ٹریکٹ "اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ" کے عنوان سے شائع ہؤا تھا جس میں مسلمانوں کو کامل اتحاد اور اتفاق رکھنے کی ترغیب دی گئی تھی اور صیہونیوں کے مقابلہ اور ارضِ مقدسہ کو ان سے پاک کرنے کے لئے اموال جمع کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔

یہ وہ واقعہ ہے جس کا مجھے ان دنوں ذاتی طور پر علم ہؤا تھا اور مجھے پُورا یقین ہے کہ جب تک

احمدی لوگ مسلمانوں کی جماعتوں میں اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور جب تک وہ ان ذرائع کو اختیار کرنے کے لئے کوشاں رہیں گے جن سے استعماری طاقتوں کی پیدا کردہ حکومت اسرائیل کو ختم کرنے میں مدد مل سکے تب تک استعماری طاقتیں بعض لوگوں اور فرقوں کو اِس بات پر آمادہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گی کہ وہ احمدیوں کے خلاف اِس قسم کی نفرت انگیزی اور نکتہ چینی کرتے رہیں تاکہ مسلمانوں میں اتحاد نہ ہوسکے۔

"آپ کی تلاش ہے"

جنابِ الٰہی کی طرف سے حضرت مصلح موعودؓ کے کندھوں پر اصلاح و تربیت کی جو بھاری ذمہ داری عائد تھی حضور اس کی بجاآوری کے لئے نئے سے نئے طریق اختیار فرماتے رہتے تھے۔ اِس ضمن میں آپ نے ماہِ ہجرت / مئی ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء کے آخری ہفتہ میں "آپ کی تلاش ہے" کے پُرکشش عنوان سے فرزندانِ احمدیت کے نام حسبِ ذیل پیغام شائع فرمایا جو احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی تنظیمی، اخلاقی اور رُوحانی تعلیمات کا نہایت لطیف خلاصہ اور نچوڑ تھا۔

"۱ ۔ کیا آپ محنت کرنا جانتے ہیں؟ اتنی محنت کہ تیرہ چودہ گھنٹے دن میں کام کر سکیں۔

۲ ۔ کیا آپ سچ بولنا جانتے ہیں؟ اتنا کہ کسی صورت میں آپ جھوٹ نہ بول سکیں؟ آپ کے سامنے آپ کا گہرا دوست اور عزیز بھی جھوٹ نہ بول سکے؟ آپ کے سامنے کوئی اپنے جھوٹ کا بہادرانہ قصہ سُنائے تو آپ اس پر اظہارِ نفرت کئے بغیر نہ رہ سکیں۔

۳ ۔ کیا آپ جھوٹی عزت کے جذبات سے پاک ہیں؟ گلیوں میں جھاڑو دے سکتے ہیں؟ بوجھ اُٹھا کر گلیوں میں پھر سکتے ہیں۔ بلند آواز سے ہر قسم کے اعلان بازاروں میں کر سکتے ہیں۔ سارا سارا دن پھر سکتے ہیں اور ساری ساری رات جاگ سکتے ہیں؟

۴ ۔ کیا آپ اعتکاف کر سکتے ہیں؟ جس کے معنے ہوتے ہیں (الف) ایک جگہ دنوں بیٹھے رہنا (ب) گھنٹوں بیٹھے وظیفہ کرتے رہنا (ج) گھنٹوں اور دِنوں کسی انسان سے بات نہ کرنا۔

۵ ۔ کیا آپ سفر کر سکتے ہیں؟ اکیلے اپنا بوجھ اُٹھا کر۔ بغیر اس کے کہ آپ کی جیب میں کوئی پیسہ ہو۔ دشمنوں اور مخالفوں میں، ناواقفوں اور ناآشناؤں میں؟ دِنوں، ہفتوں اور مہینوں۔

۶ ۔ کیا آپ اِس بات کے قائل ہیں کہ بعض آدمی ہر شکست سے بالا ہوتا ہے؟ وہ شکست کا نام سُننا پسند نہیں کرتا۔ وہ پہاڑوں کو کاٹنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ وہ دریاؤں کو کھینچ لانے پر آمادہ ہو

جاتا ہے۔ اور کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ اِس قربانی کے لئے تیار ہو سکتے ہیں؟

۷۔ کیا آپ میں ہمت ہے کہ سب دُنیا کہے نہیں اور آپ کہیں ہاں؟ آپ کے چاروں طرف لوگ ہنسیں اور آپ اپنی سنجیدگی قائم رکھیں۔ لوگ آپ کے پیچھے دوڑیں اور کہیں کہ ٹھہر تو جا ہم تجھے ماریں گے اور آپ کا قدم بجائے دوڑنے کے ٹھہر جائے اور آپ اس کی طرف سر جھکا کر کہیں لو مار لو۔ آپ کسی کی نہ مانیں کیونکہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں مگر آپ سب سے منوالیں کیونکہ آپ سچے ہیں۔

۸۔ آپ یہ نہ کہتے ہوں کہ مَیں نے محنت کی مگر خدا تعالیٰ نے مجھے ناکام کر دیا بلکہ ہر ناکامی کو آپ اپنا قصور سمجھتے ہوں۔ آپ یقین رکھتے ہوں کہ جو محنت کرتا ہے کامیاب ہوتا ہے اور جو کامیاب نہیں ہوتا اُس نے محنت ہرگز نہیں کی۔

اگر آپ ایسے ہیں تو آپ اچھا مبلغ اور اچھا تاجر ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں مگر آپ ہیں کہاں، خدا کے ایک بندہ کو آپ کی دیر سے تلاش ہے۔ اے احمدی نوجوان ڈھونڈھ اس شخص کو اپنے صوبہ میں، اپنے شہر میں، اپنے محلہ میں، اپنے گھر میں، اپنے دِل میں کہ اسلام کا درخت مُرجھا رہا ہے اسی کے خون سے وہ دوبارہ سرسبز ہوگا۔ مرزا محمود احمد" [1]

بانیٔ پاکستان قائدِاعظم محمد علی جناح کی وفات اور سقوطِ حیدرآباد کے مصائب اور حضرت مصلح موعودؓ

ستمبر ۱۹۴۸ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی وفات اور حیدرآباد (دکن) کی شکست کے پے در پے صدموں نے مسلمانانِ پاکستان میں ایک زلزلہ سا برپا کر دیا۔ اِس نازک موقع پر حضرت مصلح موعودؓ کو عالمِ رؤیا میں بتایا گیا کہ یہ تازہ مصائب پاکستان کی قوت و طاقت میں کمزوری کی بجائے اضافہ کا موجب بن جائیں گے۔

اللہ جلّ شانہٗ وعزّ اسمہٗ سے یہ بشارت ملنے پر حضور نے ۲۱ ظہور ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے الفضل میں ایک مفصل مضمون تحریر فرمایا جس میں پہلے تو اپنی خواب بیان فرمائی ازاں بعد لکھا۔

"مَیں اِس رؤیا کی بناء پر سمجھتا ہوں کہ گویہ دونوں واقعات مسلمانوں کے لئے نہایت تکلیف دہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان صدمات کو چھوٹا کر دے گا اور مسلمانوں کو ان کے بداثر سے محفوظ رکھے گا۔ اگر مسلمان خدا تعالیٰ پر توکّل کا اظہار کریں اور کسی لیڈر کی وفات کا جو سچا ردِّ عمل ہوتا ہے وہ اپنے اندر پیدا کریں یعنی اس کی

---

[1] الفضل ۲۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲۔

نیک خواہشات کو پُورا کرنے کی کوشش کریں تو یقیناً مسٹر جناح کی وفات مسلمانوں کی تباہی کا موجب نہیں بلکہ مسلمانوں کی مضبوطی کا موجب ہو گی۔

بانیٔ سلسلہ احمدیہ جب فوت ہوئے ہیں اُس وقت میری عمر انیس۱۹ سال کی تھی۔ اُن کی وفات اِسی لاہور میں ہوئی تھی اور ان کی وفات کی خبر سُنتے ہی شہر کے بہت سے اوباشوں نے اُس گھر کے سامنے شور وغوغا شروع کر دیا تھا جس میں اُن کی لاش پڑی تھی اور ناقابلِ برداشت گالیاں دیتے تھے اور ناپسندیدہ نعرے لگاتے تھے۔ مجھے اُس وقت کچھ احمدی بھی اُکھڑے اُکھڑے نظر آتے تھے تب مَیں بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے سرہانے جا کر کھڑا ہو گیا اور مَیں نے خدا تعالیٰ کو مخاطب کر کے یہ عرض کی کہ اگر ساری جماعت بھی مُرتد ہو جائے تو مَیں اس مشن کو پھیلانے کے لئے جس کے لئے خدا نے انہیں مبعوث کیا تھا کوشش کروں گا اور اس کام کو پُورا کرنے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کروں گا۔ خدا تعالیٰ نے میرے عہد میں ایسی برکت دی کہ احمدیت کے مخالف خواہ ہمارے عقیدوں کے متعلق کچھ کہیں یہ تو ان میں سے کوئی ایک فرد بھی نہیں کہہ سکتا کہ بانیٔ سِلسلہ احمدیہ کی وفات پر جو طاقت جماعت کو حاصل تھی اتنی طاقت آج جماعت کو حاصل نہیں ہر شخص اقرار کرے گا کہ اس سے درجنوں گُنے زیادہ طاقت اِس وقت جماعت کو حاصل ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ مسٹر جناح کی وفات کے بعد اگر وہ مسلمان جو واقعہ میں ان سے محبت رکھتے تھے اور ان کے کام کی قدر کو پہچانتے تھے سچّے دِل سے یہ عہد کر لیں کہ جو منزل پاکستان کی اُنہوں نے تجویز کی تھی وہ اس سے بھی آگے اسے لیجانے کی کوشش کریں گے اور اِس عہد کے ساتھ ساتھ وہ پُوری تندہی سے اس کو نبھانے کی کوشش بھی کریں تو یقیناً پاکستان روز بروز ترقی کرتا چلا جائے گا اور دُنیا کی مضبوط ترین طاقتوں میں سے ہو جائے گا۔

حیدر آباد کے معاملہ کے متعلق بھی مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر مسلمان حوصلہ سے کام لیں تو حیدر آباد کا مسئلہ کوئی ناقابلِ تلافی مصیبت نہیں۔ حق تو یہ ہے کہ حیدر آباد اپنے حالات کے لحاظ سے انڈین یونین میں ہی شامل ہونا چاہیئے تھا جس طرح کہ کشمیر اپنے حالات کے لحاظ سے پاکستان میں ہی شامل ہونا چاہیئے مَیں تو شروع دن سے مسلمانوں کو اِس امر کی طرف توجّہ دلاتا رہا ہوں۔ اور میرے نزدیک اگر حیدر آباد اور کشمیر کے مسئلے کو اکٹھا رکھ کر حل کیا جاتا تو شاید اُلجھنیں پیدا ہی نہ ہوتیں لیکن بعض دفعہ لیڈر عوام النّاس کے جذبات سے اتنے مرعُوب ہوتے ہیں کہ وہ وقت پر صحیح رستہ اختیار کر ہی نہیں سکتے۔ حیدر آباد کی پُرانی تاریخ بتا رہی ہے کہ حیدر آباد کے نظام کبھی بھی لڑائی میں اچھے ثابت نہیں ہوئے۔

چونکہ میرے پردادا اور نظام الملک کو ایک ہی سال میں خطاب اور عُہدہ ملا تھا اِس لئے مجھے اس خاندان کی تاریخ کے ساتھ کچھ دلچسپی رہی ہے۔ ۱۷۰۷ء میں ہی ان کو خطاب ملا اور ۱۷۰۷ء[۱] میں ہی میرے پردادا مرزا فیض محمدؐ خاں صاحب کو خطاب ملا تھا۔ ان کو نظام الملک اور میرے پردادا کو عضد الدّولہ۔ اِس وقت میرے پاس کاغذات نہیں ہیں جہاں تک عُہدے کا سوال ہے غالباً نظام الملک کو پہلے پانچ ہزاری کا عُہدہ ملا تھا لیکن مرزا فیض محمدؐ صاحب کو ہفت ہزاری کا عُہدہ ملا تھا۔ اس وقت نظام الملک باوجود دکن میں شورش کے دِلّی میں بیٹھے رہے اور تب دکن گئے تھے جب دکن کے فسادات مِٹ گئے تھے۔ سلطان حیدر الدین کی جنگوں میں بھی حیدرآباد نے کوئی اچھا نمونہ نہیں دکھایا تھا۔ مرہٹوں کی جنگوں میں بھی اس کا رویّہ اچھا نہ تھا۔ انگریزوں کے ہندوستان میں قدم جمنے میں بھی حیدرآباد کی حکومت کا بہت کچھ دخل تھا مگر جہاں بہادری کے معاملہ میں نظام کبھی اچھے ثابت نہیں ہوئے۔ وہاں عام دُور اندیشی و انصاف اور علم پروری میں یقیناً یہ خاندان نہایت اعلیٰ نمونہ دکھاتا رہا اور اسی وجہ سے کسی اَور ریاست کے باشندوں میں اپنے رئیس سے اتنی محبّت نہیں پائی جاتی جتنی کہ نظام کی رعایا میں نظام کی پائی جاتی ہے۔ انصاف کے معاملہ میں میرا اثر یہی رہا ہے کہ حیدرآباد کا انصاف برطانوی راج سے بھی زیادہ اچھا تھا۔ ہندو مسلمانوں کا سوال کبھی نظاموں نے اُٹھنے نہیں دیا اور ان خوبیوں کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہی ہندوستان کے مسلمانوں میں مقبول رہے۔ لیکن جہاں یہ صحیح ہے کہ حیدرآباد کا نظام خاندان کبھی بھی جنگی خاندان ثابت نہیں ہوا وہاں یہ بھی درست ہے کہ حیدرآباد کی رعایا بھی جنگی رعایا نہیں۔ کوئی نئی رُوح ان کو جنگی بنا سکتی تھی مگر نواب بہادر یار جنگ کی وفات کے بعد وہ نئی رُوح حیدرآباد میں نہیں رہی۔ سیّد قاسم رضوی کے جاننے والے جانتے ہیں کہ بہادر یار جنگ والی رُوح ان میں نہیں۔ بہادر یار جنگ علاوہ اعلیٰ درجہ کے مقرر ہونے کے عملی آدمی بھی تھے۔ قاسم رضوی صاحب مقرر تو ہیں مگر اعلیٰ درجہ کے عملی آدمی نہیں ہیں۔ شہزادہ برار کے اندر بھی کوئی ایسی رُوح نہیں۔ شہزادہ برار نے آج سے اکیس[۲۱] سال پہلے بعض مہاسبھائی ذہنیت کے لوگوں سے ایک خُفیہ معاہدہ کیا تھا جس میں یہ اقرار کیا تھا کہ جب مَیں برسرِ حکومت آؤں گا مَیں فلاں فلاں رعائتیں ہندو قوم کو دوں گا۔ یہ معاہدہ ان کے ایک مخلص مصاحب کے علم میں آگیا اور اس نے ان کے کاغذات میں سے معاہدہ نکال کر مجھے پہنچا دیا اس وقت معلوم ہُوا کہ شہزادہ برار کو جیب خرچ نہیں ملتا اور بعض ہندوؤں نے انہیں روپیہ دینا شروع کر دیا تھا جس کی بناء پر اُنہوں نے یہ

---

[۱] اس سلسلہ میں محمد فرخ غازی شاہنشاہ ہند کے منشور کا متن سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۲۸ میں شائع شدہ ہے جو ۱۷۱۶ء کا ہے مرزا فیض محمد حضرت مسیح موعودؑ کے پردادا کے والد تھے۔ (مؤلف)

معاہدہ کیا تھا۔ میں نے اِس معاہدہ کی اطلاع گورنمنٹ آف انڈیا کو دی اور اس کو توجہ دلائی کہ اتنی بڑی سلطنت کے ولی عہد کو جیب خرچ نہ ملنا نہایت خطرناک بات ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے اس حقیقت کو محسوس کرتے ہوئے نظام شہزادے کا جیب خرچ مقرر کرا دیا جو غالباً دس ہزار یا بیس ہزار روپیہ ماہوار تھا۔ ایسے انسان سے کس طرح اُمید کی جاسکتی تھی کہ وہ اس نازک وقت میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر قوم کی راہنمائی کرے گا۔ پس حیدر آباد کا واقعہ گو مسلمانوں کے لئے نہایت ہی تکلیف دہ ہے لیکن جو کچھ اِس وقت ہُوا ہے تاریخی واقعات کی ایک لمبی زنجیر کی آخری کڑی ہے۔ بے شک آج مسلمان اِس بات کا خیال کر کے بہت ہی شرم محسوس کرتے ہیں کہ تین دن پہلے مسلمانوں کے لیڈر حیدر آباد سے یہ براڈ کاسٹ کر رہے تھے کہ ہم دِلّی کے لال قلعہ کی طرف آ رہے ہیں اور تین دن کے اندر اندر انہوں نے ہتھیار بھی ڈال دیئے اور ان ساری اُمیدوں کو چھوڑ دیا جو ربع صدی سے اپنے دِلوں میں لئے بیٹھے تھے۔ مگر میں سمجھتا ہوں یہ ابتلاء بھی اگر پاکستان کے مسلمانوں کے عوام کو اَور بلند کرنے کا موجب ہو جائے تو بلاء زحمت نہیں بلکہ بلاء رحمت ہو گا۔

خدا تعالیٰ عام دُنیاوی دروازے بند کر کے مسلمانوں کو بُلا رہا ہے کہ میری طرف آؤ۔ خدا کی رحمت کا دروازہ اَب بھی کھُلا ہے کاش مسلمان اپنی آنکھیں کھولیں اور اس کی آواز پر لبیک کہیں۔ اسلام کا جھنڈا سرنگوں نہیں ہو سکتا خدا کے فرشتے جو ہیں اس کو اُونچا رکھیں گے۔ ہمیں تو اِس بات کی فکر کرنی چاہیئے کہ خدا کے فرشتوں کے ہاتھوں کے ساتھ ہمارے ہاتھ بھی اس جھنڈے کو سہارا دے رہے ہوں۔ اے خدا تُو مسلمانوں کی آنکھیں کھول کہ وہ اپنے فرض کو پہچانیں، تیری آواز کو سُنیں اور اسلام پھر سے معزز اور مؤقّر ہو جائے۔" [1]

حضرت مصلح موعودؓ کے قلم سے رسالہ "احمدیت کا پیغام" کی تصنیف و اشاعت، اسکی مقبولیت اور غیر ملکی زبانوں میں تراجم

۳۰-۳۱۔ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۷ھش/ ۱۹۴۸ء کو جماعتِ احمدیہ سیالکوٹ کا سالانہ جلسہ مقرر تھا۔

بابو قاسم الدین صاحب اُن دنوں جماعت ہائے احمدیہ سیالکوٹ کے امیر تھے۔ آپ رتن باغ میں حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ حضور ہمارے جلسہ کے موقع پر جماعت

---

[1] الفضل ۲۱ تبوک/ ستمبر ۱۳۲۷ھش/ ۱۹۴۸ء صفحہ ۲-۳۔

کے نام کوئی پیغام مرحمت فرمائیں[1] اس پر حضور نے ایک نہایت بصیرت افروز مضمون رقم فرمایا جو نظارت دعوت وتبلیغ نے جلسہ سے قبل چھپوا دیا جس میں سے چار ہزار کی تعداد میں جماعت سیالکوٹ نے پانچ سو روپیہ نقد قیمت ادا کر کے خرید لیا[2]

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا یہ خاص پیغام حضور کے نمائندہ خصوصی سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب (ناظر امور عامہ) نے جلسہ کے آخری اجلاس میں (جبکہ حاضری معمول سے زیادہ تھی) پڑھ کر سنایا۔ جلسہ میں معزز غیر احمدی اصحاب خاص طور پر مدعو تھے شاہ صاحب نے یہ پیغام چار بج کر ۔ امنٹ پر پڑھنا شروع کیا اور پانچ بج کر چالیس منٹ پر ختم کیا۔ اِس ڈیڑھ گھنٹہ میں جو سکون اور خاموشی جلسہ گاہ پر طاری تھی وہ اپنی نظیر آپ تھی۔[3] پیغام کے بعد اجتماعی دعا ہوئی اور اس کی چار ہزار کاپیاں حاضرین میں تقسیم کی گئیں[4]

رسالہ "احمدیت کا پیغام" ایک تبلیغی شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور بلا مبالغہ لاکھوں کی تعداد میں تقسیم ہو چکا ہے۔ اردو[5] کے علاوہ

---

[1] مکتوب بابو قاسم الدین صاحب مورخہ ۲۹ ر اخاء / اکتوبر ۱۳۴۵ھش / ۱۹۶۶ء بنام "مولف تاریخ احمدیت"۔ مکرم بابو صاحب کا بیان ہے کہ "میری درخواست پر از راہِ شفقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے "لوائے احمدیت" بھی میری ذمہ داری پر جماعتِ احمدیہ شہر سیالکوٹ کو دیئے جانے کی منظوری عطا فرمائی چنانچہ "لوائے احمدیت" اس تقریب پر لہرایا گیا"۔ [2] الفضل ۱۳ ۔ نبوت / نومبر ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء صٓ ۔ [3] یہ مکمل پیغام الفضل (۶ ماہ نبوت / نومبر ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء) کے ایک ہی ایشوع میں شائع کر دیا گیا تھا۔ [4] اخبار "انقلاب" لاہور نے "جماعت احمدیہ سیالکوٹ کا سالانہ جلسہ" کے زیرِ عنوان اِس جلسہ کی حسبِ ذیل خبر شائع کی:۔

"سیالکوٹ (اپنے نامہ نگار سے) یکم نومبر۔ سیالکوٹ شہر کی جماعتِ احمدیہ کا سالانہ اجلاس کل ۳۱ر اکتوبر کو ساڑھے پانچ بجے کے قریب ختم ہوا۔ اس کے پانچ اجلاس منعقد ہوئے جن میں سے ایک کی صدارت پاکستانی فوجوں کے کمانڈر بریگیڈیر لطیف نے کی۔ بریگیڈیر لطیف نے اپنی صدارتی تقریر میں پاکستانی عوام کو ہر خطرے (کے لئے) حقیقۃً طیار رہنے اور کمرِ ہمت کس لینے کی تلقین کی۔ جلسے میں اور مضامین کے علاوہ اسلامی حکومت کے فرائض، پاکستان کے استحکام و ترقی کے وسائل، انصار و مہاجرین کے باہمی تعلقات، فریضہ جہاد اور صحابہ کرامؓ کے جنگی کارناموں کے موضوع پر بھی تقریریں ہوئیں۔ سب سے آخری اجلاس میں امام جماعت احمدیہ کا ایک پیغام پڑھ کر سنایا گیا جو بعد میں پمفلٹ کی صورت میں چھپا ہوا تقسیم بھی کیا گیا۔ اس جلسے میں مسجد لنڈن کے امام مسجد جے۔ ڈی شمس نے بھی تقریریں کیں"۔ (انقلاب ۳ ۔ نومبر ۱۹۴۸ء)

[5] جماعتی اداروں (نشر و اشاعت صدر انجمن احمدیہ ربوہ اور وقفِ جدید ربوہ وغیرہ) کے علاوہ میاں فاروق احمد صاحب نے بام ویو ۵۔ ڈیوس روڈ لاہور سے اس کا ایک نہایت دیدہ زیب ایڈیشن ماہ فتح / دسمبر ۱۳۴۹ھش / ۱۹۷۰ء میں شائع کیا۔

سندھی[1]، پشتو[2]، بنگالی[3]، فارسی[4]، انگریزی[5] اور عربی تراجم بھی چھپ کر منظرِ عام پر آچکے ہیں۔

حضرت امیر المومنینؓ کا بصیرت افروز لیکچر مینارڈ ہال لاء کالج لاہور میں

۱۲ فتح / دسمبر ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے ساڑھے چھ بجے شب لاہور لاء کالج کے مینارڈ ہال میں "موجودہ حالات میں عالمِ اسلام کی حیثیت اور اس کا مستقبل" کے موضوع پر ایک بصیرت افروز لیکچر دیا۔ اس لیکچر کا اہتمام و انصرام احمدیہ انٹر کالجیئیٹ ایسوسی ایشن نے کیا اور صدارت کے فرائض آنریبل جسٹس ایس۔ اے۔ رحمٰن صاحب نے انجام دیئے۔ ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا جس میں ہر طبقہ کے معزز اور تعلیم یافتہ اصحاب شامل تھے۔ حضور کی تقریر اوّل سے آخر تک نہایت دلچسپی، اطمینان اور سکون کے ساتھ سُنی گئی۔

تلاوتِ قرآن کریم کے بعد (جو مکرم ماسٹر فقیر اللہ صاحب نے کی) حضور نے تقریر شروع فرمائی۔ تقریر کے پہلے حصے میں حضور نے اِن دو سوالوں پر روشنی ڈالی (۱) دُنیا میں عالمِ اسلام کو کیوں الگ حیثیت حاصل ہے؟ (۲) موجودہ سیاسی حالات کیا ہیں اور وہ عالمِ اسلام پر کس طرح اثر انداز ہو رہے ہیں؟ اِس ضمن میں حضور نے بتایا کہ اسلام کی بعض خصوصیّات کی وجہ سے جب بھی یورپین ممالک کے سامنے کسی اسلامی ملک کا سوال آتا ہے تو وہ اس سوال کو علاوہ سیاسی اور مقامی رنگ دینے کے اسے مذہبی اور بین الاقوامی سوال بھی بنا لیتے ہیں اور اِس طرح گویا وہ خود عالمِ اسلام کی ایک الگ حیثیت قرار دے لیتے ہیں۔ دُنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اس وقت اسلامی ممالک پر جس رنگ میں اثر انداز ہو رہی ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے ان وجوہ پر بھی روشنی ڈالی جن کی بناء پر یہ طاقتیں عالمِ اسلام کو کمزور کرنے کی خواہاں ہیں۔

عالمِ اسلام کے مستقبل پر تبصرہ کرتے ہوئے حضور نے فرمایا۔ میرے نزدیک عالمِ اسلام کا مستقبل بالکل

---

[1] سندھی کا پہلا ایڈیشن ڈاکٹر احمد دین صاحب امیر جماعت احمدیہ حیدرآباد ڈویژن نے اور دوسرا صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ناظم ارشاد وقفِ جدید ربوہ نے دسمبر ۱۹۶۳ء میں چھپوایا۔ [2] مترجم محمد اقبال صاحب ایم۔ اے ناشر ناظم ارشاد وقفِ جدید ربوہ۔ [3] پہلا بنگالی ایڈیشن ۱۹۴۹ء میں چھپا جس کے مترجم مولوی عبدالحفیظ صاحب (ڈھاکہ) تھے۔ [4] شیخ عبدالواحد صاحب مبلّغ ایران نے ترجمہ کیا جس کو پہلے حضرت سیٹھ عبداللہ الٰہ دین صاحب سکندرآباد دکن نے پھر وکالتِ تبشیر تحریکِ جدید ربوہ نے ستمبر ۱۹۶۱ء میں شائع کیا۔ [5] (ناشرین):۔ مہتمم صاحب نشر و اشاعت صدر انجمن احمدیہ ربوہ۔ دی اورینٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کارپوریشن ربوہ۔ وکالتِ تبشیر تحریکِ جدید ربوہ۔

محفوظ ہے بشرطیکہ قرآن کریم نے ہمارے لئے کامیابی کے جو ذرائع مقرر فرمائے ہیں ہم ان پر عمل کریں۔ حضور نے ان ذرائع کا ذکر کرتے ہوئے متعدد اہم تجاویز پیش فرمائیں جن میں سے بعض یہ ہیں (۱) جب اسلامی ممالک سے معاملہ پڑنے پر یورپ خود ان کی ایک جُداگانہ حیثیت قرار دے دیتا ہے تو کیوں نہ اسلامی ممالک سچ مچ آپس میں اس قسم کا اتحاد پیدا کر کے صحیح معنوں میں ایک عالمِ اسلام قائم کرلیں جس کا ہر ایک رُکن اپنے ملک کی قومیت کے علاوہ اپنے آپ کو ایک بڑی قومیت یعنی عالمِ اسلامی کا رُکن قرار دے۔

(۲) اسلامی ممالک کو باہمی رقابتیں دُور کر کے ایک دوسرے کی خاطر قربانی کرنے کا جذبہ پیدا کرنا چاہیئے۔

(۳) اسلامی ممالک کے باشندوں کو ایک دوسرے کے ملک میں بکثرت آنا جانا چاہیئے۔ اس سلسلے میں نوجوانوں کو سوسائٹیاں قائم کرکے اجتماعی طور پر کوشش کرنی چاہیئے۔

(۴) اسلامی ممالک کو ایک دوسرے سے بکثرت تجارتی تعلقات قائم کرنے چاہئیں۔

(۵) جن علاقوں کے مسلمان نسبتاً زیادہ پسماندہ ہیں مثلاً مغربی اور مشرقی افریقہ وغیرہ ہمیں امدادی انجمنیں قائم کرکے ان کی مدد کرنی چاہیئے۔

(۶) قرآن کریم نے اسلام کی ترقی کا سب سے بڑا گر تبلیغِ اسلام بیان فرمایا ہے ہمیں اس کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔

آخر میں صدرِ محترم نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا میں احمدیہ انٹر کالیجیئیٹ ایسوسی ایشن کا شکر گزار ہوں کہ جس نے اِس فاضلانہ تقریر کے سُننے کا ہمیں موقع بہم پہنچایا۔ جناب مرزا صاحب نے تھوڑے سے وقت میں بہت وسیع مضمون بیان فرمایا اور اس کے کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ نے جو تعمیری تجاویز بیان فرمائی ہیں وہ نہایت ہی قابلِ قدر ہیں ہمیں ان پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ [۱]

---

[۱] الفضل ۱۴ر فتح / دسمبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۲

فصل چہارم

حضرت مصلح موعودؓ کے مقدس ہاتھوں سے اشاعتِ اسلام کے نئے مرکزِ توحید ربوہ کا رُوح پرور افتتاح

مرکزِ پاکستان کی مجوزہ اراضی کا تاریخی پس منظر

جماعتِ احمدیہ کی طرف سے مرکزِ پاکستان کے لئے تحصیل چنیوٹ کے چک ڈھگیاں کی ۱۰۳۴ ایکڑ اراضی کے حصول کا واقعہ پچھلی جلد میں گزر چکا ہے۔ حال کی ایک تحقیق سے انکشاف ہوا ہے کہ یہ وہی سرزمین ہے جہاں سے اموی بادشاہ ولید بن عبد الملک کے نامور عرب جرنیل حضرت محمدؐ بن قاسمؒ نے سندھ اور ملتان کی فتح کے بعد اپنے لشکرِ جرار سمیت دریائے چناب کو عبور کیا اور کشمیر کی طرف پیش قدمی کی تھی اس موقع پر عرب فوج اور چنیوٹ کے ہندو راجہ کی خون ریز جنگ ہوئی اور چنیوٹ کو فتح کرتے ہوئے تقریباً سو مجاہدوں نے جامِ شہادت نوش کیا چنانچہ آج تک اِس سرزمین میں شہیدوں کا قبرستان موجود ہے۔ ڈاکٹر عبد الحمید خاں ایم اے پی ایچ۔ ڈی۔ رائل پاکستان نیوی اپنی کتاب "محمدؐ بن قاسم پاکستان میں" کے صفحہ ۲۱، ۲۲ پر لکھتے ہیں:۔

"عرب فوج کا کشمیر جانے کا راستہ ملتان سے تلنبہ پھر شورکوٹ جو ضلع جھنگ میں آباد ہے پھر کوٹ کمالیہ کی طرف تھا جو ضلع لائلپور کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ اس کے بعد مشہور جگہ جو عرب فوج کے راستہ میں پڑی وہ چندرُود ہے جو ہر عرب نقشہ میں درج ہے جو میرے خیال میں چنیوٹ کا مشہور شہر ہے یہ ضلع جھنگ کی ایک تحصیل ہے اِس کی وجہ یہ ہے چندرود ہر عرب نقشہ میں دریائے سندھ رود کے بائیں کنارے پر درج ہے اور سندھ رود دریائے چناب کا دوسرا نام ہے۔

چندرود یا چنیوٹ دریائے چناب کے کنارے ایک بہت ہی قدیم شہر ہے اور جس وقت عرب فوج نے اس شہر پر حملہ کیا تو ایک ہندو راجہ یہاں حکمران تھا۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سکندرِ اعظم

نے سانگلا پر حملہ کیا تو وہاں ایک جنگلی گروہ کی فوج سے اس کا مقابلہ ہوا اور سانگلا کا راجہ شکست کھا کر بھاگا جب ہیون سانگ سانگلا پہنچا تو سانگلا بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ ۶۳۰ء میں ہیون سانگ نے دیکھا کہ شہر کی دیواریں خستہ حالت میں تھیں مگر ان کے نشانات باقی تھے جن سے اس نے اندازہ لگایا کہ شہر ۲½ میل کے رقبہ میں آباد تھا۔"

"عربوں کے لئے اس واسطے سانگلا جانے کا کوئی امکان نہ تھا کیونکہ سکندرِ اعظم نے مدّت ہوئی اسے ختم کر دیا تھا۔ اس شہر کی شہرت چندر و دنے چھین لی تھی جسے آج کل چنیوٹ کہتے ہیں اور یہ جگہ سانگلا سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر دریائے چناب کے کنارے آباد ہے۔ عرب فوج کے تقریباً ۱۰۰ سو سپاہی چنیوٹ کو فتح کرنے میں کام آئے۔ ان شہیدوں کا قبرستان اب تک چنیوٹ کے باہر موجود ہے۔ چندر و دیا چنیوٹ ریاست عیفان کا دارالخلافہ تھا جس کے متعلق بلاذری نے اپنی کتاب فتوح البلدان میں نہایت دلچسپ کہانی لکھی ہے۔ اس شہر چنیوٹ کے قریب سندھ سے کشمیر جانے والے مسافر دریائے چناب کو عبور کرتے تھے کیونکہ چنیوٹ سے کشمیر جانے کے لئے راستہ بالکل سیدھا تھا جو پنج مہات یا جہلم میں سے گزرتا تھا اس لئے عرب جرنیل محمد بن قاسم چنیوٹ سے جہلم اور پھر کشمیر گیا۔"

حضرت مصلح موعودؓ کی فوری ہدایات مرکزِ پاکستان کی اراضی سے متعلق

۱۱ جون ۱۹۴۸ء (مطابق ۱۱ احسان ۱۳۲۷ھش) کو حکومتِ مغربی پنجاب نے جماعتِ احمدیہ کے نئے مرکزِ پاکستان کے لئے منظوری دے دی جس کی اطلاع ملتے ہی حضرت مصلح موعودؓ نے کوئٹہ سے فوری طور پر حسبِ ذیل تفصیلی ہدایات جاری فرمائیں:-

"فوراً ایک کمیٹی اس لئے بنا دی جائے کہ:-

۱۔ جگہ کا جائزہ لے کر فیصلہ کیا جائے کہ مرکزی دفتر کہاں بنائے جائیں گے۔ مقبرہ کہاں ہوگا (مقبرے دو ہونے چاہئیں عام اور مقبرہ بہشتی) مسجد۔ کالج۔ سکول۔ مدرسہ احمدیہ۔ کالج احمدیہ۔ ہسپتال۔ زنانہ سکول۔ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ وغیرہ سرِدست ایک سو سے ڈیڑھ سو ایکڑ تک قصبہ کے لئے ریزرو کی جائے مگر نقشہ اس طرح ہو کہ آئندہ وسعت سے جگہ خراب نہ ہو۔

۲۔ پانی کے انتظام کے لئے فوراً سروے کر کے اور نیچی طرف ایک ٹیوب ویل کا کام فوراً شروع کروا دیا جائے۔

۳۔ مٹی کے تیل کا کوٹہ فوراً منظور کروایا جائے۔

۴۔ غلہ پانچ چھ ہزار من فوراً سال کی ضرورتوں کے لئے خرید لیا جائے اس کے لئے انجمن رقم فوراً منظور کردے۔ سوا سو من ہمارے لئے خرید لیا جائے میں قیمت دوں گا۔

۵۔ بھینسیں دو میرے لئے خرید کر احمد نگر میں رکھ دی جائیں اور سلسلہ کے لئے بھی تا فوراً دودھ کی کمی نہ ہو۔

۶۔ پانی کا انتظام ہو جائے تو فوراً چاروں طرف درخت لگانے کا پروگرام بنایا جائے بطور باڑ کے۔

۷۔ تحقیق کی جائے کہ کس کس قسم کے پھل دار درخت یا دوسرے درخت اِس علاقہ میں لگ سکتے ہیں۔

۸۔ سب سے پہلے مسجد کی بُنیاد رکھی جائے مگر فیصلہ کیا جائے کہ کس ترتیب سے باقی مکانات بنانے چاہئیں۔

۹۔ شہر بنانے کے لئے فوراً کچھ آبادی کی ضرورت ہے غور کیا جائے کہ فوراً یہ آبادی کس طرح کی جائے؟

۱۰۔ بجلی پیدا کرنے کے لئے انجمن کی خط و کتابت کی جائے۔

۱۱۔ نقشہ آئندہ قصبہ کا جو میاں عبدالرشید صاحب نے تیار کیا تھا میں نے میاں بشیر احمد صاحب کو بھجوایا تھا اب اس کے ٹکڑے الگ الگ حصّوں کے بڑے سکیل پر بنوا لینے چاہئیں تا تمام تفصیلات پر غور ہو سکے۔

۱۲۔ زمین کی قیمت داخل ہونے اور قبضہ لینے کے ساتھ ہی یہ اعلان کر دیا جائے (مگر اس سے پہلے ہرگز کوئی اعلان نہ ہو)

(الف) چھ ماہ کے اندر اندر جو لوگ قادیان کے سابق احمدی باشندے یا ایسے غیر احمدی باشندے تھے جو ہم سے تعلق رکھتے تھے اور خواہ مخواہ ہماری مخالفت نہ کرتے تھے مکان بنانے کا ارادہ کریں گے ان کو دس مرلہ زمین مکان بنانے کے لئے مُفت دی جائے گی درخواستیں فوراً آنی شروع ہو جانی چاہئیں مگر یہ شرط ہو گی کہ آبادی کی شرائط کی پابندی کا وعدہ کریں۔ ۲۔ چھ ماہ کے اندر مکان بنانا شروع کر دیں اور مکان شروع ہونے سے تین ماہ کے اندر مکان مکمل کر لیں۔ ۳۔ نقشہ مقررہ کی پیروی کریں۔ ۴۔ کوئی دُکان کی عمارت پرائیویٹ نہ ہو گی دُکان کی عمارتیں کُلّی طور پر سلسلہ کی ملکیت ہوں گی اور کرایہ پر دی جائیں گی۔ کسی کو گھر پر تجارت کرنے یا مکان کے کسی حصّہ کو دُکان کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت نہ ہو گی۔

(ب) اس کے علاوہ جو لوگ زمین خریدنا چاہیں ان کو ایک ماہ تک پچاس روپے کنال کے حساب سے زمین ملے گی مگر شرط یہ ہوگی کہ زمین کا قبضہ مکان بناتے ہوئے ملے گا کوئی ٹکڑا معین پہلے سے نہ کیا جائے گا اِس سے آبادی مسلسل نہیں رہتی جو پہلے مکان بنائے گا اسے پہلے زمین مِل جائے گی اور بعد میں مکان بنانے والے کو اس جگہ زمین ملے گی جہاں زمین خالی ہوگی۔

(ج) ایک ماہ کے اندر جو کی قیمت وصول نہ ہوگی ان کے لئے دوسری قیمت کا اعلان کیا جائیگا۔

نوٹ:۔ میرے لئے سَو کنال زمین وقف کر دی جائے مَیں پانچ ہزار کا چیک بھجوا رہا ہوں۔ زمین کی قیمت ۳/۴ صدر انجمن احمدیہ ادا کرے اور ۱/۴ تحریک۔ اِس نسبت سے علاقہ کی دونوں انجمنیں مالک ہوں گی۔"[۲،۳]

تعمیر کمیٹی کی تشکیل

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کے فرمانِ مبارک (دشق ۱؎) کی تعمیل میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے اپنے ہنگامی اجلاس منعقدہ ۱۹؍ ماہِ احسان / جون ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء میں مندرجہ ذیل دس ممبران پر مشتمل ایک کمیٹی تجویز کی۔[۴]

۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ (صدر)

۲۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج

۳۔ حضرت نواب محمد الدین صاحب

۴۔ ناظر اعلیٰ (حضرت نواب عبد اللہ خاں صاحب)

۵۔ وکیل الدیوان (مولوی عبد الرحمٰن صاحب انورؔ)

۶۔ ناظر امورِ عامہ (صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب)

۷۔ ڈاکٹر عبد الاحد صاحب (ڈائریکٹر فضلِ عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور)

۸۔ سیّد محمود اللہ شاہ صاحب (ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول چنیوٹ)

۱؎ جناب مولوی عبد الرحمٰن صاحب انورؔ کا بیان ہے کہ "حضور نے مجھے فرمایا کہ ربوہ کی ۱۰۳۴ ایکڑ زمین کی کُل قیمت کا اندازہ رجسٹری کے اخراجات شامل کر کے ۱۲ ہزار بنتا ہے اگر تحریکِ جدید ۴ ہزار روپے دیدے تو ربوہ کی ملکیت میں اس کا ۱/۳ حصّہ ہو جائے گا جس پر تحریکِ جدید نے اِس سلسلہ میں چار ہزار روپے ادا کر دیئے"۔ ۲؎ ریکارڈ دفتر نظارت علیا صدر انجمن احمدیہ پاکستان

۳؎ اِس مکتوب پر ۱۲؍ جون ۱۹۴۸ء کی مُہر ثبت ہے۔ ۴؎ ملاحظہ ہو صدر انجمن احمدیہ پاکستان کا ریزولیوشن ۱۲۴ مؤرخہ ۱۹؍ احسان ۱۳۲۷ھش۔

۹ - ناظم جائداد (چوہدری صلاح الدین صاحب)

۱۰ - ناظر بیت المال (چوہدری عبدالباری صاحب)

انجمن نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ یہ کمیٹی فوری اجلاس منعقد کر کے صدر انجمن احمدیہ میں رپورٹ پیش کرے غلّہ کے متعلق یہ فیصلہ ہوا کہ حضرت نواب محمد دین صاحب چھ ہزار من کا پرمٹ حاصل کریں۔

۲۶ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کو صدر انجمن احمدیہ نے تعمیراتی کام کے پیشِ نظر حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں سفارش کی کہ تعمیر کمیٹی کے لئے درج ذیل ممبروں[۱] کا تقرر منظور فرمایا جائے:-

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب (صدر)۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب (سیکرٹری) نواب محمد عبداللہ خاں صاحب۔ سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب۔ شیخ بشیر احمد صاحب صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب۔ مولوی عبدالرحیم صاحب درد۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس۔

صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے اِس سفارش میں یہ بھی عرض کیا گیا کہ "حضرت میاں صاحب کا صدر ہونا اِس لئے ضروری ہے کہ اُن کو تعمیری کام کا ایک لمبا اور وسیع تجربہ ہے اور وہ اِس کام کی ہر شق سے واقف ہیں۔ حضرت میاں صاحب کا صدر ہونا اِس لئے بھی ضروری ہے کہ عملاً اَب بھی انہی کا مشورہ اِس کام میں لیا جاتا ہے۔ اگر وہ خود براہِ راست ہر مرحلہ پر نگرانی فرمائیں گے تو وقت بھی بچ جائے گا اور کام بھی اچھا اور جلدی ہو جائے گا۔"

حضور نے تحریر فرمایا "ریزولیوشن منظور ہے سوائے تعمیر کے سوال کے۔ اِس وقت تعمیر کا کوئی سوال نہیں صرف سامان جمع کرنے کا سوال ہے اور اس کا فیصلہ میری موجودگی میں ہونا ہے اِس وقت سروے کا سوال ہے اور معلومات جمع کرنا۔"

---

[۱] تعمیر کمیٹی کے اِن ممبروں میں بعد کو حسبِ ضرورت وقتاً فوقتاً ردّ و بدل ہوتا رہا چنانچہ ۲۶ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے اِس کمیٹی میں حضرت نواب محمد دین صاحب اور خورشید احمد صاحب (S.D.O) کا بھی اضافہ فرمایا نیز حکم دیا کہ سیکرٹری بجائے مرزا مبارک احمد صاحب کے خورشید احمد صاحب اور اسسٹنٹ سیکرٹری قریشی عبدالرشید صاحب نائب وکیل المال ہوں گے چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ نے بھی ممبر کی حیثیت سے کام کیا۔ ان کے بعد حسن محمد خان صاحب عارف (نائب وکیل التبشیر) اور سیّد زمان شاہ صاحبؓ آف جہلم بھی ایک عرصہ تک اسسٹنٹ سیکرٹری کمیٹی کے فرائض بجا لاتے رہے۔ یہ کمیٹی براہِ راست حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی زیرِ نگرانی و زیرِ ہدایت کام کرتی تھی۔

چنیوٹ اور احمد نگر میں مرکزی ماحول کے استحکام کے لئے اہم ذیلی انتظامات

ماہِ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۶ہش/ ۱۹۴۷ء سے یعنی اس وقت سے جبکہ نئے مرکز کی مجوزہ اراضی کے حصول کی جدّوجہد کا آغاز ہوا چنیوٹ اور احمد نگر کو یکایک خاص اہمیت حاصل ہوگئی۔ وجہ یہ کہ مرکزی ماحول کو مستحکم کرنے کے لئے ان مقامات پر حضرت مصلح موعودؓ کی خصوصی ہدایات کے مطابق نہایت اہم ذیلی انتظامات بروئے کار لائے گئے چنانچہ یہاں نہ صرف مہاجر احمدیوں کے بسانے کی انتہائی کوشش کی گئی بلکہ شروع میں تعلیم الاسلام ہائی سکول، مدرسہ احمدیہ و جامعہ اپنے عبوری دَور میں یہاں قائم ہوئے ازاں بعد ۲/ احسان/ جون ۱۳۲۷ہش/ ۱۹۴۸ء کو حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ قادیان کی لائبریری کی کتابیں فی الفور چنیوٹ میں منتقل کر دی جائیں۔ اِس سلسلہ میں حضورؓ نے ناظر اعلیٰ کو حسبِ ذیل ہدایات فرمائیں:۔

"دو چار روز کے اندر ایسا انتظام کیا جائے کہ چنیوٹ میں چند مکانات لے کر ہماری لائبریریاں جو یہاں ہیں وہاں بھجوائی جائیں۔ فوراً ایک دو دن کے اندر لاریوں کا انتظام کر کے کتب بھجوائی جائیں۔ لائبریرین وہاں چلے جائیں تین چار معتبر آدمی مقرر کر دیئے جائیں جو اپنے سامنے ان کو ہوا لگوائیں اور فہرستیں تیار کریں۔ ہر فہرست پر دو آدمیوں کے دستخط ہوں گے کہ کوئی بددیانتی نہ کر سکے۔

ابھی فوراً لائبریریوں کو چیک کروایا جائے اور جو کتب اور اخبارات کے فائل کم ہوں ان کے متعلق قادیان لکھا جائے کہ آئندہ کنوائے میں انہیں بھجوانے کی کوشش کریں۔

آپ کے پاس دس ہزار کی رقم بجٹ میں سامان خریدنے کے لئے منظور ہے آپ اس میں سے فوراً کتب کے لئے ٹرنک اور پیٹیاں بنوائیں اور ان کے قفل بھی۔ کم از کم بیس پیٹیاں ۳ × ۳ × ۲ (اونچائی۔ طول۔ عرض) کی ہوں اور پھر کتب پر مُہریں لگائی جائیں۔ ٹرنکوں پر چِٹوں کی بجائے لائبریریوں کے نام سفیدہ وغیرہ سے لکھے جائیں۔

دو پرائیویٹ لاریاں خرید لی جائیں۔

ہمارا روپیہ لاہور میں نہیں رہنا چاہیئے جتنا زائد روپیہ ہو وہ کراچی کے بنک میں ہو اور یہاں زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ کافی ہے۔

اُصول یہ ہو کہ اگر EMERGENCY ہو تو اس وقت شیخوپورہ تک پہلا چکر ہو بلکہ شاہدرہ بھی

محفوظ ہے اور اس کے بعد وہاں سے سامان آگے جاتا رہے۔ اصل تو دریا سے پار کرنا ہے۔ کوئی آدمی دوڑایا جائے جو وہاں جاکر مکان لے آئے۔ نواب محمد دین صاحب سے بھی چٹھی لکھوائی جائے کہ ہماری لائبریریوں کی کُتب سڑ رہی ہیں اِس لئے ہمیں فی الحال مکان دیئے جائیں تا کتب تو محفوظ رہ سکیں۔"

حضور کے اِس فرمانِ مبارک کی تعمیل میں وسط/ احسان/ جون ۱۳۲۷ہش/ ۱۹۴۸ء میں کتابوں کو ٹرنکوں میں بھر کر بذریعہ ٹرک چنیوٹ پہنچایا گیا جہاں حکیم غلام حسین صاحب لائبریرین نے مخلوط اور بے ترتیب و بے ربط کتابیں مضمون وار کیں اور قادیان سے آمدہ رجسٹر سے مقابلہ کرکے ایک نئی فہرست مرتّب کی اور اسے استفادہ کے قابل بنا دیا۔[1]

لائبریری کھل جانے کے چند ہفتے بعد حضور انور کی ہدایت پر ماہ ظہور/ اگست ۱۳۲۷ہش/ ۱۹۴۸ء کو دفتر محاسب کی ایک شاخ بھی چنیوٹ میں قائم کر دی گئی۔[2] ۲۷ ماہ تبوک/ ستمبر کو حضور نے حکم دیا کہ دفتر محاسب کو مکمل طور پر چنیوٹ میں منتقل کر دیا جائے لاہور میں اَب صرف دفتر کا ایک ذمہ دار کلرک اور ایک سیف رکھنا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب (ناظر اعلیٰ) نے ۲۷ ظہور/ اگست ۱۳۲۷ہش/ ۱۹۴۸ء کو محاسب صاحب صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے نام یہ مکتوب لکھا۔

"السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضور نے آج کی مجلس میں ارشاد فرمایا ہے کہ دفتر محاسب کو فوری طور پر چنیوٹ میں منتقل کر دیا جائے وہاں ایک سکول کا کمرہ اُن کے پاس موجود ہے اُس میں فی الحال گزارہ کریں اگر وہ کفائت نہ کرے تو سیّد محمود اللہ شاہ صاحب سے امداد حاصل کریں منگل، بدھ اور جمعرات میں روزانہ اخبار میں چوکھٹہ میں موٹے الفاظ میں یہ اعلان ہونا چاہیئے کہ آئندہ تمام رقوم چنیوٹ میں بھجوائی جائیں۔ جمعہ سے یہاں ادائیگیاں بند کر دی جائیں۔ جمعہ، ہفتہ، اتوار دفتر کا پیکنگ ہو اور تنخواہوں کی ادائیگی یکم اکتوبر سے پہلے کر دی جائے۔ فی الحال بیوی بچوں کو ساتھ نہ لے جایا جائے چنیوٹ جاکر گنجائش اور مکانات کی پڑتال کرنے کے

---

[1] رپورٹ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۱۳۲۶-۲۷ہش/ ۱۹۴۷-۴۸ء صفحہ ۴۵-۴۶ ۔ [2] اِس تعلق میں مولانا جلال الدین صاحب شمس نے ۴ ظہور ۱۳۲۷ہش کو محاسب صاحب صدر انجمن احمدیہ کو لکھا:۔ "آپ کل اپنے ریکارڈ اور عملہ کے ساتھ چنیوٹ روانہ ہو جائیں نائب محاسب چوہدری عزیز احمد صاحب کی حسب منشاء وہاں دفتر کے لئے تین کمروں کا انتظام کر دیا گیا ہے اور اسکے علاوہ رہائش کے واسطے یہ انتظام کیا گیا ہے کہ (۱) آپ سیّد محمود اللہ شاہ صاحب کے مکان میں رہیں گے (۲) شیخ فضل احمد صاحب اور قریشی محمد عبداللہ صاحب کے لئے فیملی کوارٹر مہیّا کئے گئے ہیں (۳) باقی کلرک ایک جگہ رہیں گے۔"

بعد جو کارکن عیال لے جانا چاہے لے جا سکتا ہے اخراجات انجمن دے گی۔ لاہور میں صرف دفتر محاسب کا ایک ذمّہ وار کلرک اور ایک سیف رہنا چاہیئے جو کہ چندوں کی وصولی کا کام کرے اور حسبِ ہدایت نظارت علیہ پیشگی رقوم ادا کرے۔ اندراجات کی تکمیل تمام و کمال چنیوٹ میں ہوا کرے گی۔ سامان دفتر بھی جو خرید شدہ ہے آپ اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں بہتر ہو کہ ایک مال گاڑی کا انتظام کرا لیا جائے تاکہ سب سامان جا سکے لیکن مشورہ سے اندازہ کر لیں کہ ریل کی بجائے اگر ٹرک میں بآسانی اور بکفائت سامان جا سکے تو ٹرک میں لے جایا جائے۔ محمد عبداللہ خاں ناظر اعلیٰ ۲۷/۹/۴۸

جماعت کو مرکزِ پاکستان کی نسبت پہلی اطلاع اور بعض فیصلوں کا اعلان

صدر انجمن احمدیہ اور تعمیر کمیٹی حضرت امیر المومنین کے ارشادات کی تعمیل میں سرگرم عمل ہو چکی تھی کہ اسی اثناء میں حضور کوئٹہ سے بنفسِ نفیس لاہور تشریف لے آئے اور قدم قدم پر اسے اپنے مفید مشوروں سے نوازنے اور ہر ضروری معاملہ میں براہِ راست راہنمائی فرمانے لگے۔

اس طرح تعمیر کمیٹی کی جدّوجہد میں اپنی توجّہ سے ایک نئی حرکت پیدا کرنے کے بعد حضور نے ۱۰۔ ماہِ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء کے خطبہ جمعہ کے ذریعہ جماعتِ احمدیہ کو مرکزِ پاکستان کے لئے خرید اراضی کی پہلی بار مفصل اطلاع دی اور اس کے ضروری مراحل پر روشنی ڈالنے کے بعد بعض گزشتہ تلخ تجربوں کے مدِّنظر اس نئی اراضی پر مکانات بنانے کے متعلق مندرجہ ذیل فیصلوں کا اعلان فرمایا:-

"۱۔ مکانوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں رہنے دیا جائے گا۔ قادیان میں لوگوں نے زمین خرید کر اُسے خالی ہی پڑا رہنے دیا اور مکانات وغیرہ نہیں بنائے تھے جس کی وجہ سے ہم پوری طرح حفاظت کا بندوبست نہ کر سکے۔ ہمیں جو نقصان پہنچا اس کی تمام ذمہ داری انہیں لوگوں پر تھی یہ نقصان ان جگہوں کے پُر ہو جانے کی صورت میں نہیں ہو سکتا تھا ہم نے آبادی کے اردگرد دیواریں بنانے کی کوشش کی مگر گورنمنٹ نے ہمیں ایسا کرنے سے روکا اور کہا کہ تم سڑکوں کو روکتے ہو۔ چونکہ اس کی مرضی تھی کہ مسلمان یہاں سے نکل جائیں اس نے چاہا کہ کسی قسم کی کوئی حفاظتی تدبیر نہ کی جائے۔ اس تلخ تجربے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ کوئی بھی زمین خریدے اور مکان بنائے۔ مکانوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہوگا اور جو مقررہ مدّت میں مکان نہیں بنا سکے گا اس کی زمین کسی اور کو دے دی جائے گی جو جلدی

مکان بنا سکے۔ اِس طرح بستی قلعہ کی صورت میں بدلتی جائے گی۔ ہاں جس طرح کی زمین ہوگی اسکے دوسری جگہ پر زمین دے دی جائے گی۔

۲ ۔ زمین فروخت نہیں کی جائے گی بلکہ ٹھیکہ پر دی جائے گی اور اس کی اصل مالک صدر انجمن احمدیہ پاکستان ہی رہے گی۔

۳ ۔ اِس وقت زمین سَو روپے فی کنال کے حساب سے دی جائے گی۔ پچاس روپے بطور ہدیہ مالکانہ اور پچاس روپے شہر کی ضروریات کے لئے۔

۴ ۔ زمین نوّے سال کے لئے ٹھیکہ پر دی جائے گی لیکن شرح کرایہ ہر تیس سال کے بعد بدلتی رہے گی جو کبھی پچاس فیصدی سے زیادہ نہ ہوگی۔

۵ ۔ زمین پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے ہر خریدار سے ایک چھوٹی سی رقم بطور کرایہ وصول کی جائے گی مثلاً ایک روپیہ فی کنال سالانہ اور دس مرلہ پر آٹھ آنے سالانہ اور یہ کرایہ تین پیسے فی مرلہ ماہوار بنتا ہے۔ یہ گورنمنٹ کی نقل کی گئی ہے گورنمنٹ بھی پہاڑوں پر زمین ٹھیکے پر ہی دیتی ہے۔ مَیں نے بھی ڈلہوزی ٹھیکہ پر زمین ہی لے کر کوٹھیاں بنائی تھیں۔

۶ ۔ کسی واحد شخص کو دُکان بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی دکانیں کُلّی طور پر سلسلہ کی ملکیت ہونگی ٹھیکہ پر لی ہوئی زمین میں صرف رہائشی مکان بنانے کی اجازت ہوگی کیونکہ بہت سی آوارگی دُکانوں کے ذریعہ ہی پھیلتی ہے۔ قادیان میں ہم دیکھتے تھے کہ آوارہ مزاج لوگ عموماً دُکانوں پر بیٹھا کرتے تھے اور جب دکانداروں کو ان کے منع کرنے کے لئے کہا جاتا تھا تو وہ مقابلہ کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے کیونکہ ان کی وجہ سے ان کی بکری زیادہ ہوتی تھی بہرحال اِس نئے قصبہ میں دکانیں کسی شخصِ واحد کی ملکیت نہیں ہوں گی۔

۷ ۔ الفضل میں اعلان شائع ہونے کی تاریخ سے لے کر ایک مہینہ تک ہدیہ مالکانہ ایک سَو روپیہ فی کنال لیا جائے گا اس کے بعد ہر سال یہ رقم بڑھتی جائے گی۔ یہ میعاد پندرہ اکتوبر کو ختم ہو جائے گی۔

اِس وقت تین سَو تیس کنال اراضی کی درخواست آچکی ہے۔ روشنی، پانی، سڑکوں اور دیگر انتظامات کے لئے پانچ لاکھ کے اخراجات کا اندازہ ہے۔ سکولوں کالجوں پر بھی پانچ لاکھ کا اندازہ ہے۔ تو دس لاکھ کے قریب مزید خرچ ہوگا اور وہاں بسنے والوں نے ہی ان سے فائدہ حاصل کرنا

ہے اِس لئے یہ اخراجات زمین کی قیمت سے ہی نکالے جائیں گے۔ صرف چار پانچ سو ایکڑ زمین شہر میں لگ سکے گی باقی زمین ایسی نہیں کہ اس پر مکان بن سکیں۔ پس اِس زمین میں سے یہ اخراجات نکالے جانے ضروری ہیں۔

۸۔ دکانوں کی عام اجازت نہ ہوگی بلکہ ضرورت کے مطابق نائیوں، دھوبیوں، موچیوں وغیرہ کی دکانیں ہوں گی اور گنجائش کے مطابق دکانیں کھولنے دی جائیں گی۔

۹۔ بڑے کارخانے کھولنے کی کسی شخصِ واحد کو اجازت نہیں دی جائے گی بلکہ جو بھی کارخانے کھولے جائیں گے ان میں سب شہریوں کا حصہ ہوگا۔

۱۰۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا ہے کہ کچھ زمین اُن لوگوں کو دی جائے گی جو غرباء تھے اور قادیان میں ان کے مکانات تھے۔ یہ جگہ مفت دی جائے گی۔

۱۱۔ دکانات بنانے میں ایسا کام جس میں فنی مہارت کی ضرورت نہ ہو باہمی تعاون سے کیا جائے گا اور اپنے ہاتھوں سے کیا جائے گا۔

۱۲۔ جو قواعد اس بارہ میں حکومت یا سلسلہ کی طرف سے جاری ہوں ان کی پابندی زمین لینے والوں کے لئے ضروری ہوگی۔"

آخر میں فرمایا:-

"پس ایسے دوست جو اِس میں حصّہ لینا چاہتے ہیں اور اِس لئے مرکز میں مکانات بنانا چاہتے ہیں انہیں چاہیئے کہ ایک مہینہ کے اندر اندر سو روپیہ فی کنال کے حساب سے ہدیہ مالکانہ پچاس روپے اور ابتدائی انتظامات کے لئے پچاس روپے قیمت خزانہ میں جمع کرا دیں تا پہلے گروپ میں وہ شامل کر لئے جائیں۔

احمدیت نے بہرحال بڑھنا ہے یہاں کی زمینوں کا بھی وہی حال ہوگا جو قادیان کی زمینوں کا ہوا یہ جگہ پاکستان کا مرکز رہے گی اور قریب کے مرکزوں سے زیادہ تعلق ہوتا ہے پس جو شخص زمین لینا چاہے انہیں جلدی کرنی چاہیئے۔" [1-2]

---

[1] الفضل ۲۸ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵-۶۔ [2] حضور انور کا متذکرۃ الصدر خطبہ ۲۸ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء کے الفضل میں شائع ہوا مگر سیکرٹری تعمیر کمیٹی کی طرف سے اس کی روشنی میں تیسرے روز ہی ایک مفصل اعلان چھپ گیا جس میں حضور کی بیان فرمودہ سترہ شرائط کی تفصیل درج تھی (الفضل ۱۲ تبوک ۱۳۲۷ھش)۔

مرکزِ پاکستان میں جگہ حاصل کرنے کے لئے مخلصینِ جماعت کی طرف سے مثالی جوش و خروش

اِس خطبہ کے بعد مخلصینِ جماعت نے نئے مرکز میں جگہ پانے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے جس جوش و خروش کا ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ تھا حضرت مصلح موعودؓ نے جب تک اراضی مرکز کے لئے یہ اعلانِ عام نہیں فرمایا تھا تین سو کنال زمین فروخت ہو چکی تھی۔ اِس کے بعد جونہی احمدیوں تک اپنے محبوب آقا کی آواز پہنچی وہ دیوانہ وار لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھے اور ۱۵؍اخاء/ اکتوبر کی آخری مقررہ تاریخ تک پانچ سو کنال کی بجائے ایک ہزار کنال کی قیمت داخلِ خزانہ کرا دی۔ مطالبات کی اِس غیر معمولی کثرت پر کمیٹی آبادی کو حضرت مصلح موعود کی منظوری سے اعلان کرنا پڑا کہ ۱۰۰ روپے کنال کے مجوزہ نرخ پر پانچ سو کنال کی بجائے آٹھ سو کنال تک زمین تقسیم کی جائے گی نیز فیصلہ کیا کہ مزید تین سو کنال بھی دی جائے مگر اس کی قیمت پہلے نرخ کے مقابل دُگنی ہوگی اور جن دوستوں کی رقوم اراضی آٹھ سو کنال کے پورا ہو جانے کے بعد پہنچی ہیں وہ دُگنی قیمت پر زمین لینے کے مجاز ہیں اور ایسے خریداروں کا حق پندرہ دِن تک دوسرے درخواست کنندوں سے مقدم قرار دیا گیا۔[1] اِس اعلان پر دو ہفتے بھی گزرنے نہیں پائے تھے کہ اسسٹنٹ سیکرٹری کمیٹی آبادی (قریشی عبدالرشید صاحب) نے بذریعہ الفضل اعلان کیا کہ دُگنے نرخ پر تین سو کنال فروخت کرنے کا جو اعلان کیا گیا تھا وہ تین صد کنال ختم ہو چکے ہیں اِس لئے احباب مزید کوئی رقم اِس نرخ پر زمین خریدنے کے لئے ارسال نہ کریں۔ علاوہ ازیں یہ فیصلہ کیا گیا کہ کسی صاحب کو چار کنال سے زائد زمین نہ دی جائے سوائے اِس کے کہ بچوں کی علیحدہ رہائش کے لئے درکار ہو۔[2]

سابقون کی فہرست کی اشاعت

ماہِ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۷ہش/ ۱۹۴۸ء کے آخر تک ۵۴۹ سابقون نے وادیٔ غیر ذی زرع میں رہائش کے لئے اپنی رقوم پیش کیں جن کی فہرست الفضل کی دو اشاعتوں (۲۶؍اخاء و ۲؍نبوت ۱۳۲۷ہش/ ۱۹۴۸ء) میں بطور ضمیمہ شائع کر دی گئی۔ اِس فہرست میں پہلا نام حضرت مصلح موعودؓ کا اور دوسرا حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی کا تھا اور بقیہ ناموں میں سلسلہ احمدیہ کے مندرجہ ذیل ممتاز بزرگ صحابہ بھی شاملِ فہرست تھے:-

حضرت مولوی فضل الدین صاحب، (نمبر ۱۴) حضرت ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب (نمبر ۱۵)

---

[1] الفضل ۱۹؍اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۷ہش/ ۱۹۴۸ء صفحہ ۲۔
[2] الفضل ۳۱؍اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۷ہش/ ۱۹۴۸ء۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحب (۲۱) حضرت چوہدری برکت علی خاں صاحب (۲۵)
حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب (۶۵) حضرت مولوی محمد الدین صاحب (۸۸)
حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری (۱۰۹) حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب (۱۶۸)
حضرت مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی (۲۱۴) حضرت منشی محبوب عالم صاحب نیلا گنبد (۲۱۶)
حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد (۳۷۳) حضرت ماسٹر مولا بخش صاحب (۳۸۲)
حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب (۴۳۵) حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب (۴۴۳)
حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم اُمّ المومنین (۴۵۵) حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب (۴۹۱)

خدا کے موعود خلیفہ کی آواز پر لبیک کہنے والے ان مخلصین کا تعلق مشرقی پنجاب خصوصاً قادیان سے آنے والے مہاجرین اور پاکستان میں پہلے سے مقیم احمدیوں کے ہر طبقہ سے تھا۔ درویشانِ قادیان اور کلکتہ کے بعض احمدیوں نے بھی قیمت ادا کر دی تھی اس لئے ان کا نام بھی فہرست میں موجود تھا۔

بستی کی آبادی میں قانونی پیچیدگی اور اس کے ازالہ کے لئے خصوصی ارشاد مبارک

حکومتِ مغربی پنجاب نے چک ڈھگیاں کی اراضی کی منظوری دیتے ہوئے علاوہ دوسری شرائط کے ایک خطرناک پابندی یہ لگا دی تھی کہ زمین پر قبضہ کے اٹھارہ ماہ بعد بستی کے کُل مکان بن جانے چاہئیں۔ یہ شرط چونکہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان جیسے مہاجر اور نئے قائم شدہ ادارہ کے لئے ناقابلِ عمل اور مالی اخراجات کے لحاظ سے ناقابلِ برداشت تھی اس لئے حضرت مصلح موعودؓ نے جہاں نئے مرکز کی آبادی سے متعلق بلاتاخیر دوسرے ضروری انتظامات کی طرف تعمیر کمیٹی کو توجّہ دلائی وہاں ۱۵ ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:-

"میرا خیال ہے کہ ایک وفد گورنر کو ملے کہ ہم ریفیوجی ہیں ہم پر گاؤں بنانے میں پابندیاں کیوں لگائی جا رہی ہیں، دُنیا میں آخر اور بھی گاؤں بن رہے ہیں ہمارے پاس اتنا روپیہ کہاں کہ ہم ان پابندیوں کو پُورا کر سکیں یا گورنمنٹ اپنے پاس سے بیس تیس لاکھ روپیہ بلا سُود اِس مقصد کے لئے ہمیں قرض دیدے یا پھر جب قصبہ بنے تو پھر پلیننگ کیا جائے ہمیں فی الحال چھپّر وغیرہ بنانے کی اجازت دی جائے جس میں ہم راستوں وغیرہ کی پلیننگ کا خیال رکھیں گے بعد میں آہستہ آہستہ کھُلے مکان پلیننگ کے مطابق بنا لیں گے۔

ایک وفد رضا کے پاس جائے رضا فنانس کمشنر کے سیکرٹری ہیں۔ یہ وفد اِس لئے جائے کہ معاہدہ کی

دفعہ ۱۲ (K) میں یہ شرط ہے کہ اٹھارہ[۱۸] ماہ کے اندر مکان بن جائے۔ یہ شرط تو افراد کے لئے ہے شہر تو گورنمنٹ بھی پندرہ[۱۵] بیس[۲۰] سال کے بعد بناتی ہے لہٰذا اِس شق کو یا تو بدل دیا جائے یا منسوخ کیا جائے۔ دوسری بات ان سے یہ کی جائے کہ اگر ہم وہاں رہیں گے تبھی شہر بنے گا لہٰذا فی الحال ہمیں وہاں رہنے کے لئے عارضی جھونپڑیاں بنانے کی اجازت دی جائے بغیر اس کے تو وہاں رہنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہوسکتی۔

تیسری بات یہ کی جائے کہ نقشہ ساتھ لے جایا جائے کہ اِس سارے پر شہر نہیں بن سکے گا بلکہ بعض حصّوں کو باغات، زراعت اور کھیلوں وغیرہ کے لئے رکھا جائے گا نیز یہ کہ عمارت سے زیادہ پائیدار چیز کو تو شرط کے خلاف قرار دیا جا سکتا ہے زراعت اور باغات وغیرہ تو عمارت کے مقابلہ میں عارضی ہیں پہلے معاملہ کی درخواست کی جائے اور دوسرے کے متعلق ڈسکس (DISCUSS) کیا جائے۔

(میاں غلام محمد۔ ناقل) اختر صاحب کی معرفت ریلوے اسٹیشن اور ڈاک خانہ کے لئے فوراً درخواست کرنی چاہیئے۔ اِس میں یہ ہو کہ ہم سارا نقصان برداشت کرلیں گے اِس کی ضمانت ہم دیں گے۔"[۱]

افتتاحِ مرکز کے ابتدائی انتظامات

اگلے روز (۱۶ تبوک/ستمبر کو) حضور نے صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کے ذمہ دار کارکنوں کی مشترکہ مجلس میں افتتاحِ مرکز کے لئے ۲۰ تبوک/ستمبر کا دن مقرر فرمایا اور اس کے ابتدائی انتظامات کے لئے نہایت اہم ہدایات دیں جن کا خلاصہ یہ تھا کہ:۔

"۱۔ کراچی سے جنریٹر لایا جائے۔

۲۔ ایک شخص چنیوٹ جائے اور وہاں دیکھے ہٹس[۲] (HUTS) بن سکتے ہیں۔ سرکنڈا، بانس، چٹائیاں، اینٹیں مل سکتی ہیں؟ کس قیمت پر ملیں گی۔ ڈھلوائی کتنی ہوگی اور باقی چیزیں کہاں ملیں گی؟

۳۔ عمارتی بانس کے لئے لاہور، سانگلہ اور سرگودہا سے دریافت کیا جائے۔[۳]

۴۔ چنیوٹ میں مکانوں کے لئے کوشش کی جائے۔

۵۔ دھوبی، نائی، کمہار، ترکھان کے متعلق روزانہ اشتہار ہونا چاہیئے۔

---

۱ منقول از رجسٹر کارروائی مجلس ناظران و وکلاء ۲۷/۱۳ھش/۱۹۴۸ء۔ ۲ جھونپڑے۔

۳ اِس غرض کے لئے افتتاحِ مرکز سے قبل جمعدار فضل الدین صاحب اوورسیر کو لائل پور اور سرگودہا بھجوایا گیا تا چھپّر بنا کر عارضی رہائش گاہوں کا انتظام کیا جاسکے۔

۶۔ مستری عبداللطیف صاحب کو ملتان سے کراچی بھجوایا جائے۔

۷۔ محاسب کی آدھی برانچ (لاہور سے چنیوٹ) عزیز احمد لے جائیں۔

۸۔ معلوم کیا جائے سیمنٹ کس ریٹ پر مل سکتا ہے؟ بانس کتنا مہیّا ہو سکتا ہے؟

۹۔ پچیس ۲۵ خیمے اور پچیس ۲۵ چھولداریاں لی جائیں۔

۱۰۔ پھوس کے کچھ مکان بنائے جائیں۔

۱۱۔ ڈاک خانہ کی فوری کوشش کی جائے۔

۱۲۔ پانچ بکرے خریدے جائیں۔"

مرکزِ پاکستان کا نام ربوہ رکھا گیا

اس مجلس میں نئے مرکز کے نام کا مسئلہ بھی زیرِ غور آیا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، مولانا عبدالرحیم صاحب درد اور مولانا جلال الدین صاحب شمس کی طرف سے ماویٰ، ذکریٰ، دارالہجرت، مدینۃ المسیح اور ربوہ وغیرہ نام پیش ہوئے (قریشی عبدالرشید صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری تعمیر کمیٹی کی چشم دید روایت کے مطابق ربوہ نام مولانا جلال الدین صاحب شمس نے تجویز کیا جسے حضرت مصلح موعودؓ نے بھی منظور فرما لیا۔ یہ نام جو لغوی[1]، مادّی، معنوی اور رُوحانی ہر اعتبار سے نہایت موزوں اور لطیف تھا۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ کی مناسبت سے رکھا گیا جس میں حضرت مسیحؑ کی اپنی والدہ سمیت ہجرت کا واقعہ (بطور پیشگوئی) لکھا ہے:۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ[2] ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ۔

(مومنون ع ۳)

---

[1] عربی لغت میں ربوہ کے متعدد معنے مذکور ہیں مثلاً ٹیلہ، پہاڑی، بلند زمین، عمدہ چیز۔ ریاضی دانوں کے پاس دس لاکھ کی تعداد بھی ربوہ کہلاتی ہے۔ رَبَا الْفَرَسُ رَبْوًا کا مطلب ہے گھوڑا بھاگنے سے سانس چڑھنا۔ رَبَا الْوَلَدُ رَبْوًا وَرُبُوًّا بچہ کا بڑھنا، تعلیم پانا، پھیلنا اور نشوونما پانا۔ رَبَا الْمَالُ کا مفہوم ہے دولت کا بڑھنا، لمبا ہونا۔ ربوہ ایک بڑی جماعت کو بھی کہتے ہیں جو قریباً دس ہزار پر مشتمل ہو۔ یہ لفظ بے شمار تعداد کے لئے بھی مستعمل ہے۔

(المعجم الاعظم از محمد حسن الاعظمی زیر لفظ "ربوہ")

[2] احادیث میں کئی مقامات پر ربوہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً ترمذی جلد ۲ کتاب التفسیر میں ہے "اَلْفِرْدَوْسُ رَبْوَةُ الْجَنَّةِ وَاَوْسَطُهَا وَاَفْضَلُهَا" فردوس بہشت کا اعلیٰ اور بلند مقام ہے اور عین وسط میں بھی ہے۔ (ترجمہ از مولوی وحید الزمان صاحب کتاب "لغات الحدیث")

(اور ہم نے ابنِ مریم اور اُس کی ماں کو ایک نشان بنایا اور ہم نے اُن دونوں کو ایک اُونچی جگہ پر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل اور بہتے ہوئے پانیوں والی تھی)

افتتاحِ ربوہ کے انتظامات کے لئے ذمّہ دار اصحاب کا تقرر

حضرت امیرالمومنین کی ہدایات کو فی الفور عملی جامہ پہنانے کے لئے ممبران صدر انجمن احمدیہ اور وکلاء تحریکِ جدید کا ایک مشترکہ ہنگامی اجلاس منعقد ہوا جس میں افتتاحِ ربوہ کے سلسلہ میں بعض ضروری انتظامات مختلف ذمّہ دار اصحاب کے سپرد کئے گئے۔ مثلاً خیموں اور چھولداریوں کو کرایہ پر لینے کا کام جناب چوہدری عبدالسلام صاحب اختر ایم۔اے اور مولوی محمد صدیق صاحب کے ذمّہ ہوا۔ ٹرکوں کی فراہمی کا انتظام مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب (ناظر آبادی) اور خواجہ عبدالکریم صاحب کو سونپا گیا اور صدر انجمن احمدیہ او تحریکِ جدید کے عملہ میں سے فوری طور پر ربوہ بھجوائے جانے والے (ایک تہائی) کارکنوں کی فہرست تیار کرنے پر مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور (وکیل الدیوان) اور قاضی عبدالرحمٰن صاحب مقرر کئے گئے اور جملہ دفاتر انجمن و تحریک کو اطلاع دی گئی کہ کل جمعہ کی تعطیل نہ ہوگی اور دفاتر صبح ۸ بجے سے دس۱۰ بجے شب تک کھلے رہیں گے چنانچہ اس روز سب مرکزی دفاتر صبح سے رات تک ان افتتاحی انتظامات کی تیاری میں مصروف رہے۔

لاہور سے ربوہ کے لئے پہلے قافلہ کی روانگی

۱۹/ ماہ تبوک/ستمبر کو لاہور سے ربوہ میں خیموں اور چھولداریوں کو نصب کرانے اور دیگر ضروری انتظامات کرنے اور بعد ازاں اِس وادیٔ غیر ذی زرع میں مقیم رہنے کے لئے دو۲ قافلے روانہ کئے گئے۔

پہلا قافلہ جو چوہدری عبدالسلام صاحب اختر ایم۔اے (نائب ناظر تعلیم و تربیت) اور مولوی محمد صدیق صاحب واقفِ زندگی کے علاوہ ایک مددگار کارکن، ایک ڈرائیور اور دو۲ مزدوروں پر مشتمل تھا لاہور سے قریباً ایک بجے روانہ ہوا اور سات بجے شام کے قریب ربوہ کی مقدس سرزمین میں پہنچا[1]۔

---

[1] اِس پہلے قافلہ کی روانگی کے معاً بعد مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ (ناظر اعلیٰ) نے حضرت مصلح موعودؓ کے حضور لکھا:۔
"اختر صاحب اور مولوی محمد صدیق صاحب ۲۲ خیمے مختلف سائز کے اور ۴ چھولداریاں اور آٹھ شامیانے ٹرک پر لے کر چلے گئے ہیں۔ حضور نے فرمایا ہے کہ بڑا اسیف ربوہ لے جایا جائے وہ بغیر ٹرک کے نہیں جا سکتا اسکی صورت یہی ہے کہ ٹرک کرایہ پر لیا جائے اور اس کے ساتھ لنگرخانہ کا بھی کچھ سامان بھیج دیا جائے۔"
حضورؓ نے فرمایا:۔ "درست ہے میں نے اِس سے کب منع کیا ہے کہ ٹرک نہ لے جایا جائے۔"

چوہدری عبدالسلام صاحب اختر ایم۔اے امیرِ قافلہ تھے جن کو ربوہ کا منتظمِ اعلیٰ بھی مقرر کیا گیا تھا۔ [1]

جناب چوہدری عبدالسلام صاحب اختر کا بیان ہے کہ :۔

"شام کے سات بجے کے قریب ٹرک جس میں چھولداریاں، خیمہ جات اور سائبان وغیرہ لدے ہوئے تھے اس سرزمین میں پہنچ گیا جسے اللہ تعالیٰ نے پاکستان میں اسلام کی حیاتِ ثانیہ کا مرکز تجویز فرمایا ہے۔ اس ٹرک میں ڈرائیور اور دو مزدوروں کے علاوہ میں اور مکرم مولوی محمد صدیق صاحب مولوی فاضل تھے۔ چناب کے پُل کے نگران سپاہی اور کچھ راہگیر جو شام کے بعد اس سڑک سے خال خال ہی گزرتے ہیں حیران ہو کر ہمیں دیکھ رہے تھے کہ یہ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم نہایت ہی اطمینان اور سکون کے ساتھ ٹرک میں سے اپنا سامان اُتارنے میں مصروف تھے۔ جب تمام سامان اُتارا جا چکا تو ڈرائیور اور مزدوروں کو رخصت کیا گیا اس وقت میلوں تک علاقہ بالکل ویران اور سنسان حالت میں ہمارے سامنے تھا۔ دائیں طرف بڑی سڑک تھی جس پر شب کو ٹریفک دفعتًہ بند ہو جاتا ہے اور بائیں طرف ریلوے لائن تھی جو پہاڑوں کے بیچ میں سے چکر کاٹتی ہوئی ایک طرف چنیوٹ اور دوسری طرف سرگودھا کو چلی جاتی ہے مگر رات کو یہاں سے کوئی گاڑی نہیں گزرتی دن میں ہی صرف ایک گاڑی آتی ہے اور ایک جاتی ہے رات کے ۹ بج چکے تھے۔ میں نے سامان خاص اس جگہ اُتارا تھا جو میرے آقا سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے تجویز فرمائی تھی۔ اگلے دن حضور معہ خدام کے خود تشریف لانے والے تھے اس لئے ہم نے سائبان اور خیمے حضور کی آمد سے پہلے نصب کرنے تھے مگر اس جنگل میں پہلی رات کا تصوّر کچھ خوف اور کچھ لذّت کی سی کیفیت پیدا کر رہا تھا خوف تو اِس بات کا تھا کہ یہاں کے اکثر دیہاتی لوگوں کے متعلق سُنا تھا کہ وہ جانوروں سے کم نہیں اور پھر اس علاقے میں سانپ، بچھو، ریچھ اور بعض اوقات بھیڑیا بھی پایا جاتا ہے۔ غرض کہ عجیب قسم کے خیالات آ رہے تھے مگر اس سے بہت زیادہ شیریں وہ کیفیت تھی جو اِس خیال سے پیدا ہو رہی تھی کہ یہی وادئ غیر ذی زرع ایک دن ہجومِ خلائق کا مرکز بننے والی ہے چنانچہ ہم دونوں خدا تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے کہ اس نے محض اپنے خاص فضل سے ہمیں سب سے پہلے آباد کاروں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔

رات بڑھتی جا رہی تھی اور ہمارے دلوں کا تموّج بھی بڑھ رہا تھا ہم چنیوٹ سے آتی دفعہ مکرم محترم

---

[1] ملاحظہ ہو سرکلر مولانا جلال الدین صاحب شمس ناظر اعلیٰ مورخہ ۹ تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء۔

سیّد محمود اللہ شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول کو یہ پیغام دے کر آئے تھے کہ وہ تین چار لڑکے اور ایک لالٹین دے کر جلدی بھیج دیں مگر دس ۱۰ بجے تک اِس سنسان اور بے آب وگیاہ وادی میں ہم دونوں کے سوا اور کوئی انسان نظر نہ آتا تھا۔ خاموشی اور ایک سنسان خاموشی سے کچھ تنگ آکر اور کچھ گھبرا کر میرے ساتھی نے فرمائش کی اختر بھائی کچھ سُناؤ۔ چنانچہ مَیں نے پہلے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کچھ اشعار اور پھر کچھ اپنے اشعار جو مَیں نے ٹرک میں بیٹھ کر راستے میں لکھے تھے باآوازِ بلند سُنائے آواز پہاڑوں سے ٹکرا کر گونج سی پیدا کر رہی تھی اور مَیں یہ تصوّر کر رہا تھا کہ جب ہمارا سالانہ جلسہ یہاں ہوگا تو اسی طرح ہمارے بزرگوں کی تقریریں اور ہمارے مؤذّنوں کی تکبیریں ان پہاڑوں میں گونج پیدا کریں گی۔ اور پھر اسی طرح ان تقریروں اور تکبیروں سے ایک دُنیا میں گونج پیدا ہوگی۔ یہ خیال آتے ہی دِل پر ایک بے خودی کی سی کیفیت پیدا ہوگئی اور ہم دیر تک خاموش رہے۔

مَیں نے عمر کے اعتبار سے قادیان کا ابتدائی زمانہ نہیں دیکھا یعنی وہ زمانہ جب کہ قادیان میں ابھی محلّے نہیں بنے تھے لیکن مَیں حیران ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تاریخ کو ایک نئے دَور میں سے گزار کر گزشتہ دَور کا اعادہ کر رہا ہے۔ چنانچہ مَیں نے کہا دیکھیں مولوی صاحب قادیان کے ابتدائی دَور کا ایک پہلو ہمارے سامنے ہے۔ چاند ہنس رہا ہے اور ستارے مُسکرا کر ہمیں دیکھ رہے ہیں دفعتہً دُور سے ہمیں ایک ہلکی روشنی دکھائی دی۔ ہمارے سکول کے تین بچے ایک لالٹین ہاتھ میں لئے ہماری طرف قدم بڑھاتے چلے آرہے تھے۔ تین بچے دو ۲ بنگال کے رہنے والے اور ایک سیلون کا رہنے والا اپنے وطن سے ہزاروں میل دُور رات کے دس ۱۰ بجے ایک سنسان وادی میں اپنے آقا کے خُدّام سے ملنے چلے آرہے تھے۔

جب روشنی آئی تو ہم نے فیصلہ کیا کہ اِس زمین پر سب سے پہلا خیمہ بغیر مزدوروں کی مدد کے اپنے ہاتھ سے لگایا جائے چنانچہ مَیں نے اور مولوی محمدؐ صدیق صاحب نے ایک چھولداری کو درست کیا اور بغیر کِسی کی مدد کے اس میدان کے وسط میں یہ چھولداری اپنے ہاتھ سے لگائی۔

اِس کے بعد ہم نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں اور کچھ دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ یہ خیمہ ربوہ کی سرزمین پر پہلا خیمہ تھا جس کے نصب کئے جانے کی سعادت قادیان کے دُور رہنے والوں کو حاصل ہوئی۔

تقریباً نصف شب گزرنے پر احمد نگر سے مکرم مولوی ابوالعطاء صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ کی طرف سے کچھ چپاتیاں اور کچھ دال آئی جس کے متعلق معلوم ہوتا تھا کہ یہ بہرحال نہایت عجلت میں تیار کی

گئی ہے اس وقت اس دال روٹی نے جو لطف دیا وہ زندگی کے قیمتی اور پُر لطف لمحات میں بھی کم محسوس ہوا ہے۔

چونکہ صبح حضور کی تشریف آوری تھی اس لئے سائبانوں اور خیمہ جات کو درست کیا گیا اور انہی کے ڈھیر پر ہم دراز ہو گئے۔ تمام رات بلا کھٹکے اور نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ ہم سوئے۔ مجھے تو کچھ ہوش نہیں رہا البتہ مکرم مولوی صاحب نے فرمایا کہ دُور سے کچھ گیدڑوں اور بھیڑیوں کی آوازیں آتی تھیں لیکن خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے بہر حال ہمیں ہر قسم کی اذیت سے محفوظ رکھا"[1]

لاہور سے ربوہ کے لئے دوسرے قافلہ کی روانگی

۱۹ تبوک/ستمبر کو لاہور سے ربوہ کے لئے دوسرا قافلہ اپنے امیر چوہدری ظہور احمد صاحب[2] کی قیادت میں ۵ بجے شام روانہ ہوا رات گیارہ بجے کے قریب چنیوٹ پہنچا اور رات سڑک پر گزارنے کے بعد دوسرے دن ساڑھے آٹھ بجے وارد ربوہ ہوا۔ یہ قافلہ صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے مندرجہ ذیل چونتیس ۳۴ کارکنوں پر مشتمل تھا:۔

صدر انجمن احمدیہ پاکستان

نظارت علیا	محمد سعید اللہ منہاس صاحب۔ میاں نور احمد صاحب
״ تعلیم و تربیت	چوہدری عبدالسلام صاحب اختر ایم۔اے۔ مولوی بابر علی صاحب۔ مددگار کارکن منظور احمد صاحب۔
״ اُمور عامہ	مولوی جلال الدین صاحب
״ بہشتی مقبرہ	منشی خلیل احمد صاحب۔ غلام حیدر صاحب
״ بیت المال	چوہدری ظہور احمد صاحب (امیرِ قافلہ)۔ منشی مبارک احمد صاحب انور۔

---

[1] الفضل ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳۔

[2] مولانا جلال الدین صاحب شمس ناظر اعلیٰ نے چوہدری صاحب موصوف کو لکھا کہ " انجمن کے کارکن جو آج جا رہے ہیں آپ اُن کے امیر قافلہ ہوں گے۔ ۳۴ کارکن انجمن اپنے ساتھ لاری میں لے جائیں ان کے کرایہ کے لئے مبلغ ایک سو بیس روپے نائب وکیل المال سے لے لیں۔

ربوہ میں پہنچ کر پہلے خیمے شامیانے وغیرہ لگوائے جائیں۔ دوسرا خط اختر صاحب (مراد عبدالسلام صاحب اختر ایم۔اے۔ ناقل) کو دے دیں انہیں ربوہ میں منتظم اعلیٰ مقرر کیا گیا ہے وہ اپنے ساتھ جو منتظمین مناسب سمجھیں رکھ لیں۔

خاکسار جلال الدین شمس ناظر اعلیٰ ۱۹ / ۹ / ۴۸ "

قریشی عطاء اللہ صاحب۔ منشی داؤد احمد صاحب۔ بشیر احمد صاحب، میاں غلام محمد صاحب (دفتری)۔ حبیب الرحمٰن صاحب نسیم۔

نظامت جائیداد	میاں فرزند علی صاحب
دفتر آڈیٹر	راجہ بشیر احمد صاحب۔ سیّد انوار حسین صاحب
نظامت ضیافت	چوہدری حبیب اللہ صاحب سیال۔ مولوی بدر سلطان صاحب۔ اکرم شاہ صاحب۔ سردار صاحب نانبائی۔ سردار صاحب مددگار۔ قاری محمد امین صاحب انچارج ضیافت۔
" قضاء	مولوی تاج دین صاحب فاضل۔ نور محمد صاحب (مددگار کارکن)

تحریکِ جدید

وکالتِ دیوان	بشیر الدین صاحب۔ غلام حیدر صاحب۔ عبد العزیز صاحب
" صنعت	صوفی محمد رفیق صاحب
" مال	شیخ عطاء اللہ صاحب۔ چوہدری عبد الرحیم صاحب (ہیڈ کلرک)
" تعلیم	مولوی خورشید احمد صاحب شاد۔ مولوی بشیر الدین صاحب۔

چوہدری ظہور احمد صاحب اِس سفر کی مختصر رُوداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"دعاؤں کے بعد ہم ۱۹ ستمبر ۱۹۴۸ء کو پانچ بجے شام کراؤن بس کی ایک گاڑی پر روانہ ہوئے شیخوپورہ کی سڑک برسات کی وجہ سے خراب ہو چکی تھی اِس لئے لائل پور کے راستہ سے ہم رات گیارہ بجے چنیوٹ پہنچے۔ رات سڑک پر گزاری اور صبح ایک چھکڑے پر سامان لاد کر کچھ پیدل اور کچھ ایک ٹانگہ میں بیٹھ کر ساڑھے آٹھ بجے اس خطۂ زمین پر پہنچے جسے بہت جلد بڑا اعزاز حاصل ہونے والا تھا۔"[1]

اِن قافلوں کے علاوہ اگلے روز ۲۰ تبوک/ستمبر کو مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور بھی (وکیل الدیوان) تحریکِ جدید کا ریکارڈ لے کر اِس بے آب وگیاہ میدان میں پہنچ گئے۔[2]

---

[1] بدر (قادیان) ۲۱ احسان/جون ۱۳۳۱ھش/۱۹۵۲ء صفحہ ۱۔

[2] یہاں یہ بتانا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے دفتر تحریکِ جدید کو لاہور سے ربوہ منتقل کرنے پر تین ہزار پچاس روپے کا بجٹ بتفصیل ذیل منظور فرمایا تھا:۔

۱۔ ۳ عدد نلکے سیکنڈ ہینڈ مع لگوائی ۳۷۵ روپے۔ ۲۔ روشنی (تیل مٹی وخرید لالٹین ۲۵ عدد) برائے عرصہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وسیع شامیانے اور خیموں کی تنصیب

۱۹۔ ۲۰ تبوک/ستمبر کو لاہور سے آنے والے مرکزی کارکنوں نے مل کر اُس مقام پر ایک وسیع و عریض شامیانہ نصب کر دیا جو افتتاح کے لئے مخصوص کیا گیا تھا اور جہاں حضورؓ نے نماز پڑھانا تھی۔ علاوہ ازیں چھ رہائشی خیمے بھی لگا دیئے گئے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی تشریف آوری اور نماز ظہر کی ادائیگی

طے شدہ پروگرام کے مطابق حضرت مصلح موعودؓ بذریعہ موٹر لاہور سے صبح نو بجکر بیس منٹ پر روانہ ہو کر ایک بج کر بیس منٹ پر ربوہ کی سرزمین میں رونق افروز ہوئے حضور

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ چار ماہ ۴۰۰ روپے۔ ۳۔ پلیٹیں برائے بیت الخلاء ۵ عدد و انتظام پردہ ۲۵۰ اروپے ۴۔ اخراجات برائے ترسیل ریکارڈ دفاتر و کارکنان مع اہل و عیال ۵۰ اکس ۰۰۰ اروپے۔ ۵ خیمہ جات و چھولداریوں کا کرایہ ۱۵۰ روپے۔

حضرت مصلح موعودؓ کے فیصلہ کے مطابق چونکہ اراضی ربوہ کے تہائی حصہ کی مالک تحریکِ جدید قرار دی گئی تھی اس لئے اُن دنوں ربوہ کی آبادی سے متعلق جو بھی اخراجات ہوئے وہ اگرچہ صدر انجمن احمدیہ کی امانت مرکز پاکستان (ب) سے کئے گئے مگر کُل اخراجات کا تہائی خرچ تحریکِ جدید نے ادا کیا۔

حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا: مولانا قریشی محمد نذیر صاحب فاضل (محلہ دارالرحمت قادیان) نے ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء کے آخری ہفتہ میں پیر کی رات خواب دیکھا کہ "مَیں مع چند اور احباب مدینہ منورہ کے ثنیۃ الوداع پر کھڑا ہوں اور تفہیم یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم معہ وفد کے مکّہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف لا رہے ہیں۔ وہ جگہ ایک ہموار سا ٹیلہ تھا سامنے کچھ مستورات اور لڑکیاں اوڑھنیاں اوڑھے اور پردہ کئے کھڑی ہیں۔ برقع نہیں صرف اوڑھنیاں ہیں۔

اتنے میں یکدم مکّہ کی جانب سے ایک غبار جس میں گرد نہیں بلکہ روشنی اور نور کا غبار معلوم ہوتا ہے نمودار ہوا اور تیز ہوتے ہوتے اُس نے اس ٹیلہ پر ایک جسم کی شکل اختیار کر لی مگر ابھی چہرہ نہیں بنا مَیں نے پکارا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور بلند آواز سے درود شریف پڑھنا شروع کیا ساتھ ہی میرے ساتھیوں نے پڑھنا شروع کر دیا اودھر سے ان عورتوں کے گروہ نے بھی نہایت عمدگی کے ساتھ

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا ۔۔۔ مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا ۔۔۔ مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

کہنا شروع کیا۔ وہ نور کا مجسمہ ایک شکل بن گیا جب شکل صاف ہوئی تو مَیں نے دیکھا کہ وہ حضرت مصلح موعود ہیں دائیں جانب چھڑی ٹیک کر بایاں پاؤں ذرا آگے کر کے کھڑے ہیں سر پر سفید عمامہ ہے اور قدرے سفر کے آثار ہیں۔" (الفضل ۱۸ امان/مارچ ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۴) سبحان اللہ! حضرت مصلح موعودؓ کے ایک خادم کو اللہ تعالیٰ نے حضور کے سفر افتتاح ربوہ کا نظارہ چار برس قبل دکھا دیا۔ محترم قریشی صاحب افتتاحِ ربوہ کے بعد تیرہ سال تک زندہ رہے اور ۲ ماہ صلح/جنوری ۱۳۴۹ھش/۱۹۷۰ء کو (ربوہ کی ابتدائی ترقیات بچشم خود دیکھنے کے بعد) وفات پائی۔

کے ہمراہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور بعض دوسرے بزرگانِ سلسلہ بھی تھے۔[1]

حضرت مصلح موعودؓ نے اِس یادگار سفر کے لئے لائل پور کا رستہ اختیار فرمایا کیونکہ شیخوپورہ کا کچھ حصّہ زیرِ آب تھا۔ حضور کی آمد سے قبل چنیوٹ، احمد نگر اور لالیاں کے علاوہ سرگودھا، لاہور، قصور، سیالکوٹ لائل پور، گجرات، گوجرانوالہ، جہلم اور بعض دوسرے اضلاع کے احمدی دوست بھی اِس بابرکت تقریب میں شمولیت کے لئے پہنچے ہوئے تھے۔ نمازِ ظہر[2] قریباً ڈیڑھ بجے شروع ہوئی جس میں تقریباً اڑھائی سو احباب شریک تھے۔ یہ پہلی باجماعت نماز تھی جو حضورؓ کی اقتداء میں اس سرزمین پر پڑھی گئی۔ اس کے بعد موجود اصحاب کی فہرست تیار کی گئی۔[3]

حضرت مصلح موعودؓ کا بصیرت افروز خطاب

نمازِ ظہر سے فراغت کے بعد ربوہ کی افتتاحی تقریب کا دوسرا اہم پروگرام حضرت مصلح موعودؓ کے خطاب سے شروع ہوا۔ حضور نے تشہد و تعوذ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

---

۱ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی طبع مبارک اُن دنوں سخت علیل تھی اس لئے موقعہ افتتاح پر تشریف نہ لے جاسکے چنانچہ مولانا جلال الدین صاحب شمس ناظر اعلیٰ نے آپ کی خدمت میں یہ اطلاع دی کہ کل حضرت صاحب نئے مرکز میں دعا کرنے کے لئے تشریف لے جائیں گے اُمید ہے کہ آپ بھی جاسکیں گے آپ کی کار بھی ساتھ لے جانے کی ضرورت ہے اُمید ہے کہ آپ اِس کے لئے اجازت فرماویں گے۔"

اس پر آپ نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا:" السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میرے لئے تو غسل خانہ تک جانا مشکل ہو رہا ہے افسوس ہے کہ اِس تاریخی موقعہ کی برکتوں سے محروم رہوں گا نیز شرمندہ ہوں کہ کار بھی خراب ہے۔ (دستخط) ناصر احمد"

۲ حضور نے اِس موقعہ پر جس جگہ ظہر و عصر کی نمازیں پڑھائی تھیں وہ موجودہ فضلِ عمر ہسپتال کے قطعہ میں ہے اور اَب اس پر ایک نہایت خوبصورت مسجد تعمیر ہو چکی ہے جو یادگاری مسجد کہلاتی ہے صوفی خدا بخش صاحب عبدؔ زیروی (سابق درویش قادیان) کے دِل میں یہاں ایک مستقل چبوترہ بنائے جانے کا خیال آیا۔ قریشی عبدالرشید صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری آبادی نے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں لکھا کہ حضور اجازت دیں تو اِس جگہ قبلہ رُخ کرکے ایک چبوترہ بنوا دیا جائے جو ہسپتال کے عملہ کے لئے جائے نماز کا کام دے۔ حضور نے اس درخواست پر تحریر فرمایا کہ "اچھی بات ہے" چنانچہ ۲۳ تبلیغ / فروری ۱۳۳۲ھش / ۱۹۵۳ء کو محترم صوفی صاحب کی معیت میں ملک رسول بخش صاحب اوورسیر نے اِس تاریخی مقام کی پیمائش کی معلوم ہوا اس کا رقبہ ۳۰×۳۰ فٹ ہے۔

۳ مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل کی تیار شدہ یہ فہرست جو ۶۱۸ افراد پر مشتمل تھی ضمیمہ سے منسلک ہے۔

"مَیں اِس موقعہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعائیں جو مکہ مکرمہ کو بساتے وقت آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور کی تھیں قرآن کریم سے پڑھوں گا مگر تلاوت قرآن کریم کے طور پر نہیں بلکہ دعا کے طور پر ان الفاظ کو دُہراؤں گا۔ اور چونکہ یہ دعائیں ہم سب مِل کر کریں گے اِس لئے مَیں ان الفاظ میں کسی قدر تبدیلی کر دوں گا۔ مثلاً وہ دعائیں جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے مانگی تھیں وہ تثنیہ کے صیغہ میں آتی ہیں کیونکہ اُس وقت صرف حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ ہی دعا کر رہے تھے مگر ہم یہاں بہت سے ہیں اِس لئے مَیں تثنیہ کی بجائے جمع کا صیغہ استعمال کروں گا۔ بہرحال وہ دعائیں مَیں اَب پڑھوں گا دوست میرے ساتھ اِن دعاؤں کو پڑھتے جائیں۔

اِس کے بعد حضورؓ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں دعائیں مانگیں۔ یہ امر خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے کہ ہر دعا حضور نے تین دفعہ دُہرائی۔

رَبَّنَا اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ (۳ بار)

اے ہمارے ربّ تُو اِس جگہ کو ایک امن والا شہر بنا دے۔ اور جو اس میں رہنے والے ہوں ان کو اپنے پاس سے پاکیزہ رزق عطا فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (۳ بار)

اے ہمارے ربّ ہم اِس جگہ پر اِس لئے بسنا چاہتے ہیں کہ ہم مِل کر تیرے دین کی خدمت کریں۔ اے ہمارے ربّ تو ہماری اِس قربانی اور اس ارادے کو قبول فرما۔ اے ہمارے ربّ تُو بہت ہی دعائیں سُننے والا اور دِلوں کے بھید جاننے والا ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۔ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ (۳ بار)

اے ہمارے ربّ تُو ہم سب کو اپنا فرمانبردار اور سچا مسلمان بنا دے۔ اور ہماری اولادوں کو بھی نہ صرف مسلمان بنا بلکہ ایک مضبوط اور اُمّتِ مُسلمہ بنا دے جو اِس دُنیا میں تیرے دین کی غلام کہلاتی رہے۔ اے ہمارے ربّ جو ہمارے کرنے کے کام ہیں وہ ہم کو خود بتلاتا رہ۔ اور جو ہم سے غلطیاں ہو جائیں اُن سے عفو کرتا رہ۔ تُو بہت ہی فضل کرنے والا اور مہربان ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ وَيُعَلِّمُوْنَهُمُ

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم - (۳ بار)

اے ہمارے رب تُو ان میں ایسے آدمی پیدا کرتے رہیو جو تیری آیتیں ان کو پڑھ پڑھ کر سناتے رہیں اور جو ان کو تیری کتاب سکھائیں اور تیرے پاک کلام کے اغراض و مقاصد بتاتے رہیں اور ان کے نفوس میں پاکیزگی اور طہارت پیدا کرتے رہیں۔ تُو ہی غالب حکمت والا خدا ہے۔

اِن دعاؤں کو پڑھنے کے بعد حضورؓ نے فرمایا:-

" یہ وہ دعائیں ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے مکّہ مکرمہ کے بساتے وقت کیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو قبول فرما کر ایک ایسی بُنیاد رکھ دی جو ہمیشہ کے لئے نیکی اور تقویٰ کو قائم رکھنے والی ثابت ہوئی۔ مکّہ مکرمہ مکّہ مکرمہ ہی ہے اور ابراہیم ابراہیم ہی ہے مگر وہ شخص بے وقوف ہے جو اِس بات کا خیال کر کے کہ مجھے وہ درجہ حاصل نہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو حاصل تھا یا میری جگہ کو وہ درجہ حاصل نہیں جو مکّہ مکرمہ کو حاصل تھا اِس لئے وہ خدا تعالیٰ سے بھیک مانگنے سے دریغ کرے۔ جب خدا کسی عظیم الشّان نعمت کا دروازہ کھولتا ہے تو اس کی رحمت اور بخشش جوش میں آرہی ہوتی ہے اور دانا انسان وہی ہوتا ہے جو اپنا برتن بھی آگے کر دے کیونکہ پھر اس کا برتن خالی نہیں رہتا۔ فقیروں کو دیکھ لو جب لوگ شادی کر رہے ہوتے ہیں تو اس وقت ان پر اخراجات کا بوجھ اور دنوں سے زیادہ ہوتا ہے مگر اس کے باوجود وہ نہیں کہتے کہ ہم کیوں سوال کریں اس وقت تو خود ان پر شادی کے اخراجات کا بوجھ پڑا ہوا ہے بلکہ جب کسی گھر میں شادی ہو رہی ہوتی ہے وہ بھی اپنا برتن لے کر پہنچ جاتے ہیں اور گھر والا اور دنوں کی نسبت ان کے برتن میں زیادہ ڈالتا ہے کیونکہ اس وقت اس کی اپنی طبیعت خرچ کرنے پر آئی ہوتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص کسی بزرگ کی نقل کرتا ہے تو چاہے وہ اس کے درجہ تک نہ پہنچا ہوا ہو جب بھی وہ اس کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کی کمزوری کو دیکھ کر اس سے زیادہ بخشش کا سلوک کرتا ہے۔ ماں باپ اپنے بچّہ سے اس وقت زیادہ پیار کرتے ہیں جب وہ چھوٹا ہوتا ہے۔ اور جب وہ کھڑے ہونے کی کوشش کرتا ہے تو گر جاتا ہے لیکن ایک بالغ بچّہ جب چل پھر رہا ہوتا ہے تو ماں باپ کے دِل میں محبّت کا وہ جوش پیدا نہیں ہوتا جو ایک چھوٹے بچّے کے متعلق پیدا ہوتا ہے۔ پس کسی کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ خانہ کعبہ کے ذریعہ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے دین کی ایک آخری بنیاد قائم کی گئی تھی اس سے ہمارے گھروں کو کیا واسطہ ہے؟ اُسی کا واسطہ دے کر مانگنا ہی تو خدا تعالیٰ کی رحمت کو بڑھاتا ہے اور انہی کی نقل کرنا ہی تو اصل چیز ہے

قیام پاکستان کے بعد سیدنا حضرت مصلح موعودؓ
ایک سفر کے دوران

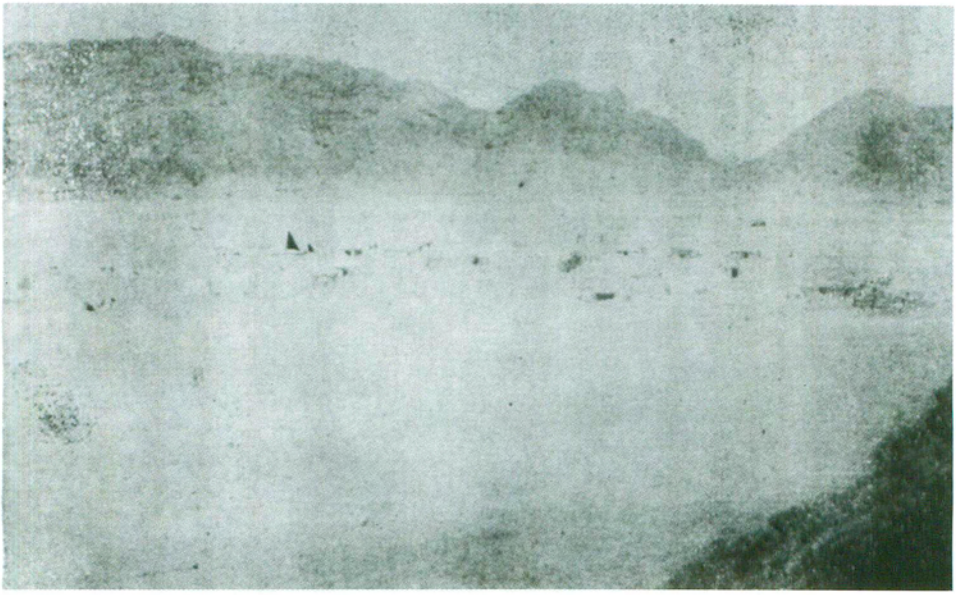

سرزمین ربوہ کی ایک ابتدائی تصویر

جو شخص کمزور ہے اور کمزور ہو کر چاہتا ہے کہ میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح چلوں اللہ تعالیٰ اس کی اِس بات کو دیکھ کر ناراض نہیں ہوتا بلکہ وہ اَور زیادہ خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے دیکھو میرا یہ کمزور بندہ کتنا اچھا ہے اِس میں ہمّت اور طاقت نہیں مگر پھر بھی یہ میری طرف سے بھیجے ہوئے ایک نمونہ اور مثال کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے سو ہمیں بھی اس کام کی یاد کے طور پر اور اُس بستی کی یاد کے طور پر جس جگہ خدا کے ایک نبی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد کے انتظار میں دعائیں کی گئیں اپنے نئے مرکز کو بساتے وقت جو اسی طرح ایک وادیٔ غیر ذی زرع میں بسایا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کرنی چاہئیں کہ شاید ان لوگوں کے طفیل جو مکہ مکرمہ کے قائم کرنے والے اور مکہ مکرمہ کی پیشگوئیوں کے حامل تھے اللہ تعالےٰ ہم پر بھی اپنا فضل نازل کرے اور ہمیں بھی ان نعمتوں سے حصّہ دے جو اس نے پہلوں کو دیں۔ آخر نیت تو ہماری بھی وہی ہے جو اُن کی تھی۔ ہمارے ہاتھ میں وہ طاقت نہیں جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی اور ہمارے دِل میں وہ قوت نہیں جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دِل میں تھی۔ اگر ہم باوجود اس کمزوری کے وہی ارادہ کرلیں جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا تو خدا تعالیٰ ہم سے ناراض نہیں ہوگا۔ وہ یہ نہیں کہے گا کہ کون ہیں جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نقل کرنا چاہتے ہیں بلکہ وہ یہ کہے گا دیکھو میرے یہ کمزور بندے اس بوجھ کو اُٹھانے کے لئے آگے آ گئے ہیں جس بوجھ کے اُٹھانے کی ان میں طاقت نہیں۔ دُنیا اس وقت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو بھول گئی ہے۔ بلکہ اَور لوگوں کا تو کیا ذکر ہے خود مسلمان آپ کی تعلیم کو بھول چکے ہیں۔ آج دُنیا میں سب سے زیادہ مظلوم انسان محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے جو بھی اُٹھتا ہے مصنّف کیا اور فلسفی کیا اور مؤرخ کیا وہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دُنیا کا سب سے بڑا محسن انسان آج دُنیا میں سب سے زیادہ مظلوم انسان ہے، اور دُنیا کا سب سے زیادہ معزز انسان آج دُنیا میں سب سے زیادہ ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ اگر ہمارے دلوں میں اسلام کی کوئی بھی غیرت باقی ہے، اگر ہمارے دِلوں میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی بھی محبت باقی ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے آقا کی کھوئی ہوئی عزت کو پھر دوبارہ قائم کریں۔ اس میں ہماری جانیں، ہماری بیویوں کی جانیں، ہمارے بچوں کی جانیں بلکہ ہماری ہزار پشتیں بھی اگر قربان ہو جائیں تو یہ ہمارے لئے عزت کا موجب ہوگا۔

ہم نے یہ کام قادیان میں شروع کیا تھا مگر خدائی خبروں اور اس کی بتائی ہوئی پیشگوئیوں کے مطابق

ہمیں قادیان کو چھوڑنا پڑا اب انہی خبروں اور پیشگوئیوں کے ماتحت ہم ایک نئی بستی اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لئے اِس وادیٔ غیر ذی زرع میں بسا رہے ہیں۔ ہم چیونٹی کی طرح کمزور اور ناطاقت ہی سہی مگر چیونٹی بھی جب دانہ اُٹھا کر دیوار پر چڑھتے ہوئے گِرتی ہے تو وہ اس دانے کو چھوڑتی نہیں بلکہ دوبارہ اُسے اُٹھا کر منزلِ مقصود پر لے جاتی ہے اسی طرح گو ہمارا وہ مرکز جو حقیقی اور دائمی مرکز ہے دشمن نے ہم سے چھینا ہؤا ہے لیکن ہمارے ارادہ اور عزم میں کوئی تزلزل واقعہ نہیں ہؤا۔ دُنیا ہم کو ہزاروں جگہ پھینکتی چلی جائے، وہ فٹ بال کی طرح ہمیں لڑھکاتی چلی جائے ہم کوئی نہ کوئی جگہ ایسی ضرور نکال لیں گے جہاں کھڑے ہو کر ہم پھر دوبارہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حکومت دُنیا میں قائم کر دیں اور بغیر ہمارے یہ حکومت دُنیا میں قائم ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیقی محبّت سے لوگوں کے دل خالی ہو چکے ہیں اور قرآن کریم کی حقیقی تفسیر سے وہ ناواقف ہیں۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ بظاہر لوگوں کے دِلوں میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبّت پائی جاتی ہے۔ لاکھوں غیر احمدی ایسے ہیں جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے محبّت کا اظہار کرتے ہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا وہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نہیں بلکہ آپ کی ایک نئی بنائی ہوئی شکل سے محبّت کرتے ہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے بعض احمدی بھی غلط فہمی میں مُبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ جب یہ لوگ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے محبّت کرتے ہیں تو ہمارا یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ ان کے دِلوں میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیقی محبّت نہیں۔ حالانکہ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ محبّت تو کرتے ہیں مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک غلط تصویر سے۔ اِسی طرح ہم مانتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کی فرمانبرداری کی خواہش رکھتے ہیں مگر وہ اس غلط تاویل کی فرمانبرداری کی خواہش رکھتے ہیں جو اُن کے دِلوں میں راسخ ہو چکی ہے۔ اِس لئے جب تک احمدیت دُنیا میں غالب نہیں آجاتی اسلام غلبہ نہیں پا سکتا۔ اور یہ اِتنی موٹی بات ہے کہ مَیں حیران ہوں مسلمان اسے کیوں نہیں سمجھتے اور کیوں وہ اِس بات پر غور نہیں کرتے کہ باوجود اُلفتِ رسولؐ کے وہ دُنیا میں کیوں ذلیل ہو رہے ہیں۔ سیدھی بات ہے مسلمان اِس وقت پچاس کروڑ ہیں اور احمدی پانچ لاکھ مگر چار پانچ لاکھ احمدی جتنی اسلام کی خدمت کر رہا ہے، جس قدر اسلام کی تبلیغ کر رہا ہے اور جس قدر اشاعتِ اسلام کے لئے قربانیاں پیش کر رہا ہے اتنی پچاس کروڑ مسلمان نہیں کر رہا۔ اِس وقت دُنیا

کے گوشہ گوشہ میں احمدی مبلّغ پھیلے ہوئے ہیں اور وہ عیسائیت کا مقابلہ کر رہے ہیں اور مقابلہ بھی معمولی نہیں بلکہ بڑی بڑی عیسائی طاقتوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ ان کا مقابلہ موثر ہے۔ پندرہ بیس سال ہوئے لکھنؤ میں عیسائیوں کی ایک بہت بڑی کانفرنس ہوئی جس میں یورپ سے بھی عیسائی پادری شامل ہوئے اس میں یہ سوال اُٹھایا گیا کہ شمالی ہندوستان میں اب کوئی اچھا شریف اور تعلیم یافتہ آدمی عیسائی نہیں ہوتا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ تمام پادری جو اس فن کے ماہر تھے انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ جب سے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے دعویٰ کیا ہے اُس وقت سے عیسائیت کی ترقی رُک گئی ہے۔ انہوں نے عیسائیت کی اِس قدر مخالفت کی ہے کہ جہاں جہاں ان کا لٹریچر پھیل جاتا ہے عیسائیت ترقی نہیں کر سکتی پھر افریقہ کے متعلق ایک بڑی بھاری کمیٹی مقرر کی گئی تھی جسے چرچ آف انگلینڈ نے مقرر کیا تھا جس کی سالانہ آمد ہمارے بہت سے صُوبوں سے بھی زیادہ ہے۔ وہ چالیس پچاس کروڑ روپیہ سالانہ عیسائیت کی اشاعت کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اس کمیٹی کی طرف سے جو رپورٹ تیار کی گئی اس میں چھتیس جگہ یہ ذکر آتا تھا کہ افریقہ میں عیسائیت کی ترقی محض احمدیت کی وجہ سے رُکی ہے۔ ابھی بارہ[۱۲] مہینے ہوئے ایک پادری جسے افریقہ کے دَورہ کے لئے بھیجا گیا تھا اُس نے افریقہ کے دَورہ کے بعد یہ رپورٹ کی کہ افریقہ میں عیسائیت کیوں برکا... وجہ کر رہی ہے۔ اس نے کئی جگہوں کے نام لئے اور کہا کہ وہاں عیسائیت کے راستہ میں احمدیوں نے روکیں ڈال دی ہیں اور ساتھ ہی اس نے اپنے اِس خیال کا اظہار کیا کہ عیسائیت کی تبلیغ اب افریقن لوگوں میں اچھا اثر نہیں کر سکتی ہاں اسلام کی تبلیغ ان میں اچھا اثر پیدا کر رہی ہے۔ اس نے کہا جب سے افریقہ میں احمدی آ گئے ہیں عیسائیت ان کے مقابلہ میں شکست کھاتی جا رہی ہے چنانچہ عیسائیوں کا فلاں سکول جو بڑا بھاری سکول تھا اب ٹوٹنے لگا ہے اور لوگ اس میں اپنے لڑکوں کو تعلیم کے لئے نہیں بھجواتے۔ پھر اس نے کہا اِن حالات کو دیکھتے ہوئے کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ ہم اپنے روپیہ اور اپنی طاقتوں کا اِس ملک میں ضیاع کرنے کی بجائے اِس میدان کو احمدیوں کے لئے چھوڑ دیں کہ وہ ان لوگوں کو مسلمان بنا لیں۔ یہ دشمنوں کا اقرار ہے جو اُنہوں نے ہماری تبلیغی جدّوجہد کے متعلق کیا... یہ طاقت ہم میں کہاں سے آئی ہے؟ اور یہ جوش ہم میں کیوں پیدا ہوا؟ اسی لئے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم میں ایک آگ پیدا کر دی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ پھر دوبارہ اسلام کو دُنیا میں غالب کر دیں۔ پس مسلمان احمدیت کا جتنا بھی مقابلہ کرتے ہیں وہ اسلام کے غلبہ میں اتنی ہی روکیں پیدا کرتے ہیں اور جتنی جلدی وہ احمدیت میں

شامل ہو جائیں گے اتنی جلدی ہی اسلام دُنیا میں غالب آجائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اِس وقت جس قدر تحریکیں دُنیا میں جاری ہیں وہ ساری کی ساری دُنیوی ہیں صرف ایک تحریک مسلمانوں کی مذہبی تحریک ہے اور وہ احمدیت ہے۔ پاکستان خواہ کتنا بھی مضبوط ہو جائے کیا عراقی کہیں گے کہ ہم پاکستانی ہیں۔ کیا شامی کہیں گے کہ ہم پاکستانی ہیں۔ کیا لبنانی کہیں گے کہ ہم پاکستانی ہیں۔ کیا حجازی کہیں گے کہ ہم پاکستانی ہیں۔ شامی تو اِس بات کے لئے بھی تیار نہیں کہ وہ لبنانی یا حجازی کہلائیں حالانکہ وہ ان کے ہم قوم ہیں۔ پھر لبنانی اور حجازی اور عراقی اور شامی پاکستانی کہلانا کب برداشت کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ قولاً تو اتحاد کر سکتے ہیں مگر وہ ایک پارٹی اور ایک جماعت نہیں کہلا سکتے۔ صرف ایک تحریک احمدیت ہی ایسی ہے جس میں سارے کے سارے شامل ہو سکتے ہیں۔ عراقی بھی اس میں شامل ہو کر کہہ سکتا ہے کہ مَیں احمدی ہوں۔ عربی بھی اس میں شامل ہو کر کہہ سکتا ہے کہ مَیں احمدی ہوں۔ حجازی بھی اس میں شامل ہو کر کہہ سکتا ہے کہ مَیں احمدی ہوں اور عملاً ایسا ہو رہا ہے۔ وہ عربی ہونے کے باوجود اِس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہم احمدیت میں شامل ہیں جس کا مرکز پاکستان میں ہے اور اِس طرح وہ ایک رنگ میں پاکستان کی ماتحتی قبول کرتے ہیں مگر یہ ماتحتی احمدیت میں شامل ہو کر ہی کی جا سکتی ہے اس کے بغیر نہیں۔ چنانچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ عربی جو اس غرور میں رہتا ہے کہ مَیں اس مُلک کا رہنے والا ہوں جس میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے میرا مقابلہ کوئی اَور شخص کہاں کر سکتا ہے وہ احمدیت میں شامل ہو کر برّ عظیم ہندو پاکستان کا بھی ادب و احترام کرتا ہے اور یہاں کے مقدس مقامات کی زیارتوں کے لئے بھی آتا ہے۔ غرض ایک ہی چیز ہے جس کے ذریعہ دُنیائے اسلام پھر متحد ہو سکتی ہے اور جس کے ذریعہ دوسری دُنیا پر کامیابی اور فتح حاصل ہو سکتی ہے اور وہ احمدیت ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ مسلمان دُنیا میں ہر جگہ ذلیل ہو رہے ہیں اور ہر جگہ تباہی اور بربادی کا شکار ہو رہے ہیں۔ اِس سے زیادہ تباہی اَور کیا ہو گی کہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی پچاس ہزار عورتیں اَب تک سکھوں اور ہندوؤں کے قبضہ میں ہیں کیا یہ معمولی ذلّت ہے کہ مسلمانوں کی پچاس ہزار عورتوں کو وہ پکڑ کر لے گئے اور ان سے بدکاریاں کر رہے ہیں۔ کیا یہ معمولی عذاب ہے کہ پانچ چھ لاکھ مسلمان دنوں میں مارا گیا۔ اور پھر فلسطین میں جو کچھ ہوا ہے کیا وہ مسلمانوں کو نظر نہیں آرہا۔ ابھی حیدر آباد میں جو کچھ ہوا ہے اس سے کس طرح مسلمانوں کو صدمہ ہوا ہے اور وہ اپنے دلوں میں کیسی ذلّت اور شرمندگی محسوس کر رہے ہیں مگر یہ ساری مصیبتیں اور بلائیں ایک لمبی زنجیر

کی مختلف کڑیوں کے سوا اور ہیں کیا؟ آخر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کو جو محبت ہے اس کے ظاہر ہونے کا وقت کب آئے گا اور کونسا وہ دن ہوگا جب خدا تعالیٰ کی غیرت بھڑکے گی اور مسلمانوں کو اس تنزّل اور اِدبار سے نجات دلائے گی۔ خدا تعالیٰ کی غیرت کبھی دُنیا میں بھڑکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر بھڑکتی ہے تو مسلمانوں کو سوچنا چاہیئے کہ اس کی غیرت کے بھڑکنے کا کونسا ذریعہ ہوُا کرتا ہے۔ اگر وہ سوچتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ہمیشہ خدا تعالیٰ پہلے اپنا مامور دُنیا میں بھیجتا ہے اور پھر اس مامور کے ذریعہ ہی اس کی غیرت بھڑکا کرتی ہے۔ اس کے سوا خدا تعالیٰ نے کبھی کوئی طریق اختیار نہیں کیا اور یہی ایک طریق ہے جس پر چل کر وہ اب بھی خدا تعالیٰ کی غیرت کا نمونہ دیکھ سکتے ہیں۔ یہ بات مسلمانوں کے سامنے پیش کرو اور انہیں سمجھاؤ کہ تمہارا فائدہ، اسلام کا فائدہ اور پھر ساری دُنیا کا فائدہ اسی میں ہے کہ تم جلد سے جلد احمدیت میں شامل ہو جاؤ۔ آخر وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے وہ ہم سے رُکتے ہیں۔ ہماری تو ساری تاریخ بتاتی ہے کہ ہم نے ہر موقع پر مسلمانوں کی خدمت کی ہے گو اس کے بعد ہمیشہ ان کی طرف سے مخالفت ہی ہوئی ہے مگر پھر بھی ہمارا کیا نقصان ہوُا۔

ابھی کوئٹہ میں غیر احمدیوں کی طرف سے ایک جلسہ کیا گیا جس میں لوگوں کو ہمارے خلاف اُکسایا گیا۔ ایک احمدی ڈاکٹر میجر محمود احمد رات کے وقت کسی مریض کو دیکھ کر کار میں واپس آرہے تھے کہ وہ تقریر کی آواز سُن کر وہاں ٹھہر گئے۔ اُنہوں نے اپنی موٹر باہر کھڑی کی اور خود تھوڑی دیر کے لئے اندر چلے گئے بعض غیر احمدیوں نے انہیں دیکھ کر دوسروں کو اُکسا دیا اور اُنہوں نے ان پر پتھراؤ شروع کر دیا وہ پتھراؤ کی بوچھاڑ سے بچنے کے لئے ایک طرف اندھیرے میں چلے گئے اس پر کسی شخص نے وہیں اندھیرے میں خنجر مار کر انہیں شہید کر دیا اِس واقعہ کے تیسرے چوتھے دن بعد میرے پاس ایک وفد آیا جس میں بلوچستان مسلم لیگ کے وائس پریذیڈنٹ بھی شامل تھے اور پٹھانوں کی قوم کے ایک سردار بھی شامل تھے اُن سب نے آکر کہا کہ ڈاکٹر میجر محمود کے قتل کا جو واقعہ ہوُا ہے اس میں صرف پنجابیوں کا قصور ہے ہمارا کوئی قصور نہیں آپ ہم پر گِلا نہ کریں۔ پنجابی مولویوں نے یہاں آکر مخالفانہ تقریریں کیں جس سے لوگ مشتعل ہو گئے۔ پھر اس سردار نے جو اپنی قوم کے رئیس اور میونسپل کمیٹی کے ممبر بھی تھے کہا کہ مَیں نے پنجابیوں کو بُلوایا اور ان سے کہا کہ تم جو احمدیت کے خلاف شورش کر رہے ہو تم یہ بتاؤ کہ قادیان پنجاب میں ہے یا بلوچستان میں۔ انہوں نے کہا پنجاب میں۔ مَیں نے کہا جب قادیان پنجاب میں تھا اور تم کو ایک لمبا عرصہ احمدیوں کی مخالفت کے لئے مِل چکا ہے تو جب تم وہاں ان لوگوں کو تباہ نہیں کر سکے تو یہاں کیا مقابلہ کرو گے۔ اگر تم میں ہمّت اور طاقت تھی تو تم نے اِن لوگوں کو یہاں

آنے ہی کیوں دیا وہیں کیوں نہ مار ڈالا۔ پھر مَیں نے پُوچھا کہ پنجاب کی آبادی کتنی ہے؟ انہوں نے کہا کہ اب ۲ کروڑ ہے پہلے تین کروڑ ہوُا کرتی تھی۔ مَیں نے کہا بلوچستان کی کتنی آبادی ہے۔ انہوں نے کہا ۱۲ لاکھ۔ مَیں نے کہا تم دو تین کروڑ ہو کر ان لوگوں کو مار نہیں سکے تو ہم بارہ لاکھ کو کیوں ذلیل کرتے ہو اور کیوں ہمیں ان کی مخالفت کے لئے اُکساتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ دُنیا نے اپنا سارا زور ہماری مخالفت میں لگا لیا اور ابھی اَور لگائے گی لیکن یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ احمدیت دُنیا میں غالب آکر رہے گی کیونکہ احمدیت کے بغیر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غالب نہیں آسکتے۔ اس کے ساتھ ہی مَیں اپنی ذات کے متعلق بھی یہ بات جانتا ہوں کہ میری زندگی کے ساتھ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی زندگی وابستہ ہے اِس لئے خدا ابھی دشمن کے ہاتھوں سے نہیں مرنے دے گا اور وہ میرے بچاؤ کا کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکال لے گا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے احمدیت کے ساتھ اسلام کی ترقی کو وابستہ کر دیا ہے جو شخص احمدیت پر ہاتھ اُٹھاتا ہے وہ اسلام پر ہاتھ اُٹھاتا ہے، جو شخص احمدیت کو برباد کرنا چاہتا ہے وہ اسلام کو برباد کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ہمارا بھی فرض ہے کہ جب خدا نے ہم پر اتنا بڑا احسان کیا ہے اور ہم کمزوروں اور ناتوانوں کے ساتھ اسلام کی آئندہ ترقی کو وابستہ کر دیا ہے تو ہم اس کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیں۔ اِسی لئے باوجود اس کے کہ شہروں میں ہمیں مکان مِل سکتے تھے مگر ہم نے نہیں لئے کیونکہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ لوگوں میں بیداری پیدا کرتے رہیں۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان میں تنظیم پیدا کریں۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان کی تعلیم اور تربیت کا خیال رکھیں اور یہ چیز بڑے شہروں میں حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ وہاں جماعت بکھری ہوئی ہوتی ہے۔ پس باوجود اس کے کہ ہمیں شہروں میں جگہیں مِل سکتی تھیں ہم نے ان کی پروا نہیں کی اور اِس وادیٔ غیر ذی زرع کو اِس ارادہ اور نیت کے ساتھ چُنا ہے کہ جب تک یہ عارضی مقام ہمارے پاس رہے گا ہم اسلام کا جھنڈا اس مقام پر بلند رکھیں گے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حکومت دُنیا میں قائم کرنے کی کوشش کریں گے اور جب خدا ہمارا قادیان ہمیں واپس دے دے گا یہ مرکز صرف اِس علاقہ کے لوگوں کے لئے رہ جائے گا یہ مقام اُجڑے گا نہیں۔ کیونکہ جہاں خدا کا نام ایک دفعہ لے لیا جائے وہ مقام برباد نہیں ہوُا کرتا۔ پھر یہ صرف اِس علاقہ کے لوگوں کا مرکز بن جائیگا اور ساری دُنیا کا مرکز پھر قادیان بن جائے گا جو حقیقی اور دائمی مرکز ہے۔ پس ہم یہاں آئے ہیں اِس لئے کہ خدا کا نام اُونچا کریں ہم اِس لئے نہیں آئے کہ اپنے نام کو بلند کریں ہمارا نام شہروں میں زیادہ اُونچا ہو

سکتا تھا۔ اور ہم اگر اپنے نام کو بلند کرنے کی خواہش رکھتے تو اِس کے لئے بڑے شہر زیادہ موزوں تھے بلکہ خود ان شہروں کے رہنے والوں نے بھی خواہش کی تھی کہ وہیں جماعت کے لئے زمینیں خرید لی جائیں چنانچہ لاہور، کوئٹہ اور کراچی میں چوٹی کے آدمی مجھ سے ملنے کے لئے آتے اور خواہش کرتے تھے کہ انہی کے شہر میں ہم رہائش اختیار کریں۔ کراچی میں بھی لوگوں نے یہی خواہش کی اور کوئٹہ میں بھی لوگوں نے یہی خواہش کی۔ غرض اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ہمیں ظاہری عزت شہروں میں زیادہ ملتی تھی مگر ہمارا کام اپنے لئے ظاہری عزت حاصل کرنا نہیں بلکہ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس جگہ کی تلاش کریں جہاں اسلام کی عزت کا بیج بو سکیں اور ہم نے اسی نیت اور ارادہ سے اِس وادیٔ غیر ذی زرع کو چُنا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو یہاں کوئی فصلیں نہیں، کہیں سبزی کا نشان نہیں گویا چُن کر ہم نے وہ مقام لیا ہے جو قطعی طور پر آبادی اور زراعت کے ناقابل سمجھا جاتا تھا تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہہ دے کہ پاکستان نے احمدیوں پر احسان کیا ہے۔ مگر کہنے والوں نے پھر بھی کہہ دیا کہ کروڑوں کروڑ کی جائداد پاکستان نے احمدیوں کو دے دی ہے۔ یہ زمین ہم نے دس روپیہ ایکڑ پر خریدی ہے اور یہ زمین ایسی ہے جو بالکل بنجر اور غیر آباد ہے اور صدیوں سے بنجر اور غیر آباد چلی آتی ہے۔ یہاں کوئی کھیتی نہیں ہو سکتی، کوئی سبزہ دکھائی نہیں دیتا، کوئی نہر اس زمین کو نہیں لگتی۔ اِس کے مقابلہ میں مَیں نے خود مظفر گڑھ میں نہر والی زمین آٹھ روپیہ ایکڑ پر خریدی تھی بلکہ اسی مظفر گڑھ میں ایک لاکھ ایکڑ زمین میاں شاہ نواز صاحب نے آٹھ آنے ایکڑ پر خریدی تھی جس سے بعد میں انہوں نے بہت نفع کمایا۔ یہ زمین ہم نے پہاڑی ٹیلوں کے درمیان اِس لئے خریدی ہے کہ میری رؤیا اِس زمین کے متعلق تھی۔ یہ رؤیا دسمبر ۱۹۴۱ء میں مَیں نے دیکھی تھی اور ۲۱؍ دسمبر ۱۹۴۱ء کے الفضل میں شائع ہو چکی ہے۔ اب تک دس ہزار آدمی یہ رؤیا پڑھ چکے ہیں اور گورنمنٹ کے ریکارڈ میں بھی یہ رؤیا موجود ہے۔ مَیں نے اِس رؤیا میں دیکھا کہ قادیان پر حملہ ہوا ہے اور ہر قسم کے ہتھیار استعمال کئے جا رہے ہیں مگر مقابلہ کے بعد دشمن غالب آ گیا اور ہمیں وہ مقام چھوڑنا پڑا۔ باہر نکل کر ہم حیران ہیں کہ کس جگہ جائیں اور کہاں جا کر اپنی حفاظت کا سامان کریں۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا مَیں ایک جگہ بتاتا ہوں آپ پہاڑوں پر چلیں وہاں اٹلی کے ایک پادری نے گرجا بنایا ہوا ہے اور ساتھ اس نے بعض عمارتیں بھی بنائی ہوئی ہیں جنہیں وہ کرایہ پر مسافروں کو دیتا ہے وہ مقام سب سے بہتر رہے گا۔ مَیں ابھی متردد ہی تھا کہ اس جگہ رہائش اختیار کی جائے یا نہ کی جائے کہ ایک شخص نے کہا آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی کیونکہ یہاں مسجد بھی ہے۔ اس نے سمجھا کہ

کہیں مَیں رہائش سے اِس لئے انکار نہ کر دوں کہ یہاں مسجد نہیں۔ چنانچہ مَیں نے کہا اچھا مجھے مسجد دکھاؤ اُسنے مجھے مسجد دکھائی جو نہایت خوبصورت بنی ہوئی تھی، چٹائیاں اور دریاں وغیرہ بھی بچھی ہوئی تھیں اور امام کی جگہ ایک صاف قالینی مصلّی بچھا ہُوا تھا۔ اِس پر مَیں خوش ہُوا اور مَیں نے کہا لو اللہ تعالیٰ نے ہمیں مسجد بھی دے دی ہے (" مَیں اس وقت سمجھتا ہوں کہ ہم تنظیم کے لئے آئے ہیں اور تنظیم کے بعد دشمن کو پھر شکست دے دیں گے۔" لہ) اب ہم اِسی جگہ رہیں گے۔ اس کے بعد مَیں نے دیکھا کہ کچھ لوگ باہر سے آئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ بڑی تباہی ہے بڑی تباہی ہے اور جالندھر کا خاص طور پر نام لیا کہ وہاں بھی بڑی تباہی ہوئی ہے۔ پھر اُنہوں نے کہا ہم نیلے گنبد میں داخل ہونے لگے تھے مگر ہمیں وہاں بھی داخل نہیں ہونے دیا۔ اس وقت تک تو ہم صرف لاہور کا ہی نیلا گنبد سمجھتے تھے مگر بعد میں غور کرنے پر معلوم ہُوا کہ نیلے گنبد سے مُراد آسمان تھا اور مطلب یہ تھا کہ کُھلے آسمان کے نیچے بھی مسلمانوں کو امن نہیں ملے گا۔ چنانچہ لوگ جب اپنے مکانوں اور شہروں سے نکل کر ریفیوجی کیمپوں میں جمع ہوتے تھے تو وہاں بھی سکھ ان پر حملہ کر دیتے تھے اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو مار ڈالتے تھے۔ اِس رؤیا کے مطابق یہ جگہ مرکز کے لئے تجویز کی گئی ہے۔ جب مَیں قادیان سے آیا تو اُس وقت یہاں اتفاقاً چوہدری عزیز احمد صاحب احمدی سب جج لگے ہوئے تھے۔ مَیں شیخوپورہ کے متعلق مشورہ کر رہا تھا کہ چوہدری عزیز احمد صاحب میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ مَیں نے اخبار میں آپ کی ایک اِس رنگ کی خواب پڑھی ہے مَیں سمجھتا ہوں کہ چنیوٹ ضلع جھنگ کے قریب دریائے چناب کے پار ایک ایسا ٹکڑا زمین ہے جو اس خواب کے مطابق معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مَیں یہاں آیا اور مَیں نے کہا ٹھیک ہے خواب میں جو مَیں نے مقام دیکھا تھا اس کے اِردگرد بھی اِسی قسم کے پہاڑی ٹیلے تھے صرف ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ مَیں نے اُس میدان میں گھاس دیکھا تھا مگر یہ چٹیل میدان ہے۔ اب بارشوں کے بعد کچھ کچھ سبزہ نکلا ہے ممکن ہے ہمارے آنے کے بعد اللہ تعالیٰ یہاں گھاس بھی پیدا کر دے اور اِس رقبہ کو سبزہ زار بنا دے۔ بہرحال اس رؤیا کے مطابق ہم نے اِس جگہ کو چُنا ہے اور یہ رؤیا وہ ہے جس کے ذریعہ چھ سال پہلے اللہ تعالیٰ نے ہمیں آئندہ آنے والے واقعات سے خبر دے دی تھی۔ دُنیا میں کون ایسا انسان ہے جس کی طاقت میں یہ بات ہو کہ وہ چھ سال پہلے آئندہ

لہ یہ فقرہ جو نئے مرکز کی غرض و غایت واضح کرتا ہے حضرت مصلح موعودؓ کی اصل خواب مطبوعہ الفضل ۲۱ دسمبر ۱۹۴۱ء میں درج ہے (ناقل)۔   سلہ اب آپ سپریم کورٹ آف پاکستان کے ایڈووکیٹ ہیں۔

آنے والے واقعات بیان کر دے۔ انگریزوں کی حکومت کے زمانہ میں بھلا قادیان پر حملہ کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا تھا۔ پھر قادیان کو چھوڑنا کس کے خیال میں آسکتا تھا۔ کون خیال کر سکتا تھا کہ مسلمانوں پر ایک بہت بڑی تباہی آنے والی ہے اتنی بڑی کہ وہ اپنے شہروں اور گھروں سے نکل کر آسمان کے نیچے ڈیرے ڈالیں گے تو وہاں بھی وہ دشمن کے حملہ سے محفوظ نہیں ہوں گے۔ مگر یہ تمام واقعات رُونما ہوئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس رؤیا کے مطابق ہمیں ایک نیا مرکز بھی دے دیا۔ یہاں جس قسم کی مخالفت تھی اُس کے لحاظ سے اِس مرکز کا ملنا بھی اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی نصرت کا ایک کُھلا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا تصرّف کیا کہ مخالفین کے اخباروں نے پیچھے شور مچایا اور ہمارا سودا پہلے طے ہو چکا تھا۔ پھر اِس قدر جھوٹ سے کام لیا گیا کہ اِس زمین کے متعلق انہوں نے لکھا کہ حکومت کو پندرہ سَو روپیہ فی ایکڑ مِل رہا تھا اور کئی مسلمان انجمنیں اُسے یہ روپیہ پیش کر رہی تھیں مگر حکومت نے یہ ٹکڑہ برائے نام قیمت پر احمدیوں کو دے دیا۔ گویا ان کے حساب سے پندرہ لاکھ روپیہ اس ٹکڑے کا حکومت کو مِل رہا تھا مگر حکومت نے اس کی پروانہ کی۔ جب مجھے اِس کا علم ہُوا تو مَیں نے فوراً اعلان کرا دیا کہ پاکستان کا اتنا نقصان ہم برداشت نہیں کر سکتے اگر اتنا روپیہ دے کر کوئی شخص یہ زمین خرید سکتا ہے تو وہ اب بھی ہم سے یہ زمین اتنی قیمت پر لے لے تو یہ سارے کا سارا روپیہ حکومتِ پاکستان کو دے دیں گے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ پندرہ سَو روپیہ فی ایکڑ تو کُجا پندرہ روپیہ فی ایکڑ بھی کوئی شخص دینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ گورنمنٹ نے خود اپنے گزٹ میں اِس کے متعلق متواتر اعلان کرایا مگر اُسے پانچ روپے فی ایکڑ کی بھی کسی نے پیشکش نہ کی۔ غرض اللہ تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت ہم قادیان سے باہر آئے ہیں اور اسی کے منشاء کے ماتحت ہم یہاں ایک نیا مرکز بسانا چاہتے ہیں۔ ہر چیز میں روکیں حائل ہو سکتی ہیں اِس لحاظ سے ممکن ہے ہمارے اِس ارادہ میں بھی کوئی روک حائل ہو جائے لیکن ہمارا ارادہ اور ہماری نیّت یہی ہے کہ ہم پھر ایک مرکز بنا کر اسلام کے غلبہ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کی اشاعت کی کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کام میں ہمارا حامی و مددگار ہو۔ ہم نے اِس وادیٔ غیر ذی زرع کو جس میں فصل اور سبزیاں نہیں ہوتیں اِس لئے چُنا ہے کہ ہم یہاں بسیں اور اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کریں مگر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ساری فصلیں اور سبزیاں اور ثمرات خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہیں پس اوّل تو ہم دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری نیّتوں کو صاف کرے اور ہمارے ارادوں کو پاک کرے اور پھر ہم اس سے یہ اُمید رکھتے ہیں کہ وہ مکّہ مکرمہ کے ظِلّ کے طور پر اور مکّہ مکرمہ کے

موعودؑ کے طفیل ہم کو بھی اِس وادی میں ہر قسم کے ثمرات پہنچا دے گا۔ ہماری روزیاں کسی بندے کے سپرد نہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اپنے پاس سے ہم کو کھلائے گا اور ہم اُس سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ یہاں کے رہنے والوں میں دین کا اتنا جوش پیدا کر دے دین کی اتنی محبت پیدا کر دے، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اتنا عشق پیدا کر دے کہ وہ پاگلوں کی طرح دُنیا میں نکل جائیں اور اس وقت تک گھر نہ لوٹیں جب تک دُنیا کے کونے کونے میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم نہ کر دیں۔ بے شک دُنیا کہے گی کہ یہ لوگ پاگل ہیں مگر ایک دن آئے گا اور یقیناً آئے گا۔ یہ آسمان ٹل سکتا ہے یہ زمین ٹل سکتی ہے مگر یہ وعدہ نہیں ٹل سکتا کہ خدا ہمارے ہاتھ سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حکومت دُنیا میں قائم کر دے گا اور وہ لوگ جو آج ہمیں پاگل کہتے ہیں شرمندہ ہو کر کہیں گے کہ اِس چیز نے تو ہو کر ہی رہنا تھا آثار ہی ایسے نظر آ رہے تھے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ یہ چیز ضرور وقوع میں آ کر رہے گی۔ جیسے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سب لوگ پاگل کہتے تھے مگر اب عیسائی یہ کہتے ہیں کہ اُس وقت دُنیا کے حالات ہی اِس قسم کے تھے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فتح ہوتی اور باقی مذاہب شکست کھا جاتے۔ جس طرح پہلے عقلمند کہلانے والے لوگ پاگل ثابت ہوئے اسی طرح اب بھی عقلمند کہلانے والے لوگ ہی پاگل ثابت ہوں گے اور دُنیا پر اسلام غالب آ کر رہے گا۔ آؤ اب ہم ہاتھ اُٹھا کر آہستگی سے بھی اپنے دِلوں میں اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگیں کہ وہ ہمارے ارادوں میں برکت ڈالے اور ہمیں اِس مقدس کام کو دیانتداری کے ساتھ سر انجام دینے کی توفیق بخشے۔" [1]

اجتماعی دُعا

اِس نہایت درجہ موثر اور درد سے بھری ہوئی تقریر کے بعد سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ نے حاضرین کے ساتھ مِل کر لمبی دعا کی۔ چونکہ درویشانِ قادیان کو فون اور تار کے ذریعہ نماز اور دعا کے وقت کی قبل از وقت اطلاع کر دی گئی تھی اِس لئے وہ بھی اپنی جگہ انتظام کر کے دُعا میں شریک ہو گئے۔

خوشی اور غم سے مخلوط جذبات کا ہجوم

یہ موقعہ (جیسا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے "مرکزِ پاکستان کا افتتاحؒ" کے زیرِ عنوان اپنے ایک

---

[1] الفضل جلسہ سالانہ نمبر فتح/ دسمبر ۱۳۴۳ھش/۱۹۶۴ء صفحہ ۵-۹ ۔ [2] یہ قیمتی مضمون جو اِس موقعہ کی تفصیلات کا بنیادی مأخذ ہے الفضل (۲۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء) میں شائع شدہ ہے ۔

مضمون میں بھی لکھا "سلسلہ کی تاریخ میں ایک خاص یادگاری موقعہ تھا جس میں دو قسم کے بظاہر متضاد لیکن حقیقتاً ایک ہی منبع سے تعلق رکھنے والے جذبات کا ہجوم تھا۔ ایک طرف نئے مرکز کے قیام کی خوشی تھی کہ خدا ہمیں اس کے ذریعہ سے پھر مرکزیت کا ماحول عطا کرے گا اور ہم ایک جگہ اکٹھے ہو کر اپنی تنظیم کے ماحول میں زندگی گزار سکیں گے اور دوسری طرف اس وقت قادیان کی یاد بھی اپنے تلخ ترین احساسات کے ساتھ دِلوں میں جوش مار رہی تھی اور نئے مرکز کی خوشی کے ساتھ ساتھ ہر زبان اس ذکر کے ساتھ تازہ اور ہر آنکھ اس دعا کے ساتھ پُرنم تھی کہ خدا ہمیں جلد تر اپنے دائمی اور عالمگیر مرکز میں واپس لے جائے"۔ [1]

پانچ بکروں کی قربانی

دُعا کے بعد حضورؓ نے فرمایا کہ "اب اس رقبہ کے چاروں کونوں میں قربانیاں کی جائیں گی اور ایک قربانی اس رقبہ کے وسط میں کی جائے گی۔ یہ قربانیاں اس علامت کے طور پر ہوں گی کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اپنے بیٹے کی قربانی کے لئے تیار ہو گئے تھے اور خدا تعالیٰ نے اُن کی قربانی کو قبول فرما کر بکرے کی قربانی کا حکم دیا تھا اسی طرح ہم بھی اس زمین کے چاروں گوشوں پر اور ایک اس زمین کے سنٹر میں اس نیّت اور ارادہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور قربانیاں پیش کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہمیں اور ہماری اولادوں کو ہمیشہ اس راہ میں قربان ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین"۔ [2]

اس کے بعد حضرت مصلح موعودؓ اس رقبہ کے وسط میں تشریف لے گئے اور مسنون دعاؤں کے ساتھ ایک بکرا اپنے دستِ مبارک سے ذبح کیا۔ بعدہٗ چاروں کونوں پر قربانیاں کی گئیں جو مندرجہ ذیل اصحاب نے کیں:۔

۱۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب دردؔ ۲۔ حضرت مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی

۳۔ چوہدری برکت علی خاں صاحب وکیل المال تحریکِ جدید ۴۔ مولوی محمد صدیق صاحب مولوی فاضل۔

نئے مرکز کا پہلا پھل

قربانیوں کے بعد ایک تُرک نوجوان محمد افضل صاحب نے حضرت امیرالمومنینؓ کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی اور یہ خوش قسمت نوجوان نئے مرکز کا پہلا پھل

---

[1] نمازِ عصر سے قبل تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر ایک موٹر لاری، پانچ کاریں اور چوبیس تانگے اور تیئیس سائیکل موجود تھے (الفضل ۲۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲)۔

[2] الفضل جلسہ سالانہ نمبر دسمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۹۔

قرار دیا گیا۔

ربوہ اور اس کی وجہ تسمیہ کی نسبت حضرت مصلح موعودؓ کا اعلان

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے اس موقع پر یہ بھی اعلان فرمایا کہ نئے مرکز کا نام ربوہ (RABWAH) تجویز کیا گیا ہے جس کے معنے بلند مقام یا پہاڑی مقام کے ہیں یہ نام اس نیک فال کے طور پر تجویز کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ اس مرکز کو حق و صداقت اور روحانیت کی بلندیوں تک پہنچنے کا ذریعہ بنائے اور وہ خدائی نور کا ایک ایسا بلند مینار ثابت ہو جسے دیکھ کر لوگ اپنے خدا کی طرف راہ پائیں۔ اِس کے علاوہ ظاہری لحاظ سے بھی یہ جگہ ایک ربوہ کا حکم رکھتی ہے کیونکہ وہ اردگرد کے علاقہ سے اُونچی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بعض چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں بھی ہیں۔ گویا ایک پہلو میں چناب کا دریا ہے جو پانی یعنی ذریعہ حیات کا منظر پیش کرتا ہے اور دوسرے پہلو میں بعض پہاڑیاں ہیں جو بلندی کی علامت کی علمبردار ہیں۔[1]

نماز عصر

قربانی اور بیعت کے بعد حضورؓ نے تھوڑے سے وقفہ سے اسی مقام پر جہاں شامیانے کے نیچے نماز ظہر ادا کی گئی تھی عصر کی نماز بھی پڑھائی جس میں علاوہ چھ سو مردوں کے بعض مستورات بھی پردہ کے پیچھے نماز میں شریک ہوئیں۔

حضرت مصلح موعودؓ کی واپسی

نماز عصر کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے چنیوٹ کی احمدیوں کے زیرِ انتظام دعوتِ طعام میں شرکت فرمائی اور پھر چار بج کر چالیس منٹ پر واپس لاہور کی طرف روانہ ہو گئے۔[2] اِس طرح نئے مرکز احمدیت کی افتتاحی تقریب جو خدا کی رحمتوں اور برکتوں کا ایک عظیم نشان تھی بخیر و خوبی اختتام کو پہنچی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ ۔

---

[1] الفضل ۲۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲ ۔ [2] ایضاً ۔

ضمیمہ "تاریخ احمدیت" جلد ۱۲

(۱)

حضرت مصلح موعودؓ کا بصیرت افروز مکتوب مبلغ اسلام سپین کی بیگم صاحبہ کے نام

(مورخہ ۲۰ امان / مارچ ۱۳۳۵ھش / ۱۹۵۶ء)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

تم اس ملک جا رہی ہو جس پر مسلمانوں نے پہلی صدی میں
قبضہ کیا اور سات سو سال تک وہاں قابض رہے
اس ملک کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جانا
ایک بڑے دکھ کی بات ہے ترک تو نکلتے ہی
رہتے ہیں مگر اسلام کا نکل جانا اصل صدمہ
ہے اور ایسا صدمہ جسے کسی مسلمان کو بھولنا

بہن جانتے شہدائے حسین کی یاد ہر سال
تازہ کرتے ہیں یہ ایک بدعت ہے اگر اس کی
صورت شکل یہ جائز ہوتا تو مسلمانوں کو
دین کا کام ہر سال کرنا چاہئے تھا یہاں تک
کہ ہر بچے لیے ہر بوڑھے کے دل پر زخم کا
اتنا گہرا نشان پڑ جاتا کہ کوئی مرہم اسے
مندمل نہ کر سکتی۔

خوش قسمتی کے دن آ جا رہے ہیں اپنے
فرض کو یاد رکھو لہٰذا اپنے خاوند کو یاد دلاؤ
رہو تمہارا خاوند تمہارے خاوند کو تبلیغ سست نہ
کرے گا آگے سے ہم جیت بنائے صحابیات جب خلوص
کی بات کا عشق تو رہتے خاوند دل کو عقیدت سے کہتا

کمیشن ٹھیک ہے خیمہ سے باہر نکالا تھا ٹھیک
اس کا دکھ ہے اتنا نام ... سے باہر نکالا جائے
سو قیامت تک یاد رکھا جائیگا۔ بلکہ ...
کا وقت ... بہت بڑا ... والا
اس کو یاد رکھنا چاہئے دنیا کو ... باد ...
زیادہ مفید بنانا چاہئے آمین

مرزا محمود احمد

(2.3.54.)

أعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ٭ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّاصر

تم اس ملک جارہی ہو جس پر مسلمانوں نے پہلی صدی میں قبضہ کیا اور سات سو سال تک وہاں قابض رہے۔ اس ملک کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جانا ایک بڑے دکھ کی بات ہے مگر ملک تو نکلتے ہی رہتے ہیں وہاں سے اسلام کا نکل جانا اصل صدمہ ہے اور ایسا صدمہ جسے کسی مسلمان کو بھلانا نہیں چاہیئے شیعہ امام حسینؓ کی یاد میں ہر سال تازئے نکالتے ہیں یہ ایک بدعت ہے مگر اگر کسی صورت میں بھی یہ جائز ہوتا تو مسلمانوں کو سپین کا ماتم ہر سال کرنا چاہیئے تھا یہاں تک کہ

ہر بچے اور ہر بوڑھے کے دل پر زخم کا اتنا گہرا نشان پڑ جاتا کہ کوئی مرہم اسے مندمل نہ کر سکتی۔ تم خوش قسمتی سے وہاں جا رہی ہو اپنے فرض کو یاد رکھو اور اپنے خاوند کو یاد دلاتی رہو تمہارا جانا تمہارے خاوند کو تبلیغ میں سُست نہ کر دے مگر آگے سے بھی چُست بنائے صحابیات جب جنگوں میں جاتی تھیں تو اپنے خاوندوں کو خیموں میں نہیں گھسیٹتی تھیں بلکہ خیموں سے باہر نکالتی تھیں اسی وجہ سے ان کا نام عزت سے یاد کیا جاتا ہے اور قیامت تک یاد کیا جائے گا۔ مل بیٹھنے کا وقت مرنے کے بعد بہت لمبا ملنے والا ہے اس کی یاد میں ان کام کے دنوں کو زیادہ سے زیادہ مفید بنا(نا) چاہیئے۔ آمین۔

(۲/۳/۵۴) مرزا محمود احمد

۲

حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا گرامی نامہ مبلغ اسلام سپین کی بیگم صاحبہ کے نام

(مورخہ ۲۰ امان/مارچ ۱۳۳۳ھش/۱۹۵۴ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
وعلی عبدہ المسیح الموعود

عزیزہ مکرمہ بیگم کرم الٰہی ظفر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی شادی ظاہری حالات کے لحاظ سے بڑی دعاؤں اور برکات کے ساتھ ہوئی ہے مگر ابھی تک یہ صرف ایک جسم ہے اور اس کے اندر حقیقت کی روح ڈالنا باقی ہے جو یا تو خدا کے ہاتھ میں ہے جو تمام فضلوں اور رحمتوں کا سرچشمہ ہے اور یا پھر آپ دونوں کے ہاتھ میں ہے کہ اپنے عمل سے خدائی نصرت و رحمت کی جاذب بنیں۔ میری دعا ہے کہ

اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ آپ کی زندگی کو فضل اور رحمتوں کا مورد بنائے اور
صحت شادابیوں سے نوازے - آمین۔

سپین کا ملک جہاں آپ اپنے شوہر عزیزم مکرم الیاس خان صاحب
کے ساتھ جارہی ہیں اسلام کا گہوارہ رہا ہے اور جہاں اسلام
کے پودے نے آٹھ سو سال رہ کے بڑے وقار کی شاندار بہار
دکھائی ہے مگر اب وہاں پر خزاں کا دور دورہ ہے۔ آپ
اسے ہی درد مندانہ کوششوں اور دعاؤں کے ساتھ پھر پھولوں
اور پھلوں سے شاداب اور آراستہ کریں اور ثابت کر دیں کہ ہمارے
آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانی عالمگیر اور ہمہ گیر بہار کا
پیغام لیکر آئی ہے۔ سپین کا دوبارہ اسلام کے شرف پانا
اسلام کا وہ روحانی انتقام ہے جس کے لئے اندلس کے بزرگوں
کی روحیں بے قرار رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا اور
آپ کے سرتاج کا ساتھ ہو اور دین و دنیا میں ترقی عطا
فرماتا رہے۔ خدا حافظ۔ مرزا ناصر احمد

2/3
۷۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم
وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

عزیزہ مکرمہ بیگم کرم الٰہی صاحب ظفرؔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی شادی ظاہری حالات کے لحاظ سے دعاؤں اور برکات کے ساتھ ہوئی ہے مگر ابھی تک یہ صرف ایک جسم ہے اور اس کے اندر حقیقت کی رُوح ڈالنا یا تو ہمارے خدا کے ہاتھ میں ہے جو تمام فضلوں اور رحمتوں کا سرچشمہ ہے اور یا وہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ اپنے عمل سے خدائی نصرت و رحمت کی جاذب بنیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپکی زندگی کو فضلوں اور رحمتوں کا مورد بنائے اور حسناتِ دارین سے نوازے۔ آمین۔

سپین کا ملک جہاں آپ اپنے شوہر عزیز کرم الٰہی صاحب ظفرؔ کے ساتھ جا رہی ہیں اسلام کا کھویا ہوُا ورثہ ہے جہاں اسلام کے پودے نے سات آٹھ سو سال اپنے برگ و بار کی شاندار بہار دکھائی ہے مگر اب اس پر خزاں کا دَور دورہ ہے آپ اسے اپنی دردمندانہ کوششوں اور دعاؤں کے ساتھ پھر پھولوں اور پھلوں سے شاداب اور آراستہ کریں اور ثابت کر دیں کہ ہمارے آقا صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانی عالمگیر اور ہمہ گیر بہار کا پیغام لے کر آئی ہے۔ سپین کا دوبارہ اسلام سے مشرف ہونا اسلام کا وہ روحانی انتقام ہوگا جس کے لئے اندلسی بزرگوں کی روحیں پکار رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اور آپ کے سرتاج کے ساتھ ہو اور دین و دُنیا میں ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط

خاکسار مرزا بشیر احمد ربوہ ۲/۳/۵۴

۳

بیان متعلقہ سفر سیالکوٹ

"حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لیکچر" استحکام پاکستان "کے سلسلہ میں موتی محل سینما میں بصدارت خان بہادر خواجہ برکت علی صاحب ریٹائرڈ ڈپوسٹ ماسٹر جنرل سیالکوٹ رات ۸ بجے کے قریب شروع ہوُا۔ یہ سینما سرائے مہاراجہ جموں و کشمیر کے ساتھ ہی واقع ہے جس میں ۲ نومبر ۱۹۰۴ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا "لیکچر سیالکوٹ" (بصدارت حضرت مولوی نور دین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھ کر سنایا تھا۔

لیکچر کے سننے کے لئے شہر سیالکوٹ میں ایک عام منادی کرائی گئی تھی۔ ہماری بیرونی جماعتوں کے لوگ بھی کثرت سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ تقریر کے وقت ہال سامعین سے بھرا ہوُا تھا اور حاضری ہمارے اندازہ سے کئی گنا زیادہ تھی۔ جلسہ نہایت پُرامن ماحول میں ہوُا اور نہایت کامیاب رہا۔

خاکسار جلسہ کے دوسرے دن مکرم چوہدری محمد اکرم صاحب سول سپلائی افسر سیالکوٹ کے ہاں گیا وہاں خان بہادر چوہدری قاسم علی صاحب، ذیلدار، سب رجسٹرار، پراونشل درباری ساکن بدر کے چیمہ تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ تشریف رکھتے تھے میں ان کو ملا۔ آپ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جلسہ کی تقریر کی بہت تعریف کی اور فرمایا کہ خلیفہ صاحب کا سیاسی، جغرافیائی اور مذہبی لحاظ سے بہت وسیع علم اور مطالعہ ہے۔ ہال میں ایک نقشہ ضلع سیالکوٹ کا لٹکایا ہوا تھا جس کے ذریعہ سے پاکستان اور جموں وکشمیر کی جغرافیائی حیثیت کی نشان دہی کر کے دوران تقریر میں بتاتے جاتے تھے۔ مکرم چوہدری صاحب نے مجھ کو فرمایا کہ رات کا لیکچر سن کر میری طبیعت پر یہ اثر ہوا ہے کہ اب ہم کو خلیفہ صاحب کی بیعت کر لینی چاہیئے۔

دورانِ قیام سیالکوٹ حضور رضؓ نے سیالکوٹ۔ جموں کا بارڈر بھی جا کر دیکھا حضور وہاں جیپ پر تشریف لے گئے تھے۔"

(قاسم الدین محلہ حکیم حسام الدین سیالکوٹ)

۴

اسماء گروپ فوٹو بمقام تورخم (لنڈی خانہ)

(مورخہ ۶ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء)

کرسیوں پر دائیں سے بائیں: ۱۔ میاں محمد یوسف خاں صاحب (پرائیویٹ سیکرٹری) ۲۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحبؓ ۳۔ حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب دردؓ ۴۔ حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ صوبائی امیر ۵۔ سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۶۔ شیخ مظفر الدین صاحب امیر جماعت پشاور ۷۔ صاحبزادہ محمد طیب صاحب (ابن حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب شہیدؓ) ۸۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب ۹۔ خاصے داروں کے ایک صوبہ دار۔

پہلی قطار (کھڑے دائیں سے بائیں): پہلے پانچ خاصے دار (نام معلوم نہیں) ۶۔ میاں رشید احمد صاحب انجنیئر ۷۔ تحصیلدار صاحب تورخم (نام معلوم نہیں) ۸۔ خان شمس الدین خاں صاحب ۹۔ صاحبزادہ عبد الحمید صاحب ابن صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب آف ٹوپی ۱۰۔ نام معلوم نہیں ۱۱۔ خادم (نام معلوم نہیں) ۱۲۔ صاحبزادہ عبد المجید صاحب آف ٹوپی ۱۳۔ (میجر) عبد الاکبر خاں صاحب ابن ارباب محمد عجب خاں صاحب۔ ۱۴۔ صاحبزادہ عبد السلام صاحبؓ (برادر اکبر صاحبزادہ محمد طیب صاحب) ۱۵۔ خاصے دار (نام معلوم نہیں)۔

دوسری قطار (کھڑے دائیں سے بائیں): پہلے دو خاصے دار (نام معلوم نہیں) ۳۔ جمعدار فقیر محمد صاحب (باڈی گارڈ حضرت مصلح موعودؓ) ۴۔۵۔ دو خاصے دار (نام معلوم نہیں) ۶۔ صوبیدار شیر خاں

(باڈی گارڈ حضرت مصلح موعودؓ)   ۷۔ حوالدار عبداللہ صاحب (باڈی گارڈ حضرت مصلح موعودؓ)   ۸ تا ۱۱۔ چار خاصے دار (نام معلوم نہیں)۔

نیچے بیٹھنے والے دائیں سے بائیں:۔ ۱۔ سید گل صاحب (صاحبزادہ محمد طیّب صاحب کے کارمختار) ۲۔ مولوی عبداللہ اعجاز صاحب (اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری)   ۳۔ میر ابوالحسن صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس

۴۔   ؟   ابن شیخ مظفر الدین صاحب   ۵۔ میجر محمدؐ اسلم خاں صاحب   ۶۔ ارباب محمود جان صاحب

۷۔   ؟   ابن شیخ مظفر الدین صاحب

۵

بیان متعلقہ سفر چارسدّہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۹۴۸ء میں پشاور کی طرف سے (اندازاً) بوقت دس بجے چارسدہ تشریف لائے تھے اور فقیر محمدؐ خاں صاحب ایگزیکٹو انجنیئر کے مکان میں چند گھنٹے قیام فرمایا تھا۔ اس دوران حضورؓ خان برادرز سے ملنے کے لئے اتمان زئی تشریف لے گئے تھے۔ حضور تقریباً دو گھنٹے کے بعد واپس اتمان زئی سے تشریف لائے اور چارسدہ میں غیر احمدیوں کی مسجد میں ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں۔ اردگرد کے معززین نے حضور سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ ایک دوست کی زبانی روایت ہے کہ حضور سے کسی نے پوچھا کہ خان برادرز نے حضور کو کیا کہا تو حضور نے فرمایا کہ "خان برادرز تباہ ہو گئے"۔ اس کے بعد حضور بذریعہ موٹر مردان تشریف لے گئے۔

(ملخصاً)   (ماسٹر نورالحق پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ چارسدہ)

۶

بیان متعلقہ سفر مردان

حضرت مصلح موعودؓ بمعہ قافلہ اور خدام از پشاور ضلع مردان از طرف پشاور براستہ چارسدہ مردان تشریف لائے۔ جلسہ تقریباً عصر کے بعد شروع ہوا۔ (صاحبزادہ عبدالحمید صاحب کی یادداشت کے مطابق) مضمون کا عنوان "پاکستان اور اس کا دفاع" تھا۔

جہاں تک مجھے ذاتی طور پر یاد ہے حضورؓ نے پاکستان کے بارڈر کی پوزیشن ہاتھ اور چھڑی کے ذریعہ جغرافیائی طور پر واضح فرمائی۔ مکرم نصراللہ خان صاحب بیرسٹرایٹ لاء نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ ہمارا خیال تھا کہ مرزا صاحب صرف ایک مذہبی آدمی ہیں لیکن آج معلوم ہوا ہے کہ آں مکرم ایک جرنیل بھی ہیں (یا اسی قسم کے تعریفی الفاظ استعمال

کئے) ان ریمارکس سے سامعین اور سنجیدہ طبقہ پر اثر کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ جلسہ میں مردان کے معزز وکلاء صاحبان بھی موجود تھے۔ کُل سامعین کی تعداد تین چار سَو کے لگ بھگ تھی۔ جلسہ کے بعد حضورؓ نے نمازِ مغرب پڑھائی تھی۔

دوسرے دن صبح حضور مسجد احمدیہ بکٹ گنج تشریف لائے اور ۲ دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد حضورؓ بمعہ اپنے قافلہ تخت بھائی شوگر ملز دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔

بعد ازاں براستہ رسالپور نوشہرہ تشریف لائے۔ رسالپور میں چوہدری ظفر صاحب (جو اُس وقت ایرفورس میں شاید پائلٹ آفیسر تھے) کے ہاں کھانا تناول فرمایا اور ایک مختصر تقریر بھی فرمائی۔ رسالپور کے ساتھ "پیر مبارک" نامی جگہ کو دیکھا حضور دیکھنا یہ چاہتے تھے کہ نئے مرکز کے لئے خواب میں دکھایا جانے والا مقام تو نہیں لیکن اس کا نقشہ خواب سے مختلف پاکر اسے چھوڑ دیا گیا۔

نوشہرہ میں ایک غریب لیکن نہایت مخلص دوست نے چائے پیش کرنے کی درخواست کی جو منظور کی گئی۔ یہاں پر بھی حضور نے تقریر فرمائی جو "اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ" کی قرآنی آیت پر تھی۔ یہ تقریر مرحوم مرزا غلام حیدر صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعتِ احمدیہ نوشہرہ کی زیرِ صدارت ہوئی تھی۔

حضورؓ کی ہمرکابی میں قاضی محمد یوسف صاحب پراونشل امیر صوبہ سرحد اور صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب (ٹوپی) بھی تھے۔ (ملخصاً) (آدم خان امیر جماعتِ احمدیہ مردان)

۷

حضرت مصلح موعودؓ کے مبارک کلمات ڈاکٹر غفور الحق صاحب کوئٹہ کی معروضات کے جواب میں

(۱۱ر احسان/جون تا اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۷ھش ۱۹۴۸ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭ نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

سیدنا ومطاعنا ایدکم اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گذارش ہے کہ اس عاجز کی ہمیشہ خواہش رہی ہے کہ حضور کوئٹہ تشریف لائیں اور خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس عاجز کو خدمت کی توفیق دے جس کے واسطے درخواستِ دعا ہے۔

نیز عرض ہے کہ ہمارے خاندان کی بڑی خواہش ہے کہ حضور ازراہِ عنایت ہماری طرف سے کوئٹہ میں قیام کے تمام عرصہ کے لئے مہمان نوازی قبول فرمائیں اور حضور اور حضور کے تمام خاندان کے لئے اس عاجز کو اشیاءِ خوردنی سپلائی کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ والسلام حضور کا ادنیٰ ترین غلام

عاجز غفور الحق خان عفی عنہ ایم۔بی بی۔ایس کوئٹہ ۶/۲۸ ۱۱

عزیزم ڈاکٹر غفور الحق خان صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

تحفہ قبول کرنے کو دل گوارا نہ کرتا تھا مگر ارادے آپ کی خیر خواہی اور خلوص دیکھ کر انکار

کرنا بھی پسند نہ آیا۔ آپ کو کسی جنس کی صورت میں تحفہ بھیجنا ہو تو اسے لینے میں مجھے عذر نہ ہوگا

مگر نقد روپے کی صورت میں یہ ہدیہ مجھے کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ آئندہ اس قسم کے تحفے کی

تکلیف گوارا نہ کیجیے۔ بات اس طرح ہمارے درمیان تعلق رشتہ کی حیثیت

اختیار کر لیتی ہے اور اس سے اصل تعلق کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ جب تک میں کسی جنس

یا اجناس کی صورت میں تحفہ لیتا رہوں گا مجھے محسوس ہوگا کہ آپ کا اصل تعلق ہم سے

دین کی بنا پر قائم ہے۔ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ وہ صورت ہمارے درمیان

پیدا ہو۔ امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے

والسلام خاکسار

ابوالاعلیٰ

(جواب)　　عزیزم ڈاکٹر غفور الحق خاں صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ تحفہ قبول کرنے کو رسول کریمؐ نے سنۃ انبیاء قرار دیا ہے مگر غیر معین بوجھ ڈالنا ٹھیک نہیں۔ یوں آپ کوئی جنس بطور تحفہ بھجوائیں تو اسے لینے میں ہمیں عذر نہ ہوگا مگر غیر معین عرصہ کے لئے یہ مان لینا کہ آپ جنس بھجوایا کریں اس میں تحفہ کی شکل سوال کی بدل جاتی ہے۔ اس طرح ہمارے دل پر بوجھ رہے گا کہ جلدی چلو ان کو تکلیف ہو رہی ہوگی۔ پس آپ جب اور جس قدر چاہیں کوئی جنس یا اجناس تحفہ کے طور پر خوشی سے بھجوا سکتے ہیں اس سے آپ کی اور ہماری دونوں کی بشاشت قائم رہے گی مگر آپ کی پیش کردہ صورت میں ہمارے دل پر بوجھ رہے گا کہ ہم بوجھ بن رہے ہیں۔ والسلام　خاکسار مرزا محمود احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سیدنا ومطاعنا ایدکم اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضور کا ارشاد بابت میری درخواست مہمان نوازی موصول ہونے پر ازحد شرمسار ہوں کہ حضور کو اس سے سوال کا رنگ پیدا ہونے کا احتمال ہوا جس کے واسطے معافی کا خواستگار ہوں۔

چونکہ حضور نے اس عاجز کی مہمان نوازی کو غیر معین عرصہ کے لئے قبول فرمانا پسند نہیں فرمایا اس لئے عاجز کی درخواست ہے کہ دو ماہ کے لئے حضور اس عاجز کی مہمان نوازی قبول فرمائیں اور اس عاجز کو کل صبح سے اشیاء خوردنی سپلائی کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ والسلام

حضور کا ادنیٰ ترین غلام عاجز غفور الحق خاں عفی عنہ　　۱۲ ۶/۴۸

[illegible]

ترجیح یہ ہے کہ آپ تین سو روپیہ خود پیش کریں مہمان نوازی کا شوق پورا ہو جائے

ورنہ جیسا چاہو

مرزا محمود احمد

(جواب) عزیز مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میری سمجھ میں ابھی بات نہیں آئی کہ یہ کس طرح ہوگا ۔ سردست آپ تین دن اسی طرح کرلیں میری سمجھ میں بھی آجائے اور آپ کی خواہش مہمان نوازی کی بھی پوری ہو جائے ۔ والسلام خاکسار مرزا محمود احمد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

سیّدنا ومطاعنا ایدکم اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضور نے ازراہِ نوازش اور شفقت اِس عاجز کی دلداری کی خاطر تین دن کی مہمان نوازی قبول فرمالی ۔

جزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والاٰخرہ ۔

چونکہ حضور نے فرمایا تھا کہ سردست تین دن کے لئے اِس عاجز کی خواہش مہمان نوازی پوری ہوجائے ۔ اَب جس طرح حضور پسند فرمائیں یعنی اگر حضور اس انتظام کو جاری رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو عین نوازش ہوگی ورنہ جو صورت حضور نے پہلے مناسب خیال فرمائی تھی اس پر عمل پیرا ہوجاؤں ۔ والسلام

حضور کا ادنیٰ ترین غلام

عاجز غفور الحق خان عفی عنہٗ ۱۵/۶/۴۸

محترمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میری غرض تو یہ تھی کہ بعض میں آپ سے

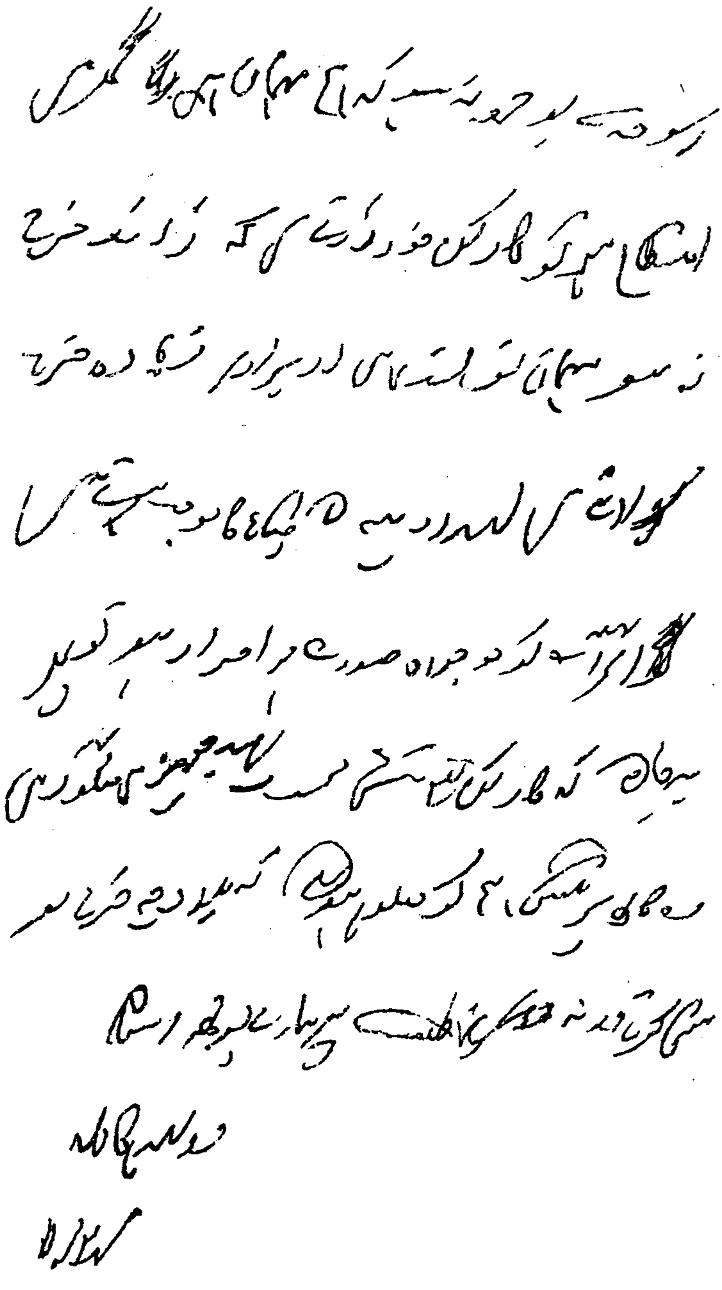
اس وجہ سے بوجھ نہ ہو کہ ہم مہمان ہیں بہرحال گھر میں
انتظام ہو تو کارکن خود ڈرتے ہیں کہ زائد خرچ
نہ ہو مہمان نوازی ہیں اوپر اوپر زیادہ خرچ
کروا دیتے ہیں اور روپیہ کے ضیاع کا موجب بنتے ہیں
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
والسلام
خاکسار

(جواب) عزیزم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میری غرض تو یہ تھی کہ یوں ہی آپ پر اس وجہ سے بوجھ نہ ہو کہ ہم مہمان ہیں۔ گھر میں انتظام ہو تو کارکن خود ڈرتے ہیں کہ زائد خرچ نہ ہو۔ مہمان نوازی میں اوپر اوپر زیادہ خرچ کروا دیتے ہیں اور روپیہ کے ضیاع کا موجب

ہوتے ہیں۔ اگر آپ کو موجودہ صورت پر اصرار ہو تو پھر یہ چاہیئے کہ کارکن سے منشی محمود احمد جو چیزیں منگوائیں وہ کاپی پر لکھیں تا ہم کو معلوم ہو سکے کہ بلا وجہ خرچ تو نہیں کرتے ورنہ طبیعت پر ہمارے بوجھ رہے گا۔

والسلام خاکسار مرزا محمود احمد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

سیّدنا و مطاعنا ایدکم اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اِس عاجز کی درخواست مہمان نوازی پر حضور نے جس قدر تالیفِ قلب کی خاطر اپنی طبیعت پر بوجھ ڈالا ہے اس کے واسطے از حد ممنون ہوں۔

آئندہ کے لئے مَیں اصرار نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اِس طرح حضور کی طبیعت پر بوجھ رہے گا۔ اَب جو اجناس بقایا ہیں وہ بطور تحفہ قبول فرمانے کے لئے عرض ہے اور ساتھ کی ناچیز رقم (۸۰۰/- روپے) بھی۔ والسلام

حضور کا ادنیٰ ترین غلام

عاجز غفور الحق خان عفی عنہ ۱۶/۶/۴۸

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آپ کے احساس کا شکریہ جزاکم اللہ احسن الجزاء

یہ بوجھ احساس کی صحت پر [illegible]

ورنہ آپ [illegible] میرے [illegible] ہیں اللہ تعالیٰ [illegible]

[illegible] رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کا [illegible]

نفع ہے

والسلام خاکسار

مرزا محمود احمد

(جواب) عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رقم اور اجناس کا شکریہ۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ یہ بوجھ کا احساس بھی صرف خدا تعالیٰ کے لئے ہے ورنہ آپ میرے بچوں کی طرح ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب امور میں حکمتیں رکھی ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ بڑی بھاری حکمتیں رکھتا ہے اور اسی میں ہم سب کا نفع ہے۔ والسلام خاکسار مرزا محمود احمد

بخدمت حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضور کی خدمت میں یہ حقیر رقم -/-/۸۰۰ روپیہ پیش کرتا ہوں حضور قبول فرماویں اور میرے لئے اور میرے خاندان کے لئے دعا فرماویں۔ رمضان شریف کا مبارک مہینہ ہے۔ والسلام حضور کا ادنیٰ خادم غفور الحق خان ۱ش/۱۹۴۸

عزیزم ڈاکٹر غفور الحق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آٹھ سو روپے مل گئے جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اللہ تعالیٰ آپ کے

سب خاندان پر رحم فرمائے اور اپنے فضل سے اپنی رضا کی راہوں

پر چلنے کی توفیق بخشے والسلام خاکسار مرزا محمود احمد

(جواب) عزیزم ڈاکٹر غفور الحق صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آٹھ سو روپے مل گئے جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اللہ تعالیٰ آپ کے سب خاندان پر رحم فرمائے اور اپنے فضل سے اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق بخشے۔ والسلام خاکسار

مرزا محمود احمد

اِفتتاحِ ربوہ کی تقریب میں شامل اصحاب

مندرجہ ذیل فہرست جو صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے قدیم ریکارڈ سے حاصل کی گئی ہے مولانا ابو العطاء صاحب فاضل کی نگرانی میں تیار ہوئی تھی اور مولانا صاحب موصوف نے ۶ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو اسے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی خدمت میں ارسال کیا اور اس کے شروع میں لکھا کہ "حضرت میاں صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جہاں تک نام دستیاب ہوسکے ہیں ان کی فہرست مرتّب کرکے بھجوا رہا ہوں مختلف اصحاب نے نام جلدی میں لکھے تھے اس لئے چند نام ایسے رہ گئے ہیں جن کا پتہ نہیں لگ سکا بہرحال فہرست ارسال ہے۔ کُل نام ۶۱۹ ہیں۔ خاکسار خادم ابو العطاء ۶/۱۱/۴۸"

۱۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز۔
۲۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے
۳۔ جناب سید ولی اللہ شاہ صاحب
۴۔ جناب مولوی عبدالرحیم صاحب دردؔ ایم۔اے
۵۔ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور
۶۔ جناب مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔اے
۷۔ چوہدری برکت علی خاں صاحب وکیل المال
۸۔ جناب عبدالسلام صاحب اخترؔ ایم۔اے
۹۔ سیٹھ اسماعیل موسیٰ صاحب کراچی
۱۰۔ میاں عبدالمنان صاحب عمرؔ
۱۱۔ چوہدری محمد عظیم صاحب باجوہ
۱۲۔ ملک عبدالرحمٰن صاحب قصور
۱۳۔ ماسٹر نور الٰہی صاحب
۱۴۔ مبارک احمد طالب علم
۱۵۔ مولوی محمد تقی صاحب سنوری
۱۶۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انورؔ
۱۷۔ عبدالحمید صاحب احمد نگر
۱۸۔ چوہدری غلام رسول صاحب بی ٹی ہائی سکول
۱۹۔ عبدالرشید طالب علم ہائی سکول
۲۰۔ طیّب احمد ہائی سکول
۲۱۔ مطیع اللہ صاحب احمد نگر
۲۲۔ داؤد احمد ہائی سکول
۲۳۔ حکیم محمد عبداللہ صاحب احمد نگر
۲۴۔ مستری ناظر دین صاحب احمد نگر
۲۵۔ مستری عبدالرحیم صاحب ″
۲۶۔ چوہدری علی شیر صاحب ″
۲۷۔ سمیع اللہ صاحب ″
۲۸۔ اکرم شاہ صاحب ولد علی شاہ صاحب
۲۹۔ غلام محمد صاحب چک ۱۰۵
۳۰۔ میاں رحیم بخش صاحب احمد نگر
۳۱۔ حمید اللہ ولد حکیم محمد عبداللہ صاحب ″

۳۲ - بشیر احمد ولد علی شیر صاحب	احمد نگر
۳۳ - عبد الستار صاحب دکاندار	"
۳۴ - علی محمد صاحب	"
۳۵ - عبد العلیم و محمد حسین بچگان	"
۳۶ - محمد اسمٰعیل صاحب باورچی	چنیوٹ
۳۷ - غلام حیدر صاحب	"
۳۸ - چوہدری محمد شریف صاحب	
۳۹ - عبد الرحمٰن صاحب شاکر کلرک ہائی سکول	
۴۰ - خلیل احمد صاحب ولد ناظر دین صاحب	احمد نگر
۴۱ - سلیم احمد صاحب شاکر	
۴۲ - سعید احمد ولد امیر الدین صاحب	
۴۳ - اقبال احمد ولد سیٹھ محمد صدیق صاحب چنیوٹ	
۴۴ - بابو فضل الدین صاحب اوورسیر	
۴۵ - مستری دین محمد صاحب	احمد نگر
۴۶ - عبد العزیز صاحب	"
۴۷ - محمد عبد اللہ (بچہ)	"
۴۸ - بشیر احمد صاحب	"
۴۹ - عبد المجید طالب علم	
۵۰ - مولوی ابو العطاء صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ	
۵۱ - منیر احمد صاحب ہائی سکول	
۵۲ - بشیر احمد صاحب	چنیوٹ
۵۳ - شیر محمد صاحب	چک ۳۸
۵۴ - ناظر علی صاحب	شیخپورہ گجرات
۵۵ - چوہدری ابراہیم صاحب آڑھتی	احمد نگر
۵۶ - محمد ابراہیم صاحب دفتر محاسب	

۵۷ - انوار احمد	ہائی سکول
۵۸ - محمود احمد	"
۵۹ - عبد الشکور	"
۶۰ - مصلح الدین	"
۶۱ - عطاء الرحمٰن صاحب بنگالی	چنیوٹ
۶۲ - حبیب الرحمٰن صاحب	دفتر بیت المال
۶۳ - محمد زاہد بنگالی	ہائی سکول
۶۴ - محمد منیر	"
۶۵ - ریاض احمد	"
۶۶ - مجید اللہ	"
۶۷ - رشید احمد	"
۶۸ - داؤد احمد	"
۶۹ - بشیر احمد	"
۷۰ - حمید الدین اختر	"
۷۱ - شہباز احمد	"
۷۲ - محمد انور احمد	"
۷۳ - شریف احمد	"
۷۴ - مولوی محمد شہزادہ خاں صاحب	احمد نگر
۷۵ - فضل الٰہی صاحب اشرف	ہائی سکول
۷۶ - محمد الدین صاحب حجام	چنیوٹ
۷۷ - حکیم کریم اللہ صاحب	احمد نگر
۷۸ - چوہدری محمد علی صاحب	چک ۳۵
۷۹ - چوہدری جلال الدین صاحب	"
۸۰ - میاں احمد دین صاحب چوکیدار	احمد نگر
۸۱ - ماسٹر سعد اللہ خاں صاحب	ہائی سکول

۸۲ ۔ ماسٹر عبدالکریم صاحب ٹیلر
۸۳ ۔ منظور احمد صاحب ہائی سکول
۸۴ ۔ جمیل الرحمٰن صاحب 〃
۸۵ ۔ میاں امیرالدین صاحب لگیری ضلع جالندھر
۸۶ ۔ بشارت احمد صاحب ہائی سکول
۸۷ ۔ چوہدری حسن محمدؐ صاحب عارفؔ وکیل التجارۃ
۸۸ ۔ لطیف احمد صاحب ہائی سکول
۸۹ ۔ میاں محمدؐ صادق صاحب چنیوٹ
۹۰ ۔ غلام فرید صاحب 〃
۹۱ ۔ چوہدری شیر محمدؐ صاحب احمد نگر
۹۲ ۔ میاں علم الدین صاحب 〃
۹۳ ۔ ماسٹر محمدؐ ابراہیم صاحب ہائی سکول
۹۴ ۔ مستری نور الٰہی صاحب احمد نگر
۹۵ ۔ مستری محمدؐ صدیق صاحب لالیاں
۹۶ ۔ میاں محمدؐ رمضان صاحب چنیوٹ
۹۷ ۔ شیر محمدؐ صاحب چک لوہٹ احمد نگر
۹۸ ۔ نمبردار محمدؐ ابراہیم صاحب احمد نگر
۹۹ ۔ محمدؐ ظفر محمود پسر صوفی محمدؐ ابراہیم صاحب ہائی سکول
۱۰۰ ۔ مبارک مصلح الدین پسر صوفی غلام محمدؐ صاحب 〃
۱۰۱ ۔ میاں عبدالکریم صاحب چنیوٹ
۱۰۲ ۔ مستری علم الدین صاحب 〃
۱۰۳ ۔ سردار مصباح الدین صاحب مع اہلیہ صاحبہ 〃
۱۰۴ ۔ شیخ محمدؐ یوسف صاحب 〃
۱۰۵ ۔ محمدؐ سلیم صاحب 〃
۱۰۶ ۔ نثار احمد صاحب 〃
۱۰۷ ۔ بابا کرم الدین صاحب صحابی چک ۳۳
۱۰۸ ۔ مولاداد صاحب 〃
۱۰۹ ۔ نبی بخش صاحب 〃
۱۱۰ ۔ نصیر احمد صاحب 〃
۱۱۱ ۔ صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب
۱۱۲ ۔ مستری عبدالحکیم صاحب لاہور
۱۱۳ ۔ چوہدری عبدالحمید خان صاحب ایگزیکٹو انجنیر 〃
۱۱۴ ۔ مجیب الرحمٰن صاحب بنگالی چنیوٹ
۱۱۵ ۔ مشتاق احمد صاحب ہائی سکول
۱۱۶ ۔ عبدالکریم اسمٰعیل 〃
۱۱۷ ۔ مولوی عبدالمنان قادرآبادی احمد نگر
۱۱۸ ۔ گلزار احمد صاحب ہائی سکول
۱۱۹ ۔ محمدؐ اکبر خان 〃
۱۲۰ ۔ ڈاکٹر راجہ بشارت احمد صاحب مع ہمشیرہ، بیوی، بچّہ لالیاں
۱۲۱ ۔ ڈاکٹر فضل حق صاحب معہ بیوی بچّہ 〃
۱۲۲ ۔ محمود احمد پسر محمدؐ حسین صاحب ٹیچر چنیوٹ
۱۲۳ ۔ عبدالقادر 〃 〃 〃 〃 〃
۱۲۴ ۔ مستری سلطان محمدؐ صاحب لالیاں
۱۲۵ ۔ آفتاب احمد صاحب 〃
۱۲۶ ۔ غلام احمد مع بیوی 〃
۱۲۷ ۔ شیخ محمدؐ یار صاحب سیکرٹری مال 〃
۱۲۸ ۔ شیخ سراج دین صاحب 〃
۱۲۹ ۔ شیخ غلام محمدؐ صاحب 〃

۱۳۰۔ شیخ اللہ بخش صاحب	لالیاں
۱۳۱۔ حکیم غلام حسین صاحب	"
۱۳۲۔ ممتاز احمد صاحب	"
۱۳۳۔ والدہ سیف الحق صاحب	"
۱۳۴۔ والدہ محمد سلطان صاحب	"
۱۳۵۔ والدہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب	"
۱۳۶۔ ہمشیرہ مستری سلطان محمد صاحب	"
۱۳۷۔ عبدالعزیز صاحب	"
۱۳۸۔ سلطان علی صاحب	چنیوٹ
۱۳۹۔ خادم حسین صاحب	"
۱۴۰۔ عبدالغنی صاحب	"
۱۴۱۔ عبدالسلام	احمد نگر
۱۴۲۔ سرداراں بی بی صاحبہ	"
۱۴۳۔ بشیر احمد صاحب	"
۱۴۴۔ کریم بخش صاحب	"
۱۴۵۔ محمد اسمٰعیل صاحب	"
۱۴۶۔ عبدالستار صاحب	"
۱۴۷۔ غلام محمد صاحب	"
۱۴۸۔ منشی نیاز اللہ صاحب شاہجہانپوری	
۱۴۹۔ نثار احمد واقف بنگوی	
۱۵۰۔ عبدالوہاب	احمد نگر
۱۵۱۔ حکیم محمد الدین ولد سلطان احمد صاحب	گوجرانوالہ حال چنیوٹ
۱۵۲۔ نورالدین "	" " " "
۱۵۳۔ ارشاد احمد ولد نورالدین	" " "

۱۵۴۔ چوہدری بشیر احمد صاحب ولد چوہدری نور محمد صاحب۔	چک ۳۸ جنوبی
۱۵۵۔ چوہدری محمد اسحٰق صاحب چک ۳۸ جنوبی سرگودھا	
۱۵۶۔ " محمد ابراہیم صاحب "	" " "
۱۵۷۔ " مبارک احمد صاحب	" " "
۱۵۸۔ " شیر محمد صاحب	" " "
۱۵۹۔ عبدالحق صاحب	" " "
۱۶۰۔ محمد صدیق صاحب	" " "
۱۶۱۔ محمد حسین صاحب	" " "
۱۶۲۔ عبدالقدیر صاحب	" " "
۱۶۳۔ محمد گلشیر صاحب	" " "
۱۶۴۔ رحمت اللہ صاحب	" " "
۱۶۵۔ عنایت اللہ صاحب	" " "
۱۶۶۔ ولی محمد صاحب	" " "
۱۶۷۔ عبدالغفور صاحب	" " "
۱۶۸۔ عبداللطیف ولد نور احمد صاحب	" " "
۱۶۹۔ عبدالغفور "	" " " "
۱۷۰۔ محمد حسین صاحب	" " "
۱۷۱۔ نیک محمد صاحب	" " "
۱۷۲۔ ملک احمد خاں صاحب	" " "
۱۷۳۔ محمد شفیع صاحب	" " "
۱۷۴۔ نور محمد صاحب ولد شیر محمد صاحب	" " "
۱۷۵۔ محمد عمر سہگل	چنیوٹ
۱۷۶۔ محمد شفیق ولد محمد عمر صاحب سہگل	"
۱۷۷۔ محمد سلیم "	" " " "

۱۷۸ ۔ محمد شفیق ولد میاں محمد بشیر صاحب سہگل
۱۷۹ ۔ محمد عالم صاحب ولد شاہ محمد صاحب چک ۳۳ سرگودہا
۱۸۰ ۔ محمد شفیع صاحب "
۱۸۱ ۔ راجہ محمد عبداللہ صاحب "
۱۸۲ ۔ راجہ لطف اللہ صاحب "
۱۸۳ ۔ چوہدری بشیر اصغر صاحب "
۱۸۴ ۔ ڈاکٹر بھائی محمود احمد صاحب سرگودہا
۱۸۵ ۔ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب "
۱۸۶ ۔ ودود احمد صاحب ولد بھائی محمود احمد صاحب "
۱۸۷ ۔ شیخ محمد اقبال احمد صاحب پراچہ "
۱۸۸ ۔ شیخ عبدالرزاق صاحب پراچہ "
۱۸۹ ۔ شیخ عبدالرشید صاحب پراچہ "
۱۹۰ ۔ چوہدری مبارک احمد صاحب "
۱۹۱ ۔ شیخ فضل کریم صاحب "
۱۹۲ ۔ شیخ محمد رفیع صاحب "
۱۹۳ ۔ مولوی عبدالغفور صاحب مبلغ "
۱۹۴ ۔ بشارت احمد ولد " " " "
۱۹۵ ۔ سعادت احمد ولد " " " "
۱۹۶ ۔ بشیر احمد صاحب کاٹھگڑھی "
۱۹۷ ۔ ملک غلام نبی صاحب چک ۹۸ "
۱۹۸ ۔ چوہدری فتح خاں صاحب نمبردار
چک ۶۸ جنوبی سرگودہا
۱۹۹ ۔ میاں رشید محمد صاحب کوٹ مومن
۲۰۰ ۔ محمد اکرام صاحب سرگودہا
۲۰۱ ۔ محمد عادل صاحب "

۲۰۲ ۔ چوہدری غلام احمد صاحب ضلع گجرات
حال سلانوالی سرگودہا
۲۰۳ ۔ محمد عالم صاحب سرگودہا
۲۰۴ ۔ غلام احمد صاحب ولد مولوی رحمت علی صاحب "
۲۰۵ ۔ رشید احمد " " " " "
۲۰۶ ۔ محمود احمد " " " " "
۲۰۷ ۔ چوہدری غلام احمد ولد غلام حیدر صاحب
نمبردار چک ۴۳ جنوبی
۲۰۸ ۔ ڈاکٹر حاجی جنود اللہ صاحب ترکستانی سرگودہا
۲۰۹ ۔ محمد عبداللہ صاحب بوتالوی "
۲۱۰ ۔ مرزا عبدالحق صاحب وکیل امیر جماعت احمدیہ "
۲۱۱ ۔ مرزا منور احمد صاحب ولد مرزا عبدالحق صاحب وکیل "
۲۱۲ ۔ علی گوہر صاحب لاہور ہریکے ٹرانسپورٹ لاہور
۲۱۳ ۔ عبدالکریم ولد نظام الدین صاحب
۲۱۴ ۔ خدا بخش صاحب کوٹ محمد یار
۲۱۵ ۔ رشید ولد عبدالعزیز صاحب " "
۲۱۶ ۔ شمس الدین احمد نگر
۲۱۷ ۔ قریشی عبدالرشید صاحب نائب وکیل المال
۲۱۸ ۔ عبدالرحمن ولد نور محمد صاحب چک ۳۶۶ ملتان
۲۱۹ ۔ محمد عبداللہ ولد احمد دین صاحب چک ۳۵
۲۲۰ ۔ عزیز الدین ولد محمد بخش صاحب احمد نگر
۲۲۱ ۔ فیض محمد ولد شہزادہ "
۲۲۲ ۔ بشیر اصغر چک ۳۳
۲۲۳ ۔ عبدالرحمن ولد محمد اسمٰعیل صاحب احمد نگر
۲۲۴ ۔ چوہدری عزیز احمد صاحب نائب محاسب

۲۲۵۔ عبدالغفور ولد سبحان	احمد نگر
۲۲۶۔ محمد لطف اللہ خان	چک ۳۷
۲۲۷۔ محمد داؤد ولد محمد یعقوب	چنیوٹ
۲۲۸۔ عبدالرؤف " "	"
۲۲۹۔ مستری فضل حق صاحب	قادیان
۲۳۰۔ عبدالغنی صاحب	"
۲۳۱۔ برکت علی ولد فتح دین	"
۲۳۲۔ عطاء محمد ولد عبدالکریم	احمد نگر
۲۳۳۔ غلام دین ولد وزیرا	"
۲۳۴۔ محمد ابراہیم ولد عطاء محمد	"
۲۳۵۔ رفیق احمد ولد نور محمد	"
۲۳۶۔ مبارک احمد ولد عنایت اللہ	"
۲۳۷۔ عبدالحمید صاحب اختر ولد عبدالعزیز صاحب	سیالکوٹ
۲۳۸۔ محمد ابراہیم ولد ماسٹر حمید الدین صاحب مرحوم	چنیوٹ
۲۳۹۔ عبدالغفار ولد سردار علی	احمد نگر
۲۴۰۔ حامد نور ولد گل نور پٹھان	
۲۴۱۔ نور احمد ولد نبی بخش صاحب	لاہور
۲۴۲۔ ثناء اللہ خاں ولد ماسٹر سعد اللہ خاں صاحب	جھنگ
۲۴۳۔ محمد علی ولد راجہ	چنیوٹ
۲۴۴۔ لطیف احمد ولد محمد مغل کوٹ محمد یار	چنیوٹ
۲۴۵۔ نذیر احمد ولد سعد اللہ " "	"
۲۴۶۔ شریف احمد ولد حمید اللہ	قادیان
۲۴۷۔ چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ایل۔اے	
۲۴۸۔ چوہدری عبدالرحمن صاحب ہائی سکول بمعہ اہلیہ و بچگان	

۲۴۹۔ محمودہ بنت عبدالرحمن صاحب شاکر	چنیوٹ
۲۵۰۔ زبیدہ اہلیہ محمد حنیف صاحب	احمد نگر
۲۵۱۔ سائرہ بی بی " ناصر دین	"
۲۵۲۔ ناصرہ بی بی بنت چراغ دین	"
۲۵۳۔ صالحہ بی بی بنت ناصر دین	"
۲۵۴۔ عزیزہ بی بی بنت چراغ دین	"
۲۵۵۔ صادقہ بی بی " ناصر دین	"
۲۵۶۔ مبارکہ بیگم " "	"
۲۵۷۔ مشیت خاتون اہلیہ مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی	"
۲۵۸۔ زینت بنت رحمت اللہ	"
۲۵۹۔ فضل بی بی اہلیہ شیخ اللہ بخش صاحب	لالیاں
۲۶۰۔ زوجہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب	"
۲۶۱۔ والدہ " " "	"
۲۶۲۔ سکینہ بیگم زوجہ ڈاکٹر فضل حق صاحب	"
۲۶۳۔ شریفہ بی بی زوجہ سراج دین صاحب	"
۲۶۴۔ مشیت خاتون	"
۲۶۵۔ معراج بی بی زوجہ غلام محمد	"
۲۶۶۔ امۃ الشریف زوجہ بدرالدین	"
۲۶۷۔ رحمت بی بی اہلیہ ماسٹر نور الٰہی صاحب ہائی سکول	چنیوٹ
۲۶۸۔ منیرہ منورہ بنت " " "	"
۲۶۹۔ مریم صدیقہ " " " "	"
۲۷۰۔ والدہ شیر احمد درویش قادیان	لاہور
۲۷۱۔ سلطان بی بی اہلیہ خیر دین	احمد نگر

۲۷۲۔ حاکم بی بی اہلیہ رحمت علی — احمد نگر
۲۷۳۔ آمنہ بی بی اہلیہ مولوی صدر دین صاحب مبلغ — 〃
۲۷۴۔ حمیدہ بی بی اہلیہ مولوی فیروز دین — 〃
۲۷۵۔ رشیدہ بی بی اہلیہ نور الٰہی — 〃
۲۷۶۔ حسین بی بی اہلیہ محمد حسین — 〃
۲۷۷۔ ناصرہ بی بی اہلیہ عبد السبحان — چنیوٹ
۲۷۸۔ اہلیہ سردار مصباح الدین صاحب — 〃
۲۷۹۔ صالحہ مبارکہ بنت 〃 〃 〃 — 〃
۲۸۰۔ بی بی خاوند سارُو — احمد نگر
۲۸۱۔ فاطمہ بی بی بنت سارُو — 〃
۲۸۲۔ دولاں اہلیہ ممّو گوندل — 〃
۲۸۳۔ سردار بی بی بنت شیر محمد — 〃
۲۸۴۔ صغریٰ بی بی بنت غلام دین — 〃
۲۸۵۔ خدیجہ بیگم اہلیہ سیٹھ اللہ جوایا صاحب چنیوٹ
۲۸۶۔ صغریٰ بی بی بنت 〃 〃 〃 — 〃
۲۸۷۔ صفیہ بی بی 〃 〃 〃 〃 — 〃
۲۸۸۔ صادقہ بیگم بنت مولوی صدر الدین صاحب احمد نگر
۲۸۹۔ حمیدہ بشارت بنت محمد حنیف صاحب چنیوٹ
۲۹۰۔ امۃ الشکور بنت سیٹھ اللہ جوایا صاحب 〃
۲۹۱۔ عبد المالک ولد 〃 〃 〃 〃
۲۹۲۔ محمد الدین ولد شارُو — احمد نگر
۲۹۳۔ رشیدہ بی بی بنت مستری غلام محمد چنیوٹ
۲۹۴۔ عزیزہ اہلیہ ٹھیکیدار محمد یعقوب صاحب 〃
۲۹۵۔ آمنہ بیگم اہلیہ چوہدری عبد اللہ خاں صاحب 〃
۲۹۶۔ منیرہ بیگم بنت چوہدری فتح محمد صاحب سیال 〃

۲۹۷۔ راشدہ بیگم بنت ملک سلطان محمد کوٹ فتح خان
۲۹۸۔ رضیہ بیگم اہلیہ محمد منیر صاحب — چنیوٹ
۲۹۹۔ رحیم بی بی اہلیہ شیخ فضل حسین — 〃
۳۰۰۔ دولت بی بی زوجہ حبیب احمد خان — 〃
۳۰۱۔ خورشید بیگم اہلیہ حبیب احمد خان — 〃
۳۰۲۔ رضیہ بیگم زوجہ محمد دین واقفِ زندگی — 〃
۳۰۳۔ زینب اہلیہ عبد الرحمٰن — 〃
۳۰۴۔ بخت بھری زوجہ چوہدری سلطان احمد لالیاں
۳۰۵۔ فاطمہ بیگم بنت 〃 〃 〃
۳۰۶۔ مخدوم عثمان علی صاحب — سرگودھا
۳۰۷۔ خورشید احمد واقفِ زندگی
۳۰۸۔ چوہدری محفوظ الرحمٰن صاحب واقفِ زندگی
۳۰۹۔ منیر احمد صاحب — چنیوٹ
۳۱۰۔ دین محمد — 〃
۳۱۱۔ ابراہیم — ڈاور
۳۱۲۔ محمد اسلم — احمد نگر
۳۱۳۔ خلیل احمد — 〃
۳۱۴۔ اظہر احمد — چنیوٹ
۳۱۵۔ غلام محمد صاحب — 〃
۳۱۶۔ حمید احمد صاحب — 〃
۳۱۷۔ نور محمد ولد گلاب
۳۱۸۔ ظفر احمد ولد محمد ابراہیم — سیالکوٹ
۳۱۹۔ چراغ الدین — احمد نگر
۳۲۰۔ قاری محمد امین صاحب دفتر ضیافت
۳۲۱۔ محمد شفیع صاحب — احمد نگر

۳۲۲۔ مرزا عبدالسلام	احمد نگر
۳۲۳۔ محمد علی	״
۳۲۴۔ فیروزالدین	״
۳۲۵۔ خان محمد ولد علی محمد	ڈاور
۳۲۶۔ محمد اسلام	״
۳۲۷۔ محمد اسمٰعیل	״
۳۲۸۔ محمد احمد	ہائی سکول چنیوٹ
۳۲۹۔ محمد احمد صاحب حیدر آبادی	کالج
۳۳۰۔ محمود احمد صاحب	ہائی سکول
۳۳۱۔ مصلح الدین بنگالی	کالج
۳۳۲۔ نثار احمد سیلونی	ہائی سکول
۳۳۳۔ خواجہ عبدالکریم صاحب وکیل التجارت	
۳۳۴۔ ماسٹر عبدالرحمٰن خاں صاحب بنگالی	احمد نگر
۳۳۵۔ علم الدین	چنیوٹ
۳۳۶۔ محمد صادق	״
۳۳۷۔ خلیل احمد صاحب اختر	دفتر بہشتی مقبرہ
۳۳۸۔ عبدالغفور	احمد نگر
۳۳۹۔ رحمت اللہ	״
۳۴۰۔ محمد حسین صاحب چک ۳۵ جنوبی سرگودہا	
۳۴۱۔ حنیف احمد ولد برکت علی	چنیوٹ
۳۴۲۔ افضل احمد ولد قادر علی	تعلیم الاسلام ہائی سکول
۳۴۳۔ محمد شریف ولد دلاور علی	״
۳۴۴۔ عنایت محمد ولد فتح محمد	احمد نگر
۳۴۵۔ اسمٰعیل ولد رحیم بخش	״
۳۴۶۔ مبارک احمد ولد فضل حق	مبلغ دیہاتی

۳۴۷۔ عبدالحمید ولد ٹھیکیدار عبدالرحمٰن صاحب	چنیوٹ
۳۴۸۔ محمد کریم نثار ولد محمد یامین صاحب تاجر کتب	״
۳۴۹۔ عبدالرشید ولد سردار نذر حسین	
۳۵۰۔ مرزا عبدالشکور ولد مرزا عبدالحمید	بیت المال
۳۵۱۔ ناصر احمد ولد ناظر دین	احمد نگر
۳۵۲۔ میاں محمد یوسف صاحب پرائیویٹ سیکرٹری	
۳۵۳۔ محمد اسلم ولد محمد الدین	بورڈنگ تحریک
۳۵۴۔ بشیر احمد ولد ڈاکٹر احمد دین صاحب	״
۳۵۵۔ علم الدین ولد اللہ بخش	احمد نگر
۳۵۶۔ حفیظ الدین احمد ولد عزیز الدین احمد	چنیوٹ
۳۵۷۔ وزیر علی ولد صوبے خاں	احمد نگر
۳۵۸۔ حاجی تاج محمد ولد میاں عبدالرحیم صاحب	
۳۵۹۔ خادم حسین ولد بڈھا خاں	
۳۶۰۔ ولی محمد ولد کرم دین	بورڈنگ چنیوٹ
۳۶۱۔ ولایت حسین ولد سردار خاں	چنیوٹ
۳۶۲۔ شریف احمد ولد بشیر احمد	ملتان
۳۶۳۔ رشید احمد ولد نظام دین	چنیوٹ ہائی سکول
۳۶۴۔ مولوی ظل الرحمٰن صاحب مبلغ	چنیوٹ
۳۶۵۔ منیر احمد ونیس ولد مولوی غلام رسول صاحب	
۳۶۶۔ شیخ محمد حسین صاحب پنشنر	
۳۶۷۔ محمد اسمٰعیل صاحب معتبر	
۳۶۸۔ شیخ نذر حسین منگو	چنیوٹ
۳۶۹۔ محمد حیات صاحب تاثیر	
۳۷۰۔ شیخ مقبول احمد (غیر احمدی)	چنیوٹ
۳۷۱۔ محمد افضل ترکی (״)	״

۳۷۲ ۔ فیروز محی الدین صاحب جامعہ احمدیہ احمدنگر
۳۷۳ ۔ امیر خاں صاحب 〃
۳۷۴ ۔ مولوی محمد یعقوب صاحب فاضل انچارج محکمہ زودنویسی
۳۷۵ ۔ مولوی سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ
۳۷۶ ۔ مولوی محمد صدیق صاحب فاضل واقفِ زندگی
۳۷۷ ۔ چوہدری ظہور احمد صاحب معاون ناظر بیت المال
۳۷۸ ۔ چوہدری سلطان احمد صاحب بسرا واقفِ زندگی
۳۷۹ ۔ چوہدری محمد یوسف صاحب احمدنگر
۳۸۰ ۔ عبدالمنان ولد جناب مولوی عبدالمغنی صاحب ناظر تبلیغ۔
۳۸۱ ۔ شیخ عزیز احمد ابن شیخ فضل احمد صاحب
۳۸۲ ۔ صوفی غلام محمد صاحب تعلیم الاسلام ہائی سکول
۳۸۳ ۔ حافظ عبدالسمیع امروہی ولد الٰہی بخش صاحب
۳۸۴ ۔ محمد ابراہیم ناصر ولد مولوی فخرالدین صاحب
۳۸۵ ۔ مظہر احمد ولد شیخ محمد حسین صاحب چنیوٹ
۳۸۶ ۔ مبارک احمد ولد شیخ فضل احمد صاحب
۳۸۷ ۔ مسعود احمد ولد ڈاکٹر محمد اسمٰعیل چنیوٹ
۳۸۸ ۔ محمد حسین ولد محمد عیسٰی احمدنگر
۳۸۹ ۔ عبدالحفیظ ولد عبدالحی چنیوٹ
۳۹۰ ۔ بشیر احمد زاہد ولد محمد ابراہیم احمدنگر
۳۹۱ ۔ محمد برہان ولد محمد عثمان بورڈنگ تحریک
۳۹۲ ۔ ضیاء الحق ولد شیر احمد 〃
۳۹۳ ۔ نور محمد ولد عبدالکریم احمدنگر
۳۹۴ ۔ منشی عبدالخالق صاحب 〃
۳۹۵ ۔ عبدالسبحان ولد سردار مصباح الدین چنیوٹ

۳۹۶ ۔ عبدالقادر ولد سردار مصباح الدین چنیوٹ
۳۹۷ ۔ بشیر الدین 〃 〃 〃
۳۹۸ ۔ ظفر اقبال 〃 〃 〃
۳۹۹ ۔ منظور الٰہی ولد حکیم فضل الٰہی 〃
۴۰۰ ۔ عثمان علی ولد بشیر احمد سرگودھا
۴۰۱ ۔ چوہدری غلام رسول ولد شاہ محمد چک ۴۳ جنوبی
۴۰۲ ۔ عنایت اللہ ولد نور احمد احمدنگر
۴۰۳ ۔ عبدالرحمٰن ولد محمد شہزادہ 〃
۴۰۴ ۔ محمد سلیمان ولد شادی 〃
۴۰۵ ۔ نصراللہ خاں ولد ثناء اللہ چک ۴۳
۴۰۶ ۔ نور احمد ولد ہوشناک احمدنگر
۴۰۷ ۔ عمر دین ولد کوڑا 〃
۴۰۸ ۔ محمد علم دین ولد محمد یار چک ۵۲
۴۰۹ ۔ برکت اللہ ولد علی احمد احمدنگر
۴۱۰ ۔ محمد شفیع ولد عبدالغفور 〃
۴۱۱ ۔ مبارک احمد ولد نور احمد 〃
۴۱۲ ۔ کپتان عبدالرحمان مغل ولد میاں عبدالعزیز مغل مرحوم
۴۱۳ ۔ محمد عبدالمنان ولد میاں محمد عبدالرحمٰن صاحب اظہر
۴۱۴ ۔ پروفیسر سلطان محمود شاہد ولد سید سردار احمد شاہ
۴۱۵ ۔ حوالدار میجر عبدالغنی ولد محمد ہاشم آف گجرات
۴۱۶ ۔ ناصر دین ولد چراغ دین احمدنگر
۴۱۷ ۔ مالی لوہار ولد رحیم بخش ننگل باغبانان
۴۱۸ ۔ حشمت اللہ ولد قدرت اللہ احمدنگر
۴۱۹ ۔ حبیب اللہ 〃 〃
۴۲۰ ۔ شریف احمد ولد نتھا 〃

۴۲۱۔ حمید اللہ ولد محمد عبداللہ تعلیم الاسلام سکول

۴۲۲۔ حسین بخش ولد فضل دین چک ۴۳

۴۲۳۔ غلام احمد نمبردار ولد چوہدری غلام حیدر ”

۴۲۴۔ چوہدری فیض احمد ولد نظام الدین ”

۴۲۵۔ صوفی محمد رفیق صاحب واقفِ زندگی

۴۲۶۔ عبد الحق صاحب چک ۳۸

۴۲۷۔ عبد الحق صاحب چک ۳۱

۴۲۸۔ گل شیر احمد صاحب

۴۲۹۔ محمد دین صاحب

۴۳۰۔ سعید الدین صاحب

۴۳۱۔ محمد رمضان صاحب

۴۳۲۔ فضل دین صاحب

۴۳۳۔ ممتاز احمد صاحب

۴۳۴۔ چوہدری بہاؤ الحق صاحب واقفِ زندگی

۴۳۵۔ ضیاء الحق صاحب

۴۳۶۔ نور الدین امجد صاحب طالب علم

۴۳۷۔ عبد الرحیم صاحب

۴۳۸۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب انچارج نور ہسپتال

۴۳۹۔ مبارک احمد صاحب

۴۴۰۔ محمد شفیع صاحب

۴۴۱۔ برکت اللہ صاحب احمد نگر

۴۴۲۔ عبد العزیز صاحب معمار چنیوٹ

۴۴۳۔ محمد یعقوب صاحب

۴۴۴۔ حبیب دین صاحب

۴۴۵۔ عبد الکریم صاحب

۴۴۶۔ خادم حسین صاحب

۴۴۷۔ عبد اللطیف صاحب

۴۴۸۔ جلال دین صاحب دفتر امور عامہ

۴۴۹۔ خیر الدین صاحب

۴۵۰۔ عبد الشکور صاحب

۴۵۱۔ شیر محمد صاحب

۴۵۲۔ محمد صدیق صاحب

۴۵۳۔ عبد الرحیم سیلونی طالب علم

۴۵۴۔ طالب حسین صاحب ”

۴۵۵۔ عبد الغفور صاحب ”

۴۵۶۔ عبد اللطیف صاحب ”

۴۵۷۔ محمد ابراہیم صاحب ”

۴۵۸۔ محمد شفیع صاحب ”

۴۵۹۔ محمد صدیق صاحب ”

۴۶۰۔ مسعود احمد صاحب ”

۴۶۱۔ غلام حسین صاحب ”

۴۶۲۔ بشیر الدین احمد صاحب ”

۴۶۳۔ رشید احمد صاحب ”

۴۶۴۔ مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی جامعہ احمدیہ

۴۶۵۔ حافظ شفیق احمد صاحب

۴۶۶۔ مرزا محمد اشرف صاحب

۴۶۷۔ لئیق احمد صاحب

۴۶۸۔ بدر سلطان اختر واقفِ زندگی

۴۶۹۔ بشیر احمد صاحب

۴۷۰۔ محمود احمد صاحب

۴۷۱۔ محمود انور صاحب

۴۷۲۔ ناصر احمد صاحب واقفِ زندگی

۴۷۳۔ محمد اختر صاحب

۴۷۴۔ محمد شریف صاحب خالد

۴۷۵۔ بشارت احمد صاحب

۴۷۶۔ عنایت اللہ صاحب

۴۷۷۔ عنایت اللہ صاحب

۴۷۸۔ مقصود احمد صاحب

۴۷۹۔ مبشر احمد صاحب

۴۸۰۔ محمد رشید صاحب

۴۸۱۔ سعید احمد صاحب

۴۸۲۔ غلام احمد صاحب

۴۸۳۔ نیک احمد صاحب

۴۸۴۔ صوفی محمد ابراہیم صاحب

۴۸۵۔ سید محمود اللہ شاہ صاحب

۴۸۶۔ ماسٹر محمد ابراہیم صاحب

۴۸۷۔ مرزا عنایت اللہ صاحب

۴۸۸۔ محمد اسمٰعیل صاحب

۴۸۹۔ محمد شفیع ولد سینا — احمد نگر

۴۹۰۔ مبارک احمد ولد عطاء الٰہی — چک ۳۸ سرگودہا

۴۹۱۔ عطاء الکریم ولد مولوی ابوالعطاء صاحب — احمد نگر

۴۹۲۔ اصغر علی ولد میاں خاں

۴۹۳۔ عبدالکریم ولد شیخ ناصر احمد

۴۹۴۔ مقبول احمد ولد الف دین صاحب

۴۹۵۔ ظہور احمد ولد رحمت اللہ صاحب

۴۹۶۔ فتح محمد ولد رحمت اللہ صاحب — احمد نگر

۴۹۷۔ مولوی محمد عبداللہ صاحب اعجاز

۴۹۸۔ محمود احمد ولد حافظ محمد الدین صاحب مرحوم

۴۹۹۔ رمضان احمد ولد محمد صادق — ک ۲۷۶

۵۰۰۔ عبدالعزیز خاں صاحب کاٹھگڑھی ولد خواجہ خاں

۵۰۱۔ فضل کریم ولد شیخ فتح محمد — چنیوٹ

۵۰۲۔ غلام محمد ولد فتح دین — ؍؍

۵۰۳۔ سعادت احمد ولد چوہدری برکت علی صاحب وکیل المال۔

۵۰۴۔ محمد بوٹا ولد نور الدین صاحب — چنیوٹ

۵۰۵۔ غلام احمد ولد فتح دین — ؍؍

۵۰۶۔ عبدالوہاب ولد عبدالرحمٰن

۵۰۷۔ صلاح الدین ولد محمد ابراہیم

۵۰۸۔ برکات الٰہی ولد نور الٰہی صاحب

۵۰۹۔ عبداللطیف ولد ڈاکٹر غلام علی صاحب

۵۱۰۔ فضل الٰہی صاحب ولد عطاء الٰہی صاحب

۵۱۱۔ قطبہ وجیوا — احمد نگر

۵۱۲۔ حمید احمد ولد بشیر احمد

۵۱۳۔ عبدالخالق ولد محمد حسین — احمد نگر

۵۱۴۔ عبدالرشید ولد عبدالرحمٰن — چنیوٹ

۵۱۵۔ رشید احمد ولد رحیم بخش — احمد نگر

۵۱۶۔ بدرالدین ولد عمر دین — ہرسیاں

۵۱۷۔ مولوی تاج الدین صاحب ولد علی گوہر قاضی سلسلہ

۵۱۸۔ ملک عبدالرحمٰن ولد ملک غلام محمد — قصور

۵۱۹۔ امیر خاں ولد فیروز خاں

۵۲۰ - برکت علی ولد فتح دین	
۵۲۱ - خیر الدین ولد گوٹا	احمد نگر
۵۲۲ - عبد اللطیف ولد محمد یوسف	״
۵۲۳ - غلام صفدر ولد محمد خان	چک ۹۸
۵۲۴ - خان میر صاحب ولد علی گل صاحب	
۵۲۵ - محمد امیر ولد محمد علی	
۵۲۶ - عزیز دین ولد نور محمد	احمد نگر
۵۲۷ - شریف احمد وخته	״
۵۲۸ - بشارت احمد ولد مولوی فضل دین	
۵۲۹ - سلطان احمد ولد نور احمد صاحب	
۵۳۰ - مولوی عطاء الرحمن طاہر مولوی فاضل ولد مولوی ابو العطاء صاحب ۔	احمد نگر
۵۳۱ - الف دین ولد رحیم بخش	״
۵۳۲ - عبد الرحمن ولد نور محمد صاحب	
۵۳۳ - نذیر احمد بالاکوٹی	ہائی سکول
۵۳۴ - شیخ سراج دین	لالیاں
۵۳۵ - عبد اللطیف مولوی فاضل	
۵۳۶ - میر محمد ابراہیم ظفر واقفِ زندگی	
۵۳۷ - عبد المنان شاد	ہائی سکول
۵۳۸ - سید عبد الجلیل	چنیوٹ
۵۳۹ - محمد غوث انیس	״
۵۴۰ - نعیم احمد شاہ نہم ہائی سکول	
۵۴۱ - اقبال احمد	״
۵۴۲ - سید بشیر محمد صاحب	چنیوٹ
۵۴۳ - مبشر احمد	״

۵۴۴ - محمد ظہور	احمد نگر
۵۴۵ - عبد اللطیف ناصر	״
۵۴۶ - منور احمد	کلر کہار جہلم
۵۴۷ - کیپٹن عبد الحمید فرقان فورس	
۵۴۸ - محمود احمد	چک ۳۵ جنوبی
۵۴۹ - منیر احمد ولد نور احمد	کھیوا لائل پور
۵۵۰ - محمد نذیر	سرگودھا
۵۵۱ - مبارک احمد	ہائی سکول
۵۵۲ - عبد الغفور	״
۵۵۳ - خلیق الرحمن	״
۵۵۴ - لطیف احمد	״
۵۵۵ - عبد الغنی	״
۵۵۶ - نعیم احمد	״
۵۵۷ - عبد اللطیف خان	״
۵۵۸ - عبد الرشید	״
۵۵۹ - حمید الدین احمد	״
۵۶۰ - آفتاب احمد	״
۵۶۱ - حمید الدین	״
۵۶۲ - عبد السلام	״
۵۶۳ - فقیر محمد	احمد نگر
۵۶۴ - لطف الرحمن	ہائی سکول
۵۶۵ - محمد شفیق سہگل	״
۵۶۶ - عبد الحمید صاحب	״
۵۶۷ - محمد امین	احمد نگر
۵۰ - محمد ابراہیم	ہائی سکول

۵۶۹۔ محمد شفیق — ہائی سکول
۵۷۰۔ عبدالعزیز ولد چوہدری عبدالرحمٰن صاحب
۵۷۱۔ انعام الحق ولد ڈاکٹر فضل حق — ہائی سکول
۵۷۲۔ رفیق احمد ولد محمد عبداللہ
۵۷۳۔ عبدالمجید ولد مولوی غلام رسول ٹھیکیدار
۵۷۴۔ مبارک احمد ولد محمد شریف
۵۷۵۔ حافظ عزیز احمد ولد شیخ محمد حسین چنیوٹ
۵۷۶۔ دلدار احمد ولد ماسٹر محمد حیات صاحب سرگودہا
۵۷۷۔ فاروق احمد ولد غلام محمد
۵۷۸۔ ریاض احمد ولد ڈاکٹر محمد طفیل
۵۷۹۔ محمد رشید ولد مستری محمد یعقوب
۵۸۰۔ عبدالغفار ولد شادی خاں
۵۸۱۔ مبارک احمد ولد مولوی صالح محمد خان
۵۸۲۔ محمد شفیع ولد چوہدری وزیر خاں
۵۸۳۔ اللہ بخش زراعت ماسٹر
۵۸۴۔ عبدالحکیم — مدرسہ احمدیہ
۵۸۵۔ منصور احمد ابن بی ٹی صاحب
۵۸۶۔ منیر احمد ولد ڈاکٹر شاہنواز — ہائی سکول
۵۸۷۔ عبدالرحمٰن — "
۵۸۸۔ ماسٹر عبدالقدیر صاحب
۵۸۹۔ عبداللطیف فرڈ
۵۹۰۔ غلام احمد — مدرسہ احمدیہ
۵۹۱۔ نجم الدین — ہائی سکول
۵۹۲۔ سکندر علی — "
۵۹۳۔ محمد علی دیہاتی مبلغ

۵۹۴۔ محمد لطیف — چنیوٹ
۵۹۵۔ محمد جمیل — "
۵۹۶۔ محمد شفیق — "
۵۹۷۔ عبدالحمید اختر — ہائی سکول
۵۹۸۔ عبدالشکور ابن مومن جی — چنیوٹ
۵۹۹۔ محمد سلیم سہگل — احمدیہ سکول
۶۰۰۔ ناصر مبارک — "
۶۰۱۔ حمید احمد — دہم ہائی سکول
۶۰۲۔ احمد علی خاں پٹواری — چنیوٹ
۶۰۳۔ محمد اعظم ولد محمد رمضان
۶۰۴۔ غلام مرتضیٰ — ہائی سکول
۶۰۵۔ ماسٹر عبدالکریم ولد میاں خیر الدین
۶۰۶۔ مشتاق احمد — شیخوپورہ
۶۰۷۔ مقبول احمد ولد رحیم بخش
۶۰۸۔ عبداللطیف ولد نیک محمد خاں
۶۰۹۔ مزمل احمد ولد ڈاکٹر فضل غفور جالندھر
۶۱۰۔ عبدالعزیز ولد چوہدری احمد دین چک ۹۹
۶۱۱۔ محمود احمد ولد عبدالستار — دوالمیال
۶۱۲۔ منور احمد ولد عبداللطیف — سمہ سٹہ
۶۱۳۔ نثار احمد ولد محمد سعید — چنیوٹ
۶۱۴۔ رب نواز — ہائی سکول
۶۱۵۔ نواب دین ولد عبداللہ — چنیوٹ
۶۱۶۔ چوہدری برکت علی صاحب وکیل المال
۶۱۷۔ محمود احمد صاحب بی۔اے قائد مجلس خدام الاحمدیہ لاہور
۶۱۸۔ شیخ محمد اسلم صاحب برادر شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت لاہور
۶۱۹۔ مولوی خورشید احمد صاحب شاد واقف زندگی

Vol-12

تاریخِ احمدیّت

جلد سیزدہم

مشرقِ وسطٰی میں اُردن مشن کے قیام سے لے کر سیدنا حضرت
امیرالمومنین المُصلح الموعُود کی ربوہ میں بغرض
رھائش تشریف آوری تک

مؤلّفہ

دوست محمّد شاہد

الناشر:۔ ادارۃ المصنّفین، ربوہ

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد دوازدہم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-119-4

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-12 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt.Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-119-4

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جا بجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نور الحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۱۳ کو جلد نمبر ۱۲ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد دوازدہم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر و اشاعت قادیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وعلی عبدہ المسیح الموعود

تاریخِ احمدیت کی تیرھویں جلد

الحمدللہ کہ تاریخ احمدیت کی تیرہویں جلد طبع ہو کر احباب کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ اس جلد میں جماعت احمدیہ کے تین تبلیغی مشنوں کا ذکر ہوا گیا ہے ۱۔ اردن مشن ۲۔ جرمن مشن ۳۔ مسقط مشن۔ ہر مشن کے متعلق مفصل طور پر بتایا گیا ہے کہ کس طرح سے اس کی داغ بیل پڑی اور پھر کس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے مبلغین کی مساعی میں برکت دی۔ اور غیر معمولی طور پر ان کو کامیابی حاصل ہوئی۔ جرمن مشن کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہوئی کہ سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ وہاں تشریف فرما ہوئے پھر حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثالث بھی وہاں رونق افروز ہوئے۔ اور اس قطعہ زمین کو اپنی دعاؤں اور برکتوں سے نوازا جس کے نتائج ناظرین اس جلد میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

علاوہ ازیں اس جلد میں ہجرت کے بعد لاہور میں جماعت احمدیہ لاہور کا جو جلسہ ہوا اور اس میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے جن ارشادات سے نوازا ان کا بھی ذکر ہے۔ پھر جو پہلا جلسہ ربوہ میں ہوا اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے جو ایمان افروز تقاریر کیں اور جو دعائیں ربوہ کی ترقی اور اسلام کی سربلندی کے لئے کی گئیں ان سب کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضور رضی اللہ عنہ جن حالات میں ربوہ میں مستقل رہائش کے لئے تشریف لائے ان واقعات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

آج کا ربوہ اُس وقت کے ربوہ سے بہت مختلف ہے جب حضور یہاں رہائش کے لئے تشریف لائے اس وقت ربوہ میں کچی اینٹوں کے بنے ہوئے چند دفاتر اور چند مکانات تھے اور گھٹنوں گھٹنوں کلّر اٹھتا تھا جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھنس جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام کو برکت دی اور چند ہی سالوں میں صدر انجمن احمدیہ، تحریک جدید، لجنہ اماء اللہ اور وقف جدید کے دفاتر اور تعلیمی ادارہ جات کی شاندار عمارتیں معرض وجود میں آگئیں اسی طرح گولبازار اور رحمت بازار بن گیا اور رہائشی پکے مکانات بن گئے۔ حال ہی میں بنے ہوئے فضل عمر فاؤنڈیشن کے دفتر اور لائبریری کی خوبصورت عمارت نے ربوہ کی خوبصورتی میں اضافہ کر دیا ہے۔ اس سال حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی توجہ سے ربوہ کے ایک حصہ کی سڑکیں بھی پختہ بن گئی ہیں۔ اور کھلی جگہوں میں گھاس اور پودے لگ گئے ہیں۔ اسی طرح گویا

اور رحمت بازار میں دونوں سڑکوں کے درمیان گھاس کے قطعات بنا دیئے گئے ہیں جن سے ربوہ کی خوبصورتی میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ بہرحال جو دعائیں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے افتتاح ربوہ کے موقعہ پر کیں آج ہم انہیں پورا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں آج یہاں ضروریات زندگی کے سب شعبے موجود ہیں اور ہمیں باہر کی دنیا سے تعلقات رکھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

امسال کاغذ کی نایابی کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ تاریخ احمدیت کی تیرہویں جلد شائع نہ ہو سکے گی لیکن محض اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے وسط دسمبر میں ہمیں کاغذ مہیا کر دیا اور نقوش پریس نے تاریخ احمدیت طبع کرنے کے لئے پوری جدوجہد کی۔ اللہ تعالےٰ ان کو جزائے خیر دے۔ خاکسار کو بھی اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل کے ساتھ سارے کام کی نگرانی کرنے کی توفیق دی۔

ہر سال تاریخ احمدیت کی ایک جلد شائع کی جاتی ہے یہ ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے اور اس کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو تصنیف و اشاعت کا کام کرتے ہوں۔ مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس کے لئے دن رات ایک کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو اپنے فضل سے نوازے اور ہمت عطا کرے کہ وہ تاریخ کے کام کو مکمل کر سکیں۔ آمین

جن دوستوں نے کتاب کی کتابت۔ پروف پڑھنے اور دیگر امور میں مدد فرمائی ہے میں ان سب کا بھی ممنون ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ ہماری ناچیز کوشش کو قبول فرمائے اور انجام بخیر کرے آمین

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

خاکسار

ابوالمنیر نور الحق

مینجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین

ربوہ

۲۱ ۱۲/۶۲

و

فہرست مضامین تاریخ احمدیت جلد سیزدہم

عنوان	صفحہ

پہلا باب

شرق اردن مشن کی بنیاد سے لے کر جلسہ سالانہ قادیان ۲۷ دسمبر ۱۹۴۸ء تک

فصل اوّل

اردن مشن کی بنیاد ۱
اردنی پریس میں احمدی مبلغ اور جماعت احمدیہ کا ذکر ۴
اردن کی اہم شخصیتوں تک پیغام احمدیت ۸
حضرت مصلح موعود کا پیغام والیٔ اردن شاہ عبداللہ بن الحسین کے نام ۱۰
شاہ اردن سے احمدی مبلغ کی ملاقات ۱۱
اردن کے سب سے پہلے احمدی ــ اردن مشن کی اسلامی خدمات زائرین کی نظر میں ۱۴
فصل دوم ۱۸
افتتاح ربوہ کے بعد نئی بستی کی آبادی اور تعمیر کے ابتدائی انتظامات ۱۹
خیموں کی از سرِ نو تنصیب ۲۰
ربوہ کے خیمہ نشینوں کے لیل و نہار اور ان کی مشکلات پر ایک نظر ۲۱
تعمیر مرکز کے لئے حضرت مصلح موعود کا والہانہ شوق ۲۲
حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا مکتوب حضرت مصلح موعود کی خدمت میں ۲۴
حضرت مصلح موعود کی طرف سے راہنما اصولوں کی تعیین ۲۶
ہر کام کے لئے نگرانوں کا تقرر ۳۰
سرزمین ربوہ کا سروے اور نقشہ کی تیاری اور منظوری میں شدید مشکلات ۳۱
صدر انجمن احمدیہ کی گزارشات ایک نظر میں ۳۵
قانونی جدوجہد میں کامیابی ۴۰
پانی کی فراہمی کا مسئلہ ۴۱
ربوہ میں ظلی صدر انجمن احمدیہ و تحریک جدید کا قیام ۴۶

صفحہ	عنوان

۴۷	عارضی تعمیرات کے لئے مزید سامان کی فراہمی
۴۹	ربوہ میں پہلی عارضی عمارت کی بنیاد
۴۹ / ۵۰	حضرت مصلح موعود کی طرف سے نئے مرکز کی آبادی اور تعمیر میں شرکت کے خواہش مند اہل حرفہ کو تیار رہنے کا حکم
	فصل سوم
۵۱	ربوہ میں حضرت مصلح موعود کی پریس کانفرنس اور اخبارات میں چرچا
۵۴	اخبارات میں تفصیلی خبر اور جماعت احمدیہ کو خراج تحسین
	فصل چہارم
۶۲	کوائف قادیان
۶۲	درویشوں کا سوشل بائیکاٹ
۶۴	احمدیہ شفاخانہ کا قیام
۶۷	درویشان قادیان کے لیل و نہار
۷۲	صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کی درویشانہ زندگی کا آغاز
۷۲	مساجد قادیان کی حفاظت کے لئے ناقابل فراموش مساعی
۷۴	قادیان کے پہلے درویش کا انتقال
۷۴	بہشتی مقبرہ سے ملحق باغ کا مقدمہ
۷۶	اغوا شدہ مسلم خواتین کی بازیابی کے لئے عظیم الشان جدوجہد
۷۹	۳۵ عشاق احمدیت کی دیار حبیب میں تشریف آوری
۸۲	درویشوں کی مشکلات
۸۴	دفتر زائرین کا قیام
	فصل پنجم
۸۴	سالانہ جلسہ قادیان ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء
۸۵	حضرت امیر المومنین مصلح موعود کا روح پرور پیغام
۹	حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا پیغام
۱۰۰	حضرت ام المومنین رض کا پیغام

صفحہ	عنوان

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا پُرسوز اور درد انگیز کلام ۱۰۲
مقررین جلسہ ۱۰۳
لوائے احمدیت کا لہرایا جانا ۱۰۴
جلسہ میں لاؤڈ سپیکر کا عمدہ انتظام اور ریکارڈ شکن حاضری ۱۰۴

دوسرا باب

جلسہ سالانہ لاہور ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء سے لے کر جرمنی اور مسقط مشن کے قیام تک ۱۰۵

فصل اوّل

جلسہ سالانہ لاہور میں حضرت مصلح موعود کی ایمان افروز تقریریں ۱۰۷
افتتاحی تقریر ۱۰۷
اختتامی خطاب ۱۰۹
جلسہ کے دوسرے مقررین ۱۱۴

فصل دوم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال ۱۱۵

فصل سوم

۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات ۱۱۹
خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں خوشی کی تقاریب ۱۱۹
امیر جماعت احمدیہ صوبہ سرحد کا تار بھارتی حکومت کے نام ۱۱۹
مشرقی پنجاب کے احمدی قیدیوں کی رہائی ۱۲۰
چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب وزیر خارجہ کی مسئلہ فلسطین سے متعلق خدمات کا ذکر پاکستان پریس میں ۱۲۱
حضرت مصلح موعود کا اہم پیغام فلسطینی احمدیوں کے نام ۱۲۲
مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی رتن باغ میں اہم شوریٰ ۱۲۴
مجاہد امریکہ مرزا منور احمد صاحب کا وصال ۱۲۵
انڈونیشیا کے دو مخلص احمدیوں کا انتقال ۱۲۷

عنوان	صفحہ
دمشق کے ایک مخلص احمدی کا انتقال	۱۲۸
احمد نگر میں سیدنا حضرت امیر المومنین کی تشریف آوری	۱۲۸
بیرونی مشنوں کی سرگرمیاں	۱۲۹
فلسطین مشن	۱۲۹
مجاہد اردن کا دورہ شام و لبنان	۱۳۳
سیرالیون مشن۔ نائیجیریا مشن	۱۳۴
مشرقی افریقہ مشن	۱۳۵
امریکن احمدیوں کی پہلی سالانہ کانفرنس	۱۳۵
مجاہدین احمدیت کی آمد اور روانگی	۱۳۶
نئے مطبوعات	۱۳۶
فصل چہارم	
جرمنی مشن کا احیاء	۱۳۷
خلافت ثانیہ کا چھتیسواں سال ۱۳۲۸ ہش ۱۹۴۹ء	۱۳۷
ابتدائی تبلیغی سرگرمیاں	۱۳۷
جرمن میں تحریک احمدیت کی داغ بیل	۱۳۷
نیورمبرگ میں جماعت کا قیام	۱۳۸
جرمن مستشرق ڈاکٹر مٹلاک کے بعض سوالات اور حضرت مصلح موعود کے ایمان افروز جوابات	۱۳۸
ہیمبرگ میں احمدیہ یورپین مشنز کی چوتھی کانفرنس	۱۴۵
حضرت مصلح موعود کا جرمن میں ورود حضور کا ایمان افروز خطاب اور دوسری اہم دینی مصروفیات	۱۴۶
امیر المومنین ٹاؤن ہال میں	۱۴۷
ہیمبرگ مسجد اور مسیحی پریس	۱۴۹
جرمن ترجمہ قرآن کی اشاعت	۱۵۰
جرمن مشن میں فریضہ تبلیغ بجا لانے والے مجاہدین احمدیت	۱۵۰
مسجد فرانکفورٹ کی تعمیر و افتتاح	۱۵۱
رسالہ الاسلام کا اجراء	۱۵۲

عنوان	صفحہ
حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ جرمنی میں	۱۵۳
ہیمبرگ مشن کی عمارت میں توسیع	۱۵۴
سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ کا مغربی جرمنی کی طرف پہلا سفر	۱۵۴
کتابوں کی عالمی نمائش میں مشن کی نمائندگی	۱۵۶
صدر جمہوریہ سینی گال کو اسلامی لٹریچر کی پیشکش	۱۵۶
ایک مشہور مسیحی مناد کو قبولیت دعا میں مقابلہ کرنے کی دعوت اور اس کا واضح انکار	۱۵۶
قیام مشن فرانکفورٹ کی دس سالہ تقریب	۱۵۹
اسپرانٹو زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ کی اشاعت و مقبولیت	۱۶۱
وفاقی جمہوریہ جرمنی کے صدر کو جرمنی ترجمہ قرآن کی پیشکش	۱۶۳
حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا دوسرا سفر مغربی جرمنی	۱۶۳
جرمن مشن کا مرکز فرانکفورٹ میں	۱۶۴
جرمن مشن کی اسلامی مطبوعات	۱۶۵
مشن کی سنہری خدمات دوسروں کی نظر میں	۱۶۶
فصل پنجم	
مسقط مشن کی بنیاد	۱۶۹
تیسرا باب	
ربوہ کے پہلے سالانہ جلسہ سے لے کر سیدنا حضرت مصلح موعود کی دارالہجرت میں بغرض رہائش تشریف آوری تک۔	۱۷۲
فصل اوّل	
ربوہ کا پہلا سالانہ جلسہ	۱۷۲
انتظام جلسہ کے لئے حضرت امیر المومنین کی ہدایات	۱۷۷
حضرت مصلح موعود کا معائنہ انتظامات کی خاطر ربوہ کا خصوصی سفر	۱۷۹
ربوہ سٹیشن کی منظوری اور گاڑیوں کی باقاعدہ آمد و رفت	۱۸۲
صدر مجلس خدام الاحمدیہ کی طرف سے تربیت یافتہ رضاکاروں کے لئے اپیل۔	۱۸۲
جلسہ ربوہ کا افتتاح اور حضرت المصلح الموعود کا ایمان افروز خطاب	
الفضل کی خصوصی اشاعت۔	۲۱۵
خطبہ جمعہ میں جماعت کو ہمیشہ مرکزیت سے وابستہ رہنے کی موثر تحریک	۲۱۵

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان
۲۱۶	مجلس مشاورت کا انعقاد
۲۱۶	حضرت امیر المومنین مصلح موعود کا خواتین احمدیت سے خطاب
۲۱۷	حضرت امیر المومنین کی مردانہ جلسہ گاہ میں نہایت پر معارف تقریر
	اجلاس دوم میں حضرت مصلح موعود کی ایمان افروز اختتامی تقریر
	ربوہ کے پہلے تاریخی جلسہ سالانہ کے کوائف پر ایک طائرانہ نظر
	جلسہ کی حیرت انگیز کامیابی پر حضرت مصلح موعود کا خطبہ جمعہ
	فصل دوم
۲۴۹	حضرت مصلح موعود کا سفر سندھ و کوئٹہ
۲۵۰	کنری سے محمود آباد اسٹیٹ
۲۵۰	ٹاہلی اسٹیشن پر ورود
۲۵۰	حلقہ نور نگر میں صادق آباد کی بنیاد اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کیلئے ہدایات
۲۵۲	تغیر عظیم پیدا کرنے کے لئے سندھی پڑھنے لکھنے اور بولنے کی ضرورت
۲۵۱	احمد آباد اسٹیٹ سے کنجیجی ـ کنجیجی سے کوئٹہ
۲۵۴	کوئٹہ میں خطبہ جمعہ جماعت کو نئی آزمائشوں کے لئے تیار ہو جانے کا حکم
۲۵۵	رمضان المبارک کی برکات سے متعلق بصیرت افروز خطاب اور اجتماعی دعا
۲۵۶	قرآن مجید کا اردو ترجمہ سیکھنے کی پرزور تحریک
۲۵۷	آیت قل ان صلوتی ... الخ کی لطیف اور پر معارف تفسیر پر مشتمل سلسلہ خطبات
۲۵۸	اسلام اور موجودہ مغربی نظریے کے موضوع پر ایک جلسہ عام میں اثر انگیز خطاب
	فصل سوم
۲۶۰	حضرت نواب محمد الدین صاحب کا انتقال
	فصل چہارم
۲۷۱	ربوہ میں حضرت مصلح موعود کی بغرض رہائش آمد
۲۷۶	سفر ربوہ کے چند بقیہ واقعات
	ضمیمہ
	گروپ فوٹو مبلغین احمدیت
	جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۴۸ء میں شریک ہونے والے بھارتی احمدیوں کی فہرست
۲۸۲	درویشان قادیان کی بقیہ فہرست
۲۸۸	حضرت نواب محمد الدین صاحب کا ایک مکتوب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

وَعَلٰى عَبْدِهِ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ

پہلا باب

شرقِ اُردن مشن کی بنیاد سے لیکر جلسہ سالانہ قادیان ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء تک

(از امان/مارچ ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء تا فتح/دسمبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء)

فصل اوّل

اُردن مشن کی بنیاد

خلیجِ فارس سے مراکش تک پھیلی ہوئی عرب دُنیا میں شرقِ اُردن (JORDON) ایک نہایت مشہور مملکت ہے۔ اُردن کا علاقہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ممتاز صحابی اور آپؐ کے خلیفۂ ثانی حضرت عُمر بن خطّاب رضی اللہ عنہ کے نامور فوجی جرنیل حضرت شُرحبیل بن حسنہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذوالقعدہ/جنوری ۱۳ھ/۶۳۵ء میں فتح کیا[2] اور صدیوں تک دِمشق، حمص اور فلسطین کی طرح

---

[1] بالکل اوائل میں اسلام لائے، مہاجرینِ حبشہ کے پاک گروہ میں شامل تھے، کئی غزوات میں حصہ لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں شام کی جنگی مہمات میں بھجوایا جہاں آپ نے ۱۸ھ میں عمواس مقام پر بعمر ۶۷ سال وفات پائی (طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۹۴ مطبوعہ لیڈن ۱۳۲۲ھ)۔

[2] تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۴۳۵ مطبوعہ دار المعارف و فتوح البلدان صفحہ ۱۲۲ مطبوعہ ۱۹۳۲ء۔

شام کی اسلامی عملداری میں شامل رہا۔ مگر پہلی جنگ عظیم (جولائی ۱۹۱۴ء — نومبر ۱۹۱۸ء) کے بعد اسے برطانیہ کے زیر حمایت ایک مستقل ریاست تسلیم کر لیا گیا۔ یہ ریاست دوسری جنگ عظیم (ستمبر ۱۹۳۹ء — اگست ۱۹۴۵ء) کے خاتمہ پر برطانوی استبداد سے آزاد اور خودمختار ہو گئی اور عبداللہ بن الشریف حسین الہاشمی[1] اس کے پہلے آئینی بادشاہ قرار پائے۔

شاہ عبداللہ والیٔ اُردن کی بادشاہت کے تیسرے سال مولوی رشید احمد صاحب چغتائی واقف زندگی ۳/ ماہ امان/مارچ ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کو حیفا سے شرق الاردن کے دارالسلطنت عمان پہنچے اور ایک نئے احمدیہ مشن کی بنیاد ڈالی۔ یہ مشن ۷/ ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء تک جاری رہا۔ اس کے بعد آپ شام و لبنان میں تشریف لے گئے اور دینِ برحق کی منادی کرنے لگے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایات

سیدنا حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کو قادیان سے رخصت کرتے وقت حسب ذیل ہدایات ان کی نوٹ بک میں تحریر فرمائی تھیں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیا اور باتوں سے

پرہیز کرو جن سے تعلق نہ ہو قرآن کریم فرماتا ہے لغو باتوں سے

پرہیز کرو۔ تبلیغی ہدایات بہت سی قرآن میں ہیں انکو یاد کریں

اور ان پر عمل کریں۔ ہم نے کئی بار زور دیا ہے [illegible] اس

[illegible] رکھیں ہم [illegible] نوٹ [illegible] آپ [illegible] ذریعہ

سے اللہ تعالیٰ [illegible] فتح کر [illegible] یہ سبق ہمیشہ [illegible] تبلیغ میں [illegible]

[1] ولادت ۱۸۸۲ء وفات ۱۹۵۱ء

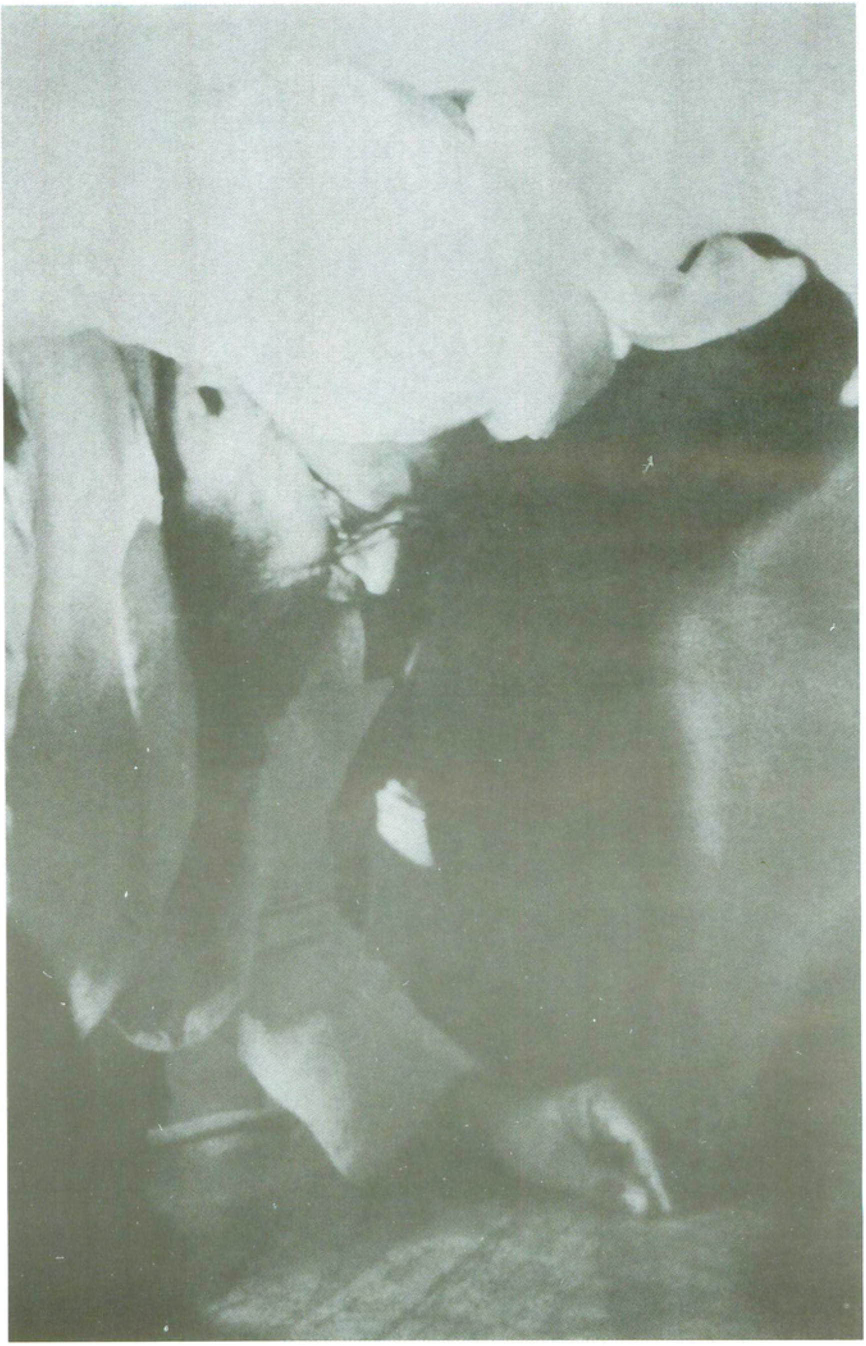

بانی ربوہ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ اسلام کے چوتھے نئے اور
مقدس مرکز ربوہ کا ابتدائی نقشہ ملاحظہ فرما رہے ہیں

باقی فتح دعاؤں اور نماز اور روزہ سے آئے گی تبلیغ سے زیادہ عبادت اور دعا اور روزہ پر زور دو

خاکسار

مرزا محمود احمد

"رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان باتوں سے پرہیز کرو جن سے تعلق نہ ہو۔ قرآن کریم فرماتا ہے لغو باتوں سے پرہیز کرو۔ تبلیغی ہدایات بہت دی جا چکی ہیں ان کو یاد کریں اور ان پر عمل کریں۔ کسی نے کہا ہے "ایاز قدر خود بشناس" اس مقولہ کو یاد رکھو ہم غریب لوگ ہیں۔ ہم نے اپنے ذرائع سے کام لے کر دُنیا فتح کرنی ہے یہ سبق بھولا تو تبلیغ یونہی بیکار ہو جائیگی۔ باقی فتح دُعاؤں اور نماز اور روزہ سے آئے گی۔ تبلیغ سے زیادہ عبادت اور دُعا اور روزہ پر زور دو۔

خاکسار مرزا محمود احمد (۲۳/۱۰/۱۹۴۶)"

پھر ۳ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو مولوی صاحب کا ایک خط ملاحظہ کرکے ارشاد فرمایا:۔

"اب وقت کام کا ہے۔ تبلیغ پر زور دے کر ایک موت وارد کریں تا احمدیت دوبارہ زندہ ہو اور مالی اور روحانی قربانی کی جماعت کو نصیحت کریں۔ اب ہر مُلک کو ایسا منظّم ہونا چاہیئے کہ ضرورت پڑنے پر وہیں تبلیغ اور سلسلہ کا بوجھ اُٹھا سکے۔ پہلے بہت سُستی ہو چکی۔ اب ایک معجزانہ تغیر ہمارے مبلّغوں اور جماعت میں پیدا ہونا چاہیئے"

اُردن مشن کی ابتداء نہایت پریشان کن ماحول اور حوصلہ شکن حالات میں ہوئی۔ قضیۂ فلسطین کے باعث ہر طرف ابتری پھیلی ہوئی تھی اور دوسرے کثیر التعداد مظلوم فلسطینی مسلمانوں کی طرح حیفا کے متعدد احمدی گھرانوں کو بھی ہجرت کرکے شام و لبنان میں پناہ گزین ہونا پڑا تھا۔ خود مولوی رشید احمد صاحب چغتائی جو حیفا ہی سے اُردن میں تشریف لائے تھے محض اجنبی اور غریب الدیار تھے۔

مولوی صاحب موصوف نے اپنی تبلیغی، علمی اور اصلاحی سرگرمیوں کا آغاز ایک ہوٹل سے کیا جہاں آپ صرف چند ہفتے مقیم رہے مگر پھر جلد ہی اخراجات میں تنگی کی وجہ سے اپنے ایک عرب دوست السیّد عبد الکریم المُعَایطَۃ ابن الحاج محمد ھلال المُعَایطَۃ کے ساتھ ایک کمرہ میں رہائش پذیر ہو گئے۔ چند ماہ بعد جب فلسطین کے ایک مخلص عرب احمدی پناہ گزین السیّد طٰہ القزق عمان میں آ گئے تو مولوی صاحب ان کے پاس ایک مختصر کمرہ میں منتقل ہو گئے۔ یہ کمرہ کرایہ پر لیا گیا تھا اور شارعُ المَحَطّۃ (ریلوے روڈ) پر واقع تھا۔

اُردنی پریس میں احمدی مبلّغ اور جماعت احمدیہ کا ذکر

مکرم مولوی صاحب نے عمان میں قیام پذیر ہونے کے چند روز بعد نہ صرف انفرادی ملاقاتوں کے ذریعہ پیغام حق پہنچانا شروع کر دیا بلکہ اُردن کے صحافیوں سے خصوصی رابطہ قائم کر کے پبلک کو احمدیت اور اس کی اسلامی خدمات سے رُوشناس کرانے کے بہترین مواقع بیدا کر لئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہایت مختصر وقت کے اندر پورے اُردن پریس میں احمدی مبلّغ اور احمدیت کے تذکرے ہونے لگے چنانچہ "الاردن" "الجزیرہ"۔ "النسر"۔ "وَكَالَةُ الْأَنْبَاء العربیۃ" اور "الدفاع" جیسے مقتدر اور باا ثر اخباروں نے تعارفی نوٹ شائع کئے یہاں بطور نمونہ صرف دو اقتباس مع ترجمہ درج کئے جاتے ہیں۔

۱- "الاردن" نے حسب ذیل نوٹ درج اشاعت کیا۔

" زَارَنَا فِي إِدَارَةِ هٰذِهِ الْجَرِيْدَةِ الْمُبَشِّرُ الإِسْلَامِيُّ الْأُسْتَاذُ رَشِيْد اَحْمَد چُغْتَائِي الْاَحْمَدِيُّ الْهِنْدِيُّ فانسنابه بعض الوقت و بِالنَّظَرِ لما يربط الدُّوَل الْعَرَبِيَّةُ بِدولةِ البَاكِسْتَانِ الْجَدِيْدَةِ من رَّوَابِطِ دينيّةٍ وَّاجْتِمَاعِيَّةٍ سَأَلْنَاحضرته اسئلة كثيرة تَتَعَلَّقُ بالهند و بمسلميها وهندوكيها۔

والاستاذ ينتمى الى الجماعة الاحمدية التى تبشّر بالدين الاسلامى والمنتشرة فى اقطار العالم وهو شاب فى نحو الثلاثين ربيعاً أوقف حياته فى خدمة دين الاسلام و نشره۔

وعلمنا انه زار عدداً من الشخصيات الدينية والحكومية وسيتشرف بمقابلة جلالة الملك المعظم وحدثنا عن تعلق مسلم الهند بالعرب ومحبتهم لآل البيت۔

و قد قال ان مسلمى الهند يعتقدون انهم مدينون دَيناً عظيماً للعرب الذين نشروا بينهم لواء الاسلام فاهتدوا بهديه و انهم لو فقدوا أعزما لديهم فى سبيل نصرة العرب لما وفوا جزءاً من فضلهم هذا عليهم ثم قال ردّاً على سئوالنا ان مسلمى الهند متعلقون بآل البيت ومحبون لهم اعظم الحُبِّ۔

وقد اطلعنا الأستاذ على النشرات الدينية التى تصدر في جميع بلدان العالم لنشر الدين الاسلامى من قبل الجماعات الاحمدية ثم قال ان الجماعة فى انحاء العالم تنشر الدعاية القوية لفلسطين العربية ومقدساتها الدينية ويقاومون الدعاية الصهيونية

وكتب امام الجماعة (حضرة ميرزا بشير الدين محمود احمد) مؤخراً رسالة فى موضوع فلسطين نشرت باللغة الاردية وترجمت الى جميع اللغات دفاعاً عن فلسطين العربية " [1]

مبلغ اسلام مولوی رشید احمد صاحب چغتائی الاحمدی الہندی ہمارے دفتر میں بغرض ملاقات تشریف لائے۔ ہم نے آپ سے اُن دینی اور اجتماعی روابط و تعلقات کی بناء پر جو پاکستان کی نئی مملکت کو عرب حکومتوں سے وابستہ کرتے ہیں۔ برصغیر[2] کے مسلمانوں اور ہندوؤں کی نسبت متعدد سوالات کئے۔

جناب مولوی صاحب جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں جو مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرتی اور اکنافِ عالم تک پھیلی ہوئی ہے۔ مولوی صاحب قریباً تیس سالہ جوان ہیں۔ آپ نے خدمتِ دین اور اشاعتِ اسلام کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ مُلک کے بہت سے مذہبی راہنماؤں اور اعلےٰ سرکاری افسروں سے مل چکے ہیں اور عنقریب جلالۃ الملک شاہ معظم کی ملاقات سے بھی مشرف ہونے والے ہیں۔ آپ نے برصغیر کے مسلمانوں کے عرب سے تعلق اور اہلِ بیت نبوی سے عقیدت و محبّت کا بھی تذکرہ کیا۔

انہوں نے فرمایا کہ مسلمانانِ برصغیر کا اعتقاد ہے کہ وہ عربوں کے بیحد مقروض ہیں جنہوں نے اُن کے یہاں پرچم اسلام لہرایا اور جن کی راہ نمائی سے وہ ہدایت یافتہ ہوئے سو اگر وہ عربوں کی اعانت و تائید میں اپنی عزیز ترین متاع بھی خرچ کر دیں تب بھی وہ اُن کی مہربانی

---

[1] جریدة "الأردن" عمان نمبر ۱۲۰۲ جلد ۲۹ - ۱۷ جمادی الاوّل ۱۳۶۷ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۴۸ء •

[2] متن میں الھند کا لفظ ہے جو برصغیر پاک و ہند کے لئے استعمال ہوا ہے •

کا صلہ نہیں دے سکتے۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں مزید فرمایا۔ کہ برصغیر کے مسلمان اھلِ بیت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے گہری محبّت و الفت رکھتے ہیں۔

مولوی صاحب نے وہ مذہبی لٹریچر بھی دکھایا جو احمدی جماعتوں کی طرف سے دُنیا بھر میں دینِ اسلام کی اشاعت کے لئے شائع ہوتا ہے۔ پھر بتایا کہ جماعت احمدیہ فلسطین عربیہ اور اس کے مقدّس مقامات کی حفاظت و تائید اور صہیونی پراپیگنڈا کے قلع قمع کے لئے سرگرم عمل ہے۔ چنانچہ حال ہی میں خود حضرت امام جماعت احمدیہ (حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد) نے مسئلہ فلسطین کے موضوع پر اردو میں ایک مضمون سپرد قلم فرمایا جو فلسطینی عربوں کے دفاع کی غرض سے دیگر زبانوں میں بھی شائع کیا جا چکا ہے۔

۲۔ ممتاز جریدہ "النّسر" نے لکھا :-

" قدم العاصمة المبشر الاسلامی الهندي ميرزا رشيد احمد چغتائی الاحمدی ليقوم بجولة فی ربوع الأردن وهو من الجماعة الأحمدية أحدى طوائف الاسلام ومركزها فی الهند۔ وامامها الحالی حضرة ميرزا بشيرالدين محمود احمد وهذه الجماعة تعمل على الدعوة الى الاسلام والتبشير بالدين الحنيف۔ وينتشر اعضاءها ومبشروها فی جميع انحاء العالم وقد دخل فی الاسلام الوف من الناس بفضل جهود افراد هٰذه الجماعة۔ كما أسّست عدداً كبيراً من المساجد والجوامع والمراكز التبشيرية فی أكثر أرجاء العالم ومنها فی انجلترا وامريكا وافريقيا وجزر الهند والصين واليابان والمانيا وفرنسا وايطاليا وسويسرا۔ وقد ترجمت الجماعة القرآن الكريم الیٰ عشر لغات اجنبية۔

ويبلغ عدد الاحمديين فی العالم عدة ملايين وتعتقد جماعة الاحمديين بأن مؤسّسها الاوّل حضرة ميرزا احمد (عليه السلام) المولود سنة ۱۸۳۵ء والمتوفی سنة ۱۹۰۸ء - هو المهدی المنتظر والمسيح الموعود والمجدد للقرن الرابع عشر هجری۔ وقد

جاء ليقيم الشريعة المحمدية ويحي الدين ويخدم الاسلام حتى تكون الغلبة له۔ وقد الف وكتب ۸۰ كتابا كلها فی تائید الاسلام و الدفاع عنه۔ وبعضها باللغة العربية الفصحیٰ۔ وقد اطلعنا المبشر الضيف علی نشرات مختلفة تصدرها الجماعة الاحمدية فی الهند وخارجها كما اخبرنا ان افراد هذه الجماعة قاموا بدعاية واسعة لقضية فلسطين فی مختلف مراكزها وخاصة فی الهند۔ حيث اصدر ميرزا بشير الدين رسالة باللغة الأردية يشرح فيها قضية فلسطين"[1]

(ترجمہ) ان دنوں برصغیر سے میرزا رشید احمد چغتائی الاحمدی مملکت شرق الاردن کے دورہ کی غرض سے دارالسلطنت عمان میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ آپ کا تعلق جماعت احمدیہ سے ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جو اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جس کا مرکز ہندوستان میں ہے اور جس کے موجودہ امام حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد ہیں۔ یہ جماعت اعلائے کلمۂ اسلام میں مصروف ہے اور اس کے افراد اور مبشرین اکناف عالم تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس جماعت کی شاندار مساعی کے نتیجہ میں جہاں ہزاروں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں وہاں دنیا کے اکثر حصوں میں مسجدیں، مدرسے اور تبلیغی مشن قائم ہو چکے ہیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔ انگلستان، امریکہ، افریقہ جاوا۔ سماٹرا وغیرہ جزائر ہند، چین، جاپان، البانیہ، فرانس، اٹلی، سوئٹزرلینڈ وغیرہ۔ یہ جماعت دس غیر ملکی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم بھی کر چکی ہے۔

دنیا بھر میں احمدیوں کی تعداد چند ملین ہے۔ جماعت احمدیہ کا عقیدہ ہے کہ بانی جماعت احمدیہ حضرت میرزا احمد (علیہ السلام) (جن کی ولادت ۱۸۳۵ء میں اور وفات ۱۹۰۸ء میں ہوئی) مہدی منتظر، مسیح موعود اور چودھویں صدی کے مجدد ہیں اور آپ کی آمد شریعت محمدیہ کے قیام، احیائے دین اور خدمتِ اسلام کے لئے ہوئی تھی تاکہ اسے غلبہ نصیب ہو۔ آپ نے اسّی کے قریب کتابیں تالیف فرمائیں جو سب اسلام کے دفاع اور

---

[1] جریدة "النسر"۔ عمان ۷ جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۴۸ء نمبر ۴۷ جلد اوّل

تائید میں تھیں اور جن میں سے بعض فصیح عربی زبان میں ہیں ہمیں مولوی صاحب نے جماعت احمدیہ کی طرف سے برصغیر اور بیرونی ممالک میں شائع ہونے والا لٹریچر بھی دکھایا۔ نیز اس جدوجہد سے بھی مطلع کیا جو مسئلہ فلسطین کے بارے میں جماعت احمدیہ کے مختلف مشنوں نے کی ہے۔ بالخصوص برصغیر میں خود حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد (امام جماعت احمدیہ) نے قضیۂ فلسطین پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک خاص مضمون شائع فرمایا۔

اُردن کی اہم شخصیتوں تک پیغامِ احمدیت

قیامِ اُردن کے دوران مولوی رشید احمد صاحب چغتائی مجاھد بلادِ عربیہ نے اردن کی بہت سی ممتاز شخصیتوں سے ملاقاتیں کیں اور اُن تک احمدیت کی آواز پہنچائی۔ مثلاً

۱۔ السید عبدالرحمٰن الخلیفہ رئیس الدیوان الملکی۔ (پرائیویٹ سکرٹری شاہ اُردن)

۲۔ صاحب السعادہ سعید پاشا مفتی (وزیر داخلہ اُردن)

۳۔ السید محمد امین الشنقیطی (وزیر تعلیم و قاضی قضاۃ)

۴۔ فوزی پاشا ملقی (وزیر خارجہ اُردن)

۵۔ عبداللہ النجار (اُردن میں لبنانی وزیر مفوض)

۶۔ شیخ عبدالعزیز (اُردن میں سعودی وزیر مفوض)

۷۔ عبداللہ بک تل (لیفٹننٹ جنرل۔ فلسطینی محاذ کے نامور جرنیل و بیت المقدس کے فوجی گورنر)

۸۔ بہجت بک تلھونی رئیس محکمہ ہدایت اربد۔ (جو چار دفعہ اُردن کے وزیر اعظم بنائے گئے)

۹۔ ھزاع المجالی رئیس بلدیۃ العاصمہ و مدیر التشریفات الملکیہ (آپ بھی بعد میں وزارت عظمیٰ کے منصب پر پہنچے)

علاوہ ازیں مکرم مولوی صاحب موصوف کو اسمبلی کے ممبروں، مختلف مدارس کے ہیڈ ماسٹروں اور سماجی لیڈروں سے بھی ملنے کا موقعہ ملا۔

جناب بہجت تلھونی سے اُردن میں مبشرِ احمدیت کی پہلی ملاقات ہوئی تو انہوں نے جماعت احمدیہ کی غلبۂ اسلام کے لئے بین الاقوامی کوششوں کو بہت سراہا اور اپنے قلم سے حسب ذیل نوٹ لکھا:۔

"انه لَمِمّا يثلج الصدر ويحيي القلب ان نرى بين ظهرانينا و في معظم

انحاء العالم مبشرين عالمين مسلمين امثال الأستاذ السيد رشيد احمد جغتائی الهندی الباكستانی يعلمون امور الشرع الاسلامي و يسعون لتحليمها لرفع رأية الإسلام فبارك الله فيهم و اكثر من امثالهم و نفع البشر من علمهم والسلام على من اتبع الهدیٰ۔

٥/٧/٤٨

بهجت

رئيس محكمه بداية اربد

وزارة العدليه المملكة الاردنية الهاشميه

(ترجمہ) یقیناً یہ امر سینہ میں ٹھنڈک پیدا کرتا اور دل کو شگفتگی، تازگی اور زندگی بخشتا ہے کہ ہم اپنے درمیان اور دنیا کے بیشتر علاقوں اور طرفوں میں مولوی رشید احمد صاحب چغتائی پاکستانی کی مانند تبلیغ کرنے والے مسلم علماء دیکھ رہے ہیں جو شریعتِ اسلامیہ کے مسائل سکھلانے اور اسلام کی حقیقی تعلیم کو پیش کرنے میں کوشاں ہیں تا عَلَمِ اسلام کو دنیا میں سر بلند کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں برکت ڈالے۔ ایسے مبلّغین بکثرت دُنیا میں پھیلا دے اور بنی نوعِ انسان کو اُن کے علم سے فائدہ پہنچائے اور ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر خدا کی سلامتی ہو۔

۵ر جولائی ۱۹۴۸ء

بہجت

رئیس محکمہ بدایۃ اربد

وزارۃ العدلیہ المملکۃ الاردنیہ الہاشمیہ

عیسائیوں کے ایک خصوصی اجتماع میں تقریر

مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی نے مسلمانوں کے علاوہ عیسائیوں کے گرجوں اور ان کی دیگر مجالس میں بھی راہ و رسم پیدا کر کے ہر ممکن طریق سے انہیں احمدیت یعنی حقیقی اسلام سے متعارف کروایا

چنانچہ اس ضمن میں ایک موقعہ پر دارالحکومت عمان میں اعلیٰ درجہ کے مشہور کلب "نادی عمان"

(AMMAN CLUB) میں عیسائیوں کے ایک خصوصی اور اہم اجتماع میں محترم مولوی صاحب موصوف کو بھی خطاب کرنے کی دعوت دی گئی جسے آپ نے قبول کیا اور اس میں تقریر فرمائی۔ اس اجتماع میں بڑے بڑے عیسائی پادریوں کے علاوہ حکومتِ اُردن کے متعدد وزراء اور بلادِ عربیہ و دیگر ممالک کے سفراء، پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا اور زیریں کے کئی ایک ممبران و دیگر رؤسا، سکولوں و کالجوں کے اساتذہ اور وکلاء، مدیرانِ جرائد وغیرہ غرض ہر مذہب و طبقہ کی چیدہ شخصیات موجود تھیں۔

اس جلسہ کی مفصل روداد اخبار "الأردن" کے ایک خاص[1] نمبر میں شائع کی گئی جس میں کیتھولک فرقہ کے نلاڈلفیا اور سارے شرق اُردن کے بشپ اور پادریوں وغیرہ مسلم و غیر مسلم جملہ مقررین کے شائع شدہ اسماء میں محترم مولوی صاحب موصوف کا نام بھی درج تھا۔

حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام والیٔ اُردن شاہ عبداللہ ابن الحسین کے نام

اُردن مشن کا ایک نہایت اہم واقعہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا والیٔ اُردن شاہ عبداللہ ابن الحسین کے نام پیغام اور اُن سے ملاقات ہے۔

اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کو اُردن میں آنے سے پہلے قیامِ فلسطین کے دوران (مورخہ ۲۲ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء) شاہ اُردن سے مصافحہ کرنے کا موقعہ میسر آیا۔ جس کی اطلاع مولوی صاحب موصوف نے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بھی بھجوائی۔ نیز لکھا کہ امید ہے کہ میرا یہ مصافحہ مجھے اردن میں پہنچنے اور ان سے دوبارہ ملاقات کا ذریعہ ثابت ہوگا۔[2]

حضرت مصلح موعودؓ کے حضور ۵ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو یہ رپورٹ پیش ہوئی تو حضور نے ارشاد فرمایا:۔

"اگر ملک عبداللہ سے ملیں تو انہیں میرا اسلام کہیں اور کہیں کہ مَیں ان کے والد مرحوم سے ۱۹۱۲ء میں مکّہ مکرّمہ[3] میں حج کے موقعہ پر مل چکا ہوں۔ لمبی گفتگو ایک گھنٹہ تک ہوئی تھی۔ اس وقت مَیں نوجوان تھا۔ کوئی تئیس سال کی عمر تھی۔ اسی طرح میرے برادرِ نسبتی[4] اُن کے بھائی

---

[1] اخبار "الأردن" (عمان شرق اردن) خاص نمبر مجریہ ۲۷ شعبان ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۴ جون ۱۹۴۹ء۔

[2] اصل تحریر کا یہ مفہوم ہے جو خود مولوی صاحب کے ذریعہ سے زبانی معلوم ہوا۔ (مؤلف)

[3] یعنی شریف مکہ۔ ان سے ملاقات کا ذکر تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۴۵۵ میں آچکا ہے۔

[4] حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب مراد ہیں جو اُن دنوں جھوٹے الزام کے نیچے ہندوستانی حکومت کی قید میں تھے۔

امیر فیصل کے دوست تھے۔ شام میں اُن کے تعلقات قائم ہوئے تھے۔ بعد میں ان کی بادشاہی کے زمانہ میں عراق میں اُن سے ملے اور انہوں نے ان کی دعوت بھی کی۔

شاہِ اُردن سے احمدی مبلغ کی ملاقات

جناب مولوی رشید احمد صاحب چغتائی نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا یہ پیغام پہنچانے کے لئے ۱۱ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کو شاہِ اُردن سے اُن کے شاہی محل (قصر رغدان) میں ملاقات کی۔

بادشاہ معظم آپ کے داخل ہونے پر کُرسی سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُھلاً وّ سھلاً وّ مرحباً کے الفاظ سے خوش آمدید کہا اور مصافحہ کیا جس کے بعد آپ نے بتایا کہ کس طرح انہوں نے گذشتہ عید الاضحیہ سے ۲ یوم قبل (۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو) بادشاہِ معظم سے بیت المقدس میں حرم شریف مسجد اقصیٰ میں مصافحہ کیا جس کے بعد مولوی صاحب کے دل میں ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی اور اس کا اظہار بھی اُنہوں نے بذریعہ خط حضرت امام جماعت احمدیہؓ کی خدمت میں کیا۔ جس پر حضورؓ نے بادشاہِ معظم کو اردو میں اپنا ایک پیغام بھجوایا۔ مبلغِ احمدیت نے ان تعارفی الفاظ کے بعد شاہِ اُردن کی خدمت میں حضور کے پیغام کا عربی ترجمہ پیش کیا۔

شاہِ اُردن حضور کے پیغام سے بہت متأثر ہوئے اور آپ نے اس کے جواب میں حسب ذیل الفاظ لکھوائے اور اس پر سُرخ روشنائی سے دستخط ثبت فرما دیئے:۔

"لحضرة امام الجماعة الاحمدية ميرزا بشير الدين محمود احمد!

قد قرأ عليّ صديقنا رشيد احمد الاحمدي رسالتكم و اقرأني سلامكم في مطلع الجمل اللطيفة المتعلقة بي و بوالدي المرحوم و بأخي رحمه الله فشكرتكم على تلك الذكرى و اثنيت عليكم ثناء المسلم للمسلم، جزيتم خيرا و بورك فيكم وإنّا نأمل ان نراكم يومًا ما إن شاء الله في احسن حالة المسلمين أجمعين. و إنّني هنا سأعمل على مساعدة كلّ أخ من الهند الباكستان اذا احتاج الى تلك المساعدة. والسلام عليكم و رحمة الله۔

(ترجمہ) بحضور حضرت امام جماعت احمدیہ میرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب!

آپ کا پیغام ابھی ہمارے دوست رشید احمد صاحب احمدی نے مجھے پڑھ کر سُنایا ہے اور آپ کا سلام بھی مجھے پہنچایا ہے جو آپ کے خوبصورت اور پاکیزہ جملوں کے شروع میں ہے اور جو مجھ سے اور میرے والد مرحوم اور میرے بھائی سے متعلق ہیں۔ میں اس یاد فرمائی پر آپ کا شکر گذار ہوں اور آپ کی بہت تعریف کرتا ہوں جیسا کہ ایک مُسلمان دوسرے مسلمان کی تعریف کرتا ہے۔ بارگاہِ الٰہی سے آپ کو جزائے خیر عطا کی جائے اور آپ کو برکت حاصل ہو۔ ہمیں امید ہے کہ ہم آپ کو کسی وقت تمام مسلمانوں کے لئے ایک عظیم الشان حالت میں پہنچا ہوا دیکھیں گے اور میں یہاں اپنے ہر پاکستانی بھائی کی جب بھی ضرورت پڑے مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

شاہِ معظم نے یہ عقیدتمندانہ جواب لکھوانے کے بعد مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کی ذاتی نوٹ بک پر اپنے قلم سے حسب ذیل عبارت تحریر فرمائی :-

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله والصلاة على نبيه الكريم

وآله وصحبه اجمعين

انها اثبت بهذا الدفتر المبارك كلمة تذكار لاخي

السيد رشيد احمد جغتائي الاحمدي تشهد

ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله وادعيه

ولجميع المسلمين بنهضة الاسلام الكبرى

٢ رجب ١٣٦٧ عمان شرق الاردن

الهاشمي

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احمدہٗ و اُصلّی علٰی نبیّہ الکریم و اٰلہٖ و صحبہٖ اجمعین

إنّنی اثبت بھذا الدفتر المبارك للمبشر الاسلامی السیّد رشید احمد جغتائی الاحمدی شھادة ان لآ الٰہ الّا اللہ و أنّ محمّدا رسول اللہ و احییہ وجمیع المسلمین بتحیة السلام

عبداللہ

۳ رجب الغراء سنہ ۱۳۶۷ھ عمان شرق الاردن

(مُہر) الدیوان الھاشمی

(ترجمہ) اللہ کے نام کے ساتھ جو بے حد کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے مَیں اس عبارت کو شروع کرتا ہوں۔ مَیں اللہ کی حمد کرتا ہوں اور اس کے نبی کریم اور آپؐ کے آل و اصحاؓب سب پر درود بھیجتا ہوں۔

مَیں احمدی مبلّغ اسلام مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کی اس بابرکت کاپی میں کلمۂ شہادت لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ تحریر کرتا ہوں اور مَیں مولوی صاحب کو اور تمام مسلمانوں کو السلام علیکم کا تحفہ دیتا ہوں۔ والسلام

(شاہی دستخط) عبداللہ

۳ رجب سنہ ۱۳۶۷ ہجری۔ عمان شرق الاردن

(مُہر) الدیوان الہاشمی

مولوی رشید احمد صاحب چغتائی نے دورانِ ملاقات تحریک جدید کے ۱۹۳۹ء میں مطبوعہ البم (ALBUM) سے حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی شبیہ مبارک آپ کے سامنے رکھی۔ فوٹو دیکھتے ہی شاہ اُردن کی زبان سے بیساختہ یہ الفاظ نکلے " مَا اَحْلٰی هٰذِهِ الصُّوْرَةِ ! " کتنی ہی پیاری یہ تصویر ہے! مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فوٹو بھی دکھایا جسے آپ نے گہری نظر سے دیکھا۔

بعد ازاں مکرم مولوی صاحب نے شاہ معظم کی خدمت میں حضرت مصلح موعودؓ کے مضمون

"تقسیم فلسطین اور اقوامِ متحدہ" کا عربی ٹریکٹ[1] پیش کیا جسے شاہ نے بخوشی قبول فرمایا اور پورے ٹریکٹ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے جب اس میں جنرل سمطس کا نام دیکھا تو فرمایا "دشمن فلسطین" پھر فرمایا کہ "میں اسے غور سے پڑھوں گا اور انشاء اللہ فائدہ اُٹھاؤں گا"

آخر میں بادشاہ نے مملکتِ اردن اور پاکستان کے اسلامی روابط و تعلقات اور اتحاد و اتفاق پر گفتگو فرمائی۔ شاہی محل قصر رغدان میں ملک معظم سے یہ ملاقات بیس منٹ تک جاری رہی۔[2]

اس ملاقات کی خبر عمان کے اخبار "الاردن" نے اپنی ۱۲ رجب ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں دی۔[3]

اُردن کے سب سے پہلے احمدی

سلطنتِ اُردن کے قدیم اور تاریخی شہر الکرک کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اُردن میں سب سے پہلے وہاں احمدیت کا بیج بویا گیا اور مشہور قبیلہ المعایطہ کے سردار کے بڑے لڑکے السیّد عَبدُاللہ الحاج محمد المعایطہ اور اُن کے بعض افرادِ خاندان داخلِ سلسلہ احمدیہ ہوئے

اُردن مشن کی اسلامی خدمات زائرین کی نظر میں

اُردن مشن اگرچہ صرف سوا سال تک قائم رہ سکا تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس نہایت قلیل عرصہ میں اس کو خاصی اہمیت حاصل ہو گئی اور اس کی اسلامی خدمات ملک کے اونچے ادبی علمی طبقے میں بڑی قدر اور احترام کی نظر سے دیکھی جانے لگیں۔

اس حقیقت کا اندازہ ان تاثرات سے بخوبی ہو سکتا ہے جو اُردن مشن کی اسلامی خدمات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے اور مشن میں آنے والے زائرین نے خود قلمبند کئے اور جو ریکارڈ میں اب تک محفوظ ہیں۔ جن شخصیات کے تاثرات ہمیں اس ریکارڈ میں ملتے ہیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

---

[1] مطبوعہ الفضل الرفتح/ دسمبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء۔ یہ مضمون چودھری محمد شریف صاحب فاضل انچارج احمدیہ مشن بلادِ عربیہ نے انہیں دنوں ترجمہ کر کے عربی ممالک میں بکثرت شائع کیا تھا۔

[2] ملخصاً از الفضل یکم تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲۔

[3] مولوی صاحب موصوف کو اس کے بعد بھی شاہ معظم سے اسی سال دو بار ملاقات کا موقعہ ملا۔ یہ ملاقاتیں حضرت مصلح موعودؓ کے مسئلہ فلسطین سے متعلق مطبوعہ عربی ٹریکٹ پیش کرنے کی غرض سے تھیں۔

السید محمد نزال العرموطی و رئیس (دیوان قاضی القضاۃ و رئیس ندوہ عربیہ عمان) السید سلیمان عدیدی (مالک و مدیر مجلہ "الیقظہ") محمد تیسیر ظبیان (ہیڈ ماسٹر مدرسہ علوم اسلامیہ مالک و مدیر اخبار "الجزیرہ") انیس خلیل نصر (مدیر "الاردن") السید صبحی القطب (مالک و مدیر جریدہ "النسر") الشیخ عبداللہ الرباح (شرعی وکیل) الاستاذ خیری الحماد (اسسٹنٹ ڈائریکٹر وکالۃ الانباء العربیہ - عرب نیوز ایجنسی) السید جودت الخطیب (آفیسر محکمہ پاسپورٹ اُردن) السید عمر خلیل المعانی (ایڈووکیٹ عمان) السید واصف فخرالدین (استاذ اسلامیہ کالج عمان)

بعض اہم تاثرات کا عربی متن مع اردو ترجمہ کے ذیل میں سپرد قلم کیا جاتا ہے:-

۱- صاحب المعالی فوزی باشا ملقی وزیر خارجیۃ المملکۃ الاردنیۃ الھاشمیہ:-

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سَرَّنِیْ وَاللّٰہِ لِقَاءَ الْمُسْلِمِ الْغَیُوْرِ رَشِیْد اَحْمَد جُغْتَائی الاحمدی وَ اَکْبَرْتُ فِیْہِ رَغْبَۃً صَادِقَۃً فِیْ تَحْقِیْقِ مَبَادِیٔ رَفِیْعَۃٍ یَعْتَقِدُ اَنَّھَا خَیْرُ مَا یُقَدَّمُ لِلنَّاسِ فِیْ مَشَارِقِ الْاَرْضِ وَمَغَارِبِھَا وَاِنَّ الْاِخْلَاصَ لِلْعَقِیْدَۃِ الَّتِیْ تَعْمُرُ فُؤَادَہٗ بَعَثَ بِہٖ اِلَی الْاَقْطَارِ الْمُخْتَلِفَۃِ بَعِیْدًا عَنْ اَھْلِہٖ وَ وَطَنِہٖ فِیْ سَبِیْلِ الدَّعْوَۃِ الَّتِیْ تَعْتَبِرُ الْعَالَمَ کُلَّہٗ وَطَنًا وَاحِدًا وَالْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا اَھْلًا لَہٗ وَ سُکَّانًا حَفِظَہُ اللّٰہُ وَ اَبْقَاہُ

۳۱/۷/۱۹۴۸ فوزی ملقی "

ہز ایکسی لنسی فوزی پاشا ملقی وزیر خارجہ مملکت اُردنیہ ہاشمیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدا ایک غیور مسلمان عالم مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی سے ملاقات کر کے مجھے عظیم درجہ مسرت حاصل ہوئی ہے۔ ان کی اس سچی تڑپ سے بھی بہت متاثر ہوا ہوں جو وہ اپنے دل میں اُن بہترین اور عظیم الشان اصولوں اور تعلیم کو لوگوں میں قائم اور راسخ کرنے کے واسطے موجود پاتے ہیں اور جس کے بارہ میں آپ کا اعتقاد ہے کہ یہی وہ بہترین چیز ہے جسے دُنیا کے

مشارق و مغارب میں ہر جگہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جانا چاہئیے۔ وہ عقیدہ کہ جس سے اُن کا دل معمور ہے اور وہ پیغام جو تمام دنیا جہان کے جُملہ ممالک کو گویا ایک ہی وطن تصور کرتا ہے اس سے والہانہ اخلاص ہی نے آپ کو اپنے وطن اور اہل و عیال سے دُور مختلف ممالک میں پہنچا دیا ہے۔ آپ کے خیر مقدم اور بہتر قیام کی نیک خواہش کے ساتھ ہی میری دلی دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو اور آپ کو لمبی عمر بخشے۔ آمین۔

۳۱ جولائی ۱۹۴۸ء فوزی ملقی

وزیر خارجہ مملکۃ اُردنیہ ہاشمیہ

۲۔ صاحب المعالی سعید باشا المفتی

وزیر الداخلیۃ للمملکۃ الاردنیۃ الهاشمیۃ

" بَارَكَ اللّٰهُ بِالسَّيِّدِ رشيد احمد الجغتائی وَ بِأَمْثَالِهِ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ لِخَيْرِ الْإِسْلَامِ وَالدِّيْنِ الْحَنِيْفِ. لَهُمْ بِذٰلِكَ أَجْرُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَفِى الْآخِرَةِ۔

عمان سعید المفتی

۱۴/۲/۱۹۴۹ وزیر الداخلیۃ للمملکۃ الاردنیہ الهاشمیۃ "

ہز ایکسی لنسی سعید پاشا المفتی

وزیر داخلہ شرق الاردن

" اللہ تعالےٰ اپنی برکات و افضال محترم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی اور آپ جیسے مبلغین اسلام پر نازل فرمائے کہ جو دین حنیف اسلام کی بھلائی اور بہتری کے واسطے سرگرم عمل ہیں۔ یقیناً دُنیا و آخرت میں انہیں اجر عظیم سے نوازا جائے گا۔

عمان سعید المفتی

۱۴ فروری ۱۹۴۹ء وزیر داخلہ مملکت اردنیہ ہاشمیہ "

---

۳ - صاحب السعادة عبد الله النجار القائم بأعمال المفوضية اللبنانية بعمان

"النَّاسُ أَعْدَاءُ مَا جَهِلُوا - لِذٰلِكَ نَرْجُوا أَنْ يَفْهَمَ الْعَالَمُ وَلَا سِيَّمَا الْغَرْبِيُّ مِنْهُ حَقِيقَةَ الْإِسْلَامِ - فَيَقْوَى التَّآخِي بَيْنَ الْأَقْوَامِ عَلَىٰ يَدِ الْمُبَشِّرِينَ الْمُخْلِصِينَ أَمْثَالَ الْمُبَشِّرِ الْإِسْلَامِيِّ السَّيِّدِ رشيد احمد جغتائی الاحمدی الَّذِی تَفَضَّلَ بِزِيَارَتِي وَحَدَّثَنِي بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ.

عبد الله النجار

۱۷/ ۷/ ۱۹۴۸ القائم بأعمال المفوضية الجمهورية اللبنانية

بعمان

عمان میں جمہوریہ لبنانیہ کے سفیر ہز ایکسی لنسی عبداللہ النجار

لوگ لاعلمی اور ناواقفیت کے باعث ایک دوسرے سے دشمنی رکھتے ہیں۔ سو ہماری تمنا ہے کہ مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی ـــــ جنہوں نے مجھے ملاقات کا شرف بخشا اور فصیح و بلیغ عربی زبان میں مجھ سے گفتگو کی ـــــ نیز آپ جیسے مخلص مبلغین کرام کے ہاتھوں تمام جہان بالخصوص مغربی دُنیا حقیقتِ اسلام کو سمجھ لے جس کے نتیجہ میں قوموں کے درمیان محبت و اخوت کو تقویت حاصل ہو۔

عبداللہ النجار

قائم باعمال المفوضیہ و سفارت خانہ لبنانیہ

۱۷/ ۷/ ۱۹۴۸ عمان

۴- مفتی الدیار الأردنیة

فضیلة الشیخ الأستاذ محمد فال البیضاوی الشنقیطی

"شاء الحظ أن يصادفني بلقاء الأُستاذ السيد رشيد احمد جغتائی الأحمدی

المُبَشِّرُ بِالدِّينِ الإِسْلَامِيِّ فِي البُلْدَانِ الأَجْنَبِيَّةِ فَوَجَدْتُهُ مِثَالاً لِلْكَمَالِ وَاللُّطْفِ وَالأَدَبِ الإِسْلَامِيِّ وَأَبَى الآنَ أُثْبِتَ لِتَوَاضُعِهِ الرَّغْبَةَ فِي أَنْ أُدَوِّنَ فِي دَفْتَرِهِ هٰذَا المُبَارَكِ أَسْمِي فَهَا أَنَا أُسَجِّلُهُ شَاكِراً لَهُ جُهْدَهُ فِي نَشْرِ الإِسْلَامِ سَائِلاً لَهُ التَّوْفِيقَ مِنَ اللهِ تَعَالَى وَالعَوْنَ عَلَى مُهِمَّتِهِ.

عمّان

۷ رجب ۱۳۶۷ - ۱۵/ ۵/ ۱۹٤۸

مفتي الديار الأردنية

محمد فال البيضاوي الشنقيطي

مفتی اعظم مملکت اردنیہ ہاشمیہ حضرت فضیلت مآب شیخ محمد فال بیضاوی شنقیطی

میری خوش نصیبی نے مجھے غیر ممالک میں فریضۂ تبلیغ بجا لانے والے مبلغ اسلام مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی احمدی سے ملاقات کی سعادت بخشی۔ مَیں نے آپ کو کمال، لطف اور ادبِ اسلامی میں مثالی شخصیت پایا ہے۔ آپ کی خواہش کے مطابق مَیں آپ کے اس رجسٹر میں اپنا نام درج کرتے ہوئے اشاعتِ اسلام کے لئے آپ کی مساعی کو قدر و شکریہ کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ آپ کی جد و جہد میں آپ کا معین و مددگار ہو اور بہتر طور پر اس خدمت کو سر انجام دیتے رہنے کی توفیق بخشتا رہے۔ آمین۔

مفتی اُردن

محمد فال بیضاوی شنقیطی

عمّان ۔ ۷ رجب ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء

فصل دوم

افتتاحِ ربوہ کے بعد نئی بستی کی آبادی

اور

تعمیر کے ابتدائی انتظامات

خلیفۃ الرسول حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اگر عراق میں کوفہ، بصرہ، موصل اور مصر میں فسطاط جیسے بڑے شہر بسائے تو سیدنا حضرت فضل عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں سندھ میں مختلف گاؤں آباد کرنے کے علاوہ اپنے دستِ مبارک سے ۲۰؍ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو جماعت احمدیہ کے نئے عالمی مرکز — ربوہ — کی بنیاد رکھی اور حوادث کی آندھیوں اور مخالفت کے طوفانوں میں سے گذرتے ہوئے اپنی نیم شبی دُعاؤں، حیرت انگیز ذہانت، بے مثال مدبرانہ قابلیت، صلاحیت اور انتہا درجہ کی مشقت و جانفشانی سے ایک لق و دق صحرا کو ایک بارونق شہر میں بدل ڈالا جس سے دُنیا کی مذہبی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔

مرکز ربوہ کا قیام حضرت مصلح موعودؓ کا ایک نہایت شاندار، عدیم النظیر اور زندہ و تابندہ کارنامہ ہے، جو رہتی دنیا تک مشہورِ عالم رہے گا۔ لہذا ضروری ہے کہ واقعات میں اس کا سلسلہ وار تذکرہ کیا جائے تا اس کی تدریجی ترقی کے مختلف مراحل و ادوار پر مفصل روشنی پڑ سکے۔

اس فصل میں ان ابتدائی انتظامات کا بیان مقصود ہے جو بستی کی بنیاد سے لیکر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے آخر تک اس کی آبادی اور عارضی اور کچے مکانات کی تعمیر کے لئے عمل میں لائے گئے۔

ربوہ میں مرکزی دفاتر کا اجراء

ربوہ کی افتتاحی تقریب کا ذکر پچھلی جلد میں آچکا ہے۔ افتتاحِ ربوہ کے بعد چوہدری عبدالسلام صاحب اختر ایم۔ اے منتظم اعلیٰ نے بابو فضل دین صاحب اوورسیر اور دیگر احباب کے مشورہ سے اس مقدس مقام کو جہاں حضرت امیر المومنین المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے پہلی نماز ادا فرمائی تھی مرکز قرار دے کر اس کے چاروں طرف خیمے اور چھولداریاں نصب کرا دیں[1] جن میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان اور تحریک جدید دونوں اداروں کے دفاتر نئے مرکز میں کھُل

---

[1] حاشیہ صفحہ ۲۱ پر ملاحظہ ہو۔

گئے اور بیرونی دُنیا سے اُس کا سلسلہ مراسلت بھی چنیوٹ کے پتہ پر جاری کر دیا گیا۔

۲۷ ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے دفتر بیت المال کو بھی ربوہ بھجوانے کی ہدایت دے دی گئی نیز یہ کہ آئندہ خط و کتابت ربوہ کے پتہ پر ہو۔ دفتر بیت المال کی نقل مکانی کے جلد بعد دفتر محاسب بھی قائم ہو گیا بلکہ دفتر حفاظت مرکز کے سوا اکثر مرکزی دفاتر نے ربوہ میں کام کرنا شروع کر دیا۔

خیموں کی از سرِ نو تنصیب

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ہدایت پر ۲۶ ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو ربوہ کے خیمے دوبارہ نصب کئے گئے۔ اس نئی ترتیب کے مطابق خیموں کا نقشہ یہ تھا۔

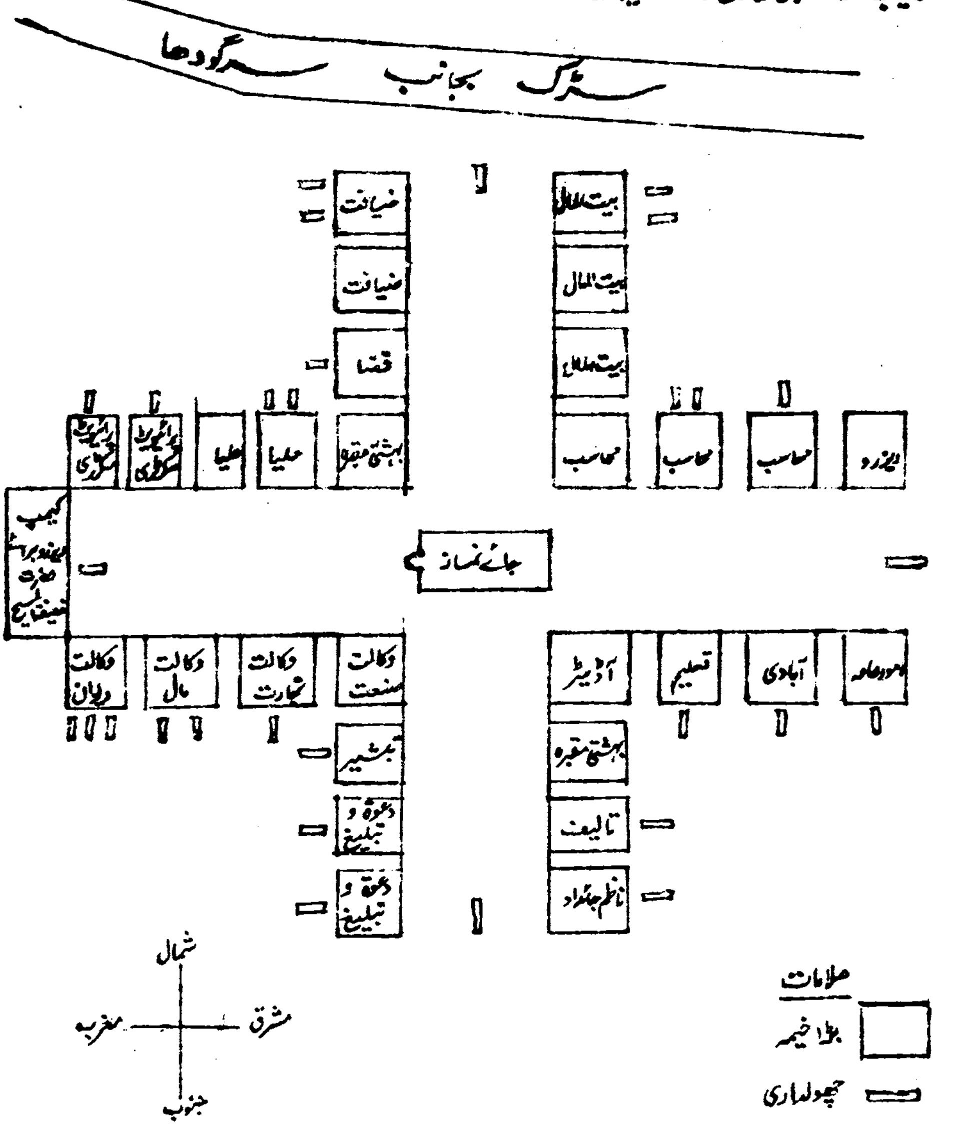

ربوہ کے خیمہ نشینوں کے لیل و نہار اور اُن کی مشکلات پر ایک نظر

سلسلہ کے وہ ایثار پیشہ اور مخلص خدام جو مرکز احمدیت کی ابتدائی داغ بیل اور آبادی کے لئے اس وادیٔ غیر ذی زرع میں دھونی رما کے بیٹھ گئے تھے کئی ماہ تک مشکلات کے ہجوم میں گھرے رہے۔

ذیل میں ہم اُس دَور کے دو خطوط کا ملخص درج کرتے ہیں جس سے ان کی مشکلات کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے:۔

۱۔ چودھری عبدالسلام صاحب اختر نے ۲۱ ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو جناب ناظر اعلیٰ صاحب کی خدمت میں لکھا اس وقت سب سے بڑی دقت پانی کی ہے۔ نلکہ یہاں سے تقریباً پون میل کے فاصلہ پر ہے اور پانی دھوپ میں لانے کے لئے سخت پریشانی ہوتی ہے۔ ربوہ کی ڈاک پوسٹ ماسٹر چنیوٹ کی معرفت آنی چاہیئے۔ الفضل چنیوٹ ایجنسی کے ذریعہ بھیجا جائے۔ طبّی انتظام کے لئے یہاں ایک کمپاؤنڈر کی اور روشنی کے لئے کم از کم دس عدد لالٹینوں کی ضرورت ہے (ملخص)[۱]

۲۔ چودھری عبدالباری صاحب نائب ناظر بیت المال نے ۲۵ تبوک/ستمبر کو ناظر اعلیٰ صاحب کے نام ایک چٹھی میں لکھا کہ یہاں حالت یہ ہے کہ ایک کے بعد دوسرا بیمار پڑ رہا ہے۔ کوئی طبی امداد نہیں۔ یہاں کل نفری ۲۵ سے زائد نہیں۔ لیکن اس میں سے بھی پانچ چھ بیمار ہیں۔ ہمارے اوورسیر بھی بیمار ہو گئے ہیں۔ ان کا علاج کرنے والا کوئی نہیں۔ سروے کا کام ہو تو رہا ہے لیکن ذرا سست ہی ہے۔ کل شام سے تیز ہوا چل رہی ہے۔ شاید ابھی دس دن اَور لگیں کہ کام ختم ہو۔ چودھری سلطان احمد صاحب بسرا نے چار صد بوری گندم خرید لی ہے۔ ربوہ میں جگہ نہیں اس لئے مجبوراً احمد نگر رکھی جائے گی۔ کل یہاں

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۹) ۲۸ ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء تک صدر انجمن احمدیہ کے ۲۵ خیمے اور ۲۵ چھولداریاں نصب کی جا چکی تھیں جن میں سے چار قیمتاً خرید کی گئی تھیں۔ بقیہ کی تفصیل یہ ہے:۔ ۵ خیمے کارخانہ اللہ دو محمد دین صاحب لاہور سے چالیس روپے ماہوار کرایہ پر، ۱۶ چھولداریاں ۱۲ روپے ماہوار کرایہ پر اور ۵ چھولداریاں ۱۰ روپے ماہوار کرایہ پر شیخ علی احمد اینڈ سنز لاہور سے دو ماہ کے لئے حاصل کی گئی تھیں۔ ان خیموں اور چھولداریوں کی میعاد ۱۸ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء تک ختم ہوتی تھی جس سے چار روز قبل حضور نے (۱۴ ماہ نبوت/نومبر کو) ارشاد فرمایا کہ سوائے دفتر کے خیموں کے باقی خیموں کا کرایہ لیا جائے۔ دو ماہ کے بعد جتنے دن زائد لگیں گے ان کا کرایہ خیمہ میں رہنے والوں سے لیا جائے گا۔ نیز فرمایا کہ انہیں پہلے اس لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ چھپر وغیرہ بنا لیں اور ان میں رہیں۔

[۱] فائل انتظام آبادی و فراہمی سامان

پر شدید آندھی آئی جس نے نہ خیمے چھوڑے اور نہ باقی چیزیں (ملخصاً)[1]

تعمیر مرکز کیلئے حضرت مصلح موعودؓ کا والہانہ شوق

حضرت مصلح موعودؓ کی ابتداء ہی سے زبردست خواہش اور بے پناہ تڑپ تھی کہ نئے مرکز کی عارضی تعمیرات کا سلسلہ جلد شروع ہو اور آپ اس میں فی الفور منتقل ہو کر اس کی مستقل آبادی کا بندوبست اپنی نگرانی میں انجام دیں۔ چونکہ احمدیت کی مخالف جماعتیں قیام مرکز کے منصوبہ کو ناکام بنانے پر تلی ہوئی تھیں اور درپردہ سازشوں کا گویا جال بچھا ہوا تھا اس لئے افتتاحِ ربوہ کے بعد حضور کا یہ والہانہ شوق فکرمندی، بیقراری اور تشویش میں بدل گیا اور آپ آٹھوں پہر اس کے لئے بے چین رہنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دنوں حضور کی صدارت میں رتن باغ کے اندر صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے افسروں کی مشاورتی مجلس میں جو معاملات زیرِ غور آتے تھے ان میں تعمیر ربوہ کے مسئلہ کو مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہوتی تھی اور حضرت امیرالمومنینؓ کی خصوصی توجہ اور انہماک کا تو یہ عالم تھا کہ حضور انور اس بارے میں اس طرح جزئیات و تفصیلات تک میں رہنمائی فرماتے کہ اہلِ مجلس دنگ رہ جاتے۔

مثلاً افتتاحِ ربوہ کے تیسرے روز ۲۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو حضور نے جو مفصل ہدایات دیں ان کا ملخص مشاورتی مجلس کے ریکارڈ میں حسب ذیل الفاظ میں درج ہے:۔

"اختر صاحب[2] سے مل کر ۱۴'، ۱۶'، ۱۸'، ۲۰'، ۲۲' اور ۲۴' کی جس قدر ریلیں[3] مل سکیں لینے کی کوشش کی جائے اور اختر صاحب کو کہا جائے کہ جلد کوشش کریں"

"فی الحال ایک کمرہ ۱۲' × ۱۴' × ۱۳' کے چھ صد مکانات بنوالئے جائیں جن میں سے دو صد ادنیٰ قسم کے (کچے) اور چار صد اعلیٰ (پکے) مکانات بنوالئے جائیں۔ ان کا موٹا اندازہ یہ ہوگا:۔

ادنیٰ مکانات:	لکڑی کے گولے	۲۵۰۰
	کھڑکیوں وغیرہ کے لئے	۸۰۰۰
اعلیٰ مکانات:	گیلی دو ہزار دیار یا کیل	۴۰۰۰

---

[1] اصل چٹھی "شعبہ تاریخ احمدیت" ربوہ میں محفوظ ہے۔

[2] میاں غلام محمد صاحب اختر مراد ہیں جو ان دنوں ریلوے کے اعلیٰ افسر تھے۔

[3] یعنی لوہے کے گارڈر۔

بالے اٹھارہ ہزار	۲۷۰۰۰
ریل آٹھ صد ۱۳/۴ فٹ	۱۲۰۰۰
دروازوں وغیرہ کی تیاری	۲۳۰۰۰
پیچ قبضے وغیرہ	۸۰۰۰
روغن	۳۲۰۰
چنائی چھ صد مکانات	۲۸۰۰۰
دیواریں وغیرہ	۲۵۰۰۰
متفرق	۹۰۰۰
	۱۸۵۷۰۰ روپے

ان سب کاموں کے لئے آدمی مقرر کر دیں جو اُن کا انتظام کریں اور اپنا اسٹیمیٹ بنائیں۔ ہر کمرہ میں ایک دروازہ، دو کھڑکیاں اور دو الماریاں اور تین روشندان ہوں گے۔ سب سے پہلے کچھ ماڈل مکانات بنائے جائیں۔ نیز انجمن، ناظروں اور نائب ناظروں کے لئے بھی مکانات بنوائے اور اُن کے نقشے تیار کئے جائیں۔ ان کا کرایہ اُن سے لیا جائے گا۔

سیمنٹ کی تین ہزار بوریاں خرید لی جائیں جو چنیوٹ میں رکھی جائیں۔ کچی اینٹوں کی تیاری فوراً شروع کی جائے اور پکی کے لئے پانچ لاکھ کا بھٹہ تیار کیا جائے۔

جامع مسجد کے لئے کم از کم ۷۰ کنال زمین رکھی جائے۔

قادیان خط لکھ کر مسجد مبارک و مسجد اقصیٰ کی پیمائش منگوائی جائے

زمین کے لئے روزانہ اخبار میں چوکھٹوں کی صورت میں اعلان ہو اور لوگوں کو LEASE کے متعلق دوسرے شہروں لندن۔ امریکہ۔ افریقہ وغیرہ کی مثالیں دے کر توجہ دلائی جائے کہ آجکل یہی دستور ہے اور یہی فائدہ مند صورت ہے۔

سروے جو ہو اس کے متعلق ہدایت ہو کہ ہر سو فٹ پر دیکھا جائے کہ ریلوے لائن اور سڑک کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔"

"مکان کا نقشہ فوراً تجویز ہونا چاہیئے۔ ہمیں ایسا نقشہ چاہیئے جس کا ایک پارٹ بنے اور

اُس کی آگے تکمیل ہو۔ پھر ہم نے اس میں یہ بھی دیکھنا ہے کہ کس طرح خرچ کم کیا جائے۔
پرائمری سکول فوراً ہمارے جاتے ہی شروع ہو جائے۔ جس دن جائیں اسی دن سکول شروع ہو جائے۔ گاڑی، ریل تو فوراً جمع ہونی چاہیئے۔ اگر یہ جمع ہو جائیں تو کام شروع ہو سکتا ہے۔ فوراً نام وار فہرست بنا کر مجھے دیں کہ فلاں عملے کے لئے کتنے مکان چاہئیں۔"

"یہ بھی دیکھا جائے کہ کچے مکان وہاں رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر رہ سکتے ہوں تو کچے مکان بنا لئے جائیں کیونکہ پانچ سات مکانات کا بنا کر توڑنا مشکل نہیں اس حالت سے جو اَب ہے"

"وکیل المال کے دونوں افسروں میں سے ایک وہاں فوراً جائے تاکہ روپیہ وصول ہو سکے۔ وہاں ڈاک خانہ والوں کو لکھنا چاہیئے جس میں عزیز احمد کو اتھارٹی ہو۔

فوراً ایک افسر اور کلرک تحریک وکیل المال وہاں جائے جب تک ذمّہ دار افسر نہیں جائیں گے، کام نہیں ہوگا۔ شہروں اور قوموں کی آبادی بغیر تکلیف کے نہیں ہوتی۔[1]

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا مکتوب حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ۲ر اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں ربوہ سے انتظامات سے متعلق حسب ذیل مکتوب لکھا:۔

"قیام مرکز ربوہ کے کام کو سرسری نظر سے دیکھنے پر مجھے احساس ہوا ہے کہ یہ کام کسی اچھی تنظیم کے ماتحت نہیں چل رہا اور تقسیم کار بھی درست نہیں ہے۔ کام کے ایک حصّہ کے متعلق جو کمیٹی بنائی گئی ہے اس کا کام صرف اتنا تجویز کیا گیا ہے کہ وہ ضروری اطلاعات مہیّا کرے۔ درخواست ہائے خرید اراضی کا کام بھی امور عامہ سے تو لے لیا گیا ہے مگر ابھی تک کسی اَور کے سپرد نہیں ہوا۔ میرے خیال میں بہتر ہوگا کہ قیام مرکز کے تعلق میں مختلف قسم کے کاموں کی تعیین کر کے پھر انہیں مختلف ذمّہ دار افسروں کے سپرد کر دیا جائے اور بعض افسروں کے ساتھ مشورہ کے لئے کمیٹیاں بھی مقرر کر دی جائیں۔ موجودہ صورت میں غلط فہمی پیدا ہو رہی ہے جس کے نتیجہ میں کام کا بھی نقصان ہو رہا ہے۔ جو کام میرے ذہن میں آتے ہیں اُن کا نقشہ ذیل میں درج کر کے ارسال خدمت کرتا ہوں۔ اگر حضور اسے منظور فرمائیں تو پھر اِن

---

[1] رجسٹر مشاورتی مجلس (رتن باغ لاہور)

کاموں کے متعلق ہدایت فرماویں کہ کس کس کے سپرد ہوں۔

(۱) فروخت و تقسیم قطعات

(۲) مفت تقسیم ہونے والے قطعات کی تقسیم

(۳) نقشہ آبادی کی تیاری اور اس کے متعلق حکومت سے منظوری حاصل کرنا۔

(۴) آبادی میں مجموعی ڈرینیج کا انتظام

(۵) جماعتی عمارتوں (مساجد، مہمان خانہ، دفاتر وغیرہ) کا نقشہ تجویز کرنا اور ان عمارتوں کی تیاری

(۶) پرائیویٹ عمارتوں کے نقشہ کی منظوری

(۷) دکانوں اور کارخانوں کے لئے قطعات تجویز کرنا۔

(۸) عمارتی سامانوں کے متعلق ضروری اطلاعات مہیا کرنا اور بعد منظوری بعض چیزوں کا مشترکہ انتظام کرنا

(۹) ربوہ کے لئے اسٹیشن اور ڈاکخانہ اور تار گھر اور ٹیلیفون ایکسچینج وغیرہ کا حکومت کے ذریعہ انتظام کروانا۔

(۱۰) آبادی کے لئے بجلی و پانی کا مجموعی انتظام تجویز کرنا

(۱۱) جماعتی ضروریات کے لئے اجناس خورد و نوش و ایندھن و تیل وغیرہ کی فراہمی

(۱۲) صدر انجمن و تحریک جدید کے دفتروں و اداروں کے منتقل کرنے کا انتظام

(۱۳) قیمت قطعاتِ اراضی کی وصولی

(۱۴) نئی آبادی میں اجناس اور لیبر کے ریٹوں کو کنٹرول میں رکھنے کا انتظام

(۱۵) پہرے اور حفاظت کا انتظام

اگر حضور ان کے متعلق فیصلہ فرما دیں تو انشاء اللہ کام میں سہولت رہے گی اور اس میں حرج نہیں کہ ایک ایک آدمی کے سپرد ایک سے زیادہ شعبے ہوں اور پھر ان سب افسروں کی ایک مشترکہ کمیٹی ہو جو حضور کی ہدایت کے ماتحت کام کرے۔ والسّلام

خاکسار مرزا بشیر احمد

۴۸-۱۰-۳

حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے راہنما اصولوں کی تعیین

اس مکتوب پر حضرت سیدنا المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۴ و ۱۵ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء کو شہر کی آبادی کے لئے نہایت اہم راہنما اصول تجویز فرمائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا :-

۱۔ فروخت کا سوال نہیں جو کمیٹی بنائی گئی ہے تقسیم قطعات کے متعلق اُن اصولوں کے مطابق فیصلہ کرے گی جو شائع ہو چکے ہیں یا آئندہ بنائے جائیں گے۔ اس کا انچارج اوورسیئر ہوگا۔ اس کے متعلق اصول یہ ہونا چاہیئے

(ا) جس ترتیب سے روپیہ آتا ہے اسی کے مطابق قطعات دیئے جائیں۔ جو روپیہ پہلے دیتا ہے اُس کا پہلے حق ہے۔

(ب) دوسرا اگر قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے کہ جو شخص جنت میں اعلیٰ مقام قُرب کا حاصل کرتا ہے تو اُس کے قریبی رشتہ دار بھی انعام کے طور پر قریب رکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی جو شخص پہلے روپیہ دے تو اُس کے قریبی رشتہ داروں کو اُس کے قریب رکھنے کی رعایت دی جا سکے گی۔ بشرطیکہ اس کی وجہ سے کسی کا حق نہ مارا جائے اور سلسلہ کا نقصان نہ ہو۔

(ج) انجمن اور تحریک کی عمارتوں کو مقدم رکھا جاوے۔

(د) جس شخص کو زمین ملے اس کے کاروبار کے لئے بھی قریب کی زمین رکھی جاوے۔ مثلاً دکان کا قریب بنانا۔ اس بات کی اہمیت رکھی جائے گی۔ اس دلیل کو بہ نسبت دوسری بات کے زیادہ مانا جائے گا بشرطیکہ وہ دوکان اپنی ذات میں مضر نہ ہو۔ جس چیز میں ہماری پالیسی اس کے خلاف ہوگی اُس میں اُس کا یہ حق نہ ہوگا یا کیریکٹر کے لحاظ سے۔ اسی طرح کوئی دوسرا کام جو معیشت سے تعلق رکھتا ہو مثلاً دفتر، کارخانہ۔ اِس صورت میں اس کی مرضی کا خیال رکھا جائے گا لیکن سلسلہ کی ضرورت مقدم ہوگی۔

۲۔ مُفت تقسیم کے لئے بھی کچھ اصول پہلے مقرر کئے جائیں۔ مثلاً

(ا) غرباء اور جن کے ذاتی مکان قادیان میں تھے۔

(ب) مختلف پیشہ وروں کو مدنظر رکھا جائے۔ زمین میں سمجھی جائے گی[1] لیکن مقدم رکھیں گے مکان والے کو کیونکہ زمین والا اس پلاٹ کے بغیر کہیں رہ رہا ہے۔

(ج) غریب جو قادیان میں رہتا تھا۔

---

[1] نقل مطابق اصل۔

(د) جس کا مکان یا پلاٹ قادیان میں تھا۔

(ہ) محلہ مسجد مبارک کے ہمارے قبضہ میں ہونے سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ اس حلقہ میں کسی کے مکان یا پلاٹ کا ہونا اس کے حق کو باطل کر دے گا۔

(و) پلاٹ اگر کم ہو جائیں تو مکان والے کو مقدم رکھا جائے گا بشرطیکہ پیشہ وروں کی تقسیم کے لحاظ سے خالی زمین والے کو اہمیت حاصل نہ ہو۔

(مثلاً پیشے یہ ہو سکتے ہیں۔ نائی، دھوبی، درزی، لیبرر، سقہ، موچی، ترکھان، لوہار، معمار، قلعی گر، سنار، رنگریز، پینجا، جولاہا، تیلی)

۳۔ نقشہ جات کی تیاری کا کام اوورسیئر کا ہے۔ حکومت سے متعلقہ سارے کام نواب محمد دین صاحب کریں گے۔ اس وقت نقشہ کا کام عبدالباری کے سپرد ہے، اسی کو رکھیں۔

۴۔ اوورسیئر۔ اس کی منظوری گورنمنٹ نے دینی ہے۔

۵۔ جہاں تک نقشہ کی تیاری کا سوال ہے یہ اوورسیئر کا کام ہے۔ باقی اس کی منظوری کمیٹی دے گی۔

ا۔ ایک کمیٹی بنائی جائے جو تمام عمارتی اور تعمیری کاموں کی مہر دے رپورٹ۔ اسٹیمیٹ اور بجٹ اوورسیئر سے لے کر فیصلہ کرے گی۔

ب۔ وہ کمیٹی اپنی ساری رپورٹ مکمل کر کے میرے پاس آخری منظوری کے لئے بھیجے گی کیونکہ روپیہ تو میرے ہاتھ میں ہے۔

۶۔ پرائیویٹ مکانوں کے نقشہ جات کی منظوری بھی وہی کمیٹی دے جو انجمن کے نقشے منظور کرے گی۔ ہر نقشہ اوورسیئر کے پاس جائے اور وہ کمیٹی میں بھجوائے۔

اس کے لئے بھی کچھ اصول ہوں۔ مثلاً گورنمنٹ میں یہ اصول ہے کہ اونچائی اتنی ہو۔ اور منفذ[1] کا ٹوٹل کمرے کے ٹوٹل سے کیا نسبت رکھتا ہو۔ مثلاً اس کی شرط یہ ہوتی ہے کہ منفذ کا ٹوٹل کمرے کے ٹوٹل کا $\frac{1}{4}$ ہو۔

دو منزلہ مکان کے متعلق کچھ اصول ہوں۔ اس کی کھڑکیوں کے متعلق یہ ہو کہ دوسرے کی طرف کھڑکی نہ ہو۔ مشترکہ دیواروں کے متعلق کہ اگر کوئی شخص کسی کو دیوار کے استعمال کی اجازت دیتا ہے تو پھر اس کی مرمت کا حق بھی اسے حاصل ہوگا۔

---

[1] روشندان (فرہنگ عامرہ)

صحن وغیرہ اور پانی کے نکاس کے متعلق حد بندی کر دی جائے۔

نالیاں نقشہ میں ضرور دکھائی جائیں۔ جو نالیاں اور پرنالے نقشہ میں نہ دکھائے جائیں وہ بند کرنے پڑیں گے۔

پرنالہ کی قسم ہونی چاہیئے اور اس کے متعلق اصول ہو کہ جس کے گھر کا پرنالہ ہو اسی کو اس کی آواز سُننی چاہیئے، دوسرے کو نہیں یا یہ کہ جس حد تک ہمسایہ اجازت دے دے۔

اس کمیٹی کا فرض یہ ہوگا کہ نگرانی کرے کہ اس قسم کی کوئی حرکت نہ ہو جس سے ہمسایہ کو نقصان پہنچے۔

ان قواعد کو چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کیا جائے بلکہ امتحان لیا جائے تاکہ اجازت لینے والا پھنس نہ جائے اصل غرض ان قواعد کی یہ ہوتی ہے کہ لوگ کسی کے محتاج نہ ہوں۔

۷۔ یہ کمیٹی بھی الگ ہونی چاہیئے۔ اس میں امور عامہ، ناظر تعلیم و تربیت، ہر محلہ کا پریذیڈنٹ اور وکیل الصنعت ہو۔

دوکانات کی تجویز بھی اہم سوال ہے۔ اس کے متعلق ایک باڈی بن جائے کہ کس قسم کی کتنی دوکانیں ہوں۔

بازار کی پوزیشن کے متعلق بھی غور ہو کہ کس جگہ بنایا جائے۔ ایک سیدھا بازار بنانا ہے یا کئی شاخوں میں۔ کس کس قسم کی دوکانیں ہوں۔

منڈیوں کے متعلق۔ غلہ منڈی، سبزی منڈی۔ ایندھن کی منڈی، گوشت کی منڈی۔

۸۔ میرے خیال میں ہر چیز ایک حد تک مشترکہ ہونی چاہیئے۔ اگر گاہک آئے تو اس کو دے دیں ورنہ اپنی ضرورت پر استعمال کریں۔ لیکن دروازے اور کھڑکی کا ماڈل بنوا لیا جائے تا اس کے مطابق سب چیزیں آجائیں۔

مثلاً دروازہ ۶ ۳/۴ × ۴ کھڑکی ۴ × ۳

اوورسیئر کے ساتھ ایک ڈرافٹسمین بھی رکھا جائے۔ اس کے متعلق اخبار میں اشتہار دیا جائے۔ تنخواہ کے متعلق کنجوسی نہ کی جائے۔ گورنمنٹ کا قانون ہے کہ جسے عارضی طور پر لیا جائے اس کو اصل ریٹ پر ۲۵٪ زیادہ دیتے ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو آپ اس سے بھی زیادہ دے سکتے ہیں۔

ربوہ میں ایک آدمی نہ ہو۔ اگر آپ لوگوں کو یہاں بیٹھنا پسند ہے تو وہاں ایک شیڈو انجمن بنائی جائے بہرحال جب تک انجمن نہیں جاتی وہاں کوئی کام نہیں ہوگا۔

میرے خیال میں یہ بوجھ سلسلہ اُٹھائے کہ سامان لانے کے لئے لاری یا ابتداء میں ایک سائیکل والی گاڑی

رکھ لی جائے اور ایک آدمی مقرر کر لیا جائے جو ہر گھر سے روزانہ پوچھ کر سودا لایا کرے۔

ایک ٹریکٹر فوراً لیا جائے۔ اس کا ابھی آرڈر دیا جائے۔ 4-D MODEL لیا جائے۔ شیخ نور الحق کے ذریعہ منگوا لیا جائے۔ یہ ابھی وہاں چلا جائے اور کام شروع ہو جائے۔

دو چار کشتیوں کا بھی انتظام ہونا چاہیئے تا کہ اگر پُل پر ملٹری قبضہ کرے تو ہم انہیں استعمال کر سکیں۔

ارد گرد سے پٹھانوں کو جمع کرنے کے لئے ایک آدمی مقرر کیا جائے جو اُن سے کچّی دیواروں کے تیار کرنے کے لئے معاہدہ کرے۔

کسی مقامی آدمی کو مقرر کر کے سینگا منگوایا جائے جو پانی کی تلاش کرے۔

(مؤرخہ ۶ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء)

۹۔ امور عامہ کے ساتھ اِس کا تعلق ہے۔[۱]

۱۰۔ پانی، بجلی کے لئے اعجاز نصر اللہ کو مقرر کیا جائے۔ یہ مجھ سے مشورہ لیں۔

۱۱۔ اجناس خورد و نوش کے مہیا کرنے کے لئے خواجہ محمد امین کو بلا لیا جائے اور ان کا افسر میاں عبداللہ خاں صاحب کو مقرر کیا جائے۔

۱۲۔ دفاتر تحریک و صدر انجمن کے منتقل کرنے کا کام ناظر اعلیٰ کے سپرد کیا جائے۔

۱۳۔ روپیہ کی وصولی محاسب یا بیت المال کے سپرد ہوگی۔

۱۴۔ لیبر کا کنٹرول اُسی کا ہوگا جو انجنیئر مقرر ہوگا اور اجناس کا کنٹرول اسی کے پاس ہوگا جو اجناس کا افسر مقرر ہوگا۔

۱۵۔ پہرہ وغیرہ کے انتظام کے لئے وہاں ایک ٹاؤن پریذیڈنٹ کے طور پر مقرر کرو۔ وہی سب کام کرے گا۔ عبدالسلام اختر کو مقرر کرو اور سب کو آرڈر کر دو کہ کام میں ان کی مدد کریں۔ ان کو بھی لکھا جائے کہ دوسرے کاموں میں ہرج نہ ہو۔

چھ پہریدار رکھے جائیں۔ جو ریفیوجیز میں سے آسانی سے مل سکتے ہیں۔ پھیرو چیچی کے حشمت علی کا لڑکا آیا تھا اس کو رکھ لیا جائے۔

---

[۱] یعنی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی تجویز ۹ کا جو گورنمنٹ سے اسٹیشن اور ڈاک خانہ وغیرہ کا انتظام کرانے کے بارہ میں تھی۔

ہر کام کے لئے نگرانوں کا تقرر حضرت مصلح موعودؓ کی مندرجہ بالا اصولی ہدایات کی روشنی میں صدر انجمن احمدیہ نے کارکردگی کی رفتار تیز کرنے کے لئے حسب ذیل نگران مقرر کر دیئے:۔

نگران	کام
حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب و حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب	۱۔ فروخت و تقسیم قطعات
" " " "	۲۔ مُفت تقسیم ہونیوالے قطعات کی تقسیم
چودھری عبد الباری صاحب	۳۔ نقشہ آبادی کی تیاری اور اس کے متعلق حکومت سے منظوری حاصل کرنا
" " "	۴۔ آبادی میں مجموعی ڈرینیج[۱] کا انتظام
حضرت مرزا بشیر احمد صاحب	۵۔ جماعتی عمارتوں (مساجد، مہمانخانہ، دفاتر وغیرہ) کا نقشہ تجویز کرنا اور ان عمارتوں کی تیاری
نظارت امور عامہ	۶۔ پرائیویٹ عمارتوں کے نقشہ کی منظوری
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب	۷۔ دوکانوں اور کارخانوں کے لئے قطعات تجویز کرنا
خواجہ عبد الکریم صاحب وکیل التجارت و حسن محمد خاں صاحب عارف نائب	۸۔ عمارتی سامان کے متعلق ضروری اطلاعات مہیا کرنا اور بعد منظوری بعض چیزوں کا مشترکہ انتظام کرنا
میاں غلام محمد صاحب اختر۔ و محمود احمد صاحب قائد (لاہور) نائب	۹۔ ربوہ کے لئے اسٹیشن اور ڈاکخانہ اور تارگھر اور ٹیلیفون ایکسچینج وغیرہ کا حکومت کے ذریعہ انتظام کروانا

---

[۱] DRAINAGE (پانی کا نکاس)

۱۰۔ آبادی کے لئے بجلی و پانی کا مجموعی انتظام تجویز کرنا	ڈاکٹر عبدالاحد صاحب
۱۱۔ جماعتی ضروریات کے لئے اجناس خورونوش و ایندھن وتیل کی فراہمی	سید محمود اللہ شاہ صاحب و سید عبدالجلیل شاہ صاحب نائب
۱۲۔ صدر انجمن و تحریک جدید کے دفتروں اور اداروں کے منتقل کرنے کا انتظام	ناظر اعلےٰ ۔ وکیل الدیوان
۱۳۔ قیمت قطعاتِ اراضی کی وصولی	نائب وکیل المال ۔ قریشی عبدالرشید صاحب
۱۴۔ نئی آبادی میں اجناس اور لیبر کے ریٹوں کو کنٹرول میں رکھنے کا انتظام	ناظر صاحب امور عامہ
۱۵۔ پہرے اور حفاظت کا انتظام	امور عامہ[1]

سرزمین ربوہ کا سروے اور نقشہ کی تیاری اور منظوری میں شدید مشکلات

سرزمین ربوہ کا سروے ایک نہایت کٹھن مرحلہ تھا۔ جس کے شروع کرنے کی اولین سعادت حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی جمعدار فضل الدین صاحب کمبوہ کو حاصل ہوئی۔ لیکن افسوس ابھی وہ تھوڑا سا کام ہی کر پائے تھے کہ درد گردہ میں مبتلا ہو گئے۔ ازاں بعد ایک اور صاحب نے یہ خدمت اپنے ذمہ لی مگر وہ حاضر نہ ہوئے جس پر چوہدری شریف احمد صاحب (وڑائچ)[2] اوورسیئر سے بات چیت کی گئی تو انہوں نے چوہدری محمد مختار صاحب اوورسیئر کو بھی اپنے ساتھ ربوہ جانے پر آمادہ کر لیا۔ لیکن چوہدری شریف احمد صاحب رستہ میں ہی بیمار ہو کر لائل پور سے واپس لاہور چلے گئے اور محمد مختار صاحب ربوہ پہنچ کر شدید انفلوئنزا کا شکار ہو گئے۔ بایں ہمہ انہوں نے کمال مستقل مزاجی، تندہی اور جانفشانی سے سروے جاری رکھا اور دن رات ایک کر کے چند روز کے اندر اندر سروے کا ایک حصہ یعنی لیول[3] مکمل کر لیا جس کا ذکر ۲۹ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کی ایک رپورٹ میں بایں الفاظ ملتا ہے:۔

"محمد مختار صاحب جب سے آئے ہیں سخت زکام اور نزلہ میں گرفتار ہیں لیکن اس کے

---

[1] ریکارڈ دفتر پرائیویٹ سکرٹری۔ [2] چوہدری شاہ محمد صاحب کاتب کے چھوٹے بھائی۔ [3] سطح زمین کی ہمواری۔

باوجود صبح سورج نکلتے ہی کام شروع کرتے رہے ہیں اور شام اس وقت تک کام کرتے رہے ہیں جب تک نظر کام کر سکتی تھی۔ کھانا بھی وہاں ہی کھاتے جہاں کام کرتے تھے۔ خیموں میں دوپہر کو بالکل نہ آتے تھے۔ انہوں نے شدید محنت کر کے نصف کام کل تک کر لیا ہے۔ ان کے ساتھ مزدور بھی تھک کر چُور ہو جاتے ہیں"

جناب محمد مختار صاحب نہایت سرگرمی سے مصروفِ عمل تھے کہ قصور سے عبدالقادر صاحب اوورسیئر محکمہ کنٹور سروے[1] کے لئے ربوہ میں پہنچ گئے۔ ان کے پاس ان کا اپنا موٹر سائیکل بھی تھا اور ضروری آلات بھی۔ جناب محمد مختار صاحب کی طرح عبدالقادر صاحب نے ۹ روز تک نہایت عرقریزی سے اس قومی فرض کی بجاآوری کی اور آخر اپنے دوسرے رفقاءِ کار سیف اللہ صاحب اوورسیئر (لائلپور) اور سردار بشیر احمد صاحب مونگ رسول کے تعاون سے ۹/۱۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کی درمیانی شب کو گیس کی روشنی میں ایک بجے کے قریب کنٹور سروے مکمل کر لیا۔ یہ کام ہو چکا تو تعمیر کمیٹی کے سکرٹری ملک محمد خورشید صاحب نے Lay out[2] شروع کر دیا جو ۳۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کو بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔ جس کے بعد جناب قاضی محمد رفیق صاحب کنسلٹنگ آرکیٹکٹ نے Lay out کا خاکہ کھینچنے اور ربوہ کا مستقل نقشہ بنانے کا اہم اور نازک کام اپنے ہاتھ میں لیا۔[3] اور سردار بشیر احمد صاحب (مونگ رسول) اور چودھری عبداللطیف صاحب اوورسیئر واقفِ زندگی اور ایک اور دوست کے تعاون سے ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کے پہلے ہفتہ تک آبادی ربوہ کا نقشہ تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جس کی کاپیاں چودھری عبدالرحیم صاحب ہیڈ ڈرافٹسمین لاہور نے کروائیں اور ان پر چودھری عبداللطیف صاحب اوورسیئر نے رنگ بھرے۔ بعد ازاں جھنگ میں رجسٹری کئے گئے۔ یہ نقشہ جلد ہی صوبائی ٹاؤن پلینر کو بغرض منظوری بھجوا دیا گیا۔

اس عہدہ پر اُن دنوں پارسی حبیب جے۔ اے بسوم جی نامی متعین تھے۔ جنہوں نے محض روپوں کے لالچ میں بے شمار حیلوں بہانوں سے نقشہ کی منظوری کا معاملہ کئی ماہ تک کھٹائی میں ڈال دیا۔ اور

---

[1] ۔ کنٹور سروے فنِ انجنیئری میں زمین کے ایسے جائزہ کو کہتے ہیں جو سطحِ سمندر سے اونچائی کی لائنیں ظاہر کرے۔

[2] سڑکوں اور پلاٹوں کے لئے تجویز۔

[3] آپ امرتسر کی مشہور قاضی فیملی کے چشم و چراغ ہیں۔ ربوہ کی اکثر ابتدائی اور مرکزی عمارتوں کے نقشے آپ ہی نے تیار کئے ہیں۔

آخر مجرمانہ حد تک تغافل برتنے اور انتہائی پس و پیش کے بعد بڑی مشکل سے یکم فروری ۱۹۴۹ء کو دستخط تو کر دیئے[1] لیکن ساتھ ہی ازراہِ شرارت ایک ایسی ٹاؤن پلیننگ سکیم رکھ دی جس میں جماعت کی دینی اور مرکزی ضروریات کو نہایت بے دردی سے پامال کر کے رکھ دیا اور اس کے مقابل اُن امور کو جو سرے سے احمدیت کی بنیادی تعلیمات کے منافی تھے یا جن کو نسبتی طور پر ایک محدود رنگ کی اہمیت حاصل تھی ان کو بلاوجہ غیر معمولی وسعت و حیثیت دے دی گئی اور ہر ممکن کوشش کی گئی کہ ربوہ کی زمین کا کثیر حصہ آبادی کے لئے استعمال نہ کیا جا سکے۔ چنانچہ ایسی طرز پر نقشہ تیار ہوا کہ ربوہ کے مجموعی رقبہ کا صرف ۲۷٫۰۳ فی صد رہائشی پلاٹوں کے لئے مخصوص کیا گیا۔[2] جہاں شرقاً غرباً تین چار میل تک کے اس وسیع و عریض علاقہ میں صرف تین مسجدیں منظور کی گئیں وہاں سنیما گھر کی تعمیر کے

[1] یہ صاحب بعد میں بغرض علاج امریکہ چلے گئے اور وہیں فوت ہو گئے۔

[2] ٹاؤن پلینر کے تیار شدہ نقشہ پر ایک نظر ـــــــــ

کل رقبہ ۱۰۳۴ ایکڑ = ۸۲۷۲ کنال

رہائشی پلاٹ	تعداد	رقبہ کنالوں میں
چار کنال	۴۳	۱۷۲
دو "	۳۱۲	۶۲۴
ایک "	۹۳۲	۹۳۲
دس مرلہ	۱۰۱۶	۵۰۸
	۲۳۰۳	۲۲۳۶ تناسب فیصد کل رقبہ ۲۷٫۰۳%

کل رقبہ بڑے پلاٹ (جس میں زراعتی رقبہ، قبرستان، جلسہ گاہ شامل نہیں ۲۲۰۰ کنال " " = ۲۶٫۶۰%

تمام کھلی جگہیں یعنی OPEN SPACES

شہر میں پختہ سڑک اور ریلوے لائن کے ساتھ اور بیرونی حد کے ساتھ

زراعتی رقبہ، قبرستان و جلسہ گاہ ۲۶۵۹ کنال " " = ۳۲٫۱۴%

شہر کی بقیہ سڑکوں کے لئے ۱۱۱۷ کنال " " ۱۳٫۲۳%

(از عبد اللطیف صاحب اوورسیئر)

لئے فراخدلی سے وسیع قطعہ تجویز کیا گیا۔ اس کے علاوہ دوسرے ذرائع سے بھی زمین کے بیجا مصرف اور کھلم کھلا ضیاع کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا مثلاً

۱۔ شفاخانہ حیوانات کے لئے ۶۰ کنال کا وسیع رقبہ تجویز کیا گیا جو ملک میں اُس وقت شاید ہی کسی بڑے سے بڑے زراعتی اور مرکزی مقام کے ویٹرنری ہسپتال کو میسر ہو۔

۲۔ صیغہ تعلیم کے لئے بلا وجہ ۵۸ کنال کا احاطہ رکھ دیا گیا۔

۳۔ پولیس لائنز اور سرکٹ ہاؤس کے نام پر ربوہ کے نقشہ میں بالترتیب ۷۷ اور ۲۱ کنال زمین مخصوص کردی گئی۔ نیز پولیس اسٹیشن (تھانہ) کے لئے ۱۲ کنال کا مزید رقبہ دیا گیا۔

۴۔ ڈاک خانہ، تارگھر اور ٹاؤن کمیٹی کے دفاتر کے لئے ۶۸ کنال جگہ رکھی گئی جس کی کوئی تُک نہ تھی۔

۵۔ ربوہ کی مجوزہ آبادی کے مشرقی جانب ۳۲۵ کنال رقبہ زراعتی اغراض کی خاطر مخصوص کر دیا گیا۔ حالانکہ اوّل تو یہ سارا قطعہ ہی مسلّم طور پر ناقابل زراعت اور عام سطح سے بہت اُونچا تھا۔ دوم اسے زرعی تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کرنا قطعی طور پر ناممکن تھا۔

۶۔ ۳۲۲ کنال بڑے بڑے کارخانوں کے لئے مختص کر دیئے گئے۔ حالانکہ غریب مہاجروں کی اس بستی میں جو خالص اسلامی ماحول کی ترویج و اشاعت کے لئے قائم کی جا رہی تھی کسی بھاری انڈسٹری کا قیام خارج از امکان تھا۔

۷۔ ربوہ کے تین پرائمری سکولوں کے لئے ۱۰۲ کنال کے احاطے تجویز کئے گئے جو ضرورت سے کہیں زیادہ تھے۔

اس پریشان کن ٹاؤن پلاننگ سکیم کے بعد گورنمنٹ انڈسٹریز اینڈ میڈیکل ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے ۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو جو شیڈول بھجوایا گیا وہ بھی اپنے اندر متعدد نقائص اور خامیاں رکھتا تھا۔ صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایت پر نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی کے توسط سے جناب ڈپٹی کمشنر صاحب جھنگ کی خدمت میں پلاننگ سکیم میں ترمیم کے لئے اور گورنمنٹ پنجاب کے متعلقہ محکمہ کو شیڈول کی ترمیم کے لئے الگ الگ درخواستیں ارسال کیں جن میں نہایت تفصیل کے ساتھ پیدا شدہ جملہ خرابیوں کا نہایت معقول و مدلّل رنگ میں جائزہ لیا اور اُن کے ازالہ کے لئے ٹاؤن پلاننگ کے مستند لٹریچر کی روشنی میں اپنے مطالبات پیش کئے۔

صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی گذارشات ایک نظر میں'

صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی طرف سے بعد ازاں اپنے موقف کی تائید میں جو گذارشات حکومت کے اعلیٰ اور ذمہ دار حکام کے سامنے رکھی گئیں ان کا ملخص درج ذیل کیا جاتا ہے تا آئندہ آنے والے لوگوں کو علم ہو کہ ربوہ بساتے وقت جماعت احمدیہ کو کیسی کیسی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔

"صدر انجمن احمدیہ درخواست کرتی ہے کہ

جو جگہ ربوہ کالونی میں مکانوں کے لئے ٹاؤن پلینر صاحب نے تجویز کی ہے وہ پچاس فیصدی کے قریب ہے حالانکہ عام قاعدہ یہ ہے کہ آبادی کے لئے ساٹھ فیصدی کے قریب زمین چھوڑی جاتی ہے۔ پھر جو پچاس فیصدی زمین آبادی کے لئے چھوڑی گئی ہے اس میں سے بھی نصف سے کچھ زیادہ رقبہ پبلک انسٹی ٹیوشنز کے لئے چھوڑا گیا ہے اور آبادی کے لئے کُل رقبہ ¼ سے بھی کچھ کم رہ جاتا ہے۔ اس لئے ہمیں ایک ہزار کنال زمین اور دی جائے تاکہ گورنمنٹ کے تجویز کردہ اصول کے مطابق ساٹھ فیصدی رقبہ ہمیں عمارت کے لئے اور مل جائے۔ علاوہ اس قانون کے ہمیں عملاً بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ قادیان کی آبادی بیس ہزار کے قریب تھی کم سے کم دس ہزار آدمی بسانے کے لئے تو یہاں جگہ ہونی چاہیئے۔ چنانچہ مقررہ جگہ ختم ہو چکی ہے اور درخواستیں اور آ رہی ہیں۔ اس لئے اب اس کا علاج یہی ہے کہ اوپن سپیسز (OPEN SPACES کھلی جگہیں) جو قاعدہ مقررہ سے بہت زیادہ ہیں ان میں سے کچھ اور علاقہ ہمیں آبادی کے لئے دیا جائے اور اس نئے علاقہ کے لئے انہوں نے کچھ تجاویز پیش کی ہیں جن کو میونسپل کمیٹی نے جس میں ڈی سی اور تحصیل دار ممبر ہیں منظور کیا ہے۔ اس کے بعد مسٹر . . . نے اپنے ڈی۔سی ہونے کی حیثیت میں اس کی تائید میں نوٹ لکھا ہے کہ میں نے خود ربوہ کو دیکھا ہے۔ میرے نزدیک یہ درخواست انجمن کی معقول ہے۔ اور اسے منظور کرنا چاہیئے۔

ٹاؤن پلینر صاحب کو جب یہ درخواست برائے رپورٹ گئی تو انہوں نے اس پر یہ نوٹ لکھا کہ

۱۔ انجمن سب تجویز کو پہلے خود منظور کر چکی ہے۔

۲۔ انجمن احمدیہ زمین بڑی قیمت پر فروخت کر رہی ہے۔

۳۔ انجمن نے کوئی فہرست نہیں دی کہ کس قدر درخواستیں آ چکی ہیں اور کتنی زمین کی ضرورت ہے۔

۴۔ پلینر کی سکیم میں ۲۳۳۲ مکانوں کی گنجائش ہے اور اس میں پانچ کس فی مکان کے

حساب سے دس ہزار سے زائد آدمی بس سکتے ہیں۔

۵۔ میں نے سکیم میں اوپن سپیس کے طور پر ۶ ایکڑ جگہ چھوڑی ہے۔ حالانکہ میونسپل لاز کے رُو سے ۱۰ ایکڑ چھوڑنی چاہیئے۔ اس لئے اس زمین کو چھوٹا نہیں کرنا چاہیئے۔

۶۔ وہ رقبہ جو انجمن مانگتی ہے اس میں سے ایک حصہ جو گرین پیچڑ ہے، نشیب ہے۔ اس پر آبادی مناسب نہیں۔

۷۔ شمال مشرقی رقبہ بھی ویسا ہی ہے۔

۸۔ پبلک بلڈنگ کے لئے جو رقبہ چھوڑا گیا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور اسے اور کم نہیں کیا جا سکتا۔

ان دعاوی اور ان کے خلاف دعاوی کی تفصیل میں پڑنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ موجودہ تسلیم شدہ طریق ٹاؤن پلین میں آبادی کے رقبہ کے متعلق کیا ہے۔ کیونکہ سب مسئلہ کا محور یہی سوال ہے۔ انجمن کہتی ہے کہ اس میں قانون کے مطابق رقبہ آبادی کے لئے نہیں چھوڑا گیا۔ اور ٹاؤن پلینر صاحب کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ نہیں چھوڑا جا سکتا ہے۔

ٹاؤن پلیننگ کے متعلق رائج الوقت کوڈ (CODE) وہ میمورنڈم ہے جسے مسٹر یو۔ المر کوٹس (U . AYLMER COATES) پراونشل ٹاؤن پلینر گورنمنٹ پنجاب نے تیار کیا ہے۔ اور گورنمنٹ پنجاب نے اسے ۱۹۴۵ء میں گورنمنٹ پریس سے شائع کیا ہے۔ اس اشاعت کے صفحہ ۱۶ پر لکھا ہے:۔

" Since 1938 town planning schemes have begun to operate in Lahore and the same area would now be developed somewhat as follows :

(a) Roads would use up about 30 percent and open spaces about 10 percent.

(b) The remaining 6 acres would be divided into about 170 plots or 17 houses per acre overall."

یعنی لاہور میں ۱۹۳۸ء سے ٹاؤن پلاننگ کے منصوبوں کی ابتداء ہو چکی ہے اور اب ان علاقوں کی آبادکاری یوں شروع ہوگی :-

(ا) شاہراہوں کے لئے ۳۰ فیصد اور سیرگاہوں کے لئے ۱۰ فیصد علاقہ استعمال ہوگا۔

(ب) بقیہ ۶ ایکڑ علاقہ قریباً ۱۷۰ پلاٹوں کے لئے یا ۱۷ مکانات فی ایکڑ تعمیر کئے جائیں گے

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ ٹاؤن پلیننگ کے رائج الوقت قانون کے مطابق کسی ٹکڑہ زمین سے چالیس فیصدی سڑکوں اور اوپن سپیسز کے لئے لیا جا سکتا ہے اور باقی ساٹھ فیصدی زمین آبادی کے لئے چھوڑنی چاہیئے۔

انجمن کا دعویٰ ہے کہ اسے ۱/۲ حصہ آبادی کے لئے ملا ہے اور اگر پبلک بلڈنگز کو شامل کیا جائے تو وہ ۱/۳ کے قریب ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر ٹاؤن پلینر صاحب کے بیان کے رُو سے اوپن سپیسز کے لئے صرف ۶ جز زمین چھوڑی گئی ہے تو پھر باقی زمین کہاں گئی؟ ٹاؤن پلینر صاحب اس سے انکار نہیں کرتے کہ جو رقبہ انجمن پرائیویٹ یا پبلک بلڈنگز کے لئے تجویز کیا گیا بتاتی ہے وہ غلط ہے بلکہ تسلیم کرتے ہیں کہ ۲۳۰۰ مکان ایک ہزار چونتیس ایکڑ میں تجویز کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ بالا مسٹر کورٹس کی ٹاؤن پلیننگ سکیم سے اوپر نقل کیا گیا ہے۔ ٹاؤن پلیننگ سکیم میں چھ ایکڑ ہر دس ایکڑ سے آبادی کے لئے لئے جاتے ہیں۔ پس دو ہزار تین سو کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ کیوں اُن کو ساٹھ فیصدی زمین نہیں دی گئی جبکہ موجودہ رُول ٹاؤن پلیننگ کے متعلق یہی ہے

اس جگہ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ ٹاؤن پلیننگ میمورنڈم مرتبہ کورٹس اور منظور کردہ گورنمنٹ میں اوپن سپیسز کے بارہ میں لکھا ہے :-

Page 9, Para 17 (iii) Open Spaces :

"Taking Lahore as an example there are about 1650 acres of open space of which about 1,000 acres are set aside for private use such as the University grounds, the Race Course, the Chiefs College ground, Government House and two golf courses.

The proportion of open space in Lahore is about 2.4 acres per thousand population but most of this is set aside either for passive recreation such as Lawrence gardens, Gol Bagh and Hazuri Bagh or is used privately."

یعنی لاہور کی مثال لی جائے تو یہاں پر ساڑھے سولہ سو ایکڑ سیرگاہوں کے لئے رکھے گئے ہیں جن میں ایک ہزار ایکڑ تو پرائیویٹ استعمال کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں جن میں یونیورسٹی گراؤنڈ ، ریس کورس ، ایچیسن کالج گراؤنڈ ، گورنمنٹ ہاؤس اور دو گالف کورس شامل ہیں سیرگاہوں کا تناسب ۲۰۴ ایکڑ فی ہزار کی آبادی میں رکھا گیا ہے۔ لیکن ان کا اکثر حصہ خاموش تفریح گاہوں کے لئے مخصوص کیا گیا ہے مثلاً لارنس گارڈن۔ گول باغ اور حضوری باغ یا ایسی جگہیں جو پرائیویٹ طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

یہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ ایسے علاقے جن میں مکانیت کم ہو اور کھلی جگہ زیادہ ہو ، وہ بھی اوپن سپیسز میں شامل ہوتے ہیں۔ اس طرح تمام ریلوے لائنز اور عیدگاہ کے لئے جو سینکڑوں کنال رقبہ چھوڑا گیا ہے اور جسے انجمن نے اوپن سپیسز میں شامل نہیں کیا اوپن سپیس بن جائے گا۔ اور اس سے بھی زیادہ علاقہ اوپن سپیسز میں چھٹا ہوا سمجھا جائے گا جتنا کہ انجمن نے درخواست میں لکھا ہے۔

اُوپر کے حوالہ جات کو دیکھتے ہوئے یہ سوال انجمن کا معقول ہے کہ ان کو اتنی جگہ آبادی کے لئے نہیں دی گئی جتنی کہ قانون کی رُو سے دی جانی چاہیئے۔ اس کے مقابل پر ٹاؤن پلینر صاحب کا یہ جواب ہے کہ مَیں نے نقشہ اُن کو دکھا دیا تھا اور انہوں نے اسے منظور کر لیا تھا۔ اس جواب کے متعلق دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ ۱۔ کیا کسی شخص کا کسی امر کو منظور کر لینا اسے اس کے قانونی حق سے محروم کر دیتا ہے؟ ۲۔ ٹاؤن پلینر صاحب کے اپنے بیان کے مطابق انجمن نے لے آؤٹ کے بعد نقشہ منظور نہیں کیا بلکہ نقشہ لاہور میں ٹاؤن پلینر صاحب نے انجمن کے نمائندوں کو دکھایا اور انہوں نے منظور کیا۔ نقشہ کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر کوئی ایسی عبارت نہیں لکھی ہوئی کہ کتنے

فیصدی زمین آبادی کے لئے چھوڑی گئی ہے۔ ان حالات میں انجمن کہہ سکتی ہے کہ اُن کو لے آؤٹ سے پہلے اصل حقیقت معلوم نہ ہو سکی تھی۔ جب لے آؤٹ ہوئی تو انہیں معلوم ہوا کہ جو حق از روئے قانون انہیں ملنا تھا وہ ان کو نہیں ملا۔ اس لئے ان کی رضامندی قانونی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ امر بھی مدّنظر رکھنے کے قابل ہے کہ ضلع کے افسر صاحب نے جگہ کو دیکھ کر اور سرکاری ضروریات کو دیکھ کر انجمن کے دعویٰ کی تصدیق کی ہے اور کمشنر صاحب ڈویژن نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

اور یہ امر بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ ہسپتال، پولیس لائنز، سرکٹ ہاؤس، میونسپل آفس ایسی عمارتیں ہیں کہ ان کے بنانے کے لئے انجمن کو تو مجبور نہیں کیا جا سکتا، حکومت کو ہی بنانی ہوں گی۔ کیا اتنے بڑے بڑے رقبوں پر ایسے چھوٹے سے قصبہ میں حکومت اتنا روپیہ خرچ کرے گی؟ خصوصاً جبکہ اُسے زمین کی قیمت بھی خود دینی ہوگی کیونکہ پنجاب میونسپل ایکٹ ۱۹۱۱ء کی دفعہ ۱۹۲ کے رُو سے دس فیصدی زمین کے رقبہ سے زائد زمین حکومت مُفت نہیں لے سکتی بلکہ اس کی اسے قیمت دینی پڑتی ہے۔ یہ خرچ عمارتوں کے علاوہ ہوگا اور جبکہ ضلع کا افسر نہ اتنی زمین کی ضرورت بتاتا ہے نہ ان میں سے بعض اداروں کی ضرورت بتاتا ہے تو پھر ان ٹکڑوں کو آباد کون کریگا؟ انجمن کو تو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سرکٹ ہاؤس اور پولیس لائن بنوا کر دے۔ ہسپتال کے بنانے کا گو انجمن نے ارادہ ظاہر کیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا ہم انہیں مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے ذرائع سے زیادہ خرچ کر کے اس سے زیادہ زمین میں ہسپتال بنائیں جتنی جگہ میں وہ خود ہسپتال بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں یا توفیق رکھتے ہیں۔ ان حالات میں اگر یہ علاقے آباد نہ ہوئے تو گرد و غبار کے پھیلانے اور غلاظت کے جمع ہونے کا موجب ہوں گے یا ایک چھوٹی سی میونسپل کمیٹی پر ناقابل برداشت بار ثابت ہوں گے اور پھر حکومت ہی کو مدد کرنی پڑے گی۔

ٹاؤن پلینر صاحب نے ایک بات یہ لکھی ہے کہ انجمن بڑی قیمت پر زمین فروخت کر رہی ہے۔ جہانتک حکومت کا سوال ہے وہ اس زمین کو فروخت کر چکی ہے۔ اور اگر وہاں بسنے والے پبلک اداروں کی تعمیر کے لئے (جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہے یہاں تین کالج، تین سکول، ایک سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ہسپتال اور انجمن کے دفاتر بننے کی تجویز ہے) زمین کی قیمت کے نام سے مالی بوجھ اُٹھانا چاہیں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انجمن ایک خیراتی ادارہ ہے شخصی تجارتی

ادارہ نہیں ہے۔

ٹاؤن پلینر نے لکھا ہے کہ جنوب مشرق کا جو حصہ انجمن نے مانگا ہے اور جسے نقشہ پر گرین ظاہر کیا گیا ہے وہ نشیب میں ہے اس لئے وہاں عمارتیں نہیں بننی چاہئیں۔ نقشہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمین کے فروخت ہونے سے پہلے صرف دو مکان فروخت شدہ زمین میں تھے۔ اور وہ اس ٹکڑہ میں تھے جسے گرین ظاہر کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسا نشیب نہیں جس میں پانی کھڑا ہوتا ہو ورنہ یہ نہ ہوتا کہ سارے رقبہ کو چھوڑ کر مکان بنانے والے صرف نشیب کا انتخاب کرتے۔ دوسرے نقشہ پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جگہ جسے ٹاؤن پلینر صاحب نے ہیوی انڈسٹری کے لئے منتخب کیا ہے جس کے لئے بہت اونچی زمین کی ضرورت ہوتی ہے، اس رقبہ کی نسبت بہت نیچی ہے۔ چنانچہ نقشہ میں دیئے ہوئے کنٹور کے مطابق ساؤتھ ایسٹ کی مطلوبہ زمین کا لیول ۵۹۳ سے ۵۹۷ ہے اور ساؤتھ ویسٹ کا جو علاقہ ٹاؤن پلینر صاحب نے ہیوی انڈسٹری کے لئے رکھا ہے اس کا کنٹور ۵۸۹ سے ۵۹۳ تک ہے۔ گویا رقبہ مطلوبہ کا لیول اس رقبہ سے جسے آباد کرنے کا ٹاؤن پلینر نے خود نقشہ بنایا ہے چار فٹ اونچا ہے۔

لیکن یہ سوال مقامی نہیں بلکہ آئندہ جو قصبے تھل پراجیکٹ یا دوسری جگہوں میں بنیں گے، سب پر اس کا اثر پڑے گا اور یہ مثال بن جائے گی۔

(ملخص ختم)

قانونی جدوجہد میں کامیابی

صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی رقبہ آبادی میں اضافہ کی یہ قانونی چارہ جوئی اور جدوجہد بہت حد تک کامیاب ہوئی جو محض خدا کے فضل و کرم اور حضرت مصلح موعودؓ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا ورنہ باہمی خط و کتابت اور افہام و تفہیم کے درمیان ٹاؤن پلینر کی تجویز کے ماتحت یہ سوال بھی اٹھا دیا گیا کہ حکومت پاکستان زمین ہی ضبط کر لے۔

پانی کی فراہمی کا مسئلہ

ربوہ کی آبادی کے اعتبار سے پانی کی دستیابی کا مسئلہ نقشہ کی تیاری سے بھی زیادہ اہم تھا۔ اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کو ابتدا ہی سے اس طرف خاص توجہ تھی۔ حضور کا منشاء مبارک یہ تھا کہ پانی کے انتظام کا جائزہ لے کر ربوہ کے بالائی طرف

ٹیوب ویل نصب کیا جائے اور اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کراچی سے ایک جنریٹر[1] بھی منگوایا گیا مگر بعض وجوہ سے یہ سکیم برسوں تک معرض التواء میں پڑی رہی۔

ربوہ میں بورنگ کا پہلا تجربہ پہاڑی کے دامن میں کیا گیا جہاں خیمے نصب تھے۔ یہ تجربہ قادیان کے ماہر قریشی فضل حق صاحب اور ان کے ساتھیوں (غلام نبی صاحب و قریشی محمد اکمل صاحب) نے کیا۔ جو اس وادی غیر ذی زرع میں نلکے لگانے کا عزم کر کے شروع ہی سے یہاں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ یہ اصحاب کئی دنوں تک کھدائی کرتے رہے مگر ۵۰ فٹ کی گہرائی میں بھی پانی کا کوئی نام و نشان نہ مل سکا۔ مجبوراً انہوں نے ایک دوسرے مقام پر کھدائی شروع کر دی کہ اسی دوران ۴۰ فٹ کی گہرائی پر پہنچ کر بورنگ ٹیوب ہی پھنس گئی جس کو باہر نکالنے کے لئے ایک اور گڑھا کھودا جانے لگا۔ خدا کی قدرت! عین اس وقت حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود[2] کا ربوہ میں ورود مسعود ہوا۔ جونہی حضور کے قدم مبارک اس مقدس زمین پر پڑے پھنسی ہوئی نالیوں میں یکایک جنبش ہوئی اور آن کی آن میں ایک غیبی طاقت نے ان کا سرا پانی کی سطح تک پہنچا دیا۔ یہ ۱۱ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء کا واقعہ ہے۔

جناب چوہدری عبدالسلام صاحب اختر ایم۔ اے نے انہی دنوں الفضل میں اس ایمان افروز واقعہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا:۔

"نماز کے بعد حضور مسجد میں ہی بیٹھ گئے اور مکرم قاضی عبدالرحیم صاحب بھٹی سے مکانات کی تعمیر کے بارہ میں گفتگو فرماتے رہے۔ ابھی حضور قاضی صاحب سے گفتگو فرما ہی رہے تھے کہ مستری فضل حق صاحب جو گذشتہ بارہ دنوں سے نلکہ لگانے پر مقرر تھے اور شب و روز مٹی کی کھدائی میں مصروف تھے بھاگے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ حضور کے یہاں تشریف لانے پر زمین سے پانی آ گیا۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ہمیں گذشتہ کئی روز سے پانی کی شدید تکلیف تھی۔ ایک جگہ ۵۰ فٹ تک مٹی کی کھدائی کی گئی مگر پانی نہیں آیا تھا۔ مستری

---

[1] یہ جنریٹر تقسیم ہند سے قبل ایک بیرونی ملک سے درآمد کیا گیا تھا اور پاکستان بننے کے بعد کراچی ہی میں تھا

[2] حضور کے ہمراہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے بھی تھے۔

صاحبان نے تنگ آکر دوسری جگہ کھدائی شروع کر دی تھی۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ دوسری جگہ بھی تقریباً ۴۰ فٹ جا کر نلکہ کی ٹیوب بُری طرح مٹی میں پھنس گئی اور حالت یہ ہو گئی کہ نہ تو وہ ٹیوب مٹی کے اندر جاتی تھی اور نہ ہی بآسانی باہر آسکتی تھی۔ چنانچہ مستری صاحبان نے صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ ٹیوب کو کیا ہو گیا ہے ایک تیسرا گڑھا کھودنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن جس وقت حضور کے قدم اس زمین پر داخل ہوئے۔ مستری فضل حق صاحب کا بیان ہے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے نلکہ کی نال کو کوئی قوت خود بخود پانی کے قریب لے جا رہی ہے۔ چنانچہ حاضرین نے مستری صاحب کے یہ کلمات سُنے کہ حضور پانی آگیا۔ تو بے اختیار الحمد للہ زبان پر جاری ہو گیا۔ حضور اس کے بعد دیر تک مستری صاحب سے گفتگو فرماتے رہے اور ہر رنگ میں ان کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے"[1]

اس موقعہ پر جو پانی حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا وہ سخت بدبودار اور کڑوا تھا جس کی رنگت زردی مائل اور کسٹرائیل سے ملتی جلتی تھی۔ حضرت مصلح موعودؓ نے پانی کی تلاش میں مزید ہدایات دیں جن کی تعمیل میں قریشی صاحب اور ان کے جواں ہمت ساتھیوں نے اپنی جدّ وجہد تیز سے تیز تر کر دی۔ اسی دوڑ دھوپ میں ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء کا دوسرا مہینہ آپہنچا مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر بڑی محنت و مشقت کے بعد موجودہ جامعہ نصرت کے پلاٹ میں پہلا ٹیسٹ بور کیا گیا۔ ۲۰۰ فٹ تک کھدائی کی گئی اور ۸۰ فٹ اور ۱۱۷ فٹ کی گہرائی سے برآمد شدہ پانی کی دو بوتلیں ۱۲ ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء کو کیمیائی تجزیہ کے لئے لائلپور بھجوا دی گئیں۔ بورنگ سپیشلسٹ نے ۲۱ ماہ تبلیغ/فروری کو یہ رائے دی:-

"THE WATER IS UNFIT FOR IRRIGATION AND DOMESTIC PURPOSES."

یہ پانی زراعت اور گھریلو استعمال کے قابل نہیں ہے۔

چنانچہ رحمت علی صاحب (WELL SUPERVISOR BORING OPERATOR LYAALPUR) نے ۲۶ فروری ۱۹۴۹ء کو تجزیہ کے نتیجہ کی نقل بھجواتے ہوئے لکھا۔

---

[1] الفضل ۱۵ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴ کالم ۱، ۲۔

مکرمی صدر صاحب انجمن احمدیہ ربوہ ۔ تسلیم

ربوہ ٹرائل بور کے پانی کے ہر دو نمونہ جات کے نتیجے ارسال ہیں ۔ ہر دو نمونہ جات کا پانی قابلِ استعمال زراعت اور پینے کے نہیں ہے ۔ چونکہ اتنی لمبی تہوں کے باعث جو کہ مٹی کی گئی ہیں آگے ۷" پائپ سے مزید بورنگ کرنا مفید نہیں ہے ۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ اس بور کو بند کر کے پائپ نکلوا دیویں اور موضع کھچیاں[1] کی سرحد کے قریب ایک دوسرا ٹرائل بور کرا کے دیکھ لیں "

اس نتیجہ کے موصول ہونے پر جناب چودھری عبدالسلام صاحب اختر نے یکم امان/مارچ ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء کو حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بذریعہ تار اطلاع دی جس پر حضور نے اپنے قلم مبارک سے لکھا :-

" START BORING NEAR RIVER IN RABWAH LAND SOUTHERN PART. "

" آدمی یہ ہدایت لے کر جائے ۔ عبداللطیف صاحب سمجھ کر جائیں اور وہاں یہ کام خود شروع کروائیں "

حضور اقدس کے اس ارشاد کی تعمیل میں چودھری عبداللطیف صاحب اوورسیئر نے دریائے چناب کے قریب بورنگ کرایا ۔ یہ بورنگ محمد ابراہیم صاحب ویل سپروائزر کے ذریعہ ہوا ۔ ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء کو چنیوٹ خزانہ میں ایک سو اٹھائیس روپے چودہ آنہ چھ پائی بورنگ فیس جمع ہوئی ۔ ۱۷ امان/مارچ تک ۹۰ فٹ گہرائی تک بورنگ ہوا ۔ ۹۵ فٹ پر مٹی آئی ۔ ۹۶ سے ۱۰۰ فٹ تک معمولی ریت اور ۱۰۰ سے ۱۸۰ فٹ تک ریت جس میں کنکر پتھر کی آمیزش تھی ۔ اس بورنگ سے جو پانی حاصل ہوا لائلپور زرعی کالج میں برائے ٹیسٹ بھیجا گیا تو رپورٹ ملی کہ یہ پانی زرعی استعمال کے لئے مفید ہے لہذا بعد میں جب پلاٹ بندی ہوئی تو اس جگہ کو ٹیوب ویل کے لئے محفوظ کر لیا گیا ۔ اگرچہ ایک لمبے عرصہ کے بعد اسی جگہ واٹر سپلائی سکیم کے تحت ٹیوب ویل کی تنصیب عمل میں آئی مگر جہاں تک اندرون شہر کو عمدہ پانی ملنے کا معاملہ تھا وہ جوں کا توں ہی رہا ۔

محکمہ کی ہدایت پر جامعہ نصرت کے احاطہ والا بورنگ بند کر کے محلہ دارالبرکات کے جنوب ،

---

[1] ربوہ سے متصل اس کے جنوب مشرق میں ایک گاؤں

مشرقی کونہ کے قریب کھدائی کا آغاز کیا گیا لیکن اس جگہ بورنگ کے پائپ پھنس گئے جو اکھیڑ لئے گئے اور اس کی بجائے اسٹیشن کے قریب لائن کے دونوں طرف کھدائی کی جانے لگی۔ چند دنوں کی کوشش سے ربوہ اسٹیشن کی جنوبی سمت میں ایک جگہ نسبتاً میٹھا پانی نکل آیا اور ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کے پہلے سالانہ جلسہ کی تقریب پر ٹونٹیاں لگا دیئے گئے۔ چھ سات ماہ کی لگاتار اور تھکا دینے والی محنت و مشقت کا نتیجہ بس یہ چند نلکے ہی تھے جن میں سے اکثر کھاری یا نیم کھاری پانی کے تھے اور جو ہزاروں روپے خرچ کرنے کے بعد نصب کئے جا سکے تھے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کی خاص عنایت ہوئی کہ اس جلسہ پر حکومت کے محکمہ حفظانِ صحت نے پانی بہم پہنچانے کے لئے ٹینکروں کا انتظام کر دیا ورنہ پانی کی کمیابی مصیبت عظمیٰ بن جاتی۔

ان سراسر مخالف اور بے حد مایوس کن حالات میں جبکہ ظاہری اور مادی سامان بالکل ناکام ثابت ہو گئے حضرت رب العزت کی طرف سے اپنے مقدس خلیفہ سیدنا محمود المصلح الموعودؓ کو یہ بشارت دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی صورت ایسی ضرور پیدا کر دے گا کہ ربوہ میں پانی کی کثرت ہو جائے۔ یہ عظیم الشان آسمانی خوشخبری ۲۱ر شہادت/اپریل ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کو ایک الہامی شعر کے ذریعہ دی گئی جس کی تفصیل پر حضور نے روشنی ڈالتے ہوئے اگلے ہی روز خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ

"جلسہ کے اختتام کے بعد جس دن ہم ربوہ سے واپس چلے (یعنی ۲۱ اپریل ۱۹۴۹ء بروز جمعرات) مجھے ایک الہام ہوا . . . . مجھ پر ایک غنودگی سی طاری ہو گئی اس نیم غنودگی کی حالت میں میں نے دیکھا کہ میں خدا تعالیٰ کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھ رہا ہوں ؎

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب
پاؤں کے نیچے سے میرے پانی بہا دیا

میں نے اسی حالت میں سوچنا شروع کیا کہ اس الہام میں "جاتے ہوئے" سے کیا مراد ہے۔ اس پر میں نے سمجھا کہ مراد یہ ہے کہ اس وقت تو پانی دستیاب نہیں ہو سکا لیکن جس طرح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پاؤں رگڑنے سے زمزم پھوٹ پڑا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کوئی ایسی صورت پیدا کر دے گا کہ جس سے ہمیں پانی بافراط میسر

آنے لگے گا۔ اگر پانی پہلے ہی مل جاتا تو لوگ کہہ دیتے کہ یہ وادی بے آب وگیاہ نہیں یہاں تو پانی موجود ہے۔ پھر اس وادی کو بے آب وگیاہ کہنے کے کیا معنی ؟ اب ایک وقت تو پانی کے بغیر گذر گیا اور باوجود کوشش کے ہمیں پانی نہ مل سکا۔ آئندہ خدا تعالےٰ کوئی نہ کوئی صورت ایسی ضرور پیدا کر دے گا کہ جس سے ہمیں پانی مل جائے۔ اس لئے فرمایا کہ ؎

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب
پاؤں کے نیچے سے میرے پانی بہا دیا

"پاؤں کے نیچے" سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اسمٰعیل قرار دیا ہے جس طرح وہاں اسمٰعیل علیہ السلام کے پاؤں رگڑنے سے پانی بہہ نکلا تھا۔ اسی طرح یہاں خدا تعالےٰ میری دُعاؤں کی وجہ سے پانی بہا دے گا۔ یہ ایک محاورہ ہے جو محنت کرنے اور دُعا کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ہم نے اپنا پورا زور لگا دیا تا ہمیں پانی مل سکے لیکن ہم اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوئے۔ اب خدا تعالیٰ نے میرے مُنہ سے یہ کہلوا دیا۔ کہ پانی صرف تیری دُعاؤں کی وجہ سے نکلے گا۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ پانی کب نکلے گا اور کس طرح نکلے گا۔ لیکن بہرحال یہ الہامی شعر تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کوئی نہ کوئی صورت ایسی ضرور پیدا کر دے گا جس کی وجہ سے وہاں پانی کی کثرت ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس شعر میں "حضور" اور "جناب" دو لفظ اکٹھے کئے گئے ہیں جو عام طور پر اکٹھے استعمال نہیں ہوتے۔ لیکن چونکہ یہاں ادب کا پہلو مراد ہے اس لئے "آپ" کے لفظ کی بجائے یہاں حضور اور جناب کے لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ بہانے سے مطلب یہ ہے کہ پانی وافر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ الہام کس رنگ میں پورا ہوگا۔ ممکن ہے ہمیں نہر سے پانی مل جائے یا دریا سے پانی لے لیا جائے[1] یا ہمیں کوئی اور اگر مل جائے جہاں پانی ہو اور اس وقت تک ہمیں اس کا علم نہ ہو۔ بہرحال یہ نہایت ہی خوشکن الہام ہے اور یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک الہام کی تائید کرتا ہے جو یہ ہے کہ

[1] نقل مطابق اصل

يُخْرِجُ هَمُّهٗ وَغَمُّهٗ دَوْحَةَ اِسْمٰعِيْلَ (تذکرہ صفحہ ۵۳۹) یعنی خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غم اور فکر اور دعاؤں کی وجہ سے ایک اسمٰعیلی درخت پیدا کرے گا۔ وہ دوحۃ اسمٰعیل میں ہی ہوں اور اس سے بھی ہجرت کی خبر نکلتی ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ تیری اولاد میں سے ایک ایسا شخص پیدا کرے گا جو ایک بے آب وگیاہ وادی میں آبادی کے سامان پیدا کریگا۔ پہلے تو ہم اس کی قیاسی تشریح کرتے تھے لیکن اب خدا تعالیٰ نے میرے ذریعہ عملی طور پر اس کی تشریح کردی اور مجھے اسمٰعیل قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب
پاؤں کے نیچے سے میرے پانی بہا دیا

یعنی جہاں میرا پاؤں پڑا خدا تعالیٰ نے وہاں پانی بہا دیا۔" [۱]

اس حیرت انگیز پیشگوئی کے بعد ربوہ کی بے آب وگیاہ زمین میں ایک نمایاں تغیر محسوس کیا جانے لگا۔ چنانچہ جہاں کھاری پانی کے مزہ اور رنگت میں تبدیلی ہونے لگی وہاں ریلوے لائن کے دونوں طرف میٹھا پانی دستیاب ہو گیا۔ حتیٰ کہ الہامِ خداوندی کے ظاہری الفاظ کے عین مطابق حضرت مصلح موعود کے اپنے قطعہ زمین سے گویا میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا جس پر ربوہ کا پہلا ٹیوب ویل نصب ہوا۔ اور پھر آہستہ آہستہ پانی کی وہ بہتات ہوئی کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی دُعاؤں کے طفیل ہر طرف سچ مچ پانی بہہ نکلا۔

ربوہ میں ظلّی صدر انجمن احمدیہ و تحریکِ جدید کا قیام

حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۱ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۷ ہش/ ۱۹۴۸ء کو ربوہ میں مشترکہ طور پر کام چلانے کے لئے عارضی طور پر صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے ممبروں پر مشتمل ایک ظلّی انجمن قائم فرمائی جس کا صدر چودھری عبدالسلام صاحب اختر کو اور سکرٹری مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور کو مقرر فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ روزانہ اجلاس ہوا کرے اور روزانہ اس کے فیصلہ جات کی تعمیل ہوا کرے نیز سب کام مشورہ سے ہوں اور ان کی روزانہ رپورٹ حضور کی خدمت میں بھجوائی جائے۔

---

[۱] الفضل ۱۸ ظہور/ اگست ۱۳۲۸ ہش/ ۱۹۴۹ء صفحہ ۵

یہ انجمن ربوہ سے متعلق حضرت مصلح موعود کی جاری فرمودہ ہدایات و ارشادات کی تعمیل کے لئے معرض وجود میں لائی گئی تھی اور اس نے حتی المقدور اپنا یہ فرض نہایت عمدگی سے نباہنے کی کوشش کی۔

عارضی تعمیرات کے لئے ضروری سامان کی فراہمی

حضرت مصلح موعودؓ اپنے نورِ فراست اور دُوربین نگاہ سے ابتداء ہی میں اس نتیجہ تک پہنچ چکے تھے کہ ربوہ کی مستقل آبادی سے پیشتر اس جگہ عارضی رہائش گاہوں یا جھونپڑوں کا بندوبست بہت ضروری ہے ظاہر ہے کہ یہ مقصد سرکنڈا، عمارتی سامان اور کچی اینٹوں کی تیاری کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

ربوہ سے تیرہ چودہ میل کے فاصلہ پر باہیوال کے علاقہ میں سرکنڈوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا جو خرید لیا گیا۔ جس کی عمومی نگرانی چودھری عبداللطیف صاحب اوورسیئر واقفِ زندگی کے سپرد ہوئی اور باہیوال سے ربوہ تک کی ڈھلائی کے منتظم بدر سلطان صاحب اختر واقفِ زندگی بنائے گئے۔

عمارتی سامان سے متعلق حضور کا فرمانِ مبارک یہ تھا کہ سامان ارزاں اور اتنی کثیر تعداد میں خرید کیا جائے کہ نہ صرف مرکزی ضروریات پوری ہو جائیں بلکہ ربوہ کے دوسرے احمدی بھی اس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ ایک عمومی ہدایت یہ بھی تھی کہ دروازوں اور کھڑکیوں کا ایک ایسا معین ماڈل بنا لیا جائے جو ہر رہائش گاہ کے لئے سودمند ثابت ہو سکے۔ حضور نے عمارتوں کی تعمیر کے لئے لکڑی کے چھوٹے ٹکڑوں کی خرید کا بھی حکم دیا۔

حضرت امیرالمومنینؓ کی ان اصولی ہدایات کی روشنی میں وزیر آباد، نوشہرہ، جہلم اور پشاور وغیرہ میں عمارتی سامان کی جستجو کی جا رہی تھی کہ ڈی۔ بی ہائی سکول بھاگٹانوالہ (ضلع سرگودھا) کے ایک مخلص احمدی ماسٹر جناب ممتاز صفرائی صاحب کا ۱۹ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۷ ہش/ ۱۹۴۸ء کا ایک خط حضرت مصلح موعود کی خدمت میں پہنچا کہ یہاں ایک ہوائی اڈے کا سامان قابلِ فروخت بہت بڑی مقدار میں پڑا ہے اور خان میاں خاں رئیسِ سرگودھا کی تحویل میں ہے۔ اس اطلاع پر چودھری عبداللطیف صاحب اوورسیئر کو بھجوایا گیا جنہوں نے آکر یہ خوشکن رپورٹ دی کہ سامان واقعی کافی مقدار میں ہے اور اچھی حالت میں ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا "یہ سامان تو نعمت غیر مترقبہ ہے۔ فوراً آدمی جا کر سب سامان خرید لے۔ یہ مل جائے تو عمارت کا خرچ ¼ کم ہو جائے گا۔ فوراً آدمی جائے

تاخیر نہ ہو"

قدیم اور مستند ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ اندازاً ساڑھے چار ہزار بلّی اور ساڑھے چار سو کے قریب دروازے اور کھڑکیاں بھاگٹا نوالہ سے خریدی گئیں جن پر صرف بیس ہزار روپے صرف ہوئے اس عمارتی سامان نے نہ صرف عارضی تعمیرات کا مشکل مسئلہ حل کرنے میں بھاری مدد دی بلکہ بعد کو جب وقتی رہائش گاہیں گرادی گئیں تو سامان اچھے داموں پر فروخت ہو گیا یا صدر انجمن اور تحریک جدید میں تقسیم ہو کر بہترین جماعتی مصرف میں آیا۔ چنانچہ حضور کے حکم سے غرباء کے لئے جو مکانات بنائے گئے ان میں بھی یہ سامان استعمال کیا گیا۔ جب عارضی کوارٹروں کے گرانے کا مرحلہ آیا تو حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے قلم مبارک سے یہ ہدایت تحریر فرمائی کہ

"یہ کام سکرٹری صاحب تعمیر کی نگرانی میں ہو کسی اور کا دخل نہ ہو کیونکہ جو مال لگا ہے وہ ان کا ہے۔ ان کو موقعہ ملنا چاہیئے کہ سب کام سنبھال لیا ہے۔ میں ان کا سرٹیفکیٹ لوں گا۔ دو دفعہ۔ پہلی دفعہ کہ میرے سپرد یہ کام ہوا اور سب چیز موجود ہے۔ دوسری دفعہ کہ میں نے یہ کام کیا ہے اور سب مال لیا ہے کچی اینٹ بھی بچائیں۔ کوشش کی جائے" ؎۱

اس کے بعد جب سیکرٹری صاحب تعمیر (عطا محمد صاحب) نے حضور کی خدمت میں مطلوبہ تصدیقات پیش کر کے سامان کی فروخت کے لئے اجازت چاہی تو حضور نے انہیں حکم دیا کہ

"فروخت کے قواعد پہلے منظور کرائیں"

چنانچہ ان احکام کی تعمیل کی گئی اور اس طرح خلیفۂ وقت کے بروقت اقدام اور رہنمائی کی بدولت قومی سرمایہ محفوظ ہو گیا۔

جہانتک خام اینٹوں کا تعلق تھا حضرت مصلح موعود نے ۲۹ ماہ نبوت / نومبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء کو اپنے دستخط سے یہ ہدایت جاری فرمائی کہ

؎۱ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے یہ ہدایت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے مکتوب (مورخہ ۳۰ اخاء / اکتوبر ۱۳۳۰ ہش / ۱۹۵۱ء) پر رقم فرمائی۔ انہوں نے لکھا تھا کہ تحریک جدید کے سینئر کوارٹر بنائے گئے ہیں جن کی وجہ سے عارضی تعمیرات کا ایک حصہ گرانا پڑے گا۔ صاحبزادہ صاحب ان دنوں تعمیرات تحریک جدید کے انچارج کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

"ظلی صدر انجمن و تحریک جدید کا فرض قرار دیا جاتا ہے کہ وہ یہ انتظام کرے کہ روزانہ پچیس ہزار کچی اینٹیں تیار ہوں اور جو سرکنڈا خریدا گیا ہے اسے کٹوا کر منگوایا جائے اور جو اخراجات ان کاموں کے لئے مطلوب ہوں ان کا اسٹیمیٹ پیش کر کے منظوری حاصل کی جائے"

اس ارشاد پر اگرچہ خشت خام تیار کی جانے لگی مگر پانی کی کمی اور مزدوروں کی قلت کے باعث رفتار بے حد سست رہی۔ پیش آمدہ مشکلات کی بناء پر حضور سے درخواست کی گئی کہ چنیوٹ کے ایک ٹھیکیدار سے تیار شدہ کچی اینٹیں خرید لی جائیں۔ مگر حضور نے نہایت سختی سے یہ تجویز ردّ کر دی اور فرمایا کہ ہرگز نہیں جس نے ایسا کیا اسے جماعت سے فارغ کر دیا جائے گا۔ مَیں کوئی عذر نہیں سُنوں گا۔ . . . جس طرح بھی ہو روزانہ پچیس ہزار اینٹ تیار ہونی چاہیئے۔

اللہ تعالےٰ جب اپنے برگزیدہ بندوں کے دل میں کوئی تحریک القاء فرماتا ہے تو خارج میں اس کے مطابق تغیرات اور مادی سامان بھی پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ راجہ محمد نواز صاحب سابق نگران تعمیر کا بیان ہے کہ ایک موقع پر جب حضور نے انہیں حکم دیا کہ روزانہ پچاس ہزار کچی اینٹیں تیار ہونی چاہئیں تو خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اتنی تعداد تیار ہونے لگی۔

ربوہ میں پہلی عارضی عمارت کی بنیاد

المختصر جب کچی اینٹوں کی ایک معقول تعداد تیار ہو گئی تو ۷ ماہ فتح / دسمبر ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء کو خیموں کی مشرقی جانب وسطی پہاڑی کے دامن میں پہلی عارضی عمارت کی تعمیر کا آغاز ہوا۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ چنیوٹ سے تشریف لائے اور اپنے ہاتھوں سے اس کی بنیاد رکھی۔ اس موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ربوہ میں موجود صحابہ نے بھی ایک ایک اینٹ نصب کی۔ یہ پہلی عمارت سات کمروں پر مشتمل تھی۔ یہ عمارت شروع میں چند ماہ تک دفتری گودام کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔ چنانچہ ایک کمرہ بابو نور احمد صاحب چغتائی[1] کی زیر نگرانی سیمنٹ کے لئے مخصوص تھا۔ ایک میں دفتر جائداد کا لاہور سے خرید شدہ فرنیچر رکھا گیا۔ اور ایک میں انچارج صاحب لنگر خانہ نے گندم کا سٹاک رکھوایا۔ ایک کمرہ میں لائبریری کی کتب تھیں جن کا انتظام اُن دنوں مولوی عبدالرحمٰن

[1] والد ماجد مولوی رشید احمد صاحب چغتائی مجاہد بلاد عربیہ (وفات اخاء/اکتوبر ۱۳۳۳ہش / ۱۹۵۴ء)

صاحب، ان دنوں وکیل الدیوان تحریک جدید کے سپرد تھا۔

یہ چاروں کمرے ۲۰ × ۳۰ فُٹ کے تھے۔ بقیہ تین میں سے دو کمرے دس دس فٹ مربع میں تھے اور ایک کمرہ ۲۰´ × ۱۰´ کا تھا۔

ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کے پہلے جلسہ ربوہ پر اس پہلی عارضی عمارت میں لنگر خانہ قائم کیا گیا۔ لیکن اس کے بعد جب دوسرے عارضی لنگر خانے تیار ہو گئے تو یہ عمارت پرائیویٹ ہائش گاہ کے طور پر استعمال ہونے لگی جو اب تک موجود ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے نئے مرکز کی آبادی اور تعمیر میں شرکت کے خواہشمند اہلِ حرفہ کو تیار رہنے کا حکم

افتتاحِ ربوہ سے قبل اور بعد جماعت احمدیہ کے مرکزی آرگن "الفضل" میں پے در پے اعلانات[1] کئے گئے کہ جو معمار، بڑھئی، مستری، حلوائی، دودھ فروش، نانبائی، حجام، دھوبی، مزدور یا دوسرے اہلِ حرفہ جو شہری ضروریات کے کسی کام کا تجربہ رکھتے ہوں اور نئے مرکز میں کام کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ اپنی درخواستیں بھجوا دیں۔

ان اعلانات پر سینکڑوں دوستوں نے مخلصانہ لبیک کہا جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے جلسہ لاہور ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے موقعہ پر اظہارِ خوشنودی کیا اور انہیں ربوہ کے لئے تیار رہنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:-

"ہماری تحریک پر بڑھئی، معماروں اور دیگر کاریگروں نے کئی سَو کی تعداد میں مرکز میں کام کرنے کی درخواستیں دی ہیں۔ مَیں اُن سب کو اطلاع دیتا ہوں کہ اب وہ پابہ رکاب رہیں۔ جس وقت بھی انہیں اطلاع دی جائے انہیں فوراً ربوہ پہنچ کر کام شروع کر دینا چاہیئے۔ یاد رکھو ہمارا ایک ایک دن بہت قیمتی ہے اور مرکز کے قیام میں ایک ایک گھڑی کی تعویق بھی ہمارے لئے مضر ہے"[2]

---

[1] ملاحظہ ہو الفضل ۱۰-۱۱-۲۱ ر تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء

[2] الفضل ۲۸ ر فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳

فصل سوم

ربوہ میں حضرت مصلح موعودؓ کی پریس کانفرنس اور اخبارات میں چرچا

ربوہ کی بے آب و گیاہ زمین جسے جماعت احمدیہ کے اولوالعزم امام اور قائد سیدنا حضرت مصلح موعودؓ ایک شاندار اسلامی شہر میں بدلنے کا تہیہ کئے ہوئے تھے، اگرچہ ابھی تک خیموں کے ایک مختصر سے کیمپ کا منظر پیش کر رہی تھی مگر خالص الٰہی تصرّف کے باعث عام لوگوں کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز بنتی جا رہی تھی اور ضرورت تھی کہ پبلک کو اس بستی کے وسیع جماعتی منصوبہ سے متعارف کرایا جائے تا حکومت اور پاکستان کے عوام کو بھی باہمی تعاون سے نئی بستیاں آباد کرنے کا شوق و ولولہ پیدا ہو اور ملک ایک نئی رُوح، نئے عزم اور نئے جوش کے ساتھ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونے لگے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے اس عظیم دینی، قومی اور ملّی مقصد کے پیش نظر، ۸ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء کو ربوہ میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا۔ اس کانفرنس میں لاہور کے تمام مشہور و ممتاز اور کثیر الاشاعت اردو و انگریزی اخبارات کے مدیر اور نامہ نگار شامل ہوئے اور نہایت گہرا اثر لے کر گئے۔

"الفضل" کے وقائع نگار خصوصی جناب ثاقب زیروی کی مطبوعہ رپورٹ کے مطابق حضرت امیر المومنینؓ سلسلہ احمدیہ کے بعض ممتاز اصحاب اور لاہور کے مدیروں اور چیف رپورٹروں کی معیت میں، ۸ ماہ نبوت/نومبر کو رتن باغ لاہور سے پونے نو بجے صبح موٹر کار میں روانہ ہوئے اور قریباً بارہ بجے ربوہ میں رونق افروز ہوئے۔

حضور کے ہمراہ مندرجہ ذیل بزرگ اور احباب سلسلہ تھے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج، شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور، چودھری اسد اللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء لاہور، نواب محمد الدین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے، ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب اور چودھری اعجاز نصر اللہ خاں صاحب۔

جریدہ نگاروں کا قافلہ مندرجہ ذیل شخصیتوں پر مشتمل تھا :-

کرنل فیض احمد صاحب فیضؔ (چیف ایڈیٹر پاکستان ٹائمز) میاں محمد شفیع (چیف رپورٹر پاکستان ٹائمز) مسٹر جمیل الزمان (چیف رپورٹر سول اینڈ ملٹری گزٹ) مولانا عبدالمجید سالک (مدیر اعلیٰ روزنامہ انقلاب) سردار فضلی (چیف رپورٹر روزنامہ احسان) میاں صالح محمد صدیق (چیف نیوز ایڈیٹر روزنامہ مغربی پاکستان) مولانا باری علیگ (برٹش انفارمیشن سروس) چودھری بشیر احمد (نائب مدیر روزنامہ سفینہ) مسٹر عبداللہ بٹ (برٹش انفارمیشن سروس) مسٹر عثمان صدیقی (مینیجر اینڈ چیف رپورٹر سٹار نیوز ایجنسی) پروفیسر محمد سرور (مدیر ہفتہ وار آفاق) جناب محمد صدیق ثاقبؔ زیروی (نامہ نگار خصوصی الفضل)

معزز مہمانوں کے لئے نصب شدہ خیموں میں سے ایک خیمہ کے اندر کھانے کا انتظام تھا جو تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب کے سپرد تھا اور جنہوں نے اس فریضہ کو اس احسن طریق سے سرانجام دیا کہ جریدہ نگاروں نے ربوہ سے رخصت ہوتے وقت ان کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔

کھانے کے بعد حضور نے پریس کے نمائندوں کو خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ اس زمین کو حکومت بالکل ناقابلِ کاشت قرار دے چکی ہے۔ گرمی کے متعلق ریسرچ والوں کا کہنا یہی ہے کہ یہاں گرمی بہت زیادہ پڑے گی۔ لیکن ہم اس جنگل کو منگل بنانے کا تہیّہ کئے ہوئے ہیں۔ ایک عرصے کی کوشش کے بعد پانی نکلا ہے لیکن وہ نمکین زیادہ ہے لہذا ابھی مزید کوشش کی جائے گی۔ حضور نے "ربوہ" پر آباد کئے جانے والے شہر کا نقشہ سامنے رکھ کر بتایا کہ اس کی تعمیر امریکی طرز پر ہوگی جس میں ہسپتال، کالج، سکول، ویٹرنری ہسپتال، ریلوے سٹیشن، ڈاک خانہ، واٹر ورکس اور بجلی گھر کے علاوہ صنعتی اداروں کے لئے بھی ایک طرف جگہ چھوڑی گئی ہے۔

حضور نے بتایا کہ ہم فی الحال پختہ بنیادوں پر کچی دیواریں ہی کھڑا کرنا چاہتے ہیں اور اس پر کم از کم خرچ کا اندازہ ۱۳ لاکھ روپیہ ہے۔ اس کے بعد جب ہمیں اللہ تعالیٰ پختہ مکانات تعمیر کرنے کا موقعہ دیگا تو مزید ۱۷-۱۸ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا۔ گویا تیس لاکھ کے قریب رقم تو اس پر سلسلہ ہی کو خرچ کرنی پڑیگی۔ دوسرے لوگ جو اپنے مکانوں پر خرچ کریں گے وہ اس کے علاوہ ہوگا۔ اس سے آپ لوگ اندازہ کرسکتے ہیں

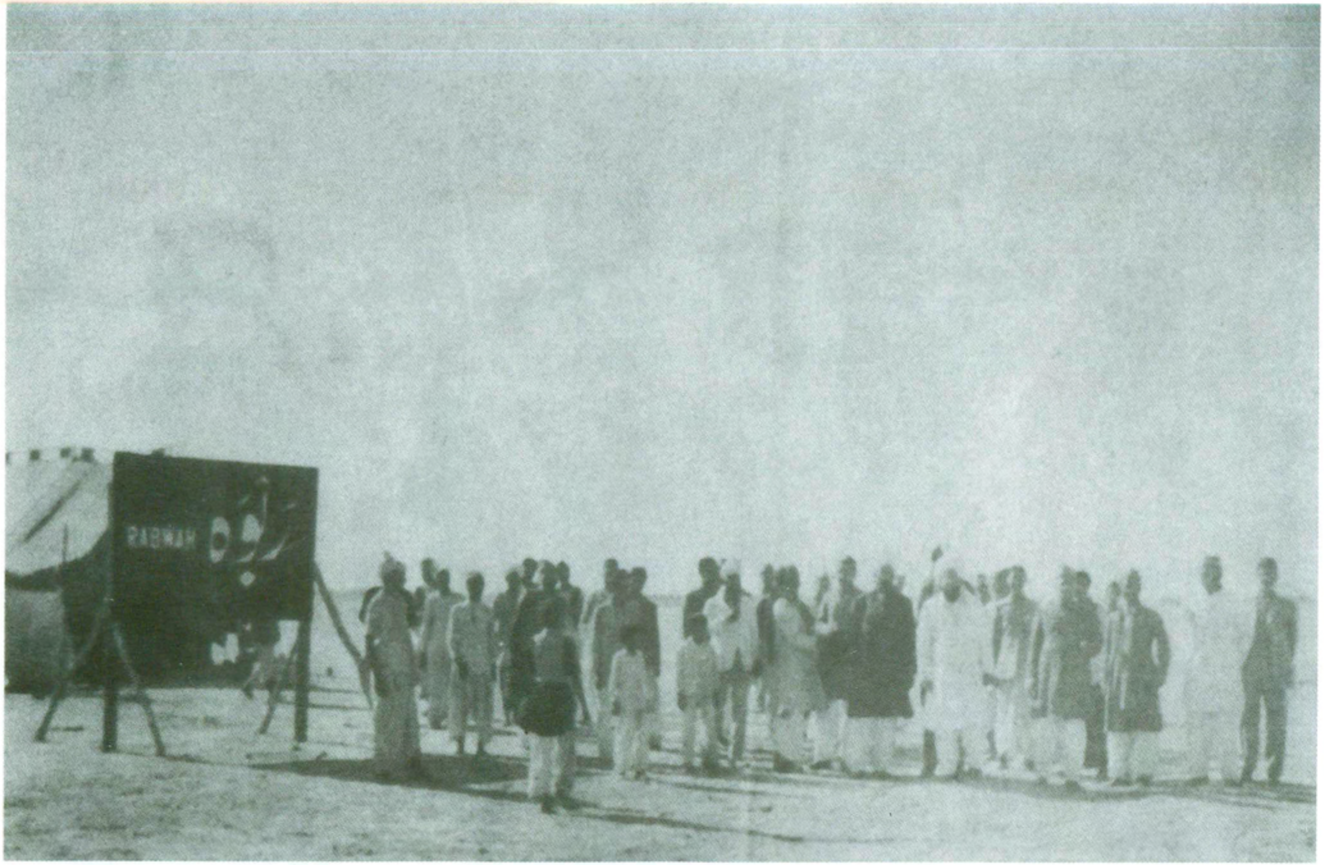

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ ربوہ میں لاہور کے ممتاز اور نامور صحافیوں کے ساتھ

(ان تصاویر میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب

مکرم محمد صدیق ثاقب صاحب زیروی اور چوہدری اسد اللہ خان صاحب بھی نظر آ رہے ہیں)

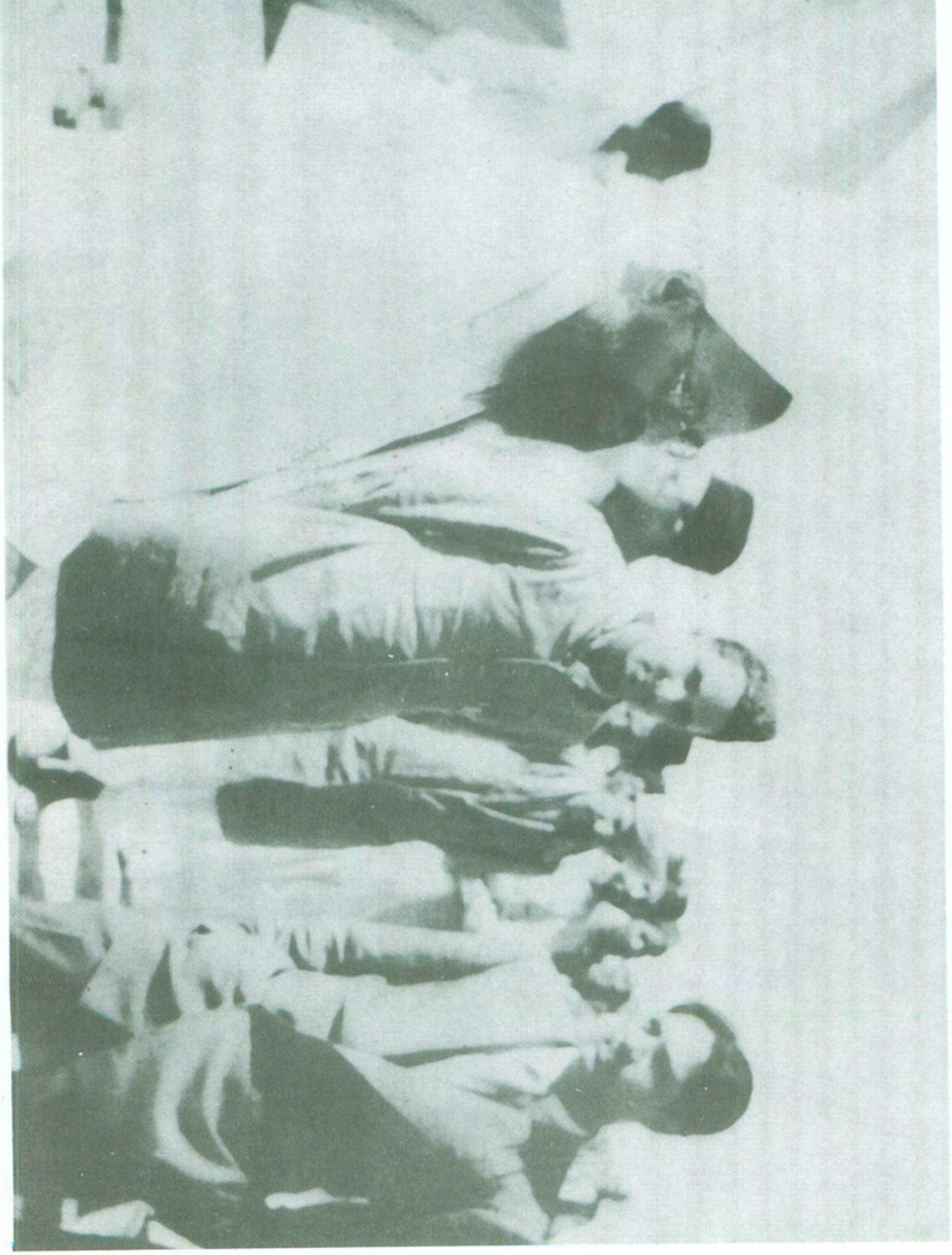

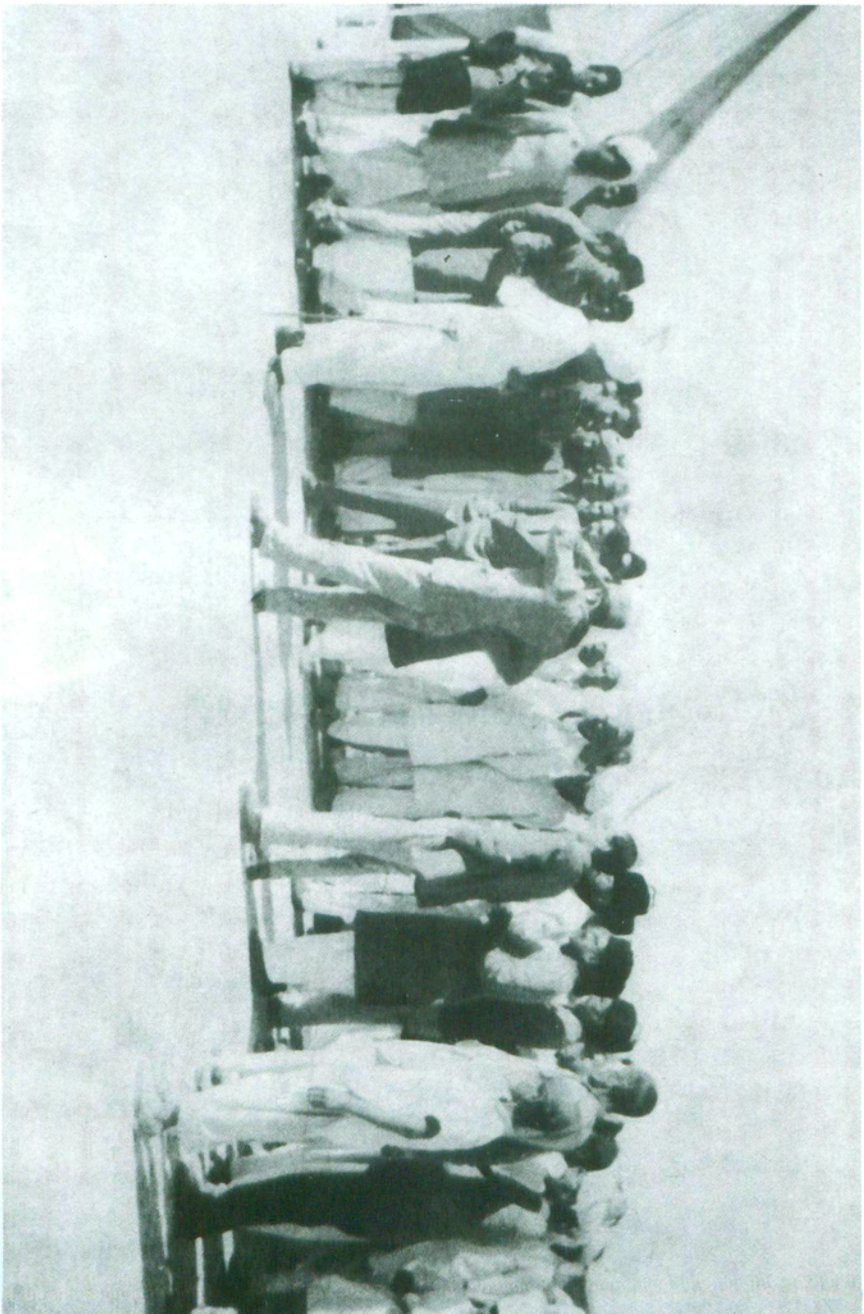

کہ ہمیں یہ زمین کتنی مہنگی پڑے گی اور اس پر سلسلے کو کس قدر محنت اور مشقت کرنی پڑے گی۔

حضور نے اس کے علاوہ حدود اربعہ اور مغربی پنجاب کی ہندوستان سے لگنے والی سرحدوں پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ یہ جگہ صوبے کے عین وسط میں پڑتی ہے اور اگر اسی کے محل وقوع میں خالی قطعات ارض پر حکومت جدید نمونے کے صنعتی شہر آباد کرائے تو یہ شہر پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی کا کام دے سکینگے۔

حضور کے خطاب کے بعد چند ضروری کاموں کی وجہ سے پاکستان ٹائمز کے مدیر اعلیٰ کرنل فیض احمد صاحب، مسٹر عثمان صدیقی، شیخ بشیر احمد صاحب اور عبدالرحیم صاحب پراچہ واپس تشریف لے آئے۔ حضور ان مہمانوں کو سڑک تک چھوڑنے کے لئے پیدل تشریف لے گئے۔

جناب فیض صاحب کے روانہ ہونے کے بعد اخبار نویسوں کا یہ مجمع بیٹھنے کے لئے مخصوص خیمے میں آگیا جہاں مدیر اعلےٰ روزنامہ انقلاب جناب سالک نے اپنے کلام بلاغت نظام سے محظوظ فرمایا۔

یہ شعر و شاعری کا دور ابھی شروع تھا کہ نماز سے فراغت کے بعد حضور کا پیغامبر یہ پیغام لئے ہوئے پہنچا کہ آؤ ذرا ربوہ سے آگے پندرہ سولہ میل چل پھر آئیں۔ چنانچہ یہ سارے کا سارا قافلہ کاروں پر سوار ہو کر کئی ہزار ایکڑ بنجر زمین کے ایک میدان میں آگیا جس کے شمال میں بہت اونچی پہاڑیوں کا ایک لمبا سلسلہ تھا۔ ٹکڑے کی اہمیت کی وضاحت کے بعد پہاڑیوں کی بلندی پر بنے ہوئے چند مکانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس پر ہندو یوگیوں کی ایک بستی تھی اور یہ بستی پورے ہندوستان کے سارے یوگیوں کا مرکز تصور ہوتی تھی۔ اسے پنجابی میں بھگت بالناتھ کا ٹلہ یا ٹیلہ بھی کہا جاتا ہے۔

واپسی پر حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب اور اُن کے رفقاء کار (مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور اور چودھری عبدالسلام صاحب اختر) نے مہمانوں کو چائے پلائی اور چائے کے بعد قریباً پانچ بجے انتہائی خوشگوار ماحول میں جریدہ نگاروں کا یہ قافلہ حضور کے ہمراہ واپس لاہور کے لئے روانہ ہوا۔ راستے میں اگر سُست روی کی وجہ سے کوئی کار قافلے سے دُور رہ جاتی تو حضور انور اپنی کار روک لیتے جب تک ساتھ نہ آملتی۔ المختصر یہ قافلہ حضرت مصلح موعود کی قیادت میں ٹھیک سوا آٹھ بجے شب واپس رتن باغ لاہور پہنچ گیا۔[1]

---

[1] روزنامہ "الفضل" لاہور ۹ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ھش ۱۹۴۸ء

اخبارات میں تفصیلی خبر اور جماعت احمدیہ کو خراج تحسین

حضرت امیر المومنین سیدنا و امامنا و مرشدنا المصلح الموعود رضی کا خطاب اتنا اثر انگیز اور پُر جذب تھا کہ صحافیوں نے جلی اور شہ سرخیوں سے اس کی مفصل خبر شائع کی اور جماعت احمدیہ اور اس کے امام ہمام کو اس عزم و ہمت پر خراج تحسین ادا کیا

۱- اخبار "احسان" نے لکھا :-

"مغربی پنجاب میں امریکی طرز پر ایک نئے شہر کا کام شروع ہو گیا
یہ شہر پچیس لاکھ کے مصرف سے ایک سال میں مکمل ہو جائیگا

لاہور۔ ۸ر نومبر۔ جماعت احمدیہ کے امیر مرزا بشیر الدین محمود احمد کی دعوت پر مقامی اخبار نویسوں کی ایک پارٹی جماعت احمدیہ پاکستان کے نئے مرکز ربوہ کو دیکھنے گئی جو لاہور سے کوئی ایک سَو میل اور چنیوٹ سے پانچ میل کے فاصلہ پر دریائے چناب کے غربی کنارے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے دامن میں ایک بے آب و گیاہ غیر مزروعہ اور ناقابل آبادی قطعہ زمین پر آباد کیا جا رہا ہے۔ زمین کا یہ ٹکڑا جو ایک ہزار چونتیس ایکڑ پر مشتمل ہے اور جسے حکومت سے خرید لیا گیا ہے ان دنوں جماعت احمدیہ کی سرگرمیوں کا مرکز بن رہا ہے۔ یہاں ربوہ نام سے امریکی طرز پر ایک جدید ترین شہر زیر تعمیر ہے جس کی لاگت کا ابتدائی اندازہ کوئی پچیس لاکھ روپے کے قریب لگایا گیا ہے جائے وقوع کے لحاظ سے ربوہ لائل پور اور سرگودھا کے عین وسط میں واقع ہے۔ اس کے تین طرف تو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں قدرتی ڈیفنس کے طور پر کھڑی ہیں لیکن جنوب مغربی سمت سے یہ کھُلا پڑا ہے اور اس کا سلسلہ دُور تک مزروعہ زمین سے ملتا چلا گیا ہے ریلوے لائن اور پختہ سڑک اس قطعہ زمین کے پاس سے گذرتی ہیں۔ لیکن زمین میں مادہ شور ہونے کی وجہ سے کئی کئی میل تک آبادی کا کہیں نام و نشان نہیں۔

صبح نو بجے روانہ ہو کر اخبار نویسوں کا قافلہ کوئی تین گھنٹے میں ربوہ پہنچ گیا جہاں سینکڑوں رضاکار خیمے وغیرہ نصب کرنے میں مصروف تھے۔ اخبار نویسوں کے علاوہ اس قافلہ میں مرزا بشیر الدین محمود احمد، صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، مرزا بشیر احمد، نواب محمد الدین، چودھری اسد اللہ خاں، شیخ بشیر احمد، مسٹر عبد الرحیم درد اور چودھری نصر اللہ خاں شامل تھے۔

ربوہ پہنچنے پر مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ انہوں نے نئے شہر کی تعمیر کا نقشہ امریکی طرز پر بنوایا ہے اور یہ شہر پاکستان بھر میں اپنی نوعیت کا پہلا شہر ہوگا اس میں سکول، کالج، ہسپتال، واٹر ورکس اور بجلی گھر، غرضکہ ایک جدید طرز کے شہر کے تمام لوازمات مہیا کئے جائیں گے۔ ریلوے سٹیشن اور ڈاکخانہ، تار گھر کھولنے کے لئے حکومت سے اجازت حاصل کر لی گئی ہے اور بہت جلد ان کی تعمیر کا کام شروع ہو جائے گا۔

مرزا صاحب نے بتایا کہ وہ خشک اور بنجر پہاڑیوں کو سیر گاہوں میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان پہاڑیوں پر مختلف قسم کے پھول اور سبزی وغیرہ اُگانے سے ایک تو موسم گرما میں اس نئے شہر کے لوگ گرمی کی شدت سے محفوظ رہ سکیں اور دوسرے ان پہاڑیوں پر سیر و تفریح کا لطف بھی اٹھایا جاسکے۔ آپ نے اخباری نمائندوں کے سامنے ربوہ نام کی تاریخی اہمیت مذہبی حیثیت کو اپنے الہامات اور رؤیاء کی روشنی میں واضح کیا اور امید ظاہر کی کہ وہ ایک سال کے اندر اندر نئے شہر کی تعمیر کے کام کو مکمل کر لیں گے۔

مرزا صاحب نے بتایا کہ نہ صرف مغربی پنجاب بلکہ مغربی پاکستان میں اس قسم کے کئی بنجر اور غیر آباد علاقے بے مصرف پڑے ہیں۔ اگر مشرقی پنجاب کے بڑے بڑے شہروں مثلاً جالندھر امرتسر اور لدھیانہ کے مسلمان اپنی سابقہ جماعت کو قائم رکھنا چاہتے ہیں اور اپنی صنعتوں کو کوآپریٹو رکھنا چاہتے ہیں تو اُن کے لئے لازم ہے کہ وہ ربوہ کی قسم کے نئے قصبوں کو بسائیں ویسے بھی کئی دفاعی ضرورتیں اس امر کا تقاضا کرتی ہیں کہ ہمارے صنعتی علاقے سرحد سے کافی دُور ہوں اور اُن کی ڈیفنس کا کوئی قدرتی انتظام ہو۔ صرف اسی صورت میں ہم اطمینان سے بیٹھ کر اپنی صنعتوں کو ترقی یافتہ ممالک کے معیار پر لا سکتے ہیں۔

آپ نے بتایا کہ یہاں ربوہ سے سرگودھا جانے والی سڑک پر کوئی سترہ اٹھارہ میل کے فاصلہ پر پہاڑیوں کے دامن میں تین چار (ہزار) ایکڑ پر مشتمل ایک سرکاری قطعہ زمین پڑا ہے۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا۔ اگر لدھیانہ یا امرت سر کے کاریگر اس قطعہ زمین کو حاصل کر کے یہاں ایک صنعتی شہر آباد کرنا چاہیں تو حکومت سے بھی مدد کی امید کی جاسکتی ہے۔

اخبار نویسوں کے اشتیاق پر مرزا صاحب نے اس قطعہ زمین کے دورہ کا بھی پروگرام بنایا

چنانچہ تیسرے پہر پورے قافلے نے اس سرکاری اراضی کو بھی دیکھا۔ یہ اراضی ایک ایسی پہاڑی کے دامن میں واقع ہے جسے بعض روایتوں کی بناء پر گورو بالناتھ کا ٹیلہ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ رانجھا نے اس ٹیلہ پر گورو بالناتھ سے یوگ لیا تھا اور کان چھدوا کر مندریں ڈالی تھیں۔ کوئی سات سو برس سے یہ ٹلہ ہندو جوگیوں کے قبضہ میں تھا۔ لیکن گذشتہ فسادات کے موقعہ پر یہ جوگی ہندوستان چلے گئے تھے۔ آج کل یہ ٹلہ جس پر تقسیم سے پہلے اچھی خاصی آبادی تھی ویران پڑا ہے۔ اس قطعہ زمین میں کبھی کبھی پولیس والے چاند ماری کے لئے آجاتے ہیں۔ ورنہ یہ زمین بالکل بیکار پڑی رہتی ہے۔

مرزا صاحب نے کہا کہ اگر حکومت اس رقبہ میں ایک صنعتی شہر تعمیر کرانے کا پروگرام بنالے تو اس قسم کے دوسرے مقامات پر بھی نئے نئے شہر بننے کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔

ٹلہ بالناتھ سے واپسی پر اخبار نویسوں کی طرف سے مولانا عبدالمجید صاحب سالک نے ربوہ کے میزبانوں کا شکریہ ادا کیا اور یہ قافلہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کے ہمراہ رات کے وقت واپس لاہور پہنچ گیا"

۲۔ روزنامہ "مغربی پاکستان" نے حسب ذیل الفاظ میں خبر شائع کی:۔

"چنیوٹ سے چھ میل کے فاصلہ پر احمدیوں نے ایک شہر بنانے کا کام شروع کر دیا

شہر جدید طرز اور امریکی نوعیت کا ہوگا

ابتدائی سکیم کی تیاریاں

لاہور۔ ۷ر نومبر۔ آج مرزا بشیر الدین محمود احمد امیر جماعت احمدیہ کی دعوت پر لاہور کے تمام اخبارات کی ایک پارٹی نے ربوہ کا دورہ کیا جو چنیوٹ سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے جب یہ پارٹی ربوہ پہنچی تو وہاں پر سرکردہ اصحاب نے اخبارات کے نمائندوں کا خیر مقدم کیا۔ ربوہ کا وہ علاقہ دکھایا جہاں جدید طرز کا ایک چھوٹا سا شہر آباد کیا جائے گا۔ یہ جگہ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے دامن میں ایک خوشنما قطعہ اراضی ہے۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اخبارات کے نمائندوں کو بتایا کہ جماعت احمدیہ نے حکومت مغربی

پنجاب سے ایک ہزار سے کچھ زیادہ ایکڑ زمین خریدی ہے جہاں امریکی طرز پر ایک چھوٹا سا شہر تعمیر کیا جائے گا۔ ہسپتال، کالج، سکول، وٹرنری ہسپتال، ریلوے اسٹیشن، ڈاکخانہ، واٹر ورکس اور بجلی گھر لگانے کا بندوبست کیا جا چکا ہے۔ ماہرین تعمیرات نے شہر کی تعمیر کا ابتدائی نقشہ امریکی طرز پر تیار کر لیا ہے جو عنقریب ٹاؤن پلینر کی منظوری کے لئے اُن کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس شہر کی ضروری عمارتوں کی تعمیر پر تقریباً تیرہ لاکھ روپیہ صرف ہوگا جو جماعت برداشت کرے گی۔

مرزا صاحب نے مزید بتایا کہ وہ شہر کو اس قدر دلفریب اور جدید نوعیت کا بنانا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں ایک نمونہ ہو اور حکومت بھی اس قسم کے شہر ان علاقوں میں تعمیر کرے جو فضول پڑے ہیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کو ایک بہترین خطۂ ارضی بنایا جائے اور یہ اسی طرح ہی ممکن ہے۔ اگر حکومت ان علاقوں میں جدید طرز کے گاؤں اور شہر بنانے کا کام شروع کر دے تو تھوڑے ہی عرصے میں تمام پاکستان جنت نظیر بن سکتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ربوہ میں کارخانے بھی لگائے جائیں گے جو ضروریاتِ زندگی تیار کریں گے۔ اس مقصد کے لئے ایک حصہ وقف کر دیا گیا ہے۔ آپ نے توقع ظاہر کی کہ جونہی حکومت نے شہر کی تعمیر کی اجازت دے دی تو بیک وقت کام شروع کر دیا جائے گا۔ اور ایک سال کے اندر اندر شہر کو مکمل کر دیا جائے گا۔ ربوہ کا دورہ کرنے کے بعد اخبار نویسوں کو ٹیلہ بالناتھ کا دورہ کرایا گیا جہاں سات ہزار ایکڑ زمین بیکار پڑی ہے۔ آپ نے یہ بھی توقع ظاہر کی کہ اگر حکومت اس زمین پر ایک شہر تعمیر کرنے کا پروگرام بنائے تو ایک بہترین شہر اس علاقہ میں تعمیر ہو سکتا ہے۔

۳۔ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے نامہ نگار خصوصی نے لکھا:۔

احمدیوں کا نیا مرکز۔ ربوہ

لاہور کے اخبار نویسوں کی ایک پارٹی نے گذشتہ اتوار کو ربوہ کے مقام پر ایک نہایت خوشگوار ٹرپ کی۔ ربوہ شیخوپورہ اور سرگودھا کے درمیان کی سڑک پر چنیوٹ سے تقریباً دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس جگہ جماعت احمدیہ نے اپنے مرکزی دفاتر قائم کرنے کے لئے ایک ہزار

چونتیس ایکڑ زمین خریدی ہے۔ جماعت احمدیہ کے امام مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ سردست نئی بستی کے قیام پر تیرہ لاکھ روپیہ کے خرچہ کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ ہم یہاں پر ایک ایسا معیاری قصبہ تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس میں ہسپتال، تعلیمی ادارے اور ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے علاوہ مقامی باشندوں کے لئے ہر ممکن سہولتیں مہیا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

دریائے چناب سے واٹر پمپ کے ذریعہ سے قصبہ کے لئے پانی مہیا کیا جائے گا۔ اخبار نویسوں کی پارٹی نے ربوہ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک اور موزوں قطعہ زمین بھی دیکھا جہاں ایک صنعتی بستی قائم کی جاسکتی ہے۔ یہ قطعہ سرگودھا کی نہری نوآبادی سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔"

۴۔ "سٹار" کے چیف رپورٹر نے لکھا:۔

"

امام جماعت احمدیہ ربوہ کو پاکستان میں نمونہ کا شہر بنانا چاہتے ہیں

لاہور سے سَو میل دُور ـــــــ احمدیوں کا نیا مرکز

لاہور۔ ۸ر نومبر۔ لاہور سے سَو میل دُور احمدی ایک شہر بنام ربوہ تعمیر کر رہے ہیں جو جماعت ہائے احمدیہ پاکستان کا مرکز ہوگا۔ شہر کے نام ربوہ کو جس کے معنے ایک پہاڑی ٹیلے کے ہیں۔ مذہبی اہمیت بھی حاصل ہے۔ احمدیوں کے معروف عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر جان نہیں دی بلکہ ابھی ان پر غشی اور بے ہوشی کی سی حالت طاری تھی کہ ان کے حواری انہیں صلیب سے اُتار کر کشمیر کی طرف ہجرت کر گئے جہاں انہوں نے ایک پہاڑی ٹیلے پر پناہ لی! احمدی قادیان سے اپنی حالیہ ہجرت کو بھی اسی ہجرت کے مشابہ جان کر کہتے ہیں کہ انہوں نے قادیان سے نکالے جانے کے بعد اس بے آب و گیاہ غیر مزروعہ کوہستانی علاقہ میں پناہ لی ہے جس کا نام ربوہ تجویز کیا گیا ہے۔

یہ شہر جس کی تعمیر کے متعلق جماعت احمدیہ نہایت بلند اور حوصلہ افزاء عزائم رکھتی ہے بارہ سَو ایکڑ اراضی پر پھیلا ہوا ہوگا اور اس کی تعمیر پر اوسط اندازے کے مطابق کم از کم پچاس لاکھ روپیہ

خرچ آئے گا۔ ربوہ میں دو کالج ہوں گے۔ ایک لڑکیوں کا اور ایک لڑکوں کا۔ اس کے علاوہ کئی اور سکول، ایک بڑا ہسپتال، شفاخانہ حیوانات، ڈاک خانہ اور تار گھر اور ریلوے سٹیشن ہوگا۔ بجلی مہیا کرنے کے انتظامات بھی کئے جا رہے ہیں بلکہ ایک جنریٹر تو پہنچ بھی چکا ہے اور ابھی دو اور جنریٹر بہت جلد لائے جائیں گے

جماعت احمدیہ کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اخبار نویسوں کی ایک پارٹی کو (جو ربوہ دیکھنے کے لئے گئی تھی) بتایا کہ وہ اسے پاکستان میں ایک نمونے کا شہر بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں جو امریکی طرز پر تعمیر کیا جائے گا۔ اس شہر میں صنعتی اداروں کے لئے بھی جگہ رکھی جائے گی جو شہری آبادی سے ذرا ہٹ کر ہوگی۔ توقع ہے کہ شہر کی تعمیر ایک سال کے اندر اندر ختم ہو جائے گی اور جماعت احمدیہ کا آئندہ سالانہ جلسہ جو اگلے دسمبر میں ہونے والا ہے بھی ربوہ ہی میں منعقد کیا جائے گا۔"

۵۔ "پاکستان ٹائمز" کے نامہ نگار خصوصی نے حسب ذیل خبر دی :۔

پاکستانی احمدیوں کا نیا مرکز

"دریائے چناب کے دائیں کنارے چنیوٹ کے قرب میں ایک نئے مثالی شہر کی بنا رکھنے میں نہایت دور اندیشی اور صحیح تخیل کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ اس شہر کی آبادکاری کے لئے بارہ سو (۱۰۳۴۔ ایکڑ مترجم) ایکڑ اراضی کا ایک قطعہ منتخب کیا گیا ہے اور اس کا نام ربوہ تجویز ہوا ہے۔ پکی شاہراہ سے چند قدموں کے فاصلہ پر اتفاقاً گذرنے والوں کے لئے یہ ایک خوبصورت مقام ہوگا۔ یہاں مہاجر احمدیہ خلافت کا مرکز بنایا جائے گا۔ امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے جو اخبار نویسوں کے ہمراہ یہاں تشریف لائے تھے، بیان کیا کہ ایک رؤیا جو انہوں نے کچھ دن ہوئے دیکھی تھی اور قرآن کریم کی ایک آیت نے ان کو اس اراضی کے انتخاب میں جسے حکومت نے ناقابل زراعت اور بنجر قرار دے دیا تھا مدد دی ہے۔

انجمن کے دفاتر، ہسپتال، سکول، کالج اور سڑکیں تیار کرنے میں ساڑھے تیرہ لاکھ روپیہ کے ابتدائی خرچ کا تخمینہ کیا گیا ہے جونہی صوبائی مجوزہ تعمیرات تعمیری نقشہ جات کو منظور کرے گا،

تعمیر کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ اخبار نویسوں کو اس مقام سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک اور سات ہزار ایکڑ کا قطعہ اراضی بھی دکھایا گیا جو ایک صنعتی شہر کی آبادی کے لئے نہایت موزوں ہے۔"[۱]

۶۔ "امروز" نے "قادیان کی بجائے ربوہ" کے عنوان سے یہ شذرہ لکھا:۔

"قادیانی جماعت نے چنیوٹ کے قریب ایک بستی بسائی ہے جس کا نام ربوہ رکھا گیا ہے۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ نے اس بستی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ربوہ کے معنی مقام خداوندی کے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ ربوہ عربی میں ٹیلے کو کہتے ہیں۔ قادیانیوں کے بانی مرزا غلام احمد تھے جو قادیان کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے ۱۹۰۸ء میں انتقال کیا۔ ان کے پہلے خلیفہ حکیم نورالدین تھے جنہوں نے ۱۹۱۴ء میں انتقال کیا۔ قادیانی جماعت کے موجودہ امام مرزا بشیرالدین محمود احمد جو مرزا غلام احمد صاحب کے بیٹے ہیں دوسرے خلیفہ ہیں۔ حکیم صاحب کے انتقال پر قادیانی جماعت دو گروہوں میں بٹ گئی تھی۔ ایک جماعت نے مرزا بشیرالدین محمود احمد کے ہاتھ پر بیعت کی۔ دوسری جس کے سرگروہ مولوی محمد علی تھے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ اور لاہور کو اپنا مرکز بنایا۔ اس جماعت کے امیر مولوی محمد علی ہیں۔ دونوں جماعتوں میں عقائد کے لحاظ سے بھی اختلافات ہیں۔ مثلاً اوّل الذکر جماعت مرزا صاحب کو نبی کہتی ہے۔ ثانی الذکر کا خیال ہے کہ وہ مسیح موعود اور مجدد تو تھے لیکن نبی نہیں تھے۔ ان کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا۔ قادیانی جماعت کے نزدیک قادیان کو بڑا تقدس حاصل ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ربوہ کو بھی وہ تقدس حاصل ہوگا یا نہیں؟"

۷۔ "ڈان" نے لکھا:۔

دریائے چناب کے کنارے احمدیہ جماعت کی نئی بستی

"لاہور۔ ۹ نومبر۔ دریائے چناب کے دائیں کنارے پر متصل چنیوٹ ایک نیا شہر جس کا نام (ربوہ) رکھا گیا ہے۔ احمدیہ جماعت کے مہاجرین کی آبادی کے لئے جماعت احمدیہ تعمیر کر رہی ہے۔ اس شہر کے آغاز میں دو ہزار مکانات بنائے جائیں گے"

---

[۱] پاکستان ٹائمز ۹ نومبر ۱۹۴۸ء بحوالہ الفضل ۱۱ نومبر ۱۹۴۸ء

صدر انجمن احمدیہ کو انجمن کے دفاتر، سکول، ہسپتال، کالج، سڑکیں وغیرہ بنانے کے لئے فی الحال ساڑھے تیرہ لاکھ روپے کا خرچ برداشت کرنا پڑے گا۔

جونہی محکمہ مجوزہ تعمیرات سے تعمیری نقشہ منظور ہو کر وصول ہو جائے گا تعمیر کا کام شروع ہو جائے گا نقشہ منظوری کے لئے پیش کر دیا گیا ہے۔"

۸۔ مولانا وقار انبالوی نے "سفینہ" (۱۳؍ نومبر ۱۹۴۸ء) میں لکھا:۔

ربوہ حکومت اور عوام کے لئے ایک قابلِ تقلید مثال ہے

گذشتہ اتوار کو امیر جماعت احمدیہ نے لاہور کے اخبار نویسوں کو اپنی نئی بستی ربوہ کا مقام دیکھنے کی دعوت دی اور انہیں ساتھ لے کر وہاں کا دورہ کیا۔ اس دورے کی تفصیلات اخباروں میں آچکی ہیں۔ ایک مہاجر کی حیثیت سے ہمارے لئے ربوہ ایک سبق ہے۔ ساٹھ لاکھ مہاجر پاکستان آئے لیکن اس طرح کہ وہاں سے بھی اُجڑے اور یہاں بھی کس مپرسی نے انہیں منتشر رکھا۔ یہ لوگ مسلمان تھے۔ رب العالمین کے پرستار اور رحمۃ للعٰلمین کے نام لیوا، مساوات واخوت کے علمبردار۔ لیکن اتنی بڑی مصیبت بھی انہیں یکجانہ کر سکی۔ اس کے برعکس ہم اعتقادی حیثیت سے احمدیوں پر ہمیشہ طعنہ زن رہے ہیں لیکن ان کی تنظیم، ان کی اخوت اور دکھ سکھ میں ایک دوسرے کی حمایت نے ہماری آنکھوں کے سامنے ایک نیا قادیان آباد کرنے کی ابتداء کر دی ہے۔ مہاجرین میں وہ لوگ بھی آئے جن میں خدا کے فضل سے ایک ایک آدمی ایسی بستیاں بسا سکتا ہے لیکن ان کا روپیہ اُن کی ذات کے علاوہ کسی غریب مہاجر کے کام نہ آسکا۔ ربوہ ایک اور نقطہ نظر سے بھی ہمارے لئے محلِ نظر ہے۔ وہ یہ کہ حکومت بھی اس سے سبق لے سکتی ہے اور مہاجرین کی صنعتی بستیاں اس نمونہ پر بسا سکتی ہے۔ اس طرح ربوہ عوام اور حکومت کے لئے ایک مثال ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ لمبے چوڑے دعوے کرنے والے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور عملی کام کرنے والے کوئی دعوے کئے بغیر کچھ کر دکھاتے ہیں" [1]

---

[1] بحوالہ الفضل ۹ تا ۱۳ نبوت / نومبر ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء۔

فصل چہارم

کوائفِ قادیان

درویشوں کا سوشل بائیکاٹ

۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء کا آغاز درویشانِ قادیان کے لئے صبر و رضاء کے ایک نہایت کٹھن امتحان سے ہوا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آخری بڑے کنوائے کے بعد ایک دن اچانک بعض ٹرک درویشوں کے پاس آن پہنچے۔ یہ ٹرک جو پاکستان سے گورداسپور میں پناہ گزین پہنچانے کے لئے آئے تھے اور بلاوجہ واپسی پر قادیان کی مسلم آبادی کے انخلاء کے لئے بھجوا دیئے گئے، درویشوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ یہ ہمارے ٹرک نہیں۔ ہم ان پر نہیں جائیں گے اور نہ ہم میں سے اب کوئی پاکستان جانے والا ہے۔

اس واقعہ سے مقامی افسروں اور باشندوں دونوں کو یقین ہو گیا کہ احمدی فی الحقیقت مستقل طور پر قادیان میں بود و باش رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ بات خاص طور پر ان مقامی باشندوں کو بہت شاق گذری جو ۱۹۴۷ء کی غارت گری میں نمایاں طور پر شامل اور احمدیوں کی کوٹھیوں اور جائدادوں پر قابض ہو چکے تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ درویشوں کو کسی نہ کسی طرح تنگ کر کے قادیان سے نکال دیا جائے۔

قادیان کے ایک متعصب ہندو دکاندار (امرناتھ) کے ساتھ جماعت کے تعلقات عرصہ سے کشیدہ تھے اور بیوپار کے سلسلہ میں اس پر بعض جماعتی پابندیاں عائد تھیں۔ اس ہندو دکاندار نے احمدیوں سے انتقام اور ان کے خلاف محاذ آرائی کا یہ موقعہ غنیمت جانا اور اس پرانی کشمکش کو بائیکاٹ کا نام دے کر پہلے سردار محکم سنگھ ایڈووکیٹ مجسٹریٹ قادیان کو اشتعال دلایا۔ پھر یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو قادیان کے سب دکانداروں سے دستخط کرائے کہ وہ درویشوں کا مکمل سماجی بائیکاٹ کریں گے۔ اگلے

روز یہ مشہور کر دیا گیا کہ ننکانہ صاحب میں مقیم سارے سکھ موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے ہیں۔ اس جھوٹی اور بالکل بے بنیاد افواہ نے شہر بھر میں ایک آگ سی لگا دی اور غیظ و غضب کا ایک طوفانِ عظیم اُمڈ آیا۔ درویشوں کو قادیان سے نکال باہر کرنے کی درپردہ سازشیں زور پکڑ گئیں۔

قبل ازیں فتنہ پرداز عناصر نے قادیان کے مجسٹریٹ اور ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر کو میموریل بھی بھیجے کہ درویشوں کے گھروں سے ناجائز اسلحہ برآمد ہو رہا ہے لہذا ہمیں ان سے شدید خطرہ ہے۔ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ وہ اس من گھڑت بات[1] کے ذریعہ سے پبلک میں نفرت و حقارت کی چنگاری ڈالنے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو انہوں نے سوشل بائیکاٹ کا بھی اعلان کر دیا۔

اس بائیکاٹ کو موثر اور کامیاب بنانے کے لئے ۷ر جنوری ۱۹۴۸ء کو گوردوارہ میں جلسہ ہوا۔ جس کے بعد بائیکاٹ شدت اختیار کر گیا۔ دودھ بند کرنے کے لئے احمدیہ بازار اور بیرونی راستوں میں پکٹنگ لگا دی گئی۔ احمدی شفاخانہ سے غیر مسلم مریض اُٹھا لئے گئے۔ جن شریف اور معزز ہندو یا سکھ دوستوں نے ذاتی تعلقات کی بناء پر یا کسی اور وجہ سے احمدیوں کو سودا دیا ان کو بے عزت کیا گیا۔ بعض کا منہ کالا کیا گیا اور بعض کو جوتے بھی لگائے گئے۔

اس سختی کا ردِّ عمل یہ ہوا کہ لوگوں میں آخر بائیکاٹ کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ۲۳ر جنوری ۱۹۴۸ء کا واقعہ ہے سیٹھ پیارے لال صاحب کے لڑکے کشن لال صاحب نے کسی احمدی کو شلغم لا کر دیئے جس پر دو سکھوں نے اس کو تھپیڑ مارے جس کی وجہ سے قریب کے دوسرے ہندو دکاندار برہم ہو گئے چنانچہ بعض ہندو دکانداروں نے علانیہ کہا کہ ہم سودا دیں گے اور ہم اس فیصلہ کی پابندی نہیں کرتے۔ اور یہ کہ جماعت احمدیہ قادیان میں ۱۵ ہزار کے قریب تھی اور ہر طرح کی طاقت اور عزت کی مالک تھی لیکن ان کی طرف سے کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں دی گئی لیکن یہ لوگ ابھی قادیان میں

---

[1] اس مفروضہ خبر کی بازگشت ۸ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو پھر سُنی گئی جبکہ دہلی کے اخبار "پرتاپ" نے امرتسر کے نامہ نگار کے حوالہ سے یہ خبر وضع کی کہ قادیان میں مقبرے کے پاس ایک اسلحہ ساز فیکٹری پکڑی گئی ہے جس میں سے بہت سا ناجائز سامان برآمد ہوا ہے اور اس کے نتیجہ میں بارہ[12] مسلمان گرفتار کئے گئے ہیں اس کے بعد اخبار "جے ہند" جالندھر نے اپنی ۱۳ر ستمبر کی اشاعت میں مزید لکھا کہ قادیان کے بہشتی مقبرہ کے پاس جو اسلحہ ساز فیکٹری پکڑی گئی ہے اس میں مزید آٹھ مسلمان پکڑ لئے گئے ہیں۔ حالانکہ یہ خبریں بالکل غلط تھیں جن کا مقصد ملکی فضا اور مقامی حالات کو مسموم کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔

پوری طرح آباد بھی نہیں ہوئے اور سر پر سوار ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ ازاں بعد اسی دن سکونت رائے، ہربنس لال (ولد کشن داس)، ساد ھو رام اور سائیں دکاندار مولوی برکات احمد صاحب کے پاس آئے اور کشن لال کے واقعہ کا ذکر کیا۔ نیز کہا کہ وہ اس مقاطعہ کی خلاف ورزی کریں گے اور جماعت کو سودا دیں گے اور اس بارہ میں باقاعدہ فیصلہ کر کے اس کو منسوخ کرانے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ ۲۵ جنوری کی شام کو پنڈت دولت رام صاحب کی صدارت میں ایک میٹنگ کی گئی جس میں مقامی اور بیرونی لوگ شامل ہوئے۔ اس میٹنگ میں مقاطعہ کو ختم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اور ۲۶ جنوری ۱۹۴۸ء سے اس پر عملدرآمد بھی شروع ہو گیا۔

احمدیہ شفاخانہ کا قیام

۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء میں نور ہسپتال قادیان جماعت کے قبضہ سے نکل گیا۔ مکان اور فرسٹ ایڈ تک کا سامان بھی نہ رہا تھا۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں میجر ڈاکٹر محمود احمد صاحب[1] کچھ سامان اور ادویات فراہم کر کے درویشوں کی طبی خدمات بجا لاتے رہے۔

شروع ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء میں میجر صاحب پاکستان تشریف لے آئے اور یہ اہم فریضہ کیپٹن ڈاکٹر بشیر احمد صاحب کے سپرد ہوا جسے آپ خدمتِ خلق کی بہترین رُوح کے ساتھ قریباً ساڑھے سات برس تک نبھاتے رہے۔[2]

ابتداء میں درویشوں کا طبی مرکز ڈاکٹر احسان علی صاحب والی دکان میں قائم کیا گیا۔ ان دنوں درویشوں کی نقل و حرکت صرف احمدیہ محلہ تک محدود تھی اور غیر مسلم بھی خال خال ہی احمدی علاقہ میں قدم رکھتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کو احمدیہ شفاخانہ کا چارج سنبھالے ابھی چند دن ہی گذرے تھے کہ بائیکاٹ کا المناک سانحہ پیش آگیا۔ بائیکاٹ کے ایام میں آپ ایک مرتبہ چند دوستوں کے ہمراہ بہشتی مقبرہ دُعا کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں موضع ننگل کی ایک بُڑھیا آئی اور کہا کہ تم لوگ نیک ہو۔ اس مقدس مزار پر کھڑے ہو۔ میرا داماد سخت بیمار ہے اس کی شفا کے لئے دُعا کرو۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کے ساتھیوں نے کہا۔ مائی! ہم دُعا بھی کریں گے لیکن تم اپنے داماد کو ہمارے ڈاکٹر کو دکھا کر دوا وغیرہ بھی دو۔ پکٹنگ کی

---

[1] شہیدِ احمدیت کوئٹہ۔

[2] آپ ۷ وفا/جولائی ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء کو پاکستان منتقل ہوئے جیسا کہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے نے "مکتوبات اصحاب احمد" جلد دوم صفحہ ۱۱۴ کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ "قادیان اور اس کے ماحول میں غیر مسلموں کے اندر رواداری کی فضا قائم کرنے میں آپ کا بھاری عمل دخل تھا۔ آپ کی شفقت و مروت کا یہ اثر ہے کہ دُور و نزدیک کے ہندو سکھ آج تک اُن کو یاد کرتے اور ان کا نام عزت و احترام سے لیتے ہیں"

مشکلات کے پیش نظر دوسرے دن اپنے داماد کو چارپائی پر اُٹھا کر بہشتی مقبرہ کے گیٹ تک لے آئی۔ ڈاکٹر صاحب نے وہاں جا کر مریض کو دیکھا اور ایک درویش کے ذریعہ دوا بھجوادی۔ دو تین روز بعد مریض کو افاقہ ہوگیا اور بڑھیا پکٹنگ والوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کی دکان پر آگئی اور دو تین روز بعد اس کا داماد دو تین اور مریضوں کو ساتھ لے کر آگیا اور چند ہی روز بعد آس پاس کے مہاجر بھی آنا شروع ہوگئے۔ پندرہ روز کے اندر اندر مریضوں کی تعداد ۳۰، ۴۰ روزانہ تک پہنچ گئی۔ اس طرح پکٹنگ اور بائیکاٹ عملاً بالکل بیکار ہو کر رہ گیا۔ اور مریضوں کی آمد کے ساتھ ساتھ بعض غیر مسلم دودھ، سبزی، و دیگر ضروریات زندگی بیچنے کے لئے آنا بھی شروع ہوگئے۔

ڈاکٹر احسان علی صاحب کی دکان فسادات کے بعد بالکل خالی تھی۔ اس میں صرف ایک میز اور دو خالی الماریاں اور چند شیشیاں پڑی تھیں جن میں بعض میں بچی ہوئی ادویات تھیں۔ دو پرانے اور زنگ آلود چاقو اور دو ایک قینچی کے علاوہ کوئی دوسرا سامان نہ تھا۔ فرنیچر وغیرہ کا انتظام تو سٹور سے کر لیا گیا۔ ادویات اور دیگر سامان مہیا کرنا ناممکن نظر آرہا تھا۔ دارالمسیح اور قرب و جوار کے مکانات میں سے جہاں سے بھی کوئی بوتل شیشی وغیرہ مہیا ہو سکی شفاخانہ میں جمع کر لی گئی۔ ان میں سے بعض میں کار آمد ادویات بھی مہیا ہوگئیں۔ اس اثناء میں گورنمنٹ کی طرف سے قریباً مبلغ یکصد روپیہ کی مالیت کی چند ادویات ریلیف فنڈ سے درویشوں کو دی گئیں۔ اس عطیہ کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا گیا۔

غیر مسلم مریضوں کی حاضری روز بروز زیادہ ہوتی گئی اور تمام دوائیں ختم ہوگئیں۔ اس موقعہ پر ایک معزز سکھ دوست کے ذریعہ مبلغ ۸۰ روپیہ کی ادویات امرتسر سے منگوائی گئیں۔ شہادت / اپریل، ہجرت / مئی ۱۳۲۷ہش ۱۹۴۸ء تک مریضوں کی تعداد ۹۰ سے ۱۰۰ تک روزانہ پہنچ گئی۔ شفاخانہ کے ذرائع آمد مسدود، اور فنڈ محدود تھا۔ اس لئے فکر پیدا ہوئی کہ اتنے مریضوں کے اخراجات کیسے پورے ہوسکیں گے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے انجمن سے اس بات کی اجازت لی کہ غیر مسلم ذی استطاعت مریضوں سے علاج کے معاوضہ میں آنہ دو آنہ وصول کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں سو ڈیڑھ سو روپیہ جمع ہوگیا جس سے مزید ادویہ اور سامان خریدا گیا اور اس طرح عوام کے علاج میں سہولت پیدا ہوگئی۔

ڈاکٹر صاحب اور دوسرے درویش اپنے علاقہ سے باہر نہ جا سکتے تھے۔ جوں جوں مریض زیادہ آتے گئے۔ ان میں سے بعض کو دیکھنے کے لئے ان کے گھروں میں جانا پڑتا اور اس کے لئے خاص اہتمام کرنا پڑتا

پہلے تو آپ چند درویشوں کی معیت میں جایا کرتے تھے لیکن آہستہ آہستہ خطرہ دُور ہوتا گیا اور پھر ڈاکٹر صاحب نے اکیلے ہی جانا شروع کر دیا۔ اس طرح قریبی گاؤں میں جانے کے لئے بغیر ٹانگہ اور تین چار ہمراہیوں کے جانا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ یہ خطرہ بھی پھر رفتہ رفتہ دُور ہو گیا اور آپ تنہا ہی سب طرف مریض دیکھنے نکل کھڑے ہوتے۔ اور کچھ عرصہ بعد تو خدا کے فضل سے ہر جگہ دن ہو یا رات جانے میں کوئی رکاوٹ نہ رہ گئی۔

ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے بعد شفاخانہ کی ساتھ والی دکان شامل کر کے اس کی توسیع عمل میں آئی۔ لیکن چند روز بعد جب یہ جگہ بھی ناکافی ثابت ہوئی تو حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ والا مکان خالی کروا لیا گیا۔ اس کی نچلی منزل میں دفتر کنسلٹیشن، ڈریسنگ، ڈسپنسنگ، اوپریشن روم کے لئے علیحدہ علیحدہ کمرے بنائے گئے۔ بالائی منزل میں دو کمروں کو درویشوں کے لئے بطور بنا لیا گیا اور باقی حصہ میں دو ڈسپنسر اور ایک مددگار کارکن کی رہائش کا انتظام کر دیا گیا

شفاخانہ میں جو آمد متمول مریضوں سے ہوتی اس سے شفاخانہ کے لئے سامان و ادویات خرید کر لی جاتیں اور خدا کے فضل سے ایک سال کے عرصہ میں عام استعمال کی ادویات و سامان شفاخانہ میں فراہم ہو گیا اور سوائے ابتدائی ۸۰ روپیہ کے شفاخانہ کو نہ مزید کسی سے امداد کی ضرورت پڑی نہ صدر انجمن احمدیہ کے خزانہ پر کوئی بوجھ ڈالا گیا۔ جوں جوں ارد گرد کے علاقہ میں شفاخانہ کی شہرت پھیلتی گئی مریض بھی بکثرت آنے لگے۔ بعض غیر مسلم دُور دُور سے محض اس غرض سے آتے تھے کہ قادیان میں مسلمانوں کو دیکھ آئیں گے اور دوا وغیرہ بھی لیتے آئیں گے۔ اور پھر تو خدا کے فضل سے آہستہ آہستہ ایسی شہرت حاصل ہوئی کہ تمام ضلع گورداسپور کی مختلف جگہوں بلکہ ضلع امرتسر ہی سے نہیں شہر امرتسر سے بھی مریض آنے لگے۔

پہلے سال شفاخانہ نے کوئی غیر مسلم اِنڈور میں نہیں رکھا کیونکہ خطرہ تھا کہ کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔ لیکن دوسرے سال شفاخانہ کے سامنے والا مکان (جس میں دو چھوٹے چھوٹے کمرے تھے) خالی کرا لیا گیا۔

سال ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں آؤٹ ڈور مریضوں کی کل تعداد ۳۱۲۴۶ تھی جو سال ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء میں ۴۵۳۴۹ تک پہنچ گئی۔ اس سال اِنڈور میں ۲۳۱ مریض تھے جن میں کثیر تعداد غیر مسلموں کی تھی۔ سال ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء میں ۴۱۷۹۰ مریضوں کا علاج آؤٹ ڈور اور ۲۰۰ مریضوں کا علاج انڈور کیا گیا۔ ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء کے اخاء/اکتوبر تک کل تعداد آؤٹ ڈور کے مریضوں کی ۲۸۶۰۱ اور انڈور کی ۲۰۰ تھی۔

احمدیہ شفاخانہ کے قیام کے وقت ڈاکٹر صاحب کے پاس دو صاحب بطور ڈسپنسر کام کرتے تھے۔ دو تین ماہ بعد ایک صاحب پاکستان چلے گئے۔ چونکہ کام زیادہ تھا اس لئے دو درویش احباب کو ڈسپنسنگ کی ٹریننگ کے لئے شفاخانہ میں رکھ لیا گیا۔ ان میں سے ایک محمد احمد صاحب مالاباری اور دوسرے مبارک علی صاحب واقفِ زندگی تھے ۔ مبارک علی صاحب تھوڑے ہی عرصہ میں پوری ٹریننگ حاصل کرکے تسلی بخش کام کرنے لگے اور قریباً دس ماہ کام کرنے کے بعد مولوی فاضل کلاس میں داخل ہو کر یہ کام چھوڑ دیا۔ ان کی جگہ ایک اور درویش مکرم ملک بشیر احمد صاحب ناصر کو کام پر لگایا جو بہت جلد کام سیکھ کر شفاخانہ کے لئے مفید وجود ثابت ہوئے۔ مکرم غلام ربانی صاحب ، مکرم ملک بشیر احمد صاحب اور مکرم محمد احمد صاحب مالاباری کو بطور ڈسپنسر کام کرنے کا موقعہ ملا۔ کیونکہ قادیان میں کوئی لیبارٹری نہ تھی اور پیشاب، پاخانہ، خون بلغم وغیرہ ٹسٹ کروانے کے لئے مریض کو امرتسر بھجوانا پڑتا تھا اس لئے سن ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء کے شروع میں ایک مائیکروسکوپ اور لیبارٹری کا ضروری سامان خرید کر چھوٹے پیمانہ پر لیبارٹری کا کام بھی شروع کر دیا گیا۔ اس کے بعد سن ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء میں مستورات کی مخصوص امراض کے علاج کے لئے ایک نرس کی خدمات بھی حاصل کر لی گئیں۔[1]

الحمدللہ یہ شفاخانہ جس کی بنیاد میجر ڈاکٹر محمود مرحوم کے ہاتھوں پڑی اور جس کو ترقی دینے میں کیپٹن بشیر احمد صاحب نے ساڑھے سات سال محنت شاقہ سے کام لیا تھا اب تک نہایت کامیابی سے چل رہا ہے اور خدمتِ خلق میں مصروفِ عمل ہے۔

درویشانِ قادیان کے لیل و نہار اُن دنوں دیارِ حبیب میں رہنے والے درویشوں کے شب و روز کس طرح ایک پاک اور رُوحانی ماحول میں بسر ہو رہے تھے۔ اس کا نقشہ ناظر بیت المال جناب عبدالحمید صاحب عاجزؔ نے درج ذیل الفاظ میں کھینچا :-

"دارالامان میں ٹھہرنے والے درویشوں کی کل تعداد ۳۱۳ ہے جو قادیان کے مقامی احباب ، بیرونی خدام اور کارکنان صدر انجمن احمدیہ پر مشتمل ہے۔ مقامی امیر مکرم جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ مولوی فاضل (ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ) ہیں۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں سے حضرت صاحبزادہ

---

[1] رسالہ "درویش" قادیان فتح/دسمبر سن ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء و صلح/جنوری ۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء صفحہ ۶۸ — ۷۱

الفضل ۲۰ احسان/جون ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵ ، الفضل ۱۶ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۶

مرزا ظفر احمد صاحب بار ایٹ لاء اور صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب یہاں مقیم ہیں۔ جملہ درویشان پرانے قادیان کے ایک محدود حلقہ میں آباد ہیں جو مسجد مبارک، دارالمسیح، مسجد اقصیٰ اور علاقہ بہشتی مقبرہ پر مشتمل ہے۔ ان مقدس مقامات میں ٹھہرنے کا مقصد شعائر اللہ کو آباد رکھنا اور ان میں دعا اور عبادت سے روحانی فیض حاصل کرنا ہے۔

اخترِ صبح کی نمود سے کچھ وقت پہلے قریباً ساڑھے تین پونے چار بجے شب ایک بزرگ درویش (میاں مولا بخش صاحب باورچی لنگر خانہ) کی رقت بھری آواز اس محدود حلقہ میں سنائی دیتی ہے، پُرسوز اور پُر درد لہجہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے اشعار کانوں سے اُتر کر دل و دماغ کی خوابیدہ حسّوں کو بیدار کرنے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں:۔

یا الٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا
اس شکستہ ناؤ کے بندوں کی اب سن لے پکار

رغبتِ دل سے ہو پابند نماز و روزہ
نظر انداز کوئی حصۂ احکام نہ ہو
خدمتِ دین کو اک فضلِ الٰہی جانو
اس کے بدلہ میں کبھی طالبِ انعام نہ ہو

چنانچہ اس پیغام بیداری سے درویش اُٹھتے ہیں (اگرچہ متعدد درویش کافی عرصہ پہلے سے ہی عبادت و دعا میں مشغول ہوتے ہیں) اور با وضو ہو کر اپنے اپنے حلقہ کی مساجد میں باجماعت نماز تہجد ادا کرتے ہیں۔ مسجد مبارک میں مکرم مولوی شریف احمد صاحب امینی مولوی فاضل، مسجد اقصیٰ میں جناب مولوی غلام احمد صاحب ارشد مولوی فاضل اور مسجد محلہ ناصر آباد میں جناب خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب امامت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔

قریباً پونے چھ بجے میاں سراج الدین صاحب مسجد اقصیٰ کے پرانے خادم اور مؤذن منارۃ المسیح سے اللہ اکبر کی آواز بلند کرتے ہیں جو قادیان کے سکوت کو توڑتی ہوئی فضاؤں میں

ایک خاص دل کشی پیدا کرتی ہے . . . . .

اسی وقت مسجد مبارک اور مسجد ناصر آباد سے بھی اذان کی آوازیں سُنائی دیتی ہیں . . . .

چھ بجے فجر کی نماز کے بعد تینوں مساجد میں سلسلہ کی کتب کا درس دیا جاتا ہے جو احباب بڑے شوق سے سُنتے ہیں۔ نماز و درس سے فارغ ہو کر درویش انفرادی طور پر تلاوت قرآن مجید کرتے اور بہشتی مقبرہ میں دُعا کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ ہر جمعہ کے روز فجر کی نماز کے بعد بہشتی مقبرہ میں اجتماعی طور پر دُعا کی جاتی ہے۔ صبح آٹھ بجے احباب لنگر خانہ سے کھانا حاصل کرتے ہیں۔ یہ کھانا نہایت سادہ دال روٹی پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہفتہ میں ایک دو دفعہ گوشت اور سبزی کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔

کھانے سے فارغ ہو کر ساڑھے آٹھ بجے صبح روزانہ وقارِ عمل کا پروگرام شروع ہوتا ہے۔ یہ پروگرام محض رسمی یا تفریحی کام نہیں ہے بلکہ ایک تعمیری اور تاریخی پروگرام ہے جس میں تمام درویشوں کی حاضری ضروری ہوتی ہے۔ درویشوں کی لگاتار کوششوں اور مسلسل محنتوں سے ایسے کام سرانجام دیئے جا رہے ہیں جو اپنی اہمیت کے لحاظ سے ایک لمبے عرصے تک تاریخی یادگار رہیں گے۔ اور آنے والی نسلیں ان کے کاموں کو رشک کی نگاہوں سے دیکھیں گی اور ان کے لئے درد دل سے دُعائیں کریں گی۔ بہشتی مقبرہ کے ارد گرد قریباً پانچ فٹ چوڑی دیوار بنائی جا رہی ہے۔ اس کا نصف سے زائد حصّہ مکمل ہو چکا ہے۔ بہشتی مقبرہ میں چار پختہ کوارٹرز (دو منزلہ) تیار کئے گئے جن میں دھوپ بارش اور رات کے وقت درویش آرام کر سکتے ہیں۔

ان کوارٹروں کی تعمیر اگر عام حالات میں کی جاتی تو زمین کی قیمت کے علاوہ اس کام پر سات آٹھ ہزار روپیہ خرچ ہوتا اور شاید کافی عرصہ اس رقم کی بجٹ میں منظوری حاصل کرنے کے لئے گذر جاتا مگر آفرین ہے ان درویشوں پر جنہوں نے تمام کام اپنے ہاتھ سے سرانجام دے کر بغیر کوئی رقم خرچ کئے اس شاندار خدمت کو بجا لانے کی سعادت حاصل کی۔

بہشتی مقبرہ، مساجد اور گلی کوچوں کی صفائی کا کام اور لنگر خانہ کے لئے لکڑی وغیرہ کا انتظام بھی وقارِ عمل کا ایک حصّہ ہے۔ علاوہ ازیں بہشتی مقبرہ کے ارد گرد باغ سے ملحقہ زمین میں ہل چلا کر سبزیاں وغیرہ کاشت کرنے کا کام بھی وقارِ عمل میں شامل ہے۔ وقارِ عمل کا کام خوش اسلوبی اور احسن طریق سے سرانجام دینے کے لئے ہم اپنے فاضل بھائی مولوی عبدالرحیم

صاحب اور ان کے رفقاء کے خاص طور پر ممنون ہیں۔

ساڑھے بارہ بجے دوپہر کو وقارِ عمل سے فراغت ہوتی اور آدھ گھنٹہ آرام کے بعد نماز ادا کرنے کے بعد قرآن مجید کا درس دیا جاتا ہے اور بعض ناخواندہ درویشوں کو نماز کا ترجمہ بھی سکھایا جاتا ہے۔ اسی طرح باقی نمازیں عصر، مغرب وعشاء اپنے اپنے وقتوں پر باجماعت ادا کی جاتی ہیں اور فارغ اوقات سلسلہ کی کتب کے مطالعہ اور دعاؤں میں صرف کئے جاتے ہیں۔ ہفتہ میں دو دن (سوموار اور جمعرات) تمام درویش روزہ رکھتے ہیں اور وقت کا بیشتر حصہ نوافل اور دُعاؤں میں گذارتے ہیں۔ بعض ایسے درویش بھی ہیں جو کئی روز تک متواتر روزے رکھتے ہیں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خاص دُعاؤں اور توجہ کے اثر سے تمام درویشوں میں عبادت اور دُعاؤں کے لئے ایک خاص شغف پیدا ہو چکا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ عبادت اور ذکرِ الٰہی کا رنگ محض وقتی اور ہنگامی جوش پر مبنی نہیں بلکہ اپنے اندر عمل کی استواری اور قوت ارادی کی پختگی کے اجزاء لئے ہوئے ہیں۔ جملہ درویش حضور کی نصیحتوں کے مطابق مکی اور مسیح ناصری والی زندگی کا نمونہ دکھانے میں کوشاں ہیں اور ظلم برداشت کر کے ظلم کو روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس مختصر عرصہ میں اکٹھا رہنے کی وجہ سے درویشوں میں جذبہ اخوت و مودت بہت بڑھ گیا ہے۔ باہمی ربط اور دوستانہ تعلقات کا اثر اس قدر وسیع ہے کہ اگر ایک دوست کا باہر سے خط موصول ہوتا ہے تو دوسرے درویش بھائی اس دوست کے عزیز و اقارب کی خیر و عافیت کے متعلق بڑے شوق سے استفسار کرتے ہیں جو احباب قادیان میں دُعا کے لئے تحریر فرماتے ہیں۔ ان کے متعلق مساجد میں اعلان کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض درویشوں کے عزیز و اقارب کی وفات پر یہاں نماز جنازہ غائب ادا کی جاتی ہے۔ گذشتہ ایام میں درویشوں کے باہمی تعاون سے حقہ نوشی کے خلاف مہم جاری کی گئی تھی جو بہت حد تک کامیاب رہی اور کئی درویش جو عرصہ سے حقہ نوشی کی مرض میں مبتلا تھے اس مرض سے نجات پا گئے۔ اسی طرح ہمارے مکرم دوست ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے نے وصیت کی تحریک کو جاری کیا جس کے نتیجہ میں کئی ایک درویشوں نے وصیتیں کرائیں۔ تحریک جدید کے وعدوں میں درویشوں نے جس اخلاص اور قربانی کا ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ قادیان میں کوئی ایسا درویش نہیں رہا جس نے تحریک جدید کے چودھویں سال میں حصہ نہ

لیا ہو۔ اس امر پر حضور نے بھی خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔

چند ایک علم دوست درویشوں نے سلسلہ کی کتب کے وسیع مطالعہ اور تقریر و تحریر میں مشق پیدا کرنے کے لئے ایک ادبی مجلس بنام "مجلس درویشاں" قائم کی ہے جس کا اجلاس ہفتہ میں دو دفعہ منعقد ہوتا ہے اور پروگرام کے مطابق ممبران مذہبی مضامین پر تقریروں کی مشق کرتے ہیں جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے دارالامان کے درویش ایک محدود حلقے میں مقید ہیں۔ بازاروں میں آمد و رفت بھی خالی از خطرہ نہیں۔ چونکہ ہر وقت حالات مخدوش ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے جن کے متعلق لوکل افسران بھی وقتاً فوقتاً ہمیں آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ اشد مجبوری کے وقت نظارت امور عامہ کی تحریری اجازت سے تین چار درویش اکٹھے بازار جاتے ہیں اور اپنی ضرورت پوری کر کے جلد واپس آجاتے ہیں۔ خدام میں سے بعض ایسے درویش بھی ہیں جن کی رخصتیں ختم ہو چکی ہیں بعض ایسے بھی ہیں جن کے کاروبار تباہ ہو رہے ہیں اور بعض کے خانگی حالات ان کے قریبی رشتہ داروں کی وفات اور دیگر کئی وجوہات کی بناء پر اگرچہ ظاہری طور پر تسلی بخش نہیں ہیں مگر یہاں ان کو ایک قسم کا اطمینانِ قلب حاصل ہے جو اور کہیں میسّر نہیں ہو سکتا اور وہ خندہ پیشانی سے ہر مشکل اور تکلیف پر صبر و استقلال کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اسی طرح بعض مقامی درویشوں کے اہل و عیال اور عزیز رشتہ داروں کی طرف سے بھی کئی افسوسناک اور پریشان کن خبریں موصول ہوتی ہیں مگر مبارک اور خوش بخت ہیں وہ درویش جو اپنی زندگی کے اصل مقصد پر نگاہ رکھتے ہیں اور دنیوی آرام و آسائش کو نظر انداز کرتے ہوئے دیارِ محبوب میں آزمائش و امتحان کی پُر کیف گھڑیاں گذار رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ذہنی پریشانیوں کی جگہ تسکین و اطمینان اور حرص و آرزو کے بدلے صبر و قناعت کی لا انتہا دولت حاصل ہے۔ یہی وہ جماعت ہے جس کو اس ابتلاء کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص انعامات کے لئے چُنا اور انہیں درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی توفیق بخشی۔ جملہ درویشوں کے قلوب اس یقین سے پُر ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت کے مطابق موجودہ ابتلاء کا دور رونما ہوا ہے اسی طرح اس ابتلاء کے ساتھ وابستہ ترقیوں اور کامیابیوں کی راہیں بھی عنقریب کھُلنے والی ہیں" [1]

[1] الفضل لاہور ۲۹ تبلیغ / فروری ۱۳۲۷ھ ش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۶

صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کی درویشانہ زندگی کا آغاز

اس سال کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ ۵ امان/مارچ ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کے فرزند صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کی درویشانہ زندگی کا آغاز ہوا۔ آپ اس روز ۵½ بجے شام پاکستان سے چودہ اصحاب کے ساتھ قادیان پہنچے۔[1]

مساجدِ قادیان کی حفاظت کیلئے ناقابل فراموش مساعی

قادیان کے بیرونی محلہ جات کی وہ مسجدیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے عاشقوں اور مخلص فدائیوں کی سجدہ گاہ تھیں اور ہمیشہ ہی اُن کے نالہ ہائے شب سے معمور اور اُن کے آنسوؤں سے تر بتر رہتی تھیں ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے دوران چشم زدن میں خالی ہوگئیں۔

قادیان میں احمدی مسلمانوں کی انیس اور دوسرے مسلمانوں کی چار مسجدیں تھیں۔ علاوہ ازیں پُرانی عیدگاہ اور سات قبرستان تھے۔ ان سب کی دیکھ بھال اور تحفظ کو درویشوں نے ابتدائی دور ہی سے اپنی زندگی کے بنیادی مقاصد میں شامل کر لیا۔ اس ضمن میں ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں مولوی برکات احمد صاحب بی۔اے، ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے، فضل الٰہی خاں صاحب اور پندرہ بیس درویش پہلی بار قادیان کی بیرونی مساجد کی حالت دیکھنے اور صفائی کرنے کے لئے گئے۔ چنانچہ انہوں نے مسجد دار الفضل صاف کی اور اس کا غسلخانہ اینٹوں سے بند کر دیا۔ مسجد نور کی چند کنگریاں تازہ ہی شکستہ ہوئی تھیں۔ مسجد دار الیسر کی دیوار اُپلوں سے اَٹی ہوئی تھی جو درویشوں نے صاف کر دی۔ پھر انہوں نے مسجد دار الرحمت کی صفائی کی اور مسجد دار الفضل کی ٹوٹی ہوئی کھڑکی بند کر دی۔

دوسری بار ۵ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب امیر جماعت قادیان، ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے، خان فضل الٰہی خاں صاحب، مرزا محمد حیات صاحب نگران مقامی درویشان قادیان اور بعض درویشوں پر مشتمل ایک وفد نے مقامی تھانیدار صاحب سے مسجد دار الفتوح تک جانے اور اس کا جائزہ لینے کی منظوری لی اور اگلے روز ۲۱-۲۲ درویش سپاہیوں کی معیت میں کدالیں، بیلچے، جھاڑو، بالٹیاں اور کڑاہیاں لئے وہاں پہنچے۔ اور ۸½ بجے سے ۱۲½ بجے تک مسجد کو غلاظت سے صاف کرتے رہے اور اس کی کھڑکیاں اور دروازے اینٹ گارے سے بند کر دیئے۔

---

[1] ریکارڈ قادیان ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء مرتبہ مرزا محمد حیات صاحب سابق درویش قادیان (غیر مطبوعہ)

واپسی پر احرار کی مسجد شیخاں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مسجد کے مینار منہدم ہو گئے تھے اور چھت کی دو کڑیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ درویشوں نے مسجد میں جھاڑو دیا اور چند دن بعد چھت بھی مرمت کر دی۔

۸ ماہ شہادت/اپریل کی صبح کو مولوی برکات احمد صاحب، ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے، فضل الٰہی خاں صاحب، مرزا محمد حیات صاحب اور ضیاء الدین صاحب قادیان کی تمام بیرونی مساجد، پرانی عیدگاہ اور اس سے متصل قبرستان کی طرف گئے۔ عیدگاہ والے قدیم قبرستان کے کتبے توڑ پھوڑ دیئے گئے تھے۔ مسجد دارالیسر کا اکثر حصہ گر چکا تھا۔ دیواریں اُپلوں سے ڈھکی ہوئی تھیں اور اندر گدھوں کے کیلے گاڑے ہوئے تھے۔ مسجد دارالرحمت میں ہر طرف کوڑا کرکٹ بکھرا ہوا تھا۔ برآمدے کا ایک مسقف حصہ ادھیڑا ہوا تھا۔ مینار چھت پر گرا ہوا تھا اور اندرونی عمارت سے الماریوں کے تختے غائب تھے۔ مسجد نور کی عام حالت نسبتاً بہتر تھی۔ مسجد احمدآباد کے اندر جلاہوں کی کھڈیاں بنی ہوئی تھیں۔ مسجد دارالسعة میں پناہ گزینوں نے ڈیرہ ڈال رکھا تھا اور صحن میں تانا بنا ہوا تھا۔ مسجد دارالفضل میں ہر طرف گندگی ہی گندگی دکھائی دیتی تھی۔ اس مسجد کی الماریوں کے شیلف بھی نکال لئے گئے تھے۔ مسجد دارالبرکات غربی بھی پناہ گزینوں کی رہائش گاہ بنی ہوئی تھی۔ صحن میں گدھا بندھا تھا اور باہر اپلوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ مسجد دارالانوار کا تلکہ غائب تھا۔ مسجد میں چولھے بنے ہوئے تھے اور الماریاں شیلف سے خالی تھیں۔ مسجد قادرآباد کے احاطہ کی اینٹوں کا کوئی نام و نشان تک نظر نہ آتا تھا۔ الغرض مسجد نور کے سوا تمام مساجد کا حال سخت ابتر اور تکلیف دہ تھا۔[1]

درویشوں کا تیسرا وفد ۲۲ شہادت/اپریل کو لالہ ہری رام صاحب ممبر میونسپلٹی قادیان اور ایک کنسٹیبل کے ہمراہ مسجد دارالبرکات غربی، مسجد دارالسعة اور مسجد احمدآباد میں گیا اور اس نے غیر مسلم پناہ گزینوں کو مسجدوں کی عزت و حرمت بحال کرنے اور مسجدوں سے منتقل ہونے کی پر زور تحریک کی جس کا خاطرخواہ اثر ہوا۔

درویشان قادیان یہاں مساجد کا دورہ کرتے تھے وہاں ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور اور مقامی مجسٹریٹ کو صورت حال سے برابر آگاہ رکھتے اور ان سے فوری توجہ کرنے کی درخواست کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور نے ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے آخری ہفتہ میں مجسٹریٹ صاحب کو حکم دے دیا۔

---

[1] ریکارڈ ۲۷-۲۶-۱۳۲۶ ہش/۴۸-۱۹۴۷ء مرتبہ مرزا حیات محمد صاحب نگران درویشان قادیان مقامی (حال سیالکوٹ)۔

کہ مسجدیں شرنارتھیوں سے فوراً خالی کرالی جائیں اور آئندہ بھی ان میں کسی کو آباد نہ کیا جائے

قادیان کے پہلے درویش کا وصال

۲۶-۲۷ر شہادت/اپریل ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو حافظ نور الٰہی صاحب متوطن کوٹ مومن ضلع سرگودھا امیر جماعت احمدیہ بہاولنگر جو ۹ر صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو پاکستان سے قادیان پہنچے تھے اور نہایت فرشتہ سیرت، دعاگو، شب بیدار اور احمدیت کے سچے شیدائی تھے انتقال فرما گئے۔ حضرت حافظ صاحب وہ پہلے خوش نصیب بزرگ ہیں جن کا زمانہ درویشی میں وصال ہوا اور مسیح محمدی کے قدموں کی خاک بنے اور یہی وہ مخلصانہ تڑپ تھی جو انہیں کشاں کشاں اس مقدس بستی میں لے آئی تھی[1]

بہشتی مقبرہ سے ملحق باغ کا مقدمہ

بہشتی مقبرہ سے متصل باغ کے ساتھ سلسلہ احمدیہ کی بہت سی یادگاریں وابستہ ہیں۔ یہی وہ باغ ہے جس میں حضرت امام مہدی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۴ر اپریل ۱۹۰۵ء سے لے کر ۲ر جولائی ۱۹۰۵ء تک اپنے اہلبیت اور خدام سمیت رہائش پذیر رہے۔ اسی کے اندر وہ شہ نشین ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیٹھا کرتے تھے۔ ۲۷ر مئی ۱۹۰۸ء کو اسی باغ میں خلافت کی پہلی بیعت ہوئی اور حضرت اقدسؑ کا جنازہ پڑھا گیا۔ اس باغ میں جماعت کی عیدیں پڑھی جاتی رہیں اور فوت ہونے والے اکثر احباب جماعت کے جنازے بھی اس میں ہوتے رہے۔ الغرض قادیان کے مقدس مقامات میں اس باغ کو ایک گونہ امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

۴ر ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کا واقعہ ہے کہ بعض مقامی حکام کی انگیخت پر ایک شخص دریام سنگھ اس باغ میں پایا گیا جس نے بتایا کہ یہ باغ کلاسوالہ کے ایک سکھ کی ملکیت ہے جس نے مجھے اپنا نگران بنا کر بھجوایا ہے۔ باغ کے محافظ درویشوں نے اسے اصل حقیقت بتا کر واپس کر دیا۔ مگر وہ اسی دن ظہر کے وقت

---

[1] حضرت حافظ صاحب کے والد کا نام حافظ محمد عارف تھا۔ ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت مصلح موعود کی تقریر "حضرت مسیح موعودؑ کے کارنامے" اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب "براہین احمدیہ" سے متاثر ہوئے اور انشراح صدر کے لئے چھ ماہ مصروف دعا رہے اور آخر ۱۹ر ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ (مطابق ۲۴ر فروری ۱۹۳۵ء) کی شب کو خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نورانی وجود کی زیارت ہوئی اور آپ مئی ۱۹۳۶ء میں داخل احمدیت ہو گئے۔ (تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۸ر شہادت/اپریل، ۸ر ہجرت/مئی، ۱۹-۲۳ ہجرت/مئی، ۱۹ر احسان/جون ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء آخر الذکر شمارہ میں ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے کے قلم سے آپ کے سوانح اور سیرت و شمائل پر روشنی ڈالی گئی ہے)

دوبارہ آیا اور کہنے لگا کہ مالک نے مجھے حکم دیا ہے کہ جب تک اسے تحریرًا یا جبرًا نہیں روکا جاتا اسے باغ کے اندر ہی رہنا چاہیئے۔ چونکہ اس بارہ میں کوئی تحریر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اس لئے باہمی کشمکش تک نوبت جا پہنچی اور تحصیلدار صاحب اور نائب تحصیلدار نے باغ دیکھنے کے بعد رپورٹ کر دی کہ یہ باغ اور بہشتی مقبرہ دو جدا جدا چیزیں ہیں اور ان کے مالکانہ حقوق بھی الگ الگ لوگوں کو حاصل ہیں۔ مقامی حکام نے اس رپورٹ کی توثیق و تصدیق کے لئے پٹواریوں سے نقشہ جات بنوائے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ واقعی بہشتی مقبرہ اور باغ کے مالک دو مختلف وجود ہیں اور یہ کہ باغ کے حقیقی مالک ہندوستان سے پاکستان جا چکے ہیں لہذا اسے شرنارتھیوں کے نام الاٹ ہونا چاہیئے

یہ سب کارروائی چونکہ صریحًا غیر قانونی، ناجائز اور خلاف حقیقت تھی اس لئے جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے احتجاج کیا گیا اور ذمہ دار افسران کے سامنے باغ کی مذہبی حیثیت روز روشن کی طرح واضح کی گئی۔ جس پر ڈپٹی کمشنر صاحب نے عارضی طور پر باغ کی الاٹمنٹ کے خلاف حکم امتناعی جاری کر دیا اور بالآخر ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء میں مشرقی پنجاب کی صوبائی حکومت نے فیصلہ کیا کہ بڑا باغ اور مقبرہ بدستور جماعت احمدیہ کے قبضہ میں رہیں گے۔ البتہ باغ کے ساتھ اور اسی میں شامل دو باغیچوں پر درویشوں کا قبضہ درست نہ سمجھا۔ یہی فیصلہ بہشتی مقبرہ سے ملحق ایک کھیت کی نسبت کیا گیا جو اس کی توسیع کے پیش نظر مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی[1] (پنجابی شاعر) سے لیا گیا تھا۔ لیکن ہندوستان کی احمدی جماعتوں کے مسلسل احتجاج اور پیہم درخواستوں کے نتیجہ میں ماہ صلح/جنوری ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء کو مؤخر الذکر فیصلہ بھی منسوخ کر دیا گیا۔

۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کے آخر میں بھارت سرکار نے فیصلہ کیا کہ قادیان رفیوجی ٹاؤن ہے۔ اس فیصلہ کے نتیجہ میں قادیان کی اراضی اور دوسری جائدادیں باضابطہ طور پر غیر مسلم پناہ گزینوں کو الاٹ کر دی گئیں۔ حالانکہ اس سے قبل قادیان کی جائدادوں پر محض عارضی قبضہ دیا گیا تھا۔ جماعت ہائے احمدیہ ہندوستان نے قراردادیں پاس کیں کہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کی قادیان کی جائدادیں اس کو واپس دلائی جائیں۔ یہ معاملہ بہت طول کھینچ گیا اور سالہا سال تک کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ بالآخر ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء میں بھارتی حکومت نے تسلیم کر لیا کہ

---

[1] یہ وہی بزرگ ہیں جن کی تبلیغی پنجابی نظمیں سُن کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء کو دربار شام میں اظہار خوشنودی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "یہ عمدہ کام ہے اور اس زمانہ کا یہی جہاد ہے۔ جو لوگ پنجابی سمجھتے ہیں آپ ان کے لئے مفید کام کرتے ہیں" (ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۲۰۵-۲۰۶)۔

صدر انجمن احمدیہ قادیان تارکین وطن میں شامل نہیں۔ اس لئے وہ اپنی جائداد پر قبضہ کرنے کا حق رکھتی ہے۔

اغواشدہ مسلم خواتین کی بازیابی کے لئے عظیم الشان جدوجہد

درویشوں کو اس ابتدائی پُرآشوب دَور میں جن شاندار اسلامی خدمات انجام دینے کی توفیق ربّ کریم وجلیل کی طرف سے ملی ان میں مسلمان مغویہ خواتین کی بازیابی اور محصور مسلمانوں کی حفاظت کا کارنامہ نہایت درجہ لائق تحسین ہے جس کی عظمت و اہمیت اَور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں درویشانِ قادیان کی زندگی عملاً قید سے بہتر نہیں تھی کیونکہ وہ ایک مختصر سے حلقہ میں محدود و محصور تھے اور انہیں اس حلقہ سے تھوڑا بہت ادھر ادھر جانے کے لئے بھی پولیس یا ملٹری کی امداد کی ضرورت ہوتی تھی۔ ایک بھاری دقت یہ تھی کہ بھارتی حکومت نے ضلع گورداسپور کو ممنوعہ علاقہ قرار دے رکھا تھا اس لئے پاکستان کی ملٹری یا پولیس بین المملکتی معاہدہ کے باوجود اغواشدہ مسلم خواتین کو برآمد کرنے کے لئے نہیں آسکتی تھی۔ لیکن چونکہ قادیان کے مینار سے پانچوں وقت اذان کی آواز بلند ہوتی جو دُور دُور تک سُنائی دیتی تھی اس لئے متعدد مسلمان عورتیں اذان سُننے کے بعد موقع پاتے ہی مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے اس واحد مرکز میں پہنچ جاتی تھیں۔ بعض کو شریف عیسائی اور بعض کو شریف مزاج سکھ چھوڑ جاتے تھے۔ بعض عورتیں اردگرد کے دیہات پر حملہ کے دوران قادیان آکر ٹھہر گئی تھیں۔ یا انہوں نے غیر مسلموں سے قادیان کی اسلامی بستی کا ذکر سُنا تو وہ چپکے سے یہاں بھاگ آئیں۔ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء سے ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء تک ایسی عورتیں (بشمول خوف یا جبر کے باعث اسلام سے ارتداد اختیار کرنے والوں کے) قریباً اسّی کی تعداد میں درویشوں کے حلقہ میں پہنچیں۔ ان عورتوں میں ماحول قادیان کے علاوہ ہوشیارپور، امرتسر، فیروزپور اور ریاست جموں کی بھی تھیں جن کی رہائش اور خوراک کا خاص اہتمام کیا گیا اور ان کو ٹرکوں پر سوار کرا کے بحفاظت پاکستان پہنچا دیا گیا۔

مغویہ عورتوں کی قادیان میں آمد یا قادیان سے روانگی پر قادیان کے مرکزی کارکنوں کی طرف سے تار اور فون کے ذریعہ سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں باقاعدہ اطلاع دی جاتی۔ اور حضرت میاں صاحب ایسی خواتین کو اُن کے ورثاء تک پہنچانے کے لئے اخبارات میں اطلاع شائع کراتے[1]

---

[1] بطور مثال آپ کا ایک اعلان ملاحظہ ہو:۔

"علاقہ قادیان کی اغواشدہ عورتیں لاہور پہنچ رہی ہیں۔ ان کے ورثاء لاہور پہنچکر سرکاری کیمپ میں پتہ لیں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ان کے وارثوں کی تلاش میں ہر ممکن ذرائع بروئے کار لاتے۔

جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے درویش قادیان (مؤلف "اصحاب احمد") کا ایک اہم مکتوب اخبار "انقلاب" لاہور مورخہ ۱۹ رمئی ۱۹۴۸ء میں "اغوا شدہ مستورات کی برآمدگی کے لئے قادیان کی مساعی" کے عنوان سے شائع ہوا جس سے اس سلسلہ میں درویشانِ قادیان کی اجتماعی کوششوں کا صحیح نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ ملک صاحب نے تحریر فرمایا کہ

"ناظرین کرام! امروزہ صحبت میں اغوا شدہ مستورات اور سکھ بنے ہوئے مسلمانوں کے متعلق قادیان میں مقیم احمدیوں کی مساعی کا ذکر کرتا ہوں۔ ہم بہت محنت سے دریافت کرتے رہتے ہیں کہ اغوا شدہ عورتوں کے نام کیا کیا ہیں۔ وہ کس کس گاؤں میں کس کے پاس رہتی ہیں۔ اپنی اور ان کی بے بسی کی وجہ سے ہمارے دل پر جو کچھ گذرتی ہے اس کا اندازہ آپ نہیں کر سکتے۔ ان کی خاطر ہم ہر وقت کڑھتے ہیں۔ کبھی ڈپٹی کمشنر کو فون کرتے ہیں، کبھی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو اطلاع دیتے ہیں، کبھی مقامی تھانیدار اور مقامی مجسٹریٹ کو خبر پہنچاتے ہیں۔ کبھی کانگرس کے عہدہ داروں یا ضلع کے پبلسٹی آفیسر سے مدد چاہتے ہیں۔ اسی طرح میجر جنرل عبدالرحمن ڈپٹی ہائی کمشنر کو بھی فہرست بھجواتے ہیں غرضکہ ان کی خاطر ہم ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہیں اور ان کی برآمدگی کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ جب بھی کوئی عورت خاکروبوں کی مدد سے یا ہماری اذان سُن کر یا غیر مسلموں کی باتوں سے معلوم کر کے کہ قادیان میں مسلمان رہتے ہیں ہمارے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو ہمارے دل بلیوں اچھلتے ہیں اور ہم خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے ہوئے ایک دوسرے کو خوشخبری سُناتے ہیں۔ ایسی عورتوں کے قیام کے لئے ایک کھلا چوبارہ مقرر ہے جس پر ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قادیان سے فون پر اطلاع ملی ہے کہ ارد گرد کے علاقہ کی بعض مسلمان عورتیں جن میں سے بعض جموں کی بھی آئی ہوئی تھیں قریباً چودہ پندرہ کی تعداد میں بحال ہو کر قادیان میں جمع ہو گئی تھیں ان عورتوں کو گورداسپور کی پولیس قادیان سے گورداسپور لے گئی ہے تاکہ وہاں سے اپنے انتظام میں لاہور پہنچا دے۔ ان عورتوں میں مسماۃ غلام فاطمہ صاحبہ جموں والی اور مسماۃ شریفہ بی بی ننگل والی بھی شامل تھیں۔ ان کے ورثاء کو چاہیئے کہ لاہور پہنچ کر سرکاری کیمپ میں پتہ لے لیں تاکہ دیر ہو جانے کی وجہ سے مصیبت زدہ عورتوں کو مزید تکلیف کا سامنا نہ ہو۔ افسوس ہے پوری تفصیل فون پر معلوم نہیں کی جاسکی" (الفضل ۳۰ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳ کالم ۲)۔

معمر بزرگ بابا بھاگ کا ہر وقت پہرہ رہتا ہے۔ وہ ان کی ضروریات مہیا کرتا ہے۔ وہاں کسی اور مرد کو جانے کی اجازت نہیں۔ بابا مذکور جس خدمت گذاری سے کام کرتے ہیں وہ اس امر سے ظاہر ہے کہ ایک شخص نے پاکستان سے لکھا ہے کہ اس کی ہمشیرہ بابا بھاگ کی مخلصانہ خدمات کو یاد کرتی ہے تو رو دیتی ہے۔ ہمارے موجودہ امیر مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ سابق جنرل پریذیڈنٹ قادیان ہیڈ ماسٹر ذاتی طور پر بھی ان کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ انہیں کپڑے اور جوتیاں بنوا دیتے ہیں اور ان کے لاہور پہنچنے سے پہلے پہلے ان کے اقارب کا جو پاکستان میں ہوتے ہیں پتہ حاصل کر لیتے ہیں اور انہیں اطلاع بھجوا دیتے ہیں۔ چنانچہ جب عورتیں لاہور پہنچتی ہیں تو اُن کے اقارب انہیں جلدی آکر لے جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں ارد گرد کے دیہات میں بکثرت ایسے مسلمان خاندان موجود ہیں جو سکھ بنے ہوئے ہیں لیکن پاکستان جانے کے خواہشمند ہیں۔ ہم انہیں اپنے پاس آنے کے طریقے بتاتے ہیں۔ تسلی دیتے ہیں اور آجانے پر ان کا روپیہ لے کر صدر انجمن احمدیہ قادیان کے خزانہ میں جمع کر لیتے ہیں تاکہ راستہ میں ضائع نہ ہو۔ یہ روپیہ انہیں لاہور پہنچ کر وہاں کی صدر انجمن احمدیہ کے خزانہ سے مل جاتا ہے۔ قادیان پہنچ جانے پر ان کے قیام و طعام کا انتظام کرتے ہیں اور نگرانی رکھتے ہیں کہ غیر مسلم انہیں علیحدگی میں نہ ملیں مبادا وہ اپنی سادہ لوحی سے دھوکہ میں آکر پھر واپس چلے جائیں۔ ان اغوا شدہ عورتوں اور سکھ بنے ہوئے مسلمانوں سے ہماری ذرا بھی سابقہ معرفت نہیں ہوتی لیکن ہم محض جذبہ اخوت اسلامی سے سرشار ہو کر خدا تعالےٰ کی خاطر ان کی خدمت بجا لاتے ہیں اس سلسلہ میں میں دو ضروری باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ایک یہ کہ اگر کسی مسلمان عورت کے متعلق آپ کو علم ہو کہ مشرقی پنجاب میں ہے تو مہربانی کر کے اس کے جملہ کوائف سے ہمیں مطلع فرمائیں۔ ہم حتی الامکان برآمدگی کے لئے پوری پوری کوشش کریں گے۔ دوسرے یہ کہ پاکستان میں جو غیر مسلم اغوا شدہ عورتیں موجود ہیں ان کی برآمدگی کے لئے بھی ہر ایک شخص کو سرتوڑ کوشش کرنی چاہیئے کہ اوّل تو مذہباً یہ فعل انتہائی طور پر ناجائز ہے۔ دوم اُن کے برآمد کرنے کا اثر یقینی طور پر مشرقی پنجاب میں بہت ہی اچھا پڑتا ہے۔ کون مسلمان پسند کرتا ہے کہ اس کی مسلمان بہنیں بدستور اغوا شدہ رہ کر غیروں کے گھروں میں پڑی رہیں" [1]

---

[1] لاہور کے احراری آرگن "آزاد" نے اپنی ۲۶ مئی ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں یہ مضمون درج کر کے درویشان قادیان کی مساعی پر شاندار الفاظ میں تبصرہ کیا جو "تاریخ احمدیت" جلد ۱۱ صفحہ ۳۹۳ - ۳۹۵ میں آچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء تک درویشانِ قادیان کی سرفروشانہ جدّو جہد کے نتیجہ میں ۱۳۴ مرد و زن پاکستان پہنچ چکے تھے جن میں سے ۷۷ مسلمان عورتیں تھیں اور ۵۷ مسلمان مرد تھے۔[1] درویشوں کی یہ بے لوث اور پاک اور مخلصانہ کوششیں جاری تھیں کہ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں بٹالہ کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس قادیان آئے اور سب احمدی آبادی کو مدرسہ احمدیہ کے صحن میں جمع کر کے اُن کے نام اور پتہ جات وغیرہ نوٹ کئے اور یہ معلوم کیا کہ ان میں سے قادیان اور اس کے گرد و نواح کے رہنے والے کتنے ہیں۔ نیز حکم دیا کہ قادیان میں چونکہ کوئی منظور شدہ کیمپ نہیں ہے اس لئے آپ لوگوں کو ارد گرد سے نکل کر آئے ہوئے مسلمان مردوں اور عورتوں کو اپنے پاس نہیں ٹھہرانا چاہئیے[2]

۳۵ عشاقِ احمدیت کی دیارِ حبیب میں تشریف آوری

حضرت مصلح موعود نے مجلس مشاورت ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں تحریک فرمائی تھی کہ عشاقِ احمدیت قادیان کی جگہوں کو آباد کرنے کے لئے اپنے تئیں پیش کریں۔ حضور کی اس آواز پر لبیک کہنے والوں کا ایک خوش نصیب قافلہ شروع ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں صبح ۸ بجے لاہور سے روانہ ہوا۔ حضرت سیدنا امیر المومنین المصلح الموعود نے افراد قافلہ کو شرف مصافحہ بخشا اور اجتماعی دعا کے ساتھ الوداع کہا۔[3] اس قافلہ میں بارہ[12] صحابہ بھی تھے جن میں حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب (امیر قافلہ) اور حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی جیسے قدیم اور ممتاز صحابہ بھی شامل تھے۔ یہ قافلہ ٹرکوں کے ذریعہ قادیان پہنچا۔ ملٹری چوکی کے سکھ افسروں نے قریباً پون گھنٹہ میں آنے والوں کی اسم وار فہرست تیار کی جس کے بعد یہ قافلہ مجسٹریٹ صاحب، ملٹری پولیس کی کافی تعداد، چند سائیکل سواروں اور دو ایک شہسواروں کے جھرمٹ میں دارالشکر سے ہوتے اور فروٹ فارم، اسٹیشن، کوٹھی حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال سے گذرتے ہوئے دارالانوار کی بڑی سڑک سے داخل شہر ہوا اور مولوی عبدالمغنی خاں صاحب اور نیک محمد خاں صاحب غزنوی کے مکان کے پاس جا کر رکا۔[4]

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اس قافلہ کی آمد کے موقعہ پر ۵ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو مولانا

---

۱ الفضل ۸ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔ ۲ الفضل لاہور ۷ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵۔

۳ الفضل ۱۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۱۔

۴ الفضل ۱۸ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲۔

عبدالرحمٰن صاحب جٹ کے نام ایک خصوصی مکتوب لکھا جس میں نصیحت فرمائی کہ

"جملہ درویشوں کو میری طرف سے بعد سلام یہ پیغام پہنچا دیں کہ وہ ان بزرگوں کی آمد کو ایک خدائی نعمت سمجھتے ہوئے ان کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں اور ان کے علم و عمل کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔ صحابہ کا مقدس گروہ دن بدن کم ہوتا جا رہا ہے۔ باوجود اس کے ہم انہیں اپنے آپ کو ان کی صحبت سے محروم کرتے ہوئے آپ کے پاس بھجوائے جا رہے ہیں۔ پس اس نعمت کی قدر کریں اور دعاؤں اور نوافل پر پہلے سے بھی زیادہ زور دیں اور باہم اتحاد اور تعاون اور بزرگوں کے ادب کا وہ نمونہ قائم کریں جو اسلام آپ سے چاہتا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا پیارا مرکز ہمیں کب واپس ملے گا۔ مگر جب تک ہمیں وہ واپس نہیں ملتا ان بزرگوں کا وجود اور ان کے ساتھ آپ جیسے مخلص اور جانثار درویشوں کا وجود اس شمع کا حکم رکھتا ہے جو ایک وسیع اور تاریک میدان میں اکیلی اور تن تنہا روشن ہو کر دیکھنے والوں کے لئے نورِ ہدایت کا کام دیتی ہے۔ اگر آپ خلوص نیت اور سچی محبت اور پاک جذبۂ خدمت کے ساتھ قادیان میں ٹھہریں گے اور اپنے آپ کو احمدیت کا اعلیٰ نمونہ بنائیں گے تو نہ صرف خدا کے حضور میں آپ کی یہ خدمت خاص قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی بلکہ آنے والی نسلیں بھی آپ کے اس نمونہ کو فخر کی نظر سے دیکھیں گی"[1]

فہرست یہ قافلہ مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل تھا:۔

۱۔ میاں محمد دین صاحب واصلباقی (والد ڈاکٹر غلام مصطفی صاحب)		(حلقہ مسجد مبارک)
۲۔ بھائی عبدالرحیم صاحب قادیانی	(امیر قافلہ)	(〃)
۳۔ بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی		(〃)
۴۔ بابا شیر محمد صاحب		(〃)
۵۔ چودھری سلطان احمد صاحب		(〃)
۶۔ میاں خیر دین صاحب		(〃)

[1] الفضل ۱۸ ہجرت / مئی ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۲

۷۔ حسن دین صاحب	(حلقہ مسجد مبارک)
۸۔ چوہدری فیض احمد صاحب	(”)
۹۔ مرزا محمود احمد بیگ صاحب	(”)
۱۰۔ بابا نور محمد صاحب باورچی	(”)
۱۱۔ صدیق احمد صاحب پسر نور محمد صاحب دکاندار	(”)
۱۲۔ محمد ابراہیم صاحب ٹیلر	(حلقہ مسجد اقصیٰ)
۱۳۔ نور محمد صاحب دکاندار	(حلقہ مسجد مبارک)
۱۴۔ ڈاکٹر عطر دین صاحب	(”)
۱۵۔ (حافظ) عبدالعزیز صاحب ننگلی	(”)
۱۶۔ حاجی محمد دین صاحب تہالوی	(اقصیٰ)
۱۷۔ حافظ صدر الدین صاحب	(”)
۱۸۔ بابا جان محمد صاحب	(”)
۱۹۔ حاجی فضل احمد صاحب	(”)
۲۰۔ چوہدری محمد عبداللہ صاحب (برادر مولوی تاج الدین صاحب فاضل)	(”)
۲۱۔ چودھری شکر الدین صاحب	(”)
۲۲۔ مولوی غلام محمد صاحب	(”)
۲۳۔ بابا عطا محمد صاحب	(”)
۲۴ بابا فضل محمد صاحب	(”)
۲۵۔ شیخ محمد یعقوب صاحب	(”)
۲۶۔ شیخ غلام جیلانی صاحب	(”)
۲۷۔ چوہدری صدر الدین صاحب گجراتی	(”)
۲۸۔ بابا اللہ دتہ صاحب دوالمیال	(”)
۹۔ بابا کرم الٰہی صاحب	(”)

۳۰۔ خواجہ ضیاء الحق صاحب (اقصلی)

۳۱۔ عبداللہ خاں صاحب (")

۳۲۔ مولوی اللہ دین صاحب (")

۳۳۔ سید محمد شریف صاحب (")

۳۴۔ پی۔ محمد کٹی (موجودہ نام محمد احمد نعیم) (")[1]

درویشوں کی مشکلات اس دَور میں درویشوں کو پریشان کرنے اور حکّام کو ان کے خلاف اکسانے کے لئے کیا کیا حربے استعمال کئے جا رہے تھے ان کا کسی قدر اندازہ اخبار "انقلاب" ۷ ستمبر ۱۹۴۹ء کے مندرجہ ذیل نوٹ سے لگ سکتا ہے:۔

"قادیان میں تین سو تیرہ احمدی ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ اذانیں دیتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں اور اپنے مذہبی مقامات کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان کو احمدی اصطلاح میں درویش کہتے ہیں۔ ان درویشوں میں سے ایک صاحب حال ہی میں واپس آئے ہیں جنہوں نے قادیان کے سکھوں کے متعلق بعض نہایت دلچسپ باتیں سنائیں۔ مثلاً پچھلے دنوں سردار ایشر سنگھ مجھیل (وزیر مشرقی پنجاب) قادیان آئے۔ انہوں نے سکھوں اور ہندوؤں کے اجتماع میں تقریر کی۔ اس موقعہ پر ایک سکھ مقرر نے کہا کہ سردار! وہ جو ہندوستان میں ساڑھے چار کروڑ مسلمان رہتے ہیں ان کا ہم بندوبست کریں گے آپ فکر نہ کیجئے۔ آپ مہربانی کر کے ان تین سو تیرہ سے ہمیں نجات دلا دیجئے۔ یہ بات اتنی مہمل اور مضحکہ خیز تھی کہ سردار ایشر سنگھ بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے۔

ایک احمدی کے نام تیس روپے کا منی آرڈر آیا جو اس نے وصول کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کیا دیکھتا ہے کہ پوسٹ مین بھاگا ہوا آ رہا ہے۔ اس نے آتے ہی کہا کہ آپ کو پوسٹماسٹر صاحب بلاتے ہیں۔ یہ صاحب ڈاکخانے پہنچے تو پوسٹ ماسٹر صاحب نے کہا کہ ایک بڑی غلطی ہو گئی ہے وہ منی آرڈر کی رقم آپ واپس کر دیجئے۔ احمدی نے پوچھا وہ کیوں؟

[1] یہ فہرست ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے کی ایک غیر مطبوعہ تحریر سے ماخوذ ہے۔ الفضل میں افراد قافلہ کی تعداد ۳۵ لکھی ہے۔ معلوم نہیں ۳۵ ویں دوست کا کیا نام ہے؟

کہنے لگے۔ یہ منی آرڈر بغیر سنسر تقسیم ہو گیا ہے۔ اب اسے سنسر کرانے کے لئے دہلی بھیجنا ہے۔ عرض کیا گیا کہ منی آرڈر کا سنسر کیا معنی! اور پھر کوپن پر کچھ لکھا ہوا بھی نہیں جس کو سنسر کرانا ضروری ہو۔ آپ کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن پوسٹماسٹر صاحب نہ مانے اور انہوں نے رقم واپس لے کر منی آرڈر سنسر کرانے کے لئے دہلی بھیج دیا۔

ایک سکھ ڈی۔ ایس۔ پی نے ایک احمدی کو یونہی سڑک پر گرفتار کر کے ہندو اے۔ ڈی۔ ایم کی عدالت میں پیش کر دیا اور شکائیت کی کہ اس نے کرفیو کی خلاف ورزی کی ہے۔ اے ڈی ایم نے کہا کہ اس وقت قادیان میں کوئی کرفیو نہیں پھر خلاف ورزی کس چیز کی ہوئی۔ سکھ ڈی ایس پی نے کہا۔ نہیں صاحب کرفیو موجود ہے۔ اے ڈی ایم نے کہا آخر کرفیو آرڈر تو میں ہی صادر کرتا ہوں۔ مَیں نے کوئی حکم نہیں دیا اور اس وقت اس علاقے کے کسی حصّے میں کرفیو نہیں ہے۔ سکھ ڈی ایس پی ـــــ ایک سکھ دوسرے پولیس ـــــ غصّے میں آ گئے اور ہندو اے ڈی ایم سے کہنے لگے۔ اچھا آپ سمجھتے ہیں کہ کرفیو نہیں ہے بہتر ہے ذرا خود باہر نکل کر دیکھئے۔ کرفیو ہے یا نہیں۔ اے ڈی ایم اس گستاخانہ دھمکی پر دم بخود رہ گئے۔ لیکن کیا کرتے۔ آجکل ہندو افسروں کو ہر جگہ سکھوں سے دبنا پڑتا ہے۔

قادیان کے بہشتی مقبرے کے گرد احمدیوں نے ایک دیوار تعمیر کی جس میں جھلملیاں لگائی گئی ہیں جنہیں پنجابی میں جھرنا کہتے ہیں۔ سکھوں نے بالائی حکام کے پاس شکایت کر دی۔ کہ مرزائیوں نے توپوں اور بندوقوں کے لئے مورچے بنائے ہیں۔ فوجی افسر موقع کا معائنہ کرنے آئے تو بہت ناراض ہوئے کہ تم خواہ مخواہ ہمارا وقت ضائع کرتے ہو۔ بھلا یہ بھی کوئی مورچے ہیں۔ کیا ان میں کوئی بندوق یا توپ لگائی جاسکتی ہے۔ پھر احمدیوں نے اپنے گھروں کی عمارتوں پر تو مورچے نہ لگائے قبروں پر مورچوں کی کیا ضرورت تھی۔ شکایت کرنے والے سکھ خفیف ہوئے۔

ایک اور عجیب و غریب شکایت کی گئی ہے کہ صاحب یہ احمدی صرف تین سو تیرہ نہیں ہیں بلکہ ہزاروں ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یہ سب اپنے تہہ خانوں میں چھپے رہتے ہیں اور صرف تین سو تیرہ باہر نکلتے ہیں۔ پھر وہ غائب ہو جاتے ہیں اور تین سو تیرہ کی نئی

کھیپ تہ خانوں سے نکل آتی ہے۔ مطلب غالباً یہ ہے کہ حکام ان احمدیوں کو تلاشیوں اور گرفتاریوں سے پریشان کریں"

دفتر زائرین کا قیام چونکہ روزانہ بہت سے معزز غیر مسلم اصحاب قادیان کے مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے آتے تھے اس لئے ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں زائرین کو مساجد، منارۃ المسیح اور دوسرے مقامات دکھلانے اور مناسب طریق سے پیغام اسلام پہنچانے کے لئے ایک خاص دفتر قائم کر دیا گیا۔ یہ دفتر اُس رستہ میں بنایا گیا جو قصر خلافت کے ساتھ ساتھ تحریک جدید کی عمارت سے دار المسیح کی طرف جاتا ہے۔ مکرم سید محمد شریف صاحب، حضرت حاجی محمد دین صاحب آف تہال اور مکرم مولوی الہ دین صاحب کو یہ نئی ذمہ داری سونپی گئی اور یہ تینوں بزرگ بہت اخلاص، محبت اور استقلال کے ساتھ یہ خدمت بجا لانے لگے۔

فصل پنجم

سالانہ جلسہ قادیان ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء

عہد درویشی کے دوسرے سالانہ جلسہ کا انعقاد ۲۶ - ۲۷ - ۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو قادیان کی پرانی زنانہ جلسہ گاہ میں ہوا۔ اس جلسہ میں قادیان کے درویشوں اور غیر مسلموں کے علاوہ دہلی، میرٹھ، مظفر نگر، شاہجہان پور، ساندھن (آگرہ)، علی گڑھ، امروہہ، الہ آباد، بریلی، کلکتہ، بمبئی، مونگھیر، پٹنہ، مظفر پور، رانچی اور بھوپال کے ۶۶[1] احباب نے بھی شرکت فرمائی۔ یہ دوست

---

[1] مکمل فہرست ضمیمہ میں درج ہے۔ ان زائرین میں سے ایک معزز غیر مبائع اور پانچ غیر از جماعت دوست بھی تھے جلسہ میں ان احمدیوں کی شرکت حضرت مصلح موعود کی تحریک پر ہوئی۔ حضور نے فرمایا "دسمبر میں جلسہ جو ہندوستان کے احمدی اگر خیریت سے پہنچ سکیں تو بلوائے جائیں۔ (مکتوب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب مورخہ ۲۱ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء مکتوبات اصحاب احمد طبع اول اگست ۱۹۵۲ء جلد اوّل صفحہ ۸۲ مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے)

جلسہ سالانہ قادیان دارالامان ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء میں شمولیت کا فخر حاصل کرنے والے ہندوستانی احمدی

صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جٹ فاضل امیر جماعت احمدیہ قادیان بھی موجود ہیں۔

اپنی اپنی جماعتوں کے نمائندے تھے جو پہلے ۲۴ دسمبر/فتح کو دہلی میں جمع ہوئے۔ پھر دہلی کے احمدی مبلغ مولانا بشیر احمد صاحب فاضل کی امارت میں پولیس اسکورٹ کے ساتھ قادیان پہنچے[۱] اور ۲۹ فتح/دسمبر کو واپس روانہ ہو گئے۔[۲]

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کا رُوح پرور پیغام اور ہندوستان کی احمدی جماعتوں کی تنظیم نو کا خاص ارشاد

اس مقدس تقریب پر حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے ایک نہایت رُوح پرور پیغام ارسال فرمایا جس نے ہندوستان کے احمدیوں میں عموماً اور درویشان قادیان میں خصوصاً زندگی کی نئی رُوح پھونک دی۔ اس پیغام کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَالنَّاصِرُ

نیا ماحول اور نئی ذمّہ داریاں

برادران جماعت احمدیہ قادیان و ہندوستان یونین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مَیں آپ لوگوں کو سالانہ جلسہ کے موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سُنّت قائم رکھنے کی توفیق پانے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ سُنا گیا ہے کہ ہندوستان یونین نے سَو کے قریب ہندوستانی احمدیوں کو جلسہ میں شامل ہونے کی اجازت دی ہے گو یہ اجازت بہت بعد

---

[۱] الفضل ۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵ و ۲۷ صلح/جنوری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۳۔

[۲] مولانا بشیر احمد صاحب مبلغ جماعت احمدیہ دہلی نے جلسہ سے واپسی پر حضرت مصلح موعود کی خدمت میں مفصل روداد سفر ارسال کی تھی جو الفضل کی یکم تبلیغ/فروری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کی اشاعت میں چھپی ہوئی ہے۔ دہلی کے اخبار "سٹیٹسمین" نے اپنی ۲۷-۲۸ دسمبر کی اشاعتوں میں اس جلسہ کی خبر شائع کی۔

میں ملی ہے اور شاید اس سے جماعت کے لوگ فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔ لیکن اگر بعض افراد کو اس سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق ملی ہو تو مَیں انہیں بھی اس اہم موقعہ پر حصہ لینے پر مبارک باد دیتا ہوں۔

برادران! جماعتیں بڑے صدمات میں سے گذرے بغیر کبھی بڑی نہیں ہوتیں۔ قربانی کے مواقع کا میسّر آنا اور پھر قربانی کرنے کی قابلیت ظاہر کر دینا، یہی افراد کو جماعتوں میں تبدیل کر دیتا ہے اور اس سے جماعتیں بڑی جماعت بنتی ہیں۔ ہماری قربانیاں اس وقت تک بالکل اَور قسم کی تھیں اور ان کو دیکھتے ہوئے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ہماری جماعت کے بڑے بننے کے امکانات موجود ہیں۔ مگر اب جو قادیان کا حادثہ پیش آیا ہے وہ اس قسم کے واقعات میں سے ہے جو قوموں کو بڑا بنایا کرتے ہیں۔ اگر اس وقت ہماری جماعت نے اپنے فرائض کو سمجھا، اور اپنی ذمہ داریوں کو ادا کیا تو بڑائی اور عظمت اور خدائی برکات یقیناً اس کے شاملِ حال ہوں گی اور وہ اس کام کو پورا کرنے میں کامیاب ہوگی جو خدا تعالیٰ نے اس کے سپرد کیا ہے۔

مَیں قادیان کے رہنے والے احمدیوں کو اس امر کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ دلاتا ہوں کہ وہ شور و شر کا زمانہ جس نے عمل کے مواقع کو بالکل باطل کر دیا تھا اب ختم ہو رہا ہے۔ آہستہ آہستہ امن فساد کی جگہ لے رہا ہے۔ بہت سی جگہوں کے راستے کھُل گئے ہیں اور باقی کے متعلق امید ہے کہ آہستہ آہستہ کھُل جائیں گے۔ مگر جس رنگ میں کام چل رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا کی جماعت احمدیہ کا ایک مرکز پر جمع ہو جانا ابھی کچھ وقت چاہتا ہے۔ وہ وقت لمبا ہو یا چھوٹا لیکن بہر حال جب تک وہ وقت نہ آئے جس حد تک موجودہ تعطل کو دُور کیا جا سکے اس کا دُور کیا جانا ضروری ہے۔ گذشتہ سال جو تعطل واقع ہوا وہ معافی کے قابل تھا کیونکہ تمام علاقے آپس میں کٹے ہوئے تھے اور ایک دوسرے تک خبر پہنچانا ناممکن تھا۔ لیکن اب وہ حالت نہیں رہی۔ اب کسی نہ کسی ذریعہ سے قادیان اور ہندوستان کی جماعتوں کا تعلق قائم رکھا جا سکتا ہے اور تبلیغ اور اشاعت کے کام کو بھی ہاتھوں میں لیا جا سکتا ہے۔ گذشتہ ایام میں جو تباہی آئی اس موقعہ پر قادیان کے اکثر احباب نے نہایت عمدہ نمونہ دکھایا اور قابلِ تعریف قربانی پیش کی۔ جس پر مَیں ہی نہیں ہندوستان

اور پاکستان کے لوگ ہی نہیں بلکہ دُنیا کے دُور دراز ملکوں کے لوگ بھی قادیان کے لوگوں کی قربانی کی تعریف کر رہے ہیں۔ امریکہ اور یورپ کے لوگ اب قادیان کو صرف ایک مذہبی مرکز کے طور پر نہیں دیکھ رہے بلکہ قربانی کرنے والے ایثار کرنے والے اور اس دُکھ بھری دُنیا کو اس کے دُکھوں سے نجات دینے کی کوشش کرنے والے لوگوں کا مرکز سمجھ رہے ہیں۔ اس نقطۂ نگاہ سے قادیان اب صرف احمدیوں کا مرکز نہیں رہا بلکہ وہ مختلف مفید عام کاموں کی خواہش رکھنے والے لوگوں کی توجّہ کا مرکز بھی ہو گیا ہے۔ ابھی چند دنوں کی بات ہے کہ ایک مجلس میں شامل ہونے کا مجھے موقعہ ملا۔ میرے پاس امریکن قونصل جنرل کی بیوی تشریف رکھتی تھیں۔ مجلس سے اُٹھتے وقت مَیں نے ان سے کہا کہ اپنے خاوند سے مجھے انٹروڈیوس کرا دیں۔ انہوں نے اپنے خاوند کو مجھ سے ملوایا۔ ملنے کے بعد سب سے پہلے فقرہ جو امریکن قونصل جنرل نے کہا وہ یہ تھا کہ مجھے قادیان دیکھنے کی بہت خواہش ہے افسوس ہے کہ اس وقت تک مَیں اس خواہش کو پورا نہیں کر سکا۔ مَیں نے کہا ہمیں بھی بہت خواہش ہے لیکن افسوس کہ اِس وقت ہم بھی اس خواہش کو پورا نہیں کر سکتے۔ اسے سُن کر نہایت افسوس سے امریکن قونصل جنرل نے کہا۔ ہاں ہمیں بھی اِس بات کا بہت افسوس ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گو احمدیہ جماعت کی اکثریت قادیان کو چھوڑنے پر مجبور ہوئی ہے اور اب صرف چند سَو احمدی قادیان میں رہ گئے ہیں لیکن قادیان پہلے سے بھی زیادہ دُنیا کی توجّہ کا مرکز ہو گیا ہے اور اس کی وجہ وہی قربانی اور شاندار نمونہ ہے جو قادیان کے احمدیوں نے پیش کیا۔ اور آپ لوگ اس قربانی کی مثال کو زندہ رکھنے والے ہیں اور اِس وجہ سے اس معاملہ میں سب سے زیادہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ لیکن صرف کسی چیز کو زندہ رکھنا کافی نہیں ہوا کرتا۔ اس چیز کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا اصل کام ہوتا ہے۔ اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس نُورِ آسمانی کو اپنے دِل میں زندہ رکھتے جو آسمان سے اس وقت نازل ہوا تھا تو یہ بھی ایک بہت بڑا کام ہوتا۔ لیکن اتنا بڑا کام نہیں جو اس صورت میں ہوا کہ آپؐ نے اس نُور کو اپنے دل ہی میں زندہ نہیں رکھا بلکہ ہزاروں لاکھوں اور انسانوں کو بھی اس نُور سے مُنوّر کر دیا۔ صحابہ کرامؓ نے اس نُور کو اپنی زندگیوں میں زندہ رکھ کر ایک بہت بڑا نمونہ دکھایا۔ لیکن اُن کا یہ نمونہ اس

سے بھی زیادہ شاندار تھا کہ انہوں نے نورِ محمدی کا ایک حصہ اپنے سینوں سے نکال کر لاکھوں اور کروڑوں دیگر انسانوں کے دلوں میں بھی بھر دیا۔ پس اے میرے عزیزو! آپ کی زندگی کا پہلا دَور ختم ہوتا ہے اور نیا دَور شروع کرنے کا وقت آگیا ہے۔ پہلے دَور کی مثال ایسی تھی جیسے چٹان پر ایک لیمپ روشن کیا جاتا ہے تا کہ وہ قریب آنے والے جہازوں کو ہوشیار کرتا رہے اور تباہی سے بچائے۔ لیکن نئے دَور کی مثال اس سُورج کی سی ہے جس کے گرد دُنیا گھومتی ہے اور جو باری باری ساری دُنیا کو روشن کر دیتا ہے۔

بیشک آپ کی تعداد قادیان میں تین سو تیرہ ہے لیکن آپ اس بات کو نہیں بھولے ہونگے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قادیان میں خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے کام کو شروع فرمایا تھا تو اُس وقت قادیان میں احمدیوں کی تعداد صرف دو تین تھی۔ تین سَو آدمی یقیناً تین سے زیادہ ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کے وقت قادیان کی آبادی گیارہ سَو تھی۔ گیارہ سَو اور تین کی نسبت $\frac{۱}{۳۶۶}$ کی ہوتی ہے۔ اگر اس وقت قادیان کی آبادی بارہ ہزار سمجھی جائے تو موجودہ احمدیہ آبادی کی نسبت باقی قادیان کے لوگوں سے $\frac{۱}{۴۰}$ ہوتی ہے۔ گویا جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کام شروع کیا اس سے آپ کی طاقت دس گُنے زیادہ ہے۔ پھر جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کام شروع کیا اس وقت قادیان سے باہر کوئی احمدیہ جماعت نہیں تھی لیکن اب ہندوستان میں بھی بیسیوں جگہ پر احمدیہ جماعتیں قائم ہیں۔ ان جماعتوں کو بیدار کرنا، منظم کرنا، ایک نئے عزم کے ساتھ کھڑا کرنا اور اس ارادہ کے ساتھ ان کی طاقتوں کو جمع کرنا کہ وہ اسلام اور احمدیت کی تبلیغ کو ہندوستان کے چاروں گوشوں میں پھیلا دیں۔ یہ آپ لوگوں کا ہی کام ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ قادیان احمدیوں کا مرکز ہے۔ آپ لوگ بھی کہتے ہیں کہ ہم اس لئے قادیان میں بیٹھے ہیں کہ یہ ہم احمدیوں کا مرکز ہے۔ اب یہ آپ لوگوں کا فرض ہے کہ مرکز کو مرکز کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کریں۔ مرکز چند مجاوروں کے جمع ہو کر بیٹھ جانے کا نام نہیں۔ مرکز ایک بے انتہاء جذبہ کا نام ہے جو اپنے ماحول پر چھا جانے کا ارادہ کر کے کھڑا ہو۔ مرکز کا نام قرآن کریم میں ماں رکھا ہے اور ماں وہی ہوتی ہے جو

اپنا خون پلا کر بچوں کو پالتی، بڑا کرتی اور جوان کرتی ہے۔ پس قادیان مرکز اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی چھاتیوں کا دُودھ تمام طالبانِ صداقت کو پیش کرے، اُن کو پالے اور اُن کی پرورش کرے اور اُن کو پروان چڑھائے۔ پس آپ لوگ اب اپنی نئی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے نئے سرے سے اپنے دفاتر کی تنظیم کریں اور ہندوستان کی باقی جماعتوں کو دوبارہ زندہ کرنے اور زندہ رکھنے کی کوشش کریں۔ صرف یہی نہیں بلکہ اُن کو بڑھانے اور پھیلانے کی کوشش کریں۔ وہ تمام اغراض جن کے لئے احمدیہ جماعت قائم کی گئی تھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہیں۔ ان اغراض کو سامنے رکھ کر صدر انجمن احمدیہ کی تنظیم کریں اور تمام ہندوستان کی جماعتوں کے ساتھ خط و کتابت کر کے اُن کو منظم کریں اور پھیلنے پھولنے میں مدد دیں۔ اس کام کے متعلق مَیں چند تجاویز آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں:-

اوّل۔ ہندوستان یونین کی تمام احمدیہ جماعتوں کی لسٹیں جمع کریں۔ (جو لسٹیں وہاں موجود نہ ہوں وہ لسٹیں پاکستان کے مرکز سے منگوا لیں)

(۲) پریس کو دوبارہ جاری کرنے کی ... کوشش کریں۔ جب تک قادیان کا پریس واگذار نہیں ہوتا اس وقت تک ضروری اشتہارات لکھ کر دہلی بھجوا دیا کریں اور وہاں سے چھپوا کر دہلی میں منگوا لیا کریں اور پھر ڈاک کے ذریعہ تمام ہندوستانی جماعتوں میں تقسیم کر دیا کریں۔

(۳) چونکہ گذشتہ صدمہ سے بعض جماعتوں میں کمزوری پیدا ہو گئی ہے اس کو دُور کرنے کے لئے مختلف علاقوں میں مبلّغ مقرر کریں تاکہ وہ پھر پھر کے جماعتوں کی دوبارہ تنظیم کریں۔ اس وقت مبلّغ صرف دہلی، بمبئی، حیدرآباد دکن، بہار، اڑیسہ، اور کلکتہ میں ہیں۔ جونہی آپ کام کرنے کے قابل ہو جائیں اور اپنے انتظامات کو مکمل کریں دہلی کے مبلّغ کی طرح باقی مبلّغوں کو بھی براہ راست قادیان کے ماتحت کر دیا جائے گا۔ مگر اب بھی حقیقتاً وہ آپ ہی کے ماتحت ہیں اور آپ کو اُن سے کام لینا چاہیئے۔

(۴) اس وقت قادیان میں قریباً دو درجن دیہاتی مبلّغ ہیں۔ ان لوگوں

کو کوشش کر کے دہلی پہنچایا جائے اور وہاں سے آگے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جہاں احمدیہ جماعتیں قائم ہیں پھیلا دیا جائے۔ یہ لوگ وہاں جاکر نہ صرف موجودہ جماعتوں کی تنظیم کریں بلکہ جماعت کو وسیع کرنے کی کوشش کریں۔ چونکہ آپ لوگ انڈین یونین میں ہیں اور وفادار شہریوں کی حیثیت میں ہیں کوئی وجہ نہیں کہ حکومت آپ میں اور دوسرے کام کرنے والے مسلمانوں میں کوئی فرق کرے۔ ان جانے والوں کے بدلے میں ہندوستان کی جماعتوں میں تحریک کر کے نئے واقفین بلوا کے قادیان میں رکھے جائیں جو قادیان میں آ کر تعلیم حاصل کریں اور پھر بیرونی جماعتوں میں پھیلا دیئے جائیں۔ سر دست اگر جلسہ میں کچھ احمدی باہر سے آ کر شامل ہوئے ہیں تو اُن کے ساتھ پانچ دیہاتی مبلغ بھجوا دیئے جائیں جو مولوی بشیر احمد صاحب دہلوی کی نگرانی میں یو۔پی کے مختلف علاقوں میں کام کریں۔[1] یو۔پی کی جماعتوں میں سے لکھنؤ، شاہجہانپور، اور بریلی، آگرہ کی اچھی جماعتیں تھیں لیکن اب دیر سے ان کا پتہ ہی نہیں لگتا کہ وہ کہاں ہیں۔ اگر یہ لوگ وہاں جا کر کام کریں تو نہ صرف وہ جماعتیں جلد منظم ہو جائیں گی بلکہ نئے سرے سے پھولنے اور پھیلنے لگ جائیں گی۔ ان جانے والے مبلغین کو سمجھا دیا جائے اگر بعض جماعتیں گذشتہ صدمات کی برداشت نہ کر کے بالکل مُردہ ہو چکی ہوں تب بھی گھبرائیں نہیں۔ ایک دو تین جتنے احمدی مل سکیں اُن کو جمع کر کے نئے سرے سے کام شروع کر دیں۔ پھر وہ انشاء اللہ دیکھیں گے کہ ابھی چند دن بھی نہیں گذرے ہوں گے اور پہلے سے بھی زیادہ مضبوط جماعتیں وہاں قائم ہو جائیں گی بلکہ ارد گرد کے علاقوں میں بھی احمدیت پھیلنے لگ جائے گی۔ یہ یاد رہے کہ سب کے سب مبلغوں کو اکٹھا نہ بھجوایا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ ان کے قائم مقاموں کے آنے میں دقت پیدا ہو اور قادیان کی احمدی آبادی کم ہو جائے۔ اس خطرہ کو آپ کبھی نہ بھولیں۔ اور ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھیں۔ ہمیشہ پہلے باہر سے آنے والوں کو اندر لایا کریں اور پھر بعض دوسروں کو باہر جانے کی اجازت دیا کریں سوائے اُن پانچ کے جن کا مَیں نے اُوپر ذکر کیا ہے۔

(۵) چونکہ اب ملک میں ہندی کا زور ہوگا اس لئے آپ لوگ بھی دیوناگری رسم الخط کے سیکھنے کی کوشش کریں اور ہندی زبان میں لٹریچر کی اشاعت کی طرف خاص توجہ دیں

(۶) جب تک باہر سے واقفین کے آنے کی پوری آزادی نہ ہو یہ بھی ہو سکتا ہے

[1] حضور پُرنور کے اس ارشاد کے مطابق دہلی سے آنے والے واقفین کے ساتھ قادیان سے پانچ مبلغین روانہ کر دیئے گئے اور مولوی بشیر احمد صاحب کی نگرانی میں سب سے اوّل یو۔پی کی تنظیم کا کام شروع

کہ کچھ طالب علموں کو مولوی بشیر احمد صاحب اپنے ساتھ رکھ کر دہلی میں پڑھائیں اور کچھ طالب علموں کو ساتھ رکھ کر مولوی محمد سلیم صاحب کلکتہ میں پڑھائیں اور کچھ طالب علموں کو ساتھ رکھ کر مولوی عبدالمالک صاحب حیدر آباد میں پڑھائیں اور پھر ان کو ارد گرد کے علاقوں میں پھیلاتے چلے جائیں لیکن یہ مدّ نظر رکھا جائے کہ ہندوستان کے چندوں سے ہندوستان کا خرچ چل سکے اور قادیان کی آبادی کا خرچ بھی وہیں سے نکل سکے۔

(۷) قادیان میں احمدیوں کے آنے اور قادیان کے احمدیوں کو ہندوستان یونین میں جانے کے متعلق آزادی کرانے کے لئے آپ لوگ باقاعدہ کوشش کریں اور کوشش کرتے چلے جائیں تاکہ قادیان میں پھر زائرین آنے لگ جائیں۔ اور قادیان کی نہر ایک کھڑے پانی کے جوہڑ کی سی شکل اختیار نہ کر لے۔

(۸) آبادی کی زندگی کے لئے عورتوں اور بچوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ آپ لوگ متواتر حکومت کے ساتھ خط و کتابت کریں اور کوشش کریں کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ قادیان کے ساکن ان کے بیوی بچے وہاں حفاظت کے ساتھ رہ سکیں۔

(۹) جونہی قادیان میں کچھ ایسے نوجوان آجائیں جن کا تعلیم پانے کا زمانہ ہو تو فوراً ایک سکول کی بنیاد رکھ دی جائے جس کے متعلق کوشش ہو کہ وہ آہستہ آہستہ بڑھتا چلا جائے۔

(۱۰) ہندوستان یونین کی صدر انجمن احمدیہ نے ایک دن کے لئے بھی ہندوستان نہیں چھوڑا۔ اسی طرح وہاں کی تحریک جدید انجمن بھی رہی ہے۔ یہ انجمنیں قادیان کی جائداد کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔ آپ کو بڑے زور سے اس امر کا مطالبہ کرنا چاہئیے۔ افراد کی جائداد کا بے شک جھگڑا ہو لیکن صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید جو کہ ہندوستان یونین میں موجود ہیں تو کیوں حکومت اُن کے سپرد اُن کی جائداد نہ کرے۔ کالج، سکول، ہسپتال، دینی مدرسہ، زنانہ سکول، دارالانوار کا گیسٹ ہاؤس، خدام الاحمدیہ کے دفاتر، تحریک جدید کی زمینیں، ان کے مالک قادیان میں بیٹھے ہیں۔ آپ لوگ اس کے متعلق دعویٰ کریں اور ان لفظوں میں کریں کہ جبکہ ان جگہوں کے مالک، صدر انجمن احمدیہ، تحریک جدید اور خدام الاحمدیہ قادیان میں موجود ہیں اور جبکہ ان جگہوں سے فائدہ اُٹھانے والے احمدی ہندوستان یونین میں موجود ہیں تو کس قانون کے ماتحت ان

چیزوں پر قبضہ کیا گیا ہے۔ یہ چیزیں ہمارے سپرد ہونی چاہئیں اور ہمیں ان کے استعمال کا موقع دینا چاہیئے۔[1] عقل کے ساتھ اور ادب کے ساتھ اگر اِن مطالبات کو حکّام کے سامنے بار بار رکھا جائے اور ان پر یہ روشن کیا جائے کہ ہندوستان یونین کے احمدی ہندوستان یونین کے وفادار ہیں جس طرح پاکستان کے احمدی پاکستان کے وفادار ہیں پھر ان سے باغیوں کا سا سلوک کیوں کیا جاتا ہے تو یقیناً حکومت ایک دن اپنا رویہ بدلنے پر مجبور ہوگی۔

(۱۱) جب تک پریس نہیں ملتا اس وقت تک جماعتوں کے نام چٹھی لکھ کر ہر پندرھویں روز بھجوانا شروع کریں جس میں جماعتوں کو اُن کے فرض کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اگر عہدہ داران جگہ چھوڑ گئے ہیں تو نئے عہدہ دار مقرر کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اگر عہدہ دار عہدوں پر موجود ہیں لیکن کام نہیں کرتے تو اُن کو کام کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اگر بالکل بیدار نہیں ہوتے تو اُن کو بدلنے کی طرف توجہ دلائی جائے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى۔ اگر آپ پیچھے پڑ جائیں گے تو یقیناً ایمان کی چنگاری پھر سُلگ اُٹھیگی سونے والے پھر بیدار ہو جائیں گے بلکہ مُردے بھی زندہ ہو جائیں گے اور پھر تروتازگی اور نشوونما کے آثار ظاہر ہونے لگ جائیں گے۔ آپ تین سو سے زیادہ آدمی وہاں ہیں۔ اگر ان میں سے سَو آدمی کا خط پڑھے جانے کے قابل ہو اور ہر چٹھی تین تین سو کی تعداد میں باہر بھیجی جائے تو ہر لکھے پڑھے آدمی کو پندرہ دن میں صرف تین چٹھیوں کو نقل کرنا پڑتا ہے اور یہ کوئی بڑا کام نہیں۔ ان چٹھیوں میں ایمان کو اُبھارنے یا زندگی کو قائم رکھنے، ہمّت سے کام لینے اور خدا تعالیٰ کے اُن بے انتہا فضلوں میں حصہ لینے کی دعوت ہو جن کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وعدہ کیا گیا تھا۔ طرح طرح سے اور بار بار جماعتوں کو ہلایا جائے، جگایا جائے اور نہ صرف ہلایا اور جگایا جائے بلکہ تبلیغ کر کے اپنے آپ کو وسیع کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اس وقت مُسلمان بے کسی کی حالت میں پڑا ہے۔ اس وقت وہ سچائی پر غور کرنے کے لئے تیار ہے۔ وہ اُس ہاتھ کے لئے ترس رہا ہے جو اُس کو پکڑ کر نجات کی طرف لے جائے۔ اگر آج آپ لوگ

---

[1] اس حکم کی تعمیل میں ۲۶ر فتح ؍دسمبر کے اجلاس دوم میں جماعت ہائے احمدیہ ہندوستان کی طرف سے اتفاق رائے کے ساتھ ایک ریزولیوشن بھی پاس کیا گیا۔

صحیح طور پر جماعتوں کو بیدار کرنے کی طرف توجہ کریں تو ہندوستان میں احمدیت کے پھیلنے کا بے نظیر موقع ہے۔ سردست مولوی بشیر احمد صاحب یو۔پی کی جماعتوں کو منظم کریں اور یو۔پی کے تمام چندے سوائے تحریک جدید کے چندہ کے جو غیر ممالک کی تبلیغ پر خرچ ہوتا ہے قادیان بھجوائیں آپ لوگ باقاعدہ خط وکتابت کے ذریعہ سے ہمیں بتاتے رہیں کہ فلاں فلاں جماعت منظم ہو گئی ہے اور ان کا چندہ قادیان میں آنے لگ گیا ہے تا ایسا نہ ہو کہ بدعملی کی وجہ سے کوئی جماعت بالکل تباہ ہو جائے۔ جب آپ یو۔پی کی جماعتوں کو منظم کر لیں گے تو ہم دوسرے صوبوں کو باری باری آپ کے سپرد کرتے چلے جائیں گے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اب خاموشی سے جھنڈے کو پکڑ کر کھڑے رہنے کا وقت گذر چکا۔ وہ کام آپ نے شاندار طور پر کیا جس کے لئے دُنیا بھر کے احمدی آپ لوگوں کے ممنون ہیں اور آنے والی نسلیں بھی آپ کی ممنون رہیں گی۔ مگر انسان ایک بڑھنے والی ہستی ہے۔ ہر روز اُس کے حالات متغیر ہوتے ہیں اور ہر روز کے بدلے ہوئے حالات کے مطابق اسے کام کرنا پڑتا ہے کل کی روٹی آج کام نہیں آسکتی اور آج کی روٹی آنے والے کل کام نہیں آسکتی۔ پس وہ عظیم الشان خدمت جس کے کرنے کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق بخشی ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ آپ اب اگلا قدم اُٹھائیں اور قادیان کے خاموش مرکز کو ایک زندہ مرکز میں تبدیل کر دیں۔ ہندوستان یونین کی آبادی ۲۸ - ۲۹ کروڑ کے قریب ہے۔ اس کی اصلاح اور اس کی نجات کوئی معمولی کام نہیں، کسی زمانہ میں ساری دُنیا کی آبادی اتنی ہی تھی۔ پس آج سے سینکڑوں سال پہلے ساری دُنیا کی اصلاح کا کام جتنا اہم تھا اتنا ہی آج ہندوستان کی اصلاح کا کام اہم ہے۔ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے قادیان کی چھوٹی سی بستی کو بڑھا کر ایک سعی وعمل کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بنانے کی توفیق بخشی وہ بھی انسان تھے اور آپ بھی انسان ہیں آپ اپنے آپ کو افراد کی حقیقت میں دیکھنا چھوڑ دیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً (النحل ع۱۶) ابراہیمؑ ایک اُمت تھا۔ جو لوگ خدا تعالیٰ پر نظر رکھتے ہوئے اس کی عائد کردہ ذمہ داریوں کو سمجھتے ہیں وہ اپنے آپ کو فرد سمجھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ ان میں سے ہر شخص اپنے آپ کو اُمت سمجھتا ہے اور اُن میں سے بعض شخص تو اپنے آپ کو دُنیا سمجھتے ہیں۔ آپ لوگ بھی اور وہ

دوسرے دوست بھی جو باہر سے اِس وقت قادیان میں تشریف لا سکے ہوں وہ بھی آج سے اپنا نقطۂ نگاہ بدل دیں۔ آج سے ان میں سے ہر شخص اپنے آپ کو اُمّت سمجھنے لگ جائے۔ وہ یہ سمجھ لے کہ جس طرح آم کی گٹھلی میں سے ایک بڑا درخت پیدا ہو جاتا ہے، جس طرح بڑ کے چھوٹے سے بیج میں سے سینکڑوں آدمیوں کو سایہ دینے والا بڑ پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح وہ اُمّت بن کر رہے گا۔ وہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اپنی نسلیں پھیلا دے گا۔ وہ خاموش قربانی کی جگہ اب اصلاح کے لئے اپنی قربانی کو پیش کرے گا۔ ہندوستان اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کے اندر پھر سے انسانیت کو قائم کیا جائے۔ پھر سے صُلح اور آشتی کو قائم کیا جائے پھر سے خدا تعالےٰ کی محبت اس کے دل میں پیدا کی جائے اور یہ کام سوائے آپ لوگوں کے اَور کوئی نہیں کر سکتا۔ عزم صمیم کے ساتھ اُٹھیں۔ طوفان کا سا جوش لے کر اُٹھیں اور ہندوستان پر چھا جائیں جس کا نتیجہ ضرور یہ نکلے گا کہ وہ لوگ جو آج احمدیت کو بغض اور کینہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ایک دشمن کی حیثیت میں دیکھتے ہیں وہ اور اُن کی نسلیں آپ لوگوں کے ہاتھ چُومیں گی۔ آپ لوگوں کے لئے برکتیں مانگیں گی اور دُعائیں دیں گی کہ آپ لوگ اس بدقسمت ملک کو امن دینے والے اور صلح اور آشتی کی طرف لانے والے ثابت ہوئے۔ احمدیت ایک نُور ہے۔ احمدیت صُلح کا پیغام ہے۔ احمدیت امن کی آواز ہے۔ تم اس نُور سے دُنیا کو منوّر کرو۔ تم اس پیغام کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ تم اس آواز کو دُنیا کے گوشہ گوشہ میں بلند کرو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔

خاکسار مرزا محمود احمد

۲۰ — ۱۲/۴۸ " ۱ ۲

---

۱ "مکتوبات اصحاب احمد علیہ السلام جلد اوّل" مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان (بھارت) صفحہ ۴۷ تا ۵۵ طبع اوّل مطبوعہ اگست ۱۹۵۲ء۔

۲ ۲۶ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کو قصر خلافت کی بالائی منزل میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کا ایک اجلاس منعقد کیا گیا جس میں حضرت مصلح موعود کے اس انقلاب انگیز پیغام کی روشنی میں مناسب تجاویز زیر غور لائی گئیں اور نئے تقاضوں کے مدنظر ضروری مشورے کئے گئے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا پیغام

احباب جلسہ کے نام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے درج ذیل پیغام دیا:-

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہٖ المسیح الموعود

ھوالنـــــــــاصر

اے احبابِ قادیان! خدا آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو بہترین فضلوں کا وارث بنائے۔ آمین ثم آمین۔

مَیں آپ کی خدمت میں جلسہ سالانہ ۱۹۴۸ء کے مبارک اور تاریخی موقعہ پر اپنی طرف سے اور پاکستان کے جملہ احمدیوں کی طرف سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کا تحیہ پیش کرتا ہوں۔

گذشتہ انقلابی فسادات کے بعد قادیان میں جماعتِ احمدیہ کا یہ دوسرا سالانہ جلسہ ہے اور طبعاً اس جلسہ کا خیال جو دراصل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی مقدس یادگار ہے۔ ہمارے دلوں میں کئی قسم کے جذبات پیدا کر رہا ہے۔ مگر ہم خدا کے فضل سے مومن ہیں اور ہر مومن کا یہ کام ہے کہ وہ جذبات کے ہیجان کو غم واندوہ اور مایوسی کے راستہ کی طرف ڈالنے کی بجائے بیش از بیش قوتِ عمل میں منتقل کرنے کی کوشش کرے۔ اور پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خواہ قادیان کی یاد کتنی ہی شدید ہو اور اس کی کشش کیسی ہی زبردست سمجھی جائے، بہرحال جماعت کا سب سے مقدم کام اُس غرض وغایت کو پورا کرنا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور مَیں اس موقعہ پر آپ لوگوں کو یہی پیغام دینا چاہتا ہوں کہ جہاں قادیان سے باہر آئے ہوئے احمدیوں کا یہ کام ہے کہ وہ فریضۂ تبلیغ کے ادا کرنے کے ساتھ ساتھ خدمتِ مرکز کے کام میں بھی کوشاں رہیں وہاں اہلِ قادیان کا یہ فرض ہے کہ وہ قادیان میں بظاہر قاعد بن کر بیٹھے ہوئے بھی اس مجاہدانہ مقصد کی طرف سے غافل نہ ہوں جس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث کئے گئے تھے۔ گویا جماعت کے دونوں حصوں کو دونوں قسم کے فرائض کی طرف بہ یک وقت توجہ رکھنی چاہیئے۔ گو زیادہ اہم مقصد بہرحال زیادہ توجہ کا حقدار ہے۔ آپ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ قادیان میں محصور ہو کر بیٹھے ہوئے آپ

فریضۂ تبلیغ کس طرح ادا کر سکتے ہیں کیونکہ خدا نے مومن کے لئے ہر حال میں کسی نہ کسی جہت سے ہر عملِ صالح کا رستہ کھول رکھا ہے اور یقیناً اگر آپ چاہیں اور مَیں جانتا ہوں کہ آپ ضرور چاہتے ہیں، موجودہ وقت میں بھی ذیل کے تین طریق پر اپنے فریضے سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں:۔

(اوّل) اُن شریف مزاج اور سنجیدہ غیر مسلموں کو تبلیغ کر کے جو آپ کے ارد گرد رہتے ہیں یا آپ سے ملنے کے لئے آتے رہتے ہیں۔ اور آپ یقین رکھیں کہ مظلوم اور بے بس انسان کی تبلیغ میں ہمیشہ زیادہ اثر ہوا کرتا ہے۔

(دوم) دینی اور اخلاقی لحاظ سے اعلیٰ نمونہ قائم کر کے، کیونکہ اچھا نمونہ ایسی چیز ہے جو دشمنوں تک کا دل موہ لیتا ہے اور بسا اوقات سیاسی لحاظ سے غالب انسان اخلاقی اور دینی لحاظ سے مغلوب ہو جایا کرتا ہے۔

(سوم) جماعت کی ترقی اور اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے خدا کے حضور دعائیں کر کے، کیونکہ جب مومن ظاہری اسباب کے لحاظ سے بے دست و پا ہو جاتا ہے تو خدا کا یہ ازلی قانون ہے کہ ایسے حالات میں اس کی دُعا کی تاثیر ہمیشہ بڑھ جایا کرتی ہے۔

پس یہ تین ایسے آسان اور مؤثر طریق ہیں جنہیں اختیار کر کے آپ قادیان کی موجودہ محصوریت کی زندگی میں بھی فریضۂ تبلیغ ادا کر سکتے ہیں اور اپنی اہم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔

آپ کو یہ نکتہ کبھی نہیں بھولنا چاہئیے کہ جہاں ایک حد تک جسم اور رُوح ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ایک کی طاقت دوسرے کی طاقت کا ذریعہ بنتی ہے وہاں یہ بھی خدا کا اٹل قانون ہے کہ ایک خاص حد کے بعد ان دونوں کے رستے جُدا جُدا ہو جاتے ہیں یعنی اُس خاص حد کے بعد جسم کی طاقت رُوح کی کمزوری اور جسم کی کمزوری رُوح کی طاقت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اسی لئے باوجود اس کے کہ اسلام نے رہبانیت یعنی تارک الدنیا ہونے کو ناجائز قرار دیا ہے وہاں اس نے بعض موقعوں پر ایک جزوی قسم کی رہبانیت کی اجازت بھی دی ہے بلکہ صرف اجازت ہی نہیں دی بلکہ اسے پسند کیا اور اس کی تحریک فرمائی ہے۔ چنانچہ رمضان کے مہینے میں اعتکاف کا عشرہ اسی قسم کی جزوی رہبانیت کا نظارہ پیش کرتا ہے کہ جب انسان گویا دُنیا کے تمام تعلّقات سے کٹ کر خالصتہً رُوحانی فضاء میں اپنا وقت گذارتا ہے اور ان ایام میں اس بات کے سوا اُس کا کوئی مقصد نہیں ہوتا کہ اپنے جسم کو بھُول

کر رُوح کو روشن کرتے ہیں منہمک رہے۔ اور ایک طرح سے اس قسم کی کیفیت حج میں بھی پائی جاتی ہے جس میں انسان گویا اپنے مادی تعلقات کو کاٹ کر صرف خدا کے لئے یہ ایام گذارتا ہے اور اس قسم کا ماحول یقیناً رُوح کی ترقی اور اُس کی بلندی اور اس کے جلا کا موجب ہوتا ہے۔ یہی کیفیت آپ کے لئے قادیان کی موجودہ زندگی نے پیدا کر دی ہے کیونکہ آجکل وہاں آپ اپنے بیوی بچوں سے جُدا، اپنے کاروبار سے کٹے ہوئے، اپنے ہر قسم کے دُنیوی تعلقات سے دُور پھینکے ہوئے زندگی کے دن گذار رہے ہیں۔ یہ زندگی یقیناً اپنے بعض پہلوؤں کے لحاظ سے جسم کے لئے تکلیف دہ ہوگی۔ مگر آپ کو مبارک ہو کہ یہی زندگی آپ کی رُوحوں کے لئے ایک ایسے خوشگوار مرغزار کا حکم رکھتی ہے جہاں مومن کی رُوح گویا خوشی کے ساتھ کلیلیں بھرتی ہوئی فرشتوں کی رفاقت اور خدا کے سایہ میں اپنا وقت گذارتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا میں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہوشیارپور کے ایک دُور اُفتادہ کھنڈر مکان میں خود موقعہ تلاش کر کے خلوت کی جگہ ڈھونڈی اور آپ جانتے ہیں کہ یہ دونوں خلوتیں دُنیا میں کس عظیم الشان رُوحانی انتشار کا موجب بن گئیں۔ پس میرے دوستو! آپ کے لئے جو موقعہ خود خدا نے ایک قسم کی وقتی اور جُزوی رہبانیت کا پیدا کر دیا ہے اسے غنیمت سمجھو اور اپنی دُعاؤں اور نوافل اور جہادِ نفس اور پاک نمونہ سے اُن بھاری تغیرات کو قریب تر لے آؤ جو آسمان پر تو مقدر ہیں مگر ابھی تک زمین پر ظاہر نہیں ہوئے۔

گذشتہ سال کے غیر معمولی حادثات۔ اور قیامت خیز انقلابات میں بھی ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا یہ ممتاز پہلو موجود ہے کہ باوجود اس کے کہ جماعت کے بیشتر حصہ کو قادیان سے نکلنا پڑا قادیان کے وہ خاص مقدس مقامات جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے براہ راست برکت حاصل کی یعنی مسجد مبارک، مسجد اقصیٰ، مینارۃ المسیح، بیت الدعاء، دار المسیح، مقبرہ بہشتی وغیرہ وہ سب ابھی تک خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ کے قبضہ میں ہیں اور آپ لوگوں کو ان کی خدمت کا شرف حاصل ہوا ہے اور اس طرح جماعت کو یہ موقعہ میسر آگیا ہے کہ اس کا ایک حصہ باہر آکر تبلیغ کی جدوجہد میں مصروف ہے اور دوسرا حصہ مرکز میں بیٹھ کر مقدس مقامات کی خدمت بجا لا رہا ہے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو مشرقی

پنجاب کے کسی اور مقام کو حاصل نہیں ہوئی۔ مگر اس خصوصیت کی قدر کو دوبالا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر حصّہ اپنی خدمت کے مخصوص پہلو کے ساتھ ساتھ جہانتک اس کے لئے ممکن ہو دوسرے پہلو کو بھی مدنظر رکھے۔ یہ مت خیال کرو کہ ان فرائض کی ادائیگی میں حکومت کی طرف سے کوئی روک ہو سکتی ہے۔ دُنیا کی کوئی متمدّن حکومت فریضۂ تبلیغ کی پُرامن ادائیگی اور مقدس مقامات کی خدمت میں روک نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ بنیادی حقوق انسانی ہیں جسے حکومتِ ہند نے بھی اپنے بار بار کے اعلانوں میں صراحت کے ساتھ تسلیم کیا ہے۔ لیکن بہرحال قرآن شریف کے اس سنہری اصول کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ یعنی اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ اندازِ نصیحت کے طریق پر دعوت دو اور بحث اور مجادلہ کی صورت میں کبھی پسندیدہ اسلوب کو نہ چھوڑو کیونکہ اس طرح تم فریق ثانی کے دل کی کھڑکیوں کو زیادہ آسانی کے ساتھ کھول سکو گے۔ خدا کے فضل سے اب آہستہ آہستہ نارمل حالات پیدا ہو رہے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ حالات کے اس تغیر سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُن ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دیں جو خدا نے ہم پر عائد کی ہیں۔ باقی اگر کوئی فرد اب بھی آپ لوگوں کے ساتھ جاہلانہ انداز میں پیش آتا ہے تو اس کے لئے اسلام کی صاف صاف تعلیم موجود ہے کہ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا۔

احمدیت کی تحریک خدا کے فضل سے ایک عالمگیر تحریک ہے جو اپنے منبع و ماٰخذ کی طرح تمام قیود زمانی و مکانی سے آزاد ہے کیونکہ احمدیت کی غرض و غایت اسلام کی تجدید اور دلائل و براہین کی مدد سے اسلام کی اشاعت ہے اور اسلام وہ مذہب ہے جو قیامت تک کے لئے اسود و احمر کی ہدایت کے واسطے قائم کیا گیا ہے۔ پس اسلام کی طرح احمدیت کے لئے صرف پاکستان اور ہندوستان کا سوال نہیں ہے بلکہ ہر مُلک اس کا گھر اور ہر خطّۂ ارض اس کا آشیانہ ہے اور یقیناً جماعت احمدیہ کے افراد جہاں بھی ہوں گے اپنے مُلکی قانون کے پابند اور پُرامن شہری بن کر رہیں گے۔ مگر ذمہ داریاں ہمیشہ دوہری ہوا کرتی ہیں یعنی جہاں مُلک اپنے شہریوں پر کچھ پابندیاں لگاتا ہے وہاں وہ لازماً اپنے اُوپر بھی اُن کے بعض حقوق تسلیم کرتا ہے۔ پس

اپنی حکومت کے حقوق اسے دو اور ضرور دو۔ مگر دوسری طرف اپنے حقوق بھی اس سے لو اور ضرور لو۔ اور چونکہ ہمارے حقوق در اصل سب خدا کے حقوق ہیں اس لئے ہم مسیح ناصریؑ کے مشہور الفاظ میں کہہ سکتے ہیں "جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو" کہ یہی دین و دُنیا میں حقیقی امن کا راستہ ہے۔

مَیں اس موقعہ پر اس بات کے اظہار سے بھی رُک نہیں سکتا کہ قریباً آٹھ نو ماہ سے جہاں تک قادیان کا تعلق ہے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان ہر قسم کے کانوائے کا سلسلہ رُکا ہوا ہے اس لئے قادیان کی موجودہ آبادی کا وہ حصہ جو در اصل پاکستان کا شہری ہے یعنی وہ اپنے مقدس مرکز کی زیارت اور اپنے مقدس مقامات کی خدمت کے لئے قادیان گیا اور پھر حالات کی مجبوری کی وجہ سے ابھی تک واپس نہیں آسکا، وہ خدمتِ مرکز کی رُوحانی خوشی کے ساتھ ساتھ طبعاً بعض جسمانی تکالیف اور پریشانیوں کا بھی شکار ہو رہا ہے۔ ہم حکومت کے متعلقہ حکام کے ذریعہ اس بات کی مسلسل کوشش کر رہے ہیں کہ ایسے دوستوں کو واپس آنے کا موقعہ مِل جائے اور ان کی جگہ وہ دوست قادیان چلے جائیں جو قادیان کے باشندے ہیں اور اپنے مرکز میں واپس جا کر خدمتِ دین کا موقعہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ انتہائی کوشش کے باوجود ابھی تک اس معاملہ میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ اس بات کے تو کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان دوستوں اور ان کے عزیزوں کے ساتھ ہمیں دلی ہمدردی ہے مگر مَیں یہ بات تو ضرور کہوں گا کہ جب تک ہمیں اس معاملہ میں کامیابی نہیں ہوتی ایسے دوست قادیان کے قیام کو ایک نعمت خیال کرتے ہوئے اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں۔ انہیں وہ موقعہ حاصل ہے جو احمدیت کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہنے والا ہے اور انشاء اللہ ان کی آئندہ نسلیں اُن کی اِس وقت کی خدمت کا قیامت تک فخر کے ساتھ ذکر کیا کریں گی اور بہرحال یہ ایک عارضی جُدائی ہے۔ وَجَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ، اور پھر مومن کی رُوح تو جسم کی جُدائی میں بھی قُرب کا لُطف حاصل کر لیا کرتی ہے۔ یہ الفاظ مَیں نے صرف احتیاط کے طریق پر ہر رنگ کی طبیعت کو مدّنظر رکھ کر لکھے ہیں ورنہ حق یہ ہے کہ قادیان کے دوستوں کی طرف سے جس قسم کی للّہیّت اور فدائیت اور رضاء و محبّت اور صبر و سکون کے خطوط مجھے ہر روز

پہنچتے رہتے ہیں وہ میرے لئے باعث خوشی ہی نہیں بلکہ حقیقتاً باعثِ فخر ہیں۔

بھائیو! آپ میں سے بعض میرے عزیز ہیں بعض دوست ہیں اور بعض بزرگ بھی ہیں۔ ہاں وہی بزرگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتدائی زمانہ میں حضور کی صحبت سے فیض پایا اور پھر اب تک اسی مئے عشق سے بیش از بیش سرشار چلے آتے ہیں۔ خدا آپ کی صحتوں اور عمروں میں برکت عطا کرے اور جس طرح اس نے آپ کی رُوحوں کو بلند کیا ہے اسی طرح وہ آپ کی زندگیوں کو بھی لمبا فرمائے تا کہ یہ ظاہر کے ٹوٹے ہوئے پیوند پھر اس دُنیا میں مل جائیں جس طرح کہ وہ عالم ارواح میں اب بھی ملے ہوئے ہیں۔ مگر غیب کا علم صرف خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہی اس بات کو جانتا ہے کہ اس دُنیا میں کس کی ملاقات مقدّر ہے اور کس کی نہیں۔ پس اے ہمارے قادیان کے بھائیو! مَیں اور ہمارے پاکستانی بھائی آپ سب کو خدا کے سپرد کرتے ہیں وہی خدا جس کی رحمت اور شفقت کے پروں کے نیچے ہم سب کا مشترک بسیرا ہے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

والسلام

خاکسار مرزا بشیر احمد آف قادیان

حال رتن باغ لاہور

۲۰ ر دسمبر ۱۹۴۸ء[ا]

حضرت اُمّ المومنینؓ کا پیغام

حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا نے اس موقعہ پر حسب ذیل پیغام بھجوایا:۔

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

مجھے آپ کی طرف سے درخواست پہنچی ہے کہ مَیں قادیان کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر آپ کو کوئی پیغام بھیجوں۔ سو میرا پیغام یہی ہے کہ مَیں آپ سب کو اپنی دُعاؤں میں یاد رکھتی ہوں اور یقین رکھتی ہوں کہ آپ بھی مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہوں گے کہ ایک دوسرے

[ا] "مکتوبات اصحاب احمد علیہ السلام جلد اوّل" مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان (بھارت) بار اوّل مطبوعہ اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۸۳ تا ۸۸۔

کے متعلق مومنوں کا سب سے مقدم فرض مقرر کیا گیا ہے۔ آپ لوگ بہت خوش قسمت ہیں کہ گذشتہ فسادات اور غیر معمولی حالات کے باوجود آپ کو خدا تعالیٰ نے قادیان میں ٹھہرنے اور وہاں کے مقدّس مقامات کو آباد رکھنے اور خدمت بجا لانے کی توفیق دے رکھی ہے۔ میں یقین رکھتی ہوں کہ آپ لوگوں کی یہ خدمت خدا کے حضور مقبول ہوگی اور احمدیت کی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے خاص یادگار رہے گی۔

مَیں سنہ ۱۸۸۴ء میں بیاہی جا کر قادیان میں آئی اور پھر خدا کی مشیّت کے ماتحت مجھے سنہ ۱۹۴۷ء میں قادیان سے باہر آنا پڑا۔ اب میری عمر اسّی سال سے اُوپر ہے اور مَیں نہیں کہہ سکتی کہ خدائی تقدیر میں آئندہ کیا مقدر ہے۔ مگر بہر حال مَیں اپنے خدا کی ہر تقدیر پر راضی ہوں اور یقین رکھتی ہوں کہ خواہ درمیانی امتحان کوئی صورت اختیار کرے قادیان انشاء اللہ جماعت کو ضرور واپس ملے گا مگر خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو موجودہ امتحان کو صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ برداشت کر کے اعلیٰ نمونہ قائم کریں گے۔

چند دن سے قادیان مجھے خاص طور پر زیادہ یاد آ رہا ہے۔ شاید اس میں جلسہ سالانہ کی آمد آمد کی یاد کا پرتو ہو یا آپ لوگوں کی اس دلی خواہش کا مخفی اثر ہو کہ مَیں آپ کے لئے اس موقعہ پر کوئی پیغام لکھ کر بھجواؤں۔

میری سب سے بڑی تمنّا یہی ہے کہ جماعت ایمان اور اخلاص اور قربانی اور عملِ صالح میں ترقی کرے اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی خواہش اور دُعا کے مطابق میری جسمانی اور رُوحانی اَولاد کا بھی اِس ترقی میں وافر حصّہ ہو۔

آپ لوگ اس وقت ایسے ماحول میں زندگی گذار رہے ہیں جو خالصتاً رُوحانی ماحول کا رنگ رکھتا ہے۔ آپ کو یہ ایّام خصوصیّت کے ساتھ دُعاؤں اور نوافل میں گذارنے چاہئیں اور عملِ صالح اور باہم اُخُوّت و اتّحاد اور سلسلہ کے لئے قربانی کا وہ نمونہ قائم کرنا چاہئے جو صحابہؓ کی یاد کو زندہ کرنے والا ہو۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ آمین!

(دستخط) اُمِّ محمود

رتن باغ لاہور۔ ۱۸ دسمبر سنہ ۱۹۴۸ء"[1]

---

[1] رسالہ "درویشان قادیان" شائع کردہ بزم درویشان قادیان دسمبر سنہ ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۷ و بقیہ بر صفحہ ۱۰۔

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا پُرسوز اور دردانگیز کلام

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود، حضرت امّ المومنین اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے ایمان پرور پیغامات کے علاوہ اس جلسہ میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی ایک پُرسوز اور تڑپا دینے والی نظم بھی (جو خاص اس تقریب کے لئے درویشانِ قادیان کو مخاطب کرکے کہی گئی تھی) پڑھی گئی جس کو سُنتے ہی آنسوؤں کی گویا جھڑیاں لگ گئیں۔ ہر آنکھ اشکبار ہوگئی اور ہر دل درد اور رقت سے بھر گیا۔ یہانتک کہ غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ نظم یہ تھی:۔

خوشا نصیب!! کہ تم قادیاں میں رہتے ہو
دیارِ مہدیٔ آخر زماں میں رہتے ہو

قدم مسیح کے جس کو بنا چکے ہیں "حرم"
تم اُس زمینِ کرامت نشاں میں رہتے ہو

خدا نے بخشی ہے "الدّار" کی نگہبانی
اُسی کے حفظ اُسی کی اماں میں رہتے ہو!

فرشتے ناز کریں جس کی پاسبانی پہ
ہم اس سے دور ہیں تم اس مکاں میں رہتے ہو

فضا ہے جس کی معطّر نفوسِ عیسیٰ سے
اُسی مقامِ فلک آستاں میں رہتے ہو

نہ کیوں دلوں کو سکون و سرور ہو حاصل
کہ قُربِ خطۂ رشکِ جناں میں رہتے ہو

تمہیں سلام و دعا ہے نصیب صبح و مسا
جوارِ مرقدِ شاہِ زماں میں رہتے ہو

شبیں جہاں کی "شب قدر" اور دن عیدیں
جو ہم سے چھوٹ گیا اُس جہاں میں رہتے ہو

کچھ ایسے گل ہیں جو پژمردہ ہیں جُدا ہو کر
انہیں بھی یاد رکھو گلستاں میں رہتے ہو
تمہارے دم سے ہمارے گھروں کی آبادی
تمہاری قید پہ صدقے ہزار آزادی
"بُلبُل ہوں صحنِ باغ سے دُور اور شکستہ پَر
پروانہ ہوں چراغ سے دُور اور شکستہ پَر" [1]

مقررین جلسہ اس بابرکت جلسہ پر مندرجہ ذیل عنوانات پر تقریریں ہوئیں:۔
خصوصیات اسلام (مولوی محمد حفیظ صاحب فاضل)، تاریخ قادیان (مضمون مولوی برکات احمد صاحب جو میر رفیع احمد صاحب نے پڑھا)، احمدیت (حضرت حکیم خلیل احمد صاحب امیر جماعت مونگھیر) اسلام کا اقتصادی نظام (شیخ عبدالحمید صاحب عاجز) حکومت و رعایا کے باہمی تعلقات (مولوی عبدالقادر صاحب) حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیاں (مولوی شریف احمد صاحب امینی) موعود اقوام عالم (مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ (مولوی بشیر احمد صاحب مبلغ دہلی) قومی اتحاد (حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق غیر مسلموں کی آراء (مولوی شریف احمد صاحب امینی) ذکر حبیب (حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی)، ہستی باری تعالےٰ (خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب) مسئلہ جہاد (مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی) بانی سلسلہ احمدیہ اور جماعت احمدیہ کا غیر مسلموں سے سلوک (ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے)

ان تقاریر کے علاوہ امیر مقامی حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ، حکیم فضل الرحمٰن صاحب مجاہد افریقہ اور صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی مجاہد امریکہ [2] نے بھی حاضرین سے مختصر خطاب فرمایا

---

[1] الفضل ۵ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳۔

[2] ۲۷ دسمبر کو پاکستان سے دو موٹر کاروں پر مشتمل ایک مختصر قافلہ قادیان پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا جو جلسہ میں شرکت درویشوں سے مصافحہ اور بہشتی مقبرہ میں لمبی دُعا کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اسی روز واپس چلا آیا۔ اس قافلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب، میاں مسعود احمد صاحب اور نذیر احمد صاحب ڈرائیور حضرت مصلح موعود کے علاوہ حکیم فضل الرحمٰن صاحب اور صوفی مطیع الرحمٰن صاحب

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لوائے احمدیت کا لہرایا جانا

آخری دن یعنی ۲۸ فتح/دسمبر کے پہلے اجلاس میں حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ امیر مقامی نے لوائے احمدیت لہرایا۔ اس دوران میں احباب جماعت رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ کی ابراہیمی دعا پڑھ رہے تھے کہ ایک درویش نے تین بار نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فضا اللہ اکبر کی پُرشوکت آوازوں سے گونج اٹھی۔ جھنڈا لہرانے کے بعد حضرت امیر مقامی نے تجدید عہد کے لئے حاضرین سے وہ الفاظ دُہرائے جو حضرت مصلح موعود نے جلسہ جوبلی ۱۹۳۹ء کے موقعہ پر لوائے احمدیت لہراتے وقت کہلوائے تھے۔

جلسہ میں لاؤڈ سپیکر کا عمدہ انتظام اور خوشکن حاضری

جلسہ میں لاؤڈ سپیکر کا عمدہ انتظام تھا۔ مقامی مجسٹریٹ (سردار امولک سنگھ صاحب)، ڈی ایس پی صاحب، انسپکٹر پولیس صاحب اور متعدد سب انسپکٹر شریک جلسہ رہے اور جملہ تقاریر نہایت توجہ اور دلجمعی اور دلچسپی سے سنیں۔ ۲۷ فتح/دسمبر کے پہلے وقت کی کارروائی میں حاضری ساڑھے آٹھ سو کے قریب تھی جو دوسرے وقت میں چودہ سو تک پہنچ گئی جس میں ساڑھے تین سو تو احمدی تھے اور باقی سب غیر مسلم تھے جن کی تعداد ان جلسوں کی عام حاضری سے بھی بہت زیادہ تھی جو خود ہندوؤں اور سکھوں کے جلسوں میں شرکت کرتی رہی۔ اس طرح خدا کے فضل و کرم سے اسلام و احمدیت کی تبلیغ کا ایک ایسا نادر موقعہ میسر آیا جو اُن دنوں مشرقی پنجاب بلکہ پورے ہندوستان میں بھی کسی دوسری مُسلم جماعت کو حاصل نہیں ہو سکا تھا۔ اور جو درویشوں کے خلاف شروع سال کی تحریک مقاطعہ کا خدا تعالیٰ کی طرف سے شاندار عملی جواب اور آسمانی نصرتوں کا چمکتا ہوا نشان تھا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بنگالی مبلغ امریکہ بھی تھے۔ واپسی پر یہ قافلہ مسجد اقصیٰ اور دارالمسیح کے کنوئیں کا پانی اور لنگر خانہ مسیح موعود کی بچی کھچی روٹیاں بطور تبرک ساتھ لے گیا۔ جس کی تقسیم کا ذکر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنے ایک خط میں بایں الفاظ فرمایا:-

"جو پانی اور نان وہ قادیان سے لائے تھے وہ سب عزیزوں اور دوستوں میں تقسیم کر دیئے گئے اور بہت سے لوگوں نے اس تبرک سے حصہ پایا۔ میں نے دیکھا کہ جب مولوی فضل دین صاحب وکیل ناقل، لنگر خانہ کے نان کا ٹکڑا مُنہ میں ڈال رہے تھے تو ان پر اس شدت کے ساتھ رقت طاری ہوئی کہ انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا"

دوسرا باب

جلسہ سالانہ لاہور ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء

— سے لے کر —

جرمنی اور مسقط مشن کے قیام تک

فصلِ اوّل

جلسہ سالانہ لاہور ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء میں

حضرت مصلح موعود کی ایمان افروز تقریریں

اور

جلسہ ربوہ کے متعلق اطلاعِ عام

سالِ گذشتہ کی روایات کے عین مطابق ۲۵-۲۶ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو بھی جماعت احمدیہ لاہور کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا جس سے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے دو بار خطاب فرمایا۔

افتتاحی تقریر

حضور نے اپنی افتتاحی تقریر میں اس بنیادی نکتہ کی طرف توجہ دلائی کہ ہمارا مقصد غلبۂ اسلام کی علامات تک پہنچنا ہے۔ یہ مقصد عملی نمونہ کے دروازہ سے گذر کر ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

"دنیا میں جتنے کام ہوتے ہیں ان کے کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ ہوتا ہے اور جتنے کام کرنے والے ہوتے ہیں ان کے سامنے بھی کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ نہ ہی صحیح راستہ پر چلے بغیر کوئی قوم منزل پر پہنچ سکتی ہے اور نہ مقصد کے بغیر کوئی قوم یک جہتی سے کام کرسکتی ہے۔

اس امر کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یُوں بیان فرمایا ہے۔ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَاؐ۔ ہر گھر جس میں تم داخل ہونا چاہتے ہو اس کے دروازے میں داخل ہو کر جاؤ یعنی ہر وہ کام جسے تم اختیار کرنا چاہتے ہو اس کے حصول کا جو طریق ہے وہ اختیار کرو۔

صحیح طریق اختیار کرنے کے بعد قوم کے پیش نظر کسی مقصد کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی قوم کا کوئی مقصد نہ ہو تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جس طرح دروازے میں داخل ہوئے بغیر گھر میں داخل ہونا مشکل ہے اسی طرح اپنے مقصد کے مقرر کئے بغیر کامیابی محال ہے۔ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا؎ کہ ہر ذی عقل شخص کا کوئی مقصد ہوتا ہے جسے سامنے رکھ کر وہ چلتا ہے۔ اسی طرح ہر قوم کا جو کسی قانون یا تنظیم کے تحت اپنے آپ کو چلاتی ہے، کوئی مقصد ہونا چاہیئے۔ اگر بغیر مقصد کے کچھ لوگ کسی جگہ اکٹھے ہو جائیں تو ان میں قربانی کی رُوح پیدا ہوتی ہے نہ ہی ہمت اور جوش پیدا ہو سکتا ہے نہ وہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی ایسا اعلیٰ پروگرام جس پر عمل کر کے دُنیا میں ممتاز جگہ حاصل کر سکیں پیش کر سکتے ہیں۔

پس ہماری جماعت کو یہ دونوں زریں اصول کبھی نہیں بھولنے چاہئیں۔ ہمارا مقصد تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرما دیا ہے کہ اسلام کو دُنیا میں غالب کرنا۔ پس ہمارا مقصد ہمارے سامنے ہے۔ اسے حاصل کرنا ہمارا کام ہے۔ ایسا غلبہ جو دلائل اور تعلیم کے لحاظ سے ہم دُنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں وہ تو قرآن کریم میں موجود ہے اور اعلیٰ تعلیم جس کی وجہ سے تمام مذہبی کتب سے فضیلت اس میں موجود ہے۔ اور ہر شخص جو غور کرے اس کو دیکھ سکتا ہے لیکن جب تک ان دلائل کو عملی طور پر پیش نہ کیا جائے محض دلائل سے کوئی شخص قائل نہیں ہو سکتا۔ لوگوں کا عام طریق ہوتا ہے کہ جب وہ دلائل سے عاجز آ جاتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ بتاؤ تم نے اس تعلیم پر عمل کر کے کونسا تغیر اپنے اندر پیدا کر لیا ہے۔ کونسا اعلیٰ مقام حاصل کر لیا ہے۔ کونسی فضیلت حاصل کر لی ہے۔ چنانچہ آج دشمن اسی طریق سے اسلام پر طعنہ زن ہو رہا ہے۔ جب ہم اس کے سامنے اسلام کی تعلیم پیش کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے بتاؤ اسلامی ممالک نے کونسی رواداری کی مثال پیش کی ہے اور

؎ البقرۃ رکوع ۲۴ آیت ۱۹۰۔ ؎ البقرۃ رکوع ۱۸ آیت ۱۴۹۔

کونسے فتنے فساد انہوں نے رفع کئے ہیں۔ کونسا تغیر انہوں نے پیدا کیا ہے اور اگر انہوں نے اسلامی تعلیم پر عمل کر کے کچھ نہیں کیا تو اس تعلیم کو تم ہمارے سامنے کیوں پیش کرتے ہو۔ جب اس کے ماننے والے اُسے رد کر چکے ہیں تو نہ ماننے والے کیونکر قبول کریں۔ یہ ایسا زبردست اعتراض ہے کہ اس کے سامنے ہمارے لئے بولنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

پس ضرورت ہے کہ ہم اپنے اندر تغیر پیدا کریں اور اسلام کی تعلیم کے ساتھ عمل کا ایسا اعلیٰ نمونہ پیش کریں کہ دشمن بھی اسلام کی علمی و عملی برتری کا اقرار کرنے لگے جب تک ہم عملی نمونہ پیش نہ کریں ہم غلبہ نہیں پا سکتے۔

پس یہ وہ دروازہ ہے جس سے گذر کر ہم اپنے مقصد کو پا لیتے ہیں اور اسلام کے غلبہ کی عمارت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ جہانتک ہمارے مقصد کا تعلق ہے وہ واضح ہے کہ قرآن کریم میں ہمارا فریضہ اسلام کو دوسرے ادیان پر غالب کرنے میں کوشاں رہنا بیان فرمایا ہے لیکن جہانتک عمل کا سوال ہے اس میں ہم تہی دست ہیں۔"

فرمایا :-

باتیں سُننا بھی ضروری ہے اور اچھی باتیں سُننی چاہئیں لیکن اب عمل کا زمانہ ہے۔ باتیں کم سُنو اور عمل زیادہ کرو . . . . ." [1]

اختتامی خطاب

حضرت امیرالمؤمنین نے اپنے اختتامی خطاب میں مرکز ربوہ کے پہلے جلسہ میں بکثرت آنے کی تحریک کرنے اور مرکزی چندوں اور جانی قربانیوں کی اہمیت پر روشنی ڈالنے کے علاوہ پُوری قوت اور شوکت کے ساتھ خوشخبری سُنائی کہ یہ قطعی اور یقینی بات ہے کہ اسلام اب آگے ہی کی طرف قدم بڑھائے گا۔ اب اسلام ہی کے غالب ہونے کی باری ہے اور کفر کے غالب ہونے کی باری ختم ہو چکی ہے۔ حضور کی اس تقریر کا ملخص درج ذیل کیا جاتا ہے :-

جیسا کہ احباب کو معلوم ہے یہ ہماری لاہور کی جماعت کا جلسہ ہے۔ یہ ہمارا مرکزی سالانہ جلسہ نہیں ہے۔ مرکزی سالانہ جلسہ ہم نے اس سال اپنے نئے مرکز ربوہ میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن چونکہ نئے مرکز میں جلسہ کرنے کی راہ میں ابھی بہت سی مشکلات حائل

---

[1] الفضل ۲۶ر فتح /دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۱-۲-۹

ہیں۔ اس لئے ہم نے غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس دفعہ بجائے کرسمس کے ایسٹر (اپریل ۱۹۴۹ء) کی تعطیلات میں جلسہ منعقد کریں۔ اگر اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے عمارتوں کی کوئی صورت پیدا کر دی تو انشاء اللہ بہتر انتظامات ہو جائیں گے۔ ورنہ موسم اس وقت تک اس حد تک بدل چکا ہوگا کہ اگر رہائش کے لئے مکان میسّر نہ بھی ہوں تو کھلے میدان میں سویا جا سکے گا اور دن کو شامیانوں کے نیچے تقریریں ہو سکیں گی۔ پس چونکہ ہمیں ایسٹر کی تعطیلات میں جلسہ کرنا آسان نظر آیا اس لئے ہم نے اس دفعہ دسمبر میں اپنا مرکزی جلسہ ملتوی کر دیا ہے۔

لاہور کی جماعت نے اس التواء سے فائدہ اُٹھا کر اپنا جلسہ کر لیا ہے۔ اس سے لاہور کی جماعت نے بھی ثواب حاصل کر لیا ہے اور بیرونی جماعتوں کو بھی کسی حد تک جمع ہو کر جماعتی مشکلات کو سمجھنے اور میرے خیالات سُننے کا موقع مل گیا ہے۔

ہمارا آئندہ جلسہ سالانہ انشاء اللہ نئے مرکز میں ہوگا اور وہ اس جگہ کا پہلا جلسہ ہوگا۔ بیرونجات سے آئے ہوئے دوستوں کے ذریعہ سے اور اس لحاظ سے بھی کہ میری آواز اخبار کے ذریعہ سے باہر پہنچ جائے گی، مَیں ساری جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس جلسہ میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں آنے کی کوشش کرے۔ وہ جلسہ چونکہ نئے مرکز میں پہلا جلسہ ہوگا اس لئے خاص طور پر وہ دعاؤں کا جلسہ ہوگا تا کہ اللہ تعالےٰ ہمارے نئے مرکز کو ہمارے لئے اور اسلام کی عظمت اور بڑائی کو ظاہر کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ بابرکت کرے۔ پس ابھی سے تمام دوستوں کو تیاری شروع کر دینی چاہیئے۔

لیکن غلّہ سے متعلق حکومت کی طرف سے عائد شدہ پابندیوں اور غیر معمولی گرانی کی وجہ سے ہمارے لئے ربوہ میں وسیع پیمانے پر مہمان نوازی کرنا مشکل ہوگا۔ اس لئے مَیں زمیندار دوستوں سے درخواست کرتا ہوں کہ جب وہ جلسے پر آئیں تو اُن میں سے ہر فرد اپنے ساتھ کم از کم تین سیر گندم یا آٹا ضرور لیتا آئے۔ اس تین سیر میں سے ڈیڑھ دو سیر تو خود اس کی اپنی خوراک کے لئے ہوگا اور باقی ڈیڑھ سیر اس کے دیگر غریب دوستوں یا اس کے اُن شہری بھائیوں کے لئے ہوگا جو راشن وغیرہ کی پابندی کی وجہ سے غلّہ نہیں لا سکیں گے اگر اس طریق پر عمل کیا گیا تو امید ہے کہ اتنی گندم مہیا ہو جائے گی جو تمام مہمانوں کے

لئے کافی ہو۔

گذشتہ دو سال سے عورتیں جلسہ میں شامل نہیں ہوسکیں حالانکہ قادیان میں جلسے کے موقع پر اگر مرد تیس ہزار ہوتے تھے تو عورتیں بھی پندرہ ہزار کے قریب ضرور ہوتی تھیں۔ ربوہ کے اس پہلے جلسے میں عورتوں اور بچوں کو بھی شامل ہونے کی اجازت ہوگی۔اگر تعمیر کا سلسلہ نہ بھی شروع ہوا تو عورتوں کے لئے قناتوں کا انتظام کر دیا جائے گا اور مرد کھُلے میدان میں رہ سکیں گے۔ یہ ایک نہایت ہی خوشکن نظارہ ہوگا فطرتی سادگی کا۔یہ نظارہ مکہ میں حج کے موقعہ پر ہر سال ہی نظر آتا ہے جبکہ لوگ مکانات کی قلت کی وجہ سے سڑکوں اور میدانوں میں پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ درحقیقت ابتدائی سادگی جو فطرت میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے وہی دُنیا میں حقیقی امن قائم کر سکتی ہے۔جب تک انسان اُن چیزوں پر اکتفا نہیں کرتے جو خدا نے دی ہیں اس وقت تک دُنیا سے فتنہ و فساد کبھی مٹ نہیں سکتے۔

مَیں یہ بھی تحریک کرتا ہوں کہ دوست اپنی اپنی جگہ دالیں جمع کریں جو جلسے کے موقعہ پر کام آسکیں۔لیکن چندہ جلسہ سالانہ پر اس کا اثر نہیں پڑنا چاہیئے۔اگر دوست ماش، چنا، مونگ اور مسور ثابت ابھی سے جمع کرنا شروع کر دیں تو یہ چیزیں کافی کام آسکتی ہیں۔

مَیں ایک اَور ضروری تحریک بھی احباب کو کرنا چاہتا ہوں۔اس وقت تک ربوہ کے گرد و نواح میں چیزیں کافی سستی ہیں۔لیکن جونہی قصبہ آباد ہوگیا چیزیں گراں ہونے کا احتمال ہے۔شروع میں وہاں پر روپے کا چار اور پانچ سیر کے درمیان دودھ مل جاتا تھا۔ اب جب ہمارے کچھ دفاتر چلے گئے ہیں دودھ روپے کا تین سیر ہوگیا ہے۔

جن علاقوں میں بھینسیں پالنے کا شوق ہے اور لوگ بھینسیں صدقہ کے طور پر دے سکتے ہیں انہیں بھینسیں ہدیۃً سلسلہ کو پیش کرنی چاہئیں تاکہ مرکز کے قائم ہونے سے قبل وہاں پر اتنی بھینسیں موجود ہوں کہ ہم اُس علاقہ سے دودھ نہ خریدیں اور قیمتیں بلاوجہ گراں نہ ہوں۔

ہماری تحریک پر بڑھئی، معماروں اور دیگر کاریگروں نے کئی سَو کی تعداد میں مرکز میں کام کرنے کی درخواستیں دی ہیں۔مَیں ان سب کو اطلاع دے دیتا ہوں کہ وہ پابہ رکاب

رہیں جس وقت بھی انہیں اطلاع دی جائے انہیں فوراً ربوہ پہنچ کر کام شروع کر دینا چاہئیے یاد رکھو ہمارا ایک ایک دن بہت قیمتی ہے اور مرکز کے قیام میں ایک دن کی تعویق بھی ہمارے لئے مُضر ہے۔

ربوہ کی زمین کی قیمتوں کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا :۔

اس سلسلہ میں بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے حقیقت یہ ہے کہ زمین کی فروخت کا جو پہلا اعلان کیا گیا تھا اس میں دو شرطیں رکھی گئی تھیں (۱) ایک سو روپیہ کنال کے حساب سے آٹھ سو کنال فروخت کی جائے گی۔

(۲) ۱۵ اکتوبر تک ایک سو روپیہ فی کنال کے حساب سے زمین دی جائے گی۔ گویا اس اعلان کا مطلب یہ تھا کہ (ل) اگر ۱۵ اکتوبر سے قبل ہی آٹھ سو کنال فروخت ہو گئی تو پھر مقررہ شرح پر فروخت بند کر دی جائے گی۔ (ب) اگر آٹھ سو کنال زمین فروخت نہ ہوئی لیکن ۱۵ اکتوبر کی تاریخ آ گئی تو اس صورت میں بھی مقررہ قیمت پر زمین کی فروخت بند ہو جائے گی۔

اس اعلان کے مطابق چونکہ ۶ - ۷ اکتوبر کو ہی آٹھ سو کنال فروخت ہو گئے تھے۔ اس لئے گو ۱۵ اکتوبر کی تاریخ ابھی نہیں آئی تھی لیکن فروخت بند کر دی گئی تھی۔

فرمایا :۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر خرچ کا قلیل سے قلیل بھی اندازہ لگایا جائے تو کوئی قصبہ پچیس تیس لاکھ روپے خرچ کئے بغیر نہیں بن سکتا۔ یہ رقم ان چیزوں پر خرچ ہوتی ہے، جو قصبہ کے سارے باشندوں کے کام آتی ہیں جیسے مثلاً سکول کالج وغیرہ۔ اگر کچی عمارتوں کا اندازہ بھی لگایا جائے تو تیرہ لاکھ روپے سے کم نہ ہوگا۔ اب صاف بات ہے کہ یہ رقم دو ہی طریق سے لی جا سکتی ہے (۱) خریداروں سے زیادہ قیمت وصول کر کے (۲) ساری جماعت سے چندہ لے کر۔ ظاہر ہے کہ اخلاقی طور پر ہم ساری جماعت سے یہ رقم نہیں لے سکتے۔ کیونکہ یہ رقم جن چیزوں پر خرچ ہوتی ہے ان سے زیادہ تر مقامی لوگوں نے فائدہ اُٹھانا ہے۔ اب ایک ہی صورت رہ جاتی ہے اور وہی ہم نے اختیار کی ہے۔ وہ یہ کہ زمین کی قیمت زیادہ وصول کی جائے۔ مَیں دوستوں کو تحریک کرتا ہوں کہ وہ جلد سے جلد زمین اپنے لئے مخصوص کرائیں۔

اس کے بعد حضور نے نئے مرکز کے قیام کے سلسلے میں بعض منافقین کی طرف سے پھیلائے ہوئے اس شبہ کا ذکر کیا کہ نئے مرکز کا قیام بتاتا ہے کہ گویا ہمیں قادیان واپس ملنے میں شبہ ہے۔

حضور نے فرمایا۔

۱۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سلسلہ کا مستقل مرکز قادیان قرار دے دیا تو پھر کسی احمدی کہلانے والے دل میں شبہ کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔

۲۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دیگر ہزاروں پیشگوئیاں پوری ہوئیں تو ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ قادیان کے مرکز رہنے کی پیشگوئی نعوذ باللہ پوری نہ ہوگی۔

۳۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں صراحتاً قادیان سے نکلنے کی پیشگوئی موجود ہے۔

۴۔ خود مجھے اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت گذشتہ سال کے واقعات کی تفصیلاً اطلاع دی جو ۴۲ء میں شائع بھی ہو چکی ہے اور وہ لفظ بلفظ پوری ہوئی۔ اس اطلاع میں نئے مرکز کے قیام اور قادیان کی واپسی کی خبر بھی موجود ہے۔ جب خدا نے انذار والے پہلو پورے کئے تو ہم کس طرح گمان کر سکتے ہیں کہ وہ تبشیر کے پہلو پورے نہ کرے گا۔

اس موقعہ پر کسی صاحب نے رقعہ کے ذریعہ دریافت کیا کہ کیا حضور کو پاکستان کے متعلق بھی کوئی اطلاع خدا تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے۔ حضور نے فرمایا:۔

اسلام کی ترقی خدائی تقدیروں میں سے ایک تقدیر ہے۔ یہ قطعی اور یقینی بات ہے کہ اسلام اب آگے ہی کی طرف قدم بڑھائے گا۔ اب اسلام ہی کے غالب ہونے کی باری ہے۔ اب کفر کے غالب ہونے کی باری ختم ہو چکی ہے۔

حضور نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ

قادیان کی تقدیس اسلام کی اشاعت اور اسلامی تعلیم کے قیام کا مرکز ہونے کی وجہ سے تھی۔ اگر یہ چیز اب قادیان کی بجائے کسی اور مقام سے شروع ہو جائے گی تو وہ مقام بھی بابرکت ہو جائے گا۔ اسی طرح جس طرح ہجرت نبوی کے بعد گو مکہ بھی بابرکت رہا مگر خدا نے مدینہ کو بھی برکت دے دی جس طرح گو اصل مسجد خانہ کعبہ ہے مگر مسلمان ہر جگہ اس کی نقل میں مسجد بناتے ہیں اور وہ مسجد بابرکت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح گو ہمارا اصل مرکز قادیان ہے لیکن اس

کی نقل میں جو بھی مرکز بنیں گے یقیناً وہ بھی بابرکت ہو جائیں گے۔ جس خدا نے مکے اور مدینے کو برکت دی میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس کے خزانے میں ابھی اور بھی بہت سی برکتیں ہیں۔ تم صرف نیک نیتی سے دین کی خدمت کرنے کا تہیہ کر لو پھر جس جگہ مرکز بناؤ گے وہ مقدس ہو جائے گی۔

حضور نے چندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

جب سے مرکزی دفاتر کا اکثر حصہ ربوہ چلا گیا ہے یک دم چندوں میں کمی آگئی ہے چنانچہ پچھلے تین ماہ ایک لاکھ روپے کا نقصان ہوا ہے۔ میں جماعتوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ جلد سے جلد اپنے چندے ربوہ میں بھیج دیں۔ اگر یہ کمی جاری رہی تو لازمی طور پر دین کے موجودہ کاموں کو صدمہ پہنچے گا۔

آخر میں حضور نے فرمایا:۔

انگریزوں کے چلے جانے سے اور پاکستان کے قیام سے لازمی طور پر ہماری ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔ ہمیں بدلے ہوئے حالات کو اور وقت کی نزاکت کو محسوس کرنا چاہیئے۔ ہماری جماعت کو بالخصوص اپنا نظریہ بدل لینا چاہیئے۔ اب صرف چندوں سے، نماز روزہ حج اور زکوٰۃ سے ہم اپنا فرض ادا نہیں کر سکتے۔ ہمیں اسلام کی حفاظت اور بقا کے لئے جانی قربانی کے لئے بھی اپنے آپ کو تیار رکھنا چاہیئے۔ جس طرح مالی قربانی کے میدان میں ہم نے عدیم النظیر مثال دنیا میں قائم کی ہے۔ اسی طرح جانی قربانی کے میدان میں بھی تمہارا امام تم سے ایسا نمونہ طلب کرتا ہے جس کی کوئی مثال نہ ہو۔ مومن بہادر ہوتا ہے۔ اگر ہماری جماعت مومن ہے تو پھر اسے بہادر بھی بننا چاہیئے اور صرف بہادر ہی ہماری جماعت میں رہنے کا حقدار ہے۔[1]

جلسہ کے دوسرے مقررین

حضرت مصلح موعود کے ان اثر انگیز خطابات کے علاوہ مولانا عبدالغفور صاحب، مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری، چوہدری اسد اللہ خاں صاحب، قاضی محمد اسلم صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور، مولانا جلال الدین صاحب شمس، حضرت مفتی محمد صادق صاحب، حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور بعض دیگر مقررین کی مختلف اہم موضوعات پر تقریریں ہوئیں۔[2]

---

[1] الفضل لاہور ۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳-۴ ۔ [2] تفصیل الفضل ۲۶، ۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں درج ہے ۔

جلسہ کے پہلے روز مفتی اعظم فلسطین امین الحسینی کے ذاتی نمائندے الشیخ عبداللہ غوشیہ اور السید سلیم الحسنی اور السید عبدالحمید بک (افغانستان میں فلسطینی سفیر) بھی تشریف لائے۔ الشیخ عبداللہ غوشیہ نے مسئلہ فلسطین اور اتحاد اسلامی کے موضوع پر عربی میں ایک مؤثر تقریر فرمائی جس کا اردو ترجمہ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے سنایا۔[1]

فصل دوم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں مندرجہ ذیل جلیل القدر صحابہ نے وفات پائی

۱۔ حضرت حافظ سید عزیز اللہ شاہ صاحب والد ماجد حضرت سیدہ مہر آپا صاحبہ حرم رابع سیدنا المصلح الموعود (وفات ۱۲؍وفا/جولائی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء بوقت ایک بجے شب)

تہجد گزار، بہت گریہ و بکا سے مولا کو یاد کرنے والے، خاموش طبع، خلوت پسند، رقیق القلب، مہمان نواز اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء اور خاندان سے غایت درجہ محبت و عقیدت رکھنے والے بزرگ تھے۔ حضرت مصلح موعود سے بہت قریبی رشتہ تھا مگر ادب و احترام کے باعث حضور کے سامنے کبھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتے تھے۔[2]

۲۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر بانی مغربی افریقہ مشن (وفات ۷؍تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء بمقام گوجرانوالہ)

آپ کے مجاہدانہ کارناموں کا تذکرہ "تاریخ احمدیت" کے متعدد مقامات پر آچکا ہے جس کے

---

[1] الفضل لاہور ۲۶؍فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۱ و ۸۔

[2] الفضل ۱۳؍وفا، ۱۶؍وفا، ۲۳؍وفا/جولائی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء و الفضل ۷؍صلح/جنوری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء۔

اعادہ کی ضرورت نہیں۔[1]

۳۔ حضرت مرزا قدرت اللہ صاحب متوطن کوچہ چابک سواراں لاہور (ولادت: ۲۳ اکتوبر ۱۸۸۰ء، بیعت و زیارت: ۱۹۰۲ء، وفات ۲۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء بمقام لاہور)

پنجابی کے مشہور شاعر بابا ہدایت اللہ صاحب کے فرزند ارجمند تھے، نہایت نیک، خیر خواہ، مہمان نواز، اور غیور اور جوشیلے احمدی تھے۔ بچپن ہی سے آپ کو رویاء صادقہ ہوتی تھیں۔[2]

۴۔ حضرت مولوی حکیم قطب الدین صاحب متوطن بدوملہی ضلع سیالکوٹ (بیعت: ۱۸۹۲ء غالباً، وفات ۲۵ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پہلی بار زیارت ۱۸۸۴ء میں حضور کے قیام لدھیانہ کے دوران کی۔ جلسہ سالانہ ۱۸۹۲ء کی فہرست اور ۳۱۳ اصحاب کبار میں آپ کا نام درج ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام اپنے اہلبیت کے لئے دوا اور عرق تیار کرنے کا ارشاد آپ کو بھی فرمایا کرتے تھے۔ حضورؑ نے سفر نصیبین کے سہ رکنی وفد میں آپ کو بھی شامل فرمایا۔ حضور کی بعض علمی تحقیقات کے سلسلہ میں بعض حوالہ جات پیش کرنے کا موقعہ ملا۔[3]

۵۔ حضرت شیخ نصیر الدین صاحب (وطن مالوف قصبہ مکندپور ضلع جالندھر، وفات اخاء/نبوت مطابق اکتوبر/نومبر ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء بمقام راولپنڈی)[4]

---

[1] بطور مثال ملاحظہ ہو جلد سوم زیر عنوان "۱۹۰۸ء کے بعض ممتاز صحابہ" حضرت مولانا نیرؔ کے ایمان افروز خود نوشت حالات و روایات رجسٹر "روایات صحابہ" جلد ۱۱ صفحہ ۲۴۹، ۳۰۱، ۳۱۲ و جلد ۱۲ صفحہ ۱۲ میں محفوظ ہیں۔ علاوہ ازیں الفضل کے مندرجہ ذیل پرچوں میں بھی آپ کے شمائل و اخلاق اور خدمات کا ذکر ملتا ہے۔ ۱۹ - ۲۳ - ۲۵ تبوک/ستمبر و ۲۳ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء - ۲۶ شہادت/اپریل، ۲۴ ہجرت/مئی ۱۳۲۹ ہش ۱۹۵۰ء۔ نیز "لاہور تاریخ احمدیت" مؤلفہ شیخ عبدالقادر صاحب رضؓ نومسلم مربی سلسلہ احمدیہ صفحہ ۲۰۵، ۲۰۶

[2] رجسٹر "روایات صحابہ" جلد ۴ صفحہ ۱۴۴ و جلد ۱۲ صفحہ ۲۶۵ - ۲۹۱، "تاریخ احمدیت لاہور" (مؤلفہ جناب مولانا شیخ عبدالقادر صاحب رضؓ نومسلم مربی سلسلہ احمدیہ)، الفضل ۲۶ امان/مارچ ۱۳۲۸ ہش ۱۹۴۹ء صفحہ ۶

[3] خود نوشت حالات کے لئے ملاحظہ ہو رجسٹر "روایات صحابہ" (جلد ۶ صفحہ ۸۳) الفضل ۹ صلح/جنوری ۱۳۲۸ ہش ۱۹۴۹ء صفحہ ۳

[4] میاں عطاء اللہ صاحب ایڈووکیٹ نے الفضل ۱۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ ہش ۱۹۴۸ء میں آپ کے حالات شائع کرا دیئے تھے۔

۶۔ حضرت حافظ عبدالعلی صاحب برادر اکبر حضرت مولوی شیر علی صاحب متوطن ادرحمہ ضلع سرگودھا۔
(ولادت ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء بیعت و زیارت: ۱۸۹۳ء بر موقعہ مباحثہ آتھم، وفات: ۱۸ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء)
مقدمہ مارٹن کلارک کے دوران بٹالہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ خطبہ الہامیہ کی تقریب میں بھی موجود تھے۔ کئی بار حضور علیہ السلام کے ساتھ کھانا تناول کرنے کا موقعہ ملا۔[1]

۷۔ حضرت شیخ نورالدین صاحب تاجر دارالفتوح قادیان (وطن مالوف رندھاوا ضلع گورداسپور) زیارت و بیعت ۱۸۹۹ء، وفات ۱۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء بمقام منٹگمری (ساہیوال)۔
کم گو، حلیم الطبع اور متدین بزرگ تھے۔[2]

۸۔ حضرت بابو احمداللہ صاحب (وفات ۱۷ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء۔)
۱۸۹۰ء میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی تبلیغ سے داخل احمدیت ہوئے۔ دو بار انگلستان گئے جہاں کئی افراد کو مسلمان بنانے کی توفیق ملی۔ شروع شروع میں آپ ہی جماعت احمدیہ نوشہرہ چھاؤنی کے پریذیڈنٹ اور سکرٹری مال تھے اور آپ ہی کے مکان پر نمازیں ادا کی جاتی تھیں۔ ۱۹۳۴ء میں قادیان میں رہائش پذیر ہو گئے۔ فسادات ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے سیالکوٹ آ گئے اور وہیں داعی اجل کو لبیک کہا۔[3]

۹۔ قاضی عزیز الدین صاحب متوطن فیض اللہ چک ضلع گورداسپور۔ (وفات ۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء)
ممتاز اور متمول زمیندار ہونے کے باوجود نہایت سادہ زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ تبلیغ کا شوق تھا۔ غریب پروری اور مہمان نوازی میں نمونہ تھے۔[4]

دو ممتاز تابعین کی وفات

مندرجہ بالا صحابہ کے علاوہ اس سال سلسلہ احمدیہ کے مخلص و ممتاز تابعین میں سے حضرت پیر اکبر علی صاحب وکیل امیر جماعت احمدیہ

---

[1] رجسٹر "روایات صحابہ" جلد ۳ صفحہ ۱۴۴-۱۴۷، جلد ۔ صفحہ ۲۱۷، جلد ۱۱ صفحہ ۳۴۷۔
[2] رجسٹر "روایات صحابہ" جلد ۱۲ صفحہ ۹ تا ۱۲ (خود نوشت روایات)، الفضل ۲۴ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲۔
[3] الفضل ۱۴ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۶ و ۱۴ امان/مارچ ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۶، "تاریخ احمدیہ سرحد" صفحہ ۲۲۵-۲۲۸ (از حضرت قاضی محمد یوسف صاحب رضی اللہ عنہ ۱۹۵۹ء قاضی خیل ہوتی ضلع مردان)
[4] الفضل ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۶۔

فیروز پور[1] اور ڈاکٹر بشیر محمود صاحب آف پونچھ ڈپٹی ڈائریکٹر میڈیکل سروسز آزاد کشمیر گورنمنٹ مولائے حقیقی سے جا ملے۔[2]

---

[1] وفات: ۲۵ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء۔ حضرت مصلح موعود نے ۲۸ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو لاہور میں آپ کا جنازہ غائب پڑھایا۔ اور خطبہ ثانیہ میں فرمایا "پیر اکبر علی صاحب .... ہماری مجلس شوریٰ کی مالی سب کمیٹی میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا کرتے تھے۔ اور بڑے نیک اور مخلص انسان تھے .... آپ فیروزپور کے رہنے والے تھے اور وہاں کی جماعت کے امیر تھے (الفضل ۵ احسان/جون ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۶ کالم ۳) ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے نے "تابعین اصحاب احمد" جلد ۶ میں آپ کے حالات زندگی شائع کر دیئے ہیں۔ جن سے آپ کے شمائل اور زریں خدمات سلسلہ پر روشنی پڑتی ہے۔

اخبار "انقلاب" (۲۹ مئی ۱۹۴۸ء) نے آپ کی وفات پر حسب ذیل نوٹ لکھا:۔

پیر اکبر علی کا انتقال

فیروزپور کے مشہور ایڈووکیٹ اور سابق ایم ایل اے پیر اکبر علی صاحب ۲۵ مئی رات کے بارہ بجے راولپنڈی میں رہگرائے عالم جاودانی ہو گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) پیر صاحب مرحوم نہایت کامیاب وکیل اور صاحب اثر ورسوخ تھے۔ سالہا سال تک آپ پنجاب کی مجلس قانون ساز کے ممبر رہے اور مخلص آدمی تھے۔ گذشتہ فسادات میں آپ کو فیروزپور چھوڑ کر مغربی پنجاب آنا پڑا۔ آپ فالج میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ہمیں پیر صاحب کے متعلقین سے اس حادثہ جانکاہ میں دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے (انقلاب ۲۹ مئی ۱۹۴۸ء صفحہ ۸)

[2] اخبار "انقلاب" میں آپ کی وفات کی خبر مندرجہ ذیل الفاظ میں چھپی:۔

"ڈاکٹر بشیر محمود کی شہادت پر آزاد کشمیر حکومت کا اعلان

راولپنڈی کشمیر پبلسٹی بیورو ۱۴ جون

آزاد کشمیر گورنمنٹ کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ محترم ڈاکٹر بشیر محمود صاحب ڈپٹی ڈائریکٹر میڈیکل سروسز آزاد کشمیر گورنمنٹ گذشتہ دنوں شہید ہو گئے ہیں۔ آپ آزاد کشمیر گورنمنٹ کے بہترین مخلص کارکن تھے۔ اور تحریک کے شروع سے ہی پوری محنت سے کام کر رہے تھے۔

آپ پہلے پونچھ میں پرائیویٹ پریکٹس کرتے تھے۔ گذشتہ سال کے شروع سے سرینگر چلے گئے۔ موجودہ تحریک حریت کے آرگنائز کرنے میں آپ نے بہت بڑا کام کیا اور خاص خدمات سرانجام دیں۔ تحریک شروع ہونے پر آپ احباب کے مشورے پر کشمیر سے باہر نکل آئے۔ آنے کے بعد آپ کی کئی ہزار کی ادویات اور دیگر سامان ڈوگرہ حکومت نے ضبط کر لیا۔

باہر آ کر آپ نے آزاد افواج اور میڈیکل ڈیپارٹمنٹ کی تنظیم میں سرگرم حصہ لیا۔ ہر چھوٹا بڑا آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔ آزاد گورنمنٹ اور ریاستی عوام نے آپ کی جوانا مرگ کو بہت محسوس کیا ہے۔ آپ مریضوں سے بہت اچھی طرح سے پیش آتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ میں شفا بخشی رکھی تھی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے" (انقلاب ۱۴ جون ۱۹۴۸ء صفحہ ۷)

فصل سوم

۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں خوشی کی تقاریب

اس سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک خاندان میں خوشی کی متعدد تقاریب کا انعقاد ہوا۔

۱۔ ۱۸/۱۹ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب (ابن حضرت مصلح موعود) کی شادی عمل میں آئی۔[1]

۲۔ ۲۴ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو صاحبزادی سیدہ امۃ الباسط صاحبہ (دختر حضرت مصلح موعود) کے رخصتانہ کی تقریب سعید منعقد ہوئی۔ آپ کا نکاح میر داؤد احمد صاحب سے ہوا تھا۔[2]

۳۔ حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ نے سیکنڈ ڈویژن میں ایم۔اے کا امتحان پاس کیا۔[3]

امیر جماعت احمدیہ صوبہ سرحد کا تار بھارتی حکومت کے نام

امیر جماعت احمدیہ سرحد حضرت قاضی محمد یوسف صاحب ہوتی ضلع مردان نے بھارتی حکومت کے نام ایک تار دیا جس کی خبر "انقلاب" لاہور نے درج ذیل لفظوں میں شائع کی:-

"فوجی قوت سے قادیان کو ہندوؤں اور سکھوں کے حوالے کر دینے کا اقدام

ہندوستانی لیڈروں کو سرحدی جماعت احمدیہ کا انتباہ

پشاور۔ ۲۱ جنوری۔ صوبہ سرحد کی جماعت احمدیہ کے امیر نے مندرجہ ذیل تار پنڈت نہرو، مسٹر پٹیل، ڈاکٹر گوپی چند بھارگو وزیر اعظم پنجاب مشرقی کو بھیجا ہے اور اس کی نقلیں اخبارات کو بھی بھجوائی ہیں۔

صوبہ سرحد کے احمدی یہ برداشت نہیں کریں گے کہ احمدیوں کو ان کے مذہبی مستقر قادیان سے

---

[1] الفضل ۲۱ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳۔

[2] الفضل ۲۶-۲۸ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳۔

[3] الفضل ۳۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۶۔

جبراً نکال دیا جائے اور ہندوستانی فوجوں کے استعمال سے احمدیوں کو وہاں سے نکال کر ہندوؤں اور سکھوں کو اس بستی کا قبضہ دلایا جائے۔ ہم انسانیت اور انصاف کے نام پر ہندوستانی حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ قادیان اور ماحولھا کو فی الفور فرقہ احمدیہ کے حوالے کر دیا جائے۔ اگر ہماری یہ استدعا منظوری کا شرف حاصل کرنے سے قاصر رہی تو واضح رہے کہ ہم اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا تہیہ کر چکے ہیں اور جب تک تمام غلط کاریوں کی تصحیح نہ ہو جائے، ہماری قربانیوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔" [1]

مشرقی پنجاب کے احمدی قیدیوں کی رہائی

فسادات ۱۹۴۷ء میں مندرجہ ذیل مخلص احمدی قادیان اور اس کے ماحول سے گرفتار کئے گئے تھے۔

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے (ممبر پنجاب اسمبلی)، میجر چودھری شریف احمد صاحب باجوہ بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی، مکرم مولوی احمد خاں صاحب نسیم (سابق مبلغ اسلام برما)، مکرم چودھری عبدالعزیز صاحب (محتسب امور عامہ)، مکرم چودھری علی اکبر صاحب (رئیس ماڑی بچیاں) مکرم چودھری محمد عبداللہ صاحب کوٹلہ صوبا سنگھ، ڈاکٹر سلطان علی صاحب آف ماڑی بچیاں۔ وغیرہ

ان احباب کو گورداسپور اور جالندھر جیل میں قید و بند کے انسانیت سوز مظالم برداشت کرنے پڑے۔ افسران جیل کا ارادہ انہیں مروا دینے کا تھا اور اس غرض کے لئے سکھ بھی مقرر کئے جا چکے تھے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک طرف حضرت امیرالمومنین مصلح موعود کو خواب میں دکھایا گیا کہ "سید ولی اللہ شاہ صاحب آئے ہیں اور میرے پاس آکر ساتھ بیٹھ گئے ہیں" [2] دوسری طرف خود حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور دوسرے اصحاب کو عالم رویاء میں رہائی کی بشارتیں دی گئیں۔ چنانچہ ان مبشر خوابوں کے عین مطابق یہ حضرات بین المملکتی معاہدہ کی بنا پر ۸ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو جالندھر جیل سے لاہور کی سنٹرل جیل میں منتقل کئے گئے [3]۔ حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال لاہور پہنچتے ہی اور دوسرے حضرات ۱۰ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو ضمانت پر رہا کر دیئے گئے۔

---

[1] "انقلاب" ۱۸ جنوری ۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔ [2] الفضل ۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء۔ [3] قیدیوں کی سپیشل ٹرین لاہور چھاؤنی اسٹیشن پر پہنچی تو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت نواب محمد دین صاحب، شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور، چودھری اسداللہ خاں صاحب بارایٹ لاء اور دوسرے احمدیوں نے پرجوش استقبال کیا (الفضل ۱۰ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ مبلغین احمدیت کے درمیان رونق افروز ہیں (ناموں کی تفصیل ضمیمہ میں)

احمدی اسیران کال کوٹھڑیوں اور آہنی سلاخوں میں بھی پوری جرأت اور مومنانہ شان سے تبلیغ حق میں برابر مصروف رہے اور ۴۵ نفوس کو حلقہ بگوش احمدیت کرنے کا موجب بنے جن میں سے ۳۶ نئے احمدی بھائیوں کی رہائی ۱۰ شہادت/اپریل ہی کو عمل میں آگئی۔[1] احمدی قیدیوں کے اعزاز میں نہ صرف پاکستان میں پُرمسرت تقاریب منعقد کی گئیں[2] بلکہ ۲۳ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کو قادیان کے درویشوں نے بھی بورڈنگ مدرسہ احمدیہ میں ایک دعوت کا اہتمام کیا۔[3]

چودھری محمد ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ کی مسئلہ فلسطین سے متعلق خدمات کا ذکر پاکستانی پریس میں

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اس زمانہ میں مسلمانانِ فلسطین کی حمایت میں جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ان کی دھوم سارے عالم اسلام میں مچی ہوئی تھی۔ اس تعلق میں پاکستانی پریس کی چند خبریں بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:-

۱۔ "سر ظفر اللہ کی روانگی نے عربوں کو ایک قابل قدر بیش قیمت امداد سے محروم کردیا

لندن (۹ مئی) اسٹار کا خصوصی نامہ نگار مقیم لیک سیکس رقم طراز ہے کہ سر ظفر اللہ خاں کی روانگی نے عرب وفود کو ایک بیش قیمت امداد سے محروم کر دیا ہے جو کہ وہ ان سے فلسطین کے مسئلہ پر اب تک حاصل کر رہے تھے۔

جس عزت کی نگاہ سے پاکستان کے وزیر خارجہ کو عرب وفود یہاں دیکھتے تھے اس کا مظاہرہ یہاں اس طرح ہوا کہ تمام کے تمام عرب وفود سر ظفر اللہ خاں کو الوداع کہنے کے لئے گارڈیا کے ہوائی مستقر پہ پہنچے۔ یہ محض تواضع نہیں تھی بلکہ اپنے ایک مُحسن کے لئے ہدیہ تشکرانہ تھا۔ عرب آپ کی امداد سے محروم ہو جائیں گے لیکن وہ ان نازک دنوں میں آپ کی امداد کے بہت ہی شکر گذار ہیں۔ اب وہ اس موجودہ اجلاس کی اہمیت کو سمجھ رہے ہیں کیونکہ انتداب کا خاتمہ ہونے والا ہے"[5]

۲۔ "لندن۔ یکم جون (اسٹار) لبنانی سفیر ڈاکٹر وکٹر خوری نے لیک سیکس سے واپسی پر

---

[1] الفضل ۱۳ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔ [2] الفضل ۱۳ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲۔

[3] الفضل ۱۳ شہادت، ۲۲ شہادت، یکم ہجرت ۱۳۵۱ ہش۔ [4] قدیم ریکارڈ ۲۷-۱۳۲۶ ہش/۴۸-۱۹۴۷ء مرتبہ مرزا محمد حیات صاحب۔

[5] نوائے وقت لاہور ۱۱ مئی ۱۹۴۸ء صفحہ ۱۔

مجلس اقوام میں عرب مقاصد سے پاکستان کی ہم آہنگی پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور کہا۔ چودھری ظفر اللہ خاں ایک بیش قیمت اور قابل ساتھی ہیں۔" [1]

۳۔ " پیرس (سٹار نیوز ایجنسی) ۲۰ ستمبر

پاکستان کے وزیر خارجہ چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں کا نام یہاں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر کے لئے بہت زوردار طریقے سے لیا جا رہا ہے۔ انہوں نے اقوام متحدہ کے حالیہ اجلاس میں اس قدر شہرت حاصل کی ہے کہ ان کا درجہ دُنیا کے بہترین پارلیمنٹری سیاست دانوں میں قائم ہو گیا ہے۔ لیگ آف نیشن میں ان کے تجربے کا بھی بہت سے لوگوں کو احساس ہے۔

ان کے سب سے زیادہ حامی عرب اقوام کے وفود ہیں۔ وہ اُن کے لئے اپنے تمام ووٹ دینے کے لئے تیار ہیں۔ اس کے علاوہ وہ دیگر ممالک کے ووٹ بھی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ خاص طور پر لاطینی امریکہ کے ممالک کے ووٹ حاصل کئے جائیں گے۔" [2]

حضرت مصلح موعود کا اہم پیغام فلسطینی احمدیوں کے نام

حضرت مصلح موعود نے ۱۵ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کو رتن باغ کے مشاورتی اجلاس میں ارشاد فرمایا کہ

" شام والوں کو لکھا جائے کہ کسی نہ کسی طرح کبابیر والوں کو اطلاع دیں کہ تنگی کے دن ہیں صبر سے گذار لیں اور کسی قیمت پر بھی کبابیر کی زمین یہود کے پاس فروخت نہ کریں۔" [3]

مجالس خدام الاحمدیہ پاکستان کی رتن باغ میں اہم شوریٰ

۱۳ احسان/جون ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء کو رتن باغ لاہور میں مجالس کی بیداری اور تنظیم نو سے متعلق متعدد بنیادی مسائل پر غور و فکر کے لئے ایک اہم شوریٰ کا انعقاد ہوا۔ اس موقعہ پر جہاد کشمیر کے لئے احمدی رضاکاروں کی بھاری تعداد مہیا کرنے کا معاملہ خاص طور پر زیر غور آیا۔ شوریٰ کی صدارت صدر مجلس حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے فرمائی۔

ذیل میں اس اجلاس کی وہ رپورٹ درج کی جاتی ہے جو اگلے روز معتمد مجلس نے ۱۴ احسان/جون

---

[1] "انقلاب" لاہور ۱۳ ار جولائی ۱۹۴۹ء صفحہ ۴ ۔ [2] "انقلاب" لاہور ۲۲ ستمبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۶ کالم ۳ ۔

[3] رجسٹر کارروائی مشاورتی اجلاس رتن باغ لاہور (غیر مطبوعہ)

~~۱۳۲۷~~ ہش ۱۹۴۸ء کو حضرت مصلح موعود کی خدمت میں پیش کی۔

"حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی منظوری سے مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے مجالس خدام الاحمدیہ اور نوجوانوں کی تنظیم کے لئے مجالس خدام الاحمدیہ کی مجلس شوریٰ مورخہ ۱۳ احسان ۱۳۲۷ ہش کو رکھی تھی اور جس جگہ ابھی تک باقاعدہ مجلس قائم نہیں ہوئی تھی وہاں کے پریذیڈنٹ صاحبان سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ ایک مستعد نوجوان نمائندہ بھجوائیں۔

اس تجویز کے ماتحت تمام مجالس اور تمام جماعتوں کو خطوط کے ذریعہ اطلاع دی گئی۔ پھر اس کے بعد یاددہانی کرائی گئی۔ کل مورخہ ۱۳ احسان کو پروگرام کے مطابق یہ شوریٰ منعقد ہوئی۔ جس میں شامل ہونے والے نمائندگان کی تعداد ایک سو نوے تھی۔ اس میں مرکزی عہدیدار اور مجلس خدام الاحمدیہ کے نمائندے بھی شامل ہیں۔

سب سے پہلے صبح سات بجے نمائندگان کو فوجی پریڈ دکھائی گئی۔ اس دوران میں ہوائی حملہ کرنے، اس سے محفوظ رہنے، دستوں کی آپس میں جھڑپ وغیرہ کا عملی مظاہرہ کیا گیا۔

آٹھ بجے کوٹھی رتن باغ کے ہال میں زیر صدارت حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس شوریٰ کی کارروائی شروع ہوئی۔ تلاوت کے بعد خدام نے اپنا عہد دہرایا اور اس کے ساتھ ہی صدر محترم نے قادیان کی واپسی کے حصول کے لئے حضور کا تجویز فرمودہ عہد جو گذشتہ مشاورت پر حضور نے نمائندگان سے لیا تھا، دہرایا۔ یہ عہد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے بڑے سائز پر پہلے سے چھپوا کر رکھا تھا جو اس وقت نمائندگان میں تقسیم کیا گیا۔

اس کے بعد صدر محترم نے اپنی افتتاحی تقریر میں اس شوریٰ کے انعقاد کی غرض بیان فرمائی اور فرقان فوج کے اجراء کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ ایک ہزار نوجوان ہم نے ۲۱ جون تک مہیا کرنا ہے۔ چنانچہ صدر محترم نے ضلعوار نمائندگان سے والنٹیرز بھیجنے کے وعدے لئے۔

مکرمی ملک عبدالرحمن صاحب خادم پلیڈر گجرات نے بھی اس کی ضرورت کو تفصیل سے بیان فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کو جہاد کرنا پڑے گا بلکہ بعض الہامات میں تو جہاد کے الفاظ موجود ہیں . . . .

ملک صاحب کی تقریر کے بعد صدر محترم نے رضاکار مہیا کرنے کے لئے ضلعوار قائدین کا تقرر فرمایا اور ان سے وعدے لئے کہ وہ ۲۱ جون ۱۹۴۸ء تک اپنے رضاکار رتن باغ میں پہنچا دیں گے۔ اس وقت جو وعدے موصول ہوئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

ضلع سیالکوٹ	۲۵۰	ضلع شیخوپورہ	۶۵
صوبہ سرحد	۴۰	ضلع لاہور	۵۰
ضلع جہلم	۵۰	ضلع گجرات	۱۰۰
ضلع گوجرانوالہ	۶۰	ضلع سرگودھا	۱۰۰
ضلع لائل پور	۱۸۰		
ضلع راولپنڈی	۱۰۰	میزان	۹۶۵

صوبہ سندھ، بلوچستان، ضلع منٹگمری، ضلع جھنگ کی طرف سے ابھی تک تحریری وعدہ نہیں آیا۔ ان سب کو خطوط لکھ دیئے گئے ہیں . . . . . . اس کے علاوہ مندرجہ ذیل امور فرقان فوج کے سلسلہ میں منظور ہوئے۔

۱۔ ہر مجلس اپنے خدام کا ½۱۲ فیصدی حصہ ہر سہ ماہی پر بھجوائے۔

۲۔ یہ خدام کم از کم تین ماہ کی تربیت کے لئے آئیں گے سوائے اس کے کہ مرکز بعض دوستوں کی مجبوری کو دیکھ کر اس سے کم عرصہ کی اجازت دے دے۔

۳۔ تمام مجلسیں پندرہ دن کے اندر اندر احزاب کی فہرستیں بھجوائیں۔

۴۔ عرصہ تربیت میں زیر تربیت خدام وقار عمل سے مستثنیٰ ہوں گے . . . . . .

عہد و دعا کے بعد پونے دو بجے بعد دوپہر یہ اجلاس ختم ہوا۔"

چودھری عبدالسلام صاحب کی شاندار کامیابی

اس سال ضلع جھنگ کے مخلص احمدی نوجوان چودھری عبدالسلام صاحب نے ریاضی کے امتحان میں کیمبرج یونیورسٹی میں اول پوزیشن حاصل کی۔ برصغیر پاک و ہند میں بہت ہی کم لوگوں کو اس سے قبل یہ اعزاز حاصل ہوا تھا۔[1]

---

[1] الفضل ۱۷ وفا/جولائی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵

مجاہد امریکہ مرزا منور احمد صاحب کا وصال

حضرت شہزادہ عبدالمجید صاحب، حضرت مولوی عبید اللہ صاحب، مولوی رفیق احمد صاحب اور مولوی محمد دین صاحب قبل ازیں میدان تبلیغ میں جام موت نوش کر کے درجۂ شہادت حاصل کر چکے تھے۔ اس سال مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کے اس پاک گروہ میں مجاہد امریکہ مرزا منور احمد صاحب بھی شامل ہو گئے۔ اور اپنی زندگی کی قربانی اور اپنے عمل سے سلسلہ کی سچائی نمایاں کر دی اور ہمیشہ کے لئے مشعل راہ بن گئے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی تربتوں پر اپنے فضلوں کی بارشیں نازل فرمائے۔ آمین۔

مرزا منور احمد صاحب مرحوم ماہ ظہور/اگست ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کے آخر میں امریکہ تشریف لے گئے تھے شکاگو میں کوئی ایک مہینہ قیام کے بعد آپ پٹس برگ کے حلقہ میں متعین کئے گئے۔ ابتداء میں یہ حلقہ امریکہ کے مشرقی ساحل پر بالٹی مور سے لے کر ڈیٹن تک پھیلا ہوا تھا جس میں کلیولینڈ اور مینگس ٹاؤن بھی شامل تھے ان سب احمدی جماعتوں کے دلوں میں آپ نے اپنی خوش خلقی، سادگی اور محبت کی بناء پر ایک خاص مقام پیدا کر لیا تھا۔ دو سال کے مختصر سے عرصہ کے اندر اندر آپ نے اپنی شب و روز والہانہ جدوجہد سے پٹس برگ کے احمدیوں میں زبردست حرکت پیدا کر دی اور یہ حلقہ امریکہ مشن میں ایک ممتاز حیثیت اختیار کر گیا حتیٰ کہ شکاگو کی مقامی جماعت نے بھی آپ کو اپنے یہاں تقریر کی دعوت دی کہ ان میں وہ رُوح پیدا کریں جو انہوں نے پٹس برگ کی جماعت میں پیدا کر دی ہے۔

مرزا منور احمد صاحب نہایت وجیہہ صورت، بلند قامت اور اعلیٰ درجہ کے صحتمند نوجوان تھے۔ مگر آپ کی دیوانہ وار کوششیں صحت پر تشویشناک حد تک اثر انداز ہوئیں اور آپ ٹیومر کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے جس کا اپریشن ۱۴ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو ایک مقامی ہسپتال میں کیا گیا۔ چونکہ جسم پہلے ہی نڈھال ہو چکا تھا اور ٹیومر کا زہر انتڑیوں میں پوری طرح سرایت کر چکا تھا اس لئے اپریشن کے بعد کمزوری انتہا تک پہنچ گئی اور دوسرے ہی روز دین مصطفیٰ کے اس انتھک بہادر اور جانباز سپاہی کی رُوح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے مرحوم کی وفات پر اپنے ایک مفصّل مضمون میں آپ کی نسبت تحریر فرمایا کہ

”عزیز مرزا منور احمد مرحوم کو مَیں بچپن سے جانتا تھا۔ اس لئے بھی کہ وہ ہمارے قریبی

عزیزوں میں سے تھے یعنی ہماری ممانی صاحبہ[۱] کے بھائی اور ہماری ایک بھاوجہ صاحبہ[۲] کے ماموں تھے اور اس لئے بھی کہ مرحوم کا بچپن سے میرے ساتھ خاص تعلق تھا۔ پس مَیں یہ بات بغیر کسی مبالغہ کے کہہ سکتا ہوں کہ مرحوم ایک بہت مخلص اور نیک اور ہونہار اور محبّت کرنے والا اور جذبۂ خدمت و قربانی سے معمور نوجوان تھا۔ دن ہو یا رات، دھوپ ہو یا بارش، جب بھی انہیں کوئی ڈیوٹی سپرد کی جاتی تھی وہ کمال مستعدی اور اخلاص کے ساتھ اس ڈیوٹی کو سرانجام دینے کے لئے لبیک لبیک کہتے ہوئے آگے آجاتے تھے اور پھر اپنے مفوضہ کام کو اس درجہ توجّہ اور سمجھ کے ساتھ سرانجام دیتے تھے کہ دل خوش ہو جاتا تھا اور زبان سے بے اختیار دعا نکلتی تھی۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ اسی نیکی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی زندگی وقف کرنے اور پھر بلاد امریکہ میں وطن سے بارہ ہزار میل دُور جا کر فریضۂ تبلیغ بجا لانے کی سعادت عطا کی۔ موت تو ہر انسان کے لئے مقدر ہے مگر مبارک ہے وہ نوجوان جسے یہ سعادت کی زندگی عطا ہوئی اور مبارک ہیں وہ والدین[۳] جنہیں خدا نے ایسا نیک اور خادمِ دین بچہ عطا کیا۔"[۴]

خود حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ۲۴ تبوک ۱۳۲۷ہش/ستمبر ۱۹۴۸ء کے خطبہ جمعہ میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:-

"مرزا منور احمد صاحب جو امریکہ کے مبلغ تھے میری ایک بیوی ام متین کے ماموں، میر محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم کے سالے اور نہایت مخلص نوجوان تھے۔ ان کے معدہ میں رسولی ہوئی اور وہ فوت ہو گئے۔ ویسے تو ہر ایک کو موت آتی ہے لیکن اس طرح کی موت گو ایک طرف قوم کے لئے فخر کا موجب ہوتی ہے لیکن دوسری طرف اس کا افسوس بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو پندرہ بیس سال میں تیار کیا جائے اور وہ جوانی کی حالت میں فوت ہو جائے۔

---

[۱] یعنی بیگم صاحبہ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ ۔

[۲] حضرت سیدہ مریم صدیقہ ام متین (حرم ثالث حضرت سیدنا المصلح الموعود) مراد ہیں ۔

[۳] مرحوم مرزا محمد شفیع صاحب کے صاحبزادے تھے ۔

[۴] الفضل لاہور ۱۹ تبوک ۱۳۲۷ہش/ستمبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۳ کالم ۲-۳ نیز الفضل ۲۶ اخاء ۱۳۲۷ہش/اکتوبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۵ ۔

مرزا منور احمد صاحب کا کام نہایت اعلیٰ درجہ کا کام تھا اور امریکہ کی جماعتوں میں انہی کی جماعت کو ان سے زیادہ محبت تھی۔ ابھی پچھلے دنوں امریکہ کی جماعتوں کی جو کانفرنس[1] ہوئی ہے اس میں بھی یہ تسلیم کیا گیا کہ وہ علاقہ جس میں مرزا منور احمد صاحب مبلغ تھے دوسرے علاقہ کی جماعتوں سے دینی کاموں میں بڑھ گیا ہے۔ پھر ان لوگوں نے اپنی محبت کا بھی ثبوت دیا۔ جب ڈاکٹروں نے جسم میں خون داخل کرنے کا فیصلہ کیا تو اُن کے علاقہ کے نومسلموں میں سے عورتوں اور مردوں کی ایک بڑی تعداد نے اپنا خون پیش کر دیا اور چونکہ اُن کی ٹائپ کا خون نہیں ملتا تھا اس لئے جس نومسلم کو یہ معلوم ہو جاتا کہ میرا خون مرزا منور احمد کے خون کے مشابہ ہے تو وہ بے انتہا خوش ہوتا اور فخر کرتا کہ میرا خون ان کے خون سے ملتا ہے۔ جب مرحوم کے جسم میں خون کے داخل کرنے کی زیادہ ضرورت پیش آ گئی اور ان کے خون کی ٹائپ کا اور خون نہ ملا تو ڈاکٹروں نے کہا آپ لوگ اپنا خون دے دیں ہم اپنے پاس سے ان کے ٹائپ کا خون استعمال کریں گے اور آپ کا خون آیندہ کے لئے رکھ لیں گے۔ اس پر ان سب نے اپنا خون پیش کر دیا۔ یہ چیز اس بات کی علامت ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے امریکہ کی جماعت اخلاص میں ترقی کر رہی ہے اور یہ مرحوم کے نیک نمونہ کا زبردست ثبوت ہے۔"[2]

انڈونیشیا کے دو مخلص احمدیوں کا انتقال

اس سال محمد یوسف صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ پاڈانگ اور امیر کوٹما جیسے سلسلہ احمدیہ کے فدائی اور شیدائی داغ مفارقت دے گئے۔ امیر کوٹما عابد زاہد بزرگ تھے جو میدان کے ابتدائی مشہور مباحثات (منعقدہ ۱۹۳۴ء) کے بعد مولوی ابوبکر صاحب سماٹری اور مولوی محمد صادق صاحب کی تبلیغ سے اپنے پیر طریقت صوفی شیخ کامن سمیت احمدیت میں داخل ہوئے اور احمدیت کی خاطر ہمیشہ نہایت بشاشت سے مصیبتیں برداشت کرتے رہے۔ ایک دفعہ تین مخالفوں نے آپ پر ڈنڈے سے حملہ کر دیا۔ انہوں نے کمال بہادری سے تینوں کا ایسا کامیاب مقابلہ کیا کہ صبح ان میں سے دو کے منہ چوٹوں کی وجہ سے سُوج گئے تھے اور شکلیں بھیانک سی بنی ہوئی تھیں۔ مولوی محمد صادق صاحب کا بیان ہے

---

[1] اس کانفرنس کا ذکر اس باب کی فصل ششم میں آ رہا ہے (مؤلف)

[2] الفضل ۶ ؍اخاء ؍اکتوبر ۱۳۲۷ہش؍۱۹۴۸ء صفحہ ۶ کالم ۲-۴

کہ "امیر کوٗما لڑائی کے بعد کہہ رہے تھے کہ مومن بہادر ہوتا ہے اور خدا اس کا مددگار ہوتا ہے۔ ان کا چہرہ نہایت روشن تھا اور بہادری اور شجاعت کی وجہ سے وہ بڑے ہشاش بشاش نظر آتے تھے اور انہیں نہ پہلے کبھی خوف لاحق ہوا اور نہ اس واقعہ کے بعد ہی مَیں نے خوف و ہراس کے آثار ان میں دیکھے"

امیر کوٗما صاحب کو یہ فخر بھی حاصل تھا کہ انہوں نے سلسلہ احمدیہ کے قلمی جہاد میں نمایاں حصّہ لیا۔ چنانچہ وہ بعض اوقات ساری ساری رات مکرم مولوی محمد صادق صاحب کی تصانیف پر نظر ثانی کرنے اور اسے ٹائپ کرنے میں منہمک رہتے تھے اور مسلسل اور لگاتار محنت کے باوجود تکان کا حرف تک زبان پر نہیں لاتے تھے۔

جنگ عظیم کے دوران جبکہ جاپانی حکومت انڈونیشیا پر قابض تھی مولوی محمد صادق صاحب نے جاپانی حکومت کو اسلام و احمدیت کی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لئے ایک مفصّل تبلیغی خط لکھا تھا۔ اس مضمون پر مولوی صاحب اور امیر کوٗما نے ایک ساتھ دستخط کئے اور مضمون مغربی سماٹرا کے گورنر کی خدمت میں خود جا کر پیش کیا۔[۱]

دمشق کے ایک مخلص احمدی کا انتقال

السید مصطفٰے نویلاتی جو جماعت احمدیہ دمشق کے ایک نہایت مخلص دوست تھے اور حضرت مولوی جلال الدین صاحب شمسؔ مجاہد بلاد عربیہ کے ذریعہ حلقہ بگوش احمدیت ہوئے تھے ۔ ۱۱ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو رحلت فرما گئے۔[۲]

احمد نگر میں سیدنا حضرت امیرالمومنین کی تشریف آوری

۲۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو حضرت مصلح موعود بذریعہ موٹر ربوہ سے احمد نگر تشریف لائے۔ حضور کے ہمراہ سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کے نسبتی بھائی الاستاذ احمد آفندی فائق الدمشقی، مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ اور ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب بھی تھے۔

حضور نے یہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے جامعہ احمدیہ و مدرسہ احمدیہ کے طلباء و اساتذہ سے ایک ایمان افروز خطاب فرمایا اور انہیں بتایا کہ "تم لوگ ہراول دستہ کے طور پر آئے ہو اور تم لوگ جنہوں نے

---

[۱] الفضل ۱۳ ہجرت/مئی، ۳ احسان/جون، ۱۴ احسان/جون ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء۔

[۲] شیخ نور احمد صاحب منیر اور حضرت شمسؔ صاحب نے ان کی وفات پر مضمون لکھے جو الفضل ۲۰ نبوت/نومبر اور ۷ فتح/دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں شائع ہوئے۔

اپنی زندگیاں خدمت دین کے لئے وقف کی ہوئی ہیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی اس اولاد کی طرح ہو جنہوں نے وادیٔ غیر ذی زرع میں بستی کو آباد کیا تھا۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے۔ تعلیم الاسلام کالج کو تو لاہور میں جگہ مل گئی اور ہائی سکول کو چنیوٹ میں مکان مل گیا۔ لیکن مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کو یہاں احمد نگر میں جگہ ملی جو ربوہ کا ہی حصہ ہے بلکہ یہ خدائی منشاء کے ماتحت ہے۔"

حضور نے اپنے قلم سے جامعہ احمدیہ کے رجسٹر پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر فرمائی:۔

" مَیں وہی کہتا ہوں جو رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے جنگ اُحد کے موقعہ پر فرمایا

اللہ اعلیٰ و اجلّ "

ازاں بعد حضور نے احمد نگر کی زیر تعمیر احمدیہ مسجد میں مغرب کی نماز پڑھا کر اس کا گویا افتتاح کرادیا۔[1] اس مسجد کا سنگ بنیاد دو ماہ قبل مکرم مولوی ابو العطاء صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ و پریذیڈنٹ احمد نگر نے ۱۷ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء بروز جمعۃ المبارک رکھا تھا۔ یہ احمد نگر کی پہلی احمدیہ مسجد ہے جو مشرقی پنجاب کے پناہ گزین احمدیوں کے ہاتھوں تعمیر ہوئی۔[2]

بیرونی مشنوں کی سرگرمیاں

فلسطین مشن:۔ یہ سال احمدیہ مشن فلسطین کی تاریخ میں انتہائی پُرفتن اور پُر ابتلاء تھا۔ ارض مقدس میں بڑی بڑی طاقتوں کی سازش نے مسلمانان فلسطین کے سینے میں اسرائیلی حکومت کا خنجر گھونپ دیا اور اس علاقہ میں مشرقی پنجاب جیسے حالات پیدا ہو گئے۔ بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ فلسطین کو توفیق بخشی کہ اس نے نہایت جانبازی اور سرفروشی کا ثبوت دیتے ہوئے اسلام کا جھنڈا اس علاقہ میں بلند رکھا اور اس کے مرکز حیفہ کی مسجد میں پنجوقتہ اذانوں کی گونج سنائی دیتی رہی۔

چنانچہ مولوی محمد شریف صاحب انچارج مشن نے مشن کی ۱۹۴۷-۴۹ء کی رپورٹ میں لکھا:۔

" مارچ ۱۹۴۸ء سے ستمبر ۱۹۴۸ء تک یہاں قیامت برپا رہی۔ آج یہاں کے دس لاکھ مسلمان عربوں میں سے ساڑھے آٹھ لاکھ مسلمان عرب جلا وطن اور بے خانماں ہو کر دوسرے ممالک میں پناہ

---

[1] الفضل ۲۵ فتح/ دسمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵

[2] " " ۵ اخاء/ اکتوبر " " "

گزین و خیمہ زن ہیں اور عیسائی دنیا کی خیرات اور اسلامی ممالک کے صدقات پر بسر اوقات کر رہے ہیں۔

جولائی سے نومبر تک یہودیوں نے جلیل و نقب میں بالائی ہدایتوں کے مطابق جنگ جاری رکھی۔ اور اس وقت عربی ممالک کی فوجیں اپنے اپنے ممالک میں بس چکی ہیں اور سابقہ فلسطین کا ¾ سے زیادہ حصہ یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔

یورپین نمائندوں سے یہاں اسرائیل کی مردم شماری یہودیوں نے ماہ جون ۱۹۴۸ء میں پہلی دفعہ کی۔ اس وقت ملک اسرائیل میں پچیس ہزار کے قریب غیر یہودی تھے جن میں سے دس ہزار کے قریب عرب تھے اور باقی دیگر اجنبی تھے اور یہ اس علاقہ کا حال ہے جہاں نومبر ۱۹۴۷ء میں ساڑھے چار لاکھ عرب رہتے تھے۔

گذشتہ حکومت نے مارچ ۱۹۴۸ء میں یہاں سلسلہ آمد و رفت و رسل و رسائل بند کر دیا تھا۔ ریلیں بند کر دی تھیں اور سب لوگوں کو (سوائے یہودیوں کے کیونکہ ان کی حکومت کے اندر حکومت بن چکی تھی) اپنے اپنے علاقوں اور گھروں میں محصور کر دیا تھا۔ ۱۵ ؍مئی سے جب یہودیوں نے حکومت اسرائیل قائم کرنا شروع کر دی۔ غیر یہودیوں کو جن کا نام موجودہ ایام میں B کلاس ہے، جنگ کے عذر سے اپنے اپنے جائے رہائش میں بند رکھا اور اب تک پابندی باقی ہے اور B کلاس پر ملٹری رول نافذ ہے۔ اپنے جائے رہائش سے دوسری جگہ جانے کے لئے ملٹری پرمٹ لینے کا حکم ہے۔ پرمٹ دو باتوں کے لئے بعد تحقیقات ملتا ہے۔ کوئی دوسری جگہ ملازمت یا مزدوری کرتا ہو یا قریب ترین خونی رشتہ دار کی ملاقات کے لئے۔

۲۳ ؍اپریل ۱۹۴۸ء کو یہودیوں نے حیفہ فتح کر لیا۔ ۲۴ ؍اور ۲۵ ؍کو ملحقات حیفہ پر قبضہ کر لیا۔ اس سلسلہ میں ۲۵ تاریخ کو ماؤنٹ کرمل پر واقعہ عرب آبادی کبابیر کی باری آگئی صبح ہوتے ہی چاروں اطراف سے مسلّح فوجوں نے محاصرہ کر لیا اور ہمارے سامنے دو شرطیں پیش ہوئیں۔ ہجرت کرنا چاہیں تو ہتھیار وغیرہ دے کر ہجرت کر جائیں۔ یہاں رہنا چاہیں، تو ہتھیار وغیرہ اور جس قدر سپاہی آپ کے پاس مقیم ہوں وہ ہمارے سپرد کر دیں۔ ہم نے

ارشادِ نبوی مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ وَ عِرْضِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ پر عمل کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ سپاہی کوئی ہمارے ہاں آیا نہ تھا۔ مغرب تک گوشہ گوشہ کی تلاش و تفتیش کر کے ALL CLEAR دیئے گئے۔

۱۵ر اگست ۱۹۴۸ء سے جون ۱۹۴۹ء تک سارے اصلی اسرائیل میں صرف ہماری مسجد سیدنا محمود سے ہی پانچ وقت اذان بلند ہوتی رہی۔ باقی سب مساجد مہجور ہو گئیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے شہر گر گئے اور آبادیاں ویران ہو گئیں۔ ان ایام میں جبکہ ہمارے چاروں طرف گولیاں برستی تھیں اور ہر رات یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ صبح ہم پر طلوع ہو گی یا نہیں، دعوت احمدیت کا کام باوجود محصور ہونے کے جاری رکھا۔

اگرچہ بیرونی دنیا کے ساتھ مارچ ۱۹۴۸ء سے فروری ۱۹۴۹ء تک سلسلہ عام ڈاک منقطع رہا تاہم رسالہ "البشریٰ" باقاعدہ جاری رکھا گیا۔ جن ایام میں سلسلہ ڈاک منقطع تھا۔ بیرونی ممالک کو جس قدر رسالہ بھیجا جاتا تھا وہ محفوظ رکھا جاتا تھا اور مقامی طور پر جس قدر تقسیم کیا جا سکتا تھا، تقسیم کیا جاتا رہا۔

فروری ۱۹۴۹ء میں بہت سے ملکوں کے ساتھ سلسلہ عام ڈاک رواں ہوا۔ مگر تاحال سوائے عدن کے اس ملک کے جملہ اسلامی ممالک سے تعلقات کے منقطع ہونے کے باعث رسالہ بھیجا نہ جا سکا۔

رسالہ کے ہر نمبر کا مسودہ طبع کرنے سے پہلے ملٹری سنسر کو برائے حصول اجازت طباعت بھیجنا پڑتا ہے اور بعد طباعت بھی اس کی دو کاپیاں ارسال کرنی پڑتی ہیں اور یہی حکم دیگر مطبوعات کا ہے۔

بوقت تحریر ہذا مشرقی افریقہ، حبشہ، عدن، مغربی افریقہ، ارجنٹائن اور برازیل کو بھیجا جاتا رہا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں جس قدر عربی اخبارات و رسائل اس ملک میں شائع ہوتے تھے اب ان میں سے صرف ہمارا رسالہ ہی ہے جو جاری ہے۔ اگرچہ پہلے بھی سارے فلسطین میں سے کوئی بھی اسلامی دینی رسالہ شائع نہیں ہوتا تھا مگر اب تو ہر قسم کے رسائل، اخبارات و کتب پر بھی قیامت برپا ہو چکی ہے۔

اس سلسلہ میں رسالہ البشریٰ کے علاوہ مندرجہ ذیل رسائل و اشتہارات بھی شائع کئے گئے :-

۱۔ هيئة الامم المتحدة (قرار تقسیم فلسطین) ایک ہزار شائع کیا۔ یہ اشتہار حضرت اقدس کے مضمون فلسطین کا فیصلہ کا ترجمہ ہے۔ سلسلہ ڈاک کے بند ہونے سے چند روز پیشتر بلاد عربیہ کی احمدی جماعتوں کے علاوہ سب عربی اخبارات کے ایڈیٹروں کو ارسال کر دیا گیا۔ فلسطین کے روزنامہ "فلسطین" نے اس پر عمدہ نوٹ لکھا۔ دیگر قریبی اسلامی ممالک سے تو کوئی اطلاع نہ مل سکی۔ سوڈان سے ایک خط کسی کا موصول ہو گیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ وہاں کے دو اخباروں نے اسے مِن وعَن شائع کیا اور اچھے ریمارکس دیئے۔

۲۔ رسالہ كشف الغطاء عن وجه شريعة البهاء ۔ ایک ہزار کی تعداد میں شائع ہوا۔ حجم ۴۲ صفحات۔ بہائیت کی مختصر تاریخ درج کرنے کے بعد بالمقابل دو۲ کالموں میں اسلام کی تعلیم قرآن مجید سے اور بہائیت کی تعلیم کتاب اقدس سے درج کی گئی۔ اس رسالہ کے شروع میں حضرت اقدس کا چیلنج بنام زعیم بہائیت بھی درج کیا گیا۔ کہ دعا کے ذریعہ دونوں مذہبوں اسلام اور بہائیت کی حقانیت کسی آسمانی نشان سے ثابت کریں۔ اور یہ رسالہ بذریعہ رجسٹری دو مرتبہ زعیم بہائیت مسٹر شوقی کو ارسال کیا گیا۔ اس رسالہ کی اشاعت پر ۹ ماہ گذرنے پر اور زعیم بہائیت کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہونے پر ایک اور اشتہار چار صفحہ کا اتمام الحجّة على زعيم البهائية شائع کیا گیا۔ مگر دوبارہ چیلنج کے باوجود وہ خاموش رہے۔ الاستاذ السید نور الدین سابق انسپکٹر مدارس جلیل ہمارے دار التبلیغ میں آئے اور ہمارے رسالہ کشف الغطاء اور چیلنج کی تعریف کی۔ انہوں نے پوچھا، کوئی جواب آیا۔ مَیں نے کہا نہیں۔ کہنے لگے۔ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا إِنِّيْ أَعْرِفُهُ أَنَّهُ جَاهِلٌ لَنْ يَتَكَلَّمَ أَبَدًا۔

جنگ عظمیٰ ثانیہ کے شروع میں حضور نے اس منشاء کا اظہار فرمایا کہ حمامة البشریٰ کی اشاعت کی جائے چنانچہ اس کے شائع کرنے کی توفیق ملی۔

زائرین مشن کی تعداد تقریباً تین سو۳۰۰ ہے جو سب کے سب الّا ماشاء اللّٰہ یہودی تھے۔ یہودیوں

کے ساتھ عام طور پر مثیل موسیٰ کی پیشگوئی زیر بحث رکھی جاتی رہی مگر یہودی آجکل اپنی عارضی فتح کے نشہ میں سرشار ہیں اور ان کی طبائع بھی سیاسیات کی طرف مائل ہیں۔

جائے رہائش میں محصور ہونے اور سارے ملک میں قیامت برپا ہونے کے ایام میں کسی بیعت کی امید رکھنا بہت بڑی امید ہے۔ مگر تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ۹ اشخاص کو سلقہ بگوش احمدیت ہونے کی توفیق بخشی۔

تحریک جدید کے چودھویں سال میں شامل ہونے کے لئے بھی احباب حیفا کو دعوت دی گئی۔ ابھی جماعت حیفا شہر کے سب احباب کی فہرست بھی مکمل نہ ہو سکی تھی کہ حیفا میں عربوں کو شکست ہو گئی اور ہمارے احمدی احباب حیفا سے ہجرت کر گئے۔ بہت لمبے عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ سب احباب سوائے ایک احمدی دوست السیّد محمد سعید کے جو راستہ میں فوت ہوئے، بخیریت دوسرے ملکوں میں پہنچ گئے۔ اس لئے جماعت کبابیر ہی جو حیفا شہر کا ہی ایک حصہ اور جبل کرمل پر واقع ہے، اس میں شریک ہو سکی اور چودھویں سال کے حساب میں ان کی طرف سے 96/14/- £ وصول ہوئے۔

اواخر ۱۹۴۷ء میں قادیان کی حفاظت کیلئے بھی یہاں سے جماعت کو دعوت دی تھی جس پر جماعت کبابیر کی طرف سے ۱۵۹ پونڈ ۱۰ شلنگ جمع ہوئے"[1]

مجاہد اردن کا دورہ شام ولبنان

ماہ ظہور، تبوک و اخاء ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں مجاہد شرق الاردن مولوی رشید احمد صاحب چغتائی نے شام ولبنان کا ایک کامیاب تبلیغی دورہ کیا۔ جس میں انہوں نے فلسطین کے احمدی پناہ گزینوں کو تلاش کرکے ان کو منظم کرنے کی کوشش کی اور علاوہ تبلیغی لٹریچر کی اشاعت کے ان ممالک کی بعض اہم اور ممتاز شخصیتوں سے ملاقات بھی کی۔ مثلاً السیّد شکری بک قوتلی (صدر جمہوریہ شام)، الشیخ عبدالقادر المغربی (رکن مجمع العلمی العربی)، الاستاذ خلیل مردم بے رئیس المجمع، جمیل مردم بے سابق وزیر اعظم شام، مسٹر جبریل مُر (وزیر داخلہ و قائم مقام وزیر اعظم جمہوریہ لبنان۔ شام و لبنان کے پریس اور ریڈیو نے اس دورہ میں خاصی دلچسپی لی۔[2] عمان کے اخبار "وکالۃ الانباء العربیۃ" نے ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں آپ کی اردن میں واپسی کی خبر شائع کی۔

---

[1] الفضل ۱۲ صلح/جنوری ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء

[2] سفر کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲ - ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء

سیرالیون مشن:۔ ماسٹر محمد ابراہیم صاحب مجاہد اٹلی حضرت مصلح موعود کے حکم سے ۳؍ امان؍ مارچ ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو فری ٹاؤن میں وارد ہوئے[1] اور نہ صرف احمدیہ سکول کی نگرانی، اساتذہ کی راہ نمائی، مشن کی خط و کتابت اور ریکارڈ کی درستی وغیرہ میں مبلغ انچارج کا ہاتھ بٹانا شروع کیا بلکہ لٹریچر اور ملاقاتوں کے ذریعہ تبلیغ کو وسیع سے وسیع تر کرنے لگے۔ جس پر حضرت مصلح موعود نے ۲۲؍ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کی مشاورتی مجلس میں اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا کہ

"محمد ابراہیم صاحب نے پراپیگنڈا کا صحیح طریق اختیار کیا ہے"[2]

ماہ امان/مارچ میں امیر صاحب سیرالیون اور خلیل صاحب نے بو سے یتامہ اور لاگو مقامات کا دورہ کیا۔ لاگو میں ۴۰ نفوس کی نئی جماعت قائم ہوئی۔

افریقہ کے مغربی ساحل پر گیمبیا کی ریاست ہے جو سیرالیون سے قریباً چار سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس سال ماہ امان/مارچ میں مجاہدین سیرالیون نے گیمبیا کے بعض دوستوں سے خط و کتابت جاری کی۔ لٹریچر بھجوایا اور اس کے مقامی اخبارات میں تبلیغی مضامین شائع کرائے۔ اس طرح اس ریاست میں احمدیہ مشن سیرالیون کے ذریعہ پہلی بار حق و صداقت کی آواز پہنچی۔[3]

نائیجیریا مشن:۔ نائیجیریا مشن کے دو ایمان افروز واقعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:۔

۱۔ وسط ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں ایک عرب نے جو "اہل مدینہ" کے نام سے موسوم تھا لیگوس میں احمدیت کے خلاف زہر اگلا اور مبلغ انچارج نائیجیریا مولوی نور محمد صاحب نسیم سیفی کو لکھا کہ اگر تم کسی اسلامی ملک میں ہوتے تو تمہارا سر قلم کر دیا جاتا۔ جناب سیفی صاحب نے حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود کی خدمت میں اس کی اطلاع دی تو حضور نے تحریر فرمایا کہ

"اب[4] اس بات پر زور دیں کہ عرب ممالک کی کوشش تو سر ظفر اللہ احمدی کو خاص طور پر اپنا نمائندہ مقرر کرنے کی ہے اور ابن سعود کے صاحبزادے ان کو دعوتیں دیتے ہیں۔ شام کی حکومت ان کو سب سے بڑا تمغہ دیتی ہے اور اب بھی ان کو خاص طور پر شام بلوایا گیا ہے

---

[1] الفضل ۲۳ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵-۶ کالم ۱۔ [2] رجسٹر کارروائی مشاورتی اجلاس (رتن باغ)

[3] الفضل ۲۹ احسان/جون ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵ کالم ۱۔

[4] نقل مطابق اصل۔ "آپ" ہوگا (مولف)

اور تم کہتے ہو، اسلامی حکومت ہوتی تو تم کو مارا جاتا۔ لیکن فرض کرو کہ مارا جاتا تو کیا مکہ میں صحابہؓ کو مارا نہیں جاتا تھا۔ مارا جانا تو اس امر کی علامت ہے کہ دلائل ختم ہو چکے اب ڈنڈے کے زور سے صداقت کا مقابلہ کیا جائے گا۔ مگر اس طرح صداقت نہیں دبا کرتی"

"اہل مدینہ" نے جناب نسیم سیفی صاحب کو عربی میں مناظرہ کا چیلنج دیا تھا جو جناب نسیم سیفی صاحب نے منظور بھی کر لیا تھا مگر وہ صاحب پہلوتہی کرتے رہے اور مباحثہ کئے بغیر واپس چل دئے۔

۲۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ اجے بوڈے کے ایک شخص نے مہدی و مسیح موعود ہونے کا اشتہار دیا اور جناب نسیم سیفی صاحب کو ان کے ایک تبلیغی خط کے جواب میں مناظرہ کی دعوت دی۔ ابھی یہ خط آیا ہی تھا کہ اس شخص پر مقامی حکومت کے خلاف بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا اور جرم ثابت ہو جانے پر حفظ امن کی ضمانت طلب کر لی گئی[۱]

مشرقی افریقہ مشن:- اس سال ماہ شہادت/اپریل کے آخر میں مولوی فضل الٰہی صاحب بشیر اور (مقامی افریقی مبلغ) معلم فضل احمد صاحب کے ذریعہ اسیمبوبے (ASEMBOBAY) میں ۵۷ نفوس پر مشتمل نئی جماعت کا قیام ہوا۔[۲]

مکرم شیخ مبارک احمد صاحب رئیس التبلیغ کی دیرینہ خواہش تھی کہ ایک لاکھ سواحیلی ٹریکٹ احمدیت و اسلام کی حقانیت اور ابطال عیسائیت پر شائع کر کے مشرقی افریقہ کے کونہ کونہ میں پھیلا دیئے جائیں چنانچہ اس سال یہ خواہش پوری ہوئی اور ماہ نبوت/نومبر میں مکرم شیخ مبارک احمد صاحب اور معلم عمری عبیدی صاحب نے دس ٹریکٹ چھپنے کے لئے پریس میں بھجوا دیئے۔[۳]

امریکن احمدیوں کی پہلی سالانہ کانفرنس امریکن احمدی جماعتوں کی پہلی سالانہ کانفرنس ۵ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو بمقام ڈیٹن منعقد ہوئی جس میں شکاگو، پٹس برگ، انڈیانا پولس، کلیولینڈ، ینگس ٹاؤن، ڈکاٹن، ہوم سٹیڈ، نیویارک اور کنسس سٹی کے احباب نے شرکت کی۔[۴]

---

[۱] الفضل ۲۷ ظہور/اگست ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۵ ÷ [۲] الفضل ۵ اخاء/جولائی ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲ ÷

[۳] الفضل ۵ صلح/جنوری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۵ ÷ [۴] تفصیلی روداد کیلئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۴-۲۵ تبوک/ستمبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء ÷

مجاہدینِ احمدیت کی آمد اور روانگی

۱۔ مبلغ اسلام صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی امریکہ میں برسوں تک اعلائے کلمۃ الحق کرنے کے بعد ۲۸ ؍تبلیغ / فروری ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء کو واپس تشریف لائے۔[1]

۲۔ مولوی عبدالقادر صاحب ضیغم ۴ ؍تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء کو ارجنٹائن میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دینے کے لئے لاہور سے روانہ ہوئے۔[2]

نئی مطبوعات

اس سال مندرجہ ذیل کتب اور پمفلٹ شائع ہوئے جن سے سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں قیمتی اضافہ ہوا:۔

۱۔ تفسیر کبیر سورہ فاتحہ و سورہ بقرہ ابتدائی ۹ رکوع	(حضرت مصلح موعود)
۲۔ "قیام پاکستان اور ہماری ذمہ داریاں"	(〃)
۳۔ "آخر ہم کیا چاہتے ہیں"	(〃)
۴۔ "الکفر ملّۃ واحدۃ"	(〃)
۵۔ دیباچہ تفسیر القرآن (اردو ایڈیشن)	(〃)
۶۔ احمدیت کا پیغام 〃	(〃)
۷۔ "مظالم قادیان کا خونی روزنامچہ"	(حضرت مرزا بشیر احمد صاحب)
۸۔ QADIAN DIARY	(〃)
۹۔ استحکام پاکستان	(〃)
۱۰۔ اسماء القرآن فی القرآن	(حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)
۱۱۔ قرآنی دُعاؤں کے اسرار	(〃)
۱۲۔ تبلیغی خط	(مولانا جلال الدین صاحب شمس)

[1] الفضل ۲۹ ؍تبلیغ / فروری ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۱۔ کالم ۲ و ۳۔

[2] الفضل ۵ ؍تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۱۔

فصل چہارم

جرمن مشن کا احیاء

خلافت ثانیہ کا چھتیسواں سال ۱۳۲۸ہش / ۱۹۴۹ء

جرمن مشن جو پہلی بار مولوی مبارک علی صاحب بنگالی اور ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے کے ذریعہ سے دسمبر ۱۹۲۳ء میں قائم ہوا تھا اور مئی ۱۹۲۴ء سے بند تھا۔[1] ۲۰ ماہ صلح /جنوری ۱۳۲۸ہش / ۱۹۴۹ء کو چوہدری عبداللطیف صاحب بی۔اے واقف زندگی کے ہاتھوں جاری ہو گیا۔[2]

ابتدائی تبلیغی سرگرمیاں چوہدری صاحب نے ہمبرگ میں اپنا تبلیغی مرکز قائم کیا۔ شروع میں آپ کچھ عرصہ جرمن زبان سیکھتے اور اس دوران میں انگریزی سے کام چلاتے رہے۔

۲۴ ماہ ہجرت / مئی ۱۳۲۸ہش / ۱۹۴۹ء کو آپ نے وسط شہر کی ایک سرکاری عمارت (DEBNICKE) کے وسیع ہال میں پہلا تبلیغی اجلاس منعقد کیا۔[3] علاوہ ازیں یونیورسل لیگ اور ہمبرگ سٹڈی کلب کے زیر اہتمام آپ کے لیکچر بھی ہوئے۔[4] چوہدری صاحب نے تقریر کے بعد تحریر کی طرف توجہ دی۔ زیورک سے حضرت المصلح الموعودؓ کی تالیف THE LIFE AND TEACHINGS OF PROFHET MOHAMMAD کا جرمن ترجمہ شائع کیا۔[5] یہ سلسلہ احمدیہ کی پہلی کتاب تھی جو مشن کے اس دور میں شائع ہوئی۔

جرمنی میں تحریک احمدیت کی داغ بیل سوئٹزرلینڈ مشن کی مساعی سے بعض جرمن قبل ازیں قبول اسلام کر چکے تھے جن میں سے عبدالکریم ڈنکر نے نمایاں اخلاص کا ثبوت دیا اور وہ مبلغ جرمنی کے دست و بازو بن گئے۔ ۱۸ اخاء / اکتوبر کو مسٹر HANS

---

[1] جرمن مشن کے دور اوّل کی تفصیل پر "تاریخ احمدیت" جلد پنجم صفحہ ۳۸۶ - ۳۸۸ پر روشنی ڈالی جا چکی ہے ؛

[2] الفضل ۲۱ صلح /جنوری ۱۳۲۸ہش / ۱۹۴۹ء صفحہ ۱ ؛ [3] الفضل ۲۶ احسان /جون ۱۳۲۸ہش / ۱۹۴۹ء صفحہ ۲ کالم ۱ ؛

[4] الفضل ۲۴ تبوک /ستمبر ۱۳۲۸ہش / ۱۹۴۹ء صفحہ ۴ کالم ۱ ؛ [5] الفضل ۲۵ ظہور /اگست ۱۳۲۸ہش / ۱۹۴۹ء صفحہ ۴ ؛

DUNGER[۱] اور ۲۵ نبوت / نومبر کو مسٹر NOWAK حلقہ بگوش احمدیت ہوئے جن کا اسلامی نام بالترتیب عبدالحمید اور عبدالرحیم رکھا گیا۔[۲] اس طرح پہلے سال ہی ایک مختصر سی جماعت کی داغ بیل پڑ گئی۔

مبلغ اسلام کی رہائشی مشکلات

چوہدری صاحب ابتداء میں ایک نومسلم مسٹر کھونے (KUHNE) کے یہاں رہتے تھے۔ مگر اس شخص نے جماعت سے علیحدگی اختیار کرکے ملک میں آپ کا رہنا دوبھر کر دیا۔ جرمنی جنگ عظیم میں شکست کے بعد ان دنوں غیر معمولی حالات سے دوچار تھا اور کسی مکان کے میسر آنے کی بظاہر کوئی توقع نہ تھی مگر خدا تعالیٰ نے ایسی تائید و نصرت فرمائی کہ خود جرمنی حکومت نے مبلغ اسلام کے ہمبرگ میں رہائشی حقوق تسلیم کر لئے اور ان کے لئے رہائشی مکان کا بندوبست بھی کر دیا۔[۳]

نیورمبرگ میں جماعت کا قیام

اب تک صرف ہمبرگ میں احمدیہ جماعت تھی لیکن ماہ تبلیغ ۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء میں اس کا حلقہ نیورمبرگ تک ممتد ہو گیا۔ یہاں خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے تین نفوس پر مشتمل ایک نئی جماعت قائم ہو گئی۔[۴] بعد ازاں جناب عمر ہوفر (HOFFER) جرمن نومسلم دوست وہاں پر آنریری مبلغ متعین ہوئے جو ۱۹۶۸ء تک کمال اخلاص سے یہ خدمات بجا لاتے رہے۔

جرمن مستشرق ڈاکٹر ٹلٹاک کے بعض سوالات اور حضرت مصلح موعود کے ایمان افروز جوابات

جرمنی کے ایک مستشرق ڈاکٹر کرٹ ٹلٹاک (DR. CURT TILTACK) تحریک احمدیت کے بارہ میں ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے۔ مبلغ جرمنی نے انہیں "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" مطالعہ کے لئے دی جس کی مدد سے انہوں نے خاصہ مواد جمع کر لیا۔ مزید راہنمائی اور وضاحت کے لئے انہوں نے یکم دسمبر ۱۹۵۲ء کو بذریعہ مکتوب چار سوالات حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بھجوائے:-

۱۔ کیوں احمدیہ جماعت حقیقی اسلام ہے؟

---

[۱] ۱۳۴۹ہش/۱۹۷۰ء میں وفات پائی۔

[۲] الفضل ۱۶ فتح/دسمبر ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۳، الفضل ۱۰ فتح/دسمبر ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء

[۳] الفضل ۱۶ فتح/دسمبر ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۳۔

[۴] الفضل ۱۷ ہجرت/مئی ۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء صفحہ ۵

(۲) احمدی لوگ ابراہیمؑ ، موسیٰؑ ، بدھؑ ، زرتشتؑ اور مسیحؑ کے متعلق کیا کہتے ہیں ؟
۳۔ مذاہب کے لئے احمدیت کیا اہمیت رکھتی ہے اور معاشی اور سیاسی اعتبار سے وہ بنی نوع انسان کو کیا فائدہ بخشتی ہے ؟
۴۔ احمدیت کی تاریخ ، تنظیم ، اشاعت اور اس کے معتقدوں کی تعداد کیا ہے ؟
حضرت مصلح موعود نے ان سوالات کے جواب میں ایک حقیقت افروز مکتوب تحریر فرمایا جس کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکرمی ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط مورخہ یکم دسمبر ۱۹۵۱ء ملا۔ آپ کے دریافت کردہ سوالات کے جواب مندرجہ ذیل ہیں :۔

پہلا سوال ۔ کیوں احمدیہ جماعت حقیقی اسلام ہے ؟

جواب ۔ احمدیہ جماعت کی نسبت جو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقی اسلام ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام اس امر کا مدعی ہے کہ اس کی تعلیم آخری تعلیم ہے۔ جو حصہ اجتہاد کے لئے چھوڑا گیا ہے اس میں ماہرین اسلام کو اجتہاد کرنے کا حق حاصل ہے اور جمہور اسلام کو بھی اجتہاد کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن وہ اجتہاد ایسے لوگوں پر نہ حجت ہے اور نہ ان کو پابند کر سکتا ہے جو اُس اجتہاد سے متفق نہیں۔ ہر شخص کے سامنے ایسا مسئلہ آجائے گا اگر اس کی عقل اُسے تسلیم کرے گی تو وہ مانے گا اگر عقل تسلیم نہیں کرے گی تو نہیں مانے گا۔ لیکن کچھ حصہ شریعت اسلام کا ایسا ہے جو بطور نص کے آیا ہے یعنی قرآن کریم یا رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں اس کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے اور اس کے متعلق ترجمہ یا تشریح کا تو سوال پیدا ہو سکتا ہے اجتہاد کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ ایسی تعلیم اسلامی نقطہ نگاہ سے غیر متبدل ہے جو ایسی تعلیم کو نہیں مانتا اُسے یہ تو حق حاصل ہے کہ وہ کہے کہ قرآن کا ترجمہ غلط کر دیا گیا ہے جسے وہ لغت اور صرف ونحو کے قواعد سے ثابت کر سکتا ہے۔ لیکن اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ یہ کہے کہ گو مفہوم لفظوں سے یہی نکلتا ہے مگر ئیں زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ

سے اس میں فلاں فلاں تبدیلی پسند کرتا ہوں۔

اس تشریح سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام کی اس تعلیم کے بموجب اب کوئی نیا مذہب نہیں آسکتا۔ کیونکہ جیسا کہ بتایا گیا ہے اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس کی تعلیم دائمی ہے۔ پس اگر کوئی فرقہ نیا پیدا ہوتا ہے جو پُرانے فرقوں سے اختلاف رکھتا ہے اور اس کا اختلاف بہت نمایاں نظر آتا ہے تو پُرانے عوام یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید ان لوگوں نے اسلام سے باہر کوئی نیا مذہب نکالا ہے۔ اسی طرح غیر مسلم لوگوں کو بھی یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ کوئی نیا مذہب ہے۔ پس اس شُبہ کو دُور کرنے کے لئے یہ لکھا جاتا ہے، کہ احمدیت ہی حقیقی اسلام ہے۔ یعنی احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں ہے بلکہ جہاں وہ دوسرے فرقوں سے اختلاف کرتی ہے وہاں وہ یہ دعویٰ بھی کرتی ہے کہ یہ اختلاف اسلام سے نہیں ہے بلکہ موجودہ فرقوں سے ہے۔ اسلام کی صحیح تشریح وہی ہے جو کہ احمدیت پیش کرتی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ اس کا دعویٰ کہاں تک سچ ہے سو اِس سوال کا فیصلہ اسی طرح کیا جائے گا جس طرح ہر سچائی کا کیا جاتا ہے۔ یعنی ہر انسان کو خدا تعالیٰ نے عقل دی ہے وہ اپنی عقل سے احمدیت کے دلائل کا موازنہ کرے گا اور پھر فیصلہ کرے گا۔ اگر احمدیت جو قرآن کی تشریح پیش کرتی ہے وہ قرآن کریم کی دوسری آیتوں کے مطابق ہے اور لغت عربی اور عربی گرامر دونوں اُس کی تصدیق کرتی ہیں یا اسے جائز قرار دیتی ہیں اور عقل بھی اور ضمیر انسانی بھی انہی معنوں کی تصدیق کرتی ہے تو ماننا پڑے گا کہ احمدیت والی تشریح ہی درست ہے دوسری تشریح غلط ہے۔ اور چونکہ وہ تشریح ہے کوئی نیا عقیدہ نہیں ہے اس لئے اگر وہ تشریح درست ہے تو پھر احمدیت ہی حقیقی اسلام ہے اور جو لوگ اس کے خلاف عقیدہ بیان کرتے ہیں وہ درحقیقت اسلام سے دور جا پڑے ہیں اور اپنے خیالات کو اسلام کے نام سے پیش کرتے ہیں۔

دُوسرا سوال۔ احمدی لوگ ابراہیمؑ، موسیٰؑ، بدھؑ، زرتشتؑ اور مسیحؑ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

جواب۔ یہ سوال جو آپ نے کیا ہے یہ بھی اُوپر والے سوال کا ایک حصہ ہے۔ اس سوال کے متعلق احمدیت جو تعلیم دیتی ہے وہ اِس وقت کے مسلمانوں کے لئے عجوبہ ہے

اور وہ اس تعلیم کی وجہ سے بھی احمدیوں کو اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ بتایا جائیگا یہ ان کی غلطی ہے۔ درحقیقت ان کا اپنا عقیدہ اسلام سے خارج ہے۔ جہاں تک ابراہیمؑ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کا سوال ہے ان کے متعلق سب مسلمان متفق ہیں کیونکہ ان تینوں نبیوں کا نام قرآن کریم میں آیا ہے اور ان کی نبوت کا اقرار کیا گیا ہے۔ حضرت مسیحؑ کے متعلق احمدیت کو غیر احمدی مسلمانوں سے اتنا اختلاف ہے کہ احمدی عقیدہ کے مطابق قرآن کریم سے ثابت ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں (سورہ مائدہ آیت ۱۱۷ و آل عمران آیت ۵۵ و نساء آیت ۱۵۸) لیکن غیر احمدیوں کے نزدیک حضرت مسیحؑ آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں اور اب تک زندہ ہیں۔ یہ عقیدہ عیسائیوں والا عقیدہ نہیں کیونکہ عیسائیوں کے نزدیک مسیحؑ صلیب پر چڑھائے گئے اور اس پر فوت ہو گئے اور پھر زندہ کئے گئے۔ مسلمان اس کو نہیں مانتے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جب مسیح کو صلیب پر چڑھانے کے لئے یہودی اور گورنمنٹ کی پولیس پکڑنے کے لئے گئی تو خدا تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اُٹھا لیا اور یہودا اسکریوطی کو یا کسی اور یہودی کو (اس میں اُن کے اندر اختلاف ہے) مسیحؑ کی شکل دے دی گئی اور پولیس اور یہودیوں نے اس شخص کو مسیح سمجھ کر صلیب پر لٹکا دیا اور وہ اس پر مر گیا۔ احمدیہ عقیدہ یہ ہے کہ مسیحؑ صلیب پر لٹکایا گیا لیکن قرآن کریم کے رُو سے وہ صلیب پر مرا نہیں اور انجیل کے رُو سے وہ صلیب پر سے زندہ اُتار لیا گیا جیسا کہ صلیبی واقعات سے اور نیزہ مارنے کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ نیزہ مارنے پر سیّال خون نکلا ہے۔ مُردے میں سے خون نہیں نکلا کرتا۔ گو انجیل نے اس کو خون اور پانی کے لفظ سے بیان کیا ہے مگر خون اور پانی الگ الگ تو نکلا نہیں کرتے۔ درحقیقت سیّال خون کو ہی خون اور پانی کے لفظوں سے بیان کیا گیا ہے اور یہ ہمیشہ زندوں میں سے نکلا کرتا ہے۔ اسی طرح خود مسیحؑ نے اپنے متعلق جو پیشگوئیاں کی ہیں ان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہی صلیب سے اُتارا گیا اور زندہ ہی قبر میں رکھا گیا۔ کیونکہ اس نے اپنے صلیب کے واقعہ کو یونسؑ نبی کے مچھلی کے پیٹ میں جانے والے واقعہ کے مشابہ قرار دیا ہے۔ اور یونسؑ نبی مچھلی کے پیٹ میں زندہ ہی گیا تھا اور زندہ ہی نکلا تھا۔ پس اس پیشگوئی کے مطابق مسیحؑ بھی زندہ ہی قبر میں داخل ہوا اور زندہ ہی نکلا۔ اسی طرح

صاف لکھا ہے کہ مسیحؑ نے تھوما کو کہا کہ میرے زخموں میں انگلیاں ڈال۔ مسیحیوں کے عقیدہ کے مطابق مسیح کا جسم تو انسان کا جسم تھا وہ آسمان پر نہیں گیا نہ وہ آسمان سے آیا تھا اور صلیب جسم کو دی گئی تھی نہ کہ رُوح کو۔ پس زخموں کا موجود ہونا اور تھوما سے اس میں انگلیاں ڈلوانا بتاتا ہے کہ مسیح اسی حیثیت سے دُنیا میں موجود تھا جس حیثیت سے وہ صلیب سے پہلے تھا۔ صرف صلیب سے زخم اس پر آ گئے تھے۔ اسی طرح لکھا ہے کہ مسیحؑ کہتا ہے کہ مَیں بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کو جمع کرنے کے لئے آیا ہوں۔ لیکن صلیب سے پہلے تو مسیحؑ کو گمشدہ بھیڑوں تک جانے کا کبھی موقع ہی نہیں ملا۔ پس یقیناً وہ صلیب سے زندہ اُتارا گیا اور پھر گمشدہ بھیڑوں کی طرف یعنی ایران، افغانستان اور کشمیر کی طرف گیا جیسا کہ تاریخ سے ثابت بھی ہے۔ اِس کے متعلق آپ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی کتاب "مسیح ہندوستان میں" پڑھیں یا سلسلہ کے مبلّغ مولوی جلال الدین صاحب شمس کی کتاب "WHERE DID JESUS DIE?" دیکھیں۔

بُدھ اور زرتشت کے متعلق دوسرے مسلمانوں کا خیال یہی ہے کہ وہ جھوٹے تھے مگر احمدیت کہتی ہے کہ وہ بھی سچے نبی تھے کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (سورۂ فاطر آیت ۲۴) کوئی قوم دُنیا میں ایسی نہیں جس میں نبی نہ آئے ہوں۔ یہی عقیدہ عقل کے مطابق ہے اور جب قرآن مانتا ہے کہ کئی قوموں کے نبیوں کا اُس نے ذکر نہیں کیا لیکن آئے وہ ضرور ہیں۔ اور جب ہمیں نظر آتا ہے کہ مختلف مُلکوں میں ایسے لوگ گذرے ہیں جنہوں نے نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی ہے اور باوجود اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کے اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ نہیں کیا اور بڑی بڑی جماعتیں اُن کے ذریعہ قائم ہوئی ہیں حالانکہ بائیبل اور قرآن کے رو سے جھوٹے نبی کامیاب نہیں ہوتے بلکہ تباہ کئے جاتے ہیں تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ یہ لوگ نبی تھے۔ اور اگر ہم اُن کو نبی نہ مانیں تو قرآن کریم کا یہ دعویٰ جھوٹا ہوتا ہے کہ ہر قوم میں نبی آئے تھے۔

غیر احمدی کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے نام نہیں لیا۔ ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے قرآن نے نام نہیں لیا اور نہ وہ دُنیا کے سارے نبیوں کا نام لے سکتا تھا۔ وہ کوئی

STATISTICS کی کتاب نہیں ہے۔ لیکن جب وہ کہتا ہے کہ ہر قوم میں نبی آئے تو جو لوگ اُن قوموں میں ایسے پائے جاتے ہیں جن پر نبیوں کے حالات صادق آتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کی نبوّت کا اقرار نہ کریں۔

تیسرا سوال آپ کا یہ ہے کہ مذاہب کے لئے احمدیت کیا اہمیت رکھتی ہے اور سوشل لحاظ سے اور پولیٹیکل لحاظ سے وہ بنی نوع انسان کو کیا فائدہ بخشتی ہے؟

اس سوال کا اصل جواب تو یہ ہے کہ احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں ہے جیسا کہ اُوپر بتایا جا چکا ہے وہ TRUE اسلام ہے اس لئے سوشل اور پولیٹیکل WELFARE کے لحاظ سے جو اسلام دُنیا کو فائدہ بخش سکتا ہے وہی فائدہ احمدیت دنیا کو بخشتی ہے۔ PRACTICALLY یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ اسلام کی تعلیم ان دونوں امور کے لئے ایک DEAD LETTER کے طور پر ہو چکی تھی۔ مسلمان ایک لمبے عرصہ کی کامیابیوں کے بعد مختلف قسم کی خرابیوں میں مبتلا ہو گئے تھے اور چونکہ وہ مذہبی آدمی تھے ان کی کانشنس اُن کو ملزم کرتی رہتی تھی اور کانشنس کے الزام کو انسان زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے اُن کے لئے دو ہی رستے کھلے رہ گئے تھے۔ یا تو وہ اپنی بداعمالیوں کو چھوڑ کر صحیح اسلامی تعلیم کی طرف واپس آجاتے۔ تب ان کی کانشنس ان کو الزام دینا چھوڑ دیتی مگر وہ اتنے سُست ہو چکے تھے اور صحیح عمل سے اتنے دُور ہو چکے تھے کہ وہ اس بات کو ناممکن پاتے تھے۔ دوسرا رستہ ان کے لئے یہ کھُلا تھا کہ وہ مذہب کی تشریح ایسے رنگ میں کر دیں کہ وہ ان کی بداعمالیوں کو جائز قرار دے دے اور ان کی موجودہ حالت کو عین مذہبی حالت بتا دے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو پھر بھی وہ ضمیر کی ملامت سے بچ جاتے تھے۔ یہ رستہ زیادہ آسان تھا انہوں نے اس رستہ کو قبول کر لیا۔ احمدیت نے آکر پھر صحیح اسلامی تعلیم دُنیا کے سامنے پیش کر دی اور ضمیر کو اُن قیدوں سے آزاد کر دیا جو کہ گذشتہ صدیوں میں اس کے اُوپر لگا دی گئی تھیں۔ اب وہ پھر زندہ ہو گی اور ادھر اسلام کی تعلیم زندہ ہو گی۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ ضمیر اور عمل کی وہ جد وجہد جو قوموں کو ہمیشہ راہِ راست پر قائم رکھتی ہے احمدیت کی وجہ سے پھر جاری ہو جائے گی۔ اور چونکہ اسلامی تعلیم سوشل اور

پلیٹیکل WELFARE OF THE HUMAN RACE کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے وزنا ایک احمدی اس کی نقل کرنے پر مجبور ہو گا اور اسے دیکھ کر دوسرے مسلمانوں کا بھی ایک حصہ۔ پس دنیا میں وہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم پھر قائم ہو جائے گی جس کو اسلام دُنیا کے فائدہ کے لئے لایا تھا۔ مثلاً موٹی مثال یہ لیجئے کہ احمدیت کے نزدیک قرآنی تعلیم یہ ہے کہ کسی کو کسی عقیدہ کے ماننے پر مجبور نہ کیا جائے اور ہر انسان کو کوئی بات اپنے ماں باپ سے سُن کر نہیں ماننی چاہیئے بلکہ دلیل کے ذریعہ ماننی چاہیئے۔ جب مسلمانوں کی قوتِ عملی مر گئی اور تبلیغ کی مشکلات برداشت کرنے کی طاقت ان میں نہ رہی تو انہوں نے اس اسلامی تعلیم کو بدل کر یہ تعلیم بنائی کہ غیر مسلم کو زبردستی مسلمان بنانا جائز ہے اور اگر کوئی مسلمان اپنا عقیدہ چھوڑ دے تو اس کو قتل کر دینا ضروری ہے۔ اس طرح انہوں نے سمجھا کہ ایک طرف تو اسلام بالکل محفوظ ہو گیا اب اس میں سے کوئی شخص باہر نہیں جائے گا۔ دوسری طرف بغیر تبلیغ کی مشکلات برداشت کرنے کے ہم کبھی کبھار غیر مسلموں کو مسلمان بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن اس سے ایک طرف تو مسلمانوں کا مذہب عقل اور محبت کا مذہب نہ رہا بلکہ ڈر اور بیوقوفی کا مذہب ہو گیا۔ دوسری طرف غیر قوموں اور مسلمانوں کے تعلقات بگڑ گئے۔ اب احمدیت نے اس تعلیم کو درست کیا ہے جب غیر قوموں کو معلوم ہو گا کہ اسلام تبلیغ اور دلائل کے ذریعہ سے سچائی کو پیش کرتا ہے اور تمام اقوام کو اپنا بھائی قرار دیتا ہے تو یقیناً پولیٹیکل تعلقات اور سوشل تعلقات اچھے ہو جائیں گے اور تلوار سے مسلمان بنانے کی بجائے مسلمان تبلیغی جدوجہد کرے گا اور اس میں قربانی اور ایثار اور صبر کا مادہ پیدا ہو گا اور ہر مسلمان جب یہ سمجھیگا کہ میں آزادی سے اپنے متعلق فیصلہ کر سکتا ہوں تو جہاں وہ غیر مذاہب سے متعلق تحقیقات کریگا وہاں وہ اپنے مذہب کے متعلق بھی تحقیقات کرے گا اور آئندہ وہ ورثہ کا مسلمان نہیں ہو گا بلکہ ایک محقق کی حیثیت پیدا کر لے گا اور نہ صرف اس کا اپنا مذہب مضبوط ہو گا بلکہ وہ انسانی سوسائٹی کا نہایت مفید اور کار آمد وجود ہو جائے گا۔

مَیں اس مضمون کے متعلق زیادہ تفصیل سے نہیں لکھتا اس لئے کہ مَیں بتا چکا ہوں کہ احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں ہے۔ اس بارہ میں جو اسلام کی تعلیم ہے وہی احمدیت کی تعلیم

ہے۔ اگر آپ نے میری کتاب "احمدیت" دیکھی ہے تو آپ اِن دونوں امور کے متعلق جو اسلام کی تعلیم اس میں لکھی ہے اسے دیکھ لیں۔ گو مختصر ہے مگر بہرحال اِن دونوں مضامین پر وہ روشنی ڈالتی ہے اور جو روشنی وہ ڈالتی ہے وہی فائدہ احمدیت پولیٹیکل اور سوشل لحاظ سے دُنیا کو پہنچائے گی۔

چوتھے سوال کا جواب آپ کو بعد میں بھجوایا جائے گا۔[1]

چونکہ یہ پہلا خط ہے جو آپ کی طرف سے ہمیں موصول ہوا اس لئے ہم پوری طرح یہ نہیں سمجھ سکتے کہ حقیقتاً آپ کے سوالات کی بیک گراونڈ کیا ہے۔ اس لئے اس خط کو پڑھنے کے بعد آپ دلیری سے اپنے خیالات کا اظہار کریں اور جو کچھ آپ کے دل میں سوالات پیدا ہوں وہ ہمیں تفصیل سے لکھیں۔ ہم آپ کے ہر سوال کا خوشی سے جواب دینے کے لئے تیار ہیں۔"

ہمبرگ میں احمدیہ یورپین مشنز کی چوتھی کانفرنس

جرمنی میں تحریک احمدیت کا ایک انقلابی قدم جس نے اس ملک کو اسلام کی زندہ اور زبردست طاقت کا پہلا احساس دلایا اور ایک نمایاں حرکت پیدا کر دی، ہمبرگ میں احمدی یورپین مشنوں کی چوتھی کانفرنس کا انعقاد ہے جو ۱۸ تا ۲۰ ماہ نبوت / نومبر ۱۳۳۴ہش / ۱۹۵۵ء میں ہوئی اور جس میں انگلستان، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ اور سپین کے احمدی مجاہدین نے شرکت کی۔

اس کانفرنس کا پریس میں بہت چرچا ہوا۔ اخباروں نے اس کے فوٹو دیئے، خبریں شائع کیں اور اداراتی نوٹ بھی لکھے۔ سب سے دلچسپ اور فکر انگیز تبصرہ جرمنی کے ایک عیسائی اخبار کا تھا جس نے لکھا کہ:-

"**عیسائی مشن اور چرچ کیلئے ایک اہم سوال**

یہ سوال عیسائی دُنیا کو اپنے سامنے رکھنا چاہیئے کہ اسلام نہ صرف اپنی اشاعت کے اوّلین دَور میں عظیم روحانی اہمیت رکھتا تھا بلکہ اِس زمانہ میں اپنے تبلیغی مشنوں کے ذریعہ یورپ میں بہت اہمیت اختیار کر رہا ہے۔ انہی دنوں اسلامی مشنوں کے انچارج ہمبرگ میں جمع ہوئے تھے تاکہ وہ اسلام کو کامیاب طور پر یورپ میں پھیلانے کے ذرائع پر غور کر سکیں۔ جرمنی، انگلینڈ، ہالینڈ،

---

[1] چوتھا سوال یہ تھا کہ احمدیہ جماعت کی تاریخ، نظام، تبلیغ اور تعداد کی وضاحت فرمائیں۔

سوئٹزرلینڈ اور سپین میں اسلام کی تبلیغ آئندہ تقاریر اور لٹریچر کے ذریعہ زیادہ زور شور سے کی جائے گی۔ جرمنی میں اسلام کی کامیابی کا میدان زیادہ وسیع ہے۔ چند سال کے اندر اندر ہمبرگ میں مسجد بھی تعمیر کی جائے گی۔ ان واقعات سے ہمیں آنکھیں بند نہیں کرنی چاہئیں۔ ویسے اس بارہ میں احتجاج بلند کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسلام گذشتہ تیرہ صدیوں میں اتحاد باہمی اور مؤثر اشاعت کے ذریعہ اپنے آپ کو ایک عالمی طاقت ثابت کر چکا ہے۔ ان حالات میں عیسائی دنیا کو ایک بہت بڑا اور مشکل ترین مرحلہ درپیش ہے"[1]

حضرت مصلح موعود کا جرمنی میں ورود حضور کا ایمان افروز خطاب اور دوسری اہم دینی مصروفیات

جرمن مشن کی تاریخ میں وسط ۱۳۳۴ہش/۱۹۵۵ء کا دور ہمیشہ سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ کیونکہ اس میں حضرت مصلح موعود نے سفر جرمنی اختیار فرمایا۔ اور ۲۵ تا ۲۹ ماہ احسان/جون تک اس ملک میں رونق افروز رہے۔

دوران قیام ۲۶ ماہ احسان کو ڈاکٹر ٹلٹاک حضور کے دست مبارک پر بیعت کر کے مشرف بہ اسلام ہوئے جن کا اسلامی نام حضور نے زبیر تجویز فرمایا۔ بعد ازاں ہمبرگ کے ایک نامور جرمن مستشرق ڈاکٹر ABEL ملاقات کے لئے حاضر ہوئے حضور ان سے عربی میں گفتگو فرماتے رہے۔

اسی روز حضور کے اعزاز میں ۷ بجے شام جماعت احمدیہ ہمبرگ نے ایک استقبالیہ تقریب کا انتظام کیا جس میں احمدیوں کے علاوہ دیگر معززین اور نمائندگان پریس نے بھی شرکت کی۔ عبدالکریم صاحب ڈنکر نے حضور کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا جس کے جواب میں حضور نے کھڑے ہو کر ایک خاص ولولہ اور روحانی کیفیت کے ساتھ نصف گھنٹہ تک تقریر انگریزی میں فرمائی۔ جس میں پہلے تو احمدی احباب کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد ربوہ مرکز احمدیت کی تعمیر کی تفاصیل بیان فرمائیں۔ اور پھر فرمایا کہ جرمن قوم کا کیریکٹر بلند ہے اور انہوں نے ہمبرگ شہر کو اتنی جلد تعمیر کر لیا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ جرمن قوم اس زندہ روح کے ساتھ ضرور جلد از جلد اسلام کو جو خود اسی روح کو بلند کرنے کے لئے تعلیم دیتا ہے قبول کرے گی۔ حضور نے فرمایا کہ میں اس نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کا پیرو کار ہوں جس نے دنیا میں امن اور رواداری کو قائم کرنے کی پوری کوشش کی اور اپنے مخالفین جنہوں نے مسلمانوں کو تہ و تیغ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت

---

[1] الفضل ۸ صلح/جنوری ۱۳۳۴ہش/۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

نہ کیا، کو فاتح ہونے کی حیثیت میں کس طرح معاف کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ اسلام اس رواداری کی تعلیم کا حامل ہے اور اس کی مثال کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ اسلام قومیت اور رنگ و نسل کی تمیز سے بالا ہے اور دنیا میں عالمگیر برادری اور اخوت کو قائم کرنے کے لئے زریں اصول پیش کرتا ہے۔ حضور کی اس محبت بھری تقریر کا جرمن ترجمہ مبلغ جرمنی نے بعد میں کیا۔ حاضرین نے خدا کے فضل سے حضور کی تقریر کو بہت پسند کیا۔ ہمبرگ کے ایک روزنامہ HAMBURGER ANZEIGER نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۸ جون میں حضور کی اس تقریر اور ہمبرگ گورنمنٹ کی طرف سے خوش آمدید کا ذکر ایک فوٹو کے ساتھ حسب ذیل الفاظ میں کیا:۔

"

امیر المومنین ٹاؤن ہال میں

احمدیہ جماعت کے امام حضرت مرزا محمود احمد صاحب کو کل ٹاؤن ہال میں MINISTER VON FLSENNE نے خوش آمدید کہا۔ ۶۶ سال کی عمر کے امیر المومنین نے کل جماعت کی طرف سے دی گئی دعوت چائے کے موقعہ پر بیان کیا کہ ربوہ کی تعمیر کس طرح ۱۹۴۸ء میں مخالف حالات میں ہوئی۔ ایک بے آب و گیاہ گاؤں کس طرح ایک بڑا شہر بنا جس میں اب مختلف تعلیمی ادارے اور ایک مشنری کالج تعمیر ہو چکے ہیں۔ اسلام صلح اور امن کا مذہب ہے اور عالمگیر اخوت کو قائم کرنے کے اصول پیش کرتا ہے۔ اس لئے اسلام ہی آپ کے لئے مناسب حال مذہب ہے اور خاص طور پر جرمنی کے لئے عالمگیر مذہب ہونے کی بنا پر اسلام کا مستقبل جرمنی میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی روح جرمنی میں زندہ ہے۔ احمدیہ جماعت کا جرمنی میں مرکز ہمبرگ ہے اور اس کے تبلیغی مشن مختلف ممالک میں موجود ہیں"

علاوہ ازیں نہ صرف ہمبرگ بلکہ جرمنی کے بیسیوں اخبارات میں حضور کی آمد کی خبر حضور کے فوٹو کے ساتھ شائع ہوئی۔

ہمبرگ میں مسجد کی تعمیر اور افتتاح

حضرت مصلح موعود نے قیام ہمبرگ کے دوران ۲۶ احسان/جون ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء کو جرمنی میں جلد مسجد تعمیر کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔[1] سو اللہ تعالیٰ نے حضور کی یہ مبارک خواہش دو سال کے اندر اندر پوری کر دی۔ چنانچہ ۲۲ تبلیغ/

[1] الفضل ۱۵ وفا/جولائی ۱۳۳۴ھش/۱۹۵۵ء صفحہ ۲

فروری ۱۳۳۶ہش/۱۹۵۷ء کو ہمبرگ مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا[۱] اور ۲۲ احسان/جون ۱۳۳۶ہش/۱۹۵۷ء کو چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے حضرت مصلح موعود کے ارشاد پر اس کا افتتاح فرمایا۔

افتتاحی تقریب کا آغاز تلاوت قرآن عظیم سے ہوا جو حافظ قدرت اللہ صاحب مبلغ ہالینڈ نے کی پھر چودھری عبداللطیف صاحب انچارج مشن نے مختصر تقریر میں مسجد کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی ازاں بعد صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے جو حضرت امیر المومنین کے نمائندہ کی حیثیت میں تشریف لے گئے تھے، حضور پُرنور کا مندرجہ ذیل پیغام انگریزی میں پڑھ کر سُنایا:۔

"برادران اہل جرمنی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مَیں ہمبرگ کی مسجد کے افتتاح کی تقریب میں شمولیت کے لئے اپنے بیٹے مرزا مبارک احمد کو بھجوا رہا ہوں۔ افتتاح کی تقریب تو انشاء اللہ عزیزم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب ادا کرینگے مگر مرزا مبارک احمد میرے نمائندے کے طور پر اس میں شامل ہوں گے۔ میرا ارادہ ہے اللہ تعالیٰ مدد کرے تو یکے بعد دیگرے جرمنی کے بعض اور شہروں میں بھی مساجد کا افتتاح کیا جائے امید ہے کہ مرزا مبارک احمد مولوی عبداللطیف صاحب سے مل کر ضروری سکیمیں اس کے لئے بنا کر لائیں گے تاکہ جلدی مساجد بنائی جاسکیں۔

خدا کرے کہ جرمن قوم جلد اسلام قبول کرے اور اپنی اندرونی طاقتوں کے مطابق جس طرح وہ یورپ میں مادیات کی لیڈر ہے روحانی طور پر بھی لیڈر بن جائے۔ فی الحال اتنی بات تو ہے کہ ایک جرمن نومسلم زندگی وقف کرکے امریکہ میں تبلیغ اسلام کر رہا ہے مگر ہم ایک مبلغ یا درجنوں نومسلموں پر مطمئن نہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں مبلغ جرمنی سے پیدا ہوں اور کروڑوں جرمن باشندے اسلام کو قبول کریں تا اسلام کی اشاعت کے کام میں یورپ کی لیڈری جرمن قوم کے ہاتھ میں ہو۔ اللّٰھم آمین۔

خاکسار مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی"[۲]

---

[۱] الفضل ۲۷ تبلیغ/فروری ۱۳۳۶ہش/۱۹۵۷ء صفحہ ۱

[۲] الفضل ۲۶ احسان/جون ۱۳۳۶ہش/۱۹۵۷ء صفحہ ۱

اس روح پرور پیغام کا چوہدری عبداللطیف صاحب نے ترجمہ کیا۔ جس کے بعد صاحبزادہ صاحب نے ایک اثر انگیز تقریر کی جس کا جرمن زبان میں ترجمہ بھی چوہدری عبداللطیف صاحب نے کیا۔[۱]

آخر میں چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے ایک پُر مغز اور ایمان افروز تقریر فرمائی[۲] جس کا جرمن ترجمہ محترم عبدالکریم صاحب ڈُنکر نے کیا۔ تقریر کا ترجمہ ہونے کے بعد آپ نے اجتماعی دُعا کرائی اور مسجد کے دروازہ پر تشریف لے جا کر دروازہ کھولا۔

آخر میں چوہدری عبداللطیف صاحب نے ظہر و عصر کی نمازیں جمع کرا کر پڑھائیں اور اس طرح یہ مبارک اہم اور تاریخی اجتماع اختتام پذیر ہوا۔

اس اجتماع میں شمولیت کے لئے یورپ کے مبلغین میں سے مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب ہالینڈ سے، مکرم شیخ ناصر احمد صاحب سوئٹزرلینڈ سے، مکرم مولود احمد صاحب انگلینڈ سے اور مکرم سید کمال یوسف صاحب سویڈن سے تشریف لائے۔ اعلیٰ لوکل حکام، ہندوستان لبنان اور ہالینڈ کے کونسل جنرل اور دیگر معززین شہر، پریس اور ٹیلی ویژن کے نمائندے شریک ہوئے[۳]

ہمبرگ مسجد اور مسیحی پریس

ہمبرگ مسجد کی تعمیر سے جہاں تبلیغ اسلام کی سرگرمیوں میں نمایاں اضافہ ہو گیا وہاں جرمن مسیحی پریس میں تشویش و اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ بعض اخبارات کی آراء ملاحظہ ہوں:-

۱- اخبار " LANDES ZEITUNG " نے اپنے ۱۱ جون ۱۹۵۸ء کے شمارہ میں "ہمبرگ کی مسجد ایک خطرے کا الارم" کی سرخی دے کر لکھا کہ اب اسلام میں نئی زندگی پیدا ہو رہی ہے۔ اور اس مذہب کے پیروؤں نے ہمبرگ میں اپنی پہلی مسجد بھی تعمیر کر لی ہے۔[۴]

۲- اخبار " WURZBURG " نے لکھا:-

" ہمبرگ میں مسجد کی تعمیر عیسائی دنیا کی سُستی اور اپنے مذہب سے بے رُخی اور بے دلی پر دلالت کرتی ہے نہ کہ رواداری پر "

---

[۱] یہ تقریر الفضل ۲۷ شہادت/اپریل ۱۳۳۶ہش/۱۹۵۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔

[۲] " " ۲۸ اخاء/جولائی ۱۳۳۷ہش/۱۹۵۸ء " " " "

[۳] الفضل ۴ وفاء/جولائی ۱۳۳۶ہش/۱۹۵۷ء صفحہ ۳-۴

[۴] رسالہ تحریک جدید جنوری ۱۹۶۸ء صفحہ ۵۸

۳۔ ایک مذہبی اخبار "THE CHURCH" نے مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا:۔

" عیسائیت اور اسلام کے درمیان HOLY WAR کا مرکز ہمبرگ بن چکا ہے۔ یہ اب ہم پر منحصر ہے کہ ہم کس طرح مسجد کی تعمیر کے ساتھ وابستہ خطرات کا مقابلہ کرتے ہیں۔

جماعت احمدیہ کا جرمنی کے لئے مبلغ مسٹر عبداللطیف ۱۹۴۹ء میں ہمبرگ آیا اور ۱۹۵۷ء میں مسجد کی تعمیر اس کی آٹھ سالہ کامیاب جدوجہد پر دلالت کرتی ہے۔"

۴۔ BILEFELD کے ایک اخبار کے ایک نامہ نگار نے "مساجد ہمارے ملک میں" کے عنوان کے ماتحت لکھا:۔

"میری حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ مجھے اپنے ہمبرگ کے قیام کے دوران بتایا گیا کہ ہمبرگ میں ایک مسجد تعمیر ہو چکی ہے۔ مزید تحقیق کرنے پر مجھے اس بات کا علم حاصل کر کے اور بھی حیرانی ہوئی کہ جماعت احمدیہ ہمبرگ کی مسجد کے علاوہ جرمنی کے دیگر اہم مقامات پر بھی باری باری مساجد کی تعمیر کا ارادہ رکھتی ہے" [۱]

جرمن ترجمہ قرآن کی اشاعت

شروع ۱۳۳۳ ہش/۱۹۵۴ء میں احمدیہ مسلم مشن سوئٹزرلینڈ نے جرمن ترجمہ قرآن چھپوایا تو سوئٹزرلینڈ کے علاوہ جرمنی میں بھی اس کی اشاعت کی گئی۔ اس ترجمہ نے اس ملک کے علمی طبقہ پر گہرا اثر ڈالا۔ جرمن پریس میں بھی اس ترجمہ کی بڑی شہرت ہوئی اور جرمن رسائل وجرائد نے اس پر عمدہ ریویو کئے۔ اس ترجمہ کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

جرمن مشن میں فریضۂ تبلیغ بجالانیوالے مجاہدینِ احمدیت

جرمن مشن میں اب تک جن مجاہدین اسلام کو تبلیغ اسلام کا فریضہ بجالانے کا موقع ملا ہے اُن کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ مکرم چوہدری عبداللطیف صاحب۔ (۲۰ صلح/جنوری ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء تا ۲۴ ظہور/اگست ۱۳۳۰ ہش/۱۹۵۱ء، ۱۴ تبوک/ستمبر ۱۳۳۰ ہش/۱۹۵۱ء تا ۱۴ فتح/دسمبر ۱۳۴۱ ہش/۱۹۶۲ء، ۲۵ صلح/جنوری ۱۳۴۲ ہش/۱۹۶۳ء تا آخر ۱۳۴۸ ہش/۱۹۶۹ء ہش۔

۲۔ الحاج مرزا لطف الرحمٰن صاحب (۲۴ شہادت/اپریل ۱۳۳۸ ہش/۱۹۵۹ء تا ۲ فتح/دسمبر ۱۳۳۹ ہش/۱۹۶۰ء ہش۔ اس تاریخ کو جرمنی سے ٹوگولینڈ مغربی افریقہ میں تشریف لے گئے) اور ٹوگولینڈ مشن کی بنیاد رکھی

---

[۱] الفضل ۱۵ تبوک/ستمبر ۱۳۳۷ ہش/۱۹۵۸ء صفحہ ۴

۳۔ مکرم مسعود احمد صاحب جہلمی (۲۰؍امان/مارچ ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء تا ۲۳؍ہجرت/مئی ۱۳۴۳ہش/۱۹۶۴ء، ۲۷؍صلح/جنوری ۱۳۴۷ہش/۱۹۶۸ء تا ۲۱؍اخاء/اکتوبر ۱۳۵۱ہش/۱۹۷۲ء)

۴۔ مکرم مولوی محمود احمد صاحب چیمہ (۲۱؍وفا/جولائی ۱۳۴۱ہش/۱۹۶۲ء تا ۱۳۴۵ہش/۱۹۶۶ء)

۵۔ مکرم مولوی فضل الٰہی صاحب انوری (۷؍احسان/جون ۱۳۴۳ہش/۱۹۶۴ء تا ۲۸؍فتح/دسمبر ۱۳۴۶ہش/۱۹۶۷ء، ۱۹؍اخاء/اکتوبر ۱۳۵۱ہش/۱۹۷۲ء کو دوبارہ ربوہ سے عازم جرمنی ہوئے اور اس وقت مشن انچارج کی حیثیت سے مصروفِ عمل ہیں۔

۶۔ مکرم مولوی بشیر احمد صاحب شمس (۱۲؍تبوک/ستمبر ۱۳۴۵ہش/۱۹۶۶ء تا ۱۷؍فتح/دسمبر ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء)

۷۔ مکرم قاضی نعیم الدین احمد صاحب (۱۹؍وفا/جولائی ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء سے جرمنی میں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کر رہے ہیں)

مسجد فرانکفورٹ کی تعمیر و افتتاح

مسجد ہمبرگ کے افتتاح پر ابھی دو سال بھی نہ ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جرمن مشن کو دوسری مسجد تعمیر کرنے کی توفیق دے دی۔[۱] جس کے لئے مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب ہالینڈ سے تشریف لائے۔ علاوہ ازیں یورپ کے مبلغین میں سے مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب، مکرم شیخ ناصر احمد صاحب، مکرم عبدالحکیم صاحب اکمل، الحاج مرزا لطف الرحمٰن صاحب، مکرم عبدالشکور صاحب کنزے، مکرم خان بشیر احمد صاحب رفیق اور مکرم کمال یوسف صاحب بھی شامل ہوئے۔

افتتاح کی کارروائی تین بجے بعد دوپہر مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی زیر صدارت شروع ہوئی۔ تلاوت قرآن کریم حافظ قدرت اللہ صاحب نے کی۔ مبلغ جرمنی نے اپنی تقریر کے ذریعہ حاضرین کو خوش آمدید کہا اور اس مبارک کام میں حصہ لینے والے احباب کا شکریہ ادا کیا۔ فرانکفورٹ کے چیف میئر کے ذاتی نمائندہ (MR. ALBRECHT) نے کہا کہ انہیں امید ہے کہ یہ مسجد امن اور رواداری کے اصولوں کو بروئے کار لانے میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔ آخر میں مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نائب صدر عالمی عدالت انصاف نے اسلام کے عالمگیر پیغام پر نہایت ایمان افروز اور دلچسپ پیرایہ میں صدارتی تقریر انگریزی زبان میں فرمائی جس کا جرمن ترجمہ ایک جرمن نو مسلم عبدالشکور کنزے نے کیا۔

[۱] الفضل ۱۴؍تبوک/ستمبر ۱۳۳۷ہش/۱۹۵۸ء صفحہ ۳۔

اس کے بعد مکرم چوہدری صاحب نے دُعا کروائی اور مسجد کا دروازہ کھول کر پہلے رسم افتتاح ادا فرمائی پھر ظہر اور عصر کی نمازیں پڑھائیں۔ یوم افتتاح کے موقع پر بوقت دو بجے مبلغ جرمنی کا انٹرویو ریکارڈ ہوا۔ انٹرویو سے قبل مبلغ جرمنی کی خواہش کے مطابق اذان بھی ریکارڈ کی گئی جو حافظ قدرت اللہ صاحب نے خوش الحانی سے دی۔ یہ انٹرویو اسی روز پونے سات بجے ایک اہم پروگرام کے آخر میں نشر ہوا۔ اور اس طرح فرانکفورٹ کی تاریخ میں پہلی دفعہ اذان کے الفاظ فضا میں گونجتے ہوئے سُنائی دئے۔ اس انٹرویو کے دوران مبلغ جرمنی نے مسجد کی اہمیت کو بیان کیا اور اسلام کے بارہ میں بعض غلط فہمیوں کو دُور کیا۔ انٹرویو کے دوران جماعت کی تبلیغی مساعی کے بارہ میں بھی بعض امور مختصر طور پر بیان کئے۔ علاوہ ازیں سوس (SWISS) ٹیلی ویژن نے بھی افتتاح کی تقریب کے بعض ضروری حصے دکھائے۔

جرمنی کے تقریباً چالیس اخبارات نے مسجد اور افتتاح کی کارروائی کے بعض مناظر کے مختلف فوٹو بھی شائع کئے۔ نیز جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی پر عمدہ رنگ میں تبصرہ کیا۔ مثلاً اخبار MANNHEIM MORGEN نے ۱۵ ستمبر ۱۹۵۹ء کو "اسلام یورپ کی طرف بڑھ رہا ہے" کی سرخی کے ساتھ مسجد کی افتتاحی تقریب کا فوٹو دیا اور لکھا:۔

> "محمدؐ کے پیرو اس سے قبل تلواروں اور نیزوں کی مدد سے جنوبی فرانس تک آئے۔ موجودہ زمانہ میں یہ کام روحانی ہتھیاروں سے ہو رہا ہے۔ بہت سے اسلامی ممالک کے لوگ یورپ آتے ہیں جو ساتھ ساتھ اسلام پھیلانے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح مختلف تبلیغی فرقے جن میں سے ایک فرقہ نے جو خاص طور پر مرزا غلام احمد (صاحب) قادیانی کا ہے اور ۱۸۹۰ء میں پنجاب میں قائم ہوا مختلف جگہوں پر مساجد بنائی ہیں۔"[1]

رسالہ "اسلام" کا اجراء جرمن زبان میں ماہنامہ "DER ISLAM" کا اجراء اگرچہ ۱۹۴۸ء میں سوئٹزرلینڈ مشن سے ہوا تھا مگر ۱۳۴۱ہش/۱۹۶۲ء میں اس رسالہ کی اشاعت کا کام بھی جرمن مشن کے سپرد ہوا۔ اور یہ ہمبرگ سے چھپنے لگا۔ ۱۹۷۰ء میں جب جرمن مشنوں کا مرکز ہمبرگ سے فرانکفورٹ میں منتقل ہو گیا تو رسالہ "اسلام" کی اشاعت بھی

---

[1] الفضل ۸/۱۰ نومبر ۱۹۵۹ء۔ رسالہ تحریک جدید جنوری ۱۹۶۸ء

فرانکفورٹ سے ہونے لگی۔ یہ رسالہ خدا تعالیٰ کے فضل سے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور یورپ کے جرمن زبان بولنے والے علاقوں یعنی سوئٹزرلینڈ، آسٹریا اور جرمنی میں واحد اسلامی رسالہ ہے جو اِن ممالک میں ربع صدی سے اسلام کے رُوحانی، علمی، تاریخی، معاشی اور ثقافتی نظام کی ترجمانی کے فرائض بجا لا رہا ہے۔ جرمنی میں اس رسالہ کی ادارت کے فرائض چوہدری عبداللطیف صاحب ادا کرتے رہے اور ۱۹۷۰ء میں جناب مسعود احمد صاحب جہلمی مدیر اوّل اور جناب ڈاکٹر محمد عبدالہادی کیوسی صاحب مدیر معاون کے طور پر مقرر ہوئے۔ بعد ازاں ادارہ تحریر میں مبلّغ سوئٹزرلینڈ جناب چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بھی شامل کر دیئے گئے۔

اکتوبر ۱۹۷۲ء میں جناب مسعود احمد صاحب جہلمی کی پاکستان واپسی پر جناب مولوی فضل الٰہی صاحب انوری بحیثیت مبلّغ انچارج رسالہ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔

یہ رسالہ اپنی طباعت اور مضامین ہر دو لحاظ سے معیاری ہے۔ جرمن بولنے والے ممالک کی مشہور لائبریریوں اور یونیورسٹیوں اور مستشرقین کو بھجوایا جاتا ہے۔ اسی طرح یورپ کے ممالک ہالینڈ اور ڈنمارک وغیرہ میں بھی کثیر تعداد میں جاتا ہے۔ علاوہ ازیں تمام بیرونی مرکزی مشنوں میں بھی بھجوایا جاتا ہے۔

جرمنی کے علمی حلقوں میں یہ رسالہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جرمنی کی ایڈمنسٹریٹو ہائیکورٹ کے چیف جسٹس پروفیسر ڈاکٹر کلز (PROF. DR. KULZ) نے اپنے ایک خط میں رسالہ کے معیار کی تعریف کی اور لکھا کہ وہ ہر ماہ اس کی آمد کے منتظر رہتے ہیں۔ اسی طرح فرانکفورٹ کے میئر DR. W. FAY جب اپنے عہدہ سے سبکدوش ہوئے تو انہوں نے ایڈیٹر رسالہ کو کہا کہ یہ رسالہ جو بطور میئر کے انہیں دفتر میں بھجوایا جاتا تھا اب اُن کے ذاتی پتہ پر ارسال کیا جائے۔

جرمنی کے مشہور ترین اخبار FRANKFURTER ALLGEMEINE کے ایڈیٹر MR. HARALD VOCKE نے رسالہ کے بھجوائے جانے کی خواہش کی اور مبلّغ جرمنی کو بتایا کہ وہ رسالہ کا دلچسپی سے مطالعہ کرتے ہیں۔

حضرت سیّدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ جرمنی میں	۱۳۴۱ ہش ۱۹۶۲ء میں مغربی جرمنی کو یہ فخر حاصل ہوا کہ حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم

صاحبہ نے (جو مسجد زیورک وسوئٹزرلینڈ کے سنگ بنیاد کے سلسلہ میں تشریف لے جارہی تھیں) ۱۹ تا ۲۲ ظہور ہمبرگ دارالتبلیغ میں قیام فرمارہیں۔ جرمن پریس نے آپ کی آمد کی خبر نمایاں طور پر شائع کی اور اسلام میں عورتوں کے بلند مقام پر بھی روشنی ڈالی[۱]

ہمبرگ مشن کی عمارت میں توسیع

ہمبرگ مشن کی عمارت میں توسیع کا سنگ بنیاد ۱۹۶۴ء کی عیدالاضحیہ کے موقعہ پر رکھا گیا۔ جرمنی کے مشہور اخبار DIE WELT نے ہر دو تقاریب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:-

"صرف یہ ایک واحد جماعت ہے جو دنیا بھر میں تبلیغ اسلام کے فرائض سرانجام دے رہی ہے"[۲]

حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کا مغربی جرمنی کی طرف پہلا سفر

جرمنی میں اسلام کے رُوحانی انقلاب کی بنیادی اینٹ حضرت مصلح موعود کے مقدس ہاتھوں سے رکھی جا چکی تھی۔ اس بنیاد کو پہلے سے زیادہ مضبوط مستحکم اور وسیع کرنے کے لئے مہدی مسعود کے نافلہ موعود سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنے مشہور عالم دورۂ یورپ (۱۳۴۶ہش/۱۹۶۷ء) کے دوران مغربی جرمنی میں بھی تشریف لے گئے۔[۳] حضرت امیرالمومنین ۸ سے ۱۰ وفا/جولائی تک فرانکفورٹ میں رونق افروز رہے۔ ۹ وفا/جولائی کو جماعت احمدیہ جرمنی کی طرف سے حضور کے اعزاز میں وسیع پیمانے پر ایک استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں جرمنی کے احمدی مخلصین کے علاوہ شہر کے دوسرے معززین مثلاً پادری، وکلاء اور پروفیسر بھی شامل ہوئے۔ اس موقع پر چوہدری عبداللطیف صاحب انچارج مبلغ نے سپاسنامہ پڑھا جس کے جواب میں حضور نے ایک پُراثر انگریزی خطاب فرمایا۔ جس میں جرمنوں کو یہ پُرشوکت پیغام دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی تائید اور نصرت کے لئے اپنے ایک موعود بندے کو اس زمانہ کا مصلح اور مسیح موعود اور مہدی بنا کر بھیجا ہے جس نے دُنیا کو چیلنج دیا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرزند جلیل ہونے کی حیثیت میں کثرت سے میرے ہاتھ پر نشان ظاہر کئے ہیں۔ اگر عیسائیوں میں سے کوئی یہ ثابت کر کے دکھائے کہ مسیح کے معجزات کیفیت اور کمیت میں میرے معجزات سے بڑھ

---

[۱] الفضل ۷ ارضیلہ/جنوری ۱۳۴۲ہش/۱۹۶۳ء صفحہ ۳۔ [۲] ملخصاً از رپورٹ مبلغ مرسلہ مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۶۴ء۔

[۳] حضور ایدہ اللہ تعالیٰ زمانہ طالبعلمی میں بھی جرمنی تشریف لائے تھے مگر زمانہ خلافت کا یہ پہلا سفر تھا۔

کرہیں تو مَیں اسے ایک زرِ کثیر انعام دینے کے لئے تیار ہوں۔

اس تعلق میں حضور نے فرمایا۔ اس مسیح موعود کے تیسرے خلیفہ کی حیثیت میں وہی چیلنج دُنیا کے سامنے پھر دُہراتا ہوں۔ اگر دوسرے مذاہب کے رہنما میرے اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوں تو ہمیں خوشی ہوگی کیونکہ اس طرح پر دُنیا اسلام اور بانیٔ جماعت احمدیہ کی سچّائی پر روشن نشان دیکھ لے گی۔[1]

آخر میں حضور نے فرمایا۔ میرا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام کا خدا ایک زندہ خدا ہے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک زندہ نبی اور مسیح موعود آپ کے فرزند جلیل ہیں۔ حضور کے اس خطاب کا ترجمہ محمود اسمٰعیل زوش نے کیا۔

فرانکفورٹ میں حضور پُرنور کا قیام مشن ہاؤس میں تھا۔ اس موقع پر علاوہ جرمن نومسلموں کے بہت سے دوسرے احمدی بھی اپنے آقا کی زیارت کے لئے پہنچے ہوئے تھے۔ دوران قیام مسٹر والٹر ہلز نے دستی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ علاوہ ازیں اطالوی مستشرق ڈاکٹر کیوسی بھی بغرض ملاقات حاضر ہوئے

حضور نے فرانکفورٹ میں جرمن قوم کے متعلق اپنا ایک پُرانا مبشّر خواب سُنایا کہ ایک جگہ ہے وہاں ہٹلر بھی موجود ہے اور وہ حضور سے کہتا ہے کہ آئیں مَیں آپ کو اپنا عجائب خانہ دکھاؤں۔ چنانچہ وہ حضور کو ایک کمرہ میں لے گیا جہاں مختلف اشیاء پڑی ہیں۔ کمرہ کے وسط میں ایک پان کی شکل کا پتھر ہے جیسے دل ہوتا ہے۔ اس پتھر پہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ محمّد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ حضور نے اس کی تعبیر یہ فرمائی کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمن قوم اگرچہ اُوپر سے پتھر دل یعنی دین سے بیگانہ نظر آتی ہے مگر اس کے دلوں میں اسلام قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔[2]

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ فرانکفورٹ کے بعد ۱۶ تا ۱۹ ؍وفا/جولائی ہمبرگ میں بھی رونق افروز رہے۔ ریڈیو ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعہ ملک بھر میں حضور کی آمد کا غیر معمولی چرچا ہوا اور لاکھوں افراد تک اسلام کا پیغام پہنچا۔ اندازاً ساٹھ ستّر لاکھ نفوس کو ٹیلی ویژن کے ذریعہ تعارف کا موقعہ ملا جو خالص خدائی تصرّف تھا۔[3]

ہمبرگ میں بھی حضور کے اعزاز میں شاندار استقبالیہ تقاریب منعقد کی گئیں جس میں معززین شہر

۱؎ الفضل ۱۰ ظہور/اگست ۱۳۴۶ ہش/۱۹۶۷ء صفحہ ۴ ٭ ۲؎ الفضل ۱۰ ظہور/اگست ۱۳۴۹ ہش/۱۹۷۰ء صفحہ ۳-۴ ٭

۳؎ الفضل ۲۷ وفا/جولائی ۱۳۴۶ ہش/۱۹۶۷ء صفحہ ۱ ٭

کے علاوہ نمائندگانِ حکومت بھی شامل ہوئے۔ اٹلانٹک ہوٹل میں وسیع پیمانے پر ایک پریس کانفرنس کا انعقاد بھی عمل میں آیا جس میں ملکی اخبارات کے نمائندوں کے علاوہ خبر رساں ایجنسیوں کے نمائندے، مختلف ریڈیو سٹیشنوں اور مقالہ نگار (فیچر رائٹر) ۳۵ کی تعداد میں شامل ہوئے۔ حضرت امیرالمومنین نے اس کانفرنس میں باقاعدہ اخباری بیان جاری کرنے کی بجائے سوال و جواب کے طریق کو ترجیح دی۔ اس موقع پر نامہ نگاروں اور نمائندوں نے نہایت کثرت سے سوالات دریافت کئے جن کے جوابات حضور نے رُوح القدس کی تائید سے نہایت درجہ بشاشت اور بے تکلفی سے ایسے پُرزور اور مدلّل رنگ میں دیئے کہ سب پر اسلامی دلائل کی معقولیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ اس کانفرنس نے نہ صرف ہمبرگ کے عوامی حلقوں میں ہی زبردست تہلکہ مچا دیا بلکہ اخبارات نے بھی حضور کے سفر ہمبرگ اور پریس کانفرنس کی خبریں نمایاں طور پر شائع کیں۔[۲]

کتابوں کی عالمی نمائش میں مشن کی نمائندگی

۱۹۶۷ء میں کتابوں کی مشہور عالمی نمائش کے موقعہ پر اورینٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ ربوہ کی نمائندگی میں فرانکفورٹ مشن نے ایک سٹال لگایا اور اس کے جملہ انتظامات مولوی فضل الٰہی صاحب انوری مبلّغ اسلام نے سرانجام دیئے۔ ۱۹۶۸ء سے پاکستان بھی اس نمائش میں حصہ لے رہا ہے اور ۱۹۶۹ء سے ہمارے جرمن نومسلم احمدی دوست ہدایت اللہ صاحب ہیوبش مستقل طور پر نمائش کے تمام ایام میں پاکستانی سٹال کی امداد کر رہے ہیں۔

صدر جمہوریہ سنیگال کو اسلامی لٹریچر کی پیشکش

اس عالمی نمائش کے موقعہ پر ایک خاص تقریب منعقد ہوتی ہے جس میں انعام امن (PEACE PRIZE) دیا جاتا ہے۔ ۱۹۶۸ء میں یہ انعام جمہوریہ سنیگال کے صدر جناب سینگور کو دیا گیا۔ مبلّغ جرمنی نے صدر موصوف کو فرانسیسی زبان میں شائع شدہ اسلامی کتب کا ایک سیٹ پیش کیا۔

ایک مشہور مسیحی مُناد کو قبولیت دُعا میں مقابلہ کرنے کی دعوت اور اُس کا واضح انکار

۱۳۴۷ہش/۱۹۶۸ء کا ایک نہایت اہم واقعہ جس سے جرمنی میں اسلام کو نمایاں رُوحانی فتح نصیب ہوئی، انچارج احمدیہ مسلم مشن فرانکفورٹ کی طرف

---

[۱] الفضل ۲۸ وفا/جولائی ۱۳۴۶ہش/۱۹۶۷ء صفحہ ۱۔
[۲] الفضل ۳۰ وفا/جولائی ۱۳۴۶ہش/۱۹۶۷ء صفحہ ۴۔

سے دُنیائے عیسائیت کے مشہور مسیحی مُناد ـــــ ڈاکٹر سیموئل ڈاکٹریان[1] کو قبولیت دُعا میں مقابلہ کرنے کی دعوت اور ان کا واضح انکار ہے۔

ڈاکٹر سیموئل ماہ جون ۱۹۶۸ء کے دوران فرانکفورٹ میں تشریف لائے تو فری کرسچن چرچ نے ایک با اثر مقامی اخبار میں ڈاکٹر سیموئل کی تصویر کے ساتھ بڑے طمطراق سے اعلان شائع کیا کہ آپ فرانکفورٹ شہر میں ہر شام مسلسل پندرہ روز تک لیکچر دیں گے۔ نیز لکھا کہ زمانہ حاضر کے عظیم مسیحی مناد ڈاکٹر سیموئل خداوند یسُوع کے عظیم تصرف کے ساتھ انجیل کی منادی کرتے ہیں اور ان کی تقاریر سے مشرق وسطی، افریقہ، یورپ اور امریکہ میں زبردست بیداری کے آثار پیدا ہو رہے ہیں

مبلغ اسلام مسعود احمد صاحب جہلمی نے ۱۷ جون کو ڈاکٹر صاحب کا لیکچر سُنا جس میں انہوں نے مسیح کے خون، دُنیا کی نجات اور الوہیت مسیح وغیرہ مسائل بیان کئے اور بڑے پُرجوش انداز میں اپنے مشن اور اپنے دَوروں کی کامیابی کا ذکر کیا۔ مبلغ اسلام مسعود احمد صاحب جہلمی نے اگلے روز اسلام کے نمائندہ کی حیثیت سے بذریعہ خط پادری صاحب کو دعوت دی کہ وہ حق و باطل کا

---

[1] ڈاکٹر سیموئل بیروت کے بائبل لینڈ مشن کے انچارج اور مسیحی دُنیا کی ایک معروف شخصیت ہیں۔ آپ آرمینیا کے عیسائی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں مگر ابتدائی تعلیم یروشلم میں پائی ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ان آخری ایام میں یسُوع مسیح کی آمد ثانی سے قبل آسمانی باپ نے انہیں رُوح القدس کی زبردست رُوحانی قوت کے ساتھ تمام دُنیا اور خصوصاً مشرق وسطی کے ممالک کو بیدار کرنے کی ذمہ داری سونپی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اپنی کتاب سموئیل ڈاکٹریان کی کہانی (THE STORY OF SAMUEL DOCTORIAN) میں اپنی زندگی کے مختصر حالات بیان کرتے ہوئے "خداوند یسُوع مسیح" سے اپنی ملاقاتوں اور رُوح القدس کی زبردست طاقت سے معمور ہونے کا جابجا تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب میں برازیل کے ایک میڈیکل ڈاکٹر کی شہادت بھی درج ہے کہ دُنیا میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا جس کی زندگی کے حالات خالی از دلچسپی ہوں لیکن سیموئیل ڈاکٹریان کی زندگی نہ صرف دلچسپ بلکہ خدائی رُوح اور اس کے تصرّف کا عظیم مظہر ہے۔

پادری ڈیوڈ گارڈنر نے کتاب کے پیش لفظ میں ڈاکٹر سیموئیل کے دورۂ لندن (۱۹۶۳ء) کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ برطانیہ کے کئی عیسائی جو سالہا سال سے عیسائیت کی تجدید کے لئے دعائیں کر رہے تھے انہیں اپنی دُعائیں خدا کے شکر میں وقف کر دینی چاہئیں کیونکہ تجدید کا آغاز یقیناً ہو چکا ہے۔ ملک کے مختلف حصّوں میں رُوح القدس کی عظیم تحریک کے آثار نمایاں ہیں ✦

فیصلہ کرنے کے لئے مرد میدان بنیں اور دوستانہ فضا میں تبادلہ خیالات کرنے کے علاوہ قبولیت دُعا کا اُن سے رُوحانی مقابلہ بھی کر لیں۔ جناب مسعود احمد صاحب جہلمی نے اس دعوت مقابلہ کے سلسلہ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں دُعا کے لئے لکھا جس پر حضور نے تحریر فرمایا:۔

" آپ کا خط مورخہ ۲/۶ ۱۹ ہش مع نقل چھٹی بنام ڈاکٹر سیموئیل صاحب ملا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

اگر اس نے دعوت مقابلہ کو قبول کیا تو شکست کھائے گا۔ انشاء اللہ۔ آپ جرأت سے مقابلہ کریں۔ اگر ضرورت محسوس کریں تو زیورک سے چوہدری مشتاق احمد صاحب کو بھی بُلا لیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کی تائید و نصرت فرمائے۔ آمین "

اس خط پر دستخط فرماتے ہوئے حضور نے اپنے قلم مبارک سے مزید لکھا۔ " انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا "

ڈاکٹر سیموئیل کی طرف سے ہفتہ بھر جواب کا انتظار کیا گیا۔ لیکن جواب نہ آنا تھا نہ ہی آیا۔ انتظار کا وقت ختم ہونے پر خط کا جرمن ترجمہ خاص تعداد میں شائع کر دیا گیا اور اس پر نمایاں حروف میں لکھا گیا۔

" ڈاکٹر سیموئیل کے نام ایک خط جس کے جواب کا ابھی تک انتظار ہے "

اور پروگرام یہ بنایا گیا کہ پندرہ روزہ تقاریر کے آخری دو ایام مورخہ ۲۹ - ۳۰ جون یعنی ہفتہ اور اتوار کے روز جبکہ حاضرین کی تعداد بھی نسبتاً زیادہ ہوتی تھی یہ خط خیمۂ تقریر کے باہر تقسیم کیا جائے۔ چنانچہ مورخہ ۲۹ جون کو جناب مسعود احمد صاحب امام مسجد فرانکفورٹ اور احمدی احباب وقت مقررہ سے نصف گھنٹہ قبل ہی خیمۂ تقریر کے باہر کچھ فاصلے پر کھڑے ہو گئے اور مطبوعہ خط کی تقسیم شروع کر دی جس سے ہر طرف ایک زبردست ہلچل سی پیدا ہو گئی۔ خیال تھا کہ اپنی تقریر میں پادری صاحب اس دعوت کا ذکر کریں گے لیکن باوجود اس کے کہ سامعین میں سے تقریباً ہر شخص کے ہاتھ میں خط تھا پادری صاحب نے قطعاً خط کا ذکر نہ کیا۔ البتہ اُن کی تقریر میں وہ پہلا سا جوش و خروش نہ تھا۔ تقریر کا اکثر حصہ اسلامی ممالک کے متعلق من گھڑت قصے سُنا کر ختم کر دیا۔

اگلے روز ۵ بجے شام پادری صاحب کی خیمہ کے اندر تقریر تھی۔ احمدی احباب دوبارہ خیمہ کے قریب جا کھڑے ہوئے کہ اسی اثناء میں ڈاکٹر سیموئیل کی موٹر کار کچھ فاصلہ پر آ کر رُکی مبلغ احمدیت مسعود احمد صاحب جہلمی آگے بڑھے اور ڈاکٹر صاحب سے خط کے جواب کی بابت دریافت کیا۔ وہ چلتے چلتے کہنے لگے " میری تقریر سُنیں " انہوں نے کہا۔ جناب تقریریں تو ہم نے آپ کی پہلے بھی سُنی ہیں ان میں تو آپ

نے ہمارے خط کا ذکر تک نہیں کیا۔ اتنے میں وہ خیمہ کے اندر داخل ہو گئے۔ مبلغ جرمنی نے سوچا کہ اب مزید بات چیت مناسب نہیں۔ لیکن ایک عرب احمدی دوست ابراہیم عودہ تقریر کے بعد ڈاکٹر صاحب کے پاس چلے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے مصروفیت کا عذر پیش کر کے ٹیلیفون پر وقت مقرر کرنے کو کہا لیکن السید عودہ کے اصرار پر ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ابھی مَیں نے بعض لوگوں کو دُعا کے لئے بُلایا ہے۔ دعا سے فراغت کے بعد آپ مل لیں۔ کوئی پون گھنٹہ تک دُعا جاری رہی۔ اس کے بعد ملحقہ چھوٹے خیمہ میں ڈاکٹر صاحب برادرم عودہ کے پاس بیٹھ گئے۔ عودہ نے انہیں نہایت مؤثر رنگ میں تحریک کی کہ یہ فیصلہ کی بڑی آسان راہ ہے۔ آپ یہ دعوت مقابلہ قبول فرمائیں مگر ڈاکٹر صاحب نے دو ٹوک جواب دیا کہ

جس دن سے مجھے یہ خط ملا ہے مَیں اس دن سے مقابلہ کی اجازت کے لئے خداوند یسُوع مسیح سے دُعا کر رہا ہوں لیکن ہر روز جواب آتا ہے "نہیں"۔ اب کل ہی جب انہوں نے یہ خط تقسیم کیا تو مَیں نے پھر دُعا کی لیکن جواب ملا "نہیں تم اپنا کام کرتے جاؤ ان کی طرف مت دھیان دو۔"

اس پر عودہ صاحب نے کہا تو پھر آپ صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ آپ کو اس امر کا قطعاً یقین نہیں کہ خدا آپ کی دُعائیں سُنے گا۔

اس پر ڈاکٹر صاحب نے کُرسی سے اُٹھتے ہوئے گھڑی کی طرف دیکھا اور کہا دیکھیں۔ آپ نے دس منٹ کا مطالبہ کیا تھا اور اب نصف گھنٹہ ہونے کو ہے اور مجھے اَور بھی مصروفیات ہیں۔ اس طرح یہ بلند و بانگ دعاوی کرنے والے "عظیم مسیحی مناد" اسلام اور محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے خادموں اور غلاموں کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ کر سکے اور اپنے عمل سے صداقت اسلام پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی۔[1]

قیامِ مشن فرانکفورٹ کی دس سالہ تقریب

تعمیر مسجد نُور فرانکفورٹ اور قیامِ مشن پر خدا تعالیٰ کے فضل سے دس سال کا کامیاب عرصہ گذرنے پر ۱۸ شہادت/اپریل ۱۳۴۸ ہش/۱۹۶۹ء کو فرانکفورٹ میں ایک پُر وقار تقریب کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس بابرکت تقریب کے روحِ رواں مکرم چودھری ظفر اللہ خاں صاحب تھے۔ آپ تین روز تک مشن ہاؤس میں قیام فرما رہے۔ اپنے عرصۂ قیام کے دوران آپ فرانکفورٹ میوزیم کے وسیع ہال سنکن برگ میں "عصرِ حاضر کا مذہب" (RELIGION TODAY)

---

[1] الفضل ۱۸ تبوک/ستمبر ۱۳۴۸ ہش/۱۹۶۸ء صفحہ ۳-۴۔

کے عنوان پر معرکۃ الآراء لیکچر دیا۔ اس کے علاوہ فرانکفورٹ میں بین الاقوامی شہرت کے کیتھولک دینی ادارہ فلاسفیکل تھیولوجیکل انسٹی ٹیوٹ سینٹ جارج میں "مسیح کی آمد ثانی" کے موضوع پر مدلّل اور دلولہ انگیز تقریر فرمائی۔ بعد ازاں فرانکفورٹ کے مشہور ٹاؤن ہال میں چودھری صاحب موصوف کے اعزاز میں میئر صاحب فرانکفورٹ کی طرف سے استقبالیہ دعوت دی گئی۔

اس پروگرام کا اہم ترین حصہ مسجد نور میں استقبالیہ تقریب تھی جس میں ہالینڈ، سپین، سویڈن اور برطانیہ کے سفارتی نمائندوں نے شرکت کی۔ فرانکفورٹ کے میئر ڈاکٹر فائی کے علاوہ بلدیہ کے بعض اہم افسران، سیاسی پارٹی CDU کے سربراہ DR. H. VON MOOG، مقامی مجسٹریٹ DR. VOLDE، لیبر آفس کے سربراہ DR SCHMIDT، ریلوے کے پریذیڈنٹ DR. WENDLER اور جرمنی کے بین الاقوامی شہرت کے ممتاز قانون دان PROF. DR. JANIKE نمائندہ بشپ اہم کیتھولک پادری DR. BAUM وغیرہ اسماء قابل ذکر ہیں۔

مبلغ اسلام جناب مسعود احمد صاحب جہلمی نے حاضرین کو خوش آمدید کہا۔ نو مسلم احمدی دوست محمود اسمٰعیل زوش نے دس سالہ مساعی کا جائزہ لیتے ہوئے احمدیت کے اغراض و مقاصد بیان کئے۔ فرانکفورٹ کے میئر نے تقریر کرتے ہوئے مشرق و مغرب میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے بارے میں مشن کی مساعی کو سراہا اور آئندہ ہر رنگ میں تعاون کا یقین دلایا۔ جناب چودھری صاحب موصوف نے سامعین کو اپنے مخصوص انداز میں مذہب کی طرف توجہ کرنے کی تلقین کی۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو نے اس تقریب کی خبریں نشر کیں۔ فرانکفورٹ کے تینوں اہم اخبارات نے شاندار تبصرے لکھے۔ فرانکفورٹ سے شائع ہونے والے جرمنی کے اہم ترین اخبار FRANKFURTER ALLGEMEINE کی اشاعت مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۶۹ء کے لمبے مضمون میں سے ایک اقتباس درج ذیل ہے :-

"جماعت احمدیہ اسلام کی ایک تبلیغی جماعت ہے جو تجدید و احیائے اسلام کے ساتھ ساتھ عیسائی و غیر عیسائی اقوام اور اسلام کے مابین صلح و رواداری کے اصولوں کے تحت بہتر فضا اور خوشگوار ماحول پیدا کرنے کی علمبردار ہے۔

جرمنی میں ہیمبرگ کے بعد فرانکفورٹ جماعت احمدیہ کا دوسرا مشن ہے۔ اسلام کے متعلق بیشمار تقاریر اور مذاکرات کے ذریعہ زبردست بیداری کے پیدا ہونے سے اس مشن کے کام کی غمازی

ہوتی ہے۔ سکولوں، مذہبی اداروں اور دیگر سوسائٹیوں کی طرف سے بڑی کثرت کے ساتھ اس مشن کو اسلام کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے دعوت نامے ملتے ہیں۔ یونیورسٹی اور میونسپل لائبریریوں کو یہاں سے کتب مہیا کی گئی ہیں۔

ترجمہ و تصنیف کے دیگر کاموں کے علاوہ جو اس مشن سے وابستہ ہیں اسپرانٹو زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو اس کے گہرے اشتراک عمل سے معرض وجود میں آیا ہے اس کے علاوہ مسجد نور فرانکفورٹ میں اسلامی ممالک سے آنے والے زائرین، طلباء، تاجروں اور سیاحوں وغیرہ کے لئے روحانی مرکز ہی نہیں بلکہ اس اجنبی ملک میں ان کے لئے وطن کی فضا مہیا کرتی ہے "[1]

اسپرانٹو زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ کی اشاعت و مقبولیت

وسط ۱۳۴۸ ہش/۱۹۶۹ء میں مشہور اطالوی مستشرق، آٹھ زبانوں کے فاضل اور جرمنی میں انشورنس کی بین الاقوامی کمپنی — جنرل انشورنس — کے جنرل مینجر پروفیسر ڈاکٹر اطالو کیوسی ایک لمبی تحقیق اور دعاؤں اور استخارہ کے بعد جماعت احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسلامی نام محمد عبد الہادی تجویز فرمایا۔[2][3]

---

[1] الفضل ۱۳/۱۴ احسان/جون ۱۳۴۸ ہش/۱۹۶۹ء ۔ [2] الفضل ۸ تبوک/ستمبر ۱۳۴۸ ہش/۱۹۶۹ء صفحہ ۴ ۔

[3] ڈاکٹر محمد عبد الہادی صاحب کیوسی احمدی ہونے کے بعد رسالہ " DER ISLAM " کے مدیر بنے۔ ۱۳۴۹ ہش/۱۹۷۰ء میں پہلے آپ نے قادیان کی زیارت کی۔ پھر جلسہ سالانہ ربوہ میں شمولیت کا شرف حاصل کیا۔ پھر حرمین الشریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے اور واپسی پر اپنے روحانی تاثرات اور قلبی واردات و مشاہدات رسالہ مذکور میں شائع کئے جو بہت روح پرور تھے۔ ان مضامین کا ترجمہ مکرم مسعود احمد صاحب جہلمی مبلغ جرمنی نے الفضل ۷/صلح/جنوری و ۲۹/ہجرت/مئی و ۱۳/احسان/جون ۱۳۵۰ ہش/۱۹۷۱ء میں بھی شائع کرایا۔ ان مضامین کے شروع میں مکرم عبد الہادی صاحب کیوسی کے متعلق ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:۔

۱۹۷۲ء میں آپ کو حج بیت اللہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ واپس آکر آپ نے حج بیت اللہ کے متعلق ایک کتاب تصنیف کی ہے جو ڈائری کی صورت میں ہے اور بطور رہنمائے حج جرمن زبان میں نہایت مستند اور واحد کتاب ہے جس میں بیت اللہ شریف اور دوسرے مقامات مقدسہ کے متعلق نہایت فاضلانہ اور مستند

پروفیسر ڈاکٹر اطالو کیوسی تقریباً پانچ چھ سال سے احمدیہ مشن جرمنی کے ساتھ گہرا رابطہ رکھتے تھے اور اسلام اور قرآن مجید کا مطالعہ کر رہے تھے۔ ابتدائی دو سال آپ نے عربی زبان سیکھنے اور اسلام کے بارے میں اپنی معلومات وسیع کرنے میں صرف کئے اور اس سلسلہ میں مکرم مولوی فضل الٰہی صاحب انوری مبلغ فرانکفورٹ نے آپ کی ہر ممکن امداد اور رہنمائی کی۔ عربی کا ضروری علم سیکھنے اور اسلامی تعلیمات سے اچھی طرح متعارف ہونے کے بعد آپ نے صرف ایک سال کے اندر بین الاقوامی زبان اسپرانٹو[لہ] (ESPERANTO) میں قرآن کریم کا ترجمہ مکمل کر لیا۔ اس دوران میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی دُعائیں اور توجہات آپ کے شامل حال رہیں۔ اسپرانٹو ترجمہ قرآن کا دیباچہ چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے تحریر فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) معلومات ہیں۔ اس کے علاوہ اسپرانٹو زبان میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی ایک گراں قدر تصنیف بعنوان " ہادی برحق صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں " ڈنمارک کے مطبع میں زیر طبع ہے۔ اس کتاب کا نصف حصّہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مقدس سوانح پر مشتمل ہے اور بقیہ نصف حصّہ میں ایک سو احادیث رسولؐ کا ترجمہ اور تشریح مع عربی متن کے ہے۔ اسپرانٹو زبان کے ایک مشہور رسالہ (BIBLICAL REVIEW) میں اسلام کے متعلق اکثر ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔

۱۹۷۰ء سے آپ اسپرانٹو کی مرکزی اکیڈمی کے ممبر منتخب ہو گئے ہیں۔ آپ کو اسپرانٹو جاننے والے حلقوں میں خدا تعالیٰ نے تبلیغ کی بڑی مؤثر توفیق بخشی ہے۔ ۱۹۶۹ء سے آپ کو ہر سال اسپرانٹو کی عالمی کانگرس میں اسلام پر تقریر کے لئے مدعو کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۷۰ء سے آپ کو بحیثیت نمائندۂ اسلام شمولیت کا اعزاز حاصل ہوا۔ ۱۹۷۰ء میں آسٹریا کے دارالحکومت وی آنا میں اور ۱۹۷۱ء میں لنڈن میں آپ نے کانگرس کے اجتماعات میں اسلام کی حقانیت پر پُر مغز مقالے پڑھے۔ ۱۹۷۲ء میں کانگرس کے اجلاس امریکہ میں تقریر کے علاوہ ایک یونیورسٹی میں آپ کو اسلام پر تقاریر کی دعوت ملی جس میں آپ کا مقالہ اسپرانٹو اکیڈمی کے سیکرٹری صاحب نے پڑھ کر سُنایا۔ تاریخ وفات ۸/۹ جون ۱۹۷۳ء

لہ یہ زبان جسے پروفیسر ڈاکٹر زامن ہوف (DR. L. L. ZAMENHOF) نے بین الاقوامی رابطہ کی غرض سے ۱۸۸۷ء میں رائج کی تھی اب یورپین اور دوسرے متعدد ممالک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ دُنیا کی اہم مذہبی علمی اور سیاسی کتابوں کے تراجم اس زبان میں ہو چکے ہیں مگر اس میں قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کی سعادت پہلی مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر اطالو کیوسی ہی کو حاصل ہوئی ہے۔

قاہرہ کے ڈاکٹر ناسف اسحاق نے (جو اسپرانٹو کے عالم اور اسپرانٹو عربی لغت کے مصنف ہیں) ترجمہ کی صحت کا جائزہ لیا اور اسپرانٹو کی عالمی تنظیم کے صدر پروفیسر ڈاکٹر لیپینے (LAPENNA) نے اس پر ادبی نقطۂ نگاہ سے نظر ثانی کی اور اسپرانٹو لٹریچر شائع کرنے والے کوپن ہیگن کے ایک پبلشر TORBEN KEHLET نے غیر معمولی دلچسپی اور محبت کے ساتھ اس ترجمہ کی اشاعت کا اہتمام کیا اور جماعت احمدیہ کی طرف سے وکالت تبشیر تحریک جدید ایک خطیر رقم بطور عطیہ مذکورہ اشاعتی ادارہ کو دی جس کے باعث اصل لاگت سے بھی کم قیمت بطور ہدیہ مقرر کی گئی اور اسپرانٹو زبان میں شائع ہونے والے رسائل میں اس ترجمہ کا خوب چرچا ہوا۔ اور ترجمہ کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ بک گیا اور دوسرا ایڈیشن شائع ہو کر قریب الاختتام ہے۔ اس ترجمہ کی اشاعت سے اسپرانٹو زبان جاننے والوں کا رجحان اسلام کی طرف بڑھ رہا ہے۔[1]

وفاقی جمہوریہ جرمنی کے صدر کو جرمن ترجمہ قرآن کی پیشکش

۵ ظہور/اگست ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء کو جرمن مشن کی طرف سے وفاقی جمہوریہ جرمنی کے صدر ڈاکٹر گستاف ہینے من (DR. GUSTAF HEINEMANN) کو جرمن ترجمۃ القرآن کا آسمانی تحفہ دیا گیا۔ یہ پیشکش ایک احمدی وفد نے کی جس کی قیادت مکرم چوہدری عبداللطیف صاحب انچارج مشن نے کی[2]

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کا دوسرا سفر مغربی جرمنی

۱۳۴۹ہش/۱۹۷۰ء میں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے مغربی افریقہ کے سفر کے دوران زیورک سے بذریعہ گاڑی ۹ شہادت/اپریل ۱۳۴۹ہش/۱۹۷۰ء کو دوبارہ فرانکفورٹ تشریف لے گئے اور ۱۱ شہادت/اپریل کو بذریعہ ہوائی جہاز لیگوس (نائیجیریا) کے لئے روانہ ہوئے۔ حضور کے پروگرام میں فرانکفورٹ شامل نہ تھا۔ لیکن زیورک جا کر اچانک پروگرام میں تبدیلی ہو گئی اور فرانکفورٹ جانے کا بھی پروگرام بن گیا۔ جرمن احمدی غیر متوقع طور پر اپنے پیارے امام کو اپنے درمیان پا کر فرط عقیدت سے آبدیدہ ہو گئے۔ حضور نے فرانکفورٹ میں مجلس علم و عرفان میں اپنے خدام کو قیمتی ہدایات دینے کے علاوہ ایک بصیرت افروز خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرمایا۔[3] حضور کے اس مختصر قیام نے جماعت جرمنی کو ایک زندہ

[1] الفضل ۳۰ وفا/جولائی ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء صفحہ ۸۔ [2] الفضل ۱۶ ظہور/اگست ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء صفحہ ۴۔

[3] الفضل ۲۲ شہادت/اپریل ۱۳۴۹ہش/۱۹۷۰ء صفحہ ۲-۳۔

ایمان اور تازہ ولولہ بخشا۔ نماز جمعہ میں ایک زیرِ تبلیغ جرمن نوجوان بھی شامل ہوئے جن کو حضور کی رُوحانی توجہ نے اپنی طرف کھینچ لیا اور وہ بیعت کر کے اسلام جیسی نعمت سے مشرف ہوئے اور ہدایت اللہ کا نام پایا۔[1]

جرمن مشن کا مرکز فرانکفورٹ میں

اب تک احمدیہ مشن کا مرکز ہمبرگ تھا جو جرمنی کے انتہائی شمال میں واقع ہے لیکن ماہ شہادت / اپریل ۱۳۴۹ہش / ۱۹۷۰ء سے یہ ہمبرگ سے فرانکفورٹ میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ تبدیلی حضرت فاتح الدین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ورود فرانکفورٹ سے صرف ایک روز قبل عمل میں آئی۔ چونکہ فرانکفورٹ جرمنی بلکہ یورپ کے وسط میں واقع ہے اس لئے یہاں مرکز کے قیام سے تبلیغ اسلام کے میدان میں وسعت پیدا ہو چکی ہے۔

---

[1] نومسلم احمدی مکرم ہدایت اللہ صاحب جن کا جرمن نام (P. G. HÜBSCH) ہیوبش ہے قبول اسلام سے قبل بائیں بازو کے طلباء کے ایک لیڈر اور ہپی موومنٹ کے ایک گروپ کے بانی تھے۔ آپ کا شمار جرمنی کے ممتاز شعراء میں ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے خاص الخاص فضل کے تحت انہیں اسلام کی طرف راہنمائی فرمائی اور حضور کے ۱۹۷۰ء میں فرانکفورٹ میں ورود مسعود سے کچھ ہی عرصہ قبل انہوں نے مسجد میں آنا شروع کیا تھا۔ حضور کی دُعا اور رُوحانی توجہ کے طفیل جلد ہی اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا اور اسلام کو قبول کرنے کے بعد انہوں نے اخلاص اور رُوحانیت میں جس تیزی سے بے مثال ترقی کی ہے وہ بہتوں کے لئے قابل ستائش ہے۔ ہر روز مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہونا ان کی رُوحانی غذا ہے اپنی علمی اور قلمی اور شعری تمام قوتوں کو انہوں نے اسلام کے لئے ہمہ تن وقف کر رکھا ہے۔ اپنے خرچ پر اسلام کے متعلق ایک سہ ماہی رسالہ شائع کر کے ہپی تحریک سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان کی شاعری جو اس سے قبل پراگندہ خیالی کی آئینہ دار تھی اب اسلام اور ہادیٔ برحق صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کے لئے وقف ہے۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر اُن کے متعدد انٹرویو اور مضامین اسلام کے حق میں نشر ہو چکے ہیں۔ شہر ساربرکن کے ریڈیو کی فرمائش پر اپنی زندگی کے حالات پر مشتمل مقالہ انہوں نے سپردِ قلم کیا جس میں ہپی ازم سے اسلام کی طرف آنے کی روداد درج تھی۔ یہی مضمون میونخ کے ریڈیو نے بھی نشر کیا۔ اور پھر ایک ناشر نے اسے شائع کرنے کی اجازت چاہی۔ قبول اسلام کے بعد آپ نے اپنی تمام آمد کا ۱/۳ حصہ چندہ کے طور پر مشن کو ادا کر دیا۔

جرمن مشن کی اسلامی مطبوعات

دار التبلیغ جرمن کے قیام کو قریباً ربع صدی ہو رہی ہے۔ اس عرصہ میں مشن نے نہایت شاندار لٹریچر پیدا کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے :-

1. **Der Heilige Quran Arabisch-Deutsch**

۱۔ قرآن مجید (عربی جرمن)

2. **Islam Order Christentum**

۲۔ اسلام یا عیسائیت (اقتباس از دیباچہ تفسیر القرآن مصنفہ حضرت مصلح الموعودؓ)

3. **Die gesellschaftliche Bedeutung des Islam**

۳۔ اسلامی تعلیمات کی معاشرتی اہمیت (از محترم چودھری ظفر اللہ خاں صاحب)

4. **Der Islam und internationale Beziehungen**

۴۔ اسلام اور بین الاقوامی تعلقات (از چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب)

5. **Warum ich an den Islam glaube !**

۵۔ میں اسلام کو کیوں مانتا ہوں (نشری تقریر حضرت مصلح الموعودؓ)

6. **Mein Glaube**

۶۔ میرا مذہب (از چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب)

7. **Die geschichtliche Bedeutung des Islam fur die abendlandische kultur**

۷۔ مغربی تمدن میں اسلام کی تاریخی اہمیت (مصنفہ ڈاکٹر ٹلناک)

8. **Jesus - Leben, Auftrag, Tod**

۸۔ مسیح۔ ان کی زندگی، مشن اور وفات

9. **Die wirtschaftliche Aufbau der der islamichen Gesellschaftsordnung**

۹۔ اسلام کا اقتصادی نظام (از حضرت مصلح الموعودؓ)

10. **Muhammad - der ideale Mensch**

۱۰۔ محمد۔ انسانِ کامل (ترجمہ مضمون حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ)

11. Jesus in Kaschmir

۱۱۔ مسیح کشمیر میں (از چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب)

12. Unsere Lehre

۱۲۔ ہماری تعلیم (اقتباس از کشتی نوح)

13. Eine Warnung an die Welt - Botschaft des Friedens zugleich

۱۳۔ دنیا کو ایک انتباہ اور امن کا پیغام (از حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز)

14. Der Islam als Glaube an den Eine Gott

۱۴۔ اسلام بحیثیت دین توحید (از چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ مبلغ سوئٹزرلینڈ)

15. Die Gnade Allahs

۱۵۔ اللہ کی رحمت۔ اسلامی عقائد و تعلیمات کا تعارف (از مسعود احمد صاحب جہلمی مبلغ جرمنی)

16. Das Haus in Mekka

۱۶ مکہ کا گھر۔ تفصیلات مناسک حج۔ (از جناب ڈاکٹر محمد عبدالہادی کیوسی)

مشن کی سنہری خدمات دوسروں کی نظر میں

یہ مشن یورپ اور بالخصوص مغربی جرمنی میں اشاعت اسلام کا بھاری مرکز بن چکا ہے اور ہمبرگ اور فرانکفورٹ میں جہاں مساجد تعمیر ہو چکی ہیں انوارِ قرآنی کی تجلیات کا دائرہ روز بروز وسیع ہو رہا ہے۔ اس تعلق میں بطور ثبوت صرف چار آراء درج ذیل کی جاتی ہیں:۔

۱۔ سویڈن کے ایک مشہور علمی رسالہ "TIDENS TECKEN" نے ۱۹۵۸ء کے SPRING EDITION میں ایک مفصل مضمون شائع کیا۔ یہ طویل مضمون اس انٹرویو کی رپورٹ پر مشتمل تھا جو اس کے ایڈیٹر نے ہمبرگ میں چوہدری عبداللطیف صاحب سابق مبلغ جرمنی سے لیا تھا۔ اس مضمون میں جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی اور ان کے اثرات پر مفصل روشنی ڈالنے اور عیسائیت کی تباہی اور اسلام کے غالب آنے کے متعلق ان پیشگوئیوں کا بالتفصیل ذکر کرنے کے بعد جو بانیٔ سلسلہ احمدیہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی ہیں، عیسائی دُنیا کو بایں الفاظ خبردار کیا گیا کہ

"اسلام میں رونما ہونے والے اس مسیح موعود کا وجود، اس کی قائم کردہ جماعت اور اس کے تبلیغی

مشن یہ سب چیزیں ہمارے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان حالات میں ہمیں اس امر پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا کہ ہم عیسائیوں میں وہی جذبہ وہی سچائی وہی رُوح القدس موجود ہے جو ہمارے مسیح کی ابتدائی جماعت میں کارفرما تھا۔ اگر نہیں تو پھر ہم نے عیسائیت کے مقصد اور اس کی غرض و غایت کو فراموش کر دیا ہے۔ بیشک ہمارے گرجے وسیع پیمانے پر پھیلے ہوئے ہیں اور ہماری جماعتیں اور تنظیمیں جگہ جگہ موجود ہیں لیکن سچائی کی رُوح کے بغیر ہمارا مذہب، ہمارے عقائد اور ہماری تنظیمیں سراسر غیر مفید اور بلیسود ہیں اور ایک بڑے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ ہر چند کہ اس اسلامی جماعت کے مشن عیسائیت کے لئے خطرناک نہیں کہلا سکتے لیکن ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ جماعت ایشیا، امریکہ، یورپ اور افریقہ میں جارحانہ طور پر عیسائیت پر حملہ آور ہے۔ اس کے پیش کردہ دلائل ٹھوس مضبوط اور قوی ہیں۔ ان حالات میں جب ہم ان نتائج پر غور کرتے ہیں جو اس تبلیغی جدوجہد کے نکل سکتے ہیں تو ہم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ کیا ہم عیسائیوں میں وہ رُوحانی طاقت موجود ہے جس سے ہم اس جارحانہ تحریک کا مقابلہ کر سکیں۔ کیا ہم عیسائیوں پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ ہم اسلام کے اس چیلنج کا اپنے صحیح عقائد دُعا اور رُوح القدس کی برکت سے جواب دینے کے قابل ہو سکیں" [۵۷]

۲۔ پاکستان کے روزنامہ "نوائے وقت" لاہور مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۹۶۰ء کی اشاعت خاص (علمی ادبی ایڈیشن) میں "جرمنی میں مسلمانوں کی سرگرمیاں" کے زیر عنوان ایک نوٹ شائع ہوا۔ اس نوٹ کا متعلقہ حصہ مندرجہ ذیل ہے:۔

"مغربی جرمنی کے ایک کثیر الاشاعت پرچے میں محمد امین عبداللہ کا ایک مضمون چھپا تھا جس میں انہوں نے بتایا تھا کہ بون کے لاٹ پادری کے اخبار میں کچھ عرصہ پیشتر بتایا گیا تھا کہ آٹھ سو جرمن مسلمان ہو گئے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں جرمنوں کے مسلمان ہونے سے یہ خیال پیدا ہوا کہ آیا جرمنی میں آباد مسلمانوں کی کوئی منظم تحریک موجود ہے۔ اس سوال کا جواب مغربی جرمنی کی حکومت کے بلیٹن میں یوں دیا گیا ہے۔

"مغربی جرمنی میں اسلام کی تین طریقے سے نمائندگی ہوتی ہے۔ پہلا یہ کہ مغربی جرمنی میں مسلم

---

۵۷ الفضل ۱۴ شہادت / اپریل ۱۳۳۷ ہش / ۱۹۵۸ء صفحہ ۱۔

ممالک کے سفارت خانوں کے مسلمان ملازم جرمنی میں موجود ہیں۔ ان میں مسلم ممالک کے طالب علم اور تاجر بھی شامل ہیں اور مسلمانوں کا یہ گروپ سب سے بڑا ہے۔ اگرچہ ہمبرگ اور آخن میں مسلمانوں نے ایک ایک مسجد تعمیر کر لی ہے۔ مگر سفارتی نمائندوں، طالب علموں اور تاجروں کو کسی منظم اسلامی تحریک کا حصہ نہیں کہا جا سکتا۔ ان کے جو باہمی اجلاس ہوتے رہتے ہیں ان کا مقصد اسلام کی تبلیغ کرنا نہیں ہے مگر مذہبی، ثقافتی اور قومی روایات کو برقرار رکھنا ہے۔ دوسرا گروپ مہاجرین کا ہے جو دوسری جنگ عظیم کے بعد مغربی جرمنی میں آباد ہو گئے ہیں۔ اور اب بظاہر مغربی جرمنی ہی ان کا وطن ہے۔ ان مسلمانوں کا ثقافتی مرکز میونخ ہے۔ میونخ میں مسجد کی تعمیر کے لئے وفاقی حکومت اور باویریہ کی حکومت ان مسلمانوں کی امداد کر رہی ہے۔ ان دونوں گروپوں میں ایک چیز مشترک ہے۔ وہ یہ کہ پہلے گروپ کے مسلمان تو کچھ عرصہ کے لئے یہاں آتے ہیں۔ انہیں اپنی واپسی کا یقین ہوتا ہے۔ جبکہ دوسرے گروپ کے مسلمان اگرچہ اتنی دیر سے یہاں آباد ہیں مگر وہ اب بھی سوچتے رہتے ہیں کہ ایک روز وہ اپنے وطن کو واپس لوٹ جائیں گے۔ تیسرا گروپ جو اسلام کی تبلیغ کے لئے یہاں آیا ہے اس گروپ کا تعلق **احمدیہ** جماعت سے ہے۔ اور یہ گروپ گذشتہ دس سال سے مغربی جرمنی میں سرگرم کار ہے۔"

۳۔ حکومت مغربی جرمنی کی طرف سے شائع ہونے والے ایک ہفتہ وار عربی خبرنامہ "المرسالة" نے ۴ فروری ۱۹۶۶ء کو لکھا:۔

"اس ضمن میں یہاں ایک اہم اور تعجب خیز حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جرمنی اور باقی مغربی یورپ کے ممالک میں دعوت اسلام اور دیگر اسلامی کام صرف اور صرف جماعت احمدیہ کی مساعی کے مرہون منت ہیں اور صرف یہی وہ لوگ ہیں جو اسلام کی دعوت و تبلیغ کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں . . . . اسی طرح جماعت احمدیہ ہی وہ پہلی تنظیم ہے جس نے دوسری جنگ عظیم کے بعد قرآن کریم کا جرمن ترجمہ اصل عربی متن کے ساتھ شائع کیا ہے" [1]

۴۔ ۱۹۷۰ء میں مغربی پاکستان کے تمام اہم اخبارات نے جرمنی کی مساجد پر ایک مضمون شائع کیا جس میں مقالہ نگار نے فرانکفورٹ اور ہمبرگ کی احمدیہ مساجد کا باتصویر تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:۔

---

[1] رسالہ "تحریک جدید" ربوہ بابت ماہ صلح/جنوری ۱۳۴۷ہش/۱۹۶۸ء صفحہ ۵۸-۵۹

"قدرتی طور پر مشورے اور امداد کا ہر متلاشی مسلمان سب سے پہلے اپنی قدیم ترین مسجد کا رُخ کرتا ہے۔ اُن کے امام بھی مقتدیوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں بہت سی مشکلات کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ نو وارد مسلمان جرمن زبان سے نا واقف ہوتا ہے یہ مشکل امام مسجد کی مدد سے حل ہو جاتی ہے۔ مثلاً فرانکفورٹ کی نُور مسجد کے امام مسعود احمد پانچ زبانیں جانتے ہیں اور وہ فرانکفورٹ کے قرب وجوار میں بسنے والے مسلمانوں سے اُن کی علاقائی زبانوں میں بات چیت کر لیتے ہیں۔ ہر ہفتے فرانکفورٹ اور اس کے قرب وجوار کی بستیوں سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ان کی چھوٹی سی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے پہنچتی ہے بہت سے مسلمانوں کے لئے خواہ وہ مراقش کے ہوں یا انڈونیشیا کے، مشرقی افریقہ کے ہوں یا مغربی افریقہ کے، مسعود احمد مشفق والد، ہمدرد، بہی خواہ، ترجمان اور پیر و مرشد سبھی کچھ ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ فرانکفورٹ کی نُور مسجد کے اس نوعمر امام کو اس بات کی بھی خوشی ہے کہ جرمن لوگوں میں اسلامی ثقافت و نظریات سے دلچسپی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وفاقی جمہوریہ جرمنی کے صدر ڈاکٹر ہائنے من سے ان کی ملاقات نے بھی مسعود احمد صاحب کے ان خیالات کو تقویت پہنچائی ہو۔" [1]

فصل پنجم

مسقط مشن کی بُنیاد

عُمان جزیرہ عرب کی ایک مسلم ریاست ہے جو قطر اور حضرموت کے درمیان عرب کے مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ مسقط اس ریاست کا دارالسلطنت اور خلیج فارس کی بڑی اہم بندرگاہ ہے۔ یہاں مسلمانوں کی تعلیمی اور مذہبی حالت بہت ناگفتہ بہ ہے اور ان پر ایک جمود طاری ہے مگر عیسائیوں نے

---

[1] "نوائے وقت" لاہور ۲۹ جنوری ۱۹۷۰ء صفحہ ۱۰۔

جگہ جگہ ہسپتال کھول رکھے ہیں جہاں وہ کھلے بندوں صلیبی مذہب کا پرچار کرتے ہیں اور سینکڑوں مسلمانوں کو حلقہ بگوش عیسائیت کر چکے ہیں۔

اگرچہ احمدیہ مسلم مشن عدن ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء سے عرب کے مغربی ساحل کو عیسائیوں کی یلغار سے بچانے کے لئے ٹھوس خدمات بجا لا رہا تھا مگر مشرقی ساحل میں ان کی سرگرمیوں کا نوٹس لینے والا کوئی نہیں تھا۔ اور عربوں کی نئی نسل صلیبی مذہب سے متاثر ہو رہی تھی۔ اور مشکل یہ تھی کہ ان علاقوں میں داخلہ پر سخت پابندیاں تھیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک احمدی دوست محمد یوسف صاحب بی۔ ایس۔ سی جو اُن دنوں مسقط حکومت کے فوڈ آفیسر تھے لاہور آئے تو حضرت مصلح موعود کے حکم سے مولوی روشن الدین صاحب فاضل واقفِ زندگی کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ وہ ریاست میں ذریعہ معاش تلاش کریں۔ انہیں اپنے اور اپنے بچوں کے اخراجات خود برداشت کرنا ہوں گے۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف ۲؍ تبلیغ/فروری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کو مسقط العرب میں پہنچے اور یوں نہایت بے بضاعتی کے عالم میں مسقط مشن کی بنیاد پڑی۔ آپ کے تشریف لے جانے سے قبل مسقط میں تین احمدی تھے۔[1]

---

[1] محمد عبدالحق صاحب احمدی پنشنر پروپرائٹر حق کیفی بینک روڈ مردان کا بیان ہے کہ

"میرا تبادلہ اگست ۱۹۳۴ء کو پشاور سے مسقط ہوا تھا۔ بیت الفلج ایک مقام ہے جو مسقط سے کچھ فاصلہ پر ہے اور یہاں سلطان مسقط کی انفنٹری ہے۔ میرا دفتر بھی وہیں تھا۔ میں سب سے پہلا احمدی تھا جو وہاں گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے ذریعہ سے سلطان کی فوج کے دو افراد احمدی ہوئے۔ (۱) میاں فتح محمد صاحب جو اس وقت سلطان کی فوج کے آمر تھے اور جو سیالکوٹ میں جہانتک مجھ کو یاد پڑتا ہے اوجی ٹبی کے رہنے والے تھے پہلے احمدی ہوئے تھے اور ان کے ذریعہ ان کی اہلیہ صاحبہ بھی سیالکوٹ میں احمدی ہوئی تھیں۔ یہ صاحب اب فوت ہو چکے ہیں۔ (۲) جناب محمد اعظم صاحب جو اُن دنوں سلطان کی فوج کے ہیڈ کوارٹر میں ہیڈ کلرک تھے . . . . مسقط سے ۱۹۳۵-۳۶ء میں میرا تبادلہ شارجاہ، مسقط اور کویت کے درمیان ایک قصبہ میں ہوا۔ ان دنوں مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری حیفا میں تھے۔ آپ سے رسالہ البشریٰ منگوا کر یہاں لوگوں کو دیا کرتا تھا۔ شارجہ میں ایک صاحب غلام احمد صاحب احمدی رہتے تھے۔ یہ صاحب سونی پت کے باشندہ تھے اور پہلی جنگ عظیم میں شیراز سے ہوتے ہوئے وہیں آباد ہو گئے تھے اور وہیں شادی بھی کی تھی۔ مگر افسوس ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ

مسٹر محمد یوسف بی ایس سی نے ابتدائی خرچ کے طور پر کچھ رقم مولوی صاحب کو پیش کی اور کہا کہ کچھ اور رقم مرکز سے لے کر تجارتی کاروبار شروع کرنا چاہیئے نیز حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی خدمت اقدس میں بھی لکھ دیا کہ اگر کچھ روپیہ مرکز سے بھی ہمیں مل جائے تو مولوی صاحب کو تجارت پر لگا دیں مگر حضور نے ارشاد فرمایا کہ تجارت میں کام زیادہ کرنا پڑتا ہے اور تبلیغ کے لئے وقت نہیں ہوتا ان کو ملازمت کروائیں۔ چنانچہ کچھ جدوجہد کے بعد مولوی صاحب کو ملازمت مل گئی لیکن تبلیغ حق کی پاداش میں فارغ کر دیئے گئے۔ اور یہ صورت کئی بار پیش آئی اور تعصب کی وجہ سے کئی رکاوٹیں پیدا کی گئیں مگر آپ صبر و استقامت کے ساتھ دین کی خدمت میں مصروف رہے۔ ملازمت کے دوران جب آپ کو معقول مشاہرہ مل جاتا تو آپ مرکز کو اطلاع دے دیتے کہ میں گھر والوں کو یہاں سے خرچ روانہ کر دوں گا۔ مگر جب حالات قابو سے باہر ہو جاتے تو مرکز خود ان کے بال بچوں کی مالی ذمہ داریاں سنبھال لیتا اور یہ صورت آپ کے پورے عرصہ قیام عمان تک قائم رہی۔

مسقط میں ایک لمبے عرصہ تک تربیتی و تبلیغی فرائض انجام دینے کے بعد آپ ۱۵ تبلیغ/فروری ۱۳۴۰ ہش (۱۹۶۱ء) کو دوبئی منتقل ہو گئے اور جماعتی تربیت کے ساتھ ساتھ پیغام حق پہنچاتے رہے اور بالآخر ۹ ظہور/اگست ۱۳۴۰ ہش (۱۹۶۱ء) کو واپس مرکز احمدیت ربوہ میں تشریف لے آئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حکیم صاحب کے نام پر مشہور تھے اور حکمت کا کام کرتے تھے۔ ایک بار رسالہ البشریٰ کی تقسیم کی رپورٹ شیخ آف شارجاہ کو پہنچی تو انہوں نے دھمکی دی کہ میں یہ سلسلہ تبلیغ بند کر دوں ورنہ مجھ کو وہاں سے تبدیل کر دیا جائے گا۔ میں نے یہ رپورٹ حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بھی بھجوا دی تھی"

(چٹھی مرقومہ ۲۳ تبلیغ/فروری ۱۳۳۶ ہش (۱۹۵۷ء) مشمولہ فائل مسقط مشن تحریک جدید)

تیسرا باب

ربوہ کے پہلے سالانہ جلسے سے لیکر سیّدنا حضرت مُصلح موعود کی دارالہجرت میں بغرض رہائش تشریف آوری تک

— فصل اوّل —

ربوہ کا پہلا سالانہ جلسہ

ربوہ میں پہلا سالانہ جلسہ ۱۵-۱۶-۱۷/ ماہ شہادت/ اپریل ۱۳۲۸ہش/ ۱۹۴۹ء کو منعقد ہوا۔ یہ مثالی جلسہ دُنیائے احمدیت میں ایک منفرد و مخصوص تاریخی عظمت و شان کا حامل تھا اور قیامت تک پُرسوز اور پُردرد اجتماعی اور عاجزانہ دُعاؤں کی وجہ سے دُعاؤں کے جلسہ کے نام سے یاد رہے گا۔

جلسہ کا رُوحانی پس منظر

سیّدنا المصلح الموعودؓ نے جلسہ لاہور (منعقدہ دسمبر ۱۳۲۷ہش/ ۱۹۴۸ء) میں اعلان فرمایا تھا کہ ہمارا مرکزی سالانہ جلسہ ربوہ میں ایسٹر کی تعطیلات کے دوران ہوگا۔ اس فیصلہ پر جماعت کے بعض مرکزی کارکنوں کے علاوہ بیرونی جماعتوں کی طرف سے بھی حضور کی خدمت میں بکثرت خطوط پہنچے کہ ان دنوں جلسہ کا ہونا سخت دشوار اور مشکل ہوگا۔ جلسہ کے لئے ہر چیز باہر سے پہنچانا ہوگی اور زمیندار اصحاب جن کی ہمارے یہاں بھاری اکثریت ہے فصلوں کی کٹائی کے باعث بہت کم شریک

جلسہ ہو سکیں گے۔ اس لئے یا تو جلسہ کی تاریخیں بدل دی جائیں یا جلسہ ہی لاہور میں منعقد کیا جائے۔ مگر حضور نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا بلکہ اُسوۂ انبیاءؑ و خلفاء کے عین مطابق اور ربّ کریم کے فرمان فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ کی تعمیل میں قطعی ارشاد فرمایا کہ یہ جلسہ بہرحال مقررہ تاریخوں پر ربوہ ہی میں ہوگا۔ اور بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ موعود اولوالعزم خلیفہ نے اپنے نور فراست و بصیرت کی بناء پر جو فیصلہ کیا وہی صحیح مناسب اور مبارک تھا۔

جلسۂ ربوہ کا پس منظر کیا تھا اور اس کے ربوہ میں منعقد کئے جانے کی کیا حکمتیں کار فرما تھیں، حضرت اقدس نے اس پہلو پر نہایت شرح و بسط سے روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:-

"جب کوئی شخص سمندر میں کودتا ہے یا کوئی جہاز غرق ہوتا ہے اور اس کی سواریاں سمندر میں گر جاتی ہیں تو آخر انہیں ساحل کی تلاش کرنی ہی پڑتی ہے۔ اس ساحل کی جستجو میں خطرات بھی ہوتے ہیں اور اس کی جستجو میں خوف بھی لاحق ہوتے ہیں۔ جب کوئی جہاز ڈوبتا ہے تو چاروں طرف پانی ہی پانی ہوتا ہے اور انسان نہیں جانتا کہ مَیں دائیں گیا تو مجھے خشکی ملے گی یا بائیں گیا تو مجھے خشکی ملے گی، سامنے کی طرف گیا تو مجھے خشکی ملے گی یا پیچھے کی طرف گیا تو مجھے خشکی ملے گی۔ یہ بھی انسان نہیں جانتا کہ اگر خشکی مجھ سے بہت دُور ہے اور مَیں کسی طرح بھی ساحل تک نہیں پہنچ سکتا تو اگر دائیں طرف تیرا تو مجھے کوئی جہاز یا کشتی مل جائے گی یا بائیں طرف تیرا تو مجھے کوئی جہاز یا کشتی مل جائے گی، آگے کی طرف تیرا تو مجھے کوئی جہاز یا کشتی مل جائے گی یا پیچھے کی طرف تیرا تو مجھے کوئی جہاز یا کشتی مل جائے گی۔ ان آٹھوں باتوں میں سے اُسے کوئی بات بھی معلوم نہیں ہوتی۔ مگر پھر بھی وہ ایک جگہ پر کھڑا نہیں رہتا۔ بظاہر اس کا جگہ پر کھڑا رہنا یا ان چاروں جہات میں سے کسی ایک کا خشکی پر پہنچنے یا جہاز اور کشتی حاصل کرنے کے لئے اختیار کرنا برابر معلوم ہوتا ہے مگر باوجود اس کے کہ یہ سب باتیں برابر معلوم ہوتی ہیں۔ انسان پھر بھی جدوجہد کرتا ہے اور ساحل یا کشتی کی تلاش میں دائیں بائیں یا آگے پیچھے ضرور جاتا ہے۔ اسی طرح ہمیں بھی ساحل یا جہاز کے لئے جو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے مقدر ہے، جستجو اور تلاش کی ضرورت ہے اور جلد سے جلد کسی ایسے طریق کار کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے جو اپنے اندر ایک استقلال اور پائداری رکھتا ہو۔ اس وقت تک جو کچھ خدا تعالیٰ کی مشیّت ظاہر

ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ربوہ ہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا یہ منشأ ہے کہ ہماری جماعت دوبارہ اپنا مرکز بنائے۔ اور جب کوئی نئی جگہ اختیار کی جاتی ہے تو اس کے لئے دعائیں بھی کی جاتی ہیں، اس کے لئے صدقہ وخیرات بھی کیا جاتا ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت بھی طلب کی جاتی ہے، اور یہ بہترین وقت ہمیں جلسہ سالانہ کے دنوں میں ہی میسر آسکتا ہے کیونکہ اس موقعہ پر وہاں ہزاروں ہزار افراد جمع ہوں گے اور ہزاروں ہزار افراد کے جمع ہونے سے طبیعتوں پر جو اثر ہو سکتا ہے اور ہزاروں ہزار افراد کی متحدہ دُعائیں جو تاثیر اپنے اندر رکھتی ہیں وہ صرف چند افراد کے جمع ہونے سے نہ اثر ہو سکتا ہے اور نہ اُن کی دُعائیں خواہ وہ سچے دل سے ہی کیوں نہ ہوں اتنی تاثیر رکھ سکتی ہیں جتنی ہزاروں ہزار افراد کی دُعائیں اثر رکھتی ہیں ..... انہی باتوں کو دیکھتے ہوئے مَیں نے مناسب سمجھا کہ ہم ربوہ کا افتتاح جلسہ سالانہ سے کریں اور خدا تعالیٰ سے اس مقام کے بابرکت ہونے کے لئے متحدہ طور پر دُعائیں کریں۔ بے شک ان شامل ہونے والوں میں غافل بھی ہوں گے، سُست بھی ہوں گے، کمزور بھی ہوں گے، لیکن ان لوگوں میں چُست بھی ہوں گے، مخلص بھی ہوں گے، سلسلہ کے فدا کار اور جانثار بھی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بھی ہوں گے اور چُستوں اور فدا کاروں کی آواز کے ساتھ جب کمزوروں اور ناقص دُعا کرنے والوں کی آواز خدا تعالیٰ کے سامنے "ہم" کہتے ہوئے پہنچے گی تو یقیناً اس "ہم" میں جو برکت ہو گی وہ صرف چند افراد کے جا بسنے سے نہیں ہو سکتی۔ پس بجائے اس کے کہ ربوہ کا کوئی افتتاح نہ کیا جاتا اور بجائے اس کے کہ چند افراد جو وہاں بس رہے ہیں انہی کا بسنا ربوہ کے افتتاح کے لئے کافی سمجھ لیا جاتا مَیں نے چاہا کہ ہمارا اس سال کا سالانہ جلسہ ربوہ میں ہو تا کہ جب ہماری جماعت کے ہزاروں ہزار افراد اس جلسہ میں شامل ہونے کے لئے آئیں تو ہمارا جلسہ بھی ہو جائے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور ایک بہت بڑی تعداد میں اکٹھے ہو کر ہم متحدہ طور پر دُعائیں کریں کہ وہ اس مقام کو احمدیت کے لئے بابرکت کرے اور اسے اسلام اور احمدیت کی اشاعت کا ایک زبردست مرکز بنا دے۔ مَیں جانتا ہوں کہ منتظمین کو تکلیف ہو گی اور مَیں یہ بھی جانتا ہوں کہ شاید ہمیں پورا سامان بھی میسر نہ آ سکے۔ یہاں اگر کسی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو فوری طور پر مہیا ہو

سکتی ہے لیکن وہاں ایسا نہیں ہو سکتا۔ مثلاً لاہور میں سینکڑوں باورچیوں کی دُکانیں ہیں۔ اگر کسی وقت کھانا کم ہو جائے اور دو تین سو افراد کو کھانا مہیا کرنے کی ڈیوٹی پر لگا دیا جائے تو مَیں سمجھتا ہوں دو تین گھنٹہ میں دس پندرہ ہزار آدمی کا کھانا آسانی سے مہیا ہو سکتا ہے۔ لیکن جو مقصد میرے سامنے ہے وہ اس رنگ میں پورا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مَیں نے مناسب سمجھا کہ لاہور کی بجائے ربوہ میں اس جلسہ کا انعقاد کیا جائے۔ باقی رہا تکلیف کا سوال، سو یہ بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اُس وادی غیر ذی زرع میں جس میں شور پانی نکلتا ہے، اُس وادی غیر ذی زرع میں جس میں چالیس چالیس پچاس پچاس میل تک کھیتی کا کہیں نشان تک نظر نہیں آتا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک لوگ بڑے بڑے وسیع جنگلوں میں سے گذرتے ہوئے، ایسے جنگلوں میں سے جو صرف درندوں کے مسکن تھے، ایسے جنگلوں میں سے جہاں بعض دفعہ سو سو میل تک پانی کا ایک قطرہ تک میسّر نہیں آتا تھا پیدل یا اُونٹنیوں پر سوار اپنے مشکیزوں میں پانی اُٹھائے حج کے لئے دوڑتے چلے آتے تھے، اور دنوں نہیں، مہینوں نہیں، سالوں نہیں، صدیوں نہیں ہزاروں سال تک وہ برابر ایسا کرتے چلے گئے۔

ہماری جماعت کو ایسا بے ہمت تو نہیں ہونا چاہیئے کہ اگر صرف ایک دفعہ انہیں یہ کام کرنا پڑے تو وہ گھبراہٹ کا اظہار کرنے لگ جائیں۔ اس صورت میں بھی تم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکو گے کہ عرب کے قبل از اسلام لوگوں نے جو کام دو ہزار چار سو دفعہ کیا وہ ہم نے بھی ایک دفعہ کر لیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا زمانہ ۲۴سَو سے ۲۴سَو سال تک کا ہے اور ہر سال حج ہوتا ہے۔ اس لئے اگر صرف حج کو ہی لے لیا جائے عمرہ کو جانے دیا جائے تو ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ چوبیس سو دفعہ یہ کام ان لوگوں نے کیا حالانکہ ان لوگوں میں سے اکثر وہ تھے جو زمانۂ نبوت کے بہت دُور تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ابتدائی چند نسلوں اور رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو مستثنٰے کرتے ہوئے درمیان میں صرف کُفر اور تاریکی اور بے دینی کا زمانہ تھا۔ اس کفر کے زمانہ میں، اس تاریکی کے زمانہ میں، اس بے دینی اور الحاد کے زمانہ میں جو کام انہوں نے ۲۴ سو دفعہ کیا بلکہ اگر عمرے بھی

شامل کر لئے جائیں تو جو کام انہوں نے ۴۲ ہزار دفعہ کیا ہمیں اگر ویسا ہی کام صرف ایک دفعہ کرنا پڑے تو ہمارے نفسوں پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ ہمیں خوش ہونا چاہیئے کہ ہم بھی ہو لنگا کو شہیدوں میں مل گئے۔

اللہ تعالےٰ کی اپنے ہر کام میں حکمتیں ہوتی ہیں اور اس کی حکمتیں نہایت وسیع ہیں۔ دُنیا ان چیزوں کو نہیں دیکھتی جن کو خدا دیکھ رہا ہوتا ہے یا جن کو خدا کے دکھانے سے اس کے فرشتے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ بہت سے بیج دنیا میں بوئے جاتے ہیں مگر ان بیجوں کے اچھا ہونے کے باوجود، زمینوں کے اچھا ہونے کے باوجود، نگرانی اور دیکھ بھال کے اچھا ہونے کے باوجود الٰہی مصلحت اور الٰہی تدبیر ان بیجوں کو نہ اُگنے دیتی ہے نہ بڑھنے دیتی ہے نہ پھل پیدا کرنے دیتی ہے۔ مگر کئی بیج دُنیا میں ایسے ہوتے ہیں جو سنگلاخ زمینوں اور شور بیابانوں میں بوئے جاتے ہیں۔ ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ان کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا ان کو پانی دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ مگر خدا تعالےٰ کی مصلحتیں اور اس کی تقدیر ان بیجوں کو بڑھاتے بڑھاتے بہت بڑے درختوں کی صورت میں بدل دیتی ہے۔ اتنے بڑے درخت کہ ہزاروں ہزار لوگ اُن کے پھل کھاتے اور ان کے آرام دہ سایہ میں ہزاروں سال تک پناہ حاصل کرتے ہیں۔ خدا کے کام خدا ہی جانتا ہے۔ انسانی عقلیں اور تدبیریں خدا تعالےٰ کی مصلحتوں اور تدبیروں پر حاوی نہیں ہو سکتیں۔ ہم بھی کوشش کر رہے ہیں کہ ایک شور زمین میں اپنا مرکز بنائیں۔ عرش پر بیٹھنے والا خدا اور آسمان میں رہنے والے فرشتے ہی جانتے ہیں کہ ہماری اس ناچیز حقیر اور کمزور جدّ وجہد کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے۔ ہمارے لئے مشکلات بھی ہیں۔ ہمارے راستہ میں روکیں بھی ہیں۔ ہمارے سامنے دشمنیاں اور عداوتیں بھی ہیں۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو خدا چاہتا ہے اور انسانی عقل اور انسانی تدبیر آخر بیکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں۔ بلکہ ہم سمجھتے اور یقین ہی نہیں رکھتے ہم اپنی رُوحانی آنکھوں سے وہ چیز دیکھ رہے ہیں جو دُنیا کو نظر نہیں آتی۔ ہم اپنی کمزوریوں کو بھی جانتے ہیں، ہم مشکلات کو بھی جانتے ہیں جو ہمارے راستہ میں حائل ہیں، ہم مخالفت کے اس اُتار چڑھاؤ کو بھی جانتے ہیں جو ہمارے سامنے آنے والا ہے۔ ہم ان تلخوں اور

غارتوں کو بھی دیکھ رہے ہیں جو ہمیں پیش آنے والے ہیں۔ ہم ان ہجرتوں کو بھی دیکھ رہے ہیں جو ہماری جماعت کو ایک دن پیش آنے والی ہیں۔ ہم ان جسمانی اور مالی اور سیاسی مشکلات کو بھی دیکھتے ہیں جو ہمارے سامنے رُونما ہونے والی ہیں۔ مگر ان سب دُھندلکوں میں سے پار ہوتی ہوئی اور ان سب تاریکیوں کے پیچھے ہماری نگاہ اس اُونچے اور بلند تر جھنڈے کو بھی انتہائی شان وشوکت کے ساتھ لہراتا ہوا دیکھ رہی ہے جس کے نیچے ایک دن ساری دُنیا پناہ لینے پر مجبور ہوگی۔ یہ جھنڈا خدا کا ہوگا۔ یہ جھنڈا محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہوگا۔ یہ جھنڈا احمدیت کا ہوگا۔

اور یہ سب کچھ ایک دن ضرور ہو کر رہے گا۔ بیشک دنیوی مصائب کے وقت کئی اپنے بھی یہ کہہ اُٹھیں گے کہ ہم نے کیا سمجھا تھا اور کیا ہوگیا۔ مگر یہ سب چیزیں مٹتی چلی جائیں گی۔ مٹتی چلی جائیں گی۔ آسمان کا نور ظاہر ہوتا چلا جائے گا اور زمین کی تاریکی دُور ہوتی چلی جائے گی اور آخر وہی ہوگا جو خدا نے چاہا۔ وہ نہیں ہوگا جو دُنیا نے چاہا“

انتظاماتِ جلسہ کے لئے حضرت امیرالمومنین کی زرّیں ہدایات

ربوہ اُن دنوں چونکہ لق و دق صحرا کا منظر پیش کر رہا تھا۔ جہاں رہائشی مکانات کا نام و نشان تک موجود نہ تھا اور جس جگہ وسیع پیمانے پر کسی جلسہ کا انعقاد صرف اسی صورت میں ممکن خیال کیا جاسکتا تھا جبکہ جملہ ضروریات لاہور، لائل پور، سرگودھا یا چنیوٹ وغیرہ سے بہم پہنچائی جائیں اور ان کو زیر استعمال لانے کے لئے منظم طریق پر انتظامات کئے جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود نے ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کے اوائل ہی سے اس طرف خصوصی توجہ فرمائی اور منتظمینِ جلسہ کو عارضی انتظامات کے بارے میں نہایت پُرحکمت اور تاکیدی ہدایات جاری فرماتے رہے جن میں سے بعض بطور نمونہ بیان کی جاتی ہیں:۔

(ہدایات فرمودہ ۲۸ تبلیغ/فروری ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء)[1]

۱۔ جلسہ سالانہ کے لئے مندرجہ ذیل اشیاء فراہم کی جائیں:۔

مٹی کے تیل کے کنستر = ۴۰ عدد، لالٹینیں = ۴۰۰ یا ۵۰۰ عدد

---

[1] الفضل ۱۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۳-۵

موم بتیاں جن کی لمبائی ۴ انچ اور موٹائی ۱/۲ انچ ہو = ۴۰۰ بنڈل

۲۔ ڈھائی سو بوری آٹا پسوایا جائے اور بوقتِ ضرورت دو سو بوری آٹا پسوانے کا انتظام رکھا جائے۔

۳۔ پانی جمع کرنے کے لئے ۴۰ ڈیزل آئیل کے خالی ڈرم فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور سے حاصل کئے جائیں اور ۱۰۰ سیکنڈ ہینڈ ڈرم اور حسب ضرورت گھڑے خرید لئے جائیں۔

۴۔ فولڈنگ کینوس ٹینک (FOLDING CANVAS TANK) کی فراہمی کی کوشش کی جائے اور ٹینکر (TANKER) کرایہ پر لینے کی کوشش کی جائے۔ یہ مہیا نہ ہوں تو چنیوٹ میں سقوں کا انتظام کیا جائے۔

۵۔ روزانہ پچاس ہزار کچی اینٹ تیار کرانے کی کوشش کی جائے۔

۶۔ ۲۳؍امان/مارچ کو حضرت مصلح موعود کی خدمت اقدس میں حضرت مولوی عبدالمغنی خاں صاحب ناظر دعوت و تبلیغ نے عرض کیا کہ کیا ہندوستان کے مبلغ جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے پاکستان آجائیں۔ فرمایا۔ صرف اس صورت میں آنے کی اجازت ہے جبکہ یہاں سے واپس جانے کا پرمٹ بھی ساتھ لے کر آئیں

حضور نے ہدایت دی کہ عورتوں کی جلسہ گاہ مردوں کے پنڈال سے ۲۰۰ فٹ پرے ہٹا کر بنائی جائے اور اس کے گرد قناتیں لگائی جائیں۔ گیلریاں اگر موجود ہیں تو مردوں کے لئے استعمال کی جائیں۔

جلسہ کی کارروائی صبح و شام اور رات کو ہو، دوپہر کو نہ ہو۔

پوسٹر شائع نہ کئے جائیں۔ اگر لوائے احمدیت اس موقعہ پر لگایا جائے تو ساتھ ہی اتنا ہی اونچا پاکستان کا جھنڈا بھی نصب کیا جائے۔[1]

اس کے ساتھ ہی مہمانوں کی قیام گاہوں کے لئے ایسی طرز پر بیرکیں بنانے کا حکم دیا جو جلسہ کے بعد مناسب تبدیلی کے ساتھ شہر کی پختہ تعمیر کے آغاز تک دفاتر اور کارکنوں کے رہائشی مکانوں کے طور پر استعمال کی جاسکیں۔[2]

۱؎ رجسٹر روداد اجلاس ہائے رتن باغ لاہور۔

۲؎ چودھری عبداللطیف صاحب اوورسیئر کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ ۸ ؍ ماہ شہادت/اپریل تک مہمانوں کی سب بیرکیں پایہ تکمیل تک پہنچ گئیں۔ اسی طرح حضور کی عارضی رہائش گاہ بھی قریباً مکمل ہو چکی تھی۔ البتہ ناظر صاحبان کے اٹھارہ کمروں کا سیٹ ابھی زیر تعمیر تھا۔

۷۔ ۴؍ماہ شہادت/اپریل کو حضرت امیرالمومنین نے فرمایا کہ دفتروں نے جلسہ کے موقعہ پر ربوہ جانا ہے اور افسران نے دن رات کام کرنا ہے ان کے لئے تین سو چارپائیوں کا انتظام کر لینا چاہیئے تاکہ ان کو کام کے بعد آرام کا موقع مل سکے۔ نیز پچیس ہزار روپیہ کہیں سے قرض لے لیا جائے اور آہستہ آہستہ کر کے بجٹ میں رکھ کر اس کو اُتار دیا جائے اور اس رقم کے ذریعہ برتن اور دیگر سامان غرباء کے لئے خرید کر ربوہ میں کام کرنے والے غرباء میں تقسیم کیا جائے۔ ایسا سامان جو ربوہ میں جائے گا اُس کے انتظام کے لئے بابو فضل الدین صاحب سے گفتگو کی جائے۔ اگر وہ کام کر سکیں تو سامان کا چارج ان کو دیا جائے اور جب کوئی وہاں جائے تو وہ سامان ان کو دیں اور پھر واپس لیں۔[1]

حضرت مصلح موعود کا معائنہ انتظامات کی خاطر ربوہ کا خصوصی سفر

حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود نے صرف ہدایات جاری کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بنفس نفیس معائنہ انتظامات اور مزید راہ نمائی کے لئے ۲۴؍ماہ امان/مارچ ۱۳۲۸ہش ۱۹۴۹ء کو لاہور سے ربوہ تشریف لائے۔ اس خصوصی سفر کی تفصیلات حضور ہی کے مبارک الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہیں۔ حضور نے ۲۵؍امان/مارچ کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"جلسہ سالانہ کے متعلق جو وہاں انتظامات ہو رہے ہیں۔ میں کل ان کو دیکھنے کے لئے ربوہ گیا تھا۔ چونکہ اس جگہ پر کوئی رہائشی مکانات نہیں ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ ہمیں وہاں رہائش کے لئے عارضی انتظامات ہی کرنے ہوں گے۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے میں نے انجنیروں سے مشورہ کرنے کے بعد ساڑھے تیرہ ہزار روپے کی منظوری عارضی شیڈ بنانے کے لئے دے دی ہے اور اس میں پچاس شیڈ بنائے جا رہے ہیں۔ ہر شیڈ ۹۶ فٹ لمبا اور ۱۶ فٹ چوڑا ہے درمیان میں ستون ہیں۔ اس طرح ہر شیڈ دو حصوں پر منقسم ہو جاتا ہے۔ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ ہر شیڈ میں ۱۲۵ یا ۱۳۰ آدمی آ سکتے ہیں۔ اس طرح ۵۰ شیڈ میں تقریباً چھ ہزار آدمی کی گنجائش ہے۔ ان میں سے بیس[2] شیڈ مستورات کے لئے مخصوص کر دیئے گئے ہیں جن میں ۲½ ہزار کے قریب مستورات کے رہنے کی گنجائش ہو گی لیکن چونکہ جلسہ سالانہ کے ایام آنے تک موسم گرم ہو جائے گا اور لوگ غالباً پسند کریں گے کہ وہ باہر نکل کر سوئیں اس لئے

[1] رجسٹر روداد اجلاس رتن باغ لاہور۔

خیال ہے کہ یہ عمارت ۳۰ - ۴۰ بلکہ ۵۰ ہزار آدمی کے لئے کافی ہوگی۔ کیونکہ صرف اسباب اندر رکھنا ہوگا۔ سونے کے لئے لوگ باہر لیٹنا زیادہ پسند کریں گے۔ اسباب کی حفاظت کو مدّنظر رکھتے ہوئے اگر الگ الگ جماعتوں کو رکھا جائے۔ تب بھی ہمارا خیال ہے کہ یہ شیڈ ۱۲-۱۵ بلکہ بیس ہزار آدمی کے لئے کافی ہوں گے۔ چونکہ جماعت جب جلسہ پر آتی ہے تو بالعموم اپنے چندے بھی ساتھ لاتی ہے اور بالعموم وہ ان ایام میں اپنے گذشتہ حسابات بھی دیکھنا چاہتی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف دفاتر سے لوگوں کو مختلف کام ہوتے ہیں۔ بعض کو اپنے جھگڑوں اور تنازعات کے سلسلہ میں امور عامہ کے دفتر سے کام ہوتا ہے یا رشتہ ناطہ کے لئے وہ شعبۂ رشتہ ناطہ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں یا بیت المال والوں سے وہ اپنے بجٹ کے سلسلہ میں ملنا چاہتے ہیں یا دفتر محاسب میں وہ اپنی امانتیں رکھوانا یا اپنی امانتیں نکلوانا چاہتے ہیں اس لئے ان دفاتر کے لئے بھی وہاں مکانات بنانے ضروری تھے چونکہ میں نے انجنیئروں سے مشورہ کرنے کے بعد اس غرض کے لئے عارضی طور پر بارہ کمرے بنانے کا حکم دے دیا ہے۔
اور وہیں خزانہ بنانے کی ہدایت بھی دے دی ہے۔ اسی طرح جو مستقل افسر ہیں اور جن کو جلسہ سالانہ کے ایام میں رات دن کام کرنا پڑے گا ان کے لئے بھی علیحدہ انتظام کی ضرورت تھی چنانچہ اس کے لئے بھی میں نے چھ مکانات الگ بنوانے کا فیصلہ کیا ہے اور متعلقہ کارکنان کو اس کے متعلق ہدایت دے دی ہے۔ یہ تمام مکانات صرف عارضی طور پر بنائے جائیں گے ان پر تقریباً ۱۸ - ۲۰ ہزار روپیہ صرف ہوگا لیکن اس میں سے خرچ کا کچھ حصہ سلسلہ کو واپس مل جائے گا۔ مثلاً جب یہ مکانات توڑے جائیں گے تو اُن کی کچّی اینٹیں کچھ تو ضائع ہو جائیں گی لیکن انجنیئروں کا خیال ہے کہ دو تہائی اینٹیں آئندہ کی ضروریات کے لئے بچ جائیں گی اسی طرح ان مکانات میں جو لکڑی استعمال کی جائے گی وہ بھی بچ جائے گی۔ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ نصف کے قریب خرچ واپس مل جائے گا اور صرف دس ہزار روپیہ ایسا ہوگا۔ جو جلسہ کی خاطر خرچ ہوگا۔ میں نے یوں بھی اندازہ لگایا ہے کہ انجمن کے جو دفاتر ہیں وہ قادیان کی نسبت اب بہت بڑھ گئے ہیں۔ قادیان میں ہمارا سو کے قریب کلرک تھا لیکن اِس وقت غالباً زیادہ ہو چکا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی دفتر لاہور میں ہے کوئی چنیوٹ

میں ہے اور کوئی احمد نگر میں ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے دفاتر اب دو ملکوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ گویا ہمارے دفتر کا کام پہلے کی نسبت بہت بڑھ گیا ہے۔ بلکہ اب تو ایک مستقل دفتر حفاظت مرکز کے لئے ہی قائم ہو چکا ہے اور اس کا کام یہی ہے کہ قادیان کے متعلق جو مشکلات پیدا ہوں اُن کا ازالہ کرے۔ گورنمنٹ سے خط وکتابت کرے۔ جماعتوں کو قادیان کے حالات سے باخبر رکھے اور ہر قسم کا ضروری ریکارڈ جمع کرتا رہے۔ پھر چونکہ قادیان کی صدر انجمن بھی قائم ہے اس کے دفاتر الگ ہیں۔ مگر ان دفاتر کا صرف خرچ کے ساتھ تعلق ہے۔ ربوہ میں مکانات کی تعمیر یا صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح تحریک جدید کے بہت سے کارکنان ہیں۔ ان سب کارکنوں کو اگر ملایا جائے تو ہزار بارہ سو تک ان کی تعداد پہنچ جاتی ہے اور ان کی رہائش کے لئے کم سے کم اڑھائی تین سو مکانات کی ضرورت ہے۔ اب تو ہمارے تین مکان لاہور میں ہیں۔ کالج بھی یہیں ہے۔ کچھ مکانات چنیوٹ میں ہیں۔ ۴۰-۵۰ مکانات احمد نگر میں ہیں اور کچھ حصہ کارکنوں کا خیموں میں رہتا ہے۔ جب دفاتر اکٹھے ہوں گے تو ہمیں ضرورت ہوگی کہ ان کے لئے اڑھائی سو خیمہ لگوایا جائے۔ اور اگر اڑھائی سو خیمہ لگوا دیا جائے تب بھی اوّل تو خیموں میں وہ آرام میسّر نہیں آسکتا جو مکانات میں ہوتا ہے۔ دوسرے اگر اڑھائی سو خیمہ خریدا جائے تو سوا لاکھ روپیہ میں آتا ہے۔ ان خیموں کو اگر دوبارہ مکانات بننے پر بیچ بھی دیا جائے تب بھی ساٹھ ستّر ہزار کا نقصان ہمیں برداشت کرنا پڑے گا۔ اور اگر اڑھائی سو خیمہ کرایہ پر لیا جائے تو اٹھارہ روپیہ ماہوار پر ایک خیمہ ملتا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ ۴۵۰۰ روپیہ ماہوار صرف کرایہ پر صرف ہوگا۔ اگر یہ خیمے ایک سال تک رکھے جائیں جب تک ہماری عمارتیں مکمل نہ ہو جائیں تو ۵۴ ہزار روپیہ سالانہ صرف کرایہ پر خرچ آجائے گا۔ اور پھر ان خیموں کے پہنچانے اور واپس لانے میں جو خرچ ہوگا وہ بھی چار چار پانچ پانچ روپے فی خیمہ سے کم نہیں ہو سکتا۔ ان امور کو مدّنظر رکھتے ہوئے مَیں نے یہ سمجھا کہ اگر ہم ان عارضی عمارتوں کو جو جلسہ سالانہ کے لئے بنائی جا رہی ہیں بعد میں توڑیں نہیں بلکہ اسی طرح رہنے دیں تو ہمارا بیس ہزار روپیہ جو ان عمارتوں پر خرچ ہوگا۔ اس میں سے دس ہزار روپیہ تو یقیناً جلسہ سالانہ کے لئے خرچ ہونا تھا، باقی دس ہزار روپیہ جو لکڑی اور اینٹوں کی صورت میں ہمیں واپس مل سکتا تھا وہ ان عمارتوں کو سال بھر قائم رکھ

کہ ہمارے دفاتر اور کارکنوں کو اکٹھا رکھنے میں کام آسکتا ہے۔ مَیں نے اندازہ لگایا ہے کہ فی بیرک چھ چھ مکان بن سکتے ہیں۔ اور چونکہ پچاس بیرکیں ہیں اس لئے بعد میں بڑی آسانی سے تین سو مکان بن سکتا ہے۔ اگر ہم ان مکانات کو سال بھر رہنے دیں تو دس ہزار روپیہ کا نقصان اُٹھانے کی بجائے ہمیں کم سے کم چالیس ہزار روپیہ کی بچت ہوگی۔ اگر ہم خیمے لگائیں تو ہمیں پچاس ہزار روپیہ سالانہ کرایہ ادا کرنا پڑے گا۔ اور اگر ہم خیمے خرید کر سال بھر کے بعد بیچیں تو ہمیں ساٹھ ستر ہزار روپے کا گھاٹا برداشت کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر یہ شیڈ اور مکانات اسی طرح پر کھڑے رہیں اور چھ چھ مکان فی بیرک بنا دیئے جائیں تو تین سو مکان بن جائے گا۔ ان پچاس شیڈوں کے علاوہ جو عارضی مکانات وہاں جلسہ سالانہ کے لئے بنائے جا رہے ہیں جن میں دفاتر بھی ہوں گے۔ ناظروں کے لئے مکانات بھی ہوں گے پرائیویٹ سکرٹری کا بھی دفتر ہوگا اور میرا مکان بھی ہوگا۔ اس پر ہمارے اخراجات کا اندازہ چار ہزار روپیہ ہے۔ کیونکہ بہرحال کسی چھوٹی سی جگہ میں یہ سارے دفاتر نہیں آسکتے۔ دس بارہ افسروں کے لئے جگہ کی ضرورت ہوگی۔ دفتر پرائیویٹ سکرٹری کے لئے جگہ کی ضرورت ہوگی اور پھر میری رہائش کے لئے جگہ کی ضرورت ہوگی۔ اس کے لئے ہم نے جو نقشہ تجویز کیا ہے اس کے مطابق چار ہزار خرچ کا اندازہ ہے۔ اور اگر اس خرچ کو پورے سال پر پھیلا دیا جائے تو ۳⅓ سو روپے ماہوار کا خرچ ہے جو سلسلہ کو برداشت کرنا پڑے گا۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر جلسہ سالانہ کے فوراً بعد ہم دفاتر وہاں منتقل کرنا شروع کر دیں اور موجودہ عارضی عمارات کو قائم رکھیں تو بجائے نقصان کے ہمیں تیس چالیس ہزار روپیہ کا فائدہ رہے گا اور پھر مزید فائدہ یہ ہوگا کہ سب کارکن اکٹھے رہیں گے اور کام میں پہلے کی نسبت زیادہ ترقی ہوگی"۔ [1]

ربوہ اسٹیشن کی منظوری اور گاڑیوں کی باقاعدہ آمد و رفت

حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر میاں غلام محمد صاحب اخترؓ عرصہ سے ربوہ اسٹیشن کی منظوری کے لئے مسلسل دوڑ دھوپ کر رہے تھے جو خدا کے فضل و کرم سے جلسہ کے قریب آکر کامیاب ہوگئی

۱؎ الفضل ۳؍شہادت/اپریل ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۳-۴۔

اور ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ صاحب نے ۲۵؍ مارچ کو ربوہ ہالٹنگ سٹیشن کی منظوری دے دی۔[۱]

ازاں بعد مورخہ ۳۱؍ امان / مارچ کی شام تک ربوہ کا نیا سٹیشن مکمل ہو گیا اور پلیٹ فارم اور بکنگ آفس بن گیا نیز سٹیشن کا تمام عملہ بھی ربوہ میں پہنچ گیا۔ پہلے اسٹیشن ماسٹر چوہدری محمد صدیق صاحب آف نارووال مقرر ہوئے۔ یکم ماہ شہادت / اپریل کو گاڑیوں کی باقاعدہ آمد و رفت شروع ہو گئی۔ پہلی گاڑی جو سرگودھا کی طرف سے آئی صبح سات بجکر بیس منٹ پر کھڑی ہوئی۔ اس موقعہ پر ربوہ کے تمام احمدیوں کے علاوہ احمد نگر کے بھی اکثر احباب نیز جامعہ احمدیہ کے طلباء قطار در قطار کھڑے تھے۔ حضرت قاضی محمد عبد اللہ صاحب ناظر ضیافت نے گاڑی آنے سے پہلے نہایت رقت انگیز دعا کرائی جنگل میں پہاڑیوں اور ٹیلوں کے درمیان اجتماعی دعا کا یہ نظارہ بڑا ہی پُرکیف اور عجیب تھا جس سے الہام "جنگل میں منگل" کا نظارہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ دعا کے بعد دُور لالیاں کی طرف سے گاڑی آتی دکھائی دی تو تمام دوستوں نے فرط مسرت سے بے اختیار پُرجوش نعرے بلند کئے۔ ربوہ اسٹیشن سے پہلا ٹکٹ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب معتبر آڈیٹر تحریک جدید نے خریدا۔ اور سب سے پہلی ٹرین پر تیئیس روپے سات آنے کے ٹکٹ فروخت ہوئے۔ ٹکٹ لینے والے دوست گاڑی میں سوار ہوئے اور گاڑی نعرہ ہائے تکبیر میں چل دی۔

دوسری گاڑی اس کے معاً بعد چنیوٹ سے ربوہ آئی جس سے تعلیم الاسلام ہائی سکول اور جماعت چنیوٹ کے بیسیوں احباب کے علاوہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھی تشریف لائے۔ حضرت مفتی صاحب نے جملہ حاضرین سے مصافحہ کیا۔ جس کے بعد یہ گاڑی بھی روانہ ہو گئی۔ اس طرح خدا کے فضل و کرم سے ربوہ اسٹیشن کا بابرکت افتتاح عمل میں آیا۔[۲] اور اس وادی غیر ذی زرع کا رابطہ ریلوے نظام کے اعتبار سے پورے ملک سے قائم ہو گیا جس سے زائرین ربوہ کو بے انداز سہولت ہو گئی۔ چنانچہ پہلے تاریخی جلسہ میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کے اکثر و بیشتر مہمان بذریعہ گاڑی ہی ربوہ کی مقدس سرزمین میں تشریف لائے۔

---

۱ بذریعہ چٹھی 89/C.G/32 مورخہ ۲۵؍ مارچ ۱۹۴۹ء

۲ الفضل ۱۵؍ شہادت / اپریل ۱۳۲۸ہش / ۱۹۴۹ء صفحہ ۶

صدر مجلس خدام الاحمدیہ کی طرف سے تربیت یافتہ رضا کاروں کیلئے اپیل

چونکہ جلسہ کے انتظامات کو خوش اسلوبی سے چلانے کے لئے سینکڑوں رضا کاروں کی اشد ضرورت تھی۔ اس لئے صدر مجلس خدام الاحمدیہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے بذریعہ الفضل اپیل کی کہ خصوصاً فرقان فورس کے تربیت یافتہ نوجوان جو نظام سلسلہ کے تحت کام کر چکے ہیں زیادہ سے زیادہ جلسہ میں شامل ہوں اپنا خیمہ نصب کرنے کا سامان ہمراہ لائیں۔ اور ۱۳ ماہ شہادت/اپریل کو ربوہ پہنچ کر دفتر خدام الاحمدیہ میں اطلاع دیں تا اُن کی ڈیوٹی لگائی جاسکے۔[۵]

اس اپیل پر بہت سے نوجوان ربوہ پہنچ گئے۔

جلسہ ربوہ کا افتتاح اور حضرت سیدنا المصلح الموعود کا ایمان افروز خطاب

۱۵ ماہ شہادت/اپریل کو بوقت نو بجے صبح ربوہ کی سرزمین میں جماعت احمدیہ کا پہلا مبارک اور تاریخی سالانہ جلسہ حضرت مصلح موعود کی ایمان افروز تقریر اور ہزارہا مومنین کی درد و کرب اور سوز و گداز سے بھری ہوئی عاجزانہ دعاؤں اور التجاؤں کے رُوح پرور ماحول میں شروع ہوا۔

اس موقعہ پر حضرت مصلح موعود نے جو افتتاحی خطاب فرمایا۔ اس کا مکمل متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ حضرت امیر المومنین نے تشہد و تعوذ کے بعد سورۃ فاتحہ کی تلاوت فرمائی جس میں الحمد للہ ربّ العالمین کا خصوصیت کے ساتھ تین بار تکرار فرمایا۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا:-

"یہ جلسہ تقریروں کا جلسہ نہیں۔ یہ جلسہ اپنے اندر ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسی تاریخی حیثیت جو مہینوں یا سالوں یا صدیوں تک نہیں جائے گی بلکہ بنی نوع انسان کی اس دُنیا پر جو زندگی ہے اس کے خاتمہ تک جائے گی۔ اس میں شامل ہونے والے لوگ ایک جلسہ میں شامل نہیں ہو رہے بلکہ رُوحانی لحاظ سے وہ ایک نئی دُنیا، ایک نئی زمین اور ایک نئے آسمان کے بنانے میں شامل ہو رہے ہیں۔ پس اس جلسہ کو تقریروں کا جلسہ مت سمجھو۔ تقریریں ہوں یا نہ ہوں۔ مختلف مضامین پر لیکچر سُننے کا موقعہ ملے یا نہ ملے۔ اس کا کوئی سوال نہیں جو اصل مقصد ہے وہ ہمارے سامنے رہنا چاہیئے۔ اور جو اصل مقصد ہے اس کو ہمیں ہر چیز پر اہمیت دینی چاہیئے۔ مَیں اب قرآن کریم کی کچھ آیتیں پڑھوں گا اور آہستہ آہستہ کئی

---

[۵] الفضل ۱۰ ارشہادت/اپریل ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۶

ربوہ کے پہلے تاریخی جلسہ سالانہ کے بعض ایمان افروز اور روح پرور مناظر

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ جلسہ گاہ کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں۔

دفعہ دہراؤں گا۔ پڑھے ہوئے، اور ان پڑھ جس قدر دوست یہاں موجود ہیں وہ بھی میرا ساتھ دے سکتے ہیں اور انہیں ساتھ دینا چاہیئے یعنی جب مَیں وہ آیتیں پڑھوں تو جماعت کے دوست کیا مرد اور کیا عورتیں ساتھ ساتھ ان آیتوں کو دہراتے چلے جائیں۔

(اس موقعہ پر حضور نے ہدایت فرمائی کہ کوئی کارکن جاکر عورتوں کی جلسہ گاہ سے پوچھ لے کہ ان کو آواز آرہی ہے یا نہیں تاکہ وہ محروم نہ رہ جائیں)

عورتوں میں سے جو عورتیں ایسی ہیں کہ ان پر ان ایام میں ایسی حالت ہے کہ وہ بلند آواز سے قرآن کریم نہیں پڑھ سکتیں، اُن کو چاہیئے کہ وہ دل میں ان آیتوں کو دہراتی چلی جائیں۔ اور جن عورتوں کے لئے ان ایام میں قرآن کریم پڑھنا جائز ہے وہ زبان سے بھی ان آیتوں کو دہرائیں بہرحال جن عورتوں کے لئے ان ایام میں زبان سے پڑھنا جائز نہیں وہ زبان سے پڑھنے کی بجائے صرف دل میں ان آیتوں کو دہراتی رہیں۔ کیونکہ شریعت نے اپنے حکم کے مطابق جہاں مخصوص ایام میں تلاوت قرآن کریم سے عورتوں کو روکا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ وہ دل میں بھی ایسے خیالات نہ لائیں یا دل میں بھی نہ دہرائیں، بلکہ صرف اتنا حکم ہے کہ زبان سے نہ دہرائیں۔ بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک صرف قرآن کریم کو ہاتھ لگانا منع ہے مگر احتیاط یہی ہے کہ کثرت سے جس بات پر مسلمانوں کا عمل رہا ہے اسی پر عمل کیا جائے۔ پس بجائے زبان سے دہرانے کے وہ دل میں ان آیتوں کو دہراتی چلی جائیں۔

مَیں نے بتایا ہے کہ مَیں کئی دفعہ آیات کو پڑھوں گا۔ ممکن ہے مَیں پہلی دفعہ جلدی پڑھوں تاکہ ان کا مفہوم آسانی سے سمجھ میں آسکے۔ اگر لفظوں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہو اور انسان مضمون سے پہلے واقف نہ ہو تو آہستگی سے پڑھنے کے نتیجہ میں مضمون بجائے اچھا سمجھ آنے کے کم سمجھ آتا ہے۔ مگر جو شخص اس کے ترجمہ سے واقف ہوتا اور مضمون سے آگاہ ہوتا ہے اس کا دلی جوش اور جذبہ بعض دفعہ اسے جلدی پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس لئے پہلی دفعہ کی تلاوت مَیں اپنے لئے مخصوص کروں گا۔ یعنی میں اس طرح پڑھوں گا جس طرح میرا اپنا دل چاہتا ہے۔ اس کے بعد جب میں تلاوت کروں گا تو اس امر کو مدنظر رکھوں گا کہ پڑھا ہوا اور ان پڑھ، عالم اور جاہل، بڑی عمر کا اور چھوٹی عمر کا ہر شخص لفظاً لفظاً اگر وہ چاہے

اور اگر اس کے دل میں ارادہ اور ہمت ہو تو میرے پیچھے پیچھے چل سکے اور ہر لفظ کو دہرا سکے۔"

ان تمہیدی الفاظ کے بعد حضور نے نہایت رقّت آمیز رنگ میں قرآن کریم کی وہ دُعائیں بلند آواز سے پڑھنا شروع کیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو وادیٔ مکّہ میں چھوڑتے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور کی تھیں۔ جماعت کے تمام دوست کیا مرد اور کیا عورتیں سب کے سب حضور کے ساتھ ساتھ ان دُعاؤں کو دُہراتے چلے گئے۔

یہ دُعائیں جس طرح بار بار حضور نے پڑھیں اسی طرح ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ حضور نے ابراہیمی دُعاؤں کو منتخب کرتے ہوئے اس موقع پر نہایت درد کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ

رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ٭

رَبَّنَا اِنَّکَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ

رَبَّنَا اِنَّکَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ

وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ

اس کے بعد دوبارہ حضور نے انہی دُعاؤں کو اس رنگ میں دہرایا۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ

بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ۔ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ٭

رَبَّنَا اِنَّکَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ

رَبَّنَا اِنَّکَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ

رَبَّنَا اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ

رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ

فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ

فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ

وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ۝

اس کے بعد حضور نے فرمایا :۔

آج سے قریباً ۴۵ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کو حکم ہوا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو خدا تعالیٰ کی راہ میں ذبح کر ڈالے۔ یہ رؤیا اپنے اندر دو حکمتیں رکھتی تھی۔ ایک حکمت تو یہ تھی کہ اس وقت سے پہلے انسانی قربانی کو جائز سمجھا جاتا تھا اور خصوصیت کے ساتھ لوگ اپنی اولاد کو خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے یا اپنے بتوں کو خوش کرنے کیلئے قربان کر دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت نے فیصلہ کیا کہ اب بنی نوع انسان کو اس مہیب اور بھیانک فعل سے باز رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ انسانی دماغ اب اتنی ترقی کر چکا ہے کہ وہ حقیقت اور مجاز میں فرق کرنے کا اہل ہو گیا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کو جس کا نام ابراہیمؑ تھا یہ رؤیا دکھائی۔ اس رؤیا میں جیسا کہ میں نے بتایا ہے ایک حکمت یہ تھی کہ آئندہ انسانی قربانی کو روک دیا جائے۔ اور دوسری حکمت یہ تھی کہ خدا تعالیٰ انسان سے حقیقی قربانی کا مطالبہ کرنا چاہتا تھا جو مطالبہ اس سے پہلے انسان سے نہیں ہوا تھا۔ بہرحال جب سے انسان اس قابل ہوا کہ اس پر الہام نازل ہو کسی نہ کسی صورت میں لوگ خدا تعالیٰ کی عبادت کیا ہی کرتے تھے۔ لیکن ابھی ایسا زمانہ انسان پر نہیں آیا تھا کہ کچھ لوگ اپنی زندگیوں کو کُلّی طور پر

خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر دیں۔ نماز تو لوگ پڑھتے تھے، روزہ بھی رکھتے تھے۔ ذکرِ الٰہی بھی لوگ کرتے تھے کیونکہ ان چیزوں کے بغیر رُوحانیت زندہ نہیں رہ سکتی۔ اگر آدمؑ ایک رُوحانی انسان تھا تو نوحؑ اور آدمؑ اور اُن کے متبع یقیناً نماز بھی پڑھتے تھے۔ ذکرِ الٰہی بھی کرتے تھے اور روزہ بھی رکھتے تھے کیونکہ رُوح بغیر ان چیزوں کے جلا نہیں پاتی۔ اور رُوح کے جلا پائے بغیر خدا تعالیٰ کا قرب اور اس کا وصال حاصل نہیں ہو سکتا۔ مگر اس قربانی اور اُن قربانیوں میں کیا فرق تھا؟ فرق یہ تھا کہ ہر شخص اپنے اپنے طور پر نمازیں ادا کرتا تھا۔ اور کوئی ایسا شخص بھی ہوتا تھا جس کو خدا تعالیٰ چُن لیتا تھا اور اسے مقرر کرتا تھا کہ تم اپنی زندگی میں میری طرف سے مامور کی حیثیت رکھتے ہو۔ تم بنی نوع انسان کو مخاطب کرو اور انہیں میری طرف لانے کی کوشش کرو۔ یہ لوگ انبیاء علیہم السلام ہوتے تھے مگر ان کے علاوہ کوئی ایسے گروہ نہیں ہوتے تھے جو اپنی زندگیوں کو کسی مخصوص مقام سے وابستہ کر دیں اور دن اور رات ذکرِ الٰہی کے شغل کو جاری رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ جہاں وہ اس غیر حقیقی قربانی کو منسوخ کر دے جو چھُری کے ذریعہ سے بیٹوں کو قتل کر کے ادا کی جاتی تھی وہاں وہ اس حقیقی قربانی کی بنیاد ڈال دے کہ دُنیا کو چھوڑ کر انسان اپنی زندگی محض خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر دیا کرے۔ چھُری انسانی زندگی کو ایک منٹ میں ختم کر دیتی ہے۔ بالکل ممکن ہے کہ جنہوں نے اپنی زندگی خدا تعالیٰ کے لئے دی اور چھُریوں اور نیزوں سے اپنے آپ کو قربان کروا دیا اگر وہ ایک سال اَور زندہ رہتے تو مرتد ہو جاتے ایک سال اَور زندہ رہتے تو اُن کے ایمان کمزور ہو جاتے۔ ایک سال اور زندہ رہتے تو اُن کے اندر عبادت کے لئے وہ جوش و خروش باقی نہ رہتا جو اس وقت انہوں نے دکھایا تھا۔

پس چھُری کے ساتھ انہوں نے اپنے مشتبہ انجام کو چھپایا ہے حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اپنی مرضی سے اپنی زندگی کو قربان کرتا ہے یا جو شخص اپنی مرضی سے اپنی اولاد کو قربان کرتا ہے وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ ڈرتا ہے کہ وہ اور اس کی اولاد لمبے امتحانوں میں سے گذرتے ہوئے ناکام نہ رہ جائے۔ اور وہ اپنی ناکامیوں کو چھپانے کے لئے ہی اپنی زندگی یا اپنی اولاد کی زندگی کو ختم کر دیتا ہے مگر جو شخص ساری عمر قربان ہوتا رہتا ہے، موت کے ذریعہ نہیں بلکہ ترکِ منہیات سے،

ذکرِ الٰہی کی پابندی اختیار کرنے سے، تبلیغ اسلام کو اختیار کرنے سے، بنی نوع انسان کی تربیت کی ذمہ داری لینے سے، وہ دلیرانہ اس سمندر میں کودتا ہے۔ وہ اپنا خاتمہ موت سے نہیں کرتا بلکہ وہ اپنا ایمان اپنی زندگی سے ثابت کر دیتا ہے۔ مرنے والے کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اگر وہ زندہ رہتا تو ایماندار رہتا۔ مگر جس نے زندہ رہ کر اپنے ایمان کو ثابت کر دیا اور جس نے مدت تک اپنے ایمان کو سلامت لے جا کر عملی طور پر اس کے سچا ہونے کا ثبوت دے دیا، اس کے متعلق دشمن سے دشمن کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس نے اپنے عہد کو سچا ثابت کر دیا۔ مَیں نے کہا کہ جو شخص اپنی مرضی سے اپنی زندگی کو ختم کرتا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ مَیں نے ان لوگوں کو مستثنٰی کر دیا ہے جو اپنی مرضی سے اپنی زندگی ختم نہیں کرتے بلکہ خدا تعالےٰ کی مشیئت سے ان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کو شہداء کہتے ہیں۔

پس جو دلیل مَیں نے تلوار یا نیزہ سے اپنے آپ کو ختم کرنے والوں کے خلاف دی ہے وہ شہداء کے خلاف نہیں پڑتی اس لئے کہ شہداء نے خود اپنے آپ کو مار کر زندگی کی جد و جہد سے آزاد ہونے کی کوشش نہیں کی بلکہ خدا تعالےٰ کی مشیئت نے ان کے زندہ رہنے کی خواہش کے باوجود یہ چاہا کہ ان کی مادی زندگی کے دَور کو ختم کر دے۔ اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

پس جو دلیل مَیں نے اپنی زندگی ختم کرنے والوں کے خلاف دی ہے وہ شہداء کے خلاف نہیں پڑتی۔ اس لئے کہ وہ خود نہیں مرتے بلکہ ان کو دشمن مارتا ہے۔ ورنہ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ دشمن کو مار کر اپنے ایمانوں کو اور بھی قوی کریں۔ اس امر کا ثبوت کہ وہ اپنی زندگی ختم کر کے میدانِ جد و جہد سے بھاگنا نہیں چاہتے ایک حدیث سے بھی ملتا ہے۔

حضرت عبد اللہؓ جو رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک نہایت مقرب صحابیؓ تھے جب شہید ہو گئے تو ان کے بیٹے حضرت جابرؓ کو ایک دفعہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نہایت افسردہ حالت میں سر جھکائے دیکھا۔ آپؐ نے جابرؓ سے فرمایا۔ جابر! تمہیں اپنے باپ کی موت کا بہت صدمہ معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں یا رسُول اللہ۔ باپ بھی

بہت نیک تھا جس کی وفات کا طبعی طور پر مجھے سخت صدمہ ہے مگر میری افسردگی کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارا خاندان بہت بڑا ہے اور اب اس کا تمام بار میرے کمزور کندھوں پر آ پڑا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جابر! اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ تمہارے باپ کا کیا حال ہوا تو تم کبھی افسردہ نہ ہوتے بلکہ خوش ہوتے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ جابر! جب عبداللہؓ شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں سے کہا۔ عبداللہؓ کی روح کو میرے سامنے لاؤ۔ جب عبداللہؓ کی رُوح اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کی گئی تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ سے فرمایا کہ عبداللہ ہم تمہارے کارنامے پر اور اسلام کے لئے تم نے جو قربانی پیش کی ہے اس پر اتنے خوش ہوئے ہیں کہ تم جو کچھ مانگنا چاہتے ہو مانگو۔ ہم تمہاری ہر خواہش کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس پر عبداللہؓ نے یہ نہیں کہا کہ الٰہی جنت کے فلاں مقام پر مجھے رکھا جائے۔ اس پر عبداللہؓ نے یہ نہیں کہا کہ الٰہی مجھے ایسی ایسی حُوریں دے عبداللہؓ نے یہ نہیں کہا کہ الٰہی مجھے جنّت غلمان خدمت کے لئے دے۔ عبداللہؓ نے یہ نہیں کہا کہ الٰہی مجھے ایسے ایسے باغات مل جائیں بلکہ عبداللہؓ نے اگر کہا تو یہ کہا کہ اے میرے رب اگر تو مجھے کچھ دینا چاہتا ہے۔ تو میری خواہش یہ ہے کہ تُو مجھے پھر زندہ کر دے تاکہ مَیں پھر تیرے دین کی خدمت کرتا ہوا مارا جاؤں۔

اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ شہید ہونے والا اپنی مرضی سے مرنا نہیں چاہتا۔ وہ خطرے کے مواقع پر اپنی جان ضرور پیش کرتا ہے مگر اس کا دل چاہتا ہے کہ مَیں زندہ رہ کر ان تمام مشکلات کا مقابلہ کروں جو اسلام یا دینِ حقّہ کو مخالفوں کی طرف سے پیش آنے والی ہیں۔ پس مَیں نے جو اعتراض خود کشی کرنے والوں یا جھوٹے جان دینے والوں پر کیا ہے وہ شہداء پر نہیں پڑتا۔ غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے چاہا کہ وہ دینِ حقّہ کے لئے ایسے قربانی کرنے والے پیدا کرے جو اپنی جان کو مار کر اس دُنیا کی جدوجہد سے بھاگنا نہیں چاہتے بلکہ دُنیا میں زندہ رہ کر دُنیا کی کشمکشوں میں سے گذر کر دُنیا کی مصیبتوں کو جھیل کر دُنیا کی تکالیف کو برداشت کرکے اپنی مردانگی کا ثبوت دینا چاہتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کا بندہ دُنیا کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے

ڈرا نہیں کرتا۔ یہی وہ حقیقی قربانی ہے جو شاندار ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں خدا تعالےٰ کا نام لے کر سینہ میں خنجر مار لینا کوئی قربانی نہیں۔ وہ بُزدلی ہے، وہ کمزوری ہے، وہ دُون ہمتی ہے جو لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے ایک قربانی کی شکل میں پیش کی جاتی ہے۔ ورنہ وہ خوب جانتا ہے کہ میں بُزدل ہوں۔ میں اس لئے مر رہا ہوں کہ دُنیا میں رہ کر میں مصیبتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور وہ سمجھتا ہے کہ چند مصیبتیں آنے کے بعد ہی میرا ایمان کمزور ہو جائے گا۔ اس لئے وہ اپنی زندگی کو ختم کر دیتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ اس قربانی کی بنیاد ڈالے جو زندہ رہ کر اور دُنیا کی کشمکشوں کا مقابلہ کر کے اور دُنیا کی مصیبتوں کو برداشت کر کے انسان پیش کر سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سب سے بڑا کارنامہ درحقیقت یہی تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وہ رؤیا دکھائی جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ اکلوتے بیٹے کو جو یقیناً اسماعیلؑ تھے ذبح کر رہے ہیں تو چونکہ اس وقت لوگ اپنے بیٹوں کو خدا تعالیٰ کے نام پر ذبح کرتے تھے حضرت ابراہیمؑ نے سمجھا کہ الٰہی منشاء یہ ہے کہ میں بھی اپنے بیٹے کو خدا تعالیٰ کے نام پر ذبح کر دوں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو جن کی عمر اُس وقت تاریخ سے سات سال کی معلوم ہوتی ہے بتایا کہ میں نے ایسی ایسی رؤیا دیکھی ہے۔ اسمٰعیلؑ جو اپنے باپ کی نیک تربیت کے ماتحت دین کو سمجھتا تھا اور جس میں یہ حِس تھی کہ خدا تعالےٰ کے لئے قربانی کرنی چاہیئے اس نے فوراً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو قبول کیا کہ خدا تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے آپ اس پر عمل کریں۔ میں اسے حضرت اسمٰعیل کی ذاتی نیکی نہیں سمجھتا۔ جب وہ بڑے ہوئے تو یقیناً وہ نیک ثابت ہوئے اور انہوں نے اپنے عمل اور طریق سے خدا تعالےٰ کو اتنا خوش کیا کہ اس نے انہیں نبوّت کے مقام پر فائز کر دیا۔ مگر اَلصَّبِیُّ صَبِیٌّ وَ لَوْ کَانَ نَبِیًّا۔ بچہ بچہ ہی ہے خواہ وہ بعد میں نبی ہی کیوں نہ بن جائے سات سال کی عمر میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا یہ نمونہ دکھانا یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی بیوی اور دوسرے رشتہ داروں کی نیکی کا مظاہرہ تھا۔ حضرت اسمٰعیل کی ذاتی خوبی نہیں تھا۔ مجھے اپنے گھر کا ایک واقعہ یاد ہے۔ میرا ایک بچہ جس کی عمر پانچ چھ سال تھی ایک دفعہ

نچلی منزل کی سیڑھی پر کھڑا تھا اور مَیں اُوپر تھا۔ اس کے ایک دو بھائی جو بڑی عمر کے تھے وہ اس کے پاس کھڑے اُسے ڈرا رہے تھے اور میرے کان میں ان کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مجھے ان کی باتیں کچھ دلچسپ معلوم ہوئیں اور مَیں غور سے سُننے لگا۔ مَیں نے سُنا۔ ان میں سے ایک نے اُسے کہا۔ اگر تم کو رات کے وقت جنگل میں اکیلے چھوڑ آئیں تو کیا تم اس کے لئے تیار ہو گے۔ مَیں نے دیکھا کہ اس بات کے سُنتے ہی بچے پر دہشت غالب آگئی۔ وہ ڈر گیا اور اس نے کہا۔ نہیں۔ اس کے بعد دوسرے نے کہا۔ اگر مَیں تم کو کہوں کہ تم رات کو اکیلے جنگل میں چلے جاؤ اور وہیں رہو تو کیا تم میری بات مانو گے؟ اس نے کہا۔ نہیں۔ پھر انہوں نے کسی اَور کا نام لے کر کہا کہ اگر وہ کہے تو پھر بھی مانو گے یا نہیں۔ اس نے کہا۔ نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے کسی اَور کا نام لیا کہ اگر وہ ایسا کہے تو کیا پھر بھی تم مانو گے یا نہیں۔ اس نے کہا۔ نہیں۔ پھر انہوں نے میرا نام لیا اور کہا کہ اگر ابّا جان کہیں تو کیا تم جنگل میں چلے جاؤ گے۔ اس نے پھر کہا۔ نہیں۔ آخر انہوں نے کہا۔ اگر خدا کہے کہ تم جنگل میں چلے جاؤ تو کیا تم جاؤ گے؟ مَیں نے دیکھا کہ اس بات کے سُنتے ہی اس کا رنگ زرد ہوگیا۔ مگر اس نے کہا۔ ہاں پھر مَیں مان لُوں گا۔ اب دیکھو پانچ چھ سال کا بچہ نہیں جانتا کہ خدا کیا چیز ہے۔ وہ صرف موٹی موٹی باتیں جانتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے احکام کی اہمیت کو نہیں سمجھتا۔ مگر چونکہ صبح و شام وہ سُنتا رہتا ہے کہ خدا تعالےٰ کی ذات بہت بڑی ہے اور اس کے احکام کو نہ ماننا کسی انسان کے لئے جائز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اور سب کا نام لینے پر اس نے انکار کیا۔ یہانتک کہ باپ کا نام لینے پر بھی اس نے یہی کہا کہ مَیں نہیں جاؤں گا۔ مگر جب خدا تعالےٰ کا نام لیا گیا تو اس نے سمجھا کہ اب انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اس نے کہا کہ اگر خدا کہے تو پھر مَیں چلا جاؤں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی جب اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ سے کہا کہ خدا تعالےٰ نے مجھے رؤیا میں یہ دکھایا ہے کہ مَیں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب بتا تیری کیا رائے ہے تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اس نیک تربیت کی وجہ سے جو انہیں حاصل تھی یہ جواب دیا کہ جب خدا نے ایسا کہا ہے تو پھر بے شک۔ اس پر عمل کریں مَیں اس کے لئے بالکل تیار ہوں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو جنگل میں لے گئے۔ ان کی آنکھوں پر پٹی باندھی۔

انہیں زمین پر لٹا دیا اور پھر چھری نکال کر چاہا کہ اس زمانہ کے رسم و رواج کے مطابق اپنے بیٹے کو خدا تعالیٰ کے نام پر ذبح کر دیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے تو یہ بتانا چاہتا تھا کہ انسانی قربانی ناجائز ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے چھری نکالی اور ذبح کرنا چاہا تو فرشتہ نازل ہوا اور اس نے خدا تعالیٰ کی طرف سے کہا کہ یَا اِبْرَاهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا۔ اے ابراہیمؑ! تم نے عملاً اپنے بچے کو ذبح کرنے کے ارادہ سے لٹا کر اور چھری نکال کر اپنے خواب کو پورا کر دیا ہے۔ مگر ہمارا منشاء یہ نہیں تھا کہ تم واقع میں اسے ذبح کر دو بلکہ ہم یہ بتانا چاہتے تھے کہ خواب میں اگر کوئی شخص اپنے بچے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کی تعبیر کچھ اَور ہوا کرتی ہے۔ ہم انسانی قربانی کو روکنا چاہتے تھے اور اسی لئے ہم نے یہ رؤیا دکھائی تھی۔ اس ذریعہ سے تمہارا ایمان بھی ظاہر ہو گیا اور ہماری غرض بھی پوری ہو گی۔ اے ابراہیم! آج سے انسانی قربانی کو بند کیا جاتا ہے۔ اب آئندہ کسی انسان کو اس رنگ میں قربان کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے انسانی قربانی جو خودکشی یا دوسرے کو قتل کرنے کے رنگ میں جاری تھی، رُک گئی۔ درحقیقت اس رؤیا میں یہ بتایا گیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ایک وادیٔ غیر ذی زرع میں اپنے بیٹے کو چھوڑ آئیں گے اور اس لئے چھوڑ آئیں گے لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ تاکہ وہ خدا تعالیٰ کی عبادت کو قائم کریں دوسری جگہ یہ ذکر آتا ہے کہ اُن کو بیت اللہ کے پاس اس لئے رکھا گیا تھا، تاکہ وہ زائرین اور طواف کرنے والوں اور اعتکاف بیٹھنے والوں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کے لئے اس کے گھر کو آباد رکھیں۔ چنانچہ جب یہ قربانی جاتی رہی۔ تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رؤیا کے ذریعہ بتایا کہ وہ اپنے بیٹے اسمٰعیل اور اس کی والدہ کو بیت اللہ کی جگہ چھوڑ آئیں۔

بخاری میں روایت آتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں یہ حکم ہوا تو انہوں نے اپنا بچہ اُٹھا لیا۔ یا ممکن ہے انہوں نے کسی سواری کا بھی انتظام کر لیا ہو۔ روایت میں آتا ہے کہ بعض جگہ حضرت ہاجرہ بچے کو اُٹھا لیتیں۔ اور بعض

جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اُسے اُٹھا لیتے۔ اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی اور بچّے کو ساتھ لے کر فلسطین سے مکّہ کا رُخ کیا۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ فلسطین سے مکہ کوئی ڈیڑھ ہزار میل کے قریب ہوگا۔ سفر کرتے کرتے وہ خانہ کعبہ میں پہنچے۔ اس وقت صرف ایک مشکیزہ پانی کا اور ایک ٹوکری کھجوروں کی ان کے پاس تھی انہوں نے اپنی بیوی اور بچّے کو وہاں بٹھایا اور کھجوروں کی ٹوکری اور پانی کا مشکیزہ اُن کے پاس رکھ دیا۔ مکّہ میں اس وقت کوئی پانی کا چشمہ یا نہر نہیں تھی۔ کوئی نالہ بھی پاس سے نہیں گذرتا تھا۔ اور زمین کے لحاظ سے کوئی سرسبزی و شادابی اس میں نہیں پائی جاتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وہاں رکھا۔ اپنی بیوی کو چھوڑا اور کہا۔ مَیں ایک کام کے لئے جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ وہاں سے واپس چل پڑے۔ لیکن ۸۰ سال کی عمر میں پیدا ہونے والے اکلوتے بچّے کی محبّت خواہ کوئی نبی بھی ہو، اس کے دل سے ٹھنڈی نہیں ہوسکتی۔ اب ابراہیمؑ نوّے سال کی عمر کو پہنچ رہے تھے۔ اور اس عمر میں اُن کا اپنے بیٹے اور اس بیٹے کی شریف اور نیک ماں کو چھوڑ کر واپس چلے جانا کوئی آسان امر نہیں تھا۔ پچاس ساٹھ گز گئے تھے کہ اُنہوں نے مُڑ کر اپنی بیوی اور بچّے کو دیکھا اور اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر پچاس ساٹھ گز گئے تھے کہ محبّت نے جوش مارا۔ اور اُنہوں نے پھر ایک بار اُن کو دیکھا۔ پھر کچھ دُور گئے تو محبّت نے پھر جوش مارا اور اُنہوں نے مُڑ کر اُن پر نظر ڈالی وہ اس طرح کرتے چلے گئے یہانتک کہ وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے اُن کا نظر آنا مشکل ہوگیا۔ اُس وقت اُنہوں نے اس طرف مونہہ کیا جدھر اُن کی بیوی بچّے تھے۔ جن کو چھوڑ کر وہ ہمیشہ کے لئے جا رہے تھے اور جن کے زندہ رہنے کا بظاہر کوئی امکان نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ کے حضور نہایت عاجزانہ طور پر اُنہوں نے دُعا کی کہ

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ

اے ہمارے ربّ! اُنہوں نے رَبَّنَا کہا ہے رَبِّیْ نہیں کہا۔ کیونکہ اس قربانی میں وہ اپنی بیوی کو بھی شامل کرتے ہیں۔ مگر اس کے بعد وہ اِنِّیْ کہتے ہیں اِنَّا نہیں کہتے۔ کیونکہ یہ فعل

اُن کی بیوی کی طرف سے نہیں تھا۔ رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ - اے ہمارے ربّ! مَیں نے اپنی ذریّت کا ایک حصّہ اس وادی میں لاکر چھوڑ دیا ہے۔ ایک حصّہ انہوں نے اس لئے کہا کہ اس وقت تک حضرت اسحٰقؑ بھی پیدا ہو چکے تھے۔ جب اُنہوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا چاہا تھا اس وقت تک حضرت اسحاقؑ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ لیکن جب انہوں نے حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو مکّہ میں لاکر چھوڑا ہے اس وقت حضرت اسحاقؑ پیدا ہو چکے تھے۔ اس لئے وہ فرماتے ہیں رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ۔ الٰہی مَیں نے اپنی اولاد کا ایک حصّہ اس وادی میں لاکر چھوڑ دیا ہے غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں ہوتی جیسے کہ وہ میں کوئی کھیتی باڑی نہیں ہوتی سرکاری کاغذات میں لکھا ہوا ہے کہ اس رقبہ میں نہ زراعت ہوتی ہے اور نہ اس وقت کی تحقیقات کے مطابق ہو سکتی ہے۔ UNCULTIVABLE UNAGRICULTURAL عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ تیرے پاکیزہ گھر کے پاس۔ اس وقت تک خانہ کعبہ نہیں بنا تھا۔ لیکن اس آیت سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں وہاں کوئی پُرانا معبد تھا۔ اور جو لوگ یہ عقیدہ نہیں رکھتے وہ اس کے معنے یہ کرتے ہیں کہ جو معبد بننے والا ہے اس کے نزدیک مَیں نے اپنی اولاد کو لاکر رکھ دیا ہے۔ تیسرے معنے اس کے یہ کئے جاتے ہیں کہ بیت اللہ درحقیقت تقویٰ کا مقام ہے۔ پس عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ کے یہ معنے ہیں کہ مَیں ایک ایسے مقام کے پاس انہیں چھوڑ رہا ہوں جہاں شیطانی خیالات کا دخل نہیں ہوگا۔ یعنی دین کی خدمت کے لئے مَیں انہیں یہاں چھوڑ رہا ہوں رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ - اے میرے ربّ مَیں ان کو یہاں چھوڑ تو رہا ہوں مگر اس لئے نہیں کہ یہ بڑی بڑی کمائیاں کریں یا بڑے بڑے جتھے بنائیں اور فتوحات حاصل کریں بلکہ

رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

اے میرے ربّ! مَیں اس لئے ان کو یہاں چھوڑ رہا ہوں تاکہ وہ تیری عبادت کو اس جنگل میں قائم کریں۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ

پس اے میرے ربّ تو لوگوں کے دلوں میں خود ان کی محبت ڈال اور انہیں اس طرف جھکا دے۔ چونکہ یہ خالص تیری عبادت کے لئے وقف ہوں گے اور تیرے دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہوں گے اس لئے اے میرے ربّ! تو لوگوں کے ایک طبقہ کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے اور ان کے دلوں میں ان کی عقیدت اور احترام پیدا کر دے تاکہ وہ باہر کی دُنیا میں رہ کر کمائیں اور اپنی کمائی کا ایک حصّہ ان کے کھانے کے لئے بھجوا دیا کریں۔ اور اے میرے ربّ! جب مَیں اپنی اولاد کو دین کی خدمت کے لئے یہاں چھوڑے جا رہا ہوں تو مَیں یہ نہیں چاہتا کہ مسجد کے مُلّانوں کی طرح یہ جمعرات کی روٹیوں کے محتاج ہوں۔ مَیں اپنی اولاد کو ایک جنگل میں چھوڑ رہا ہوں۔ مَیں اپنے بچے کو جو جوان ہے اور اس عمر سے گذر گیا ہے جس میں بچے بالعموم مرجایا کرتے ہیں ایک ایسی جگہ چھوڑ رہا ہوں جس میں اس کی موت یقینی ہے۔ انسان ہونے کے لحاظ سے مَیں علمِ غیب نہیں رکھتا اور مَیں نہیں جانتا کہ کل تُو ان سے کیا سلوک کرے گا۔ میرا اندازہ انسانی علم کے لحاظ سے یہی ہے کہ میری بیوی اور بچہ یہاں مَر جائیں گے مَیں نے انسان ہوتے ہوئے قربانی کے ہر نقطۂ نگاہ میں سے جو سب سے بڑا نقطۂ نگاہ تھا اس کو پُورا کر دیا ہے۔ اب مَیں تیرا بھی امتحان لینا چاہتا ہوں۔ مَیں نے بندہ ہو کر وہ کام کیا ہے جو قربانی اور ایثار کے لحاظ سے اپنے انتہائی کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ اب مَیں تیری خدائی کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ ۔ مَیں نے اپنی بیوی اور بچے کو یہاں لا کر چھوڑا ہے اور یہ سمجھتے ہوئے چھوڑا ہے کہ وہ اس جنگل میں بھوکے اور پیاسے مَر جائیں گے۔ اب اے خدا! اگر تُو خدا ہے تو یہاں اُن کے لئے لوگوں کو کھینچ لا اور ان کے قلوب اس طرف مائل کر دے۔

وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ

مگر اے خدا! مَیں تجھ سے اُن کے لئے جمعرات کی روٹی نہیں مانگتا۔ مَیں تجھ سے اُن کے لئے چاول بھی نہیں مانگتا۔ بلکہ مَیں یہ مانگتا ہوں کہ یہ جگہ جہاں گھاس کی ایک پتی بھی

پیدا نہیں ہوتی - اس جگہ دُنیا بھر کے میوے آئیں اور یہ اُن میووں کو یہاں بیٹھ کر کھائیں تُو روٹی دے گا تو مَیں نہیں مانوں گا کہ تُو نے اپنی خدائی کا ثبوت دیا ہے - تو چاول کھلائے گا تو مَیں نہیں مانوں گا کہ تو نے اپنی خدائی کا ثبوت دیا ہے - تُو زردہ اور پلاؤ کھلائے گا تو مَیں نہیں مانوں گا کہ تو نے اپنی خدائی کا ثبوت دیا ہے - مَیں تیری خدائی کا ثبوت تب مانوں گا جب یہ مکّہ میں بیٹھ کر چین اور جاپان اور یورپ اور امریکہ کے میوے کھائیں تب مَیں مانوں گا کہ تُو نے اپنی خدائی کا ثبوت دے دیا ہے - مَیں نے بندہ ہو کر ایک انتہائی قربانی کی ہے - اب اے خدا! مَیں تیری خدائی کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں اور وہ بھی اس رنگ میں کہ اس وادیٔ غیر ذی زرع میں دُنیا کا ہر بہترین رزق تُو انہیں پہنچا - خدا تعالیٰ نے ابراہیم کے اس چیلنج کو قبول کیا اور اُس نے کہا - اے ابراہیم! تُو نے اپنی اولاد کو ایک وادیٔ غیر ذی زرع میں لا کر بسایا ہے اور مجھ سے کہا ہے کہ مَیں نے اپنا بیٹا قربان کر دیا ہے ، اب تُو بھی اپنی خدائی کا ثبوت دے تُو نے کہا ہے کہ مَیں نے ایک عاجز بندہ ہو کر اپنی بندگی کا ثبوت دے دیا ، اب اے خدا! تُو بھی اپنی خدائی کا ثبوت دے - اور تُو نے ثبوت یہ مانگا ہے کہ یہ نہ کھائیں بلکہ بنی نوع انسان کھائیں اور انہیں کھلائیں اور کھلائیں بھی معمولی چیزیں نہیں بلکہ دُنیا بھر کے میوے ان کے پاس پہنچیں - مَیں تیرے اس چیلنج کو قبول کرتا ہوں اور مَیں اس وادیٔ غیر ذی زرع میں جہاں گھاس کی ایک پتّی بھی نہیں اُگتی تجھے ایسا ہی کر کے دکھاؤں گا -

مَیں نے حج کے موقعہ پر خود اس کا تجربہ کیا ہے - مَیں نے مکّہ مکرّمہ میں ہندوستان کے گنّے دیکھے ہیں - مَیں نے مکّہ مکرّمہ میں طائف کے انگور کھائے - مَیں نے مکّہ مکرّمہ میں اعلیٰ درجہ کے انار کھائے ہیں - گنّے کے متعلق تو مجھے یاد نہیں کہ میری طبیعت پر اس کے متعلق کیا اثر تھا لیکن انگوروں اور اناروں کے متعلق مَیں شہادت دے سکتا ہوں کہ ویسے اعلیٰ درجہ کے انگور اور انار مَیں نے اَور کہیں نہیں کھائے - مَیں یورپ بھی گیا ہوں - مَیں شام بھی گیا ہوں - مَیں فلسطین بھی گیا ہوں - اٹلی کا مُلک انگوروں

کے لئے بہت مشہور ہے۔ یورپ کے لوگ کہتے ہیں کہ بہترین انگور اٹلی میں ہوتے ہیں۔ مگر مَیں نے اٹلی کے لوگوں سے کہا کہ مکّہ کی وادیٔ غیر ذی زرع میں ابراہیمی پیشگوئی کے ماتحت جو انگور مَیں نے کھائے ہیں وہ اٹلی کے انگوروں سے بہت زیادہ میٹھے اور بہت زیادہ اعلیٰ تھے۔ ہمارے ارد گرد قندھار کوئٹہ اور کابل کا انار مشہور ہے۔ مگر مَیں نے جو موٹا سُرخ شیریں اور لذیذ انار مکّہ میں کھایا ہے اس کا سینکڑواں حصّہ بھی قندھار اور کوئٹہ اور کابل کا انار نہیں۔

غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں۔ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ اے خدا! مَیں نے اپنی بندگی کا انتہائی ثبوت دے دیا ہے۔ اب تجھ سے مَیں کہتا ہوں کہ تُو بھی اپنی خدائی کا انتہا درجے کا ثبوت دے اور وہ ثبوت مَیں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ یہ نہ کمائیں بلکہ لوگ کما کر ان کے پاس لائیں اور لائیں بھی معمولی چیزیں نہیں بلکہ دُنیا بھر کے بہترین پھل اور میوے

لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ

اے میرے ربّ میں احسان کے طور پر نہیں کہتا۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ اگر ایسا ہوا تب میرا بدلہ اُترے گا یا تب میری اولاد کی قربانی کا بدلہ اُترے گا۔ مَیں نے بیشک ایک مطالبہ کیا ہے مگر اس لئے نہیں کہ مَیں نے کوئی قربانی کی ہے بلکہ میں نے یہ مطالبہ محض اس لئے کیا ہے کہ بندے نے اپنی بندگی کا انتہائی ثبوت دے دیا۔ اب تُو بھی اپنی خُدائی کا ثبوت دے لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۔ تاکہ میری اولاد ایمان پر قائم رہے اور اسے یقین ہو کہ کیسی زبردست طاقتوں کا مالک وہ خدا ہے جس کی خدمت کے لئے وہ یہاں بیٹھے ہیں۔ بظاہر یہ ایک چیلنج معلوم ہوتا ہے کہ دیکھ مَیں نے کتنی قربانی کی، اب تو بھی اپنی خدائی کا ثبوت دے۔ مگر میری یہ غرض نہیں کہ تُو میرے فعل کی وجہ سے انہیں یہ پھل کھلا بلکہ میری غرض یہ ہے کہ تیرے فعل سے بنی نوع انسان کے اندر ایمان پیدا ہو۔ گویا اس میں بھی اصل غرض تیرے نام کی بلندی ہے، اپنے نام کی بلندی نہیں۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِىْ وَمَا نُعْلِنُ

پھر ابراہیمؑ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ بچہ چھوٹا ہے بیوی جوان ہے۔ یہ میری دوسری بیوی ہے۔ میری بڑی بیوی جو میری پھوپھی زاد بہن ہے میرے گھر میں موجود ہے اور اس سے نسل بھی ہو رہی ہے۔ ہاجرہ یہ بھی جانتی ہے کہ وہ میری چہیتی بیوی ہے اور یہ بھی جانتی ہے کہ اس سے اولاد ہو گئی ہے۔ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ یہ ظالم اس بیوی کی خاطر مجھے یہاں چھوڑے جا رہا ہے اور اس بچے کی خاطر میرے اس بچے کو چھوڑ رہا ہے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور گِر گئے اور انہوں نے کہا۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِىْ وَمَا نُعْلِنُ۔ اے میرے ربّ مَیں نے تیرے نام کی عزت کے لئے اپنے اُوپر یہ دھبّہ قبول کیا ہے۔ مَیں اپنی بیوی کو یہاں اس لئے نہیں چھوڑ رہا کہ مَیں اپنی پہلی بیوی کو اس پر مقدم رکھتا ہوں۔ مَیں اپنے بچے کو یہاں اس لئے نہیں چھوڑ رہا کہ مَیں اس بچے پر دوسرے بچہ کو مقدم رکھتا ہوں۔ بلکہ اے خدا! اس بیوی کو مَیں اس لئے یہاں چھوڑ رہا ہوں کہ تو نے مجھے اس کا حکم دیا ہے اور اے خدا! یہ بچہ مجھے بہت عزیز ہے۔ اسحٰقؑ سے ذلیل سمجھ کر مَیں اسے یہاں نہیں چھوڑ رہا مَیں اس کی وراثت میں اسے روک سمجھ کر یہاں نہیں چھوڑ رہا بلکہ اے خدا باوجود اس کے کہ یہ مجھے بہت پیارا ہے مَیں اسے اس لئے یہاں چھوڑ رہا ہوں کہ تُو نے اسے یہاں چھوڑنے کو کہا ہے یہ ظلم کا الزام، یہ بے وفائی کا الزام، یہ سنگدلی کا الزام، اے خدا! مَیں نے محض تیرے لئے قبول کیا ہے۔ میری بیوی اس نکتہ کو نہیں سمجھ سکتی۔ وہ سمجھے گی کہ مَیں نے دوسری بیوی کی خاطر اسے یہاں چھوڑا ہے۔ میرا بچہ بھی اس بات کو نہیں سمجھ سکتا۔ وہ بڑا ہو کر کہے گا کہ باپ کیسا ظالم تھا وہ مجھے اور میری ماں کو یہاں چھوڑ گیا۔ اے میرے ربّ! مَیں اپنے دل کا درد کس کو بتاؤں سوائے تیری ذات کے جسے سب کچھ علم ہے۔ تجھے پتہ ہے کہ میرے دل میں کتنا دُکھ ہے۔ ... ...

... ... تجھ کو پتہ ہے کہ یہ ظاہری سنگدلی اور ظلم کا الزام مَیں نے محض تیرے حکم کو پُورا کرنے کے لئے اپنے اُوپر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَىْءٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ۔ ابراہیمؑ نے کہا تھا۔ تو جانتا ہے کہ

میرے دل میں کتنا درد ہے اور یہ کہ ظاہری طور پر مَیں جو کچھ سنگدلی اور سختی کر رہا ہوں یہ محض تیرے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ۔ یہ خدائی کلام ہے، ابراہیم کا نہیں۔ فرماتا ہے خدا تعالیٰ کو پتہ ہے کہ زمین اور آسمان میں کیا کچھ ہے۔ اس کے علم سے کوئی بات مخفی نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ ابراہیمؑ کا یہ فعل ایک بیج کی طرح زمین میں ڈالا جا رہا ہے جس سے ایک دن ایک بڑی قوم پیدا ہوگی۔ اور وہ جانتا ہے کہ آسمان پر اس بیج بونے کے نتیجہ میں کیسا عظیم الشان انعام مقدر ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہاتھ اُٹھا کر یہ دُعا کی تو حضرت ہاجرہؓ کے دِل میں شُبہ پیدا ہوا کہ یہ جُدائی کسی عارضی کام کے لئے معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ دائمی جُدائی معلوم ہوتی ہے۔ وہ دوڑتی ہوئی آپ کے پیچھے گئیں۔ اور اُنہوں نے کہا۔ ابراہیم! ابراہیم تم ہمیں یہاں کس لئے چھوڑے جا رہے ہو۔ یہ تو عارضی جُدائی معلوم نہیں ہوتی۔ تم ہمیں جنگل میں اکیلے چھوڑے جا رہے ہو۔ ابراہیم دیکھو۔ تمہارا بیٹا بھوکا مر جائے گا۔ ابراہیم تمہاری بیوی یہاں موجود ہے اور اس کا بھی تم پر حق ہے۔ مگر حضرت ابراہیمؑ نے ان کی طرف نہیں دیکھا کیونکہ ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ وہ ڈرتے تھے کہ اگر مَیں نے جواب دیا تو بیتاب ہو جاؤں گا اور رقّت مجھ پر غالب آجائیگی اور یہ اس شان کے خلاف ہوگا جس کا یہ قربانی تقاضا کرتی ہے۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے کوئی جواب نہ دیا تو پھر ہاجرہؓ نے کہا۔ ابراہیم! ابراہیم تم اپنی بیوی اور بیٹے کو کس لئے ایک ایسے جنگل میں چھوڑے جا رہے ہو جس میں ایک دن بھی رہائش اختیار نہیں کی جا سکتی۔ بھیڑیئے آئیں گے اور ہمیں ختم کر دیں گے۔ اور اگر بھیڑیئے نہ بھی آئے تب بھی پانی ختم ہو گیا تو ہم کیا کریں گے، کھجوریں ختم ہو گئیں تو ہم کیا کریں گے۔ آخر کیوں تم ہمیں یہاں چھوڑے جا رہے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر بھی ان کی طرف نہ دیکھا اور زبان سے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر ہاجرہؓ نے آگے بڑھ کر اُن کا دامن پکڑ لیا اور کہا۔ بتاؤ۔ تم کس پر ہمیں چھوڑے جا رہے ہو

کیا خدا پر چھوڑے جا رہے ہو؟ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا مونہہ موڑا اور آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھا دی۔ بولے نہیں۔ کیونکہ جانتے تھے کہ اگر میں بولا تو رقت مجھ پر غالب آجائے گی۔ انہوں نے صرف آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھا دی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ہاں خدا پر اور خدا تعالیٰ کے کہنے پر مَیں یہ کام کر رہا ہوں۔ ہاجرہؓ ایک عورت ہی سہی، وہ ایک مصری خاتون ہی سہی جس کا ابراہیمی خاندان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ مگر وہ ابراہیمی تربیت حاصل کر چکی تھی، وہ خدا کا نام سُن چکی تھی۔ وہ الٰہی قدرتوں کا مشاہدہ کر چکی تھی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھا کر بتایا کہ مَیں محض خدا تعالیٰ کی خاطر اور اسی کے حکم کی تعمیل میں تمہیں یہاں چھوڑے جا رہا ہوں۔ تو ہاجرہؓ فوراً پیچھے ہٹ گئیں اور انہوں نے کہا۔

إِذًا لَّا يُضَيِّعُنَا

تب خدا تعالیٰ ہم کو ضائع نہیں کرے گا۔ بے شک جہاں جانا ہے چلے جاؤ۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ چلے گئے۔ اور وہ بے وطن اور مسکین ہاجرہؓ، اسماعیل کی ماں، پھر اپنے خاوند کا مُنہ نہیں دیکھ سکی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام جب جوان ہوئے تو اس کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے۔ لیکن اس وقت حضرت ہاجرہؓ فوت ہو چکی تھیں۔ تب خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت انہوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی جس کو ہم بیت اللہ کہتے ہیں اور جس کی طرف مونہہ کر کے نمازیں پڑھتے ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ آئے۔ اُس وقت جُرہم قبیلہ کے لوگ وہاں بس چکے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ انہوں نے اپنی بیٹی بھی بیاہ دی تھی۔ اب وہ آبادی تھی۔ چند خیمے یا چند جھونپڑیاں تھیں جن میں لوگ رہتے تھے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جھونپڑیاں تھیں۔ کیونکہ روایات میں ذکر آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو حضرت اسماعیل اس وقت گھر پر نہیں تھے۔ آپ گھر میں یہ پیغام

دے گئے کہ جب اسماعیلؑ آئے تو اس سے کہنا کہ تمہاری چوکھٹ اچھی نہیں اسے بدل دو۔ مطلب یہ تھا کہ تمہاری بیوی بد اخلاق ہے اس کی بجائے کوئی اچھے اخلاق والی بیوی کرو۔ حضرت ابراہیمؑ اس کے بعد بھی کئی دفعہ آئے۔ ایک اس وقت آئے جب انہوں نے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر خانۂ کعبہ کی بُنیاد رکھی تھی۔ اور ایک اُس وقت آئے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر نہیں تھے۔ وہ اکثر شکار کے لئے دُور پہاڑوں میں نکل جایا کرتے تھے اور پھر شکار کا گوشت سُکھا کر رکھ لیتے اور استعمال کرتے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو حضرت اسماعیلؑ شکار کی تلاش میں باہر گئے ہوئے تھے۔ آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے ایک عورت بولی۔ بابا تُو کون ہے؟ آپ نے فرمایا۔ بی بی! مَیں اسماعیلؑ سے ملنے کے لئے آیا ہوں۔ اس نے کہا۔ بابا جاؤ، اسماعیلؑ گھر پر نہیں۔ انہوں نے کہا۔ اچھا، مَیں جاتا تو ہوں مگر جب اسماعیلؑ واپس آئے تو اس سے کہہ دینا کہ تمہارے دروازہ کی چوکھٹ اچھی نہیں اسے بدل دو۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام واپس آئے تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ پیچھے کے واقعات بتاؤ۔ چونکہ اُس وقت مکّہ میں صرف چند گھر تھے اس لئے اُنہیں ایک دوسرے کے حالات معلوم کرنے کی طبعاً جستجو رہتی تھی اور بڑا بھاری واقعہ وہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ فُلاں قبیلہ یہاں سے گذرا ہے اور وہ یہ یہ چیزیں لے گیا اور یہ یہ چیزیں دے گیا ہے بیوی نے کہا اور تو کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ صرف ایک بڈھا آپ کے پیچھے آیا تھا۔ حضرت اسماعیلؑ کا دل دھڑکنے لگا کہ یہ بڈھا کہیں اُن کا باپ ہی نہ ہو۔ اُنہوں نے کہا۔ اُس بڈھے نے کوئی بات بھی کی تھی یا نہیں۔ اُس نے کہا۔ اُس بڈھے نے آپ کے متعلق پوچھا تھا۔ مَیں نے بتایا کہ آپ گھر پر موجود نہیں ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم نے اس بڈھے کی کوئی خاطر تواضع بھی کی۔ اس نے کہا۔ مَیں نے تو کوئی خاطر تواضع نہیں کی۔ البتہ جاتے وقت وہ ایک پیغام آپ کو پہنچانے کے لئے دے گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اسماعیل سے کہہ دینا۔

تمہاری چوکھٹ اچھی نہیں، اسے بدل دو۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ سنتے ہی کہا۔ بی بی میری طرف سے تم پر طلاق۔ اس نے کہا۔ اس کا کیا مطلب؟ حضرت اسماعیل نے کہا۔ وہ بڈھا میرا باپ تھا جو دو ہزار میل سے چل کر آیا مگر تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ تم انہیں کہتیں۔ تشریف رکھئے اور آرام کیجئے۔ تمہارے اخلاق ایسے نہیں کہ میرے گھر میں رہنے کے قابل سمجھی جا سکو۔ چنانچہ حضرت اسماعیلؑ نے اُسے طلاق دے دی اور ایک اَور شادی کر لی۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے۔ اتفاقاً اس دن بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام باہر تھے۔ آپ آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے ایک عورت نے جواب دیا کہ کون صاحب ہیں۔ بیٹھئے، تشریف رکھئے۔ چنانچہ آپ اندر گئے۔ اس عورت نے آپ کی خدمت کی، پَیر دُھلائے، کھانے پینے کی چیزیں آپ کے سامنے رکھیں اور کہا مجھے سخت افسوس ہے کہ آپ بہت فاصلہ سے آئے مگر اسماعیلؑ سے نہیں مل سکے۔ آپ ٹھہریئے اور ان کا انتظار کیجئے۔ اس عرصہ میں مجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے مَیں آپ کی خدمت کروں گی۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹھہرے نہیں بلکہ واپس چلے گئے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اُن کی قوم کے افراد بہت پھیلے ہوئے تھے اور وہ ان کے ہاں ٹھہر جاتے تھے۔ جاتے ہوئے انہوں نے کہا۔ اسماعیلؑ جب واپس آئے تو اس سے کہنا کہ فُلاں طرف سے ایک آدمی آیا تھا اور اُس سے کہنا کہ تمہارے دروازے کی چوکھٹ اب بالکل ٹھیک ہے اس کو قائم رکھنا۔ چنانچہ حضرت اسماعیلؑ جب واپس آئے اور انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ کوئی نئی خبر سناؤ تو اُس نے کہا۔ آج کی نئی خبر یہ ہے کہ ایک بڈھا آیا تھا۔ حضرت اسماعیلؑ نے جلدی سے کہا۔ پھر؟ اس نے کہا۔ مَیں نے اُن کو بٹھایا، پاؤں دُھلائے، پانی پلایا اور کھانے کے لئے اُن کے سامنے چیزیں رکھیں۔ مَیں نے اُن سے یہ بھی کہا تھا کہ ٹھہریئے جب تک اسماعیل واپس نہیں آ جاتے۔ مگر انہوں نے کہا کہ مَیں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔

مگر جاتی دفعہ وہ ایک عجیب طرح کا پیغام دے گئے ۔ انہوں نے کہا کہ اسمٰعیلؑ سے کہہ دینا ، تمہارے دروازہ کی چوکھٹ بڑی اچھی ہے ، اسے قائم رکھنا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا۔ میری بیوی! یہ آنے والا میرا باپ تھا۔ اور سفارش کر کے گیا ہے کہ مَیں تمہیں عزت و احترام سے اپنے گھر رکھوں۔

آخر وہ دن بھی آگیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیلؑ کو اپنے ساتھ لے کر اس گھر کی بُنیاد رکھی جس کو خانۂ کعبہ کہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ (البقرہ رکوع ۱۵)

اور جبکہ ہم نے وہ گھر جو ابراہیمؑ نے بنایا اس کو لوگوں کے لئے بار بار آنے کا مقام بنا دیا ، زیارت گاہ بنا دیا۔ ثواب کی جگہ بنا دیا۔ وَاَمْنًا اور امن کا مقام بنا دیا۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى۔ اور اے لوگو! جو خانۂ کعبہ کے شیدائی بنتے ہو جو بیت اللہ کی محبت کا دَم بھرتے ہو۔ تم ہر ایک چیز جو تمہیں پسند آتی ہے ، اس کی تصویر اپنے گھر میں رکھنے کی کوشش کرتے ہو۔ اگر کوئی پھل تمہیں پسند آئے تو تم اسے اپنے گھر لاتے اور اپنے بیوی بچّوں کو چکھانے کی کوشش کرتے ہو۔ اے کم عقلو! جب تم بازار میں خربوزہ دیکھ کر بس نہیں کرتے بلکہ وہ خربوزہ گھر میں لاتے ہو۔ جب تم کسی اچھے نظارے کو دیکھتے ہو تو اس کی تصویر کھینچتے اور اپنے بیوی بچّوں کو دکھاتے اور آئندہ آنے والوں کے لئے گھر میں رکھتے ہو۔ تو کیا وجہ ہے ، کیا سبب ہے ، اس میں کون سی معقولیّت ہے کہ تم اپنے مونہوں سے تو خانۂ کعبہ کی تعریفیں کرتے ہو۔ اپنے مونہوں سے تو خانۂ کعبہ کے احترام کا اظہار کرتے ہو۔ لیکن تم ایک خربوزے کو تو گھر میں لانے کی کوشش کرتے ہو۔ تم تاج محل کو دیکھتے ہو تو اس کی تصویر لینے کی کوشش کرتے ہو مگر تم خانہ کعبہ کے ظلّ کو اپنے مُلک اور اپنے علاقہ میں لانے کی

کوشش نہیں کرتے۔ خانہ کعبہ کیا ہے؟ ایک گھر ہے جو خدا تعالےٰ کی عبادت کے لئے وقف ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ ساری دُنیا کے انسان خانہ کعبہ میں نہیں جا سکتے پس جس طرح خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ ابراہیم کی نقلیں دُنیا میں پیدا کرے، اسی طرح وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ تم خانہ کعبہ کی نقلیں بناؤ جس میں تم اور تمہاری اولادیں اپنی زندگیاں دین کی خدمت کے لئے وقف کر کے بیٹھ جائیں۔ جس طرح وہ لوگ جو ابراہیمؑ کے نمونہ پر چلیں گے، ابراہیمؑ کی اولاد اور اس کا ظِلّ ہوں گے۔ اسی طرح یہ نقلیں خانہ کعبہ کی اولاد ہوں گی، خانہ کعبہ کی ظِلّ اور اس کا نمونہ ہوں گی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک خانہ کعبہ کے ظِلّ دُنیا کے گوشے گوشے میں قائم نہ کر دیئے جائیں اس وقت تک دین پھیل نہیں سکتا۔ پس فرماتا ہے:۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلًّی

اے بنی نوعِ انسان! ہم تجھ کو توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ تم بھی ابراہیمی مقام پر کھڑے ہو کر اللہ تعالےٰ کی عبادتیں کرو۔ یعنی ایسے مرکز بناؤ جو دین کی اشاعت کا کام دیں۔

وَعَھِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَھِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ۰

اب بتاتا ہے کہ وہ مقامِ ابراہیمؑ کیا چیز ہے۔ وَعَھِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ ۔ اور ہم نے ابراہیمؑ کو بڑی پکّی نصیحت کی۔ عَھِدَ بِہٖ کے معنے ہوتے ہیں۔ اُس نے فلاں کے ساتھ عہد کیا۔ لیکن جب عَھِدَ کے ساتھ اِلٰی کا صلہ آئے تو اس کے معنے ہوتے ہیں پکّی نصیحت کرنا یا وصیّت کرنا۔ پس فرماتا ہے وَعَھِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ ۔ ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو بار بار نصیحت کی اور بار بار اس طرف توجہ دلائی اَنْ طَھِّرَا بَیْتِیَ کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک بناؤ اور ہر قسم کے عیبوں اور خرابیوں سے اس کو بچاؤ لِلطَّآئِفِیْنَ طواف کرنے والوں کے لئے وَالْعٰکِفِیْنَ اور اُن لوگوں کے

لئے جو اپنی زندگی وقف کرکے یہیں بیٹھ رہیں۔ طائفین وہ لوگ ہیں جو کبھی کبھی آئیں اور عاکفین وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگی اسی گھر کی خدمت کے لئے وقف کردیں۔ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ اور اُن لوگوں کے لئے جو خدا تعالیٰ کی توحید کے قیام کے لئے کھڑے رہتے ہیں اور اس کی فرماں برداری میں اپنی ساری زندگی بسر کرتے ہیں یا ان لوگوں کے لئے جو رکوع اور سجود کرتے ہیں۔

یہ چیز ہے جو مقام ابراہیم ہے اور جس کو قائم کرنے کا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ فرماتا ہے۔ ہماری نصیحت یہی ہے کہ دُنیا کے گوشے گوشے میں خانۂ کعبہ کی نقلیں بننی چاہئیں اور دُنیا کے کونے کونے میں تمہیں اس کے ظِلّ قائم کرنے چاہئیں۔ اس کے بغیر دین حق کی کامل اشاعت کبھی نہیں ہو سکتی۔“

اس کے بعد حضور نے فرمایا:۔

”مَیں ایک دفعہ اس دُعا کو پڑھ جاؤں گا۔ اس کے بعد پھر دوبارہ پڑھوں گا تمام عورتیں اور مرد میری اتباع کریں۔“

اس ارشاد کے بعد حضور نے جس رنگ میں تلاوت فرمائی اور جس طرح بعض دُعاؤں کا بار بار تکرار فرمایا اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ ادعیہ درج ذیل کی جاتی ہیں۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرَاھِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا۔ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَھْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ وَارْزُقْ اَھْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ وَارْزُقْ اَھْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ٭

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ٭

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ٭

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ٭

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ٭

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ٭

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

حضور نے فرمایا:۔

یہاں مُسْلِمَیْنِ سے گو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ مراد ہیں مگر دُعا مانگتے ہوئے مسلمین سے ہر شخص میاں بیوی بھی مراد لے سکتا ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

اے ہمارے رب اِجْعَلْ هٰذَا بنا دے اس کو۔ جس وقت حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام نے یہ دُعا کی ہے اس وقت مکّہ کوئی شہر نہیں تھا۔ وہ صرف چند جھونپڑیاں تھیں جو ایک بے آب و گیاہ وادی میں نظر آتی تھیں۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ زمین جو ویران پڑی ہوئی ہے اسے بنا دے، کیا بنا دے؟ بلدًا۔ ایک شہر بنا دے۔

عام طور پر جو لوگ عربی نہیں جانتے وہ اس کے معنے یہ کرتے ہیں۔ کہ اس شہر کو امن والا بنا دے۔ حالانکہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہی منشاء ہوتا، تو آپ هٰذَا بَلَدًا کہنے کی بجائے هٰذَا الْبَلَدَ فرماتے۔ مگر آپ هٰذَا الْبَلَدَ نہیں کہتے بلکہ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا کہتے ہیں پس یہ شہر کے بنانے کی دُعا ہے۔ شہر کو کچھ اور بنانے کی دُعا نہیں۔ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا۔ اے میرے رب بنا دے اس ویران زمین کو ایک شہر۔ اٰمِنًا، مگر شہروں کے ساتھ فتنہ و فساد کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ جب لوگ مل کر رہتے ہیں تو لڑائیاں بھی ہوتی ہیں۔ جھگڑے بھی ہوتے ہیں۔ فسادات بھی ہوتے ہیں۔ اور پھر شہروں کو فتح کرنے کے لئے

حکومتیں حملہ بھی کرتی ہیں۔ یا بعض شہر جب بڑے ہو جائیں تو اُن کے رہنے والے اپنا نفوذ بڑھانے کے لئے دوسروں پر حملہ کر دیتے ہیں۔ اور چونکہ یہ سارے خدشات شہروں سے وابستہ ہوتے ہیں اس لئے مَیں تجھ سے یہ دُعا کرتا ہوں کہ تو اسے امن والا بنائیو۔ نہ کوئی اس پر حملہ کرے۔ اور نہ یہ کسی اور پر حملہ کرے۔ وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ اور اس کے رہنے والوں کو ثمرات دیجیو۔

مَیں پہلے بتا چکا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دُعا کا یہ مفہوم ہے کہ اے خدا! مَیں تجھ سے ان کے لئے روٹی نہیں مانگتا۔ مَیں تجھ سے پلاؤ نہیں مَیں تجھ سے دُنبے کا گوشت نہیں مانگتا۔ بے شک یہ بھی تیری نعمتیں ہیں۔ اور اگر ان کو مل جائیں تو تیرا فضل اور انعام ہے۔ مگر مَیں جو کچھ چاہتا ہوں وُہ یہ ہے کہ تُو اِن کو وہ پھل کھلا جو دس میں لے جا کر بھی سستا جاتا ہے۔ تو دُنیا کے کناروں سے ان کے لئے ہر قسم کے پھل لا اور انہیں اِن پھلوں سے متمتع فرما۔ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا کی تھی کہ میری اولاد میں سے بھی نبی بنائیو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر وہ نیک ہوں گے تو ہم ان کو اپنے انعامات سے حصّہ دیں گے ورنہ نہیں۔ نبی بڑا محتاط ہوتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ نے یہ کہا کہ مَیں ہر ایک کو یہ انعام نہیں دے سکتا۔ جو نیک ہوگا صرف اسے انعام ملے گا۔ تو اس دُوسری دُعا کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ یا اللہ جو نیک ہوں صرف ان کو رزق دیجیو۔ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ رزق کے معاملہ میں ہمارا اَور حکم ہے۔ اور نبوّت اور امامت کے معاملہ میں ہمارا اَور حکم ہے۔ نبوّت اور امامت، صرف نیک لوگوں کو ملتی ہے، مگر رزق ہر ایک کو ملتا ہے۔ پس جو کافر ہوگا دُنیا کی روزی ہم اس کو بھی دیں گے چنانچہ

سینکڑوں سال تک مکّہ کے لوگ مشرک رہے مگر ابراہیمی رزق اُن کو بھی پہنچتا رہا۔ ہاں تیری نسل ہونے کی وجہ سے وہ اُخروی عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ مَر جائیں گے تو وہ جہنّم میں ڈالے جائیں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

پھر فرماتا ہے۔ یاد کرو جب ابراہیمؑ اور اسماعیل مل کر بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کر رہے تھے کہ خدایا تیرا گھر تو برکت والا ہی ہوگا۔ کون ہے جو اُسے برکت سے محروم کر سکے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہماری نسل میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو نمازیں پڑھنے والے اور تیری یاد میں اپنی زندگی بسر کرنے والے ہوں تاکہ اس گھر کی برکت سے انہیں بھی فائدہ پہنچے۔ مگر اگلی اولادوں کو ٹھیک کرنا آئندہ نسلوں کو درست کرنا اور اپنے ایمانوں کی حفاظت کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا۔ اے ہمارے رب! ہم نے خالص تیرے ایمان اور محبت کے لئے یہ گھر بنایا ہے۔ تو اپنے فضل سے اسے قبول کرلے اور اس کو ہمیشہ اپنے ذکر اور برکت کی جگہ بنا دے۔ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ تو ہماری دردمندانہ دُعاؤں کو سُننے والا اور ہمارے حالات کو خوب جاننے والا ہے۔ تو اگر فیصلہ کر دے کہ یہ گھر ہمیشہ تیرے ذکر کے لئے مخصوص رہے گا تو اسے کون بدل سکتا ہے۔ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ۔ اس آیت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بیت اللہ بنانے کے درحقیقت دو حصے ہیں۔ ایک حصہ بندے سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا حصہ خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ جس مکان کو ہم بیت اللہ کہتے ہیں وہ اینٹوں سے بنتا ہے۔ چُونے سے بنتا ہے۔ گارے سے بنتا ہے۔ اور یہ کام خدا تعالیٰ نہیں کرتا بلکہ انسان کرتا ہے۔ مگر کیا انسان کے بنانے سے کوئی مکان بیت اللہ بن سکتا ہے۔ انسان تو صرف ڈھانچہ بناتا ہے۔ رُوح اس میں خدا تعالیٰ ڈالتا ہے۔ اسی امر کو مدّنظر رکھتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ڈھانچہ تو میں نے اور اسمٰعیل نے بنا دیا ہے۔ مگر ہمارے بنانے سے کیا بنتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا۔ اے خدا تو ہمارے اس تحفہ کو قبول کر اور اسے اپنے پاس سے مقبولیت عطا فرما۔ ورنہ محض مسجدیں بنانے سے کیا بنتا ہے۔ کئی مسجدیں ایسی ہیں جو باپ دادوں نے بنائیں اور بیٹوں نے بیچ ڈالیں۔ کئی مسجدیں ایسی ہیں جو بادشاہوں

یا شہزادوں نے بنائیں مگر آج اُن ہی کُتّے پاخانہ پھرتے ہیں اس لئے کہ انسان نے تو مسجدیں بنائیں مگر خدا نے انہیں قبول نہ کیا پس حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کہتے ہیں کہ اے خدا ہم نے تو تیرا گھر بنایا ہے مگر یہ محض ہمارے بنانے سے قیامت تک قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ اس وقت تک رہ سکتا ہے جب تک تُو کہیگا۔ اس لئے رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا۔ اے خدا ہم نے جو گھر بنایا ہے اسے تُو قبول فرما اور تُو بسنے کو اس میں رہ پڑ۔ اور جب خدا کسی جگہ بس جائے تو وہ کیسے اُجڑ سکتا ہے۔ گاؤں اُجڑ جائیں تو اُجڑ جائیں شہر اُجڑ جائیں تو اُجڑ جائیں وہ مقام کبھی نہیں اُجڑ سکتا جس جگہ خدا بس گیا ہو۔ چنانچہ دیکھ لو سینکڑوں سال تک مکّہ بے آباد رہا مگر چونکہ خدا وہاں تھا اس لئے اس کی عزت قائم رہی حضرت ابراہیم علیہ السلام یہی دُعا مانگتے ہوئے فرماتے ہیں۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ۔ اے خدا اس گھر کی آبادی تیرے بندوں سے وابستہ ہے۔ مگر محض لوگوں کی آبادی کوئی چیز نہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ اس سے تعلق رکھنے والے نیک ہوں۔ پس ہم جو بیت اللہ کو بنانے والے ہیں اور جو دو افراد ہیں۔ ہماری پہلی دُعا تو یہ ہے کہ تُو خود ہمیں نیک بنا وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ اور پھر ہماری اولاد میں سے ہمیشہ ایک گروہ ایسا موجود رہے جو تیرا مطیع اور فرمانبردار ہو۔ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا۔ پھر چاہے انسان کے دل میں کتنا ہی اخلاص ہو۔ اگر اسے طریق معلوم نہ ہو کہ کس طرح کسی گھر کو آباد رکھنا ہے تو پھر بھی وہ غلطی کر جاتا ہے۔ اس لئے وہ دُعا کرتے ہیں کہ اے خدا نہ صرف ہمارے دلوں میں ایمان قائم رکھ بلکہ وقتاً فوقتاً ہمیں یہ بھی بتاتا رہ کہ ہم نے کس طرح اسے آباد رکھنا ہے اور ہم کونسا طریق عبادت اختیار کریں جس سے تُو خوش ہو اور یہ گھر آباد رہ سکے۔

وَتُبْ عَلَیْنَا۔ مگر اس اخلاص کے باوجود، اس الہام کے باوجود جو یہ بتاتا رہے کہ کس طرح اس گھر کو آباد رکھنا ہے۔ اے خدا ہم بندے ہیں اور ہم نے غلطیاں کرنی ہیں۔ تُو توّاب اور رحیم ہے تو ہمیں معاف کر دیا اور ہمارے گناہوں سے درگذر کرتا رہ۔ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ تُو بڑی توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔ توّاب اور رحیم نام اسی لئے لائے گئے ہیں کہ بندہ خواہ کتنی بھی نیک نیتی سے کام کرے وہ غلطی کر جاتا ہے۔ ایسی حالت میں توّابیت اس کے کام آتی ہے اور اگر اچھا کام کرے تو رحیمیت اس کے کام آتی ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ۔ اے ہمارے رب! تُو ان لوگوں میں ہم اس

جگہ رہیں گے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرما۔ مِنْهُمْ اور اے ہمارے رب! رسول کے آنے سے یہ ضرورت تو پوری ہو جائے گی کہ خانہ کعبہ سے جس طرح تعلق رکھنا ہے اس کا پتہ لگ جائے گا اور وہ سچے اور مخلص مومن بن جائیں گے مگر اے ہمارے رب ہم نے جو اپنی اولاد کو یہاں آکر بسایا ہے اس میں کچھ خود غرضی بھی ہے۔ ہماری یہ بھی غرض ہے کہ تیرا نام بلند ہو اور ہماری یہ بھی غرض ہے کہ ہماری اولاد کے ذریعہ تیرا نام بلند ہو۔ ہم نے صرف تیرا گھر نہیں بنایا بلکہ اپنی اولاد کو بھی یہاں لاکر بسا دیا ہے۔ گویا ہم نے جو تیرے نام کی بلندی کی کوشش کی ہے اس میں کچھ خود غرضی بھی شامل ہے۔ ہم نے یہ مکان بنایا ہے اس لئے کہ تیرا نام بلند ہو اور ہم نے اپنی اولاد یہاں اس لئے بسائی ہے کہ اس کے ذریعہ تیرا نام بلند ہو۔ پس ہم نے جو اپنی اولاد یہاں بسائی ہے اس میں ہماری یہ غرض بھی شامل ہے کہ آنے والا رسول انہی میں سے ہو باہر سے نہ ہو۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ۔ وہ تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے تیرے نشانات اور معجزات کے ذریعہ ان کے ایمانوں کو بلند کرے۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ۔ اور تیری شریعت جس کے بغیر باطن پاکیزہ نہیں ہو سکتا اور جو انسان کو مکمل نمونہ بنا دیتی ہے نازل ہو اور وہ لوگوں کو سکھائے۔ وَالْحِكْمَةَ۔ اور اے ہمارے رب! جب وہ رسول آئے گا۔ انسانی عقل تیز ہو چکی ہو گی۔ اس وقت انسان بچہ نہیں ہوگا کہ اسے یہ کہا جائے کہ اٹھ اور فلاں کام کر۔ اور جب وہ کہے کہ میں کیوں کروں تو اسے کہا جائے آگے سے بکو اس مت کرو۔ عیسیٰؑ کے زمانہ میں اور موسیٰؑ کے زمانہ میں اور نوحؑ کے زمانہ میں ایسا ہو چکا۔ مگر جب وہ نبی آئیگا اس کا زمانہ انسانی عقل کے ارتقاء کا زمانہ ہوگا۔ اس وقت بندہ صرف یہی نہیں سنے گا کہ کر بلکہ وہ پوچھے گا کہ کیوں کروں؟ پس يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ اے خدا! تو اس کو موسیٰؑ کی طرح شریعت ہی نہ دیجیو۔ نوحؑ کی طرح صحف ہی نہ دیجیو۔ داؤد کی طرح احکام ہی نہ دیجیو۔ بلکہ ساتھ ہی ان کی وجہ بھی بتا دیجیو اور ان احکام کی حکمت بھی واضح کیجیو۔ تاکہ نہ صرف ان کے جسم تیرے حکم کے تابع ہوں بلکہ ان کا دماغ اور دل بھی تیرے حکم کے تابع ہو اور وہ سمجھیں کہ جو کچھ کہا گیا ہے فلسفہ کے ماتحت کہا گیا ہے۔ عقل کے ماتحت کہا گیا ہے ضرورت کے ماتحت کہا گیا ہے، فوائد کے ماتحت کہا گیا ہے۔ وَيُزَكِّيْهِمْ۔ اور ان کو پاک کرے۔ دماغ کو ہی پاک نہ کرے بلکہ حکمت

سکھا کر اُن کے قلوب کو بھی محبّتِ الٰہی سے بھر دے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ میں جذب کر دیں۔ الٰہی صفات ان میں پیدا ہو جائیں اور وہ چلتے ہوئے انسان نظر نہ آئیں بلکہ خدا نمائی کا ایک آئینہ دکھائی دیں۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اے ہمارے ربّ! ہم نے جو چیز مانگی ہے بظاہر یہ ناممکن نظر آتی ہے اور جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے ایسا کبھی نہیں ہوا لیکن ہم خوب جانتے ہیں کہ تجھ میں طاقت ہے تُو عزیز خدا ہے تو غالب خدا ہے اور تیری شان یہ ہے ؎

جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خُدائی یہی تو ہے

ہم سمجھتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تو ایسا کر سکتا ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ چونکہ تو عزیز خدا ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ایسا رسُول آئے۔ اس پر اعتراض ہو سکتا تھا کہ اگر پہلے خدا نے ایسا رسُول نہیں بھیجا تو اب کیوں بھیجے؟ اور اگر پہلے بھی ایسا رسُول بھیجنا ضروری تھا تو پھر ایسے رسُول کو نہ بھجوا کر بنی نوع انسان پر کیوں ظلم کیا گیا؟ اس اعتراض کا الحکیم کہہ کر ازالہ کر دیا کہ ہم جانتے ہیں پہلے ایسا رسُول آ ہی نہیں سکتا تھا۔ پہلے لوگ اس قابل ہی نہیں تھے کہ محمدی تعلیم کو برداشت کر سکیں۔ پس ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عزیز کہہ کر خدائی غیرت کو جوش دلایا ہے اور کہا ہے کہ ہمارا مطالبہ غیر معقول نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تُو ایسا کر سکتا ہے۔ مگر ساتھ ہی حکیم کہہ کر بتا دیا کہ ہم یہ نہیں سمجھتے کہ اگر پہلے تو نے ایسا رسُول نہیں بھجوایا تو نعوذ باللہ تُو نے بُخل سے کام لیا ہے۔ بلکہ ہم جانتے ہیں کہ اگر پہلے تو نے ایسا نبی نہیں بھیجا تو صرف اس لئے کہ پہلے ایسا نبی بھیجنا مناسب نہیں تھا۔ یہ کیسی کامل دُعا ہے جو رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بلند مقام اور آپ کے بلند ترین مدارج کو واضح کرنے والی ہے۔ مگر مَیں پھر کہتا ہوں۔ دُنیا دوسری چیزوں کی نقلیں کرتی ہے۔ دُنیا چاہتی ہے کہ اگر اسے اچھی تصویریں نظر آئیں تو اُن کو اپنے گھروں میں لے جائے۔ وہ خوشنما اور خوبصورت مناظر دیکھتی ہے تو اُن کے نقشے اپنے گھروں میں رکھتی۔ مگر انسان کو یہ کبھی خیال نہیں آتا کہ وہ خانہ کعبہ کی بھی نقلیں بنائے

جنہیں لوگ دیکھیں اور جہاں لوگ اپنی زندگیاں خدا تعالیٰ کے ذکر اور اس کے نام کی بلندی کے لئے وقف کر دیں۔ انسان کو یہ کبھی خیال نہیں آتا کہ مَیں اپنے دل میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو لاکر بٹھاؤں تا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونہ اور تصویر کو دیکھ کر اور لوگ بھی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ظل بننے کی کوشش کریں۔ حالانکہ اگر دُنیا میں ہر جگہ خانۂ کعبہ کے ظل اور اس کی نقلیں نہ ہوں، اگر دُنیا میں ہر جگہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ظل اور آپؐ کی نقلیں نہ ہوں تو وہ دُنیا ہرگز رہنے کے قابل نہیں۔ دُنیا تبھی بچ سکتی ہے، دُنیا تبھی زندہ رہ سکتی ہے، دُنیا تبھی ترقی کر سکتی ہے جب ہر ملک کے لوگ خانۂ کعبہ کی نقل میں ایسی جگہیں بنائیں جہاں لوگ اپنی زندگیاں دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیں اور انسان کوشش کرے کہ ہر خطّۂ زمین پر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چلتے ہوئے نظر آئیں۔

بہرحال یہ دُعائیں ہیں جو خانۂ کعبہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔ مَیں اس وقت اسی پر بس کرتا ہوں۔ اگر میری تقریر کے لمبا ہو جانے کی وجہ سے بعض تقریریں ضائع ہو گئی ہیں تو بیشک ہو جائیں۔ ہمارا مقصد اس جلسہ میں تقریریں کرنا نہیں بلکہ دُعائیں کر کے اس مقام کو بابرکت بنانا ہے۔ مَیں نے دُعائیں سکھا دی ہیں۔ یوں انسان کے ذہن میں دُعائیں نہیں آتیں۔ مگر نبیوں کے ذہن میں جو دُعائیں آتی ہیں وہ نہایت کامل ہوتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کے نبی حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے دل میں ایسے وقت میں جو خیالات آئے اور جو کچھ ان مقدّس مقامات کے فرائض اور ذمّہ داریاں ہیں اور کامیابی کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کے جن فضلوں کی ضرورت ہے ان تمام چیزوں کو آپ نے اللہ تعالےٰ سے مانگا ہے اور اب آپ سب لوگ میرے ساتھ مل کر دُعا کریں۔ یہ زمین ابھی ہمیں پورے طور پر ملی نہیں۔ ہم تفاؤل کے طور پر اسے اپنا مرکز بناتے ہیں اور دُعاؤں کے ساتھ اسے اپنا مذہبی مقدس مقام قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہمارا فرض ہوگا کہ ہم اس مقام کو ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھنے کی کوشش کریں اور ہمیشہ دینِ اسلام کی خدمت اور خدا تعالیٰ کے نام کی بلندی کے لئے اسے استعمال کرنے کی کوشش کریں۔

پس آؤ جس طرح محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لے گئے تو آپؐ نے

اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کی کہ اے خدا میں ابراہیم کی طرح تجھ سے یہ دُعا کرتا ہوں کہ تو مدینہ کو بھی اسی طرح برکتیں دے جس طرح تو نے مکّہ کو برکتیں دی ہیں۔ اسی طرح ہم بھی اس مقام کے بابرکت ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کریں۔ ہم محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نہیں لیکن محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم اور غلام ضرور ہیں۔ اور جہاں آقا جاتا ہے وہاں خادم بھی جایا کرتا ہے۔ گورنر کی جب کسی جگہ دعوت ہو تو اس مقام پر گورنر کا چپڑاسی پہنچ جایا کرتا ہے پس محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم ہونے کی حیثیت سے ہمارا بھی خدا پر حق ہے اور ہم بھی خدا تعالیٰ کو اس کا یہ حق یاد دلاتے ہوئے اس سے کہتے ہیں کہ اے خدا! جس طرح تُو نے مکّہ اور مدینہ اور قادیان کو برکتیں دیں اسی طرح تو ہمارے اس نئے مرکز کو بھی مقدس بنا اور اسے اپنی برکتوں سے مالا مال فرما۔ یہاں پر آنے والے اور یہاں پر بسنے والے، یہاں پر مرنے والے اور یہاں پر جینے والے سارے کے سارے خدا تعالیٰ کے عاشق اور اس کے نام کو بلند کرنے والے ہوں اور یہ مقام اسلام کی اشاعت کے لئے، احمدیت کی ترقی کے لئے، رُوحانیت کے غلبہ کے لئے خدا تعالےٰ کے نام کو بلند کرنے کے لئے، محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام اُونچا کرنے کے لئے اور اسلام کو باقی تمام ادیان پر غالب کرنے کے لئے بہت اہم اور اُونچا اور صدر مقام ثابت ہو۔

پس آؤ ہم دُعا کریں کہ اللہ تعالےٰ اس مقام کو ہمارے لئے بابرکت کرے اور ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم منشائے ابراہیمی، منشاء محمدی اور منشاء مسیح موعود کے مطابق اس مقام کو خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے ایک بہت بڑا مرکز بنائیں اور خدا تعالےٰ کے فضل ہم کو اس کی توفیق عطا فرمائیں کہ ہم نے اس مقام کو اشاعت اسلام کے لئے مرکز قرار دے کر جو ارادے کئے ہیں وہ پُورے ہو جائیں۔ کیونکہ سچّی بات یہی ہے کہ ہم نے جو ارادے کئے ہیں اُن کو پُورا کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔

(اس کے بعد حضور نے ان ہزاروں مخلصین کے ساتھ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس مقدس اجتماع میں شریک ہونے کی توفیق بخشی تھی اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اُٹھا کر ایک لمبی دُعا کی اور پھر فرمایا)

اب مَیں سجدہ میں گر کر دُعا کرتا ہوں کیونکہ مسجد دُعا کے لئے ایک خاص مقام ہوتا ہے۔ اگر جگہ نہ ہو تو لوگ ایک دوسرے کی پیٹھوں پر بھی سجدہ کر سکتے ہیں۔

(یہ الفاظ کہتے ہی حضور سجدہ میں گر گئے اور حضور کے ساتھ ہی ہزاروں مخلصین جو اس بابرکت اجتماع میں شمولیت کے لئے دُور و نزدیک سے تشریف لائے ہوئے تھے وہ بھی سربسجود ہو گئے اور ربّ العرش سے اس مقام کے بابرکت ہونے کے متعلق آنسوؤں کی جھڑی اور آہ و بکا کے شور کے ساتھ دُعائیں کی گئیں)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ [1]

الفضل کی خصوصی اشاعت

۱۵ ماہ شہادت / اپریل کو ادارۂ الفضل نے "الفضل" کا ایک ربوہ نمبر نکالا جس میں ہجرت اور مرکز ربوہ اور جلسہ ربوہ کے متعلق مضامین اور نظمیں شائع کیں۔ ہجرتِ پاکستان کے بعد روزنامہ الفضل کا یہ پہلا خصوصی شمارہ تھا جو جماعت کی پُرمسرت اور مقدس تقریب افتتاح پر منظر عام پر آیا اور جو ایک نئے موسم بہار کی آمد کا پتہ دیتا تھا

خطبہ جمعہ میں جماعت کو ہمیشہ مرکزیت سے وابستہ رہنے کی مؤثر تحریک

امام ہمام کی اس پُرمعارف اور ولولہ انگیز تقریر کے بعد حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب مبلغ انگلستان و امریکہ، شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے مؤثر تقاریر فرمائیں۔ ۲ بجے سے ۴ بجے جمعہ و عصر کی نمازیں پڑھی گئیں۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ میں مخلصین جماعت کے سامنے شہد کی مکھی کے تعجب خیز نظام کی مثال بیان فرمائی اور نہایت دلکش پیرایہ میں یہ نصیحت فرمائی کہ ہمیشہ اس بات کو یاد رکھو کہ تم نے بے مرکز نہیں رہنا۔ اسلام کا غلبہ اور احمدیت کی ترقی مرکزیت ہی کے ساتھ وابستہ ہے [2]

خطبہ جمعہ اور نماز کی ادائیگی کے بعد پہلے دن کا اجلاس دوم منعقد ہوا جس میں مولوی غلام احمد صاحب فاضل بدوملہی، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج اور حضرت

---

[1] الفضل جلسہ سالانہ نمبر ۹ / ۱۳۳۹ ہش / ۱۹۶۰ء صفحہ ۵ تا ۱۳

[2] مفصّل خطبہ الفضل ۸ / احسان / جون ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء میں شائع شدہ ہے۔

مولانا جلال الدین صاحب شمس نے مختلف علمی موضوعات پر پُر از معلومات تقریریں کیں۔ ایک مختصر سی تقریر جرمن نو مسلم ہر عبد الشکور کنزے کی بھی ہوئی [۱]

مجلس مشاورت کا انعقاد

ساڑھے نو بجے شب مجلس مشاورت ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء ہوئی جو بارہ بجے شب تک جاری رہی۔ اجلاس میں پاکستان کی اکثر احمدی جماعتوں کے نمائندے موجود تھے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے آئندہ سال کے لئے قریباً اٹھارہ لاکھ روپیہ کا میزانیہ منظور فرمایا۔ اور تاجروں کو نصیحت فرمائی کہ وہ حکومت کے ٹیکس اور جماعتی چندے دیانت داری کے ساتھ اپنی صحیح اور اصل آمد کے حساب سے ادا کیا کریں۔ اس تعلق میں حضور نے اپنی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک سودے کے سلسلہ میں ہمیں سو روپیہ ٹیکس ادا کرنا تھا۔ مگر ہمیں کہا گیا کہ اگر آپ رسید نہ لیں تو اس ٹیکس سے بچ سکتے ہیں۔ مگر میں نے کہا کہ ہم اپنی بچت کا ہرگز خیال نہیں کریں گے اور یہ ٹیکس ضرور ادا کریں گے حضور نے فرمایا۔ اب تو ملک میں ہماری اپنی حکومت ہے۔ کیا ہم اپنی حکومت کو بھی ٹیکس نہ دیں۔ [۲]

حضرت امیر المومنین مصلح موعود کا خواتین احمدیت سے پُر اثر خطاب

جلسہ کے دوسرے روز (۱۶ شہادت/اپریل) کو صبح آٹھ بجے حضرت مصلح موعود نے جماعت احمدیہ کی خواتین سے نہایت اثر انگیز اور مسحور کُن خطاب فرمایا جس کے شروع میں حضور نے بتایا کہ اس جلسہ کی غرض و غایت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ جلسہ تقریروں کا نہیں، دُعاؤں کا ہے۔ اس تمہید کے بعد حضور نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے صبر و استقامت کے بعض نہایت ایمان افروز واقعات بیان فرمائے اور بتایا کہ انبیاء کی جماعتیں ہمیشہ تکلیفوں سے عزت پاتی ہیں۔ پس اپنے نفس میں اور اپنی اولاد میں دین کی خاطر تکلیفیں برداشت کرنے کی عادت ڈالو۔ وہی عورت عزت کی مستحق ہے جو بچہ نہیں جنتی شیر جنتی ہے، جو انسان نہیں جنتی فرشتہ جنتی ہے۔ یہی وہ کام ہے جو صحابیات نے کیا۔ اور یہی تمہارے لئے حقیقی نمونہ اور حقیقی راہ نما ہے [۳]

---

[۱] الفضل ۲۰ شہادت/اپریل ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۸

[۲] " " " " صفحہ ۵

[۳] مفصل تقریر رسالہ "مصباح" بابت مئی ۱۹۵۰ء میں چھپ گئی تھی

جلسہ گاہ کا ایک قیمتی فوٹو

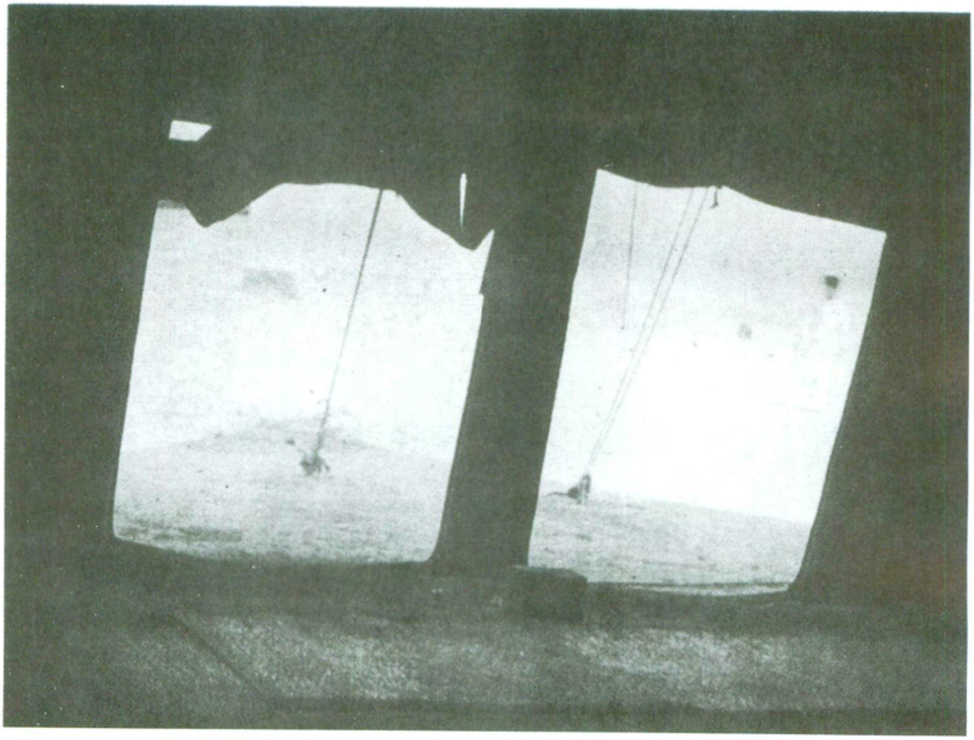

اوپر نماز گاہ (جہاں بعد میں یادگاری مسجد تعمیر ہوئی) نیچے پہلا لنگر خانہ

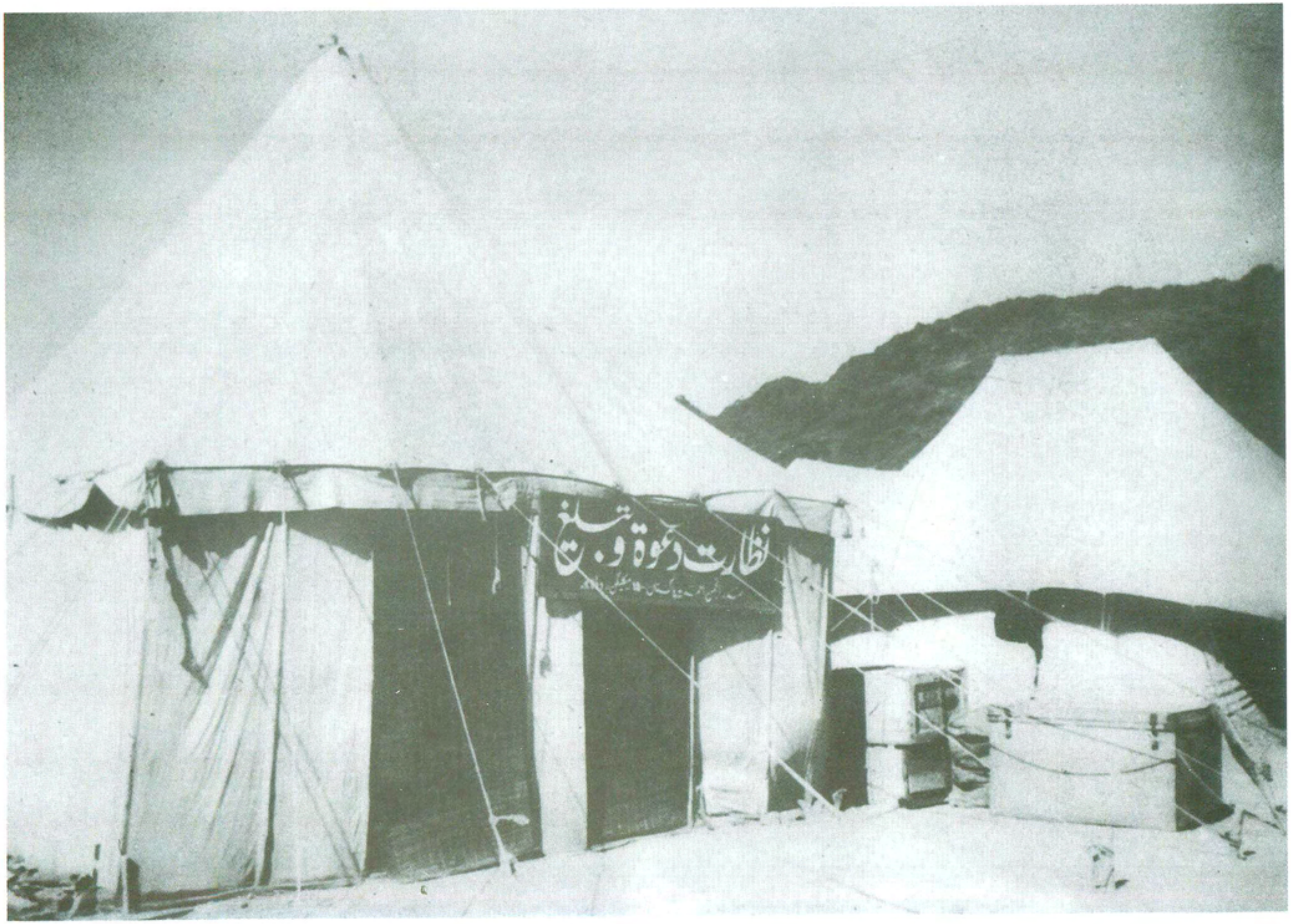
نظارت دعوة و تبلیغ

حضرت امیرالمومنین کی مردانہ جلسہ گاہ میں نہایت پر معارف تقریر

اُس وقت جب کہ حضور پرنور نے خواتین احمدیت سے خطاب فرمایا مردانہ جلسہ گاہ میں اجلاس اوّل کی کارروائی ساڑھے دس بجے تک جاری رہی جس میں ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتی بی اے ایل ایل بی قاضی محمد نذیر صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ اور ابوالبشارت مولوی عبدالغفور صاحبؓ کی عالمانہ تقریریں ہوئیں۔ دوپہر کے وقفہ کے بعد حسب پروگرام نماز ظہر و عصر جمع کی گئیں اور ۲½ بجے سہ پہر کے قریب حضرت امیرالمومنین جلسہ گاہ میں رونق افروز ہوئے اور حضور پرنور نے تلاوت قرآن کے بعد جو ماسٹر فقیر اللہ صاحب نے کی اپنی پر معارف تقریر شروع فرمائی۔

ابتدا میں حضور نے قادیان سے نکلنے کے پس منظر پر کسی قدر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے قادیان کی واپسی سے متعلق خدائی وعدوں کا تذکرہ فرمایا اور بتایا کہ دُنیا کی کوئی طاقت ہمیں ہمارے اصل مرکز قادیان سے دوامی طور پر جدا نہیں رکھ سکتی۔ ہم نے خدائی ہاتھ دیکھے ہیں اور آسمانی فوجوں کو اترتے دیکھا ہے اگر ساری طاقتیں بھی مل کر خدائی تقدیر کا مقابلہ کرنا چاہیں تو وہ یقیناً ناکام رہیں گی۔ اور وہ وقت ضرور آئے گا کہ جب قادیان پہلے کی طرح پھر جماعت احمدیہ کا مرکز بنے گا خواہ صلح کے ذریعہ ایسا ظہور میں آئے یا جنگ کے ذریعہ۔ بہرحال یہ خدائی تقدیر ہے جو اپنے معین وقت پر ضرور پوری ہوگی قادیان ملے گا اور ضرور ملے گا لیکن اس وقت اس چیز کی ضرورت ہے کہ ہم نئے مرکز میں نئی زندگی کا ثبوت دیں۔ اور اس تنظیم کو پہلے سے زیادہ شان کے ساتھ قائم کریں جو آج تک ہمارا طرۂ امتیاز رہی ہے۔

اس کے بعد قادیان سے ہجرت کے متعلق مزید تفصیلات بیان کرنے سے قبل حضور نے تنظیم سے متعلق بعض نہایت اہم امور کی طرف توجہ دلائی اور جماعت کو زیادہ جمعی استقلال اور قربانی و ایثار سے کام لیتے ہوئے فرائض ادا کرنے کی تلقین کی۔ چنانچہ فرمایا تبلیغی جماعتوں کی ترقی اور تنظیم میں اچھے لٹریچر کا بہت دخل ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں جماعت کی طرف سے انگریزی ترجمہ قرآن شائع کیا گیا تھا لیکن احباب نے اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کی طرف بہت کم توجہ کی ہے حالانکہ غیر ممالک کے باشندوں میں تبلیغ کا اس سے موثر ذریعہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ شام، شرق اردن وغیرہ ممالک کے اخبارات نے اس ترجمہ قرآن مجید پر نہایت شاندار ریویو شائع کئے ہیں اور یورپین مستشرقین

لـه آپ کی مکمل تقریر الفضل ۶-۷-۱۰-۱۱ ہجرت/مئی ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء میں چھپ چکی ہے۔

میں اس کی اشاعت سے ایک کھلبلی مچ گئی ہے اور ان میں سے کئی نے جماعت احمدیہ کی اس کامیاب کوشش کے خلاف بہت غم و غصہ کا اظہار کیا ہے اس لئے احباب کو انگریزی ترجمہ قرآن مجید خرید کر خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

اسیطرح تفسیر کبیر کی نئی جلدوں کی اشاعت میں پہلے کی نسبت کمی واقع ہو گئی ہے حالانکہ اس کی پہلی جلد بعد میں ایسی نایاب ہوئی کہ خود غیر احمدیوں نے سو سو روپے فی جلد خرید کر اس کا مطالعہ کیا آج کل آخری پارے کی آخری جلد لکھی جا رہی ہے۔ دوستوں کو اس کی خریداری میں تامل نہیں کرنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں یہ تامل مہنگا ثابت ہو۔

الفضل کے متعلق تحریک کرتے ہوئے حضور نے فرمایا الفضل ایک جماعتی اخبار ہے دوستوں کو چاہیئے کہ اس کی خریداری بڑھائیں۔ جہاں جہاں جماعتیں ہیں وہاں باقاعدہ ایجنسیاں قائم کی جائیں اور اسطرح اس کی اشاعت کو وسیع کیا جائے۔

وقف زندگی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا فی زمانہ سلسلہ کی اہم ترین ضروریات میں سے ایک وقف زندگی کی تحریک ہے۔ بغیر وقف زندگی کے جماعت کے کام نہیں چل سکتے۔ اس لئے نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ خدمت اسلام کے لیئے اپنی زندگیاں وقف کریں۔ اور اس طرح اسلام کو تمام دنیا میں غالب کرنے کے سامان بہم پہنچائیں۔

اس موقع پر حضور انور نے بیرونی ممالک میں وقف زندگی کے فروغ کا بھی ذکر فرمایا۔ اور بتایا کہ بیرونی ممالک کے نومسلم احمدی نوجوانوں میں یہ تحریک بہت زور پکڑ رہی ہے چنانچہ ان میں سے کئی نوجوانوں نے قبول حق کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اپنی زندگیاں خدمت اسلام کے لئے وقف کی ہیں۔

اس ضمن میں حضور نے بیرونی ممالک میں جماعت احمدیہ کی تبلیغی جد و جہد میں وسعت کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے فرمایا اگرچہ ہمیں یہاں پر ایک زبردست ابتلاء سے دوچار ہونا پڑا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے نعم البدل کے طور پر بیرونی ممالک میں ہماری تبلیغ کو بہت وسیع کر دیا ہے اس کے بعد حضور نے ہر ملک میں تبلیغ کی رفتار اور اس کے خوشکن نتائج پر علیحدہ علیحدہ روشنی ڈالی۔

اس کے بعد حضور نے تحریک فرمائی کہ احباب جماعت کو آئندہ مرکز میں بار بار آنے کی کوشش کرنی چاہیئے بار بار آنے سے نہ صرف یہ کہ مرکز سے ان کا تعلق مضبوط ہوگا بلکہ وہ ترقی کی سکیموں اور دیگر جماعتی سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رہیں گے۔ اور ان کا کثرت کے ساتھ یہاں آنا ان

کے ایمان اور اخلاص میں ترقی کا موجب ہوگا۔ اس مقام پر حضور نے ریلوے حکام کے تعاون کا شکریہ ادا کرتے ہوئے احباب جماعت کو ہدایت فرمائی کہ وہ جب بھی آئیں حتی الوسع ریل کے ذریعہ ہی سفر کریں۔ تاکہ ریل کی آمدن ایسی دکھائی جا سکے جس سے ربوہ سٹیشن کا قیام ریلوے کے لئے ہر لحاظ سے نفع رساں ثابت ہو۔

ربوہ میں زمین خرید کر مستقل رہائش اختیار کرنے والوں کو حضور نے تنبیہہ فرمائی کہ ہم اس مرکز کو اسلامی تہذیب و تمدن اور معاشرت کا ایک مثالی نمونہ بنانا چاہتے ہیں اس لئے جو لوگ بھی مکان بنا کر مستقل طور پر یہاں رہنا چاہیں گے انہیں بعض شرائط اور قواعد و ضوابط کی پابندی کرنی ہوگی مثلاً ہر شخص کو خواہ اسکی تجارت کو نقصان ہو یا اس کے کاروبار پر اس کا اثر پڑے سال میں ایک ماہ خدمت دین کے لئے ضرور وقف کرنا ہوگا۔ ہر بچے اور بچی کے لئے سکول میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کرنی ضروری ہوگی۔ اور ہر فرد بشر کے لئے اسلامی اخلاق کو اس حد تک اپنانا ضروری ہوگا کہ وہ دوسروں کے لئے نمونہ بن سکے۔ مثلاً نماز باجماعت کی پابندی، ڈاڑھی رکھنا وغیرہ وغیرہ جو شخص ان چیزوں کی پابندی نہ کرے گا اسے ربوہ میں رہنے کی قطعاً اجازت نہ دی جائے گی۔[1]

ان امور کی طرف توجہ دلانے کے بعد فرمایا:۔

> "میرے نزدیک اب وقت آگیا ہے کہ ہم دماغی ترقی کی طرف خاص طور پر توجہ دیں۔ اس وقت تک جو کتابیں ہماری جماعت کی طرف سے شائع ہوئی ہیں وہ کسی تنظیم کے بغیر شائع ہوئی ہیں۔ سوائے تفسیر کبیر کے۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ جماعت کا ہر فرد وقتی ضرورتوں کے ماتحت ایک خاص پروگرام کے ماتحت چلے اور اس طرح ترقی کرنے کی کوشش کرے۔ اس لئے میں نے سمجھا کہ میں نیا مرکز بن جانے کے بعد ایک خاص نظام قائم کروں تا جماعت کے افراد کی خاص طور پر تربیت ہو۔ اور اخلاق، عقاید، مذہب اور دیگر دنیوی علوم پر ہر آدمی آسانی کے ساتھ عبور حاصل کر سکے۔ اور اس کا یہی طریق ہے کہ آسان اردو میں ایسی کتابیں شائع کی جائیں جو ہر مضمون کے متعلق ہوں اور علمی

سلہ الفضل ۲۰ شہادت / اپریل ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء صہ سکہ ایضاً الفضل ۱۶ جون ۱۹۶۱ء صفحہ ۳

مطالب پر حاوی ہوں۔ اور ایسی سیدھی سادی زبان میں ہوں کہ معمولی زمیندار بھی انہیں سمجھ سکیں۔ ... ... وہ قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی جس کے صرف چند افراد عالم ہوں۔ ہم نے اگر ترقی کرنا ہے تو ہمیں اپنی جماعت کے علم کے درجہ کو بلند کرنا ہوگا۔ اس کا طریق یہی ہے کہ کتب کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے جس میں دُنیا کے تمام موٹے موٹے علوم آجائیں اور وہ بچوں، درمیانی عمر والوں اور پختہ کار لوگوں غرض سب کے لئے کافی ہوں۔ اس کے تین سلسلے ہوں گے۔ پہلا سلسلہ مڈل سے نیچے پڑھنے والے بچوں کے لئے یا یوں سمجھ لیجئے کہ پہلا سلسلہ ۱۳ سال سے کم عمر والے بچوں کے لئے ہوگا۔ دوسرا سلسلہ انٹرنس پاس یا سولہ سترہ سال تک کے بچوں کے لئے ہوگا۔ اور تیسرا سلسلہ اس سے اوپر عمر والوں اور پختہ کار لوگوں کے لئے ہوگا۔ یہ کتابیں ایسی سلیس اردو میں لکھی جائیں گی کہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ اردو لکھنے والا بھی اسے سمجھ سکے۔ اسطرح میری رائے یہ ہے کہ یہ کتابیں اس طرز پر لکھی جائیں کہ پہلی کتاب ۵۰ صفحات کی ہو۔ دوسری ۸۰ صفحات کی ہو اور تیسری کتاب اوسطاً سوا سو صفحات پر مشتمل ہو۔ اور پھر ہر وہ کتاب جو سولہ سترہ سال تک کے افراد کے لئے ہو وہ سولہ ہزار الفاظ پر مشتمل ہو اور ہر وہ کتاب جو اس سے اوپر والے افراد کے لئے ہو۔ وہ ۳۵ ہزار الفاظ پر مشتمل ہو اور اس لئے کہ لکھنے والے ان کتابوں کو غور سے لکھیں اور مطالعہ کر کے لکھیں ان کے لئے ایک رقم بطور انعام مقرر کی جائے گی۔ تاکہ وہ اس علم کی کتابیں مطالعہ کر کے مضمون لکھیں اور ایسی سلیس اردو میں لکھیں کہ ہر معمولی خواندہ اسے سمجھ سکے۔ میرا خیال ہے کہ ہر اس کتاب کے لئے جو پچاس صفحات کی ہو پچاس روپے سے ایک سو روپیہ تک کا انعام رکھا جائے۔ ... ... ان کتب کی خصوصیات یہ ہوں گی کہ

۱۔ ان میں تمام قسم کے علوم کے متعلق باتیں ہوں گی

۲۔ یہ سلیس اردو میں ہوں گی جسے ایک معمولی اردو جاننے والا بھی سمجھ سکے۔

۳۔ ان میں کسی قسم کی اصطلاح استعمال نہیں کی جائے گی۔ ان اصطلاحوں کی وجہ سے مضمون سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ... ...

لیکن چونکہ کبھی کبھی بعض شوقین لوگ علماء کی مجلس میں بھی چلے جائیں گے اور ان کی باتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس لئے حاشیہ میں ان اصطلاحات کا بھی ذکر کر دیا جائے گا۔ اس طرح اسے یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ برکلے اور کانٹ نے کیا کہا ہے۔ بلکہ کتاب کے حاشیہ میں ہی یہ لکھا ہوا ہوگا کہ برکلے اور کانٹ کا یہ مقولہ ہے یا یہ فلاں کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ غرض جب بھی وہ چاہے اپنے عام علم کو اصطلاحی علم میں بدل لے۔ یا سیدھی سادھی اردو میں پڑھ لے۔ غرض ہر صفحہ کے نیچے ہر ایک امر کا حوالہ دیا جائے گا تا حسن کو شوق ہو تحقیق کر سکے۔ اس سلسلہ کی کئی کڑیاں ہوں گی۔

اوّل۔ بچوں کے لئے یعنی ابتدائی تعلیم سے مڈل تک کے بچوں کے لئے مگر اس سے وہ لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہوں۔ جو معمولی لکھنا پڑھنا ہی جانتے ہوں۔

دوم۔ بڑے بچوں کے لئے یعنی ہائی سکولوں کے طالبعلموں کے لئے

سوم۔ بڑوں کے لئے قطع نظر اس کے کہ وہ کالجوں میں پڑھتے ہوں یا انہوں نے خود تحقیق کی ہو۔

چہارم۔ محض لڑکیوں کے لئے

پنجم۔ محض لڑکوں کے لئے

ششم۔ محض مردوں کے لئے

ہفتم۔ محض عورتوں کے لئے

ہشتم۔ بیوی کے لئے

نہم۔ میاں کے لئے

دہم۔ اچھے شہری کے لئے

میرے نزدیک مختلف ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سلسلہ کتب میں ان مضامین پر بحث ہونی چاہیئے۔

پہلا سلسلہ ۱۔ ہستی باری تعالےٰ ۲۔ معیار شناخت نبوت ۳۔ دعا۔ قضاء و قدر ۵۔ بعث بعد الموت ۶۔ بہشت و دوزخ ۷۔ معجزات ۸۔ فرشتے ۹۔ صفات الٰہیہ ۱۰۔ ضرورت نبوت اور

شریعت اور اس کا ارتقاء

دوسرا سلسلہ: ۱۔ عبادت اور اس کی ضرورت ۲۔ نماز ۳۔ ذکر ۴۔ روزہ ۵۔ حج۔ ۶۔ زکوٰۃ ۷۔ معاملات ۸۔ اسلامی حکومت ۹۔ اچھے شہری کے فرائض۔ ۱۰۔ ورثہ ۱۱۔ تعلیم۔ ۱۲۔ اخلاق اور ان کی ضرورت ۱۳۔ تربیت افراد میں قوم کا فرض اور اس کی ذمہ داریاں۔ ۱۴۔ ملّت شخص پر مقدم ہے۔ ۱۵۔ خاندان فرد پر مقدم ہے۔ ۱۶۔ حکومت قوم پر مقدم ہے۔ ۱۷۔ حکومت اور رعایا کے تعلقات۔ ۱۸۔ ظاہر و باطن دونوں کی ضرورت اور اہمیت۔ ۱۹۔ اخوت باہمی اور اس کی وجہ سے غریب امیر، عالم جاہل پر ذمہ داریاں۔ ۲۰۔ اسلام کا فلسفہ اقتصادیات ۲۱۔ مظلوم کے حقوق اور ان کا ایفاء اور اس کا طریقہ۔ ۲۲۔ ماں باپ کے حقوق اور ان کی ادائیگی۔ شادی کے بعد ماں باپ اور خاوند بیوی کے حقوق کا تصادم اور اس کا علاج ۲۳۔ میاں بیوی کے باہمی حقوق میاں بیوی کے ایک دوسرے کے والدین کے متعلق فرائض۔ میاں بیوی کے حقوق تربیت اولاد کے متعلق میاں بیوی کے حقوق خاندان کے افراد کے ورثہ کے لحاظ سے۔ آقا اور نوکر کے تعلقات ۲۵۔ تجارتی لین دین اور قرضہ کی ذمہ داریاں اور جائدادوں کے تلف ہونے صورتوں میں اور دیوالیہ ہونے کی صورت میں ہر فریق کی ذمہ داری ۲۶۔ جہاد ۲۷۔ حفظان صحت جسمانی۔ ۲۸۔ حفظان صحت بحیثیت ماحول۔ ۲۹۔ محنت کی عادت اور وقت کی پابندی۔ ۳۰۔ تبلیغ اور اس کی اہمیت ۳۱۔ چندہ اور اس کی اہمیت۔ ۳۲۔ احمدیت میں ہندوستان اور پاکستان کی خاص اہمیت ۳۳۔ زندگی وقف کرنے کی اہمیت۔

تیسرا سلسلہ ۱۔ تاریخ مذہب قبل از تاریخ ۲۔ تاریخ ہندو مذہب بزمانۂ تاریخ ۳۔ تاریخ بدھ مت ۴۔ تاریخ زرتشت۔ ۵۔ تاریخ مصلحین غیر معروف مثلاً سقراط کنفیوشس وغیرہ ۶۔ تاریخ دنیا قبل از تاریخ ۷۔ تاریخ عرب قبل از تاریخ ۸۔ تاریخ ہند قبل از تاریخ۔ ۹۔ تاریخ علاقہ جات پاکستان قبل از تاریخ

۱۰۔ تاریخ شمالی افریقہ قبل مسیح۔ ۱۱ تاریخ یونان قبل تیسری صدی مسیحی ۱۲۔ تاریخ ایران قبل بادشاہان میدو فارس۔ ۱۳۔ تاریخ ایران بعد بادشاہان مدوفارس تا زمانہ عمرؓ ۱۴۔ سیرۃ نبویؐ۔ (اس کی ضرورت میری سیرت سے پوری ہو چکی ہے۔) ۱۵۔ تاریخ خلفاء۔ ۱۶۔ سیرۃ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۷۔ تاریخ احمدیت بزمانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ۱۸۔ سیرت حضرت خلیفہ اولؓ ۱۹۔ تاریخ احمدیت (خلافت اولیٰ) ۲۰۔ تاریخ احمدیت خلافت ثانیہ۔ ۲۱۔ تاریخ احمدیت افغانستان ۲۲۔ تاریخ صحابہ مسیح موعودؑ۔ ۲۳۔ تاریخ اکابر صحابہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ۲۴۔ تاریخ اکابر اصحاب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ۲۵۔ تاریخ صحابیات رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم۔ ۲۶۔ تاریخ صحابیات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۲۷۔ تاریخ ہند بزمانہ اسلام تین حصوں میں۔ ا۔ افغانوں سے پہلے زمانہ کی۔ ب۔ افغانوں کے زمانہ کی۔ ج۔ مغلیہ زمانہ کی۔

۲۸۔ مبلغین اسلام ہندوستان ۲۹۔ سوانح صوفیائے کرام ۳۰ تاریخ اسلام اندر یورپ ۳۱۔ تاریخ عرب بعد از چہارم صدی ہجری ۳۲۔ تاریخ اشاعت اسلام مغربی افریقہ ۳۳۔ تاریخ ایسے سینیا۔ ۳۴۔ تاریخ افریقہ وسطی و جنوبی گزشتہ ہزار سال کی ۳۵۔ تاریخ مصر ا۔ قبل از مسیح۔ ب بعد از مسیح ج۔ بعد از زمانہ نبویؐ ۳۶۔ تاریخ قسطنطنیہ ا۔ زمانہ نبویؐ تک ب زمانہ نبویؐ کے بعد اسلام کے قبضہ تک۔ ۳۷۔ تاریخ ہسپانیہ قبل از تسلط اسلام و بعد تسلط ۳۸۔ تاریخ صقلیہ۔ قبل از تسلط اسلام و بعد تسلط اسلام۔ ۳۹۔ تاریخ مدراس جنوبی بزمانہ اسلام ۴۰۔ تاریخ چین بزمانہ اسلام ۴۱۔ تاریخ فلپائن و ملحقہ جزائر بزمانہ اسلام ۴۲۔ تاریخ انڈونیشیا قبل از اسلام و بعد از اسلام ۴۳۔ تاریخ سیلون

قبل از اسلام و بعد از اسلام ۴۴۔ تاریخ بخارا و ملحقات قبل از اسلام و
بعد از اسلام ۴۵۔ تاریخ روس از ابتدا تا پندرھویں صدی۔ اور
پندرھویں صدی سے لے کر آج تک جس میں خصوصاً اسلام سے اس کے
تعلقات پر روشنی ہو۔
۴۶۔ تاریخ مارکسزم ۴۷۔ تاریخ بالشوزم ۴۸۔ تاریخ شمالی امریکہ و
جغرافیہ۔ ۴۹۔ تاریخ جنوبی امریکہ و جغرافیہ۔ ۵۰ تاریخ جزائر آسٹریلیا و
نیوزی لینڈ وغیرہ۔ ۵۱۔ احوال الانبیاء۔

چوتھا سلسلہ:۔ ۱۔ رسالہ کیمسٹری نا واقفوں کے لئے۔ ۲۔ رسالہ فزکس۔
۳۔ موٹے موٹے مضامین کے الگ الگ رسالے۔ ۴۔ تاریخ سائنس
۵۔ مسلمانوں کا سائنس میں حصہ۔ ۶۔ قرآن اور علوم ۷۔ اسلام اور علوم
۸۔ علم البحر۔ ۹۔ مسلمانوں کا علم البحری میں حصہ۔ ۱۰۔ فلکیات ۱۱۔
مسلمانوں کا فلکیات میں حصہ۔ ۱۲۔ جغرافیہ عالم ۱۳۔ جغرافیہ میں
مسلمانوں کا حصہ۔ ۱۴۔ جغرافیہ طبعیات ۱۵۔ جغرافیہ طبعیات میں
مسلمانوں کا حصہ۔ ۱۶۔ درندے اور ان کے اہم افراد اور ان کی خصوصیات
۱۷۔ چرندے اور ان کے اہم افراد اور ان کی خصوصیات ۱۸۔ پرندے
اور ان کے اہم افراد اور ان کی خصوصیات ۱۹۔ مکوڑے اور ان کے اہم
افراد اور ان کی خصوصیات۔ ۲۰۔ رینگنے والے جانور اور ان کے اہم افراد
اور ان کی خصوصیات ۲۱۔ پانی کے اندر کے سانس لینے والے جانور
اور ان کے اہم افراد اور ان کی خصوصیات ۲۲۔ پانی میں رہنے والے
لیکن باہر نکل کر سانس لینے والے جانور اور ان کی خصوصیات ۲۳۔ سانپ
جانور بری اور بحری اور ان کی خصوصیات۔ ۲۴۔ خوردبینی کیڑے اور ان کے
اہم افراد اور ان کی خصوصیات ۲۵۔ انسانی پیدائش موجودہ دور میں
مادہ حیات۔ اس کے تغیرات اور اس کی صحت اور بیماری کی حالت اس
کے انتقال کا طریقہ اور انتقال کے بعد پیدائش تک کے ادوار ۲۶۔ انسانی
جسم کی تشریح ۲۷۔ صحت کی حالت میں اعضائے انسانی کے فرائض

امور طبائف ۸۔مختلف بیماریاں اور ان کے اسباب ۲۹۔علم الطبقات
۳۰۔علم الجمادات ۳۱۔منطق ۳۲۔فلسفہ منطق ۳۳۔فلسفہ ۳۴۔
فلسفہ در فلسفہ ۳۵۔فلسفہ تاریخ ۳۶۔طبقات الارض ۳۷۔ارتقائے
نسل انسانی ۳۸۔علم اللسان ۳۹۔علم النفس ۴۰۔ ارتقائے عالم
۴۱۔کائنات کے مختلف انواع میں امتیازی نشان ۴۲۔ انسان اور دیگر
اشیاء میں فرق۔ ۴۳۔علم البرق ۴۴۔کیفیت مادہ۔

"قومی اور ملی خدمات"

ایک آزاد شہری کی حیثیت سے احمدی دوستوں پر جو ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں حضور نے ان کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا۔

دوستوں کو پاکستان کی حفاظت اور دفاع میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینا چاہیئے۔ اس سلسلے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ حفاظت نعرے لگانے اور جوش دکھانے سے نہیں ہوا کرتی حفاظت اور استحکام کی ایک ہی صورت ہے۔ اور وہ یہ کہ قوم مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جائے۔ لیکن مرنے مارنے کے لئے بھی ڈھنگ اور فن کی ضرورت ہوتی ہے۔ ضروری ہے کہ لوگ فنونِ جنگ سے کما حقہٗ واقفیت حاصل کریں۔ اور ہر ممکن طریق اور موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نئے مرکز کا قیام اور اس سے وابستگی کی تلقین اس لئے ہے کہ ہم اپنے کام کو وسیع کریں۔

ان قیمتی ہدایات و نصائح کے بعد حضرت امیرالمومنین نے فرمایا:۔

" اب میں اپنے اصل مضمون کی طرف آتا ہوں مگر اس سے پہلے میں آپ لوگوں کو ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ آج سے تقریباً ۲۳۔ ۲۴ سو سال پہلے کی بات ہے۔ یونان میں ایک شخص ہوا کرتا تھا۔ وہ یہ تعلیم دیا کرتا تھا کہ خدا ایک ہے اور وہ دیویاں اور بُت جن کے لوگ معتقد ہیں باطل ہیں۔ ہاں خدا تعالیٰ کے فرشتے موجود ہیں۔ اور کائنات کے مختلف کام ان کے سپرد ہیں۔ وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ خدا تعالیٰ اپنی مرضی اپنے نیک بندوں پر ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کے فرشتے اس کے نیک بندوں پر جلوہ گر ہوتے ہیں اور ان سے کلام کرتے ہیں اس کی یہ بھی تعلیم تھی کہ جس حکومت کے ماتحت تم رہو اس کے فرمانبردار رہو۔ اگر

---

[1] الفضل ۱۷۔احسان/جون ۱۳۲۸ہش / ۱۹۴۹ء صفحہ ۳

تم نے دُنیا میں امن قائم رکھنا ہے تو تمہیں حکومت سے اپنے مطالبات ہمیشہ امن کے ساتھ منوانے چاہئیں۔ اگر کسی وقت تمہیں اس حکومت پر اعتماد نہ رہے بلکہ تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے مذہبی احکام کے بجالانے میں روک بنتی ہے اور تم پر ظلم ڈھاتی ہے اور جبراً تمہارا مذہب تم سے چھڑانا چاہتی ہے۔ تو تمہیں اس ملک کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور ایسی حکومت کے ماتحت جاکر بس جانا چاہیئے جو خدائی احکام کے بجالانے میں کوئی روک پیدا نہ کرتی ہو۔

یہ ساری تعلیمیں قرآن کریم میں بھی موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ شخص کامل طور پر نبی نہیں تھا تو ایک مامور من اللہ یا مجدد کی حیثیت ضرور رکھتا تھا۔ اس کا نام سقراط تھا جب حکومت کو معلوم ہوا کہ وہ حکومت کے خلاف تعلیم دیتا ہے۔ تو اس پر مقدمہ چلایا گیا اور مقدمہ چلانے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ اسے زہر پلاکر موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ پرانے زمانہ میں یہ بھی سزا کا ایک طریق تھا۔ کہ جس شخص کو موت کی سزا دی جاتی تھی اسے زہر پلاکر مار دیا جاتا تھا۔ سقراط کی سزا کے لئے کوئی معین تاریخ مقرر نہ ہوئی۔ ہاں یہ بتایا گیا جس دن فلاں جہاز جو فلاں جگہ سے چلا ہے اس ملک میں پہنچے گا تو اس کے دوسرے دن اس کو مار دیا جائے گا۔ سقراط کے ماننے والوں میں بہت سے ذی اثر لوگ بھی تھے۔ وہ اس کے پاس جاتے اور اس پر زور دیتے کہ وہ ملک کو چھوڑ دے اور کسی اور ملک میں جا بسے۔ افلاطون بھی سقراط کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد تھا۔ وہ اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے کہ ایک دن سقراط کا "فرتیو" نامی شاگرد ان کے پاس گیا۔ وہ اس وقت میٹھی نیند سو رہے تھے ان کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور ان کے جسم سے اطمینان اور سکون ظاہر تھا۔ فرتیو پاس بیٹھ گیا اور پیار سے آپ کا چہرہ دیکھنے لگا آپ کی اس حالت کو دیکھ کر کہ آپ نہایت اطمینان سے سو رہے ہیں اس پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ اس نے آپ کو جگایا نہیں بلکہ آرام سے پاس بیٹھ کر آپ کا چہرہ دیکھتا رہا۔ جب آپ کی آنکھ کھلی تو آپ نے دیکھا کہ آپ کا "فرتیو" نامی شاگرد پاس بیٹھا ہوا ہے اور پیار سے آپ کی طرف دیکھ رہا ہے آپ نے اس سے پوچھا تم کب آئے ہو! اور کس طرح یہاں پہنچے ہو۔ فرتیو نے کہا میں آپ کو

دیکھنے کے لئے آیا ہوں۔ آپ نے کہا تم اتنی جلدی صبح صبح کس طرح آ گئے! فرتیو نے کہا جیل کے افسر میرے دوست ہیں۔ اس لئے اندر آنے کی مجھے اجازت مل گئی ہے۔ میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا معلوم ہوتا ہے تم بہت دیر سے یہاں بیٹھے ہو۔ تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں۔ فرتیو نے کہا میں جب کمرے میں داخل ہوا تو آپ سوئے ہوئے تھے اور آپ کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی اس لئے میں نے آپ کو جگایا نہیں بلکہ آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ اس بات کا مجھ پر گہرا اثر ہوا کہ وہ شخص جس کی موت کا حکم سنایا گیا ہو کیسی اطمینان اور سکون سے سویا ہوا ہے۔

سقراط نے کہا میاں کیا خدا تعالےٰ کی مرضی کو کوئی انسان دور کر سکتا ہے؟ فرتیو نے کہا نہیں۔ سقراط نے کہا کیا تم اس کی مرضی پر خوش نہیں؟ فرتیو نے کہا ہاں ہم اس کی مرضی پر خوش ہیں۔ سقراط نے کہا جب خدا تعالےٰ نے میرے لئے موت کو مقدر کیا ہے تو اس کو کون ہٹا سکتا ہے؟ اور جب خدا تعالےٰ نے ہی میرے لئے موت مقدر کی ہے اور میں اس کی رضا پر راضی ہوں تو پھر اس پر بے چینی کی کیا وجہ؟ مجھے تو خوش ہونا چاہیئے کہ میرے خدا کی یہ مرضی ہے کہ وہ مجھے موت دے۔ فرتیو تم بتاؤ کہ اس وقت تم مجھے کیا کہنے آئے تھے۔ فرتیو نے جواب دیا میرے آقا میں آپ کو ایک بڑی خبر دینے آیا تھا کہ وہ جہاز جس کی آمد کے دوسرے دن آپ کو زہر پلائے جانے کا فیصلہ ہے وہ گو ابھی تک پہنچا تو نہیں لیکن خیال ہے کہ آج شام کو پہنچ جائے گا اس لئے کل آپ کو مار دیا جائے گا۔ اس پر سقراط ہنس پڑے اور کہا کہ میرا تو خیال نہیں کہ وہ جہاز آج پہنچے وہ کل یہاں پہنچے گا۔ فرتیو نے کہا وہ جہاز فلاں جگہ پر لگا ہوا ہے اور ایک آدمی خشکی کے ذریعہ یہاں آیا ہے اور اس نے بتایا ہے کہ وہ جہاز آج شام تک یہاں پہنچ جائے گا۔ کل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سقراط نے کہا فرتیو بے شک اس شخص نے یہ بتایا ہے کہ جہاز آج شام تک یہاں پہنچ جائے گا لیکن جب خدا تعالےٰ نے بتایا ہے کہ وہ جہاز کل یہاں پہنچے گا تو ویسا ہی ہوگا۔ فرتیو نے کہا۔ میرے آقا آپ کو کیسے علم ہوا کہ وہ جہاز کل یہاں پہنچے گا۔ سقراط نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک خوبصورت عورت میرے

پاس آیا ہے اس نے میرا نام لیا اور کہا تیار رہو جاؤ پرسوں جنت کے دروازے تمہارے لئے کھول دیئے جائیں گے۔ فریتو کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ جہاز آج شام کو یہاں پہنچ جائے گا۔ اور اگر جہاز آج یہاں پہنچ جائے تو کیا کل مجھے سزا دے دی جائے گی۔ لیکن فرشتے نے مجھے کہا ہے کہ پرسوں تمہارے لئے جنت کے دروازے کھولے جائیں گے اس لئے جہاز آج نہیں آسکے گا کل آئے گا۔ اور پرسوں مجھے مار دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک طوفان آیا اور جہاز کو راہ میں ٹھہرنا پڑا۔ اور دوسرے دن وہ اس شہر میں پہنچ سکا اور تیسرے دن وہ مارے گئے۔

آپ کی بات سننے کے بعد اس شاگرد نے کہا آپ کیوں ضد کر رہے ہیں۔ کیا آپ کو ہم پر رحم نہیں آتا اگر آپ زندہ رہیں گے تو ہمیں آپ سے بہت فوائد حاصل ہوں گے۔ اگر آپ یہاں سے بھاگ جائیں اور کسی اور حکومت کے زیر سایہ رہنا شروع کر دیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ سقراط نے میں اس ملک سے کس طرح بھاگ سکتا ہوں کیا میں عورتوں کا لباس پہن کر یہاں سے بھاگ جاؤں۔ اگر میں عورتوں کا لباس پہن کر یہاں سے بھاگ جاؤں تو لوگ کہیں گے سقراط عورتوں کا لباس پہن کر بھاگ گیا یا پھر میں جانوروں کی کھال میں لپٹ کر یہاں سے بھاگ جاؤں۔ کیا اس سے میری عزت ہو گی؟ فریتو نے کہا میرے آقا یہ ٹھیک ہے لیکن لیکن ہم ان چیزوں کے بغیر آپ کو نکال لیں گے۔ میں ایک مالدار آدمی ہوں اور فوج افسر میرے تابع ہیں۔ میں نے ان سے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ میری اس بارہ میں مدد کریں گے۔ اور آپ کو عزت کے ساتھ کسی اور ملک میں چھوڑ آئیں گے۔ جن میں سے اس نے کریٹو کا نام بھی لیا۔ سقراط نے کہا پھر تم جانتے ہو کیا ہو گا ایک بھاری رقم بطور تاوان ڈالی جائے گی اور جب ایسا ہو گا تو فریتو تم ہی بتاؤ کیا یہ اچھی بات ہو گی کہ میں اپنی جان بچانے کے لئے اپنے ایک شاگرد کو تباہ کر دوں۔ فریتو نے کہا میرے آقا آپ اس کا خیال نہ کریں۔ آپ کے شاگرد بہت سے ہیں اور یہ رقم ہم آپس میں بانٹ کر بطور رسدی تقسیم کر لیں گے۔ سقراط نے کہا ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن جب حکومت کو پتہ چلا تو وہ سب کو قید کرے گی۔ فریتو نے کہا ہاں آقا مگر

وہ کچھ مدت کے بعد ہمیں چھوڑ دے گی۔ سقراط نے کہا مگر کیا یہ اچھی بات ہوگی کہ میں اپنی جان بچانے کے لئے اپنے شاگردوں کو قید خانہ میں ڈلواؤں۔ فرطو نے کہا مگر آپ سوچئے آپ روحانیت کی تعلیم دیں گے اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف لائیں گے۔ یہ کتنا بڑا کام ہے اس کے لئے اگر ہم قید میں بھیجے گئے تو کیا ہوا۔ سقراط نے کہا یہ بات ٹھیک ہے اور شاید یہ بات سوچنے کے قابل ہو۔ مگر فرطو میں جو ۸۵ سال کا ہو گیا ہوں اگر کسی ملک میں جاتے ہوئے رستہ میں مر جاؤں تو سمجھ کر کہ عقلمند کہے گا کہ میں نے یونہی مفت میں تباہی ڈال دی۔ پھر انہوں نے کہا اے میرے شاگرد تم بتاؤ تو سہی میں تمہیں اس حکومت کے بارہ میں جس کے ماتحت تم رہتے ہو کیا تعلیم دیا کرتا تھا؟ فرتو نے کہا آپ ہمیں یہی تعلیم دیا کرتے تھے کہ اس حکومت کا ہمیشہ فرمانبردار رہنا چاہیے۔ سقراط نے کہا اب تم ہی بتاؤ کہ میں اس چیز کی ساری عمر تعلیم دیتا رہا۔ اب اگر میں موت کے ڈر سے اس ملک سے بھاگ جاؤں تو دنیا یہی کہے گی نا کہ میں یہاں کی زندگی میں جھوٹے دعوے کیا کرتا تھا پھر تم ہی بتاؤ کہ کیا حکومت ظالم ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے اس ملک سے نکلنا پڑا۔ اس کے قانون کو توڑنا جائز ہے۔ دنیا کی کوئی حکومت اپنے آپ کو ظالم نہیں کہتی۔ اگر میں یہاں سے پوشیدہ کسی اور ملک میں بھاگ جاؤں تو میری بات دوسروں پر کیا اثر کرے گی۔ ہر ایک یہی کہے گا کہ یہ تو وہی بات ہے جس پر اس نے خود عمل نہیں کیا۔ میں اس حکومت میں پیدا ہوا اور دعوے کے بعد چالیس سال تک اس ملک میں رہا کیا چالیس سال کے عرصہ میں میرے لئے اس ملک کو چھوڑ جانے کا موقعہ نہ تھا۔ حکومت یہ کہے گی کہ اگر ہم ظالم تھے تو یہ چالیس سال کے دوران میں کیوں باہر نہیں چلا گیا۔ بلکہ یہ تو ہمارے انصاف کا اتنا قائل تھا کہ یہ شہر سے باہر کبھی نہیں نکلتا تھا۔ میں ان باتوں کا کیا جواب دوں گا۔ غرض اس نے ایک لمبی بحث کے بعد کہا۔ خلاصہ یہ ہے کہ میں یہیں رہوں گا۔ اور حکومت کے مقابلہ کے لئے تیار نہیں ہوں گا۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے سقراط کا یہ دعویٰ تھا کہ اسے الہام ہوتا ہے اور اس نے اپنے الہام کی ایک عجیب صورت کو پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ جہاز آج

نہیں پہنچ گا کلا پہنچے گا۔ میرے خدا نے مجھے کہا ہے کہ تمہارے لئے جنت کے دروازے پرسوں کھول دیئے جائیں گے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ شخص خدا تعالٰی سے تائید حاصل کرنے والا تھا۔ اس نے اپنی جگہ سے نکلنے کا نام نہیں لیا۔ ہماری جماعت میں سے بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں قادیان سے باہر کیوں نکلا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے قادیان سے نکلنا نہیں چاہیئے تھا۔ اور میں نے خود بھی کہا تھا کہ میں قادیان سے نہیں نکلوں گا۔ بلکہ میں نے بتایا ہے کہ سقراط جو ایک مامور من اللہ تھا اس کی زندگی میں بھی ایک واقعہ پیش آیا۔ اور اس نے اپنے شہر سے نکلنے سے انکار کر دیا[1]۔

جیسا واقعہ سقراط کو یونان میں پیش آیا ایسا ہی واقعہ مجھے قادیان میں پیش آیا۔

ایک اور واقعہ بھی ہے جو ہمیں ایک اور نبی اللہ کے متعلق ملتا ہے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ فیصلہ تھا کہ وہ یہود کی بادشاہت کو دوبارہ دنیا میں قائم کریں گے۔ مگر آپ پر ایک وقت ایسا آیا جب سارا ملک آپ کا دشمن ہو گیا اور اس کی دشمنی ایک خطرناک صورت اختیار کر گئی۔ یہودیوں نے حکومت کے نمائندوں کے پاس آپ کے متعلق شکایتیں کیں اور آپ کو پکڑوا دیا گیا۔ اور آخر حکام کو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا گیا کہ آپ باغی ہیں جس طرح یونان کے مجسٹریٹوں نے یہ فیصلہ کیا کہ سقراط باغی ہے اسی طرح فلسطین کے مجسٹریٹوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام باغی ہیں۔ دونوں کے متعلق ایک ہی قسم کا الزام تھا۔ سقراط کے پاس جب ان کے شاگرد گئے اور آپ کو انہوں نے کہا کہ آپ ملک سے نکل جائیں۔ تو سقراط نے کہا نہیں نہیں میں اس ملک سے باہر نہیں نکل سکتا۔ خدا تعالٰی کی تقدیر یہی ہے کہ میں یہاں رہوں اور زہر کے ذریعہ مارا جاؤں اگر میں اس ملک سے باہر نکلتا ہوں تو خدا تعالٰی کے منشاء کے خلاف کرتا ہوں۔ ادھر حضرت مسیح علیہ السلام کو جب یہ کہا گیا کہ آپ کو پھانسی پر لٹکا کر مارا جائے گا تو آپ نے فرمایا کہ میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میں کوئی تدبیر کروں گا تا کسی طرح سزا سے بچ جاؤں۔ اور مسیح علیہ السلام نے تدبیر کی اور جیسا کہ آپ کو پہلے بتا دیا گیا تھا آپ کو دو تین دن تک قبر میں رکھا گیا اور پھر وہاں

---

[1] روزنامہ الفضل مورخہ ۱۶ر جولائی ۱۹۶۱ء ص۳

سے سلامت نکال لیا گیا آپ اپنے حواریوں سے ملے اور انجیل کے بیان کے مطابق آپ آسمان پر اڑ گئے لیکن دنیوی تاریخ کے مطابق آپ نصیبین، ایران اور افغانستان کے راستہ ہوتے ہوئے ہندوستان چلے آئے پہلے آپ مدراس گئے پھر آپ گورکھپور اور اس کے بعد کانگڑہ کی طرف چلے گئے مگر وہاں موسم اچھا نہ پا کر آپ تبت کے پہاڑوں کے راستہ سے کشمیر چلے گئے۔ گویا ایک طرف یہ مثال پائی جاتی ہے کہ مامور من اللہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ اسے مار دیا جائے۔ اس کے ساتھی اسے نکالنے کے لئے بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتے ہیں اور پولیس بھی ان کے اس کام کیا ہمدردی کرتی ہے مگر وہ انکار کر دیتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کے اصرار کے باوجود یہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ یہاں سے کسی اور ملک میں جانے کے لئے تیار نہیں۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آتا ہے وہ بھی مامور من اللہ اور خدا تعالیٰ کے ایک نبی تھے اور جیسا کہ واقعات بتاتے ہیں کہ سقراط بھی ایک مامور من اللہ تھا۔ دونوں ایک ہی منبع سے علم حاصل کرنے والے تھے۔ ایک ہی قسم کا کام ان کے سپرد تھا۔ لیکن ایک کو جب کہا جاتا ہے کہ آپ یہاں سے نکل جائیں تو وہ یہ جواب دیتا ہے کہ میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا اور خدا تعالیٰ کی تقدیر یہی ہے کہ میں یہیں مارا جاؤں اگر میں یہاں سے نکلتا ہوں تو خدا تعالیٰ کے منشاء کے خلاف کرتا ہوں لیکن دوسرے شخص یعنی مسیح علیہ السلام کو جب سزا کا حکم سنایا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ میں کوشش کروں گا کہ یہاں سے نکل جاؤں اور کسی اور جگہ چلا جاؤں۔ یہ واقعات اس طرح کیوں ہوئے۔ کیا سقراط جھوٹا تھا یا کیا حضرت مسیح نے ایک خطرناک غلطی کی اور اپنے آپ کو تقدیر الٰہی سے بچانے کی کوشش کی۔

حقیقت یہ ہے کہ سقراط اسی شہر کی طرف مبعوث تھا جس کے رہنے والوں نے آپ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ سقراط ان جگہوں کے لئے مبعوث نہیں تھا جن کی طرف بھاگ جانے کے لئے اسے اس کے شاگرد مجبور کرتے تھے۔ سقراط دوسری قوموں کی طرف مبعوث نہیں تھا لیکن مسیح علیہ السلام کو یہ کہا گیا تھا کہ تم بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں تک بھی میرا یہ پیغام پہنچاؤ اور یہ بھیڑیں ایران، افغانستان اور کشمیر میں بستی تھیں۔ سقراط اگر اپنے شہر کو چھوڑتا تھا تو وہ ایک مکتب اور مدرسہ کو چھوڑتا تھا جس کے لئے اسے مقرر کیا گیا تھا۔ مثلاً ایک لوکل سکول میں کسی کو ہیڈ ماسٹر مقرر کیا جاتا ہے تو وہ

اس سکول کو بلا اجازت نہیں چھوڑ سکتا اگر وہ اس سکول کو بلا اجازت چھوڑے گا تو وہ مجرم ہوگا۔ لیکن ایک انسپکٹر کو اپنے حلقہ میں کسی جگہ پر جانا پڑتا ہے تو وہ بلا اجازت چلا جاتا ہے۔ اور ایک لوکل سکول کا ہیڈ ماسٹر کسی دوسری جگہ نہیں جاتا جب تک وہ اپنے بالا افسر سے چھٹی حاصل نہیں کر لیتا لیکن ایک انسپکٹر بغیر اجازت افسر بالا کے اپنے حلقہ کا دورہ کرتا ہے۔ ایک ہیڈ ماسٹر کو یہ کہا جاتا ہے کہ تم اگر اپنی جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ گئے تو مجرم ہوگے۔ لیکن انسپکٹر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے تو اسے کوئی شخص مجرم نہیں گردانتا۔ اس لئے کہ اس کا دائرہ عمل اس حد تک وسیع ہے لیکن ایک ہیڈ ماسٹر کا دائرہ عمل ایک سکول تک محدود ہے اور وہ اگر وہاں سے نکلتا ہے تو قانون کو توڑتا ہے پس سفراء ایک شہر کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ اس کا دائرہ عمل محدود تھا اگر وہ اس شہر کو چھوڑتا تو گنہگار تھا کیونکہ اس کے مخاطب اسی شہر کے باشندے تھے لیکن حضرت مسیح علیہ السلام نے فلسطین کو چھوڑا تو اس لئے کہ ان کے دائرہ خطاب میں کشمیر بھی شامل تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جب فلسطین کو چھوڑا تو آپ اپنے دائرہ عمل سے بھاگے نہیں۔ بلکہ آپ اپنی دوسری ڈیوٹی پر چلے گئے۔

اگر آپ فلسطین میں ہی رہتے تو آپ فلسطین میں اپنا کام کر سکتے تھے اور نہ ہی بنی اسرائیل کی دوسری کھوئی ہوئی بھیڑوں تک خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچا سکتے تھے حضرت مسیح علیہ السلام نے اگر فلسطین چھوڑا تو اس کے بعد آپ کا دائرہ عمل اور وسیع ہو گیا اور یہی وہ چیز ہے جس نے مجھے قادیان چھوڑنے کے لئے اپنی رائے کو بدلنے پر مجبور کیا میرے سپرد جو کام ہے وہ صرف قادیان سے ہی نہیں تعلق رکھتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام اسلام کی اشاعت کے لئے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کو بلند کرنے کی خاطر ساری دنیا کی طرف مبعوث کئے گئے تھے۔ آپ کا دائرہ خطاب صرف قادیان تک محدود نہ تھا بے شک میں نے پہلے یہ فیصلہ کیا تھا کہ میں قادیان میں ہی رہوں لیکن بعد میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات پر غور کر کے مجھے یقین ہو گیا کہ جماعت کے لئے ایک ہجرت مقدر ہے۔ تو میں نے سوچا کہ میرا کام قادیان یا صرف ایک ملک سے وابستہ نہیں بلکہ دوسرے ممالک سے بھی میرا تعلق ہے اگر میں قادیان میں رہتا ہوں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ میں ان سب کاموں

کو ترک کر دیتا ہوں جو میرے سپرد ہیں اور ایک جگہ اپنے آپ کو مقید کر لیتا ہوں جیسا کہ بعد میں قادیان والوں کی حالت ہو گئی تھی۔ لیکن اگر میں قادیان سے باہر چلا جاتا ہوں تو میں صرف ایک چھوٹے سے دائرہ سے الگ ہوتا ہوں اور ایک وسیع دُنیا کو ملانے پر قادر ہو جاتا ہوں۔ سقراط نے اپنے شہر کو اس لئے نہیں چھوڑا کہ ان کے مخاطب صرف اس شہر والے تھے۔ اور حضرت مسیح علیہ السّلام نے فلسطین کو چھوڑا تو اس لئے کہ فلسطین میں ان کے مخاطبوں میں سے صرف دو قبیلے تھے، اور دس قبیلے فلسطین سے باہر تھے۔

حضرت مسیح علیہ السّلام نے بھی لوگوں کی خاطر فلسطین کو چھوڑا۔ وہ فلسطین میں بسنے والوں سے سینکڑوں گنا زیادہ تھے۔ لیکن میں نے جن لوگوں کی خاطر قادیان کو چھوڑا، قادیان اور اس کی آبادی اس کا ہزارواں حصہ بھی نہیں۔ پس یہ صحیح ہے کہ پہلے یہی فیصلہ کیا گیا تھا کہ میں قادیان نہیں چھوڑوں گا۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ ہمارے لئے ہجرت مقدر ہے تو میں نے قادیان کو چھوڑ کر یہاں چلے آنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا یہ الہام موجود تھا کہ

"داغِ ہجرت"

اور ادھر میری خوابوں میں بھی یہ بات تھی کہ ہمیں قادیان سے باہر جانا پڑے گا۔ میں نے دیکھا کہ یہ الہام تو موجود ہے مگر ابھی تک ہجرت نہیں ہوئی۔ اس لئے یا تو یہ مثیلِ مسیح پر پیشگوئی صادق آئے گی اور یا اسے جھوٹا ماننا پڑے گا۔ یہی وہ چیزیں تھیں جن کی وجہ سے ہمیں قادیان چھوڑنا پڑا۔ پھر یہ فیصلہ میں نے خود نہیں کیا بلکہ جماعت کے دوستوں کی طرف سے مجھے یہ مشورہ دیا گیا کہ میں قادیان سے باہر آجاؤں۔ ویسے میری ذاتی دلچسپیاں تو قادیان سے ہی وابستہ تھیں۔ لیکن میرے سامنے دو چیزیں تھیں۔ اوّل یہ کہ میں قادیان سے باہر چلا جاؤں اور قادیان میں ایک نائب امیر مقرر کر دوں۔ دوم یہ کہ میں ان سب کاموں کو ترک کر دوں جو میرے سپرد کئے گئے ہیں اور قادیان میں ایک قیدی کی حیثیت سے بیٹھا رہوں۔ اور اس بات کے حق میں کہ میں قادیان میں ہی بیٹھا رہوں ایک رائے بھی نہیں تھی۔ ہر ستمبر کو یہ فیصلہ ہوا کہ چونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت کا کام قادیان سے باہر آنے پر ہی ہو سکتا ہے اس لئے ہم جذباتی چیز کو حقیقت پر قربان کریں گے۔ پس میں نے

ضروری سمجھا کہ آج مَیں دوستوں کو بتاؤں کہ ہم نے واقعات کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور ہمارا قادیان سے باہر ہونا ان حالات میں ہوا ہے۔ اگر سقراط کے طریق پر عمل کرتے اور قادیان میں ہی رہتے تو یہ بات غلط ہوتی۔ کیونکہ ہمارے حالات سقراط کے حالات سے نہیں ملتے تھے۔ ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کی مثال پر عمل کیا کیونکہ آپ کے حالات ہمارے حالات سے ملتے تھے۔ خود رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی جی نہیں چاہتا تھا کہ آپ مکّہ کو چھوڑیں۔ لیکن جب آپؐ نے دیکھا کہ اس کے بغیر اس پیغام کو جو آپ دُنیا کی طرف لے کر مبعوث ہوئے تھے نہیں پھیلایا جا سکتا تو آپ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ جب رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غارِ ثور سے نکلے تو آپؐ نے آبدیدہ ہو کر اور مکّہ کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ اے مکّہ! تُو مجھے بڑا ہی پیارا تھا اور مَیں تجھے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن افسوس تیرے رہنے والوں نے مجھے یہاں رہنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ فقرہ بتاتا ہے کہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم مکّہ کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ آپ کو مکّہ سے محبت تھی۔ لیکن اشاعتِ اسلام چونکہ مقدّم تھی اور مکّہ میں رہنے سے اس کی اشاعت کا کام باطل ہو جاتا تھا۔ اس لئے آپ نے مکّہ چھوڑنا قبول کر لیا۔ مَیں نے بھی اسی سُنّت کے ماتحت قادیان چھوڑا۔ اور اب واقعات نے تصدیق کر دی ہے کہ مَیں اس میں حق بجانب تھا۔ غرض دین کی اشاعت چونکہ سب سے اہم تھی اس لئے مَیں نے قادیان چھوڑنا قبول کر لیا اور پاکستان آگیا۔"[1]

یہاں تک بیان فرمانے کے بعد حضور نے اجلاس برخاست کرتے ہوئے فرمایا کہ اس تقریر کا دوسرا حصّہ آپ اگلے دن جلسہ کے آخری اجلاس میں بیان فرمائیں گے۔ چنانچہ نمازِ مغرب سے کچھ دیر پہلے اجلاس برخاست کر دیا گیا۔[2]

جلسہ کا آخری دن
تیسرے روز کا اجلاس اوّل

۱۷؍شہادت/اپریل کو جلسہ کا آخری اور تیسرا دن تھا۔ اس روز اجلاس اوّل میں مکرم قاضی محمد اسلم صاحب[3]، مکرم حکیم فضل الرحمٰن صاحب[4]، مکرم مولوی ابوالعطاء صاحب نے فاضلانہ تقریریں کیں۔ جن کے بعد

---

[1] الفضل ۱۸؍وفا/جولائی ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء صفحہ ۳-۴ ٭ [2] الفضل ۲۰؍شہادت/اپریل ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء ٭
[3] مکمل تقریر کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۶-۲۷-۲۸؍شہادت/اپریل ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء ٭
[4] " " " ۲۹-۳۰؍شہادت/اپریل و یکم ہجرت/مئی ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء ٭

ماریشس کے احمد یداللہ صاحب نے بھی مختصر تقریر کی۔[1]

اجلاس دوم میں حضرت مصلح موعود کی ایمان افروز اختتامی تقریر

ازاں بعد ظہر و عصر کی نمازیں جمع کرانے کے بعد حضرت مصلح موعود ½ ۲ بجے سٹیج پر تشریف لائے اور اس تاریخی جلسہ کے اختتامی اجلاس میں ایک نہایت ایمان افروز تقریر فرمائی۔ تقریر کے آغاز میں حضور نے فرمایا۔ بہت سی ایسی جماعتوں کی طرف سے پیغامات آئے ہیں جو جلسہ میں شامل نہیں ہو سکیں انہوں نے احباب کو محبت بھرا اسلام کہا ہے اور دعاؤں کی درخواست کی ہے۔ سب پیغامات تو سُنائے نہیں جا سکتے۔ بعض اہم مقامات کے پیغامات سُنا دیتا ہوں۔

سب سے پہلا پیغام تو قادیان کی جماعت کا ہے جو وہاں کے امیر مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی معرفت موصول ہوا ہے۔ اس میں وہاں کے دوستوں نے تمام احباب کو السلام علیکم کہا ہے اور دُعا کی درخواست کی ہے۔

قادیان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ گو قادیان سے جدا ہونے کا صدمہ بہت بڑا صدمہ ہے لیکن میں نے دوستوں کو متواتر نصیحت کی ہے کہ وہ کسی قسم کے غم کو اس سلسلے میں اپنے اُوپر غالب نہ آنے دیں۔ لیکن ایک حصہ جذبات کا انسان کے ساتھ ایسا لگا ہوا ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ قادیان سے نکلنا ایک ایسا اہم واقعہ ہے کہ اگر اس سلسلے میں ہم سوچنا اور غور کرنا شروع کر دیں تو ہمارے کاموں میں رخنہ پیدا ہونا شروع ہو جائے گا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ایک نہایت ہی تلخ واقعہ ہے۔ نہ معلوم کوئی خدائی فرشتہ تھا جس نے مجھ سے انگلستان جاتے ہوئے یہ شعر لکھوایا کہ ؎

یا تو ہم پھرتے تھے ان میں یا ہوا یہ انقلاب ٭ پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے کوچہ ہائے قادیاں

میں خدا کے فرشتوں کے ذریعہ سے اپنی طرف سے اور ساری جماعت کی طرف سے قادیان والوں کو وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ کہتا ہوں۔ درحقیقت وہ لوگ خوش قسمت ہیں۔ آنے والی نسلیں ہمیشہ عزت کی نگاہ سے اور احترام و محبت کے ساتھ ان کے نام لیا کریں گی اور ہزاروں لوگوں کو یہ حسرت ہوا کرے گی کہ کاش ہمارے آباء کو بھی یہ خدمت کرنے کی توفیق ملتی۔

اس کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل مقامات کے السلام علیکم اور درخواستِ دعا پر مشتمل پیغامات پڑھ کر سُنائے :-

۱۔ چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ امام مسجد لنڈن از طرف جماعت احمدیہ لندن

---

[1] الفضل ۲۲ شہادت/اپریل ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۳ پر اس تقریر کا ترجمہ چھپ گیا تھا۔

۲۔ چودھری خلیل احمد صاحب ناصر ایم۔ اے انچارج احمدیہ مشن امریکہ ۳۔ رئیس التبلیغ احمدیہ مشن گولڈ کوسٹ (افریقہ) ۴۔ رئیس التبلیغ احمدیہ مشن مشرقی افریقہ ۵۔ جماعت احمدیہ کولمبو ۶۔ مولوی مبارک احمد صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ مشرقی پاکستان ۷۔ ماخوذین مقدمہ قتل سندھ

حضور نے انتظامات جلسہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ افسوس ہے کہ کھانے پینے کا انتظام بعض وجوہ کی بناء پر صحیح نہیں ہو سکا۔ ہمارا اندازہ دس ہزار مہمانوں کا تھا لیکن حاضری اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۱۶ ہزار سے بھی زیادہ ہوئی ہے۔ ہم نے صرف پانی کے انتظام پر دس ہزار روپیہ خرچ کیا تھا مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اگر گورنمنٹ کے محکمہ حفظانِ صحت کی مہربانی سے ہمیں ٹینک نہ مل جاتے تو پانی کی بہت ہی تکلیف ہوتی تھی۔ صفائی کے محکمہ نے بھی ہماری مدد کی ہے۔ اسی طرح ریلوے کے محکمہ نے بھی ہمارے ساتھ تعاون کا بہت اچھا ثبوت دیا ہے۔ درحقیقت ان تینوں محکموں کی امداد کے بغیر ہمارا یہ جلسہ کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ہم ان محکموں کا اور چونکہ یہ محکمے گورنمنٹ پاکستان کے ہیں۔ اس لئے ہم حکومتِ پاکستان کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ پبلک ڈیوٹی کی ادائیگی کی وجہ سے یہ محکمے یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کے مستحق ہوں گے۔

جماعت احمدیہ نے قادیان سے کیوں ہجرت کی؟

اس موضوع پر تقریر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا۔ مقدس مقامات کو چھوڑنا قدرتاً طبع پر گراں گذرتا ہے بلکہ اسے گناہ تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مصلحتیں بعض دفعہ اس کام کو جو عام حالات میں گناہ سمجھا جاتا ہے ثواب بنا دیتی ہیں۔ مثلاً خانہ کعبہ کتنی مقدس اور بابرکت جگہ ہے لیکن رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ نے وہاں سے ہجرت کی۔ اگر مقدس مقامات کو چھوڑنا ہر حالت میں گناہ ہوتا تو آپ کبھی بھی مکّے کے مقام کو نہ چھوڑتے۔ درحقیقت آپ کی ہجرت بھی آپ کی صداقت کا ایک نشان تھا کیونکہ سینکڑوں برس قبل اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء کے ذریعہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی خبر دے رکھی تھی۔ پس مقدس مقامات سے نکلنا کوئی نئی بات نہیں۔ اگر رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے مکّہ سے نکل جانے پر اسلام پر کوئی اعتراض نہیں آتا تو قادیان سے نکلنے پر کس طرح اعتراض کیا جا سکتا ہے خاص کر جبکہ ہمارا ایک حصّہ ابھی تک قادیان میں بیٹھا ہوا ہے۔ ہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ گذشتہ انبیاء نے جس قدر ہجرتیں کیں ان کی خبر تو ضرور پہلے سے

موجود ہوتی تھی۔ کیا قادیان سے ہجرت کی پیشگوئی کی خبر بھی پہلے سے موجود تھی۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں قادیان سے ہجرت کی پیشگوئی بھی پوری تفصیل کے ساتھ پہلے سے موجود ہے۔

اس کے بعد حضور نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند الہامات اور اپنی متعدد رؤیا پہ تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی جس میں قادیان سے ہجرت اور حضور کے ذریعہ جماعت کی حفاظت اور نئے مرکز میں جماعت کو اکٹھا کرنے کی خبر دی گئی تھی۔ حضور نے بتایا کہ کس طرح نہایت حیرت انگیز رنگ میں یہ تمام امور پورے ہو چکے ہیں۔

آخر میں حضور نے فرمایا۔ دیکھو جو کچھ خدا نے فرمایا تھا وہ پورا کر دیا یہ خدا کا بہت بڑا فضل اور احسان ہے کہ اُس نے وعدے کے مطابق اِس عظیم الشان ابتلاء میں مجھے جماعت کی حفاظت کرنے اور اسے پھر اکٹھا کرنے کی توفیق دی۔ تمہیں چاہیئے کہ اپنے ربّ کا شکر ادا کرو اور سچے مسلمان بنو۔ اور اپنے خدا کے فضل کی تلاش میں لگے رہو۔ یاد رکھو تم وہ قوم ہو جو آج اسلام کی ترقی کے لئے بمنزلہ بیج کے ہو۔ تم وہ درخت ہو جس کے نیچے دُنیا نے پناہ لینی ہے۔ تم وہ آواز ہو جس کے ذریعہ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنا پیغام دُنیا کو سُنائیں گے۔ تم وہ اولاد ہو جس پر محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فخر کریں گے اور اپنے خدا کے حضور کہیں گے کہ اے میرے ربّ جب میری قوم نے قرآن پھینک دیا تھا اور تیرے نشانات کی قدر کرنے سے مُنہ موڑ لیا تھا تو یہی وہ چھوٹی سی جماعت تھی جس نے اسلام کے جھنڈے کو تھامے رکھا۔ اسے مارا گیا، اسے بدنام کیا گیا، اسے گھروں سے بے گھر کیا گیا اور اسے مصیبت کی چکیوں میں پیسا گیا مگر اس نے تیرے نام کو اونچا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ مَیں آسمان کو اور زمین کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ خدا نے جو کچھ کہا تھا وہ پورا ہوا۔ وہ سچے وعدوں والا خدا ہے جو آج بھی اپنی ہستی کے زندہ نشان ظاہر کر رہا ہے۔ دنیا کی اندھی آنکھیں دیکھیں یا نہ دیکھیں اور بہرے کان سُنیں یا نہ سُنیں لیکن یہ امر اٹل ہے کہ خدا کا دین پھیل کر رہے گا۔ کمیونزم خواہ کتنی ہی طاقت پکڑ جائے مگر وہ میرے ہاتھ سے شکست کھا کر رہے گا۔ اس لئے نہیں کہ میرے ہاتھ میں کوئی

طاقت ہے بلکہ اس لئے کہ مَیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خادم ہوں۔

خدا نے جو وعدے کئے وہ کچھ تو پورے ہو چکے اور باقی آئندہ پورے ہوں گے۔ آئندہ جو کچھ ظاہر ہوگا ہمیں اس کیلئے تیار رہنا چاہئیے۔ جن کندھوں پر آئندہ سلسلہ کے کاموں کا بوجھ پڑنے والا ہے، چاہئیے کہ وہ ہمت کے ساتھ اس بوجھ کو اُٹھائیں یہانتک کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بادشاہت پھر دُنیا میں قائم ہو جائے۔ مَیں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ زندگی کی آخری گھڑی تک مجھے اپنے دین کی خدمت کرنے کی توفیق دے اور آپ لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ خدمتِ دین کی توفیق دے اور آپ اس وقت تک صبر نہ کریں جبتک کہ اسلام دوبارہ ساری دنیا پر غالب نہ آجائے۔

اس کے بعد حضور نے دُعا فرمائی اور پھر اس تاریخی جلسے کے اختتام کا اعلان فرمایا۔[1]

ربوہ کے پہلے تاریخی جلسہ سالانہ کے کوائف پر ایک طائرانہ نظر

ربوہ کے اس پہلے تاریخی جلسہ سالانہ کے تمام انتظامات بھی حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب بی اے بی ٹی ناظر ضیافت کے سپرد تھے اور حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ایم اے اور میاں عبدالمنان صاحب عمر ایم اے آپ کے نائب اور مولوی محمد شفیع صاحب اشرف واقفِ زندگی انچارج دفتر کے فرائض بجالاتے رہے۔

نظارت سپلائی کے انچارج جناب قاری محمد امین صاحب تھے اور جلسہ کے انتظامات کے متعلق تمام اشیاء کی فراہمی کا انتظام آپ کے سپرد تھا۔ نظامت کے سٹور کے انچارج عبدالوبید خان صاحب تھے۔

مہمانوں کے قیام وطعام کا بندوبست ناظم جلسہ کی حیثیت سے حضرت سیّد محمود اللہ شاہ صاحب بی اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ذمّہ تھا۔ آپ کے نائبین صوفی محمد ابراہیم صاحب، صوفی غلام محمد صاحب، ماسٹر ابراہیم صاحب بی اے، ماسٹر ابراہیم صاحب ناصر تھے۔ چودھری حبیب احمد صاحب سیال معاون ناظر ضیافت تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے انتہائی بے سروسامانی اور مشکلات کے ہجوم میں اپنے نائبین کے ساتھ عمدہ طور پر اپنی ذمّہ داری ادا کی۔ مہمانوں کی خدمت کے لئے تیس کے قریب محکمے اس نظامت کی براہ راست نگرانی میں کام کر رہے تھے۔ مثلاً شعبہ روشنی و شعبہ صفائی، شعبہ استقبال، شعبہ مہمان نوازی جس کے انچارج بالترتیب چودھری عبدالباری صاحب، چودھری عبدالسلام صاحب اختر ایم اے، ...

---

[1] الفضل ۲۱ شہادت/اپریل ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۳-۸

چودھری صلاح الدین صاحب بی اے اور مولانا ابوالعطاء صاحب و چوہدری عبدالرحمٰن صاحب بی اے بی ٹی تھے۔

کھانا وغیرہ لنگر خانہ کے منتظم صوفی غلام محمد صاحب نائب ناظم جلسہ کی نگرانی میں تیار ہوتا تھا۔ دن رات چالیس تنور گرم رہے اور ایک ایک وقت میں ساٹھ ساٹھ دیگیں سالن وغیرہ کی تیار ہوتی رہیں۔ معزز مہمانوں کی آمد لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی اور کام کرنے والوں کی تعداد کا ہر اندازہ غلط ہوتا رہا۔ اس لئے کارکنوں کی محدود تعداد پر ہی کام کا بوجھ پڑ رہا تھا۔ اس کوشش میں کہ تمام مہمانوں کو کھانا پہنچ جائے اس محدود عملہ سے زیادہ سے زیادہ کام لینے کی کوشش کی جاتی تھی جس کے نتیجہ میں نان پز اور باورچی بے ہوش ہو ہو جاتے تھے اور دوسرے عملہ کو بھی بعض اوقات بیس بیس گھنٹے کام کرنا پڑا۔

حضرت امیرالمومنین کی تحریک کے مطابق بہت سے احباب اپنے ہمراہ گندم آٹا دالیں وغیرہ لے کر آئے تھے۔ بعض دوست تو کئی بوریاں گندم کی لائے۔ چنانچہ مہمانوں کی خوراک کے لئے گندم کا کافی ذخیرہ ہو گیا تھا اور باوجود مہمانوں کی کثرت کے گندم کی قطعاً قلت محسوس نہ ہوئی۔ ایک پہاڑی کے دامن میں لنگر قائم کیا گیا تھا۔ جہاں تمام مہمانوں کے لئے کھانا تیار ہوتا تھا۔ اس جگہ ۴۵ تنور لگائے گئے تھے۔ چونکہ لنگرخانہ مہمانوں کی قیام گاہ سے ذرا فاصلے پر تھا اس لئے پانچ ٹرک قیامگاہوں تک کھانا لانے کے لئے مخصوص کر دیئے گئے تھے۔ جب کھانا قیام گاہوں تک پہنچتا تو اسے جماعت وار تقسیم کر دیا جاتا۔ ہر جماعت کے لئے الگ الگ کارکن مقرر تھے جو کھانا کھلانے کی خدمت سرانجام دیتے۔ کارکنان کی کمی، ان کی ناتجربہ کاری، نئی جگہ اور نئے حالات کی وجہ سے انتظامات میں دقتوں کا پیدا ہونا تو لازمی تھا لیکن امید سے بڑھ کر مہمان آنے کی وجہ سے مشکلات میں اور اضافہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے کھانا وقت پر نہ ملنے یا ناکافی ملنے کی شکایات بھی پیدا ہو جاتی تھیں لیکن احباب کو چونکہ مشکلات کا علم تھا اس لئے وہ نہایت خندہ پیشانی سے یہ تکلیف برداشت کرتے رہے۔

مہمانوں کی رہائش کے لئے اسٹیشن کے دونوں طرف پچاس نئی اور عارضی کچی بیرکیں تعمیر کی گئی تھیں شعبہ تعمیرات کے انچارج مکرم ملک محمد خورشید صاحب تھے جنہوں نے اپنے نائبین چوہدری عبداللطیف صاحب اور راجہ محمد نواز صاحب کی امداد سے نہایت تنگ وقت میں یہ کام انجام دیا۔ مستورات کی بیرکوں کے گرد ایک اونچی دیوار کھینچ دی گئی تھی جس سے پردہ کا پورا پورا اہتمام تھا۔ خواتین کے لئے دس بیرکیں مخصوص کی گئی تھیں۔ لیکن مورخہ ۱۴؍شہادت/اپریل کی رات کو اتنی تعداد میں مستورات آگئیں

کہ وہ جگہ ان کے لئے قطعاً ناکافی ثابت ہوئی۔ اس کی دیوار توڑ کر قریب کی دو بیرکیں بھی مستورات کو دے دی گئیں۔ ان بیرکوں کے علاوہ احباب ایک معقول تعداد اپنے ساتھ چھولداریوں اور خیموں کی لائے ہوئے تھے جن کے نصب کرنے کے لئے ایک مخصوص جگہ وقف کر دی گئی تھی اور جن سے میدانِ ربوہ میدانِ عرفات کی یاد دلا رہا تھا۔ جلسہ میں کسیر وغیرہ کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے نیچے بچھانے کے لئے کھجور کی بنی ہوئی چٹائیوں کا انتظام کیا گیا تھا۔

وادیٔ غیر ذی زرع ربوہ میں ۱۶۔ ۱۷ ہزار نفوس کے لئے پانی کا مہیا کرنا ایک بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ اس اجتماع میں صرف لنگرخانہ میں پانی کا روزانہ خرچ سات ہزار گیلن تھا۔ بہرحال خدا تعالیٰ کے فضل سے ان تمام مشکلات پر قابو پا لیا گیا۔ اس سلسلہ میں ربوہ میں ۲۲ نلکے لگوائے گئے اور ٹینکروں کے ذریعہ ربوہ سے باہر ساڑھے سات میل کے فاصلہ سے پانی کے منگوانے کا انتظام کیا گیا۔ اسی طرح تقریباً ۲۸ ہزار گیلن پانی روزانہ مہیا ہوتا رہا۔ گورنمنٹ نے چار ٹینکر مع ضروری سٹاف کے یہاں بھجوائے۔ پانی کے سٹاک کے لئے چھوٹی چھوٹی آہنی ٹینکیوں کا انتظام تھا اور وہ مناسب جگہوں پر رکھی ہوئی تھیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس شعبہ کے منتظم چودھری عبد الباری صاحب بی۔اے نائب ناظر بیت المال تھے جنہوں نے نہایت تندہی سے اس کام کو سرانجام دیا۔

قادیان میں تو ہزاروں ہزار تربیت یافتہ کارکن میسر آجاتے تھے لیکن یہاں مقامی کارکن قریباً نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس لئے بیشتر کارکن خود مہمانوں پر ہی مشتمل تھے۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول چنیوٹ، جامعہ احمدیہ، مدرسہ احمدیہ کے قابلِ احترام اساتذہ اور جواں ہمت طلباء نے انتظاماتِ جلسہ میں نمایاں کردار ادا کیا۔

جلسۂ مستورات کے انتظامات کے سلسلہ میں خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی مستورات قابلِ رشک حد تک سرگرمِ عمل رہیں۔ بہت سی دیگر مہمان خواتین نے بھی ان کا نہایت اخلاص سے ہاتھ بٹایا۔ خواتین کا انتظام ایسا عمدہ تھا کہ خود سیدنا حضرت مصلح موعود نے اس کی بہت تعریف فرمائی۔

جلسہ سالانہ کے دو دن پہلے ہی شمعِ احمدیت کے پروانوں کی آمد شروع ہو گئی تھی اور خدا تعالےٰ کے فضل سے توقع سے زیادہ تعداد جلسہ میں شامل ہوئی۔ باوجودیکہ فصل کی کٹائی کا موسم تھا پھر بھی دیہاتی جماعتوں کے احباب کثرت سے آئے۔ جلسہ میں نہ صرف پنجاب ہی کے احباب شامل ہوئے بلکہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے ہر صوبے کے احمدی دوست آئے۔ اسی طرح پاکستان کے علاوہ

قادیان، بہار، کلکتہ اور حیدر آباد سے بھی دوست تشریف لائے جن میں حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح جرمن کے نومسلم بھائی عبدالشکور کنزے، اور مارشس کے برادرم احمدیہ اللہ صاحب بھی شریک جلسہ ہوئے۔ ۱۳؍اپریل کی شام سے ۱۹؍اپریل کی شام تک ۱،۳،۷۷ مہمانوں کے کھانے کا انتظام کیا گیا جس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان ایک نئی شان کے ساتھ پورا ہوا کہ

لفاظات الموائد کان اکلی

وصرت الیوم مطعام الاھالی [1]

یعنی کسی زمانہ میں دسترخوان کا پس خوردہ میری خوراک تھا مگر آج میں بے شمار گھرانوں کو رات دن کھلانے والا ہوں۔

دھوپ کی شدت کی وجہ سے جلسہ گاہ اور سٹیج پر خیمے لگا دیئے گئے تھے۔ مردانہ جلسہ گاہ کی کارروائی ۱۹۸ × ۱۹۸ فٹ کے شامیانے میں ہوئی۔ مردانہ جلسہ گاہ کے باہر سٹیج کے قریب ایک طرف لوائے احمدیت اور دوسری طرف لوائے پاکستان لہرا رہا تھا۔ لوائے احمدیت کی حفاظت کا کام خدام الاحمدیہ کے ایثار پیشہ نوجوانوں کے سپرد تھا۔ مردانہ جلسہ گاہ کے قریب ہی پردوں کے اندر مستورات کی جلسہ گاہ تھی۔ لاؤڈسپیکر کا نہایت عمدہ انتظام تھا اور حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود کی تقاریر بیک وقت دونوں جلسہ گاہوں میں سُنی جاتی تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لنگر خانہ سے طعام کے انتظام کے علاوہ عارضی طور پر بازار بھی لگایا گیا جس میں موسم کے لحاظ سے مہمانوں کی ضروریات مہیا کرنے کا انتظام رہا لیکن جب متوقع مقدار سے بہت بڑھ کر مسیح موعود کے مہمان نئے مرکز میں پہنچ گئے تو جس طرح لنگرخانہ کا انتظام عاجز رہ گیا اسی طرح بازار میں بھی اشیائے ضرورت ختم ہو جاتی رہیں۔

حکومت کی طرف سے مہمانوں کی روانگی کے لئے ایک سپیشل ٹرین کا انتظام بھی کیا گیا تھا، گو وہ اصل وقت سے کئی گھنٹے تاخیر سے گئی۔ مہمانوں کی ایک معقول تعداد لاریوں کے ذریعہ بھی آئی اور گئی۔ ریلوے اسٹیشن ربوہ پر سٹاف کی کمی کی وجہ سے پورے ٹکٹ نہیں فروخت کر سکے۔ اسی طرح یہ شکایت بھی رہی کہ بعض اسٹیشنوں سے ربوہ کا ٹکٹ نہیں دیا گیا۔

---

[1] آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۹۶ (طبع اوّل)

جلسے کے ایام کے لئے گاڑیوں کے ساتھ کافی زائد بوگیاں لگا دی گئی تھیں۔ مہمانوں کی طبی امداد کے لئے حسب سابق نور ہسپتال ہی یہ خدمت بجا لاتا رہا جس کے انچارج حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب تھے۔ گورنمنٹ نے بھی سول ہسپتال چنیوٹ کے انچارج کو ہدایت کی تھی کہ وہ بھی جلسہ کے موقع پر اپنے عملہ کو بھجوائے۔ الحمدللہ۔ اس قدر کثیر مجمع میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر طرح خیریت رہی۔

جلسہ میں حفاظت کا کام مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے سپرد تھا۔ خود صدر محترم حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب بنفس نفیس اس کی نگرانی فرماتے رہے۔ آپ کے نائب مرزا بشیر احمد بیگ صاحب تھے۔

یہ جلسہ چونکہ انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں ہو رہا تھا۔ اس کے انتظام کے لئے خود حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی نے غیر معمولی طور پر توجہ فرمائی اور باوجود ناسازیٔ طبع کے ان ایام میں ازحد مصروف رہے۔ بیرونی جماعتوں سے ملاقاتیں کرنے اور نہایت پرمعارف اور مفصل تقاریر ارشاد فرمانے کے علاوہ حضور نے انتظاماتِ جلسہ کے ہر شعبہ اور ہر پہلو کی ذاتی نگرانی فرمائی چنانچہ حضور لنگر خانہ میں تیاری و تقسیم طعام کی مشکلات کو حل کرنے اور دیگر ضروری اور فوری ہدایات کے لئے بعض اوقات خود تشریف لاتے رہے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر رات کے ایک بجے اور ایک دن ۲½ بجے دوپہر حضور لنگر خانہ میں تشریف لائے اور اپنی مفید اور ضروری ہدایات سے مشکل کشائی فرمائی۔ اسی طرح ۱۳ اپریل کو شام کی گاڑی پر حضور خود تشریف لے گئے اور چونکہ قلیوں اور مزدوروں کا کوئی انتظام نہیں تھا اور ڈر تھا کہ ہنگامہ میں کوئی سامان ضائع نہ ہو جائے حضور مسلسل دو گھنٹے تک سٹیشن پر موجود رہے اور پوری حفاظت کے ساتھ جب تک ہر ایک شخص کا سامان اس کی فرودگاہ تک والنٹیروں کے ذریعہ نہیں پہنچ گیا، حضور وہیں رہے اور اس طرح سب سے پہلے دن عملی طور پر کارکنوں کی تربیت کر کے استقبال کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔

ایام جلسہ میں صدر انجمن احمدیہ کے مختلف محکمہ جات میں اشتراک عمل پیدا کرنے کا کام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کے سپرد تھا۔ اور اس کام میں آپ بعض اوقات رات کے دو بجے تک مصروف رہے۔[1]

کوائف جلسہ کا ایمان افروز تذکرہ کرنے کے بعد بالآخر یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ حضرت مصلح موعود کی منظوری سے صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے اس تاریخی جلسہ کی ایک متحرک فلم کا بھی انتظام

[1] الفضل ۲۳ شہادت/اپریل و ۲۱ احسان/جون ۱۳۲۸ھش ۱۹۴۹ء

کیا گیا۔ مگر افسوس جس فرم نے سلسلہ احمدیہ سے جلسہ کی کارروائی محفوظ کرنے کے لئے منہ مانگے دام وصول کئے وہ اپنے عہد سے عملاً منحرف ہو گئی اور آئندہ نسلیں خلافتِ ثانیہ کے عہد مبارک کی ایک قیمتی یادگار سے ہمیشہ کے لئے محروم رہ گئیں۔

جلسہ کی حیرت انگیز کامیابی پر حضرت مصلح موعود کا مفصل خطبہ جمعہ

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ انتہائی مخالف حالات اور پُرخطر ماحول کے باوجود یہ جلسہ حیرت انگیز طور پر کامیاب رہا۔

حضرت مصلح موعود نے خدا تعالیٰ کے بے شمار فضلوں، رحمتوں اور برکتوں کے اس تازہ نشان پر اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲ شہادت / اپریل ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء میں مفصل روشنی ڈالی۔ چنانچہ فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے رحم سے جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ اس سال ہم اس جگہ پر کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کو آئندہ جماعت احمدیہ کا مرکز بنانے کی تجویز ہے۔ بظاہر حالات ہمیں اس جگہ پر اس سال جلسہ سالانہ کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی جیسا کہ مَیں نے اپنے ایک خطبہ میں بیان کیا تھا۔ جماعت کے دوستوں نے مجھے کثرت سے لکھنا شروع کر دیا تھا کہ اس سال ربوہ میں جلسہ سالانہ کرنا نامناسب ہے۔ کیونکہ شدت کی گرمی کی وجہ سے لوگ وہاں ٹھہر نہیں سکیں گے اور پھر یہ فصلوں کے دن ہیں اور کٹائیوں کی وجہ سے لوگ کثرت سے اس جلسہ پر نہیں آسکیں گے۔ پھر نئی جگہ ہے، وہاں رہائش کا کوئی بندوبست نہیں، پانی وغیرہ کی دقت ہے۔ یہ باتیں مجھے بھی نظر آتی تھیں۔ مگر مَیں جب سے قادیان سے آیا ہوں۔ مَیں یہ چاہتا تھا کہ پانچ سالہ پیشگوئی کے مطابق[1] ۱۹۴۹ء کا جلسہ سالانہ ہم کسی ایسی جگہ کریں گے جس کو ہم اپنی کہہ سکیں گے۔ چنانچہ اس دفعہ جلسہ سالانہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ کرسمس کی تعطیلات کی بجائے ایسٹر ہولیڈیز میں کیا جائے۔ لیکن جب جلسہ سالانہ کے ایسٹر ہولیڈیز میں کرنے کی تجویز ہو گئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس سال جلسہ سالانہ دسمبر کی بجائے اپریل میں منعقد ہو تو لوگوں نے یہ وہم کرنا شروع کر دیا کہ وہاں گرمی ہو گی، کھانے پینے اور رہائش کی دقت ہو گی۔ پہلے خیال تھا کہ ایسٹر کی تعطیلات مارچ میں ہوں گی اور مارچ کا موسم اچھا ہوتا ہے زیادہ گرم نہیں ہوتا۔ لیکن جب ایسٹر کی تعطیلات اپریل میں نکلیں یا یوں کہو کہ جب علم ہوا کہ ایسٹر کی تعطیلات اپریل میں ہوں گی تو لوگوں کے دلوں میں شبہ پیدا ہونا شروع

[1] الفضل ۱۶ / اپریل ۱۹۴۴ء

ہوا کہ اس دفعہ وہاں جلسہ کرنا ناممکن ہے۔ لیکن جو امید ہمارے ذہن میں تھی اس کے خلاف لوگ بہت زیادہ تعداد میں آئے۔ ہمارا خیال تھا کہ اس دفعہ جلسہ سالانہ پر صرف دس ہزار آدمی آ سکیں گے کیونکہ ایک تو موسم اچھا نہیں تھا، گرمی زیادہ تھی۔ پھر یہ فصلوں کا وقت تھا اور کٹائیاں ہو رہی تھیں اور زمیندار کٹائی چھوڑ کر جلسہ پر نہیں آ سکتے تھے۔ پھر بعض لوگ اس لئے بھی نہ آ سکے کہ نئی جگہ ہونے کی وجہ سے وہاں رہائش کا مناسب انتظام نہ تھا۔ لیکن تقسیم پرچی سے جو اندازہ لگایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین ہزار پانچ سو کے قریب وہ عورتیں تھیں جن کے کھانے کا انتظام لجنہ اماء اللہ کے ماتحت کیا جاتا تھا اور دس ہزار چھ سو کے قریب وہ پرچی تھی جس کا انتظام مردوں کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ اس طرح یہ تعداد پندرہ ہزار کے قریب ہو جاتی ہے۔ لیکن ڈیڑھ ہزار کے قریب وہ لوگ تھے جو کھانے کی پرچی میں شمار نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ وہ جلسہ سننے کے لئے تو آ جاتے تھے مگر کھانے کے وقت واپس چلے جاتے تھے۔ مثلاً احمد نگر میں چھ سات سو آدمی ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ جلسہ سننے کے لئے آتے تھے اور پھر چلے جاتے تھے۔ کھانا ربوہ میں نہیں کھاتے تھے۔ اسی طرح بعض لوگ چنیوٹ میں بھی ٹھہرے ہوئے تھے اس کے علاوہ چنیوٹ میں بھی کافی احمدی بستے ہیں۔ کچھ تو فسادات کے بعد وہاں آ کر بس گئے ہیں اور کچھ وہاں کے باشندے ہیں۔ بہرحال سات آٹھ سو کے قریب وہ لوگ تھے جو چنیوٹ میں ٹھہرے ہوئے تھے اور جلسہ سننے کے لئے روزانہ ربوہ آ جاتے تھے اور چلے جاتے تھے، وہاں کھانا نہیں کھاتے تھے۔ احمد نگر اور چنیوٹ کے علاوہ بعض دوسری جگہوں سے بھی لوگ صرف جلسہ کے وقت آتے تھے حتیٰ کہ ایک دو سو آدمی لائل پور سے بھی ایسا آتا تھا۔ پھر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے کھانے کا اپنا انتظام کیا ہوا تھا۔ مثلاً سو کے قریب ہمارے ہی خاندان کے افراد تھے جن کے کھانے کا اپنا انتظام تھا۔ اس طرح پندرہ سو سے دو ہزار تک ان لوگوں کی تعداد ہو جاتی تھی جو لنگر کے انتظام کے ماتحت کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ ان کا اپنا انتظام تھا۔ اس تعداد کو ملا کر سترہ ہزار کے قریب ایسے لوگ تھے جو اس سال جلسہ میں شامل ہوئے اور ان مخالف حالات کے باوجود شامل ہوئے کہ جن کے ہوتے ہوئے بعض کہتے تھے کہ اس سال وہاں جلسہ سالانہ نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ بعض مخالف ایسے تھے جنہوں نے ان مخالف حالات کی وجہ سے یہ پیشگوئیاں کرنی شروع کر دی تھیں کہ یہ جلسہ سالانہ اس سال نہیں ہو سکے گا مگر خدا تعالیٰ

نے اپنا خاص فضل نازل کیا اور جلسہ ہوا۔ اور صرف ہوا ہی نہیں بلکہ اس کامیابی کے ساتھ ہوا کہ لوگ حیران رہ گئے۔ چنانچہ اتنے لوگوں کا وہاں آجانا تو حسنِ ظن کے ماتحت بھی ہو سکتا ہے لیکن جو تکلیفیں اور مشکلات وہاں تھیں ان کے باوجود لوگوں کا وہاں رہنا اور ان کو خوشی سے برداشت کرنا یہ ایسی چیز تھی جو تائیدِ الٰہی کے بغیر نہیں ہو سکتی تھی۔ مثلاً پہلے ہی دن سوا دو بجے رات تک بہت سے لوگ ایسے تھے جنہیں کھانا نہیں ملا تھا۔ مجھے ساڑھے بارہ بجے کے بعد یہ آوازیں آنی شروع ہو گئیں کہ ٹھہرو ابھی کھانا دیتے ہیں، ٹھہرو ابھی کھانا دیتے ہیں۔ میں نے ایک آدمی لنگرخانے بھجوایا اور اس طرح مجھے معلوم ہوا کہ روٹیاں ابھی پہنچی ہی نہیں۔ کچھ روٹیاں پہنچی ہیں لیکن وہ بہت تھوڑی۔ لوگوں کو مل سکی ہیں۔ میں خود وہاں گیا اور لنگرخانہ کے کارکنوں سے پوچھا کہ روٹی کا ابھی تک کیوں انتظام نہیں ہو سکا۔ اس پر مجھے بتایا گیا کہ ہماری تمام کوششیں بالکل ناکام ہو چکی ہیں۔ اس میں کچھ منتظمین کا بھی قصور تھا کیونکہ مجھے بتایا گیا تھا کہ اس دفعہ ساٹھ تندور لگائے جائیں گے لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ صرف چالیس تندور لگائے گئے ہیں بہرحال چونکہ عام طور پر یہ خیال تھا کہ جلسہ پر بہت کم لوگ آئیں گے اس لئے تندور کم لگائے گئے۔ باورچی بھی کم تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کام کا بوجھ زیادہ پڑا۔ گرمی کا موسم تھا۔ جو شیڈ بنائے گئے تھے وہ کم تھے۔ پھر ایک طرف دیوار کھینچی ہوئی تھی جس کی وجہ سے ہوا نہیں آتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۹ باورچی بیہوش ہو گئے ان کو دیکھ کر باقی باورچیوں نے کام چھوڑ دیا اور کہہ دیا کہ ہم اپنی جان کو مصیبت میں کیوں ڈالیں۔ اس وجہ سے ۹-۱۰ بجے تک روٹی کا کوئی انتظام نہ ہو سکا بلکہ اس وقت تک ان کو کام کرنے کی طرف کوئی رغبت ہی نہ تھی تھوڑے سے چاول اُبالے گئے اور وہ صرف بچوں کو دیئے گئے۔ پھر جوں توں کر کے روٹی کا انتظام کیا گیا اور صبح کے پانچ بجے تک روٹی تقسیم ہوتی رہی اور وہ بھی بہت تھوڑی تھوڑی حالانکہ بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ جنہیں دوپہر کو بھی کھانا نہیں ملا تھا اور وہ رات بھی انہوں نے بغیر کھائے کے گذار دی مگر بجائے اس کے کہ ان کی طبائع میں شکوہ پیدا ہوتا انہوں نے اس تکلیف کو بخوشی برداشت کیا۔ پھر دوسرا دن بھی اسی طرح گذرا۔ دوسرے دن بھی کھانا تیار کروانے کی بظاہر کوئی صورت نہیں تھی۔ آخر میں نے افسروں کو سرزنش کی اور انہیں مختلف تدابیر بتائیں، اپنے بیٹوں کو اس کام پر لگایا اور بالآخر بعض ایسی تدابیر نکال لی گئیں جن کے ذریعہ اگر پیٹ بھر کر نہیں تو کچھ نہ کچھ کھانا ضرور مل گیا مثلاً ہمارے ملک میں ایک آدمی کی عام غذا تین روٹی ہے۔ لیکن میں نے یہ فیصلہ کیا کہ بجائے تین تین روٹی کے دو دو روٹیاں دی جائیں پھر یہ تدبیر بھی اختیار کی گئی کہ نانبائیوں سے ٹھیکہ کر لیا گیا کہ اگر وہ اتنا کھانا تیار کر دیں تو انہیں مزدوری

کے علاوہ انعام بھی دیا جائیگا۔ اس طرح ان غریب آدمیوں نے لالچ کی وجہ سے کام کیا اور ہمارے جلسہ کے دن گذر گئے غرض ان تمام تکلیفوں کے باوجود ہمارے لوگوں کا بشاشت کے ساتھ وہاں بیٹھے رہنا بتاتا ہے کہ یہ محض خدا تعالیٰ کے فضل سے تھا۔ پانی کے جو ہم نے نلکے لگوائے تھے وہ تمام ناکام گئے۔ البتہ پانی کے لئے جو سرکاری انتظام کیا گیا تھا اس سے بہت کچھ فائدہ ہوا لیکن پانی استعمال کرنے کی ہمارے لوگوں کو جتنی عادت ہوتی ہے اتنا پانی پھر بھی مہیا نہ ہو سکا۔ رہائش کی یہ حالت تھی کہ جن بارکوں میں ۴½ ہزار عورتوں کو رکھا گیا تھا ان کے متعلق دیکھنے والا یہ تسلیم ہی نہیں کرتا تھا کہ ان بیرکوں میں اتنی عورتیں رہ سکتی ہیں۔ جن بیرکوں میں عورتوں کو ٹھہرایا گیا تھا وہ کل سولہ تھیں۔ ان میں اگر لوگوں کو پاس پاس بھی سُلا دیا جائے تو صرف دو ہزار آدمی آسکتا ہے لیکن جلسہ پر جو عورتیں وہاں ٹھہری تھیں وہ ساڑھے چار ہزار کے قریب تھیں یہ اس طرح ہوا کہ انہوں نے سامان اندر رکھ دیا اور آپ باہر سو کر گذارہ کر لیا۔ مردوں کا حال اس سے بھی بُرا تھا۔ تمام مرد بارکوں کے اندر نہیں سو سکتے تھے اس لئے مردوں کو عورتوں سے زیادہ تکلیف ہوئی۔ کچھ گنجائش اس طرح بھی نکل آئی کہ میری تحریک کے ماتحت بعض اپنے ساتھ بانس، کیلے اور رستی لے آئے اور خود خیمے لگا کر انہوں نے جلسہ کے دن گذارے۔ مجلس خدام الاحمدیہ کی طرف سے بھی یہ تحریک کر دی گئی تھی۔ چنانچہ میں نے جب جلسہ کے انتظامات دیکھنے کے لئے چکر لگایا تو بہت سے خیمے لگے ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ سو ڈیڑھ سو کے قریب ہوں گے۔ پھر کچھ لوگ چنیوٹ ٹھہر گئے اور کچھ لوگ احمد نگر ٹھہر گئے اور اس طرح گذارہ ہو گیا۔ غرض اللہ تعالیٰ کے فضل سے باوجود مخالف حالات اور مختلف تکالیف اور مشکلات کے خدا تعالیٰ کی وہ خبر جس کو میں پہلے تعبیری طور پر سمجھتا تھا عملی طور پر بھی ثابت ہوئی اور وہی جو خیال کرتے تھے کہ اس سال جلسہ سالانہ نہیں ہو سکیگا انہیں بھی اقرار کرنا پڑا کہ اس جگہ رہائش کرنے کی وجہ سے لوگوں کی صحت پر بُرا اثر نہیں پڑا بلکہ اچھا ہی پڑا ہے۔ آندھیاں سارا دن چلتی رہتی تھیں اور گرد سارا دن آنکھوں میں پڑتی تھی لیکن لاہور میں میرا یہ حال تھا کہ مجھے آنکھوں میں اتنی تکلیف تھی کہ مجھے کئی بار دوائی لگوانی پڑتی تھی۔ درد کی وجہ سے مجھے شُبہ ہو گیا تھا کہ کہیں کوئی بیماری ہی نہ ہو۔ دن میں چار پانچ دفعہ مجھے لوشن ڈلوانا پڑتا تھا تب جا کر کہیں میری حالت قابل برداشت ہوتی تھی۔ لیکن ربوہ میں نو دن کے قیام میں مجھے صرف دو دفعہ لوشن ڈلوانا پڑا۔ اور پہلے سے میری آنکھیں اچھی معلوم ہوتی تھیں حالانکہ سارا دن مٹی آنکھوں میں پڑتی رہتی تھی۔ اسی طرح وہاں کے پانی کے متعلق ڈاکٹری رپورٹ یہ تھی کہ وہ زہریلا ہے اور انسان کے پینے کے ناقابل ہے۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ بجائے اس کے کہ وہ پانی ہم پر بُرا اثر ڈالے اچھا اثر ڈالتا رہا۔ وہ

بدمزہ ضرور تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ مَیں نے مقابلہ میں پانی پی لیا یعنی دوسرا اَور پانی مَیں نے پہلے پی لیا اور پھر وہاں سے نلکوں کا پانی پی لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قریباً سوا گھنٹہ تک منہ کا ذائقہ خراب رہا۔ لیکن باوجود اس کے کہ ڈاکٹری رپورٹ اس پانی کے متعلق یہ تھی کہ وہ انسان کے پینے کے قابل نہیں اس پانی نے بجائے تکلیف پہنچانے کے ہمیں فائدہ پہنچایا۔ جب مَیں لاہور سے گیا میرے معدہ میں سخت تکلیف تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے میری انتڑیوں پر فالج گر رہا ہے لیکن وہاں میری طبیعت اچھی ہوگئی اجابت بھی اچھی ہوتی رہی۔ صرف آخری دن اسہال آنے شروع ہوگئے اور بیس[۲] کے قریب اسہال آئے۔ لیکن باقی دنوں میں میری طبیعت اچھی رہی۔ میری بیوی اُمِّ ناصر نے بتایا کہ یہاں لاہور میں مَیں ایک دفعہ کھانا کھایا کرتی تھی لیکن ربوہ میں دونوں وقت کھانا کھاتی رہی۔ آج لاہور آکر پھر ایک دفعہ کھانا کھا رہی ہوں۔ اسی طرح کئی اَور دوستوں نے بتایا کہ ربوہ کے پانی نے ان کی صحتوں پر اچھا اثر ڈالا ہے۔ اور باوجود گرد و غبار اُڑنے کے اُن کی آنکھوں کو آرام آگیا۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ یہاں واپس آکر میری آنکھوں میں پھر تکلیف شروع ہوگئی۔ یہاں آکر مَیں دو تین دفعہ دوائی ڈلوا چکا ہوں۔ غرض خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ایسے سامان کر دیئے کہ بجائے اس کے کہ اچھا کھانا نہ ملنے کی وجہ سے ہماری صحت پر کوئی بُرا اثر پڑتا ہماری صحت پر اچھا اثر پڑا۔ بجائے اس کے کہ وہاں پانی اچھا نہ ملنے کی وجہ سے ہماری صحتوں پر بُرا اثر پڑتا ربوہ کے پانی نے ہماری صحتوں پر اچھا اثر ڈالا۔ بجائے اس کے کہ گرد و غبار اُڑنے کی وجہ سے ہماری آنکھیں خراب ہوتیں ہماری آنکھیں پہلے سے بھی اچھی ہوگئیں۔ وہاں کے قیام میں آنکھوں میں اتنی گرد پڑی کہ اگر سال بھر کی گرد کو جمع کیا جائے تو اتنی نہ ہوگی۔ لیکن اس گرد و غبار نے ہماری آنکھوں کو اَور بھی منور کر دیا۔ اسی طرح روٹیوں اور سالن کے مہیا کرنے میں بہت سی مشکلات تھیں لیکن وہی روٹیاں جو کچی ہوتی تھیں بجائے اس کے کہ ہمارے معدوں کو خراب کرتیں ان کے کھانے سے ہمارے معدوں میں اور زیادہ طاقت محسوس ہونے لگ گئی۔ پھر علاقہ نیا تھا۔ اس وجہ سے بھی بعض دقتوں کا احتمال تھا مگر اس میں بھی خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہوا۔ اور وہاں تبلیغ کثرت سے ہوئی۔ قادیان کے جلسوں پر ضلع جھنگ کے صرف چالیس پینتالیس آدمی آیا کرتے تھے لیکن اس جلسہ پر سب سے زیادہ آنے والے جھنگ کے لوگ تھے۔ لجنہ اماء اللہ نے جو عورتوں کی تعداد کے متعلق ضلعوار رپورٹ دی، اس کے مطابق جلسہ پر آنے والی ایک ہزار پندرہ عورتیں ایسی تھیں جو ضلع جھنگ سے آئی تھیں چونکہ ہم نئے نئے وہاں گئے تھے اردگرد کے لوگوں نے ہمارے متعلق باتیں سُنیں تو وہ جلسہ پر آگئے۔ اس طرح

تبلیغ کے لئے ایک اور راستہ نکل آیا۔ میرے ایک عزیز لالیاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ربوہ میں چونکہ رہائش کا خاص انتظام نہیں تھا اس لئے وہ لالیاں ٹھہر گئے اور ڈاک بنگلہ ریزرو کروا لیا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ جب وہ سٹیشن پر رخصت ہونے لگے تو ایک پٹھان شور مچا رہا تھا۔ وہ پٹھان قادیان نہیں آیا تھا لیکن ربوہ کا جلسہ اس نے دیکھا تھا چونکہ یہ لوگ اسلامی ممالک کے قریب رہتے ہیں اس لئے اسلامی باتوں کا ان کے دلوں پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ اس عزیز نے بتایا کہ وہ پٹھان شور مچا رہا تھا کہ ایسا جلسہ ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ایسی تقریریں ہم نے پہلے سُنی ہے۔ اس کے پاس کوئی مولوی طرز کا ایک آدمی کھڑا تھا۔ اس نے کہا یہ لوگ تو کافر ہیں ان کا جلسہ کیا اور ان کی تقریریں کیسی۔ اس نے کہا وہ کافر نہیں ہو سکتا۔ وہ تو سو بکرا روز کھلاتا ہے وہ کافر کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ اسلامی تہذیب کا اثر تھا جو اس پٹھان کی طبیعت پر ہوا۔ پٹھان ایک مہمان نواز قوم ہے اس نے جب جلسہ پر مہمان نوازی کا انتظام دیکھا تو اس کی طبیعت پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اسی طرح پونچھ کے علاقہ کی ایک عورت میری ایک بیوی کے پاس آئی۔ پہاڑی علاقہ کے لوگ عام طور پر مہمان نواز ہوتے ہیں لیکن وہ ایسے علاقہ کی تھی جو مہمان نواز نہیں تھا۔ وہ عورت میری ایک بیوی کے پاس آئی۔ ان سے کہا کہ ہمارے ہاں تو مہمان آئے تو چارپائی الٹ دیتے ہیں اور مہمان کو کھانا نہیں کھلاتے۔ آپ تو ساروں کو کھانا دیتے ہیں۔ بہرحال نئی جگہ اور نیا علاقہ ہونے کی وجہ سے کئی نئے لوگوں کو ہماری باتیں سُننے کا موقعہ ملا۔ میں لاہور والوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں (اگرچہ یہ بات میری عقل میں نہیں آتی) کہ لاہور اس دفعہ سیکنڈ رہا ہے۔ لجنہ اماء اللہ کی طرف سے جو عورتوں کی تعداد مجھے دی گئی ہے اس کے مطابق ۹۷۵ عورتیں لاہور کی تھیں۔ یہ بات میں نہیں سمجھ سکا کہ اتنی عورتیں کہاں سے آئیں۔ دو اڑھائی سو تک تو بات سمجھ میں آجاتی ہے اتنی عورتیں تو قادیان کی مہاجر عورتیں ہو سکتی ہیں لیکن پھر بھی ساڑھے چھ سو کی تعداد باقی رہ جاتی ہے۔ اور اگر ۹۷۵ عورتیں لاہور کی تھیں تو جلسہ میں مرد بھی شامل ہوئے تھے۔ اگر ان کی حاضری کی بھی یہی نسبت تھی تو پھر لاہور کا ضلع حاضری کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر آجاتا ہے۔ سرگودھا، لائلپور اور سیالکوٹ کا ضلع اپنی احمدی آبادی کے لحاظ سے بہت کم شامل ہوئے۔ ان اضلاع سے آنے والے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہونی چاہیے تھی۔ آبادی کے لحاظ سے ان ضلعوں سے آنے والے بہت کم لوگ تھے۔ ضلع سرگودھا سے آنے والوں کی تعداد باقی دو اضلاع سے نسبتاً زیادہ تھی اور لائلپور اور سیالکوٹ کی تعداد بہت پیچھے تھی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ہمارے جلسہ کو نہایت کامیابی سے گذارا۔[1] "

---

[1] الفضل ۱۸ ظہور/اگست ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۲ - ۴

فصل دوم

حضرت مصلح موعود کا سفر سندھ و کوئٹہ

سال ۱۳۲۸ہش (۱۹۴۹ء) کی دوسری ششماہی کا قابل ذکر اور اہم واقعہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی امیر المومنین المصلح الموعود کا سفر سندھ و کوئٹہ ہے۔ حضور ۲۱ ماہ ہجرت/مئی کو لاہور سے سندھ کے لئے مع اہل بیت و خدام روانہ ہوئے[1] اور ۴½ ماہ کے بعد ۴ تبوک/ستمبر کو کوئٹہ سے روانہ ہو کر ۵ تبوک/ستمبر کو واپس لاہور تشریف لے گئے[2]۔

روانگی

اس سفر میں پچاس نفوس پر مشتمل قافلہ حضور کے ہمرکاب تھا جو روانگی سے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ حضرت امیر المومنین اور اہل بیت میں سے حضرت سیدہ ام متین حرم ثالث اور حضرت سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ حرم رابع اور حضور کے بعض صاحبزادے اور صاحبزادیاں اور بعض خدام مثلاً حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب طبی مشیر اور چوہدری سلطان احمد صاحب سپرنٹنڈنٹ احمدیہ اسٹیٹ اور شیخ نور الحق صاحب سپرنٹنڈنٹ ایم اے سندیکیٹ اپنے ضروری ریکارڈ کے ساتھ سندھ تشریف لے گئے۔ اور حضرت ام المومنین، حضرت سیدہ ام ناصر حرم اول، حضرت سیدہ ام وسیم حرم ثانی، صاحبزادی امۃ العزیز صاحبہ اور میاں محمد یوسف صاحب پرائیویٹ سیکرٹری اور مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر انچارج شعبہ زود نویسی کوئٹہ کی طرف روانہ ہوئے۔

میرپور خاص

حضرت امیر المومنین مع اہل بیت ۲۲ ہجرت/مئی کو بوقت چھ بجے صبح حیدرآباد پہنچے پھر بذریعہ کار سوا دس بجے میرپور خاص میں رونق افروز ہوئے۔ میاں عبدالرحیم احمد صاحب اور اسٹیٹ کے دوسرے مخلص کارکنوں نے حضور کا استقبال کیا[3]۔ حضور کا یہ مبارک سفر چونکہ زیادہ تر انتظامی نوعیت کا تھا اس لئے حضور یہاں پہنچتے ہی مختلف اسٹیٹ کے کارکنوں کے ذریعہ صورتحال کا جائزہ لینے اور ضروری ہدایات دینے میں دن رات سرگرم عمل ہو گئے۔

---

[1] الفضل ۲۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۸ہش (۱۹۴۹ء) صفحہ ۱ [2] الفضل ۷ تبوک/ستمبر ۱۳۲۸ہش ۱۹۴۹ء صفحہ ۱ و صفحہ ۲

[3] الفضل ۲ احسان/جون ۱۳۲۸ہش ۱۹۴۹ء صفحہ ۲۔

کنزی سے محمود آباد اسٹیٹ

۴؍احسان/جون کو حضور اقدس مع اہلبیت کنزی تشریف لے گئے میاں عبدالرحیم احمد صاحب اور سید عبدالرزاق شاہ صاحب بھی ہمراہ تھے۔ دی سندھ جننگ اینڈ پریسنگ فیکٹری کی طرف سے دوپہر کا کھانا پیش کیا گیا کھانے کے بعد حضور دیر تک مجلس میں رونق افروز ہو کر احباب سے گفتگو فرماتے رہے ظہر و عصر کی نمازیں حضور نے فیکٹری کی مسجد میں پڑھائیں پھر یہ قافلہ شام کے وقت کنزی سے روانہ ہو کر سوا سات بجے شام محمود آباد اسٹیٹ میں وارد ہوا سید داؤد مظفر شاہ صاحب مینجر اسٹیٹ اور ماسٹر فضل کریم صاحب اکاؤنٹنٹ مع عملہ اسٹیٹ اور دیگر احباب اپنے مقدس آقا کا خیر مقدم کرنے کے لئے موجود تھے[۱]۔ حضور نے دو روز تک محمود آباد اسٹیٹ کا معائنہ فرمایا۔

ٹاہلی اسٹیشن پر ورود

۶؍احسان/جون کو حضور طاہر آباد اور خلیل آباد کی فصل کا معائنہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے طاہر آباد کو بسانے کی تجویز زیر عمل تھی اس لئے حضور نے مع خدام اجتماعی دعا فرمائی۔ ۷؍احسان/جون کو ۲½ بجے بعد دوپہر حضور نے بذریعہ گاڑی ٹاہلی اسٹیشن پر قدم رکھا جہاں چوہدری صلاح الدین صاحب جنرل مینجر محمد آباد اسٹیٹ غلام احمد صاحب عطا ایم ایس سی انچارج تجرباتی فارم سید مسعود مبارک صاحب اور چوہدری غلام احمد صاحب بسرا ڈپٹی مینجر اپنے دیگر عملہ سمیت اہلاً و سہلاً و مرحبا کہنے کے لئے آئے ہوئے تھے[۲]۔

حلقہ نور نگر میں "صادق آباد" کی بنیاد اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کیلئے ہدایات

۸؍احسان/جون کی صبح کو حضور نے حلقہ نور نگر اور حلقہ محمد آباد کی فصلیں ملاحظہ فرمائیں۔ حلقہ نور نگر میں ایک نئی بستی کی بنیاد رکھی جا رہی تھی حضور وہاں بھی تشریف لے گئے اور خدام سمیت دعا فرمائی اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے نام پر اس بستی کا نام صادق آباد تجویز فرمایا ۹؍جون کی صبح کو حضرت اقدس نے محمد آباد اسٹیٹ کے گھوڑوں اور ان کے سامان کا جائزہ لیا اور چوہدری صلاح الدین صاحب جنرل مینجر کو ہدایت فرمائی کہ ہفتہ میں کم از کم ایک بار گھوڑوں اور زینوں وغیرہ کا معائنہ کیا جانا چاہیئے یہ بھی دیکھا جائے کہ آیا گھوڑوں کی صحیح دیکھ بھال ہو رہی ہے یا نہیں آیا زینوں کا قابل مرمت سامان درست کرایا جاتا ہے۔ چمڑا کو پالش کیا جاتا ہے یا نہیں[۳] یہ

۱؎ الفضل ۱۱؍احسان/جون ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء ۲؎ الفضل ۱۲؍احسان/جون ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صـ۲

۳؎ الفضل ۱۴؍احسان/جون ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صـ۲

معائنہ عہد سلیمان کا ایک ورق تھا جو دہرایا جا رہا تھا۔

تغیر عظیم پیدا کرنے کے لئے سندھی پڑھنے لکھنے اور بولنے کی تلقین

۱۰ احسان/جون کو حضور نے ناسازیٔ طبع کے باوجود محمد آباد سٹیٹ میں نماز جمعہ خود پڑھائی اور نہایت پُر درد خطبہ ارشاد فرمایا جس میں سندھ کی جماعتوں کو اپنے اندر تربیتی اور تبلیغی لحاظ سے تغیر عظیم پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی نیز پُرزور تحریک فرمائی کہ سندھی پڑھنا لکھنا اور بولنا سیکھو تا پنجابی اور سندھی کا بُعد دور ہو جائے اس بارہ میں یہاں تک تاکید کی کہ اگلے سال اگر میں زندہ رہا تو میں یہاں کے کارکنوں کا امتحان لوں گا کہ انہوں نے کہاں تک میری آواز پر لبیک کہا ہے۔[1]

احمد آباد اسٹیٹ سے کنجیجی

۱۳ ماہ احسان/جون کو اکاؤنٹنٹ صاحب احمد آباد نے بھی سالانہ بجٹ پیش کیا حضور نے دو نئی بستیاں آباد کرنے اور اُن کے نام مہدی آباد اور مسیح آباد رکھنے کا ارشاد فرمایا۔ مقامی جماعت کی طرف سے دعوتِ طعام دی گئی۔ اس موقعہ پر حضور نے ایک مختصر تقریر میں قرب الٰہی کے حصول اور اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کی نصیحت فرمائی۔ بعد ازاں حضور گھوڑے پر سوار ہو کر نبی سر روڈ ریلوے سٹیشن پر تشریف لے گئے اور بذریعہ ٹرین مع قافلہ تین بجے بعد دوپہر کنجیجی رونق افروز ہوئے۔ صاحبزادہ مرزا انور احمد صاحب اور چوہدری فضل الرحمٰن صاحب مینیجر ناصر آباد اسٹیٹ استقبال کے لئے موجود تھے۔ حضور مع اہل بیت بذریعہ کار اور باقی قافلہ بیل گاڑیوں پر ناصر آباد اسٹیٹ پہنچا۔[2]

پُر معارف خطبہ

۱۷ احسان/جون کو حضور نے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ شریعت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو ورنہ اگر کوئی نقص رہ گیا تو یقیناً تمہارے ثواب میں کمی واقع ہو جائے گی۔ صحابہ کرام اس بارے میں بہت احتیاط سے کام لیتے اور چھوٹی سے چھوٹی بات یاد رکھکر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی جذبہ تھا جس کی وجہ سے صحابہ نے اپنے اعمال و افکار کی تکمیل کر لی تھی۔

نماز جمعہ میں میر پور خاص اور احمدیہ سٹیٹس کے احباب کثیر تعداد میں حاضر تھے۔ نماز عصر کے بعد پانچ دوستوں نے حضور کے دست مبارک پر بیعت کی۔[3]

---

[1] الفضل ۶ احسان/جون ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۲۔ [2] الفضل ۱۹ احسان/جون ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۲۔
[3] الفضل ۲۳ احسان/جون ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۲۔

کنجیجی سے کوئٹہ

حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود قریباً ایک ماہ تک سندھ کی احمدی اسٹیٹ کا وسیع پیمانے پر دورہ و معائنہ کرنے اپنے خدام اور کارکنان کو قیمتی ہدایات سے نوازنے اور خطبات جمعہ کے ذریعہ مخلصین جماعت کے اندر فکر و عمل کی نئی قوت بھرنے کے بعد مع اہل بیت و خدام ۲۱ احسان/جون کو ایک بجے بعد دوپہر کنجیجی سے روانہ ہوئے اور اگلے روز ۲۲ احسان/جون کو ۴ بجے کے قریب بخیریت کوئٹہ پہنچے اسٹیشن پر مخلصین کوئٹہ اپنے امیر میاں بشیر احمد صاحب کے ہمراہ بھاری تعداد میں اپنے مقدس و محبوب آقا کی پیشوائی کے لئے حاضر تھے۔ حضور نے سب کو شرف مصافحہ بخشا اور پھر مع اہل بیت کاروں کے ذریعہ سے (جن کا انتظام مقامی جماعت نے کیا تھا) اپنی قیام گاہ واقع پارک ہاؤس میں تشریف لائے۔[1]

قیام کوئٹہ کے اکثر و بیشتر ایام میں حضرت مصلح موعود کی طبیعت سخت علیل رہی حضرت مسیح علیہ السلام کا قول ہے کہ روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے[2] یہی کیفیت حضور پر نور کی تھی۔ جونہی بیماری کے حملہ میں معمولی سا افاقہ محسوس فرماتے حضور کی دینی مصروفیات میں ایسی نمایاں تیزی اور غیر معمولی سرگرمی پیدا ہو جاتی کہ دیکھنے والا ورطۂ حیرت میں پڑ جاتا۔ اس حقیقت کا اندازہ قیام کوئٹہ کے آئندہ درج شدہ کوائف سے بآسانی لگ سکے گا۔

جماعت کو نئی آزمائشوں کے لئے تیار ہو جانے کا حکم

۲۴ احسان/جون کو جمعہ تھا حضرت امیرالمومنین نے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ ہماری جماعت کو اب نئی آزمائشوں کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے چنانچہ فرمایا:۔

"جہاں تک میں سمجھتا ہوں اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علوم اور اس کی دی ہوئی خبروں سے مجھے معلوم ہوتا ہے جماعت کے لئے اب ایک ہی وقت میں دو قسم کے زمانے آرہے ہیں اور الٰہی جماعتوں کے لئے ہمیشہ ہی یہ دونوں زمانے متوازی آیا کرتے ہیں یعنی ایک ہی وقت میں ترقی اور ایک ہی وقت میں تکالیف اور مصائب کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ وہ آخری زمانہ نہیں آجاتا جس میں تمام تکالیف ختم ہو جاتی ہیں اور صرف ترقیات ہی ترقیات باقی

---

۱ الفضل یکم وفا/جولائی ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۲ ۔ ۲ متی ۲۶/۴۱

رہ جاتی ہیں لیکن الٰہی سنت یہ ہے کہ جب بیرونی مصائب کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے تو اندرونی مصائب شروع ہو جاتے ہیں۔ صحابہ اس نکتہ کو خوب سمجھتے تھے اسی وجہ سے جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عرب پر فتح دی تو اس کے بعد وہ خاموش ہو کر نہیں بیٹھ گئے بلکہ انہوں نے قیصر اور کسریٰ دو زبردست بادشاہوں سے لڑائی شروع کر دی۔ لوگ خیال کرتے ہیں کہ شاید دُنیا کا لالچ یا دنیا کی بڑائی کی خواہش میں صحابہؓ نے ایسا کیا لیکن واقعات اس کی تردید کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں تھی کہ حضرت ابوبکرؓ جانتے تھے کہ جب بھی بیرونی خطرہ کم ہوا اندرونی فسادات شروع ہو جائیں گے اس لئے جب قیصر نے حملہ کیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ قیصر نے حملہ نہیں کیا بلکہ خدا نے ایک راہ نکالی ہے تا کہ مسلمان ایک مصیبت کے ذریعہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور اپنے اندر نئی زندگی اور نیا تغیر پیدا کریں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے بھی ان حملوں کو ایک خدائی انتباہ سمجھا اور وہ لڑائی کے لئے تیار ہو گئے تا کہ مسلمان بیدار رہیں اور ان کے اندر نئی روح اور نئی زندگی پیدا ہوتی رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مصائب خدا کی طرف سے اس لئے آتے ہیں تا کہ قوم میں آرام کے سامانوں کے پیدا ہونے کی وجہ سے کلی طور پر دنیا کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ انفرادی طور پر تو ایسے ہزاروں لوگ مل سکتے ہیں جو بڑی بڑی دولتوں کے مالک ہونے کے باوجود خدا تعالیٰ کو نہیں چھوڑتے مگر قومی طور پر اس مقام پر پہنچنا بڑا مشکل ہوتا ہے قومیں اسی وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتی ہیں جب تک وہ مصائب اور آفات میں گھری رہتی ہیں

پس مصائب کا زمانہ روحانی ترقی کے لئے ایک نہایت ضروری چیز ہے اگر کسی وقت باہر سے مصائب نہ آئیں تو مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنے لئے اندرونی طور پر خود مصائب تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ یہ غلط خیال ہے کہ ابتلاء صرف ابتدائی زمانہ میں آیا کرتے ہیں ترقی کے زمانہ میں ابتلاؤں کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کی جماعتوں کی ترقی اور ابتلاء یہ دو توام بھائی ہیں۔ ابتدائی سے ابتدائی زمانہ میں بھی ابتلا آتے ہیں اور انتہائی عروج کے وقت بھی ابتلاء آتے ہیں۔"[1]

---

[1] الفضل ۲ وفا/جولائی ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء۔ ص۲۔

حضرت امیرالمومنین نے یہی حقیقت ایک دوسرے رنگ میں ۲۹ وفا/ جولائی کو بھی خطبہ جمعہ کے دوران واضح کی اور کھلے لفظوں میں انتباہ فرمایا کہ:-

"الٰہی جماعتوں کا یہ طریق ہوتا ہے کہ دشمن انہیں مارنا چاہتے ہیں تو ان کے افراد اس سے گھبراتے نہیں بلکہ اپنے آپ کو موت کے لئے پیش کرتے چلے جاتے ہیں اور اگر ہم ایک نبی کی جماعت ہیں تو لیقیناً ایک دن ہمارے مخالف ہمیں کچلنے کی کوشش کریں گے اور چاہیں گے کہ اس کانٹے کو اس رستہ سے ہٹا دیا جائے مگر جب ایسا وقت آئے گا تو کیا وہ لوگ جو اب اپنی آمد کا ۱/۱۶ حصہ بھی بطور چندہ نہیں دیتے اس وقت سینکڑوں روپے کی ماہوار آمد کو چھوڑ دیں گے؟ جماعت پر جب بھی ایسا وقت آئے گا وہ اپنے آپ کو غیر احمدی کہنا شروع کر دیں گے اور اپنے دلوں کو اس طرح تسلی دے لیں گے کہ خدا تعالیٰ تو عالم الغیب ہے وہ تو جانتا ہے کہ ہم دل سے احمدی ہیں۔ اس وقت جماعت کا کتنا حصہ ہوگا جو باقی رہ جائے گا اور کہے گا کہ اچھا تم ہمیں مارنا چاہتے ہو تو مارتے جاؤ۔ ملازمتوں سے الگ کرنا چاہتے ہو تو الگ کر دو۔ ملک بدر کرتے ہو تو ملک بدر کر دو جیل خانوں میں ڈالتے ہو تو جیل خانوں میں ڈال دو۔ ہم وہاں بھی فریضہ تبلیغ کو نہیں چھوڑیں گے تم ہمیں پھانسی دیتے ہو تو دے دو ہم پھانسی کے تختوں پر بھی نعرہ ہائے تکبیر بلند کریں گے۔ جب جماعت میں ایسا رنگ پیدا ہو جائے گا تو پھر وہی افسر جو ملک بدر کرنے پر آمادہ ہوں گے اسی طرح جیلخانوں کے افسر اور جلاد وغیرہ سب احمدیت کو قبول کر لیں گے کہ احمدیہ جماعت واقعی الٰہی جماعتوں والا رنگ رکھتی ہے لیکن جو شخص ابھی سے اپنے آپ کو اس گھڑی کے لئے تیار نہیں کرتا اس پر ہم کیسے امید کر سکتے ہیں کہ وہ وقت آنے پر ثابت قدم رہے گا۔ بے شک جماعت میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اپنی دنیوی جائدادوں اور اپنی آمدنوں پر لات مار کر دین کی خدمت کے لئے آگئے ہیں۔ مگر پھر بھی جماعت کا ایک حصہ سست اور غافل ہے اور اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

یاد رکھو! جب تک جماعت کا اکثر حصہ نبیوں کی جماعتوں کی طرح مار کھانے کے لئے تیار نہیں ہو جاتا ہم اپنے مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے۔ مار کھانا بڑے حوصلے کی بات ہے۔ جو مارتے ہیں وہ دنیا کی توجہ اپنی طرف نہیں پھیر سکتے۔ مگر جو مار کھاتے ہیں ان کی طرف دنیا کی توجہ پھر جاتی ہے۔"[۱]

۱؎ الفضل ۵ ظہور/ اگست ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۲۔

رمضان المبارک کی برکات سے متعلق بصیرت افروز خطاب اور اجتماعی دعا

۲۶ رمضان/جولائی کو انتیسواں روزہ تھا۔ اس موقع پر جماعت احمدیہ کوئٹہ کے تمام احباب مرد وزن پارک ہاؤس میں اجتماعی دعا کے لئے جمع ہوئے حضرت امیر المومنین نے باوجود ناسازی طبع کے شمولیت کی اور ارشاد فرمایا :-

" رمضان بڑی برکتوں والا مہینہ ہے اس میں انسان خدا تعالےٰ کے فضلوں کے حصول کے لئے جتنی بھی کوشش کر سکے اسے کرنی چاہیئے۔ سب سے بڑا سبق جو رمضان ہمیں دینے کے لئے آتا ہے وہ یہ ہے کہ مومن کو چاہیئے کہ اپنی روحانیت کی تکمیل کے لئے دوسرے ایام میں بھی روزے رکھتا رہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس زمانہ میں اس طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے رمضان آتا ہے تو لوگ روزے رکھنے شروع کر دیتے ہیں اور بعض اتنا تعہد کرتے ہیں کہ مسافر اور مریض بھی روزے رکھتے ہیں۔ اور کوئی نہ کوئی ایسی توجیہہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے ان کے لئے روزہ رکھنا جائز قرار دیا جا سکے لیکن اس کے بعد سارا سال اس سبق کو بھلا دیا جاتا ہے اور کبھی نفلی روزے نہیں رکھے جاتے حالانکہ یہ ایام صرف اپنی ذات میں ہی نہیں بلکہ دوسرے ایام میں بھی روزے رکھنے کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

اسلام کی بڑی بڑی عبادتیں۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج ہیں۔ لیکن اگر ہم غور کے ساتھ کام لیں تو ہمیں یہ چاروں عبادتیں نوافل کے ساتھ وابستہ نظر آتی ہیں۔ مثلاً نماز کے لئے اگرچہ دن میں پانچ وقت مقرر ہیں لیکن اس کے ساتھ کئی نوافل لگا دیئے گئے ہیں۔ حج اگرچہ سال میں ایک دفعہ مقرر ہے مگر اس کے ساتھ عمرہ لگا دیا گیا ہے جو سال میں ہر وقت ہو سکتا ہے۔ زکوٰۃ اگرچہ سال میں ایک دفعہ مقرر ہے مگر اس کے ساتھ صدقہ لگا دیا گیا ہے جو ہر وقت کیا جا سکتا ہے اسی طرح رمضان بھی یہ بتانے کے لئے آتا ہے کہ دوسرے ایام میں بھی ہمیں روزے رکھنے چاہئیں۔ گویا رمضان ٹریننگ کا مہینہ ہے اور جس غرض کے لئے اس میں مشق کرائی جاتی ہے اگر وہ پوری نہ ہو تو مشق کا فائدہ ہی کیا!؟ ایک سپاہی کو پریڈ گولی چلانا اور دوسرے فنون حرب اس لئے سکھائے جاتے ہیں تا وہ وقت آنے پر قوم اور ملک کی خدمت کر سکے۔ اگر وہ وقت پر یہ کہہ دے کہ میں نے جو کچھ کرنا تھا ٹریننگ کے عرصہ میں کر لیا ہے تو اسے کون عقلمند کہے گا۔

صحابہؓ میں نفلی روزے رکھنے کا خاص جوش پایا جاتا تھا لیکن دیکھتا ہوں کہ

ہماری جماعت کے دوست اس طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ دوستوں کو چاہیئے کہ علاوہ رمضان میں روزے رکھنے کے نفلی روزے بھی وقتاً فوقتاً رکھتے رہا کریں اس سے جہاں روزے رکھنے والے کو ثواب ملے گا وہاں دوسرے لوگوں میں بھی روزوں کی تحریک جاری ہوگی۔

بے شک رمضان میں برکتیں زیادہ ہیں لیکن یہ اس لئے آتا ہے تا مومنوں کو اس بات کی عادت ڈالے کہ وہ دوسرے ایام میں بھی روزے رکھکر اپنی روحانیت کی تکمیل کیا کریں"

اس نصیحت کے بعد حضور نے احباب سمیت لمبی دعا فرمائی۔ اختتام دُعا پر جماعت احمدیہ کوئٹہ کی طرف سے سب احباب کی افطاری کرائی گئی۔[۱]

قرآن مجید کا اُردو ترجمہ سیکھنے کی پُرزور تحریک

۲۹ وفا / جولائی کو حضور نے پارک ہاؤس میں ایک نہایت اہم پبلک لیکچر دیا۔ اخبار "لیکار" کوئٹہ[۲] نے اپنے ۱۲ اگست ۱۹۴۹ء کے الیشوع میں اس تقریر کا مندرجہ ذیل ملخص شائع کیا:-

"مرزا بشیر الدین امیر جماعت احمدیہ کی تقریر۔

کوئٹہ ۲۹ جولائی آج شام سات بجے پارک ہاؤس لٹن روڈ میں امیر جماعت احمدیہ نے ایک تقریر کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ لوگوں کو اُردو بولنا چاہیئے انہوں نے حاضرین جن میں اکثریت جماعت احمدیہ کے ممبروں کی تھی پر زور دیا کہ وہ پنجابی زبان کو ختم کردیں۔

انہوں نے مزید کہا کہ ہر ایک کو چاہیئے کہ وہ قرآن کا کم از کم اردو ترجمہ ضرور یاد کریں۔ اس تقریر میں آپ نے ایک مثال دیتے ہوئے کہا کہ ایک دفعہ میرے پاس دیوبند کے دو مولوی آئے اور مجھے کہا کہ آپ کیا پڑھے ہوئے ہیں؟ میں نے ان کو جواب دیا کہ محمد رسول اللہ بھی قرآن پڑھے ہوئے تھے۔ میں بھی قرآن پڑھا ہوا ہوں۔

مرزا صاحب نے تقریباً ۰۴ منٹ تقریر کی اور اس کے بعد متعدد شہریوں اور نمائندگان پریس سے ملے اور اپنی قیام گاہ میں تشریف لے گئے۔ (نامہ نگار)"

۱۔ الفضل ۲ ظہور / اگست ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء

۲۔ اس اخبار کے مالک و مدیر جناب عبدالکریم صاحب بٹ تھے۔ یہ اخبار ۱۹۴۸ء سے نکلنا شروع ہوا تھا۔

آیت قُلْ اِنَّ صَلوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کی لطیف اور پرمعارف تفسیر پر مشتمل سلسلہ خطبات

سیدنا حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۵ ماہ اخاء

اکتوبر ۱۳۲۵ہش/ ۱۹۴۶ء کو عالم رؤیا میں دیکھا کہ:۔

"بہت سے لوگ جمع ہیں (اور) میں اُن کے سامنے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر تقریر کر رہا ہوں اور آیت قل ان صلوٰتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ رب العالمین کو لے کر اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہوں۔

فرمایا:۔ "اس سے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے بیج کے طور پر اس آیت کے مطالب کو میرے قلب میں داخل کر دیا ہے اور جب ضرورت ہوگی وہ اس کے مطالب کو میرے ذریعہ سے روشن فرمائے گا۔[1]"

یہ ایک عظیم پیشگوئی سفر کوئٹہ کے دوران پوری ہوگئی جب کہ حضور نے اس آیت کریمہ کی لطیف تفسیر پر ایک سلسلہ خطبات شروع فرمایا جو ۵ ظہور/اگست سے لے کر ۲۶ ظہور/اگست تک جاری رہا۔ ان پُر معارف خطبات میں حضور انور نے ایک نئے اسلوب اور اچھوتے اور دلنشین پیرائے میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح نمایاں کر دکھائی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادتیں، قربانیاں، زندگی اور موت حقیقتاً رب العالمین کی رضا اور خوشنودی کے لئے تھی اس سلسلہ کے آخری خطبہ میں حضور نے مسلمانانِ عالم کی توجہ اس انقلاب انگیز نکتہ کی طرف منعطف فرمائی کہ

"رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے تمام مسلمانوں کا مطاع قرار دیا ہے پس آپ پر سچا ایمان رکھنے والوں کا فرض ہے کہ جس طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان کے لئے انتہائی قربانیوں کا مظاہرہ کیا اسیطرح وہ بھی اپنی اپنی روحانی استعداد کے مطابق ان قربانیوں میں حصہ لیں تاکہ اللہ تعالےٰ انہیں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں جگہ دے اور جس طرح آپ تمام انبیاء سے افضل ہیں اسیطرح آپ کی اُمّت بھی اپنی قربانیوں میں تمام اُمّتوں سے افضل

---

[1] الفضل ۳۱ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء

ثابت ہوئے۔[1]

اسلام اور موجودہ مغربی نظریے کے موضوع پر ایک جلسہ عام میں اثر انگیز خطاب

۱۲ ظہور/اگست ۶ بجے شام جماعت احمدیہ کوئٹہ کے زیر اہتمام پارک ہاؤس کے احاطہ میں ایک شاندار جلسہ منعقد ہوا جس میں حضرت مصلح موعود نے سوا گھنٹہ تک "اسلام اور موجودہ مغربی نظریے" کے موضوع پر ایک فکر انگیز خطاب فرمایا جس میں اسلام کے مخصوص نظریات میں سے توحید، طلاق، حرمت شراب، کثرت ازدواج، جوا اور سزائے موت میں سے ایک ایک کو لے کر ثابت کیا کہ زمانہ حاضرہ میں مغرب کو اسلام کے مقابل پر مذہبی، سیاسی اور اقتصادی نقطہ نظر سے شکست فاش اٹھانا پڑی ہے اپنے خطاب کے آخر میں فرمایا کہ تمام خرابی اور تباہی کی جڑ یہ ہے کہ مسلمان قرآن کریم پر حقیقی نہیں صرف رسمی ایمان رکھتے ہیں ورنہ وہ سمجھتے کہ تمام برکت قرآن کریم پر عمل کرنے میں ہے اور اگر ہم ذرا بھی اس کے احکام سے ادھر ادھر ہوئے تو ہمیں بھی نقصان پہنچے گا اور ہماری آئندہ نسلیں بھی تباہ ہوں گی۔[2] اس جلسہ عام میں احباب جماعت احمدیہ کے علاوہ چھ سو کے قریب غیر احمدی معززین بھی شامل ہوئے جن کی نشست کے لئے کرسیوں کا انتظام تھا خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس تقریر کا تمام سامعین پر نہایت گہرا اثر ہوا۔[3]

کوئٹہ میں ایک فوجی افسر کی ملاقات

کوئٹہ میں حضرت مصلح موعود سے ایک فوجی افسر کی ملاقات ہوئی۔ یہ صاحب ہندوستان کی وسیع جنگی تیاریوں سے خوفزدہ تھے اور کشمیر کی واپسی کو ناممکن تصور کرتے تھے مگر حضرت مصلح موعود نے انہیں قرآن مجید کی روشنی میں ایسا بصیرت افروز جواب دیا جو ایک مخلص مسلمان کی تسلی و تشفی کے لئے کافی و وافی تھا۔ حضرت مصلح موعود کے الفاظ میں اس واقعہ کی تفصیل حسب ذیل ہے فرمایا:۔

"میں کوئٹہ گیا تو وہاں مجھے کچھ فوجی افسر ملنے آئے۔ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں اسی دوران میں کشمیر کا بھی ذکر آ گیا میں نے کہا کشمیر مسلمانوں کو ضرور ملنا چاہیئے ورنہ اس کے بغیر پاکستان محفوظ نہیں رہ سکتا۔ دوسرے دن میرے پرائیویٹ سیکرٹری نے مجھے لکھا کہ فلاں کرنیل صاحب آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے الگ بات کرنی ہے۔ میں نے ان کو لکھا کہ آپ کو کوئی

---

[1] خطبات کے متن کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۶ فتح ۱۳۳۸ ہش/دسمبر ۱۹۵۹ء ص ۲۔ ۲۰ فتح ۱۳۳۸ ہش/دسمبر ۱۹۵۹ء ۶ صلح ۱۳۳۹ ہش/جنوری ۱۹۶۰ء۔ ۱۳ صلح ۱۳۴۱ ہش/جنوری ۱۹۶۲ء ص ۶

[2] الفضل ۱۸ ظہور ۱۳۲۸ ہش/اگست ۱۹۴۹ء ص ۳-۴

[3] ص ۵۔ ایضاً

غلطی تو نہیں لگی یہ تو کل مجھے مل کر گئے ہیں انہوں نے کہا یہ بات تو درست ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک پرائیویٹ بات کرنی ہے۔ میں نے کہا لے آؤ۔ چنانچہ وہ آ گئے

میں نے کہا فرمائیے آپ نے کوئی الگ بات کرنی تھی کہنے لگے جی ہاں۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ آپ نے کہا تھا کہ ہمیں کشمیر لینا چاہیئے اور اس کے لئے ہمیں قربانی کرنی چاہیئے۔ یہ بات آپ نے کس بنا پر کہی تھی کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہندوستان کے پاس فوج زیادہ ہے میں نے کہا میں خوب جانتا ہوں کہ اس کے پاس فوج زیادہ ہے۔ کہنے لگے تو کیا آپ جانتے ہیں کہ جو بندوقیں ہمارے پاس ہیں وہی ان کے پاس ہیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے کہنے لگے کیا آپ کو معلوم نہیں ان کے پاس ڈم ڈم کی فیکٹری ہے جو ہزاروں ہزار بندوق ان کو ہر مہینے تیار کر کے دیتی ہے میں نے کہا ٹھیک ہے۔ کہنے لگے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ان کے پاس اتنا گولہ بارود ہے اور آٹھ کروڑ کا گولہ بارود جو ہمارا حصہ تھا وہ بھی انہوں نے ہم کو نہیں دیا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے کہنے لگے آپ کو معلوم نہیں ان کے ہاں ہوائی جہازوں کے چھ سکواڈرن ہیں اور ہمارے ہاں صرف دو ہیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے کہنے لگے ان کی اتنی آمد ہے اور ہماری اتنی آمد ہے میں نے کہا یہ بھی ٹھیک ہے کہنے لگے جن کالجوں میں وہ پڑھے ہیں انہیں کالجوں میں ہم بھی پڑھے ہیں ہمیں ان پر علمی رنگ میں کوئی برتری حاصل نہیں۔ میں نے کہا یہ بھی ٹھیک ہے۔ کہنے لگے پھر جب ہماری فوج کم ہے اور ان کی زیادہ ہے گولہ بارود ان کے پاس زیادہ ہے توپیں ان کے پاس زیادہ ہیں۔ ہوائی جہاز ان کے پاس زیادہ ہیں آمد ان کی زیادہ ہے اور ہم بھی انہی کالجوں میں پڑھے ہوئے ہیں جن میں وہ پڑھے۔ ہمارے اندر کوئی خاص لیاقت نہیں تو پھر آپ نے کس بناء پر ہمیں کہا تھا کہ ہمیں کشمیر لینا چاہیئے۔ میں نے کہا دیکھو قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ۔ کہ کئی چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ تعالےٰ کے فضل سے بڑی جماعتوں پر غالب آجایا کرتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے یہ بات اسی لئے بیان فرمائی ہے کہ تم تھوڑے اور کمزور ہو کر ڈرا نہ کرو خدا تعالےٰ طاقت رکھتا ہے کہ تمہیں بزدل پر غلبہ دے دے اس لئے آپ گھبراتے کیوں ہیں اللہ تعالےٰ پر توکل رکھیئے بے شک آپ تھوڑے ہیں لیکن خدا تعالےٰ آپ کو طاقت دے دے گا۔ پھر میں نے کہا میں تم کو ایک موٹی بات بتاتا ہوں۔ تم مسلمان ہو کیا تمہیں معلوم ہے یا نہیں کہ قرآن نے یہ کہا ہے کہ اگر تم مارے جاؤ گے تو جنت میں جاؤ گے۔ کہنے لگا جی ہاں۔ میں نے کہا اب دو صورتیں ہیں کہ اگر تم میدان میں کھڑے رہو گے اور زندہ

رہو گے تو جیت جاؤ گے۔ اور اگر مارے جاؤ گے تو جنت میں چلے جاؤ گے اب بتاؤ کیا تمہارے اندر مرنے کا کوئی ڈر ہو سکتا ہے کیونکہ تم سمجھتے ہو کہ اگر میں لڑائی کے میدان میں کھڑا رہا اور لڑتا رہا تو دو ہی صورتیں ہیں یا جیت جاؤں یا جنت میں چلا جاؤں گا پس تمہاری بہادری کا ہندو کس طرح مقابلہ کر سکتا ہے۔ وہ تو یہ جانتا ہے کہ اگر میں مر گیا تو بندر بن جاؤں گا یا سؤر بن جاؤں گا یا کتا بن جاؤں گا یا اس کا تناسخ ہے۔ تم یہ تو جانتے ہو کہ مر کے جنت میں چلے جائیں گے اور وہ یہ جانتا ہے کہ مر کے کتا بن جاؤں گا۔ سؤر بن جاؤں گا بندر بن جاؤں گا تو مسلمان اور ہندو کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہو سکتا اسے تو کتا یا سؤر بننے کا ڈر لگا ہوا ہے اور تم میں جنت میں جانے کا شوق ہے۔ تمہارا اور اس کا مقابلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے دلیری کے اتنے مواقع پیدا کر دیئے گئے ہیں کہ اس کو کوئی گزند آ ہی نہیں سکتی۔[1]

فصل سوم

حضرت نواب محمد الدین صاحب کا انتقال

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کوئٹہ میں ہی تشریف فرما تھے کہ حضور انور کی خدمت میں یہ دردناک اطلاع پہنچی کہ خان بہادر حضرت چوہدری نواب محمد الدین صاحب مرحوم انتقال فرما گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ[2]

حضرت نواب صاحب سلسلہ احمدیہ کی نہایت معروف و ممتاز شخصیت اور انتہائی مخلص بزرگ تھے جنہوں نے مسیح محمدی کا مبارک زمانہ پایا اور تحریک احمدیت سے دلی طور پر وابستہ ہوئے مگر بیعت حضرت مصلح موعود کے دست مبارک پر ۱۹۲۷ء کے لگ بھگ کی۔

---

[1] سیر روحانی جلد سوم ۲۶۶ تا ۲۶۸ ۔ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ۔

[2] الفضل [illegible] وفا/جولائی ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء [illegible] آپ مشہور راجپوت باجوہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے [illegible] پر

ربوہ کے ابتدائی دور کا ایک نہایت اہم اور یادگار فوٹو

سامنے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ ہیں۔ دائیں کرسی پر۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب۔ ۲۔ حضرت نواب محمد دین صاحب۔ ۳۔ ؟۔
۴۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد۔ ۵۔ ؟۔ ۶۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب۔ حضرت مصلح موعود کے بائیں جانب حضرت قمر الانبیاء تشریف فرما ہیں

حضرت چوہدری صاحب اپنے خود نوشت حالات قبولِ احمدیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۰ رکھتے تھے۔ آپ کے جد امجد راجہ فتح چند جی نے سب سے پہلے قبول اسلام کا شرف حاصل کیا۔ تاریخ "آئینہ اکبری" میں آپ کا قابل تعریف الفاظ میں تذکرہ ملتا ہے۔ راجہ فتح سنگھ جی صوبہ پسرور کے گورنر تھے آپ ہی کی اولاد میں سے حضرت جان محمد صاحب اور حضرت اسماعیل صاحب جیسے اولیاء پیدا ہوئے جن کا مقبرہ کیلاسا گاؤں کے نزدیک ہے اور جن کے لڑکے عنایت اللہ خان کے نام پر قصبہ تلونڈی عنایت خاں آباد ہوا۔ حضرت چوہدری محمد الدین صاحب اسی قصبہ میں ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے والد ماجد کا نام صوبہ خاں تھا۔ حضرت چوہدری صاحب کی ابتدائی تعلیم ۱۸۸۰ء میں شروع ہوئی آپ نے انگریزی تعلیم صرف میٹرک تک حاصل کی اور پٹواری کی اسامی سے ملازمت میں قدم رکھا۔ مگر اپنے خلوص، محنت اور دیانتداری کے سبب بڑے بڑے عالی مراتب اور بلند مناصب تک پہنچے چنانچہ ۱۸۹۵ء میں تحصیلدار ڈیرہ اسماعیل خان اور ۱۹۰۱ء میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۶ء تک دہلی میں ایلے سیٹلمنٹ آفیسر پھر ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۰ء تک اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہے ۱۹۱۰ء میں نواب صاحب ریاست مالیر کوٹلہ نے آپ کی خدمات حکومت سے مستعار حاصل کیں اور آپ نے ریاست میں مہتمم بندوبست کے فرائض نہایت کامیابی سے انجام دیئے۔ ان خدمات کے صلہ میں ۱۹۱۸ء میں آپ کو خان بہادر کا خطاب دیا گیا ۱۹۱۹ء میں آپ پاکپتن اور خانیوال میں سب ڈویژنل آفیسر رہے ۱۹۲۲ء میں آپ لوہچیہ ریاست میں مہتمم بندوبست و ریونیو آفیسر کی حیثیت میں فرائض بجا لاتے رہے پھر ضلع رہتک کے ڈپٹی کمشنر مقرر ہوئے ۱۹۲۴ء میں آپ کی خدمات ریاست بہاولپور نے حاصل کرلیں۔ آپ اپنے مختصر قیام ریاست میں ایک ایسی سکیم تیار کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ جس میں ریاست کو ۸۰ کروڑ کا فائدہ ہوتا مگر افسوس یہاں آپ کو دربار ریاست کے اندرونی خلفشار اور انتشار کے باعث صرف ایک سال تک رہنے کا موقعہ میسر آیا تاہم آپ کی خدمات جلیلہ کا اقرار اخبار پاؤنیر نے اپنی ۲۷ جنوری ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں نمایاں طور پر کیا۔ اپریل ۱۹۲۶ء میں آپ ضلع شیخوپورہ میں ڈپٹی کمشنر مقرر ہوئے ۱۹۲۸ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوگئے۔ آپ کی الوداعی پارٹی میں پنجاب کے گورنر سر جعفری ڈی مانٹ مورنسی اور سردار لونا سنگھ پریذیڈنٹ پنجاب کونسل نے آپ کی بہت تعریف کی۔ اکتوبر ۱۹۳۰ء میں آپ کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر منتخب ہوئے ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۵ء تک جے پور کے پردھان منتری یعنی پرائم منسٹر رہے اور نواب کا خطاب ملا بعد میں قریباً ۶ برس تک ریاست جودھ پور کے ریونیو منسٹر رہے۔ الغرض پوری زندگی خداوند کریم کے انعامات کا مہبط و مورد رہے مگر آپ کے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ پر اتقاء و پارسائی اور روحانیت ہی کا درویشانہ رنگ غالب رہا۔ نہایت مرنجان مرنج طبیعت رکھتے تھے مسلم و غیر مسلم سب بڑی قدر و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے نہایت خلیق غایت درجہ رحمدل، منصف مزاج، راستگو، غریبوں کے ہمدرد و غمگسار، خدا ترس اور شب بیدار۔ اکثر بڑے بڑے مقدمات کا فیصلہ لکھنے سے پہلے بہت دعائیں کرتے تھے۔ (الفضل ۲۶ وفا / جولائی ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء ملخصاً از مضمون سید علی شاہ صاحب ایس ڈی او ای این ڈبلیو آر میرپور خاص سندھ)

ہیں:-

ساٹھ پچاس سال گزرے ہیں۔ مَیں ۱۸۸۹ء میں سیالکوٹ ہائی سکول میں پڑھتا تھا۔ اسی سکول میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ مدرس تھے۔ میں عموماً ہر روز عصر کے بعد مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا۔ آپ اکثر ایسے وقت میں شیخ نتھو صاحب (والد ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب) کی دوکان پر یا میاں مولا بخش صاحب بوٹ فروش کی دکان پر ملتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب کی تقریر بہت موثر اور فصیح ہوا کرتی تھی۔ میں نے سکول میں عربی کا مضمون لے رکھا تھا اور مولوی صاحب سے عربی کی ابتدائی کتاب پڑھا کرتا تھا۔ اسی زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے الہامات اور کتابوں "براہین احمدیہ" اور "سرمہ چشم آریہ" وغیرہ کا بہت چرچا تھا اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب جن کی طبیعت پہلے نیچریت کی طرف زیادہ راغب تھی حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کی صحبت کے اثر سے نیچریت سے بیزار ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی غلامی میں داخل ہو گئے تھے۔ مولوی صاحب حکیم حسام الدین صاحب والی مسجد میں درسِ قرآن دیا کرتے تھے اور اسی میں چوہدری نصراللہ خاں صاحب مرحوم شامل ہوا کرتے تھے۔

سیالکوٹ سکول سے فارغ ہو کر میں اسی ضلع کے بندوبست میں ٹریننگ پر تحصیل ظفروال میں تعینات ہوا اور متواتر کئی سال تک دیہاتی زندگی بسر کی۔ ظفروال میں حافظ فصیح الدین صاحب تحصیلدار تھے جو بظاہر بہت متشرع اور دیندار اہلحدیث تھے اور شروع میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حسن ظنی رکھتے تھے مگر بعد میں سخت مخالف ہو گئے۔ ۱۸۹۶ء میں جب لاہور میں جلسہ مذاہب تھا۔ میں حافظ صاحب کے ساتھ جلسہ میں گیا۔ تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سٹیج پر تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مضمون سنا رہے تھے عجیب کیفیت تھی سب لوگ ہمہ تن گوش تھے۔ تقریر سننے کے بعد شام کو جب ہم مکان پر پہنچے تو حافظ فصیح الدین صاحب سے حافظ محمد یوسف صاحب ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مضمون کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا۔ اسلام پر اس سے بہتر مضمون میں نے کبھی نہیں سنا۔ الغرض باوجود مخالفت کے انہوں نے اس مضمون کا نہایت اعلیٰ ہونا تسلیم کیا۔

مَیں ۱۸۹۷ء میں صاحب کمشنر بندوبست پنجاب کے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ تھا۔ اور لاہور میں چوہدری شہاب الدین صاحب، مولوی محمد علی صاحب اور مَیں ایک ہی مکان میں رہتے تھے۔ چوہدری صاحب

اور مولوی صاحب ان دنوں وکالت کے امتحان کی تیاری کر رہے تھے۔ مولوی صاحب اکثر قادیان جاتے رہتے تھے وکالت پاس کرنے کے بعد جب انہوں نے کلّی طور پر اپنے آپ کو دینی خدمت میں لگا دیا تو ان کی اس قربانی کا میری طبیعت پر بہت اثر ہوا۔

کچھ عرصہ بعد میرا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے بندوبست میں تعینات ہوا۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب وہاں بھی اکثر مجھے تبلیغی خط لکھا کرتے تھے۔ میں حسن ظن اور اخلاص رکھتا تھا۔ اور حسب توفیق چندہ بھی دیا کرتا تھا۔ اخبار الحکم اور البدر کا بھی خریدار تھا اور ہمیشہ پڑھا کرتا تھا لیکن جب میں دیکھتا کہ بعض لوگ بیعت کرنے کے بعد مرتد ہو جاتے ہیں تو میں سوچا کرتا کہ حسن ظن رہنا زیادہ بہتر ہے بمقابلہ اس کے کہ بیعت کر کے پھر ارتداد کا خطرہ لاحق ہو۔ مجھ کو تو شروع سے حسن ظن رہا ہے لیکن جب کبھی میں سنتا کہ فلاں نے بیعت کی ہوئی تھی اور وہ مرتد ہو گیا ہے تو میں اکثر یہ تحقیقات کرنے کی کوشش کرتا کہ اس کے ارتداد کی کیا وجہ ہوئی؟ اکثر مرتدین سے گفتگو کرنے کا بھی موقع ملا۔ مثلاً ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب پٹیالوی سے۔ جب وہ کئی رسالے مخالفت میں لکھنے کے بعد خاموش ہو گئے تو میں نے پوچھا اب آپ خاموش کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا۔ اب احمدیت کا باقی کیا رہ گیا ہے جو میں کچھ لکھوں۔ گویا وہ بزعم خود احمدیت کو ختم کر چکے تھے۔ بعض لوگ جو باوجود ظاہری قربانیوں کے جماعت سے کٹ جاتے ہیں۔ اس کی وجہ وہی ہے جو دنیا میں سب سے پہلے خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام کے منکروں کو پیش آئی تھی یعنی وہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ اب ہم پر سارا دارومدار ہے اور ان میں اپنی لیاقت اور قربانیوں وغیرہ کے خیال سے تکبّر اور رعونت آ جاتی ہے جس سے خدائی قانون کے ماتحت ان کا سارا کیا کرایا برباد ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس تکبر اور رعونت کی بیماری سے محفوظ رکھے اور ہمارے بچھڑے ہوئے دوستوں کو پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تیار کردہ کشتی میں سوار ہونے اور آپ کے پاس بیٹھنے کی توفیق دے ؎

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے　　اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے
یہی اک فخر شانِ اولیا ہے　　بجز تقویٰ زیادت ان میں کیا ہے
ڈرو یارو کہ وہ بینا خدا ہے　　اگر سوچو یہی دار الجزا ہے

ہمارے خاندان میں سب سے پہلے میرے مرحوم بھائی چوہدری محمد حسین نے بیعت کی اس کے

بعد رفتہ رفتہ قریباً سارا خاندان احمدی ہو گیا۔ میں ۱۹۰۶ء میں دہلی بندوبست میں اسسٹنٹ سیٹلمنٹ آفیسر تھا۔ میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر فاروق اسی بندوبست میں ناظر تھے۔ میر صاحب جلسہ سالانہ پر قادیان جا رہے تھے میں نے اپنے لڑکے محمد شریف (حال ایڈووکیٹ منٹگمری) کو جو اس وقت پرائمری میں پڑھتا تھا میر صاحب کے ساتھ بھیج دیا وہاں اس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ دہلی کے زمانہ میں محمد شریف کا چھوٹا بھائی محمد سعید چیچک سے سخت بیمار ہو گیا۔ اس کی حالت نہایت تشویشناک تھی اور ہم قریباً مایوس ہو چکے تھے۔ میر قاسم علی صاحب نے دعا کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں تار دیا۔ اور شام کو ہمیں تسلی دی کہ اس وقت قادیان میں محمد سعید کی صحت کے لئے دعا ہو رہی ہے زیادہ فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ چیچک اس قدر تھی کہ خطرہ تھا کہ اگر وہ بچ بھی گیا تو اس کی آنکھیں نہیں بچ سکیں گی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی برکت سے محمد سعید کو کامل شفا عطا فرمائی۔

باوجود ان سب باتوں کے میری قسمت میں نہیں تھا کہ میں صحابی ہوتا۔ اور مجھے اخلاص رکھنے کے باوجود بیعت کی توفیق بہت دیر میں ملی۔ جب حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے انتقال پر جماعت میں اختلاف پیدا ہوا اور ہمارے دوست جن کی میرے دل میں بہت عزت تھی قادیان چھوڑ کر لاہور جا بیٹھے تو مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ انہی دنوں میں نے رؤیا دیکھا جو میں نے اپنے بھائی چوہدری غلام حسن صاحب کو سنایا۔ جس سے مجھ پر یہ ظاہر ہوا کہ خلافت ثانیہ حق ہے۔ اب وہ دَور شروع ہوا جب میں نے حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خطبات اور تحریروں کو پڑھنا شروع کیا۔ اور ان سے ہمیشہ بہت فائدہ اٹھایا اختلاف کے چند سال بعد میں سیالکوٹ سے لاہور آ رہا تھا راستہ میں وزیر آباد سٹیشن پر منشی نواب خان صاحب مرحوم تحصیلدار مجھے مل گئے۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت میں سرشار نظر آیا کرتے تھے اور ہر وقت سلسلہ کی باتیں کیا کرتے تھے اس روز خلاف معمول وزیر آباد سے گوجرانوالہ پہنچنے تک انہوں نے سلسلہ کے متعلق جب کوئی تذکرہ نہ کیا تو میں نے کہا معلوم ہوتا ہے آپ منکرین خلافت میں شامل ہو چکے ہیں۔ کیونکہ وہ ذوق تبلیغ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت آپ میں نہیں رہی۔ میرا یہ قیاس صحیح نکلا۔

دوستی کا دم جو بھرتے تھے وہ سب دشمن ہوئے　　پر نہ چھوڑا ساتھ تو نے اے مرے حاجت برار

لاہور پہنچ کر میں چودھری شہاب الدین صاحب کے مکان پر ٹھہرا۔ وہاں میری برادری کے میرے ایک عزیز موجود تھے۔ جو مخلص احمدی ہوا کرتے تھے۔ اور مجھے تبلیغی خط لکھتے رہتے تھے۔ ان سے میں نے وہی سوال کیا کہ آپ مصدقین خلافت میں سے ہیں یا منکرین میں سے انہوں نے کہا آپ نے بہت سخت لفظ استعمال کیا ہے۔ میں خلافت ثانیہ کو نہیں مانتا ان سے اس سلسلہ میں گفتگو ہوتی رہی۔ دوسرے دن وہ صبح جاگے تو انہوں نے کہا رات کو خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ نظم میں پڑھتا رہا ہوں جس میں درج ہے ؎

زمینِ قادیاں اب محترم ہے ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے

اسی نظم میں ہے ؎

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا جو ہوگا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دُور اس مَہ سے اندھیرا دکھاؤں گا کہ اک عالم کو پھیرا

بشارت کیا ہے اک دل کی غذا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

ان کے والد صاحب اور سارا کنبہ احمدی ہیں میں ان کے خواب کی کیفیت ان سے سن کر بہت خوش ہوا اس خیال سے ہو کر ان کا مصدقین میں شامل ہونا ان کے والد صاحب کے لئے بڑی مسرت کا باعث ہوگا۔ ان کے والد صاحب اور ان کا خاندان ہماری باجوہ برادری میں نہایت مخلص احمدی ہیں۔

پچھلے سال میں نے "الفضل" میں پڑھا تھا کہ انہوں نے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں لکھا کہ:

"میری روح کا زائد از چالیس برس حضور سے تعلق ہے" اور اس پر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے تحریر فرمایا۔

"آپ جیسے مخلص کا یہی مقام ہے۔ اللہ تعالےٰ خاص فضل کرے"

لاہور سے دوسرے دن میں اپنی ملازمت پر چلا گیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ ہمارے عزیز دوست مصدقین خلافت میں شامل نہیں ہو سکے۔ اگرچہ میں امید رکھتا ہوں کہ خداوند کریم ان کے متقی اور صالح والد صاحب کی دعائیں ان کے حق میں قبول فرمائے گا۔ اور ان کو اپنے والد صاحب کی زندگی میں یہ سعادت نصیب ہوگی۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ میں اخلاص تو بہت مدت سے رکھتا تھا لیکن بیعت کا شرف مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے زمانہ میں عطا ہوا۔

اس اثناء میں میرے بھائی اور میری اہلیہ اور بچے مجھ سے بہت پہلے بیعت کر چکے تھے اور مجھے نہایت افسوس ہے کہ میں اس مقام پر بہت دیر سے پہنچا۔

میں نے جو اخلاص حاصل کرنے کے بعد بیعت میں اس قدر دیر لگا دی آج مجھے اس کا سخت افسوس ہو رہا ہے لیکن ع

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

اکثر ایسے احباب ہیں۔ جن پر صداقت کھل چکی ہے مگر وہ کسی دنیوی رکاوٹ کے ماتحت ابھی تامل میں ہیں۔ ایسے دوستوں سے میں کہتا ہوں ع

من نہ کردم شما حذر بکنید

ایسا نہ ہو کہ اسی تامل اور تردد میں موت آ جائے۔ اور امام وقت کی شناخت سے محروم رہ جاؤ۔ پس نہایت ضروری ہے کہ جب انشراح صدر ہو جائے تو بیعت میں توقف نہ کیا جائے[۱]

حضرت نواب صاحب کے دل میں یہ حسرت و ارمان زندگی بھر قائم رہا کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقدس زمانہ دیکھا، میرے خاندان کے آدمیوں نے بیعت کی حتیٰ کہ میرے بیٹے کو (چودھری محمد شریف صاحب) بفضلہٖ تعالیٰ اصحاب کے پاک گروہ میں شامل ہونے کی توفیق مل گئی مگر میں محروم رہا۔ اس محرومی کے شدتِ احساس نے بیعت کے بعد آپ کے دل میں خدمات سلسلہ کے لئے بہت جوش پیدا کر ڈالا جو رب جلیل کے فضل و عنایت سے دم بدم بڑھتا گیا اور آپ پیرانہ سالی میں بھی نوجوانوں سے بڑھ کر شوق و مستعدی سے مصروف عمل رہتے تھے۔

حضرت مصلح موعود نے ہجرت پاکستان کے بعد تبوک / ستمبر ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء میں آپ کو صدر انجمن احمدیہ پاکستان کا پہلا ناظر دعوت و تبلیغ مقرر فرمایا۔ اور آپ نے یہ خدمت نہایت محنت و استقلال سے ادا کی بلکہ اصل کام جس کی خاطر خدائے عزوجل نے اپنی تقدیر خاص سے آپ کو خلعت وجود سے نوازا اور لمبی اور برکتوں سے معمور زندگی عطا فرمائی مرکز احمدیت ربوہ کے قیام کا عظیم الشان کارنامہ تھا جو آپ کے ہاتھوں خدا کے فضل

---

[۱] روزنامہ الفضل صد خبر ۲۸ ۔۔۔ ۱۹۴۱ء صفحہ ۳۳

اور حضرت مصلح موعود کی دعاؤں اور روحانی توجہ کے طفیل معرضِ وجود میں آیا۔ اور جو قیامت تک آپ کی یادگار رہے گا اسی بے مثال خصوصیت کے باعث سیدنا حضرت مصلح موعود نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں قیام مرکز کے سلسلہ میں آپ کی سنہری خدمات کا ذکر نہایت شاندار الفاظ میں کرتے ہوئے فرمایا:۔

"جس طرح میرے قادیان سے نکلنے کا کام کیپٹن عطاء اللہ صاحب کے ہاتھ سے سرانجام پایا تھا اسی طرح ایک نئے مرکز کا قیام ایک دوسرے آدمی کے سپرد تھا۔ جو پیچھے آیا اور کئی لوگوں سے آگے بڑھ گیا۔ میری مراد نواب محمد دین صاحب مرحوم سے ہے۔ جن کی اسی ہفتہ میں وفات واقع ہوئی ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ان کی خدمات کی وجہ سے ربوہ میں کوئی ایسا نشان مقرر کیا جائے جس کی وجہ سے جماعت ہمیشہ ان کی قربانیوں کو یاد رکھے۔ اور اس بات کو مت بھولے کہ کس طرح ایک اسّی سالہ بڈھے نے جو محنت اور جفاکشی کا عادی نہیں تھا جو ڈپٹی کمشنر اور ریاست کا وزیر رہ چکا تھا جو صاحبِ جائداد اور متمول آدمی تھا۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۹ء کے شروع تک باوجود اس کے کہ اس کی طبیعت اتنی مضمحل ہو چکی تھی کہ وہ طاقت کا کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔ اپنی صحت اور اپنے آرام کو نظرانداز کرتے ہوئے رات اور دن ایک کر دیا۔ اس لئے کہ کسی طرح جماعت کا نیا مرکز قائم ہو جائے۔ سینکڑوں دفعہ وہ افسروں سے ملے۔ ان سے جھگڑے کئے۔ لڑائیاں کیں منتیں اور خوشامدیں کیں اور پھر مرکز کی تلاش کے لئے بھی پھرتے رہے۔ انہیں اس کام میں اتنا انہماک تھا کہ ایک دفعہ میں اکیلا ربوہ گیا۔ اور انہیں اطلاع نہ دی۔ میں نے سمجھا وہ ضعیف العمر آدمی ہیں۔ انہیں تکلیف نہ دی جائے۔

ان کو ریٹائر ہوئے بھی بائیس سال ہو چکے تھے۔ جب میں واپس آیا تو انہوں نے کہا

مجھے سخت افسوس ہے کہ اس دفعہ میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکا مجھے بھی اطلاع دیتے تو میں ساتھ چلا جاتا۔ میں نے کہا صرف آپ کی تکلیف کے خیال سے میں نے آپ کو اطلاع نہیں بھجوائی تھی۔ انہوں نے کہا میری تو خواہش تھی کہ میں آپ کے ساتھ جاتا اور اب نہ جانے کی وجہ سے مجھے انتہائی رنج ہوا۔ غرض اس کام کے لئے انہوں نے دن رات ایک کر دیا تھا۔ اور یقیناً اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی موزوں آدمی تھے۔ ہمارے مرکز کا قائم ہونا کوئی معمولی بات نہیں بلکہ بڑی اہم چیز ہے اگر ہمارا نیا مرکز کامیاب ہو گا۔ اور ہمیں یقین ہے کہ وہ کامیاب ہو گا تو یہ ایک ویسی ہی اہمیت رکھنے والی چیز ہو گی۔ جیسے کہ دنیا کے بڑے بڑے مذہبی مرکزوں کی تعمیر اہمیت رکھتی تھی۔ مقامات مرکزی کا قیام ایک بہت بڑا کام ہوتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے جدید مرکز کے قیام کا سہرا

یقیناً نواب محمد دین صاحب مرحوم کے سر پر ہے اور یہ عزت اور رتبہ انہی کا حق ہے جب تک یہ جماعت قائم رہے گی۔ لوگ ان کے لئے دعا بھی کریں گے اور ان کی قربانی کو دیکھ کر نوجوانوں کے دلوں میں یہ جذبہ بھی پیدا ہوگا۔ کہ وہ اُن جیسا کام کریں۔ کجا ایک بوڑھا بیمار اور کمزور آدمی اور کجا اس کی یہ حالت کہ وہ دن کو بھی وہاں موجود ہے۔ رات کو بھی وہیں موجود ہے اور رپورٹیں پیش کر رہا ہے کہ آج میں فلاں سے ملا تھا۔ آج فلاں سے ملا تھا۔ اب بھی جب مری میں تھے وفات سے دس دن پہلے انہوں نے مجھے لکھا کہ اب ربوہ میں تعمیر کا کام شروع ہونے والا ہے اور چونکہ یہ کام نگرانی چاہتا ہے۔ اور میری صحت ٹھیک ہوگئی ہے اس لئے میرا ارادہ ہے کہ ربوہ چلا جاؤں اور کام میں مدد دوں۔ غرض ہر کارے دہر مردے۔ سینکڑوں کام ہوتے ہیں لیکن بہت برکت والا ہوتا ہے وہ آدمی جس سے کوئی ایسا کام ہو جائے جو اپنے اندر تاریخی عظمت رکھتا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کام کا ان کے ہاتھ سے ہونا ان کی کسی بہت بڑی نیکی کی وجہ سے تھا اور میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ پیچھے آئے مگر آگے گزر جائے۔

بیعت سے پہلے وہ احمدیت کے قائل تو تھے۔ چنانچہ جب وہ دہلی میں افسر مال لگے ہوئے تھے اور میر قاسم علی صاحب وہاں تھے تو انہوں نے اپنے لڑکے چوہدری محمد شریف صاحب وکیل کی بیعت کرا دی تھی۔ لیکن خود بیعت نہیں کرتے تھے غالباً ۱۹۲۷ء میں انہوں نے بیعت کی ہے۔ مجھے یاد ہے جب انہوں نے بیعت کی تو ساتھ یہ درخواست کی کہ میری بیعت ابھی مخفی رہے انہوں نے کہا میں ریٹائر ہو چکا ہوں۔ اور اب ملازمتیں ریاستوں میں ہی مل سکتی ہیں۔ اس لئے اگر میری بیعت ظاہر نہ ہو تو ملازمت حاصل کرنے میں سہولت رہے گی۔ جب وہ ہمارے سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں اس وقت وہ ریاست مالیر کوٹلہ یا جے پور میں ملازم تھے۔ بیعت کرکے وہاں جانے کی بجائے شملہ چلے گئے۔ میں بھی چند دنوں کے لئے شملہ گیا اور انہوں نے مجھے دعوت پر بلایا اور کہا۔ اور تو میں کوئی خدمت نہیں کر سکتا لیکن یہ کر سکتا ہوں کہ دعوت پر بڑے بڑے آدمیوں کو بلاؤں اور آپ کا واقف کرا دوں اور مجھے ثواب مل جائے گا میں دعوت پر چلا گیا۔ انہوں نے بڑے بڑے آدمی بلائے ہوئے تھے میں اس انتظار میں تھا کہ کوئی اعتراض کرے اور میں اس کا جواب دوں کہ وہ کھڑے ہو گئے اور حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تقریر میں انہوں نے کہا یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ امام جماعت احمدیہ یہاں

تشریف لائے ہیں۔ جو شخص کسی قوم کا لیڈر ہوتا ہے ہمیں اس کا احترام کرنا چاہیئے۔ وہ ہمیں دین کی باتیں سنائیں گے۔ خواہ ہم مانیں یا نہ مانیں۔ ان سے ہمیں فائدہ پہنچے گا۔ اس طرح تھوڑی دیر وہ تقریر کرتے رہے دو تین منٹ کے بعد وہ تقریر کرتے ہوئے یکدم جوش میں آ گئے اور کہنے لگے اس زمانہ میں ایک شخص آیا اور وہ کہتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں اگر آپ لوگ اسے نہیں مانیں گے تو آپ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے عذاب آ جائے گا۔ جب وہ تقریر کر کے بیٹھ گئے تو میں نے کہا دیکھئے نواب صاحب میں نے تو ظاہر نہیں کیا۔ کہ آپ احمدی ہیں۔ آپ نے تو خود ظاہر کر دیا ہے۔ وہ کہنے لگے مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں نے کہا میں تو پہلے ہی سمجھتا تھا کہ سچی احمدیت چھپی نہیں رہتی۔ آپ خواہ کتنا ہی چھپائیں یہ ظاہر ہو کر رہے گی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ چندے باقاعدگی کے ساتھ دیتے تھے۔ مگر جماعتی کاموں میں انہوں نے چند سال پہلے تک کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا تھا۔

لیکن یہ موقعہ انہیں ایسا ملا کہ جب تک یہ مرکز قائم رہے گا۔ ان کا نام بطور یادگار دنیا میں لیا جائے گا۔ یہ ضروری نہیں کہ قادیان کے واپس مل جانے پر اس مرکز کی اہمیت کم ہو جائے

اوّل تو ہمیں ایک ہی وقت میں کئی مرکزوں کی ضرورت ہے۔ دوسرے یہ مرکز ایک پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جا رہا ہے اور جو مرکز پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جائے اس میں اور دوسرے مرکزوں میں بہرحال امتیاز ہوتا ہے۔ یہ مقام چونکہ اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جا رہا ہے اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے اس کی حفاظت کریں گے اور اس کی برکتیں اس سے وابستہ رہیں گی۔ اور یقیناً اس مقام سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نواب صاحب مرحوم کا نام بھی قیامت تک قائم رہے گا۔

مجھے چوہدری مشتاق احمد صاحب کا انگلستان سے جو خط ملا ہے اس میں انہوں نے مئی ۱۹۴۲ء کی ایک خواب لکھی ہے۔ جو یہ ہے کہ میں نے رؤیا میں ان کی بیوی کلثوم کو دیکھا کہ وہ کہہ رہی ہے کہ باباجی اتنے بیمار ہوئے لیکن ہمیں کسی نے اطلاع تک نہیں

دی۔ چوہدری صاحب لکھتے ہیں کہ بالکل ایسا ہی واقعہ اس وقت ہوا ہے ہمیں ان کی بیماری کی اطلاع تک نہیں ملی اور اب وفات کی خبر بھی صرف آپ کی طرف سے ملی ہے خاندان کے کسی اور فرد کی طرف سے نہیں ملی۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے رشتہ داروں میں سے بھی کسی کو ان کی بیماری کی خبر نہیں ملی۔ چوہدری محمد شریف صاحب وکیل نے مجھے لکھا کہ وفات سے پہلے دن شام کے وقت ڈاکٹر آیا اور اس نے کہا کہ خطرہ کی کوئی بات نہیں۔ چوہدری عزیز احمد صاحب (جو سب جج ہیں) مجھے اطلاع کا خط لکھنے لگے تو والدہ صاحب نے منع کر دیا اور کہا کیا ضرورت ہے! پس خواب میں "ہم" سے مراد صرف کلثوم ہی نہیں بلکہ سارے رشتہ دار مراد تھے میں نے یہ ذکر تفصیل کے ساتھ اس لئے کیا ہے کہ تا اس قسم کے لوگوں کے نیک افعال آئندہ کے لئے بطور یادگار رہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اذکروا موتٰکم بالخیر

عام طور پر اس کے یہ معنے کئے جاتے ہیں کہ مُردوں کی بُرائی بیان نہیں کرنی چاہیئے وہ فوت ہو گئے ہیں اور ان کا معاملہ اب خدا تعالےٰ سے ہے۔ یہ معنی اپنی جگہ درست ہیں۔ لیکن درحقیقت اس میں ایک قومی نقطہ بھی بیان کیا گیا ہے آپ نے اذکروا الموتٰی بالخیر نہیں فرمایا بلکہ آپ نے مَوْتٰکُمْ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی اپنے مُردوں کا ذکر نیکی کے ساتھ کرو۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ آپ نے یہ صحابہؓ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ۔ میرے سب صحابی ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کے پیچھے بھی چلو گے ہدایت پا جاؤ گے کیونکہ صحابہؓ میں سے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی خدمت دین کا موقعہ ایسا ملا ہے جس میں وہ منفرد نظر آتا ہے اسی لئے آپ نے "موتاکم" کا لفظ استعمال فرمایا ہے کہ تم اُن کو ہمیشہ یاد رکھا کرو تا تمہیں یہ احساس ہو کہ ہمیں بھی اس قسم کی قربانیاں کرنی چاہئیں۔ اور تا نوجوانوں میں ہمیشہ قربانی۔ ایثار اور جرأت کا مادہ پیدا ہوتا رہے اور وہ اپنے بزرگ اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے رہیں۔[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۸ وفا ۱۳۲۸ہش مطابق ۳۱ جولائی ۱۹۴۹ء صفحہ ۔

فصل چہارم

ربوہ میں سیدنا حضرت مصلح موعود کی بغرض رہائش تشریف آوری

اور

مرکز احمدیت کے نئے دور کا آغاز

۱۹ر تبوک/ستمبر ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کو مرکز احمدیت ربوہ ایک نئے اور انقلاب آفریں دور میں داخل ہوا۔ کیونکہ اس روز حضرت مصلح موعود جو اب تک لاہور میں قیام فرما تھے مستقل طور پر تشریف لے آئے۔ اور حضور کے انفاس قدسیہ اور روحانی توجہات کی بدولت نہ صرف یہ پاک بستی ایک فعّال مرکز کی حیثیت سے جلد جلد ترقی وارتقاء کے منازل طے کرنے لگی بلکہ غلبہ اسلام کی مہم میں پہلے سے زیادہ قوت و شوکت پیدا ہو گئی۔ اور آسمانی بادشاہت کا دور قریب سے قریب تر نظر آنے لگا۔

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کے اس اہم اور یادگار سفر ربوہ کی مفصل روداد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے قلم مبارک سے ہدیہ قارئین کی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"یوں تو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کئی دفعہ ربوہ تشریف لے جا چکے ہیں اور گزشتہ جلسہ سالانہ بھی ربوہ میں ہی منعقد ہوا تھا جبکہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے مع اہل و عیال کئی دن تک ربوہ قیام فرمایا تھا۔ لیکن یہ سب سفر عارضی رنگ رکھتے تھے اور ابھی تک حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی مستقل سکونت رتن باغ لاہور میں ہی تھی لیکن جو سفر ۱۹ ستمبر ۱۹۴۹ء کو بروز دوشنبہ اختیار کیا گیا وہ ربوہ کی مستقل رہائش کی غرض سے تھا۔ گویا دوسرے الفاظ میں یہ ہماری قادیان سے ہجرت کی تکمیل کا دن تھا جبکہ خلیفہ وقت اور امام جماعت قادیان سے باہر ہونے کے بعد اپنی عارضی رہائش گاہ سے منتقل ہو کر جماعت احمدیہ کے قائم مقام مرکز ربوہ میں رہائش رکھنے کی غرض سے تشریف لے گئے۔ پس یہ دن

جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایک یادگاری دن تھا... ... اس لئے میں مختصر طور پہ اس سفر کے چشم دید حالات تاریخ احمدیت کو ضبط میں لانے کی غرض سے درج ذیل کرتا ہوں۔

دراصل گو میرا دفتر ابھی تک لاہور میں ہے۔ مگر میں نے اس سفر کی تاریخی اہمیت کو محسوس کر کے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں انشاء اللہ اس سفر میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ جاؤں گا اور سفر اور ربوہ کی دعا میں شریک ہو کر اسی دن شام کو لاہور واپس پہنچ جاؤں گا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس کی توفیق دی جس کے نتیجہ میں ذیل کی چند سطور بینا ظرین کرنے کے قابل ہوا ہوں۔

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا فیصلہ تو یہ تھا کہ انشاء اللہ ۱۹ ستمبر ۱۹۴۹ء کو صبح ۸ بجے لاہور سے روانگی ہوگی مگر دفتری انتظام کے نقص کی وجہ سے یہ روانگی وقت مقررہ پر نہیں ہو سکی۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ آٹھ بجے صبح کی بجائے دس بج کر پچاس منٹ پر یعنی تقریباً گیارہ بجے رتن باغ لاہور سے بذریعہ موٹر روانہ ہوئے۔ حضور کی موٹر میں حضرت ام المومنین اطال اللہ بقاءہا اور حضرت سیدہ اُم ناصر احمد صاحبہ اور شاید ایک دو بچیاں ساتھ تھیں اور حضور کے پیچھے دوسری موٹر میں حضرت صاحب کی بعض دوسری صاحبزادیاں اور ایک بہو اور بعض بچے اور میاں محمد یوسف صاحب پرائیویٹ سیکرٹری سوار تھے تیسری موٹر میں سیدہ بشریٰ بیگم مہر آپا صاحبہ اور محترمہ ام وسیم احمد صاحبہ اور بعض دوسرے بچے تھے اور ان کے پیچھے چوتھی موٹر میں خاکسار مرزا بشیر احمد اور میرے اہل و عیال اور عزیزہ آمنہ بیگم سیال اور محترمی چوہدری عبدالحمید صاحب سپرنٹنڈنٹ انجنیئر اور میاں غلام محمد صاحب اختر اے پی او۔ سوار تھے۔ شاہدرہ سے کچھ آگے نکل کر حضرت صاحب نے اپنی موٹر روک کر انتظار کیا کیونکہ ابھی تک تیسری موٹر نہیں پہنچی تھی۔ اور کچھ وقت انتظار کرنے کے بعد آگے روانہ ہوئے۔ ایک لاری اور دو ٹرک کافی عرصہ بعد روانہ ہوئے۔

رتن باغ سے روانہ ہونے سے پہلے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ہدایت فرمائی کہ سب لوگ رتن باغ سے روانہ ہوتے ہوئے اور پھر ربوہ کی سرزمین میں داخل ہوتے ہوئے یہ قرآنی دعا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی ہجرت کے وقت سکھائی گئی تھی۔ پڑھتے جائیں یعنی

رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ

سُلْطَانًا نَّصِیْرًا۔

چنانچہ اس دعا کے ورد کے ساتھ قافلہ روانہ ہوا۔ اور رستہ میں بھی یہ دعا برابر جاری رہی۔ چونکہ روانگی میں دیر ہو گئی تھی اس لئے موٹریں کافی تیز رفتاری کے ساتھ گئیں اور سفر کا آخری حصہ تو غالباً ستر پچھتر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طے ہوا ہو گا اور اسی غرض سے رستہ میں کسی جگہ ٹھہرا بھی نہیں گیا۔ یہی وجہ ہے کہ محترمی شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کی موٹر جو لاہور سے قریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے روانہ ہوئی تھی اور اس میں محترمی مولوی عبدالرحیم صاحب درد بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بھی رستہ میں ہی ربوہ کے قریب چناب کے پل پر مل گئی تھی یہ گویا اس سفر کی پانچویں موٹر تھی۔ اس کے علاوہ ایک چھٹی موٹر بھی تھی۔ جس میں محترمی ملک عمر علی صاحب رئیس ملتان اور ہمارے بعض دوسرے عزیز بیٹھے تھے لیکن چونکہ یہ موٹر چونکہ بعد میں چلی اور زیادہ رفتار بھی نہیں رکھ سکی اس لئے وہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے ربوہ میں داخل ہونے کے کچھ عرصہ بعد پہنچی۔

چناب کا پل گزرنے کے بعد جس سے آگے ربوہ کی سرزمین کا آغاز ہوتا ہے۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنی موٹر سے اُتر آئے اور دوسرے سب ساتھی بھی اپنی اپنی موٹروں سے اتر آئے۔ البتہ مستورات موٹروں کے اندر بیٹھی رہیں اس جگہ اتر کر بعض دوستوں نے اعلان کی غرض سے اور اہل ربوہ تک اطلاع پہنچانے کے خیال سے ریوالور اور رائفل کے کچھ کارتوس ہوا میں چلائے اس کے بعد حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے رفقاء میں اعلان فرمایا کہ میں یہاں قبلہ رُخ ہو کر مسنون دعا کرتا ہوں۔ اور ہمارے دوست بھی اس دعا کو بلند آواز سے دہراتے جائیں اور مستورات بھی اپنی اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے یہ دعا دہرائیں۔ اس کے بعد حضور نے ہاتھ اونچے کر کے یہ دعا کرنی شروع کی۔

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ
وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ
وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

"یعنی اے میرے رب مجھے اس بستی میں اپنی بہترین برکتوں کے ساتھ داخل کر اور پھر اے میرے آقا مجھے اس بستی سے نکال کر اپنی اصل قیام گاہ کی طرف اپنی بہترین برکتوں کے ساتھ لے جا۔ اور اے مومنو تم خدا کی برکتوں کو دیکھ کر اس آواز کو بلند کرو کہ حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔ اور باطل کے لئے تو بھاگنا ہی مقدر ہو چکا ہے۔"

یہ دُعا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے چناب کا پل گزر کر اور قبلہ رُخ ہو کر ربوہ کی سرزمین کے کنارے پر کھڑے ہو کر کئی دفعہ نہایت سوز اور رقت کے ساتھ دہرائی اور اس کے بعد موٹروں میں بیٹھ کر آگے روانہ ہوئے۔ کیونکہ ربوہ کی موجودہ بستی چناب کے پل سے قریباً دو میل آگے ہے۔ اس عرصہ میں بھی سب دوست اوپر کی دعا کو مسلسل دہراتے چلے گئے۔ جب ربوہ کی بستی کے سامنے موٹریں پہنچیں تو اس وقت ربوہ اور اس کے گرد و نواح کے سینکڑوں دوست ایک شامیانے کے نیچے حضرت صاحب کے استقبال کے لئے جمع تھے۔ اس وقت جب کہ مین ڈیڑھ بجے کا وقت تھا سب سے آگے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی موٹر تھی۔ ان کے بعد ہماری موٹر تھی۔ اس کے بعد غالباً سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ مہر آپا کی موٹر تھی۔ اس کے بعد حضرت صاحب کی صاحبزادیوں کی موٹر تھی۔ اور اس کے بعد غالباً محترمی شیخ بشیر احمد صاحب کی موٹر تھی۔

جب حضرت صاحب اپنی موٹر سے اترے تو ربوہ کے چند نمائندہ دوست جن میں محترمی مرزا عزیز احمد صاحب ایم اے ناظر اعلیٰ اور محترمی سید ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ و امیر مقامی اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور عزیز ڈاکٹر منور احمد سلمہ اللہ اور بعض ناظر صاحبان اور تحریک جدید کے وکلا صاحبان اور محترمی مولوی ابو العطاء صاحب وغیرہ شامل تھے آگے آئے اور حضور کے ساتھ مصافحہ کر کے حضور کو اس شامیانہ کی طرف لے گئے جو چند گز مغرب کی طرف نصب شدہ تھا اور جس میں دوسرے سب دوست انتظار کر رہے تھے۔

حضرت صاحب اس وقت بھی رب ادخلنی مدخل صدق والی دعا دہرا رہے تھے اور دوسروں کو بھی ہدایت فرماتے تھے کہ میرے ساتھ ساتھ یہ دعا دہراتے جاؤ۔ شامیانے کے نیچے پہنچ کر حضرت صاحب نے وضو کیا۔ اور پھر سب دوستوں کے ساتھ قبلہ رُخ ہو کر ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ یہ گویا ورود ربوہ کا سب سے پہلا کام تھا۔ نماز اور سنتوں سے فارغ ہو کر حضور نے ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ جس میں فرمایا کہ میں امید رکھتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہجرت کی سنت کو سامنے رکھ کر آپ لوگ رستہ تک آگے آ کر استقبال کریں گے تاکہ ہم سب متحدہ دعاؤں کے ساتھ ربوہ کی سرزمین میں داخل ہوتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا اس لئے اب میں اس کمی کو پورا کرنے کے لئے پھر اس دعا کو دہراتا ہوں اور سب دوست بلند آواز سے میرے پیچھے اس دعا کو دہراتے جائیں چنانچہ آپ نے شاید تین یا پانچ

دفعہ رب ادخلنی مدخل صدق اور قل جاء الحق وزھق الباطل والی دعا دہرائی۔ اور سب دوستوں نے بلند آواز سے آپ کی اتباع کی۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے مختصر طور پر اس دعا کی تشریح فرمائی۔ کہ یہ دعا وہ ہے جو مدینہ کی ہجرت کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھلائی گئی تھی اور اس میں ادخلنی (مجھے داخل کر) کے الفاظ کو اخرجنی (مجھے نکال) کے الفاظ پر اس لئے مقدم کیا گیا ہے تاکہ اس بات کی طرف اشارہ کیا جائے کہ مدینہ میں داخل ہو کر رک جانا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کی غرض وغایت نہیں ہے بلکہ یہ صرف ایک درمیانی واسطہ ہے۔ اور اس کے بعد پھر مدینہ سے نکل کر مکہ کو واپس حاصل کرنا اصل مقصد ہے اور پھر اس کے ساتھ قل جاء الحق والی دعا کو شامل کیا گیا تاکہ اس بات کی طرف اشارہ کیا جائے کہ مومن کی ہجرت حقیقتاً اعلاء کلمۃ اللہ کی غرض سے ہوتی ہے نیز اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت خدا کے فضل سے مقبول ہوئی ہے کیونکہ خدا نے اس کے ساتھ ہی حق کے قائم ہونے اور باطل کے بھاگنے کے لئے دروازہ کھول دیا ہے اور پھر اسی تمثیل کے ساتھ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالے نے قادیان کا ذکر کیا۔

کہ ہم بھی قادیان سے نکالے جا کر ہجرت پر مجبور ہوئے ہیں۔ مگر ہمارا یہ کام نہیں کہ اپنی ہجرت گاہ میں ہی دھرنا مار کر بیٹھ جائیں۔ بلکہ اپنے اصل اور دائمی مرکز کو واپس حاصل کرنا ہمارا اصل فرض ہے

اس تقریر کے بعد جس میں ایک طرف موٹروں میں بیٹھے بیٹھے مستورات بھی شریک ہوئی تھیں حضرت امیرالمومنین اپنی ربوہ کی عارضی فرودگاہ میں تشریف لے گئے جو ریلوے سٹیشن کے قریب تعمیر کی گئی ہے۔ میں نے اس فرودگاہ کو عارضی فرودگاہ اس لئے کہا ہے کہ اب تک جتنی بھی عمارتیں ربوہ میں بنی ہیں وہ دراصل سب کی سب عارضی ہیں۔ اور اس کے بعد پلاٹ بندی ہونے پر مستقل تقسیم ہوگی۔ اور لوگ اپنے اپنے مکان بنوائیں گے۔ حضرت صاحب کے مکان میں ربوہ کی مستورات استقبال کی غرض سے جمع تھیں جن کی قیادت ہماری ممانی سیدہ ام داؤد صاحبہ فرما رہی تھیں۔ اس کے بعد حضرت صاحب اور دوسرے ۶۰ نزول اور اہل قافلہ نے کھانا کھایا جو صدر انجمن احمدیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لنگر خانہ کی طرف سے پیش کیا تھا غالباً ربوہ وارد ہونے کے معاً بعد یہ پروگرام بھی تھا۔ کہ حضرت صاحب اپنی مجوزہ مستقل رہائش گاہ کے ساتھ متصل زمین میں مسجد کی بنیاد بھی رکھیں گے۔ لیکن چونکہ اس مسجد کی داغ بیل میں کچھ غلطی نظر آئی اس لئے اسے کسی دوسرے وقت پر ملتوی کر دیا گیا۔ عصر کی نماز حضور نے اس

مسجد میں ادا فرمائی جو حضور کے عارضی مکان کے قریب ہی عارضی طور پر بنائی گئی ہے۔ اور اسی لئے اسے مسجد کی بجائے "جائے نماز" کا نام دیا گیا ہے۔ کیونکہ بعد میں یہ مسجد مستقل جگہ کی طرف منتقل کر دی جائے گی۔ یہ جائے نماز ایک کھلے چھپر کی صورت میں ہے جس کے نیچے لکڑی کے ستونوں کا سہارا دیا گیا ہے۔ اور اس کے سامنے ایک فراخ کچا صحن ہے اور اس مسجد کے علاوہ بھی ایک دو عارضی مسجدیں ربوہ میں تعمیر کی جا چکی ہیں کیونکہ اس وقت ربوہ کی آبادی ایک ہزار نفوس کے قریب بتائی جاتی ہے اور آبادی کی نوعیت بھی ایسی ہے کہ عام نمازوں میں سب دوستوں کا ایک مسجد میں جمع ہونا مشکل سمجھا گیا ہے۔ عصر کی نماز کے بعد دوستوں نے حضور سے مصافحہ کا شرف بھی حاصل کیا۔[۱]

سفرِ ربوہ کے چند بقیہ واقعات

۱۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کے اس یادگاری سفر کے پیش نظر احباب ربوہ نے پانچ بکروں کے ذبح کرنے کا بھی انتظام کیا تھا۔ کیونکہ خاص موقعوں پر یہ بھی ایک مسنون طریق ہے۔

۲۔ بکروں کے ذبح کرنے کے علاوہ ربوہ کی جماعت نے اس موقعہ پر غریبوں کو کھانا کھلانے کا بھی انتظام کیا تھا۔ چنانچہ بہت سے غریبوں کو دعا اور ردِّ بلا کی غرض سے کھانا کھلایا گیا۔

۳۔ اسی طرح اہل ربوہ نے غرباء میں کچھ نقد رقم بھی تقسیم کرنے کا انتظام کیا تھا کہ یہ بھی ایسے موقعوں پر برکت کا ایک روحانی ذریعہ ہے۔

۴۔ دوپہر کے کھانے کے بعد جو حضرت مسیح موعود کے لنگر کی طرف سے صدر انجمن احمدیہ نے پیش کیا۔ شام کا کھانا اہل ربوہ کی طرف سے پیش کیا گیا۔[۲]

سیدنا حضرت مصلح موعود اپنی ذات میں تجلیات الٰہیہ اور برکات ربانی کا زندہ اور چلتا پھرتا نشان تھے اور آپ کے نزول کو آسمانی نوشتوں میں بہت مبارک قرار دیا گیا تھا۔ مگر یہ مبارک سفر تو خدائی برکتوں کا ایک دریا ہے نور اپنے ساتھ لایا جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لقاء کے آخری درجہ تک پہنچنے والے مقربانِ بارگاہ الٰہی کے اقتداری خوارق کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

---

[۱] الفضل ۲۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء
[۲] الفضل ۲۷ تبوک/ستمبر ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۲

"اور جیسا کہ وہ مبارک ہے ایسا ہی اس کے اقوال و افعال و حرکات اور سکنات اور خوراک اور پوشاک اور مکان اور زمان اور اس کے جمیع لوازم میں برکت رکھ دیتا ہے تب ہر ایک چیز جو اس سے مس کرتی ہے بغیر اس کے جو یہ دعا کرے برکت پاتی ہے اور اس کے مکان میں برکت ہوتی ہے۔ اس کے دروازوں کے آستانے برکت سے بھرے ہوتے ہیں اس کے گھر کے دروازوں پر برکت برستی ہے جو ہر دم اس کو مشاہدہ ہوتی ہے اور اس کی خوشبو اس کو آتی ہے۔ جب یہ سفر کرے تو خدا تعالیٰ مع اپنی تمام برکتوں کے اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جب یہ گھر میں آوے تو ایک دریا نور کا ساتھ لاتا ہے۔"[۱]

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین

---

۱ آئینہ کمالات اسلام ص ۶۹

ضمیمہ تاریخ احمدیت جلد ۱۳

گروپ فوٹو مبلغین احمدیت

(نیشنل لیگ کور کی ماہانہ ٹریننگ کی تقریب انعامات مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۳۶ء

بمقام دیوان خانہ سالار جیش مرزا گل محمد صاحب قادیان)

کرسیوں پر (دائیں سے بائیں) ۱- شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مدیر الحکم ۲- سید سید احمد صاحب

۳- سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۴- مرزا گل محمد صاحب۔

۵- حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب

قطار ۱ (دائیں سے بائیں) ۱- مولوی چراغ الدین صاحب ۲- مولوی محمد حسین صاحب

۳- مولوی محمد شریف صاحب ۴- مولوی عبدالمالک خان صاحب ۴- مولوی غلام مصطفیٰ صاحب

۵- مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی ۶- مولوی عبدالغفور صاحب ۷- مولوی نعمت اللہ صاحب کھارا

۸- مولوی احمد خان صاحب نسیم۔

قطار ۲ (دائیں سے بائیں)۔ ۱- عبدالاحد خان صاحب خادم خاص حضرت مصلح موعود

۲- مولوی علی محمد صاحب اجمیری ۳- سید یوسف شاہ صاحب ۴- مولوی ظل الرحمٰن صاحب

۵- ملک محمد عبداللہ صاحب ۶- مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دیالگڑھی ۷- مولوی ظہور حسین صاحب مبلغ بخارا

۸- عبدالرحمٰن جنید ہاشمی - صاحب ۹- خان میر صاحب خادم خاص حضرت مصلح موعود

قطار ۳۔

۱- چوہدری مظفر الدین صاحب بنگالی ۲- مولوی عبدالواحد صاحب کشمیر

۳- مولوی محمد صادق صاحب چغتائی کنجاہی۔

نوٹ:- یہ نایاب اور قیمتی تصویر جس کا تذکرہ الحکم ۲۱ مارچ ۱۹۳۶ء صفحہ ۱ میں موجود ہے مولانا عبدالمالک خان صاحب ناظر اصلاح وارشاد ربوہ کی جدوجہد سے دستیاب ہوئی۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ)

(۲)

جلسہ سالانہ قادیان منعقدہ ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۹۴۸ء میں شریک ہونیوالے

بھارتی احمدیوں کی فہرست

۱	مولانا بشیر احمد صاحب انچارج احمدیہ مشن و امیر جماعت احمدیہ دہلی		امیر
۲	مکرم سید برکات احمد صاحب انفارمیشن آفیسر دہلی		نائب امیر
۳	〃 شیخ محمد لطیف صاحب		دہلی
۴	〃 غلام نبی صاحب ناسک		〃 (غیر احمدی دوست)
۵	〃 شیخ محمد عمر صاحب سرسپوری		〃
۶	〃 نبی حسن صاحب احمدیہ فرنیچر سٹور		〃
۷	〃 چوہدری محمد ایوب صاحب	〃	〃
۸	〃 ظہور الدین صاحب	〃	〃
۹	〃 حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیر		بہار
۱۰	〃 سید وزارت حسین صاحب صحابی	اورین	〃
۱۱	〃 پروفیسر اختر احمد صاحب اورینوی	پٹنہ	〃
۱۲	〃 ڈاکٹر سید منصور احمد صاحب	مظفر پور	〃
۱۳	〃 شمیم احمد صاحب سٹوڈنٹ میڈیکل کالج	پٹنہ	〃
۱۴	〃 سید غلام مصطفیٰ صاحب	مظفر پور	〃
۱۵	〃 دوست محمد صاحب	〃 〃	〃
۱۶	〃 مولوی محمد عقیل صاحب مکی	〃	〃
۱۷	〃 مولوی سمیع اللہ صاحب	رانچی	〃
۱۸	〃 محمد مظہر صاحب پال	〃	〃

۱۹	مکرم دوست محمد صاحب شمس نائب امیر جماعت احمدیہ کلکتہ		مغربی بنگال
۲۰	〃 بابو محمد رفیق صاحب	〃	〃
۲۱	〃 ظفر احمد صاحب بانی	〃	〃
۲۲	〃 نصیر احمد صاحب بانی	〃	〃
۲۳	〃 محمد اسحٰق صاحب	〃	〃
۲۴	〃 محمد رفیق صاحب وہیرہ	〃	〃
۲۵	〃 رشید احمد صاحب محمود	〃	〃
۲۶	〃 ظفر احمد صاحب مدہاون	〃	〃
۲۷	〃 ڈاکٹر اصغر حسین صاحب	〃	〃
۲۸	〃 مقصود احمد صاحب بہاری	〃	〃
۲۹	〃 رضوان الدین صاحب نیو 〃	〃	〃
۳۰	〃 سیف الدین صاحب پسر منشی محمد شمس الدین صاحب		〃
۳۱	〃 بدیع الزمان صاحب	〃	〃
۳۲	〃 سید بدر الدین صاحب سونگرہی	〃	〃
۳۳	〃 مولوی عبد اللطیف صاحب ہوڑہ	〃	〃
۳۴	〃 محمود احمد صاحب (تپسیا رزورکس)	〃	〃
۳۵	〃 منیر احمد صاحب (〃)	〃	〃
۳۶	〃 مولوی امیر علی صاحب ہوڑہ	〃	(غیر مبائع دوست)
۳۷	〃 مولوی فضل کریم صاحب	〃	〃
۳۸	دی محمود احمد صاحب مالاباری	〃	〃
۳۹	〃 حکیم محمد الدین صاحب انچارج احمدیہ مشن بمبئی ۔		بمبئی
۴۰	〃 کے عبد اللہ صاحب		〃
۴۱	سی رکے ۔ عبد اللہ صاحب		〃
۴۲	سی عنایت اللہ صاحب		〃
۴۳	پی عبد الحمید صاحب		〃

۴۴	مکرم محمد اسماعیل صاحب طالب علم		مالا بار (غیر احمدی دوست)
۴۵	" حاجی بقاء اللہ صاحب شوز مرچنٹ		بھوپال
۴۶	" محمد یونس صاحب ٹیلر ماسٹر	میرٹھ	یوپی
۴۷	" احسان الحق صاحب ٹیلر ماسٹر	"	"
۴۸	" حافظ رحمت الٰہی صاحب	مظفر نگر	"
۴۹	" مستری بشیر احمد صاحب	بھگوڑہ ضلع مظفر نگر	"
۵۰	" الطاف حسین خانصاحب	ادروے پورکٹیا ضلع شاہجہانپور	"
۵۱	" امام علی صاحب	" " "	"
۵۲	" حافظ سخاوت علی صاحب	شاہجہانپور	"
۵۳	" بہادر خان صاحب سیکرٹری مال	ساندہن ضلع آگرہ	"
۵۴	" حمزہ بن عبد القادر صاحب سٹوڈنٹ علی گڑھ یونیورسٹی		"
۵۵	" محمد شہاب صاحب بہاری	" "	"
۵۶	" ضمیر احمد صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ امروہہ		"
۵۷	" مظہر الاسلام صاحب پسر مکرم منشی حمید احمد صاحب امروہہ		"
۵۸	" عبد الحمید صاحب سیکرٹری مال جماعت احمدیہ	"	"
۵۹	" عبد الغفور صاحب	"	"
۶۰	" سلیم احمد صاحب	"	"
۶۱	" ارشاد احمد صاحب ولد ننھے میاں صاحب	"	"
۶۲	" ننھے میاں صاحب	"	"
۶۳	" رحیم اللہ صاحب	"	"
۶۴	" محمد اسحٰق صاحب	"	
۶۵	" قریشی محمد یونس صاحب	بریلی	"
۶۶	" عبد الحی صاحب	امروہہ	"

(مرتبہ: مولانا بشیر احمد صاحب فاضل مبلغ دہلی)

۱۳۲۷ہش ۱۹۴۷ء کے درویش

*...... یہ نشان ان درویشوں کیلئے ہے جو قادیان سے آگئے۔

شمار	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۱۔	صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب	حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود	قادیان	ناظر دعوت وتبلیغ قادیان (وفات ۲۹ اپریل ۲۰۰۷ء)
۲۔	مولوی محمد حفیظ صاحب فاضل	محمد اسماعیل صاحب بقاپوری	قادیان	مدرس مدرسہ احمدیہ، ایڈیٹر بدر، وفات ۵ نومبر ۱۹۸۷
۳۔	منظور احمد صاحب	یعقوب علی صاحب	گھنوکے ضلع سیالکوٹ	وفات ۶ دسمبر ۱۹۹۸
۴	افتخار احمد صاحب اشرف	ماسٹر محمد علی صاحب اظہر	قادیان	وفات ۱۶ جولائی ۱۹۹۰ء
۵	بابا اللہ دتہ صاحب	ماہیا صاحب پلاں والا	ریاست جموں	وفات ۱۳ دسمبر ۱۹۷۸ء
۶	فتح محمد صاحب	محمد عبداللہ صاحب	قادیان	وفات ۶ نومبر ۱۹۹۱ء
۷	بابا نور احمد صاحب باورچی	عمر دین صاحب	قادیان	وفات ۳۱/ جولائی ۱۹۷۳ء
۸	مستری محمد اسماعیل صاحب	نظام دین صاحب	راج گڑھ لاہور	وفات ۸ دسمبر ۱۹۷۰
۹	چوہدری عبدالقدیر صاحب	چوہدری سردار خان صاحب	موہنکی ضلع گوجرانوالہ	وفات ۱۳ اپریل ۱۹۸۷ء
۱۰	چوہدری حسن دین صاحب	فضل دین صاحب	قادیان	وفات ۵ جون ۱۹۷۵
۱۱	چوہدری فیض احمد صاحب[۱]	حافظ غلام غوث صاحب	قادیان	وفات ۲۸ اگست ۱۹۷۸ء
۱۲	مرزا محمود احمد صاحب	مرزا محمد کریم بیگ	قادیان	وفات ۲۰ جون ۱۹۸۶ء
۱۳	محمد ابراہیم صاحب غالب	دلاور علی صاحب بہار	قادیان	وفات یکم اکتوبر ۱۹۸۳ء
۱۴	نور محمد صاحب پونچھی	فضل احمد صاحب پونچھی	قادیان	وفات ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۲ء
۱۵	ڈاکٹر عطر دین صاحب صحابی	میاں بھولا صاحب	قادیان	۱۴ دسمبر ۱۹۷۴ء
۱۶	حافظ عبدالعزیز صاحب	محمد بخش صاحب	ننگل باغبان	وفات ۲۰ فروری ۱۹۷۳ء
۱۷	میاں اللہ دین صاحب صحابی	میاں احمد دین صاحب	شاہدرہ لاہور	وفات ۲۸ دسمبر ۱۹۸۲ء
۱۸	سید محمد شریف صاحب	سید حسین شاہ صاحب	گلی حسام الدین سیالکوٹ	وفات ۶/ اکتوبر ۱۹۷۷ء

[۱] ۱۹۷۸ء سے ناظر بیت المال خرچ کے اہم عہدہ پر فائز تھے (بدر قادیان ۲۳ اپریل ۱۹۸۷ء صفحہ ۱)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا مستقل رہائش کے لئے دارالہجرت میں ورود مسعود

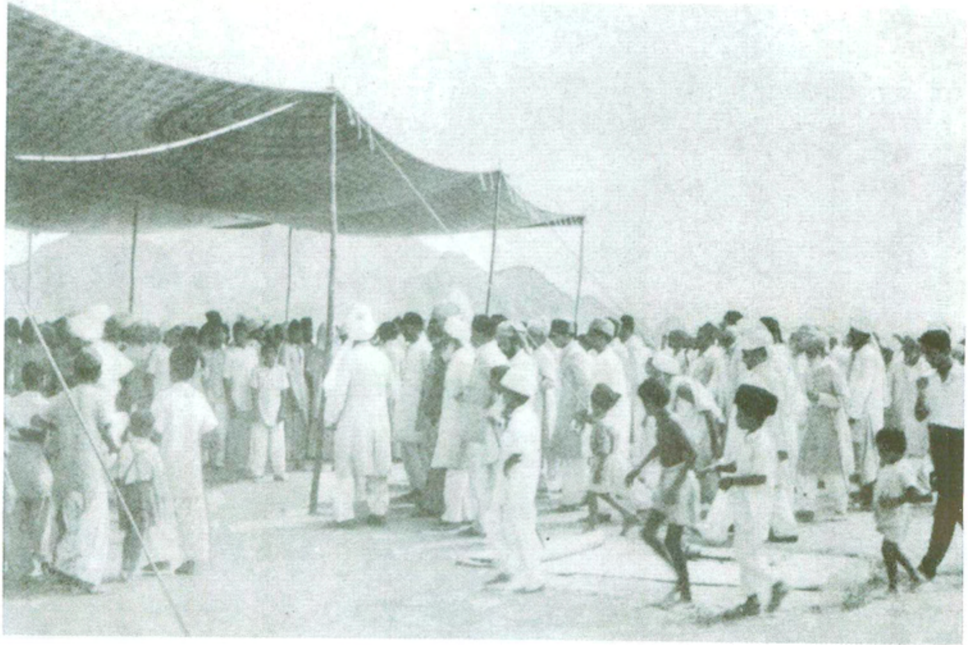

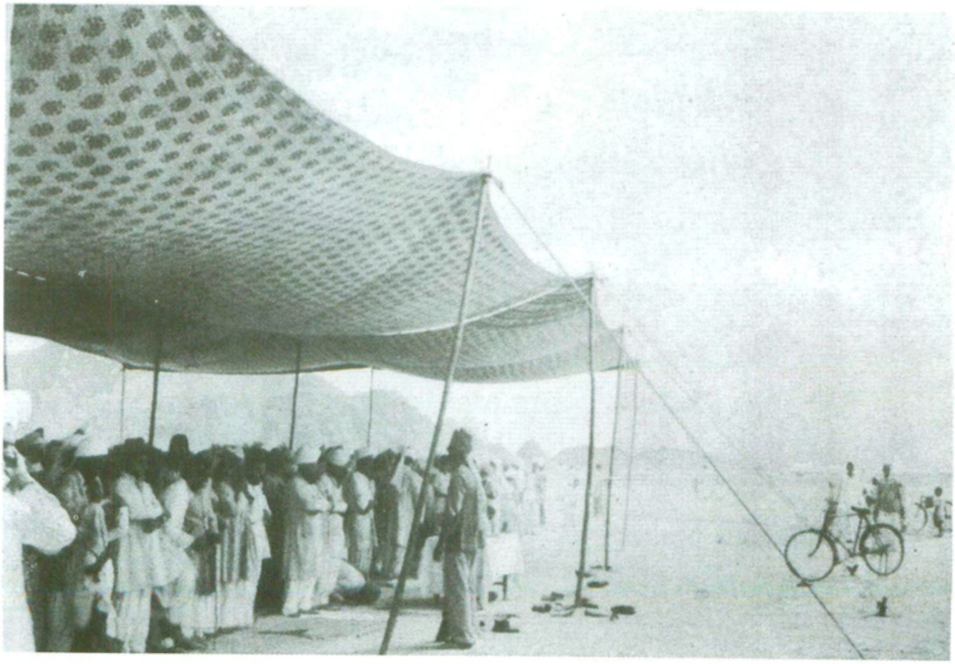

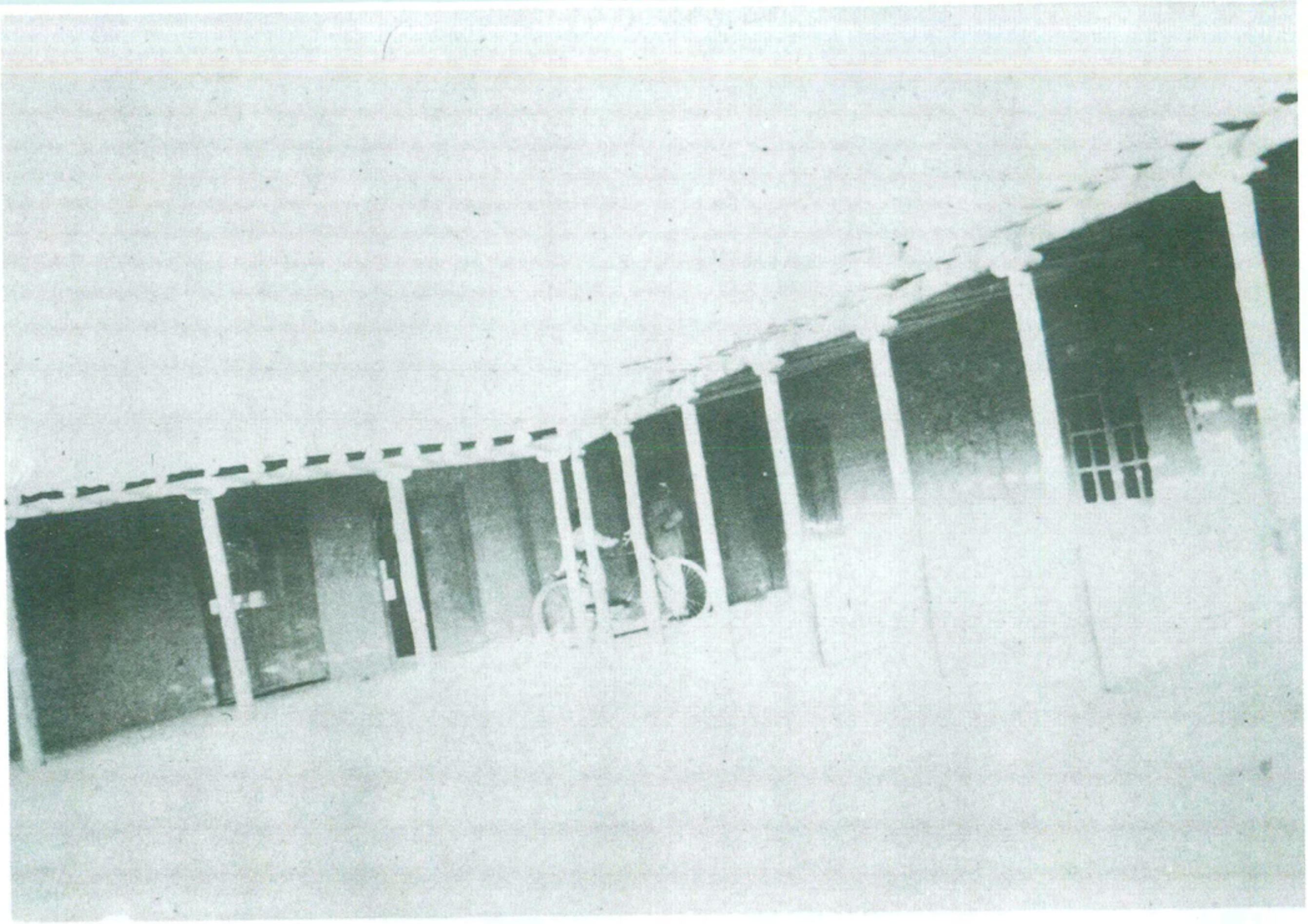

ربوہ میں دفتر پرائیویٹ سیکریٹری کی پرانی خام عمارت

سامنے کا ایک کمرہ حضرت مصلح موعودؓ سے ملاقات کے لئے مخصوص کیا گیا تھا

نمبر	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۱۹	محمد احمد صاحب نسیم کمپونڈر	ای حسن کٹی صاحب مالاباری	کینانور مالابار	۲۱ جولائی ۱۹۷۵ء
۲۰	حافظ نور الٰہی صاحب	حافظ محمد عارف صاحب	کوٹ مومن	وفات ۲۶ اپریل ۱۹۴۸ء
۲۱	عبدالاحد خان صاحب کابلی	مکرم فتح محمد خان	قادیان	وفات ۲/۳/ اگست ۱۹۶۸ء
۲۲	بابا محمد دین صاحب	بھولا صاحب بڈ کے، گوجرانوالہ	قادیان	وفات ۷ جولائی ۱۹۶۸ء
۲۳	حاجی ممتاز علی خان صاحب صحابی	حضرت خان صاحب ذوالفقار علی صاحب گوہر	قادیان	وفات ۲۹/ جولائی ۱۹۵۴ء
۲۴	منشی محمد دین صاحب صحابی	نور دین صاحب	کھاریاں	وفات ۱۰ نومبر ۱۹۵۱ء
۲۵	حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی صحابی	مہتا گوراں دِتا مل	قادیان	وفات ۵/۶ جنوری ۱۹۶۱ء بمقام خانیوال مدفون بہشتی مقبرہ قادیان
۲۶	بابا شیر محمد صاحب	دتے خان صاحب	قادیان	وفات ۲۹ اگست ۱۹۴۹ء
۲۷	بابا سلطان احمد صاحب	نور علی صاحب	قادیان	وفات ۱۲ مارچ ۱۹۵۸ء
۲۸	ملک خیر دین صاحب	کرم دین صاحب	قادیان	وفات ۲۳/ جون ۱۹۶۹ء
۲۹	بابا جان محمد صاحب	شاہ محمد صاحب	گھٹیالیاں سیالکوٹ	وفات ۲۲ جنوری ۱۹۶۵ء
۳۰	بابا فضل احمد صاحب صحابی	میرداد صاحب	ضلع سیالکوٹ	وفات ۱۷ نومبر ۱۹۶۹ء
۳۱	چوہدری محمد عبداللہ صاحب	علی گوہر صاحب	لائل پور	وفات ۲۶ اگست ۱۹۵۲
۳۲	بابا غلام محمد صاحب	فوجدار صاحب	مانگا ضلع سیالکوٹ	وفات ۲۰ اپریل ۱۹۶۷
۳۳	عطا محمد صاحب	جمعیت صاحب نوہٹ لدھیانہ	چک ۲۹۵ لائلپور	وفات ۶ نومبر ۱۹۶۲ء
۳۴	حاجی فضل محمد صاحب	موج دین صاحب	کپورتھلہ	وفات ۲۶ نومبر ۱۹۶۶ء
۳۵	شیخ غلام جیلانی صاحب	سمندر دین صاحب کپورتھلوی	لائل پور	وفات ۱۶ مئی ۱۹۶۵ء
۳۶	حافظ صدر دین صاحب صحابی	محمد دین صاحب قادر آباد	سیالکوٹ	وفات ۱۳ اپریل ۱۹۵۸ء
۳۷	بابا اللہ دتہ صاحب صحابی	باز خاں صاحب	دوالمیال جہلم	وفات ۱۰ فروری ۱۹۵۰ء
۳۸	بابا کرم الٰہی صاحب صحابی	عیدا صاحب	بھڈیار امرتسر	وفات ۲۵ ستمبر ۱۹۵۹ء
۳۹	کیپٹن ڈاکٹر بشیر احمد صاحب ایم ایس سی	چوہدری مہر دین صاحب سیالکوٹی	دسوہہ لائل پور	*تاریخ واپسی ۷ جولائی ۱۹۵۱ء وفات ۱۱/ نومبر ۱۹۸۷ء میڈیکل آفیسر ٹاؤن کمیٹی ربوہ
۴۰	بشارت احمد صاحب	خوشی محمد صاحب دربان	قادیان	*
۴۱	محمد ابراہیم صاحب خادم	مہتاب دین صاحب	قادیان	*مدفون بہشتی مقبرہ ربوہ

نمبر	نام	ولدیت	سکونت	کیفیت
۴۲	ماسٹر محمد یٰسین صاحب	علم دین صاحب	کوئٹہ	*
۴۳	صوفی خدا بخش صاحب	گوہر خان صاحب	زیرہ ضلع فیروز پور	* حال ربوہ
۴۴	میر محمد اکبر صاحب	میر محمد بخش صاحب	گوجرانوالہ	*
۴۵	عبدالکریم صاحب حجام	اللہ دتہ صاحب	ترگڑی گوجرانوالہ	* بے اجازت واپس
۴۶	مولوی عبدالوہاب صاحب عمر	حضرت مولانا نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ	قادیان	* جماعت سے وابستہ نہیں
۴۷	مستری جان محمد صاحب	حسن بخش صاحب	قادیان	*
۴۸	محمد تمیم صاحب	محمد الدین صاحب سیلونی	قادیان	*
۴۹	ملک محمد عبداللہ صاحب	ملک عبد الرحمٰن خان صاحب ککے زئی	نوشہرہ سیالکوٹ	*
۵۰	ملک محمد یوسف صاحب	ملک علی محمد صاحب	رتوچھ ضلع جہلم	*
۵۱	دوست محمد صاحب	پیرن خان	ڈیرہ غازی خان	*
۵۲	حضرت بھائی عبد الرحیم صاحب قادیانی صحابی	چندا سنگھ صاحب	قادیان	* مدفون بہشتی مقبرہ ربوہ
۵۳	نور محمد صاحب ماشکی	اللہ دتہ صاحب ماشکی	قادیان	*
۵۴	صدیق احمد صاحب	نور محمد صاحب ماشکی	قادیان	*
۵۵	حضرت حاجی محمد دین صاحب تہالوی	نور احمد صاحب تہالوی	تہال ضلع گجرات	* وفات ۹ جون ۱۹۶۵ء مدفون بہشتی مقبرہ ربوہ
۵۶	بابا صدر الدین صاحب	فضل داد صاحب	ککرال، گجرات	*
۵۷	چوہدری شکر دین صاحب	نواب دین صاحب بن باجوہ	بن باجوہ سیالکوٹ	*
۵۸	شیخ محمد یعقوب چنیوٹی صاحب	حاجی تاج محمود صاحب	چنیوٹ ضلع جھنگ	* وفات ۱۳ جولائی ۱۹۶۰ء ڈھاکہ مدفون بہشتی مقبرہ ربوہ
۵۹	خواجہ ضیاء الحق صاحب	عبدالحق صاحب	گوجر ضلع سیالکوٹ	*
۶۰	عبداللہ خان صاحب	فتح محمد صاحب	بھڑوال سیالکوٹ	*[1]

[1] یہاں ۲۳ درویش صحابہ کی فہرست حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے قلم سے ہفت روزہ ''الرحمت'' لاہور (۱۶ جنوری ۱۹۵۰ء صفحہ ۸) پر شائع شدہ ہے۔ فہرست میں ہر صحابی کا سال بیعت بھی درج ہے۔

حضرت نواب محمد الدین صاحبؓ کا ایک نایاب مکتوب

(درج ذیل مکتوب حضرت نواب محمد الدین صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت شیخ محمد الدین صاحب مختار عام کو لکھا تھا یہ مکتوب اس غیر معمولی شغف و انہماک محنت و جانفشانی اور احساس ذمہ داری کا آئینہ دار ہے جو رب کریم کی طرف سے حضرت نواب صاحب کو قیامِ مرکزِ نَو کے لئے عطا ہُوا تھا۔ اس مراسلہ پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر مضمون کی اندرونی شہادت اور بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قطعی طور پر (۲۰ تبوک ۱۳۲۷ ہش / ستمبر ۱۹۴۸ء) سے قبل کی تحریر ہے جبکہ اس مرکز کا افتتاح عمل میں نہیں آیا تھا۔ یہ مکتوب حضرت شیخ صاحبؓ نے مولف کتاب کو مرحمت فرمایا تھا۔)

ایچ مال روڈ ۱۰۸ لاہور

مکرمی سلمہٗ تعالےٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! خط پہنچا۔ غلہ گندم جو خرید نے کی تجویز ہے اس کے حفاظت سے رکھنے اور چوہوں اور کھپرے سے بچانے کے لئے کسی مناسب مکان کا احمد نگر میں یا چنیوٹ میں آیا انتظام ہو سکے گا۔ اس بات کی اطلاع فرما دیں۔

امید ہے انشاء اللہ چند روز میں ٹاؤن پلاننگ آفیسر (اور ان کے ساتھ ہمارا کوئی ہمرنیہ ہوگا) چک ڈگیانہ سرکاری کا موقعہ دیکھنے پہنچیں گے۔ آپ پٹواری کا بھی پتہ رکھیں۔ اور خود بھی چنیوٹ میں موجود رہیں۔ اور پرانے زمانہ میں ان پہاڑوں سے سنگ تراش شاید اینٹیں بنایا کرتے تھے۔ چک ڈگیانہ کے جنوب میں ایک دو میل کے فاصلہ پر ایک موضع سنگتراشاں ہے معلوم نہیں آیا اس موضع میں یا چنیوٹ میں کوئی سنگ تراش آیا بھی ہے یا نہیں۔ آج کل چاندنی راتیں ہیں اگر ہو سکے آپ چنیوٹ سے چل کر صبح سویرے دریا کے پار چک ڈگیانہ میں دریا کے کنارے صبح کی نماز پڑھا کریں اور نماز اور دعا سے فارغ ہونے کے بعد چک میں گھنٹہ دو گھنٹے وقت گشت لگایا کریں اور امور ذیل پر غور کیا کریں۔

۱۔ دریا سے پمپ کے ذریعہ پانی آراضی زیرِ بحث پر چڑھانے کے لئے کونسا موقعہ موزوں ہوگا؟

۲- اراضی زیر بحث میں ایک ٹیوب ویل آب پاشی کے لئے فوراً لگانا ہے اس کے لئے کون سا موقع موزوں ہوگا۔

۳- عمارتوں کے لئے پختہ اینٹیں تیار کرنے کے بھٹے لگانے ہوں گے ان کے لئے کون موقع ہونا چاہیئے۔

۴- آئندہ ماہ ساون میں پھلدار درخت آم وغیرہ اور نیز شیشم و یوکلپٹس و دھریک و کیکر کے درخت رقبہ زیر بحث میں کس کس موقع پہ لگانے مناسب ہوں گے۔ یہ بھی معلوم کریں۔ آیا اس نواح میں کہیں درختوں کی نرسری ہے اگر نہ ہو تو احمد نگر کوئی مناسب نرسری ذخیرہ درختاں کے لئے تجویز کیا جائے

۵- موضع احمد نگر کا بہت سا رقبہ سڑک پختہ مابین چنیوٹ و لالیاں کے (بائیں جانب چنیوٹ سے لالیاں جاتے ہوئے) بنجر پڑا ہے۔ اگر وہ رقبہ مناسب قیمت پہ ہم خرید لیں تو غالباً اس کو نہری بنایا جا سکتا ہے۔ وہ رقبہ دیکھیں اور معلوم کریں کہ کس کی ملکیت ہے اور آیا اس کا خرید کرنا مناسب ہوگا۔ اپنے طور پہ یہ حالات معلوم کریں یہ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں کہ ہم اس کو خریدنا چاہتے ہیں۔

۶- آپ یہ بھی غور کریں کہ مکانات بنانے کے لئے کونسا قطعہ موزوں ہوگا۔ یعنی آبادی دیہہ کہاں ہونی چاہیئے ہمارے کارخانے اور کالج وسکول و فضل عمر انسٹی ٹیوٹ و لائبریری وغیرہ کے لئے کونسا موقعہ موزوں ہوگا۔ ؟

۷- قبرستان کہاں ہونا چاہیئے۔

۸- احمد نگر میں کچھ رقبہ نہر سے آبپاشی ہوتا ہے۔ آپ وہ راجباہا دیکھیں جس سے اس رقبہ کو نہری پانی ملتا ہے۔

آپ نہر محکمہ میں رہ چکے ہیں۔ پٹواری نہر و ضلعدار سے بھی ملیں۔ اور اس امر پر غور کریں کہ اس موضع کے باقی رقبہ کو جو اس وقت نہری نہیں ہے نہری آبپاشی میں لانے کے لئے کیا تجویز ہو سکتی ہے!

گورنمنٹ کو ضرورت ہے غلّہ کی پیداوار بڑھانے کی، اور اس ضرورت کی طرف توجہ دلا کر اس رقبہ کی آبپاشی کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ بنجر رقبہ سرکاری ہے۔ تو سردست ہم سرکار سے عارضی کاشت پہ لینے کی درخواست کر سکتے ہیں۔

۹۔ جو امور میں نے اوپر درج کئے ہیں ان میں سے بعض کے متعلق آپ مولوی ابوالعطاء صاحب اور احمد نگر میں دوسرے دوستوں سے بھی مشورہ کر سکتے ہیں۔ اور اس علاقہ کے اپنے زمینداراں سے بھی اپنے طور پر معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۰۔ جب کام شروع ہو گا۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی رہائش کے لئے چنیوٹ میں کوئی موزوں مکان (کی) ضرورت ہو گی۔ چنیوٹ اسٹیشن کے نزدیک شہر سے باہر کوئی بنگلے ہیں جو شاید پناہ گزینوں کے قبضہ میں ہوں گے۔ ان کا خیال رکھیں جب ان میں سے کوئی بنگلہ خالی ہو فوراً اپنے نام الاٹ کرانے کی کوشش کریں۔ حضرت صاحب کی طبیعت سے آپ واقف ہیں حضور ہرگز یہ پسند نہیں کرتے کہ کسی کو تکلیف پہنچے جو مکان آپ حاصل کریں ایسے طور پر عمل ہو کہ کسی کو وجہ شکایت نہ پیدا ہو۔

۱۱۔ احمد نگر اور لالیاں میں بھی حضور کے لئے مکان ہونا چاہیئے جہاں آپ کبھی کبھی استراحت فرما سکیں۔ لالیاں میں تو ڈاک بنگلہ موجود ہے لیکن احمد نگر میں ایسی صورت نہیں وہاں جس جگہ بیٹھ کر ہم نے کھانا کھایا تھا وہ ٹوٹے پھوٹے مکانات ہیں۔ گاؤں کے اندر مسجد کے نزدیک اگر کوئی مکان ہو جو تھوڑے تغیر و تبدل کے بعد حضور کی عارضی رہائش کے لئے موزوں بن سکے تو بہتر ہو گا۔

۱۲۔ یہ وادی غیر ذی زرع میں مہاجرین قادیان کی بستی کی بنیاد رکھی جانے والی ہے۔ ہمارے دوستوں کو جو چنیوٹ میں ہیں اور جو احمد نگر میں ہیں تعطیل کے دن وہاں پہنچ کر دعائیں کرنی چاہئیں اور وہ نظارہ قائم کرنا چاہیئے جو حضرت ابراھیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ کی بنیاد رکھتے وقت اپنی دعاؤں سے قائم کیا تھا۔

۱۳۔ اس نواح میں جو احمدیوں کے مواضعات اضلاع جھنگ، لائل پور، سرگودھا میں واقعہ ہیں۔ اُن کا بھی آپ پتہ لے رکھیں۔

۱۴۔ لالیاں اور چنیوٹ میں غالباً کپاس وغیرہ کے کارخانے ہیں۔ ان کی میعاد اگست تک ہے۔ جن لوگوں نے پچھلے مہینوں میں کارخانوں کو ٹھیک طور پر نہیں چلایا ان سے کارخانے لے کر غالباً دوسروں کو جو انتظام کے اہل ہوں دیئے جائیں گے ان کارخانوں کی بابت بھی آپ معلومات حاصل کریں۔

۱۵۔ کیا دریا کے کنارے چنیوٹ میں کوئی لکڑی منڈی ہے۔ انشاءاللہ ہم اپنی عمارتوں کے لئے دیار اور چیڑ وغیرہ کی لکڑی وزیر آباد سے دریا کے راستہ لایا کریں گے۔ اور ڈگیانہ کے محاذ لکڑی منڈی کا موقع تجویز کرنا ہوگا۔

۱۶۔ چنیوٹ اور احمد نگر کے درمیان کسی مناسب موقع پر آئل پمپ کی تجویز بھی کرنی ہوگی۔

۱۷۔ اگر آپ ریلوے لائن پر چنیوٹ کی طرف سے لالیاں کو چلیں تو چک ڈگیاں میں ایک موقعہ پر پل ہے اس پل سے بارشی پانی شمال مشرق سے جنوب غرب کو دریا کی طرف جاتا ہے۔ اگر اس بارشی پانی کو روکنے کے لئے اس نالی پر دو تین موقعوں پر چھوٹے چھوٹے بند لگا دیئے جائیں تو بارشی پانی کی چند ایک چھپڑیاں نشیب میں بن جائیں گی اور اغلب ہے کہ اچھی بارش کی صورت میں وہاں اتنا پانی جمع ہو جائے کہ مال مویشی کے لئے کئی ماہ تک کام آ سکے۔ اس کے متعلق آپ خرچ کا اندازہ کر کے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں رپورٹ کریں

۱۸۔ چک ڈگیاں کا رقبہ عموماً کلراٹھی ہے کلراٹھی زمین میں کیکر کا درخت اگر چہ نکلے تو زمین درست ہونے میں امداد ملتی ہے۔ اس لئے بارشی لائنوں میں بارش کے موسم میں کیچڑ میں اگر کیکر کا بیج دیا جاوے تو کیکر چل نکلیں گے۔

۱۹۔ ان چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں کوئی درخت نہیں ہیں کیونکہ بکریاں چرتی ہیں ان پر درخت اگنے نہیں پاتے۔ اگر ہم بکری چرائی منع کر دیں گے تو امید ہے ان پہاڑوں پر گھاس اور ایندھن کی کچھ پیداوار ہو سکے۔

پہاڑیوں کے دامن میں ایسے موقع تلاش کرنے چاہئیں جہاں تھوڑا سا بند لگانے سے پہاڑ کے بارشی پانی کے چھوٹے تالاب چھپڑیاں بن جاویں۔ جودھپور میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے دامن میں رہنے والے زمیندار آبنوشی کے ایسے تالاب بنا رکھتے ہیں۔

۲۰۔ شروع میں ۶ ماہ کے لئے ہم کو عملہ کے لئے اور معماروں اور مزدوروں کے لئے چھپروں کی ضرورت ہوگی۔ اس علاقہ میں چھپر بند مل جایا کرتے ہیں اس کے متعلق بھی آپ معلوم کریں کہ کیا ایسے چھپر بند مل سکتے ہیں۔

۲۱۔ ان پہاڑیوں کے اوپر چھوٹے چھوٹے مکان بنے ہوئے ہیں اور ایک اچھی پختہ بلڈنگ دریا کے کنارے ریلوے برج کے نزدیک چنیوٹ کی جانب واقع ہے۔ وہ غالباً خالی ہے۔ ہم ایسے خالی مکانات کا قبضہ

لے لیویں۔ جب تک ہمارے مکانات نئے قصبہ میں تیار نہیں ہوتے۔ یہ مکانات استعمال میں آسکیں گے۔ امید ہے آپ بفضلہ تعالےٰ ہر طرح صحت و عافیت سے ہوں گے۔

آپ کا

محمد الدین

نقوش پریس لاہور

تاریخِ احمدیّت

جلد چہاردہم

مجلسِ خُدام الاحمدیہ مرکزیہ پاکستان کے پہلے سالانہ اجتماع سے
لے کر جماعت احمدیہ کے سالانہ جلسہ سنہ ۱۳۳۰ ہش ۱۹۵۱ء تک۔

مؤلّفہ

دوست محمدؐ شاهد

النّاشِر:- ادارۃ المصنّفین، ربوہ

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد سیز دہم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-120-8

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-13 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt. Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-120-8

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب

انجنیئرنگ کالج لاہور کے احمدی طلبا میں رونق افروز ہیں (۲ ماہِ شہادت ۱۳۳۰ ہش/۱۹۵۱ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جابجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرّخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یادرکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یادرکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنّفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۱۴ کو جلد نمبر ۱۳ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر واشاعت قادیان بھی تاریخ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد سیزدہم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر دُرّانی

(ناظر نشر واشاعت قادیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

تاریخِ احمدیّت کی چودھویں جلد

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق اور اس کی عنایت سے جلسہ سالانہ ۱۹۷۳ء کی مبارک تقریب پر تاریخ احمدیت کی چودھویں جلد طبع ہو کر احباب کی خدمت میں پیش ہو رہی ہے یہ جلد ۱۹۴۹ء کے مجلس خدام الاحمدیہ کے مرکز ربوہ میں پہلے اجتماع سے لے کر سالانہ جلسہ ربوہ ۱۹۵۱ء تک کے ایمان افروز روح پرور اور انقلاب آفریں واقعات پر مشتمل ہے اس جلد کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے بہت سے غیر مطبوعہ پیغامات مراسلات اور تحریرات کے علاوہ حضور کے سفر بھیرہ کے موقع کی پُرمعارف تقریر پہلی بار مکمل طور پر شائع ہو رہی ہے اس طرح متعدد نایاب اور بالکل غیر مطبوعہ فوٹو جو مصلح موعودؓ کے خدا نما عہد مبارک کی پیاری یاد کو تازہ کر رہے ہیں نہایت عمدہ طباعت کے ساتھ شامل اشاعت ہیں

۱۹۵۱ء میں السید عبدالوہاب عسکری عراقی نمائندہ مؤتمر عالم اسلامی ربوہ تشریف لائے ان کے اعزاز میں جامعۃ المبشرین میں دعوت دی گئی جامعۃ المبشرین ان دنوں اس کچی عمارت میں تھا جو جلسہ سالانہ کے لنگر خانہ کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس تقریب میں حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب مرحوم اور مکرم شیخ نور احمد صاحب منیر مبلغ بلاد عربیہ بھی شامل ہوئے خاکسار ان دنوں جامعۃ المبشرین کے پرنسپل کے فرائض ادا کر رہا تھا اس تقریب کے فوٹو لئے گئے ان میں سے دو فوٹو خاکسار کے پاس محفوظ تھے۔ وہ بھی اس جلد میں تاریخی یادگار بن رہے ہیں۔

زمانہ کے حالات بڑی سرعت سے بدل رہے ہیں پچھلے سال کی نسبت اس سال بہت زیادہ مہنگائی ہو گئی ہے اور تقریباً ہر چیز کی قیمت دگنی اور بعض چیزوں کی قیمت دگنی سے زیادہ ہو گئی ہے کاغذ جو پچھلے سال ۴۸ روپے رِم تھا اب اسی روپے رِم خریدا گیا ہے ان حالات میں اخراجات طباعت کا بڑھ جانا ناگزیر تھا بہرحال قیمت تقریباً لاگت کے مطابق رکھی گئی ہے احباب سے درخواست ہے کہ وہ کتاب کو خرید کر تعاون فرمائیں تاکہ تاریخ احمدیت کی تکمیل کے فرض سے ہم جلد سبکدوش ہو سکیں۔ بالآخر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری مساعی کو قبول فرمائے (آمین)

خاکسار ابوالمنیر نور الحق
مینجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین۔ ربوہ۔
۱۷ دسمبر ۷۳ء

فہرست مضامین تاریخ احمدیت جلد چہاردہم

عنوان	صفحہ
پہلا باب	
مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ پاکستان کے پہلے سالانہ اجتماع سے لے کر راولپنڈی کے شہدائے احمدیت کی شہادت کے حالات تک	۱
ترقیوں اور ابتلاؤں کا متوازی سلسلہ	۱
فصل اوّل	
مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا پہلا سالانہ اجتماع	
فصل دوم	
اخبار الرحمت کا اجراء اور حضرت مصلح موعودؓ کا بصیرت افروز افتتاحی مضمون	۵
فصل سوم	
مسجد مبارک ربوہ کے سنگ بنیاد کی مقدس تقریب	۱۵
حضرت امیر المومنین کی تشریف آوری	۱۶
بیرونی مخلصین کی آمد	۱۶
حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایات خصوصی	۱۶
نماز عصر اور بنیاد کی تقریب	۱۷
حضرت امام ہمام کا ایمان افروز خطاب	۱۹
تعمیر مسجد سے قبل صدقہ	۲۰
مسجد مبارک کی تعمیر اور افتتاح	۲۰
فصل چہارم	
حضرت امیر المومنین کا رہائش ربوہ کے بعد پہلا روح پرور خطبہ جمعہ	۳۱
منافق طبع لوگوں کی اصلاح کرنے اور خلیفۂ وقت کو اطلاع دینے کی تحریک	۳۷
حضرت مصلح موعودؓ کا لیکچر سرگودھا	۴۱
فصل پنجم	
احمدیہ مسلم مشن گلاسگو کا قیام	۴۲
مشن کی بنیاد	۴۳
ابتدائی تبلیغی سرگرمیاں	۴۳
مسلم ہیرلڈ کا اجراء	۴۴
آرچ بشپ آف یارک اور پوپ کو دعوت مذاکرہ	۴۴
حلقہ اشاعت اسلام میں وسعت	۴۵
مبلغ اسلام کا ایثار	۴۵
ٹرینیڈاڈ کو روانگی	۴۶
گلاسگو مشن دار التبلیغ لندن کی براہ راست نگرانی میں	۴۶
مشن کے دور ثانی کی خدمات پر ایک نظر	۴۶
حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا سفر سیالکوٹ	۴۸
فصل ششم	
کوائف قادیان	۴۹
قادیان سے متعلق حکومت کی پالیسی میں تبدیلی	۵۴

عنوان	صفحہ
دشمنانِ اسلام و احمدیت کا ایک تباہ کن منصوبہ اور اس کی ناکامی	۵۶
جلسہ قادیان کے لئے پہلا پاکستانی قافلہ	۶۰
پاکستانی قافلہ کا خیر مقدم	
فصل ہفتم	
قادیان اور ربوہ میں سالانہ جلسہ ہائے (۱۹۴۹ء)	
جلسہ ربوہ	۶۶
حضرت امیر المومنین کی دوسری تقریر	۷۰
جلسہ ربوہ کی بعض خصوصیات	۷۱
فصل ہشتم	
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۷۲
فصل نہم	
۱۳۲۸ ہش (۱۹۴۹ء) کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	۹۵
خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ میں تقاریبِ مسرت	۹۵
نصرت گرلز ہائی سکول ربوہ میں	
حضرت امیر المومنین کی مسلمانانِ عالم کو نصیحت	۹۶
جرمن نومسلم کو حضرت مصلح موعودؓ کا خصوصی ارشاد	۹۶
حضرت مصلح موعودؓ اخبار نویسوں کے	۹۷
قافلہ سمیت محاذِ کشمیر پر	۹۷
انجمن حمایت اسلام کے مشاعرہ میں احمدی	
شاعر کے کلام کی مقبولیت	۹۹
پاکستانی سائنسدانوں کو نصیحت	۱۰۱
جماعت احمدیہ لاہور کی تبلیغی و تعلیمی ذمہ داریاں	۱۰۱

عنوان	صفحہ
حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اہم بیان	۱۰۲
کشمیر میں استصواب رائے کے سلسلہ میں	
نائیجیریا، انگلستان اور امریکہ میں کامیاب سالانہ جلسے	۱۰۴
لبنانی پریس میں حضرت امام جماعت احمدیہ کا تذکرہ	۱۰۹
مبلغین کی بیرونی ممالک سے آمد و روانگی	۱۱۰
نئی مطبوعات	۱۱۰
فصل دہم	
کتاب اسلام اور ملکیت زمین کی اشاعت	۱۱۲
مجلس مشاورت ۱۳۲۹ ہش / ۱۹۵۰ء کا انعقاد	
دفاعِ وطن کی تیاری میں حصہ لینے اور جدید لٹریچر	
تیار کرنے کی تحریک حضرت مصلح موعودؓ کا سفر کوئٹہ	
سندھ، اوکاڑہ اور پاکپتن میں دو احمدیوں کی المناک	
شہادت خلافت ثانیہ کا ۳۷ واں سال ۱۳۲۹ ہش / ۱۹۵۰ء	
اسلام اور ملکیت زمین کی اشاعت	۱۱۴
مجلس مشاورت کا انعقاد	۱۱۷
دفاعِ وطن کی تیاری میں حصہ لینے کی پرزور تحریک	۱۱۸
تبلیغ اسلام کے لئے جدید لٹریچر تیار کرنے کی تحریک	۱۲۴
حضرت مصلح موعودؓ کا سفر کوئٹہ و سندھ وغیرہ	۱۲۵
بعض خاص علمی تقریبات	
کوئٹہ میں درس القرآن	۱۲۶
جلسہ عام سے حقیقت افروز خطاب	۱۲۷
حیدرآباد میں اسلام اور کمیونزم کے موضوع پر لیکچر	۱۳۲

عنوان	صفحہ
کراچی میں ایک خاص خطبہ جمعہ	۱۳۵
کراچی پریس کانفرنس	۱۴۱
مسلم لیگی حکومت کا معاندانہ رویہ اور	۱۴۵
حضرت مصلح موعودؓ کی راہنمائی	
اوکاڑہ اور اس کے ماحول کی آتش فضا	۱۴۹
ماسٹر غلام محمد صاحب کا واقعہ شہادت	۱۵۱
پنجاب پریس کا جانبدارانہ رویہ اور تسنیم کی معذرت	۱۵۳
اخبار تنظیم (پشاور) کا پرزور نوٹ اور حکومت سے مطالبہ	۱۵۴
حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے جماعت احمدیہ کو اپنے	۱۵۶
اندر روحانی انقلاب برپا کرنے کی تلقین۔	
راولپنڈی میں چوہدری بدرالدین صاحب کی شہادت	۱۵۸
اخبارات کی جھوٹی گمراہ کن اور متضاد خبریں	۱۵۹
سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے	۱۶۰
جماعت کو تبلیغ حق کا خصوصی ارشاد	
دوسرا باب	
حضرت مصلح موعودؓ کے سفر بھیرہ سے لے کر	۱۶۴
احمدیہ مسجد سمندری کے حادثہ آتشزدگی تک	
(ماہ نبوت ۱۳۲۹ تا احسان ۱۳۳۰ہش / نومبر ۱۹۵۰ء تا جون ۱۹۵۱ء)	
فصل اوّل	
حضرت مصلح موعودؓ کا سفر بھیرہ	۱۶۴
حضرت امیر المومنین کا اہل بھیرہ سے	۱۶۸
پُر معارف اور ایمان افروز خطاب	

عنوان	صفحہ
دعوت چائے میں شرکت اور مراجعت	۲۰۰
فصل دوم	
کوائف قادیان ۱۳۲۹ہش / ۱۹۵۰ء	۲۰۱
حضرت مصلح موعودؓ کی اہم سکیم	۲۰۱
نظام عمل میں خوشگوار تغیر	۲۰۳
فصل سوم	
سالانہ جلسہ قادیان ۱۳۲۹ہش / ۱۹۵۰ء	۲۰۵
اور حضرت مصلح موعودؓ کا روح پرور پیغام	
کوائف جلسہ	۲۰۹
قافلہ پاکستان کے مختصر حالات	۲۱۲
فصل چہارم	
کوائف ربوہ ۱۳۲۹ہش / ۱۹۵۰ء	
ربوہ باقاعدہ سٹیشن بن گیا	۲۱۵
حضرت مصلح موعودؓ کی ذاتی لائبریری ربوہ میں	۲۱۶
مصباح کا اجراء	۲۱۶
مکانات کی تعمیر کا آغاز	
مرکزی عمارات کا سنگ بنیاد اور تعمیر	۲۱۷
فصل پنجم	
سالانہ جلسہ ربوہ اور حضرت مصلح موعودؓ کی	۲۱۹
طرف سے مخالفین احمدیت کے دو الزامات	
کا حقیقت افروز جواب	
برطانوی ایجنٹ ہونے کے الزام کا جواب	۲۲۰

عنوان	صفحہ
باؤنڈری کمیشن میں الگ میمورنڈم پیش کرنے کے اعتراض کا جواب	۲۲۸
اخبار تنظیم اہل حدیث میں سالانہ جلسہ ربوہ کی رپورٹ	۲۴۷
فصل ششم	
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۲۴۹
فصل ہفتم	
۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	۲۵۶
صاحبزادہ محمد اکرم خان صاحبؓ کی شہادت	۲۵۶
حضرت مصلح موعودؓ کا انگریزی زبان میں خطاب	۲۵۷
جلسۂ سیالکوٹ پر سنگباری اور ایک سعید روح کا قبول احمدیت	۲۵۷
چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو قتل کرنے کی سازش اور حضرت مصلح موعودؓ کی تحریک دعا	۲۵۸
چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کے بارہ میں ایک تشویشناک خبر	۲۵۹
حضرت امیر المومنین کی طرف سے احرار کے ایک جعلی لٹریچر کی تردید	۲۶۰
مسلمانوں اور پاکستان کا قیام اسلام کے قیام پر منحصر ہے	۲۶۱
جماعت احمدیہ کی مرکزی تنظیموں اور علماء سلسلہ کو احساس ذمہ داری کی تلقین	۲۶۳
خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق ایک ضروری اعلان	۲۶۵

عنوان	صفحہ
سلسلہ احمدیہ کے متعلق ایک تاریخی روایت اور حضرت مصلح موعودؓ کی رہنمائی	۲۶۶
سلسلہ احمدیہ کے متعلق ایک تاریخی روایت کے بارہ میں ایک مقابل روایت	۲۶۷
حضرت مصلح موعودؓ کا ایک ارشاد خاص عالمگیر اسلامی نظام کے قیام سے متعلق	۲۶۹
حضرت مصلح موعودؓ کا ایک مختصر مگر پرمعارف نوٹ	۲۶۹
جماعت احمدیہ اور مغربی پاکستان پریس	۲۷۰
دردمند دل مقتدر کشمیری مسلمانوں کی طرف سے احراری شورش کے خلاف احتجاج	۲۷۴
خدا کے لئے کشمیر اور کشمیریوں پر رحم کریں	۲۷۴
حضرت امیر المومنین کی ایک اہم نصیحت	۲۷۹
نوجوانان احمدیت کو قربانیوں کی دعوت	۲۸۱
بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں	۲۸۲
مجاہدین احمدیت کی مرکز میں تشریف آوری	۲۸۶
مبلغین احمدیت کی بیرونی ممالک کو روانگی	۲۸۶
علمائے سلسلہ کی نئی مطبوعات	۲۸۷
فصل ہشتم	
دعاؤں کے چلّہ کی خاص تحریک	۲۸۷
طلبائے انجینئرنگ کالج لاہور سے پُر اثر خطاب	
نمائندہ عراق عبد الوہاب عسکری کی ربوہ آمد	
احمدی وفد مؤتمر عالم اسلامی کے دوسرے سالانہ	

عنوان	صفحہ
اجلاس میں بنیادی حقوق کی رپورٹ پر علماء سلسلہ کا تبصرہ محبت الٰہی کے موضوع پر پُرمعارف خطبات احمدیہ مسجد سمندری کی آتش زدگی۔	
خلافت ثانیہ کا ۳۸ واں سال ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء	
دعاؤں کے چلّہ کی خاص تحریک	۲۸۷
تحریک دعا کی اہمیت پر مزید روشنی	۲۹۲
احمدی جماعتوں کا والہانہ لبیک	۲۹۳
ملتان کانفرنس کے جواب میں الفضل کا خصوصی نمبر	۲۹۳
طلباء انجینئرنگ کالج لاہور سے حضرت امیرالمومنین کا پُراثر خطاب	۲۹۴
عبدالوہاب العسکری کی ربوہ میں آمد	۲۹۴
احمدی وفد مؤتمر عالم اسلامی کے دوسرے سالانہ اجلاس میں	۲۹۵
مدرسوں میں حلقۂ تبلیغ وسیع کرنے کی تحریک	۲۹۸
بنیادی حقوق کی کمیٹی کی رپورٹ پر علمائے سلسلہ کا تبصرہ	۲۹۹
محبت الٰہی کے موضوع پر پُرمعارف خطبات	۳۰۱
احمدیہ مسجد سمندری کی آتش زدگی	۳۰۴
ضلع لائل پور کے معزز مسلمانوں کا کھلا اظہار نفرت	۳۰۴
روزنامہ جدید نظام کا احتجاج	۳۰۷
تیسرا باب	
جامعہ نصرت ربوہ کے افتتاح سے لے کر سالانہ جلسہ ربوہ ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء تک	
فصل اوّل	
جامعہ نصرت کا افتتاح اور حضرت مصلح موعودؓ کا ایمان افروز خطاب	۳۱۰
جامعہ نصرت ربوہ کا پس منظر	۳۱۰
جامعہ نصرت کا افتتاح	۳۱۴
حضرت امیرالمومنین کا بصیرت افروز خطاب	۳۱۵
ابتدائی اساتذہ	۳۲۶
دوسرے کوائف	۳۲۶
حضرت مصلح موعودؓ کی دعاؤں کے نتیجہ میں جامعہ نصرت کی حیرت انگیز ترقی	۳۲۷
جامعہ نصرت کا خالص اور شالی اسلامی ماحول	۳۲۸
سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا اظہار خوشنودی	۳۲۸
فصل دوم	
تحریک جدید کی طرف سے سیلون مشن کا قیام اور اس کی عظیم الشان اسلامی خدمات	۳۳۹
سیدنا حضرت مہدی معہود کی تحریرات	۳۴۰
مالدیپ اور سیلون میں حضرت صوفی غلام محمد صاحب کی تبلیغی مساعی	
مشکلات کے باوجود جماعت احمدیہ سیلون کی شاندار خدمات	۳۴۱
حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی تشریف آوری اور جزیرہ میں احمدیت کا زبردست چرچا۔	۳۴۳

عنوان	صفحہ
حضرت مولوی عبداللہ صاحب مالاباری کی پرجوش تبلیغی جدوجہد	۳۴۶
اسلامیہ سوورنیر کا اجراء	۳۴۸
تحریک جدید کے سیلون مشن کا قیام	۳۴۸
جماعتی تربیت و اصلاح کا نظام	۳۴۸
مالی قربانیوں میں ترقی	۳۴۹
لائبریریوں کا قیام	۳۴۹
دی میسج کا احیاء	۳۵۰
مشرقی صوبہ میں ذیلی مشن کی بنیاد	۳۵۱
سنہلی زبان میں سلسلہ احمدیہ کا وسیع لٹریچر	۳۵۱
اسلامک لٹریچر سنٹر	۳۵۳
شائع ہونے والے اسلامی لٹریچر کی تفصیل	۳۵۴
ملک بھر کے وسیع دورے اور ان کا اثر	۳۵۴
قرآنی اسباق کی وسیع اشاعت	۳۵۵
مشن کی اسلامی خدمات کا ردّ عمل	۳۵۵
مستقبل کے لئے انتظامیہ کی تشکیل	۳۵۶
فصلِ سوم	
رسالہ التبلیغ کا اجراء صوبہ سرحد کے دو احمدیوں کی شہادت نوابزادہ لیاقت علی خان صاحب وزیر اعظم پاکستان کا سفاکانہ قتل اور حضرت مصلح موعودؓ کا حقیقت افروز تبصرہ	۳۵۷
ربوہ سے رسالہ التبلیغ کا اجراء	۳۵۷
رسالہ کی جبری بندش	۳۶۰
حضرت امیر المؤمنین کے دو پیغام یوم تحریک جدید کے موقع پر	۳۶۰
صوبہ سرحد میں دو احمدیوں کی دردناک شہادت	۳۶۲
نوابزادہ لیاقت علی خان کی مخالفت اور سفاکانہ قتل	۳۶۳
جماعت احمدیہ کی طرف سے گہرے رنج و غم کا اظہار اور حضرت مصلح موعود کے عزم کا اعلان	۳۶۶
حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعود کا حادثۂ قتل پر بصیرت افروز تبصرہ	۳۶۷
حادثۂ قتل کے تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ	۳۷۸
رپورٹ کے حق میں پاکستانی پریس کی آواز	۳۷۹
حضرت مصلح موعودؓ کی پانچ ہدایات	۳۸۱
فصل چہارم	
حضرت مصلح موعودؓ کا خصوصی پیغام جماعت انڈونیشیا کے نام	۳۸۴
اخبار الرحمت اور عزل خلفاء	۳۸۷
ملتان اور لائل پور کے جلسہ ہائے سیرت النبی میں ہنگامہ آرائی	۳۹۰
جلسہ سیرت النبی ملتان	۳۹۱
جلسہ سیرت النبی لائل پور	۳۹۲

عنوان	صفحہ
اخبار مصلح کا دوبارہ اجراء اور سیدنا حضرت مصلح موعود کا افتتاحی مضمون	۳۹۴
فصل پنجم	
حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کی علم و معرفت سے لبریز تقاریر	
سالانہ جلسہ ربوہ ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء کی مقدس تقریب پر	۳۹۸
مخالفت کو انعام سمجھنے اور سالانہ جلسہ کے ایام کو شکر گزاری کی طرح بسر کرنے کی تلقین	۳۹۹
تغیرات عالم اور جماعت احمدیہ	۳۹۹
عالم اسلام کے مسائل پر تبصرہ اور دعائے خاص کی تحریک	۴۰۰
عقیدہ احمدیت کی فاتحانہ شان	۴۰۱
تحریک احمدیت کے دس بنیادی اصول اور ان کی برتری	۴۰۲
اسلام کے روحانی غلبہ کا شاندار تصور	۴۰۳
عالم روحانی کا دربار خاص	۴۱۱
ضمیمہ	

تصاویر

۱۔ سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب انجینئرنگ کالج لاہور کے احمدی طلبہ میں رونق افروز ہیں۔

۲۔ سیدنا حضرت مصلح موعود کا ورود کراچی

۳۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے سفر کراچی ۱۹۵۰ء کا ایک منظر

۴۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کراچی پریس کانفرنس کو خطاب فرما رہے ہیں۔

۵۔ حضرت مصلح موعودؓ اہل بھیرہ سے خطاب فرما رہے ہیں۔

۶۔ مسجد مبارک ربوہ کا ایک پرکیف منظر

۷، ۸۔ السید عبد الوہاب عسکری عراقی نمائندہ مؤتمر عالم اسلامی جامعۃ المبشرین میں

۹۔ جلسہ سالانہ ربوہ ۱۹۵۱ء کے روح پرور نظارے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ــــ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

پہلا باب

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ پاکستان کے پہلے سالانہ اجتماع سے لیکر اوکاڑہ اور راولپنڈی کے شہدائے احمدیت کی شہادت کے حالات تک

ترقیوں اور ابتلاؤں کا متوازی سلسلہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی ہجرتِ ربوہ کا واقعہ پچھلی جلد میں آچکا ہے۔ اِس اہم اور ناقابلِ فراموش واقعہ کے بعد جماعتِ احمدیہ کا قدم عظیم الشان ترقیات اور خوفناک ابتلاؤں کے ایک متوازی سلسلہ میں داخل ہوگیا۔

یہ زمانہ احمدیت کے لئے بڑی تنگی اور مصیبت کا زمانہ تھا مگر جہاں خدا تعالیٰ نے اپنے فضلوں اور قدرتوں کے پے در پے جلوے دکھائے وہاں حضرت مصلح موعودؓ اور دوسرے بزرگانِ سلسلہ احمدیہ نے

بالخصوص اور باقی افرادِ جماعت نے بالعموم علیٰ قدرِ مراتب اپنے مولیٰ کریم سے وفاداری اور صبر و توکل کا وہی بے مثال نمونہ دکھایا جس کا نقشہ حضرت مہدیٔ معہود و مسیح موعود علیہ السلام نے درج ذیل الفاظ میں کھینچا ہے:-

"ایک قوی توکّل ان کو عطا ہوتی ہے اور ایک محکم یقین ان کو دیا جاتا ہے اور ایک لذیذ محبت الٰہی جو لذّتِ وصال سے پرورش یاب ہے اُن کے دِلوں میں رکھی جاتی ہے۔ اگر اُن کے وجُودوں کو ہاونِ مصائب میں پیسا جائے اور سخت شکنجوں میں دے کر نچوڑا جائے تو ان کا عرق بجز حُبِّ الٰہی کے اور کچھ نہیں۔ دُنیا اُن سے ناواقف اور وہ دنیا سے دُورتر و بلندتر ہیں۔ خدا کے معاملات ان سے خارق عادت ہیں۔ اُن پر ثابت ہوا ہے کہ خدا ہے۔ اُنہی پر کھُلا ہے کہ ایک ہے۔ جب وہ دعا کرتے ہیں تو وہ ان کی سُنتا ہے۔ جب وہ پُکارتے ہیں تو وہ انہیں جواب دیتا ہے۔ جب وہ پناہ چاہتے ہیں تو وہ ان کی طرف دوڑتا ہے۔ وہ باپوں سے زیادہ ان سے پیار کرتا ہے اور ان کی در و دیوار پر برکتوں کی بارش برساتا ہے۔ پس وہ اس کی ظاہری و باطنی و رُوحانی و جسمانی تائیدوں سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ اور وہ ہر یک میدان میں اُن کی مدد کرتا ہے کیونکہ وہ اس کے اور وہ اُن کا ہے۔" [1]

تحریکِ احمدیت کے خلاف ہنگامہ آرائیوں اور کھُلی جارحانہ کارروائیوں کا دائرہ تو زیادہ تر برّصغیر پاک و ہند میں ہی محدود رہا مگر جماعتِ احمدیہ کی شاندار پیش قدمی نہ صرف برّصغیر کے اندر بلکہ دُنیا بھر میں ایک فاتحانہ شان کے ساتھ جاری رہی۔ پہلے سے قائم شدہ احمدی مشنوں میں اسلام کی پاک و مقدّس خدمات کا سلسلہ زور پکڑ گیا۔ نئے مشن قائم ہوئے۔ نیا لٹریچر شائع ہوا۔ علاوہ ازیں سلسلہ احمدیہ کا جدید مرکز دیکھتے ہی دیکھتے ایک عالی شان شہر میں تبدیل ہو گیا جس کی بدولت انوارِ قرآنی قدیم و جدید دنیا تک بڑی تیزی سے پھیلنے لگے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّظَاهِرًا وَّبَاطِنًا۔ اَسْلَمْنَا لَهٗ هُوَ مَوْلٰينَا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔

---

[1] سُرمہ چشم آریہ صفحہ ۱۳ حاشیہ طبع اوّل۔

فصلِ اوّل

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ پاکستان کا پہلا سالانہ اجتماع

دُنیا کی مذہبی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام پر ابتدائے زمانہ میں ایمان لانے والے زیادہ تر جوان ہی ہوتے ہیں۔ عہدِ شباب میں قویٰ مضبوط اور طاقت ور ہوتے ہیں اور دِلوں میں ایک اُمنگ، ولولہ اور جوش موجزن ہوتا ہے اِس لئے وہ ایک لمبے عرصہ تک نُورِ صداقت کو پھیلا سکتے اور اس کی اشاعت و ترویج میں حِصّہ لے سکتے ہیں۔ خاص طور پر تبلیغی، اصلاحی اور رُوحانی سلسلوں کے لئے تو اَور بھی ضروری ہے کہ اُن کے اندر آسمانی تعلیم کو مدّتِ دراز تک اپنی اصلی صورت میں محفوظ رکھنے کے لئے تعلیم کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے کا مفید اور بابرکت نظام پورے تسلسل سے موجود رہے تا وہ اپنے ظاہری ڈھانچہ اور حقیقی رُوح دونوں کے ساتھ رائج و نافذ ہو اور پُختہ بنیادوں پر جاری رہ سکے۔

تاریخِ مذاہب کے اسی انقلابی اصول اور اٹل فلسفہ کی بناء پر حضرت مصلح موعودؓ نے ۴ر فروری ۱۹۳۸ء کو مجلس خدام الاحمدیہ جیسی عالمی تنظیم کی بنیاد رکھی جس کے متحدہ ہندوستان میں (۱۳۲۵ھش / ۱۹۴۶ء تک) ۹ سالانہ اجتماعات ہوئے۔

پاکستان میں مجلس کا پہلا سالانہ مرکزی اجتماع ۳۰، ۳۱ر اخاء / اکتوبر و یکم نبوت / نومبر ۱۳۲۸ھش / ۱۹۴۹ء کو ربوہ کے بے آب وگیاہ اور وسیع میدان میں منعقد ہوا۔ اِس اجتماع کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ حضور نے خدام الاحمدیہ کے نظام میں اِس بنیادی تبدیلی کا اعلان فرمایا کہ خدام الاحمدیہ نے چونکہ دینداری کی ان تمام توقعات کو اس حد تک پُورا نہیں کیا جس حد تک مَیں چاہتا تھا اِس لئے آئندہ کے لئے مجلس خدام الاحمدیہ کا صدر مَیں ہؤا کروں گا اور شوریٰ کی طرح اس کے اجتماع بھی میری ہی صدارت میں ہؤا کریں گے اور نائب صدر کا کام محض تنفیذِ احکامِ صدر ہو گا۔ حضرت امیرالمؤمنین نے اِس تنظیمی تبدیلی کی نسبت یہ وضاحت فرمائی کہ اس کا تعلق میرے ساتھ ہے تمہارے ساتھ نہیں۔ نائب صدر میرا نمائندہ ہو گا لہٰذا تمہیں نائب صدر کے احکام کی پابندی صدر ہی کے احکام سمجھ کر

کرنا ہوگی۔ نائب صدر اپنے عہدہ کی حیثیت سے صدر انجمن احمدیہ کا ممبر ہوا کرے گا۔[1]

پاکستانی دور کے اس پہلے سالانہ اجتماع میں نوجوانانِ احمدیت نے تین دن خالص علمی، ورزشی اور دینی مصروفیات میں گذارے اور حضرت مصلح موعودؓ نے اس اجتماع میں احمدی نوجوانوں کو تین بار خطاب سے نوازا اور ان کو بہت سی قیمتی نصائح فرمائیں جو ہمیشہ مشعلِ راہ کا کام دیں گی۔ مثلاً :-

۱۔ خدام الاحمدیہ ایک رُوحانی جماعت ہے لہٰذا اس سے توقع کی جاتی ہے کہ یہ رُوحانی تقاضوں کو پورا کرے۔

۲۔ انتخاب میں محض اس لئے کوئی نام تجویز کرنا کہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی اولاد میں سے ہے خدام الاحمدیہ کی اس رُوح کے منافی ہے جس کے قیام کے لئے یہ تحریک جاری کی گئی ہے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ اس کا عمل اسلام اور احمدیت کی شان کے مطابق ہے یا نہیں۔ اہلِ بیت کے معاملے میں تو قرآن کریم کا ارشاد نہایت ہی سخت ہے کہ اگر وہ کوئی غلطی کریں گے تو انہیں دُگنی سزا ملے گی۔ پس جب تک مذہب کی صحیح رُوح کسی شخص میں پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی صحیح مومن نہیں ہو سکتا۔

۳۔ احمدی نوجوان کے معنے یہ ہیں کہ اسے اپنی زبان پر قابو ہو، وہ محنتی ہو، وہ دیندار ہو، وہ پنجوقتہ نمازی ہو، وہ قربانی و ایثار کا مجسمہ ہو اور کلمۂ حق کو زیادہ سے زیادہ پہنچانے میں نڈر ہو۔[2]

۴۔ فرمایا "فیشن اور سماج کے رواج تمہیں مرعوب نہ کرنے پائیں۔ انبیاء کی تاریخ پر نظر دوڑا کر دیکھو وہ کہاں فیشن سے مرعوب ہوتے تھے؟ اُنہوں نے کب نوکریاں چلے جانے کے ڈر سے اپنے فرائض کی صحیح ادائیگی چھوڑ دی تھی؟ کلمۂ حق کو ہر حال میں نڈروں کی طرح پہنچانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مجھے ہر گز ان عقلمندوں کی ضرورت نہیں جو قدم قدم پر لوگوں سے مرعوب ہوتے پھریں بلکہ مجھے ان دیوانوں اور پاگلوں کی ضرورت ہے جو خدا کی بات منوا کر ہی چھوڑیں۔ اپنے اندر عمل کا جذبہ پیدا کرو اور دُنیا والوں کے تمسخر کی پرواہ نہ کرو۔ یاد رکھو تعریف وہی اچھی ہے جو آسمان پر ہو دُنیا والوں کی تعریف اس آسمانی تعریف کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔"[3]

---

[1] الفضل ۴ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء صہ ۵

[2] الفضل یکم نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء صہ ۸

[3] الفضل ۴ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء صہ ۲

۵۔ قواعد کی پابندی ہر حالت میں لازمی ہوتی ہے۔ جو قومیں دلیلوں سے قاعدے توڑنے کا جواز نکالنا شروع کر دیتی ہیں اُن کی ذہنیتیں شکست خوردہ ہو جاتی ہیں۔ افسر جو قانون بنائیں سب سے پہلے اس پر خود کاربند ہوں۔ ؎۱

غلاصہ یہ کہ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے اپنی زندگی بخش اور رُوح پرور تقریروں میں مجلس کی گذشتہ جدوجہد کا تجزیہ کیا، اس کے عمدہ کاموں کو سراہا اور خامیوں کو دُور کرنے کی تلقین فرمائی اور آئندہ کے لئے قوم کے نونہالوں کی تربیت کی باگ ڈور خود اپنے مقدس ہاتھ میں لے لی۔ ؎۲

حضور کی اِس بروقت توجہ اور براہِ راست نگرانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مجلس بہت جلد چوکس اور بیدار ہو کر پہلے سے زیادہ خدمتِ خلق میں سرگرمِ عمل ہو گئی۔

فصلِ دوم

اخبار "الرحمت" کا اجراء اور حضرت مصلح موعودؓ کا بصیرت افروز افتتاحی مضمون

حکومتِ ہندوستان نے اخبار الفضل پر پابندی عائد کر دی تھی حضرت مصلح موعودؓ نے حکم دیا کہ ہندوستان کی احمدی جماعتوں کے لئے ایک نیا اخبار لاہور سے جاری کیا جائے جو خالصتاً تبلیغی اور اخلاقی اقدار کا علمبردار ہو۔

؎۱ الفضل ۴ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۲

؎۲ اجتماع کے پہلے روز خدام کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی اور ۸۹ خیمے نصب ہوئے۔ اجتماع میں دینی معلومات اور پیمائشِ ذہنی کے امتحانات ہوئے جن کے دلچسپ پرچے الفضل ۲ نبوت و ۴ نبوت ۱۳۲۸ھش میں چھپ چکے ہیں۔ پیمائشِ ذہنی کا پرچہ شعبۂ نفسیات تعلیم الاسلام کالج نے مرتب کیا تھا۔ خدام کے ساتھ ساتھ اطفال کے علمی اور ورزشی مقابلوں کے پروگرام جاری رہے۔ پہلے دن احمدی بچوں نے اپنے مقامِ اجتماع میں ۲۶ خیمے لگائے۔ (الفضل یکم نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۳)

اِس پر ۱۲ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء کو مکرم شیخ روشن دین صاحب تنویر کی ادارت میں الرحمت جاری کیا گیا جو ۶ ہجرت ۱۳۳۰ھش / مئی ۱۹۵۱ء تک ایک کامیاب دینی ترجمان کی حیثیت سے باقاعدگی کے ساتھ نکلتا رہا۔

اخبار الرحمت کے پرنٹر و پبلشر مکرم مسعود احمد خان صاحب دہلوی اور مینیجر مکرم مولوی محمد عبداللہ صاحب اعجاز تھے۔ شروع میں یہ اخبار کو اپریٹو کیپٹل پرنٹنگ پریس وطن بلڈنگ لاہور میں چھپتا تھا لیکن بعد میں اس کی طباعت پہلے ویسٹ پنجاب پرنٹنگ پریس موہن لال روڈ لاہور میں پھر پاکستان ٹائمز پریس لاہور میں ہوئی۔ درمیان میں اس کے بعض پرچے جیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں بھی چھپتے رہے۔

اخبار الرحمت کی بنیاد چونکہ حضرت مصلح موعودؓ کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی تھی اس لئے جماعت کے اس نئے ترجمان نے اس خلاء کو فوری طور پر بہت حد تک پُورا کر دیا جو اخبار الفضل کی جبری بندش نے پیدا کر دیا تھا۔ اس اخبار میں پورے التزام کے ساتھ حضرت مصلح موعودؓ کے رُوح پرور خطبات چھپتے تھے برِّصغیر پاک و ہند کے علماءِ سلسلہ کی تقاریر اور مضامین نیز بیرونی ممالک کے مجاہدین کی معلومات افزا رپورٹیں بھی شائع کی جاتی تھیں۔ ربوہ کی تازہ خبریں بھی باقاعدگی سے درج کی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں اس میں مرکزِ احمدیت قادیان اور دوسری ہندوستانی جماعتوں کی تبلیغی اور تنظیمی جدّوجہد پر بھی روشنی ڈالی جاتی تھی۔

سیّدنا حضرت امیر المومنین مصلح موعودؓ نے الرحمت کے اجراء پر ایک نہایت مفصّل، حقیقت افروز افتتاحی مضمون[1] سپردِ قلم فرمایا جو اس کے پہلے شمارہ کے صفحہ ۳ اور ۴ پر شائع ہوا۔ ذیل میں اس مبارک مضمون کا متن درج کیا جاتا ہے:۔

اعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ۞ نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم

والسّلام علٰی عبدہ المسیح الموعود

---

[1] اِس پہلے پرچہ میں "اسلام ایک رحمت کا پیغام ہے" کے عنوان سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا ایک قیمتی نوٹ بھی شائع ہوا۔

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا

"الرحمت"

آج سے چھتیس سال پہلے نہایت خطرناک حالات اور بالکل بے بسی اور بیکسی کی صورت میں مَیں نے الفضل اخبار جاری کیا تھا جو پہلے ہفتہ وار شروع ہوُا اور اب روزانہ اخبار کی صورت میں شائع ہو رہا ہے اور اِس وقت ملک کے مقتدر پرچوں میں شمار کیا جاتا ہے تقسیم ہند کے بعد یہ پرچہ ہندوستان سے پاکستان میں آگیا۔ اپنی مرضی سے نہیں مجبوری سے۔ ملک کے حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے کہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا رہنا اور مغربی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں کا رہنا قریباً ناممکن ہو گیا۔ یہ حالات یقیناً تکلیف دہ تھے تکلیف دہ ہیں اور تکلیف دہ رہیں گے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِن حالات کے پیدا کرنے میں قدرت کی کوئی مصلحت بھی تھی۔ وہ کیا تھی؟ شاید اس کا بیان ابھی مناسب نہ ہو۔ بہرحال ان حالات کی وجہ سے علاوہ افراد کے بہت سے ہندو اور سکھ اخبار بھی مغربی پنجاب سے نکل کر مشرقی پنجاب کی طرف منتقل ہو گئے اور بہت سے مسلمانوں کے اخبار مشرقی پنجاب سے نکل کر مغربی پنجاب میں آ گئے۔ جہاں تک اخباروں کا تعلق ہے شاید نقصان ہندوؤں اور سکھوں کا زیادہ ہوُا اور مسلمانوں کا کم کیونکہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا ایک ہی مقتدر اخبار الفضل تھا لیکن مغربی پنجاب میں ہندوؤں کے کئی بڑے بڑے پرچے تھے مثلاً "ٹربیون" "پرتاپ" "ملاپ" "اجیت" "ویر بھارت"۔

جو پرچے جس ملک میں گئے لازماً ان کی ہمدردیاں اُن ممالک سے وابستہ ہو گئیں۔ الفضل گو ایک مذہبی پرچہ تھا لیکن کبھی کبھار اس میں نیم سیاسی مضامین بھی شائع ہوتے تھے جن میں اپنی دیرینہ پالیسی کے مطابق پوری احتیاط سے کام لیا جاتا تھا اور خیال رکھا جاتا تھا کہ بین الاقوامی منافرت کی کوئی صورت پیدا نہ ہو لیکن ایک پاکستانی اخبار کے جذبات بہرحال پاکستانی ہی ہو سکتے تھے میرے علم میں تو ایسی کوئی بات نہیں مگر ہندوستان کے بعض صوبوں کی حکومتوں نے الفضل کے بعض مضامین کو

قابلِ اعتراض سمجھ کر اس کا داخلہ بند کر دیا۔ اور اب تو قریباً سارے ہندوستان میں ہی سوائے دہلی کے اِس کا داخلہ بند ہے۔ ہندوستانی حکومت کے پاس جب اس کے متعلق احتجاج کیا گیا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ مرکزی حکومت نے الفضل کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھایا اور براہِ راست اس کے ماتحت علاقوں میں اس کا داخلہ ممنوع قرار نہیں دیا گیا۔ باقی رہیں صوبہ جاتی حکومتیں سو وہ اِس معاملہ میں آزاد ہیں۔ اگر کسی صوبہ جاتی حکومت نے ایسا کیا ہو تو آپ اُس سے براہِ راست احتجاج کریں۔ الفضل چونکہ ایک مذہبی پرچہ تھا اِس لئے ہندوستان کی جماعتوں کے جذبات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ اِس پرچہ میں سیاسی مضامین کلیتًا ممنوع قرار دئے جائیں تا کہ کسی غیر گورنمنٹ کو اس پر اعتراض کا موقع نہ ملے لیکن یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی اور باوجود اِس کے کہ الفضل میں سیاسی مضمون چھپنے بند ہو گئے ہندوستان کے مزید صوبوں میں اس کا داخلہ بند کیا جاتا رہا۔ اور جیسا کہ اُوپر لکھا جا چکا ہے اب قریباً سارے ہندوستان میں اس کا داخلہ بند ہے۔ جس طرح ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ الفضل کے کونسے مضامین کی وجہ سے اس کا داخلہ ممنوع قرار دیا جانے لگا ہے اسی طرح ہماری سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آئی کہ الفضل میں سیاسی مضامین کے ممنوع ہو جانے کے باوجود اس کا داخلہ مزید صوبوں میں کیوں بند کیا جاتا رہا مگر بہرحال یہ حکومت اپنے مصالح کو خود سمجھتی ہے اور دوسرے لوگوں کی سمجھ میں خواہ وہ مصالح آئیں یا نہ آئیں ان کے لئے احکامِ حکومت کی پابندی لازمی اور ضروری ہوتی ہے خصوصاً جماعتِ احمدیہ کے لئے جس کے اصول میں یہ بات داخل ہے کہ جس حکومت کے ماتحت رہو اس کے احکام کی فرمانبرداری کرو اِس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ بجائے اس کے کہ الفضل کے خلاف جو قدم اُٹھایا گیا ہے اس پر پروٹیسٹ کریں اور اس کے ازالہ کے لئے کوئی جدّوجہد کریں ایک نیا اخبار جاری کر دیا جائے جو کلیتًا سیاسیات سے الگ ہو تا کہ ان جماعت ہائے احمدیہ کی تنظیم اور تبلیغ میں کوئی روک پیدا نہ ہو جو ہندوستان میں رہتی ہیں۔ اِس ارادہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کرتے ہوئے کہ وہ اِس پرچہ کو بابرکت بنائے اور ان مقاصد کی اشاعت میں کامیاب کرے جن کا ذکر ذیل میں کیا جائے گا۔

مَیں "الرحمت" کو جاری کرتا ہوں۔ یہ پرچہ خالص مذہبی پرچہ ہوگا۔ اور جہاں اس کی پالیسی یہ ہوگی کہ یہ انصاف اور عدل کے قوانین کے مطابق مختلف مذاہب کے لوگوں میں عقل اور اخلاق کی پیروی

کی رُوح پیدا کرے وہاں اس کی یہ بھی پالیسی ہوگی کہ وہ سیاسیات سے الگ رہتے ہوئے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان ایک بہتر فضا پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

ہمیں نہایت ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کئی ہندوستانیوں نے مسٹر گاندھی کے ان اعلانات کو بھلا دیا ہے کہ ہر ہندو اور سکھ اور غیر مسلم کو جو پاکستان میں رہتا ہے پاکستان کا مخلص اور وفادار شہری ہو کر رہنا چاہیئے۔ اور کئی مسلمانوں نے قائدِ اعظم کے ان اعلانات کو بھلا دیا ہے کہ ہر مسلمان کو جو ہندوستان میں رہتا ہے ہندوستانی حکومت کا مخلص اور وفادار شہری ہو کر رہنا چاہیئے۔ ان لیڈروں کے منشاء کے خلاف کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ کسی غیر مسلم کو پاکستان میں رہنا ہی نہیں چاہیئے اور اگر ایسا ہو تو پھر پاکستان میں رہنے والے غیر مسلم کو دل میں پاکستان سے دشمنی رکھنی چاہیئے اور ہندوستان میں رہنے والے مسلمان کو دل میں ہندوستان سے دشمنی رکھنی چاہیئے۔ اگر گاندھی جی اور قائدِ اعظم کے بیانات نہ بھی ہوتے تب بھی یہ جذبہ اور رُوح نہایت افسوسناک اور مذہب اور اخلاق کے خلاف تھی مگر اِن دو زبردست ہستیوں کے اعلانات کے خلاف اِس قسم کے جذبے کا پیدا ہونا نہایت ہی تعجب انگیز اور افسوسناک ہے۔ ہندوستان کی موجودہ دو علاقوں میں تقسیم بعض مصلحتوں کے ماتحت ہوئی تھی۔ ان مصلحتوں سے زیادہ کھینچ تان کر اِس مسئلہ کو کوئی اور شکل دینا کسی صورت میں جائز نہیں ہو سکتا۔ جب تقسیم اٹل ہو گئی تھی تو مَیں نے اُسی وقت یہ اعلان کیا تھا کہ اگر یہ تقسیم ہونی ہی ہے تو پھر کوشش کرنی چاہیئے کہ دونوں ملکوں کے باشندوں کو ایک دوسرے کے ملک میں بغیر پاسپورٹ کے آنے جانے کی اجازت ہو۔ تجارت پر کسی قسم کی کوئی پابندیاں نہ ہوں[1]۔ لیکن افسوس کہ اُس وقت میری آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی اور شاید آج بھی یہ آواز صدا بصحرا ثابت ہوگی

---

[1] حضرت مصلح موعودؓ کے اِس خیال کے پیچھے صرف یہ جذبہ کارفرما تھا کہ بھارت کو تبلیغِ اسلام کے ذریعہ پھر سے مسلم ہند یعنی پاکستان بنانے کا رستہ کھلا رہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"ہم ہندوستان کو چھوڑ نہیں سکتے یہ ملک ہمارا ہند وؤں سے زیادہ ہے۔ ہماری سستی اور غفلت سے عارضی طور پر یہ ملک ہمارے ہاتھ سے گیا ہے۔ ہماری تلواریں جس مقام پر جا کر کُند ہو گئیں وہاں سے ہماری زبانوں کا حملہ شروع ہوگا اور اسلام کے خوبصورت اصول کو پیش کر کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگر میری بات کو مان لیا جاتا تو وہ خون ریزی جو مشرقی پنجاب اور کشمیر میں ہوئی ہے ہرگز نہ ہوتی۔ ہم کلی طور پر آزاد بھی ہوتے مگر ہماری حیثیت اُن دو بھائیوں سے مختلف نہ ہوتی جو اپنے والدین کی جائداد تقسیم کر کے اپنے چولہے الگ کر لیتے ہیں۔ وہ یقیناً اپنی اپنی جائداد کے کُلی طور پر مالک ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے ماتحت نہیں ہوتے۔ ان کا کھانا پینا بھی الگ الگ ہوتا ہے۔ ان کی آمدنیں بھی الگ ہوتی ہیں اور ان کے خرچ بھی الگ ہوتے ہیں مگر باوجود اس کے وہ بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ اگر ماں باپ کی جائداد کے تقسیم کرنے سے دو بھائی دشمن نہیں بن جاتے تو ہندوستان کے تقسیم کرنے سے مسلمان اور ہندو کیوں دشمن بن جائیں تقسیم دشمنی نہیں پیدا کرتی تقسیم کے پیچھے کسی غلط روح کا ہونا دشمنی پیدا کرتا ہے میں چاہتا تھا کہ اس غلط روح کو کچل دیا جائے اور بھائیوں بھائیوں کی طرح مسلمان اور ہندو اپنی آبائی جائداد کی تقسیم کا فیصلہ کریں مگر میری اس آواز کو اُس وقت نہ سُنا گیا۔ میری اس آواز کو بعد میں بھی نہ سُنا گیا۔ پاکستان کے ایک متعصب عنصر نے میرے ان خیالات کی وجہ سے مجھے پاکستان کا ففتھ کالمسٹ قرار دیا اور انھوں نے یہ نہ سوچا کہ میں وہی کہہ رہا ہوں جس کا اعلان بار بار قائدِ اعظم نے کیا تھا۔ صرف فرق یہ تھا کہ قائدِ اعظم نے ایک مجمل اصل بیان کیا تھا اور میں شروع سے ان تفاصیل کو بیان کر رہا تھا جن تفاصیل کے ذریعہ سے ہی قائدِ اعظم کا بیان کردہ اصل عملی صورت اختیار کر سکتا تھا۔ میرے ان خیالات کی وجہ سے ہندوستان کے احمدیوں کو بھی ہندوستان میں کُشتنی اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ ہم اپنے ہندو بھائیوں کو خود اپنا جزو بنا لیں گے مگر اس کے لئے ہمیں راستہ کو کھلا رکھنا چاہیئے۔" (الفضل ۶ر شہادت ۱۳۲۵ھش صفحہ ۱-۲)

"الرحمت" چونکہ ہندوستان کے لئے جاری کیا گیا تھا اس لئے برِصغیر کے ماحول کو اشاعتِ اسلام کے لئے سازگار بنانے کا مسئلہ اوّلیت رکھتا تھا ورنہ حضور ایک بین الاقوامی تبلیغی جماعت کے آسمانی راہ نما تھے اسلئے امن کے معاملہ میں بھی علاقائی یا ملکی سطح کی بجائے مستقل طور پر ایک عالمی مسلک رکھتے تھے جو حضور کے الفاظ میں یہ ہے :۔

"ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ ساری دنیا کی ایک حکومت قائم ہوتا باہمی فسادات دُور ہوں اور انسانیت بھی اپنے جوہر دکھانے کے قابل ہو مگر ہم اس کو آزاد قوموں کی آزاد رائے کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں۔"

(الفضل ۲۲ اخاء ۱۳۲۴ھش / اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۱)

گردن زدنی سمجھا گیا۔ شاید کسی اَور مسلمان فرقہ کو اس قدر نقصان ہندوستان میں نہیں پہنچا جس قدر کہ احمدی جماعت کو پہنچا ہے۔ اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کا امام گاندھی جی کے بیان کردہ اصل کی ترجمانی کے صحیح طریق ان کے سامنے پیش کر رہا تھا ہم نے ایک سچائی کے لئے دونوں ملکوں میں تکلیف اُٹھائی اور شاید دونوں ملکوں کے متعصب لوگوں کے ہاتھوں سے آئندہ بھی ہم دونوں ملکوں میں تکلیف اُٹھائیں گے لیکن ہم اس دائمی سچّائی کو جو قرآن کریم میں بار بار بیان کی گئی ہے کبھی نہیں چھوڑ سکتے کہ جو شخص جس حکومت میں رہتا ہے وہ اس کا فرمانبردار رہے اور اس کے ساتھ پوری طرح تعاون کرے۔ اور اگر کسی وقت وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے مذہب اور اخلاق کو قائم رکھتے ہوئے اس ملک میں رہ نہیں سکتا تو اس ملک سے ہجرت کر جائے۔ اگر اس ملک کی حکومت اُس کو ہجرت بھی نہ کرنے دے تو پھر وہ آزاد ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسے جو بھی ذریعہ بخشا ہوا اُسے کام میں لاتے ہوئے اپنی آزادی کی جدوجہد کرے۔ جب کانگرس گورنمنٹ کے خلاف کھڑی ہوئی تھی تو انہی اصول کی وجہ سے مَیں نے کانگرس کی مخالفت کی تھی ورنہ مَیں کانگرس کا دشمن نہیں تھا۔ نہ ملک کی آزادی کا دشمن تھا۔ کانگرس کے کئی لیڈر میرے واقف تھے اور بعض دوست بھی اور وہ مختلف اوقات میں مجھ سے تبادلۂ خیالات کرتے رہتے تھے۔ وہ جانتے تھے اور جانتے ہیں کہ مَیں ملک کی آزادی کا اُن سے کم حامی نہیں تھا۔ مجھے ان سے اختلاف صرف اُس طریقۂ کار کے متعلق تھا جو میرے نزدیک ملکی حکومت کے بن جانے پر بھی تفرقہ کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ جو کچھ مَیں نے اس وقت کہا تھا آج پاکستان اور ہندوستان میں لفظاً لفظاً صحیح ثابت ہو رہا ہے۔ حکومت کے بائیکاٹ کے اعلانات کئے جا رہے ہیں۔ سٹرائیکیں کی جا رہی ہیں اور ملک میں رہتے ہوئے انتشار اور اختلاف کے سامان پیدا کئے جا رہے ہیں۔ مَیں جو انگریز کے زمانہ میں انگریز کے خلاف ایسی باتوں کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ خود مُلکی حکومتوں کے قائم ہو جانے کے بعد پاکستان یا ہندوستان میں مَیں ایسی باتوں کی اجازت دے دیتا۔ چنانچہ ہر ایسے موقع پر جو پاکستان یا ہندوستان میں پیدا ہوا مَیں نے اپنی جماعت کو یہی حکم دیا کہ وہ حکومتِ وقت کی پُورے طور پر وفاداری کریں اور جو ذمہ داریاں حکومت کی طرف سے شہریوں پر عائد کی جائیں ان ذمہ داریوں کو دیانتداری سے ادا کریں۔ یقیناً یہ تعلیم پاکستانی اور ہندوستانی حکومتوں کی نظر میں ایک نعمتِ غیر مترقبہ سمجھی جانی چاہیئے تھی مگر افسوس کہ ہندوستان میں ایسا نہیں کیا گیا اور بعض صوبجاتی حکومتوں نے اس قیمتی خزانے کی قدر

نہیں کی جو احمدیہ جماعت کی صورت میں اُن کے ملک کو حاصل ہُوا تھا۔ احمدی جماعت ہر ملک کیلئے ایک قیمتی جوہر ہے۔ وہ وفاداری اور اخلاص کے ساتھ اپنے ملک کی حکومت کے ساتھ تعاون کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔ وہ انصاف اور عدل کے لئے قربانی کرنے والی جماعت ہے مگر حکومت کے ساتھ عدمِ تعاون اس کے اصولوں کے خلاف ہے۔ وہ عدل اور انصاف کو عدل اور انصاف کے ذریعوں سے ہی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ وہ عدل اور انصاف کے حاصل کرنے کے لئے غیر منصفانہ اور غیر عادلانہ ذرائع کے اختیار کرنے کو جائز قرار نہیں دیتی۔ ہر سمجھدار انسان اِس جماعت کو سر اور آنکھوں پر بٹھائے گا۔ ہر سمجھدار حکومت ایسی جماعت کو قدر اور عزت کی نگاہوں سے دیکھے گی اور مَیں اُمید کرتا ہوں کہ اگر اِس سے پہلے نہیں تو آئندہ ہندوستان کی مختلف صوبائی حکومتیں اور مرکزی حکومت ان احمدی تعلیمات کو مدِّنظر رکھ کر جو مَیں نے اُوپر بیان کی ہیں احمدیوں کے متعلق اپنے رویّہ کو تبدیل کرے گی۔

مجھ سے بعض ہندوستانی جو اِدھر آتے رہتے ہیں انہوں نے بعض دفعہ ان امور پر تبادلۂ خیالات کیا ہے اور بعض ایسے سوالات کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے ہمارے نقطۂ نگاہ کو پُورے طور پر نہیں سمجھا مثلاً یہ کہ اگر آپ ہندوستان کے احمدیوں کو ہندوستان کی وفاداری کی تعلیم دیتے ہیں تو کیا پاکستان کے احمدی کشمیر کے معاملہ میں پاکستانی حکومت کا ساتھ نہیں دیں گے؟ میری اُوپر کی تشریح کے بعد یہ سوال کیسا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ جو کچھ مَیں نے اُوپر بیان کیا ہے اُس کا تو یہ مطلب ہے کہ ہمارے نزدیک قرآن کریم کی یہ تعلیم ہے کہ جو شخص جس حکومت میں رہے وہ اس کا فرمانبردار رہے اور اُس کے ساتھ تعاون کرے۔ اِس تعلیم کا یہ مطلب ہے کہ ہر پاکستان میں رہنے والا احمدی اپنی حکومت کا پوری طرح فرمانبردار ہوگا اور اُس کے مقاصد اور مفاد میں پُوری طرح تعاون کرے گا۔ اور ہندوستان میں رہنے والا ہر احمدی حکومتِ ہندوستان کا پوری طرح فرمانبردار ہوگا اور اس کے مقاصد اور مفاد میں اُس سے پوری طرح تعاون کرے گا۔ اتنی واضح تعلیم کے بعد اِس قسم کا شُبہ پیدا ہی کس طرح ہو سکتا ہے؟ یہ سوال تو بے شک کیا جا سکتا تھا کہ کیا ہندوستان میں رہنے والا احمدی اپنی حکومت کے ساتھ پوری طرح تعاون کرے گا؟ اس کا جواب یقیناً مَیں یہ دیتا کہ ہاں کرے گا۔ لیکن ہر حکومت کی وفاداری کی تعلیم سُن کر یہ کہنا کہ کیا پاکستان میں رہنے والا احمدی پاکستان کی حکومت سے بغاوت کرے گا! کُل احمقانہ اور جاہلانہ سوال ہے۔ اُوپر کی بیان کردہ تعلیم کا یہ

لازمی نتیجہ ہے کہ پاکستان میں رہنے والا ہر احمدی حکومتِ پاکستان کی پوری فرمانبرداری کرے گا اور اُس کے تمام مقاصد اور مفاد میں اس کے ساتھ تعاون کرے گا۔ اگر پاکستان ہم سے یہ مطالبہ کرے کہ ہم ہندوستان کے احمدیوں کو ہندوستان سے بغاوت کی تعلیم دیں تو ہم ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ اور اگر ہندوستان کی حکومت ہم سے یہ مطالبہ کرے کہ ہندوستان میں رہنے والے احمدیوں کو امن سے رہنے دینے کی قیمت ہمیں یُوں ادا کرنی چاہیئے کہ پاکستان کے احمدی پاکستان کی حکومت سے غداری کریں یا اس سے عدمِ تعاون کریں تو ہم ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ ہمارا مذہب یہ کہتا ہے کہ جس حکومت میں رہو اس کے فرمانبردار رہو۔ پس جو ہندوستان میں رہتے ہیں ہم اُن کو یہی کہیں گے کہ ہندوستان کی حکومت کی فرمانبرداری کرو اور جو پاکستان میں رہتے ہیں ہم اُن کو یہی کہیں گے کہ پاکستان کی حکومت کی فرمانبرداری کرو۔ اور یہی تعلیم ہماری انڈونیشیا، عرب، یونائیٹڈ سٹیٹس آف امریکہ، انگلستان، فرانس، جرمنی، ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ، ایبے سینیا، مصر اور دیگر حکومتوں کے ماتحت رہنے والے احمدیوں کو ہوگی۔ کسی کی سمجھ میں ہماری بات آئے یا نہ آئے ہماری سمجھ میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ ہمارے بیان کردہ اصولوں کے بغیر دُنیا میں امن قائم کس طرح رہ سکتا ہے؟ اگر ہندوستانی اپنے سے ہمدردی رکھنے والے لوگوں کو یہ تعلیم دیں کہ وہ جہاں کہیں جائیں ہندوستان کے ایجنٹ بن کر رہیں تو دوسری قومیں ان کو برداشت کس طرح کریں گی؟ اور اگر پاکستانی اپنی رعایا یا اپنے سے ہمدردی رکھنے والے لوگوں کو یہ تعلیم دیں تو اسی سلوک کی اُن کو بھی امید رکھنی چاہیئے۔ ہر سیاسی حکومت کو اپنے باشندوں کو یہی حکم دینا ہوگا کہ تم اپنی حکومت کے فرمانبردار رہو۔ اور اگر باہر جاؤ تو عارضی طور پر اُس حکومت کے قوانین کی پیروی کرو اور ایک مذہبی گروپ کو اپنے افراد کو یہی تعلیم دینی ہوگی کہ تم جس ملک کے باشندے ہو اُس ملک کے وفادار رہو۔

پس یہ اخبار اسی پالیسی کے ماتحت ہر ملک کے احمدیوں کو یہ تعلیم دے گا کہ وہ اپنی اپنی حکومت کے فرمانبردار اور مطیع رہیں اور اُس کے ساتھ سچا تعاون کریں۔

۲۔ اِس وقت سب سے بڑی مصیبت دُنیا پر یہ آئی ہوئی ہے کہ حکومتیں اپنے آپ کو اخلاقی نظام سے باہر سمجھتی ہیں۔ اخلاقی نظام کی پابندی صرف افراد کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں بہت سے فساد اور خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ "الرحمت" اِس مسئلہ کو بار بار سامنے لائے گا اور اپنی

اِس کمزور آواز کو بلند سے بلند کرتا چلا جائے گا کہ حکومتیں اور افراد دونوں ہی اخلاقی ذمّہ داریوں کو اپنے اُوپر حاکم تصوّر کریں اور اپنے آپ کو اخلاقی حکومت سے بالا خیال نہ کریں ہم سمجھتے ہیں کہ سچائی، دیانت اور عدل کے قوانین کو اگر پُوری طرح مدِّنظر رکھا جائے تو بہت سی مشکلات جو اِس وقت ناقابلِ حل معلوم ہوتی ہیں آسانی سے حل ہو سکتی ہیں۔ ہر قوم کو دوسری قوم کا حق دینا چاہیئے اور ایک ملک میں رہنے والی سب قوموں کو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہنا چاہیئے۔ سیاسی اختلافات کی بنیاد ملک کی ترقی پر رکھنی چاہیئے نہ کہ قوموں کے اندر اختلاف اور انشقاق پیدا کرنے پر۔ ہماری یہ کوشش ہوگی کہ ہم سب سے پہلے جماعتِ احمدیہ کو اس کے اخلاقی فرائض کی طرف توجہ دلائیں جس میں اُن کے مذہبی پیشواؤں نے ہم سے اتفاق کیا ہے اور اُن کو اپنے پیشواؤں کی سچّی پیروی کی ہدایت کریں۔

۳۔ اِس وقت ایک عظیم الشان حادثہ کی وجہ سے مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو رہا ہے اور وہ حیران ہیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے؟ اس اثر سے احمدی جماعت بھی آزاد نہیں۔ ہمارے نزدیک اِس انتشار کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ ملک کی تقسیم کے بعد بھی مسلمان ہندوستان میں آزادی سے رہ سکتا ہے اگر وہ عقل سے کام لے سیاسی پہلوؤں کو نظرانداز کرتے ہوئے ہم مذہبی اور اخلاقی پہلو جماعت اور دوسرے مسلمانوں کے سامنے رکھتے رہیں گے جن کی روشنی میں وہ ہندوستان کی حکومت کا ایک مفید جُزو بن سکیں اور ہندوستان میں امن اور عزّت کی زندگی بسر کر سکیں۔ ہم ایسی ہی خدمت اُن ہندوؤں اور سکّھوں کی بھی کرنے کے لئے تیار رہیں گے جنہوں نے پاکستان میں رہنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے یا جو آئندہ ایسا فیصلہ کریں۔

غرض اِس پرچہ کی بنیاد مذہب اور اخلاق پر ہوگی اور صُلح اور آشتی پر ہوگی۔ یہ پرچہ سیاسیات سے الگ رہے گا۔ اختلافات کو بڑھائے گا نہیں کم کرنے کی کوشش کرے گا۔ جہاں تک عوامی تعلقات کا سوال ہے یہ پاکستان اور ہندوستان کے عوام کے جوش میں آئے ہوئے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرے گا اور ہر غدّاری کی رُوح کو خواہ وہ پاکستان میں سر اُٹھائے یا ہندوستان میں سر اُٹھائے دبانے کی کوشش کرے گا بلکہ صرف ہندوستان اور پاکستان میں ہی نہیں دُنیا کے ہر گوشہ کے لوگوں کے لئے "الرحمت" رحمت کا نشان بننے کی سعی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس ارادہ میں پُورا اُترنے کی

توفیق دے اور اس رستہ کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کی ہمت بخشے اور اپنی مدد اور نصرت سے سچائی، عدل اور انصاف کے غلبہ کے سامان مہیا کرے۔

مَیں پھر اُسی آیت کو دُہراتے ہوئے جس کو مَیں اُوپر لکھ چکا ہوں اِس مضمون کو ختم کرتا ہوں بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا یعنی اے خدا! مَیں اِس کمزور کشتی کو ایک متلاطم سمندر میں پھینکتا ہوں تیرا ہی نام لیتے ہوئے اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہوئے تُو اپنے فضل سے اس متلاطم سمندر میں اس کشتی کو آرام سے چلنے میں مدد دے اور اپنی حفاظت میں اس کے منزلِ مقصود پر پہنچنے کے سامان پیدا فرما۔ آمین۔"[1]

فصل سوم

مسجد مُبارک ربوہ کے سنگِ بنیاد کی مقدس تقریب

۳ / اخاء ۱۳۲۸ھش / اکتوبر ۱۹۴۹ء کو دوشنبہ کا دن اور ۹ / ذی الحج کی بابرکت تاریخ تھی جو سب مسلمانانِ عالم کے لئے عموماً اور دُنیائے احمدیت کے لئے خصوصاً دوہری خوشیوں اور مسرتوں کا موجب بنی کیونکہ اُس روز نمازِ عصر کے بعد ٹھیک اس وقت جبکہ دُنیا بھر سے عشاقِ رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم میدانِ عرفات میں وقوف کرکے خدا تعالیٰ کے حضور متضرعانہ دعاؤں میں مصروف تھے خلیفۂ وقت امام ہمام سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے تحریکِ احمدیت کے نئے مرکز ۔۔۔ "ربوہ" ۔۔۔ کی مسجد مبارک کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اِس مقدس تقریب میں رُوحانی اور معنوی اعتبار سے دُنیا کے دوسرے احمدیوں کو شامل کرنے کے لئے سیدنا مصلح موعودؓ کی ہدایت پر پاک و ہند کی جماعتوں اور لنڈن مشن کو بذریعہ تار اطلاعات دی گئیں نیز "الفضل" میں بھی اعلان کر دیا گیا کہ ۳ / اخاء کو ساڑھے پانچ بجے بعد دوپہر مسجد کا بنیادی پتھر رکھا جائے گا اور دعا ہو گی۔ احباب بھی اپنی اپنی جگہ دعا میں شریک ہوں۔[2]

---

[1] "الرحمت" ۲۱ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۳، ۴۔ [2] الفضل ۲ / اخاء ۱۳۲۸ھش / اکتوبر ۱۹۴۹ء۔
حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے "الفضل" کا یہ اعلان پڑھتے ہی درویشانِ قادیان کو پہلے تار دیا پھر فون کرکے اِس بات کی تسلی کر لی کہ آپ کا پیغام صحیح صورت میں درویشوں تک پہنچ گیا ہے۔

حضرت امیر المومنین کی تشریف آوری

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ ۳ راخاء / اکتوبر کو لاہور سے ۹ بجکر چالیس منٹ پر بذریعہ کار روانہ ہوئے اور بارہ بجکر پینتالیس منٹ پر ربوہ پہنچے۔ حضور کے ہمراہ خاندانِ مسیح موعودؑ کی بیگمات کے علاوہ صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور مکرم میاں محمد یوسف صاحب پرائیویٹ سیکرٹری بھی تھے۔

بیرونی مخلصین کی آمد

چونکہ الفضل میں اس مسجد کے سنگِ بنیاد رکھے جانے کی خبر شائع ہو چکی تھی اور دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے بذریعہ تار بھی جماعتوں کو اطلاعات بھجوائی جا چکی تھیں اس لئے لاہور، منٹگمری، سرگودہا شہر، چک ۱۱/۴۱ جنوبی سرگودھا، چک ۴۳/۱۱، چک ۸۹/۱۱ چک ۹۸/۱۱، چک ۹۹/۱۱، چک ۱۲۴/۱۱ سرگودہا، لائل پور، چک ۶۸/۱۱ لائل پور، جھنگ مگھیانہ، جڑانوالہ، سیالکوٹ شہر، میانوالی، بھکر، چنیوٹ، احمد نگر اور لالیاں وغیرہ کے بہت سے مخلص افراد اس تاریخی تقریب میں شمولیت اور دعا کی غرض سے ربوہ پہنچ گئے۔ میانوالی سے صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب .P.A.S ڈپٹی کمشنر بھی تشریف لائے۔ لاہور سے آنے والے دوستوں میں شیخ بشیر احمد صاحب بی۔ اے، ایل ایل۔ بی ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور، چوہدری اسد اللہ خاں صاحب، میاں غلام محمد صاحب اختر پرسنل آفیسر ریلوے، چوہدری عبد الحمید صاحب انجنیئر، اور چوہدری عبد اللہ خاں صاحب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جماعتِ احمدیہ ربوہ کے تمام مردوں اور بچوں کے علاوہ مقامی خواتین بھی دعا کی غرض سے موجود تھیں۔

حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایاتِ خصوصی

بنیاد رکھے جانے کا وقت بعد نمازِ عصر مقرر تھا اور چونکہ یہ ایک مقدس تقریب تھی جس میں اللہ تعالیٰ کے گھر کی بنیاد رکھی جانے والی تھی اس لئے حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کی ہدایت کے ماتحت نظارت علیا نے وہ دعائیں جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھاتے وقت فرمائی تھیں دستی پریس پر طبع کروا دی تھیں تا لوگ ان دعاؤں کو یاد رکھیں اور بنیاد رکھے جانے کے وقت اور اس سے قبل بآوازِ بلند دہراتے رہیں چنانچہ نمازِ عصر کے وقت یہ طبع شدہ دعائیہ اوراق لوگوں میں تقسیم کئے گئے اور سب دوست ان دعاؤں کو دہراتے رہے۔

عصر کی نماز سے قبل حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کی مندرجہ ذیل ہدایات موصول ہوئیں جو

مولانا جلال الدین صاحب شمس قائمقام ناظر اعلیٰ نے پڑھ کر سنائیں :۔

" دعا کے وقت اینٹوں اور گارے تک تین صفیں ہوں گی۔

۱۔ صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک صف۔

۲۔ دوسری صف خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نرینہ افراد کی۔

۳۔ تیسری صف، واقفینِ زندگی کی۔

یہ تینوں متوازی ہوں گی اور اینٹ گارا اس کی جگہ سے پکڑ کر وہاں تک پہنچائیں گی جہاں میں کھڑا ہوں گا۔ ایک ایک تغاری گارے یا چونے کی اور تین تین اینٹ ہر ایک صف کے لوگ مجھ تک پہنچائیں گے۔ اس وقت چند حفاظ ادعیہ رفعِ بیت اللہ بلند آواز سے دُہراتے جائیں گے اور ساتھ ہی سب حاضرین دعائیں دُہرائیں گے۔ اس کے بعد نماز مغرب ہوگی۔ عصر کی نماز بنیاد رکھنے سے پہلے ہوگی۔ اس کے بعد بنیاد شروع ہوگی۔

والسلام خاکسار

مرزا محمود احمد "

بعد ازاں حضور کے ارشاد پر مزید یہ اعلان ہوا کہ ان کے علاوہ چوتھی صف امراءِ جماعتہائے احمدیہ اور ناظران سلسلہ کی اور پانچویں صف مہاجرینِ قادیان کی ہوگی۔ باقی دوست ایک طرف کھڑے ہو کر دعا میں مشغول رہیں۔

اس کے بعد حضور نے اس مقام پر پہنچ کر خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ کی خواتینِ مبارکہ اور صحابیات و مہاجراتِ قادیان کی دو مزید صفوں کا بھی حکم دیا۔

نمازِ عصر اور بنیاد کی تقریب

حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعود نے نمازِ عصر اسی جگہ پڑھائی جہاں بنیاد رکھی جانے والی تھی اور جہاں دھوپ سے بچاؤ کے لئے خیمہ کا انتظام کیا گیا تھا جب حضور نمازِ عصر سے فارغ ہوئے تو اس کے معاً بعد تمام دوست اوپر کی بیان کردہ ترتیب کے مطابق اپنی اپنی صفوں میں پہنچ گئے اور پھر دست بدست حضور کی خدمت میں اینٹیں اور سیمنٹ کی تغاریاں پہنچائی گئیں۔ تین اینٹیں خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نرینہ افراد نے تین اینٹیں صحابۂ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین اینٹیں واقفینِ زندگی نے

تین اینٹیں امراءِ جماعتہائے احمدیہ اور ناظران سلسلہ نے تین اینٹیں مہاجرین قادیان نے، تین اینٹیں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیگمات نے اور تین اینٹیں صحابیات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مہاجرات نے پیش کیں۔ اسی طرح ہر دفعہ سیمنٹ کی تغاری بھی دست بدست حضور تک پہنچائی جاتی رہی۔ خاندان مسیح موعودؑ کی بیگمات اور صحابیات سے حضور بنفس نفیس آگے بڑھ کر تغاری لیتے اور بنیادوں تک لاکر استعمال فرماتے رہے۔

اس جگہ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ بنیادی اینٹوں میں اوپر کی تعداد کے علاوہ دو اینٹیں مسجد مبارک (قادیان) کی اینٹوں میں سے بھی لگائی گئیں جو صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب ۱۴ شہادت/اپریل ۱۳۲۸ھ/۱۹۴۹ء کو قادیان سے لائے[1] گویا کل ۲۳ اینٹیں بنیاد میں لگائی گئیں۔ اس دوران میں حضرت امیر المومنین بار بار بلند آواز سے دعائیں مانگتے چلے جاتے تھے اور تمام مجمع بھی رقت اور سوز کے ساتھ ان دعاؤں کو دُہراتا رہا۔ حضور کی آواز میں اس وقت ایک خاص قسم کا درد اور سوز پایا جاتا تھا جب تمام اینٹیں رکھی جاچکیں تو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے کھڑے ہو کر نہایت خشوع و خضوع اور انتہائی عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پھر یہ دعائیں کیں کہ :-

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

(البقرہ : آیت ۱۲۸ تا ۱۲۹)

ایک ایک دعا حضور نے کئی بار دُہرائی اور حضور کے ساتھ ہی تمام مجمع ان دعاؤں کو دُہراتا چلا گیا۔ مجمع پر ایک رقت کا عالم طاری تھا اور سینکڑوں آنکھیں پُرآب تھیں۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا اب میں خاموشی سے دعا کروں گا دوست بھی میرے ساتھ شریک ہوں چنانچہ حضور نے ہاتھ اُٹھا کر لمبی دعا فرمائی اور دوسرے دوست بھی دعا میں مشغول ہوگئے۔

---

[1] الفضل ۲۵ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۸ھ/۱۹۴۹ء صہ۳ کالم ۳ +

حضرت امام ہمام کا ایمان افروز خطاب

دُعا سے فارغ ہونے کے بعد حضرت امیرالمؤمنین المصلح الموعود منبر پر رونق افروز ہوئے۔ حضور نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کی اور اس کے بعد فرمایا :-

" حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام تھا کہ آپ کے ہم اور غم نے اسمٰعیل کا درخت اُگایا[1]۔ اِس میں یہ پیشگوئی تھی کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یا اُن کی رُوح کے لئے نہایت تکلیف دہ ہوگا ایسا تکلیف دہ کہ آپ کی رُوح تڑپ تڑپ کر اور زاری کر کر کے خدا تعالیٰ کے حضور جُھکے گی اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اسمٰعیلی درخت اُگائے گا۔ اسمٰعیل کا درخت کیا ہے؟ اسمٰعیل کا درخت خانہ کعبہ ہے۔ اِس الہام میں یہ پیشگوئی تھی کہ ایک زمانہ میں احمدیوں کو قادیان سے ایک حد تک ہاتھ دھونا پڑے گا اور ان کے ہاتھ دھونے کے بعد اللہ تعالیٰ ایک نئے مقدس مقام کی بنیاد رکھے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے اسی مقام کی بنیاد رکھ رہے ہیں اور چونکہ یہ ایک مرکزی مقام ہے اور ساری دُنیا کے لوگوں سے اس کا تعلق ہے اِس لئے ساری دنیا کے لوگوں کو ہمیں اس کی تعمیر میں حصہ دینا چاہیئے۔ پس مَیں اِس موقعہ پر تمام جماعتوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی توفیق کے مطابق اِس مسجد کی تعمیر میں حصہ لیں۔ میرا خیال ہے کہ بیس پچیس ہزار روپیہ بلکہ تیس پینتیس ہزار تک اس پر خرچ ہو جائے گا۔ ربوہ کی جماعت کو چاہیئے تھا کہ وہ اِس میں پہل کرتی مگر غالباً یہاں کے کارکنوں کا ذہن اِدھر گیا نہیں۔ لائلپور کی جماعت کا ذہن اِدھر گیا اور وہ اپنا چندہ آج اپنے ساتھ لائی ہے جو ۷۳۳ روپیہ آٹھ آنہ ہے۔ آخر یہ مسجد تعمیر ہوگی یہ مرکزی مسجد ہوگی اِس وجہ سے اس میں ساری ہی جماعت کا حصہ بھی چاہیئے۔ ہماری جماعت تو مخلصین کی جماعت ہے۔ مومنین کی جماعت ہے۔ عارفین کی جماعت ہے۔ مکّہ کے لوگ جن میں شرک پایا جاتا تھا اور جو دین سے دُور چلے گئے تھے ان میں بھی خانہ کعبہ کی تعمیر میں حصہ لینے کا اتنا جذبہ پایا جاتا تھا کہ ایک دفعہ جب کہ خانہ کعبہ کی عمارت کمزور ہو گئی انہوں نے ارادہ کیا کہ چندہ کرکے وہ اس کی تعمیر نئے سرے سے کریں۔ تعمیر کرتے وقت جب وہ اس مقام پر پہنچے جہاں حجرِ اسود رکھا جانا تھا تو سارے قبائل میں

---

[1] "يُخْرِجُ هَمُّهُ وَغَمُّهُ دَوْحَةَ إِسْمٰعِيْلَ" (بدر ۱۶ فروری ۱۹۰۶ء صـ۲ والحکم ۱۰ فروری ۱۹۰۶ء صـ۱۱)۔

لڑائی شروع ہوگئی کچھ کہتے تھے کہ اسے ہم اُٹھا کر رکھیں گے۔ یہ لڑائی اتنی بڑھی کہ نوجوانوں نے تلواریں کھینچ لیں اور اُنہوں نے کہا کہ ہم اپنے مخالف کے خون کی ندیاں بہادیں گے مگر اپنے سوا کسی اَور کو یہ شرف حاصل نہیں ہونے دیں گے۔ آخر قوم کے بڈھوں نے کہا کہ یہ صورت تو خطرناک ہے چلو یہ فیصلہ کرلو کہ جو شخص اس وقت کے بعد سب سے پہلے اِدھر آئے اُس کے ہاتھ سے ہم بنیاد رکھوائیں اور اُس کے فیصلہ کو قبول کرلیں اور سب نے اس سے اتفاق کرلیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خانۂ کعبہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں آنے والا تھا اِس لئے اِس فیصلہ کے بعد جو شخص سب سے پہلے نمودار ہُوا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپؐ کو دیکھ کر سب کے سب اِس بات پر متفق ہو گئے کہ ہم بنیاد کا معاملہ آپ کے ہی سپرد کرتے ہیں۔ آپؐ نے ایک چادر لی اور حجرِ اسود کو اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر اُس پر رکھ دیا اور پھر ہر قبیلہ کے سردار کو کہا کہ اِس چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ لو چنانچہ تمام قبائل کے سرداروں نے اُس چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ لیا اور اُسے اُٹھا کر اُس مقام پر لے گئے جہاں اُسے رکھنا تھا جب وہاں پہنچ گئے تو آپؐ نے پھر اپنے ہاتھوں سے حجرِ اسود کو اُٹھایا اور اس کے اصل مقام پر اُسے رکھ دیا۔ اِس طرح وہ سارے کے سارے خوش ہو گئے[1] مگر اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ پیشگوئی بھی کروادی کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہی آئندہ خانۂ کعبہ کی تعمیر ہو گی۔ خانۂ کعبہ کی تعمیر کے ثواب میں شامل ہونے کے لئے اگر عرب کے مشرکین اتنا اصرار کرتے تھے تو مومنین کو تو بہرحال ان سے زیادہ ایمانی غیرت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ جہاں بھی قومی طور پر کسی کام کا سوال ہو زندہ قوم کے زندہ افراد اصرار کیا کرتے ہیں کہ ہمیں اس میں حصّہ دیا جائے پس ربوہ کے مخلصین کو چاہیئے تھا کہ چاہے وہ غریب تھے اپنے ایمان کے لحاظ سے وہ اس میں دوسروں سے پہلے حصّہ لیتے۔ بہرحال جیسا کہ مَیں پہلے کہہ چکا ہوں باہر کی جماعتوں میں سے سب سے پہلے لائلپور کی جماعت نے ۳۳۷ روپے آٹھ آنے اِس غرض کے لئے پیش کئے ہیں اسکے علاوہ کچھ وعدے اور کچھ نقد روپیہ بھی اکٹھا ہُوا ہے۔

مَیں نے اپنی طرف سے ۲۱ روپے نقد دیئے ہیں اور پانچ سو روپے کا وعدہ کیا ہے۔ اِس کے علاوہ ہمارے خاندان کے افراد کے چندے کی فہرست یہ ہے:۔

صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب مع بیوی بچے	-/۲۱ روپے

[1] طبری، ابنِ ہشام، زرقانی، تاریخ خمیس۔

مہر آپا سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ	-/۱۰	روپے
مرزا مظفر احمد صاحب مع سیدہ امۃ القیوم صاحبہ	-/۲۱	″
حضرت اُمّ المومنین	-/۴۰	″
(حضرت) سیدہ اُمّ وسیم احمد صاحب	-/۵	″
(حضرت) سیدہ اُمّ ناصر احمد صاحب	-/۳۰	″
سیدہ امۃ النصیر صاحبہ	-/۱۰	″

اِس موقع پر حضور نے فرمایا کہ بعض جو یہاں نہیں ان کے رشتہ داروں نے خود ان کی طرف سے چندہ لکھوا دیا ہے تاوہ پہلے دن کے چندہ میں شامل ہو جائیں ان کی فہرست یہ ہے:-

(حضرت) مرزا ناصر احمد صاحب	-/۲۱	روپے
مرزا مبارک احمد صاحب	-/۲۱	″
مرزا حفیظ احمد صاحب	-/۵	″
مرزا رفیع احمد صاحب	-/۵	″
مرزا خلیل احمد صاحب	-/۵	″
مرزا وسیم احمد صاحب	-/۲۱	″
مرزا طاہر احمد صاحب	-/۵	″
مرزا اظہر احمد صاحب	-/۵	″
میاں عبدالرحیم احمد صاحب و سیدہ امۃ الرشید صاحبہ و بچگان	-/۵	″
سید داؤد احمد صاحب و سیدہ امۃ الحکیم صاحبہ	-/۵	″
میاں مسعود احمد خاں صاحب [۱]	-/۳۱	″
(حضرت) مرزا بشیر احمد صاحب مع بیگم صاحبہ	-/۲۱	″
(حضرت) مرزا شریف احمد صاحب	-/۲۱	″
(حضرت) سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ	-/۱۰	″

[۱] آپ نے جماعت لائل پور میں دس روپے چندہ الگ بھی دیا۔

(حضرت) نواب میاں عبداللہ خاں صاحب و (حضرت) سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ۔	۱۱/-	روپے
مرزا حمید احمد صاحب مع اہلیہ صاحبہ	۵/-	"
مرزا منیر احمد صاحب	۵/-	"
مرزا مبشر احمد صاحب	۵/-	"
مرزا مجید احمد صاحب	۵/-	"
امۃ الحمید بیگم صاحبہ	۵/-	"
امۃ المجید بیگم صاحبہ	۵/-	"
(حضرت) مرزا عزیز احمد صاحب	۵/-	"
نصیرہ بیگم صاحبہ اہلیہ (حضرت) مرزا عزیز احمد صاحب	۵/-	"
(حضرت) سیّدہ اُمّ داؤد صاحبہ اہلیہ (حضرت) میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔	۵/-	"
بشریٰ بیگم صاحبہ بنت (حضرت) میر محمد اسحٰق صاحبؓ	۵/-	"
مرزا انور احمد صاحب	۱۰/-	"
مرزا منصور احمد صاحب و سیّدہ ناصرہ بیگم صاحبہ	۱۱/-	"
مرزا رفیق احمد صاحب	۱۰/-	"
مرزا حنیف احمد صاحب	۵/-	"
مرزا محمد احمد صاحب	۵/-	"
مرزا ظفر احمد صاحب مع اہلیہ صاحبہ	۵/-	"
(حضرت) سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ (اُمّ متین)	۱۱/-	"
اچھی امّاں صاحبہ	۵/-	"
والدہ سیّد محمد احمد صاحب (امۃ اللطیف صاحبہ)	۵/-	"
سیّد محمد احمد صاحب	۵/-	"

پیر صلاح الدین صاحب و امۃ اللہ بیگم صاحبہ	۱۱/- روپے
امۃ القدوس صاحبہ	۵/- "
مرزا داؤد احمد صاحب مع اہلیہ صاحبہ	۱۱/- "
نوابزادہ میاں عباس احمد صاحب مع اہلیہ صاحبہ	۵/- "
بلے بی	۱/- روپیہ
مرزا رشید احمد صاحب مع اہلیہ صاحبہ و بچگان	۱۱/- روپے
مرزا نعیم احمد صاحب	۱۰/- "
امۃ الحفیظ صاحبہ	۵/- "

اس کے بعد حضورؓ نے فرمایا:۔

بعض جماعتوں کی طرف سے مَیں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک سُنّت کی اتباع میں خود ان کا نام چندہ کی فہرست میں لکھ دیا ہے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکّہ میں تھے اور بیعتِ رضوان ہو رہی تھی تو رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے۔[1] مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ یہاں ہوتا تو بیعت سے کبھی پیچھے نہ رہتا۔ باہر کی جماعتوں کو چونکہ یہ آواز دیر میں پہنچے گی اِس لئے مَیں نے ان کو ثواب میں شریک کرنے کے لئے ان کی طرف سے خود بخود چندہ تجویز کر دیا ہے۔ ان لوگوں کا چندہ پہلے دن کے ثواب میں شمولیت کی وجہ سے مَیں نے لکھ دیا ہے۔ وہ زیادہ کر سکتے ہیں لیکن اگر کم کریں تو مَیں ادا کر دوں گا:۔

جماعتہائے مشرقی پاکستان	۱۰۰۰/- روپیہ
جماعتہائے سندھ اسٹیٹس	۱۰۰۰/- "
جماعتِ کوئٹہ	۵۰۰/- "
جماعتِ لاہور	۱۰۱/- "
جماعتِ شام	۱۰۱/- "
جماعتِ انڈونیشیا	۱۰۱/- "

[1] ابنِ سعد

جماعتِ مارشیس	۱۰۱/-	روپیہ
جماعتِ فلسطین	۱۰۱/-	"
جماعتِ سوئٹزرلینڈ	۱۰۱/-	"
جماعتِ لنڈن	۱۱/-	"
جماعتِ ہالینڈ	۱۱/-	"
جماعتِ جرمنی	۱۱/-	"
جماعتِ سپین	۱۱/-	"
جماعتِ فرانس	۱۱/-	"
(حضرت) سیٹھ عبداللہ بھائی صاحب	۱۰۱/-	"
خاندان (حضرت) سیٹھ محمد غوث صاحب	۵۱/-	"
جماعتِ قادیان	۳۱۳/-	"
چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب	۱۰۱/-	"
آمنہ بیگم صاحبہ زوجہ چوہدری عبداللہ خاں صاحب (انہوں نے خود چندہ لکھوایا اور نقد ادا کر دیا)	۱۰۰/-	"
جماعتِ امریکہ	۱۰۰۰/-	"
جماعتِ مشرقی افریقہ	۱۰۰۰/-	"
جماعتِ مغربی افریقہ	۱۰۰۰/-	"

اس سے آگے وہ فہرست ہے جنہوں نے خود اس موقع پر چندہ لکھوایا :-

میاں محمد یوسف صاحب پرائیویٹ سیکرٹری مع بچگان	۱۰۱/-	"
میاں غلام محمد صاحب اختر پرسنل آفیسر ریلوے مع اہل و عیال	۱۰۱/-	"
چوہدری اسد اللہ خاں صاحب مع اہل و عیال	۵۲۱/-	"
کیپٹن مبارک احمد صاحب و امۃ المجیب صاحبہ اختر بنت اختر صاحب	۲۱/-	"
قریشی عبدالرشید صاحب مع اہلیہ صاحبہ	۲۱/-	"

جماعتِ احمدیہ ناسنور (کشمیر)	-/۵۰	روپیہ (نقد ادا کیا)
(حضرت) چوہدری فتح محمد صاحب سیال	-/۱۰۱	〃
چوہدری غلام محمد صاحب کرڑیال شہید	-/۵۱	〃
شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور (شیخ مشتاق حسین صاحبؓ کے خاندان کی طرف سے)	-/۱۰۰۰	〃
جامعہ احمدیہ	-/۲۰۰	〃
محمد شریف صاحب خالد کی پھوپھی صاحبہ کا ترکہ	-/۳۰۰	〃

(حضور نے فرمایا محمد شریف صاحب خالد کی پھوپھی فوت ہو گئی ہیں ان کا ترکہ تین سَو روپے تھا جو انہوں نے اسی غرض کے لئے رکھا ہوا تھا کہ مسجد کے لئے دیں گے چنانچہ اب وہ یہ روپیہ پیش کرتے ہیں)

حضور کی طرف سے جب اِن وعدوں کے اعلانات ہوئے تو مجمع میں سے اکثر دوستوں نے اپنے اپنے وعدے پیش کرنے شروع کر دئے اس پر حضور نے فرمایا کہ افراد اپنے وعدے دفتر بیت المال میں لکھوائیں یہاں صرف جماعتوں کے وعدے لکھے جائیں گے چنانچہ اس پر جن جماعتوں نے اپنے وعدے لکھوائے وہ یہ ہیں:-

مدرسہ احمدیہ	-/۱۰۰	روپے
جماعتِ شیخوپورہ	-/۵۲۱	〃
جماعت منٹگمری شہر	-/۳۰۱	〃
جماعت چک نمبر ۹۹ شمالی ضلع سرگودھا	-/۵۱	〃
جماعت رسالپور	-/۷۱	〃
جماعت رشی نگر	-/۱۱	〃
واقفین ربوہ	-/۱۰۱	〃
جماعت چک نمبر ۶۸ لائل پور	-/۴۷	〃
جماعت چک نمبر ۹۸ شمالی سرگودھا	-/۱۰۱	〃

سرگودھا شہر	۵۰۰/-	روپے
جماعت ڈسکہ	۲۰۰/-	"
جماعت ہموساں (کشمیر)	۳۰/-	"
جماعت سیالکوٹ	۷۰۰/-	"
جماعت کوٹلی ضلع میرپور آزاد کشمیر	۵۰/-	"
دفتر پرائیویٹ سیکرٹری	۱۰۱/-	"
تعلیم الاسلام ہائی سکول	۱۰۱/-	"
جماعت میانوالی	۱۱/-	"
چک ۸۶/ب، ۸۸/ب شمالی سرگودھا	۱۰۰/-	"
جماعت کھوٹہ	۳۱/-	"
جماعت چنیوٹ	۲۰۰/-	"
جماعت سیالکوٹ چھاؤنی	۵۰/-	"
جماعتِ صریح چک ۹۶/ب تحصیل جڑانوالہ	۱۱/-	"
جماعت برلبط (آزاد کشمیر)	۱۱/-	"
جماعت لاہور چھاؤنی	۲۰۰/-	"
بزمِ محمود (احمد نگر)	۱۱/-	"
بزمِ احمد (احمد نگر)	۵/-	"
کارکنان صدر انجمن احمدیہ	۱۲۰/-	"
جماعت الہ آباد ریاست بہاولپور	۵/-	"
تاجرانِ ربوہ	۱۰۱/-	"
جماعت کلکتہ	۵۰۰/-	"
جماعت چک ۲۷۶/ب گوکھووال	۵۰/-	"
جماعت بھکر	۲۵/-	"

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ	۵۲۱/-	روپے
جماعت فتح پور ضلع گجرات	۵/-	"
جماعت پنڈی بھٹیاں	۱۰/-	"
جماعت چک ۴۷ ریاست بہاولپور	۵/-	"
جماعت احمدیہ احمد نگر	۵۱/-	"
جماعت لالیاں	۵۰/-	"
جماعت چک ۵ ضلع لائل پور	۳۰/-	"
جماعت احمدیہ اُونچے مانگٹ	۲۱/-	"
بہلول پور ضلع لائل پور	۱۰۱/-	"
اطفال الاحمدیہ ربوہ	۲۱/-	"
جماعت چک ۳۵ جنوبی سرگودھا	۵۰/-	"
جماعت حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ	۵۰/-	"
لجنہ اماء اللہ مرکزیہ	۵۱/-	"
جماعت بدوملہی	۱۰۰/-	"
جماعت پیر کوٹ ضلع گوجرانوالہ	۱۰/-	"
جماعت بھیرہ	۲۱/-	"
جماعت علی پور چک ۶ ضلع لاہور	۵۰/-	"
جماعت چیچہ وطنی	۱۱/-	"

اِن وعدوں کے علاوہ مختلف افراد نے دفتر بیت المال میں پہنچ کر جو وعدے لکھوائے یا نقد رقوم ادا کیں ان تمام کی مجموعی میزان سترہ ہزار سے اُوپر نکل گئی۔

نماز مغرب تقریر کے بعد حضور نے وہیں مغرب کی نماز پڑھائی جس کی آخری رکعت میں پھر ان دعاؤں کو دُہرایا جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت کی تھیں اور اس طرح یہ مبارک تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

دیگر کوائف اِس مبارک تقریب میں خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جن نرینہ افراد نے حصّہ لیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :۔

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب، میر داؤد احمد صاحب، میاں مسعود احمد خاں صاحب، صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب (ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کے صاحبزادے)، صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب (ابن حضرت مرزا عزیز احمد صاحب)، صاحبزادہ میاں محمود احمد خاں صاحب (میاں مسعود احمد خاں صاحب کے صاحبزادے)۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدّس خاندان کی جن مبارک خواتین کو اس میں حصّہ لینے کا موقع ملا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :۔

حضرت سیّدہ اُمِّ ناصر احمد صاحب، حضرت سیّدہ اُمِّ وسیم احمد صاحب، حضرت سیّدہ بشریٰ بیگم صاحبہ، سیّدہ امۃ القیوم بیگم صاحبہ، سیّدہ امۃ الباسط صاحبہ، سیّدہ امۃ النصیر صاحبہ، سیّدہ امۃ الجمیل صاحبہ، سیّدہ محمودہ بیگم صاحبہ، بیگم صاحبہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب، سیّدہ ریحانہ بیگم صاحبہ بنت حضرت مرزا عزیز احمد صاحب[1]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جن صحابہ کو اِس مبارک تقریب میں شمولیّت کا موقع ملا ان کے نام حسبِ ذیل ہیں :۔

۱۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب
۲۔ حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب
۳۔ حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب
۴۔ حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب
۵۔ مکرم سیّد محمود عالم صاحب
۶۔ مکرم چوہدری برکت علی خاں صاحب
۷۔ حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری
۸۔ مکرم ڈاکٹر غلام غوث صاحب
۹۔ مکرم میاں محمد یوسف صاحب پرائیویٹ سیکرٹری
۱۰۔ مکرم سیّد محمود اللہ شاہ صاحب
۱۱۔ مکرم سیّد محمد اسمٰعیل صاحب
۱۲۔ مکرم شیخ فضل احمد صاحب
۱۳۔ مکرم منشی کظیم الرحمٰن صاحب ہیڈ کلرک نظارت امورِ عامہ
۱۴۔ مکرم منشی عبدالخالق صاحب

---

[1] الفضل ۸ راکتوبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۳، صفحہ ۴، صفحہ ۵۔

۱۵ - مکرم منشی سربلند خاں صاحب
۱۶ - مکرم مرزا احمد بیگ صاحب
۱۷ - مکرم چوہدری محمد شریف صاحب منٹگمری
۱۸ - مکرم مولوی عبدالحق صاحب بدوملہی
۱۹ - مکرم خواجہ عبیداللہ صاحب ریٹائرڈ ایس ڈی او
۲۰ - مکرم مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی
۲۱ - مکرم بھائی محمود احمد صاحب
۲۲ - مکرم حکیم دین محمد صاحب
۲۳ - مکرم محمد عبداللہ صاحب جلد ساز
۲۴ - مکرم مولوی فضل دین صاحب وکیل
۲۵ - مکرم شیخ محمد حسین صاحب پنشنر
۲۶ - مکرم بابا حسن محمد صاحب
۲۷ - مکرم عبیداللہ صاحب رانجھا
۲۸ - مکرم ماسٹر نور الٰہی صاحب
۲۹ - مکرم بابو فقیر علی صاحب
۳۰ - مکرم بابو محمد اسمٰعیل صاحب معتبر
۳۱ - مکرم خدا بخش صاحب مومن
۳۲ - مکرم رسائیدار کرم داد خان صاحب
۳۳ - حضرت چوہدری فتح محمد صاحب
۳۴ - مکرم خوشی محمد صاحب چک ۳۲ سرگودھا
۳۵ - مکرم خدا بخش صاحب ساکن ادرحمہ
۳۶ - مکرم فقیر محمد صاحب سیکھواں
۳۷ - مکرم عبداللہ صاحب بھاگووال
۳۸ - مکرم حکیم فضل الرحمٰن صاحب
۳۹ - مکرم مولوی جلال الدین صاحب شمس
۴۰ - مکرم صوفی غلام محمد صاحب
۴۱ - مکرم ماسٹر عطاء محمد صاحب
۴۲ - مکرم مولوی غلام احمد صاحب
۴۳ - مکرم میاں غلام محمد صاحب اختر بی۔او
۴۴ - مکرم مستری محمد دین صاحب
۴۵ - مکرم احمد دین صاحب مؤذن
۴۶ - مکرم امیر بخش صاحب پہلوان
۴۷ - مکرم چوہدری فضل احمد صاحب
۴۸ - مکرم ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب
۴۹ - مکرم مرزا مولا بخش صاحب
۵۰ - مکرم محمد افضل صاحب
۵۱ - مکرم محمد اسمٰعیل صاحب
۵۲ - مکرم عطاء محمد صاحب
۵۳ - مکرم عبدالسلام خاں صاحب
۵۴ - مکرم رحمت خاں صاحب
۵۵ - مکرم عبدالمجید صاحب
۵۶ - مکرم رحیم بخش صاحب
۵۷ - مکرم عبدالرحیم صاحب عرف پولا
۵۸ - مکرم عنایت اللہ صاحب
م محمد دین صاحب
۶۰ - مکرم احمد دین صاحب

٦١۔ مکرم محمد ظہور صاحب
٦٢۔ مکرم شیخ نذر محمد صاحب
٦٣۔ مکرم شیخ رحمت اللہ صاحب
٦٤۔ مکرم چوہدری غلام محمد صاحب
٦٥۔ مکرم چوہدری غلام رسول صاحب
٦٦۔ مکرم شمشیر خاں صاحب
٦٧۔ مکرم علی احمد صاحب
٦٨۔ مکرم مالی صاحب ننگل باغباناں
٦٩۔ مکرم مستری عبدالکریم صاحب [1]

واقفینِ تحریکِ جدید جو اس تقریب میں شریک ہوئے ان کی تعداد ۸۸ تھی۔ امرائے جماعتہائے احمدیہ جو اس موقع پر تشریف لائے ان کے اسماء یہ ہیں:۔

شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعتِ احمدیہ لاہور۔ مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعت احمدیہ سرگودہا۔ شیخ محمد احمد صاحب مظہر امیر جماعتِ احمدیہ لائل پور۔ چوہدری محمد شریف صاحب امیر جماعتِ احمدیہ منٹگمری چوہدری عبداللہ خاں صاحب امیر جماعتِ احمدیہ کراچی۔ ملک غلام نبی صاحب امیر جماعتِ احمدیہ چک ۹۸ شمالی ضلع سرگودھا۔

تعمیر مسجد سے قبل صدقہ

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قبل ازیں ۱۹ تبوک ۱۳۲۸ھش / ستمبر ۱۹۴۹ء بروز پیر سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ڈیڑھ بجے کے قریب ربوہ تشریف لائے تو اس وقت مسجد مجوّزہ کی نشاندہی ہو چکی تھی۔ حضور کے اس مجوّزہ مسجد کے اندر داخل ہونے کے بعد اہلِ ربوہ کی طرف سے تین بکرے مسجد کے تین کونوں پر ذبح کئے گئے ایک حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ناظر اعلیٰ نے، دوسرا صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نے اور تیسرا حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب امیر مقامی نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔ اسی طرح جب حضور اپنے گھر کے اندر داخل ہونے لگے تو اس وقت بھی دو ۲ بکرے مقامی انجمن احمدیہ ربوہ کے جنرل سیکرٹری مکرم شیخ محمد الدین صاحب مختار عام نے ذبح کئے۔[2]

مسجد مبارک کی تعمیر اور افتتاح

مسجد مبارک کا نقشہ مکرم حفیظ الرحمان صاحب واحد ہیڈ ڈرافٹس مین نے تیار

---

[1] روزنامہ الفضل لاہور ۱۹ اخاء ۱۳۲۸ھش / اکتوبر ۱۹۴۹ء صہ ۲۔

[2] روزنامہ الفضل لاہور ۸ اخاء ۱۳۲۸ھش / اکتوبر ۱۹۴۹ء صہ ۵۔

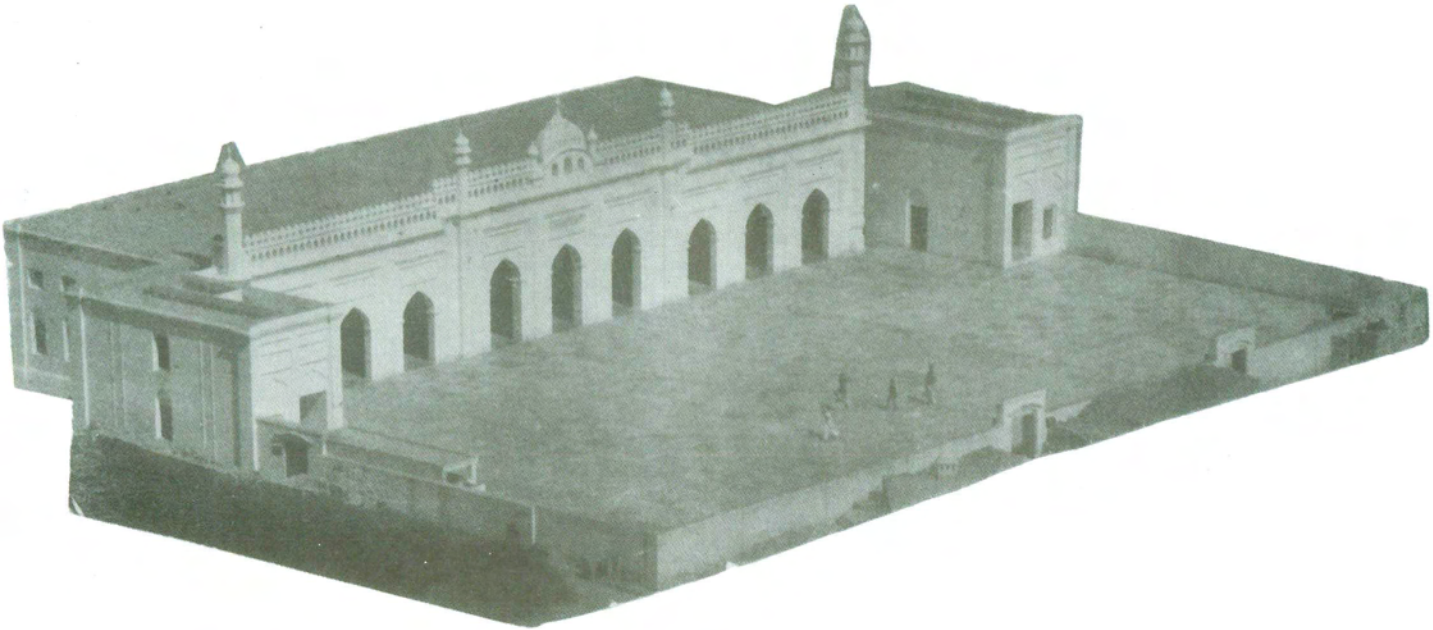

مسجد مبارک ربوہ کا ایک پر کیف منظر

کیا[1] اور اس کی تعمیر حضرت مسیح موعودؑ کے جلیل القدر صحابی حضرت قاضی عبد الرحیم صاحب کی زیر نگرانی ماہ ظہور ۱۳۳۰ھش / اگست ۱۹۵۱ء میں پایۂ تکمیل تک پہنچی مینار بعد میں بنے[2]

ربوہ کی یہ پہلی مستقل مسجد ہے جس کے بنانے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو عطا فرمائی مسجد کے ایک رنگ میں مکمل ہونے پر حضرت مصلح موعود نے ۲۳ / امان ۱۳۳۰ھش / مارچ ۱۹۵۱ء کو اس میں پہلا خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور افتتاح سے قبل بطور شکرانہ ایک لمبا سجدۂ شکر کیا اور حضور کی اقتداء میں باقی تمام دوست بھی سجدہ ریز ہو گئے۔

فصل چہارم

حضرت امیر المومنین کا رہائش ربوہ کے بعد پہلا روح پرور خطبہ جمعہ

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے ربوہ میں مستقل رہائش کے بعد پہلا خطبہ جمعہ ۳۰ تبوک ۱۳۲۸ھش / ستمبر ۱۹۴۹ء کو ارشاد فرمایا حضور نے[3]

---

[1] حفیظ الرحمٰن صاحب ڈرافٹس مین آجکل انگلستان میں ہیں آپ لکھتے ہیں :- "میں ۱۴ / جولائی ۱۹۴۹ء کو ربوہ میں آیا میرے سپرد دفتر تعمیرات کی پلیننگ برانچ کی گئی یعنی صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کی تمام پختہ عمارات کے نقشہ جات کے ڈیزائن تیار کرنا میرے ذمہ لگایا گیا سب سے پہلا نقشہ مسجد مبارک ربوہ کا تیار کیا گیا۔ دفتر تعمیر کے ایک کچے کمرے میں رات کے وقت گیس کی روشنی کی گئی اور خاکسار نے محترم قاضی عبد الرحیم صاحبؓ بھٹی کی ہدایات کے مطابق نقشہ تیار کیا۔ چونکہ منظوری کے لئے نقشہ جلد کمیٹی میں پیش ہونا تھا اس لئے رات کے وقت کام کیا گیا پھر یہ نقشہ کمیٹی کی منظوری کے لئے بھجوا دیا گیا اور ڈپٹی کمشنر مسٹر مُبر نے اس پر منظوری کے دستخط کئے۔"

[2] اصحاب احمد جلد ۶ صفحہ ۴۷، ۴۶ مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے۔ طبع اول جنوری ۱۹۵۹ء

[3] حضور اگرچہ ۱۹ / تبوک ۱۳۲۸ھش / ستمبر ۱۹۴۹ء کو وارد ربوہ ہوئے مگر جلد ہی حضرت سیدہ ام متین صاحبہ کی بیماری کی وجہ سے لاہور تشریف لے گئے جہاں ۲۳ / تبوک کو مسجد احمدیہ دہلی دروازہ میں خطبہ دیا۔ اس کے بعد اگلا جمعہ حضور نے ربوہ میں پڑھایا جو رہائش ربوہ کا پہلا جمعہ تھا۔ صدر انجمن احمدیہ ربوہ کی مرکزی (بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲ پر)

یہ خطبہ قصرِ خلافت کی کچی عمارت سے متّصل عارضی مسجد میں دیا جس میں احمدیت کے اِس نئے دینی مرکز کے قیام کی غرض وغایت پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ اِس پاک بستی میں صرف اُنہی مخلصین کو رہنا چاہیئے جو عملاً واقفِ زندگی ہوں ہمیشہ خدا تعالیٰ پر توکّل رکھیں اور ہر وقت خدمتِ دین کے لئے تیار رہیں۔ حضرت امیرالمومنین کے اِس رُوح پرور خطبہ کے بعض ضروری اقتباسات درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

" اب یہاں ہماری عمارتیں بننی شروع ہوگئی ہیں لوگ رہنے لگ گئے ہیں دکانیں کُھل گئی ہیں کچھ کارخانوں کی صورت بھی پیدا ہو رہی ہے کیونکہ چکیاں وغیرہ لگ رہی ہیں۔ مزدور بھی آگئے ہیں پیشہ ور بھی آگئے ہیں اور دفتر بھی آگئے ہیں مگر یہ سب عارضی انتظام ہے مستقل انتظام کے لئے یہ شرط ہوگی کہ صرف ایسے ہی لوگوں کو ربوہ میں رہنے کی اجازت دی جائے گی جو اپنی زندگی عملی طور پر دین کی خدمت کے لئے وقف کرنے والے ہوں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ یہاں رہنے والا کوئی شخص دکان نہیں کرسکتا یا کوئی اَور پیشہ نہیں کرسکتا۔ وہ ایسا کرسکتا ہے مگر عملاً اُسے دین کی خدمت کے لئے وقف رہنا پڑے گا جب بھی سلسلہ کو ضرورت ہوگی وہ بلاچون وچرا اپنا کام بند کرکے سلسلہ کی خدمت کرنے کا پابند ہوگا مثلاً اگر تبلیغ کے لئے وفد جا رہے ہوں یا علاقہ میں کسی اَور کام کے لئے اُس کی خدمات کی ضرورت ہو تو اُس کا فرض ہوگا کہ وہ فوراً اپنا کام بند کرکے باہر چلا جائے انہی شرائط پر لوگوں کو زمین دی جائے گی اور جو لوگ اس کے پابند نہیں ہوں گے اُنہیں یہاں زمین نہیں دی جائے گی۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ جگہ ایک مثالی جگہ ہو جس طرح ظاہر میں ہم اسے دین کا مرکز بنا رہے ہیں اس طرح حقیقی طور پر یہاں کے رہنے والے سب کے سب افراد دین کی خدمت کے لئے وقف ہوں وہ بقدرِ ضرورت دُنیا کا کام بھی کرتے ہوں لیکن ان کا اصل مقصد دین کی خدمت اور اس کی اشاعت ہو یُوں تو صحابہؓ بھی دُنیا کے کام کرتے تھے۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں کوئی ایک سپاہی بھی ایسا نہیں تھا جو تنخواہ دار ہو کوئی دکاندار تھا، کوئی زمیندار تھا، کوئی مزدور تھا، کوئی لوہار تھا، کوئی ترکھان تھا، غرض سارے کے سارے پیشہ ور تھے جس طرح آپ لوگوں کی دکانیں ہیں اسی طرح اُن کی بھی دکانیں تھیں جس طرح

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ سالانہ رپورٹ ۲۸-۱۳۲۹ ہش / ۴۹-۱۹۵۰ء سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹ تبوک تا ۷ نبوت ۱۳۲۸ہش حضور لاہور میں قیام فرما رہے لیکن اس دوران خطبہ جمعہ کے لئے باقاعدگی سے ربوہ تشریف لاتے رہے۔ (صلا)

آپ لوگوں کی زمینداریاں ہیں اسی طرح اُن لوگوں کی بھی زمینداریاں تھیں۔ اگر آپ لوگ مختلف پیشوں سے کام لیتے ہیں مزدوری کرتے ہیں یا بڑھئی اور لوہار کا کام کرتے ہیں تو وہ بھی یہ سب کام کرتے تھے مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب جنگ کے لئے نکلتے تو وہ سب کے سب آپ کے ساتھ چل پڑتے تھے اُس زمانہ میں جنگ تھی اِس زمانہ میں تبلیغ کا کام ہمارے سپرد ہے۔ آپ صحابہؓ سے فرماتے چلو تو وہ سب چل پڑتے تھے وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ ہماری دکانیں بند ہو جائیں گی۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اُن کے بیوی بچے نہیں تھے۔ آجکل لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر ہم دین کی خدمت کے لئے جائیں تو ہمارے بیوی بچوں کو کون کھلائے گا۔ سوال یہ ہے کہ آیا صحابہؓ کے بیوی بچے تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو جنگ پر جانے کے بعد انہیں کون کھلاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب کی ترقی قربانی سے وابستہ ہے روپیہ ایک عارضی چیز ہے جیسے تحریک جدید کے ابتداء میں ہی مَیں نے کہہ دیا تھا کہ روپیہ ایک ضمنی چیز ہوگی تحریک جدید کی اصل بنیاد وقفِ زندگی پر ہوگی مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ اب واقفین میں سے ایک حصہ کا رُجحان روپیہ کی طرف ہو رہا ہے اور وہ یہ سوال کر دیا کرتے ہیں کہ ہم کھائیں گے کہاں سے؟ حالانکہ وقف کی ابتدائی شرطوں میں ہی صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ زندگی وقف کرنے والا ہر قسم کی قربانی سے کام لیگا اور وہ کسی قسم کے مطالبہ کا حقدار نہیں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص خدا کے لئے قربانی کرتا ہے خدا خود اُس کا مددگار ہو جاتا ہے۔ آخر ہمارے وقف کے دو ہی نتیجے ہو سکتے ہیں یا تو ہمیں ملے یا نہ ملے۔ مَیں "ہمارے" کا لفظ اِس لئے کہتا ہوں کہ مَیں بھی جوانی سے دین کی خدمت کے لئے وقف ہوں اور مَیں جب دین کی خدمت کے لئے آیا تھا اُس وقت مَیں نے خدا تعالیٰ سے یا خدا تعالیٰ کے نمائندوں سے یہ سوال نہیں کیا تھا کہ مَیں اور میرے بیوی بچے کہاں سے کھائیں گے مگر اب تم میں سے کئی لوگوں کو یہ نظر آتا ہے کہ میرے پاس روپیہ بھی ہے اور مَیں کھاتا پیتا بھی بافراغت ہوں مگر سوال یہ ہے کہ مَیں نے تو کوئی شرط نہیں کی تھی جو کچھ خدا نے مجھے دیا یہ اس کا احسان ہے میرا حق نہیں کہ مَیں اُس کی کسی نعمت کو رَدّ کروں لیکن جب مَیں آیا تھا اُس وقت مَیں نے یہ نہیں کہا تھا کہ پہلے میرے اور میرے بیوی بچوں کے گذارہ کی کوئی صورت پیدا کی جائے اس کے بعد مَیں اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے وقف کروں گا یہ خدا کا سلوک ہے جس میں کسی بندے کو کوئی اختیار نہیں۔"

"غرض اللہ تعالیٰ پر توکّل ہی انسان کو حقیقی زندگی دیتا ہے اور توکّل ہی ہر قسم کی برکات کا انسان

کو مستحق بناتا ہے جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے مکہ بنوایا تو اس وقت اس نے یہی کہا کہ یہاں توکل سے رہنا اور خدا تعالیٰ سے روٹی مانگنا بندوں سے نہ مانگنا اسی نیّت اور ارادہ کے ساتھ ہمیں قادیان میں بھی رہنا چاہیئے تھا مگر وہ احمدیت سے پہلے کی بنی ہوئی بستی تھی اور وہاں بہت سے لوگ اس سبق سے نا آشنا تھے لیکن یہ نئی بستی جہاں ایک طرف مدینہ سے مشابہت رکھتی ہے اِس لحاظ سے کہ ہم قادیان سے ہجرت کرنے کے بعد یہاں آئے وہاں دوسری طرف یہ مکّہ سے بھی مشابہت رکھتی ہے کیونکہ یہ نئے سرے سے بنائی جا رہی ہے اور محض احمدیت کے ہاتھوں سے بنائی جا رہی ہے جس طرح حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے ہاتھ سے اللہ تعالےٰ نے مکّہ معظمہ بنوایا وہاں بھی خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی نسل سے یہی کہا تھا کہ تم اپنی روٹی کا ذمہ دار مجھے سمجھنا کسی بندے کو نہ سمجھنا پھر مَیں تم کو دوں گا اور اس طرح دوں گا کہ دُنیا کے لئے حیرت کا موجب ہوگا چنانچہ دیکھ لو ایسا ہی ہؤا مکّہ والے بے شک محنت مزدوری بھی کرنے لگ گئے ہیں لیکن مَیں سمجھتا ہوں اگر وہ محنت مزدوری چھوڑ دیتے تب بھی جس طرح بنی اسرائیل کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک جنگل میں منّ و سلویٰ نازل کیا تھا اسی طرح مکے والوں کے لئے منّ و سلویٰ اُترنے لگتے کیونکہ وہاں پر رہنے والوں کا رزق خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہؤا ہے اسی طرح ہم کو بھی اس جنگل میں جس جگہ کوئی آبادی نہیں تھی جس جگہ رزق کا کوئی سامان نہیں تھا جو مکّہ کی طرح ایک وادیٔ غیر ذی زرع تھی اور جہاں مکّہ کی طرح کھاری پانی ملتا ہے اور جو اِس لحاظ سے بھی مکّہ سے ایک مشابہت رکھتا ہے کہ مکّہ کی طرح یہاں کوئی سبزہ وغیرہ نہیں اور پھر مکّہ کے گرد جس طرح پہاڑیاں ہیں اسی طرح اِس مقام کے اردگرد پہاڑیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موقع دیا ہے کہ ہم ایک نئی بستی اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لئے بسائیں پس اِس موقع پر ہمیں بھی اور یہاں کے رہنے والے سب افراد کو بھی یہ عزم کر لینا چاہیئے کہ انہوں نے خدا سے مانگنا ہے کسی بندے سے نہیں مانگنا تم اپنے دل میں ہنسو یا تمسخر کرو کچھ سمجھو حقیقت یہ ہے کہ دُنیا میں سب سے معزز روزی وہی ہے جو خدا تعالیٰ سے مانگی جائے۔ وہ کوئی روزی نہیں جو انسان کو انسان سے مانگ کر ملتی ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے (مگر یہ اعلیٰ مقام کی بات ہے اور اعلیٰ درجہ کی رُوحانیت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور شائد تم میں سے بہتوں کی سمجھ میں بھی نہ آئے) کہ وہ روزی بھی اتنی اچھی نہیں جو خدا تعالیٰ سے مانگ کر ملتی ہے بلکہ اعلیٰ روزی وہ ہے جو

خدا تعالیٰ خود دیتا ہے اور بے مانگے کے دیتا ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں ہمیشہ ہنسی آتی ہے اپنی ایک بات پر (مگر یہ ابتدائی مقام کی بات تھی اور اعلیٰ مقام ہمیشہ ابتدائی منازل کو طے کرنے کے بعد ملتا ہے اور ابتدائی مقام یہی ہوتا ہے کہ انسان سمجھتا ہے میں نے خدا سے مانگنا ہے) کہ میں نے بھی خدا سے کچھ مانگا اور اپنے خیال میں انتہائی درجہ کا مانگا مگر مجھے ہمیشہ ہنسی آتی ہے اپنی بیوقوفی پر اور ہمیشہ لطف آتا ہے خدا تعالیٰ کے انتقام پر کہ جو کچھ ساری عمر کے لئے میں نے مانگا تھا وہ بعض دفعہ اس نے مجھے ایک ایک ہفتہ میں دے دیا۔ میں زمین پر شرمندہ ہوں کہ میں نے کیا حماقت کی اور اس سے کیا مانگا اور وہ آسمان پر ہنستا ہے کہ اس کو ہم نے کیسا بدلہ دیا اور کیسا نادم اور شرمندہ کیا۔ پھر میں نے سمجھا کہ مانگنا بھی فضول ہے کیوں نہ ہم اللہ تعالیٰ سے ایسا تعلق پیدا کریں کہ وہ ہمیں بے مانگے ہی دیتا چلا جائے ایک شخص جو کسی بڑے آدمی کے گھر مہمان جاتا ہے وہ اگر اس سے جا کر کہے کہ صاحب میں آپ کے گھر سے کھانا کھاؤں گا تو اس میں میزبان اپنی کتنی ہتک محسوس کرتا ہے جب وہ اس کے ہاں مہمان آیا ہے تو صاف بات یہ ہے کہ وہ اس کے ہاں سے کھانا کھائے گا۔ اس کا یہ کہنا کہ میں آپ کے ہاں سے کھانا کھاؤں گا یہ مفہوم رکھتا ہے کہ وہ میزبان کے متعلق اپنے دل میں یہ بدظنی محسوس کرتا ہے کہ شائد وہ کھانا نہ کھلائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا جو مہمان ہو جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ خود کھلاتا اور پلاتا ہے اگر وہ اس سے مانگے تو اس میں اس کی اعلیٰ وارفع شان کی ہتک ہوتی ہے۔ مگر خدا کا سلوک ہر بندے سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ جو خدا کے لئے اپنی زندگی وقف نہیں کرتے ان کو بھی وہ روزی بہم پہنچاتا ہے اور جو اس کے لئے اپنی ساری زندگی کو وقف کئے ہوئے ہوتے ہیں ان کو بھی روزی بہم پہنچاتا ہے۔ وہ فرماتا ہے كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاۤءِ وَهٰٓؤُلَاۤءِ ہم اس کے لئے بھی روزی کا انتظام کرتے ہیں جو ایمان سے خارج اور دہریہ ہوتا ہے اور اس کے لئے بھی روزی کا انتظام کرتے ہیں جو ہم پر کامل ایمان رکھنے والا ہوتا ہے۔ یہ دو گروہ ہیں جو الگ الگ ہیں۔ ایک وہ ہے جو ہمیں گالیاں دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں خود کمائی کروں گا اور اپنی کوشش سے رزق حاصل کروں گا۔ ایک گروہ وہ ہے جو کہتا ہے کہ کمائی لغو چیز ہے بلکہ میں نے تو خدا تعالیٰ سے بھی نہیں مانگنا اس کی مرضی ہے چاہے دے یا نہ دے۔ فرماتا ہے ہم اس گروہ کو بھی دیتے ہیں اور اُس گروہ کو بھی دیتے ہیں۔ ایک هٰٓؤُلَاۤءِ ان لوگوں کی طرف جاتا ہے جو بدترین خلائق ہوتے ہیں اور جو مادیات کے اتنے دلدادہ اور عاشق

ہوتے ہیں کہ سمجھتے ہیں سب نتائج کی بنیاد مادیات پر ہی ہے اور ایک ھٰؤُلَاءِ ان لوگوں کی طرف جاتا ہے جو مادیات سے بالکل بالا ہو کر اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ سمجھتے ہیں ہم نے خدا سے بھی نہیں مانگنا اور ایک درمیانی گروہ ہوتا ہے وہ اپنے اپنے درجہ کے مطابق ظاہر میں کچھ مادی کوششیں بھی کر لیتے ہیں اور پھر ساتھ اس کے اللہ تعالیٰ پر توکل بھی رکھتے ہیں کبھی مانگتے ہیں اور کبھی نہیں مانگتے یا اپنی زندگی میں سے کچھ عرصہ کوشش اور جدوجہد کرتے ہیں اور کچھ عرصہ کوشش اور جدوجہد کو ترک کر دیتے ہیں۔ ظاہری تدبیر حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے بھی کی۔ آپ طب کرتے تھے اور روپیہ کماتے تھے اور ظاہری تدبیر ہم نے بھی کی ہم بھی زمینداری کرتے ہیں اور بعض دفعہ تجارت بھی کر لیتے ہیں مگر اس نیت سے کرتے ہیں کہ اس کا نتیجہ خدا تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے اگر وہ کہے کہ میں نے تمہیں کچھ نہیں دینا تو ہمیں اس سے کوئی شکوہ نہیں ہوگا ہمیں اس کے فیصلہ پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا ہم پھر بھی یہی سمجھیں گے کہ وہ ہماری اتنی ہی حمد کا مستحق ہے جتنی حمد کا اب مستحق ہے بلکہ وہ ہماری اتنی حمد کا مستحق ہے جتنی حمد ہم کر بھی نہیں سکتے پس اس مقام کے رہنے والوں کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ توکل سے کام لیں اور ہمیشہ اپنی نگاہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلند رکھیں۔ جو دیانتدار احمدی ہیں میں ان سے کہوں گا کہ اگر وہ کسی وقت یہ دیکھیں کہ وہ توکل کے مقام پر قائم نہیں رہے تو وہ خود بخود یہاں سے چلے جائیں اور اگر خود نہ جائیں تو جب ان سے کہا جائے کہ چلے جاؤ تو کم سے کم اس وقت ان کا فرض ہوگا کہ وہ یہاں سے فوراً چلے جائیں۔ یہ جگہ خدا تعالیٰ کے ذکر کے بلند کرنے کے لئے مخصوص ہونی چاہیئے یہ جگہ خدا تعالیٰ کے نام کے پھیلانے کے لئے مخصوص ہونی چاہیئے۔ یہ جگہ خدا تعالیٰ کے دین کی تعلیم اور اس کا مرکز بننے کے لئے مخصوص ہونی چاہیئے۔ ہم میں سے ہر شخص کو کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ اپنی اولاد اور اپنے اعزہ اور اقارب کو اس رستہ پر چلانے کی کوشش کرے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ اس کوشش میں کامیاب ہو سکے۔ نوحؑ کی کوشش کے باوجود اس کا بیٹا اس کے خلاف رہا۔ لوطؑ کی کوشش کے باوجود اسکی بیوی اس کے خلاف رہی۔ اسی طرح اور کئی انبیاء اور اولیاء ایسے ہیں جن کی اولادیں اور بھائی اور رشتہ دار ان کے خلاف رہے۔ ہم میں سے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنے خاندان میں سے کتنوں کو دین کی طرف لا سکے گا مگر اس کی کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ اس کی ساری اولاد اور اسکی ساری نسل دین کے پیچھے چلے اور اگر اس کی کوشش کے باوجود اس کا کوئی عزیز اس رستہ سے دُور

چلا جاتا ہے تو سمجھ لے کہ وہ میری اولادوں میں سے نہیں میری اولاد وہی ہے جو اس منشاء کو پورا کرنے والی ہے جو الٰہی منشاء ہے۔ جو شخص دین کی خدمت کے لئے تیار نہیں وہ ہماری اولاد میں سے نہیں ہم اپنی اولاد کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ ضرور دین کے پیچھے چلیں۔ ہم ان کے دل میں ایمان پیدا نہیں کر سکتے خدا ہی ہے جو ان کے دلوں میں ایمان پیدا کر سکتا ہے لیکن ہم یہ ضرور کر سکتے ہیں کہ جو اولاد اس منشاء کو پورا کرنیوالی نہ ہو اسے ہم اپنے دل سے نکال دیں۔ بہرحال اگر خدا تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اعلیٰ مقام دے تو ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ صرف ہم ہی نہیں بلکہ ہماری آئندہ نسلیں بھی اس مقام کو دین کا مرکز بنائے رکھیں اور ہمیشہ دین کی خدمت اور اس کے کلمہ کے اعلاء کے لئے وہ اپنی زندگیاں وقف کرتے چلے جائیں لیکن اگر ہماری کسی غلطی اور گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ یہ مقام ہمیں نصیب نہ کرے اور ہماری ساری اولادیں یا ہماری اولادوں کا کچھ حصہ دین کی خدمت کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ پر توکّل اسکے اندر نہ پایا جاتا ہو۔ خدا تعالیٰ کی طرف انابت کا مادہ اس کے اندر موجود نہ ہو تو پھر ہمیں اپنے آپ کو اس امر کے لئے تیار رکھنا چاہیئے کہ جس طرح ایک مُردہ جسم کو کاٹ کر الگ پھینک دیا جاتا ہے اسی طرح ہم اس کو بھی کاٹ کر الگ کر دیں اور اس جگہ کو دین کی خدمت کرنے والوں کے لئے ان سے خالی کروالیں"۔[1]

منافق طبع لوگوں کی اصلاح کرنے اور خلیفۂ وقت کو انکی اطلاع دینے کی تحریک

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے ۱۸ ماہ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء کو بمقام ربوہ ایک اہم خطبہ ارشاد فرمایا جس میں تحریک فرمائی کہ منافق طبع لوگوں کی اصلاح کی جائے اور خلیفۂ وقت کو ایسے لوگوں کی اطلاع دی جائے۔ نیز اس امر پر تفصیل سے روشنی ڈالی کہ طبقہ منافقین کے پیدا ہونے کے بنیادی وجوہ اور اسباب کیا ہیں؟ چنانچہ فرمایا:-

"یہ طبقہ کہاں سے آتا ہے؟ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کی موٹی موٹی جگہیں یہ ہیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ بعض لوگ دلائل سُن کر ایمان لے آتے ہیں لیکن جب ان سے قربانیوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ ان کی برداشت نہیں کر سکتے مثلاً جب وہ نماز نہیں پڑھتے تو لوگ ان سے پوچھتے

[1] الفضل ۶ اخاء ۱۳۲۸ھش / اکتوبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۳، ۴، ۵۔

ہیں کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ آخر اس سوال کا وہ کیا جواب دیں گے۔ کیا وہ یہ جواب دیں گے کہ بھئی ہم کمزور ہیں گنہگار ہیں۔ اِس جواب کے لئے بڑی ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ مَیں نے تمہارے بڑے بڑے آدمیوں کو دیکھا ہوا ہے وہ بھی نمازیں نہیں پڑھتے۔ گویا وہ اپنا الزام دوسروں پر لگا دیں گے تا ان کا وہ عیب چھپ جاوے۔ یہ بات ان سے اگر کوئی کمزور ایمان شخص سُن لے گا تو وہ دوسری جگہ پر جائے گا اور کہے گا کہ مَیں نے ایک معتبر شخص سے سُنا ہے کہ فلاں فلاں شخص نماز نہیں پڑھتا وہ معتبر شخص کون ہوگا وہ معتبر شخص وہی منافق ہوگا جس نے اپنا عیب چھپانے کے لئے اپنا الزام دوسروں پر لگا دیا۔ یا مثلاً چندہ ہے ایک شخص چندہ نہیں دیتا لوگ اس سے پوچھتے ہیں کہ بھئی تم چندہ کیوں نہیں دیتے۔ وہ اپنے عیب کو چھپانے کے لئے کہہ دیتا ہے کہ بھئی چندہ کیا دیں مرکز میں بیٹھے لوگ چندے کھا رہے ہیں۔ یہ تو کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ مَیں بے ایمان ہوں، کمزور ہوں اِس لئے چندہ نہیں دیتا بجائے اس کے کہ وہ کہے بھئی مَیں بے ایمان ہوں، کمزور ہوں وہ کہہ دیتا ہے مرکز میں بڑے بڑے لوگ چندے کھا رہے ہیں اِس لئے مَیں چندہ نہیں دیتا۔ اِس طرح وہ اپنی عزت کو بچانا چاہتا ہے۔

غرض بدعمل لوگ اپنے عیب اور کمزوری کو چھپانے کے لئے اور اس پر پردہ ڈالنے کے لئے ہمیشہ دوسروں پر الزام لگاتے ہیں۔ ان لوگوں کی بڑی پہچان یہ ہے کہ پہلے معترض کا اپنا عمل دیکھا جائے کہ وہ چندہ دیتا ہے یا دیانتداری میں خود مشہور ہے یا وہ خود تو کسی سے دھوکہ نہیں کرتا۔ اگر وہ خود چندہ دیتا ہے، وہ خود دیانتداری میں مشہور ہے تب تو ہم یہ شُبہ کر سکتے ہیں کہ شاید اس کی بات سچی ہو یا شاید اس نے کسی غلط فہمی کی بناء پر کوئی بات کہہ دی ہو لیکن جس کی دیانت خود مشتبہ ہے وہ خود چندہ نہیں دیتا اور پھر وہ دوسروں پر اعتراض کرتا ہے وہ منافق ہے پس ہر وہ شخص جو دوسروں پر خیانت اور بد دیانتی کا الزام لگائے پہلے اسے دیکھو کہ آیا وہ خود دیانتدار ہے خود چندوں میں چُست ہے۔ اگر وہ خود دیانتدار ہو تب تو بیشک اس کی بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے لیکن پھر بھی یہ ضروری نہیں کہ اس کی بات فی الواقع سچّی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے محض غلط فہمی کی بناء پر ہو۔ دوسری وجہ منافقت کی یہ ہوتی ہے کہ نئی نسل کی تربیت اچھی نہیں ہوتی پہلے لوگ تو سوچ سمجھ کر ایمان لاتے ہیں لیکن نئی نسل تو سوچ سمجھ کر ایمان نہیں لائی ہوتی۔ وہ تو پیدائشی احمدی ہوتے ہیں اِس لئے بُری تربیت کی وجہ سے وہ جلد منافقت کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ جو

سوچ سمجھ کر ایمان لاتا ہے اس کا ایمان اتنا کمزور نہیں ہوتا کہ ٹھوکر کھا جائے لیکن جو شخص سوچ سمجھ کر ایمان نہیں لایا بلکہ محض پیدائش کی وجہ سے وہ احمدی ہے اس کا ایمان اتنا مضبوط نہیں ہوتا جتنا اس شخص کا جو خود سوچ سمجھ کر ایمان لایا ہو۔ غرض نئی پَود میں بھی منافقت زیادہ گھر کر جاتی ہے۔ اب اگر یہ صحیح ہے کہ ہر احمدی کی تربیت اچھی نہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ منافقت احمدیوں میں بھی ہو سکتی ہے۔

منافقت کی تیسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض دفعہ ایمان دار اور مخلص شخص بھی کمزوری دکھا جاتا ہے اور چونکہ ہر کمزوری معاف نہیں ہو سکتی اس لئے بعض دفعہ اسے سلسلہ کی طرف سے سزا دی جاتی ہے اور بعض اوقات اس سزا کی وجہ سے وہ ٹھوکر کھا جاتا ہے یا اس کے اندر بُغض اور کینہ پیدا ہو جاتا ہے پس اگر کوئی شخص منافقت والی بات کر رہا ہو تو دیکھو کہ آیا وہ ایسا شخص تو نہیں جسے کسی جُرم کی بناء پر سلسلہ کی طرف سے سزا دی گئی ہو یا اس کے کسی قریبی رشتہ دار یا دوست کو سزا دی گئی ہو اگر ایسا ہے تو یہ زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ وہ اپنا بدلہ لے رہا ہے۔

جو لوگ مخلص نہیں وہ میرے مخاطب نہیں لیکن جو لوگ سچے مبائع اور مخلص ہیں میں انہیں ہدایت دیتا ہوں کہ ایسے لوگ جہاں کہیں بھی ہوں ان کی اطلاع مجھے دیں۔ بعض اطلاعیں مجھے مل چکی ہیں اور ان کے متعلق میں قدم اُٹھانے والا ہوں لیکن اگر تم لوگ بھی مجھے اطلاع دیتے رہو گے تو مجھے اپنے کام میں مدد ملے گی مثلاً میرے پاس ایک روایت پہنچتی ہے کہ فلاں شخص منافق ہے لیکن ایک روایت کے ساتھ کسی کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھایا جا سکتا اور اگر ہم اس شخص کا نام پہلے ہی لے دیں تو اس کے خلاف غلط روایات جمع ہونی شروع ہو جائیں گی اس لئے ایسا کرنا اس پر ظلم ہوگا پس جماعت کے ہر فرد کو چاہیئے کہ جہاں کہیں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہوں جو ایسے لوگوں کے سامنے باتیں کرتے ہوں جو اصلاح پر مقرر نہیں کئے گئے ان کی اطلاع مجھے دے۔ اصلاح پر مقرر خلیفہ ہے۔ صدر انجمن احمدیہ ہے مجلس شوریٰ ہے۔ ناظر ہیں اور بعض کاموں میں تحریکِ جدید اور تحریکِ جدید کی انجمن ہے اور ان کے بعد لوکل امیر اور لوکل امیر کی انجمن ہے میں کسی فرد کا نام نہیں لے رہا۔ اگر ان سات کے سامنے کوئی شخص کوئی بات کرتا ہے تو وہ منافق نہیں اس لئے کہ یہ اصلاح پر مقرر ہیں لیکن ان سات کے سوا اگر وہ کسی اَور کے سامنے کوئی بات کرتا ہے تو ہم اسے منافق کہیں گے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ منافق ہو لیکن وہ اس

بات کا اہل ہے کہ اس کا جائزہ لیا جائے کہ آیا وہ احمق ہے یا منافق پس اگر کوئی شخص خلیفۂ وقت نظام جماعت یا افرادِ جماعت کے خلاف ان سات قسم کے لوگوں کے سوا کسی اور کے سامنے کوئی بات کرتا ہے تو ایسے شخص کی رپورٹ میرے پاس آنی چاہیئے تاکہ اگر وہ اصلاح کے قابل ہے تو اس کی اصلاح کی جائے ہمارے ہاتھ میں صرف یہی ہے کہ ہم اس کا مقاطعہ کر دیں یہ نہیں کہ اسے مار پیٹ کریں مار پیٹ کرنا گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہے۔

بہرحال جماعت کو زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اِس قسم کے لوگوں کی اصلاح کی جائے میں پھر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ رحم کے یہ معنے نہیں کہ باغ میں گھاس اُگا ہو اور اسے کاٹا نہ جائے اگر کوئی باغبان اس گھاس پر رحم کرتا ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ درخت مرجائے گا۔ اگر کوئی شخص سانپ پر رحم کرتا ہے... تو اس کے یہ معنے ہیں کہ سانپ اس کے بچّہ کو کاٹ لے گا۔ باؤلے کتے پر اگر کوئی رحم کرتا ہے تو اچھے شہری مارے جائیں گے یہ رحم نہیں ظلم ہے۔ رحم کی مستحق سب سے اوّل جماعت ہے۔ رحم کا مستحق سب سے اوّل سلسلہ ہے۔ رحم کا مستحق سب سے اوّل نظام سلسلہ ہے۔ اور جو شخص ان کے خلاف باتیں کرتا ہے وہ اِس قابل نہیں کہ اسے جماعت میں رہنے دیا جائے۔"[1]

حضرت مصلح موعود نے اِس تحریک کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا :۔

"منافق لوگ جماعت کو یا مجھے اِس وقت تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ یہ ہماری ترقی کا زمانہ ہے۔ اِس وقت ان کی حیثیت ایک مچھر کی بھی نہیں مچھر کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے مگر وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے لیکن پھر بھی انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اگر یہ بیج قائم رہا تو جب جماعت کمزور ہو جائے گی اس وقت اسے نقصان پہنچائے گا اِس لئے ہمارا یہ فرض ہے کہ نہ صرف ہم اپنی اصلاح کریں بلکہ ایسے لوگوں کی بھی اصلاح کریں جو جماعت کے لئے آئندہ کسی وقت بھی مضر ہو سکتے ہیں۔ پس ان لوگوں کو کچلنا ہمارا فرض ہے خواہ ان کے ساتھ ان سے ہمدردی رکھنے والے بعض بڑے لوگ بھی کچلے جائیں اور ہر مخلص اور سچے مبائع کا یہ فرض ہے کہ وہ اِس بارہ میں میری مدد کرے اور ایسے لوگوں کے متعلق مجھے اطلاع دے۔ اور اگر کوئی احمدی میرے اِس اعلان کے بعد اِس کام میں کوتاہی کرے گا تو خدا تعالیٰ کے نزدیک مومن نہیں ہو گا بلکہ اُس کی بیعت ایک تمسخر بن جائے گی کیونکہ

[1] روزنامہ الفضل مورخہ یکم فتح ۱۳۲۸ھش / یکم دسمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۵)

اس نے جان و مال اور عزت کے قربان کرنے کا وعدہ کیا لیکن جب خلیفۂ وقت نے اسے آواز دی تو اس نے کسی کی دوستی کی وجہ سے اس آواز کا جواب نہیں دیا۔ پس ہر احمدی کا یہ فرض ہے کہ وہ منافقین کی اطلاع مجھے دے۔ تم اِس بات سے مت ڈرو کہ سَو میں سے پچاس احمدی نکل جائیں گے تم پچاس سے ہی سَو بنے ہو بلکہ تم ایک سے سَو بنے ہو پھر اگر سَو میں سے پچاس نکل جائیں گے تو کیا ہوا۔ پس یہ مت خیال کرو کہ ان لوگوں کے نکل جانے سے جماعت کو کوئی نقصان پہنچے گا۔ گھاس کاٹ دینے سے باغ سے سبزہ تو کم ہوجاتا ہے لیکن درخت نشوونما پاتا ہے اور باغ زیادہ قیمتی ہوجاتا ہے"۔[1]

حضرت مصلح موعودؓ کا لیکچر سرگودھا

جناب ملک صاحب خاں صاحب نون ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر نے حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی خدمت میں سرگودہا تشریف لانے اور اپنے خطاب سے اہلِ سرگودھا کو نوازنے کی درخواست کی تھی جو حضور نے قبول فرمائی چنانچہ حضور ۱۱ ماہ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء کو سرگودھا تشریف لے گئے اور نمازِ جمعہ پڑھانے کے بعد کمپنی باغ کے وسیع احاطہ میں ایک نہایت پُر معارف اور مؤثر تقریر فرمائی جس میں پاکستانیوں کو بدلے ہوئے حالات میں ان کی نئی ذمہ داریوں کی طرف بڑے دلنشیں پیرایہ میں توجہ دلائی۔ یہ تقریر پونے چار بجے سہ پہر سے شروع ہو کر شام کے چھ بجے تک جاری رہی۔ حضور کا خطاب پبلک نے کمالِ ذوق و شوق اور دلجمعی سے سُنا اور مجمع پر سکتے کا سا عالم طاری رہا۔ رؤسائے شہر اور حکامِ ضلع کے علاوہ سرگودھا کے دیگر معززین اور غیر احمدی احباب ہزارہا کی تعداد میں تشریف لائے اور حضور کے رُوح پرور ارشادات سے مستفیض ہوئے۔ علاوہ ازیں سرگودھا کے علاوہ پنجاب کے دوسرے اضلاع کی احمدی جماعتوں کے دوست بھی کثیر تعداد میں شاملِ جلسہ ہوئے۔

ان دنوں جناب مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعتِ احمدیہ سرگودھا کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ آپ نے قریباً اڑھائی ہفتہ پیشتر بذریعہ الفضل حضور کے لیکچر کی خوشکن خبر شائع کرائی نیز اطلاع دی کہ احباب کے لئے دوپہر و شام کے کھانے اور قیام کا انتظام ملک صاحب خان صاحب نون کی کوٹھی پر ہوگا۔ آپ نے یہ بھی اعلان کیا کہ ضلع سرگودھا کے احمدی نوجوان دس نومبر یعنی جمعرات کی دوپہر کو سرگودھا پہنچ جائیں تا بروقت انتظاماتِ جلسہ میں حصہ لے سکیں۔[2] اِس جلسہ کے

---

[1] روزنامہ الفضل یکم فتح ۱۳۲۸ھش / دسمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۵ ۔ [2] روزنامہ الفضل ۲۵ اخاء ۱۳۲۸ھش / اکتوبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۲

ناظم محمد اقبال صاحب پراچہ (جنرل مینیجر دی یونائیٹڈ ٹرانسپورٹ سرگودھا) تھے جنہوں نے الفضل مورخہ ۱۷ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء میں عازمینِ جلسہ سرگودھا کے لئے ایک ضروری نوٹ لکھا اور مہمانوں سے انتظاماتِ جلسہ کی مشترکہ ذمہ داری میں تعاون کی اپیل کی۔ محترم پراچہ صاحب نے لاہور سے سرگودھا جانے والے احباب کی سہولت کے پیشِ نظر سپیشل بسوں کا بھی انتظام کیا جیسا کہ اخبار الفضل ۸ نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۲ سے پتہ چلتا ہے۔ مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ امیر صوبائی پنجاب اپنی سوانح میں اس عظیم الشان جلسہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"۱۹۴۹ء میں ہم نے سرگودھا میں ایک جلسۂ عام کمپنی باغ میں کروایا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تقریر ہوئی جس کا بہت اچھا اثر ہوا۔ اس جلسہ کے سارے اخراجات محترم ملک صاحب خان صاحب نون رئیس سرگودھا نے ادا کئے۔ اس میں بہت وسیع پیمانے پر کھانے کی دعوت بھی دی گئی جس میں حکام اور رؤساء کو بھی شامل کیا گیا۔ مولویوں نے اس جلسہ کو منسوخ کروانا چاہا لیکن ڈپٹی کمشنر ہمیں پہلے اجازت دے چکے تھے انہوں نے منسوخ کرنے سے انکار کر دیا۔" [1]

فصل پنجم

احمدیہ مسلم مشن گلاسگو کا قیام

سکاٹ لینڈ برطانیہ کلاں کا ایک ملک ہے جو ۱۷۰۷ء[2] سے انگلینڈ کے ساتھ قانوناً الحاق رکھتا ہے انگلینڈ کی طرح اس ملک کے پراٹسٹنٹ چرچ کو بھی بہت شہرت حاصل ہے جس کے مدارس الٰہیات ایڈنبرا (EDINBURGH) گلاسگو (GLASGOW) اور ایبرڈن (ABERDEEN) میں قائم ہیں۔ گلاسگو سکاٹ لینڈ کا سب سے بڑا اور برطانیہ میں لنڈن کے بعد دوسرے نمبر کا شہر ہے جہاں پاکستان،

[1] تابعین اصحاب احمد جلد ہفتم صفحہ ۷۷ طبع اول ماہ نومبر ۱۹۷۱ء ۔ تقریر کا مکمل متن الفضل ۲۸ نومبر اور ۵ دسمبر ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا [2] انسائیکلو پیڈیا بریٹینکا زیر لفظ سکاٹ لینڈ

ہندوستان اور مصر کے مسلمان بھی خاصی تعداد میں آباد ہیں کمیونٹی ریلیشنز کی ایک تازہ رپورٹ کے مطابق سکاٹ لینڈ میں مقیم پاکستانیوں کی تعداد چھ ہزار اور بھارتیوں کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی ہے[1]

مشن کی بنیاد

سکاٹ لینڈ میں اسلام و احمدیت کا بیج حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن کے ذریعہ ۱۳۱۹ھش/۱۹۴۰ء کے قریب بویا گیا جبکہ سکاٹ لینڈ یونیورسٹی کی ایک طالبہ مس وائٹ لو (MISS. WHITE LOW) اور مسٹر فیرشاہ (MR. FARSHAH) نے قبولِ اسلام کیا[2] فروری ۱۹۴۹ء میں حضرت مصلح موعود کی خاص ہدایت پر مسٹر بشیر احمد آرچرڈ نے گلاسگو میں احمدیہ مسلم مشن کی بنیاد رکھی[3]

ابتدائی تبلیغی سرگرمیاں

یہاں آپ کے سوا اور کوئی احمدی نہ تھا مگر دو ماہ بھی نہ ہوئے تھے کہ دو افراد حلقہ بگوشِ احمدیت ہو گئے جن میں سے ایک کا نام بشیر احمد اور دوسرے کا عبدالحق پنڈر (PINDER) تھا[4] مقدم الذکر محمد ریلوے میں کام کرنے والے ایک پاکستانی تھے اور دوسرے سکاٹش مسلمان۔

۶ ماہ ہجرت ۱۳۲۸ھش/مئی ۱۹۴۹ء کو مسٹر بشیر آرچرڈ نے تبلیغِ اسلام کے لئے پہلی پبلک میٹنگ منعقد کی[5] اور اس کے بعد باقاعدگی سے لیکچروں کے ذریعہ پیغامِ حق کا حلقہ وسیع کرنے لگے۔ چنانچہ گلاسگو کے بعد ۱۷ ظہور ۱۳۲۸ھش/ اگست ۱۹۴۹ء کو ایڈنبرگ میں بھی اجلاس کرنے کا اہتمام کیا جو بہت کامیاب رہا۔ اسی طرح گلاسٹر میں بھی آپ نے لیکچر دیا۔

اِس کے علاوہ آپ نے سکاٹ لینڈ میں اسلامی لٹریچر کے پھیلانے کی طرف بھی توجہ دینا شروع کردی

---

[1] مساوات لاہور ۱۳ / جون ۱۹۷۳ء صفحہ ۶ ؛ [2] الفضل ۲۷ / اخاء ۱۳۱۹ھش/ اکتوبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ ؛

[3] رپورٹ مرسلہ بشیر آرچرڈ زیرِ عنوان "TABLIGH IN SCOTLAND" ؛ [4] الفضل ۲۰ / امان ۱۳۲۸ھش صفحہ ۴۔ گلاسگو میں آپ ابتداءً 69 CASTLE MILK CRESCENT, CROFT FOOT میں رہتے تھے بعد ازاں دوسرے مقامات میں رہائش پذیر ہوئے مثلاً

(1) 279 LANGCIDE ROAD, GLASGOW S.2

(2) 36 MANSION HOUSE ROAD GLASGOW S.1

[5] الفضل ۱۹ / ہجرت ۱۳۲۸ھش صفحہ ۴ ؛ [6] الفضل ۱۲ / احسان ۱۳۲۸ھش صفحہ ۵ ؛

اور اپنی سرگرمیوں کا آغاز مندرجہ ذیل پمفلٹوں سے کیا:۔

۱۔ قبرِ مسیح یسوع ہندوستان میں (THE TOMB OF JESUS-CHRIST IN INDIA)
مرتبہ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ امام مسجد لنڈن۔

۲۔ کلیسیا کے نام کھلا چیلنج (AN OPEN CHALLENGE TO THE CHURCH)
از چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۳۔ ایک آسمانی پیغام (A DIVINE MESSAGE) [1]

مسلم ہیرلڈ کا اجراء

ماہِ ظہور ۱۳۲۹ھش / اگست ۱۹۵۰ء میں آپ نے سائیکلو سٹائل مشین سے ایک ماہوار رسالہ مسلم ہیرلڈ (MUSLIM HERALD) جاری کیا۔

ماہِ شہادت ۱۳۲۹ھش / اپریل ۱۹۵۰ء میں آپ کی جدوجہد سے گلاسگو میں پہلی بار یومِ پیشوایان مذاہب منایا گیا جس میں تیس افراد شامل ہوئے۔ ماہِ احسان ۱۳۲۹ھش / جون ۱۹۵۰ء سے آپ نے تبلیغی سرگرمیاں تیز تر کردیں اور گھر گھر پہنچ کر اسلام و احمدیت کی منادی کی اور گلاسگو کے بڑے بڑے سماجی اور مذہبی لیڈروں کو اسلامی لٹریچر بھجوایا۔[2]

آرچ بشپ آف یارک اور پوپ کو دعوتِ مذاکرہ

ماہِ اخاء ۱۳۲۹ھش / اکتوبر ۱۹۵۰ء میں آپ نے آرچ بشپ آف یارک (ARCHBISHOP OF YARK) کو مسیح کے دوبارہ جی اُٹھنے اور آسمان پر چڑھ جانے کی نسبت چیلنج دیا مگر انہیں یہ چیلنج قبول کرنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ اگلے سال آپ نے ۱۳۳۰ھش / ۱۹۵۱ء کے شروع میں پوپ

---

[1] یہ پمفلٹ عبدالرحمٰن صاحب دہلوی (حال کارکن نظارت امور عامہ) نے جماعتِ احمدیہ کوئٹہ سے چندہ جمع کرکے شائع کرایا تھا اور اس کے ڈاک خرچ کا ایک حصہ شیخ محمد اقبال صاحب (خلف الرشید حضرت شیخ کریم بخش صاحبؓ) نے ادا کیا۔ یہ پمفلٹ یک ورقہ اور ایک طرف چھپا ہوا تھا اور اس کی پہلی قسط جو دو ہزار پر مشتمل تھی ۱۸ وفا ۱۳۲۸ھش / جولائی ۱۹۴۹ء کو مسٹر بشیر آرچرڈ کے پاس پہنچی جیسا کہ اُن کی ایک تبلیغی رپورٹ میں درج ہے؛

[2] بعنوان "A CHALLANGE TO THE POPE AND HIGH - DIGNITARIES"

اور کلیسا کے دوسرے مذہبی راہنماؤں کو بذریعہ اشتہار[1] دعوتِ مذاکرہ دی مگر پوپ کے سیکرٹری کی رسید کے سوا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

حلقہ اشاعتِ اسلام میں وسعت

۱۳۳۰ھش/۱۹۵۱ء میں آپ نے اشاعتِ اسلام کے حلقہ کو وسیع کرنے کے لئے متعدد نئے اقدامات کئے مثلاً ہر اتوار کو اسلامی لٹریچر کا سٹال لگانا شروع کیا جس سے تبلیغ کی نئی راہیں کھلیں۔ گلاسگو کی لائبریریوں میں اسلامی لٹریچر رکھوایا۔ پہلے مکرم نسیم سیفی صاحب رئیس التبلیغ مغربی افریقہ اور پھر مکرم ملک عمر علی صاحب کے ہمراہ آپ نے تبلیغی دورہ کیا اور یہوواہ وٹنس (JEHOVA-WITNESSES) فرقہ کے لوگوں سے گفتگو کی اس سال مسٹر بشیر آرچرڈ نے عرشہ جہاز کے مسلمان عملہ سے بھی رابطہ قائم کیا۔ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب نے اسلام اینڈ پیس (ISLAM AND PEACE) کے دو[2] سو نسخے مشن کو بھجوائے تھے جو آپ نے غیر مسلموں تک پہنچائے۔ علاوہ ازیں اپنے بہت سے مضامین سائیکلوسٹائل کر کے کتابی صورت میں شائع کئے۔ اِن مضامین میں اسلام اینڈ پیس[2] اور کرسچین اویک[3] خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر مضمون کا عربی ترجمہ "اِسْتَیْقِظُوْا اَیُّھَا الْمَسِیْحِیُّوْنَ" کے عنوان سے فلسطین کے رسالہ البشریٰ[4] میں بھی شائع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی کوششوں میں برکت ڈالی اور ماہِ فتح ۱۳۲۹ھش سے لے کر ماہِ شہادت ۱۳۳۰ھش تک تین سعید روحیں قبولِ اسلام سے مشرف ہوئیں بیعت کرنے والوں میں دو[5] پولینڈ کے باشندے اور ایک سکاٹش تھا۔

مبلّغ اسلام کا ایثار

مجاہدِ گلاسگو مسٹر بشیر آرچرڈ شروع سے ہی نہایت قلیل رقم پر گذارہ کر رہے تھے۔ ۸ ظہور ۱۳۲۸ھش (مطابق ۸ اگست ۱۹۴۹ء) کو ایک نومسلم انگریز کے ہاں آپ کی شادی ہوئی جس سے آپ کے اخراجات میں اضافہ ہوا تاہم آپ نے مرکز سے اپنے مشاہرہ

---

[1] بعنوان "A CHALLANGE TO THE POPE AND HIGH DIGNITARIES"

[2] ISLAM AND PEACE   [3] CHRISTIAN AWAKE

[4] رسالہ البشریٰ فلسطین اخاء و نبوت ۱۳۳۲ھش صفحہ ۱۶۲ تا ۱۷۶ ۔   [5] ان میں سے مسٹر بی۔ٹارزویکا (MR. B. TORZEVEKA) کو پہلے ایمان نصیب ہوا۔ سیدنا حضرت المصلح الموعود نے ۱۸ امان ۱۳۳۰ھش کو ان کی نسبت اپنے قلمِ مبارک سے لکھا "انعام اللہ نام رکھیں"۔

میں اضافہ کی کوئی درخواست نہ کی بلکہ ماہِ اخاء ۱۳۲۹ھش / اکتوبر ۱۹۵۰ء سے اپنا ماہانہ تبلیغی الاؤنس (۵ پونڈ)[1] بھی بند کرا دیا اور خود پرانے[2] ٹکٹوں، عطر اور سٹیشنری کی فروخت اور ٹائپ اور سائیکلوسٹائل کر کے مشن کے اخراجات چلانے لگے۔

ٹرینیڈاڈ کو روانگی

مسٹر بشیر آرچرڈ نے جب اس خطہ میں بغرض تبلیغ قدم رکھا تو حالات سراسر ناموافق تھے حتیٰ کہ ابتداء میں جب آپ نے اشتہارات کی تقسیم شروع کی تو کئی لوگ سخت برہم ہوئے اور اشتہار پھاڑ کر زمین پر پھینک ڈالے مگر آپ نے پوری بشاشت اور استقلال کے ساتھ اشاعتِ اسلام کی جدوجہد جاری رکھی اور قریباً ساڑھے تین سال تک نہایت محنت، اخلاص اور وفا شعاری سے پیغامِ حق پہنچاتے رہے اور ماہِ اخاء ۱۳۳۱ھش / اکتوبر ۱۹۵۲ء میں مبلغِ اسلام کی حیثیت سے ٹرینیڈاڈ تشریف لے گئے۔[3]

گلاسگو مشن دارالتبلیغ لنڈن کی براہِ راست نگرانی میں

ماہِ اخاء ۱۳۳۱ھش / اکتوبر ۱۹۵۲ء سے لے کر ماہِ اخاء ۱۳۴۵ھش / اکتوبر ۱۹۶۶ء تک گلاسگو مشن براہِ راست لنڈن مشن کی نگرانی میں رہا۔ اس دوران میں متعدد پاکستانی احمدی یہاں پہنچ گئے اور ایک خاصی جماعت قائم ہو گئی جس کی تنظیم کے لئے مبلغِ انگلستان بشیر احمد خاں صاحب رفیق[4] نے ۱۸ وفا ۱۳۳۸ھش / جولائی ۱۹۵۹ء کو سکاٹ لینڈ کا خصوصی سفر کیا۔ لنڈن مشن کے ایک مخلص احمدی چوہدری عبدالرحمٰن صاحب بھی آپ کے ہمسفر تھے۔ اس سفر کے نتیجہ میں جماعتِ احمدیہ گلاسگو میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی اور اُس نے لنڈن مشن سے باقاعدہ منسلک ہو کر ماہوار چندہ بھی ادا کرنا شروع کر دیا جس

---

[1] یاد رہے ان ایام میں آپ کے مکان کا ہفتہ وار کرایہ ہی تین پونڈ تھا۔

[2] گلاسگو مشن کی ابتدائی فائل سے پتہ چلتا ہے کہ دیگر ذرائع کے علاوہ احمدیہ ٹریڈنگ کمپنی (بازار گنڈا والا امرتسر) کی طرف سے بھی آپ کو پرانی ٹکٹیں بھجوائی جاتی تھیں۔ ۲۶ شہادت ۱۳۳۰ھش کی رپورٹ میں آپ نے ٹکٹوں کی فروخت، مسلم ہیرلڈ کی اشاعت اور اپنی دیگر تبلیغی مساعی کا ذکر کیا جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمایا "رسالہ بھی مل گیا اللہ تعالیٰ برکت ڈالے"۔

[3] الفضل ۲۲ اخاء ۱۳۳۱ھش / اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۔

[4] اُن دنوں آپ نائب امام (انگلستان مشن) کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

سے لنڈن مشن کی آمد میں اضافہ ہوا۔[1] حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بشیر احمد خاں صاحب رفیق کی رپورٹ (۲۴ ۔تبوک ۱۳۳۸ھش) پیش ہوئی تو حضور نے اس پر رقم فرمایا:۔

"سکاٹ لینڈ کا ایک احمدی میرے سفر میں مجھے ملنے کے لئے آیا تھا۔"

مکرم بشیر احمد خاں صاحب رفیق سفرِ سکاٹ لینڈ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"سکاٹ لینڈ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری چھوٹی سی جماعت موجود ہے۔ چونکہ یہ منظم نہیں تھی اسلئے مؤرخہ ۱۸ جولائی ۱۹۵۹ء کو خاکسار نے سکاٹ لینڈ، نوٹنگھم، بریڈ فورڈ، لیڈز وغیرہ کا تنظیمی و تربیتی دورہ کیا۔ مکرم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب نے اپنی کار اس مقصد کے لئے پیش کی۔ آپ نے اپنے وقت کی بھی قربانی کی اور اس سارے دورہ میں ساتھ رہے اور ہر ممکن تعاون کیا۔ مکرم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب سلسلہ سے بیحد تعاون کرنے والے احباب میں سے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور زیادہ سے زیادہ خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

گلاسگو میں خاکسار نے احمدی احباب کو مکرم منصور احمد صاحب کے مکان پر جمع کیا (مکرم منصور صاحب مکرم چوہدری علی محمد صاحب[2] بی۔ اے، بی ٹی کے صاحبزادے ہیں اور مخلص نوجوان ہیں) اور تنظیم کی برکات اور چندوں کی باقاعدہ ادائیگی کے موضوع پر تقریر کی۔ تقریر کے بعد مکرم احمد صاحب کو متفقہ طور پر جماعتِ احمدیہ گلاسگو کا امیر و سیکرٹری مال منتخب کیا گیا چنانچہ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے سکاٹ لینڈ کی جماعت منظم طور پر کام کر رہی ہے۔ واپسی پر خاکسار نے نوٹنگھم میں جماعت قائم کی۔ مکرم آزاد صاحب یہاں کے امیر و سیکرٹری مال مقرر ہوئے۔ چونکہ یہاں کے احمدی دوست قریب قریب رہتے ہیں اس لئے خاکسار نے ان کو ایک دوست کے مکان پر جمع ہو کر کم از کم ایک نماز ضرور باجماعت پڑھنے کی تلقین کی۔ مکرم آزاد صاحب بہت مخلص اور نیک نوجوان ہیں۔

اس دورہ کے دوران میں متعدد مسلم و غیر مسلم احباب کو تبلیغ بھی کی۔ ایک دوست کے ساتھ اسلام میں عورت کی حیثیت اور تعدد ازدواج کے موضوع پر مباحثہ کے رنگ میں بے حد دلچسپ گفتگو ہوئی اس گفتگو میں مکرم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب نے بھی حصہ لیا۔"[3]

---

[1] ملخصاً از رپورٹ بشیر احمد خاں صاحب رفیق ۲۷ ۔تبوک ۱۳۳۸ھش / ستمبر ۱۹۵۹ء (غیر مطبوعہ)۔ [2] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی۔ ان دنوں آپ "ریویو آف ریلیجنز" میں قلمی خدمات بجا لا رہے ہیں۔ [3] الفضل ۱۶ امان ۱۳۳۹ھش / ۱۶ مارچ ۱۹۶۰ء صفحہ ۴

مشن کے دَورِ ثانی کی خدمات پر ایک نظر

یکم اخاء ۱۳۴۵ھش / اکتوبر ۱۹۶۶ء کو مسٹر بشیر احمد آرچرڈ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حکم سے دوبارہ سکاٹ لینڈ میں مبلّغِ اسلام کی حیثیت سے مقرر ہوئے جہاں آپ اَب تک اعلائے کلمۂ اسلام میں سرگرمِ عمل ہیں۔ یہ سکاٹ لینڈ مشن کے احیاء کا دَور ہے جس میں مشن کی تبلیغی اور تنظیمی سرگرمیوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے مبشّرِ اسلام مختلف سکولوں، سوسائٹیوں، گرجوں اور کلبوں میں اسلام پر تقاریر کر چکے ہیں۔ گلاسگو کے علاوہ ملک کے دوسرے قصبات تک بھی پبلک تقاریر اور تبادلہ خیالات کے ذریعہ حق وصداقت کی آواز بلند کی جا رہی ہے۔ دعوتِ اسلام (INVITATION TO ISLAM) کے نام سے ایک انگریزی پمفلٹ پانچ ہزار کی تعداد میں تقسیم کیا جا چکا ہے۔ علاوہ ازیں احمدیہ گزٹ ہر ماہ سائیکلوسٹائل کر کے شائع کیا جاتا اور مشن کی مضبوطی کا موجب بنتا ہے۔ سکاٹ لینڈ میں اشاعتِ اسلام کا ایک مؤثر ذریعہ مسلم ہیرلڈ رسالہ بھی ہے جو مکرم بشیر احمد خاں صاحب رفیقؔ کی جدّوجہد سے براہِ راست لنڈن میں چھپتا ہے اور جس میں دیگر نہایت قیمتی اور معلومات افزا مقالوں کے علاوہ مسٹر بشیر احمد آرچرڈ کے مضامین بھی سپردِ اشاعت ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث کا سفرِ سکاٹ لینڈ

سکاٹ لینڈ مشن کے اِس دورِ ثانی کا سب سے نمایاں اور ممتاز واقعہ سیّدنا حضرت امیر المومنین کا اس سرزمین میں ورودِ مسعود ہے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ ۳۱ وفا ۱۳۴۶ھش / جولائی ۱۹۶۷ء کو اپنے مشہور سفرِ یورپ کے دَوران لنڈن سے مع قافلہ عازمِ سکاٹ لینڈ ہوئے۔[1] راستہ میں حضور نے سکاچ کارنر[2] کے مقام پر رات بسر کی اور اگلے روز یکم ظہور بروز منگل گلاسگو رونق افروز ہوئے۔ سکاٹ لینڈ کی پوری جماعتِ احمدیہ حضور کی قیام گاہ (رائل سٹورڈ ہوٹل) کے سامنے نہایت بے تابی سے چشم براہ تھی۔ سب سے قبل مکرم بشیر احمد آرچرڈ صاحب نے حضور کا استقبال کیا جس کے بعد حضور نے سب احباب کو شرفِ مصافحہ بخشا اور پھر مع خدّام مشن ہاؤس تشریف لے گئے جہاں مغرب و

---

[1] اِس سفر میں کار چلانے کی سعادت مکرم بشیر احمد خاں صاحب رفیقؔ کو حاصل ہوئی۔

[2] لبِ سڑک ایک عوامی قیام گاہ ہے جس کے اردگرد کوئی آبادی نہیں گلاسگو جانے والے لوگ اکثر یہیں رات گذارتے ہیں۔

عشاء کی نمازیں پڑھائیں۔ بعد نماز احبابِ جماعت نے حضور اقدس کے دستِ مبارک پر بیعت کی نیکی سعادت حاصل کی بیعت کے بعد حضور نے لمبی دعا کی۔ ۲۔ ظہور کو حضور نے ایک استقبالیہ تقریب میں شرکت فرمائی جو حضور کے اعزاز میں منعقد کی گئی تھی۔ اِس موقع پر پریس کے نمائندے بھی موجود تھے جنہوں نے بکثرت سوال کئے اور حضور نے برجستہ اور مدلّل جواب دئے۔ اسی روز سہ پہر کو حضور ایڈنبرا تشریف لے گئے جہاں احمدی احباب کو اپنے مقدس آقا کی زیارت سے فیضیاب ہونے کا موقع میسّر آیا اِس سفر میں مکرم بشیر احمد صاحب آرچرڈ، مکرم محمد ایوب صاحب (سابق صدر جماعتِ احمدیہ گلاسگو) مکرم ڈاکٹر سعید احمد صاحب اور بعض دیگر مخلصینِ جماعت بھی حضور کے ہمراہ تھے۔ قیامِ گلاسگو کے دَوران حضور نے وہاں مسجد کے لئے زمین خریدنے کی نسبت بھی ضروری ہدایات دیں۔ حضور گلاسگو کے بعد بریڈ فورڈ اور ہڈرزفیلڈ کا کامیاب دَورہ فرمانے کے بعد ۹۔ ظہور ۱۳۴۶ھش/ اگست ۱۹۶۷ء کی شام کو واپس لنڈن تشریف لے آئے[1]

خلاصہ المختصر گلاسگو کا وہ اسلامی مشن جو ۱۳۲۸ھش / ۱۹۴۹ء میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی توجہ سے قائم ہُوا تھا خلافتِ ثالثہ کے عہدِ مبارک میں اسلام کے علمی و روحانی انقلاب کے پیدا کرنے میں اہم رول ادا کر رہا ہے اور "مسلم سکاٹ لینڈ" کی رُوحانی تعمیر میں مصروف ہے جس سے اِس تثلیث کدہ میں اسلام کے پُرامید اور روشن مستقبل کی جھلک نمایاں نظر آرہی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ۔

فصل ششم

کوائفِ قادیان

اِس سال کی ایک بھاری خصوصیت یہ ہے کہ درویشانِ قادیان جو ۱۳۲۷ھش تک قادیان میں قیدیوں

---

[1] روزنامہ الفضل ۵ اور ۱۳۔ ظہور/ اگست ۱۳۴۶ھش/ ۱۹۶۷ء۔ حضور کے اِس تاریخی سفر کی مفصّل روداد خلافتِ ثالثہ کی تاریخ میں آرہی ہے (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۹۔ ظہور ۱۳۴۶ھش صہ ۳)

کی سی زندگی بسر کر رہے تھے اور اپنے حلقے سے باہر پولیس کی حفاظت کے بغیر قدم نہیں رکھ سکتے تھے۔ نہ صرف قادیان کے محلوں میں بلا روک ٹوک جانے لگے بلکہ قادیان کے مضافات اور بعد ازاں بٹالہ میں بھی دو ایک دفعہ صرف مقامی پولیس کو اطلاع دے کر پہنچ گئے۔ ہندو سکھ اصحاب کے نزدیک مسلمانوں کا ان کے درمیان بلا خوف و خطر چلنا پھرنا ایک اچنبھے کی بات تھی اور وہ ایک ہجوم کی شکل میں اکٹھے ہو جاتے تھے ماہِ شہادت/اپریل ۱۳۲۸ھش ۱۹۴۹ء کے پہلے ہفتہ میں کئی درویشوں نے نظامِ سلسلہ سے درخواست کی کہ انہیں کاروبار کی غرض سے بیرونی دیہات اور بٹالہ اور گورداسپور وغیرہ میں جانے کی اجازت دی جائے مگر حضرت مصلح موعود نے ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک اِس سے بچنا چاہیئے۔ اِس ہدایت کی روشنی میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے مزید یہ نصیحت فرمائی کہ میری رائے میں قدم تدریجی اُٹھانا چاہیئے چنانچہ درویشانِ قادیان نے نہایت حزم و احتیاط سے آمد و رفت کا سلسلہ شروع کیا اور انہیں یہ دیکھ کر انتہائی مسرت ہوئی کہ غیر مسلم پبلک کے جذباتِ نفرت میں کافی کمی واقع ہو گئی ہے اور کم از کم بٹالہ اور گورداسپور میں ان کے جانے پر کسی قسم کا کوئی مظاہرہ نہیں ہوا البتہ حیرت و استعجاب کا اظہار ضرور کیا گیا جو ایک طبعی امر تھا۔ اِس صورتِ حال نے درویشوں کے حوصلے بہت بلند کر دیئے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے ایک مطبوعہ نوٹ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خوشگوار تبدیلی جس سے درویشوں کا دَورِ محصوریت اللہ عزّوجلّ کی عنایت اور فضل و کرم کی بدولت دَورِ رابطہ میں بدل گیا، ماہِ شہادت و ہجرت ۱۳۲۸ھش کے دَوران ہوئی چنانچہ آپ نے الفضل ۱۰ ماہ ہجرت ۱۳۲۸ھش صفحہ ۲ میں لکھا:۔

"آہستہ آہستہ نقل و حرکت کی سہولت پیدا ہو رہی ہے چنانچہ ہمارے بعض دوست بعض ضروری کاموں کے تعلق میں متعدد دفعہ بٹالہ جا چکے ہیں اور ایک دفعہ گورداسپور بھی ہو آئے ہیں اور واپسی پر راستہ میں دھاریوال بھی ٹھہرے تھے ایسے موقعوں پر وہ ہمیشہ احتیاطاً چار چار پانچ پانچ کی پارٹی میں جاتے ہیں اور جلد واپس آجاتے ہیں۔"

امیر المومنین سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے گذشتہ سالانہ جلسہ قادیان (۱۳۲۷ھش ۱۹۴۸ء) کے موقع پر جو رُوح پرور پیغام[1] دیا اس میں خاص طور پر یہ ہدایت فرمائی تھی کہ "قادیان میں احمدیوں کے آنے اور

---

[1] اس پیغام کا متن "تاریخ احمدیت" جلد ۱۳ صفحہ ۸۰ تا ۹۰ میں درج ہے۔

قادیان کے احمدیوں کو ہندوستان یونین میں جانے کے متعلق آزاد کرانے کے لئے آپ لوگ باقاعدہ کوشش کریں اور کوشش کرتے چلے جائیں۔"

حضور کے اِس فرمانِ مبارک کی تعمیل میں ہندوستان بھر کی احمدی جماعتوں[1] نے بھارت کے گورنر جنرل، وزیرِ اعظم، ہوم منسٹر، گورنر مشرقی پنجاب اور ہوم منسٹر مشرقی پنجاب کو قرار دادیں پاس کرکے بھجوائیں کہ جماعتِ احمدیہ ایک پُرامن مذہبی جماعت ہے جس کا مذہبی مرکز قادیان ہے جس کی مرکزی تنظیم صدر انجمن احمدیہ ہے اور جسکے ذمہ ہندوستان کی تمام مقامی احمدی جماعتوں کی مذہبی، تعلیمی اور اخلاقی نگرانی کا کام ہے۔ فسادات ۱۹۴۷ء کے باعث یہ تعلق منقطع ہوگیا اور مرکز سے عہدیدار مبلغین اور انسپکٹر جماعتوں کی نگرانی کے لئے نہیں بھجوائے جا سکے اور نہ بیرونی مقامی جماعتوں کے افراد اور عہدیدار ہی قادیان پہنچ کر مذہبی اور اخلاقی امور میں مرکز سے ہدایات لے سکتے ہیں۔ اِس طرح بھارتی جماعتوں کی تنظیم اور تعلیم و تربیت کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے لہٰذا ہم درخواست کرتے ہیں کہ حکومت ہمارے لئے اپنے مقدس مرکز قادیان میں بلا روک ٹوک کثرت سے جانے کے لئے سفر کی سہولت اور حفاظت کا انتظام فرمائے اور اِس طرح مرکزی عہدیداروں اور مبلغین وغیرہ کے لئے آسانیاں مہیا کرے۔ ہم یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ قادیان صرف مرکزی تنظیمی انجمن کا ہیڈ کوارٹر ہی نہیں بلکہ اس میں جماعتِ احمدیہ کے خصوصی اہمیت رکھنے والے مقاماتِ مقدسہ بھی ہیں۔ یہیں بانیٔ جماعتِ احمدیہ پیدا ہوئے اور منصبِ نبوت پر فائز ہوئے خدا کے بے شمار نشانات آپؑ کے ذریعہ ظاہر ہوئے اور آپؑ نے خود اس بستی کے متعلق فرمایا کہ قادیان خدا کے رسول کا تختگاہ ہے اور خدا نے اس کو برکت دی ہے۔ اندریں صورت قادیان کی زیارت ہمارا مذہبی فریضہ ہے اور ہم حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ بھارتی احمدیوں کے لئے دہلی سے قادیان اور پھر واپسی تک کے لئے سفر کی حفاظتی تدابیر بروئے کار لائی جائیں جس کے لئے عملی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ قادیان جانے والے احمدی جماعتِ احمدیہ دہلی کے مقامی مبلغ و امیر مولوی بشیر احمد صاحب (بلیماراں سٹریٹ) کی معرفت سرکاری افسروں کو مناسب وقت پہلے یہ اطلاع دے دیا کریں کہ فلاں تاریخ کو اتنے افراد قادیان جانا چاہتے ہیں یا مرکزی نمائندے اور دوسرے احمدی

---

[1] مثلاً بمبئی، شاہجہانپور، بنارس، دہلی، سہارنپور، کانپور، پٹنہ، جے پور شہر، کلکتہ، لکھنؤ، مظفر پور، کٹک، اپوکا، بھدرک، مونگھیر، بھاگلپور، سکندر آباد دکن، میرٹھ، الہ آباد، بریلی، علی گڑھ، رانچی، ہوسٹی بنی مائنز، فیض آباد، ہلیسی (بہار)

فلاں تاریخ کو قادیان سے روانہ ہونا چاہتے ہیں ان ہر دو صورتوں میں سرکاری سطح پر حفاظتی انتظام فرمایا جائے۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۵، ۱۶ / نبوت ۱۳۲۸ھش / نومبر ۱۹۴۹ء کو مولوی عبدالرحمن صاحب جٹ امیر جماعت احمدیہ قادیان کے نام حسب ذیل مکتوب تحریر فرمایا:۔

"جلسہ قریب آرہا ہے اب آپ کو پوری طرح کوشش کرنی چاہیئے کہ مختلف جگہوں سے پچیس ۲۵ تیس آدمی کم سے کم مستقل مہاجر ہو کر قادیان آجائیں اور پچیس ۲۵ تیس ۳۰ آدمیوں کو قادیان سے فارغ کر کے ادھر بھجوا دیا جائے کیونکہ غالباً اتنے لوگ وہاں ہیں جو ادھر آنا چاہتے ہیں۔ یا ان کے حالات ایسے ہیں کہ ان کو ادھر بھجوا دینا چاہیئے۔ اس طرح دس بارہ نوجوانوں کو بلوا کر دیہاتی مبلغوں کی طرح تعلیم دینی چاہیئے۔ ملکانہ، مالابار، بہار اور بنگال سے ایسے آدمی منگوانے چاہئیں اس طرح کے اضلاع سے اور جو موجودہ دیہاتی مبلغ ہیں وہ تین سال سے پڑھ رہے ہیں ان کو باہر بھجوانا چاہیئے تا وہ کام کریں۔ پہلے موجودہ جماعتوں کو سنبھالنے اور ان کو بڑھانے کی کوشش ہونی چاہیئے اسکے بعد نئے نئے تبلیغی مرکز مختلف صوبوں میں کھولنے چاہئیں یہ وقت انتہائی کوشش کا ہے کوئی مشکل نہیں کہ اگر آپ لوگ توجہ کریں تو سال ڈیڑھ سال میں لاکھ دو لاکھ کی جماعت ہندوستان میں پیدا نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو چھ سات لاکھ سالانہ کی آمد آسانی سے قادیان میں ہوتی رہے گی جو زمانہ کے ساتھ بڑھتی چلی جائے گی اور آپ لوگ پھر مدرسہ احمدیہ، دینیات کالج، ہائی سکول اور تعلیم الاسلام کالج وہاں بنانے کی توفیق پالیں گے۔ جو زمانہ زندہ رہنے کی کوشش کا تھا اللہ تعالیٰ نے خیریت سے اس زمانہ کو گذار دیا ہے اب آپ نے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی ہے۔ نئے ماڈل سوچنے کا ابھی سوال نہیں قادیان میں جو کچھ پہلے تھا اسے دوبارہ قائم کرنے کے لئے کسی سکیم کے سوچنے کی ضرورت نہیں وہ سکیم تو سامنے ہی ہے اس کے لئے صرف ان باتوں کی ضرورت ہے:۔

اوّل:۔ قادیان میں عورتوں، بچوں کا مہیا کرنا۔ اڑیسہ، کانپور اور بہار میں بہت غریب عورتیں مل جاتی ہیں جو شادیاں کر سکتی ہیں اُن کی اِن علاقوں میں شادیاں کروائیے اور قادیان میں عورتیں بسوائیے۔

دوم:۔ ہزاروں ہزار مسلمان جو مارا گیا ہے ان کے بیوی بچے ابھی دہلی اور اس کے گردونواح

میں موجود ہیں ایسے پندرہ بیس بچے منگوائیے اور پرائمری سکول کھول دیجئے۔ دس بیس نوجوان باہر سے وقف کی تحریک کر کے دیہاتی مبلغ بنانے کے لئے منگوائیے اور مدرسہ احمدیہ قائم کر دیجئے۔ اگر پرانا پریس نہیں ملتا تو نئے پریس کی اجازت لیجئے۔ دستی پریس پتھروں والا ہو یہ سو دو سو میں آجاتا ہے بلکہ خود قادیان میں بنوایا جا سکتا ہے اس پر ایک پرچہ ہفتہ وار چھاپنا شروع کر دیجئے آپ لوگوں کے لئے کام اور شغل نکل آئے گا۔ کچھ لوگ کاتب بن جائیں گے کچھ کاغذ لگانے والے اور ہتھی چلانے والے بن جائیں گے اور کئی لوگوں کے لئے کام نکل آئے گا۔ آبادی بڑھے گی تو خالی جگہوں کو دیکھ کر لوگوں کو جو لالچ پیدا ہو جاتا ہے وہ جاتا رہے گا اور جو خالی ٹکڑے پڑے ہیں ان میں نئی عمارتیں بن جائیں گی۔

سوم:۔ حکیم خلیل احمد صاحب میرے خیال میں اگر وہاں آجائیں یا اور کوئی حکیم تو ایک مطب بھی کھول دیا جائے اور ایک طلبہ کلاس کھول دی جائے دیہاتی مبلغ بھی طب سیکھیں اور مرزا وسیم احمد صاحب بھی طب سیکھ لیں اور ایک بہت بڑا دواخانہ کھول دیا جائے جس کی دوائیں سارے ہندوستان میں جائیں خدا چاہے تو لاکھوں کی آمدنی اس ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ یہ خط تمام ممبران انجمن کو سُنا دیں تا سب لوگ اس سکیم کو اپنے سامنے رکھیں اور جلد سے جلد اس سکیم کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔"[1]

سیدنا حضرت مصلح موعود نے ۲۸ شہادت ۱۳۲۸ھش / اپریل ۱۹۴۹ء کو بذریعہ مکتوب ارشاد فرمایا کہ ہندوستان کی جماعتوں کو منظم کرنے کی جو میں نے ہدایت دی ہے اس کے بارے میں یاد رکھیں کہ سب سے اوّل یو پی، بمبئی، بہار اور مدراس کے چندے جمع کرنے پر زور دیں، نیز سب جگہوں پر سالانہ جلسے کرانے اور قادیان کے لئے زندگی وقف کرنے پر زور دیں جو اپنے بال بچوں سمیت رہیں۔ اسی طرح ہندوستان کے احمدی نوجوانوں کو تبلیغ کے لئے وقف ہونے کی تحریک کریں۔ حضور نے اس مکتوب میں یہ بھی حکم دیا کہ قادیان میں تبلیغی کالج کھول دیں تا ہندوستان میں تبلیغ وسیع ہو سکے۔

صدر انجمن احمدیہ قادیان ہندوستانی جماعتوں کی تنظیم کے لئے اس سال صرف یہ قدم اُٹھا سکی کہ نظارت بیت المال کی طرف سے مولوی غلام احمد صاحب ارشد کو یو پی بھجوا دیا جنہوں نے بڑی

---

[1] مثل ۲۶ دفتر خدمت درویشاں ربوہ۔

محنت اور جانفشانی سے اِس علاقہ کی جماعتوں کو از سرِ نو منظم کیا اور اُن کا باقاعدہ سروے کر کے احمدی افراد کی فہرستیں تیار کیں۔

قادیان کے متعلق حکومت کی پالیسی میں تبدیلی

بجائے اِس کے کہ بھارتی حکومت ہندوستانی احمدیوں کی درخواست پر ہمدردانہ غور کر کے حق و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتی اُس نے اپنی پالیسی میں اَور زیادہ سخت گیری اور سختی پیدا کر دی اور براہِ راست درویشوں پر بعض نئی پابندیاں عائد کر دیں۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے انہی دنوں اس صورتِ حال کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے لکھا:-

"قادیان میں اَب بظاہر نارمل حالات پیدا ہو رہے ہیں اور ہمارے دوستوں کو نقل و حرکت کی کافی سہولت مل گئی ہے لیکن حالات کے گہرے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تبدیلی ابھی تک کسی طرح تسلی بخش نہیں سمجھی جا سکتی حقیقتاً یہ تبدیلی سکھ قوم کے اقتدار کی جگہ ہندو قوم کے اقتدار کا رنگ رکھتی ہے جب تک سکھ قوم اور سکھ پالیسی کا غلبہ رہا قادیان اور اس کے ماحول میں برملا ظلم و تشدد اور لوٹ مار کا منظر نظر آتا رہا لیکن اَب آہستہ آہستہ اس منظر نے بدل کر ہندوانہ اقتدار کی پالیسی کو جگہ دے دی ہے جس میں بظاہر نارمل حالات کا دَور دَورہ نظر آتا ہے اور ابتری کی بجائے تنظیم کے حالات دکھائی دیتے ہیں لیکن تنظیم کے اِس ظاہری پردہ کے پیچھے نقصان پہنچانے کی منظم پالیسی نظر آ رہی ہے چنانچہ نئے دَور میں حکومت کی پالیسی نے تین ایسی باتوں کو چُنا ہے جو اُوپر کی تبدیلی کی طرف واضح اشارہ کر رہی ہیں۔

(۱) قادیان میں یا یُوں کہنا چاہیئے کہ مشرقی پنجاب میں الفضل کا داخلہ حکومتِ مشرقی پنجاب کے حکم کے ماتحت بند کر دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اَب ہمارے قادیان کے دوست حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح ایدہٗ کے خطبات اور جماعتی تحریکات اور احمدیہ مشنوں کی رپورٹوں وغیرہ سے کلیۃً محروم ہو گئے ہیں یا بالفاظِ دیگر جماعت کی مذہبی تنظیم کے مرکزی نقطہ سے بالکل کاٹ دئے گئے ہیں۔ بظاہر اس حکم کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ الفضل میں ایسی باتیں شائع ہوتی ہیں جو حکومتِ ہندوستان کے مفاد کے خلاف ہیں لیکن ظاہر ہے کہ الفضل کی پالیسی میں کوئی نئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی بلکہ فسادات کے بعد سے ایک ہی پالیسی چلی آ رہی ہے بلکہ حق یہ ہے کہ اَب الفضل میں پہلے کی نسبت زیادہ مذہبی مضامین کی طرف

زیادہ توجہ ہوتی ہے کیونکہ یہی اس کی غرض و غایت ہے اور سیاسی نوعیّت کے مضامین بہت کم ہوتے ہیں باوجود ان حالات کے الفضل کا فسادات کے بعد تو جاری رہنا مگر اَب آ کر بند کیا جانا حکومت کی تبدیل شدہ پالیسی کی ایک واضح دلیل ہے۔

(۲) قادیان جماعتِ احمدیہ کا مقدّس مقام ہے اور دُنیا بھر کا مسلّمہ اُصول ہے کہ ہر قوم اپنے اپنے مقدّس مقامات کی خدمت اور احترام کے لئے تحائف اور ہدایا اور مالی نذرانے بھجوا کرتی ہے اور آج تک دنیا کی کسی مہذب حکومت نے اِس قسم کے مالی یا جنسی تحائف میں روک نہیں ڈالی اور اس وقت تک قادیان میں بھی اِس قسم کے تحائف جاتے رہے ہیں لیکن حال ہی میں بعض ان منی آرڈروں کو جو باہر سے قادیان بھجوائے گئے تھے ہندوستان کی حکومت نے روک لیا ہے حالانکہ جو احمدی قادیان میں بیٹھے ہیں اُن کے گذارہ کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ ان کی سب جائیدادیں ان کے ہاتھ سے چھینی جا چکی ہیں۔ پس اِن حالات میں بیرونی منی آرڈروں کو روکنا مقامی مسلمان آبادی کو بھُوکے مارنے کے مترادف ہے۔

(۳) قادیان میں سالہا سال سے یعنی تقسیمِ پنجاب سے بھی پہلے سے حکومت جماعتِ احمدیہ کو اس بات کی اجازت دیتی رہی ہے کہ وہ لنگر خانہ اور دوسرے احمدیہ اداروں کے لئے اکٹھی گندم خرید لیا کریں لیکن اِس سال حکومتِ مشرقی پنجاب نے اِس بات کی اجازت نہیں دی اور ہدایت جاری کی ہے کہ ہر احمدی اپنا الگ الگ راشن کارڈ حاصل کرے جس کی غرض سوائے اس کے کوئی نظر نہیں آتی کہ قادیان کے احمدیوں کی خوراک کے مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں محفوظ کر لیا جائے۔ ہمارے دوستوں کی طرف سے یہ دلیل پیش کی گئی کہ جو نظام سالہا سال سے چلا آیا ہے اسے اب بدلنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور انفرادی راشن کارڈوں میں یہ خطرہ بھی ظاہر ہے کہ ہر شخص کو اپنا علیحدہ علیحدہ راشن لینے کے لئے بازار جانا ہوگا جس میں ٹکراؤ کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ اور پھر جب قادیان کی احمدی آبادی معیّن ہے اور اس میں حکومت کی اجازت کے بغیر کمی بیشی نہیں ہو سکتی تو پھر اکٹھی خرید کی اجازت دینے میں یہ خطرہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ضرورت سے زیادہ گندم خرید کی جائے گی یا کہ خرید کے بعد ضائع کر دی جائے گی۔ علاوہ ازیں گندم کا جو بھی ذخیرہ ہوگا وہ بہر حال قادیان میں ہی رہے گا اور حکومت کی نظروں کے سامنے ہوگا مگر باوجود اِن معقول دلیلوں کے گورنمنٹ نے اپنے حکم کو نہیں بدلا اور ابھی تک یہ اصرار کر رہی ہے کہ ہر احمدی انفرادی راشن کارڈ حاصل کرے۔

اُوپر کی باتوں سے واضح ہے کہ برملا ظلم وتشدّد اور لُوٹ مار کا دَور دَورہ تو اَب بظاہر گذر چکا ہے لیکن اس کی جگہ ایسی پالیسی نے لے لی ہے جسے مخفی مگر منظّم تشدّد کا نام دیا جاسکتا ہے۔ بہر حال ہماری اصل اپیل خدا کے پاس ہے اور وہی انشاء اللہ اپنی جماعت کا حافظ و ناصر ہوگا اور درمیانی ابتلاء خواہ کوئی بھی صورت اختیار کریں آخری فتح وظفر یقیناً خدا کے نام کی ہے اور دُنیا کی کوئی طاقت اسے ٹال نہیں سکتی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔[1]

دُشمنانِ اِسلام واحمدیّت کا ایک تباہ کُن منصُوبہ اور اُس کی ناکامی

معاندینِ اسلام کا وہ طبقہ جو درویشوں کو اپنے محبوب و مقدّس مرکز سے بے دخل کرنے کی سازشوں میں مصروف چلا آرہا تھا ۱۹۴۹ء میں اللہ رکھا نامی ایک منافق کو احمدی آبادی کے خلاف کھڑا کر کے اپنے مذموم اور ناپاک منصوبہ کی کامیابی کے خواب دیکھنے لگا۔

اللہ رکھا گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ کا باشندہ اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کے زمانہ میں دارالشیوخ قادیان میں رہا کرتا اور اس ادارہ کے لئے مختلف دیہات سے آٹا اکٹھا کر کے لایا کرتا تھا۔ فسادات ۱۹۴۷ء میں یہ شخص قادیان سے اپنے گاؤں چلا آیا لیکن چند ماہ بعد جماعتی اجازت کے بغیر غیر آئینی صورت میں ہندو پاک سرحد پار کر کے قادیان پہنچ گیا۔ مقامی جماعت نے اُسے ہر طرح سمجھایا کہ وہ واپس چلا جائے اور باضابطہ اجازت لے کر آئے مگر وہ تو مخالفینِ احمدیت کا آلۂ کار تھا بھلا کیسے چلا جاتا۔ جہاں دشمنانِ احمدیت کی نگاہ میں دوسرے تمام درویش خار کی طرح کھٹکتے تھے اور ان کا قادیان میں رہنا انہیں گوارا نہیں تھا وہاں اس شخص کی غیر قانونی آمد پر کبھی اعتراض نہیں اُٹھایا بلکہ اُسے اُن کی ہمیشہ پُشت پناہی حاصل رہی۔

اللہ رکھا نے قادیان کے نظامِ احمدیت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے سب سے پہلے وہی حربہ جماعت کے خلاف استعمال کرنا شروع کیا جو خلفائے راشدین اور خلافتِ راشدہ کے دشمنوں کا طُرّۂ امتیاز رہا ہے یعنی اُس نے قادیان پہنچتے ہی صدر انجمن احمدیہ کی مرکزی شخصیتوں کو برسرِ عام اعتراضات کا نشانہ بنانے کی باقاعدہ مہم جاری کر دی جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے ایک تحریری پیغام کے ذریعہ اسے اپنی

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۰؍ہجرت ۱۳۲۸ہش/مئی ۱۹۴۹ء صـ۲۔

شرمناک روش بدلنے کی طرف توجہ دلائی مگر جب اس کی روش میں پہلے سے زیادہ اشتعال اور تیزی کا رنگ پیدا ہو گیا تو حضور نے اس فتنہ پرور سے مقاطعہ کرنے کا حکم دے دیا نیز ہدایت فرمائی کہ درویش اسے اپنے حلقہ میں داخل نہ ہونے دیں۔ حضور نے اِس سلسلہ میں مندرجہ ذیل اعلانِ مقاطعہ کیا جو الفضل ۹ ظہور ۱۳۲۸ھش/ اگست ۱۹۴۹ء کے الفضل میں بھی شائع ہوا:۔

"میاں اللہ رکھا سیالکوٹی حال قادیان چونکہ جماعت میں فتنہ پیدا کرتے ہیں اور جماعتی نظام میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اِس لئے مَیں اِس اعلان کے ذریعہ انہیں اپنی جماعت سے خارج کرتا ہوں اور فتنہ سے بچنے کے لئے تمام احمدیوں کو حکم دیتا ہوں کہ ان سے سلام کلام بند رکھیں اور اپنی مجالس میں آنے کی اجازت نہ دیں تاکہ وہ خواہ مخواہ جماعت کی بدنامی کی کوئی صورت پیدا نہ کر دیں۔ مَیں ان کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ ان کے اندر اگر ذرہ بھی ایمان کا باقی ہے تو اس سے باز آجائیں اور اپنی حرکات کو چھوڑ دیں اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ان کا معاملہ خدا تعالیٰ سے ہوگا اور وہ اپنی عاقبت آپ خراب کریں گے۔

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی"

اگرچہ یہ شخص مبائعین کی طرف منسوب ہوتا تھا لیکن دِل سے خلافت کا ہی منکر تھا اِس لئے اُس نے حضور کے حکم کو ماننے سے انکار کر دیا اور اپنی منافقت پر پردہ ڈالنے کے لئے علی الاعلان کہنا شروع کر دیا کہ وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو خدا کا برحق خلیفہ مانتا ہے لیکن اِس ذاتی معاملے میں ان کی بات پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور ساتھ ہی اس نے اپنے مکان کی چھت پر درویشوں کے خلاف نہایت بدزبانی اور بدکلامی کا مظاہرہ کرنا شروع کیا۔ چند دن بعد سلسلہ احمدیہ کے مخالفوں کی شہ پر ایک پھٹا ہوا مصلّٰی لے کر دار المسیح کے بیرونی دروازے پر پہنچ جاتا اور زبردستی اندر گھسنے کی کوشش کرتا نیز کہتا وہ احمدی ہے اس کو کوئی خارج نہیں کر سکتا اور اس کا حق ہے کہ وہ بھی مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کرے اور مساجد میں عبادت بجالائے۔ دار المسیح کے اندر جانے میں جب کامیابی نہ ہوتی تو وہ دفتر تحریک جدید کے سامنے مصلّٰی بچھا لیتا جہاں نماز تو کم پڑھتا لیکن خدا کے درویش بندوں کو گالیاں زیادہ دیتا۔ درویش یہ المناک نظارہ دیکھ کر بے بس رہ جاتے اور سلسلہ کی روایات اور ہدایات کے مطابق صبر و تحمل کے دامن کو نہ چھوڑتے۔

معاندینِ احمدیت روزانہ اپنی آنکھوں سے یہ مظاہرے دیکھ کر بڑی خوشی کا اظہار کرتے اور اسے

ہنگامہ آرائی کے نت نئے سے نئے ڈھنگ بتاتے۔ اِس سلسلہ میں انہوں نے اس شخص کو یہ پٹی پڑھائی کہ وہ درویشوں کی برسرِ عام بازاروں میں توہین و تحقیر کرے چنانچہ اس کے مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۹ء کے آخر میں اس نے یہ شرارت کی کہ بازار سے گذرتے ہوئے ایک احمدی درویش کو پکڑ لیا اور اسے نہایت درجہ فحش اور بازاری گالیاں دیں اور پھر رات کو ایک کوٹھے پر چڑھ گیا اور یہ مفتریانہ پراپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ احمدیوں نے گذشتہ فسادات میں غیر مسلموں کا قتلِ عام کیا ہے اور فلاں فلاں غیر مسلم کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔

اِن افترا پردازیوں نے جو سلسل کئی ماہ سے جاری تھیں ستمبر ۱۹۴۹ء میں ایک تکلیف دہ مقدمے کی شکل اختیار کر لی چنانچہ اللہ دکھا نے سردار اموک سنگھ سابق ریذیڈنٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں مندرجہ ذیل پچیس ۲۵ درویشوں کے خلاف زیر دفعہ ۱۰۷ مقدمہ دائر کر دیا:۔

۱۔ خان فضل الٰہی صاحب امورِ عامہ ۲۔ منشی محمد صادق صاحب مختارِ عام ۳۔ مولوی برکات احمد صاحب راجیکی بی۔ اے ناظر امورِ عامہ ۴۔ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے مؤلف اصحابِ احمد ۵۔ مولوی برکت علی صاحب جنرل پریذیڈنٹ جماعتِ احمدیہ قادیان ۶۔ چوہدری فیض احمد صاحب گجراتی ۷۔ صوفی عبدالقدیر صاحب ۸۔ خواجہ عبدالکریم صاحب ۹۔ محمد اشرف صاحب گجراتی ۱۰۔ محمد یحییٰ صاحب سرساوی ۱۱۔ محمد رفیق صاحب سرساوی ۱۲۔ میر رفیع احمد صاحب ۱۳۔ محمد ابراہیم صاحب خادم ۱۴۔ محمود احمد صاحب سرگودھی ۱۵۔ عبدالحمید صاحب دکاندار ۱۶۔ شیار کت علی صاحب کمپونڈر ۱۷۔ مولوی محمد عبداللہ صاحب ۱۸۔ سلطان احمد صاحب کھاریاں (یہ درویش مقدمہ کی کارروائی شروع ہونے سے قبل انتقال فرما گئے تھے) ۱۹۔ شیر محمد صاحب پٹھان ۲۰۔ چوہدری سعید احمد صاحب عبار ۲۱۔ کیپٹن ڈاکٹر بشیر احمد صاحب ۲۲۔ مستری غلام قادر صاحب ۲۳۔ بدر دین صاحب عامل ۲۴۔ افتخار احمد صاحب اشرف ۲۵۔ بشیر احمد صاحب ٹھیکیدار بھٹہ۔

۱۸ ستمبر ۱۹۴۹ء کو مقدمہ کی باضابطہ کارروائی بٹالہ میں شروع ہوئی۔ عدالت نے ان درویشوں کو نوٹس جاری کیا کہ وہ پیروی کریں کہ کیوں آپ سے ایک سال کے لئے ہزار ہزار روپے کی ضمانت حفظِ امن نہ لی جائے۔ درویشوں نے ضمانت دینے سے انکار کیا جس پر اللہ رکھا کا بیان ہوا جو بے بنیاد اور

بے سروپا الزامات کا مجموعہ تھا۔ دورانِ بیان اس نے عدالت کو بھی بتایا کہ وہ حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم کی تعمیل کے لئے ہر وقت تیار رہے مگر اِس ذاتی معاملہ میں ان کا کوئی حکم نہیں مان سکتا۔ اللہ رکھا کی طرف سے منوہر سنگھ، پریتم سنگھ (پناہ گیر) اور ماسٹر رام سنگھ اور ریشم سنگھ منشی چوکی پولیس قادیان نے گواہی دی۔ اور درویشوں کی طرف سے بٹالہ کے ۲ وکیل بخشی سائیں داس صاحب اور لالہ رام تن صاحب ایڈووکیٹ بطور وکیل پیش ہوئے مگر انہیں پہلے دن مدعی اور اس کے گواہوں پر جرح کرنے کا موقع نہیں ملا۔ درویشوں نے ۱۴ نومبر ۱۹۴۹ئہ کو شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعتِ احمدیہ لاہور اور صدر بار ایسوسی ایشن لاہور کی لکھی ہوئی ایک مدلّل بحث بھی عدالت میں پیش کی مگر مجسٹریٹ صاحب نے اس پر کوئی توجہ دینے کی بجائے باقی بحث بند کرا دی اور درویشوں کو ایک ایک ہزار کی ضمانتیں پیش کرنے یا انہیں ایک ایک سال قید کئے جانے کا فیصلہ سُنا دیا۔ غریب درویش بھلا چوبیس ہزار روپے کی رقم کہاں سے لاتے انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس ضمانت کے لئے کوئی رقم نہیں ہاں وہ جائیداد ضرور ہے جس پر اِس وقت حکومتِ مشرقی پنجاب کا قبضہ ہے چنانچہ مجسٹریٹ نے یہی ضمانت قبول کر لی۔ جو درویش اپنی جائیداد یں نہ رکھتے تھے ان کی طرف سے بھائی شیر محمد صاحب، میاں عبد الرحیم صاحب امانت سوڈا واٹر اور ڈاکٹر عطر دین صاحب نے اپنی جائیداد یں بغرضِ ضمانت پیش کر دیں مقدمہ کے فیصلہ کے ایک ماہ بعد یکم جنوری ۱۹۵۰ئہ کو اللہ رکھا قادیان چھوڑ کر پاکستان چلا آیا اور اس مقدس بستی کی فضا اس فتنہ سے ہمیشہ کے لئے پاک ہو گئی۔

اللہ رکھا نے پاکستان پہنچ کر حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں حسبِ ذیل خط لکھا:۔

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ✣ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سیدنا حضرت اقدس امیر المومنین السلام علیکم

بندہ مظلومیت کی حالت میں حضور کی خدمت میں حضور کے ارشاد کے مطابق امیر صاحب قادیان کی اجازت سے آیا ہے اور حضور کے ارشاد کے مطابق قادیان رہتا تھا قادیان سے کبھی بھی مُنہ پھر انہیں سکتا۔ قادیان میرا مقدس شہر۔ میرے پیارے حضرت مسیح موعودؑ کا مقدس شہر اور وہاں آپؑ کا مزار اور مذہبی یادگاریں ہیں جہاں ہم لوگ جاتے ہیں۔ مَیں احمدی ہوں حضرت مسیح موعودؑ کو مانتا ہوں اور خلیفۂ وقت کو مانتا ہوں اب بھی اگر خدا نے چاہا تو حضور کے ارشاد سے ہی قادیان جاؤں گا حضور کی ناراضگی میں نہیں

جاؤں گا" ؎۱

اِس خط پر حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا کہ :-

"معاف تو ہم نے کر دیا ہے مگر اِس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے جھوٹ نہیں بولا اور منافق نہیں ہے میری صحت اچھی ہونے پر مَیں مجلس میں بلوا کر پیش کروں گا کہ یہ جھوٹ بول کر قادیان کو تباہ کرنیکی کوشش کرتا رہا اور منافق ہے" ؎۲

جلسۂ قادیان کے لئے پہلا پاکستانی قافلہ

اِس سال بھی سالانہ جلسہ قادیان حسبِ دستور ۲۶-۲۷-۲۸ر فتح ۱۳۲۸ھش / دسمبر ۱۹۴۹ء کو منعقد ہوا جس میں علاوہ قادیان اور ہندوستان کی دیگر جماعتوں کے شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعتِ احمدیہ لاہور کی قیادت میں پچاس پاکستانی احمدیوں کا ایک قافلہ بھی شامل ہوا اور اس مقدس و مبارک اجتماع کی برکات سے مستفید ہوا۔

اِس پہلے پاکستانی قافلہ کے مختصر حالات و کوائف حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے قلم سے درج ذیل کئے جاتے ہیں :-

"قادیان جانے والے قافلہ کے لئے قریباً ۰۰۰ درخواستیں موصول ہوئی تھیں جن میں سے حکومت کی مقرر کردہ حدبندی کے ماتحت صرف پچاس کا انتخاب کرنا تھا چنانچہ پچاس افراد کا انتخاب کر کے انہیں اطلاع دی گئی کہ ۲۴ر دسمبر کی شام تک سب لوگ لاہور پہنچ جائیں چنانچہ یہ جملہ پچاس افراد ۲۴ر دسمبر کی شام تک لاہور پہنچ گئے۔ ان میں تین بوڑھی دیہاتی عورتیں بھی شامل تھیں جو مقدس مقامات کی زیارت کے علاوہ اپنے بچوں کو ملنے کے لئے جا رہی تھیں جو اِس وقت قادیان میں درویشی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

حُسنِ اتفاق سے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بھی ایک تقریب کے تعلق میں ۲۴ تاریخ کی شام کو لاہور تشریف لے آئے اور قافلہ کی روانگی کے خیال سے ۲۵ تاریخ کی صبح کو بھی لاہور میں ٹھہر گئے چنانچہ حضور کی نہایت دردمندانہ اور پُرسوز دعاؤں کے ساتھ یہ پچاس افراد کا

؎۱ اصل خط شعبہ تاریخ احمدیت میں محفوظ ہے۔

؎۲ حضور کا یہ ارشاد بھی شعبہ تاریخ احمدیت میں محفوظ ہے نیز الفضل میں شائع شدہ ہے۔

قافلہ ہر یکے موٹر ٹرانسپورٹ کمپنی کی ۲ لاریوں میں لاہور سے روانہ ہوا۔ یہ قافلہ رتن باغ سے ۲۵ تاریخ کی صبح کو نو بجے روانہ ہوا اور قافلہ کی کل تعداد ۵۴ تھی کیونکہ پچاس ممبرانِ قافلہ کے علاوہ ۲ ڈرائیور اور ۲ کلینر کنڈکٹر بھی اِس قافلہ میں شامل تھے۔ رستہ میں کچھ وقت رُکنے کے بعد قافلہ قریباً ساڑھے دس بجے بارڈر پر پہنچا جہاں مسٹر اے۔ جی چیمہ مجسٹریٹ درجہ اول اور مسٹر ایس۔ ایس جعفری ڈپٹی کمشنر لاہور انہیں رخصت کرنے کے لئے پہلے سے پہنچ چکے تھے۔ قافلہ کو الوداع کہنے کے لئے بہت سے دوست بارڈر تک ساتھ گئے ان لوگوں میں یہ خاکسار بھی شامل تھا اور وہاں ہم سب نے روانگی کی آخری دعا کر کے اپنے بھائیوں کو رخصت کیا۔ میری گھڑی کے مطابق ہمارے قافلہ نے دس بج کر پینتیس منٹ پر پاکستان اور ہندوستان کی سرحد کو عبور کیا اور پھر ہم تھوڑی دیر تک ان کی لاریوں کو دیکھتے ہوئے اور دعا کرتے ہوئے لاہور واپس آ گئے۔

جیسا کہ پہلے سے پروگرام مقرر تھا اِس قافلہ نے ۲۵ر دسمبر کو قادیان جا کر ۳۰ر دسمبر کو واپس آنا تھا چنانچہ یہ قافلہ ۲ بجے بعد دوپہر قادیان پہنچ گیا اور سب سے پہلے بہشتی مقبرہ میں جا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار پر دعا کی جہاں قادیان کے بہت سے دوست قافلہ کے استقبال کے لئے پہنچے ہوئے تھے۔ ایک طرف تو بچھڑے ہوئے بھائیوں سے ملاقات دوسری طرف قادیان کا ماحول اور تیسری طرف بہشتی مقبرہ کا مقام ان سب باتوں نے مِل کر اس دعا میں وہ سوز و گداز پیدا کر دیا جو اہلِ قافلہ کی رپورٹ کے مطابق صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ بہرحال ہمارے یہ دوست تیس دسمبر کی صبح تک قادیان میں ٹھہرے اور جلسہ کی شرکت کے علاوہ جو حسبِ دستور ۲۶، ۲۷، ۲۸ تاریخوں میں مقرر تھا ان ایام کو مقاماتِ مقدسہ میں خاص دعاؤں اور عبادت میں گزارا۔ اور سب واپس آنے والے دوست بلا استثناء کہتے ہیں کہ قادیان کے جملہ درویش اپنی جگہ نہایت قربانی اور للّٰہیت کے جذبہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے اوقات دعاؤں اور نوافل سے اِس طرح معمور ہیں جس طرح ایک عمدہ اسفنج کا ٹکڑا پانی سے بھر جاتا ہے۔ اور سب درویش یہ عزم رکھتے ہیں کہ خواہ موجودہ حالات میں اِن کا قادیان کا قیام کتنا ہی لمبا ہو جائے وہ انشاء اللہ پورے صبر اور استقلال اور قربانی کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم رہیں گے بلکہ ان میں سے بعض نے اِس بات پر حیرت ظاہر کی کہ جب ہم خود انتہائی خوشی اور رضا اور عزم کے ساتھ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے بعض پاکستانی رشتہ داروں کو ہماری وجہ

سے کوئی گھبراہٹ ہو۔ قادیان کے قیام کے دَوران میں ہمارے دوستوں کو اُن ہندوستانی احمدیوں کی ملاقات کا بھی موقع مِلا جو ہندوستان کے مختلف صُوبوں سے جلسہ کی شمولیت کے لئے قادیان آئے تھے اور ان میں محترمی شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی حیدرآباد دکن اور چوہدری انور احمد صاحب کاہلوں امیر جماعتِ احمدیہ کلکتہ اور مولوی بشیر احمد صاحب امیر جماعت دہلی اور حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری اور سیٹھ محمد اعظم صاحب تاجر حیدرآباد دکن اور سیّد ارشد علی صاحب ارشد تاجر لکھنؤ اور مولوی محمد سلیم صاحب مبلّغ مغربی بنگال بھی شامل تھے۔ اور تین دوست کشمیر سے بھی آئے تھے۔ ان ایام میں قادیان کے ہندوؤں اور سکھوں نے پاکستانی اور ہندوستانی زائرین اور بعض درویشوں کو چائے کی دعوت دی اور اِس موقع پر ہمارے کئی دوستوں نے جن میں شیخ بشیر احمد صاحب امیر قافلہ پاکستان اور شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اور حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری شامل تھے دعوت دینے والوں کا شکریہ ادا کرنے کے علاوہ مناسب رنگ میں تبلیغ بھی کی۔ اور ہمارا جلسہ تو گویا مجسّم تبلیغ ہی تھا کیونکہ اس میں بیشتر تعداد غیر مسلموں کی شامل ہوئی تھی اور وہ سب ہمارے مقررین کی تبلیغی تقریروں کو نہایت درجہ توجہ اور سکون سے سُنتے رہے۔ بلکہ وہ اِس بات کو سخت حیرت کے ساتھ دیکھتے تھے کہ یہ چند گنتی کے مسلمان اِس درجہ غیر اسلامی ماحول میں گھرے ہوئے ہیں اور پھر بھی کِس جُرأت کے ساتھ ہمیں اسلام کا پیغام پہنچاتے اور اسلام زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں۔ ہمارا قافلہ ۳۰ر دسمبر کو ۱۱ بجے کے قریب قادیان سے روانہ ہوکر ۴ بجے سہ پہر کے قریب رتن باغ لاہور میں پہنچ گیا اور بہت سے دوستوں نے دعا کے ساتھ اِس کا استقبال کیا اور پھر محترمی شیخ بشیر احمد صاحب امیر قافلہ اور محترمی میر محمد بخش صاحب ایڈووکیٹ رپورٹ دینے کی غرض سے ربوہ بھی پہنچے۔ قافلہ میں شامل ہونے والے اصحاب کے نام درج ذیل کئے جاتے ہیں :۔

۱۔ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور امیر قافلہ ۲۔ مولوی محمد صدیق صاحب مبلّغ مغربی افریقہ حال لاہور ۳۔ شیخ مبارک احمد صاحب مبلّغ مشرقی افریقہ حال ربوہ ضلع جھنگ ۴۔ شیخ محمد عمر صاحب (مہاشہ) مبلّغ ربوہ ۵۔ مرزا واحد حسین صاحب (گیانی) مبلّغ ربوہ ۶۔ میر محمد بخش صاحب ایڈووکیٹ گوجرانوالہ ۷۔ چوہدری محمد احمد صاحب واقفِ زندگی کارکن تعلیم الاسلام کالج لاہور ۸۔ شکیل احمد صاحب مونگھیری لاہور ۹۔ منشی عبدالحق صاحب کاتب جودھامل بلڈنگ لاہور

۱۰۔ مولوی عطاء اللہ صاحب واقفِ زندگی ربوہ ۱۱۔ چوہدری نور احمد صاحب سابق خزانچی صدر انجمن حال ملتان ۱۲۔ چوہدری غلام محمد صاحب کوٹ رحمت خاں شیخوپورہ ۱۳۔ ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم جھلیانوالہ لائلپور ۱۴۔ مرزا مہتاب بیگ صاحب آف قادیان حال سیالکوٹ ۱۵۔ مرزا محمد حیات صاحب مالک دواخانہ رفیقِ حیات، سیالکوٹ ۱۶۔ خواجہ محمد عبداللہ صاحب، عرف عبدل جہلم۔ ۱۷۔ خواجہ عبدالواحد صاحب گوجرانوالہ ۱۸۔ والدہ عثمان علی درویش بنگالی حال ربوہ ۱۹۔ چوہدری فضل احمد صاحب ہیڈ ماسٹر بھکر (میانوالی) ۲۰۔ محمد یعقوب صاحب کاتب الفضل لاہور ۲۱۔ مستری عبدالحمید صاحب گوجرہ لائل پور ۲۲۔ ملک نور الحق صاحب دوالمیال جہلم ۲۳۔ ملک محمد شفیع صاحب منٹگمری ۲۴۔ چوہدری لال خاں صاحب کھاریاں گجرات ۲۵۔ چوہدری فیض احمد صاحب گھٹیالیاں چیف انسپکٹر بیت المال ربوہ ۲۶۔ حاجی خدا بخش صاحب میانوالی مہاراں سیالکوٹ ۲۷۔ مبارک احمد صاحب اعجاز احمد نگر (جھنگ) ۲۸۔ عبدالغفار صاحب شادیوال (گجرات) ۲۹۔ ملک محمد ابراہیم صاحب لالہ موسیٰ (گجرات) ۳۰۔ محمد یوسف صاحب شادیوال (گجرات) ۳۱۔ ڈاکٹر برکت اللہ صاحب کوٹ فتح خاں (کیمبلپور) ۳۲۔ مرزا احسن بیگ صاحب ٹنڈو آدم سندھ ۳۳۔ میاں مولا بخش صاحب خانقاہ ڈوگراں (شیخوپورہ) ۳۴۔ ملک عبدالکریم صاحب ترگڑی (گوجرانوالہ) ۳۵۔ شیخ عبدالکریم صاحب چنیوٹ ۳۶۔ چوہدری نور محمد صاحب کوئٹہ۔ ۳۷۔ مسماۃ غلام فاطمہ صاحبہ پریم کوٹ (گوجرانوالہ) ۳۸۔ قاضی مبارک احمد صاحب احمد نگر (جھنگ) ۳۹۔ چوہدری محمد خاں صاحب بن باجوہ (سیالکوٹ) ۴۰۔ منور احمد صاحب پسر مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی چنیوٹ ۴۱۔ ملک نیاز محمد صاحب کسووال (منٹگمری) ۴۲۔ ڈاکٹر محمد یعقوب خاں صاحب لاہور ۴۳۔ میاں مبارک احمد صاحب پنڈی چری (شیخوپورہ) ۴۴۔ سردار محمد صاحب بھوڑو چک نمبر ۱۸ (شیخوپورہ) ۴۵۔ مسماۃ جیوا رتن باغ لاہور ۴۶۔ ڈاکٹر محمد دین صاحب امین آباد (گوجرانوالہ) ۴۷۔ منیر احمد صاحب احمد نگر (جھنگ) ۴۸۔ مرزا عبدالمنان صاحب واہ (کیمبلپور) ۴۹۔ منظور احمد صاحب شیخ پور (گجرات) ۵۰۔ ڈاکٹر محمد احمد صاحب حمیدیہ فارمیسی جڑانوالہ (لائل پور)

ان کے علاوہ دو مزید احمدی دوست یعنی مستری عبدالحکیم صاحب لاہور اور میاں نذیر احمد صاحب

ڈسکہ کنڈکٹر کی حیثیت میں شامل ہوئے۔"[1]

پاکستانی قافلہ کا خیر مقدم قادیان کی انوار و برکات سے فیضیاب پاکستانی قافلہ کے خیر مقدم کا منظر بڑا ہی پُر کیف تھا اس خوش نصیب قافلہ نے جو واہگہ کی پاکستانی حدود میں داخل ہوتے ہی پاکستان زندہ باد، احمدیت زندہ باد اور حضرت امیر المومنین زندہ باد کے نعرے بلند کئے جماعتِ احمدیہ لاہور کے بہت سے احباب نے آگے بڑھ کر زائرین کا استقبال کیا اور زیارتِ مرکز سے مشرف ہونے پر مبارکباد پیش کی۔ امیر قافلہ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ نے احباب لاہور کو درویشانِ قادیان کا ایک مختصر لیکن پیارا پیغام سُنایا جو السلام علیکم اور درخواستِ دعا کے دو مختصر جملوں پر مشتمل تھا۔ قافلہ دعائیں کرتا ہوا واہگہ سے روانہ ہو کر رتن باغ پہنچا جہاں مقامی جماعت کے بہت سے احباب جمع تھے قافلہ کے یہاں پہنچنے پر فضا دوبارہ نعروں سے گونج اُٹھی۔ زائرین نے رتن باغ کی مسجد میں نمازِ عصر ادا کی جس کے بعد امیرِ قافلہ نے ایک رقّت آمیز دعا کرائی اور تمام زائرین کو جانے کی اجازت دی۔[2]

فصل ہفتم

قادیان اور ربوہ میں سالانہ جلسہ ۱۳۲۸ھش / ۱۹۴۹ء

حسبِ سابق اِس سال بھی احمدیت کے دائمی مرکز قادیان کا سالانہ جلسہ ۲۶ تا ۲۸ ماہ فتح ۱۳۲۸ھش / دسمبر ۱۹۴۹ء کو زنانہ جلسہ گاہ میں منعقد ہوا۔ اِس جلسہ میں قریباً ایک ہزار افراد نے شرکت کی تقسیمِ ہند کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ پاکستانی احمدی شاملِ جلسہ ہوئے۔ زائرین میں پاکستان کے ڈپٹی ہائی کمشنر مقیم جالندھر میجر جنرل راجہ عبد الرحمٰن صاحب کا نام قابلِ ذکر ہے جلسہ میں ۳۸ ہندوستانی احمدی تشریف لائے جن میں چار مستورات اور پانچ بچے بھی شامل تھے۔ حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحب جٹ امیر جماعت

---

[1] روزنامہ الفضل ۷ صلح ۱۳۲۹ھش / جنوری ۱۹۵۰ء صفحہ ۳۔

[2] الفضل ۳۱ فتح ۱۳۲۸ھش / دسمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۱ و صفحہ ۸۔

قادیان نے اپنی افتتاحی تقریر میں بعض مقتدر احمدی اکابر کے پیغامات اور دنیا بھر کے احمدی مشنوں کے مُراسلات سُنائے۔ ازاں بعد پاکستانی قافلہ کے امیر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور نے صدارتی تقریر میں بتایا کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی نے دیگر بابرکت ارشادات کے علاوہ مجھے یہ پیغام پہنچانے کے لئے فرمایا تھا کہ ''اپنے رب پر بھروسہ رکھو۔ اس کی کامل اطاعت کرو۔ اس پر کامل یقین اور اس کی کامل اطاعت کے ساتھ دنیا میں امن قائم ہو سکے گا۔''

مندرجہ ذیل مقررین نے اِس جلسہ سے خطاب کیا:-

۱-مکرم عبدالحمید صاحب عاجزؔ (ہستی باری تعالیٰ)

۲-حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی الکبیر (ذکرِ حبیبؑ)

۳-مکرم مولوی شریف احمد صاحب امینیؔ (حضرت مسیح موعودؑ کے کارنامے)

۴-مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی (پیشگوئی مصلح موعودؓ)

۵-مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری (صداقت مسیح موعودؑ)

۶-مکرم ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے مؤلف ''اصحابِ احمد'' (جماعتِ احمدیہ کا سلوک غیر مسلموں سے)

۷-مکرم مولوی بشیر احمد صاحب مبلغ دہلی (صداقت مسیح موعودؑ از رُوئے ہندو و سِکھ مذہب)

۸-مکرم مولوی محمد سلیم صاحب مبلّغ کلکتہ (اسلام اور کمیونزم۔قادیان سے ہماری ہجرت)

۹-مکرم مولوی عبدالقادر صاحب دہلوی (اسلام میں عورت کا درجہ)

۱۰-مکرم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی بی۔اے (قادیان کی تاریخ)

۱۱-مکرم گیانی مرزا واحد حسین صاحب (سِکھ مسلم اتحاد)

۱۲-حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری (حکومت و رعایا کے تعلقات اسلام کے نقطہ نظر سے)

۱۳-مکرم مہاشہ محمد عمر صاحب (ہندو مسلم اتحاد)

۱۴-مکرم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب یادگیر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ)

۱۵-مکرم شیخ مبارک احمد صاحب سابق رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ

۱۶-مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری مبلّغ سیرالیون

مؤخرالذکر مبلّغین نے افریقہ میں تبلیغِ اسلام کے موضوع پر اظہارِ خیال فرمایا۔

اِس مبارک اجتماع پر بالاتفاق ایک قرارداد پاس کی گئی جس میں بھارتی حکومت کوتوجہ دلائی گئی کہ:-

۱-قادیان میں مقیم درویشوں کو یہ اجازت ضرور ملنی چاہیئے کہ اُن کے اہل وعیال اُن سے مِل سکیں۔

۲- قادیان میں قریباً پچاس ساٹھ ایسے احمدی زائر مقیم ہیں جوایامِ فسادات میں یہاں آئے تھے اور اَب وہ واپس اپنے وطن- پاکستان- جانے کے لئے بے تاب ہیں۔ اِس کے علاوہ قادیان کے بعض ابتدائی باشندے یہاں ازسرِنو آباد ہونا چاہتے ہیں۔

۳-حکومت نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی قیمتی جائداد متروکہ قرار دے کر اپنے قبضہ میں لے رکھی ہے حالانکہ یہ انجمن اَب بھی قادیان میں قائم ہے۔

۴- قادیان کے بعض تعلیمی اداروں کو بہت جلد واگذار کر دیا جائے کیونکہ محض ان اداروں کے نہ ہونے کی وجہ ہی سے احمدی بچّوں کی تعلیم نظر انداز ہو رہی ہے۔

۵- جو ہندوستانی احمدی مذہبی اور دینی تعلیم سیکھنے کے لئے باہر جانا چاہیں انہیں ہر قِسم کی سہولتیں دی جائیں۔

۶-احمدیوں کی جو مسجدیں اور قبرستان مُلکی فسادات کے دَوران مسمار کئے جا چکے ہیں وہ واگذار کی جائیں اور انکی مرمّت وتعمیر کے لئے مناسب انتظامات کئے جائیں۔

۷- قادیان احمدیوں کا مذہبی مرکز ہے مگر حکومت نے شرنارتھیوں کو بعض حالات کے تقاضا کے تحت اس میں رہنے کی اجازت دے دی ہے نیز قادیان میونسپلٹی نے قادیان کے بعض ایسے محلّوں اور گلیوں کے اسلامی نام بدل دئے ہیں جن سے مذہبی تقدّس اور سلسلہ احمدیہ کی بعض قدیم روایات وابستہ ہیں۔ اِس اقدام سے احمدیوں کے جذبات کو سخت ٹھیس پہنچی ہے۔ قادیان کے محلّوں اور گلیوں کے پہلے اسلامی نام بحال کئے جائیں اور جماعتِ احمدیہ کے مذہبی حقوق کا تحفّظ کیا جائے۔

اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ کے خصوصی نامہ نگار نے اِس جلسہ کی مفصّل روداد لکھی جو اِس اخبار کی ۲۹ردسمبر ۱۹۴۹ء (ص ۶) کی اشاعت میں شائع ہوئی۔[1]

جلسہ ربوہ

ٹھیک انہی تاریخوں میں جبکہ حضرت مہدی معہود علیہ السلام کی مقدّس بستی میں شمعِ احمدیت کے پروانے جمع ہوئے سرزمینِ ربوہ میں احمدیت کے نئے مرکز کا دوسرا سالانہ جلسہ

[1] خبر کا متن ضمیمہ میں ملاحظہ ہو۔

منعقد ہوا جس میں دیگر علمائے سلسلہ کی تقاریر کے علاوہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے اپنے رُوح پرور اور ایمان افروز خطابات سے نوازا۔

حضور نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا:۔

"ہماری موجودہ مثال ان کمزور پرندوں کی سی ہے جو دریا کے کسی خشک حصہ میں سستانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں اور شکاری جو ان کی تاک میں لگا ہوا ہوتا ہے ان پر فائر کر دیتا ہے اور وہ پرندے وہاں سے اُڑ کر ایک دوسری جگہ پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں ہم بھی آرام سے اور اطمینان سے دُنیا کی چالاکیوں اور ہوشیاریوں اور فریبوں سے بالکل غافل ہو کر، کیونکہ مومن چونکہ خود چالاک اور فریبی نہیں ہوتا وہ دوسروں کی چالاکیوں اور فریبوں کا بھی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اپنے آرام گاہ میں اطمینان اور آرام سے بیٹھے تھے اور ارادے کر رہے تھے کہ ہم میں سے کوئی اُڑ کر امریکہ جائے گا، کوئی انگلستان جائے گا، کوئی جاپان جائے گا اور دینِ اسلام کی اشاعت ان جگہوں میں کرے گا لیکن چالاک شکاری اس تاک میں تھا کہ وہ ان غافل اور سادہ لوح پرندوں پر فائر کرے چنانچہ اس نے فائر کیا اور چاہا کہ وہ ہمیں منتشر کر دے مگر ہماری جماعت جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں پرندہی قرار دیا گیا ہے اپنے اندر ایک اجتماعی رُوح رکھتی تھی۔"

"مشرقی پنجاب سے بہت سی قومیں بہت سے گاؤں نکلے، بہت سے شہر نکلے، بہت سے علاقے نکلے لیکن انہوں نے اپنے فعل سے ثابت کر دیا کہ وہ قومی رُوح اپنے اندر نہیں رکھتے تھے۔ وہ پراگندہ ہو گئے، وہ پھیل گئے، وہ منتشر ہو گئے یہاں تک کہ بعض جگہ پر بھائی کو بھائی کا، باپ کو بیٹے کا اور ماں کو اپنی لڑکی کا بھی حال معلوم نہیں۔ صرف وہ چھوٹی سی قوم، وہ تھوڑے سے افراد جو دشمن کے تیروں کا ہمیشہ سے نشانہ بنتے چلے آئے ہیں۔ اور جن کے متعلق کہنے والے کہتے تھے کہ دشمن کے حملہ کا ایک ریلا آنے دو پھر دیکھو گے کہ ان کا کیا حشر ہوتا ہے؟ جونہی حملہ ہوا یہ لوگ متفرق ہو جائیں گے منتشر اور پراگندہ ہو جائیں گے وہی ہیں جو آج ایک مرکز پر جمع ہیں وہ کثیر التعداد آدمی جو وہاں سے نکلے تھے وہ پھیل گئے وہ بکھر گئے وہ پراگندہ ہو گئے مگر وہ چھوٹی سی جماعت جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ ایک معمولی سا ریلا بھی آیا تو یہ ہمیشہ کے لئے منتشر ہو جائے گی وہ مرغابیوں کی طرح اُٹھی تھوڑی دیر کے لئے اِدھر اُدھر اُڑی مگر پھر جمع ہوئی اور ربوہ میں آ کر بیٹھ گئی چنانچہ جو نظارہ آج تم دیکھ رہے ہو یہ خواہ اتنا شاندار نہیں

جتنا قادیان میں ہوُا کرتا تھا کیونکہ ابھی ہماری پراگندگی کا زمانہ ختم نہیں ہوُا لیکن اَور کونسی قوم ہے جس کی حالت تمہارے جیسی ہے۔ اَور کونسی جماعت ہے جو آج اس طرح پھر جمع ہو کر ایک مقام پر بیٹھ گئی ہے یقیناً اَور کوئی قوم ایسی نہیں پس تمہارے اس فعل نے بتا دیا کہ تمہارے اندر ایک حد تک قومی رُوح ضرور سرایت کر چکی ہے۔ تم اُڑے بھی، تم پراگندہ بھی ہوئے، تم منتشر بھی ہوئے مگر پھر جو تمہاری جبلّت ہے، جو تمہاری طینت ہے، جو چیز تمہاری فطرت بن چکی ہے کہ تم ایک قوم بن کر رہتے ہو اور ایک آواز پر اکٹھے ہو جاتے ہو یہ فطرت تمہاری ظاہر ہو گئی اور دُنیا نے دیکھ لیا کہ کوئی طاقت تمہیں ہمیشہ کے لئے پراگندہ نہیں کر سکتی۔"

اس کے بعد حضور نے شعبان ۵ھ[1] کے مشہور واقعہ غزوہ بنو مصطلق پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:-

"مجھے اس وقت یاد تو گیا آ گیا ایک واقعہ تھا جس کا اس بات کے کہتے کہتے میری آنکھوں کے سامنے نقشہ کھنچ گیا۔ ایک جنگ کے موقع پر انصار اور مہاجرین میں جھگڑا ہو گیا۔۔۔ اور یوں معلوم ہونے لگا جیسے آج مہاجر اور انصار آپس میں لڑ ہی پڑیں گے۔ اس وقت عبد اللہ بن ابی ابن سلول دیرینہ منافق ۔۔۔ نے کہا اے انصار یہ تمہاری ہی غلطیوں کا نتیجہ ہے کہ تم ان لوگوں کے مُنہ سے ایسی باتیں سُن رہے ہو میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تم ایسا قدم مت اُٹھاؤ مگر تم نہ مانے اب شکر ہے کہ میری بات تمہاری سمجھ میں آ رہی ہے تم ذرا ٹھہرو اور مجھے مدینہ پہنچ لینے دو پھر دیکھو گے کہ مدینہ کا سب سے زیادہ معزز شخص یعنی وہ کمبخت (نعوذ باللہ) مدینہ کے سب سے زیادہ ذلیل آدمی یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے نکال دے گا اور یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے دُور ہو جائے گا۔ عبد اللہ کا بیٹا مومن تھا وہ ایک سچا مسلمان تھا جب اس نے اپنے باپ کی یہ بات سُنی تو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوُا اور اس نے کہا یا رسول اللہ میرے باپ نے جو بات کہی ہے اس کی سزا سوائے قتل کے اَور کوئی نہیں ہو سکتی اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ آپ یہی سزا اسے دیں گے لیکن میرے دل میں خیال آتا ہے کہ اگر کسی اَور مسلمان کو آپ نے کہا اور اس نے میرے باپ کو قتل کر دیا اور پھر کوئی کمزوری کا وقت مجھ پر آ گیا اور وہ مسلمان میرے سامنے آیا تو ممکن ہے میرے دِل میں خیال آ جائے کہ یہ میرے باپ کا

---

[1] سیرت خاتم النبیین حصہ دوم طبع اول صفحہ ۲۲۴ تا صفحہ ۲۳۰ مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ

قاتل ہے اور میں جوش میں آکر اس پر حملہ کر بیٹھوں اور اس طرح بے ایمان ہو جاؤں۔ یا رسول اللہ میری درخواست یہ ہے کہ آپ مجھے ہی یہ حکم دیجئے کہ میں اپنے باپ کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں تاکہ کسی مسلمان کا کینہ میرے دل میں پیدا نہ ہو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں کہ ہم تمہارے باپ کو قتل کریں اس نے بات کی اور اپنے اندرونہ کو ظاہر کر دیا ہماری طرف سے اس پر کوئی گرفت نہیں۔ اب بات بظاہر ختم ہو گئی اور وہ آئی گئی ہو گئی۔ انصار اور مہاجر آپس میں پھر بغلگیر ہو گئے۔ عبداللہ بن ابی ابن سلول پھر ذلیل اور شرمندہ ہو کر اپنے خیمہ میں جا گھسا۔ پھر انصار اور مہاجرین میں بھائیوں بھائیوں کا سا نظارہ نظر آنے لگا۔"

"پھر اس کی بات بھول گئے رشتہ دار اس کی بات بھول گئے، دوست اس کی بات بھول گئے دشمن اس کی بات بھول گئے لیکن اس کا بیٹا اس بات کو نہیں بھولا اور بغیر اس واقعہ کے اسے اور کسی چیز کا خیال تک نہیں آیا جس وقت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سواری مدینہ منورہ میں داخل ہو چکی اور اسلامی لشکر اندر داخل ہونے لگا تو وہ لڑکا اپنی سواری سے کود کر گلی کے کنارے پر کھڑا ہو گیا اور جب اپنے باپ عبداللہ بن ابی کو دیکھا تو اس نے تلوار نکال کر اپنے باپ سے کہا تمہیں یاد ہے تم نے وہاں کیا الفاظ کہے تھے تم نے کہا تھا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ کا سب سے زیادہ ذلیل انسان ہے اور تم سب سے معزز انسان ہو۔ خدا کی قسم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تم کو معاف کر دیا لیکن میں تمہیں معاف نہیں کروں گا اور تمہیں اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک تم تین دفعہ میرے سامنے یہ اقرار نہ کرو کہ میں سب سے زیادہ ذلیل ہوں اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ معزز انسان ہیں۔ باپ نے دیکھ لیا کہ آج اس بیٹے کی تلوار میرے پیٹ میں جائے بغیر نہیں رہے گی، آج اس کی تلوار میرے دل کو چیرے بغیر نہیں رہے گی اس نے اپنے سارے ہمنشینوں اور جلیسوں کے سامنے جن میں وہ اپنی بادشاہت کی لافیں مارا کرتا تھا اقرار کیا کہ ہاں میں مدینہ کا سب سے زیادہ ذلیل شخص ہوں اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ معزز انسان ہیں۔ مجھے یہ واقعہ یاد آگیا اور میں نے کہا خدا کی رحمتیں ہوں عبداللہ کے بیٹے پر کہ اس نے اس طعنہ کو نہیں بھلایا اور تب تک اس نے آرام نہیں کیا جب تک اپنے باپ کے منہ سے اس نے یہ نہ کہلوایا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی سب سے زیادہ معزز وجود ہیں اور

اس کا باپ سب سے زیادہ ذلیل آدمی ہے مگر خدا رحم کرے ہم پر بھی جن کے سامنے دنیا نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اتنی گالیاں دی ہیں کہ کسی ذلیل ترین انسان کو بھی وہ گالیاں نہیں دی گئیں مگر ہم آرام سے بیٹھے ہیں۔ ہمارے دِلوں میں یہ جوش پیدا نہیں ہوتا کہ ہم وہ بات غیر کے مُنہ سے کہلوا سکیں جو عبداللہ کے بیٹے نے عبداللہ کے مُنہ سے کہلوائی۔ کس طرح ہم کو چین آرہا ہے۔ کس طرح ہمارے دل اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول ہیں۔ اگر عبداللہ کے بیٹے جتنا ایمان ہی ہمارے دِلوں میں ہوتا حالانکہ چاہیئے تھا کہ اس سے بہت زیادہ ایمان ہوتا تو ہمارا فرض تھا کہ ہم اس وقت تک صبر نہ کرتے جب تک دُنیا کو گھٹنے ٹیک کر یہ الفاظ کہنے پر مجبور نہ کر دیتے کہ دُنیا کا سب سے زیادہ معزّز وجود محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے اور اس کا دشمن سب سے زیادہ ذلیل ہے ہم ایک دفعہ پھر یہاں جمع ہوئے ہیں خدا تعالیٰ کی عنایت اور اس کی مہربانی سے آؤ ہم سچے دِل سے یہ عہد کریں کہ ہم کم سے کم عبداللہ کے بیٹے جتنا ایمان دکھائیں گے اور جب تک محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عزّت کا اقرار دُنیا سے نہیں کروا لیں گے اس وقت تک ہم اطمینان اور چین سے نہیں بیٹھیں گے۔" [1]

حضرت امیر المومنین کی دوسری تقریریں

حضور نے افتتاحی خطاب کے علاوہ ۲۷، ۲۸ فتح[5] دسمبر کو مفصّل تقاریر فرمائیں جن میں ان پیشگوئیوں پر تفصیلاً روشنی ڈالی جو اس زمانہ میں حضور کے بابرکت وجود سے پوری ہوئیں۔ ربوہ میں زمین خریدنے اور اس میں مکان بنانے کی نصیحت کی۔ غرباء کے مکانات کے لئے چندہ کی تحریک فرمائی۔ انگریزی ترجمہ قرآن کی ایک اور جلد تیار ہونے کی خوشخبری دی۔ خدام الاحمدیہ کو پابندیٔ نماز، ذکرِ الٰہی، شعارِ اسلامی کے قیام خدمتِ خلق اور بہادری، جذبۂ قربانی اور ایثار کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا بہادری کا نمونہ دکھاؤ اور ماریں کھانے، گالیاں سُنکر برداشت کرنے کی عادت ڈالو لیکن بے غیرتی مت دکھاؤ کیونکہ بہادری بے غیرتی کا نام نہیں۔ زراعت کے تعلق میں اگلے سال احمدی زمینداروں اور ماہرینِ فن کی ایک مجلسِ شوریٰ بُلانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تجارت کے بارے میں بتایا کہ اس کے بغیر جماعت ترقی نہیں کر سکتی نیز یہ کہ ہم نے ایک چیمبر آف کامرس قائم کیا ہے۔ چھوٹے بڑے سب تاجروں کو چاہیئے کہ وہ اس میں شامل ہوں تا جماعت منظم ہو سکے۔ حضور نے دَورانِ تقریر مہاجرین کو خوش رہنے کی بھی تلقین فرمائی۔ پھر اس تجویز

---

[1] الفضل ۱۳ فتح ۱۳۲۸ھش صفحہ ۴۔ [2] مکمل متن الفضل ۲۶ ستمبر 1961ء صفحہ ۳ تا ۱۰ کر میں شائع ہوا

کا اعلان کیا کہ قاضیوں کا بورڈ قائم کیا جائے جو مشرقی پنجاب سے آنے والے مقروضوں کے تنازعات کا فیصلہ کرے جس شخص کا کسی دوسرے کے ذمہ قرض ہو وہ محکمہ قضاء میں نالش کرے۔ البتہ اگر کسی کو رجسٹرڈ یا لمیٹڈ کمپنیوں کے بارہ میں شکایت ہو تو وہ سرکاری عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے کیونکہ معاملہ کو لٹکانا فساد پیدا کرتا ہے اور اس سے دِلوں پر زنگ لگتا اور فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ الغرض حضور نے پیش آمدہ حالات میں احباب جماعت کی راہنمائی فرمائی[1]

جلسۂ ربوہ کی بعض خصوصیات اس جلسہ میں گذشتہ جلسہ کے مقابل سامعین کی تعداد تیرہ ہزار سے بڑھ کر تیس ۳۰ ہزار تک پہنچ گئی جیسا کہ اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ اور پاکستان ٹائمز (مورخہ) ۳۱۔ دسمبر ۱۹۴۹ء نے سٹار نیوز ایجنسی کے حوالہ سے خبر شائع کی۔

جلسہ میں مستورات کے لئے ایک الگ لنگر خانے کا انتظام کیا گیا لجنہ اماء اللہ کی منتظمات اپنی ضرورت کے مطابق کھانا پکوانیں اور اپنے زیرِ نگرانی تقسیم کراتی تھیں۔ یہ پہلا تجربہ تھا جو بہت کامیاب رہا۔

اِس دفعہ مہمانوں کے قیام کے لئے دو سَو بیرکیں تیار کی گئیں جن میں حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی ہدایت کے مطابق کچّی اینٹوں کے علاوہ پانچ لاکھ پکّی اینٹیں بھی استعمال کی گئیں۔ یہ کام حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ناظر اعلیٰ کی مسلسل تگ و دَو اور شب و روز کی محنتِ شاقہ سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ بیرکوں کے علاوہ پانچ سو سینتیس خیموں اور چھولداریوں کا بھی بندوبست کیا گیا۔

ماہِ شہادت ۱۳۲۸ھش / اپریل ۱۹۴۹ء کے پہلے جلسۂ ربوہ میں تو مصارفِ کثیر کے باوجود پانی کی سخت دِقت رہی تھی اور ٹینکروں کے ذریعہ ساڑھے سات میل کے فاصلہ سے پانی منگوانا پڑا تھا مگر اس جلسہ پر زندہ خدا کا یہ زندہ نشان ظاہر ہوُا کہ خدا تعالیٰ کی اس بشارت کے مطابق کہ ربوہ میں بافراط پانی میسّر آنے لگے گا[2] نہ صرف یہ کہ ربوہ کی بنجر اور کلّر زدہ زمین میں سے میٹھا پانی نکلا بلکہ اس کثرت سے نکلا کہ جلسہ سالانہ پر آنے والے تیس ہزار مہمانوں کی ضروریات بآسانی پوری ہوتی رہیں۔ اور پھر نکلا بھی عین اس جگہ کے قریب جو پہلے سے پاس شدہ نقشہ کے مطابق حضرت مصلح موعود کے مکان کے لئے مخصوص تھی[3]

---

[1] الفضل ۱۰۔ صلح ۱۳۲۹ھش صفحہ ۳، ۴ ٭ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد ۱۳ صفحہ ۴۵، صفحہ ۴۶ ٭

[3] جلسہ سالانہ کے تفصیلی کوائف روزنامہ الفضل ۱۱، ۱۳، ۱۶ / صلح ۱۳۲۹ھش میں شائع شدہ ہیں ٭

فصل ششم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

اِس سال متعدد جلیل القدر صحابہ نے انتقال کیا جن کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے :-

۱۔ حضرت میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی[۱] :- (ولادت اندازاً ۱۸۶۹ء۔ بیعت ۲۲ر نومبر ۱۸۸۹ء۔ وفات ۷ر امان ۱۳۲۸ھش / مارچ ۱۹۴۹ء بعمر اسّی سال)

حضرت مسیح محمدی علیہ السلام کے اُن اوّلین صحابہ میں سے تھے جن کو بیعتِ اُولیٰ سے بھی قبل حضورؑ سے تعلقِ عقیدت و ارادت تھا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنے تین سو تیرہ اصحاب کبار میں آپ کا نام آئینہ کمالاتِ اسلام میں ۱۹۸ نمبر پر اور ضمیمہ انجام آتھم میں ۲۳ نمبر پر درج فرمایا ہے۔

۱۸۹۹ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر ایک سہ رکنی وفد نصیبین کے آثارِ قدیمہ کی چھان بین اور سفرِ مسیح ناصری کی مزید تحقیقات کے لئے تیار کیا گیا۔ اس موقع پر سیکھوانی برادران نے جو مالی قربانی پیش کی اس پر خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے قلمِ مبارک سے اظہارِ خوشنودی کیا اور تحریر فرمایا :-

"اِن چاروں صاحبوں کے چندہ کا معاملہ نہایت عجیب اور قابلِ رشک ہے کہ وہ دُنیا کے مال سے نہایت ہی کم حصہ رکھتے ہیں گویا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح جو کچھ گھروں میں تھا وہ سب لے آئے ہیں اور دین کو آخرت پر مقدّم کیا جیسا کہ بیعت میں شرط تھی۔"[۲]

۱۹۰۰ء میں جب حضور علیہ السلام نے منارۃ المسیح کے لئے اپنے خدام سے ایک ایک سو روپیہ چندہ کی تحریک فرمائی تو حضرت میاں صاحبؓ اور ان کے بھائیوں نے مع اپنی والدہ ماجدہ کے درخواست پیش کی کہ ہم اِس چندہ میں شامل ہونا اپنی سعادت سمجھتے ہیں لیکن اِس قدر وسعت نہیں کہ ہم میں سے

---

[۱] والد ماجد مولوی قمر الدین صاحب ۔ [۲] اشتہار "جلسۃ الوداع" مشمولہ "تبلیغ رسالت" جلد ہشتم صفحہ ۷

ہر ایک سو سو روپیہ دے سکے اِس لئے ہم چاروں ہی ایک سو روپیہ دیں گے اگر منظور فرمایا جاوے۔ حضور نے یہ درخواست منظور فرمالی اور جب خلافتِ ثانیہ کے عہدِ مبارک میں منارۃ المسیح کی تکمیل ہوئی تو ان تینوں خوش نصیب بھائیوں اور ان کی والدہ کے نام منارۃ المسیح پر کندہ کئے گئے[۱]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام عموماً دوسروں کی اقتداء میں نماز پڑھا کرتے تھے لیکن بعض دفعہ آپؑ خود بھی نماز پڑھاتے تھے۔ حضرت میاں خیرالدین صاحب کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ نے دو بار حضورؑ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ ایک بار قبل از دعویٰ مسجد اقصیٰ میں شام کی نماز جس کی ایک رکعت میں حضورؑ نے سورۃ والتین کی تلاوت فرمائی[۲]۔ دوسری دفعہ نماز ظہر حضورؑ کی اقتداء میں پڑھنے کا موقع ملا۔ حضورؑ مقدمہ کرم دین کے سلسلہ میں گورداسپور تشریف لے جا رہے تھے اور حضورؑ نے یہ نماز بڑی نہر پر پڑھائی[۲]

آپ نظامِ الوصیت سے بھی وابستہ تھے اور مجاہدینِ تحریکِ جدید میں بھی شامل تھے۔ پنجگانہ نماز بلکہ تہجد کا نہایت درجہ التزام رکھتے تھے۔ روزوں کی پابندی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ۱۳۲۶ھ/۱۹۴۷ء میں قادیان سے ہجرت کر کے جہلم شہر میں فروکش ہو گئے تھے جہاں گاڑی کے ایک حادثہ سے انتقال فرما گئے[۳]

۲۔ میاں خیرالدین صاحب متوطن قادر آباد متصل قادیان:۔ (ولادت[۴] جنوری ۱۸۸۹ء بیعت[۵] ۱۹۰۴ء، زیارت[۶] ۱۹۰۴ء، وفات[۷] ۴ر وفا ۱۳۲۸ھ مطابق ۴ر جولائی ۱۹۴۹ء بمقام احمد نگر ضلع جھنگ)

آپ کے والد میاں محمد بخش صاحب ابتداء میں ہی شاملِ احمدیت ہو گئے تھے۔ آپ کا گھرانہ گویا خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زیرِ سایہ ہی رہتا تھا اور نہ صرف یہ کہ اِس مبارک خاندان کے دوسرے افراد قادر آباد (قادیان سے متصل ذیلی بستی) میں جاتے اور مستری صاحب کو شرفِ خدمت حاصل ہوتا بلکہ ایک بار خود حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام تشریف لے گئے۔ فرمایا کرتے تھے جب مَیں نجاری کا کام

---

[۱] روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ۱۳ صفحہ ۴۵۲ [۲] روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ۱۳ صفحہ ۴۴۰ تا صفحہ ۴۵۵ و جلد ۱۴ صفحہ ۱ تا صفحہ ۲۴ میں آپ کی بیان فرمودہ روایات محفوظ ہیں۔ [۳] الفضل ۳۰ر امان ۱۳۲۸ھ صفحہ ۵ کالم ۲۔ [۴] الفضل ۱۳ر وفا ۱۳۲۸ھ صفحہ ۲ کالم ۱۔ [۵] و [۶] رجسٹر روایات صحابہ جلد ۷ صفحہ ۲۳ (غیر مطبوعہ) [۷] الفضل ۱۰ر وفا ۱۳۲۸ھ صفحہ ۴ کالم ۱۔

سیکھنے لگا تو حضورؑ کو دعا کے لئے عرض کیا تو حضورؑ نے دعا فرمائی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بے حد برکت دی۔

آپ حضرت اقدس علیہ السلام کی صداقت کے ایک عظیم نشان کے عینی شاہد بھی تھے جس کی تفصیل ان کے الفاظ میں یہ ہے:۔

"جب ہمارے ملک میں طاعون پھوٹی تو ہمارے گاؤں قادر آباد میں بھی شروع ہو گئی اور بہت سے لوگ بیمار ہو گئے منجملہ ان میں سے میرے والد صاحب بھی تھے میں اور میری والدہ صاحبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس گئے آپ اُس وقت کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے میری والدہ صاحبہ نے سارا حال بیان کیا اور دعا کے لئے بھی عرض کی۔ آپؑ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی اور اپنے میز کی دراز سے ایک زہر بسی (جدوار) کی گنڈی دی اور فرمایا کہ اس کو رگڑ کر پھوڑے پر لگاؤ اور چار پانچ آنے کے پیسے بھی دیئے اور آپ نے یہ حکم دیا کہ تم رَبِّ کُلُّ شَیْئٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ بہت پڑھو اور لوگوں کو بھی پڑھاؤ۔ میری والدہ صاحبہ نے عرض کیا کہ مجھے یہ دعا یاد نہیں رہے گی آپ اس کو کاغذ پر لکھ دیں تو آپؑ نے یہ دعا ایک کاغذ پر لکھ دی اور یہ بھی فرمایا کہ تم گھروں سے نکل جاؤ اور لوگوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی گھروں سے نکل جائیں تب ہم نے گھر آ کر والد صاحب کی چارپائی گاؤں کے باہر درختوں کے نیچے بچھائی اور لوگوں کو بھی کہا کہ تم گھروں سے نکل جاؤ۔۔۔ جو اُن میں سے نکلے وہ بچ گئے اور باقی سب کے سب موت کا شکار ہوئے اور ہم نے حضورؑ کے حکم کے مطابق زہر بسی کی گنڈی پھوڑے پر لگائی اور دعا رَبِّ کُلُّ شَیْئٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ بکثرت پڑھی اور سب لوگوں کو یاد کرائی تب خداوند تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے اور آپ کے بیان کردہ علاج سے ہمارے والد صاحب کو شفا بخشی اور ہمیں غموم و ہموم سے نجات بخشی۔" [1]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد مبارک کی بعض مرکزی تعمیرات میں آپ کو خدمت بجالانے کا موقع ملا۔ تقسیم ملک سے پہلے جماعت احمدیہ قادر آباد کے پریذیڈنٹ تھے۔ ہجرت ۱۹۴۷ء کے بعد اہل و عیال سمیت احمد نگر متصل ربوہ میں پناہ گزین ہوئے یہاں بھی ایک سال تک سیکرٹری ضیافت رہے۔ مہمانوں کی خدمت شوق سے کرتے تھے۔ طبیعت میں بہت فروتنی اور ملنساری تھی۔ بزرگان سلسلہ کی خدمت کو سعادت

---

[1] رجسٹر روایات صحابہ جلد ۷ صفحہ ۲۳

سمجھتے تھے۔ اکثر وقت تلاوتِ قرآنِ عظیم میں گذارتے تھے۔ خود بھی نمازوں کے پابند تھے اور اپنے رشتہ داروں کو بھی پابندئ صلوٰۃ کی تاکید کیا کرتے تھے۔ موصی اور صاحبِ رؤیا تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ مبارک کے حالات دردمند لہجے میں سُنایا کرتے تھے۔ المختصر ایک نیک سیرت سچے اور مخلص احمدی بزرگ تھے۔[1] [2]

۳۔ حضرت شیخ مُشتاق حسین صاحبؓ:- (ولادت[3] ۱۸۷۸ء، بیعت[4] ۱۹۰۰ء، وفات[5] ۲۳ ظہور ۱۳۲۸ ہش مطابق ۲۳ اگست ۱۹۴۹ء)

حضرت شیخ مشتاق حسین صاحبؓ کے قبولِ احمدیت کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے دِلّی دروازہ لاہور کے باہر جماعتِ احمدیہ کی طرف سے دیواروں پر ایک پوسٹر لگا ہوُا دیکھا جس میں دعویٰ حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر تھا۔ پوسٹر پڑھتے ہی آپ کے دِل میں حضور علیہ السلام کی محبت پیدا ہوگئی اور آپ نے بیعت کا خط لکھ دیا۔ اِس کے بعد سلسلہ کے ساتھ جوں جوں واقفیت بڑھتی گئی آپ ایمان و عرفان میں ترقی کرتے چلے گئے حتیٰ کہ طاعون کی شدت کے زمانہ میں جبکہ عام موتا موتی لگ رہی تھی اور لوگوں پر خوف و ہراس طاری تھا آپ دیوانہ وار مصروفِ تبلیغ رہتے تھے۔ آپ کا قیام ان دنوں اندرون بھاٹی دروازہ لاہور محلہ پٹ رنگاں کے ایک چوبارے میں تھا نچلی منزل میں اَور لوگ رہتے تھے جو سب لقمۂ طاعون ہوئے جس پر لوگوں نے انہیں چوبارہ خالی کرکے کسی اَور مکان میں منتقل ہونے کا مشورہ دیا مگر آپ نے فرمایا کہ طاعون کے کیڑے احمدیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کشتی نوح سے پیش کرکے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم بھی طاعون سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو آؤ احمدیت قبول کرلو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہدِ مبارک میں آپ کو سالانہ جلسہ قادیان میں شرکت کرنے کا بھی شرف حاصل ہوُا۔ ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مسلمانوں کے مشہور روشن خیال سیاسی لیڈر مسٹر فضل حسین صاحب بیرسٹر کی ملاقات ہوئی[6] جس کے دَوران آپ بھی موجود تھے جو

---

[1] الفضل ۱۷ وفا ۱۳۲۸ ہش صفحہ ۶ ملخصاً از مضمون مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری، ملاحظہ ہو الفضل ۵ ظہور ۱۳۲۸ ہش صفحہ ۶۔ [2] مولوی صدرالدین صاحب فاضل (مجاہد ایران) اور مولوی عبدالمنان صاحب شاہد مربی اصلاح و ارشاد آپ ہی کے بیٹے ہیں۔ [3] لاہور تاریخ احمدیت صفحہ ۲۸۳ (مولفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحب نومسلم) طبع اول فروری ۱۹۶۶ء [4] مولف کتاب لاہور تاریخ احمدیت اور اخبار الفضل (۲۳ ظہور ۱۳۲۸ ہش) کے مطابق حضرت شیخ صاحب کا سن بیعت ۱۹۰۰ء ہی ہے [5] الفضل ۲۴ ظہور ۱۳۲۸ ہش۔ [6] ملاحظہ ہو بدر ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۴ و تاریخ احمدیت جلد سوم طبع اول صفحہ ۵۳۷۔

رئیس دہلی حافظ عبدالکریم صاحب کو ساتھ لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے[۱]

حضرت شیخ صاحب لاہور میں ریلوے کلرک تھے پھر عہدِ خلافتِ اُولیٰ میں سرکاری ملازمت ترک کر کے پشاور آگئے اور فوج میں گوشت کی سپلائی کرنے لگے ۱۹۱۳ء میں ان کا قیام سیٹھ رحمت اینڈ سنز کے احاطہ میں تھا[۲] حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع پشاور میں پہنچی تو آپ پہلے احمدی تھے جنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فضلِ عمرؓ کی بیعت بذریعہ تار کی۔ شروع جون ۱۹۱۴ء میں حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ غیر مبائعین سے مباحثہ کے لئے پشاور تشریف لے گئے تو آپ ہی کے ہاں مقیم ہوئے[۳]

پشاور میں کچھ عرصہ رہائش کے بعد آپ گوجرانوالہ آگئے۔ ۱۹۲۲ء سے مجلسِ مشاورت میں گوجرانوالہ کی طرف سے نمائندگی کے فرائض انجام دینے لگے۔ قیامِ گوجرانوالہ کے دَوران آپ نے سیکرٹری تبلیغ کی حیثیت سے متعدد تبلیغی پمفلٹ لکھے[۴]

آپ عاشقِ قرآن تھے اور اکثر پُرنم آنکھوں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

دِل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چُوموں
قُرآں کے گِرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

بارہا فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ قرآن کریم کا طواف کروں۔

آپ سلسلہ کے سارے اخبارات منگوایا کرتے تھے۔ کتابیں بھی خاصی تعداد میں جمع کر رکھی تھیں بعض اوقات کتابوں کے کئی کئی نسخے خریدتے اور زیرِ تبلیغ افراد میں تقسیم کر دیتے تھے۔[۵] [۶]

حضرت شیخ صاحب پانچ ہزاری مجاہدینِ تحریک جدید میں شامل تھے۔

---

[۱] لاہور تاریخ احمدیت صفحہ ۲۸۵ (مؤلفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحبؓ) ٭ [۲] تاریخ احمدیہ (سرحد) صفحہ ۱۸۷، صفحہ ۱۸۸ مولفہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ امیر جماعتِ احمدیہ سرحد ٭ [۳] یہ مباحثہ ۷ رجون ۱۹۱۴ء کو حضرت مولوی غلام حسن صاحب کے مکان پر ہوا تھا ٭ [۴] لاہور تاریخ احمدیت صفحہ ۲۸۴ (مولفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحب فاضل نومسلم) ٭ [۵] ایضاً ٭ [۶] اولاد:۔ (۱) شیخ نذیر احمد صاحب مرحوم (۲) شیخ بشیر احمد صاحب مرحوم سینئر ایڈووکیٹ و سابق جج ہائی کورٹ مغربی پاکستان (۳) شیخ محمد اسلم صاحب مرحوم (۴) شیخ محمد اسحٰق صاحب (۵) ہاجرہ بیگم مرحومہ (۶) سلیمہ بیگم مرحومہ (۷) آمنہ بیگم صاحبہ (۸) محمودہ بیگم صاحبہ ٭

۴۔ حضرت مرزا غلام رسول صاحبؓ ریڈر جوڈیشل کمشنر پشاور (ولادت ۱۸۸۵ء؟ بیعت[1] ۱۹۰۷ء، وفات[2] ۵ اخاء ۱۳۲۸ھش مطابق ۵۔ اکتوبر ۱۹۴۹ء)

اصل وطن موضع پنڈی لالہ ضلع گجرات تھا[3]۔ بی۔ اے تک تعلیم اسلامیہ کالج لاہور میں پائی تھی۔ آپ بیعت سے قبل کالج کی تعلیم کے دوران بھی اکثر قادیان جاکر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بابرکت مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے چنانچہ آخر دسمبر ۱۹۰۵ء میں جبکہ حضورؑ نے رسالہ "الوصیت" تصنیف فرمایا آپ قادیان میں تھے۔ ایک روز نمازِ عصر سے قبل حضرت اقدس مسجد مبارک میں تشریف فرما تھے کہ آپ مسجد میں پہنچے حضور اُس وقت رسالہ "الوصیت" کی وجہ تصنیف اور بہشتی مقبرہ کے قیام کے مقصد پر روشنی ڈال رہے تھے[4]۔

فرمایا کرتے تھے کہ مَیں حضرت مسیح موعودؑ کی پاکیزہ زندگی، دینی غیرت اور انتہائی درجہ کے تقویٰ و طہارت سے بہت متاثر ہوا

خلافتِ ثانیہ کے قیام پر اگرچہ آپ فوراً مبائعین میں شامل نہیں ہوئے مگر انہیں نورِ فراست سے جلد ہی معلوم ہوگیا کہ غیر مبائعین کی اصل جنگ حضرت سیدنا محمود کے خلاف نہیں خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف ہے تب آپ اُن سے بددل ہوگئے۔ پھر ایک روز اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکشاف ہوا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اِس وقت قُربِ الٰہی کے سب سے بلند مقامات پر فائز ہیں اس پر آپ نظامِ خلافت سے وابستہ ہوگئے[5]۔

۷ مارچ ۱۹۲۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے علاقہ ملکانہ کی شدھی کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اس پر جن سرفروشوں نے لبیک کہا ان میں آپ بھی شامل تھے آپ تین ماہ کی رخصت لے کر اس تبلیغی جہاد میں شمولیت کے لئے تشریف لے گئے اور گرانقدر خدمات سر انجام دے کر حضور کی سندِ خوشنودی حاصل کی۔

---

[1] بروایت حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ امیر جماعت احمدیہ سرحد (تاریخ احمدیہ سرحد صفحہ ۱۷۳)؛ [2] الفضل ۱۴ اخاء ۱۳۲۸ھش صفحہ ۵، الرحمت لاہور ۵ فتح ۱۳۲۸ھش صفحہ ۲؛ [3] بروایت حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ امیر جماعت احمدیہ (تاریخ احمدیہ سرحد صفحہ ۱۷۳)؛ [4] روایت مرزا غلام رسول صاحب (رجسٹر روایات صحابہ جلد ۱۴ صفحہ ۳۶۶)؛
[5] الفضل ۱۴ اخاء ۱۳۲۸ھش صفحہ ۵ کالم ۳، ۴؛

دورانِ جہاد کا واقعہ ہے کہ ۲۶ جولائی ۱۹۲۳ء کو موضع اسپار ضلع متھرا میں ایک مسلمان راجپوت غیاثی نام نے مسجد کے باہر مسجد ہی کی زمین میں بکرے کی قربانی کی۔ مرتدین آئے اور خفیہ طور پر گوشت لے گئے قریباً تین بجے بعد دوپہر آریوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے لوگوں کو آپ کے خلاف اُکسایا اور کم و بیش چالیس پچاس کی تعداد میں مسلح ہو کر آپ کی رہائش گاہ پر حملہ کر دیا مولوی صاحب کو گالیاں دیں۔ پھر ان کی جھونپڑی پر حملہ کر کے اُسے گرا دیا آپ نیچے دب گئے اور ایک شخص نے آپ کو بازوؤں سے کھینچ کر باہر نکالا پھر وہ لوگ آپ کو کھینچتے ہوئے گاؤں سے باہر لے گئے آپ اپنے بعض کاغذات لینے کے لئے مسجد میں داخل ہونے لگے تو مسلح لوگ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے بزور روکا اور آپ کو دھکے دے کر گاؤں بدر کر دیا گیا[1] مگر آپ اسی گاؤں میں ڈٹے رہے۔ چنانچہ جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ ضلع لائل پور اِس واقعہ کی تفصیل میں فرماتے ہیں:۔

"۱۹۲۳ء میں مرحوم تین ماہ کی رخصت لے کر تبلیغی جہاد کے لئے آئے تو موضع اُسپار ضلع متھرا میں اُن کی تعیناتی بطور مبلغ ہوئی۔ گاؤں میں ایک کچا کوٹھا مسجد کے نام سے موسوم تھا اس کے ساتھ ایک چھپر تلے انہوں نے تنہا ڈیرا جمایا اور کام شروع کیا اور اس خوشی اور حُسن تدبیر سے کام کیا کہ قرب وجوار کے آریہ پرچارک اپنی چالبازیوں میں ناکام اور دیوبندی معاندین اپنی دراندازیوں میں خائب و خاسر ہو کر رہ گئے۔ دونوں قسم کے مخالفین کو ایک ایسے ذہین اور فطین حریف سے پالا پڑا تھا جو ہر جوڑ کا توڑ اور ہر زہر کا تریاق ان کے مقابلے میں اپنے پاس مہیا رکھتا تھا۔ اسی طرح یہ کام جاری تھا کہ عید الاضحیہ آ گئی مرزا صاحب مرحوم نے قربانی کا گوشت گاؤں میں تقسیم کیا تو شدھی قبول کرنے والوں کے کام و دہن بھی اس سے محروم نہ رہے۔ آریہ پرچارکوں کو جب اس کا علم ہوا تو وہ سَر پیٹ کر رہ گئے۔ آخر ایک بڑا مجمع کر کے انہوں نے اشتعال انگیز تقریریں کیں کہ اِس مولوی نے گوشت کی چند بوٹیوں سے تمہارا دھرم بھرشٹ کر دیا اور ہمارا صرفِ کثیر اور محنت سب اکارت گئے۔ نتیجہ یہ تھا کہ تین چالیس بلوائیوں نے مولوی صاحب مرحوم پر ہلّہ بول دیا، انہیں زدوکوب کیا اور چھپر ان کے اُوپر گرا دیا۔ پھر انہیں زمین پر گھسیٹا اور قتل پر آمادہ ہو گئے لیکن انہی میں سے چند ملکانے جو مولوی صاحب کے زیرِ بارِ احسان

[1] بیان عبداللہ خاں صاحب بھٹی بی۔اے، بی ٹی نائب امیر وفد المجاہدین آگرہ (الفضل ۳ر اگست ۱۹۲۳ء ص۲ کالم ۱) (بیان میں سہواً غیاثی کی بجائے غیاٹی چھپ گیا تھا جس کی تصحیح کر دی گئی ہے) ؛

تھے مانع آئے اور مولوی صاحب مرحوم کی جان سلامت رہی۔ پھر انہوں نے تقاضا کیا کہ ہمارے گاؤں سے نکل جاؤ۔ مرحوم نے مومنانہ عزم و استقلال سے جواب دیا کہ یہ گاؤں میرے امام نے میرے سپرد کیا ہے میں اپنا کام کسی صورت میں چھوڑ نہیں سکتا۔

تا سر نہ دہم باز نکشم از سرِ کوئش
نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد

ایسے پُر خطر ماحول میں مرحوم برابر اپنے فرض پر جمے رہے۔ آگرہ ہمارا تبلیغی مرکز تھا وہاں بھی بعد میں اطلاع ہوئی۔ مرحوم کا یہ نمونہ ایسا اعلیٰ تھا کہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور ہمارے دوستوں کے حوصلے بلند سے بلند تر ہو گئے۔

حالات کا تقاضا تھا کہ مجرموں کے خلاف مقدمہ چلایا جائے تاکہ دوسرے مبلغین کے خلاف اس قسم کی شرارتیں آریوں کی طرف سے برپا نہ ہوں اور اس کا قوی احتمال بھی تھا۔ پولیس نے بعد تفتیش ملزمان کا چالان نہ کیا تو مولوی صاحب مرحوم کی طرف سے استغاثہ دائر ہو گیا اور شہر متھرا میں بعدالت انگریز مجسٹریٹ مسٹر فرامپٹن سماعت شروع ہوئی۔ ان دنوں تبلیغی سفر دُور و نزدیک کرنے پڑتے تھے۔ ساتھ نہ سامان نہ بستر ؎

سبکبار مردم سبک تر روند
حق ایں است صاحبدلاں بشنوند

بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ کچھ رات گئے گاڑی متھرا اسٹیشن پر پہنچی۔ کوئی ٹھکانہ تو تھا نہیں ہم پلیٹ فارم پر ہی ایک طرف کو ایک چادر بچھا کر پڑے رہتے تھے اور مرزا صاحب مرحوم کی زندہ دلی اور خوش طبعی سے باتوں باتوں میں وقت کٹ جاتا اور وہ خود ان کاموں میں ایسی لذت اور سرور محسوس کرتے تھے کہ گویا کوئی مشکل کوئی بات ہی نہیں۔ مرحوم اس وقت جوڈیشنل کمشنر پشاور کے ریڈر تھے اور اپنی قابلیت اور دیانت کی وجہ سے ممتاز اور معتمد علیہ۔ ناموافق حالات کے ماتحت مقدمہ کی کامیابی بظاہر مشکل نظر آتی تھی لیکن مرحوم کی ذہانتِ تدبیر اور خصوصاً شبانہ روز دعاؤں نے اس مہم کو آسان کر کے چھوڑا۔ مقدمہ کی پیشی کے دن مرحوم کا قاعدہ تھا کہ احاطہ عدالت میں ایک طرف جا کر عالمِ تنہائی میں گھنٹوں سر بسجدہ اور دست بدعا رہتے اور جب مقدمہ کے لئے آواز پڑتی تو اکثر وہ جائے نماز سے اُٹھ کر ہی عدالت کے کمرے میں جاتے۔

یہی ان کا معمول اور وظیفہ تھا۔ اور بایں ہمہ ان کی خود اعتمادی، زندہ دِلی اور بے تکلفی میں ذرا فرق نہ آتا تھا ہر وقت خوش نظر آتے تھے اور مَیں انہیں زندہ دل صوفی کہا کرتا تھا۔

اس زمانے کی ڈائری اتفاق سے میرے پاس محفوظ رہ گئی ہے جس کا ایک ورق مندرجہ بالا کیفیت کا آئینہ دار ہے اور یہ تاریخ فیصلہ مقدمہ سے متعلق ہے۔ وھو ھٰذا :-

"۳ / اکتوبر ۱۹۲۳ء بروز بدھ ۹½ بجے کچہری پہنچے۔ بیم و رجا میں انتظار و دعا کرتے رہے۔ اتنے میں بارہ بج گئے۔ ہاں رات پیشکار صاحب کو خواب آیا کہ چلتے چلتے ان کی ایڑیاں زخمی ہو گئیں کسی نے مرہم لگایا اور اچھی ہو گئیں۔ اسی شب مجھے ۲ خواب آئے ایک میں مجسٹریٹ سے مَیں کہہ رہا ہوں کہ مقدمہ صاف ہے سزا کیوں نہیں دیتے۔ اس نے کہا کہ مستغیث کا بیان کچھ کمزور ہے۔ مَیں نے کہا حالات کے ماتحت ایسا ہی بیان ہونا چاہیئے تھا اس نے کہا اچھا مَیں سزا تجویز کرتا ہوں اور ایک ملزم تو خود مجھے آ کر کہہ گیا ہے کہ اس کے ۲ بید لگا دو اور فیصلہ لکھنا شروع کیا۔ اسی طرح پیشکار صاحب کو اسی شب خواب آیا کہ عبداللہ سقہ ساکن اُسپار نے ایک سانپ ایک سوٹی میں بند کر کے دیا اور چوہدری فتح محمد صاحب نے اُسے مار ڈالا۔ صبح ہم نے ایک دوسرے کو خوابیں سنائیں اور کچہری روانہ ہوئے۔ ایک بجے کے قریب آواز پڑی۔ ۱۶ ملزمان میں سے ۱۳ کو سزا ہوئی اور ایک ایک سال کے لئے حفظِ امن کی ضمانتیں ملزمان سے لی گئیں اور جرمانہ میں سے یک صد روپیہ مستغیث کو جرمانہ دلایا گیا۔ ہمارے دِل سجدے میں جُھک گئے۔ لیک کر ڈاکخانہ گئے۔ تار بخدمت حضرت صاحب اور خطوط لکھے گئے۔ ملزمان اور ان کے آریہ مربّی اور وکلاء مبہوت اور ہم اور ہمارے ملکانے ہمراہی مسرور تھے پیشکار صاحب اسی وقت اُسپار جانے کے لئے مشتاق۔ لیکن صلاح ٹھہری کہ اس رات پیشکار صاحب اُسپار کی بجائے مانا کے بنگلے ٹھہریں سردار خان آ کر اطلاع دے۔ خیال ہے کہ فوری رنج کا اثر زائل ہو کر صبح دیہہ میں امن ہو جائے گا۔" دوسرے دن سات اخبارات کے نام فیصلہ مقدمہ کی تاریں دے دی گئیں۔

مرحوم عجیب مستقیم الحال انسان تھے مقدمہ ختم ہوتے ہی پھر اپنے کام پر جا ڈٹے۔ پھر وہی مسجد کا کچا کوٹھہ وہی چھپّر اور پھر وہی تبلیغ کا سلسلہ تھا اور پھر

حریفاں را نہ سر ماند و نہ دستار

اس کے ایک ماہ بعد بہت سے ملکانے ضلع اسپار کے باشندے واپس اسلام میں داخل ہوئے اور

مولوی صاحب کی دعائیں مستجاب ہوئیں مضمون لمبا ہو گیا ؂

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

لیکن تین باتیں ابھی قابلِ ذکر ہیں۔ ایک دن مولوی صاحب مرحوم بڑے غمناک لہجے میں فرمانے لگے کہ بھئی میں نے تو ابھی وہ کام نہیں کیا جو کرنا چاہیئے تھا تین ماہ کی رخصت لے کر دوبارہ آؤں گا۔ اِس قدر احساس وایثار کے باوجود ان کا یہ بے ساختہ انکسار بہت ہی دردانگیز تھا۔ انہی ایام میں اسپار کے آریہ پرچارک نے کچھ حلوا پوری ایک تیوہار کی تقریب پر مولوی صاحب کے لئے بھیجا مرحوم فوراً اس کی چال کو بھانپ گئے اور لانے والے کو سختی سے ٹوکا کہ پنڈت جی سے جا کر کہہ دو کہ ؏

عطائے تو بخشیدم بہ لقائے تو

یہ ناپاک کھانا ہم نہیں کھا سکتے۔ بات یہ تھی کہ آریوں کی عامیانہ اور چلتی ہوئی دلیل ان دنوں میں ایک یہ بھی تھی کہ مسلمان ادنیٰ ہوتے ہیں، اِس لئے ہندوؤں کے ہاتھ کا کھا لیتے ہیں اور ہندو اعلیٰ ہونے کی وجہ سے مسلمان کے ہاتھ کا نہیں کھاتے مبلّغین کو ان ایام میں خصوصیت سے ہدایت تھی کہ ہندوؤں کے ہاتھ کی کوئی چیز قطعاً نہ کھائیں۔

استغاثہ کے دو گواہ غیاثی اور سردار خان نامی موضع اُسپار کے دو ملکانے تھے جنہوں نے مولوی صاحب کے فیضِ صُحبت کی بدولت بڑی ہمت دکھائی اور اپنے دیہہ کے جتھے کے خلاف بحقِ استغاثہ شہادت دی تھی۔ اس کے بعد دیہہ میں ان کا رہنا آسان نہ تھا دونوں قادیان چلے گئے اور مجھے یہ معلوم ہے کہ مولوی صاحب مرحوم کئی سال تک اپنے پاس سے ماہانہ وظیفہ انکو دیتے رہے ؎[۵]

حضرت مرزا غلام رسول صاحب دعا گو اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ تہجد کا بہت التزام کرتے تھے۔ آپ کی دعاؤں میں اتنا سوز اور اتنی شدّت والحاح ہوتا تھا کہ لیسا اوقات یوں معلوم ہوتا کہ آپ کے سینہ میں ایک ہنڈیا اُبل رہی ہے۔ آپ کو دعاؤں کی تاثیرات پر زبردست ایمان تھا۔ آپ نے ایبٹ آباد میں مکان بنانے کے لئے زمین خریدی تو صوبہ سرحد کے ایک بڑے اور معتقد شخص نے آپ پر مقدمہ دائر کر دیا اور کہا کہ میں یہاں مرزائیوں

[۵] روزنامہ الفضل ۲۶ اخاء ۱۳۲۸ھش صفحہ ۶

کے قدم نہیں جمنے دوں گا۔ قانونی طور پر اُس کا کیس بظاہر بہت مضبوط تھا مگر آپ نے جراتِ ایمانی سے کہا کہ اب انشاء اللہ مجھے ضرور کامیابی ہوگی کیونکہ اب تمہارا مقابلہ غلام رسول سے نہیں بلکہ احمدیت سے ہے چنانچہ عجیب تصرّفِ الٰہی کے ماتحت اس مقدمہ کا فیصلہ آپ کے حق میں ہوگیا۔

تلاوتِ قرآن کریم نہایت ذوق وشوق سے کرتے تھے۔ فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزے بھی کثرت سے رکھتے تھے۔ بیکسوں، مظلوموں، مسکینوں اور غریبوں کی امداد کے لئے آپ کے اندر ایک خاص جوش تھا اور آپ اس میں رُوحانی لذّت وفرحت محسوس کرتے تھے بعض موقعوں پر آپ نے اپنی ملازمت تک کو خطرے میں ڈال کر صوبہ سرحد کی عظیم شخصیتوں کے مقابلے میں بعض غریب مظلوم اور بیکس لوگوں کی علی الاعلان مدد کی۔ آپ کے گھر میں مہمانوں کا عموماً تانتا بندھا رہتا تھا۔

آپ ۱۲-۱۹۱۱ء میں پشاور گورنمنٹ ہائی سکول کے استاد ہوکر آئے مگر جلد مدرسی ترک کرکے دفتر سیشن جج پشاور میں انگریزی مترجم مقرر ہوئے اور رفتہ رفتہ ترقی کرکے سیشن جج کے مثل خواں مقرر ہوئے۔ بالآخر جوڈیشنل کمشنر کے ریڈر (مثل خواں) بنا دئے گئے۔

آپ سرحد ہائیکورٹ کے نہایت کامیاب اور ماہر سینئر ریڈر تھے اور بڑے سے بڑے افسر بھی آپ کی قانونی باریک نظری اور تبحرِ معلومات کے قائل اور آپ کی محنت، دیانتداری اور پاکیزگی کے معترف تھے صُوبہ سرحد کی ہائی کورٹ کے انگریز چیف جج اور جوڈیشنل کمشنر مسٹر فریزر نے بعض ناجائز تصرّفات یعنی رشوت لینے میں آپ سے مدد لینا چاہی مگر آپ نے صاف انکار کر دیا اور صاحب کی مخالفت کی نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی ملازمت تک خطرے میں پڑ گئی۔ آپ نے دعا کی تو آپ کو بتایا گیا کہ اتنی دفعہ متواتر یہ بھی دعا کرو لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اور تہجد بھی پڑھو۔ چنانچہ آپ نے تہجد اور دُعاؤں کا خاص مجاہدہ کیا۔ چند دن بعد آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی آنکھیں انگارے کی طرح سُرخ ہوگئی ہیں اور جس شخص کی طرف آپ دیکھتے ہیں وہ مر جاتا ہے۔ اِسی اثناء میں آپ نے دیکھا کہ انگریز چیف جج بھی آپ کے سامنے آیا اور مر گیا چند روز بعد اس کو سِل کے مرض کی تشخیص ہوئی اور وہ چھٹی لے کر ولایت چلا گیا اور پھر کبھی واپس نہیں آیا۔

آپ مالی قربانی کو خاندانی اور قومی ترقی کا ذریعہ سمجھتے اور سلسلہ احمدیہ کی مالی تحریکوں میں ضرور حصہ لیتے تھے چنانچہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ امیر جماعتِ احمدیہ سرحد کا بیان ہے کہ:۔

" اپنے چندوں میں باقاعدہ تھے۔ موصی تھے۔ ہر مرکزی تحریک میں ضرور حصہ لیتے بلکہ مقامی چندوں میں بھی امداد کرنے سے دریغ نہ کرتے۔ ایک دفعہ ۱۹۱۲ء میں خاکسار نے حقیقۃ المسیح نامی کتاب لکھی طباعت کے واسطے روپے کی ضرورت تھی۔ مولوی صاحب کو معلوم ہوا تو آپ نے بیوی سے ذکر کیا کہ میرے پاس اس وقت کوئی پیسہ نہیں ہے۔ یہ کتاب تبلیغ کے لئے چھاپنی ضروری ہے۔ ان کی بیوی صاحبہ نیکی میں ان کے نقش قدم پر تھیں انہوں نے اپنے زیور اُتار کر دے دیئے "۔ [1]

خلیفۂ وقت سے عقیدت و شیفتگی کا یہ عالم تھا کہ مرض الموت میں جب کہ آپ بستر مرگ پر تڑپ رہے تھے آپ نے اپنے فرزند مرزا عبداللہ جان صاحب سے کہا کہ کل حضور ربوہ میں مسجد مبارک کی بُنیاد رکھیں گے اس موقع پر مسجد احمدیہ پشاور میں بھی اجتماعی دعا ہوگی تم نے اس میں ضرور شامل ہونا ہے۔

آپ آخر دم تک قرآنی آیات اور دعاؤں کا ورد کرتے رہے۔ "مومن اگر تقویٰ وطہارت سے کام لے تو کبھی نہیں مرتا" "صالح بنو متقی بنو خدا تمہاری مدد کرے گا" آپ کے آخری الفاظ تھے۔ [2]

آپ کا جنازہ آپ کے چھوٹے بھائی مرزا غلام حیدر وکیل نوشہرہ نے پڑھایا اور آپ امانتاً احمدی قبرستان پشاور میں سپردِ خاک کئے گئے۔ [3]

۵۔ حضرت منشی سید صادق حسین صاحب مختار اٹاوہ (یوپی) ولد حکیم وارث علی صاحب:۔

(بیعت [4] ۱۱ را پریل ۱۸۸۹ء، وفات [5] ۶ را خاء ۱۳۲۸ھش مطابق ۶ را کتوبر ۱۹۴۹ء بعمر نوے [90] سال)

۳۱۳ اصحاب کبار میں آپ کا نام ۱۳۸ نمبر پر درج ہے۔ [6]

داخلِ احمدیت ہونے سے قبل بھی آپ کا شمار یوپی کے کامیاب اور مشہور وکیلوں میں ہوتا تھا

---

[1] "الرحمت" ۵ رفتح ۱۳۲۸ھش / دسمبر ۱۹۴۹ء صـ۲ ؛ [2] الفضل ۱۴ را خاء ۱۳۲۸ھش صـ۶/۵ ؛

[3] اولاد: مرزا عبدالحفیظ صاحب، مرزا عبداللہ جان صاحب، مرزا منصور احمد صاحب، مرزا منظور احمد صاحب، مرزا بشیر احمد صاحب۔ ان کے علاوہ تین بیٹیاں آپ کی یادگار ہیں ؛ [4] رجسٹر بیعت ؛

[5] الفضل ۱۳ ر وفا ۱۳۲۸ھش صـ۲ کالم ۳ (نوٹ سید رضا حسین احمدی عرائض نویس کلکٹری اٹاوہ یوپی)

[6] ضمیمہ انجام آتھم صـ۴۳ ، ملفوظات مسیح موعود جلد ۸ صفحہ ۱۹۸، ۱۹۹ میں بھی آپ کا ذکر ملتا ہے ؛

آپ اُردو، فارسی اور عربی زبانوں میں یدِطولیٰ رکھتے تھے اور علمی حلقوں میں آپ کا سکّہ بیٹھا ہوا تھا۔ شعروادب کا شوق ابتداء ہی سے تھا۔ ایامِ جوانی میں آپ نے "صبحِ صادق" کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا جس میں سیاسی، ادبی و علمی مضامین کے علاوہ مشاعرہ کی چیدہ چیدہ نظمیں بھی شائع کی جاتی تھیں۔ یہ مشاعرہ آپ ہی کے زیرِ اہتمام ہوتا تھا اور اس میں نواب فصیح الملک داغ دہلوی اور ملک الشعراء حضرت امیر مینائی لکھنوی ہر ماہ مصرعہ طرح پر اپنا کلام بھیجتے جو اس رسالہ کی زینت ہوا کرتا تھا۔

حضرت منشی صاحبؓ اٹاوہ، مین پوری، آگرہ، کانپور وغیرہ اضلاع میں احمدیت کا ایک محکم ستون تھے، آپ کی دیانت اور انصاف پروری کا یہ عالم تھا کہ غیر احمدی دوست بھی اپنے تنازعات میں آپ کو بخوشی ثالث بناتے اور بلا چون وچرا آپ کا فیصلہ قبول کر لیتے تھے۔ اٹاوہ میں انجمن حمایتِ اسلام نے ایک مڈل سکول جاری کر رکھا تھا جس کا سال میں ایک مرتبہ ایک جلسہ بھی ہوتا تھا جس میں علماء مذہبی تقریریں کرتے تھے۔ ایک بار دورانِ جلسہ مسلمانوں اور آریوں کے مابین مباحثہ منعقد ہوا جس کی صدارت کے لئے مسلمانوں نے خاص طور پر آپ کا انتخاب کیا۔ آپ کے نیک نمونہ اور تبلیغ سے بیسیوں لوگ احمدی ہوئے۔[1]

آپ کی پوری عمر قلمی جہاد میں گذری۔ آپ کے زوردار معلومات افروز اور محققانہ مضامین رسالہ "تشحیذ الاذہان" "ریویو آف ریلیجنز" اور الفضل میں شائع ہوتے تھے۔ شیعہ لٹریچر پر آپ کو خاص دستگاہ تھی اور حضرت منشی خادم حسین صاحبؓ بھیروی کی طرح اِس تحریک کے بہترین ناقد و مبصر تھے۔ لکھنؤ کے ایک مجتہد العصر سے آپ کا تحریری مناظرہ ہوا مگر آٹھ دس پرچوں کا جواب دینے کے بعد وہ میدان چھوڑ گئے۔

آپ کی مختصر لائبریری میں بعض لاجواب اور نایاب قلمی نسخے موجود تھے۔[2] رسالہ "صبحِ صادق" اور اخبار "اظہار الحق" کے علاوہ آپ کے قلم سے مندرجہ ذیل تالیفات شائع ہوئیں:۔

صادق کلمات۔ ثنائی ہفوات۔ ازالۃ الشکوک (ردّ آریہ سماج) الحق دہلی۔ تصدیق کلام ربّانی (ردّ آریہ)۔ مثنوی پیامِ صادق۔ تبلیغی خط۔ تحفۃ الشیعی ۱، ۲، ۳۔ سیف اللہ القہار علیٰ رؤس الاشرار

---

[1] مثلاً خانزادہ عبدالعلی خان آف اٹاوہ۔ حافظ سلیم احمد صاحب اٹاوی حال ربوہ ٭ [2] الفضل ۱۱ نبوت ۱۳۲۸ھش

صمصام الحق (ردِّ شیعہ تحریک)۔ اٹاوہ میں شیعہ سنی تحریری مباحثہ۔ ترکیب بند صادق منظوم[۱]۔ کشف الاسرار[۱] (قبرِ مسیح)۔

۶۔ حضرت ملک مولا بخش صاحب رضی اللہ عنہ :۔ (ولادت[۲] اندازاً ۱۸۷۹ء ، بیعت و زیارت[۳] دسمبر ۱۹۰۰ء ، وفات[۴] ۲۷، ۲۸ اخاء ۱۳۲۸ھش مطابق اکتوبر ۱۹۴۹ء)

ملک صاحب نے حضرت مہدی معہودؑ کی پہلی زیارت مباحثہ آتھم کے دوران ۱۸۹۳ء میں کی۔ ان دنوں حضورؑ امرتسر میں رونق افروز تھے۔ میاں نبی بخش صاحب رفوگر امرتسری نے حضورؑ کے اعزاز میں ایک دعوت دی میاں صاحب کے مکان کے ساتھ ہی ملک صاحب کرایہ کے مکان میں رہتے تھے۔ یہ مکان کٹڑا اہلو والیہ کوچہ شیخ کمال الدین میں واقع تھا اور وسیع تھا اس لئے اس کے صحن میں حضرت اقدسؑ کو بٹھایا گیا۔ ملک صاحب نے اس وقت اپنے کوٹھے پر سے حضورؑ کو دیکھا۔ ۱۸۹۹ء میں آپ بیمار ہو گئے اور بغرض علاج حضرت مولانا نورالدینؓ کی خدمت میں قادیان پہنچے اور عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سِل کا مرض ہے جو لاعلاج ہے۔ اس پر حضرت مولانا صاحبؓ نے بڑے جوش سے کہا حکیموں کے بادشاہ نے فرمایا ہے لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ ہر بیماری کی دوا ہے۔ حضرت مولوی صاحب نے ایک دوا تجویز فرمائی جس کے استعمال سے آپ کوئی دو ہفتہ میں شفایاب ہو گئے سفرِ قادیان میں امرتسر کے ممتاز صحابی حضرت ڈاکٹر عباد اللہ صاحب آپ کے ساتھ تھے۔ اس تعلق کی وجہ سے ملک صاحب ڈاکٹر صاحب کے محلہ میں ہی مقیم ہو گئے اور ان سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض کتب حاصل کر کے مطالعہ کرتے رہے۔ اسی اثناء میں ایک دفعہ حضرت مولوی محمد احسن صاحبؓ امروہی نے مسجد احمدیہ امرتسر میں خطبہ جمعہ پڑھا اور سورۃ نور کی آیتِ استخلاف سے حضرت اقدس علیہ السلام کی صداقت پر استدلال کیا۔ چند روز بعد آپکو "شہادۃ القرآن" کے مطالعہ کا موقع ملا اور آپ دِل سے احمدی ہو گئے اور دسمبر ۱۹۰۰ء کے سالانہ جلسہ پر حضرت

---

[۱] بحوالہ فہرست بعنوان "و اذا الصحف نشرت" مرتبہ میاں عبدالعظیم صاحب تاجر کتب قادیان ص۱۸
[۲] اصحابِ احمد جلد اوّل ص۱۱۶ (از ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے۔ قادیان)۔ [۳] الحکم ۱۰ جنوری ۱۹۰۱ء ص۱۶ کالم ۳ میں آپ کا نام فہرست مبائعین میں مرقوم ہے۔ [۴] الفضل ۳۰ اخاء ۱۳۲۸ھش ص۸۔

مسیح پاک علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔

ملک صاحب موصوف کو سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے زمانۂ مبارک میں کئی بار قادیان جانے اور حضور سے روحانی فیض اُٹھانے کا موقع ملا۔

ماسٹر عبدالحق صاحب قصوری بی۔اے سابق طالب علم مشن کالج لاہور نے جو عرصہ تین سال سے عیسائی تھے ۲۶؍دسمبر ۱۹۰۱ء کو پانچ سوالات لکھ کر پیش کئے جس کے جواب میں حضورؑ نے مفصّل تقریر فرمائی[1]۔ ملک صاحب موصوف کو یہ تقریر سُننے کا شرف حاصل ہے۔ ماسٹر عبدالحق صاحب اس تقریر سے متاثر ہو کر اسلام لے آئے[2]۔

ملک صاحب فرماتے ہیں:۔

"(۱۹۰۳ء میں) صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کے کابل میں سنگسار ہونے کے فوراً بعد ہم قادیان گئے تو مغرب کی مجلس کے بعد اس کا تذکرہ تھا۔ غالباً احمد نور صاحبؓ کابلی آئے تھے اور انہوں نے حالات سُنائے تھے۔ حضور کو سخت صدمہ تھا۔ حضورؑ نے ارادہ ظاہر فرمایا کہ ہم اس کے متعلق ایک کتاب لکھیں گے۔ مجھے چونکہ حضورؑ کے فارسی اشعار سے بہت محبّت ہے مَیں نے عرض کیا حضور کچھ فارسی اشعار بھی ہوں۔ حضورؑ نے جھٹ فرمایا نہیں ہمارا مضمون سادہ ہوگا لیکن جب کتاب تذکرۃ الشہادتین شائع ہوئی تو اس میں ایک لمبی پُر درد فارسی نظم تھی۔ مجھے اُس وقت خیال آیا کہ کیسے پاک لوگ ہیں اپنے ارادہ سے نہیں بلکہ صحیح ربّانی تحریک کے ماتحت کام کرتے ہیں ورنہ ان کو شعر گوئی سے کوئی نسبت نہیں۔"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آخری سفرِ دہلی سے واپسی پر ۹؍نومبر ۱۹۰۵ء کی صبح کو رائے کنھیالال صاحب وکیل کے لیکچر ہال امرتسر میں تقریر فرمائی جس کے دَوران ایک ہنگامۂ عظیم برپا کر دیا گیا۔ ملک صاحب اس ہنگامہ کے وقت لیکچر ہال میں موجود تھے چنانچہ وہ اس واقعہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

"جب ہم نے دیکھ لیا کہ حضورؑ جا چکے تو ہم حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے ہمراہ .... باہر بازار میں نکلنے لگے کسی شخص نے حضرت مولوی صاحبؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور ٹھہر جاویں لوگ

---

[1] الحکم ۱۴؍فروری ۱۹۰۲ء ؛ [2] الحکم ۱۰؍جنوری ۱۹۰۲ء "رُوداد بیعت"

پتھر مار رہے ہیں حضرت مولوی صاحبؓ نے ایک درد بھرے دل سے کہا وہ گیا جس کو مارتے تھے مجھ کو کون مارتا ہے یہ ہر کسی کو نصیب نہیں۔"

ملک صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انتقال کی المناک اطلاع کیسے ملی؟ اس واقعہ پر آپ درج ذیل الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں :۔

" حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کی خبر میرے ایک چچا صاحب نے مجھے اُس وقت دی جب میں عدالتِ مطالبہ خفیفہ امرتسر میں ایک عرضی دعویٰ کا انگریزی ترجمہ کر رہا تھا۔ اُس وقت گو چند لمحوں کے لئے ہی ایسا ہوا مگر میری نظر بالکل جاتی رہی اور سامنے پڑے ہوئے کاغذ کے حروف نظر نہ آتے تھے۔ دوسرے روز ہم معہ ڈاکٹر عباد اللہ صاحبؓ اور دوسرے دوستوں کے صبح کی گاڑی سے بٹالہ اور وہاں سے یکہ پر قادیان گئے۔ وہاں حضورؑ کے چہرہ کو جو اس وقت بھی نورانی تھا دیکھا۔ انتخاب خلافتِ (اولیٰ) ہوا اور پہلے جن لوگوں نے بیعت کی ان میں مَیں نے بھی خلافتِ اولیٰ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔"[1]

۱۹۳۴ء میں آپ سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حکم پر نائب ناظر بیت المال مقرر کئے گئے۔ ازاں بعد حضور نے آپ کو اراضیاتِ سندھ کی نگرانی کے لئے بھجوایا جہاں کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد آپ بیمار ہو گئے۔ طبیعت سنبھل جانے پر قادیان آ گئے تو حضرت امیر المومنین نے آپ کو ناظم جائیداد کی خدمت سپرد فرمائی جس پر آپ آخر عمر تک فائز رہے۔

بالفاظ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ "بہت زندہ دل خوش مزاج بزرگ تھے"۔ قرآنِ عظیم کے مطالعہ اور اس پر غور و تدبّر کرنے کا بہت شوق تھا۔ جب کسی آیت کی لطیف تفسیر ذہن میں آتی اسے نوٹ کر لیتے اور اپنے بچوں کو سناتے تھے۔ "الفضل" اور "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی میں آپ کے کئی مضامین چھپے ہوئے ہیں۔ ہومیوپیتھی دوائیں ہمیشہ گھر میں رکھتے اور مُفت دیا کرتے تھے۔ آپ کے اخلاق میں تحمّل، ملنساری، جرأت، اصابت رائے اور موقع شناسی کے اوصاف بہت نمایاں تھے ماتحتوں سے عمدہ سلوک تھا۔ بہت اچھے دوست اور دوستوں کے لئے قربانی کا مادہ رکھتے تھے۔ عرصہ تک عدالتوں میں کام کرنے کے باعث مروّجہ قانون سے خوب واقف تھے۔ ڈرافٹ تیار کرنے

---

[1] یہ واقعات ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے کی تالیف "اصحابِ احمد" جلد اوّل صفحہ ۱۱۶ تا صفحہ ۱۲۳ سے ماخوذ ہیں۔

اور خلاصہ نکالنے میں ماہر تھے اور اسی لئے حضرت مصلح موعودؓ نے انہیں اپنے سامنے اپیلیں پیش کرنے کا فریضہ بھی سونپ رکھا تھا غیر احمدی اور ہندو وکیل بھی آپ کے مدّاح تھے۔ دورانِ ملازمت جہاں جہاں گئے سلسلہ احمدیہ کی تبلیغ میں سرگرم رہے اور کئی لوگوں کی ہدایت کا موجب بنے نظامِ الوصیّت سے بھی وابستہ تھے اور تحریکِ جدید کے دفترِ اوّل کے مجاہدوں میں سے تھے۔

سیالکوٹ میں وفات پائی اور قبرستان سائیں مونگا ولی میں بطور امانت دفن کئے گئے[1]

۷۔ میاں نور محمد صاحبؓ کھوکھر امیر پور ضلع ملتان[2]:- (ولادت ؟ بیعت[3] ۱۵ اگست ۱۹۰۷ء، وفات[4] ۲۸ اخاء ۱۳۲۸ھش بعمر ۷۰ سال)

میاں نور احمد صاحب مدرس مدرسہ امدادی بستی وریام کملانہ ڈاک خانہ ڈب کلاں تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ جن کا ذکر حضرت مہدی معہودؑ نے حقیقۃ الوحی کے نشان ۱۲۱ میں فرمایا ہے آپ کے چھوٹے بھائی تھے میاں نور احمد صاحب نے آپ کو تبلیغ بھی کی اور حق پانے کے لئے استخارہ بھی بتایا اور ایک حمائل شریف مترجم حضرت شاہ رفیع الدینؒ بھی دی کہ اسے بلا ناغہ پڑھیں اور خدا تعالیٰ سے دعا مانگتے رہیں۔ تلاوتِ قرآن مجید اور استخارہ کے نتیجہ میں آپ کو پروانہ وار بیعت اور حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کا شوق پیدا ہو گیا اور آپ مولوی محمد فاضل صاحب احمدی کو ساتھ لے کر قادیان پہنچے۔ چار پانچ روز مسجد مبارک میں حضرت اقدسؑ کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی۔ ۱۵ اگست ۱۹۰۷ء کو بوقت عصر حضورؑ تشریف لائے تو آپ بیعت کے لئے آگے بڑھے بیعت کے بعد حضورؑ نے ان سے ملتان کے کوائف دریافت فرمائے اور پوچھا کہ اس طرف سلسلہ کی مخالفت کثرت سے نہیں۔

---

[1] مفصّل حالات کے لئے ملاحظہ ہو اصحابِ احمد جلد اوّل صفحہ ۱۱۶ تا صفحہ ۱۲۵ مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے
الیضاً الفضل ۲۰ نومبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۴، ۵ ؛ الرحمت ۲۸ نومبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۲ ؛

[2] والد ماجد مولوی غلام احمد صاحب ارشد سابق درویش قادیان ؛ [3] الحکم ۲۴ اگست ۱۹۰۷ء

[4] روزنامہ الفضل یکم فتح ۱۳۲۸ھش ؛

آپ نے عرض کیا بہت لوگ مخالف ہیں۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے ایک رُوح پرور تقریر فرمائی جسکے آخری الفاظ یہ تھے:۔

"خدا تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ جہاں ہماری مخالفت میں زیادہ شور اُٹھا ہے وہاں ہی زیادہ جماعت تیار ہوئی ہے۔ جہاں مخالفت کم ہے وہاں ہماری جماعت بھی کم ہے۔"

حضورؑ کی یہ تقریر مع کوائف ملتان الحکم ۲۴؍ اگست ۱۹۰۷ء میں چھپ چکی ہے۔

میاں نور محمد صاحب غریبوں کے ہمدرد اور منکسر المزاج تھے۔ نمازِ تہجد کے باقاعدہ پابند تھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے اکثر آنسو رواں ہو جاتے تھے۔ خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ سے بے انتہا محبت تھی۔ ترقیٔ احمدیت، درویشانِ قادیان اور مبلغینِ سلسلہ اور خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ کے لئے دردِ دل سے دعائیں کیا کرتے تھے۔ گنگا رام ہسپتال لاہور میں فوت ہوئے۔ جنازہ حضرت مصلح موعودؓ نے پڑھایا اور تدفین قبرستانِ ربوہ میں ہوئی۔[۱]

۸۔ حضرت منشی محمد اسمٰعیل صاحب سیالکوٹیؓ:- (ولادت ۶۷-۱۸۶۶ء، زیارت ۱۸۹۳ء، بیعت ۱۹۰۰ء، وفات ۱۰؍ دسمبر ۱۹۴۹ء)

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ سیالکوٹ کے اکابر صحابہ حضرت میر حسام الدین صاحبؓ، حضرت میر حامد علی شاہ صاحبؓ، حضرت چوہدری نصر اللہ خان صاحبؓ آپ سے بوجہ تقویٰ اور پارسائی بہت محبت رکھتے تھے۔ تبلیغِ احمدیت کا خاص شغف تھا۔ خلافتِ اُولیٰ کے عہدِ مبارک میں آپ کو قادیان بُلا لیا گیا۔ آپ قادیان اور اس کے ماحول میں قرآن پڑھاتے اور پیغامِ احمدیت پہنچاتے رہے تھے۔ کئی لوگ آپ کے نیک نمونہ سے شاملِ احمدیت ہوئے۔ سلسلہ کی ہر تحریک پر لبیک کہتے تھے۔ آپ موصی تھے اور تحریکِ جدید کا چندہ اعلان ہوتے ہی ادا کر دیتے تھے۔ آپ نے چندہ مسجد لنڈن اور تراجم القرآن کی تحریک میں بھی حصہ لیا۔ حضرت منشی صاحبؓ کو ارتدادِ ملکانہ کے دوران ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۴ء میں دو بار علاقہ اجمیر میں بھیجا گیا۔ ۱۹۳۹ء میں آپ نے چار ماہ تک کیریاں اور مست پور ضلع ہشیار پور میں تبلیغ کی۔ ہمیشہ دُرِّ ثمین اُردو اپنے پاس

---

[۱] روزنامہ الفضل یکم فتح ۱۳۳۸ہش صفحہ ٦

رکھتے اور بغرض تبلیغ تقسیم کیا کرتے تھے۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ان کی وفات پر فرمایا:۔

"منشی محمد اسمٰعیل صاحب نہایت سادہ طبع نیک اور صاحبِ الہام آدمی تھے ان کو کثرت سے الہام ہوتے تھے۔ اور وہ کثرت سے دعائیں کرنے والے انسان تھے۔ نمازِ تہجد کے اتنے پابند تھے کہ بیماری کی حالت میں بھی تہجد نہیں چھوڑی۔ آپ حال میں ہی سیالکوٹ میں فوت ہوئے ہیں۔ آپ مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی بڑی بیوی (جن کو مولوی صاحب کی وجہ سے ہم مولویانی کہا کرتے تھے) کے بھائی تھے۔ نہایت مخلص اور اچھے نمونہ کے احمدی تھے اور تبلیغ میں اِس طرح منہمک رہتے تھے کہ ایسا انہماک بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ سکول سے پنشن لی اور ریل اور ڈاکخانہ کے محکموں میں جو کوئی ہندو قادیان آجاتا اُس کو پکڑ لیتے اور اُسے قرآن کریم پڑھانا شروع کر دیتے۔ مَیں نے خود ایک ہندو کو دیکھا ہے جس نے اُن سے قریباً بیس[۲] سپارے ترجمہ کے ساتھ پڑھ لئے تھے۔ وہ دِل سے مسلمان تھا۔ اب شاید پارٹیشن کے بعد وہ ہندوستان چلا گیا ہو کیونکہ اُس کا نام ہندوانہ ہی تھا لیکن دراصل وہ مسلمان تھا۔ نمازیں پڑھتا تھا۔ اِسی طرح روزے بھی رکھتا تھا۔ وہ صرف انہی کے طفیل اور ان کی تبلیغ کے نتیجہ میں مسلمان ہوا تھا۔" [۱]

حضرت حافظ جمال احمد صاحبؓ مجاہد ماریشس:۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان ممتاز صحابہ میں سے تھے جو عنفوانِ شباب سے حضورؑ کے دامن سے وابستہ ہوئے اور مئی ۱۹۰۸ء میں بمقام لاہور حضرت اقدسؑ کی زیارت سے مشرف ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"میرے والد صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں بذریعہ خط حضور اقدسؑ کی بیعت کی تھی اور مَیں اُس وقت قریباً پندرہ سولہ برس کا تھا جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری ایام میں لاہور میں قیام فرما تھے لاہور میں آیا اور مجھے حضورؑ کی زیارت نصیب ہوئی اور میری آمد سے پندرہ سولہ روز بعد حضورؑ اِس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔" [۲]

---

[۱] روزنامہ الفضل ۱۶؍ تبلیغ ۱۳۲۹ھش مطابق ۱۶؍ فروری ۱۹۵۰ء صفحہ ۴۔

[۲] روایات صحابہ (غیر مطبوعہ) جلد ۷ صفحہ ۲۴۸۔

حضرت حافظ صاحب کو صحابہ حضرت مسیح موعودؑ میں منفرد خصوصیت حاصل ہے کہ آپ اکیس[۲۱] برس تک ماریشس میں جہادِ تبلیغ میں سرگرم عمل رہے۔ آپ ۲۷ جولائی ۱۹۲۸ء کو قادیان سے ماریشس پہنچے اور ۲۷ فتح ۱۳۲۸ھش / دسمبر ۱۹۴۹ء کو ماریشس ہی میں انتقال فرما گئے اور سینٹ پیری میں سپردِ خاک کئے گئے[۱] آپ کی وفات کی اطلاع پر حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ۳۰ دسمبر ۱۹۴۹ء کو جو خطبہ دیا اس میں آپ کی وفات کو نشان قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ

"حافظ جمال احمد صاحب کی وفات اپنے اندر ایک نشان رکھتی ہے اور وہ اس طرح کہ جب وہ ماریشس بھیجے گئے تو اس وقت جماعت کی مالی حالت بہت کمزور تھی اتنی کمزور کہ ہم کسی مبلغ کی آمد و رفت کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ مَیں نے تحریک کی کہ کوئی دوست اس ملک میں جائیں۔ اس پر حافظ صاحب مرحوم نے خود اپنے آپ کو پیش کیا یا کسی اور دوست نے تحریر کیا کہ حافظ جمال احمد صاحب کو وہاں بھیج دیا جائے۔ چونکہ پہلے وہاں صوفی غلام محمد صاحب مبلغ تھے اور وہ حافظ تھے اس لئے احبابِ جماعت نے وہاں ایک حافظ کے جانے کو ہی پسند کیا۔ گو صوفی غلام محمد صاحب بی۔ اے تھے اور ان کی عربی کی لیاقت بھی بہت زیادہ تھی اور حافظ جمال احمد صاحب غالباً مولوی فاضل نہیں تھے ہاں عربی تعلیم حاصل کی ہوئی تھی اور قرآن کریم حفظ کیا ہوا تھا لیکن بہرحال انہیں صوفی صاحب کی جگہ مبلغ بنا کر ماریشس بھیج دیا گیا۔

حافظ صاحب مرحوم کی شادی مولوی فتح الدین صاحب کی لڑکی کے ساتھ ہوئی تھی جنہوں نے شروع شروع میں پنجابی میں کا من لکھے اور جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے سے پہلے کے تعلق رکھنے والے دوستوں میں سے تھے۔ ان کے سسرال کے حالات کچھ ایسے تھے کہ انکے بعد ان کے بیوی بچوں کا انتظام مشکل تھا اس لئے انہوں نے مجھے تحریک کی کہ انہیں بیوی بچے ساتھ لے جانے کی اجازت دی جائے۔ چونکہ اس وقت سلسلہ کی مالی حالت اتنی کمزور تھی کہ پیسے پیسے کا خرچ بوجھل معلوم ہوتا تھا اور ادھر حافظ صاحب مرحوم کی حالت ایسی تھی کہ انہیں اپنے بیوی بچے اپنے پیچھے رکھنے مشکل تھے مَیں نے کہا کہ مَیں آپ کو بیوی بچے ساتھ لے جانے کی اجازت دیتا ہوں مگر اس

---

[۱] حضرت حافظ صاحبؓ کی آخری رپورٹ (جس میں مخالفتِ احمدیت کے لئے تائیدی نشانات اور اپنی بیماری کا ذکر ہے) الفضل ۱۱ امان ۱۳۲۹ھش / مارچ ۱۹۵۰ء میں درج شدہ ہے۔

شرط پر کہ آپ کو ساری عمر کے لئے وہاں رہنا ہو گا۔ اُس وقت کے حالات کے ماتحت انہوں نے یہ بات مان لی اور سلسلہ اور ان کے درمیان یہ معاہدہ ہُوا کہ وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ایک لمبے عرصہ کے بعد جب ان کے لڑکے جوان ہوئے اور لڑکی بھی جوان ہوئی انہوں نے مجھے تحریک کی کہ میرے بچے جوان ہو گئے ہیں اِس لئے ان کی شادی کا سوال درپیش ہے آپ مجھے واپس آنے کی اجازت دیں تا بچوں کی شادی کا انتظام کر سکوں لیکن میری طبیعت پر چونکہ یہ اثر تھا کہ وہ یہ عہد کر کے وہاں گئے تھے کہ ہمیشہ وہیں رہیں گے اِس لئے مَیں نے انہیں لکھا کہ آپ کو اپنے عہد کے مطابق عمل کرنا چاہیئے انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اپنا عہد یاد ہے لیکن میری لڑکی جوان ہو گئی تھی جس کی وجہ سے مجھے واپس آنے کی ضرورت پیش آئی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ مَیں یہیں رہوں تو مَیں اپنی درخواست واپس لے لیتا ہوں بعد میں محکمہ کی طرف سے بھی کئی دفعہ تحریک کی گئی کہ انہیں واپس بُلا لیا جائے لیکن مَیں نے ہمیشہ یہی کہا کہ انہوں نے عہد کیا ہوُا ہے اور اس عہد کے مطابق انہیں وہیں کا ہو رہنا چاہیئے۔ ابھی کوئی دو ماہ ہوئے مَیں نے سمجھا کہ چونکہ اب حالات بدل چکے ہیں اور اب نیا مرکز بنا ہے اِس لئے ان کو بھی نئے مرکز سے فائدہ اُٹھانے کا موقع دینا چاہیئے مَیں نے انہیں یہاں آنے کی اجازت دے دی اور محکمہ نے انہیں واپس بلوا بھیجا لیکن خدا تعالیٰ کا یہ فیصلہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے عہد کو پورا کریں۔ جب تک ان کی اپنی خواہش واپس آنے کی تھی وہ زندہ رہے۔ چونکہ وہ آخری اختیار رکھنے والے نہیں تھے اِسلئے اپنی خواہش کے مطابق وہ واپس نہیں آسکتے تھے لیکن جب مَیں نے اجازت دے دی تو خدا تعالیٰ نے کہا اب ہم اپنا اختیار استعمال کرتے ہیں اور انہیں وہیں وفات دے دی۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ سارے واقعات اپنے اندر ایک نشان رکھتے ہیں۔ ایک شخص عہد کرتا ہے اور سالہا سال تک اس پر پابند رہتا ہے اس کے بعد وہ اسے توڑتا نہیں مگر بعض مجبوریوں کی وجہ سے واپس آنے کی اجازت مانگتا ہے لیکن مَیں اصرار کے ساتھ ان کی درخواستیں ردّ کرتا چلا جاتا ہوں اور وہ چُپ کر جاتا ہے۔ پھر محکمہ بھی اس کے بُلانے پر اصرار کرتا ہے لیکن مَیں اسے واپس بُلانے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ بھی نہیں کہ حافظ صاحب کوئی بڑی عمر کے تھے۔ شاید وہ مجھ سے چھوٹے تھے۔ انہوں نے جب خود واپس آنا چاہا تو مَیں نے ان کی درخواستیں ردّ کر دیں جب محکمہ نے ان کے واپس بُلانے پر اصرار کیا تب بھی مَیں نے اصرار کیا کہ وہ اپنے عہد کو پورا کریں۔ لڑکوں کے متعلق انہوں نے اصرار

کیا کہ ان کی تعلیم کا حرج ہو رہا ہے تو مَیں نے کہا اچھا انہیں یہاں بھیج دو چنانچہ ان کا ایک لڑکا لاہور پڑھتا ہے اور سلسلہ کی طرف سے اسے امداد دی جاتی ہے لیکن قادیان سے نکلنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ انہوں نے نیا ماحول تو دیکھا نہیں اِس لئے انہیں واپس بُلا لیا جائے اور اس نئے ماحول سے فائدہ اُٹھانے کا موقع دیا جائے مَیں نے انہیں واپس آنے کی اجازت دی۔ لیکن جب اِس حکم پر عمل کرنے کا وقت آیا تو خدا تعالیٰ نے انہیں واپس بُلا لیا تا وہ اپنے عہد کو پورا کرنے والے بنیں اور مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کی جماعت میں شامل ہو جائیں۔ اِس آیتِ قرآنیہ میں خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کچھ تو ایسے صحابہؓ ہیں جنہوں نے موت تک اپنے عہد کو نباہا ہے۔ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ اور کچھ ایسے ہیں کہ وہ اِس انتظار میں ہیں کہ انہیں موقع ملے تو وہ اپنے عہد کو پُورا کریں۔"

اِسی تسلسل میں فرمایا:۔

"ہماری جماعت میں بھی خدا تعالیٰ نے ایسے لوگ پیدا کئے ہیں اور مَیں سمجھتا ہوں کہ حافظ جمال احمد صاحب بھی انہی میں سے تھے جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ۔ وہ یہاں سے عہد کر کے گئے تھے کہ وہ وہیں کے ہو رہیں گے جب ہم نے چاہا کہ وہ آجائیں تو خدا تعالیٰ نے کہا نہیں مَیں ان کا عہد پُورا کروں گا۔ مارشس ایک ایسا ملک ہے جہاں بہت ابتداء سے ہمارے مشن جا رہے ہیں[1] میری خلافت کے دوسرے یا تیسرے سال سے وہاں مشن جا رہے ہیں۔ ایسے پُرانے ملک کا بھی یہ حق تھا کہ وہ کسی صحابی یا تابعی کی قبر اپنے اندر رکھتا ہو۔ ہم شرک نہیں کرتے ہم قبروں پر سے مِٹّیاں لینے والے نہیں۔ ہم قبروں پر پھول چڑھانے والے نہیں ہمیں تو یہ بھی سُنکر تعجب آتا ہے کہ ابنِ سعود کے نمائندے بھی قبروں پر پھول چڑھانے لگ گئے ہیں۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ اگر کوئی پھول چڑھانے کی مستحق قبر تھی تو وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر تھی۔ کیا حضرت ابوبکرؓ کو پھول نہ ملے کہ وہ آپ کی قبرِ مبارک پر پھول چڑھاتے۔ کیا حضرت عمرؓ کو پھول نہ ملے کہ وہ آپؐ کے مزار پر پھول چڑھاتے۔ اگر آپ کے مزار پر ان بزرگوں نے پھول چڑھائے ہوتے تو ہم اپنے خون سے پھولوں کے پودوں کو سینچتے تا آپ کے مزار پر پھول چڑھائیں مگر افسوس زمانے بدل گئے

[1] نقل مطابق اصل۔

اور ان کی قدریں بدل گئیں لیکن ہم موحد ہیں مشرک نہیں بلکہ ہمیں تو ان موحدوں پر افسوس آتا ہے جو توحید پر عمل کرتے تھے لیکن اب ان کے نمائندے قبروں پر جاتے ہیں اور پھول چڑھاتے ہیں۔ دنیا میں جو لوگ اچھے کام کر جاتے ہیں ان کی قبروں پر جانا اور ان کے لئے دعائیں کرنا ہی ان کے لئے پھول ہیں گلاب کے پھول اُن کے کام نہیں آتے عقیدت کے پھول ان کے کام آتے ہیں۔ اور یہ صحیح ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دیتے ہیں ان کے مزاروں پر دعا کرنا بسا اوقات بہت بڑی برکتوں کا موجب ہو جاتا ہے۔ ان سے مانگنا جائز نہیں ہاں ان کی قربانی یاد دلا کر خدا تعالیٰ سے مانگنا چاہیئے جیسے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قحط پڑا تو آپ نے دعا کی کہ اے اللہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم آپ کا واسطہ دے کر تجھ سے دعا مانگا کرتے تھے اب وہ تو ہمارے پاس نہیں ہیں ان کے چچا عباسؓ کا واسطہ دے کر تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ اس قحط کو دُور فرما۔ جیسے لوگ کہتے ہیں بچوں کا صدقہ اسی طرح خدا تعالیٰ سے بھی اس کے پیاروں کا واسطہ دے کر مانگنا جائز ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ ماریشس اِس بات کا مستحق تھا کہ اس میں کسی صحابی یا کسی ایسے تابعی کی جس کا زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب پہنچتا ہو قبر ہوتا وہ اس کے مزار پر خدا تعالیٰ سے دعا مانگیں مَیں نے صحابی یا تابعی اِس لئے کہا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ حافظ صاحب مرحوم صحابی تھے یا نہیں جب سے مَیں انہیں دیکھتا رہا ہوں وہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کا زمانہ تھا۔ اور اگر میرے دیکھنے پر اسکی بنیاد ہو تو وہ تابعی تھے "

"مَیں دوسرے نوجوانوں کو بھی اِس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ احمدیت کی ترقی بغیر قربانی اور بغیر وقف کے نہیں ہو سکتی۔ انہیں بھی اِس چیز کا احساس ہونا چاہیئے سینکڑوں ہیں جنہوں نے اپنے آپکو خدمتِ دین کے لئے وقف کیا مگر سینکڑوں انتظار کرنے والے بھی آگے آئیں تا ان کے نام خدا تعالیٰ کے رجسٹر میں لکھے جائیں" [1]

اِن جلیل القدر صحابہ کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ بھی انتقال کر گئے :-

۱۔ شیخ عمر بخش صاحب بنگوی (بیعت ۱۹۰۳ء، وفات ۱۷ تبلیغ ۱۳۲۸ھش بعمر ۹۲ سال) [2]

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۲ تبلیغ ۱۳۲۹ھش / ۱۲ فروری ۱۹۵۰ء صفحہ ۴

[2] روزنامہ الفضل ۲۳ تبلیغ ۱۳۲۸ھش / ۲۳ فروری ۱۹۴۹ء

۲۔ میاں محمد دین صاحب ساکن بھڈیار ضلع امرتسر (بیعت ۱۸۹۵ء، وفات ۱۶ اخاء ۱۳۲۸ھش)[1]

۳۔ منشی غلام حیدر صاحب سب انسپکٹر اشتمال اراضی گوجرانوالہ (بیعت ۱۹۰۸ء، وفات ۲ نبوت ۱۳۲۸ھش)[2]

بزرگ صحابیات میں سے اِس سال محترمہ کریم بی بی صاحبہ[3] (اہلیہ حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواری) اور محترمہ عزیز بیگم صاحبہ[4] (اہلیہ حضرت خان صاحب منشی برکت علی صاحب شملوی) بالترتیب ۷ اخاء اور ۲۱ فتح کو اپنے مولائے حقیقی سے جا ملیں۔

فصل نہم

۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

اب ہم ۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

خاندان مسیح موعود میں تقاریب مسرت

اِس سال بھی ربِّ جلیل کے پاک وعدوں کے مطابق حضرت مسیح محمدی کے خاندان میں اضافہ ہوا۔ چنانچہ ۲۲ صلح[5] کو صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب کے ہاں اور ۴ امان[6] کو میاں عباس احمد خاں صاحب[7] کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور ۲۷-۲۸ ماہِ تبلیغ[8] کی درمیانی شب کو صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب کے ہاں اور ۲۳ ماہِ نبوت[8] کو صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب کے ہاں لڑکی تولد ہوئی۔

نصرت گرلز ہائی سکول ربوہ میں

نصرت گرلز ہائی سکول جو ہجرت کے بعد اخاء ۱۳۲۶ھش سے لے کر امان ۱۳۲۸ھش تک رتن باغ میں جاری رہا اِس سال

[1] الفضل ۲۸ اخاء ۱۳۲۸ھش ٭ [2] الفضل ۸ صلح ۱۳۲۹ھش ٭ [3] اصحاب احمد جلد ۱ صفحہ ۱۰۷ - ۱۱۵ (مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے) ٭ [4] الفضل ۱۴ صلح ۱۳۲۹ھش ٭
[5] تا [8] الفضل ۲۶ صلح، ۵ امان، ۲۴ نبوت ۱۳۲۸ھش ٭

ماہِ شہادت/اپریل میں ربوہ منتقل کر دیا گیا سلسلہ احمدیہ کا یہ پہلا مرکزی تعلیمی ادارہ تھا جو دار الہجرت میں قائم ہوا۔[1]

حضرت امیر المومنینؓ کی مسلمانانِ عالم کو نصیحت

۲۔ صلح (جنوری) کو بیگم سلمہ تصدق حسین نے مفتی فلسطین کے ذاتی نمائندہ الشیخ عبداللہ غوشیہ اور سید سلیم الحسینی کے اعزاز میں ایک دعوت کا انتظام کیا تھا جس میں حضور نے نصیحت فرمائی کہ اگر ہم فی الحقیقت کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں ہر کام سوچ سمجھ کر اور ایک خاص سکیم کے ماتحت کرنا چاہئے۔[2]

جرمن نو مسلم کو حضرت مصلح موعودؓ کا خصوصی ارشاد

۱۹۔ ماہِ صلح/جنوری کو رتن باغ لاہور میں جرمن نو مسلم ہر عبدالشکور کے اعزاز میں ایک دعوت دی گئی جس میں اکابر جماعت کے علاوہ مغربی پنجاب کے اعلیٰ حکام، پولیس اور فوج کے اعلیٰ افسر، پروفیسر، سکالرز، مؤقر جریدہ نگار کے علاوہ متعدد با اثر شخصیتوں نے شرکت کی جن میں لاہور کے ڈپٹی کمشنر مسٹر جعفری، سابق ڈپٹی کمشنر لاہور مسٹر ظفر الاحسن، بیگم سلمہ تصدق حسین صاحبہ ایم۔ ایل۔ اے، چوہدری نصر اللہ خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے اور جناب علاؤ الدین صاحب صدیقی کے اسماء خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اس تقریبِ سعید پر ایک نہایت روح پرور تقریر کی جس کی ابتداء میں فرمایا کہ میرے آقا و مولا کے ارشاد کے مطابق اسلام اور اس کے سچے متبع ہی کونے کے پتھر ہیں وہ جس پر بھی گر پڑیں گے اسے پاش پاش کر دیں گے اور جو اُن پر گرے گا وہ بھی چکنا چور ہو جائے گا۔

اس کے بعد حضور نے فرمایا ہر کنزے اس سے پہلے جس مذہب سے وابستہ تھے اُس میں شریعت کو لعنت قرار دیا گیا تھا لیکن اسلام شریعت کو برکاتِ خداوندی سے معمور گردانتا ہے۔ لہٰذا میں ہر عبدالشکور

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان بابت ۱۳۲۹-۳۰ ہش/۱۹۵۰-۵۱ء صفحہ ۲۸۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ لجنہ اماء اللہ حصہ دوم صفحہ ۱۲۴-۱۲۶ (از حضرت سیدہ ام متین صاحبہ حرم سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

[2] الفضل ۴ صلح ۱۳۲۸ ہش صفحہ ۱۔

کو نصیحت کروں گا کہ وہ جواب اپنے تمام اعزہ و اقرباء کو چھوڑ کر خدا کے دامن سے وابستہ ہو گئے ہیں شریعت کو اپنی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی کرنے کی کوشش کریں۔ اور جس طرح وہ پہلے ہٹلر کے سپاہی تھے آج میرے آقا محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے ایسے جاں نثار سپاہی بنیں کہ خدا ان کے ہاتھ پر فتوحات کی بارشیں کرے اور پیدائشی مسلمانوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ایمان و اعتقاد پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ [1] [2]

حضرت مصلح موعودؓ اخبار نویسوں کے قافلہ سمیت محاذِ کشمیر پر

۲۷ تبلیغ ۱۳۲۸ھش / فروری ۱۹۴۹ء کو سیدنا حضرت فضلِ عمر المصلح الموعودؓ فرقان فورس کے مجاہدوں کا جائزہ لینے کے لئے بھمبر سے ہوتے ہوئے محاذِ کشمیر پر تشریف لے گئے۔ اس سفر میں مندرجہ ذیل صحافیوں کو حضور کی بابرکت معیت کا مبارک اور زریں موقع میسر آیا:۔

۱۔ ثاقب صاحب زیروی (نامہ نگار خصوصی "الفضل" لاہور)
۲۔ میاں محمد شفیع صاحب (چیف رپورٹر روزنامہ "پاکستان ٹائمز" لاہور)
۳۔ سردار فضلی صاحب (چیف رپورٹر روزنامہ "احسان" لاہور)
۴۔ پروفیسر محمد سرور صاحب (مدیر "آفاق" لاہور)

سفر بذریعہ جیپ کار تھا۔ بھمبر سے ہوتے ہوئے نوشہرہ کے جنوب میں بھمبر کے اس مشہور قلعے کے قریب پہنچے جس کی پیشانی پر احمد شاہ ابدالی کی سطوت و شوکت کا نشان عیاں تھا اور جس کی مستحکم دیواروں سے ٹکرا کر دشمن کی ڈوگرا فوجوں کے گولوں کو بیسیوں ہی نہیں سینکڑوں بار منہ کی کھانا پڑی تھی اور جس کے قرب و جوار میں خدا کے فضل سے احمدیت کے شیر دل اور جاں نثار نوجوان اپنی جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے اس مقدس سرزمین کے چپہ چپہ کی پاسبانی اور حفاظت کر رہے تھے۔ [3]

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کو اس مبارک سفر کے دوران محاذ پر ایک واقعہ نے یکایک قادیان کی

---

[1] الفضل ۲۸ تبلیغ ۱۳۲۸ھش صفحہ ۵۔ [2] کتنے صاحب کیا ہی بدقسمت انسان ہیں کہ انہوں نے یہ نصیحتیں خلیفۂ موعود کی زبان مبارک سے سنیں اور بجائے صدق و اخلاص میں قدم آگے بڑھانے کے اسلام ہی سے پلٹ گئے ہیں۔ [3] الفضل ۲ امان ۱۳۲۸ھش صفحہ ۲۔

ایسی یاد دلادی کہ آپ بے چین ہو کر تڑپ اُٹھے مگر آپ نے اپنے قلبی غم و اندوہ کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا اور کمال ضبطِ نفس کا ثبوت دیتے ہوئے چند منٹ تک بالکل خاموشی اختیار کئے رکھی چنانچہ فرماتے ہیں :-

"میں تھوڑے دن ہوئے کشمیر کے محاذ پر فرقان فورس دیکھنے گیا۔ فرقان فورس والوں نے میرے کھانے کا انتظام کیا ہوا تھا میں جب وہاں گیا تو ایک جگہ پر ہاتھ دُھلانے کے لئے دو چھوٹے لڑکے کھڑے تھے۔ مجھے بڑا تعجب تھا کہ جس جگہ جاتے ہوئے بڑی عمر والے اور پختہ کار لوگ ہچکچاتے ہیں وہاں پر یہ چھوٹی عمر کے دونوں بچے آئے ہوئے ہیں اور خوشی سے اپنی ڈیوٹی کو نبھا رہے ہیں۔ وہ دونوں ہاتھ دُھلانے کے لئے وہاں کھڑے تھے۔ چھوٹی عمر میں اتنی بڑی قربانی کرنے کی وجہ سے مجھے ان کا یہ فعل پیارا لگا اور نادانی اور غفلت میں میں نے سوال کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ میں نے خیال کیا کہ وہ کہیں گے کہ ہم گجرات سے آئے ہیں، جہلم سے آئے ہیں، راولپنڈی سے آئے ہیں یا سیالکوٹ سے آئے ہیں۔ میں ان سے کوئی دوسرا جواب سُننے کے لئے تیار نہیں تھا لیکن میں نے جب یہ سوال کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو تو ان دونوں لڑکوں نے بے اختیار کہا ہم قادیان سے آئے ہیں۔ مجھے یہ جواب سننے کی امید نہ تھی اِس لئے مجھے اپنی حالت کو سنبھالنے کے لئے بہت زیادہ جدوجہد کی ضرورت پڑی۔ میرے ساتھ اس وقت اخباروں کے نمائندے بھی تھے اور بعض دوسرے افسر بھی۔ میں نے زور سے اپنی زبان دانتوں میں دبالی میں نے ایسا محسوس کیا کہ اگر میں اپنے آپ کو نہیں روکوں گا تو میری چیخیں نکل جائیں گی۔ کئی غیر احمدی بھی اس وقت مجھ سے ملنے کے لئے آئے ہوئے تھے میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی اور میں بات کر ہی نہیں سکتا تھا۔ انہوں نے شاید یہ سمجھا ہوگا کہ میں بہت مغرور ہوں اور ان کے ساتھ بات کرنا نہیں چاہتا لیکن میں مختصر جواب دے کر اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پندرہ بیس منٹ بعد جا کر کہیں میری طبیعت سنبھلی اور میں بات کرنے کے قابل ہوا۔ غرض میں نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ میں قادیان کے چھوٹ جانے پر غم نہیں کروں گا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بغیر ہمارا گذارہ نہیں۔ آپ لوگ بھی اپنے تمام جوشوں کو دباتے چلے جائیں خدا تعالیٰ وہ وقت جلد لے آئے گا جب تمہارے دبائے ہوئے جذبات ایک طوفان کی شکل اختیار کریں گے اور وہ طوفان ہر قسم کے خس و خاشاک کو اُڑا کے پرے پھینک دے گا لیکن جب تک وہ مرکز جماعت کو نہیں ملتا سب جماعت کو ایک دوسرے مرکز کی طرف مُنہ کرنا ہوگا کیونکہ مرکز کے بغیر کوئی جماعت نہیں رہ سکتی۔"[1]

---

[1] الفضل ۵ احسان ۱۳۲۸ھش صفحہ ۵

انجمن حمایتِ اسلام کے مشاعرہ میں احمدی شاعر کے کلام کی مقبولیت

۲۶ رامان ۱۳۲۸ہش کو انجمن حمایتِ اسلام لاہور کا ایک مشاعرہ ہوا جس میں جناب ثاقب زیروی صاحب نے ایک نظم پڑھی جو حاصل مشاعرہ سمجھی گئی۔ گورنر جنرل الحاج خواجہ ناظم الدین صاحب نے مشاعرہ میں اِس نظم کو دوبارہ سننے کی فرمائش کی اور یہ اعزاز اس نشست میں کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہ ہوسکا۔ دوسرے دن لاہور کے تقریباً تمام اخبارات میں اس نظم کا چرچا تھا چنانچہ اخبار "انقلاب" نے ۲۸ مارچ ۱۹۴۹ء ص۱ کالم ۱ پر "ثاقب نے سب کو مات دی" کے عنوان سے حسب ذیل خبر شائع کی:۔

"لاہور ۲۶ مارچ۔ انجمن حمایتِ اسلام کے مشاعرے میں ایک انیس سالہ نوجوان شاعر صدیق ثاقب زیروی کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ ہز ایکسیلنسی گورنر جنرل پاکستان نے اُس سے فرمائش کی کہ وہ تیسری بار اپنا کلام سنائے۔

اِس مشاعرے میں بڑے بڑے شعراء نے حصہ لیا لیکن عوام اور خواص سب نے ثاقب کے کلام کو اتنا پسند کیا کہ اُسے تین بار سٹیج پر بلایا گیا۔ یہ سعادت کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی۔ ثاقب کی نظم کا عنوان تھا "میرا جواب" جو ایک اخبار نویس کی طرف سے شراب کی پیشکش پر لکھی گئی تھی۔ یہی نظم خواجہ ناظم الدین کو خاص طور پر پسند آئی اور انہوں نے اسی کو دوبارہ پڑھوایا۔"

جماعتِ احمدیہ اور حکومتِ مجاز کی وفاداری

سکھوں کے اخبار "شیر پنجاب" نے ایک مضمون میں یہ اعتراض اٹھایا کہ ہندوستان یا پاکستان کے احمدی اس وقت تک اپنی اپنی حکومتوں کے وفادار رہیں گے جب تک ان کے امام جماعت کی طرف سے ایسا حکم ہوگا جب اُن کا حکم نہیں رہے گا اُن کی وفاداری بھی ختم ہو جائے گی۔

اِس اعتراض کے جواب میں حضرت مصلح موعودؓ نے "جماعتِ احمدیہ اور حکومتِ مجاز کی وفاداری" کے عنوان پر حسب ذیل مضمون سپردِ قلم فرمایا:۔

"..... ہماری جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام کے رُو سے جس حکومت میں بھی کوئی شخص رہے اس حکومت کا اسے وفادار رہنا چاہیئے۔ اگر کبھی حالات خلاف ہو جائیں اور وہ وفادار نہ رہ سکے تو اُسے اس ملک سے ہجرت کر جانی چاہیئے۔ انگریزوں کے زمانہ میں اس عقیدہ کی وجہ سے ہندوؤں، سکھوں اور

مسلمانوں نے ہماری مخالفت بھی کی لیکن ہم نے یہ عقیدہ نہیں بدلا کیونکہ عقائد کو بدل دینا کسی انسان کے اختیار میں نہیں عقائد خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں اور ان کو خدا ہی بدل سکتا ہے۔

ہمارے نزدیک قرآن کریم کی تعلیم کو کوئی شخص بدل نہیں سکتا۔ ہم بانی سلسلہ احمدیہ کو بھی قرآن کریم کی تعلیم کا بدلنے والا نہیں مانتے بلکہ اس کا خادم مانتے ہیں۔ ہمارے عقیدہ کی رُو سے وہ اسلام کے کسی چھوٹے سے چھوٹے حکم کو بھی تبدیل نہیں کر سکتے تھے۔ جب بانی سلسلہ احمدیہ بھی کسی حکم کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے تو پھر ان کا کوئی خلیفہ خواہ کتنا بڑا ہو کسی حکم کو کس طرح تبدیل کر سکتا ہے پس یہ خیال کر لینا کہ ہندوستان یا پاکستان کے احمدیوں کی اپنی حکومتوں سے وفاداری اسی وقت تک ہو گی جب تک امام جماعتِ احمدیہ ان کو ایسا کرنے کا حکم دیتا ہے اوّل درجہ کی حماقت اور بیوقوفی ہے اس معاملہ میں امام جماعت احمدیہ کوئی حق ہی نہیں رکھتا۔ اسلامی تعلیم کو دوہرانا اس کا کام ہے اُسے بدل نہیں سکتا۔ اگر کسی وقت جماعتِ احمدیہ کا امام کسی ملک کی جماعت کو یہ حکم دے کہ تم اپنی حکومت کے وفادار نہ رہو تو اس کے معنی یہی نہیں ہوں گے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ تم اپنی حکومت کے وفادار نہ رہو بلکہ احمدیہ جماعت کے مذہبی مسلّمات کے رُو سے اس کے یہ معنے ہوں گے کہ تم نعوذ باللہ من ذٰلک قرآن کریم اور خدا تعالیٰ کے فرمانبردار نہ رہو۔ اور کیا کوئی نائب اپنے افسر کے حکموں کو بدل سکتا ہے۔ خلیفہ بے شک جماعت کا امام ہے لیکن وہ بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تابع ہے، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تابع ہے۔ قرآن کریم کا تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تابع ہے، اسے اپنے بالا افسروں کے احکام کے بدل دینے کا حق ہی کہاں ہے۔ پس یہ کہنا کہ جماعتِ احمدیہ قادیان کی وفاداری چونکہ امام جماعتِ احمدیہ کے حکم کے ساتھ وابستہ ہے جو پاکستان میں رہتا ہے اس لئے ان کی وفاداری پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک خلافِ عقل قول ہے حکومت کی وفاداری کا حکم ہمارے نزدیک قرآن کریم کا حکم ہے اور قرآن کریم خدا تعالیٰ کی کتاب ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا کی جس حکومت میں بھی کوئی احمدی رہتا ہے اس حکومت کا اس کو وفادار رہنا چاہیئے۔ کوئی خلیفہ یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ اس حکم کو بدل دے کیونکہ خلیفہ ڈکٹیٹر نہیں ہے وہ نائب ہے اور نائب اپنے سے بالا حکام کے احکام کا ویسا ہی فرمانبردار ہوتا ہے جیسا کہ دوسرے لوگ [1]

---

[1] الفضل ۵ شہادت ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء ص۳

پاکستانی سائنسدانوں کو نصیحت

۱۱ ماہ شہادت ۱۳۲۸ھ کو فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں حضرت مصلح موعودؓ نے پاکستانی سائنسدانوں کو نصیحت فرمائی کہ انہیں استقلال کے ساتھ اپنی جدّو جہد جاری رکھنی چاہیئے۔

اخبار انقلاب ۱۴ اپریل ۱۹۴۹ء میں اس تقریب کا خلاصہ درج ذیل لفظوں میں چھپا:۔

"حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے کہا پاکستان کے سائنسدانوں کو اس بات پر حوصلہ نہیں ہارنا چاہیئے کہ ان کے پاس نہ مناسب تعداد میں آلات ہیں نہ سکالر۔ اگر تم میں رسول اکرم صلعم کے پیروؤں کا جوش موجود ہے تو جس طرح اسلام ایک چھوٹی سی جگہ سے نکلا اور دُنیا کے کونے کونے میں پھیل گیا اسی طرح تمہارے لئے یہ بات مشکل نہیں ہونی چاہیئے کہ سائنس کی دنیا میں اسی طرح کامیابی حاصل کرو۔"[۱]

جماعتِ احمدیّہ لاہور کی تبلیغی و تعلیمی ذمّہ داریاں

حضرت مصلح موعودؓ نے ۶ ہجرت ۱۳۲۸ھ کو بذریعہ خطبہ جمعہ جماعتِ احمدیہ لاہور کی تبلیغی و تعلیمی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ فرمایا:۔

"اگر لاہور کی جماعت کمزور ہو گی، اگر لاہور کی جماعت اپنے مقام کو جو اس کا جائز حق ہے حاصل نہ کرے گی تو اُس کا اثر صوبہ کی دوسری جماعتوں پر بھی ضرور پڑے گا۔ اور وہ تبلیغ جس کے رستے اب خدا تعالیٰ نے کھول دئے ہیں اور اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے جو مواقع ہمیں میسّر آچکے ہیں انہیں زبردست دھکا لگے گا جس کا ازالہ آسانی سے نہیں ہو سکے گا لیکن لاہور کی جماعت اگر اخلاص سے کام لے گی اور اپنے فرضِ منصبی کو سمجھے گی تو ہماری تبلیغ اَور بھی وسیع ہو جائے گی اور جماعت يَوْمًا فَيَوْمًا بڑھتی چلی جائے گی۔ اگر لاہور کی جماعت لاہور میں اپنے اثر کو اتنا نمایاں اور ظاہر کر دے کہ دشمن کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑے کہ جماعتِ احمدیہ نے اپنا ایک نقش قائم کر دیا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ صوبہ کے باقی اضلاع، شہروں اور دیہات میں احمدیت اِس سے زیادہ سُرعت کے ساتھ پھیلنے لگ جائے گی جس سُرعت سے وہ اب پھیل رہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے مطابق تین چار ماہ تک ہم ربوہ میں جا بسے اور ایسی سہولتیں ہمیں حاصل ہو گئیں کہ اسے ہم مرکز بنا لیں تو پھر جماعت کا تنظیمی مرکز تو بے شک ربوہ ہی ہو گا لیکن یہ بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ اِس کا سیاسی مرکز ایک

---

[۱] انقلاب ۱۴ اپریل ۱۹۴۹ء صفحہ ۱

رنگ میں لاہور ہی ہوگا کیونکہ جماعت کا تنظیمی مرکز جس جگہ ہو ضروری نہیں کہ دوسرے لوگ جو جماعت سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ بھی اپنی توجہ کا مرکز اُسے بنا لیں۔ لوگ قدرتی طور پر سہل ترین طریق کو اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُنہیں اپنے ذاتی کاموں کے لئے لاہور آنا پڑتا ہے جب وہ لاہور آتے ہیں تو قدرتی طور پر ان کی توجہ ان اداروں اور تحریکوں کی طرف بھی ہوتی ہے جن کے مرکز یا مرکزوں کے ظِلّ لاہور میں موجود ہیں۔ گویا وہ ایک تیر سے دو شکار کر لیتے ہیں۔ وہ یہاں آکر اپنے ضروری کام بھی کرتے ہیں اور ایسے ادارے اور تحریک سے واقفیت بھی حاصل کر لیتے ہیں جو اُن کی توجہ کا مرکز بن رہا ہو۔ پس جہاں تک لاہور کو سیاسی حیثیت حاصل ہے ہم اِس جماعت کو بعد میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اگر لاہور میں جو مشکلات ہمیں پیش آ رہی ہیں وہ دُور ہو جائیں اور ہمیں ایسی جگہیں مِل جائیں جہاں ہم مرکز کا ایک حصّہ رکھ سکیں تو مرکز بھی مقامی جماعت کے ان کاموں میں ممد ثابت ہوگا جس کے کرنے کی ذمّہ داری اس پر ڈال دی گئی ہے۔" ؎۱

حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اہم بیان کشمیر میں استصواب رائے کے سلسلہ میں

۱۰ مئی ۱۹۴۹ء کو حکومتِ پاکستان کی طرف سے کشمیر میں استصواب رائے کے لئے تین سب کمیٹیوں کی تشکیل کا اعلان کیا گیا:۔

۱۔ "پبلیسائٹ اڈوائزری کمیٹی" (PUBLICITE ADVISORY COMMITTEE)

۲۔ "رِفیوجی ری ہیبلی ٹیشن اڈوائزری کمیٹی" (REFUGEE RE-HABLITATION ADVISORY COMMITTEE)

۳۔ "پبلسٹی پالیسی کمیٹی" (PUBLICITY POLICY COMMITTEE)

سرکاری اعلامیہ میں وضاحت کی گئی کہ ہر ایک کمیٹی میں پاکستان اور آزاد کشمیر کی حکومتوں اور عوام کے نمائندہ ممبر کتنی تعداد میں ہوں گے۔ چونکہ یہ نئی جدّوجہد بھی تحریک آزادیٔ کشمیر کے اسی سلسلہ کی لازمی کڑی تھی جس کا آغاز ۱۹۳۱ء میں سیدنا المصلح الموعودؓ کی صدارت و قیادت میں ہُوا تھا اِس لئے حضور کو قدرتاً اس اعلان پر بے انتہاء خوشی ہوئی اور آپ نے اس کا نہایت دلچسپی سے مطالعہ کرنے کے بعد ایک اہم بیان دیا جس کا متن اخبار "انقلاب" میں حسب ذیل الفاظ میں شائع ہُوا:۔

؎۱ الفضل ۲۱ ظہور ۱۳۲۸ھش ص۳۔

"میرے دِل میں تڑپ ہے کہ کشمیر آزاد ہو"

مرزا بشیر الدین کا بیان

لاہور ۱۶ ارمئی۔ جماعتِ احمدیہ کے امام مرزا بشیر الدین محمود نے حسبِ ذیل بیان بغرض اشاعت جاری کیا ہے:۔

"حکومتِ پاکستان کے محکمہ بغیر پورٹ فولیو نے ۱۰ مئی ۱۹۴۹ء کو ایک اعلان شائع کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر میں استصواب رائے کے لڑنے کے لئے ایک پالیسی طے کر لی ہے اور اس کے اصول انھوں نے شائع کر دئے ہیں اور مختلف کاموں کے لئے سب کمیٹیاں بنا دی ہیں۔ چنانچہ اعلان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سب کمیٹی پبلیسائٹ اڈوائزری کمیٹی کے نام سے مقرر کی گئی ہے۔ دوسری رلیفیوجی ری ہیبلی ٹیشن اڈوائزری کمیٹی اور تیسری پبلیسٹی پالیسی کمیٹی کے نام سے۔ ان تینوں کمیٹیوں کی ساخت اس طرح کی گئی ہے کہ پہلی کمیٹی میں چار ممبر پاکستان پبلک کے نمائندے یا آزاد کشمیر گورنمنٹ کے نمائندے ہیں اور تین مسلم کانفرنس کے نمائندے ہیں۔ دوسری میں نو ممبر ہیں جن میں سے دو آزاد کشمیر گورنمنٹ کی طرف سے ہیں اور مسلم کانفرنس کے نمائندے ہیں اور پانچ پاکستانی حکومت یا پاکستان پبلک کے نمائندے ہیں۔ تیسری سب کمیٹی یعنی پروپیگنڈا کی کمیٹی میں سات ممبر ہوں گے جن میں سے چھ پاکستانی حکومت کے نمائندے ہوں گے اور ایک مسلم کانفرنس کا نمائندہ ہوگا۔ اِس اعلان سے معلوم ہوتا ہے کہ آزادی کشمیر کی جدّ وجہد کے خاتمہ کا زمانہ اب قریب آرہا ہے اور یہ جدّ وجہد اپنے آخری دَور میں داخل ہونیوالی ہے مجھے چونکہ قدرتاً اِس نئی جدّ وجہد سے دلچسپی ہے جو اس سابقہ سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کا میں صدر رہا ہوں۔ مجھے خصوصیت سے یہ تڑپ ہے کہ کشمیر کے مسلمان آزاد ہوں اور اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں سے مل کر اسلام کی ترقی کی جدّ وجہد میں نمایاں کام کریں۔ اِس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے مَیں تمام ان لوگوں سے جو کشمیر کے کام سے دلچسپی رکھتے ہیں اپیل کرتا ہوں کہ اب جبکہ یہ آزادی کی تحریک آخری ادوار سے گذر رہی ہے اپنی سب طاقتیں اس کی کامیابی کے حصول کے لئے لگا دیں اور ایسی باتوں کو ترک کر دیں جو اس مقصد کے حصول میں روک ثابت ہوسکتی ہوں۔ یہ صاف اور سیدھی بات ہے کہ جو اہمیت مقصد کو حاصل ہوتی ہے ذریعہ کو حاصل نہیں ہوتی۔ ہم خیال لوگوں کے ذرائع مختلف ہوسکتے ہیں مگر مقصد الگ الگ نہیں ہوسکتے۔ یہ بھی ظاہر امر ہے کہ ایک متحد خیال کو مختلف تدابیر پر قربان نہیں

کیا جاسکتا۔ مختلف تدابیر ہی میں سے بعض کو مقصدِ وحید کے لئے قربان کیا جائے گا۔ پس پاکستان کے ارباب حلّ وعقد کو یہ موقع دینے کے لئے کہ وہ ایسی پالیسی کو جسے وہ صحیح سمجھتے ہیں اچھی طرح چلا سکیں تمام مہاجرینِ کشمیر اور پاکستانی مسلمانوں کو سہولتیں بہم پہنچانی چاہئیں تاکہ پاکستانی حکومت دلجمعی سے کام کرسکے اور ان نتائج کو پیدا کرنے میں کامیاب ہوسکے جو وہ پیدا کرنا چاہتی ہے۔ یہ مَیں نہیں کہتا کہ کوئی شخص اپنے اختلاف رائے کو ان لوگوں کے سامنے بھی پیش نہ کرے جو حکام مجاز ہیں ان کے سامنے اپنے خیالات کو بغیر جوش اور تعصب کے رکھ دینے میں کوئی حرج نہیں لیکن ایسا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے کہ اصل کام کی جگہ لڑائی جھگڑوں کے تصفیہ میں لگے رہیں اور اصل کام کا حرج ہوجائے۔ پس تمام مختلف الخیال کشمیری مہاجرین کو اس کام کے لئے اکٹھے ہوجانا چاہیئے اور حکومتِ پاکستان کے مقرر کردہ اداروں سے مل کر اِس طرح زور لگانا چاہیئے کہ کشمیر کا الحاق پاکستان سے ہوجائے اور یہ عظیم الشان خطرہ جو ہر وقت پاکستان کے سامنے رہتا ہے کلّی طور پر دُور ہوجائے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اوّل تو اعلان میں کشمیر کے نمائندوں کا نام نہیں ہے۔ اگر اہلِ کشمیر میں سے بعض کو بعض سے اختلاف بھی ہو تو یہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہر نمائندہ ضرور اُن سے اختلافِ خیال رکھتا ہوگا۔ لیکن اگر فرض کرو ایسا ہو بھی تو کیا چند دنوں کے لئے ایک مخصوص کام کے لئے جس پر کشمیر کے مسلمانوں کی زندگی اور موت کا انحصار ہے وہ صبر سے کام نہیں لے سکتے۔ مَیں تمام اہلِ کشمیر سے جن پر میرا پہلی جنگِ آزادی کی وجہ سے یقیناً حق ہے کہتا ہوں کہ پاکستانی حکومت کی مذکورہ بالا تجاویز کو کامیاب کرنے کے لئے وہ پوری طرح تعاون کی رُوح کا مظاہرہ کریں کشمیر اگر پاکستان سے ملا تو دوسروں کا ہی نہیں ان کا بھی فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے اور ان اسباب کو دُور کردے جو تفرقہ اور شقاق کا موجب ہوتے ہیں۔"[1]

نائیجیریا، انگلستان اور امریکہ میں کامیاب سالانہ جلسے

۱۳۲۸ھش/۱۹۴۹ء کی یہ خصوصیت ہے کہ اِس سال نائیجیریا اور انگلستان کی احمدی جماعتوں نے سالانہ جلسوں کا سلسلہ شروع کیا اور امریکہ کی دوسری کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ سب اجتماعات خدا کے فضل و کرم سے بہت کامیاب رہے۔ چنانچہ

[1] "انقلاب" لاہور ۱۸ مئی ۱۹۴۹ء

۱۔ ۱۳، ۱۴، ۱۵ ظہور ۱۳۲۸ھش مطابق ۱۳، ۱۴، ۱۵ اگست ۱۹۴۹ء کو جماعتِ احمدیہ نائیجیریا کا پہلا سالانہ جلسہ مسجد احمدیہ لیگوس میں انعقاد پذیر ہوا جس میں مقامی احباب کے علاوہ الارد، کوبٹہ، رجب واڈے، ابینے، ایپے، احبڈے، اودین، اونڈو، الیکٹی لوپا، اولیو، اوموہ، اووو، آڈو الیکتی، زاریا، آگے ڈنگبی کی احمدی جماعتوں کے احباب شامل ہوئے۔ جلسہ کے چار اجلاس ہوئے جن میں مولوی نور محمد صاحب نسیم سیفی امیر و انچارج نائیجیریا، قریشی محمد افضل صاحب اور مولوی سید احمد شاہ صاحب (پاکستانی مجاہدین) کے علاوہ مندرجہ ذیل نائیجیرین احمدیوں نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا:۔

الفا بیض صالح آف اوٹا، مسٹر اے بی ابالوگون، آئی ڈی اولوکوڈانا، الحاج اے اے اٹولا آف الارو، الحاج عبدالوحید فلادیلو آف زاریا، ایچ اوسنیالو، بی۔ بی بالوگون، الفا اے۔ بی ڈمالا آف احبڈے۔

جلسہ کے اختتام پر ایک مقامی غیر احمدی عالم الحاج عبداللہ آدم فارغ التحصیل الازہر یونیورسٹی مصر نے جماعتِ احمدیہ کی یورپ میں اسلامی خدمات کو سراہا۔ جلسہ کے ایام میں سالانہ مجلس مشاورت کے اجلاس بھی ہوئے جن میں فضلِ عمر احمدیہ سکول کے قیام اور احمدیہ اخبار "دی ٹروتھ" کے اجراء کے لئے اخراجات کی تحریک کی گئی۔ نائیجیریا کے پریس نے اس کامیاب جلسے کی رپورٹیں شائع کیں۔ چنانچہ اخبار افریقن ایکسپریس نے ۲۳ اگست ۱۹۴۹ء کے شمارہ میں صفحہ اوّل پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شبیہہ مبارک اور حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیّر بانیٔ نائیجیریا مشن کی تصویر شائع کی اور لکھا:۔

"صدر انجمن احمدیہ قادیان کی شاخ نائیجیریا مشن نے اپنی پہلی سالانہ کانفرنس کے اجلاسوں میں نہایت اہم اُمور پر بحث کی ہے جو جماعتِ احمدیہ اور تمام مسلمانان نائیجیریا کے مفاد سے وابستہ ہیں۔ اس پہلی سالانہ کانفرنس میں صوبہ جات کے ساٹھ نمائندے شامل ہوئے۔ علاوہ ازیں معززینِ شہر اور جملہ مذاہب کے علماء نے شرکت کی۔ احمدیہ سکول کھولنے کے لئے خاص تجاویز زیرِ غور آئیں۔ فیصلہ کیا گیا ہے کہ یہ سکول وسط تبوک ۱۳۲۸ھش / ستمبر ۱۹۴۹ء میں مسجد احمدیہ واقع اجوگیو اسٹریٹ میں جاری کیا جاوے۔ اس سکول میں تمام طلباء کو بلا امتیاز مذہب و ملت داخلہ کی اجازت ہوگی۔ کوبٹہ

اور اسی میں دار التبلیغ کی تعمیر کے ریزولیوشن بھی پاس ہوئے۔ اس کے علاوہ اخبار ٹروتھ جاری کرنیکا بھی فیصلہ کیا گیا جس کا مقصد مسلمانانِ نائیجیریا کے حقوق کی حفاظت ہو گا۔[۱]

۲۔ جماعتِ احمدیہ انگلستان کا پہلا سالانہ جلسہ ۲۹، ۳۰ ماہِ اخاء ۱۳۲۸ھش مطابق ۲۹، ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو منعقد ہوا۔ جلسہ کا پہلا دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے لئے مخصوص تھا۔ جس میں مختلف مذاہب کے درج ذیل نمائندوں نے دربارِ رسالت میں ہدیۂ عقیدت پیش کیا:-

۱۔ پروفیسر پر فرسٹ صدر شعبہ مذہب و فلسفہ گریگری پیرسن کالج۔

۲۔ مسٹر ڈسمنڈ مشہور برطانوی مصنف۔

۳۔ سوامی اویکانند ن صدر لنڈن ویدانتا سوسائٹی۔

۴۔ آلڈرمن ایڈیٹر ساؤتھ ویسٹ ہیرلڈ۔

۵۔ چینی ڈاکٹر جی پی ایچ ڈی۔

۶۔ مسٹر لوٹنگ ایڈیٹر ایسٹرن ورلڈ۔

اسی روز نمازِ مغرب و عشاء کے بعد بشیر احمد صاحب آرچرڈ مبلغ سکاٹ لینڈ نے مناظر قادیان کی فلم دکھائی۔ دوسرے دن مسٹر بلال نٹل کی صدارت میں صبح گیارہ بجے سے لے کر نماز ظہر تک جلسہ ہوا جس میں سب سے پہلے چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ کی تحریک پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حضور جماعتِ احمدیہ انگلستان کی طرف سے اظہارِ عقیدت و محبت کا متفقہ ریزولیوشن پاس کیا گیا جس کے بعد انگریز نومسلموں میں سے مسٹر فرید احمد کلیٹن، مسٹر جمال الدین ڈائر، مسٹر بشارت احمد گریک، مسٹر عبد الکریم ہربرٹ اور مسٹر بشیر احمد آرچرڈ نے "مَیں نے اسلام کیوں قبول کیا" کے موضوع پر تقریریں کیں۔ ان تقریروں کے معاً بعد یورپ کے مبلغین نے "میرے مشن کے کام" کے عنوان پر خطاب فرمایا۔ آخر میں میر عبد السلام صاحب نے بائبل کی روشنی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حقانیت ثابت کی۔ آخری اجلاس میں جو بعد نماز ظہر و عصر شروع ہو کر سات بجے شام تک جاری رہا جماعتِ انگلستان کے تبلیغی اور تربیتی نظام کو وسیع کرنے کے لئے آٹھ اہم قرار دادیں پاس کی گئیں۔[۲]

---

[۱] روزنامہ الفضل ۱۰ ر تبوک ۱۳۲۸ھش صفحہ ۴۔

[۲] روزنامہ الفضل ۲۵ ر فتح ۱۳۲۸ھش صفحہ ۱۱، صفحہ ۱۲۔

۳۔ گذشتہ سال (۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء) میں جماعت ہائے احمدیہ امریکہ کی پہلی یک روزہ سالانہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس سال پٹس برگ میں ۱۷، ۱۸ / تبوک ۱۳۲۸ھش (ستمبر ۱۹۴۹ء) کو دوسری کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اس کانفرنس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود نے ایک خاص پیغام اس کے لئے ارسال فرمایا جس میں حضور نے "میرے پیارے دوستو اور روحانی بچو" کے پُرمحبت خطاب کے بعد جماعتِ امریکہ کو فرمایا:۔

"مجھ سے خلیل احمد صاحب ناصر مبلغ انچارج امریکہ نے اس بات کی خواہش کی کہ میں آپ کو آپکی دوسری سالانہ کانفرنس کے موقع پر ایک پیغام بھیجوں۔" آج سے ۲۹ سال پہلے میں نے مفتی محمد صادق صاحب کو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُرانے صحابیوں میں سے ہیں، آپ کے ملک میں اسلام کی تبلیغ کے لئے بھیجا تھا تاکہ وہ آپ کے سامنے خدا تعالیٰ اور ہدایت کے راستہ کو پیش کریں۔ اس وقت شاید ان کی باتوں کو ایک بوڑھے مجذوب کی بڑ سمجھا گیا مگر آخر اسی آواز کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے وہ لوگ پیدا کئے جو امریکہ میں سچائی اور صداقت کے علمبردار ہوئے۔"

آگے چل کر حضور رضؓ نے رقم فرمایا:۔

"احمدیت خدائے ذوالجلال کا پیغام ہے یہ کسی انسان کا کام نہیں۔ پس آپ ہمیشہ اس بات کی کوشش کریں کہ آپ کو اسلام اور احمدیت کا زیادہ سے زیادہ علم حاصل ہو تاکہ آپ کے اعمال خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے والے ہوں۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعہ ایک مکمل شریعت آپ کو دی اور اس پر عمل کرنا آپ کے ہی فائدہ کے لئے ہے۔"

حضور نے جماعت کو نصیحت فرمائی کہ

"آپ اس عظیم الشان موقع کو جو کہ آپ کو خدا تعالیٰ کا پیغام شروع میں ماننے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے فائدہ اُٹھائیں اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی خدمت میں لگا دیں۔ اگر کسی میں کوئی کمزوریاں ہوں تو ان کی نقل نہ کریں بلکہ آپ خدا تعالیٰ کے کلام کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں۔"

آخر میں حضور نے دعا کی کہ

"خدا تعالیٰ آپ کی اور ان مبلّغین کی جو آپکے ملک میں ہیں اور آپ کے ملک کی مدد فرمائے اور آپکی کوششوں کے نتیجہ میں آپ کا ملک، اسلام کے لئے ایک قلعہ ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ کی برکتیں اور رحمتیں

آپ پر نازل ہوں۔" (مکمل پیغام متن میں درج ہے)

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے بھی اِس کانفرنس میں شرکت کی اور دو دفعہ خطاب فرمایا۔

اِس کانفرنس کا افتتاح چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر مبلغ انچارج امریکہ نے کیا۔ کانفرنس میں رشید احمد صاحب شکاگو، محترمہ علیہ علی صاحبہ، احمد شہید صاحب، محترمہ امتہ اللطیف صاحبہ نے بالترتیب تبلیغ، مال، تعلیم اور تمدن و معاشرت سے متعلق رپورٹیں سنائیں جن پر مختلف احباب نے اپنے مشورے پیش کئے اور غور و تمحیص کے بعد آئندہ سال کے لئے لائحہ عمل تجویز کیا گیا جسے بروئے کار لانے کے لئے ایک سیکرٹری کا انتخاب عمل میں آیا۔ حضرت مصلح موعودؓ کے پیغام نے خصوصاً امریکن احمدی خواتین میں ایسا زبردست جوش و خروش پیدا کر دیا کہ جونہی حضور کا پیغام پڑھا جا چکا محترمہ علیہ علی صاحبہ نے تقریر کی کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی کا یہ نہایت ہی پیارا پیغام سُننے کے بعد ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم مزید قربانی کریں۔ اِس امر کے اظہار کے لئے کہ احمدی نومسلم عورتیں حضور کے ارشاد پر ہر قربانی کے لئے تیار ہیں۔ ہم لجنات امریکہ مشن فوری طور پر ۵۲۵ ڈالر نقد حضور کی خدمت میں پیش کرتی ہیں۔ یہ اخلاص کا منظر نہایت ہی رُوح پرور اور ایمان افزا تھا کہ ان نومسلم مستورات نے جو بظاہر اسلام میں ابھی تک حدیث العہد تھیں قربانی کا شاندار نمونہ دکھایا۔

کانفرنس میں مندرجہ ذیل جماعتوں کے نمائندے شامل ہوئے:۔

پٹس برگ، بالٹی مور، نیویارک، ڈوکین، بریڈک، ہوم سٹرٹ، ڈیٹن، سینٹ لوئیس، ایسٹ سینٹ لوئیس، کینن سٹی، آئی یوواسٹی، شکاگو، کلیولینڈ، میکنس ٹاؤن، ڈی ٹرائٹ، انڈیاناپولس۔

حضرت امیر المومنین کے فوری ارشاد کے مطابق مولوی عبد القادر صاحب ضیغم بذریعہ ہوائی جہاز پاکستان سے پٹس برگ پہنچے اور کانفرنس میں شرکت کی۔ عبد القادر صاحب ضیغم کے ورود پر جماعتِ احمدیہ امریکہ نے اپنے پیارے امام ہمام کا بہت شکریہ ادا کیا کہ پچھلے سال ۷ ستمبر کو جو موجودہ کنونشن کا پہلا دن ہے مجاہدِ امریکہ مرزا منور احمد صاحب دفن ہوئے اور اس پر ایک سال نہیں گزرا تھا کہ خدا تعالیٰ نے انہیں ایک نیا مبلغ عطا فرما دیا۔[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ۲، ۶ اخاء ۱۳۲۹ھش +

لبنانی پریس میں حضرت امام جماعت احمدیہ کا تذکرہ

بیروت کے اخبار "الیوم" نے ۲۲ کانون الاول ۱۹۴۹ء کے پرچے میں حضرت امام جماعت احمدیہ کی عظیم شخصیت کے بارے میں مندرجہ ذیل تعارفی نوٹ شائع کیا:-

" يتمتع الخليفة ميرزا بشير الدين محمود احمد بمكانةٍ دينية كبيرةٍ في باكستان، وهو من لاهور عاصمة البنجاب، ويبلغ من العمر ۶۰ عامًا ويعتبر ثقة في امور الاسلام ويتولى رئاسة الجماعة الاحمديين الذين ينتشرون في كلّ بقعة من بقاع العالم مبشّرين بتعاليم الدّين الاسلامي الحنيف، ويرجع اليه الفضل الاوّل في انشاء مراكز التبشير في اكثر بلدان العالم، وقد لعب هذا الزعيم الديني المسلم دورًا هامًا في كشمير وفي تأسيس دولة باكستان لجماعته نظام خاص من الفقير الى الوزير، وهو أي السيّد ميرزا بشير الدين تقي ورع ومستجاب الدعوات وقد كتب عن حياته السيد محمّد ظفر الله خان وزير خارجية باكستان باللغتين الانكليزية والاردية۔ ولهذا الزعيم الديني الكبير مؤلفات متعددة في الاسلام وفي تفسير تعاليمه باللغتين الأردية والانكليزية، وقد سبق له أن تولى رئاسة لجنة كشمير كما مثل مسلمي الهند في مؤتمر الاديان الذي انعقد في عام ۱۹۲٤ في لندن ....." [1]

خلیفہ میرزا بشیر الدین محمود احمد کو پاکستان میں مذہبی اعتبار سے بڑی عظمت و اہمیت حاصل ہے آپ کی عمر اس وقت ساٹھ سال ہے اور آپ کا تعلق پنجاب کے دار الحکومت لاہور[2] سے ہے۔ آپ اسلامی مسائل میں ثقہ سمجھے جاتے ہیں اور جماعتِ احمدیہ کے امام ہیں جو اکنافِ عالم تک پھیلی ہوئی ہے اور اسلامی عقائد کی تبلیغ کر رہی ہے اور دُنیا کے اکثر ممالک میں تبلیغی مراکز کے قیام میں اس کا نمایاں

---

[1] الیوم (البیروت) ۲۲ کانون الاول بحوالہ البشرٰی المجلد ۱۶- ربیع الاوّل ۱۳۷۰ ہجریۃ دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۲۳۷ ؛ [2] یاد رہے کہ حضور ان دنوں لاہور میں فروکش تھے ؛

دخل ہے۔ اِس مسلمان مذہبی لیڈر نے پاکستان کی تاسیس اور مسئلہ کشمیر میں کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ جماعتِ احمدیہ کے افراد فقیر سے لے کر وزیر تک ایک خاص نظام سے وابستہ ہیں۔

میرزا البشیر الدین متقی، پارسا اور مستجاب الدعوات ہیں۔ محمد ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان نے انگریزی اور اُردو زبانوں میں آپ کی سیرت لکھی ہے۔ اِس عظیم مذہبی لیڈر نے اسلام اور اسلامی تعلیمات کی تفسیریں اُردو اور انگریزی میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کشمیر کمیٹی کے صدر بھی رہے ہیں۔ اسیطرح آپ نے مسلمانانِ ہند کی طرف سے مذاہبِ عالم کانفرنس میں بھی نمائندگی کی جو ۱۹۲۴ء میں بمقام لنڈن منعقد ہوئی تھی۔

مبلّغین کی بیرونی ممالک سے آمد اور روانگی

اِس سال حسبِ ذیل مجاہدینِ احمدیت بیرونی ممالک میں فریضۂ تبلیغ بجالانے کے بعد پاکستان تشریف لائے:-

۱۔ مولوی محمد صدیق صاحب انچارج مشن سیرالیون (آمد لاہور ۳ر احسان ھ ۱۳۲۸ ہش)[1]

۲۔ ملک محمد شریف صاحب مبلّغ اٹلی (آمد لاہور یکم تبوک ھ ۱۳۲۸ ہش)[2]

۳۔ شیخ نور احمد صاحب منیر مبشرِ اسلامی بلادِ عربیہ (آمد ربوہ ۱۷ر فتح ھ ۱۳۲۸ ہش)

شیخ نور احمد صاحب منیر کے استقبال کے لئے دوسرے مخلصین کے علاوہ سیّدنا حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود بھی ربوہ اسٹیشن پر تشریف لے گئے۔[3]

اِسی طرح شیخ صاحب کی آمد سے دو روز قبل (۱۵ر فتح کو) مولانا محمد صادق صاحب مجاہد انڈونیشیا سنگاپور کے لئے روانہ ہوئے تو اس موقع پر بھی حضور پُرنور اسٹیشن پر رونق افروز تھے اور حضور نے آپ کو دعاؤں سے الوداع کیا۔[4]

نئی مطبوعات

اِس سال مندرجہ ذیل کتابیں مصنفینِ سلسلہ کی طرف سے شائع ہوئیں جن سے جماعتی لٹریچر میں بے بہا اور مفید اضافہ ہوا:-

لائف آف احمد (مولانا عبدالرحیم صاحب درد) مقامات النساء (مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری) البیان فی اسلوب القرآن۔ اعجاز القرآن ما یُثبت بالقرآن

---

[1] [2] [3] الفضل ۶ر وفا، ۲ر تبوک، ۲۱ر فتح ھ ۱۳۲۸ ہش۔

[4] الفضل ۳ر فتح ھ ۱۳۲۸ ہش صفحہ ۸۔

(حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ) ۔ تلخیص العربیہ یا خلاصۃ المنجد (حکیم عبد اللطیف صاحب شاہد) انذار و لبشارات (حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب) فقہ احمدیہ حصہ دوم (مولوی عبد اللطیف صاحب بہاولپوری) سیرت خاتم النبییّنؐ حصہ سوم (مؤلفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے)[1]

---

[1] اخبار انقلاب نے اپنے ۳ رجون ۱۹۴۹ء کے شمارہ میں سیرت خاتم النبییّنؐ حصہ سوم پر حسب ذیل تبصرہ کیا:۔

"سیرت خاتم النبییّنؐ

(حصہ سوم جزء اوّل)

صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے کی کتاب "سیرت خاتم النبییّنؐ" کے ۲ دو حصے شائع ہو چکے ہیں اور تمام حلقوں نے ان کی تعریف کی ہے۔ اب اِس کتاب کا تیسرا حصہ شائع ہؤا ہے جس میں غزوہ بنو قریظہ کے بعد سے آنحضرتؐ کے تبلیغی خطوط تک کے واقعات درج کئے گئے ہیں اور یہ حصہ کوئی سوا دو سو صفحے پر ختم ہؤا ہے۔ مرزا بشیر احمد صاحب کا علم و فضل کسی تعریف و تعارف کا محتاج نہیں۔ اس کے علاوہ آپ کا اندازِ تحریر بے حد سادہ، سلیس اور دلنشیں ہے۔ چونکہ سیرت پر آپ کی نظر بہت وسیع ہے اِس لئے آپ کی کتاب میں بے شمار ایسے واقعات بھی ملیں گے جو سیرت کی عام کتابوں میں حذف کر دئے گئے ہیں۔ مرزا صاحب اِس حقیقت سے پوری طرح باخبر ہیں کہ جب کوئی مسلمان مولّف آنحضرت صلعم کی سیرت پر کتاب لکھتا ہے تو اس کا مقصد محض تاریخی واقعات بیان کرنا نہیں ہوتا بلکہ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے تمام شعبوں کو اجاگر کرنا اور حضورؐ کی تعلیمات کی طرف پڑھنے والوں کو متوجہ کرنا مقصودِ حقیقی ہے چنانچہ کتاب زیرِ تبصرہ میں فاضل مؤلف نے جابجا اس مقصد کو مدِّنظر رکھا ہے اور بیانِ سوانح کے ساتھ ساتھ ازدواج، مساواتِ اسلامی، تعلقات آقا و خادم، تقسیم دولت، مساوات اقتصادی، فلسفہ دعا، معجزات، دین و سیاست اور بعض دوسرے مسائل پر اسلامی نقطہ نگاہ سے اور سیرتِ مقدسہ کی روشنی میں بحث بھی کر دی ہے گویا پڑھنے والے کو نہ صرف حضورؐ کی سیرتِ مقدسہ کے واقعات معلوم ہو جاتے ہیں بلکہ اُسوۂ حسنہ کی پیروی کا راستہ بھی مل جاتا ہے ....."

فصل دہم

کتاب "اسلام اور ملکیتِ زمین" کی اشاعت۔ مجلسِ مشاورت ۱۳۲۹ھش / ۱۹۵۰ء کا انعقاد۔ دفاعِ وطن کی تیاری میں حصہ لینے اور جدید لٹریچر تیار کرنے کی تحریک۔ حضرت مصلح موعودؓ کا سفرِ کوئٹہ و سندھ۔ اوکاڑہ اور راولپنڈی میں ۲ دو احمدیوں کی المناک شہادت

(خلافتِ ثانیہ کا چھتیسواں ۳۶ سال ۱۳۲۹ھش / ۱۹۵۰ء)

"اسلام اور ملکیتِ زمین" کی اشاعت

پاکستان میں کمیونسٹ تحریک نے مختلف سیاسی پارٹیوں کے ساتھ مل کر یہ آواز بلند کرنا شروع کی کہ ملکیتِ زمین کے بارے میں ہمارے ملک میں اصلاح کی ضرورت ہے مگر جو اصلاح تجویز کی اگرچہ وہ تفصیلاً وہی تھی جو کمیونزم نے تجویز کی ہے لیکن اس کا نام "اسلامی اصلاح" رکھ دیا۔ بعض حلقوں نے اسلامی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر ایسی شکل دینے کی کوشش کی کہ لوگ اس تحریک کو اسلامی ہی سمجھیں۔ بعض نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے تعامل کو نظر انداز کر کے کچھ نئے معنی اُن آیات اور احادیث کو دے دیئے جن سے اُن کے نظریہ کی تصدیق ہوتی تھی۔

برسرِ اقتدار مسلم لیگ پارٹی نے اس پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر زمیندارہ سسٹم کی اصلاح کے لئے پنجاب، سندھ، سرحد اور مشرقی بنگال میں کمیٹیاں مقرر کر دیں جن کی رپورٹوں پر غور کرنے کے بعد مرکزی مسلم لیگ نے ایک رپورٹ تیار کی جس پر مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ نے زمیندارہ اصلاح سے متعلق کچھ

اصول وضع کئے اور فیصلہ کیا کہ بڑی بڑی زمینداریاں اور جاگیرداری بہرحال جلد ختم کر دی جائے۔ اور صوبجاتی حکومتوں کو توجہ دلائی کہ وضع کردہ اصولوں کو جاری کرنے کی کوشش کریں۔

جہاں تک حکومتِ وقت کے نمائندوں کے فیصلوں کا تعلق تھا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کو اس پر بحث کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ آپ کا یہ قطعی مسلک تھا کہ سیاسی امور سیاسی لوگوں پر ہی چھوڑ دینے چاہئیں لیکن ایک بین الاقوامی مذہبی جماعت کے دینی راہ نما کی حیثیت سے آپ نے یہ گوارا نہ کیا کہ اسلام کے نام پر کوئی ایسی بات کہی جائے جو اسلام سے ثابت نہ ہو چنانچہ آپ نے اسی اہم مذہبی فرض کی بجا آوری کے لئے "اسلام اور ملکیتِ زمین" کے نام سے ایک پُر از معلومات کتاب سپردِ قلم فرمائی جو صلح ۱۳۲۹ھش / جنوری ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب بارہ ۱۲ ابواب پر مشتمل تھی اور اس میں آپ نے ملکیتِ اشیاء کے قانون، ملکیتِ زمین کے اصول، جاگیرداری، وسیع رقبہ اراضی کی ملکیت، لگان اور بٹائی پر زمین دینے اور حکومت کا عوام کی جائیداد پر جبراً قبضہ کرنے کے مسائل پر خالص اسلامی نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالی۔ نیز سندھ زمیندارہ کمیٹی اور مسلم لیگ کی زمیندارہ کمیٹیوں کی بعض خامیوں پر بھی عقلی بحث کی۔ اور آخر میں کسانوں اور کاشتکاروں کی حالتِ زار کی اصلاح کے لئے ایسی مفید تجاویز بتائیں جن سے ملک میں رائج شدہ فرسودہ زمیندارہ نظام کی کایا پلٹ سکتی تھی۔ ان تجاویز کا خلاصہ یہ تھا :-

۱۔ زمیندار ان تمام طریقوں کو استعمال کریں جن کے ذریعہ مغربی ممالک کے زمیندار آمدن پیدا کرتے ہیں مثلاً غیر ملکی کاشتکار اپنی مملوکہ جائداد کے ہر حصہ کو ہر طریق سے آمدن پیدا کرنے میں لگاتا ہے اور اپنے فارم میں باغ لگا کر، شہد کی مکھیاں، مرغیاں اور گائے پال کر اور علاوہ غلّہ کے سبزی ترکاری پیدا کر کے زمین کے چپہ چپہ کو اس طرح استعمال کرتا ہے کہ زمین سونا اُگلنے لگتی ہے۔

۲۔ حکومت دیہات میں سوختنی اور تعمیری لکڑی کے ذخائر قائم کرنے کا انتظام کرے تا کسانوں، کاشتکاروں اور زمینداروں کا کھاد ایندھن کی بجائے پیداوار بڑھانے کے کام آسکے۔

۳۔ ہمیں اپنے زمیندارہ نظام کی اصلاح کے لئے امریکہ اور روس کی بجائے (جہاں وسیع اور کھلی زمینیں پڑی ہوئی ہیں یا آبادی کے وسیع مواقع موجود ہیں) اٹلی، جنوبی انگلستان اور

وسطی جرمنی میں جانا چاہیئے ممکن ہے فرانس ،سپین ،شام اور لبنان سے بھی اِس بارہ میں ہم کو کچھ مدد مِل سکے۔ جو وفد ان ملکوں کے دَورہ کے لئے جائیں ان کو عملی طور پر ایسے کھیتوں میں کام کرنے کی ہدایت ہو جن کی کُل زمین دس پندرہ (۱۵) ایکڑ سے زیادہ نہ ہو۔ وہ عملی طور پر معلوم کریں کہ اُنکے مالکوں کی کیا حالت ہے؟ اگر ہمارے ملک سے اچھی حالت ہے تو وہ کس ذریعہ سے بنائی جاتی ہے اور کہاں سے اس کے لئے آمد پیدا کی جاتی ہے ؟

۴ ۔ ملکی صنعت و حرفت کو ترقی دی جائے اور اسے صرف بڑے بڑے شہروں میں محدود کرنے کی بجائے پورے ملک میں ایسے طریق پر پھیلایا جائے کہ زمیندارہ آبادی اپنے کاموں کو چھوڑے بغیر صنعت و حرفت میں ترقی کر سکے اور اس کی دلچسپیاں اپنی زراعت کے ساتھ بھی باقی رہیں۔

۵ ۔ کاشت کار کو یہ بتانے کے لئے پراپگنڈا کی مہم چلائی جائے کہ مزدوری سے ہرگز نفرت نہیں کی جانی چاہیئے۔

۶ ۔ زمین کے مالک کاشت کاروں سے جو جابرانہ اور ظالمانہ سلوک روا رکھتے ہیں اس کی روک تھام کے لئے قانون بنایا جائے ۔ بیگار بند کرانے کے لئے سزائیں مقرر کی جائیں۔ حکومت کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ مزارعین اور زمین کے مالکوں سے مشورہ کرکے یہ قانون بھی پاس کرا دے کہ ہر زمین کا مقاطعہ تین سے چھ سال تک کے لئے ہو گا۔ اِس مقررہ عرصہ سے پہلے کسی مزارع کو زمین سے بے دخل نہیں کیا جا سکے گا۔

۷ ۔ ابتداءً جب پنجاب اور سندھ میں نہریں کھودی گئیں تو ماہرینِ سائنس نے قبل از وقت بتا دیا تھا کہ اتنے اتنے سال میں یہاں سیم شروع ہو جائے گی لیکن باوجود اس کے حکومت کی طرف سے اس کا مقابلہ کرنے کی تیاری وقت پر نہ کی گئی۔ اوّل تو نہریں بناتے وقت ایسی احتیاطیں اختیار کی جانی چاہئیں کہ سیم یا تو پیدا نہ ہو یا کم سے کم پیدا ہو لیکن اگر اس کے لئے بھاری اخراجات درکار ہوں تو کم سے کم معالجاتی تدابیر تو فوراً ہی شروع ہو جانی چاہئیں۔

۸ ۔ حکومت کو کاشت کے متعلق صحیح اور بروقت راہ نمائی کرنی چاہیئے۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ عام طور پر ایک ہی جگہ کا بیج استعمال کرتے رہنا فصل کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اچھی فصلوں کے لئے ضروری ہے کہ مختلف دوسری جگہوں سے بیج منگوا کر ڈالا جائے۔ پھر اِس معاملہ پر بھی

غور کیا جائے کہ کلّر اور سیم یا پانی کے بغیر کونسی اجناس پرورش پاسکتی ہیں۔ اور ہمیں وہ بیج نکالنے پڑیں گے جو کلّر اور سیم میں یا بغیر پانی کے بھی پرورش پاسکیں اور نہروں کو محدود کیا جائے تاکہ ہمارا ملک دلدل بن جانے سے بچ جائے ورنہ جس رنگ میں ہمارے ملک میں سیم بڑھ رہی ہے تیس یا پینتیس سال میں اس رفتار کے ساتھ اس کی حالت ایسی خطرناک ہو جائے گی کہ ملک کے لئے خوراک مہیا کرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔

۹۔ افتادہ زمینوں کے صحیح استعمال کی طرف توجہ دینے کی بھی ضرورت ہے۔ غیر مسلموں کی متروکہ زمین کا بھی بہت سا حصہ نکلوانے کے قابل ہے۔

۱۰۔ اگر گورنمنٹ تحقیقات کرائے تو اُسے معلوم ہوگا کہ سندھ میں کئی لاکھ غیر پاکستانی زمیندارہ یا غیر زمیندارہ مزدوری کر رہا ہے۔ یہ لوگ بیکانیر، جیسلمیر، جودھپور، جے پور، کچھ اور تھل کے علاقہ سے آتے ہیں اور مقاطعہ پر زمینیں لے کر کاشت کرتے ہیں یا زمیندارہ مزدوری کرتے ہیں۔ یہ لوگ جو اُدھر سے آتے ہیں بعض صورتوں میں بڑے منظّم ہوتے ہیں اور بعض صورتوں میں کانگرس کے مقرر کردہ افسر اُن کے ساتھ آتے ہیں۔ خطرہ کے وقت میں یہ لاکھوں کی آبادی نہایت ہی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ اپنے ملک کی آبادی کے لئے گذارہ کی صورت نہ پیدا کی جائے اور غیر ملک کے لوگوں کو یہ موقع دیا جائے۔

۱۱۔ کاشتکار کی آمدن کا ایک کافی حصہ خود حکّام کے پیٹوں میں جاتا ہے اگر اس کو بچایا جائے تو اس سے بھی زمیندار کی حالت بہتر ہو جائے گی۔

۱۲۔ کاشتکار فخر و مباہات اور شادی بیاہ پر بہت خرچ کر دیتا ہے جس سے اسے بچنا چاہیئے۔

۱۳۔ حکومت کو ایسے ذرائع سوچنے چاہئیں جن سے کاشتکاروں کو مقدمہ بازی کی لعنت سے نجات ملے۔ صحیح طور پر عوام کی تربیت کی جائے تو مقدمات کم ہوں گے اور گورنمنٹ اور کاشتکار دونوں کا روپیہ بچے گا۔

۱۴۔ اگر تعاونِ باہمی کی انجمنیں بنائی جائیں اور ان کو سُودی اُصول کی بجائے تجارتی بنیاد پر چلایا جائے اور گورنمنٹ ایک حد تک روپے یا اجناس کی وصولی میں مدد کرے تو کاشتکار کی کئی فوری ضروریات پوری ہو سکتی ہیں اور وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے۔

اِس کتاب میں حضور نے ایک طرف مسلم لیگی حکومت کو بھی زبردست انتباہ کیا کہ اگر اُس نے غیر طبعی یا غیر شرعی تجاویز کی طرف توجہ کی تو وہ کمیونزم کے حملہ کا مقابلہ کرنے کی طاقت کھو بیٹھے گی دوسری طرف بڑے زمینداروں کو بھی توجہ دلائی کہ :-

" اسلام کی بنیاد اخوت اور رحم پر ہے۔ اُن کو اپنے بھائیوں کی مشکلات کے حل کرنے میں سیاسی لیڈروں سے زیادہ کوشاں ہونا چاہیئے۔ اگر وہ غریب زمیندار کی مدد خود خوشی سے کریں گے اور ایسے قوانین کے بنانے میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں گے جن سے ظلم دُور ہو جائے اور اُن کا غریب بھائی آرام سے زندگی بسر کرے تو یہ بات دین اور دنیا دونوں میں ان کے لئے عزت اور آرام کا موجب ہو گی اور وہ اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے سُرخرو ہو جاسکیں گے ورنہ وہ سمجھ لیں کہ اگر حکومت اسلامی احکام کے ادب سے کوئی جابرانہ قانون نہ بھی بنائے تو بھی خدائی عذاب سے اُن کو دوچار ہونا پڑے گا اور کوئی چیز بھی اُن کو نہ بچا سکے گی " [۱]

حضرت مصلح موعودؓ کی اِس معرکۃ الآراء تصنیف کی بھاری خصوصیت یہ بھی کہ اس میں آپ نے مسلمانانِ عالم کو اِس حقیقت کی طرف متوجہ کر کے اتمامِ حُجّت کر دی کہ :-

" اِس وقت کمیونزم کا خوف دُنیا پر طاری ہو رہا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ وہ بڑی بڑی حکومتیں بھی جو اِس وقت کمیونزم کا مقابلہ کرنے کا دعویٰ کر رہی ہیں اُن کے دل اندر سے کھوکھلے ہو رہے ہیں۔ اُردو زبان کا یہ مشہور مقولہ ہے کہ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو یعنی جب دنیا میں لوگ کثرت سے ایک آواز اُٹھانے لگتے ہیں تو قلوب مرعوب ہو جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ الٰہی فیصلہ ہے اور اسی طرح ہو کر رہے گا حالانکہ وہ آواز محض ایک رَو ہوتی ہے جیسے بہاؤ کی طرف پانی بہتا ہے لیکن ہمیشہ بہاؤ کی طرف پانی بہنے دینا کوئی عقلمندی نہیں ہوتی۔ جن لوگوں نے یہ کہا کہ پانی بہاؤ کی طرف بہا کرتا ہے اُن کے ملک اُجڑتے رہے لیکن جنہوں نے یہ کہا کہ بے شک پانی بہاؤ کی طرف بہتا ہے۔ لیکن بہاؤ کا بنانا بھی خدا تعالیٰ نے انسان کے اختیار میں رکھا ہے آؤ ہم نئے بہاؤ بنائیں انہوں نے نہریں بنائیں اور نالے بنائے اور ویران ملکوں کو آباد کر دیا پس کوئی شخص میری بات سُنے یا نہ سُنے مَیں یہ صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں کمیونزم کے خوف کی وجہ سے کوئی بات نہیں کہنی چاہیئے۔ اگر

[۱] اسلام اور ملکیتِ زمین صفحہ ۲۶۲، صفحہ ۲۶۳

کمیونزم اچھی چیز ہے تو اس سے خوف کے کوئی معنیٰ نہیں ہمیں شوق سے اس کو قبول کرنا چاہیئے اور اس کے خلاف سب باتوں کو چھوڑ دینا چاہیئے خواہ مذہب کے نام پر کہی جاتی ہوں یا کسی اَور نام پر۔ جو بات ٹھیک ہے وہ بہر حال ٹھیک ہے لیکن اگر کمیونزم غلط ہے تو پھر محض اِس وجہ سے کہ وہ ایک ایسی تعلیم پیش کر رہی ہے جس کی وجہ سے عوام النّاس اُس کی طرف بھاگے جا رہے ہیں ہمارا اُس کو قبول کر لینا خودکشی کے مترادف ہوگا اور ہمیں بہادروں کی صف میں نہیں بلکہ بُزدلوں کی صف میں کھڑا کرے گا۔" [1]

مجلس مشاورت ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء کا انعقاد

اِس سال جماعتِ احمدیہ کی اکتیسویں مجلس مشاورت مورخہ ۷، ۸، ۹ شہادت کو منعقد ہوئی جس میں علاوہ دیگر اہم فیصلوں کے ۴۲۱۷۶۵ روپے کا بجٹ آمد و خرچ منظور کیا گیا۔ مشاورت کا انتظام نصرت گرلز ہائی سکول کے صحن میں کیا گیا۔ کُل ۳۷۷ نمائندگان نے شرکت کی جن میں مغربی افریقہ، مشرقی افریقہ، امریکہ، سپین، شام، مصر اور ہالینڈ وغیرہ کی احمدی جماعتوں کے ۱۳ نمائندے بھی تھے۔ [2]

ہجرت کے بعد سے اب تک نمائندگانِ مشاورت زمین پر ہی بیٹھتے تھے اور اُن کے لئے کرسیوں کا کوئی انتظام نہ ہوتا تھا مگر اِس دفعہ حضور نے کارکنوں کو اوّل نمبر پر یہ ہدایت فرمائی کہ:۔

"وہ مجلسِ شوریٰ کی اہمیت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے آئندہ اس کے لئے سامان جمع کریں۔ ہماری جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیشہ رہے گی اور مجلسِ شوریٰ بھی ہمیشہ ہوتی رہے گی بلکہ یہ زیادہ سے زیادہ منظّم ہوتی چلی جائے گی اِس لئے ضروری ہے کہ نمائندگان اور زائرین کے بیٹھنے کے لئے مناسب انتظام کیا جائے۔" [3]

اِس ضمن میں حضورؓ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مجلس میں ہر ضلع کے نمائندوں کو اکٹھا بٹھایا جائے زائرین کو بھی الگ ایک ترتیب سے بٹھانے کا انتظام کیا جائے اور خدام الاحمدیہ کی طرح شوریٰ کے کارکن بھی مشاورت کے دَوران بیج لگائیں تاکہ نمائندگان سے ان کا امتیاز ہو سکے۔ قبل ازیں تحریکِ جدید

---

[1] "اسلام اور ملکیت زمین" صفحہ ۲۰۴، صفحہ ۲۰۶ (اس کتاب کا ۱۳۳۰ھش/۱۹۵۱ء میں سندھی ایڈیشن بھی چھپ گیا)

[2] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء صفحہ ۲۰۱ و الفضل ۱۱ شہادت ۱۳۲۹ھش صفحہ ۲ ۔ [3] رپورٹ صفحہ ۶

انجمن احمدیہ کا بجٹ ممبران مجلس تحریکِ جدید باہمی مشورہ سے بنا لیتے تھے اور پھر حضور سے منظوری لے لیتے تھے مگر اِس مشاورت پر حضور نے اس فیصلہ کا اعلان فرمایا کہ آئندہ تحریکِ جدید کا بجٹ بھی مجلسِ شوریٰ میں پیش ہوا کرے۔

دفاعِ وطن کی تیاری میں حصہ لینے کی پُرزور تحریک

قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لینے کے باعث جماعتِ احمدیہ پاکستان پر یہ دوہری ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ دوسرے مُحبِّ وطن پاکستانی شہریوں سے بڑھ کر اس نوزائیدہ مملکت کے استحکام میں کوشاں رہے اور اس کے دفاع اور تحفظ کی خاطر فوجی ٹریننگ سیکھے تا جب اسلام، پاکستان اور ملّتِ اسلامیہ کے لئے جانی قربانیاں پیش کرنے کا موقع آئے تو جماعتِ احمدیہ کے مجاہد صفِ اوّل میں کھڑے ہو کر مثالی نمونہ قائم کر سکیں۔

اِسی پاک مقصد کے پیشِ نظر فرقان بٹالین کا قیام عمل میں لایا جا چکا تھا اور حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایت پر بہت سے احمدی نوجوان محاذِ کشمیر پر شاندار خدمات انجام دے رہے تھے مگر ایک طبقہ مجرمانہ غفلت اور کوتاہی کا ثبوت دے رہا تھا جس پر حضرت امیر المومنین نے مشاورت ۱۳۲۹ھش میں انتہائی خفگی کا اظہار کیا اور جماعت کو آزادئ ملک کے نتیجہ میں عائد ہونے والے قومی اور ملکی فرائض کی طرف توجہ دلاتے ہوئے بتایا:-

"قادیان میں رہتے ہوئے ہمارے لئے ایک مشکل تھی ورنہ ان دنوں بھی ہم یہی پسند کرتے کہ دشمن سے لڑ کر مر جائیں اور وہ مشکل یہ تھی کہ ہمیں حکومت سے لڑنا پڑتا تھا اور حکومت سے لڑنا ہمارے مذہب میں جائز نہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ قادیان سے ہمارا پیچھے ہٹنا حرام اور قطعی حرام ہوتا اگر حکومت سے مقابلہ نہ ہوتا...... مگر چونکہ خدا کا حکم تھا کہ حکومت سے نہیں لڑنا اِس لئے ہم پیچھے ہٹ گئے جیسے مکّہ میں رہتے ہوئے رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے دشمن سے جنگ کرنا جائز نہیں تھا مگر جب آپؐ مدینہ تشریف لے گئے تو لڑائی آپ کے لئے جائز ہو گئی۔ غرض اب حالات بالکل مختلف ہیں اب اگر پاکستان سے کسی ملک کی لڑائی ہو گئی تو حکومت کے ساتھ ہو کر ہمیں لڑنا پڑے گا اور حکومت کی تائید میں ہمیں جنگ کرنی پڑے گی اِس لئے اب پیچھے ہٹنے کا کوئی سوال ہی نہیں۔"[1]

---

[1] رپورٹ مشاورت ۱۳۲۹ھش صفحہ ۱۲۔

حضورؓ نے یہ بنیادی نکتہ ذہن نشین کرانے کے بعد بڑے مؤثر پیرایہ میں تحریک فرمائی کہ احمدیوں کو ملکی قانون کے تحت فوجی ٹریننگ کے ہر ممکن موقع سے کماحقّہ فائدہ اُٹھانا چاہیئے اور سمجھ لینا چاہیئے کہ جہاد اور جنگ کی تیاری تو چندہ سے بہت زیادہ اہم ہے۔ جیسے نماز فرض ہے اسی طرح دین کی خاطر ضرورت پیش آنے پر لڑائی کرنا بھی فرض ہے[۱] چنانچہ فرمایا:۔

"جن اُمور کو اسلام نے ایمان کا اہم ترین حصّہ قرار دیا ہے ان میں سے ایک جہاد بھی ہے بلکہ یہاں تک فرمایا ہے کہ جو شخص جہاد کے موقع پر پیٹھ دکھاتا ہے وہ جہنّمی ہو جاتا ہے اور جہاد میں کوئی شخص حصّہ ہی کس طرح لے سکتا ہے جب تک وہ فوجی فنون کو سیکھنے کے لئے نہیں جاتا۔ کشمیر کی جنگ کا شروع ہونا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اہم موقع تھا جس سے ہماری جماعت بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکتی تھی بلکہ اب بھی اُٹھا سکتی ہے۔ لیکن اگر کشمیر کی جنگ نہ ہوتی تب بھی ہماری جماعت کا فرض تھا کہ وہ فوجی فنون کو سیکھنے کے لئے اپنے نوجوانوں کو پیش کرتی تا کہ اگر براہِ راست پاکستان پر ہی حملہ ہو جاتا تو وہ اپنی قوم اور اپنے ملک کی حفاظت کا کام سرانجام دے سکتی۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ فوجی خدمت سے جی چُراتے ہیں اِس وجہ سے جی چُراتے ہیں کہ ان کی اس کام سے جان نکلتی ہے حالانکہ دنیا میں جب بھی کوئی قیمتی چیز کسی کو ملے گی لوگ اسے اس سے چھیننے کی کوشش کریں گے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام ساری عمر یہ کہتے رہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے ایک گال پر تھپّڑ مارے تو تم اپنا دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دو لیکن دشمنوں نے اس شخص کی قوم پر بھی تلوار چلائی اور خود حفاظتی پر مجبور کر دیا۔ اسلام کتنا صلح کُن مذہب ہے مگر مسلمانوں کو حکومت ملی تو ان کے ملک کو تباہ کرنے کے لئے چاروں طرف سے دشمن کود پڑے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دِل میں بنی نوع انسان کی محبّت اِس قدر استوار تھی کہ گو لڑائی میں سب سے زیادہ بہادر آپ سمجھے جاتے تھے مگر آپ دشمن کو اپنے ہاتھ سے مارتے نہیں تھے صرف لوگوں کو ہدائتیں دیتے تھے کہ اِس اِس طرح لڑائی کرو گویا آپؐ کا دل نہیں چاہتا تھا کہ لڑائی کریں لیکن چونکہ دشمن نے آپ کو لڑنے پر مجبور کر دیا اِس لئے آپؐ کو بھی اس کے مقابلہ میں نکلنا پڑا۔ صرف ایک دفعہ ایک دشمن نے اصرار کیا کہ آپ اس سے لڑائی کریں اور آپ اس کے مجبور کرنے پر اس کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے مگر بعض دفعہ ایمان کے ساتھ محبّت مِل کر ایک عجیب مضحکہ خیز مثال پیدا کر دیتی ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی

---

[۱] رپورٹ مشاورت ہش۱۳۲۹ء صفحہ ۱۳ ؎

بہادری اور جرأت کا حال سب کو معلوم تھا مگر ایک لڑائی میں جب کفّار کا ایک جرنیل مقابلہ کے لئے نکلا اور اس نے چیلنج کیا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے مقابلہ کے لئے نکلیں تو صحابہؓ آپؐ کے گرد اکٹھے ہو گئے کہ آپؐ کی حفاظت کریں حالانکہ آپ ان سے زیادہ بہادر تھے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا راستہ چھوڑ دو اور اسے آنے دو۔ جب وہ آگے بڑھا اور اس نے حملہ کر دیا تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے وار کو روک کر اپنا نیزہ لمبا کر کے محض اس کے جسم کو چھُوا اور وہ اسی وقت واپس لَوٹ گیا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تم تو اتنے بہادر تھے مگر آج تم نے کیا کیا کہ نیزہ اُدھر تمہارے جسم سے چھُوا اور اِدھر تم واپس لَوٹ آئے۔ اس نے کہا تمہیں حقیقت نہیں معلوم تمہیں یہی نظر آ رہا ہے کہ وہ نیزہ میرے جسم سے چھُوا ہے تم مجھ سے پُوچھو جس کے نیزہ لگا ہے مجھے تو یُوں معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا جہان کی ساری آگ میرے جسم میں بھر دی گئی ہے۔ یہ ایک مُعجزہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا مگر بہر حال اس سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی سے نفرت کرتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ کو لڑنا پڑا۔ پس یہ خیال کرنا کہ ہم محبّت اور پیار سے تبلیغ کرنے والے ہیں ہمارے ساتھ کسی نے کیا لڑنا ہے یا یہ کہ ہمارا ملک صلح پسند ہے اس پر کسی نے کیا حملہ کرنا ہے محض جہالت ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر وقت اپنے آپ کو تیار رکھیں اور فوجی ٹریننگ حاصل کریں تا وقت پر اپنے ملک کی حفاظت کر سکیں۔ پس جماعت کو اب یہ فیصلہ کر کے یہاں سے جانا چاہیئے کہ وہ اپنے سارے نوجوانوں کو نکال کر فوجی ٹریننگ کے لئے بھجوائے گی۔۔۔۔ تاکہ جب کبھی جہاد کا موقع آئے یا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کہ "مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ وَعِرْضِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ" ہمیں اپنے ملک، اپنے اموال اور اپنی عزّتوں کی حفاظت کے لئے قربانی کرنی پڑے تو ہم اس میدان میں بھی سب سے بہتر نمونہ دکھانے والے ہوں اور دوسرے مسلمان ہمیں یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ مولوی ملک کی حفاظت کے وقت کچے ثابت ہوئے اور یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ کافر بھی بڑی بڑی قربانیاں کیا کرتے ہیں۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ ایک لڑائی کے موقع پر مسلمانوں کی طرف سے ایک شخص کفّار پر حملہ آور ہُوا اور اس نے ایسی بے جگری کے ساتھ لڑائی کی اور اس طرح کفّار کو تہ تیغ کرنا شروع کیا کہ مسلمان اس کو دیکھ دیکھ کر بے اختیار کہتے کہ خدا اس شخص کو جزائے خیر دے یہ اسلام کی کتنی بڑی خدمت سر انجام دے رہا ہے مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی نے اِس دنیا کے پردہ پر کوئی دوزخی دیکھنا ہو تو وہ اِس شخص کو دیکھ لے۔ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تو صحابہؓ سخت

حیران ہوئے کہ اتنی بڑی قربانی کرنے والے اور آگے بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والے کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ کس طرح فرما دیا کہ اگر کسی نے اس دنیا کے پردہ پر کوئی دوزخی دیکھنا ہو تو وہ اسے دیکھ لے۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں مَیں نے کئی لوگوں کو اس قسم کی باتیں کرتے سُنا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا فرما دیا اور مَیں نے سمجھا کہ ممکن ہے اِس سے بعض لوگوں کو ٹھوکر لگے چنانچہ مَیں نے قسم کھائی کہ مَیں اس شخص کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا جب تک مَیں اِس کا انجام نہ دیکھ لوں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں مَیں اس کے ساتھ ساتھ رہا یہاں تک کہ وہ لڑتے لڑتے زخمی ہوا اور اسے لوگوں نے اُٹھا کر ایک طرف لِٹا دیا۔ وہ درد کی شدّت کی وجہ سے کراہتا تھا اور چیخیں مارتا تھا۔ صحابہؓ اس کے پاس پہنچتے اور کہتے کہ "اَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ" تجھے جنّت کی خوشخبری ہو۔ اس پر وہ انہیں جواب میں کہتا "اَبْشِرُوْنِيْ بِالنَّارِ" مجھے جنّت کی نہیں دوزخ کی خبر دو۔ اور پھر اُس نے بتایا کہ مَیں آج اسلام کی خاطر نہیں لڑا بلکہ اِسلئے لڑا تھا کہ میرا اِن لوگوں کے ساتھ کوئی پُرانا بُغض تھا۔ آخر وہ صحابیؓ کہتے ہیں اس نے زمین میں اپنا نیزہ گاڑا اور پیٹ کا دباؤ ڈال کر خودکشی کرلی۔ جب وہ مر گیا تو وہ صحابیؓ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچے تو انہوں نے بلند آواز سے کہا کہ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور مَیں گواہی دیتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ آپؐ نے بھی جواب میں فرمایا کہ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور مَیں گواہی دیتا ہوں کہ مَیں اس کا رسول ہوں۔ پھر آپؐ نے فرمایا تم نے یہ بات کیوں کہی ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ آپؐ نے فلاں شخص کے متعلق یہ بات کہی تھی اس پر بعض صحابہؓ کے دِل میں شُبہ پیدا ہوا کہ اتنے بڑے نیک انسان کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہہ دیا ہے مگر مَیں نے کہا خدا کے رسول کی بات جُھوٹی نہیں ہوسکتی اور مَیں نے قسم کھائی کہ مَیں اسے چھوڑوں گا نہیں جب تک مَیں اس کا انجام نہ دیکھ لوں۔ چنانچہ مَیں اس کے ساتھ رہا اور آخر وہ خودکشی کرکے مَر گیا ـــــ تو بے دین لوگ بھی ملک کی خاطر اور حمیّت کی خاطر اور جاہلیّت کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں کیا کرتے ہیں۔ پس جان اتنی قیمتی چیز نہیں کہ اسے اِس طرح سنبھال سنبھال کر رکھا جائے لیکن جب سینکڑوں سال کی غلامی کے بعد کسی کو آزادی ملے اور سینکڑوں سال کے بعد کسی کو اِس بات کے آثار نظر آنے لگیں کہ خدا تعالیٰ پھر اسلام کی سربلندی کے مواقع بہم پہنچا رہا ہے تو اس وقت بھی اپنے حالات میں تغیّر پیدا نہ کرنا اور غلامی کے احساسات کو قائم رکھنا بڑی

خطرناک بات ہے۔ ہم تو انگریزوں کے زمانہ میں بھی یہ کہا کرتے تھے کہ غلامی اور چیز ہے اور اطاعت اور چیز۔ جب گاندھی کہتا کہ ہم کب تک انگریزوں کے غلام رہیں گے تو مَیں ہمیشہ اس کے جواب میں یہ کہا کرتا تھا کہ مَیں تو انگریزوں کا غلام نہیں میری ضمیر خدا تعالیٰ کے فضل سے اب بھی آزاد ہے اور اگر مجھے جائز رنگ میں ان کا مقابلہ کرنا پڑے تو مَیں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ غرض غلامی کے غلط اور گندے احساسات اس وقت بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے میرے اندر نہیں تھے لیکن دوسرے لوگ اگر ان ہی احساسات کو اب بھی لئے چلے جائیں اور یہ نہ سمجھیں کہ آئندہ ان پر کیا ذمہ داری آنے والی ہے تو یہ بالکل تباہی والی بات ہوگی۔ بہرحال جماعت کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اب ان باتوں کو قطعی طور پر برداشت نہیں کیا جا سکتا۔"

نیز فرمایا:-

"تمہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اب تمہاری وطنی حکومت ہے اور وطنی حکومت اور غیر حکومت میں بڑا بھاری فرق ہوتا ہے۔ ہمارے اصول کے مطابق تو غیر حکومت جو امن دے رہی ہو اس کی مدد کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اور وطنی حکومت کی مدد کرنا تو اس حدیث کے ماتحت آتا ہے کہ "مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ وَعِرْضِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ" جو شخص اپنے مال اور اپنی عزت کا بچاؤ کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہوتا ہے۔ یہ شہادت چاہے اتنی شاندار نہ ہو جتنی دینی جہاد میں جان دینے والے کی شہادت ہوتی ہے لیکن بہرحال یہ ایک رنگ کی شہادت ضرور ہے اور انسان جتنا بھی ثواب حاصل کر سکے اس کے ثواب حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔"

"ایک کرنل نے سُنایا کہ کشمیر میں ایک بڑا سخت مورچہ تھا، مہاراجہ کشمیر کا اس کے متعلق یہ اعلان تھا کہ یہ مورچہ چھ مہینے تک فتح نہیں ہو سکتا۔ یہ ان کی ایک خاندانی جگہ تھی جسے انہوں نے بڑا مضبوط بنایا ہؤا تھا۔ اس نے بتایا کہ ہمیں حکم ہؤا کہ پٹھانوں کو آگے بھیجو۔ اس وقت کابل کی طرف سے پاوندے آئے ہوئے تھے فوجی افسر نے انہیں اپنے ساتھ لیا اور نقشوں سے بتانا شروع کیا کہ فلاں جگہ سے رستہ گذرتا ہے فلاں جگہ نالہ ہے، فلاں رستہ بڑا خطرناک ہے کیونکہ وہاں دشمن نے مائنز بچھائی ہوئی ہیں پہلے اِس طرف سے جانا پھر پہاڑی کے اس طرف چلے جانا پھر اس نالے کو عبور کرنا۔ وہ گھبرائیں کہ یہ اپنی بات کو ختم کیوں نہیں کرتا اور یہ بتاتا کیوں نہیں کہ ہم نے کرنا کیا ہے۔ جب وہ بات کر چکا تو انہوں نے

کہا کہ تم صرف اتنا بتاؤ کہ ہم نے کرنا کیا ہے؟ اس نے کہا فلاں قلعہ پر قبضہ کرنا ہے۔ انہوں نے کہا بس اتنی بات تھی تم نے خواہ مخواہ ہمارا اتنا وقت ضائع کیا۔ اس کے بعد وہ سیدھے اس قلعہ کی طرف چل پڑے، پندرہ بیس گز گئے تھے کہ دشمن کو علم ہو گیا اور اس نے فائرنگ شروع کر دی۔ ان کے چالیس پچاس آدمی وہیں ڈھیر ہو گئے۔ اس پر انہوں نے ان لاشوں کی اوٹ میں آگے بڑھنا شروع کر دیا پھر کچھ مرے تو انہوں نے ان کی لاشوں کو آگے رکھ لیا اس طرح وہ اپنی لاشوں کو پناہ بناتے ہوئے ہی آگے بڑھتے چلے گئے اور جس قلعہ کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وہ چھ مہینے تک فتح نہیں ہو سکتا اُس قلعہ پر شام کے وقت ہمارا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اس کرنل نے بتایا کہ وہ اتنی دلیری سے آگے بڑھے کہ ہمیں دیکھ کر حیرت آتی تھی۔ ہم ان سے کہتے کہ دشمن سے چھپو اور وہ ناچنے لگ جاتے اور کہتے کہ ہم تو حملہ سے پہلے ناچا کرتے ہیں۔ یہ دنیوی چیزیں ہیں جو ایمان کے نہ ہوتے ہوئے بھی مختلف قوموں میں پائی جاتی ہیں۔ اگر یہ پہلی چیزیں ہی ہمارے اندر نہیں پائی جاتیں تو اگلی خوبیاں ہم میں کہاں ہو سکتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ دُنیادار لوگ جتنی قربانیاں کرتے ہیں وہ ایک چھوٹا پیمانہ ہوتا ہے جس کو دیکھتے ہوئے مومن اپنی آئندہ ترقی کی عمارت تیار کرتا ہے۔ اگر نئی عمارت بنانے کی بجائے ہم اس پیمانہ کی قربانیاں بھی نہ کریں جس پیمانہ کی قربانیاں عام دُنیادار لوگ کیا کرتے ہیں تو ہم سے زیادہ اپنے دعووں میں جھوٹا اَور کون ہو سکتا ہے۔ پس آپ لوگ اچھی طرح سمجھ لیں کہ اب یہ غفلت زیادہ دیر تک برداشت نہیں کی جا سکتی۔ دنیا میں کبھی بھی مذہب نے قربانی کے رستوں کے بغیر ترقی نہیں کی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صاف طور پر فرماتا ہے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم کو وہ تکلیفیں نہیں پہنچیں گی جو پہلے لوگوں کو پہنچی ہیں۔ اگر تم ایسا خیال کرتے ہو تو یہ تمہاری غلطی ہے۔ اب دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں یا تو تم یہ سمجھو کہ قرآن نعوذ باللہ جھوٹا ہے اس نے یُوں ہی ایک گپ ہانک دی ہے اور یا تم یہ سمجھو کہ احمدیت جھوٹی ہے اس نے ترقی ہی نہیں کرنی پھر اس کے لئے جان کی قربانی کی کیا ضرورت ہے۔ اور اگر قرآن نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے اور اگر احمدیت بھی سچی ہے تو لازماً اپنے ملک کی عزت کی حفاظت کے لئے اِس وقت جو موقع پیدا ہوا ہے اِس میں تمہیں حصّہ لینا پڑے گا کیونکہ یہ تغیر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ترقی کے لئے پیدا کیا ہے ہم نہیں جانتے کہ اسلام کی آئندہ ترقی کے لئے زیادہ قربانیاں ہم کو ہندوستان میں دینی ہوں گی یا افریقہ میں لیکن فرض کرو افریقہ میں پیش آتی ہیں تو وہاں کے احمدی ہمارا نمونہ دیکھیں گے اگر ہم اس وقت اپنی جانوں کو قربان کرنے

کے لئے آگے بڑھیں گے تو ہم ان سے کہہ سکیں گے کہ پاکستان میں ہم کو دینی جہاد کا موقع تو نہیں ملا لیکن ہماری دنیوی حکومت پر یا ہمارے ملک اور ہماری قوم پر جب حملہ ہوا تو ہم نے اس کی حفاظت کے لئے اپنی جانوں کو قربان کر دیا ہے۔ یہ نمونہ ہے جس سے وہ سبق سیکھیں گے اور اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لئے آگے بڑھیں گے۔" ؎

تبلیغِ اسلام کیلئے جدید لٹریچر تیار کرنیکی تحریک

چونکہ دُنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں میں تحریکِ احمدیت کا اثر و نفوذ تیزی سے بڑھ رہا تھا اس لئے حضرت امیرالمؤمنین المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی نے اسی مجلسِ شوریٰ میں نئی ضروریات اور حالات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے جدید لٹریچر تیار کرنے کے لئے ایک مفصل سکیم جماعت کے سامنے رکھی جو یہ تھی۔ فرمایا :۔

"ہمارا سلسلہ اِس وقت مختلف ممالک میں پھیل رہا ہے اور لوگ ہم سے لٹریچر کا مطالبہ کرتے ہیں مگر ہمارے پاس کوئی لٹریچر ایسا نہیں ہوتا جو اُن کی ضروریات کو پورا کرنے والا ہو۔ ابتدائی زمانہ میں احمدیت صرف ہندوستان میں محدود تھی اور یہاں زیادہ تر اِن مسائل کا چرچا تھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ ہیں یا نہیں، دجّال کسے کہتے ہیں، یاجوج ماجوج سے کیا مُراد ہے، آنیوالے مسیح اور مہدی کی علامات کیا ہیں، جہاد کا کیا مسئلہ ہے۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے مسائل پر جماعت نے لٹریچر شائع کیا۔ اس کے بعد احمدیت انگلستان میں پھیلی تو عیسائیوں کے مخصوص مسائل کو مدِّنظر رکھتے ہوئے انگریزی لٹریچر شائع کیا گیا لیکن اب ہماری جماعت ایسے ملکوں میں پھیل رہی ہے جن میں اُردو تو نہیں بولی جاتی لیکن وہاں مسائل وہی ہیں جو ابتدائی زمانۂ احمدیت میں ہمیں پیش آئے یعنی دجّال سے کیا مُراد ہے، مسیح ناصریؑ نے آنا ہے یا نہیں، جہاد کی کیا حقیقت ہے، مسیح اور مہدی کی پیشگوئیاں کس طرح پوری ہوئی ہیں۔ ایسٹ افریقہ، ویسٹ افریقہ، انڈونیشیا، ماریشس، مڈغاسکر اور عرب ممالک میں یہی مسائل پوچھے جاتے ہیں۔ اور جب وہ ہم سے کہتے ہیں کہ لاؤ اپنا لٹریچر تو ہم ان کے سامنے اپنا لٹریچر پیش کر دیتے ہیں جن میں ان مسائل کا تفصیلی طور پر کوئی ذکر نہیں ہوتا۔ پس جہاں ہمیں جدید لٹریچر کی ضرورت ہے وہاں ہم نے اپنے پُرانے لٹریچر کو کہیں عربی زبان میں بدلنا ہے، کہیں

؎ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۹ھ ش / ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۴، صفحہ ۲۰۔

انڈونیشین میں بدلنا ہے، کہیں افریقن میں بدلنا ہے اور اس کے لئے بڑی بھاری جدوجہد اور کوشش کی ضرورت ہے۔ یہ ایک بہت بڑا علمی کام ہے جو ہماری جماعت نے سرانجام دینا ہے "

"اگر تم صحیح معنوں میں کام کرنا چاہتے ہو تو پہلے تم یہ فیصلہ کرو کہ تم نے کرنا کیا ہے؟ اور جماعت کو اس وقت کن مسائل پر قلم اُٹھانے کی ضرورت ہے مگر یہ تو کبھی فیصلہ ہی نہیں ہوتا اور جو جی میں آجائے اس کے متعلق اشتہار ہو جاتا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک بہت بڑا نقص ہے جس کا ازالہ ہونا چاہیئے اور مَیں صدر انجمن احمدیہ کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ فوراً اس غرض کے لئے ایک کمیٹی مقرر کرے اس کمیٹی کے نصف ممبر تحریکِ جدید کے ہوں اور نصف ممبر صدر انجمن احمدیہ کے ہوں، اِس کمیٹی کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اپنے کام کی ہفتہ وار رپورٹ میرے سامنے پیش کرے۔ اِس کمیٹی کا یہ کام ہوگا کہ وہ سلسلہ احمدیہ کا قدیم اور جدید لٹریچر شائع کرنے کے لئے ایک مفصّل سکیم تیار کرے جو میرے سامنے پیش کی جائے اور پھر منظور شدہ لائنوں پر جماعت کے لئے لٹریچر مہیا کرے۔ اِس غرض کے لئے کمیٹی کا سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ وہ تمام ممالک کی ایک لسٹ تیار کرے اور پھر ان زبانوں کی ایک لسٹ تیار کرے جو ان ممالک میں بولی جاتی ہیں۔ اور پھر یہ جائزہ لے کہ ہر ملک کے لوگوں کے لئے کس قسم کے لٹریچر کی ضرورت ہے اور کون کون سے مسائل مخصوصہ ہیں جن کے لئے وہ لوگ ہم سے لٹریچر کا مطالبہ کرسکتے ہیں یا جن مسائل میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان کی راہنمائی کریں۔ اِس طرح یہ بھی غور کیا جاوے کہ اس وقت ہندوستان اور پاکستان کے لوگ کن کن مسائل کو زیرِ بحث لاتے ہیں اور پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ آیا اس مقصد کے لئے ہمارے پاس کوئی سابق لٹریچر موجود ہے یا نہیں، اگر ہے تو کون کون سا ہے پھر اِس امر پر بھی غور ہونا چاہیئے کہ ہمارے پہلے لٹریچر میں کون کون سے مسائل پر زیادہ تفصیلی مواد موجود ہے جس کا خلاصہ شائع کرنے کی ضرورت ہے اور کن مسائل پر ہمارے پاس کم مواد ہے جن پر تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے۔ تمام اُمور پر غور کرنے کے بعد عملی کام شروع کیا جائے اور نہ صرف جماعت کو بلکہ غیر ممالک کے لوگوں کو بھی ان کی زبانوں میں لٹریچر مہیا کیا جائے۔" [1]

حضرت مصلح موعودؓ کا سفرِ کوئٹہ و سندھ اور بعض خاص علمی تقریبات

حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ نے اِس

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء صفحہ ۲۳ تا صفحہ ۲۵۔

سال بھی دینی وجماعتی اغراض کے لئے کوئٹہ اور سندھ کا سفر کیا حضور معہ افرادِ قافلہ ۵ر احسان (جون) کو لاہور سے عازمِ کوئٹہ ہوئے[۱] جہاں آپ دو ماہ قیام فرما رہے۔ پھر ۹ر ظہور (اگست) کو سندھ روانہ ہوئے[۲] اور ۱۳ر ظہور (اگست) کو سندھ اسٹیٹس کا دورہ ختم کرکے یکم تبوک (ستمبر) کو حیدرآباد اور ۲ر تبوک (ستمبر) کو کراچی میں رونق افروز ہوئے[۳] اور مسیح موعودؑ کے دلی محبّوں اور دیگر بے شمار بندگانِ الٰہی کو اپنے علومِ ظاہری و باطنی سے فیضیاب کرکے ۱۲ر تبوک (ستمبر) کو لاہور تشریف لائے[۴]

یُوں تو اِس للّٰہی اور مبارک سفر کا ایک ایک دن برکاتِ سماوی کے نزول کا باعث تھا مگر اسکے دَوران بعض ایسی خاص علمی تقریبات کا انعقاد بھی ہوُا جس نے اس سفر کی افادیت کو مستقل اور دائمی حیثیت دے دی جن کا ذکر آئندہ سطور میں کیا جاتا ہے۔

کوئٹہ میں درس القرآن

حضرت مصلح موعودؓ کے سفرِ کوئٹہ[۵] کی بڑی غرض یہ تھی کہ ایک تو آپ رمضان کے روزے زیادہ سہولت سے رکھ سکیں۔ دوسرے قرآن کریم کے چند پاروں کے نوٹ مجلس میں بیٹھ کر لکھوا دیں تاکہ احبابِ جماعت بھی فائدہ اُٹھالیں اور پھر یہ نوٹ صاف ہونے کے بعد ان دوستوں کو بھجوا دیئے جائیں جو انگریزی ترجمہ قرآن کو ایڈٹ کر رہے تھے کیونکہ پچھلا درس ختم ہو چکا تھا۔ پندرہ پارے انگریزی تفسیر قرآن کے شائع ہو چکے تھے اور مزید مضمون کا تقاضا کیا جا رہا تھا[۶] چنانچہ یکم رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۷ر جون ۱۹۵۰ء کو ایک لمبی دعا کے بعد سورہ مریم سے درس قرآن کریم کا آغاز کیا جو وجع المفاصل اور درد نقرس کے شدید حملہ کے باوجود بارہ روز تک مسلسل جاری رہا اور رمضان المبارک کے اختتام پر بھی درس دیا[۷]

جلسۂ عام سے حقیقت افروز خطاب

درس کے علاوہ حضور نے سات خطبات دیئے اور مجلس خدام الاحمدیہ کوئٹہ اور لجنہ اماء اللہ کوئٹہ کے اجتماعات میں بھی تقریر کی نیز یکم ظہور (اگست) کو ایک جلسۂ عام سے بھی خطاب فرمایا جس میں سول

---

[۱] تا [۴] الفضل ۶ر احسان، ۲۷ر ظہور، ۱۳ر تبوک، ۲۲ر تبوک ھ ۱۳۲۹ھش ✦ [۵] سفرِ کوئٹہ کے ضروری کوائف مولانا محمد یعقوب صاحب طاہرؓ نے الفضل ۲۷ر ظہور ھ ۱۳۲۹ھش / اگست ۱۹۵۰ء میں شائع کر دئے تھے جن سے مخلصینِ جماعتِ احمدیہ کوئٹہ کی اپنے امام ہمام سے والہانہ عقیدت و الفت کا بھی پتہ چلتا ہے ✦

[۶] الفضل ۲۴ر احسان ھ ۱۳۲۹ھش صفحہ ۶ ✦ [۷] الفضل ۲۷ر ظہور ھ ۱۳۲۹ھش ✦

اور ملٹری کے اعلیٰ افسر بھی شامل تھے۔

حضورؓ نے اپنے خطاب میں درج ذیل دو سوالات کے نہایت شرح و بسط سے جواب دیئے:۔

۱ ۔ احمدی مسلمان دوسروں کے ساتھ نمازیں کیوں نہیں پڑھتے ؟

۲ ۔ احمدیت مسلمانوں کے لئے کیا مستقبل پیش کرتی ہے ؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے حضور نے مذہبی، عقلی، واقعاتی اور عملی پہلوؤں کے اعتبار سے اس کے مدلل اور عارفانہ جواب دئے۔

چنانچہ حضور نے فرمایا یہ سوال اپنے اندر کئی پہلو رکھتا ہے جن میں سے ایک اس کا مذہبی پہلو ہے ہمارا بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ ان پیشگوئیوں کے مطابق دنیا میں مبعوث ہوئے ہیں جو مسیح و مہدی کی آمد کے متعلق اسلام میں پائی جاتی تھیں۔ یہ سوال الگ ہے کہ ان کا دعویٰ صحیح تھا یا غلط بہرحال جب ہم انہیں مسیح و مہدی تسلیم کرتے ہیں تو لازماً ہم سے انہی باتوں کی امید کی جائے گی جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے آنے والے کے متعلق بیان فرمائی ہیں۔ اور جب ہم احادیث کو دیکھتے ہیں تو ان میں ہمیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نظر آتا ہے کہ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ تم اس وقت کیسے اچھے حال میں ہوگے جب مسیح تم میں نازل ہوگا اور اس وقت تمہیں نمازیں پڑھانے والا تم ہی میں سے ہوگا۔ دوسری روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ تمہاری نماز کی امامت ایسا شخص کرے گا جو تم میں سے ہوگا۔ اب اس کے دو ہی معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ مسلمانوں کو اس وقت مسلمان ہی نماز پڑھایا کریں گے اور دوسرے یہ کہ مسیح کی جماعت کو مسیح کے پیرو ہی نمازیں پڑھایا کریں گے۔ پہلے معنی ایسے ہیں جو یہاں چسپاں نہیں ہوسکتے ہیں کیونکہ یہ کہنا کہ مسلمانوں کو مسلمان ہی نمازیں پڑھایا کریں گے اس کے یہ معنی ہیں کہ گویا پہلے عیسائی اور یہودی اور زرتشتی بھی ان کے امام ہوا کرتے تھے مگر مسیح کے آنے کے بعد صرف مسلمان ہی نمازیں پڑھایا کریں گے۔ پس یہ معنی تو بالبداہت باطل ہیں لازماً اس کے دوسرے معنی ہی ہوسکتے ہیں کہ مسیح کو ماننے والوں کا امام انہی میں سے ہوگا۔ پس یہ تو سوال ہوسکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب مسیح موعود ہیں یا نہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اگر وہ مسیح موعود ہیں تو ان کی جماعت دوسروں کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتی یا پھر یہ بحث ہوسکتی ہے کہ یہ حدیث غلط ہے یا یہ کہ اس کا کچھ اَور مطلب ہے مگر نماز کا مطالبہ نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ تم

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بات کیوں مانتے ہو۔ دوم، رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امام وہ ہو جو اُتقیٰ ہو۔ اِس حکم کی موجودگی میں بھی یہ مطالبہ خلافِ عقل ہے کیونکہ جماعتِ احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ایک مامور پر ایمان رکھتی ہے اور جب اس کا یہ عقیدہ ہے تو لازمی طور پر اسے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ دوسروں سے تقویٰ میں، طہارت میں اور پاکیزگی میں افضل ہے اور جب جماعتِ احمدیہ کے لوگ دوسروں سے اتقی ہوئے اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ امام وہ ہونا چاہیئے جو اتقیٰ ہو تو یہ کس طرح مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ اتقیٰ شخص دوسروں کے پیچھے نماز پڑھے۔ آخر وہ اپنے عقیدہ کے مطابق مسیح و مہدی پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیا مسیح و مہدی کو ماننے والے کا اتنا بھی حق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو اتقیٰ سمجھے۔"

حضور رضؓ نے فرمایا:۔

"اِس مسئلہ کا ایک عقلی پہلو بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ الف :۔ ہر مامور کو ماننے والے ابتداء میں تھوڑے ہوتے ہیں، تھوڑے ماننے والے کثرت سے ملیں تو اپنا جوہر کھو بیٹھتے ہیں۔ پس ان کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے الگ رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے حکم دیا ہے کہ کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ تم ہمیشہ سچوں کے ساتھ بیٹھا کرو کیونکہ انسان اپنے ہم جلیس کے اخلاق اور اس کی عادات کو اختیار کر لیتا ہے۔

ب :۔ پھر مامور کا سوال بھی جانے دو کم از کم اتنا تو ہر ایک شخص تسلیم کرتا ہے کہ احمدی جماعت دُنیا بھر میں تبلیغ کرتی ہے اور اس میں وہ دوسروں سے ہزاروں گُنے زیادہ ہے اگر وہ دوسروں میں جذب ہو جائے تو یہ خدمتِ اسلام ختم ہو جائے گی اور جس طرح اَور لوگ اپنی طاقتوں اور اپنے روپیہ کو دنیوی کاموں میں صرف کر رہے ہیں وہ بھی دنیوی کاموں پر روپیہ وغیرہ صرف کرنے لگ جائے گی۔ پس اِس نیکی اور خدمتِ اسلام کا بھی تقاضا ہے کہ احمدی دوسروں سے الگ رہیں۔

ج :۔ یہ تو احمدی جماعت سے اُمید نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے آپ کو جھوٹا کہے وہ بہر حال اپنے آپ کو سچا کہے گی اور وہ اپنے آپ کو سچا کہتی ہے تو اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اس سچ کو ہر ایک تک پہنچائے۔ اب اس کے لئے کوئی طبعی ذرائع ہونے چاہیئے تھے تاکہ لوگوں کو احمدیت کے بارے میں سُننے کا شوق پیدا ہو۔ نماز وغیرہ مسائل ہی ہیں جو لوگوں کو ادھر توجہ دلاتے ہیں۔ جب لوگ دیکھتے ہیں کہ یہ

ہمارے ساتھ نمازیں نہیں پڑھتے تو ہر ایک کے دِل میں خیال پیدا ہوتا ہے مَیں ان کو سمجھاتا ہوں اور جب وہ ہمارے پاس آتے ہیں تو ہماری تبلیغ کا رستہ کُھل جاتا ہے اور اِس طرح سینکڑوں بلکہ ہزاروں لوگوں کو احمدیت کی واقفیت ہو جاتی ہے۔"

تقریر جاری رکھتے ہوئے حضورؓ نے فرمایا:۔

"اِس مسئلہ کا ایک واقعاتی پہلو بھی ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے علماء کے فتویٰ کفر کے کئی سال بعد تک نماز کو منع نہیں کیا بلکہ خود بھی ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے مگر علماء اپنے فتویٰ کی شدت میں بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنی مسجدوں پر لکھ کر لگا دیا کہ "اِس مسجد میں کُتّے مرزائی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں" جس جگہ احمدیوں کا پیر پڑ جاتا اسے ناپاک سمجھا جاتا اور پانی سے دھویا جاتا۔ کئی جگہ مسجدوں کی صفیں اِس لئے جلا دی گئیں کہ ان پر کسی احمدی نے نماز پڑھ لی تھی۔ جب انہوں نے اس معاملہ کو انتہا تک پہنچا دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی حکم دے دیا کہ اب ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے جیسے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم مکّہ میں بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے پھر مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی سترہ مہینے تک آپ نے بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نمازیں پڑھیں مگر یہودی اور عیسائی ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ ہم سے ڈر کر اس طرف نمازیں پڑھی جاتی ہیں آخر خدا نے بیت اللہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے دیا۔ اس پر یہود نے شور مچا دیا کہ دیکھو کتنا بڑا ظلم ہے اتنا پرانا قبلہ تھا مگر اسے چھوڑ دیا گیا۔ گویا جب تک بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے نعوذ باللہ ڈرپوک کہلائے اور جب چھوڑا تو ظالم بن گئے۔ یہی حالت علماء کی ہے کئی سال تک ہماری جماعت انکے پیچھے نمازیں پڑھتی رہی مگر یہ لوگ یہی کہتے رہے کہ احمدی اتنے ناپاک ہیں کہ اگر یہ مسجد میں بھی داخل ہو جائیں تو مسجد کو صاف کرنا چاہیئے۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے پیچھے نمازیں پڑھنے سے حکماً منع کر دیا۔ پس جب خود علماء نے ہمارے خلاف فتوے دئے ہیں اور اب تک انہوں نے اپنے فتووں کو واپس نہیں لیا تو احمدیوں پر کیا الزام ہے۔

۲۔ حضور نے فرمایا علماء کی طرف سے جو سلوک احمدی جماعت سے ہوتا رہا ہے وہ بھی اس مطالبہ کو جائز نہیں کرتا۔ نماز علماء پڑھاتے ہیں اور ان کا یہ حال ہے کہ شروع سے ہمیں دُکھ دیتے چلے آئے ہیں سب سے پہلے احمدیوں کے واجب القتل ہونے کا انہوں نے فتویٰ دیا۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ

والسلام پر دہلی اور امرتسر میں پتھراؤ کیا گیا۔ لاہور میں آپ کی وفات پر بدترین نمونہ دکھایا گیا اور مصنوعی لاش بنا کر اس پر پاخانہ پھینکا گیا، جوتیاں ماری گئیں اور احمدیوں کی شدید دل آزاری کی گئی۔ ہم اس سلوک کی پرواہ نہیں کرتے لیکن جب ہم سے اس قسم کے سوالات کئے جاتے ہیں تو ہمیں یہ باتیں یاد آجاتی ہیں۔ پھر مجھ پر سیالکوٹ میں پتھر برسائے گئے، میرے قتل کی تدبیریں کی گئیں، کابل میں ہمارے احمدیوں کو سنگسار کیا گیا، مصر میں ہمارے ایک احمدی کو شہید کیا گیا۔ گذشتہ سال اسی کوئٹہ میں ڈاکٹر میجر محمود کو خنجر مار کر شہید کر دیا گیا۔ کیا اس کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے ساتھ نمازیں کیوں نہیں پڑھتے۔ کیا یہ سلوک نماز پڑھانے کی ہی تمہید ہے؟

اِس کے بعد حضور نے فرمایا اِس مسئلہ کا ایک عملی پہلو بھی ہے۔ کوئی بتائے کہ کیا مسلمانوں پر کبھی کوئی مصیبت آئی ہے جس پر ہم نے ان کا ساتھ نہ دیا ہو یا احمدی قومی کاموں میں دوسروں سے پیچھے رہے ہوں۔ ملکانہ میں ارتداد ہوا تو ہم پہنچے، بہار کے فسادات میں ہم نے مسلمانوں کی مدد کی، پنجاب کے فسادات میں ہم نے مسلمانوں کی مدد کی، مسلم لیگ کی ہم نے مدد کی، مشرقی پنجاب کے فسادات کے دوران ہم نے مسلمانوں کی مدد کی۔ ان حالات میں نماز پڑھ لینے سے کیا فرق پڑ جائے گا اور اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ آخر غرض تو یہی ہے کہ اختلافِ عقائد کے باوجود مسلمان سے اتحاد رکھیں اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہم ہمیشہ اس میں حصہ لیتے رہے ہیں پھر کونسی نئی تبدیلی ہے جو اس مسئلہ سے پیدا ہو جائے گی۔

حضور نے فرمایا:۔ اِس مسئلہ کا ایک سیاسی پہلو بھی ہے۔ قومی کام ایک ایک فرد یا جماعت میں تقسیم ہوتے ہیں۔ فوج سے فوجی بات کر سکتے ہیں، پولیس سے پولیس والے اور مجسٹریٹ سے مجسٹریٹ۔ نماز ایک مذہبی عقیدہ ہے اور اس کی امامت علماء کے سپرد ہے پس وہی حق رکھتے ہیں کہ اس کا تصفیہ کریں۔ تعجب ہے کہ ایک فوجی افسر سے اگر فوجی امور کے تصفیہ کے لئے کوئی دوسرا بات کرے تو وہ کہیں گے یہ فوجی امر ہے۔ بالمقابل فوجی افسر بات کرے لیکن نماز کا تصفیہ ایک فوجی افسر جسے قوم کی طرف سے بولنے کا حق نہیں، ایک سیاسی لیڈر جسے قوم کی طرف سے مذہبی فیصلہ کا اختیار نہیں وہ تصفیہ چاہتا ہے حالانکہ یہ امر دونوں فریق کے علماء میں طے ہو سکتا ہے۔ پس آپ اپنے علماء میں تحریک کریں کہ وہ احمدیوں سے کہیں کہ ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں آپ ہمارے پیچھے نماز پڑھیں۔ ان کی طرف سے یہ سوال اُٹھایا جائے تو جماعت کے علماء ان سے بات کر سکتے ہیں ورنہ تعلیم یافتہ طبقہ میں سے کونسا شخص

ہے جو یہ کہے کہ میں تمام پاکستان کی مساجد کا ذمہ دار ہوں کہ وہاں کے علماء احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھیں گے احمدی ان کے پیچھے نماز پڑھیں۔ نہ وہ ایسا دعویٰ کر سکتے ہیں نہ ان کی بات علماء مانیں گے۔ پھر ایسا مطالبہ جو وہ خود اپنے علماء سے نہیں منوا سکتے کس طرح تقویٰ کے مطابق ہو سکتا ہے۔ آخر قومی کام قوم کے نمائندے کرتے ہیں اور نمائندے بھی اس محکمہ کے جس سے وہ سوال تعلق رکھتا ہو پس جو نمائندہ نہیں اور دین کے بارہ میں علماء کا نمائندہ نہیں اسے ایسی باتیں ہی نہیں کرنی چاہئیں منصف مزاج آدمی کو اگر کوئی بات غلط معلوم ہوتی ہے تو پہلے وہ اپنی قوم سے غلطی منواتا ہے پھر دوسرے فرقہ کی طرف توجہ کرتا ہے۔

اپنی معرکۃ الآرا تقریر کے دوسرے حصہ میں حضور نے فرمایا:۔

دوسرا سوال یہ کیا گیا ہے کہ احمدیت مسلمانوں کے لئے کیا مستقبل پیش کر سکتی ہے میرے نزدیک یہ سوال صحیح الفاظ میں پیش نہیں کیا گیا۔ احمدیت کوئی نیا دین نہیں کہ اس نے کوئی نیا پروگرام بنانا ہے احمدیت تو اسلام کی ترقی کی ایک کڑی ہے۔ فوجی محکمہ بالا ایک سکیم بناتا ہے اس کے حصے وہ مختلف افسروں کے سپرد کرتا ہے ہر افسر اپنے اپنے حصہ اور اپنے وقت کو پورا کرتا ہے۔ اجزاء بدلتے جاتے ہیں مگر سکیم ایک ہی رہتی ہے کیونکہ ہر نیا جزو پرانی سکیم کا ایک حصہ ہوتا ہے نئی شے نہیں ہوتی پس سوال یہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کا کیا مستقبل اس زمانہ کے بارہ میں تجویز کیا ہے جسے پورا کرنے کے لئے احمدیت کھڑی ہوئی ہے۔ حضور نے فرمایا مستقبل خدا تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مقرر کر سکتے ہیں۔ مرزا صاحب ایک نائب کمانڈر ہیں ان کا اور ان کی جماعت کا کام یہ ہے کہ کمانڈر کی مقرر کی ہوئی سکیم کو جاری کریں اور کامیابی تک پہنچائیں۔ فوجی یہ سمجھ لیں کہ خدا تعالیٰ بادشاہ ہے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چیف آف دی جنرل سٹاف ہیں اور مرزا صاحب لوکل کمانڈر ہیں مگر چونکہ یہ کمان جگہ کی بجائے وقت میں پھیلی ہوئی ہے۔ لوکل کمانڈر کو اصولی پلین چیف آف دی جنرل سٹاف سے آتی ہے تفصیلات ان کے مطابق وہ خود طے کرتا ہے۔ حضور نے فرمایا:۔ دعائے ابراہیمی میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ کام بتایا گیا ہے کہ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ[1] گویا تعلیم آیات، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ (یعنی پاک کرنا اور اسلام کو پھیلانا) یہ تعلیم ہے جو مختلف زمانوں کے لحاظ سے تفصیلات میں تو بدلے گی لیکن اصول وہی رہیں گے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیشہ جو کمانڈر آئے ان کا کام یہ تھا کہ لوگوں کو اسلام پر قائم رکھیں یا دوسرے

---

[1] البقرہ: ۱۲۹

لفظوں میں یُوں کہو کہ ملک کی حفاظت کریں لیکن پھر ایک ایسا زمانہ آیا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسلمانوں کی توجہ ہٹ گئی اور اس کے نتیجہ میں انہیں دنیوی شکست بھی پہنچی، دشمن غالب آگیا اور چھا گیا۔ اب اس زمانہ کے مامور کا پروگرام یہ ہے کہ تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ پھر سے کرے اور اسلام کی ترقی کے لئے پھر سے سکیم بنائے سو اس نے تلاوت آیات اور تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کی اور اس کی جماعت ایسا کر رہی ہے۔ حضور نے فرمایا:۔ قومیں ہمیشہ آئیڈیئز سے ترقی کرتی ہیں حضرت مرزا صاحب نے مسلمانوں کے سامنے آئیڈیئز رکھ دیئے ہیں جن سے مسلمانوں کے لئے ترقی کرنے کا امکان پیدا ہو گیا ہے مثلاً حضرت مرزا صاحب نے مندرجہ ذیل عظیم الشّان اُصول پیش کئے ہیں جن کو مان کر مسلمان دشمن کے رُوحانی حملہ سے بچ جاتا ہے اور دشمن اس کے آگے آگے بھاگتا ہے:۔

۱ ۔ قرآن کریم کا کوئی حصّہ منسوخ نہیں۔

۲ ۔ قرآن کریم اپنے اندر شاندار ترتیب رکھتا ہے۔

۳ ۔ الہامِ الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کُھلا ہے۔

۴ ۔ مسلمان رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شاگردی اور اتباع میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجے حاصل کر سکتا ہے۔

۵ ۔ نبی معصوم ہوتے ہیں خصوصاً نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بالکل معصوم تھے اور آپ پر دشمن کے ہر قسم کے اعتراضات باطل ہیں۔

۶ ۔ مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔

۷ ۔ مسیح علیہ السلام کی طرف خدائی صفات منسوب کرنا غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے معجزات ہرگز نہیں دکھائے جاتے جو صفاتِ الٰہیہ کے خلاف ہوں۔

اِن تمام پہلوؤں پر حضور نے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا اِس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے حضرت مرزا صاحبؑ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مسلمان اپنی اپنی جگہ اپنے بچاؤ کی تو بے شک کوشش کریں لیکن چونکہ اس وقت ان کے خلاف مذہبی جنگ نہیں کی جاتی اِس لئے غیر ادیان سے اس وقت تبلیغی جنگ کی جائے گی اور تبلیغ سے ہی اسلام کو سب دنیا میں پھیلایا جائے گا۔ پس اِس وقت مسلمان اگر دنیا پر

غالب آسکتے ہیں تو تبلیغ کے ذریعہ ہی مگر افسوس مسلمان اس چیز کو بھول گئے ہیں جو اُن کے غلبہ کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ یہ سنقبل ہے جو مرزا صاحب نے پیش کیا ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہی وہ حربہ ہے جس سے اسلام اِس وقت ساری دُنیا میں غالب آسکتا ہے۔ [1]

کوئٹہ کے غیر متعصب اور متین غیر احمدی طبقہ نے یہ پُرمعارف اور مدلّل لیکچر بہت پسند کیا اور تسلیم کیا کہ امام جماعتِ احمدیہ نے اپنی جماعت کا موقف نہایت خوش اسلوبی سے صحیح ثابت کر دکھایا ہے چنانچہ شیخ کریم بخش صاحبؓ نائب امیر جماعتِ احمدیہ[2] کوئٹہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی خدمت میں لکھا کہ:-

"حضور کی کل کی تقریر سے پبلک پر بہت اچھا اثر ہوا ہے اور میں نے کئی غیر احمدیوں سے سُنا ہے کہ آج ہمیں احمدیت کے متعلق پورا علم ہوا ہے۔ ہمارے ایک غیر احمدی مہمان شیخ عبدالرحمٰن صاحب نے بھی جلسہ میں کہہ دیا تھا کہ حضرت صاحب بہت ذہین اور عالم بزرگ ہیں اور ان پر بفضلِ خدا بہت اچھا اثر ہوا ہے۔ لوگوں نے بہت دلچسپی سے حضور کے لیکچر کو سُنا حالانکہ مجلس میں بہت سے کٹر شیعہ سُنّی اور اہلِ حدیث موجود تھے۔ بندہ کا تو یہ خیال ہے کہ احمدیت کے متعلق کوئٹہ میں پہلا مؤثر لیکچر ہے جو حضور نے فرمایا اور عام پبلک میں بخوبی مقبول عام ہوا۔" [3]

اِسی ضمن میں بعض غیر از جماعت معززین کے تاثرات ملاحظہ ہوں:-

۱۔ کیپٹن محمد اظہر حسن انصاری صاحب:-

"نہایت بصیرت افروز لیکچر تھا۔ مجھے ان لوگوں پر جو دورانِ لیکچر میں اُٹھ رہے تھے (گو وہ نمازِ عصر کے لئے اُٹھے تھے) سخت غصہ آرہا تھا۔ میں اس سے بہت محظوظ ہوا۔

۲۔ لیفٹیننٹ سیّد احمد شجاع زیدی (فرید آبادی):-

"اِس لیکچر کا خوب لطف آیا"

۳۔ جمعدار محمد ہاشم صاحب:-

"شرافت کا تقاضا ہے کہ خواہ ہم انکار کریں صداقت صداقت ہی ہے۔ MESS میں جا کر کئی ایک

---

[1] (ملخص) الفضل لاہور ۹ ظہور ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء صا۳ تا صا۵ ٭ [2] ان دنوں میاں بشیر احمد صاحب پاسپورٹ آفیسر امیر جماعت کے فرائض انجام دے رہے تھے ٭ [3] مکتوب محررہ ۲ ظہور ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء ٭

جمعدار صوبیدار صاحب رات بارہ بجے تک خوب اس لیکچر پر بحث کرتے رہے سوائے ایک دو کے جو مخالف تھے باقی بہت مداح تھے۔ نماز الگ پڑھنے کے دلائل ہر طرح سے نہایت مسکت تھے۔ مجھے لیکچر سے نہایت ہی روحانی خوشی حاصل ہوئی۔"

۴۔ مسٹر غلام احمد منشی (سویلین آفیسر۔ اصل وطن پونا) :۔

"یہ لیکچر سُنکر میں ان لوگوں کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا جو محض دشمنی کی وجہ سے جماعتِ احمدیہ کی مخالفت کرتے اور گالیاں بکتے ہیں۔ لیکچر نہایت عمدہ تھا اور میں نے بہت پسند کیا۔"

۵۔ مسٹر محمد صادق صاحب پراچہ (سویلین آفیسر۔ اصل وطن میانی ضلع شاہ پور) :۔

"لیکچر بہت عمدہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں میں آپ کی جماعت کی تنظیم بہترین ہے۔"

۶۔ مسٹر نصیر الدین حیدر (سویلین آفیسر۔ اصل وطن یوپی) :۔

"مضمون بہت اچھا تھا۔ حضور کے علم کی وسعت اور قابلیت میں ذرا بھر کلام نہیں۔" [1]

حیدرآباد میں اسلام اور کمیونزم کے موضوع پر لیکچر

یکم تبوک ۱۳۲۹ھش / ستمبر ۱۹۵۰ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے حیدرآباد کے تھیوسافیکل ہال میں اسلام اور کمیونزم کے موضوع پر ایک حقیقت افروز لیکچر دیا جو قریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہا۔

صدرِ جلسہ مکرم محمد حافظ صاحب بار ایٹ لاء ریٹائرڈ اے۔ ڈی۔ ایم و ڈپٹی کلکٹر تھے۔ حضور نے اسلام اور کمیونزم کے اختلاف پر تفصیلی طور پر روشنی ڈالتے ہوئے مندرجہ ذیل نکات بیان فرمائے :۔

اوّل :۔ اسلام کی بنیاد ایک ایسے خدا کی ذات پر ہے جو زندہ اور فعال ہے لیکن کمیونزم کے بانی اپنی کتب میں واضح طور پر کہتے ہیں دُنیا کا کوئی خدا نہیں بلکہ وہ خدا تعالیٰ سے تمسخر کرتے ہیں اور اس کی ذات پر ایمان لانے والوں کو بیوقوف قرار دیتے ہیں۔ ابتدائی ایام میں روس میں ایسے تماشے بھی دکھائے جاتے تھے جن میں خدا تعالیٰ کو ایک مُجرم کی حیثیت میں... پیش کیا جاتا تھا اور پھر اس مجسمہ کو پھانسی کے تختہ پر لٹکایا جاتا تھا ایسی صورت میں ایک مسلم کہلانے والے کا کمیونزم کے ساتھ جوڑ ہی کیا ہو سکتا ہے؟

دوم :۔ کمیونزم مذہب کا مخالف ہے اور اس کا سارا سسٹم ایسا ہے جو مذہب کو تباہ کرنے والا

---

[1] ماخوذ از ریکارڈ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری ۲۰ ظہور ۱۳۲۹ھش ۔

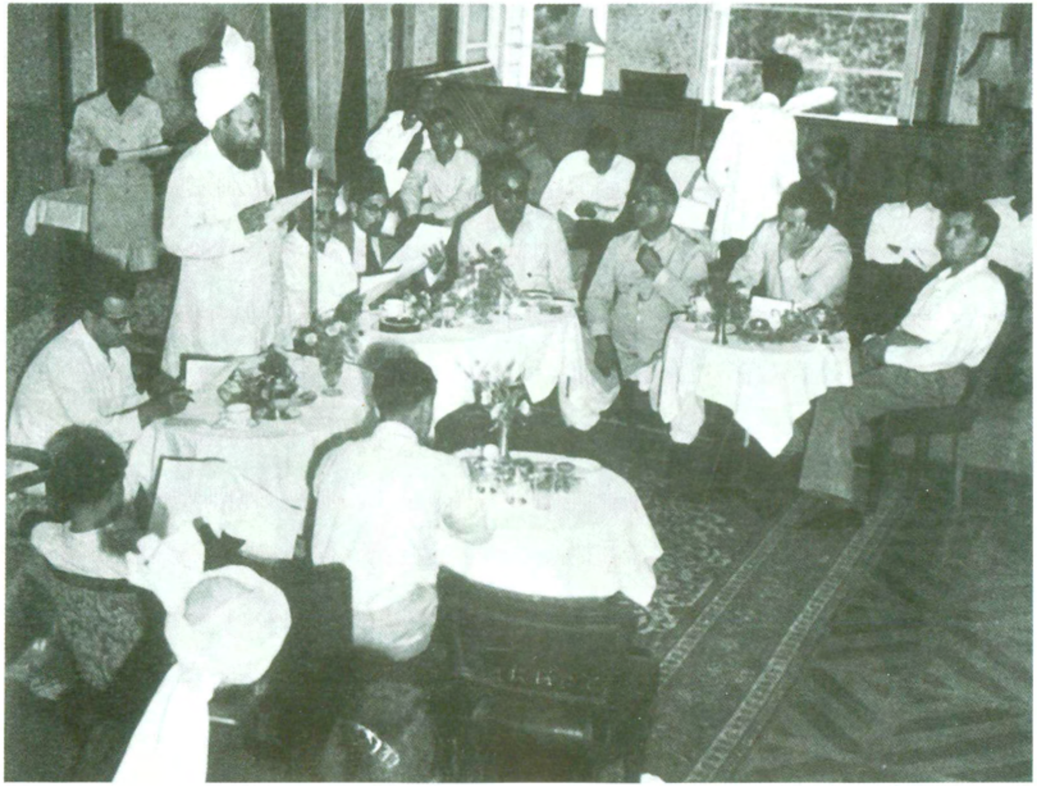

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کراچی پریس کانفرنس کو خطاب فرما رہے ہیں

ہے۔ ہمارے مشن اس وقت قریباً تمام ممالک میں ہیں لیکن روس میں ہم نے ایک دفعہ اپنا مبلغ بھیجا تو اسے سخت دُکھ دئے گئے اور آخر انہوں نے اپنے ملک سے باہر نکال دیا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ کمیونزم میں مذہب کی کوئی جگہ نہیں۔

سوم:۔ اسلام کی بنیاد روحانی صفائی پر ہے لیکن کمیونزم یہ کہتی ہے کہ رُوح کوئی چیز نہیں اور یہ کہ دنیوی مسائل کو کُلّی طور پر مادیات کے ساتھ حل کیا جا سکتا ہے اس کا خیال ہے روحانیت کو پیش کرنے سے غرباء کو نقصان پہنچتا ہے اور ان کے حقوق تلف ہوتے ہیں۔

چہارم:۔ اسلام کی بنیاد نبوّت پر ہے لیکن کمیونزم کے نزدیک سارے نبی نعوذ باللہ جھوٹے اور مُفتری تھے بلکہ مذہب کے بانی ان کے نزدیک۔۔۔ امراء کے ایجنٹ تھے تا کہ امراء ترقی کرتے جائیں اور غرباء ہلاک ہوتے جائیں۔

پنجم:۔ اسلام کی بنیاد کلامِ الٰہی پر ہے لیکن کمیونزم کے نزدیک یہ کوئی چیز نہیں۔

ششم:۔ اسلام کی بنیاد بعث بعد الموت پر ہے لیکن کمیونزم اس کے بالکل خلاف ہے گویا کمیونزم ہمارے پنج ارکانِ اسلام کے ہی خلاف ہے۔

اور جب اس کا اسلام کے ساتھ اِس قدر بنیادی اختلاف ہے تو ایک باغیرت اور سمجھدار مسلمان کس طرح کہہ سکتا ہے کہ مَیں مسلمان بھی ہوں اور کمیونسٹ بھی۔

جماعت کے دوستوں کے علاوہ جلسہ میں تین سَو کے قریب غیر احمدی معزّزین بھی موجود تھے جو بے حد متاثر ہوئے اور صدرِ جلسہ نے بھی اپنے صدارتی ریمارکس میں تقریر کی بہت تعریف کی۔[1]

کراچی میں ایک خاص خطبہ جمعہ

جماعتِ احمدیہ کراچی نے انہی دنوں وکٹوریہ روڈ میگزین لین میں ایک شاندار دو منزلہ مسجد قریباً ایک لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر کی تھی۔ اِس مسجد کی تیاری اور تعمیر کے انچارج شیخ عبدالحق صاحب ایس، ڈی، او تھے جنہوں نے نہایت محنت اور اخلاص کے ساتھ اِس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔[2]

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ۸ تبوک ھ ۱۳۲۹ش / ستمبر ۱۹۵۰ء کو اس مسجد میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس کے آغاز میں حضور نے کراچی کی مخلص جماعت کو مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا کہ:۔

---

[1] الفضل ۱۳ تبوک ھ ۱۳۲۹ش صفحہ ۲ ۔ [2] الفضل ۲۲ تبوک ھ ۱۳۲۹ش

"سب سے پہلے تو مَیں جماعت کے دوستوں کو اِس بات کی مبارکباد دیتا ہوں کہ ان کو خدا تعالیٰ نے یہاں مسجد بنانے کی توفیق عطا فرمائی۔ مَیں نے دو دفعہ یہاں تقریر کی ہے مَیں نہیں کہہ سکتا کہ دونوں دفعہ ایک ہی ہال میں تقریر ہوئی تھی یا الگ الگ ہال تھے بہرحال اُوپر کے برآمدوں اور نیچے کے برآمدوں کو ملا کر یہ مسجد اُن ہالوں سے بڑی نظر آتی ہے۔ جب انسان خدا تعالیٰ کے لئے کوئی جگہ بناتا ہے تو آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ اس کی ترقی کے سامان بھی پیدا کر دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو وقتاً فوقتاً اِس قسم کے الہام ہوتے رہتے تھے کہ آپ اپنے مکانات کو وسیع کریں تاکہ آنے والے لوگ وہاں آکر رہیں۔ چنانچہ ان الہامات میں سے ایک یہ بھی الہام تھا کہ وَسِّعْ مَكَانَكَ اپنے مکان کو وسیع کرو۔ مَیں ہمیشہ ہی جماعت کو اِس امر کی طرف توجہ دلاتا رہا ہوں کہ اپنی حیثیت کے مطابق ان کو مسجدیں بناتے رہنا چاہیئے لیکن افسوس ہے کہ جماعت ہمیشہ ہی اپنی توفیق سے زیادہ بڑی جگہ کی تلاش میں رہتی ہے۔ یہ مسجد بھی غالباً نہ بنتی اگر آج سے آٹھ دس سال پہلے مجھے متواتر یہاں آنے کا موقع نہ ملتا اور جماعت پر یہ زور دینے کا موقع نہ ملتا کہ جس طرح بھی ہو زمین خرید لو چنانچہ میرے ایک ایسے ہی سفر کے زمانہ میں یہ زمین دیکھی گئی اس وقت بھی بعض مقامی دوستوں کی تجویز تھی کہ اِس سے بڑی جگہ لینی چاہیئے مگر مَیں نے کہا کہ زمین جو بھی ملتی ہے لے لو اور بڑی کا انتظار نہ کرو ایسا نہ ہو کہ یہ بھی ہاتھ سے جاتی رہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ جگہ آباد ہے اور یہاں ایک شاندار مسجد بنی ہوئی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جماعت کا ایک حصّہ اس کی تائید میں تھا اور دوسرا حصّہ اِس بات کی تائید میں تھا کہ کوئی اَور بڑی جگہ تلاش کی جائے مگر اللہ تعالیٰ نے جماعت پر فضل کیا اور ان کو ہدایت دی کہ وہ چھوٹی چیز پر قناعت کریں تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد ان کے لئے بڑی چیز کے سامان پیدا کرے۔ دُنیا میں کوئی مسجد ایسی نہیں بن سکتی جس میں زیادہ سے زیادہ افراد جو ممکن ہوں آسکیں۔ خانہ کعبہ کی مسجد کے برابر شاید کوئی مسجد نہیں لیکن کچھ دن ایسے بھی آتے ہیں جب خانہ کعبہ میں بھی نمازی سما نہیں سکتے اور بازاروں اور دُکانوں پر کھڑے ہو کر لوگ نمازیں پڑھتے ہیں۔ مسجدِ نبوی جو مدینہ منورہ کی ہے اس کا بھی یہی حال ہے کہ اس میں بھی بعض اوقات نمازی پوری طرح سما نہیں سکتے۔ پس یہ خیال غلط ہے کہ ہم آئندہ کی تمام ضرورتوں کو مدِّنظر رکھتے ہوئے کوئی مسجد بنائیں اور جب تک ان ضرورتوں کے مطابق مسجد نہ بن سکے ہم اپنی نماز کے لئے کوئی انتظام نہ کریں۔ مَیں تو سمجھتا ہوں یہ اسی مسجد کی برکت ہے کہ آج سے چار سال پہلے موجودہ نمازیوں سے پانچواں حصّہ بھی

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا ورود کراچی میں (۱۹۵۰ء)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے سفر کراچی ۱۹۵۰ء کا ایک منظر

جماعت نہیں تھی بلکہ جو لوگ مجھے اس وقت نظر آ رہے ہیں ان کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دسواں حصّہ بھی جماعت نہیں تھی صرف ایک کمرہ جماعت نے کرایہ پر لیا ہوا تھا۔ مجھے یاد ہے جب میں جمعہ کے لئے جاتا تو زیادہ سے زیادہ ایک وقت میں تین صفیں ہوا کرتی تھیں بلکہ ایسے جمعے بھی گذرے ہیں جب دو صفیں بھی نہیں ملتی تھیں اور وہ کمرہ اس مسجد کے برآمدہ کے کوئی تیسرے حصّہ کے برابر ہوگا۔ حد سے حد نصف ہوگا جب انسان خدا تعالیٰ کے لئے گھر بناتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس گھر کی آبادی کے بھی سامان پیدا کیا کرتا ہے اب اِس خیال میں نہ رہو کہ یہ مسجد ہم نے بنالی ہے اور ہمارا فرض پورا ہوگیا ہے جیسا کہ اِس وقت نظر آ رہا ہے اِس مسجد کے بنتے ہی یہ مسجد بھر بھی گئی ہے" لے

پھر حضور نے یہ قیمتی نصیحت فرمائی کہ :-

"جماعت نے جب یہ جگہ بنائی ہے تو اسے اب یہ بھی کوشش کرنی چاہیئے کہ کراچی میں جہاں جہاں احمدی زیادہ ہیں اور وہ اِس مسجد سے دُور رہتے ہیں وہاں بھی چھوٹی چھوٹی مساجد بنا دے کیونکہ دوسروں کے گھروں میں جاکر نماز پڑھنا بعض دفعہ فتنہ کا موجب ہو جاتا ہے میں نے دیکھا ہے جس شخص کے گھر پر نماز پڑھی جاتی ہے بعض دفعہ جب اس سے نماز پڑھنے والا کسی بات میں اختلاف کرتا ہے تو وہ غصہ میں آکر کہہ دیتا ہے کہ تم میرے گھر پر نہ آیا کرو حالانکہ وہ اس کے گھر پر نہیں جاتا بلکہ مسجد میں جاتا ہے۔ اگر وہ اسے اپنا گھر قرار دیتا تو یہ اس کے مکان پر نہ جاتا۔ اِس رنگ میں دین کی بھی ہتک ہوتی ہے اور آنے والے شخص کی بھی ہتک ہوتی ہے پس پہلے تو مجبوری کی حالت میں یُوں کرنا چاہیئے کہ جہاں جہاں جماعت کے دوست اکٹھے ہو سکیں وہاں کسی دوست کے مکان پر اکٹھے ہو کر نمازیں پڑھ لیا کریں۔ پھر اس کے بعد کوشش کرنی چاہیئے کہ ہر محلہ میں ایک چھوٹی سی مسجد بنالی جائے چاہے وہ ایک مرلہ کی ہی کیوں نہ ہو بلکہ اگر میونسپل قانون میں اجازت ہو تو معمولی کچّی اینٹوں کی ہی مسجد بنالی جائے" ۲

حضرت اقدس نے ان تمہیدی کلمات کے بعد بتایا کہ :-

"کچھ عرصہ سے میرے کانوں میں (یہ امر)[۳] پڑ رہا ہے اور یہاں آکر بھی متفرق صورتوں اور متفرق جہات سے میرے کانوں میں پڑا ہے کہ کراچی میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے مال یا دولت کی وجہ سے مغرور

لے الفضل ۲۲ ستمبر ۱۹۵۰ء صہ ۳ ۔ ۲ے الفضل ۲۲ ستمبر ۱۹۵۰ء صہ ۴

۳ے واوین کے درمیان وضاحتی الفاظ ناقل کے ہیں ۔

ہو کر سلسلہ کے لئے بدنامی اور فتنہ کا موجب بنے ہوئے ہیں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں ان کے متعلق کئی قسم کی رائیں ہیں لیکن جو مجھ پر اثر ہے وہ یہ ہے کہ کافی حصّہ جماعت کا ایسا ہے جو ان کی دولت یا مال کی وجہ سے یہ خیال کرتا ہے کہ بڑے بڑے لوگ ہم سے الگ ہو گئے ہیں یہ سلسلہ کا بڑا نقصان ہوا ہے۔" [1]

ازاں بعد حضور نے زبردست قوت و شوکت سے بھرے ہوئے الفاظ میں اس خیال کی لغویت اور بطلان پر تفصیلی روشنی ڈالی چنانچہ فرمایا:۔

"خدا تعالیٰ کا قائم کردہ خلیفہ اور یہ دو دو چار چار یا پانچ پانچ ہزار روپیہ کمانے والے آپس میں نسبت ہی کیا رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کی تو اتنی بھی حیثیت نہیں جتنی ہاتھی کے مقابلہ میں ایک مچھر کی ہوتی ہے۔ شاید تم میں سے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہوں کہ خلیفہ بیمار رہتا ہے اور وہ بڈھا بھی ہو گیا ہے اب شاید وہ جلد ہی مر جائے گا پھر ان لوگوں کے مقابل پر ہمارا کیا حال ہوگا مَیں ایسے لوگوں سے یہ کہتا ہوں کہ اُردو کا محاورہ ہے کہ "ہاتھی زندہ لاکھ کا اور مُردہ سوا لاکھ کا۔" ہم وہ لوگ ہیں جو مر کر زیادہ طاقتور ہُوا کرتے ہیں۔ ہماری زندگی میں خدا تعالیٰ ہمارے دشمن کو بالعموم محفوظ رکھتا ہے کیونکہ وہ ارحم الراحمین ہے لیکن ہماری موت کے بعد وہ ہمارے لئے اپنی غیرت دکھاتا ہے جس کے مقابلہ میں کسی قریب ترین عزیز یا عاشق کی غیرت بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ پس ان لوگوں کی کوئی ہستی نہیں بلکہ مجھے تعجب آتا ہے کہ تم ان کی طرف کیوں توجہ کرتے ہو۔ ان کے افعال اور ان کی باتیں محض ایک نشان دکھانے کے لئے زندہ رکھی جاتی ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ عجائب گھروں میں مرے ہوئے سانپ رکھے جاتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ عجائب گھروں میں مُردہ بچھو رکھے جاتے ہیں جس طرح عجائب گھروں میں مُردہ سانپ اور مُردہ بچھو رکھے جاتے ہیں اسی طرح خدائی سلسلہ میں ایسے لوگ رکھے جاتے ہیں تا کہ لوگ ان کو دیکھ کر نصیحت حاصل کریں۔ وہ اس لئے نہیں رکھے جاتے کہ ان کو کوئی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس لئے نہیں رکھے جاتے کہ خدا تعالیٰ کے سلسلے کے مقابلہ میں ان کو کوئی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ وہ اسلئے رکھے جاتے ہیں تا کہ لوگ انہیں دیکھ کر ہوشیار رہیں اور وہ اس حقیقت کو ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیں کہ بعض لوگ چند قدم چل کر ایسے خطرناک گڑھے میں گر جاتے ہیں۔" [2]

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جو پوزیشن ۱۹۰۸ء میں تھی اس سے اب سینکڑوں گنے زیادہ ہے

---

[1] الفضل ۲۲۔ستمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۵ ۔ [2] الفضل ۲۲ ستمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۶،۵ ۔

اور دنیا کے بہت سے ایسے ممالک میں اب احمدیت قائم ہے جن ممالک میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک بھی احمدی نہیں تھا۔ تو بات وہی ہے کہ ہاتھی زندہ لاکھ کا اور مُردہ سوا لاکھ کا بلکہ سوا لاکھ بھی انسانی نقطۂ نگاہ کے لحاظ سے کہا گیا ہے ورنہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کے لحاظ سے تو کروڑوں کروڑ بھی کہا جائے تو کم ہے پس شاید تم میں سے کسی کے دِل میں یہ خیال ہو کہ اگر مَیں مَر گیا تو کیا ہوگا؟ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ آخر ہر انسان نے مرنا ہے اور میری صحت تو شروع ہی سے کمزور چلی آرہی ہے۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی وفات سے چند دِن پہلے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بُلایا اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ڈاکٹر صاحب آپ کچھ اس کی طرف بھی توجہ کریں مجھے تو اس کی صحت کا سخت فکر رہتا ہے ایسی صحت کے ساتھ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کچھ عرصہ بھی زندہ رہے گا یا نہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے چند دنوں بعد وفات پا گئے اور مَیں جو ہر وقت بیمار رہتا تھا اب بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے زندہ ہوں۔ مجھ سے بہت زیادہ قوی اور مضبوط انسان مجھ سے پہلے گذر گئے۔ حافظ روشن علی صاحبؓ مجھ سے بہت زیادہ قوی تھے اور ان کی عمر بھی میرے قریب قریب تھی وہ بڑے مضبوط اور طاقتور تھے مگر ۱۹۲۹ء میں میرے دیکھتے ہی دیکھتے فوت ہو گئے۔ میر محمد اسحٰق صاحبؓ مجھ سے بہت زیادہ قوی اور مضبوط تھے اور دو سال مجھ سے چھوٹے تھے مگر ۱۹۴۴ء میں وہ بھی فوت ہو گئے اور مَیں جس کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ اب مرا کہ اب مرا اب اپنی عمر کے باسٹھویں سال میں سے گذر رہا ہوں بہت سے تندرست اور سکول میں میرے ساتھ پڑھنے والے نوجوان جو بچپن میں ہر میدان میں مجھے شکست دیا کرتے تھے اور جو مجھ سے بہت زیادہ قوی اور مضبوط تھے وہ قریباً سارے کے سارے فوت ہو چکے ہیں شاید ان میں سے کوئی ایک دو ہی اب زندہ ہوں پس یہ امر تو خدا تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے اور جب یہ اس کا قائم کردہ سلسلہ ہے تو یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ میری موت کا وقت آجائے اور دُنیا یہ کہے کہ مجھے اپنے کام میں کامیابی نہیں ہوئی میری وفات خدا تعالیٰ کے منشاء کے مطابق اُس دن ہوگی جس دن مَیں خدا تعالیٰ کے نزدیک کامیابی کے ساتھ اپنے کام کو ختم کر لوں گا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ پیشگوئیاں پوری ہو جائیں گی جو میں میرے ذریعہ سے اسلام اور احمدیت کے غلبہ کی خبر دی گئی ہے۔ اور وہ شخص بالکل عدمِ علم اور جہالت کا شکار ہے جو ڈرتا ہے کہ میرے مرنے سے کیا ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مَیں تو جاتا ہوں لیکن خدا تمہارے لئے قدرتِ ثانیہ

بھیج دے گا مگر ہمارے خدا کے پاس قدرتِ ثانیہ ہی نہیں اس کے پاس قدرتِ ثالثہ بھی ہے اور اسکے پاس قدرتِ ثالثہ ہی نہیں اس کے پاس قدرتِ رابعہ بھی ہے۔ قدرتِ اولیٰ کے بعد قدرتِ ثانیہ ظاہر ہوئی اور جب تک خدا اِس سلسلہ کو ساری دنیا میں نہیں پھیلا دیتا اس وقت تک قدرتِ ثانیہ کے بعد قدرتِ ثالثہ آئے گی اور قدرتِ ثالثہ کے بعد قدرتِ رابعہ آئے گی اور قدرتِ رابعہ کے بعد قدرتِ خامسہ آئے گی اور قدرتِ خامسہ کے بعد قدرتِ سادسہ آئے گی اور خدا تعالیٰ کا ہاتھ لوگوں کو معجزہ دکھاتا چلا جائے گا اور دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت اور زبردست سے زبردست بادشاہ بھی اس سکیم اور مقصد کے راستہ میں کھڑا نہیں ہو سکتا جس مقصد کے پورا کرنے کے لئے اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلی اینٹ بنایا اور مجھے اُس نے دوسری اینٹ بنایا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ دین جب خطرہ میں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لئے اہلِ فارس میں سے کچھ افراد کھڑا کرے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان میں سے ایک فرد تھے اور ایک فرد میں ہوں لیکن رِجَالٌ کے ماتحت ممکن ہے کہ اہلِ فارس میں سے کچھ اَور لوگ بھی ایسے ہوں جو دینِ اسلام کی عظمت قائم رکھنے اور اس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لئے کھڑے ہوں پس ہمارا مقابلہ کرنے والا ہمارا مقابلہ نہیں کرتا خدا تعالیٰ کا مقابلہ کرتا ہے۔" [1]

آخر میں منصبِ خلافت کی حقیقی اور بلند شان ایک نہایت لطیف مثال سے واضح کی چنانچہ فرمایا:۔

"کیا تمہیں دنیا میں کوئی شخص ایسا نظر آتا ہے خواہ وہ کروڑپتی ہو، حاکم ہو، وزیر ہو، بادشاہ ہو جو خدا تعالیٰ کو مار سکے پھر یہ کس طرح خیال بھی کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اب تو ہم نے سینما دیکھنے سے روکا ہوا ہے اِس سے پہلے تم بھی دیکھتے تھے اور مَیں نے بھی سینما دیکھا ہے۔ اگر تم سینما کی تصویر پر گولی مارو تو کیا وہ اُس ایکٹر کو جا لگے گی جس نے اس میں کام کیا ہے وہ تو اُس وقت ہالی وڈ یا بمبئی یا کراچی میں زندہ پھر رہا ہوتا ہے اگر تم دس ہزار گولی بھی مارو تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اسی طرح ہم بھی تصویریں ہیں اور ہم پر حملہ کرنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ اگر تم دو لاکھ توپیں چلا دو اور اگر تم تصویر کی دھجیاں بھی اُڑا دو تب بھی تم اُس شخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ جو چیز تمہارے سامنے ہے وہ محض ایک نشان اور تصویر ہے اصل چیز تو آسمان پر ہے اور وہ

---

[1] الفضل ۲۲ ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۶

تمہارے قبضہ و تصرف سے باہر ہے۔ پس تمہیں اصل حقیقت کو دیکھنا چاہیئے اور اس پر غور کرنا چاہیئے۔ ہم اصل نہیں ہیں اور اگر ہم اصل ہوتے تو دُنیا ہمیں کبھی کی فنا کر چکی ہوتی۔ ہم تصویریں ہیں اس لئے دُنیا ہمیں جتنا بھی نقصان پہنچاتی ہے دین کا کچھ نہیں بگڑتا۔ تصویروں میں بعض دفعہ بادشاہ کا جلوس بھی دکھایا جاتا ہے اب اگر کوئی شخص بادشاہ کے جلوس پر گولیاں برسائے تو کیا بادشاہ مرجائے گا؟ اس طرح ہم بھی تصویریں ہیں۔ ہم کو خدا تعالیٰ نے اِس لئے بھیجا ہے تاکہ اس کی حکومت دُنیا میں قائم ہو۔ جس طرح تصویر پر گولی چلانے والا اصل کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اسی طرح اگر کوئی شخص ہم پر گولی چلاتا ہے تو گو ہم مرجاتے ہیں ہم ختم ہوجاتے ہیں لیکن اس مشن کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا جس کو قائم کرنے کے لئے اس نے ہمیں کھڑا کیا ہے۔ بلکہ اگر کوئی بادشاہ کے جلوس پر گولی چلاتا ہے تو بادشاہ کو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ لوگ میرے مخالف ہیں اور وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت تدابیر اختیار کرتا ہے۔ پس اپنے اندر خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یا ان کے خلفاء بے شک بوجہ خدا تعالیٰ کا نمائندہ ہونے کے ادب کے قابل ہیں لیکن وہ مقصود نہیں ان کے لئے اس نے یہ سکیم نہیں بنائی بلکہ اپنے لئے بنائی ہے۔ پس یہ سمجھ لو کہ تم جس کام کے لئے کھڑے ہو وہ خدا تعالیٰ کا ہے اور اس کے نام کو تم نے روشن کرنا ہے باقی ساری چیزیں اظلال کے طور پر ہیں اور اظلال آتے بھی ہیں اور جاتے بھی ہیں ہاں خدا تعالیٰ یہ ضرور کرتا ہے کہ جب ظل کی کوئی شخص ہتک کرتا ہے تو وہ اسے اپنی ہتک قرار دیتا ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ تم کسی کے دوست کی تصویر کو جُوتیاں مارو اور وہ اسے برداشت کرے۔ اسی طرح ہم ہیں تو انسان لیکن خدا کہتا ہے کہ مَیں نے اس کو اپنی شکل پر بھیجا ہے مَیں نے اس کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا ہے اِس لئے تُو نے اس کو جُوتی نہیں ماری بلکہ مجھ کو جُوتی ماری ہے، تُو نے اس کو گالی نہیں دی بلکہ مجھ کو گالی دی ہے، تُو نے اس کو ذلیل نہیں کیا بلکہ مجھ کو ذلیل کیا ہے۔ اِس لئے ایسا آدمی بچتا نہیں آدم سے لے کر اب تک ایسا آدمی نہیں بچا اور قیامت تک نہیں بچ سکتا۔"[1]

کراچی پریس کانفرنس

قیامِ کراچی کے دوران دوسرا اہم واقعہ یہ ہے کہ حضورؓ نے ۱۲/تبوک/ستمبر کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا جس میں مسلمانانِ عالم کو اِس حقیقت کی طرف متوجہ کیا کہ ان کا مستقبل فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی سے وابستہ ہے۔

---

[1] الفضل ۲۲ ستمبر ۱۹۵۰ء ص۳۔

حضور کا بیان انگریزی میں تھا جس کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے :۔

اسلامی دُنیا میں اِن دنوں بیداری اور نئی زندگی پیدا ہونے کے آثار نمودار ہیں۔ ہر جگہ کے مسلمانوں میں بیداری نظر آرہی ہے اور وہ اِس امر کے لئے کوشاں ہیں کہ وہ ان خطرات کو جن کے بوجھ کے نیچے وہ کچھ عرصہ سے دبے ہوئے ہیں اپنے اُوپر سے اتار پھینکیں۔ البتہ یہ بیداری جو اِن میں پیدا ہوئی ہے وہ فی الحال قومی بیداری ہے۔ بے شک چند مسلمان ایسے پائے جاتے ہیں جو ایک متحد اسلامی دنیا کا خواب دیکھ رہے ہیں مگر ان کے خیالات اس وقت تک محض سطحی ہیں جن کو وہ تا حال کسی مستقل شکل میں نہیں ڈھال سکے۔ اِس وجہ سے ان خیالات کے پسِ پُشت قربانی کی رُوح موجود نہیں ہے۔ یہ امر کسی سے مخفی نہیں کہ محض خواہشات بغیر ضروری عزم کے کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا سکتیں۔ ادھر حالات یہ ہیں کہ کوئی مسلم حکومت نہ اِس بات کے لئے تیار ہے اور نہ ہی خواہشمند ہے کہ وہ اسلامی دُنیا کے اتحاد کے لئے اپنے قومی فوائد کو خیر باد کہہ سکے۔ یہاں اسلامی تحریک کے پیچھے بعینہٖ وہی خیالات کام کر رہے ہیں جن کو جمہوریّت کے لدادہ ممالک یعنی یورپ اور امریکہ ایک متحد سیاسی محاذ قائم کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں لیکن بعض یورپین مصنّفین اسلام کے خلاف اِس قدر زہر اُگل چکے ہیں کہ پان اسلامک کا محض تصوّر ہی یورپ اور امریکہ کے مُلک کے باشندے کو کپکپا دینے کے لئے کافی ہے۔ اسلام جو فی الواقع اسلامی دنیا کے لئے ایک قوّتِ متحرکہ ہے یا کم از کم ہونی چاہیئے اس کو مغربی اقوام تحقیر اور بے اعتمادی کی نظر سے دیکھتے ہیں ان حالات میں میرا پیغام مسلمان نوجوانوں کے لئے اور خصوصیّت سے صحافت نویس احباب کے لئے یہ ہوگا کہ وہ اسلام کو نظرِ عمیق کے ساتھ مطالعہ کریں اور اس کی تعلیم کو اپنے اندر ایسے رنگ میں جذب کریں کہ جس کا اثر ان کی تحریروں میں نمایاں ہو۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ غیر مسلم اسلام کی خوبیوں سے واقف ہو سکیں گے ان کو یہ بھی چاہیئے کہ اپنے غیر مسلم ہم پیشہ لوگوں سے اسلام کی تعلیم کے متعلق اور خصوصیّت سے اس پہلو کے متعلق کہ اسلام غیر مذاہب کے ساتھ کس رویّہ کو اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے کُھلے اور آزادانہ طور پر تبادلہ خیالات کریں۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چند سالوں میں ہی اسلام کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں وہ رفع ہو جائیں گی اور اُن لوگوں کو جو اسلام کو اپنی لاعلمی کی وجہ سے شُبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یقین ہو جائے گا کہ اتحاد المسلمین کی تحریک بھی ایسی ہی بے لوث اور پاکیزہ ہے جیسا کہ مختلف عیسائی اقوام کو متحد کرنے کی تحریکیں۔

البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مغربی یورپین ممالک میں تحریک کی بنیاد سیاسی اُصولوں پر ہے لیکن پان اسلامک کی تحریک کی بنیاد محض مذہبی اُصولوں پر ہے مگر اس کے اسباب اس رویّہ میں پائے جاسکتے ہیں جو یورپین اقوام خود اسلام کے متعلق رکھتی ہیں۔ گذشتہ سات سَو سالوں کی تاریخ اِس امر پر شاہد ناطق ہے کہ یورپین اقوام نے جو مسلمانوں پر غلبہ حاصل کیا اس کی وجہ نہ کوئی سیاسی اختلاف تھا اور نہ یہ کہ ان کے ساتھ بے انصافیاں کی گئی تھیں بلکہ اس کی وجہ صرف مذہبی تعصب تھا۔

اسلامی سلطنت کے خلاف جو بغاوت جنوبی اٹلی اور سسلی میں کھڑی کی گئی ممکن ہے وہ اپنے اندر سیاسی پہلو رکھتی ہو مگر جو صلیبی جنگ اور لڑائیاں سپین والوں نے جنوبی سپین کی اسلامی سلطنت کے خلاف کیں ان کو سیاست کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ نہ ہی ان فتوحات کے متعلق کہا جاسکتا ہے جو عیسائیوں نے مراکو، الجیریا، ٹریپولی، لیبیا، آذربائیجان، بخارا اور ایسے ہی اَور ملکوں میں حاصل کیں۔

بے شک برطانیہ اور چند دیگر یورپین سلطنتوں نے جو فتوحات بعد کی صدیوں میں حاصل کیں وہ محض سیاسی فتوحات تھیں لیکن جو لڑائیاں تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں صدی میں لڑی گئیں ان کی وجوہات ہرگز ہرگز سیاسی نہ تھیں۔

پان اسلامک تحریک یقیناً ان عیسائی ادیبوں اور سیاستدانوں کی تحریروں اور ریشہ دوانیوں کا ردِّ عمل ہے جنہوں نے سات سو سال متواتر نہ صرف اسلام کے خلاف سخت زہر اُگلا بلکہ ان کی انتہائی کوشش رہی کہ وہ مختلف اسلامی سلطنتوں کے درمیان نسلی اور تاریخی وجوہ پر اختلاف کے بیج بوئیں اِس لئے پان اسلامک تحریک کے موجد اور بانی مبانی ہرگز قابلِ ملامت نہیں قرار دئے جاسکتے۔

اِس جگہ اِس حقیقت کا اظہار نامناسب نہ ہوگا کہ آخری صدی کے دَوران میں عیسائیوں کی آپس کی لڑائیوں میں جہاں کہیں بھی وہ لڑی گئی ہوں ہمیشہ ہی یہ نعرہ بلند کیا گیا کہ "عیسائی تمدن کے محافظ بنو!" یہاں تک کہ دوسری عالمگیر جنگ کے دَوران میں ایک ہندوستانی نمائندہ نے (جو اَب کٹر مسلم لیگی اور مشہور پاکستانی ہے) اپنی تقریر میں یورپ میں کہا کہ عیسائی تمدن خطرہ میں ہے اور ہندوستان اس کی حفاظت میں ضرور لڑے گا۔ پس اگر یورپ اور امریکہ یہ حق رکھتے ہیں کہ وہ آپس میں متحد رہیں اور عیسائی تمدن کی حفاظت میں جنگیں کریں اور دوسروں کو اس میں شمولیت کی دعوت دیں تو پھر مسلمانوں کو آپس میں متحد رہنے اور اسلامی تمدن کی حفاظت کے لئے جنگیں کرنے کا کیوں حق حاصل نہیں؟

اگر عیسائی تمدن کی چیخ و پکار کو ایک سیاسی تحریک قرار دیا جا سکتا ہے نہ کہ صلیبی جنگ۔ اور جس کا مدعا اور مقصد یہ قرار دیا جاتا ہے کہ نا انصافیوں اور حقوق تلفیوں کو دُور کیا جائے تو پھر پان اسلامک تحریک کو کیوں ایک مذہبی جہاد سمجھا جاتا ہے اور اسے بھی کیوں ایک سیاسی جدّ و جہد نہیں تصوّر کیا جاتا؟

اِس سوال کے علمی پہلو کی طرف بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مختلف اسلامی ممالک کا وجود یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہر ملک اپنے اپنے فوائد اور جُدا جُدا خواہشات رکھتا ہے۔ پس جب تک ہر اسلامی ملک مختلف نام سے پکارا جاتا ہے گا تب تک ان کے فوائد بھی جُدا جُدا رہیں گے۔ اگر تمام اسلامی ممالک سیاسی، معاشرتی، تمدّنی اور اقتصادی لحاظ سے ایک مرکز پر جمع ہو جائیں تو اس وقت مختلف حکومتوں کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ اسلامی ممالک مثلاً پاکستان، افغانستان، ایران، سیریا، سعودی عرب، عراق، مصر اور انڈونیشیا باوجود وسعت آبادی کے لحاظ سے چھوٹے ہونے اور اپنی اپنی خود مختارانہ سلطنت رکھنے کے اس امر کے اقراری ہیں کہ وہ اس نقطہ پر تا حال نہیں پہنچے کہ جہاں پر سب کا کامل اتحاد ہو سکے۔ ان حالات میں اتحاد تبھی حاصل ہو سکتا ہے کہ ہر ایک سب کی خاطر قربانی کر سکے۔

ہمیں اِس معاملہ میں آہستہ آہستہ مگر احتیاط سے قدم اُٹھانا چاہیئے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عزم بالجزم سے کام لینا چاہیئے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو وہ دن دُور نہیں کہ جب "اسلامی تمدّن" ایک اصلیّت ہوگی جو ہر مسلمان کے اندر ایک ایسا جوش و خروش پیدا کر دے گی جو "عیسائی تمدّن" کے نعرے کے پیدا کردہ جوش سے بہت زیادہ ہوگا۔ پہلا قدم جو ہمیں اس بارے میں اُٹھانا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو "پان اسلامک" کے حامی اور پکّے مسلمان کہلانے سے ہرگز نہ ڈرنا چاہیئے۔ سیاسی دنیا میں اپنے حقوق حاصل کرنے کی سعی کرنا ہمارا پیدائشی حق ہے اور اس کو ہرگز مذہبی جنون نہیں کہا جا سکتا۔ یہ مجنونانہ حالت تب ہی پیدا ہو سکتی ہے کہ جب کہ دنیا میں انصاف اور حُسنِ معاملگی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا ہے۔ ہر ہاتھ دوسروں کے حق غصب کرنے میں کوشاں ہوتا ہے۔

دوسرا قدم یہ اٹھانا چاہیئے کہ ہم ان خیالات کو مسلم اور غیر مسلم ممالک میں کثرت سے پھیلائیں تاکہ مسلمان پُورے طور پر اس زمانے کی ضروریات کو سمجھ سکیں اور غیر مسلم مسلمانوں کی جائز خواہشات کا صحیح اندازہ لگا سکیں۔ اس کے پہلو بہ پہلو اسلامی تعلیمات کی اشاعت غیر مسلم ممالک اور غیر مسلموں میں ازبس ضروری ہے جیسا کہ آپ لوگوں کو علم ہے کہ احمدیہ جماعت جس کے امام ہونے کا مجھے فخر حاصل ہے گذشتہ چالیس

سال سے اشاعتِ اسلام کے فرائض سرانجام دے رہی ہے۔ ہمارے مشن اس وقت تمام عیسائی ممالک مثلاً امریکہ، انگلستان، فرانس، ہالینڈ، جرمنی، سوئٹزرلینڈ اور بہت سے مغربی افریقہ کے ممالک میں ہیں اور اس وقت تک عیسائیوں میں سے تقریباً تیس ہزار افراد مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔ ان نومسلموں میں سے بعض نے اپنی زندگیاں اسلام کے لئے وقف کر دی ہیں۔ امریکہ کے ایک نومسلم اور جرمنی کے ایک نومسلم اس وقت پاکستان میں اسلامی تعلیم کا اِس نظریہ سے مطالعہ کر رہے ہیں کہ حصولِ علم سے فراغت کے بعد اپنے اپنے ملک میں تبلیغِ اسلام کے فرائض سرانجام دیں۔ نومسلموں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور انشاء اللہ چند سالوں میں یہ سلسلہ عروج تک پہنچ جائے گا۔ مادیات کا یہ زمانہ ہم سے یہ حقیقت فراموش نہیں کرا سکتا کہ جب کبھی بھی ظاہری طاقت کا مقابلہ سچائی سے پڑا ہے سچائی ہی ہمیشہ غالب رہی ہے۔ مجھے کئی مغربی سیاستدانوں سے گذشتہ ۲ دو سالوں میں ملنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے اُن کو یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے کہ جہاں کہیں بھی کمیونزم کا مقابلہ مغربی تمدن سے ہوا ہے تو کمیونزم دنیا میں سے نوجگہ کامیاب ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی ممالک قوتِ بازو سے کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں برخلاف کمیونزم کے کہ وہ مزعومہ اُصول کو پیش کرتے ہیں۔ اِسی وجہ سے مغربی اقوام کے سازوسامان طاقتیں اختلاط پر ہیں مگر رُوس روز افزوں ترقی پر ہے۔

مغربی اقوام جب تک اِس نصیحت پر عمل پیرا نہ ہوں گی ان کا قدم تنزل کی طرف جاتا رہے گا۔ مسلمانوں کا بھی یہی حشر ہوگا اگر انہوں نے اسلام اور اس کے زریں اُصولوں کی اشاعت کا کام غیرمسلم ممالک میں اپنے ہاتھوں میں فوری طور پر نہ لیا کیونکہ ان کا مستقبل اسی سے وابستہ ہے۔ وہ جو اِس کارِ خیر میں حصہ نہیں لے سکتے ان کے راستہ میں تو روک نہ بنیں جو اِس کام کو کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں۔[۱]

مسلم لیگی حکومت کا معاندانہ رویہ اور حضرت مصلح موعودؓ کی راہ نمائی

پنجاب میں احرار اور اُن کے ہمنوا علماء ۱۹۴۸ء سے جو آگ احمدیوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے وہ ۱۹۵۰ء میں اَور بھی شدت اختیار کر گئی حتّٰی کہ مسلم لیگی حکومت کے بعض افسروں نے بھی مخالفینِ پاکستان سے گٹھ جوڑ کر کے درپردہ ایک مخالفانہ

۱۔ الفضل ۸ را خاء ۱۳۲۹ھش / اکتوبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۳، صفحہ ۴

تحریک چلائی شروع کر دی جس پر سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کو بھی اپنے خطبات کے ذریعہ جماعت کو اصل صورتِ حال سے بار بار آگاہ کرکے پُرزور طور پر یہ تلقین کرنا پڑی کہ اس کا فرض اوّلین ہے کہ وہ اپنے خلاف جھوٹے پراپیگنڈا کی قلعی کھولنے کے لئے عوام کو احمدیت کے صحیح اسلامی عقائد سے باخبر کرے۔ کیونکہ پاکستان کی سالمیت، قیامِ امن اور جماعت احمدیہ کی ترقی کا اس کے سوا کوئی اَور حل ممکن نہیں تھا اُن دنوں سرکاری افسران کس طرح معاندانہ روش اختیار کئے ہوئے تھے اس کی تفصیل حضور ہی کے الفاظ میں ہدیۂ قارئین کی جاتی ہے۔ فرمایا:۔

(۱) "گذشتہ دنوں بعض افسروں نے سرکلر جاری کیا تھا کہ ان کے محکمہ کے تمام ملازم یہ فارم پُر کرکے بھجوائیں کہ وہ کس کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور احمدی ہونے کی صورت میں یہ بھی لکھیں کہ قادیانی احمدی یا لاہوری احمدی۔ اِس سرکلر کی عبارت ظاہر کرتی ہے کہ اس سے کوئی نیا فتنہ کھڑا کرنا مقصود تھا۔ بعض غیر احمدی اخباروں نے بھی اس پر نوٹس لیا اور لکھا کہ اِس تجویز سے صاف پتہ لگتا ہے کہ بعض فرقوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنا مقصود ہے۔ کسی فرد کے خلاف بے شک کارروائی کی جائے اس میں ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر کسی فرد کے خلاف کارروائی کرنا مقصود ہے تو پھر اس کے فرقہ سے کیا مطلب؟ وہ خواہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو اگر وہ مجرم ہے تو آپ اس کے خلاف کارروائی کریں لیکن پہلے یہ دریافت کرنا کہ تمہارا فرقہ کونسا ہے اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کسی فرد کی شرارت کی وجہ سے اس کے خلاف کارروائی کرنا مقصود نہیں بلکہ کسی خاص فرقہ میں ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف کوئی شرارت کرنا مقصود ہے۔ اِن واقعات کو دیکھتے ہوئے ہماری جماعت کو چاہیئے تھا کہ وہ اپنے اندر ایک بیداری پیدا کرلیتی اور اس آدمی کی مانند جو آتش فشاں پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہوتا ہے اپنے آپ کو تیار کرلیتی خواہ کوئی دوبارہ غلط ڈائری لکھے اور گورنمنٹ کے پاس جھوٹی رپورٹ کردے واقعہ یہی ہے کہ تبلیغ کے بغیر ہمیں چارہ نہیں (مگر اپنے رسوخ سے کام لے کر تبلیغ کرنا یا جبر کرنا یہ ہمارے مذہب میں جائز نہیں)۔ پس ایک طرف تبلیغ کرنی چاہیئے اور دوسری طرف خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگنی چاہئیں تبھی ہم کامیاب ہوسکتے ہیں اور اپنے مقصد کو حاصل کرسکتے ہیں تبلیغ تمہاری تعداد کو بڑھائے گی اور دعائیں خدا تعالےٰ کے فضل کو کھینچیں گی۔ تبلیغ سے ہر درجہ اور حلقہ کے لوگ احمدی ہوں گے یا پھر انہیں کم ازکم یہ پتہ

لگ جائے گا کہ احمدی کیسے ہوتے ہیں۔ بے شک وہ احمدی نہ ہوں لیکن انہیں یہ تو پتہ لگ جائے گا کہ احمدیت کی تعلیم کیا ہے۔ اور جب انہیں احمدیت کی تعلیم کا پتہ لگ جائے گا تو پھر اگر کوئی شخص احمدیوں کے خلاف ان کے کان بھرنے کی کوشش کرے گا تو وہ فوراً کہہ دیں گے کہ ہم جانتے ہیں کہ احمدی ایسے نہیں ہیں۔ لیکن اگر وہ احمدیت کی تعلیم سے واقف نہیں تو جس طرح کوئی ان کے کان بھرے گا اُن کے پیچھے لگ جائیں گے۔ گویا تبلیغ کے ذریعہ ہمیں دو فائدے حاصل ہونگے اوّل جو لوگ صداقت کو قبول کرنے کی جرأت رکھتے ہیں وہ صداقت کو قبول کر لیں گے اور جو صداقت کو قبول کرنے کی جرأت نہیں رکھتے وہ ہمارے حالات سے واقفیت کی بناء پر کلمۂ خیر کہا کریں گے ۔۔۔ دعاؤں سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے۔" [1]

(۲) "پاکستان میں ہمارے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اور مجلسوں میں لوگوں کو اُکسایا جاتا ہے کہ وہ ہمارے آدمیوں کو قتل کر دیں، ہماری جائدادوں کو لوٹ لیں اور دوسرے لوگوں کو یہ تحریک کی جاتی ہے کہ وہ اپنے مکانات پر نشان لگا لیں تا قتلِ عام کے وقت انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔ ہمارے پاکستان میں ایسا ہو رہا ہے ۔۔۔ گورنمنٹ کا کام امن قائم کرنا ہے گورنمنٹ کا کام اس قسم کے فتنوں کو دبانا ہے مگر وہ دیکھ رہی ہے اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتی۔ پولیس کے آدمی جاتے ہیں اور وہ ان مجالس میں جا کر ڈائریاں لیتے ہیں لیکن وہ اِس قسم کی باتوں کا ڈائریوں میں ذکر نہیں کرتے بعض جگہوں میں تو ڈائریاں لی ہی نہیں جاتیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ کی مقامی پولیس دل سے ان کے ساتھ ہے اور بعض جگہ پولیس نے ڈائریاں لی ہیں لیکن ضلع حکام نے حکومت تک ان باتوں کو پہنچایا نہیں۔ ایک جلسہ میں ایک شخص نے کہا کہ تم میں سے کون ہے جو احمدیوں کو قتل کرے۔ ایک آدمی نے اُٹھ کر کہا میں حاضر ہوں۔ پولیس نے ڈائری نہیں لکھی لیکن ایک مجسٹریٹ نے جو وہاں موجود تھا اپنی ڈائری میں یہ بات لکھ دی کہ میرے سامنے مقرر نے یہ سوال کیا کہ تم میں سے کون کون فلاں فلاں احمدیوں کو قتل کرنے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتا ہے تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا میں اِس کام کے لئے حاضر ہوں اور اپنا نام پیش کرتا ہوں جب پولیس کے افسروں سے پوچھا گیا کہ کیوں پولیس کی ڈائری میں یہ بات نہیں آئی تو انہوں نے

---

[1] الفضل ۵ر جولائی سنہ ۱۹۵۰ء صہ ۳۔

جواب دیا کہ وہ آدمی پاگل تھا اِس لئے اس واقعہ کو نہیں لکھا گیا یعنی جب شرارت کا پتہ لگ گیا تو یہ کہہ دیا گیا کہ وہ پاگل تھا حالانکہ اگر کھڑا ہونے والا پاگل تھا تو کیا تقریر کر کے اشتعال دلانے والا بھی پاگل تھا مگر ہم نے اپنے طور پر تحقیق کی ہے وہ شخص ہرگز پاگل نہیں ایک کام کاج کرنیوالا آدمی ہے"۔

(۳) "اور جگہوں کو تو جانے دو اسی جگہ پر جب میں نے تقریر میں کہا کہ اگر تم تبلیغ کرو تو بلوچستان جیسے چھوٹے سے صوبے کو احمدی بنا لینا کوئی مشکل امر نہیں تو پولیس کے بعض نمائندوں نے کتنا جھوٹ بولا انہوں نے گورنمنٹ کے پاس ڈائریاں بھیجیں اور ان کی نقل دوسرے صوبجات میں بھی بھجوائی گئی کہ امام جماعت احمدیہ نے تقریر کی ہے کہ گورنمنٹ کے محکموں میں جو بڑے بڑے احمدی افسر ہیں وہ اپنے ماتحتوں کو مجبور کر کے احمدی بنائیں اور اگر وہ احمدی نہ ہوں تو انہیں دِق کر کے محکمہ سے نکال دیں۔ اِس قسم کی ڈائریوں تک ہی بس نہیں کی گئی فوجی حکّام کو بھی ورغلانے کی کوشش کی گئی کہ انہوں نے کیا کارروائی احمدی افسروں کے خلاف کی ہے مگر جس طرح سول میں اچھے افسر بھی ہیں اسی طرح فوج میں بھی شریف افسر ہیں ان افسروں نے ان رپورٹوں پر کوئی توجہ نہ دی اور کہہ دیا فوج میں امن ہے ہم ایسی تحریروں پر کارروائی کر کے خود فساد پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہمارے دشمن جب اِس کارروائی میں ناکام رہے تو انہوں نے پہلے افسروں پر جو بالا افسر تھے ان کے پاس رپورٹیں کروائیں مگر ان کی طرف سے بھی یہ جواب دیا گیا کہ کوئی فساد بھی نظر آئے تو کسی کے خلاف کارروائی کی جائے جب فساد ہے ہی نہیں تو ہم خود فساد کیوں پیدا کریں۔ ہاں اگر فساد پیدا کروانا ہے تو اور بات ہے۔ مجھے ایک احمدی افسر نے بتایا کہ جب یہ ڈائری میرے پاس پہنچی کہ خطبہ جمعہ میں امام جماعتِ احمدیہ نے یُوں کہا ہے تو میں نے کہا میں خود احمدی ہوں اور میں خود وہاں موجود تھا میں نے وہ خطبہ جمعہ سُنا ہے وہاں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اِس پر وہ پولیس کا نمائندہ فوراً بات بدل گیا اور کہنے لگا مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ غرض جہاں پاکستان میں ایک شریف عنصر ہے وہاں ایسا متعصّب عنصر بھی ہے جسے پاکستان کے بھلے سے غرض نہیں اسے صرف اپنے دِلی بُغض اور کینہ کے نکالنے سے غرض ہے اور وہ پاکستان کو تباہ کرنا زیادہ پسند کرتا ہے بہ نسبت اس کے کہ اسے کوئی احمدی

زندہ نظر آئے اور ایسا عنصر جھوٹ، دھوکے اور فریب سے ہرگز پرہیز نہیں کرتا۔ جو افسر شرافت اور انصاف اور پاکستان کی محبت سے معاملہ کرنا چاہتے ہیں وہ بھی ایسے موقع پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ خواہ ایسی رپورٹوں پر کارروائی نہ کریں مگر ایسے جھوٹوں کو کوئی سزا بھی نہ دیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو یہ سوال انتظامی نہیں رہے گا بلکہ سیاسی ہو جائے گا اور انہیں اپنا دامن چھڑوانا مشکل ہو جائے گا پس ان کا انصاف نصف راستہ تک چل کر کھڑا ہو جاتا ہے"۔[1]

اوکاڑہ اور اس کے ماحول کی آتشیں فضا

مسلم لیگی حکومت کی طرف سے ملک دشمن عناصر کی پشت پناہی کے خوفناک نتائج ماہ اخاء ۱۳۲۹ھش / اکتوبر ۱۹۵۰ء کے شروع میں رونما ہونے شروع ہو گئے جبکہ مغربی پاکستان میں ہر طرف جماعتِ احمدیہ کی مخالفت کا طوفان اُٹھ کھڑا ہؤا اور خصوصاً اوکاڑہ اور اس کے گردونواح میں احمدیوں کے قتلِ عام کے کھلم کھلا وعظ کئے جانے لگے چنانچہ الفضل کے نامہ نگار نے مرکزِ احمدیت میں یہ اطلاع دی کہ

"یکم اکتوبر کو احراریوں نے بعض احمدیوں کا جب کہ وہ کسی چک کی طرف جا رہے تھے جلوس بنا کر ان کا تعاقب کیا۔ سات افراد کے مُنہ پر سیاہی مَلی، ان پر مٹی اور کیچڑ پھینکا اور انہیں دھکے دیتے ہوئے اوکاڑہ ریلوے سٹیشن پر لے آئے۔ چند پولیس والوں نے ان کو بچانا چاہا تو شرپسند عنصر نے ان تانگوں پر بھی حملہ کر دیا جن میں احمدی اور پولیس کانسٹیبل سوار تھے۔ اس کے بعد احراریوں نے شہر بھر میں جلوس نکالا۔ احمدیوں کو گالیاں دیں اور پولیس والوں پر احمدیوں کی پاسداری کا الزام لگا کر انہیں کوسا۔ یہ جلوس دیر تک مسجد کے سامنے ناچتا رہا۔ اسی شام کو چوہدری غلام قادر صاحب نمبردار پریذیڈنٹ جماعتِ احمدیہ اوکاڑہ اور شیخ غلام قادر صاحب پر احراریوں نے حملہ کیا اور ریلوے لائن کے نزدیک سخت پتھراؤ کیا جن سے دونوں احمدی مجروح ہو گئے۔[2]"

اِس فتنہ انگیزی نے چند دنوں میں ہی کیا صورت پکڑ لی؟ اس کا نقشہ اوکاڑہ کے ایک غیر احمدی دوست جناب محمد عابد صاحب جالندھری نے انہی دنوں درج ذیل الفاظ میں کھینچا:-

---

[1] الفضل ۵ر جولائی ۱۹۵۰ء صفحہ ۳، ۴۔ [2] الفضل ۶ر اکتوبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۔

"ہفتہ عشرہ کے عرصہ تک بعض ناعاقبت اندیش اور خود غرض لیڈروں کی غلط لیڈرشپ کی بنا پر ایک طوفانِ بدتمیزی برپا رہا۔ اور احراری غنڈوں نے اسلام کے نام پر اخلاق سوز — نہیں نہیں — بلکہ اسلام سوز حرکات کا ارتکاب کیا۔ مگر ان کے متعلق کچھ تحریر کرنے سے قبل میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نہ مرزائی ہوں اور نہ ہی مرزائیت سے مجھے کوئی لگاؤ ہے بلکہ ایک حقیقت نگار کی حیثیت سے جو کچھ میری اِن آنکھوں نے اس غنڈہ گردی کے دوران میں دیکھا میں بقول کسے "قلم کی عصمت کو ماں بہن کی عصمت سے کم نہ سمجھتے ہوئے" اُس کا تفصیلی جائزہ لوں گا۔"

اِن ابتدائی الفاظ کے بعد لکھا:۔

"یکم اکتوبر: حقیقت یہ ہے کہ اکتوبر کی یکم کو جبکہ چند مرزائی مبلغ اوکاڑہ سے دو اڑھائی میل دُور واقع ایک دیہہ چک ۵ میں بغرض تبلیغ روانہ ہوئے تو شہر سے ۲۰، ۲۵ غنڈے ان کے پیچھے ہو لئے اور وہاں ان کی تمام مساعی کو ناکام بناتے رہے اور واپسی پر راستہ میں کوٹ نہال سنگھ کے قریب ان بیچاروں کے مُنہ سیاہ کرکے ان کا تمسخر اُڑاتے ہوئے شہر کی طرف لے آئے جہاں اسٹیشن کے قریب شہر کے امن کو خاک میں ملانے والے بعض دیگر افراد نے بھی "مرزائیت مُردہ باد" اور "مرزائے قادیان مُردہ باد" و دیگر اسی قسم کے ہتک آمیز نعرے لگائے اور مرزائی مبلغین پر پتھراؤ کیا۔

اِس شور و غوغا کو سُنکر پولیس وہاں پہنچ گئی اور مرزائی مبلغین کو اپنی حفاظت میں لے لیا مگر جب پولیس کے تانگہ پر غنڈہ عنصر نے حملہ کر دیا تو مجبوراً پولیس نے آٹھ نو حملہ آوروں کو زیر دفعہ $\frac{۱۰۷}{۱۵۱}$ گرفتار کر لیا۔

اِن گرفتاریوں کے فوراً ہی بعد شہر میں زبردستی ہڑتال کروا دی گئی مگر حکّامِ بالا نے نہایت ہوشمندی اور ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے گرفتار شدگان کو رہا کر دیا اور اس طرح شہر میں فرقہ واریت کی سُلگتی ہوئی آگ کو کسی حد تک ٹھنڈا کر دیا۔

۲۔ اکتوبر:۔ یہ دوسرا دن بخیر و عافیت گزر گیا اور اگرچہ اِس دن بظاہر امن رہا اور کسی قسم کا کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا مگر اِس حقیقت کو کسی صورت جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ کشیدگی اور کھچاؤ اِس دن بھی کسی حد تک پایا جاتا تھا۔

۳۔ اکتوبر:۔ ۳ر اکتوبر کا دن بھی ۲ بجے تک امن و امان کے ساتھ گزر گیا مگر $۲\frac{۱}{۲}$ بجے کے قریب

جبکہ پولیس نے نقضِ امن کے اندیشہ میں حافظ فضل الٰہی سابق صدر مومن کانفرنس کو گرفتار کر لیا تو شہر کی فضا پھر سے مکدّر ہو گئی اور کوئی تین چار بجے کے قریب ۴ر اکتوبر کو عام ہڑتال اور رات کو رضوی چوک اوکاڑہ میں ایک جلسۂ عام کا اعلان کر دیا۔

جلسہ میں مقررین نے نہایت اشتعال انگیز اور تہدید آمیز تقریریں کر کے عوام کے جذبات کو کافی حد تک اُکسایا اور یہی اکساہٹ دوسرے دن یعنی ۴ر اکتوبر کو ایک مرزائی کے قتل پر منتج ہوئی۔

۴ر اکتوبر:۔ اِس دن کے لئے عام ہڑتال کا اعلان کیا گیا تھا چنانچہ صبح سے ہی غنڈوں اور نافہم چھوٹے چھوٹے بچّوں کے گروہ درگروہ بازاروں کا چکّر کاٹنے لگے اور اگر کسی غریب خوانچہ فروش نے غلطی سے یا پھر اپنے بچوں کی بھوک اور افلاس سے تنگ آکر کوئی شئے فروخت کرنا چاہی تو اِن غنڈوں نے اِس غریب کی ساری پُونجی کو لُوٹ لیا اور جو کسی کے ہاتھ لگا لے کر چلتا بنا۔ اسی پر اکتفا نہیں بلکہ سارا دن یہ لوگ بازاروں اور گلیوں میں چھوٹے چھوٹے جلوسوں کی شکل میں آوارہ گردی کرتے رہے اور مرزائیوں کے خلاف نہایت اشتعال انگیز نعرے لگاتے رہے یہاں تک کہ مسجد احمدیہ کے دروازے پر جا کر ان لوگوں نے نہایت تہدید آمیز الفاظ استعمال کئے اور مسجد کے صحن میں گندگی تک پھینکنے سے گریز نہ کیا۔

شام کے تین بجے ایک جلوسِ عام کا اعلان کیا گیا تھا مگر جناب سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کی بروقت مداخلت اور چک ۴۸ میں ایک مرزائی کے قتل نے جلوس نکالنے کی جرأت نہ ہونے دی۔ اسی دن شام کو منٹگمری سے سپیشل پولیس فورس منگوائی گئی اور شہر کے تمام اہم ناکوں پر پولیس کی چوکیاں بٹھا دی گئیں۔“ [1]

ماسٹر غلام محمد صاحب کا واقعہ شہادت

اِس رپورٹ میں جس شہیدِ احمدیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ماسٹر غلام محمد صاحب تھے جو چک ۴۸/۳۔آر میں دیہاتی سکول کے ٹیچر تھے اور تقسیمِ ملک سے قبل جماعتِ احمدیہ کھیمباں ضلع ہوشیار پور میں سیکرٹری مال تھے۔ [2]

رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء میں آپ کے واقعہ شہادت کے حالات میں لکھا

---

[1] الفضل ۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۳ ۔ [2] الفضل ۱۱ر اکتوبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۱ ۔

ہے :-

"یکم اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ایک احمدی مولوی نور دین سات دوسرے احمدیوں کے ساتھ تبلیغی مہم پر چک ۵ میں گیا۔ یہاں کے غیر احمدیوں نے ان مبلغوں کو گھیر لیا پھر ان پر کیچڑ پھینکی۔ ان کے چہروں پر کالک ملی اور گندے پانی میں سے انہیں ہنکا کر ریلوے سٹیشن اوکاڑہ تک پہنچایا۔ پولیس میں اس واقعہ کی رپورٹ لکھائی گئی جس پر ایک شخص مولوی فضل الٰہی زیر دفعات ۱۴۷، ۳۴۲ زیر حراست لے لیا گیا۔ اِس گرفتاری کے خلاف احتجاج کے طور پر اوکاڑہ میں دکانیں بند ہوگئیں اور ۳ ر اکتوبر کی رات کو ایک جلسۂ عام ہوُا جس میں ہزاروں اشخاص شامل ہوئے بہت سے مقرّرین نے تقریریں کیں جو بے انتہا اشتعال انگیز تھیں۔ ایک مقرر نے جلسے کے نوجوان حاضرین سے اپیل کی کہ مرزائی فتنہ سے قوم کو نجات دلاؤ۔ دوسرے دن محمد اشرف نے جو تقریریں سُن چکا تھا ایک چھرے سے مسلح ہو کر غلام محمد کا تعاقب کیا جبکہ وہ اوکاڑہ جا رہا تھا محمد اشرف نے غلام محمد کو ایک نہر کے قریب جا لیا اور اس کے چھرا گھونپ دیا۔ غلام محمد کا زخم کاری تھا چنانچہ وہ تھانے کو لے جانے سے پہلے ہی مر گیا۔ محمد اشرف ایک مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا گیا جہاں اس نے یہ بیان دیا:-

"پہلے یہ کہا کہ ستمبر میں پھر کہا کہ اکتوبر کی تیسری تاریخ کو اوکاڑہ میں ایک جلسہ ہوُا جس میں رضوان بشیر احمد، مولوی ضیاء الدین، قاضی عبد الرحمٰن، چوہدری محبوب عالم اور صدر جلسہ نے جو غالباً قاضی تھے پُرجوش تقریریں کیں جن میں بتایا کہ مرزائی نبی کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں دیتے ہیں ہم حضورؐ کی عظمت کے لئے اپنی جانیں دے دیں گے۔ تقریر میں یہ کہا گیا کہ جو لوگ ان کو (احمدیوں کو) پہچان کر نابود کرنے پر آمادہ ہیں وہ اپنے ہاتھ اُٹھائیں۔ جلسے میں علم دین غازی کا ذکر بھی کیا گیا اور اس کی سرگذشت سُنائی گئی میں نے اس سے پہلے بھی علم دین غازی کی سرگذشت پڑھی تھی اور ایک دفعہ اس کے مقبرے پر بھی گیا تھا۔ اس کے بعد جلسہ ختم ہو گیا میں گھر واپس آ گیا۔ تقریروں کے الفاظ رات بھر میرے دماغ میں گونجتے رہے صُبح اُٹھ کر میں سائیکل پر چک ۴۲ گیا جہاں ماسٹر تفریحی چھٹی پر اپنے گھر گیا ہوُا تھا۔ میں چک میں ٹھہرا رہا تاوقتیکہ وہ سکول میں نہ آ گیا۔ گاؤں کے چوک کی ایک دکان پر میں نے ایک سگریٹ پیا جب میں باہر نکلا ماسٹر سکول میں نہ تھا مجھے یقین تھا کہ ماسٹر مرزائی ہے۔ اور میں اسی نیت سے آیا تھا۔ چک میں میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ آیا حضور نبی کریمؐ کے زمانے میں ہمارے بچوں کو پڑھانے پر کوئی کافر مقرر تھا؟ اِس ماسٹر کو کیا حق ہے کہ وہ ہمارے چک میں مقیم ہے۔ زمین الاٹ کرا رکھی ہے اور بچوں کو پڑھا رہا ہے۔ اِس کے بعد میں نے ایک لڑکے سے

پوچھا کہ ماسٹر کہاں گیا ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ چک ۴۲/۲-آر کو گیا ہے۔ مَیں نے پوچھا سائیکل پر یا پیدل؟ جواب ملا سائیکل پر۔ میرے پاس اُس وقت ایک چُھرا تھا۔ مَیں نے اس کو ڈو میل کے فاصلے پر جا لیا۔ وہاں مَیں نے اپنے سائیکل سے اُتر کر اس کے سائیکل کو دھکّا دیا اور اسے گرا لیا۔ مَیں نے ماسٹر کو چُھرے سے ایک ضرب لگائی اور وہ بھاگ کر چھوٹی نہر کے پانی میں گُھس گیا۔ چُھرا ٹھیک نہ رہا۔ مَیں نے اسے درست کیا اور پھر پانی میں اُدھر میں لگا۔ مَیں اس کو مار ہی رہا تھا کہ اِدھر اُدھر سے کچھ لوگ جمع ہوگئے اور انہوں نے مجھے روکا۔ مَیں نے ان سے کہا کہ مجھے نہ روکو مَیں ایک کافر کو قتل کر رہا ہوں۔ ایک اور اجنبی شخص نے مجھ سے سوالات کئے مَیں نے اس کو بھی یہی بتایا کہ مَیں نے ایک کافر کو ہلاک کر دیا ہے۔ پھر مَیں اوکاڑہ چلا گیا۔“ [۱]

پنجاب پریس کا جانبدارانہ رَوَیّہ اور ”تسنیم“ کی معذرت

”ناعاقبت اندیش“ اور ”خود غرض لیڈروں“ کے اس ظلم و ستم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی بجائے پنجاب پریس خصوصاً ”آزاد“[۲] اور ”تسنیم“[۳] لاہور نے اصل حقائق کو مسخ شدہ صورت میں نہایت درجہ رنگ آمیزی سے شائع کیا جس پر اخبار ”الفضل“ نے سختی سے نوٹس لیا اور بالآخر ادارہ ”تسنیم“ کو حسبِ ذیل الفاظ میں معذرت شائع کرنا پڑی:-

”لاہور ۱۰ اکتوبر۔ قیّم جماعتِ اسلامی ضلع منٹگمری اطلاع دیتے ہیں کہ تسنیم کے نامہ نگار اوکاڑہ نے قادیانیوں کے متعلق جو خبریں بھیجی ہیں وہ جذباتی اور خلافِ واقعہ ہیں اس لئے نامہ نگار مذکور کو تسنیم کی نامہ نگاری سے علیحدہ کر دیا۔ ادارہ کو ان خبروں پر افسوس ہے جو نامہ نگار مذکور نے قادیانیوں کی ”اشتعال انگیزی“ کے متعلق بھیجی ہیں تسنیم جس دعوت اور مسلک کا داعی ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہمارے کالموں میں دانستہ کوئی ایسی چیز شائع نہ ہو جو خلافِ واقعہ ہو۔“ [۴]

افسوس ”تسنیم“ کے علاوہ کسی اور اخبار کو اس اخلاقی جرأت کی توفیق نہ ہو سکی حالانکہ محمد عابد صاحب جالندھری کے الفاظ میں ”ان اخبارات نے یا پھر ان کے نامہ نگاروں نے حق و صداقت کا منہ چڑانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔“ [۵]

---

[۱] رپورٹ تحقیقاتی عدالت فساداتِ پنجاب ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۴، ۲۵ ٭ [۲] مجلس احرار کا ہفت روزہ ترجمان ٭
[۳] جماعتِ اسلامی کا روزنامہ ٭ [۴] بحوالہ روزنامہ الفضل ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۱ ٭
[۵] الفضل ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۴ ٭

اخبار تنظیم (پشاور) کا پُرزور نوٹ اور حکومت سے مطالبہ

جہاں تک صوبہ سرحد کا تعلق ہے اس کے اخبارات نے انتہائی غیر جانبدارانہ روش اختیار کی بلکہ پشاور کے ہفت روزہ "تنظیم" نے اپنی ۲۶ راکتوبر ۱۹۵۰ء کی اشاعت میں "احرار کی پاکستان دشمن سرگرمیاں" کے زیرِ عنوان مندرجہ ذیل پُرزور نوٹ سپردِ اشاعت کیا :۔

"کسے معلوم نہیں کہ مجلسِ احرار بھی کانگریس کی طرح مسلمانوں کے محبوب مطالبہ پاکستان کی روزِ اوّل سے شدید مخالفت کرتی رہی ہے۔ پاکستان کو پلیدستان اور قائدِ اعظم کو اوّل درجہ کا فرقہ پرست کہنے والی اِس نام نہاد اور پاکستان دشمن جماعت نے قیامِ پاکستان کے بعد ملک کے قومی اتحاد کے شیرازہ کو بکھیرنے کے لئے پنجاب میں مذہبی تبلیغ کے نام سے گذشتہ عرصہ میں جو کانفرنسیں اور جلسے کئے ان احرار مبلّغوں نے نہ صرف شیعہ سُنّی مناقشات کو ہوا دی بلکہ جماعت احمدیہ کے خلاف ہلاکت آفرین زہر اُگلا۔ اس کی تفصیل ہم کسی گذشتہ اشاعت میں دے چکے ہیں۔ احرار نے اپنے یہ تبلیغی جلسے پنجاب کے ان اہم مرکزی مقامات اور دیہات میں کئے جہاں کے نوجوان پاکستانی افواج میں ملک وملّت کی خدمت کر رہے ہیں اور آئندہ بھی یہی علاقے ملک کی خدمت کے لئے نوجوانوں کی بھرتی دے سکتے ہیں پنجاب کے سادہ لوح دیہاتیوں میں پاکستان کی فوجی قوّت اور قومی اتحاد کو کمزور کرنے کے لئے مرزائیت اور احمدیت کو کافر اور خارج از اسلام بے دین فرقہ ظاہر کر کے عوام سے کہا گیا کہ تمہیں یہ کیا معلوم ہے کہ اِس وقت پاکستان کے جتنے اہم سرکاری شعبے ہیں ان میں شیعوں اور احمدیوں کی حکمرانی ہے اور خاص کر پاکستان کی طرف سے سر ظفر اللہ کا بطور وزیرِ خارجہ تقرر مسلمانوں کے لئے مذہبی اور ملکی نقطۂ نظر سے شدید خطرہ ونقصان کا باعث ہے۔ اسلام کسی حالت اور کسی صورت میں احمدیوں سے اشتراکِ عمل کی اجازت نہیں دیتا۔

لہٰذا مسلمانو! احمدیوں کی خفیہ ریشہ دوانیوں اور سر ظفر اللہ کے ہندوؤں سے کشمیر کے سودا کے سازباز وغیرہ مسلم دشمن حرکات سے بروقت خبردار رہو۔ اگر سر ظفر اللہ اسی طرح وزارتِ خارجہ کے اہم عہدہ پر فائز رہا تو بس یہی سمجھو کہ تمہارا اسلام اور کلچر وغیرہ سب مٹ جائیں گے حالانکہ سر ظفر اللہ کی سلامتی کو نسل میں نہ صرف پاکستان بلکہ تمام اسلامی ممالک کے مسائل سے گہری، بے لوث اور ٹھوس ترجمانی کے باعث تمام عرب ممالک نے سر ظفر اللہ پر اپنے اعتماد کا اظہار کر چکے ہیں اور مسلم ممالک کے حقوق

کی نگہداشت کے لئے اقوامِ متحدہ کے ادارہ میں سر ظفر اللہ کی موجودگی کو اسلامی ممالک کی خوش قسمتی سے تعبیر کیا جا رہا ہے نیز پاکستان کے قیام اور بعد میں پاکستان کے استحکام کے لئے مسلم جماعتِ احمدیہ کو جو بے مثال اور ناقابلِ فراموش قربانی ادا کرنی پڑی ہے اس کے پیشِ نظر چاہیئے تو یہ تھا کہ اس جماعت کی جو اپنا ناموس اور گھر بار اور کروڑوں روپیہ کی جائداد اور اپنا مرکز چھوڑ کر پاکستان پہنچی تھی .... قدر کی جاتی .... یقیناً پاکستان کے لئے اس جماعت کی قربانیاں باقی مسلمانانِ ہند کے مقابلہ میں اگر زیادہ قابلِ قدر نہیں تو اس درجہ حقیر اور خلافِ انسانیت سلوک کے قابل نہیں کہ احرار کی فتنہ انگیز تقاریر سے متاثر ہو کر اوکاڑہ میں وہاں کے غنڈوں کے ہاتھوں نہ صرف کہ چند احمدیوں کے مُنہ کالے کئے گئے بلکہ مسجد احمدیہ میں گندگی تک پھینکی گئی اور غنڈوں کا انتقامی جوش ایک بے گناہ احمدی مسلمان کی شہادت کا باعث بھی بنا۔ ابھی اوکاڑہ کی فضا احمدیوں کے مزید کشت و خون کے لئے مکدر بیان کی جاتی ہے۔ گو عارضی طور پر وہاں پولیس کی چوکیاں بٹھا کر امن قائم کر دیا گیا ہے۔

ضرورت ہے کہ آنریبل ڈاکٹر لیاقت علی خان صاحب وزیر اعظم پاکستان اپنی اولین توجہ اوکاڑہ کے تازہ سانحہ پر دیں اور وہابیوں، شیعوں اور احمدیوں کو کفر و الحاد کی سندیں دینے والی پاکستان دشمن احرار جماعت کی اِس قسم کی فتنہ انگیز تقریروں پر کڑی پابندی عائد کی جائے اور سانحہ اوکاڑہ کا اصل پس منظر معلوم کیا جائے کہ آیا وہ کونسے اسباب تھے کہ پورے چار دن اوکاڑہ کے غنڈوں نے امن و قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر وہاں کے احمدیوں پر عرصہ حیات تنگ کئے رکھا۔ چونکہ پاکستان کا قیام ایک جمہوری اور قومی ریاست کی بنیاد پر عمل میں لایا گیا ہے اِس لحاظ سے ہمارا مطالبہ ہے کہ ہر پاکستانی کو ملکی قانون کے اندر رہتے ہوئے پوری مذہبی آزادی حاصل ہونی چاہیئے۔ سانحۂ اوکاڑہ کے اصل محرک جو لوگ ہیں انہوں نے اسلامی اصولوں کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی پاکستان دشمنی کا ثبوت دیا ہے اور ان کے اِس فعل سے پاکستان کے قومی اتحاد کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ ایسی مجرمانہ اور غیر ذمّہ دارانہ حرکات کا آئندہ کے لئے مکمل سدِّباب کرے اور پاکستان میں رہنے والی تمام ایسی نام نہاد مذہبی جماعتوں کی تقریر و تحریر پر پابندی عائد کی جانی ضروری ہے جو فرقہ دارانہ جذبات کی انگیخت کا باعث ہوں۔"

حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے جماعت احمدیہ کو اپنے اندر روحانی انقلاب برپا کرنے کی تلقین

شہیدِ احمدیت ماسٹر غلام محمد صاحب کے المناک واقعہ شہادت پر حضرت مصلح موعودؓ نے ۶ر اخاء ۱۳۲۹ھ کو ایک عارفانہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حضور نے جماعت پر واضح کیا کہ نبیوں کی جماعتوں کو پتھر، کنکر اور کانٹوں پر سے ہی گذرنا پڑتا ہے مگر یاد رکھو جب تم خدا کے لئے اپنے آپ کو بدل دو گے تو خدا تمہارے لئے ساری دُنیا کو بدل دے گا۔ چنانچہ فرمایا :-

"آج مَیں اختصار کے ساتھ اِس امر کی طرف جماعت کو خصوصاً جماعت کے نوجوانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ جماعتِ احمدیہ کی مخالفت بہت سخت ہوتی جاتی ہے۔ وہ لوگ جو کل تک ہماری جماعت کی تعریف میں رطب اللسان تھے آج ان کے خون کے پیاسے نظر آ رہے ہیں۔ آپ لوگوں نے اخبار میں اوکاڑہ کے واقعات پڑھے ہوں گے کہ وہاں ہمارے ایک دوست کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اب پردہ ڈالنے کے لئے یہ کہا جا رہا ہے کہ قتل کرنے والے کی مخالفت کی بناء کوئی لین دین کا جھگڑا تھا مگر ساتھ ہی یہ تسلیم کیا جا رہا ہے کہ وہ جھگڑا ۲ دو سال کا پُرانا تھا۔ حالانکہ اگر یہ بات درست بھی تسلیم کر لی جائے کہ ۲ دو سال پہلے کا کوئی جھگڑا تھا تب بھی اِس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس وقت اس کا قتل کرنا درحقیقت اُن مولویوں کی انگیخت کا نتیجہ تھا جنہوں نے ہماری جماعت کے خلاف تقریریں کیں۔ ورنہ اگر صرف یہی جھگڑا اختلاف کا باعث تھا تو اس نے گذشتہ ۲ دو سال میں یہ فعل کیوں نہ کیا۔ اگر ایک شخص دیکھے کہ کوئی اُس کے بچّہ کو پیٹ رہا ہے اور وہ اُس وقت خاموش رہے لیکن ۲ دو سال کے بعد مارنے والے کو پیٹنے لگے اور کہے کہ مَیں اِس لئے پیٹ رہا ہوں کہ اس نے آج سے ۲ دو سال پہلے میرے بچّہ کو مارا تھا تو کون شخص اس کی بات کو تسلیم کریگا یہ شخص کہے گا کہ اب اتنا عرصہ گذر جانے کے بعد تمہارا پیٹنا اگر اشتعال کی وجہ سے ہے تب بھی اس اشتعال کو کسی اَور چیز نے تازہ کر دیا ہے۔ اِسی طرح اس اشتعال کو زندہ کرنے والا، اس اشتعال کو تازہ کرنے والا اور اس اشتعال کو اُبھارنے والا مولویوں کا لوگوں کو جوش دلانا اور ان کا احمدیوں کے خلاف تقریریں کرنا تھا۔ اور یہ ایک جگہ کا سوال نہیں ہر جگہ یہی ہو رہا ہے۔ اِن حالات میں پہلی نصیحت تو مَیں جماعت کے دوستوں کو یہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اِن امور کو ابتلاء یا شر نہ سمجھیں بلکہ دینی ترقی کا ذریعہ سمجھیں۔ یہ بُزدلوں اور بے ایمانوں کا کام ہوتا ہے کہ وہ مصائب کے آنے پر گھبرا جاتے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ کے ابتداء میں ہی منافق کی یہ علامت بیان فرمائی ہے کہ جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ ٹھہر جاتا ہے اور جب آرام اور راحت کا وقت آتا ہے تو چل پڑتا ہے۔ مومن وہ ہوتا ہے جو مصائب کے وقت اَور بھی زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ احزاب کے موقع پر جب مسلمانوں سے کہا گیا کہ لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں اور وہ تمہیں مارنے کی فکر میں ہیں تو انہوں نے کہا یہ تو ہمارے ایمانوں کو بڑھانے والی بات ہے کیونکہ ہمارے خدا نے پہلے سے ان واقعات کی خبر دے رکھی تھی۔ اس سے ہمارے ایمان متزلزل کیوں ہوں گے وہ تو اَور بھی بڑھیں گے اور ترقی کریں گے۔ پس ایسے اُمور سے مومنوں کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مدارج کو بلند کرنے کے سامان پیدا کر رہا ہے ہم میں سے کون ہے جس نے ایک دن مرنا نہیں مگر ایک موت کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ طبعی موت ہوتی ہے اور دوسری موت کے متعلق فرماتا ہے کہ ایسے مرنے والے ہمیشہ سے زندہ ہیں بلکہ فرماتا ہے کہ تم ان کو مُردہ مت کہو وہ زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو رزق مل رہا ہے یعنی اُن کی رُوحانی ترقیات کے سامان متواتر ہوتے چلے جائیں گے۔ دشمن تو یہی دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ تم کو مٹا دے اور وہ تم کو غمگین بنا دے مگر جب وہ دیکھتا ہے کہ تمہیں مارا جاتا ہے تو تم اَور بھی زیادہ دلیر ہو جاتے ہو، تم اَور بھی زیادہ خوش ہو جاتے ہو اور کہتے ہو کہ خدا نے ہماری ترقی کے کیسے سامان پیدا کئے ہیں تو اس کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے۔"

نیز فرمایا:-

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام پہلے ایک تھے پھر ایک سے دو ہوئے، دو سے چار ہوئے، چار سے آٹھ ہوئے، آٹھ سے سولہ ہوئے، سولہ سے بتیس ہوئے، بتیس سے چونسٹھ ہوئے، چونسٹھ سے ایک سو اٹھائیس ہوئے اور اسی طرح ہم بڑھتے چلے گئے۔ کب وہ وقت آیا کہ ہمارا دشمن کمزور تھا اور ہم طاقتور تھے۔ ہماری تاریخ میں کوئی وقت ہم پر ایسا نہیں آیا کہ دشمن کمزور ہو اور ہم طاقتور ہوں یا کب وہ وقت آیا کہ ہمارے پاس سامان تھے اور دشمن کے پاس سامان نہیں تھے ہمیشہ ہمارے دشمن کے پاس ہی سامان تھے اور ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھے یا کب وہ وقت آیا کہ دشمن نے ہمیں امن دینے کا ارادہ کیا ہو اور اس کے اس ارادہ کی وجہ سے ہم بچے ہوں۔ ہمیشہ ہی دشمن نے ہمارے قتل کے فتوے دیئے لیکن ہمیشہ ہی خدا نے ہم کو بچایا اور خدا تعالیٰ نے ہم کو بڑھایا پس وہ کونسی نئی چیز ہے جس سے تم گھبراتے ہو

یا کونسی نئی بات ہے جو تمہیں تشویش میں ڈالتی ہے۔ کیا کوئی نبی دُنیا میں ایسا آیا ہے جس کی جماعت نے پھولوں کی سیج سے گزر کر کامیابی حاصل کی ہو۔ پتھر اور کنکر اور کانٹے ہی ہیں جن پر سے نبیوں کی جماعتوں کو گزرنا پڑا اور انہی پر سے تم کو بھی گزرنا پڑے گا۔ جس طرح ایک بکری کے بچہ کے پَیر میں جب کانٹا چُبھ جاتا ہے تو گلہ بان اس کو اپنی گود میں اُٹھا لیتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کرتے ہوئے اگر تمہارے پاؤں میں کانٹا بھی چُبھے گا تو ایک غریب آجڑی نہیں، ایک کمزور گلہ بان نہیں بلکہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا خدا تم کو اپنی گود میں اُٹھا لے گا۔ لیکن اگر تم ڈرتے ہو تو تم اپنے ایمان میں کمزور ہو اور ان نتائج کے دیکھنے کے اہل نہیں جو انبیاء کی جماعتیں دیکھتی چلی آئی ہیں۔ تم اپنی سُستیوں اور غفلتوں کو دُور کرو۔ مایوسیوں کو اپنے قریب بھی نہ آنے دو۔ تمہیں خدا تعالیٰ نے شیر بنایا ہے تم کیوں یہ سمجھتے ہو کہ تم بکریاں ہو۔ جدھر تمہاری باگیں اُٹھیں گی ادھر سے ہی اسلام کے دشمن بھاگنے شروع ہو جائیں گے اور جدھر تمہاری نظریں اُٹھیں گی ادھر ہی صداقت کے دشمن گرنے شروع ہو جائیں گے۔ بے شک خدا تعالیٰ کے دین کے قیام کے لئے تم ماریں بھی کھاؤ گے۔ تم قتل بھی کئے جاؤ گے تمہارے گھر بھی جلائے جائیں گے مگر تمہارا قدم ہمیشہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے گا اور کوئی طاقت تمہاری ترقی کو روک نہیں سکے گی۔ الٰہی سُنّت یہی ہے کہ اس کی جماعتیں مرتی بھی ہیں، اس کی جماعتیں کُچلی بھی جاتی ہیں۔ اور اس کی جماعتیں بظاہر دنیوی نقصان بھی اُٹھاتی ہیں مگر ان کا قدم ہمیشہ ترقی کی طرف بڑھتا ہے۔ اور یہی وہ مُعجزہ ہوتا ہے جو سنگدل سے سنگدل دشمن کو بھی ان کے آگے جُھکا دیتا ہے اور انہیں فتح اور کامیابی حاصل ہو جاتی ہے پس اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرو۔ نمازوں پر زور دو۔ دعاؤں پر زور دو۔ شب بیداری پر زور دو۔ صدقہ و خیرات پر زور دو۔ دین کی خدمت پر زور دو۔ تبلیغ پر زور دو اور اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو جب تم خدا کے لئے اپنے آپ کو بدل لو گے تو خدا تمہارے لئے ساری دنیا کو بدل دے گا۔" [1]

راولپنڈی میں چوہدری بدرالدین صاحب کی شہادت

ماسٹر غلام محمد صاحبؓ کی دردناک شہادت کا زخم بالکل تازہ ہی تھا کہ صرف چند روز بعد جماعتِ احمدیہ راولپنڈی کے ایک سادہ مزاج اور خاموش طبع بزرگ اور صحابی چوہدری بدرالدین صاحبؓ لدھیانوی گولی مار کر شہید کر دئے گئے۔

---

[1] الفضل ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۰ء ص۳ تا ص۵۔

چوہدری صاحب موصوف ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم قادیان میں پائی۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے ۱۸۹۹ء کے لگ بھگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی۔ عرصہ دراز تک جماعت احمدیہ لدھیانہ کے سیکرٹری مال اور سیکرٹری امور عامہ رہے۔ آپ کو یہ بھی فخر حاصل تھا کہ ایک بار حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ اور حضرت ام المومنینؓ مالیر کوٹلہ تشریف لے جاتے ہوئے آپ کے مکان واقع سرائے نواب متصل اسٹیشن لدھیانہ میں قیام فرما ہوئے تھے۔ فسادات ۱۹۴۷ء میں آپ گوالمنڈی راولپنڈی میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ راولپنڈی میں احرار کانفرنسوں نے سخت اشتعال پھیلا دیا تھا۔ ۱۲؍اخاء ۱۳۲۹ھش/۱۲؍اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ساڑھے چھ بجے شام گوالمنڈی کے باغیچہ میں آرہے تھے کہ فائر بریگیڈ کے پاس ایک شخص ولایت خاں نے ان پر پیچھے سے فائر کیا اور گولی اُن کی پُشت کو چیرتی ہوئی پیٹ کی طرف سے نکل گئی[۱]۔ اتفاق سے اس وقت ایک سب انسپکٹر پولیس نے جو کسی کام کے تعلق میں باہر سے راولپنڈی آئے ہوئے تھے قاتل کو گولی چلاتے دیکھ لیا اور اسے موقع پر ہی گرفتار کرکے اس کا پستول چھین لیا۔ اور جیسا کہ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء کے فاضل ججوں نے اپنی رپورٹ میں ذکر کیا ہے "عینی شاہدوں میں سے ایک نے جس پر سیشن جج اور ہائی کورٹ دونوں نے اعتبار کیا ہے یہ بتایا کہ جب مُجرم کو عین موقع پر گرفتار کیا گیا تو اُس نے خود یہ اعتراف کیا تھا کہ مَیں نے بدر دین کو اسلئے ہلاک کیا ہے کہ وہ احمدی ہے۔"[۲]

چوہدری بدرالدین صاحب گولی لگنے سے گر پڑے۔ اُن کے ایک داماد ڈاکٹر میر محمد صاحب قریشی نے آپ کو فوراً ایمبولینس کار کے ذریعہ سول ہسپتال پہنچایا مگر آپ جانبر نہ ہو سکے اور اگلے دن گیارہ بجے کے قریب اپنے حقیقی مولا کے پاس پہنچ گئے۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بیہوشی کے عالم میں بھی آپ کی زبان پر مسنونہ دعائیں اور کلمہ طیبہ جاری رہا[۳]۔ آپ اپنے خاندان میں اکیلے احمدی تھے مگر آپ نے اپنے پیچھے چونتیس افراد کا کنبہ بطور یادگار چھوڑا۔

اخبارات کی جھوٹی گمراہ کُن اور متضاد خبریں

چوہدری صاحب کی المناک شہادت پر گوالمنڈی راولپنڈی کے تمام غیر احمدی

---

[۱] الفضل ۱۲؍اخاء و ۱۶؍نبوت ۱۳۲۹ھش [۲] رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۷ (اردو ایڈیشن)

[۳] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۶؍نومبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۶ (مضمون محمود احمد صاحب ناصر اسسٹنٹ انسپکٹر آف ورکس ریلوے کیمبلپور)

معززین و شرفاء نے قاتل کی اِس ناجائز کارروائی کو نہایت ہی ظالمانہ فعل قرار دیا[1] مگر اِس دفعہ بھی پنجاب کے اخبارات نے جن میں احرار اور جماعتِ اسلامی کے ترجمان پیش پیش تھے اصل واقعہ شہادت کے متعلق بالکل غلط، گمراہ کُن اور متضاد اطلاعات شائع کیں حتّٰی کہ تسنیم نے ۱۳؍ اکتوبر ۱۹۵۰ء کے پرچہ میں یہ خبر وضع کی کہ "رسول کریمؐ کی شان میں گستاخی کرنے پر ایک قادیانی کو گولی کا نشانہ بنا دیا"۔ اس کے برعکس "تسنیم" (مورخہ ۱۵؍ اکتوبر ۱۹۵۰ء) میں ہی مجلس احرار راولپنڈی کے سیکرٹری کی اطلاع چھپی کہ یہ قتل روزنامہ تعمیر راولپنڈی کی ۱۳؍ اکتوبر کی شائع شدہ خبر کے مطابق ایک مکان کی وجہ سے جھگڑا ہونے پر ہوا ہے اور پاکستان ٹائمز نے ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۵۰ء کی اشاعت میں یہ بتایا کہ کبوتر بازی کا جھگڑا تھا جو قتل پر منتج ہوا ہے۔ حالانکہ قاتل نے واضح رنگ میں یہ اعتراف کیا تھا کہ مَیں نے ایک احمدی کو قتل کیا ہے کیونکہ علماء نے ہم کو یہی بتایا ہے کہ یہ لوگ اسلام کے دشمن اور واجب القتل ہیں۔

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے جماعت کو تبلیغِ حق کا خصوصی ارشاد

حضرت مصلح موعودؓ نے اِس واقعۂ شہادت پر بھی ۱۳؍ اخاء کو خطبہ دیا جس میں اِس بات پر اظہارِ افسوس کیا کہ جب ہم ۱۹۴۷ء میں قادیان سے ہجرت کر کے آئے تو مَیں نے جماعت کو تبلیغ کی طرف توجہ دلائی تھی اور کہا تھا کہ لوگ آج تمہاری تعریفیں کرتے ہیں حتّٰی کہ اخبار زمیندار تک میں احمدی جماعت کی بہادری کی تعریفیں ہو رہی ہیں لیکن ان عارضی تعریفوں پر مت جاؤ اور یاد رکھو کہ تم ان حالات میں سے گذرنے پر مجبور ہو کہ جن حالات میں سے پہلے نبیوں کی جماعتیں گذری ہیں۔ تمہیں خون بہانے پڑیں گے تمہیں جانیں دینی پڑیں گی۔ اس پر کچھ افراد اور جماعتوں نے کہا کہ آجکل جماعت کی بہت تعریف ہو رہی ہے اِس وقت تو تبلیغ بالکل نہیں کرنی چاہیئے۔ مَیں نے ان سے کہا کہ وہ دن آنے والے ہیں کہ یہی تعریف کرنے والے تمہیں گالیاں دیں گے اور تم اُس وقت کہو گے کہ آج ہماری بہت مخالفت ہے اِس لئے ہمیں تبلیغ نہیں کرنی چاہیئے۔ گویا کچھ دِن تو تم تبلیغ سے اِس لئے غافل ہو جاتے ہو کہ لوگ تمہاری تعریف کرتے ہیں اور کچھ دن تم تبلیغ سے اِس لئے غافل ہو جاتے ہو کہ لوگ تمہاری مخالفت کرتے ہیں۔ پھر وہ دن کب آئے گا جب تم تبلیغ کرو گے؟

---

[1] الفضل ۷؍ نومبر ۱۹۵۰ء صک (مضمون چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر مبلغ اسلام سپین)

حضرت امیر المومنین نے ان درد بھرے کلمات کے بعد احبابِ جماعت کو نہایت پُرجوش الفاظ میں دوبارہ تاکیدی حکم دیا کہ وہ پیغامِ احمدیت پہنچانے کی طرف پوری توجہ دیں چنانچہ فرمایا :۔

"یاد رکھو یہ واقعات تمہیں بیدار کرنے کے لئے ہیں۔ تم کب سمجھو گے کہ تم ایک مامور کی جماعت ہو۔ تم کب سمجھو گے کہ تم دنیا سے نرالے ہو۔ تم کب سمجھو گے کہ خدا تمہارے خون کے قطروں سے دنیا کی کھیتیوں کو نئے سرے سے سرسبز و شاداب کرنا چاہتا ہے۔ جب تک تم یہ نہیں سمجھو گے نہ خدا تعالیٰ کی مدد تمہارے پاس آئے گی اور نہ تم ترقی کا منہ دیکھ سکو گے۔ تم مت سمجھو کہ تبلیغ کے نتیجہ میں بہت کم لوگ سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کے نتیجہ میں بعض کے نزدیک مکہ میں صرف اسّی اور بعض کے نزدیک تین سو آدمی اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ گویا تیرہ سال کی تبلیغ سے ان دونوں میں سے جو تعداد بھی سمجھ لو اسّی سمجھو یا تین سو سمجھو صرف اتنے لوگ ہی اسلام میں داخل ہوئے لیکن جب وقت آیا تو ۲ سال کے اندر اندر سارا عرب مسلمان ہو گیا۔ اصل میں یہ چیز بطور امتحان کے ہوتی ہے تبلیغ خدا اس لئے کرواتا ہے تا بعد میں تم خوش ہو کر کہہ سکو کہ ہماری محنت اور ہماری قربانی اور ہماری جدّ و جہد اور ہماری تبلیغ کے نتیجہ میں دنیا مسلمان ہوئی ہے ورنہ دنیا کو مسلمان کرنا خدا کا کام ہے۔ جس دن خدا یہ دیکھ لے گا کہ اسلام اور احمدیت کے پھیلانے کے لئے جماعت نے ہر قسم کی قربانیاں کر لی ہیں۔ اس نے اپنے مالوں کو بھی قربان کر دیا ہے۔ اس نے اپنی جانوں کو بھی قربان کر دیا ہے۔ اسنے اپنی عزّتوں کو بھی قربان کر دیا ہے۔ اس نے اپنے رشتہ داروں کو بھی قربان کر دیا ہے۔ اس نے اپنے اوقات کو بھی قربان کر دیا ہے۔ اس نے اپنے وطنوں کو بھی قربان کر دیا ہے تو وہ اپنے فرشتوں سے کہے گا کہ جاؤ اور دنیا کے دلوں کو بدل دو اور لوگوں کو ان کے پاس کھینچ کر لے آؤ۔ اور جب خدا کی مدد آجائے تو لوگ اس کے سلسلہ میں داخل ہونے سے رُک نہیں سکتے۔ وہ آپ فرماتا ہے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ جب خدا دیکھتا ہے کہ اس جماعت نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے تو وہ خود لوگوں کے دلوں کو بدل دیتا ہے ورنہ صرف تبلیغ سے لوگوں کے دلوں کو بدلا نہیں جا سکتا۔ اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے ہی مسلمان لوگ ہوتے تو صرف عرب کے لئے ہی شاید کئی صدیاں درکار ہوتیں۔ آپ کی تبلیغ سے ایک چھوٹی سی جماعت تیار ہوئی اور

باقی لوگوں کے دلوں کو فرشتوں نے خود بدل ڈالا۔ پس اِس بات کو عجیب نہ سمجھو کہ تمہاری تبلیغ کے نتیجہ میں دنیا کس طرح احمدی ہو جائے گی۔ تمہاری تبلیغ صرف تمہارے ایمان کو ثابت کرے گی۔ تمہاری تبلیغ صرف تمہارے یقین کو ثابت کرے گی۔ تمہاری تبلیغ صرف تمہارے تعلق باللہ کو ثابت کرے گی۔ تمہاری تبلیغ صرف اِس بات کو ثابت کرے گی کہ تم خدائی قانون کے معترف ہو جس دن یہ مقام تمہیں حاصل ہو گیا اور جس دن تم نے یہ ثابت کر دیا کہ خدا تعالیٰ کے حکم کی تکمیل میں تم کسی سے نہیں ڈرتے اُس دن وہ آپ ہی آپ لوگوں کے دلوں کو بدل دے گا جیسے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ کے متعلق خبریں دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ دن ایسے ہوں گے کہ رات کو لوگ کافر سوئیں گے اور صبح اٹھیں گے تو مسلمان ہوں گے۔ پھر خدا خود لوگوں کے دِلوں کو بدلے گا اور وہ انہیں کھینچتے ہوئے تمہاری طرف لے آئے گا۔ دوسرا اب دنیا کے دِلوں کو بدلنا تمہارے اختیار میں نہیں خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ خدا تعالیٰ صرف یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دلوں کو بدل دو اور یہی تبلیغ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ تبلیغ یہ نتیجہ پیدا نہیں کرتی کہ دنیا مسلمان ہو جائے تبلیغ یہ نتیجہ پیدا کرتی ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اگر تم تبلیغ نہیں کرو گے تو اسکے معنے یہ ہیں کہ تم ڈرتے ہو کہ لوگ ہمیں دُکھ دیں گے لیکن جب تمہارے اندر تبلیغ کا جوش پیدا ہو جاتا ہے اور وہ جوش ثابت کر دیتا ہے کہ تم لوگوں سے نہیں ڈرتے تو خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے کہتا ہے مخالفت کا زمانہ ختم ہو گیا۔ کفر کا زمانہ جاتا رہا جاؤ اور ہمارے مامور کی ڈیوڑھی پر سر رکھ دو کہ اس کے بغیر تمہاری نجات نہیں۔ اور جب خدا کہتا ہے تو دُنیا آپ ہی آپ کھچی چلی آتی ہے۔ جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے ہمیں یہی نظارہ نظر آتا ہے عیسائیت کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوُا۔ ایک دن عیسائیوں کے پادری روم کے گڑھوں اور ان کی غاروں میں پناہ لئے بیٹھے تھے۔ شام کے وقت ان کے قتل کے فتوے جاری تھے اور صبح کو تمام روم میں ڈھنڈورا پیٹا جا رہا تھا کہ بادشاہ نے آج رات خواب میں دیکھا ہے کہ عیسائیت سچا مذہب ہے اِس لئے روم کا بادشاہ عیسائی مذہب میں شامل ہو گیا ہے۔ آئندہ حکومت کا مذہب عیسائیت ہو گا۔ آج سے جو عیسائیوں کو دُکھ دے گا یا ان کو قتل کرے گا وہ پکڑا جائے گا اور اسے سزا دی جائے گی۔ شام کو وہ اِس غم سے سوتے ہیں کہ نہ معلوم صبح تک ہم میں سے کون زندہ رہے اور کون مارا جائے۔ اور صبح کو اُٹھتے ہیں تو وہ دنیا کے بادشاہ بنے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کا دشمن غاروں کی طرف بھاگ رہا ہوتا ہے۔ یہی حال محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوُا۔ اور جو کچھ

اب تک ہوتا رہا وہی تمہارے ساتھ ہوگا مگر مجھے افسوس ہے کہ میرے بار بار توجہ دلانے کے باوجود تم اب تک اِس بات کو نہیں سمجھ سکے۔ تم ہی بتاؤ کہ کس ذریعہ سے مَیں تم کو سمجھاؤں اور وہ کونسا طریق ہے جس سے مَیں تم پر اس حقیقت کو واضح کروں۔ آخر تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو راستباز سمجھتے ہو اور تم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کا راستباز انسان سمجھتے ہو۔ اور ان سے جو کچھ گذرا وہ تمہارے سامنے ہے۔ لیکن اگر تم پھر بھی نہ سمجھو تو مَیں کیا طریقِ عمل اختیار کروں۔ اگر تم اتنی وضاحت کے باوجود بھی نہ سمجھو تو پھر تمہیں سمجھانا میرے بس کی بات نہیں مَیں تو خدا تعالیٰ سے پھر یہی کہہ سکتا ہوں کہ مَیں نے جو کچھ کرنا تھا وہ کر چکا مگر مَیں انہیں یقین نہیں دلا سکا اب تُو آپ ہی ان کو سمجھا کیونکہ ان کو سمجھانا میرے بس کی بات نہیں۔" [1]

---

[1] الفضل ۷، ۱۰ راکتوبر ۱۹۵۰ء صد ۴

دوسرا باب

حضرت مصلح موعودؓ کے سفر بھیرہ سے لیکر احمدیہ مسجد سمندری کے حادثہ آتشزدگی تک

(ماہ نبوت ۱۳۲۹ہش/نومبر ۱۹۵۰ء — احسان ۱۳۳۰ہش/جون ۱۹۵۱ء)

فصل اوّل

حضرت مصلح موعودؓ کا سفر بھیرہ

بھیرہ کی سرزمین تاریخ احمدیت میں بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اسی میں حضرت حاجی الحرمین حکیم الامت خلیفۃ المسیح الاوّل مولانا نورالدین جیسا نورانی اور پاک وجود پیدا ہوا۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک بار فرمایا کہ "بھیرہ کو قادیان سے ایسی مناسبت ہے جیسے کہ مدینہ کو مکہ سے۔ کیونکہ بھیرہ سے ہم کو نصرت ملی ہے۔" [1]

حضرت مصلح موعودؓ ایک مدت سے بھیرہ تشریف لے جانے کا ارادہ رکھتے تھے اور آپ نے نہ صرف اپنی حرم محترم اور حضرت خلیفہ اوّلؓ کی صاحبزادی حضرت امۃ الحی صاحبہ سے اُن کی زندگی میں اس کا وعدہ کیا تھا بلکہ اُن کی وفات (۱۰/دسمبر ۱۹۲۴ء) کے بعد احباب جماعت کے سامنے بھی اپنی اس دلی آرزو اور خواہش کا اظہار فرمایا چنانچہ سالانہ جلسہ ۱۹۲۹ء کے موقع پر اعلان فرمایا:۔

"یہ بھی ارادہ ہے کہ آنے والے سال میں اگر خدا تعالیٰ توفیق دے تو ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کا ٹور کروں۔ برہما کے دوستوں کا خیال ہے کہ میرے جانے سے اچھی تبلیغ ہو سکتی ہے۔ بنگال

---

[1] ذکر حبیب صفحہ ۱۶۴ (مولفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ مبلغ اسلام امریکہ)

کے دوستوں کی بھی مدت سے خواہش ہے کہ میں وہاں جاؤں۔ اگر یہ سفر تجویز ہو تو راستے کے بڑے بڑے شہروں میں بھی ٹھہر سکتے ہیں۔ اور اگر یہ سفر کامیاب ہو تو اَور علاقوں میں بھی جا سکتے ہیں۔ بھیرہ جانے کا ارادہ مدت سے ہے کیونکہ وہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کا وطن ہے۔"[1]

حضورؓ کی یہ مبارک خواہش ہجرتِ قادیان کے چوتھے سال ۲۶ رماہِ نبوت ۱۳۲۹ھش (مطابق ۲۶ رنومبر ۱۹۵۰ء) کو پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس روز حضور دارالہجرت ربوہ سے صبح سات بجکر دس منٹ پر بذریعہ کار بھیرہ کے لئے روانہ ہوئے۔ حضور کی قیادت میں جانے والا قافلہ پانچ کاروں اور ایک بس پر مشتمل تھا جس میں جماعتِ احمدیہ بھیرہ کے ممتاز احمدیوں کے علاوہ صدر انجمن احمدیہ کے ناظر، تحریکِ جدید کے وکلاء، جامعہ احمدیہ، جامعۃ المبشرین، مدرسہ احمدیہ اور تعلیم الاسلام ہائی سکول کے محترم اساتذہ اور دیگر اکابرِ سلسلہ و بزرگانِ جماعت تھے۔ علاوہ ازیں ایک بس قبل ازیں ربوہ سے سید داؤد احمد صاحب کی قیادت میں بھی روانہ ہوئی جس میں حضرت امیر المومنینؓ کے صاحبزادگان، خاندان مہدی موعودؑ کے دیگر ارکان اور جامعہ احمدیہ، جامعۃ المبشرین اور مدرسہ احمدیہ کے بعض طلباء شامل تھے۔

حضور معہ قافلہ آٹھ بجے کے قریب امیر جماعت ہائے احمدیہ سرگودہا مرزا عبد الحق صاحب ایڈووکیٹ کے ہاں پہنچے۔ مرزا صاحب موصوف نے حضور اور دیگر ارکانِ قافلہ کو چائے پیش کی۔ جس کے بعد حضور ۹ بجکر ۵ منٹ پر بھیرہ جانے کے لئے بھلوال کی طرف روانہ ہوئے لیکن ابھی ۲۵ میل کے قریب ہی سفر طے ہوا تھا کہ نہر کے ایک پُل کے قریب ہی (جو سڑک کو کاٹتی ہوئی گزر رہی تھی) ملک صاحب خان صاحب نون معہ رفقاء کار سڑک پر راستہ روکے ہوئے کھڑے نظر آئے۔ اور حضور کی کار جونہی ٹھہری اپنے گاؤں فتح آباد چلنے کے لئے کچھ اس اخلاص و لجاجت کے ساتھ التجا کی کہ حضور اس تاریخی سفر کی مبارک ساعتوں میں سے چند لمحے فتح آباد کے لئے قربان کر دینے پر آمادہ ہو گئے۔ یہاں سے قافلے کے دو حصّے ہو گئے۔ بس اور ایک کار تو سیدھی بھیرہ پہنچی اور تین کاریں فتح آباد پہنچیں۔ یہاں حضور نے کوئی بیس منٹ کے قریب آرام فرمایا۔

بھیرہ والوں پر بھی اپنے وطن کی عظمت کا انکشاف شاید آج ہی ہوا تھا کہ ان کے وطن کی زمین

---

[1] الفضل ۷ رجنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ۷ کالم ۳۔

میں کیسا بے بہا نگینہ پیدا ہوا تھا جس کی آب و تاب دیکھنے کے لئے مصلح موعود جیسا جلیل القدر اور موعود خلیفۂ راشد آرہا تھا۔ مکرم فضل الرحمٰن صاحب بسمل بی۔ اے، بی ٹی بھیرہ کے بیان کے مطابق[۱] شہر میں مخالفین نے جامع مسجد کے قریب بسوں کے اڈہ پر شورش برپا کرنے کا پروگرام بنایا تھا لہذا حضور کی کار اور ہمراہی قافلہ کو ایک اور راستہ سے شہر میں داخل کیا گیا۔ جب حضور کو اس کا علم ہوا تو حضور نے فرمایا کہ شورش والی جگہ سے گذرنے میں کوئی حرج نہ تھا اگر لوگ دُکھ بھی دیتے تو میں برداشت کرتا۔" بہرحال قافلہ کی کاریں اور بسیں جونہی شہر میں داخل ہوئیں یوں دکھائی دیتا تھا جیسے سارے کا سارا بھیرہ ہی خیر مقدم کے لئے لپک پڑا ہے۔ قافلہ جدھر سے بھی گذرا سڑکوں، گلیوں اور راستوں کے دونوں طرف لوگ پرے کے پرے جمائے کھڑے تھے اور محمود کی زیارت کے شیدائی پروانہ وار گرتے پڑتے نظر آتے تھے۔ بیسیوں طلباء جامعۃ المبشرین اور جامعہ احمدیہ و مدرسہ احمدیہ کے اپنے اپنے ذرائع سے پہلے ہی یہاں پہنچ چکے تھے اور آس پاس کی جماعتوں کے احباب بکثرت اس تقریب میں شرکت کی برکت حاصل کرنے کے لئے صبح ہی سے موجود تھے۔

سیدنا حضرت امیر المومنین کار سے اُترتے ہی[۲] سب سے پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے آبائی مکان میں تشریف لے گئے جس کا بیشتر حصہ پہلے ہی مسجد پر مشتمل تھا اور جس کے باقی حصے اب بھی تمام مسجد ہی کے نام وقف ہیں۔

اسی مکان کے ایک کونے میں احبابِ جماعت نے حضور کو کرم دین[۳] نامی تنور والے کی رہائش گاہ بھی دکھائی جس کو اللہ تعالیٰ نے غیر احمدی ہونے کے باوجود محض حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی محبت اور عظمت کی وجہ سے تعصب و تنفر کے اس تند و تیز جھکڑوں میں ثابت قدم رہنے کی توفیق دی تھی۔

---

[۱] مخدوم الطاف احمد صاحب پریذیڈنٹ جماعتِ احمدیہ میانی کا بیان ہے کہ حضور جب بھیرہ پہنچے تو بزرگوارم والد صاحب جناب مخدوم محمد ایوب صاحب بی۔ اے (علیگ) صدر جماعت احمدیہ بھیرہ استقبال کے لئے آگے بڑھے تو حضور نے از راہِ شفقت و محبت بزرگوارم والد صاحب سے معانقہ فرمایا اور یہ بات بزرگوارم والد صاحب کے زندگی بھر بڑے فخر کا موجب رہی۔

[۲] یہ الفضل کے رپورٹر کا بیان ہے مگر جناب فضل الرحمٰن صاحب بسمل بی۔ اے، بی ٹی بھیرہ کے ایک مکتوب (مورخہ ۳ ہر امان ۱۳۵۱ھش) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام لال تھا۔

جب مکہ و مدینہ شریف سے واپسی پر سارے بھیرہ والوں نے حضور کا مجلسی اور تمدنی بائیکاٹ کر دیا تھا حتیٰ کہ تنور والوں نے روٹی تک پکانے سے انکار کر دیا لیکن کرم دین نے ہر قسم کے لالچ اور رعب داب کی پروا نہ کرتے ہوئے حضور سے بائیکاٹ کرنے سے انکار کر دیا تھا حضور نے بھی اس کے اس اقدام کی قدر کی اور اس کو اپنے آبائی مکان کا ایک حصہ دے دیا جس میں اس کے خاندان کے بعض لوگ اب بھی رہتے ہیں۔ اس واقعہ کا دوہرانا تھا کہ حضور کی آنکھوں میں وہ زمانہ پھر گیا اور آپ نے خواہش کی کہ گو اس کا لڑکا غیر احمدی ہی ہے لیکن اُس سے کہا جائے کہ وہ میرے لئے روٹی اپنے ہاتھ سے پکائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ایسا ہی ہوُا اور احمدیت کے اس عظیم الشان خلیفہ نے اسی کرم دین کے بیٹے غلام احمد کے ہاتھ سے پکی ہوئی روٹی کھائی جس کے باپ نے کبھی احمدیت کے شیدائی اور آپکے شفیق استاد سے مصائب کے دَور میں وَفا کی تھی۔

حضور دیر تک مسجد نور میں کھڑے ہو کر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے خاندانی حالات، جائداد، اور اوائل زندگی کے واقعات کے متعلق بھیرہ کے عمر رسیدہ احباب سے دریافت فرماتے رہے۔ پھر اس مسجد میں شکرانے کے ۲ نفل ادا کئے۔ پھر صدر مقامی مخدوم محمد ایوب صاحب کی استدعا پر مسجد میں سنگِ مرمر کا ایک "یادگار کتبہ" نصب فرمایا جس پر حضور کی بھیرہ میں تشریف آوری کا ذکر تھا اور اس کے بعد دعا فرمائی۔

مکانات کے ملاحظہ کے بعد سیدنا حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کا وہ مطب دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے جو رہائشی مکانات میں تبدیل کیا جا چکا تھا۔ بچے، بوڑھے، جوان پروانوں کی طرح گرے پڑتے تھے مستورات ۲ رویہ چھتوں پر سے پھول نچھاور کر رہی تھیں۔ راستے میں مختلف موڑوں پر دروازے نصب تھے جن پر سُنہری حروف میں اَھْلًا وَّ سَھْلًا وَّ مَرْحَبًا لکھا ہوُا تھا اور فضا ہر ۲ منٹ بعد "اسلام زندہ باد" "احمدیت زندہ باد" "حضرت امیر المومنین زندہ باد" کے پُر جوش نعروں سے گونج اُٹھتی تھی۔ الغرض ایک عجیب بابرکت سماں تھی جس نے عقیدتوں کو پَر لگا دیئے تھے۔

مطب کے دیکھنے کے بعد حضور محمد افضل صاحب ملک کے مکان پر تشریف لے آئے یہیں جماعت کی طرف سے وسیع پیمانے پر دعوتِ طعام کا انتظام تھا۔ کھانا تناول کرنے کے بعد حضور نے تھوڑی دیر تک آرام فرمایا مگر یہ آرام محض بیٹھنے تک ہی محدود تھا کیونکہ اس کے دَوران بھی حضور سے تعارف

کا سلسلہ جاری رہا اور حضور بھیرہ اور بھیرہ والوں کے متعلق استفسارات فرماتے رہے۔

نماز ظہر کے لئے حضور جماعتِ احمدیہ بھیرہ کی دوسری مسجد میں تشریف لے گئے اور ظہر و عصر کی نمازیں پڑھائیں۔ نمازوں کے معاً بعد امیر جماعت مقامی کی استدعا پر پہلے آپ نے ایک سنگِ یادگار اِس مسجد میں نصب فرمایا اور پھر دعا کے بعد برسرِ منبر تشریف لے آئے۔

حافظ مبارک احمد صاحب نے تلاوتِ کلامِ پاک کی اور جناب ثاقب زیروی نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک نعت پڑھی۔ بعد ازاں مخدوم محمد ایوب صاحب بی۔ اے (علیگ) صدر جماعتِ احمدیہ بھیرہ نے مقامی جماعت کی طرف سے سپاسنامہ پیش کیا۔

حضرت امیر المومنین کا اہلِ بھیرہ سے پُر معارف اور ایمان افروز خطاب

سپاسنامہ کے بعد حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے ایک پُر معارف اور نہایت ایمان افروز خطاب فرمایا جو پانچ منٹ کم دو گھنٹہ تک جاری رہا۔[۵]

حضور نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"ایک رُبع صدی سے زیادہ عرصہ ہوا یعنی قریباً تیس سال ہوئے جب سے میرے دِل میں اِس شہر میں آنے کا شوق ہوا۔ بھیرہ بھیرہ والوں کے لئے ایک اینٹوں اور گارے یا اینٹوں اور چُونے سے بنا ہوا ایک شہر ہے مگر میرے لئے یہ اینٹوں اور چُونے کا بنا ہوا شہر نہیں تھا بلکہ میرے استاد جنہوں نے مجھے نہایت محبّت اور شفقت سے قرآن کریم کا ترجمہ پڑھایا اور بخاری کا بھی ترجمہ پڑھایا ان کا مولد و مسکن تھا۔ بھیرہ والوں نے بھیرہ کی رہنے والی ماؤں کی چھاتیوں سے دُودھ پیا ہے اور مَیں نے بھیرہ کی ایک بزرگ ہستی کی زبان سے قرآن کریم اور حدیث کا دُودھ پیا۔ پس بھیرہ والوں کی نگاہ میں جو قدر بھیرہ شہر کی ہے میری نگاہ میں اس کی اس سے بہت زیادہ قدر ہے۔

بچپن سے ہی میری صحت کمزور تھی اور مَیں اکثر بیمار رہتا تھا جس کی وجہ سے مَیں پڑھنے میں بھی کمزور تھا۔ میری آنکھوں میں کُکرے تھے اور گلے میں سوزش رہتی تھی اِس لئے نہ تو مَیں پڑھ سکتا تھا اور نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس وقت حضرت خلیفہ اوّل مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ نے جو بھیرہ کے رہنے والے تھے مجھے بُلا کر کہا میاں! تم مجھ سے قرآن پڑھا کرو۔ تمہیں نہ دیکھنے کی تکلیف ہوگی اور نہ پڑھنے کی تکلیف

---

[۵] الفضل ۲۹ر نومبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۳

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ اہل بھیرہ سے خطاب فرمارہے ہیں

ہو گی کیونکہ میں ہی بولا کروں گا اور میں ہی کتاب دیکھا کروں گا چنانچہ میں نے آپ سے قرآن کریم کا ترجمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ میں قرآن کھول کر سامنے رکھ لیتا تھا اور مولوی صاحبؓ پڑھتے بھی جاتے تھے اور ترجمہ بھی کرتے جاتے تھے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا یہ میری ذہانت کا نتیجہ تھا یا ان کے اخلاص اور محنت کا کہ چودہ پندرہ سال کی عمر میں چھ ماہ کے اندر تھوڑا تھوڑا وقت پڑھنے کے بعد قرآن کریم کا ترجمہ ختم ہو گیا۔ پھر جب میری عمر بیس بائیس سال کی ہوئی تو آپ نے مجھے بلایا اور کہا۔ میاں! تم مجھ سے بخاری شریف پڑھا کرو چنانچہ میں نے بخاری شریف پڑھنی شروع کر دی۔ گلے کی سوزش کی وجہ سے مجھ سے پڑھا نہیں جاتا تھا اور آنکھوں میں ککروں کی وجہ سے میں کتاب کو دیکھ نہیں سکتا تھا چنانچہ آپ آدھ پارہ بخاری کا روزانہ اپنے سامنے رکھ لیتے تھے اور آدھے کا آدھا پارہ پڑھا دیا کرتے تھے۔ آپ خود ہی پڑھتے جاتے تھے اور خود ہی ترجمہ کرتے جاتے تھے اور دو اڑھائی ماہ میں چھٹیاں وغیرہ نکال کر میں نے بخاری کا ترجمہ ختم کر لیا۔ پھر عربی کے کچھ ابتدائی رسالے بھی میں نے آپ سے پڑھے۔ پس یہ علم تھا جو آپ نے مجھے سکھایا اور جس کی وجہ سے میرے اندر مزید مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ آپ جو کچھ مناسب سمجھتے تھے بیان کر دیتے تھے اور اگر میں سوال کرتا تو مجھے روک دیتے تھے۔ ہمارے ایک ہم جماعت تھے۔ تھے تو وہ بڑی عمر کے لیکن دوبارہ کلاس میں شامل ہوئے تھے ان کا نام حافظ روشن علی صاحب تھا۔ آپ حضرت نوشہ کے خاندان میں سے تھے جن کا مزار رنمل تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں ہے اور گدی کے مالکوں میں سے تھے آپ بڑے عالم تھے انہی کے داماد (حافظ مبارک احمد صاحب) نے ابھی قرآن کریم کی تلاوت کی ہے جب مولوی صاحبؓ کوئی معنے بیان کرتے تو چونکہ حافظ روشن علی صاحب ذہین اور خاص علم حاصل کر چکے تھے اس لئے آپ اعتراض کرنا شروع کر دیتے تھے اور کہتے ان معنوں پر یہ یہ اعتراض پڑتا ہے۔ میری عمر اس وقت ۲۰، ۲۱ سال کی تھی میں نے جب حافظ صاحب کو اعتراض کرتے دیکھا تو میرے دل میں بھی ایک گدگدی سی اٹھی اور میں بھی اعتراض کرنے لگا مولوی صاحب کو مجھ سے بہت محبت تھی ایک دو دن تک تو آپ نے برداشت کیا پھر فرمایا میاں تمہارا معاملہ اور ہے اور حافظ صاحب کا معاملہ اور ہے یہ ہے مولوی۔ ان کا طریق ہوتا ہے بال کی کھال نکالنا لیکن تم مولوی نہیں تم نے تو دین حاصل کرنا ہے۔ پھر فرمایا میاں! یہ تو دیکھو مجھے تم سے کتنا عشق ہے اگر میں ان معنوں سے جو بیان کرتا ہوں زیادہ معنے جانوں تو تمہیں نہ بتاؤں اگر مجھے کوئی اور معنے معلوم ہوتے تو میں ضرور بتا دیتا اگر میں نے تمہیں کوئی

اور معنے نہیں بتائے تو اس کا یہی مطلب ہے کہ مجھے صرف اتنے ہی معنے آتے ہیں۔ پھر فرماتے۔ میاں! اتنا تو سوچو کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے اللہ کا بندہ میں ہی ہوں یا تم بھی ہو۔ کیا یہ میرا ہی فرض ہے کہ اسلام پر جو اعتراض پڑتا ہے اس کا جواب دوں۔ اور جن معنوں کو مَیں سمجھ نہیں سکا وہ بھی بتاؤں یا تمہارا بھی فرض ہے کہ تم خود سوچو اور اسلام پر پڑنے والے اعتراضات کا جواب دو۔ تم سوال نہ کیا کرو بلکہ خود سوچا کرو اور ان اعتراضات کے خود جواب دیا کرو۔

آپ نے جو کچھ مجھے پڑھایا مَیں اس کی بھی قدر کرتا ہوں لیکن جو آپ نے مجھے نہیں پڑھایا وہ میرے لئے زیادہ قیمتی ہے کیونکہ جُونہی یہ آواز۔ کہ کیا صرف میرا ہی فرض ہے کہ اسلام پر پڑنے والے شبہات کا جواب دوں یا تمہارا بھی فرض ہے۔ کیا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں مَیں ہی اللہ کا بندہ ہوں یا تم بھی اللہ کے بندے ہو" میرے کانوں میں پڑی اس نے میرے اندر ایک آگ لگا دی۔ گویا اسرافیل فرشتے نے صور پھونکا ہے مَیں نے پوچھنا بند کر دیا اور سوچنا شروع کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے علم کے سمندر سکھا دیئے۔ اب اگر کوئی اسلام کا دشمن اسلام پر تنے ہی اعتراض کرے مَیں انہیں خدا تعالیٰ کے فضل سے قرآن کریم سے ہی رد کر سکتا ہوں۔

چونکہ بھیرہ آنے کا شوق مجھے مدت سے تھا اس لئے یہاں آکر مَیں خوش بھی ہوں کہ میری ایک دیرینہ خواہش پوری ہوئی مگر بھیرہ کی دیواروں میں داخل ہونے کے بعد میرے دل کے زخم دوبارہ ہرے ہو گئے بھیرے کی ہی ایک لڑکی امۃ الحی سے جو حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں میری شادی ہوئی اور ہم دونوں میں بہت محبت تھی۔ بے وقوف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید اسلام اور روحانیت کے یہ معنے ہیں کہ میاں کو بیوی سے محبت نہ ہو اور بیوی کو میاں سے محبت نہ ہو لیکن جو لوگ اسلام اور روحانیت کو سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اسلام ہی ایک مذہب ہے جو خاوند کو بیوی سے اور بیوی کو خاوند سے محبت کا حکم دیتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ جس گلاس میں ہم پانی پیتیں اسی گلاس میں اسی جگہ ہونٹ رکھ کر پانی پیتے اور فرماتے میں یہ بتانے کے لئے ایسا کرتا ہوں کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔ پھر حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ایک دفعہ میرے سر میں شدید درد ہو رہا تھا مَیں تڑپ رہی تھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے فرمایا۔ عائشہ! صبر کرو لوگ بیمار ہوا ہی کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں شدتِ درد سے مجھے تکلیف ہو رہی تھی اور رسول کریم

صلے اللہ علیہ وسلم کی بات کو جو مجھے دین سکھانے کے لئے تھی سمجھی نہیں مجھے غصہ آگیا کہ مجھے شدید سردرد ہو رہا ہے اور بجائے اس کے کہ آپ مجھ سے ہمدردی کا اظہار کرتے آپ کہتے ہیں صبر کرو لوگ بیمار ہوا ہی کرتے ہیں میں نے غصہ سے کہا یا رسول اللہ آپ کو کیا میں مرجاؤں گی تو دوسری شادی کرلیں گے۔ حضرت عائشہؓ تکلیف میں کہتی تھیں۔ہائے میں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا عائشہ اگر یہ بات ہو تو ہائے تو نہیں۔ہائے میں۔ اور چند دن کے بعد آپ بیمار ہو کر فوت ہو گئے۔حضرت عائشہؓ جب تک زندہ رہیں ہمیشہ ہی اس بات پر افسوس کیا کرتی تھیں کہ میں نے یہ فقرہ کہا اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچا کہ میں نے آپ کی محبت پر شبہ کیا ہے کاش میں یہ فقرہ نہ کہتی اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے مرجاتی تا یہ صدمہ نہ دیکھتی۔غرض ناواقف اور جاہل لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ ایک مسلمان کے معنے ہیں کہ وہ کوئی پتھر دل کا انسان ہے۔گویا مسلمان وہ ہے جس میں محبت اور وفا کے جذبات پائے ہی نہیں جاتے حالانکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم محبت اور وفا کا مجسمہ تھے۔ایک دفعہ آپ ایک مجلس میں بیٹھے صحابہ سے باتیں کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا۔یا رسول اللہ! آپ کی بیٹی آپ کو بُلا رہی ہے کیونکہ اس کا لڑکا بیمار ہے آپ باتوں میں مشغول تھے آپ نے فرمایا اچھا آتا ہوں اور پھر باتوں میں لگ گئے تھوڑی دیر کے بعد پھر ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ آپکی بیٹی یاد فرماتی ہیں۔لڑکے کی حالت زیادہ خراب ہے۔آپ نے فرمایا اچھا آتا ہوں اور پھر باتوں میں مشغول ہو گئے تیسرا شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ جلدی تشریف لائیے لڑکے کی حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔آپ تشریف لے گئے اور اپنے نواسہ کو گود میں لے لیا۔تھوڑی دیر میں اس کی جان نکل گئی آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔آپ کے پاس ایک انصاری تھے وہ بھی مُلّانوں کی ذہنیت کے تھے۔انہوں نے کہا آپ خدا تعالیٰ کے رسول ہیں اور رو رہے ہیں بھلا رسول کو جذبات سے کیا تعلق۔ آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر خواہ وہ رسول ہو یا غیر رسول محبت کے جذبات پیدا کئے ہیں اگر خدا تعالیٰ نے تمہیں محبت کے جذبات سے محروم رکھا ہے تو میرے پاس اس کا کیا علاج ہے۔

غرض آج سے چھبیس ستائیس یا اٹھائیس سال پہلے امۃ الحی مرحومہ سے جب ہم دونوں باتیں کیا کرتے تھے میں کہا کرتا تھا کہ میں تمہیں تمہارے ابا کے وطن لے جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت

مَیں یہاں نہ آسکا اور امۃ الحی مرحومہ فوت ہوگئیں۔ اور جب مجھے بھیرہ آنے کا موقع ملا تو ان کی وفات پر چھبیس سال گذر رہے ہیں۔ پس جونہی مَیں بھیرہ میں داخل ہوُا وہ باتیں مجھے یاد آگئیں کہ میں نے امۃ الحی مرحومہ سے ان کے ابا کا وطن دکھانے کا وعدہ کیا تھا لیکن خدا تعالیٰ کی مشیّت تھی کہ جب تک وہ زندہ رہیں مجھے یہاں آنے کا موقع نہ ملا اور جب مجھے یہاں آنے کا موقع ملا تو بھیرے کی بیٹی اور میری بیوی امۃ الحی مرحومہ فوت ہو چکی تھی۔ بہر حال جیسے اللہ تعالیٰ کی مشیّت ہوتی ہے اسی طرح ہوتا ہے مَیں امۃ الحی مرحومہ کو بھیرہ لا سکا یا نہ لا سکا یہ سب رسمی باتیں ہیں۔ انسان کے اندر محبّت کے جذبات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے یہ چیز پیدا ہوتی ہے لیکن اگر فلسفیانہ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ کوئی بات نہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب بدر کی جنگ میں تشریف لے گئے تو جو لوگ قید ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے ان میں آپ کا ایک داماد بھی تھا جس کو کفّار جبراً جنگ کے لئے ساتھ لے گئے تھے۔ آپ نے قیدیوں سے کہا تم فدیہ دو اور رہائی حاصل کر لو۔ آپ کے داماد نے کہا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہاں مکّے جا کر کچھ انتظام کر دوں گا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا یہ نوجوان ایک شریف الطبع انسان تھا باوجود اس کے کہ لوگ اسے کہتے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو دکھ دو وہ دُکھ نہ دیتا وہ کہتا مَیں مسلمان نہیں اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی عقیدت نہیں رکھتا لیکن پھر بھی ان کی لڑکی کو کیوں ماروں چنانچہ وہ باوجود دوسروں کے اکسانے کے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو دُکھ نہیں دیتا تھا جب وہ واپس مکّے گیا تو گھر میں کوئی چیز نہ تھی جو فدیہ کے طور پر دی جاتی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے پاس ایک سونے کا ہار تھا جو شادی کے موقع پر والدہ کی طرف سے اسے دیا گیا تھا اس نے اپنے خاوند کو وہ ہار دے کر کہا یہ ہار لے لو اور اسے فدیہ کے طور پر بھجوا دو۔ مسجد میں جا کر جب دوسرے لوگوں نے فدیے پیش کرنے شروع کئے تو ایک شخص رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے داماد نے یہ ہار بطور فدیہ بھجوایا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب ہار پر سے کپڑا اُٹھایا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اگر آپ خوشی سے منظور کر لیں کہ یہ ہار واپس کر دیا جائے تو مَیں اس کی سفارش کرتا ہوں۔ ہار تو ہار ہی ہے مگر اس میں اتنا فرق ہے کہ یہ ہار میری مرحومہ بیوی کے ہاتھ کا تحفہ ہے جو اس نے اپنی بیٹی کو دیا تھا اور میری

بیٹی کے پاس بس یہی ہار اپنی والدہ کی ایک یادگار ہے اس کے سوا اَور کوئی یادگار نہیں۔ مجھے یہ ہار دیکھ کر صدمہ ہؤا کہ خاوند کی جان بچانے کے لئے میری بیٹی نے ایک ہی چیز جو اس کے پاس والدہ کی یادگار تھی بطور فدیہ بھیج دی ہے۔ اگر آپ لوگ خوشی سے اسے معاف کر دیں تو مَیں یہ ہار واپس کر دوں صحابہ کرامؓ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر جانیں قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ ہار کی بھلا حیثیت ہی کیا تھی صحابہؓ نے عرض کیا اس سے زیادہ خوشی ہمارے لئے اَور کیا ہوگی کہ ہم اس ہار کو جو حضرت خدیجہؓ نے اپنی بیٹی کو بطور تحفہ دیا تھا اسے واپس کر دیں۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ ہار واپس کر دیا۔ اب دیکھو سونے میں کیا رکھا تھا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا وطن چھوڑا، جائدادیں چھوڑیں، مکان چھوڑے اور مشیّتِ الٰہی کے مقابلہ میں ان کی کچھ پروا نہ کی۔ پھر آپ کی شان تو بڑی تھی۔ صحابہؓ نے بھی اپنا سب کچھ خدا تعالیٰ کے لئے قربان کر دیا لیکن سونے کے اس ہار کو دیکھ کر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچا اس لئے کہ یہ حضرت خدیجہؓ کا دیا ہؤا ہار تھا سونے کا سوال نہیں اگر وہ مٹی کا بھی بنا ہؤا ہوتا تو آپ کو تکلیف ہوتی کیونکہ اس کا جذبات کے ساتھ تعلق تھا۔ پس امۃ الحی نے مرنا تھا اور وہ مر گئی۔ مَیں پہلے مر جاتا یا وہ پہلے مر گئی اس میں کوئی فرق نہیں یہ خدا تعالیٰ کا قانون تھا جو پُورا ہؤا لیکن یہ جذبات کی چیز ہے کہ جب ہم دونوں باتیں کیا کرتے تھے تو مَیں ان سے وعدہ کیا کرتا تھا کہ مَیں تمہیں تمہارے ابا کا وطن دکھاؤں گا لیکن جب وقت آیا کہ مَیں نے بھیرہ دیکھا تو وہ ہستی جس سے مَیں وعدہ کیا کرتا تھا کہ مَیں اسے اس کے ابا کا وطن دکھاؤں گا وہ دنیا سے گزر چکی تھی۔

جیسا کہ مَیں بتا چکا ہوں مجھے یہاں آنے کی دیرینہ خواہش تھی۔ مقامی جماعت کے بعض دوست ڈرتے تھے کہ کہیں دوسرے لوگ شورش نہ کریں اور انہوں نے چاہا کہ مَیں بھیرہ نہ چلوں لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ آخر یہاں کے لوگ میری وجہ سے شورش کیوں کریں گے۔ آخر کوئی کسی کے خلاف ہوتا ہے تو اس لئے کہ وہ اس کا کام بگاڑتا ہے مَیں نے ان کا کیا بگاڑا ہے کہ وہ میرے خلاف ہوں گے۔ اگر کوئی شخص میرے یہاں آنے کی وجہ سے شورش کرے گا تو وہ غلط فہمی کی بناء پر ہوگی۔ وہ اس خیال سے شورش کرے گا کہ مَیں (نعوذ باللہ) محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہوں مجھ کو تو یہ مخالفت اچھی لگتی ہے کہ یہ میرے آقا (صلے اللہ علیہ وسلم) کی محبت کی وجہ سے ہے۔ آخر دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہاں کسی سے میرا زمین کا جھگڑا ہے یا مکان کا جھگڑا ہے۔ مَیں گورداسپور کا رہنے والا

ہوں اور ہجرت کے بعد ضلع جھنگ میں مقیم ہوں۔ اور جہاں تک جائداد کا سوال ہے یہاں کے کسی رہنے والے کو مجھ پر شکوہ نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی کو مجھ پر کوئی شکوہ ہے تو کسی جائداد کے جھگڑے کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ شکوہ مولویوں کی ان باتوں سے ہے کہ مَیں (نعوذ باللہ) محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہوں مجھے مارنے کو تیار ہو جاتا ہے یا مجھ پر پتھراؤ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ اسلئے ایسا کرتا ہے کہ وہ اپنی غلط محبت کی وجہ سے مجھے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا دشمن سمجھتا ہے۔ میرے لئے تو یہ بھی خوشی کا موجب ہے کہ وہ میری مخالفت کی وجہ سے شورش کرتے ہیں جو انہوں نے عملاً نہیں کی۔ یا وہ مجھ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں جو عملاً انہوں نے نہیں کیا۔ اگر وہ عملاً بھی ایسا کرتے تب بھی مَیں خوش ہوتا کہ ان کے اندر میرے آقا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت تو ہے۔ آخر مَیں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع میں سے ہوں آپ کو شعر کی صورت میں ایک الہام ہوا اُس کے الفاظ مَیں پہلے سُنا دیتا ہوں اور پھر اس کا ترجمہ کر دوں گا۔ اس وقت لوگ بڑی مخالفت کرتے تھے مَیں ابھی بچہ ہی تھا۔ لاہور میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دعوت سے واپس تشریف لا رہے تھے آپ جب بازار میں سے گذر رہے تھے لوگ چھتوں پر کھڑے ہو کر آپ کو گالیاں دیتے تھے اور کہتے تھے مرزا دوڑ گیا مرزا دوڑ گیا۔ اسی اثناء میں مَیں نے ایک بڈھے کو دیکھا جس کا ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا اور اس پر تازہ ہلدی لگی ہوئی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ہاتھ کٹے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ مَیں نے دیکھا کہ وہ بڈھا اپنا صحیح ہاتھ کٹے ہوئے ہاتھ پر مار کر کہہ رہا تھا مرزا نٹھ گیا مرزا نٹھ گیا۔ مَیں حیران تھا کہ آخر یہ کیوں کہتا ہے مرزا نٹھ گیا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ لاہور شہر میں جا رہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے حملہ کیا اور آپ زمین پر گر گئے۔ اس طرح لوگوں کو پتھراؤ کرتے ہم نے کئی دفعہ دیکھا ہے۔ غرض ان دنوں مخالفت بڑے زوروں پر تھی اور قدرتی طور پر جماعت کے بعض دوستوں کو بھی غصہ آجاتا تھا کہ آخر یہ لوگ بلا وجہ ایسا کیوں کرتے ہیں اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہام ہوا ؎

اے دل تو نیز خاطر ایناں نگہدار
کآخر کنند دعویٔ حُبِّ پیمبرم

یعنی حضرت مسیح موعودؑ کے دِل میں خدا تعالیٰ یہ الفاظ ڈالتا ہے اور فرماتا ہے اے ہمارے مامور یہ

مسلمان جو تمہیں گالیاں دیتے ہیں تو پھر بھی ان کا لحاظ کرو آخر یہ تمہیں کیوں گالیاں دیتے ہیں تمہیں مارنے کو کیوں دوڑتے ہیں اور تم پر حملہ آور کیوں ہوتے ہیں۔ یہ لوگ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے تمہیں مارتے اور گالیاں دیتے ہیں اِس لئے ان کا لحاظ رکھنا بھی بڑا ضروری ہے۔ غرض ہماری جو مخالفت ہوتی ہے دیکھنا یہ ہے کہ اس کے پیچھے کیا بات ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ لوگ جو تمہیں گالیاں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہاری چائے بھی شراب سے بدتر ہے (گویا شراب پینا جائز ہو سکتا ہے لیکن ہماری چائے پینا جائز نہیں) اگر انہیں پتہ لگ جائے کہ میرے اندر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جو شعلہ جل رہا ہے وہ ان کے لاکھویں لاکھ کے اندر بھی نہیں جل رہا تو وہ فوراً تمہارے قدموں میں گر جائیں گے۔ یہ لوگ مخالفت اسی لئے کرتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ مَیں اور میرے ساتھی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں یہ مخالفت بعض غلط فہمیوں کے نتیجہ میں ہے اِسی لئے جب مَیں نے سُنا کہ لوگ میرے آنے پر شورش کریں گے تو مجھے غصہ نہیں آیا مجھے یہ سُنکر کہ لوگ میری مخالفت کی وجہ سے شورش کریں گے خوشی ہوئی کہ ابھی میرے آقا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کی چنگاری ان کے اندر سُلگ رہی ہے اگرچہ وہ کسی غلط فہمی کی بناء پر ایسا کر رہے ہیں لیکن اس کا موجب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی ہے اِس لئے ہمیں بجائے غصہ میں آنے کے تبلیغ کی طرف توجہ دینی چاہیئے اور ان کی غلط فہمیوں کو دُور کرنا چاہیئے۔ اگر کسی شخص کا بھائی بیمار ہو جاتا ہے تو وہ اسے زہر دے کر مارا نہیں کرتا، وہ اسے گلہ گھونٹ کر مارا نہیں کرتا بلکہ اس کا علاج کرتا ہے اِس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم بجائے ناراض ہونے کے اس مخالفت کو رفع کرنے کی کوئی تدبیر کریں۔ اگر لوگ مخالفت کرتے ہیں اور مجھے یا بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو یا تمہیں بُرا بھلا کہتے ہیں تو جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ تمہارے بھائی ہیں اور کسی غلط فہمی میں مُبتلا ہیں پس تم بجائے ناراض ہونے کے دعائیں کرو، ان مخالفت کرنے والوں کو اصل حقیقت سے واقف کرو جب تم انہیں اصل حقیقت سے واقف کر دو گے تو انہیں پتہ لگ جائے گا کہ ہم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمن نہیں بلکہ آپؐ کے سچے عاشق ہیں اور وہی لوگ جو تمہیں مارنے پر آمادہ ہیں تمہاری خاطر مرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ آخر مکّہ والوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کتنی مخالفت کی تھی۔ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اِسی لئے کرتے تھے کہ وہ سمجھتے تھے یہ شخص دینِ حقہ یعنی اُن کے آباء و اجداد کے دین کی مخالفت کرتا اور اسے بگاڑتا ہے لیکن جب

انہیں پتہ لگ گیا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہی دینِ حقہ لائے ہیں تو وہی مکہ والے جو آپ کو مارنے کے درپے تھے آپ کی خاطر قربانیاں کرنے اور اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اشد ترین دشمن عتبہ، شیبہ، عاص اور ابوجہل تھے اور ان کے ساتھ لگا ہؤا ابوسفیان تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اکرمؐ کی ابتدا سے مخالفت کی۔ ایسی شدید مخالفت کی جس کی مثال دنیا کے پردہ پر نظر نہیں آتی۔ ابوجہل کی مخالفت کا یہ حال تھا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک چٹان پر بیٹھے ہوئے کسی مسئلہ کے متعلق سوچ رہے تھے۔ صبح کا وقت تھا۔ ابوجہل پاس سے گذرا اس نے جب آپؐ کو چٹان پر اس طرح خاموش بیٹھے دیکھا تو شیطان نے اس کے دل میں شرارت پیدا کی۔ اس نے آپؐ کو گالیاں دیں بُرا بھلا کہا اور پھر آپؐ کو ایک تھپڑ مارا اور کہا تو باز نہیں آتا اپنی باتوں سے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم چُپکے بیٹھے کسی مسئلہ کے متعلق سوچ رہے تھے۔ جب ابوجہل نے آپؐ کو تھپڑ مارا آپ نے صرف اتنا کہا میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے کہ تُو میرا دشمن ہو گیا ہے میں نے تو تمہیں صرف خدا تعالیٰ کا پیغام سُنایا ہے۔ آپ نے یہ فرمایا اور چٹان پر بیٹھ گئے۔ حضرت حمزہؓ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ آپ نہایت ہی دلیر، بہادر اور مضبوط پہلوان تھے۔ آپ ہر وقت شکار میں لگے رہتے تھے اور دین کے متعلق سوچنے کا کبھی آپ کو خیال بھی نہیں آتا تھا۔ جب ابوجہل نے محمد رسول اللہؐ کو مارا تو آپ کی ایک پُرانی لونڈی اس واقعہ کو دیکھ رہی تھی۔ پُرانی لونڈیاں اور خادم بھی گھر کے فرد بن جاتے ہیں۔ اس لونڈی نے جب یہ نظارہ دیکھا تو اسے بہت دُکھ ہؤا۔ وہ مسلمان تو تھی نہیں وہ سارا دن کام کرتی جاتی تھی اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے دوسرے بزرگوں کو یاد کر کے بڑبڑاتی جاتی تھی کہ آمنہ کے بچے نے ان کا کیا بگاڑا ہے کہ وہ یُونہی اسے مارتے ہیں اور وہ انہیں کچھ بھی تو نہیں کہتا۔ سارا دن اس کے سینہ کے اندر آگ لگی رہی۔ رسول کریمؐ اس پتھر پر سے اُٹھے اور اپنے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت حمزہؓ شکار کے لئے باہر گئے ہوئے تھے۔ شام کو وہ توپچی بنے نیزہ اور تلوار لٹکائے ہوئے تیر کمان پکڑے ہاتھ میں شکار لٹکائے گھر واپس آئے۔ حضرت حمزہؓ کا گھر میں داخل ہونا تھا کہ وہ لونڈی کھڑی ہو گئی اور اس نے کہا تم بڑے بہادر بنے پھرتے ہو ہر وقت اسلحہ سے مسلح رہتے ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ صبح ابوجہل نے تمہارے بھتیجا سے کیا کیا۔ حضرت حمزہؓ نے کہا کیا بات ہے۔ یہ سوال سُنکر لونڈی رو پڑی اور اس نے کہا میں دروازہ میں کھڑی تھی کہ محمد رسول اللہ

اس پتھر پر بیٹھے ہوئے تھے اور چُپ کر کے بیٹھے ہوئے تھے کہ ابوجہل پاس سے گذرا اور بغیر کچھ کہے اسنے آپؐ کے مُنہ پر تھپڑ مارا اور بُرا بھلا کہا۔ آپؐ نے صرف اتنا کہا کہ اے لوگو مَیں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے مَیں نے تمہیں کیا دُکھ دیا ہے کہ تم مجھے مارتے ہو مَیں صرف خدا تعالیٰ کا پیغام تمہیں سُناتا ہوں۔ پھر وہ لونڈی غصہ میں آکر کہنے لگی خدا کی قسم محمدؐ نے ابوجہل کو کچھ بھی تو نہ کہا تھا۔ ایک جاہل عورت کی زبان سے یہ بات سُنکر حمزہ کو غیرت آگئی اور فوراً واپس لوٹے۔ شام کا وقت تھا۔ ابوجہل سرداروں کی جگہ پر بیٹھا ہوُا تھا اور اس کے اردگرد دوسرے سردارانِ مکّہ بیٹھے تھے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بدگوئیاں ہو رہی تھیں۔ حضرت حمزہؓ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور سیدھے اس جگہ پہنچے جہاں ابوجہل دوسرے سرداروں کے ساتھ بیٹھا محمد رسول اللہؐ کی بدگویاں کر رہا تھا۔ ہاتھ میں تیر کمان تھی آپ نے اس کا ایک سرا پکڑ کر ابوجہل کے مُنہ پہ دے مارا اور کہا تُو بڑا بہادر بنا پھرتا ہے میری لونڈی نے مجھے بتایا ہے کہ میرا بھتیجا آج صُبح جب ایک پتھر پر بیٹھا تھا تو تُو نے اسے تھپڑ مارا اور اس نے تمہیں کچھ جواب نہ دیا۔ اب مَیں تمہیں مارتا ہوں اگر تم بہادر ہو تو میری مار کا جواب دو۔ یہ واقعہ ایسا اچانک ہوُا کہ ابوجہل گھبرا گیا اس کے ساتھی جوش سے کھڑے ہوئے اور حضرت حمزہؓ کے ساتھ لڑنے کو اُٹھے مگر ابوجہل پر صداقت کا اثر تھا وہ کہنے لگا جانے دو مجھ سے ہی صُبح غلطی ہوگئی تھی۔ حضرت حمزہؓ واپس آئے اور اس مکان کا پتہ لے کر جہاں ان دنوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مقیم تھے وہاں پہنچے اور عرض کیا کہ مَیں مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ ابوجہل کی دشمنی کا حال تھا۔ بلا وجہ رسول کریمؐ کی دشمنی کیا کرتا تھا۔ اگر یہ ہوتا کہ آپ توحید کا وعظ کر رہے ہوتے اور ابوجہل پاس سے گذرتا اور آپ کا وعظ سُنکر غصہ میں آجاتا تو کچھ جواز بھی نکل سکتا تھا لیکن آپ خاموش پتھر پر بیٹھے کسی مسئلہ کے متعلق سوچ رہے تھے اور ابوجہل نے بلاوجہ آپ کو تھپڑ مارا۔ یہ ابوجہل کی مخالفت کی حالت تھی۔ اس کا بیٹا عکرمہ بھی اس کے نقشِ قدم پر چلتا تھا اور وہ آپؐ کی دشمنی میں انتہاء کو پہنچا ہوُا تھا۔ بیسیوں مسلمانوں کو اس نے مارا اور قتل کیا یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے اسلام کو فتح دی اور رسول کریمؐ ایک فاتح کی حیثیّت میں مکّہ میں داخل ہوئے اور آپؐ نے چند افراد کو جو تعداد میں سات کے قریب تھے اور جنہوں نے مسلمانوں کو مارا تھا ان کو انسانیّت کے خلاف جرائم کرنے کی وجہ سے مار دینے کا حکم دیا۔ یورپ والوں نے بھی بعض لوگوں کو اسی قسم کے جُرموں کی بناء پر قتل کیا یا پھانسی پر لٹکایا

چنانچہ گذشتہ جنگ کے اختتام پر ہی جب بعض سرکردہ جرمن لیڈروں پر مقدمہ چلایا گیا تو یہ کہا گیا کہ انہیں جنگ کے بدلہ میں نہیں بلکہ ان انسانیت سوز جرائم کے عوض میں پھانسی پر لٹکایا جاتا ہے جو ان سے سرزد ہوئے۔ اسی طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فتح مکّہ کے بعد ان سات افراد کے متعلق یہ احکام جاری کئے کہ اگر یہ لوگ خانہ کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر بھی کھڑے ہوں تب بھی انہیں قتل کر دیا جائے چنانچہ وہ لوگ مکّہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ان سات افراد میں عکرمہ بھی تھا اس کی بیوی دِل سے مسلمان ہو چکی تھی وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں دِل سے مسلمان ہوں میرا خاوند مکّہ چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ وہ اسلام کا کتنا دشمن ہی سہی لیکن پھر بھی آپ کا بھائی ہے۔ کیا یہ بہتر ہو گا کہ وہ کسی اَور ملک میں جاکر کسی غیر کے ماتحت رہے اور وہاں دھکے کھاتا پھرے یا یہ بہتر ہے کہ آپ اسے معاف کر دیں اور وہ آپ کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرے۔ آپ نے فرمایا اچھا ہم اسے معاف کرتے ہیں وہ واپس آجائے ہم اسے کچھ نہیں کہیں گے اس کی بیوی نے پھر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ بڑی غیرت والا شخص ہے اگر آپ یہ کہیں گے کہ وہ مسلمان ہو کر یہاں رہے تو وہ یہاں نہیں رہے گا۔ اگر آپ اجازت دیں کہ وہ کافر ہوتے ہوئے بھی یہاں رہ سکتا ہے تو وہ واپس آجائے گا۔ آپؐ نے فرمایا بہت اچھا ہم اسے مسلمان ہونے کے لئے نہیں کہیں گے وہ اپنے مذہب پر قائم رہ سکتا ہے۔ عکرمہ کی بیوی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ عہد لے کر عکرمہ کی تلاش میں گئی۔ عکرمہ حبشہ کی طرف بھاگا جا رہا تھا وہ جہاز میں سوار ہونے کو تیار تھا کہ اس کی بیوی وہاں پہنچی۔ وہ جگہ مکّہ سے سات دن کے فاصلہ پر تھی بیوی نے خاوند سے کہا تم کہاں جا رہے ہو۔ یہاں تمہارا اپنا بھائی حاکم ہے۔ کیا یہ بہتر ہے کہ تم اس کے ماتحت رہو یا یہ بہتر ہے کہ تم غیر کی غلامی کرو۔ عکرمہ نے کہا کیا تجھے علم نہیں کہ مجھے قتل کر دینے کے احکام جاری ہو چکے ہیں۔ اس نے کہا تم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں جانتے تمہارے سینہ میں کفر کی آگ بھڑک رہی ہے میں جانتی ہوں کہ جو کچھ انہوں نے مجھ سے کہا ہے۔ انہوں نے سچ کہا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر عکرمہ مکّہ واپس آجائے تو میں اسے معاف کر دوں گا عکرمہ نے کہا اچھا انہوں نے اگر معاف بھی کر دیا تو وہ مجھے مسلمان ہونے کے لئے کہیں گے لیکن میں تو مسلمان نہیں ہوں گا۔ بیوی نے کہا نہیں عکرمہ۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ تمہیں مسلمان ہونے کے لئے بھی نہیں کہیں گے تم اپنے مذہب پر قائم رہ کر مکّہ میں رہ سکتے ہو۔ عکرمہ نے کہا۔ کیا یہ سچ ہے۔ بیوی نے کہا

ہاں یہ بالکل سچ ہے مَیں نے خود محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بات کی ہے۔ عکرمہؓ نے کہا۔ اچھا مَیں چلتا ہوں لیکن مَیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے یہ باتیں سُنوں گا تب مانوں گا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم مجلس میں بیٹھے تھے کہ عکرمہ کی بیوی اسے ساتھ لئے حاضر ہوئی۔ عکرمہؓ نے کہا محمد (عکرمہؓ ابھی ایمان نہیں لایا تھا اور وہ آپؐ کو اسی نام سے پکارتا تھا) میری بیوی کہتی ہے کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے آپؐ نے فرمایا تمہاری بیوی ٹھیک کہتی ہے۔ عکرمہ نے کہا میری بیوی نے ایک اَور بات بھی کہی ہے اور وہ یہ ہے کہ مَیں مکّہ میں اپنے مذہب کو مانتے ہوئے بھی رہ سکتا ہوں مجھے اپنا مذہب تبدیل کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا تمہاری بیوی ٹھیک کہتی ہے عکرمہ نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عکرمہ مَیں نے تجھے مسلمان ہونے کے لئے نہیں کہا عکرمہ نے کہا اتنا بلند حوصلہ اور ایثار خدا تعالیٰ کے رسول کے سوا اَور کسی میں نہیں ہوسکتا جب مَیں نے اپنے کانوں یہ بات سُن لی کہ آپ نے مجھ جیسے شدید دشمن کو بھی معاف کر دیا ہے تو مَیں آپ کی رسالت پر ایمان لے آیا ہوں اب آگے دیکھو عکرمہ میں کتنی جلدی فرق پڑتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا عکرمہؓ ہم صرف تمہارے قصوروں کو ہی نظر انداز نہیں کرتے بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ تم کچھ مانگ، لو اگر ہماری طاقت میں ہوا تو ہم تمہاری خواہش کو پورا کر دیں گے تو اس کے مُنہ سے یہ بات سجتی تھی کہ مجھے دو سَو اُونٹ دے دیں۔ میرے مکان مجھے واپس دے دیں لیکن وہ کلمہ پڑھتے ہی بدل چکا تھا۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ مَیں آپ سے صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ آپ خدا تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ مَیں نے آپ سے لڑائیاں کرکے جو گناہ سہیڑے ہیں خدا تعالیٰ وہ گناہ مجھے معاف کر دے۔ پھر اسی عکرمہ نے مسلمان ہونے کے بعد وہ قربانی دکھائی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسلامی فوجیں قیصر کی فوجوں سے لڑنے کے لئے گئیں تو ایک جگہ پر دشمن کو زور حاصل ہوگیا دشمن نے ایک ٹیلہ پر عرب تیرانداز بٹھا دئے جو صحابہؓ کو پہچانتے تھے اور انہیں ہدایت تھی کہ صحابہؓ کو چُن چُن کر ان کی آنکھوں پر تیر ماریں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اکثر صحابہؓ اندھے ہوگئے۔ مسلمانوں کو فکر پڑی کہ صحابہ کی جانیں ضائع ہو رہی ہیں۔ حضرت عکرمہؓ حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ اسلامی فوج کے کمانڈر تھے اور کہا صحابہؓ کی یہ حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے جب تک ہم اچانک حملہ

کرکے انہیں خوفزدہ نہیں کریں گے یہ پیچھے نہیں ہٹیں گے آپ مجھے اجازت دے دیں کہ میں تیس آدمی ساتھ لے کر کفار کے لشکر کے قلب پر حملہ کروں تا وہ تتر بتر ہو جائے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا یہ بات خلافِ عقل ہے کہ ۶۰ ہزار دشمن کے مقابلہ پر تیس آدمی جائیں۔ حضرت عکرمہؓ نے کہا آخر ہم مر ہی جائیں گے اور کیا ہوگا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا میں اتنی بڑی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بلایا اور ان سے کہا عکرمہ یوں کہتا ہے۔ خالد نے کہا عکرمہ نے ٹھیک کہا ہے جب تک دشمن پر ہمارا رعب نہیں پڑے گا وہ پیچھے نہیں ہٹے گا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا اس کے یہ معنے ہونگے کہ میں تیس مسلمان مروادوں۔ خالد نے کہا آخر آدمی مرا ہی کرتے ہیں۔ تب حضرت ابوعبیدہؓ نے عکرمہؓ کی بات مان لی۔ ہاں اتنا کردیا کہ تیسؔ آدمی کی بجائے ساٹھ آدمی ان کے ساتھ کردئے تا دشمن کے ہر ہزار کے مقابلہ میں ایک مسلمان ہو جائے۔ دوسرے دن ان ساٹھ افراد نے اپنے گھوڑوں کی باگیں اُٹھائیں اور ساٹھ ہزار دشمن میں گھس گئے۔ پہلی صف والے ابھی تلوار ہی اُٹھا رہے تھے کہ یہ وہ صف گذر چکے تھے۔ جب دوسری صف والے تلواریں اُٹھانے لگے تو یہ تیسری صف میں پہنچ چکے تھے۔ دشمن فوج کا کمانڈر جس سے قیصر نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر اس نے مسلمانوں کے مقابلہ میں فتح حاصل کی تو وہ اسے اپنی لڑکی بیاہ دے گا۔ وہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا یہ وہاں پہنچے لشکر کو بھی ہوش آچکی تھی یہ مرتے گئے لیکن پیچھے نہ ہٹے۔ جب یہ عین اس جگہ پر پہنچے جہاں کمانڈر بیٹھا تھا تو وہ گھبرا کر بھاگ اُٹھا لیکن ساٹھ کے ساٹھ یا تو زخمی ہو گئے یا مر گئے اتنے میں جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ان کے ساٹھ جانباز سپاہی لڑ رہے ہیں تو انہوں نے دشمن پر حملہ کر دیا اور دشمن کو جب خبر پہنچی کہ ان کا کمانڈر بھاگ گیا ہے تو وہ بھی بھاگ گئے۔ فتح کے بعد جب تلاش کیا گیا تو سوائے چند کے جو شدید زخمی تھے باقی سب مر چکے تھے۔ گرمی کا موسم تھا شدّتِ پیاس کی وجہ سے زخمیوں کی زبانیں باہر نکل رہی تھیں۔ بعض سپاہی پانی کی کُپیاں لے کر وہاں پہنچے۔ جب وہ حضرت عکرمہؓ کے پاس گئے تو آپ کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی انہیں پانی پینے کے لئے کہا گیا جب وہ پانی پینے لگے تو ان کی نظر اپنی داہنی طرف پڑی آپ نے دیکھا کہ حضرت فضلؓ (حضرت عباسؓ کے بھائی) شدّتِ پیاس کی وجہ سے تڑپ رہے ہیں۔ آپ نے ان کی طرف اشارہ کیا اور کہا پہلے انہیں پانی دو۔ جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے اپنے پہلو میں ایک اور زخمی دیکھا جو شدّتِ پیاس کی وجہ سے تڑپ رہا تھا انہوں نے اس کی طرف اشارہ

کیا کہ پہلے اسے پانی پلاؤ۔ دس آدمی زخمی پڑے ہوئے تھے ان دسوں کے پاس جب آدمی چھاگل لے کر گئے تو انہوں نے دوسرے کی طرف بھیج دیا تاکہ اسے پہلے پانی پلایا جائے۔ جب وہ آدمی دسویں کے پاس پانی لے کر گیا تو وہ مر چکا تھا۔ نویں کے پاس گیا تو وہ بھی مر چکا تھا۔ آٹھویں کے پاس گیا تو وہ بھی مر چکا تھا۔ اسی طرح وہ ہر ایک کے پاس سے ہوتا ہوا دوبارہ عکرمہ کے پاس گیا تو وہ بھی مر چکے تھے۔
اب دیکھو کجا یہ کہ ابوجہل کی دشمنی کی یہ حالت تھی کہ اس نے انتہائی مخالفت کی اور کجا یہ کہ جب اسکے بیٹے عکرمہ کو پتہ لگ گیا کہ اس کے باپ نے غلطی کی تھی تو وہی عکرمہ جو اپنی ذاتی عزت اور وجاہت کی خاطر اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتا ہوا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کیا کرتا تھا اسنے اپنے آپ کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خاطر اس طرح قربان کیا کہ اس کی نظیر کم ملتی ہے۔ خالدؓ بن ولید کو دیکھو مسلمان ان کا نام لیتے تھکتے نہیں لیکن وہ بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اشد ترین دشمن تھا۔ عمرو بن العاص کی بھی مسلمان تعریف کرتے ہیں کہ وہ بہترین جرنیل تھے لیکن وہ بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اشد ترین دشمن تھے۔ ان کو دیکھو اور ان کی اولادوں کو دیکھو۔ احد کے واقعات کو دیکھو وہ شخص جس کی وجہ سے فتح مبدل بہ شکست ہوگئی تھی وہ خالد بن ولید ہی تھے۔ وہ حملہ جس کی وجہ سے مسلمان لشکر میں کہرام مچ گیا تھا وہ خالد کا ہی کیا ہوا تھا اور خالد ہی ہے جس کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ وہی خالد اسلام کی لڑائیوں میں اتنا زخمی ہوا کہ جب وہ مرنے لگا تو اس نے کہا میرے سر سے لے کر پاؤں تک کوئی ایسی جگہ نہیں جس میں تلوار کا نشان نہ ہو لیکن یہ وہی خالد تھا جس نے اسلامی لشکر کو پسپا کر دیا تھا اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو زخمی کر دیا تھا۔ دوسرا جرنیل جس نے خالدؓ کے ساتھ مل کر مسلمان لشکر پر حملہ کیا وہ عمروؓ بن عاص تھا جس نے بعد میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مصر فتح کیا لیکن جنگِ احد کے وقت یہی دونوں تھے جنہوں نے حملہ کر کے صحابہؓ کو زخمی کر کے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر پھینک دیا اور آپؐ کو بھی زخمی کر دیا۔ حضرت عمروؓ بن عاص کے بیٹے حضرت عبداللہ عمروؓ آپ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے (جو لوگ حدیث سے واقف ہیں وہ عبداللہ بن عمروؓ اور عبداللہ بن عمرؓ میں فرق نہیں کرتے۔ درحقیقت یہ دونوں الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بہت سی روایات مروی ہیں) حضرت عمرو بن العاصؓ جب فوت

ہونے لگے تو آپ رو رہے تھے حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے کہا باپ کیا آپ بھی روتے ہیں۔ اگر آپ کفر کی حالت میں مرتے تب تو کوئی بات تھی خدا تعالیٰ نے آپ کو اسلام نصیب کیا اور اب تو آپ کے لئے بشارت ہی بشارت ہے۔ حضرت عمروؓ بن عاص نے کہا بیٹا تمہیں معلوم نہیں اسلام کے ساتھ میری دو کیفیتیں رہی ہیں جب تک مَیں مسلمان نہیں ہوُا تھا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے اتنا بُغض تھا اور اسلام کے ساتھ مجھے اتنی دشمنی تھی کہ مَیں نے کبھی آنکھ اُٹھا کر آپ کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ اگر مَیں اس وقت مرتا اور کوئی شخص مجھ سے یہ پُوچھتا کہ آپ کی شکل کیا تھی تو مَیں آپ کی شکل نہ بتا سکتا۔ پھر جب اسلام لایا تو مجھے آپ سے اتنا عشق پیدا ہوُا اور میرے اندر آپ کی اِس قدر محبّت جاگزین ہوئی کہ مَیں آپ کے رُعب کی وجہ سے آپ کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ اگر اب مجھ سے کوئی پوچھے کہ آپ کی شکل کیا تھی تو مَیں نہیں بتا سکتا۔ کفر کی حالت میں بُغض کی وجہ سے مَیں نے آپ کی شکل نہ دیکھی اور اسلام کی حالت میں محبّت اور عشق کی وجہ سے آپ کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کے وقت میں اگر فوت ہو جاتا تو کوئی فکر نہ تھا لیکن آپ کی وفات کے بعد کئی غلطیاں مجھ سے سرزد ہو گئی ہیں مَیں نہیں جانتا ان غلطیوں کی وجہ سے قیامت کے دن بھی آپؐ کا دیدار نصیب ہو یا نہیں۔ اور وہ یہ کہہ کر پھر رونے لگ گئے۔

ہماری جماعت کے لوگ مخالفت سے گھبراتے اور غصّہ میں آجاتے ہیں لیکن مخالفت کی وجہ سے گھبرانے اور غصّہ میں آجانے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ لوگ مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ یہ لوگ اِس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ ان کا خیال ہے کہ ہم رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں اور نعوذ باللہ آپؐ کو گالیاں دیتے اور اسلام کو بگاڑتے ہیں۔ گویا وہ مخالفت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت اور اس غلط فہمی کے نتیجہ میں کرتے ہیں کہ ہم اسلام کے دشمن ہیں ہمیں دعائیں کرنی چاہئیں اور ساتھ ہی ساتھ تبلیغ کرنی چاہیئے۔ آخر ہم ان کی غلط فہمیوں کو کیوں دُور نہیں کرتے۔ اگر ایک مولوی ہمارے متعلق یہ کہتا ہے کہ ہم حضرت امام حسینؓ کی ہتک کرتے ہیں تو تم نے کیوں لوگوں کو یہ نہیں بتایا کہ ہم حضرتِ امام حسینؓ کی ہتک نہیں کرتے بلکہ ان کی تم سے بھی زیادہ عزّت کرتے ہیں۔ اگر تم نے انہیں یہ بتایا ہوتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو یہ کہا ہے ؎

خاکم نثار کوچہ آل محمدؐ است

تو وہ حقیقت سمجھ جاتے اور مولویوں سے کہتے کہ کیا یہ فقرہ کہنے والا شخص حضرت امام حسینؓ کا دشمن یا ہتک کرنے والا ہو سکتا ہے لیکن تم گھروں میں بیٹھے رہے اور گھر بیٹھے بیٹھے تم نے سمجھ لیا کہ لوگوں نے اس کے معنے سمجھ لئے ہیں۔ پھر فرض کرو اگر دشمن یہ کہتا ہے کہ مرزا صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے مولویوں کو گالیاں دی ہیں تو تم ان کے سامنے گالیوں کی ایک فہرست رکھ دیتے کہ یہ گالیاں مولویوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی ہیں۔ یہ سب گالیاں کتابوں میں چھپی ہوئی ہیں تم وہ کتابیں ان کے سامنے رکھ دیتے اور انہیں بتاتے کہ کیا یہ مولویوں کا کام ہے تو ساری بات ان کی سمجھ میں آجاتی۔ مثلاً اگر کوئی کسی کو حرام زادہ کہے اور وہ اسے کہے بے ایمان یہ بات مت کہو اور پہلا شخص جس نے اسے حرام زادہ کہا ہے اس سے لڑنے لگ پڑے۔ اب اگر تیسرا شخص پاس سے گذرتا ہے اور وہ اس سے دریافت کرتا ہے میاں تم لڑتے کیوں ہو اور وہ کہتا ہے اس نے مجھے بے ایمان کہا ہے تو اگر پہلا شخص اسے یہ بتا دیتا ہے کہ اس نے مجھے حرام زادہ کہا ہے اور قرآن و حدیث نے ایسا کہنے سے منع فرمایا ہے تو وہ کہے گا یہ تو قرآن اور حدیث کی بات کہتا ہے یہ گالی نہیں گالی وہ ہے جو تم نے دی۔ پس اگر تم لوگوں کے پاس جاتے ہو اور انہیں بتاتے ہو کہ مولویوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ یہ گالیاں دی ہیں اور ان کے جواب میں آپ نے انہیں یہ کہا ہے کہ قرآن کریم نے ان سے منع فرمایا ہے تو وہ مولویوں کے پاس جاتے اور انہیں کہتے مرزا صاحب کو تم نے یہ یہ گالیاں دی ہیں اب اگر انہوں نے اس کے جواب میں کچھ کہا ہے تو شریعت میں اس کا نام گالی نہیں۔ اس پر مولوی یا تو یہ کہہ دیتے کہ یہ ہماری کتابیں نہیں یا یہ فتویٰ دیتے کہ ہمارے ماں باپ اور آباء و اجداد جھوٹے اور مفتری تھے لیکن یہ صاف بات ہے کہ وہ یہ فتویٰ ہرگز نہیں دیں گے کہ ہمارے ماں باپ جھوٹے اور مفتری تھے۔ اگر ایک اہلِ حدیث تمہارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ مرزا صاحب نے مولویوں کو گالیاں دی ہیں تو تم جھٹ انہی کی کتابیں ان کے سامنے رکھ دو اور کہو کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور دوسرے علماء اہل حدیث نے مرزا صاحب کو یہ یہ گالیاں دی ہیں اور مرزا صاحب نے انہیں ان گالیوں سے منع فرمایا ہے لیکن جب ایک مولوی یونہی شور مچا دیتا ہے کہ مرزا صاحب نے مولویوں کو گالیاں دی ہیں تو لوگوں کو چونکہ پتہ نہیں ہوتا کہ ان کے

بابیوں نے مرزا صاحبؑ کو کیا کچھ کہا ہے اِس لئے وہ مخالفت کرنے لگ جاتے ہیں تم ان کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے ان کی کتابیں رکھ دو اور بتاؤ کہ تمہارے علماء نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ یہ گالیاں دی ہیں اور کیا یہ اسلام کی تعلیم کے مطابق ہے۔ بعض غیر اسلامی گالیاں ہیں اور بعض غیر اسلامی نہیں مثلاً احمق ہے کسی کو احمق کہنا شرافت کے تو خلاف ہے لیکن اسلام کے خلاف نہیں۔ لیکن اگر کوئی حرام زادہ کہہ دیتا ہے تو یہ اسلام کے خلاف ہے اسلام نے ایسا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ پھر اس قسم کی احادیث موجود ہیں کہ اگر کوئی کسی کو بُرا کلمہ کہتا ہے تو وہ اسی کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اب یا تو یہ باتیں احادیث سے نکال دو اور اگر انہیں احادیث سے نہیں نکالتے تو پھر غصہ میں کیوں آتے ہو۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو کسی مسلمان کو کافر کہتا ہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے اگر کوئی کسی کو کافر کہتا ہے تو وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔ اب یا تو یہ حدیث کاٹ دو اور یا ہماری بات مانو۔ ہم کوئی نیا فتویٰ نہیں دیتے آج سے چودہ سَو سال قبل سے یہ باتیں کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں ہم تو آج پیدا ہوئے ہم امام مسلمؒ کے ساتھ تو نہیں بیٹھے تھے ہم امام بخاریؒ کے ساتھ تو نہیں بیٹھے تھے، ہم ابوداؤد اور ترمذی کے ساتھ تو نہیں بیٹھے، ہم نسائیؒ اور ابنِ ماجہؒ کے پاس تو نہیں بیٹھے تھے لیکن ان بزرگوں نے اپنی اپنی کتابوں میں یہ باتیں لکھی ہیں اور وہ اب تک موجود ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہودی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے ہیں یہ جھوٹا ہے اللہ تعالےٰ کہتا ہے تم اسے جھوٹا کیونکر کہہ سکتے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں جو پیشگوئیاں اس کے متعلق پائی جاتی ہیں اور وہ اس کے حق میں پوری ہو گئی ہیں کیا وہ پیشگوئیاں اس نے موسیٰ علیہ السلام کو لکھوا دی تھیں۔ اگر آج سے کئی سو سال قبل کی لکھی ہوئی باتیں اس شخص کے حق میں پوری ہو جاتی ہیں تو یہ شخص یقیناً سچا ہے اگر یہ جھوٹا ہوتا تو خدا تعالیٰ اتنے سو سال قبل کی کہی ہوئی باتیں اس کی ذات میں کیوں پوری کرتا۔ غرض جو بات مسلمان عیسائیوں اور یہودیوں کے اعتراضات کے جواب میں کہتے ہیں وہی بات ہم کہتے ہیں کہ مسلم اور بخاری میں یہ باتیں لکھی ہیں ہم تو اس وقت موجود نہیں تھے کہ ہم نے خود یہ باتیں لکھوا دیں۔ اگر تم کہو کہ مَیں مسلم اور بخاری کے وقت میں موجود تھا تو تمہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مَیں فرشتہ ہوں اور اگر مَیں فرشتہ ہوں تو تم فرشتے کی کیوں مخالفت کرتے ہو اور اگر مَیں انسان ہوں تو صاف بات ہے کہ یہ باتیں مَیں نے مسلم اور بخاری کو نہیں لکھوائیں پھر اگر انہوں نے یہ باتیں خدا تعالیٰ کی

طرف منسوب کر کے لکھی ہیں تو اگر خدا اور اس کے رسول کا دشمن تھا تو یہ باتیں میرے ساتھ کیسے پوری ہو گئیں آخر اس کی بھی تو کوئی دلیل ہونی چاہیئے۔ مثلاً رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آنیوالا مسیح شادی کرے گا اور اس کے نتیجہ میں اس کی اولاد بھی ہوگی یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ[1]۔ اب سیدھی بات ہے کہ خالی شادی کوئی اہم بات نہیں لوگ شادیاں کرتے ہی ہیں۔ مان لیا مرزا صاحب جھوٹے ہی ہیں لیکن یہ تو بتائیے کہ اگر آپ جھوٹے تھے تو خدا تعالیٰ یہ بات پوری نہ ہونے دیتا۔ اوّل تو آپ شادی ہی نہ کرتے یا اگر شادی کرتے تو آپ کی بیوی مر جاتی یا وہ اچھے خاندان سے نہ ہوتی یا اس کے ہاں اولاد نہ ہوتی یا اولاد پیدا ہوتی تو وہ مر جاتی لیکن وجہ کیا ہے کہ ایک شخص خدا تعالیٰ پر افترا بھی کرتا ہے لیکن خدا تعالیٰ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سب باتیں اس کی ذات میں پوری کر دیتا ہے یا مثلاً رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آنے والے مسیح اور مہدی کے زمانہ میں سورج اور چاند کو رمضان کے مہینہ میں گرہن لگے گا اور فرمایا یہ ایک ایسی آیت ہے کہ یہ کسی اور مدعیٔ نبوّت پر پوری نہیں ہوئی۔ یہ بات شیعوں اور سُنّیوں سب کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے[2] اور یہ ۱۸۹۴ء میں پوری ہوئی۔ گجرات کا ایک واقعہ ہے کہ ایک مولوی کہتا تھا مرزا (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سچا کیسے ہو سکتا ہے۔ حدیث میں یہ لکھا ہے کہ جب مسیح آئے گا سورج اور چاند کو گرہن لگے گا اور ایسا گرہن اس سے قبل کسی مدعیٔ نبوّت کے زمانہ میں نہیں لگا ہوگا۔ جب یہ گرہن لگا تو اس مولوی کے ہمسایہ میں ایک احمدی رہتا تھا اس نے اسے بتایا کہ گرہن لگنے کی علامت پوری ہوگئی تب وہ مولوی کوٹھے پر کھڑا ہو کر سورج گرہن دیکھتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا اب لوگ گمراہ ہو جائیں گے اب لوگ گمراہ ہو جائیں گے۔ یہ نہیں کہا کہ یہ خدا تعالیٰ کا ایک نشان ہے جس کے نتیجہ میں لوگ ہدایت پائیں گے بلکہ وہ کہتا تھا کہ اس کے نتیجے میں لوگ گمراہ ہو جائیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو جھوٹا ہوتا ہے اس پر سچوں والی علامتیں کیسے پوری ہو سکتی ہیں مثلاً حکومت ہے وہ افسر مقرر کرتی ہے اور اس کی علامتیں مقرر کرتی ہے۔ وہ گزٹ شائع کرتی ہے کہ فلاں افسر فلاں جگہ پر مقرر کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک ڈپٹی کمشنر ہے حکومت کہتی ہے فلاں شخص کو فلاں ضلع میں ڈپٹی کمشنر مقرر کیا جاتا ہے سب محکمے اس کے ماتحت ہوں گے۔ تحصیلدار، ضلعدار، گرداور اور پٹواری سب اس کے تابع ہوں گے۔ اس کے بعد ایک شخص آتا ہے گزٹ میں اس کا نام چھپ جاتا ہے۔ سب محکمے اس کی اطاعت کرتے ہیں لیکن لوگ کہتے ہیں یہ جھوٹا ہے بھلا گورنمنٹ ایسا کرنے دیتی ہے اگر کوئی

---

[1] مشکوٰۃ مجتبائی باب نزول عیسیٰ بن مریم ۔ [2] دار قطنی جلد ۱ صفحہ ۱۸۸ ۔

شخص جعلی طور پر اپنے آپ کو افسر ظاہر کرے گا تو فوراً اسے گرفتار کر لے گی۔ اور اگر کوئی حکومت ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی تو کیا خدا تعالیٰ اتنا کمزور ہے کہ ایک شخص اس پر الزام لگاتا ہے اور افترا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ اسے وحی کرتا ہے لیکن خدا تعالیٰ سب پیشگوئیاں اس کی ذات میں پوری کر دیتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس زمانے میں عیسائیوں کا زور ہوگا اور عیسائیوں کا زور ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اس زمانہ میں یاجوج اور ماجوج چاروں طرف سے پہاڑوں کی چوٹیوں اور سمندروں کی لہروں پر سے گذر کر دُنیا پر قابض ہو جائیں گے اور وہ قابض ہو جاتے ہیں لیکن لوگ کہہ دیتے ہیں یہ شخص جھوٹا ہے یہ بالکل وہی بات ہے کہ کسی بُزدل کو فوج میں بھرتی کر لیا گیا لڑائی میں اسے تیر آ لگا اور اس کے جسم سے خون بہنے لگا۔ وہ بُزدل تو تھا ہی تیر لگنے کے بعد وہ میدان میں کیسے ٹھہر سکتا تھا وہ بے ساختہ پیچھے کو بھاگا وہ دوڑتا چلا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا یا اللہ یہ خواب ہی ہو یا اللہ یہ خواب ہی ہو۔ تیر تو جسم میں لگ چکا تھا اور خون بہہ رہا تھا اب اُس کے کہنے سے کہ یا اللہ یہ خواب ہی ہو خواب کیسے بن سکتا ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک شخص میں یہ سب علامات پوری ہو چکی ہوں لیکن لوگ کہیں یا اللہ یہ جھوٹا ہی ہو یا اللہ یہ جھوٹا ہی ہو یہ باتیں بھلا ہو سکتی ہیں مومن تو خوش ہوتا ہے کہ یہ باتیں پوری ہوئیں پس جاؤ اور لوگوں کو یہ بتاؤ بخاری اور مسلم یہ کہتے ہیں اور یہ سب کچھ پورا ہو گیا ہے۔ اب کیا ہم اُس وقت موجود تھے کہ ہم نے خود یہ باتیں انہیں لکھوا دیں اور اگر ہم اس وقت موجود نہ تھے تو پھر آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے میں انکار کیا ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ[1] یاجوج اور ماجوج پہاڑی رستہ سے بھی آئیں گے اور نشیب کے رستہ سے بھی۔ وہ سمندر کے رستہ سے بھی آئیں گے اور خشکی کے رستہ سے بھی اور ساری دُنیا پہ چھا جائیں گے۔ بائیبل میں لکھا ہے اے جوج روس اور مسک اور توبل کے فرمانروا (حزقیل باب ۳۹) یہ سب باتیں پہلے سے لکھی ہوئی ہیں اگر ان میں سے ایک بات پوری ہو گئی تو یقیناً دوسری بھی ٹھیک ہے۔ اگر روس کا ذکر آ گیا تو یقیناً دوسرا فریق برطانیہ اور امریکہ ہے۔ یہ دانیال اور حزقیل کی پیشگوئی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے یہ یاجوج ماجوج تمام دنیا پر چھا جائیں گے اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب باتیں پوری ہو گئی ہیں۔ آج سے سو سال قبل کسی کا وہم بھی ہو سکتا تھا کہ روس اس طرح ترقی کر جائے گا میں اس صدی والوں کو کہتا ہوں کہ ۱۹۰۴ء میں جاپان نے روس

---

[1] الانبیاء: ۹۷

کو کس طرح گرایا تھا۔ اس وقت کیا کوئی خیال بھی کرسکتا تھا کہ ایک دن روس اتنا زور پکڑ جائے گا کہ دوسری حکومتیں اس سے لرزنے لگ جائیں گی لیکن نوشتوں میں لکھا تھا کہ تُو دُنیا میں پھیلے گا اور مَیں تجھے تباہ کر دوں گا۔ اور ادھر یاجوج کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سمندوں کی لہروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں سے گذر کر دنیا پر چھا جائے گا یہ کتنی صاف پیشگوئی ہے کیا تم اسے قرآن کریم سے نکال دوگے یا تو تم کہو یہ غلط ہے لیکن سوال یہ ہے جب یہ پیشگوئی پوری ہو چکی ہے تو غلط کیسے ہوسکتی ہے؟ یہ تو وہی بُزدلی والی بات ہے کہ یا الٰہی خواب ہی ہو یا الٰہی خواب ہی ہو۔ ایک قوم جس کا نام بائبل میں آتا ہے اور جس کے پھیلنے کے متعلق قرآن مجید اور بائبل میں پیشگوئی تھی وہ دنیا میں پھیل گئی۔ اب کیا تم یہ کہو گے کہ قرآن اور بائبل جھوٹے ہیں اس لئے کہ مرزا صاحب جھوٹے ثابت ہو جائیں۔ اسلامی طریق تو یہ تھا کہ تم کہتے کہ مرزا صاحب سچے ہیں کیونکہ اس طرح محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سچے ثابت ہوتے ہیں۔

ایک راجہ نے دربار میں کہا مَیں نے بینگن کھائے ہیں بڑا مزہ آیا بینگن بڑی لذیذ سبزی ہے ایک درباری نے کہا ہاں ہاں حضور بینگن بڑی لذیذ چیز ہے۔ وہ طِب بھی پڑھا ہوا تھا اس نے کہا اس میں یہ یہ خوبیاں ہیں پھر کہا حضور اس کی شکل دیکھیں تو یُوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی صوفی نماز کے لئے کھڑا ہو۔ چند دنوں کے بعد راجہ نے دربار میں کہا مَیں نے بینگن کھائے تو مجھے بواسیر ہو گئی میں سمجھتا تھا کہ یہ بہت اچھی چیز ہے لیکن اب معلوم ہوا ہے یہ بڑی ناقص چیز ہے۔ اب ہر چیز میں بُرائیاں بھی ہوتی ہیں اور خوبیاں بھی ہوتی ہیں سنکھیا کو دیکھ لو سنکھیا مارتا بھی ہے اور زندہ بھی کرتا ہے۔ اسی طرح دوسری چیزوں کا حال ہے لیکن جب راجہ نے کہا کہ مَیں نے بینگن کھائے تو مجھے تکلیف ہوگئی یہ بہت ناقص سبزی تھی، تو وہی درباری اُٹھا اور اس نے کہا ہاں ہاں حضور یہ بڑی ناقص چیز ہے اس میں یہ یہ بُرائیاں ہیں اور پھر اس کی شکل بالکل ایسی ہے جیسے کسی چور کو اس کے ہاتھ باندھ کر سُولی پر لٹکا دیا جائے۔ لوگوں نے پُوچھا یہ کیا بات ہے اگلے دن تو تُو نے بینگن کی اتنی تعریف کی کہ حد نہ رہی اور آج اتنی مذمت کی کہ گویا اس جیسی پلید چیز دُنیا میں کوئی نہیں۔ اس نے کہا مَیں راجہ کا نوکر ہوں بینگن کا نوکر نہیں۔ اسی طرح اسے بھائیو! ہمیں اس سے کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے یا نہیں ہم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نوکر ہو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آج تم یہ اعتراض کرتے ہو کہ آپؑ

حدیث اور سُنّت کے خلاف جاتے ہیں حالانکہ آپ حدیث و سُنّت سے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں دلائل دیتے تھے۔ پھر آپ حنفیوں میں پیدا ہوئے اس طرح آپ ان کے عقیدوں سے واقف تھے۔ پھر آپ قرآن کریم سے دلائل دیتے تھے۔ اُن دنوں مولوی محمد حسین صاحب بڑے عالم سمجھے جاتے تھے وہ اعتراض کرتے وقت کہتے تھے کہ قرآن میں یہ لکھا ہے حدیث میں یہ لکھا ہے۔ سُنّت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن و حدیث سے ہی ان اعتراضات کے جواب دیتے تھے اور فرماتے قرآن میں یہ لکھا ہے حدیث میں یہ لکھا ہے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ ایک دفعہ اتفاق سے قادیان آئے اور کسی کام کے لئے لاہور ٹھہر گئے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی لاہور آئے ہوئے تھے انہوں نے خیال کیا کہ مولوی صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقرب ہیں ان سے بحث مباحثہ ہو جائے چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب نے اشتہار بازی شروع کر دی۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی دو ماہ کی رخصت تھی اور وہ لاہور میں ہی ختم ہو گئی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے کہا بتاؤ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں یا زندہ ہیں اور وہ حیاتِ مسیح کے بارہ میں احادیث سے دلائل دیتے لیکن حضرت خلیفۃ المسیح اوّل ان کا قرآن کریم سے ردّ کر دیتے اور قرآن کریم سے وفاتِ مسیح ثابت کرتے۔ مولوی محمد حسین صاحب قرآن کریم کی طرف نہیں آتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ کو بھی قرآن کریم سے ہٹا کر احادیث کی طرف لے آئیں۔ آخر حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے اس کی بات کو جھوٹا کرنے کے لئے کہا کہ جو بخاری کہے وہ مَیں مان لوں گا۔ ایک دوست نظام الدین نامی تھے انہیں حج کرنے کا بڑا شوق تھا انہوں نے دس حج کئے تھے وہ بمبئی تک پیدل جاتے اور آگے جہاز کے ذریعہ سفر کرتے انہوں نے براہین احمدیہ پڑھی ہوئی تھی اور انہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی دونوں سے عشق تھا جب یہ لوگ شور مچاتے کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی رُو سے عیسٰی علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں تو یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی کہ مرزا صاحب قرآن و حدیث کے بلند پایہ عالم ہو کر اتنی بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ وہ حج کے لئے گئے جب واپس آئے تو کسی شخص نے ان سے اس بات کا ذکر کر دیا کہ مرزا صاحب نے یہ کہا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور یہ امر قرآن کریم

سے ثابت ہے۔ انہوں نے کہا مرزا صاحب میرے دوست ہیں مَیں جانتا ہوں کہ وہ بہت بڑے عالم ہیں اور قرآن و حدیث کے مسائل سے بخوبی واقف ہیں وہ ایسا نہیں کہہ سکتے۔ وہ کہنے لگے یا تو مرزا صاحب نے یہ کہا نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور اگر کہا ہے تو مَیں ان کے پاس جاؤں گا اور انہیں کہوں گا کہ وہ ایسا دعویٰ نہ کریں اور وہ مان لیں گے چنانچہ وہ قادیان آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگے مَیں حج پر گیا ہوا تھا جب واپس آیا تو مَیں نے یہ عجیب بات سُنی کہ آپ نے فرمایا ہے عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہاں مَیں نے یہ بات کہی ہے۔ انہوں نے کہا مَیں لوگوں سے کہہ آیا ہوں کہ مَیں مرزا صاحب سے کہوں گا کہ آپ یہ دعویٰ نہ کریں تو آپ لاہور یا دہلی کی کسی مسجد میں توبہ کا اعلان کریں اگر وہ نہ مانے تو مَیں کہوں گا کہ اگر یہ امر قرآن کریم سے ثابت نہ ہو سکے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہاں اگر یہ امر قرآن کریم سے ثابت نہ ہوا تو مَیں ایسا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ انہوں نے کہا اچھا میری تسلی ہو گئی ہے مَیں نے مولوی صاحب سے کہا ہے کہ وہ قرآن کریم کی تین سو آیات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ثابت کر کے دکھائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تین سو آیات کی کیا ضرورت ہے اس کے لئے ایک آیت ہی کافی ہے۔ میاں نظام دین صاحب کو شُبہ پڑا کہ شاید قرآن کریم میں حیاتِ مسیح کے متعلق تین سَو آیات نہ ہوں اِس لئے انہوں نے کہا اچھا دو سو آیات سے ہی وہ حیاتِ مسیح ثابت کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر فرمایا کہ اس کے لئے ایک آیت ہی کافی ہے۔ انہیں پھر شُبہ پڑا کہ شاید قرآن کریم میں حیاتِ مسیح کو ثابت کرنے کے لئے دو سَو آیات بھی نہ ہوں اِس لئے انہوں نے کہا اچھا وہ ایک سَو آیات سے حیاتِ مسیح ثابت کریں۔ آپ نے فرمایا نہیں اس کے لئے ایک آیت ہی کافی ہے اور پھر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح نیچے اُترتے گئے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے لوط کی بستی کے متعلق فرمایا تھا خدایا اس میں اگر چالیس۴۰ تجھ پر یقین رکھنے والے ہوں کیا تب بھی تو اسے تباہ کر دے گا تو خدا تعالیٰ نے کہا اے ابراہیم! تب مَیں انہیں معاف کر دوں گا۔ اس سے آپ کو شُبہ ہوا کہ شاید اس بستی میں اتنے مومن نہ ہوں اِس لئے آپ آہستہ آہستہ نیچے اُترتے گئے یہاں تک کہ آپ دس۱۰ تک آ گئے اور خدا تعالیٰ نے کہا ابراہیم اگر اس میں دس۱۰ مومن بھی ہوں تب بھی مَیں اس بستی کو تباہ نہیں کروں گا

اور جب حضرت ابراہیمؑ کو معلوم ہوا کہ اس بستی میں دس مومن بھی نہیں تو آپ نے دعا کرنی چھوڑ دی۔ اسی طرح میاں نظام الدین صاحب بھی دس آیات پر آ گئے اور جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا نہیں دس آیات تو کیا وہ ایک آیت سے ہی حیاتِ مسیح ثابت کر دیں تو وہ کہنے لگے آخر قرآن کریم میں حیاتِ مسیح کو ثابت کرنے والی اتنی کم آیات تو نہیں ہوں گی وہ خوشی خوشی لاہور پہنچے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اس وقت مسجد چینیاں والی میں بیٹھے تھے اور وہ وہ دن تھا جب حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے یہ بات مان لی تھی کہ قرآن کے علاوہ آپ بخاری بھی پیش کر سکتے ہیں اور مولوی محمد حسین صاحب بہت خوش تھے کہ وہ بالآخر حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کو قرآن کریم سے ہٹا کر احادیث پر لے ہی آئے ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب میں خود نمائی کا شوق پایا جاتا تھا وہ اپنے شاگردوں کو بتا رہے تھے کہ مولوی نورالدینؓ مرزا صاحب کا شاگرد ہے اور بہت بڑا طبیب ہے میں نے اسے یُوں رگیدا اور یُوں لتاڑا اور آخر وہ احادیث کی طرف آ ہی گیا۔ اتنے میں میاں نظام الدین صاحب آ گئے اور انہوں نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا آپ یونہی کام خراب کر رہے ہیں مرزا صاحبؑ تو سیدھے سادھے آدمی ہیں اور وہ قرآن کریم کو مانتے ہیں میں انہیں یہ بھی منوا آیا ہوں کہ اگر قرآن کریم میں سے ہم دس آیات حیاتِ مسیح کی نکال دیں تو وہ دہلی یا لاہور کی کسی مسجد میں وفاتِ مسیح کے عقیدہ سے توبہ کر لیں گے اور یہ دس آیات بھی میں نے ہی کہی ہیں ورنہ وہ تو کہتے ہیں کہ تم حیاتِ مسیح کی ایک ہی آیت قرآن کریم سے نکال دو لیکن میں نے کہا دس سے بھی کیا کم آیات ہوں گی۔ آپ مولوی نورالدین صاحب سے جھگڑا کرنا چھوڑ دیں اور دس آیات حیاتِ مسیح کی بتا دیں۔ مولوی محمد حسین صاحب غصہ میں آ کر کہنے لگے تم کو کس نے کہا تھا کہ اس معاملہ میں دخل دیتے۔ میں مولوی نورالدینؓ کو گھسیٹ کر حدیث کی طرف لایا ہوں اور تم پھر قرآن کریم کو بیچ میں لے آئے ہو۔ میاں نظام الدین صاحب اس صدمہ میں چند منٹ خاموش بیٹھے رہے پھر کہنے لگے اچھا مولوی صاحب جدھر قرآن ہے ادھر میں۔ اور اس کے بعد قادیان جا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کر لی۔

پس حقیقت یہی ہے کہ جو مسلمان محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عقیدت رکھتا ہے اس کے دل میں یہی ہے کہ جدھر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں ادھر میں ہوں تم جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ لوگ تمہیں دھوکہ دیتے ہیں اور تم دھوکہ میں آ کر ہماری مخالفت کرتے ہو تم ان کے سامنے قرآن رکھو اور کہو ہم پر کیا

الزام رکھتے ہو قرآن کریم میں سب کچھ لکھا ہے اسے پڑھو اور پھر اس پر عمل کرو۔ ان کے سامنے احادیث رکھو اور کہو کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ سب احادیث میں پہلے سے موجود ہے ہم نے اپنے پاس سے یہ عقیدہ نہیں گھڑ لیا بلکہ آج سے کئی سَو سال پہلے یہ بات احادیث میں لکھی ہوئی موجود تھی اس طرح ایک شخص جس کے اندر کفر اور ارتداد پیدا نہیں ہوا وہ جب دیکھے گا کہ خدا تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس طریق کے اختیار کرنے پر خوش ہیں تو اس کا جوش ٹھنڈا ہو جائے گا جس طرح نظام الدین نے کہا تھا کہ جدھر قرآن ادھر ہیں۔ یہ لوگ بھی کہیں گے جدھر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ادھر ہم۔ اور تم دیکھو گے کہ جو لوگ آج قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تمہاری جائے نہیں پئیں گے تمہیں ماریں گے اور تمہارا بائیکاٹ کرینگے وہ تمہارے ساتھ چمٹ جائیں گے اور کہیں گے جدھر قرآن ادھر ہم۔ انہیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم سے دشمنی نہیں۔ انہیں یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ تم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے دشمن ہو۔ تم ان پر ثابت کر دو کہ ہم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے دشمن نہیں دوست ہیں پھر ان کے دل صاف ہو جائیں گے۔ ابھی مسلمانوں کے اندر انسانیت زندہ ہے، ان کے اندر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کی چنگاری موجود ہے تم اسے ٹھنڈا کرنے کی بجائے گرم ہوا دو یہ مخالفت خود بخود مٹ جائے گی۔

یہاں آیا تو میں بیمار کی حالت میں ہوں اور جیسا کہ دوستوں کو محسوس ہو رہا ہو گا کہ میرا گلا بیٹھ رہا ہے اور میں بولنا نہیں چاہتا تھا لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے میں مدتوں کی انتظار کے بعد اس بستی میں آیا ہوں اور اس بستی سے مجھے روحانی اور جسمانی تعلق ہے۔ اِس بستی کے ایک معزز گھرانے کی لڑکی میری بیوی تھی اور اُس بیوی سے میری اولاد بھی ہے۔ پھر اس بستی کے ایک معزز شخص سے میں نے قرآن کریم اور بخاری کا ترجمہ پڑھا پس اِس بستی سے مجھے روحانی اور جسمانی نسبت ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ جس کو میں سچا سمجھتا ہوں اس کو یہاں کے رہنے والے لوگ بھی سچا سمجھنے لگ جائیں اور جس طرح ان کا حق ہے کہ وہ مجھے کہیں تم غلطی پر ہو ہم سچ کہتے ہیں اسی طرح میرا بھی حق ہے کہ میں انہیں کہوں میں حق پر ہوں تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیونکہ یہ ناپسندیدہ امر ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو کہے مجھے تو تمہیں غلطی میں مبتلا سمجھنے کا حق ہے لیکن تمہیں ایسا کرنے کا حق حاصل نہیں۔ کوئی مذہب ایسا نہیں جس کا تم نام لو اور میں نے اسکی کتابیں نہ پڑھی ہوں۔ ایک پاگل شخص جو مولوی محمد علی صاحب کی جماعت سے تعلق رکھتا ہے وہ کبھی کبھی

مجھے خط لکھ دیتا ہے اور اس کی نقل مولوی محمد علی صاحب کو بھیج دیتا ہے اور کبھی مولوی محمد علی صاحب کو خط لکھتا ہے اور اس کی نقل مجھے بھیج دیتا ہے۔ ایک دن وہ میرے پاس آیا اور کہا کیا آپ میرے خطوط پڑھتے ہیں مَیں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا اچھا آپ میرے خطوط پڑھتے ہیں۔ مَیں نے کہا جب کوئی شخص کہتا ہے کہ مجھے خدا تعالیٰ نے یوں کہا تو مَیں اس کے خطوط کیوں نہ پڑھوں۔ وہ حق پر ہو یا نہ ہو لیکن میرا فرض ہے کہ وہ چیز جسے وہ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے ضرور پڑھوں۔ وہ مولوی محمد علی صاحب کے پاس گیا اور انہیں کہنے لگا آپ بڑے تنگ دل واقع ہوئے ہیں مَیں آپ کا مرید تھا لیکن آپ میرے خطوط نہیں پڑھتے اور جس کا مَیں مرید نہیں تھا وہ کہتا ہے کہ مَیں تمہارے خطوط پڑھتا ہوں۔ غرض مَیں نے دنیا کے ہر مذہب کا لٹریچر پڑھا ہے۔ مَیں نے سُنّیوں کا لٹریچر پڑھا ہے۔ مَیں نے شیعوں کا لٹریچر پڑھا ہے۔ مَیں نے خارجیوں کا لٹریچر پڑھا ہے۔ ہندوؤں، زرتشیوں اور عیسائیوں کا لٹریچر مَیں نے پڑھا ہے۔ مجھے جب خدا تعالیٰ کہے گا بتاؤ تمہیں کس طرح پتہ لگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سچے ہیں تو مَیں کہونگا مَیں نے ہر مذہب کی کتب کا مطالعہ کیا ہے اور ان سے مجھے یہی معلوم ہوا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ کہا ہے وہ ٹھیک ہے لیکن جس نے دوسرے مذاہب کا لٹریچر نہیں پڑھا وہ خدا تعالیٰ کو کیا جواب دے گا۔ خدا تعالیٰ کہے گا مان لیا سُنّی مذہب سچا ہے لیکن جب تم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شائع کردہ لٹریچر نہیں پڑھا تمہیں یہ کس طرح پتہ لگا کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچے نہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ اِس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب وعظ فرماتے تو ابوجہل اور اس کے ساتھی شور مچا دیتے تھے اور آپؐ کی بات نہیں سُنتے تھے۔ اب خواہ وہ اپنے خیال میں سچے بھی ہوں پھر بھی وہ خدا تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے جب انہوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بات کو سُنا ہی نہیں اور اس پر غور نہیں کیا۔ پس مَیں جھوٹا سہی، احمدیت جھوٹی سہی لیکن خدا تعالےٰ کے سامنے تم کیا جواب دو گے۔ اگر تم نے احمدیت کا لٹریچر پڑھا ہوتا اور پھر تم سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے میں غلطی ہو جاتی تو تم کہہ سکتے تھے خدایا! ہم نے ان کے عقائد کو بغور پڑھا تو تھا لیکن ہم نے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ یہ جھوٹے ہیں تو خدا تعالیٰ کہے گا اچھا تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے اور یہ قابلِ معافی ہے لیکن ایک شخص اگر یہ کہے کہ میرے پاس ایک شخص آیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں لیکن مَیں نے اسے پرے دھکیل دیا اور کہا تم جھوٹ بولتے ہو تو خدا تعالیٰ کہے گا تم نے میری

ہتک کی۔ ایک شخص نے تمہارے سامنے یہ کہا کہ مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور خدا تعالیٰ نے مجھے یُوں کہا ہے لیکن تم نے اس کی بات کو بغور سُنا نہیں اور اسے ردّ کر دیا۔ ایک شخص اگر ایسی بات کہتا ہے اور تم سمجھتے ہو کہ یہ محض افترا ہے تو تم اسے سمجھا دو کہ میاں یہ بات درست نہیں لیکن اس کی بات سُن لو کیونکہ اگر تم اس کی بات سُنتے ہی نہیں تو خدا تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دو گے کہ اسے مَیں نے کیوں ردّ کر دیا تھا۔

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب وعظ فرمایا کرتے تھے تو مکّہ والوں نے لوگوں کو یہ سکھا دیا تھا کہ جب یہ وعظ کریں تو تم وہاں سے بھاگ جاؤ، کانوں میں اُنگلیاں ڈال لو اور اس کی بات نہ سُنو۔ تیرہ ۱۳ سال تک آپؐ نے تبلیغ کی اور مصائب اور تکالیف کا مقابلہ کیا۔ ایک دفعہ حج کے موقع پر جب لوگ کثرت سے مکّہ میں جمع ہو گئے تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جہاں کچھ آدمیوں کو کھڑا دیکھتے انہیں تبلیغ کرنے لگ جاتے بعض لوگ آپؐ کی بات سُنتے اور حیرت کا اظہار کر کے علیحدہ ہو جاتے اور بعض باتیں سُن رہے ہوتے تو مکّے والے ان کو ہٹا دیتے اور بعض جو مکّہ والوں سے آپؐ کی باتیں سُن چکے ہوتے وہ ہنسی اُڑا کر آپ سے جُدا ہو جاتے۔ اس دَوران آپ کی نظر مدینہ کے سات افراد پر پڑی مکّہ والے ارد گرد بھاگتے پھرتے تھے اور جس طرح یہ مولوی کہتے ہیں کہ احمدیوں کی چائے شراب سے بدتر ہے وہ بھی لوگوں کو آپؐ کے خلاف بھکاتے تھے اور آپؐ کی باتیں سُننے سے منع کرتے تھے۔ سب لوگوں نے آپؐ کو ردّ کر دیا لیکن جب آپؐ مدینہ والوں کے پاس گئے تو انہوں نے آپؐ کی باتیں سُننے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ انہوں نے آپؐ کی باتیں سُنیں اور متاثر ہوئے اور کہا اِس سال ہم تھوڑی تعداد میں آئے ہیں اگلے سال ہم زیادہ تعداد میں آئیں گے اور آپؐ کی باتیں سُنیں گے چنانچہ اگلے سال بارہ ۱۲ آدمی آئے آپؐ کی باتیں اُن کے دِلوں میں گھر کر گئیں اور وہ آپؐ کی بیعت کر کے واپس چلے گئے اور اگلے سال اس سے زیادہ تعداد میں آنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ اگلے سال ایک بڑا قافلہ آیا جس میں عورتیں اور بچے بھی تھے لیکن مخالفت کا اتنا جوش تھا کہ مشرکینِ مکّہ لوگوں کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں سُننے دیتے تھے اِس لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے وادیٔ عقبہ میں مدینہ سے آنے والوں سے رات کے بارہ بجے ملاقات فرمائی۔ مدینہ والوں نے جب آپؐ کی باتیں سُنیں تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے جو کچھ بیان کیا وہ سب ٹھیک ہے ہم آپؐ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں چنانچہ آپؐ نے ان کی بیعت لی۔ حضرت عباسؓ کو بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ساتھ لے گئے تھے حضرت عباسؓ

آپؐ سے دو سال بڑے تھے اور دل سے آپؐ پر ایمان لے آئے تھے جب وہ لوگ بیعت کر چکے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس بستی نے آپ کو قبول نہیں کیا آپ ہماری بستی میں آجائیں۔ حضرت عباسؓ نے کہا یہ آسان بات نہیں مکّے والوں کو پتہ لگا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے ہیں تو وہ مدینہ پر حملہ کر دیں گے تم پہلے سوچ سمجھ لو یہ نہ ہو کہ پھر مقابلہ سے گریز کرو۔ انہوں نے کہا ہم نے خوب سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے ہم بہرحال رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے جانا چاہتے ہیں حضرت عباسؓ نے کہا اچھا معاہدہ کر لو چنانچہ ایک معاہدہ ہوا کہ اگر مدینہ میں آپؐ پر یا مہاجرین پر کسی نے حملہ کیا تو ہم آپؐ کی حفاظت کریں گے لیکن اگر مدینہ کے باہر کوئی لڑائی ہوئی تو ہم مدافعت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے کیونکہ سارے عرب سے لڑائی مول لینا ہمارے بس کی بات نہیں۔ اتنے میں کسی نے کفارِ مکّہ کو یہ خبر دے دی کہ مدینہ سے ایک قافلہ آیا ہے اور وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر رہا ہے ان کا جلد کوئی انتظام ہونا چاہیئے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ بات پہنچ گئی اور آپؐ نے خیال کیا ایسا نہ ہو وہ مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچائیں اِس لئے آپؐ نے فرمایا اب گفتگو ختم کر دینا چاہیئے اور یہاں سے چلے جانا چاہیئے لیکن مدینہ والے اب ایمان لا چکے تھے اور موت ان کی نظروں میں حقیر ہو چکی تھی انہوں نے کہا ہم کمزور نہیں ہم بھی عرب ہیں اگر مشرکینِ مکّہ نے کوئی نقصان پہنچانا چاہا تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے اور آپؐ پر جو انہوں نے ظلم کئے ہیں ان کا بدلہ لینگے جب آپؐ مدینہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو یہ معاہدہ موجود تھا۔ جب آپؐ جنگِ بدر کے لئے باہر تشریف لے گئے اور خدا تعالیٰ نے الہاماً آپؐ کو یہ خبر دے دی کہ آپؐ کا مقابلہ قافلہ سے نہیں ہو گا بلکہ مکّہ سے آنے والے لشکر کے ساتھ ہو گا تو آپؐ نے اپنے ساتھیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا کہ اب قافلہ کا کوئی سوال نہیں صرف فوج ہی کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اس پر ایک کے بعد دوسرا مہاجر کھڑا ہوا اور اس نے کہا یا رسول اللہ جب ہم مدینہ سے لڑائی کے لئے نکلے ہیں تو بہرحال ہمیں لڑائی سے بھاگنا نہیں چاہیئے۔ یا رسول اللہ اگر دشمن ہمارے گھروں پر چڑھ آیا ہے تو ہم اس سے ڈرتے نہیں ہم اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہر ایک کا جواب سُنکر آپؐ یہی فرماتے لوگو مجھے مشورہ دو، لوگو مجھے مشورہ دو۔ مدینہ کے لوگ اس وقت تک خاموش تھے جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا مجھے مشورہ دو تو ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا یا رسولَ اللہ مشورہ تو آپ کو مل رہا ہے مگر

پھر بھی جو آپ بار بار مشورہ طلب فرما رہے ہیں تو شاید آپ کی مراد ہم باشندگان مدینہ سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ شاید آپ اس لئے ہمارا مشورہ طلب کر رہے ہیں کہ آپ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے ہمارے اور آپ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا اور وہ یہ تھا کہ اگر مدینہ میں آپ پر اور مہاجرین پر کسی نے حملہ کیا تو ہم آپؐ کی حفاظت کریں گے لیکن اگر مدینہ کے باہر کوئی لڑائی ہوئی تو ہم اس میں حصہ لینے کے پابند نہیں ہوں گے۔ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ جس وقت وہ معاہدہ ہوا تھا ہم پر آپؐ کی حقیقت پورے طور پر روشن نہ ہوئی تھی لیکن اب جبکہ ہم نے آپ کے معجزات اور نشانات دیکھ لئے ہیں ہم پر آپ کا مرتبہ اور آپ کی شان پورے طور پر ظاہر ہو چکی ہے یا رسول اللہ اب اس معاہدہ کا کوئی سوال نہیں ہم موسیٰ کے ساتھیوں کی طرح آپ سے یہ نہیں کہیں گے کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ[1] کہ جا تو اور تیرا رب اپنے دشمنوں سے جنگ کرتے پھرو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں بلکہ ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور یا رسول اللہ دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ آئے۔ یا رسول اللہ جنگ تو ایک معمولی بات ہے یہاں سے تھوڑے فاصلہ پر سمندر ہے آپ ہمیں حکم دیجئے کہ سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دو اور ہم بلا دریغ سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دیں گے۔ یہ کتنا بڑا تغیر ہے جو اسلام میں داخل ہونے کے بعد صحابہؓ کے اندر پیدا ہو گیا۔ پس حقیقت یہی ہے کہ لوگ احمدیت سے ناواقف ہیں انہیں یہ معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان پر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اس تاریک زمانہ میں اس نے اپنا ایک مامور بھیجا تا وہ اسلام کو باقی ادیان پر غالب کر دے۔ ان لوگوں کے پاس جاؤ اور ان سے دریافت کرو کہ ہم کافر ہی سہی مان لیا ہم قرآن کریم کے منکر ہیں، رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں لیکن یہ تو بتاؤ کہ ہم نے امریکہ اور لنڈن میں مسجدیں بنائی ہیں کیا مسجدیں کافر بناتے ہیں۔ پھر یہ بتاؤ کہ دوسرے فرقوں کے نوجوان لہو و لعب میں اپنا وقت بسر کر رہے ہیں لیکن ہمارے نوجوان اپنی زندگیاں وقف کر کے محض خدا کی خاطر باہر نکل گئے ہیں اور وہ کافروں کو مسلمان بنا رہے ہیں۔ کیا یہ کام کافر کرتے ہیں۔ یہ سوچنے کا مقام ہے کہ کیا صرف کافر کو ہی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عشق ہے مومن کو آپ سے عشق نہیں۔ میں نے ایک دفعہ احرار کو یہ چیلنج دیا تھا کہ تم بھی تبلیغ کی غرض سے باہر نکل کھڑے ہو اور ہم بھی تبلیغ کے لئے

[1] المائدہ: ۲۴

باہر نکل آتے ہیں پھر دیکھیں گے کہ کس کی کوشش کے نتیجہ میں اسلام پھیلتا ہے لیکن اس چیلنج کا جواب موصول نہیں ہوا۔ اگر ان کے پاس سچائی ہے تو وہ میدان میں کیوں نہیں آتے۔ یہ سیدھی بات ہے کہ جو لوگ ہماری مخالفت کرتے ہیں اور عشقِ رسول کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی اسلام کی اشاعت کے لئے باہر نکل کھڑے ہوں ہم بھی باہر نکلتے ہیں اگر ہم جھوٹے ہیں تب بھی اسلام کے لئے بہرحال یہ طریق مفید ہوگا اور دُنیا کو پتہ لگ جائے گا کہ اسلام کے لئے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے کون قربانی کرتا ہے اور محض زبانی دعووں پر کون اکتفاء کرتا ہے لیکن ہوتا کیا ہے کہ بجائے اس کے کہ یہ لوگ میرا چیلنج قبول کرتے ہمارے خلاف جلسے کرتے ہیں اور تقریروں میں یہ فتویٰ صادر کرتے ہیں کہ احمدیوں کی چائے شراب سے بھی بدتر ہے شراب پی جا سکتی ہے لیکن ان کی چائے پینا جائز نہیں۔ ان کا پکا ہوا گوشت خنزیر کے گوشت سے بھی بدتر ہے تم سوٗر کا گوشت کھا لو لیکن ان کا پکا ہوا گوشت نہ کھانا۔ کیا ان فتووں سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اسلام کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اسلام کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو اِس طرح کہ میرا مبلّغ اگر دس مسلمان بناتا ہے تو یہ بیس مسلمان بنائیں۔ میرا مبلّغ اگر ایک روٹی کھا کر گذارہ کرتا ہے تو یہ آدھی روٹی کھائیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو کیا میری آنکھیں کُھل نہ جائیں گی۔ یہ کتنا بڑا نشان ہوگا تمہاری صداقت کا اور اس سے اسلام کو کتنا بڑا فائدہ پہنچے گا۔ ہماری لڑائی بھی ختم ہو جائے گی اور مقابلہ بھی ہو جائے گا۔ مثلاً یہ تو مقابلہ ہوگا کہ دریا کا بند ٹوٹ جائے تو کون دریا کا بند باندھتا ہے۔ یہ خدمتِ خلق کا کام ہے لیکن اگر ہم بند بنانے سے پہلے آپس میں لڑ پڑتے ہیں اور لوگ پانی کی زد میں آکر تباہ و برباد ہو جائیں تو کیا یہ خدمتِ خلق ہوگی۔ غرض اگر یہ لوگ اپنے دعووں میں سچے ہیں تو یہ بھی تبلیغ کے لئے باہر نکل جائیں اور ہم بھی تبلیغ کے لئے باہر جاتے ہیں پھر جو فریق جیت جائے گا اسے حق ہوگا کہ وہ معاہدے کو جھوٹا کہہ سکے اور لوگ بھی سمجھ لیں گے کہ کون جیتا اور کون ہارا اور اس سے اسلام کو بھی فائدہ پہنچے گا لیکن مارنے، گالیاں دینے اور اِس قسم کے فتوے دینے میں کیا رکھا ہے۔ کیا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کو پتھر نہیں پڑتے تھے۔ ایک دفعہ مولوی ثناء اللہ صاحب قادیان آئے اور انہوں نے ایک لیکچر دیا اور لوگوں کے سامنے یہ بات پیش کی کہ میاں محمود احمد بھی کلکتہ جائیں اور مَیں بھی کلکتہ جاتا ہوں پھر دیکھیں گے کہ کس پر پتھر پڑتے ہیں اور کس پر پھول برستے ہیں بلکہ اس چیز کا پتہ امرتسر کے اسٹیشن پر ہی لگ جائے گا۔ لوگ اِس بات کو سُن کر نعرہ ہائے تکبیر بلند کرنے لگے

ان کی اِس بات کا جواب مَیں نے اسی دن عصر کے وقت دیا کہ مولوی صاحب نے خود ہی اس جھگڑے کا فیصلہ کر دیا ہے مجھے اب کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا ہے کہ کلکتہ تک جا کر ہم دیکھتے ہیں کہ پتھر کس کو پڑتے ہیں اور پھول کس پر برسائے جاتے ہیں۔ آپ عالم آدمی ہیں احادیث نکال کر دیکھیں کہ مکّہ والے پتھر کس کو مارتے تھے اور پھول کس پر پھینکتے تھے اگر پتھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو پڑتے تھے اور پھول ابوجہل پر پھینکے جاتے تھے تو مَیں سچا اور یہ جھوٹے لیکن اگر پھول رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر پھینکے جاتے تھے اور پتھر ابوجہل کو مارے جاتے تھے تو مَیں جھوٹا اور یہ سچے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب تبلیغ کے لئے طائف تشریف لے گئے تو طائف والوں نے لڑکوں کو اُکسایا انہوں نے آپ پر پتھر پھینکنے شروع کر دئے آپ وہاں سے چلے آئے اور رستہ میں ایک باغ میں پناہ گزین ہوئے۔ آپ کے ساتھ حضرت زیدؓ بھی تھے اور وہ بھی زخمی تھے۔ آپ کے پاؤں سے لہو بہہ رہا تھا۔ وہ باغ اتفاقاً آپ کے ایک شدید دشمن کا تھا مکّہ میں زراعت نہیں ہوتی تھی اِس لئے بعض لوگوں نے مکّہ سے باہر زمین خرید کر باغات لگائے ہوئے تھے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس باغ کے کنارے پر بیٹھ گئے اِس لئے کہ اگر آپ اس کے اندر گئے تو باغ کا مالک کیا کہے گا۔ ایسے موقع پر ایک شدید سے شدید دشمن میں بھی شرافت کا احساس پیدا ہو جاتا ہے جب اس باغ کے مالک نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی حضرت زیدؓ کی یہ حالت دیکھی تو اس نے کہا ان پر ظلم ہوُا ہے خود تو اسے جرأت نہ ہوئی اس نے اپنے ایک غلام کو جو نینوا شہر کا رہنے والا تھا حکم دیا کہ ان کو اچھے اچھے انگور کھلاؤ وہ غلام انگور لے کر آپ کے پاس گیا اس نے جب آپ کو سر سے پاؤں تک زخمی دیکھا تو وہ حیران ہوُا اور آپ سے دریافت کرنے لگا کہ ایسا کیوں ہوُا۔ آپ نے فرمایا مَیں لوگوں سے کہتا ہوں کہ مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور وہ مجھے مارتے ہیں۔ وہ غلام عیسائی تھا جب اس نے آپ سے تمام قصہ سُنا تو عیسائیت کی یاد اُس کے دل میں پھر تازہ ہو گئی اس نے محسوس کیا کہ اس کے سامنے خدا کا ایک نبی بیٹھا ہے تھوڑی دیر کے بعد رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس غلام سے کہا اے میرے بھائی یونس بن متی کے بیٹے مَیں تمہیں خدا تعالیٰ کی کچھ باتیں سُنانا چاہتا ہوں چنانچہ آپ نے اسے تبلیغ شروع کی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ اجنبی غلام آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھوں کے ساتھ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گیا اور آپکے سر، ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دینے لگا۔ باغ کے مالک نے پہلے تو ترس کھا کر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم

کے لئے انگور بھیجے تھے لیکن جب اس نے دیکھا کہ اس کا غلام عقیدت مندانہ طور پر آپ کے پاس بیٹھا ہے تو وہ غضب ناک ہو گیا اور اپنے غلام کو بُلا کر کہنے لگا یہ شخص میرا رشتہ دار ہے مَیں جانتا ہوں یہ مجنون ہے اس غلام نے کہا یہ نہیں ہو سکتا اس کی باتیں تو نبیوں والی معلوم ہوتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں جب اوکھلی میں سر دیا تو موہلوں کا کیا ڈر۔ اگر کوئی صداقت کی مخالفت کرتا ہے تو کسی مومن کو مخالفت سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ حضرت صاحبزادہ عبداللطیفؓ کو جب شہید کیا جا رہا تھا تو دیکھنے والوں کا بیان ہے اور انہوں نے شہادت دی ہے کہ جب آپ پر پتھر برسائے جا رہے تھے اس وقت آپ یہ کہہ رہے تھے اے اللہ! تُو ان لوگوں پر رحم کر دراصل ان کو پتہ نہیں کہ مَیں کون ہوں یہ مجھے جھوٹا اور مرتد خیال کرتے ہیں اور اپنے خیال میں ایک نیکی کا کام کر رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ جس کے اندر سچائی ہوتی ہے وہ تکالیف اور مصائب سے گھبراتا نہیں۔ لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں تو وہ اپنا رستہ چھوڑ نہیں دیتا وہ کہتا ہے اچھا جتنا ستانا ہے ستا لو۔ جب اس کے پاس حقیقت ہے تو وہ ڈرے گا کیوں۔ ہاں اگر وہ سمجھتا ہے کہ اس کے پاس سچائی نہیں تو وہ بے شک ڈرے گا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس نجران کے عیسائیوں کا جب وفد گیا تو ان سے تبادلہ خیال ہوا مسجد میں بیٹھ کر گفتگو شروع ہوئی اور گفتگو لمبی ہو گئی۔ وہ باتیں سُنتے رہے آخر انہوں نے کہا ہماری نماز کا وقت ہو گیا ہم باہر جا کر نماز ادا کر لیں۔ نبی کریمؐ نے فرمایا آپ اپنی عبادت ہماری مسجد میں ادا کر لیں آخر ہماری مسجد خدا تعالیٰ کے ذکر ہی کے لئے بنائی گئی ہے لیکن اب یہ رواداری باقی نہیں مسجدوں پر اب یہ لکھا ہوا ہوتا ہے اِس مسجد میں کوئی وہابی کُتّا یا مرزائی سؤر داخل نہ ہو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جن کی اتباع کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں وہ تو عیسائیوں سے فرماتے ہیں تم اپنی عبادت ہماری مسجد میں ہی کر لو لیکن یہ لوگ مسلمانوں کو بھی مسجد میں عبادت کرنے سے منع کرتے ہیں اب یہ حدیث میری لکھی ہوئی نہیں ہے مَیں اس وقت موجود نہیں تھا جب بخاری اور مسلم لکھی گئی تھی۔ انہیں پتہ بھی نہیں تھا کہ مَیں کس زمانہ میں پیدا ہوں گا۔ جب فتح مکّہ ہوئی تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کے متعلق یہ احکام نافذ کئے تھے کہ جہاں کہیں بھی وہ ملیں قتل کر دئے جائیں ان لوگوں میں ایک عکرمہ بھی تھے۔ آپؐ کے پاس عکرمہ کی بیوی آئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ میرے خاوند کو قتل کرنے کے احکام واپس لے لیں اور اسے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے مکّہ میں رہنے کی اجازت دیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا اگر وہ یہاں آجائے تو ہم صرف اسے معاف ہی نہیں کریں گے بلکہ اس کے مذہب میں دخل

بھی نہیں کریں گے۔ یہ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا طریق تھا مگر ہمارے مخالف کہتے تو یہ ہیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے آقا اور سردار ہیں مگر جو کام یہ لوگ کرتے ہیں وہ آپ کے رویہ کے خلاف ہیں اگر یہ سب لوگ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والے کام کرنے لگ جائیں تو دشمن کس طرح اسلام سے باہر جا سکتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی آیا آپؐ نے اسے کھانا وغیرہ کھلایا اور رات وہ وہیں سو گیا لیکن جاتے ہوئے وہ بستر پر پاخانہ کر گیا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا تو فرمایا تم نے مہمان پر ظلم کیا کہ اسے پاخانہ کرنے کی جگہ نہ بتائی چونکہ اسے پاخانہ کرنے کی جگہ کا پتہ نہیں لگا اِس لئے وہ بستر پر ہی پاخانہ پھر گیا۔ آپؐ نے ایک عورت کو بُلایا اور اسے فرمایا تم پانی ڈالتی جاؤ اور مَیں خود کپڑا دھوتا ہوں۔ اُس عورت نے پانی ڈالتے ہوئے کہا خدا تعالیٰ اِس شخص کو غارت کرے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گالی مت دو پتہ نہیں اسے کتنی تکلیف ہوئی ہو۔ یہ آپؐ کے اَخلاقِ فاضلہ کا ہی نتیجہ تھا کہ لوگ آپ کے پاس آتے اور مسلمان ہوتے جاتے۔ جب نورِ قلب پیدا ہو جائے، جب وسعتِ قلب نصیب ہو جائے اور جب روحانیت دکھائی جائے تو کیا کسی کی عقل ماری گئی ہے کہ وہ جہنّم میں جائے تنور میں جان بُوجھ کر کوئی نہیں پڑتا جتنے لوگ جہنّم میں جائیں گے غلط فہمی کی بناء پر جائیں گے۔ پس تم ان کے پاس جاؤ اور انہیں سمجھاؤ۔ جب ان کے اندر نورِ ایمان پیدا ہو جائے گا، جب ان کی محبّت تیز ہو جائے گی تو جو لوگ آج تمہارے مارنے کا فتویٰ دیتے ہیں اگر کوئی تمہیں پتھر مارے گا تو وہ خود اپنے سینہ پر لیں گے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک شخص نے بظاہر اسلام قبول کر لیا اور وہ جنگِ حنین میں شریک ہوُا لیکن اس کی نیّت یہ تھی کہ جس وقت لشکر آپس میں ملیں گے تو مَیں موقع پا کر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دوں گا۔ جب لڑائی تیز ہوئی تو اُس شخص نے تلوار کھینچ لی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت اکیلے تھے صرف حضرت عباسؓ ساتھ تھے۔ اُس شخص نے موقع غنیمت جانا اور آگے بڑھ کر وار کرنا چاہا۔ خدا تعالیٰ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو الہامًا بتا دیا کہ اس شخص کے اندر مخالفت کی آگ بھڑک رہی ہے۔ وہ شخص خود شہادت دیتا ہے مَیں آپ کی طرف بڑھتا گیا اور مَیں خیال کرتا تھا کہ اب میری تلوار آپؐ کی گردن اُڑا دے گی لیکن جب مَیں آپؐ کے قریب پہنچا تو آپ نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا اور سینہ پر رکھ کر فرمایا اے خدا تُو اس کو شیطانی خیالات سے نجات دے اور اس کے بُغض کو دُور کر دے۔ وہ شخص کہتا ہے کہ مجھے یکدم یُوں معلوم ہوُا کہ آپؐ سے زیادہ پیاری چیز اَور کوئی نہیں۔ اسکے

بعد رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگے بڑھو اور لڑو میں نے تلوار سونت لی اور خدا کی قسم اگر اس وقت میرا باپ بھی زندہ ہوتا اور وہ میرے سامنے آجاتا تو میں اپنی تلوار اس کے سینہ میں گھونپ دینے سے بھی ذرا دریغ نہ کرتا۔ یہ محبت تھی جس نے اس کی دشمنی کو دُور کر دیا۔

پس تم محبت سے تبلیغ کرو اور نرمی سے سمجھاؤ اور دعائیں کرو کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں کے اندر بھی محبت پیدا کرے ان کی دُنیا داری بُغض اور کینہ و فساد کی آگ کو مٹا دے انہیں ایمان بخشے، انہیں اسلام کی محبت بخشے، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جذبہ بخشے اور بجائے اس کے کہ یہ ہمیں مارتے پھریں یہ بھی آگے بڑھیں اور عیسائیت کے سینے میں خنجر گھونپ دیں" [۱]

اِس تقریر کے بعد حضور نے حاضرین سمیت دعا فرمائی۔

دعوتِ چائے میں شرکت اور مراجعت

جلسہ کے بعد میاں فضل الرحمٰن صاحب و میاں محمد اقبال صاحب پراچہ نے حضور کے اعزاز میں دعوتِ عصرانہ پیش کی جس میں کوئی ڈیڑھ سو سے زائد احمدی و غیر احمدی معززین مدعو تھے۔ چائے کے اختتام پر بعض غیر احمدی دوستوں کی فرمائش پر اور حضور کی اجازت سے جناب ثاقب زیروی صاحب نے اپنی ایک نظم "میرا جواب" سُنائی۔ حضور سے بعض غیر احمدی معززین کا تعارف کرایا گیا۔ ان تمام تقاریب کے بخیر و خوبی اختتام پذیر ہونے کے بعد حضور معہ قافلہ شام کو چھ بجکر دس منٹ پر واپس عازمِ ربوہ ہو گئے۔

اِس مبارک سفر میں ۲۶ر نومبر (نبوت) کی صبح سے لیکر رات کے دس بجے تک مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعتِ احمدیہ سرگودہا اور میاں محمد اقبال صاحب پراچہ کو حضور کی معیت کا شرف حاصل کرنے اور انتظامات کی نگرانی کرنے کی سعادت حاصل ہوئی [۲]

---

[۱] شعبہ زود نویسی کے غیر مطبوعہ ریکارڈ سے ماخوذ۔

[۲] الفضل ۲۹ر نومبر ۱۹۵۰ء / نبوت ۱۳۲۹ھش صفحہ ۲۔

فصلِ دوم

کوائفِ قادیان (۱۳۲۹ھش ۱۹۵۰ء)

یہ سال تنظیمی، تعلیمی اور تبلیغی لحاظ سے بہت مبارک سال تھا کیونکہ اس میں قادیان نے سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خصوصی دعاؤں اور توجہات و ہدایات کی بدولت اپنی پوزیشن ایک فعّال مرکز کی حیثیت سے پہلے سے بہت مضبوط و مستحکم بنالی اور ہندوستان میں جماعتِ احمدیہ کی ترقی کا میدان بھی وسیع سے وسیع تر ہوگیا۔

حضرت مصلح موعودؓ کی اہم سکیم

حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ نے وسط ماہِ نبوت ۱۳۲۸ھش (نومبر ۱۹۴۹ء) میں قادیان اور بھارت کی دیگر احمدی جماعتوں کی تنظیمِ جدید کے لئے ایک اہم سکیم تجویز فرمائی جس کی تفصیلات ایک مکتوب سے ملتی ہیں جو حضور نے ۱۴، ۱۵ ماہِ نبوت ۱۳۲۸ھش کو امیر جماعتِ احمدیہ قادیان کے نام تحریر فرمایا۔ حضور نے لکھا کہ:۔

" اب آپ کو پوری طرح کوشش کرنی چاہیئے کہ مختلف جگہوں سے پچیس تیس آدمی کم سے کم مستقل مہاجر ہوکر قادیان آجائیں اور پچیس تیس آدمیوں کو قادیان سے فارغ کرکے ادھر بھجوا دیا جائے کیونکہ غالباً اتنے لوگ وہاں ہیں جو ادھر آنا چاہتے ہیں یا ان کے حالات ایسے ہیں کہ ان کو ادھر بھجوا دینا چاہیئے۔ اس طرح دس بارہ نوجوانوں کو بُلوا کر دیہاتی مبلّغوں کی طرح تعلیم دینی چاہیئے۔ ملکانہ، مالابار، بہار، بنگال سے ایسے آدمی منگوانے چاہئیں .... اور جو موجودہ دیہاتی مبلغ ہیں وہ تین سال سے پڑھ رہے ہیں انکو باہر بھجوانا چاہیئے تا وہ کام کریں۔ پہلے موجودہ جماعتوں کو سنبھالنے اور ان کو بڑھانے کی کوشش ہونی چاہیئے۔ اس کے بعد نئے نئے تبلیغی مرکز مختلف صوبوں میں کھولنے چاہئیں۔ یہ وقت انتہائی کوشش کا ہے کوئی مشکل نہیں کہ اگر آپ لوگ توجہ کریں تو سال ڈیڑھ سال میں لاکھ دو لاکھ کی جماعت ہندوستان میں پیدا نہ ہوجائے۔ اگر ایسا ہوجائے تو چھ سات لاکھ سالانہ کی آمد آسانی سے قادیان میں ہوتی رہیگی جو زمانہ کے ساتھ بڑھتی چلی جائے گی اور آپ لوگ پھر مدرسہ احمدیہ، دینیات کالج، ہائی سکول اور تعلیم الاسلام

کالج وہاں بنانے کی توفیق پا لیں گے۔ جو زمانہ زندہ رہنے کی کوشش کا تھا اللہ تعالیٰ نے خیریت سے اس زمانہ کو گذار دیا ہے اب آپ نے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی ہے۔ نئے ماڈل سوچنے کا ابھی سوال نہیں۔ قادیان میں جو کچھ پہلے تھا اسے دوبارہ قائم کرنے کے لئے کسی سکیم کے سوچنے کی ضرورت نہیں وہ سکیم تو سامنے ہی ہے اس کے لئے صرف ان باتوں کی ضرورت ہے:۔

اوّل :۔ قادیان میں عورتوں، بچوں کا مہیّا کرنا۔ اڑلیسہ، کان پور اور بہار میں بہت غریب عورت مل جاتی ہے جو شادیاں کر سکتے ہیں ان کی ان علاقوں میں شادیاں کروائیے اور قادیان میں عورتیں بسوائیے۔

دوم :۔ ہزاروں ہزار مسلمان جو مارا گیا ہے ان کے بیوی بچے ابھی دہلی اور اس کے گردو نواح میں موجود ہیں ایسے پندرہ بیس بچے منگوائیے اور پرائمری سکول کھول دیجئے۔ دس بیس نوجوان باہر سے وقف کی تحریک کر کے دیہاتی مبلّغ بنانے کے لئے منگوائیے اور مدرسہ احمدیہ قائم کر دیجئے۔ اگر پُرانا پریس نہیں ملتا تو نئے پریس کی اجازت لیجئے۔ دستی پریس پتھروں والا ہو یہ سو دو سو میں آجاتا ہے بلکہ خود قادیان میں بنوایا جا سکتا ہے اس پر ایک پرچہ ہفتہ وار چھاپنا شروع کر دیجئے۔ آپ لوگوں کے لئے کام اور شغل نکل آئے گا۔ کچھ لوگ کاتب بن جائیں گے، کچھ کاغذ لگانے والے اور ہتھی چلانے والے بن جائیں گے اور کئی لوگوں کے لئے کام نکل آئے گا۔ آبادی بڑھے گی تو خالی جگہوں کو دیکھ کر لوگوں کو جو لالچ پیدا ہو جاتا ہے وہ جاتا رہے گا اور جو خالی ٹکڑے پڑے ہیں ان میں نئی عمارتیں بن جائیں گی۔

سوم :۔ حکیم خلیل احمد صاحب میرے خیال میں اگر وہاں آجائیں یا اور کوئی حکیم تو ایک مطب بھی کھول دیا جائے اور ایک طبیہ کلاس کھول دی جائے۔ دیہاتی مبلّغ بھی طب سیکھیں اور مرزا وسیم احمد صاحب بھی طب سیکھ لیں اور ایک بہت بڑا دواخانہ کھول دیا جائے جس کی دوائیں سارے ہندوستان میں جائیں۔ خدا چاہے تو لاکھوں کی آمدنی اس ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ یہ خط تمام ممبرانِ انجمن کو سُنا دیں تا سب لوگ اس سکیم کو اپنے سامنے رکھیں اور جلد سے جلد اِس سکیم کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے "۔

اِس سکیم کو جلد از جلد بروئے کار لانے کے لئے حضور نے اپنے مکتوب مورخہ ۳۱ صلح ۱۳۲۹ھش /جنوری ۱۹۵۱ء میں تاکیدی ارشاد فرمایا کہ:۔

" ایک ہی طریق آپ کے لئے کُھلا ہے کہ ہندوستان سے نئے آدمی منگوائیے .... اور جو پاکستان واپس آنا چاہتے ہیں واپس آجائیں .... ایک سو ستیئیس آدمی کی درخواست آچکی ہے جو پاکستان واپس

آنا چاہتے ہیں۔ وہ قریباً سب کا سب ایسا ہے جس کو سلسلہ خرچ دے رہا ہے۔ وہی خرچ ہندوستان والوں کو کیوں نہیں دیا جاسکتا۔ وہاں ہندوستان والے آدمی بُلا لئے جائیں انہیں گزارے دئے جائیں اور جو آدمی واپس کئے جانے چاہئیں ان کو واپس کروا دینا چاہیئے۔ ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ سَو ہے کیونکہ سب پاکستان واپس آنا نہیں چاہتے۔ پس آسانی کے ساتھ یہ تبادلہ ہو سکتا ہے بغیر قادیان کو خطرہ میں ڈالنے کے۔"

نیز فرمایا:۔

"قادیان ایک مذہبی مرکز ہے مقبرہ یا درگاہ نہیں ہے۔ تبلیغ کے وسیع رستے ہندوستان میں کھلے ہیں پاکستان سے بھی زیادہ۔ لیکن نئے علماء پیدا کرنے کی کوشش نہیں ہو رہی ہم پاکستان سے تو علماء وہاں نہیں بھیج سکتے یہی چھ سات علماء جو وہاں ہیں انہوں نے ہی علماء پیدا کرنے ہیں۔ اگر نئے علماء پیدا کئے بغیر یہ لوگ مر گئے تو وہ علاقہ علماء سے خالی ہو جائے گا۔۔۔ بیس دیہاتی مبلغ قادیان میں بیٹھا ہے میں بار بار لکھتا ہوں کہ ان کو باہر نکالو اور ان کی جگہ ہندوستان سے دوسرے آدمی منگواؤ۔ یہ بیس آدمی اگر سارے ہندوستان میں تبلیغ کرے گا تو کتنا بڑا تغیر پیدا ہو جائے گا۔۔۔ اگر بیس خاندان باہر سے منگوائے جائیں اور انہیں تیس روپیہ ماہوار دیا جائے تو چھ سو روپیہ ماہوار خرچ پڑے گا۔ ایک تو یہ فائدہ ہوگا کہ ان کے بیوی بچے بھی ساتھ آجائیں گے دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ آزادی کے ساتھ ملک میں پھر سکیں گے۔ تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ بیس نئے شہروں میں ہماری تبلیغ شروع ہو جائے گی صرف بیس شہروں کی تنظیم سے ہی چھ سو روپیہ چھوڑ ایک ہزار روپیہ مہینہ کی آمد بڑھ جائے گی اور ایک سال کے اندر نئے احمدیوں کے ذریعہ سے دو تین ہزار روپیہ ماہوار کی آمد بڑھ جائے گی۔"

نظامِ عمل میں خوشگوار تغیر

حضور کے اِن تاکیدی ارشادات نے درویشانِ قادیان کے نظامِ عمل میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کر دی اور اُس کے متعدد اثرات رُونما ہوئے۔ مثلاً:۔

۱۔ ۲۲ شہادت (اپریل) کو قادیان سے بارہ مبلغین ہندوستان کے مختلف اطراف میں بھجوائے گئے جس کے نتیجہ میں جماعت کی تربیت و تبلیغ میں نئی رُوح پیدا ہو گئی۔

۲۔ یوپی سے ۳۵ احمدی خاندان مستقل ہجرت کر کے قادیان میں آگئے جس سے قادیان کی احمدی

آبادی میں اضافہ ہوا۔

۳۔ احمدی بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے پرائمری سکول جاری ہوا۔

۴۔ نئے مبلّغین پیدا کرنے کے لئے جامعۃ المبشرین کا قیام عمل میں لایا گیا۔[1]

۵۔ مشرقی پنجاب میں بعض غیر مسلموں نے خفیہ طور پر قبولِ اسلام کیا اور بعض نومسلم خوش عقیدگی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعودؓ کا تبرک بھی مانگنے لگے۔[2]

۶۔ نظارت بیت المال قادیان کے ماہِ وفا ۱۳۲۹ھش کے گوشوارۂ آمد سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک ہندوستان و کشمیر کی حسبِ ذیل جماعتیں جماعتِ احمدیہ کے مالی جہاد میں سرگرمِ عمل ہو چکی تھیں:-

قادیان۔ دہلی۔ بجوپور۔ شاہجہان پور۔ انبیٹہ۔ لکھنؤ۔ ساندھن۔ علی گڑھ۔ جے پور۔ اٹاوہ۔ میرٹھ۔ کانپور۔ راٹھ مسکرا۔ بنارس۔ علی پور کھیڑا۔ امروہہ۔ رام پور۔ کشن گڑھ۔ جھانسی۔ صالح نگر۔ مظفر پور۔ پٹنہ۔ بھاگلپور۔ موسلی بنی مائنز۔ خانپور ملکی۔ مہو بھنڈار۔ مونگھیر۔ جمشید پور۔ کلکتہ۔ دارجیلنگ۔ سونگھڑہ۔ بھدرک۔ پنکالو۔ کرڑا پلی۔ کٹک۔ سری یاریدن یدا۔ پوری۔ کیرنگ۔ کوٹیلہ۔ کندرہ باڑہ۔ او ایم پی۔ سنبل پور۔ سرلونیا گاؤں۔ بمبئی۔ وینگوالا۔ باندھ۔ حیدرآباد۔ سکندرآباد۔ یادگیر۔ دیودرگ۔ اوٹکور۔ رائچور۔ شموگہ۔ کینانور۔ کالی کٹ۔ بنگلور۔ پینگاڈی۔ سامان کولم۔ ٹیلی چری۔ آسنور۔ شورت۔ ماندوجن۔ کنہ پورہ۔ بانڈی پورہ۔ بھدرواہ۔

یہ صرف اُن جماعتوں کے نام ہیں جنہوں نے ماہِ وفا ۱۳۲۹ھش میں مرکزی چندوں میں حصّہ لیا۔ اِس ماہ حیدرآباد دکن نے سب سے زیادہ چندہ دیا دوسرے نمبر پہ قادیان اور تیسرے نمبر پر مدراس و میسور کی جماعتیں رہیں۔

۷۔ اِس سال (ماہِ ہجرت میں) ۲۴ درویش اپنے گھریلو حالات کی وجہ سے پاکستان آئے۔

۸۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی کوشش سے اِس سال درویشوں کو پہلی بار یہ موقع ملا کہ وہ واہگہ کی ہندوپاک سرحد پر اپنے اعزّہ و اقارب سے ملاقات کر سکیں چنانچہ اُس دَور

---

[1] رسالہ "درویشانِ قادیان" صفحہ ۲۲ (بزمِ درویشانِ قادیان مطبوعہ دسمبر ۱۹۵۰ء)

[2] مکتوب حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ بحضور حضرت مصلح موعودؓ مورخہ ۵ امان ۱۳۲۹ھش

کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ضمن میں پہلی ملاقات ۲۹ ماہ ہجرت ۱۳۲۹ھ ش کو ہوئی اور حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ بھی اس موقع پر تشریف لائے چنانچہ انہوں نے ۳۱ ہجرت ۱۳۲۹ھ ش کو حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں لکھا:۔

"۲۸ مئی شام کی گاڑی سے مَیں معہ بارہ چودہ درویشوں کے (اپنے اپنے عزیزان کی ملاقات کے لئے) واہگہ گیا تھا۔ یہ سب درویش ایسے تھے جن کے رشتہ داروں کی طرف سے بذریعہ تار یا خطوط اطلاعات آچکی تھیں چنانچہ ۲۹ مئی کی صبح کو ۹½ بجے ہم سب نے ملاقات کی سوائے دو درویشوں کے باقی سب کے ورثاء آئے ہوئے تھے۔ پاکستان کی طرف سے ایک سَو افراد تشریف لائے۔ ملاقات دن میں دو بار ہوتی ہے بعض دوستوں نے خواہش ظاہر کی کہ ہم اس رعایت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے شام کو پھر ملاقات کریں مَیں چونکہ صرف ایک رات کے لئے باہر گیا تھا اس لئے بمجبوری مجھے تو واپس آنا پڑا اور باقی درویش وہیں رہ گئے اور وہ شام کو دوبارہ ملاقات کرکے دوسرے دن واپس آئے۔"

۲۹ ماہِ ہجرت/مئی کے بعد ۱۵ احسان/جون کو قریباً ایک سو پاکستانی احمدی بچوں اور خواتین نے درویشوں سے ملاقات کی۔ ۱۷ احسان/جون کو ۸۰ افراد کو باہمی ملاقات کا موقع میسّر آیا۔

فصل سوم

سالانہ جلسہ قادیان ۱۳۲۹ھ ش/۱۹۵۰ء اور حضرت مصلح موعودؓ کا روح پرور پیغام

اِس سال بھی سالانہ جلسہ قادیان ۲۶-۲۷-۲۸ فتح ۱۳۲۹ھ ش/دسمبر ۱۹۵۰ء کی مقررہ تاریخوں میں منعقد ہوا۔ اِس مقدّس تقریب پر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے حسبِ ذیل رُوح پرور پیغام ارسال فرمایا:۔

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمٰن الرحیم ؛ نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

والسلام علٰی عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

اے برادرانِ کرام جو قادیان میں مسنون جلسہ سالانہ کے موقع پر ہندوستان کے مختلف کناروں سے جمع ہوئے ہیں مَیں پہلے تو آپ لوگوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقررکردہ مرکز میں اسکے مقررکردہ جلسہ میں اس کے مامور کے مقررکردہ ایام میں خدائے وحدہٗ لاشریک کا ذکر بلند کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں آپ لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ احمدیت ایک صوفیوں کا فرقہ نہیں ہے بلکہ احمدیت ایک تحریک ہے، ایک پیغامِ آسمانی ہے جو دُنیا کو بیدار کرنے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے بندے کے لئے ایسے وقت میں نازل ہوُا ہے جبکہ دُنیا خدا کو بھُول چکی تھی اور مذہب سے بیزار ہوچکی تھی اور اسلام ایک نام رہ گیا تھا اور قرآن صرف ایک نقش رہ گیا تھا۔ نہ اسلام کے اندر کوئی حقیقت باقی رہ گئی تھی اور نہ قرآن کے اندر کوئی معنے رہ گئے تھے۔ اسلام اسلام کہنے والے تو کروڑوں دُنیا میں موجود تھے قرآن پڑھنے والے بھی کروڑوں موجود تھے لیکن نہ مسلمان کہلانے والے اسلام پر غور کرتے تھے نہ قرآن پڑھنے والے قرآن کے معنے سمجھتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اِس غفلت اور اِس سُستی کو دُور کرے اور اسلام کو نئے سرے سے دُنیا میں قائم کرے اور پھر اپنا وجود اپنے تازہ نشانوں کے ساتھ دنیا پر ظاہر کرے اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے روحانی کمالات اپنے پیرؤوں اور اپنے جانشینوں کے ذریعہ سے دُنیا کو دکھلائے اور آپؐ کے حُسن سے جہان کو روشناس کرے پس جہاں تک فرد کی اصلاح کا سوال ہے کسی ایک فرد کا بھی اِس طریق کار کو اختیار کرلینا احمدیت کے مقصد کو پورا کر دیتا ہے لیکن جہاں تک اسلام کو دنیا میں پھیلانے کا سوال ہے کسی ایک فرد یا دس ہزار افراد کے ساتھ بھی یہ مقصد پورا نہیں ہوسکتا بلکہ یہ مقصد اسی وقت پورا ہوسکتا ہے جبکہ اسلام اور احمدیت کے پیغام کو ہندوستان اور دُنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا جائے، سوتوں کو جگا یا جائے، غافلوں کو ہوشیار کیا جائے، وہ جن کو توجہ نہیں ان کو توجہ دلائی جائے، وہ جو اسلام سے متنفر ہیں ان کے دل میں اسلام کی محبت پیدا

کی جائے، جو اسلام سے ناواقف ہیں انہیں اسلام سے واقف کیا جائے۔ کوئی کان نہ رہے جس میں اسلام اور احمدیت کی آواز نہ پڑے۔ کوئی آنکھ نہ رہے جو احمدیت کے لٹریچر کے پڑھنے سے محروم ہو۔ کوئی دِل باقی نہ ہو جس کو خدائے وحدہٗ لاشریک کے سندیسے سے آگاہ نہ کر دیا جائے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ یہ کام بغیر تنظیم کے، بغیر کوشش کے، بغیر جدّوجہد کے، بغیر سعی لامتناہی کے پورا نہیں ہو سکتا۔ آپ کے دل بے شک اِس صدمہ سے چُور ہوں گے کہ ایک بڑی بھاری جماعت کٹ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے اور آپ ہندوستان جیسے وسیع ملک میں تھوڑے سے رہ گئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ لوگ جو آج قادیان میں جمع ہوئے ہیں وہ ان سے بہت زیادہ ہیں جو ۱۸۹۱ء کے جلسہ میں قادیان میں جمع ہوئے تھے۔ وہ ان سے بہت زیادہ ہیں جو ۱۸۹۲ء کے جلسہ قادیان میں جمع ہوئے تھے۔ وہ ان سے بھی بہت زیادہ ہیں جو ۱۸۹۳ء کے جلسہ قادیان میں جمع ہوئے تھے۔ وہ ان سے بھی زیادہ ہیں جو ۱۸۹۴ء کے جلسہ میں قادیان میں جمع ہوئے تھے۔ اور وہ ان سے بھی زیادہ ہیں جو ۱۸۹۵ء کے جلسہ میں قادیان میں جمع ہوئے تھے لیکن یہ ۱۸۹۱ء اور ۱۸۹۲ء اور ۱۸۹۳ء اور ۱۸۹۴ء اور ۱۸۹۵ء میں قادیان میں جمع ہونے والے لوگ ہر سال اِس یقین سے زیادہ سے زیادہ معمور ہوتے چلے جاتے تھے کہ ہم دُنیا پر غالب آنے والے ہیں اور دنیا کو احمدیت کی تعلیم منوانے والے ہیں۔ آپ لوگ تو ان سے بہت زیادہ ہیں۔ آپ کی مالی حیثیت بھی ان سے زیادہ ہے۔ آپ کی دُنیوی تعلیمیں بھی ان سے زیادہ ہیں۔ صرف اِس بات کی ضرورت ہے کہ آپ ان لوگوں والا ایمان پیدا کریں اور یہ آپ کے لئے کوئی مشکل بات نہیں کیونکہ وہ نشان جو اُن لوگوں کے سامنے تھے ان سے بہت بڑے نشان آپ کے سامنے ہیں۔ ۱۸۹۵ء کے بعد تیرہ سال برابر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نشانات ظاہر ہوتے رہے اور آپؑ کی وفات سے لے کر اِس وقت تک بھی آپ کے نشانات نئی نئی صورتوں میں دُنیا پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ پھر خدا نے میرے ذریعہ سے بہت سے غیب ظاہر کئے ہیں جو کہ مُردوں کو زندہ کرنے والے، بہروں کو شنوائی بخشنے والے اور اندھوں کو بینائی بخشنے والے ہیں۔ پس آپ کے ایمانوں کو زیادہ کرنے والے جو سامان موجود ہیں وہ اُن لوگوں سے بہت زیادہ ہیں جو ۱۸۹۵ء کے لوگوں کو میسّر تھے۔ ضرورت صرف اِس امر کی ہے کہ آپ لوگ اپنے اوقات کو ان نشانوں کے پڑھنے اور سوچنے اور ان پر غور کرنے میں صَرف کریں اور ان سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں۔ اگر آپ ایسا کریں تو دُنیا کی محبت آپ کے دِلوں سے یقیناً سرد ہو جائے گی

اور دین کی محبت کی آگ آپ کے دلوں میں سُلگنے لگ جائے گی اور آپ صرف انہی نشانوں پر جو ظاہر ہو چکے ہیں زندہ نہیں رہیں گے بلکہ خدا تعالیٰ آپ کے اندر سے بولنے لگے گا اور آپ خود خدا تعالیٰ کا ایک نشان بن جائیں گے ۔

کیا یہ سچ نہیں کہ ہمارا خدا سب دُنیا کو پیدا کرنے والا خدا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ دُنیا کا ذرّہ ذرّہ اس کا مملوک اور غلام ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ دنیا کی تمام بادشاہتیں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اتنی بھی حیثیت نہیں رکھتیں جتنا کہ ایک مچھر ایک ہاتھی کے مقابلہ میں حیثیت رکھتا ہے۔ پھر آپ کے حوصلوں کو پست کرنیوالی کیا چیز ہے؟ صرف ارادے کی کمی ہے ورنہ نشانوں کی کوئی کمی آپ کے پاس نہیں۔ آج آپ لوگ یہ عہد کرلیں کہ ہم احمدیت کو نئے سرے سے پھر ہندوستان میں قائم کریں گے۔ اس کے گوشے گوشے میں احمدیت کا پیغام پہنچا دیں گے۔ اس کے خاندان خاندان سے احمدیت کے سپاہی نکال کر لائیں گے۔ اس کی قوم قوم کو احمدیت کا غلام بنا کر چھوڑیں گے اور یہ کام مشکل نہیں ہے۔ حق ہمیشہ غالب ہوتا ہے اور ناراستی ہمیشہ مغلوب ہوتی ہے۔

پس آپ لوگوں کو چاہیئے کہ (۱) ایک تو اس بات کا عزم کرلیں کہ ایک زندہ احمدی کی زندگی آپ بسر کریں گے نہ کہ مُردہ احمدی کی (۲) آپ اپنے علاقہ اور اس کے اردگرد احمدیت کے پیغام کو اس زور سے پھیلائیں گے کہ لوگ مجبور ہو جائیں اس پر کان دھرنے کے لئے اور لوگ مجبور ہو جائیں اس کو ماننے کے لئے (۳) صدر انجمن احمدیہ قادیان کے ساتھ مِل کر سلسلہ کے لٹریچر کی اشاعت کے لئے ایک وسیع سکیم بنائیں گے کہ ہندوستان کی ہر زبان بولنے والوں کے لئے احمدی لٹریچر موجود ہو (۴) اپنے نوجوانوں کو یہ تحریک کریں گے کہ وہ زندگیاں وقف کریں اور دین سیکھیں اور پھر اپنے اپنے علاقوں میں دین پھیلانے کی طرف توجہ کریں (۵) قادیان میں پریس کے قیام کے لئے کوشش کریں گے کہ بغیر قادیان میں پریس کے قیام کے باقاعدہ لٹریچر باہر کی جماعتوں کو نہیں پہنچ سکتا (۶) اپنے چندوں میں باقاعدگی اختیار کریں گے اور نئے آنے والے احمدیوں پر بھی چندوں کی اہمیت ظاہر کریں گے تاکہ جماعتی فنڈ مضبوط ہو اور تبلیغ کے کام کو زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جاسکے (۷) جلسہ سالانہ میں تو اب آپ لوگ آنا شروع ہو ہی گئے ہیں لیکن اس کے علاوہ بھی قادیان میں آتے رہیں گے تاکہ مرکز سے آپ کے تعلقات زیادہ سے زیادہ مضبوط ہوں اور آپ لوگوں کے آنے سے مرکز والوں کا حوصلہ بلند رہے اور مرکز کے لوگوں کے ساتھ ملنے سے آپکے

ایمان میں تازگی ہو۔ اگر آپ لوگ اِن باتوں پر عمل کریں گے تو مَیں امید کرتا ہوں کہ اگلے سال کا جلسہ اِس سال کے جلسے سے بہت بڑا ہوگا اور اگلے سال کی جماعت اِس سال کی جماعت سے زیادہ مخلص ہوگی اور اگلے سال کی مالی وسعت اِس سال کی مالی وسعت سے کہیں بڑھ کر ہوگی اور خدا تعالیٰ کے فضل کی ہوائیں چلنے لگ جائیں گی۔ مایوسی کے بادل چھٹ جائیں گے امیدیں دلوں میں کلبلانے لگ جائیں گی۔ عزم اور یقین قلوب میں ڈیرہ لگالیں گے اور پھر احمدیت کی رُوحانی فوج بنی نوع انسان کو گھیر کر خدا تعالیٰ کے دروازے کے آگے لانے کے لئے ایک پُرشوکت اور پُرہیبت مارچ کر رہی ہوگی۔ خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ والسّلام

خاکسار مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی)" [1]

کوائف جلسہ

اِس جلسہ سالانہ میں ساڑھے تین سَو کے قریب مقامی درویش بزرگوں اور بھائیوں کے علاوہ پاکستان کے ۹۷ افراد شریک ہوئے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے مختلف علاقوں مثلاً حیدر آباد دکن، بمبئی، بہار، یوپی، بنگال اور کشمیر سے اڑھائی سو احمدی احباب نے شرکت کی جن میں سے حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحبؓ، حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ، چوہدری انور احمد صاحب کاہلوں امیر جماعت احمدیہ کلکتہ، حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری اور حضرت سید وزارت حسین صاحب امیر جماعت ہائے احمدیہ صوبہ بہار کے نام بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔ غیر مسلم حضرات بھی کثرت سے جلسہ میں شریک ہوتے رہے چنانچہ ۲۷ دسمبر کے دوسرے اجلاس میں نو سو کے قریب غیر مسلم حضرات موجود تھے۔ شہر کے ہندو سکھ معززین کے علاوہ ڈی سی صاحب گورداسپور۔ ڈی ایس پی صاحب گورداسپور۔ آر۔ ایم صاحب بٹالہ۔ انسپکٹر صاحب سی، آئی، ڈی۔ پریذیڈنٹ صاحب میونسپل کمیٹی بٹالہ اور پبلسٹی آفیسر [2] گورداسپور و شملہ بھی جلسے میں شامل ہوئے۔ پروفیسر عبدالمجید صاحب سابق سفیر حکومتِ ہند متعینہ جدّہ بھی تینوں دن جلسہ میں شامل ہوتے رہے۔

سٹیج کے دائیں طرف لوائے احمدیت لہرا رہا تھا جلسے کے پہلے دو دن درویشانِ قادیان باری باری اس کا پہرہ دیتے رہے اور آخری دن پاکستان اور ہندوستان کے احباب نے پہرہ دینے کی سعادت حاصل کی۔ اِس سال احمدی خواتین کو بھی اللہ تعالیٰ نے اِس جلسہ میں شامل ہونے کی توفیق بخشی چنانچہ پاکستان و ہندوستان کی متعدد خواتین جلسے میں شامل ہوئیں جن کے لئے حضرت مولانا سید

---

[1] الفضل ۱۳ دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۴-۵ [2] بٹالہ کے رہنے والے ہیں یونیورسٹی کی سینٹ کے ممبر اور پنجاب سروس کمیشن کے چیئرمین بھی رہے ہیں شملہ میں ان کا مستقل قیام ہے (مکتوب ملک صلاح الدین صاحب ایم اے ۱۳ اپریل ۱۹۸۲ء)

محمد سرور شاہ صاحبؓ کے مکان میں جلسے کی تقاریر سننے کا انتظام کیا گیا تھا جہاں پر لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ آواز بخوبی پہنچتی تھی۔ مہمانوں کے قیام وطعام اور جلسہ کے دیگر تمام انتظامات سرانجام دینے کی سعادت دیارِ حبیب کے خوش قسمت درویشوں نے حاصل کر رکھی تھی۔ جلسہ کے منتظم اعلیٰ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر دعوۃ وتبلیغ اور آپ کے نائب مولوی عبدالقادر صاحب دہلوی جنرل پریذیڈنٹ جماعتِ احمدیہ قادیان تھے۔ ان کے ماتحت قریباً تمام درویش بھائی اپنی اپنی ڈیوٹی بڑی تندہی سے سرانجام دے رہے تھے۔ بہت سے ایسے درویش تھے جنہیں سالہا سال کے بعد اسی موقع پر اپنے کسی عزیز یا بزرگ سے ملنے کا موقع ملا تھا اور وہ بھی نہایت محدود وقت کے لئے لیکن وہ اِس عرصہ میں بھی اپنے ذاتی جذبات اور تعلقات کو قربان کر کے جلسہ کے سلسلہ میں اپنے فرائض سرانجام دینے میں مصروف نظر آتے تھے اور اس طرح اپنے عمل سے ثابت کر رہے تھے کہ وہ فی الحقیقت تمام دنیوی تعلقات اور علائق سے مُنہ موڑ کر اپنے تئیں خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر چکے ہیں۔ ہندوستان سے تشریف لانے والے اکثر دوست مدرسہ احمدیہ اور بورڈنگ مدرسہ احمدیہ کے کمروں میں رہائش رکھتے تھے۔ جلسہ کی تصاویر لینے کی خدمت میاں منور علی صاحب درویش (پروپرائٹر "علی سٹوڈیو") اور چوہدری انور احمد صاحب کاہلوں امیر جماعت احمدیہ کلکتہ سرانجام دیتے رہے۔

۲۷؍ فتح (دسمبر) کی رات کو مسجد اقصیٰ میں محترم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور کی صدارت میں ایک تربیتی جلسہ ہوا جس میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی، مولوی محمد سلیم صاحب مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ اور چوہدری محمد عبداللہ خاں صاحب امیر جماعتِ احمدیہ کراچی نے مختلف تربیتی امور پر تقاریر فرمائیں۔ جلسہ کے بعد حضرت مولوی راجیکی صاحب نے اجتماعی دعا کرائی اور دعا کے بعد اپنا یہ کشف بیان فرمایا کہ جب دعا شروع ہوئی تو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی عالمِ کشف میں مسجد میں تشریف لائے اور دعا میں شامل ہوئے (الحمدللہ)

مورخہ ۲۹؍ فتح (دسمبر) بروز جمعہ میجر جنرل عبدالرحمٰن صاحب ڈپٹی ہائی کمشنر پاکستان متعینہ جالندھر قادیان تشریف لائے، پاکستانی زائرین کی طرف سے شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ بورڈنگ مدرسہ احمدیہ میں آپ نے پاکستانی زائرین سے ملاقات فرمائی۔ شام کو آپ واپس تشریف لے گئے۔ ۲۹؍ فتح (دسمبر) کی صبح کو پاکستان سے جانے والے احباب نے اپنے امیر شیخ بشیر احمد صاحب

ایڈووکیٹ کی سرکردگی میں گروپ فوٹو کھنچوائی پھر مقبرہ بہشتی میں اجتماعی دعا کی مسجدِ اقصیٰ میں نوافل ادا کئے اور ساڑھے نو بجے مقامی پولیس کے انتظام کے ماتحت محلہ دار الانوار، دار البرکات، دار الفضل، دار الرحمت اور دار الفتوح کی مساجد کے علاوہ تعلیم الاسلام کالج اور مسجد نور میں جا کر بڑی رقت اور درد کے ساتھ اجتماعی دعا کی، تعلیم الاسلام ہائی سکول اور نور ہسپتال میں سے ہوتے ہوئے بڑے بازار کی طرف سے واپس دار المسیح آئے۔

مورخہ ۲۹ ماہِ فتح (دسمبر) کو نمازِ جمعہ کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے باغ کے اس مخصوص حصہ میں جہاں حضور علیہ السلام کا جنازہ پڑھا گیا تھا (اور جو حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی کی سعی اور نگرانی میں اس حصہ کی حد بندی کر کے اسے باقی جگہ سے علیحدہ کر دیا گیا تھا) حیدر آباد کے نہایت مخلص خادمِ سلسلہ حضرت سیٹھ محمد غوث صاحبؓ کا جنازہ حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحب فاضل امیر جماعت مقامی نے پڑھا۔ حضرت سیٹھ صاحب موصوف کا ۲۸ فروری ۱۹۴۷ء کو حیدر آباد میں انتقال ہوا تھا اور آپ کو وہیں امانتاً دفن کر دیا گیا تھا۔ اِس جلسہ کے موقع پر آپ کے فرزند سیٹھ محمد اعظم صاحب[۱] آپکا تابوت حیدر آباد سے دار الامان لائے۔ حضرت سیٹھ صاحب اگرچہ صحابی نہیں تھے لیکن اپنی شاندار خدماتِ سلسلہ کی وجہ سے حضرت مصلح موعودؓ کی اجازت پر مقبرہ بہشتی کے قطعہ صحابہ میں دفن کئے گئے۔

جنازہ سے قبل مؤرخِ احمدیت حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے پُرنم آنکھوں کے ساتھ احباب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

"اِس وقت میری آنکھوں کے سامنے ۲۷ مئی ۱۹۰۸ء کا دن ہے جبکہ ٹھیک اِسی میدان میں ہمارے آقا اور محسن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جنازہ رکھا گیا تھا اور یہی وہ میدان تھا جس میں ہم نے خلافتِ اولیٰ کی بیعت کی تھی۔ وہ بیعت اِسی امر پر کی تھی کہ ہم خلیفۂ وقت کو واجب الاطاعت امام سمجھتے ہیں۔ حضرت سیٹھ محمد غوث گذشتہ ۴۲ سال میں وہ پہلے خوش قسمت انسان ہیں جن کا جنازہ ٹھیک اس جگہ اور اسی حلقہ میں پڑھا جا رہا ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جسمِ اطہر رکھا گیا تھا اور جنازہ پڑھا گیا تھا۔ خدا تعالیٰ کے بے شمار فضل ہوں محترم بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے اِس حلقہ زمین کو محدود کرنے کی توفیق دی۔ میں اِس امر کی تصدیق کرتا ہوں کہ ٹھیک اِسی جگہ حضور علیہ السلام کا

---

[۱] ۱۹ مارچ ۱۹۶۳ء کو سیٹھ صاحب ہجرت کر کے پاکستان آگئے اور اب ربوہ میں رہائش پذیر ہیں۔

جنازہ پڑھا گیا تھا۔ یاد رکھو مقاماتِ مقدسہ پرستش کے لئے نہیں ہوتے ہاں وہ اِس لئے ضرور ہمارے لئے قابلِ احترام ہوتے ہیں تاکہ ہم انہیں دیکھ کر اپنے نفوس کا تزکیہ کرنے اور ان مقامات سے وابستہ برکات کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔"

حضرت عرفانی صاحبؓ نے حضرت سیٹھ محمد غوث صاحبؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"وہ بڑے مخلص، خادمِ سلسلہ تھے۔ وہ گداز تھے حضرت صاحب کی محبت میں اور یہی رنگ دوستوں سے ان کی محبت کا تھا۔ میں مبارکباد دیتا ہوں ان کے بیٹے عزیز محمد اعظم کو کہ انہیں آج ان کا تابوت یہاں لانے کی توفیق ملی۔"

جلسہ کے ایام کی سب سے بڑی اور نمایاں خصوصیت وہ دعائیں، عبادتیں اور نمازیں تھیں جو دارالمسیح کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی برکتوں اور رحمتوں سے معمور رکھتی تھیں۔ مسجد مبارک اور مسجد اقصیٰ، دار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خصوصاً بیت الدعا، بیت الذکر اور بیت الفکر تو مومنین کی خشوع وخضوع سے نکلی ہوئی دعاؤں اور مناجاتوں کی آماجگاہ بنی رہتیں۔ علاوہ ازیں صبح سوا پانچ بجے مساجد میں باجماعت نمازِ تہجد ادا کی جاتی جس میں احباب بڑے ذوق و شوق سے حصّہ لیتے تھے۔ مقبرہ بہشتی میں مزار حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام پر حاضر ہو کر دعائیں کرنے والے احباب کا بھی ہر وقت تانتا لگا رہتا تھا۔[1]

قافلۂ پاکستان کے مختصر حالات

قافلۂ پاکستان مورخہ ۲۵ ماہِ فتح (دسمبر) بروز پیر صبح سوا نو بجے رتن باغ سے لاہور اومنی بس سروس کی تین بسوں میں روانہ ہوا۔ قافلہ کے امیر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعتِ احمدیہ لاہور تھے جو بس نمبر۱ میں سوار تھے اور ان کے ماتحت بس نمبر۲ کے انچارج میاں عطاء اللہ صاحب وکیل امیر جماعت راولپنڈی اور بس نمبر۳ کے انچارج چوہدری محمد عبداللہ خاں صاحب امیر جماعت کراچی تھے۔ اِس موقع پر الوداع کرنے کے لئے بہت سے احباب جمع تھے۔ پھر حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی نے اجتماعی دعا کرائی اور پریس فوٹو گرافر نے فوٹو لئے۔ روانگی کے وقت حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی رقم فرمودہ ضروری ہدایات کی ایک ایک کاپی تمام زائرین کو دے دی گئی۔ اِن ہدایات میں امیر قافلہ کی اطاعت

---

[1] الفضل ۷ جنوری ۱۹۵۱ء صفحہ ۳ تا صفحہ ۵۔

کرنے کے علاوہ اِس امر کی خاص طور پر نصیحت کی گئی تھی کہ اِس مقدس سفر کے دَوران میں اپنے دِلوں کی نیّت کو پاک وصاف رکھنا چاہیئے اور دعاؤں پر خاص زور دینا چاہیئے" تاکہ خدا تعالیٰ اِس سفر کو نہ صرف آپ کے لئے اور نہ صرف اہلِ قادیان کے لئے بلکہ تمام جماعت کے لئے اور احمدیت اور اسلام کے لئے مبارک اور مثمرِ ثمراتِ حسنہ بنائے" چنانچہ ارکانِ قافلہ نے روانہ ہوتے ہی دعائیں شروع کر دیں اور سفر کا زیادہ سے زیادہ وقت دعاؤں میں گذارا۔ جب قافلہ واہگہ سرحد پر پہنچا تو شیخ محمود الحسن صاحب جنرل سیکرٹری جماعت لاہور اور شیخ نذیر احمد صاحب کے علاوہ خان محمد شفیع خان صاحب ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر لاہور بھی قافلہ کو الوداع کہنے کے لئے موجود تھے۔ ضروری امور کی سرانجام دہی کے بعد پونے بارہ بجے قافلہ کے ارکان پیدل ہندوستان کی سرحد میں داخل ہوئے۔

امرتسر کے ڈپٹی کمشنر سردار بہادر سردار نریندر سنگھ صاحب نے ہندوستان کی طرف سے قافلہ کا خیر مقدم کیا۔ پریس فوٹو گرافر نے آپ کی معیّت میں قافلہ کی تصویر لی۔ آپ کچھ عرصہ ٹھہرنے کے بعد امرتسر چلے آئے۔

ہندوستانی سرحد پر قادیان کے دو درویش چوہدری فضل الٰہی صاحب اور بشیر احمد صاحب ٹھیکیدار بھی درویشانِ قادیان کی نمائندگی میں موجود تھے۔

ڈی سی صاحب امرتسر کے جانے کے بعد قافلہ بسوں میں سوار ہو کر ہندوستان کسٹم آفس کے آگے رُکا جو سرحد سے تھوڑے فاصلے پر کاہن گڑھ نامی گاؤں کے قریب واقع ہے۔ سامان وغیرہ کی تلاشی ہونے کے بعد ایک بج کر بیس منٹ پر انڈین پولیس کے حفاظتی دستے کے ہمراہ قافلہ روانہ ہوا۔ پونے دو بجے امرتسر میں سے گذرا اور پونے تین بجے بٹالہ پہنچ گیا یہاں بھی بعض درویش استقبال کے لئے موجود تھے۔ چند منٹ بٹالہ ٹھہرنے کے بعد قافلہ سری گوبند پور والی سڑک کے راستے سے قادیان روانہ ہوا۔ نہر کے موڑ پر اسے کچھ رُکنا پڑا کیونکہ نہر کی پٹڑی کا دروازہ بند تھا۔ جب یہاں سے قافلہ روانہ ہوا تو چند منٹ بعد ہی منارۃ المسیح نظر آنے لگا اسی وقت امیرِ قافلہ کے ارشاد پر اجتماعی دعا شروع کر دی گئی جو دیر تک جاری رہی۔ جوں جوں منارۃ المسیح نمایاں نظر آتا تھا اور قادیان کی محبوب بستی قریب آتی جاتی تھی اہلِ قافلہ میں خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات سے عجیب کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ جب قادیان اور قریب آگیا تو درویشانِ قادیان کا مجمع نظر آنے لگا جو کئی گھنٹوں سے قافلہ کا منتظر تھا۔ آخر وہ مبارک ساعت آگئی

جبکہ پانچ بجے یہ بسیں موضع بسل کلاں سے مقبرہ بہشتی کی طرف جانے والی سڑک پر باغ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قریب ٹھہر گئیں۔ درویشانِ قادیان نے قافلہ کا خیر مقدم کیا مقامی جماعت کے امیر حضرت مولوی عبد الرحمن صاحب فاضل نے آگے بڑھ کر امیرِ قافلہ شیخ بشیر احمد صاحب سے مصافحہ اور معانقہ کیا اِس موقع پر حضرت سیٹھ عبد اللہ دین صاحب آف سکندر آباد دکن اور ہندوستان سے تشریف لانیوالے متعدد دیگر احباب بھی موجود تھے۔ قادیان کے بعض ہندو سکھ اصحاب بھی آئے ہوئے تھے۔ چونکہ نماز کا وقت بہت تنگ ہو رہا تھا اِس لئے بسوں سے اُترتے ہی قافلہ نے حضرت مولوی راجیکی صاحبؓ کی اقتداء میں اسی جگہ نماز ظہر و عصر ادا کیں۔ نماز کے بعد ارکانِ قافلہ نے باری باری تمام مقامی احباب سے مصافحہ کیا پھر یہ سارا مجمع مقبرہ بہشتی میں اپنے آقا و مطاع سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزارِ مبارک پر حاضر ہؤا اور بڑے درد، رِقّت اور سوز کے ساتھ لمبی دعا کرنے کے بعد قافلہ دار المسیح میں داخل ہؤا۔

مورخہ ۳۰ ماہِ فتح (دسمبر) بروز ہفتہ نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد ارکانِ قافلہ کا مسجد مبارک میں درویشانِ قادیان اور ہندوستان کے احمدی احباب سے تعارف اور ملاقات کا انتظام کیا گیا تھا چنانچہ مسجد کے مغربی حصہ میں ارکانِ قافلہ لائن میں کھڑے ہوگئے ہندوستانی احباب اور درویشانِ کرام باری باری لائن کے ساتھ گذرتے چلے جاتے اور ہر دوست سے ملاقات کرتے جاتے۔ ملاقات اور تعارف کے بعد پاکستانی زائرین سفر کی تیاری میں مصروف ہوگئے۔ بسوں پر سامان لدوانے کے بعد سوا نو بجے قافلہ کے ارکان اور مقامی احباب سب مقبرہ بہشتی میں جمع ہوگئے۔ یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار مبارک پر لمبی الوداعی دعا کی گئی پھر قافلہ کی روانگی تک ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا سب احباب ایک دوسرے سے بغلگیر ہو رہے تھے مگر اِس حالت میں کہ آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں تھے۔ اخلاص اور درد سے بھری ہوئی یہ ملاقاتیں جاری رہیں حتیٰ کہ دس بجکر پچپن منٹ پر اجتماعی دعا کے بعد بسیں روانہ ہوگئیں جبکہ قافلہ کا ہر رُکن اشکبار آنکھوں کے ساتھ دعاؤں میں مصروف تھا اور درویش بڑے درد اور رِقّت کے ساتھ یہ شعر پڑھ رہے تھے کہ ؎

ہم بھی کرتے ہیں دُعا اور آپ بھی مانگا کریں
جلد شاہِ قادیاں تشریف لائے قادیاں

الغرض قافلہ روانہ ہوگیا اور قادیان اور اس کے درویش آنکھوں سے اوجھل ہو گئے حتّٰی کہ نہر عبور کرتے ہوئے قادیان کی آخری جھلک یعنی منارۃ المسیح بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ سوا بارہ بجے قافلہ بٹالہ کی سڑکوں کو عبور کر رہا تھا اور ۲ بجے امرتسر سے گذرتا ہوا سرحد پر پہنچ چکا تھا۔ چار پانچ درویش سرحد تک چھوڑنے کے لئے آئے۔ اس جگہ ظہر و عصر کی نمازیں باجماعت ادا کی گئیں۔ چار بجے انڈین کسٹم آفس کے ارکان نے ہمارے سامان کی تلاشی لینا شروع کی۔ یہ تلاشی کتنی کڑی تھی اور کتنی صبر آزما اس سلسلہ میں امیر قافلہ کا بیان انہی دنوں اخبارات میں بھی شائع ہو گیا تھا مختصر یہ کہ ۲ بجے قافلہ سرحد پر پہنچا اور ساڑھے پانچ بجے تک بمشکل ایک بس کی مکمل اور دوسری بس کی ادھوری تلاشی ختم کی گئی اور اس امر کا سخت خطرہ پیدا ہو گیا کہ شاید قافلہ کو رات سرحد پر ہی گذارنی پڑے کیونکہ دونوں ملکوں کے سرحدی پھاٹک ساڑھے پانچ بجے داخلہ کے لئے بند ہو جاتے ہیں۔ آخر امرتسر کے ڈی سی صاحب کی مداخلت سے یہ کٹھن مرحلہ کسی نہ کسی طرح ختم ہوا لیکن اس وقت دونوں طرف کے سرحدی پھاٹک داخلہ کے لئے بند ہو چکے تھے اور مغرب کا وقت ہو رہا تھا۔ آخر ۲ گھنٹہ کی خاص کوشش کے بعد یہ مرحلہ بھی طے ہوا اور رات کے آٹھ بجے قافلہ پاکستان کی سرحد میں داخل ہوا۔[1]

فصل چہارم

کوائفِ ربوہ ۱۳۲۹ھش / ۱۹۵۰ء

اگرچہ دونوں مراکزِ احمدیت میں ترقیات کا سلسلہ متوازی شکل میں جاری رہا مگر ربوہ کی وادیٔ غیر ذی زرع کی رفتارِ ترقی نسبتاً زیادہ تیز رہی اور ہر لحاظ سے اس کی اہمیت و شہرت میں اضافہ ہوا۔

ربوہ باقاعدہ اسٹیشن بن گیا ماہِ امان ۱۳۲۹ھش / مارچ ۱۹۵۰ء میں نارتھ ویسٹرن ریلوے کے ایک خاص گزٹ کے ذریعہ ربوہ کو باقاعدہ اسٹیشن بنا دیا گیا۔[2]

---

[1] الفضل ۱۱ جنوری ۱۹۵۱ء صفحہ ۵ ٭ [2] الفضل ۲۴ مارچ ۱۹۵۰ء صفحہ ۱ ٭

اور دوسرے اسٹیشنوں کی طرح ماہِ شہادت ۱۳۲۹ھش/ اپریل ۱۹۵۰ء سے مال و اسباب کی بکنگ بھی ہونے لگی۔

حضرت مصلح موعودؓ کی ذاتی لائبریری ربوہ میں

حضرت مصلح موعودؓ کی ذاتی لائبریری جو ماہِ احسان ۱۳۲۸ھش/ جون ۱۹۴۹ء میں لاہور سے چنیوٹ لائی گئی تھی امان ۱۳۲۹ھش/ مارچ ۱۹۵۰ء میں چنیوٹ سے ربوہ منتقل کی گئی۔[1]

مصباح کا اجراء

لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کا ترجمان "مصباح" جو ماہِ وفا ۱۳۲۶ھش/ جولائی ۱۹۴۷ء کے فسادات میں بند ہو چکا تھا اِس سال ماہِ شہادت/ اپریل میں دوبارہ جاری ہو گیا مصباح پہلے پنجاب الیکٹرک پریس لائل پور میں چھپتا تھا پھر ظہور ۱۳۳۳ھش/ اگست ۱۹۵۴ء سے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپنے لگا۔ یہ پہلا رسالہ تھا جو ربوہ سے شائع ہوا۔[2]

اراضی ربوہ کی مستقل الاٹمنٹ اور مکانات کی تعمیر کا آغاز

ابتداء میں ربوہ کے عارضی محلہ جات کے یہ نام تھے ا۔ ب۔ ج۔ د۔ س۔ ص۔ ط۔ تبوک ۱۳۳۰ھش/ ستمبر ۱۹۵۱ء میں حضرت مصلح موعودؓ کے حکم سے ان کو مندرجہ ذیل ناموں سے موسوم کیا گیا:۔

دارالیمن (ا) باب الابواب (ب) دارالنصر (ج) دارالبرکات (د) دارالرحمت (س) دارالصدر (ص) دارالفضل (ط)۔

اِن محلہ جات میں مستقل الاٹمنٹ کا کام اِس سال شروع ہوا چنانچہ اِس سلسلہ میں دفتر کمیٹی آبادی ربوہ کی طرف سے ۲۵ صلح/ جنوری اور ۹ تبلیغ/ فروری کو ربوہ کا نقشہ دے کر یہ پہلا اعلان جاری کیا گیا کہ:۔

"ایک کنالی اور دس مرلہ کے پلاٹ محلہ جات الف۔ ب۔ ج۔ د اور س میں واقع ہیں۔ ایک کنال اور دس مرلہ خریدنے والے دوست اطلاع دیں کہ وہ کس محلہ میں پلاٹ خریدنا چاہتے ہیں اور یہ کہ اگر وہ پسند کردہ پلاٹ میں نہ آسکیں تو اُن کی دوسری پسند کیا ہوگی۔ ہر محلہ کے قطعات مقرر ہیں ان

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ ۱۳۲۸-۱۳۲۹ہش/ ۱۹۴۹ء-۱۹۵۰ء صفحہ ۷۔ [2] مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "تاریخ لجنہ اماء اللہ" جلد دوم صفحہ ۱۹۶ (مؤلفہ امۃ اللطیف صاحبہ سیکرٹری اشاعت لجنہ اماء اللہ مرکزیہ)۔

میں دوستوں کو حسبِ پسند الاٹمنٹ کی کوشش کی جائے گی لیکن اگر کسی محلہ میں قطعات کی مقررہ تعداد سے زائد کا مطالبہ ہوا تو جن دوستوں کی رقمیں پہلے داخلِ خزانہ ہوئی ہیں انہیں ترجیح دی جائے گی جن دوستوں کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئے گی ان کے لئے محلے کا فیصلہ قرعہ اندازی سے کیا جائے گا۔

یہ اعلان پہلے کیا جا چکا ہے کہ رشتہ داروں کو بھی اکٹھا کرنے کی کوشش کی جائے گی بعض دوستوں کی طرف سے اطلاعات آ چکی ہیں باقی جو دوست بھی پلاٹ اکٹھے کروانا چاہیں وہ اطلاع دیں لیکن یہ خیال رہے کہ صرف خونی رشتہ یعنی باپ، بیٹا، بہن، بھائی اور اسی طرح بیوی کے خونی رشتے اکٹھے کئے جائیں گے جن دوستوں نے اپنی پہلی اطلاعات میں رشتہ کی اطلاع نہیں دی وہ اس کے مطابق مکمل اطلاعات دوبارہ بھجوا دیں۔ ایسی اطلاعات دفتر میں ۱۰ فروری تک پہنچ جانی چاہئیں"۔[۱]

اِس اعلان کے بعد جس میں الاٹمنٹ کے طریق کار پر مفصل روشنی ڈالی گئی تھی بذریعہ الفضل ۱۴ ر تبلیغ / فروری کو یہ اعلان بھی شائع کیا گیا کہ مطلوبہ اطلاعات کے لئے ۲۸ ر ماہِ تبلیغ / فروری تک انتظار کیا جائے گا اس کے بعد انشاء اللہ قطعات کی الاٹمنٹ شروع کر دی جائے گی لیکن جو دوست فوری طور پر مکان تعمیر کرانے کے خواہشمند ہوں ان کے لئے قطعہ بھی فوراً الاٹ کر دیا جائے گا۔

اِن اعلانات کے مطابق جلد ہی الاٹمنٹ شروع کر دی گئی۔ سب سے پہلے جن محلوں کی الاٹمنٹ شروع ہوئی وہ محلہ الف (دارالیمن) اور ع (دارالصدر) تھے۔ اس کے بعد محلہ ب (باب الابواب) اور ط (دارالفضل) کی الاٹمنٹ کی گئی۔

دارالصدر میں سب سے پہلی کوٹھی نواب محمد احمد صاحب کی تعمیر ہوئی۔ دارالیمن میں پہلا مکان[۲] ٹھیکیدار نور احمد صاحب کا بنا اور باب الابواب اور دارالفضل میں آبادی کی داغ بیل ڈالنے کی سعادت بالترتیب چوہدری عبداللطیف صاحب اور کیپٹن نواب دین صاحب کے حصہ میں آئی۔

مرکزی عمارات کا سنگِ بنیاد اور تعمیر

۲۹ ر ماہِ ہجرت / مئی کو حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے دستِ مبارک سے سوا سات بجے صبح اپنے ذاتی مکان کا اور ۳۱ ر ماہِ ہجرت کو مندرجہ ذیل مرکزی عمارات کا سنگِ بنیاد رکھا اور دعا فرمائی:۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول۔ قصرِ خلافت۔ دفاتر تحریکِ جدید۔ دفاتر صدر انجمن احمدیہ۔ دفاتر

---

[۱] الفضل ۲۵ صلح ۱۳۲۹ھ ش صفحہ ۳۔ [۲] یہ مکان ربوہ بھر میں پہلا رہائشی اور ذاتی مکان تھا جو تعمیر ہوا۔

لجنہ اماء اللہ مرکزیہ۔

اِس موقع پر حضور کے علاوہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نیز جرمنی، مصر اور سوڈان وغیرہ ممالک کے بعض احمدی احباب نے بھی اینٹیں رکھیں اور اجتماعی دعا میں شرکت کی۔[۱]

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۵ر احسان ۱۳۲۹ھش کو ارشاد فرمایا کہ "تعمیر کے اسٹیمیٹ حاصل کئے جائیں اور مجھے بھجوائے جائیں کسی صورت میں بھی کسی عمارت کا کام شروع نہیں ہونا چاہیئے جب تک کہ میری منظور کردہ اخراجات کی حد اور انجینیئر سے گارنٹی نہ لی جائے۔"[۲]

چنانچہ اِس ہدایت کے مطابق یہ سب تعمیرات مکمل ہوئیں جن کے اخراجات کا ذکر رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۵۰ء-۱۹۵۱ء میں شائع شدہ ہے۔[۳]

---

[۱] الفضل ۲ر احسان ۱۳۲۹ھش / جون ۱۹۵۰ء صـ۱۔

[۲] ارشاد برلقول ریزولیوشن صدر انجمن احمدیہ ۱۸۲/۵۰-۶-۵ غ م۔

[۳] سلسلہ احمدیہ کی مرکزی تعمیرات اور دوسری پبلک عمارات کے لئے سیمنٹ ایک ضروری چیز تھی جس کی فراہمی کے لئے صدر انجمن احمدیہ نے سرگودہا کے ایک تاجر سے دو ویگن کا سودا کیا مگر وہ بیانہ وصول کرنے اور دو ویگن کے لالیاں تک پہنچانے کے باوجود سیمنٹ کو ٹرکوں پر لدوا کر واپس سرگودھا لے گیا اور ربوہ کو سیمنٹ دینے بلکہ پیشگی رقم تک واپس کرنے سے منحرف ہو گیا۔ بالآخر نوبت عدالت تک پہنچی۔ صدر انجمن احمدیہ نے ایک طرف اپنی رقم اور خرچ مقدمہ وصول کر کے راضی نامہ کر لیا دوسری طرف مسلسل جدوجہد کے بعد سال کے آخر میں ڈالمیا سیمنٹ کمپنی کی ایجنسی قائم کر لی اور الفضل (۲۱ر فتح ۱۳۲۹ھش / دسمبر ۱۹۵۰ء) میں اعلان کیا کہ:۔

" جو دوست جس مقدار میں سیمنٹ خریدنے کے خواہشمند ہوں وہ اس کی قیمت اندازاً پیشگی خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں داخل کر کے اس کی اطلاع سیکرٹری تعمیر کو بھی ساتھ ہی کر دیں تاکہ وہ انکی ضروریات کو ملحوظ رکھ کر زیادہ سے زیادہ سیمنٹ سٹاک کر سکیں۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ احباب کو کسی دقت کے بغیر اور بدوں زائد خرچ کے معقول حیثیت پر ربوہ میں سیمنٹ مہیا ہو سکے گا۔"

فصل پنجم

سالانہ جلسہ ربوہ ۱۹۵۰ء اور حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے مخالفین احمدیت کے دو الزامات کا حقیقت افروز جواب

ربوہ کا تیسرا سالانہ جلسہ ۲۶ تا ۲۸ ماہ فتح ۱۳۲۹ھش / دسمبر ۱۹۵۰ء کو منعقد ہوا جس میں پاکستان کے علاوہ مشرقی افریقہ، برٹش گی آنا، جرمنی، ہالینڈ، بورنیو اور انڈونیشیا وغیرہ ممالک کے احمدی بھی کثیر تعداد میں شامل ہوئے۔[1]

اُن ایام میں احمدیت کے مخالف احراری اور دوسرے علماء عوام کو بھڑکانے کے لئے نہایت وسیع پیمانے پر غلط فہمیاں پھیلا رہے تھے خصوصاً حضرت مسیح موعودؑ کے معاذ اللہ برطانوی ایجنٹ ہونے اور ۱۹۴۷ء کے باؤنڈری کمیشن میں الگ میمورنڈم پیش کر کے ضلع گورداسپور کے کٹوانے کے الزامات کو ملک بھر میں ہوا دی جارہی تھی۔

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے جہاں اپنی رُوح پرور اور پُر معارف تقاریر میں بہت سی علمی، تربیتی اور تبلیغی مسائل پر روشنی ڈالی وہاں ان دونوں الزامات کا (۲۷ ماہ فتح کو) بڑی شرح و بسط سے تنقیدی جائزہ لیا اور نہایت مدلّل مسکت اور حقیقت افروز جواب دیا۔ شروع میں حضورؓ نے بتایا کہ اِس وقت جو جماعتیں ہماری مخالفت میں پیش پیش ہیں وہ مجلسِ احرار، علامہ مشرقی کی اسلام لیگ اور اسلامی جماعت ہے مجلسِ احرار نے اپنی تقاریر میں متواتر ہمارے قتل کی تحریک کی ہے اور منٹگمری میں کھلے بندوں یہ کہا ہے کہ ایک رات تمام احمدیوں کے مکانوں پر نشانات لگا دو اور پھر کسی وقت ان سب کو قتل کر دو۔ کسی جگہ گورنمنٹ کو توجہ دلا رہی ہے کہ وہ ہمیں خلافِ قانون قرار دے دیں یا اقلیت قرار دیدیں یہ لوگ جو چاہیں کہیں لیکن ان کے نزدیک پاکستان میں چونکہ اسلامی حکومت ہے اِس لئے ہمیں انکی باتوں

---

[1] تفصیلی کوائف الفضل ۱۳ر دسمبر ۱۹۵۰ء، ۲-۳-۱۳ر جنوری ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئے۔

کا جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ پھر کھلے بندوں ہم پر کھلے حملے کرنے کی تیاریاں کی جارہی ہیں۔ اور ہم پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی (نعوذ باللہ) ہتک کر رہے ہیں حالانکہ اگر دنیا میں کوئی ایسا فرقہ موجود ہے جو رسول کریمؐ کے عشق میں گداز اور آپؐ کے نام اور عزت کو قائم کرنے والا ہے تو وہ صرف احمدیت ہی ہے۔ ہماری تو بنیاد ہی یہ ہے کہ رسول کریمؐ کا نور ہمیشہ قائم رہے گا۔ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور آخری زمانہ میں آپ کے ہی ایک غلام نے آپ کے دین کو زندہ کرنا ہے کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ ایسا فرقہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر سکتا ہے یہ عقلی طور پر محال ہے یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک شخص کسی دوسرے کے شاگرد ہونے کا بھی دعویٰ کرے اور پھر اس کو جاہل بھی کہے[۱]

اِس تمہید کے بعد حضور نے سب سے پہلے اس افترا کی قلعی کھولی کہ احمدی انگریزی استعمار کے ایجنٹ ہیں چنانچہ حضور نے فرمایا:۔

برطانوی ایجنٹ ہونے کے الزام کا جواب

"ہماری جماعت کے خلاف لوگوں میں اشتعال پیدا کرنے کے لئے مخالف علماء کی طرف سے جو غلط فہمیاں پیدا کی جاتی ہیں ان میں سے ایک بڑی غلط فہمی یہ پھیلائی جاتی ہے کہ انگریزوں کی عادت تھی کہ وہ رعایا میں تفرقہ ڈال کر حکومت کیا کرتے تھے چنانچہ اسی عادت کے مطابق انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے احمدیوں کو کھڑا کیا گویا احمدی نعوذ باللہ انگریز کے ایجنٹ ہیں اور انہی کی سکیم کے مطابق اس جماعت کا وجود عمل میں آیا ہے۔ یہ اعتراض اِس قدر بودا اور دُور از حقیقت ہے کہ میں حیران ہوں لوگوں نے اسے کیونکر قبول کر لیا۔ اگر وہ ذرا بھی غور کرتے اور سوچنے اور تدبر سے کام لینے کی عادت پیدا کرتے تو اِس غلط فہمی میں کبھی مبتلا نہ ہوتے۔ اِس اعتراض کی لغویت تو اِس سے ظاہر ہے کہ خود انہی علماء کے پیشرو ایک زمانہ میں جبکہ انگریز حکمران تھا بڑے زور سے کہا کرتے تھے کہ مرزا صاحب حکومت کے باغی ہیں اگر ان کی طرف فوری توجہ نہ کی گئی تو حکومت کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پانچ سات سال بعد کی کتب جو مخالف علماء کی طرف سے لکھی گئیں ان میں کہیں بھی یہ اعتراض نظر نہیں آتا کہ مرزا صاحب انگریزوں کے ایجنٹ ہیں بلکہ ان کی

---

[۱] الفضل ۶ر جنوری ۱۹۵۱ء ص۴ کالم ۱۔

تمام کتب میں یہ لکھا ہوا ہے کہ مرزا صاحب حکومت کے مخالف اور باغی ہیں لیکن اب یہ کہا جاتا ہے کہ احمدی انگریزوں کے ایجنٹ ہیں۔ اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اصل غرض لوگوں کو اشتعال دلانا ہے۔ جب انگریزوں کو اشتعال دلانا مقصود تھا تو یہ کہا جاتا تھا کہ مرزا صاحب حکومت کے باغی ہیں اور جب عوام کو اشتعال دلانا چاہا تو کہہ دیا کہ احمدی انگریزوں کے ایجنٹ ہیں۔ اگر احمدی انگریزوں کے ایجنٹ تھے تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی[1] اور لدھیانہ کے علماء نے اُس وقت یہ کیوں لکھا کہ مرزا صاحب انگریزوں کے مخالف اور حکومت کے باغی ہیں۔ ذمہ دار افسروں کو ان کے خلاف فوری کارروائی کرنی چاہیئے۔ انہوں نے تو اس اعتراض کو اتنی اہمیت دی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہاماً بتایا گیا کہ ؎

سلطنتِ برطانیہ تا ہشت سال
بعد ازاں ضعف و فساد و اختلال[2]

(بعض روایات میں ایام ضعف و اختلال کے الفاظ بھی آئے ہیں) تو بعض مصلحتوں کی بناء پر اسے شائع نہ کیا گیا بلکہ صرف اپنی جماعت کے دوستوں کو بتانے تک اکتفاء کیا گیا لیکن مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو ہر وقت اِسی ٹوہ میں رہتے تھے کہ کوئی قابلِ اعتراض بات مِل جائے انہوں نے یہ الہام کسی احمدی سے سُن لیا اور فوراً ایک مضمون لکھا کہ کیا میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ شخص (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام) حکومت کا باغی ہے۔ اب اسے یہ الہام بھی ہونے لگا ہے کہ حکومتِ برطانیہ چند سال تک ہی ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فی الواقعہ انگریزوں کے ایجنٹ تھے اور جماعتِ احمدیہ انگریزوں کی قائم کردہ تھی تو آپ کو انگریزوں کے خلاف الہام کیوں ہوا۔ یہ تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو انگریزوں نے قائم کیا مگر کیا یہ بھی ہو سکتا تھا کہ آپ انہی کے خلاف اپنے الہامات دوستوں کو بتاتے اور پھر وہ پورے بھی ہو جاتے۔ آپ کو یہ الہام ۱۸۹۲ء میں ہوا اور ۱۹۰۰ء کے بعد سے انگریزوں کی حکومت میں ضعف و اختلال شروع ہو گیا۔ ملکہ وکٹوریہ فوت ہوئی اور آہستہ آہستہ کینیڈا، آسٹریلیا اور ہندوستان میں بیداری پیدا ہوئی اور انہوں نے آزادی حاصل کر لی۔ پس یہ عقلی طور پر محال ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انگریزوں کا ایجنٹ قرار دیا جائے۔ اگر آپ کو انگریزوں نے قائم کیا تھا تو چاہیئے تھا کہ وہ آپ کو ایسی باتیں سکھاتے جو ان کی تائید کرنے والی ہوتیں کیونکہ جہاں

[1] ملاحظہ ہو "اشاعۃ السنۃ" جلد ۱۶ صفحہ ۱۶۸ (حاشیہ)
[2] تذکرہ طبع سوم ص ۷۶۶ و "تاریخ احمدیت" جلد دوئم طبع دوئم ص ۲۰۴

یہ لوگ سیاست میں بڑھے ہوئے ہیں وہاں مذہبی تعصب میں بھی بڑھے ہوئے ہیں چنانچہ سابق بادشاہ ایڈورڈ ہشتم کی تخت سے دستبرداری کا واقعہ اِس کا ثبوت ہے کہ ان کا ایک عورت مسز سمپسن سے تعلق تھا۔ وہ دیر سے شاہی دعوتوں میں بُلائی جاتی تھیں۔ ان میں خود وزیرِ اعظم بھی شامل ہوتے تھے۔ وہ اکثر اوقات شاہی حلقہ میں رہتی تھیں اور شاہی نوکر ان کی خدمت پر مامور تھے لیکن کسی وزیر نے ان کے میل جول پر اعتراض نہ کیا۔ مسٹر بالڈون جنہوں نے بعد میں اعتراض کیا وہ کئی دفعہ ان ناچ گانوں میں شامل ہو چکے تھے جن میں وہ عورت ایڈورڈ ہشتم کے ساتھ شریک ہوتی تھی لیکن جب ایڈورڈ ہشتم کی تاجپوشی کی رسوم طے ہونے لگیں اور اس غرض کے لئے ایک خاص کمیٹی عمل میں آئی اور اس نے اپنی رپورٹ بادشاہ کے سامنے رکھی تو بادشاہ نے مذہبی رسم کا حِصّہ ادا کرنے سے انکار کر دیا اور صاف طور پر کہہ دیا کہ مَیں اِس پر یقین نہیں رکھتا اِس لئے مجھے معذور سمجھا جائے۔ جب یہ بات وزراء اور پادریوں کو معلوم ہوئی تو انہوں نے سخت بُرا منایا اور آرچ بشپ آف کنٹربری نے اس تقریب میں شامل ہونے سے انکار کر دیا اور پھر مسز سمپسن کے ساتھ شادی کے واقعات کو بہانہ بنا کر ان کے خلاف اِس قدر شور بلند کیا گیا کہ آخر ایڈورڈ ہشتم کو تخت سے دستبرداری کا اعلان کرنا پڑا۔ یہ دلیل ہے اِس بات کی کہ انگریز مذہب کے بارہ میں نہایت متعصب واقع ہوئے ہیں۔ اسی طرح برطانیہ کے وزیرِ اعظم مسٹر اٹیلی کی بہن سخت کٹر پادری تھی، ہمارے مشن میں بھی وہ آیا کرتی تھی۔ وہ ساؤتھ افریقہ میں بطور مشنری کام کیا کرتی تھی۔ پس انگریز خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے ان میں اسلام کے خلاف اور عیسائیت کی تائید میں ایک شدید جذبہ پایا جاتا ہے۔ ۱۹۲۴ء میں مَیں جب انگلستان گیا تو ایک دہریہ ڈاکٹر سے میرا تبادلہ خیالات ہُوا۔ جب اس سے میری گفتگو ہوئی تو اُس نے دو چار فقرات کے بعد ہی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا مَیں نے کہا آپ تو خدا کو بھی نہیں مانتے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر کیوں اعتراض کرتے ہیں صرف ہستی باری تعالیٰ تک اپنی گفتگو کو محدود رکھیں مگر اُس نے پھر اعتراض کر دیا مَیں نے اسے دوبارہ نرمی سے سمجھایا لیکن وہ باز نہ آیا۔ آخر جب اس نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا تو مَیں نے حضرت مسیح علیہ السلام پر اعتراض کر دیا۔ اِس پر اُس کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور کہنے لگا مَیں مسیح (علیہ السلام) کے متعلق کوئی بات سُننے کے لئے تیار نہیں۔ مَیں نے کہا اگر تم مسیح کے متعلق کوئی بات سُننے کے لئے تیار نہیں تو کیا مَیں ہی ایسا بے غیرت ہوں کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق اعتراضات سُنتا چلا

جاؤں اور خاموش رہوں۔ غرض برطانیہ کے ایک دہریہ کو بھی عیسائیت سے محبت ہے۔ عیسائیت کی محبت میں برطانیہ اور امریکہ سب سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ ایک ارب پونڈ سے زیادہ اپنے مشنوں پر سالانہ خرچ کرتے ہیں اور چھوٹے حکام سے لے کر وائسرائے اور بادشاہ تک گرجا میں جاتے ہیں پھر کیا یہ عجیب بات نہیں کہ علماء کے خیال کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھڑا تو انگریزوں نے کیا مگر آپ کو کہا یہ کہ تم کہو عیسیٰ مر گیا ہے۔ کیا یہ بات کسی انسانی عقل میں آسکتی ہے؟ جو حکومت اربوں روپیہ عیسائیت کی اشاعت کے لئے خرچ کر رہی ہے، جس کی بنیاد مسیح کی الوہیت پر ہے جس کے پادریوں میں اتنی طاقت ہے کہ ان کی مخالفت کی وجہ سے ایک بادشاہ بھی استعفیٰ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے کیا اسنے مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے یہی کہلوانا تھا کہ عیسیٰ مر گیا ہے حالانکہ عیسیٰ کے مرنے میں عیسائیت کی موت ہے۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جب سیالکوٹ میں ۱۹۰۴ء میں تقریر ہوئی تو علماء نے آپؑ پر کفر کے فتوے لگائے اور ان میں سب سے پیش پیش پیر جماعت علی صاحب تھے۔ ڈھنڈورے پیٹے گئے اور اشتہاروں اور اعلانوں کے ذریعہ یہ پراپیگنڈا کیا گیا کہ جو شخص مرزا صاحب کی تقریر سننے جائے گا اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ آپ کی یہ تقریر ایک سرائے میں ہوئی تھی لوگ باوجود ان فتووں کے تقریر سننے کے لئے گئے۔ مولوی اشتہار بانٹتے تھے اور لوگوں کو پکڑ پکڑ کر کہتے تھے کہ دیکھو اس میں کیا لکھا ہے تو لوگ یہ کہہ کر آگے چلے جاتے کہ نکاح کا کیا ہے نکاح تو پھر سوا روپیہ دے کر ہم پڑھا لیں گے لیکن مرزا صاحب شاید دوبارہ یہاں نہ آئیں۔ لیکچر کے بعد جب آپؑ جائے قیام کی طرف روانہ ہوئے تو لوگوں نے آپ کی گاڑی پر خشت باری شروع کر دی۔ ان دنوں سیالکوٹ میں ایک انگریز لیفٹیننٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس تھا جس کا نام بیٹی (BETTI) تھا اس نے لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ مسلمانو یہ ہمارے خدا کو مار رہا ہے لیکن میں خاموش کھڑا تقریر سن رہا ہوں اور تمہارے مذہب کو زندہ کر رہا ہے اور تم شور مچا رہے ہو۔ غرض ہم نے عیسائیوں کا خدا مار دیا لیکن پھر بھی ان کی نظروں میں ہم انگریزوں کے ایجنٹ ہیں اور یہ لوگ ان کے خدا کو زندہ آسمان پر بٹھائے ہوئے ہیں اور پھر بھی انگریزوں کے مخالف ہیں۔

میں بتا چکا ہوں کہ یہ بات عقلی طور پر محال ہے کہ ہمیں انگریزوں کا ایجنٹ کہا جا سکے۔

اب میں واقعاتی مثالیں لیتا ہوں۔ اگر احمدیوں کو فی الواقعہ انگریزوں نے قائم کیا ہوتا تو ضروری

تھا کہ پادری جو واقعہ میں عیسائیت کے ایجنٹ ہیں اور جن کی مدد سے عیسائیت ہر ملک میں پھیلی ہے وہ ان کے دوست ہوتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوا سب سے پہلے جن لوگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کی وہ پادری ہی تھے۔ امرتسر میں پادری رلیارام کا ایک مشہور پریس تھا۔ ایک دفعہ آپ نے ایک مسوّدہ چھپنے کے لئے بھجوایا اور مسوّدہ کے ساتھ ایک خط بھی رکھ دیا جس میں طباعت کے متعلق ہدایات درج تھیں۔ اس وقت کسی علیحدہ خط کا پیکٹ میں رکھنا قانوناً ایک جرم تھا۔ آپ رلیارام کے کسٹومر (CUSTOMER) تھے اور دکاندار اپنے گاہک سے کوئی بُرا سلوک نہیں کرتا لیکن رلیارام نے ایک انگریز سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانہ جات کی مدد سے آپ پر مقدمہ چلا دیا مقدمہ میں خود سپرنٹنڈنٹ پیش ہوا مجسٹریٹ نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے پیکٹ میں خط ڈالا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں مَیں نے مسوّدہ کے ساتھ خط بھی بھیجا تھا۔ آپ کی اس سچائی کا مجسٹریٹ پر نہایت گہرا اثر ہوا سپرنٹنڈنٹ ڈاک خانہ جات نے بہتیرا زور لگایا کہ آپ کو کسی طرح سزا ہو جائے لیکن مجسٹریٹ نے کہا مَیں سچ بولنے والے کو سزا نہیں دے سکتا اور اس نے آپ کو بری کر دیا۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب سے پہلے عیسائی پادریوں نے ہی مخالفت کی۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مشہور مخالف پادری ٹھاکر داس تھا اس نے اسلام اور احمدیت کے خلاف "ریویو براہین احمدیہ" "ازالۃ المرزا قادیانی" "ذلوب محمدیہ" اور "انجیل یا قرآن" چار کتابیں لکھی ہیں۔ پھر پادری ایس پی جیکب (S.P. JACOB) تھا اس نے آپ کے خلاف ایک کتاب لکھی جس کا نام "مسیح موعود" تھا۔ ڈاکٹر گرلیس وولڈ (DR. GRISWOLD) نے "مرزا غلام احمد قادیانی" کے نام سے آپ کے خلاف ایک کتاب لکھی۔ پھر مشہور پادریوں فتح مسیح، وارث مسیح، عماد الدین، سراج الدین، عبداللہ آتھم اور ہنری مارٹن کلارک نے آپ کی مخالفت کی عجیب بات یہ ہے کہ عبداللہ آتھم سرکاری ملازم تھا اور ڈپٹی کے عہدہ پر فائز تھا۔ اگر انگریزوں نے ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھڑا کیا تھا تو کیا انہوں نے اپنے ایک اعلیٰ اف سے کہنا تھا کہ وہ آپ کی مخالفت کرے۔ پھر ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے آپ پر اقدام قتل کا مقدمہ چلایا۔ امرتسر کے ڈی۔سی۔ اے۔ ای۔ مارٹینو نے آپ کے نام خلافِ قاعدہ وارنٹ گرفتاری جاری کیا۔ کیا یہ ایجنٹوں والا سلوک ہے جو آپ سے کیا گیا۔ پھر قادیان جانے والے ہر احمدی کا نام نوٹ کیا جاتا تھا۔ کیا یہ اس بات کی علامت ہے کہ

احمدیت انگریزوں کی قائم کی ہوئی ہے۔

ہمارے بڑے بھائی مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم بیان کیا کرتے تھے کہ ابھی وہ احمدی نہیں ہوئے تھے کہ وہ ڈی سی جالندھر کو کسی کام کے سلسلہ میں ملنے کے لئے گئے۔ اس نے کہا مجھے یہ معلوم کرکے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ اپنے باپ والا عقیدہ نہیں رکھتے۔ مرزا سلطان احمد صاحب گو احمدی نہیں تھے لیکن ان میں غیرت پائی جاتی تھی۔ انہوں نے ڈی سی کو کہا کہ آپ نے تو مجھے حرام زادہ قرار دیا ہے۔ اس نے کہا آپ کو کس نے ایسا کہا ہے میں نے تو نہیں کہا۔ مرزا سلطان احمد صاحب نے جواب دیا کہ جو شخص اپنے باپ کا مخالف ہوتا ہے وہ حرام زادہ ہی ہوتا ہے۔ اس پر اُس نے معذرت کی کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔

غرض عیسائیوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتنی مخالفت پائی جاتی تھی کہ ایک عیسائی ڈی سی مرزا سلطان احمد صاحب کو اپنے باپ کی جماعت میں شامل نہ ہونے پر مبارکباد دیتا ہے۔

قادیان جانے والوں پر پہرہ اُس وقت تک قائم رہا جب تک کہ آپ کی وفات سے دو سال قبل ایبٹس (ABBETS) نہ آیا۔ اُس نے یہ سوال اُٹھایا کہ یہ پہرہ کیوں ہے۔ جب اِس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ مرزا صاحب نے حکومت کے خلاف کوئی اقدام کیا ہے وہ ایک مذہبی آدمی ہیں تو پھر یونہی اتنے آدمی رستہ پر کیوں بٹھائے جاتے ہیں اور کیوں اتنا روپیہ خرچ کیا جاتا ہے چنانچہ اس کے آنے پر خفیہ پولیس کی ڈائریوں کا سلسلہ ختم ہؤا۔ اگر ہم انگریزوں کے ایجنٹ ہوتے تو پادری مارٹن کلارک ہماری مدد کرتا لیکن اس نے ہماری مخالفت کی اور اس کی تائید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے کی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے کہا کہ عدالت میں میں بھی یہی کہوں گا کہ مرزا صاحب نے عبدالحمید کو آپ کے قتل کے لئے بھیجا تھا اور مسٹر ڈگلس صاحب گورداسپور آئے تو پادریوں نے انہیں بار بار کہا کہ مرزا غلام احمد ہمارے دین کی ہتک کرتا ہے اسے کسی نہ کسی طرح ضرور سزا ملنی چاہیئے۔ پھر جب امرتسر کے ڈی سی مسٹر اے۔ ای مارٹینو نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری کرائے اور بعد میں اسے خیال آیا کہ اس نے یہ حکم خلافِ قانون دیا ہے وہ گورداسپور کے کسی ملزم کے نام وارنٹ جاری نہیں کر سکتا تو اس نے ڈپٹی کمشنر گورداسپور مسٹر ڈگلس کو تار دیا کہ میں نے غلطی سے مرزا غلام احمد قادیانی کے جو وارنٹ گرفتاری جاری کئے ہیں انہیں منسوخ سمجھا جائے۔ انگریز افسر عموماً اپنے ساتھیوں سے مشورہ لے لیتے ہیں انہوں نے دوسرے افسروں کو بُلوا کر ان سے مشورہ لیا۔ مسلمان افسروں نے کہا مرزا غلام احمد صاحب

مذہبی آدمی ہیں اور ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں یہ مناسب نہیں کہ ان کے نام وارنٹ گرفتاری جاری کیا جائے۔ اگر انہیں بُلانا ضروری ہے تو کوئی آدمی بھیج کر انہیں بُلا لیا جائے۔ انہوں نے مشورہ مان لیا اور گورداسپور سے حضور کے نام نوٹس جاری کر دیا گیا کہ آپ بٹالہ میں پیش ہوں اور پولیس کے ایک افسر جلال الدین یہ نوٹس لے کر قادیان آئے۔ جب آپؑ عدالت میں پیش ہوئے تو آپ کو دیکھتے ہی ان کے دل کی کایا پلٹ گئی اور انہوں نے عدالت کے چبوترے پر کرسی بچھا کر آپؑ کو عزت کے ساتھ بٹھایا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تو اِس بات کے حریص تھے کہ آپ کو ہتھکڑی لگی ہوئی دیکھیں۔ ان کا خیال تھا کہ مقدمہ کرنے والا انگریز ہے، فیصلہ کرنے والا انگریز ہے اور مَیں اہلحدیث کا ایڈووکیٹ بطور گواہ جا رہا ہوں اب تو مرزا صاحب کو ضرور پھانسی کی سزا ہوگی۔ وہ اس دن ایک بڑا جُبّہ پہن کر عالمانہ شان میں آئے اور سمجھتے تھے کہ مرزا صاحب کو ہتھکڑیاں لگی ہوئی ہوں گی اور مَیں انہیں دیکھ کر مُسکراؤں گا۔ مگر جب عدالت میں آئے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بجائے ہتھکڑی لگنے کے اعزاز کے ساتھ مجسٹریٹ کے پاس کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا مولوی صاحب آپؑ کا یہ اعزاز دیکھ کر جل گئے (یہ مولوی صاحب جو عیسائیوں کی تائید میں گواہی دینے کے لئے عدالت میں آئے تھے انہیں تو انگریزوں کا دشمن کہا جاتا ہے اور مرزا صاحب جن پر انگریزوں نے قتل کا مقدمہ کھڑا کیا تھا انہیں انگریزوں کا دوست قرار دیا جاتا ہے) مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے عدالت میں آتے ہی آگے بڑھ کر مجسٹریٹ سے کہا مجھے بھی کرسی دی جائے۔ ڈپٹی کمشنر حیران ہُوا کہ کیا یہ ملاقات کا کمرہ ہے کہ کرسی مانگی جا رہی ہے۔ اُس نے کہا تم کون ہو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے کہا مَیں اہلحدیث کا ایڈووکیٹ ہوں اور مشہور مولوی ہوں۔ ڈپٹی کمشنر نے کہا تم گواہی دینے آئے ہو ملاقات کرنے نہیں آئے پھر کرسی کا مطالبہ کیسا؟ مولوی محمد حسین صاحب نے کہا اگر عدالت میں مجھے کرسی نہیں مِل سکتی تو مرزا صاحب کو کیوں کرسی دی گئی ہے؟ ڈپٹی کمشنر نے کہا ان کا نام خاندانی کرسی نشینوں میں ہے۔ مولوی صاحب نے کہا مجھے بھی کرسی ملتی ہے اور میرے باپ کو بھی کرسی ملتی تھی۔ مَیں جب لاٹ صاحب کو ملنے جاتا ہوں تو وہ مجھے کرسی دیتے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر نے کہا بک بک مت کر پیچھے ہٹ اور سیدھا کھڑا ہو جا۔ یہ سُنتے ہی اردلی آیا اور اس نے مولوی صاحب کو کمرہ سے باہر کر دیا۔ مولوی صاحب وہاں سے نکلے تو خیال کیا کہ اگر یہ بات باہر نکل گئی تو بدنامی ہوگی اِس لئے اندر کے معاملہ کے اخفا کے لئے ایک کرسی پر جو برآمدہ میں پڑی تھی بیٹھ گئے۔ اردلیوں کو چونکہ معلوم ہو چکا

تھا کہ کرسی کی درخواست پر اسے جھاڑ پڑی ہے انہوں نے خیال کیا ایسا نہ ہو کہ مولوی صاحب کو یہاں بیٹھے دیکھ کر صاحب ہم پر ناراض ہو انہوں نے اس کرسی پر سے بھی انہیں جھڑک کر اُٹھا دیا مولوی صاحب وہاں سے بھی ذلت کے ساتھ اُٹھ کر باہر چلے گئے۔ عدالت کے باہر ہزاروں آدمی مقدمہ کی کارروائی سُننے کے لئے کھڑے تھے۔ ان میں سے بعض تو یہ دعائیں کر رہے تھے کہ اے خدا! اسلام کے پہلوان کو عیسائیوں کی طرف سے دائر شدہ مقدمہ میں بَری کر دے۔ اور کچھ لوگ مخالفت کی وجہ سے وہاں جمع تھے تا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سزا پاکر باہر نکلیں تو وہ خوشی کے شادیانے بجائیں۔ ان لوگوں میں سے بعض تو زمین پر بیٹھے تھے اور کچھ چادریں بچھا کر ان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مولوی صاحب نے اپنی سُبکی چھپانے کے لئے مناسب سمجھا کہ کسی چادر پر ہی بیٹھ جائیں تا کہ باہر کے لوگ یہ سمجھیں کہ انہیں اندر بھی کرسی ملی ہوگی۔ انہوں نے ایک چادر کا کنارہ کھینچا اور اس پر بیٹھ گئے لیکن ان کا بیٹھنا ہی تھا کہ چادر کے مالک نے کہا اُٹھ اُٹھ تُو نے میری چادر پلید کر دی ہے مسلمان ہو کر اسلام کے ایک سپاہی کے خلاف عیسائیوں کی تائید میں گواہی دینے آیا ہے۔

غرض عیسائیوں کی مخالفت انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی لیکن پھر بھی ہم تو انگریزوں کے ایجنٹ ہیں اور یہ ان کے مخالف۔ یہ مربعوں کی درخواستیں دیں اور ملازمتیں حاصل کرنے کے لئے انگریزوں کی خوشامدیں کرتے پھریں تو پھر بھی انگریزوں کے مخالف ہیں لیکن ہم جن پر انگریزوں نے مقدمات کئے ان کے ایجنٹ ہیں۔

غرض جتنے افسر آئے وہ سارے کے سارے ہمارے مخالف رہے۔ صرف میرے زمانے میں ایڈوائر پر یہ اثر ہؤا کہ احمدیوں سے جو برتاؤ کیا جا رہا ہے وہ کسی غلط فہمی کی بناء پر ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیں عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور ہر مجلس میں کہتا تھا کہ احمدیوں سے جو سلوک روا رکھا گیا ہے وہ درست نہیں لیکن ایمرسن کے زمانہ میں پھر انگریز حکام ہمارے خلاف ہو گئے اور یہ مخالفت جنکنس کے زمانہ تک جاری رہی۔ آخر بتاؤ وہ کونسی چیز ہے جس کی وجہ سے ہمیں انگریزوں کا ایجنٹ کہا جاتا ہے۔ کیا یہ ہماری انگریز دوستی کی علامت ہے کہ ۱۹۳۴ء میں کرمنل لاء امنڈمنٹ ایکٹ کے ماتحت مجھے نوٹس دیا گیا کہ تمہیں اپنی حفاظت کے لئے باہر سے احمدیوں کو بُلانے کی بھی اجازت نہیں۔ اور یہ نوٹس مجھے گیارہ بجے رات کو دیا گیا اور پھر چار پانچ سو پولیس افسر، دو سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ایک ڈپٹی کمشنر اس لئے قادیان بھیجے گئے تا کہ تلواروں کی نوکوں کے نیچے مولوی عطاء اللہ صاحب بخاری تقریر کریں۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے آیا یہ کہ انگریز احمدیوں کا

دوست تھا یا یہ کہ انگریز احمدیوں کا مخالف تھا۔ پس یہ الزام جو ہماری جماعت پر عائد کیا جاتا ہے بالکل بے بنیاد اور واقعات کے سراسر خلاف ہے۔" [۱]

باؤنڈری کمیشن میں الگ میمورنڈم پیش کرنے کے اعتراض کا جواب

اس پہلے الزام کا واقعاتی جائزہ لینے کے بعد فرمایا:۔

"احرار نے عوام کو بھڑکانے کے لئے یہ جھوٹا الزام بھی تراشا ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے باؤنڈری کمیشن کے موقع پر ملک سے غداری کی چنانچہ اخبار "آزاد" ۹ر دسمبر ۱۹۴۹ء لکھتا ہے:۔

"اگلے دن سکھوں نے اپنا کیس پیش کیا کہ ننکانہ ہماری زیارت گاہ ہے اسے کھلا شہر قرار دیا جائے ہمارے ظفر اللہ خاں صاحب بھی آن موجود ہوئے کہ آج میں پھر پیش ہونا چاہتا ہوں مجھے بھی اجازت دی جائے۔ آج میں نے مسلمانوں کا کیس پیش نہیں کرنا بلکہ جماعتِ احمدیہ کا کیس سکھوں کے مقابلہ میں پیش کرنا ہے تاکہ قادیان بھی کھلا شہر قرار دیا جائے۔ سیتل واد نے اعتراض کیا کہ اس نام کی کیا کوئی اقلیت ملک میں موجود ہے۔ ظفر اللہ نے کہا ہم اقلیت ہیں ہم تمام مسلمانوں سے علیحدہ ہیں۔"

(آزاد ۹ر دسمبر ۱۹۴۹ء)

یہ اُن لوگوں کا بیان ہے جو اپنے آپ کو شریعت کے ٹھیکیدار سمجھتے اور ختمِ نبوت کے محافظ کہلاتے ہیں۔ اور جن کا لیڈر یہ کہا کرتا ہے کہ میں آلِ رسول ہوں۔ اِس جھوٹ کے بعد انہیں پتہ لگا کہ احمدیوں کی طرف سے میمورنڈم چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے پیش ہی نہیں کیا بلکہ شیخ بشیر احمد صاحب نے پیش کیا تھا۔ اس پر سول اینڈ ملٹری گزٹ میں انہوں نے یہ نوٹ شائع کر دیا کہ:۔

"شیخ بشیر احمد نے جو لاہور کی جماعتِ احمدیہ کے امیر ہیں، باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنی جماعت کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے کہا تھا کہ ضلع گورداسپور جو اس وقت تک ۳ر مارچ ۱۹۴۷ء کی ابتدائی سکیم کے مطابق پاکستان کا حصہ تھا ضرور اس سے علیحدہ کر دیا جائے اور قادیانیوں کی ایک علیحدہ اور آزاد ریاست بنا دی جائے۔ اس نے اپنے دعویٰ کی بنیاد اس بات پر رکھی تھی کہ چونکہ قادیانی مسلمانوں کا حصہ نہیں ہیں اِس لئے ان کو علیحدہ وحدت تسلیم کیا جائے۔"

(آر۔ اے۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ ۱۱ر دسمبر ۱۹۴۹ء)

ظاہر ہے کہ اس بات کو مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے کے معنی ہی یہ تھے کہ جن لوگوں کو واقعات

---

[۱] الفضل ۱۹ر مارچ ۱۹۶۳ء مطابق ۱۹ر امان ۱۳۴۲ ہش صفحہ ۵ تا صفحہ ۷۔

کا صحیح علم نہیں وہ کہیں گے کہ آخر کچھ نہ کچھ تو اس نے ضرور کہا ہوگا مگر بعد میں انہیں پتہ لگا کہ یہ بات بھی ثابت نہیں ہو سکتی اس پر انہوں نے دوسرا رُخ بدلا اور کہا :-

"جب تین مارچ ۱۹۴۷ء کے بیان سے ضلع گورداسپور کے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ ہو چکا تھا اور جب وہ مسلم اکثریت کا ضلع تسلیم کر لیا گیا تھا اور جب قادیان بھی اس ضلع میں شامل تھا اور اس طرح قادیان کو پاکستان میں شامل ہونا تھا تو پھر آپ کو کیا ضرورت محسوس ہوئی تھی کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت سے علیحدہ اپنا محضر پیش کرتے اور آپ کے اس جواب کے کیا معنی کہ ہم نے محضر اس لئے پیش کیا تھا کہ قادیان پاکستان میں شامل ہو جائے جب کہ اس کے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ ایک عرصہ پہلے ہی ہو چکا تھا اور جب اس فیصلہ پر ہندوستان کو بھی اعتراض نہ تھا ہم الفضل اور ان کے وکیل شیخ بشیر احمد کو چیلنج کرتے ہیں کہ اس محضر کو جو آپ نے مسلمانوں سے جُدا جماعتِ احمدیہ کی طرف سے پیش کیا تھا من وعن شائع کرو تاکہ ملّتِ اسلامیہ کو معلوم ہو سکے کہ تم نے ہم سے جُدا کیا بات چیت کی تھی اور ۳ مارچ کے واضح بیان کے بعد گورداسپور ہم سے کیوں چھین لیا گیا"

(آزاد یکم جنوری ۱۹۵۰ء)

یہ وہ الزامات ہیں جو عام مسلمانوں کو بھڑکانے کے لئے احمدیوں پر لگائے گئے۔ یہ صاف بات ہے کہ اگر عوام کو یہ محسوس ہو کہ احمدیوں نے ضلع گورداسپور کو جُدا کرنے کی کوشش کی اور وہاں جو خونریزی ہوئی ہے وہ محض احمدیوں کی وجہ سے ہوئی ہے تو لازماً ان کے اندر جوش پیدا ہوگا۔ چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کے متعلق جب یہ بات کہی گئی کہ انہوں نے گورداسپور کو پاکستان سے علیحدہ کرانے کی کوشش کی تو چونکہ وہ حکومت کے رُکن تھے اِس لئے حکومت مجبور ہوئی کہ وہ اس کی تردید کرے چنانچہ حکومت نے اعلان شائع کیا کہ :-

" یہ کہا گیا ہے کہ جولائی ۱۹۴۷ء میں باؤنڈری کمیشن کے روبرو آنریبل چوہدری محمد ظفراللہ خاں (موجودہ وزیرِ خارجہ پاکستان) نے مسلم لیگ کی طرف سے کیس پیش کرتے ہوئے اِس بات پر اصرار کیا کہ انہیں جماعتِ احمدیہ کی طرف سے بھی بحث کرنے کی اجازت دی جائے اور پھر بحث کے دَوران میں انہوں نے کمیشن سے کہا کہ "قادیان" کو کُھلا شہر قرار دیا جائے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے دَورانِ بحث اِس بات پر بھی زور دیا ہے کہ احمدیہ جماعت عام مسلمانوں سے ایک علیحدہ امتیازی حیثیت کی مالک ہے پھر

ان مفروضہ بیانات کی بناء پر یہ بحث کی جاتی ہے کہ آنریبل چوہدری صاحب کی اس بحث نے کہ جماعتِ احمدیہ ایک علیحدہ فرقہ ہے گورداسپور کے مسلمانوں کی عام آبادی کے تناسب کو کم کر دیا ہے اور کمیشن نے اس جماعت کی علیحدہ حیثیت کی وجہ سے گورداسپور کے مسلم اکثریت والے ضلع کو مسلم اقلیت کا ضلع قرار دے کر پاکستان کی حدود سے نکال دیا ایوارڈ کی رو سے اسے پاکستان میں شامل ہونا چاہیئے تھا۔

حکومت کو یہ اعتراضات سُنکر سخت تعجب اور حیرت ہوئی ہے کیونکہ اسے پہلے ہی یہ علم تھا کہ ان اعتراضات میں کوئی حقیقت نہیں اور یہ اصل واقعات کے بالکل خلاف ہیں لیکن اس کے باوجود حکومت نے ان اعتراضات کی پوری پوری تحقیقات کی جس نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ الزامات اور اعتراضات کلّیۃً بے بنیاد، خلافِ واقعہ اور جھوٹے ہیں۔ آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خاں ہرگز جماعتِ احمدیہ کی طرف سے پیش نہیں ہوئے نہ آپ نے ان کی طرف سے کسی کیس کی وکالت کی اور نہ انہوں نے کبھی بحث کے دَوران میں وہ باتیں کہیں جو ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔" [سے]

جب گورنمنٹ کی طرف سے یہ اعلان ہوا تو احراریوں نے سوچا کہ اب کیا کریں اب تو گورنمنٹ نے بھی تردید کر دی اور ہمارا جھوٹ ظاہر ہو گیا چنانچہ انہوں نے اپنا رُخ بدل لیا۔ دیکھئے کیا ہی نرم الفاظ میں اعلان ہوتا ہے "آزاد" لکھتا ہے:۔

"برسبیلِ تذکرہ تقریر کی روانی اور خطابت کے جوش میں سر ظفر اللہ کا نام بھی آتا رہا لیکن اصل مبحث قادیانی جماعت تھی نہ کہ سر ظفر اللہ کی ذات۔" (آزاد ۲ر جون ۱۹۵۰ء صفحہ ۹)

اب ذرا اس کو پہلے بیان کے ساتھ ملا کر دیکھو کیا چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کا نام ضمناً آتا رہا ہے؟ پہلے انہوں نے کہا تھا "ہمارے ظفر اللہ بھی آن موجود ہوئے کہ آج مَیں پھر پیش ہونا چاہتا ہوں"۔ مگر احرار کے نزدیک یہ واقعات کا ذکر نہیں صرف خطابت اور تقریر کی روانی کا جوش ہے۔ پھر کہا تھا "آج مَیں نے مسلمانوں کا کیس پیش نہیں کرنا بلکہ جماعتِ احمدیہ کا کیس سکھوں کے مقابلہ میں پیش کرنا ہے"۔ یہ بھی جوشِ خطابت ہے اور چوہدری ظفر اللہ خاں کا ذکر ضمناً آ رہا ہے دراصل مخاطب جماعتِ احمدیہ ہے۔ گویا ظفر اللہ اصطلاح ہے اور مراد اس سے جماعتِ احمدیہ ہے۔ یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے جو انہوں نے بولا۔ پہلے کہا چوہدری ظفر اللہ خاں نے یوں کہا لیکن اس کے بعد آزاد نے مندرجہ ذیل مضمون لکھا جو مَیں سارا سُنا دیتا ہوں پہلے مَیں نے اس کا تھوڑا سا حصہ سُنایا تھا:۔

"حکومت نے اِس بیان سے عوام کو جہلِ مرکب میں ڈالنے اور غلط فہمی میں مُبتلا کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ انتہائی مذموم ہے (اِس لئے کہ ان کے جھوٹ کو ظاہر کیا گیا ہے اور ایسا کرنا سخت غلطی ہے) اِس بیان کا مقصد محض قادیانی جماعت پر عائد شدہ الزامات کو سر ظفر اللہ پر منطبق کر کے عوام کے ذہنوں سے اس اثر اور دلوں سے ان تاثرات کو دُور کرنا ہے جو کہ مرزائی جماعت کے متعلق ان کے دلوں میں موجود ہے۔۔۔ بر سبیلِ تذکرہ تقریر کی روانی اور خطابت کے جوش میں سر ظفر اللہ کا نام بھی آتا رہا لیکن اصل مبحث قادیانی جماعت تھی نہ کہ سر ظفر اللہ کی ذات (گویا جو کچھ ہوُا زورِ خطابت سے ہوُا یعنی جب احرار میں زورِ خطابت پیدا ہوتا ہے تو وہ سَو فیصدی جھُوٹ بولا کرتے ہیں پھر کسی کو کیا حق ہے کہ ان کی اس عادت کے باوجود ان پر اعتراض کرے)۔

پھر لکھا ہے:۔" ہمارا الزام سر ظفر اللہ کی ذات پر نہیں بلکہ قادیانی جماعت پر ہے (گویا جہاں ہم نے ظفر اللہ کہا ہے وہاں قادیانی جماعت سمجھو) وہ جماعت کہ سر ظفر اللہ جس کا نفسِ ناطقہ ہے (یعنی ہم نے خلاصۃً جماعتِ احمدیہ نہیں لکھا ظفر اللہ لکھ دیا ہے) اور وہ الزام یہ نہیں کہ گورداسپور کیوں گیا (گویا یہاں گورداسپور کا سوال ہی نہیں) بلکہ وہ الزام یہ ہے کہ جب مسلم لیگ، تمام مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی تو مرزائیوں نے مسلم لیگ کے نمائندے سے الگ اپنا وکیل کیوں پیش کیا۔ اور جب انتخابات کے ذریعہ یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ حقِ نمائندگی صرف مسلم لیگ کو ہی حاصل ہے تو مرزائی وکیل کو باؤنڈری کمیشن کے سامنے یہ کہنے کا کیا حق تھا" قادیان بین الاقوامی یونٹ بن چکا ہے اور اسے حق ہے کہ ہندوستان میں رہے یا پاکستان میں۔" اور یہ سب کچھ اس وقت کیا گیا جب سر ظفر اللہ مسلم لیگ کے نمائندہ کی حیثیت سے موجود تھے اور جب تمام مسلمان انہیں اپنا نمائندہ تسلیم کرتے تھے تو انہوں نے بشیر احمد کو جُدا پیش ہونے سے کیوں نہ روکا اور کیوں قادیانیوں کو جُدا پیشی کے خلاف احتجاج نہ کیا۔ اصل بات، اصل مسئلہ، اصل ملزم، اصل مجرم قادیانی جماعت ہے کہ جس نے جدا نمائندہ اور الگ محضر پیش کیا اور مسلم لیگ کو نمائندہ تسلیم کرنے سے عملاً انکار کر دیا۔ حکومت نے سر ظفر اللہ کے متعلق تحقیقات تو فرمائی اور اس کی تردید بھی کی تاکہ کسی طرح قادیانی جماعت کا چہرہ دُھل سکے۔ کیا حکومتِ پاکستان اِس بات کی تحقیقات کو بھی تیار ہے کہ قادیانی جماعت نے وزارتی کمیشن سے کیا مطالبہ کیا تھا اور باؤنڈری کمیشن کے سامنے کیا بحث تھی۔"

(آزاد ۲ رجون ۱۹۵۰ء)

اِس بیان میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ :-

" حکومت نے اِس بیان سے عوام کو جہل مرکب میں ڈالنے اور غلط فہمی میں مُبتلا کرنے کی جو ناکام کوشش کی ہے وہ انتہائی مذموم ہے۔ اِس بیان کا مقصد محض قادیانی جماعت پر عائد کردہ الزامات کو سر ظفر اللہ پر منطبق کرکے عوام کے ذہنوں سے اُس اثر اور دلوں سے ان تاثرات کو دُور کرنا ہے جو کہ مرزائی جماعت کے متعلق ان کے دِلوں میں موجود ہیں"

آخر میں لکھا ہے :-

" برسبیلِ تذکرہ تقریر کی روانی اور خطابت کے جوش میں سر ظفر اللہ کا نام بھی آتا رہا لیکن اصل مبحث قادیانی جماعت تھی نہ کہ سر ظفر اللہ کی ذات"

مَیں نے اصل مضمون پڑھ دیا ہے اس میں جماعت کا کہیں ذکر نہیں صرف چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کا ذکر ہے۔ پس" آزاد" کا یہ دعویٰ صراحتاً جھوٹا ہے۔ نہ زورِ خطابت کا اس سے تعلق ہے نہ کسی اَور شئے کا خالصتاً ظفر اللہ خاں صاحب پر الزام ہے اور وہ بھی خلافِ واقعہ کیونکہ سر ظفر اللہ خاں صاحب نہ جماعت کی طرف سے پیش ہوئے اور نہ انہوں نے .... یہ باتیں کہیں۔ اب مَیں یہ بتاتا ہوں کہ اِس بیان میں جتنی باتیں بیان کی گئی ہیں وہ سب کی سب جھوٹی ہیں۔ کیونکہ یہ طبقہ جو احرار سے تعلق رکھتا ہے ایک فیصدی بھی سچ نہیں بولتا۔ پہلی بات تو مَیں نے بتا دی ہے کہ یہ جھُوٹ ہے کہ الزام چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب پر تھا جماعت پر نہیں تھا۔ اب مَیں دوسری بات لیتا ہوں۔

دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ جب مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی تو " مرزائیوں" نے مسلم لیگ کے نمائندے سے الگ اپنا وکیل کیوں پیش کیا۔

میرا جواب یہ ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے الگ میمورنڈم پیش کرنے کی وجہ احرار اور ان کے ہم خیال تھے اگر وہ نہ ہوتے تو ہم کو لیگ سے علیحدہ میمورنڈم پیش کرانے کی ضرورت کیا تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ جب باؤنڈری کمیشن مقرر ہؤا تو طبعاً ہر جماعت نے خدمتِ قوم کے خیال سے اپنے اپنے میمورنڈم تیار کئے اور یہ خیال کیا گیا کہ جتنے زیادہ میمورنڈم ہوں گے اتنا ہی کمیشن پر زیادہ اثر ہوگا۔ زمیندار بھی کہیں گے ہم پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ تاجر بھی کہیں گے ہم پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں اور اسی طرح دوسرے لوگ بھی۔ ہندوؤں کی طرف سے بھی بیسیوں انجمنوں نے میمورنڈم پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ اِسی خیال کے ماتحت

جماعتِ احمدیہ نے بھی ایک میمورنڈم تیار کیا اور غالباً گورداسپور مسلم لیگ کی طرف سے بھی ایک میمورنڈم تیار کیا گیا۔ اور وہ لوگ جنہوں نے یہ میمورنڈم تیار کیا تھا ان کے نام یہ ہیں :-

غلام فرید صاحب ایم ایل اے۔ شیخ کبیر الدین صاحب شیخ شریف حسین صاحب وکیل جو احراریوں کے لیڈر تھے۔ مولوی محبوب عالم صاحب جو اوکاڑہ میں احراریوں کے لیڈر بنے ہوئے ہیں اور مرزا عبدالحق صاحب وکیل۔

کیا یہ لوگ مسلم لیگ کو مسلمانوں کا واحد نمائندہ خیال نہیں کرتے تھے۔ اِسی طرح امرتسر کی ایک انجمن نے بھی علیحدہ میمورنڈم پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ اور بعض انجمنوں نے جالندھر اور ہوشیارپور سے بھی یہی ارادہ کیا کہ علیحدہ میمورنڈم پیش کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک کے اندر ایک خاص جوش تھا کہ کسی طرح پاکستان کی طرف سے زیادہ سے زیادہ میمورنڈم بنائیں اور یہ کہیں کہ ہم پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں اس کا حکومت پر اثر ہوگا۔ گویا صرف "قادیانیوں" نے ہی علیحدہ میمورنڈم پیش نہیں کیا بلکہ مسلم لیگ کی ایک شاخ نے بھی ایسا کرنے کا ارادہ کیا۔ اور جنہوں نے علیحدہ میمورنڈم پیش کرنے کا ارادہ نہیں کیا وہ وہی لوگ تھے جو کہتے تھے ہم پاکستان کی "پ" بھی نہیں بننے دیں گے۔ اِس لئے نہیں کہ وہ مسلم لیگ کے نمائندے تھے بلکہ اِس لئے کہ وہ پاکستان کا وجود ہی گوارا نہیں کرتے تھے۔ ورنہ خود لیگیوں نے بھی علیحدہ میمورنڈم تیار کئے تھے تا کہ لیگ کو مضبوطی حاصل ہو۔ جب میمورنڈم پیش کرنے کا وقت قریب آیا اور چوہدری صاحب مسلم لیگ کی طرف سے نمائندہ مقرر ہوئے تو انہوں نے جماعت کو اطلاع دی کہ فیصلہ یہ ہوا ہے کہ دونوں فریق کی طرف سے صرف کانگریس اور لیگ کے میمورنڈم پیش ہوں کیونکہ دو ہی نقطۂ نگاہ ہیں اور یہ دونوں انجمنیں دو مخالف خیالات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اِس پر جماعت نے اپنے میمورنڈم کے پیش کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا (یاد رہے کہ احمدیہ میمورنڈم تیار کر کے مسلم لیگ کو بھجوا دیا گیا تھا تا کہ کوئی اعتراض ہو تو وہ بتا دیں مگر انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا)

اس کے بعد کانگریس نے کسی مصلحت کے ماتحت اپنے وقت میں سے کچھ وقت سکھوں کو دے دیا اور اسی طرح اچھوتوں کو بھی۔ شاید ان کا یہ مطلب ہو کہ سکھوں کے مطالبے تو وہی ہیں جو کانگریس کے ہیں لیکن چونکہ یہ اجڈ قوم ہے کہیں یہ نہ کہہ دیں کہ جب تک سردار جی نہ بولیں گے ہم راضی نہیں ہوں گے۔ اور جب سکھ بولے تو شاید اچھوتوں میں بھی یہ خیال پیدا نہ ہو جائے اِس لئے ان کو بھی وقت دو (پہلے فیصلہ کے

مطابق وقت صرف لیگ اور کانگریس میں تقسیم تھا اگر لیگ یا کانگریس اجازت نہ دیتی تو کوئی اور میمورنڈم پیش نہ ہو سکتا)۔

جب اِس فیصلہ کا علم مسلم لیگ کو ہوا تو اِس خیال سے کہ ہندوؤں کی طرف سے بعض دوسری قوموں کے لیڈر بھی پیش ہوں گے شاید اس کا بھی کوئی اثر پڑ جائے لیگ نے فیصلہ کیا کہ ہم بھی ایک علیحدہ میمورنڈم پیش کر دیں چنانچہ لیگ کی طرف سے ہمیں اور عیسائیوں کو ہدایت ملی کہ علیحدہ علیحدہ میمورنڈم پیش کرو ورنہ ہم پہلے ایسا کرنے کا ارادہ چھوڑ چکے تھے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ صرف احمدیوں کو ہی علیحدہ میمورنڈم پیش کرنے کی اجازت کیوں دی گئی گورداسپور کی مسلم لیگ کو اجازت کیوں نہ دی گئی۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ مسلم لیگ گورداسپور بہرحال مسلم لیگ کہلاتی ہے اور کوئی عقلمند نہیں کہہ سکتا کہ وہ مرکزی مسلم لیگ کے ساتھ متفق نہیں ہوگی لیکن احراریوں نے یہ پراپیگنڈا کیا ہوا تھا کہ احمدی مسلمان نہیں اور شُبہ تھا کہ ہندو سکھ ریڈکلف کو یہ نہ کہہ دیں کہ مسلمان احمدیوں کو مسلمان نہیں سمجھتے اِس لئے ان کی آبادی کو نکال کر دیکھا جائے کہ آیا گورداسپور میں مسلم اکثریت ہے یا غیر مسلم اکثریت حقیقت یہ ہے کہ ضلع گورداسپور میں ۶۰ ہزار احمدی تھے اور انہیں ملا کر مسلمان ۵۱،۱۴ تھے جس کے یہ معنی تھے کہ اگر احمدیوں کو باقی مسلمانوں سے علیحدہ کر دیا جاتا تو مسلمان ۴۵،۶۹ رہ جاتے اور غیر مسلم زیادہ ہو جاتے تھے۔

پس احراریوں نے جو یہ شرارت کی کہ احمدیوں کو باقی مسلمانوں سے علیحدہ سمجھا جائے اس کی وجہ سے مسلم لیگ نے فیصلہ کیا کہ ہم علیحدہ میمورنڈم پیش کریں ورنہ ہندو کہہ دیں گے کہ یہ مسلمان نہیں اور ثبوت میں احراریوں کا فتویٰ پیش کر دیں گے۔ گویا احمدی اِس لئے الگ پیش نہیں ہوئے کہ وہ اپنے آپ کو الگ سمجھتے تھے بلکہ ان کے الگ پیش ہونے کی ضرورت اس لئے سمجھی گئی کہ احراریوں نے یہ اعلان کیا ہوا تھا کہ احمدی مسلمان نہیں۔ اگر ان سے علیحدہ پاکستان کی حمایت پر میمورنڈم پیش نہ کرایا جاتا تو ضلع گورداسپور میں مسلمان بڑی نمایاں اقلیت ہو جاتے تھے چنانچہ بعد میں سر تیجا سنگھ کی جرح نے ثابت کر دیا کہ احرار سکھوں اور ہندوؤں کی سکیم کا کس طرح احمدیہ میمورنڈم نے خاتمہ کر دیا۔ سر تیجا سنگھ نے احمدی میمورنڈم کے پیش ہونے پر سٹپٹا کر کہا کہ "احمدیہ موومنٹ کا اسلام میں موقف کیا ہے؟" یعنی آپ لوگ تو مسلمانوں میں ہیں ہی نہیں آپ ان کی طرف سے کس طرح بول رہے ہیں؟ شیخ بشیر احمد صاحب نے جو احمدیوں کی طرف سے میمورنڈم پیش کر رہے تھے جواب دیا کہ "ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم اول سے آخر تک مسلمان ہیں ہم اسلام کا

ایک حصّہ ہیں"۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں اور سکھوں کا منصوبہ تھا کہ وہ کہیں احمدی مسلمان نہیں۔ انہیں نکال کر معلوم کرو کہ آیا ضلع گورداسپور میں مسلمان اقلیت میں ہیں یا اکثریت میں۔ لیگ اسے بھانپ گئی اور اس نے پاکستان کی حمایت میں احمدیوں سے علیحدہ محضر پیش کروا دیا۔

دیکھو یہ احراری جھوٹے ہیں پہلے انہوں نے کہا میمورنڈم چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے پیش کیا تھا اور اِس لئے علیحدہ میمورنڈم پیش کیا کہ احمدی مسلمان نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میمورنڈم شیخ بشیر احمد صاحب نے پیش کیا اور سر تیجا سنگھ نے اس سوال کے جواب میں کہ احمدیوں کا موقف کیا ہے شیخ بشیر احمد صاحب نے کہا ہم شروع سے آخر تک مسلمان ہیں اور اپنے آپ کو اسلام کا ایک حصّہ سمجھتے ہیں مگر احرار جھوٹ بول کر کہتے ہیں کہ ہم نے باؤنڈری کمیشن کے سامنے یہ کہا کہ ہم مسلمان نہیں ہم مسلمانوں سے الگ ہیں۔ کسی شاعر کا شعر ہے ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

یہ لوگ کتنا بھی جھوٹ بولیں انہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن بدنام ہم ہیں۔ ہم کہتے ہیں ہم مسلمانوں کا ایک حصّہ ہیں لیکن وہ کہتے ہیں انہوں نے کہا تھا ہم مسلمان نہیں۔ "ہے" کو "نہیں" کہہ دینا کیا چھوٹی سی بات ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ احمدیوں کا الگ میمورنڈم پیش کرنا احرار کی اس شرارت کو ختم کرنے کے لئے تھا کہ احمدی مسلمان نہیں کیونکہ اگر اس کا جواب احمدی میمورنڈم میں دوسرے مسلمانوں کی حمایت کر کے نہ دیا جاتا تو گورداسپور میں مسلمانوں کی اکثریت کو ہندو سکھ اعداد و شمار سے غلط ثابت کر سکتے تھے۔ یاد رہے کہ بٹالہ تحصیل میں مسلمانوں کی تعداد تین لاکھ ساٹھ ہزار کے قریب تھی اور احمدی ووٹ پچپن ہزار ووٹ میں سے پانچ ہزار سے اُوپر تھا اور تحصیل گورداسپور، شکر گڑھ اور پٹھانکوٹ میں ۲-۲ ہزار سے زائد تھا پس ووٹوں کے لحاظ سے احمدیوں کی تعداد زیادہ ۔۔۔ بنتی ہے مگر چونکہ احمدیوں میں تعلیم زیادہ تھی اس لئے تعلیم کی وجہ سے ان کے ووٹ ساٹھ ہزار میں سے اتنے بن گئے۔ صرف قادیان میں احمدی بارہ ہزار سے زائد تھے اور اردگرد کے پانچ چھ دیہات میں مزید پانچ ہزار تھے۔ گویا صرف قادیان اور اس کے اردگرد کے ۲-۲ میل کے حلقہ میں احمدی سترہ ہزار تھے یعنی ۵% سارے ضلع کی آبادی کے۔ اگر قادیان کے علاوہ کوئی احمدی

نہ ہوتا تب بھی احمدیوں کے نکالنے سے مسلمان اقلیت میں آجاتے تھے پس احمدیوں سے میمورنڈم پیش کروانا مسلمانوں کے مفاد کے لئے نہایت ضروری تھا اور لیگ نے جو فیصلہ کیا وہ بالکل درست تھا۔

دوسری بات یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ فیصلہ کے مطابق وقت صرف مسلم لیگ اور کانگریس کو ملا تھا۔ اگر مسلم لیگ ہمیں اجازت نہ دیتی تو احمدی میمورنڈم پیش ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ خان افتخار حسین صاحب آف ممدوٹ، خواجہ عبدالرحیم صاحب سابق کمشنر، چوہدری اکبر علی صاحب اور دوسرے مسلم لیگی لیڈر اس بات کے گواہ ہیں کہ وقت صرف مسلم لیگ کو دیا گیا تھا ہمیں براہِ راست وقت نہیں ملا بلکہ مسلم لیگ نے اپنے وقت میں سے ہمیں کچھ وقت دیا ورنہ ہم الگ محضر پیش ہی نہیں کر سکتے تھے۔ پھر کمیشن کے دونوں مسلمان جج جسٹس محمد منیر اور سابق جسٹس وحال گورنر سندھ ہز ایکسی لینسی شیخ دین محمد صاحب بھی اس کے گواہ ہیں، ان لوگوں کو معلوم ہے کہ اس میمورنڈم کے پیش کرنے میں برابر ان مسلم ججوں سے مشورہ کیا جاتا رہا کیونکہ ان ججوں کے متعلق فیصلہ کیا گیا تھا کہ یہ قوم کے نمائندے ہیں میں خود مسٹر جسٹس منیر کی کوٹھی پر گیا ہز ایکسی لینسی شیخ دین محمد صاحب گورنر سندھ بھی وہاں آگئے تھے۔ اسی طرح چوہدری نذیر احمد صاحب ممبر سروس کمیشن بھی اتفاقاً آگئے تھے میرے ساتھ شیخ بشیر احمد صاحب اور درد صاحب بھی تھے ہم نے اس میمورنڈم پر قانونی طور پر ڈسکس (DISCUSS) کی اور اس کی کاپیاں ہم نے ان میں سے اکثر کو الگ بھی دے دی تھیں پس یہ سوال نہیں کہ ہم نے مسلم لیگ سے الگ محضر پیش کیوں کیا بلکہ سوال یہ ہے کہ الگ محضر پیش کرایا گیا اور اس کی وجہ میں بتا چکا ہوں کہ احرار کی یہ شرارت تھی کہ احمدی مسلمان نہیں اور اس کا انہوں نے پراپیگنڈا کیا ہوا تھا اگر ہم علیحدہ پیش نہ ہوتے تو ریڈکلف کو اِدھر اُدھر کے بہانے بنانے کی ضرورت ہی نہ تھی وہ احراریوں کا اپنا فتویٰ پیش کر کے کہہ سکتا تھا کہ چونکہ احمدی مسلمان نہیں اس لئے ان کو نکال دیا جائے تو مسلم آبادی ۴۵ فیصدرہ جاتی ہے اس لئے یہ ضلع ہندوستان میں شامل ہونا چاہیئے۔ اس میمورنڈم کو پیش کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ ریڈکلف کو اَور بہانے تلاش کرنے پڑے جن کی وجہ سے ہم آج تک انگریزوں کو بدنام کر رہے ہیں۔ اُس وقت مسلم لیگ احراریوں کی شرارت کو بھانپ گئی اور اس نے دھوکہ نہیں کھایا۔ اب انگریزوں کے پاس اس فیصلہ کو درست ثابت کرنے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں۔ چنانچہ جب کوئی انگریز ہمارے پاس آتا ہے وہ شرمندہ ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کے ہندوستان سے تعلقات ہیں۔ ہندوستان کو پاکستان کے مقابلہ میں جو زک پہنچی اس کا اثر زائل کرنے

کے لئے یہ شرارتیں کروائی جارہی ہیں اور یہ پراپیگنڈا کروایا جارہا ہے کہ ضلع گورداسپور کا پاکستان سے الگ ہونا احمدیوں کی وجہ سے تھا۔ حالانکہ ہم نے میمورنڈم صرف اس لئے پیش کیا تھا کہ احراری چونکہ ہمیں مسلمانوں سے خارج سمجھتے تھے۔ اس لئے تم ہمیں مسلم سمجھو یا غیر مسلم ہم بہرحال پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں اور ہم مسلم لیگ کے ساتھ ہیں"۔ [1]

اخبار "تنظیم" پشاور میں سالانہ جلسہ ربوہ کی رپورٹ

پشاور (سرحد) کے ہفت روزہ اخبار "تنظیم" نے اپنی ۵ جنوری ۱۹۵۱ء کی اشاعت میں اس جلسہ کی حسبِ ذیل الفاظ میں رپورٹ شائع کی:۔

"ربوہ شریف میں مسلم جماعت احمدیہ کا اٹھواں سالانہ اجلاس ۱۹۵۰ء

۲۶ دسمبر ۱۹۵۰ء بروز منگل حضرت امیر و امام جماعت احمدیہ جناب مرزا بشیر الدین محمود نے افتتاح فرمایا

علماء کرام اور مبلغین جماعت احمدیہ کی حالاتِ حاضرہ پر قرآن و احادیث فقہ و تاریخ کے مطابق اسلامی شعور، ذہن و فکر کے اعتبار سے موثر تقریریں و مواعظ!

پشاور۔ ۲۵ دسمبر کو شام کی گاڑی سے تنظیم کے نامہ نگارِ خصوصی ربوہ روانہ ہوئے اور ۲۶ کو پہلے اجلاس میں شامل ہوئے۔ مندرجہ حالات ہمارے نامہ نگار کے چشم دید اور اپنی قلم سے لکھے ہوئے ہیں جس پر "اخبار تنظیم" ہر طرح سے اعتماد رکھتا ہے۔

پنڈال میں اسّی ہزار (۸۰۰۰۰) نفوس کے لئے انتظام تھا اور ہر شخص پوری ذمہ داری سے اجلاس کے قائم میں اپنی نشست پر پہنچ جاتا تھا۔ جماعتِ احمدیہ کے امام نے پہلے روز یعنی ۲۶۔ دسمبر ۵۰ء بروز منگل تلاوتِ قرآن اور حمد و نعت کے ساتھ اجلاس کا افتتاح فرمایا۔

اس وقت عجیب کیفیت تھی اور ایسا معلوم ہورہا تھا کہ اس زمانے کے محمود نے اپنے لئے کئی ہزار ایاز پیدا کر لئے ہیں اور یہ یقین ہورہا تھا کہ مستقبل میں کفر و شرک کے سومنات گرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہے اور اس کے عقیدت مند پیغمبر آخر زمان کی اُمت میں

---

[1] الفضل ۳۰۔ تبوک ۱۳۴۳ھش / ستمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۲ تا ۴۔

اسے نبی کا درجہ دیتے ہیں۔

مسلمانوں کا جماعتِ احمدیہ سے صرف ایک اختلاف ہے کہ وہ مرزا صاحب کو صرف اُمتی ہی خیال کریں دوسرے اختلافات مثلاً پولیٹیکل عقیدوں کے متعلق یا جہاد کے متعلق تھے تو اس کا بھی پاکستان کے قیام میں جہانداری اور جہانبانی کی ذمّہ داری نے اعتدال پسندانہ رویّہ اختیار کر لیا ہے اور پاکستانی مسلمانوں کے ہر فرقے کا مرکز اب لندن، امریکہ، لینن گراڈ، برلن اور ٹوکیو نہیں رہا بلکہ اب کراچی ہے۔ جنگ اور صلح زندگی کے عظیم الشان نصب العین میں سے ہے اور جنگ اور صلح کو چاہے کوئی مذہبی نقطۂ نظر سے حل کرے یا اس کو دینی اور دنیاوی جدّو جہد قرار دے مقصد ایک ہی بنتا ہے۔

جناب مرزا بشیر الدین صاحب محمود نے اپنی وسطی اور اختتامی تقریر مورخہ ۲۷ دسمبر بروز بدھ اور ۲۸ دسمبر ۵۰ء بروز جمعرات میں صاف فرما دیا کہ ہمارا نصب العین اسلام ہے جماعتِ احمدیہ اسلام کے لئے زندہ رہے گی اور اسلام ہی کے لئے مرے گی۔ جماعتِ احمدیہ کا دستور العمل قرآن کریم ہے جس نے ہر وقت اور ہر زمانے میں انسان کی راہ نمائی کی ہے اور انسان نے اِس کتابِ الٰہی سے اپنے لئے مقامِ انسانیت اور فلاح و بہبود کا راستہ متعیّن کیا۔ اسلام تمام دنیا پر غالب رہا ہے اور غالب رہے گا۔ حضرت رسولِ اکرم محمد رسول اللہ صلعم سب نبیوں کے امام و پیشوا ہیں اور نسلِ انسانی کے سب سے بڑے خیر خواہ اور مختار حیثیت کے نبی اور رسول ہیں۔ مرزا بشیر الدین صاحب کی تقریر میں درد تھا وہ درد جو کسی چشتی پیر کے حلقہ قوالی میں کبھی نہیں ہو سکتا۔ آج ہمارے پیروں اور سجادہ نشینوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ ان کے گرد و پیش میں قوال ہی قوال رہتے ہیں لیکن مرزا بشیر الدین صاحب نے فعّالوں کا گروہ پیش کیا ہے۔

حضرت جناب ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب سابق مبلّغ انگلینڈ و امریکہ، جناب پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔ اے، جناب مولانا عبد المنان صاحب ایم۔ اے، جناب قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری، جناب مولوی عبد الغفور صاحب، جناب چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ سابق امام مسجد لنڈن، صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔ اے، جناب ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم، جناب سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، جناب مولوی ابو العطا صاحب فاضل پرنسپل جامعہ احمدیہ، جناب خواجہ جلال الدین صاحب شمس فاضل سابق امام مسجد احمدیہ لندن، جناب مولوی رحمت علی صاحب فاضل مبلّغ انڈونیشیا جن کی ہر تقریر اور ہر لفظ اور ہر مباحث میں انسانوں کو انسان اور انسانیت میں درس

حیات اور دُنیا و آخرت کے نجات کا ذریعہ قرار دے کر بتایا کہ توحیدِ باری تعالیٰ اور رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی کتاب قرآن کریم ہی نجاتِ آخرت کا وسیلہ ہے اور اس سے ہر شخص سرشار ہے۔

ہمارا نامہ نگار لکھتا ہے کہ پاکستان کے پیر اور پیرزادے اگر ربوہ کے اجتماع میں ہوتے تو کافی سبق لیتے جہاں علماء اور فضلاء کا اجتماعِ عظیم تھا، جہاں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ اختلاف ہمارا بھی جماعتِ احمدیہ سے اتنا ہی ہے جتنا ہمارے پیروں اور سجادہ نشینوں اور پیرزادوں کا ہے لیکن حق بات حق ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود صاحب بھی اپنے مریدوں سے چندہ وصول کرتے ہیں لیکن وہ تعمیر پر خرچ کرتے ہیں۔ ربوہ میں دس ہزار کنال زمین خریدی ہے، سندھ میں محمود آباد سٹیٹ قائم کیا ہے۔ اپنے مریدوں سے لیتے بھی ہیں لیکن پھر تکلیف میں ان کی امداد بھی کرتے ہیں۔ کاش کہ ہمارے علماء، پیران سجادہ نشینان بھی ایسے ہی حالات پیدا کریں جو آج مرزا بشیر الدین صاحب محمود نے پیدا کئے ہیں۔ نصیحت جہاں سے بھی ملے غنیمت ہے۔" (نامہ نگار)

فصل ششم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

۱۳۲۹ھش / ۱۹۵۰ء میں متعدد بزرگ صحابہ رحلت فرما گئے جن میں سے بعض کا تذکرہ اِس فصل میں کیا جاتا ہے۔

۱۔ مولوی رحمت اللہ صاحب سنوری ؓ:- (تاریخ وفات ۱۱ صلح ۱۳۲۹ھش مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۵۰ء)

آپ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے سُرخ سیاہی کے شہرہ آفاق آسمانی نشان کے حامل بزرگ حضرت مولوی عبد اللہ صاحب ؓ سنوری کے فرزندِ ارجمند تھے۔

آپ ہجرت ۱۹۴۷ء کے بعد موضع ثابت شاہ متصل پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ میں تھے کہ پیغام اجل

آ گیا نعش بذریعہ لاری ربوہ لائی گئی۔ حضرت مصلح موعود منتظر رہے کہ کوئی اطلاع دے تو جنازہ پڑھائیں مگر افسوس مسجد میں اعلان تک کئے بغیر ان کی نماز جنازہ پڑھا دی گئی اور آپ سپردِ خاک کر دئے گئے اور حضور انور جنازہ میں شرکت نہ فرما سکے۔ ایک قدیم اور ممتاز صحابی کے لختِ جگر کی نمازِ جنازہ کے بارے میں غفلت اور کوتاہی کا یہ ایسا افسوسناک مظاہرہ تھا کہ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے اسے آئندہ نسلوں کی راہ نمائی کے لئے پوری جماعت کے سامنے رکھنا ضروری سمجھا چنانچہ حضور نے ۱۲ صلح ھ ۱۳۲۹ کو خطبہ جمعہ کے شروع ہی میں اس ناقابلِ برداشت سانحہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"پیشتر اِس کے کہ مَیں خطبہ کے مضمون کی طرف توجہ کروں مَیں اِس امر پہ اظہارِ افسوس کرنا چاہتا ہوں کہ پرسوں یہاں ایک پُرانے صحابی کا جنازہ آیا جس کے والد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قریب ترین صحابہ میں سے تھے اور آپ کے ایک بہت بڑے نشان کے حامل تھے لیکن یہاں کے کارکنوں نے ایسی بے اعتنائی اور غفلت برتی جو میرے نزدیک ایک نہایت شرمناک حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ جنازہ مہمان خانہ میں لایا گیا مگر کسی نے تکلیف گوارا نہ کی کہ وہ اس کی طرف توجہ کرے اور نہ ہی اس جنازہ کا مسجد میں اعلان کیا گیا۔ مَیں دوسرے دن دوپہر تک انتظار کرتا رہا کہ کوئی مجھے اطلاع دے اور مَیں نماز جنازہ پڑھاؤں لیکن کسی نے مجھے اطلاع نہ دی جب درد صاحب آئے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ جنازہ کسی نے پڑھا دیا ہے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوُا کہ میری طرف سے یہ کہہ دیا گیا کہ مَیں بیمار ہوں اور جنازہ کے لئے باہر نہیں آسکتا اِس لئے جنازہ پڑھا دیا جائے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں مَیں بیمار تھا اور باہر نہیں آسکتا تھا لیکن جب وصیت کا کاغذ میرے پاس دستخط کے لئے آیا تو ان کے تعلقات کی وجہ سے جو اُن کے والد صاحب کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تھے مَیں نے فیصلہ کیا کہ خود جنازہ پڑھاؤں مگر یونہی کہہ دیا گیا کہ مَیں نے جنازہ پڑھانے کی اجازت دے دی ہے حالانکہ مجھے اطلاع ہی نہیں دی گئی مَیں کل دوپہر تک انتظار کرتا رہا۔ رات کو تو مَیں نے خیال کیا کہ مناسب نہیں سمجھا گیا کہ رات کو جنازہ پڑھا جائے اور کل دوپہر تک مَیں نے سمجھا کہ رشتہ داروں کے آنے کی وجہ سے دیر ہو ہی جاتی ہے اِس لئے شاید دیر ہوگئی ہو لیکن بعد میں معلوم ہوُا کہ جنازہ خود پڑھا دیا گیا ہے اور میری طرف سے یہ کہہ دیا گیا کہ مَیں بیمار ہوں اِس لئے جنازہ کے لئے باہر نہیں آسکتا جنازہ پڑھا دیا جائے۔ مَیں نے یہ کیس ناظر صاحب اعلیٰ کے سپرد کر دیا ہے اور تمام ایسے آدمیوں کو جنہوں نے یہ حرکت کی ہے سرزنش کی جائے گی خصوصاً وصیت

کا محکمہ بہت حد تک اس کا ذمہ دار ہے۔ مَیں جماعت کو بدقسمت سمجھوں گا اگر وہ اپنی تاریخ سے ناواقف ہو جائے۔ جو جنازہ آیا تھا وہ عبداللہ صاحب سنوریؓ کے بیٹے کا تھا جو صوفی عبدالقدیر صاحب نیازؔ کے بڑے بھائی اور مولوی عبدالرحیم صاحب دردؔ (ناظر امور خارجہ صدر انجمن احمدیہ) کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ مولوی عبداللہ صاحبؓ سنوری کی ہستی ایسی نہیں کہ جماعت کے جاہل سے جاہل اور نئے سے نئے آدمی کے متعلق بھی یہ قیاس کیا جا سکے کہ اسے آپ کا نام معلوم نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ کشف جس میں کپڑے پر سُرخ روشنائی ظاہری طور پر دکھائی دی مولوی صاحب اس نشان کے حامل اور چشم دید گواہ تھے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے وہ چھینٹے گرے اور پھر خدا تعالیٰ نے انہیں یہ مزید فضیلت بخشی تھی کہ ایک چھینٹا اُن کی ٹوپی پر بھی آپڑا۔ گویا خدا تعالیٰ کے عظیم الشان نشان میں اور ایسے نشان میں جو دنیا میں بہت کم دکھائے جاتے ہیں وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ شامل تھے لیکن اُن کے لڑکے کا جنازہ مہمان خانہ میں پڑا رہا مگر کسی نیک بخت کو یہ نہیں سُوجھا کہ وہ مساجد میں اعلان کرے کہ فلاں کا جنازہ آیا ہے احباب نماز میں شامل ہوں۔"

پھر فرمایا:۔

"بہرحال ایسے کارکنوں کے خلاف مناسب اقدام کیا جائے گا اور انہیں سرزنش کی جائے گی لیکن چونکہ مَیں جنازہ میں شریک نہیں ہو سکا اِس لئے نماز جمعہ کے بعد مَیں اُن کا جنازہ پڑھاؤں گا۔"[1]

چنانچہ حضور نے جمعہ کے بعد مولوی رحمت اللہ صاحب کا جنازہ پڑھایا اور اس طرح ہزاروں احمدیوں کو خلیفۂ وقت کی اقتدا میں ایک اہم قومی وجماعتی فریضہ کی بجا آوری کا شرف حاصل ہوا۔

۲۔ حضرت صاحبزادہ پیر منظور محمد صاحب لدھیانوی خلف الرشید حضرت صوفی احمد جان صاحب رضی اللہ عنہ:۔

(ولادت ۱۸۶۶ء قریباً۔ پہلی زیارت ۱۸۸۴ء بمقام لدھیانہ۔ بیعت ۶ فروری ۱۸۹۲ء۔ وفات ۲۱ احسان ۱۳۲۹ھش / جون ۱۹۵۰ء)۔

حضرت پیر صاحبؓ سلسلہ احمدیہ کے باخدا بزرگوں میں سے تھے۔ ہجرتِ قادیان سے قبل ریاست جموں کے محکمۂ تعلیم میں ملازم تھے لیکن جب حضرت حاجی الحرمین الشریفین مولانا نورالدین (خلیفۃ المسیح الاوّلؓ)

[1] الفضل ۲۲ جنوری ۱۹۵۰ء مطابق ۲۲ صلح ۱۳۲۹ھش صفحہ ۱۔

مستقل طور پر قادیان تشریف لے گئے تو آپ نے بھی ہجرت کر لی اور الدار میں رہائش پذیر ہو گئے۔

آپ نے محض اِس جذبہ سے کہ حضرت مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصانیف بہترین صورت میں چھپ سکیں کتابت سیکھی چنانچہ حضرت اقدس علیہ السلام کی بہت سی کتابوں کے پہلے ایڈیشن آپ ہی کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں اور بہت دیدہ زیب اور نفیس ہونے کے علاوہ نہایت صاف اور صحیح چھپے ہوئے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اپنے اشتہار ۴ر اکتوبر ۱۸۹۹ء میں خاص طور پر آپ کی اس عظیم خدمت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا:-

"بطور شکرِ احسانِ باری تعالیٰ کے اِس بات کا ذکر کرنا واجبات سے ہے کہ میرے اہم کام تحریر تالیفات میں خدا تعالیٰ کے فضل نے مجھے ایک عمدہ اور قابلِ قدر مخلص دیا ہے یعنے عزیزی میاں منظور محمد کاپی نویس جو نہایت خوشخط ہے جو نہ دُنیا کے لئے بلکہ محض دین کی محبت سے کام کرتا ہے اور اپنے وطن سے ہجرت کر کے اسی جگہ قادیان میں اقامت اختیار کی ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے کہ میری مرضی کے موافق ایسا مخلص سرگرم مجھے میسّر آیا ہے کہ مَیں ہر ایک وقت دن کو یا رات کو کاپی نویسی کی خدمت اس سے لیتا ہوں اور وہ پوری جاں فشانی سے خدا تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے اس خدمت کو انجام دیتا ہے یہی سبب ہے کہ اِس روحانی جنگ کے وقت میں میری طرف سے دشمنوں کو شکست دینے والے رسالوں کے ذریعہ سے تابڑ توڑ مخالفوں پر فیر ہو رہے ہیں۔ اور درحقیقت ایسے مؤید اسباب میسّر کر دینا یہ بھی خدا تعالیٰ کا ایک نشان ہے جس طرف سے دیکھا جائے تمام نیک اسباب میرے لئے میسّر کئے گئے ہیں اور تحریر میں مجھے وہ طاقت دی گئی ہے کہ گویا مَیں نہیں بلکہ فرشتے لکھتے جاتے ہیں گو بظاہر میرے ہی ہاتھ ہیں۔" ؎

پیر صاحب کتابت کے دَوران ہی جوڑوں کے درد کی وجہ سے معذور ہو گئے تو انہوں نے حضرت اقدس علیہ السلام کی منظوری سے حضور کے صاحبزادگان اور صاحبزادیوں کو قرآن شریف ناظرہ پڑھایا اور انہی کی تعلیم کی غرض سے "یسّرنا القرآن" کا مشہور و معروف قاعدہ ایجاد کیا جس کے ذریعہ نہ صرف برِّصغیر بلکہ بیرونی ممالک کے لاکھوں اَن پڑھ لوگوں کو قرآن کریم پڑھنے کی توفیق ملی اور اِس وقت تک اسکے بہت سے ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ اِس قاعدہ کی تعریف میں حضور نے ۱۹۰۱ء میں اپنی اولاد کی آمین میں

؎ "تبلیغِ رسالت" جلد ہشتم صفحہ ۲۰

فرمایا ؎

پڑھایا جس نے اُس پر بھی کرم کر
جزا دے دین اور دُنیا میں بہتر
رہِ تعلیم اِک تُو نے بتا دی
فسبحان الّذی اخزی الاعادی

نیز اپنے قلمِ مبارک سے لکھا :-

" قاعدہ یسّرنا القرآن بچّوں کے لئے بے شک مفید چیز ہے اِس سے بہتر اَور کوئی طریقۂ تعلیم خیال میں نہیں آتا "

خلافتِ ثانیہ کے قیام پر پیر صاحب نے رسالہ "تشحیذ الاذہان" میں "پسرِ موعود" "نشانِ فضل" اور "قدرتِ ثانیہ" کے عنوان سے تین معرکۃ الآراء مضامین لکھے جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے ثابت کر دکھایا کہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ہی اشتہار ۲۰ رفروری ۱۸۸۶ء کے حقیقی مصداق اور مصلح موعود ہیں۔ یہ مضامین جن میں سے ۲ دو کتابی شکل میں بھی چھپ گئے ان مباحث کی ریسرچ میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ان کی وفات پر ایک نوٹ میں لکھا کہ "حضرت پیر صاحب کے مزاج میں تصوّف بہت غالب تھا مگر اس کے ساتھ زندہ دِلی بھی بہت تھی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفہ اوّلؓ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ساتھ خاص عقیدت رکھتے تھے۔" [1]

حضرت مصلح موعودؓ نے ان کی وفات پر فرمایا :-

" پیر منظور محمد صاحبؓ جنہوں نے قاعدہ یسّرنا القرآن ایجاد کیا تھا وہ پرسوں فوت ہو گئے ہیں۔ پیر صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُرانے صحابی تھے اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے سالے تھے ہم جتنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد ہیں پیر صاحب ان کے استاد بلکہ ہم تینوں بھائیوں اور ہماری بہن مبارکہ بیگم کو قرآن کریم پڑھانے کے زمانہ میں ہی انہوں نے قاعدہ یسّرنا القرآن ایجاد کیا تھا۔" [2]

---

[1] الفضل ۲۳ جون ۱۹۵۰ء صہ ۲ ۔ [2] الفضل ۵ جولائی ۱۹۵۰ء صہ ۵ ۔

۳۔ ڈاکٹر عبداللہ صاحبؓ آف نیروبی :- (وفات ۲۳ تبلیغ ۱۳۲۹ھش مطابق ۲۳ فروری ۱۹۵۰ء)

مشرقی افریقہ کے اوّلین صحابہ میں سے تھے۔ آپ کا نام الحکم ۱۰ اپریل ۱۹۰۱ء میں شائع شدہ ہے آپ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے اور ایک لمبے عرصہ سے نیروبی (مشرقی افریقہ) میں مقیم تھے بلکہ نیروبی کے ابتدائی آبادکاروں میں سے تھے اور اسی بناء پر احمدیہ مسجد نیروبی کی ملحقہ ذیلی سڑک کا نام نیروبی میونسپلٹی نے "احمدی روڈ" رکھا تھا۔ حضرت ڈاکٹر رحمت علی صاحب مرحوم (برادر حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ) یوگنڈا ریلوے کی تعمیر کے سلسلہ میں ابتدائی بھرتی میں جب مشرقی افریقہ گئے تھے ان کی تبلیغ کے طفیل جہاں اور کئی نیک روحوں کو احمدیت قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی وہاں مرحوم کو بھی احمدیت قبول کرنے کی توفیق ملی۔ نیروبی کی عالیشان احمدیہ مسجد کی تعمیر و چندہ جمع کرنے اور دیگر متعلقہ کاموں میں آپ نے آغاز کار ہی سے نمایاں حصہ لیا۔ علاوہ ازیں احمدیہ مسجد ٹبورا کی نہایت خوبصورت عمارت کے چندہ کی فراہمی میں بھی آپ نے بڑی محنت و کاوش سے کام کیا۔ اپنی موٹر کار پر اس بڑھاپے میں جوانوں کی طرح مختلف دیہات و قصبات میں اور دوستوں کے پاس جاتے رہے اور تحریک کر کے چندہ وصول کرنے میں مدد دیتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب ہمیشہ اپنے عزیزوں کو یہ تلقین کرتے کہ شہری زندگی کی وجہ سے اور بعض اوقات مجبوریوں کی وجہ سے بھی لوگ مہمانوں کی خدمت کماحقہٗ نہیں کر سکتے تمہارا گھر ہمیشہ مہمانوں کے لئے کھلا رہے اور مہمانوں کی خدمت سے کبھی تمہیں گریز نہیں کرنا چاہیئے۔ کانفرنسوں اور دیگر مواقع پر آپ مہمانوں کو حتی المقدور اپنے عزیزوں کے گھروں میں لے جاتے۔ باوجود بڑھاپے اور بیماری کے خود نرش پر لیٹ جاتے اور مہمانوں کو چارپائی اور بستر ادیدیتے مبلغینِ سلسلہ سے بالخصوص محبت و پیار کا سلوک کرتے اور ان کی خدمت سے خود بھی خوش ہوتے اور اپنے بچوں بچیوں کو اُن کی مہمان نوازی کی تلقین کرتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود سے آپ کو بے انتہاء محبت تھی۔ کسی کو حضور یا خاندان کے مقدس افراد اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولادِ طیبہ کے متعلق کچھ کہتے سُنتے تو نہایت سختی سے اس کا مقابلہ کرتے اور اس کا بہترین جواب پیش کرتے اور ہمیشہ جماعت اور اپنے عزیزوں کو فتنہ پردازوں کی شرارتوں کے متعلق اصل حالات بتا کر آگاہ کر دیتے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم انقلابِ ہندوستان اور ہجرتِ قادیان کے وقت قادیان میں تھے۔ اُن دنوں ڈاکٹر صاحب کے مُنہ سے اکثر خدا تعالیٰ سے خطاب کرتے ہوئے یہ الفاظ نکلتے کہ "یا الٰہی تُو قادیان میں ہی وفات دے دے"۔ لیکن جب سلسلہ کے نظام کے ماتحت آپ کو قادیان سے ہجرت کرکے پاکستان آنا پڑا تو آپ جنابِ الٰہی میں یہ عرض کرنے لگے کہ اگر قادیان میں میری وفات مقدر نہیں تو افریقہ کی سرزمین ہی میں لے چلیں۔ مرحوم کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کی وفات نیروبی میں ہوئی اور احمدیہ قبرستان نیروبی میں سپردِ خاک کئے گئے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب موصی تھے اور مقامی اور مرکزی تحریکوں میں سرگرم حصہ لیتے تھے۔ بہت سے نیک کام کئے۔ طبیعت میں خاص مزاح تھا اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے۔ بچے، جوان اور بوڑھے سب ہی ان کی مجلس اور گفتگو سے حظ اُٹھاتے۔ نیروبی کے ہر قوم کے لوگ جو اُن کے واقف تھے، انہیں بہت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے[1]

۴۔ صاحبزادہ حکیم خواجہ کرم داد صاحبؓ سابق حکیم شاہی ریاست جموّں و کشمیر متوطن جنگا بنگیال ضلع راولپنڈی

(ولادت قریباً ۱۸۳۵ء۔ وفات ۲۰ امان ۱۳۲۹ھش مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۵۰ء بعمر ۱۱۵ سال)

حکیم صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی اور حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے شاگرد بھی تھے اور آپ کے ساتھ بہت عرصہ دربارِ کشمیر میں ملازم رہ چکے تھے اور اکثر چشم دید حالات جو نہایت ایمان افروز ہوتے سُنایا کرتے تھے۔ پیرانہ سالی کے باوجود نماز پنجگانہ کو بالالتزام ادا کرتے اور ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرتے۔ تبلیغ کے بہت شائق تھے اور اکثر مریضوں اور ملنے والوں کو تبلیغ کرتے اور اشتہارات یا کتبِ سلسلہ بھی تقسیم کرتے رہتے تھے۔ آپ سلسلہ پر نہایت سچا ایمان رکھنے والے اور مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کا بے حد ادب و احترام کرنے والے بزرگ تھے۔ ۱۳۲۷ھش / ۱۹۴۸ء کو حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانیؓ کراچی تشریف لائے تو انہوں نے نظر کمزور ہونے کی وجہ سے اپنے نواسہ چوہدری فیض عالم خاں صاحب کو ساتھ لیا اور نمازِ جمعہ کے بعد حضور سے مصافحہ کیا اور بہت خوشی ظاہر کی۔

---

[1] الفضل ۱۹ امان ۱۳۲۹ھش / مارچ ۱۹۵۰ء صفحہ ۵ (ملخصاً از مضمون مولانا شیخ مبارک احمد صاحب سابق رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ)

انہی دنوں آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں سب سے اچھی بات کونسی دیکھی؟ فرمایا:۔

"مَیں نے سب سے اچھی بات اُس وقت یہ دیکھی کہ صحابہ مسیح موعود علیہ السلام میں ہر وقت ایک یہ جذبہ موجزن رہتا تھا کہ حضور علیہ السلام کی طرف سے کوئی حکم یا خدمت ملے تو وہ عاشقوں کی طرح اس کو کرنے کو تیار رہتے تھے اور ہر صحابی کا یہی خیال بلکہ خواہش اور تڑپ ہوتی تھی کہ یہ خدمت مجھے دی جائے اور اِس کام کے کرنے کا مجھے ہی شرف حاصل ہو اور یہ ان میں ایک والہانہ جذبہ تھا جو صحابہ میں سب سے اچھا مجھے نظر آیا۔" [۱]

۵۔ حضرت سیّد محمد قاسمؓ میاں بخاری شاہجہانپوریؓ[۲]:- (بیعت ۱۸۹۴ء۔ زیارت اکتوبر ۱۸۹۹ء[۳]۔ وفات ۲۹؍۱۳۲۹ھ/ ۱۹۵۰ء بعمر ۸۱ سال قریباً)

حضرت سیّد محمد قاسم صاحب اُن عشاقِ احمدیت میں سے تھے جن کو قادیان دارالامان میں بار بار آنے اور اس کی برکات سے بہت مستفید ہونے کا موقع ملا۔

آپ نے ۲۳؍ستمبر ۱۹۳۹ء کو اپنی چشم دید روایات بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

(۱) "مَیں نے حضور (حضرت مسیح محمدی علیہ السلام۔ ناقل) کی خدمت میں دو سوال کئے تھے ایک تو رشتہ کے متعلق تھا اور ایک نماز کے بارہ میں۔ نمازِ عشاء میں وتر کے متعلق سوال تھا کہ وتر کیسے پڑھے جاویں؟ آپ نے فرمایا کہ وتر کہتے ہیں دو کے اُوپر جو ایک ہوتا ہے اور ایسے تین ہو جاتے ہیں اِس لئے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرنے کے بعد پھر کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھنی چاہیئے۔

دوسرا سوال رشتوں کے متعلق تھا۔ مَیں چونکہ سادات خاندان سے ہوں مجھے اور میرے والد صاحب کو قومیت کا بہت خیال تھا مگر یہاں یہ کہا گیا کہ کوئی امتیاز نہیں۔ یہ بات میرے والد کے لئے گراں تھی مَیں نے حضورؑ سے عرض کی کہ اس کے متعلق یہ مشکلات ہیں تو حضورؑ نے یہ فرمایا کہ ہمارا یہ منشاء نہیں ہے کہ امتیاز مٹایا جائے بلکہ اس کے اُوپر ضد یا ہٹ کر کے مُصر نہ ہونا چاہیئے۔ اور

---

[۱] الفضل ۳۰؍مارچ ۱۹۵۰ء صفحہ ۶ (ملخصاً)۔ [۲] والد ماجد سیّد محمد ہاشم صاحبؓ بخاری مبلغ غانا و سیرالیون
[۳] "روایات صحابہ" (غیر مطبوعہ) جلد ۱۱ صفحہ ۲۲۰، ۲۲۱۔ [۴] نام سیّد محمد تقی میاں صاحب۔

ہماری جماعت میں سیّد بھی ہیں آپ ان سے رشتہ کر سکتے ہیں۔ ہاں اگر سیّد نہ ملیں تو سیّد پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔

(۲) مَیں مسلسل چالیس سال سے جلسہ میں شرکت کر رہا ہوں ایک ناغہ بھی نہیں کیا۔

(۳) جب دوا "تریاقِ الٰہی" تیار ہوئی تو میری خواہش پر حضرت صاحب نے مجھے بھی کچھ دیا اور کچھ کونین بھی عطا فرمائی تھی۔

(۴) ایک کُرتہ حضرت امّ المومنین رضؓ نے حضرت صاحب کا عطا فرمایا تھا جو اِس وقت میرے لڑکے سیّد محمد ہاشم خاں بخاری کے پاس محفوظ ہے۔ حضرت صاحب نے مجھے براہین احمدیہ کے پہلے چاروں حصّے خود اپنے دستِ مبارک سے عطا فرمائے تھے۔ حقیقۃ الوحی بھی آپ کی عطیہ میرے پاس ہے۔ تریاق القلوب، تحفہ گولڑویہ اور خطبہ الہامیہ عطا فرما کر حضور نے فرمایا تھا کہ اِن کتابوں کو ایک جلد میں کر لینا۔ ریویو اُردو بھی حضور نے ہی میرے نام جاری فرمایا تھا۔ ایک سال کے بعد مَیں خریدار بن گیا۔"[۱]

آپ کی وفات پر حضرت مصلح موعودؓ نے ۳۰ احسان ۱۳۲۹ھش / جون ۱۹۵۰ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"قاسم میاں اکثر قادیان آتے رہتے تھے اور دیر دیر تک قادیان رہا کرتے تھے۔ حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے۔ ہندوستان کے گذشتہ فسادات میں جو تباہی مسلمانوں پر آئی اس کا صدمہ ان پر گراں گذرا اور اسی صدمہ کی وجہ سے وہ نڈھال ہو گئے اور فوت ہو گئے۔"[۲]

۶۔ حضرت بابا محمد حسن صاحبؓ[۳]:۔

(بیعت ۱۸۹۸ء یا ۱۸۹۹ء ۔ وفات ۲۰ وفا ۱۳۲۹ھش مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۵۰ء بعمر اسّی سال)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے "موصی ۱ بابا حسن محمد صاحب بھی چل بسے" کے عنوان سے مندرجہ ذیل نوٹ سپردِ قلم فرمایا جس سے حضرت بابا صاحب کے حالات و سوانح اور شمائل و خدمات پر مختصر مگر بلیغ روشنی پڑتی ہے۔ فرمایا:۔

"بابا صاحب مرحوم اوجلہ ضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے اور صحابیوں کی ایک خاص پارٹی

---

[۱] "روایات صحابہ" جلد ۱۱ صفحہ ۲۲۰، ۲۲۱ (غیر مطبوعہ)۔ [۲] الفضل ۵ جولائی ۱۹۵۰ء صفحہ ۵۔

[۳] والد ماجد مولانا رحمت علی صاحبؓ مجاہد جاوا و سماٹرا۔ اصل نام محمد حسن ہی ہے (درکارڈ بہشتی مقبرہ)

کے رُکن تھے جو چھ مخلصین پر مشتمل تھی یعنی ایک تو بابا صاحب مرحوم کے قریبی عزیز میاں عبدالعزیز صاحبؓ مرحوم اور منشی امام دین صاحبؓ مرحوم اور دوسرے سیکھواں متصل قادیان کے تین مشہور و معروف بھائی یعنی میاں جمال الدین صاحب مرحوم اور میاں امام الدین صاحب مرحوم اور میاں خیر دین صاحب مرحوم ان چھ بزرگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر اوائل زمانہ ہی میں بیعت کی اور پھر آخر تک بیعت کے عہد کو نہایت اخلاص اور استقلال کے ساتھ نبھایا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ان کا قادیان میں آنا جانا بھی اکثر اکٹھا ہوا کرتا تھا۔ ان میں سے میاں عبدالعزیز صاحب مرحوم نے ایک رات قیام گورداسپور کے دَوران میں جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیمار تھے حضور کی اِس رنگ . . . میں خدمت کی اور ساری رات اِس طرح جاگ کر کاٹی کہ بعد میں حضورؑ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا کا ہم پر کتنا فضل ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب کے واقعہ پر اپنے حواریوں کو بار بار دعا کے لئے جگاتے تھے اور وہ پھر بھی بار بار سو جاتے تھے مگر ہم نے منشی عبدالعزیز صاحبؓ کو بار بار سونے کے لئے کہا مگر وہ پھر بھی اپنے اخلاص میں ایک منٹ کے لئے بھی نہیں سوئے اور ساری رات خدمت میں لگے رہے۔ بہر حال بابا حسن محمد صاحب مرحوم جو مولوی رحمت علی صاحب مبلغ جاوا کے والد تھے اس مقدس شش ممبر پارٹی کے رُکن تھے جنہوں نے اوائل میں ہی احمدیت سے مشرف ہونے کی سعادت پائی اور پھر ان کی زندگی کا ہر نیا دن انہیں خدا سے قریب تر کرتا گیا۔ افسوس کہ ایسے مخلص صحابیوں سے ہماری جماعت بڑی سُرعت کے ساتھ محروم ہوتی جارہی ہے اور نئی پَود میں سے اکثر نے ابھی تک وہ درسِ وفا نہیں سیکھا جس کے بغیر خدائی جماعتیں دُنیا پر چھا نہیں سکتیں۔

بابا حسن محمد صاحب نے قریباً اپنی ساری عمر وعظ و نصیحت اور قرآن شریف پڑھنے پڑھانے میں گذاری اور ان کے وعظ کا طریق بھی ایسا دلکش ہوتا تھا کہ سُننے والے دیہاتی لوگ اس سے بہت محظوظ ہوتے تھے اور فائدہ اٹھاتے تھے اور میرے خیال میں ان سے غالباً سینکڑوں عورتوں نے قرآن شریف پڑھا اور دینی مسائل سیکھے ہوں گے حتّٰی کہ جب وہ آخری ایام میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چنیوٹ میں مقیم ہوئے تو کئی غیر احمدی عورتیں بھی ان کے درس میں شامل ہوتی تھیں اور مَیں نے سُنا ہے کہ وہ ان کی وفات پر اس طرح روتی تھیں جس طرح ایک نیک اور شفیق باپ کی موت پر سعادت مند بچے روتے ہیں لیکن غالباً بابا صاحب مرحوم کا سب سے بڑا امتیاز یہ تھا کہ انہیں

موصیوں میں سے موصی ۵۳ ہونے کا شرف حاصل ہوا کیونکہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۹۰۶ء کے شروع میں رسالہ الوصیت لکھ کر وصیت کی تحریک فرمائی تو اس تحریک پر سب سے اول نمبر پر لبیک کہنے والے بابا حسن محمد صاحب مرحوم ہی تھے اور ان کی وصیت کا ۵۳ درج ہوا اور دوسرا امتیاز ان کا یہ ہے کہ ان کے اکلوتے فرزند مولوی رحمت علی صاحب کو سمندر پار فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کا سب دوسرے مبلغوں سے زیادہ لمبا موقع ملا ہے کیونکہ انہوں نے غالباً ۲۵ سال سے زیادہ جاوا، سماٹرا میں تبلیغ کی سعادت حاصل کی ہے اور ظاہر ہے کہ اولاد کی نیکی میں مومن باپ کا بھی ضرور حصہ ہوتا ہے۔"[1]

حضرت باباصاحبؓ کی روایات جو انہوں نے ۳۰، ۳۱ دسمبر ۱۹۳۷ء کو قادیان میں چوہدری عبدالستار صاحب بی۔ اے (آنرز) ایل ایل بی کے سامنے بیان فرمائیں الفضل (مورخہ ۲۳ تا ۲۸ تبوک ۱۳۲۹ھ / ستمبر ۱۹۵۰ء) میں چھپ چکی ہیں اور بہت ایمان پرور ہیں۔

۷۔ حضرت ماسٹر مولا بخش صاحبؓ متوطن موضع منیلہ تحصیل روپڑ ضلع انبالہ:۔

(ولادت ۱۸۷۶ء۔ بیعت ۱۹۰۳ء۔ زیارتِ قادیان ستمبر ۱۹۰۵ء۔ وفات ۹ ظہور ۱۳۲۹ھ مطابق ۹ اگست ۱۹۵۰ء)

حضرت ماسٹر صاحب کو داخلِ احمدیت ہونے کی تحریک مرزا خدا بخش صاحب کی کتاب "عسلِ مصفّٰی" سے ہوئی جو انہیں مولوی محمد تقی صاحب سنوری، مدرس سرہند کے ہاں ملی تھی۔ آپ ۱۹۰۵ء سے حضور کے وصال تک ہر سال موسمی تعطیلات میں ایک ماہ حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ آپ کی روایت ہے کہ:۔

"مَیں ایک دفعہ قادیان آیا ہوا تھا غالباً ستمبر کا مہینہ تھا سن مجھے یاد نہیں مسجد مبارک بڑھ چکی تھی صبح آٹھ بجے کا وقت ہوگا مَیں اکیلا ہی مسجد مبارک میں ٹہل رہا تھا کہ حضورؑ اندر سے تشریف لے آئے میں نے مصافحہ کیا۔ حضورؑ مسجد مبارک کے پُرانے حصّہ میں بیٹھ گئے۔ اندر کی سیڑھیوں سے حضرت مولوی

---

[1] الفضل ۲۵ وفا ۱۳۲۹ھ / جولائی ۱۹۵۰ء صفحہ ۶ ۔ [2] پروفیسر عطاء الرحمٰن صاحب طاہر مرحوم پروفیسر جامعہ نصرت ربوہ اور مولوی عبدالقادر صاحب ضیغم سابق مبلغ امریکہ آپکے صاحبزادے اور مولوی حافظ بشیر الدین عبید اللہ صاحب مبلغ ماریشس و بلاد عربیہ آپ کے داماد ہیں۔

نورالدین صاحبؓ اور ڈاکٹر یعقوب بیگ بھی آگئے حضورؑ ان سے باتیں کرنے لگے میں حضور کے ہاتھ دبانے لگا۔ دباتے دباتے جب میرے ہاتھ دائیں ہاتھ کے پنجہ کے قریب تھے تو حضورؑ کو یکدم جھٹکا لگا اور حضور کا سارا جسم ہل گیا۔ حضور فوراً ہی اندر تشریف لے گئے پھر کوئی بات نہیں کی۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اوّل فرمانے لگے کہ اب وحی کے نزول کا وقت ہے"۔

خلافتِ ثانیہ کے بابرکت دَور میں جن بزرگ صحابہ کو عرصہ دراز تک مرکزِ سلسلہ میں تعلیمی خدمات بجا لانے کا موقع میسّر آیا ان میں حضرت ماسٹر صاحب موصوف کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ آپ ۱۹-۱۹۱۸ء میں سپیشل ٹیچر کی حیثیت سے مدرسہ احمدیہ کے سٹاف میں شامل ہوئے[1] اور لمبی مدّت تک اس مرکزی ادارہ سے منسلک ہو کر نونہالانِ احمدیت کو اپنے علم سے فیضیاب کرتے رہے۔ دارالہجرت ربوہ میں ۲۱ اخاء ۱۳۲۸ھش / اکتوبر ۱۹۴۹ء کو لوئر مڈل سکول جاری کیا گیا جس کے آپ پہلے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔

حضرت مصلح موعود، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ اور حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحبؓ کے جن صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کے آپ استاد تھے اُن میں سیّدنا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ) اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب بھی شامل ہیں۔

حضرت ماسٹر صاحب تحریکِ جدید کے دفتر اوّل کے مجاہد تھے۔ قرآن مجید سے عاشقانہ تعلق اور لگاؤ تھا نمازوں اور تہجّد کے باقاعدگی سے پابند تھے اور حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کی طرح اکثر نمازیں محلہ دارالعلوم (قادیان) سے چل کر مسجد مبارک میں ادا کیا کرتے تھے۔ خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے فدائی تھے۔ اکرامِ ضیف کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ ہر ایک شخص سے نہایت خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے۔ آپ کے دِل میں بزرگوں کا احترام اور خدمتِ خلق کا جذبہ کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہؤا تھا۔ غایت درجہ صابر و شاکر اور قانع بزرگ تھے دستِ سوال دراز کرنا اُن کی طبیعت کے خلاف تھا۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد ٹیوشن کرکے اپنے بیٹوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی اور انہیں سلسلہ احمدیہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ آخر عمر میں نحیف اور بوڑھا ہونے کے باوصف غیر معمولی ہمّت و استقلال سے کئی کئی گھنٹے تک نہایت بشاشت سے مسلسل کام کیا کرتے تھے اور

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۱۸ء - ۱۹۱۹ء صفحہ ۴۲ مرتبہ حضرت خلیفہ ڈاکٹر رشید الدین صاحب ایل ایم ایس ٹرسٹی و جنرل سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ۔ مطبوعہ انوار احمدیہ پریس قادیان۔

فرمایا کرتے تھے کہ مجھے فارغ بیٹھنا دوبھر معلوم ہوتا ہے اور مَیں کام میں خوش رہتا ہوں۔ دن کو سونا پسند نہیں کرتے تھے اور اسے سستی کی علامت سمجھتے اور فرماتے تھے کہ سُست آدمی اکثر بیمار رہتا ہے اور مَیں ساری عمر میں دو ایک مرتبہ کے سوا کبھی بیمار نہیں ہوا۔

۹ ماہِ ظہور ۱۳۲۹ھش / اگست ۱۹۵۰ء کو ملک عمر علی صاحب کھوکھر رئیس ملتان کے ہمراہ کوئٹہ سے واپس آکر ملک صاحب کے آبائی گاؤں کی طرف تشریف لے جا رہے تھے کہ ملتان اور لودھراں اسٹیشن کے درمیان ریل گاڑی میں ہی حرکتِ قلب بند ہو جانے سے وفات پائی۔ ۲۰ اخاء ۱۳۲۹ھش / اکتوبر ۱۹۵۰ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے جمعہ کے خطبہ ثانیہ کے بعد آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ماسٹر مولا بخش صاحبؓ ان بزرگوں میں سے تھے جو استثنائی ہوتے ہیں۔ باوجود اندھے ہو جانے کے اُن کا پڑھانے کا شوق نہیں جاتا تھا۔ ان کی عمر ۸۰ سال سے اُوپر ہوگی کیونکہ مجھے خیال پڑتا ہے کہ وہ بیس پچیس سال سے ریٹائر ہو چکے تھے۔ وہ ہمیشہ پڑھاتے رہتے تھے۔ جہاں بھی خدمت کا کوئی موقع نکلتا وہ اپنے آپ کو اس کے لئے پیش کر دیتے۔ باوجود زور دینے کے مَیں نے دیکھا ہے کہ وہ پیسے نہیں لیتے تھے میری بچیوں کو بھی انہوں نے پڑھایا ہے مگر باوجود زور دینے کے انہوں نے پیسے نہیں لئے بعض دفعہ میری طبیعت پر یہ امر گراں بھی گذرتا تھا لیکن وہ ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ مَیں ثواب کی خاطر یہ کام کروں گا حالانکہ مَیں جانتا ہوں کہ ان کی مالی حالت بہت کمزور تھی۔ اِس دفعہ وہ کوئٹہ گئے تو انہیں دیکھ کر مجھے رحم آگیا.... یہ لوگ ہیں جو شہید کہلانے کے مستحق ہیں۔ ۷۵، ۸۰ سال کی عمر تھی نظر اتنی کمزور کہ مَیں بات کرتا تھا تو پہچانتے تھے لیکن پڑھانے کے لئے وہ ہر جگہ چلے جاتے تھے۔ ممکن ہے وہ کسی سے کچھ لے بھی لیتے ہوں لیکن عام خیال تھا کہ وہ مُفت ہی پڑھاتے ہیں حالانکہ ان کا گذارہ بہت حقیر تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ جماعت میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جن پر فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ [1] کی آیت صادق آتی ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے فرائض ادا کر دیئے ہیں اور کچھ اپنے فرائض کو ادا کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔" [2]

---

[1] احزاب: ۲۴

[2] مفصّل حالات ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے نے رسالہ "اصحابِ احمد" مئی و جولائی و نومبر ۱۹۵۵ء میں شائع کر دیئے ہیں مندرجہ بالا اقتباسات و معلومات بھی اسی سے ماخوذ ہیں۔

۸۔ حضرت ڈاکٹر محمد طفیل صاحبؓ بٹالوی :۔ (ولادت ۱۸۸۳ء، بیعت ۱۹۰۱ء، وفات ۲۰ ماہ ظہور ۱۳۲۹ھش / اگست ۱۹۵۰ء)

حضرت ڈاکٹر صاحبؓ کے مختصر حالات تاریخ احمدیت جلد سوم میں ۱۹۰۱ء کے ممتاز صحابہ کے ضمن میں آ چکے ہیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت ماسٹر مولا بخش صاحبؓ اور آپ کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا :۔

"یہ دونوں بزرگ بہت نیک اور مخلص اصحاب میں سے تھے جو عرصہ ہوا اپنے وطنوں سے ہجرت کر کے قادیان میں آباد ہو چکے تھے اور پھر گذشتہ انقلاب کے نتیجہ میں قادیان سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے اور دونوں کو سلسلہ کے محکمہ تعلیم میں کافی خدمت کا موقع میسر آیا اور حسنِ اتفاق سے دونوں بالآخر مدرسہ احمدیہ سے (جو سلسلہ کی ایک مخصوص دینی درسگاہ ہے) اپنی ملازمت کا عرصہ پورا کر کے ریٹائر ہوئے مگر اس ریٹائرمنٹ کے بعد بھی ان کی خدمت کا سلسلہ جاری رہا چنانچہ ماسٹر مولا بخش صاحب مرحوم حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کے چھوٹے بچوں اور ہمارے خاندان کے دوسرے بچوں کو پرائیویٹ ٹیوٹر کی حیثیت میں پڑھاتے رہے اور ماسٹر محمد طفیل صاحب مرحوم کو جلسہ سالانہ کے ایام میں سلسلہ کے مہمانوں کی خدمت کا نمایاں موقع ملتا رہا۔ دونوں اصحاب موصی تھے اور نماز اور دیگر اعمالِ صالحہ کے بجا لانے میں خوب چوکس اور مستعد تھے۔" [۱]

۹۔ حضرت مولانا محمد امیر صاحبؓ آف آسام [۲] :۔ (ولادت اندازاً ۱۸۵۴ء۔ وفات ۳ تبوک ۱۳۲۹ھش مطابق ۳ ستمبر ۱۹۵۰ء بعمر ۹۶ سال)

حضرت مولانا صاحب علاقہ آسام میں احمدیت کے ستون اور بڑے جوشیلے مخلص اور بہادر احمدی تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ۱۸۸۵ء میں پہلا تبلیغی [۳] اشتہار جو انگریزی اور اردو میں شائع ہوا تھا حضرت امام الواعظین مولوی غلام امام صاحبؓ منی پوری [۴] کے ذریعہ آپ کے ہاتھ لگا اشتہار کا پڑھنا تھا کہ آپ کا چہرہ روشن ہو گیا اور آپ نے بلا تامّل بیعت کا خط حضرت اقدسؑ کی خدمت میں لکھ دیا۔

---

[۱] الفضل ۸ تبوک ۱۳۲۹ھش / ستمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۴ زیرِ عنوان "دو مخلصین کی وفات" [۲] والد ماجد خان بہادر محمد عطاء الرحمٰن صاحب سابق ہوم سیکرٹری حکومتِ آسام۔ [۳] تفصیل تاریخ احمدیت جلد دوم میں آ چکی ہے۔

[۴] ۳۱۳ صحابہ کبار میں سے تھے۔ آپ کا نام ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴۲ پر مندرج ہے۔

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں مدّت سے مسیح موعود اور مہدی معہود کی آمد کا منتظر تھا کیونکہ مجھے تفہیم ہوئی تھی کہ یہ زمانہ امام الزمان کے نزول کا مقتضی تھا میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مسیح موعود علیہ السلام کا ظہور میری زندگی میں ہوا اور ان کو قبول کرنے کی توفیق ملی۔

ربِّ جلیل کے قائم کردہ پاک سلسلہ میں شامل ہونے کے بعد آپ پر مصائب کے بادل چھا گئے اور آپ کو زمانہ دراز تک دنیاوی مشکلات اور صعوبتوں کو برداشت کرنا پڑا مگر آپ ہر ابتلاء پر ثابت قدم رہے اور ہر فتنہ کے موقع پر نہ صرف یہ کہ آپ خود ایک مضبوط چٹان کی طرح حق و صداقت پر قائم رہے بلکہ اپنے وعظ و تبلیغ کے نتیجہ میں قریباً دوسو اشخاص کو تحریکِ احمدیت سے وابستہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔

حضرت مولوی صاحبؓ ایک عالمِ متبحّر تھے۔ قرآن کریم سے ان کو عشق تھا اور خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ان کو فہمِ قرآن کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ مشکل سے مشکل مقامات کو دعاؤں کے ذریعہ حل کر لیتے تھے اور سلسلہ کے بعض بزرگوں کی تفاسیر سے توارد ہو جاتا تھا۔ سلسلہ عالیہ کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو انہوں نے مطالعہ نہ کی ہو۔ عمر کے آخری دو سال میں آپ کی بینائی بالکل کمزور ہو گئی تھی اور مطالعہ ناممکن ہو گیا تھا پھر بھی اخبارات سلسلہ اور تازہ تالیفات و تصنیفات اپنی بیٹیوں سے سُنا کرتے تھے۔ درّثمین سے تو آپ کو ایک بے نظیر عشق تھا۔ بصارت کی کمزوری کے اس زمانے میں بھی درثمین آپ کے تکیہ کے نیچے رکھی رہتی تھی۔ آنکھوں پر زور ڈال کر اشعار یاد کرنا آپ کا محبوب شغل تھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ درّثمین میری کمزوری کے لئے ٹانک اور میری بیماری کے لئے دوا اور رُوحانی غذا ہے۔ آخری دِنوں میں بار بار وقت پوچھا کرتے تا کوئی نماز فوت نہ ہو جائے یہاں تک کہ آخری رات تہجّد اشارے سے پڑھی۔

آپ رؤیا صالحہ کی نعمت سے بھی مستفیض تھے اور تعبیریں بتایا کرتے تھے اور صاحبِ الہام بھی تھے گو وہ اپنے الہاموں کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ [1]

۱۰۔ خواجہ عبد الرحمٰن صاحبؓ رینج آفیسر امیر جماعتِ احمدیہ کشمیر (آسنور) (زیارتِ قادیان):-

[1] الفضل ۱۳ اخاء ھ ۱۳۲۹ش / اکتوبر ۱۹۵۰ء ص ۴۔

سنہ ۱۹۰۱ء۔ وفات ۸ فتح ۱۳۲۹ ھش / دسمبر ۱۹۵۰ء)

خواجہ صاحب کشمیر میں احمدیت کی جیتی جاگتی تصویر تھے سنہ ۱۹۰۱ء میں اپنے والد میاں حبیب اللہ صاحب کے ساتھ قادیان دارالامان میں گئے اور تعلیم الاسلام ہائی سکول میں داخل ہوئے اور میٹرک تک تعلیم بھی اس مرکزی ادارہ سے پائی اور حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی بابرکت مجالس میں بھی شامل ہوئے۔ آپ کی متعدد چشم دید روایات حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اپنی کتاب "سیرت المہدی" حصہ دوم و سوم میں درج فرمائی ہیں[۱]۔

فسادات ۱۹۴۷ء کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے خواجہ صاحب موصوف کو مقبوضہ کشمیر کی تمام احمدی جماعتوں کا پہلا امیر مقرر فرمایا اور آپ اس قومی خدمت کی بجا آوری کے لئے صبح وشام سرگرم عمل ہو گئے۔ جماعتی کاموں کے سلسلہ میں آپ مختلف جماعتوں کا دورہ ختم کر کے سرینگر پہنچے تو بیمار ہو گئے اسی حالت میں اپنے گاؤں آسنور لائے گئے اور ڈیڑھ ماہ بعد واصل بحق ہو گئے[۲]۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے آپ کی وفات پر حسبِ ذیل نوٹ لکھا:۔

"مَیں اِس عزیز کو اُس وقت سے جانتا تھا جب کہ وہ چھوٹی عمر میں قادیان کے ٹی آئی ہائی سکول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ مَیں اُس وقت اس سکول کا ہیڈ ماسٹر تھا اور خواجہ صاحب مرحوم سکول کے بورڈنگ میں رہتے تھے۔ بلحاظ سکول اور بورڈنگ کا افسر ہونے کے مجھے ان کے حالات اور اخلاق دیکھنے کا بہت اتفاق ہوتا رہا۔ مرحوم ایک نہایت ہی نیک اور شریف طالبِ علم تھے کبھی کسی کے ساتھ اُن کا کوئی جھگڑا نہ ہوا۔ اپنے استادوں کا اتنا ادب کرتے تھے کہ سب اُن سے خوش رہتے تھے۔ اس کے بعد جب وہ اپنے وطن جا کر ملازم ہو گئے تب بھی اُن سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا سلسلہ احمدیہ کی صداقت کا ان کو طبعاً ایک جوش تھا اور نہایت اخلاق کے ساتھ وہ دوسروں پر اپنا نیک اثر ڈالتے تھے خدا تعالیٰ کی توحید اور محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور حضرت مرزا صاحبؑ کی مسیحیت اور مہدویت پر ان کو صدقِ دل سے ایمان تھا اور اُن کی طبیعت میں یہ جوش تھا کہ خدا تعالیٰ کی توحید کشمیر میں اور تمام ملکوں میں پھیل جائے اور قائم ہو جائے اور سب لوگ شرک کو ترک کر کے توحید پر قائم ہو جائیں۔ انکی

---

[۱] "سیرت المہدی" حصہ دوم صفحہ ۲۸-۲۹-۳۰، حصہ سوم صفحہ ۲۴-۳۰-۳۴-۶۸-۷۱؛ [۲] الفضل ۲۶ دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۵ (مضمون خواجہ عبدالغفار صاحب ڈار سابق ایڈیٹر اخبار "اصلاح" سرینگر حال راولپنڈی)

وفات کا مجھے بہت افسوس ہوا کیونکہ اُن کی بیماری کی کوئی خبر نہیں آئی تھی اور ان ایام میں وہ میرے دو[2] پوتوں کی خبر گیری کرتے تھے جو میرے بیٹے مفتی منظور مرحوم کی وفات کے بعد کشمیر میں رہ گئے تھے اور سیاسی انقلابات کے سبب ان کا میرے پاس آنا ایک مدت تک نہ ہو سکا۔ خواجہ صاحب مرحوم ہر طرح سے اُن کی تعلیم و تربیت اور پرورش کی طرف متوجہ رہے اور مَیں انہیں بچّوں کی ضرورت کے مطابق خرچ بھیجتا رہا۔ مرحوم نے اپنے بیٹوں[1] کو تعلیم و تربیت کے واسطے قادیان بھیج دیا تھا اور تب سے اُن کے دو لڑکے پاکستان میں مقیم ہیں اور نیکی میں اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں... جب مَیں نے اپنی کتاب میں شائع کرنے کے لئے سری نگر میں قبرِ مسیح کا فوٹو لیا[2] تو مرحوم بھی میرے ساتھ اُس فوٹو میں شامل تھے اور میری کتاب کی تصنیف کے کام میں مجھے امداد دیتے رہے۔"[3]

اِن اکابر صحابہ کے علاوہ میاں رمضان علی صاحبؓ جھنگ کا بھی اسی سال انتقال ہوا۔ میاں صاحب نے لکھوکے مدرسہ دینیہ میں تعلیم کے دَوران مخالف علماء سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تذکرہ سُنا اور تحقیقات شروع کر دی اور بالآخر داخلِ احمدیت ہوگئے۔ آپ لدھیانہ اسٹیشن پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ چنانچہ آپ کا بیان ہے:-

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام... سیکنڈ کلاس میں تشریف رکھتے تھے۔ ریل کا ڈبّہ ریزرو نہیں کرایا ہوا تھا۔ اس وقت ایک گھنٹہ تک وہ گاڑی لدھیانہ اسٹیشن پر کھڑی رہی۔ اس وقت گاڑی کے اندر مَیں نے حضرت صاحب کی بیعت کی۔ بہت سے ہندو اور مسلمان سٹیشن پر کھڑے ہوگئے تھے تاکہ آپؑ کی زیارت کر سکیں اور پلیٹ فارم کھچا کھچ بھر گیا۔"

---

[1] آپ کی اولاد:- میر محمد عبداللہ صاحب۔ میر عبدالسلام صاحب۔ میر عبدالوہاب صاحب۔ امۃ الرحیم صاحبہ۔ امۃ الرحمٰن صاحبہ۔ امۃ اللہ صاحبہ ÷ [2] یہ ۱۹۳۵ء کا واقعہ ہے ÷ [3] الفضل ۳ صلح ۱۳۳۰ھش/ جنوری ۱۹۵۱ء صفحہ ۶ کالم ۱۔ حضرت مفتی صاحبؓ کی یہ کتاب "تحقیق جدید متعلق قبر مسیح" کے نام سے بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان نے اکتوبر ۱۹۳۶ء میں ڈیڑھ ہزار کی تعداد میں شائع کی۔ کتاب کے صفحہ ۹۲ تا صفحہ ۹۵ میں اُن عبرانی الفاظ کی فہرست درج ہے جو کسی نہ کسی پہلو سے کشمیری زبان میں مستعمل ہیں۔ یہ فہرست خواجہ عبدالرحمٰن صاحبؓ ہی نے تیار کی تھی۔

(خواجہ صاحبؓ کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ احمدیت کشمیر" صفحہ ۳۴، صفحہ ۳۵ مولفہ جناب قریشی محمد اسداللہ صاحب فاضل مربی سلسلہ احمدیہ مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ ۱۳۵۲ھش/ ۱۹۷۳ء)

آپ نے ۱۹۲۶ء میں ملازمت سے سبکدوش ہونے پر قرآن شریف مکمل حفظ کیا اور صحاح ستہ مطالعہ کیں۔ آپ کو مسائلِ دینیہ خصوصاً احادیث، کتبِ سلسلہ اور ثنائی لٹریچر پر خاصا عبور تھا۔ پابند صوم وصلوٰۃ، شب بیدار اور جماعت کے مالی جہاد میں باقاعدگی سے حصہ لیتے تھے اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے دلی محبوں میں شامل تھے[۱]۔ آپ جھنگ میں مدفون ہیں[۲]۔

فصل ہفتم

۱۳۲۹ھش / ۱۹۵۰ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

صاحبزادہ محمد اکرم خاں صاحبؓ کی شہادت

اس سال کے شروع کا ایک المناک واقعہ چارسدہ ضلع پشاور کے رئیس اور مخلص احمدی صاحبزادہ محمد اکرم خاں صاحبؓ کا واقعۂ شہادت ہے جو ۱۰ ماہِ صلح/جنوری کو پیش آیا۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ میں اِس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

"وہ ۶۷ سال کی عمر کے تھے اور ایک رئیس خاندان میں سے تھے۔ یہ وہی ہیں جن کے متعلق ان کے بھائی نے بیان کیا تھا کہ ہم نے ایک اٹھنی احمدیوں کو دے دی ہے اور ایک اٹھنی غیر احمدیوں کو۔ یہ پہلے پیغامی جماعت کے ساتھ تھے بعد میں مبائعین میں شامل ہو گئے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی شہادت میں بعض مولویوں کا ہاتھ ہے لیکن ممکن ہے یہ غلط ہو کیونکہ پٹھانوں میں چھوٹی سے چھوٹی رنجش پر بھی ایک دوسرے کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ بہرحال وہ نہایت مخلص اور جوشیلے احمدی اور مبلغ تھے۔"[۳] [۴]

---

[۱] اصحابِ احمد جلد دہم صفحہ ۱۶۸، صفحہ ۱۶۹ (مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے۔ ناشر احمدیہ بک ڈپو ربوہ ۱۹۶۱ء)

[۲] ماسٹر سعد اللہ خاں صاحب ٹیچر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ آپ ہی کے فرزند ہیں۔ [۳] الفضل ۱۶ تبلیغ ۱۳۲۹ھش صفحہ ۴

[۴] حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ امیر جماعتہائے احمدیہ سرحد کی تحقیق کے مطابق صاحبزادہ اکرم خاں کو احمدیت کی تحریک ابتداءً حضرت مولوی محمد الیاس صاحبؓ سے پہنچی تھی ("تاریخ احمدیہ سرحد" صفحہ ۲۵ مطبوعہ ۱۹۵۹ء منظور عام پریس پشاور)

حضرت مصلح موعودؓ کا انگریزی زبان میں خطاب

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے انڈونیشین احمدی مسٹر بارام زنگکوتی اور بیرونی ممالک کے دیگر احمدی مہمانوں کے اعزاز میں ۱۷ ماہ صلح کو ایک دعوتِ عصرانہ دی جس میں سورۃ بقرہ رکوع ۲ کی تلاوت کے بعد انگریزی زبان میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

"قربانی کرو اور کرتے چلے جاؤ۔ خدا تعالیٰ کے احکام پر مجنونانہ عمل کرو اور کرتے چلے جاؤ اور نتائج کے متعلق کوئی تردّد نہ کرو کیونکہ جس کے ہاتھ میں نتائج ہیں وہ انشاء اللہ اپنے سلسلہ کو خود بار آور کرے گا اور اُسے ہر قسم کی تباہی سے بچالے گا۔"[1]

جلسہ سیالکوٹ پر سنگباری اور ایک سعید روح کا قبولِ احمدیت

۱۹ ماہ صلح/جنوری کو جماعتِ احمدیہ سیالکوٹ نے ایک جلسہ منعقد کیا جس کا پہلا اجلاس صبح ساڑھے دس بجے سے لیکر ڈیڑھ بجے تک احراریوں کی مزاحمت کے باوجود جاری رہا جس سے پرنسپل جامعہ احمدیہ مولانا ابوالعطاء صاحب، مولانا جلال الدین صاحب شمس اور چوہدری اسد اللہ خاں صاحب نے تقریریں کیں۔ اس کے بعد جب دوسرے اجلاس میں ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتی کی تقریر شروع ہونے لگی تو احرار اور خاکساروں نے شور مچانا اور حاضرین جلسہ پر بے دریغ پتھر پھینکنا شروع کر دئے اور ساتھ ہی لاؤڈ سپیکر لگا کر بانیٔ سلسلہ احمدیہ، جماعت احمدیہ اکابرِ سلسلہ اور وزیر خارجہ پاکستان کے خلاف گالیاں دینے لگے۔ پولیس نے صورتِ حال پر قابو پانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن جب یہ لوگ اپنی اِن غیر اسلامی حرکات سے باز نہ آئے تو بالآخر حکام نے امیر جماعتِ احمدیہ کو جلسہ بند کر دینے کی تلقین کی۔ احمدی اِس دَوران میں نہایت پُرامن رہے اور حکومت سے تعاون کرتے ہوئے جلسہ ختم کر دیا۔ احراریوں کی ٹولیاں جلسے کے بعد بازاروں میں گشت لگا کر بھی اِکّا دُکّا احمدیوں کو زدوکوب کرتی رہیں اور دو ایک احمدیوں کی دکانیں بھی لُوٹیں مگر احمدیوں نے قانون کو ہاتھ میں لینا گوارا نہ کیا۔ احمدیوں کے اِس صحیح اسلامی نمونہ کا یہ اثر ہوا کہ ایک شخص نے داخلِ احمدیت ہونے کا اعلان کیا اور کہا کہ اگر یہی اسلام ہے جو احراریوں نے آج پیش کیا ہے تو مجھے

---

[1] الفضل ۲۶ ماہ صلح ۱۳۲۹ہش / جنوری ۱۹۵۰ء صفحہ ۳۔

اِس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ع

مجھے یہ کُفر بہتر ہے ترے اسلام سے توبہ [1]

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو قتل کرنیکی سازش اور حضرت مصلح موعودؓ کی تحریکِ دعا

حضرت مصلح موعودؓ کو شروع ۱۳۲۷ھش/۱۹۴۸ء میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی نسبت ایک تشویشناک رؤیا دکھائی گئی۔ چوہدری صاحب اُن دنوں نیویارک میں پاکستان کی نمائندگی کے تعلق میں قیام فرما تھے۔ حضور نے مورخہ ۱۲۔امان/مارچ کو اُن کے نام حسبِ ذیل تار دیا:۔

"Telegrame No 273 Dated 13.3.1948.

To— Sir Zafrullah Khan Newyork.

I have seen Newyork Radio announced you have been slain.... It ordinarly means unexpected success, but it may be a warning, so becareful

Mahmood Ahmad."

(ترجمہ) مَیں نے رؤیا میں دیکھا ہے کہ نیویارک ریڈیو نے اعلان کیا ہے کہ آپ شہید کر دیئے گئے۔ عام طور پر اِس کی تعبیر کوئی غیر متوقع کامیابی ہوتی ہے لیکن یہ ایک انذار بھی ہو سکتا ہے اِس لئے آپ محتاط رہیں۔ محمود احمد۔ [2]

ڈیڑھ دو سال بعد ۱۳۲۹ھش/۱۹۵۰ء میں چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے نام گمنام خطوط آنے شروع ہو گئے جن میں آپ کو قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ یہ بات جونہی اخبارات کے ذریعہ منظرِ عام پر آئی حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل مضمون کے ذریعہ احبابِ جماعت کو دعائے خاص کی تحریک فرمائی:۔

---

[1] الفضل ۱۷ ارصلح ۱۳۲۹ھش/جنوری ۱۹۵۰ء صہ۸۰۱۔

[2] الفضل ۲ ارامان ۱۳۲۹ھش/مارچ ۱۹۵۰ء صہ۱۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو النــــــــــــــــاصر

چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کے بارہ میں ایک تشویشناک خبر

حال میں اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ سر ظفر اللہ خان صاحب کو تہدیدی خطوط ملے ہیں جن میں انہیں قتل کی دھمکی دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انہیں ہر شر سے محفوظ رکھے۔ اس بارہ میں احباب کی اطلاع کے لئے تحریر ہے کہ ۱۹۴۸ء کی شوریٰ سے پہلے جب میں سندھ گیا تو میں نے وہاں یہ رؤیا دیکھا کہ کوئی مجھے کہتا ہے یا میں نے اخبار میں دیکھا ہے کہ نیویارک ریڈیو اعلان کر رہا ہے کہ سر ظفر اللہ خان کو "شہید" کر دیا گیا ہے۔ میں نے اُس وقت چوہدری صاحب کو اس بارہ میں اطلاع دی کہ گو خواب میں قتل سے مُراد کوئی بڑی کامیابی بھی ہے یا ظاہری تعبیر کے لحاظ سے یہ خواب منذر بھی ہو سکتی ہے اس لئے وہ احتیاط رکھیں۔ اب اس تازہ خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خواب کے مضمون کو ظاہری صورت میں پُورا کرنے کی سکیم دشمنوں کے مدِ نظر ہے۔

مختلف اطلاعات مِلا کر جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ ہندو لیڈروں نے پہلے احرار کے ذریعہ سے پاکستان میں چوہدری صاحب کے خلاف پراپیگنڈا کروایا اور انہوں نے بعض مجالس میں یہاں تک کہا کہ امام جماعتِ احمدیہ اور سر ظفر اللہ کو قتل کیوں نہیں کر دیا جاتا جیسا کہ مجھے بعض لوگوں نے آج سے کوئی ایک ماہ پہلے اطلاع دی تھی اِس پراپیگنڈا سے راستہ کھولنا مقصود تھا کہ اگر خدانخواستہ دشمن اپنے منصوبہ میں کامیاب ہو تو ہندو لیڈر کہہ سکیں کہ ان کے مارنے والے خود مسلمان تھے۔ اس کے ساتھ ہی کہا جاتا ہے اِس سکیم کو اَور زیادہ مؤثر بنانے کے لئے بنگال سے چند ہندو نوجوان مسلمانوں کے لباس میں بھجوائے گئے ہیں جو امریکہ میں چوہدری صاحب پر حملہ کریں۔ تا کہ ہندو لیڈر یہ کہہ سکیں کہ اُن کا اِس کام میں کوئی دخل نہیں یہ کام مسلمانوں نے خود طیش میں آ کر کیا ہے۔ حالانکہ احراری پراپیگنڈا بھی ان کے اشارے سے شروع کیا گیا ہے اور اب یہ کوشش بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ بعض دفعہ کسی مُنذر امر سے ہوشیار کرنے کے لئے وہ خواب یا الہام سے

اطلاع دے دیتا ہے تاکہ دعا اور تدبیر سے مومن اسے ٹلا سکے۔ سو احباب کو چاہیئے کہ چوہدری صاحب کے لئے اِن دنوں میں خاص طور پر دعا کریں تاکہ اللہ تعالیٰ احرار اور ہندوؤں کے مشترکہ منصوبہ سے انکو بھی اور سب جماعت کو بھی محفوظ رکھے۔ کاش ہندو لیڈر یہ سمجھتے کہ ایسی کینہ سازشیں فسادات کا ایک ایسا دروازہ کھول دیتی ہیں کہ ان کو بند کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کاش احرار یہ سمجھتے کہ وہ اپنے لئے تباہی کا گڑھا کھود رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِس وقت اسلام کو فتح دینا چاہتا ہے۔ احرار اور ہندو لیڈر دیکھ لیں گے اور دُنیا بھی دیکھ لے گی کہ اِس کھیل کا خدا تعالیٰ کیا جواب دیتا ہے۔ خاکسار مرزا محمود احمد"[1]

خدا تعالیٰ کے خلیفہ موعود اور اس کے پاکباز بندوں کی دعائیں جنابِ الٰہی میں قبول ہوئیں اور نہ صرف احرار اور ہندو لیڈروں کا چوہدری صاحب کے خلاف یہ خفیہ منصوبہ ناکام ہو گیا بلکہ چند ماہ بعد یہ حقیقت بھی طشت ازبام ہونے لگی کہ احرار بھارت کے آلہ کار اور ایجنٹ کی حیثیت سے ملک میں فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ برصغیر پاک و ہند کے مشہور مسلمان لیڈر خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے انکشاف کیا کہ:-

" جو لوگ اِس وقت مسلمانوں کے فرقوں خاص طور پر قادیانیوں کے خلاف تقریریں کرتے پھرتے ہیں پاکستان کے دشمن اور بھارت کے ایجنٹ ہیں۔"[2]

حضرت امیر المومنین کی طرف سے احرار کے ایک جعلی ٹریکٹ کی تردید

احرار پاکستان کا تختہ اُلٹنے کے لئے اب تک "جوشِ خطابت" سے کام لے کر اشتعال پھیلا رہے تھے مگر اِس سال اُن کی فساد انگیز کارروائیوں نے ایک نیا رُخ بدلا اور وہ یہ کہ انہوں نے جماعتِ احمدیہ کو بدنام کرنے کے لئے خود ایک ٹریکٹ لکھا اور کراچی، گوجرانوالہ لاہور اور لائل پور سے شائع کرایا اور پھر لاہور کے اخبار آزاد، زمیندار اور سفینہ وغیرہ میں احمدیوں کے خلاف احتجاج کر کے ملک بھر میں فتنہ اُٹھانا شروع کر دیا۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اِس جعلی اور شر انگیز ٹریکٹ کا جواب ایک مفصل مضمون میں دیا جو الفضل میں چھپنے کے علاوہ بذریعہ اشتہار ملک بھر میں شائع کیا گیا۔ یہ مضمون حسبِ ذیل الفاظ میں تھا:-

---

[1] الفضل ۲۸ تبلیغ ۱۳۲۹ھ / فروری ۱۹۵۰ء صفحہ ۲۔

[2] احراری آمد گوں "آزاد" ۲۱ جون ۱۹۵۰ء۔

أعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭ نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّــــــــــاصر

مسلمانوں اور پاکستان کا قیام اسلام کے قیام پر منحصر ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی یہ شان بتاتا ہے کہ وہ جھوٹ سے بچتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان نبوت سے پہلے اہلِ مکہ پر اسی صفت سے ظاہر تھی کہ وہ صدوق و امین کہلاتے تھے یعنی نہایت راستباز اور ہر امانت کو پورا کرنے والے۔ آج بھی اگر مسلمان کوئی عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو سچ ہی سے عزت حاصل کرسکتے ہیں لیکن افسوس کہ اس وقت بھی کہ اسلام اور مسلمان دشمنوں کے نرغہ میں گھرے ہوئے ہیں اور سرحد پار دشمن ان کی تاک میں لگے ہوئے ہیں بعض مسلمان کہلانے والے بلکہ علماء کہلانے والے اور اسلام کی حفاظت کا دعویٰ کرنے والے جھوٹ اور فریب سے کام لے رہے ہیں چنانچہ پرسوں مجھے گوجرانوالہ کے دو دوستوں کی طرف سے اشتہارات ملے ہیں جن کے نیچے ناظر دعوۃ و تبلیغ انجمن خدامِ احمد صلے اللہ علیہ وسلم گوجرانوالہ شہر لکھا ہے۔ یہ اشتہار سراسر جھوٹا اور افتراؤں کا پلندا ہے۔

جماعتِ احمدیہ میں ناظر مرکزی سیکرٹری کو کہتے ہیں اور اس مفتری اور کذاب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ گوجرانوالہ جماعتِ احمدیہ کا مرکز نہیں اور وہاں کوئی ناظر نہیں ہے۔ پھر لطف یہ کہ وہ انجمن خدامِ احمد کا ناظر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور خدامِ احمد نام کی کوئی انجمن احمدیوں میں نہیں۔ پھر اس مفتری نے احمد کے آگے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام ہے صلے اللہ علیہ وسلم لکھا ہے یہ بھی اس کی جہالت نہیں بلکہ شرارت پر دلالت کرتا ہے۔ جماعتِ احمدیہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور نبی یا مامور کو صلے اللہ علیہ وسلم نہیں لکھتی۔ مَیں نے یا سلسلہ کے ناظروں نے کبھی بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو صلی اللہ علیہ وسلم نہیں لکھا پس صرف مشتہر کے نام میں ہی اس شخص نے تین جھوٹ بولے ہیں اور وہ خیال کرتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی اور اسلام کی جھوٹ بول کر خدمت کرتا ہے حالانکہ خدا اور اس کا رسول اور دینِ اسلام جھوٹ کے ہرگز محتاج نہیں وہ سچے ہیں اور سچ سے فتح پا سکتے ہیں۔ جھوٹ شیطان کے لئے ہے خدا اور اسکے

رسولؐ کے لئے نہیں ہے۔ وہ مفتری ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ اسلام جھوٹ کا محتاج ہے۔

اِس اشتہار کا عنوان ہے" امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کا تازہ ترین الہام" اکھنڈ ہندوستان" یہ عنوان بھی سراسر جھوٹا اور افترا ہے مجھے ہرگز ایسا کوئی الہام نہیں ہوا ہے اور مَیں نے یا میری جماعت نے ہرگز کوئی ایسا الہام شائع نہیں کیا۔ پس مَیں اِس کے جواب میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ لعنت اللّٰہ علی الکاذبین خدا تعالیٰ کی لعنت ہو اس پر جو جھوٹ بولتا ہے۔ اِس شخص نے اپنے نام کو چُھپایا ہے لیکن خدائے علیم و خبیر اس کے نام کو جانتا ہے پس مَیں خدائے علیم و خبیر سے جو جھوٹ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، جو پوشیدہ در پوشیدہ رازوں سے واقف ہے جس نے اپنی پاک کتاب قرآن کریم میں جھوٹ سے منع فرما دیا دعا کرتا ہوں کہ اے خدائے علیم و خبیر، اے خدائے قادر و توانا تُو جانتا ہے کہ تُو نے ایسا کوئی الہام مجھے نہیں کیا اگر باوجود اس کے مَیں نے یہ جھوٹ تجھ پر بولا ہے اور اِس قسم کا الہام تیری طرف منسوب کیا ہے تو اے خدا مَیں تیری سچائی اور پاکیزگی کی قسم دے کر تجھ سے کہتا ہوں کہ تُو مجھے اور اُن لوگوں کو جو اِس جھوٹ میں میرے شریک ہوں نیست و نابود کر دے تاکہ دُنیا پر یہ واضح ہو جائے کہ خدا تعالیٰ پر جان بُوجھ کر جھوٹ بولنے والا تباہ اور برباد کیا جاتا ہے۔ اور اے میرے خدا اگر یہ اشتہار احرار یا اسی قسم کے اَور لوگوں کی طرف سے جھوٹ اور افترا اور ناکردہ گناہ لوگوں کو بدنام کرنے کے لئے ہے تو اے میرے رب جو سچّائی سے پیار کرنے والا اور مظلوم کی مدد کرنے والا ہے مَیں تجھ سے عاجزانہ درخواست کرتا ہوں کہ اِس قسم کے جھوٹے اشتہار دینے والوں اور اپنے افترا سے اسلام کو بدنام کرنے والوں پر اپنی لعنت بھیج اور اپنے عذاب میں ان کو پکڑ تا تیرا نام دُنیا میں روشن ہو اور صداقت دنیا میں پھیلے اور تیرا نام لے کر جھوٹ بولنے والوں کو عبرت حاصل ہو۔

یہ تو میری خدا تعالیٰ سے اپیل ہے اور اس قسم کا اشتہار دینے والوں سے مَیں یہ کہتا ہوں کہ جھوٹ وہی بولتا ہے جس میں ایمان نہیں ہوتا اور جو خدا تعالیٰ پر توکّل نہیں رکھتا اِس لئے ایسے شخص کو سچّائی اور صداقت کے نام پر بُلانا فضول ہے۔ وہ تو لالچ ہی کا شکار ہوتا ہے پس مَیں ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ اے پیٹ کی خاطر جھوٹ بولنے والو اگر اِس اشتہار میں تم نے سچ بولا ہے تو مَیں ایک ہزار روپیہ تمہارے لئے مقرر کرتا ہوں کہ وہ میری تحریر پیش کرو جس میں مَیں نے یہ لکھا ہو کہ اکھنڈ ہندوستان کی تائید میں مجھے الہام ہوا ہے یا یہ کہ پاکستان کے عارضی ہونے کے بارے میں مجھے الہام

ہوا ہے۔ اگر تم ایسا ثابت کر دو تو فوراً ایک ہزار روپیہ مَیں تم کو انعام دوں گا اور جھوٹ بولنے کی ذلّت مجھے الگ نصیب ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہندو مسلمان میں اختلاف انتہاء کو نہیں پہنچا میری کوشش تھی کہ کسی طرح ملک تقسیم نہ ہو اور اس کے بارہ میں مَیں نے اپنے ذاتی خیالات کئی دفعہ ظاہر کئے تھے مگر کوئی الہام شائع نہیں کیا مگر جب مئی ۱۹۴۷ء میں یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اب یہ اختلاف مٹائے نہیں مٹ سکتا مَیں نے اپنی رائے بدل لی اور پورے زور سے پاکستان کی تائید شروع کر دی۔ چنانچہ تقسیمِ ملک سے پہلے ہی مَیں نے پاکستان کی تائید میں لکھنا شروع کر دیا جو الفضل اور دوسرے احمدی لٹریچر میں موجود ہے۔ اور اس وقت جب احراری اِس امر کی کوشش میں تھا کہ پاکستان کی پ بھی نہ لکھی جائے مَیں اِس امر کی تائید میں تھا کہ پاکستان سب کا سب مکمل ہو جائے اور خدا تعالیٰ اسے عزّت اور شان کے ساتھ قائم رکھے۔ اگر مجھے کوئی الہام ہوا ہے تو یہی کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو عزّت بخشے گا اور مسلمان ذلیل ہو کر دشمن کے سامنے نہیں گرے گا بلکہ قدم بہ قدم آگے بڑھے گا۔ مشکلات ہوں گی عارضی طور پر قدم پیچھے بھی ہٹیں گے لیکن انجام اچھا ہی ہوگا۔ اسلام کے لئے اب فتح مقدّر ہے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا اب بلند ہو کر رہے گا اور احراری یا دوسرے لوگ اسے نیچا نہیں کر سکیں گے۔ انشاء اللہ۔

خاکسار مرزا محمود احمد امام جماعتِ احمدیہ"[1]

جماعتِ احمدیہ کی مرکزی تنظیموں اور علماءِ سلسلہ کو احساسِ ذمّہ داری کی تلقین

تحریکِ احمدیت ایک عالمی تحریک ہے جس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے یوں تو جماعت کے ہر فرد کو بین الاقوامی ذہن پیدا کرنے اور اس کے مطابق اپنے فرائض کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ضروری ہے مگر جماعتِ احمدیہ کی مرکزی تنظیموں اور علماءِ سلسلہ پر تو اوّلین فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقام کو سمجھیں اور فرض شناسی کا ثبوت دیں۔

حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ (۲۸ شہادت/اپریل) میں اس نکتہ کی طرف اِس سال بھی بڑی وضاحت سے توجہ دلائی اور فرمایا:-

"مَیں نے مدّت سے جماعت کو اِس طرف توجہ دلانی شروع کی ہے کہ اسے اپنی ذمّہ داریوں کو زیادہ

---

[1] الفضل ۹ امان ۱۳۲۹ھش/۹ مارچ ۱۹۵۰ء صفحہ ۳

سے زیادہ محسوس کرنا چاہیئے سب سے پہلے فرض کا محسوس کرنا ان مرکزی انجمنوں پر عائد ہوتا ہے جو اس کام کے لئے مقرر ہیں یعنی صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید اور پھر صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کے ناظر اور وکلاء یعنی جن اعضاء سے یہ دونوں انجمنیں بنتی ہیں ان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ اور پھر ان سے اُتر کر دوسرے کارکن جو ان کے ماتحت ہیں ان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ نہایت ہی اہم طور پر فرض جماعت کے علماء پر عائد ہوتا ہے جو مذہبی خیالات اور اخلاقی معیاروں کے لئے ایک راہنما کی حیثیت رکھتے ہیں اور ایک نمونہ کی شکل میں دیکھے جاتے ہیں۔ ان سب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ بڑے کاموں کے لئے دماغ کا ہر وقت کام میں لگائے رکھنا ضروری ہوتا ہے اور یہی وہ عادت ہے جس کے ماتحت کوئی شخص کسی بڑے کام کے قابل ہو سکتا ہے۔"

"انبیائے کرام کو ہم دیکھتے ہیں کہ رات دن وہ اپنی قوم کی اصلاح و بہبودی کے فکر میں لگے رہتے تھے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی نسبت فرماتے ہیں کہ مَیں سوتے ہوئے بھی جاگتا ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ سوتے ہوئے واقعی جاگ رہے ہوتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مَیں سونے لگتا ہوں تب بھی قوم کی اصلاح و بہبود کے لئے سوچ رہا ہوتا ہوں اور جب جاگنے لگتا ہوں اس وقت بھی میرا دماغ انہی افکار میں مشغول ہوتا ہے۔ گویا آپؐ کا یہ دعویٰ تھا کہ مَیں چوبیس گھنٹے قوم کی ترقی و اصلاح کے کاموں اور ان کے صحیح طور پر سرانجام پانے کی فکر میں لگا رہتا ہوں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نماز پڑھا رہا ہوتا ہوں اور اسلامی لشکر بھی تیار کروا رہا ہوتا ہوں۔ اب بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نماز سے غافل ہوتے تھے اور وہ ایسا کام کرنے لگ جاتے تھے جس کا نماز کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں اُصَلِّیْ وَاُجَھِّزُ الْجُیُوْشَ مَیں نماز پڑھتا ہوں اور ساتھ ساتھ لشکر کی تیاری میں بھی لگا رہتا ہوں۔ یہ کیفیت ناتجربہ کار اور جاہل لوگوں کے لئے واقعی ٹھوکر کا موجب ہو سکتی ہے وہ سمجھیں گے کہ پھر نماز کیا ہوئی لیکن واقف کار جانتا ہے کہ فکر کا ایک مقام ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان ایک وقت میں دو دو تین تین کاموں میں مشغول رہتا ہے نماز بھی پڑھ رہا ہوتا ہے اور قوم کے کاموں میں بھی مصروف ہوتا ہے۔ مجھے کئی دفعہ لوگ ملنے کے لئے آتے ہیں مَیں بعض کاغذات دیکھ رہا ہوتا ہوں وہ خاموش ہو جاتے ہیں تا مَیں اپنے کام سے فارغ ہو جاؤں لیکن مَیں انہیں کہتا ہوں کہ بات کریں مَیں آپ کی بات بھی سنتا جاؤں گا اور اپنا کام بھی کرتا جاؤں گا اور یہ چیز میرے لئے ممکن ہوتی ہے مَیں

کھانا کھاتے ہوئے بھی سوچ رہا ہوتا ہوں۔ پانی پیتے ہوئے بھی سوچ رہا ہوتا ہوں۔ پیشاب کرتے وقت بھی سوچ رہا ہوتا ہوں۔ پاخانہ کرتے وقت بھی سوچ رہا ہوتا ہوں غرض کوئی وقت مجھے ایسا نظر نہیں آتا جب میرا دماغ فارغ ہو یا میرا دماغ فارغ ہونا چاہیے یا میرا دماغ فارغ ہو سکے لیکن اس کے مقابلہ میں مَیں یہ دیکھتا ہوں کہ ہماری یہ دونوں انجمنیں بیکار اور عضوِ معطّل کے طور پر ہیں۔ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ کاغذ جو ان کے سامنے آتا ہے ان کی توجہ کو پھیر لیتا ہے اور اہم چیزوں کے متعلق تو ان کا دماغ چلتا ہی نہیں مَیں نے بار بار توجہ دلائی ہے کہ اپنے اوقات کو اِس طرح صرف کرنا چاہیئے جس طرح ایک قومی لیڈر اپنے اوقات کو صرف کرتا ہے۔"[1]

خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق ایک ضروری اعلان

ایک مخلص احمدی عرصہ سے حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ کی خدمت میں یہ درخواست کرتے آرہے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے لئے "خاندانِ نبوت" کے الفاظ ترک کر دیئے جائیں۔

حضور نے اِس درخواست کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے ۲۰ ماہ ہجرت ۱۳۲۹ھش کو بذریعہ الفضل حسبِ ذیل اعلانِ عام فرمایا:-

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ایک ضروری اعلان

ایک صاحب دیر سے یہ لکھ رہے تھے کہ خاندانِ نبوّت کا لفظ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کے متعلق نہ لکھا جایا کرے۔ مجھ پر چونکہ یہ اثر تھا کہ اِس کے پیچھے صرف بزدلی کا جذبہ ہے کہ اِس سے غیر احمدی چڑتے ہیں۔ اِس لئے مَیں کوئی وجہ نہیں پاتا تھا کہ جب ایک بات میں صداقت پائی جاتی ہے

[1] الفضل ۷ ہجرت ۱۳۲۹ھش / مئی ۱۹۵۰ء صفحہ ۳

تو اس کو کیوں نہ استعمال کیا جائے لیکن متواتر خط و کتابت میں ان صاحب نے ایک بات لکھی جس نے میری طبیعت پر اثر کیا اور وہ بات یہ تھی کہ خاندانِ نبوت سے یہ دھوکا لگتا ہے کہ شاید یہی ایک خاندانِ نبوت ہے اور میں نے سمجھا کہ اس قسم کا دھوکا ضرور پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اس لفظ کا استعمال ٹھیک نہیں۔ اصل نبوت تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت تو ظلی ہے پس اصل "خاندانِ نبوت" تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خاندان ہے جس نے اپنی قربانیوں سے اور اپنے ایثار سے اور اپنی خدمتِ اسلام سے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے دل میں اس فضل اور احسان کی بہت بڑی قدر ہے جو خدا تعالیٰ نے انہیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پیدا کر کے کیا ہے پس ایسا کوئی لفظ جس سے یہ شبہ پیدا ہو جائے کہ کسی اَور خاندان کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے علاوہ کوئی امتیاز دیا جاتا ہے تو خواہ وہ نادانستہ ہی ہو پسندیدہ نہیں اس لئے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ آئندہ "الفضل" میں اور دوسری احمدی تحریروں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کو خاندانِ نبوت کی بجائے "خاندانِ مسیح موعودؑ" لکھا جایا کرے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جتنے دعاوی ہیں وہ سارے کے سارے مسیح موعودؑ کے لفظ میں شامل ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ نام آپ کا حاوی نام ہے پس خاندانِ مسیح موعودؑ کہنے سے وہ تمام باتیں اس خاندان کی طرف منسوب ہو جاتی ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلق کی وجہ سے ان کی طرف منسوب ہو سکتی ہیں۔ اصل سوال تو یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاندان اپنے عمل سے اپنے آپ کو اس مقام کا اہل ثابت کرے جو مقام خدا تعالیٰ نے ان کو بخشا ہے۔ اگر ان میں سے ہی بعض دنیا کے کاموں میں لگ جائیں اور روٹی انہیں خدا تعالیٰ پر مقدم ہو تو انہیں خاندانِ نبوت کہا جائے یا خانوادۂ الوہیت کہا جائے بلکہ خواہ خدا ہی کہہ دیا جائے ہر تعریف ان کے لئے ہتک کا ہی موجب ہو گی کسی عزت کا موجب نہیں ہو گی بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ ان کی تعریف کرنے والے لوگ ان کو زیادہ سے زیادہ خدا تعالیٰ سے پھرانا چاہتے ہیں۔ خاکسار مرزا محمود احمد"[1]

سلسلہ احمدیہ کے متعلق ایک روایت اور حضرت مصلح موعودؓ کی راہنمائی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ستمبر ۱۸۸۴ء میں جبکہ آپ کی دوسری شادی نہیں

[1] الفضل ۲۰ مئی ۱۹۵۰ء صفحہ ۳

ہوئی تھی ایک فرشتہ کے ذریعہ ایک دوا بتائی گئی جس کے استعمال سے خدا نے برکت ڈالی دی اور آپ کو اس کا بے اندازہ فائدہ ہوا[1] یہ دوا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کی روایات کے مطابق "زدجام عشق" تھی جو اشارۂ غیبی کے ماتحت آپ کو سکھائی گئی[2] مگر حکیم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم نے حضرت خلیفہ اوّل رضؓ کی سوانح عمری میں اور حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ نے اپنی کتاب "مائتہ عامل" میں اس نسخہ کو سہواً حضرت خلیفہ اوّلؓ کی طرف منسوب کر دیا جس کی تصحیح کے لئے حضرت مصلح موعودؓ نے مندرجہ ذیل مضمون شائع فرمایا:۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭ نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

سلسلہ احمدیہ کے متعلق ایک تاریخی روایت کے بارہ میں ایک مقابل روایت

حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری میں جو حکیم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم کی شائع کردہ بیاض نورالدین کے ابتداء میں درج ہے اور حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ کی نئی طبع کتاب "مائتہ عامل" میں دوائی زدجام عشق کے بارہ میں ایک روایت شائع ہوئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ زدجام عشق کا نسخہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا اور یہی نسخہ آپ نے ایک مریض کو دیا تھا جس سے اس کو بہت کچھ فائدہ ہوا اور اس کے اولاد ہوئی اور اس نے آپ کو بہت کچھ انعام دیا۔

یوں تو یہ ایک معمولی بات ہے لیکن تاریخی روایتوں کو زیادہ سے زیادہ صحیح کرنے کی کوشش چاہیئے۔ اس لئے اس بارہ میں جو بات میں نے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ سے سنی ہوئی ہے وہ بھی میں درج کرتا ہوں۔ مجھے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا تھا کہ یہ نسخہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کسی اور شخص نے بتایا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نسخہ تیار فرمایا۔ انہی دنوں میں حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ آپ سے ملنے کے لئے آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ نسخہ بہت اچھا ہے آپ کو بھی میں کچھ دوائی دیتا ہوں آپ بھی استعمال کر کے دیکھیں۔ حضرت خلیفہ

---

[1] "تریاق القلوب" طبع اوّل صفحہ ۲۶ ٭ [2] الفضل ۴ مئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۵ کالم ۲ ٭

اوّل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مَیں نے وہ دوائی لے کر رکھ لی اور استعمال نہیں کی کیونکہ بوجہ طبیب ہونے کے میرا یہ خیال تھا کہ فائدہ تو تشخیص پر مبنی ہوتا ہے جب تک کسی شخص کی بیماری یا اس کی کمزوری کی وجہ مشخص نہ ہو کسی دوائی کو اس کے لئے مفید نہیں کہا جا سکتا۔ اِس لئے مَیں نے ادب کی وجہ سے دوائی تو رکھ لی مگر استعمال نہ کی۔ واپس جموں جاتے ہوئے میری اہلیہ بھی ساتھ تھیں ہم راستہ میں ایک رئیس کے پاس ٹھہرے اس کے اولاد نہیں ہوتی تھی میری بیوی نے اس کی بیوی سے پوچھا کہ تمہارے اولاد کیوں نہیں ہوتی۔ اس نے کہا اولاد کیا ہوتی ہے میرے خاوند میں تو بعض مردانہ کمزوریاں پائی جاتی ہیں آپ ہی حکیم صاحب سے کہیں کہ وہ کوئی دوائی دیں۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میری بیوی نے مجھ سے یہ ذکر کیا تو چونکہ ہم مسافرت میں تھے اَور تو کوئی دوائی تھی نہیں مَیں نے وہی گولیاں "زدجامِ عشق" اس کو دیدیں۔ ایک دو دن کے استعمال سے اسے بے نظیر فائدہ ہوا جس کا نتیجہ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے اولاد بھی ہوگئی۔ جب ہم چلنے لگے تو اُس کی بیوی نے میری بیوی کو یہ کہہ کر کہ آپ نے تو ہمارا اُجڑا گھر بسا دیا ہے اپنے سونے کے کڑے اُتار کر تحفہ کے طور پر دے دیئے اور مجھے بھی اُس رئیس نے بہت سی رقم اور دوسری چیزیں تحفہ میں دیں۔ تب میرے دِل میں خیال آیا کہ خدا تعالیٰ کے بندوں کی کوئی بات بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتی۔ مَیں نے تو سمجھا تھا کہ یونہی دوستانہ رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گولیاں مجھے دے دی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن سے یہ گولیاں اِس لئے دلوائی تھیں کہ وہ میرے کام آنے والی تھیں اور مجھے اُن سے بہت فائدہ پہنچنے والا تھا۔

یہ روایت مَیں نے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ سے سُنی ہے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ روایت بھی ہماری تاریخ میں محفوظ ہو جانی چاہیئے۔ اِس روایت کی تفصیلات سے مجھ پر یہ اثر ہے کہ یہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ علمِ درایت میں یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ تفصیلی روایت مجمل روایت کی شارح ہوتی ہے۔ ممکن ہے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے مختصراً یہ فرمایا ہو کہ ہم نے یہ گولیاں ایک رئیس کو دیں تو اس کو فائدہ ہوا۔ اور اتنا حصہ روایت کا اوپر والی روایت کے خلاف نہیں بلکہ اس کے عین مطابق ہے اور سُننے والے نے دوسرے ذرائع سے یہ بات معلوم کرکے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی یہ نسخہ استعمال فرماتے تھے یہ خیال کر لیا کہ وہ رئیس والا واقعہ پہلے کا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِس نسخہ کے استعمال کرنے کا واقعہ بعد کا ہے اور اِس طرح روایت

کی شکل بدل دی۔" ؎۱

حضرت مصلح موعودؓ کا ایک ارشادِ خاص عالمگیر اسلامی نظام کے قیام سے متعلق

۲۳؍احسان/جون کو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ جمعہ کے ذریعہ ایک بار پھر جماعتِ احمدیہ کو یہ خصوصی ہدایت فرمائی کہ وہ تبلیغ کے ذریعہ احمدیت کے رُوحانی غلبہ اور فتح کی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیں تا جلد سے جلد صحیح اسلامی نظام کا دُنیا بھر میں نفاذ ہو سکے۔ چنانچہ فرمایا:-

"یہ امر ظاہر ہے کہ جب بھی کبھی کسی مامور کی جماعت کو خدا تعالیٰ غلبہ دیا کرتا ہے تو پہلے وہ افراد پیدا کیا کرتا ہے تو پھر غلبہ دیا کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی ایسا ہوا۔ حضرت عیسیٰ کے وقت میں بھی ایسا ہوا۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی ایسا ہوا اور اب بھی ایسا ہی ہوگا یہ کبھی نہیں ہوگا کہ خدا تعالیٰ لاکھ دو لاکھ افراد کو دُنیا پر غالب کر دے وہ پہلے لاکھ دو لاکھ کو دس بیس کروڑ بنائے گا اور پھر انہیں غلبہ بخشے گا۔ اور یا اگر ہمیں خدا تعالیٰ نے فوری طور پر ترقی دی تو پھر کسی ایسے ملک میں جس کی آبادی پانچ چھ لاکھ کی ہو دو تین لاکھ آدمی اس جماعت میں داخل کرے گا اور اس جگہ پر احمدیت کو غلبہ عطا کرے گا اور پھر ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے ملک پر غلبہ عطا کرتا جائے گا لیکن ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ افراد میں کثرت کے بغیر کسی جماعت کو پہلا غلبہ عطا کرے اگر ہمارے افراد کی زیادتی نہیں تو ہم دنیا میں صحیح جمہوریت کو قائم نہیں کر سکتے۔ اسلام جبر کو جائز نہیں سمجھتا اگر ہم تھوڑی تعداد کے ذریعہ دُنیا میں حکومت کو قائم کریں گے اور اسلامی نظام کو دنیا میں جاری کریں گے تو یہ ظلم ہوگا اور اسلام ظلم کی اجازت نہیں دیتا اور اسلام کی بناوٹ ہی اس قسم کی ہے کہ وہ صحیح جمہوریت کو قائم کرتا ہے۔" ؎۲

حضرت مصلح موعودؓ کا ایک مختصر مگر پُر معارف نوٹ

چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ امام مسجد لندن اس سال کوئٹہ میں حضرت امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے انہیں لندن مشن سے متعلق بعض اہم ہدایات دینے کے علاوہ مندرجہ ذیل الفاظ بھی ان کی نوٹ بک میں تحریر فرمائے۔ یہ الفاظ حضور نے ناسازیٔ طبع

؎۱ الفضل ۲۳؍مئی ۱۹۵۱ء صلا ۔ ؎۲ الفضل ۵؍جولائی ۱۹۵۱ء صفحہ ۵

کے باعث حضرت سیدہ ام متین صاحبہ مدظلہا العالی سے لکھوائے تھے اور نیچے اپنے دستخط ثبت فرما دیئے تھے:۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

کتنے بدقسمت ہیں وہ لوگ جن کے مکان سونے کی کانوں پر بنے ہوئے تھے لیکن ان سونے کی کانوں سے فائدہ غیر ملکی لوگوں نے اُٹھایا مگر ان سے بھی زیادہ بدقسمت ہیں وہ لوگ جو تعلق باللہ کی سرنگ پر حیران بیٹھے ہیں غیر قومیں آئیں گی اور اس سرنگ کے ذریعے سے خدا تعالیٰ تک پہنچیں گی، بعض انسان کتنا بدقسمت ہوتا ہے۔" مرزا محمود احمد ۵؍۷؍۴ [1]

جماعتِ احمدیہ اور مغربی پاکستان پریس

احراری فتنہ نے جہاں عوامی فضا کو بہت مسموم اور زہر آلود کیا وہاں مغربی پاکستان کا محبِ وطن پریس بھی اُن کے اثرات کی لپیٹ میں آگیا تاہم بعض اخبار گاہے گاہے حق و انصاف کی خفیف سی آواز بھی بلند کرتے رہے۔ اِس سلسلہ میں پنجاب کے روزنامہ "آفاق" اور پشاور کے ہفت روزہ "تنظیم" کے نوٹ یہاں درج کئے جاتے ہیں تا اُس دَور کے غیر جانبدار اور سنجیدہ صحافت کا نقطہ نگاہ بھی سامنے آجائے۔

(۱) اخبار "آفاق" (لاہور) نے ۱۶ر جولائی ۱۹۵۰ء کی اشاعت میں پروفیسر محمد سرور صاحب کا حسبِ ذیل مضمون شائع کیا:۔

"ہمارا یہ اصرار کہ مملکتِ پاکستان کا دستوری اساس جمہوری ہو اور پاکستان دستور ساز اسمبلی کی منظور کردہ "قرارداد مقاصد" کے الفاظ میں

"مملکت تمام حقوق و اختیارات کو عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے کام میں لائے .... (کیونکہ) خدا نے اختیارات سوائے جمہور کے کسی اَور کو تفویض نہیں کئے ہیں اور اس کا فیصلہ خود جمہور

---

[1] الفضل ۱۳ر جولائی ۱۹۵۰ء صفحہ ۳

کے سپرد ہے کہ اس اقتدار کو کن لوگوں کے ذریعے استعمال کیا جائے۔"

اور یہ اس لئے جیسا کہ اُس "قرارداد مقاصد" میں وضاحت کر دی گئی ہے:۔

"جمہور ہی اختیارات کی امانت کے حامل ہیں اور انہی کو اختیارات کو استعمال کرنے کا مجاز ٹھہرایا گیا ہے۔"

محض پاکستان کے عوام کی بہبودی کے پیش نظر ہے اور چونکہ ان عوام کی غالب اکثریت مسلمان ہے اس لئے جو نظامِ حکومت ان کی بہبودی کا ضامن ہوگا اور بہبودی سے ہماری مراد صرف پیٹ پالنے کی آسودگی نہیں بلکہ اُن کی معنوی اور روحانی فلاح بھی ہے اُسے غیر اسلامی کہنا صحیح نہیں۔ ہمارے نزدیک حکومت کے نظم ونسق کو جمہور کے سامنے جواب دہ ماننا اور اسے جمہور کے تابع سمجھنا اسلام کے منافی نہیں اور اسی کا نام سیاسی زبان میں جمہوریت ہے اور پھر جب ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پاکستان کی حکومت مذہبی حکومت نہ ہو تو مذہب سے ہماری مراد اصلاً مذہب نہیں ہوتا جو کہ انسانیت کا جوہر ہے اور جس کے بغیر انسان، انسان نہیں بلکہ حیوان ہو جاتا ہے۔

دراصل مذہبی حکومت سے ہمارا مطلب کسی مذہبی طبقہ کی حکومت ہے اور اسی کے ہم خلاف ہیں اور اسے اس زمانہ میں انسانیت کے لئے سب سے بڑا روگ سمجھتے ہیں۔

مثال کے طور پر ہم نہیں چاہتے کہ پاکستان میں احمدی فرقے کی حکومت ہو، نہ ہم اس کے روادار ہیں کہ شیعیت پاکستان کا سرکاری مذہب ہو۔ اسی طرح جماعتِ اسلامی اسلامی نظام کی جو تعبیر کرتی ہے وہ بحیثیت ایک مذہبی فرقے کے اُس کی تعبیر ہے اُسے اسلام کا نام دینا اور اسلام اور اس کے پیش کردہ نظام کو مترادف سمجھنا صحیح نہیں۔

یعنی جماعتِ اسلامی کا کہنا ہے کہ اسلام جاگیرداری کا مخالف نہیں یا یہ کہ ہماری حکومت میں ذمی یعنی غیر مسلم کو ووٹ کا حق نہیں ہوگا۔ اسی طرح وہ سمجھتی ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم مسلمان ہو جائے تو بہت اچھا لیکن اگر ہماری حکومت میں کوئی مسلمان مرتد ہو گا (اور یاد رہے کہ مرتد کی تعریف وہی ہوگی جو یہ جماعت کرے گی) تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس طرح آج اس زمانے میں جماعتِ اسلامی کا غلام اور لونڈی بنانے کی اجازت دینا اور اسے اسلامی نظام سمجھنا یہ سب باتیں مسلمانوں کی ایک مخصوص مذہبی جماعت کی فقہی تعبیریں ہیں اور انہیں پاکستان کا دستوری اساس نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کو ہم اصطلاحاً مذہبی

حکومت کہیں گے۔

لیکن اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ صاحب! اسلام دشمن سے بھی انصاف کا حکم دیتا ہے اور تقویٰ اور انصاف اُس کے نزدیک ہم معنیٰ ہیں۔ وہ انسان اور انسان میں کسی تفریق کا روادار نہیں۔ نیز اس کا حکم ہے کہ اپنے غیر مسلم ہمسائے تک کو بھائی سمجھو اور ایسا نہ ہو کہ خود تو پیٹ بھر لو اور اسے بھوکا چھوڑ دو۔ اور پھر اسلام مشورے کو حکومت کا اساس مانتا ہے اور اس کا منشاء یہ ہے کہ امیر کوئی کام جمہور سے پوچھے بغیر نہ کرے اور وہ اپنے آپ کو اُن کے سامنے مسئول سمجھے اور یہ کہ امیر کو منتخب اور معزول کرنے کا حق جمہور کو ہے اور وہ ظلم اور معاہدہ شکنی سے روکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اِس لئے ضروری ہے کہ دستورِ پاکستان کا اساس اسلام کے یہ عمومی اور عالمگیر اصول ہوں۔ ہمارے خیال میں کوئی شخص بھی اسلام کے ان عمومی اصولوں کو اساسِ دستور بنانے پر معترض نہیں ہوگا۔ نہ سُنّی، نہ شیعہ، نہ احمدی، نہ ہندو، نہ عیسائی اور نہ پارسی۔ اور ان عمومی اصولوں پر جو حکومت بنے گی اُسے سب پسند کریں گے۔ وہ بھی جو اُس کے ماتحت رہتے ہوں گے اور وہ بھی جو اُس سے ہزاروں میل دُور کے ملک کے باشندے ہوں گے.... دوسرے یہ کہ ہم تمام پاکستانیوں کو ایک قوم مانتے ہیں یعنی اُن سب کو جو اس سرزمین کے باشندے ہیں یا جنہوں نے اب اس کو اپنا وطن بنا لیا ہے۔ ہم ان میں سے کسی قسم کی سیاسی تفریق کے حامی نہیں۔ یہاں کا ایک ہندو بھی اُتنا ہی پاکستانی ہے جتنا ایک مسلمان۔ اگر ایک ہندو عوام کے ووٹوں سے منتخب ہو جائے تو وہ ہماری پارلیمنٹ میں اسی طرح بیٹھنے کا حقدار ہے جس طرح ایک مسلمان، اور اُس کو ترقی کے تمام مواقع ملنے چاہئیں کہ جس طرح کہ مسلمانوں کو یعنی قانوناً ہندو اور مسلمان کی تمیز نہیں ہونی چاہیئے۔

اِسی طرح ہمارے نزدیک شیعہ اور سُنّی اور مسلمان اور احمدی میں سیاسی تفریق بھی صحیح نہیں اور گو ہم ذاتی طور پر جماعتِ احرار کے بزرگوں کے بے حد نیاز مند ہیں لیکن احمدیوں کو اقلیت قرار دینے کی جدوجہد جو انہوں نے شروع کر رکھی ہے اس سے کبھی ہمیں اتفاق نہیں رہا کیونکہ ایک جمہوری ملک میں سیاسی اکثریتیں اور اقلیتیں نہیں ہوتیں۔ ہم انور پاشا مرحوم کی مشہور ترکی انجمن اتحاد و ترقی کے اِس مشہور فقرے کے کہ

"سب کی ایک سی ذمہ داریاں اور ایک سے حقوق"

کے قائل ہیں اور یہی جمہوری نظام کا اصل اصول ہے۔ اب اگر پاکستان میں کسی ایک مذہبی فرقے کی

حکومت مان لی جاتی ہے تو اس سے پاکستان کی قومی وحدت پارہ پارہ ہوجائے گی اور شیعہ، سُنی اور مسلمان اور احمدی کا جھگڑا ہماری زندگی کا معمول ہوجائے گا۔ اِس لئے جہاں تک حکومت کا تعلق ہے جمہوری نظام میں کسی کے مذہبی اعتقادات سے بحث نہیں کی جاتی۔ اگر منڈل مملکت کا وفادار ہے تو وہ ہزار ایسے مسلمانوں سے جو مملکت کے وفادار نہیں اچھا ہے۔ اِسی طرح اگر ظفر اللہ خاں اپنے فرائض ایمانداری سے سرانجام دیتا ہے تو اسے احمدی بتا کر مطعون کرنا قانوناً غلط قرار دینا چاہیئے۔"[۱]

(۲) اخبار "تنظیم" پشاور نے لکھا:۔

"کون نہیں جانتا کہ امام جماعتِ احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود نے بنفسِ نفیس حضرت قائدِ اعظم کے حضور میں پہنچ کر اپنے اور اپنی جماعت کے حلقہ وفاداری کا نہ صرف یقین دلایا بلکہ پاکستان کے حصول میں مسلمانوں کی دوسری جماعتوں سے بڑھ کر من حیث الجماعت مالی وجانی قربانیاں پیش کیں اور ناقابلِ تلافی نقصانات برداشت کئے اور حضرت میرزا بشیر محمود نے اپنی جماعت کو مسلمانوں کے سوادِ اعظم سے وابستگی کے خطبات وبیانات ارشاد فرمائے۔ کشمیر کے سلسلہ میں آپ کی جدّ وجہد عیاں ہے۔ آپ کے والد کے ایک بہت بڑے چہیتے مرید خان سر محمد ظفر اللہ خان ابھی تک پاکستان کے ایک بہت بڑے منصب پر فائز ہیں اور قلمدانِ وزارتِ خارجہ سنبھالے ہوئے ہیں۔ آپ نے جس قابلیت سے مجلسِ اقوام میں پاکستان، حیدر آباد دکن اور کشمیر کے مسائل پیش کئے ہیں وہ آتی دنیا کے لئے مشعلِ راہ اور تاریخ میں سنہری حروف سے نقش کرنے کے قابل ہیں۔ ہم خود قادیانی نہیں اور نہ ہمیں پیر پرستی سے کوئی واسطہ ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ اگر صدیقِ اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی المرتضیٰ محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاتے تو اُن کو بھی اسلام میں کوئی وقعت نہ ہوتی صحابہ کرام اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنے والے مسلمانوں کو جو عزت نصیب ہوتی ہے وہ حضرت عمر کے الفاظ میں صرف مسلمان ہونے کی صورت میں اسلام نے ہی بخشی ہے۔ ہم جماعتِ احمدیہ کو خواہ وہ لاہوری ہو یا قادیانی اسلامی فرقوں کی ایک کڑی تصوّر کرتے ہیں اور یورپ وجرمن میں اِس جماعت کی دونوں شاخوں کی سرگرمی کو بنظرِ تحسین دیکھتے ہیں۔ ہمیں بعض تبلیغی حلقوں اور مسلم معاصرین سے شکایت ہے کہ وہ اِس جماعت کے بعض اراکین پر جاسوسی اور اِس قسم کے کئی اَور الزامات تراشتے ہیں۔ ہمیں پاکستان کے لئے مرزا بشیر الدین کو جس کو ہم مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا فرزند ہونے کے

---

[۱] "آفاق" لاہور ۱۶ر جولائی ۱۹۵۰ء صٓ بعنوان "آخر جمہوری ریاست ہی کیوں؟"

ساتھ ساتھ مغل خون کا ایک مجسمہ سمجھتے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ ان کی غیرت وحمیت کا یہ تقاضا ہو گا جیسا کہ اس نے بارہا اظہار بھی کیا ہے کہ ہندوستان و پاکستان غلامی کی لعنت سے آزاد ہو گئے ہیں . . .“ [1]

دردمند دل مقتدر کشمیری مسلمانوں کی طرف سے احراری شورش کے خلاف احتجاج

کشمیر کی رائے شماری کی بناء پر فیصلہ کرنے کا اصول یو۔این۔او، بھارت اور پاکستان تینوں تسلیم کرنے کا اعلان کر چکے تھے اور یہ خیال ہو چلا تھا کہ وادیٔ کشمیر کے باشندے آزادانہ انتخاب کے ذریعہ اپنا فیصلہ پاکستان کے حق میں دیں گے کہ احرار میدانِ مخالفت میں آگئے اور احمدیوں کو غیر مسلم قرار دئے جانے کا مطالبہ کرنے لگے۔ چونکہ کشمیر کے اُس مرکزی حصہ میں جو انتخاب کے معاملہ میں فیصلہ کُن حیثیت اختیار کر سکتا تھا احمدی بھاری تعداد میں موجود تھے۔ اور موجود ہیں اس لئے یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر احرار اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہو گئے اور احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا تو کشمیری مسلمانوں کا تناسب غیر مسلم آبادی کے مقابل کم رہ جائے گا اور بھارت انتخاب کے مسلّمہ جمہوری طریق سے پورے کشمیر کو اپنے ملک کا اٹوٹ انگ بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس تشویشناک صورتِ حال نے دردمند دل رکھنے والے کشمیری مسلمانوں کو لرزا دیا اور اُن کی طرف سے حسبِ ذیل اشتہار ملک بھر میں تقسیم کیا گیا :-

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خُدا کے لئے کشمیر اور کشمیریوں پر رحم کریں!

تمام مسلمانانِ پاکستان کی خدمت میں عموماً اور اہالی صوبہ سرحد و آزاد علاقہ کی خدمت میں خصوصاً ہم ساکنانِ کشمیر کی طرف سے عرض ہے کہ ہم لوگ پانچ سال سے متواتر مصائب اور مظالم کا تختۂ مشق بن رہے ہیں۔ ساری آبادی کشمیر کے مسلمانوں کی کوئی بتیس تینتیس لاکھ ہے اس میں سے قریباً ایک لاکھ سے زائد مارا گیا ہے یعنی پانچ فیصدی سے بھی زیادہ اور بعض کی جائدادیں منقولہ و غیر منقولہ دشمنوں کے ہاتھوں میں ہیں اور باقی غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ نہ جائے ماندن ہے نہ پائے رفتن۔

---

[1] ”تنظیم“ پشاور ۳۰ جولائی ۱۹۵۰ء

پنجاب اور دیگر علاقوں سے جو مسلمان مغربی یا مشرقی پاکستان میں گئے ہیں اُنہیں غیر مسلموں کی متروکہ جائدادوں میں سے زمین، مکان، دوکانیں ملی ہیں اور ان میں سے نوّے فیصدی آباد ہو چکے ہیں اور بعض تو پہلے سے اچھی حالت میں ہو گئے ہیں۔ بڑے بڑے کارخانوں کے مالک بن چکے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وطن اور علاقہ کا چھوڑنا بھی بہت قربانی ہے اور ابتدائی دنوں میں جو ان لوگوں نے جانی قربانیاں پیش کیں، وہ بھی بہت بڑی قیمت رکھتی ہیں ہم ان کی قدر کرتے ہیں لیکن ہم نے صرف مقابلہ کے لئے لکھا ہے کہ ان میں سے اکثر نے جائداد کے مقابلہ پر جائداد اور تجارت کے مقابلہ میں تجارت اور کارخانہ کے مقابلہ میں کارخانہ حاصل کر لیا ہے۔ لیکن گو ہماری قربانیاں بھی اسی رنگ کی ہیں مگر ہم نے حاصل کچھ نہیں کیا۔ ہم اَب تک بھی مہاجر ہیں اور خدا معلوم کب تک مہاجر رہیں گے۔

کشمیر ویلی اس وقت تک ساری کی ساری شیخ عبداللہ کی حکومت میں ہے اور ہمارا وطن اور ہماری جائدادیں دشمن کے قبضہ میں ہیں۔ ہم صرف اِس امید پر جی رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے کشمیر پاکستان سے ملا دے تو ہم جا کر چھتوں کے نیچے سوئیں، اپنی تجارتیں اور اپنی زمینیں سنبھالیں اور اپنے بیوی بچوں سے ملیں جو ایک سیاسی دیوار کے اُس طرف ہماری یاد میں ظالموں کی ٹھوکریں کھا کر جی رہے ہیں۔ جس طرح ہم انکے ملنے کی اُمید میں دیوار کی دوسری طرف خدا کے فضل اور اس کے بعد اس کے اُن بندوں کی کوششوں کے نتیجہ پر آس لگائے بیٹھے ہیں جنہوں نے اسلام کے رشتہ کا احترام کر کے ہمیں غلامی سے آزاد کرانے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ خصوصاً صوبہ سرحد اور آزاد قبائلی علاقہ کے لوگ جنہوں نے عملاً جنگِ کشمیر میں حصّہ لے کر سینکڑوں ہزاروں شہداء کے خون سے ہماری وادی کو ہمیشہ کے لئے وادئ شہداء بنا دیا ہے اور کشمیر اور سرحد اور آزاد علاقہ کے درمیان محبت اور پیار کی ایک مضبوط گرہ باندھ دی ہے۔

مگر جہاں ہم آپ لوگوں کی قربانیوں اور ہمدردیوں کے ممنون ہیں وہاں ہم آپ سے یہ بھی اُمید کرتے ہیں کہ آپ اپنے نیک کام کو انجام تک پہنچائیں اور کسی غلطی کے مرتکب ہو کر اور کسی غلطی کرنے والے کا ساتھ دے کر اپنی ساری کوشش کو خاک میں نہ ملا دیں۔

برادران! آپ جانتے ہیں کہ گذشتہ سالوں میں ہمیں یہی اُمید دلائی جاتی رہی ہے کہ کشمیر میں رائے شماری ہو کر اس کے مطابق فیصلہ ہوگا اور کشمیر آزادی حاصل کر کے آرام کا سانس لے گا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ دنوں سے ہندوستانی گورنمنٹ کی شہ پر وہ لوگ جو پہلے کانگرس کا بایاں بازو تھے ایسے سوالات پیدا

کر رہے ہیں جو کشمیر کی رائے شماری کو سخت نقصان پہنچانے والے ہوں گے۔ مثلاً اِس وقت یہ سوال اُٹھایا جارہا ہے کہ مرزائیوں کو ایک اقلیت قرار دیا جائے۔ اِسی طرح مرتد بھی۔ جہاں تک مذہب کا سوال ہے ہم خود مرزائی نہیں ہیں اور اہلسنّت و دیگر مختلف فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ہم میں سے بعض مرزائیوں کی سخت مخالفت کرتے رہے ہیں اور اب تک کرتے ہیں مگر جہاں تک کشمیر کے مسئلہ کا سوال ہے ہم اِس فرقہ دارانہ اختلاف کو کشمیر کی آزادی میں رخنہ انداز ہونے دینا کسی صورت میں پسند نہیں کرتے۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہندوستانی حکومت کچھ عرصہ سے مغربی حکومتوں پر یہ زور دے رہی ہے کہ جن جن علاقوں میں جس فریق کی اکثریت ہو اُن علاقوں کو اپنے ہمدرد لوگوں سے ملا دیا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ پاکستان اِس اصل کو پنجاب اور بنگال کے حق میں مان چکا ہے کیوں نہ وہی اصل کشمیر کے متعلق بھی تسلیم کیا جائے کیونکہ پاکستان ایک دفعہ اِس اصل کو تسلیم کر چکا ہے۔ اِس دلیل کا اثر مغربی دماغ پر بہت پڑتا ہے اور قریباً ہر یو۔ این۔ او کے نمائندے نے زور لگایا ہے کہ اِس پر فیصلہ ہو جائے تو اچھا ہے اور مغربی اخبارات خصوصاً امریکہ اور انگلستان کے اخبارات اِس نظریہ کی تائید میں مضامین بھی لکھتے رہے ہیں۔ اِن حالات میں ہمیں بہت ہوشیار رہنا چاہیئے کہ کشمیر کا کوئی حصہ ایسا نہ ہو جہاں کی رائے شماری مشکوک ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو کشمیر کا مستقبل بالکل تاریک ہو جائے گا اور کشمیر کا مسلمان زندہ درگور ہو جائے گا۔

اِس حقیقت کو مدِنظر رکھ کر اگر آپ کشمیر کے نقشہ کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ جمّوں کے ہندو علاقہ کے ساتھ اگر اننت ناگ (اسلام آباد) کا علاقہ مِل جائے تو سرینگر کا تعلق جمّوں سے ہو جاتا ہے کیونکہ ایک طرف اننت ناگ سری نگر کو راجوری اور اودھم پور سے ملاتا ہے تو دوسری طرف جمّوں سرینگر روڈ اننت ناگ میں سے ہو کر گزرتی ہے۔ لیکن اننت ناگ پاکستان سے مِلے تو سری نگر لازمًا پاکستان سے ملنے پر مجبور ہوتا ہے کیونکہ کوئی باقاعدہ راستہ اسے ضلع اننت ناگ سے باہر جمّوں سے نہیں ملاتا پس اننت ناگ ضلع کی حیثیت رائے شماری کے لحاظ سے نہایت اہمیّت رکھتی ہے۔

ہم لوگ جو اِس علاقہ کے رہنے والے ہیں جانتے ہیں کہ اِس علاقہ میں مرزائیوں کا کافی زور ہے اور اچھے زمیندار اور تاجر اور بعض سالم گاؤں پاس پاس احمدیوں کے ہیں۔ گذشتہ سے پیوستہ الیکشن میں شیخ عبداللہ کی پارٹی کے خلاف احمدی ہی کونسل کے لئے کھڑے ہوئے تھے مگر گو وہ شیخ عبداللہ

کی پارٹی، ڈوگروں اور مولویوں کے مشترکہ محاذ کی وجہ سے جیت نہ سکے مگر اِن تین طاقتوں کے نمائندے سے احمدی نمائندے کے ووٹ صرف دو سَو کم تھے۔ اور سب لوگ جانتے ہیں کہ شیخ عبداللہ نے اتنا خطرہ محسوس کیا تھا کہ سارے کشمیر کو چھوڑ کر وہ اس علاقہ میں آگئے تھے اور اپنی ساری طاقت احمدیوں کو شکست دینے میں لگا دی تھی۔ اِس علاقہ میں اکثر ڈوگرہ رؤساء کی جائدادیں ہیں اور غریب مسلمان اُن سے دبے ہوئے ہیں۔ اُن کے مقابل پر احمدی ہی کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ وہ زمیندار اور تاجر اور منظم ہیں۔ انکی مدد سے ہی ہندو و ڈوگروں کا مقابلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ رشی نگر کا مشہور مقدمہ اِس کا گواہ ہے کہ ڈوگرہ رئیس کا مقابلہ احمدی جماعت نے مل کر کیا۔ اگر احمدی جماعت بھی ان لوگوں سے جاملے تو مسلمانوں کی طاقت اِس درمیانی علاقہ میں بہت کمزور ہو جاتی ہے اور سری نگر اکثر طرف سے اسلامی علاقوں سے کٹ جاتا ہے۔

اِن حالات میں ہم پوچھتے ہیں کہ کیا احمدیوں کے خلاف موجودہ شورش کشمیر کے مفاد میں ہوگی؟ ایک قوم سے آپ کتنی ہی اُمید رکھیں مگر اُسے کافر اور مرتد اور اچھوت قرار دے کر اُس سے یہ خواہش رکھنی کہ وہ آپ کے حق میں ووٹ دیں کتنی خلافِ عقل بات ہے۔ آخر جب ایک شخص دوسرے سے ملتا ہے تو یہ سمجھ کر ملتا ہے کہ دوسرا شخص اُس کا دوست ہے۔ اگر دوسرا اپنی دشمنی کا ثبوت دے تو وہ اُسے ووٹ کیوں دے گا اور دشمنی ظاہر کرنے والا اُس سے اُمید ہی کیوں رکھے گا پس گردن زدنی اور اقلیت قرار دے کر اور اُن کے خلاف شہروں میں بلوے کر کے بعض آدمیوں کو قتل کر کے یہ اُمید کرنا کہ کشمیر کا احمدی شوق سے آگے بڑھے گا اور کہے گا کہ مَیں پاکستان جانا چاہتا ہوں کہاں تک عقل کے مطابق ہے؟ اور احمدیوں کو جو بڑی تعداد میں اِس علاقہ میں پائے جاتے ہیں اور جنہوں نے پہلے ایجی ٹیشن میں ڈوگرہ حکومت کے دانت کھٹے کر دیئے تھے ڈرا دینا اور پاکستان سے متنفر کر دینا تاکہ وہ ڈوگروں اور شیخ عبداللہ کی جماعت سے مل کر پاکستان سے الگ رہنے کا ووٹ دیں کشمیر کے مستقبل کے لئے کس قدر خطرناک ہے۔ یہ صاف بات ہے کہ جو لوگ ایسا کر رہے ہیں انہیں ہندوستانی حکومت سے مدد مل رہی ہے اور وہ کشمیر کی رائے شماری کو ناکام بنانے کے لئے ایسا کر رہے ہیں۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ سرحد کا وہ غیور مسلمان جس کے خون سے ہماری وادیاں چمک رہی ہیں کیا اپنی قربانی کو اِس طرح ضائع ہونے دے گا؟ اگر رائے شماری سے فیصلہ ہونا ہے اور اگر رائے شماری

کو کامیاب بنانا ہے تو ہمیں احمدیوں کے خلاف شور کر کے اُنہیں ڈرانے سے اجتناب کرنا ہوگا ورنہ نتیجہ خطرناک نکلے گا اور اُس وقت ندامت ظاہر کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور ہم لوگ ہمیشہ کے لئے مہاجر ہی بنے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اِس عذاب سے ہمیں بچائے"۔

اِس اشتہار کے نیچے مندرجہ ذیل کشمیری مسلمانوں کے دستخط ثبت تھے:۔

"(۱) میر عبدالعزیز صاحب بی۔اے آنرز (جائنٹ سیکرٹری آل جموّں و کشمیر مسلم کانفرنس) حال راولپنڈی (۲) مرزا احمد بیگ نون (ممبر مجلسِ عاملہ و کمیٹی آف ایکشن و جنرل کونسل آل جموّں و کشمیر مسلم کانفرنس) حال پشاور (۳) تاج الدین مالک "تاج محل ہوٹل" امیرا کدال سرینگر حال مقیم اکبری گیٹ لاہور (۴) خواجہ علی محمد بابا بی۔اے۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ پریذیڈنٹ ضلع مسلم کانفرنس بارہ مولہ حال مظفر آباد (۵) خواجہ غلام مصطفےٰ ملک ایم۔ایل۔اے کشمیر تحصیل اننت ناگ حال مظفر آباد (۶) سید محمد مقبول شاہ شنا گی سپرنٹنڈنٹ دفتر آل جموّں و کشمیر مسلم کانفرنس مرکزیہ راولپنڈی (۷) خواجہ غلام قادر سوپوری ممبر جنرل کونسل آل جموّں و کشمیر کانفرنس حال مظفر آباد (۸) خواجہ غلام احمد کرنائی آف سوپور ممبر جنرل کونسل آل جموّں و کشمیر مسلم کانفرنس حال مظفر آباد (۹) منظور الحق ڈار ہمبوری فرزند خواجہ غلام محمد صاحب خادم مرحوم ممبر جنرل کونسل آل جموّں و کشمیر مسلم کانفرنس حال راولپنڈی (۱۰) ایم۔اے حفیظ بی۔اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ سرینگر جنرل سیکرٹری مسلم لیگ سرینگر کشمیر حال ایبٹ آباد (۱۱) خواجہ بشیر احمد فرزند حاجی مامہ کلو صاحب جنرل فروٹ مرچنٹ نشاط سرینگر حال مری (۱۲) عبدالغنی خاں سابق نمبردار ملیال تحصیل ہندواڑہ ریفیوجی اسسٹنٹ حال مری (۱۳) وزیر غلام مہدی ایم۔اے۔ایل ایل بی آف اسکردو حال راولپنڈی (۱۴) غلام حسن ڈار مخدومی سابق سیکرٹری کشمیر پریس رپورٹرز ساکن بیچ بیاڑہ کشمیر حال مری (۱۵) ڈاکٹر سجاد حسن بٹ ڈینٹس سابق چیف آرگنائزر انجمن مہاجرین کشمیر حال مظفر آباد۔ (۱۶) خواجہ غلام محمد کار سوپوری ممبر مجلسِ عاملہ آل جموّں و کشمیر مسلم کانفرنس حال مری (۱۷) غلام مہدی ملتستانی ممبر ورکنگ کمیٹی آل جموّں و کشمیر مسلم کانفرنس حال مری (۱۸) عبدالرحمٰن بٹ صدر ڈسٹرکٹ ہزارہ مسلم کانفرنس حال مقیم ایبٹ آباد (۱۹) خواجہ عبدالرحمٰن جنرل سیکرٹری مسلم کانفرنس ہزارہ حال ایبٹ آباد (۲۰) (مولوی) عبدالعزیز مالک کشمیر کلاتھ ہاؤس ایبٹ آباد (۲۱) محمد شریف قریشی پبلسٹی سیکرٹری مسلم کانفرنس ہزارہ (۲۲) ماسٹر عبدالرحمٰن قریشی راجوڑی حال ایبٹ آباد ضلع ہزارہ (۲۳) خواجہ غلام سول

وانی آف بارہ مولہ ممبر جنرل کونسل آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس حال مظفر آباد (۲۴) سید محمد ہدایت اللہ شاہ راجوروی جنرل سیکرٹری انجمن تحفظ سادات کشمیر حال پاکستان (۲۵) پیرزادہ نشتر کاشمیری سابق صدر انجمن درس الاسلام کشمیر و پبلسٹی سیکرٹری آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس حال مظفر آباد (۲۶) پیرزادہ غلام احسن ساکن مرہامہ تحصیل گولہ گام کشمیر حال مقیم مظفر آباد (۲۷) عبدالرزاق ڈار آف بڈگام کشمیر حال مقیم واہ کیمپ پاکستان (۲۸) محمد لطیف خاں آف گلمرگ کشمیر حال ایبٹ آباد (۲۹) شیخ عبدالرحمٰن ساکن اسلام آباد حال مقیم مظفر آباد (۳۰) خواجہ ثناء اللہ میر آف کورہ ہامہ تحصیل بارہ مولہ حال مقیم پشاور (۳۱) منشی حبیب اللہ بٹ چھتہ بل سرینگر حال مقیم پشاور (۳۲) راجہ عطاء اللہ خاں برادر راجہ محمد عنایت اللہ خاں صاحب علاقہ دار ہلپلڈار تحصیل ہندوواڑہ کشمیر (۳۳) سردار سمیع خاں درّانی فرزند سردار محمد اکرم خاں صاحب وزیر وزارت کشمیر حال مقیم پشاور (۳۴) سعید احمد خاں (ایف۔ ایس سی) سرینگر کشمیر حال مقیم راولپنڈی (۳۵) خواجہ حبیب اللہ ڈار آف بارہ مولہ حال جنرل کلاتھ مرچنٹ پشاور (۳۶) خواجہ علی محمد بھلّو سرینگر کشمیر حال لیڈر مرچنٹ پشاور (۳۷) خواجہ غلام رسول رشی وائس پریذیڈنٹ آزاد کشمیر چیمبر آف کامرس حال راولپنڈی (۳۸) محمد مظفر فاضلی ساکن بانڈی پورہ حال مہاجر راولپنڈی (۳۹) شاعرِ کشمیر خواجہ احمد اللہ غازی سوپوری حال راولپنڈی (۴۰) سردار بشیر احمد خاں آف سرینگر فرزند سردار عمراؤ خاں صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس کشمیر حال راولپنڈی "

حضرت امیر المومنینؓ کی ایک اہم نصیحت

۱۵؍تبوک؍ستمبر کو حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے جماعت کو بتایا کہ:۔

"وہ وقت قریب سے قریب تر آرہا ہے جب دنیوی نقطہ نگاہ سے یا تو احمدیت کو اپنی فوقیت ثابت کرنی ہوگی اور یا اس جدّ و جہد میں فنا ہونا پڑے گا اور دینی نقطہ نگاہ سے اور روحانی نقطہ نگاہ سے خدا تعالیٰ کی طرف سے ان تغیّرات کے رونما ہونے کا وقت آچکا ہے جو احمدیت کو ایک لمبے عرصہ تک کے لئے دنیا میں قائم کر دیں گے اور اس کا غلبہ اس کے دوستوں اور اس کے مخالفوں سے منوالیں گے مگر ان تمام تغیّرات کے لئے انسان کی قربانیاں اور انسان کی جدّ و جہد نہایت ضروری ہوتی ہے۔"

اس حقیقت کو واضح کرنے کے بعد حضرت امیر المومنینؓ نے مخلصینِ احمدیت کو نصیحت فرمائی کہ:۔

"یہ زندگی صرف چند روزہ ہے اس دُنیا میں نہ مَیں نے ہمیشہ رہنا ہے نہ آپ نے۔ اگر ہم خدا تعالیٰ

کے نام کو بلند کرنے کے لئے اپنے ہاتھ سے ایک نیک بنیاد قائم کر دیں گے تو ہم اور ہماری نسلیں ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جائیں گی۔ لیکن اگر ہم اس نیک بنیاد کو قائم کرنے میں حصہ نہیں لیں گے تو آپ لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ گو روحانی نقطۂ نگاہ کے ماتحت ہم کچھ کریں یا نہ کریں یہ سلسلہ بہرحال ترقی کرتا چلا جائیگا کیونکہ یہ کسی انسان کا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا قائم کردہ سلسلہ ہے۔ لیکن دنیوی نقطۂ نگاہ کے ماتحت ہم اور ہماری اولادیں ان انعامات سے محروم ہو جائیں گی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اِس سلسلہ کی خدمت کرنے والوں کے لئے مقدر رہیں اور جو لازماً ایک دن ملنے والے ہیں۔ زمین ٹل جائے، آسمان ٹل جائے آخر احمدیت نے دُنیا میں قائم ہونا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی ایک اٹل تقدیر ہے۔ اس کی طرف یہ منسوب کرنا کہ اس نے اپنا ایک مامور بھیجا مگر وہ ہار گیا ایک پاگل پن کی بات ہے۔ اگر خدا ہے اور اگر خدا اپنے نبیوں کو بھیجتا رہا ہے اور اگر خدا تعالیٰ نے ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا تھا تو ہم اپنے وجود میں شُبہ کر سکتے ہیں ہم اپنے کان، ناک، مُنہ اور زبان میں شُبہ کر سکتے ہیں ہم اپنے بیوی بچوں کے وجود میں شُبہ کر سکتے ہیں مگر ہم اِس بات میں کوئی شُبہ نہیں کر سکتے کہ خدا تعالیٰ کا مامور اور مُرسل جس تعلیم کو لے کر آیا ہے وہ یقیناً اپنے وقت پر کامیاب ہوگی دشمن اس سے ٹکرائے گا تو پاش پاش ہو جائیگا جس طرح ایک دریا کی زبردست لہریں چٹان سے ٹکرا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوتی ہیں اسی طرح انکی مخالفت ناکام ثابت ہوگی اور یہ سلسلہ عروج حاصل کرتا چلا جائے گا ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ خدا تعالیٰ کی تقدیر سے ہم نے کتنا فائدہ اُٹھایا ہے۔ لوگ نہ ہونے والی چیزوں کے متعلق اپنا پُورا زور صرف کر دیا کرتے ہیں اور ہم تو وہ کام کر رہے ہیں جو یقیناً ہونے والا ہے اور جس کی پُشت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ؎

جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

اگر خدا تعالیٰ کی بات ٹل جائے تو اس کی خدائی ہی باطل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کی باتوں میں فرق ہی یہی ہوتا ہے کہ بندہ بعض دفعہ پُورے سامانوں کے ساتھ اُٹھتا ہے اور ناکام ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ جس بات کا فیصلہ کر لے اس کے پورا ہونے میں کوئی چیز روک نہیں بن سکتی۔ آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہوگی اگر آپ اِس کام میں حصہ لے کر آنے والی کامیابی کو قریب کر دیں اور خدا تعالیٰ

کی بات کو پُورا کرکے اس کا ہتھیار بن جائیں کیونکہ وہ شخص جو خدا تعالیٰ کا ہتھیار بن جاتا ہے وہ بابرکت ہو جاتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ نے الہاماً فرمایا کہ مَیں تجھے بہت برکت دُوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔اگر حضرت مسیح موعودؑ کے کپڑے آپؑ کے جسم سے چُھو کر بابرکت ہو گئے تو یہ سمجھ لو کہ اگر تم خدا تعالیٰ کے ہتھیار بن جاؤ گے تو تم میں کتنی برکت پیدا ہو جائے گی یقیناً اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم کے ساتھ چُھو جانے کی وجہ سے آپ کے کپڑوں کو برکت حاصل ہو گئی تو وہ شخص جو خدا تعالیٰ کا ہتھیار بن کر خود اس کے ہاتھ میں آجائے گا وہ ان کپڑوں سے بہت زیادہ بابرکت ہو گا کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کو بھی اگر برکت دی تو خدا تعالیٰ نے دی اور آپؑ کے کپڑوں کو بھی اگر برکت دی تو خدا تعالیٰ نے دی۔پس یقیناً وہ ان برکتوں کا وارث ہو گا جو دنیا کی بڑی سے بڑی حکومتوں اور طاقتوں میں بھی نہیں پائی جاتیں"۔[1]

نوجوانانِ احمدیت کو قربانیوں کی دعوت

۲۱-۲۲-۲۳۔رماہِ اخاء کو مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا سالانہ اجتماع ربوہ میں منعقد ہوا جس میں حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے خدام کو بہت سی قیمتی ہدایات دیں بالخصوص مذہب کی اس بنیادی روح کی طرف متوجہ فرمایا کہ عقیدے اور قوتِ متحرکہ کے مجموعے کا نام ایمان ہے۔عمل کے بغیر محض عقیدہ کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔[2] اس سلسلہ میں انہیں قربانیوں کی پُرزور دعوت دیتے ہوئے فرمایا:-

"یاد رکھو کہ اسلام کی ترقی کا وہ زمانہ تمہیں نصیب ہوا ہے جو پھر کبھی نہیں آئے گا جس طرح یہ درست ہے کہ اسلام جتنا اب گرا ہے اتنا کبھی نہیں گرے گا اسی طرح یہ بھی یقینی امر ہے کہ جس شان سے اسلام اب بڑھے گا اتنا آئندہ کبھی نہیں بڑھے گا اور تمہیں خدا نے قربانی کرنے کا جو موقع دیا ہے وہ آئندہ کسی کو میسر نہ آئے گا۔آج زمین و آسمان کا خدا ایک غلام کی حیثیت سے دنیا کی منڈیوں میں بِک رہا ہے اور تمہاری چھوٹی سے چھوٹی قیمت بھی اسے خرید سکتی ہے۔خدا کی خدائی انسانی ذہن کے مطابق ہوتی ہے۔جب مَیں نے خدا کو غلام کہا تو میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمارا واحد اور احد خدا نعوذ باللہ غلام ہے بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ آج دُنیا کی نگاہ میں اس کی یہی حیثیت ہے اور آج تمہی ہو جنہوں نے اپنے خدا کی عزت اور عظمت دُنیا میں دوبارہ قائم کرنی ہے۔جس قربانی کیلئے

---

[1] الفضل ۹ر تبوک (ستمبر) ۱۳۲۹ھش صفحہ ۶ ۔ [2] الفضل ۲۵ر اخاء (اکتوبر) ۱۳۲۹ھش صفحہ ۲

تمہیں بُلایا جا رہا ہے وہ ہیچ ہے اس اجر کے مقابلہ میں جو اس کے بدلہ میں تمہارے لئے مقدر ہے۔ تمہیں خدام الاحمدیہ کی طرف سے قربانی کے لئے بُلایا جائے گا۔ تمہیں تحریکِ جدید کی طرف سے قربانی کے لئے بُلایا جائے گا۔ تمہیں صدر انجمن کی طرف سے قربانی کے لئے بُلایا جائے گا۔ تمہیں لوکل انجمن کی طرف سے قربانی کے لئے بُلایا جائے گا۔ شاید تمہیں خیال آئے کہ کیوں چاروں طرف سے تمہارے لئے ہی قربانی قربانی کی آواز آرہی ہے۔ مگر یاد رکھو جب زمین میں ہر طرف سے تمہارے لئے قربانی قربانی کی آواز اُٹھ رہی ہوگی تو عین اس وقت اس کے بالمقابل آسمان پر ہر طرف سے تمہارے لئے انعام انعام انعام کی آواز اُٹھ رہی ہوگی۔ پس اس کام کو چھوٹا مت سمجھو بلکہ بڑا سمجھو اور اس کام کی نوعیت اور اہمیت کے مطابق ہی تم قربانی پیش کرو۔"[1]

بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں

جماعتِ احمدیہ کے عالمگیر اسلامی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں اس سال بھی نمایاں اضافہ کے ساتھ جاری رہیں بعض مشنوں کے چند ضروری کوائف درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

شام مشن:۔ جماعتِ احمدیہ دمشق نے ۲۶ ماہِ نبوت (نومبر) ۱۳۲۹ھش کو سیرت النبیؐ کا جلسہ عام منعقد کیا جس میں مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کے علاوہ شام کی بعض اہم شخصیات نے بھی تقریریں کیں۔ دمشق کے اخبار "الکفاح" (۱۶ صفر ۱۳۷۰ھ) اور "القبس" (۱۷ صفر ۱۳۷۰ھ) نے اس جلسہ کی خبر شائع کی۔ چنانچہ اخبار الکفاح نے لکھا:۔

"الجماعة الاحمدية تحتفل بسيرة النبی"

اقامت الجماعة الاحمدية بدمشق احتفالاً عظيماً نهار امس لبيان سيرة الرّسول الاعظم محمد صلی اللہ عليه وسلّم واُلقِيَتْ فيه خطب قيمة من قبل بعض الشخصيات السورية كما وتكلم فيها ايضا الاستاذ الباكستانی ميرزا رشيد احمد چغتائی الاحمدی، الذی ذكر قوة قدسية النبی صلی اللہ عليه وسلّم وتأثيرها فی قلوب اصحابه والاٰخرين من العرب

---

[1] الفضل ۱۳ اخاء ۱۳۲۹ھش / اکتوبر ۱۹۵۰ء صہ۳

والعجم۔ وهنا اهل الشام على ما بورکت بلادهم و شرفت اراضيهم بقدوم فخر الكائنات اليها حيث وطأت قدمه صلى الله عليه وسلم عليها وكان لهذه الخطب اثرها العظيم فى قلوب الحاضرين الذين اكثروا من الصلوٰت والسلام على سيّدنا محمّد افضل الرسل وخاتم النّبيين عليه افضل الصلوٰت واتم التسليم "۔ [1]

(ترجمہ)

جماعتِ احمدیہ کا جلسہ سیرت النبیؐ

جماعتِ احمدیہ دمشق نے کل ایک عظیم الشان جلسہ حضرت رسولِ اعظم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرنے کے لئے منعقد کیا جس میں بعض شامی اشخاص کی قیمتی تقاریر کے علاوہ میرزا رشید احمد چغتائی احمدی پاکستانی نے بھی تقریر کی جس میں آپ نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قوّتِ قدسیہ اور حضور کے صحابہ اور عرب و عجم کے دوسرے لوگوں کے دلوں میں اس کی تاثیر کا ذکر کیا۔ اور آپ نے اہلِ شام کو اس بات پر مبارکباد دی کہ ان کے ملک کو یہ خاص برکت حاصل ہوئی اور ان کی سرزمین کو حضور فخرِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی تشریف آوری سے مُشرّف فرمایا جبکہ حضور کے مبارک قدموں نے اُس کو برکت بخشی۔

اِن تقاریر کا بڑا شاندار اثر حاضرین کے قلوب پر ہوا جنھوں نے سیّدنا محمد افضل الرسل خاتم النبیین افضل الصلوات و اتم التسلیم پر بکثرت درود وسلام بھیجا۔

اخبار القبس نے لکھا:۔

حفلة سيرة النّبي

اقامت الجماعة الاحمدية اول امس احتفالاً تكلّم فيه عددٌ من الخطباء عن سيرة الرسول الاعظم و تحدّثوا عن قدسية الرسالة التى قام بها هذا العربي العظيم (ص) الذى اسّس مدنية ـ مازال العالم يسير

---

[1] جریدہ "الکفاح" دمشق ۱۶ ؍صفر ۱۳۷۰ھ ؁

بهديها حتى اليوم" [1]

(ترجمہ)

جلسہ سیرت النبیؐ

پرسوں جماعتِ احمدیہ نے جلسہ منعقد کیا جس میں بہت سے مقررین نے حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر تقاریر فرمائیں اور رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ قدسیت کو بیان کیا جنہوں نے شہریت کے ایسے اصول وضع فرمائے ہیں جن سے دنیا آج تک راہنمائی حاصل کرتی چلی آرہی ہے۔

فلسطین مشن:- ماہنامہ البشریٰ جو پندرہ سال سے اسلام و احمدیت کا نُور پھیلا رہا تھا اِس سال بھی باقاعدگی سے (جبل الکرمل حیفا سے) چھپتا اور عرب و عجم میں بھجوایا جاتا رہا۔ البشریٰ میں حضرت مہدی مسعود علیہ السلام کی تصانیف میں سے "آئینہ کمالاتِ اسلام" "الھدٰی والتبصرۃ لمن یریٰ" کے اقتباسات کے علاوہ سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب کا مکمل عربی ترجمہ بھی چھپا جو السید عبداللہ اسعد العودہ کی کاوش کا نتیجہ تھا۔ علاوہ ازیں ابنِ عبدالرزاق کے قلم سے براہینِ احمدیہ حصہ پنجم کے ایک حصّہ کا ترجمہ شائع ہوا۔ الاستاذ رشدی البسطی کے متعدد نوٹ اور مضامین بھی شاملِ اشاعت ہوتے رہے۔

البشریٰ [2] نے اخبار "الیوم" یافا اور "النھضہ" الاردن (۲۲ فروری ۱۹۵۰ء) کے حوالہ سے چوہدری ظفراللہ خان صاحب کی اس معرکۃ الآراء تقریر کا بھی ذکر کیا جو آپ نے سلامتی کونسل میں مسلسل سات گھنٹے تک کی اور جس میں ثابت کیا تھا کہ کشمیر ہر اعتبار سے پاکستان کا جزو لاینفک ہے۔

غانا مشن:- بیرونِ پاکستان جماعتِ احمدیہ کا سب سے پہلا کالج ۳۰ ماہِ صلح ھ ۱۳۲۹ کو گولڈ کوسٹ (غانا) میں کھلا اور ڈاکٹر سفیرالدین بشیر احمد پی ایچ ڈی لندن اس کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے [3] یہ کالج ابتداء میں کماسی کی ایک عارضی عمارت میں کھولا گیا۔

---

[1] جریدہ "القبس" دمشق ۱۷ صفر ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۵۰ء

[2] ماہِ شہادت ھ ۱۳۲۹ [3] الفضل ۶ احسان ھ ۱۳۲۹ مطابق ۶ جون ۱۹۵۰ء صفحہ ۳

مشرقی افریقہ:۔ ۱۵ ؍ ماہِ احسان (جون) کو مولوی فضل الٰہی صاحب بشیر نے لینڈی میں پہلی مسجد کی بنیاد رکھی۔[1]

انگلستان مشن:۔ امام مسجد لنڈن چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ نے ومبلڈن سپر چولسٹ چرچ میں تقریر کی جس میں جماعتِ احمدیہ کے مخصوص علمِ کلام کی روشنی میں پیغامِ حق پہنچایا۔ رسالہ دی لنڈن سپر چولسٹ ("THE LONDON SPIRTULIST")[2] فزک نیوز (PSYCIC NEWS)[3] اور دی فرینڈ (THE FRIEND)[4] نے اِس تقریر پر عمدہ ریمارکس شائع کئے۔[5]

(۲) چوہدری صاحب کی زیرِ قیادت جماعتِ احمدیہ انگلستان کے ایک وفد نے وزیرِ اعظم برما تھاکن نو کو قرآن مجید کی انگریزی تفسیر تحفۃً پیش کی۔ وزیرِ اعظم نے اس مقدس تحفہ کو نہایت احترام اور جذباتِ تشکّر کے ساتھ قبول کیا۔[6]

سوئٹزرلینڈ۔ انڈونیشیا:۔ اِس سال سوئٹزرلینڈ سے "DER ISLAM" اور انڈونیشیا سے "اسلام" کے نام سے نئے احمدی رسائل جاری ہوئے۔

امریکہ مشن:۔ (۱) سال کے آغاز سے احمدی جماعتوں کی تنظیم و تربیت کے لئے "احمدیہ گزٹ" جاری کیا گیا۔

(۲) امریکن نومسلموں کو اسلامی تعلیم سکھانے کے لئے نور الدین سکول کھولا گیا۔[7]

(۳) جماعتِ احمدیہ امریکہ کا تیسرا سالانہ جلسہ ۲۔۳ ؍ ماہِ تبوک ؍ ستمبر کو انعقاد پذیر ہوا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ لجنہ اماء اللہ اور خدام الاحمدیہ کی تنظیموں نے مرکزی حیثیت سے اپنے اپنے اجتماع منعقد کئے۔ جلسہ کے دَوران چھ افراد نے قبولِ اسلام و احمدیت کا اعلان کیا۔ اِس دفعہ گذشتہ جلسوں کی نسبت بہت زیادہ مندوبین اور اراکین نے شرکت کی۔ جماعت ہائے احمدیہ امریکہ کے آئندہ سال کے پروگرام کے

---

[1] الفضل ۲۲ ؍ وفا ۱۳۲۹ھ ؁۳ ۔ [2] شمارہ فروری ۱۹۵۰ء ؁۲۹ ۔

[3] شمارہ ۲۵۔ فروری ۱۹۵۰ء ۔ [4] شمارہ ۲۴ ؍ فروری ۱۹۵۰ء ۔

[5] ترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۴ ؍ شہادت ۱۳۲۹ھ ؁۴ ۔ [6] (اسٹار) بحوالہ الفضل ۲۳ ؍ ہجرت ۱۳۲۹ھ ؁۱ ۔ [7] الفضل ۲۱ ؍ احسان ۱۳۲۹ھ ؁۲ ۔

متعلق بعض نہایت ہی اہم فیصلے کئے مثلاً (۱) جنوبی ریاستوں میں ایک نیا تبلیغی مرکز قائم کیا جائے۔ (۲) امریکہ کی کم از کم سو لائبریریوں میں اسلامی لٹریچر رکھوایا جائے (۳) آئندہ سال کے اندر اندر قبرستان کے لئے جگہ خرید کی جائے۔ وغیرہ وغیرہ[۱]

مجاہدینِ احمدیت کی مرکز میں تشریف آوری

اس سال مشرقی افریقہ، انڈونیشیا اور انگلستان کے بعض مجاہدین مرکز میں واپس تشریف لائے۔

چنانچہ مولوی نور الحق صاحب انور مبلغ مشرقی افریقہ، مولانا رحمت علی صاحب مبلغ انڈونیشیا، چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ امام مسجد لندن بالترتیب ۱۲، ۳۰ ماہ شہادت و ۱۶ ماہِ ظہور کو اعلائے کلمۂ اسلام کا فریضہ بجا لانے کے بعد لاہور پہنچے۔ ممتاز بزرگانِ سلسلہ کے علاوہ کثیر التعداد احمدیوں نے اپنے کامیاب مجاہد بھائیوں کا پُر جوش استقبال کیا[۲]

مبلغینِ احمدیت کی بیرونی ممالک کو روانگی

اس سال مغربی و مشرقی افریقہ اور ہالینڈ کے لئے مرکز سے مندرجہ ذیل مبلغینِ اسلام روانہ ہوئے:۔

۱۔ سعود احمد خاں صاحب	(روانگی از لاہور ۲۵ ماہِ امان ۱۳۲۹ہش[۳])	برائے غانا
۲۔ مولوی عبد الخالق صاحب	(″ ″ ″ ″)	برائے ایران
۳۔ مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری	(″ ″ ۱۳ ماہِ اخاء)	برائے سیرالیون
۴۔ مولوی عطاء اللہ صاحب کلیم	(″ ″ ″ ″)	برائے غانا
۵۔ مولوی نور محمد صاحب نسیم سیفی	(″ ″ ″ ″)	برائے نائیجیریا
۶۔ مولوی عبد الکریم صاحب	(″ ″ ″ ″[۴])	برائے سیرالیون
۷۔ مولوی ابو بکر ایوب صاحب	(″ ″ ۲۳ ماہ نبوت[۵])	برائے ہالینڈ
۸۔ مولوی غلام احمد صاحب بشیر	(″ ″ ″ ″)	برائے ہالینڈ

---

[۱] الفضل ۱۰ تبوک ۱۳۲۹ہش / ستمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۱ ؎ [۲] الفضل ۱۳ شہادت، ۲ ہجرت و ۱۶ ظہور ۱۳۲۹ہش / ۱۹۵۰ء صفحہ ۱

[۳] الفضل ۲۶ امان ۱۳۲۹ہش / ۱۹۵۰ء صفحہ ۱ ؎ [۴] الفضل یکم نبوت ۱۳۲۹ہش / ۱۹۵۰ء صفحہ ۱ ؎

[۵] الفضل ۲۴ نبوت ۱۳۲۹ہش / ۱۹۵۰ء صفحہ ۲ ؎

علمائے سلسلہ کی نئی مطبوعات

۱۳۲۹ھش / ۱۹۵۰ء میں جماعتِ احمدیہ کے مرکزی صیغہ نشر و اشاعت ربوہ کی طرف سے پمفلٹوں کی بکثرت اشاعت[1] کے علاوہ علمائے سلسلہ کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہوئیں :-

۱ - "قیامِ پاکستان و جماعتِ احمدیہ" (از علامہ جلال الدین صاحب شمس رضی اللہ عنہ سابق مبلغ بلادِ عربیہ و امام مسجد لندن)

۲ - "چالیس جواہر پارے" (از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ)

۳ - "روزنامچہ مبلغین یا ڈائری سنہ ۱۹۵۰ء" (مرتبہ نظارت دعوۃ و تبلیغ ربوہ)

۴ - "انقلابِ عظیم کے متعلق انذار و بشارات" (حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ)

فصل ہشتم

دعاؤں کے چلّہ کی خاص تحریک، طلبہ انجینئرنگ کالج لاہور سے پُر اثر خطاب، نمائندہ عراق عبدالوہاب عسکری کی ربوہ میں آمد، احمدی وفد مؤتمر عالم اسلامی کے دوسرے سالانہ اجلاس میں، بنیادی حقوق کی کمیٹی کی رپورٹ پر علمائے سلسلہ کا تبصرہ، محبّتِ الٰہی کے موضوع پر پُر معارف خطبات، احمدیہ مسجد سمندری کی آتشزدگی،

خلافتِ ثانیہ کا اڑتیسواں (۳۸) سال سنہ ۱۳۳۰ھش / ۱۹۵۱ء

دعاؤں کے چلّہ کی خاص تحریک

پاکستان میں جماعتِ احمدیہ کی مخالفت بہت ترقی کر رہی تھی اور احراری اور کانگرسی علماء کا ایک خاصہ گروہ ایسا میدان

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رپورٹ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۱۹۴۹ء - ۱۹۵۰ء، ۱۹۵۰ء - ۱۹۵۱ء

مخالفت میں نکل آیا تھا کہ اس کا کام سوائے اس کے اَور کوئی نہیں رہا تھا کہ وہ احمدیہ جماعت کے خلاف لوگوں میں جوش پھیلائیں اور ان کو فساد پر آمادہ کریں۔ ان تشویشناک حالات کے پیشِ نظر سیدنا امیرالمومنین حضرت مصلح موعودؓ نے ۲ تبلیغ ۱۳۳۰ھش / فروری ۱۹۵۱ء کو دعاؤں کے چِلّہ اور سات نفلی روزوں کی تحریک فرمائی۔ حضور نے اِس تحریک کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:۔

"ہماری جماعت ..... ایک مذہبی جماعت ہے۔ اور پھر صرف مذہبی جماعت ہی نہیں وہ ایک انقلابی جماعت ہے۔ اس نے دنیا کے خیالات، دنیا کے افکار، دنیا کے عقائد اور دنیا کے عمل کو بدلنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ان کاموں کے لئے خدا تعالیٰ نے اسے کھڑا کیا ہے۔ اور انقلابی جماعتیں پہلے اپنے اندر انقلاب پیدا کیا کرتی ہیں۔ تم دوسروں میں اُس وقت تک انقلاب پیدا نہیں کر سکتے جبتک تم اپنی ذاتوں میں انقلاب پیدا نہیں کر لیتے، جب تک دنیا تمہیں دیکھ کر یا تمہاری صُحبت میں آدھ گھنٹہ یا گھنٹہ رہ کر چِلّا نہ اُٹھے کہ تم ویسے آدمی نہیں جن کو ہم جانتے تھے اس وقت تک تم تغیر پیدا نہیں کر سکتے۔

اِسی طرح انقلابی جماعتوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ دنیا ان کی مخالفت کرے۔ اگر دُنیا کسی انقلابی جماعت کی مخالفت نہیں کرتی یا وہ اس کی اتنی مخالفت نہیں کرتی جتنی وہ ایسے مواقع پر کیا کرتی ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے اپنے اندر کوئی نقص ہے۔ اگر ایک باز سے چڑیا ڈرتی نہیں تو سمجھ لو اس باز میں کوئی نقص ہے۔ اگر ایک ماں باپ کے سامنے اور ان کی موجودگی میں بچہ شرارتیں کرتا چلا جاتا ہے تو سمجھ لو ماں باپ میں کوئی نقص ہے۔ اگر کوئی استاد جماعت میں بیٹھا ہے اور لڑکے شرارتیں کر رہے ہیں اور کھیل کُود میں لگے ہوئے ہیں تو سمجھ لو استاد میں کوئی نقص ہے۔ اسی طرح اگر کوئی جماعت انقلابی جماعت ہونے کا دعویٰ کرتی ہے لیکن لوگ اس کی مخالفت نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ اس جماعت میں کوئی نقص ہے۔

پس مخالفت اپنی ذات میں عجیب نہیں بلکہ اس کا نہ ہونا عجیب ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرمایا کرتے تھے کہ ان کے دوست نے ایک کام شروع کیا وہ بڑی عمر کے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ان سے چھوٹے تھے اِس لئے وہ آپ کا بے تکلفی سے نام لے دیتے تھے انہوں نے کہا نورالدین مَیں نے ایک کام شروع کیا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو پسند نہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے فرمایا آپ کو یہ خیال کیونکر ہوُا کہ آپ کا وہ کام خدا تعالیٰ کو پسند نہیں۔ انہوں نے کہا مَیں نے یہ کام دو تین ہفتہ سے شروع کر رکھا ہے لیکن ابھی تک اس کی کسی نے مخالفت نہیں کی۔ اور جو کام خدا تعالیٰ کی طرف سے

ہوتے ہیں ان کی ضرور مخالفت ہؤا کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریک خدا تعالیٰ کو پسند نہیں دو تین دن کے بعد ان کو کسی کی طرف سے مغلظ گالیوں سے پُر ایک خط آیا۔ وہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے نورالدین مبارک ہو میں نے جو کام شروع کر رکھا ہے وہ خدا تعالیٰ کو پسند آگیا ہے مجھے آج ایک شخص کی طرف سے مغلظ گالیوں کا ایک پلندا آیا ہے۔ غرض ہر الٰہی جماعت کی مخالفت لازمی ہے لیکن اسے یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ آیا اس نے اپنے آپ کو اس مقام پر کھڑا کر لیا ہے کہ دنیا اس سے خفا ہو اور خدا تعالیٰ اس سے راضی ہو۔ اگر یہ دونوں باتیں پیدا نہیں ہوئیں اور خدا تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہو گیا ہے اور دنیا بھی اس پر ناراض ہے تو وہ خسر الدنیا والآخرۃ ہو گیا۔ دنیا میں بھی اسے گھاٹا ہؤا اور اگلے جہان میں بھی اسے گھاٹا ہو گا۔

پس ہماری جماعت جو انقلاب پیدا کرنے کی دعویدار ہے اس کی مخالفت تو ضروری ہے لیکن ہمارا مقام یہ ہے کہ ہم پہلے اپنی اصلاح کریں۔ یہ روحانی انقلابی جماعتوں کی مخالفت یکساں نہیں رہتی کبھی زوروں پر ہوتی ہے اور کبھی کم ہو جاتی ہے جیسے سُورج چڑھتا ہے غروب ہوتا ہے اور دوسرے دن پھر چڑھتا ہے۔ انسان کو کسی وقت بھوک لگی ہوئی ہوتی ہے اور کسی وقت وہ سیر ہوتا ہے اسی طرح مخالفت میں بھی اُتار اور چڑھاؤ پایا جاتا ہے کبھی مخالفت ایسی شدید ہوتی ہے کہ وہ انسانی مقابلہ سے بالا تر ہو جاتی ہے اور کبھی وہ اتنی کمزور ہوتی ہے کہ اس کا مقابلہ انسان کی طاقت کے اندر ہوتا ہے ایسے وقت میں وہ بوجھ خود اُٹھاتا ہے لیکن جب اس کا مقابلہ اس کی طاقت سے بالا ہو جاتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا اور اس سے استمداد کرتا ہے۔ ہماری جماعت پر بھی یہ مصائب مختلف رنگوں اور مختلف زمانوں میں آئے ہیں۔ ہم پر وہ وقت بھی آیا جب ہماری مخالفت اتنی شدید ہو گئی کہ اس کا مقابلہ ہماری طاقت سے بالا تھا ایسے مواقع پر ہم نے ہمیشہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اس سے مدد مانگی۔ اور جب ہماری دعائیں اور گریہ وزاری اس مقام پر پہنچ گئی جب عرش بھی ہل جایا کرتا ہے تو وہ سُنی گئیں اور مخالفت ھَبَآءً مُّنْبَثًّا ہو کر رہ گئی۔ یہ زمانہ بھی ہم پر ایسا آرہا ہے جب اندرونی اور بیرونی طور پر نیز بعض حکام کی طرف سے بھی اور رعایا کی طرف سے بھی، علماء کی طرف سے بھی اور امراء کی طرف سے بھی، غرض ہر جتھہ اور ہر گروہ میں ایک حصہ ایسا ہے جو احمدیت کی مخالفت پر تُلا ہؤا ہے۔[۱]

۱؎ الفضل ۱۱ر تبلیغ ۱۳۳۰ھش / فروری ۱۹۵۱ء صفحہ ۵

"اِس قسم کے نازک مواقع پر مَیں جماعت کو اتنے حصہ میں شریک کرتا رہا ہوں کہ مَیں انہیں دعا کی طرف تحریک کیا کرتا ہوں اور مخلصین نے ہمیشہ میری اِس تحریک کو قبول کیا ہے اور انہوں نے اس طرح دعائیں کی ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مصیبت کو ٹلا دیا۔ سو مَیں ایک دفعہ پھر اِس نازک موقع پر جس کی اہمیت کو جماعت نہیں سمجھتی حتیٰ کہ قریب ترین لوگ اور اعلیٰ درجہ کے افسر بھی اسے نہیں سمجھتے جماعت میں دعا کی تحریک کرتا ہوں۔"[1]

اِس تمہید کے بعد فرمایا:۔

"یہ وقت بہت نازک ہے اور اس وقت مَیں جماعت کے مخلص دوستوں کو بُلاتا ہوں اور ان سے کہتا ہوں کہ وہ دعاؤں میں لگ جائیں۔ اِس وقت سب سے زیادہ کام دینے والی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ دعا ہے

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ

کہ اے خدا ہم دشمن کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے ہم اس کے سامنے کھڑے نہیں ہو سکتے اِس لئے چاہتے ہیں کہ ان کے مقابلہ میں ہماری طرف سے تُو کھڑا ہو جا۔ ہم ان کی شرارتوں سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔ دوسری بات جو اِس موقع پر زیادہ مفید ہوا کرتی ہے وہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ کا وِرد ہے۔ تیسری چیز درود ہے اور چوتھی چیز نمازیں زیادتی ہے۔ جو لوگ تہجّد پڑھ سکتے ہیں وہ تہجّد کے وقت یہ دعا کیا کریں۔ اور جو تہجّد نہیں پڑھ سکتے وہ کسی اَور وقت دُو نفل پڑھ لیا کریں۔ خواہ اشراق کے وقت یعنی ۹ بجے کے قریب یا عصر سے پہلے دُو نفل پڑھ لیا کریں اور ان نفلوں میں خصوصیت سے یہ دعائیں مانگا کریں۔ ہم اپنا پہلا چِلّہ چالیس دن کا مقرر کرتے ہیں۔ چونکہ خطبہ کے شائع ہونے میں کچھ دیر لگے گی اِس لئے جو احباب اِس چِلّہ میں شریک ہونا چاہتے ہیں اُن کی سہولت کے لئے ہم آج سے چودہ[۱۴] دن بعد یہ چِلّہ شروع کریں گے یعنی یہ چِلّہ ۱۶ ر فروری سے شروع ہوگا اور چالیس دن جاری رہے گا یعنی ۲۷ ر مارچ تک۔ اِس کے ساتھ ہی مَیں یہ تحریک بھی کرتا ہوں کہ ان ایام میں سات روزے رکھے جائیں۔ ہر ہفتہ میں پیر کے روز روزہ رکھا جائے۔ پہلا پیر ان ایام میں ۱۹ ر فروری کو آئیگا اور ۱۲ ر اپریل تک یہ سات روزے ختم ہوں گے۔ یہ روزے اِس طرح بھی رکھے جاسکتے ہیں کہ جن پر

[1] الفضل ۱۱ تبلیغ ھ ۱۳۳۰ش / فروری ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۔

کوئی فرضی روزے ہوں وہ ان ایام کے روزوں کو اپنے فرضی روزوں کی جگہ رکھ لیں۔ عورتیں جن کو بعض ایّام میں روزے منع ہوں یا بیمار رہوں ہفتہ میں جمعرات کو یا اگلے ہفتوں میں جمعرات میں روزے رکھ کر اپنی کمی پوری کر سکتی ہیں۔

شاید لوگ ہنسیں گے کہ اتنے بڑے مجموعی ارادوں کے مقابلہ میں انہوں نے کیا تیر مارا ہے لیکن جو ہنستے ہیں انہیں ہنسنے دو۔ ہمارے خدا کو انہوں نے نہیں دیکھا، ہمارے خدا کے تیروں اور ہتھیاروں کو انہوں نے نہیں دیکھا لیکن ان کے نہ دیکھنے کی وجہ سے تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا تعالیٰ نہیں ہے۔ ان کے نہ دیکھنے کی وجہ سے تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا تعالیٰ کی گرفت کوئی معمولی گرفت ہے۔ ہمارا خدا وہی ہے جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ تو جس کو چاہتا ہے عزّت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلّت دیتا ہے۔ تمام خیر اور نیکیاں تیرے قبضہ میں ہی ہیں یہی وہ چیز ہے جس کے ساتھ خدا تعالیٰ کے انبیاء ہمیشہ فتح پاتے رہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے پاس کونسی فوج تھی، حضرت نوحؑ کے پاس کونسی فوج تھی۔ کوئی دس سال کی کوشش سے اور اربوں ارب روپیہ خرچ کرنے کے بعد امریکہ نے ایٹم بم ایجاد کیا ہے اور اب رُوس اس کی نقل کر رہا ہے۔ لاکھوں آدمی اس کام پر لگے رہے اور سینکڑوں سائنسدان اس کی تیاری میں دن رات مشغول رہے لیکن نوحؑ کو دیکھو وہ رات دن تبلیغ میں لگا رہا۔ اس نے ایک تیر اور کمان بھی نہیں بنائی وہ صرف دعاؤں اور لوگوں کو تبلیغ اور نصیحت میں لگا رہا۔ اس کے لئے آسمان پر ایٹم بم تیار ہو رہے تھے، عرش پر اس کے لئے توپیں بن رہی تھیں۔ چنانچہ ایک دن آیا کہ آسمان سے بھی پانی برسا اور زمین نے بھی پانی اُگل دیا اور اس سے اتنا وسیع علاقہ برباد ہو گیا جس کو دس ہزار ایٹم بم بھی برباد نہیں کر سکتے۔ پس جو کچھ مَیں تمہیں دیتا ہوں وہ بہت زیادہ طاقت ور ہے۔ اتنی طاقت اور قوت دُنیا کی حکومتوں کے پاس نہیں ہوتی لیکن ضرورت ایمان کی ہے، ضرورت یقین کی ہے، ضرورت عمل کی ہے۔ جو خدا کی طرف ایک قدم بڑھتا ہے خدا اس کی طرف دو قدم بڑھتا ہے۔ اور جو خدا کی طاقت پر یقین رکھتا ہے اس کے سامنے دُنیا کی ساری طاقتیں ہیچ ہو جاتی ہیں۔" [1]

---

[1] الفضل ۱۱ر تبلیغ ہش ۱۳۳۰/ فروری ۱۹۵۱ء صفحہ ۲ و ۷ فرمودہ ۲ر فروری ۱۹۵۱ء

تحریکِ دُعا کی اہمیّت پر مزید روشنی

حضور نے ۲۳ تبلیغ / فروری کو بھی اِس تحریک کی اہمیت و ضرورت پر مزید روشنی ڈالی اور ارشاد فرمایا:-

"ہم میں سے ہر شخص کو اس مخالفت کے دیکھتے ہوئے یہ سوچنا چاہیئے کہ کیا اس میں وہ تقویٰ پایا جاتا ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔ کیا اس میں کامل سچائی پائی جاتی ہے۔ کیا وہ فریب تو نہیں کرتا۔ کیا وہ دھوکہ بازی سے تو کام نہیں لیتا۔ کیا وہ نمازوں کا پابند ہے۔ کیا وہ انصاف سے کام لیتا ہے۔ کیا وہ خدا تعالیٰ سے سچی محبت رکھتا ہے۔ کیا وہ اسلام کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہے۔ کیا وہ بنی نوع انسان کا ہمدرد ہے۔ اگر یہ تمام باتیں اس میں پائی جاتی ہیں تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اِس مخالفت کے ذریعہ خدا تعالیٰ اسے مارنے نہیں لگا کیونکہ اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو خدا تعالیٰ کو ناراض کرنے والا ہو۔ لیکن اگر افرادِ قوم میں کثرت ایسے لوگوں کی ہو جو یہ کہیں کہ ہم میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں۔ نہ ہمارے دلوں میں خدا تعالیٰ کی سچی محبت پائی جاتی ہے۔ نہ ہم اس کے لئے قربانی کرتے ہیں۔ نہ ہمارے اندر دین کی خدمت کا کوئی جوش پایا جاتا ہے۔ نہ ہم نمازوں کے پابند ہیں۔ نہ ذکرِ الٰہی کے عادی ہیں۔ نہ جھوٹ اور فریب سے بچتے ہیں۔ نہ ظلم اور فساد سے پرہیز کرتے ہیں۔ نہ اخلاق کے معیار پر پورے اُترتے ہیں تو پھر انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ مخالفت کسی نشان کے ظہور کا پیش خیمہ نہیں ہوسکتی یہ انہیں گناہوں کی سزا دینے کے لئے پیدا کی جارہی ہے۔ اِس صورت میں انہیں بہت زیادہ شکر کرنا چاہیئے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے۔ عام حالات میں انسان کا غافل رہنا بعض دفعہ قابلِ معافی بھی ہو جاتا ہے لیکن اگر سامان ایسے ظاہر ہو رہے ہوں جن سے یہ خطرہ ہو کہ یہ سامان شاید ہماری سزا کے لئے پیدا کئے جارہے ہیں تو اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنی اصلاح نہیں کرتا تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے خاندان اور اپنی قوم کو تباہ کرتا ہے۔ پس یہ معمولی حالات نہیں۔ جماعت کو اپنے اندر بیداری پیدا کرنی چاہیئے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ اگر کچھ لوگوں کے اعمال کی وجہ سے یہ سزا کا سامان بھی ہو تب بھی وہ اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرلیں کہ یہ عذاب رحمت کا موجب بن جائے جیسے یونا نبی کے زمانہ میں ہوا کہ خدا تعالیٰ نے یونا نبی کی قوم پر اپنا عذاب نازل کرنا چاہا مگر جب اس قوم نے اپنی اصلاح کی اور توبہ اور گریہ وزاری سے کام لیا تو وہی عذاب اس کے لئے رحمت بن گیا پس ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ عذاب آتے ہیں مگر وہ انسانوں

کے لئے رحمت بن جاتے ہیں۔ اسی لئے مَیں نے یہ تحریک کی ہے کہ اِن دنوں اپنی کامیابی اور دشمن کی ناکامی کے لئے متواتر دعائیں کی جائیں اور ہر پیر کے دن روزہ رکھا جائے تاکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اگر کوئی خرابی یا نقصان اِس وقت ہمارے لئے مقدر ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو بدل دے ہمیں طاقت اور غلبہ عطا فرمائے اور ہمارے دشمنوں کو ان کی کوششوں میں ناکام بنا دے۔" [1]

احمدی جماعتوں کا والہانہ لبّیک

حضور کی اِس خصوصی تحریک پر دُنیا بھر کی احمدی جماعتوں نے والہانہ طور پر لبّیک کہا اور مخلصینِ جماعت نے نہ صرف ۶ ماہِ تبلیغ/فروری سے لے کر ۲۷ ماہِ امان/مارچ تک متضرعانہ اور نیم شبی دعائیں کیں اور آنسوؤں سے اپنی سجدہ گاہوں کو تر کر دیا بلکہ نفلی روزوں کا بھی التزام کیا۔ یہ ایّام گویا پاکستان میں طاغوتی اور رحمانی طاقتوں کی کشمکش کے تھے۔ ایک طرف باطل کے پرستار تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ قریہ قریہ میں حق و صداقت کے خلاف نفرت و حقارت کی آگ بھڑکا رہے تھے تو دوسری طرف حضرت مہدیٔ موعودؑ کی مظلوم جماعت جو حقیقی معنوں میں خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی عاشق و فدائی تھی شبانہ روز دعاؤں کے باعث حضرت مہدی موعودؑ کے اِس شعر کا مصداق بنی ہوئی تھی کہ ؎

عدو جب بڑھ گیا شور و فغاں میں
نہاں ہم ہو گئے یارِ نہاں میں

"ملتان کانفرنس" کے جواب میں الفضل کا خصوصی نمبر

احراریوں نے ہش ۱۳۲۹/ ۱۹۵۰ء کے آخر میں "تحفظ ختم نبوت" کے نام پر ملتان میں ایک کانفرنس منعقد کی جس میں احراری لیڈروں نے جماعتِ احمدیہ پر بے بنیاد اعتراضات کئے۔ احراری ترجمان "آزاد" نے ۲۶ر دسمبر ۱۹۵۰ء کے پرچہ میں اِس کانفرنس کی روداد شائع کر کے ملک بھر میں اس کے زہریلے اثرات پہنچا دیئے۔

مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ ناظر تالیف و تصنیف نے ان اعتراضات کے جواب میں ایک مبسوط و مدلّل مقالہ سپردِ قلم فرمایا جو ۸ر فروری ۱۹۵۱ء (مطابق ۲۸ر تبلیغ ہش ۱۳۳۰) کے الفضل میں شائع کیا گیا۔ مولانا شمسؔ صاحبؓ نے ۳۲ صفحات کے اِس خاص نمبر میں نہ صرف ہر احراری لیڈر کی تقریر پر

---

[1] الفضل ۴ر امان ہش ۱۳۳۰/ مارچ ۱۹۵۱ء صفحہ ۴

محققانہ تبصرہ کیا بلکہ اُن کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا نہایت خوبی سے ازالہ کیا جس سے مُلک کے سنجیدہ اور اہلِ علم طبقہ کو احراری تحریک کے خدوخال سمجھنے اور جماعتِ احمدیہ کا علمِ کلام سمجھنے میں بھاری مدد ملی۔

طلبہ انجنیئرنگ کالج لاہور سے حضرت امیر المومنین کا پُراثر خطاب

۲؍ ماہِ شہادت/ اپریل کو بعد نماز عصر انجنیئرنگ کالج لاہور کے احمدی نوجوانوں نے حضرت مصلح موعودؓ کے اعزاز میں ایک دعوتِ عصرانہ دی۔ یہ دعوت تعلیم الاسلام کالج کے احاطہ میں دی گئی جو اُس دَور میں لاہور ہی میں تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اِس موقع پر ایک پُر معارف لیکچر دیا۔ حضور نے سورہ ممتحنہ کے آخری رکوع کی آخری آیت کی روشنی میں جس میں خدا تعالیٰ کی صفتِ مصوّر کا ذکر ہے فنِ انجنیئری کے اصول کا ذکر فرمایا۔ اِس تقریب میں انجنیئرنگ کالج کے پرنسپل (ڈاکٹر ایس۔ ڈی۔ ظفر مرحوم) اور پروفیسروں کے علاوہ اکابرِ سلسلہ میں سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی شرکت فرمائی[1]

عبد الوہاب العسکری کی ربوہ میں آمد

الحاج الدکتور عبد الوہاب عسکری (ایڈیٹر "السّلام البغدادیہ") جو عراق کی طرف سے مؤتمر عالمِ اسلامی کے نمائندہ تھے ۱۳۳۰ھش/ ۱۹۵۱ء کے شروع میں سلسلہ احمدیہ کے جدید مرکز ربوہ میں تشریف لائے۔ ۲۴ ماہِ صلح/ جنوری کو جامعۃ المبشرین میں آپ کے اعزاز میں ایک اہم جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت شیخ نور احمد صاحب منیر سابق مبلغ دمشق نے کی۔ اِس جلسہ میں الدکتور عبد الوہاب عسکری نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا :۔

"تقسیمِ ملک کے بعد جو تباہی آئی اس سے جس طرح دوسرے مسلمان محفوظ نہیں رہے آپ لوگ بھی اس کی زد سے نہیں بچ سکے۔ لیکن اتنی بڑی تکالیف کو برداشت کرنے کے بعد اِس علاقہ میں آپ جس قسم کی جدّوجہد کر رہے ہیں اور اپنی زندگی کا جو ثبوت آپ لوگوں نے پیش کیا ہے وہ ہمارے لئے قابلِ تقلید ہے اور مَیں اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا ہوں۔ سبقت کی جو رُوح آپ لوگوں میں پائی جاتی ہے اور آپ جو تیز رفتاری سے ترقی کر رہے ہیں بلاشک یہ حضرت صاحب المقام الجلیل امام جماعتِ احمدیہ کی خاص توجّہات کا نتیجہ ہے۔"

پھر کہا :۔

"مَیں نے آپ کی جماعت کو بہترین جماعت پایا ہے جو نیکی کا حکم دیتی ہے۔ نماز قائم کرتی ہے۔ زکوٰۃ

---

[1] الفضل ۴ شہادت ۱۳۳۰ھش صفحہ ۱، و مکتوب چوہدری خالد سیف اللہ صاحب اسسٹنٹ ڈائریکٹر واپڈا ۱۰۷ سمن آباد۔ لاہور

السید عبدالوہاب عسکری عراقی نمائندہ موتمر عالم اسلامی جامعۃ المبشرین میں تقریر فرمارہے ہیں

السید عبدالوہاب عسکری جامعۃ المبشرین کے اساتذہ طلبہ اور بزرگان سلسلہ کے ہمراہ

دیتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو کچھ انہیں دیا ہے خرچ کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے رستہ میں جہاد کرتی ہے۔ ان صفات کی مالک جماعت اِس لائق ہے کہ اس کا مستقبل شاندار اور روشن ہو کیونکہ خدا تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی ہمیشہ مدد کرتا ہے"۔ [1]

احمدی وفد مؤتمر عالم اسلامی کے دوسرے سالانہ اجلاس میں

موتمر عالم اسلامی ممالک اسلامیہ کی اس عالمی تنظیم کا نام ہے جس کا قیام فروری ۱۹۴۹ء میں پاکستان کے پہلے دارالسلطنت کراچی میں ہوا۔ اِس موقع پر مسلم نمائندگان نے مؤتمر کا ایک دستور مرتب کیا جس کی بنیاد قرآنِ عظیم کے ارشادِ ربانی "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" پر رکھی۔

مؤتمر کا دوسرا سالانہ اجلاس اِس سال ۹ سے ۱۳ ار فروری تک کراچی میں منعقد ہوا جس میں ۳۵ اسلامی ملکوں کے مندوبین نے شرکت کی اور دُنیائے اسلام کو درپیش مسائل پر اپنے ممالک کی نمائندگی کی اور متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ کشمیر، فلسطین اور دوسرے ان تمام اسلامی ممالک کو آزاد کرانے کی متحدہ کوشش کی جائے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی دیرینہ خواہش تھی کہ عالمِ اسلامی کے متفرق اجزاء کسی طرح ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنی عالمگیر مشکلات حل کرنے کی راہ سوچیں اور ایک دوسرے سے اُن کا رابطہ اور تعلق قائم ہو۔ چنانچہ ہجرت ۱۳۲۶ھ / مئی ۱۹۴۷ء کے بعد حضور نے لاہور، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ اور کراچی میں متعدد تقریریں فرمائیں جن میں اِس اہم ضرورت کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی۔ علاوہ ازیں ۱۳۲۹ھ / ۱۹۵۰ء میں کراچی کے صحافیوں کی کانفرنس میں مسلمانوں کی تنظیم اور اتحاد پر بہت زور دیا۔

"مؤتمر عالم اسلامی" چونکہ وحدتِ عالم اسلام کے لئے پہلا خوشکن قدم تھا جس کو اُٹھانے کی توفیق پاکستان کو میسر آئی تھی اِس لئے حضرت مصلح موعودؓ کے ارشادِ مبارک پر مؤتمر کے اِس دوسرے اجلاس میں مرکزِ احمدیت سے ایک احمدی وفد نے خاص طور پر شرکت کی۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوت و تبلیغ اِس وفد کے امیر تھے اور چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ وکیل التبشیر تحریکِ جدید

---

[1] الفضل، تبلیغ ۱۳۳۰ھش صفحہ ۲ و ۵۔ وطن جانے کے بعد الدکتور عبدالوہاب عسکری نے اپنی کتاب "مشاھداتی فی سماء الشرق" میں بھی یہی رائے ظاہر کی۔ ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد ۸ صفحہ ۱۴۰۔

اور ملک عمر علی صاحب نائب وکیل التبشیر اس کے رُکن۔ احمدی وفد کو مؤتمر کے ہر اجلاس کی کارروائی میں شامل ہونے کا موقع ملا۔ نمائندگان وفود سے الگ الگ ملاقاتیں کیں، ان کی تقاریر سُنیں اور اُن تقاریب میں شریک ہُوا جو مؤتمر کے نمائندوں کو سرکاری طور پر دی گئیں۔ جماعتِ احمدیہ کراچی نے اِس موقع پر حضرت مصلح موعودؓ کی ھ ۱۳۲۹ھ / ۱۹۵۰ء کی کراچی پریس کانفرنس کو عربی اور انگریزی زبانوں میں شائع کیا جو بیرونی ممالک کے مندوبین میں سے ایک معتدبہ حصّہ کو دیا گیا تا وہ اپنے ملکوں میں واپس جائیں تو حضرت امام جماعتِ احمدیہ کے قیمتی افکار و خیالات کو عملی جامہ پہنانے کی تدابیر اختیار کریں۔

امیرِ وفد حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے اپنے ایک مفصّل بیان میں مؤتمر عالمِ اسلامی کو عالمِ اسلامی میں وحدت اور اتحاد پیدا کرنے کی مبارک تحریک قرار دیا اور اپنے ایک مفصّل بیان میں اس کی سرگرمیوں کو خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے بتایا کہ :۔

"تمام عرب مندوبین نے اِس بات پر زور دیا کہ تمام باہمی فرقہ بندیوں کی حدود سے بالاتر رہ کر اس مؤتمر عالمِ اسلامی کی بنیاد اُٹھانی چاہیئے ورنہ یہ سانس لیتے ہی موت کا مُنہ دیکھے گی۔ اقوامِ عالم کے مشترکہ اسٹیج سے یہ آواز ایک احمدی کے دل میں کس قسم کی خوشی پیدا کر سکتی ہے اِس کا اندازہ اس مسلمہ حقیقت سے کیا جا سکتا ہے کہ عرصہ ... سے ہماری جماعت کے اسٹیج سے یہ آواز بار بار بلند کی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی مشترکہ اغراض کی خاطر ایک سٹیج پر جمع ہو کر رُوحِ تعاون کے ساتھ اپنی عالمگیر مشکلات کا حل سوچنا اور اپنی حالت بہتر بنانے کے لئے اکٹھا ہو جانا چاہیئے اور ہمیں خوشی ہے کہ ہماری آواز بازگشت بے نتیجہ نہیں رہی اور اب ممالکِ اسلامیہ کے درمیان وحدت پیدا کرنے کی غرض سے مؤتمر عالمِ اسلامی کی داغ بیل ڈالی جا رہی ہے۔"

اُن دنوں پاکستان اور بیرونی ممالک کے بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ مؤتمر عالمِ اسلامی کا قیام محض ایک سیاسی سٹنٹ ہے جس سے حکومتِ پاکستان اپنی ہر دلعزیزی اور قبولیت بڑھانا چاہتی ہے تا کہ ملکی انتخابات کے لئے موافق اور سازگار حالات پیدا ہوں۔ عرب نمائندگان میں سے بھی ایک نمائندہ نے اِس قسم کے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ اِن وفود کے پاس اُن کی حکومتوں کی طرف سے کوئی اختیار نہیں اور نہ حکومتیں ایسا اختیار دے سکتی ہیں بلکہ اگر اختیار دے بھی دیتیں تو اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہماری آواز کے ساتھ اپنی مقررہ اور مستقل پالیسی کو ہم آہنگ کریں گی۔ امیرِ وفد حضرت سیّد

ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے اس عرب نمائندے کو بھی جواب دیا اور اپنے بیان میں بھی بتایا کہ مؤتمر عالمِ اسلامی کے قیام اور بقاء سے کم از کم جو فائدہ ہمیں پہنچ سکتا ہے وہ یہ ہے کہ باہمی تعارف و ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت حاصل ہونے کے علاوہ عالمِ اسلامی کے اتحاد کی ضرورت کا شعور اور احساس پیدا ہو جانا خود ایک بڑی نعمت ہے۔ تقریباً ہر ایک نمائندے نے بلند آواز اور مؤثر انداز میں بار بار سُنایا کہ مسلمان مسلمان نہیں رہے تم مسلمان بنو یہ آواز بھی احساس بیداری پیدا کرنے والی ہے۔ اور جب قوم میں ایک دفعہ احساس پیدا ہو جائے تو اُمید کی جاتی ہے کہ دوسرا قدم بھی اُٹھایا جائے۔ پس احساسِ بیداری سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے نہ کہ مایوسی سے اس کو ضائع کر دینا چاہیئے۔"

حضرت شاہ صاحبؓ نے اِس بیان میں مزید فرمایا کہ:-

"مَیں نے محسوس کیا ہے کہ جمعیتِ علماء میں بھی قابلِ قدر ایسی شخصیتیں موجود ہیں جو سمجھتی ہیں کہ اسلامی فرقوں کے درمیان جو اختلافات ہیں ان کی نوعیت زیادہ تر تاویلی اور اصطلاحی ہے ہمیں اِن اختلافات سے بلند اور بالا رہ کر عالمِ اسلامی کے لئے تنظیمِ وحدت، کا سٹیج کھڑا کرنا چاہیئے۔ مجھ سے ایک عالم نے کہا کہ نبوت اور ختمِ نبوت کی تعریف میں جو اختلاف آپ کے اور ہمارے درمیان ہے وہ در اصل اصطلاحی تعریف کا اختلاف ہے ورنہ اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ اختلاف ایسا نہیں کہ ایسے ہم آپس میں دست و گریبان ہوں۔ آپ بھی مانتے ہیں کہ اسلام کی شریعت کامل ہے اور اس کے بعد کوئی شریعت نہیں اور نبوت کی تعریف میں صرف یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونا اور نبی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ صاحبِ شریعت بھی ہو اور ہمارے علماء نبی کے لئے شریعت کا لانا ضروری قرار دیتے ہیں۔ تو یہ صرف اختلاف تعریف کا ہے۔ یہ ایسا اختلاف نہیں کہ آپس میں دست و گریبان ہوا جائے علماء کے طبقہ میں اِس قسم کی آزاد خیالی کا پیدا ہونا خوش کُن ہے۔ جوں جوں ہمارا نقطۂ نظر وسعت اختیار کرتا جائے گا اور رواداری کی رُوح ہم میں کارفرما ہوگی ہم ایک دوسرے کے قریب ہوتے چلے جائینگے اور جو ہمارے درمیان خلیج ہے کم سے کم ہوتی چلی جائے گی۔ اِس لئے مَیں سمجھتا ہوں کہ مؤتمر عالمِ اسلامی کے ذریعہ سے مسلمانوں کے درمیان وحدت کی صورت پیدا ہونے کے امکانات موجود ہیں۔" [1]

---

[1] الفضل ۲۷ امان ۱۳۳۰ہش / ۲۷ مارچ ۱۹۵۱ء صفحہ ۶۔

سندھیوں میں حلقۂ تبلیغ وسیع کرنیکی تحریک

حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۱ امان/مارچ کو ناصر آباد سندھ کے مقام پر ایک اہم خطبہ ارشاد فرمایا جس میں احمدی جماعتوں کو تحریک فرمائی کہ وہ صُوبہ کے اصل باشندوں یعنی سندھیوں میں حلقۂ تبلیغ کو وسیع کریں۔ چنانچہ فرمایا:۔

"جب تک تم سندھیوں میں احمدیت کی تبلیغ نہیں کرتے یا جب تک تم ان کے ساتھ اِس طرح رِل مِل نہیں جاتے کہ تمہارا تمدن بھی سندھی ہو جائے، تمہارے کپڑے بھی سندھیوں جیسے ہو جائیں، تمہاری زبانیں بھی سندھی ہو جائیں اُس وقت تک تمہاری حیثیت محض ایک غیر ملکی کی رہے گی۔ یہ کتنی واضح چیز ہے جو نظر آ رہی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کتنے آدمی ہیں جنہوں نے اِس حقیقت پر کبھی غور کیا ہے۔ اِس وقت بیرونی جماعتوں میں سے سَو ڈیڑھ سَو آدمی یہاں آیا ہُوا ہے اور ہم خوش ہیں کہ جماعت میں زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں کہ ایک جنگل میں اتنے آدمی اکٹھے ہو گئے ہیں لیکن اگر ہم غور سے کام لیں تو یہ زندگی کے کیا آثار ہیں کہ جس ملک میں ہم بیٹھے ہیں اُس ملک کے باشندے ہمارے اندر موجود نہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے ہم انگلستان میں ایک بہت بڑا جلسہ کریں اور اس میں پاکستان کے پاکستانی، افریقہ کے حبشی، انڈونیشیا کے انڈونیشین، سیلون کے سیلونی، برما کے برمی، افغانستان کے افغان اور عرب ممالک کے عرب سب موجود ہوں لیکن انگلستان کا کوئی آدمی نہ ہو اور ہم بڑے خوش ہوں کہ ہمارا جلسہ نہایت کامیاب ہُوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ جلسہ کیا کامیاب رہا جس میں اَور ممالک کے لوگ تو موجود تھے اور انگلستان کا کوئی آدمی موجود نہ تھا۔ اِس طرح تو ہم نے اپنے روپیہ کو ضائع ہی کیا کیونکہ جس ملک کے لوگوں پر ہم اپنا اثر پیدا کرنا چاہتے تھے اُس ملک کا کوئی فرد اس میں موجود نہیں تھا۔ اسی طرح ہم جب سندھ میں آئے ہیں تو سندھ کے لوگوں کی خاطر آئے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم سندھیوں میں اپنی تبلیغ کے حلقہ کو وسیع کریں اور ان کو اپنے اندر زیادہ سے زیادہ تعداد میں شامل کریں۔ غرض اگر غور سے کام لیا جائے اور سوچنے کی عادت ڈالی جائے تو یہ چیز ہمارے سامنے آ جاتی ہے اور ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت اِس صوبہ میں رہتے ہوئے ہم نے اپنی ذمہ داری کو سمجھا ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس ملک کے رہنے والوں کا حق پنجابیوں سے زیادہ ہے اور ہمارے لئے خوشی کا دن دراصل وہ ہو گا جب ہمارے جلسہ میں اگر پانچ سَو آدمی ہوں تو ان میں سے چار سَو سندھی ہوں اور ایک سَو پنجابی ہو۔ اگر ہم ایسا

تغیّر پیدا کرلیں تب بے شک یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے اپنے فرض کو ادا کر دیا۔" ؎۱

بنیادی حقوق کی کمیٹی کی رپورٹ پر علمائے سلسلہ کا تبصرہ

پاکستان میں دستور سازی کی جو مہم تین سال سے جاری تھی اُس نے ۶؍اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ایک معین صورت اختیار کرلی یعنی ملک کی دستور ساز اسمبلی نے بنیادی حقوق کی کمیٹی کی عبوری رپورٹ منظور کرلی۔ اِس رپورٹ کے سارے پہلوؤں پر غور و فکر کے لئے حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ کے ارشادِ مبارک پر ایک کمیٹی تشکیل کی گئی جس میں مندرجہ ذیل ممتاز علمائے سلسلہ شامل تھے:۔

۱۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ ناظر دعوت و تبلیغ سابق پروفیسر تاریخ الادیان کلّیہ صلاح الدین ایوبی بیت المقدس۔ ۲۔ مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ ناظر تالیف و تصنیف سابق مبلّغ بلادِ عربیہ و امام مسجد لنڈن۔ ۳۔ ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ و سندیافتہ از صدر مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی سابق مدرس دارالعلوم دیوبند۔ ۴۔ مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعہ احمدیہ سابق مبلّغ بلادِ عربیہ۔ ۵۔ حضرت مولوی فضل الدین صاحب مشیر قانونی سلسلہ عالیہ احمدیہ ۶۔ مولوی خورشید احمد صاحب شاد پروفیسر جامعۃ المبشّرین سندیافتہ شیخ الحدیث ڈابھیل۔ ۷۔ مولوی محمد احمد صاحب ثاقب پروفیسر جامعۃ المبشّرین و سندیافتہ صدر مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی سابق مدرس دارالعلوم دیوبند۔ ۸۔ ابوالمنیر مولوی نورالحق صاحب پروفیسر جامعۃ المبشّرین۔ ۹۔ چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب بار ایٹ لاء مشیر قانونی سلسلہ عالیہ احمدیہ۔ ۱۰۔ مولوی تاج الدین صاحب قاضی سلسلہ عالیہ احمدیہ ۱۱۔ مولوی محمد صدیق صاحب پروفیسر جامعۃ المبشّرین سندیافتہ شیخ الحدیث ڈابھیل۔

اِن علماء نے قرآن و سُنّت کی روشنی میں عبوری رپورٹ کی دفعات کا تفصیلی جائزہ لیا اور اس کے اہم پہلوؤں پر ایک سیر حاصل تبصرہ لکھا جو الفضل (۲۴؍امان ۱۳۳۰ ہش) میں شائع ہوا۔ اِس تبصرہ کے بعض اہم نکات حسبِ ذیل تھے:۔

اوّل:۔ جہاں تک حدودِ شرعیہ کا سوال ہے جیسے قصاص، زنا، سرقہ وغیرہ اِن میں قرآن مجید اور سُنّت نے کسی کا استثناء نہیں کیا لہٰذا حدودِ شرعیہ میں نہ تو صدرِ مملکت کا استثناء مناسب ہے اور

؎۱ الفضل ۲۸؍امان ۱۳۳۰ ہش صفحہ ۶۔

نہ صدرِ صوبہ کا نہ کسی اَور کا۔ البتہ جن احکام کے نافذ کرنے کا قانون نے کسی عہدیدار کو حق دیا ہے ان کے نفاذ کے بارہ میں کوئی فوجداری نالش نہیں کی جاسکتی خواہ اس فیصلہ سے لوگوں کو اختلاف ہی ہو ایسے امور کی سماعت صرف مجلسِ شوریٰ یعنی اسمبلی میں ہو گی۔

دوم :۔ صدرِ مملکت یا صدرِ صوبہ کی گرفتاری، قید یا حاضری کا حکم اُس کے عہدہ کے دَوران کسی عدالت کی طرف سے جاری کیا جاسکتا ہے۔

سوم :۔ صدرِ مملکت کو حدودِ شرعیہ کے معاف کرنے کا حق نہیں مثلاً قتل اور جروح میں قصاص کی معافی یا دیت کی صورت میں سزا کی تبدیلی کا صرف مقتول کے وارث یا زخم خوردہ کی رضامندی سے صدر کو حق حاصل ہو سکتا ہے ورنہ نہیں اور باقی امور میں مصالحِ ملکی اور سیاسی کے ماتحت حق دیا جاسکتا ہے۔

چہارم :۔ اسلام میں صدرِ مملکت کو دستور معطّل کرنے کا اختیار کبھی حاصل نہیں البتہ اگر کسی دِقّت کی وجہ سے وقتی طور پر دستور پر عمل کرنا ناممکن ہو جائے تو اُس وقت صدرِ مملکت کو یہ اختیار ہونا چاہیئے کہ یہ اعلان کرے کہ چونکہ موجودہ حالات میں دستور پر عمل کرنا ناممکن ہو گیا ہے اِس لئے مَیں حالات کی درستی تک جس کے لئے میعاد معیّن مذکور ہونی چاہیئے اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہوں یا فلاں فلاں نمائندوں کو یہ اختیار سپرد کرتا ہوں۔

پنجم :۔ اسلام نے عدالتی فیصلہ کے بغیر کسی شخص کو قید میں رکھنا جائز نہیں رکھا۔ البتہ خاص حالات میں ہنگامی ضرورت کے وقت اگر کسی کو گرفتار کیا جائے تو اس کا معاملہ قریب سے قریب وقت میں عدالت کے سامنے پیش کیا جانا چاہیئے۔ البتہ اگر ضرورت سمجھی جائے تو عدالت کو از خود یا حکومت کی درخواست پر مقدمہ کی سماعت بند عدالت میں کرنے کا اختیار ہے۔ یہ اسلامی اصول کہ کسی کو عدالتی فیصلہ کے بغیر قید میں نہیں رکھا جاسکتا آئینی حکومت کو قائم رکھنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ جو حکومت یہ سمجھے گی کہ وہ عدالت کے فیصلہ کے بغیر کسی کو قید میں نہیں رکھ سکتی تو وہ لازماً اپنے قانون کو زیادہ مکمل کرنے کی کوشش کرے گی۔

ششم :۔ عبوری رپورٹ کے تتمّہ دوم دفعہ ۱۱۔۱۳ میں مذہبی تعلیم و آزادی کے لئے اسلامی فرقوں کے ساتھ "مسلّمہ" کا اضافہ کیا گیا تھا جس پر علمائے سلسلہ نے حسبِ ذیل رائے دی کہ :۔

"لفظ مسلّمہ خود تشریح طلب ہے اگر مسلّمہ سے مُراد قرآن کریم اور حدیث کی رُو سے مسلّمہ لیا جائے تو اس کے لئے کسی قید کے بڑھانے کی ضرورت نہیں کیونکہ قرآن و سُنّت کا حکم سب کے لئے ماننا ضروری ہے اور اس کے خلاف چلنا ناجائز ہے۔ اور اگر مسلّمہ سے مراد حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی وغیرہ فرقے لئے جائیں تو ایسی قید کسی طرح جائز نہیں سمجھی جاسکتی۔ قرآن مجید میں یہ کہیں بیان ہوا ہے کہ فلاں صدی تک کے لوگوں کو امورِ شرعیہ میں استنباط کرنے کا حق ہوگا اور فلاں صدی کے بعد کسی کو یہ حق نہیں ہوگا۔ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو اجتہاد کرنے کا حق تھا تو یہ حق ہمیشہ کے لئے قائم ہے۔ کسی خاص فرقہ کے ساتھ اس حق کو مقید نہیں کیا جاسکتا۔ پس اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی ایک مجتہد کی جماعت کو بھی مسلّمہ جماعت قرار دیا جائے تو پھر لازماً ہر مسلمان کہلانے والی جماعت کو مسلّمہ جماعت قرار دینا پڑے گا۔ اور دوسری طرف اگر کسی جماعت کو یا اس کے عقائد کو غیر مسلّمہ قرار دیا گیا تو پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سلسلہ کو بھی مسلّمہ قرار دینا جائز نہیں ہوگا۔"

محبّتِ الٰہی کے موضوع پر پُر معارف خطبات | تحریکِ احمدیت کے قیام اور حضرت مہدی موعودؑ کی بعثت کا مقصدِ وحید محبّتِ الٰہی ہے جیساکہ حضرت اقدس علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"وہ کام جس کے لئے خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ خدا میں اور اس کی مخلوق کے رشتہ میں جو کدورت واقع ہوگئی ہے اس کو دُور کر کے محبّت اور اخلاص کے تعلق کو دوبارہ قائم کروں۔"[1]

پھر فرماتے ہیں :-

"میری ہمدردی کے جوش کا اصل محرک یہ ہے کہ مَیں نے ایک سونے کی کان نکالی ہے اور مجھے جواہرات کے معدن پر اطلاع ہوئی ہے اور مجھے خوش قسمتی سے ایک چمکتا ہوا اور بے بہا ہیرا اس کان سے ملا ہے اور اس کی اِس قدر قیمت ہے کہ اگر مَیں اپنے ان تمام بنی نوع بھائیوں میں وہ قیمت تقسیم کروں تو سب کے سب اس شخص سے زیادہ دولتمند ہو جائیں گے جس کے پاس آج دُنیا میں سب سے بڑھ کر سونا اور چاندی ہے۔ وہ ہیرا کیا ہے؟ سچّا خدا۔ اور اس کو حاصل کرنا یہ ہے کہ اس کو پہچاننا اور سچّا ایمان اس پر لانا اور سچّی محبّت کے ساتھ اُس سے تعلق پیدا کرنا اور سچّی برکات اُس سے پانا۔"[2]

---

[1] لیکچر لاہور صفحہ ۴۷ ۔ [2] اربعین صفحہ ۱

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ چونکہ حُسن و احسان میں حضرت مہدیٔ مسعود علیہ السلام کے مثیل و نظیر تھے اس لئے آپ کو اپنے بابرکت دَورِ خلافت کے آغاز ہی سے سب سے بڑا فکر یہی دامنگیر رہا کہ جماعتِ احمدیہ کا ہر فرد کسی طرح خدا تعالیٰ سے مخلصانہ تعلق پیدا کرلے اور اُن کا مولیٰ اُن سے راضی ہو جائے۔ چنانچہ حضور انور نے سالانہ جلسہ ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء پر اپنے اِس درد اور تڑپ کا اظہار بایں الفاظ کیا کہ:۔

"مجھے ہمیشہ یہ تڑپ رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبّت تمہارے دِلوں میں پیدا ہو جائے اور اس سے سچّا اور مخلصانہ تعلق تم کو حاصل ہو۔ اور مَیں اِس غرض کے لئے ہمیشہ کئی قسم کی کوششیں کرتا رہا ہوں۔ مَیں نے ہزاروں رستے اور ہزاروں ذرائع تمہارے سامنے رکھے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ان ذرائع پر عمل کر کے سینکڑوں اور ہزاروں مخلص بھی پیدا ہوئے مگر پھر بھی ہماری جماعت میں حقیقی اخلاص کی ابھی کمی ہے جس کے لئے مَیں اللہ تعالیٰ سے متواتر دعائیں کرتا رہتا ہوں۔ اب اِس موقع پر مَیں ایک دفعہ پھر جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ یاد رکھو کہ میری موت یا حیات تو کوئی چیز نہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت بڑی چیز تھی اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی موت ان سے بھی بڑی چیز تھی مگر اس حقیقت کے باوجود مَیں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ اگر جماعت حقیقی ایمان پر قائم ہو اور وہ خدا تعالیٰ سے سچّا اور مضبوط تعلق رکھتی ہو تو کسی بڑے سے بڑے نبی کی وفات بھی اس کے قدم کو متزلزل نہیں کر سکتی بلکہ بعض برکات اور ترقیات ایسی ہوتی ہیں جو انبیاء کی وفات کے بعد قوم کو حاصل ہوتی ہیں بشرطیکہ قوم صحیح رنگ میں ایمان پر قائم ہو۔ پس اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرو اور اپنے نفوس میں ایسا تغیّر رُونما کرو کہ تمہارے دِلوں میں یہ بات گڑ جائے کہ ہم نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ سے وابستہ کرنا ہے اور اُس کی محبّت اور پیار حاصل کرنا ہے۔" [1]

حضرت مصلح موعودؓ نے جماعت کو تحریکِ احمدیت کے اِس بنیادی نقطہ کی طرف ایک بار پھر توجّہ دلانے کے لئے اِس سال محبّتِ الٰہی کے پیارے موضوع پر متعدد خطبات دیئے۔ یہ سلسلۂ خطبات ۳۰ ماہِ امان سے لے کر ۲۰ ماہِ شہادت تک جاری رہا۔

اِن پُر معارف خطبات میں حضور نے کمال وضاحت سے بتایا کہ مذہب کے عملی حصّہ کی بنیاد محبّتِ الٰہی

---

[1] الفضل ۲۲ صلح ۱۳۳۹ھش / جنوری ۱۹۶۰ء صا ٭

پر ہے جسے عام اصطلاح میں تعلق باللہ کہتے ہیں خدا تعالیٰ سے ملنے کے لئے کسی جنتر منتر کی ضرورت نہیں بلکہ اُن فطرتی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر انسان میں پائی جاتی ہیں جس طرح لوگ اپنے ماں باپ، بیٹے بیٹی اور بھائی بہنوں سے تعلق پیدا کر لیتے ہیں جس طرح لوگ کسی کو اپنا دوست بنا لیتے ہیں وہی فطری طریق خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ہیں۔ ماں باپ سے ہر ایک انسان محبّت کرتا ہے اِس لئے کہ اُن کی طرف آپ ہی آپ توجہ ہو جاتی ہے اور وہ خود بھی اسے یاد دلاتے رہتے ہیں کہ ہم تمہارے خیر خواہ ہیں لیکن اُستادوں سے لوگوں کو بہت کم محبت ہوتی ہے اِس لئے کہ وہ عام طور پر اپنے احسانات کو دُہراتے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ماں باپ اور استاد سے بھی زیادہ مخفی ہے اِس لئے وہاں توجہ کی زیادہ ضرورت ہے۔ اس کی محبّت پیدا کرنے اور اس کے قُرب کو حاصل کرنے کے لئے چیزیں وہی ہیں، گو وہی ہیں لیکن ضرورت صرف توجہ کی ہے۔ بعض موٹی موٹی چیزیں ہیں جن پر لوگ عمل نہیں کرتے اِس لئے وہ قُربِ الٰہی سے محروم رہتے ہیں۔ مثلاً رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب کھانا کھاؤ تو پہلے بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔ اب کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کہنے کے یہی معنے ہیں کہ یہ کھانا مجھے خدا تعالیٰ نے دیا ہے۔ بسم اللہ کے لفظی معنے تو یہ ہیں کہ مَیں خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں لیکن اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ کھانا خدا تعالیٰ کا ہے میرا کوئی حق نہ تھا کہ اسے کھاؤں مگر خدا تعالیٰ نے مجھے ایسا کرنے کی اجازت دی ہے اور اس نے کہا ہے تم کھالو اِس لئے مَیں کھا رہا ہوں۔ نہ گندم میری پیدا کی ہوئی ہے، نہ پانی میرا بنایا ہوُا ہے، نہ نمک میرا بنایا ہوُا ہے، نہ مرچ میری پیدا کی ہوئی ہے، نہ گوشت میرا پیدا کیا ہے، نہ ترکاریاں مَیں نے پیدا کی ہیں، یہ سب چیزیں میرے باپ دادا کی پیدائش سے بھی پہلے کی ہیں۔ بڑے سے بڑے خاندان کا ذکر بھی سَو پُشتوں سے آگے نہیں جاتا لیکن گندم، پانی، ترکاری، گوشت، نمک، مرچ اور لونگ وغیرہ ہزار پُشتوں سے بھی پہلے سے موجود ہیں اور جب یہ سب اشیاء میری پیدائش بلکہ میرے باپ دادا کی پیدائش سے بھی پہلے کی ہیں تو یہ میری نہیں ہو سکتیں۔ بسم اللہ کے معنے ہی یہ ہیں کہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی ہیں لیکن اُس نے ہمیں اجازت دی ہے کہ تم اسے کھالو اور ہم کھا رہے ہیں۔ پھر یہ بات بھی اسلام نے سکھائی ہے کہ جب تم کھانا کھا چکو تو الحمد للہ کہا کرو اور دوسری دفعہ خدا تعالیٰ کو یاد کر لیا کرو۔ گویا الحمد للہ کہنا خدا تعالیٰ کے احسان کا دوسری بار شکریہ ادا کرنا ہے۔ اگر کوئی انسان اس پر مداومت اختیار کرے تو آپ ہی آپ اس کے دِل میں خدا تعالیٰ کی محبّت پیدا ہو جائے گی۔"

محبتِ الٰہی کا دوسرا اہم نسخہ حضور نے یہ بیان فرمایا کہ :-

"خدا تعالیٰ کے حُسن کو الفاظ میں بیان کیا جائے۔ اسے بار بار دُہرایا جائے اور آنکھوں کے سامنے اس کی تصویر لائی جائے تا انسان مجبور ہو جائے کہ اس سے پیار کرے۔ اور اس کا نام قرآن کریم میں ذکرِ الٰہی رکھا گیا ہے۔ رب، رحمٰن، رحیم، مالکِ یوم الدین، ستّار، قدوس، مومن، مہیمن، سلام، جبّار، قہّار، اور دوسری صفاتِ الٰہیہ یہ سب نقشے ہیں جو ذہن میں کھینچے جاتے ہیں جب متواتر ان صفات کو ذہن میں لاتے ہیں اور ان کے معنوں کو ترجمہ کر کے ذہن میں بٹھا لیتے ہیں تو کوئی صفت خدا تعالیٰ کی کان بن جاتی ہے تو کوئی صفت آنکھ بن جاتی ہے۔ کوئی صفت ہاتھ بن جاتی ہے۔ اور یہ سب مل کر ایک مکمل تصویر بن جاتی ہے اور اسی کے نتیجہ میں محبتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے" [۱]

احمدیہ مسجد سمندری کی آتشزدگی

گذشتہ سال "تحفّظِ ختمِ نبوّت" کی آڑ میں بعض پاکستانی احمدیوں کو شہید کر دیا گیا تھا اِس سال نام نہاد "محافظینِ ختمِ نبوّت" نے ۱۳ ماہِ ہجرت/مئی کو سمندری (ضلع لائل پور) کی احمدیہ مسجد کو آگ لگا دی [۲] جیسا کہ اخبار الفضل کے نامہ نگار نے اطلاع دی :-

" احراری نقارہ پیٹ کر اپنے حواریوں کو اکٹھا کر کے مسجد احمدیہ پر ٹوٹ پڑے اور اسے آگ لگا دی۔ یہ ہجوم نہایت ہی فساد انگیز نعرے لگاتا ہوا مسجد کے اندر داخل ہوا اور اس میں مقیم احمدیوں کو زخمی کر دیا واٹر پمپ اُکھاڑ کر اس کا سامان اٹھا کر لے گئے" [۳]

ضلع لائلپور کے معزز مسلمانوں کا کھلا اظہارِ نفرت

اِس خلافِ اسلام حرکت اور شر انگیز اقدام سے قُرب و نواح کے علاقوں میں نہایت ہی نفرت اور غصّے کی لہر دوڑ گئی۔ اِس حقیقت کا اندازہ درج ذیل خطوط سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے جو اُن دنوں ضلع لائلپور کے شرفاء اور سربرآوردہ مسلمانوں کی طرف سے اخبار الفضل میں شائع ہوئے۔

(۱) سمندری کے معزز مسلمانوں کا احتجاج :-

"ہم حنفی المذہب مسلمان ہیں ہمارا جماعتِ احمدیہ سے کوئی تعلق نہیں مگر ہم اِس بات پر نفرت کا

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۰-۱۳-۱۹ وفا ھش ۱۳۳۰ / جولائی ۱۹۵۱ء ۔

[۲] الفضل ۱۶ ہجرت ھش ۱۳۳۰ / مئی ۱۹۵۱ء صفحہ ۱ ۔ [۳] ایضاً

اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ سمندری میں جن لوگوں نے احمدیہ مسجد کو جلایا ہے ان لوگوں نے نہایت گندہ فعل کیا ہے اور ان کی یہ حرکت پاکستان کے مسلمانوں کو سخت بدنام کرنے کا موجب ہے۔ صرف ہم ہی نہیں ہر شریف انسان کے دل میں ایسی حرکت کرنے والوں کے متعلق نفرت اور غصہ کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ عبادت گاہوں کو جلانا خواہ وہ کسی مذہب اور فرقہ کی ہوں نہایت ہی شرمناک حرکت ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ مہربانی فرما کر ہماری یہ رائے اخبار میں شائع کر دیں۔ ہم تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اِس مکروہ فعل پر نفرت کا اظہار کریں تاکہ ملک کی فضا خراب نہ ہو۔ (دستخط ۱۔ محمد حسین بقلم خود ۲۔ محمد شفیع بقلم خود ۳۔ الٰہ دین بقلم خود ۴۔ محمد دین ۵۔ محمد عبداللہ سمندری خاص)

(۲) چک ۴۸۸ گ۔ب متصل سمندری کے مسلمان شرفاء کے تاثرات:۔

"سمندری میں احمدیوں کی مسجد کو جلا کر شرارت پسند عنصر نے بہت ہی گندہ نمونہ پیش کیا ہے عبادت گاہ کو جلانا خواہ وہ کسی فرقہ کی ہو نہ صرف اسلام کی رُو سے گناہ ہے بلکہ اخلاقی لحاظ سے بھی بہت قابلِ شرم فعل ہے۔ پاکستان خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک امن پسند جمہوری ملک ہے اِس ملک میں کسی فرقہ کی عبادت گاہ کو جلانا ایسا فعل ہے جس کی ہندو، سِکھ، یہودی اور عیسائی سے بھی توقع نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے ملک کے مسلمان اسلام کی خدمت سے تو محروم تھے ہی اب ان میں سے چند شرارت پسند لوگوں نے اپنے اعمال سے اسلام کو بدنام کرنے والی حرکتیں شروع کر دی ہیں جن کو تمام شریف الطبع پاکستانی مسلمان نہایت نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہمارا جماعتِ احمدیہ سے مذہبی اختلاف ہے مگر ہم اِس فعل کو بہت بُرا اور ظالمانہ فعل سمجھتے ہیں۔

دستخط ۱۔ محمد شفیع ۲۔ جلال الدین ۳۔ محمد حسین ۴۔ HAKAMALI ۵۔ MOHAMMAD RAFI۔"

(۳) چک ۴۸۷ گ۔ب متصل سمندری کے مسلمان شرفاء کے تاثرات:۔

جن لوگوں نے سمندری کی احمدیہ مسجد کو جلایا ہے انہوں نے اسلام اور قرآن مجید کی تعلیم کے بالکل اُلٹ کر کے پاکستان کے مسلمانوں کو بدنام کرنے اور پاکستان کی پُرامن فضاء کو برباد کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم باوجود جماعتِ احمدیہ سے مذہبی اختلاف رکھنے کے اِس فعل پر سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں

اور توقع رکھتے ہیں کہ حکومت ایسے شر پر لوگوں سے باز پرس کرے گی اور جو لوگ مجرم ثابت ہوں ان کو سزا دیکر آئندہ کے لئے ملک کی فضا کو پاکیزہ بنائے گی۔

دستخط ۱۔ غلام محمد ۲۔ سردار محمد

(۴) احراریوں کی حرکت اسلام کو ذلیل کرنے والی ہے:۔

"مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بعض شر پسند عناصر نے سمندری میں ایک مسجد کو جلا دیا ہے۔ میں اور میرے دوست اس فعل پر انتہائی نفرت کرتے ہیں۔ جب ہم ان واقعات کو شرقی پنجاب کی سرزمین پر دیکھتے تھے تو انہیں دشمنانِ اسلام کے صریح مظالم قرار دیتے تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تخریب پسند عناصر کے حد سے گذرنے کی وجہ سے پاکستان میں بھی عبادت گاہیں محفوظ نظر نہیں آتیں۔ پاکستان ایک ایسی مملکت ہے جس کے حصول کے لئے لاکھوں انسانوں نے اپنی زندگیاں اس لئے قربان کیں کہ یہاں اسلامی نظام رائج ہو سکے۔ کیا ان کی رُوحیں اس ظالمانہ حرکت کو دیکھ کر تڑپ نہ گئی ہونگی۔ ہم آج بھی اسلام کے نام پر ہر قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن پاکستان میں اسلام کو ذلیل ہوتا نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی حکومت کو اس چیز کی اجازت دے سکتے ہیں کہ مسجدیں جلتی دیکھ کر حکومت کی مشینری میں کوئی حرکت پیدا نہ ہو۔

مَیں اور میرے احباب حکومت سے پُرزور استدعا کرتے ہیں کہ پاکستان کی سالمیت کے ان دشمنوں اور خدا کے باغیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھے۔

خاکسار محمد الطاف حسین طالبِ علم بی۔ ایس سی (زراعت) زراعتی کالج لائل پور"

(۵) احراریوں کی حرکت سراسر خلافِ اسلام ہے:۔

"جناب ایڈیٹر صاحب الفضل! السلام علیکم

سمندری میں مسجد کو جو آگ لگائی گئی ہے یہ سراسر غلطی ہے اور خلافِ اسلام حرکت ہے۔ مسجد خدا کا گھر ہے اس میں جس فرقہ یا خیال کا آدمی بھی عبادت کرنا چاہے کر سکتا ہے مسجد اس کو نہیں روکتی کہ فلاں آدمی نماز پڑھے اور فلاں نہ پڑھے مسجد فرقہ پرستی سے بالا جگہ ہے۔

مسجد میں ایک شیعہ بھی نماز پڑھ سکتا ہے، ایک اہلحدیث بھی پڑھ سکتا ہے، ایک احمدی فرقہ کا آدمی بھی پڑھ سکتا ہے۔ مسجد کا نام سب کے لئے قابلِ عزّت ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ بجائے اس کے کہ

اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق عبادت کی جائے بعض لوگوں نے یہ طریق اختیار کیا ہے کہ دوسروں کو عبادت کرنے سے روکا جائے اور ان کی مسجد کو جلایا یا گرایا جائے مسجد کو آگ لگانا اسلام کے سراسر خلاف ہے ایسے لوگوں کو دین سے کیا محبّت ہوسکتی ہے جو دوسروں کو خدا کی عبادت کرنے سے روکیں۔

(دستخط) عبدالرزاق پروپرائٹر اقبال پرنٹنگ پریس۔ لائل پور)

(۶) یہ فعل ازحد شرمناک ہے:۔

"جناب ایڈیٹر صاحب الفضل! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مَیں ایک حنفی المذہب مسلمان مہاجر ہوں۔ جب مَیں نے سمندری میں احمدیہ جماعت کی مسجد کو جلانے کی خبر سُنی تو مجھے بہت دُکھ ہُوا کہ ہم لوگ سکّھوں کے مظالم پر روتے تھے خود ہمارے پاکستان میں بھی بعض ایسے گندے اور ظالم لوگ موجود ہیں جو مسجد کو جلا دینے میں شرم محسوس نہیں کرتے۔ مَیں حیران ہوں کہ جب یہ خبر دوسرے ملکوں کے لوگ سُنیں گے تو کیا کہیں گے۔ یہ فعل بہت ہی شرمناک ہے۔ پاکستان کی رعایا اور حکومت دونوں کو مل کر کوشش کرنی چاہیئے کہ اس قسم کے فسادی لوگ ایسی حرکتیں نہ کرسکیں جن سے پاکستان اور اسلام کی بدنامی ہو اور ملک کا امن خراب ہو جائے۔

(عبدالغنی چک نمبر ۶۹ ج۔ ب تحصیل وضلع لائل پور)

(۷) مذہب کے نام پر دھبّہ:۔

"جناب ایڈیٹر صاحب الفضل! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کچھ دن ہوئے مَیں نے خبر سُنی کہ سمندری میں ایک مسجد کو آگ لگا دی گئی۔ میرے خیال میں جس نے بھی مسجد کو آگ لگائی ہے خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہے یہ اس نے اپنے مذہب کے نام پر دھبّہ لگایا ہے کیونکہ مذہب اسلام یہ کسی بھی حالت میں اجازت نہیں دیتا کہ کسی بھی عبادت گاہ کو آگ لگائی جائے۔

محمد ابراہیم بقلم خود منشی محلہ لائل پور[1]

روزنامہ "جدید نظام" کا احتجاج لاہور کے اخبار "جدید نظام" نے اپنی ۲۸ مئی ۱۹۵۱ء کی اشاعت میں اس افسوسناک سانحہ پر حسبِ ذیل احتجاجی نوٹ لکھا:۔

---

[1] الفضل ۹ احسان ہش ۱۳۳۰ / جون ۱۹۵۱ء صفحہ ۵

"کچھ عرصہ سے حکومتِ پاکستان کو پاکستان کی دیرینہ دشمن اور مخالف جماعت مجلسِ احرار کے ارکان نے یہ یقین دلانے کی ناکام کوشش کر رکھی ہے کہ مجلسِ احرار کی سیاسی پالیسی بالکل ناکام ہو چکی ہے اس لئے وہ لوگ جو کل تک یہ اعلان کیا کرتے تھے کہ ہندوستان میں کوئی ایک بھی ایسا مسلمان موجود نہیں ہے جو پاکستان کا قیام تو درکنار پاکستان کی صرف پ ہی بنا کر دکھا دے۔ لیکن آج جبکہ خدا کے فضل و کرم سے پاکستان کا قیام ہی عمل میں نہیں آیا بلکہ دُنیا کی بہترین طاقتور حکومتوں میں سے ایک اعلٰے پایہ کی حکومت کے طور پر شمار ہونے لگا ہے تو دشمنانِ پاکستان کی تحریک پر پاکستان کی بعض ایسی جماعتوں نے جو ہمیشہ مشرکین اور کفّار کی سٹیج سے تحریکِ پاکستان اور قیامِ پاکستان اور بانیٔ پاکستان کے خلاف ذلیل قسم کے خیالات کا اظہار کرتے رہے ہیں اور بانیٔ پاکستان حضرت قائدِ اعظم مرحوم و مغفور کو عام جلسوں میں نعوذ باللہ کافرِ اعظم کے خطاب سے نوازتے رہے آج وہی لوگ حکومتِ پاکستان کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں منافرت پھیلا کر آپس میں سر پھٹول کرانا اپنا شیوہ بنا چکے ہیں جیسا کہ ضلع لائل پور کی ایک مسجد کو آگ لگا کر تماشا دکھایا گیا ہے۔

عبادت گاہ خواہ کسی کی ہو ہر لحاظ سے قابلِ احترام ہے۔ مرزائیوں سے ہمیں بھی مذہبی اور عقیدہ کے لحاظ سے احراریوں سے زیادہ اختلافات ہیں مگر اِس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان کی عبادت گاہوں کو آگ لگا کر جلا دیں۔ ہمارے عقیدہ کے مطابق کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ حضور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ کو خدا کا آخری نبی اور سچّا نبی نہ مانیں۔ کچھ عرصہ ہوُا امپروومنٹ ٹرسٹ کانپور نے سڑکوں کی فراخی کی سکیم کے پیشِ نظر کانپور کی ایک مسجد کا پیشاب خانہ گرا دیا تو طول وعرض ہند میں مسلمانوں نے پُر زور احتجاج کیا اور اتنا زبردست پروٹسٹ کیا کہ اس عظیم سانحہ کا ذکر کئے بغیر برِّ عظیم ہند کی تاریخ مکمل نہیں کی جا سکتی۔

پھر ابھی کل کی بات ہے کہ لنڈے بازار میں صدہا مسلمان ظفر الملّت حضرت مولانا ظفر علی خاں کی زیرِ قیادت مسجد شہید گنج کے تحفظ کے لئے زخموں سے چُور خاک و خون میں لت پت ہو کر تڑپ رہے تھے اور اس حالت میں ان کی لاٹھیوں اور گولیوں سے زخمی جسموں پر گھوڑ سوار دستے سرپٹ دوڑائے گئے تھے لیکن مسجد کے عاشق مسلمان کا پائے ثبات ڈگمگا نہ سکا۔ ہزاروں مسلمان زخمی ہوئے اور بیشمار

جامِ شہادت نوش کر کے مسجد کی عزّت کے تحفظ پر اپنے نفسوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح قربان کر گئے۔ اِن حقائق کے پیشِ نظر کیا کسی کو یقین آسکتا ہے کہ مسلمانوں نے مسجد کو آگ لگا کر راکھ کر دیا ہو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ مسلمانوں سے اِس قسم کی توقع کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ہمارے احراری بھائی جو مسجد شہید گنج کے تحفظ کے لئے جانیں دینے والوں کو حرام موت مرنے والے کہتے تھے کسی مسجد کو آگ لگا کر راکھ کر دیں تو یہ دُور از قیاس امر نہیں۔ خانۂ خدا (مسجد) کو جلا کر راکھ کر دینے کے بعد احراری بھائیوں کا منارِ خصوصی اخبار "آزاد" مسجد کو مرزائیوں کا گرجا کہہ کر اِس خفت کو محو کرنا چاہتا ہے جو دنیا کی نظروں میں رہتی دُنیا تک ہمیشہ ان کے شاملِ حال رہے گی۔ لیکن اختلافِ عقائد کی بناء پر دوسرے فرقہ والوں کی مسجد کو گرجا گھر کہہ کر جلا دینے کا جو دروازہ کھولا گیا ہے یہ قطع نظر آسمانی حکومت کی غداری کے کہ جسنے اپنی آخری کتاب قرآنِ مجید میں گرجا، مندر اور مسجد وغیرہ ہر قسم کے عبادت گھروں کی یکساں تعظیم کا تاکیدی حکم دیا ہے ملک کے خرمنِ امن کو جلانے کا باعث ہوگا۔

ذرا سوچئے کہ مرزائیوں کی مسجد کیوں جلائی گئی، اِس لئے کہ علماء نے انہیں کافر کہا ہے لیکن کیا علماءُ نے دیوبندی عقائد والوں کو کافر نہیں کہا۔ کیا ہمارے احراری بھائی جو عموماً دیوبندی خیال کے ہیں بریلوی علماء احناف و اہلِ سُنّت والجماعت کے فتاوٰی کفر بھول گئے اور کیا انہیں معلوم نہیں کہ مذہبی طور پر ملّتِ اسلامیہ کا کوئی گروہ اور فرقہ ایسا نہیں ہے جس پر کُفر کا فتویٰ نہ لگایا گیا ہو۔ یہاں تک کہ مفتیانِ عرب شریف بھی اِس ثواب میں برابر کے شریک ہیں۔

شمس العلماء مولانا حالیؒ "حیاتِ جاوید" میں سرسیّد مرحوم پر اس قسم کے فتاویٰ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مکہ معظمہ کے اربعہ مذاہب کے مفتیوں کے فتاویٰ کا خلاصہ لکھتے ہیں کہ

"یہ شخص (سرسیّد مرحوم) ضال اور مضل ہے بلکہ ابلیس لعین کا خلیفہ ہے۔ اس کا فتویٰ یہود و نصاریٰ کے فتنہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ خدا اس کو سمجھے۔ ضرب اور حبس سے اس کی تادیب کرنی چاہیئے۔"

ہم آخر میں حکومت اور عوام دونوں کو اِس طرف پوری توجہ دلاتے ہوئے اپیل کریں گے کہ اِس شر کو جلد سے جلد ختم کرنے کے لئے کوئی مؤثر اقدام کریں ورنہ پاکستان کے لئے یہ چنگاری کہیں آگ ثابت نہ ہو جس کا بُجھنا بے حد محال و مشکل ہو گا۔"

بالآخر یہ بتانا ضروری ہے کہ احراریوں کا چالان ہوا۔ سزا ہوئی اور ہائی کورٹ سے قرار داد مجرمیت قائم رہی اور ہائی کورٹ نے مبلغ چار صد روپیہ جرمانہ کی سزا دیکر یہ روپیہ پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ کو ادا کرنے کا حکم دیا۔

تیسرا باب

جامعہ نصرت ربوہ کے افتتاح سے لیکر سالانہ جلسہ ربوہ ہش ۱۳۳۰ / ۱۹۵۱ء تک

ماہ وفا ہش ۱۳۳۰ / ۱۹۵۱ء — ماہ فتح ہش ۱۳۳۰ / ۱۹۵۱ء

فصل اوّل

جامعہ نصرت کا افتتاح اور حضرت مصلح موعودؓ کا ایمان افروز خطاب

جامعہ نصرت ربوہ کا پس منظر

حضرت المصلح الموعودؓ کے زمانۂ خلافت میں احمدی خواتین نے دینی و علمی میدان میں حیرت انگیز ترقی کی۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ قادیان اور ربوہ دونوں مراکزِ سلسلہ میں تعلیمیافتہ عورتوں کی تعداد غیر تعلیمیافتہ عورتوں سے ہمیشہ زیادہ رہی جس کا اصل سبب تعلیمِ نسواں کے باب میں حضور کی ذاتی دلچسپی تھی جو قرآنِ عظیم کے گہرے مطالعہ کے نتیجہ میں پیدا ہوئی۔

دراصل حضور نے ابتداء ہی سے یہ قرآنی راز پالیا تھا کہ وہی قوم ترقی کرسکتی ہے جس کی ساری عورتوں کا دینی معیار بلند ہو۔ چنانچہ آپ کلامِ ربانی "وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۝"[1] سے یہ لطیف استدلال فرمایا

---

[1] النّباء پ۳۰ ع۱

کرتے تھے کہ اِس میں اِس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ایسی برکتیں دے گا کہ جب وہ مقامِ مفاز میں پہنچیں گے تو اُن کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہوگی کہ اُن کی عورتوں کا دینی معیار بھی اُونچا ہو جائے گا اور پھر وہ اس معیار میں ایک دوسری کے برابر ہوں گی۔ غرض کَوَاعِب میں اُن کے معیار کے اُونچے ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی عورتوں کا دینی معیار بلند ہوگا اور سب میں جوش اور جوانی اور بلندی پائی جائے گی اور اَتْرَاب سے اِس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اُن کی ترقی قومی ترقی ہوگی انفرادی نہیں۔ یعنی سب میں یہ جوش ایک دوسرے سے ملتا جلتا پایا جائے گا... چنانچہ اسلامی تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو کثرت سے ایسی عورتوں کی مثالیں نظر آتی ہیں۔"[1]

حضرت مصلح موعودؓ نے اسلام کے عہدِ ثانی کی تاریخ میں اسی بلند تخیل کو عملی شکل دینے کے لئے اوائل خلافت ہی سے اقدامات شروع کر دیئے تھے چنانچہ ۱۹۱۵ء میں پنجاب کے مختلف مقامات پر لڑکیوں کے لئے تین مدرسے کھلوائے[2] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہدِ مبارک میں جاری شدہ مدرسۃ البنات (گرلز سکول) کو جس کی جماعت بندی ۱۹۰۹ء سے ہو چکی تھی[3] مگر جو ابھی بالکل ابتدائی مراحل میں سے گذر رہا تھا پرائمری سے ترقی دے کر پہلے مڈل پھر ہائی سکول تک پہنچایا۔ ازاں بعد بالکل اسی طرح نصرت گرلز ہائی سکول کے ساتھ اپریل ۱۹۳۶ء[4] سے ایک دینیات کلاس کا اضافہ فرمایا جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ساتھ ایک شاخ دینیات جاری فرمائی تھی جو خلافتِ اولیٰ میں مدرسہ احمدیہ جیسے عظیم دینی ادارہ کی شکل اختیار کر گئی۔ اِس ابتدائی دَور میں کلاس کی طالبات سے تعلیم کے ساتھ ساتھ مصابرح کے لئے باقاعدہ تربیتی مضامین لکھوائے جاتے تھے اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ[5] پروفیسر جامعہ احمدیہ کلاس میں نہایت قیمتی اور معلومات افروز لیکچر دیتے تھے جو طالبات میں اسلام سے وابستگی اور دلچسپی کا موجب بنتے تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اِس کلاس کے لئے شروع میں ایک عارضی نصاب تجویز فرمایا اور مستقل نصاب کے لئے حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ اور قاضی محمد اسلم

---

[1] تفسیر کبیر (النبأ) صفحہ ۵۲ کالم ۱ ۔ [2] الفضل (قادیان) ۲ فروری ۱۹۱۶ء صفحہ ۱ کالم ۱

[3] "قادیان گائیڈ" صفحہ ۵ (مرتبہ میاں محمد یامین صاحبؓ تاجر کتب قادیان) مطبوعہ ۲۸ نومبر ۱۹۲۰ء

[4] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۳۵ء - ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۲۶ ۔

[5] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۳۶ء - ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۹۶ ۔

صاحب ایم۔اے (کینٹب) پر مشتمل کمیشن مقرر فرمایا جس کی رپورٹ پر حضور نے قیمتی ہدایات دیں[1] اور پھر حضور کی سکیم کے مطابق کلاس کی طالبات تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ ہوتی رہیں۔

ماہِ شہادت ۱۳۲۲ھش (اپریل ۱۹۴۳ء) میں کلاس کے نصاب میں انقلابی تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں جبکہ مجلسِ تعلیم نے حضرت مصلح موعودؓ کی خصوصی ہدایت پر ایک نیا نصاب تجویز کیا[2] اور حضور کے اصولی ارشاد کے ماتحت مشورہ دیا کہ شاخ دینیات کے کورس کو دو دو سال کے چار درجوں میں یعنی کُل آٹھ سالوں میں پھیلا کر مقرر کیا جائے جس میں دینیات، اُردو، عربی، انگریزی، تاریخ، تدبیر منزل وغیرہ مضامین رکھے جائیں۔ دینیات کی تعلیم لازمی ہو اور اس پر زیادہ زور دیا جائے۔ عربی کی تعلیم ابتدائی چھ سالوں تک لازمی ہو اور اس کے بعد اختیاری ہو اور انگریزی کی تعلیم صرف ابتدائی چار سالوں تک لازمی ہو۔ مجلس تعلیم کے معزز ارکان نے دو دو سال کے چار درجوں کے بالترتیب حسبِ ذیل نام تجویز کئے۔ درجہ صالحہ۔ درجہ راشدہ درجہ عالمہ۔ درجہ فاضلہ۔ ہر درجہ میں دینیات کا کورس قرآن مجید۔ حدیث۔ فقہ اور کلام کی کتابوں پر مشتمل تھا۔ مجلس نے آخری درجہ میں پاس ہونے کے لئے ایک مفصّل تحقیقی مضمون کا سپردِ قلم کرنا بھی لازمی قرار دیا۔

حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ کی خدمت میں جب مجلسِ تعلیم کے اس مجوزہ نصاب کی تفصیلی رپورٹ بغرض منظوری پیش ہوئی تو حضور نے اپنے قلمِ مبارک سے بعض ناگزیر اور ضروری ترمیمات کے ساتھ حسبِ ذیل فیصلہ فرمایا:۔

”مَیں نے مجلسِ تعلیم کا نصاب تجویز کردہ برائے شعبہ دینیات مدرسہ بنات دیکھا ہے اس میں مندرجہ ذیل تبدیلیاں ہونی چاہئیں:۔

۱۔ درجات کے نام یہ ہوں: میٹرک کے مقابلہ پر درجہ ممہدہ۔ اس کے اُوپر عالمہ اور اس کے اُوپر

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۳۴ء۔۱۹۳۵ء صفحہ ۱۲۹۔

[2] اِس غرض کے لئے صدر مجلس تعلیم حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی صدارت میں ۷؍تبلیغ ۱۳۲۲ھش کو ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں حسبِ ذیل اصحاب نے شرکت فرمائی:۔ حضرت مولوی محمد دین صاحب بی۔اے، خان بہادر چوہدری ابوالہاشم خاں صاحبؓ۔ مولوی عبدالمنان صاحب عمر۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب۔ پروفیسر عبدالقادر صاحب۔ مولوی سیف الرحمٰن صاحب۔ مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب دردؓ (سیکرٹری)۔ [3] تفصیلی نصاب اور اجلاس کی مفصّل کارروائی مجلس تعلیم کے قدیم ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

علیمہ اور اس کے اوپر علاّمہ اور اس کے اوپر ایک آخری انتہائی درجہ اکٹھا کر (کے) اس کا نام فقیہہ رکھا جائے۔

۲ ۔ شعبہ دینیات اور پنجاب یونیورسٹی کی تعلیم کو اکٹھا کر کے مخلوط نہ کیا جائے بلکہ دونوں کو الگ الگ رکھا جائے مگر کوشش کی جائے کہ شعبہ دینیات میں زیادہ سے زیادہ طالبات آئیں۔

۳ ۔ انگریزی کا کورس زیادہ رکھنا چاہیئے۔ درجہ عالمہ پاس کرنے کے بعد طالبات میں اتنی استعداد پیدا ہو جانی چاہیئے کہ وہ انگریزی سمجھ سکیں اور صحیح انگریزی بول اور لکھ سکیں۔

۴ ۔ درجہ علیمہ میں بھی انگریزی کا مضمون رکھا جائے تا جو طالبہ چاہے ان درجوں میں انگریزی کو پڑھ سکے۔ یہ مضمون اُردو کے مقابل پر انتخابی ہو۔

۵ ۔ اُردو میں پاس ہونا ضروری ہونا چاہیئے اور اپنی زبان ہونے کی وجہ سے اِس پر زیادہ زور دینا چاہیئے۔ درجہ علیمہ میں اُردو کو انگریزی کے ساتھ ALTERNATIVE رکھ دیا جائے تا جو اُردو پڑھنا چاہے وہ اُردو پڑھ سکے اور جو انگریزی پڑھنا چاہے وہ انگریزی پڑھ سکے۔

۶ ۔ تمام لازمی مضامین جن کا پڑھایا جانا ضروری قرار دیا جائے وہ درجہ علیمہ میں ختم کر دیئے جائیں۔

۷ ۔ درجہ علیمہ میں جو تمدّن، اقتصادیات، علم النفس (کے) مضامین تجویز کئے گئے ہیں ان کی جگہ ایک مضمون علم التعریفات والاصطلاحات رکھا جائے اور اس میں صرف مذکورہ بالا مضامین ہی نہیں بلکہ تمام ضروری علومِ حاضرہ کو شامل کیا جائے اور ہر علم کی تعریف اور مختلف کیفیت بتائی جائے۔ اس کے لئے ایک فہرست RECOMANDED BOOKS کی تجویز کر دی جائے جو طالبات خود پڑھیں اور ان کے لئے ہر مضمون پر چھ سات لیکچر سال میں مقرر کر دیئے جائیں جن میں انہیں تمام فنّ کے مضامینِ ضروری کی اصطلاحات اور تعریفات سمجھا دی جائیں اور اس کے لئے ضروری ماخذ وغیرہ بتا دیئے جائیں۔ انگریزی اور عربی اصطلاحات بھی حتی الوسع خطوط وحدانی میں دیدی جائیں۔

۸ ۔ درجہ علاّمہ میں صرف دو مضامین رکھے جائیں جو ہر طالبہ مندرجہ ذیل مضامین میں سے خود اپنی پسند کے مطابق منتخب کر سکے (ا) قرآن شریف (ب) حدیث (ج) فقہ و تصوّف (د) کلام لشمول دینیات [1] و علوم مناظرہ (ح) عربی (خ) تاریخ (س) انگریزی۔

---

[1] یہاں ایک لفظ صحیح پڑھا نہیں گیا (ناقل)

۹ ۔ درجہ فقیہہ میں صرف ایک مضمون لکھنا ہوگا جس کا موضوع منظور کردہ مجلس تعلیم ہوگا اور حسب شرائط مجلس تعلیم ۲ دو سال میں تحقیقات کرکے مکمل کرنا ہوگا نیز اس کے ساتھ اس مضمون کے متعلق مجوزہ کورس کا مطالعہ کرنا ہوگا۔"

دستخط حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مورخہ ۲۰ ۴/۱۳۲۲ ہش [له]

شاخ دینیات کے اِس جدید نظام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے قادیان میں ایک کامیاب آغاز ہوگیا اور طالبات کی ایک معقول تعداد نے جن میں امۃ الرشید شوکت صاحبہ (اہلیہ ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ) نصیرہ نزہت صاحبہ (اہلیہ حافظ بشیر الدین صاحب مبشر ماریشس وبلادِ عربیہ و افریقیہ) اور مبارکہ صاحبہ (اہلیہ حافظ قدرت اللہ صاحب مبلغ ہالینڈ وانڈونیشیا) بھی شامل ہیں قادیان کے اس دینیات کالج سے علیمہ کی سند بھی حاصل کی مگر جلد ہی ملک تقسیم ہوگیا جس کے بعد مرکز ربوہ میں اس شاخ کا احیاء عمل میں لایا گیا۔

جامعہ نصرت کا افتتاح

بدلے ہوئے اور نئے ماحول اور مخدوش حالات میں صرف چند طالبات نے اس میں داخلہ لیا[۲] جس پر اللہ تعالیٰ کے جماعت احمدیہ کے غیور آسمانی قائد اور اولوالعزم امام حضرت مصلح موعودؓ کی توجہ کو اس طرف مبذول کر دیا کہ مرکز احمدیت ربوہ میں شاخ دینیات کو بند کرکے اس کی بجائے عورتوں کا کالج قائم کر دینے کا وقت آن پہنچا ہے چنانچہ حضور نے خالص الٰہی منشاء کے مطابق ۱۳۳۰ھش مطابق ۱۹۵۱ء میں جامعہ نصرت کی بنیاد رکھی اور ماہِ احسان کو اس کا اجراء عمل میں آیا اور اس کا افتتاح اپنے مقدس ہاتھوں سے ۱۴ احسان ۱۳۳۰ھش کو فرمایا۔

افتتاحی تقریب کا آغاز

یہ مبارک تقریب سات بجے صبح شروع ہو کر ساڑھے آٹھ بجے اختتام پذیر ہوئی۔ ربوہ کی احمدی خواتین کا ایک جم غفیر اس تقریب سعید کے موقع پر دعا کی غرض سے جامعہ نصرت میں جمع تھا۔ حضور کی تشریف آوری پہ کالج کی ایک طالبہ امۃ المجید بیگم صاحبہ نے تلاوتِ قرآن کریم کی۔

[له] ریکارڈ مجلس تعلیم ۔ [۲] "تاریخ لجنہ اماء اللہ" پہلی جلد صفحہ ۳۲۳ (رقم فرمودہ حضرت سیدہ امّ متین صاحبہ مدظلہا العالی) ناشر دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ ربوہ ۔ سال اشاعت ۔ دسمبر ۱۹۷۰ء ۔

حضرت امیر المومنین کا بصیرت افروز خطاب

تلاوت کے بعد حضور پُر نور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

" زمانہ کے حالات بدلتے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ انسان بھی بدلتا چلا جاتا ہے۔ یہ ایک عام قانون ہے جو دنیا میں جاری ہے۔ دریا چلتے ہیں اور پہاڑوں اور میدانوں کے نشیب و فراز کی وجہ سے ان کے بعض حصوں پر دباؤ پڑتا ہے اور اس کے نتیجہ میں کچھ دُور جاکر دریا کا رُخ بدل جاتا ہے۔ بعض دفعہ دس دس، پندرہ پندرہ، بیس بیس، تیس تیس میل تک دریا بدلتے چلے جاتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان بدلتے ہیں اور ان کے ساتھ زمانہ بدل جاتا ہے۔ یہ دونوں قسم کے نظارے ہمیں دُنیا میں نظر آتے ہیں۔ کبھی زمانہ کے بدلنے سے انسان بدلتے ہیں اور کبھی انسانوں کے بدلنے سے زمانہ بدلتا ہے۔ انسان کمزور ہوتا ہے تو زمانہ کے بدلنے سے وہ بدل جاتا ہے اور جب طاقتور ہوتا ہے تو اس کے بدلنے سے زمانہ بدل جاتا ہے۔ کمزور قومیں اپنی حاصل شدہ عظمت اور طاقت کو زمانہ کے حالات کے مطابق بدلتی چلی جاتی ہیں۔ وہ اپنے ہمسایوں سے بدرسُوم کو لیتی ہیں، اپنے ہمسایوں سے بداخلاق کو لیتی ہیں، اپنے ہمسایوں سے سُستی اور جہالت کو لیتی ہیں، اپنے ہمسایوں سے جھُوٹ اور فریب کو لیتی ہیں، اپنے ہمسایوں سے ظلم اور تعدّی کو لیتی ہیں، اور وہی قوم جو کسی وقت آسمان پر چاند اور ستاروں کی طرح چمک رہی ہوتی ہے نہایت ذلیل اور حقیر ہو کر رہ جاتی ہے۔ تم اپنے ہی اسلاف کو دیکھو اگر تمہیں اپنے بناؤ اور سنگھار سے فرصت ہو کہ تمہارے اسلاف کیا تھے اور اب تم کیا ہو؟

مجھے بتایا گیا ہے کہ کالج کی طالبات نے جب مضمونوں کا انتخاب کیا تو ان میں سے اکثر نے تاریخ سے بچنے کی کوشش کی۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے ہم کسی بچّہ کو کہیں کہ آؤ ہم تمہیں تمہارے ماں باپ کا نام بتائیں اور وہ بھاگ جائے۔ تاریخ کیا ہے۔ تاریخ تمہیں بتاتی ہے کہ تمہارا باپ کون تھا؟ تمہارا دادا کون تھا؟ تمہاری ماں کون تھی؟ تمہاری نانی کون تھی؟ تاریخ تمہیں بتاتی ہے کہ تمہارے آباء و اجداد کیا تھے؟ اور اب تم کیا ہو؟ تاریخ سے کسی شخص کا بھاگنا یا اس مضمون کو بوجھل سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے آباء و اجداد کی بات سُننے کے لئے تیار نہ ہو۔ حالانکہ اگر دنیوی لحاظ سے کوئی مضمون ایسا ہے جس کے حصول کے لئے ہمیں لڑنا چاہئے تو وہ تاریخ ہی ہے۔ تاریخ سے بھاگنے کے معنے ہوتے ہیں طبیعت میں مُردہ دلی ہے۔ جیسے کسی کمزور آدمی کو زخم لگ جاتا ہے تو وہ کہتا ہے مجھے نہ دکھاؤ میں نہیں دیکھتا میرا دل ڈرتا ہے۔ تاریخ

سے بھاگنے والی قوم وہی ہوتی ہے جو ڈرپوک ہوجاتی ہے اور ڈرتی ہے کہ اگر میرے ماں باپ کی تاریخ میرے سامنے آئی اور اس میں میرا بھیانک چہرہ مجھے نظر آیا اور مجھے پتہ لگا کہ مَیں کون ہوں تو میرا دل برداشت نہیں کرے گا چونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس آئینہ میں میری شکل مجھے نظر آئے گی اِس لئے وہ اپنی شکل کے خیال اور تصوّر سے کہ وہ کتنی بدصورت ہوگی اسے دیکھنے سے اجتناب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ بات فطرتِ انسانی میں داخل ہے کہ وہ اپنے آباء واجداد اور اپنی اولاد اور اپنے رشتہ داروں کو اپنی شکل کا دیکھنا چاہتا ہے۔ کئی ماں باپ جن کے ہاں کسی حادثہ یا بیماری کی وجہ سے بدصورت بچّے پیدا ہوجاتے ہیں ان سے ان کی مائیں بھی نفرت کرنے لگتی ہیں اور وہ بدصورت بچّے اپنے دوسرے بھائیوں سے نفرت کرتے ہیں اِس خیال سے کہ یہ ہم سے اچھے ہیں۔ اس طرح جب تاریخ میں انسان اپنے آباء کو دیکھتا ہے کہ انہوں نے یہ یہ کارنامے سرانجام دیئے اور ان کی یہ شان تھی اور اس کے مقابلہ میں وہ یہ دیکھتا ہے کہ ہم کیا ہیں۔ اور پھر وہ اس چلن اور طریق کو دیکھتا ہے جو اس نے اور اس کے ساتھیوں نے اختیار کیا ہؤا ہے تو دیانتداری کے ساتھ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ میری غفلت اور میری سہل انگاری اور میری اپنے فرائض سے کوتاہی اور میری عیش و آرام کی زندگی مجھ کو مجرم بنانے کے لئے کافی ہے۔ اسے تاریخ کے اس آئینہ میں اپنا گھناؤنا چہرہ نظر آجاتا ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ جب مَیں پُرانے حالات پڑھوں گا اور دیکھوں گا کہ وہ لوگ جو میرے آباء تھے ان کاموں سے نفرت کیا کرتے تھے تو مجھے بھی اپنے اندر تغیّر پیدا کرنا پڑے گا پس وہ اپنے بدصُورت چہرہ کو ان کے خوبصورت چہرہ سے ملانے سے گھبراتا ہے اور اِس لئے تاریخ سے دُور بھاگتا ہے۔ جب آج کل کا مسلمان تاریخ کے آئینہ میں یہ دیکھتا ہے کہ اس کے باپ اور ماں ہمالیہ سے بھی اُونچے قدوں والے تھے۔ آسمان بھی ان کے دبدبہ سے کانپتا تھا اور اس کے مقابلہ میں وہ اپنی تصویر کا خیال کرتا ہے کہ بالکل ایک بالشتیہ نظر آتا ہے اور اس کی مثال ایک کارک جتنی بھی نہیں جو دریا میں بہتا چلا جاتا ہے۔ سمندر کی لہریں اُٹھتی ہیں اور اس کے آباء واجداد کی مضبوط چٹان سے ٹکراتی ہیں اور وہ بلند و بالا ہونے والی لہریں جن کو دیکھ کر بسا اوقات انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ دُنیا کو بہا کرلے جائیں گی وہ اس کے آباء واجداد کی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہوجاتی ہیں۔ ان کا پانی جھاگ بن کر رہ جاتا ہے اور اس چٹان کے قدموں میں وہ جھاگ پھیلی رہی ہوتی ہے۔ ہوا میں بلبلے پھٹ پھٹ کر غائب ہوتے چلے جاتے ہیں اور اس کو نظر آتا ہے کہ اس کے آباء واجداد کی کیا شان تھی پھر وہ اپنی

طرف دیکھتا ہے کہ ایک چھوٹی سی ندی جس کی حیثیت ہی نہیں ہوتی اس میں وہ ایک کارک کی طرح اِدھر اُدھر پھر رہا ہے کبھی وہ کسی چٹان سے ٹکراتا ہے اور کبھی کسی سے۔ کبھی دائیں طرف چلا جاتا ہے اور کبھی بائیں طرف۔ کبھی وہ خس و خاشاک کے ڈھیروں میں چھپ جاتا ہے اور کبھی گندی جھاگ میں، اور ہر شخص اس کی لرزتی اور کپکپاتی ہوئی حالت کو دیکھ کر اس سے اپنا مُنہ پھیر لیتا ہے اور کہتا ہے یہ کیا ہی ذلیل چیز ہے تاریخ سے بھاگنے والا وہی بزدل ہوتا ہے جس میں یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ حقائق کے آئینہ میں اپنے باپ دادا کی شکل کے سامنے اپنی شکل رکھ سکے۔ بہادر اور ہمت والا انسان خود جاتا ہے اور اس آئینہ کو اُٹھاتا ہے اور وہ اس آئینہ میں اپنی شکل کو دیکھ کر اپنے مستقبل کا فیصلہ کرتا ہے اور کہتا ہے ہاں میرے آباء و اجداد اگر چٹان تھے تو میں بھی چٹان بن کر رہوں گا۔ وہ اگر طوفان تھے تو میں ان سے بھی اُونچا طوفان بنوں گا۔ وہ اگر سمندر کی لہروں کی طرح اُٹھتے تھے تو میں ان سے بھی اُونچا اُٹھوں گا۔ تم جانتی ہو کہ وہ لڑکی جس کے نمبر کلاس میں زیادہ ہوتے ہیں وہ نمبروں کو چھپاتی نہیں بلکہ ہر ایک کو بتاتی ہے۔ نمبروں کا بتانا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے انسان کا اپنا مُنہ دکھانا۔ وہ اپنا اندرونہ دکھاتی ہے۔ اور جس کے نمبر کم ہوتے ہیں وہ ان کو چھپایا کرتی ہے۔ پس تاریخ کے پڑھنے سے گریز درحقیقت بزدلی کی علامت ہے۔ درحقیقت یہ اِس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کو اپنے مکروہ چہرے کا پتہ ہے اور اس شخص کو اپنے آباء و اجداد کے حسین چہرے کا بھی پتہ ہے۔ مگر ان دونوں باتوں کے معلوم ہونے کے بعد وہ یہ جرأت نہیں رکھتا کہ ایک آئینہ میں دونوں کی اکٹھی شکل دیکھ سکے۔

یہاں تک تو مَیں نے صرف عام پیرایہ میں اِس مضمون کی اہمیت بیان کی ہے اگر مذہبی پہلو سے لو تو تاریخ ہی ایک مسلمان کو بتا سکتی ہے کہ کس طرح ایک ریگستان سے ایک انسان اُٹھا اور اس نے اپنی مقناطیسی قوت سے اپنے اِردگِرد کے فولادی ذرّوں کو جمع کرنا شروع کیا پھر تھوڑے ہی عرصہ میں وہ ایک علاقہ میں پھیل گیا، پھر ملک میں پھیل گیا، پھر زمین کے تمام گوشوں میں چپے چپے پر اس کی جماعت پھیل گئی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ ان کا نام "بَرَرَہ" اور "سَفَرَہ" رکھا ہے یعنی ان کے قدم گھر میں ٹکتے ہی نہیں تھے۔ دُنیا کے گوشوں گوشوں میں پھیلتے چلے جاتے تھے اور جہاں جاتے تھے اپنی خوش اخلاقی اور اعلیٰ درجہ کے چلن کی خوشبو پھیلاتے جاتے تھے لیکن کجا وہ پھیلنے والا مسلمان اور کجا آج کا سمٹنے والا مسلمان۔ کجا وہ زمانہ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں فرمایا کہ مردم شماری کر و

اور دیکھو کہ اب کتنے مسلمان ہو چکے ہیں۔ مردم شماری کی گئی اور مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کی تعداد سات سو نکلی۔ تم جانتی ہو کہ ربوہ کی آبادی اِس وقت اڑھائی ہزار کے قریب ہے گویا تمہاری ربوہ کی آبادی کا ۱/۴ حصہ تھے۔ اور یہ وہ مردم شماری تھی جو ساری دنیا کے مسلمانوں کی تھی کیونکہ اس وقت مدینہ سے باہر مسلمان بہت تھوڑے تھے سوائے حبشہ کے کہ وہاں کوئی پچاس کے قریب مسلمان ہوں گے یا مکہ میں کچھ مسلمان تھے جو ڈر کے مارے اپنے ایمان کا اظہار نہیں کرتے تھے اور کھلے بندوں اسلام میں شامل نہیں تھے۔ غرض مردم شماری کی گئی اور سات سو کی آبادی نکلی۔ وہ صحابہؓ جن کے سپرد یہ کام تھا وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مسلمانوں کی آبادی سات سو نکلی ہے۔ پھر انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ نے مردم شماری کا حکم کیوں دیا تھا؟ کیا آپ کو یہ خیال آیا کہ مسلمان تھوڑے ہیں؟ یا رسول اللہ! اب تو ہم سات سو ہو گئے ہیں اب ہمیں دُنیا سے کون مٹا سکتا ہے؟ آج کہا جاتا ہے کہ مسلمان ساٹھ کروڑ ہیں لیکن ان کا ساٹھ کروڑ کا دِل اتنا مضبوط نہیں جتنا اُن سات سو کا دِل مضبوط تھا۔ آخر یہ تفاوت جو دِلوں کے اندر ہے تمہیں اس کا کس طرح پتہ لگ سکتا ہے بغیر تاریخ کے مطالعہ کے۔ ایک ایک مسلمان نکلتا تھا اور دُنیا کی طاقتیں اس کے سامنے جُھک جاتی تھیں۔ وہ نقال نہیں تھا بلکہ خود اپنی ذات میں اپنے آپ کو آدم سمجھتا تھا۔ وہ یقین رکھتا تھا کہ دُنیا میری نقل کرے گی میرا کام نہیں کہ مَیں اس کی نقل کروں۔ تم اگر تاریخ پڑھو تو تمہیں پتہ لگے گا کہ آج تم ہر بات میں یورپ کی نقل کر رہی ہو تم بعض دفعہ کہہ دیتی ہو فلاں تصویر میں مَیں نے ایسے بال دیکھے تھے اُف جب تک مَیں بھی ایسے بال نہ بنا لوں مجھے چین نہیں آئے گا، فلاں پوڈر نکلا ہے جب تک مَیں اسے خرید نہ لوں مجھے قرار نہیں آئے گا۔ اِس کے معنے یہ ہیں کہ تم سمجھتی ہو کہ تمہارا دشمن بڑا ہے اور تم چھوٹی ہو۔ اگر تم بڑی ہو تو اس کا کام ہے کہ وہ تمہاری نقل کرے اور اگر وہ بڑا ہے تو پھر تمہارا کام ہے کہ تم اس کی نقل کرو۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسلامی لشکر ایران کے ساتھ ٹکر لے رہا تھا کہ بادشاہ کو خیال آیا کہ یہ عرب ایک غریب ملک کے رہنے والے بھُوکے ننگے لوگ ہیں اگر ان کو انعام کے طور پر کچھ روپیہ دے دیا جائے تو ممکن ہے یہ لوگ واپس چلے جائیں اور لڑائی کا خیال ترک کر دیں۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کے کمانڈر انچیف کو کہلا بھیجا کہ اپنے چند آدمی میرے پاس بھجوا دیئے جائیں مَیں ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ جب وہ ملنے کے لئے آئے تو اُس وقت بادشاہ بھی اپنے دارالخلافہ سے نکل کر کچھ دُور آگے آیا ہوا تھا اور

عیش اور تنعّم کا ہر قسم کا سامان اس کے ساتھ تھا۔ نہایت قیمتی قالین بچھے ہوئے تھے۔ نہایت اعلیٰ درجہ کے کاؤچ اور کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ مسلمان سپاہی آپہنچے۔ سپاہیوں کے پاؤں میں آدھے چھلے ہوئے چمڑے کی جوتیاں تھیں جو مٹی سے اَٹی ہوئی تھیں اور ان کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ جس وقت وہ دروازے پر پہنچے چوبدار نے آواز دی کہ بادشاہ سلامت کی حضوری میں تم حاضر ہوئے ہو اپنے آپ کو ٹھیک کرو۔ پھر اس نے مسلمان افسر سے کہا تمہیں معلوم نہیں کہ کس قسم کے قیمتی قالین بچھے ہوئے ہیں تم نے اپنے ہاتھوں میں نیزے اُٹھائے ہوئے ہیں اِن نیزوں سمیت قالینوں پر سے گذرو گے تو ان کو نقصان پہنچے گا۔ اس مسلمان افسر نے کہا تمہارے بادشاہ نے ہم کو بُلایا ہے ہم اپنی مرضی سے اس سے ملنے کے لئے نہیں آئے اگر ملنے کی احتیاج ہے تو اس کو ہے ہمیں نہیں، اسے اگر اپنے قالینوں کا خیال ہے تو اسے کہہ دو کہ وہ اپنے قالین اُٹھا لے ہم جوتیاں اُتارنے یا نیزے اپنے ہاتھ سے رکھنے کے لئے تیار نہیں۔ اُس نے بہتیرا پروٹسٹ کیا اور کہا کہ اندر نہایت قیمتی فرش ہے جوتیاں اُتار دو اور نیزے رکھ دو مگر انہوں نے کہا یہ نہیں ہوسکتا اس نے ہم کو بُلایا ہے ہم اپنی مرضی سے اس سے ملنے کے لئے نہیں آئے۔ غرض اسی حالت میں وہ اندر پہنچے۔ وہاں تو بڑے سے بڑا جرنیل اور وزیر بھی زمین بوس ہوتا اور بادشاہ کے سامنے سجدہ کرتا تھا مگر یہ تنی ہوئی چھاتیوں اور اُٹھی ہوئی گردنوں کے ساتھ وہاں پہنچے، بادشاہ کو سلام کیا اور پھر اس سے پوچھا کہ بادشاہ تم نے ہمیں کیوں بُلایا ہے؟ بادشاہ نے کہا تمہارا ملک نہایت جاہل، پست، درماندہ اور مالی تنگی کا شکار ہے اور پھر عرب وہ قوم ہے کہ جو گوہ تک (ایک ادنیٰ جانور ہے) کھاتی ہے وہ عمدہ کھانوں سے ناآشنا ہے، عمدہ لباس سے ناآشنا ہے اور بھوک اور افلاس نے اسے پریشان کر رکھا ہے معلوم ہوتا ہے اس تنگی اور قحط کی وجہ سے تمہارے دلوں میں یہ خیال پیدا ہؤا ہے کہ ہم دوسرے ملکوں میں جائیں اور اُن کو لُوٹیں۔ میں تمہارے سامنے تمہاری اِس تکلیف کو دیکھتے ہوئے یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ تمہارا جتنا لشکر ہے اس میں سے ہر سپاہی کو ایک ایک اشرفی اور ہر افسر کو دو دو اشرفیاں دے دوں گا تم یہ روپیہ لو اور اپنے ملک میں واپس چلے جاؤ مسلمان کمانڈر نے کہا اے بادشاہ یہ جو تم کہتے ہو کہ ہماری قوم گوہ تک کھانے والی تھی اور ہم غربت اور ناداری میں اپنے ایّام بسر کر رہے تھے یہ بالکل درست ہے ایسا ہی تھا مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا خدا تعالیٰ نے ہم میں اپنا ایک رسول بھیجا اور اس نے ہم کو خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور ہم نے اسے قبول

کرلیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم روپوؤں کے لئے نکلے ہیں مگر ہم روپوؤں کے لئے نہیں نکلے تمہاری قوم نے ہم سے جنگ شروع کی ہے اور اب ہماری تلواریں تبھی نیام میں جائیں گی جب یا تو کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ گے اور یا پھر مسلمانوں کے باجگذار ہو جاؤ گے اور ہمیں جزیہ ادا کرو گے۔ ایران کا بادشاہ جو اپنے آپ کو نصف دُنیا کا بادشاہ سمجھتا تھا وہ اس جواب کو سُنکر برداشت نہ کرسکا۔ اُسے غصہ آیا۔ اُس نے چوبدار سے کہا جاؤ اور ایک بوری میں مٹی ڈال کرلے آؤ۔ وہ بوری میں مٹی ڈال کرلے آیا تو اس نے کہا یہ بوری اِس مسلمان سردار کے سر پر رکھ دو اور اسے کہہ دو کہ مَیں تمہارے سروں پر خاک ڈالتا ہوں اور سوائے اِس مٹی کے تمہیں کچھ اَور دینے کے لئے تیار نہیں۔ وہ مسلمان افسر جس کی گردن ایران کے بادشاہ کے سامنے نہیں جُھکی تھی اِس موقع پر اُس نے فوراً اپنی گردن جُھکا دی پیٹھ پر بوری رکھی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جاؤ بادشاہ نے خود ایران کی زمین ہمارے سپرد کردی ہے مُشرک تو وہمی ہوتا ہے بادشاہ نے یہ سُنا تو اُس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اِن لوگوں کو جلدی پکڑو مگر وہ اس وقت تک دُور نکل چکے تھے انہوں نے کہا اب یہ پکڑی جانے والی مخلوق نہیں ہے۔ پھر وہی بادشاہ جس نے یہ کہا تھا کہ مَیں تمہارے سروں پر خاک ڈالتا ہوں وہ میدان چھوڑ کر بھاگا، پھر ملک چھوڑ کر بھاگا اور شمالی پہاڑیوں میں جا کر پناہ گزین ہوگیا اور اس کے قلعے اور محلات اور خزانے سارے کے سارے مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے۔

ابوہریرہؓ، وہ غریب ابوہریرہؓ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سارا دن بیٹھے رہنے کے خیال سے کوئی گذارہ کی صورت پیدا نہیں کرتا تھا اور جسے بعض دفعہ کئی کئی دن کے فاقے ہو جایا کرتے تھے ایک دفعہ وہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انہیں کھانسی اُٹھی انہوں نے اپنی جیب میں سے رومال نکالا اور اس میں بلغم تھُوکا اور پھر کہا بَخٍ بَخٍ ابوہریرہ یعنی واہ واہ ابوہریرہ کبھی تو تُو فاقوں سے بیہوش ہو جایا کرتا تھا اور آج تُو کسریٰ کے اُس رومال میں تھُوک رہا ہے جسے بادشاہ تخت پر بیٹھتے وقت اپنی شان دکھانے کے لئے خاص طور پر اپنے ہاتھ میں رکھا کرتا تھا۔ لوگوں نے کہا۔ یہ کیا بات ہے۔ انہوں نے کہا مَیں آخری زمانہ میں مسلمان ہوا تھا مَیں نے اِس خیال سے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی باتیں لوگوں نے بہت کچھ سُن لی ہیں اور اب میرے لئے بہت تھوڑا زمانہ باقی ہے یہ عہد کرلیا کہ مَیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دروازہ سے نہیں ہلوں گا سارا دن مسجد میں ہی رہوں گا تاکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب

بھی باہر تشریف لائیں میں آپ کی باتیں سُن سکوں۔ کچھ دن تو میرا بھائی مجھے روٹی پہنچاتا رہا مگر آخر اس نے روٹی پہنچانی چھوڑ دی اور مجھے فاقے آنے لگے بعض دفعہ سات سات وقت کا فاقہ ہو جاتا تھا اور بھوک کی شدت کی وجہ سے میں بے ہوش ہو کر گر جاتا تھا۔ لوگ یہ سمجھتے کہ مجھے مرگی کا دَورہ ہو گیا ہے۔ اور عربوں میں یہ رواج تھا کہ جب کسی کو مرگی کا دَورہ ہوتا تو وہ اس کے سر پر جُوتیاں مارا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ مرگی کا علاج ہے۔ جب میں بے ہوش ہوتا تو میرے سر پر بھی وہ جُوتیاں مارنی شروع کر دیتے حالانکہ میں بھوک کی شدت کی وجہ سے بے ہوش ہوتا تھا۔ اب کجا وہ حالت اور کجا یہ حالت کہ ایران کا خزانہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور اموال تقسیم ہوئے تو وہ رومال جو شاہِ ایران تخت پر بیٹھتے وقت اپنے ہاتھ میں رکھا کرتا تھا وہ میرے حصہ میں آیا مگر ایران کا بادشاہ تو آرائش کے لئے اِس رُومال کو اپنے ہاتھ میں رکھا کرتا تھا اور میرے نزدیک اِس رومال کی صرف اتنی قیمت ہے کہ میں اِس میں اپنا بلغم تھوک رہا ہوں۔

سوائے تاریخ کے کونسی چیز ہے جو تمہیں اپنے آباء کے اِن حالات سے واقف کر سکتی ہے اور تمہیں بتا سکتی ہے کہ تم کیا تھے اور اب کیا ہو۔ کسی ملک میں مسلمان عورت نکل جاتی تھی تو لوگوں کی مجال تک نہیں ہوتی تھی کہ وہ اس کی طرف اپنی آنکھ اُٹھا سکیں آج کل ربوہ کی گلیوں میں احمدی عورتیں پھرتی ہیں تو ہمیں ڈر ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو باہر کا کوئی اوباش یہاں آیا ہوُا ہو اور وہ کوئی شرارت کر دے لیکن ایک وہ زمانہ گذرا ہے کہ مسلمان عورتیں دُنیا کے گوشے گوشے میں جاتیں اکیلے اور تنِ تنہا جاتیں اور کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ وہ ان کی طرف ترچھی نگاہ سے دیکھ سکے اور اگر کبھی کوئی ایسی غلطی کر بیٹھتا تو وہ اس کا ایسا خمیازہ بھگتتا کہ نسلوں نسل تک اس کی اولاد ناک رگڑتی چلی جاتی۔

مسلمان اپنے ابتدائی دَور میں ہی دُنیا میں پھیل گئے تھے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ابھی اسّی نوّے سال ہی گذرے تھے کہ وہ چین اور ملایا اور سیلون اور ہندوستان کے مختلف گوشوں میں پھیل گئے۔ اِدھر وہ افریقہ کے مغربی ساحلوں تک چلے گئے تھے اور ان کی لہریں یورپ کے پہاڑوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ اس ابتدائی دَور میں مسلمانوں کا ایک قافلہ جس کو سیلون کے بدھ بادشاہ نے خلیفۂ وقت کے لئے کچھ تحائف بھی دیئے تھے سیلون سے روانہ ہوُا اور اُسے سندھ میں

لُوٹ لیا گیا۔ سندھ میں ان دنوں راجہ داہر کی حکومت تھی۔ جب اس قافلہ کے لُوٹ جانے کی خبر مشہور ہوئی تو گورنر عراق کا والیٔ مکران کو حکم پہنچا کہ ہمارے پاس یہ خبر پہنچی ہے کہ مسلمانوں کا ایک قافلہ جو سیلون سے چلا تھا وہ سندھ میں لُوٹا گیا اور مسلمان مرد اور عورتیں قید ہیں تم اس واقعہ کی تحقیق کر کے ہمیں اطلاع دو۔ والیٔ مکران نے راجہ داہر سے دریافت کیا تو اس نے اس واقعہ سے انکار کر دیا۔ مسلمان چونکہ خود راستباز تھے اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی سچ بولتے ہیں۔ جب راجہ داہر نے انکار کر دیا تو انہوں نے بھی مان لیا کہ یہ بات سچ ہو گی۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک اَور قافلہ انہوں نے اسی طرح لُوٹا اور ان میں سے بھی کچھ عورتیں انہوں نے قید کیں۔ ان عورتوں میں سے ایک عورت نے کسی طرح ایک مسلمان کو جو قید نہیں ہوا تھا یا قید ہونے کے بعد کسی طرح رہا ہو گیا تھا، کہا کہ میرا پیغام مسلمان قوم کو پہنچا دو کہ ہم یہاں قید ہیں اور مسلمان حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہم کو بچائے۔ اس وقت خلیفہ بنو امیّہ افریقہ پر چڑھائی کی تجویزیں کر رہا تھا اور سپین فتح کرنے کی سکیم بن رہی تھی اور تمام علاقوں میں یہ احکام جاری ہو چکے تھے کہ جتنی فوج میسّر آسکے وہ افریقہ کے لئے بھجوا دی جائے۔ اُس وقت وہ پیغامبر پہنچا اور اس نے عراق کے گورنر کو جو حجاج نامی تھا اور جو سخت بدنام تھا یہ پیغام پہنچایا۔ اس میں بدنامی کی بھی باتیں ہوں گی مگر اس جیسا نڈر، بہادر اور اسلام کے لئے قربانی کرنے والا آدمی بھی اس زمانہ میں ہمیں شاذونادر ہی نظر آتا ہے۔ آنے والے نے حجاج سے کہا کہ مَیں سندھ سے آیا ہوں وہاں یکے بعد دیگرے دو مسلمان قافلے لُوٹے گئے اور کئی مسلمان قید ہیں۔ راجہ داہر نے گورنر مکران سے یہ بالکل جھوٹ کہا ہے کہ ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ حجاج نے کہا مَیں کس طرح مان لوں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو درست کہہ رہے ہو۔ ہر بات کی دلیل ہونی چاہیئے بغیر کسی دلیل کے مَیں تمہاری بات نہیں مان سکتا۔ اُس نے کہا آپ مانیں یا نہ مانیں واقعہ یہی ہے کہ وہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ حجاج نے کہا اوّل تو تمہاری بات پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہم نے گورنر مکران کو لکھا اور اُس نے جو جواب دیا وہ تمہارے اِس بیان کے خلاف ہے دوسرے تمہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خلیفۂ وقت کا حکم ہے کہ جتنی فوج میسّر ہو افریقہ بھیج دو پس اِس وقت ہم اپنی فوجوں کو کسی اَور طرف نہیں بھیج سکتے۔ غرض اس نے ہر طرح سمجھایا مگر حجّاج پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے کہا میرے حالات اِس قسم کے نہیں کہ مَیں اِس طرف توجہ کر سکوں۔ جب وہ ہر طرح دلائل دے کر تھک گیا تو اس نے کہا میرے پاس آپ کے لئے اور خلیفۂ وقت کے لئے ایک پیغام بھی ہے۔ حجّاج

نے کہا وہ کیا ہے۔ اس نے کہا جب مَیں چلا ہوں تو ایک مسلمان عورت جو قید ہونے کے خطرہ میں تھی اور اِس وقت تک قید ہو چکی ہو گی اُس نے مجھے یہ پیغام دیا تھا کہ اسلامی خلیفہ اور عراق کے گورنر کو ہماری طرف سے یہ پیغام دے دیں کہ مسلمان عورتیں ظالم ہندوؤں کے ہاتھ میں قید ہیں اور ان کی عزّت اور ان کا ناموس محفوظ نہیں ہے۔ ہم مسلمان قوم سے مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ اپنے فرض کو ادا کرے اور ہمیں یہاں سے بچانے کی کوشش کرے۔ کوئی ملک نہیں کوئی قوم نہیں دُو یا تین عورتیں ہیں اور بیس یا پچیس مرد ہیں جن کے بچانے کے لئے بعض دفعہ ضلع کا ڈپٹی کمشنر بھی یہ کہہ دیتا ہے کہ میرے پاس سپاہی موجود نہیں یہ ایک معمولی واقعہ ہے اس کا حجّاج پر یہ اثر ہوتا ہے کہ وہی حجاج جو یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے پاس فوج نہیں ہم یورپ پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں وہ اِس پیغام کو سُنکر گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ اور جب اس آنے والے آدمی نے پوچھا کہ اب آپ مجھے کیا جواب دیتے ہیں تو حجاج نے کہا اب کہنے اور سُننے کا کوئی وقت باقی نہیں اب میرے لئے کوئی اور فیصلہ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اب اس کا جواب ہندوستان کی فوج کو ہی دیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کو لکھا اس نے بھی یہی کہا کہ ٹھیک فیصلہ ہے اب ہمارے لئے غور کرنے کا کوئی موقع باقی نہیں۔ اور اِس فیصلہ کے مطابق مسلمان فوج سندھ کے لئے روانہ کر دی گئی۔ درمیان میں کوئی ہزار میل کا فاصلہ ہے یا اس سے بھی زیادہ۔ اور اس زمانہ میں موٹروں کے ساتھ بھی اِس فاصلہ کو آسانی کے ساتھ طے نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن بادشاہ نے حکم دیا کہ اب مسلمانوں کی عزّت اور ناموس کا سوال ہے بغیر کسی التواء کے جلد سے جلد منزلِ مقصود پر مسلمانوں کا پہنچنا ضروری ہے چنانچہ مسلمان درمیان میں کہیں ٹھہرے نہیں۔ انہوں نے اُونٹوں اور گھوڑوں پر رات اور دن سفر کیا اور بارھویں دن اس فاصلہ کو جو آج ریلوں اور موٹروں کے ذریعہ بھی اتنے قلیل عرصہ میں طے نہیں کیا جا سکتا اپنی انتھک محنت اور کوشش کے ساتھ طے کرتے ہوئے وہ ہندوستان کی سرحد پر پہنچ گئے۔ اب تو تمہارا اپنا وجود ہی بتا رہا ہے کہ اِس مہم کا نتیجہ کیا ہؤا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ وہ آٹھ ہزار سپاہی جو بصرہ سے چلا تھا اس آٹھ ہزار سپاہی نے دُو مہینہ کے اندر اندر سندھ، ملتان اور اس کے گرد و نواح تک کو فتح کر لیا اور وہ قیدی بچائے گئے۔ عورتیں بچالی گئیں۔ اور سندھ کا ملک جس میں راجہ داہر کی حکومت تھی اسے سارے کا سارا فتح کر لیا گیا اور پھر مسلمان لشکر ملتان کی طرف بڑھا۔

مگر بد قسمتی سے بادشاہ کی وفات کے بعد اس کا بھائی تخت نشین ہؤا اسے ان لڑائیوں میں بادشاہ

سے بھی اختلاف تھا اور افسروں سے بھی اختلاف تھا جب اپنے بھائی کی وفات کے بعد وہ حکومت کے تخت پر بیٹھا تو اس نے محمد بن قاسم کو جو ایک فاتح جرنیل تھا اور جو ارادہ رکھتا تھا کہ حملہ کرکے بنگال تک چلا جائے معزول کر کے واپس آنے کا حکم دے دیا اور جب وہ واپس آیا تو اسے قتل کروادیا ورنہ ہندوستان کا نقشہ آج بالکل اَور ہوتا آج صرف یہاں پاکستان نہ ہوتا بلکہ سارا ہندوستان ہی پاکستان ہوتا۔ جن ملکوں کو عربوں نے فتح کیا ہے اُن میں اسلام اِس طرح داخل ہوا ہے کہ کوئی شخص اسے قبول کرنے سے بچا نہیں۔ غیر قومیں جو ہندوستان میں آئی ہیں ان کے اندر تبلیغی جوش نہیں تھا اِس لئے انہوں نے چند علاقوں کو فتح کیا ہے۔ وہاں کے رہنے والوں میں اسلام کی دشمنی بھی تھی، اسلامی تعلیم سے منافرت بھی تھی۔ اور پھر ان فاتح اقوام کا سلوک بھی زیادہ اچھا نہیں تھا۔ لیکن عرب تو اِس طرح پھیل جاتا تھا کہ وہ جس ملک میں جاتا اپنے آپ کو حاکم نہیں سمجھتا تھا بلکہ لوگوں کا خادم سمجھتا تھا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ تھوڑے عرصہ میں ہی سارے کا سارا ملک مسلمان ہو جاتا۔ پس اگر اس زمانہ میں ہندوستان کو فتح کر لیا جاتا تو یقیناً آج ہندوستان، ایران اور مصر کی طرح ایک مسلمان ملک ہوتا کیونکہ وہ لوگ عربوں کا نمونہ دیکھتے تھے، ان کی خدمت اور حُسنِ سلوک کو دیکھتے تھے۔ ان کی دیانت اور راستبازی کو دیکھتے تھے اور ان اخلاق سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ ان کے سامنے عرب اور غیر عرب کا سوال نہیں ہوتا تھا بلکہ صرف سچائی کا سوال ہوتا تھا۔ اس کے بعد بُغض اور کینے آپ ہی آپ مِٹ جاتے ہیں۔

تمہارے باپ دادا کے یہ حالات سوائے تاریخ کے تمہیں اَور کس ذریعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں، یہی چیز ہے جو تمہیں فائدہ پہنچا سکتی ہے ورنہ محض "دُو دُونے چار" سے یعنی دُو کو دُو سے ضرب دی جائے تو چار حاصل ہوتے ہیں تمہیں کیا نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر تم تاریخ پڑھو اور تم ذرا بھی عقل رکھتی ہو ذرا بھی جستجو کا مادہ اپنے اندر رکھتی ہو تو تمہاری زندگی ضائع نہیں ہو سکتی۔

مضمون تو مَیں نے اَور شروع کیا تھا مگر مَیں رَو میں بہہ کر کہیں کا کہیں چلا گیا۔ مَیں کہہ یہ رہا تھا کہ کبھی زمانہ بدلتا ہے اور لوگ اس کے ساتھ بدلتے چلے جاتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے ساتھ زمانوں کو بدل دیتے ہیں۔ مسلمان قوم وہ تھی جو زمانہ کے ساتھ نہیں بدلی بلکہ زمانہ کو اس نے اپنے ساتھ بدل دیا۔ وہ جہاں جہاں گئے انہوں نے لوگوں کو اپنے اخلاق کی نقل پر مجبور کر دیا، اپنے لباس کی نقل پر مجبور کر دیا، اپنے تمدن کی نقل پر مجبور کر دیا اور وہ دُنیا کے استاد اور رہنما تسلیم کئے گئے۔

آج مسلمان عورت یورپ کی بے پردگی کی نقل کر رہی ہے حالانکہ کبھی وہ زمانہ تھا کہ مسلمان عورتوں کے پردہ کو دیکھ کر یورپ کی عورتوں نے پردہ کیا چنانچہ ننز (NUNS) کو دیکھ لو یورپ ایک بے پردہ ملک تھا اور بے پردگی ان میں فیشن سمجھا جاتا تھا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان عورت پردہ کرتی ہے تو بہت حد تک انہوں نے بھی پردہ لے لیا۔ چنانچہ ننز (NUNS) میں گو پورا پردہ نہ ہو لیکن ان کی نقاب بھی ہوتی ہے ان کی پیشانی بھی ڈھکی ہوئی ہوتی ہے اور ان کے جسم پر کوٹ بھی ہوتا ہے جس سے ان کے تمام اعضاء ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور گو ہم اسے پورا اسلامی پردہ نہ کہہ سکیں مگر نوّے فیصدی پردہ ان میں ضرور پایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ وہ عورت تھی جو اسلام کے، یورپ میں جانے سے پہلے ننگی پھرتی تھی اور جیسے بندریا کو ایک گھگھری پہنا دی جاتی ہے اسی طرح انہوں نے ایک گھگھری پہنی ہوتی تھی چنانچہ یورپ کی پرانی تصویریں دیکھ لو عورتوں کے بازو، ٹانگیں اور سینہ وغیرہ سب ننگا ہوتا تھا مگر جب مسلمان عورتوں کو انہوں نے پردہ کرتے دیکھا تو انہوں نے بھی پردہ کے بہت سے حصّوں کو لے لیا مگر یورپ اب پھر اسی پہلے زمانہ کی طرف جا رہا ہے اور مسلمان عورت بھی پردہ اُتار کر خوش ہوتی ہے کہ وہ یورپ کی نقل کر رہی ہے آج کی مسلمان عورت یہ کہتی ہے کہ ہم زمانہ کے ساتھ چلیں اور پرانی مسلمان عورت یہ کہتی تھی کہ زمانہ میرے ساتھ چلے۔ یہ اپنی غلامی کا اقرار کرتی ہے اور وہ اپنی بادشاہی کا اعلان کرتی تھی کہ مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں دوسروں کی نقل کروں لوگوں کا کام ہے کہ وہ میری نقل کریں۔

غرض میں کہہ یہ رہا تھا کہ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے لئے تعلیم میں مشکلات تھیں، ایک عیسائی قوم ہم پر حاکم تھی اور مغربی تعلیم دلوانے میں ہمارے لئے مشکلات تھیں پس میں اِس بات پر زور دیتا تھا کہ ہماری لڑکیاں دینیات کلاس میں پڑھیں اور اپنا سارا زور مذہبی اور دینی تعلیم کے حصول میں صرف کریں۔ اور شاید جماعت میں اکیلا میں تھا جو اِس بات پر زور دیتا تھا ورنہ جماعت کے افسر کیا اور افراد کیا ان سب کی مختلف وقتوں میں یہی کوشش رہی کہ ہائی سکول کے ساتھ ایک بورڈنگ بنانے کی اجازت دے دی جائے تاکہ بیرونجات سے لڑکیاں آئیں اور وہ قادیان میں رہ کر انگریزی تعلیم حاصل کریں۔ اِسی طرح اِس بات پر بھی زور دیا جاتا رہا کہ لڑکیوں کے لئے کالج کھولنے کی اجازت دی جائے مگر میں نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی لیکن آج میں اس زنانہ کالج کا افتتاح کر رہا ہوں۔ یہ تیسری قسم کی چیز ہے نہ میں زمانہ کے ساتھ بدلا نہ زمانہ میرے ساتھ بدلا بلکہ خدا تعالیٰ نے زمانہ میں ایسی خوشگوا

تبدیلی پیدا کر دی کہ اب تعلیم کو اسلامی طریق کے ماتحت ہم کالج میں رائج کر سکتے ہیں۔ یہ کہ اِس تعلیم کی آئندہ کیا تفصیلات ہوں گی اس کو جانے دو لیکن یہ کتنا خوشگوار احساس ہے کہ پاکستان بننے کے بعد یونیورسٹی کے مضامین میں ایک مضمون اسلامیات کا بھی رکھا گیا ہے جس میں اسلامی تاریخ پر خاص طور پر زور دیا جائے گا۔ پس ہم زمانہ کے ساتھ نہیں بدلے، زمانہ بھی ہمارے ساتھ نہیں بدلا کیونکہ جو زور ہمارے نزدیک اسلامی تعلیم پر ہونا چاہیئے وہ ابھی نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ نے زمانہ کو سمو دیا ہے اور اسے کچھ ہمارے مطابق کر دیا ہے پس اِن بدلے ہوئے حالات کے مطابق جبکہ ہم سہولت کے ساتھ کالج میں بھی دینیات کی تعلیم دے سکتے ہیں مَیں نے فیصلہ کیا کہ دینیات کلاسز کو اُڑا دیا جائے اور اِسی کالج میں لڑکیوں کو زائد دینی تعلیم دی جائے تاکہ وہ کالج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی لحاظ سے بھی اعلیٰ درجہ کی معلومات حاصل کر لیں اور اسلام پر ان کی نظر وسیع ہو جائے۔ عیسائی حکومت جو تعلیم میں پہلے دخل دیا کرتی تھی وہ اب باقی نہیں رہی پس مَیں نے فیصلہ کیا کہ اب ہمیں کالج قائم کر دینا چاہیئے تاکہ ہماری لڑکیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے پاکستان میں جو اعلیٰ تعلیمیافتہ عورتیں ہیں ان کی برابری کر سکیں اور ایک مقام پر ان کے ساتھ بیٹھ سکیں۔ گو ہونا تو یہ چاہیئے کہ اِس تعلیم کو حاصل کرنے کے بعد تمہاری دماغی کیفیت اور تمہاری قلبی کیفیت اور تمہاری ذہانت دوسروں سے بہت بالا اور بلند ہو اور جب بھی تم انکے پاس بیٹھو وہ محسوس کریں کہ تمہارا علم اَور ہے اور ان کا اَور۔ تمہارا علم آسمانی اور ان کا زمینی۔ اور اگر تم قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کرو اور اس پر غور کرنے کی عادت ڈالو تو یہ کوئی بڑی بات نہیں۔

تم انٹرنس پاس ہو لیکن مَیں انٹرنس میں فیل ہؤا تھا بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ مَیں مڈل پاس بھی نہیں کیونکہ مَیں مڈل میں بھی فیل ہؤا تھا۔ درحقیقت قانون کے مطابق میری تعلیم پرائمری تک ختم ہو جانی چاہیئے تھی کیونکہ جہاں تک مجھے یاد ہے مَیں نے پرائمری کا امتحان بھی پاس نہ کیا تھا مگر چونکہ گھر کا سکول تھا اِس لئے اساتذہ مجھے اگلی کلاسوں میں بٹھاتے چلے گئے پس مَیں پرائمری پاس بھی نہیں تھا اور تم تو میٹرک کا امتحان پاس کر چکی ہو پھر ایف۔ اے بنو گی اس کے بعد بی۔ اے بنو گی اور پھر انشاء اللہ ایم۔ اے کی کلاسز کھل جائینگی اور تم ایم۔ اے ہو جاؤ گی۔ اگر تم یہ سمجھو کہ قرآن کریم کے علوم کے مقابلہ میں دُنیا کے علوم بالکل ہیچ ہیں تو یقیناً تم تلاش کرو گی کہ قرآن کریم میں وہ علوم کیوں پائے جاتے ہیں۔ پہلے ہمیشہ ایمان پیدا ہوتا ہے اور پھر عمل پیدا ہوتا ہے اگر تمہیں یقین ہو کہ قرآن کریم میں وہ علم بھرا ہؤا ہے جو دُنیا میں نہیں تو یقیناً تم تلاش

کروگی کہ وہ ہے کہاں ؟ اور جب تم تلاش کروگی تو وہ تمہیں مِل جائے گا۔ قرآن کریم خود بتاتا ہے کہ وہ ایک بند خزانہ ہے اس کے الفاظ ہر ایک کے لئے کھلے ہیں۔ اس کی سُورتیں ہر ایک کے لئے کھلی ہیں۔ مگر اُس کے لئے کھلی ہیں جو پہلے ایمان لاتا ہے۔ وہ فرماتا ہے لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ ؕ[1] وہ لوگ جو ہماری برکت اور رحمت سے ممسُوح کئے جاتے ہیں وہی سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن کریم میں کیا کچھ بیان ہُوا ہے۔ باقی عربی کتابیں عربی جاننے سے سمجھی جاسکتی ہیں لیکن قرآن کریم ایمان سے سمجھا جاسکتا ہے اگر تمہیں کامل ایمان حاصل ہو اور پھر تم اس کو دیکھو تو اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ دُنیا کی کسی مجلس میں دُنیا کی کسی یونیورسٹی کی ڈگری یافتہ عورت سے تم نیچی نہیں ہوسکتیں وہ تمہیں اِس طرح دیکھیں گی جس طرح شاگرد اپنے اساتذہ اور معلّمین کو دیکھتے ہیں کیونکہ تمہارے پاس وہ چیز ہوگی جو اُن کے پاس نہیں ہوگی۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ احمدی نوجوان بھی ابھی اِس بات پر تو ایمان لے آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنا مامور بھیجا۔ وہ اِس بات پر بھی ایمان لے آیا ہے کہ احمدیت سچّی ہے مگر ابھی اِس بات پر اسے پختہ ایمان حاصل نہیں ہؤا کہ قرآن کریم میں ہر چیز موجود ہے اگر یہ بات حاصل ہو جاتی تو آج ہماری جماعت کہیں سے کہیں پہنچ جاتی۔ اگر تمہاری جیب میں روپیہ موجود ہو تو کیا ضرورت ہے تم صندوق کھولنے جاتی ہو تم اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتی ہو اور روپیہ نکال لیتی ہو۔ اگر واقعہ میں ایک احمدی مرد اور عورت کے دِل میں یہ ایمان ہو کہ قرآن کریم میں ہر چیز موجود ہے تو وہ کسی اَور طرف جائے گا کیوں ؟ وہ قرآن پر غور کرے گا اور اسے وہ کچھ ملے گا جو اسے دوسری کتابوں سے مل سکتا ہی نہیں تب اُس کی زندگی دوسروں سے زیادہ اعلیٰ ہوگی اور وہ ان میں ایک ممتاز حیثیت کا حامل ہو گا۔ بے شک بعض مجبوریوں کی وجہ سے اُسے بھی یونیورسٹیوں میں پڑھنا پڑے گا مگر اس کو آخری ڈگری دینے والا کوئی چانسلر نہیں ہوگا، کوئی گورنر نہیں ہوگا، کوئی وزیر نہیں ہو گا بلکہ اُسے آخری ڈگری دینے والا خدا ہو گا اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی ڈگری کے مقابلہ میں انسانوں کی ڈگری کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی۔

غرض یہ کالج مَیں نے اِس لئے کھولا ہے کہ اب دین اور دُنیا کی تعلیم چونکہ مشترک ہوسکتی ہے اِسلئے اِسے مشترک کر دیا جائے۔ اِس کالج میں پڑھنے والی دو قسم کی لڑکیاں ہوسکتی ہیں۔ کچھ تو وہ ہوں گی جن کا مقصد یہ ہو گا کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد دُنیوی کام کریں اور کچھ وہ ہوں گی جن کا مقصد یہ ہوگا

[1] الواقعۃ : ۷۹

کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد دین کی خدمت کریں۔ مَیں دونوں سے کہتا ہوں کہ دینی خدمت بھی دُنیا سے الگ نہیں ہوسکتی اور دُنیا کے کام بھی دین سے الگ نہیں ہوسکتے۔

اسلام نام ہے خدا تعالیٰ کی محبّت اور بنی نوع انسان کی خدمت کا۔ اور بنی نوع انسان کی خدمت ایک دنیوی چیز ہے جس طرح خدا تعالیٰ کی محبت ایک دینی چیز ہے۔ پس جب اسلام دونوں چیزوں کا نام ہو اور جب وہ لڑکی جو اس لئے پڑھتی ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد دُنیا کا کام کرے اور وہ لڑکی جو اِس لئے پڑھتی ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد دین کا کام کرے دونوں اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں تو اس کے معنے یہ ہیں کہ جو لڑکی اِس لئے پڑھتی ہے کہ وہ دُنیا کا کام کرے اُسے کیا معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ سے محبّت کرنا بھی دین کا حِصّہ ہے اور جو لڑکی اِس لئے پڑھتی ہے کہ وہ دین کا کام کرے اسے کیا معلوم ہے کہ بنی نوع انسان کی خدمت کرنا بھی دین کا حِصّہ ہے۔ پس دونوں کا مقصد مشترک ہوگیا۔ جو دینی خدمت کی طرف جانے والی ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ بنی نوع انسان کی خدمت کرنا بھی دین کا حصّہ ہے۔ دین کے معنے صرف سُبحان اللہ سُبحان اللہ کرنے کے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کرنے اور اُن کے دُکھ درد کو دُور کرنے میں حِصّہ لینے کے بھی ہیں۔ اور جو لڑکیاں دُنیا کا کام کرنا چاہتی ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام نے خدا تعالیٰ کی محبت پر بھی زور دیا ہے پس انہیں دُنیوی کاموں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی محبّت کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ہمیشہ اُس کی محبّت اپنے دِلوں میں زیادہ سے زیادہ پیدا کرتے چلے جانا چاہیئے۔ اور چونکہ دونوں قسم کی لڑکیاں درحقیقت ایک ہی مقصد اپنے سامنے رکھتی ہیں اِس لئے وہ جو اختلاف تمہیں اپنے اندر نظر آسکتا تھا وہ نہ رہا اور تم سب کا ایک ہی مقصد اور ایک ہی مدّعا ہوگیا۔

پس یہ مقصد ہے جو تمہارے سامنے ہوگا اور اس مقصد کے لئے تمہیں دینی رُوح بھی اپنے اندر پیدا کرنی چاہیئے اور بنی نوع انسان کی خدمت کا جذبہ بھی اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے تاکہ وہ مقصد پُورا ہو جس کے لئے تم اِس کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئی ہو۔ دوسرے کالجوں میں پڑھنے والی لڑکیاں ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو بھلا کر دُنیوی کاموں میں ہی مُنہمک ہوجائیں مگر چونکہ یہ کالج احمدیہ کالج ہے اِس لئے تمہارا فرض ہوگا کہ تم دونوں دامنوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو اگر ایک دامن بھی تمہارے ہاتھ سے چُھٹ جاتا ہے تو تم اس مقصد کو پُورا نہیں کرسکتیں جو تمہارے سامنے رکھا گیا ہے

اور جس کے پُورا کرنے کا تم نے اقرار کیا ہے۔ پس اِن ہدایات کے ساتھ میں احمدیہ زنانہ کالج کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ جو اِس کالج میں پڑھانے والی ہوں گی وہ بھی اِس بات کو مدِّنظر رکھ کر پڑھائیں گی کہ طالبات کے اندر ایسی آگ پیدا کی جائے جو اُن کو پارہ کی طرح ہر وقت بیقرار اور مضطرب رکھے۔ جس طرح پارہ ایک جگہ پر نہیں ٹکتا بلکہ وہ ہر آن اپنے اندر ایک اضطرابی کیفیت رکھتا ہے اسی طرح تمہارے اندر وہ سیماب کی طرح تڑپنے والا دل ہونا چاہیئے جو اس وقت تک تمہیں چَین نہ لینے دے جب تک تم احمدیت اور اسلام کو اور احمدیت اور اسلام کی حقیقی رُوح کو دُنیا میں قائم نہ کر دو۔ اِسی طرح پروفیسروں کے اندر بھی یہ جذبہ ہونا چاہیئے کہ وہ صحیح طور پر تعلیم دیں۔ اخلاقِ فاضلہ سکھائیں اور سچائی کی اہمیت تم پر روشن کریں۔ تمہیں بُرا تو لگے گا مگر واقعہ یہی ہے کہ عورت سچ بہت کم بولتی ہے۔ اس کے نزدیک اپنے خاوند کو خوش کرنے کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے اور سچائی کی کم۔ جب اسے پتہ لگتا ہے کہ فلاں بات کے معلوم ہو لے پر میرا خاوند ناراض ہو گا تو بھی اس معاملہ میں جھُوٹ ہی بولتی ہے سچائی سے کام نہیں لیتی کیونکہ وہ ڈرتی ہے کہ اگر مَیں نے سچ بولا تو میرا خاوند ناراض ہوگا۔ وہ ایک طرف تو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ مَیں محکوم نہیں مجھے مرد کے برابر حقوق حاصل ہیں اور دوسری طرف وہ مرد سے ڈرتی ہے۔ اگر اس کا مرد سے ڈرنا ٹھیک ہے تو پھر وہ محکوم ہے، اُسے دُنیا کے کسی فلسفہ اور کسی قانون نے آزاد نہیں کیا۔ اور اگر وہ مرد کے برابر قویٰ رکھتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ جھُوٹ بولے اور اسی طرح صداقت پر قائم نہ رہے جس طرح آزاد مرد صداقت پر قائم رہتے ہیں یہ ایک چھوٹا مسئلہ ہے لیکن تمہاری اصلاح کے ساتھ نہایت گہرا تعلق رکھتا ہے۔ تمہیں اپنے دِل میں یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ تم آزاد ہو یا نہیں۔ اگر تم آزاد نہیں ہو تو کہو کہ خدا نے ہم کو غلام بنا دیا ہے اور چھوڑ دو اِس بات کو کہ تمہیں مردوں کے برابر حقوق حاصل ہونے چاہئیں۔ اور اگر تم آزاد ہو تو خاوند کے ڈر کے مارے جھُوٹ بولنا اور راستی کو چھُپانا یہ لغو بات ہے۔ اِسی طرح مَیں دیکھتا ہوں کہ ہمارے ملک کی عورتیں میں کام کرنے کی عادت بہت کم ہے۔ لجنہ بنی ہوئی ہے اور کئی دفعہ مَیں اسے اِس طرف توجہ بھی دلا چکا ہوں مگر ہنوز روزِ اوّل والا معاملہ ہے۔

تمہیں اپنے کالج کے زمانہ میں اِس بات پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ عورت کی زندگی زیادہ سے زیادہ کِس طرح مفید بنائی جاسکتی ہے۔ یہ پرانا دستور جو ہمیشہ سے چلا آیا ہے اور اب بھی ہے کہ کھانا پکانے

کا کام عورت کے ذمہ ہے اِس میں اب تبدیلی کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے نتیجہ میں عورت صرف کھانے پینے کے کام کے لئے ہی رہ گئی ہے اس کے پاس کوئی وقت ہی نہیں بچتا جس میں وہ دینی یا مذہبی یا قومی کام کرسکے۔ یورپ کے مدبرین نے مل کر اِس کا کچھ حل سوچا ہے اور اس وجہ سے انکی عورتوں کا بہت سا وقت بچ جاتا ہے۔ مثلاً یورپ نے ایک قسم کی روٹی ایجاد کرلی ہے جسے ہمارے ہاں ڈبل روٹی کہتے ہیں۔ یہ روٹی عورتیں گھر میں نہیں پکاتیں بلکہ بازار سے آتی ہے اور مرد، عورتیں اور بچے سب اسے استعمال کرتے ہیں۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ بادشاہ کے ہاں کیا دستور ہے آیا اُس کی روٹی بازار سے آتی ہے یا نہیں لیکن یورپ میں ایک لاکھ میں سے ننانوے ہزار نوسو ننانوے یقیناً بازاری روٹی ہی کھاتے ہیں اور اِس طرح وہ اپنا بہت سا وقت بچا لیتے ہیں۔ اِس کے علاوہ انہوں نے اِس قسم کے کھانا پکانے کے برتن (COOKER) نکالے ہوئے ہیں جن سے بہت کم وقت میں سبزی اور گوشت وغیرہ تیار ہو جاتا ہے۔ پھر انہوں نے اپنی زندگیاں اِس طرح ڈھال لی ہیں کہ عام طور پر وہ ہوٹلوں میں کھانا کھاتے ہیں۔ یورپ میں بالعموم چار کھانے ہوتے ہیں۔ صبح کا ناشتہ، دوپہر کا کھانا، شام کا ناشتہ اور رات کا کھانا۔ عام طور پر درمیانی طبقہ کے لوگ صبح کی چائے گھر پر تیار کر لیتے ہیں باقی دوپہر کے کھانے اور شام کی چائے وہ ہوٹل میں کھا لیتے ہیں اور شام کا کھانا گھر پر پکاتے ہیں۔ پھر سرد ملک ہونے کی وجہ سے ایک وقت کا کھانا کئی کئی وقت چلا جاتا ہے۔ اور پھر کھانے انہوں نے اِس قسم کے ایجاد کرلئے ہیں جن کا ذخیرہ کیا جا سکتا ہے مثلاً COLD MEAT ہے۔ روٹی بازار سے منگوا لی اور کولڈ میٹ کے ٹکڑے کاٹ کر اس سے روٹی کھا لی لیکن ہمارے ہاں ہر وقت چولہا جلتا ہے۔ جب تم کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتی ہو تو تمہیں یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ تم اپنی زندگی کس طرح گذاروگی۔ اگر چولہے کا کام تمہارے ساتھ رہا تو پھر پڑھائی بالکل بیکار چلی جائے گی۔ تمہیں غور کرکے اپنے ملک میں ایسے تغیّرات پیدا کرنے پڑیں گے کہ چولہے پھونکنے کا شغل بہت کم ہو جائے اگر یہ شغل اِسی طرح جاری رہا تو پڑھائی سب خواب وخیال ہو کر رہ جائے گی۔ یہی چولہا پھونکنے کا شغل اگر کم سے کم وقت میں محدود کر دیا جائے مثلاً اِس کے لئے ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ شام رکھ لیا جائے تب بھی اَور کاموں کے لئے تمہارے پاس بہت سا وقت بچ سکتا ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ تم نوکر رکھ لوگی، نوکر رکھنے کا زمانہ اب جا رہا ہے اب ہر شخص نوکر نہیں رکھ سکے گا بلکہ بہت بڑے بڑے

لوگ ہی نوکر رکھ سکیں گے کیونکہ نوکروں کی تنخواہیں بڑھ رہی ہیں اور ان تنخواہوں کے ادا کرنے کی متوسط طبقہ کے لوگوں میں بھی استطاعت نہیں ہو سکتی۔ جب مَیں یورپ میں گیا ہوں تو اُس وقت تک ابھی نوکروں کی تنخواہیں اتنی زیادہ نہیں ہوتی تھیں تب ہم نے جو عورت رکھی ہوئی تھی اسے ہم ۲۱ شلنگ ہفتہ وار یا ساٹھ روپیہ ماہوار دیا کرتے تھے اور ساتھ ہی کھانا بھی دیتے تھے۔ پھر ان کی یہ شرط ہوا کرتی تھی کہ ہفتہ میں ایک دن کی پوری اور ایک دن کی آدھی چھٹی ہوگی۔ ڈیڑھ دن تو اِس طرح نکل گیا جس میں گھر والوں کو خود کام کرنا پڑتا تھا۔ آقا بتیری شور مچاتی رہے کہ کام بہت ہے وہ کہیگی مَیں نہیں آسکتی کیونکہ میری چھٹی کا دن ہے۔ پھر جتنا وقت مقرر ہو اُس سے زیادہ وہ کام نہیں کرے گی کتنا بھی کام پڑا ہو وہ فوراً چھوڑ کر چلی جائے گی اور کہے گی کہ وقت ہو چکا ہے۔ دراصل اِس میں ان کا کوئی قصور نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے اختیار میں ہی نہیں ہوتا کہ زیادہ کام کریں کیونکہ وہاں ہر طبقہ کے لوگوں کی الگ الگ انجمنیں بنی ہوئی ہیں۔ کوئی گھر کے نوکروں کی انجمن ہے، کوئی قلیوں کی انجمن ہے، کوئی انجمن میں کوئلہ ڈالنے والوں کی انجمن ہے، کوئی استادوں کی انجمن ہے، اِن انجمنوں کی سفارش کے بغیر کسی کو نوکری نہیں ملتی۔ اگر وہ زائد کام کریں تو انجمن کی ممبری سے اُن کا نام کٹ جاتا ہے اور پھر انہیں کہیں ملازمت نہیں ملتی۔ ہمیں وہاں مضمون لکھنے کے لئے ایک ٹائپسٹ کی ضرورت تھی دفتر نے ایک عورت اِس غرض کے لئے رکھی جو چیکوسلویکیا کی رہنے والی تھی۔ اسے ہمارے ... مضامین پڑھنے کے بعد سلسلہ سے دلچسپی ہو گئی مگر مشکل یہ تھی کہ اُس کا وقت ختم ہو جاتا اور ہمارا کام ابھی پڑا ہوا ہوتا۔ بعض دفعہ ہمیں دوسرے ہی دن مضمون کی ضرورت ہوتی اور وہ کہتی کہ مَیں اب جا رہی ہوں کیونکہ وقت ہو گیا ہے مگر چونکہ اُسے ہمارے سلسلہ سے دلچسپی ہو گئی تھی اِس لئے وہ کہتی کہ مَیں زائد وقت کی ملازمت تو نہیں کر سکتی لیکن مَیں یہ کر سکتی ہوں کہ مضمون ساتھ لے جاؤں اور گھر پر اسے ٹائپ کروں انجمن والے مجھے گھر کے کام سے نہیں روک سکتے اس وقت میرا اختیار ہے کہ مَیں جو چاہوں کروں آپ مجھے اُس وقت کی تنخواہ نہ دیں مَیں آپ کا کام مُفت میں کر دوں گی اگر آپ مجھے کچھ دینا چاہیں تو بعد میں انعام کے طور پر دے دیں۔ اِس طرح وہ مُشن کا کام کیا کرتی تھی کیونکہ ڈرتی تھی کہ اگر انہیں پتہ لگا کہ مَیں چھ گھنٹہ سے زیادہ کہیں کام کرتی ہوں تو وہ مجھے نکال دیں گے اور پھر مجھے کہیں بھی نوکری نہیں ملے گی۔ یہ چیزیں ابھی ہمارے ملک میں نہیں آئیں لیکن جب آئیں تو

پھر لوگوں کے لئے بہت کچھ مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ اب تو وہ پانچ سات روپیہ میں نوکر رکھ سکتے ہیں لیکن جس دن نوکر کی پچاس روپیہ تنخواہ ہوگئی اور سَو روپیہ تمہیں ملا تو تم نوکر کہاں رکھو گی۔ آجکل یورپ میں نوکر کی تنخواہ تین پونڈ ہفتہ وار ہے جس کے معنے آجکل کے پاکستانی روپیہ کی قیمت کے لحاظ سے ایک سَو بیس روپیہ ماہوار کے ہیں اور کھانا بھی الگ ہی دینا پڑتا ہے۔ اِس زمانہ میں اُوپر کے طبقوں کی تنخواہیں گر رہی ہیں اور نیچے کے طبقہ کی تنخواہیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص سات آٹھ سَو روپیہ ماہوار لیتا ہے وہ بھی ملازم نہیں رکھ سکتا صرف ہزاروں روپیہ ماہوار کمانے والا ملازم رکھ سکتا ہے۔ ایسی صُورت میں یہی ہو سکتا ہے کہ ایک وقت کا کھانا دو تین وقتوں میں کھا لیا یا ایک وقت ہوٹل میں جا کر کھا لیا اور دوسرے وقت کے کھانے میں کولڈ میٹ استعمال کر لیا۔ اِس طرح بہت سا وقت اَور کاموں کے لئے بچ سکتا ہے۔

پھر ہمارے ہاں یہ بھی ایک نقص ہے کہ بچّوں کو کام کرنے کی عادت نہیں ڈالی جاتی۔ بچّے دسترخوان پر بیٹھے ہیں اور شور مچاتے ہیں کہ امّی نوکر پانی نہیں لاتا کہ ہم ہاتھ دھوئیں، امّی نوکر نے برتن صاف نہیں کئے۔ امریکہ میں ہر بچّہ اِس بات کا پابند ہوتا ہے کہ وہ اپنے کھانے کے برتن کو خود دھو کر رکھے اور اگر وہ نہ دھوئے تو اُسے سزا ملتی ہے کیونکہ ماں اکیلی تمام کام نہیں کر سکتی اگر وہ کرے تو اُس کے پاس کوئی وقت ہی نہ بچے۔ وہ اِسی طرح کرتی ہے کہ کچھ کام خود کرتی ہے اور کچھ کاموں میں بچّوں سے مدد لیتی ہے۔ غرض یورپ میں اوّل تو روٹی بازار سے منگوائی جاتی ہے۔ پھر انہوں نے کولڈ میٹ اور اِسی قسم کی اَور چیزیں ایسی بنائی ہیں جن کا ذخیرہ کیا جا سکتا ہے اور بجائے اِس کے کہ ہر وقت گرم کھانا کھایا جائے وہ اِس سے روٹی کھا لیتے ہیں۔ پھر ایک وقت کا پکا ہؤا کھانا دو وقتوں میں کھا لیتے ہیں اور پھر کام میں بچّوں کو بھی شامل کیا جاتا ہے اور اِس طرح بہت سا وقت بچا لیا جاتا ہے۔ تھوڑے ہی دِن ہوئے مَیں نے ایک لطیفہ پڑھا جو امریکہ کے ایک مشہور رسالہ میں شائع ہؤا تھا اور جس سے اُن لوگوں کے کیریکٹر پر خاص طور پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک باپ کہتا ہے کہ میری سمجھ میں یہ بات کبھی نہیں آئی کہ میرے بچّوں کو کبھی کبھی یہ تو بھُول جاتا ہے کہ آج ہم نے سکول جانا ہے۔ کبھی یہ بھی بھُول جاتا ہے کہ ہم نے اپنے برتن صاف کرنے ہیں۔ کبھی یہ بھی بھُول جاتا ہے کہ ہم نے اپنے کپڑے بدلنے ہیں کبھی یہ بھی بھُول جاتا ہے کہ ہم نے اتنے بجے سونا ہے لیکن اگر کبھی ہنسی میں مَیں نے اپنے بچّوں سے

کوئی وعدہ کیا ہوا ہوتا ہے اور اُس پر پانچ سال بھی گذر چکے ہوں تو وہ اُن کو نہیں بھولتا۔ اِس مثال سے ان کے کیریکٹر کا پتہ لگتا ہے کہ وقت پر سونا، وقت پر سکول جانا، وقت پر کپڑے بدلنا اور کھانے کے برتن دھونا یہ سب بچوں کو سکھایا جاتا ہے اور یہ باتیں ان کے فرائض میں شامل کی جاتی ہیں۔ اِس رنگ میں انہوں نے ایسا انتظام کیا ہوا ہے کہ ان کا بہت سا وقت بچ جاتا ہے۔ پھر بچوں کے پالنے کا کام ایسا ہے کہ جس میں بہت کچھ تبدیلی کی ضرورت ہے۔ یورپ میں تو عورتیں بچے کو پنگھوڑے میں ڈالتی ہیں، چُوسنی تیار کر کے اس کے پاس رکھ دیتی ہیں اور مکان کو تالا لگا دفتر میں چلی جاتی ہیں۔ جب بچے کو بھوک لگتی ہے وہ خود چوسنی اُٹھا کر مُنہ سے لگا لیتا ہے لیکن ہمارے ہاں اگر ماں دو منٹ کے لئے بھی بچے سے الگ ہو جائے تو وہ اتنا شور مچاتا ہے کہ آسمان سر پہ اُٹھا لیتا ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ ماں بچے کو الگ نہیں کرتی اسے ہر وقت اپنے ساتھ چمٹائے پھرتی ہے۔ بچہ پیدا ہوا اور اسے گود میں ڈال لیا اور پھر تین چار سال تک اسے گود میں اُٹھائے پھرتی ہیں۔ بلکہ ہمارے ملک میں تو پانچ پانچ سال تک لاڈلے بچوں کو اُٹھائے پھرتی ہیں۔ یہ سارے رواج اِس قابل ہیں کہ ان کو بدلا جائے۔ جب تم ہمت کر کے اِن رسوم کو بدلو گی تو آہستہ آہستہ باقی عورتوں میں بھی تمہارے پیچھے چلنے کا شوق پیدا ہو جائے گا۔

مَیں نے بتایا ہے کہ سب سے پہلے روٹی پکانے کے طریق میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ عربوں میں بھی بازار سے روٹی منگوانے کا طریق ہے مگر وہاں تنور کی خمیری روٹی ہوتی ہے انگریزی روٹی کا رواج نہیں جتنے ملکوں میں بازار سے روٹی منگوانے کا طریق رائج ہے ان سب میں خمیری روٹی کھائی جاتی ہے۔ خمیری روٹی ہمیشہ تازہ ہی پکا کر کھانی پڑتی ہے۔ بہرحال بغیر اس کے کہ روٹی کا سوال حل ہو ہماری عورتیں فارغ نہیں ہو سکتیں۔ اور بغیر اس کے کہ بچہ پالنے کے طریق میں تبدیلی ہو ہماری عورتیں فارغ نہیں ہو سکتیں۔ جب تک بچہ گود میں رہے گا یا ماں بیکار رہنے پر مجبور ہو گی یا بیٹی مجبور رہے گی۔ کام کے لئے فراغت اسے اسی وقت ہو سکتی ہے جب بچہ کو پیدا ہوتے ہی پنگھوڑے میں ڈال دیا جائے اور پھر وقت پر اسے دُودھ پلا دیا جائے۔ گود میں اسے نہ اٹھایا جائے۔ غرض جب تک یہ سوال حل نہیں ہوتا ماں کی زندگی بیکار رہے گی، اور جب تک کھانے کا سوال حل نہیں ہوتا عورت کی زندگی بیکار رہے گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روزانہ چار وقت کے کھانے کی بجائے صرف دو وقت کا کھانا رکھ لیا جائے اور ناشتہ کا کوئی سادہ دستور نکالا جائے اور کھانے ایسے تیار کئے جائیں جو کئی کئی وقت کام آ سکیں اور روٹی بازار

سے منگوائی جائے۔ لیکن اگر صبح شام کھانا پکانے کے برتن مانجھنے کا کام عورت کے ہی سپرد رہے گا تو وہ بالکل بیکار ہو کر رہ جائے گی اور کسی کام کے لئے وقت صرف نہیں کرے گی۔

پس جہاں دینی مسائل کو مدِنظر رکھنا تمہارے لئے ضروری ہے وہاں ان عائلی مشکلات کو حل کرنا بھی تمہارے لئے ضروری ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے تنزّل اور ان کے انحطاط کی بڑی وجہ یہی ہوئی ہے کہ جب ان کے پاس دولت آگئی تو انہوں نے اس قسم کے مشاغلِ بیکاری کو اختیار کر لیا۔ گھروں میں مرد بیٹھے چھالیا کاٹ رہے ہیں، گلوریاں بنا رہے ہیں اور عورت بھی کھانے پکانے میں مصروف ہے کبھی یہ چیز تلی جا رہی ہے کبھی وہ چیز تلی جا رہی ہے۔ کبھی کہتی ہے اب مَیں چٹنی بنا لوں کبھی کہتی ہے اب مَیں میٹھا بنا رہی ہوں نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تو کھانے تیار کرنے میں مشغول ہو گئے اور حکومت انگریزوں نے سنبھال لی۔ یہ مصیبت جتنی ہندوستان میں ہے باہر نہیں۔ عرب میں جا کر دیکھ لو سارا عرب بازار سے روٹی منگواتا ہے مصر میں جا کر دیکھو سارا مصر بازار سے روٹی منگواتا ہے اور سالن بھی وہ گھر پر تیار نہیں کرتے بازار سے ہی منگوا لیتے ہیں۔ وہاں لوبیا کی پھلیاں بڑی کثرت سے ہوتی ہیں۔ صبح کے وقت مکہ میں چلے جاؤ۔ قاہرہ میں چلے جاؤ بازاروں میں لوبیا کی دیگیں تیار ہوں گی اور ہر شخص اپنا برتن لے جائے گا اور تنور کی روٹیاں اور لوبیا کی پھلیاں لے آئے گا۔ غریب اسے یُونہی کھا لیتے ہیں ۔۔۔ اور امیر آدمی گھی کا تڑکا لگا لیتے ہیں۔ اِسی طرح دوپہر کے وقت روٹی بازار سے آتی ہے اور سالن کے طور پر بھی وہ کوئی سستی سی چیز لے لیتے ہیں اور گزارہ کر لیتے ہیں۔ مگر ہمارے ہاں یہ حالت ہے کہ لوگ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہم وہ ماما رکھنا چاہتے ہیں جو ایک سیر آٹے میں اسّی پھلکے پکا سکتی ہو۔ بازار والوں نے اپنا کام اِس طرح ہلکا کر لیا کہ سیر آٹے میں چھ روٹیاں تیار کر لیں اور انگریزوں نے سیر میں چار اور بعض دفعہ دو اور انہوں نے اپنے کام کو اِس طرح بوجھل بنا لیا کہ اسّی اسّی پھلکے بنانے لگے۔ یہ سب شغلِ بیکاری ہیں جن کو دُور کرنا پڑے گا اور جن کو دُور کر کے ہی تم اپنا وقت بچا سکتی ہو۔ آخر علم کے استعمال کے لئے تمہارے پاس وقت چاہیئے۔ اگر تم نے اپنے آپ کو ایسا بنا لیا کہ تمہارے پاس کچھ بھی وقت نہ بچا تو تم نے کرنا کیا ہے پس پہلا سوال وقت کا ہے تم کو اپنی زندگی ایسی بنانی پڑے گی کہ تم ان کاموں کے لئے اپنے اوقات کو فارغ کر سکو پھر تمہارے لئے آسانی ہی آسانی ہے اور تم اس وقت سے فائدہ اُٹھا کر بیسیوں ایسے کام کر سکتی ہو جو تمہاری ترقی کے لئے ضروری ہیں پس یہ مسئلہ بھی تمہیں ہی حل کرنا پڑے گا اور اگر تم حل کر لو

تو تمہاری مائیں آپ ہی آپ تمہاری نقل کرنے پر مجبور ہوں گی۔ ہم نے دیکھا ہے کہ لڑکی پرائمری پاس ہوتی ہے تو جاہل مائیں اپنی لڑکی کے آگے پیچھے پھرتی ہیں اور کہتی ہیں ہماری یہ بیٹی پرائمری پاس ہے بڑی عقلمند اور ہوشیار ہے۔ اگر مائیں اپنی پرائمری پاس لڑکیوں کی بات رد نہیں کر سکتیں تو تم بی۔ اے ہو گی تمہاری بات وہ کیوں ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں گی۔

یہ کام جو میں نے بتایا ہے اسے معمولی نہ سمجھو یہی وہ چیز ہے جس نے ہمارے ملک کی عورت کو بیکار بنا دیا ہے۔ دوسری قوموں نے تو اِس مسئلہ کو حل کر لیا اور چھ سات گھنٹے بچا لئے لیکن تمہیں کھانے پکانے کے دھندوں سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ اگر تم بھی چھ سات گھنٹے بچا لو تو یقیناً تم اُن اقوام سے بہت زیادہ ترقی کر سکتی ہو کیونکہ اگر وہ چھ گھنٹے بچاتی ہیں تو دو گھنٹے قومی کاموں میں صرف کرتی ہیں اور چار گھنٹے ناچ گانے میں صرف کرتی ہیں لیکن تم اپنا سارا وقت قومی اور مذہبی کاموں میں صرف کرو گی اِس لئے یورپ کی عورت کے مقابلے میں تمہیں اپنے کاموں کے لئے تین گُنا وقت مل جائے گا۔ اور جب وہ چھ گھنٹوں میں سے چار گھنٹے ناچ گانے میں صرف کرے گی اور تمہارا تمام وقت خالص دینی کاموں میں صرف ہو گا اور اس طرح تم ان سے تین گُنا کام کرو گی تو تمہاری فتح یقینی ہے کیونکہ وقت کے لحاظ سے یورپ کی تین تین عورتوں کے مقابلے میں تمہاری ایک، ایک عورت ہو گی۔ اِس وقت تمہاری سَو عورت بھی یورپ کی ایک عورت کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی کیونکہ تمہارا علم بھی کم ہے اور تمہارے پاس اپنے قومی کاموں کے لئے بھی وقت نہیں بچتا لیکن جب تم علم حاصل کر لو گی تو قومی کاموں کے لئے وقت بھی ان سے زیادہ صَرف کرو گی تو تمہاری ایک عورت کے مقابلہ میں یورپ کی سَو عورت بھی کوئی حقیقت نہیں رکھے گی۔ جب تک یورپ کا ماحول ایسا ہے اور اس کا طریقِ عمل ایسا ہے کہ اس کی ایک عورت تمہاری سَو عورت کے برابر ہو گی اس کا جیتنا یقینی ہے لیکن جب تم اپنے آپ کو ایسی بنا لو گی کہ تمہاری ایک عورت ان کی سَو عورت کے برابر ہو گی تو پھر تمہارا جیتنا یقینی ہے۔

اِن ریمارکس اور نصیحتوں کے ساتھ میں اپنے خطبہ کو ختم کرتا ہؤا کالج کا افتتاح کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے زنانہ کالج کی اِس چھوٹی سی بنیاد کو اپنی عظیم الشان برکتوں سے نوازے اور یہ چھوٹا سا ادارہ دنیا کے تمام علمی اداروں پر چھا جائے۔“ [1]

---

[1] الفضل ۱۵ وفا ہش ۱۳۳۰ /جولائی ۱۹۵۱ء صفحہ ۲ تا ۵۔

اِس ایمان افروز خطاب کے بعد حضور نے لمبی دعا فرمائی اور یہ مبارک تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

ابتدائی سٹاف سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے حضرت سیدہ اُمّ متین صاحبہ کو جامعہ نصرت کی نگران اور محترمہ فرخندہ اختر صاحبہ (اہلیہ حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ) کو پرنسپل مقرر فرمایا اور پہلے سال تعلیمی و تدریسی ذمہ داریاں مندرجہ ذیل اساتذہ کے سپرد کی گئیں:-

حضرت سیدہ اُمّ متین مریم صدیقہ صاحبہ	(عربی)
مولانا قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری	(دینیات)
محترمہ فرخندہ اختر صاحبہ	(انگریزی و اقتصادیات)
حضرت پروفیسر علی احمد صاحب ایم۔اے	(اُردو، فارسی)
چوہدری علی محمد صاحب بی۔اے، بی ٹی	(تاریخ)
محترمہ استانی سردار صاحبہ	(عربی)

عمارت جامعہ نصرت جو سالِ اوّل کی صرف سولہ طالبات پر مشتمل تھا حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کی ذاتی کوٹھی میں جاری ہوا۔ ۱۳۳۱ھش / ۱۹۵۲ء میں اس کو دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ میں کھولا گیا ۱۳۳۲ھش / ۱۹۵۳ء میں جامعہ نصرت کی موجودہ مستقل عمارت کے پہلے چار کمرے تیار ہوئے تو یہ اس میں منتقل کر دیا گیا۔ ۱۳۴۰ھش / ۱۹۶۱ء میں اس کی وسیع عمارت میں بارہ دری کا اضافہ ہوا۔ ۸ رامان ۱۳۴۹ھش / ۸ رمارچ ۱۹۷۰ء کو سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے دستِ مبارک سے اس کے سائنس بلاک کا سنگِ بنیاد رکھا اور اِسی سال ایف۔ایس سی میڈیکل اور نان میڈیکل کلاسز کا اجراء ہوا۔ ۱۳۵۰ھش / ۱۹۷۱ء میں اس کی طالبات پہلی بار ایف۔ایس سی کے امتحان میں شامل ہوئیں۔

دوسرے کوائف جامعہ نصرت کے ساتھ دارالاقامہ (ہوسٹل) کا قیام عمل میں آیا اور محترمہ استانی سردار صاحبہ اس کی پہلی ناظمہ (سپرنٹنڈنٹ) تھیں۔

تبلیغ ۱۳۳۱ھش / فروری ۱۹۵۲ء میں جامعہ نصرت کا پہلا ٹورنامنٹ ہوا۔ اسی سال سے جلسہ تقسیم انعامات کا آغاز ہوا اور پہلی بار حضرت اُمّ داؤدؓ نے صدارت فرمائی ۱۳۳۲ھش / ۱۹۵۳ء کی تقریب انعامات

میں حضرت مصلح موعودؓ رونق افروز ہوئے اور ایک اہم خطاب فرمایا۔[۵] ۱۳۴۰ھش / ۱۹۶۱ء و ۱۳۴۱ھش / ۱۹۶۲ء میں بالترتیب حضرت سیدہ اُمّ متین صاحبہ اور حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

۱۳۴۱-۴۲ ۱۳ ہش / ۱۹۶۲ - ۱۹۶۳ء میں پہلی بار جلسہ ہائے تقسیم اسناد کی سادہ اور مؤثر تقریب منائی گئی جس میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے شرکت فرمائی۔ ۱۳۴۲ھش / ۱۹۶۳ء میں رسالہ "النصرت" جاری کیا گیا۔ ۱۳۴۷ھش / ۱۹۶۸ء میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اور ۱۳۴۸ھش / ۱۹۶۹ء میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت فرمائی اور خطاب سے نوازا۔[۵] اسی سال حضرت سیدہ ام متین صاحبہ نے نظارت تعلیم کے امتحان میں اوّل پوزیشن حاصل کرنے والی طالبات کے لئے "نصرت جہاں میڈل" عطا کرنے کا اعلان فرمایا۔ ۱۳۴۹ھش / ۱۹۷۰ء و ۱۳۵۰ھش / ۱۹۷۱ء کے جلسہ ہائے تقسیم اسناد میں بالترتیب بیگم صاحبہ صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی دعاؤں کے نتیجہ میں جامعہ نصرت کی حیرت انگیز اور فقید المثال ترقی

جامعہ نصرت ایک زندہ جماعت کی مثالی درس گاہ، حضرت مصلح موعود اور امام ہمام ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعاؤں کا زندہ اعجاز اور قرآنی آیت "وکواعب اترابا" کی عملی تعبیر و تفسیر ہے جس نے اپنے بائیس سالہ دور میں تعلیمی، تربیتی اور دینی ہر اعتبار سے حضرت سیدہ اُمّ متین صاحبہ اور محترمہ فرخندہ اختر صاحبہ جیسی بزرگ ہستیوں کی سرپرستی اور نگرانی میں فقید المثال ترقی کی ہے۔ وہ جامعہ جو گنتی کی صرف چند لیکچرر خواتین سے جاری ہوا اب اس کے سٹاف میں ۳۲ سند یافتہ فرض شناس اور شفیق و مونس پروفیسر اور لیکچرر خواتین شامل ہیں۔ اور جہاں پہلے سال صرف سولہ طالبات کالج میں داخل ہوئیں وہاں ۱۳۵۲ھش / ۱۹۷۳ء میں طالبات کی تعداد ساڑھے تین سو سے بھی بڑھ چکی ہے۔

جامعہ نصرت کی کامیابی کا تناسب کیفیت و کمیت کی رُو سے یونیورسٹی اور ربورڈ کے تناسب سے

---

۵ مصباح ماہ نبوت ۱۳۳۴ ہش / نومبر ۱۹۵۵ء و الازہار لذوات الخمار حصہ دوم صفحہ ۱۳۴، صفحہ ۱۴۶۔

۵ حضور کا پُرمعارف خطبہ صدارت مصباح ماہ احسان ۱۳۴۷ ہش / جون ۱۹۶۸ء صفحہ ۱۲ تا صفحہ ۱۸ میں شائع شدہ ہے۔

ہمیشہ ہی زیادہ رہا ہے اور اِس کی طالبات نے مخصوص مضامین میں اچھی پوزیشن لے کر طلائی تمغے ہی حاصل نہیں کئے بلکہ بورڈ اور یونیورسٹی کے امتحانات میں بھی اوّل آتی رہی ہیں۔

جامعہ نصرت کا خالص اور مثالی اسلامی ماحول دینیات کا مضمون جامعہ نصرت میں لازمی اور اس کی علمی و تربیتی سرگرمیوں کا نقطہ مرکزیہ اور رُوحِ رواں ہے اور مغربی دنیا کے اِس چیلنج کا واقعاتی اور مسکت جواب ہے کہ پردہ عورت کی ترقی میں روک ہے۔ علاوہ ازیں جامعہ نصرت کے پاک اور بابرکت اسلامی ماحول نے قرن اوّل کی علم پرور مسلم خواتین کی یاد تازہ کردی ہے جس کا اعتراف دوسروں کو بھی ہے چنانچہ ڈاکٹر علی محمد صاحب پرنسپل لاہور کالج نے اِس کے معائنہ کے بعد اپنے تاثرات درج ذیل الفاظ میں لکھے:۔

"ربوہ اپنی لڑکیوں کی تعلیم کے لحاظ سے تمام پنجاب میں سبقت لے گیا ہے۔ عجب سماں ہے پڑھنے والیاں اور پڑھانے والے ایک ہی مقصد کے تحت رواں دواں ہیں۔ ان میں سے کسی کی بھی توجہ کسی اور طرف نہیں اِس بے لوث جذبہ کو دیکھ کر بے اختیار کہنے پر مجبور ہوں کہ صحیح اسلامی تعلیم کی فضاء ربوہ ہی میں پائی جاتی ہے۔"

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا اظہارِ خوشنودی سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے یکم وفا ۱۳۳۴ھش/جولائی ۱۹۵۵ء کو جامعہ نصرت کے خوشکن نتائج پر غایت درجہ خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"امسال یونیورسٹی کے امتحانات کے نتائج صرف بائیس فیصدی نکلے لیکن ہمارے ربوہ کی لڑکیوں کے کالج (جامعہ نصرت) کا نتیجہ تریسٹھ فیصدی رہا اور ان پاس ہونے والی طالبات میں سے اکثر وہ ہیں جن کی فیس ہر ماہ میں خود ادا کرتا تھا وہ کالج کی فیس مہیّا نہیں کرسکتی تھیں لیکن ہم نے اُن کے اخراجات کو برداشت کیا اور اِس طرح عورتوں کی تعلیم کا ایک بڑا مرکز تھا وہاں پر کُل تعلیم کا تناسب باسٹھ فیصدی تھا۔ لڑکوں کی تعلیم کا تناسب نوّے فیصدی تھا اور عورتوں کی تعلیم کا تناسب سَو فیصدی تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی قوم پردہ میں ترقی نہیں کرسکتی لیکن ہماری طرف دیکھو کہ ہماری بچیوں کو جو عورتیں پڑھاتی ہیں وہ بھی پردہ کی پابند ہیں۔ خود میری اپنی بیوی[1] کالج کی پرنسپل ہے وہ عربی میں ایم۔اے ہے اور وہ

---

[1] اُن دنوں محترمہ فرخندہ اختر صاحبہ لاہور میں ایم۔اے کی تیاری کر رہی تھیں اور حضور کی حرم حضرت سیدہ اُمّ متین صاحبہ مدظلہا پرنسپل کے فرائض بھی انجام دے رہی تھیں۔

اس کام کا کچھ معاوضہ نہیں لیتی لیکن وہ خود بھی پردہ میں رہتی ہیں۔ اگر ضرورت کے موقعہ پر کالج میں بعض مرد تعلیم کے لئے لگائے جاتے ہیں تو وہ بھی پردہ کے پیچھے بیٹھ کر پڑھاتے ہیں اور لڑکیاں بھی پردہ میں ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود یونیورسٹی کے بائیس فیصدی نتائج کے مقابل میں ان کا نتیجہ تریسٹھ فیصدی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی عورتیں پختہ عزم اور ارادہ کر لیں گی تو وہ علم حاصل کر لیں گی اور دُنیا کو دکھا دیں گی کہ پردہ میں رہ کر بھی ہر چیز حاصل کی جاسکتی ہے۔" [1]

فصلِ دوم

تحریکِ جدید کی طرف سے سیلون مشن کا قیام اور اسکی عظیم الشان اسلامی خدمات

۱۳۳۰ہش / ۱۹۵۱ء کا نہایت اہم واقعہ تحریکِ جدید کی طرف سے سیلون مشن کا قیام ہے۔

سیدنا حضرت مہدیٔ معہودؑ کی تحریرات مالدیپ اور سیلون میں

سیدنا حضرت مہدیٔ معہود علیہ السلام کے عہدِ مبارک میں حضورؑ کی تحریرات یورپ، امریکہ اور افریقہ کی طرح جنوبی ہند سے آگے مالدیپ اور سیلون (سری لنکا) کے جزائر تک بھی پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ اُس دَور کی قدیم دستاویزات سے ثابت ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام کی ایک تصنیف سے متاثر ہو کر محل دیپ کے ایک بزرگ" اخ السلطان حاج محمد عماد الدین تو تو منفرط" صاحب حضورؑ کی زندگی میں ہی حضور کے دعویٰ پر ایمان لے آئے اور اپنا بیعت کا خط [3] (جو دو صفحات پر مشتمل تھا) حضورؑ کی خدمتِ اقدس میں قادیان بھیجا۔ سلسلہ کے لٹریچر سے پتہ چلتا ہے کہ محل دیپ کی طرح سیلون میں بھی ۱۹۰۸ء کے دَوران حضرت مسیحِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کی برکت سے ایک سیلونی عالم دین آئی ایل ایم عبدالعزیز صاحب

---

[1] الفضل ۱۹ ظہور ۱۳۳۴ہش / اگست ۱۹۵۵ء صٓ۴۔ [2] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ لجنہ اماء اللہ" جلد دوم مرتبہ امتہ اللطیف صاحبہ ناشر دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ طبع اوّل جنوری ۱۹۷۲ء۔ [3] یہ تاریخی خط شعبۂ تاریخ احمدیت ربوہ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

ایڈیٹر "مسلم گارڈین" داخل احمدیت ہوئے اور حضور کو محبت بھرا مکتوب بھی[1] لکھا تاہم سیلون کے پبلک حلقوں تک احمدیت کی پہلی مؤثر اور منظم آواز خلافتِ ثانیہ کے اوائل میں بلند ہوئی جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ممتاز صحابی حضرت صوفی غلام محمد صاحب بی۔ اے رضی اللہ عنہ قادیان سے ماریشس جاتے ہوئے ۱۴ مارچ ۱۹۱۵ء کو سیلون (سری لنکا) کے مرکزی شہر کولمبو (COLOMBO) پہنچے اور تین ماہ تک وہاں قیام کر کے مہدیٔ معہودؑ کے ظہور کی پُرجوش منادی کرتے رہے۔

حضرت صوفی غلام محمد صاحبؓ کی تبلیغی مساعی

حضرت صوفی صاحبؓ نے سیلون میں تبلیغ احمدیت کا آغاز ینگ مسلم لٹریری ایسوسی ایشن کولمبو کے زیرِ اہتمام ایک لیکچر سے کیا جس میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد اور آپ کی پیشگوئیوں اور نشانات پر جو اپنی آنکھوں سے آپ نے مشاہدہ کئے مفصّل روشنی ڈالی۔ ۲۵ اپریل ۱۹۱۵ء کو آپ کا سیلو آئی لینڈ میں کامیاب انگریزی لیکچر ہوا جس کی ترجمانی کے فرائض مسٹر ٹی۔ کے۔ لائی نے انجام دیئے۔ یہ لیکچر بہت مقبول ہوا۔ جلسہ کے اختتام پر اکثر حاضرین نے نہایت ارادت مندی کے ساتھ آپ سے مصافحہ کیا اور ہاتھ چومے۔ جلسہ کے پریذیڈنٹ ایک بیرسٹر تھے جنہوں نے صوفی صاحب کو بتایا کہ مَیں دل سے احمدی ہوں۔ نیز اُن کے بھائی قریش اور مسٹر ٹی۔ کے۔ لائی اور بعض اَور سعید روحیں باقاعدہ بیعت کر کے حلقہ بگوشِ احمدیت ہوگئیں اور اِس طرح چند ماہ کے اندر اندر سیلون کی ایک مخلص احمدیہ جماعت معرضِ وجود میں آگئی جو بیس کے قریب معمر، سمجھدار اور تعلیمیافتہ افراد پر مشتمل تھی[2]۔

حضرت صوفی صاحبؓ نے کولمبو میں انجمن احمدیہ تشکیل کی اور مسٹر ٹی۔ کے۔ لائی (T. K. LYE) کو اس کا سیکرٹری مقرر کر کے ماہوار چندہ کا انتظام کیا۔

یکم مئی کو آپ کانڈی (KANDY) بھی تشریف لے گئے اور گرینڈ ہوٹل کانڈی میں مقیم ہوئے۔ شام کو آپ کے پاس عبدالجواد شمس الدین اور غوث نامی تین مسلمان بغرض ملاقات آئے۔ ۲ مئی کی رات کو غوث محمد کی دعوت پر آپ مولود کی ایک مجلس میں پہنچے یہاں آپ نے اس رسم کے خلاف انگریزی میں فی البدیہہ تقریر کی اور عبدالجواد نے اس کا ترجمہ کیا۔ اِس تقریر کا پورے شہر میں بہت چرچا ہوا۔ بعض نے

---

[1] یہ مکتوب آپ نے کولمبو سے ۲۹ فروری ۱۹۰۸ء کو لکھا اور ریویو آف ریلیجنز انگریزی دسمبر ۱۹۱۶ء (صفحہ ۴۶۷۔۴۶۸) میں اس کا متن شائع شدہ ہے۔

[2] الفضل ۲۲ مارچ ۱۹۲۷ء صفحہ ۳ ٭ [3] الفضل ۲۳ مئی ۱۹۱۵ء صفحہ ۱

آپ کو وہابی مشہور کر دیا اور بعض آپ کی تائید میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کی خدمت میں تلاشِ حق کے لئے آنے لگے۔

۹ مئی کو آپ نے کانڈی مسلم ینگ مین ایسوسی ایشن کے زیرِ اہتمام ایک جلسہ کو خطاب کیا جس میں کُھلے اور واضح لفظوں میں جماعت احمدیہ کے مخصوص علمِ کلام خصوصاً وفاتِ مسیح اور صداقت مسیح موعودؑ کے دلائل پر بڑی شرح و بسط سے روشنی ڈالی اور کانڈی کے باشندوں پر حجّت تمام کر دی[1]۔ اِس لیکچر کی اگرچہ ملّاؤں نے مخالفت کی اور ہر طرف ایک شور برپا کر دیا مگر حق کے طالب حضرت مہدی موعودؑ کے دعوے اور حالات کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے ہوٹل میں آپ کے پاس آتے رہے اور آپ انہیں دس دن تک پورے زور و شور سے پیغامِ حق پہنچانے کے بعد واپس کولمبو میں آ گئے اور سیلون میں احمدیت کا بیج بونے کے بعد اگلے ماہ ماریشس روانہ ہو گئے۔

مشکلات کے باوجود جماعتِ احمدیہ سیلون کی مخلصانہ خدمات

حضرت صوفی غلام محمد صاحبؓ کے بعد ۱۹۱۵ء میں ہی جماعتِ احمدیہ سیلون مشکلات میں گھر گئی۔ سیلون کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ اِس ملک میں احمدی مبلّغین کو داخلہ کی اجازت نہ دی جائے گی[2]۔ اِن حالات کے باوجود سیلون کے مخلص احمدیوں نے اشاعتِ احمدیت کا

---

[1] اخبار "سیلون انڈی پنیڈنٹ" نے ۱۳ مئی ۱۹۱۵ء کے پرچہ میں اِس کامیاب لیکچر کی بایں الفاظ خبر شائع کی :-

"ایک بہت دلچسپ اور پُر معلومات لیکچر اسلام کے متعلق مولوی غلام محمد بی۔ اے نے کانڈی مسلم ینگ مین ایسوسی ایشن کے ہال میں دیا۔ مسٹر این۔ ڈی۔ ایمٹے صدرِ جلسہ تھے انہوں نے لیکچرار کا حاضرین سے تعارف کرایا اور فاضل لیکچرار نے اسلام کی پاکیزگی کو قرآن کریم اور احادیثِ نبویؐ کے حوالجات سے ثابت کیا اور بتایا کہ وہ تمام باطل خیالات جو مسلمانوں کے اندر باہر سے آ گئے ہیں نکال دئے جائیں اور اسلام کو اصل پاکیزگی کے ساتھ اختیار کیا جائے۔ اِس لیکچر کو نہایت قابلیت کے ساتھ مسٹر ایس۔ ٹی۔ صابق مدار ضلع کانڈی نے تامل زبان میں ترجمہ کر کے حاضرین کو سُنا دیا۔ خاتمہ لیکچر پر مسٹر اے۔ ایم۔ اے عزیز ممبر ایسوسی ایشن نے لیکچرار کیلئے شکریہ کا ووٹ تجویز کیا اور آئی۔ ایم۔ یوسف آنریری سیکرٹری نے تائید کرتے ہوئے مترجم کا بھی شکریہ ادا کیا نیز مسٹر سی ایچ منتارا (C.H. MANTARA) (احمدی) آنریری سیکرٹری اور ینٹ پشپورس کلب سیلو آئی لینڈ کا انکی تشریف آوری اور امداد کیلئے شکریہ ادا کیا گیا۔ مسٹر ایس۔ ایم۔ احسان نے حاضرین کی تشریف آوری کا تامل میں شکریہ ادا کیا۔ صاحب صدر جلسہ کیلئے شکریہ کا ووٹ پاس کرنے کے بعد جلسہ بخیر و خوبی برخاست ہوا۔" ترجمہ (بحوالہ الفضل ۲۳ مئی ۱۹۱۵ء ص ۳)

[2] الفضل ۲۶ مئی ۱۹۱۵ء ص ۵

کام نہایت سرگرمی سے جاری رکھا اور ہر سال باقاعدگی سے سالانہ جلسوں کا انعقاد کرتے رہے۔[۱] علاوہ ازیں تبلیغی ٹریکٹوں کا ایک سلسلہ نیز ۱۹۱۷ء سے "THE MASSAGE" (تامل نام تمودن) کے نام سے ہفتہ وار اخبار بھی جاری کیا جو ۱۹۲۳ء تک چھپتا رہا[۲] جس سے احمدیت کا پیغام جزیرہ کے علمی طبقوں تک پہنچا۔ اِس ابتدائی دَور میں سیلونی احمدیوں کو کئی تکالیف پہنچیں۔ بعض پر جھوٹے مقدمے بنائے گئے بعض کو احمدیت کی پاداش میں زدوکوب کیا گیا[۳] مگر یہ مصائب کے طوفان سیلونی احمدیوں کے ایمان و اخلاص کو متزلزل کرنے کی بجائے مستحکم کرنے کا موجب بنے جس پر خود حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے سالانہ جلسہ ۱۹۱۹ء پر اُن کی خاص تعریف فرمائی۔ ایک اَور موقع پر مجلس شوریٰ کے اجلاس میں فرمایا "سیلون کی جماعت ... میں سے بعض میں کمزوری ہو لیکن ان میں بڑے بڑے مخلص بھی ہیں"[۴] ۱۹۲۰ء کے آخر میں جماعت احمدیہ سیلون نے ایک نہایت ہی عمدہ موقع کا مکان مسجد اور پریس کے لئے ۲ ہزار روپیہ میں خریدا[۵] ستمبر ۱۹۲۱ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک ممتاز صحابی حضرت سردار عبدالرحمٰن صاحب بی۔ اے رضی اللہ عنہ سیلون میں چند روز کے لئے تشریف لے گئے۔ جماعت احمدیہ سیلون نے ٹاؤن ہال میں آپ کا پبلک لیکچر دلایا۔ سامعین سب کے سب تعلیم یافتہ تھے۔ اِس سے قبل کسی مسلمان کا پبلک لیکچر اِس ہال میں نہیں ہوا تھا۔ اِس لیکچر کے علاوہ آپ قریباً روزانہ ہی انگریزی میں لیکچر دیتے رہے جس کا ترجمہ تامل میں سُنایا جاتا رہا۔[۶]

جولائی ۱۹۲۳ء میں حکومت نے سیلون میں احمدی مبلّغین کے داخلہ پر ۱۹۱۵ء سے عائد شدہ پابندی محدود رنگ میں بعض شرائط کے ساتھ واپس لے لی۔ یہ پابندی سر ہیوک الفورڈ سابق گورنر نائیجیریا کی آمد پر دُور ہوئی جو نائیجیریا میں جماعت احمدیہ سے خوب واقف تھے۔[۷]

اِس سلسلہ میں سیلون گورنمنٹ کے نائب کالونیل سیکرٹری ایچ۔ آر۔ بلٹ نے ۲۶ جولائی ۱۹۳۰ء کو آنریری سیکرٹری احمدیہ ایسوسی ایشن سیلون ۳۰۔ شارلس روڈ کولمبو کو جو خط بھیجا اس کا ترجمہ

[۱] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء ص۳۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس سال جماعت احمدیہ سیلون نے گھمپولا (GAMPOLA) میں تیرھواں سالانہ جلسہ منعقد کیا۔ [۲] اِس آرگن نے ایک اپنا وسیع حلقہ اثر پیدا کیا۔ [۳] الفضل ۲۷ مئی ۱۹۱۹ء ص۲ و ۳۱ مئی ۱۹۱۹ء ص۲۔ [۴] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۵ء ص۱۶۔ [۵] الفضل ۸ نومبر ۱۹۲۰ء ص۱۔ [۶] الفضل ۲۹ ستمبر ۱۹۲۱ء ص۸۔ [۷] رپورٹ مجلس مشاورت قادیان ۱۹۲۷ء ص۳۹۔

حسبِ ذیل ہے:۔

جنابِ من! آپ کے خط مرسلہ ۹؍ جولائی ۱۹۲۳ء بنام کالونئیل (COLONIAL) سیکرٹری کے بارے میں جو مسلمان احمدی مبلّغین کی پابندیوں کے متعلق تھا، مجھے آپ کو اس بات پر مطلع کرنے کی ہدایت ہوئی ہے کہ ہز ایکسی لینسی گورنر بہادر نے بخوشی حکم صادر فرمایا ہے کہ احمدی مبلّغین کے سیلون میں داخل ہونے کے متعلق جو ممانعت تھی اس کو دُور کیا جائے اور یہ کہ وہ حسبِ ذیل پابندیوں کے ساتھ سیلون میں داخل ہو سکتے ہیں:۔

(۱) تمام جلسے جن میں کہ یہ مبلّغین اپنے ایڈریس اور لیکچر دیں سیلون کی احمدیہ جماعت کے ہیڈکوارٹر میں ہونے چاہئیں جو کہ سیلو آئی لینڈ کے شہر کولمبو میں واقع ہے۔

(۲) کوئی وعظ یا گلیوں میں جلسہ کرنے کی ان مبلّغین کو اجازت نہ ہو گی۔

(۳) اور ایسے تمام مشنری جزیرہ میں وارد ہونے کے بعد چوبیس گھنٹہ کے اندر اندر بذاتِ خود حاضر ہو کر کالونیئل سیکرٹری کے دفتر میں اپنے آنے کی رپورٹ دیں۔

مشنریوں کو یہ شرائط منظور کرنا ہوں گی اور ایک تحریر یہ کالونیئل سیکرٹری کو دینی ہو گی کہ اگر وہ لوگ ان شرائط کی خلاف ورزی کریں گے تو ان کو اِس جُرم میں جزیرہ سے فوراً باہر نکل جانا ہو گا بشرطیکہ ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا گیا۔ مَیں ہوں آپ کا خادم۔ ایچ۔ آر۔ بلڈ نائب کالونیئل سیکرٹری [۱]

اِس جُزوی آزادی کے بعد سیلون کے احمدیوں کی تبلیغی جدّوجہد میں نمایاں اضافہ ہوا اور مرکز کی طرف سے مولوی اے۔ پی ابراہیم صاحب سیلون مشن کے انچارج مقرر کئے گئے۔[۲]

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کی تشریف آوری اور جزیرہ میں احمدیت کا زبردست چرچا

۱۰؍ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو حضرت مہدیٔ موعودؑ کے محبّ صادق مدیر بدر اور احمدیہ مسلم مشن امریکہ کے بانی حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ سیلون میں تشریف لائے[۳] اور ۶؍ نومبر ۱۹۲۷ء تک یہاں قیام فرما رہے[۴]۔ حضرت مفتی صاحبؓ کی آمد نے حضرت

---

[۱] اخبار "ٹائمز آف سیلون" مورخہ ۲۲؍ اگست ۱۹۲۳ء (بحوالہ الفضل ۱۱؍ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۳) ٭

[۲] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۳۹ ٭ [۳] الفضل ۲۱؍ اکتوبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۲ ٭

[۴] الفضل ۱۸؍ نومبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۲ ٭

صوفی غلام محمد صاحبؓ کے زمانہ کی یاد تازہ کر دی اور جزیرہ بھر میں احمدیت کی گویا دھوم مچ گئی۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے کولمبو کی مختلف سوسائٹیوں میں اسلام اور احمدیت سے متعلق متعدد کامیاب لیکچر دیئے آپ نے ایک لیکچر "اسلام اور عیسائیت" کے موضوع پر دیا اور مسلمانوں نے تسلیم کیا کہ اسلام کی تائید میں انہوں نے کبھی ایسی زبردست تقریر نہیں سنی۔ ایک لیکچر بدھسٹ انجمن کے ہال میں ہوا جس کا تمام انتظام بدھ لوگوں نے کیا۔ جلسہ میں غیر معمولی حاضری تھی۔ مفتی صاحبؓ نے بدھوں کے کالج کا بھی معائنہ کیا۔ نیز کولمبو میں بدھوں کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا سے بھی ملاقات کی اور انہیں خبر دی کہ اِس زمانہ کا بدھ قادیان میں آ چکا ہے بدھ لیڈر نے کہا کہ بدھ آسمان سے آئے گا اور ہم اُس کو آسمان سے نازل ہوتے خود دیکھیں گے۔ آپ کا ایک عیسائی مناظر ڈی سلوا کے ساتھ الوہیتِ مسیح اور دعویٰ مسیح موعودؑ کی صداقت پر دوبارہ مناظرہ بھی ہوا جس میں پادری صاحب لاجواب ہو گئے۔ اِن لیکچروں اور آپ کی نجی ملاقاتوں کے نتیجہ میں کئی غیر احمدی معززین احمدیت کے بہت قریب آ گئے بلکہ بعض علماء نے یہاں تک مشہور کر دیا کہ مفتی صاحبؓ فی الواقع ولی اللہ ہیں جو محض اتفاق سے احمدیوں کے ہاتھ لگ گئے ہیں اور وہ ان سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں مگر دراصل وہ احمدی نہیں ہیں۔ ابتدائی چند لیکچروں کے سوا اکثر لیکچروں کا انتظام غیر احمدی معززین نے اپنے خرچ پر کیا اور نہایت خوشی کے ساتھ اپنی گرہ سے ہال کا کرایہ اور اشتہار وغیرہ کے اخراجات ادا کئے۔

حضرت مفتی صاحبؓ نے عیسائیوں کے ویزلی کالج کی لٹریری سوسائٹی میں بھی ایک لیکچر دیا۔ یہ لیکچر امریکہ کے عام حالات پر تھا اور صدرِ جلسہ خود پرنسپل تھے جو لندن کے پادری تھے۔ حضرت مفتی صاحبؓ سیلونی بدھوں کے مرکزی شہر کانڈی میں بھی تشریف لے گئے جہاں آپ کے دو لیکچر ہوئے۔ ایک کا عنوان تھا "پیغامِ اسلام" یہ لیکچر ٹاؤن ہال میں ایک معزز وکیل جارج ڈی سلوا صاحب نے صدارت کی۔ ہال سامعین سے بھرا ہوا تھا آخر میں معززینِ شہر نے کہا کہ ہمیں یہ خوشی ہے کہ اسلام اِس قدر خوبیوں سے پُر ہے جیسا کہ مفتی صاحبؓ نے بیان کیا ہے۔ دوسرا لیکچر اِسی شہر کے بدھسٹ ہال میں ہوا۔ حضرت مفتی صاحبؓ نے اپنے لیکچر میں دَورِ جدید کے بدھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی پیش کیا۔ یہ لیکچر بھی بہت مقبول ہوا۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے اپنے لیکچروں میں صداقتِ اسلام کے علاوہ تحریکِ احمدیت کے مخصوص مسائل پر بھی روشنی ڈالی اور اپنے عقائد کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ چنانچہ یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ آپ کے ایک لیکچر کے دَوران جس کے صدر مسٹر برہان ایک وکیل تھے کسی اہلحدیث دوست نے

دعویٰ کیا کہ قرآن شریف میں بہت سی آیات ہیں جن میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؓ نے فرمایا مولوی صاحب تو کہتے ہیں بہت سی آیات ہیں اگر وہ ایک بھی ایسی آیت دکھا دیں جس میں لکھا ہو کہ عِیْسٰی حَیٌّ فِی السَّمَآءِ تو مَیں اسی مجلس میں مولوی صاحب کو مبلغ تین سَو روپے انعام دوں گا۔ اِس پر لوگوں نے خوب تالیاں بجائیں اور سب مولوی صاحب کی طرف دیکھنے لگے کہ اب وہ تین سَو روپے انعام لینے ہی والے ہیں مگر مولوی صاحب دم بخود ہو کر بیٹھ گئے۔ اِس پر ایک اَور صاحب نے اُٹھ کر کہا کہ اگر حضرت عیسیٰؑ آسمان پر نہیں تو اُن کی قبر دکھاؤ۔ حضرت مفتی صاحبؓ نے فی البدیہہ جواب دیا کہ آپ کے دادا کا دادا زندہ ہے یا مر گیا ہے؟ اگر مر گیا ہے تو اُس کی قبر دکھاؤ ورنہ کہا جائے گا کہ وہ بھی آسمان پر ہے۔ اِس جواب پر دوسرے صاحب نے بھی چُپ سادھ لی۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے لیکچروں کا سیلون پریس میں بہت چرچا ہُوا بطور نمونہ دو انگریزی اخبارات کے دو نوٹ درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

اخبار "سیلون ڈیلی نیوز" (۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۷ء) نے لکھا کہ:۔

ولزلے کالج لٹریری ایسوسی ایشن کے زیرِ اہتمام ڈاکٹر ایم۔ صادق نے کل طلباء کے سامنے زیرِ صدارت پرنسپل کالج ہذا ریورنڈ ہیچنیسن اپنے وہ تجربات بیان فرمائے جو آپ کو قیامِ یورپ وامریکہ کے زمانہ میں حاصل ہوئے تھے۔ دَورانِ تقریر آپ نے کئی ایک دلچسپ واقعات بیان کئے اور غیر ممالک میں زندگی بسر کرنے کے متعلق طلباء کو وہاں کے اخلاق اور طرزِ معاشرت کے بارے میں مفید معلومات بہم پہنچائیں۔ (ترجمہ)

اخبار "سیلون انڈی پینڈنٹ" نے ۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۷ء کی اشاعت میں ایک نامہ نگار کے حوالہ سے لکھا:۔

ینگ مسلم لیگ (جو کہ روشن دماغ اور آزاد خیال افراد پر مشتمل ہے) کے اجلاس میں دو معزز اشخاص ڈاکٹر صادق اور مسٹر حمید کو نیو مور سٹریٹ کے سکول میں حفظانِ صحت کے متعلق حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بیان کرنے کا موقع دیا گیا۔

نامہ نگار نے مزید لکھا کہ مَیں بخوشی اِس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ مسلم لیگ کے ممبروں نے اخوّت اور رواداری کا نمونہ دکھایا ہے۔ گذشتہ سال جب خواجہ کمال الدین صاحب سیلون میں لیکچروں کے متعلق

خط و کتابت کر رہے تھے تو اس کے خلاف ایک عام مخالفت کی لہر پیدا ہوگئی تھی اور وہ اِس جزیرہ میں نہیں آسکتے تھے۔ اب حالات تبدیل ہوگئے ہیں اور قومی بیداری کے ساتھ رواداری کی رُوح بھی پیدا ہو رہی ہے۔ غیر مسلم اصحاب نے فاضل ڈاکٹر کے ساتھ مختلف مسائل پر لیکچر اور ملاقاتوں کا انتظام کیا۔ ڈاکٹر صاحب یہاں قلیل عرصہ ہی ٹھہریں گے اس لئے عام مسلمانوں کو چاہیئے کہ تعدد ازواج، غلامی، اکراہ فی الدین اور جہاد کے متعلق لیکچر دلوانے کا انتظام کرکے صحیح مذہب اسلام کی تبلیغ کا موقع بہم پہنچائیں۔"[1]

حضرت مولوی عبداللہ صاحبؓ مالاباری کی پُرجوش تبلیغی جدّوجہد

صدر انجمن احمدیہ قادیان کی سالانہ رپورٹ (یکم مئی ۱۹۳۲ء تا ۳۰ اپریل ۱۹۳۳ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۳۲ء تک جزیرہ سیلون میں کولمبو۔ نیگمبو (NEGOMBO) گیمپولا اور الکام میں احمدیہ جماعتیں قائم ہو چکی تھیں اور سیلونی احمدیوں کی تعداد اسّی تک پہنچ چکی تھی۔ اِس جزیرہ کی تبلیغی مہم ان دنوں مرکز کی طرف سے حضرت مولوی عبداللہ صاحبؓ مالاباری چلا رہے تھے جو عربی، ملیالم اور انگریزی کے عالم و فاضل اور بڑے بلند پایہ مقرر تھے اور سیلون اور مالابار میں باری باری سے اعلائے کلمۃ الحق میں مصروفِ عمل رہتے تھے اور اشاعتِ اسلام و احمدیت کا کوئی تقریری اور تحریری موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب ۱۳۳۰ ہش/ ۱۹۵۱ء تک سیلون میں بڑے مؤثر رنگ میں اشاعتِ احمدیت کے جہاد میں دیوانہ وار منہمک رہے۔

حضرت مولوی صاحب نے اِس جزیرہ میں کس جانفروشی اور خلوص سے اشاعتِ احمدیت کا فریضہ ادا کیا ہے؟ اس کا اندازہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کی قبل از تقسیم مطبوعہ رپورٹوں سے بخوبی لگ سکتا ہے۔ بطور نمونہ حضرت مولوی صاحبؓ کے قلم سے دارالتبلیغ سیلون کی صرف ایک رپورٹ (بابت ۱۹۳۷-۱۹۳۸ء) ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:-

"دو سال زیر رپورٹ (۳۶-۳۷ تا ۳۷-۳۸) میں ساڑھے تین ماہ خاکسار سیلون میں مقیم رہا۔ مقررہ اندازہ کے لحاظ سے ۴ ماہ سیلون میں ٹھہرنا تھا لیکن کالی کٹ میں مصری فتنہ کے زیرِ اثر بعض افراد کے ہلاکت میں پڑنے اور جماعت کا اس سے متاثر ہونے کا خطرہ پیدا ہو جانے کی وجہ سے مقررہ میعاد کے گذرنے سے دو ہفتہ پہلے مجھے سیلون سے مالابار کو واپس جانا پڑا۔ سیلون میں چار مقامات پر جماعتیں موجود ہیں جن میں مرکزی

---

[1] حضرت مفتی صاحبؓ کے سفرِ سیلون کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو الفضل ۲۱ اکتوبر۔ ۱۱ نومبر۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۲۷ء

جماعت کولمبو کی ہے۔ جس طرح شہر کولمبو جزیرہ سیلون کا صدر مقام ہے کولمبو کی جماعت بھی دیگر جماعتوں سے بڑی اور اہم ہے اس لئے خاکسار کا قیام زیادہ تر اسی جماعت میں رہا ہے۔ اِس کے علاوہ پانا دورا (PANADURA) نیگومبو۔ گیمپولا کی جماعتوں میں بھی کئی دفعہ دورہ کرتا رہا۔ پھر مٹروٹا (MATURATA) اور پوسلاوا (PUSSULAWA) دو مقامات کے بھی دَورے کئے گئے۔ سیلون میں بھی انفرادی گفتگو، تحریر اور تقریر کے ذریعہ تبلیغ کے فرائض اور خطبات و نصائح اور درس و تدریس کے ذریعہ جماعتوں کی تعلیم و تربیت کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ قریباً ڈیڑھ صد افراد کو پرائیویٹ گفتگو کے ذریعہ تبلیغ حق پہنچائی گئی اور اسلام اور احمدیت کے متعلق ۷ علمی لیکچر دیئے گئے جن میں اسلام کی برتری، احمدیت کی صداقت اور غیر اسلامی عقائد کی تردید بیان کی گئی۔ اِن میں سے زیادہ لیکچر راو ترکمپنی کے صحن میں دیئے گئے تھے اور کچھ لیکچر یہاں کی سنٹرل جیل میں دیئے گئے جہاں ہر اتوار کو جاکر قیدیوں میں لیکچر دینے کے لئے جیل خانہ جات کے انسپکٹر جنرل سے اجازت حاصل کی گئی تھی اور دو لیکچر میدانوں میں اور ایک لیکچر ہندوؤں کے ایک مشہور ہال میں دیا گیا تھا۔ جماعت کا ہفتہ واری اخبار مالی مشکلات کے سبب بند ہو جانے کی وجہ سے اشاعت تحریر کے ذریعہ تبلیغ کرنا مشکل ہو گیا تھا اِس لئے عرصہ زیرِ رپورٹ میں ٹریکٹوں کی اشاعت سے یہ کام لیا گیا۔ چنانچہ خاکسار نے اِس عرصہ میں چار ٹریکٹ لکھے۔ ایک چار صفحات کا اور تین چار صفحات کے۔ اور جماعت کے خرچ پر یہ ٹریکٹ ہزاروں کی تعداد میں طبع کراکر لوگوں میں تقسیم کئے گئے۔

اِس کے علاوہ خطبات، انفرادی نصائح اور درس و تدریس کے ذریعہ سے جماعتوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ ادا کیا گیا۔ ہر ہفتہ انصار اللہ کی میٹنگ میں حاضر ہو کر ان کو ضروری ہدایات دینا اور علمی باتیں بتاتا رہا۔ بعض دوستوں کو قرآن کریم کا درس سناتا رہا۔ خط و کتابت کے ذریعہ تبلیغ کرنے کے علاوہ دیگر مقامات کی جماعتوں کی تربیت اور اصلاح کے لئے بھی سیلون سے مالابار اور رسا تان کولم وغیرہ مقامات میں کئی خطوط بھیجے گئے ۔۔۔۔ الغرض اِس عرصہ میں سیلون کی مختلف جماعتوں میں ٹھہر کر پرائیویٹ گفتگو، تقریر اور تحریر کے ذریعہ تبلیغِ حق پہنچانے اور نصائح اور درس و تدریس سے جماعتوں کی تعلیم و تربیت کرنے کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ خاکسار عبداللہ مالاباری از کولمبو" [1]

---

[1] رپورٹ (یکم مئی ۱۹۳۷ء - ۳۰ اپریل ۱۹۳۸ء) صفحہ ۱۴۴، صفحہ ۱۴۵ ؎

"اسلامیہ سورین" کا اجراء

اخبار تھودن چونکہ عرصہ سے بند ہو چکا تھا اِس لئے احباب جماعت کو روحانی غذا بہم پہنچانے کے لئے جماعتِ سیلون کے مخلص دوست اور عبدالمجید صاحب نے اسلامیہ سورین نامی رسالہ جاری فرمایا۔ چونکہ عبدالمجید صاحب ۱۹۱۵ء سے ہی جماعت کے اخبار تھوون سے وابستہ چلے آرہے تھے اِس لئے اُن کی ادارت میں اِس رسالہ نے جماعت کو تبلیغی و علمی میدان میں آگے بڑھانے میں بہت مدد دی۔ پھر بعض احباب کی مالی مدد سے انہوں نے اسلامیہ سورین پریس بھی قائم کرلیا جس سے جماعت کے لٹریچر کی طباعت میں مزید آسانی پیدا ہو گئی۔ کچھ عرصہ مفید کام کرنے کے بعد جب تھودن دوبارہ جاری ہوُا تو یہ رسالہ بھی تھودن میں مدغم ہو گیا۔

تحریک جدید کے سیلون مشن کا قیام

۲۶ ظہور ۱۳۳۰ ہش / اگست ۱۹۵۱ء کو جماعت احمدیہ سیلون کی تاریخ کا ایک نیا اور انقلاب انگیز دَور شروع ہوُا جبکہ سیدنا حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ کے حکم سے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر (مع اہلیہ) اِس جزیرہ میں پہنچے اور تحریکِ جدید کے زیرِ انتظام مستقل مشن کی بنیاد رکھی۔ مولوی صاحب قریباً پونے سات برس تک سیلون کے طُول و عرض میں نہایت جوش، اخلاص اور مستعدی سے اشاعتِ احمدیت میں سرگرمِ عمل رہے اور بالآخر جنوبی اور وسطی ہند کا طویل سفر کرتے ہوئے ۸ ر شہادت ۱۳۳۷ ہش / اپریل ۱۹۵۸ء کو ربوہ میں تشریف لائے۔ آپ اگرچہ مقامی زبان سے واقف نہ تھے[1] ماحول سراسر اجنبی تھا۔ ویزا صرف تین ماہ کا مِلا تھا اور ایک ایسے نازک موقع پر مرکز کی طرف سے بھجوائے گئے تھے جبکہ جماعتِ سیلون اندرونی اور خارجی مشکلات سے دوچار تھی مگر خدا کے فضل اور حضرت مصلح موعودؓ کی دعاؤں کی برکت سے انتہائی بے سروسامانی کے باوجود آپ کے دَور میں اشاعتِ حق کے نئے سے نئے رستے کھُلے اور آپ کی کوششوں میں غیر معمولی برکت ڈالی گئی۔ جماعتِ احمدیہ سیلون نے آپ کے زمانۂ قیام میں جو نمایاں خدمات سرانجام دیں اُن میں سے بعض کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:۔

جماعتی تربیت و اصلاح کا نظام

جماعتِ سیلون کو ایک نظام سے منسلک کرنے کے لئے ہر سیلونی احمدی خاندان کے ہر فرد کے مختصر اور

---

[1] تبلیغی اور تربیتی تقاریر کے موقع پر اُردو سے تامل میں ترجمانی کے فرائض بھائی جے۔ بشیر احمد صاحب اور اے۔ ایس محمود احمد صاحب نے اور انگریزی سے تامل میں ترجمہ کے فرائض ٹی۔ اے۔ احمد صاحب اور ایم۔ جمال الدین صاحب نے انجام دیئے۔

ضروری کوائف[1] کا ریکارڈ تیار کیا گیا۔ مجلس خدام الاحمدیہ، مجلس اطفال الاحمدیہ اور لجنہ اماء اللہ کی مرکزی تنظیموں میں نئی حرکت پیدا ہوئی اور احمدیوں کی نوجوان نسل کی تربیت و اصلاح کے لئے مختلف تدابیر بروئے کار لائی گئیں۔ اور احمدی عورتوں نے بھی محترمہ مبارکہ نسرین صاحبہ (اہلیہ مولوی صاحب موصوف) کی رہنمائی میں تبلیغ و تربیت کے پروگرام میں اہم کردار ادا کیا۔

احمدیہ باغ

جماعت احمدیہ سیلون نے کولمبو میں اپنے مستقل مشن ہاؤس اور مرکزی مسجد کی تعمیر کے لئے قریباً پندرہ ہزار روپے[2] جمع کئے جن میں سے پانچ ہزار روپے کی لاگت سے مسجد احمدیہ نیگمبو کے دائیں جانب ایک ایکڑ زمین خریدی گئی اور اِس طرح جماعت کی وسعت کے پیش نظر ایک احمدیہ باغ کی صورت میں اس مسجد کی توسیع عمل میں آئی۔ یہ مسجد آپ کے زمانہ میں سیلون مشن کی واحد مسجد تھی۔

انجمن احمدیہ کے قدیم کمرہ کی مرمت

کولمبو میں انجمن احمدیہ کا ایک قدیم کمرہ تھا جماعت سیلون نے ایک بھاری رقم سے اس کی بھی مرمت کرائی اور اس میں لائبریری کا اجراء ہوا۔

مالی قربانیوں میں ترقی

اس عرصہ میں جماعت احمدیہ سیلون کے چندوں میں نمایاں ترقی ہوئی اور سیلون کے مخلص احمدی مردوں اور عورتوں نے وصیت، تحریک جدید، وقف جدید اور دوسری مرکزی تحریکوں میں شامل ہونے کے علاوہ مقامی اور ہنگامی چندوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مالی قربانیوں میں بھی ایک عمدہ مثال قائم کی۔

لائبریریوں کا قیام

کولمبو اور نیگمبو میں احمدیہ لائبریریاں قائم کی گئیں۔ کولمبو کی فضل عمر لائبریری میں سات سو کے قریب جلدیں آپ کی واپسی کے وقت موجود تھیں اور ریویو آف ریلیجنز انگریزی کے تقریباً مکمل فائل مہیا ہو چکے تھے۔ نیگمبو لائبریری کے لئے مولوی محمد اسمٰعیل

---

[1] مثلاً تاریخ ولادت۔ تاریخ بیعت۔ ولدیت۔ سکونت۔ پیشہ۔ آمد اور چندہ جات۔ [2] اِس فنڈ سے وفا ۱۳۳۶ ہش/ جولائی ۱۹۵۷ء میں ایک سہ منزلہ عمارت کولمبو شہر کے وسط میں خریدی گئی۔ یہ عمارت ۳۲ ہزار میں خریدی گئی تھی اور ۱۵ ہزار روپے قرض کے عوض مکان رہن رکھا گیا تھا۔ یہ بہت شاندار عمارت تھی جو افسوس مولوی صاحب کے بعد مخالفین کی شرارت کے باعث جماعت کے ہاتھوں سے نکل گئی۔

صاحب منیر نے اپنی ایک الماری اور بہت سی کتابیں بطور عطیہ دیں۔

"دی میسیج" کا احیاء

اِس دَور میں جماعتِ احمدیہ سیلون کا پہلا انگریزی اخبار "دی میسیج" (THE MESSAGE) جو ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء سے بند ہو چکا تھا دوبارہ پوری آب وتاب کے ساتھ ماہِ ظہور ۱۳۳۴ہش/اگست ۱۹۵۵ء سے نکلنا شروع ہوا۔ یہ انگریزی و تامل اخبار سیلون کے علاوہ جنوبی ہند، بورنیو، برما اور ملایا میں بھی بھیجا جاتا تھا۔ اور تعلیمیافتہ مسلم اور غیر مسلم حلقوں میں بڑی دلچسپی سے پڑھا جاتا تھا۔ ماہِ صلح ۱۳۳۶ہش/جنوری ۱۹۵۷ء میں اِس اخبار کے سنہلی ایڈیشن کا بھی اجراء کیا گیا۔ اِس زبان میں یہ پہلا اسلامی اخبار تھا اور اس کی اشاعت پر سنہلی پریس نے قابلِ قدر تبصرے کئے۔ سنہلی ایڈیشن کے پہلے پرچہ میں حضرت مصلح موعودؓ کی شبیہہ مبارک کے ساتھ حضور کا حسبِ ذیل افتتاحی مضمون اشاعت پذیر ہوا:۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؛ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کیساتھ

ھوالنــــــــاصر

سنہالیز برادران! جماعتِ احمدیہ کا سنہالی رسالہ نکل رہا ہے اور اس کے لئے تمہیدی نوٹ مَیں لکھ رہا ہوں۔ مَیں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ سیلون کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق آج کا نہیں بلکہ بہت پُرانا ہے۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا میں لکھا ہے کہ سیلون کے بادشاہ نے حجاج کو جو امیّہ خلافت کی طرف سے مشرقی صوبہ کا گورنر تھا ان مسلمانوں کے یتامیٰ بھجوائے جو کہ سیلون کے بادشاہ کے علاقہ میں فوت ہوئے تھے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک غیر مصدقہ روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سیلون کا بادشاہ خود بھی مسلمان ہو گیا تھا اور امیّہ خلیفہ کو باج بھیجا کرتا تھا۔ ہندوستان پر محمد بن قاسم کے حملہ کی وجہ بھی یہی تھی کہ سیلون کے بادشاہ نے جو مسلمان یتامیٰ خلیفہ اسلام کو بھجوائے تھے ان پر سندھ کے ساحل کے قریب کچھ ہندو ڈاکوؤں نے حملہ کر کے انہیں گرفتار کر لیا تھا انہیں کے بچانے کے لئے محمد بن قاسم سندھ پر حملہ آور ہوئے تھے اور یہی بنیاد عالمِ اسلام اور ہندوستان میں جنگ کی تھی۔ پس قدیم سیلون سے مسلمانوں کا ایک ہزار سال سے (زائد۔ ناقل) کا تعلق ہے ہم اس تعلق کو زندہ کرنے

کے لئے پھر اس ملک میں آئے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ لوگ بھی ہمارے مشن سے وہی سلوک کریں گے جو کہ آٹھویں صدی عیسوی کے سیلون بادشاہ نے مسلمانوں سے کیا تھا۔ خدا تعالیٰ آپ کے دلوں کو... ہدایت کے لئے کھول دے اور جس طرح ہم قدیم زمانہ میں بھائی بھائی تھے اس زمانہ میں بھی ہم بھائی بھائی ہو جائیں اور اس خطرناک زمانہ میں اپنے ملک و ملّت کی حفاظت کے لئے دوش بدوش ایک دوسرے کی حفاظت کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ اللّٰھم آمین

خاکسار

(دستخط) مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

۶/۱۲/۵۶

مشرقی صوبہ میں ذیلی مشن کی بنیاد

پہلی بار سیلون کے مشرقی صوبہ میں جو مسلم اکثریت کی وجہ سے سیلون کا پاکستان کہلاتا ہے یکم اخاء ۱۳۳۴ ہش / اکتوبر ۱۹۵۵ء میں جماعتِ احمدیہ کا ایک ذیلی مشن قائم کیا گیا جس کے انچارج مولوی محمد تمیم صاحب تھے۔ جماعت احمدیہ سیلون نے اس مشن کے لئے اپنی بلڈنگ خریدی۔

سنہلی زبان میں سلسلہ احمدیہ کا وسیع لٹریچر

۱۳۳۱ ہش / ۱۹۵۲ء میں سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ پر بذریعہ رؤیا یہ انکشاف کیا گیا کہ "ہمارے سلسلہ کا لٹریچر سنہالیز زبان میں بھی شائع ہونا شروع ہو گیا ہے اور اس کے نتائج اچھے نکلیں گے۔" حضور فرماتے ہیں:۔ "میں خواب میں کہتا ہوں کہ سنگھالیز زبان تو ہے یہ سنہالیز کیوں لکھا ہے۔ پھر میں سوچتا ہوں کہ سنہالیز زبان کونسی ہے"۔ [1]

۱۳۳۱ ہش / ۱۹۵۲ء میں اگرچہ یہ زبان ملک میں بکثرت بولی جاتی تھی لیکن اسے کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی لیکن ۱۳۳۵ ہش / ۱۹۵۶ء میں حالات نے حیرت انگیز پلٹا کھایا اور نئی پارٹی "سری لنکا فریڈم پارٹی" (SRI LANKA FREEDOM PARTY) برسرِ اقتدار آئی جس نے دو ماہ کے اندر سنہلی زبان کو واحد سرکاری زبان کا درجہ دے دیا۔ اس وقت جماعتِ احمدیہ سیلون کے لئے اس زبان میں کتابیں شائع کرنے کا بظاہر کوئی امکان نہیں تھا۔ نہ روپیہ تھا نہ مترجم اور نہ اس خواب کی عملی تعبیر کے لئے کوئی ذرائع موجود تھے لیکن جلد ہی پردۂ غیب سے ایسے سامان پیدا ہو گئے کہ مترجم بھی میسر آ گیا

[1] الفضل ۱۴ فتح ۱۳۳۱ ہش / دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

اور سنہلی لٹریچر کی اشاعت کے فنڈ بھی غیر احمدی دوستوں ہی نے فراہم کر دیئے اور پھر سنہلی لٹریچر بڑی کثرت سے چھپا اور ملک بھر میں خدائی خبر کے مطابق مقبول بھی بہت ہوا جو صداقتِ احمدیت کا ایک چمکتا ہوا نشان ہے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیرؔ اِس ایمان افروز نشان کی تفصیل میں فرماتے ہیں:۔

"وہاں کے احمدیہ مشن کے پاس قطعاً ایسے وسائل موجود نہیں تھے کہ وہ اس زبان میں لٹریچر کی اشاعت کا انتظام کر سکتی دفعتہً خدائی تقدیر حرکت میں آئی اور نہایت غیر معمولی طور پر اس زبان میں اسلامی لٹریچر کی اشاعت کا خود بخود انتظام ہو گیا اور وہ اِس طرح کہ ابھی سنہلی کو سرکاری زبان کا درجہ ملے ہوئے چند ماہ ہی ہوئے تھے کہ ایک معزز شخص ڈاکٹر اے۔ سی۔ ایم سلیمان صاحب (DR. A.C.M. SULAIMAN) جن کے نام سے بھی میں واقف نہ تھا موٹر کار میں احمدیہ مشن ہاؤس تشریف لائے اور انہوں آتے ہی یہ سوال کیا کہ آپ لوگ سنہلی میں اسلامی لٹریچر کیوں شائع نہیں کرتے؟ میں نے مالی اور بعض دوسری مشکلات کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا آپ مجھے کوئی کتاب دیں میں اس کا سنہلی زبان میں ترجمہ کرنے کا انتظام کرتا ہوں۔ چنانچہ میں نے انہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر سلسلہ کی ایک کتاب دے دی جس کا نام LIFE AND TEACHINGS OF H.P. MOHAMMAD تھا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد جب وہ دوبارہ آئے تو کتاب کا ترجمہ اور طبع شدہ پروف ساتھ لے کر آئے۔ چنانچہ چند یوم میں نظر ثانی کے بعد انہوں نے وہ کتاب پانچ ہزار کی تعداد میں چھپوا دی۔ اِس کے بعد انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی معرکۃ الآراء تصنیف "اسلامی اصول کی فلاسفی" دی گئی۔ اسے بھی انہوں نے بعد ترجمہ نہایت قلیل مدت میں پانچ ہزار کی تعداد میں چھپوانے کا انتظام کر دیا۔ چونکہ اس وقت حکومت سنہلی کو خاص اہمیّت دے رہی تھی اِس لئے خود وزیرِ اعظم نے اِس زبان میں اسلامی لٹریچر کی اشاعت میں خاص دلچسپی کا اظہار کیا حتّٰی کہ انہوں نے ہماری درخواست پر اِس کتاب کے ساتھ اشاعت کے لئے بخوشی اپنا ایک پیغام بھی بھجوا دیا چنانچہ وہ پیغام بھی کتاب کے ساتھ شائع ہوا۔ کتاب کی طباعت کے بعد اس کی اشاعت کا آغاز ایک خاص تقریب میں کیا گیا جس میں بعض وزراء اور حکومت کے اعلیٰ افسران بھی شریک ہوئے[1]

---

[1] وزیرِ اعظم سیلون (S.W.R.D. BANDARANAIKE) نے اِس تقریب پر ایک خصوصی پیغام دیا جس میں کہا "بدھسٹ اور سنہلیز ہونے کے لحاظ سے میں اِس کتاب "ISLAM DHARMAYA" کے لئے مختصر پیغام بھیجنے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔ اِس ملک کی تاریخ کے اِس اہم دَور میں سنہلی زبان میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چنانچہ ان وجوہ کی بناء پر کتاب کا ملک بھر میں بہت چرچا ہوا اور لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ الغرض نہایت بے سروسامانی کے باوجود اللہ تعالےٰ نے محض اپنی قدرت نمائی کے ذریعہ حضور کے کشف کو پورا کرنے کے خود سامان فرمائے اور اس طرح یہ امر ہم سب کے لئے ازدیادِ ایمان کا موجب بنا۔" [1]

"اسلامک لٹریچر سنٹر" اسی دور میں جماعتِ احمدیہ سیلون کے ایک مستقل اشاعتی ادارہ "اسلامک لٹریچر سنٹر" کی بنیاد پڑی جس کا حساب و کتاب اور کلرک الگ تھا اور جس کی نگرانی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر مشن انچارج اور جماعتِ احمدیہ کے نہایت مخلص بزرگ ایم۔ای۔ایم۔حسن صاحب جنرل احمدیہ پریذیڈنٹ آل سیلون وسیکرٹری مال کولمبو کرتے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ اسلامی کتاب کا شائع ہونا باعثِ اطمینان ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے تعلقات بڑھیں گے۔ یہ کتاب جو عام فہم زبان میں تیار کی گئی ہے یقیناً سنہلی زبان میں اسلامی لٹریچر کی ضرورت کو پورا کرنے والی ہوگی اور مجھے امید ہے کہ یہ بہت سے لوگوں تک پہنچے گی۔" کتاب کے مترجم مسٹر پی۔ ایچ۔ ویدیگے نے اپنی تقریر میں بتایا کہ "جب وہ ترجمہ کر رہے تھے تو کئی غیر مسلموں نے ان کی شدید مخالفت کی مگر انہوں نے اس قومی اور مذہبی خدمت کو تکمیل تک پہنچانا ضروری سمجھا اور اس کتاب کے مطالعہ کے بعد انہیں اس سے عقیدت ہوگئی جس کی وجہ سے اس کا ترجمہ بہت کم وقت میں ختم ہوا۔" اس تقریب پر کتاب کے ترجمہ کی اشاعت کا اعلان سیلون کے وزیر ڈاکخانہ جات و براڈکاسٹ نے کیا۔ ملک کے ہر روزنامے نے اس موقع کا نمایاں ذکر مع تصاویر کے کیا اور احمدیہ مشن کے اس کارنامے کو قومی خدمت قرار دے کر خوب سراہا۔ اسی طرح سیلون ریڈیو میں مسلسل کئی ایام تک جماعتِ احمدیہ کی اس عظیم الشان خدمت کی خبر نشر ہوتی رہی حالانکہ قبل ازیں امیر جماعتِ احمدیہ کے خلاف زبردست پراپیگنڈا کیا جا رہا تھا۔ اسی طرح ایک حلقہ کے ممبر آف پارلیمنٹ آنریبل سر رازک فرید (SIR RAZIK FAREED) نے جماعتِ احمدیہ سیلون کی درخواست پر اس کتاب کی پہلی کاپی وزیر ڈاکخانہ جات و براڈکاسٹنگ اور سنہلی کے بلند پایہ شاعر آنریبل عبدالستار ماریکر (A.S. MARIKAR) کی خدمت میں پیش کی۔ اس تقریب میں پاکستان میں سیلون کے مشہور ہائی کمشنر مسٹر ٹی۔بی۔جایا (T.B. JAYA) بھی تشریف لائے اور جماعت کی اس شاندار اسلامی و قومی خدمت پر خراجِ تحسین ادا کیا۔

حاشیہ صفحہ ھٰذا :۔ [1] الفضل ۲۲ ہجرت ۱۳۳۷ ہش / مئی ۱۹۵۸ء صفحہ ۵۔

تھے۔غیر احمدی دوست کثرت کے ساتھ اِس ادارہ کی کتابیں خریدتے تھے۔سنٹر سے سیلون کے علاوہ پاکستان ہندوستان، ملایا اور برما کو بھی کتابیں بھجوائی جاتی تھیں۔مولوی صاحب نے جب واپسی پر نئے مبلّغ محترم شیخ عبدالرحمٰن صاحب شاہد سیلونی کو چارج دیا تو اِس ادارہ کے سٹاک میں پچاس ہزار سے زائد کتابیں تھیں جن کی قیمت اُس وقت تیس ۳۰ ہزار روپے کے لگ بھگ ہو گی۔مختلف کتب فروشوں کے پاس سنٹر کی جو کتابیں برائے فروخت رکھی تھیں اُن کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔اِس سنٹر کی آمد کے نتیجہ میں جماعتِ احمدیہ سیلون نے سکول کے مسلم طلباء کے لئے بعض مفید کتابیں شائع کیں سنہلی ریڈرز (۱ تا ۴) کا مسودہ ابھی محکمہ تعلیم کے پاس اغرض منظوری پڑا تھا کہ مولوی صاحب کو سیلون سے روانہ ہونا پڑا۔اِس سنٹر کی نگرانی میں ریویو آف ریلیجنز انگریزی کی توسیع اشاعت کے لئے بھی جدّ و جہد کی جاتی تھی نیز سلسلہ احمدیہ کا مرکزی لٹریچر اور غیر ملکی احمدی اخبارات بھی منگوائے جاتے تھے۔اِس ادارہ کے انچارج کلرک عباس مبارک احمد صاحب تھے۔آپ کا وجود مغتنمات سے تھا۔آپ نے نہایت ذوق وشوق سے یہ قومی فریضہ ادا کیا۔

شائع ہونیوالے اسلامی لٹریچر کی تفصیل

اِس دَور میں نہایت وسیع پیمانہ پر انگریزی، تامل، سنہلی زبانوں میں تراجم ہوئے اور اسلامی لٹریچر شائع ہوا جسکی تفصیل یہ ہے:"اسلامی اصول کی فلاسفی" "لیکچر لاہور" (حضرت مسیح موعودؑ)۔"ہمارا رسول" "تحفہ شہزادہ ویلز" (حضرت مصلح موعودؓ)۔ نماز مترجم، احادیث النبیؐ، قرآن مجید کی دو سورتیں، صداقت مسیح موعودؑ، وفات مسیح، مسئلۂ نبوّت، اسلامی قاعدہ (سنہلی)۔ اسلام کا خلاصہ (تامل، انگریزی) معترضین کے جوابات، رُوحِ اسلام۔ اِس کے علاوہ لاکھوں کی تعداد میں ٹریکٹ بھی شائع کئے گئے۔[1]

لائبریریوں میں احمدیہ لٹریچر

جماعت کے مرکزی لٹریچر جس میں انگریزی تفسیر القرآن بھی شامل تھی اور مقامی لٹریچر کے سیٹ ملک بھر کی پچیس ۲۵ اہم لائبریریوں میں رکھوائے گئے۔

مُلک بھر کے وسیع دَورے اور اُن کا اثر

ملک کے سب علاقوں کے وسیع دَورے کرکے گوشہ گوشہ میں پیغامِ حق تقاریر کے ذریعہ پہنچایا اور اسلامی

---

[1] تحریک جدید کے سیلون مشن کی مندرجہ بالا معلومات اِس مشن کے قدیم ریکارڈ (۱۳۳۰ ہش/۱۹۵۱ء تا ۱۳۳۸ ہش/۱۹۵۹ء) سے حاصل کی گئی ہیں۔یہ ریکارڈ دفتر وکالتِ تبشیر ربوہ میں موجود ہے۔

لٹریچر کی بکثرت تقسیم کی جس کی وجہ سے مشن کا دائرۂ واقفیت بڑا وسیع تھا یہاں تک کہ ایک دفعہ پاکستانی ہائی کمشن کے فسٹ سیکرٹری مسٹر انور کے ایک لمبے دَورے کا انتظام ہؤا تو جہاں بھی وہ گئے وہاں احمدی مبلغ کی تقریر کے مطالبہ کو پاکر وہ خوش ہوئے جو ان کے ہمسفر ہی تھا۔

قرآنی اسباق کی وسیع اشاعت

قرآنِ عظیم کی تعلیمات کو پھیلانے کی غرض سے "قرآنی اسباق" بذریعہ ڈاک بھجوانے کا سلسلہ شروع ہؤا جس پر حضرت المصلح الموعودؓ نے خوشنودی کا اظہار کیا اور ارشاد فرمایا کہ "مسلمانوں کو قرآن سے محبت ہے اس لئے اِس سلسلہ کو جاری رکھو" چنانچہ یہ اسباق اتنے مقبول ہوئے کہ بعد میں کتابی شکل میں AN OUTLINE OF ISLAM کے نام سے شائع ہوئے اور میٹرک کے طلبہ کو اسلامیات کے مضمون میں اپنے ممد ثابت ہوئے کہ غیر مسلم طلبہ نے بھی اِس کتاب کو پڑھ کر اِس مضمون کا امتحان دیا اور اعلیٰ نمبر حاصل کرکے امتحان پاس کیا۔ بعدۂ اِس کتاب کا تامل ترجمہ بھی بڑا مقبول ہؤا۔

مشن کی اسلامی خدمات کا ردِّ عمل

احمدیہ مسلم مشن کی اسلامی خدمات سے عوام النّاس کے علاوہ خواص بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ نوجوان تو بڑی کثرت سے احمدیہ لٹریچر کا مطالعہ کرنے لگے۔ یہ بات بعض متعصّب اور خود غرض علماء کو پسند نہ آئی تو ان میں سے ایک نے اپنی تقریریں (جو سیلون ریڈیو سے نشر ہوئی) جماعتِ احمدیہ پر کچھ جھوٹے الزامات عائد کئے جس کا فوری نوٹس اِس شکل میں بھی لیا گیا کہ وزیر براڈ کاسٹنگ سے پارلیمنٹ کے ایک ممبر (MR. CHELVANAYAKAM) نے ذیل کے چند سوال کئے جن کے جوابات پارلیمنٹ میں وزیر براڈ کاسٹنگ نے دیئے تھے وہ ان کے سامنے درج ہیں:۔

سوال :۔ کیا وزیر ڈاکخانہ جات اور براڈ کاسٹنگ کو علم ہے کہ ۹ر نومبر ۱۹۵۷ء کو سیلون ریڈیو نے ایک ایسی تقریر نشر کی ہے جس میں جماعتِ احمدیہ کے بانی حضرت احمد کو نا ملائم اور نامناسب الفاظ میں یاد کیا گیا۔

جواب :۔ ہاں

سوال :۔ کیا وزیر موصوف کو یہ علم ہے کہ سیلون میں احمدیہ جماعت کے پیرو کار بکثرت ہیں۔

جواب :۔ ہاں

سوال :۔ کیا وزیر موصوف یہ جانتے ہیں کہ حضرت احمد کی عزت نہ صرف اس کے پیرو کرتے ہیں بلکہ دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں ۔

جواب :۔ ہاں

سوال :۔ نیز کیا اس اخلاق سوز تقریر نے نہ صرف احمدیوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہو گی بلکہ دوسرے لوگوں کی بھی ناراضگی کا موجب بنی ہو گی ۔

جواب :۔ ہاں

سوال :۔ کیا وزیر موصوف نے ملزم کو پکڑنے اور اسے سزا دینے کے لئے کوئی فوری اقدام کیا ہے ۔

جواب :۔ متعلقہ افراد کے خلاف محکمانہ اقدام کیا گیا ہے ۔

سوال :۔ آئندہ اس قسم کی بات کا اعادہ نہ ہونے کے لئے کیا کچھ کیا گیا ہے ۔

جواب :۔ براڈ کاسٹنگ کے ڈائریکٹر جنرل کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس قسم کی بات کا اعادہ نہ ہونے دیں ۔

سوال :۔ جن لوگوں کے جذبات کو اس تقریر نے ٹھیس پہنچائی ہے ان کی تلافی کیسے کی گئی ہے ۔

جواب :۔ براڈ کاسٹنگ کے ڈائریکٹر جنرل نے ۲۲ نومبر ۱۹۵۷ء کو اپنے خط DB/NS/6 کے ذریعہ جنرل سیکرٹری سیلون احمدیہ مسلم ایسوسی ایشن کو معذرت نامہ بھجوا دیا ہے [۱]

مستقبل کیلئے انتظامیہ کی تشکیل

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر نے ایک آخری اور اہم قدم یہ اٹھایا کہ سیلون سے روانگی سے قبل سربرآوردہ سیلونی احمدیوں کے مشورہ [۲] سے مشن کو چلانے کے لئے ایک انتظامیہ تجویز کی جس کو تقسیم کار کے اصول پر مشن کے ضروری فرائض سپرد کئے مثلاً اخبار THE MESSAGE کے تینوں ایڈیشنوں کی ادارت ۔ مالی امور اور تقسیم ۔ لٹریچر سنٹر کی حفاظت، اس کے حسابات اور نگرانی ۔ لائبریری کا انتظام، خط وکتابت مشن ہاؤس سے متعلق معاملات ۔ جماعت سیلون کی عمومی نگرانی وغیرہ یہ سب تفصیلات مولوی صاحب کے

---

[۱] PARLIAMENTARY DEBATES VOL 30

[۲] اس مشورہ میں نئے انچارج مشن قریشی عبدالرحمٰن صاحب شاہد، مبارک احمد صاحب ایڈیٹر میسیج اور ایم۔ ای۔ ایم حسن صاحب جنرل پریذیڈنٹ جماعت سیلون شامل تھے ۔

مکتوب مورخہ ۱۲ ماہ تبلیغ ۱۳۳۷ ہش / فروری ۱۹۵۸ء میں درج ہیں جو انہوں نے مرکز سلسلہ سے مزید مشورہ اور راہ نمائی کے لئے ربوہ لکھا تھا اور جو اُس احساس ذمہ داری کا آئینہ دار ہے جو اسلام کے ایک مخلص سپاہی اور فرض شناس مبلغ کے دل میں ہمیشہ موجزن رہنا چاہیئے۔

فصل سوم

رسالہ "التبلیغ" کا اجراء، صوبہ سرحد کے دو احمدیوں کی شہادت۔ نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب وزیر اعظم پاکستان کا سفاکانہ قتل اور حضرت مصلح موعودؓ کا حقیقت افروز تبصرہ

سیلون مشن کے حالات پر مفصل روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم ماہ ظہور ۱۳۳۰ ہش / اگست ۱۹۵۱ء اور اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات کا بالترتیب ذکر کرتے ہیں۔

ربوہ سے رسالہ "التبلیغ" کا اجراء

اس زمانہ میں حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ ناظر دعوت و تبلیغ ربوہ کی نگرانی میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے صیغہ نشر و اشاعت نے (جس کے مہتمم ان دنوں مکرم شیخ عبد القادر صاحبؓ نو مسلم تھے) احرار کی مغالطہ انگیزیوں کے بر وقت ازالہ کے لئے کم و بیش پچاس ٹریکٹ لاکھوں کی تعداد میں شائع کئے[1] جو تبلیغ احمدیت کا نہایت مفید، مؤثر اور کارگر ذریعہ ثابت ہوئے۔ چونکہ مرکز سے ان کو انفرادی طور پر بھجوانے کا ڈاک خرچ زیادہ ہوتا تھا اس لئے "التبلیغ" کے نام سے ایک مختصر رسالہ کا ڈکلیریشن اور رائل نمبر (۵۶۹۵) حاصل کیا

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان (۱۹۵۰ء-۱۹۵۱ء و ۱۹۵۱ء-۱۹۵۲ء) میں ان ٹریکٹوں کے عنوانات درج شدہ ہیں۔

گیا۔ یہ رسالہ یکم ظہور ۱۳۳۰ ہش/ اگست ۱۹۵۱ء سے ۱۳۳۲ ہش/ ۱۹۵۲ء کے شروع تک مکرم شیخ عبدالقادر صاحبؓ کی ادارت میں جاری رہا۔

رسالہ "التبلیغ" جو ٹریکٹ کی صورت میں چھپتا تھا گورنر، وزراء، سرکاری عہدیداران، ڈاکٹر، وکلاء، ائمہ مساجد، تجار، اساتذہ، طلباء، ایڈیٹر، لائبریریوں کے ناظم غرضکہ پاکستان کے ہر طبقہ کے لوگوں کو بھجوایا جاتا تھا اس کے اجراء کے ساتھ ہی غیر احمدی معززین کی ایک کثیر تعداد نے خود بخود خواہش کی کہ یہ اُن کے نام جاری کر دیا جائے چنانچہ اُن کی اِس خواہش کو پورا کیا گیا۔ شروع میں یہ رسالہ بذریعہ ڈاک اڑھائی ہزار کے قریب بھجوایا جاتا تھا لیکن ۱۳۳۱ ہش/ ۱۹۵۲ء میں اِس کی ماہوار تعداد اشاعت ساڑھے چھ ہزار اور ۱۳۳۲ ہش/ ۱۹۵۳ء میں چودہ ہزار تک پہنچ گئی۔

احرار نے احمدیت کے خلاف ملکی فضا کو مسموم کرنے کی جو خطرناک راہ بھی اختیار کی "التبلیغ" نے اس کا ڈٹ کر علمی تعاقب کیا اور دلائل و شواہد کی روشنی میں تحریکِ احمدیت کے صحیح خدوخال نمایاں کرنے کی بھرپور جدّوجہد کی۔

"التبلیغ" چونکہ ۱۳۳۰-۱۳۳۲ ہش/ ۱۹۵۱-۱۹۵۳ء کی مدافعانہ مہم کا ایک یادگار حصّہ ہے اس لئے اِس میں شائع شدہ اہم مضامین کے عنوانات کا ذکر کرنا اُس دَور کی تبلیغی معرکہ آرائیوں کی نوعیّت کو سمجھنے میں ممد و معاون ہوگا۔

پہلی جلد کے عنوانات

۱[^1]۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔ ۲۔ جماعتِ احمدیہ کے عقائد ۳۔ وفاتِ مسیح ۴۔ کاذب مدعی نبوت کے متعلق قانونِ الٰہی ۵۔ خیر خواہانِ پاکستان سے دردمندانہ اپیل ۶۔ منصب نبوّت اور اس کی خصوصیات ۷۔ نشانِ رحمت کی عظیم الشان پیشگوئی ۸۔ روحانی نظام کی تکمیل کے لئے قرآنی اصول ۹۔ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کے آسمانی اور زمینی نشان ۱۰۔ پیشگوئی نشانِ رحمت کے تعلق میں چمکتے ہوئے بیسیوں نشانات ۱۱-۱۲۔ نشانِ رحمت کا انذاری حصّہ کیونکر پورا ہوا ۱۳۔ جہاد کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ ۱۴۔ پیشگوئی نشانِ رحمت محکمات اور متشابہات کی کسوٹی پر ۱۵۔ نشانِ رحمت کا انذاری حصّہ محکمات اور متشابہات کی کسوٹی پر ۱۶۔ شرعی تعزیر کے متعلق صحیح اسلامی

[^1]: وہ نمبر جس میں یہ مضمون شائع ہوا۔

تعلیم ۱۷۔ ۱۸۔ نشانِ رحمت ۱۹۔ زار بھی ہوگا تو ہوگا اُس گھڑی باحالِ زار۔

دوسری جلد کے عنوانات

۱۔ زار بھی ہوگا تو ہوگا اُس گھڑی باحالِ زار ۲۔ احرار کی دفاعِ پاکستان کے نام سے ملک کے امن کو برباد کرنے کی ناپاک کوشش۔ ۳۔ تعلیم حضرت مسیح موعود علیہ السلام مع دس شرائط ۴۔۵۔ مسیح ابنِ مریمؑ ایک سو بیس برس زندہ رہے ۶۔ مسلمانوں کے آپس میں اختلافات مٹانے کا واحد ذریعہ قرآن مجید ہے ۷۔ اظہارِ حق ۱ ۸۔ اظہارِ حق ۲ ۹۔ ایک اعتراض کا جواب ۱۰۔ احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں ۱۱۔ نئی جماعت بنانے کی وجہ ۱۲۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا اہلِ بیت رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت و اخلاص ۱۳۔ ایسٹر کے موقع پر عیسائی صاحبان کے نام پیغام ۱۴۔ احمدیوں کو دوسری جماعتوں سے علیحدہ رکھنے کی وجہ ۱۵۔ مسلمانوں کی اصلاح کے لئے پہلا اور نہایت ضروری قدم ۱۶۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۱۷۔ ۱۸۔ احراری مقررین کی جلسہ چنیوٹ منعقدہ ۱۹ اپریل میں غلط بیانیاں۔ ایک ہزار روپیہ انعام ۲۳۔ واقعۂ کراچی کے متعلق رائے عامہ ۲۴۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان ۲۵۔ جماعتِ احمدیہ صدقِ دل سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین مانتی ہے ۲۶۔ کیا مولوی عبد الحامد صاحب بدایونی کو جرأت ہے؟ ۲۷۔ جو خاتم النّبیّین کا منکر ہے وہ یقیناً اسلام سے باہر ہے ۲۸۔ ۲۹۔ احمدیت کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ ۱-۲ ۳۰۔ فیصلہ کی آسان راہ۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ہماری جماعت کا نام احمدیہ جماعت کیوں رکھا گیا ۳۵۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی ایک عظیم خدمت ۳۶۔ بانی سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ نبوّت کی وضاحت خود اپنی قلم سے ۳۸۔ ختمیتِ محمدیہ کے متعلق جماعتِ احمدیہ کا عقیدہ۔

تیسری جلد کے عنوانات

۲۔ مسئلہ ختمِ نبوّت اور احمدیت ۳۔ مدیران زمیندار کی انگریز پرستی کے واضح ثبوت۔

مندرجہ بالا مضامین کا ایک حصہ حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت مصلح موعودؓ کے اقتباسات پر مشتمل ہے جو نہایت عمدگی کے ساتھ انتخاب کر کے سپردِ اشاعت کئے گئے بعض مضامین حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ اور بعض دوسرے اہلِ قلم بزرگوں اور دوستوں کی محنت و کاوش کا نتیجہ تھے مگر ایک معتد بہ حصہ مدیر "التبلیغ" مکرم شیخ عبد القادر صاحبؒ کے قلم سے نکلا۔

رسالہ کی جبری بندش

"التبلیغ" باقاعدگی سے چھپ رہا تھا کہ ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء کے اوائل میں مغربی پنجاب کی دولتانہ وزارت کی طرف سے سیفٹی ایکٹ کے تحت غیر معیّن عرصہ کے لئے بند کر دیا گیا۔[1]

حضرت امیر المومنین کے دو پیغام یومِ تحریکِ جدید کے موقع پر

۲ تبوک ۱۳۳۰ہش/ستمبر ۱۹۵۱ء کو تحریکِ جدید کے مطالبات کو ذہن نشین کرانے اور دوستوں کو اس کے مالی جہاد میں شمولیت کی دعوت دینے کے لئے پاکستان بھر میں یومِ تحریکِ جدید منایا گیا۔ بانیٔ تحریکِ جدید سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ۲۸ ظہور/اگست کو جماعتوں کے نام حسبِ ذیل پیغام دیا اور ہدایت فرمائی کہ "میرا یہ پیغام تحریکِ جدید کے جلسہ ۲ ستمبر کے موقع پر جماعت میں پڑھ کر سنایا جائے۔"

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو النّاصر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اے دوستو احرار اور ان کے ہم نوا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھوٹا، کذّاب، دجّال اور دشمنِ اسلام کہتے ہیں۔ باقی سب دنیا رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اسی قسم کے ناموں سے یاد کرتی ہے۔ دنیا میں اِس قدر گالیاں کسی سابق نبی کو نہیں دی گئیں بلکہ دسواں حصہ بھی نہیں دی گئیں جتنی کہ مسیحی اور آریہ لٹریچر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تھیں۔ صرف ایک احمدیہ جماعت ہے جو سب راست بازوں کو مانتی ہے اور ان کی سچائی کو دنیا پر ظاہر کرنے کی مدعی ہے۔ جماعتِ احمدیہ کی تعداد اتنی کم ہے کہ اتنے بڑے حملہ کا جواب دینے کی اس میں طاقت نہیں سوائے اِس کے کہ وہ انتہائی قربانی سے کام لے اور خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرے۔

---

[1] یہ تفاصیل صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی سالانہ ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲ہش کی سالانہ رپورٹوں میں مذکور ہے۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اِس قسم کی قربانی کے قریب بھی ابھی جماعت نہیں آئی اِس لئے ایک دفعہ پھر مَیں آپ لوگوں سے خواہ مرد ہوں خواہ عورت خواہ بچے ہوں کہتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعودؑ کو مارنے کے لئے دشمن جمع ہیں۔ اپنی غفلت چھوڑ دو۔ قربانی کو بڑھاؤ اور اس کی رفتار کو تیز تر کر دو۔ تحریکِ جدید کے چندوں کو جلد سے جلد ادا کرو۔ سادہ زندگی اور پیسہ بچانے کی عادت ڈالو اور تبلیغ کو وسیع کر دو۔ دُنیا پیاسی مر رہی ہے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ارواح مومنوں کو روحانی جہاد کے لئے آگے بُلا رہی ہیں تم کب تک خاموش رہو گے۔ کب تک بیٹھے رہو گے قربانی کرو اور آگے بڑھو اور اسلام کے جھنڈے کو بلند کرو۔

خاکسار مرزا محمود احمد ؎۱

اگلے سال مخلصینِ سلسلہ کو تحریکِ جدید کی مالی قربانیوں کی طرف دوبارہ متوجہ کرنے کے لئے ۵ اخاء/ اکتوبر کو دوسرا "یومِ تحریکِ جدید" منایا گیا جس کے جلسوں میں حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اَور ولولہ انگیز پیغام پڑھا گیا جس نے مخلصین کو قربانی و ایثار کے جذبہ سے سرشار کر دیا۔ یہ پیغام حضور ہی کے الفاظ میں درج ذیل کیا جاتا ہے۔ فرمایا:۔

"تحریکِ جدید کی طرف سے جماعت کو ہوشیار کرنے کے لئے اور وعدہ کرنے والوں کو وعدے یاد دلانے کے لئے ۵ اکتوبر کو یومِ تحریکِ جدید منایا جا رہا ہے مجھ سے خواہش کی گئی ہے کہ مَیں اس دن کے لئے ایک پیغام جماعت کے نام دوں مَیں اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے چند سطور لکھوا رہا ہوں لیکن مَیں سمجھتا ہوں کہ پیغام خود آپ کے دِل سے پیدا ہونا چاہیئے۔ اگر آپ کا دل آپ کو اِس موقع پر کوئی پیغام نہیں دے رہا تو میرا پیغام کچھ لوگوں کے لئے تو ضرور مفید ہو جائے گا لیکن اُن لوگوں کی اکثریت کے لئے مفید نہیں ہو گا جن کا دل اِس موقع پر انہیں کوئی پیغام نہیں دے رہا۔

تحریکِ جدید کی غرض نوجوانوں میں احمدیت کی رُوح پیدا کرنا ہے اور تبلیغِ اسلام و احمدیت کو دنیا کے کناروں تک پھیلانا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی تھی کہ مصلح موعود زمین کے کناروں تک شُہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ اس کے نام کو دنیا کے کناروں تک پھیلانے کے سوائے اس کے کوئی معنے نہیں کہ احمدیت اس کے ذریعہ سے دنیا کے کناروں تک پہنچے۔ پس درحقیقت اِس پیشگوئی میں

؎۱ الفضل ۲۸ ظہور ۱۳۳۰ ہش / اگست ۱۹۵۱ء صفحہ ۲

تحریکِ جدید کے قیام کی پیشگوئی تھی اور تحریکِ جدید کا قیام اسی پیشگوئی کے ذریعہ سے ۱۹۳۴ء سے نہیں بلکہ ۱۸۸۶ء سے بنتا ہے یعنی اڑتالیس سال پہلے سے خدا تعالیٰ اس کی بنیاد قائم کر چکا تھا۔ اور اگر اَور گہرا غور کریں تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ درحقیقت ۱۳۴۸ سال پہلے تحریک جدید کا قیام ہو چکا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے کہ اس نے اسلام کو اس لئے بھیجا لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ تاکہ اسلام کو دنیا کے سب مذاہب پر غلبہ ہو جائے۔ اور مفسرین لکھتے ہیں کہ جس زمانہ کے متعلق یہ خبر ہے وہ آخری زمانہ یعنی مسیح اور مہدی کا زمانہ ہے۔ پس تحریکِ جدید درحقیقت اسی پیشگوئی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہے اور ہر احمدی جو اس تحریک میں حصہ لیتا ہے اور پھر اپنے وعدہ کو پورا کرتا ہے اور وقت پر پورا کرتا ہے وہ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ[1] کی پیشگوئی کا مصداق ہے اور بہت بڑا خوش نصیب ہے کہ خاتم النبیین کی بعثت کی غرض کو پورا کرنے والوں میں شامل ہوتا ہے اور محمدی فوج کے سپاہیوں میں اس کا نام لکھا جاتا ہے۔ اور بدقسمت ہے وہ جس کو اِس کا موقع ملا اور وہ تحریکِ جدید میں شامل نہ ہوا۔ اِسی طرح بدقسمت ہے وہ جس نے مُنہ سے تو اِس میں شامل ہونے کا اقرار کیا لیکن عملاً اس میں کمزوری دکھلائی۔

پس اے عزیزو! تم احمدیوں میں سے کوئی احمدی ایسا نہیں ہونا چاہیئے جو اِس تحریک میں شامل نہ ہو اور کوئی ایسا نہ ہونا چاہیئے جو وعدہ کرکے اس میں کمزوری دکھائے بلکہ چاہیئے کہ کوئی شریف الطبع اور نیک غیر احمدی بھی اِس تحریک سے باہر نہ رہے خواہ ابھی اسے جماعت میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی ہو"[2]

صوبہ سرحد میں دو احمدیوں کی دردناک شہادت

احراری فتنہ کا اصل مرکز اگرچہ اوّل نمبر پر پنجاب اور پھر بلوچستان تھا مگر اِس سال اِس کی چنگاریاں صوبہ سرحد کے کنارے تک بھی پہنچ گئیں اور مخالف علماء کی اشتعال انگیز تقریروں نے علاقہ مانسہرہ کے سادہ مزاج عوام کے جذبات بھی احمدیوں کے خلاف بھڑکا دیئے جس کا تکلیف دہ نتیجہ ۱۲ تبوک ۱۳۳۰ ہش / ستمبر ۱۹۵۱ء کو یہ برآمد ہؤا کہ کوئٹہ، اوکاڑہ اور راولپنڈی کے بعد یہاں بھی دو مظلوموں کا خون بہایا گیا یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک مخلص صحابی حضرت مولوی عبد الغفور صاحب اور ان کے سات سالہ معصوم بچے عبد اللطیف نہایت بے دردی سے شہید کر دیئے گئے۔

مولوی صاحب موضع تمرکھولہ ڈاک خانہ بھرکنڈ تحصیل مانسہرہ کے باشندے تھے۔ دس برس کی عمر

---

[1] الصف: ۱۰ ؛ [2] الفضل یکم اخاء ۱۳۳۱ ہش / اکتوبر ۱۹۵۲ء ؛

میں قادیان پہنچے اور ۱۹۰۶ء میں حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ کو قادیان کی پیاری اور پُرانوار و برکت بستی سے اِس قدر محبت و عقیدت پیدا ہوگئی کہ اپنے بڑے بھائی حضرت حکیم نظام جان صاحبؓ کو بھی آنے کی تحریک کی جس پر حکیم صاحب مستقل ہجرت کر کے قادیان ہی کے ہوگئے۔

مولوی عبدالغفور صاحب کی قادیان میں ایک لاکھ روپے کی جائداد زمین اور مکانات کی صورت میں تھی۔ اِس کے علاوہ دریائے سرن سے پار دو گاؤں مصر اور ماڑی میں بھی ایک لمبا سلسلہ آپ کی مملوکہ اراضی کا تھا جو آٹھ سو گھماؤں پر پھیلا ہوا تھا جس کا ایک سرا ضلع ہزارہ سے اور دوسرا سرا ریاست امب سے جا ملتا تھا۔ اِس کے علاوہ دریائے سرن کے کنارے آپ کی چار پن چکیاں تھیں جن میں سے ایک کی وصیت آپ نے بحق صدر انجمن احمدیہ ربوہ کر دی تھی۔

آپ کا معمول تھا کہ روزانہ اذان سے پہلے اُٹھتے اور اپنے ملازم کو ہمراہ لے کر دریا سے پار چکیوں پر چلے جاتے تھے۔ نمازِ فجر وہیں ادا کرتے اور اسی عرصہ میں اُن کا سات سالہ بچہ عبداللطیف چائے لیکر وہاں پہنچ جاتا دونوں ناشتہ کرتے اور زمین کی دیکھ بھال کے بعد اپنے گاؤں لوٹ آتے۔

۲۱ تبوک / ستمبر کو بوقت صبح آٹھ بجے آپ اپنے ننھے بچہ (عبداللطیف) کو لے کر اپنے گھر سے پن چکیوں کی نگہداشت کے لئے نکلے۔ آپ چار فرلانگ تک گئے تھے کہ ایک کمین گاہ سے آپ پر بندوق کا فائر کیا گیا جس کے بعد آپ کو اور آپ کے بچہ کو کلہاڑی سے شہید کر دیا گیا۔ ظالم قاتل بھاگ گئے اور بے گور وکفن لاشوں کی نگرانی آپ کا گھریلو کُتا کرتا رہا جو کبھی آپ کی لاش کی طرف جاتا اور کبھی اُن کے بچہ کی نعش کی طرف بھاگتا تھا۔[1]

مولوی عبدالغفور صاحب نے اپنے پیچھے ایک بیوہ، تین لڑکے اور تین لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔[2]

نوابزادہ لیاقت علی خان کی مخالفت اور سفاکانہ قتل

پاکستان کے دشمنوں نے محض اختلافِ رائے کی بناء پر اشتعال اور قتل و تشدد کا جو خونی چکر چلا رکھا تھا اور جس طرح اسلام کے نام پر عوام کی ذہنیت کو بدامنی اور شورش کے لئے باقاعدہ تیار کیا جا رہا تھا اُس کا خمیازہ پاکستان کو اپنے محبوب قائدِ ملت نواب زادہ لیاقت علی خان کے سفاکانہ قتل

---

[1] آپکے تفصیلی واقعات اپنے مقام پر آئیں گے۔ انشاء اللہ۔ [2] الفضل ۲۵ تبوک ۱۳۳۰ ہش (مضمون حکیم عبدالواحد صاحب مانسہرہ) و الفضل ۱۴ اخاء ۱۳۳۰ ہش (مضمون حمید قریشی صاحب ابن حکیم نظام جان صاحبؓ)۔

کی صورت میں بھگتنا پڑا۔

نواب زادہ لیاقت علی خاں جو قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک پاکستان کی وزارتِ عظمیٰ کے منصب کا بار اُٹھائے ہوئے تھے ۱۶؍اکتوبر ۱۹۵۱ء (مطابق ۱۶؍اخاء ۱۳۳۰ ہش) کو کمپنی باغ راولپنڈی کے ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ ابھی آپ "برادرانِ اسلام" کے دو نہایت پیارے لفظ ہی کہہ پائے تھے کہ ہزارہ سے آنے والے ایک بدبخت شخص سید اکبر نے آپ پر گولی چلادی قائدِ ملت ڈائس پر گر پڑے اور تھوڑی دیر بعد زخموں کی تاب نہ لاکر جاں بحق ہوگئے۔

نواب زادہ لیاقت علی خاں ایک عظیم قومی لیڈر تھے جنہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری ۱۹۴۶ء کی عبوری حکومت میں قائدِ اعظم کے نائب ہونے کی حیثیت سے اور پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم ہونے کی حیثیت سے بھی نمایاں سیاسی خدمات انجام دی تھیں تاہم باوجود اپنی اِن خدمات کے وہ بھی عمر بھر قائدِ اعظم کی طرح جماعتِ اسلامی کے سیاسی لیڈروں اور اخباروں کے تنقیدی نشتروں کا ہمیشہ نشانہ بنے رہے چنانچہ اس کے بانی و امیر مودودی صاحب نے ایک سال قبل اُن پر دَورۂ امریکہ کے دَوران قوم کا ۲۵ لاکھ روپیہ خرچ کرنے کا الزام بھی لگایا جس کی خان لیاقت علی خاں نے کراچی کے جلسۂ عام میں پُرزور تردید کی اور کہا :۔

"اِس الزام میں پانچ فیصدی بھی صداقت نہیں ... ہم علماء کا احترام کرتے ہیں لیکن اگر علماء ہی جھوٹ پر اُتر آئیں تو ملت کا خدا حافظ"[۱]

ایک اَور موقع پر ان کو واشگاف لفظوں میں کہنا پڑا :۔

"مولانا مودودی انتشار پھیلاتے ہیں۔ وہ پاکستان کے امیر المومنین بننا چاہتے ہیں"[۲]

افسوسناک طرزِ عمل

خان لیاقت علی خاں کی دردناک موت سچ مچ ایک قومی المیہ تھی جس پر سوائے ملک کے انتشار پسند عناصر کے کوئی خوش نہ ہوسکتا تھا مگر یہ حقیقت ہے کہ مسلم لیگ کے بعض ممتاز سیاسی لیڈروں نے اِس موقع پر افسوسناک ذہنیت کا ثبوت دیا۔ مثلاً جناب

---

[۱] "امروز" ۷؍اگست ۱۹۵۰ء (بحوالہ "جماعتِ اسلامی کا رُخِ کردار" صفحہ ۱۱۳ از چوہدری حبیب احمد صاحب مطبوعہ پاکستان ٹائمز پریس لاہور۔ مارچ ۱۹۶۳ء)

[۲] "مولانا مودودی کی نظربندی کیوں" صفحہ ۲۲ ناشر شعبہ نشر و اشاعت جماعتِ اسلامی پاکستان۔

حمید نظامی[1] مدیر "نوائے وقت" نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا:۔

"لیاقت نے پچھلے دو ماہ جنگ کا اتنا زیادہ پروپیگنڈا کیا تھا اور لوگوں کے جذبات میں اتنا اشتعال پیدا کر دیا تھا کہ خدا کی پناہ۔ اس کے بعد لیاقت علی نے فقدانِ جرأت اور فقدانِ تدبر کا جو ثبوت دیا اس سے عوام میں بڑی بددلی پھیلی۔ ممکن ہے یہ قتل اسی بددلی کا نتیجہ ہو۔ بہرحال جو کچھ ہوُا بہت برُا ہوُا۔ خدا جانے اب ملک کا کیا حشر ہوگا؟ لیاقت علی نے نہ اپوزیشن بننے دی ہے نہ مسلم لیگ میں کوئی مضبوط آدمی رہنے دیا اب کہیں انتشار نہ پھیل جائے۔" [2]

پھر لکھا:۔

"لیاقت علی سے پاکستان کو حقیقی خطرہ تھا۔ وہ اِس ملک کو ڈکٹیٹر شپ کی طرف لے جا رہے تھے اور لازمی طور پر اس کی تباہی کا موجب بنتے۔ لیاقت علی میں ہٹلر کی کوئی خوبی نہ تھی مگر اس کی سب برُائیاں موجود تھیں۔ دس سال بعد ہی مؤرخ لیاقت علی کے کام کا ٹھنڈے دِل سے جائزہ لے سکتا ہے۔ وہ پاکستان کے لئے ایسے ایسے مسائل پیدا کر گئے ہیں کہ ان کے جانشینوں کے لئے انہیں حل کرنا بڑا مشکل ہوگا۔" [3]

---

[1] اِن صاحب نے اِس حادثہ قتل سے تھوڑا عرصہ قبل جبکہ خان لیاقت علی خاں نے یہ اعلان کیا تھا کہ ہندوستان پاکستان کے خلاف جارحانہ عزائم رکھتا ہے اور اس نے اپنی فوجیں پاکستان کی سرحد پر جمع کر رکھی ہیں یہ نظریہ قائم کیا کہ "میرے خیال میں لیاقت علی نے انتہائی مبالغہ آرائی کی ہے۔ لیاقت علی کا اقتدار خطرے میں ہے وہ عوام کی توجہ کو اندرونی اور ملکی مسائل سے ہٹا کر دوسری طرف منتقل کر دینا چاہتا ہے نہرو جب تک ہندوستان کا وزیراعظم ہے دونوں ملکوں میں جنگ نہیں ہوگی ... گو کشمیر کے بارے میں اُس کا رویہ انتہائی نامعقول ہے مگر وہ پاکستان سے جنگ کبھی پسند نہیں کرے گا البتہ پاکستان کشمیر کے حصول کے لئے جنگ شروع کر سکتا ہے مگر لیاقت علی بھی کشمیر کے لئے جنگ کبھی نہیں کرے گا وہ صرف سٹنٹ سے کام لے گا۔"

("نشانِ منزل" حمید نظامی مدیر "نوائے وقت" کے خطوط کا مجموعہ صفحہ ۲۳ ناشر شعیب نظامی قندیل پریس لاہور طبع اوّل ۲ فروری ۱۹۷۰ء)

[2] "نشانِ منزل" صفحہ ۲۳۔ [3] "نشانِ منزل" صفحہ ۳۳۔

جماعتِ احمدیہ کی طرف سے گہرے رنج و غم کا اظہار اور خدمتِ ملک و قوم کے عزم کا اعلان

اس اندازِ فکر و تصوّر کے برعکس جماعتِ احمدیہ کے امام حضرت مصلح موعودؓ نے درد بھرے دل کے ساتھ گورنر جنرل پاکستان فضیلت مآب جناب غلام محمد صاحب کو تعزیتی تار دیا جس میں خان لیاقت علی خاں کی اندوہناک وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار فرمایا اور گورنر جنرلِ پاکستان کو اپنے اور اپنی جماعت کے کامل تعاون اور حکومت اور اہلِ پاکستان کی ہر ممکن خدمت کا یقین دلایا۔

گورنر جنرل پاکستان کے نام تار کا متن یہ تھا :-

"مَیں اپنی طرف سے اور جماعتِ احمدیہ کی طرف سے پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم مسٹر لیاقت علی خاں کی نہایت اندوہناک وفات پر جو ایک نہایت بزدل اور سفّاک قاتل کے ہاتھوں واقع ہوئی گہرے رنج والم کا اظہار کرتا ہوں اور ملک پر اس نازک وقت میں مَیں اپنی اور اپنی جماعت کی طرف سے آپ سے کامل تعاون اور حکومت و اہلِ پاکستان کی ہر ممکن خدمت کا یقین دلاتا ہوں۔" [1]

اس کے علاوہ حضور نے مرحوم وزیرِ اعظم پاکستان کے صاحبزادہ نواب زادہ ولایت علی خاں کو بھی تعزیت نامہ تحریر فرمایا۔ نواب زادہ ولایت علی خاں نے حضور کی خدمت میں اس کے جواب میں خاص طور پر شکریہ کا خط لکھا جو ضمیمہ میں شامل ہے۔

یہی نہیں حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایت پر ۱۷/اخاء/اکتوبر کی رات کو اہلِ ربوہ کا ایک غیر معمولی تعزیتی جلسہ بھی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؓ ایم۔اے سابق مبلغ انگلستان و ناظر امورِ عامہ و خارجہ کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں خان لیاقت علی خاں کی سیاسی اور تنظیمی صلاحیتوں کو نہایت شاندار الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا گیا اور مندرجہ ذیل قرارداد متفقہ طور پر پاس کی گئی :-

"ہم جماعتہائے احمدیہ پاکستان کی مرکزی جماعت کے ارکان اپنے محبوب وزیرِ اعظم خان لیاقت علی خاں کے قتل کے سانحہ عظیم پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔ اس ناگہانی صدمہ کا دُکھ اور قلق اور بھی شدید ہو جاتا ہے جب ایک طرف ان نازک حالات پر نظر پڑتی ہے جن میں ہمارا ملک (پاکستان) گذر رہا ہے اور دوسری طرف ہمارا ذہن اُن خداداد صلاحیتوں کی طرف جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے

---

[1] الفضل ۱۹ اخاء ۱۳۳۰ ہش صلہ

وزیرِاعظم خان لیاقت علی خاں کو عطا کی ہوئی تھیں اور وہ ان صلاحیتوں کی بدولت ان تمام گتھیوں کو بآسانی سُلجھا سکتے تھے جو اِس نازک وقت میں ہماری اِس خداداد مملکت کو درپیش ہیں۔ وہ عظیم قابلیت جس کا مظاہرہ قائدِ اعظم کی وفات کے بعد اُمورِ سلطنت کی انجام دہی میں لیاقت علی خاں نے کیا اس کی یاد ہمیشہ پاکستانیوں کے ذہنوں میں جاگزیں رہے گی اور وہ ہمیشہ انتہائی تعظیم اور محبت کے جذبات کے ساتھ اپنے قائد کو یاد کرتے رہیں گے۔ ہم بیگم لیاقت علی خاں، اُن کے بچوں اور حکومتِ پاکستان سے اِس عظیم سانحہ پر اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے اِس عزمِ صمیم کا پھر اعلان کرتے ہیں کہ ہم پاکستان کی خدمت اور تعمیر و تحفظ کے سلسلہ میں ہر ممکن قربانی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے۔ آخر میں ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اِس مصائب اور آزمائشوں کے دَور میں ہماری اِس مملکت کا محافظ اور کفیل ہو“ ؎[1]

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کا حادثہ قتل پر بصیرت افروز تبصرہ

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے صرف تعزیتی تار، خط اور مرکزی جلسہ کے انعقاد پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ حضور نے ۲۶؍اکتوبر ۱۹۵۱ء/ ۲۶؍اخاء ۱۳۳۰ہش کو ایک مبسوط خطبہ جمعہ دیا جس میں اِس حادثہ قتل کے پس منظر پر خالص دینی نقطہ نگاہ سے روشنی ڈالی اور پیش آمدہ واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے دنیائے اسلام کو عموماً اور پاکستان کے باشندوں کو خصوصاً اسلام کی اِس بنیادی اور حقیقی تعلیم کی طرف توجہ دلائی کہ اسلام میں شرعی تعزیر کی اجازت کسی فرد کو نہیں بلکہ اِس کا اختیار صرف اور صرف حکومتِ وقت کو حاصل ہے۔ حضور کا یہ خطبہ جمعہ جو اسلام کے نظامِ حیات کے ایک اہم پہلو کی ترجمانی کا شاہکار ہے بجنسہٖ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

حضور نے سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

”پچھلے جمعہ کو عین اُس وقت جبکہ مَیں جمعہ میں آنے کی تیاری کر رہا تھا مجھے بخار چڑھنا شروع ہو گیا اور سر درد بھی ہونے لگی جس کی وجہ سے مَیں مسجد میں نہ آسکا۔ اس کے دو تین دن بعد نزلہ شروع ہو گیا جس کی وجہ سے بخار بھی ہو جاتا تھا۔ اب مرض میں کمی تو ہے لیکن گلے میں ابھی خراش باقی ہے اِس لئے مَیں زیادہ لمبا خطبہ نہیں پڑھ سکتا۔ گو مرض میں اتنا افاقہ ضرور ہے کہ مَیں خطبہ جمعہ پڑھ سکتا ہوں۔

؎[1] الفضل ۱۹؍اخاء ۱۳۳۰ہش صلہ ۵

اِس وقت میرا ارادہ اس واقعہ کے متعلق کچھ کہنے کا ہے جو گذشتہ ہفتہ راولپنڈی میں وزیرِ اعظم پاکستان نواب زادہ خان لیاقت علی خان کے ساتھ گزرا۔ جہاں تک انسانی زندگی کا سوال ہے ہر انسان نے بہرحال مرنا ہے۔ چاہے وہ قاتل کی چُھری سے مرجائے۔ چاہے وہ ہیضہ سے مرجائے۔ چاہے وہ بخار کی شدّت سے مرجائے۔ اور چاہے وہ سِل اور دِق سے مرجائے۔ موت تو بہرحال آنی ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ اِلَّا الْمَوْتَ ہر بیماری جب تک کہ وہ بیماری کی صورت میں ہے اس کا علاج ہے لیکن وہ چیز جو بظاہر بیماری ہے لیکن دراصل وہ موت کا پیغام ہے اس کا کوئی علاج نہیں پس انسان نے مرنا تو ہے لیکن بعض چیزیں تکلیف دہ پہلو اپنے ساتھ رکھتی ہیں۔ اگر کسی کو اچانک موت آجاتی ہے تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ وہ حسرت ناک ہوتی ہے۔ گو دراصل اچانک حادثہ کی وجہ سے جو موت آتی ہے وہ مرنے والے کے لئے آرام دہ موت ہوتی ہے مثلاً اگر وہ آٹھ دس دن ٹائیفائڈ میں مبتلا رہتا۔ راتوں کو جاگتا۔ تکلیف کی وجہ سے کراہتا اور پھر اسے موت آجاتی تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موت اسے بہرحال آنی تھی لیکن یہ موت اُس کے لئے تکلیف دہ ہوتی۔ لیکن اگر اس کا اچانک ہارٹ فیل ہوجاتا ہے یا اسے گولی لگتی ہے اور وہ فوراً مرجاتا ہے تو یہ موت بظاہر آرام دہ موت ہے لیکن اِس لحاظ سے تکلیف دہ ہوتی ہے کہ مرنے والے کو وصیّت کا موقع نہیں ملتا۔ اور قرآن کریم میں آتا ہے کہ اگر کسی کے سر ذمہ داری ہو جسے اُس نے ادا کرنا ہو تو اُس کے لئے وصیّت کرنا ضروری ہے جب کسی کے پاس قومی اسرار ہوتے ہیں تو باپ بیٹے کو وصیّت کرتا ہے۔ آگے بیٹا اپنے بیٹے کو وصیّت کرتا ہے۔ پھر وہ اپنے بیٹے کو وصیّت کرتا ہے۔ اِسی طرح ایک سلسلہ چلتا چلا جاتا ہے۔ اور کوئی قوم کامیاب اُسی وقت ہوتی ہے جب اُس کا تسلسل قائم ہو اور تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے نصیحت اور وصیّت کرنا ضروری ہوتا ہے لیکن اگر کسی کی اچانک موت ہوجائے تو یہ موقع اُس سے چھین لیا جاتا ہے۔ اور جن باتوں کا مرنیوالے کو تجربہ ہوتا ہے۔ جن خطرات کا اُسے علم ہوتا ہے اور بعض فوائد جو اس کے علم میں اس کی قوم حاصل کر رہی ہوتی ہے اگر اُسے چند دن بیمار رہنے کے بعد موت آئے تو وہ اپنے جانشینوں کو بعض نصائح کر دیتا ہے۔ وہ انہیں بتا دیتا ہے کہ فلاں فلاں فائدہ تم اِس طرح حاصل کر سکتے ہو۔ اور ساتھ ہی وہ یہ بھی بتا دیتا ہے کہ تمہارے سامنے فلاں فلاں قسم کے خطرات ہیں ان خطرات سے بچنے کا یہ طریق ہے۔ اِس رنگ میں اس کی موت زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوتی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اچانک موت کو تکلیف دہ اِسی لئے فرمایا ہے کہ مرنے والے کو وصیّت کا

موقع نہیں ملتا اور اِس طرح اس کی اولاد، اس کا خاندان اور اس کی قوم اس کے تجربات سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتی۔ لیکن سب سے اہم چیز یہ ہوتی ہے کہ ایسی موت جو اچانک آجاتی ہے مثلاً اگر کسی کی حرکتِ قلب بند ہو جاتی ہے اور وہ فوراً مر جاتا ہے تو کسی شخص پر افسوس نہیں ہوتا۔ لیکن جب یہ موت کسی انسان کے ہاتھوں سے ہو تو جہاں تک مرنیوالے کا سوال ہے یہ کوئی بڑی بات نہیں اُس نے بہرحال مرنا تھا۔ بلکہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے یہ موت مرنیوالے کے لئے آرام دہ ہے۔ گولی لگی اور مر گیا۔ اِس طرح اسے زیادہ تکلیف نہ ہوتی لیکن خاندانی اور قومی لحاظ سے اس میں کئی قباحتیں ہوتی ہیں۔ ایک قباحت تو میں نے بتا دی ہے کہ مرنیوالے کو وصیّت کا موقع نہیں ملتا اور اِس طرح اس کی اولاد، اس کا خاندان اور اس کی قوم اس کے تجربات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی۔ دوسری قباحت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی قومی خادم کسی انسان کے ہاتھوں مارا جاتا ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ قومی اخلاق میں بہت کچھ خرابی پیدا ہو چکی ہے کیونکہ کام کے تسلسل سے قوم ترقی کرتی ہے اور جب افراد میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ ہم آپ ہی آپ اپنا حق لے سکتے ہیں تو اس کے معنے یہ ہیں کہ تسلسل قائم نہیں رہ سکتا اور قوم حکومت پر اعتبار کرنے کی بجائے خود بدلہ لے لیتی ہے۔ حالانکہ تسلسل حکومت سے قائم رہتا ہے۔ اگر افراد میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ وہ اپنا بدلہ آپ لے سکتے ہیں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ حکومت کو بیکار سمجھتے ہیں۔ اگر یہ احساس کہ ہم اپنا بدلہ خود لے سکتے ہیں ساری قوم یا اس کے اکثر افراد یا اس کے بعض افراد میں پیدا ہو جائے تو حکومت قائم نہیں رہ سکتی وہ حکومت آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ٹوٹ جائے گی اور اس کا نظام باقی نہیں رہے گا۔

پس وہ واقعہ جو خان لیاقت علی خان کے ساتھ گذرا جہاں تک ان کا اپنا سوال ہے یہ کوئی غیر معمولی چیز نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ نسبتاً آرام میں رہے کیونکہ اگر وہ کسی اَور ذریعہ سے وفات پاتے تو دس پندرہ دن بیماری کی تکلیف اُٹھاتے۔ اب چونکہ وہ گولی لگنے سے یکدم مر گئے ہیں اِس لئے یہ موت ان کی ذات کے لئے آرام دہ ثابت ہوئی ہے لیکن قومی لحاظ سے یہ بہت خطرناک چیز ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ پاکستان کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والوں میں نظام کی پابندی کا احساس باقی نہیں رہا۔ مان لیا کہ قاتل کابل کا رہنے والا تھا لیکن وہ پاکستان میں آبسا تھا اور پاکستان کی قومیّت کو اُس نے قبول کر لیا تھا۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ قاتل کو کسی غیر قوم نے اِس ذلیل فعل کے لئے اُکسایا تھا لیکن ہم اُسے غیر قوم کا فرد نہیں کہہ سکتے۔ ہم سب باہر سے آئے ہیں۔ اگر وہ پاکستانی نہیں تو مغل بھی پاکستانی نہیں مغل بھی باہر سے آئے

ہیں۔ سید بھی پاکستانی نہیں کیونکہ وہ بھی مکہ اور مدینہ سے آئے ہیں۔ اسی طرح پاکستان کی اکثر دوسری قومیں بھی باہر سے آئی ہیں۔ کوئی ایران سے یہاں آبسا ہے۔ کوئی شام سے آیا ہے اور کوئی دوسرے ممالک سے آکر اِس ملک کی قومیت کو اختیار کر چکا ہے۔ اِس طرح تو کوئی بھی پاکستانی نہیں۔ انگلستان کے ملک میں بھی جرمن اور فرانسیسی موجود ہیں اور وہ اسی ملک کے باشندے کہلاتے ہیں۔ انگلستان کے بادشاہ کا خاندان بھی جرمنی ہے لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ انگلستان کا رہنے والا نہیں۔ کیونکہ جو کسی ملک میں آبستا ہے وہ اسی ملک کا باشندہ کہلاتا ہے۔ پس گو خان لیاقت علی خان کے قاتل کے تعلقات پر شُبہ ہے کہ افغانستان نے اُسے اُن کے قتل پر اُکسایا تھا لیکن چونکہ قاتل پاکستان میں آبسا تھا اور پارٹیشن سے پہلے کا یہاں رہتا تھا اِس لئے وہ پاکستانی تھا اور اس کے یہ معنی ہیں کہ بعض پاکستانیوں کو نظامِ حکومت پر اعتبار نہیں۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ یہ ایک فرد کا فِعل تھا اور ایک فرد کا فِعل ساری قوم کا فِعل نہیں کہلا سکتا۔ لیکن اِس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ ایک فرد کے فِعل سے ساری قوم ذلیل ہو جاتی ہے۔ ہمارے ہاں ایک ضرب المثل ہے کہ ایک مچھلی سارے تالاب کو گندہ کر دیتی ہے۔ اِس لئے بیشک وہ ایک فرد کا کام تھا اور اس کی ساری قوم ذمہ دار نہیں ہو سکتی لیکن اِس کی وجہ سے ساری قوم ذلیل ہو گئی ہے۔ پس جہاں تک خدا تعالیٰ کے سامنے ذمہ داری کا سوال ہے یہ ایک فرد کا کام ہے لیکن جہاں تک شہرت کا سوال ہے اِس سے قوم ذلیل ہو گئی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ قوم میں ذِلّت، عزّت اور زندگی کا کوئی احساس نہیں۔ اور یہ کتنی ذلّت کی بات ہے۔ یوں سمجھ لو کہ اگر کسی خاندان میں سے کوئی لڑکا یا لڑکی بدکار ہو جاتا ہے تو اس کی ذمہ داری خدا تعالیٰ کے سامنے اُس لڑکی یا لڑکے کے ماں باپ اور بہن بھائیوں پر عائد نہیں ہو گی خدا تعالیٰ کے سامنے وہی لڑکی یا لڑکا مجرم ہو گا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص اُس خاندان کی لڑکی لینے پر تیار نہیں ہوتا اور نہ کوئی اُس خاندان کے کسی لڑکے کو اپنی لڑکی دینے پر رضامند ہوتا ہے۔ حالانکہ اس میں خاندان کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔ وہ اس سے اُتنا ہی متنفّر ہوتا ہے جتنے دوسرے لوگ اس سے متنفّر ہوتے ہیں۔ لیکن بوجہ ایک لڑکی یا لڑکے کی بدکاری کے وہ خاندان دنیا کی نظروں میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ پس جہاں تک خدا تعالیٰ کے سامنے ذمہ داری اور سزا پانے کا سوال ہے خان لیاقت علی خان کا قاتل خود ذمہ دار ہے قوم ذمہ دار نہیں۔ لیکن جہاں تک عزّت اور شہرت کا سوال ہے اِس سے لوگوں میں بدظنّی پیدا ہو گئی ہے کہ اِس قوم کو نظامِ حکومت سے پیار نہیں۔ اور جب دشمن کو اِس چیز کا پتہ لگ جائے گا کہ رعایا نظامِ

حکومت سے پیار نہیں رکھتی تو وہ کتنا دلیر ہو جائے گا۔ غرض قومی لحاظ سے یہ واقعہ جو خان لیاقت علی خان کے ساتھ گذرا نہایت خطرناک ہے لیکن مجھے یہ مضمون خطبہ جمعہ میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی مَیں اسکے متعلق الگ مضمون بھی لکھ سکتا تھا۔ مَیں نے اِس مضمون کو خطبہ جمعہ میں بیان کرنے کے لئے اِس لئے انتخاب کیا کہ اس کا ایک مذہبی پہلو بھی ہے یعنی یہ فعل نتیجہ تھا اسلام کی تعلیم کو بگاڑنے کا۔ یہ فعل نتیجہ تھا احراریوں کے وعظوں کا کہ احمدیوں کو قتل کر دو۔ جس قوم میں یہ رُوح پیدا کر دی جائے کہ جس کسی سے تمہیں اختلاف ہو تم اُسے خود قتل کر دو تو ملک کا کوئی آدمی بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ مثلاً ایک احراری کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ احمدیوں کو مار دو لیکن ایک دوسرا شخص جس کو احمدیوں سے بُغض نہیں ہوتا وہ جب یہ سمجھتا ہے کہ جس کسی سے اختلاف ہو اُسے خود مار دینا چاہیئے تو وہ کسی دوسرے شخص کو جس سے اُسے اختلاف ہوگا مار دے گا۔ پس مَیں کہتا ہوں کہ بے شک قومی لحاظ سے خان لیاقت علی خان کا قتل نہایت افسوس کی بات ہے اور سیاسی لحاظ سے یہ امر ملک کے لئے نہایت نقصان دہ ہے لیکن اس کا مذہبی پہلو اَور بھی خطرناک ہے اور وہ یہ ہے کہ ہماری سیاست تو گئی تھی اب مذہب پر بھی حملہ ہو گیا ہے اور دنیا سمجھتی ہے کہ ہم وحشی ہیں اور جسے چاہتے ہیں قتل کر دیتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے ؎

زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

سیاست پر تو ہمارے حملہ ہُوا ہی تھا اب مذہب پر بھی حملہ ہو گیا ہے۔ دُنیا اِس بات سے غافل نہیں کہ احراری کیا کہتے ہیں۔ احراری مولوی علی الاعلان سٹیجوں پر چڑھ کر کہتے ہیں کہ تم احمدیوں کو قتل کیوں نہیں کرتے لیکن کوئی انہیں منع نہیں کرتا۔ حکومت کا نظام موجود ہے۔ گورنر جنرل اور سنٹرل وزراء اور صوبائی گورنر اور صوبائی وزراء اور دوسرے سیکرٹری موجود ہیں لیکن احراری اس کے باوجود سٹیجوں پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ حکومت اپنے فرض کو ادا نہیں کر رہی۔ اے جانباز مسلمانو! تم خود رسول کریمؐ کی ہتک کا بدلہ لو (حالانکہ یہ احراری خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرنے والے اور ننگِ اسلام ہیں) اور احمدیوں کو قتل کر دو۔ اور جب یہ فتویٰ رعایا کے سامنے لایا جائے گا کہ اسلام، قرآن کریم اور قانون سب اِس بات پر متفق ہیں کہ جس کسی سے تمہیں اختلاف ہو تم اُسے مار دو تو صرف احمدیوں ہی کو نہیں مارا جائے گا بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی جس سے کسی کو اختلاف ہوگا مار دیا جائے گا۔ خان لیاقت علی خان سیاسی اختلاف کی وجہ سے نہیں مارے گئے کیونکہ سیاست دوسرے شخص کے مارنے کو جائز قرار نہیں دیتی۔ مارنے

کا جواز جھوٹا مذہب دیتا ہے کیونکہ مولوی کھلے بندوں سٹیج پر چڑھ کر یہ کہتا ہے کہ جس شخص کی بات تمہیں بُری لگے تو تم اُسے مار دو۔ سُننے والے اسی نکتہ کو وسیع کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں پر بھی یہ فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ جب تک حکومت اِس منبع کو ختم نہیں کرتی ملک میں امن قائم نہیں رہ سکتا۔ حکومت نے ایک کمیشن مقرر کیا ہے جو اِس بات کی تحقیقات کرے گا کہ حفاظتی تدابیر میں کیوں کوتاہی ہوئی ہے۔ مَیں نے بھی جب یہ خبر سُنی تھی تو مجھ پر یہی اثر تھا کہ منتظمین نے پوری طرح نگرانی نہیں کی۔ اب معلوم ہوا ہے کہ حکومت پر بھی یہی اثر ہے۔ لیکن تم کتنی بھی ہوشیاری کر لو جب افراد میں یہ احساس پیدا ہو جائے گا کہ جس کسی سے اختلاف ہو تم اسے مار دو تو کونسی طاقت ہے جس کے ذریعہ تم کسی کو ۸ کروڑ افراد سے بچا لو۔ لاہور میں جو صوبہ کی حکومت کا مرکز ہے وہاں آکر احراری علماء نے یہ حدیثیں سُنائیں کہ تم جو چیز ناپسندیدہ دیکھو اسے ہاتھ سے دُور کر دو۔ اگر تم ہاتھ سے دُور نہیں کر سکتے تو زبان سے اس کی مذمت کرو۔ اور اگر تم زبان سے بھی اسکی بُرائی نہیں کر سکتے تو دل میں ہی بُرا مناؤ۔ اور ان کو احمدیوں پر چسپاں کر کے کہا گیا کہ اے باغیرت مسلمانو! کیوں رسول اللہ صلعم کی ہتک کا بدلہ نہیں لیتے۔ ان مجالس میں جن میں یہ حدیثیں سُنائی جاتی تھیں حکومت کے بعض وزراء اور اس کے سیکرٹری موجود ہوتے تھے۔ جب کُھلے بندوں اور حکومت کے ذمہ دار ارکان کی موجودگی میں ...

کے سامنے یہ سُنایا جاتا تھا کہ اختلاف کا ازالہ جبر اور تعدّی سے کرنا جائز ہی نہیں بلکہ فرض ہے۔ اور اگر تم اختلاف کا ازالہ نہیں کرتے تو تم کافر ہو جاؤ گے۔ جب ملک کے آٹھ کروڑ باشندوں میں یہ احساس پیدا کر دیا جائے تو پولیس تو ایک فرد سے بچا سکتی ہے۔ دو افراد سے بچا سکتی ہے یا بیس افراد سے بچا سکتی ہے لیکن جب یہ شک ہو کہ ایڈی کانگ اور پولیس والوں نے بھی علماء سے یہ سبق لیا ہے کہ جس کسی سے اختلاف ہو اُسے قتل کر دو تو کسی کی جان کیسے محفوظ رہ سکتی ہے۔ سو جب تک مولویوں کو بند نہیں کیا جائے گا کسی کی حفاظت نہیں ہو سکے گی۔ نہ میری، نہ کسی وزیر، گورنر یا کمانڈر انچیف کی۔

انگلستان کی حکومت سینکڑوں سال سے قائم ہے لیکن ابھی تک اس میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا کہ کوئی وزیر قتل کر دیا گیا ہو لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں بعض افسروں پر حکومت کو شبہ پڑ جاتا ہے کہ وہ زور سے حکومت کا تختہ اُلٹ دینا چاہتے ہیں۔ اگرچہ ابھی مقدمہ چل رہا ہے لیکن بہرحال اِس قسم کا واقعہ ہو چکا ہے۔ ادھر ہندوستان میں گاندھی جی کو جنہیں وہاں نبئ وقت کہا جاتا تھا مار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے کہ مولویوں اور پنڈتوں نے یہ شور ڈالنا شروع کیا ہے کہ جب تمہیں کسی شخص سے اختلاف پیدا

ہو جائے تو فوراً قانون ہاتھ میں لے لو۔ یہ ذہنیت جتنی جتنی پھیلتی جائے گی اُتنی اُتنی پولیس اور فوج بیکار ہوتی جائے گی۔ پولیس اور فوج محدود ہوتی ہے اور وہ ایک حد تک ملک میں کنٹرول کر سکتی ہے۔ صوبہ پنجاب کی پولیس کوئی آٹھ دس ہزار ہے لیکن آبادی دو کروڑ ہے۔ اب آٹھ دس ہزار پولیس سے یہ اُمید کرنا کہ وہ دو کروڑ کی نگرانی کر سکے گی درست نہیں۔ صوبہ میں زیادہ سے زیادہ پانچ فیصدی مجرم ہو سکتے ہیں گویا کوئی دس لاکھ آدمی ایسے ہو سکتے ہیں جو لُوٹ مار، ڈاکے، نقب زنی اور قتل و غارت کو جائز سمجھتے ہیں۔ ان دس لاکھ آدمیوں کو پولیس کہاں سنبھال سکتی ہے۔ اسی واسطے ملک میں کوئی چھ سات ہزار چوری ہوتی ہے لیکن کوئی نہیں کہتا کہ ایسا کیوں ہے۔ کیونکہ اِس قدر نگرانی کی پولیس سے اُمید ہی نہیں کی جا سکتی یہ فردی خرابی ہے اور فرد کی نگرانی نہیں کی جا سکتی۔

اگر کوئی قومی خیال ہوتا ہے تو اس تنظیم کا کوئی پریذیڈنٹ ہوتا ہے۔ کوئی سیکرٹری ہوتا ہے اور اس طرح اس کا پتہ چل جاتا ہے لیکن جہاں فرد کے دماغ کو بگاڑ دیا جائے وہاں کوئی پولیس کام نہیں دے سکتی مثلاً اگر کوئی کمیونسٹ جماعت ہو تو اس کا کوئی پریذیڈنٹ ہوگا۔ کوئی سیکرٹری ہوگا اور کوئی کنوینر ہوگا۔ اور اس سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ لوگ فلاں فلاں ہیں اور فلاں فلاں جگہ ان کا مرکز ہے اور پھر ان کی نگرانی کی جا سکتی ہے لیکن اگر کوئی فرد کوئی ارادہ کرے تو اس کی نگرانی نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس کی سکیم اس کے اپنے دماغ میں ہوتی ہے اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں کہ اُسے معلوم کیا جا سکے۔ مثلاً کوئی پریذیڈنٹ نہیں، کوئی سیکرٹری نہیں، کوئی دفتر نہیں جس میں جمع ہونیوالوں سے معلوم ہو سکے کہ کچھ لوگ مل کر کوئی کام کر رہے ہیں اور اس سے ان کی نگرانی کی صورت پیدا ہو جائے۔ یہاں بھی چونکہ ایک فرد تھا جس نے خباثت کی اِس لئے اس کی خباثت کا قبل از وقت پتہ نہیں لگ سکا تھا سب باتیں اس کے دماغ میں تھیں۔ پس فرد کے دماغ کو بگاڑ دینے سے امن برباد ہو جاتا ہے۔ جب کوئی سازش تنظیم سے ہوتی ہے تو اُس کا پتہ لگانا آسان ہوتا ہے لیکن جب افراد کے دماغ بگڑ جائیں تو کوئی چیز اُن کی نگرانی نہیں کر سکتی۔ چونکہ مولویوں نے افراد کے دماغوں کو گندہ کر دیا ہے اِس لئے مزید خباثت کو روکنے کے لئے ضروری ہے کہ ان مولویوں کو روکا جائے۔ یہی لوگ دماغ کو صحیح بنانے والے بھی ہیں بشرطیکہ ان میں ایمان ہو۔ اور یہی لوگ دماغ کو گندہ کر دیتے ہیں جب ان میں ایمان نہیں ہوتا۔ پس میرے نزدیک اِن خطرات کو دُور کرنے کا ذریعہ یہ ہے کہ مولویوں کو افراد کی ذہنیت خراب کرنے سے روکا جائے۔

حکومت کی طرح میرا خیال بھی یہ ہے کہ جلسہ کا انتظام ٹھیک نہ تھا۔ قادیان میں مساجد میں میری یہ ہدایت تھی کہ پہلی صف میں معروف لوگ بیٹھیں۔ اب پہرے لگا دیئے گئے ہیں مگر یہ ہرگز ویسے مفید نہیں۔ انسانی فطرت میں یہ بات ہے کہ جب کوئی دوسرا آدمی سامنے ہو تو انسان کسی پر وار کرنے سے گھبراتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ کسی دوسرے شخص کو گولی نہ لگ جائے۔ پھر وہ اِس وجہ سے بھی گھبراتا ہے کہ اگر اس کا پہلا وار بھی خالی گیا تو وہ پکڑا جائے گا۔ اِس لئے منتظمین کو چاہیئے تھا کہ وہ جلسہ کا انتظام کرتے وقت سٹیج کے سامنے معروف لوگوں کو بٹھاتے۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ قاتل نے خان لیاقت علی خان کو مائوزر پستول سے مارا ہے۔ وہ بڑا پستول ہوتا ہے اور بڑے پستول کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ اتنی بڑی چیز لے کر وہ شخص سٹیج کے سامنے بیٹھا ہوا تھا یا وہ جیب میں ڈالے ہوئے تھا لیکن کسی شخص کو قبل از وقت اس کا علم نہیں ہو سکا۔ پھر کہتے ہیں کہ وہ شخص چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ یہ بات اَور بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ہمارے ہاں بھی اتنی احتیاط کر لی جاتی ہے کہ جب کوئی شخص ملاقات کے لئے آئے اور وہ چادر اوڑھے ہوئے ہو تو منتظم اس کی چادر اُتروا دیتے ہیں حالانکہ یہاں ملاقات والے اکثر مرید ہوتے ہیں۔ بعض لوگ جوشیلے ہوتے ہیں اور وہ میرے پاس شکایت کرتے ہیں کہ ہماری اِس طرح ہتک کی گئی ہے تو میں انہیں سمجھاتا ہوں کہ آپ تو مخلص ہیں لیکن کوئی بدمعاش بھی تو اِس طرح یہاں آ سکتا ہے۔

پچھلے دنوں مسلم لیگ کے ایک ممبر مجھے ملنے آئے۔ وہ مجھے اندر آتے ہی کہنے لگے کہ وہ اپنا پستول باہر چھوڑ آئے ہیں کیونکہ انہوں نے پسند نہیں کیا کہ پستول لے کر اندر آئیں۔ اور درحقیقت یہ عام اور ضروری احتیاط ہے۔ لیکن اس شخص کے پاس مائوزر پستول تھا جو بڑے سائز کا ہوتا ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ پستول پکڑے ہوئے ہے یا اُس کی جیب میں کوئی بڑی چیز ہے۔ پھر جب وہ شخص فائر کرتا ہے تب بھی اُسے کوئی نہیں دیکھتا۔ پھر وہ دوسرا فائر کرنے کی بھی جرأت کرتا ہے۔ اِس سے شبہ پڑتا ہے کہ اس کے دائیں اور بائیں اُس کے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ امر اَور بھی خطرناک ہے کہ وہ آدمی مارا گیا۔ تمام متمدن دنیا میں ایسے آدمی کو مارا نہیں جاتا تا سازش پکڑی جائے۔ اِس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید اس کے ساتھ اُس کا کوئی دوسرا ساتھی بھی تھا۔ انارکسٹ اسی طرح کرتے ہیں۔ وہ جب کسی شخص کو کسی لیڈر کے مارنے پر مقرر کرتے ہیں تو ایک اَور شخص کو اُس کے مارنے پر بھی مقرر کر دیتے ہیں تا وہ پکڑا نہ جائے۔ لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لوگوں

نے قاتل کو پیٹ پیٹ کر مار دیا تھا۔ اگر ایسا ہُوا تو یہ اَور بھی افسوسناک امر ہے کیونکہ اس سے سازش کے کُھلنے کا امکان بہت کم ہو گیا۔ پولیس کو فوراً اُس شخص کے گرد گھیرا ڈال لینا چاہیئے تھا اور اُسے زندہ گرفتار کرنا چاہیئے تھا تا اس کے ذریعہ سے اصل سازش کا سُراغ مل سکتا۔ اس کا بچانا اس کی خاطر ضروری نہیں تھا بلکہ اس کا بچانا ملک کی خاطر ضروری تھا تا اس سے سازش کا پتہ لگایا جاتا۔ ممکن ہے تحقیقات سے یہ معلوم ہو کہ حفاظت کا ہر ممکن انتظام کر دیا گیا تھا اور یہ محض وہم ہے کہ اس میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے بلکہ یہ ایک اتفاقی حادثہ تھا جو ہو گیا۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی مجرم بھی مل جائے لیکن اِس سے یہ امر حل نہیں ہو سکتا کہ مولویوں نے افراد کی ذہنیت خراب کر دی ہے۔ جب تک یہ ہوتا رہے گا اور قانون ہاتھ میں لینے کا وعظ ہوتا رہے گا نہ پولیس کام دے سکے گی نہ فوج۔ کیونکہ جب افراد کے ذہنوں کو گندہ کر دیا جائے اور قانون کے ادب کو ختم کر دیا جائے اور اختلاف کی صورت میں قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی تعلیم دی جائے تو پھر کس کس پر شبہ کیا جائے گا یا کس کس کو شبہ سے بالا سمجھا جائے گا۔ اِس صورت میں خود وزراء کے ایڈی کانگوں پر بھی شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید اُن کے دل میں بھی قتل کا خیال ہو۔ کیونکہ اگر افراد کی ذہنیت کو بگاڑ دیا جائے تو پھر خواہ کوئی سیکرٹری ہو یا ایڈی کانگ وہ اپنے افسر سے ناراض ہو سکتا ہے اور اختلافِ رائے کی وجہ سے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا ارادہ کر سکتا ہے۔ جن ملکوں میں یہ سکھایا جاتا ہے کہ حکومت کا کام ہے کہ کسی شخص کو مجرم قرار دے افراد کو یہ اختیار حاصل نہیں وہ ملک پُر امن ہیں۔ اِس قسم کی پابندی سب سے زیادہ انگلستان میں ہے اور وہ پُر امن ہے۔ امریکہ کتنی بڑی جمہوریت ہے لیکن وہاں افراد پر کنٹرول نہیں کیا جاتا اس لئے وہاں فساد ہوتے ہیں۔ جرمنی والے بھی قانون کے پابند ہیں اِس لئے وہاں فساد نہیں ہوتے۔ بے شک ہٹلر کے وقت میں حکومت کی طرف سے رعایا پر سختیاں ہوئیں لیکن یہ کہ افراد ایک دوسرے پر سختی کریں یہ کبھی نہیں ہُوا۔ اَور ملکوں میں بھی یہ طریق پایا جاتا ہے لیکن سب سے زیادہ محفوظ انگلستان ہے اور اس کے بعد جرمنی ہے۔ پھر دوسرے ممالک میں انسانوں کے ہاتھوں سے مارے جانے والے بالعموم وہ ہوتے ہیں جو ملک میں بدنام ہوتے ہیں لیکن یہاں اندھیر یہ ہے کہ ہندوستان میں گاندھی جی کو مارا جاتا ہے جنہیں وہاں نبی کہا جاتا تھا اور اِدھر پاکستان میں خان لیاقت علی خان کو مارا جاتا ہے جن کو ملک کی آزادی کو برقرار رکھنے والا اور اسکو ترقی دینے والا کہا جاتا ہے۔ یہ محض مولویوں کی ذمہ داری ہے۔ یہ کھیل ہے جو وہ ہمارے ساتھ کھیل رہے

تھے لیکن حکومت نے اُن کو منع نہ کیا جس کی وجہ سے یہ گند زیادہ پھیل گیا۔ تم اگر کسی کو کہتے ہو کہ فلاں کو مارو مثلاً بچّے ہیں ماں باپ یا بہن بھائی کھیل کے طور پر بعض دفعہ انہیں سکھاتے ہیں کہ فلاں کو مارو تو وہ مارتے ہیں اور ماں باپ بہن بھائی اس پر ہنستے ہیں۔ دوسرے دن وہ بچّے ماں باپ کے مُنہ پر تھپّڑ مارتے ہیں اور اُس وقت روکنا کوئی معنے نہیں رکھتا۔ ایک دفعہ اگر تم انہیں کہو گے کہ فلاں کو مارو تو وہ پھر دوسروں کو ماریں گے اور تم روک نہیں سکو گے۔

پس مَیں حکومت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ افراد کی ذہنیت کو بدلے ورنہ امن قائم کرنا مشکل ہو جائے گا۔ لیڈر مرتے جائیں گے اور نئے لوگوں کو آگے آنے کا موقع ملے گا۔ پھر مولویوں اور دوسرے لوگوں کی جانیں بھی محفوظ نہیں ہوں گی۔ روس میں دیکھ لو زار نے جو طریق رعایا سے اختیار کیا تھا وہی طریق رعایا نے اُس کے خلاف چلایا۔ پس یہ کھیل محدود نہیں چلے گی۔ ہمارے خلاف یہ کھیل کھیلا گیا تھا لیکن آخر پاکستان کے نہایت اہم اور ابتدائی لیڈر کے خلاف ایک بدباطن نے وہی حربہ چلا دیا کیونکہ دلوں سے قانون کے ادب اور سوچنے اور نفس پر قابو پانے کا جذبہ مٹا دیا گیا تھا۔ اگر یہ بات جاری رہی تو ایک دن یہ مولوی خود بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔ خود انہی کے متعلق کسی بات پر خفا ہو کر ان پر بھی حملے کریں گے۔ میری عُمر کوئی دس گیارہ برس کی ہوگی کہ مَیں امرتسر گیا اور دیکھا کہ ایک مولوی صاحب بڑی داڑھی والے جُبّہ پہنے ہوئے اور ہاتھ میں عصا لئے جا رہے تھے۔ اُن کے پیچھے پیچھے ایک اَور آدمی تھا جو ہاتھ جوڑتا اور اُن کی منّتیں کرتا جا رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ مَیں مفلس و غریب ہوں میری حالت پر رحم کھائیں۔ اور مولوی صاحب پیچھے مُڑ کر اُسے گھُورتے اور کبھی کبھی گالی بھی دے دیتے تھے۔ جب مولوی صاحب دُور نکل گئے مَیں نے اُس شخص سے پُوچھا کیا بات ہے؟ اُس نے بتایا کہ مَیں نے اِس خبیث کے پاس ایک سَو روپیہ رکھوایا تھا اب واپس مانگتا ہوں لیکن یہ واپس نہیں دیتا۔ سو مولویوں میں حرام خور بھی ہیں، ظالم بھی ہیں اور ان میں دوسرے عیوب بھی پائے جاتے ہیں۔ اِس لئے اگر انہوں نے ایسی تعلیم دی تو ایک نہ ایک دن ان پر بھی وار ہوگا۔ کیونکہ ہو نہیں سکتا کہ ان سے کسی اَور کو اختلاف نہ ہو۔

اصل امن والی تعلیم قرآن کریم کی ہے۔ یہ کتنی پاکیزہ تعلیم ہے کہ حکومت کے سوا کسی کو شرعی تعزیر دینے کا اختیار نہیں۔ اور حکومت بھی اسی تعزیر کا اختیار رکھتی ہے جس کا اختیار اُسے قرآن کریم نے دیا ہے۔ گویا پہلے عوام کے ہاتھ بند کئے پھر حکومت کے ہاتھ یہ کہہ کر بند کر دیئے کہ تم بھی قضاء کے ذریعہ ہی

تعزیر کا اختیار رکھتے ہو۔ ایک دفعہ ایک شخص رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یارسول اللہ! اگر میں اپنی عورت کے پاس غیر مرد کو دیکھوں تو آیا مجھے اس کو قتل کرنے کی اجازت ہے؟ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم اُسے قتل کرو گے تو اس کے بدلہ میں تمہیں قتل کیا جائے گا۔ تم گواہ پیش کرو۔ اُس شخص نے کہا یارسول اللہ اتنا دیّوث کون ہو گا کہ وہ اپنی عورت کے پاس غیر مرد دیکھے تو وہ گواہ ڈھونڈتا پھرے۔ اسلام نے ایسے شخص کی سزا قتل رکھی ہے تو کیوں نہ میں اُسے مار دوں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم نے ایسا کیا تو پکڑے جاؤ گے۔ اُس وقت تک زانی کو رجم کیا جاتا تھا اور وہ صحابی بھی اُسے قتل کرنے کے لئے ہی اجازت چاہتے تھے لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ تم نے اپنی عورت کے پاس غیر مرد کو دیکھا لیکن تم قاضی کے پاس جاؤ وہ فیصلہ کرے گا کہ تم ٹھیک کہتے ہو یا غلط۔ اب یہ کتنی واضح دلیل ہے کہ اسلام نے کسی صورت میں بھی شرعی تعزیر کی جس میں قتل کرنا، ہاتھ پاؤں کاٹنا اور قید کرنا شامل ہیں کسی فرد کو اجازت نہیں دی۔ ہاں بعض سزاؤں کی اجازت دی ہے مثلاً ایک باپ یا استاد بچے کو اس کے کسی قصور پر مار سکتا ہے۔ پھر قومی سزاؤں کا قوم کو اختیار رہے مثلاً کسی قصور پر ہم ایک شخص کو جماعت سے خارج کر دیتے ہیں تو اس کا ہمیں اختیار ہے کیونکہ یہ شرعی تعزیر نہیں۔ جو شرعی تعزیریں ہیں مثلاً قتل کرنا، ہاتھ پاؤں کاٹنا، قید کرنا، کوڑے لگانا وغیرہ ان کا اختیار حکومت کو ہے اور وہ بھی قضاء کے ذریعہ۔ حکومت عارضی طور پر کسی کو قید کر سکتی ہے لیکن بعد میں اس کا فیصلہ قضاءً ہی کرے گی۔ اگر تم اسلام کی اِس تعلیم کو ملک میں جاری کر دو تو کوئی قتل ممکن ہی نہیں۔ نہ آگ لگائی جا سکتی ہے اور نہ کسی کو مارا پیٹا جا سکتا ہے۔ اِس تعلیم کو جاری کرنے کے بعد ہی ملک میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ تم پہلے اسلامی ذہنیت پیدا کرو۔ یہ نہیں کہ ایک طرف مولوی یہ کہے کہ ملک میں اسلامی تعلیم پھیلاؤ اور دوسری طرف یہ کہے کہ فلاں شخص اسلامی تعلیم کے خلاف چلتا ہے اِس لئے اسے قتل کر دو۔ ہم حکومت کو کئی دفعہ اِس طرف توجہ دلا چکے ہیں لیکن اس کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو ذہنیت احمدیوں کے خلاف پھیلائی گئی تھی وہ پاکستان کے خلاف چل گئی۔ اور اگر اس ذہنیت کو جلدی تبدیل نہ کیا گیا تو صرف احمدیوں کے خلاف ہی نہیں بلکہ لوگ ان مولویوں کے خلاف بھی جو یہ فتوے دیتے ہیں کارروائی کریں گے۔ غرض یہ ذہنیت نہایت خطرناک ہے اگر اسے جلد روکا نہ گیا تو یہ ملک کے لئے بہت بڑے خطرے کا موجب ہو گی۔ اگر مولوی حقیقت میں ملک میں اسلامی حکومت

قائم کرنا چاہتے تو وہ رعایا کو سکھاتے کہ شرعی تعزیر اُن کے اختیار میں نہیں شرعی تعزیر حکومت کے اختیار میں ہے بلکہ حکومت بھی شرعی تعزیر قضاء کے ذریعہ دے سکتی ہے۔ اگر واقعہ میں یہ تعلیم دی جاتی تو خان لیاقت علی خان تو پاکستان کے پرمیئر تھے پاکستان کا ایک غریب سے غریب لڑکا بھی نہیں مارا جا سکتا۔ جب ہر شخص کے ذہن میں یہ بات بٹھادی جاتی کہ ایسا فعل خدا تعالیٰ کے منشاء، اس کے رسول کی تعلیم، قرآن کریم، اخلاق، حبّ الوطنی، رُوحِ نظام اور ملک وملّت کے خلاف ہے تو کوئی شخص ایسا فعل کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اگر خان لیاقت علی خان جنگل میں بھی ہوتے اور سوائے اُن کے اور قاتل کے وہاں کوئی نہ ہوتا لیکن قاتل کے ذہن میں اسلام کی صحیح تعلیم ہوتی تو وہ کبھی نہ مارے جاتے۔ ایسی صورت میں پولیس وغیرہ کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پس اصل چیز یہ ہے کہ اسلام کی صحیح تعلیم کو قائم کرو۔ یہ مُلّاں جو ہلاکو کی تعلیم کو پھیلا رہے ہیں خان لیاقت علی خان کے قتل کے اصل ذمہ دار ہیں جب تک حکومت انکے مُنہ بند نہیں کرے گی ملک میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔“[1]

حادثہ قتل کے تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ

حکومتِ پاکستان نے اِس حادثہ قتل کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا۔ کمیشن نے اگرچہ متفقہ طور پر یہ رائے ظاہر کی کہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ وزیر اعظم مرحوم کا قتل، سید اکبر کا محض انفرادی فعل تھا یا کسی سازش کا نتیجہ تاہم کمیشن نے قاتل کے اِس شرمناک فعل کے امکانی محرکات کا جائزہ لیتے ہوئے اس محرک کا بھی ذکر کیا کہ اِس جرم کی تہ میں اس کے انتہاء پسندانہ مذہبی نظریات کارفرما تھے اور یہ وہی امکانی پہلو تھا جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے خطبہ جمعہ میں مفصّل روشنی ڈالی تھی اور جس سے حضور کے نظریہ کی لفظاً لفظاً تائید ہوتی تھی۔ چنانچہ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اس مذہبی محرک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو رائے قائم کی اس کا خلاصہ جماعتِ اسلامی کے آرگن کوثر (۴ر ستمبر ۱۹۵۲ء) کے الفاظ میں یہ تھا:-

”اگر وجہ قتل یہ ہو کہ سید اکبر نے مسٹر لیاقت علی خاں کو اِس لئے موت کے گھاٹ اُتار دیا کہ وہ اسکے معیارِ اسلام پر پورے نہیں اُترتے تھے تو یہ ایک خوفناک صورتِ حال کا پتہ دیتا ہے۔ اور کمیشن حکومت کو توجہ دلائے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر اِس قسم کے رجحانات ملک میں پنپ رہے ہوں تو ان کو سختی سے دبا دینا چاہیئے۔ اس سلسلے میں کمیشن کی طرف سے اِس امر کا بھی ذکر کیا گیا تھا کہ اس کے سامنے بعض اخباروں

---

[1] الفضل ۱۶ر نبوت ۱۳۳۰ہش صفحہ ۳ تا ۵۔

کے مضامین اور بعض مصنفین کی تحریریں بھی پیش کی گئیں جن میں مسٹر لیاقت علی خاں کے خلاف نہایت سوقیانہ انداز میں رائے زنی کی گئی تھی۔ اس کے بعد کمیشن نے اُن لوگوں کو آڑے ہاتھوں لیا جن کا تصورِ اسلام اس کے نزدیک نہایت بھونڈا اور خام ہے اور ان کی سخت الفاظ میں مذمت کی۔"

رپورٹ کے حق میں پاکستانی پریس کی آواز جماعتِ اسلامی اور اس کے بعض حاشیہ برداروں کے سوا پاکستانی اردو اور انگریزی پریس نے تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ کے اِس زاویۂ نگاہ کی متفقہ طور پر تائید کی اور عوام اور حکومت کو فرقہ پرستی اور ملائیت کے اس خوفناک اور سنگین خطرہ سے خبردار کیا جو ملک میں ہر لمحہ اور ہر طرف سیلابِ رواں کی طرح بڑھتا چلا آرہا تھا۔

مثلاً اخبار "آفاق" نے لکھا:۔

"محبِ وطن پاکستانی ہم سے اتفاق کریں گے کہ کمیشن نے آزادیٔ صحافت اور اسلام کا نام لے کر عمائدینِ ملک کے خلاف گندگی اُچھالنے والے اخبارات۔۔۔ کے اصل عزائم کو بے نقاب کرکے ایک بہت بڑی خدمت انجام دی۔۔۔۔ اسلام و صالحیت کے یہ اجارہ دار اور بزعمِ خویش ملک و قوم کے یہ "مخلص خادم" اپنے سیاسی مخالفین کو فاسق و فاجر اور بددیانت کہتے رہے۔۔۔۔ ہمیں یہ کہتے میں مطلق تامّل نہیں کہ دراصل یہی لوگ قائدِ ملت کے قاتل تھے کیونکہ اِنہی لوگوں کی تحریروں نے وہ ماحول پیدا کیا جس کی پیداوار کمیشن کے الفاظ میں سید اکبر بھی تھا۔"

اخبار "احسان" (لاہور) نے یہ نوٹ سپردِ اشاعت کیا کہ:۔

"ہمیں کمیشن کی اِس رائے سے پورا پورا اتفاق ہے حقیقت یہ ہے کہ بعض طالع آزما جماعتیں جو اسلام کے نام کو استعمال کرتی ہیں، اقتدار کے بھوکے پٹے ہوئے سیاسی مُہرے لیاقت مرحوم کے خلاف تقریروں میں زہر اُگل رہے تھے۔۔۔۔ اخبارات معاصر نوائے وقت بالخصوص اور اس کے انداز میں سوچنے والے ایک دو اور جرائد لیاقت مرحوم اور ان کی قابلِ احترام رفیقۂ حیات کی بابت جھوٹے واقعات اختراع کرکے طرح طرح سے انہیں بدنام کرتے اور اُن کا تمسخر اُڑاتے رہے۔۔۔ نتیجہ ظاہر تھا نفرت و حقارت کا یہ زہر پھیلا اور اس نے سید اکبر کو جنم دیا۔"

اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے کمیشن کی رپورٹ پر حسبِ ذیل شذرہ لکھا:۔

ہماری سیاسی زندگی کے دامن پر جو سب سے زیادہ تاریک داغ ہے اس پر اُنگلی رکھ دی گئی ہے۔ یہ بات کہ ایک مسلمان کو دوسرا مسلمان اسلام کے نام پر قتل کر دے یہ ایک نزاعی بحث نہیں ہے بلکہ مُلّاؤں کے مذہب کا ایک مسلّمہ ہے۔ ایک مسلمان خواہ وہ کتنا ہی دیانتدار اور زندگی میں پاکباز ہو اگر وہ مُلّا کے معیارِ اسلام پر پورا نہیں اُترتا تو اس کو فوراً "کافر" کا خطاب دے دیا جاتا ہے اور ایسی صورت میں یہ ایک بڑا دینی کارنامہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کی جان لے لی جائے۔ اگر مذہبی جنون کا نظریہ قبول کر لیا جائے تو نوابزادہ لیاقت علی اسی نفسیات کا شکار ہوئے۔ جاہل مذہبی جنونی قاتل نے اپنے ہی اسلامی معیار پر ان کو پرکھا اور اس سے فروتر پایا۔ مُلّا کے مسلّمہ مذہبی معیار کے مطابق یہ بات اس امر کا کافی جواز تھا کہ اُن کی جان لے لی جائے۔ جو حادثہ وزیر اعظم مرحوم کو پیش آ چکا ہے وہ ہر وزیر کو پیش آ سکتا ہے بشرطیکہ عوام کے جوش کو اس کے خلاف کافی طور پر بھڑکا دیا جائے .... اِس رپورٹ نے اِس خطرناک رُجحان کی طرف متوجہ کر کے بڑی خدمت سرانجام دی ہے .... ہمارا اعتقاد ہے کہ رائے عامہ کو اس عظیم معاشرتی خطرے کے علاوہ منظم ہونا چاہیئے۔ مذہب کے نام پر تشدّد اسلام میں بہت عام ہے۔ چھوٹے چھوٹے اختلافات نے بڑے بڑے فساد برپا کئے ہیں اور لوگوں کے سر توڑے ہیں۔ مُلّا کے نزدیک مغربی لباس پہننا بھی "کفر" ہے۔ داڑھی مونچھ کا مُنڈا ہوُا ہونا تو "کفر" کی سب سے بڑی علامت ہے .... مُلّا کو اسلام کا آخری حکم بنا دینا اُس پاکیزہ دین کی توہین ہے جو محبّت، وسعتِ نظر اور ہمدردیٔ انسانی کا پیغام لے کر آیا۔ علاوہ ازیں یہ پاکستان کی تخریب کا بھی یقینی راستہ ہے .... ان دنوں حالات فی الواقع خوفناک ہوتے جا رہے ہیں۔ جسٹس محمد منیر کا انتباہ نہایت بروقت اور برمحل ہے۔ مُلّا کا خطرہ بڑھ رہا ہے وہ موجودہ نظام کو اُلٹ دینے کے لئے باہر نکل آیا ہے اور اس کو بدنام کر رہا ہے۔ اس کا ہتھیار وہی پُرانا حربہ ہے کہ ہر چیز کو غیر اسلامی قرار دے دیا جائے۔ کافر سازی ایٹم بم سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ انکوائری رپورٹ نے صحیح طور پر موجودہ رفتار میں پاکستان کی تخریب کے جراثیم کو دیکھ لیا ہے۔ (ترجمہ)

اخبار "پاکستان ٹائمز" نے کمیشن کی رپورٹ پر درج ذیل ادارتی نوٹ لکھا۔

مسٹر لیاقت علی خاں کے قتل کے متعلق کمیشن نے فوری حالات پر جو روشنی ڈالی ہے اس سے کچھ کم اہم اور قیمتی اس کی وہ شدید تنقید نہ ہو گی جو ہماری قومی زندگی کے مذہبی جنون کے رُجحانات کے بارے میں کی گئی ہے .... پاکستان کے قیام کے وقت ہی سے قومی زندگی کے تمام معقول اور ترقی پسند عناصر

افسوس اور خطرے کے احساس کے ساتھ اپنی قوم میں خطرناک متعصبانہ رُجحانات کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ بات کہ یہ حالات بالآخر مسٹر لیاقت علی خاں کے قتل کے کس حد تک ذمہ دار ہیں اس کا معلوم کرنا آسان نہیں ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ ہمارے جسدِ قومی میں داخل ہو گئے ہیں اور بہت سے لوگ پہلے ہی حیران ہیں کہ ہماری قومی زندگی ان سے کس طرح نجات حاصل کرے گی۔ پیشتر اس کے کہ وہ اس کو کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچائے ان رجحانات سے ملک کو کتنا خطرہ ہے۔ اس بات پر کمیشن نے پوری طرح زور دے دیا ہے اور حکومت کو اس نے متنبہ کر دیا ہے کہ اگر اُن کو اپنے رُخ پر جاری رہنے دیا گیا تو اس سے پاکستان کی ترقی میں بڑی رکاوٹ واقع ہو گی۔[1]

حضرت مصلح موعودؓ کی پانچ اہم ہدایات جامعۃ المبشرین کی ایک الوداعی تقریب میں

۲۹۔اخاء ۱۳۳۰ہش/اکتوبر ۱۹۵۱ء کو بعد نماز عصر جماعتِ احمدیہ کی جدید مرکزی درس گاہ —— جامعۃ المبشرین —— کی طرف سے سب سے پہلے کامیاب ہونیوالے مبلّغین کو الوداعی پارٹی دی جس میں حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے بھی ازراہِ شفقت و ذرّہ نوازی شرکت فرمائی اور ایک معلومات افروز تقریر کے ذریعہ اساتذہ اور طلباءِ جامعہ کو پانچ نہایت اہم اور قیمتی ہدایات سے نوازا جو تحقیق و تفحص اور علمی ترقی کے میدان میں ہمیشہ خضرِ راہ ثابت ہوں گی۔

پہلی ہدایت

حضورِ پُر نور نے اپنے خطاب کے شروع میں پہلی ہدایت یہ فرمائی کہ "طلباء کی صحت کا خیال رکھا جائے اور وہ اس کے مقابل پر محنت کا خیال رکھیں۔"

دوسری ہدایت

دوسری اہم چیز جس کی طرف حضور نے توجہ دلائی وہ یہ تھی کہ "عربی زبان میں یہ خصوصیت ہے کہ اس کا ہر حرف الگ پڑھا جاتا ہے۔ جب تک ہر حرف کو الگ نہ پڑھیں تلفظ ٹھیک نہیں ہوتا۔ دوسری زبانوں میں ہم حروف کو ایک دوسرے میں مخلوط کر دیتے ہیں لیکن عربی زبان میں ہم حروف کو ایک دوسرے میں مخلوط نہیں کر سکتے۔۔۔ حروف کو ایک دوسرے میں مخلوط کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ان کے معنی کچھ نہیں بنیں گے۔۔۔۔ یہ دست درازی کم از کم قرآن کریم پر نہیں ہونی چاہیئے تیرہ سو سال سے مسلمانوں نے اس کو محفوظ رکھا ہے تمہیں بھی اسے محفوظ رکھنا چاہیئے اور قرآن کریم کی تلاوت پر خاص توجہ دینی چاہیئے۔"

---

[1] بحوالہ اخبار کوثر لاہور ۱۶ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ (جماعت اسلامی کا ترجمان)

تیسری ہدایت تیسری ہدایت حضور نے مقررین کے لئے دی جو یہ تھی کہ "جب ایک واعظ کھڑا ہوتا ہے تو اس وقت وہ سامعین کو کچھ بتلانے کے لئے کھڑا ہوتا ہے پس اسے لوگوں سے گھبرانے کی کیا وجہ ہے؟ جو اس سے سیکھنا چاہتے ہیں، پس تقریر آہستگی کے ساتھ کرنی چاہیئے۔ پھر آہستہ آہستہ جب سامعین کے دماغوں اور تقریر کرنے والے کے دماغ میں توازن قائم ہو جائے تو بے شک وہ اپنی آواز بلند کرے اور الفاظ بھی جوش سے ادا کرے۔ لیکن اگر وہ شروع میں ہی جلدی جلدی بولنے لگ جاتا ہے تو سامعین تاڑ جاتے ہیں کہ وہ ان سے ڈر رہا ہے اس لئے وہ اس کا اثر قبول نہیں کرتے۔"

چوتھی ہدایت حضور کی چوتھی ہدایت یہ تھی کہ "ہمارے طلباء مطالعہ کے لئے بہت کم وقت نکالتے ہیں اپنے وقت میں سے ہمیشہ ایک حصہ زائد مطالعہ کے لئے بھی نکالنا چاہیئے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ ایک اچھا پڑھنے والا ایک گھنٹہ میں اوسطاً ۲۰ صفحے پڑھتا ہے۔ عربی ٹائپ ذرا چھوٹا ہوتا ہے اور کتاب کے صفحات بڑے ہوتے ہیں اس لئے اگر آپ لوگ زائد مطالعہ کے لئے ایک گھنٹہ روزانہ بھی دیں تو اوسطاً دس پندرہ صفحات فی گھنٹہ پڑھے جا سکتے ہیں"۔ اس ضمن میں حضور نے یہ بھی بتایا کہ "اسی لئے مَیں نے عربی کتابیں منگوا کر دی ہیں جن میں علم ادب، علم تاریخ، فلسفہ، منطق، صرف و نحو، علم نحو، علم معانی اور دوسرے علوم پر لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں ... میرا منشاء یہی ہے کہ ایک دو سال میں دس پندرہ ہزار روپیہ صرف کر کے ایک لائبریری بنائی جائے جو کالج کے لحاظ سے مکمل لائبریری ہو چنانچہ اس سلسلہ میں مَیں نے انگریزی کی بعض کتابیں بھی منگوا کر دی ہیں۔ یہ کتابیں مختلف علوم کے متعلق ہیں۔"

پانچویں ہدایت مقالہ (THESIS) لکھنے کے بارے میں اساتذہ اور طلبہ دونوں کو مخاطب کر کے یہ خاص ہدایت فرمائی کہ:-

"مضمون ایسے رنگ میں بیان کرو کہ پڑھنے والا اسے سمجھ سکے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے لئے بطنی عنوان مقرر کئے جائیں پھر ماہرین کی ایک کمیٹی اس پر غور کرے اور اس کی ترتیب بھی بتائے پھر لٹریچر بھی بتایا جائے کہ کون کون سی کتابوں میں یہ مضمون مل سکتا ہے ..... پس تھیسس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے عنوان مقرر ہوں، اس کی ترتیب بتائی جائے اور پھر مشورہ دیا جائے کہ یہ مضمون فلاں فلاں کتاب سے مل سکتا ہے۔ پھر مضمون زیادہ لمبا نہیں ہونا چاہیئے۔ ایم۔ اے میں جو تھیسس (THESIS) لکھے جاتے ہیں وہ بھی پچاس ساٹھ صفحات کے ہوتے ہیں۔ اگر مضمون چھوٹے ہوں گے تو خواہ لکھنے والا پہلے

دو ماہ میں ایک سطر بھی نہ لکھ سکے اور تیسرے ماہ وہ دس کالم روزانہ لکھے تب بھی وہ ۴۰۰ کالم لکھ لے گا جو پچاس مطبوعہ صفحات کے برابر ہوگا اور یہ کافی لمبا مضمون ہے۔ اِس طرح مفید لٹریچر مل سکتا ہے اور تبلیغ میں آسانی پیدا ہو سکتی ہے۔" [1]

حضرت مصلح موعود نے بیش قیمت ہدایات پر مشتمل تقریر کے بعد جامعۃ المبشرین کے اساتذہ، طلبہ اور فارغ التحصیل مبلغین کے لئے دعا فرمائی۔ اور یہ حضور کی دعا ہی کا اثر ہے کہ اِس سال جامعہ پاس کرنے والے مبلغین کو جو جامعۃ المبشرین کے پہلے پھل کہلانے کے مستحق ہیں اندرونِ پاکستان کے علاوہ بیرونی ممالک میں بھی اعلائے کلمۃ اللہ کی توفیق ملی ہے۔ ان میں سے اکثر اب بھی خدمتِ اسلام میں مصروفِ عمل ہیں۔ اِس پہلی کلاس کے بعض مبلغین کے نام مع ان کے ممالکِ تبلیغ کے حسبِ ذیل ہیں:-

مرزا محمد ادریس صاحب (بورنیو۔ یوگنڈا۔ انڈونیشیا) مولوی عبدالقدیر صاحب شاہد (غانا۔ سیرالیون) عبداللطیف صاحب پریمی (غانا) مولوی محمد صدیق صاحب گورداسپوری (سیرالیون۔ غانا امریکہ) مولوی مبارک احمد صاحب ساقی (نائیجیریا۔ لائبیریا) میر مسعود احمد صاحب (ڈنمارک) صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب (انڈونیشیا) مولوی محمد اجمل صاحب شاہد (نائیجیریا)۔

---

[1] الفضل، رفتح ۱۳۴۰ہش صفحہ ۵ پر حضور کا مکمل خطاب شائع شدہ ہے۔

فصلِ چہارم

سیّدنا حضرت المصلح الموعودؓ کا خصوصی پیغام جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کے نام، اخبار "الرحمت" اور مسئلہ عزل خلفاء، ملتان اور لائلپور کے جلسہ ہائے سیرۃ النبیؐ میں ہنگامہ آرائی، اخبار "بدر" کا دوبارہ اجراء اور حضرت مصلح موعودؓ کا پُر معارف افتتاحی مضمون

سیّدنا حضرت المصلح الموعودؓ کا خصوصی پیغام جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کے نام

اِس سال کے آخر میں جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کی دوسری سالانہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اِس کانفرنس کے لئے حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ایک خصوصی پیغام ارسال فرمایا جس میں انڈونیشیا کے مخلص احمدیوں کو اپنے عملی نمونہ تعلیم و تربیت، مرکزِ احمدیت سے گہری وابستگی اور غیر متزلزل ایمان کے ذریعہ انڈونیشیا کی اکثریت کو احمدیت یعنی حقیقی اسلام میں شامل کرنے کی ولولہ انگیز تحریک فرمائی۔ اِس پیغام سے انڈونیشیا کی احمدی جماعتوں میں ایک نیا ذوق و شوق اور جوش و خروش پیدا ہوگیا۔ ذیل میں حضرت مصلح موعودؓ کے اس پیغام کا متن درج کیا جاتا ہے:۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ٭ نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

احبابِ جماعت انڈونیشیا! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھے عزیزم شاہ محمد صاحب مبلغ انچارج انڈونیشیا کے ایک خط سے یہ معلوم کرکے نہایت افسوس ہؤا کہ گذشتہ سال باوجود ان کی تحریک کے مَیں جماعتِ انڈونیشیا کے سالانہ جلسہ میں کوئی پیغام نہ بھجوا سکا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن دنوں یہ مَیں بیمار تھا اُن دنوں میں ایسا خط پہنچا ہے ورنہ جماعتِ انڈونیشیا

جس نئے دَور میں سے گزر رہی تھی اس کے لحاظ سے ضروری تھا کہ مَیں اسے پیغام بھجواتا۔

جہاں تک امام جماعت کے پیغاموں کا سوال ہے چونکہ جماعتیں اب ساری دنیا میں پھیل گئی ہیں یہ تو بعید از عقل ہے کہ امام جماعت کی طرف سے ہر جماعت کو ہر سال کوئی نیا پیغام پہنچے لیکن یہ خواہش ہر جماعت کی بالکل معقول ہے کہ کسی خاص اور اہم موقع پر جو اُسے پیش آئے اُس کے امام کی طرف سے اسکو کوئی تسلی، مبارکباد یا راہنمائی کا پیغام پہنچے۔ پس چونکہ انڈونیشیا کی جماعت ایک نئے نظام کے ماتحت چلائی جانے والی تھی میری طبیعت اچھی ہوتی تو مَیں ضرور مختصر پیغام اُن کی کانفرنس کے موقع پر بھجواتا لیکن گزشتہ سال جلسہ سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی مَیں رث۔ یہ بیمار ہو گیا تھا۔

مجھے اِس بات پر نہایت خوشی ہے کہ جماعتِ انڈونیشیا جس کی ابتداء ۱۹۲۶ء۔۱۹۲۷ء[1] میں ہوئی تھی اب خدا تعالیٰ کے فضل سے کافی ترقی کر چکی ہے اور منظم ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ مجھے اِس بات پر بھی خوشی ہے کہ انڈونیشیا کے نوجوان تعلیم کے لئے احمدیہ مرکز میں آتے رہتے ہیں۔ گو اتنی توجہ اس طرف نہیں ہوئی جتنی کہ ہونی چاہیئے تھی۔ مَیں سمجھتا ہوں اور تجربہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انڈونیشیا اُن ممالک میں سے ہے جن کے لئے خدا تعالیٰ نے سعادت مقدر کی ہوئی ہے۔ انڈونیشین لوگوں میں مجھے وہ کبر نظر نہیں آتا جو بعض دوسرے ممالک کے لوگوں میں نظر آتا ہے۔ ان کی طبائع میں صلاحیت اور نرمی ہے اور وہ سچ کے متلاشی معلوم ہوتے ہیں۔ پس مَیں سمجھتا ہوں اگر جماعتِ احمدیہ اپنے فرض کو اچھی طرح پہچانتی تو جماعت جو اِس وقت دس ہزار کے قریب ہے یقیناً ایک لاکھ سے بھی زائد ہوتی۔ پس مَیں جماعت کے دوستوں کو اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے فرض کو پہچانیں اور کم از کم یہ کوشش کریں کہ اُن کی جماعت اگلے سال دس ہزار سے بیس ہزار ہو جائے پھر اس سے اگلے سال بیس ہزار سے چالیس ہزار ہو جائے اور پھر اس سے اگلے سال چالیس ہزار سے اسّی ہزار ہو جائے اور اِسی طرح ہر سال جماعت اپنی تعداد میں بڑھتی چلی جائے مگر یہ تبھی ہو سکتا ہے جب ہر انڈونیشین احمدی اپنے فرض کو سمجھے اور مناسب لٹریچر کثرت کے ساتھ مہیا کیا جائے اور مبلّغوں کی تعداد موجودہ تعداد سے زیادہ ہو۔ موجودہ پولیٹیکل حالات ایسے ہیں کہ پاکستان کے مبلّغ اُس ملک میں زیادہ نہیں جا سکتے۔ پس مناسب تدبیر یہی ہے کہ انڈونیشیا کے نوجوان تعلیم کے لئے پاکستان آئیں اور پھر یہاں سے تعلیم پاکر

---

[1] سہو ہے یہ مشن ۱۹۲۵ء میں قائم ہوا تھا (ناقل)

اپنے ملک کو واپس جائیں لیکن پچھلے ایک دو سال سے اِس طرف کچھ توجہ دیکھتا ہوں مگر وہ توجہ ضرورت سے ابھی بہت کم ہے۔

پھر جماعت کی ترقی کے لئے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اُس کا امام سے براہِ راست تعلق ہو اور وہ اس کی دعاؤں سے حصہ لے مگر مجھے افسوس ہے کہ امریکہ اور مغربی افریقہ کے مقابلہ میں جو دونوں علاقے امام کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں نہایت ہی آگے آگے ہیں انڈونیشیا کی جماعتوں نے اُس رنگ میں امام سے تعلق پیدا نہیں کیا۔ اب کچھ عرصہ سے ایک دو جماعت کے عہدیداروں نے اور چند افراد نے خط و کتابت شروع کی ہے اور یہ ایک نیک تبدیلی انڈونیشیا میں پیدا ہوئی ہے لیکن ابھی اس میں بہت کچھ اصلاح کی ضرورت ہے۔ جس کو بھی جس زمانہ میں خدا تعالیٰ ساری جماعت کا امام بناتا ہے وہ باقی جماعت کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ اور جب تک افرادِ جماعت کا تعلق اُس سے ایسی صورت میں نہ ہو جیسا کہ شریف اور نیک بیٹے کا اپنے باپ سے ہوتا ہے اس وقت تک وہ شخص یا وہ قوم یا وہ ملک اُن روحانی برکات کا امیدوار نہیں ہو سکتا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن لوگوں پر نازل ہوتی ہیں جو اس کے مقرر کردہ خلیفہ کے ساتھ تعاون کرتے اور اس کے ناصرو مددگار بنتے اور اُس کے کام کو دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ ہماری جماعت ایک روحانی جماعت ہے اور اگر وہ سچی ہے تو پھر یہ بھی سچی بات ہے کہ جو کوئی بھی اس جماعت کے نظام کی اتباع کرے گا اور اس کی قدر کرے گا اور اس کے ساتھ تعاون کرے گا وہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کا وارث ہوگا۔ کیونکہ جب ایک ادنیٰ انسان بھی اپنے ساتھ تعاون کرنیوالے کی قدر کرتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے تو خدا تعالیٰ جو غیر محدود ذرائع رکھنے والا ہے اُس کی نسبت یہ کب اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ اس کے مقرر کردہ خلیفہ یا اُس کی مقرر کردہ جماعت کے ساتھ تعاون کرنے والوں اور محبت کرنیوالوں اور اخلاص رکھنے والوں کی قدر نہیں کرے گا اور ان کی مدد نہیں کرے گا۔ یقیناً جو لوگ اس رستہ کو اختیار کریں گے وہ اپنی رُوح کے اندر ایک تبدیلی پائیں گے اور اپنے آپ کو خلیفۂ وقت کا روحانی بیٹا ثابت کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کا اِس دنیا میں روحانی فرزند بننے کا فخر حاصل کریں گے اسلام کا خدا محبت کرنے والا خدا ہے اور وہ فرمانبردار بندوں سے اس سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے جتنا کہ محبت کرنیوالا باپ اپنے بیٹوں سے محبت کرتا ہے۔ مگر باپ کی محبت حاصل کرنے کے لئے بھی انسان کو کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے۔ صلاحیت اور نیک اطوار اور تعاون اور محبت ہی باپ کی طبعی محبت کو اُبھارتے

ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ کی محبت کے اُبھارنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ جو اُس کے اظلال دنیا میں موجود ہوں اور جو اس کا نظام دنیا میں قائم ہو اس کے ساتھ تعاون کیا جائے اور اس کی مدد کی جائے اور اس کی اطاعت کی جائے اور اس کے کام کو دنیا میں پھیلایا جائے۔

مجھے اِس بات سے خوشی ہے کہ انڈونیشیا اُن ممالک میں سے ہے جن میں ارتداد بہت کم ہوتا ہے جو مانتے ہیں وہ سچے طور پر مانتے ہیں بعض اَور ممالک میں یہ نقص پایا جاتا ہے کہ ایمان اور ارتداد بالکل اس طرح چلتے ہیں جس طرح دو متوازی لیکن مختلف اطراف میں بہنے والے دریا۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ آپ لوگ اَور بھی زیادہ اپنے عملی نمونہ اور تعلیم اور تربیت کے ساتھ اِس بات کو ناممکن بنا دیں گے کہ کوئی شخص احمدیت میں داخل ہو کر پھر اس سے واپس لوٹے۔ اِسی طرح آپ لوگ ہمیشہ اِس بات کو مدِنظر رکھیں گے کہ مرکزِ احمدیت سے آپ لوگوں کا تعلق مضبوط ہو۔ آپ کا ایمان غیر متزلزل ہو اور آپ کا رشتہ قطع نہ ہونے والا ہو۔ زمین و آسمان ٹل سکیں مگر آپ لوگ اُس وابستگی کو نہ چھوڑ سکیں جو خدا تعالیٰ نے آپ کے دلوں میں احمدیت اور اس کے مرکز سے پیدا کی ہے۔ مَیں امید اور یقین اور دعا کے ساتھ اِس پیغام کو ختم کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ آپ لوگ ایک نئی طاقت اور نئی قوت کے ساتھ اشاعتِ احمدیت میں لگ جائیں گے اور مجھے وہ دن دیکھنے کی خوشی نصیب ہو گی جب انڈونیشیا کی اکثریت احمدی ہو گی اور احمدیت کی روشنی میں اسلام کے اوّلین علمبرداروں میں انڈونیشیا کا ملک بھی ہو جائے گا۔ اللّٰھم آمین

خاکسار

(دستخط) مرزا محمود احمد ۲۹/۹/۵۱

اخبار "الرحمت" اور عزلِ خلفاء

سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کے عہدِ خلافت کا ایک زندہ، ناقابلِ فراموش اور دائمی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے نظامِ خلافت کے قیام و استحکام کے لئے ہمیشہ ہی جو نکھی لڑائی لڑی اور جب بھی نظامِ خلافت کے خلاف کوئی خفیف سی آواز کسی گوشہ سے بھی بلند ہوئی آپ خدا کے ایک جری پہلوان اور شیر کی طرح میدانِ مقابلہ میں اُتر پڑے۔ آپ کا یہ قطعی عقیدہ تھا کہ اگر کلمہ شریف کی تفسیر کی جائے تو اس تفسیر میں اس مسئلہ کا مقام سب سے بلند ہو گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کلمہ طیبہ اسلام کی اساس ہے مگر یہ کلمہ اپنے اندر جو تفصیلات رکھتا ہے اور جن اُمور کی طرف اشارہ کرتا ہے اُن میں سے سب سے بڑا امر مسئلہ خلافت ہی

ہے "۔ ؎۱

جہاں تک عزل خلفاء کے ناپاک نظریہ کا تعلق ہے آپ اس کو اسلام کی رُوح کے سراسر خلاف سمجھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ "گو خلیفہ کا تقرر انتخاب کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن آیت (استخلاف) کی نص صریح اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ امت کو اپنے فیصلہ کا اس امر میں ذریعہ بناتا ہے اور اس کے دماغ کو خاص طور پر روشنی بخشتا ہے لیکن مقرر اصل میں اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ کہ وہ خود ان کو خلیفہ بنائے گا پس گو خلفاء کا انتخاب مومنوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا الہام لوگوں کے دلوں کو اصل حقدار کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ ایسے خلفاء میں میں فلاں فلاں خاصیتیں پیدا کر دیتا ہوں اور یہ خلفاء ایک انعام الٰہی ہوتے ہیں ...... ظاہر ہے کہ ایسے شخص کو اُمتِ اسلامیہ معزول نہیں کر سکتی ایسے شخص کو تو شیطان کے چیلے ہی معزول کریں گے"۔ ؎۲

اللہ تعالیٰ کی مصلحتِ خاص نے حضرت مصلح موعودؓ کے فولادی قلم سے اس سال عزل خلفاء کے ناپاک خیال کو پاش پاش کرنے کا ایک نیا موقع پیدا کر دیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ لاہور کے ایک ادبی اور علمی اخبار "الرحمت ؎۳" نے ایک مضمون قدوسی کے اخباری نام سے شائع کیا جس میں نادانستہ طور پر تاریخ اسلام کا ایک ایسا ورق چھپ گیا جس میں دوسری روایتوں کے ساتھ جبلہ بن ایہم کے متعلق ایک ایسی کمزور روایت بھی آگئی جس میں نعوذ باللہ حضرت خلیفہ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو عبادہ بن صامت کے ملامت کرنے کا ذکر تھا جس سے یہ تاثر پیدا ہو سکتا تھا کہ گویا اسلام کی رُو سے معاذ اللہ خلیفہ برحق کا عزل بھی جائز ہے۔ لہذا حضرت امیر المومنین نے ۲۴ اخاء ۱۳۳۰ہش کو "اخبار الرحمت و عزل خلفاء" کے عنوان سے ایک پُر جلال تنقیدی نوٹ لکھا جس میں بتایا کہ قرنِ اوّل میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ جیسے نامور خلفاء نے مسئلہ عزل خلفاء کے خلاف زبردست جہاد کیا اور ہزاروں مسلمانوں نے محض اسی لئے

؎۱ تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جلسہ سالانہ ۱۹۳۹ء "خلافت راشدہ" صفحہ ۳ ؎۲ "خلافت راشدہ" صفحہ ۲۳۰، صفحہ ۲۳۱ ؎۳ یہاں مزید وضاحت کرنا ضروری ہے کہ جب الرحمت نے یہ مضمون شائع کیا اُس وقت نہ تو یہ اخبار شیخ روشن دین صاحب تنویر مدیر الفضل کی ادارت میں نکلتا تھا اور نہ اسے جماعت کے مذہبی ترجمان ہی کی حیثیت حاصل تھی۔

اپنی جانیں راہِ حق میں نچھاور کر دیں کہ وہ اس باطل نظریہ کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ علاوہ ازیں اسلام کے دَورِ ثانی میں حضرت مولانا نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے اس نظریہ کا باطل ہونا ثابت کر دکھایا پس یہ مسئلہ کسی نئے احمدی اور نسلِ احمدی کے لئے بھی کوئی نیا مسئلہ نہیں اور اس پر اسلام کے دَورِ اوّل اور ثانی میں ایک فیصلہ کُن مسلک اُمتِ مسلمہ کے لئے متعین ہو چکا ہے۔ اس سلسلہ میں حضور نے نہایت درجہ قوت و شوکت بھرے الفاظ میں تحریر فرمایا:۔

"اگر خلیفہ اسلام میں معزول ہو سکتا تھا تو یقیناً حضرت علیؓ مجرم ہیں کیونکہ ان کی اپنی جماعت کے ایک بڑے حصہ نے کہہ دیا تھا کہ ہم آپ کو خلافت سے معزول سمجھتے ہیں لیکن بجائے اس کے کہ "قدوسی" کی رُوح کو خوش کرنے کے لئے حضرت علیؓ خلافت چھوڑ دیتے انہوں نے تلوار میان سے نکالی اور ہزاروں ہزار خارجی کو قتل کر کے رکھ دیا۔ اگر خلیفہ معزول ہو سکتا ہے تو ان لوگوں کا قصور کیا تھا۔ وہ تو وہی بات کرتے تھے جس کا قرآن نے ان کو حق دیا تھا۔ جب ایک مسلمان کا قتل بھی دوزخی بنا دیتا ہے تو کیا کہیں گے قدوسی صاحب حضرت علیؓ کے متعلق جنہوں نے ہزاروں ہزار مسلمان کو اس مسئلہ پر قتل کر کے رکھ دیا۔ دوسری مثال حضرت عثمانؓ کی ہے حضرت عثمانؓ سے بھی باغیوں کا یہی مطالبہ تھا کہ آپ خلافت چھوڑ دیں ہم آپ کو معزول کرتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے نرم مزاج ہونے کی وجہ سے تلوار تو نہیں نکالی لیکن خود اپنی جان قربانی کے لئے پیش کر دی اور عزل کا عقیدہ رکھنے والوں کا مُنہ کالا کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کی ضرورت کا مسئلہ ثابت کیا اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے خلیفہ کے معزول نہ ہونے کا مسئلہ ثابت کیا۔ گویا ابتدائی خلافتِ راشدہ نے اپنے عمل اور اپنے فیصلہ سے ان مسائل کو حل کر دیا تھا اور پھر ہمارے زمانہ میں آکے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ سوال اُٹھا اور آپ نے فرمایا تم کون ہوتے ہو مجھے معزول کرنیوالے گویا ابتدائے اسلام اور ابتدائے احمدیت میں یہ مسئلے زیرِ بحث آئے۔" [1]

خدائے ذوالجلال کے خلیفہ موعود کے قلمِ مبارک سے نکلے ہوئے اِن کلمات نے صورِ اسرافیل کا کام دیا جس کے نتیجہ میں دنیا بھر کے مخلصینِ احمدیت خصوصاً الرحمٰن کے مدیر اور اِس اخبار کے نگران ناظرِ دعوۃ و تبلیغ کی خفتہ رُوحوں کو یکایک بیدار کر دیا اور خلافت سے محبت کا پاک چشمہ جو

---

[1] الفضل ۲۸ اخاء ۱۳۳۰ ہش / اکتوبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۳

اُن کے سینوں میں پہلے سے موجزن تھا اُن کی زبانوں اور قلموں سے بھی جاری ہو گیا اور وہ نظامِ خلافت کے حقیقی اور جاں نثار خادموں اور چاکروں کی طرح اپنے پیارے امام کے حضور ندامت بھرے الفاظ میں اپنی کوتاہی اور غفلت کا اظہار کر کے معافی کے خواستگار اور دعاؤں کے طلب گار ہوئے چنانچہ ناظر صاحب دعوۃ وتبلیغ کا معذرت نامہ الفضل میں چھپا اور ایڈیٹر صاحب "الرحمت" نے نہ صرف "قدوسی صاحب" کے مضمون کی الرحمت میں پُر زور تردید کی بلکہ حضور کی خدمت میں نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا کہ :-

"گو الرحمت کا کوئی مستقل دفتر نہ تھا ڈاک کا کوئی معقول انتظام نہ تھا مجھے دونوں طرف کام کرنا پڑتا تھا اور اکثر اِدھر اُدھر بیٹھ کر ہی پرچہ ترتیب پاتا تھا اور ڈاک اکثر دفتری دستبرد کی نذر ہو جاتی تھی لیکن اس کے باوجود میں دفتری افراتفری کی آڑ نہیں لیتا غلطی بہر حال غلطی ہے اور اسے تسلیم کرنے ہی میں نجات مضمر ہے اور میں اس پر سخت نادم ہوں۔

خلافت ایک رحمت ہے ایک برکت جس کے عنقا ہو جانے کی وجہ سے نہ صرف قوم کی جمعیت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے بلکہ میرے نزدیک تو اس قوم پر اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی بارشیں بھی رک جاتی ہیں۔ خلافت کے عزل کا ناپاک خیال بھی دل میں لانا اپنی عاقبت اور اپنے انجام پر اپنے ہاتھوں کلہاڑا چلانے کے مترادف ہے۔ میں نے حضور کے ارشادات اور مکرم جناب ناظر صاحب کا اعلان پڑھنے کے بعد جتنی دفعہ بھی اپنے دل کو ٹٹولا ہے مجھے اس میں خلافت سے محبت، ارادت اور والہانہ عقیدت کے سوا اور کچھ نہیں ملا اور یہی میرا سرمایۂ حیات ہے۔" [1]

الغرض "الرحمت" کے کالموں میں مسئلہ عزل سے متعلق بظاہر چند ضمنی فقروں کی اشاعت جماعتِ احمدیہ میں خلافت کے بابرکت اور دائمی نظام کے ساتھ پہلے سے بڑھ کر عقیدت و اُلفت پیدا کرنے کا موجب بن گئی اس طرح رحمتِ خداوندی نے شر کے اندر سے ہی بالآخر خیر و برکت کا نیا سامان پیدا کر دیا۔

ملتان اور لائلپور کے جلسہ ہائے سیرت النبیؐ میں ہنگامہ آرائی

۱۸ ماہِ نبوت ۱۳۳۰ ہش / نومبر ۱۹۵۱ء کو جماعتِ احمدیہ کی طرف سے لائل پور اور ملتان میں حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] الفضل ۲۱ نبوت ۱۳۳۰ ہش / نومبر ۱۹۵۱ء صٰ۵

سیرت، فضائل و برکات اور ارفع اور فقید المثال شان پر روشنی ڈالنے کے لئے جلسے مقرر تھے جو ایک باقاعدہ سوچی سمجھی سکیم کے ساتھ ہنگامہ آرائی، قانون شکنی، تشدد انگیزی اور غنڈہ گردی کی نذر کر دیئے گئے۔

جلسہ سیرت النبیؐ ملتان

جماعت احمدیہ ملتان نے سیرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم کا جلسہ کرنے کا انتظام پبلک جگہ باغ لنگے میں کیا تھا۔ ضلع کے ذمہ دار افسران جناب ڈی سی صاحب اور ایس پی صاحب ملتان کو جماعت کی طرف سے ایک وفد نے قبل از وقت اطلاع کرکے اجازت حاصل کر لی تھی۔ نیز جلسہ کے جائے مقررہ پر انعقاد کا اعلان بذریعہ پوسٹر شہر بھر میں کر دیا گیا تھا۔ پولیس کی کافی جمعیت قبل از وقت پہنچ گئی تھی۔ بعد ازاں سٹی انسپکٹر صاحب، پراسیکوٹنگ ڈی۔ ایس۔ پی صاحب اور دو سب انسپکٹر اور ڈپٹی مجسٹریٹ صاحب بھی جلسہ شروع ہونے سے قبل پہنچ چکے تھے چنانچہ حسب اعلان ٹھیک دو بجے زیر صدارت مکرم مولوی احمد خاں صاحب نسیم سابق مبلغ برما[1] جلسہ کی کارروائی شروع کر دی گئی۔ تلاوت و نظم کے بعد صدر صاحب نے اعلان کیا کہ دوران تقاریر میں جس وقت ہمارے آقا و مولا سیدنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام آئے ہر شخص بلند آواز سے درود شریف پڑھتا رہے اور پہلی تقریر رحمۃ للعالمین کے موضوع پر مولوی عبد الرحمٰن صاحب مبشر مولوی فاضل شروع کریں۔ اس کے بعد مولوی صاحب موصوف نے اس پاکیزہ موضوع پر نہایت ادب و احترام کے جذبات سے محبت بھرے الفاظ میں ابھی چند تمہیدی کلمات ہی کہے تھے کہ احراریوں نے جو ایک خاص منصوبہ کے تحت پہلے ہی بھاری تعداد میں جمع ہو چکے تھے مقرر کی طرف ایک رقعہ بھیجا جو ابھی صدر جلسہ تک پہنچا بھی نہیں ہوگا کہ یہ لوگ، ہلّہ کرکے جلسہ گاہ میں شور مچانے لگے "ہم جلسہ نہیں ہونے دیں گے" "پہلے ہماری باتوں کا جواب دو" "سر ظفر اللہ مُردہ باد" "مرزا محمود مُردہ باد" "مرزا غلام احمد مُردہ باد"۔ اس نعرہ بازی کے ساتھ ہی شامیانہ کے بانس اور کیلے اکھیڑنے شروع کر دیئے۔ دریاں کھینچنی شروع کر دیں اور احمدیوں سے دست و گریبان ہونے لگے اسی دوران میں پولیس کے جو آدمی پہلے دور بیٹھے ہوئے تھے شور و غوغا سنکر پہنچ گئے اور بیچ بچاؤ

[1] حال ناظر اصلاح و ارشاد مقامی ربوہ۔

شروع کر دیا مگر مشتعل ہجوم اپنی امن شکن حرکات میں تیز تر ہوتا گیا۔ احمدیوں کو سختی سے روک دیا گیا تھا کہ وہ کسی گالی یا کمینہ حرکات کا جواب تک نہ دیں بلکہ صبر سے کام لیں چنانچہ احمدیوں نے اس ہدایت پر پوری طرح عمل کیا جب صورتِ حال قابو سے باہر ہونے لگی تو پولیس نے چند سرغنوں کو ہتھکڑیاں لگا دیں مگر جلسہ گاہ سے باہر نہیں لے جا سکی۔ ڈپوٹی مجسٹریٹ صاحب نے یہ محسوس کر کے کہ صورتِ حال ان کے قابو سے باہر ہے جلسہ بند کرنے کا حکم دے دیا اور ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ اب جلسہ نہیں ہو گا لوگ چلے جائیں۔ اب جماعتِ احمدیہ نے تو ڈپوٹی مجسٹریٹ صاحب کے اعلان پر جلسہ بند کر دیا مگر یہ شوریدہ سر اس مقام پر جماعتِ احمدیہ اور جماعت کے بزرگان کے خلاف انتہائی اشتعال انگیزی اور دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرتے رہے اور پھر سارے شہر کا چکر لگا کر احمدیوں کی دکانوں اور مکانوں کے سامنے کھڑے ہو کر خاص طور پر اشتعال انگیز اور دلآزار نعرے لگائے۔

چونکہ یہ جلسہ خالص مذہبی و دینی اور صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے لئے مخصوص کیا گیا تھا جس میں اشتعال کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی اس لئے شرفاءِ ملتان کی طرف سے "ختمِ نبوت" کے نام نہاد محافظوں کے اس فعل پر اظہارِ نفرت کیا گیا۔[1]

جلسہ سیرت النبیؐ لائلپور جماعتِ احمدیہ لائل پور کا جلسہ سیرت النبیؐ کمپنی باغ لائلپور میں منعقد ہو رہا تھا جس کی اطلاع ایک روز پیشتر پولیس کو دے دی گئی تھی۔

دو بجے جلسہ کا وقت تھا لیکن ڈیڑھ بجے کے قریب احراریوں نے شہر کے لوگوں کو اکٹھا کیا اور احمدیہ پنڈال کے قریب آ کر اپنا اڈہ لگا دیا۔ اس امر کی اطلاع فوراً پولیس کو کر دی گئی۔

ابھی پولیس نہیں پہنچی تھی کہ یہ لوگ احمدیوں کے پنڈال میں گھس آئے اور کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ احمدیوں کا جلسہ ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے ساتھیوں سمیت احمدیوں پر حملہ کر دیا۔ کرسیاں اُٹھا کر احمدیوں پر پھینکنی شروع کر دیں اور سامان توڑنا شروع کر دیا۔ احمدیوں نے بمشکل تمام اِس حملے کو روکا۔ اتنے میں پولیس انسپکٹر صاحب معہ دو تین سپاہیوں کے پہنچ گئے مگر حملہ آوروں نے ان سے بھی صاف کہہ دیا کہ وہ احمدیوں کا جلسہ ہرگز نہیں ہونے دیں گے اور پھر دوبارہ انسپکٹر کی موجودگی میں پنڈال پر حملہ کر دیا جسے احمدی رضا کاروں نے بمشکل تمام

[1] الفضل ۲۱ نبوت ۱۳۳۰ ہش / نومبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۴

روکا۔ احراریوں کو بے قابو دیکھ کر اس اثناء میں انسپکٹر پولیس صاحب نے مزید جمعیت پولیس منگوائی احراریوں کا کثیر مجمع ہو چکا تھا جو مزید پولیس کے آنے پر کچھ تو منتشر ہو گیا اور باقی وہیں رہا۔ ازاں بعد ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر صاحب اور سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس اور مجسٹریٹ صاحب موقع پر پہنچے اور انہوں نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

اس شور و شر کے دوران جلسہ کی کارروائی بند رہی اور پھر لاؤڈ سپیکر کے بغیر تقریر کی اجازت ہو گئی اور سلسلہ احمدیہ کے ممتاز عالم مولانا ابوالعطاء صاحب نے سیرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم پر تقریر فرمائی۔ پولیس نے موقع پر دس کے قریب فتنہ پردازوں کو گرفتار کیا اور ۲۵ احمدی جلسے کے اندر سے گرفتار کر لئے جو ۱۲ بجے شب ضمانت پر رہا کر دیئے گئے۔[1] یہ جلسہ ایک معزز غیر احمدی دوست اور لائل پور کے سابق سرکاری وکیل چوہدری شریف احمد صاحب ایڈووکیٹ لائل پور کی صدارت میں ہوا جنہوں نے اخلاقی جرأت سے کام لے کر معزز سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس اور ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر صاحب کو توجہ دلائی کہ احرار نے احمدیوں پر ظلم و تعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بے باکانہ حملہ کیا ہے۔[2]

دراصل ضلع لائل پور میں احمدیوں کے خلاف منظم حملہ اور اعلانیہ قانون شکنی کا یہ پہلا واقعہ نہیں تھا بلکہ اس سے پیشتر مندرجہ ذیل واقعات حکومت اور پولیس کے نوٹس میں لائے جا چکے تھے:۔

۱۔ شوریدہ سروں نے اپنے اخبار میں اعلان کرنے کے بعد مولوی فضل دین صاحب بنگوی احمدی پر کارخانہ بازار لائل پور میں قاتلانہ حملہ کیا۔[3]

۲۔ ان کے صدر نے دھوبی گھاٹ کی گراؤنڈ میں نہایت اشتعال انگیز تقریر کی جس میں حضرت امام جماعتِ احمدیہ پر ناپاک حملے اور احمدیوں کے خلاف قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی تلقین کی۔

۳۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مبلغ جماعتِ احمدیہ لائل پور پر بازار میں حملہ کیا گیا۔

۴۔ مسجد احمدیہ سمندری روزِ روشن میں نذرِ آتش کر دی گئی۔

۵۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں احمدیوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں جن میں ایک مخلص احمدی پیر محمد یوسف صاحب بی۔ اے کے خلاف قتل اور حملہ کرنے کی تلقین کی گئی۔

۶۔ اسی طرح آئے دن لائل پور کے اخبارات میں روز بروز من گھڑت جھوٹے قصے چھاپ کر لوگوں

---

[1] فریقین کا چالان ہوا اور دو سال تک مقدمہ چلتا رہا اور پھر یہ دونوں مقدمے حکومت نے واپس لے لئے۔

[2] الفضل ۲۰ نومبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۲ [3] رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب صفحہ ۲۹۔ ۱۹۵۳ء

کو احمدیوں کے خلاف اُکسایا گیا[1]

الغرض لائل پور اور اس کے مضافات میں فتنہ انگیزی کا باقاعدہ سلسلہ جاری تھا اور اس کی ایک کڑی سیرت النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس جلسہ پر حملہ کی صورت میں ظاہر ہوئی جس نے "تحفظ ختم نبوت" سے متعلق احرار کے سب بلند بانگ اور بے بنیاد دعاوی کی قلعی کھول کر رکھ دی۔

اخبار "بدر" کا دوبارہ اجراء اور حضرت مصلح موعودؓ کا پُرمعارف افتتاحی مضمون

ہفتہ وار اخبار "بدر" جو اخبار "الحکم" کی طرح سلسلہ احمدیہ کے ابتدائی دَور کی تاریخ کا امین و پاسبان اور حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود کا دست و بازو تھا اور ۱۹۱۳ء میں بند ہو چکا تھا. ۲۰ رماہ فتح ۱۳۳۰ ہش / دسمبر ۱۹۵۱ء کو دوبارہ قادیان سے جاری کر دیا گیا۔ بدر کے دَورِ جدید کا پہلا پرچہ نمونے کا تھا جس کے بعد ۷ رامان ۱۳۳۱ ہش / مارچ ۱۹۵۲ء میں یہ باقاعدگی سے شائع ہونے لگا۔ شروع میں مولوی برکات احمد صاحب راجیکی اس کے ایڈیٹر اور مولوی محمد حفیظ صاحب بقا پوری اس کے نائب ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ۷ رتبلیغ ۱۳۳۳ ہش / فروری ۱۹۵۴ء سے لیکر ۲۸ ظہور ۱۳۳۵ ہش / اگست ۱۹۵۶ء تک ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے نے اس کی ادارت کے فرائض انجام دئے جس کے بعد ۸ رتبوک ۱۳۳۵ ہش / ستمبر ۱۹۵۶ء سے اِس وقت تک[2] مولوی محمد حفیظ صاحب بقا پوری اِس کے ایڈیٹر ہیں اور نہایت جانفشانی اور کامیابی سے یہ اپنا فرضِ منصبی بجا لا رہے ہیں۔

حضرت مصلح موعودؓ نے "بدر" کے باقاعدہ اجراء پر حسبِ ذیل افتتاحی مضمون سپردِ قلم فرمایا جو اسکی ۷ رامان ۱۳۳۱ ہش کی اشاعت میں صفحہ اوّل پر شائع کیا گیا:۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ☆ نحمدہٗ ونصلی علےٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

---

[1] الفضل ۲۰ رنبوت ۱۳۳۰ ہش / نومبر ۱۹۵۱ء صٓ ۲ ☆

[2] یہ سطور ۱۵ رماہِ فتح ۱۳۵۲ ہش (مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۷۳ء) کو لکھی جا رہی ہیں ☆

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هوالنّــــــــــــــــاصر

برادران جماعتِ احمدیہ ہندوستان ! السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے خاص تصرّف کے ماتحت ہندوستان کی جماعتیں اب پاکستان اور ہندوستان کے نام سے دو حصوں میں تقسیم ہو چکی ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ سیاسی طور پر تقسیم ہو چکی ہیں بلکہ بین المملکتی اختلافات کی وجہ سے آپس میں میل جول بھی بہت ہی محدود رہ گیا ہے جس کی وجہ سے ہندوستان کی جماعتیں پاکستان میں شائع شدہ لٹریچر سے خواہ وہ موقت الشیوع ہو یا مستقل ہو بہت حد تک محروم رہ گئی ہیں۔ اِن حالات میں یہ ضروری تھا کہ قادیان سے ایسے لٹریچر شائع کرنے کی تدبیر کی جاتی جو کہ آسانی کے ساتھ ہندوستانی جماعتوں تک پہنچ سکتا۔ چنانچہ اِس بات کے مدِّ نظر مَیں نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کو بار بار ہدایت کی کہ وہ کم سے کم ایک ہفتہ واری اخبار قادیان سے جاری کرنا شروع کریں تاکہ قادیان اور ہندوستان کی دوسری جماعتوں میں اتصال واتحاد پیدا ہو۔ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ بدر کے نام سے ایسے اخبار کے جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے اور وہ عنقریب شائع ہونیوالا ہے۔ یہ مضمون مَیں اسی اخبار کے لئے بھجوا رہا ہوں۔

سب سے پہلے تو مَیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اِس اخبار کو بہتر سے بہتر کام کرنے کی توفیق بخشے۔ اور اِس اخبار کو چلانے والوں کو ظاہری اور باطنی علوم عطا کرے جن سے وہ قوم اور ملک کی صحیح راہنمائی کر سکیں اور جماعتِ احمدیہ کو اِس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اِس اخبار کو خرید کر اخبار کی اشاعت کو وسیع سے وسیع کرتے چلے جائیں اور ملک کے ہر گوشہ میں اسے پھیلا دیں یہاں تک کہ یہ اخبار روزانہ ہو جائے اور وسیع الاشاعت ہو جائے۔ اِس اخبار کا نام بدر رکھا گیا ہے اور یہ نام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسندیدہ تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رؤیا اور کشوف شائع کرنے میں ایک زمانہ میں اِس اخبار کو خاص اہمیت حاصل ہو گئی تھی کیونکہ مفتی محمد صادق صاحب ہی اِس کے ایڈیٹر تھے اور مفتی محمد صادق صاحب ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرائیویٹ سیکرٹری کا کام کرتے تھے اِس لئے انہیں الہامات کے جلد سے جلد حاصل کرنے کا موقع دوسروں سے زیادہ مِل جاتا تھا۔ مَیں اُمید کرتا ہوں کہ اب اس

الہامات کی تشریح اور تفسیر اور اُن کا مقصد اور مدعا بتانے اور شائع کرنے میں یہ اخبار پیش پیش رہے گا۔

برادران۔ ہم سب جانتے ہیں کہ یہ وقت ہندوستان اور پاکستان کے لوگوں کے لئے بڑا نازک ہے اور جماعت کیلئے خصوصاً نازک ہے۔ مگر ہم ایک ایسے خدا کے بندے ہیں اور اس پر ایمان اور یقین رکھتے ہیں جس کے ایک اشارہ سے دنیائیں پیدا ہوتی اور مٹتی ہیں اور قومیں اُبھرتی اور گرتی ہیں اور حکومتیں قائم ہوتی اور تباہ ہوتی ہیں۔ پس ہمارے حوصلے دوسرے لوگوں کے حوصلوں کی طرح نہیں ہونے چاہئیں۔ جن کا کام خدا نے کرنا ہے اُنہیں ایسے حالات کی طرف نگاہ کرنا جائز ہی نہیں ہو سکتا آپ لوگ خدا کا ہتھیار ہیں۔ آپ لوگ خدا کی تدبیر ہیں۔ آپ لوگ وہ بیج ہیں جو خدا تعالیٰ نے دنیا میں بکھیرا ہے۔ نہ خدا کا ہتھیار کُند ہو سکتا ہے۔ نہ خدا کی تدبیر ضائع ہو سکتی ہے۔ نہ خدا کے پھینکے ہوئے بیجوں کو کیڑا کھا سکتا ہے۔ پس اپنی نظریں آسمان کی طرف رکھو اور زمین کی طرف مت دیکھو۔ یہ نہ دیکھو کہ تمہارے دائیں بائیں کون ہے بلکہ یہ دیکھو کہ تمہارے سر پر کس کا سایہ ہے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا تمہارے ہاتھوں میں ہے اور فرشتوں کی فوجیں تمہارے پیچھے ہیں۔ سچائی اور حق اور انصاف کو تم نے قائم کرنا ہے۔ نیکی اور تقویٰ کو تم نے دنیا میں پھیلانا ہے۔ آئندہ دنیا کی زندگی اور اُس کی ترقی تمہارے ساتھ وابستہ ہے۔ اور کائنات کی حرکت تمہارے اشاروں پر تیز یا سست ہونے والی ہے۔ پس اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو۔ تبلیغ کو وسیع کرو۔ زیادہ سے زیادہ یکجہتی، یکرنگی اور اتحاد پیدا کرو۔ اپنے مرکز کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرو اور ایسا کبھی نہ ہونے دو کہ تمہیں قادیان آنے کی فرصت حاصل ہو اور تم اس سے فائدہ نہ اُٹھاؤ۔

دنیا تم پر ہنس رہی ہے اس لئے کہ تم پارہ پارہ ہو چکے ہو۔ لیکن خدا کے فرشتے آسمان پر تمہارے لئے ہنس رہے ہیں اس لئے کہ تم فاتح، کامیاب اور کامران ہو۔ اندھا جو کچھ بیان کرتا ہے وہ قابلِ اعتبار نہیں نابینا جو کچھ دیکھتا ہے وہ صحیح ہے پس خدا کی باتوں پر یقین رکھو اور لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھرو۔ ہوگا وہی جو خدا چاہتا ہے خواہ اس امر کے رستہ میں مشکلات کے پہاڑ ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو اور تم کو ایسے طریق پر کام کرنے کی توفیق دے کہ خدا کے فضلوں کی بارش تم پر ہو اور ہمیشہ ہوتی رہے۔ آمین [1]

---

[1] ہفت روزہ اخبار بدر قادیان ۷ ۔ امان ۱۳۳۱ ہش / مارچ ۱۹۵۲ء صفحہ ۰

اخبار"بدر"کی اہمیت اللہ تعالیٰ کے فضل سے اخبار"بدر"کے ذریعہ ہندوستان بھر میں اسلام و احمدیت کا نور نہایت تیزی سے پھیل رہا ہے اور قدیم الٰہی نوشتوں کے مطابق وہ دن جلد یا بدیر بہر حال آنے والا ہے جبکہ دوسری تمام دنیا کی طرح ہندوستان میں بھی اسلامی حکومت کا پرچم پوری شان وشوکت سے لہرانا شروع ہو جائے گا۔ چنانچہ حکیم الملّت حضرت سیّد ولی اللہ شاہ صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کشفی قوت اور آسمانی بصیرت کی روشنی میں یہ حیرت انگیز پیشگوئی کی :-

" اِنِ اتَّفَقَ غَلَبَةُ الْهُنُوْدِ مَثَلًا عَلٰى اِقْلِيْمِ هِنْدُوْسْتَان غَلَبَةً مُسْتَقِرَّةً عَامَّةً وَجَبَ فِيْ حِكْمَةِ اللهِ اَنْ يُلْهِمَ رُؤُسَائَهُمُ التَّدَيُّنَ بِدِيْنِ الْاِسْلَامِ كَمَا اَلْهَمَ التُّرْكَ " ؎۱

یعنی اگر ہندوؤں نے کسی زمانہ میں برِّ صغیر ہند پر اپنا قبضہ و تسلّط قائم کر کے غلبہ پا لیا تو حکمتِ خداوندی کی رُو سے بھی واجب ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہندوؤں کے لیڈروں کو دینِ اسلام کے قبول کرنے کا الہام کرے جیسا کہ اُس نے ترکوں کو الہام فرمایا تھا (اور وہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کی غلامی میں شامل ہو گئے)۔

علاوہ ازیں زمانہ حاضر کے امام موعود مہدی مسعود علیہ السلام نے خدا سے علم پاکر یہ عظیم الشان خبر دی کہ :-

" مجھے یہ بھی صاف لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ پھر ایک دفعہ ہندو مذہب کا اسلام کی طرف زور کے ساتھ رجوع ہوگا " ؎۲

نیز فرماتے ہیں ؎

خوب کُھل جائے گا لوگوں پر کہ دیں کس کا ہے دیں ٭ پاک کر دینے کا تیرتھ کعبہ ہے یا ہردوار

اِن خدائی بشارتوں کی روشنی میں درویشانِ قادیان، جماعتِ احمدیہ ہندوستان اور ان کے واحد مرکزی ترجمان "بدر" کی ملک گیر تبلیغی جدّ و جہد کا حقیقی مقام بآسانی متعین کیا جا سکتا ہے۔

؎۱ "التفہیمات الالٰہیہ" جلد اوّل صفحہ ۲۰۳ (از حجۃ الاسلام الشیخ قطب الدین شاہ ولی اللہ المتوفی ۱۱۷۶ھ) طبع مدینہ برقی پریس بجنور۔ یوپی ٭ ؎۲ اشتہار ۱۲ مارچ ۱۸۹۷ء ٭

فصل پنجم

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کی علم و معرفت سے لبریز تقاریر

سالانہ جلسہ ربوہ ہش ۱۳۳۰/ ۱۹۵۱ء کی مقدس تقریب پر

سالانہ جلسہ ربوہ ہش ۱۳۳۰/ ۱۹۵۱ء کا انعقاد جماعتِ احمدیہ کا سالانہ جلسہ ربوہ حسبِ معمول اس سال بھی ۲۶ تا ۲۸ ماہِ فتح/ دسمبر کو اپنی مخصوص دینی روایات اور خالص اسلامی اور روحانی ماحول میں منعقد ہوا۔ ہزارہا پاکستانی احمدیوں کے علاوہ امریکہ، انگلستان، ترکی، جرمنی، فرانس، سوڈان، حبشہ، چین، چینی ترکستان اور انڈونیشیا وغیرہ ممالک کے بعض احمدی بھی اس بابرکت اجتماع میں تشریف لائے۔[۱]

علاوہ ازیں پاکستان کے بعض ممتاز صحافیوں نے بھی شرکت کی اور حضرت امام جماعت احمدیہ کی پُرجذب وکشش شخصیت، جماعتِ احمدیہ کی وحدت و تنظیم اور جذبہ ایثار و عمل سے غایت درجہ متاثر ہوئے جیساکہ ضمیمہ سے منسلک ایک پُرانی یادداشت سے بھی پتہ چلتا ہے جو الفضل کے موجودہ ایڈیٹر مسعود احمد خاں صاحب دہلوی کے قلم سے لکھی ہوئی ہے۔ آپ اُن دنوں اخبار الفضل کے نمائندہ خصوصی کی حیثیت سے دوسرے صحافیوں کے ساتھ شاملِ جلسہ ہوئے تھے۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اس تقریب پر اپنے مستقل دستور کے مطابق مردانہ جلسہ گاہ سے تین بار خطاب[۲] فرمایا اور آپ کی علم و عرفان سے لبریز تقریروں نے مومنوں کے دل و دماغ کو قرآنی انوار

---

[۱] الفضل یکم صلح ۱۳۳۱ ہش/ جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ [۲] قبل ازیں حضور جلسہ سالانہ کے موقع پر احمدی خواتین میں الگ بھی تقریر فرمایا کرتے تھے لیکن اس دفعہ خود عورتوں نے اپنے اس حق کو چھوڑنے پر آمادگی کا اظہار کیا البتہ یہ خواہش کی کہ حضور مردانہ جلسہ گاہ میں ہی عورتوں سے بھی کچھ خطاب فرمادیں چنانچہ حضور نے اس درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور لجنات کو تبلیغ، چندہ دفتر لجنہ اور چندہ مسجد ہالینڈ کی طرف توجہ دلائی۔ (الفضل ۲ صلح ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۳)

جلسہ سالانہ ربوہ ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء کے روح پرور نظارے

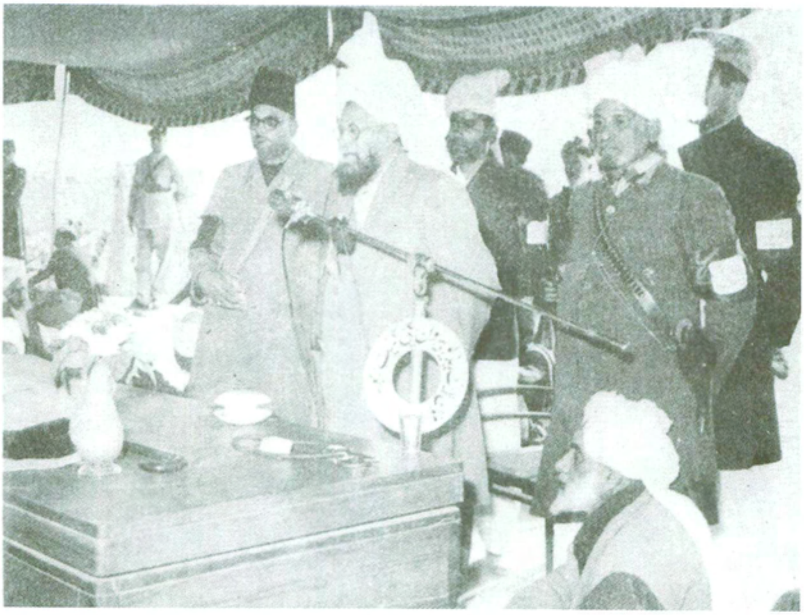

سے منور کیا اور جماعتِ احمدیہ کے افراد میں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت و شیفتگی کی نئی شمعیں روشن کر دیں۔

مخالفت کو انعام سمجھنے اور سالانہ جلسہ کے ایّام کو شکرگذاروں کی طرح بسر کرنے کی تلقین

حضرت امیرالمومنین نے اپنی افتتاحی تقریر میں ارشاد فرمایا:۔

"درحقیقت سب سے محفوظ مقام، سب سے عزّت والا مقام، سب سے مزے والا مقام اِس وقت اگر دنیا میں کسی کو حاصل ہے تو وہ آپ لوگوں کو ہی حاصل ہے۔ دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہ، دنیا کے بڑے سے بڑے حاکم، دنیا کے بڑے سے بڑے حکمران، دنیا کے بڑے سے بڑے لیڈر انسانی امداد پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اُن کی تکلیفوں کے وقت کچھ انسان آگے آتے ہیں مگر تمہاری تکلیفوں کے وقت خدائے واحد خود آسمان سے اُتر آتا ہے۔ پس یہ ایام بہترین ایام ہیں جو کسی قوم اور کسی فرد کو کبھی حاصل ہوئے ہوں۔ یہی وہ انعام ہے جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جماعت کو حاصل ہوًا۔ یہی وہ انعام ہے جو حضرت عیسٰیؑ کی جماعت کو حاصل ہوًا یہی وہ انعام ہے جو حضرت موسٰیؑ کی جماعت کو حاصل ہوًا۔ اور یہی وہ انعام ہے جس کے لئے خدا نے ہمیں یہ دعا سکھائی ہے کہ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۙ[1] پس یہ چیز جو کہ بہترین انعاموں میں سے ہے اور وہ خلعت جو ہمیشہ ہی اللہ تعالیٰ کے خاص لوگوں کو پہنایا جاتا ہے وہ آج آپ لوگوں کو پہنایا گیا ہے اور درحقیقت ہم اِس لئے بھی یہاں جمع ہوئے ہیں تاکہ اپنے رب کے حضور میں اپنا اظہارِ شکریہ کریں اور اس کی خدمت میں عرض کریں کہ ہم اس انعام کی قدر کرتے ہیں جو آپ کی طرف سے ہم پر نازل کیا گیا ہے۔ پس اپنے اِن ایام کو شکرگذاروں اور قدر دانوں کے ایّام کی طرح گذارو۔ لغو باتوں، فضول باتوں اور بیکار باتوں میں اپنے اوقات صرف مت کرو۔"[2]

تغیّراتِ عالم اور جماعتِ احمدیہ

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے دوسرے روز کی پُرمعارف تقریر میں جو کم و بیش پونے چار گھنٹے تک جاری رہی جماعتِ احمدیہ کی عالمگیر تبلیغی تربیتی اور مالی سرگرمیوں پر مفصّل تبصرہ کرنے اور اس کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے بتایا کہ:۔

---

[1] الفاتحہ: ۶-۷ ۔ [2] الفضل یکم صلح ۱۳۳۱ہش / جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۳-۴ ۔

"اِس سال اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کے تبلیغی مشنوں میں اضافہ ہوا ہے جس کے نتیجہ میں ہماری تبلیغ میں وسعت پیدا ہوئی ہے اور جماعت نے ترقی کی ہے جس مقام پر ہم آج ہیں یقیناً گذشتہ سال وہ مقام ہمیں حاصل نہ تھا اور جس قسم کے تغیرات اِس وقت رونما ہو رہے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ جس مقام پر ہم آج ہیں آئندہ سال انشاء اللہ ہم اِس سے یقیناً آگے ہوں گے۔ یہ تغیرات نہ تمہارے اختیارات میں ہیں نہ میرے یہ خدا تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں۔ پس انسانی تدابیر کو نہ دیکھو بلکہ خدائی تقدیر کی اُنگلی کو دیکھو جو یہ بتا رہی ہے کہ حالات خواہ اچھے ہوں یا بُرے احمدیت کی گاڑی بہرحال چلتی چلی جائے گی۔ انشاء اللہ۔" [1]

عالَمِ اسلام کے مسائل پر تبصرہ اور دعائے خاص کی تحریک

حضور نے عالَمِ اسلام کے مختلف اہم مسائل پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:-

"اِس سال ہمارے علاوہ عام مسلمانوں کے لئے بھی کافی مشکلات رہی ہیں۔ مثلاً کشمیر کا مسئلہ ہے جو حل ہونے میں ہی نہیں آتا۔ میرے نزدیک اِس مسئلہ کو یوں غیر معیّن عرصہ کے لئے ملتوی کرنا قرینِ مصلحت نہیں ہے۔ ایک لمبے عرصہ تک باشندگانِ کشمیر کو ایک غیر ملکی حکومت کے ماتحت رہنے دینا اور پھر یہ امید کرنا کہ وہ ہمیں ووٹ دیں گے کوئی ایسی تشفی کی بات نہیں ہے۔ پھر ہمارے ملک میں اِسی سال نوابزادہ لیاقت علی صاحب کا قتل بھی ایک افسوسناک واقعہ ہے جو نتیجہ ہے مولویوں کے اِس پراپیگنڈا کا کہ جس سے اختلافِ رائے ہو بے شک اسے قتل کر دیا کرو۔ مسئلہ فلسطین بھی کشمیر کے مسئلہ سے کم اہم نہیں ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے اور وہاں لاکھوں مہاجرین کو آباد کرنے کا سوال درپیش ہے۔ پاکستان کو یہ سہولت تھی کہ یہ ایک وسیع ملک ہے جہاں مہاجرین کافی تعداد میں بسائے جاسکتے تھے لیکن وہاں یہ حالت نہیں ہے۔ مہاجرین کی آبادکاری کے سوال کے علاوہ اِس مسئلہ کا ایک نازک اور اہم پہلو یہ ہے کہ ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے جوار میں دشمنِ اسلام کو بسا دیا گیا ہے۔ میں نے تو ابتداء میں ہی اِس خدشہ کا اظہار کیا تھا لیکن اب تو یہودی علانیہ اپنی کتابوں میں مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ پر قابض ہونے کے ناپاک عزائم کا اظہار کرنے لگے ہیں۔ علاوہ ازیں ایران میں تیل کا مسئلہ، مصر کا برطانیہ سے تنازعہ، سوڈان کی بے چینی اور شام کے فسادات یہ سب ایسے اُمور ہیں

---

[1] الفضل ۲۷ صلح ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۳۔

جو مسلمانوں کے لئے تکلیف دہ ہیں۔ ہم تعداد میں بہت تھوڑے ہیں اس لئے ان مشکلات کے ازالہ کے لئے عملاً زیادہ حصہ نہیں لے سکتے لیکن کم از کم دعا کا ہتھیار تو ہمارے پاس ہے پس آؤ ہم دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی ان مشکلات کو اپنے خاص فضل سے دُور کرے اور نقصان کی بجائے ان مشکلات کو اسلام کی ترقی کا ذریعہ بنائے۔" ۱؎

عقیدہ احمدیت کی فاتحانہ شان

اس جلسہ سے کچھ عرصہ پیشتر مخالفِ احمدیت اخبار نے حکومتِ پاکستان کو امام جماعتِ احمدیہ کے خلاف کارروائی کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ایسے اخبار نویسوں کو مخاطب کرتے ہوئے جلال انگیز الفاظ میں کہا:۔

"تمہارے کہنے پر حکومت بے شک مجھے پکڑ سکتی ہے قید کر سکتی ہے مار سکتی ہے لیکن میرے عقیدہ کو وہ دبا نہیں سکتی اس لئے کہ میرا عقیدہ جیتنے والا عقیدہ ہے اور وہ یقیناً ایک دن جیتے گا تب ایسا تکبّر کرنیوالے لوگ پشیمان ہونے کی حالت میں آئیں گے۔"

لیکن ساتھ ہی فرمایا:۔

"خواہ اُس وقت مَیں ہوں یا میرا قائم مقام تم سے بھی بہرحال یوسف والا سلوک ہی کیا جائے گا۔" ۲؎

حضرت مصلح موعودؓ نے عقیدہ احمدیت کی اس فاتحانہ شان کی ایک دوسرے موقعہ پر مزید تشریح بھی کی اور فرمایا کہ احمدیت صداقت اور سچائی پھیلانے آئی ہے* اس لئے ایک وقت آنے والا ہے کہ ۹۹ فیصدی لوگ اس میں داخل ہو جائیں گے اور اس وقت باقی لوگ یہ خیال کریں گے کہ شاید اب احمدی ان کے خلاف فتوے دیں گے لیکن ... جب خدا تعالیٰ ہمیں اکثریت عطا کرے گا تو ہم باقی لوگوں سے کہیں گے کہ جو باتیں تم نے پہلے کہی ہیں ہم وہ بھی معاف کرتے ہیں اور آئندہ بھی تم اپنا اختلاف ہم سے ظاہر کر سکتے ہو۔"

"کبھی تم نے کوئی ایسی صداقت بھی دیکھی ہے یا دنیا میں کوئی ایسی سچائی بھی آئی ہے جس نے یہ اعلان کیا ہو کہ وہ گھٹے گی بڑھے گی نہیں۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ نہیں کہا کرتے تھے کہ وہ بڑھیں گے گھٹیں گے نہیں۔ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کہا کرتے تھے کہ وہ بڑھیں گے گھٹیں گے نہیں تو کیا وہ اس وقت فساد کرتے تھے اور سرزنش کے قابل تھے۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ نہیں کہا کرتے تھے کہ وہ بڑھیں گے گھٹیں گے نہیں۔ اور جب وہ کہا کرتے تھے ہم بڑھیں گے گھٹیں گے نہیں تو کیا وہ فساد کرتے تھے یا شرارت کرتے تھے

* اور حق اور صداقت ضرور غالب آتی ہے۔

۱؎ الفضل ۲؍صلح ۱۳۳۱ ہش/جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ ÷ ۲؎ الفضل ۲؍صلح ۱۳۳۱ ہش/جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۲-۳

اور کیا وہ قابلِ مواخذہ تھے۔ پھر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی بات کہی کہ ہم بڑھیں گے گھٹیں گے نہیں۔ اور جب آپؐ نے یہ بات کہی کہ ہم بڑھیں گے گھٹیں گے نہیں تو کیا آپؐ فتنہ پھیلا رہے تھے۔ یہ بات تو عقل کے ہی خلاف ہے۔ جو صداقت بھی دنیا میں آئے گی وہ یہی کہے گی کہ ہم نے بڑھنا ہے۔ سچائی کی علامت بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ بڑھے۔ کیا کسی کا کسی عقیدہ کو صحیح سمجھ کر مان لینا فتنہ ہوتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اگر ہم انگلینڈ میں جا کر کہیں کہ ہم یہاں اتنی تبلیغ کریں گے کہ بادشاہ بھی احمدی ہو جائے گا تو یہ فتنہ نہیں ہوگا۔ یہ فساد نہیں ہوگا۔ وہ اتنا ہی کر سکتا ہے کہ کہہ دے کہ مَیں احمدی نہیں ہوتا ہم کہیں گے اچھا تم احمدی نہ ہوئے تو تمہاری اولاد احمدی ہو جائے گی۔ یہ صداقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کجا یہ کہ اسے فتنہ کہا جائے۔ جب ہم سمجھتے ہیں کہ احمدیت سچی ہے تو ہم یہ یقین بھی رکھتے ہیں کہ نوّے فیصدی تو کیا اس سے بھی زیادہ لوگ اس میں داخل ہوں گے۔" [1]

تحریکِ احمدیت کے دس بنیادی اصول اور اُن کی برتری

عقیدہ احمدیت کیوں جیتنے والا ہے؟ اس کی تشریح و توضیح میں حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی اس تقریر کے دوران نہایت لطیف پیرایہ میں بتایا کہ عقیدہ وہی درست ہو سکتا ہے جس کی تائید عقل و نقل اور جذباتِ صحیحہ سے ہوتی ہے اور احمدیت کا ہر عقیدہ اس معیار پر پورا اُترتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضور رضؓ نے بطور نمونہ احمدیت کے مندرجہ ذیل دس اصول کا ذکر فرمایا:۔

۱۔ تمام انسان جو اَب تک پیدا ہوئے اپنا کام ختم کر کے فوت ہو چکے ہیں۔ خواہ وہ بڑے ہوں خواہ چھوٹے، خواہ روحانی بزرگ ہوں یا مادی۔

۲۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ان معنوں میں خاتم النبیین تھے کہ تمام سابقہ نبیوں کی نبوت آپ کی تصدیق کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتی اور آئندہ آنے والے مامورین بھی آپ کی مُہر سے ہی کسی درجہ کو پہنچ سکتے ہیں محض آخری ہونا کوئی فخر کی بات نہیں۔

۳۔ اسلام کا روحانی غلبہ تمام دنیا پر ہوگا۔

۴۔ الہامِ الٰہی کا دروازہ قیامت تک کھُلا ہے۔

۵۔ قرآن کریم ایک زندہ، ناقابلِ منسوخ اور ایک غیر محدود مطالب والی کتاب ہے۔

---

[1] الفضل ۱۳؍ تبلیغ ۱۳۳۱ ہش؍ فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۳-۴

۶۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ اپنی قدرتوں کے ذریعہ سے اپنے آپ کو ظاہر کرتا رہتا ہے۔

۷۔ مذہب کی بنیاد اخلاق پر ہے۔

۸۔ قانونِ شریعت اور قانونِ قدرت کا متشارک اور متشابہ ہونا ضروری ہے۔

۹۔ اسلام کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں اور اسی وجہ سے قرآن کریم کے مطالب میں ترتیب پائی جاتی ہے۔

۱۰۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ ایسے آدمی پیدا کرتا ہے جو تزکیہ نفس کریں۔

اس کے بعد حضور پُرنور نے اِن دس اصولوں میں سے ایک ایک کو لیا اور آفتاب عالمتاب کی طرح ثابت کر دکھایا کہ تحریکِ احمدیت کا ہر نظریہ، ہر اصول اور ہر عقیدہ عقل و نقل اور جذباتِ صحیحہ کے عین مطابق ہے اس لئے یہ قطعی اور یقینی بات ہے کہ عقائدِ احمدیت ہی دوبارہ دنیا میں قائم ہوں گے۔ [۱]

اسلام کے رُوحانی غلبہ کا شاندار تصور

مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دُنیا کے سامنے یہ اصول پیش فرمایا کہ اسلام کا روحانی غلبہ تمام دنیا میں ہوگا حضرت مصلح موعودؓ نے نہایت اثر انگیز طریق اور ایک جدید اور سائنٹفک طرز سے اس اصول کی حقانیت بیان کی اور احمدیت کے نقطہ نگاہ سے اسلام کے رُوحانی غلبہ کا شاندار تصور پیش کرتے ہوئے فرمایا:۔

" یہ اصل بھی نہایت اہم ہے اور مسلمان بغیر اس مطمح نظر کے دنیا میں کبھی بھی حقیقی سربلندی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان پہلے تو اس اصل کو کسی نہ کسی شکل میں تسلیم کرتا تھا مگر اب ہماری مخالفت میں اُس نے اِس اصل کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ پہلے کہتا تھا کہ مسیح اور مہدی دنیا میں آئیں گے تو سب کفار کو مسلمان بنا لیں گے اور گو وہ کہتا یہی تھا کہ تلوار کے زور سے مسلمان بنائیں گے مگر یہ سیدھی بات ہے کہ جب مسیح اور مہدی نے آنا تھا تو کچھ نہ کچھ اس کے ذریعہ روحانیت نے بھی غلبہ پانا تھا مگر اب جوں جوں ہماری تبلیغ وسیع ہوتی جا رہی ہے اور جوں جوں وہ مسیح اور مہدی کی آمد سے مایوس ہوتا جا رہا ہے تعلیم یافتہ طبقہ نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی مسیح اور مہدی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ گویا تھوڑا بہت جو وہ سچائی کے قریب

---

[۱] تقریر دلپذیر کا یہ حصہ الفضل ۲۱ر امان ۱۳۴۱ ہش میں پہلی بار چھپا جس کے بعد خواجہ محمد شریف صاحب سیکرٹری اصلاح و ارشاد (حال پریذیڈنٹ) جماعت احمدیہ حلقہ دہلی دروازہ لاہور نے اسے کتابی شکل میں بھی "چشمہ ہدایت" کے نام سے شائع کر دیا تھا۔

تھے وہ بھی ختم ہو گیا۔ اب دنیا میں صرف ہماری ہی جماعت ہے جو اس مسئلہ کو پیش کرتی ہے کہ اسلام روحانی طور پر ساری دنیا پر غالب آئے گا مسلمان اس بات کو رد کرتا ہے اور وہ کہتا ہے ہمیں اس روحانی غلبہ کی ضرورت نہیں ہم چاہتے ہیں کہ سیاسی طور پر ایران آزاد ہو جائے۔ شام آزاد ہو جائے۔ فلسطین آزاد ہو جائے لبنان آزاد ہو جائے۔ سعودی عرب آزاد ہو جائے۔ مصر سے انگریزی فوجیں نکل جائیں۔ پاکستان کی حکومت مضبوط ہو جائے۔ سوڈان کو آزادی حاصل ہو جائے۔ اگر یہ ممالک سیاسی رنگ میں مکمل آزادی حاصل کرلیں تو مسلمان سمجھتے ہیں کہ وہ کامیاب ہو گئے مگر میں پوچھتا ہوں اگر یہ ساری باتیں ہم کو حاصل ہو جائیں۔ اگر پاکستان ایک مضبوط اسلامی ملک بن جائے اور تھوڑی بہت اس کی طاقت میں جو کمی ہے وہ دُور ہو جائے، اگر ایران کے تیل کے چشموں کا سوال حل ہو جائے اور پھر اس کی مالی حیثیت بھی اتنی مضبوط ہو جائے کہ اس کا خزانہ ہر قسم کا مالی بوجھ اُٹھانے کے لئے تیار ہو جائے۔ اگر سعودی عرب بھی آزاد ہو جائے اور اس کے تیل کے چشمے اُسی کے قبضہ میں آجائیں اور وہ موجودہ آمد سے دس بیس گُنا آمد اسے دینے لگیں۔ اگر مصر میں سے بھی انگریزی فوجیں نکل جائیں۔ اگر شام کے جھگڑے بھی ختم ہو جائیں اور آئے دن جو وہاں قتل کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں اور کبھی کوئی کمانڈر انچیف مارا جاتا ہے اور کبھی کوئی وزیر یہ سب باتیں ختم ہو جائیں۔ اگر پاکستان میں اندرونی طور پر جو جھگڑے پائے جاتے ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں اور دشمنوں کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں جاتی رہیں تب بھی تم غور کر کے دیکھ لو کہ اس موجودہ دنیا کے نقشہ پر روس اور امریکہ اور انگلینڈ اور فرانس کو مدّنظر رکھتے ہوئے کیا اِن ممالک کی آزادی اور ان کی طاقت ہمارے لئے کوئی بھی فخر کی چیز ہو گی۔ یہ ساری حکومتیں آزاد بھی ہو جائیں تو دنیا کی پالیٹکس میں ان کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ روس اور امریکہ اور انگلینڈ اور فرانس کے مقابلہ میں ان کا کیا درجہ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایک بادشاہ کے گھر کے پاس کسی غریب آدمی کا مکان ہو اور فرض کرو کہ اس کے پاس کسی وقت لاکھ دو لاکھ روپیہ بھی آجائے تب بھی بادشاہ کے مقابلہ میں اس کی کیا حیثیت تسلیم کی جا سکتی ہے۔ جس دن اس کا روپیہ ختم ہو جائے گا اسی دن اس کی ساری حیثیت جاتی رہے گی اور وہ پھر دنیا میں ایک بے حقیقت چیز بن کر رہ جائے گا پس سوال یہ ہے کہ اگر وہ سب کچھ ہو جائے جو مسلمان چاہتے ہیں تب بھی دنیا میں مسلمان کی کیا حیثیت ہو گی کیا اس کا پھیلاؤ کیا اس کا روپیہ۔ کیا اس کی فوج۔ کیا اس کی تعداد اور کیا اس کی طاقت اس قابل سمجھی جا سکتی ہے کہ دنیا کی پالیٹکس پر کوئی غیر معمولی اثر پیدا کرسکے اگر نہیں تو بتاؤ اس مطمح نظر سے اسلام کو کیا فائدہ۔ اور

مسلمان نوجوانوں کے اندر اس مطمح نظر سے وہ کونسا انقلاب پیدا ہو سکتا ہے کہ ہر مسلمان کا دل اُچھلنے لگے کہ مَیں بھی اس مطمح نظر کے حصول کے لئے کچھ کوشش کروں شاید کہ میرا نام بھی تاریخ میں محفوظ ہو جائے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو پولیٹکل دنیا میں ایک تیسرے درجہ کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے اور تیسرے درجہ کی حیثیت کوئی ایسی چیز نہیں جو انتہائی مقصود قرار دیا جاسکے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان ممالک کی آزادی ضروری چیز ہے۔ کون چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ غلام بنا رہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ مطمح نظر ایسا ہو سکتا ہے جس سے مسلمان نوجوانوں کی رگوں میں نیا خون دوڑنے لگے اور کیا اس کے ذریعہ سے اسلام کو کوئی اہم پوزیشن دنیا میں حاصل ہو جاتی ہے۔

پس سوال یہ نہیں کہ اسلامی ممالک کی آزادی اچھی چیز ہے یا نہیں سوال یہ ہے کہ اگر وہ آزادی اُنکو حاصل ہو جائے تو پھر ہم کیا بن جاتے ہیں۔ ایک غریب آدمی جس کے گھر میں آٹا بھی نہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ اسے آٹا نہ ملے مگر آٹا مل جانے سے کیا اس کی دنیا میں کوئی پوزیشن قائم ہو سکتی ہے۔ اگر سیر بھر آٹے کا اس کے لئے انتظام بھی ہو جائے تب بھی وہ جن کے پاس کئی کئی کروڑ روپیہ ہے ان کے مقابلہ میں اُس کی کوئی حیثیت نہیں ہو سکتی۔ پس ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمان حکومتوں کو آزادی حاصل نہ ہو۔۔۔ ہم چاہتے ہیں مسلمان ممالک آزاد ہوں، ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان حکومتیں طاقتور ہوں لیکن جو سوال ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ اس آزادی کے بعد دنیا میں ہماری پوزیشن کیا بنتی ہے؟ مسلمان اِس بات کا مدعی ہے کہ وہ ساٹھ کروڑ ہے عیسائیوں نے جو تازہ جغرافیہ لکھا ہے اس میں انہوں نے مسلمانوں کی تعداد اڑتالیس کروڑ بیس لاکھ مان لی ہے لیکن دنیا کی آبادی دو ارب چالیس کروڑ ہے۔ دو ارب چالیس کروڑ ہی میں اڑتالیس کروڑ بیس لاکھ تمام آبادی کا چوتھا حصہ بنتے ہیں۔ گویا اگر سارے مسلمان آزاد ہو جائیں۔ اگر ہر اسلامی ملک میں اتنی ہی دولت ہو جتنی امریکہ میں پائی جاتی ہے، اتنا ہی اسلحہ ہو جتنا امریکہ میں پایا جاتا ہے، اتنی ہی تجارت ہو جتنی امریکہ میں پائی جاتی ہے۔ پھر بھی روپیہ میں سے چونّی انہیں حاصل ہو گی۔

اب تم خود ہی بتاؤ کہ بارہ آنے بڑے ہوتے ہیں یا چونّی بڑی ہوتی ہے۔ چونّی بہرحال چھوٹی ہوتی ہے اور بارہ آنے بڑے ہوتے ہیں۔ وہ ہندو جس کو ہمارے آدمی تحقیر کے طور پر کراڑ کراڑ کہا کرتے تھے وہ بھی آزادی کے بعد بتیس کروڑ آبادی کا مالک بن چکا ہے۔ پھر چین کو دیکھ لو۔ اس کی آبادی اور رقبہ کو لے لو اس کی آبادی پچاس کروڑ ہے۔ اگر مسلمان اڑتالیس کروڑ ہی ہوں تو خالی چین کے لوگوں کی تعداد مسلمانوں

سے زیادہ ہے پس سوال یہ ہے کہ اگر ایسا بھی ہوجائے تو یہ کونسا مقصد ہے جو ہر مسلمان کے سامنے رہنا چاہیئے۔ مَیں نے بتایا ہے کہ اگر کوئی آدمی مر رہا ہو تو ہماری خواہش ہوگی کہ خدا کرے وہ بچ جائے لیکن کیا جو شخص مرنے سے بچ جائے وہ بادشاہ ہوجایا کرتا ہے یا کوئی بڑا عالم ہوجایا کرتا ہے مسلمانوں کی آزادی کے لئے جدّوجہد کے معنے صرف اتنے ہیں کہ مسلم باڈی پالیٹکس میں مرض پیدا ہوچکا ہے اور وہ اس مرض کو دُور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہماری خواہش ہوگی کہ وہ مرض دُور ہوجائے بلکہ ہماری دعا ہوگی کہ وہ مرض دُور ہوجائے۔ لیکن اگر یہ مرض دُور ہوجائے تب بھی دنیا کی قوموں میں بیٹھتے وقت ایک مسلمان کی کیا پوزیشن ہوگی؟ اگر ایران بھی آزاد ہوجائے۔ اگر مصر کے مسائل بھی حل ہوجائیں۔ اگر فلسطین اور شام اور لبنان بھی آزاد ہوجائیں۔ اگر سوڈان بھی آزاد ہوجائے۔ اگر تمام اسلامی ممالک کے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ ان کی طاقت بڑھ جائے۔ ان کا روپیہ زیادہ ہوجائے۔ ان کی عظمت ترقی کر جائے۔ تمام دولت ان کے ہاتھ میں آجائے۔ تمام تجارت جو اِس وقت امریکہ کے پاس ہے اس پر ان کا قبضہ ہوجائے پھر بھی بارہ آنے کے مقابلہ میں وہ چار آنے کے مالک رہتے ہیں۔ اور جب ان کی حالت یہ ہوگی کہ چونی ان کے پاس ہوگی اور بارہ آنے غیر کے پاس ہوں گے تو اسلام کس طرح غالب آیا اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت کس طرح قائم ہوئی۔ غرض جو شخص بھی اِس مسئلہ پر اس رنگ میں غور کرے گا اور عقل سے کام لے گا وہ بعثتِ محمدیہ کی یہ غرض قرار دینا کہ سیاسی لحاظ سے ایران آزاد ہوجائے، مصر آزاد ہوجائے۔ شام اور فلسطین آزاد ہوجائیں۔ لبنان آزاد ہوجائے۔ سوڈان آزاد ہوجائے۔ پاکستان مضبوط ہوجائے اپنی انتہائی پست خیالی تصوّر کرے گا۔ وہ شرمائے گا کہ مَیں یہ کیا کہہ رہا ہوں اور کونسا مقصد ہے جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی طرف منسوب کر رہا ہوں۔ کیا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اِس لئے آئے تھے کہ یہ چھوٹے چھوٹے علاقے آزاد ہوجائیں۔ کیا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لئے آئے تھے کہ مسلمان دنیا میں ایک چونی کی حیثیت حاصل کرلیں۔

مَیں تو سمجھتا ہوں اگر میرے واہمہ اور خیال میں بھی ایسا نظریہ آئے تو میرا ہارٹ فیل ہوجائے کہ مَیں کتنا پست نظریہ اُس عظیم الشان اور مقدّس انسان کی بعثت کے متعلق رکھ رہا ہوں جسے خدا نے اوّلین و آخرین کا سردار بنایا۔ مَیں تو سمجھوں گا میرے جیسا جھوٹا انسان دنیا میں اور کوئی نہیں جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان رسول کی طرف اتنا چھوٹا، اتنا معمولی اور اتنا ادنیٰ درجہ کا خیال منسوب

کر رہا ہوں کہ اتنا بڑا رسول اِس لئے آیا تھا کہ ایران کے تیل کے چشمے آزاد ہو جائیں۔ اِس لئے آیا تھا کہ مصر آزاد ہو جائے۔ اِس لئے آیا تھا کہ فلسطین اور شام اور لبنان کے جھگڑے دُور ہو جائیں۔ مَیں جانتا ہوں کہ مخالف یہ کہیں گے کہ دیکھا ہم نہیں کہتے تھے یہ لوگ مسلمانوں کے دشمن ہیں انہیں اسلامی ممالک کی آزادی سے کوئی تعلق نہیں لیکن مَیں ان کے اعتراضات کی پرواہ نہیں کرتا مَیں جانتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کی شان کیا ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ اس عظمت اور شان کے مقابلہ میں اس ادنیٰ ترین مقصد پر آکر ٹھہر جانا قطعی طور پر اپنی نابینائی کا اظہار کرنا ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت ایران کے تیل کے چشموں کے آزاد ہونے سے قائم ہوتی ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت مصر سے انگریزی فوجوں کے نکل جانے سے قائم ہوتی ہے تو پھر جب انگریزوں نے ایک ایک ملک سے مسلمانوں کو کان پکڑ کر نکال دیا تھا تو تمہیں کہنا چاہیئے تھا کہ عیسیٰؑ کی عظمت ظاہر ہو گئی بلکہ عیسائیت کی موجودہ طاقت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے تمہیں اب بھی تسلیم کرنا چاہیئے کہ عیسائیت اسلام پر بازی لے گئی لیکن ہر باشعور انسان جو حقیقت کو جانتا ہے اور سمجھ سکتا ہے کہ ملکوں کی آزادی بالکل اَور چیز ہے اور مذہب کا غلبہ ایک دوسری چیز ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا میں آکر یہ اصول پیش فرمایا کہ تمہارا یہ مطمحِ نظر نہایت ادنیٰ ہے تمہیں اپنے افکار کو بلند کرنا چاہیئے۔ تمہیں سمجھنا چاہیئے کہ تمہارا کیا منصب ہے اور کونسا کام ہے جو خدا تعالیٰ نے تمہارے سپرد کیا ہے۔ بے شک سیاست کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کی اصلاح ضروری ہے۔ بے شک دولت کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کو ترقی کی ضرورت ہے۔ بے شک تمدّن کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کو اپنے اندر تغیر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض یہ تھی کہ اسلام کو روحانی طور پر دنیا میں غالب کیا جائے۔ اب اس کی تشریح کرو تو اس عظیم الشان مقصد کے یہ معنے بن جاتے ہیں کہ اسلام اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے دلائل اتنی طاقت پکڑ جائیں کہ مسلمانوں کے ساتھ باتیں کرتے وقت وہ کنّی کترانے لگیں۔ آج یورپ میں جو بھی لٹریچر شائع ہوتا ہے اس میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ اسلام میں فلاں نقص ہے اور اسلام میں فلاں خرابی ہے، لیکن کل اسلام کو ایسا غلبہ حاصل ہو کہ یورپ کے رہنے والے اپنی کتابوں میں یہ لکھیں کہ اسلام میں فلاں بات بہت اعلیٰ ہے مگر عیسائیت بھی اس سے بالکل خالی نہیں مسیحؑ کی فلاں فلاں بات سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی دنیا کے سامنے یہی بات پیش کی تھی۔ آج کا یورپ زدہ مسلمان یورپ کی ڈیماکرسی کو دیکھ کر کہتا ہے کہ قرآن سے بھی کچھ کچھ ایسے ہی اصول ثابت ہوتے ہیں اور یہ خوبی ہمارے اندر

بھی پائی جاتی ہے یہ اپالوجی (APOLOGY) ہے جو آج کا مسلمان پیش کر رہا ہے اور یہ اسلام کے لئے فخر کا دن نہیں۔ اسلام کے لئے فخر کا دن وہ ہوگا جب یورپ اور امریکہ میں یہ کہا جائے گا کہ یہ اسلامی پردہ جو مسلمان پیش کرتے ہیں اِس کی کچھ کچھ انجیل سے بھی تائید ہوتی ہے اور ہمارے مسیح نے بھی جو فلاں بات کہی ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اِس قسم کا پردہ ہونا چاہیئے۔ اسلام کے لئے فخر کا دن وہ ہوگا جب یورپ اور امریکہ کا عیسائی اپنی تقریروں میں یہ کہے گا کہ کثرتِ ازدواج کا مسئلہ جو مسلمان پیش کرتے ہیں بے شک یہ بڑا اچھا مسئلہ ہے اور عیسائیوں نے کسی زمانہ میں اس کے خلاف بھی کہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے پوری طرح غور نہیں کیا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ عیسائیت کے وہ بزرگ جو پہلی صدی میں گذرے ہیں انہوں نے بھی دو دو تین تین شادیاں کی ہیں، پس کثرت ازدواج کی خوبی صرف اسلام میں ہی نہیں بلکہ عیسائیت میں بھی پائی جاتی ہے۔ جس دن یورپ اور امریکہ کے گرجوں میں کھڑے ہو کر ایک پادری اپنے مذہب کی اِس رنگ میں خوبیاں بیان کریگا وہ دن ہوگا جب ہم کہیں گے کہ آج اسلام دنیا پر غالب آگیا اب ہمیں اپالوجی (APOLOGY) کی ضرورت نہیں، اب دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ خوبیاں ان کے اندر بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ ہوگا اسلام کا غلبہ اور یہ ہوگا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا دن۔ **محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا وہ دن ہوگا جب دو ارب چالیس کروڑ کی دنیا میں چالیس کروڑ مسلمان نہیں ہوگا بلکہ دو ارب مسلمان ہوگا اور چالیس کروڑ غیر مذاہب کا پیرو ہوگا۔** مگر یہ نظریہ کس نے پیش کیا یہ صرف حضرت مرزا صاحبؑ نے پیش کیا اور یہی وہ چیز ہے جس پر آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور کہا گیا کہ اسلام کے غلبہ کا یہ کونسا طریق ہے۔ اسلام تو اس طرح غالب آسکتا ہے کہ تلوار ہاتھ میں لی جائے اور کفار کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ مگر غور کر کے دیکھ لو کہ کونسا نظریہ ہے جو اسلام کی عظمت کو قائم کرنے والا ہے اور کون سا مطمح نظر ہے جس پر ایک سچا مسلمان تسلی پا سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ مطمح نظر پیش کیا ہے کہ اسلام کو روحانی غلبہ سب دنیا پر حاصل ہوگا اور روحانی غلبہ کے معنے یہ ہیں کہ دنیا کے سیاسی اور اخلاقی اور مذہبی معیاروں کو بدل دیا جائے گا۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام قابلِ اعتراض نہیں کیونکہ یورپ میں تہذیب کی فلاں فلاں بات کی وہ تائید کرتا ہے یا وہ ڈیماکریسی جو آج یورپ پیش کرتا ہے بڑی اچھی چیز ہے مگر اسلام نے بھی اس ڈیماکریسی کی تائید کی ہے یہ طریق جو آج مسلمانوں نے اختیار کر رکھا ہے یہ ہرگز اسلام کے لئے کسی عزت کی بات نہیں۔ ہم تو اس دن کے منتظر ہیں جب امریکہ کے منبروں پر

کھڑے ہو کر عیسائی پادری یہ کہا کریں گے کہ وہ اسلامی حریت اور آزادی جس کو قرآن پیش کرتا ہے ہماری قوم بھی اس سے بالکل خالی نہیں اور ہم اس کی تائید میں اپنی کتابوں کے حوالے پیش کرتے ہیں یا وہ اخلاقی، مذہبی اور سیاسی معیار جو اسلام پیش کرتا ہے اسی سے ملتے جلتے معیار ہماری کتابوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

غرض آج کل کا مسلمان آزادی کا تو دعویٰ کرتا ہے مگر ذہنی غلامی اختیار کرتے ہوئے وہ چاہتا ہے کہ وہ بھی مغربی تہذیب کے اچھے نقالوں میں سے بن جائے اور انہی کے نام پر اُن کی نقل کرنے میں عزت محسوس کرتا ہے اور اگر وہ آزادی ظاہر کرتا ہے تو صرف اتنی کہ کسی میں مغربی تہذیب کا نقال بننا چاہتا ہے اور کسی میں کمیونسٹ نظریہ کا نقال بننا چاہتا ہے۔ اور نقل خواہ دس متفرق آدمیوں کی کی جائے بہر حال نقل ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کے سامنے یہ مطمح نظر رکھا کہ کسی دن یورپ بھی میرا نقال ہوگا اور امریکہ بھی میرا نقال ہوگا۔ اب دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو بات کہی کہ دنیا کا سیاسی اور اخلاقی اور مذہبی نقطۂ نظر بدل کر ان کو مسلمان بنا لینا اور پھر اسلام کے مطابق ان کے اعمال کو ڈھال دینا یہ مطمح نظر ہے جو تمہیں اپنے سامنے رکھنا چاہیئے اس کا قرآن کریم سے بھی ثبوت ملتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (پ ۲۸ سورہ صف ع ۹) خدا ہی ہے جس نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا ہے ہدایت دے کر اور دین حق دے کر۔ تلوار دے کر اور ڈنڈا دے کر نہیں۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ تاکہ وہ سارے دینوں پر اُسے غالب کرے سارے ملکوں پر نہیں کیونکہ ملکوں پر قبضہ کر لینا کوئی بڑی بات نہیں بڑی بات یہی ہے کہ دلوں پر قبضہ ہو۔ اب دیکھو اِس آیت میں وہی چیز بیان کی گئی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش فرمائی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا یہ مقصد نہیں کہ ایران کے تیل کے چشمے آزاد ہو جائیں مصر سے انگریزی فوجیں نکل جائیں، شام اور فلسطین آزاد ہو جائیں۔ یہ باتیں ہوں گی اور ضرور ہوں گی مگر بہر حال یہ ابتدائی چیزیں ہیں مسلمان اِس کے لئے جد و جہد کر رہا ہے اور وہ ایک دن اپنی غلامی کا جامہ چاک چاک کر کے پھینک دے گا لیکن یہ آزادی اس کا مقصد نہیں۔ جب کسی کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کا ناک بھی پونچھتا ہے مگر اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ بچہ پیدا ہو تو میں اس کا

تاک پوچھا کروں گا۔ مقصد اس کا یہی ہوتا ہے کہ وہ بڑا عالم فاضل ہے عقل بھی یہی کہتی ہے کہ چند ریاستوں پر کسی کا قبضہ کر لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ دلوں کو بدل دینا اور ان کو فتح کر لینا یہ بڑی بات ہے۔

فرض کرو پاکستان کسی وقت اتنی طاقت پکڑ جائے کہ وہ حملہ کرے اور سارے امریکہ کو فتح کر لے اور امریکہ کے لوگ ہمیں ٹیکس دینے لگ جائیں لیکن امریکہ کا آدمی اسلام اور قرآن کو گالیاں دیتا ہو تو یہ بڑی فتح ہو گی یا امریکہ آزاد رہے لیکن امریکہ کے ہر گھر میں رات کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر سونے والے لوگ پیدا ہو جائیں تو یہ بڑی بات ہو گی؟ پس عقل بھی یہی کہتی ہے کہ یہی مقصد سب سے بالا ہے۔ یا مثلاً پاکستان کی ہندوستان سے کسی وقت لڑائی ہو جائے اور پاکستان ہندوستان کو فتح کر لے تو بھی یہ کونسی فتح ہے۔ پہلے بھی یہی کہا گیا تھا ہندوستان کو فتح کر لیا گیا لیکن پھر وہ فتح کس طرح بے حقیقت بن کر رہ گئی اور کس طرح مسلمان سخت ذلت کے ساتھ وہاں سے نکلے کہ ہر شخص بزبانِ حال یہ کہہ رہا تھا کہ ؎

بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچہ سے ہم نکلے

لیکن اگر پھر — حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے مقصد کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے مسلمان کھڑا ہو اور وہ پھر ہندوستان میں داخل ہو تلوار کے زور سے نہیں بلکہ قرآن کے زور سے۔ بندوق کے زور سے نہیں بلکہ سچائی کے زور سے۔ شام لال ہندو عبداللہ بن جائے۔ سندر داس ہندو عبدالرحمٰن بن جائے۔ ویدوں کی جگہ قرآن پڑھا جانے لگے تو آج تو تم اِس طرح نکلے ہو کہ وہ تمہیں نکال کر خوش ہوئے ہیں لیکن اگر تم یہ فتح حاصل کر لو اور تم کسی دن اُن سے یہ کہو کہ اب ہمارا کام ہندوستان میں ختم ہو چکا ہے اب ہم چین کو جاتے ہیں تو تم دیکھو گے کہ اس دن سارے ہندوستان میں کہرام مچ جائے گا اور ہر شخص رونے لگ جائے گا اور کہے گا خدا کے لئے ہمیں چھوڑ کر نہ جاؤ تم ہمارے لئے خیر اور برکت کا موجب ہو۔ یہ چیز ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش فرمائی اور اسی کی قرآن بھی تائید کرتا ہے اور عقل بھی تائید کرتی ہے اور جذباتِ صحیحہ بھی تائید کرتے ہیں کیونکہ

جذباتِ صحیحہ اِس بات کو کبھی تسلیم نہیں کرتے کہ کسی کو مُکہّ مار کر اس سے یہ کہا جائے کہ تو مجھے پیار کر لیکن محبت اور پیار کے ساتھ اسے اپنا غلام بنا لو تو پھر تم اسے کبھی کہ خدمت نہ کرو تو وہ کہے گا مجھے ثواب لینے دیں اپنی خدمت سے محروم کیوں کرتے ہیں"۔ [۱]

عالمِ رُوحانی کا دربارِ خاص

حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ کی تیسری تقریر سیرِ روحانی کے شہرۂ آفاق سلسلہ سے تعلق رکھتی تھی جس میں حضور نے خدا تعالیٰ کے دربارِ خاص کا قرآنِ مجید سے رُوح پرور نقشہ کھینچا اور پھر اس دربار کے روحانی گورنر جنرل محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بے مثال مقام پر ایسے اچھوتے رنگ میں روشنی ڈالی کہ حاضرین پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضرت مصلح موعودؓ کی اِس مبارک اور یادگار تقریر کے اختتامی الفاظ یہ تھے کہ :۔

"اللہ تعالیٰ نے اس مقامِ محمود کی تجلّیات کو اور زیادہ روشن اور نمایاں کرنے کے لئے اِس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور آپ کے بعد مجھے پیدا کیا اور ہم سے اُس نے آپؐ کے حُسن کی وہ تعریف کروائی کہ آج اپنے تو الگ رہے بیگانے بھی آپ کی تعریف کر رہے ہیں اور یورپ اور امریکہ میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درُود اور سلام بھیجتے ہیں مگر یہ تغیر کیوں ہوُا اسی لئے کہ اس روحانی دربارِ خاص کا بادشاہ جس انعام کا اعلان کرتا ہے وہ انعام چلتا چلا جاتا ہے اور کوئی انسان اس کو چھیننے کی طاقت نہیں رکھتا۔ جب اس نے اپنے دربار میں یہ اعلان کیا کہ اے ہمارے گورنر جنرل ہم تجھے ایسے مقام پر پہنچانے والے ہیں کہ دنیا تیری تعریف کرنے پر مجبور ہوگی تو کون شخص تھا جو خدا تعالیٰ کے اِس پروگرام میں حائل ہو سکتا، اس نے محمدی انوار کی تجلّیات کو روشن کرنا شروع کیا اور اس کے حُسن کو اتنا بڑھایا کہ دنیا کی تمام خوبصورتیاں اُس حسین چہرہ کے سامنے ماند پڑ گئیں اور دوست اور دشمن سب کے سب یک زبان ہو کر پکار اُٹھے کہ محمدؐ حقیقتاً محمدؐ اور قابلِ تعریف ہے، صلے اللہ علیہ وسلم۔

---

[۱] الفضل ۲۱ امان ۱۳۴۱ہش / مارچ ۱۹۶۲ء صلا تا صلا۔

غرض یہ کیسا عظیم الشان دربار ہے کہ اس میں بادشاہ کی طرف سے اپنے درباری کو جو انعام دیا گیا وہ دنیا کی شدید مخالفت کے باوجود قائم رہا، قائم ہے اور قائم رہے گا۔ حکومتیں اُس روحانی گورنر جنرل کے مقابلہ میں کھڑی ہوئیں تو وہ مٹا دی گئیں، سلطنتوں نے اس کو ترچھی نگاہ سے دیکھا تو وہ تہ و بالا کر دی گئیں۔ بڑے بڑے جابر بادشاہوں نے اُس کا مقابلہ کیا تو وہ مچھر کی طرح مَسل دیئے گئے، کیونکہ اس دربارِ خاص کا بادشاہ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اُس کے مقرر کردہ گورنر جنرل کی کوئی ہتک کرے یا اس کے پہنائے ہوئے جُبّہ کو کوئی اُتارنے کی کوشش کرے۔ وہ اپنے درباریوں کے لئے بڑا غیور ہے اور سب سے بڑھ کر وہ اس درباری کے لئے غیرت مند ہے جس کا مبارک نام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے خدا تعالیٰ کی اُس پر لاکھوں برکتیں اور کروڑوں سلام ہوں۔ آمین یا رب العٰلمین"[1]

تمت بالخیر

[1] "سیرِ روحانی" جلد دوم ص۲۷۸، ص۲۷۹ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ اپریل ۱۹۵۶ء

ضمیمہ تاریخ احمدیت جلد چہاردہم

سالانہ جلسہ قادیان ۱۳۲۸ھش / ۱۹۴۹ء میں شریک ہونے والے ہندوستانی احمدی۔ ۲ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کا تعزیت نامہ الحاج صالح عودہ کے انتقال پر ۳۔ حضرت مصلح موعودؓ کا ایک غیر مطبوعہ ارشاد مبارک ۴۔ حضرت مصلح موعود اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا گروپ فوٹو ۵۔ حضرت مصلح موعودؓ کے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے ایک مکتوب کا چربہ ۶۔ فوٹو السید عبدالوہاب عسکری مع بزرگانِ سلسلہ واساتذہ وطلبہ جامعۃ المبشرین ربوہ ۷۔ لاہور ریڈیو کا نشریہ۔ ۸ نوابزادہ ولایت علی خان کا مراسلہ حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں۔ ۹ "بدر" (قادیان) کے اجراء پر حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا برقی پیغام۔ ۱۰۔ حضرت مصلح موعودؓ کے رقم فرمودہ بعض سوالات کے جوابات ۱۱۔ سالانہ جلسہ ۱۳۲۸ھش / ۱۹۴۹ء کے بارے میں بعض ممتاز صحافیوں کے تاثرات (انگریزی حصہ) سالانہ جلسہ قادیان ۱۳۲۸ھش کی روداد، سول اینڈ ملٹری گزٹ میں۔ حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام جماعت احمدیہ امریکہ کی دوسری سالانہ کانفرنس کے موقع پر۔

۱۔ سالانہ جلسہ قادیان (۱۳۲۸ھش / ۱۹۴۹ء) میں شریک ہونیوالے ہندوستانی احمدی

۱۔ مولانا بشیر احمد صاحب انچارج احمدیہ مسلم مشن دہلی و امیر جماعت احمدیہ دہلی (امیر وفد) — دہلی

۲۔ مکرم محمود حسین صاحب کمپونڈر — دہلی ۳۔ مکرم نبی حسن صاحب احمدیہ فرنیچر سٹور — "

۴۔ مکرم مختار احمد صاحب پسر بابو نذیر احمد صاحبؓ دہلی
سابق امیر جماعت احمدیہ دہلی۔
۵۔ مکرم محمد حسین صاحب 〃
۶۔ 〃 عبد المجید صاحب 〃
۷۔ مکرمہ اہلیہ صاحبہ مولانا بشیر احمد صاحب مبلغ 〃
۸۔ 〃 اہلیہ ثانی بابو نذیر احمد صاحبؓ سابق امیر جماعت احمدیہ 〃
۹۔ 〃 زبیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ منیر احمد صاحب ابن بابو
نذیر احمد صاحبؓ سابق امیر جماعت احمدیہ 〃
۱۰۔ مکرم حافظ سخاوت علی صاحب شاہجہانپور۔ یوپی
۱۱۔ 〃 حاجی محمد نذیر صاحب 〃 〃
۱۲۔ 〃 الطاف خاں صاحبؓ اودے پور کٹیا ضلع 〃 〃
۱۳۔ 〃 امام علی صاحب 〃 〃 〃
۱۴۔ 〃 قریشی محمد عقیل صاحب۔ شاہجہانپور۔ یوپی
۱۵۔ 〃 سید قاسم میاں صاحبؓ 〃 〃 〃
۱۶۔ 〃 انوار محمد صاحب راٹھ ضلع ہمیرپور۔ 〃
۱۷۔ 〃 اسرار محمد صاحب 〃 〃 〃
۱۸۔ 〃 محمد تقی صاحب مودہا 〃 〃
۱۹۔ 〃 محمد کریم صاحب مکڑ 〃 〃
۲۰۔ 〃 دیدار محمد صاحب راٹھ 〃 〃
۲۱۔ 〃 محمد حنیف صاحب لکہریا 〃 〃
۲۲۔ 〃 سید ارشد علی صاحب مرحوم لکھنؤ 〃
۲۳۔ 〃 قریشی مختار احمد صاحب مرحوم لکھنؤ 〃
۲۴۔ 〃 اختر حسین صاحب لکھنؤ 〃

۲۵۔ مکرم حاجی بشیر احمد صاحب بجوایڑہ ضلع سہارنپور۔ یوپی
۲۶۔ 〃 ٹھیکیدار بشیر احمد صاحب بھگرہ ضلع مظفر نگر 〃
۲۷۔ 〃 مولوی عبد اللطیف صاحب مبلغ رنیٹہ 〃 〃
۲۸۔ 〃 امیر احمد صاحب 〃 〃
۲۹۔ 〃 انوار احمد صاحب 〃 〃
۳۰۔ 〃 جمشید احمد صاحب 〃 〃
۳۱۔ 〃 سلیمان احمد سلیمان 〃 〃
۳۲۔ 〃 سجاد احمد صاحب 〃 〃
۳۳۔ 〃 فرمان احمد صاحب 〃 〃
۳۴۔ 〃 گیانی بشیر احمد صاحب مبلغ بجوپرہ ضلع سہارنپور یوپی
۳۵۔ 〃 مولوی محمد صادق صاحب مبلغ۔ شاہجہانپور 〃
۳۶۔ 〃 مولوی عطاء اللہ صاحب مبلغ رسانڈ من ضلع آگرہ 〃
۳۷۔ 〃 بہادر خاں صاحب 〃 〃 〃
۳۸۔ 〃 سردار خاں صاحب 〃 〃 〃
۳۹۔ 〃 بشیر احمد خاں صاحب 〃 〃 〃
۴۰۔ 〃 سعید احمد خاں صاحب 〃 〃 〃
۴۱۔ 〃 عنایت اللہ خاں صاحب 〃 〃
۴۲۔ 〃 منور احمد خاں صاحب سالج نگر آگرہ 〃
〃 (پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ)
۴۳۔ 〃 جعفر خاں صاحب 〃 〃 〃
۴۴۔ 〃 محمود احمد خاں صاحب 〃 〃 〃
۴۵۔ 〃 عزیز احمد خاں صاحب 〃 〃 〃
۴۶۔ 〃 ماسٹر احسان الحق صاحب میرٹھ۔ 〃

۴۷ مکرم ماسٹر بشیر احمد صاحب میرٹھ - یوپی
۴۸ 〃 مولوی خورشید احمد صاحب بنارس 〃
۴۹ 〃 قریشی محمد یونس صاحب بریلی 〃
۵۰ 〃 قریشی حبیب احمد صاحب 〃 〃
۵۱ 〃 قریشی مسعود احمد صاحب 〃 〃
۵۲ 〃 حاجی لعا ء اللہ صاحب رض بھوپال
۵۳ 〃 افتخار احمد صاحب 〃
۵۴ 〃 ملک علی بخش صاحب 〃
۵۵ 〃 ارشاد احمد صاحب امروہہ - یوپی
۵۶ 〃 ضمیر احمد صاحب 〃 〃
۵۷ 〃 محمد صدیق صاحب 〃 〃
۵۸ 〃 علاؤالدین صاحب 〃 〃
۵۹ 〃 محمد اسمٰعیل صاحب 〃 〃
۶۰ 〃 ننھے میاں صاحب 〃 〃
۶۱ 〃 منشی عبدالرحیم صاحب 〃 〃
۶۲ 〃 ماسٹر عبدالحمید صاحب 〃 〃
۶۳ 〃 رحیم اللہ صاحب 〃 〃
۶۴ 〃 عبدالحیٔ صاحب 〃 〃
۶۵ 〃 بشیر احمد صاحب مراد آباد یوپی
۶۶ 〃 شجاعت علی صاحب کانپور یوپی
۶۷ 〃 مورخ احمدیت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ عنہ
۶۸ 〃 حضرت مولوی فضل دین صاحب مبلغ 〃
۶۹ 〃 شیخ محمد الدین صاحب 〃 〃

۷۰ مکرم محمود احمد صاحب - حیدر آباد - دکن
۷۱ 〃 حافظ محمد الدین صاحب 〃 〃
۷۲ 〃 مسیح الدین صاحب 〃 〃
۷۳ 〃 عبدالرؤف صاحب 〃 〃
۷۴ 〃 محمد احمد صاحب غوری 〃 〃
۷۵ 〃 سیٹھ محمد اعظم صاحب 〃 〃
۷۶ محترمہ اہلیہ صاحبہ سیٹھ محمد اعظم صاحب 〃
۷۷ 〃 انیسہ بیگم صاحبہ بنت 〃 〃 〃
۷۸ 〃 امینہ بیگم صاحبہ بنت 〃 〃 〃
۷۹ 〃 محمد احمد صاحب ابن 〃 〃 〃
۸۰ 〃 سیٹھ معین الدین صاحب 〃
۸۱ 〃 محمد اسمٰعیل صاحب رض (یادگیر) 〃
۸۲ 〃 محمد یعقوب صاحب 〃
۸۳ 〃 عبدالحیٔ صاحب 〃
۸۴ 〃 چوہدری بشیر احمد صاحب بمبئی
۸۵ 〃 مولوی محمد دین صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ 〃
۸۶ 〃 عبدالحق صاحب 〃
۸۷ 〃 بشیر احمد صاحب 〃
۸۸ 〃 حضرت مولوی عبداللہ صاحب مالاباری رض مبلغ سلسلہ احمدیہ - مالابار
۸۹ 〃 عبدالرشید صاحب 〃
۹۰ 〃 مولوی زین الدین صاحب 〃
۹۱ 〃 صدیق امیر علی صاحب 〃
۹۲ 〃 سی عبداللہ صاحب 〃

۹۳	مکرم محمد صاحب	مالابار
۹۴	" علی محی الدین صاحب	مدراس
۹۵	" شیخ محمد رفیق صاحب	"
۹۶	" حضرت سید وزارت حسین صاحب	اورین بہار
۹۷	" ڈاکٹر سید منصور احمد صاحب	مظفر پور۔ بہار
۹۸	" سید غلام مصطفیٰ صاحب	" "
۹۹	" محمد عقیل صاحب کملی	" "
۱۰۰	" دوست محمد صاحب	بہار
۱۰۱	" محسن احمد صاحب	"
۱۰۲	" داؤد احمد صاحب	"
۱۰۳	" تسنیم احمد صاحب	"
۱۰۴	" حامد احمد صاحب	"
۱۰۵	" محمد عاشق حسین صاحب خانپور ملکی	"
۱۰۶	" محمد خورشید عالم صاحب	"
۱۰۷	" محمد نظام الدین صاحب	"
۱۰۸	" مولوی سمیع اللہ صاحب	"
۱۰۹	" محمد ظریف صاحب	"
۱۱۰	" حافظ الٰہی بخش صاحب	"
۱۱۱	" حسن محمد صاحب	"
۱۱۲	" حضرت حکیم خلیل احمد صاحبؓ مونگھیری	"
۱۱۳	" سید عبد الغفار صاحب	
۱۱۴	" مولوی محمد سلیم صاحب فاضل مبلغ کلکتہ۔ مغربی بنگال	
۱۱۵	" چوہدری انور احمد صاحب کاہلوں امیر جماعت احمدیہ کلکتہ	

۱۱۶	مکرم سیٹھ محمد صدیق صاحب بانی	کلکتہ مغربی بنگال
۱۱۷	" میاں دوست محمد صاحبؓ	" "
۱۱۸	" ڈاکٹر اصغر حسین صاحب	" "
۱۱۹	" بابو محمد صدیق صاحب	" "
۱۲۰	" سید عبد الشکور صاحب	" "
۱۲۱	" مقصود احمد صاحب	" "
۱۲۲	" سید بشیر احمد صاحب	" "
۱۲۳	" سید بشیر الرحمٰن صاحب	" "
۱۲۴	" میاں شریف احمد صاحب	"
۱۲۵	" میاں محمد انور صاحب	" "
۱۲۶	" میاں شفیق احمد صاحب	" "
۱۲۷	" مولوی فضل کریم صاحب	" "
۱۲۸	" سہیل احمد صاحب	" "
۱۲۹	" سیف الدین صاحب	" "
۱۳۰	" مخلص الرحمٰن صاحب	" "
۱۳۱	" حافظ عبد المنان صاحب	" "
۱۳۲	" سراج الدین صاحب	" "
۱۳۳	" مولوی عبد الرحیم صاحب مرحوم انسپکٹر بیت المال	" "
۱۳۴	" کالے خان صاحب	اڑیسہ
۱۳۵	" رحیم بخش صاحب	" "

۲۔ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کا تعزیت نامہ (کبابیر کے پہلے احمدی حضرت الحاج صالح العودیؓ کے انتقال پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"ربوہ"

۲۷ شباط سنہ ۱۹۵۰م

عزیزی السید محمد الحاج صالح سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

وبعد فقد تلقینا بمزید الاسف الخبر الفاجع بوفاۃ والدکم الحاج صالح العودی رحمہ اللہ فانا للہ وانا الیہ راجعون،

کل ابن انثی وان طالت سلامتہ
یوما علی آلۃ حدباء محمول

ان والدکم المرحوم کما علمتُ کان اول شخص دخل فی الجماعۃ الاحمدیۃ من الکبابیر وکان مثالاً للجد والنشاط والاخلاص فی سبیل نشر الدعوۃ الحقۃ بین ابناء وطنہ فجزاہ اللہ منا خیر الجزاء علی ما ابدی من الاخلاص والمحبۃ وادعو اللہ ان یتغمدہٗ برحمتہ الواسعۃ۔ واسکنہ فسیح جنانہ ویجزل لہ الاجر والثواب فی دار النعیم ویلھمکم واخوانکم وبقیۃ اقربائکم علی فقدہ الصبر الجمیل، ووفقکم ان تکونوا خیر خلف لخیر سلف وادعو اللہ تعالیٰ ان یشفی المولوی محمد شریف شفاءً لا یغادر سقما وبلّغوا سلامی الی جمیع الاخوان فی الکبابیر ووصیتی بأن یکونوا قدوۃً حسنۃ ومثالاً اسمیٰ للذین یاتون بعدھم والسلام علیکم میرزا محمود احمد الخلیفۃ الثانی للمسیح الموعود علیہ السلام،

(رسالہ البشریٰ ستمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۲۸ و ۱۲۹)

(ترجمہ) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ربوہ

۲۷ ماہ شہادت ۱۹۵۰ء

عزیزم سیّد محمد صاحب ابن الحاج صالح صاحب سلّمکم اللہ تعالیٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد واضح ہو کہ آپ کے والد الحاج صالح العودی صاحب (اللہ کی رحمتیں ہوں اُن پر) کی وفات کی ناگہانی خبر سُن کر ازحد افسوس ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

؎ كُلُّ ابْنِ اُنْثٰى وَ اِنْ طَالَتْ سَلَامَتُهٗ
يَوْمًا عَلٰى آلَةٍ حَدْبَاءَ مَحْمُوْلٗ

(ہر شخص، خواہ وہ کتنی ہی لمبی عمر پالے ایک روز موت کا شکار ہونے والا ہے)

آپ کے والدِ مرحوم، جیسا کہ مجھے علم ہے، کبابیر کے پہلے شخص ہیں جو جماعتِ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ وہ ابناءِ وطن میں دعوتِ حقّہ کی اشاعت و تبلیغ کا فریضہ سعی و کوشش، بشاشت اور اخلاص سے بجا لانے میں ایک نمونہ تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہماری طرف سے ان کے اخلاص و محبت کی بہترین جزا دے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی بے پایاں رحمت سے ڈھانپ لے۔ انہیں اپنی وسیع جنتوں میں جگہ دے اور دارالنعیم میں اُن کا اجر و ثواب فراواں کرے اور آپ کے اور آپ کے بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے دل پر اپنی طرف سے صبرِ جمیل نازل فرمائے اور آپ کو اپنے نیک پیش رو کے نیک جانشین بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

نیز میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولوی محمد شریف صاحب کو ایسی کامل شفاء عطا فرمائے جو مرض کا کوئی حصہ باقی نہ رہنے دے۔

کبابیر کے تمام بھائیوں کو میرا سلام پہنچا دیں اور میری یہ وصیت بھی کہ وہ اپنے سے بعد میں آنے والوں کے لئے نیک نمونہ اور اعلیٰ مثال بنیں۔ والسلام علیکم

میرزا محمود احمد
خلیفۃ ثانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام"

۴۔ حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اہم اور غیر مطبوعہ ارشاد مبارک

چوہدری انور حسین صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ شیخوپورہ کے نام

(مورخہ ۲۹ر وفا ۱۳۳۰ہش ر جولائی ۱۹۵۱ء)

"میرے نزدیک حکومت سے مل کر اور اس کے تعاون سے کام کریں۔ اس کے اداروں میں آگے آ کر ان کی اصلاح کریں۔ زیادہ سے زیادہ احمدیوں کو داخل کروائیں۔ شیخوپورہ بہترین محفوظ جگہوں میں سے ہے۔ ہمارے رشتے دار لاہور سے صرف اس لئے آئے ہیں کہ حکام نے اشارہ کیا تھا کہ جنگی ضرورتوں کے لئے رتن باغ، جودھامل بلڈنگ لے لئے جائیں گے ورنہ وہ بھی نہ آتے۔ جماعت کو میری طرف سے تسلی دیں۔ مشکلات ہر کام میں آتی ہیں مگر انشاء اللہ فتح پاکستان کی ہے۔ یہ موقع بہت فائدہ اور ثواب اٹھانے کا ہے۔

مرزا محمود احمد"

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا گروپ فوٹو

(طلبہ انجینئرنگ کالج لاہور کے ساتھ)

(دائیں سے بائیں کرسیوں پر) سید محمد خیر البشر صاحب۔ فضل الرحمٰن صاحب (زعیم مجلس خدام الاحمدیہ) ڈاکٹر ایس ڈی منظفر پی۔ ایچ ڈی وائس پرنسپل انجینئرنگ کالج۔ حضرت اقدس سیدنا المصلح الموعود رضی اللہ عنہ قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ پروفیسر بی اے ملک ایم ایس سی (انجینئرنگ) محمد احمد خان صاحب (نائب زعیم) عبدالسمیع صاحب۔

(کھڑے ہونے والے) خوشی محمد صاحب (باڈی گارڈ) ظفر اقبال صاحب۔ عبدالحمید صاحب۔ حمید احمد صاحب (جنرل سیکرٹری) رشید احمد صاحب ملک۔ راجہ مجید اللہ صاحب۔ خالد سیف اللہ صاحب۔ محمد بشیر احمد صاحب۔ محمود احمد صاحب بھیرہ۔ محمد عالم صاحب باڈی گارڈ۔

۵۔ حضرت مصلح موعودؓ کے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے ایک مکتوب کا چربہ

(مندرجہ ذیل مکتوب حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ماہ ہجرت/مئی ہش ۱۳۲۹ (۱۹۵۰ء) میں مولوی رشید احمد صاحب چغتائی مبلغ بلادِ عربیہ مقیم لبنان کے نام تحریر فرمایا تھا)

عزیزم رشید احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ فوراً اس خط کے ملتے ہی مصر کا
مکمل الف لیلہ جس میں سے کوئی حصہ چھوڑا نہ گیا ہو (آج کل بعض
حصے حذف کر کے کتاب چھاپتے ہیں) بذریعہ ڈاک رجسٹری
کر کے مجھے بھجوا دیں۔ احسن التقاسیم للمقدسی جو ارسال کر دیا تھا۔
اسی طرح جس قدر اچھے مطابع سے اچھی کتب ملیں جلد سے جلد بھجوا دیں
مذہبی دینی۔ تاریخی۔ ادبی ہر قسم کی کتب کا ذخیرہ ہم جمع کر رہے ہیں کیونکہ
لائبریری ربوہ میں مکمل کرنا ہے۔ والسلام خاکسار مرزا محمود احمد

۶۔السید عبدالوہاب عسکری بزرگان سلسلہ اور اساتذہ وطلبہ جامعۃ المبشرین کے ساتھ (صفحہ ۲۹۴)

پہلی تصویر۔ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس، حضرت سیدزین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، السید عبدالوہاب عسکری۔؟۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب انور، حضرت ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب،؟

(دوسری تصویر) دائیں سے بائیں (پہلی قطار) ا۔ ۲۔ مولوی عبدالکریم صاحب کاٹھ گڑھی

۳۔ مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب ۴۔ شیخ نور احمد صاحب منیر مبلغ بلاد عربیہ۔ ۵۔ السید عبدالوہاب العسکری

۶۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ۔ ۷۔ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ

۸۔ عبداللہ رضوان صاحب (مرحوم) ۹۔ مولوی محمد احمد صاحب ثاقب

پچھلی قطار۔ ا۔ مولوی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب ۲۔

۳۔ چوہدری محمود احمد صاحب چیمہ ۴۔ مولوی محمد احمن صاحب ۵۔ مولوی محمد اشرف صاحب ناصر

۶۔ کبیر الدین صاحب۔ ۷۔ مولوی خورشید صاحب منیر چارکوٹ۔

۸۔ مولوی غلام باری صاحب سیف۔ ۹ سید سعید احمد صاحب، ۱۰؟

۱۱۔ ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ۔

۷۔ لاہور ریڈیو کا نشریہ

ربوہ میں منعقدہ تعزیتی جلسہ کی خبر ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو ریڈیو پاکستان لاہور سے ۶ بجے شام حسب ذیل الفاظ میں نشر ہوئی:۔

"کل ربوہ میں جماعت احمدیہ کا اجتماع ہوا۔ ربوہ پاکستان میں احمدیوں کا صدر مقام ہے اس اجتماع میں قائد ملت کی وفات پر انتہائی رنج والم کی قرارداد پاس کی گئی۔"

اس سے قبل ۱۷ اکتوبر کو شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کے پیغام کا ایک حصہ نشر ہوا۔ الفاظ یہ تھے

"قائد ملت کی وفات پر شیخ بشیر احمد امیر جماعت احمدیہ لاہور نے ایک بیان میں قوم کو پہلے سے بھی زیادہ متحد اور منظم ہونے کی تلقین کی ہے۔"

۸۔ نوابزادہ محمد ولایت علی خان کا مراسلہ حضرت مصلح موعود کی خدمت میں

(نواب زادہ لیاقت علی خان صاحب وزیر اعظم پاکستان کے سفاکانہ قتل پر حضرت مصلح موعود نے اُن کے فرزند نوابزادہ محمد ولایت علی خان صاحب کے نام تعزیت کا خط لکھا۔ جس کے جواب میں اُن کا مندرجہ ذیل مکتوب حضرت مصلح موعود کی خدمت میں پہنچا۔ لفافہ پر انگریزی میں یہ پتہ درج تھا

" حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد رتن باغ لاہور "

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۳۲ لارنس روڈ لاہور ۱۰ر نومبر ۱۹۵۱ء

محترمی السلام علیکم

پیغام تعزیت موصول ہوا اس جانگسل صدمہ میں آپ کی ہمدردی کا دلی شکریہ۔ ہمیں آپ سے اتفاق ہے کہ قائد ملت کی شہادت ایک قومی سانحہ اور ملی نقصان ہے۔ اس ناقابلِ تلافی نقصان میں ہم آپ کو برابر کا شریک تصور کرتے ہیں۔

ہم بھی آپ کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صبر جمیل عطا فرمائے قوم کو اتحاد، نظم و ضبط اور تنظیم کی دولت سے مالا مال کرے اور قائد اعظم اور قائد ملت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سوگوار

دستخط محمد ولایت علی خان

(غیر مطبوعہ)

۹۔ قادیان سے بدر کے اجراء پر قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا برقی پیغام

(ملک صلاح الدین صاحب ایم اے کے نام)

" میں بدر کے اجراء پر خوش آمدید کہتا ہوں کیونکہ یہ درحقیقت اس بدر کامل کا نیا ظہور ہے کہ جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں افق قادیان پر طلوع کیا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ

تعالیٰ اسے اس طور پر برکت دے کہ یہ اخبار اس حرم معادی کا سا رنگ اختیار کرے کہ جس کے نام کا یہ حامل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اسے چار دانگ عالم میں آسمانی نور پہنچانے کا موجب بنائے۔ آمین" (ترجمہ)

(بدر ۲۰ دسمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۲)

۱۰۔ حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کے رقم فرمودہ بعض سوالات کے غیر مطبوعہ جوابات

(۱۳۳۰ ہش مطابق ۱۹۵۱ء)

۱۔ مرزا عبدالوہاب صاحب شوکت نے ۲۴ وفا/جولائی ۱۳۳۰ہش (۱۹۵۱ء) کو حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بذریعہ خط تین سوالات عرض کئے۔

الف۔ اگر امام اور مقتدی ایک ہی صف میں کھڑے کوئی نماز ادا کر رہے ہوں تو کیا صف بالکل سیدھی ہونی چاہئے یا امام تھوڑا سا آگے ہو۔

ب۔ جمعہ کے وقت دو خطبے ہوتے ہیں ایک تو عام اردو یا جو کسی زبان میں چاہیں پڑھیں اور دوسرا جو عربی میں ہوتا ہے کیا دوسرا خطبہ پڑھنے کی بجائے ہم دعائیں یا صرف درود شریف پڑھ سکتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

ج۔ جب الہام الٰہی نازل ہوتا ہے تو اس وقت ملہم کی کیا حالت ہوتی ہے۔

حضرت امیر المومنین نے اس کے بالترتیب مندرجہ ذیل جوابات لکھوائے:۔

"اگر امام اور مقتدی ایک ہی صف میں ہیں تو کوئی ضرورت نہیں کہ مقتدی پیچھے ہو۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کو اپنے ساتھ کھڑا کیا اور اگر امام یہ جاننے کے لئے کہ اصل مقام اس کا آگے ہے، آگے کھڑا ہو جائے تب بھی کوئی حرج نہیں"

"دوسرا خطبہ وہی ہے جو مسنون عربی کا ہے پڑھنا ضروری ہے وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا ہے۔"

(کیفیت نزول الہام سے متعلق سوال پر ارشاد فرمایا:۔)

"کئی حالتیں ہوتی ہیں کبھی جاگ رہا ہوتا ہے اور یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جیسے کسی اور نے جسم پر قبضہ کر لیا ہے اور الفاظ زبان سے جاری ہو جاتے ہیں اور علائق دنیوی سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ کبھی سوتے

ہیں الفاظ زبان پر جاری کر دیئے جاتے ہیں۔ جو دوسرے بھی سُن لیتے ہیں۔ بسا اوقات جاگتے ہیں بھی وہ سمجھتا ہے کہ دوسرے سُن رہے ہیں مگر دوسرے نہیں سُن رہے ہوتے۔ کبھی خواب دکھائی جاتی ہے اور آخر میں الہام سے بدل جاتا ہے کبھی جاگتے ہیں الہام ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میرا جسم دوسرے کے قبضہ میں چلا گیا۔ لیکن دوسرے لوگ نہیں محسوس کر رہے ہوتے۔

سوالات میں شرم نہیں کرتے ورنہ علم نہیں بڑھتا۔"

۳۔ ایک غیر احمدی خاتون رشیدہ وحید صاحبہ (معرفت چوہدری عبدالوحید صاحب محلہ مسجد کشمیری) نے سیالکوٹ سے اپنے خط میں تحریر کیا کہ:

"آج کل پاکستانی سرحدوں پر ہندوستانی فوجوں کے اجتماع کی وجہ سے جو صورتِ حالات پیدا ہو گئی ہے اس کے مدّ نظر جہاں حفاظت خود اختیاری کے پیش نظر بہت سے اقدام اٹھائے جا رہے ہیں۔ وہاں عورتوں کو بھی جگہ جگہ A.R.P. اور نرسنگ وغیرہ کی ٹریننگ دی جا رہی ہے .... اے آر پی، فرسٹ ایڈ اور نرسنگ کی ٹریننگ دینے کا انتظام تو ٹرینڈ نرسوں ہی کے سپرد ہے اور سب لڑکیاں ان چیزوں کے سیکھنے میں غیر معمولی جوش و خروش کا اظہار بھی کر رہی ہیں.... اگرچہ دورانِ ٹریننگ میں تو ہم

کہ پردہ اتارنے کی ضرورت نہیں لیکن جنگ کے دنوں میں ہسپتال میں کام کرنے کے دوران میں پردہ مکمل طور پر اتارنا پڑے گا کیونکہ وہاں پر برقعہ اوڑھ کر زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کی اجازت تو نہیں ہوگی ... ... ہم آپ سے پوچھنا چاہتی ہیں کہ ہمارا اس طرح پردہ اتارنا اسلام کے خلاف تو نہیں ہے"

اس پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل جواب رقم فرمایا:

"آپ کا خط ملا۔ قرآن کریم میں جو پردہ کی آیت ہے اُس سے صاف ظاہر ہے کہ پردہ حالات کے مطابق بدل سکتا ہے۔ پس جہاں تک مرہم پٹی اور خدمت کا سوال (ہے۔ ناقل) یہ جائز ہے اور اس سے دریغ کرنا درست نہیں۔ مگر جہاں تک پردہ کا لحاظ رکھا جا سکتا ہے وہ کیوں نہ کیا جائے؟

کیا ہمارا فرض یہی ہونا چاہیئے کہ ہر حکم شریعت کا توڑیں؟ مسیحی ننوں نے اٹھارہ سو سال سے اسلامی ضروری پردہ پر عمل کیا ہے۔ سر اور گردن ڈھانکتی ہیں۔ لاتوں کا لباس مناسب رکھتی ہیں۔ چھاتی پوری طرح ڈھانکتی ہے (نقل مطابق اصل) کیوں پاکستان میں یہ احتیاط نہ ہو اور خدمت قوم کے بہانہ سے لڑکیاں ڈاکٹروں سے کھیلی ہنستی پھریں۔ اگر وہ اس سے بچیں اور حکومت اس میں ان کی مدد کرے جو اب نہیں کر رہی تو ہر مسلمان عورت کو خدمت قوم کے لئے نکل کھڑا ہونا چاہیئے۔"

۴۔ لائل پور کے کسی صاحب نے لکھا:۔

"میں نے اپنی خالہ کی لڑکی کے ساتھ دودھ پیا تھا کیونکہ میری والدہ فوت ہو گئی تھی۔ میری خالہ کی تین لڑکیاں ہیں کیا ان میں سے کسی کی شادی میرے ساتھ ہو سکتی ہے۔ دیوبندی مولوی سے دریافت کیا گیا تھا اس نے کتاب کنز الدقائق کی رو سے جائز قرار دیا ہے"

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اس سوال کا مندرجہ ذیل جواب لکھوایا:۔

"آپ کی خالہ زاد بہنیں تمام کی تمام آپ کی حقیقی بہنیں ہی ہوں گی۔ آپ کا اُن میں سے کسی کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ یہ اُن مولوی صاحب نے غلط کہا ہے ذرا ان سے کہیئے کہ وہ ہمیں اس کتاب کا نام اور حوالہ لکھیں۔ ہاں اُن لڑکیوں کا رشتہ آپ کے بھائیوں سے ہو سکتا ہے۔ مگر آپ سے نہیں کیونکہ لڑکیوں نے اس صورت میں آپ کی والدہ کا دودھ بھی پیا ہوگا۔ اس لئے یہ بالکل غلط ہے"

۵۔ چوہدری سردار خان صاحب نے مری روڈ راولپنڈی سے ۱۸ اگست 1951ء کو بذریعہ مکتوب دو سوال عرض کئے۔

۵۔ کیا موجودہ صورت میں اگر جنگ ہو خواہ ہندوستان پر پاکستان یا پاکستان ہندوستان پر حملہ کرے تو کیا جماعت احمدیہ کیلئے یہ جہاد ہوگا؟ اگر جہاد ہوگا اور اس جنگ میں مرنے والے احمدی شہید کہلائیں گے تو دوسرے مسلمان (غیر احمدی) شہید کہلائیں گے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

حضرت اقدس نے اپنے دست مبارک سے اس کے جواب میں لفافہ پر ہی رقم فرمایا:۔

"رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ قُتِلَ دُوْنَ عِرْضِهٖ وَمَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ۔ دوسرے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شریک جہاد کے بارہ میں فرمایا کہ وہ دوزخی ہے۔ سو جہاد کے بھی مدارج ہیں اور جہاد کا ثواب معتقدات کے مطابق ملتا ہے۔"

۶۔ مولوی علی محمد صاحب مسلم منٹگمری (ساہیوال) کے ایک سوال کے جواب میں اپنے قلم سے رقم فرمایا:۔

"ظہر کے بعد چار درست ہے لیکن مغرب کے بعد سنّت دو ہی ہیں۔ اس کے بعد نفل جتنے چاہے پڑھے"

(۶۔ تبوک ۱۳۳۰ ہش مطابق ۶۔ ستمبر ۱۹۵۱ء)

۷۔ شیر محمد صاحب قریشی نے نیروبی سے مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۵۱ء / تبوک ہش ۱۳۳۰ھ کو بذریعہ خط استفسار کیا کہ رخصتانہ کے موقع پر جائے پیش کرنا شریعت اسلامی یا احکام سلسلہ کے خلاف ہے یا مطابق؟

حضور نے اپنے قلم مبارک سے یہ جواب تحریر فرمایا کہ:۔

"یہ درست ہے کہ ہم نے اس جہیز کی رسم کی ممانعت کر دی ہے۔ سنّت سے ثابت نہیں اور غریبوں پر بُرا اثر پڑتا ہے۔"

۱۱۔ سالانہ جلسہ ۱۳۳۰ ہش کے بارے میں لاہور کے بعض باثر اور ممتاز صحافیوں کے تاثرات

(ایک غیر مطبوعہ یادداشت الفضل کے خصوصی رپورٹر کے قلم سے)

"میاں محمد شفیع نے کہا

"حضرت صاحب جیسا ماہر نفسیات میں نے اپنی زندگی میں کوئی نہیں دیکھا میں سمجھتا ہوں ان جیسا

زیرک سیاستدان اور ماہر نفسیات شاید ہی اس صدی میں کوئی ہوا ہو۔"

اس پر پاکستان ٹائمز کے مسٹر خورشید نے کہا کہ حضرت صاحب نے مسلمانوں کے مصائب کا علاج خوب بتایا کہ سب اُن کے ہاتھ پر اکٹھے ہو جائیں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ یہ سنتے ہی میاں شفیع جھٹ بول اُٹھے۔

"میں بھی کہتا ہوں کہ سارے مسلمان ان ہی کے ہاتھ پر اکٹھے ہو جائیں"

اس پر مسٹر دارالفضلی نے کہا

"میاں صاحب ایمان سلامت لے کر جاؤ گے یا نہیں"

وہ بولے "مذاق نہیں کر رہا ہوں بلکہ سچ کہہ رہا ہوں کہ اگر سارے مسلمان ان کے ہاتھ پر جمع ہو جائیں تو یہ ساری قوم کو کہہ دیں گے۔ جاؤ آرام کرو اور سارا بوجھ خود اٹھائیں گے اور پھر ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اُٹھانے کا موقع بھی نکل آئے گا۔"

ایک اور موقع پر میاں شفیع نے کہا:۔

"تم نے یہ نہیں دیکھا کہ حضرت صاحب کیسے کیسے دقیق مسائل عام فہم طریق پیرپیش کرتے ہیں اور پھر اس قدر مدلل کہ انکار کی گنجائش نہیں۔"

پھر میاں شفیع نے یہ بھی کہا:

"مجھے تو جلسہ میں جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ حفاظت کا انتظام تھا۔ کاش راولپنڈی کے جلسہ میں ایسا ہی انتظام ہوتا تو میرا لیڈر خان لیاقت علی کبھی قتل نہ ہوتا۔ لوگ تو شاید حفاظت کے ایسے کڑے انتظامات پر اعتراض کریں لیکن میرے نزدیک یہ چیز قابل ستائش ہے میں اس تاثر کا ذکر ڈائری میں ضرور کروں گا۔"

ربوہ میں گھومتے وقت ایک اور تاثر جس کا اظہار کیا یہ تھا کہ دیکھو ان لوگوں نے وہ کام کر دکھایا ہے جو دوسرے مہاجر تو کیا خود ہماری حکومت نہیں کر سکی۔ ربوہ

کے پیمانے کا کوئی ایک شہر بتاؤ جو اب تک حکومت نے آباد کیا ہو۔ اگر ہم لوگ بھی ایسے صاحب عزم ہوتے تو آج نہ معلوم کتنے ہی نئے شہر آباد ہو چکے ہوتے۔

جب جلسہ ختم ہوا اور جلسہ گاہ سے ہزاروں کی تعداد میں احباب باہر نکلنے شروع ہوئے تو ہم ایک طرف کھڑے دیکھ رہے تھے۔ میاں شفیع نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:-

> "ان لوگوں کے انتشار میں بھی تنظیم کی جھلک موجود ہے۔ سب نے پوچھا، مطلب؟ کہا، ربوہ کے علاوہ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو ہزاروں لوگوں اور کاروں کی آمد و رفت کی وجہ سے ایسی شور زمین سے گرد و غبار کے بادل اُٹھ رہے ہوتے۔ اور وہاں ہمارا تمہارا چلنا مشکل ہو جاتا لیکن یہ لوگ کیسے آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہے ہیں۔ یہ سب ذہنی تربیت کے تحت غیر شعوری طور پر اُن سے ظہور میں آرہا ہے۔"

مطبوعہ لاہور آرٹ پریس لاہور۔

(5) Most of their educational institutions, hostels, etc. should also be restored to them as the education of Indian Ahmediyas was being seriously impaired.

(6) Adequate facilities should be allowed Indian Ahmediyas who wanted to perform frequent pilgrimage or receive religious education.

(7) Several of their mosques, graveyards, etc., were damaged or destroyed during the disturbances of 1947. These should be restored and suitable arrangements made for repair.

(8) Qadian is the religious centre of the Ahmediyas and although the Government has settled refugees under the stress of circumstances, the action of local Municipal Committee in changing Islamic names of streets and mohallas injures the religious susceptibilities of Ahmediyas. The Ahmediya Community requests the Government to restore the Islamic names and protect the religious rights of the community.

(The Civil & Military Gazettee, December 29, 1949, page 6)

Although Pakistan Ahmediyas were anxious to visit Qadian, which had acquired an international importance and had peculiar sanctity for their faith, because of circumstances beyond their control they could not do so. He, however, hoped that God's will would prevail in the long run and the reign of Satan, temporarily eclipsing the world, would soon disappear.

SIMILARITY OF TEACHINGS

The Jalsa consisted of discourses on religious subjects relating to the existance of God, deeds and prophecies of the founder, some of his miracles, and the teachings of the Ahmediya faith. The speakers laid great emphasis on the similarity of teachings of all religions including Hinduism, Sikhism, Islam and Christianity and they stressed the need for proper understanding of each other's point of view, discarding feelings of hatred and animosity.

The Jalsa adopted a lengthly resolution, which was sponsored by the Indian Ahmadiyas and also unanimously voted by the Indian Ahmediyas. It expressed gratitude to the Governments of India and East Punjab for the facilities provided for the participation of Ahmediyas from India and Pakistan and sought permission to convey the following requests :

(1) That Qadian is the spiritual and religious headquarters of the Ahmediya Community spread all over the world. Several Ahmediyas had to leave this place owing to the disturbances of 1947 and were now anxious to return and settle here.

(2) So long as the return of all Ahmediyas cannot be arranged, the families of those still living in Qadian should be allowed to visit them.

(3) There are 50 to 60 Ahmediya pilgrims who arrived here during the disturbences of 1947 and they are anxious to go back to their homes in Pakistan. Likewise some elderly inhabitants of Qadian are eager to return here.

(4) Property worth two crorse belonging to the Sad ar Anjuman, Qadian, a body registered in 1906, seized by Government as evacuee property should be restored because its headquarters continued to be at Qadian and its members had never migrated.

59th JALSA AT QADIAN

Thousand Ahmadiyas Present

(From Our Own Correspondent)

QADIAN, Dec. 28. — After nearly 2½ years, 56 Ahmediya Muslims including two women, headed by Sheikh Bashir Ahmad, arrived here on Sunday from Pakistan for the 59th Annual Jalsa of the Ahmediya community of Qadian. Simultaneously, 138 Indian Ahmadiya Muslims including four women and five children drawn from all parts of the country arrived here on Sunday.

They were escorted to the Ahmediya colony in the town and were lodged in different houses. Touching scenes were witnessed when the Indian Ahmadiyas met the Pakistani Ahmediyas. All of them offered prayers both in the mosque and at the Bahishti graveyard.

Closely guarded by armed police and their own volunteers, the Jalsa was held in the previous year's compound and was attended by about 1,000 persons in all. Among the visitors was Major-General Abdur Rehman, Pakistan's Deputy High Commissioner in Jullundur.

Maulvi Abdur Rehman Jatt, head of the local Ahmediyas, inaugurated the Jalsa, describing it as the third after partition, and read out messages from distinguished Ahmediyas and heads of branches from all parts of the world.

Sheikh Bashir Ahmad, who headed the delegation from Pakistan, then occupied the Chair. He mentioned how Hazrat Mirza Bashir-ud-Din Mahmood Ahmad owing to pre-occupations could not send them a special message this year but he had come to see them off and had in his blessings asked them to carry on with faith in God. He had also said that there could be peace in the world through faith in God.

God and your country, through your untiring efforts and the grace of God, becomes one of the first strongholds of God and His true and living religion—Islam, which is truly represented in our time by Ahmadiyyat. AMEN.

Yours very sincerely,
KHALIFATUL MASSIAH II

The Moslem Sunrise, Page 11—13, Fourth Quarter, 1949, Chicago 4, Illionois, U. S. A.

and set a grand example of true obedience to God and His religion for your contemporaries and for the coming generations, so much so that you become in the eyes of God; the deliverers of your country and your people; and become like the first disciples of the prophets of old. Those disciples had no special claims on God; their only claim was that they were the first to believe, first to make sacrifices and first to live a life which was not in conformity with the lives of their countrymen. They bore and bore well all rebuke; they took with a light heart all ridicule and stuck to the way which God chose for them and thus they became the chosen people of God. Old orders and governments die out giving place to new ones but thesc disciples' good name has been kept alive all along. Mighty nations have perished; strong governments have succumbed but these people never died and are still living in the memories of millions of people who love them more than their own kith and kin.

Dear Friends and my spiritual children ! Fortunately you have got the same opportunity, being the first bearers of truth in the United States of America, being disciples of the disciples of the Promised Messiah (peace be on him)—beloved of God, His only begotton son, in the same sense as the Christ was. God has no son but those who gain His presence and win His pleasure through steadfast love and never wavering faith, become like sons to Him. Nay even more than that. A father may forsake his son in certain circumstances but God never forsakes His beloved ones. You have a further blessing that you found the time of the Promised Son and so you are not mere disciples of the disciples of the Promised Messiah (peace be on him) but are also like the first disciples themselves. So rise to the grand occasion and act according to your exalted position. Do not forget that everybody is directly responsible to his God. Therefore, do not copy anybody's weaknesses but follow the word of God and His Prophet and try to live a life even more pious and cleaner than the lives of those who have come to teach you. I also hope that my representatives there, will set a good example for you and will not act in a way detrimental to the cause of Islam and misleading the seekers after truth. Woe to him who gets the opportunity of bringing people to the fold of God but delivers them to His eternal enemy—Stan. May God help you, your preachers and your country, so that all of you gain the blessings of

inspired interpretation of Islam. Probably they thought that this grey bearded man was mad just as the peoples of old thought every prophet and his disciples were mad. But those who thought so were made themselves. The sheep that does not recognize the shepherd is mad and destined for destruction, for it becomes the prey of that old wolf—Satan; and loses all hope of salvation.

My dear friends and children ! No country and no people are absolutely without any seekers after truth. The voice which was taken as the babble of a mad man by many, began to attract some of those who were destined to be the pioneers and torch-bearers of truth in the United States of America. May be some of them are still alive, may be none are. Even if all of them have left this world, their spirits might be hovering over your heads just now seeing in you the seed which is being broadcast by God in the wilderness, as well as in some well prepared soil, to grow in time and become a heavy crop to give a new life to missions and millions of people of your country.

My friends and children ! Ahmadiyyat is the message of God Almighty and not a scheme conceived by any mortal being. So you should look upon it as such and try to follow it literally and with great care. No good citizen breaks the law of his country and so is the case of a true believer. He knows that the law of God is based upon infallible philosophy and is for his good and betterment. So always try and strive to know more and more about Islam and Ahmadiyyat, so that your actions may be in complete accord with the law chosen for you by your Creator. God Almighty says in the Holy Quran. "To-day I have brought to perfection the spiritual code according to which you have to live and thus I have filled for you the cup of my blessings to its very brim." This verse shows that every order and injunction given by the Holy Quran is for the spiritual uplift of man and not as an arbitrary order to make the human beings feel their serfdom to God. God has nothing to gain if we follow "The Law". It is we who benefit from it and so the person who is lukeworm in his obedience to the law in letter and in spirit, is himself the loser. Woe to him who finds the door of heaven opened for him but turns his face and goes astry. So I advise you with all the love I bear for you, to avail yourselves of this great opportunity of being pioneers of the truth in your country

A MESSAGE

TO

AHMADIYYA MUSLIMS

ON THE

SECOND ANNUAL CONVENTION

OF THE

AMERICAN MISSIONS

EPTEMBER 17-18 1949

Hazrat Amirul Muminin, Khalifatul Masih II,

Head of the Ahmadiyya Movement in Islam,

York House, Lytton Road,

Quetta, Pakistan,

2nd September, 1949.

My dear friends and spiritual children

of the United States of America,

Assalamu Alaikum-wa-Rahmatullahi-wa-Barakatuhu.

I have been asked by our Missionary-in-Charge in the United States of America, Mr. Khalil Ahmad Nasir, to write a message for you to be read in your Second Convention. It is a great pleasure for me to do so. Twenty-nine years ago, I sent Mufti Mohammad Sadiq, an old companion of the Promised Messiah (peace be on him), to introduce the Ahmadiyya Movement in your country. He after reaching the United States of America, chose Chicago as the centre of his mission. His was a lonely voice raised in support of the truth about a quarter of a century back; and probably the people laughed when they heard him preach Islam and call them to Ahmadiyyat—the true and divinely

تاریخِ احمدیت

جلد پانزدہم

۱۹۵۱ء کے سالانہ جلسۂ قادیان سے لے کر
حضرت سیّدنا مصلح موعودؓ کے ایمان افروز
اور پُر شوکت پیغام (مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۵۳ء) تک

مؤلفہ
دوست محمد شاہد

الناشر
ادارۃ المصنفین ربوہ

طبعِ اوّل ماہ فتح ۱۳۵۴ہش / دسمبر ۱۹۷۵ء

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد چہاردہم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-121-6

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-14 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt.Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-121-6

سیدنا حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعودؓ جلسہ سالانہ ربوہ ۱۹۵۲ء کو خطاب فرما رہے ہیں

حضور کے دائیں جانب: میاں غلام محمد صاحب اختر اور پیچھے بالترتیب محمد عبداللہ خان صاحب، رحمت اللہ صاحب باجوہ، میجر عزیز احمد صاحب اور بابو شمس الدین صاحب امیر جماعت احمدیہ پشاور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جا بجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گزشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنّفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۱۵ کو جلد نمبر ۱۴ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد چہار دہم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر و اشاعت قادیان)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

تاریخِ احمدیّت کی پندرھویں جلد

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی دی ہوئی توفیق سے تاریخِ احمدیت کی پندرھویں جلد طبع ہو کر احباب کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ نئی جلد کو پیش کرتے ہوئے دل اللہ تعالیٰ کی حمد سے لبریز ہے کہ تاریخ احمدیت کی تدوین واشاعت کے بارے میں جو ذمہ داری سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ادارۃ المصنّفین پر ڈالی تھی اس کو ادا کرتے ہوئے ہم ایک قدم اور آگے بڑھ رہے ہیں۔

تاریخِ احمدیّت کی پہلی جلد دسمبر ۱۹۵۷ء میں، دوسری جلد دسمبر ۱۹۵۸ء میں اور تیسری جلد دسمبر ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی۔ اس وقت خیال یہ تھا کہ خلافتِ اولیٰ کے دَور کی تاریخ ایک جلد میں اور خلافتِ ثانیہ کے دَور کی تاریخ دو جلدوں میں مکمّل ہو جائے گی اور تاریخ کی تدوین کا کام ختم ہو جائے گا اور ہم اس بارِ گراں سے سبکدوش ہو جائیں گے جو سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ہمارے کمزور کندھوں پر ڈالا تھا لیکن معرضِ وجود میں وہی آتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا منشاء ہوتا ہے انسان کے اندازے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ خلافتِ ثانیہ کے واقعات پر مشتمل جب دو جلدیں طبع ہوئیں تو اُن میں صرف ۱۹۳۱ء تک کے واقعات ہی ختم ہو سکے اور ہمارے اندازے درست ثابت نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تدوینِ تاریخ کا کام ہوتا رہا اور مزید جلدیں شائع ہوتی چلی گئیں۔ اب پندرھویں جلد شائع ہو رہی ہے۔ اِس میں جلسہ سالانہ ۱۹۵۱ء سے لیکر مارچ ۱۹۵۳ء تک کے واقعات کا ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کو صحیح علم ہے کہ خلافتِ ثانیہ کے دَور کی تاریخ کو مکمّل کرنے میں مزید کتنی جلدیں درکار ہوں گی کیونکہ واقعاتی تذکرہ کے بعد سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی سیرت پر کچھ لکھنا بھی ضروری ہو گا اور اس کے بعد پھر خلافتِ ثالثہ کے دَور کے واقعات شروع ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دُعا ہے کہ جب اُس نے محض اپنے فضل سے پندرہ

جلدیں شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے تو بقیہ کام کو مکمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے اور تکمیل کی خوشی سے بہرہ ور کرے (آمین) وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَ بِالْاِجَابَۃِ جَدِیْرٌ۔

نئی جلد تقریباً چھ صد صفحات پر مشتمل ہے اور گیارہ نایاب تصاویر سے اسے مزین کیا گیا ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ کاغذ جو بازار میں دستیاب ہو سکتا تھا اسے حاصل کیا گیا اور کتابت و طباعت کو معیاری بنانے کی پوری کوشش کی گئی۔ اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ التجا ہے کہ وہ ہماری اِن حقیر مساعی کو قبول فرمائے اور اپنے فضلوں سے نوازے (آمین)

ادارۃ المصنفین کا ابتداء سے یہ اُصول رہا ہے کہ وہ اپنی شائع کردہ کتابوں کو تقریباً لاگت پر احباب کو پیش کرتا ہے نفع حاصل کرنا اس کے مدِ نظر نہیں ہوتا۔ اِس جلد کی قیمت مقرر کرنے میں اِسی اُصول کو مدِ نظر رکھا گیا ہے لیکن پہلے کی نسبت کتابوں کی قیمت کا بڑھ جانا ایک ناگزیر امر ہے کیونکہ مہنگائی دن بدن بڑھ رہی ہے۔ کاغذ کی قیمت، کتابت، طباعت اور جلد بندی کی اُجرتیں کئی گُنا بڑھ گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ حالات میں کتاب کا شائع کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ چونکہ سلسلہ کی تاریخ کو محفوظ کرنا نہایت ہی ضروری ہے اِس لئے ادارہ پوری کوشش کرتا چلا آیا ہے کہ بہر حال ہر سال تاریخ احمدیت کی ایک جلد پیش کرتا چلا جائے۔ یہ کام اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب احباب پورا تعاون فرمائیں اور کتاب کو ہاتھوں ہاتھ خریدیں تا خرچ کردہ رقم واپس آجائے اور اگلی جلد کی تیاری میں استعمال ہو سکے۔

ادارہ مؤلفِ کتاب ہذا مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کا شکر گزار ہے کہ اُنہوں نے رات دن ایک کرکے مواد جمع کیا اور اسے نہایت احسن طریق سے ترتیب دی اور ہر لحاظ سے اسے معیاری بنانے کی کوشش کی فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ اِسی طرح مکرم حمید الدین صاحب کاتب اور دیگر کارکن جنہوں نے کاپی اور پروف ریڈنگ کا کام کیا وہ بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے فضلوں سے نوازے۔ (آمین)

خاکسار

ابوالمنیر نور الحق

منیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین۔ ربوہ

دسمبر ۱۹۷۵ء

فہرست مضامین تاریخ احمدیت جلد پانزدہم

عنوان	صفحہ
پہلا باب	
جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۱ء سے لیکر حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم رضی اللہ عنہا کی وفات تک۔	
(از ماہِ دسمبر ۱۹۵۱ء تا ماہِ اپریل ۱۹۵۲ء)	
مذہبی تاریخ کا اہم واقعہ	۱
سلسلہ احمدیہ کا مقصد اور ترقی	۱
سالانہ جلسہ کی اہمیت	۲
فصلِ اوّل	
جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۱ء	۳
فصلِ دوم	
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۷
فصلِ سوم	
۱۹۵۱ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	۳۲
خاندانِ مسیح موعودؑ میں تقریبِ مسرت	״
مجاہدینِ احمدیت کا تبلیغی دورہ	״
ربوہ میں ٹیلیفون کا اجراء	۳۳
دفاعِ وطن کا عہد	۳۴
رسالہ "الفرقان" کا اجراء	۳۴
دفتر حفاظتِ مرکز ربوہ میں	۳۵
وزیرِ اعظم پاکستان کے نام مبارکباد کا پیغام	״
درویشانِ قادیان کے اہل و عیال کی واپسی	۳۶
جماعتِ احمدیہ پشاور کی نئی جامع مسجد	۳۷
قادیان سے رسالہ "درویش" کا اجراء	۳۸
پیغامِ امامِ جماعتِ احمدیہ سیرالیون کے نام	۴۰
دعاؤں کی خاص تحریک	۴۱
جلسہ سیرۃ النبیؐ میں حضرت مصلح موعودؓ کی ایمان افروز تقریر	״
مبلغینِ احمدیت کی روانگی اور آمد	۴۲
بیرونی ممالک میں احمدی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں	״
نئی مطبوعات (۱۹۵۱ء)	۴۸
فصلِ چہارم	
(خلافتِ ثانیہ کا انتالیسواں سال)	
—— ۱۹۵۲ء ——	
افتاء کمیٹی کا احیاء	۴۹
سالانہ پروگرام تجویز کرنے کی ہدایت	۵۱

عنوان	صفحہ
صوبجاتی نظام کو مستحکم کرنے کا فرمان	۵۳
محاسبۂ نفس کی دعوت	۵۴
تبلیغِ اسلام کی موثر تحریک	۵۶
اخلاقِ فاضلہ کے قیام کی جدوجہد	۵۷
قوم کی بے لوث خدمات بجا لانے کی تلقین	۵۸
چوہدری محمد حسین صاحبؓ کی ریاست خیرپور میں المناک شہادت۔	۵۹
جلسۂ سیالکوٹ پر ریورٹ	۶۰
فصلِ پنجم	
سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا سفر بشیر آباد۔ بصیرت افروز خطبات۔ حیدر آباد میں پریس کانفرنس۔ اتحاد المسلمین پر شاندار لیکچر۔	۶۱
فصلِ ششم	
حکّام کو حالات سے باخبر رکھنے کی واضح ہدایت	۷۵
چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا پارلیمنٹ میں اعلانِ حق۔	۷۹
حضرت مصلح موعودؓ کی وضاحت خلافتِ احمدیہ سے متعلق۔	۸۱
دفتر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا افتتاح	۸۳
فصلِ ہفتم	
مجلسِ مشاورت ۱۹۵۲ء کا انعقاد۔ چندہ تعمیر مساجد کا مستقل نظام۔ اشاعتِ لٹریچر کے لئے دو کمپنیوں کے قیام کا اعلان۔ مکمل مرکزی لائبریری کا منصوبہ	۸۴
فصلِ ہشتم	
حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگمؓ کا انتقال (مع سیرت وشمائل)	۹۳
دوسرا باب	
جماعتِ احمدیہ کے جلسۂ کراچی سے لیکر مسئلۂ اقلیت سے متعلق حضرت مصلح موعودؓ کے وضاحتی اعلان تک۔	
فصلِ اوّل	
مرکزی تعلیمی اداروں کو ایک ضروری ہدایت	۱۱۷
الجزائری نمائندہ "احتفال العلماء" کی ربوہ میں آمد	۱۱۹
جماعتِ احمدیہ کراچی کا جلسہ سالانہ	۱۲۰
جماعتِ احمدیہ کے خلاف مطالبات کا پس منظر	۱۲۷
چیف کمشنر کراچی کی پریس کانفرنس	۱۲۹
کراچی بار ایسوسی ایشن کا متفقہ بیان	۱۳۱
حادثہ کراچی اور پاکستان کا محبِ وطن پریس	۱۳۳
بھارت کا مسلم پریس	۱۴۰
مصری لیڈر السید مصطفےٰ مومن کا بیان	۱۷۵
فصلِ دوم	
خدا سے زندہ تعلق کے لئے دعاؤں کی خاص تحریک	۱۷۷
"پاکستان میں قانون کا مستقبل"	۱۷۹

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان

- احترامِ مساجد سے متعلق ایک فقہی مسئلہ اور حضرت مصلح موعودؓ کا موقف۔ ۱۸۲
- عروجِ احمدیت کی نسبت ایک عظیم الشان پیشگوئی ۱۸۹
- صبر و صلوٰۃ کی پُرزور تحریک ۱۹۲

فصلِ سوم

- "مسلمان فرقہ احمدیہ" کی تکفیر کا نیا دور۔ مطالبہ غیر مسلم اقلیت پر مختلف مسلمان فرقوں کی طرف سے تشویش و اضطراب۔ احمدی علمِ کلام کی برتری کا اعتراف اور ایک دلچسپ تجویز۔ ۱۹۸

فصلِ چہارم

- حضرت مصلح موعودؓ کا نمائندہ "ڈیلی میل" کو ایک اہم انٹرویو۔ ۲۵۸
- پنجاب مسلم لیگ کونسل کا اجلاس لاہور اور اراکینِ پنجاب مسلم لیگ کی خدمت میں چند معروضات۔ ۲۶۲
- وزیرِ اعلیٰ پنجاب کا احمدیوں سے متعلق موقف ۲۶۸
- قائدِ اعظم کا مسلک ۲۷۳
- حضرت مصلح موعودؓ کا بیان "

فصلِ پنجم

- جماعتِ احمدیہ کے مرکزی وفد کی جنابِ وزیرِ اعظم پاکستان سے ملاقات۔ ۲۷۴
- سردار عبدالرب صاحب نشتر سے انفرادی ملاقات ۲۸۲
- ابتلاؤں میں لقاءِ الٰہی کی بشارت ۲۸۵
- شانِ انفرادیت کا نمونہ دکھانے کی تلقین ۲۸۷
- مسئلہ اقلیت سے متعلق اہم خطبہ ۲۹۲

تیسرا باب

مفتیٔ مصر کے فتوائے تکفیر سے لیکر حضرت مصلح موعودؓ کے ۳ مارچ ۱۹۵۳ء کے پُرشوکت پیغام تک

(از جون ۱۹۵۲ء تا ۳ مارچ ۱۹۵۳ء)

فصلِ اوّل

- نہر سویز کا قضیہ اور چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ۳۰۱
- شاہِ مصر کی سازش سے مفتیٔ مصر کا فتویٰ ۳۰۳
- مصری زعماء اور صحافیوں کا زبردست احتجاج ۳۰۷
- مفتیٔ مصر کے لقب کی منسوخی کا مطالبہ ۳۲۲
- مفتیٔ مصر کا بیان ۳۲۳
- مفتیٔ مصر کو پنشن دے دی گئی "
- شاہِ فاروق مصر کا عبرتناک انجام ۳۲۴
- جلاوطنی کا دردناک منظر ۳۲۷
- مصریوں کا ردِّ عمل اور تاثرات ۳۲۸
- حضرت مہدیٔ موعودؑ کی پیشگوئی ۳۲۹
- سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا مکتوب اخبار "الیوم" کے نام۔ "
- مسئلہ ختمِ نبوت سے متعلق ایک وضاحتی بیان۔ ۳۳۶

عنوان	صفحہ
فصلِ دوم	
عالمی یومِ امن کے لئے دُعا	۳۴۱
حکومتِ پاکستان کے اعلان کا خیر مقدم	۳۴۲
مساجد کو ذکرِ الٰہی سے معمور رکھنے کی تحریک	۳۴۵
تحریکِ حج	۳۴۸
آل پاکستان مسلم لیگ کا اجلاسِ ڈھاکہ	۳۵۰
تبلیغِ اسلام کا عالمی ادارہ (تحریکِ جدید)	۳۵۱
گوجرانوالہ میں احمدیوں کا بائیکاٹ اور "الاعتصام"	۳۵۴
حکّامِ گوجرانوالہ سے احمدی وفد کی ملاقات	۳۵۷
حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کے نام۔	"
فصلِ سوم	
سالانہ جلسہ قادیان ۱۹۵۲ء اور حضرت مصلح موعودؓ کا رُوح پرور پیغام۔	۳۶۰
فصلِ چہارم	
جلسہ سالانہ ربوہ ۱۹۵۲ء، حضرت مصلح موعودؓ کی ایمان افروز تقاریر اور پاکستانی پریس۔	۳۶۸
فصلِ پنجم	
جلیل القدر صحابہ کا انتقال (۱۹۵۲ء)	۳۸۷
فصلِ ششم	
۱۹۵۲ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	۴۰۹
خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ میں تقاریبِ مسرت	"
مسجد مبارک ربوہ میں درس	۴۱۰
قصرِ خلافت کی مُستقل عمارت	"
خلافت لائبریری کا قیام	۴۱۱
الفضل میں شذرات کا دلچسپ سلسلہ	۴۱۲
سالار مسلم لیگ ربوہ کو انعامی کپ	"
رسالہ خالد کا اجراء اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا خصوصی پیغام۔	۴۱۳
خدمتِ پاکستان کی خصوصی تحریک	۴۱۵
ٹیونس اور مراکش کی تحریکِ آزادی کی حمایت اور دُعا۔	۴۱۶
چودہ۱۴ درویش خاندانوں کی واپسی	۴۱۷
مبلّغینِ اسلام کی آمد اور روانگی	"
بیرونی مشنوں کی سرگرمیاں	۴۱۸
فصلِ ہفتم	
خلافتِ ثانیہ کا چالیسواں سال (۱۹۵۳ء)	
سات روزے رکھنے کی تحریک	۴۲۱
اشاعتِ دین کی تحریک	۴۲۲
دُعاؤں کی تحریک	۴۲۴
سچّائی اختیار کرنے کی تحریک	۴۲۶
کراچی کنونشن اور ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ	"
جماعتِ اسلامی کے رُخِ کردار پر ایک نظر	۴۳۵

عنوان	صفحہ
ایک رُوسی مورّخ کا نظریہ	۴۴۷
اربابِ حلّ و عقد سے براہِ راست رابطہ اور ملاقاتیں۔	״
پنجاب مُسلم لیگ وزارت کی سیاسی پالیسی	۴۴۹
خالص سیاسی تحریک	۴۵۲
گٹھ جوڑ کے مقاصد	۴۵۳
حیرت انگیز انکشاف	۴۵۴
پنجاب سِول سیکرٹریٹ کا خط مرکزی وزارت کے نام۔	״
انسپکٹر جنرل صاحب پولیس پنجاب کا مراسلہ بنام چیف سیکرٹری پنجاب۔	۴۵۸
پاکستان کی مرکزی کابینہ کی نظر میں مطالبات اور ڈائریکٹ ایکشن۔	۴۶۱
حکومتِ پاکستان کا اعلامیہ	۴۶۶
اعلامیہ کی ضرورت و اہمیّت بھارتی لیڈروں کے بیان کی روشنی میں۔	۴۶۷
بھارتی پریس اور ایجی ٹیشن	۴۶۹
بھارتی ایجنٹوں کی گرفتاری	״
ایک امریکی سکالر کی رائے	۴۷۰
مشرقی پاکستان پریس کی طرف سے راست اقدام کی مذمّت اور پسِ منظر۔	۴۷۱
راست اقدام کی دھمکی اور بھارتی مسلمان	۴۷۷

عنوان	صفحہ
نمائندہ "المصوّر" قاہرہ کے تاثرات	۴۸۲
قیامِ امن کے لئے حضرت مصلح موعودؓ کی پُرحکمت ہدایات۔	۴۸۴
حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اہم بیان	۴۸۷
الفضل کی جبری بندش	۴۸۹
صوبہ پنجاب فسادات کی لپیٹ میں	״
"ختمِ نبوّت" کے مقدس نام پر مظاہرے	۴۹۰
سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا پُرشوکت پیغام جماعتِ احمدیہ کے نام۔	۴۹۲
حکومتِ پنجاب کا نوٹس	۴۹۳
پیغام کے بعد	۴۹۴
خلاصہ	״

ضمیمہ (اُردو)

عنوان	صفحہ
فہرست اراکین مجلسِ افتاء	۱
سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا سفرِ حیدرآباد	۶
فہرست اہلِ قافلہ پاکستان برائے جلسہ قادیان ۱۹۵۲ء۔	۹
فہرست گروپ فوٹو قافلۂ پاکستان ۱۹۴۹ء	
״ ״ ״ ״ ״ ۱۹۵۰ء	
״ ״ ״ ״ ״ ۱۹۵۲ء	

عنوان	صفحہ
ضمیمہ (عربی)	
مصری اخبارات وزعماء کی آراء کا عربی متن	۱
ضمیمہ (انگریزی)	
سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی تحریر فرمودہ دُعا برائے یو۔ این۔ او۔	۱
تقریر سیّدنا المصلح الموعودؓ افریقہ کے شاندار مستقبل سے متعلق۔	۲
اخبار "سٹار" کراچی کا اداریہ	۴
حضرت مصلح موعودؓ کا انٹرویو نمائندہ سول اینڈ ملٹری گزٹ کو۔ مع وضاحتی بیان کے (انگریزی متن)	۶
تصاویر	
حضرت مصلح موعودؓ کا خطاب سالانہ جلسہ ۱۹۵۲ء پر۔	سرورق
قصرِ خلافت، مسجد مبارک اور خلافت لائبریری ربوہ کا منظر۔	۱۱۴
قافلہ پاکستان برائے سالانہ جلسہ قادیان ۱۹۴۹ء۔	۴
قافلہ پاکستان برائے سالانہ جلسہ قادیان ۱۹۵۰ء۔	۴
قافلہ پاکستان برائے سالانہ جلسہ قادیان ۱۹۵۲ء۔	۳۶۰
ہندوستانی احمدیوں کی طرف سے قافلۂ پاکستان کا انتظار۔	
سالانہ جلسہ قادیان ۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۲ء کے متعدد مناظر۔	"
حضرت مصلح موعودؓ کی تقریر "اتحاد المسلمین" حیدرآباد سندھ۔	۶۳
علماءِ سلسلہ احمدیہ کا مرکزی وفد کراچی میں (۱۹۵۲ء)	۲۸۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

پہلا باب

جلسہ سالانہ قادیان ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء سے لیکر حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم رضی اللہ عنہا کی وفات تک

(ازماہِ فتح ۱۳۳۰ہش تا ماہِ شہادت ۱۳۳۱ہش / ازماہِ دسمبر ۱۹۵۱ء تا ماہ اپریل ۱۹۵۲ء)

مذہبی تاریخ کا اہم واقعہ

اسلام میں مہدئ موعود علیہ السلام کے ذریعہ سلسلہ احمدیہ جیسی عالمگیر تبلیغی اور روحانی تحریک کا آغاز ہمارے نبی خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کا زندہ نشان اور مذہبی تاریخ کا نہایت اہم واقعہ ہے

سلسلہ احمدیہ کا مقصد

قیامِ سلسلہ احمدیہ کا مقصد مہدئ موعود علیہ السلام کے الفاظ میں

یہ ہے کہ :-

" یہ عاجز تو محض اِس غرض کے لئے بھیجا گیا ہے کہ تا یہ پیغام خلق اللہ کو پہنچا دے کہ دُنیا کے تمام مذاہبِ موجودہ میں سے وہ مذہب حق پر اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے جو قرآن کریم لایا ہے اور دار النّجات میں داخل ہونے کے لئے دروازہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے " [۱]

مخالفت کے باوجود شاندار ترقی

اِس آسمانی سِلسلہ کی ابتداء اگرچہ سُنّتِ ربّانی کے مطابق پہلی خدائی جماعتوں کی طرح غربت، بے کسی اور گمنامی کے ماحول میں ہوئی مگر اس کے اثرات ہر قسم کی مخالفت و عداوت کے مضبوط حلقوں کو توڑتے، اور منافرت کی ہولناک خندقوں کو پھاندتے ہوئے، وسیع سے وسیع تر ہوتے گئے۔ حتّٰی کہ ۱۹۴۷ء کے اُن خُونچکاں اور ہوش رُبا واقعات کے باوجود، جنہوں نے جماعتی نظم و نسق کی بنیاد تک ہلا ڈالی تھی، چند برسوں کے اندر اندر قادیان اور ربوہ سے اُٹھنے والی آوازیں دُنیا بھر میں گونجنے لگیں اور اسلامی انقلاب کا وہ نقشہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو ۱۸۹۱ء میں ایک نئے نظام، نئے آسمان اور نئی زمین کی صُورت میں بذریعہ خواب دکھایا گیا تھا [۲] ایک حقیقت بن کر اُبھرنے لگا۔

حضرت اقدس علیہ السّلام فرماتے ہیں :-

" کیا یہ عظیم الشّان نشان نہیں کہ کوششیں تو اِس غرض سے کی گئیں کہ یہ تخم جو بویا گیا ہے اندر ہی اندر نابُود ہو جائے اور صفحۂ ہستی پر اس کا نام و نشان نہ رہے مگر وہ تخم بڑھا اور پھُولا اور ایک درخت بنا اور اس کی شاخیں دُور دُور چلی گئیں اور اب وہ درخت اِس قدر بڑھ گیا ہے کہ ہزار ہا پرند اس پر آرام کر رہے ہیں " [۳]

سالانہ جلسہ کی اہمیت

جماعتِ احمدیہ کی اِس حیرت انگیز ترقی میں اس کے سالانہ جلسہ کو ہمیشہ بھاری دخل رہا ہے جیسا کہ حضرت اقدس علیہ السّلام نے ۷ دسمبر ۱۸۹۲ء

---

[۱] " حجۃ الاسلام " صفحہ ۱۲، صفحہ ۱۳ (اشاعت ۸ مئی ۱۸۹۳ء) مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر۔ [۲] " آئینہ کمالات اسلام " صفحہ ۵۶۴ ۔ صفحہ ۵۶۶ طبع اوّل (اشاعت ۱۸۹۳ء) و " کتاب البریہ " صفحہ ۷۸، صفحہ ۷۹ (اشاعت ۲۴ جنوری ۱۸۹۸ء)
[۳] " نزول المسیح " صفحہ ۶ (اشاعت اگست ۱۹۰۹ء)

کے اشتہار میں بطور پیشگوئی لکھا :-

"اِس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائیدِ حق اور اعلاءِ کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے۔ اِس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں طیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی۔ کیونکہ یہ اُس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات اَنہونی نہیں۔" [1]

جلسۂ سالانہ کی اِس غیر معمولی اہمیت کے پیشِ نظر "تاریخ احمدیت" کی جلد ۱۴ کا اختتام جلسۂ سالانہ ربوہ ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء کے کوائف پر کیا گیا تھا۔ اب موجودہ جلد کا آغاز اِسی سال کے جلسۂ قادیان کے واقعات سے کیا جاتا ہے۔

فصلِ اوّل

جلسہ سالانہ قادیان

کوائفِ جلسہ ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء کا سالانہ جلسہ حسبِ دستور اپنی شاندار اور مخصوص روایات کے ساتھ شروع ہوا اور (۲۶ تا ۲۸ ماہِ فتح/دسمبر) تین روز تک جاری رہا۔ اِس مبارک اجتماع میں بھارت کے جن دُور دراز علاقوں سے شمعِ احمدیت کے پروانے جمع ہوئے اُن کے نام یہ ہیں :-

حیدر آباد دکن، چنتہ کنٹہ، کرنول، یادگیر، بمبئی، سُورت، مدراس، مالابار، پٹنہ، مظفر پور، حسینا، پرکھوپٹی، مونگھیر، سہارنپور، بجنور، امروہہ، بریلی، شاہجہانپور، راٹھ، علی پور کھیڑہ، ننگلہ گھنو، آگرہ، صالح نگر، سانڈھن، انبیٹہ، کرنال، کانپور، انبالہ اور کشمیر۔

علاوہ ازیں پاکستانی زائرین کا ایک قافلہ بھی شیخ بشیر احمد صاحب [2] ایڈووکیٹ لاہور کی امارت

---

[1] "تبلیغِ رسالت" (مجموعۂ اشتہارات حضرت مسیح موعود علیہ السلام) جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ مرتبہ حضرت میر قاسم علی صاحبؓ مدیر "فاروق" قادیان؛ [2] ولادت ۲۳ اپریل ۱۹۰۲ء ــــ وفات یکم اپریل ۱۹۷۳ء؛

میں قادیان پہنچا اور مرکزِ احمدیت کی برکات وفیوض سے مستفیض ہؤا۔

مردانہ جلسہ گاہ کی حاضری سوا گیارہ سَو کے قریب تھی جس میں سے آدھے غیر مسلم تھے۔ جلسہ سے ہندوستان کے علاوہ انگلستان، ہالینڈ اور انڈونیشیا کے بعض احمدی مجاہدین نے بھی خطاب فرمایا جس سے غیر مسلم متأثر ہوئے اور انہوں نے اسلام کا پیغام سُننے میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ جلسہ میں پریس کا نمائندہ بھی موجود تھا۔

زنانہ جلسہ گاہ کے طور پر حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب[1] قادیانی رضی اللہ عنہ کا مکان استعمال کیا گیا جہاں آلہ جہیر الصّوت کے ذریعہ سے مردانہ جلسہ کی پُوری کارروائی سُنائی دیتی تھی۔ ۲۹۔ فتح/دسمبر کو مستورات خواتین کا علیحدہ اجلاس بھی منعقد ہؤا۔ غیر مسلم خواتین کی تعداد تیس تھی۔

افسر جلسہ کے فرائض صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے انجام دئے اور مسیحِ پاک کی مقدس بستی کے ایثار پیشہ درویش انتظاماتِ جلسہ کے لئے وقف رہے اور مہمانوں کو ہر ممکن آرام پہنچانے کی خاطر ہر تکلیف بخوشی گوارا فرمائی۔

پاکستانی زائرین کی روانگی

پاکستان کے خوش نصیب زائرین جو ۲۴/۲۵ فتح/دسمبر کی درمیانی شب کو بوقت ۱۱½ بجے واردِ قادیان ہوئے تھے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت اور اس مبارک اجتماع میں شرکت کرنے اور شب و روز عبادتوں اور دعاؤں میں منہمک رہنے کے بعد ۳۱۔ فتح/دسمبر کی شام کو واپس ہوئے۔

روانگی سے قبل زائرین کا مسجد اقصیٰ میں فوٹو لیا گیا اور اجتماعی دُعا ہوئی۔ پانچ بجے شام مزارِ مسیح موعودؑ پر مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل نے اجتماعی دعا کرائی۔ بعد ازاں سب درویش زائرین کو الوداع کہنے کے لئے بٹالہ والی سڑک پر تشریف لے گئے اور ٹھیک پونے چھ بجے شام زائرین کی دونوں بسیں نعرہ ہائے تکبیر، احمدیت زندہ باد، اور حضرت امیر المؤمنین زندہ باد کے درمیان روانہ ہوئیں۔ اِس موقعہ پر رخصت ہونے والوں اور الوداع کہنے والوں کے جو جذبات تھے الفاظ اُن کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ پاکستانی قافلہ اُسی شب پاکستانی حدود میں داخل ہوگیا۔[2]

---

[1] ولادت یکم جنوری ۱۸۷۹ء — وفات ۴ جنوری ۱۹۶۱ء/ ۴ صلح ۱۳۴۰ ہش ؛

[2] الفضل ۱۶ صلح و الفضل ۲ صلح ۱۳۳۱ ہش/ ۱۶ و ۲ جنوری ۱۹۵۲ء ؛

قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان ۱۳۲۸ھ/۱۹۴۹ء

قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان ۱۳۲۹ھ/۱۹۵۰ء

امیرِ قافلہ کے تأثّرات

امیرِ قافلہ نے واپسی پر اپنے تاثّرات کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ ۲۲ر دسمبر کی رات کو گیارہ بجے ہمارا قافلہ نہر کا پُل عبور کر کے حدودِ قادیان میں داخل ہوُا۔ جونہی منارۃ المسیح پر ہماری نگاہ پڑی تو طبیعت میں عجیب رقّت پیدا ہوئی تقسیم کے وقت مشرقی پنجاب میں مساجد و مقابر اور دینی مدرسوں کی بربادی اور ویرانی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور جہاں ان کی خستہ حالی سے دِل میں ایک درد پیدا ہوُا وہاں خدا تعالیٰ کی تحمید و تمجید کی طرف بھی طبیعت مائل ہوئی کہ ایک مقدّس بستی اس خِطّہ میں ایسی بھی ہے جو اللہ تعالیٰ اور محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے معمور ہے۔

ہمارا قافلہ ابھی قادیان سے میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا کہ ہم نے وہاں دس بارہ سال کے ایک بچّہ کو استقبال کے لئے موجود پایا۔ حضرت امیر صاحب جماعتِ احمدیہ قادیان نے اسے راستہ دکھانے پر مقرر کیا تھا تاکہ ہماری بڑی بڑی لاریاں ایک خاص راستے سے ہو کر مسیحِ پاک کی بستی میں داخل ہوں وہ بچّہ فرطِ مسرت میں میل ڈیڑھ میل تک لاریوں کے آگے بھاگتا چلا گیا اور اس نے اُس وقت تک دم نہ لیا جب تک قافلہ درویشوں کی بستی میں جا داخل نہ ہوُا۔ اس بچّے کا یہ ولولۂ شوق اور جذبۂ اخلاص دیکھ کر ہم بہت متاثّر ہوئے۔

بستی کے سرے پر درویشانِ قادیان قافلے کے انتظار میں ہمہ تن شوق بنے کھڑے تھے۔ لاریوں کے پہنچتے ہی تمام فضا نعرۂ تکبیر اور احمدیت زندہ باد کے پُرجوش نعروں سے گونج اُٹھی۔ درویشوں نے نہایت محبّت بھرے الفاظ سے ہمیں خوش آمدید کہا اور نہایت درجہ اشتیاق کے عالم میں ہم سے بغلگیر ہوئے قادیان کی مقدّس بستی مسیح کے درویشوں کا مسکن، زندہ خدا کی زندہ امانت ہے۔ وہاں ہمارے درویش بھائی اپنے دن اور رات جس طرح خدا تعالیٰ کے حضور آہ وزاری میں بسر کرتے ہیں؛ اس کے تصوّر ہی سے رُوحانی مسرّت نصیب ہوتی ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے یہ عاشقِ صادق عابدِ شب بیدار ہیں۔ آدھی رات کے بعد میاں مولا بخش صاحب[1] باورچی اور سیّد محمد شریف صاحب سیالکوٹی قادیان کی گلیوں میں نہایت سوز و گداز سے آواز دیتے ہیں کہ مسیحِ پاک کے درویشو!! اُٹھو تہجد کا وقت ہو گیا۔ اُٹھو!! اور اپنے مولا کریم کو راضی کر لو۔ چنانچہ درویش اُٹھتے ہیں اور پہلے بیت الدعا

---

[1] وفات ۲۴ر وفا ۱۳۳۳ہش/ ۲۴۔ جولائی ۱۹۵۴ء

یا بیت الذکر میں خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں کرتے ہیں پھر چار بجے کے قریب مسجد مبارک میں باجماعت تہجد پڑھتے ہیں۔ اُس وقت جس درد کے ساتھ آخری رکعتیں ادا ہوتی ہیں اور جس سوز و گداز کے ساتھ آہ وزاری کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اُن کی نظیر ملنا محال ہے۔ یقیناً یہ انعام باقی دُنیا سے منقطع ہو جانے کا ہی ہے کہ درویشوں کو انقطاع الی اللہ کی آسمانی اور لازوال دولت حاصل ہے۔ ان پاک بندوں کی اس کے سوا کوئی خواہش نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے جلد پُورے ہوں اور اسلام کی آخری فتح قریب سے قریب تر آجائے۔

درویش ذکر و شکر کے ساتھ، اپنے دیگر فرائض سے غافل نہیں بہشتی مقبرہ میں چوبیس گھنٹے پہرہ دینا اُن کے معمول میں شامل ہے۔ وہ تبلیغِ اسلام کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ان کے عزم و ثبات کا اثر ہے کہ دُنیا کے دُور دراز علاقوں سے سیّاح اور زائرین ہزاروں کی تعداد میں قادیان آتے ہیں۔ رجسٹر زائرین کے مطابق گزشتہ پانچ سال میں قریباً تیس ہزار ہندو، سکھ اور عیسائی اور غیر ملکی باشندے محض زیارتِ قادیان کے لئے آچکے ہیں وہ ان کو جی بھر کے تبلیغ کرتے ہیں۔ انہیں اسلام کا پیغام پہنچاتے اور لٹریچر دیتے ہیں۔

اِس بے بضاعتی کے عالم میں بھی انہوں نے ہندوستان کی احمدی جماعتوں کو منظّم کر لیا ہے۔ انکے مبلّغ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں جاتے اور اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ الغرض وہ اس مُلک میں اسلام کی عظمت کا نشان ہیں اور اس کی سربلندی کی خاطر کوہِ وقار بن کر اپنی جگہ ڈٹے ہوئے ہیں اور اِس یقین سے لبریز ہیں کہ بالآخر اسلام ہی دُنیا پر غالب آئے گا۔ اِس یقین کے برملا اظہار سے وہ قطعاً نہیں ڈرتے بلکہ اپنی تقریروں میں برملا کہتے ہیں کہ ایک وقت آئے گا جبکہ احمدی دُنیا میں غالب ہو کر رہیں گے۔ یہ خدائی تقدیر ہے جسے دُنیا کی کوئی طاقت بدل نہیں سکتی۔[1]

---

[1] ملخصاً از الفضل ۸ صلح ۱۳۳۱ ہش / جنوری ۱۹۵۲ء ص۲ و ص۸

فصل دوم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

اصحابِ مہدیٔ موعودؑ کا پاک گروہ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد بڑی تیزی کے ساتھ اِس جہانِ فانی سے رخصت ہو رہا تھا اور جماعتِ احمدیہ اُن مبارک وجودوں سے جلد جلد خالی ہونے لگی تھی جن کو تیرہ سو سال کے بعد خدا کے ایک مُرسل کا خدا نما چہرہ دیکھنے اور اس کی بابرکت صُحبت میں بیٹھنے کا موقعہ نصیب ہوا تھا۔

۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء میں جو ممتاز بزرگ صحابہ رحلت فرما گئے انکا مختصر تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:۔

۱۔ حضرت صاحبزادہ حاجی پیر افتخار احمد صاحبؓ لدھیانوی:۔ (ولادت ۱۴؍شعبان ۱۲۸۲ھ؁ مطابق ۳؍جنوری ۱۸۶۶ء ۔۔ زیارت[1] ۱۸۸۴ء ۔۔ بیعت[2] ۹؍جولائی ۱۸۹۱ء ۔۔ وفات[3] ۸؍جنوری ۱۹۵۱ء)

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے "ازالہ اوہام" میں اپنے مخلصین و محبّین میں آپ کا ذکر نہایت پیارے اور محبّت بھرے الفاظ میں کیا ہے۔ حضورؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"حبّی فی اللہ صاحبزادہ افتخار احمد۔ یہ جوانِ صالح میرے مخلص اور محبِّ صادق حاجی حرمین شریفین منشی احمد جان صاحب مرحوم و مغفور کے خلفِ رشید ہیں اور بمقتضائے اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِّاَبِیْهِ تمام محاسن اپنے والدِ بزرگوار کے اپنے اندر جمع رکھتے ہیں۔ اور وہ مادّہ اُن میں پایا جاتا ہے جو ترقی کرتا کرتا فانیوں کی جماعت میں انسان کو داخل کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ رُوحانی غذاؤں سے اُن کو حصّہ وافر بخشے اور اپنے عاشقانہ ذوق و شوق سے سرمست کرے۔"[4]

نیز فرماتے ہیں:۔

---

[1][2] روایاتِ صحابہ (غیر مطبوعہ) رجسٹر ۷ صفحہ ۱ ؛ [3] رجسٹر بیعت (غیر مطبوعہ)

[4] الفضل لاہور ۱۱؍صلح ۱۳۳۰ہش/۱۱؍جنوری ۱۹۵۱ء صفحہ ۱ ؛ [5] ازالہ اوہام صفحہ ۸۱۲ (طبع اوّل)

"حاجی افتخار احمد صاحب ... اِس عاجز سے کمال درجہ کا اخلاص رکھتے ہیں اور آثارِ رُشد و صلاح و تقویٰ اُن کے چہرے پر ظاہر ہیں۔ وہ باوجود متوکلانہ گذارہ کے اوّل درجہ کی خدمت کرتے ہیں اور دِل و جان کے ساتھ اس راہ میں حاضر ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو ظاہری اور باطنی برکتوں سے متمتع کرے۔" [1]

خود نوشت سوانح

حضرت صاحبزادہ صاحب کی خود نوشت سوانح میں ہے:۔

"میری پیدائش بروز منگل بوقت عصر ۱۲ شعبان ۱۲۸۲ ہجری کی ہے۔ میرے والد صاحب[2] کو حضرت صاحب کی اطلاع اس وقت ہوئی جبکہ براہینِ احمدیہ کے تین حصّے شائع ہوئے تھے۔ انہوں نے جب ان تین حصّوں کو پڑھا اس وقت حضرت اقدس علیہ السّلام کی عقیدت و ارادت آپ کے دل میں مستحکم ہوگئی۔ اس کے بعد براہینِ احمدیہ حصّہ چہارم شائع ہوئی۔ والد صاحب کی ارادت سے آپ کے اہل وعیال اور مریدین بھی زُمرۂ معتقدین میں شامل ہوگئے۔"

"میرے والد صاحب کو اور میرے بھائی منظور محمد صاحب کو اور مجھ کو حضرت صاحب کی ابتدائی زیارت اُس وقت ہوئی جبکہ حضور ۱۸۸۴ء میں سب سے پہلے تین دن کے لئے لدھیانہ تشریف لے گئے تھے۔ میرے والد صاحب اور میرے بھائی صاحب اور مَیں اور سب احباب حضورؑ کے استقبال کے لئے اسٹیشن پر گئے تھے۔ حضور کی پہلی زیارت اسٹیشن پر ہوئی۔ میرے والد صاحب نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مَیں بغیر بتلائے حضرت صاحب کو پہچان لوں گا۔ ایسا ہی ہُوا کہ حضور جب گاڑی سے اُترے بغیر بتلائے والد صاحب نے فرمایا کہ وہ یہ ہیں۔"

"حضرت صاحب نے تین روز محلہ صوفیاں میں ڈپٹی امیر علی صاحب صوفی کے ہاں (جو کہ میرے والد صاحب کے مُرید تھے) قیام فرمایا۔"

"حضور تین دن کے بعد لدھیانہ سے تشریف لے گئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اطلاع ملی کہ حضرت صاحب شادی کے لئے دہلی تشریف لے جائیں گے اور فلاں وقت ریلوے سٹیشن لدھیانہ سے گاڑی گذرے گی۔ والد صاحب اور لدھیانہ کے احباب پہلے سے سٹیشن پر جا پہنچے۔ مَیں بھی اپنے والد صاحب کے ساتھ تھا۔ جتنی دیر گاڑی کھڑی رہی حضور پلیٹ فارم پر ٹھہرے رہے۔ حضورؑ کے ساتھ جو احباب آئے تھے میرے خیال میں شاید چھ سات ہوں گے۔ حضور اور ساتھی سب اپنے معمولی سادہ لباس میں تھے۔ کوئی ایسی علامت

---

[1] ازالہ اوہام صفحہ ۷۹۳ (طبع اوّل)
[2] یعنی حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ (ناقل)

نہ تھی جس سے یہ ظاہر ہو سکتا کہ یہ دُولہا اور یہ اُس کی برات ہے۔"

"حضور مع رفقاء شاید ۱۰ - ۱۵ منٹ لدھیانہ پلیٹ فارم پر کھڑے رہے پھر گاڑی پر سوار ہو کر دہلی روانہ ہو گئے۔ واپسی کے وقت پھر لدھیانہ سٹیشن پر گاڑی ٹھیری۔ احباب سے ملاقات کی۔ میرے والد صاحب نے پھلور کے دو ٹکٹ پہلے سے لے لئے تھے۔ میرے بھائی منظور محمد صاحب کو ساتھ لے کر حضور کی گاڑی کے ڈبہ میں سوار ہو گئے۔ مَیں ساتھ نہیں گیا۔ پھلور لدھیانہ سے ۵ میل ہے اور انجن بدلتا ہے۔ گاڑی نصف گھنٹہ وہاں ٹھیری۔ یہ میرے والد صاحب کا دلی اخلاص تھا جو اس تھوڑے عرصہ کی ملاقات کو غنیمت سمجھا۔ یہ والد صاحب کی حضرت صاحب سے آخری ملاقات تھی کیونکہ اس کے بعد حج کو تشریف لے گئے۔ واپسی کے وقت راستہ میں بیمار ہو گئے اور لدھیانہ آ کر چند روز بعد ۹ ربیع الاوّل ۱۳۰۳ھ [1] ہجری کو وفات پا گئے۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

والد صاحب کی وفات سے تھوڑے عرصہ بعد حضرت صاحب تعزیت کے لئے لدھیانہ تشریف لائے تھوڑی دیر قیام فرمایا۔ والد صاحب مرحوم کی محبت، اخلاص اور دینی خدمت کا ذکر فرماتے رہے۔ پھر حضور نے مع حاضرین دعا فرمائی۔ حضور نے قرآن شریف کی یہ آیت وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا [2] پڑھ کر فرمایا کہ ان دو تو بچوں پر مہربانی کرنے کی یہ وجہ تھی کہ ان کا باپ صالح تھا (ہم بھی اپنے باپ کے وہی لڑکے ہیں اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر بھی فضل فرمائے۔ آمین)

یہ وقت بھی گزر گیا اور حضور کے ہاں صاحبزادہ بشیر احمد صاحب اوّل تولد ہوئے [3]۔ حضور کا خط لدھیانہ کے احباب کے نام عقیقہ میں شمولیت کے لئے آیا جس میں حضور نے یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ عقیقہ کا ساتواں دن اتوار کو پڑتا تھا مگر کچھ قدرتی اسباب ایسے پیدا ہو گئے کہ عقیقہ بجائے اتوار کے پیر کے دن ہوا جس سے یہ الہام دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ پورا ہوتا ہے۔ ہم سب احباب لدھیانہ سے قادیان پہونچے۔ یہ سفر قادیان کا میرا پہلا سفر تھا اس سے پہلے مَیں نے قادیان کو نہیں دیکھا تھا۔ مہمان مسجدِ اقصیٰ میں ٹھہرے۔ عقیقہ میں ایک دن یا دو دن باقی تھے کہ بارش شروع ہوئی اور تین دن لگاتار ہوتی رہی۔ قادیان کے چاروں طرف پانی ہی پانی ہو گیا۔ صاحبزادہ بشیر احمد اوّلؓ کا عقیقہ بیت الفکر میں ہوا جو کہ بیت الذکر یعنی مسجد مبارک کے ساتھ کا حضور کے دولت خانہ کا کمرہ ہے اور جس کا وہی

---

[1] مطابق ۲۷ دسمبر ۱۸۸۵ء [2] کہف: ۸۳ [3] ولادت ۷ اگست ۱۸۸۷ء

دروازہ مسجدِ مبارک کے دہنی طرف اَب تک موجود ہے۔ حاضرین مہمانوں کی تعداد اتنی تھی کہ بیت الفکر میں گنجائش نہ ہوگئی۔ مجھے یاد ہے کہ صاحبزادہ بشیر احمد اوّل مولوی رحیم بخش صاحب کی گود میں تھے جس وقت کہ حجام نے سر کے بال اُتارے۔۔۔ عقیقہ کے بعد ایک دو دن مہمان ٹھہرے۔ پانی کا وہی عالم تھا اگرچہ بارش بند ہوگئی تھی لیکن راستہ پانی سے لبریز تھا۔ یکّہ پر اسباب لاد کر احباب پا پیادہ روانہ ہوئے۔ حضور نے پلاؤ کی دیگ ساتھ کر دی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ بٹالہ کے راستے میں بعض جگہ پانی کمر تک پہنچ جاتا تھا۔ یکّہ کے پہیے پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اسی حال میں ہم بٹالہ کے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ اسٹیشن بٹالہ پر حضرت میر ناصر نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ دو دن سے پانی کی وجہ سے رُکے ہوئے تھے۔ جب ہم اسٹیشن پر پہنچے حضرت میر صاحب کی رخصت بھی ختم ہو چکی تھی، وہ بھی ہمارے ساتھ ریل پر واپس ہو گئے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت صاحبؑ معہ اہل بیت لدھیانہ تشریف لے گئے اور ہمارے مکان کے بالکل متصل ایک حویلی میں فروکش ہوئے اور بیعت کا اعلان کیا۔"

"اس کے کچھ عرصہ بعد بحمد اللہ تعالیٰ ۱۸۹۲ء کو مَیں مع اہل و عیال ہجرت کر کے قادیان آ رہا۔ حضور نے اپنے رہائش ہی کے مکانوں میں جگہ دی۔۔۔ ایک روز حضور نے مجھے فرمایا کہ انسپکٹر مدارس آیا ہوا ہے اس سے کہو کہ قادیان کے سکول میں تم کو رکھ لے۔۔۔ مَیں نے محض حضور کے ارشاد کی تعمیل میں انسپکٹر سے مِل کر کہا کہ آپ مجھے قادیان کے سکول میں مدرّسی کی آسامی دے دیں۔ انہوں نے میری تعلیم وغیرہ کا حال پوچھا اور کہا بہت اچھا میں جا کر حکم بھیج دوں گا۔ اُس نے جا کر میری تعیناتی کی باضابطہ کارروائی کی اور مَیں قادیان کے سکول میں مدرّس ہوگیا۔"

"ان دنوں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (حضرت خلیفہ ثانیؓ۔ ناقل) خورد سالی تھے۔ حضور نے مجھے فرمایا کہ میاں کو بھی سکول لے جایا کرو۔ مَیں حضرت صاحب کے ارشاد کے مطابق حضور کو بھی ساتھ لے جایا کرتا تھا۔"

"پانچ سال کے قریب یہاں قادیان میں رہا پھر مع عیال لدھیانہ چلا گیا۔۔۔ پھر ۱۹۰۱ء کو مع اہل و عیال قادیان آیا اور بفضلِ خدا یہیں رہا۔ ۱۹۰۲ء میں حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اقدسؑ کی اجازت سے محرّری کے کام پر مجھے رکھ لیا۔ لنگر اور سکول کا چندہ اور حضرت صاحبؑ

کے خطوط کا جواب لکھنا میرا کام تھا۔ بفضلِ خدا مسلسل دفترِ ڈاک کا کام کرتا رہا یہاں تک کہ ۱۹۲۷ء میں بموجب قواعد ریٹائر ہو گیا۔ بحمد اللہ اب حضور کے قدموں میں پڑا ہوں اور دعا کرتا ہوں ؎

من دعا ہائے بر و بارِ تو اے ابرِ بہار" [۱]

حضرت عرفانی رضی اللہ عنہ کا نوٹ

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ عنہ نے آپ کی وفات پر لکھا:۔

" جہاں تک میرا علم ہے بچپن سے سعادت مند اور زاہد تھے۔ ہر دیکھنے والے کو اُن کے چہرہ پر نُور نظر آتا تھا۔ وہ رمضان کا مہینہ خصوصیّت سے عبادت میں گذارتے اور اعتکاف کرتے تھے اور تہجّد گذار تھے۔ مجھے بارہا اُن کے ساتھ تہجّد میں شرکت اور سحری میں شریکِ طعام ہونے کا موقعہ ملا۔ اُن کے چہرے پر تبسّم کھیلتا تھا۔ میں نے کبھی اُن کو غصّہ کی حالت میں نہیں پایا۔ وہ اپنے گھر کے کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ارشاد خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ [۲] پر جوانی سے بڑھاپے تک مخلصانہ عامل رہے۔ اولاد کی تربیت اور اولاد پر شفقت کا بھی وہ ایک خاص نمونہ تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور آپ کے اہلبیت سے انہیں محبّت و اخلاص کا نہایت بلند مقام حاصل تھا۔ وہ توکّل علی اللہ کا ایک خاص درجہ رکھتے تھے۔ ان کی زندگی کے ابتدائی ایّام شہزادوں کی طرح سے گزرے اِس لئے کہ اُن کے خاندان کے فیض یافتہ لوگ بڑے اخلاص سے خدمت کرتے تھے لیکن احمدی ہو جانے کے بعد ہی در اصل اُن کے توکّل کے مقام کا پتہ لگا۔ وہ نہایت قانع انسان تھے اور اپنے فرض کو نہایت محنت اور جفاکشی سے ادا کرتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا قُرب انہیں آپ کے گونہ پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے حاصل تھا اِس لئے کہ آپ صیغۂ ڈاک میں کام کرتے تھے۔" [۳]

دیگر خصائل و شمائل

حضرت پیر صاحب رضی اللہ عنہ کا قد لمبا تھا، آپ کی زندگی فروتنی، کسرِ نفسی اور عجز و انکسار کی مجسّم تصویر تھی۔ فرشتہ خصلت بزرگ تھے۔ خط نہایت پاکیزہ اور بہت عمدہ تھا۔ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں بے تکلّف بات کر لیتے تھے۔ طبیعت پر غور و فکر کا رنگ غالب تھا۔

---

[۱] تلخیص "روایاتِ صحابہ" جلد ۷ (غیر مطبوعہ) صفحہ ۱، صفحہ ۶۔

[۲] ابنِ ماجہ (ابواب النکاح باب حسن معاشرۃ النساء) صفحہ ۱۴۳۔

[۳] الفضل ۲۸ صلح ۱۳۳۰ ہش / ۲۸ جنوری ۱۹۵۱ء صفحہ ۶۔

غایت درجہ کم سخن تھے اور فضول اور زائد باتوں سے طبعی نفرت تھی ہمیشہ راضی بقضاء رہے اور شدید تکلیف میں بھی کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتے۔ ان کے جوان لڑکے فوت ہوئے مگر کیا مجال کہ زبان سے اُف تک نکل جائے یا چہرے سے کسی قسم کے درد یا تکلیف کا اظہار ہو۔ بڑھاپے اور ضعف کی حالت میں بھی مسجد میں تشریف لاتے۔ آخری عمر میں زیادہ دیر تک بیٹھ نہ سکتے تھے۔ جماعت شروع ہونے سے قبل مسجد میں لیٹ جاتے اور باجماعت نماز کا انتظار فرماتے[1] کتاب "انعاماتِ خداوندکریم" جو پُرحکمت نصائح پر مشتمل ہے آپ ہی کی تصنیفِ لطیف ہے اور آپ کے صوفیانہ مزاج کا پتہ دیتی ہے۔

اولاد حضرت پیر افتخار احمد صاحبؓ کی اولاد کے نام درج ذیل ہیں:۔

(۱) پیر منظور قیوم صاحب (وفات ۱۸ر جولائی ۱۹۱۷ء[2])۔ (۲) پیر مظہر الحق صاحبؒ (سابق خزانچی صدر انجمن احمدیہ ربوہ)۔ (۳) پیر حبیب احمد صاحب (ولادت ۱۹۰۱ء۔ وفات ۲۶ فتح ۱۳۴۱ ہش/ ۲۶ دسمبر ۱۹۶۲ء)۔ (۴) پیر نثار احمد صاحب (وفات ۲۲ر اپریل ۱۹۱۲ء)۔ (۵) سعیدہ بیگم صاحبہ (وفات ۲۰ر دسمبر ۱۹۱۰ء)۔ (۶) پیر خلیل احمد صاحب مرحوم (ولادت ۱۳ر اگست ۱۹۰۷ء وفات ۲۰ر امان ۱۳۴۳ ہش/ ۲۰ر مارچ ۱۹۶۴ء)۔ (۷) پیر محمد عبداللہ صاحب مرحوم ٹیچر مدرسہ احمدیہ قادیان (۸) پیر عبدالرحمن صاحب (۹) سلیمہ بیگم صاحبہ (۱۰) سعیدہ بیگم صاحبہ۔[3]

۴۔ چوہدری امیر محمد خان صاحب متوطن اہرانہ تحصیل و ضلع ہوشیارپور:۔

(بیعت ۱۹۰۳ء-۱۹۰۴ء[4] ـــ وفات ۳ر امان ۱۳۳۰ ہش/ ۳ر مارچ ۱۹۵۱ء)

آپ چوہدری سکندر خان صاحب کے بیٹے اور چوہدری پیر بخش صاحب عرف بابا اولیاء سخی پیر شاہ جمال علیہ الرحمۃ کے پوتے تھے۔ ضلع ہوشیارپور میں موضع اہرانہ، بھگلانہ اور مٹھیانہ کی احمدی جماعتیں آپ ہی کی

---

[1] الفضل ۲۔ تبلیغ ۱۳۳۰ ہش/ ۲ر فروری ۱۹۵۱ء صفحہ ۵

[2] قادیان گائیڈ صفحہ ۶۲، صفحہ ۵۸ (از میاں محمد یامین صاحبؓ تاجر کتب قادیان۔ اشاعت ۲۵ر نومبر ۱۹۲۰ء)

[3] اولاد:۔ پیر عبدالرحیم صاحب۔ پیر سلطان احمد صاحب۔ پیر ہارون احمد صاحب۔ پیر مبارک احمد صاحب (موون لائٹ ربوہ)۔ صفیہ بیگم صاحبہ اہلیہ مولانا نذیر الرحمن صاحبؓ فاضل بنگالی مبلغ سلسلہ احمدیہ (وفات ۳۱ر فتح ۱۳۲۸ ہش/ ۳۱ر دسمبر ۱۹۴۹ء)۔ امۃ الحکیم صاحبہ اہلیہ مولانا شیخ نور احمد صاحب منیر مجاہد بلاد عربیہ

[4] ریکارڈ بہشتی مقبرہ ربوہ

تبلیغ سے قائم ہوئیں۔

آپ کے بیٹے چوہدری عبداللہ خاں صاحب کی روایت ہے کہ آپ نے بتایا کہ ایک بار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک خط ملا جس میں چندہ لنگرخانہ کی تحریک تھی میرے پاس اُس وقت کوئی روپیہ موجود نہ تھا میں نے اُسی وقت حضرت اقدس کی خدمت میں واپسی خط لکھا کہ ایک شخص میری کچھ اراضی خریدنا چاہتا ہے اس کی آمد پیشِ حضور کر دوں گا۔ دعا فرمائیں۔ حضور کا اپنے قلمِ مبارک سے لکھا ہوا جواب ملا کہ دعا کی گئی اللہ تعالیٰ آپ کی یہ منشاء پوری کرے۔ اس خط کے چند دن بعد میرا یہ کام ہوگیا اور روپیہ بھی مجھے مل گیا۔ چنانچہ میں یہ رقم لئے پیدل قادیان کی طرف روانہ ہوگیا۔ دریائے بیاس کو بیٹ کے پتن سے پار کیا ہی تھا کہ کانگڑہ کا زلزلہ آ گیا۔ قادیان پہنچے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے باغ میں تشریف فرما تھے میں نے وہ رقم پوٹلی کی صورت میں حضور کی خدمت میں نذر کر دی۔ (یہ ۴ راپریل ۱۹۰۵ء کا واقعہ ہے)

چوہدری امیر محمد خان صاحب کے نزدیک[1] حضرت مصلح موعودؓ کے حسب ذیل الفاظ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے:۔

"پھر جب زلزلہ آیا اور حضرت اقدسؑ باہر باغ میں تشریف لے گئے اور مہمانوں کی زیادہ آمد و رفت وغیرہ ذالک وجوہات سے لنگر کا خرچ بڑھ گیا تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ قرض لے لیں۔ فرماتے ہیں میں اسی خیال میں آرہا تھا کہ ایک شخص ملا جس نے پھٹے پُرانے کپڑے پہنے تھے اور اُس نے ایک پوٹلی میرے ہاتھ میں دے دی اور پھر الگ ہوگیا۔ اُس کی حالت سے میں ہرگز نہ سمجھ سکا کہ اِس میں کوئی قیمتی چیز ہوگی لیکن جب گھر آکر دیکھا تو دو سو روپیہ تھا حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ اُس کی حالت سے ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنی ساری عمر کا اندوختہ لے آیا۔ پھر اُس نے اپنے لئے یہ بھی پسند نہیں کیا کہ میں پہچانا جاؤں۔ یہ شاکر کا مقام ہے۔"[2]

۳۔ منشی حسن دین صاحبؓ رہتاسی:۔ (بیعت ۱۸۹۶ء[3]۔ وفات ۱۰۔ امان ۱۳۴۳ہش/

لہ الفضل ۱۱۔ اخاء ۱۳۳۰ہش / ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء صٓ ۶

لہ بدر ۱۱ر جنوری ۱۹۱۲ء صٓ ۵ کالم ۲ (تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۱۱ء بعنوان "مدارج تقویٰ")

لہ "روایاتِ صحابہ" (غیر مطبوعہ) جلد ۱۳ صٓ ۱۰

۱۰ مارچ ۱۹۵۱ء[۱])

آپ حضرت مسیح موعودؑ کے قدیم صحابی اور بلند پایہ شاعر حضرت منشی گلاب الدین صاحبؓ رہتاسی[۲] کے بیٹے اور خود بھی نغز گو اور پُرجوش فطرتی شاعر تھے جو عرصہ دراز تک احمدیت اور اُردو ادب کی خدمت کرتے رہے۔ آپ کے اشعار کا مجموعہ "کلامِ حسن" کے نام سے شائع شدہ ہے[۳]۔ ملکی تقسیم ۱۹۴۷ء کے بعد آپ جہلم میں تشریف لے آئے۔ وفات سے دو ماہ قبل لائلپور میں فروکش ہوئے جہاں بیمار ہوگئے جماعتِ احمدیہ لائلپور نے ان کے علاج معالجہ اور تیمارداری کی پوری کوشش کی مگر بیماری جان لیوا ثابت ہوئی اور آپ ۱۰ امان ۱۳۳۰ ہش/ ۱۰ مارچ ۱۹۵۱ء کو انتقال فرما گئے اور لائلپور کے مقامی قبرستان میں سپردِ خاک کئے گئے۔[۴]

۴۔ حضرت شیخ عبدالرشید صاحبؓ بٹالوی :- (ولادت اندازاً ۱۸۸۰ء۔ زیارت ۱۹۰۰ء۔ بیعت ۱۹۰۱ء۔ وفات ۲۷ ہجرت ۱۳۳۰ ہش/ ۲۷ مئی ۱۹۵۱ء)

آپ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اُن مخلص صحابہ میں سے تھے جو عہدِ شباب کے آغاز میں احمدیت سے وابستہ ہوئے اور باوجود خاندانی مخالفت کے آخر دم تک حق و صداقت کو پھیلانے میں کوشاں رہے۔

آپ کی بیعت کا موجب عبداللہ اور چراغ الدین نامی دو شخص تھے جو امرتسر سے بٹالہ آئے اور قادیان جانے کا شوق ظاہر کرکے آپ کو بھی ہمسفر بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ قادیان پہنچے جہاں اُن کا ایک رشتہ دار گورنمنٹ کی طرف سے اس خفیہ ڈیوٹی پر متعین تھا کہ آنے والے مہمانوں کے نام نوٹ

---

[۱] الفضل ۱۵ امان ۱۳۳۰ ہش/ ۱۵ مارچ ۱۹۵۱ء صفحہ ۲ ۔

[۲] حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۸ ستمبر ۱۸۹۲ء کو انہیں تحریر فرمایا۔ "بیعت کنندوں کے ۳۵۲ میں آپکا نام ہے۔" "سراج منیر" میں حضور نے آپ کی ایک نظم درج فرمائی ہے۔ ۲۳ نومبر ۱۹۲۰ء کو جہلم ہسپتال میں انتقال کیا۔ قلعہ رہتاس کے دروازہ خواص خوانی کے باہر آپ کا مزار ہے۔ (الفضل ۲۷ جنوری ۱۹۲۱ء صفحہ ۱۰۔ صفحہ ۹) ۔

[۳] مرتبہ ڈاکٹر ملک نذیر احمد صاحب ریاض۔ بھابڑا بازار راولپنڈی ۔

[۴] روزنامہ الفضل ۱۵ امان ۱۳۳۰ ہش/ ۱۵ مارچ ۱۹۵۱ء ۔

کرے۔ اُس دن حضرت حکیم الاُمّت مولانا نورالدین بھیرویؓ نے الحمد کی تفسیر فرمائی جس نے آپ کے دل پر خاص اثر کیا۔ اس کے بعد آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ گول کمرہ میں کھانا کھانے اور حضور کی زبانِ مبارک سے نئے سے نئے حقائق و معارف سُننے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ حضرت اقدس علیہ السّلام کے نورانی چہرے اور پُر جذب کلام نے آپ پر گہرا نقش قائم کر دیا اور آپ بار بار قادیان جانے لگے اور پھر جلد ہی حضرت مہدی موعود علیہ السّلام کے دستِ مُبارک پر بیعت کر لی۔

قبولِ احمدیت کے بعد آپ پر مخالفت کے گویا پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اہلحدیث برادری نے قافیہ حیات تنگ کر دیا۔ اَور تو اَور آپ کی والدہ صاحبہ بھی آپ پر بہت سختی کرتی تھیں اور آپ کو عاق کرانے کے درپے ہو گئیں۔ آپ کے والد صاحب نے شروع میں تو یہ جواب دیا کہ پہلے یہ دین سے سراسر غافل و بے پروا تھا مگر اَب نمازی بلکہ تہجّد گذار بن گیا ہے اسے مَیں کس بات پر عاق کر دوں؟ لیکن بعد ازاں وہ بھی اپنی برادری کے سامنے جُھک گئے جس پر آپ کو کئی ماہ تک گھر سے باہر رہنا پڑا۔[1]

آپ کا وجود جماعتِ احمدیہ بٹالہ کے لئے ایک ستون کی حیثیت رکھتا تھا چنانچہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحبؓ فاضل (سابق سوداگر مل) تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"بٹالہ میں احمدیت کا مرکز ان کا مکان ہی تھا۔ بہت خوش خلق، مہمان نواز اور سخی تھے۔ ساری عُمر جماعتِ بٹالہ کے پریذیڈنٹ رہے۔ بٹالہ میں احمدیوں کے غیروں کے ساتھ متعدد مناظرے اور جلسے ہوئے ان کا انتظام بھی حضرت شیخ صاحبؓ کے ذمّہ ہوتا تھا اور عموماً مہمان نوازی کے فرائض بھی شیخ صاحب ہی سر انجام دیتے تھے۔"[2]

۵۔ میاں محمد صاحب بستی مندرانی تحصیل سنگھڑ ضلع ڈیرہ غازی خان:-

(ولادت ؟ وفات ۱۹ تبوک ۱۳۳۰ہش / ۱۹ ستمبر ۱۹۵۱ء)

آپ ایک نیک طبع، غریب النفس مگر دل کے غنی اور دینی غیرت رکھنے والے بزرگ تھے۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے ذکر پر آپ کی آنکھیں اکثر پُرنم ہو جایا کرتی تھیں۔ ناخواندہ ہونے کے باوجود آپ ہمیشہ مؤثر رنگ سے تعلیماً فتنہ لوگوں تک پیغامِ حق پہنچاتے رہے۔

---

[1] الفضل ۴ تبوک ۱۳۳۰ہش / ۴ ستمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۴ (مضمون حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ)

[2] "لاہور ۔ تاریخ احمدیت" صفحہ ۳۸۶ مؤلفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحبؓ ۔ طبع اوّل ۲۰ فروری ۱۹۶۶ء)

آپ دو دفعہ حضورؑ کی زندگی میں دارالامان تشریف لے گئے۔ جب پہلی بار بیعت کر کے اپنے وطن واپس آئے تو آپ کا بائیکاٹ کر دیا گیا مگر اس مردِ خدا نے اپنے حقیقی رزّاق کا سہارا کافی سمجھا۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے تھے۔ پُورے کُنبہ کے اخراجات سر پر تھے اور ذریعہ معاش بند تھا۔ اُنہیں ایام کا ذکر کر کے فرماتے تھے کہ بعض رشتہ داروں نے تکالیف اور تنگی کو دیکھ کر کہا کہ اگر تم بظاہر ہم لوگوں میں ہی رہتے اور دِل میں مرزا صاحبؑ پر اعتقاد رکھتے تو ایسے تنگ نہ ہوتے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں منافق کی سی زندگی بسر کروں؟ مجھے بھُوکا مرنا منظور ہے لیکن مجھ سے منافقت نہیں ہو سکتی۔ اگر مَیں ایسا کروں اور خدا مجھے اندھا کر دے تو اس وقت میرا کون رزّاق بنے گا؟

بیان فرمایا کرتے تھے کہ جب میں پہلے پہل قادیان دارالامان گیا تو ان دنوں مجھ پر گریہ زاری کی حالت طاری تھی اور مَیں اکثر رویا کرتا تھا۔ اُن دنوں میرے ہاں اولادِ نرینہ نہیں تھی۔ مَیں دِل میں یہ خواہش رکھتا تھا کہ حضور سے اِس بارے میں دعا کی درخواست کروں گا لیکن انہی دنوں میں حضور نے ایک تقریر فرمائی کہ بعض لوگ ہمارے پاس آتے ہیں اور بعض لوگوں کے خط آتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے ہمارے ہاں اولاد نہیں یا حضرت! دعا فرمائیے ہمیں اللہ تعالیٰ اولاد دے۔ کوئی اپنی مالی تنگی کے بارے میں کہتا ہے۔ کوئی اَور ایسی ہی خواہش پیش کرتا ہے۔ گو ہم سب کے لئے دعا کرتے ہیں مگر میرے آنے کی غرض یہ ہے کہ کوئی ایمان سلامت لے جائے مجھے اپنی خواہش کا اظہار کرتے شرم محسوس ہوتی تھی۔ خاموش رہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس خاموشی کو نواز کر اولادِ نرینہ عطا فرمائی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی کی برکت تھی۔[۱]

۶۔ حضرت میاں محمد الدین صاحبؓ واصلباقی نویس۔ بلانی ضلع گجرات درویش قادیان:۔

(ولادت ۱۸۷۲ء۔ بیعت ۱۸۹۴ء۔ زیارت جون ۱۸۹۵ء۔ وفات یکم نبوت ۱۳۳۰ ہش/ یکم نومبر ۱۹۵۱ء بمقام قادیان)

ابتدائی حالات موضع حقیقہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ ۵ مارچ ۱۸۸۵ء کو پرائمری کا امتحان کھاریاں سے اور جنوری ۱۸۸۸ء میں مڈل کا امتحان ڈنگہ سے پاس کیا۔ ۱۹ جولائی ۱۸۹۰ء کو حلقہ بلانی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات (پنجاب) میں بطور پٹواری تعینات ہوئے جہاں ۱۹۰۵ء تک رہے۔ بعد میں گرداور قانونگو بن گئے۔ ۱۹۱۰ء سے لے کر ۱۹۲۹ء تک تحصیل

[۱] الفضل ۲۷ اخاء ۱۳۳۱ ہش صلا ؎

کھاریاں میں واصل باقی نویس رہے پھر چار ماہ ضلع دفتر میں تبدیل ہو کر پنشن حاصل کی۔

براہینِ احمدیہ سے روحانی انقلاب

اُن ایّام میں جبکہ آپ نے ملازمت شروع کی آپ کی دینی اور عملی حالت سخت ابتر تھی حتّٰی کہ آپ بالکل دہریہ ہو گئے تھے۔ اسی دَوران میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ممتاز صحابی حضرت مرزا جلال الدین صاحبؓ[1] نے اپنے بیٹوں کو اسلامی لٹریچر بھجوایا جس میں براہین احمدیہ بھی تھی۔ آپ کو ان کے بڑے صاحبزادہ مرزا محمد قسیم صاحبؓ کے ذریعہ یہ عظیم الشّان کتاب دیکھنے کا موقعہ ملا اور اس کے ابتدائی مطالعہ سے آپکے سب ظلماتی پردے اُٹھ گئے اور ایک ہی رات میں کایا پلٹ گئی۔ خود فرماتے ہیں :-

" آریہ، برہمو، دہریہ لیکچراروں کے بد اثر نے مجھے اور مجھ جیسے اور اکثروں کو ہلاک کر دیا تھا اور ان اثرات کے ماتحت لایعنی زندگی بسر کر رہا تھا کہ براہین پڑھتے پڑھتے جب میں ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت کو پڑھتا ہوں صفحہ ۹۰ کے بقیہ حاشیہ ۱ پر اور صفحہ ۱۴۹ کے بقیہ حاشیہ نمبر ۱۱ پر پہنچا تو معاً میری دہریت کافور ہو گئی اور میری آنکھ ایسے کھلی جس طرح کوئی سویا ہؤا یا مرا ہؤا جاگ کر زندہ ہو جاتا ہے۔ سردی کا موسم جنوری ۱۸۹۳ء کی ۱۹ تاریخ تھی آدھی رات کا وقت تھا کہ جب میں " ہونا چاہیئے " اور " ہے " کے مقام پر پہنچا پڑھتے ہی معاً توبہ کی ۔۔۔۔ عین جوانی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے میرا ایمان جو ثریا سے شاید اُوپر ہی گیا ہؤا تھا، اتار کر میرے دل میں داخل کیا اور مسلماں را مسلماں باز کرد کا مصداق بنایا جس رات میں مَیں بحالتِ کُفر داخل ہؤا تھا اس کی صُبح مجھ پر بحالتِ اسلام ہوئی۔ اس مسلمانی پر میری صبح ہوئی تو مَیں وہ محمد الدین نہ تھا جو کل شام تک تھا۔ فطرتاً مجھ میں حیا کی خصلت تھی اور وہ اوباشوں کی صُحبت بس عنقا ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی برکت سے وہی خصلتِ حیا واپس دی۔ مَیں اس وقت اس آیت کے پرتَو کے تحت مزے لے رہا تھا لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ

---

[1] ۳۱۳ اصحاب کبار میں آپ کا نام سرفہرست ۳۲ پر درج ہے۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۴۱)

[2] ۴ ستمبر ۱۹۰۲ء کو فوت ہوئے اور ۱۹ ستمبر ۱۹۰۲ء کو جمعہ کے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کا جنازہ غائب پڑھا حضرت مرزا محمد اشرف صاحب ریٹائرڈ محاسب صدر انجمن احمدیہ آپ ہی کے صاحبزادے تھے۔

وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝ (الحجرات : ۸)

(ترجمہ: لیکن اللہ نے تمہاری نگاہ میں ایمان کو پیارا بنایا ہے اور تمہارے دلوں میں اسکو خوبصورت کر کے دکھایا ہے اور تمہاری نگاہ میں کفر اور اطاعت سے نکل جانے اور نافرمانی کرنے کو ناپسند کر کے دکھایا ہے وہی لوگ سیدھے راستہ پر ہیں یہ محض اللہ کے فضل اور نعمت سے ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے)۔

واقعہ بیعت

میاں محمد دین صاحب اپنے واقعہ بیعت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

" ایمان لانے کے ساتھ ہی قرآن کی عظمت اور محبت نے میرے دل میں ڈیرہ لگایا گویا علم شریعت جو ایمان کی جڑھ ہے اس کے حاصل کرنے کا شوق اور فکر دامنگیر ہوا۔ ازاں بعد سال ۱۸۹۳-۹۴ء میں براہین احمدیہ کا ایک دَور ختم کیا جو نماز تہجد کے بعد کیا کرتا تھا اور پھر آئینہ کمالاتِ اسلام پڑھا جو توضیح المرام کی تفسیر ہے۔

حضرت قبلہ منشی مرزا جلال الدین صاحب پنشنر میر منشی رسالہ ۱۲ ساکن بلانی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات دو ماہ کی رخصت لے کر سیالکوٹ چھاؤنی سے بلانی تشریف لائے اور بلانی میں ہی میں پٹواری تھا اُن سے پتہ پوچھ کر بیعت کا خط لکھ دیا جس کا جواب مجھے اکتوبر ۱۸۹۴ء میں ملا جس میں لکھا تھا کہ ظاہری بیعت بھی ضروری ہے جو میں نے ۵ جون ۱۸۹۵ء مسجد مبارک کے چھت پر بالاخانہ کے دروازہ کی چوکھٹ کے مشرقی بازو کے ساتھ حضرت صاحب سے کی۔"

"مسجد مبارک میں ظہر کی نماز مولوی عبدالکریم صاحب کے اقتدا میں ادا کی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان دنوں نماز ظہر اور عصر کے درمیان اور نماز مغرب اور عشاء کے درمیان مسجد میں تشریف رکھا کرتے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہو کر حضرت صاحب شمالی دیوار کے ساتھ کھڑکی (دریچہ) کے جانب غرب بیٹھے تو میں نے آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھا اور چہرہ اور پیشانی سے نُور کی شعاعیں سفید رنگ کی اُٹھتی دیکھیں جو بڑی لمبی تھیں اور چھت کو پھاڑ کر آسمان کی طرف جا رہی تھیں میں اس نظارہ سے مسرور اور تصویر حیرت ہو گیا۔"

"میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ قرآن شریف کس طرح آئے؟ آپ نے فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ[۱] (ترجمہ) اور تم تقوی کرو خدا تمہارا خود استاد ہو جائے گا۔

---

[۱] البقرہ: ۲۸۳

پھر میرے دِل میں گذرا کہ میں علمِ دین سے ناواقف ہوں اور مولوی لوگ مجھے تنگ کریں گے میں کیا کروں گا اور پوچھنے سے بھی شرم کر رہا تھا جو آپ نے بغیر میرے سوال ... ایسے بلند لہجہ اور رعب ناک انداز سے فرمایا کہ میں کانپ گیا۔ فرمایا ہماری کتابوں کو پڑھنے والا کبھی مغلوب نہیں ہوگا۔[1]

کتب حضرت مسیح موعودؑ میں ذکر

جنوری ۱۸۹۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۳۱۳ اصحاب کی فہرست مشمولہ انجام آتھم میں آپ کا نام تیسرے نمبر پر درج فرمایا۔ اسی سال "سراجِ منیر" شائع ہوئی جس میں مہمان خانہ قادیان کے چندہ دہندگان میں بھی آپ کا نام شامل تھا۔ ازاں بعد ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء کے اشتہار (مشمولہ کتاب البریّہ) میں آپ کا نام نمبر ۱۱ پر شائع ہوا۔

آپ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں دو مرتبہ قادیان دارالامان تشریف لے گئے[2] اور اس پاک اور پُر انوار اور برکتوں سے معمور بستی میں ایک ایک ماہ تک قیام فرمایا اور حضرت امام الزمان کی بابرکت مجالس سے اکتسابِ فیض کیا اور حضورؑ کی زبانِ مبارک سے اللہ تعالیٰ کی تازہ بتازہ وحی سُنی۔[3]

خدماتِ سلسلہ

یکم جولائی ۱۹۰۰ء کو حضرت اقدس علیہ السلام کی طرف سے چندہ منارۃ المسیح کی تحریک ہوئی جس میں آپ نے ایک سَو روپیہ دیا۔

۲۳ر اکتوبر ۱۹۰۶ء کو آپ نے اپنی جائیداد کے پانچویں حصّہ کی وصیّت کی اور ۱۹۰۹ء میں اپنا حصّہ جائیداد ادا بھی کر دیا۔ بعد میں جو جائیداد پیدا کی اس کا اندراج بھی صدر انجمن احمدیہ میں کرا دیا۔ ازاں بعد اپنی آمد کی بھی وصیّت کر دی اور آخر دَم تک اس کی ادائیگی کرتے رہے۔

۱۹۲۹ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو اپنی زندگی خدمتِ دین کے لئے وقف کر دی۔ کشمیر فنڈ جمع کیا۔ ضلع گجرات کی جماعتوں کا بجٹ تیار کیا۔ کچھ عرصہ پہلے سندھ کی اراضیات میں بھی دفتر جائیداد

---

[1] "روایاتِ صحابہ" جلد ۷ صفحہ ۴۸ و صفحہ ۴۹)

[2] ۷ر جنوری ۱۹۰۰ء تا یکم فروری ۱۹۰۰ء۔ یکم نومبر ۱۹۰۱ء تا ۲۲ر دسمبر ۱۹۰۱ء (ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب کی تحریری یادداشتوں سے ماخوذ)

[3] آپ کی خودنوشت روایات کے حوالہ سے تذکرہ طبع سوم صفحہ ۷۷۶ تا صفحہ ۷۷۹ میں کئی الہامات محفوظ ہو چکے ہیں۔

صدر انجمن احمدیہ میں سرگرمِ عمل رہے۔

دَورِ درویشی اور وفات

۱۲ ر تبوک ۱۳۲۶ ہش / ۱۲ ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو ہجرت کر کے پاکستان آ گئے مگر اگلے سال ماہِ ہجرت / مئی میں حضرت مصلح موعود کی تحریک پر لبیک کہہ کر مستقل طور پر قادیان تشریف لے گئے۔

درویش آپ سے دینی مسائل سیکھتے اور ناظرہ قرآن پڑھتے تھے۔ بڑھاپے میں بھی بہت ذی ہمت تھے۔ مسجد مبارک سے اُترتے اگر کوئی درویش سہارا دینے کی کوشش کرتا تو آپ منع کرتے اور فرماتے کہ میں بوڑھا نہیں ہوں۔ آپ درویشوں کو اکثر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام کے زمانہ مبارک کی باتیں سُناتے رہتے تھے۔ آپ کا دستور تھا کہ جب آپ لنگر خانہ میں کھانا لینے کے لئے جاتے اُس مقدس دَور کی کوئی ایک بات ضرور سُنا دیتے تھے۔ آپ نے عہدِ درویشی کمال صدق وصفا کے ساتھ نبھایا اور وفات کے بعد بہشتی مقبرہ کے قطعہ صحابہ میں دفن کئے گئے[1] اور اُن ابدال میں شامل ہوئے جن کا ذکر حضرت مہدیٔ موعود علیہ السّلام نے درج ذیل عبارت میں فرمایا ہے:۔

"پنجاب اور ہندوستان سے ہزارہا سعید لوگوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور ایسا ہی سرزمینِ ریاست امیرِ کابل سے بہت سے لوگ میری بیعت میں داخل ہوئے ہیں۔ اور میرے لئے یہ عمل کافی ہے کہ ہزارہا آدمیوں نے میرے ہاتھ پر اپنے طرح طرح کے گناہوں سے توبہ کی ہے اور ہزارہا لوگوں میں بعد بیعت مَیں نے ایسی تبدیلی پائی ہے کہ جب تک خدا کا ہاتھ کسی کو صاف نہ کرے ہرگز ایسا صاف نہیں ہو سکتا۔ اور مَیں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرے ہزارہا صادق اور وفادار مرید بیعت کے بعد ایسی پاک تبدیلی حاصل کر چکے ہیں کہ ایک ایک فرد اُن میں بجائے ایک ایک نشان کے ہے۔"[2]

اولاد

حضرت میاں محمد الدین صاحبؓ کی اولاد:۔

۱۔ غلام فاطمہ صاحبہ (ولادت ۳۰ ر نومبر ۱۸۹۵ء) ۲۔ صوفی غلام محمد صاحب[3]

---

[1] الفضل یکم فتح ۱۳۳۰ ہش / یکم دسمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۵ و ۱۴ ر نبوت ۱۳۳۰ ہش / ۱۴ ر نومبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۔

[2] حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۳۷ - ۲۳۸ طبع اوّل ۱۵ ر مئی ۱۹۰۷ء مطبع میگزین قادیان۔

[3] مبارک مصلح الدین احمد صاحب واقفِ زندگی جو وکیل المال ثانی تحریکِ جدید ہیں آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔

بی۔ ایس سی، بی ٹی ریٹائرڈ ٹیچر تعلیم الاسلام ہائی سکول حال ناظر بیت المال (خرچ) (ولادت ۱۹؍ اکتوبر ۱۸۹۸ء) ۳۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب (ولادت ۳۰؍ مارچ ۱۹۰۱ء) ۴۔ زینب بی بی صاحبہ (ولادت ۳۱؍ دسمبر ۱۹۰۳ء) ۵۔ آمنہ بی بی صاحبہ (ولادت ۶؍ دسمبر ۱۹۰۵ء) ۶۔ چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب بی۔ اے، ایل ایل۔ بی بیرسٹر وکیل القانون تحریک جدید (ولادت ۲۱؍ دسمبر ۱۹۰۹ء) ۷۔ غلام احمد مرحوم (ولادت ۱۵؍ اپریل ۱۹۱۲ء وفات ۱۸؍ مارچ ۱۹۳۲ء) ۸۔ چوہدری غلام یٰسین صاحب بی۔ اے سابق مبلغ اسلام امریکہ (ولادت ۲۸؍ فروری ۱۹۱۵ء) ۹۔ امۃ اللہ صاحبہ (ولادت ۱۳؍ نومبر ۱۹۲۰ء)

حضرت حافظ عبد العزیز صاحبؓ متوطن سیالکوٹ چھاؤنی:۔

(ولادت تقریباً ۱۸۷۳ء۔ بیعت ۱۸۹۶ء[1] وفات ۹ نبوت ۱۳۳۰ ہش / ۹ نومبر ۱۹۵۱ء)

ابتدائی حالات

سیالکوٹ چھاؤنی کے ایک موحد گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد چوہدری نبی بخش صاحب بہت متدین اور مہمان نواز تھے۔ آپ نے بچپن میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا۔ آپ نہایت صحت اور خوش الحانی سے کتاب اللہ کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ خاندانی وجاہت کے علاوہ اپنی ذاتی خوبیوں کے باعث بچپن ہی سے محبت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

پاکیزہ دینی ماحول میں جوان ہوئے اور عنفوانِ شباب ہی سے مذہبی مطالعہ کرنے اور دینی مجالس میں بیٹھنے کا شوق تھا۔ صدر بازار سے آپ شہر سیالکوٹ میں حضرت مولوی عبد الکریم صاحبؓ کا درس سننے کے لئے آیا کرتے تھے۔

سلسلہ احمدیہ میں شمولیت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا چرچا سنا تو اپنے پیر و مرشد سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری (ثانی)[2] سے پوچھا کہ مرزا صاحب اپنے دعوے میں کیسے ہیں جواب ملا کہ (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں۔ آپ نے دلیل مانگی تو پیر صاحب موصوف نے فرمایا مرید کا کام دلیل مانگنا نہیں بس پیر نے کہا اور مرید نے مان لیا مگر حافظ صاحب ہر بات دلیل سے ماننے کے عادی تھے اس طرح اندھا دھند تقلید آپ کے مزاج اور فطرت کے منافی تھی۔ آپ نے مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی اور پیر صاحب کی دعوت کی۔ دونوں میں مذہبی گفتگو ہوئی اس تبادلہ خیالات میں پیر صاحب احمدیت کے علم کلام کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور کوئی تسلی بخش جواب

---

[1] بروایت سردار عبد الحمید صاحبؓ آڈیٹر برادرِ اصغر۔ [2] ولادت ۱۸۶۰ء وفات ۱۹۳۹ء ("صوفیائے نقشبند" از سید امین الدین احمد صاحب ناشر مقبول اکیڈمی لاہور طبع اوّل ۱۹۷۳ء)

دینے سے قاصر رہے جس پر آپ اُن کو چھوڑ کر حضرت مہدئی موعودؑ کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔

قبولِ احمدیّت کے بعد

قبولِ احمدیت کے بعد مخالفت کا سلسلہ لازمی تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ صرف آپ کو ثبات و استقلال بخشا بلکہ آپ کے بابرکت وجود سے سیالکوٹ چھاؤنی کی قدیم وفدائی جماعت کو بھی بہت تقویت پہنچی اور آپ کے نیک نمونہ اور تبلیغ سے بہت سی سعید رُوحیں حلقہ بگوش احمدیت ہوئیں۔

۱۹۱۴ء میں جبکہ مولوی مبارک علی صاحب جیسے عالم فاضل بھی غیر مبائعین میں شامل ہو گئے۔ آپ اس نازک ابتلاء میں مستحکم چٹان بن کر کھڑے رہے اور دوسرے احبابِ جماعت کی بھی خلافت سے وابستگی کا موجب بنے۔

۱۹۲۸ء میں آپ نے اپنا مکان چھاؤنی میں تعمیر کرایا تو دو کمرے نماز باجماعت اور جمعہ کی نیّت سے بنوائے۔ ایک مردوں کے لئے اور ایک عورتوں کے لئے۔ اِس طرح آپ کا مکان مرکز کا کام دینے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مال میں اتنی برکت ڈالی کہ آپ نے اُنیس ۱۹ مکانات اپنے ورثہ میں چھوڑے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ۔

حضرت حافظ صاحب قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق تھے۔ ایک دفعہ کِسی بدزبان نے آپ کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں تحقیر آمیز الفاظ کہے تو آپکو اتنا صدمہ ہوا کہ بخار ہو گیا اور دو دن تک ماہئ بے آب کی طرح تڑپتے رہے۔[1]

حضرت مولوی عبدالواحد خان میرٹھی کا بیان

حضرت مولوی عبدالواحد خان صاحب میرٹھی نے آپ کی وفات پر لکھا:۔

"حافظ عبدالعزیز صاحب رضی اللہ عنہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے بزرگ صحابہ میں سے تھے۔ حافظ صاحب رضی اللہ عنہ اور خاکسار نے ایک ہی دن حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی بیعت کی۔ مجھے جہاں تک یاد ہے غالباً نومبر دسمبر ۱۸۹۵ء کے ایّام تھے حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ پہلے پیر جماعت علی شاہ کے مرید تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت بھی زوروں پر تھی۔ چھاؤنی سیالکوٹ صدر میں مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب احمدی تھے اور ایک اور دوست بھی۔ مولوی صاحب نے

---

[1] الفضل ۸ رفتح ۱۳۳۰ ہش / ۸ دسمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۵ (مضمون چوہدری شبیر احمد صاحب بی۔ اے)

درسِ قرآن شریف شروع کیا ہوُا تھا اور حافظ صاحب رضی اللہ عنہ درس میں شامل ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل و احسان کیا ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی بیعت کر لی۔ حضرت مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ کا درسِ قرآن شریف شہر میں حکیم حسام الدین رضی اللہ عنہ کی مسجد میں ہوتا تھا۔ خاکسار اور حافظ صاحب سردیوں میں صبح ۵ بجے چھاؤنی سے ۲½-۳ میل کا فاصلہ چل کر مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازِ صبح پڑھتے اور درس میں شامل ہوتے۔ اصل میں حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کی بیعت کا بڑا سبب یہ ہوُا کہ مَیں نے حافظ صاحب کو تحریک کی کہ پیر صاحب کی دعوت کریں اور مولوی صاحب کو بھی بُلائیں (مولوی مبارک علی صاحب) پھر کچھ ذکر ضرور ہو گا۔ دیکھیں گے پیر صاحب کیا فرماتے ہیں۔ خیر شام کو حافظ صاحب کی بیٹھک میں انتظام ہوُا اور پیر صاحب، مولوی صاحب، حاجی حسین بخش صاحب مرید پیر بخش صاحب، منشی الٰہ بخش احمدی، حافظ صاحب، خاکسار ایک یا دو اَور دوست تھے غالباً ۷-۸ آدمی تھے۔ پیر صاحب نے فرمایا مولوی صاحب کوئی رکوع قرآن شریف کا سُنائیں۔ مولوی صاحب نے یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ[1] یہی رکوع سُنایا۔ اس وقت شروع شروع میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام ہی زیادہ زیرِ بحث رہتے تھے اب تو غیر احمدی صاحبان اِس بحث کو چھوڑ بھاگے۔ جب پیر صاحب اس رکوع کو سُن کر کچھ بولے نہیں بلکہ مولوی صاحب کی خوش الحانی کی تعریف کی تو مولوی صاحب نے خود ہی دریافت کیا کہ آپ کا حضرت مرزا صاحب کے متعلق کیا خیال ہے؟ پیر صاحب نے فرمایا کہ مَیں نے باوا صاحب[2] سے پوچھا تھا (یعنی اپنے پیر صاحب سے) باوا صاحب نے کہا وہ "کوُڑا" (جھوٹا) ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کوئی دلیل؟ پیر صاحب نے کہا "باوا صاحب کے کہنے پر دلیل کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔" دوسرے دن صبح ہی مَیں نے اور حافظ صاحب نے بیعت کا خط حضرت اقدس علیہ السّلام کی خدمت شریف میں ارسال کر دیا جس کا جواب حضرت مولوی عبدالکریم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قلم کا لکھا ہوُا مجھ کو اور حافظ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مل گیا۔ الحمدللہ علیٰ احسانہٖ۔

خاکسار اور حافظ عبدالعزیز رضی اللہ عنہ بچپن کے دوست تھے۔ ایک ساتھ قریب ۲۵-۳۰ برس رہے۔ ایک ہی سکول میں پڑھے بلکہ اُنہیں کے گھر میں رہے۔ حافظ صاحب رضی اللہ عنہ مجھ سے دو برس بڑے تھے۔ بچپن ہی سے خاموش، کم سُخن، سنجیدہ مزاج، نیک سیرت اور خوش اخلاق انسان تھے۔ ہمارے

[1] آل عمران: ۵۶ ؎ [2] چوُرہ شریف کے پیر جناب فقیر محمد صاحب عرف باوا جی مراد ہیں ؎

محلّہ میں نیز سارے بازار یعنی چھاؤنی سیالکوٹ میں بغیر امتیاز مذہب و ملّت کیا ہندو کیا مسلمان ہر ایک آپ کو عزّت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ یہ بالکل سچّی حقیقت ہے اور ہر ایک آپ کا احترام کرتا تھا۔ باوجود احمدیت کی سخت مخالفت کے آپ کے حُسنِ اخلاق کی وجہ سے کسی مخالف کو آپ کے سامنے احمدیت کے خلاف زبان کھولنے کی جُرأت نہیں ہوتی تھی۔ آپ کی صاف گوئی، راستبازی، نیک چلنی، اخلاص اور تقویٰ کا ہر ایک مدّاح تھا۔ علاوہ چھاؤنی کے چونکہ آپ سنگر کمپنی کے منیجر تھے شہر سیالکوٹ میں بھی بہت آنا جانا رہتا تھا شہر سیالکوٹ کے اکثر و بیشتر لوگ جن سے آپ کو معاملہ پڑتا آپ کے حُسنِ اخلاق، آپ کے اوصافِ حمیدہ کے مُعترف تھے اور آپ کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آتے تھے۔ ہمارے ایک دوست مستری نظام الدین صاحب سپورٹ ورکس سیالکوٹ شہر جو کاروبار کے سلسلہ میں چھاؤنی آتے رہتے تھے اور مولا بخش صاحب بُوٹ فروش (جو بعد میں پَیغامی ہو گئے) بھی آتے اور حافظ صاحب کی دُکان پر ضرور بیٹھک رہتی۔ ایک مرتبہ حافظ جی کی نظر مستری نظام الدین صاحب کے مُوزوں پر پڑ گئی جو پھٹے ہوئے تھے۔ آپ نے فوراً ان کے پھٹے ہوئے مُوزے اتروا دیئے اور اپنے نئے مُوزے ان کو پہنائے ۔ ۔ ۔

جب حضرت مسیح موعود علیہ السّلام دارالامان سے مولوی کرم دین کے مقدمہ میں جہلم[1] تشریف لیجا رہے تھے تو مَیں اور حافظ جی رضی اللہ عنہ اور مستری نظام الدین تینوں آدمی وزیر آباد سٹیشن سے اُسی ٹرین میں سوار ہو کر حضور علیہ السّلام کے ساتھ ہی جہلم گئے اور حضور علیہ السّلام کے قیامِ جہلم تک وہیں رہے اور ساتھ ہی واپس ہوئے۔ آہا! سٹیشنوں پر کیا کیا نظّارے دیکھے اور خاص کر جہلم سٹیشن پر۔ پھر کچہری احاطہ میں' کیا بتاؤں؟ جن کا بیان کرنا بڑا طویل ہے جس کی اِس خط میں گنجائش نہیں ہے۔ اکثر واقعات میری نوٹ بک میں ہیں جو ذکرِ حبیبؑ کے وقت دوستوں کو ازدیادِ ایمان کے لئے سُناتا ہوں۔

احاطۂ کچہری میں حضور مسیح موعود علیہ السّلام کُرسی پر بیٹھے ہوتے تھے اور باقی دوست دری پر بیٹھ جاتے اور کچھ دوست چاروں طرف گھیرا باندھ کر کھڑے رہتے۔ حضور تقریر فرماتے۔ اکثر و بیشتر لوگوں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے جن میں حافظ صاحب رضی اللہ عنہ اور خاکسار بھی شامل تھے۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹ والے بھی تھے جنہوں نے قریب ہی تھوڑی دُوری پر مخالفت میں اکھاڑا لگایا ہوا تھا۔ پھر حضور مسیح موعود علیہ السّلام کے لیکچر سیالکوٹ میں بھی حافظ صاحب اور خاکسار شامل

---

[1] جنوری ۱۹۰۳ء کا واقعہ ہے۔

رہیے"۔ [1]

اولاد ڈاکٹر رشید احمد صاحب[2]۔ ارشاد احمد صاحب[3]۔ شبّیر احمد صاحب[4] بی۔ اے۔ بشارت احمد صاحب[5] بی۔ اے۔ شمشاد احمد صاحب[6]۔ ریاض احمد صاحب[7]۔ اعجاز احمد صاحب[8]۔ ذوالفقار احمد صاحب[9]۔

مبارکہ بیگم صاحبہ۔ سلطان حیدری بیگم صاحبہ۔ اقبال حیدری بیگم صاحبہ۔

تادمِ تحریر خدا کے فضل و کرم سے حضرت حافظ صاحب کی اولاد کی مجموعی تعداد ۳۵ تک جا پہنچی ہے خدائے عزّوجلّ نے مہدئ موعود کو بشارت دی تھی :-

"مَیں تیرے خالص اور دلی محبّوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا اور ان میں کثرت بخشوں گا"۔ [10]

۸- اخوند محمد اکبر خاں صاحبؓ آف ڈیرہ غازیخاں :-

(ولادت اپریل ۱۸۸۵ء۔ تحریری بیعت ۱۹۰۴ء۔ زیارت ۱۹۰۵ء۔ وفات ۴ فتح ۱۳۳۰ہش/ ۴ دسمبر ۱۹۵۱ء)

۱۹۰۳ء میں دفتر ضلع ڈیرہ غازیخان میں ملازم ہو کر راجن پور میں تعینات تھے کہ ایک سعید نوجوان حکیم عبدالخالق صاحب سے ملاقات ہوئی۔ حکیم صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی بعض کتب کا مطالعہ کر چکے تھے اور رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" خود آپ کے زیرِ نظر رہ چکا تھا۔ دونوں نے تحریکِ احمدیت پر علمی تحقیق شروع کر دی اور دونوں خوش نصیبوں پر اللہ تعالیٰ نے حق کھول دیا اور انہوں نے اوائل ۱۹۰۴ء میں بیعت کا خط لکھ دیا۔

ایک نشان پُرانے ڈیرہ غازیخان میں احمدیت کی سخت مخالفت تھی اور اس میں آپ کے خاندان کے ایک بارسُوخ پولیس افسر اخوند امیر بخش خاں صاحب بہت پیش پیش تھے غیر احمدیوں

[1] مکتوب حضرت مولوی عبدالاحد خانؓ مکان نمبر ۴۳۹ پیر کالونی بنام چوہدری شبّیر احمد صاحب ؛

[2] دندان سازی کی پریکٹس کرتے ہیں ؛ [3] ٹرانسپورٹ منیجر وفات ۱۹۵۰ء ؛ [4] وکیل المال اوّل تحریکِ جدید ربوہ و نائب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ (صفِ دوم) ؛ [5] اسسٹنٹ ان ملٹری اکونٹس کراچی ؛ [6] متوفّی ۱۹۵۱ء غیر شادی شدہ ہونے کی حالت میں وفات پائی ؛ [7] ملازم آرڈیننس کراچی ؛ [8] چیف ٹیک ایر فورس کراچی ؛ [9] میڈیکل اسسٹنٹ مسقط ؛ [10] اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء و تذکرہ صفحہ ۱۱۲ ایڈیشن سوم ؛

نے احمدیہ مسجد پر قبضہ کرنے کے لئے سخت ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا اور یہ صاحب ان کے پُشت پناہ بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے سب انسپکٹر پولیس ڈیرہ غازیخاں کو اُکسایا کہ فریقین کے سر کردہ لوگوں کی ضمانتیں لی جائیں۔ اخوند صاحبؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی خدمتِ اقدس میں ایک عریضہ لکھا جس میں ان صاحب کی مخالفت کا ذکر کیا کہ ان کو اِس قدر عناد ہے کہ اگر اُن کا بس چلے تو مجھے قتل کر دیں، اور ضمانت طلبی کا بھی ذکر کیا اور دعا کی درخواست کی حضور نے اپنے مبارک ہاتھ سے اس عریضہ کی پُشت پر جواب رقم فرمایا جس کا مفہوم یہ تھا کہ ہمیں گھبرانا نہیں چاہیئے دعا کی گئی ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس کا جلد نیک نتیجہ ظاہر ہوگا اور جماعت کو چاہیئے کہ ضمانت ہرگز نہ دیوے ہاں مسجد چھوڑنی پڑے تو چھوڑ دی جاوے اور کسی احمدی کے مکان پر باجماعت نمازوں کا انتظام کر لیا جاوے مگر جماعت کے کسی فرد کو ضمانت ہرگز نہیں دینی چاہیئے۔

حضور کے اِس جواب کے تھوڑے دنوں بعد اخوند امیر بخش خاں لقمۂ اجل ہو گئے اور صاحب ڈپٹی کمشنر نے سپرنٹنڈنٹ پولیس ڈیرہ غازیخاں کی رپورٹ پر ایک مسلمان ای۔اے سی کو مقرر کر دیا کہ وہ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں مصالحت کرا دے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ یہ کشمکش جاری تھی کہ آخر دریائے سندھ کی طغیانی سے سارا شہر غرق ہو گیا اور نیا شہر آباد کیا گیا جس میں جماعتِ احمدیہ نے اپنی نئی مسجد تعمیر کرائی جو نئے شہر میں سب سے پہلی مسجد تھی۔[۲] یہ مسجد فراخ اور کشادہ ہے اور شہر کے مرکزی اور بارونق حصّہ میں واقع ہے۔ مسجد میں لائبریری اور مربّی سلسلہ کی رہائش کا بھی موجود ہے اور جمعہ کے علاوہ پبلک جلسے بھی اسی میں منعقد کئے جاتے ہیں۔

اخلاق

اخوند صاحبؓ نے اپنے زمانۂ ملازمت میں خُوب پیغام حق پہنچایا۔ آپ مبلّغینِ سلسلہ کو بُلوا کر تقریریں کراتے اور اخراجات خود برداشت کرتے تھے۔ اپنے افسروں کو ہمیشہ جماعتی لٹریچر دیتے۔ مستقل چندوں کے علاوہ سلسلہ کی دیگر مالی تحریکوں میں بھی حصّہ لیتے تھے۔ سلسلہ کے لٹریچر سے گہرا شغف تھا۔ مرکزی اخبارات، رسائل اور کتب منگواتے اور فرماتے یہی ترکہ مَیں اپنی اولاد کے لئے چھوڑ جاؤں گا۔ جماعتی کاموں میں سرگرمی سے حصّہ لیتے۔ آپ کو اپنے رشتہ داروں اور دوسرے

ؔ۱ "روایاتِ صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۶۔ "بشاراتِ رحمانیہ" جلد اوّل صفحہ ۲۰۵۔ صفحہ ۲۰۷ مؤلفہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر (طبع دوم)

ؔ۲ "روایاتِ صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۶۔ صفحہ ۱۲۸ (خود نوشت روایات اخوند محمد اکبر خان صاحبؓ)

لوگوں سے تکالیف پہنچیں مگر آپ نے ہمیشہ صبر کیا اور دُکھ دینے والوں سے نیکی اور احسان کیا۔ حضرت مصلح موعودؓ اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ اور بزرگانِ سلسلہ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔

جب آپ دورانِ ملازمت ملتان میں قیام فرما تھے حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا پانچ مرتبہ آپ کے گھر تشریف لائیں۔

عُسر و یُسر دونوں حالتیں آپ پر آئیں مگر آپ میں شفقت علیٰ خلق اللہ، انفاق فی سبیل اللہ اور مہمان نوازی کے اوصاف بدستور قائم رہے۔ مفوّضہ کام نہایت توجہ اور محنت سے انجام دیتے آپ کی دیانتداری اپنوں اور بیگانوں میں مسلّم تھی۔

ہجرت اور وفات

۱۹۳۸ء میں پنشن ملی تو قادیان آگئے اور ۱۹۴۰ء میں محلہ دار الفضل میں اپنا مکان بنالیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۷ء میں قادیان سے آکر ملتان میں پناہ گزین ہوئے اور ۴ ماہِ فتح ۱۳۳۰ ہش / ۴ دسمبر ۱۹۵۱ء کو وفات پائی اور ربوہ میں دفن کئے گئے۔[1]

اولاد

۱۔ صفیہ خانم صاحبہ اہلیہ اخوند محمد عبدالقادر خان صاحب ایم۔اے مرحوم ریٹائرڈ پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ

۲۔ بشریٰ خانم مرحومہ (بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون)

۳۔ اخوند فیاض احمد خان صاحب حال منیجر سیلز انٹرہام لمیٹڈ لاہور۔

۴۔ ثریّا خانم صاحبہ اہلیہ ضیاء الرحمٰن صدیقی صاحب۔ ملتان

۵۔ رضیہ خانم صاحبہ اہلیہ پروفیسر حفیظ احمد اعوان صاحب۔ خانپور (ضلع رحیم یار خان)

۶۔ آصفہ خانم صاحبہ اہلیہ پروفیسر ناصر احمد صاحب۔ پشاور

۷۔ فرحت خانم صاحبہ

۸۔ اخوند ریاض احمد خان صاحب ایم۔ایس سی۔ حال ربوہ۔

۹۔ حضرت ملک برکت علی صاحبؓ والد ماجد خالدِ احمدیت ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتیؒ

(ولادت[2] قریباً ۱۸۶۹ء۔ تحریری بیعت[3] ۱۸۹۷ء۔ دستی بیعت[4] ۱۹۰۱-۲ء

---

[1] الفضل ۲۸ راخاء ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۶ ؛ [2] روایات صحابہ جلد ۱۲ صفحہ ۲۷۔ صفحہ ۵ ؛ [3] الفضل ۴ صلح ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۵ ؛ [4] روایاتِ صحابہ جلد ۱۲ صفحہ ۲۷۔ صفحہ ۵ ؛

وفات[۱] ۲۰ ماہِ فتح ۱۳۳۰ ہش / ۲۰ دسمبر ۱۹۵۱ء)

خود نوشت حالات

حضرت ملک صاحبؓ اپنے قبولِ احمدیت اور سفرِ قادیان کے واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"مَیں گجرات سے تعلیم حاصل کر کے لاہور میں ملازم ہوگیا۔ وہاں جو دفتر کے کلرک تھے انہوں نے پیر سید جماعت علی شاہ[۲] کی بیعت کی اور مجھے بھی تحریک کی مَیں نے بھی اُن کے کہنے سے پیر صاحب کی بیعت کر لی اور ہر روز صبح و شام دفتر کے وقت کے علاوہ اُن کی صحبت میں رہنے لگا جب عرصہ گزر گیا اور میری طبیعت پر کوئی اثر پیدا نہ ہؤا اور نہ ہی مَیں نے کوئی رُوحانی ترقّی حاصل کی تو پیر صاحب سے سوال کیا کہ مجھے بیعت کئے ہوئے اِس قدر عرصہ گزر گیا ہے مگر میری حالت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ پیر صاحب نے کہا کہ آپ مجاہدات کریں اور اِس حد تک میرا تصوّر کریں کہ میرا نقش ہر وقت آپکے سامنے رہے پھر آپ کو بارگاہِ الٰہی میں رسائی حاصل ہوگی۔ مَیں عرصہ تک اُن کا تصوّر بھی کرتا رہا۔ مجاہدات بھی بڑے کئے مگر کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔ اکوٹنٹ جنرل کے دفتر میں ایک شخص میاں شرف الدین صاحب ہؤا کرتے تھے وہ احمدی تو نہ تھے مگر حضرت صاحب کی کتابیں پڑھا کرتے تھے انہوں نے مجھے کہا کہ آپ کو پیر صاحب کی بیعت کئے ہوئے اتنا عرصہ گزر گیا ہے مگر آپ کی حالت میں کوئی تبدیلی رُونما نہیں ہوئی۔ مَیں نے کہا کہ مَیں تو ہر روز پیر صاحب کو یہی کہتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ میری حالت میں کوئی تغیّر پیدا نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ اگر مَیں آپ کو کوئی کتاب دوں تو کیا آپ پڑھیں گے مَیں نے کہا ضرور۔ آپ دیں مَیں انشاء اللہ ضرور پڑھوں گا۔ اِس پر اُنہوں نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ایک کتاب مطالعہ کے لئے دی۔ مَیں نے اس کا مطالعہ کیا۔ پھر انہوں نے دوسری دی۔ یہاں تک کہ چار کتابیں مَیں نے پڑھ لیں۔ اس کے بعد ایک دن مَیں نے پیر صاحب کی خدمت میں حضرت صاحب کا ذکر اور پوچھا کہ ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ پیر صاحب نے کہا کہ نہ ہم اُن کو اچھا کہتے ہیں نہ بُرا۔ مَیں اِس جواب پر بہت متعجب ہؤا مگر اُس وقت خاموش ہوگیا۔ ایک روز پھر مَیں نے یہی سوال کر دیا۔ پیر صاحب نے پھر وہی جواب دیا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ "مگر نہ اُنکی کوئی کتاب پڑھو اور نہ وعظ سُنو" مَیں حیران ہؤا کہ ایک طرف تو اُن پر اچھا یا بُرا ہونے کے متعلق

---

[۱] الفضل ۲۰ / صلح ۱۳۳۱ ہش صہ ۵ ۔ [۲] علی پور سیداں میں سید جماعت علی شاہ کے نام سے دو پیر ہم عصر گزرے ہیں یہاں کونسے مراد ہیں اس کی تحقیق نہیں ہوسکی۔

کوئی فتویٰ نہیں لگاتے اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ نہ اُن کی کتابیں پڑھو اور نہ وعظ سُنو۔ مَیں نے کہا کہ کیا آپ نے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے؟ اِس پر پیر صاحب جوش میں آگئے اور کہنے لگے کہ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم ان کی کتابیں پڑھیں علماء نے اُن پر کُفر کا فتویٰ جو لگا دیا ہے۔ ان کا یہ جواب سُن کو میرے ذہن میں حضرت اقدس کی تحریرات کا نقشہ کھنچ گیا جس میں حضور نے مخالف علماء کے کُفر کے فتویٰ کا ذکر کرکے فرمایا تھا کہ یہ لوگ نہ میری کتابیں پڑھتے ہیں اور نہ میرے خیالات کو انہیں سُننے کا موقعہ ملا ہے مگر محض مولوی محمد حسین کے کہنے پر یک طرفہ فتویٰ لگا دیا ہے۔

مَیں نے دِل میں کہا کہ پیر صاحب کی بھی یہی حالت ہے کہ بالکل یک طرفہ فتویٰ لگا رہے ہیں۔ یہ باتیں سُنکر مَیں پیر صاحب سے بدظن ہوگیا اور واپس آکر تحقیقات میں مشغول ہوگیا۔ ان ایّام میں عبداللہ آتھم کے متعلق حضور کے اشتہارات نِکل رہے تھے اور عیسائیوں کی طرف سے بھی اشتہار آتے نکلا کرتے تھے۔ مَیں فریقین کے اشتہارات کو ایک فائل کی صُورت میں محفوظ کر رہا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ حضرت اقدس کی پیشگوئی آتھم کے بارہ میں بالکل صحیح پُوری ہوگئی ہے۔ اس کے بعد لیکھرام کے متعلق حضور کے اشتہارات اور تحریرات نکلنا شروع ہوگئیں ان کو بھی مَیں فائل میں محفوظ کرتا گیا۔ اِن ہر دو واقعات کے گزرنے کے بعد مجھے حضرت اقدس کی صداقت کے متعلق اطمینان ہوگیا اور مَیں نے بیعت کا خط لکھ دیا۔ پھر قریباً ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء میں قادیان جاکر دستی بیعت کی۔"

"جب قادیان پہنچے تو مہمان خانہ میں ٹھہرے۔ دوسرے دن حضرت اقدس نمازِ ظہر کے لئے تشریف لائے۔۔۔ حضرت اقدس کے زمانہ میں چونکہ مسجد چھوٹی ہوا کرتی تھی اسلئے جب آدمی زیادہ ہوتے تو چھت پر جہاں حضور تشریف فرما ہوتے تھے جہاں کسی کو جگہ مل جاتی وہ بیٹھ جاتا اور ہمہ تن گوش ہوکر حضور کی باتوں کو سُنتا۔ بعض غیر احمدی معترض ہوتے کہ آپ پیر ہیں اور نیچے بیٹھے ہیں مگر مرید نشین پر اُوپر بیٹھے ہیں۔ حضرت صاحب فرماتے کہ معذوری ہے جگہ تنگ ہے لوگ مجھے پُوجنے کے لئے نہیں آئے بلکہ تقویٰ اور طہارت کی باتیں سُننے کے لئے آئے ہیں اور مَیں تو انسان پرستی کو دُور کرنے کے لئے آیا ہوں۔

ایک دفعہ جبکہ مَیں بھوچرا بنگلہ نہر لوئر جہلم ضلع سرگودہا میں تھا ایک سب ڈویژنل افسر مسٹر ہاورڈ میرے خلاف ہوگیا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بددیانت تھا اور پہلے کلرک کے ساتھ مل کر کھایا کرتا

تھا مگر جب مَیں گیا تو مَیں نے ایسے بِل بنانے سے انکار کر دیا اور کہا آپ میژرمنٹ بک[1] (MESUREMENT BOOK) میں درج کرکے دے دیں مَیں بِل بنا دوں گا لیکن کتاب میں درج نہیں کروں گا۔ اِس پر وہ بگڑ گیا اور میرے خلاف رپورٹ کر دی اور مجھے معطّل کر دیا۔ وجہ یہ لکھی کہ مَیں اِس کو بدمعاشی کی وجہ سے معطّل کرتا ہوں لیکن افسرِ بالا نے لکھا کہ اِس پر چارج شیٹ لگاؤ اور جواب لے کر بھیجو۔ اس وقت جو جُرم مجھ پر لگایا گیا وہ کوئی بھی جُرم نہ تھا بلکہ اِس قسم کی باتیں تھیں کہ اس نے فلاں کا عذر پر دستخط کئے ہیں لیکن لفظ پڑتال نہیں لکھا۔ ایسی باتوں کا مَیں نے مدلّل جواب دے دیا۔ خیر کیس چل پڑا اور تین مہینہ تک چلتا رہا۔ مَیں نے حضرتِ اقدس کی خدمت میں دُعا کے لئے درخواست کی۔ حضور کی طرف سے ایک کارڈ پر جواب آیا کہ "دُعا کی ہے اللہ تعالیٰ رحم کرے گا"۔ اتفاق سے یہ خط ایک شخص پرسرام اوورسیئر کے ہاتھ آ گیا اور اُس نے پڑھ لیا اُس نے مجھے آکر کہا کہ مقدمہ آپ کے حق میں ہو گیا ہے اور آپ بَری ہو گئے ہیں۔ مَیں حیران ہُوا اور پُوچھا کہ آپ کو کیسے علم ہُوا؟ اُس نے وہ کارڈ مجھے دیا اور کہا اِس پر لکھا ہُوا ہے۔ مَیں نے اسے پڑھا اور کہا کہ یہاں تو یہ نہیں لکھا کہ آپ بَری ہو گئے ہیں۔ وہ بولا کہ اتنے بڑے خدا کے بندے نے آپ کے لئے دُعا کی ہے بھلا اب کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ بَری نہ ہوں؟؟ چنانچہ اس خط کے مطابق تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مَیں بَری ہو گیا اور باوجود اس بات کے کہ مَیں کلرک تھا اور جھگڑا ایک انگریز سب ڈویژنل افسر کے ساتھ تھا مگر اس مقدمہ کی تفتیش کے لئے سپرنٹنڈنٹ اور چیف انجنیئر مسٹر بلینٹی تک آئے اور خُوب اچھی طرح سے انکوائری کی اور مجھے بَری کیا۔"[2]

اخلاق و عادات

ملک صاحب نے محکمہ نہر میں ملازمت کرکے ۱۹۲۷ء میں پنشن حاصل کی۔ عرصہ دراز تک جماعتِ احمدیہ گجرات کے جنرل سیکرٹری اور پھر امیر رہے۔ دَورانِ ملازمت اور بعد میں بھی تبلیغِ دین کو اپنی غذا بنائے رکھا۔ آپ کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو سلسلہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ تہجّد گذار اور متّقی بزرگ تھے۔ اُولوالعزمی اور راست گوئی آپ کا طرّۂ امتیاز تھا۔ بہت دعائیں کرنے والے مستجاب الدّعوات صاحب

---

[1] پیمائش کی کتاب ۔ [2] (رجسٹر "روایاتِ صحابہ" (غیر مطبوعہ) جلد نمبر۱ صفحہ ۴۷ ۔ صفحہ ۵۹) خودنوشت حالات حضرت ملک برکت علی صاحبؓ مورخہ ۱۰؍ جون ۱۹۳۹ء ۔

کشوف و رؤیا تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضورؑ کے خلفاء کے ساتھ عشق تھا سلسلے کے لئے غیرت رکھنے والے انسان تھے۔ دینی اور دُنیاوی لحاظ سے کامیاب اور کامران زندگی گزاری وفات تک تبلیغ کا کام سرانجام دیتے رہے۔ باوجود پیرانہ سالی کے جواں ہمت اور جواں دل تھے اپنے خاندان میں سب سے پہلے احمدیت کو قبول کیا آپ کے ذریعہ سے آپ کے خاندان اور متعلقین کا اکثر حصہ احمدیت میں داخل ہوا۔[۱]

بہترین علمی یادگار

حضرت ملک صاحبؓ کی بہترین علمی یادگار آپ کے فرزند خالد احمدیت ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ تھے جن کے تبلیغی معرکے ہمیشہ زندہ جاوید رہیں گے۔ خادم صاحبؓ نے اپنی مایۂ ناز کتاب "احمدیہ پاکٹ بک" کا چھٹا ایڈیشن آپ سے معنون کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"مَیں اپنے والد مرحوم و مغفور حضرت ملک برکت علی کا نام زیبِ عُنوان کرتا ہوں جن کا عشقِ دیں اور جوشِ تبلیغ مجھے ورثہ میں ملا ہے اور جن کی تعلیم و تربیت سے مَیں خدّامِ احمدیت میں شمار ہونے کے قابل بنا۔"[۲]

---

[۱] الفضل ۴ر صلح ۱۳۳۱ہش / ۴ر جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۵ (مضمون منشی محمد رمضان صاحب احمدی پوسٹل پنشنر گجرات سابق ضلع وار کلرک جماعتِ احمدیہ گجرات)

[۲] مندرجہ بالا بزرگ صحابہ کے علاوہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے امیر اور صدر مولانا محمد علی صاحب ایم۔اے سابق ایڈیٹر "ریویو آف ریلیجنز" کی وفات بھی اسی سال ہوئی۔

(ولادت دسمبر ۱۸۷۴ء۔ زیارت جنوری ۱۸۹۲ء۔ دستی بیعت ۱۸۹۷ء ہجرت قادیان ۱۸۹۹ء۔ لاہور میں مستقل قیام ۲۰ر اپریل ۱۹۱۴ء۔ وفات ۱۳ر اکتوبر ۱۹۵۱ء)

"تاریخِ احمدیت" جلد دوم میں آپ کے حالاتِ زندگی کا اجمالی خاکہ دیا جاچکا ہے۔ آپ کے مفصل سوانح کے لئے ملاحظہ ہو "مجاہدِ کبیر" مؤلفہ جناب ممتاز احمد صاحب فاروقی بی۔ایس سی۔ ای۔ای ستارۂ خدمت و جناب محمد احمد صاحب ایم۔اے خلف مولانا محمد علی صاحب مرحوم۔

فصل سوم

۱۳۳۰ ہش / ۱۹۵۱ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندان مسیح موعودؑ میں تقریب مسرت

۲۶ فتح ۱۳۳۰ ہش / ۲۶ دسمبر ۱۹۵۱ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے سالانہ جلسہ ربوہ کے افتتاح سے قبل اپنے صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب اور اپنی صاحبزادی امتہ النصیر بیگم صاحبہ کے نکاحوں کا اعلان فرمایا۔ صاحبزادہ صاحب کا نکاح حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کی بیٹی امتہ القدوس بیگم صاحبہ سے اور صاحبزادی صاحبہ کا پیر معین الدین صاحب ایم۔ ایس سی ابن حضرت پیر اکبر علی صاحبؓ[1] مرحوم سے ایک ایک ہزار روپیہ مہر پر قرار پایا تھا۔

حضور نے خطبۂ نکاح میں فرمایا کہ "مَیں اپنی لڑکیوں کا نکاح صرف واقفینِ زندگی سے کر رہا ہوں اور اس رشتہ میں میرے لئے یہی کشش تھی کہ لڑکا واقفِ زندگی ہے۔"[2]

مجاہدینِ احمدیت کا تبلیغی دورہ

بیرونی ممالک میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ سرانجام دینے والے مجاہدین کے ایک وفد نے صوبہ پنجاب و صوبہ سرحد کا کامیاب تبلیغی دورہ کیا۔ وفد نے لائلپور، سیالکوٹ، جہلم، راولپنڈی، کیمبلپور، نوشہرہ، پشاور اور لاہور جیسے مرکزی شہروں کی انفرادی مجالس اور پبلک جلسوں سے خطاب کیا۔ اور انڈونیشیا، سنگاپور، مشرقِ وسطیٰ، افریقہ اور یورپ وغیرہ ممالک میں جماعتِ احمدیہ کی تبلیغی خدمات کے ایمان افروز اور دلچسپ واقعات بیان کئے اور بتایا کہ جماعتِ احمدیہ کے اسلامی مشن مسلمانانِ عالم خصوصاً پاکستان کے وقار اور مفادات کا ہر ممکن تحفظ و دفاع کرتے ہیں اور انڈونیشیا کی جنگِ آزادی میں احمدیوں نے شاندار کردار ادا کیا ہے۔ وفد کے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ وہ مسلمانانِ پاکستان کو مسئلہ فلسطین

---

[1] آپ کی سوانح ۱۳۴۶ ہش / ۱۹۶۷ء میں ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے کے قلم سے "تابعین اصحابِ احمد" جلد ۶ میں چھپ چکی ہیں۔ [2] الفضل یکم صلح ۱۳۳۱ ہش / یکم جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۔

کے تاریخی پس منظر سے آگاہ کر کے انہیں صیہونی حکومت کے خلاف متحد ہونے کی تلقین کرے۔ چنانچہ اس پہلو پر بھی خاص زور دیا گیا۔

وفد جہاں جہاں پہنچا، مقامی جماعتوں نے اس کا پُرجوش استقبال کیا اور اس سے استفادہ کرنے کے لئے عمدہ مواقع پیدا کئے۔ احمدیوں کی معلومات اور قوتِ عمل میں اضافہ ہوا اور غیر احمدی معززین مجاہدین کے کارناموں اور تبلیغی مساعی سے بہت متأثر ہوئے[1]

وفد میں شامل مبلغین کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ مبلغِ انڈونیشیا (امیرِ وفد)

۲۔ حضرت مولانا غلام حسین صاحب ایازؓ مبلغ سنگاپور۔

۳۔ شیخ نور احمد صاحب منیر مبلغ فلسطین و شام۔

۴۔ مولوی غلام احمد صاحب مبلغ عدن۔

۵۔ مولوی عنایت اللہ صاحب احمدی مبلغ مشرقی افریقہ۔

۶۔ مولوی محمد اسحٰق صاحب ساقی مبلغ سپین۔

ربوہ میں ٹیلیفون کا اجراء

خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ربوہ میں دینی خدمت بجالانے کی ساری سہولتیں قلیل ترین عرصہ میں مہیا فرما دیں۔ ریلوے لائن پہلے ہی ربوہ کے رقبہ میں سے گزرتی تھی بعد کو اسٹیشن بھی قائم ہو گیا اور اسٹیشن، ڈاک خانہ اور تار گھر کھلنے کے بعد اِس سال ۲۱۔ ماہ ہجرت/مئی سے ٹیلیفون بھی جاری ہو گیا۔ ربوہ سے پہلا فون امیر جماعت احمدیہ قادیان کو کیا گیا جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے درج ذیل الفاظ پر مشتمل تھا:۔

"جماعت کو سلام، بیماروں کی عیادت اور دعاؤں کی تحریک۔"[2]

دفاعِ وطن کا عہد

ماہِ وفا/جولائی کے وسط میں ہندوستان کی بکتر بند فوجیں مشرقی پنجاب اور ریاست جموں و کشمیر کے ساتھ ساتھ پاکستانی حدود کے اتنے قریب فاصلہ پر جمع ہو گئیں کہ پاکستان کی سالمیت خطرہ میں پڑ گئی۔

---

[1] تفصیل الفضل ۱۶ ہجرت/مئی تا ۵ احسان/جون ۱۳۳۰ ہش ۱۹۵۱ء میں ملاحظہ ہو۔

[2] الفضل ۲۳ و ۲۴ ہجرت ۱۳۳۰ ہش/۲۳ و ۲۴ مئی ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۔

اِس نازک موقع پر مرکزِ احمدیّت ــــــ ربوہ کی طرف سے وزیرِ اعظم پاکستان لیاقت علی خاں کو یقین دلایا گیا کہ پاکستان کے احمدی مادرِ وطن کے دفاع اور اس کی حفاظت کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ اِس سلسلہ میں ناظر صاحب امورِ خارجہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے وزیرِ اعظم کے نام حسبِ ذیل تار ارسال کیا:۔

" پاکستانی سرحدات کے قریب ہندوستانی فوجوں کے جمع ہونے کی خبر سے افسوس ہُوا ہم حکومت کو یقین دلاتے ہیں کہ قوم کے اِس نازک وقت میں پاکستان کے احمدی ہر حال میں اپنی حکومت سے پُورا پُورا تعاون کریں گے اور مادرِ وطن کے دفاع اور اس کی حفاظت کی خاطر ہر ممکن قربانی کے لئے ہر آن تیار رہیں گے۔"[1]

رسالہ الفرقان کا اجراء

وسط ۱۳۳۰ھش/ ۱۹۵۱ء میں مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری سابق مبلغ بلادِ عربیہ و پرنسپل جامعہ احمدیہ نے رسالہ " الفرقان" جاری فرمایا۔ اِس رسالہ کے تین بنیادی اغراض و مقاصد تھے:۔

۱ - قرآنِ مجید کے حُسن کو نمایاں کرنا اور فضائلِ قرآنی بیان کرنا۔

۲ - غیر مُسلموں (آریوں، عیسائیوں، اور بہائیوں وغیرہ) کے قرآنِ مجید پر اعتراضات کے جوابات۔

۳ - اہلِ پاکستان میں آسان اسباق کے ذریعہ عربی زبان کی ترویج و اشاعت۔

اِس رسالہ کے اوّلین منیجر حضرت بابو فقیر علی صاحب (والد ماجد مولانا نذیر احمد علی صاحب شہیدِ افریقہ) مقرر کئے گئے۔ یہ رسالہ چوبیس سال سے نہایت باقاعدگی اور التزام کے ساتھ چھپ رہا ہے اور اپنے بلند پایہ اور تحقیقی مضامین کے اعتبار سے رسالہ " ریویو آف ریلیجنز اُردو" کی نمائندگی کرتا ہے۔

سیّدنا حضرت مُصلح موعودؓ کی نگاہ میں "الفرقان" کو جو علمی افادی اہمیت حاصل تھی اس کا اندازہ حضور کے مندرجہ ذیل ارشاد سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

" میرے نزدیک الفرقان جیسا علمی رسالہ تیس چالیس ہزار بلکہ لاکھ تک چھپنا چاہیئے اور اس کی بہت وسیع اشاعت ہونی چاہیئے۔"[2]

---

[1] الفضل ۱۸ وفا ۱۳۳۰ھش/ ۱۸ جولائی ۱۹۵۱ء صفحہ ۱ ۔ [2] الفضل ۵ صلح ۱۳۳۵ھش/ ۵ جنوری ۱۹۵۶ء

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے نے لکھا:۔

"رسالہ الفرقان بہت عمدہ اور قابلِ قدر رسالہ ہے اور اس قابل ہے کہ اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ وسیع ہو کیونکہ اس میں تحقیقی اور علمی مضامین چھپتے ہیں اور قرآن کے فضائل اور اسلام کے محاسن پر بہت عمدہ طریق پر بحث کی جاتی ہے۔ ایک طرح سے یہ رسالہ اُس غرض و غایت کو پُورا کر رہا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مدّنظر رسالہ ریویو آف ریلیجنز اُردو ایڈیشن کے جاری کرنے میں تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی یہ خواہش بڑی گہری اور خُدا کی پیدا کردہ آرزو پر مبنی ہے کہ اگر ایسے رسالہ کی اشاعت ایک لاکھ بھی ہو تو پھر بھی دُنیا کی موجودہ ضرورت کے لحاظ سے کم ہے۔ پس مخیّر اور مستطیع احمدی اصحاب کو یہ رسالہ نہ صرف زیادہ سے زیادہ تعداد میں خود خریدنا چاہیئے بلکہ اپنی طرف سے نیک دل اور سچائی کی تڑپ رکھنے والے غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب کے نام بھی جاری کرانا چاہیئے تا اس رسالہ کی غرض و غایت بصورت احسن پُوری ہو اور اسلام کا آفتاب عالمتاب اپنی پُوری شان کے ساتھ ساری دُنیا کو اپنے نُور سے منوّر کرے۔"[1]

دفترِ "حفاظتِ مرکز" ربوہ میں

دفتر "حفاظتِ مرکز ہند" جو قریباً تین برس سے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی نگرانی میں جودھامل بلڈنگ (لاہور) میں قائم تھا اِس سال کے آغاز میں ربوہ منتقل ہو گیا[2] اور حضرت میاں صاحبؓ بھی اِس جدید مرکز میں رہائش پذیر ہو گئے۔

اِس دفتر کا نام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی منظوری سے ۷ر ماہِ شہادت ۱۳۳۹ ہش/ ۷ر ماہِ اپریل ۱۹۶۰ء کو خدمتِ درویشاں رکھا گیا۔ حضور کے الفاظِ مبارک یہ تھے "خدمتِ درویشاں نام بدل دیں" حضور کا یہ ارشاد اس دفتر میں زیر $\frac{927}{7-4-60}$ ریکارڈ شدہ ہے۔

وزیرِ اعظم پاکستان کے نام مُبارکباد کا پیغام

۴ر صلح/جنوری سے لندن میں دولت مشترکہ کے وزرائے اعظم کی کانفرنس ہو رہی تھی۔ وزیر اعظم پاکستان خان لیاقت علی خان نے اعلان کیا کہ جب تک مسئلہ کشمیر کو ایجنڈے میں شامل

---

[1] الفضل ۱۸ر وفا ۱۳۳۸ ہش/ ۱۸ر جولائی ۱۹۵۹ء صٖ۴۔

[2] الفضل ۹ر صلح ۱۳۳۰ ہش/ ۹ر جنوری ۱۹۵۱ء صٖ۶۔

نہیں کیا جائے گا وہ اس میں شامل نہیں ہوں گے۔ اس جرأت مندانہ اقدام پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے درجِ ذیل الفاظ میں اُن کو مبارکباد کا پیغام دیا:۔

"آپ نے دولتِ مشترکہ کے وزراءِ اعظم کی کانفرنس کے ایجنڈے میں مسئلۂ کشمیر کی شمولیّت پر زور دیتے ہوئے جس عزم و ثبات کا اظہار کیا ہے مَیں اس پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اگرچہ ہماری جماعت کے نزدیک دولتِ مُشترکہ کی رُکنیت بھی اہم ہے لیکن اِس کے نزدیک یقیناً پاکستان کی سلامتی اور حفاظت کا سوال اس سے کہیں زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ خیرسگالی کا جذبہ بلاشبہ ایک قابلِ قدر اور نہایت بیش قیمت چیز ہے لیکن اپنے ملک کے مفاد کے لئے ثابت قدمی دکھانا بعض حالات میں اس سے بھی زیادہ بیش قیمت ہے۔ خدا آپ کے ساتھ ہو۔" [1]

درویشانِ قادیان کے اہل و عیال کی واپسی

اِس سال ایک لمبی جدّوجہد اور انتظار کے بعد بارہ[12] درویشوں کے اہل و عیال (جو انقلابِ ہجرت کے باعث پاکستان میں آگئے تھے) واپس قادیان جاکر آباد ہوگئے اور یہ سب اُن درویشوں کے رشتہ دار تھے جو شروع سے ہندوستان کے باشندے تھے۔ اِن بارہ[12] خاندانوں میں سے ایک تو کچھ عرصہ قبل قادیان چلا گیا تھا اور باقی ۲۸ ماہِ احسان/جون کو واپس گئے تھے۔ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے مصنّف "اصحابِ احمد" اِس واقعہ کی تفصیل میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"۱۹۴۸ء سے اہل و عیال کی واپسی کے لئے کوشش ہورہی تھی بالآخر حکومتِ ہند کی طرف سے چند ماہ قبل اہل و عیال منگوانے کی اجازت ملی اور حکومتِ پاکستان نے بھی اِس کی اجازت دیدی۔ گویا دونوں حکومتوں کے اتّفاقِ رائے سے یہ کام ہؤا لیکن گزشتہ ماہ کی ابتداء میں اچانک یہ غیر متوقع اطلاع گورنمنٹ ہند کی طرف سے آئی کہ اجازت کی میعاد گزر چکی ہے۔ اِس میعاد کی اِدھر اور اُدھر کے منتظمین کو کوئی اطلاع نہ تھی بلکہ یہ اطلاع تھی کہ کوئی میعاد مقرر نہیں ہے۔ بہرحال منسوخی کی اطلاع ملنے پر صدر انجمن احمدیہ قادیان نے مکرم شیخ عبدالحمید صاحب عاجز اور خاکسار

---

[1] الفضل لاہور ۲۰ صلح ۱۳۳۰ہش/۲۰ جنوری ۱۹۵۱ء صفحہ۱۔

کو اِس سلسلہ میں دِلّی بھیجا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۲۲ جون کو میعاد میں توسیع منظور ہو کر لاہور اطلاع چلی گئی۔ پاکستان حکومت کی طرف سے میعاد ۳۰ جون تک کی تھی۔ وقت بہت تنگ تھا اور درویشوں کے اہل وعیال منتشر مقامات پر تھے۔ ان کے جلد اور بروقت پہنچنے کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بہت ہی سعی فرمائی جو خدا کے فضل سے مشکور ہوئی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

قریباً سارے دوست جن کے اہل وعیال آرہے تھے۔ فون پر اطلاع ملنے پر استقبال کے لئے واہگہ بارڈر پر پہنچ گئے۔ نظارت امور عامہ کی طرف سے انتظام کے لئے اخویم فضل الٰہی صاحب مقرر تھے۔ ۲۸ جون کو گیارہ درویشوں کے اہل وعیال قریباً ½-۱۱ بجے دن سرحدِ پاکستان عبور کر کے سرزمین ہند میں داخل ہوئے جہاں سے لاری کے ذریعہ ½-۶ (بجے) شام روانہ ہو کر قریباً ۸ بجے شام بٹالہ اور وہاں سے ½-۱۰ بجے شب بخیریت تمام قادیان پہنچے۔ سڑک کی خرابی کی وجہ سے قادیان کے راستہ میں ٹرک پھنس گیا اِس وجہ سے کافی وقت صرف ہو گیا۔ جُوں جُوں ان کی آمد میں دیر ہوتی جاتی تھی۔ درویشوں کا اشتیاق اور فکر بڑھتا جاتا تھا اور وہ دست بدعا تھے کہ اللہ تعالیٰ قافلہ کو خیریت سے لائے۔ احمدیہ چوک (نزد مکان حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب) میں درویش ہلالِ عید کی طرح چشم براہ تھے اور قافلہ کی آمد پر خوشی سے پھُولے نہ سماتے تھے۔"[1]

جماعتِ احمدیہ پشاور کی نئی جامع مسجد

پشاور میں ۱۹۲۳ء سے صرف ایک احمدیہ مسجد کوچہ گلبادشاہ میں تھی۔ اب اِس سال حضرت مولٰینا غلام رسُول صاحب راجیکیؓ مبلّغ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تحریک پر سول کوارٹرز میں دوسری عالیشان مسجد بنی۔ اِس مسجد کا سنگِ بنیاد حضرت مولانا صاحبؓ نے ۲۸ ماہِ شہادت ۱۳۳۰ ہش/۲۸ اپریل ۱۹۵۱ء بروز اتوار صبح آٹھ بجے رکھا بنیاد کے بعد آپ نے احادیثِ نبوی اور اسلامی واقعات کی روشنی میں تعمیر مسجد میں حصہ لینے کی اہمیت بتائی جس پر احمدی دوستوں نے نہایت اخلاص اور فراخدلی سے چندہ فراہم کیا۔

یہ مسجد صوبہ سرحد کی احمدی مساجد میں سب سے وسیع مسجد ہے اور مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۱ وفا ۱۳۳۰ ہش/۲۱ جولائی ۱۹۵۱ء ص۵

حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ نے "حیاتِ قدسی" جلد سوم صفحہ ۱۰۰ پر[1] اور حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ فاروقی امیر جماعتِ احمدیہ صوبہ سرحد نے اپنی کتاب "تاریخ احمدیہ" (سرحد)[2] کے صفحہ ۹۷ پر اس مسجد کا تذکرہ فرمایا ہے۔

قادیان سے رسالہ "درویش" کا اِجراء

قادیان کے اہلِ علم و قلم درویشوں نے ۱۲؍صلح ۱۳۲۷ہش/ ۱۲؍جنوری ۱۹۴۸ء کو "بزمِ درویشاں" کے نام سے ایک علمی مجلس قائم کی جس کا مقصد اسلامی طریق پر فنِ تقریر سکھانا اور دینی اور علمی قابلیت میں اضافہ کرنا تھا۔ اِس مجلس کے ابتدائی دو تین سال درویشوں میں تقریری شوق پیدا کرنے کے لئے وقف رہے ماہِ فتح ۱۳۲۹ہش/دسمبر ۱۹۵۰ء میں مجلس کی پہلی تحریری جدّوجہد ایک مجموعہ نظم و نثر کی صورت میں سامنے آئی جس کا نام بھی "درویشانِ قادیان" تھا۔ ازاں بعد بزم نے اپنے اجلاس (مورخہ ۴؍صلح ۱۳۳۰ہش/ ۴؍جنوری ۱۹۵۱ء) میں قادیان سے ایک ماہنامہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اس رسالہ کا نام "درویش" تجویز فرمایا جس کا پہلا شمارہ ماہ تبوک ۱۳۳۰ہش/ستمبر ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا۔

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے اِس رسالہ کے لئے حسبِ ذیل پیغام بذریعہ تار ارسال فرمایا:-

BAZM-I-DARWESHAN

C/o MOBARIK ALI DARUL MASIH QADIAN

Whatever service you do to your God or to your faith and country, be earnest, be honest, be straightforward, don't look upon people to help you. If your work is for God, God will help you, if not, nobody will help you.

KHALIFATUL MASIH
RABWAH 26-7-51

---

[1] ناشر سیٹھ محمد معین الدین صاحب احمدی چنت کنٹہ حیدرآباد دکن طبع اوّل جنوری ۱۹۵۴ء مطبوعہ تاج پریس حیدرآباد دکن۔ [2] طبع اوّل ۱۳۳۸ہش مطابق ۱۹۵۹ء مطبوعہ منظور عام پریس پشاور۔

(ترجمہ) آپ اپنے خدا، مذہب اور ملک کی خاطر جو خدمت بھی انجام دیں اس میں پوری سنجیدگی، دیانتداری اور راستبازی سے کام لیں۔ انسانی امداد پر انحصار نہ رکھیں۔ اگر آپ کا کام محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہے تو وہ خود آپ کی تائید و نصرت فرمائے گا ورنہ کوئی فرد آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔

خلیفۃ المسیح

ربوہ

۲۶ جولائی ۱۹۵۱ء

رسالہ "درویش" نظارت دعوت و تبلیغ قادیان کی نگرانی میں چھپتا تھا اور صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب اس کے نگران تھے۔ مولوی مبارک علی صاحب طالبؔ پوری، چوہدری سعید احمد صاحب بی۔اے آنرز، محمد صادق صاحب ناقدؔ لائلپوری نے بالترتیب اس کی ادارت کی اور مکرم یونس احمد صاحب اسلم نے تابع و ناشر کے فرائض انجام دئے۔ ابتداءً یہ رسالہ پریم پرنٹنگ پریس امرتسر سے چھپوایا گیا۔ پھر راما آرٹ پریس امرتسر سے طبع ہونے لگا۔ رسالہ کا سرورق منارۃ المسیح کے نہایت دلکش اور خوبصورت فوٹو سے مزین ہوتا تھا۔

انقلابِ ہجرت ۱۹۴۷ء کے بعد مرکز سے شائع ہونے والا یہ پہلا رسالہ تھا اور اسے ہندوستان اور پاکستان کے مشہور احمدی علماء اور ادباء کی علمی و ادبی سرپرستی حاصل تھی۔ اس کے مضمون نگاروں میں حضرت عرفانی الکبیرؓ، حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانیؓ، حضرت مرزا برکت علی صاحب جیسے بزرگ صحابہ اور مولانا ابوالعطاء صاحب، مولوی شریف احمد صاحب امینیؔ، مولوی محمد اسمٰعیل صاحب یادگیری، مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری، ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے اور مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی اور مولوی غلام باری صاحب سیفؔ پروفیسر جامعہ احمدیہ اور چوہدری محمد شریف صاحب مجاہد بلادِ عربیہ جیسے علماء اور سید اختر احمد صاحب اورینوی ایم۔اے پٹنہ کالج جیسے ادباء اور شیخ عبدالقادر صاحب محقق عیسائیت، سید ارشد علی صاحب لکھنوی اور پروفیسر صوفی بشارت الرحمن صاحب جیسے فاضل شامل تھے۔

احمدی شعراء میں سے خاص طور پر چوہدری عبدالسلام صاحب اخترؔ، جناب قیسؔ مینائی صاحب، جناب مصلح الدین صاحب راجیکی، جناب عبدالمنان صاحب ناہیدؔ اور جناب ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلمؔ کا کلام رسالہ کی زینت بنتا رہا۔

۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء میں ادارہ "درویش" کا دفتر حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ قادیانی کی بلڈنگ میں قائم تھا اور بزمِ درویشاں کی لائبریری بھی یہیں تھی۔[1]

یہ ماہنامہ ماہ اخاء ۱۳۳۱ہش/اکتوبر ۱۹۵۲ء تک جاری رہا اور پھر اقتصادی مشکلات کے باعث بند کر دیا گیا۔[2]

پیغامِ امامِ جماعت احمدیہ سیرالیون کے نام

حضرت مصلح موعودؓ نے جماعت احمدیہ سیرالیون کے سالانہ جلسہ ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء کے لئے مندرجہ ذیل پیغام ارسال فرمایا:۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۞ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

برادرانِ جماعت احمدیہ ملکِ سیرالیون !!

اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

یہ پیغام میں آپ کے سنہ ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء جلسہ کے لئے بھجوا رہا ہوں۔ آپ کے ملک میں مغربی افریقہ کے ممالک میں سب سے آخر میں تبلیغ شروع ہوئی ہے لیکن آپ کا ملک چاروں طرف سے ایسے علاقوں سے گھرا ہوا ہے جو احمدیت سے ناآشنا ہیں۔ پس آپ کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے اور آپ کے لئے کام کے مواقع بھی بہت پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس آپ لوگ اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے اپنی محنت اور کوشش کو بڑھائیں اور نہ صرف اپنے علاقہ میں احمدیت کو پھیلانے کی کوشش کریں بلکہ لائبیریا اور فرنچ افریقن علاقوں میں بھی تبلیغ کا کام اپنے ذمہ لیں مجھے یقین ہے کہ اگر آپ لوگ اپنے فرائض کو ادا کریں گے تو آپ کے لئے آخرت میں بہت سا ثواب جمع ہو جائے گا اور اِس دُنیا میں آپ شمالی افریقہ کے رہنما بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو اسلام کی تعلیم پر سچے طور پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اخلاص اور قربانی اور اتحاد اور نظام کے احترام کا مادہ آپ میں پیدا کرے۔

خاکسار (دستخط) مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی ۱۲/۳/۵۱[3]

---

[1] ماہنامہ درویش اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۸ ۞ [2] بدر ۲۱-۲۸ دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۳ ۞

[3] الفضل ۴ شہادت ۱۳۳۱ہش/۴ اپریل ۱۹۵۲ء صفحہ ۷ ۞

دُعاؤں کی خاص تحریک

تحریکِ احمدیت کا ایک عظیم مقصد دُعا پر زندہ اور غیر متزلزل ایمان بھی ہے اِسی لئے سیدنا حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعودؓ نئے سے نئے انداز میں جماعتِ احمدیہ کو اِس نقطۂ مرکزیہ کی اہمیت و ضرورت کا اِحساس تازہ رکھتے تھے۔ اِس مستقل دستور کے مطابق آپ نے ۲۸ تبوک ۱۳۳۰ ہش/ ۲۸ ستمبر ۱۹۵۱ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

" خدا تعالیٰ جس کی نصرت پر آتا ہے کوئی طاقت اُس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی پس اگر دنیوی اُمور میں وہ اِس طرح مدد کرتا ہے تو وہ دینی باتوں میں کس طرح مدد نہ کرے گا؟ .... پس راتوں کو اُٹھو خدا تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور انکسار کرو۔ پھر یہی نہیں کہ خود دُعا کرو بلکہ یہ دُعا بھی کرو کہ ساری جماعت کو دُعا کا ہتھیار مِل جائے۔ ایک سپاہی جیت نہیں سکتا جیتتی فوج ہی ہے اِسی طرح اگر ایک فرد دعا کریگا تو اُس کا اتنا فائدہ نہیں ہوگا جتنا ایک جماعت کی دعا کا فائدہ ہوگا۔ تم خود بھی دعا کرو اور پھر ساری جماعت کے لئے بھی دعا کرو کہ خدا تعالیٰ انہیں دعا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہر احمدی کے دِل میں یقین پیدا ہو جائے کہ دعا ایک کارگر وسیلہ ہے اور یہی ایک ذریعہ ہے جس سے کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ جماعت کے سب افراد میں ایک آگ سی لگ جائے۔ ہر احمدی اپنے گھر پر دعا کر رہا ہو پھر دیکھو خدا تعالیٰ کا فضل کس طرح نازل ہوتا ہے؟" [1]

جلسہ "سیرۃ النبیؐ" میں حضرت مصلح موعودؓ کی ایمان افروز تقریر

۱۸ ماہِ نبوت ۱۳۳۰ ہش/ ۱۸ نومبر ۱۹۵۱ء کو پاکستان کے طُول و عرض میں جماعتِ احمدیہ کے زیرِ اہتمام وسیع پیمانے پر سیرۃ النبیؐ کے جلسے منعقد ہوئے۔

اِس تقریب پر حضرت مصلح موعودؓ نے ربوہ میں ایک معرکۃ الآراء تقریر فرمائی جس میں سُورۃ علق کی سب سے پہلی قرآنی وحی سے نہایت لطیف استدلال کرکے حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارفع و اعلیٰ اور عدیم المثال خُلقِ عظیم کا رُوح پرور نقشہ کھینچا۔ [2]

---

[1] الفضل ۱۷ نبوت ۱۳۳۰ ہش/ ۱۷ نومبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۳ و ۴۔

[2] پوری تقریر الفضل ۲۵ امان ۱۳۳۱ ہش/ ۲۵ مارچ ۱۹۵۲ء میں شائع شدہ ہے۔

مبلّغینِ احمدیت کی روانگی اور آمد

اِس سال مندرجہ ذیل مجاہدینِ احمدیت بغرض تبلیغ اسلام بیرونی ممالک کو روانہ ہوئے :۔

۱۔ مکرم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر (برائے سیلون۔ روانگی ۱۶۔ وفا ۱۳۳۰ ہش)

۲۔ " شیخ نور احمد صاحب منیر (برائے لبنان۔ روانگی ۶ ظہور ۱۳۳۰ ہش)

۳۔ " مولوی غلام احمد صاحب مبشر (برائے حلب۔ روانگی ۶ ظہور ۱۳۳۰ ہش)

۴۔ " ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیل (برائے سیرالیون۔ روانگی ۲۴ تبوک ۱۳۳۰ ہش)

علاوہ ازیں مکرم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب (مبلغ لنڈن) مکرم چوہدری عبداللطیف صاحب (مبلغ جرمنی) مکرم مولوی عطاء اللہ صاحب (مبلغ گولڈ کوسٹ) مکرم ملک عطاء الرحمٰن صاحب (مبلغ فرانس) مکرم ملک احسان اللہ صاحب (مبلغ مغربی افریقہ) مکرم قریشی مقبول احمد صاحب (مبلغ انگلستان) اور مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی (مبلغ اُردن وشام ولبنان) اعلائے کلمۂ اسلام کا فریضہ بجالانے کے بعد مرکز میں واپس تشریف لائے[1]

بیرونی ممالک میں احمدی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں

لبنان۔ لبنان میں احمدیت کا بیج ۱۳۲۹ ہش/ ۱۹۵۰ء میں بویا گیا جہاں مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی کو اُردن وشام میں دعوتِ حق دینے کے بعد بھجوایا گیا تھا اور جن کے ذریعہ سید فائز الشہابی داخلِ سلسلہ احمدیہ ہوئے۔ یہ پہلے لبنانی تھے جنہیں احمدیت کی نعمت نصیب ہوئی۔ ان کے بعد اِس سال السید حسن احمد قزق، السیدہ فخریہ زوجہ حسن اور الحاج حسین قزق نے بیعت کی اور لبنان میں مقامی احمدیوں کی ایک مختصر جماعت قائم ہوگئی۔

مکرم مولوی رشید احمد صاحب چغتائی نے پریس اور نیوز ایجنسی سے رابطہ قائم کیا اور مُلک کی ممتاز شخصیتوں (مثلاً رفیق بے قصار، لبنانی قانون دان مسٹر فؤاد رزق ڈاکٹر عمر فروخ وغیرہ) سے ملاقاتیں کیں اور ان تک تحریکِ احمدیت کی آواز پہنچائی۔ آپ نے لبنان کے علمی حلقوں میں کشتی نوح، التقاء حمامۃ البشریٰ، اسلامی اصول کی فلاسفی، ابطال الوہیت، اور پیغامِ احمدیت کی بھی اشاعت کی۔

---

[1] الفضل ۲۱ وفا ۱۳۳۰ ہش صفحہ ۵، الفضل ۸ ظہور ۱۳۳۰ ہش صفحہ ۵، الفضل ۲۸ تبوک ۱۳۳۰ ہش صفحہ ۲، الفضل ۱۰ نبوت ۱۳۳۰ ہش صفحہ ۱، الفضل ۱۱ فتح ۱۳۳۰ ہش صفحہ ۱، الفضل یکم صلح ۱۳۳۰ ہش صفحہ ۶

جناب چغتائی صاحب اسی سال واپس مرکز میں آگئے اور اُن کی جگہ جناب شیخ نور احمد صاحب منیر تشریف لے گئے۔

امریکہ۔ یہ سال امریکہ مشن کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں واشنگٹن کے اندر ایک تین منزلہ مکان خرید کر مسجد فضل کا قیام ہوا۔ یہ مسجد دارالتبلیغ اور لائبریری کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے۔ اور امریکہ بھر میں تربیت و اصلاح، تبلیغ اسلام اور لٹریچر کی تقسیم و اشاعت کا مضبوط اور فعال مرکز ہے۔

اِس مسجد میں بااثر طبقہ کے مسلمانوں کے علاوہ نامور غیرمسلم شخصیتوں کی آمد کا باقاعدہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ تمام امریکن مشنوں پر کنٹرول اور ان کی تنظیم، ان کے چندوں کے انفرادی حسابات، احباب جماعت کے خطوط اور غیر مسلم اصحاب کے سوالوں کے جوابات، امریکن پریس میں اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کی اشاعت پر ان کی تصحیح کا انتظام، اہم اداروں، لائبریریوں، یونیورسٹیوں سے رابطہ، مستشرقین سے تعلّقات کا قیام، اور اسلام و احمدیت کے لٹریچر کی وسیع تقسیم و اشاعت وغیرہ سب امور مسجد فضل امریکہ کی دینی سرگرمیوں کا ایک مستقل حصّہ ہیں۔ تعمیر مسجد کے بعد نئی دُنیا کے تین ہزار میل پر پھیلے ہوئے لمبے محاذ پر اشاعتِ اسلام کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز ہوگئی۔[1]

امریکن احمدیوں کی چوتھی سالانہ کنونشن یکم، ۲/تبوک/ستمبر کو کلیولینڈ میں منعقد ہوئی جس میں دو سو مندوبین نے شرکت کی۔ کنونشن میں تربیتی تقاریر کے علاوہ گزشتہ سال کی کارگزاری اور آئندہ سال کے پروگرام پر بھی غور و فکر کیا گیا۔[2]

اِس سال امریکہ مشن کی طرف سے حضرت مصلح موعودؓ کی مندرجہ ذیل تحریرات شائع کی گئیں:۔

۱۔ کمیونزم اینڈ ڈیموکریسی (حضرت مصلح موعودؓ)

۲۔ WHY I BELIEVE IN ISLAM (حضرت مصلح موعودؓ)

۳۔ احمدیت یعنی حقیقی اسلام (اِس کے امریکن ایڈیشن کے لئے حضرت مصلح موعودؓ نے ایک دیباچہ بھی رقم فرمایا)

---

[1] الفضل ۲۵/تبلیغ ۱۳۳۰ ہش/فروری ۱۹۵۱ء صفحہ ۳ تا صفحہ ۶ و ۶/اخاء ۱۳۳۰ ہش/اکتوبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۲

[2] الفضل ۸/صلح ۱۳۳۱ ہش/جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۴

۴۔ "MORAL PRINCIPLES AS THE BASIS OF ISLAMIC CULTURE" (مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب) [1]

واشنگٹن کے اخبار "واشنگٹن پوسٹ" نے اپنے ۲۲ مارچ ۱۹۵۱ء کے اداریہ نوٹ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق ایک نازیبا فقرہ اور بے بنیاد محاورہ استعمال کیا جس پر احمدیہ مشن کی طرف سے پُرزور احتجاج کیا گیا۔ مکرم چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر انچارج مبلغ اسلام امریکہ نے ایڈیٹر کے نام خط لکھا اور اِس افسوسناک حرکت کو آنحضرتؐ کی توہین اور دُنیا بھر کے ۵۰۰ ملین مسلمانوں کی دلآزاری کے مترادف قرار دیا۔

یہ خط واشنگٹن پوسٹ نے ۲۶ مارچ[2] کو قارئین کے کالم میں "OFFENCE TO MUSLIMS" کے عنوان سے من وعن شائع کر دیا۔

اِس مؤثر احتجاج کا ذکر امریکن رسالہ PATHFINDER نے ۱۸ اپریل[3] ۱۹۵۱ء کے پرچہ میں بھی کیا۔

نائیجیریا۔ اِس سال مکرم مولوی نور محمد صاحب نسیم سیفی انچارج مشن نے تحریکِ احمدیت سے روشناس کرنے اور مرکزِ احمدیت اور دیگر جماعتی خبروں کو بروقت افرادِ جماعت تک پہنچانے کے لئے لیگوس سے "دی نائیجیریا احمدیہ بلیٹن" (THE NIGERIA AHMADIYYA BULLETIN) جاری کیا جو پہلے سائیکلوسٹائل ہوتا تھا پھر (اگست ۱۹۵۱ء سے) پریس میں چھپنے لگا۔ بلیٹن کو ابتدائی مراحل میں ہی ایسی غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی کہ اسے دسمبر ۱۹۵۱ء میں "THE TRUTH" کے نام سے ایک باتصویر با مواد اخبار کی صورت دے دی گئی جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"اخبار ٹروتھ کا اجراء خوشکن ہے خدا کرے اس میں ترقی ہو۔ اخبار کو اچھا بنائیں یہ آمد کا بہترین ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اپنا پریس بھی بنانے کی کوشش کریں اس کے ذریعہ بہت کامیابی ہو سکتی ہے۔ آپ پہلی تجارت پریس کے ذریعہ ہی شروع کریں۔ اِس ملک

---

[1] الفضل ۱۶ ماخاء ۱۳۳۰ ہش / اکتوبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۴۔

[2]، [3] اِن اخبارات کے تراشے خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہیں۔

میں پریس کی زیادہ ضرورت ہے "

اس کے بعد تحریر فرمایا:-

" TRUTH کا پرچہ ملا۔ بہت بڑی کامیابی ہے۔ خدا کرے اس سے بڑا ہو "

پھر حضور نے اس دلی خواہش کا اظہار فرمایا کہ :-

" مَیں سمجھتا تھا کہ آپ کا اخبار ہفتہ وار ہے اَب معلوم ہُوا ماہوار ہے۔ اللہ تعالیٰ جلد ہفتہ وار کرنے کی توفیق بخشے اور خدا کرے پھر روزانہ ہو جائے "

اس ارشاد پر جولائی ۱۹۵۲ء میں پرچہ کے سائز کو دُگنا کر کے اِسے ہفتہ وار کر دیا گیا۔ یہ اخبار نائیجیریا میں پہلا مُسلم اخبار ہے جو اَب تک نہایت کامیابی سے ملکی، قومی اور ملّی خدمات بجالا رہا ہے۔

حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے ہفتہ وار ایڈیشن پر لکھا:-

" اللہ تعالیٰ ہفتہ واری اخبار مبارک کرے۔ ٹائپ ضرور رکھیں اور پریس کو اور سکول کو مضبوط کرنے کی کوشش کریں۔ مُلک کی آزادی سے پہلے زبردست جماعت بنالیں چار پانچ لاکھ کی جماعت تو شروع میں ضرور ہونی چاہیئے " [1]

انڈونیشیا۔ انڈونیشیا میں تحریکِ احمدیت کو اِس سال انڈونیشیا کے طُول و عرض میں کئی اعتبار سے نمایاں کامیابی نصیب ہوئی اور ترقی کے نئے دروازے کُھل گئے۔ دَورانِ سال قریباً آٹھ سو نفوس مہدی موعود کی جماعت میں شامل ہوئے۔ مُلک کی احمدی جماعتوں میں تنظیم اور یکجہتی کا دَورِ جدید شروع ہُوا اور اُن کے چندوں میں پہلے کی نسبت بہت زیادہ باقاعدگی پیدا ہو گئی چنانچہ اِس سال پہلے سالوں کے مقابلہ میں کئی گُنا زیادہ آمد ہوئی۔ اِس کے علاوہ طوعی چندوں کی کئی مدات میں انفرادی اور اجتماعی طور پر جماعتِ انڈونیشیا نے اپنے اخلاص و قربانی کا شاندار نمونہ پیش کیا۔ گزشتہ مالی سال[2] میں چونسٹھ ہزار آٹھ سو چھتیس روپے چندۂ عام اور حصّۂ آمد میں جمع ہوئے جبکہ اِن مدات میں اِس سال ہجرت/مئی سے لیکر اخاء/اکتوبر تک کی صرف ششماہی آمد باون ہزار روپیہ ہوئی۔

---

[1] رسالہ تحریکِ جدید صلح ۱۳۵۳ہش/جنوری ۱۹۷۴ء صفحہ ۱۲، صفحہ ۱۳ ؛

[2] ماہ ہجرت ۱۳۲۹ہش/مئی ۱۹۵۰ء تا ماہِ شہادت ۱۳۳۰ہش/اپریل ۱۹۵۱ء ؛

اِس سال تاسکملایا میں جماعت نے ایک باموقعہ جگہ زمین اور مکان خرید کر اسے دار التبلیغ میں تبدیل کر دیا، جاکرتا کی خستہ مسجد ایک وسیع اور پختہ مسجد کی صورت میں از سرِ نو تعمیر کی گئی۔ اس کے پہلو میں مبلغ کے لئے رہائشی مکان اور اس کے اُوپر مہمان خانہ بنایا گیا۔ پاڈانگ کے ایک پُرانے احمدی تاجر باگنڈا ذکریا[1] صاحب نے اپنی گرہ سے ایک باموقعہ اور وسیع قطعہ زمین اور مکان خرید کر جماعت کے نام وقف کر دیا۔

ماہِ تبلیغ ۱۳۳۰ہش / فروری ۱۹۵۱ء میں جاکرتا میں مجلس خدام الاحمدیہ قائم کی گئی جس کے چند ماہ بعد مجلس اپنا رسالہ سینار اسلام (SINAR ISLAM) جاری کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

احمدی مبلغین کو دَورانِ سال کئی ایک انڈونیشین لیڈروں، حکام اور دوسری بڑی شخصیتوں سے ملاقاتوں کا موقعہ ملا۔ مکرم سیّد شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ اس سال بھی حسبِ سابق ملک کے پہلے صدرِ مملکت ڈاکٹر سکارنو (SUKARNO) کی طرف سے کئی تقریبوں پر مدعو تھے۔ شاہ صاحب کا تعارف ڈاکٹر سکارنو سے پہلی بار مارچ ۱۹۴۷ء میں ہوا تھا جبکہ آپ نے تبلیغی مقاصد کے لئے جوگجاکرتا میں ان کے محل میں ملاقات کی اور لٹریچر پیش کیا۔

اِس سال کا اہم واقعہ جماعتہائے انڈونیشیا کی تیسری سالانہ کانفرنس[2] کا انعقاد ہے۔ جو ۲۷-۲۸-۲۹ ماہِ فتح / دسمبر کو پاڈانگ (سماٹرا) میں ہوئی۔ پہلی دو کانفرنسیں جاوا میں ہوئیں جہاں احمدیوں کی تعداد زیادہ ہے اور ذرائع آمد و رفت میں سہولتیں بھی ہیں لیکن سماٹرا میں معاملہ اسکے برعکس تھا اور جاوا سے آنے والوں کے پندرہ بیس دن صرف ہوتے تھے۔ مرکزی عہدیداران میں نوّے فیصدی سرکاری ملازم تھے جن کے لئے اِتنی چھٹی کا ملنا مُشکل تھا پھر اخراجاتِ سفر کا سوال الگ تھا لیکن اِن مُشکلات کے باوجود یہ کانفرنس نہایت کامیاب اور ازدیادِ ایمان کا باعث ہوئی۔ پہلے روز مکرم سیّد شاہ محمد صاحب رئیس المبلغین، مکرم مولوی عبد الواحد صاحب، مکرم مولوی امام الدین صاحب، مکرم مولوی محمد ایوب صاحب، مکرم مولوی ذینی دھلان صاحب، مکرم سوکری برماوی صاحب

---

[1] ان کے صاحبزادے بختیار ذکریا صاحب ربوہ میں دینی علم حاصل کرتے رہے ہیں۔

[2] پہلی سالانہ کانفرنس ۹-۱۰-۱۱ ماہِ فتح ۱۳۲۸ہش / دسمبر ۱۹۴۹ء کو جاکرتا میں اور دوسری ۲۴-۲۵-۲۶ فتح ۱۳۲۹ہش / دسمبر ۱۹۵۰ء کو بانڈونگ میں ہوئی۔

پریذیڈنٹ جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا اور دیگر نمائندگانِ جماعت نے خطاب فرمایا۔ دوسرے دو دن جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کی ترقی و بہبود کے لئے بعض تجاویز زیرِ غور لائی گئیں اور ایک لاکھ چوراسی ہزار روپیہ کا بجٹ منظور کیا گیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا جبکہ جماعت کی آمد و خرچ کا تفصیلی بجٹ جماعتی نمائندوں کے سامنے رکھا گیا۔ بجٹ کے اعلان پر پریس کے رپورٹر حیران رہ گئے کہ ایک چھوٹی سی جماعت کس قدر اخلاص اور جوش سے اتنی بھاری رقم ادا کرنے کا وعدہ کر رہی ہے۔

آخری اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ چوتھی سالانہ کانفرنس تاسکملایا میں ہوگی۔ اِس اجلاس میں مبلغینِ احمدیت نے دوبارہ اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آخر میں جماعت پاڈانگ کے مخلص پریذیڈنٹ جنابِ ابوبکر نے دردناک تقریر کی جس سے اکثر احباب چشم پُرآب ہو گئے۔ کانفرنس ایک لمبی اور پُرسوز دعا پر اختتام پذیر ہوئی۔

اگلے روز پاڈانگ کے ایک بڑے سینما ہال کیپٹل میں جماعت کا تبلیغی جلسہ ہوا جس کی تفصیلی روداد مقامی پریس اور ریڈیو دونوں نے نشر کی۔

مجاہدینِ انڈونیشیا ہمیشہ ہی اپنے اپنے رنگ میں پاکستان کے مفادات کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ انڈونیشیا میں پاکستان لیگ کا قیام سید شاہ محمد صاحب کی کوشش سے ہوا۔ آپ اُن دِنوں مرکزی آل انڈیا پاکستان لیگ کے وائس پریذیڈنٹ بھی تھے جو جاکرتا جس زمانہ میں جمہوریہ انڈونیشیا کا دارالحکومت تھا۔ آپ کو پاکستان کے لئے شاندار جدّوجہد کرنے کا موقعہ ملا۔ اِس مرکزی شہر میں آپ نے اِس محنت سے ملک و قوم کی خدمت کی کہ معلوم ہوتا تھا آپ پاکستان کے باقاعدہ نمائندہ ہیں۔ ڈاکٹر ملک عمر حیات صاحب سابق سفیر پاکستان برائے انڈونیشیا جو جاکرتا کے دَورہ پر تشریف لے گئے تو آپ کو مقامی اکابرین کے ذریعہ شاہ صاحب کی ان سنہری خدمات کا علم ہوا اور آپ بہت متأثر ہوئے۔ اِس سال ڈاکٹر صاحب اپنے دَورے میں جہاں جہاں بھی تشریف لے گئے مبلّغینِ سلسلہ اور دیگر احمدی افراد نے ان سے پُورا پُورا تعاون کیا خاص طور مکرم ڈاکٹر عبدالغفور صاحب احمدی سرابایا نے (جن کی پُرخلوص خدمات کو خود ڈاکٹر ملک عمر حیات صاحب نے خراجِ تحسین ادا کیا) بالی میں میاں عبدالحی صاحب مبلغ جزیرہ بالی نے اُن کے اعزاز میں ایک پارٹی دی جس میں مقامی حکام و رؤساء بھی مدعو تھے۔ تاسکملایا میں پاکستان لیگ کے صدر مکرم ملک عزیز احمد صاحب

تھے جنہوں نے اِس سال ماہ ظہور / اگست میں پاکستان کے متعلق ایک مختصر کتاب بھی تصنیف فرمائی[۱]

شام ۔ السیّد منیر الحصنی امیر جماعتِ احمدیہ شام کے قلم سے "عَثَرَاتُ الْعُلَمَاءِ فِیْ مُخَالَفَةِ الْاَحْمَدِیَّةِ" کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی۔

نئی مطبوعات اِس سال برِ صغیر پاک و ہند میں جماعتِ احمدیہ کی طرف سے مندرجہ ذیل کتب شائع ہوئیں جن سے سلسلہ کے لٹریچر میں مفید اضافہ ہوا :۔

۱ ۔ اسلام اور مذہبی رواداری (تقریر مولانا جلال الدین صاحب شمس رضؓ)

۲ ۔ اصحابِ احمد ۔ جلد اوّل (ملک صلاح الدین صاحب ایم ۔ اے درویش قادیان)

۳ ۔ کتاب الآداب (حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضؓ)

۴ ۔ حیاتِ احمد ۔ جلد دوم نمبر سوم (حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضؓ)

۵ ۔ حیاتِ قدسی ۔ حصہ اوّل ۔ دوم (حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضؓ)

۶ ۔ اسلامی خلافت کا صحیح نظریہ (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضؓ)

۷ ۔ اشتراکیت اور اسلام (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضؓ)

۸ ۔ اسلام اور اشتراکیت (چوہدری سردار احمد صاحب بزمی مولوی فاضل جامعہ احمدیہ)[۲]

۹ ۔ "تعلیم العقائد والاعمال پر خطبات"
(خطباتِ حضرت مصلح موعود رضؓ کا سلسلہ مرتبہ ادارہ ترقی اسلام سکندر آباد دکن)

۱۰ ۔ یومیہ ۱۳۳۰ ہش / ۱۹۵۱ء (نظارت دعوۃ و تبلیغ کی تیار کردہ سالانہ ڈائری)

اِن کتابوں کے علاوہ صیغہ نشر و اشاعت ربوہ کی طرف سے حضرت مصلح موعود رضؓ کی کتاب "احمدیت کا پیغام" انگریزی ساڑھے سات ہزار کی تعداد میں شائع کی گئی نیز اہم مختلف عنوانات کے تحت ہزاروں کی تعداد میں پمفلٹ اور ٹریکٹ بھی چھپوائے گئے۔[۳]

---

[۱] الفضل ۷ تا ۱۳ ؍ امان ۱۳۳۱ ہش / مارچ ۱۹۵۲ء (تلخیص)

[۲] حال انگلستان

[۳] تفصیلی رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان بابت ۵۲-۱۹۵۱ء صفحہ ۲۶ / ۲۸ میں درج ہے۔

فصلِ چہارم

● اِفتاء کمیٹی کا احیاء ● سالانہ پروگرام بنانے اور صُوبجاتی نظام کو مستحکم کرنے کا فرمان ● تبلیغِ اسلام کی مؤثّر تحریک ● اخلاقِ فاضلہ کے قیام کی جدّوجہد ● بے لوث قومی خدمات بجالانے کی تلقین ● چوہدری محمد حسین صاحبؓ کی المناک شہادت ● جلسۂ سیالکوٹ پر منظّم یورش

(خلافتِ ثانیہ کا اُنتالیسواں ۳۹ سال ۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء)

اِفتاء کمیٹی کا احیاء سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء میں فقہ اسلامی کے مختلف مسائل پر غور وفکر کرنے کے لئے ایک افتاء کمیٹی قائم فرمائی تھی[1] جس کا احیاء اِس سال عمل میں آیا اور اس کے دورِ نَو کا پہلا صدر ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ و پرنسپل جامعۃ المبشرین کو اور پہلا سیکرٹری مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کو مقرر فرمایا۔

اِس سلسلہ میں حضور کے قلم سے الفضل ۱۱ اِصلح ۱۳۳۱ہش کو حسبِ ذیل اعلان شائع ہوا:۔

"جیسا کہ جلسہ پر اعلان کیا گیا تھا فقہی مسائل پر یکجائی غور کرنے اور فیصلہ کرنے کے لئے جماعت احمدیہ کی ایک کمیٹی مقرر کی جاتی ہے۔ تمام اہم مسائل پر فتوٰی اِس کمیٹی کے غور کرنے کے بعد شائع کیا جائے گا۔

---

[1] "تاریخ احمدیت" جلد ۹ صفحہ ۴۵۴۔صفحہ ۴۵۶۔

ایسے فتاویٰ خلیفۂ وقت کی تصدیق کے بعد شائع ہوں گے اور صرف انہی امور کے متعلق شائع ہوں گے جن کو اہم سمجھا گیا ہو۔ ایسے فتاویٰ جب تک ان کے اندر کوئی تبدیلی نہ کی گئی ہو یا تنسیخ نہ کی گئی ہو، جماعتِ احمدیہ کی قضاء کو پابند کرنے والے ہوں گے اور وہ ان کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکے گی۔ ہاں وہ ان کی تشریح کرنے میں آزاد ہو گی لیکن اگر وہ تشریح غلط ہو تو یہی مجلسِ فتویٰ دہندہ اس تشریح کو غلط قرار دے سکتی ہے۔

اِس کمیٹی کے ممبر فی الحال مندرجہ ذیل ہوں گے:۔

۱۔ مولوی سیف الرحمٰن صاحب پرنسپل جامعۃ المبشّرین ۲۔ مولوی جلال الدین صاحب شمسؔ ۳۔ مولوی راجیکی صاحب ۴۔ مولوی ابوالعطاء صاحب ۵۔ مولوی محمد احمد صاحب ثاقبؔ ۶۔ مولوی محمد احمد صاحب جلیلؔ نمائندہ قضاء ۷۔ مولوی تاج دین صاحب نمائندہ قضاء ۸۔ مولوی نذیر احمد صاحب[1] پروفیسر جامعہ احمدیہ ۹۔ مولوی محمد صدیق صاحب پروفیسر جامعۃ المبشّرین ۱۰۔ مولوی خورشید احمد صاحب پروفیسر جامعۃ المبشّرین ۱۱۔ مرزا بشیر احمد صاحب ۱۲۔ مرزا ناصر احمد صاحب ۱۳۔ مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودہا ۱۴۔ شیخ محمد احمد صاحب ایڈووکیٹ لائلپور ۱۵۔ چوہدری عزیز احمد صاحب سب جج۔

اِن ممبران[2] کا اِعلان سال بہ سال خلیفۂ وقت کی طرف سے ہُوا کرے گا اور ایک سال کے لئے یہ ممبر نامزد کئے جایا کریں گے۔ مناسب ہو گا کہ کچھ نہ کچھ ممبر اس میں سے بدلے جایا کریں تاکہ جماعت کے مختلف طبقوں کے لوگوں کی تربیت ہوتی رہا کرے۔ خاص امور کے متعلق خلیفۂ وقت اِس انجمن کا اجلاس اپنی نگرانی میں کروائے گا لیکن عام طور پر یہ کمیٹی اپنا اجلاس اپنے مقررہ صدر کی صدارت میں کیا کرے گی لیکن اس کے فیصلوں کا اِعلان خلیفۂ وقت کے دستخطوں سے ہُوا کرے گا اور ایسے ہی فیصلے سَند سمجھے جایا کریں گے۔ سرِ دست اِس کمیٹی کے صدر جامعۃ المبشّرین کے پرنسپل ملک سیف الرحمٰن صاحب ہوں گے اور اس کے سیکرٹری مولوی جلال الدین صاحب شمسؔ۔

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ۷/۱/۵۷ "

---

[1] محترم قاضی محمد نذیر صاحب فاضل مراد ہیں (ناقل)۔

[2] ۱۳۳۱ ہش / ۱۹۵۲ء سے لیکر ۱۳۵۴ ہش / ۱۹۷۵ء تک کے ممبرانِ کمیٹی کی فہرست شاملِ ضمیمہ ہے۔

یہ مجلس جس کی بنیاد سیّدنا محمودؓ جیسے خلیفۂ موعود کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی تھی۔ خدا کے فضل سے اَب بھی خلیفۂ وقت کی زیرِ نگرانی گرانقدر فقہی خدمات بجا لا رہی ہے۔ صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے قاعدہ ۸۷ کے مطابق جن امور میں اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اپنی اہمیّت کے لحاظ سے وحدتِ فکری کے بھی مقتضی ہوتے ہیں ان کے بارے میں مفتیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے فتویٰ کی بجائے مجلس افتاء فیصلہ کرتی ہے۔

مجلسِ افتاء کے سال میں کم از کم چار اجلاس ضرور منعقد ہوتے ہیں[۱]۔ اجلاس کا کورم دس مقرر ہے[۲]۔ ممبرانِ مجلس کے لئے حکم ہے کہ وہ بیماری یا عدالت میں پیشی کے سوا بہرحال شریکِ اجلاس ہوں یا کم از کم سیکرٹری مجلس کو اجلاس سے ایک روز قبل اپنی معذوری سے مطلع کر دیں ورنہ وہ غیر حاضر متصوّر ہونگے ایسے رُکن سے بازپُرس ہو سکے گی[۳]۔

مجلسِ افتاء کے فیصلہ (۲۸۔ ماہ شہادت ۱۳۴۱ ہش / اپریل ۱۹۶۲ء) کے مطابق اگر کوئی ایسا مسئلہ مجلسِ افتاء کے زیرِ بحث آئے جو کسی رُکنِ مجلس کے تنازع متدائرہ قضاء پر اثر انداز ہوتا ہو تو وہ رُکن اِس مسئلہ کی بحث اور فیصلہ میں شریک نہیں ہو سکتا[۴]۔

خلافتِ ثانیہ کے عہدِ مبارک میں جن مسائل پر مجلسِ افتاء نے غور و فکر کیا ان میں سُود اور انشورنس کا مسئلہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اوّل الذکر مسئلہ پر مولوی ابوالعطاء صاحب، صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب اور ملک سیف الرحمٰن صاحب نے ٹھوس اور پُرمغز تحقیقی مقالے لکھے جو مجلسِ افتاء کی طرف سے "اِسلام اور ربوٰ" کے عنوان سے شائع شدہ ہیں۔

سالانہ پروگرام تجویز کرنے کی ہدایت ۴۔ صلح ۱۳۳۱ ہش / جنوری ۱۹۵۲ء کو سال کا پہلا جمعہ تھا جس میں حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے تاکیدی ہدایت فرمائی کہ جماعتی ادارے ہر سال اپنا پروگرام شروع سے ہی تجویز کر لیا کریں اور پھر اس پر سختی سے عمل پیرا ہوں چنانچہ فرمایا:۔

---

[۱] فیصلہ ۵۔ ہجرت ۱۳۳۶ ہش / مئی ۱۹۵۷ء ؛
[۲] فیصلہ ۲۷۔ ہجرت ۱۳۴۱ ہش / مئی ۱۹۶۲ء
[۳] فیصلہ ۲۔ تبوک ۱۳۴۰ ہش / ستمبر ۱۹۶۱ء ؛
[۴] "مجلسِ افتاء اور اس کے فرائض" صفحہ ۲ (شائع کردہ دارالافتاء ربوہ ضلع جھنگ) ؛

"اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت پر اب یہ نیا سال چڑھ رہا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کے لحاظ سے باسٹھواں سال ہے اور بیعت کے لحاظ سے چونسٹھواں سال ہے۔ بیعت پر گویا ۶۳ سال گذر گئے ہیں اور دعویٰ کے لحاظ سے جماعت پر ۶۱ سال گذر گئے ہیں۔ اسکے معنے یہ ہیں کہ ہماری جماعت کی عمر صدی کے نصف سے آگے بڑھ رہی ہے۔ مگر کیا ہم جہاں عمر کے لحاظ سے نصف صدی سے اُوپر جا رہے ہیں وہاں ہم ترقی کے لحاظ سے بھی نصف صدی سے اُوپر جا رہے ہیں یا نہیں۔ جہاں تک جماعت کے متعدد ممالک میں پھیل جانے کا سوال ہے ہماری ترقی قابلِ تحسین وفخر ہے مگر جہاں تک تعداد کا سوال ہے ہماری جماعت ابھی بہت پیچھے ہے۔ جہاں تک مرکزی طاقت کا سوال ہے ہم اخلاقی اور عقلی طور پر اپنی پوزیشن قائم کر چکے ہیں مگر جہاں تک نفوذ کا سوال ہے ہم ابھی بہت پیچھے ہیں مگر ہماری مخالفت ترقی کر رہی ہے اور اب ان گروہوں اور جماعتوں میں بھی پھیل رہی ہے جو پہلے ہمیں نظر انداز کر دیتی تھیں یا ہمارے افعال کو خوشی کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ پس آنے والے سال میں ہمیں مزید جدّ وجہد کی ضرورت ہے ہمیں ایک انقلابی تغیّر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک انقلابی تغیّر پیدا کئے بغیر ہم کامیاب نہیں ہوسکتے۔ یہ انقلاب ہمارے دماغوں میں پیدا ہونا چاہیئے ہماری رُوحوں میں پیدا ہونا چاہیئے۔ ہمارے دلوں میں پیدا ہونا چاہیئے۔ ہمارے افکار اور جذبات میں پیدا ہونا چاہیئے۔ ہم اپنے دِلوں، رُوحوں اور دماغوں میں عظیم الشان انقلاب پیدا کئے بغیر اس مقام کو حاصل نہیں کر سکتے یا کم ازکم اس مقام کو جلدی حاصل نہیں کر سکتے جس کو حاصل کرنے کے لئے خُدا تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں ہر سال اپنے لئے ایک پروگرام مقرر کرنا چاہیئے اور اسے پُورا کرنے کے لئے کوشش کرنی چاہیئے ....."

"ہماری جماعت ایک جہاد کرنے والی جماعت ہے بیشک ہم تلوار کے اس جہاد کے مخالف ہیں جو کسی ناکردہ گناہ پر تلوار چلانے کی اجازت دیتا ہے مگر ہم سے زیادہ اس جہاد کا قائل کوئی نہیں جو جہاد ذہنوں جذبات اور رُوحوں سے کیا جاتا ہے پس حقیقتاً اگر کوئی جماعت جہاد کی قائل ہے تو وہ صرف ہماری جماعت ہی ہے"۔[1]

---

[1] الفضل ۱۱ صلح ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۳

صُوبجاتی نظام کو مستحکم کرنے کا فرمان

متحدہ ہندوستان میں جماعتِ احمدیہ کا صوبجاتی نظام ۱۹۳۳ء میں معرضِ وجود میں آیا تھا[1]

قیامِ پاکستان کے بعد پنجاب کے علاوہ مغربی اور مشرقی پاکستان کے صُوبوں میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی صُوبائی انجمنیں خوش اُسلوبی سے کام کر رہی تھیں۔ اِس سال سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے پنجاب میں بھی صُوبائی امارت قائم فرمائی جس کے انتخاب کے لئے صُوبہ کے جُملہ اضلاع اور اُن کے ساتھ دو دو سیکرٹریوں نے حصّہ لیا۔ یہ انتخاب ربوہ کی پہلی مسجد مبارک میں ہُوا جو اس وقت کچی بنی ہوئی تھی۔ اِس انتخاب میں مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودہا صوبائی امیر مقرر ہوئے۔ صوبائی امارت اگرچہ صرف ایک سال کے لئے قائم کی گئی تھی مگر جب پہلا تجربہ کامیاب رہا تو اس کو مستقل حیثیت دے دی گئی۔ صوبائی امیر کے فرائض اَب تک مرزا عبدالحق صاحب ہی انجام دے رہے ہیں۔[2]

حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۳۳۱ہش/ ۱۹۵۲ء کے پہلے خطبہ جمعہ میں مکرم مرزا عبدالحق صاحب اور ان کے رفقاء کار کی مساعی پر خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:-

"پہلے پنجاب کا صُوبہ، صوبجاتی نظام سے باہر تھا لیکن اب خدا تعالیٰ کے فضل سے پنجاب کو بھی صوبجاتی نظام میں شامل کر دیا گیا ہے اور یہ خوشی کی بات ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ صوبہ پنجاب کے لئے یہ خوش قسمتی کی بات ہے کہ اسے ابتداء میں ہی ایسے کارکن مِل گئے جو اپنے اندر قربانی اور ایثار کی رُوح رکھتے ہیں مگر خالی اچھے کارکنوں کا مِل جانا کوئی چیز نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ تمام کارکن اپنا پروگرام مقرر کریں اور پھر اس کے لئے وقت مقرر کریں اور اسے پُورا کرنے کی کوشش کریں۔ یہ امر ضرور مدِنظر رکھا جائے کہ پروگرام ایسا نہ ہو کہ جس پر عمل نہ کیا جا سکے بعض لوگ خیالی تجاویز بنا لیتے ہیں اور ہر کوئی جانتا ہے کہ وہ انہیں پُورا نہیں کر سکیں گے۔ پروگرام ایسا ہونا چاہیئے جسکو وہ مالی لحاظ سے، افراد کے لحاظ سے، اور وقت کے لحاظ سے پُورا کر سکتے ہیں یعنی عملی پروگرام ہونا چاہیئے۔ ایسا پروگرام تجویز نہ کیا جائے کہ جس کو مالی لحاظ سے جاری نہ کیا جا سکے۔ ایسا پروگرام تجویز

[1] مجلس مشاورت ۱۹۳۳ء صفحہ ۳ ٭ [2] تابعین اصحابِ احمد جلد ۷ صفحہ ۶۷ مولفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے، مطبوعہ شہادت ۱۳۵۰ہش/ ۱۹۷۱ء، ناشر احمدیہ بک ڈپو دارالرحمت شرقی ربوہ ٭

نہ کیا جائے جس کے لئے اتنے کارکنوں کی ضرورت ہو جو مہیا نہ ہوسکیں یا ایسا پروگرام ہو جس کے لئے زیادہ وقت کی ضرورت ہو۔ ہر کام معقول اور طاقت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ ہماری جو طاقت اور قوت ہے اسی کے مطابق ہم کوئی پروگرام بنا سکتے ہیں اور اپنی طاقت کو خواہ وہ کتنی ہی قلیل ہو اگر صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو اس سے فوائد حاصل ہوسکتے ہیں۔۔۔ پروگرام ایسا ہونا چاہیئے جو عقلی لحاظ سے، مالی لحاظ سے، وقت اور افراد کے لحاظ سے ممکن ہو۔ پھر پوری کوشش کی جائے کہ جو تجویز اور پلین[1] شروع سال میں بنائی جائے اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا جائے۔

صوبجاتی نظام کے لحاظ سے بھی ایک پروگرام کی ضرورت ہے۔ پہلا تجربہ ہم یہ کریں گے کہ امراء کو بُلا کر شوریٰ کریں گے اور باہمی مشورہ سے ان کے علاقوں کے لئے ایک پروگرام تجویز کریں گے یہ کام نظارتِ علیا کا ہوتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ جلد سے جلد اُمراء کو بُلا کر مشورہ لے اور اُن کے لئے ایک پروگرام مقرر کرے پھر آئندہ ہر سال یہ مجلس ہُوا کرے۔ اور پھر آہستہ آہستہ بیرونی ممالک میں سے بھی اگر کسی میں اتنی طاقت پیدا ہو جائے کہ وہ اس مجلس میں شریک ہوسکے تو پھر وہ شریک ہُوا کرے اور اس طرح اسے ایک عالمگیر ادارہ بنا دیا جائے۔"[2]

محاسبۂ نفس کی دعوت

۱۱ ر ماہ صلح ۱۳۳۱ ہش / جنوری ۱۹۵۲ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے احبابِ جماعت کو محاسبۂ نفس اور وقت کی قیمت پہچاننے کی تلقین کی اور فرمایا:۔

"مَیں سمجھتا ہوں کہ دُنیا میں ہر انسان کے اندر کوئی وقت سُستی کا آجاتا ہے اور کوئی وقت چُستی کا آجاتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا نام باسِط بھی ہے اور قابِض بھی ہے اِس لئے وہ کبھی انسان کی فطرت میں قبض پیدا کر دیتا ہے اور کبھی بسط پیدا کر دیتا ہے۔ اِس حالت کا علاج یہی ہُوا کرتا ہے کہ انسان اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور اپنے گردوپیش کے حالات کا بھی محاسبہ کرتا رہے۔ اِسی لئے صوفیاء نے محاسبۂ نفس کو ضروری قرار دیا ہے۔ میرے دِل میں خیال گزرا ہے کہ اگر ہم اپنے تمام وقت کا جائزہ لیتے رہتے تو شاید ہم بہت سی سُستیوں سے

---

[1] تجویز (PLAN)۔ [2] الفضل ۱۱ صلح ۱۳۳۱ ہش / جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۳-۴۔

محفوظ رہتے۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اِک اَور گھٹا دی

یعنی گھڑیال سے وقت کو دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں کی عمر زیادہ ہو گئی لیکن دراصل اس کی عمر کم ہو جاتی ہے۔ فرض کرو کسی کی ۶۰ سال عمر مقدر تھی وہ جب پیدا ہؤا تو اس کی عمر کے ساٹھ سال باقی تھے لیکن جب وہ ایک سال کا ہو گیا تو اس کی ایک سال عمر گھٹ گئی۔ جب وہ دو سال کا ہو گیا تو اس کی دو سال عمر گھٹ گئی۔ جب وہ دس سال کا ہو گیا تو اس کی دس سال عمر گھٹ گئی۔ جب وہ بیس سال کا ہو گیا تو اس کی بیس سال عمر گھٹ گئی۔ غرض ہر وقت جو اُس پر گزرتا ہے وہ اس کی عمر کو گھٹاتا ہے۔ اِسی طرح ہماری زندگی ہے۔ ہمارے بہت سے اوقات یُونہی گزر جاتے ہیں اور ہم خیال تک نہیں کرتے کہ ہمارا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ مثلاً کل مجھے خیال آیا کہ کسی وقت ہم جلسہ سالانہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ رات دن کارکن اس کام میں لگے ہوئے تھے اور خیال کر رہے تھے کہ جلسہ سالانہ آئے گا تو مہمان آئیں گے۔ اُن کے ٹھہرانے اور ان کی رُوحانی اور جسمانی ضروریات کو پُورا کرنے کا سامان ہم نے کرنا ہے۔ وہ دن آئے۔ دوست آئے۔ ہم سے ملے جُلے اور چلے بھی گئے۔ ہم دل میں خوش ہوئے کہ ایک سال ختم ہو گیا ہے مگر سوچنے والی یہ بات تھی کہ ہم نے نئے سال کو کس طرح گزارنا ہے۔ جو سال گزر گیا وہ تو کوتاہیوں سمیت گزر گیا۔ اصل چیز تو آنے والا سال ہے۔ کل مجھے خیال آیا کہ یا تو ہم اتنے جوش اور زور و شور سے آئندہ جلسہ کی تیاریاں کر رہے تھے اور یا اب اس جلسہ پر چودہ دن گزر گئے ہیں اور ابھی ہم بیکار بیٹھے ہیں۔ چودہ دن کے معنے دو ہفتے کے ہیں ۵۲ ہفتوں کا سال ہوتا ہے دو ہفتے گزر جانے کا مطلب یہ ہؤا کہ سال کا ۲۶ واں حصہ گزر گیا لیکن ابھی کئی لوگ کہتے ہیں کہ وہ جلسہ سالانہ کی کوفت دُور کر رہے ہیں۔ دو ہفتے اَور گزر گئے تو سال کا تیرھواں حصہ گزر جائے گا لیکن نئے سال کے لئے شورا شوری شروع نہیں ہو گی چودہ دن اَور گزر جائیں گے تو سال کا گیارہ فیصدی حصہ گزر جائے گا اور چودہ دن اَور گزر گئے تو سال کا پندرہ فیصدی حصہ گزر جائے گا۔ غرض بہت تھوڑی تھوڑی غفلت کے ساتھ ایک بہت بڑی چیز ہمارے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ پس ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہیں۔ ہر سال جو ہم پر آئے

بجائے پچھلے سال کے ہم آئندہ سال پر نظر رکھیں۔ ہر دن ہم سوچیں کہ کام کے ۳۶۵ دنوں میں سے ایک دن گزر گیا ہے ہم نے کس قدر کام کرنا تھا اس میں سے کس قدر کام ہم نے کر لیا ہے اور کس قدر کام کرنا باقی ہے؟ اگر ہم اِس طرح غور کرنا شروع کر دیں تو ہم اپنے وقت کو پوری طرح استعمال کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہم سنجیدگی کے ساتھ غور کریں" ؎۱

تبلیغ اسلام کی مؤثر تحریک

تحریک جدید کا نظام دُنیا بھر میں تبلیغ اسلام کی غرض سے قائم کیا گیا تھا یہی وجہ تھی کہ حضرت مصلح موعودؓ ہمیشہ اس کے مالی جہاد میں شرکت کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ اِس سلسلہ میں حضورؓ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۸ صلح ۱۳۳۱ہش / جنوری ۱۹۵۲ء میں جماعت کو نصیحت فرمائی کہ :۔

"جس جہاد کو حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پیش کیا تھا اور جو جہاد ہم کر رہے ہیں وہ کسی وقت بھی ہٹ نہیں سکتا۔ ہر وقت نماز یا جہاد اور ذکرِ الٰہی ضروری ہیں۔ جہاد کے معنے ہیں اپنے نفس کی اصلاح کی کوشش کرنا اور غیر مسلموں کو اسلام میں لانے کے لئے تبلیغ کرنا اور روز و شب جماعت سے ہمارا یہی خطاب ہوتا ہے ہم انہیں یہی کہتے ہیں کہ تم دوسرے لوگوں کو تبلیغ کے ذریعہ مسلمان بناؤ۔ ہمارا جہاد وہ ہے جو نماز کی طرح روزانہ ہو رہا ہے اور جو احمدی اِس جہاد میں حصّہ لیں گے وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم جہاد کر رہے ہیں لیکن جو لوگ اِس جہاد میں حصّہ نہیں لیں گے ہم ان کے متعلق فتویٰ تو نہیں دیتے لیکن جس طرح نماز نہ پڑھنے والا سچّا مسلمان نہیں ہو سکتا اسی طرح اسلام کی اشاعت کے لئے قربانی نہ کرنے والا بھی سچّا مسلمان یا سچّا احمدی نہیں کہلا سکتا۔ لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے مقدمات میں کس طرح اپنی جانیں لڑا دیتے ہیں۔ اب کُفر و اسلام کے مقدمہ میں جو حصّہ نہیں لیتا اور اسے نفلی سمجھتا ہے وہ کیسے سچّا مسلمان کہلا سکتا ہے؟ تحریک جدید نفلی اِس لئے ہے کہ ہم اس میں حصّہ نہ لینے کی وجہ سے کسی کو سزا نہیں دیتے لیکن فرض اِس لحاظ سے ہے کہ اگر تمہیں احمدیت سے سچّی محبّت ہے تو تحریک جدید میں حصّہ لینا تمہارے لئے ضروری ہے۔ جب ماں بچّہ کے لئے رات کو جاگتی ہے تو کون کہتا ہے کہ اس کے لئے رات کو جاگنا فرض ہے۔ بچّہ کی خاطر رات کو جاگنا فرض نہیں نفل ہے لیکن اسے رات کو جاگنے سے کون روک سکتا ہے؟ جس سے محبّت ہوتی ہے اُس کی خاطر ہر

؎۱ الفضل ۳ تبلیغ ۱۳۳۱ہش / فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۳ ۔

شخص قربانی کرتا ہے اور یہ نہیں کہتا کہ ایسا کرنا فرض نہیں نفل ہے۔ اِسی طرح جو شخص اسلام اور احمدیت سے سچی محبت رکھتا ہے وہ یہ نہیں کہے گا کہ ان کی اشاعت کی خاطر قربانی کرنا فرض نہیں بلکہ اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے قربانی کرنا اسے فرض سے بھی زیادہ پیارا لگے گا کیونکہ وہ سمجھے گا کہ ایسا کرنے سے اسلام کو دوبارہ شوکت و عظمت حاصل ہو جائے گی بلکہ جب تبلیغ جہاد کا ایک حصّہ ہے تو اس میں حصّہ لینا فرض ہی کہلانے کا مستحق ہے۔"[1]

اَخلاقِ فاضلہ کے قیام کی جدّوجہد

۲۵ صلح ۱۳۳۱ ہش / جنوری ۱۹۵۲ء کو سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے بذریعہ خطبہ جمعہ یہ ارشاد فرمایا کہ قومی اخلاق کو راسخ کرنے کے لئے ہمیں اجتماعی جدّوجہد کی ضرورت ہے۔ چنانچہ حضورؓ نے خطبہ کے پہلے حِصّہ میں فرمایا کہ:۔

"ہم نے دُنیا کے سامنے یہ نمونہ پیش کرنا ہے کہ اَخلاقِ فاضلہ دُنیا سے مِٹ گئے تھے اَب جماعتِ احمدیہ اخلاقِ فاضلہ پر قائم ہے اور ہر نیا تغیّر جو رُونما ہوتا ہے، ہر خرابی جو پیدا ہوتی ہے اس سے اگر ہم بھی متاثر ہو جاتے ہیں تو ہم دُنیا کے سامنے نمونہ پیش کیسے کر سکتے ہیں؟ مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس قسم کے جرائم میں قومی اثر بھی ضرور داخل ہوتا ہے مثلاً چوری ہے، ڈاکہ ہے، یہ ایک شخص کا فعل نہیں ہوتا بلکہ ایسا فعل کرنے والوں کو اس کے ہمسائے بھی جانتے ہیں۔ اگر سارے لوگوں کے اندر غیرت پیدا ہو جائے اور احساس پیدا ہو جائے تو ایسے لوگوں کا پکڑا جانا آسان ہے مثلاً حرام خوری ہے دکاندار ٹھگی کرتے ہیں وہ اچھی چیز میں خراب چیز کی آمیزش کر دیتے ہیں تو اس کا ہر گاہک کو پتہ ہوتا ہے۔ اگر ہر شخص بجائے یہ کہنے کے کہ مجھے مصیبت اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائے اور کہے کہ مَیں اسے برداشت نہیں کر سکتا تو دیکھ لیں ایسے لوگ فوراً اپنی اصلاح کر لیں گے۔"

خطبہ کے آخر میں اِس نکتۂ معرفت کی طرف متوجّہ فرمایا:۔

"شیطانی کاموں کے لئے قربانی اور ایثار کی ضرورت نہیں ہوتی قربانی اور ایثار کی ضرورت خدائی کاموں کے لئے ہوتی ہے شیطان کو نبی بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی شیطانی باتیں خود بخود

---

[1] الفضل ۲۴ صلح ۱۳۳۱ ہش / جنوری ۱۹۵۲ء صد ۲ - صد ۳

چلتی جاتی ہیں کیونکہ ان میں ہر ایک کو مزا ملتا ہے لیکن خدا تعالیٰ نبی بھیجتا ہے۔ اُنہیں ماریں پڑتی ہیں، دُکھ دیئے جاتے ہیں اور بعض اوقات انہیں جانیں دینی پڑتی ہیں۔ اس طرح بڑی قربانی اور ایثار کے بعد ایک جماعت بنتی ہے اور شیطان اُسے پھر خراب کر دیتا ہے۔ انبیاء نے اپنے اپنے زمانہ میں ترقی کی لیکن جب ان کا زمانہ ختم ہونے کا وقت آیا تو شیطان نے کتنی جلدی انہیں ختم کر دیا؟ غرض شیطانی آواز کی طرف لوگ جلد آتے ہیں کیونکہ انہیں تر لقمہ ملتا ہے وہ آخرت کو بھول جاتے ہیں۔ اس لئے میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھے اور قومی احساس پیدا کرے۔"[1]

قوم کی بے لوث خدمات بجالانے کی تلقین

حضرت مصلح موعودؓ نے ۸ تبلیغ ۱۳۳۱ ہش/ فروری ۱۹۵۲ء کے خطبہ جمعہ میں بتایا کہ قومی خدمات اپنے اندر بھاری برکات رکھتی ہیں۔ اس ضمن میں ان کے فوائد اور بلند معیار کی وضاحت درج ذیل الفاظ میں فرمائی:-

"ایک لیڈری شیطان بن کر ملتی ہے اور ایک لیڈری خدا تعالیٰ کے فضل کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے۔ ان دونوں میں کتنا فرق ہے۔ دُنیا میں ایسے خوش قسمت لوگ تھوڑے ہوتے ہیں جن کو فریب، دھوکہ بازی اور منصوبہ بازی کے بغیر لیڈری مل جائے۔ بعض لوگ قوم کی خدمت کرتے ہیں اور اس طرح آگے آجاتے ہیں مثلاً سر سید علی گڑھی[2]، مولانا محمد علی جوہر[3]، میاں فضل حسین[4] اور قائد اعظم محمد علی جناح[5]، سر اقبال[6]۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو تمام مسلمان جانتے ہیں۔ انہوں نے اپنی ذاتی اغراض کے لئے کوئی کام نہیں کیا بلکہ محض قوم کی خدمت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ انہیں آگے لے آیا۔ مگر ایسے لوگ بہت تھوڑے ہوتے ہیں ورنہ چھوٹی چھوٹی انجمنوں تک میں ہزاروں ریشہ دوانیاں ہوتی ہیں کہ کسی طرح کوئی خاص پارٹی آگے آجائے اور غرض یہ ہوتی ہے کہ زید یا بکر اس انجمن کے لیڈر بن جائیں، سیکرٹری بن جائیں یا انہیں کوئی اور عہدہ مل جائے۔ ایسے آدمی جنہوں نے قوم کی خدمت کی اور آگے آئے وہ کروڑوں کی جماعت میں درجنوں اور بیسیوں کے اندر ہی رہ جاتے ہیں لیکن ہماری جماعت میں بغیر کسی قسم کے دھوکہ، فریب اور منصوبہ کے آپ ہی آپ نظام کے ماتحت کچھ لوگ اوپر

---

[1] الفضل ۱۵ تبلیغ ۱۳۳۱ ہش/ فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۳، ۴۔ [2] وفات ۱۸۹۸ء۔ [3] وفات ۱۹۳۱ء۔ [4] وفات ۱۹۳۶ء۔ [5] وفات ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء۔ [6] وفات ۲۰ اپریل ۱۹۳۸ء۔

آجاتے ہیں اور جماعت کی باگ ان کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ ان کی زندگیوں میں تو ایک تغیر ہونا چاہئے تھا جس طرح خدا تعالیٰ نے ان سے سلوک کیا ہے اور انہیں بلا استحقاق قوم کا لیڈر بنا دیا ہے اسی طرح ان کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسے لیڈر بنیں جن کی مثال دنیا میں ملنی مشکل ہو۔ ان کے کام اپنے نفس کی خاطر نہیں ہونے چاہئیں بلکہ ان کے کردار، ان کے افعال، ان کے اخلاق اور ان کے طریق خالصتہً مذہب کے لئے وقف ہوں۔ اور جب کسی کی زندگی خالصتہً کسی مذہب یا جماعت کے لئے ہوجاتی ہے تو اس کے عمل میں دیوانگی پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ ڈاک خانہ بن کر نہیں رہ جاتا کہ چند خطوط کا جواب دے دیا اور سمجھ لیا کہ بڑا کام کیا ہے بلکہ ایسا شخص رات دن سکیمیں سوچتا ہے کہ کس کس طرح میں اپنی قوم کو اونچا کروں جس کی وجہ سے اُسے عزت ملی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی خاطر جو خدمات کی جاتی ہیں وہ پے در پے نفع لاتی ہیں ان کی یہ خدمت بھی بلا معاوضہ نہیں ہوتی۔ فرض کرو جماعت اب تین لاکھ کی ہے اور وہ قربانی کرتے ہیں اور تعداد تین لاکھ سے چھ لاکھ ہوجاتی ہے، تو انہوں نے صرف قوم کی خدمت نہیں کی انہوں نے اپنی خدمت بھی کی ہے۔ وہ پہلے تین لاکھ کے لیڈر تھے اب چھ لاکھ کے لیڈر ہوگئے۔ اگر وہ اَور قربانی کریں اور تعداد بارہ لاکھ ہوجائے تو یہ خدمت اسلام کی بھی ہوگی مگر ساتھ ہی اپنی خدمت بھی ہوگی کیونکہ کل وہ چھ لاکھ کے لیڈر تھے تو آج وہ بارہ لاکھ کے لیڈر بن گئے ہیں۔ غرض ان کے اندر ایسی دیوانگی ہونی چاہئے جو دوسری قوموں میں نہ ملے۔“ [1]

چوہدری محمد حسین صاحبؓ کی ریاست خیرپور میں المناک شہادت

یکم فروری ۱۹۵۲ء سے احراری لیڈروں نے سندھ کو اپنی اشتعال انگیز سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا اور کانفرنس منعقد کر کے صوبہ کی فضا کو اس درجہ مکدر کر دیا کہ ۱۹۔ فروری ۱۹۵۲ء کو ایک مخلص احمدی چوہدری محمد حسین صاحب گمٹ ریاست خیرپور میرس سندھ پر قاتلانہ حملہ کر دیا گیا۔ چوہدری صاحب کو ہسپتال پہنچایا گیا جہاں آپ ۲۲ فروری ۱۹۵۲ء کو رحلت کر گئے۔ [2]

---

[1] الفضل ۱۷ تبلیغ ۱۳۳۱ ہش / فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۲، ۳۔

[2] الفضل ۴ امان ۱۳۳۱ ہش / مارچ ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۔

جلسہ سیالکوٹ پر یورش

جماعتِ احمدیہ سیالکوٹ کا سالانہ جلسہ ۱۶-۱۷ تبلیغ ۱۳۳۱ ہش / فروری ۱۹۵۲ء کو قرار پایا تھا اور احمدیوں کی کثیر تعداد بیرونی مقامات اور مضافات سے اس میں شرکت کے لئے پہنچ چکی تھی کہ بعض احراری علماء نے پہلے تو احمدیوں کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ نشر کیا پھر ایک ہجوم میں یہ اعلان کر کے کہ ہم احمدیوں کا جلسہ نہیں ہونے دیں گے جلسہ گاہ کا رُخ کر لیا اور جونہی پہلا اجلاس ختم ہوا اور سامعین جلسہ گاہ سے باہر نکلے تو ان پر شدید سنگ باری کی گئی جس سے چالیس سے زائد افراد بُری طرح مجروح ہوئے۔ اس کے بعد بلوائیوں نے بازار میں متعدد اشخاص کو مارا پیٹا اور گلیوں میں بھی تشدد سے کام لیا۔

رات کو ڈپٹی کمشنر صاحب سیالکوٹ نے جماعت احمدیہ کے ارکان کو بلایا اور مشورہ دیا کہ جلسہ احمدیہ مسجد میں کر لیں لیکن جماعتِ سیالکوٹ نے اِس رائے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے اگلے روز کا پروگرام منسوخ کر دیا۔[1]

---

[1] اِس موقعہ پر مقامی جماعت کی طرف سے صاحب ڈپٹی کمشنر کو یہ مُراسلہ بھیجا گیا:۔

"ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا بجائے اپنی جلسہ گاہ کے مسجد میں جاکر جلسہ کرنا کسی حالت میں بھی مناسب نہیں اور ہمارے حق کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ ہم نے بار بار آپ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم خطرہ بھی برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن پہلی مرتبہ کے التواء کے بعد دوسری بار ایک نہایت ہی مختصر اجلاس کو کافی سمجھنا ہمارے لئے مشکل ہے ہم یقیناً اِس بات کے حقدار ہیں کہ اُس تعاون کے بعد جو ہم نے پچھلی بار دکھایا تھا اِس دفعہ حالات کی مشکلات کو برداشت کر کے ہمارے لئے جلسہ کرنا ممکن کیا جاتا۔ اِس جلسہ میں شرکت کے لئے بعض دوست باہر کے اضلاع سے آئے ہوئے تھے ہم حکومت کو یقیناً مشکلات میں پھنسانا نہیں چاہتے لیکن اِس کا یہ اثر ضرور ہو گا کہ ایسا شرارت پسند عنصر جو ہر ممکن طریق سے حکومت کو کمزور کرنا چاہتا ہے اَور زیادہ دلیر ہو جائے گا اور امن پسند لوگوں کیلئے اپنے حقوق کی حفاظت مشکل ہو جائے گی بہرحال آپکی انتظامی معذوریوں کے پیشِ نظر ہمارے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ ہم اپنا بقیہ پروگرام منسوخ کر دیں۔"

الفضل ۱۹ تبلیغ ۱۳۳۱ ہش / فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۱

فصل پنجم

● سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا سفرِ بشیر آباد سندھ ● بصیرت افروز خطبات ● حیدر آباد میں پریس کانفرنس ● اِتّحاد المسلمین پر شاندار لیکچر

سیّدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ اراضیٔ سندھ کی نگرانی اور حسابات کی پڑتال کرنے، کارکنوں کو ہدایات دینے اور بہت سے تربیتی و تبلیغی امور کی انجام دہی کے لئے سالہا سال سے سندھ تشریف لے جا رہے تھے حضور حسبِ سابق اِس سال بھی ۴۳ نفوس پر مشتمل قافلہ سمیت ۲۵ تبلیغ/فروری کو بشیر آباد سندھ تشریف لے گئے اور ایک ماہ کے کامیاب دَورہ کے بعد ۲۶ امان/مارچ کو ربوہ میں رونق افروز ہوئے۔ حضور نے اِس سفر کے دَوران مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کو امیر مقامی نامزد فرمایا۔[1]

۱۳۳۱ ہش/۱۹۵۲ء کے بابرکت سفرِ سندھ کے واقعات میں سے تین کا ذکر ضروری ہے:۔

۱۔ خطباتِ جمعہ ۲۔ پریس کانفرنس ۳۔ اتحاد المسلمین پر لیکچر

بصیرت افروز خطبات دَورانِ سفر حضور نے اپنے خطبات میں احبابِ جماعت کو بہت قیمتی نصائح فرمائیں جن کا ملخّص یہ تھا کہ اپنے اندر بیداری پیدا کرو، تبلیغ کرو، جماعت کو وسیع کرتے چلے جاؤ، ہمیشہ اپنے کاموں میں محبّت اور تحمّل کا توازن قائم رکھو اور اخلاقِ فاضلہ کا بہترین نمونہ بنو۔

---

[1] الفضل ۲۷ تبلیغ و ۲۸ امان ۱۳۳۱ ہش (مطابق ۲۷ فروری و ۲۸ مارچ ۱۹۵۲ء)

پریس کانفرنس حضورؓ نے ۲۵ امان/مارچ کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا جس کی رُوداد اخبار المصلح کراچی (مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۵۲ء) کے الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے:۔

"حضرت امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے گزشتہ روز حیدرآباد میں صحافیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

"مَیں تو سمجھتا ہوں کہ مہاجر و انصار کی تعریف کو ختم کرنا چاہیئے اور ہمیں اس کی بجائے پاکستانی کے لفظ کو استعمال میں لانا چاہیئے۔ مَیں ذاتی طور پر تو یہ اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھتا ہوں کہ ہندوؤں نے ہمیں مسلمان سمجھ کر نکال دیا مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں پاکستان میں حفاظت کی جگہ دے دی"

زبان کے مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

"مَیں اصولاً تو یہی سمجھتا ہوں کہ پاکستان کی زبان لازمی طور پر اُردو ہے لیکن موجودہ حالات میں یہ ضروری ہے کہ بنگالیوں کی دلجوئی کرکے ان کے ساتھ محبّت اور ہمدردی کے جذبات رکھے جائیں اور زبان کے سوال کو موجودہ حالات میں اُٹھانا اور خواہ مخواہ اس مسئلہ کو اختلاف کی بنیاد بنانا درست نہیں"

ایک سوال کے جواب میں مسئلۂ جہاد پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

"ہم قرآن کریم کو مانتے ہیں۔ لامحالہ جو چیز قرآن کریم میں ہوگی وہی ہمارا عقیدہ اور مسلک ہوگا ہاں اس کی توضیح اور مفہوم میں فرق ہو سکتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جہاد دشمنوں کے حملوں کے دفاع کا نام ہے اور ایک دفعہ دفاعی جنگ شروع ہو جانے کے بعد اقدام بھی لازماً اس کا ایک حصّہ بن جائے گا"

پاکستان میں آئندہ ماہ ہونے والی اسلامی ممالک کے وزراءِ اعظم کی کانفرنس کے متعلق آپ نے فرمایا:۔

"جہاں تک میرا خیال ہے اِس کانفرنس میں باہمی عام مسائل پر عام مشورہ ہوگا اور اسکے فیصلے سب پر عائد نہیں کئے جائیں گے۔ بہرحال یہ اقدام نہایت خوشکن ہے اور آئندہ کامیابیوں کا پیش خیمہ ہے"[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ۲؍ شہادت ۱۳۳۱ ہش/۲؍ اپریل ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۔

سیدنا حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعودؓ کی تقریر بعنوان اتحاد بین المسلمین کا ایک منظر

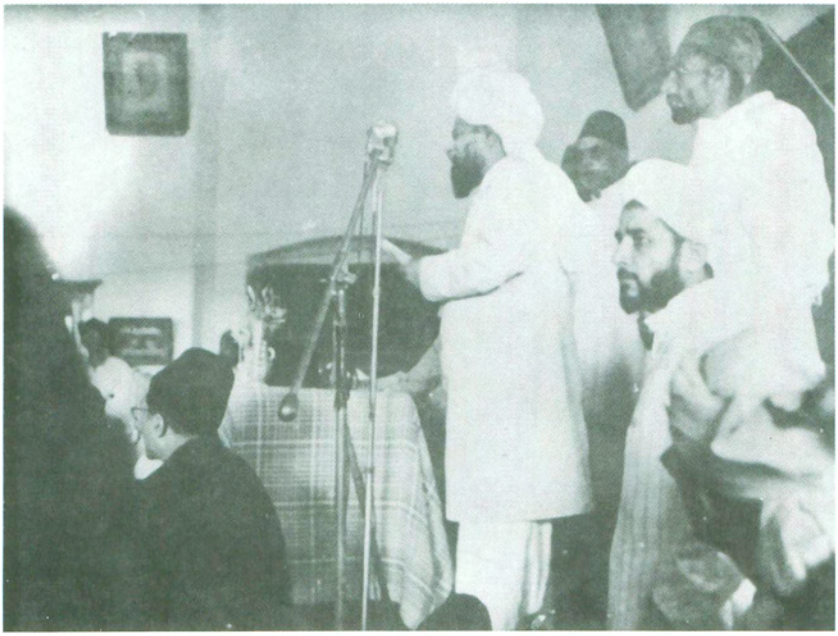

(حضور کے پیچھے دائیں طرف جناب چوہدری عبداللہ خان صاحب امیر جماعت احمدیہ کراچی۔
اور بائیں طرف مکرم سید احمد علی شاہ صاحب مربی سلسلہ احمدیہ کھڑے ہیں)

حضرت مصلح موعودؓ کے سفر ناصر آباد کے دو اہم فوٹو

اتحاد المسلمین پر عظیم الشان لیکچر

قیامِ حیدر آباد کا اہم ترین واقعہ امیر المومنین حضرت مصلح موعودؓ کا "اتحاد المسلمین" کے موضوع پر عظیم الشان لیکچر ہے جو ۲۵ امان/ مارچ کو پریس کانفرنس کے بعد تھیوسافیکل ہال میں ہوا۔ داخلہ بذریعہ ٹکٹ تھا قریباً ایک ہزار ٹکٹ غیر احمدی معززین میں تقسیم کئے گئے جلسہ میں آلۂ نشر الصّوت کا خاطر خواہ انتظام تھا۔ ہال کا اندرونی حصّہ اِس قدر پُر تھا کہ تِل دھرنے کو جگہ نہ تھی حتیٰ کہ احمدی اور غیر احمدی احباب کثیر تعداد میں دونوں طرف باغ اور صحن میں بیٹھے یا کھڑے آخر وقت تک پوری توجہ، دلجمعی اور سکون کے ساتھ تقریر سُنتے رہے مستورات کے لئے ہال کے ایک ملحقہ کمرہ میں الگ پردہ کا بندوبست تھا۔ جناب ایم۔ اے حافظ بار ایٹ لاء حیدرآباد کی صدارت میں کارروائی شروع ہوئی سب سے پہلے مولوی سیّد احمد علی شاہ صاحب مبلّغ سلسلہ[1] نے تلاوت فرمائی پھر مبارک احمد صاحب نے کلامِ محمود سے ایک نظم پڑھی۔ ازاں بعد صدرِ جلسہ نے حضرت مصلح موعودؓ کو خراجِ عقیدت ادا کرتے ہوئے اِس تقریب پر اظہارِ مسرّت و شادمانی کیا اور فرمایا:۔

"ہماری خوش قسمتی ہے کہ اسلام میں جماعتِ احمدیہ جیسی ایک جماعت موجود ہے جس کے کارنامے طویل ہیں۔ اِس جماعت نے اسلام کو جس جوش و خروش سے یورپ میں پیش کیا ہے وہ اس کا ہی حصّہ ہے اور ہم سب مسلمان اس کے ممنون ہیں۔ اِس جماعت کے ایک ممبر آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خاں حکومت میں شامل ہیں۔ اِس ممبر نے دُنیا میں پاکستان کی عزّت کو چار چاند لگا دیئے ہیں اور دنیا میں پاکستان کا نام بلند کرنے اور اسلامی ممالک کو متحد بنانے میں عظیم الشان کامیابی حاصل کی ہے یہ ممبر ساری اسلامی دُنیا کے لئے ایک قابلِ فخر ہستی ہے۔ آج اس عظیم الشان جماعت کے عظیم الشان لیڈر کی تقریر سُننے کے لئے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اور مَیں اِس بات پر فخر کرتا ہوں کہ آج صدارت کے لئے مجھے چُنا گیا۔"

اِس کے بعد حضور اقدس نے اتحاد المسلمین کے موضوع پر سوا گھنٹہ کے قریب ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی۔

اِس تقریر کے ضروری حصّے درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

[1] آپ اُن دنوں زیریں سندھ (ضلع حیدر آباد، ٹھٹھہ، تھرپارکر، سانگھڑ، نواب شاہ اور ضلع دادو) کے انچارج مبلغ تھے۔

اتحاد اور اس کا فلسفہ "اتحاد عربی لفظ ہے اور وحدت سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں یکجہتی اختیار کرلینا۔ یہ لفظ بتاتا ہے کہ یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ بہت سی چیزیں ہیں اور انہوں نے ارادہ کیا ہے کہ وہ اپنی انفرادیت کو کھو کر اجتماعیت اختیار کریں گی۔ عربی زبان کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ مطالب کو اِس طرح بیان کرتی ہے کہ ایک لفظ کے اندر سارا فلسفہ بیان کردیا جاتا ہے۔ اتحاد نے اُردو زبان میں آکر اپنے معنی کھو دیئے ہیں لیکن عربی زبان میں جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس کے فلسفہ کو جاننے والا فوراً سمجھ جاتا ہے کہ بولنے والا کئی باتیں تسلیم کرتا ہے۔"

اِسلام اور اجتماعیّت "اجتماعیّت اور ملّت کا جو احساس اسلام نے پیدا کیا ہے وہ کسی اَور مذہب نے پیدا نہیں کیا۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے اپنے ماننے والوں کو اجتماعیّت کی طرف توجّہ دلائی ہے۔"

کلمہ "مثلاً اسلام میں ایک کلمہ ہے جو ہر مسلمان کے لئے ماننا ضروری ہے۔ بیشک اسلامی فرقوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً ہماری جماعت کو بھی دوسرے فرقوں سے اختلاف ہے لیکن کوئی احمدی ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہے کہ مَیں کلمہ طیّبہ نہیں مانتا۔ پھر شیعوں کو سُنّیوں سے اختلاف ہے اور سُنّیوں کو شیعوں سے اختلاف ہے لیکن سُنّی یا شیعہ کو یہ جرأت نہیں کہ وہ کلمہ سے انکار کرے۔ تم کسی اسلامی فرقہ میں چلے جاؤ اور اُن سے پُوچھ لو وہ کلمہ سے باہر نہیں جائیں گے۔ ہر ایک مسلمان یہ یہ کہے گا کہ ہمارا ایک کلمہ ہے اور وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ ہر شخص جو مسلمان ہوگا وہ اِس بارہ میں دوسرے مسلمانوں سے متّحد ہوگا۔ شیعہ سُنّیوں سے اختلاف رکھیں گے لیکن کلمہ کے بارہ میں ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔ سُنّی شیعہ سے اختلاف رکھیں گے لیکن کلمہ میں دونوں متحد ہوں گے اور یہ کلمہ صرف مسلمانوں میں ہے اَور کسی مذہب میں نہیں۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک عیسائی کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا نہیں آتا۔ ایک عیسائی بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ سکتا ہے لیکن ان کا اپنا کوئی ایسا کلمہ نہیں جس میں بتایا گیا ہو کہ خدا تین ہیں۔ تم کسی مشن میں چلے جاؤ اور عیسائیوں سے پوچھو کہ کیا تمہارا بھی کوئی کلمہ ہے تو وہ یہی جواب دیں گے کہ ہمارا کوئی کلمہ نہیں۔ وہ یہ کہہ ہی نہیں سکتے کہ ہمارا کوئی کلمہ ہے کیونکہ ان کے ہاں مذہب کا ضروری حصّہ وہ لوگ بھی ہیں جو تین خدا مانتے ہیں اور ساتھ ہی ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو باوجود عیسائی ہونے کے ایک

خدا کے قائل ہیں لیکن ہمارا ہر شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ میں دوسرے مسلمانوں سے اتحاد رکھتا ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے خلاف کسی تعلیم کو مانتا ہو اور وہ اسلام میں بھی رہے۔"

"ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳۷۰ سال قبل فرما دیا تھا کہ ہمارا کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے اور اس میں اسلام کا خلاصہ آ گیا ہے۔ باقی لوگ ابھی ٹکریں مار رہے ہیں کہ ہمارا کلمہ کیا ہے؟ اب یہ اتحاد کی کتنی بڑی صورت ہے جو مسلمانوں کے سوا دوسرے لوگوں کو حاصل نہیں۔"

قبلہ

"پھر اسلام میں ایک قبلہ پایا جاتا ہے لیکن اسلام کے سوا کسی مذہب میں قبلہ نہیں پایا جاتا۔ بیشک ہندوؤں کے پاس سومناتھ کا مندر موجود ہے لیکن یہ ایسی چیز نہیں جس پر سارے ہندو جمع ہو جائیں۔ عیسائیوں اور یہودیوں میں بھی کوئی قبلہ نہیں وہ یروشلم کی مسجد کو بطور قبلہ پیش کرتے ہیں لیکن یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پانچ سو سال بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے بنائی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے پانچ سو سال قبل یہودیوں کے پاس کونسا قبلہ تھا۔ ہمارے پاس پہلے سے قبلہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ظاہر ہوئے تو آپ نے بتا دیا کہ ہمارا فلاں قبلہ ہے اور اس طرح مسلمانوں پر کوئی دن ایسا نہیں آیا جب ان کے پاس کوئی قبلہ نہ ہو۔ یہ نہیں کہ ایک سال، دو سال یا دس سال کے بعد قبلہ کا حکم ہوا ہو بلکہ پہلے دن سے بتا دیا گیا ہے کہ ہمارا فلاں قبلہ ہے۔ اب یہ اتحاد کی کتنی بڑی صورت ہے جو دوسرے مذہب والوں کو حاصل نہیں۔"

نماز باجماعت

"پھر نماز باجماعت ہے۔ اسلامی نماز بھی انفرادی نماز نہیں بلکہ ایک قومی نماز ہے۔ پہلے صفوں میں سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ قبلہ رُخ ہو۔ اقامت ہو پھر ایک امام ہو۔ امام کھڑا ہو تو مقتدی کھڑا ہو امام سجدہ میں جائے تو مقتدی بھی سجدہ میں چلا جائے۔ یہ خصوصیت صرف اسلام میں پائی جاتی ہے اور مذاہب میں نہیں۔ نہ عیسائیوں میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے اور نہ یہودیوں میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے۔ عیسائی اور یہودی اکٹھے تو ہو جاتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان کے لئے اکٹھا ہونے کا کہاں حکم ہے؟ ساری تورات میں اکٹھے ہو کر عبادت کرنے کا حکم نہیں ملتا۔ تورات میں یہی آتا ہے کہ کامل عبادت یہی ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے لئے قربانی پیش کرو۔ باقی یہ کہ عبادت کے لئے تم اکٹھے ہو جاؤ ایسا کوئی حکم نہ

پرانوں اور ویدوں میں موجود ہے اور نہ ایسا حکم تورات اور انجیل میں پایا جاتا ہے۔"

اذان "صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو کہتا ہے پہلے اذان دو پھر اس طرح مسجد میں آؤ۔ سیدھی صفوں میں کھڑے ہو جاؤ۔ پھر قبلہ کی طرف مُنہ کرو۔ سامنے ایک امام ہو۔ جو حرکت امام کرے وہی حرکت مقتدی بھی کرے۔ امام سجدہ میں جائے تو مقتدی بھی سجدہ میں چلے جائیں امام کھڑا ہو تو مقتدی بھی کھڑے ہو جائیں۔ اِس طرح ساری قوم امام کے تابع ہو جاتی ہے اور یہ طاقت ہٹلر میں بھی نہیں تھی کہ اس کے اشارہ سے سارے لوگ جُھک جائیں لیکن یہاں یہ بات پائی جاتی ہے کہ امام رکوع میں جاتا ہے تو سارے مقتدی رکوع میں چلے جاتے ہیں۔ امام سجدہ میں جاتا ہے تو سارے لوگ سجدہ میں چلے جاتے ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہ طاقت بخشی ہے جس نے اجتماعیت کی ایسی مستحکم رُوح قائم کر دی ہے جس کی مثال کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔"

حج "پھر حج ہے یہ خصوصیّت بھی صرف اسلام میں ہے۔ بیشک ہندو لوگ یاترا کے لئے جاتے ہیں لیکن یاترائیں بیسیوں ہیں۔ کوئی مشخصہ یاترا نہیں اور نہ ایسی تعلیم ہے کہ جس شخص کے پاس سرمایہ ہو۔ پھر امن ہو اس کے لئے کوئی روک نہ ہو۔ ایسا شخص اگر حج نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہے یہ اجتماعیت صرف اسلام میں پائی جاتی ہے۔ باقی لوگ یاترا گئے تب بھی بزرگ ہیں اور اگر یاترا کو نہ گئے تب بھی بزرگ ہیں۔"

زکوٰۃ "پھر زکوٰۃ ہے۔ اسلام میں جیسی زکوٰۃ پائی جاتی ہے وہ کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتی بے شک یہودیوں میں بھی زکوٰۃ پائی جاتی ہے لیکن اس میں اتنی باریکیاں نہیں پائی جاتیں جتنی باریکیاں اسلامی زکوٰۃ میں پائی جاتی ہیں۔ اسلامی زکوٰۃ کے اخراجات کو نہایت وسیع طور پر بیان کیا گیا ہے اور اس میں قومی ترقی کی ہر چیز آجاتی ہے۔ اس میں کلیّت کا رنگ پایا جاتا ہے اور یہ بات یہودی زکوٰۃ میں نہیں پائی جاتی۔ اسلامی زکوٰۃ میں ہر قسم کے غرباء کا حق مقرر کر دیا گیا ہے مثلاً ایک شخص کے پاس تجارت کے لئے سرمایہ نہیں تو اسلام کہتا ہے اسے کچھ سرمایہ دے دو۔ ایک ودمندی ہے وہ درزی کا کام جانتا ہے لیکن اس کے پاس کوئی مشین نہیں تو اسلام کہتا ہے کہ زکوٰۃ میں سے اسے بھی کچھ دے دو۔ ایک شخص کو یکہ چلانا آتا ہے لیکن اس کے پاس روپیہ نہیں تو اسلام کہتا ہے کہ زکوٰۃ میں سے اسے بھی کچھ دے دو۔ اِس طرح ایک مسافر آتا ہے وہ مالدار ہوتا ہے

لیکن وہ شہر میں جاتا ہے اور اس کا مال چوری ہو جاتا ہے اور وہ گھر سے بھی روپیہ منگوا نہیں سکتا تو اسلام کہتا ہے کہ زکوٰۃ میں سے اسے بھی کچھ دے دو۔ ایک غریب آدمی قید ہو جاتا ہے۔ اسکے بچوں کے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں ہوتا تو اسلام کہتا ہے کہ زکوٰۃ میں سے اسے بھی کچھ دیدو۔ گویا اسلام نے زکوٰۃ کے نظام کو اس قدر وسیع کیا ہے اور اتنا نرم رکھا ہے کہ ہر قوم اور ہر گروہ کے لوگ اس سے اسی طرح فائدہ اُٹھا سکتے ہیں کہ کسی کا سر بھی نیچا نہ ہو۔ کیونکہ بڑی زکوٰۃ حکومت خود دیگی۔ مثلاً زمین ہے۔ زمین کی زکوٰۃ میں ذاتی طور پر نہیں دے سکتا بلکہ یہ زکوٰۃ گورنمنٹ کے پاس جمع کرائی جائے گی اور وہ آگے مستحقین میں تقسیم کرے گی۔ اگر حکومت اس رقم میں سے کچھ میرے ہمسایہ کو دیتی ہے تو اگرچہ وہ میری رقم ہو گی لیکن میرا ہمسایہ اسے گورنمنٹ سے حاصل کرے گا اِس طرح وہ میرا ممنون نہیں ہو گا اور میرے سامنے نظریں نیچی نہیں کرے گا۔ گویا زکوٰۃ لینے کے نتیجہ میں جو تحقیر پیدا ہوتی ہے وہ پیدا نہیں ہو گی۔ غرض اسلامی زکوٰۃ میں اِس امر کو مدِ نظر رکھا گیا ہے کہ غریب کی نظر نیچی نہ ہو۔ اور باوجود مدد لینے کے وہ امیر ہمسایہ کو کہہ سکے کہ مَیں نے تجھ سے مدد نہیں لی۔"

قضاء

"پھر قضاء ہے یہ بھی اسلام کی ہی ایک خصوصیت ہے اور یہ خصوصیت بھی اِس بات کی ایک دلیل ہے کہ اسلام اجتماعیت کی تعلیم دیتا ہے۔ ایک فرد اگر کسی کو ڈنڈا مارے تو قضاء اسے کہے گی کہ تم قاضی کے پاس جاؤ وہ اسے ڈنڈا مارے گا۔ یہاں تک کہ اسلام میں بدکاری کی سزا سخت ہے لیکن اس کے لئے بھی اسلام نے یہی تعلیم دی ہے کہ تم سزا کو اپنے ہاتھ میں نہ لو بلکہ معاملہ قاضی کے پاس لے جاؤ وہ سزا دے گا۔

ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس وقت یہودی سزا پر عمل کیا جاتا تھا۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسُولَ اللہ اگر خاوند دیکھے کہ اس کی بیوی بدکاری کر رہی ہے تو کیا اسے حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کو مار ڈالے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہیں[1]۔ اسے خود سزا دینے کا حق نہیں۔ موسوی شریعت میں زنا کی سزا قتل تھی اور اس وقت تک اس بارہ میں موسوی شریعت کے مطابق ہی عمل کیا جاتا تھا۔ اُس شخص نے عرض کیا جب زنا کی سزا قتل ہے تو خاوند جب اپنی آنکھوں سے اپنی بیوی کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھے تو کیوں نہ اُسے قتل کر دے؟ رسول کریم

[1] ابوداؤد (کتاب الحدود)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے سزا دینے کا حق نہیں۔ سزا دینے کا حق قاضی کو ہے۔ اگر وہ اپنی بیوی کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھتا ہے اور اسے قتل کر دیتا ہے تو اُسے قاتل سمجھ کر موت کی سزا دی جائیگی اب دیکھو اسلام اسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ اسلام یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کہیں بدلہ لینے میں جلد بازی سے کام تو نہیں لیا گیا۔ کیا جُرم کی تحقیق کے سامان پُوری طرح مہیا کئے ہیں؟ اور یہ باتیں قاضی دیکھ سکتا ہے دوسرا نہیں۔ اگرچہ یہ انفرادی حق ہے لیکن کسی شخص کو اِس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ قانون کو ہاتھ میں لے لے۔ مُجرم کو سزا صرف حکومت کے ذریعہ ہی دلائی جاسکتی ہے۔"

جہاد

"پھر فرضیّتِ جہاد ہے۔ جہاد بھی اکیلا شخص نہیں کر سکتا بلکہ جب جہاد فرض ہوگا تو ساری قوم لڑے گی۔ پس جہاد بھی ایک اجتماعی چیز ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ جب امام کہے کہ اب جہاد کا موقعہ ہے تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس فریضہ کو پُورا کرے اور اگر کوئی مسلمان اِس فرض کو پُورا نہیں کرتا تو وہ شریعت اور قانون کا مجرم ہے یہ ایک اجتماعی حکم ہے پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسلام انفرادی مذہب ہے وہ غلطی پر ہے۔ اسلام انفرادی مذہب نہیں بلکہ اجتماعی مذہب ہے۔"

اِنفرادیّت و اجتماعیّت

"اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام ایک طرف تو انفرادیّت کی حقیقت کو تسلیم کرتا ہے اور نہ صرف تسلیم کرتا بلکہ اسے ضروری قرار دیتا ہے اور دوسری طرف وہ اجتماعیّت کی تعلیم دیتا ہے یہ دونوں چیزیں اکٹھی کیسے ہو سکتی ہیں۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں بظاہر متضاد نظر آتی ہیں لیکن در اصل یہ متضاد نہیں بلکہ ایک دوسرے کی مددگار ہیں۔ اِن دونوں کو جمع کئے بغیر ترقی نہیں ہو سکتی۔

جس مذہب نے صرف انفرادیّت کی تعلیم دی ہے وہ بھی تباہ ہوا ہے۔ کوئی مذہب اور کوئی حکومت اپنے لئے ترقی کا راستہ نہیں کھول سکتی جب تک وہ اِن دونوں چیزوں پر بیک وقت عمل نہ کر رہی ہو۔ اگلے زمانہ میں خدا سے تعلق محض انفرادیّت کے طور پر ہوتا تھا لیکن صحیح راستہ انفرادیت اور اجتماعیت کے درمیان ہے۔ جیسے اگلے جہان میں ایک پُل صراط ہوگی یہ اِس دُنیا کی پُل صراط ہے۔ اسلام دونوں چیزوں کو ایک وقت میں بیان کرتا ہے۔ ایک طرف وہ اِنسان کو اتنا بلند کرتا ہے کہ اسے عرش پر پہنچا دیتا ہے اور اس کے درمیان اور خدا تعالیٰ کے درمیان کوئی

واسطہ باقی نہیں رہتا اور دوسری طرف جس طرح یونانی جب لڑتے ہیں تو وہ آپس میں ایک کو دوسرے کے ساتھ باندھ دیتے ہیں تا کہ وہ اگر مریں تو اکٹھے مریں اسی طرح اسلام بھی ایک انسان کو دوسرے کے ساتھ باندھ دیتا ہے۔ پس حقیقت یہی ہے کہ اتحاد موجودہ حالات اور افراد سے اتحاد کا نام ہے۔ اتحاد اس بات کا نام ہے کہ موجودہ حالات اور افراد سے کام لیا جائے اور ترقی کے معنی یہ ہیں کہ موجودہ حالات اور افراد میں اختلاف پیدا کیا جائے۔ جب تک تجربہ اور تھیوری سے اختلاف نہیں کیا جاتا اس وقت تک ترقی نہیں ہو سکتی۔ غرض انفرادیت کے بغیر ترقی مشکل ہے اور اتحاد کے بغیر امن قائم رکھنا مشکل ہے۔"

قرآن مجید کی تعلیم

"قرآن کریم نے اِن دونوں کو تسلیم کیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (انفال: ۴۷)

اے مسلمانو!! تم آپس میں اختلاف نہ کرو۔ اگر تم آپس میں اختلاف کرو گے تو کمزور ہو جاؤ گے اور دشمن سے شکست کھا جاؤ گے۔ تم ہمیشہ اکٹھے رہنا اور ایک دوسرے کے مددگار رہنا۔ وَاصْبِرُوْا اور چونکہ اکٹھے رہنے میں تمہیں کئی مشکلات پیش آئیں گی اس لئے تمہیں صبر سے کام لینا ہوگا۔ جب تم اجتماعیت کی طرف آؤ گے تو کئی جھگڑے پیدا ہوں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی شکوہ پیدا ہو جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ آپؐ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے ایک شخص نے کہا کہ اس تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا جا رہا۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے شخص اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟ حضرت عمرؓ بھی وہاں موجود تھے آپ نے تلوار نکال لی اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ اجازت دیں تو میں اس کی گردن کاٹ دوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانے دو۔ اس شخص نے بے شک غلطی کی ہے لیکن اگر اس کی گردن کاٹ دی گئی تو لوگ کہیں گے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیتا ہے[1] پس اگر اس زمانہ کے لوگ بھی شکوہ کر دیتے تھے اور اختلاف کا اظہار کر دیتے تھے تو پاکستان اور شام اور عراق اور اردن کے لوگ کیوں نہیں کر سکتے؟ غلطیاں ہو جاتی ہیں اور لوگ شکوہ بھی کرتے ہیں پھر تم کیا کرو

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۳۵۳

فرمایا وَاصْبِرُوْا تم صبر کرو۔ اور مجھ پر امید رکھو میں خود اس کا بدلہ دوں گا۔ پھر فرماتا ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آلِ عمران رکوع ۱۱) اے مسلمانو! تم سارے مل کر اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو۔ اگر تم نے تفرقہ کیا تو اس کے نتیجہ میں تمہاری طاقت زائل ہو جائے گی۔ یہ اجتماعی اتحاد کی دعوت ہے لیکن دوسری طرف یہ بھی فرمایا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کے مذہب کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں وہ بے دین ہیں۔ گویا قرآنِ کریم اختلاف و اتحاد دونوں کو تسلیم کرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں بھی اختلاف اور اتحاد دونوں کو تسلیم کیا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ[1] میری اُمّت کا اختلاف رحمت ہے۔ اب دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اختلاف کو بجائے عذاب کے رحمت قرار دیتے ہیں اور اختلاف کرنے والے دونوں فریق کو اپنی اُمّت قرار دیتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف آپؐ فرماتے ہیں کہ ... جو شخص[2] جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ ہُوا وہ ہم میں سے نہیں۔ گویا آپؐ نے ایک طرف یہ کہا کہ اختلاف رحمت ہے اور دوسری طرف یہ کہا کہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی الگ ہو گا وہ ہم میں سے نہیں یعنی وہ مسلمان نہیں رہے گا۔ ایک صحابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا یا رسولَ اللہ جب تفرقہ ہو گا تو مَیں کیا کروں۔ کیا مَیں تلوار لوں اور لوگوں کا مقابلہ کروں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ اُس صحابی نے پھر عرض کیا یا رسولَ اللہ پھر مَیں کیا کروں۔ تو آپؐ نے فرمایا ... جس طرف جماعت[3] ہو تم اسی طرف چلے جاؤ۔ گویا آپ نے ایک طرف انفرادیت پر اس قدر زور دیا ہے کہ اختلافِ اُمّت کو رحمت قرار دے دیا اور دوسری طرف یہ شدّت ہے کہ اگر تم پر ظلم بھی کیا جائے تب بھی تم اختلاف نہ کرو بلکہ جماعت کا ساتھ دو۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم دونوں نے اختلاف اور اتحاد دونوں کو تسلیم کیا ہے۔"

---

[1] "کنوز الحقائق" (از حضرت علّامہ امام عبدالرؤوف مناویؒ)

[2] ابوداؤد میں ہے "مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ قِیْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْاِسْلَامِ عَنْ عُنُقِہٖ" (کتاب السنّۃ) بخاری کتاب الاحکام میں ہے "لَیْسَ اَحَدٌ یُّفَارِقُ الْجَمَاعَۃَ شِبْرًا فَیَمُوْتُ اِلَّا مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً"۔

[3] بخاری کتاب الفتن کے الفاظ ہیں "تَلْزَمُ جَمَاعَۃَ الْمُسْلِمِیْنَ وَاِمَامَھُمْ"۔

پہلا اِسلامی اصُول اتحاد

"اگر ہم اکٹھے ہو کر بیٹھ جائیں گے تو آہستہ آہستہ اتحاد کی کئی صورتیں نکل آئیں گی۔ فلاں مُردہ باد۔ فلاں زندہ باد کے نعروں سے کچھ نہیں بنتا۔ اگر کوئی نقطہ مرکزی ایسا ہے جس پر اتحاد ہو سکتا ہے تو اس کو لے لو کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ اختلافات قائم رکھو بلکہ بعض دفعہ یہاں تک کہتا ہے کہ ہم اختلافات رکھنے میں تمہاری مدد کریں گے۔ پھر یہ بیوقوفی کی بات ہے کہ ہم ان اختلافات کی وجہ سے اتحاد کو چھوڑ دیں۔ مَیں نے عملی طور پر بھی اِس کا تجربہ کیا ہے۔ جب تحریکِ خلافت کا جھگڑا شروع ہُوا اور مولانا محمد علی اور شوکت علی نے یہ تحریک شروع کی کہ انگریزوں کو کہا جائے کہ وہ سُلطانِ ترکی کو جسے ہم مسلمان خلیفہ تسلیم کرتے ہیں کچھ نہ کہیں ورنہ ہم سب مسلمان مل کر ان کا مقابلہ کریں گے تو انہوں نے باقی مسلمانوں کو بھی دعوت دی کہ وہ اِس تحریک میں ان کے ساتھ شامل ہوں اور اس کے تعلق میں لکھنؤ میں ایک جلسہ کیا گیا۔ مَیں نے جب اِس بات پر غور کیا تو مَیں نے دیکھا کہ شیعہ اور اہلِ حدیث سلطانِ ترکی کو اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کرتے اور نہ خوارج اسے خلیفہ تسلیم کرتے ہیں اور پھر ہم احمدی بھی اِس بات کے خلاف ہیں۔ ہمارا ہیڈ خود خلیفہ ہوتا ہے۔ مَیں نے خیال کیا کہ یہ سارے لوگ یہ بات کیوں کہیں گے کہ ہم سب مسلمان سلطانِ ترکی کو اپنا خلیفہ مانتے ہیں اِس لئے اگر تم نے اس پر ہاتھ ڈالا تو ہم سب متحد ہو کر اس کی امداد کریں گے۔ مَیں نے جلسہ میں شرکت کے لئے ایک وفد لکھنؤ بھیجا اور انہیں تحریری پیغام بھجوایا[1] کہ اگر تم اِس صورت میں انگریزوں کے پاس جاؤ گے تو وہ کہیں گے کہ خوارج، اہلِ حدیث اور شیعہ سلطان عبدالحمید کو اپنا خلیفہ نہیں مانتے تم کیسے کہتے ہو کہ وہ سب مسلمانوں کا خلیفہ ہے؟ مَیں نے کہا تم یوں کہو کہ سلطانِ ترکی جسے مسلمانوں کی اکثریت خلیفہ تسلیم کرتی ہے اور باقی مسلمان بھی ان کا احترام کرتے ہیں اگر تم نے اسے کچھ کہا تو ہم سب مسلمان مل کر تمہارا مقابلہ کریں گے۔ اگر تم یُوں کہو گے تو کام بن جائے گا کسی احمدی، شیعہ یا اہلِ حدیث کو یہ جرأت نہیں ہو سکے گی کہ وہ کہے سلطان عبدالحمید کو مار دو۔ وہ دِل میں بے شک کہے لیکن اس کا زبان سے اظہار نہیں کرے گا۔ مولانا شوکت علی کی طبیعت جوشیلی تھی جب وفد میرا خط لے کر گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تفرقہ کی بات ہے۔ پندرہ دن کے بعد اہلِ حدیث کی طرف سے اعلان شائع ہُوا کہ ہم سلطانِ ترکی کو اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کرتے۔ شیعوں کی طرف سے

۱؎ یہ پیغام "ترکی کا مستقبل اور مسلمانوں کا فرض" کے نام سے چھپا ہُوا ہے۔

بھی اِس قسم کا اعلان شائع ہؤا اور پھر سر پھٹول شروع ہو گئی۔ خوارج اس ملک میں موجود نہیں تھے ورنہ وہ بھی اِس قسم کا اعلان کر دیتے اور پھر سال ڈیڑھ سال کے بعد خود ترکوں نے بھی اسے جواب دے دیا۔ تین چار سال کے بعد شملہ میں ہم سب ملے تو مولانا محمد علی نے کہا کتنا اچھا کام تھا لیکن آخر ہم اس میں ناکام ہو گئے۔ مسلمانوں میں تفرقہ ہو گیا اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مَیں نے کہا مولانا مَیں نے مشورہ دے دیا تھا کہ یہ نہ لکھا جائے کہ ہم سب مسلمان سلطانِ ترکی کو خلیفہ مانتے ہیں کیونکہ اہلِ حدیث، خوارج، شیعہ اور ہم احمدی اسے خلیفہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ یہ کہا جائے کہ سلطانِ ترکی جس کو مسلمانوں میں سے اکثریت خلیفہ مانتی ہے اور جو خلیفہ نہیں مانتے وہ بھی ان کا احترام کرتے ہیں۔ اگر میری بات مان لی جاتی تو یہ ناکامی نہ ہوتی۔ انہوں نے کہا آپ نے یہ مشورہ ہمیں دیا ہی نہیں۔ مَیں نے کہا آپ کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی کو دیا تھا مگر انہوں نے کوئی توجہ نہ کی۔ مَیں نے کہا اگر آپ میرا مشورہ مان لیتے تو اہلِ حدیث، خوارج اور شیعہ کو شکایت پیدا نہ ہوتی۔ آپ یہ لکھتے کہ اکثریت مسلمانوں کی سلطانِ ترکی کو خلیفہ مانتی ہے اور اقلیت اسے اپنے اقتدار کا نشان مانتی ہے۔ وہ افسوس کرنے لگے کہ مجھے پہلے کیوں نہ بتایا۔ پس شیعہ، سُنّی اور حنفی، وہابی اور احمدی اور غیر احمدی کے اختلاف کو چھوڑ دیا جائے اور ان کی اتحاد کی باتوں کو لے لیا جائے یہی اتّحاد کا اصول ہے۔"

دوسرا اسلامی اصولِ اتّحاد

"دوسرا اصول اتّحاد کا یہ ہے کہ چھوٹی چیز کو بڑی چیز پر قربان کر دیا جائے۔ اگر تم دیکھتے ہو کہ ہر بات میں اتحاد نہیں ہو سکتا تو تم چھوٹی باتوں کو چھوڑ دو اور بڑی باتوں کو لے لو۔ دیکھو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ جہاں توحید کا ذکر کرتا ہے وہاں ماں باپ کا بھی ذکر کرتا ہے اور ان کی اطاعت اور فرمانبرداری پر زور دیتا ہے لیکن جب انبیاء دُنیا میں آئے اور ان کی قوم نے یہ کہا کہ ہم اپنے آباء و اجداد کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتے تو خدا تعالیٰ نے یہاں تک کہہ دیا کہ کیا تم جاہلوں کی بات مانتے ہو۔ باپ دادے کی عزت بے شک بڑی ہے لیکن جب ان کا مقابلہ خدا تعالیٰ سے ہو جائے تو انہیں چھوڑ دیں۔"

عالمِ اِسلام کو دعوتِ اتّحاد

"پس اِن دونوں باتوں پر عمل کیا جائے تو اتحاد ہو سکتا ہے اِس وقت پاکستان، لبنان، عراق، اردن، شام، مصر،

لیبیا، ایران، افغانستان، انڈونیشیا اور سعودی عرب یہ گیارہ مسلم ممالک ہیں جو آزاد ہیں اور ان سب میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اگر انہوں نے آپس میں اتحاد کرنا ہے تو پھر اختلافات کو برقرار رکھتے ہوئے ان کا فرض ہے کہ وہ سوچیں اور غور کریں کہ کیا کوئی ایسا پوائنٹ بھی ہے جس پر وہ متحد ہو سکتے ہیں؟ اور اگر کوئی ایسا پوائنٹ مل جائے تو وہ اس پر اکٹھے ہو جائیں اور کہیں کہ ہم یہ بات نہیں ہونے دیں گے۔ مثلاً یہ سب ممالک اِس بات پر اتحاد کر لیں کہ ہم کسی مسلم ملک کو غلام نہیں رہنے دیں گے اور بجائے اس کے کہ اِس بات کا اِنتظار کریں کہ پہلے ہمارے آپس کے اختلافات دُور ہو جائیں وہ سب مل کر اِس بات پر اتحاد کر لیں کہ وہ کسی ملک کو غلام نہیں رہنے دیں گے اور سب مل کر اس کی آزادی کی جدّوجہد کریں گے جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں اور عیسائیوں کو دعوت دی تھی کہ آؤ ہم توحید پر جو ہم سب میں مشترک ہے متّحد ہو جائیں، اسی طرح ہم سب مسلمان اِس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ ہم کسی کو غلام نہیں رہنے دیں گے اختلافات بعد میں دیکھے جائیں گے۔ اسی طرح پاکستان کے مسلمانوں کے آپس کے جھگڑے ہیں اور ان میں کئی اختلافات پائے جاتے ہیں لیکن ان سب ممالک میں کوئی چیز مشترک بھی ہے وہ اس پر متّحد ہو سکتے ہیں مثلاً یہی بات لے لو کہ ہم نے پاکستان کو ہندوؤں سے بچانا ہے یا کشمیر حاصل کرنا ہے تم اِن چیزوں کو لے لو اور بجائے آپس میں اختلاف کرنے کے اِن چیزوں پر متّحد ہو جاؤ بعد میں ملنے ملانے سے دوسرے اختلافات بھی دُور ہو جائیں گے۔ . . . عالَمِ اسلامی کا اتحاد بھی اسی طرح ہوگا۔ اگر مسلم ممالک آپس میں اتحاد کرنا چاہتے ہیں تو وہ اِس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ اختلاف کے باوجود ہم دشمن سے اکٹھے ہو کر لڑیں گے اور ہم بھی اِس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ باہمی اختلافات کے باوجود ہم ایک دوسرے سے لڑیں گے نہیں۔"

نازک زمانہ کی خبر

"اسلام پر ایک نازک زمانہ آرہا ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی آنکھوں کو کھولیں اور خطرات کو دیکھیں اور کم از کم اِس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ خواہ کچھ بھی ہو ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مٹنے نہیں دیں گے۔"[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۲۔۱۹ ارفتح ۱۳۴۱ ہش مطابق ۱۲۔۱۹ دسمبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۲ تا ۵

غیر احمدی معززین کے تاثرات

اِس پُر از معلومات خطاب کے بعد بعض غیر احمدی معززین نے فرطِ محبت سے حضور سے مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ آج کی تقریر سُننے کے بعد ہمارے بہت سے شکوک و شبہات رفع ہو گئے ہیں۔

دیگر کوائف

اِس یادگار اور تاریخی موقع پر جن مقامات کے احمدی تشریف لائے اُن کے نام یہ ہیں :-

کراچی، بدین، میرپورخاص، نواب شاہ، سکھر، روہڑی، کرونڈی (خیرپور اسٹیٹ)، سانگھڑ، پڈعیدن، ٹنڈو الہ یار، باندھی، لاکھا روڈ، نبی سر روڈ، ڈگری، کوٹ احمدیاں اور احمدیہ اسٹیٹس۔

چوہدری عبداللہ خان صاحب امیر جماعتِ احمدیہ کراچی اور قائد و نائب قائد مجلس خدام الاحمدیہ کراچی نے بھی جماعت کی خاصی تعداد اور قریباً ڈیڑھ سو خدام کے ساتھ شرکت کی اور انتظامی اور حفاظتی امور میں مقامی جماعت سے مخلصانہ تعاون کیا۔ اسی طرح مکرم ماسٹر رحمت اللہ صاحب (نگران اعلیٰ) پریذیڈنٹ حیدر آباد، مکرم سیّد احمد علی شاہ صاحب مبلغ حیدر آباد، مکرم مولوی غلام احمد صاحب فرخ مبلغ بالائی سندھ، مکرم ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب سیکرٹری تبلیغ، مکرم بابو عبدالغفار صاحب کانپوری، مکرم ڈاکٹر غلام مجتبیٰ صاحب اپنے اپنے فرائض کی بجا آوری میں کوشاں رہے۔[1]

---

[1] الفضل ۳۰ر امان - یکم شہادت - ۱۰ شہادت ۱۳۳۱ہش (مطابق ۳۰ر مارچ - یکم و ۱۰ر اپریل ۱۹۵۲ء) بابو عبدالغفار صاحب نے خورد و نوش کے سامان اور لاؤڈ سپیکر کی فراہمی کے علاوہ حضور کی تقریر بھی ریکارڈ کی۔ قیام گاہ اور ٹرانسپورٹ کا انتظام ڈاکٹر غلام مجتبیٰ صاحب کے سپرد تھا اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب پریس کانفرنس اور معززین کی ملاقات کے منتظم تھے۔

فصل ششم

- حکّامِ وقت کو حالات سے باخبر رکھنے کی واضح ہدایت
- چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا پارلیمنٹ میں اعلانِ حق
- خلافتِ احمدیہ سے متعلق حضرت مصلح موعودؓ کی وضاحت
- دفتر خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا افتتاح۔

حکّام کو حالات سے باخبر رکھنے کی واضح ہدایت

پاکستان میں اب تک کئی احمدی جامِ شہادت نوش کر چکے تھے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مخالفت کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ لہٰذا سیدنا محمود خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ۲۸ امان ۱۳۳۱ ہش کے خطبہ جمعہ میں واضح رنگ میں یہ ہدایت دی کہ ہر صورت میں احبابِ جماعت کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ حکّامِ وقت کو ہمیشہ حالات سے باخبر رکھیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

"جہاں تک قانون کا سوال ہے میرے نزدیک صاف بات ہے کہ جماعت کو ایسے افعال کی طرف بار بار توجہ دلانی چاہیئے کیونکہ حکومت کے ذمّہ دار افراد نے خواہ وہ اپنی ذمّہ داری ادا نہ کریں جو نام اختیار کیا ہے اس کی وجہ سے ان کا فرض ہے کہ وہ اِس طرف توجّہ کریں۔ اگر جماعتیں انہیں اِس طرف توجّہ نہ دلائیں تو وہ دُنیا کے سامنے کہہ سکتے ہیں کہ ہم حالات سے واقف نہیں تھے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم تیرے بندوں کی حفاظت کے لئے تیار تھے لیکن انہوں نے ہمیں بتایا ہی نہیں۔ پس دُنیا کے دربار میں اور خدا تعالیٰ کے دربار میں بھی حکومت کے افسروں پر حجّت پُوری کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر ضلع اور ہر صوبہ کے حکّام اور گورنمنٹ پاکستان کے سامنے

متواتر اپنے حالات رکھیں اور قطعاً اِس بات کا خیال نہ کریں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ جتنی دیر سے نتیجہ نکلے گا اتنا ہی وہ انہیں مُجرم بنانے اور خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے کا موجب ہوگا۔ دُنیا کی حکومت جتنی گرفت کر سکتی ہے خدا تعالیٰ کی حکومت یقیناً اس سے زیادہ گرفت کر سکتی ہے لیکن کسی شخص پر حُجّت تمام کر دینا سب سے بڑا کام ہے۔ خود سر، جوشیلے اور بیوقوف لوگ اسے فضول سمجھتے ہیں لیکن عقلمند لوگ جانتے ہیں کہ سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ کسی شخص پر حُجّت پُوری ہو جائے اور اس کے ساتھیوں اور دوسرے لوگوں پر حُجّت پُوری ہو جائے اس کے بعد وہ خواہ عمل نہ کرے اس کے لئے یہی سزا کافی ہے۔ پھر خدا تعالیٰ جو سزا دے گا وہ الگ ہے۔ مَیں ان لوگوں سے متّفق نہیں ہوں جو کہتے ہیں کہ حکومت نے پہلے کیا کیا ہے کہ ہم پھر اس کے پاس جائیں۔ یہاں اِس بات کا سوال نہیں کہ وہ کوئی علاج بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ یہ لوگ ہم پر مقرّر کر دیئے گئے ہیں اور انہیں خدا تعالیٰ نے ہم پر حاکم مقرّر کیا ہے اِس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی انہیں اسی نام سے مخاطب کریں اور کہیں کہ تم ہمارے حاکم ہو اور امن قائم رکھنا تمہارا فرض ہے۔ اور اگر وہ اپنی ذمّہ داری ادا نہ کریں تو ہم دوبارہ انکے پاس جائیں گے اور انہیں اِس طرف توجّہ دلائیں گے۔"

"جو لوگ مادّی چیزوں کو لیتے ہیں وہ کسی افسر کے موقوف ہو جانے اور اس کے ڈسمس ہو جانے کا نام سزا رکھتے ہیں بے شک وہ سزا ہے لیکن وہ سزا گھٹیا درجہ کی ہے کسی شخص کا مُجرم ثابت ہو جانا، اس کا غیر ذمّہ دار قرار پانا اور فرض ناشناس قرار پانا اس کے ڈسمس ہو جانے اور معطّل ہو جانے سے زیادہ خطرناک ہے۔ کتنے آدمی ہیں جو معطّل ہوئے لیکن بعد میں آنے والوں نے انہیں بَری قرار دیا۔ پُرانے زمانے میں کئی کمانڈر اپنی کمانوں سے الگ ہوئے۔ کئی بادشاہ اپنی بادشاہتوں سے الگ ہوئے لیکن بعد کی تاریخ نے انہیں بَری قرار دے دیا۔ وہ کتنے سال تھے جو انہوں نے تکلیف میں گزارے؟ یہی دس بارہ سال وہ تکلیف میں رہے اور انہوں نے ذِلّت کو برداشت کیا لیکن بعد کی تاریخ نے انہیں اتنا اُچھالا کہ وہی معطّل شدہ کمانڈر اور بادشاہ عزّت والے قرار پائے۔ اس کے مقابلہ میں کتنے بڑے سرکش بادشاہ اور کمانڈر گزرے ہیں جنہیں اپنے وقت میں طاقت، قوّت اور دبدبہ حاصل تھا، انہوں نے ماتحتوں پر ظلم بھی کئے لیکن سینکڑوں اور ہزاروں سال گزر گئے کوئی شخص انہیں اچھا نہیں سمجھتا۔ ہر تاریخ پڑھنے والا انہیں ملامت کرتا

ہے اور انہیں حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کی اولاد بھی اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرتی۔"

" اگر تم پر کوئی شخص ظلم اور تعدّی کرتا ہے اور تم سمجھتے ہو کہ افسر فرض شناس ہے اور وہ تمہاری مدد بھی کرے گا تو پھر بھی وہ اس وقت تک ظلم کو نہیں مٹا سکتا جب تک کہ وہ وقت نہ آجائے جو خدا تعالیٰ نے اسے مٹانے کے لئے مقرر کیا ہے۔ ایک صداقت کی دشمنی محض یہ نہیں ہوتی کہ اس کے قبول کرنے والے کو مارا جائے بلکہ دشمنی یہ ہوتی ہے کہ اسے جھوٹا کہا جائے۔ اب کیا حکومتیں کسی کو جھوٹا کہنے سے روک سکتی ہیں؟ اگر وہ جلسے روک دیں گی تو لوگ گھروں میں بیٹھے باتوں باتوں میں جھوٹا کہیں گے۔ اور اگر حکومت اَور زیادہ دبائے گی تو وہ دلوں میں جھوٹا کہیں گے اب دِلوں میں بُرا منانے سے کون سی طاقت روک سکتی ہے؟ اگر ایک شخص صداقت سے محروم ہے، وہ ناواقف ہے اِس لئے وہ صداقت سے دشمنی کرتا ہے اور وہ شیطان کے ہاتھ میں پڑ گیا ہے۔ تو جب تک اس کا دِل صاف نہ ہو اس کی دشمنی کو دُور نہیں کیا جا سکتا اور جس دن اس کا دل صاف ہو جائے گا تو کیا ایسی طاقت ہے یا کوئی ایسی حکومت ہے جو اس سے مخالفت کروا سکے؟ جو لوگ احمدیت کے دشمن ہیں حکومت اگر چاہے بھی تو ان کے دِلوں سے دشمنی کو نہیں نکال سکتی۔ اسی طرح جن لوگوں نے احمدیت کو قبول کر لیا ہے اگر حکومت چاہے بھی تو بھی ان کے دلوں سے بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی محبّت کو نہیں نکال سکتی۔

ہمارا مقابلہ اور ہماری جنگ دِل سے ہے، اور جب ہمارا مقابلہ اور ہماری جنگ دِل سے ہے تو حکومت پر نظر رکھنی فضول ہے۔ تمہاری فتح دلوں کی فتح ہے اور جب دِل فتح ہو جائیں گے تو تمہیں فتح حاصل ہو جائے گی۔ اگر تم نے دِلوں کو فتح کر لیا تو تم دیکھو گے کہ یہی افسر جو آج تمہارے خلاف دوسروں کو اُکساتے ہیں ہاتھ جوڑ کر تمہارے سامنے کھڑے ہو جائیں گے اور کہیں گے ہم تو آپ کے ہمیشہ سے خادم ہیں۔"

" آخر کوئی حکومت ہو مُسلم ہو یا غیر مُسلم، بُری ہو یا اچھی اس کے بننے میں خدا تعالیٰ کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ

تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ۔[1]

یعنی حکومت خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے وہ جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں فلاں شخص نے لڑائی کر کے حکومت لے لی ہے، فلاں شخص نے غصب کر کے حکومت لے لی ہے یا فلاں شخص نے بغاوت کر کے حکومت کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے لیکن ہر حکومت میں خدا تعالیٰ کی مرضی ضرور شامل ہوتی ہے۔ جس طرح انسان کی پیدائش میں خدا تعالیٰ کی مرضی شامل ہے جس طرح انسان کی موت میں خدا تعالیٰ کی مرضی شامل ہے۔ جس طرح رزق میں خدا تعالیٰ کی مرضی شامل ہے اسی طرح اس کی مرضی حکومت میں بھی شامل ہوتی ہے بیشک اس میں انسانی اعمال کا بھی دخل ہے۔ بیشک اس میں انسانی کوششوں، سستیوں اور غفلتوں کا بھی دخل ہے لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے یہ ہماری طرف سے ہے۔ جس طرح موت اور حیات خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اسی طرح حکومتوں کا بننا اور ٹوٹنا بھی خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

کسی قوم کی موت اور حیات اس کا ٹوٹ جانا اور بننا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جب ہم کہتے ہیں

تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ۔

تو حکومتوں کا بننا اور ٹوٹنا بھی خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہوا۔ اور جس خدا کے ہاتھ میں حکومت کا قائم کرنا ہے جس خدا کے ہاتھ میں حکومتوں کا بننا اور ٹوٹنا ہے وہی خدا حکم دیتا ہے کہ تم اپنی تکلیفیں افسرانِ بالا کے سامنے لے جاؤ اور اس سے فائدہ نہ اُٹھانا بیوقوفی ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم مذہبی لحاظ سے بار بار اپنی تکالیف گورنمنٹ تک پہنچائیں۔ اس طرح اگر کوئی افسر فرض شناس ہوگا تو وہ ہماری مدد بھی کرے گا اور ہمیں فائدہ پہنچائے گا۔ لیکن اگر وہ تمہیں فائدہ نہیں پہنچائے گا تو تم خدا تعالیٰ کے سامنے یہ کہہ سکو گے کہ اے خدا جو ذریعہ اصلاح کا تُو نے بتایا تھا وہ ہم نے اختیار کیا ہے۔"

"پھر تم یہ بات بھی مت بھولو کہ تمہارا توکل خدا تعالیٰ پر ہے حکومت پر نہیں۔ پھر جہاں تمہارا یہ

[1] آلِ عمران: ۲۸

فرض ہے کہ ان امور کو حکومت کے سامنے لے جاؤ وہاں اگر تمہیں مایوسی نظر آتی ہے تو مایوس مت ہو کیونکہ اصل بادشاہ خدا تعالیٰ ہے اور جو فیصلہ بادشاہ کرے گا وہی ہو گا انسان جو فیصلہ کرے گا وہ نہیں ہو گا۔ ایک افسر کی غلطی کی وجہ سے حکّام کو توجہ دلانا چھوڑ نہ دو اور ایک افسر کی غفلت کی وجہ سے فائدہ اُٹھانا ترک نہ کرو محض چند افسران کا اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہونا ایسی چیز نہیں کہ تم حکّام کے کام سے غافل ہو جاؤ۔ تم انہیں توجہ دلاتے رہو اور ان کے پاس اپنی شکایات لے جاؤ لیکن تمہارا ایمان تبھی مکمّل ہو گا جب تم اپنی شکایات حکومت کے سامنے پیش تو کرو، تم ان امور کو لے کر افسران کے پاس جاؤ تو ضرور لیکن یہ خیال مت کرو کہ اگر وہ توجہ نہ کریں گے تو تم کو نقصان پہنچے گا۔ اگر یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے تو خدا تعالیٰ نے ہی اسے پُورا کرنا ہے جس دن تمہیں یقین ہو جائیگا کہ یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے اور وہ اسے ضرور کرے گا تو تم موجودہ مخالفت سے گھبراؤ گے نہیں۔ ہر انسان میں تھوڑی بہت شرافت ضرور ہوتی ہے تم اگر متواتر افسروں کے پاس جاتے رہو گے تو ایک نہ ایک دِن وہ شرما جائیں گے اور وہ خیال کریں گے کہ ہم نے اپنا فرض ادا نہیں کیا لیکن یہ لوگ اپنا فرض ادا کئے جا رہے ہیں اور جب تم خدا تعالیٰ پر توکّل کرو گے تو تم جانتے ہو کہ خدا تعالیٰ تمام رحمتوں اور فضلوں کا منبع ہے یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ ایک جماعت کو خود قائم کرے اور پھر اسے مٹا دے اس سے بڑی بے دینی اور بدظنّی اَور کیا ہو سکتی ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے متعلق یہ خیال کرو کہ وہ تمہیں چھوڑ دے گا۔"

آخر میں حضور نے قوّت و یقین سے لبریز الفاظ میں پیشگوئی فرمائی کہ:۔

"اگر تم نیکی اور معیارِ دین کو بڑھانے کی کوشش کرتے رہو گے تو وہ تمہیں کبھی نہیں چھوڑے گا کبھی نہیں چھوڑے گا کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اگر دُنیا کی ساری طاقتیں بھی تمہاری مدد کرنے سے انکار کر دیں تو خدا تعالیٰ تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ اس کے فرشتے آسمان سے اُتریں گے اور تمہاری مدد کے سامان پیدا کریں گے۔" [1]

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا پارلیمنٹ میں اعلانِ حق

مارچ ۱۹۵۲ء کا واقعہ ہے کہ پاکستان میں بائیں بازو کے بعض

[1] الفضل ۲۳ ہجرت ۱۳۳۱ ہش / ۲۳ مئی ۱۹۵۲ء ص۳، ص۴

لیڈروں نے پاکستان کی پارلیمنٹ میں پاکستان کی خارجہ پالیسی پر تنقید کی کہ برطانیہ اور امریکہ کے دامن سے بندھی ہوئی ہے۔ نیز کہا :-

" وزیرِ خارجہ کا ریکارڈ یہ ہے کہ تیس ۳۰ سال تک برطانوی سامراجیت کے سامنے سجدہ ریز رہے ہیں۔"

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اپنے جواب میں پہلے تو چند ایک مثالیں پیش کیں جن میں پاکستان نے بڑی بڑی طاقتوں کی سخت سے سخت مخالفت کے علی الرغم مسلم ممالک کی آزادی کے لئے حمائت کی اور ان کو مدد دی۔ آپ نے کہا ان میں سے لیبیا، ایریٹریا، سمالی لینڈ، مراکو، ٹیونس اور انڈونیشیا بعض مثالیں ہیں۔ آپ نے ان لیڈروں کو دعوت دی کہ وہ ان مشرق وسطی کے ممالک کا دورہ کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ اِن ممالک کا ہر ایک انسان معترف ہے کہ جہاں کہیں بھی آزادی، حریّت اور سامراجیت کے خلاف لڑائی اور نوآبادیاتی پالیسی کی مخالفت کا سوال پیدا ہؤا پاکستان ہمیشہ صفِ اوّل میں رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مصری برطانوی جھگڑے میں پاکستان کا موقف یہ تھا کہ کوئی ایسا فیصلہ ہو جس سے مصری عوام کی پوری پوری تسلّی ہو اور جو مصر کے وقار، عزّتِ نفس اور علوِّ شان کے شایاں ہو۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ برطانوی ایرانی جھگڑے میں ہماری تمام جدّوجہد اس اصول کے پیشِ نظر رہی ہے کہ اِس امر کو غیر مبہم الفاظ میں تسلیم کر لیا جائے کہ ایران کو اپنی تیل کی صنعت کو قومی بنانے کا حق حاصل ہے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ قومی بنانے کا اقدام اب منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت چوہدری صاحب نے برطانوی سامراجیت کے سامنے سجدہ ریز ہونے کے اعتراض کے جواب میں واضح لفظوں میں اعلان کیا کہ :-

"مَیں کبھی کسی کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہؤا خواہ کوئی حکومت ہو یا ایک بادشاہ یا رعایا سوائے اس کے کہ جو شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ اور چونکہ مَیں اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہوں مَیں کسی دوسرے کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوتا۔"

پھر فرمایا :-

"مَیں نے ہرگز کبھی کسی کے پاس کسی عہدے یا مرتبے کے لئے درخواست نہیں کی۔ وزارتِ خارجہ

مجھے پیش کی گئی جیسا کہ مَیں غیر منقسم ہندوستان میں اِس عہدہ پر فائز تھا اور مجھے اِس عزّت افزائی کا فخر ہے کہ جو مجھے پاکستان کی تاریخ کے ایسے نازک مرحلے پر اس کی حقیر سی خدمت کرنے کا موقعہ دینے سے کی گئی ہے۔" [1]

حضرت مصلح موعودؓ کی وضاحت خلافتِ احمدیہ سے متعلق

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے الفضل (۲۵۔ فتح ۱۳۳۰ہش/۲۵۔دسمبر ۱۹۵۱ء) میں "اسلامی خلافت کا نظریہ" کے زیرِ عنوان ایک پُر مغز مقالہ تحریر فرمایا [2] جس میں یہ ذوقی بات بھی شامل ہو گئی کہ "یہ اٹل تقدیر ظاہر ہو کر رہے گی کہ کسی وقت احمدیت کی خلافت بھی ملوکیت کو جگہ دے کر پیچھے ہٹ جائے گی۔"

صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کو یہ نظریہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصریحات اور جماعتی مسلک کے منافی معلوم ہوا اور آپ نے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بھی اپنی رائے عرض کر دی جس پر حضور پُر نور نے موجودہ اور آئندہ نسلوں کی رہنمائی کے لئے حسبِ ذیل وضاحتی نوٹ سپردِ قلم فرمایا:۔

"اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ــــ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

خلافت عارضی ہے یا مستقل؟

عزیزم مرزا منصور احمد نے میری توجہ ایک مضمون کی طرف پھیری ہے جو مرزا بشیر احمد صاحب نے خلافت کے متعلق شائع کیا ہے اور لکھا ہے کہ غالباً اس مضمون میں ایک پہلو کی طرف پوری توجہ نہیں کی گئی جس میں مرزا بشیر احمد صاحب نے یہ تحریر کیا ہے کہ خلافت کا دَور ایک حدیث کے مطابق عارضی اور وقتی ہے۔ مَیں نے اِس خط سے پہلے یہ مضمون نہیں پڑھا تھا اس خط کی بناء پر مَیں نے مضمون کا وہ حصہ نکال کر سنا تو مَیں نے بھی سمجھا کہ اس میں صحیح حقیقت خلافت کے بارہ میں پیش نہیں کی گئی۔

---

[1] اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ (لاہور) ۲۸ مارچ ۱۹۵۲ء صفحہ ۵ (ترجمہ و تلخیص) بحوالہ الفضل ۲۹ مارچ ۱۹۵۲ء صفحہ ۵

[2] یہ مقالہ "اسلامی خلافت کا صحیح نظریہ" کے نام سے شائع شدہ ہے۔

مرزا بشیر احمد صاحب نے جس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ خلافت کے بعد حکومت ہوتی ہے اُس حدیث میں قانون نہیں بیان کیا گیا بلکہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے حالات کے متعلق پیشگوئی کی گئی ہے اور پیشگوئی صرف ایک وقت کے متعلق ہوتی ہے سب اوقات کے متعلق نہیں ہوتی۔ یہ امر کہ رسُول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد خلافت نے ہونا تھا اور خلافت کے بعد حکومتِ مستبدّہ نے ہونا تھا اور ایسا ہی ہوگیا۔ اِس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہر مامور کے بعد ایسا ہی ہؤا کرے گا۔ قرآنِ کریم میں جہاں خلافت کا ذکر ہے وہاں یہ بتایا گیا ہے کہ خلافت ایک انعام ہے۔ پس جبتک کوئی قوم اس انعام کی مستحق رہتی ہے وہ انعام اسے ملتا رہے گا۔ پس جہاں تک مسئلے اور قانون کا سوال ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہر نبی کے بعد خلافت ہوتی ہے اور وہ خلافت اس وقت تک چلتی چلی جاتی ہے جب تک کہ قوم خود ہی اپنے آپ کو خلافت کے انعام سے محروم نہ کر دے لیکن اِس اصل سے یہ بات ہرگز نہیں نکلتی کہ خلافت کا مٹ جانا لازمی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خلافت اب تک چلی آرہی ہے۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ہم کہتے ہیں کہ پوپ صحیح معنوں میں حضرت مسیحؑ کا خلیفہ نہیں لیکن ساتھ ہی ہم یہ بھی تو مانتے ہیں کہ اُمّتِ عیسوی بھی صحیح معنوں میں مسیحؑ کی اُمّت نہیں۔ پس جیسے کو تیسا تو ملا ہے مگر ملا ضرور ہے۔ بلکہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے موسیٰؑ کے بعد ان کی خلافت عارضی رہی لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بعد ان کی خلافت کسی نہ کسی شکل میں ہزاروں سال تک قائم رہی، اسی طرح گو رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد خلافتِ محمدیہ تواتر کے رنگ میں عارضی رہی لیکن مسیحِ محمدی کی خلافت مسیحِ موسوی کی طرح ایک غیر معیّنہ عرصہ تک چلتی چلی جائے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اِس مسئلہ پر بار بار زور دیا ہے کہ مسیح محمدی کو مسیحِ موسوی کے ساتھ ان تمام امور میں مشابہت حاصل ہے جو امور کہ تکمیل اور خوبی پر دلالت کرتے ہیں سوائے ان امور کے کہ جن سے بعض ابتلاء ملے ہوتے ہیں۔ ان میں علاقہ محمدیت، علاقہ موسویت پر غالب آجاتا ہے اور نیک تبدیلی پیدا کر دیتا ہے جیسا کہ مسیح اوّل صلیب پر لٹکایا گیا لیکن مسیحِ ثانی صلیب پر نہیں لٹکایا گیا کیونکہ مسیح اوّل کے پیچھے موسوی طاقت تھی اور مسیح ثانی کے پیچھے محمدی طاقت تھی۔ خلافت چونکہ ایک انعام ہے ابتلاءٗ نہیں اِس لئے اِس سے بہتر چیز تو احمدیت میں آسکتی ہے جو کہ مسیحِ اوّل کو ملی لیکن وہ ان نعمتوں سے محروم نہیں رہ سکتی جو کہ مسیحِ اوّل کی اُمّت کو ملیں کیونکہ مسیحِ اوّل کی پُشت پر موسوی برکات تھیں

اور مسیح ثانی کی پُشت پر محمدی برکات ہیں۔

پس جہاں میرے نزدیک یہ بحث نہ صرف یہ کہ بیکار ہے بلکہ خطرناک ہے کہ ہم خلافت کے عرصہ کے متعلق بحثیں شروع کر دیں وہاں یہ امر ظاہر ہے کہ سلسلہ احمدیہ میں خلافت ایک بہت لمبے عرصہ تک چلے گی جس کا قیاس بھی اِس وقت نہیں کیا جا سکتا اور اگر خدانخواستہ بیچ میں کوئی وقفہ پڑے بھی تو وہ حقیقی وقفہ نہیں ہوگا بلکہ ایسا ہی وقفہ ہوگا جیسے دریا بعض دفعہ زمین کے نیچے گھس جاتے ہیں اور پھر باہر نکل آتے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ اسلام کے قرونِ اولیٰ میں ہوُا وہ ان حالات سے مخصوص تھا وہ ہر زمانہ کے لئے قاعدہ نہیں تھا۔" ؎۱

دفتر مجلس خدّام الاحمدیہ مرکزیہ کا افتتاح

نوجوانانِ احمدیت کی عالمی تنظیم۔ خدام الاحمدیہ کے مرکزی دفتر کی بنیاد سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۶؍ ماہِ تبلیغ ۱۳۳۱ ہش/ ۶؍ فروری ۱۹۵۲ء کو اپنے دستِ مبارک سے رکھی۔ قریباً پانچ ہزار روپیہ کی لاگت سے دفتر کے دو کمرے اور ان کے آگے آٹھ فٹ چوڑا برآمدہ، ایک سٹور اور ایک چوکیدار کا کمرہ تعمیر ہو چکا تو مورخہ ۵۔ اپریل ۱۹۵۲ء (مطابق ۵ شہادت ۱۳۳۱ ہش) کو دفتر اپنی عمارات میں منتقل ہو گیا۔ اس روز سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثّانیؓ نے بعد نماز عصر دفتر میں تشریف لاکر افتتاحی دعا کی۔ دعا سے قبل حضور نے مجلس کے دفتر بنانے پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور اسے جلد مکمل کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ ؎۲

اِس موقعہ پر حضور نے ایک مختصر مگر ایمان افروز خطاب کیا جس میں فرمایا:۔

"اگر خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم جنگلوں میں رہیں تو ہمیں جنگلوں میں رہنا چاہیئے اور اپنا کام کرتے چلے جانا چاہیئے۔ ہم چُوہوں اور چیونٹیوں کو باہر پھینک دیتے ہیں تو وہ وہیں اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ شہد کی مکھیوں کو دیکھ لو انسان ان کا تیار کیا ہوُا شہد حاصل کر لیتا ہے اور انہیں دُور پھینک دیتا ہے لیکن وہ وہیں اپنا کام شروع کر دیتی ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے کام میں کامیاب رہتی ہیں۔ اگر وہ اِس بات کا انتظار کرتی رہیں کہ انہیں پہلی جگہ ملے تو کام کریں تو ہزاروں چھتے

؎۱ روزنامہ الفضل ۳؍ شہادت ۱۳۳۱ ہش/ ۳؍ اپریل ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۔

؎۲ روزنامہ الفضل ۱۶؍ شہادت ۱۳۳۱ ہش/ ۱۶۔ اپریل ۱۹۵۲ء

مرجائیں۔ اسی طرح اگر تمہیں اپنا گھر نہیں ملتا تو جس گھر میں تمہیں خدا تعالیٰ نے رکھا ہے تمہیں اسی میں فوراً کام شروع کر دینا چاہیئے۔ اگر خدا تعالیٰ تمہیں واپس لے جائے تو وہاں جا کر کام شروع کر دو لیکن کسی منٹ میں بھی اپنے کام کو پیچھے نہ ڈالو۔ مومن ہر وقت کام میں لگا رہتا ہے یہانتک کہ اسے موت آجاتی ہے۔ گویا مومن کے لئے کام ختم کرنے کا وقت موت ہوتی ہے۔" [۱]

فصلِ ہفتم

◉ مجلسِ مشاورت ۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء کا انعقاد ◉ چندہ تعمیرِ مساجد کا مستقل نظام ◉ اشاعتِ لٹریچر کیلئے دو کمپنیوں کے قیام کا اعلان ◉ مکمل مرکزی لائبریری کا منصوبہ۔

مجلسِ مشاورت ۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء اور اہم فیصلے

۱۱-۱۲-۱۳؍ ماہِ شہادت ۱۳۳۱ہش/ اپریل ۱۹۵۲ء کو جماعتِ احمدیہ کی تینتیسویں[۳۳] مجلسِ مشاورت کا ربوہ میں انعقاد ہوا۔

خطبۂ جمعہ میں نصیحت

حضرت مصلح موعودؓ نے افتتاحِ مشاورت سے قبل خطبۂ جمعہ میں نصیحت فرمائی کہ:-

"جب تک کسی قوم کے افراد اپنے اندر صحیح تبدیلی پیدا نہ کریں، وہ اپنے اندر سچا تقویٰ نہ پیدا کریں، وہ اپنے اندر درمیانہ روش کی رُوح پیدا نہ کریں یا وہ اپنے اندر سوچنے اور فکر کرنیکی

[۱] "مشعلِ راہ" ص۳۸۵ (خدام الاحمدیہ سے متعلق سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کے خطبات و تقاریر کا مجموعہ) شائع کردہ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ (پاکستان) تاریخ اشاعت ۱۴ دسمبر ۱۹۷۰ء

رُوح پیدا نہ کریں یا وہ اپنے اندر عقل اور دانائی سے کام لینے کی رُوح پیدا نہ کریں، اس کے نمائندے بھی درحقیقت صحیح رستہ اور سچائی سے ایسے ہی دُور ہوں گے جیسے اس جماعت کے افراد جس کا کوئی نمائندہ نہیں ہوتا پس یہ جو ہم شوریٰ کرتے ہیں وہ اس غرض کو تو پُورا کرتی ہے کہ اگر جماعت کے افراد صحیح ہوں تو شوریٰ مفید ہو سکتی ہے لیکن اس غرض کو پُورا نہیں کرتی کہ اس کے افراد ٹھیک ہوں افراد کا ٹھیک ہونا ان کے اپنے ارادے اور کوشش کے صحیح ہونے پر مبنی ہے۔ یہ وہ کام ہے جو آپ لوگ کر سکتے ہیں کوئی نمائندہ نہیں کر سکتا۔ دل کی اصلاح کے لئے انسان کی اپنی جدّ وجہد کی ضرورت ہے۔ اس کی اپنی کوشش کی ضرورت ہے۔ اگر تم ٹھیک ہو جاؤ تو تمہاری شوریٰ اور مشورے بھی ٹھیک ہو جائیں اور پھر صحیح مشورے پُورے بھی ہو جائیں۔ کیونکہ اگر تم صحیح ہو گے تو تم اپنے مشوروں کو پُورا کرنے کی کوشش کرو گے"۔ [1]

مشاورت کے عمومی کوائف

مشاورت دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے ہال میں منعقد ہوئی جس میں ۳۷۳ نمائندوں نے شرکت فرمائی۔ بیرونی ممالک میں سے اس مرتبہ جرمنی، امریکہ، سوڈان، انڈونیشیا اور عدن کے نمائندے بھی شامل ہوئے فیصلہ ہوا کہ آئندہ سال بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے قریباً تیرہ لاکھ روپیہ خرچ کیا جائے۔ صدر انجمن کا میزانیہ جس کی منظوری حضرت امام ہمام نے عطا فرمائی پندرہ لاکھ ۷۶ ہزار روپیہ پر مشتمل تھا۔

چندہ تعمیرِ مساجد کا مستقل نظام

اِس تقریب پر حضور رضی اللہ عنہ نے تعمیرِ مساجد کے چندہ کی فراہمی کے لئے ایک مستقل نظام تجویز فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ (۱) ملازم پیشہ اپنی سالانہ ترقی کے پہلے ماہ کی رقم (۲) بڑے پیشہ ور ایک مہینے کی آمد کا پانچواں حصّہ (۳) چھوٹے پیشہ ور مہینے کی کسی معیّنہ تاریخ کی مزدوری کا دسواں حصّہ (۴) تاجر اصحاب مہینہ کے پہلے سودا کا منافع اِس مدّ میں دیا کریں۔ اور (۵) زمیندار احباب ہر فصل پر ایکڑ زمین میں سے ایک کرم کے برابر چندۂ تعمیرِ مساجد ادا کیا کریں۔

مندرجہ بالا طبقوں کے نمائندوں نے خلیفۂ وقت کے سامنے بشاشت کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ مجوّزہ نظام کے مطابق بالالتزام چندہ دیا کریں گے۔ اس موقعہ پر سیالکوٹ کے ایک تاجر دوست

[1] الفضل ۲۳ شہادت ۱۳۳۱ ہش صٓ۳

خواجہ محمد یعقوب صاحب نے حضور کی خدمت میں ایک سو روپیہ اِس فنڈ کے لئے پیش کیا جس پر حضور کی خدمت بابرکت میں نقدی پیش کرنے کی ایک عام رَو پیدا ہوگئی اور حضورؓ کے اِرد گرد اتنا ہجوم ہوگیا کہ نظم و ضبط کی خاطر انہیں قطاروں میں کھڑا کرنا پڑا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے چار ہزار سے زائد روپیہ نقد اور ایک ہزار روپیہ سے زائد کے وعدے وصول ہوگئے۔ خواتین کی طرف سے -/۶/۹۰ نقد کے علاوہ دو طلائی انگوٹھیاں بھی حضور کی خدمت میں پیش ہوئیں۔ چندہ دینے کا یہ سلسلہ ابھی پورے جوش و خروش سے جاری تھا کہ حضور نے مجلس کی کارروائی کی خاطر اسے روک دینے کا اعلان کیا اور ارشاد فرمایا کہ مسجد فنڈ کے مزید چندے اور وعدے بعد میں دئے جائیں[۱]

سب سے پہلے احمدی تاجر جنہوں نے مشاورت کے معًا بعد اِس مالی جہاد میں حصّہ لیا اور ڈھائی سو روپیہ اِس مدّ میں بھجوایا حضرت شیخ کریم بخش صاحب آف کوئٹہ کے فرزند شیخ محمد اقبال صاحب ہیں جن کا ذکرِ خصوصی خود حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ ۲۶ ہجرت ۱۳۳۱ ہش میں فرمایا[۲]

اشاعتِ لٹریچر کیلئے دو کمپنیوں کے قیام کا اِعلان

حضورؓ نے اِس مشاورت پر اشاعتِ لٹریچر کے لئے صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کی دو اشاعتی کمپنیوں کے قیام کا بھی اِعلان فرمایا۔ ایک کمپنی اُردو لٹریچر کے لئے اور ایک کمپنی غیر ملکی زبانوں خصوصاً عربی زبان کے لٹریچر کے لئے!!

کمپنیوں کے سرمایہ کی نسبت حضورؓ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ:-

"خلافت جوبلی فنڈ کا روپیہ جو دو لاکھ ستّر ہزار کے قریب ہے مَیں اِس کمپنی کو دیتا ہوں جو صدر انجمن احمدیہ کی ہوگی۔ اس کے علاوہ گزشتہ سالوں میں صدر انجمن احمدیہ چھ ہزار روپیہ سالانہ مجھے گذارہ کے لئے قرض کے طور پر دیتی رہی ہے بعض سالوں میں اِس سے کم رقم بھی لی ہے بہرحال آپ لوگ مجھے امداد کے طور پر وہ رقم دینا چاہتے (تھے) اور مَیں نے قرض کے طور پر لی۔ اب مَیں چاہتا ہوں کہ اس رقم کو بھی جب مَیں ادا کرنے کے قابل ہوسکوں تو اِس مدّ میں ادا کر دوں۔ اِس رقم کو ملا کر تین لاکھ ستّر ہزار بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ رقم جمع ہو جائے گی کچھ سرمایہ پہلے سے اِس مدّ میں فروختِ کتب سے حاصل ہوچکا ہے اسے ملا کر قریباً چار لاکھ روپیہ کا سرمایہ ہوجاتا ہے۔ جب کمپنی جاری ہو تو اس

---

[۱] الفضل ۷ شہادت ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۳ :- [۲] الفضل ۳ احسان ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۳

وقت ایک لاکھ کے حصّے اگر صاحبِ توفیق احباب خرید لیں تو پانچ لاکھ سرمایہ ہو جائے گا اور یہ اتنا بڑا سرمایہ ہے کہ اس سے اعلیٰ درجہ کا پریس اور کافی کتب شائع کی جاسکتی ہیں۔ سردست مَیں اس غرض کے لئے چار لاکھ سرمایہ کی ہی اجازت دیتا ہوں اگر ضرورت پڑی تو بعد میں اس رقم کو بڑھایا بھی جاسکتا ہے۔ جب اس کمپنی کی وجہ سے آمد شروع ہو گئی تو چونکہ خلافت جوبلی فنڈ کے روپیہ پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے اور مَیں نے اس فنڈ سے وظائف دینے کا بھی اعلان کیا تھا اس لئے آمد کے پیدا ہونے پر اس کا ایک حصّہ وظائف میں بھی جاسکتا ہے۔

اب رہ گئی تحریکِ جدید کی چار لاکھ روپیہ کی کمپنی جس کا کام اُردو کے سوا دوسری زبانوں میں لٹریچر شائع کرنا ہوگا، اس کمپنی کے سرمایہ کے لئے مَیں یہ تجویز کرتا ہوں کہ قرآن کریم کے غیر زبانوں میں تراجم کا کام چونکہ اس کا حصّہ ہے اور اس کا سرمایہ ہماری جماعت دس سال سے جمع کر چکی ہے جو دو لاکھ کے قریب ہے، اس لئے مَیں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ تراجم قرآن کا دو لاکھ روپیہ اِس کمپنی کو دے دیا جائے۔ وہ تراجم بھی یہی کمپنی شائع کرے گی اور اس کے علاوہ دوسرا لٹریچر بھی یہ کمپنی شائع کرے۔ باقی دو لاکھ روپیہ رہ گیا اس کے لئے میرے ذہن میں ایک اور صُورت ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے اور وہ کام بن جائے تو اس کمپنی کے لئے بھی پُورا سرمایہ حاصل ہو سکتا ہے۔ میرے ذہن میں جو صورت ہے وہ ایسی نہیں کہ فوری طور پر روپیہ مل جائے لیکن بہرحال اگر کوشش کی جائے تو مجھے امید ہے کہ دو لاکھ روپیہ ہمیں مل جائے گا۔ اس کے لئے ایک زمین کو فروخت کرنے کی ضرورت ہے جو مجھے کسی دوست نے تحفہ کے طور پر پیش کی ہے اور مَیں چاہتا ہوں کہ وہ تحفہ بھی اس طرف منتقل کر دوں اِس وقت ضرورت اِس امر کی ہے کہ غیر ملکی زبانوں میں قرآنِ کریم کے تراجم شائع کئے جائیں"۔ [1]

اِس عظیم الشّان سکیم کے مطابق "الشّرکۃ الاسلامیہ" اور "دی اورینٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ" کے نام سے دو مستقل اشاعتی ادارے معرضِ وجود میں آئے جن کی بدولت سلسلۂ احمدیہ کا اُردو، عربی اور انگریزی لٹریچر کثیر تعداد میں چھپ کر منظرِ عام پر آچکا ہے [2]

ایک مکمل مرکزی لائبریری کا منصوبہ

اِس مشاورت کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ اس میں حضور رضؓ نے پہلی بار جماعتِ احمدیہ کے سامنے ایک

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۵۰، ۱۵۱ ۔ [2] تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

ایسی مکمل اور جدید لٹریچر سے آراستہ لائبریری کا منصوبہ رکھا جو سلسلہ احمدیہ کی جملہ علمی و تبلیغی ضروریات میں اس کو خود کفیل بنا دے۔

حضرت مصلح موعودؓ کے ذہن میں جماعتِ احمدیہ کی مرکزی لائبریری اور اس کے کارکنوں کے فرائض کا نقشہ کیا تھا؟ اس کی تفصیل حضور انور کے مبارک الفاظ ہی میں درج ذیل کی جاتی ہے۔ فرمایا:۔

"لائبریری ایک ایسی چیز ہے کہ کوئی تبلیغی جماعت اس کے بغیر کام نہیں کر سکتی ... یہ اتنی اہم چیز ہے کہ ہمارے سارے کام اس سے وابستہ ہیں۔ تبلیغِ اسلام، مخالفوں کے اعتراضات کے جواب، تربیت یہ سب کام لائبریری ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِس وقت تک جتنا کام ہو رہا ہے یا تو حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کی لائبریری سے ہو رہا ہے اور یا پھر میری لائبریری سے ہو رہا ہے۔ مَیں نے اپنے طور پر بہت سی کتابیں جمع کی ہوئی ہیں جن پر میرا پچاس ساٹھ بلکہ ستر ہزار روپیہ خرچ ہو چکا ہے ... حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کو کتابوں کا شوق تھا اور آپ نے بھی ہزاروں کتابیں اکٹھی کی ہوئی تھیں وہ کام آتی ہیں لیکن وہ جماعت جو ساری دُنیا میں تبلیغِ اسلام کے کام کے لئے کھڑی ہوئی ہے اس کے علوم کی بنیاد کسی دوسرے شخص کی لائبریری پر ہونا عقل کے بالکل خلاف ہے۔ ہمارے پاس تو اتنی مکمل لائبریری ہونی چاہیئے کہ جس قسم کی مکمل مذہبی لائبریری کسی دوسری جگہ نہ ہو مگر ہمارا خانہ اِس بارہ میں بالکل خالی ہے۔ پچھلے سال لائبریری کی مدّ میں مَیں نے کچھ رقم رکھوائی تھی مگر وہ زیادہ تر الماریوں وغیرہ پر ہی صرف ہو گئی۔ شائد بارہ چودہ سو روپیہ الماریوں پر صرف ہو گیا تھا باقی جو روپیہ بچا اس میں سے ایک کتاب ہی آٹھ سو اسّی روپیہ میں آئی ہے اور جو باقی کتابیں منگوائی گئی ہیں ان کی قیمت سرِدست امانت سے قرض لے کر دی گئی ہے۔

غرض مَیں نے ایک خاصی رقم کتابوں کے جمع کرنے پر خرچ کی ہے۔ تقسیم کے وقت قادیان میں میری لائبریری کی بہت سی کتابیں رہ گئیں۔ حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کی لائبریری کا بھی ایک اچھا خاصہ حصّہ وہیں رہ گیا اور گورنمنٹ نے اس لائبریری کو تالا لگا دیا۔ میرے بیٹے چونکہ وہاں موجود تھے اِس لئے مَیں شروع ہجرت میں ان کو لکھتا رہا کہ میری کتابیں بھجوانے کی کوشش کرو چنانچہ انہوں نے میری بہت سی کتب بھجوا دیں لیکن انجمن کے نمائندوں نے ہوشیاری سے کام نہ لیا اور حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کی کتابوں کا اکثر حصّہ وہیں رہ گیا ...

پھر دُنیا میں نئی سے نئی کتابیں نکل رہی ہیں اور ان کتابوں کا منگوانا بھی ضروری ہے صرف مذہب سے تعلق رکھنے والی ہی نہیں بلکہ تاریخی اور ادبی کتابیں منگوانا بھی لائبریری کی تکمیل کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ اچھی لائبریری وہ ہو سکتی ہے جس میں کم سے کم ایک لاکھ جلد منتخب کردہ کتب کی موجود ہو اور اگر ایک جلد کی اوسط قیمت ۲۵ روپے لگائی جائے تو میرے نزدیک صرف ایک لائبریری کے لئے پچیس لاکھ روپیہ ہونا چاہیئے لیکن ظاہر ہے کہ پچیس لاکھ روپیہ خرچ کرنے کی ہم میں ہمت نہیں۔ ایسی صورت میں یہی طریق رہ جاتا ہے کہ ہم اپنی استطاعت کے مطابق اس بوجھ کو اُٹھائیں اور اس کی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہمیشہ اس کام کو اپنے سامنے رکھیں اور اپنی لائبریری کو زیادہ سے زیادہ مکمل کرتے چلے جائیں۔ لائبریری کا بجٹ بھی پرائیویٹ سیکرٹری کے بجٹ میں ہوگا گو اس کے خرچ کا تعلق لائبریری سے ہوگا۔ عام طور پر ہمارا طریق یہ ہے کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہم میں کسی کام کی ہمت نہیں تو ہم اس کام کو کرتے ہی نہیں حالانکہ کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیئے۔

پس میں تجویز کروں گا کہ فائنانس کمیٹی[۱] ان تمام حالات کو دیکھ لے اور بجٹ میں اس کی گنجائش رکھے۔ اور جماعت کو بھی اِس بات کی اجازت ہوگی کہ اگر وہ دیکھے کہ میری کوئی تجویز ضروری تھی مگر فائنانس کمیٹی نے اس طرف توجہ نہیں دی تو وہ ترمیم کے طور پر اس کو یہاں مجلس میں پیش کر دے میری تجویز یہ ہے کہ سردست ہم کو دس ہزار روپیہ سالانہ کے خرچ سے لائبریری کے کام کو شروع کر دینا چاہیئے لیکن دس ہزار روپیہ سالانہ خرچ کرنے کے بھی یہ معنے ہیں کہ ہم اڑھائی سو سال میں پچیس لاکھ روپے کی کتابیں اکٹھی کر سکیں گے۔

پس میرا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں ہمیشہ دس ہزار روپیہ پر ہی کھڑے رہنا چاہیئے جوں جوں ہماری تبلیغ بڑھے گی اور چندہ میں زیادتی ہوگی یہ رقم بھی بڑھتی چلی جائے گی۔ چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہم اس خرچ کو کسی وقت لاکھ دو لاکھ بلکہ دس پندرہ لاکھ سالانہ بھی کر سکتے ہیں۔ یہ دس ہزار روپیہ صرف کتابوں کے لئے ہوگا۔ عملہ جو تھوڑا بہت پہلے بجٹ میں رکھا جا چکا ہے وہ الگ ہوگا۔ شائد اس میں بھی کچھ زیادتی کرنی پڑے گی کیونکہ مجھے بتایا گیا ہے کہ لائبریرین کے طور پر صرف ایک ہی نیا آدمی رکھا گیا ہے حالانکہ وہاں کم از کم دو آدمی اَور ہونے چاہئیں۔

---

[۱] FINANCE COMMITTY (مالیات کی کمیٹی)

لائبریرین کا کام ایسا ہے کہ اس کے لئے آجکل پاس شدہ آدمی رکھے جاتے ہیں پہلے انسان گریجوایٹ ہو اور پھر لائبریرین کا امتحان پاس کرے تب وہ لائبریرین لگایا جاتا ہے ورنہ نہیں لائبریرین کے معنے محض چپڑاسی یا کتابوں کی دیکھ بھال کرنے والے کے نہیں ہوتے بلکہ لائبریرین کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ مختلف مضامین کی کتابوں سے واقف ہو اور جب اس سے پوچھا جائے کہ فلاں فلاں مضمون پر کون کون سی کتابیں دیکھنی چاہئیں تو وہ فوراً ان کتابوں کے نام بتا سکے اور پوچھنے والے کی رہنمائی کر سکے کہ اسے کس کتاب سے کس قسم کی مدد مل سکتی ہے۔"

"لائبریری میں ہر فن کے جاننے والے آدمی ہونے چاہئیں۔ ان کا کام یہ ہو کہ وہ کتابیں پڑھتے رہیں اور ان کے خلاصے نکالتے رہیں اور ان خلاصوں کو ایک جگہ نتھی کرتے چلے جائیں۔ اِس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب لوگوں کو ان کتابوں کے حوالوں کی ضرورت ہوگی وہ خلاصہ سے فوراً ضروری باتیں اخذ کر لیں گے مثلاً ہماری جماعت کا یہ ایک معروف مسئلہ ہے کہ حضرت مسیح کشمیر گئے تھے۔ اب مسیح کے کشمیر جانے کا کچھ عرصہ انجیلوں سے تعلق رکھتا ہے کچھ انجیلوں کی تفسیروں میں بحث آئیگی کہ یہ جو لکھا ہے کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی طرف نہیں بھیجا گیا، اس میں کھوئی ہوئی بھیڑوں سے بنی اسرائیل کے کون کون سے قبائل مُراد ہیں اور مسیح ان کی تلاش کے لئے کہاں کہاں گئے؟؟ یا یہ جو لکھا ہے کہ مسیح گھر میں غائب ہوگیا اس کے کیا معنے ہیں؟ یہ فقرہ بتاتا ہے کہ اِس میں مسیح کے سفر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ غرض جو لوگ تفسیر کریں گے اُن کا ذہن اِس طرف ضرور جائیگا کہ ان فقروں کا حل کیا ہے؟ اور وہ اس پر بحث کریں گے۔ جس طرح ہمارے ہاں تفسیریں ہیں اسی طرح عیسائیوں میں بھی سینکڑوں تفسیریں ہیں۔ اب جو لائبریرین مقرر ہوں گے ان میں سے وہ جو عیسائی لٹریچر پر مقرر کیا جائیگا اس کا کام یہ ہوگا کہ وہ زائد وقت میں تمام تفاسیر پر نظر ڈالتا چلا جائے اور ان کے انڈکس تیار کرتا چلا جائے جس وقت ہم کو کسی تحقیق کی ضرورت ہوگی ہم انچارج کو بُلا کر کہیں گے کہ کتابوں پر نشان لگا کر لاؤ کہ مفسّرین نے اِس بارہ میں کہاں کہاں بحث کی ہے۔ پھر یہی مضمون تاریخوں میں بھی آتا ہے چنانچہ اس کے بعد تاریخوں کے ماہر کو بُلایا جائیگا اور اسے کہا جائیگا کہ اِس اِس مضمون کے متعلق تاریخی کتابوں پر نشان لگا کر لاؤ۔ اِس طرح کتاب لکھنے والا آسانی اور سہولت کے ساتھ کتاب لکھ لے گا۔ کتاب والے کا یہ فن ہوگا کہ وہ اپنی کتاب کے لئے چند

اصول تجویز کرے اور پھر اپنے مضمون کو ترتیب دے اور اسے ایسی عبارت میں لکھے جو موثر اور دلنشین ہو۔ گویا لڑنے والا حصّہ اَور ہو گا اور گولہ بارُود تیار کرنے والا حصّہ اَور ہوگا۔ کیا تم نے کبھی کوئی سپاہی ایسا دیکھا ہے جسے لڑائی پر جانے کا حکم ملے تو وہ کارتوس بنانا شروع کر دے یا بندوق بنانا شروع کر دے۔ کیا کبھی تم نے کبھی دیکھا کہ کسی کو مدرّس مقرر کیا گیا ہو تو ساتھ ہی اسے یہ کہا گیا ہو کہ اب جغرافیہ پر ایسی کتاب لکھ دو جو پڑھانے کے کام آسکے۔

ہمیشہ اصل کام والا حصّہ الگ ہوتا ہے اور تعاونی حصّہ الگ ہوتا ہے۔"

"درحقیقت لائبریرین کے عہدہ پر ایسے آدمی ہونے چاہئیں جو صرف ونحو کا علم رکھتے ہوں، تاریخ جانتے ہوں، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، تفسیرِ قرآن اور اصولِ تفسیر سے تعلق رکھنے والے تمام علوم سے آگاہ ہوں اور جب مصنّفین کو حوالہ جات وغیرہ کی ضرورت ہو تو وہ کتابیں نکال نکال کر ان کے سامنے رکھتے چلے جائیں۔ جیسے لڑنے کے لئے سپاہی جاتا ہے تو اُسے وردی تم سلا کر دیتے ہو، اسے گولہ بارود خود تیار کر کے دیتے ہو۔ اس کے بعد ہمیں ضرورت ہو گی کہ جرمن جاننے والے آدمی ہمارے پاس موجود ہوں۔ فرانسیسی جاننے والے ہمارے پاس موجود ہوں۔ انگریزی جاننے والے ہمارے پاس موجود ہوں۔ اِسی طرح عربی علوم کے جاننے والے لوگ موجود ہوں۔ کوئی تفسیر کا ماہر ہو۔ کوئی حدیث کا ماہر ہو۔ کوئی لُغت کا ماہر ہو اور ان کا کام یہی ہو کہ وہ رات دِن ان کتابوں کا مطالعہ کرتے رہیں اور ان کے خلاصے تیار کرتے رہیں۔ پھر کچھ لوگ ایسے ہوں جو سلسلہ کے خلاف دشمنوں کا شائع کردہ لٹریچر ہی پڑھتے رہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہوں جو وفاتِ مسیح وغیرہ کے متعلق نئے دلائل کی جستجو میں مشغول رہنے والے ہوں۔ اَب تو اِس مسئلہ پر کچھ لکھتے ہوئے بھی گھبراہٹ ہوتی ہے کہ یہ مضمون پامال ہو چکا ہے لیکن بعض دفعہ کوئی نیا نکتہ بھی ذہن میں آجاتا ہے بعض دفعہ کوئی نیا اعتراض آجاتا ہے جس کے متعلق انسان سمجھ لیتا ہے کہ اس کا حل ہونا ضروری ہے۔ یہ لائبریرین کا کام ہے کہ وہ بتائے کہ فلاں فلاں مسائل پر ہمارے علماء نے روشنی نہیں ڈالی یا ان کو اِن اِن کتابوں سے مدد مل سکتی ہے۔ گویا لائبریری ایک آرڈیننس ڈپو یا سپلائی ڈپو ہے جو مبلّغین اور علماءِ سلسلہ کی مدد کے لئے ضروری ہے۔

یہ کام بہت بڑا ہے۔ مَیں جب حساب لگاتا ہوں تو میرا اندازہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ہمارے پاس

ایک لاکھ کتاب ہو تو ہمارے پاس پچاس آدمی لائبریرین ہونا چاہیئے جن میں سے کچھ نئی کتابوں کے پڑھنے میں لگا رہے، کچھ پُرانی کتابوں کے خلاصے تیار کرنے میں لگا رہے، کچھ ایسے ہوں جو طلباء کے لئے نئی نئی کتابوں کے ضروری مضامین الگ کرتے چلے جائیں تاکہ وہ تھوڑے سے وقت میں ان پر نظر ڈال کر اپنے علم کو بڑھا سکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ طالبعلموں کو جو سکولوں اور کالجوں میں کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان سے دُنیا میں وہ کوئی مفید کام نہیں کر سکتے کیونکہ وہ صرف ابتدائی کتابیں ہوتی ہیں مگر پھر بھی کسی کالج اور سکول سے امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ ہر طالبِ علم کو لاکھ لاکھ دو دو لاکھ کتاب پڑھا دے۔ یہ لائبریرین کا کام ہوتا ہے کہ وہ ایسے خلاصے نکال کر رکھیں کہ جن پر طلباء کا نظر ڈالنا ضروری ہو۔ اور جن سے تھوڑے وقت میں ہی وہ زیادہ فائدہ اُٹھا سکتے ہوں۔"

"غرض یہ کام نہایت اہم ہے اس کے بغیر ہماری جماعت کی علمی ترقی نہیں ہو سکتی۔ مرکزی لائبریری یعنی حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کی لائبریری بھی اسی میں شامل ہو جائے گی اور پھر میری کتابیں بھی آخر آپ لوگوں کے ہی کام آنی ہیں۔ اِس طرح پانچ سات سال میں اِس قدر کتابیں جمع کر لی جائیں کہ ہر قسم کے علوم ہمارے پاس محفوظ ہو جائیں۔" [1] [2]

اختتامی خطاب حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے مشاورت کے پُر اثر اختتامی خطاب میں جماعتِ احمدیہ کے بین الاقوامی نصب العین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ہمارا مقابلہ اڑھائی کروڑ یا تین کروڑ سے نہیں بلکہ ہمارا مقابلہ اڑھائی ارب سے ہے اور یہ مقابلہ کم نہیں۔ جو حالت آپ لوگوں کی ہے وہی حالت ہماری ہے۔ ہم نے دُنیا میں تبلیغ کرنی ہے

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۲ء صفحہ ۹ تا صفحہ ۱۸۔ [2] جیسا کہ ۱۳۳۱ ہش/ ۱۹۵۲ء کے واقعات کی آخری فصل میں ذکر آ رہا ہے حضرت مصلح موعودؓ نے اس منصوبہ کی داغ بیل کے طور پر اپنی ذاتی لائبریری اور صدر انجمن احمدیہ کی لائبریری کو مدغم کر کے خلافت لائبریری قائم فرما دی جس نے خلافتِ ثانیہ کی علمی ضروریات کو پُورا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ازاں بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۸ ر صلح ۱۳۴۹ ہش / ۱۸ ر جنوری ۱۹۷۰ء کو خلافت لائبریری ربوہ کی نئی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا اور ۳ ر اخاء ۱۳۵۰ ہش / ۳ ر اکتوبر ۱۹۷۱ء کو اس کا افتتاح فرمایا۔ (تفصیل خلافتِ ثالثہ کے حالات میں آئے گی)

حوصلہ پست نہ کیجئے اور یہ مت کہئے کہ فلاں رعایت ملے گی تو کام ہوگا۔ اگر پنجاب والے حوصلہ چھوڑ دیں تو کام ہی رُک جائے۔ تم اپنا کام بھی کرو اور اس کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی تبلیغ کا کام کرو۔ کسی مومن کے ذمّہ کوئی خاص گھر نہیں، کوئی خاص گاؤں نہیں، کوئی خاص شہر نہیں، کوئی خاص ملک نہیں بلکہ ساری دُنیا ہے۔" ؎۱

فصلِ ہشتم

حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگمؓ کا انتقال

مسیح محمدی علیہ السلام کے یومِ وصال — ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء — کی طرح ۲۰/۲۱ اپریل ۱۹۵۲ء کی دردبھری رات بھی سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی۔ یہ وہ رات تھی جس میں جماعتِ احمدیہ اور مہدئ موعودؑ کے درمیان وہ زندہ واسطہ جو حضرت اُمّ المومنین سیّدہ نصرت جہاں بیگم کے مقدّس وجود کی شکل میں اب تک باقی تھا آپ کی وفات کے ساتھ ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گیا۔

علالت

حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم حرم مسیحِ پاکؑ قریباً دو ماہ سے بیمار تھیں۔ ڈاکٹری تشخیص کے مطابق گُردوں کے فعل میں نقص پیدا ہو جانے سے بیماری کا آغاز ہوُا اور پھر اس کا اثر دِل پر اور تنفس پر پڑنا شروع ہوُا۔ بیماری کے حملے وقتاً فوقتاً بڑی شدت اختیار کرتے رہے لیکن آپ نے ان تمام شدید حملوں میں نہ صرف کامل صبروشکر کا نمونہ دکھایا بلکہ بیماری کا بھی نہایت ہمّت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اس عرصہ میں لاہور سے علی الترتیب ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ صاحب، ڈاکٹر غلام محمدؐ صاحب بلوچ اور ڈاکٹر محمد یوسف صاحب علاج کے لئے بلائے جاتے رہے۔ ان کے ساتھ مکرم ڈاکٹر محمد یعقوب خاں صاحب بھی ہوتے تھے لیکن وقتی افاقہ کے سوا بیماری میں کوئی تخفیف

؎۱ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۲۱ (یہاں اشارہ بنگالی احمدیوں کی طرف ہے جن کے امیر صاحب صوبائی نے مشاورت میں بعض مطالبات پیش کئے تھے) ؛

کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ اس کے بعد حکیم محمد حسن صاحب قرشی کو بھی بُلا کر دکھایا گیا جن کے ساتھ حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ بھی تھے لیکن ان کے علاج سے بھی کوئی تخفیف کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ مقامی طور پر ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب بھی معالج تھے جن کے ساتھ بعد میں حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب بھی شامل ہو گئے اور چند دن کے لئے درمیان میں ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب نے بھی علاج میں حصہ لیا۔ خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی مبارک خواتین اور نونہال نہایت تندہی کے ساتھ خدمت میں لگے رہے۔ بالآخر ۲۰ شہادت ۱۳۳۱ ہش / ۲۰ اپریل ۱۹۵۲ء کی صبح کو ساڑھے تین بجے کے قریب دِل میں ضعف کے آثار پیدا ہوئے جو فوری علاج کے نتیجہ میں کسی قدر کم ہو گئے مگر دن بھر دل کی کمزوری کے حملے ہوتے رہے۔ اِس عرصہ میں حضرت سیّدہ کے ہوش و حواس خدا کے فضل سے اچھی طرح قائم رہے۔ صرف کبھی کبھی عارضی غفلت سی آتی تھی جو جلد دُور ہو جاتی تھی۔ رات پونے نو بجے آپ نے دِل میں زیادہ تکلیف محسوس کی اور اس کے ساتھ ہی نظامِ تنفّس میں خلل آنا شروع ہو گیا اور نبض کمزور پڑنے لگی۔ ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نے خود ہی ٹیکے وغیرہ لگائے مگر کوئی افاقہ کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ اس وقت حضرت امّاں جانؓ نے اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا کہ قرآن شریف پڑھو چنانچہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے صاحبزادے میر محمود احمد صاحب[۱] نے قرآن شریف پڑھ کر سُنایا۔ اس وقت حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے آپ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا دعا کریں چنانچہ حضور بعض قرآنی دعائیں کسی قدر اُونچی آواز سے دیر تک پڑھتے رہے۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خود حضرت امّاں جان مصروفِ دعا ہیں۔ آپ کی نبض اس وقت بیحد کمزور ہو چکی تھی بلکہ اکثر اوقات محسوس تک نہیں ہوتی تھی لیکن ہوش و حواس بدستور قائم تھے اور کبھی کبھی آنکھیں کھول کر اپنے اردگرد نظر ڈالتی تھیں اور آنکھوں میں شناخت کے آثار بھی واضح طور پر موجود تھے۔

حضرت امیرالمومنین تھوڑے وقفہ کے لئے باہر تشریف لے گئے تو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت سیّدہ کے سامنے بیٹھ کر دعائیں کرتے رہے۔ اس وقت بھی آپ آنکھ کھول کر دیکھتی تھیں

---

[۱] حال پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ ۔

اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دعا میں مصروف ہیں۔ دیگر عزیز بھی چارپائی کے ارد گرد موجود تھے اور اپنے اپنے رنگ میں دعائیں کرتے اور حسب ضرورت خدمت بجا لاتے تھے۔

سوا گیارہ بجے شب کے بعد آپ نے اشارۃً کروٹ بدلنے کی خواہش ظاہر فرمائی لیکن کروٹ بدلتے ہی نبض کی حالت زیادہ مخدوش ہوگئی اور چند منٹ کے بعد تنفّس زیادہ کمزور ہونا شروع ہوگیا۔

وفات بالآخر ساڑھے گیارہ بجے شب آپ کی رُوح اپنے مولائے حقیقی کے حضور پہنچ گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ع

بُلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تُو جاں فدا کر

وفات کے وقت آپ کی مبشّر اولاد میں سے حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ آپ کے پاس موجود تھے۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ چند روز قبل ربوہ آکر لاہور واپس تشریف لے گئے تھے اور وفات کی خبر پانے کے بعد ربوہ پہنچے۔[1]

بیرونی احباب کو اطلاع خاندانِ مسیح موعودؑ کے دیگر افراد اور جملہ امراء جماعت کو اس اندوہناک حادثہ کی فی الفور اطلاع بذریعہ ایکسپریس تار دی گئی۔ تار کے الفاظ یہ تھے:۔

"HAZRAT UMMUL-MUMENEEN
PASSED AWAY ELEVEN THIRTY
TONIGHT—INNALILLAH
JANAZA 5 A.M. TUESDAY MORNING"

(ترجمہ) ربوہ ۲۰/۲۱ اپریل (سوا بارہ بجے شب) حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا آج شب ساڑھے گیارہ بجے انتقال فرما گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ نماز جنازہ منگل کو صبح پانچ بجے ادا کی جائے گی۔

---

[1] روزنامہ الفضل لاہور ۲۳ شہادت ۱۳۳۱ ہش مطابق ۲۳ اپریل ۱۹۵۲ء صـ۲۔

ریڈیو پر خبر صبح سوا آٹھ بجے ریڈیو پاکستان لاہور نے حضرت سیّدہ ممدوحہؓ کی وفات کی خبر حسبِ ذیل الفاظ میں نشر کی :-

"ہم افسوس سے اعلان کرتے ہیں کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی زوجہ محترمہ گزشتہ رات ساڑھے گیارہ بجے ربوہ میں انتقال کر گئیں۔ آپ جماعتِ احمدیہ کے موجودہ امام مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی والدہ ہیں۔ جنازہ کل (صبح) ۵ بجے ربوہ میں ہوگا" ؎۱

تکفین آپ ایک تھان قادیان دارالامان سے بوقتِ ہجرت ساتھ لائی ہوئی تھیں اور اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ مَیں نے اسے اپنے کفن کے لئے رکھا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت مہدیٔ معہود و مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ایک متبرک کُرتہ بھی ململ کا آپ نے محفوظ رکھا ہوا تھا چنانچہ غُسل کے بعد پہلے یہ مُبارک کُرتہ اور پھر کفن پہنایا گیا۔

ہزاروں احمدیوں کی ربوہ میں مضطربانہ آمد حضرت امام ہمام سیدنا المصلح الموعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ جنازہ ۲۲۔ اپریل کی صبح کو ہو تاکہ دوست زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہو سکیں چنانچہ ۲۲۔ اپریل کی صبح تک ملک کے چاروں اطراف سے ہزاروں کی تعداد میں احمدی مرد و زن ربوہ میں پہنچ چکے تھے اور پشاور سے لیکر کراچی تک کی جماعتوں کے نمائندے موجود تھے۔ ۲۱۔ اپریل کی شام کو حضرت سیّدہ کی نعش مبارک کی زیارت کا موقع مستورات کو دیا گیا۔ قریباً ڈیڑھ ہزار مستورات نے زیارت کا شرف حاصل کیا اور ابھی ایک بڑی تعداد باقی رہ گئی۔

جنازہ اور تدفین کا دردناک منظر حضرت سیّدہ کا جنازہ اندرون خانہ سے اُٹھا کر چھ بجکر ایک منٹ پر تابوت میں باہر لایا گیا۔ اس وقت خاندانِ مسیح موعودؑ کے زخم رسیدہ جگر گوشے اسے تھامے ہوئے تھے۔ تابوت کو ایک چارپائی پر رکھ دیا گیا جس کے دونوں طرف لمبے بانس بندھے ہوئے تھے۔ اُس وقت تک ملک کے کونے کونے سے ہزاروں احمدی مرد و زن پہنچ چکے تھے جو اپنی مادرِ مشفق کے لئے سوز و گداز سے دعائیں کرنے میں معروف تھے۔ چھ بجکر پانچ منٹ پر جنازہ اُٹھایا گیا جبکہ سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ،

؎۱ روزنامہ الفضل لاہور ۲۱ شہادت ۱۳۳۱ ہش صلہ ؛

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعدد دیگر افراد جنازے کو کندھا دے رہے تھے اور ساتھ ساتھ قرآنِ مجید اور احادیثِ نبویہ کی دعائیں بعض اوقات خاموشی کے ساتھ اور بعض اوقات کسی قدر بلند آواز سے دہرا رہے تھے۔

چونکہ احباب بہت بڑی تعداد میں آچکے تھے اور ہر دوست کندھا دینے کی سعادت حاصل کرنے کا متمنی تھا اس لئے رستے میں یہ انتظام کیا گیا کہ اعلان کر کے باری باری مختلف دوستوں کو کندھا دینے کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ صحابہ مسیح موعود، امرائے صوبجات، اضلاع یا ان کے نمائندگان، بیرونی ممالک کے مبلّغین، غیر ملکی طلباء، کارکنان صدر انجمن احمدیہ و تحریکِ جدید، مدارس، مجالس خدام الاحمدیہ و انصاراللہ کے نمائندگان اور خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے افراد کے علاوہ مختلف مقامات کی جماعتوں نے بھی وقفے وقفے سے جنازہ کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کی۔ سیّدنا حضرت امیرالمومنین، حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض افراد نے شروع سے آخر تک کندھا دئے رکھا۔

چھ بجکر چھپّن منٹ پر تابوت جنازہ گاہ میں پہنچ گیا، جو موصیوں کے قبرستان کے ایک حصّہ میں مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ اور مکرم میاں غلام محمد صاحب اختر کی مساعی سے قبلہ رُخ خطوط لگا کر تیار کی گئی تھی۔ صفوں کی درستی اور گنتی کے بعد سات بجکر پانچ منٹ پر سیّدنا حضرت امیرالمومنین مصلح موعودؓ نے نمازِ جنازہ شروع فرمائی جو سات بجکر سترہ منٹ تک جاری رہی۔ نماز میں رقّت کا ایک ایسا عالم طاری تھا جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

نمازِ جنازہ کے بعد تابوت مجوّزہ قبر تک لیجایا گیا جہاں امّاں جانؓ کو امانتاً دفن کرنا تھا۔ قبر کے لئے حضورؓ کے منشاء کے ماتحت قبرستان موصیاں ربوہ کا ایک قطعہ مخصوص کر دیا گیا تھا۔ ہجوم بہت زیادہ تھا اس لئے نظم و ضبط کی خاطر مجوّزہ قبر کے اِرد گرد ایک بڑا حلقہ قائم کر دیا گیا جس میں جماعت کے مختلف طبقوں کے نمائندگان کو بُلا لیا گیا چنانچہ صحابہ کرام، مختلف علاقوں کے امراء، افسران صیغہ جات، بیرونی مبلّغین، غیر ملکی طلباء اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے افراد کو اس حلقہ میں بُلا کر شمولیّت کا موقع دیا گیا۔

پونے آٹھ بجے تابوت کو قبر میں اُتارا گیا۔ اس وقت سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ اور تمام حاضر الوقت

اصحاب نہایت رِقّت اور سوز و گداز کے ساتھ دُعاؤں میں مصروف تھے۔ رِقّت کا یہ سماں اپنے اندر ایک خاص رُوحانی کیفیت رکھتا تھا۔

تابوت پر چھت ڈالنے کے بعد حضرت امیر المومنین نے ۸ بجکر ۲۲ منٹ پر قبر پر اپنے دستِ مبارک سے مٹی ڈالی جس کی تمام احباب نے اتّباع کی جب قبر تیار ہو گئی تو حضور نے پھر مسنون طریق پر مختصر دعا فرمائی۔

نمازِ جنازہ میں شرکت کرنے والے احباب کا اندازہ نامہ نگار الفضل کی رائے کے مطابق چھ سات ہزار تھا جو پاکستان کے ہر علاقہ اور ہر گوشہ سے تشریف لائے تھے۔ علاوہ ازیں پندرہ سولہ وہ غیر ملکی طلباء بھی شامل تھے جو دُنیا کے مختلف حصّوں سے دین سیکھنے اور خدمتِ دین میں اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے ربوہ آئے ہوئے تھے۔ ان غیر ملکی طلبہ میں چین، جاوا، سماٹرا، ملایا، برما، شام، مصر، سوڈان، حبشہ، مغربی افریقہ، جرمنی، انگلستان اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے طلبہ شامل تھے[1]

ریڈیو میں خبر

اگلے روز ریڈیو پاکستان سے ۲۲ اپریل ۵۲ء بوقت ۵ بجکر ۲۰ منٹ شام حسبِ ذیل خبر نشر کی گئی:-

"آج ربوہ میں سلسلۂ احمدیہ کے بانی مرزا غلام احمد صاحب کی اہلیہ محترمہ سیّدہ نصرت جہاں بیگم کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ ان کی وفات کل (۲۰ اپریل بروز اتوار) ربوہ میں ہوئی تھی۔ ایک بڑے مجمع نے جنازہ میں شرکت کی۔ نمازِ جنازہ ان کے بڑے صاحبزادے مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے پڑھائی۔ آپ سلسلہ احمدیہ کے موجودہ امام ہیں۔"

پریس میں اطلاعات

پاکستانی پریس نے حضرت سیّدہ موصوفہ کی وفات پر اطلاعات شائع کیں۔ اِس سلسلہ میں لاہور کے اخبارات میں سے احسان، آفاق، خاتون، امروز، سول اینڈ ملٹری گزٹ اور پاکستان ٹائمز خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ چنانچہ روزنامہ "احسان" (لاہور) نے ۲۴ اپریل ۱۹۵۲ء کو لکھا:-

"مرزا غلام احمد کی بیوہ ربوہ میں دفن کر دی گئیں

لاہور ۲۲ اپریل۔ بانیٔ جماعت احمدیہ مرزا غلام احمد کی اہلیہ نصرت جہاں بیگم کو آج صبح ربوہ میں

---

[1] روزنامہ الفضل لاہور ۲۳ شہادت ۱۳۳۱ ہش مطابق ۲۳ اپریل ۱۹۵۲ء صفحہ ۲

سپردِ خاک کر دیا گیا۔ آپ نے اتوار کی شب کو ربوہ ہی میں انتقال کیا تھا۔ (نامہ نگار)"

۲۔ روزنامہ "آفاق" لاہور (مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۵۲ء) کی خبر:۔

"بانیٔ احمدیت کی بیوہ کا انتقال

لاہور ۲۲ اپریل۔ مرزا غلام احمد قادیانی بانیٔ فرقہ احمدیت کی بیوہ نصرت جہاں بیگم کا پرسوں شب ۸۶ برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ نصرت جہاں بیگم احمدی فرقہ کے موجودہ خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کی والدہ تھیں۔ ان کی تدفین آج ربوہ میں ہوگئی۔ (ا۔پ)"

۳۔ روزنامہ "خاتون" لاہور نے ۲۴ اپریل ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں بعنوان "مرزا بشیر الدین کی والدہ کا انتقال" لکھا:۔

" لاہور ۲۲ اپریل۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی اہلیہ سیدہ نصرت جہاں بیگم کو آج صبح ربوہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ آپ نے اتوار کی شب کو ربوہ ہی میں وفات پائی تھی۔ نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے مرزا بشیر الدین صاحب امام جماعتِ احمدیہ نے پڑھائی۔"

۴۔ روزنامہ "امروز" لاہور (۲۴ اپریل ۱۹۵۲ء) کے نامہ نگار نے لکھا:۔

بانیٔ جماعتِ احمدیہ کی زوجۂ محترمہ سپردِ خاک کر دی گئیں

لاہور ۲۲ اپریل۔ مرزا غلام احمد بانیٔ جماعتِ احمدیہ کی اہلیہ محترمہ حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم کو جو اتوار کی شب وفات پا گئی تھیں آج صبح ربوہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعتِ احمدیہ نے پڑھائی جس میں ہزارہا افراد نے شرکت کی۔

مرحومہ کو احمدیہ جماعت میں کافی بلند مقام حاصل تھا۔ مقاصد کی تکمیل میں نصف صدی سے زائد عرصہ تک سرگرمِ عمل رہیں۔"

۵۔ اخبار "دی سول اینڈ ملٹری گزٹ" (۲۳ اپریل ۱۹۵۲ء) کی خبر کا متن یہ تھا:۔

MIRZA GHULAM AHMAD'S WIDOW LAID TO REST

(From a Correspondent)

RABWAH, April 22—The body of Sayyeda Nusrat

Jahan Begum widow of late Mirza Ghulam Ahmad, founder of the Ahmadiyya Movement who breathed her last on Sunday night was laid to rest this morning at Rabwah.

The funeral prayer was led by her eldest son, Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad, the present Head of the community and was attended by several thousand people from all classes of society. Besides members of the Ahmadiyya community from various parts of the country, a large number of the general public reached Rabwah to join the funeral.

The deceased lady was held in high esteem in the Ahmadiyya community for her association for over half a century with the work of her husband, the founder of the Ahmadiyya Movement. Condolence messages are pouring in from all parts of Pakistan India and the word including Indonesia, the Middle East, Europe and America where the follower of the movement are spread.

(ترجمہ) (حضرت) مرزا غلام احمد (صاحب) کی بیوہ کو سپردِ خاک کر دیا گیا

ربوہ ۲۲ر اپریل۔ سیدہ نصرت جہاں بیگم جو مرزا غلام احمد بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی بیوہ تھیں گذشتہ اتوار کی رات کو وفات پاگئیں اور آج صبح انہیں ربوہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

آپ کی نمازِ جنازہ اُن کے سب سے بڑے صاحبزادے مرزا بشیر الدین محمود احمد جو کہ جماعت کے موجودہ سربراہ ہیں نے پڑھائی اور جنازہ میں جماعت کے ہر طبقہ کے ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ ملک کے مختلف حصّوں سے آئے ہوئے جماعتِ احمدیہ کے ممبران کے علاوہ دوسرے لوگ بھی کثیر تعداد میں نمازِ جنازہ میں شرکت کے لئے ربوہ پہنچے۔

مرحومہ کا اپنے شوہرِ محترم کے کام کے ساتھ نصف صدی سے زائد تعلق کی وجہ سے بہت بلند مقام تھا۔ پاک و ہند کے ہر حصّے سے اور دُنیا کے دیگر ممالک مثلاً انڈونیشیا، مشرقِ اوسط، یورپ اور امریکہ سے جہاں جہاں بھی جماعت کے ممبران موجود ہیں تعزیتی پیغامات موصول ہو رہے ہیں۔

۶۔ اخبار "دی پاکستان ٹائمز" (۲۳ر اپریل ۱۹۵۲ء) نے حسبِ ذیل الفاظ میں خبر دی:۔

BEGUM MIRZA GHULAM AHMAD LAID TO REST

The body of Sayyeda Nusrat Jahan Begum, the consort of late Mirza Ghulam Ahmad, the Founder of the Ahmadiyya Movement, whose sad demise took place on Sunday night, was laid to rest on Tuesday morning at Rebwah.

The funeral prayer was led by her eldest son, Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad, the present Head of the community and was attended by several thousand people belonging to all classes of society. Not only devoted members of the Ahmadiyya Community from various parts of the country flocked to the headquarter but also a large number of well-wishers and relations joined the burial rites.

(ترجمہ) بیگم (حضرت) مرزا غلام احمد (صاحب) کو سپردِ خاک کر دیا گیا

سیّدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ زوجۂ محترمہ مرزا غلام احمدؑ بانی سلسلہ احمدیہ کو جو اتوار کی شب کو فوت ہو گئی تھیں منگل کی صبح ربوہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

نمازِ جنازہ آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ نے پڑھائی جس میں جماعت کے ہر طبقہ کے ہزاروں افراد شریک ہوئے۔

تجہیز و تکفین کی رسومات میں شریک ہونے کے لئے نہ صرف جماعتِ احمدیہ کے مخلصین ہی تشریف لائے بلکہ دوسرے بہی خواہان اور متعلقین بھی کثیر تعداد میں حاضر ہوئے۔

تعزیتی تاریں اور خطوط

حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کی وفات حسرت آیات پر جماعت کے مخلصین کی طرف سے جن میں صحابی بھی شامل تھے، اور غیر صحابی بھی، بچے بھی شامل تھے اور بوڑھے بھی، عورتیں بھی شامل تھیں اور مرد بھی، خاندان مسیح موعودؑ کے مختلف افراد کے نام بے شمار تار[1] اور خطوط پہنچے۔ یہ ہمدردی کے پیغامات نہ صرف غربی اور مشرقی پاکستان کے ہر حصہ سے بلکہ قادیان اور دلّی اور لکھنؤ اور حیدر آباد اور مالیر کوٹلہ اور مونگھیر اور

---

[1] محکمہ تار نے تاروں کی کثرت دیکھ کر حضرت سیّدہ کی بیماری کے ایام ہی سے ایک اور سگنیلر عارضی طور پر ربوہ میں متعیّن کر دیا تھا (الفضل ۲۳ شہادت ۱۳۳۱ ہش)

کلکتہ اور بمبئی اور مدراس اور ہندوستان کے دوسرے حصّوں اور بلادِ عربی اور برِّ اعظم ایشیا اور افریقہ اور یورپ اور امریکہ کے مختلف ملکوں سے اِس طرح چلے آرہے تھے جس طرح ایک قدرتی نہر اپنے طبعی بہاؤ میں بہتی چلی جاتی ہے۔ اور پھر ان اصحاب میں صرف ہماری جماعت کے دوست ہی شامل نہیں تھے بلکہ غیر مبائع اور غیر احمدی اور غیر مسلم سب طبقات کے لوگ شامل تھے۔ اظہارِ ہمدردی کے لئے بعض غیر احمدی معززین اور غیر مبائع اصحاب مثلاً مرزا مسعود بیگ صاحب لاہور سے اور مکرم عبداللہ جان صاحب پشاور سے ربوہ تشریف لائے[1]

حضرت اُمّ المومنینؓ کا مقام سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی نظر میں

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ حضرت اُمّ المومنینؓ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اِس سال احمدیت کی تاریخ کا ایک بہت ہی اہم واقعہ ہوا ہے اور وہ ہے حضرت اُمّ المومنین کی وفات۔ ان کا وجود ہمارے اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے درمیان میں ایک زنجیر کی طرح تھا اولاد کے ذریعے بھی ایک تعلق اور واسطہ ہوتا ہے مگر وہ اَور طرح کا ہوتا ہے۔ اولاد کو ہم ایک درخت کا پھول تو کہہ سکتے ہیں مگر اسے اس درخت کا اپنا حصّہ نہیں کہا جا سکتا۔ پس حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا ہمارے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درمیان ایک زندہ واسطہ تھیں اور یہ واسطہ ان کی وفات سے ختم ہو گیا۔ پھر حضرت اُمّ المومنینؓ کے وجود کی اہمیّت عام حالات سے بھی زیادہ تھی کیونکہ ان کے متعلق خدا تعالیٰ نے قبل از وقت بشارتیں اور خبریں دیں چنانچہ انجیل میں آنے والے مسیح کو آدم کہا گیا ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ تھا کہ جس رنگ میں حوّا آدم کی شریکِ کار تھیں اسی طرح مسیح موعودؑ کی بیوی بھی اس کی شریکِ کار ہو گی۔ پھر رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ آنے والا مسیح شادی کرے گا اور اس کی اولاد ہو گی۔ اب شادی تو ہر نبی کرتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس خبر میں یہی اشارہ تھا کہ اس کی بیوی کو یہ خصوصیّت حاصل ہو گی کہ وہ اس کے کام میں اس کی شریک ہو گی۔ اسی طرح دِلّی میں ایک مشہور بزرگ خواجہ میر ناصر گذرے ہیں ان کے متعلق آتا ہے کہ ان کے پاس کشف میں حضرت امام حسنؓ تشریف لائے اور انہوں نے

---

[1] روزنامہ الفضل لاہور ۳۰ شہادت ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۱ ۔

ایک رُوحانیت کی خلعت دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ تحفہ ایسا ہے جس میں تم مخصوص ہو۔ اس کی ابتداء تم سے کی جاتی ہے اور اس کا خاتمہ مہدی کے ظہور پر ہو گا چنانچہ یہ کشف اِس طرح پُورا ہُوا کہ آپ کی ہی اولاد میں سے حضرت اُمّ المومنینؓ کا وجود پیدا ہُوا۔ یہ کشف خواجہ ناصر نذیر فراق کے بیٹے خواجہ ناصر خلیق نے اپنی کتاب میخانۂ درد (صفحہ ۲۵) میں درج کیا ہے۔" [1]

حضرت سیّدہ کے شمائل و اَخلاق اور بلند سیرت

حضرت اُمّ المومنین کے شمائل و اخلاق اور بلند سیرت کے متعلق سب سے جامع اور سب سے زیادہ مختصر کلام وہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زبانِ مبارک پر خدا تعالیٰ کی طرف سے جاری ہُوا یعنی اذکر نعمتی رائیت خدیجتی ھذا من رحمۃ ربّک [2] میری نعمت کو یاد کر کہ تُو نے میری خدیجہ کو دیکھا یہ تیرے ربّ کی رحمت ہے۔

اِس مختصر فقرہ کی کسی قدر تفصیل حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے الفاظ میں دی جاتی ہے۔

ا۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں:۔

دو [2] امتیازی خصوصیات

"حضرت امّاں جان رضی اللہ عنہا کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ان کی شادی خاص الٰہی تحریک کے ماتحت ہوئی تھی اور دوسرا امتیاز یہ حاصل ہے کہ یہ شادی ۱۸۸۴ء میں ہوئی۔ اور یہی وہ سال ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دعوئ مجدّدیّت کا اعلان فرمایا تھا اور پھر سارے زمانۂ ماموریّت میں حضرت امّاں جان مرحومہ مغفورہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رفیقۂ حیات رہیں اور حضرت مسیح موعود اُنہیں انتہاء درجہ محبّت اور انتہاء درجہ شفقت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی بے حد دلداری فرماتے تھے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ زبردست احساس تھا کہ یہ شادی خدا کے خاص منشاء کے ماتحت ہوئی ہے اور یہ کہ حضورؑ کی زندگی کے مُبارک دَور کے ساتھ حضرت امّاں جان کو مخصوص نسبت ہے۔ چنانچہ

---

[1] متن کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد ۲ صفحہ ۵۳ ٭

[2] الفضل ۳۱ فتح ۱۳۳۱ ہش / ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۴ ٭

[3] الحکم ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء صفحہ ۱ بحوالہ تذکرہ صفحہ ۳۷۷ ایڈیشن سوم ٭

بعض اوقات حضرت امّاں جان بھی محبت اور ناز کے انداز میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہا کرتی تھیں کہ میرے آنے کے ساتھ ہی آپ کی زندگی میں برکتوں کا دَور شروع ہُوا ہے جس پر حضرت مسیح موعودؑ مسکرا کر فرماتے تھے کہ "ہاں یہ ٹھیک ہے۔" دوسری طرف حضرت امّاں جان بھی حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق کامل محبت اور کامل یگانگت کے مقام پر فائز تھیں اور گھر میں یُوں نظر آتا تھا کہ گویا دو سینوں میں ایک دِل کام کر رہا ہے۔

حضرت امّاں جان رضی اللہ عنہا کے اخلاقِ فاضلہ اور آپ کی نیکی اور تقویٰ کو مختصر الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں مگر اِس جگہ مَیں صرف اشارہ کے طور پر نمونۃً چند باتوں کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

عبادات میں شغف

آپ کی نیکی اور دینداری کا مقدّم ترین پہلو نماز اور نوافل میں شغف تھا۔ پانچ فرض نمازوں کا تو کیا کہنا ہے حضرت امّاں جان نمازِ تہجد اور نمازِ ضحٰی کی بھی بے حد پابند تھیں اور انہیں اس ذوق وشوق سے ادا کرتی تھیں کہ دیکھنے والوں کے دلوں میں بھی ایک خاص کیفیت پیدا ہونے لگتی تھی بلکہ ان نوافل کے علاوہ بھی جب موقعہ ملتا تھا نماز میں دِل کا سکون حاصل کرتی تھیں۔ مَیں پُوری بصیرت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی) کی یہ پیاری کیفیت کہ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ[1] (یعنی میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے) حضرت امّاں جان کو بھی اپنے آقاؐ سے ورثے میں ملی تھی۔

پھر دُعا میں بھی حضرت امّاں جان کو بے حد شغف تھا۔ اپنی اولاد اور دوسرے عزیزوں بلکہ ساری جماعت کے لئے جسے وہ اولاد کی طرح سمجھتی تھیں بڑے درد و سوز کے ساتھ دعا فرمایا کرتی تھیں اور اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے ان کے دل میں غیر معمولی تڑپ تھی۔

اولاد کے متعلق حضرت امّاں جان کی دعا کا نمونہ ان اشعار سے ظاہر ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے امّاں جان کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے ان کی طرف سے اور گویا انہی کی زبان سے فرمائے۔ خدا تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے آپؑ عرض کرتے ہیں ؎

کوئی ضائع نہیں ہوتا جو تیرا طالب ہے ❖ کوئی رُسوا نہیں ہوتا جو ہے جویاں تیرا
آسماں پر سے فرشتے بھی مدد کرتے ہیں ❖ کوئی ہو جائے اگر بندۂ فرماں تیرا
اِس جہاں میں ہی وہ جنّت میں ہے بے ریب گماں ❖ وہ جو اِک پختہ توکل سے ہے مہماں تیرا

[1] نسائی باب النساء۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۲۸، ۱۹۹، ۲۸۵ ❖

میری اولاد کو تُو ایسی ہی کر دے پیارے ٭ دیکھ لیں آنکھ سے وہ چہرہ نمایاں تیرا
عُمر دے، رزق دے، اور عافیت و صحت بھی ٭ سب سے بڑھ کر یہ کہ پاجائیں وہ عرفاں تیرا

اپنی ذاتی دعاؤں میں جو کلمہ حضرت اماں جانؓ کی زبان پر سب سے زیادہ آتا تھا وہ یہ مسنون دعا تھی کہ:-

يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ

یعنی اے میرے زندہ خدا اور میرے زندگی بخش آقا! میں تیری رحمت کا سہارا ڈھونڈتی ہوں
یہ وہی جذبہ ہے جس کے ماتحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ شعر فرمایا ہے کہ ؎

تری رحمت ہے میرے گھر کا شہتیر
مری جاں تیرے فضلوں کی پنہ گیر

مالی جہاد میں شمولیت جماعتی چندوں میں بھی حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا بڑے ذوق و شوق سے حصہ لیتی تھیں اور تبلیغ اسلام کے کام میں ہمیشہ اپنی طاقت سے بڑھ کر چندہ دیتی تھیں۔ تحریکِ جدید کا چندہ جس سے بیرونی ممالک میں اشاعتِ اسلام کا کام سرانجام پاتا ہے اُس کے اعلان کے لئے ہمیشہ ہمہ تن منتظر رہتی تھیں اور اعلان ہوتے ہی بلا توقف اپنا وعدہ لکھا دیتی تھیں بلکہ وعدہ کے ساتھ ہی نقد ادائیگی بھی کر دیتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں وعدہ جب تک ادا نہ ہو جائے دِل پر بوجھ رہتا ہے۔ دوسرے چندوں میں بھی یہی ذوق و شوق کا عالم تھا۔

صدقہ و خیرات صدقہ و خیرات اور غریبوں کی امداد بھی حضرت اماں جان نوّر اللہ مرقدھا کا نمایاں خلق تھا اور اس میں وہ خاص لذّت پاتی تھیں اور اس کثرت کے ساتھ غریبوں کی امداد کرتی تھیں کہ یہ کثرت بہت کم لوگوں میں دیکھی گئی ہے۔ جو شخص بھی اُن کے پاس اپنی مصیبت کا ذکر لے کر آتا تھا حضرت امّاں جان اپنے مقدور سے بڑھ کر اس کی امداد فرماتی تھیں اور کئی دفعہ ایسے خفیہ رنگ میں مدد کرتی تھیں کہ کسی اور کو پتہ تک نہیں چلتا تھا۔ اسی ذیل میں ان کا یہ طریق بھی تھا کہ بعض اوقات یتیم بچّوں اور بچّیوں کو اپنے مکان پر بُلا کر کھانا کھلاتی تھیں اور بعض اوقات ان کے گھروں پر بھی کھانا بھجوا دیتی تھیں۔ ایک دفعہ ایک واقف کار شخص سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ کو کسی ایسے

شخص (احمدی یا غیر احمدی مسلم یا غیر مسلم) کا علم ہے جو قرض کی وجہ سے قید بھگت رہا ہو (اوائل زمانے میں ایسے سِوِل[1] قیدی بھی ہوُا کرتے تھے) اور جب اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تو فرمایا کہ تلاش کرنا، مَیں اس کی مدد کرنا چاہتی ہوں تا قرآنِ مجید کے اس حکم پر عمل کر سکوں کہ معذور قیدیوں کی مدد بھی کارِ ثواب ہے۔

قرض سے مدد

قرض مانگنے والوں کو فراخدلی کے ساتھ قرض بھی دیتی تھیں مگر یہ دیکھ لیتی تھیں کہ قرض مانگنے والا کوئی ایسا شخص تو نہیں جو عادی طور پر قرض مانگا کرتا ہے اور پھر قرض کی رقم واپس نہیں کیا کرتا۔ ایسے شخص کو قرض دینے سے پرہیز کیا کرتی تھیں تاکہ اس کی یہ بُری عادت ترقی نہ کرے مگر ایسے شخص کو بھی حسبِ گنجائش امداد دے دیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ میرے سامنے ایک عورت نے اُن سے کچھ قرض مانگا اس وقت اتفاق سے حضرت امّاں جان کے پاس اس قرض کی گنجائش نہیں تھی مجھ سے فرمانے لگیں "میاں! (وہ اپنے بچّوں کو اکثر میاں کہہ کر پکارتی تھیں) تمہارے پاس اتنی رقم ہو تو اسے قرض دے دو یہ عورت لین دین میں صاف ہے"۔ چنانچہ مَیں نے مطلوبہ رقم دیدی اور پھر اس غریب عورت نے تنگدستی کے باوجود عین وقت پر اپنا قرض واپس کر دیا جو آجکل کے اکثر نوجوانوں کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

یتامیٰ کی پرورش و تربیت

حضرت اماں جان نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهَا کو اسلامی احکام کے ماتحت یتیم بچّوں کی پرورش اور تربیت کا بھی بہت خیال رہتا تھا مَیں نے جب سے ہوش سنبھالا اُن کے سایۂ عاطفت میں ہمیشہ کسی نہ کسی یتیم لڑکی یا لڑکے کو پلتے دیکھا اور وہ یتیموں کو نوکروں کی طرح نہیں رکھتی تھیں بلکہ اُن کے تمام ضروری اخراجات برداشت کرنے کے علاوہ اُن کے آرام و آسائش اور ان کی تعلیم و تربیت اور اُن کے واجبی اکرام اور عزّتِ نفس کا بھی بہت خیال رکھتی تھیں۔ اس طرح ان کے ذریعہ بیسیوں یتیم بچّے جماعت کے مفید وجود بن گئے۔ بسا اوقات اپنے ہاتھوں سے یتیموں کی خدمت کرتی تھیں مثلاً یتیم بچّوں کو نہلانا، ان کے بالوں کو کنگھی کرنا اور کپڑے بدلوانا وغیرہ وغیرہ۔ مجھے یقین ہے کہ حضرت امّاں جان رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت سے انشاء اللہ ضرور حصّہ پائیں گی کہ اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ كَهَاتَيْنِ[2]

---

[1] CIVIL ✤ [2] بخاری (کتاب الطلاق۔ کتاب الادب) مسلم (کتاب الزہد) ✤

"یعنی قیامت کے دن میں اور تیمیوں کی پرورش کرنے والا شخص اس طرح اکٹھے ہوں گے جس طرح کہ ایک ہاتھ کی دو انگلیاں باہم پیوست ہوتی ہیں۔

مہمان نوازی مہمان نوازی بھی حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کے اخلاق کا طرۂ امتیاز تھا۔ اپنے عزیزوں اور دوسرے لوگوں کو اکثر کھانے پر بلاتی رہتی تھیں اور اگر گھر میں کوئی خاص چیز پکتی تھی تو ان کے گھروں میں بھی بھجوا دیتی تھیں۔ خاکسار راقم الحروف کو علیحدہ گھر ہونے کے باوجود حضرت اماں جان نے اتنی دفعہ گھر سے کھانا بھجوایا ہے کہ اس کا شمار ناممکن ہے۔ اور اگر کوئی عزیز یا کوئی دوسری خاتون کھانے کے وقت حضرت اماں جان کے گھر میں جاتی تھیں تو حضرت اماں جان کا اصرار ہوتا تھا کہ کھانا کھا کر واپس جاؤ چنانچہ اکثر اوقات زبردستی روک لیتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مہمان نوازی ان کی رُوح کی غذا ہے۔ عیدوں کے دن حضرت اماں جان کا دستور تھا کہ اپنے سارے خاندان کو اپنے پاس کھانے کی دعوت دیتی تھیں اور ایسے موقعوں پر کھانا پکوانے اور کھانا کھلانے کی بذاتِ خود نگرانی فرماتی تھیں اور اِس بات کا بھی خیال رکھتی تھیں کہ فلاں عزیز کو کیا چیز مرغوب ہے اور اس صورت میں حتی الوسع وہ چیز ضرور پکواتی تھیں۔ جب آخری عمر میں زیادہ کمزور ہو گئیں تو مجھے ایک دن حسرت کے ساتھ فرمایا کہ اب مجھ میں ایسے اہتمام کی طاقت نہیں رہی میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی مجھ سے رقم لے لے اور میری طرف سے کھانے کا انتظام کر دے۔

وفات سے کچھ عرصہ قبل جب کہ حضرتِ اماں جان بے حد کمزور ہو چکی تھیں اور کافی بیمار تھیں مجھے ہماری بڑی ممانی صاحبہ نے جو اُن دنوں میں حضرت اماں جان کے پاس اُن کی عیادت کے لئے ٹھہری ہوئی تھیں، فرمایا کہ آج آپ یہاں روزہ کھولیں۔ میں نے خیال کیا کہ شاید یہ اپنی طرف سے حضرت اماں جان کی خوشی اور ان کا دل بہلانے کے لئے ایسا کہہ رہی ہیں چنانچہ میں وقت پر وہاں چلا گیا تو دیکھا کہ بڑے اہتمام سے افطاری کا سامان تیار کر کے رکھا گیا ہے۔ اس وقت ممانی صاحبہ نے بتایا کہ میں نے تو اماں جان کی طرف سے اُن کے کہنے پر آپ کی یہ دعوت دی تھی۔

محنت کی عادت حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا میں بے حد محنت کی عادت تھی اور ہر چھوٹے سے چھوٹا کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں راحت پاتی تھیں۔ میں نے انہیں اپنی آنکھوں سے بارہا کھانا پکانے، چرخہ کاتنے، نواڑ بُنتے بلکہ بھینسوں کے آگے چارہ تک ڈالتے دیکھا

ہے۔ بعض اوقات خود بھنگنوں کے سر پہ کھڑے ہو کر صفائی کرواتی تھیں اور ان کے پیچھے لوٹے سے پانی ڈالتی جاتی تھیں۔ گھر میں اپنے ہاتھ سے پھولوں کے پودے یا سیم کی بیل یا دوائی کی غرض سے گلو کی بیل لگانے کا بھی شوق تھا اور عموماً انہیں اپنے ہاتھ سے پانی دیتی تھیں۔

مریضوں کی عیادت مریضوں کی عیادت کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی کسی احمدی عورت کے متعلق یہ سنتیں کہ وہ بیمار ہے تو بلا امتیاز غریب و امیر خود اس کے مکان پر جا کر عیادت فرماتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کے مطابق تسلی دیا کرتی تھیں کہ گھبراؤ نہیں خدا کے فضل سے اچھی ہو جاؤ گی۔ ان اخلاقِ فاضلہ کا یہ نتیجہ تھا کہ احمدی عورتیں حضرت اماں جان پر جان چھڑکتی تھیں اور اُن کے ساتھ اپنی حقیقی ماؤں سے بھی بڑھ کر محبّت کرتی تھیں۔ اور جب کوئی فکر کی بات پیش آتی تھی یا کسی امر میں مشورہ لینا ہوتا تھا تو حضرت اماں جان کے پاس دوڑی آتی تھیں۔ اس میں ذرّہ بھر بھی شُبہ نہیں کہ حضرت اماں جان کا مُبارک وجود احمدی مستورات کے لئے ایک بھاری ستون تھا بلکہ حق یہ ہے کہ ان کا وجود محبّت اور شفقت کا ایک بلند اور مضبوط مینار تھا جس کے سایہ میں احمدی خواتین بے انداز راحت اور برکت اور رحمت اور تسلی پاتی تھیں۔

تقوٰی اور توکّل کے دُو واقعات مگر غالباً حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کے تقوٰی اور توکّل اور دینداری اور اخلاق کی بلندی کا سب سے زیادہ شاندار اظہار ذیل کے دُو واقعات میں نظر آتا ہے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بعض اقرباء پر اتمامِ حُجّت کی غرض سے خدا سے علم پا کر محمدی بیگم والی پیشگوئی فرمائی تو اس وقت حضرت مسیح موعودؑ نے ایک دن دیکھا کہ حضرت اماں جان علیحدگی میں نماز پڑھ کر بڑی گریہ وزاری اور سوز و گداز سے یہ دعا فرما رہی ہیں کہ خدایا! تُو اِس پیشگوئی کو اپنے فضل اور اپنی قدرت نمائی سے پُورا فرما۔ جب وہ دعا سے فارغ ہوئیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُن سے دریافت فرمایا کہ تم یہ دعا کر رہی تھیں اور تم جانتی ہو کہ اس کے نتیجہ میں تم پر سَوکن آتی ہے؟ حضرت اماں جان نے بے ساختہ فرمایا "خواہ کچھ ہو مجھے اپنی تکلیف کی پروا نہیں میری خوشی اِسی میں ہے کہ خدا کے مُنہ کی بات اور آپ کی پیشگوئی پُوری ہو۔"

دوست سوچیں اور غور کریں کہ یہ کس شان کا ایمان اور کس بلند اخلاق کا مظاہرہ اور

کس تقویٰ کا مقام ہے کہ اپنی ذاتی راحت اور ذاتی خوشی کو کلیتہً قربان کر کے محض خدا کی رضا کو تلاش کیا جا رہا ہے اور شاید منجملہ دوسری باتوں کے یہ ان کی اسی بے نظیر قربانی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مشروط پیشگوئی کو اس کی ظاہری صورت سے بدل کر دوسرے رنگ میں پورا فرما دیا۔ پھر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہوئی (اور یہ میری آنکھوں کے سامنے کا واقعہ ہے) اور آپکے آخری سانس تھے تو حضرت اماں جان نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَھَا وَرَفَعَھَا فِی اَعْلٰی عِلِّیِّیْن آپ کی چارپائی کے قریب فرش پر آکر بیٹھ گئیں اور خدا سے مخاطب ہو کر عرض کیا کہ:۔

"خدایا! یہ تو اب ہمیں چھوڑ رہے ہیں مگر تو ہمیں نہ چھوڑیو۔"

یہ ایک خاص انداز کا کلام تھا جس سے مراد یہ تھی کہ تو ہمیں کبھی نہیں چھوڑے گا اور دل اس یقین سے پُر تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ اللہ اللہ!

خاوند کی وفات پر اور خاوند بھی وہ جو گویا ظاہری لحاظ سے ان کی ساری قسمت کا بانی اور ان کی تمام راحت کا مرکز تھا توکل، ایمان اور صبر کا یہ مقام دنیا کی بے مثال چیزوں میں سے ایک نہایت درخشاں نمونہ ہے۔ مجھے اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ بے حد پیارا اور مضبوطی کے لحاظ سے گویا فولادی نوعیّت کا قول یاد آرہا ہے جو آپ نے کامل توحید کا مظاہرہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی) کی وفات پر فرمایا کہ:۔

"اَلَا مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ۔" [1]

"یعنی اے مسلمانو! سنو کہ جو شخص محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں مگر جو شخص خدا کا پرستار ہے وہ یقین رکھے کہ خدا زندہ ہے اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔" [2]

---

[1] بخاری کتاب المغازی (باب وفات النبی صلے اللہ علیہ وسلم)

[2] "چار تقریریں" صفحہ ۹۴ تا صفحہ ۱۰۸ مؤلفہ قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب۔ ناشر شعبہ نشر و اشاعت نظارت اصلاح و ارشاد صدر انجمن احمدیہ پاکستان (طبع دوم دسمبر ۱۹۶۶ء)

۲۔ حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ تحریر فرماتی ہیں:۔

غیر معمولی محبّت کرنے والی ماں

"صرف اِس لئے نہیں کہ امّاں جان رضی اللہ عنہا غیر معمولی محبّت کرنے والی ماں تھیں اور اِس لئے نہیں کہ آج وہ اِس دُنیا میں نہیں ہیں تو محض ذکرِ خیر کے طور پر آپ کا تاریخی پہلو لکھا جائے۔ اور اِس لئے بھی نہیں کہ مجھے اُن سے بے حد محبّت تھی (اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کس طرح مَیں اُن کی جُدائی کو برداشت کر رہی ہوں) بلکہ حق اور محض حق ہے کہ حضرت امّاں جانؓ کو خدا تعالیٰ نے سچ مچ اِس قابل بنایا تھا کہ وہ اُن کو اپنے مامور کے لئے چُن لے اور اس وجود کو اپنی خاص "نعمت" قرار دے کر اپنے مُرسل کو عطا فرمائے۔

صابرہ و شاکرہ

آپ نہایت درجہ صابرہ اور شاکرہ تھیں۔ آپ کا قلب غیر معمولی طور پر صاف اور وسیع تھا کسی کے لئے خواہ اُس سے کتنی تکلیف پہنچی ہو آپ کے دِل پر مَیل نہ آتا تھا۔ کان میں پڑی ہوئی رنج دہ بات کو اِس صبر سے پی جاتی تھیں کہ حیرت ہوتی تھی اور ایسا برتاؤ کرتی تھیں کہ کسی دوسرے کو کبھی کسی بات کے دوہرانے کی جُرأت نہ ہوتی تھی شکوہ، چغلی، غیبت کسی بھی رنگ میں نہ کبھی آپ نے کیا نہ اس کو پسند کیا۔ اِس صفت کو اس اعلیٰ اور کامل رنگ میں کبھی کسی میں مَیں نے نہیں دیکھا۔ آخر دُنیا میں کبھی کوئی بات کوئی کسی کی کر ہی لیتا ہے مگر زبان پر کسی کے لئے کوئی لفظ نہیں آتے سُنا۔

شفقت

حضرت امّاں جانؓ سے جہاں کسی نے مجلس میں کسی کی بطور شکایت بات شروع کی اور آپ نے فوراً ٹوکا حتّٰی کہ اپنے ملازموں کی شکایت جو خود آپ کے وجود کے ہی آرام کے سلسلے میں تنگ آکر کبھی کی جاتی پیچھے سے سُننا پسند نہ کرتی تھیں۔ اپنے ملازموں پر انتہائی شفقت فرماتی تھیں۔ آخری ایّام میں جب آواز نکلنا محال تھا مائی عائشہ (والدہ مجید احمد مرحوم درویش قادیان) کی آواز کسی سے جھگڑنے کی کان میں آئی۔ بڑی مُشکل سے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور بہ رقت فرمایا "مائی کیوں روئی؟" مَیں نے کہا نہیں امّاں جان روئی تو نہیں یُوں ہی کسی سے بات کر رہی تھی۔ مگر جو درد حضرت امّاں جان کی آواز میں اُس وقت مائی کے لئے تھا وہ آج تک مجھے بے چین کر دیتا ہے۔

آپ نے کئی لڑکیوں اور لڑکوں کو پرورش کیا اور سب سے بہت ہی شفقت و محبّت کا برتاؤ تھا خود

اپنے ہاتھ سے اُن کا کام کیا کرتی تھیں اور کھلانے، پلانے، آرام کا خیال رکھنے کا تو کوئی ٹھکانہ نہ تھا مگر تربیت کا بھی بہت خیال رکھتیں اور زبانی نصیحت اکثر فرماتیں۔ ایک لڑکی تھی، مجھے یاد ہے میں اُن دنوں حضرت امّاں جانؓ کے پاس تھی۔ وہ رات کو تہجد کے وقت سے اُٹھ بیٹھتی اور حضرت اماں جانؓ سے سوالات کرنے اور لفظوں کے معنے پوچھنا شروع کرتی اور آپ اُس کی ہر بات کا جواب صبر اور خندہ پیشانی سے دیا کرتیں۔ میں نے اُس کو سمجھایا کہ اِس وقت نہ ستایا کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام کے بعد آپ نے بہت زیادہ صبر و تحمل کا نمونہ دکھایا مگر آپؑ کی جُدائی کو جس طرح آپ محسوس کرتی رہیں اس کو جو لوگ جانتے ہیں وہ اس صبر کو اَور بھی حیرت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔

حضرت مسیح موعودؑ سے غیر معمولی محبّت آپ اکثر سفر پر بھی جاتی تھیں اور بظاہر اپنے آپ کو بہت بہلائے رکھتی تھیں۔ باغ وغیرہ یا باہر گاؤں میں پھرنے کو بھی عورتوں کو لے کر جانا یا گھر میں کچھ نہ کچھ کام کرواتے رہنا، کھانا پکوانا اور اکثر غرباء میں تقسیم کرنا (جو آپ کا بہت مرغوب کام تھا) لوگوں کا آنا جانا اپنی اولاد کی دلچسپیاں یہ سب کچھ تھا مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام کے بعد پُورا سکون آپ نے کبھی محسوس نہیں کیا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اپنا وقت کاٹ رہا ہے۔ ایک سفر ہے جس کو طے کرنا ہے۔ کچھ کام ہیں جو جلدی کرنے ہیں۔ غرض بظاہر ایک صبر کی چٹان ہونے کے باوجود ایک قسم کی گھبراہٹ سی بھی تھی جو آپ پر طاری رہتی تھی مگر ہم لوگوں کے لئے تو گویا وہ ہر غم اپنے سینہ میں چھپا کر خود سینہ سپر ہوگئی تھیں۔ دِل میں طوفان اس دردِ جُدائی کے اُٹھتے اور اس کو دبا لیتیں اور سب کی خوشی کے سامان کرتیں۔ مجھے ذاتی علم ہے کہ جب کوئی بچہ گھر میں پیدا ہوتا تو خوشی کے ساتھ ایک رنج حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام کی جُدائی کا آپ کے دِل میں تازہ ہوجاتا اور وہ آپ کو اس بچہ کی آمد پر یاد کرتیں۔

چشمۂ محبّت میں اپنے لئے ہی دیکھتی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسّلام کے بعد ایک چشمہ ہے بے حد محبّت کا جو امّاں جان کے دل میں پھُوٹ پڑا ہے اور بار بار فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارے ابّا تمہاری ہر بات مان لیتے اور میرے اعتراض کرنے پر بھی فرمایا کرتے تھے کہ "لڑکیاں تو چار دن کی مہمان ہیں یہ کیا یاد کرے گی جو یہ کہتی ہے وہی کرو"۔ غرض یہ "محبّت" بھی دراصل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام کی محبّت تھی جو آپ کے دِل میں موجزن تھی۔

اِس کے بعد میری زندگی میں ایک دوسرا مرحلہ آیا یعنی میرے میاں مرحوم کی وفات! ان کے بعد ایک بار اَور مَیں نے اِس "چشمۂ محبّت" کو پُورے زور سے پُھوٹتے دیکھا جیسے بارش برستے برستے یکدم ایک جھڑا کے سے گرنے لگتی ہے۔ اُس وقت وہی بابرکت ہستی تھی، وہی رحمت و شفقت کا مجسّمہ تھا جو بظاہر اِس دُنیا میں خدا تعالیٰ رفیقِ اعلیٰ و رحیم و کریم ذات کے بعد میرا رفیق ثابت ہُوا، جس کے پیار نے میرے زخمِ دِل پر مرہم رکھا، جس نے مجھے بُھلا دیا تھا کہ مَیں اب ایک بیوہ ہوں بلکہ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ مَیں کہیں جا کر پھر آغوشِ مادر میں واپس آگئی ہوں۔ اَب دُنیا میں کوئی ایسا نہیں جو میرا مُنہ دیکھے کہ اُداس تو نہیں ہے۔ اب کوئی ایسا نہیں جو میرے احساس کو سمجھے، میرے دُکھ کو اپنے دل پر بیتا ہُوا دُکھ محسوس کرے۔ خدا سب عزیزوں کو سلامت رکھے۔ میرے بھائیوں کی عمر میں اپنے فضل سے خاص برکت دے۔ مگر یہ خصوصیّت جو خدا نے ماں کے وجود میں بخشی ہے اس کا بدل تو کوئی خود اس نے ہی پیدا نہیں کیا اور میری ماں تو ایک بے بدل ماں تھیں، سب مومنوں کی ماں۔ ہزاروں رحمتیں لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہوئی رحمتیں ہمیشہ ہمیشہ آپ پر نازل ہوتی رہیں۔ وہ تو اَب خاموش ہیں مگر ہم جبتک خدا اُن سے نہ ملائے گا اُن کی جُدائی کی کھٹک برابر محسوس کرتے رہیں گے۔ ؎

عمر بھر کا ہش جاں بن کے یہ تڑپائے گی
وہ نہ آئیں گی مگر یاد چلی آئے گی

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کے لئے زیادہ ہی زیادہ ان دعاؤں کو جو حضرت مسیح موعُود نے ہمارے لئے فرمائیں (اور حضرت امّاں جانؓ نے جو سلسلہ ٹوٹنے نہ دیا) قبول فرمائے اور ایسا ہو کہ گویا وہ دعائیں جاری ہیں اور ہر گھڑی مقبول ہو رہی ہیں، آمین، اور ہم سب کو اِس قابل بنائے کہ ہم اِن فضلوں کے جاذب بنیں جو ہمارے لئے مانگے جاتے رہے۔ ثمّ آمین۔

حضرت امّاں جانؓ کو ہماری تعریف کی حاجت نہیں خدا نے جس وجود کی تعریف کر دی اس کو اَور کیا چاہیئے مگر ہمارا بھی فرض ہے کہ جو عمر بھر دیکھا اُس کو آئندہ ہونے والوں کے لئے ظاہر کر دیں۔

آپ ایک نمایاں شان کے ساتھ صابرہ تھیں اور خدا تعالیٰ کی رضا پر خوشی سے راضی ہونیوالی تکالیف کا حوصلہ سے مقابلہ کرنے والی! کبھی کسی کا شکوہ شکایت زبان پر نہ لانے والی کِسی سے پہنچے ہوئے رنج کو مہر بہ لب ہو کر ایسی خاموشی سے برداشت کرنے اور مٹا ڈالنے والی کہ وہ مٹ

ہی جاتا تھا۔

جس سے تکلیف پہنچتی اس پر اپنی مہربانی اِس طرح جاری رکھتیں بلکہ زیادہ حتّٰی کہ وہ امر اَوروں کے بھی دلوں سے محو ہو جاتا۔

خشیتِ الٰہی بہت خشوع وخضوع سے، بہت سنوار کر نمازیں ادا کرنے والی، بہت دعائیں کرنے والی کبھی مَیں نے آپ کو کسی حالت میں بھی جلدی جلدی نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ تہجّد اور اشراق بھی جب تک طاقت رہی ہمیشہ باقاعدہ ادا فرماتی رہیں۔ دوسرے اوقات میں بھی بہت دعا کرتی تھیں۔ اکثر بلند آواز سے دعا بے اختیار اس طرح آپ کی زبان سے نکلتی گویا کسی کا دم گھُٹ کر یکدم رُکا ہؤا سانس نکلے۔ بہت ہی بیقراری اور تڑپ سے دعا فرماتی تھیں۔ کبھی کبھی موزوں نیم شعر الفاظ میں اور کبھی مصرع یا شعر کی صُورت میں بھی دعا فرماتی تھیں اسی درد اور تڑپ سے ایک بار لاہور میں غیر آباد مسجد کو دیکھ کر ایک آہ کے ساتھ فرمایا ؏

الٰہی مسجدیں آباد ہوں گرجا گِر جائیں

آپ کی دعاؤں میں سب آپ کی احمدی اولاد شریک ہوتی۔ اکثر ایسوں کا نام لے کر بے قرار ہو کر دعا کرتیں جن کا بظاہر کسی کو خیال تک نہ ہوتا۔ ایک بار لیٹے لیٹے اِس طرح کرب سے "یا اللہ" کہا کہ مَیں گھبرا گئی مگر اس کے بعد کا فقرہ کیا تھا؟ یہ کہ "میرے نیّرؔ کو بیٹا دے" خدا نے آپ کے نیّرؔ (مکرم مولوی عبدالرحیم صاحب نیّرؔ[1]) کو اُس کے بعد محمودہ کے بطن سے دُو بیٹے عطا فرمائے۔ خدا نیکی اور زندگی اُن کو بخشے، سب جماعت سے محبّت دلی فرماتی تھیں اور خصوصاً حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے لوگوں سے آپ کو بہت ہی پیار تھا۔ ان کی اولادوں کو اَب تک دیکھ کر شاد ہو جاتی تھیں، شاید آپ میں سے بعض کو پُورا احساس نہ ہو مجھ سے پوچھیں آپ سب مع مجھ ایک اعلیٰ نعمت سے، ایک ہزار ماں سے بہتر ماں سے محروم ہو گئے ہیں۔

شریکِ غم ہر چھوٹے بڑے کی خوشی اور تکلیف میں بدِل شریک ہوتی تھیں، جب تک طاقت رہی یعنی زمانہ قریب ہجرت تک جب باہر جاتیں اکثر گھروں میں ملنے جاتیں، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے آپ کا یہی عمل تھا مجھے کئی واقعات یاد ہیں کہ کسی کے گھر بچّہ پیدا

---

[1] بانی نائیجیریا مشن (وفات ۷ ستمبر ۱۹۴۸ء) مفصل حالات تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۲۰۵ طبع اوّل میں درج ہیں ؀

ہؤا ہے اور آپ برابر اُن کی تکلیف کے وقت میں زچّہ کے پاس رہیں اور یہی طریق بعد میں جبتک ہمّت رہی جاری رہا۔

خاص چیز جو پکواتیں بہت کُھلی اور ضرور سب میں تقسیم کرتیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں چونکہ لوگ کم تھے تو سب کو گھروں سے بُلا کر اکثر ساتھ ہی کھلوایا کرتی تھیں۔

خیرات و فیاضی

خیرات کثرت سے فرماتی تھیں۔ غرباء کو کھانا کھلانا آپ کو بہت پسند تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کے پسند کی چیز تو ضرور کھلایا کرتی تھیں۔ اور گھر میں روزمرّہ جب کوئی چیز سامنے آتی تو اوّل اوّل دنوں میں تو بہت فرمایا کرتی تھیں کہ یہ چیز آپؑ کو پسند تھی لو تم کھاؤ!

ہاتھ سے کام کرنا

ہاتھ سے کام کرنے میں ہرگز کبھی آپ کو عار نہ تھا۔ قادیان سے آتے وقت بھی برابر خود کوئی نہ کوئی کام کرتی تھیں۔ باورچی خانہ جا کر خود کچھ پکا لینا، چیز خود ہی جا کر بکسوں میں سے نکالنا، کسی کو بہت کم کہتی تھیں، خود ہی کام کرنے لگتی تھیں۔ جب تک کمزوری حد سے نہ بڑھی سہارا لینا ہرگز پسند نہیں فرماتی تھیں کوئی سہارا دینا چاہتا تو نہیں دینے دیتیں کہ مَیں خود چلوں گی سہارا نہ دو۔

ذکرِ الٰہی

ایک خاص بات آپ کی اپنی بچپن سے مجھے یاد ہے کہ جن ایّام میں آپ نے نماز نہیں پڑھنی ہوتی تھی اُس وقت کو کبھی باتوں وغیرہ میں ضائع نہیں فرماتی تھیں برابر مقررہ اوقاتِ نماز میں تنہا ٹہل کر یا بیٹھ کر دعا اور ذکرِ الٰہی کرتی تھیں اور پھر ہمیشہ مَیں نے اِس امر کا التزام دیکھا۔

نظافت پسندی

جن لڑکیوں کو پالا اُن کی جوئیں نکالنا، کنگھی کرنا یہ کام اکثر خود ہی کرتی تھیں اور باوجود نہایت صفائی پسند ہونے کے گھن نہیں کھاتی تھیں۔

صاف لباس، پاکیزہ بستر اور خوشبو آپ کو بے حد پسند تھی مگر اِن چیزوں کا شغف کبھی اس درجہ کو نہیں پہنچا کہ آپ کے اوقاتِ نماز یا دُعا یا ذکر میں حارج ہؤا ہو۔

عطر کا استعمال

مجھے یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی عطر اور چنبیلی کا تیل آپ کے لئے خاص طور پر منگایا کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد آپ نے اپنا عطر کا صندوقچہ مجھے پاس بُلا کر تیسرے روز دے دیا تھا (جو مَیں نے بھاوجوں میں تقسیم کر دیا تھا) زمانۂ عدّت میں آپ نے خوشبو نہیں استعمال کی نہ زیور ہی کوئی پہنا۔

سفید لباس پہنتی تھیں مگر صاف میلا نہیں۔ مجھے یاد ہے جس دن ایّامِ عدّت ختم ہوئے آپ نے غسل کیا، صاف لباس پہنا، عطر لگایا اور اُس دن جو کیفیّت صدمہ کی اور پھر ضبط آپ کے چہرہ سے مترشح تھا وہ تحریر میں نہیں آسکتا۔ آپ کا رونا نمازوں کا رونا، دعاؤں کا رونا ہوتا تھا ویسے نہیں۔ روزانہ بہشتی مقبرہ جاتیں اور نہایت رقت سے دعائیں کرتیں۔ وہ آپ کی حالت دیکھی نہیں جایا کرتی تھی جس مقام میں آخری آرام کرنے کے لئے آپ کی رُوح چالیس سال تڑپ سے انتظار کرتی رہی اور دل جس زمین کو دیکھ دیکھ کر بے قرار ہوتا رہا اُس میں آپ کے جسدِ مبارک کا فی الحال رکھا جانا تقدیرِ الٰہی کے مطابق نہ تھا۔ دل بے چین ہو جاتا ہے جب یاد کرتی ہوں کہ قادیان سے آنے کا صدمہ بھی صبر اور تحمّل سے برداشت کر جانے والی میری امّاں جانؓ کس بے قراری سے وہاں سے آکر بار بار کہا کرتی تھیں کہ "مجھے قادیان ضرور پہنچانا یہاں نہ رکھ لینا" (یعنی بعد وفات) اگر کوئی گھبراہٹ ظاہراً دیکھی تو بس ایک اِسی بات کے لئے!

داغِ ہجرت میں وفات

سخت کرب پیدا ہوتا ہے اِس خیال سے کہ یہ آرزو حضرت امّاں جانؓ کی پُورا نہ ہونا اور اُن کا ہجرت میں داغِ جُدائی دینا، بے شک پیشگوئی کے مطابق ہوُا مگر کہیں ہم لوگوں کی شامتِ اعمال تو اِس وقت کو نزدیک نہیں کھینچ لائی۔ یہی منشاءِ الٰہی تھا اور ضرور تھا۔ جو ہونا تھا وہ ہوُا۔ مگر اَب تو خدا کرے وہ دن بھی جلدی لائے کہ حضرت امّاں جانؓ کی تمنّا کو پُورا کرنے والے آپ لوگ بنیں اور ہم سب اِس طرح حضرت امّاں جانؓ کو اُن کے اصل مقام میں لے جائیں جس طرح جانا اُن کے شایانِ شان ہے (آمین)

ایک دُعا اور اُس کی قبولیت

بہت سال ہوئے حضرت سیّدنا[1] بھائی صاحب نے ایک دن مجھے کہا تھا کہ "مَیں بھی یہ دعا کیا کرتا ہوں تم بھی کیا کرو کہ امّاں جانؓ کو خدا تعالیٰ مدّت دراز تک سلامت رکھے مگر اب امّاں جانؓ ہم میں سے کسی کا صدمہ نہ دیکھیں"۔ مَیں نے اُس دن سے اِس دعا کو ہمیشہ یاد رکھا اور اپنی خاص اِس دعا کے ساتھ کہ ایسا وقت اِس حالت میں نہ آئے کہ مَیں امّاں جانؓ سے دُور ہوں۔ مَیں سالہا سال مالیر کوٹلہ رہی گو بار بار اور جلد جلد آتی تھی کیونکہ حضرت امّاں جانؓ اور اِس گھر کو، بھائیوں کو، دیکھے بغیر مجھے چین ہی نہ آتا تھا مگر جب بھی وہاں ہوتی حضرت امّاں جانؓ کے متعلق توہّمات مجھے چین سے نہ رہنے دیتے۔ مَیں نے میاں مرحوم سے صاف کہہ رکھا

---

[1] یعنی سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ۔

تھا کہ مَیں یہاں آپ کا ساتھ دے کر رہتی تو ہوں لیکن اگر کبھی امّاں جانؓ کی علالت کی خبر مجھے ملی تو ہرگز نہ مجھے کسی اجازت کی حاجت ہوگی نہ کوئی ساتھ ڈھونڈنے کی مَیں ایک منٹ بھی پھر نہیں ٹھہروں گی خواہ اکیلے چل پڑنے کی صُورت ہو ہمیشہ ہر حال میں مَیں نے ایک رقم الگ محفوظ رکھی اِس نیّت سے کہ امّاں جانؓ کو خدانخواستہ کرے کبھی تکلیف ہو تو کسی روپیہ کے انتظام کے لئے میرا گھنٹہ بھر بھی ضائع نہ ہو۔

الحمدللہ! کہ وہ دُعا بھی خدا تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ خدمت کے قابل گو مَیں نہ رہی تھی مگر پاس رہی۔ مُنہ دیکھتی رہی اور وہ پاکیزہ نعمتِ الٰہی جو مجھے دُنیا میں لانے کا ذریعہ ایک دن بنی تھی میری آنکھوں کے سامنے میرے ہاتھوں میں اِس دُنیا سے رخصت ہو کر محبوبِ حقیقی سے جا ملی۔"[1]

تاریخی شخصیّت

"چُن لیا تُو نے مجھے اپنے مسیحا کے لئے"

آپ میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جس نے یہ دعائے حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بزبان حضرت امّاں جان رضی اللہ عنہا نہ پڑھی ہوگی۔ یہ مصرعہ آپ کو اِس وجود کی اہمیّت اور بزرگی کا مرتبہ سمجھانے کے لئے کافی ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے مسیحا کے لئے چُن کر چھانٹ لیا وہ کیا چیز ہوگی؟

حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کا وجود بھی اِس زمانہ کی مستورات کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک نمونہ بنا کر اپنے مُرسَل مسیحِ موعود اور مہدیٔ معہودؑ کے لئے رفیقِ حیات منتخب فرما کر بھیجا تھا اور آپ کی تمام حیات آپ کی زندگی کا ہر پہلو اِس پر روشن شہادت دیتا رہا اور دے رہا ہے اور ہمیشہ تاریخِ احمدیت پر مہرِ درخشاں کی مانند چمک دکھلا کر شہادت دیتا رہے گا۔"[2] [3]

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۱ ہجرت ۱۳۳۱ ہش / ۱۱ مئی ۱۹۵۲ء صفحہ ۳، ۴ ۔ [2] "نصرت الحق" صفحہ ۱۳، ۱۴ ناشر خدام الاحمدیہ ربوہ طبع اوّل ۔ [3] آپ کی سوانح اور سیرت پر مستقل لٹریچر شائع ہو چکا ہے مثلاً (۱) سیرت نصرت جہاں بیگم حصّہ اوّل (مصنّفہ شیخ محمود احمد صاحبؓ عرفانی مجاہدِ مصر مدیر الحکم طبع اوّل دسمبر ۱۹۴۳ء مطبوعہ انتظامی پریس حیدرآباد دکن)۔ (۲) سیرت نصرت جہاں بیگم حصّہ دوم (مصنّفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی الکبیر مؤسّسِ الحکم تاریخ اشاعت ۲۵ جولائی ۱۹۴۵ء مطبوعہ انتظامی پریس حیدرآباد دکن)۔ (۳) نصرت الحق (ناشر چوہدری عبدالعزیز صاحب واقفِ زندگی مہتمم مقامی مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)۔

اِن کتابوں کے علاوہ وسط ۱۳۳۱ ہش / ۱۹۵۲ء میں رسالہ "مصباح" اور رسالہ "درویش" کے خصوصی نمبر آپکے اخلاق و شمائل پر شائع کئے گئے۔

دوسرا باب

جماعتِ احمدیہ کے جلسۂ کراچی سے لیکر مسئلۂ اقلیت سے متعلق حضرت مصلح موعودؓ کے وضاحتی اعلان تک

فصل اوّل

● مرکزی تعلیمی اداروں کو ایک ضروری ہدایت ● الجزائری نمائندۂ احتفال العلماء کی ربوہ میں آمد ● جماعتِ احمدیہ کا جلسۂ کراچی، مخالف عناصر کا ہنگامہ اور پاکستان اور بیرونی ممالک میں اس کا وسیع ردِّ عمل

مرکزی تعلیمی اداروں کو ایک ضروری ہدایت

چونکہ سلسلہ احمدیہ کے مرکزی تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل ہونے والے نوجوانوں کو علمی و اخلاقی اعتبار سے بہت بلند معیار پر ہونا چاہیئے اِس لئے حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ۲ ہجرت

۱۳۳۱ہش/مئی ۱۹۵۲ء کو بذریعہ خطبہ جمعہ واضح ہدایت دی کہ ہمارے مرکزی سکولوں اور کالجوں کے منتظمین کا فرضِ اوّلین ہے کہ وہ آئندہ نسل کی ایسے بہترین رنگ میں تربیت کریں کہ وہ مستقبل میں اسلام کے لئے مفید وجود بن سکیں۔ چنانچہ حضورؓ نے فرمایا:۔

" اساتذہ کا فرض ہے کہ جب وہ دیکھیں کہ اُن کی کوششیں کامیاب نہیں ہو رہیں تو وہ اُن کے ماں باپ سے مشورہ کریں اور اُن کی اصلاح کی تدابیر سوچیں۔ مگر یہ طریق صرف اُن لڑکوں کے متعلق اختیار کیا جا سکتا ہے جو بورڈنگ میں نہیں رہتے۔ جو لڑکے بورڈنگ میں رہتے ہیں اُن کی توسو فیصدی ذمہ داری اساتذہ اور نگران عملہ پر ہی عائد ہوتی ہے۔ یہی ضرورت میں سمجھتا ہوں دینیات کے مدارس میں بھی ہے۔ وہاں بھی یہی غفلت پائی جاتی ہے۔ لڑکے تعلیم پا رہے ہوتے ہیں اور ہم یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ بیس مبلغ تیار ہو جائیں گے مگر ہوتا یہ ہے کہ بیس بے دین یا بیس نکمے یا بیس ناکارہ یا بیس جاہل پیدا ہو جاتے ہیں۔"

" اُستاد کا کام نہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے کورس کو پورا کرے بلکہ اُس کا یہ بھی کام ہے کہ وہ زائد سٹڈی کروائے۔ کوئی طالبِ علم صحیح طور پر تعلیم حاصل نہیں کر سکتا جب تک اُس کا مطالعہ اِس قدر وسیع نہ ہو کہ وہ اگر ایک کتاب مدرسہ کی پڑھتا ہو تو دس کتابیں باہر کی پڑھتا ہو۔ باہر کا علم ہی اصل علم ہوتا ہے۔ استاد کا پڑھایا ہوا علم صرف علم کے حصول کے لئے ممد ہوتا ہے، سہارا ہوتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ اس کے ذریعہ وہ سارے علوم پر حاوی ہو سکے۔ دُنیا میں کوئی ڈاکٹر نہیں بن سکتا اگر وہ اتنی ہی کتابیں پڑھنے پر اکتفا کرے جتنی اُسے کالج میں پڑھائی جاتی ہیں۔ دُنیا میں کوئی وکیل، وکیل نہیں بن سکتا اگر وہ صرف اتنی کتابوں پر ہی انحصار رکھے جتنی اُسے کالج میں پڑھائی جاتی ہیں۔ دُنیا میں کوئی مبلّغ، مبلّغ نہیں بن سکتا اگر وہ صرف انہی کتابوں تک اپنے علم کو محدود رکھے جو اسے مدرسہ میں پڑھائی جاتی ہیں۔ وہی ڈاکٹر، وہی وکیل اور وہی مبلّغ کامیاب ہو سکتا ہے جو رات اور دن اپنے فن کی کتابوں کا مطالعہ رکھتا ہے اور ہمیشہ اپنے علم کو بڑھاتا رہتا ہے۔ پس جب تک ریسرچ ورک[1] کے طور پر نئی نئی کتابوں کا مطالعہ نہ رکھا جائے اُس وقت تک لڑکوں کی تعلیمی حالت ترقی نہیں کر سکتی۔"[2]

---

[1] RESEARCH WORK ؛ [2] الفضل یکم احسان ۱۳۳۱ہش ص۵ ؛

الجزائری نمائندۂ احتفال العلماء کی ربوہ میں آمد کراچی میں "احتفالِ علماءِ اسلام" کا ایک سہ روزہ اجلاس ۱۶-۱۷-۱۸ فروری ۱۹۵۲ء کو منعقد ہوا جس میں مسلم ممالک کے ۳۴ علماء نے شرکت کی۔ ۱۲ علماء پاکستان کے تھے اور ۲۲ ایران، انڈونیشیا، عراق، افغانستان، مصر، شام، ہندوستان اور الجیریا سے تشریف لائے۔ اجلاس نے متفقہ قرارداد کے ذریعہ استعماری طاقتوں کو خبردار کیا کہ وہ کشمیر اور تمام دوسرے اسلامی ممالک کے متعلق اپنی پالیسی فوراً بدل لیں ورنہ امنِ عالم خطرہ میں پڑ جائے گا[۱]

اجلاس میں الجزائر کی نمائندگی علامہ محمد البشیر الابراہیمی الجزائری نے کی جو اس ملک کے ایک مقتدر عالم اور قریباً ۱۳۰ سکولوں کے نگران و ناظم تھے۔ علامہ موصوف اجلاس کے بعد کراچی میں کچھ عرصہ قیام کے بعد ۵ ہجرت ۱۳۳۱ہش / مئی ۱۹۵۲ء کو مرکزِ احمدیت میں تشریف لائے۔

جلسہ آپ کے اعزاز میں لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے ہال میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں ربوہ کے عربی دان بزرگ اور اصحاب خصوصیت سے شامل ہوئے۔ تلاوتِ قرآنِ عظیم کے بعد الجزائری مندوب کے ترجمان محمد عادل قدوسی صاحب نے آپ کا تعارف کرایا۔ پھر اہلِ ربوہ کی طرف سے مکرم مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری مبلغ بلادِ عربیہ و پرنسپل جامعہ احمدیہ نے خوش آمدید کہا۔ آپ نے سب سے پہلے معزز مہمان کا شکریہ ادا کیا کہ وہ گرمی کے موسم میں سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ربوہ تشریف لائے جہاں نئی بستی ہونے کی وجہ سے نہ اشجار ہیں نہ پانی کی کثرت اور نہ یہ کوئی بڑا شہر ہے گو انشاء اللہ بہت جلد ربوہ ایک بڑا شہر بن جائے گا لیکن فی الحال اِس کی حیثیت ایک چھوٹی سی بستی کی ہے جس میں شہروں جیسے آرام و سامان میسّر نہیں آسکتے۔ ازاں بعد آپ نے بتایا کہ جماعتِ احمدیہ کے تمام ممبر چھوٹے اور بڑے، مرد اور عورتیں سب کے دماغ میں صرف ایک ہی بات سمائی ہوئی ہے اور وہ یہ کہ اسلام کو تمام دُنیا میں پھیلانا اور تمام مسلمانوں کو وحدت کے رشتہ میں پرونا ہے۔

مولانا ابو العطاء صاحب کی تقریر کے بعد جناب علامہ محمد البشیر ابراہیمی نے الجزائری مسلمانوں کی فرانسیسی انقلاب کے خلاف تحریکِ آزادی کا ذکر کرتے ہوئے اپنی جدّوجہدِ آزادی پر روشنی

---

[۱] زمیندار (لاہور) ۱۹ فروری ۱۹۵۲ء صلہ

ڈالی اور بتایا کہ کس طرح طویل جدّوجہد کے بعد الجزائر کو غلامی سے نجات ملی۔

تقریر کا دوسرا حصّہ تربیتی رنگ کا تھا جس میں آپ نے اِس حقیقت پر روشنی ڈالی کہ مسلمان قوم پر جو آجکل نکبت واَدبار کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں تو اِس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ کو اِس قوم کے ساتھ کوئی دشمنی ہے بلکہ اِس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلامی تعلیم بُھلا دی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان مسلمان نہیں رہے اور آپ لوگوں کا فرض ہے کہ جہاں آپ یورپ میں اسلامی تعلیمات پھیلاتے ہیں وہاں مسلمانوں کی اصلاح کو مقدّم کریں۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمان علماء کی حالت خصوصاً اعمال کے لحاظ سے نہایت ناگفتہ بہ ہے وہی ساری خرابی کے ذمّہ دار ہیں۔ وہ اسلام کی رُوح کو بُھلا بیٹھے ہیں آپ کو ان کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے۔

آخر میں آپ نے فرمایا یہاں مَیں اجنبیّت محسوس نہیں کرتا کیونکہ کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو عربی زبان مادری زبان کی طرح بول سکتے ہیں۔

آپ کی تقریر کے بعد حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے صدارتی خطاب میں جماعتِ احمدیہ کی اسلامی خدمات کا تذکرہ فرمایا اور دعا پر یہ تقریب ختم ہوئی [1]

جماعتِ احمدیہ کراچی کا سالانہ جلسہ

اب ہم اِس سال کے واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے تاریخ کے ایک ایسے نازک موڑ پر آن پہنچے ہیں جہاں سے حالات نے یکایک پلٹا کھایا اور اہلِ پاکستان عموماً اور جماعتِ احمدیہ پاکستان خصوصاً ایک سنگین اور تشویش انگیز صُورتِ حال سے دوچار ہوگئے۔ واقعہ یُوں ہُوا کہ جماعتِ احمدیہ کراچی کا سالانہ جلسہ ۱۷ و ۱۸ مئی بروز ہفتہ و اتوار بعد نماز مغرب جہانگیر پارک میں مقرر تھا جس کا اِعلان دو پوسٹروں، ہینڈ بِل اور دعوتی خطوط کے ذریعہ اچھی طرح سے کیا گیا۔ پوسٹروں کے شائع ہوتے ہی ایک طرف تو مسجدوں میں تقریریں کر کے عوام النّاس کو اشتعال دلانے اور جلسہ کو ناکام بنانے کے لئے ہر ناجائز طریق استعمال کرنے کی ترغیب دلائی گئی، دوسری طرف ذمّہ دار حکّام پر تاروں وغیرہ کے ذریعہ زور دیا گیا کہ وہ اِس جلسہ کے انعقاد کی اجازت نہ دیں لیکن اِس میں صریح ناکامی ہوئی۔

---

[1] الفضل ۱۱ ہجرت ۱۳۳۱ ہش / ۱۱ مئی ۱۹۵۲ء صفحہ ۵

پہلا اجلاس پروگرام کے مطابق پہلے دن کے اجلاس میں تلاوتِ قرآن کریم اور نظم کے بعد محترم چوہدری عبداللہ خان صاحب امیر جماعتِ احمدیہ کراچی نے افتتاحی خطاب فرمایا۔ اس کے بعد حسبِ ذیل موضوعات پر تقاریر ہوئیں :۔

۱۔ قرآن کریم کے کامل ہونے کے دلائل	مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل مبلّغ بلادِ عربیہ
۲۔ اتّحاد بین المسلمین	ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب آف موگا
۳۔ کیا یہ وہی زمانہ ہے جس میں مسیح موعود و مہدیٔ مسعود کا ظہور مقدّر تھا ؟	مولانا جلال الدین صاحب شمس مبلّغ بلادِ عربیہ وانگلستان۔
۴۔ حیاتِ مسیح علیہ السّلام کے عقیدہ سے اسلام کو کیا نقصان پہنچا ہے ؟	سیّد احمد علی شاہ صاحب سیالکوٹی

صاحبِ صدر کی تقریر شروع ہوتے ہی بعض لوگوں نے آوازے کسنے، نعرے لگانے اور گالیاں دینی شروع کر دیں۔ پولیس نے ان لوگوں کو جو ایک پروگرام کے ماتحت جلسہ گاہ کی مختلف سمتوں میں پھیلے ہوئے تھے ایک طرف دھکیلنا شروع کیا تاکہ انہیں جلسہ گاہ کے باہر نکال دے لیکن جب یہ لوگ تشدد پر اُتر آئے اور پولیس پر بھی پتھراؤ شروع کر دیا تو پولیس کو مجبوراً لاٹھی چارج کرنا پڑا۔ ہر تقریر کے دَوران شرپسند باہر والوں کو اُکسا کر اندر لے آتے اور پھر شور مچانا شروع کر دیتے جس سے ان کی غرض یہ ہوتی کہ تقریریں نہ ہوسکیں اور جلسہ بند ہو جائے لیکن جب اِس مقصد میں کامیابی نہ ہوسکی تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ آوازے کسے، نعرے لگائے بلکہ سخت سے سخت گندی اور فحش گالیاں دیں، تالیاں پیٹیں، سیٹیاں بجائیں اور رقص کرنا شروع کر دیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ مولانا ابوالعطاء صاحب قرآن کریم کے کامل ہونے کے دلائل بیان کر رہے تھے۔ اِس ہنگامہ آرائی کے باوجود سامعینِ جلسہ خصوصاً غیر از جماعت معززین اور شرفاء جو محض تقریریں سُننے کی غرض سے تشریف لائے ہوئے تھے آخر تک نہایت دلچسپی اور ذوق و شوق کے ساتھ تقریریں سُنتے رہے۔

اس کے بعد جُونہی صاحبِ صدر نے اجلاس اوّل کی کارروائی کے خاتمہ کا اعلان کیا ایک جتھہ آگے بڑھا اور اُن رسیوں کو جو پولیس نے سٹیج کے گرد بغرض حفاظت باندھی تھیں پھلانگ کر سٹیج پر حملہ کرنا چاہا[1] جس پر پولیس کی ایک بڑی جمعیت نے اندر جانے سے روک دیا۔ اس موقعہ پر ان لوگوں نے

---

[1] یاد رہے احرار کے مذہبی راہ نماؤں کا فتویٰ احمدیوں کی نسبت یہ ہے کہ "اُن کی واہیات (باقی اگلے صفحہ پر)

پولیس پر پتھر وغیرہ پھینکے اور مقابلہ کیا لیکن پولیس نے اُنہیں پیچھے ہٹا دیا اور ان کا ایک آدمی بھی حفاظتی لائن کے اندر داخل نہ ہو سکا۔ اس ہنگامہ میں جماعت کے بعض احباب کو بھی جنہیں یہ حکم تھا کہ وہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں پولیس کے لاٹھی چارج سے چوٹیں آئیں۔ اس سے قبل بجلی کی تاریں کاٹ دی گئیں۔لاؤڈ سپیکر گرا دیا گیا لیکن چونکہ سٹیج پر لاؤڈ سپیکر ٹھیک کام کر رہا تھا اس لئے وہ اپنی اس حرکت سے بھی جلسہ کو خراب نہ کر سکے جلسہ ختم ہونے کے بعد لوگ باہر جانے لگے تو بعض احمدیوں کی کاروں پر بلکہ اُس کار پر بھی جس میں علماء کرام تشریف لے جا رہے تھے پتھر پھینکے گئے جس سے کاروں کے شیشے ٹوٹ گئے اور بعض کو سخت نقصان پہنچا۔

دوسرا اجلاس دوسرے دن اتوار کی صبح کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب نے جہانگیر پارک کے چاروں طرف آدھ آدھ میل تک دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی اور تمام شہر میں اعلان کرایا کہ احمدیہ جماعت کا جلسہ جہانگیر پارک میں بدستور منعقد ہو گا لیکن پارک کے ارد گرد دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی ہے کوئی آدمی لاٹھی وغیرہ ساتھ لے کر نہ آئے اور پانچ سے زائد آدمی باہر جمع نہ ہوں۔ دوسرے دن کے جلسہ میں تلاوتِ قرآن کریم اور نظم کے بعد حسب ذیل موضوعات پر تقاریر ہوئیں :-

۱۔ جماعتِ احمدیہ کی اسلامی خدمات	مولانا عبدالمالک خان صاحب
۲۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل احمدیہ نقطۂ نگاہ سے۔	مولانا ابوالعطاء صاحب
۳۔ اسلام زندہ مذہب ہے۔	چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وزیر خارجہ پاکستان
۴۔ مخالفینِ احمدیت کے اعتراضات کے جوابات۔	مولانا جلال الدین صاحب شمس

اجلاسِ دوم میں بھی شور وغوغا بلند کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی گئی۔ بایں ہمہ جلسہ کی کارروائی بدستور جاری رہی۔ اس روز سامعین کی تعداد سات آٹھ ہزار کے قریب تھی۔ جلسہ میں چیف کمشنر صاحب،

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- مت سنو اگر ہو سکے تو اپنی جماعت سے خارج کر دو بحث کر کے ساکت کرنا اگر ہو سکے ضرور ہے ورنہ ہاتھ سے اُن کو جواب دو۔"

(تذکرۃ الرشید حصہ اوّل صفحہ ۱۴۱ سوانح مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مولفہ مولوی محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی ناشر حافظ محمد مقبول الٰہی صاحب طبع دوم مطبع محبوب المطابع دہلی)۔

آئی جی پولیس، سپرنٹنڈنٹ، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس، ڈسٹرکٹ اور ایڈیشنل مجسٹریٹ وغیرہ اعلیٰ احکام بھی موجود تھے۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی تقریر[1] شروع ہوتے ہی باہر کے لوگوں کو اندر آنے سے روک دیا گیا اور اُن لوگوں کو جو ایک بھاری تعداد میں باہر جمع ہو کر نعرے لگا رہے تھے اور شور مچا رہے تھے پولیس نے سمجھایا کہ دفعہ ۱۴۴ کے ماتحت اُن کا وہاں آنا خلافِ قانون ہے لیکن اس کا اُلٹ نتیجہ برآمد ہوا اور غضبناک ہجوم تشدد پر اُتر آیا مجبوراً پولیس کو بھی کئی بار اشک آور گیس استعمال کرنا پڑی جس کے بعد بلوائیوں نے شیزان ہوٹل کو آگ لگادی، شاہنواز موٹرز کے شوروم پر سنگباری کر کے شیشے توڑ دئے اور نئی موٹروں کو نقصان پہنچایا، احمدیہ فرنیچر ہاؤس میں آگ لگادی۔ بلوائیوں نے بندر روڈ پر احمدیہ لائبریری اور احمدیہ ہال (احمدیہ مسجد) کو بھی جلانے کی کوشش کی اور گو فائر بریگیڈ نے موقع پر پہنچ کر آگ بجھادی لیکن اس کے باوجود ان مقامات پر ہزاروں روپے کا نقصان ہوگیا۔ اس وقت اِتنے دُکے احمدیوں کو بھی ظلم کا تختۂ مشق بنایا گیا۔ ایک نوجوان کے سر پر سخت چوٹیں آئیں۔ ایک احمدی نوجوان پر چاقو سے قاتلانہ حملہ کیا گیا مگر وہ خدا کے فضل سے محفوظ رہے۔

احمدیوں کا صبر و تحمل

اِس نہایت دل آزار اور اشتعال انگیز فضا میں احمدیوں نے صبر و تحمل اور اطاعت و فرمانبرداری کا جو نمونہ دکھایا وہ اپنی نظیر آپ تھا فحش گوئی اور گالیوں کی بوچھاڑ میں بھی ہر احمدی نے قانون کا احترام ضروری سمجھا اور شروع سے آخر تک پورے وقار کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ کر قال اللہ اور قال الرسولؐ کی اس پاکیزہ مجلس سے ہر ممکن استفادہ کیا۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی ایمان افروز تقریر

جلسۂ کراچی کے موقعہ پر علمائے سلسلہ کی تقاریر نہایت بلند پایہ اور پُر از معلومات تھیں خصوصاً چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا خطاب بہت ایمان افروز تھا جس میں آپ نے علمی اور واقعاتی دلائل سے روزِ روشن کی طرح ثابت کیا کہ دُنیا میں صرف اسلام ہی زندہ مذہب ہے

---

[1] تقریر کا خلاصہ الفضل ۱۳ ہجرت ۱۳۳۱ ہش میں شائع شدہ ہے ایضاً "تحدیثِ نعمت" صفحہ ۵۸۲ مؤلفہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب طبع اوّل دسمبر ۱۹۷۱ء مطبع جسارت پرنٹرز ۲۴ سرکلر روڈ لاہور۔

آپ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف صاحبِ شریعت نبی بنایا بلکہ آپکو خاتم النبیین کا بے مثال مقام عطا فرمایا اور وہ کتاب بخشی جو مختصر سی کتاب ہونے کے باوجود معانی و مطالب میں غیر محدود ہے اور ایک صحیفہ میں گویا کئی سمندر بند ہیں۔ اِن حقائق پر روشنی ڈالنے کے بعد آپ نے قرآنِ مجید کی اِس خصوصیت کو پیش کیا کہ خدا تعالیٰ نے اس کے نزول کے ساتھ ہی اس کی لفظی، لغوی اور معنوی ہر اعتبار سے حفاظت کا وعدہ فرمایا جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے :-

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ [1]

مَیں نے ہی اِس ذکر کو نازل کیا اور مَیں ہی اِس کی حفاظت کرونگا

قرآنِ مجید کی معنوی حفاظت کے ضمن میں آپ نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے منظوم اور عارفانہ کلام میں سے متعدد اشعار پڑھے جن میں حضرت اقدس علیہ السلام نے نہایت وجد آفریں اور رُوح پرور انداز میں خدا تعالیٰ، قرآنِ مجید، خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے فضائل ومحاسن کا تذکرہ فرمایا ہے۔

چوہدری صاحب نے اپنی تقریر کے آخر میں واضح فرمایا کہ احمدیت خدا کا لگایا ہوُا پودا ہے۔ یہ پودا قرآنی وعدہ کے عین مطابق اسلام کی حفاظت کے لئے لگایا گیا ہے اور اِس غرض سے لگایا گیا ہے تا اس زمانہ میں بھی اسلام کا زندہ مذہب ہونا، قرآن کا زندہ کتاب ہونا اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ رسُول ہونا پُوری دُنیا پر ظاہر ہو جائے۔

"تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں جلسۂ کراچی کا ذکر

جسٹس منیر اور جسٹس کیانی نے رپورٹ تحقیقاتی عدالت ۱۹۵۳ء میں جلسۂ کراچی اور چوہدری صاحب کی تقریر کا خاص طور پر ذکر کیا ہے چنانچہ لکھا ہے :-

"کراچی میں اشتہار دیا گیا کہ انجمن احمدیہ کراچی کا ایک جلسہ ۱۷-۱۸ مئی ۱۹۵۲ء کو جہانگیر پارک میں منعقد ہوگا اور اس میں دوسرے مقرّرین کے علاوہ چوہدری ظفر اللہ خاں بھی تقریر کریں گے اگرچہ یہ جلسہ انجمن احمدیہ کے زیرِ اہتمام منعقد کیا گیا تھا لیکن یہ جلسۂ عام تھا جس میں جمہور کا کوئی فرد بھی تقریریں سُننے کے لئے شریک ہو سکتا تھا۔ اِس جلسے سے چند روز پہلے خواجہ ناظم الدین وزیرِ اعظم

[1] سورۃ الحجر آیت : ۱۰

نے اِس امر کے خلاف اپنی ناپسندی کا اظہار کیا کہ چوہدری ظفر اللہ خاں نے ایک فرقہ وار جلسۂ عام میں شرکت کا ارادہ کیا ہے لیکن چوہدری ظفر اللہ نے خواجہ ناظم الدین سے کہا کہ میں انجمن سے وعدہ کر چکا ہوں اگر چند روز پہلے مجھے یہ مشورہ دیا جاتا تو میں جلسے میں شریک نہ ہوتا لیکن وعدہ کر لینے کے بعد میں اس جلسہ میں تقریر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اور اگر اس کے باوجود بھی وزیر اعظم اِس بات پر مُصر ہوں کہ مجھے جلسے میں شامل نہ ہونا چاہیئے تو میں اپنے عُہدے سے مستعفی ہونے کو تیار ہوں۔

اِس جلسے کے پہلے اجلاس پر عوام کی طرف سے ناراضی کا مظاہرہ کیا گیا اور اجلاس کی کارروائی میں مداخلت کرنے کی کوششیں بھی کی گئیں لیکن ۱۸ رمئی کو قیام امن کے لئے خاص انتظامات کئے گئے اور چوہدری ظفر اللہ خاں نے اِس عنوان پر تقریر کی کہ "اسلام زندہ مذہب ہے"۔ ایک عالمگیر مذہب کی حیثیت سے اسلام کی برتری اور ختمیت کے مسئلے پر یہ ایک فاضلانہ تقریر تھی۔ مقرر نے واضح کیا کہ قرآن آخری الہامی کتاب ہے جس میں عالمِ انسانیت کے لئے آخری ضابطۂ حیات مہیا کیا گیا ہے کوئی بعد میں آنے والا ضابطہ اس کو موقوف نہیں کر سکتا۔ پیغمبرِ اسلام صلعم خاتم النّبییّن ہیں جنہوں نے عالمِ انسانی کو اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام پہنچایا ہے اور اس کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا جو نئی شریعت کا حامل ہو یا قرآنی شریعت کے کسی قانون کو منسوخ کر سکے۔ احمدیوں کے مسلک کے متعلق پوری تقریر میں صرف اتنا اشارہ کیا گیا تھا کہ (رسُول اللہ کے) وعدے کے مطابق ایسے اشخاص آتے رہیں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجدیدِ دین پر مامور ہوں گے تاکہ اصلی دینِ اسلام کی پاکیزگی کو محفوظ کرنے کی غرض سے اس کی اصلاح و تجدید کریں اور اگر اس میں کوئی غلطی فروگذاشت یا بدعت راہ پا گئی ہو تو اس کو دُور کر دیں۔ مقرر نے دعویٰ کیا کہ مرزا غلام احمد اِسی قسم کے مجدّد تھے۔ تقریر کے آخر میں انہوں نے کہا کہ احمدیت ایک ایسا پَودا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود لگایا ہے اور اب جڑ پکڑ گیا ہے تاکہ قرآن کے وعدے کی تکمیل میں اسلام کی حفاظت کا ضامن ہو۔"[1]

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا بیان

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اپنی خود نوشت سوانح عمری میں واقعہ کراچی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

[1] رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۶، ۲۷ اُردو ایڈیشن ؎

۱۹۵۲ء کے جماعتِ احمدیہ کراچی کے سالانہ جلسے میں مجھے تقریر کرنے کے لئے کہا گیا تھا میں نے اپنی تقریر کا عنوان "اسلام زندہ مذہب ہے" انتخاب کیا۔ جب جلسے کا دن قریب آیا تو بعض عناصر کی طرف سے جلسے کے خلاف اور خصوصاً میرے تقریر کرنے کے خلاف آواز اُٹھائی گئی۔ جلسے کے دن تک یہ مخالفت بظاہر ایک منظم صورت اختیار کر گئی۔ میں نے تقریر کی۔ دورانِ تقریر میں کچھ فاصلے سے شور و شغب کے ذریعے جلسے کی کارروائی میں خلل ڈالنے کی کوشش جاری رہی کچھ آوازے بھی کسے گئے۔ تقریر کے بعد میں اپنے مکان پر واپس آ گیا۔ جہاں تک علم ہے گو کسی قدر بدمزگی تو پیدا کی گئی لیکن الحمدللہ کوئی فساد نہیں ہوا۔

وقتاً فوقتاً جماعتِ احمدیہ کے جلسوں یا دیگر سرگرمیوں کے خلاف مختلف مقامات پر جوش کا مظاہرہ ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی جہاں کہیں ایسی صورت پیدا ہوتی رہی، جماعت کا ردِعمل بفضل اللہ امن پسندی کا رہا۔ جماعت کی طرف سے کبھی خلافِ وقار یا موجبِ اشتعال کارروائی یا حرکت ظہور میں نہیں آئی۔ نتیجہ ہمیشہ یہی ہوتا رہا کہ دو چار روز میں مخالفت کا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا۔ اس موقعہ پر خلافِ معمول ایک تو متعدد عناصر نے مل کر مخالفت کا ایک محاذ قائم کر لیا اور دوسرے مخالفت کا جوش ٹھنڈا پڑنے کی بجائے زور پکڑتا گیا اور بعض دوسرے مقامات پر بھی تائیدی مظاہرے شروع ہو گئے۔ رفتہ رفتہ اس محاذ کی طرف سے ایک فہرست مطالبات کی تیار کی گئی اور کثرت سے عوام کے دستخطوں کے ساتھ بذریعہ ڈاک حکومت کو پہنچائی جانے لگی۔ ... یہ سلسلہ جاری تھا کہ میں اقوامِ متحدہ کی اسمبلی کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے نیویارک چلا گیا۔ میری غیر حاضری میں جو کچھ ہوا اس کی تفصیل کا تو مجھے کوئی ذاتی علم نہیں کیونکہ اس نوع کی بہت کم کوئی خبر مجھے امریکہ پہنچی لیکن واپسی پر معلوم ہوا کہ یہ تحریک بہت زور پکڑ چکی ہے۔

امریکہ جانے سے پہلے بھی اور امریکہ سے واپسی کے بعد بھی میں نے خواجہ ناظم الدین صاحب کی خدمت میں گزارش کی کہ اگر میرے وزارتِ خارجہ سے علیحدہ ہو جانے سے آپ کے لئے سہولت ہو جاتی ہے تو میں آپ کی خدمت میں اپنا استعفےٰ پیش کر دیتا ہوں لیکن خواجہ صاحب نے اسے پسند نہ فرمایا بلکہ کہا کہ تمہارا استعفےٰ دینے سے مشکل حل نہیں ہو گی بلکہ اور بڑھے گی۔ جو صورتِ حال پیدا کر دی گئی وہ ہرچند مجھ پر گراں تھی لیکن "اقامۃ فی ما اقام اللہ" (جہاں اللہ تعالیٰ کھڑا

کرے وہاں قائم رہنا) کا مقدس ارشاد اور فرض کی ادائیگی کا احساس ترکِ خدمت کے رستے میں روک تھے۔" [1]

جماعتِ احمدیہ کے خلاف تین مطالبات

تحقیقاتی عدالت فساداتِ پنجاب کے فاضل ججوں نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے" احراریوں نے اِس موقعہ سے جس کا وہ مدت سے انتظار کر رہے تھے خوب فائدہ اُٹھایا۔" [2] اِس سلسلہ میں احرار نے پہلا قدم یہ اُٹھایا کہ کراچی میں ہی مختلف علماء کو فوراً جمع کر کے خفیہ مشورہ کیا اور ۲۔جون ۱۹۵۲ء کو ایک کانفرنس میں مندرجہ ذیل مطالبات تشکیل دیئے:۔

۱۔ احمدی غیر مسلم اقلیت قرار دئے جائیں۔

۲۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب وزیرِ خارجہ کے عہدہ سے برطرف کئے جائیں۔

۳۔ احمدیوں کو تمام کلیدی اسامیوں سے ہٹا دیا جائے۔

پس منظر

جو مطالبات ایک اسلامی مملکت کے اندر آتش زنی، ہلڑ بازی اور قانون شکنی کی کوکھ سے جنم لیں اُن کے صحیح خدوخال کا پہچاننا چنداں مشکل نہیں تاہم مذکورہ مطالبات کے حقیقی پس منظر کو سمجھنے کے لئے پاکستان کے ایک سوشلسٹ ادیب عبداللہ ملک صاحب کا مندرجہ ذیل تجزیہ بہت ممد و معاون ہو گا۔ آپ لکھتے ہیں:۔

" قادیانیوں کے خلاف مجلس احرار کی تحریک کو ایک مذہبی تحریک کے طور پر سمجھنے کی کوشش ہمیشہ کی جاتی رہی ہے لیکن تمام تقدس کے باوجود یہ مذہبی تحریکیں سیاسی اور اقتصادی تقاضوں، خواہشات اور ضرورتوں کے لئے اُوپر کا خول ہوتی ہیں کبھی یہ تحریکیں عوامی خواہشات کا مظہر بن جاتی ہیں تو کبھی یہ بدترین قسم کے رجعت پسند طبقوں کے ہاتھ کا ہتھیار بن جاتی ہیں چنانچہ خود احرار کے قائد بھی اِس

---

[1] "تحدیثِ نعمت" صفحہ ۵۸۳ و صفحہ ۵۸۴۔ مؤلفہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ اشاعت اوّل دسمبر ۱۹۷۱ء مطبع جسارت پرنٹرز، ۲۴ میکلورڈ روڈ لاہور۔ ناشر ڈھاکہ بے نیولنٹ ایسوسی ایشن۔ ڈھاکہ

[2] رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء اُردو صفحہ ۸۴، مطبوعہ انصاف پریس لاہور۔

تحریک کے سیاسی تقاضوں کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے" [1]

عبداللہ ملک صاحب کے اس نظریہ کی مکمل تائید خود زعمائے احرار کے مستقل عقیدہ و مسلک سے بھی ہوتی ہے چنانچہ "مفکرِ احرار" چوہدری افضل حق صاحب "فتنۂ قادیان" کے زیرِ عنوان تحریر فرماتے ہیں :۔

"لوگ بجا طور پر پوچھتے ہیں کہ احرار کو کیا ہو گیا کہ مذہب کی دَل دَل میں پھنس گئے یہاں پھنس کر کون نکلا ہے جو یہ نکلیں گے؟ مگر یہ کون لوگ ہیں وہی جن کا دل غریبوں کی مصیبتوں سے خون کے آنسو روتا ہے۔ وہ مذہبِ اسلام سے بھی بیزار ہیں اس لئے کہ اس کی ساری تاریخ شہنشاہیت اور جاگیرداری کی دردناک کہانی ہے۔ کسی کو کیا پڑی کہ وہ شہنشاہیت کے خس و خاشاک کے ڈھیر کی چھان بین کر کے اسلام کی سوئی کو ڈھونڈے تاکہ انسانیت کی چاک دامانی کار فو کر سکے۔ اس کے پاس کارل مارکس کے سائنٹفک سوشلزم کا ہتھیار موجود ہے وہ اس کے ذریعہ سے امراء اور سرمایہ داروں کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے اسے اسلام کی اتنی لمبی تاریخ میں سے چند سال کے اوراق کو ڈھونڈ کر اپنی زندگی کے پروگرام بنانے کی فرصت کہاں؟" [2]

احراری لیڈروں نے اسی بناء پر متحدہ ہندوستان میں اعلان کیا تھا :۔

"اسلام کے باغی پاکستان سے ہم اس ہندو ہندوستان کو پسند کریں گے جہاں نماز روزہ کی اجازت کے ساتھ اسلام کے باقی عدل و انصاف کے پروگرام کے مطابق نظامِ حکومت ہوگا یعنی ہر شخص کو صرف رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم، صدیقِ اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ کی زندگی کی پیروی میں محض ضروریاتِ زندگی مہیا کی جائیں گی اور کسی کو کسی دوسرے پر سیاسی یا اقتصادی فوقیت نہ ہوگی"۔

"امراء اور سلاطین کی لوٹ کھسوٹ سے لوگوں کو بچانا پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) کا مشن

---

[1] پنجاب کی سیاسی تحریکیں صفحہ ۲۰۹ از عبداللہ ملک صاحب۔ ناشر نگارشات پبلشر طبع اوّل یکم جنوری ۱۹۷۱ء مطبع علمی پرنٹنگ پریس لاہور۔ [2] "تاریخِ احرار" صفحہ ۱۲۶ از چوہدری افضل حق صاحب طبع اوّل ۱۹۴۱ء طبع ثانی ۱۹۶۸ء۔ ناشر دفتر مکتبہ مجلس احرارِ اسلام پاکستان کاشانہ معاویہ ۲۳۲ کوٹ تغلق شاہ ملتان۔ دفتر مجلس احرارِ اسلام پاکستان مقابل شاہ محمد غوث بیرون دہلی دروازہ لاہور شہر۔

تھا پس اگر محمد علی جناح اسلام کے اقتصادی اور سیاسی نظام کے خلاف کسی سرمایہ داری کے نظام کو چلائے تو نفع کیا اور اگر جواہر لعل اور گاندھی خلفائے راشدین کی پیروی میں سوسائٹی میں نابرابری کے سارے نقوش کو مٹاتے چلے جائیں تو بطور مسلمان کے ہمیں نقصان کیا؟" [1]

پھر لکھا :-

"مجلسِ احرار کا ہر دستورِ عمل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مرتب کیا جاتا ہے اِس لئے پاکستان کے مسئلے پر غور کرنے سے قبل ہمیں یہ جان لینا چاہیئے کہ اسلام دُنیا میں کسی قسم کی جغرافیائی تقسیم یا وطنوں کا تعین کرنے نہیں آیا ...... ہم وطنی تقسیم کے قائل نہیں ہم تو صرف ایک ہی تقسیم کے قائل ہیں اور وہ ہے دولت کی منصفانہ تقسیم۔" [2]

چیف کمشنر کراچی کی پریس کانفرنس

مندرجہ بالا احراری مسلک و عقیدہ کی روشنی میں ہنگامۂ کراچی کا اصولی پس منظر بیان کرنے کے بعد اب ہم اس کے اندرون و بیرونِ ملک ردِّ عمل کی طرف آتے ہیں اور سب سے پہلے یہ بتاتے ہیں کہ جلسہ کے اگلے روز ۱۹ ؍مئی کو کراچی کے چیف کمشنر مسٹر ابوطالب نقوی نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا :-

"انجمن احمدیہ کراچی کے زیرِ انتظام دُو جلسے ہوئے۔ پولیس کی اطلاع کے مطابق اِن جلسوں میں گڑبڑ کا اندیشہ تھا اِس لئے جہانگیر پارک میں پولیس کی جمعیّت تعینات کر دی گئی تھی۔ ۱۷ ؍مئی کو

---

[1] ایضاً صفحہ ۶۰ ۔ [2] ایضاً صفحہ ۶۱-۶۲

خود "امیر شریعتِ احرار" جناب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے قیامِ پاکستان کے بعد کہا :-

"سیاستدانوں نے جغرافیائی نقشہ اُٹھا کر اس پر ضرب و تقسیم کی ہے لیکن اس کی بدولت بڑی مدت کے لئے انسان مرگیا ہے۔"

"برِّ عظیم میں تبلیغ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا ہے ہم نے سیاسی حقوق کے حصول کی خاطر دینی فرائض سے بغاوت کر دی ہے۔"

"پاکستان سیاسی بدبدوں کی آماجگاہ بن کے رہے گا۔"

(کتاب "سید عطاء اللہ شاہ بخاری" صفحہ ۲۹۵ مؤلفہ شورش کاشمیری مدیر چٹان مطبوعہ چٹان پرنٹنگ پریس ۸۔ میکلوڈ روڈ لاہور)

حسبِ معمول گڑبڑ ہوئی اور جو لوگ گڑبڑ کے ذمہ دار تھے اُنہیں گرفتار کر کے تھانے پہنچا دیا گیا۔ اس رات کو جلسہ گاہ میں پتھراؤ بھی ہوا تھا جس سے پولیس کے ۱۲ سپاہی زخمی ہوئے۔ گرفتار شدگان کو جلسہ ختم ہونے کے بعد رہا کر دیا گیا تھا۔ ۱۸ مئی کو جلسہ گاہ کے باہر ہنگامہ ہوا اور ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے پولیس کو حکم ہوا اور گیس استعمال کرنا پڑی۔ جب ہجوم کو پولیس نے جہانگیر پارک کے قریب منتشر کیا تھا اس نے شیزان ریسٹورنٹ کے شیشے وغیرہ توڑ ڈالے اور اندر گھس کر فرنیچر کو آگ لگانے کی ناکام کوشش کی۔ اس کے بعد ہجوم نے شاہ نواز موٹرز کمپنی کی دکان کے شیشے توڑے اور احمدیہ فرنیچر اسٹور کو آگ لگا دی جس سے ایک ہزار روپے کا نقصان ہوا۔ کل رات کے ہنگامہ میں کل ساٹھ آدمی گرفتار ہوئے اور اُن کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔ ہجوم کا رویہ بہت زیادہ قابلِ اعتراض تھا اور وہ اپنے اِس رویہ کا کوئی جواز پیش نہیں کر سکتے۔ یہ ضروری ہے کہ ہر پاکستانی کو قانونی حدود میں رہتے ہوئے اپنے مذہبی اعتقادات پر عمل کرنے کی پُوری آزادی حاصل ہے۔ قادیانیوں کے اِن دونوں جلسوں کی کارروائی پولیس کے رپورٹروں نے قلم بند کی ہے اور اگر مقررین نے اپنی تقاریر میں کوئی قابلِ اعتراض بات کہی ہے تو حکومت ان کے خلاف کارروائی کرے گی لیکن کسی شہری کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرے۔ میں یہ تہیہ کر چکا ہوں کہ اِس قسم کے غیر ذمہ دارانہ رویہ کو ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا۔۔۔ چیف کمشنر نے بتایا کہ ان کے پاس جلسے سے کئی روز قبل اِس قسم کے تار آئے تھے کہ جلسے میں گڑبڑ ہوگی اور ان کا خیال تھا کہ اِس گڑبڑ میں کسی جماعت کا ہاتھ ہے۔ انہوں نے کہا کہ گرفتار ہونے والوں میں مجلسِ احرار کے چند کارکن ہیں اور اِس امر کی تحقیق ہو رہی ہے کہ اور کسی جماعت کا اس میں ہاتھ ہے یا نہیں۔ مسٹر نقوی نے کہا "غنڈوں اور کرایہ کے آدمیوں کے ذریعہ ہنگامہ کرایا گیا تھا۔۔۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ جن اشخاص یا جماعتوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ لوگوں کو اِس قسم کا ہنگامہ کرنے پر اُکسایا تھا اُن کے خلاف بھی قانونی کارروائی کی جائے گی۔۔ چیف کمشنر نے اِس سوال کے جواب میں کہ اگر کراچی میں ہندو کوئی جلسہ کر کے اسلام پر تبصرہ کریں تو حکومت انہیں اسکی اجازت دے گی؟" کہا "ضرور بشرطیکہ وہ قانونی حدود سے باہر نہ جائیں"۔ [1]

---

[1] جنگ کراچی ۲۱ مئی ۱۹۵۲ء - شیخ حسام الدین صاحب صدر مجلس احرار نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کراچی بار ایسوسی ایشن کا متفقہ بیان

کراچی بار ایسوسی ایشن کے ۷۴ وکلاء نے چیف کمشنر صاحب کراچی کی پالیسی کی تائید میں متفقہ طور پر حسب ذیل بیان جاری کیا :-

" ۱- ہم مندرجہ ذیل دستخط کنندگان ممبران انجمن وکلاء کراچی نے بعض متعصب افراد کے نہایت ہی افسوسناک اور ناخوشگوار رویّہ اور اس سے پیدا شدہ غنڈہ گردی کے متعلق چیف کمشنر صاحب صوبہ کراچی و دیگر اداروں کے متعدد بیانات پر انتہائی غور و خوض کیا ہے۔

۲- پاکستان جو انجام کار ایک خالص اسلامی مملکت یا سیکولر سٹیٹ بنے، اس کا قیام اس بات کی ضمانت اور مسلم لیگ کی یقین دہانی پر ہوا تھا کہ پاکستان مختلف اقلیتوں اور فرقہ جات کے تمام جائز حقوق کی حفاظت کرے گا لہذا اب حکومت کا یہ مقدس فرض ہے کہ وہ ان تمام مواعید اور یقین دہانیوں پر کاربند رہے۔ کوئی مملکت اپنی ہستی کے قیام کا ثبوت جھوٹے بیانات اور بہانہ تراشیوں سے نہیں دے سکتی۔

۳- ہر قسم کی جمہوریت جس کا دستور تحریری ہو یا غیر تحریری، ہر شہری کو بلا لحاظ عقیدہ، رنگ، مذہب اور ملت تقریر و تحریر جدّ و جہد اور مذہبی رسومات کی بجاآوری کی آزادی کی ضمانت دیتی ہے اب ان وعدوں کا احترام نہ کرنا جو اس وقت کئے گئے جب پاکستان جملہ مسلم فرقوں کی متحدہ جدوجہد سے حاصل کیا جا رہا تھا ایک اخلاقی اور مذہبی جرم ہے۔

۴- ہر اچھی حکومت کا سب سے مقدم کام یہ ہے کہ وہ اپنے آہنی اور مضبوط ذرائع سے لاقانونیت، غنڈہ گردی اور تباہ کُن سرگرمیوں کا قلع قمع کرے۔ چاہے وہ کسی شکل میں یا کسی طبقہ سے نمودار ہوں ایسے اقدامات مملکت کے مختلف شہریوں کے دل میں اعلیٰ نظام مملکت کی بابت اعتماد اور وثوق کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے اور بھی زیادہ ضروری ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :- اس بیان پر کہا " کراچی کا ایک کمشنر صرف کمشنر ہے مفتی نہیں ۔ اسے فتویٰ دینے کا کوئی حق نہیں ہے تم اسے سازش کہہ کر یاد فرمارہے ہو ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم پاکستان کے کسی گوشے میں مرزائیوں کا کوئی جلسہ نہ ہونے دیں گے !"

("آزاد" لاہور ۲۳ر مئی ۱۹۵۲ء صفحہ ۶ کالم ۳)

۵۔ ایک اعلیٰ حکومت کے بقاء کا انحصار صرف اس کے دلکش فلسفہ اور نظریات پر نہیں ہوتا جو اوراق پر مکتوب ہوں یا لاسلکی سے نشر کئے جائیں بلکہ اس کا انحصار ہر فرد خواہ وہ اقلیتی فرقہ سے ہی کیوں نہ تعلق رکھتا ہو، کے اس درجہ ایقان پر ہے جو اسے ملکی قوانین کی رُو سے اپنے اظہارِ خیالات اور عملی جدوجہد کی ادائیگی کے لئے دئے گئے قانونی حقوق کے متعلق حاصل ہے۔

۶۔ ہمیں ملاقی دار الحکومت ہیں جو پاکستانی قوم اور اس کے احساس کا مظہر ہے کسی غنڈہ گردی کو برداشت نہیں کرنا چاہیئے۔

۷۔ اگر مختلف فرقوں کے درمیان جذباتِ منافرت کو پھیلانے کی اجازت دی گئی تو یہ مملکت کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہوگا۔

۸۔ یہ ہمیشہ ملحوظِ خاطر رہنا چاہیئے کہ وقت کی نزاکت اس امر کی متقاضی ہے کہ پاکستان کے شہریوں میں ایسی حالت میں جبکہ ہم دشمنوں سے گھرے ہوئے ہیں اتحاد کے جذبات کی ہمت افزائی کی جائے اور اندرونِ مملکت ایک مضبوط چٹان کی مانند یک جہتی پیدا کی جائے۔

۹۔ ہر گروہ سے جو کسی حیلہ سے پھوٹ پیدا کرے مذہبی اختلافات کی آگ کو ہوا دے کر انارکی پھیلائے مملکت کے انتہائی خطرناک دشمن کا سا سلوک کیا جائے۔

۱۰۔ ہم عوام سے مستدعی ہیں کہ وہ ہر گمراہ کن تحریک سے اجتناب کریں جو ملک کے اتحاد کو کمزور اور اس کی پُرسکون فضا کو زہر آلود کرے۔

۱۱۔ ہم چیف کمشنر صاحب صوبہ کراچی کے امن اور قانون کی برقراری کے سلسلہ میں اختیار کئے گئے طرزِ عمل اور بیان کی پُرزور حمایت کرتے ہیں جو انہوں نے اِس مقصد پر قیامِ امن کے بارے میں دیا ہے۔

دستخط ایڈووکیٹ و وکلاء صاحبان

(۱) سید بشیر احمد رضوی (۲) ثروت حسین (۳) فاروقی صاحب (۴) محمد معجز علی (۵) ایم اے حسینی (۶) زیڈ ایچ نقوی (۷) ایس علی حسین (۸) عبد الحکیم خان (۹) ایم خان (۱۰) انعام الحق (۱۱) شیخ عبد الغنی (۱۲) اے ایچ قریشی سیکرٹری (۱۳) ایس۔ ایم۔ ایس حسینی (۱۴) ایس حسن علی رضوی (۱۵) آسانند جوشی (۱۶) ایس جعفر حسین (۱۷) ایم۔ آر۔ عباسی (۱۸) پی۔ ایف کھلنانی۔

(۱۹) ایس۔ ایم احمد (۲۰) مسٹر رضا (۲۱) سید ممتاز الدین (۲۲) قاضی خورشید علی (۲۳) شبیر حسین (۲۴) نصیر حسین (۲۵) آغا علی حیدر (۲۶) محمد علی خاں (۲۷) کبیر الدین خاں (۲۸) محمد جلال الدین (۲۹) فیض الجلیل (۳۰) مسٹر کرمانی (۳۱) پی اے بین والا (۳۲) محمد حسن صدیقی صدر (۳۳) ایس ایم نور الحسن (۳۴) افتخار الدین (۳۵) عبد المجید (۳۶) حافظ محمد صدیقی (۳۷) ایم نجم الدین قریشی۔ (۳۸) حید رحسین (۳۹) محمد داؤد (۴۰) سید اے رفیق سابق صدر (۴۱) حیات احمد خاں۔ (۴۲) ایم فصیح الدین (۴۳) ایم ایس قریشی (۴۴) عبد المجید خاں (۴۵) عبد الرؤف (۴۶) سید معزز حسین (۴۷) کے اے قدوائی۔

حادثہ کراچی اور پاکستان کا محب وطن پریس

حادثہ کراچی اور کنونشن کا ردِ عمل مغربی پاکستان کے محب وطن اور متین و سنجیدہ پریس پر بھی نہایت شدید ہوا اور نہ صرف کراچی بلکہ دوسرے صوبوں کے اخبارات نے بھی اس کی پُر زور مذمت کی بلکہ کراچی کے بعض اخبارات نے تو خدشہ ظاہر کیا کہ اس ہنگامہ آرائی کے پیچھے غیر ملکی ہاتھ کام کر رہا ہے اور کسی بیرونی سازش کا نتیجہ ہے۔

مشہور مسلم لیگی راہ نما سردار شوکت حیات کا کہنا ہے "تحریک ختم نبوّت بھی ایک سازش کا نتیجہ تھی۔ یہ تحریک مرکزی حکومت کے سی ایس پی افسروں نے چلائی۔" الخ [1]

ذیل میں بطور نمونہ بعض اخبارات و رسائل کے تبصرے درج کئے جاتے ہیں۔

کراچی

۱۔ کراچی کے ہفتہ وار اخبار "ایوننگ سٹار" نے ۲۴ مئی ۱۹۵۲ء کو صفحہ اوّل پہ ایک مضمون شائع کیا جس کا عنوان تھا

"WHO DIRECTED KARACHI RIOTS?"

(کراچی کے بلوہ میں کس کا ہاتھ تھا؟) اس مضمون کا اُردو ترجمہ درج ذیل ہے:۔

احمدیہ کانفرنس کے دوران جو اکّا دُکّا فسادات ہوئے اور جن کے نتیجہ میں کئی گرفتاریاں ہوئیں۔ کئی لوگ زخمی ہوئے اور ایسے ناخوشگوار حالات پیدا ہوئے جن سے کراچی کا پُرسکون ماحول کبھی آلودہ نہ ہوا تھا مبصرین سمجھتے ہیں کہ ان کے پیچھے کوئی بیرونی ہاتھ کام کر رہا ہے۔

---

[1] روزنامہ مشرق لاہور ۵ جون ۱۹۷۰ء ص

اِن بدنما مظاہروں کے لئے جو وقت منتخب کیا گیا وہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اور یہ وہ وقت تھا جبکہ امریکی شہ پر منعقدہ MPO تماشا بُری طرح ناکام ہو چکا تھا۔

جس طریق پر MPO کو منظر انداز کیا گیا اور اس کی تذلیل کی گئی۔ نہ صرف عوام اور پریس کی طرف سے بلکہ حکومت کی طرف سے بھی امریکنوں کو یہ بہت تلخ محسوس ہوا ہے۔ غالب خیال یہی کیا جاتا ہے کہ وزیرِ خارجہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی وجہ سے ہوا ہے۔

زخم خوردہ امریکیوں کے لئے اِس سے بہتر اور کوئی موقع نہ مل سکا کہ وہ عوام کو وزیرِ خارجہ کے خلاف بھڑکا سکیں۔

احمدیہ کانفرنس کُلیتہً MPO کے کھنڈرات پر منعقد ہو رہی ہے۔ MPO کا پنڈال ابھی تک گرایا جا رہا ہے اور اسی جہانگیر پارک میں ہی چوہدری ظفر اللہ خان کو اپنی زندگی کا بدترین مظاہرہ دیکھنا پڑا۔

اِس بات کے واضح شواہد موجود ہیں کہ امریکن سفارت خانہ اور ان کے قونصل خانے اِس ملک میں ہمیشہ وہی کردار ادا کرتے رہے ہیں جو بین الاقوامی سیاست کے حلقوں میں ادا کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ گذشتہ کئی ہفتوں سے امریکنوں کو سرکاری یا نیم سرکاری پریس کی ناخوشگوار تنقید کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

جہانگیر پارک میں کراچی کو جو نظّارہ دیکھنا پڑا وہ سخت وحشت ناک تھا۔ شہر میں اِس قدر بے لگامی کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ آنسو گیس یا لاٹھی چارج اِس شہر میں عملی طور پر کبھی دیکھنے میں نہیں آئے۔

جو بات اِسے اور بھی بدتر بنا رہی ہے وہ یہ کہ یہ ایک مذہبی کانفرنس کا موقعہ تھا۔ باوجود اِس امر کے کہ اس کے پیچھے ایک غیر ملکی ہاتھ تھا ایک بدنما داغ یہ ہے کہ ایک مخالف گروہ ایک کانفرنس درہم برہم کر رہا ہے اور پولیس ہنگامہ کو فرو کرنے کی کوشش کر رہی ہے جو ایک ملک کے دارالسلطنت کی توہین ہے۔[1]

اِسی اخبار نے ۱۹ر جون ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں حسب ذیل اداریہ بھی لکھا:۔

ہم نہایت سختی سے ان تمام لوگوں کی مذمت کرتے ہیں جو جہانگیر پارک میں غنڈہ گردی کے

---

[1] مضمون کا متن کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ درج کیا جا رہا ہے۔

مرتکب ہوئے ہیں۔ انہوں نے اسلام کو خاص نقصان پہنچایا ہے اور پاکستان اور پاکستانیوں کی یک جہتی کو برباد کرنا چاہا ہے۔

فرقہ دارانہ مذہبی اختلافات وفسادات اور بلغیر مقصد مسلمان کے ہاتھوں مسلمانوں کی جان و مال کی تباہی نے ماضی میں اسلام اور مسلمانوں کو ایک مہیب نقصان پہنچایا ہے اور ایسا رویہ یقیناً ہماری عزیز آزادی کو خطرہ میں ڈال دے گا۔ اسلام نے کبھی بھی اجازت نہیں دی کہ کسی دوسرے پر اپنے خیالات جبر کے ساتھ ٹھونسے جائیں اور متضاد نظریوں کو دلائل اور بات چیت سے حل نہ کیا جائے۔ بدقسمتی سے لوگوں کے ایک طبقے نے تبلیغ کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا اور اسے ایک ثانوی حیثیت دے کر زیادہ زور عوام کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر سیاسی مقاصد حاصل کرنے پر صرف کیا جا رہا ہے۔ سیاسی معروضات اس طبقہ کو تبلیغ کی طرف توجہ نہیں کرنے دیتیں۔ یہ طبقہ دلائل کا جواب تشدد سے دینا چاہتا ہے یہ قابلِ مذمت ہے اور بدامنی اور قانون شکنی کو ہرگز برداشت نہیں کیا جانا چاہیئے۔

اَب وقت آگیا ہے کہ ایسے آدمیوں میں جو خدا تعالیٰ کا پیغام مذہبی جماعتوں کے پلیٹ فارموں سے عوام کو سمجھاتے ہیں اور ان سیاسی گرگوں میں جو مذہبی پلیٹ فارموں کو اپنے مخصوص مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں امتیاز کیا جائے۔ آخر الذکر لوگ عوام کے مذہبی جذبات کو خطرناک حد تک بھڑکا کر ایسے کام ان سے کراتے ہیں جن سے اسلام اور اسلام کے ماننے والوں کی عزّت پر بٹہ لگتا ہے ایسے لوگوں کو مسلمانوں کو ہرگز کوئی پناہ نہیں دینی چاہیئے[1]

۲۔ ہفت روزہ "مسلم آواز" کراچی (۱۹ رمئی ۱۹۵۲ء) نے لکھا۔

"کل ایک ہفتہ وار میری نظروں سے گذرا جس میں فرقہ قادیانی کی مخالفت میں شرافت سے گرے ہوئے الفاظ استعمال کئے گئے تھے مضمون نگار کے مضمون کو دیکھ کر ہر شخص یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ مضمون نگار کو ابھی یہ ہی نہیں معلوم کہ ارکانِ اسلام کیا کیا ہیں ایسی حالت میں کسی فرقہ کے خلاف قلم اُٹھانا ہی نہایت واہیات طریقہ ہے۔ ہم مضمون نگار سے صاف صاف کہہ دینا بہتر سمجھتے ہیں کہ پاکستان تمام فرقوں کا ملک ہے۔ دوسروں پر انگشت نمائی کرنے سے بہتر ہے کہ وہ

---

[1] (ترجمہ) ایوننگ سٹار کراچی ۱۹ رجون ۱۹۵۲ء

گریبانِ خود دیکھے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ ہمارے اور تمہارے مقابلہ میں اِس فرقہ کا ہر فرد اپنے طریقۂ مذہب کا سختی سے پابندیٔ احکامِ خداوندی کو بجا لانے والا ہے۔ ہم لوگ نہ تو نماز روزہ کے پابند ہیں اور نہ کسی نیک کام کے عادی صرف زبانی جمع خرچ کے علاوہ باقی اللہ کا نام۔

اِس گمراہ کن پراپیگنڈہ کا نتیجہ یہ ہے کہ ۱۷ مئی کی رات کو جہانگیر پارک کے جلسہ میں ہنگامہ ہُوا۔ اوّل تو ہمارے انڈے پر اٹھے والے مولوی دوسرے ہم تعلیم یافتہ اخبار نولیس حضرات بلاوجہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں نتائج سے بے خبر رہتے ہوئے ایسا خطرناک پراپیگنڈہ کرتے ہیں جو کسی وقت بھی بجائے فائدہ کے ملک وملّت کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ پاکستان میں ہر شخص اور ہر فرقہ کو مذہبی آزادی حاصل ہے اور رہے گی۔ کیا اچھا ہوتا کہ اگر اسلام کے تمام فرقے قائدِاعظم کے اصول عمل، اتحاد اور تنظیم پر عمل کرتے ہوئے پاکستان کو ترقّی کی راہ پر لے جانے کی کوشش کریں۔"

۳۔ اخبار "ڈان" انگریزی نے مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں لکھا:۔

گذشتہ دنوں کراچی میں مسلسل دو روز تک تشدّد کا جو شرمناک مظاہرہ ہوتا رہا ہے اسے محض اتّفاقی حادثہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس سے تعصّب اور قانون شکنی کے اس خطرناک رُجحان کی نشان دہی ہوتی ہے جو ملک میں دن بدن بڑھتا جارہا ہے۔ پاکستان کی مذہبی اور سیاسی زندگی میں مسلّمہ خوبیوں کے انحطاط پذیر ہونے اور رواداری کی بجائے قریب قریب لاقانونیت کی سی کیفیت پیدا ہونے کی ذمّہ داری ہمارے بہت سے مذہبی اور سیاسی لیڈروں پر عائد ہوتی ہے لیکن ان سے کہیں زیادہ اِس صورتِ حال کی خود حکومت ذمّہ دار ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی اصول اور اسلامی اتحاد کی ضرورت اور اس کی اہمیّت بیان کرنے میں لوگوں کی زبان نہیں تھکتی۔ لیکن عجب ستم ظریفی ہے کہ اِس بارے میں کوئی جتنا زیادہ چرب زبان واقع ہُوا ہے اتنا ہی وہ رواداری کے اصولوں کو خاک میں ملانے اور لوگوں کو خود تشدّد پر اُکسانے میں پیش پیش نظر آتا ہے۔ حالانکہ مذہبی آزادی اور رواداری کے جذبات ہی اسلام کی اصل رُوح ہے۔

رواداری کے اصول کو خاک میں ملانے والے یہ چرب زبان لوگ اسلام اسلام پکارنے کے باوجود مسلمانوں کے درمیان تشتّت وافتراق کی خلیج دن بدن وسیع کر رہے ہیں اور پھر اس پر

استہزاء یہ کہ ہماری حکومت جو اپنی ذات میں کُلّی اختیارات مجتمع کرنا چاہتی ہے ایسے شرپسند عناصر کے بروقت انسداد کے لئے معمولی اختیارات کے استعمال سے بھی گریزاں ہے۔

گذشتہ اتوار کو بے شک حکومت نے سخت قدم اُٹھایا اور صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے کراچی میں پولیس کی کافی جمعیّت موجود تھی لیکن اگر ہماری حکومت زیادہ مستعد ہوتی، یا سخت اقدام کے لئے بروقت جرأت مندی سے کام لیتی تو یقیناً وہ فتنہ جسے روکنے کے لئے بالآخر یہ سب کچھ انتظامات کرنے پڑے بہت پہلے ہی دبا دیا جاتا۔ یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ حکام اِس فتنہ سے جو اندر ہی اندر پرورش پارہا تھا بے خبر تھے یا ان کے لئے چند لوگوں کی نشان دہی ممکن نہ تھی جو اعلانیہ یا درپردہ فتنہ پردازی کی مہم کو ہوا دینے میں مصروف تھے۔ ہمیں اس بحث سے کوئی واسطہ نہیں کہ مذہبی اعتبار سے کس فرقہ کا موقف زیادہ صحیح ہے اور کس کا کم، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایک مہذب سوسائٹی میں کسی مذہب یا سیاسی جماعت کے اس حق کا احترام لازمی ہے کہ وہ اپنے مقاصد کی تبلیغ کرسکے البتہ یہ ضروری ہوگا کہ ایسا کرنے میں مروجہ قانون اور عام ضابطہ کی خلاف ورزی نہ ہو۔

جہاں تک اِس قضیہ کا تعلق ہے، احمدیوں کو پبلک جلسے کرنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا ان کے مخالفین کو ہے۔ اگر یہ حق استعمال کرنے میں ان دونوں میں سے کوئی ایک قانون کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہے تو اس بارے میں اصلاحی قدم اُٹھانا حکومت کا کام ہے نہ عوام النّاس کا۔ اسی طرح اگر دوسرے فرقوں کے لوگ بھی اسی طرح ایسے ہی جرم کا ارتکاب کریں تو بھی اصلاحِ حال کی یہی صُورت ہوگی۔ برخلاف اس کے اگر نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ کوئی فرقہ یا گروہ حقیقی یا محض خیالی وجہ اِشتعال کو آڑ بنا کر قانون اپنے ہاتھ میں لے لے تو اس طرح معاشرے کا وجود ہی معرضِ خطر میں پڑ جائے گا۔ لیکن کیا کیا جائے کافی مکروہ حد تک پاکستان کے مختلف حصّوں میں ایسا ہی کچھ وقوع میں آتا رہا ہے۔ اِس ہفتہ کے واقعات سے قطع نظر پہلے ہی ہم تعصّب و عدم رواداری کے اس جذبہ کا بعض نمایاں اور واضح صورتوں میں مشاہدہ کرتے رہے ہیں۔ بعض لوگوں کو کُھلّم کُھلا قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ ان کا زیادہ سے زیادہ قصور یہ تھا کہ انہوں نے مذہبی امور سے تعلق رکھنے والے معاملات میں اظہارِ خیال کرنے میں احتیاط سے کام نہیں لیا۔ اسی طرح تقریر و تحریر کے ذریعہ علی الاعلان تشدّد کا پرچار کیا گیا لیکن حکومت کمال بے تعلقی سے اِس صُورتِ حال کا نظّارہ کرتی رہی

مذہب کے علاوہ دوسرے معاملات میں بھی بعض عناصر کی جرأت کا یہ عالم ہے کہ وہ تشدد سے کام لیکر قانون کے پرخچے اُڑا سکتے ہیں اور حتیٰ کہ حیطۂ اقتدار کو بھی تہ و بالا کر سکتے ہیں۔ کیا یہی وہ طریق ہے جس پر چل کر ہم اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں؟

اِس تمام صورتِ حال کا علاج کیا ہے؟ اِس کا علاج خود معاشرے میں موجود ہے۔ ضروری ہے کہ ہر فرقہ کے افراد اِس بڑھتے ہوئے خطرے کو جوان کی پُرامن زندگی کو دن بدن لاحق ہوتا جا رہا ہے پوری شدت سے محسوس کریں اور ان عناصر کی قطعاً ہمت افزائی نہ کریں جو مذہب کے نام پر ناجائز انتفاع کی خاطر انہیں آلۂ کار بنا رہے ہیں۔ ہمارا پریس اور بالخصوص اُردو اور دوسری قومی زبانوں کے اخبارات اِس گند کو روکنے میں بڑی خدمت سرانجام دے سکتے ہیں لیکن موجودہ حالات میں اس کے سوا بھی چارہ نہیں کہ حکومت فتنہ پردازوں کے خلاف سخت اور موثر اقدامات کرے اور آئندہ اِس امر کا انتظار ترک کر دے کہ حالات نازک صورت اختیار کریں تو وہ حفاظتی سامان اشک آور گیس اور حکومتی رُعب و داب کے نشانوں سے مسلح پولیس کی مدد سے حالات پر قابو پائے۔ یہ زرّیں دستور العمل کہ "قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں" کتبوں اور طغروں کی شکل میں لکھوا کر وزرا اور دیگر حکام کے کمروں میں آویزاں کر دینا چاہیئے۔ بعض لوگوں میں یہ تاثر عام ہے کہ اُونچے منصب داروں اور بعض مذہب کے نام کو اُچھال کر ناجائز فائدہ اُٹھانے والوں کے درمیان ملی بھگت چل رہی ہے وہ تمام لوگ جو اپنے اپنے مخصوص حلقہ میں نمایاں شخصیت رکھتے ہیں یقیناً اِس بات کے حقدار ہیں کہ معاشرے میں ان کی عزّت و توقیر کو محفوظ رکھا جائے اور بالخصوص جہاں تک حقیقی علماء کا تعلّق ہے کوئی ان کے احترام سے رُوگردانی نہیں کر سکتا۔

اگر ان میں سے کوئی عالم اور بالخصوص پیشہ ور قسم کے وہ مُلّاں جو روشن دماغی اور بیداری مغزی سے یکسر محروم ہیں اور جن کا کاروبار ہی لوگوں کے جذبات سے کھیلنا ہے اگر انہیں اِس بات کی اجازت دی گئی کہ از خود اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت اختیار کر لیں اور کوئی ان کے بھکائے ہوئے یا کرایہ پر ملازم رکھے ہوئے کتیوں کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بنے بغیر ان کے خلاف لب کشائی نہ کر سکے تو پھر پاکستان کا اللہ ہی حافظ ہے۔ بین الاقوامی لحاظ سے ہمارے وقار کو پہلے ہی کافی صدمہ پہنچا ہے اِس ہفتہ کے واقعات اس میں اَور اضافہ کا سبب ہوں گے۔ کیا ہم اُمید رکھیں کہ خواجہ ناظم الدین صاحب

نے جہاں اور بہت سے معاملات کو سلجھا کر اپنے فہم و تدبر کا ثبوت بہم پہنچایا ہے اب بھی مملکت کی کشتی کو تعصب و تنفر کے متلاطم سمندر سے نکال کر امن و عافیت کی بندرگاہ پر جلد واپس لے آئیں گے؟

"ڈان" نے ایک اور اشاعت میں لکھا:۔

گزشتہ ہفتہ کے شرمناک واقعات میں جو فتنہ پنہاں تھا وہ اب کسی نہ کسی شکل میں برابر سر اٹھا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ بعض عناصر اپنی خطرناک سرگرمیوں سے ابھی دستکش نہیں ہوئے ہیں اور نہ ہی پبلک کو روزانہ مشورہ دینے والے بعض مشیروں (یعنی اخبارات) نے معاملہ فہمی اور سمجھ بوجھ کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ اس حقیقت سے قطع نظر کہ عوامی زندگی کے چشمے برابر زہر آلود کئے جا رہے ہیں ان حرکات سے بیرونی ممالک میں بھی ہمارے قومی وقار کو سخت صدمہ پہنچ رہا ہے کراچی کے چیف کمشنر نے فتنہ پردازوں کو زبردست تنبیہہ کی ہے اور ساتھ ہی حکومت کے اس عزم کا اعلان کیا ہے کہ ان شورش پسندوں کو فتنہ انگیزی کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی فی الحقیقت ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ گزشتہ اتوار کی شب کو جو سخت اقدامات کئے گئے ان کے متعلق سستی شہرت کے دلدادہ تقریر و تحریر کے ذریعہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہیں اس میں شک نہیں ان اقدامات نے ایک حد تک یہ اعتماد بحال کر دیا ہے کہ حکومت میں حکمرانی کی صلاحیت موجود ہے لیکن جیسا کہ ہم نے گزشتہ مضمون میں بھی اشارہ کیا تھا یہی نہیں کہ حکومت کو بہت دیر میں ہوش آیا بلکہ خدشہ یہ ہے کہ اس کی یہ بیداری شرر ناپائیدار کی طرح دیرپا ثابت نہ ہو۔

چیف کمشنر نے اپنے بیان میں اس امر کا اعتراف کیا کہ حالیہ فساد کرائے کے غنڈوں کے ذریعہ برپا ہوا تھا اگر یہ صحیح ہے تو پھر ضرور ایسے لوگ ہونے چاہئیں جنہوں نے کرایہ پر ان غنڈوں کی خدمات حاصل کیں۔ ہم پوچھتے ہیں ان لوگوں کی نشان دہی کے لئے کیا اقدامات کئے گئے ہیں؟ اور اگر ان کی نشان دہی ہو چکی ہے تو پھر ان کے خلاف کیا کارروائی عمل میں آئی ہے؟ یہ خیال کرنا عبث ہے کہ ہر قسم کے ہنگامی اور غیر ہنگامی قوانین وضع کر لینے کے بعد حکومت میں اچانک ایک ایسا فطری تغیر رونما ہوا ہے کہ وہ اپنے اختیارات کے استعمال سے خود ہی کترانے لگی ہے حقیقت الامر یہ ہے کہ حکومت نے اب تک اس بارے میں کوئی معین پالیسی ہی وضع نہیں کی اور نہ ہی اس میں اتنی ہمت ہے ہمیں اس کا امکان بھی نظر آ رہا ہے کہ کہیں حکومت ایک مرتبہ پھر بے تعلقی اور لاپرواہی

کی اسی رَو میں نہ بہہ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو حکومت پھر ملک کو لاقانونیت اور نراج سے ہمکنار کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگی اور عوام النّاس کے جذبات سے کھیلنے والوں کے حوصلے جو پہلے ہی کافی بڑھے ہوئے ہیں اَور زیادہ بلند ہوجائیں گے۔ ہمارے نزدیک ایسے خطرناک رُجحانات کا سدِّباب سخت قسم کی مثبت پالیسی سے ہی کیا جا سکتا ہے گا ہے گا ہے اشک آور گیس استعمال کرنے سے نہیں۔ اگر سرِدست خاص قسم کے مُجرموں کو عدالت کے کٹہرے میں لیجانا اور معمول کے مطابق ان کے خلاف چارہ جوئی کرنا ممکن نہیں ہے تو متعلقہ تعزیری قوانین میں یقیناً ترمیم ہونی چاہیئے تعزیرات کا موجودہ مجموعہ برطانوی راج کی یادگار ہے اور ان ہی سے ہم کو ورثہ میں ملا ہے۔ اس میں سے بعض خطرناک جرائم کی سزا کا جنہوں نے بعد میں معیّن صورت اختیار کی ہے کوئی ذکر نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اس سے کسی کو اتفاق نہ ہوگا کہ ایسی تشدّد آمیز دھمکیاں جن کا مقصد دوسروں پر خاص قسم کے مذہبی یا سیاسی نظریات ٹھونسنا ہو یا دوسرے طبقۂ خیال کے لوگوں کو تحریر و تقریر اور تمدّنی میل جول کی آزادی سے محروم کرنا ہو جرائم کی فہرست میں شمار ہونی چاہئیں اور وہ لوگ جو اعلانیہ طور پر جُرم کا ارتکاب کئے بغیر بالواسطہ یا بلاواسطہ ایسی لاقانونیّت کو ہوا دیتے ہیں انہیں بھی ملزم گردانا چاہیئے۔ اگر موجودہ تعزیری قوانین میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ ان کے تحت ایسے لوگوں پر عدالت میں مقدمہ چلایا جا سکے تو جرائم کی ازسرِنَو وضاحت ہونی چاہیئے یا نئے جرائم کی تعیین عمل میں آنی چاہئے تاکہ عدالتیں ایسے مجرموں کو کیفرِکردار تک پہنچا سکیں۔ اس کام کے لئے ضروری نہیں کہ میکالے کو قبر سے نکال کر اسے پھر زندہ کیا جائے۔ خود اپنے ملک میں ایسے ماہر قانون دان موجود ہیں جو یہ کام بآسانی کر سکتے ہیں۔ ضرورت صرف اِس بات کی ہے کہ حکومت اس کام کو سرانجام دینے کا عزم کر لے۔ رہا جمہوری دَور سو اس کے لئے بھی حکومت اتنی بے بس نہیں ہے جتنا کہ اس کے بعض ترجمان اسے ظاہر کرتے ہیں۔

بعض مخصوص قسم کے مذہبی دیوانوں کے ہاتھوں پاکستان کو حال ہی میں مُہلک قسم کا جو نقصان پہنچا ہے ان میں سے ایک ملک کے نامور وزیرِخارجہ کے خلاف گند اچھالنے کی مہم ہے۔ حالانکہ جہاں تک بیرونی دُنیا میں پاکستان کی شہرت اور وقار کو چار چاند لگانے کا سوال ہے موجودہ قائدین میں سے کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ان کو بدنام کرنے کی مہم اگر عاقبت نااندیش مذہبی دیوانگی کی

پیداوار ہے تو یہ جذبہ قومی استحکام کے لئے اتنا ہی مُضر ہے جتنا کہ یہ خود اسلام کی اصل رُوح کے منافی ہے۔ ہمارے موجودہ مقاصد کے پیشِ نظر یہ قطعی غیر ضروری ہے کہ مذہبی مناقشات کا دروازہ کھولا جائے لیکن ہم پُورے انشراح کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان کے خلاف ہنگامہ برپا کرنے والے سیاسی اغراض کے تحت ایسا کر رہے ہیں اور مذہب کو محض روغنِ قاز کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے تاکہ ان کے اصل مقاصد پر پردہ پڑا رہے۔ کوئی ہوشمند پاکستانی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان کا کسی فرقہ سے تعلق ملک کی خارجہ پالیسی پر کوئی خفیف سے خفیف اثر بھی ڈال سکتا ہے۔ ہر شہری کو حق حاصل ہے کہ وہ حکومت کی خارجہ پالیسی یا اس کی خامیوں پر نکتہ چینی کرے اور اگرچہ خارجہ پالیسی اور اس کی جزئیات کی تمام تر ذمّہ داری مجموعی طور پر کابینہ پر عائد ہوتی ہے پھر بھی وزیرِ خارجہ کی حیثیت میں چوہدری محمد ظفر اللہ خان کو زیرِ تنقید لایا جا سکتا ہے لیکن ان کو بدنام کرنے والوں کا طرزِ عمل یہ نہیں ہے۔ وہ حملہ کرنے میں حدود سے تجاوز کر رہے ہیں۔ چوہدری صاحب کے اپنے خیالات خواہ کچھ ہی ہوں لیکن ہمیں امید ہے کہ یہ امر ان کے لئے موجبِ اطمینان ہو گا کہ ان کو بدنام کرنے والے اہلِ دانش کی نظر میں خود اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں مُنہ لگایا جائے۔ قوم ان لوگوں کے حق میں جو پُورے خلوص اور انہماک کے ساتھ اس کی خدمت کر رہے ہیں اتنی ناشکر گزار نہیں ہو سکتی کہ وہ معدودے چند رجعت پسندوں کی غوغہ آرائی سے گمراہ ہو جائے اور پھر ان گنے چُنے لوگوں کی غوغہ آرائی سے جو جہالت کے محدود و متعفن ماحول میں پھنسے ہوئے ہیں اور کنوئیں کے مینڈک کی طرح ساری کائنات کو اس تک ہی محدود سمجھتے ہیں۔" [1]

۴۔ اخبار "سندھ آبزرور" (۲۰ مئی ۱۹۵۲ء) میں حسبِ ذیل نوٹ شائع ہوا :۔

"جماعتِ احمدیہ کے جلسہ سے بہت سے اہم امور ہمارے سامنے آگئے ہیں جن کا فیصلہ عوام کے ذہنوں سے اُلجھن دُور کرنے اور ایسے واقعات کے سدِّباب کے لئے اسی وقت کرنا ضروری ہے۔ اس کی وجہ اس ضرورت سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ ہماری مجلسِ دستور ساز کی مقرر کردہ سب کمیٹی بنیادی اصول کی تدوین کر رہی ہے۔ لہٰذا یہ فیصلے اس رہنمائی کے لئے بہت ممد ثابت ہوں گے۔ سہولت کے لئے ان امور کو دو حصّوں میں منقسم کر دینا چاہیئے ایک وہ جو خاص اس واقعہ سے تعلق رکھتے ہیں

[1] روزنامہ "ڈان" کراچی مورخہ ۲۲ رمئی ۱۹۵۲ء (ترجمہ)

اور دوسرے جن کا اثر مستقبل پر پڑنے والا ہے۔ جہاں تک موجودہ حادثہ کا تعلق ہے دو نظریے ہمارے سامنے ہیں۔ جماعتِ احمدیہ کا دعویٰ ہے کہ قرار دادِ مقاصد کے مطابق (جس کی تشریح لیاقت علی مرحوم نے ۷۔ مارچ ۱۹۴۹ء کو کی) ان کو جلسے کرنے اور اپنے خیالات کے اظہار و اشاعت کا پورا حق حاصل ہے۔ یہ جلسہ حکامِ متعلقہ کی اجازت کے ساتھ خاص ہنڈال میں منعقد کیا گیا تھا۔ جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ احمدیوں کے خیالات سے ان کے جذبات مجروح ہوں گے وہ جلسہ میں شرکت کے لئے مجبور نہ تھے چنانچہ ہجوم کا متشددانہ رویہ قانون کی خلاف ورزی ہے لہذا ان کے خلاف موثر کارروائی ہونی چاہیئے۔ برعکس اس کے علماء کہتے ہیں کہ قادیانیوں کو اس قسم کے جلسہ کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہیئے تھی۔ قادیانیوں کے عقائد مسلمانوں کے عقائد کے خلاف ہیں اور ان کی اشاعت سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ جلسہ میں جو تقریریں کی گئیں وہ اشتعال انگیز تھیں۔ پولیس کا اقدام اس اشتعال انگیزی میں اضافہ کا باعث ثابت ہوا۔ چند قادیانیوں کے لئے سولہ لاکھ مسلمانوں کو قربان نہیں کیا جا سکتا۔ قادیانی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اس لئے ان کو اقلیت قرار دیا جائے۔ گرفتار شدگان نے چونکہ مشتعل ہو کر ہنگامہ برپا کیا اس لئے ان کو رہا کیا جائے۔ ان ہر دو قسم کے خیالات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنیادی طور پر ایک دوسرے سے مختلف اور ناقابلِ اتفاق ہیں۔ جہاں احمدی اپنے خیالات کو آزادانہ استعمال کرنے کو اپنا حق سمجھتے ہیں اور تشدد کرنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کو ضروری خیال کرتے ہیں وہاں دوسری طرف علماء کا یہ فتویٰ ہے کہ احمدیوں کو عام جلسے کرنے اور اپنے خیالات کے آزادانہ اظہار کا کوئی حق حاصل نہیں کیونکہ اس سے اکثریت کے جذبات مجروح ہوتے ہیں لہذا جنہوں نے ان کے جلسہ میں تشدد کیا ہے ان کو رہا کیا جائے۔ ان حالات میں حکومت کو یہ فیصلہ کرنا چاہیئے :۔

۱۔ کیا وہ فرقے اور مذاہب جو اکثریت کے خلاف عقائد رکھتے ہیں اس بات کے مجاز ہیں کہ وہ اپنے عقائد کی آزادانہ تبلیغ کریں خواہ اس سے اکثریت کے دل مجروح ہی کیوں نہ ہوں؟

۲۔ برعکس اس کے کیا اکثریت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اقلیت کے جذبات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے خیالات، معتقدات کی اشاعت کریں۔

۳۔ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے عقیدہ کو حکومت قانونی

حیثیت دے گی اور جو نہ مانے گا اُس کے خلاف تعزیری کارروائی کرے گی؟

۴۔ کیا حکومت کا مذہب اِسلام ہے اگر ایسا ہے تو وہ کس فرقہ سے اپنے آپ کو وابستہ اور کون سے فِقہ پر عمل کرے گی۔ کیا وہ کِسی خاص فرقہ اور فقہ کی تائید کرے گی ایسی صورت میں کیا مخالف فِقہ رکھنے والوں کو ریاست کے فِقہ کی آزادانہ مخالفت کرنے کا حق دیا جائے گا؟

۵۔ کیا حکومت ایسے معاملات میں اکثریّت کی اتّباع کرے گی یا اپنے خیالات کو خواہ وہ اکثریّت کے خیالات کے خلاف ہوں نافذ کرے گی؟

۶۔ مذہب کے معاملہ میں قراردادِ مقاصد کے تحت عطا کردہ حقوق کی کونسی حدود مقرر کی جائیں گی؟

۷۔ متنازعہ فیہ امور کے تصفیہ کے لئے کونسا ذریعہ مقرر کیا جائے گا؟

مندرجہ بالا امور کا فیصلہ صاف صاف ہونا چاہیئے اور لوگوں کے حقوقِ شہریّت کی حدود متعیّن کر دینی چاہیئے۔ تذبذب اور تامّل سے اور زیادہ اُلجھنیں پیدا ہوں گی جس سے بسا اوقات خود حکومت کی اپنی پوزیشن نازک ہو جائے گی۔ قراردادِ مقاصد اور لیاقت علی خاں صاحب مرحوم کے بیان میں صرف اجمالی طور پر ان اصولوں کا خاکہ کھینچا گیا ہے اور تفصیلات کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ وہ خلاء ہے جس سے یہ تمام تر اُلجھنیں پیدا ہو رہی ہیں جتنی جلدی اس خلاء کو پورا کر دیا جائے گا اتنا ہی ہماری مملکت کے لئے مفید ہوگا۔ بالآخر ہم پھر یہ تجویز کرتے ہیں کہ جہانگیر پارک میں جلسہ کے دوران میں جو ہنگامہ ہؤا اس کی پُوری پُوری تحقیقات کی جائے اور قانون کے مطابق جو بھی اس کا ذمّہ دار ہے خواہ وہ احمدی ہو یا غیر احمدی اس کے خلاف کارروائی کی جائے۔ ساتھ ہی جن لوگوں نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے ان پر عدالت میں مقدّمہ چلایا جائے اور اشتعال کے عذر کو عدالت کے فیصلے پر چھوڑا جائے۔

۵۔ "سِول اینڈ ملٹری گزٹ" کراچی کے ۱۹ مئی ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں "سیہ کاری" کے تحت ایک مقالہ افتتاحیہ شائع ہؤا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

(۱۷ مئی کو) ہفتہ کے روز ایک بے لگام ہجوم نے جہانگیر پارک میں احمدیوں کے جلسہ پر زبردست ہلّہ بول دیا اور مُنہ میں کف لا لا کر چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کے خلاف نعرے لگائے۔ ان کے اس طرزِ عمل نے ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے کہ مذہبی تعصّب کا مکروہ جذبہ جو ذہنی

اور رُوحانی آزادی کے حق میں زہر کا درجہ رکھتا ہے ظلم روا رکھنے میں کیا کچھ گُل نہیں کھِلا سکتا۔ ظاہر ہے کہ ہجوم نے تشدّد اور غنڈہ گردی کا مظاہرہ اِس لئے کیا کہ وہ بعض مخصوص رُوحانی اور اخلاقی نظریات کے پبلک اظہار اور خارجہ پالیسی کے مزعومہ نقائص کے خلاف احتجاج کرنا چاہتے تھے حالانکہ جہاں تک خارجہ پالیسی کا تعلّق ہے ہمیں صفِ اوّل کی چند نامور ہستیوں میں سے ایک ہستی کی راہنمائی اور نگرانی حاصل ہے جس کو بجا طور پر ایشیا بھر میں علم و دانش اور فہم و فراست کا مظہر قرار دیا جا سکتا ہے۔

اِس سر پھرے ہجوم نے یہ نعرے بلند کئے کہ "قادیانی برطانیہ کے ایجنٹ ہیں" "ظفر اللہ کو وزارتِ خارجہ سے الگ کر دو" اور ساتھ ہی پُرامن جلسہ پر پتھراؤ بھی کیا۔ ان کی یہ نعرہ بازی اور شورہ پُشتی ان کے اس خوفناک رُجحان کو بے نقاب کر رہی تھی کہ وہ لوگوں کو اتنی بھی آزادی دینے کے روادار نہیں ہیں کہ وہ مظاہرین کے مخصوص عقائد و نظریات کے سوا کوئی اور عقیدہ یا نظریہ اختیار کر سکیں ہمیں احمدیت یا کسی دوسرے فرقے کے مذہبی معتقدات کے متعلق بحث کی ضرورت نہیں۔ البتہ مسلّمہ طور پر ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جلسوں وغیرہ کے ذریعہ اپنے مخصوص مذہبی عقائد و نظریات کی تبلیغ کر سکے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مُلّائیت ہر قسم کی انفرادی اور اجتماعی آزادی کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے پر کمربستہ ہو چکی ہے اور اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اس نے ضروری خیال کیا ہے کہ پُوری طرح مسلّح ہو کر علی الاعلان میدان میں نکل آئے۔ ہمارے مُلک میں مُلّا اِزم کا فریب ان لوگوں پر بآسانی چل جاتا ہے جو احیائے دین کے تو دِل سے حامی ہیں لیکن ان کے ذہنوں میں اس کی ماہیّت اور اہمیّت کا صرف ایک مُبہم سا تصوّر ہے۔ جہاں تک اس کے مالہ و ماعلیہ کا تعلق ہے مذہبی تعصّب نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی ہے اور وہ اس کے صحیح جذبات سے بالکل عاری ہیں۔ ایک جمہوری حکومت شخصی آزادی کی اِس حد تک اجازت نہیں دے سکتی کہ لوگ فساد برپا کر کے فرقہ وارانہ امن کو خاک میں ملا کر رکھ دیں۔ حکومت کے قیام کی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ وہ امن کو برقرار رکھے۔ بالخصوص وہ اِس ذمّہ داری کو تو کبھی فراموش کر ہی نہیں سکتی کہ وہ مذہبی اور سیاسی اعتبار سے ہر طبقۂ خیال کے لوگوں میں اعتماد پیدا کرے کہ وہ اپنے خیالات کا پُوری آزادی

اور بے باکی سے اظہار کرسکتے ہیں اور ایسا کرلیے ہیں انہیں تشدد آمیز دھمکیوں اور مظاہروں کے خلاف قانون کی پوری پوری حمایت حاصل ہوگی۔ جمہوری خیالات کی صحت مند نشوونما کے لئے ضروری ہے کہ قانوناً شخصی آزادی کی حدود و تعیّن کردی جائیں اور باقاعدہ ان کی وضاحت کرکے ہر قسم کا اوہام دُور کردیا جائے۔

شخصی آزادی کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جاسکتا کہ انسان اپنے نظریات اور رُجحانات کو دوسروں پر بالجبر ٹھونسنے کی کوشش کرے کسی کو بدگوئی اور تذلیل و تحقیر کی اجازت دینا جمہوری آزادی کے یکسر منافی ہے۔ اِس سے جہاں دوسروں کی آزادی میں رخنہ پڑتا ہے وہاں جماعتی تحفظ اور مفادِ عامہ کو بھی سخت نقصان پہنچتا ہے۔

مظاہرین نے ایک ایسی ہستی کو ہدفِ ملامت بنایا جو ان اسلامی نظریات پر صدقِ دل سے ایمان رکھنے میں کسی دوسرے سے پیچھے نہیں ہے جن کا یہ مظاہرین خود اپنے آپ کو علمبردار سمجھتے ہیں اور پھر اسے شاندار قومی و ملّی خدمات کی وجہ سے بیرونی دُنیا میں بھی عزّت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے ایسی قابلِ قدر شخصیّت کے خلاف بدگوئی سے کام لے کر احسان فراموشی کا انتہائی شرمناک مظاہرہ کیا۔ چوہدری محمد ظفراللہ خاں نے جو اس وقت اقوامِ عالم میں دُنیائے اِسلام کے عظیم ترین سیاستدان تسلیم کئے جاتے ہیں پاکستان کی خدمت بجا لانے میں حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اقوامِ متحدہ کے سامنے ملک کا معاملہ پیش کرنے کا سوال ہو یا مسلمان قوموں کے نظریات و مقاصد کو فروغ دینے کا مسئلہ امنِ عالم کے قیام کا تذکرہ ہو یا دُنیا کی پسماندہ قوموں کے حقِ خود اختیاری کی تائید کا ذکر بہرحال جس اعتبار سے بھی دیکھا جائے انہوں نے پاکستان کی عظمت و وقار میں وہ گرانقدر اضافہ کیا ہے کہ جس کی مثال ملنی محال ہے۔

چوہدری محمد ظفراللہ خاں ان نادرِ روزگار مدبّرین میں سے ایک ہیں جن کی سیاسی پیش بینیوں میں رُوحانی بصیرت کا عنصر نمایاں طور پر غالب نظر آتا ہے۔ ایمان و یقین اور باطنی پاکیزگی کے باہمی امتزاج نے ان کے ضمیر اور قول و فعل میں کامل مطابقت پیدا کردی ہے وہ موجودہ وقت کے اُلجھے ہوئے سیاسی مسائل کو مذہبی عرفان کی مدد سے حل کرتے ہیں لیکن ان کی باطنی معرفت اور رُوحانی بصیرت نام نہاد صوفیاء کی کرامات اور فاسد قسم کے مذہبی جنون سے یکسر پاک ہے

تاریخ کے گہرے مطالعہ اور دُور بینی کی خدا داد صلاحیت نے ان کے نقطۂ نظر میں ایسا توازن پیدا کر دیا ہے جو بلاشبہ کمال کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔

ایک ایسا شخص جس کی باطنی تربیت کا معیار بے حد بلند ہو جس میں عجز و انکسار کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا ہو جس کی حُبّ الوطنی اور جس کا جذبۂ وفاداری حد درجہ پختہ اور مستحکم ہو اور جو کمال خاموشی سے تعمیرِ ملّت میں ہمہ تن مصروف ہو ایسے شخص کے لئے دِل میں محبّت و اخلاص اور احسان مندی کے گہرے جذبات کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس پر "برطانیہ کا پٹھّو" ہونے کا الزام لگانا حق و صداقت کا خون نہیں تو اور کیا ہے۔ (اس کے سوا کیا کہا جائے کہ) اِس الزام تراشی کا کوئی فاسد اور بدنما دماغ ہی مرتکب ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا واجب التّعظیم شخص بھی حاسدوں کے جھوٹے پراپیگنڈے کی زد سے محفوظ نہیں رہ سکتا تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ پُرہول صُورتِ حال اِس دَور میں انسانی سیہ کاری کی انتہائی پست حالت پر دلالت کرتی ہے"

۶۔ اخبار "نئی روشنی" نے اپنی ۲۵ مئی ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"۱۷ مئی اور ۱۸ مئی کو کراچی میں فرقہ احمدی کے جلسے منعقد ہوئے۔ ان جلسوں میں جو ناخوشگوار واقعات پیش آئے اِس قدر شرمناک ہیں کہ کوئی شخص تردید کی جُرأت نہیں کر سکتا۔

فرقہ احمدیہ آج سے تیس برسوں سے اس برّصغیر ہند و پاکستان میں موجود ہے اور اِس فرقہ کے عالَمِ وجود میں آنے سے لے کر آج تک سینکڑوں مناظرے احمدیوں اور عام مسلمانوں کے درمیان ہوئے۔ اختلافات پیدا ہوئے۔ سوال و جواب کے سلسلے جاری ہوئے لیکن کوئی غیر سنجیدہ اور تکلیف دِہ قسم کا حادثہ پیش نہیں آیا بلکہ ہر موقعہ پر ضبط و نظم کا خیال رکھا گیا اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

احمدیوں کے متذکرہ جلسہ سے کچھ ہی دن قبل رام باغ میں ختمِ نبوّت کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں فرقہ احمدیہ کے خلاف انتہائی زہر افشانی کی گئی تھی مگر ان جلسوں میں کسی قسم کا کوئی ہنگامہ نہیں ہوا حالانکہ اگر وہ چاہتے تو جلسہ کا نظم و نسق برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا جس کے معنی یہ ہوئے کہ احمدیوں نے انتہائی صبر و سکون کے ساتھ جلسہ کی کارروائیوں کو جاری رہنے دیا۔ کوشش یہ کی کہ اُن کا کوئی فرد اس میں شریک نہ ہو اور اگر شریک ہو بھی تو نہایت صبر و سکون کے ساتھ جلسہ

کی کارروائی کو سننے۔ اس کے برعکس احمدیوں کے جلسہ میں چند شر پسند عناصر نے مجمع کو اکٹھا کر کے ایسے غیر قانونی ذرائع استعمال کرنے کی کوشش کی جو انتہائی شرمناک تصور ہوتے ہیں۔ ہم ان حضرات سے براہِ راست مخاطب ہو کر یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر ان میں مخالفانہ نظریات کو سننے کی جرأت نہیں تھی تو وہ جلسہ گاہ میں شرکت کی غرض سے گئے کیوں؟ اور یہ کہ کیا اختلافات کو مٹانے اور اپنے نظریات کو سمجھانے کا یہی طریقہ کار رہ گیا ہے؟ کہ شہر میں بد امنی پھیلا دی جائے اور دکانوں اور ہوٹلوں کو آگ لگا دی جائے؟

اس ہنگامہ میں شیراز ریسٹورنٹ، احمدیہ فرنیچر مارٹ اور شاہنواز لمیٹڈ کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔ یہ سمجھ کر کہ یہ سارے ادارے احمدیوں کی ملکیت ہیں ان اداروں کو آگ لگا کر عام مسلمانوں نے جس غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔

اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ حرکت پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کی گئی ہے اور ہم وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس میں کسی کا ہاتھ ہے یا عوام نے خود ایسا کیا ہے لیکن صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ جو کچھ ہوا نہایت غیر ذمہ دارانہ ہے۔ ہمیں عوام کے جذبات کا احترام ہے لیکن ہم کسی ایسی حرکت کی اجازت نہیں دے سکتے جس سے پاکستان کا امن خطرے میں پڑے اور نہ ہی ہمیں یہ توقع رکھنا چاہیئے کہ کوئی پاکستانی پاکستان میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔

اس ناخوشگوار واقعہ سے کوئی اور نتیجہ برآمد ہو یا نہ ہو۔ یہ تلخ حقیقت ضرور سامنے آتی ہے کہ کراچی میں ایک بھی ایسی شخصیت نہیں ہے جو عوام کو ایسے موقعوں پر صحیح راہ دکھا سکے۔ کراچی میں عوام کے محبوب قائدین کا کال شہیدِ ملت کی یاد کو اور تازہ کر رہا ہے ہمیں یقین ہے کہ آج قائدِ ملت لیاقت علی خاں زندہ ہوتے تو پولیس کو اشک آور گیس اور لاٹھی چارج کرنے کی ضرورت نہ پڑتی ان کا صرف ایک جملہ عوام کے مشتعل جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کافی ہوتا بلکہ ہم اس قدر کہنے کے لئے تیار ہیں کہ ان کی موجودگی میں ایسا واقعہ سرے سے رُونما ہی نہ ہو سکتا تھا لیکن بدقسمتی سے وہ ہمارے درمیان سے دانستہ طور پر ہٹا دئے گئے جن کے بعد ایسا واقعہ پیش آگیا اور وہ بھی پاکستان کے دارالخلافہ میں جس کے متعلق یہ اندیشہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ آگ کہیں دوسرے شہروں میں نہ پہنچ جائے اِس لئے کہ جو چیز مرکز سے شروع ہوتی ہے وہ دوسرے شہروں میں ضرور پھلنے پھولنے

کے مواقع تلاش کرتی ہے۔

ہمیں سب سے زیادہ حیرت تو اس امر پر ہے کہ مرکزی وزراء میں سے کسی نے اس واقعہ سے دلچسپی نہیں لی۔ یقیناً مرکزی کابینہ میں ایک دو شخصیتیں ایسی بھی موجود ہیں جن کی قدر و منزلت عوام کی نظر میں بے انتہا ہے اور جن کو عوام کا اعلیٰ ترین اعتماد حاصل ہے۔ اگر اس وقت مسلم لیگ زندہ ہوتی اور سرکاری جماعت نہ بن چکی ہوتی تو ایسے موقعوں پر صدر مسلم لیگ کے فرائض نہایت اہم۔ مسلم لیگ کے پرانے کارکن۔ آج اگر میدانِ عمل میں ہوتے تو یقیناً پاکستان کی اس قدر بے عزتی نہ ہوتی۔ افسوس کہ علماءِ اسلام بھی اپنے گھروں میں بیٹھے رہے بلکہ ہم تو اس خیال کے حامی ہیں کہ اس واقعہ نے مذہبِ اسلام کو بدنام کیا ہے کیونکہ آج عام مسلمانوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ کسی اختلافی نظریہ کو سننے کی اہلیت نہیں رکھتے اور مخالفین کے لئے کیچڑ اچھالنے کا موقعہ فراہم کر دیا گیا ہے۔ کیا ہم اپنی حکومت سے توقع رکھیں کہ وہ اس ناخوشگوار واقعہ کے سلسلہ میں نہایت سخت اقدام سے بھی گریز نہیں کرے گی؟ اور اس فتنہ کے اٹھانے والوں کو انتہائی عبرتناک سزائیں دے کر ملک میں اس آگ کو پھیلنے سے روک دے گی۔ ہمیں خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان سے قوی توقع ہے کہ وہ اس شر کو کچلنے کے لئے ہر ذریعہ استعمال کریں گے اور ان "مولویوں" کے فتنہ کا قلع قمع کر دیں گے جنہوں نے غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کو آپس میں لڑوا کر مسلم خون کی ارزانی کا ثبوت دیا تھا۔ اگر پاکستان میں غیر مسلم ہندوستان کی فرقہ وارانہ روایات کو دہرایا گیا تو ہمارا دعویٰ ہے کہ پاکستان تباہ ہو جائے گا۔

عام مسلمانوں کو ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے ان کو سوچنا چاہیئے کہ جن شرپسندوں نے یہ حرکت کی ہے کیا انہوں نے احمدیت کے قلع قمع کرنے کا یہ صحیح راستہ اختیار کیا ہے۔ کہاں ہیں مفتی محمد شفیع صاحب؟ کدھر ہیں سید سلیمان ندوی، مولانا احتشام الحق اور صدر پاکستان مسلم لیگ کہاں ہیں؟ یہ سب کیوں نہیں اس موقعہ پر پہنچے؟ اور کہاں ہیں کراچی مسلم لیگ کی صدارت کے امیدوار۔ اگر یہ سوچی سمجھی تجویز اور پروگرام نہیں ہے تو برانگیختہ مسلمانوں کو کیوں نہیں سمجھایا گیا کیا اس عوامی حکومت کے پاس گیس مارنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ تھا۔ شرپسندوں کو سمجھانے کی ضرورت تھی اگر ان کو کوئی عوامی شخصیت سمجھانے والی ہوتی تو یہ ہنگامہ اس قدر شدید

صورت اختیار نہ کرتا۔ ہم ان افراد کی جنہوں نے اس میں حصّہ لیا ہے یا جنہوں نے اس کا پروگرام بنایا ہے سخت مذمّت کرتے ہیں۔"

۷۔ ہفت روزہ "پیامِ مشرق" (۸۔جون ۱۹۵۲ء) نے لکھا:۔

"پاکستان کا باشعور طبقہ بہت عرصہ سے یہ سوچ رہا ہے کہ مملکتِ اسلامیہ دولتِ خداداد پاکستان کا کیا مفہوم ہے اور اسلامی حکومت کا نعرہ کمزور حکومت کے ایوانوں میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ کیا اسلامی حکومت سے مُراد ایک ایسا نظام ہے جہاں صرف مولانا بدایونی ہی شہریت کے پُورے حقوق کے ساتھ زندہ رہ سکتے ہیں یا قراردادِ مقاصد کی چھاؤں میں سوامی کلجگانند بھی پاکستان کے شہری ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟

آج پانچ سال کے بعد یہ سوال اِس وجہ سے اَور زیادہ اہمیّت اختیار کر گیا ہے کہ شُہرت و اقتدار کے بھوکے پاکستان کے نام نہاد مُلّا اور مولوی پاکستان کی سالمیت کے لئے ایک مُستقل خطرہ بن کر اس کے سامنے آ گئے ہیں اور آج ہی ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اِس اجتماعی قومیّت کو باقی رکھنے کے لئے ہمارا آئندہ قدم کیا ہونا چاہیئے۔

احمدیہ عقائد سے ہمیں شدید اختلاف ہے اور ہم کبھی بھی ان کے ہمنوا نہیں ہو سکتے لیکن پچھلے دِنوں جہانگیر پارک کراچی میں سالانہ کانفرنس میں شر پسند عناصر نے اسلامی حکومت کا نام لے کر جس طرح قراردادِ مقاصد کو ننگا کیا ہے ساری دُنیا کے جمہوریّت پسند انسانوں کی نگاہ میں اسلام ایک متعصب مُلّا کا ایک پُر فریب سیاسی عقیدہ بن کر رہ گیا ہے۔

اِسلام دُنیا کے ہر انسان کے لئے امن اور خوشحالی کا پیغام لے کر آیا تھا۔ پاکستان کے ان تنگ نظر اور مفاد پرست مُلّاؤں نے اس مقدّس تعلیم کو محض کارخانوں اور وزارتوں کی ہوس میں بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا ہے۔ ۲۔جون ۱۹۵۲ء کو "آل مسلم پارٹیز کنونشن" کے نام سے تھیاسوفیکل ہال کراچی میں علماء کرام کا ایک جلسہ منعقد ہوُا۔ کارکنانِ جلسہ میں بہت سے ایسے علماء کے نام بھی درج ہیں جن کی مذہبی خدمات آج کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں اور برِّ صغیر پاک و ہند کا ہر مسلمان ان کا ذکر آنے پر عقیدت سے سر جھکا دیتا ہے۔ ہم ان کے تقدّس اور علمیّت کا پُورا احترام کرتے ہوئے ان سے یہ دریافت کرنے کی جُرأت ضرور کریں گے کہ احمدیوں کے مذہبی

عقائد کچھ بھی ہوں لیکن وہ پاکستان کے آزاد شہری ہیں یا نہیں؟

اگر اسلامی جمہوریت کے اُصولوں کے تحت ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو فتح مکّہ کے بعد مکّہ کی آزاد شہریت فراخ دلی سے بخشی جاسکتی ہے تو احمدیہ عقائد کے پیرو تو پھر بھی خدائے واحد کی پرستش کرتے ہیں۔ ویسے وہ بھی اگر سر ظفر اللہ کی سُرخ ٹوپی کو نعوذ باللہ خدا مان لیں تو بھی پاکستان دُنیا کے نقشہ پر کعبہ بن کر نہیں بلکہ ایک آزاد جمہوریت بن کر اُبھرا ہے۔

کسی پاکستان کے ٹھیکیدار یا مذہب کے رکھوالے کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ان کو محض احمدی ہونے کی بناء پر پاکستان کا غدّار قرار دیدے۔ پاکستان کے اصل غدّار لمبی عبائیں قبائیں پہنے ہوئے وہ دشمنِ اسلام افراد ہیں جو لاکھوں پاکستانی شہریوں میں پاکستان کے خلاف نفرت پیدا کرکے انہیں پانچویں کالم والوں کی ایک بڑی فوج بنا دینا چاہتے ہیں۔

آل مسلم پارٹیز کنونشن نے ایک قرارداد کے ذریعہ مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان ممالک اسلامیہ اور کشمیر کے مُفادات کے پیشِ نظر وزیر خارجہ سر ظفر اللہ کو کابینہ سے فوری علیحدہ کر دیا جائے کیونکہ وہ پاکستان اور ہندوستان کو دوبارہ اکٹھا بنانے پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

کیوں نہیں قائدِ اعظم یا قائدِ ملّت کی زندگی میں یہ اعتراض اُٹھایا گیا کہ تمہارا انتخاب غلط ہے اور وزیر خارجہ کی وفاداری مشکوک ہے؟ شاید وجہ یہ ہو کہ ان قائدین کے آہنی ہاتھوں کا شکنجہ مضبوط اور ایک مولانا چند ماہ جیل میں رہ کر اور انتہائی گریہ وزاری کے بعد معافی مانگ کر یہ سمجھ چکے تھے کہ بین الاقوامی سیاست اور ملّائی ذہنیت میں زمین آسمان کا فرق ہے لیکن آنریبل خواجہ ناظم الدین کی اس وزارت میں جہاں عوام کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے، انہیں بدامنی کی تلقین کرنے اور امن کی بحالی پر پولیس کے رویّہ پر قراردادِ مذمّت منظور کرنے والے شر پسندوں کو پاکستانی دشمن کے الزام میں گرفتار نہیں کیا جاتا وہاں قائدِ اعظم کے زمانہ کا زمین و آسمان والا فرق خود بخود ایک سراب میں تبدیل ہو جانا چاہیئے تھا چنانچہ آل مسلم پارٹیز کنونشن کی ساری قراردادیں اس سراب کے پس منظر ہی پر پیش کی گئیں اور اگر حکومت کو اب بھی ہوش نہ آیا تو ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے اور خود مستفید ہونے کے لئے یہ نام نہاد علماء ایک اتنا بڑا ہنگامہ شروع کرا دیں گے کہ پولیس کے اشک آور گیس کے گولے بھی کوئی مدد نہ کریں گے۔

پاکستان دشمن مُلّاؤں کی نظر میں سر محمد ظفر اللہ اور احمدیہ فرقہ کے لاتعداد پیرو محض اِس وجہ سے پاکستان کے غدّار قرار دیئے گئے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت پر یقین نہیں رکھتے احمدیہ فرقہ کے مذہبی عقائد سے پاکستان کی ایک بڑی اکثریّت کو اختلاف ہے لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ ہم اعلان کر دیں کہ وہ تمام فرقے جو ہمارے مذہبی عقائد کو تسلیم نہیں کرتے قابلِ گردن زدنی ہیں اور ان پر کسی طرح اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

کل یہ اعتراض بھی ہو سکتا ہے کہ شیعہ فرقہ کے مذہبی عقائد سے پاکستان کی ایک بڑی اکثریّت کو اختلاف ہے لہذا ان کے کسی آدمی کو پاکستان کا کوئی اہم عہدہ نہیں دیا جا سکتا۔ اِسی طرح آغا خانی، مہدوی، ذِکری، ہندو، عیسائی، پارسی اور وہ تمام لوگ جو اپنی اجتماعی جدّ و جہد اور پُوری توانائی سے پاکستانی قومیّت کی تخلیق کر رہے ہیں پاکستان کے غدّار قرار دئے جا سکتے ہیں۔ ہم حکومت سے پُر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ قبل اِس کے کہ تعصّب کی یہ آگ بھڑک کر اپنے ہی گھر کو جلا ڈالے اس کے خلاف سخت انسدادی تدابیر اختیار کی جائیں۔

سر چوہدری محمد ظفر اللہ وزیر خارجہ پاکستان کے خلاف عام طور پر انگریز نوازی کا الزام بھی عائد کیا جاتا ہے ہمیں انتہائی افسوس ہے کہ ہمارا پڑھا لکھا نوجوان طبقہ کابینہ سے چوہدری سر ظفر اللہ کی علیحدگی کا پُر زور مطالبہ کر کے یہ سمجھ لیتا ہے کہ سر ظفر اللہ کی علیحدگی سے انگریز نوازی ختم ہو جائے گی۔

سر ظفر اللہ کی خارجہ پالیسی خواجہ ناظم الدین اور ان کی کابینہ کی خارجہ پالیسی ہے۔ مرکزی حکومت جس حکمتِ عملی کا تعیّن کرتی ہے وزیر خارجہ پاکستان ان بُنیادوں پر اپنی تقاریر کا خاکہ تیار کرتے ہیں۔

یہ تو انتہائی بچپن ہوگا کہ ہم سامنے کی چیزوں کو دیکھ کر بھڑک اُٹھیں اور ان اندرُونی دھاروں سے چشم پوشی اختیار کریں جو ان حالات کی اصل ذمّہ دار ہیں۔

۷۔ ہفت روزہ "شیراز" (۲۶ رمئی ۱۹۵۲ء) نے زیرِ عنوان "کراچی کا ہنگامہ" لکھا:۔

" قادیانی جماعت کے سالانہ اجتماعات کے موقع پر کراچی میں جو ہنگامہ ہوا ہے اس نے ایک مرتبہ پھر اِس حقیقت کو واضح کر دیا کہ جب تک تنگ نظر متعصّب مذہبی باغیوں کو ڈھیل دی جاتی

رہے گی پاکستان کی سالمیت خطرے میں رہے گی۔ کراچی کے بعض علمائے اسلام کا بیان ہے کہ اس ہنگامہ کا سبب قادیانی جماعت کی دل آزار اور اشتعال انگیز تقریریں تھیں۔ اور مسٹر ابوطالب نقوی چیف کمشنر کا اعلان یہ ہے کہ ہنگامہ ایک منظّم سازش کے ماتحت کرایا گیا۔ اور اگر پولیس کی پوری طاقت استعمال نہ کی جاتی تو خدا جانے قادیانیوں کے خلاف یہ گڑبڑ کیا رُخ اختیار کرتی؟ نقوی صاحب نے اپنے بیان میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس ہنگامہ کی وسعت اور اس کے پس منظر کی طرف اشارے کئے ہیں چیف کمشنر کے وضاحتی بیان کی تردید مفتی محمد شفیع، مولانا احتشام الحق، مفتی جعفر حسین (رکن پارلیمنٹ) اور مولانا لال حسین اختر نے کی ہے اور اشتعال انگیزی کا سرچشمہ قادیانی جماعت کے مقرروں بلکہ خود چوہدری سر محمد ظفر اللہ صاحب کو قرار دیا ہے۔ ان متضاد بیانات کی موجودگی میں بیک وقت کسی قطعی نتیجہ تک پہنچنا مشکل ہے تاہم اگر سنجیدگی اور احتیاط کے ساتھ صورتِ حالات کا تجزیہ کیا جائے تو چند "واضح حقائق" تک پہنچنا چنداں مشکل نہیں رہتا۔ بھلا اس بات سے کون واقف نہیں کہ پورے پاکستان میں قادیانی جماعت کی تعداد چند لاکھ (شاید یہ اندازہ بھی زیادہ ہے) سے زیادہ نہیں۔ اور اس قلیل تعداد کو ہمیشہ ایک عظیم ترین مخالفت سے دوچار رہنا پڑتا ہے مرزا غلام احمد صاحب کے متعلق قادیانیوں کے کیا عقائد ہیں؟ وہ ان کی مجدّدیت کے قائل ہیں یا نبوّت کے؟ وہ ختمِ رسالت کے عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں یا نہیں؟ یہ تمام مباحث علمی اور تحقیقی نوعیت رکھتے ہیں اور یہ منصب علماء کا ہے کہ وہ ان عقائد کی تردید اور اصلاح کریں۔ اور جو گمراہ لوگ ختمِ رسالت کے عقیدے میں متذبذب ہیں ان کو راہِ راست پر لائیں لیکن یہ بحث و مباحثہ مناظرہ و مکالمہ کی حدود تک رہنا چاہیئے۔ بے شک جو شخص "ختمِ رسالت" کے عقیدے کو نہ مانے وہ مسلمان نہیں۔ اس باب میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں لیکن قادیانی اپنی صفائی میں کیا کہتے ہیں ہمارا فرض ہے کہ تحمّل کے ساتھ اُسے سنیں اور جہاں جہاں انہیں اعتقادی طور پر غلط پائیں نرمی کے ساتھ متنبّہ اور محبّت کے ساتھ خبردار کریں۔ یہ تو ہے اصلاحِ نفوس اور امر بالمعروف کا وہ طریقہ جو اسلام نے تسلیم کیا ہے اور قرآنِ مجید میں بار بار اس کا اعادہ کیا گیا ہے رغنڈہ گردی اور جہالت کا راستہ یہ ہے کہ لاٹھیاں لے کر مخالف عقیدہ رکھنے والوں پر دھاوا بول دیا جائے اور ڈنڈے کے زور سے انکی اِصلاح کی جائے۔ افسوس یہ ہے کہ بعض حلقوں نے قادیانیوں کی اصلاح کے لئے یہی دوسرا راستہ

اختیار کر رکھا ہے جس کے نتائج "جہانگیر پارک" کے جلسے میں ظاہر ہو گئے۔ ہم ہرگز اس الزام کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ قادیانیوں کے جلسہ میں اشتعال انگیزی کی گئی۔ مولانا احتشام الحق صاحب اور ان کے دوسرے رُفقاء نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ "سو ڈیڑھ سو قادیانیوں کی خوشنودی کے لئے کراچی کے سولہ لاکھ باشندوں کو کچلا نہیں جا سکتا"۔ اِس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اِس جلسہ میں قادیانیوں کی تعداد سو ڈیڑھ سو سے زائد نہ تھی۔ انصاف کیجئے کہ مخالفت کے ایسے عظیم طوفان میں مٹھی بھر انسانوں کو اشتعال انگیزی اور بدزبانی کی جرأت ہو سکتی ہے؟ نہیں یہ الزام کوئی شخص تسلیم نہیں کر سکتا۔ اِس سلسلہ میں چیف کمشنر نے جو وضاحت کی ہے صرف وہی قابلِ تسلیم ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ کافی عرصہ سے قادیانیوں کے خلاف وسیع پیمانے پر اشتعال انگیزی کی جا رہی ہے اور اِس پُرجوش مخالفت کے سبب پنجاب میں کہیں کہیں چند ناخوشگوار حوادث بھی پیش آئے۔ چند ماہ قبل کراچی میں اینٹی قادیانی اجتماعات ہوئے تھے انہوں نے بھی مخالفانہ احساسات کو کافی بھڑکایا، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام کے ایک مشتعل ہجوم نے پولیس سے مڈبھیڑ کے بعد شیزان ریسٹورنٹ، احمدیہ فرنیچر سٹور، احمدیہ لائبریری اور بعض دوسرے ایسے اداروں کو جن کے متعلق احمدی ملکیّت ہونے کا شبہ تھا آگ لگانے کی کوشش کی اور اگر کراچی ایڈمنسٹریشن اِس موقع پر غیر معمولی احتیاطی تدابیر نہ اختیار کرتا اور پولیس وسیع پیمانے پر حرکت میں نہ لائی جاتی تو خدا جانے کراچی میں کیا کیا مناظر دیکھنے میں آتے۔ ہم ایک طرف تو حضرت علماء کرام کے روشن خیال طبقہ سے درخواست کریں گے کہ وہ خدا تعالیٰ اور رسولؐ کے لئے میدان میں آئیں اور جاہلوں کو موقع نہ دیں کہ وہ دس لاکھ انسانوں کے خون سے خریدی ہوئی اس گراں مایہ مملکت کے اتّحاد، سالمیّت اور آزادی کو خطرہ میں ڈال دیں اور دوسری طرف حکومتِ پاکستان سے اصرار کریں گے کہ "مذہبی اشتعال انگیزی" کے مقابل اس کا رویّہ اَب تک تحمّل اور نرمی کا رہا ہے۔ یہ رویّہ ایک دن پوری قوم کو خطرے میں ڈال دے گا۔ جہاں تک قادیانیوں کا تعلق ہے ہم اِس کے حامی ہیں کہ ان کے عقائد کی تردید مؤثر طور پر کی جانی چاہیئے اِس کا طریقہ یہ ہے کہ علماءِ اسلام تحقیق و علم کے میدان میں ان کا مقابلہ کریں لیکن یہ غنڈہ گردی، یہ بلوے، یہ اشتعال انگیزیاں! ہمیں صاف لفظوں میں اعلان کرنا چاہیئے کہ پاکستان میں مذہبی مخالفت پر لاٹھیاں برسانے والوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے"۔

(۷) "شیراز" نے علماء کنونشن کے مطالبات پر حسبِ ذیل رائے کا اظہار کیا:۔

"کراچی میں "علمائے کرام" اور "مفتیانِ عظام" کے ایک کنونشن نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"چونکہ سر محمد ظفر اللہ قادیانی ہیں اور قادیانیوں کو پاکستان سے کوئی دلچسپی اور ہمدردی نہیں ہو سکتی اس لئے انہیں پاکستان کی وزارتِ خارجہ کے عہدے سے الگ کر دیا جائے اور قادیانیوں کو پاکستان میں ایک "مذہبی اقلیت" قرار دے دیا جائے"!

حضرات علمائے کرام نے جس بناء پر چوہدری صاحب کی "برخواستگی" کا مطالبہ کیا ہے ہم اس بنیاد کو پاکستان کی سالمیت، خوشحالی، ترقی اور اتحاد کے لئے زہرِ قاتل سمجھتے ہیں۔ اِس سلسلہ میں ہماری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ ہمارے واجب الاحترام علماء نے اِس کنونشن میں جو مطالبہ کیا ہے وہ ملک اور ملت کے لئے سخت تباہ کن ہے۔ "قادیانیت" کو "پاکستانیت" کا حریف اور ہر قادیانی کو اینٹی پاکستان قرار دینا ایک ایسی پالیسی ہے جس سے کوئی باشعور پاکستانی اتفاق نہیں کر سکتا۔ اِس موقع پر جبکہ ابھی ہم اپنے قومی وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ایک شدید جنگ لڑ رہے ہیں مذہبی بنیادوں پر ایک اِس قسم کے ہنگامے گرم کرنا اور سیاسیات کو خواہ مخواہ فرقہ پرستی کی عینک سے دیکھنا گویا اجتماعی خودکشی کا سامان فراہم کرنا ہے۔ ہم اِس ملک کے سمجھدار طبقے سے درخواست کریں گے کہ وہ میدان میں آئے اور بغیر کسی توقف اور تامل کے اِس قسم کے مضحکہ انگیز مطالبوں کے خلاف اپنی آواز بلند کرے۔ حکومت کو بھی زیادہ عرصہ تک اِس سلسلہ میں "مجہول پالیسی" اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اس کا فرض ہے کہ اَور کسی سبب سے نہیں تو اپنے وزیرِ خارجہ کی پوزیشن کے تحفظ ہی کے لئے حرکت میں آئے اور ان مدعیانِ دین سے صاف الفاظ میں کہہ دے کہ تم فقہی تاویلات کی بناء پر مسلمانوں کو کافر یا مومن بناتے رہو لیکن تمہیں یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ تم پوری قوم کے مفادات سے (اِس قسم کے مطالبات کر کے) کھیلو"۔ [1]

۸۔ ہفت روزہ "تارا" (۲۶ رجون ۱۹۵۲ء) نے علماء کی کنونشن کی نسبت لکھا:۔

"کراچی میں حال میں "مفتیانِ عظام" اور علماءِ کرام کا ایک عظیم الشان کنونشن ہوا اور حکومت

---

[1] ہفت روزہ "شیراز" کراچی ۱۵ رجون ۱۹۵۲ء

سے مطالبہ کیا گیا کہ (خلاصہ یہ ہے)

"چونکہ سر ظفر اللہ قادیانی ہیں اور قادیانیوں کو پاکستان سے کوئی دلچسپی اور ہمدردی نہیں اس لئے انہیں پاکستان کی وزارتِ خارجہ کے عہدے سے الگ کر دیا جائے اور قادیانیوں کو پاکستان میں ایک "مذہبی اقلیت" قرار دے دیا جائے"۔

ہنسی ہنسی میں بعض اوقات
طول پکڑ جاتی ہے بات

اِس مطالبہ پر بحث کرنے اور لکھنے کے لئے تو بہت کچھ ہے مگر مختصراً ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ قومی حکومت کی خارجہ پالیسی سے نا مطمئن ہو کر حضرات علماءِ کرام نے جن بنیادوں پر وزیرِ خارجہ کی برخواستگی طلب کی ہے وہ بنیادیں پاکستان کی سالمیّت، خوشحالی، ترقی اور اتحاد کے لئے نشتر اور زہرِ ہلاہل کا حکم رکھتی ہیں۔ اور ہمارے واجب الاحترام علماء نے اِس کنونشن میں جو مطالبہ کیا ہے وہ ملک اور ملّت کے لئے انتہائی تباہ کن ہے۔ ہر قادیانی کو اینٹی پاکستان اور قادیانیت کو پاکستانیت کا تضاد ٹھہرانا ایک ایسی پالیسی ہے جس سے کوئی باشعور پاکستانی اتفاق نہیں کر سکتا۔ ایسے حالات میں جبکہ ہمیں اپنا قومی وجود قائم رکھنے کے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں ایک جنگ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے مذہبی بنیادوں پر اِس قسم کے ہنگامے برپا کرنا اور سیاسیات کو مذہبی رنگ دے کر فرقہ پرستی کی آگ میں جھونکنا کہاں کی دانشمندی ہے بلکہ مضحکہ خیز ہے۔

ہم ملک کے دانشمند اور باشعور طبقہ سے پُر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ میدانِ عمل میں آئیں اور اِس قسم کے مضحکہ انگیز مطالبات کے خلاف اپنی آواز بلند کریں اور بلا تامّل و توقف حکومت کے اِس "مجہول پالیسی" اختیار کرنے پر آدابِ سیاست کا خیال رکھتے ہوئے احتجاج کریں"۔[1]

بہاولپور

۹۔ سہ روزہ "رہبر" (۳۰ مئی ۱۹۵۲ء) نے لکھا:۔

"مجلسِ احرار جب سے قائم ہوئی ہے تب ہی سے بزرگانِ احرار نے مسلمانوں کے سوادِ اعظم مسلم لیگ اور مطالبۂ پاکستان کی مخالفت کرنا اپنا شیوۂ ملّی قرار دے رکھا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد خیال تھا کہ یہ بزرگ اپنے رویّہ میں خوشگوار تبدیلی کر کے ملّت کا ساتھ دیں گے لیکن قسمت کی

---

[1] ہفت روزہ "تارا" کراچی ۲۶ رجون ۱۹۵۲ء

بدنصیبی ہے کہ ایسے لوگوں سے کوئی بھلائی کی توقع کیونکر ہوسکتی ہے جنہوں نے جنم ہی ہندو کانگرس کی گود اور سیٹھ ڈالمیا کی دولت کی تجوریوں میں لیا ہو اور جنہوں نے اس بات کی قسم کھا رکھی ہو کہ انہوں نے ہمیشہ ملّت کے خلاف ہی محاذ قائم کر کے ملّت کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا ہی اپنا فریضۂ ملّی تصوّر کر رکھا ہو۔ کہیں قادیانیوں کی مخالفت کے بہانے سے تبلیغی کانفرنس اور کہیں ختمِ نبوّت کانفرنسوں کے نام پر بڑے بڑے اجتماع کر کے مسلمانوں میں وزیرِ خارجہ پاکستان کی خارجہ پالیسی کی مخالفت کی جاتی ہے اور کئی حیلے بہانے تلاش کر کے پاکستان کی وحدت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بزرگانِ احرار اگر تبلیغ اور تحفظِ نبوّت تک ہی اپنی سرگرمیوں کو محدود رکھیں اور قادیانیوں کی مذہبی نقطۂ نگاہ سے ہی مخالفت کریں تو ہم جیسے حنفی العقیدہ لوگ بھی ان کا ضرور ساتھ دیں۔ لیکن قوم و ملک کی بدنصیبی ہے کہ اس احراری ٹولے نے یہ ڈرامہ صرف اپنے ان احراری زعماء کے ایماء پر (جو پاکستان کے قیام کے بعد بھارت میں اپنے ہندو آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے چلے گئے تھے اور بھارت میں بیٹھ کر پاکستان کو ختم کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں) پاکستان کے مسلمانوں کو حکومتِ پاکستان کے خلاف اُکسانے کے لئے کھیلنا شروع کر رکھا ہے۔

حال ہی میں معاصر عزیز "نوائے وقت" لاہور کی ایک خبر کے مطابق احراری امیرِ شریعت مولانا سید عطاء اللہ بخاری نے یہ اعلان پشاور کے ایک عام اجتماع میں کیا ہے کہ "میں ہوں قائدِ اعظم اور میرے مرکزی دفتر کے چپڑاسی کا نام بھی قائدِ اعظم ہے۔" اور ساتھ ہی حکومتِ پاکستان کو چیلنج بھی دیا ہے کہ "اگر حکومت میں طاقت ہے تو توہینِ قائدِ اعظم کے سلسلے میں میرے خلاف مقدمہ چلائے۔" قائدِ اعظم مرحوم کی زندگی میں بھی یہ احراری بزرگ مرحوم کو "کافرِ اعظم" کے نام سے خطاب کرتے رہے لیکن پاکستان کے بانی کی وفات کے بعد ان لوگوں کو اتنی ہمّت اور جرأت ہوگئی ہے کہ وہ برسرِ عام مسلمانوں کے اجتماع میں پشاور جیسے غیور شہر میں قائدِ اعظم مرحوم کی توہین کرنے کے بعد حکومتِ پاکستان کو چیلنج دے رہے ہیں۔ اب دیکھنا تو یہ ہے کہ حکومتِ پاکستان میں واقعی کوئی غیرت اور طاقت ہے کہ وہ اپنے سب سے بڑے رہنما کی توہین کو خاموشی اور بے غیرتی سے برداشت کر لیتی ہے یا اس گستاخی کے خلاف کوئی عملی اقدام کرتی ہے تاکہ آئندہ کسی دوسرے شخص کو ایسی گستاخی اور ذلالت کی جرأت ہی نہ ہو ورنہ یہ چنگاری جس کی داغ بیل احراری بزرگوں نے آج پشاور جیسے شہر میں رکھی کہیں پاکستان کے

سارے خرمنِ امن کو جلا کر خاکستر نہ کر دے کیونکہ بھارتی حکومت صرف اسی وقت کے انتظار میں ہے کہ بانیٔ پاکستان اور حکومتِ پاکستان کے خلاف پاکستانیوں کے جذبات کو اُبھار کر پاکستان میں اختلاف پیدا کر کے حکومتِ پاکستان کے خلاف عوام میں جذباتِ نفرت پیدا کر کے پاکستان پر حملہ کر کے پاکستان کو خدانخواستہ ختم کر دیا جائے جن کی ابتداء ہندوؤں کے دیرینہ زرخرید غلاموں اور ایجنٹوں نے پشاور سے کر دی ہے۔ اِس لئے حکومتِ پاکستان کو سختی سے اِس فتنہ کو جلد سے جلد دبا دینا چاہیئے ورنہ بعد میں پچھتانے سے کچھ نہ ہوگا۔ وما علینا اِلّا البلاغ"۔ [1]

کوئٹہ

۱۰۔ کراچی کے فساد پر کوئٹہ کے پارسی اخبار "کوئٹہ ٹائمز" مورخہ ۲۱؍مئی ۱۹۵۲ء کا تبصرہ:۔

"ہنگامۂ کراچی کے وہ مکروہ واقعات جو حال ہی میں رُونما ہوئے ایک مہذّب ملک کے لئے شرم کا باعث ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ان کی تہ میں مذہبی تعصّب اور عدم رواداری کا جذبہ کار فرما ہے۔ یہ جہالت اور تعصّب کی بدولت ہے کہ مذہب کے نام پر عدم رواداری کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ تاریخِ عالم پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے آپ کو بآسانی معلوم ہو جائے گا کہ جب کبھی کسی ملک میں مذہب کی آڑ میں ظلم اور ایذا رسانی کا دَور دَورہ ہُوا تو ترقّی کی راہیں اس ملک پر مسدُود ہو گئیں۔

مذہب کے نام پر ظلم روا رکھنے سے انسانی فطرت مسخ ہو جاتی ہے اور جس ملک میں بھی یہ دَور دَورہ ہو وہ دُنیا میں ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے۔ فرقہ وارانہ تنگ نظری نے جہاں راہ پائی وہیں آنکھوں پر تعصّب کی پٹّی بندھی۔ ایک مہذّب اور روشن خیال قوم مذہب کے نام پر کبھی ظلم روا نہیں رکھتی۔ علم انسان کے نقطۂ نظر میں وسعت پیدا کر دیتا ہے اور انسان یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ ایک مقدّس ماحول میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ پس ایک ایسی قوم ہی جو جہالت کی تاریکیوں میں رینگ رہی ہو مذہبی غلامی کو برداشت کر سکتی ہے۔ تاریخ ایسی واضح مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ نیک دل بادشاہوں نے رواداری کی بدولت بڑی مستحکم سلطنتیں قائم کیں اور بعد میں آنے والوں نے عدم رواداری کے ہاتھوں انہیں خاک میں ملا دیا۔

یہ کہتے ہوئے دشمنانِ اسلام کی زبان نہیں تھکتی کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے یا اس کی

---

[1] سہ روزہ "رہبر" بہاولپور ۳۰؍مئی ۱۹۵۲ء

تبلیغ و اشاعت میں تلوار کا بہت بڑا دخل ہے۔ جو لوگ گزشتہ ہفتہ کے ہولناک واقعات کے ذمہ دار ہیں افسوس کہ انہوں نے اپنی حماقت سے ایسے دشمنانِ اسلام کی خود ہی تائید کر کے ان کے ہاتھ مضبوط کئے۔ رسولِ پاک (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنے ماننے والوں کو بار بار تاکید کی ہے کہ وہ رواداری کے اوصاف سے اپنے آپ کو متصف کریں لیکن کیا کیا جائے تعصب اور غیظ و غضب کی گرمی نے ان لوگوں کو اندھا کر رکھا ہے۔ بانیٔ اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) کی روشن دماغی کا یہ ایک بیّن ثبوت ہے کہ آپ نے ہمیشہ اشاعتِ دین کی راہ میں طاقت استعمال نہ کرنے کی تعلیم دی۔

یہ جھگڑا مذہبی اور غیر مذہبی لوگوں کے درمیان نہیں ہے یہ جھگڑا ہے جہالت اور علم کے درمیان، نام نہاد مولویوں کے اندھے مقلدوں اور ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے اسلام کی صحیح رُوح اپنے اندر جذب کی ہوئی ہے۔

جہاں تک مذہب اور مملکت کا تعلق ہے حکومت پر بعض فرائض عائد ہوتے ہیں۔ ایسے تعصب کے قلعے سر کرنے میں ہر ممکن امداد کرنی چاہیئے۔ اگر کٹر اور متعصب لوگوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا گیا تو لوگ یہ سوچنے پر مجبور رہوں گے کہ حکومت بھی ان عناصر سے باز پُرس کرنے سے خوف کھاتی ہے جو لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اِس سے ایسے عناصر کی گردنیں اور اکڑ جائیں گی اور پھر آگے چل کر انہیں کیفرِ کردار تک پہنچانا آسان نہ رہے گا۔ امن برباد کرنے والوں کے لئے ایک ہی قانون ہے۔ قانون شکنی کرنے والوں میں سے کسی کو بھی اس کے نتائج بھگتنے سے مستثنیٰ قرار نہ دینا چاہیئے۔"

پشاور

۱۱۔ اخبار "تنظیم" پشاور (۲۰ مئی ۱۹۵۲ء) نے لکھا:۔

"حضرت قائدِ اعظم اور مسلمانانِ پاکستان و ہند کے محبوب مطالبہ پاکستان کے وقت سے لے کر قیامِ پاکستان کے کافی عرصہ تک ہندوؤں کے اشارہ پر پاکستان، قائدِ اعظم اور پاکستان کے عامی مسلمانوں کو جو بے نقط اور اَن گنت گالیاں[1] جماعتِ احرار نے سُنائی ہیں امید ہے مسلمانان

---

[1] شورش کاشمیری صاحب سابق جنرل سیکرٹری مجلسِ احرار لکھتے ہیں:۔

"احرار اپنے طبقاتی مزاج کے مطابق ملک کی سالمیّت کو مسلمانوں کے طبقہ امراء کی سیاست قرار دیتے اور گفتنی و ناگفتنی سب کہہ جاتے تھے ان کا خیال تھا کہ ملک کی تقسیم سے (باقی اگلے صفحہ پر)

پاکستان ابھی تک انہیں نہ بھولے ہوں گے۔ غرضیکہ پاکستان کے قیام کی مخالفت میں احرار نے رگوں کی ترکش کا زہر میں بجھا ہؤا کوئی ایسا تیر باقی نہ رہا تھا جو انہوں نے استعمال نہ کیا ہو۔ پاکستان کا قیام اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ پاکستان قائم ہؤا اور اب انشاء اللہ ٹھوس اور مستحکم بنیادوں پر اسکی تعمیر کا سلسلہ جاری ہے۔ نامعلوم اب اللہ تعالیٰ پاکستان کے مسلمانوں سے ناراض ہوگئے ہیں کہ انہوں نے اب پاکستان کی تخریب کے لئے شاید ایک دوسرے "قائدِ اعظم" پیدا کر دئے ہیں جن کا کام پہلے سرے سے پاکستان کے قیام کی مخالفت تھا اور اب اِن کا کام پاکستان میں رہنے والوں کو آپس میں لڑا کر تخریبِ پاکستان ہے۔ پیر عطاء اللہ صاحب پاکستان کے ہر حصّہ میں ختم نبوّت کانفرنسیں منعقد کرکے اپنے آپ کو قائدِ اعظم ظاہر کر رہے ہیں حالانکہ ختمِ نبوت کے مسئلہ سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے کہ حضور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو وہ "غلط کار اور جھوٹا" ہے اور مسلمانوں سے نہیں۔ اگر "مرزائی کافر" ہندو کافروں سے کٹ کر پاکستان کے "مومن مسلمانوں" کے سایہ میں آگئے ہیں تو کیا ہمارا اسلام اور آئین ہمیں یہی اجازت دیتا ہے کہ اختلافی عقائد کی بنا پر ہم ایک فرقہ کی زندگی دوبھر کر دیں۔ سادہ لوح جوشیلے مذہب اور اسلام کے نام پر کٹ مرنے اور مارنے والے مسلمانوں کو یہ جوش اور اشتعال دلاتے پھریں کہ مرزائیوں کو قتل کرنا عین ثواب اور اسلام دوستی ہے۔

مرزائیوں سے حضرت شاہ صاحب کو درحقیقت اتنی نفرت ہے یا نہیں البتہ پاکستان سے آپ کی دشمنی مسلّمہ[۱] ہے۔ آپ لوگ پاکستان کو باہر کی مسلمان دنیا اور جمہوری ممالک میں بدنام کرنا مختلف نظر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: کہیں النسب دولت کی تقسیم ہے۔ ... اسلام کا نام لے کر کسی ٹکڑے میں کسی یزید جیسے مسلمان کے لئے تختِ سلطنت بچھانے کے حق میں نہ تھے۔ ان کے نزدیک ایسا سوچنا یا کرنا اسلام سے غدّاری کے ہم معنی تھا"

(سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری (سوانح افکار) صفحہ ۲۶۹ مؤلفہ شورش کاشمیری ایڈیشن دوم نومبر ۱۹۷۳ء مطبوعات چٹان ۸۸ میکلوڈ روڈ لاہور طباعت چٹان پرنٹنگ پریس لاہور)

[۱] شاہ صاحب موصوف نے لاہور کی ایک تقریر میں کہا:۔

"پاکستان ایک بازاری عورت ہے جس کو احرار نے مجبوراً قبول کیا ہے"۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت

(باقی اگلے صفحہ پر)

اور غیر اسلامی حکومت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو خود بخود قائدِ اعظم بن کر تخریبِ پاکستان کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ مرزائی کافر سہی لیکن پاکستان کے باشندے اور اپنے آپ کو وفادار شہری ظاہر کر رہے ہیں۔ اور حضرت قائدِ اعظم نے احمدیوں کے وجود کو پاکستان کے لئے مفید پاکر اکثر موقعہ پر ان سے پاکستان کے لئے امدادیں بھی حاصل کی ہیں اور پاکستان سے اپنا تعلّق و اُنس ثابت کرنے کے لئے اپنے مرکز کو چھوڑنے اور کروڑوں روپیہ کی جائدادیں چھوڑ کر مرزائی کافروں نے اپنی جانیں پاکستان کی خدمت کے لئے پیش کی ہیں۔ حضرت قائدِ اعظم نے سر ظفر اللہ کو ایک قابل و وفادار پاکستانی سمجھتے ہوئے وزارتِ خارجہ کا ایک نہایت اہم اور ذمّہ دار عہدہ پیش کیا تھا چنانچہ اپنی بےنظیر دماغی صلاحیّتوں اور قانونی قابلیّتوں کے باعث نہ صرف خود ظفر اللہ اقوامِ عالم میں ہمہ گیر ہر دلعزیزی حاصل کر چکے ہیں بلکہ انہوں نے پاکستان کے وقار اور عزّت کو بھی چار چاند لگا دئے ہیں۔ البتہ اگر حکومت کو اب ان کی خدمات کی ضرورت نہ ہو تو ان سے استعفےٰ مانگا جاسکتا ہے اور مرزائیوں کو ایک علیحدہ اور اقلیّتی فرقہ قرار دیا جاسکتا ہے لیکن پھر بھی پاکستان کے مرزائیوں کو ان کے عقائد، جان و مال کے تحفظ اور دوسرے شہری و ملکی حقوق کی مراعات دینی ہوں گی۔ نامعلوم حکومت کن سیاسی مصلحتوں کی بناء پر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ برائے فساداتِ پنجاب ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۷۵ اُردو)

شاہ صاحب کے سیاسی پیشوا جناب مولانا ابوالکلام آزاد کا مسلک انہی کے لفظوں میں یہ ہے:۔

"مَیں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ پاکستان کا لفظ ہی میری طبیعت قبول نہیں کرتی۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا کا ایک حصّہ تو پاک ہے اور باقی ناپاک، پاک اور ناپاک کی بنیاد پر کسی قطعہ ارض کی تقسیم قطعاً غیر اسلامی اور رُوحِ اسلام کے بالکل منافی ہے۔"

اِس کے مقابل وطن الیہود کی تائید میں لکھتے ہیں:۔

"جہاں تک یہودیوں کے قومی وطن کا مطالبہ ہے اس سے ہمدردی کی جاسکتی ہے کیونکہ وہ ساری دُنیا میں بکھرے ہوئے ہیں اور کسی علاقہ میں بھی وہاں کے نظم و انصرام پر کوئی اثر نہیں رکھتے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔"

(آزادیِ ہند (ترجمہ) صفحہ ۲۵۶ "INDIA WINS FREEDOM" از مولانا ابوالکلام آزاد مترجم مولانا رئیس احمد جعفری۔ ناشر مقبول اکیڈیمی شاہ عالم مارکیٹ لاہور)

خاموش نئے قائدِ اعظم کے تخریبی پروگرام کا تماشہ دیکھ رہی ہے۔ ہمارے خیال میں اِس موقعہ پر حکومت ناقابلِ تلافی سیاسی غلطیوں سے کام لے رہی ہے۔ یہی نیا قائدِ اعظم کل کہے گا جو اسلامی آئین ہم چاہتے ہیں پاکستان کے موجودہ حکمران صحیح اسلامی آئین نہیں بنا سکے۔ لہذا جس حکومت کا آئین اسلامی نہ ہو وہ مسلمان نہیں کہلا سکتی۔ "میں قائدِ اعظم ہوں" کا خطاب حاصل کرنے کے باعث احرار مذہبی جھگڑوں کے ذریعہ تخریبِ پاکستان کے مواقع پیدا کر رہی ہے اور وہ ایک مذہبی جماعت کا لبادہ پہن کر اپنے لئے ایک وسیع سیاسی میدان پیدا کرنا چاہتی ہے۔ پھر ہماری حکومت مذہبی رَو میں بہتے ہوئے مسلمانوں کے خیالات و عقائد کا جو احرار اس وقت ان میں پیدا کر رہے ہیں مقابلہ نہ کر سکے گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکومت اور مسلمانوں کو اسلامی اور اخلاقی شعور پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور چور دروازوں سے داخل ہونے کی بجائے احرار کے لئے بھی سیاسی اقتدار کی کوئی راہ نکالے تاکہ پاکستان تخریبی سرگرمیوں کا اڈہ بننے سے بچ سکے۔"

لاہور ۱۲۔ اخبار "امروز" (۲۲ مئی ۱۹۵۲ء) نے "کراچی کا ہنگامہ" کے زیرِ عنوان حسبِ ذیل شذرہ سپردِ قلم کیا:۔

"جہانگیر پارک کراچی میں جماعتِ احمدیہ کے جلسۂ عام میں جو ہنگامہ ہوا وہ ہر اعتبار سے افسوسناک ہے اور ایک آزاد و مہذب قوم کے شایانِ شان نہیں۔ ذمہ دار قوموں کے افراد انتہائی اشتعال کے عالم میں بھی اپنے فرائض کا خیال رکھتے ہیں اور تہذیب و تمدن کی حدود سے آگے نہیں بڑھتے کیونکہ جبر و تشدد کے ذریعہ نہ تو کوئی مسئلہ حل ہو سکتا ہے اور نہ عقائد ہی میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے تاہم یہ بات ضرور قابلِ غور ہے کہ اس فوری اشتعال کے اسباب و علل کیا ہیں کیونکہ جب تک ہم کو علتِ غائی کا علم نہ ہو ہم اس حادثے کے متعلق صحیح رائے قائم نہیں کر سکتے۔

ہجوم کے طرزِ عمل سے یہ حقیقت بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ وہ انتہائی مشتعل تھا اور اس قدر بے قابو تھا کہ پولیس کے لاٹھی چارج کے باوجود اس نے جلسہ کو درہم برہم کرنے کی پیہم کوشش کی۔ قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ خشت باری ہوئی۔ لوگوں کے چوٹیں آئیں۔ شامیانے پھٹے۔ کاروں، لاؤڈ سپیکروں اور روشنیوں کو نقصان پہنچا۔ گرفتاریاں ہوئیں۔ منتظمین کا باہر نکلنا مشکل تھا۔ غرض یہ کہ سوا گیارہ بجے رات تک میدانِ کارزار کا نقشہ جما رہا۔

قطع نظر اِس سے کہ اِس اشتعال کے اسباب کیا تھے، کسی شہری کو اس کا حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے اِس لئے اِس کی جس قدر مذمّت کی جائے کم ہے کیونکہ اگر ہر شخص اِسی طرح عمل کرتا رہے تو نظم ونسق تباہ ہو جائے گا اور لا قانونیّت اور نراج کی کیفیت پیدا ہو جائے گی ۔ رہا یہ سوال کہ یہ واقعہ پیش ہی کیوں آیا تو اس کی ظاہری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے جیساکہ کراچی کے اخبارات میں مذکور ہے کہ جلسہ کی اجازت اِس بناء پر دی گئی تھی کہ اِس میں اختلافی امور پر کچھ نہ کہا جائے گا لیکن اس کے باوجود مقرّرین نے اختلافی مسائل پر تقریریں کیں مجمع نے احتجاج کیا مگر انہوں نے اس کے جذبات واحساسات کا احترام نہیں کیا۔

اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو ہمیں یہ کہنے میں ذرا بھی تامّل نہیں کہ منتظمین اور مقرّرین جلسہ نے انتہائی غیر ذمّہ داری اور فرض ناشناسی کا ثبوت دیا۔ اگر وہ حدود سے تجاوز نہ کرتے تو غالباً یہ افسوسناک واقعہ ظہور پذیر نہ ہوتا جس طرح مشتعل ہجوم کو قانون شکنی کا حق نہیں تھا اسی طرح منتظمین ومقرّرین بھی اس کے مجاز نہیں تھے کہ وہ ان شرائط سے رُوگردانی کریں جو اِس جلسے کے انعقاد کے لئے لازمی قرار دی جا چکی تھیں لیکن اِس سلسلے میں ہر شخص یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر منتظمین اور مقرّرین کی طرف سے عہد شکنی کا مظاہرہ ہوا تھا۔ حاضرین نے اعتراض کیا تھا اور مقرّرین نے اس کی پروا نہیں کی تھی تو نظم ونسق کے ذمّہ دار خاموش کیوں رہے۔

اِس واقعہ کا ایک پہلو جو ان سب سے زیادہ اہم اور نتیجہ خیز ہے وہ یہ ہے کہ اگر اِس قسم کی آویزشات کی حوصلہ افزائی ہوئی تو اس سے قوم کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی جس سے ملک دشمن عناصر خوب فائدہ اُٹھائیں گے اِس لئے ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اِس مسئلہ پر ٹھنڈے دِل سے غور کریں۔

پاکستان میں مختلف مذاہب کے پیرو اور مختلف عقائد رکھنے والے لوگ بستے ہیں انہیں اِس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ پوری آزادی کے ساتھ اپنے مذہب اور عقیدے پر چلیں لیکن کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے فرقے کی دِل آزاری پر اُتر آئے اور دوسرے فرقہ کے جذبات واحساسات کا خیال نہ رکھے کیونکہ اگر اس کی کھلی چھٹی دے دی جائے تو پھر ملک میں ہنگاموں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا اور جدال وقتال کا بازار ہمیشہ گرم رہے گا جو ملک کے مستقبل کے لئے کسی طرح بھی مفید نہیں۔ اِس لئے ہمیں یقین ہے کہ ملک کے تمام ذمّہ دار سنجیدہ اور وطن دوست حضرات اِس واقعہ کی

مذمت کریں گے۔ ساتھ ہی ہم کراچی کے حکام کو بھی مشورہ دیں گے کہ وہ اِس ہنگامہ کی نہایت احتیاط سے تحقیقات کریں اور طرفین کے رویّہ کا جائزہ لیں"۔ ؎۱

۱۳۔ روزنامہ "آفاق" (یکم جون ۱۹۵۲ء) نے لکھا:۔

"احمدیوں کے خلاف عام مسلمانوں کو جو شکایات ہیں ان میں سب سے بڑی شکایت تو یہی ہے کہ وہ حضرت سرورِ کائنات کے بعد اجرائے نبوّت کے قائل ہیں حالانکہ خاتَم النّبیّین کا مطلب ۱۳۰۰ سال سے یہی سمجھا جا رہا ہے کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اس کے علاوہ احمدیوں کا یہ شیوہ بھی مسلمانوں کو بہت ناگوار ہے کہ وہ اپنے لوگوں کے سوا کسی دوسرے مسلمان کے لئے دعائے مغفرت نہیں کرتے نہ کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز سمجھتے ہیں لیکن اگر جذبات کی ہنگامہ آرائی سے الگ ہو کر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو دوسرے مسلمان فرقوں کے اختلافات بھی کچھ کم تکلیف دہ نہیں ہیں۔ شیعہ حضرات صدیقِ اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ، عثمان غنیؓ کو غاصب و ظالم کہہ کر ناگفتہ بہ کلمات سے یاد کرتے ہیں۔ سُنّیوں کے پیچھے ان کی نماز نہیں ہوتی۔ گو وہ کسی وقت منافقت سے شاملِ صلوٰۃ ہو بھی جاویں یا کسی سُنّی کی نمازِ جنازہ بھی پڑھ لیں لیکن ان کے عقائد کا یہ تقاضا نہیں ہے بریلوی عقیدے کے لوگ اہلِ حدیث کے نزدیک پرلے درجے کے مُشرک ہیں جو انسانوں کی رُوحوں اور مُردوں کی قبروں کو قبلۂ مُراد مانتے ہیں اور بے شمار ایسی رسُوم کے پابند ہیں جن کی اصل دین میں موجود نہیں ہے۔ دُنیائے اسلام میں بعض ایسے فرقے بھی مسلم معاشرے کا جزوِ لاینفک سمجھے جاتے ہیں جن کے عقائد سوادِ اعظم کے سخت خلاف ہیں مثلاً آغاخانی، بہائی اور دروزی۔ لیکن ہندوستان، ایران، پاکستان، شام وغیرہ میں وہ ملّتِ اسلامی ہی سمجھے جاتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ احمدیوں کے بارے میں مسلمان صبر اور رواداری سے کام نہ لیں اور لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ کہہ کر ان سے تعرض نہ کریں۔ اگر مذہبی فرقوں کے درمیان جنگ و شقاق کا ہنگامہ جاری رہا تو ظاہر ہے کہ اس سے کلمہ گویوں کے اتحاد کی بنیاد کمزور ہو جائے گی میں ان جوشیلے حضرات سے متفق نہیں ہوں جو یہ کہنے کے عادی ہیں کہ احمدی ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں، یہودیوں سے بھی زیادہ بُرے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص توحیدِ الٰہی، نبوّتِ محمدی، حشر نشر، سزا، جزا، قرآن اور کعبہ کا قائل ہے

؎۱ اداریہ روزنامہ "امروز" لاہور مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۵۲ء؛

اور نماز روزہ، زکوٰۃ، حج اور تمام احکامِ فقہی میں سوادِ اعظم سے متشابہ ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ کفار سے زیادہ کیوں کر بُرا ہو سکتا ہے اور ملّت سے خارج کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے بڑے بڑے عظیم الشان آئمہ اسلام نے تو نہایت شدید اختلافات کی حالت میں بھی دوسروں سے انتہائی رواداری کا ثبوت دیا ہے۔ اور خود امام ابو حنیفہ کا یہ ارشاد مشہور ہے کہ جس شخص میں ننانوے وجوہ کفر کی اور ایک وجہ اسلام کی بھی موجود ہو اس کو کافر کہنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ خیر مجھے مذہبی مسائل کی پیچیدگیوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں اور نہ آج کل ان بھول بھلیّوں میں اپنے آپ کو کھو دینے کا زمانہ ہے میں تو یہ کہتا ہوں کہ پاکستان میں ملّتِ اسلامیہ کے اندر فرقہ پرستی کی آگ کو ہوا دینا ملّت اور بہبودِ وطن کے خلاف ہوگا۔ جب پاکستان کے ہندوؤں، اچھوتوں، عیسائیوں پارسیوں کے شہری حقوق مسلمانوں کے برابر ہیں اور ان کے جان و مال و آبرو کی حفاظت اور تحریر و تقریر و اجتماع کی آزادی کی ضامن و کفیل خود حکومتِ پاکستان ہے (بشرطیکہ وہ قانونِ ملکی کی خلاف ورزی نہ کریں) تو پھر اللہ اور رسولؐ کا کلمہ پڑھنے والی جماعتوں کو وہ تمام حقوق اور آزادیاں کیوں حاصل نہیں۔ عیسائیوں کی تو تبلیغی جماعتیں مثلاً مشن اسکول۔ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے سالویشن آرمی و مکتی فوج تک پاکستان میں اپنا کام آزادانہ طور پر کر رہی ہیں اور ان سے کوئی معترض نہیں ہوتا پھر مرزائیوں سے معترض کے کیا معنی؟

بعض متعصب مولوی اور ان کے جوشیلے پیرو یہ کہنے کی تو جرأت نہیں کر سکتے کہ فلاں فرقے کے تمام مردوں، عورتوں اور بچّوں کو پاکستان بدر کر دیا جائے اور اگر وہ ایسا مطالبہ بھی کریں تو اہلِ عقل میں سے کون ہے جو ان کا ہم زبان ہو سکے۔ پھر جب تمام حنفیوں، وہابیوں، بریلویوں، شیعوں، مرزائیوں، ہندوؤں، عیسائیوں اور اچھوتوں کو اسی ملک میں رہنا ہے اور یہیں مرنا گڑنا ہے اور پاکستان کے شہری ہونے کی حیثیت سے ان سب کے حقوق مساوی ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ان قوموں اور فرقوں کی آپس میں ہنگامہ آرائی کرنا کس اعتبار سے پاکستان کے لئے مفید ہے۔

ہمارے بعض علماء کو اِس امر کا اندازہ نہیں کہ کراچی میں مرزائیوں کے جلسے پر ہزاروں مسلمانوں کی یورش سے ہم دُنیا بھر کے ممالک میں حد درجہ بدنام ہوئے ہیں اور حریّتِ رائے اور جمہوریّت

کے بلند بانگ دعووں کی کس طرح قلعی کھلی ہے۔ خدا کے لئے اپنے وطن کو اقوامِ عالم میں بدنام و رُسوا نہ کرو۔ تم اپنے عقائد پر قائم رہو اور دوسروں کو اپنے عقائد پر قائم رہنے کا حق دو عیسٰی بدینِ خود موسٰی بدینِ خود۔ بعض علماء کا صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے " ہجوم نے جو کچھ کیا بُرا کیا ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا " علماء اسلامی شائستگی اور اخلاق کے امین ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ اختلافِ عقائد کو الگ رکھ کر عامۃ المسلمین کو اِس طرح احتجاج کی بنا پر سختی سے ڈانٹیں اور ملک بھر کی مسجدوں سے یہ آواز بلند کریں کہ آئندہ ایسا کوئی واقعہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ احکامِ اسلام، وقارِ اسلام اور اخلاقِ اسلام کے منافی ہے اور اس سے پاکستان کی جڑیں کھوکھلی ہوتی ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ مولوی کبھی ایسا نہیں کرے گا کیونکہ یہ فتنہ فساد کا ہنگامہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور وہ خلوت میں اسی پر بغلیں بجا رہا ہے۔

قانون امن کی طاقتوں کو بلا خوف لومۃ لائم قانون و انتظام کو تباہ کرنے والوں کے خلاف شدید کارروائی کرنی چاہیئے اور یقین رکھنا چاہیئے کہ ہر صحیح الدماغ اور ذمہ دار پاکستانی اس اقدام میں ان کا حامی ہوگا۔

حکومت کے صیغہ داخلہ کو مذہبی فرقہ آرائی کے ذمہ داروں اور اشتعال انگیز واعظوں اور مقرروں پر نہایت کڑی نظر رکھنی چاہیئے خواہ وہ کسی فرقہ سے بھی تعلق رکھتے ہوں۔ احراری ہوں یا مرزائی جو بھی فتنہ انگیزی کے درپے ہو اس کے ساتھ قانونی سلوک ہونا چاہیئے "

سرگودھا ۱۴۔ ہفت روزہ " بیباک " کی یکم جون ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں حسبِ ذیل نوٹ چھپا :۔

" قارئین کو ریڈیو پاکستان اور روزانہ اخبارات کے ذریعہ سے معلوم ہو چکا ہو گا کہ ۱۷۔ ۱۸ رمئی ۱۹۵۲ء کو کراچی کے جہانگیر پارک کے اندر " اسلام ایک زندہ مذہب ہے " کہنے والے کے خلاف مُردہ باد کے نعرے لگائے گئے جلسہ میں پتھراؤ کیا گیا جس سے حالات کافی مخدوش ہو گئے۔

ہمارے ایک احراری بزرگ نے ہمیں فرمایا ہے کہ ہمارا لب ولہجہ احرار کے بارے میں نہایت تُند و تلخ ہوتا ہے اِس لئے ہم ان کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے نہایت نرم الفاظ میں کچھ

گذارشات پیش کرنا چاہتے ہیں۔

"مجلس احرار" یہ گرگٹ جماعت جو مرغ بادنما کی طرح اپنا رُخ بدلتی رہتی ہے جسے کل اپنا آج کا مسلک غلط نظر آتا ہے اور پرسوں آج کا مسلک راست معلوم ہوتا ہے جسے خود یہ علم نہیں کہ وہ چاہتی کیا تھی اور چاہتی کیا ہے جس کے مقدس "لیڈرانِ کرام" ۱۵ راگست تک سیاست کا رُخ معلوم نہ کر سکے اور ان سے کس سمجھ بوجھ کی توقع رکھی جا سکتی ہے جس کا وجود ہی محض اس لئے معرضِ ظہور میں لایا گیا کہ کچھ خود غرض لوگ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لئے اِس جماعت کو بطور "حربہ" استعمال کریں جس نے ہر موقعہ پر مسلمانوں کے ساتھ غداری کی جس نے نظریۂ پاکستان کا مذاق اُڑایا۔ کبھی تو یہ جماعت سیاسی ہے کبھی مذہبی۔ پھر سیاسی۔ پھر مذہبی۔ غرضیکہ "مذبذبول" کی یہ جماعت گرگٹ کی طرح رنگ ہی بدلتی نظر آئی۔"

مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور تخریبی کارروائیاں کرنا اِس جماعت کا پُرانا مشغلہ ہے جس پر نہایت استقلال کے ساتھ آج تک قائم ہے۔ کراچی کے تلخ واقعات بھی اِسی روش کا نتیجہ ہیں۔ آج قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ کی رُوح "مسلمانوں" سے پوچھ رہی ہے کہ کیا میں نے تمہیں اتحاد و تنظیم کا یہی سبق دیا تھا جس کا مظاہرہ تم مسلمان بھائیوں کے ساتھ کر رہے ہو۔ ہمیں بتایا جائے کہ آخر احمدیوں کا قصور کیا تھا؟ ان کے جلسہ میں پتھراؤ کیوں کیا گیا؟ اس جلسہ میں موضوعِ تقریر یہی تھا "اسلام ایک زندہ مذہب ہے"۔ کیا ان معترضین کو اِس چیز سے اختلاف ہے؟ آخر یہ متشددانہ رویّہ کیوں اختیار کیا گیا؟ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو نہ مسلمانوں سے دلچسپی ہے نہ اسلام سے۔ انہیں صرف اپنے ہی موضوع سے دلچسپی ہے۔ فساد! ان کی گذشتہ روایات بھی یہی کہتی ہیں۔ انہوں نے ہر اس موقعہ پر فساد کیا اور کرایا جہاں مسلمان آپس میں مِل بیٹھے۔ کبھی شیعہ سُنّی فتنہ کو ہوا دی گئی کبھی مدحِ صحابہ کی راگنی الاپی گئی۔ کبھی ردِّ مرزائیت کے نام پر مُنہ میں جھاگ لا لاکر مظاہرے کئے گئے۔

اُس وقت تو یہ تخریبی کارروائیاں انگریز کراتا تھا کیونکہ اس کا مفاد ہی اِسی میں تھا کہ لڑاؤ اور حکومت کرو۔ مگر اب ــــ؟

اب یہ نتیجہ ہے ہماری حکومت کی نرم پالیسی کا۔ ان بھیڑیوں کے مُنہ کو انسانی خُون لگ چکا

ہے یہ اب بھی بزرو معصوم کی تلاش میں ہیں۔

ہم حکومت سے امن، اتحاد، تنظیم اور انسانیت کے نام پر اپیل کرتے ہیں کہ اِس فتنہ کو فی الفور دبا دیا جائے ورنہ یہ آئے دن کے فسادات نہ صرف حکومت کے لئے دردِ سر کا موضوع ہیں بلکہ عامۃ المسلمین میں بھی بددلی، تشکک اور عدمِ اعتماد کی ایک لہر پیدا کر دیں گے جو قوم کو کئی حصّوں میں تقسیم کر کے ملّی شیرازہ پارہ پارہ کرنے کا باعث ہوں گے۔ ہم مانتے ہیں کہ یہ پاکستانی سُورما بڑے بہادر ہیں۔ کاش! حکومت ابھی سے ان کی فہرست مرتّب کرے تاکہ جب کبھی جہادِ کشمیر کا وقت آئے تو انہیں محاذ پر بھیج کر ان کی خدمات سے فائدہ اُٹھایا جا سکے۔

حکومتِ پاکستان کے دِل، کراچی میں حکومتِ پاکستان کا مندین اور متّقی وزیرِ خارجہ ایک جلسہ کے اندر اسلام کی افضلیّت پر تقریر فرما رہا ہے اور اس جلسہ گاہ کے باہر چند شوریدہ سر کرایہ پر لائے ہوئے مُفسد گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش میں ہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ ایک ایسے جلسہ میں جہاں اسلام کی فضیلت بیان کی جانی مقصود ہو غیر مسلم اور بیرونی ممالک کے سفراء و معزّزین بھی مدعو ہوں گے۔ صرف یہ تصوّر کیجئے کہ جب ہمارا وزیرِ خارجہ یو۔ این۔ او میں اور دیگر ممالک میں اپنی مدلّل تقاریر سے ان لوگوں کو محوِ حیرت بنا کر خراجِ تحسین حاصل کرتا ہو گا۔ اور پھر ان ممالک کے معزّزین جو کراچی میں مقیم ہیں اور جلسہ کے اندر ہمارے وزیرِ خارجہ کی اِس طرح گت بنتی دیکھتے ہوں گے تو ان کی مقبولیّت کے متعلق ان کا تاثّر کیا ہو گا؟

اگر ہمارے وزیرِ خارجہ کا وقار ان لوگوں کی نظروں کے سامنے خاک میں ملا دیا جائے تو کیا ہمارے ملک کا وقار قائم رہ سکتا ہے؟ اگر یہ کوئی انتخابی جلسہ ہوتا یا الیکشن کے سلسلہ میں کوئی اجتماع ہوتا تو بھی مفسدین کی یہ حرکت قابلِ برداشت نہ ہوتی لیکن — لیکن یہ ایک خالص مذہبی جلسہ تھا مُفسدین کی روش یقیناً حد درجہ افسوسناک ہے۔

ہمیں اَب یہ اندازہ لگانا ہو گا کہ آئندہ کے لئے حکومت اِس سلسلہ میں کیا پالیسی مقرر کرتی ہے، دیکھنا یہ ہے کہ عدالت میں یہ معاملہ ملزمان کے سزا پانے یا بری ہو جانے پر ہی ختم ہو جائے گا یا اس حادثہ کی روشنی میں آئندہ کے لئے اِس قسم کی تخریبی سرگرمیوں کے استیصال کے لئے بھی حکومت کوئی اقدامات کرتی ہے۔" [1]

---

[1] ہفت روزہ "بیباک" سرگودہا یکم جون ۱۹۵۲ء

سیالکوٹ

۱۵۔ اخبار "دُرِّ نجف" سیالکوٹ نے "حادثۂ کراچی" کے زیرِ عنوان اپنی یکم جون ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"۱۷۔۱۸ مئی کو جہانگیر پارک کراچی میں احمدیوں کے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر اکثریتی عوام نے جو نازیبا مظاہرہ کیا ہے وہ ہر حسّاس پاکستانی کے لئے موجبِ مذمّت ہے۔ مملکتِ پاکستان نئے جذبات اور بلند ترین قدروں کی اساس پر قائم ہوئی ہے جس کی صیانت اور مزید استحکام ہر محبِ وطن کا اوّلین فریضہ ہونا چاہیئے۔ ہمیں احمدیت سے کوئی دلچسپی نہیں اور نہ ان کا کوئی مسئلہ ہمارے مسائل سے میل کھاتا ہے بلکہ بلاخوفِ تردید ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شیعی مسلّمات جس شدّت سے احمدیت کی نفی کرتے ہیں مسلمانوں کے کسی فرقہ کے معتقدات میں اتنی سختی نہیں کیونکہ شیعہ عصمتِ انبیاء اور وجودِ امامِ عصر کا راسخ عقیدہ رکھتے ہیں۔ برخلاف اس کے دوسرے فرقوں میں یہ اصول کچّی ٹہنی کی طرح لچکدار ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے عام مکاتب تو کسی نہ کسی گنجائش کے سبب ممکن ہے برداشت بھی کر لیں مگر تشیع تو کسی صورت بھی احمدیت وغیرہ کو کوئی جگہ نہیں دے سکتا اس کے باوجود شیعہ علماء، پریس اور عوام نے کسی لمحہ مخالفت میں کوئی ایسا رویّہ اختیار نہیں کیا جس سے شرمناک فرقہ واریت کی ہمّت بڑھتی۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ مجلسِ احرار (جس کا مقصدِ وحید احمدیت کا استیصال ہے) کا اسٹیج ایک عرصہ تک بد زبانی اور غیر مہذب طریقِ جدل کا اکھاڑہ بنا رہا مگر جب سے شیعہ علماء کو مدعو کیا جانے لگا اسی پلیٹ فارم پر مثالی شائستگی پیدا ہو گئی۔

شیعہ علماء وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ کے قرآنی فلسفہ سے اچھی طرح واقف اور اس پر عامل ہیں۔ اسی طرح شیعہ پریس بھی اپنی روایتی متانت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ عوام خواہ کسی فرقے کے ہوں ان ہی دو ذرائع سے اثر قبول کرتے ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اکثریت کے علماء اور پریس نے اپنے عوام کو اس درجہ اشتعال دلایا ہے کہ جب کبھی بھی انہیں موقعہ ملتا ہے دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں کوہِ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑتے ہیں۔

جہانگیر پارک کا حادثہ یقیناً تکلیف دِہ ہے لیکن ہم اِس کی ذمّہ داری کسی پر عائد کئے بغیر تمام پاکستانی عوام کی خدمت میں عرض کریں گے کہ پاکستان کی تخلیق میں اقلیتّ کے مفہوم کو بڑی اہمیّت حاصل ہے اور اس مملکت کے اربابِ بست و کشاد کا دعویٰ بھی ہے کہ سبز پرچم کا سایہ اقلیتوں

کی آسودگی کا ضامن ہے لہٰذا کسی خام خیالی کے باعث غلط راہیں اختیار کر کے کوئی ایسی صورت پیدا کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہیئے جس سے ملک کی نیک نامی پر آنچ آئے۔ جمہور کو چاہیئے کہ وہ مسٹر طالب نقوی چیف کمشنر کراچی کے اِن الفاظ پر توجہ دیں اور ہمیشہ کے لئے انہیں مشعلِ راہ بنائیں کہ:۔

"مرزائی بھی پاکستانی ہیں اور انہیں بھی اجلاس منعقد کرنے کا حق اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک کہ وہ مروّجہ قانون کی خلاف ورزی نہ کریں۔ حکومت کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دے سکتی کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے"

ساتھ ہی ہم علمائے کرام کی خدمت میں بھی گزارش پیش کریں گے کہ وہ "جواز و عدم جواز" کی بحث چھیڑ کر جارحانہ ذہنیتوں کی حوصلہ افزائی نہ فرمائیں نیز پریس کو بھی اپنے واجبات اور ملک کے حالات کا احساس کرنا چاہیئے۔

اِس سلسلہ میں ۲۰ رمئی کو کراچی میں مجلسِ ختمِ نبوّت کی جانب سے ایک پریس کانفرنس میں طبقۂ علماء نے جو بیان دیا ہے اسے ہم کم ازکم پاکستانی معیار کے علماء کے اذہان کا نتیجہ نہیں کہہ سکتے۔

اِس کانفرنس میں ہمارے ایک ذمّہ دار عالم مولانا مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ بھی شریک تھے اس اعتبار سے مولانائے موصوف بھی ایک حد تک مسئول ہیں جس کا ہمیں سخت ملال ہے۔ اور بصد ادب و احترام ہم قبلہ وکعبہ کی خدمت میں ملتجی ہیں کہ وہ آئندہ ایسی کسی نشست میں شمولیت نہیں فرمائیں گے جس میں شعوری طور پر قراردادِ مقاصد کا پاس اور اقلیتوں کے لئے جذبۂ احترام موجود نہ ہو۔ اِس وقت سوادِ اعظم کے علماء صرف احمدیت کے خلاف اپنی جنبہ دارانہ ذہنیّت کا استعمال کر رہے ہیں مگر ان کے بگڑے ہوئے تیور شیعوں کو بھی للکار سکتے ہیں اور رفضا اعلان کر رہی ہے" آج وہ کل ہماری باری ہے"۔ [1]

مشرقی پاکستان

روزنامہ "آزاد" (مشرقی پاکستان) مورخہ ۲۰ رمئی ۱۹۵۲ء نے لکھا:۔

معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کا ایک فریق کراچی میں ایک جگہ متواتر دو دن سے اپنا (سالانہ) جلسہ کر رہا ہے اور ایک اَور فریق کے لوگ جلسہ گاہ پر حملہ کر کے روک ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دوسرے دن وزیر خارجہ پاکستان چوہدری ظفر اللہ خان صاحب تقریر کر

---

[1] "دُرِّ نجف" بحوالہ روزنامہ الفضل لاہور مورخہ ۳ رجون ۱۹۵۲ء صـ۳

رہے تھے کہ عین اس وقت دوسرے فریق نے گڑبڑ ڈالنے کے لئے حملہ کر دیا۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو اس سے بعض لوگوں کی بے صبری اور عدمِ رواداری ہی ثابت ہوتی ہے۔ کسی معاملہ میں خاص کر مذہبی معاملات میں عدمِ رواداری اسلامی تعلیم کی رُوح کے بالکل خلاف ہے۔ پاکستان اور اسلامی دنیا کے کسی کونہ میں بھی ایسی ذہنیت کا وجود بڑے اچنبھے کی بات ہے۔ ان دنوں جب کہ تمام اسلامی دُنیا کے اتحاد کے خواب کو امرِ واقع اور حقیقتِ مشہودہ بنانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ ایسے نازک وقت میں فرقہ وارانہ مناقشات کو ہوا دینا اتحاد و یگانگت کی تمام تدبیروں کو ملیا میٹ کرنے کا موجب ہوگا۔ جب مسلمان کے لئے غیر مذاہب کے لوگوں کو محض اختلافِ عقائد کی بناء پر تکلیف دینا اسلامی شریعت میں ناجائز ہے تو خود کسی مسلمان کو اختلافِ عقائد کی وجہ سے کوئی دُکھ یا تکلیف دینا کہاں جائز ہو سکتا ہے؟ اختلاف خواہ کسی وجہ سے بھی ہو جنگل کا قانون یعنی یہ دستور کہ اپنی داد رسی آپ ہی کر لو اور جس سے اختلاف ہو اس کو مار کر تباہ کر دو قومی ترقی کے لئے ایک بہت بڑی سدِ راہ ہے۔ آج پاکستان کے ہر مرد اور ہر عورت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ مسلمان اپنے علم و عمل اور ریاضت ہی کے ذریعہ سے دوسروں کو ختم کر سکتے ہیں اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔" [1] (ترجمہ)

بھارت کا مسلم پریس

اس حادثہ کی بازگشت بھارت میں بھی سُنی گئی۔

۱۔ چنانچہ اخبار "حقیقت" (لکھنؤ) نے ۲۳ مئی ۱۹۵۲ء کے شمارہ میں ہنگامۂ کراچی کی مذمت کرتے ہوئے لکھا:۔

"کراچی کا فرقہ وار فساد

ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ پاکستان کے بنانے میں جن مسلم جماعتوں نے نمایاں حصّہ لیا اور اس جدّوجہد میں مسلم لیگ کی بہت زیادہ مدد کی ان میں پیش پیش جماعت احمدیہ قادیان بھی رہی ہے۔ اس جماعت کے افراد نے آنکھیں بند کر کے اور بغیر انجام پر غور کئے پاکستان بنائے جانے کی حمایت کی۔ آج اسی پاکستان میں اس کے لئے عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے اور اس کو ایک غیر مسلم

---

[1] بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور مورخہ ۱۱ تبوک ۱۳۳۱ ہش صہ۸ ۔

"اقلیت" قرار دئے جانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ اِس سے بحث نہیں کہ قادیانی جماعت کے مذہبی عقائد کیا ہیں؟ لیکن جب یہ دعوٰی کیا جاتا ہے کہ پاکستان میں ہر فرقہ کو یکساں مذہبی آزادی حاصل ہے تو پھر قادیانیوں پر اِس قدر تشدّد کیوں کیا جا رہا ہے؟ خاص کراچی میں پچھلے ہفتہ جو افسوسناک واقعہ پیش آیا اور جس کے نتیجہ میں ایک سَو سے زیادہ افراد زخمی ہوئے اور جا بجا آتشزدگی اور لُوٹ مار کے واقعات بھی ہوئے۔ کیا یہ پاکستانیوں کے اِس دعوٰی کی قطعی تردید نہیں ہے کہ وہاں ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل ہے؟ دیکھنا ہے کہ قادیانیوں کے بعد اَور کس فرقہ پر پاکستان کے مذہبی دیوانوں کا نزلہ گرتا ہے؟" [1]

اخبار "حقیقت" کے اِسی پرچہ میں درج ذیل خبر بھی شائع ہوئی:۔

"کراچی میں قادیانی ابھی تک اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلے
آگ لگانے کی اکّا دُکّا وارداتیں۔ پولیس کا وسیع انتظام"

کراچی ۲۲۔ مئی۔ قادیانیوں میں ابھی تک خوف و ہراس پھیلا ہوُا ہے۔ وہ ابھی تک اپنے گھروں سے باہر نکلتے گھبراتے ہیں۔ ان کا کاروبار ابھی تک بند ہے۔ ان کی حفاظت کے لئے انکے مکانوں پر پولیس بٹھا دی گئی ہے پھر بھی کہیں کہیں آگ لگانے کی اکّا دُکّا واردات ہو رہی ہے۔

جہانگیر پارک میں بلوہ کے سلسلہ میں جو تین سو اشخاص گرفتار کئے گئے تھے ان میں سے پولیس نے صرف ساٹھ اشخاص کو حراست میں رکھا ہے اور باقی کو چھوڑ دیا ہے۔ کل پولیس افسروں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تمام صورتِ حالات پر غور کیا گیا۔ بندر روڈ پر احمدیہ ایسوسی ایشن کی لائبریری بالکل بند پڑی ہے اس کے باہر پولیس کا پہرہ ہے۔ کراچی کے کمشنر نے ایک بیان میں کہا کہ قادیانیوں اور غیر قادیانیوں کے درمیان سنیچر اور اتوار کو جو تصادم ہوُا ہے اس کے پس پُشت ایک آرگنائزیشن کام کر رہی ہے۔ آپ نے کہا کہ حکومت کو اِس بلوہ کا پہلے ہی علم تھا۔ حکّام کو نامعلوم اشخاص کی طرف سے پہلے ہی مطلع کر دیا گیا تھا کہ جلسوں میں جھگڑا کیا جائے گا۔" [2]

۲۔ مولانا عبد الماجد دریا آبادی نے اپنے ہفتہ وار اخبار "صدقِ جدید" لکھنؤ (۲ جون ۱۹۵۲ء)

---

[1] روزنامہ "حقیقت" لکھنؤ ۲۳ مئی ۱۹۵۲ء صہ ۲۔

[2] روزنامہ "حقیقت" لکھنؤ ۲۳ مئی ۱۹۵۲ء صہ ۳۔

میں چوہدری صاحب کی اسلامی خدمات کو سراہتے ہوئے یہ نوٹ لکھا :-

"تبلیغ غیروں کی مجلس میں

سر ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان کا بیان ۲ر جون کی پریس کانفرنس کراچی میں

"میرے اُوپر بارہا یہ اعتراض ہو چکا ہے کہ مَیں ملکی اور بین الملکی معاملات میں قرآن اور حدیث کو پیش کیوں کر دیتا ہوں حالانکہ اگر ملکی اور بین الملکی مسائل کو دینی سند مل جائے تو بہتر ہی ہوا کرے۔ چنانچہ اِس وقت بھی اس اعتراض کا مزید خطرہ لے کر مَیں کہتا ہوں کہ ہمیں تو تعلیم اس کی ملی ہے کہ تعاونوا علی البرّ والتّقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[۱] اور ہمارے پیغمبر کا قول ہے جسے مَیں پیرس میں جنرل اسمبلی میں پچھلے نومبر کو پیش بھی کر چکا ہوں کہ انصرا خاك ظالمًا او مظلومًا۔[۲] الخ"

کاش یہی شیوہ عرب اور مصر اور عراق اور ایران اور شرق یردن اور شام اور افغانستان کے نمائندوں کا بھی ہوتا۔ کاش ان میں بھی جرأت غیروں کے سامنے اپنے ہاں کی چیزوں کے پیش کرنے کی ہوتی! اور ایک تو نمائندۂ پاکستان اپنے منفرد ہونے کی بناء پر غیروں کی مجلس میں بیشک عجیب سا معلوم ہوتا ہوگا اور اسی لئے اس کا استحقاق اجر بھی کہیں بڑھ رہا ہوگا۔ غیروں کی مجلس میں بے باکانہ تبلیغِ دین کی یہ سُنّت قائم کی ہوئی مولٰنا محمد علیؒ کی ہے۔ اور ایک بار مرحوم وزیر اعظم پاکستان نے بھی اِس کا حق امریکہ میں ادا کیا تھا اور اب تو اُونچے حلقوں میں یہ وزیر خارجہ پاکستان کے دَم سے ہی قائم ہے۔"[۳]

۳۔ رسالہ "مولوی" دہلی (بابت ماہ جولائی ۱۹۵۲ء) نے اِس واقعہ پر ایک درد انگیز مقالہ سپرد اشاعت کیا جس کا متن یہ ہے:-

"آپ اپنی تاریخ پر چاہے جتنا فخر کیجئے۔ آپ سلفِ صالحین کی حیاتِ طیبہ پڑھ کر کتنا ہی رقص کیجئے مگر اس کی حیثیت پدرم سلطان بُود سے ہرگز زیادہ نہ ہوگی۔ اسی اپنی گمشدہ متاع کو بروئے کار لانے اور اپنی بے چارگی کے بندھن توڑنے کے لئے تو اے راہبرانِ دینِ متین اور اے مجاہدینِ اسلام

---

[۱] مائدہ ع ۱ ÷ [۲] بخاری کتاب المظالم ÷ [۳] "صدقِ جدید" لکھنؤ ۲ر جون ۱۹۵۲ء بحوالہ روزنامہ الفضل لاہور مورخہ ۲۹ر جون ۱۹۵۲ء صٓ۔

آپ نے تقسیم کی مانگ کی تھی اور خدا نے اگر یہ اُس کا فضل تھا تو آپ کو اس نے نواز دیا۔

آج پورے پانچ سال ہوگئے کہ آپ آزاد ہیں۔ اپنے حاضر اور استقبال کے پورے مالک ہیں۔ آپ کے معاملات میں کوئی مداخلت کرنے والا بھی نہیں ہے۔ اللہ کے واسطے بتائیے کہ آپ نے ہم پسماندہ بھارت کے مسلمانوں کی نسبت سے زیادہ کونسا قدم اسلام کی طرف اُٹھایا اور وہ کونسی بات کی جس سے آپ کے دعویٰ کی ذراسی بھی سچائی دُنیا پر روشن ہوئی۔

الاکثم اُکا :- دہلی۔ یو۔پی۔ سی۔پی۔ بمبئی۔ مدراس کے مسلمانوں نے آپ کی ہمنوائی میں پورا پورا حصہ۔ یہ جان کر یہ بُوجھ کر کہ اس سے ہمیں مادّی نفع تو درکنار ہماری غلامی کے طوق اور بوجھل ہوں گے۔ ہماری بیڑیاں اب سے ہزار درجہ گراں بار ہوں گی۔ ہماری دُنیاوی عزتیں خاک میں ملیں گی۔ ہمارے اعزہ ہم سے جُدا ہوں گے۔ ہماری پیٹھیں ہی تازیانوں سے زخمی نہ ہوں گی، ہم پر پیٹ کی ماریں بھی پڑیں گی۔ ہم رکھوال اکثریت کی فیاضی سے بھی پوری طرح واقف تھے اور ان کی تنگ نظریاں بھی ہماری آنکھوں سے اوجھل نہ تھیں۔ اور وہ مصیبت جو ہم پر آئی اور آرہی ہے اور شاید ابھی پوری نہ ہوئی ہو وہ ہماری توقع سے چاہے شدید ہو لیکن غیر متوقع ہرگز نہ تھی۔

پھر اے سرفروشانِ اسلام! یہ بربادی ہم نے کیوں قبول کی؟ ہم پاگل تو نہ تھے صرف ایک لگن تھی اور وہ یہ کہ اس آزادی کے بعد یہ مجاہدین اور شیدایانِ اسلام قرونِ اولیٰ کا اسلام زندہ کریں گے۔ دُنیا میں اسلام کا بول بالا ہوگا۔ ہدایت کے چشمے پھوٹ نکلیں گے۔ رُشد کی چمکاہٹ غی کی ظلمت کو نابود کردے گی۔ یہ ہمارا اسلامی وطن حرم محترم ہوگا۔ یہاں انسانی خون ہی نہیں اس کے پسینہ کا ہر قطرہ محترم ہوگا اور دُنیا کو یہ بتلا دینے کے پورے اسباب وسائل ہمارے ہاتھ میں ہونگے کہ امن، ایٹم بموں۔ جراثیم بموں۔ لہر کی گیسوں سے قائم نہیں ہوسکتا کہ یہ سب شیطانی ہتھیار ہیں رحمانی ہتھیار تو ایثار ہے۔ انسانی ہمدردی ہے۔ انسانی برابری ہے۔ ادائے حقوق العباد ہے۔ اور دیکھو کہ ہم دُنیا کی ہر مادّی اتباع سے تہی دست ہیں لیکن پھر بھی پوری دُنیا سے مالدار ہیں کہ خدا کی تائید ہے۔ اُس کا فضل ہمارے ساتھ ہے۔ وکفیٰ باللہ وکیلاً۔

یہ تھا وہ خواب جس پر ہم نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ اے اُونچے ایوانوں میں رہنے والے راہنماؤ! اے صوفہ اور قالینوں کو زینت دینے والے مجاہدو! اور اے کفن بر دوش مسلمانو!

تم ہم سے کیا کہہ کر گئے تھے اور اب کیا کر رہے ہو۔ ابتدائی صعوبات کے زمانہ کو چھوڑ کر جب خدا نے تم کو اپنے کرم سے بے خوف کیا، غنی کیا، تم کو حکومت دی تم نے اس کے افضال کا کونسا قرضہ چکایا؟

ہمارے دل کتنے دردمند ہیں ہم تم کو یہ نہیں بتا سکتے اور بتانا بھی نہیں چاہتے۔ ہم یہاں کتنے بے عزت ہیں اس کا استفسار بھی تم سے مقصود نہیں کہ اس بے عزتی کے ذمہ دار تم ہو! اور تم سے گلہ بھی نہیں کرتے کہ تم اس کے اہل نہیں۔ تم سے کوئی مدد بھی نہیں چاہتے کہ تمہارے پاس دھرا کیا ہے؟ تم نے متاعِ ایمان و اسلام کو ہی زنگ آلود بنا دیا تو پھر تمہارے پاس کیا رکھا ہے جو ہماری مدد کرو گے؟ ہم فاقوں کو برداشت کر لیتے ہیں کہ روزہ ہم کو اس پر صبر دلا دیتا ہے۔ ہم اس بے عزتی کو بھی سہار لیتے ہیں کہ بھارت کا فروتر سے فروتر غیر مسلم آج اس دور میں ہم سے زیادہ معزز ہے آج ہمارے آگے ہاتھ پھیلانے والا ہم کو بے تکلف گالی دیتا ہے اور ہم خاموش ہو جاتے ہیں۔ ہم معمولی سی چپقلش میں اکثریت اور اس کے بعد پولیس کے ڈنڈے کھاتے ہیں۔ پھر جیل بھی ہم ہی جاتے ہیں۔ ہماری منقولہ متاع یہاں بنئے بسنے والوں نے چھین لی اور غیر منقولہ محافظینِ جائداد نے اپنی حفاظت میں لے لیں۔ ہم نہایت محنتِ شاقہ کے بعد مٹھی بھر آن جوں توں حاصل کر لیتے ہیں اور پیٹ کی آگ بجھا لیتے ہیں۔ ہمارے خاندان متفرق ہوئے۔ مائیں اولاد سے دور ہوئیں۔ خاوند بیویوں سے جدا ہوئے۔ بہنیں بھائیوں کی صورتوں کو ترس گئیں۔ بچے باپ کے جیتے جی یتیم ہو گئے۔ اس پر طرّہ یہ کہ آنے جانے کے راستے ہم پر بند ہو گئے۔ ہم نے ان طبعی تلملاہٹوں اور فطری بے چینیوں کو نیچی نظروں سے قبول کر لیا۔ تمہاری طرف تو کیا دیکھتے ہم نے تو آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھائی اور کھل کر آہ بھی نہ کی۔ یہ سب کہانیاں نہیں کسی ڈرامہ کی ٹریجڈی کے ٹکڑے نہیں۔ اے مجاہدین! اسلام حقیقت ہے اور اس کا بھارت کے مسلمان کا ہر دل گواہ ہے۔ یہ سب ہم نے برداشت کیا۔ جو نہیں برداشت ہو سکتا وہ یہ... کہ ہمارے غیر مسلم بھائی ہمارے دل و دماغ میں بھالے چبھوتے ہیں کہ یہ ہے تمہارا پاکستان۔ اسی کے لئے تم نے ہم سے لڑائی مول لی۔ تم تو کہتے تھے کہ اسلام بڑا روادار مذہب ہے اس میں انسانی خون اور آبرو کی بڑی عزت ہے۔ کیا یہی رواداری ہے کہ غیر مسلم تو کجا تم مسلم کے بھی تھوڑے سے اختلاف کو نہیں بخش سکتے۔ تمہارے بھائیوں نے اپنے ہی قوم اور وطن کے بھائیوں کو ذرا سے بل بوتے پر کیا ناچ نچایا۔ ان کے جلسہ گاہ میں پہنچ گئے جو انہوں نے تمہاری

حکومت میں تمہاری اجازت لے کر کیا تم نے اُن کو رسوا کیا۔ ان کا جلسہ درہم برہم کیا۔ اس پر ہی بس نہیں ان کی دکانوں کو آگ لگائی۔ اُن کی زندگیاں خطرے میں ڈال دیں۔ یہ وہ مرزائی ہیں جن کا تمہارا دینی اختلاف ہے۔ جب ان کی زیست حرام کر سکتے ہو تو غیر مسلموں پر گیا آفت نہ ڈھاؤ گے؟ وہ تمہارا الزام اسلام پر لگاتے ہیں اور ان کو لگانا بھی چاہیئے کیونکہ نہ انہوں نے قرآن پڑھا ہے نہ اسلامی تعلیم کا مطالعہ کیا۔ ہاں ان کو تمہارا وہ دعویٰ آج بھی یاد ہے کہ ہم با اختیار ہوئے تو ہماری حکومت کی تشکیل اسلامی ہوگی اور ان کا اب یہ سمجھنا کون غلط بتا سکتا ہے کہ جو کچھ تم کہتے ہو اور کرتے ہو اسلام نہیں ہے۔" لہ کہ کہ

مصری لیڈر السید مصطفٰے مومن کا بیان

مصر کی وفد پارٹی کے ایک راہنما اور شعوب المسلمین کے مندوب السید مصطفٰے مومن نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کی خدمات صرف پاکستان کے وزیر خارجہ کی نہیں ہیں بلکہ آپ مشرقِ وسطیٰ اور بالخصوص مصر اور عرب دُنیا کے بھی وزیرِ خارجہ ہیں۔ وہ بہت بڑے مدبّر ہیں انہوں نے اقوامِ متّحدہ میں تونس، مراکش، ایران اور مصر کی حمایت کر کے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ چوہدری صاحب

لہ بحوالہ روزنامہ الفضل لاہور مورخہ ۱۷ رجولائی ۱۹۵۲ء +

کہ مسلم پریس کے علاوہ بھارت کے مشہور غیر مسلم صحافی سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون اخبار "ریاست" دہلی (۲۶ مئی ۱۹۵۲ء) میں لکھا:-

"چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں کے حالات اور اُن کے کیریکٹر سے جو لوگ واقف ہیں وہ اقرار کریں گے کہ جہاں تک مذہبی خیالات کا سوال ہے پاکستان کی وزارت تو کیا دُنیا کے تمام ممالک کی وزارتیں بھی ان کے پاؤں میں لغزش پیدا نہیں کر سکتیں اور یہ ممکن ہی نہیں کہ یہ اپنے خیالات کو چھوڑ دیں۔"

کہ حادثہ کراچی سے متعلق اکثر و بیشتر تبصرے "احراری ناپاک سازش" (مولفہ ملک محمد اکبر علی صاحب واقفِ زندگی) سے ماخوذ ہیں۔ ناشر مکتبہ تحریک انارکلی لاہور۔ طبع اوّل +

یہ حملہ پوری اسلامی دنیا پر حملہ ہوگا۔ ؎۱ ؎۲

؎۱ روزنامہ "آفاق" (لاہور) ۲۵ مئی ۱۹۵۲ء ⁂

؎۲ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کے عہدِ وزارت کی خارجہ پالیسی کی نسبت چوہدری محمد علی صاحب سابق وزیر اعظم پاکستان کا بیان ہے کہ :-

"عالمِ اسلام کی آزادی، استحکام، خوشحالی اور اتحاد کے لئے کوشاں رہنا پاکستان کی خارجہ پالیسی کا ایک مستقل مقصد ہے۔ حکومتِ پاکستان کا ایک اوّلین اقدام یہ تھا کہ مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں میں ایک خیر سگالی وفد بھیجا گیا۔ پاکستان نے فلسطین میں عربوں کے حقوق کو اپنا مسئلہ سمجھا اور اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ خاں اس کے فصیح ترین ترجمان تھے۔ علاوہ ازیں انڈونیشیا، ملایا، سوڈان، لیبیا، تونس، مراکش، نائیجیریا اور الجزائر کی آزادی کی مکمل حمایت کی گئی۔ مغربی ایریان کے مسئلے پر پاکستان نے انڈونیشیا کا پورا ساتھ دیا۔ کئی مسلم ملکوں کے ساتھ دوستی کے معاہدے کئے گئے اور ثقافتی ارتباط کا انتظام کیا گیا ہے۔ مؤتمر عالمِ اسلامی کی تنظیم عمل میں لائی گئی۔ ۱۹۴۹ء میں کراچی میں بین الاقوامی اقتصادی کانفرنس منعقد کی گئی جس میں ۱۸ مسلم ملکوں کے نمائندے شامل ہوئے تھے۔ کانفرنس نے اتفاق رائے سے اسلامی ایوان ہائے صنعت و تجارت کا بین الاقوامی وفاق قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔" (ظہورِ پاکستان ص۴۴۵)

اسی کتاب میں انہوں نے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی خدماتِ کشمیر کا تذکرہ بایں الفاظ کیا ہے :-

"سلامتی کونسل نے ۱۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو ہندوستان کی شکایت اور پاکستان کے جواب کی سماعت شروع کی۔ ظفر اللہ خاں نے مقدمہ کی ایسی اعلیٰ وکالت کی کہ سلامتی کونسل کو یقین آگیا کہ مسئلہ محض کشمیر سے نام نہاد حملہ آوروں کو نکال دینے کا نہیں ہے جیسا کہ ہندوستان کا نمائندہ اسے باور کرانا چاہتا تھا بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے تعلقات کو منصفانہ اور پُر امن اساس پر استوار کیا جائے اور تنازعِ کشمیر کو ریاست کے عوام کی مرضی کے مطابق حل کیا جائے۔"

(ظہورِ پاکستان از چوہدری محمد علی صاحب مترجمہ بشیر احمد صاحب ارشد۔ ناشر مکتبہ کارواں کچہری روڈ لاہور طبع ثانی ۱۹۷۲ء مسعود پرنٹرز لاہور ص۳۶۰)

فصل دوم

◉ خُدا سے زندہ تعلّق کے لئے خصوصی دُعاؤں کی تحریک ◉ رسالہ پاکستان لاء ریویو (کراچی) میں حضرت مصلح موعودؓ کا مقالہ ◉ ایک فقہی مسئلہ میں حضرت مصلح موعودؓ کی واضح راہنمائی ◉ عُروجِ احمدیّت کی پیشگوئی ◉ صبر و صلوٰۃ کی پُر زور تلقین۔

خُدا سے زندہ تعلق کیلئے دُعاؤں کی خاص تحریک

آسمانی جماعتوں اور سلسلوں کے لئے ابتلاؤں اور مخالفتوں کا زمانہ خدا سے زندہ تعلق پیدا کرنے کا موسم ہوتا ہے۔ یہی وہ سُنہری دَور ہوتا ہے جس میں خدا کے سچے بندوں کا اپنے مولیٰ سے تعلق پختہ اور مستحکم ہوتا ہے اور سلسلہ احمدیہ میں یہ نظارے ابتداء سے اب تک مسلسل دکھائی دیتے ہیں ؎

عدو جب بڑھ گیا شور و فغاں میں
نہاں ہم ہو گئے یارِ نہاں میں

تحریکِ احمدیت کی اِس مخصوص روایت کو ۱۳۳۱ھش/ ۱۹۵۲ء کے مصائب و آلام میں قائم رکھنا ازبس ضروری تھا اسی حکمت کے پیشِ نظر حضرت مصلح موعودؓ نے اِس سال رمضان المبارک کے آخری جمعۃ المبارک میں خاص تحریک فرمائی کہ وہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ سے اُن کا زندہ تعلق پیدا ہو جائے چنانچہ فرمایا:۔

"خدا تعالیٰ کی محبت، خدا تعالیٰ پر یقین اور وثوق پیدا کرنا اور اس سے ملنے کی کوشش کرنا ایک طبعی جذبہ ہے لیکن کتنے نوجوان ہیں جو ایسا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ فرمایا تھا اُس وقت ہر انسان کا ایک ہی مقصد تھا کہ وہ آپ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کو ملے گا۔ وہ لوگ آگے بڑھتے تھے کیونکہ ان میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ اگر کسی چیز نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دوسرے علماء پر امتیاز دیا ہے تو وہ یہی چیز ہے کہ آپ کی پیروی کرنے سے خدا ملتا ہے۔ مسائل دوسرے علماء بھی جانتے ہیں۔ اگر آپ کی وجہ سے کوئی فرق پیدا ہوا ہے تو وہ یہی ہے کہ آپ کی پیروی سے خدا تعالیٰ ملتا ہے۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ خدا تعالیٰ کو ملنے کا دروازہ کھلا ہے بند نہیں۔ لیکن اب کتنے نوجوان ہیں جو خدا تعالیٰ کو ملنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جتنا وقت دُور ہوتا جاتا ہے لوگوں سے یہ خواہش مٹتی جاتی ہے۔ حالانکہ چاہیئے یہ تھا کہ ہمت اور کوشش سے اس جذبہ کو اُبھارا جاتا۔ اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آنا بھی بیکار ہے۔

پس اِن دِنوں میں دعائیں کرو۔ نوجوان اپنے اندر یہ رُوح پیدا کریں کہ خدا تعالیٰ کا زندہ تعلق حاصل ہو جائے۔ پہلے اگر ایک شخص جاتا تھا جسے خدا تعالیٰ سے تعلق ہوتا تھا تو اس کی جگہ کئی اَور پیدا ہو جاتے تھے۔ بجائے اس کے کہ تم یہ کہو کہ اب ایسا کوئی شخص نہیں جس کا تعلق خدا تعالیٰ سے ہو یا جسے الہام ہوتا ہو۔ تم خود کوشش کرو کہ اگر ایک ایسا شخص مر جائے تو بیس اَور ایسے آدمی پیدا ہو جائیں۔ اور اگر ۲۰ آدمی مر جائیں تو ۲۰۰ اَور ایسے آدمی پیدا ہو جائیں۔ اگر ۲۰۰ مر جائیں تو ۲۰ ہزار اَور ایسے آدمی پیدا ہو جائیں۔ یہ چیز ہے جو تمہارے حوصلوں کو بڑھائے گی اور دُنیا کو مایوس کر دینے والی ہوگی۔ دُنیا مادی ہتھیاروں کی طرف دیکھتی ہے۔ اگر ہزاروں لوگ ایسے پیدا ہو جائیں جو خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونے والے ہوں۔ خدا تعالیٰ کے نشانات دیکھنے والے ہوں خدا تعالیٰ پر یقین رکھنے والے ہوں اور اس کا ظہور اپنی ذات میں محسوس کرنے والے ہوں تو دوسرے لوگ خود بخود مایوس ہو جائیں گے کیونکہ دوسرے لوگ قصے سناتے ہیں اور یہ لوگ آپ بیتی سنائیں گے اور جگ بیتی آپ بیتی جیسی نہیں ہوتی۔ جب ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جن کا خدا تعالیٰ سے تعلق ہوگا تو جگ بیتی بھاگ جائے گی اور آپ بیتی غالب آ جائیگی

کیونکہ سُنی سُنائی بات دیکھی ہوئی بات پر غالب نہیں آ سکتی "۔ [1]

پاکستان میں قانون کا مُستقبل

سندھ مسلم لاء کالج نے ایک سہ ماہی رسالہ پاکستان لاء ریویو کے نام سے کراچی سے جاری کیا جس کے اگست ۱۹۵۲ء کے شمارہ میں حضرت مصلح موعودؓ کا رقم فرمودہ حسب ذیل مقالہ سپردِ اشاعت ہؤا:۔

"مجھے یہ معلوم کر کے ازحد مسرت ہوئی ہے کہ سندھ مسلم لاء کالج عنقریب ایک سہ ماہی رسالہ اِس مقصد کے لئے جاری کر رہا ہے کہ وہ اپنے قارئین کو قانون کے سائنٹیفک طور پر مطالعہ کرنے کی طرف عموماً اور پاکستان میں قوانین کو بہتر بنانے کے متعلق امور پر بحث کرنے کی طرف خصوصاً راہنمائی کر سکے تاکہ اِس طرح عام لوگوں اور ماہرینِ علمِ قانون کے نظریات اور خیالات میں یگانگت اور ہم آہنگی پیدا کی جا سکے اور تاکہ ماہرینِ علمِ قانون اپنے اہم فرائض سے بہتر طریق پر زیادہ سہولت کے ساتھ عہدہ برآ ہو سکیں۔

اِس میں شک نہیں کہ علمِ قانون دوسرے علوم کی طرح بلکہ ان میں سے اکثر سے کچھ زیادہ ہی اِس بات کا محتاج ہے کہ اس کو انسانی عمل اور تجربہ کی روشنی میں منضبط اور مرتّب کیا جائے تاکہ یہ زیادہ سے زیادہ انسانوں کی صحیح راہنمائی کر سکے لیکن بدقسمتی سے ایشیا کے باشندے کئی صدیوں سے غیروں کی ماتحتی میں رہنے کی وجہ سے اس ضروری علم سے بالکل بے بہرہ ہو چکے ہیں۔ اب جبکہ کم از کم ایشیا پر مکمل آزادی کا سُورج طلوع ہو چکا ہے اور اس کے باشندوں نے بھی دُنیا کی آزاد اقوام کی طرح اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھ لیا ہے یہ امر اَور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ وہ مغربی ممالک کے مقابلہ پر علمِ قانون کے مطالعہ کے لئے زیادہ توجّہ اور زیادہ وقت صرف کریں۔ دُنیا کی آزاد اقوام نے علمِ قانون کے لمبے مطالعہ اور تجربہ کے بعد آخرکار اپنے ممالک کے قوانین کے لئے ایک مخصوص راستہ اور پس منظر پیدا کر لیا ہے جو کامل طور پر ان کی شخصی اور اجتماعی ضروریات کو پُورا کرتا ہے۔ علاوہ اس کے ان میں وسیع اور گہرا علم رکھنے والے ماہرینِ قانون موجود ہیں جو اپنے لوگوں کے پُرانے اختیار کردہ راستہ کے مطابق نئے پیدا ہونے والے دُشوار اور دقیق قانونی مسائل کو حل کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ ایشیائی لوگوں کے لئے بہرحال یہ مُشکل ہے کہ ان میں جو لوگ

[1] روزنامہ الفضل لاہور ۸ روفا ۱۳۳۱ ہش / ۸ رجولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۲

قانون کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کا علم بھی رکھتے ہیں وہ کوئی گزشتہ تجربہ اور قومی روایات نہیں رکھتے جن سے انہیں نئے قوانین بنانے میں مدد مل سکے۔ پس ان کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنے لئے ایک نیا راستہ بنائیں اور پھر ان تمام مشکلات اور رکاوٹوں کا مقابلہ کر کے ان پر قابو پائیں جو مبتدیوں کو پیش آتی ہیں۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے لوگوں کو اس راہ میں سب سے بڑی مشکل یہ پیش آئے گی کہ اس کے باشندوں میں ایک بڑی اکثریت مسلمانوں کی ہے اور پاکستان کی حکومت کسی فوجی یا ملکی فتح کے نتیجہ میں قائم نہیں ہوئی بلکہ وہ ایک معاہدہ کے ذریعہ سے معرضِ وجود میں آئی ہے اِس لئے اپنے قوانین بناتے ہوئے پاکستان کو باوجود اپنی وسیع مسلمان اکثریت کے اس معاہدہ کا لحاظ رکھنا پڑے گا ورنہ اسی کو اِس بات کا بجا طور پر ملزم گردانا جائے گا کہ اس نے ایک باہمی معاہدہ توڑ دیا۔ جوش اور ولولہ اگرچہ ایک قابلِ تعریف خصلت ہے لیکن اِس کا حد سے بڑھ جانا بھی غلط اقدام کا باعث بن جاتا ہے۔ ترکی میں مذہب کا سیاست سے بالکل الگ کیا جانا دراصل اسی قسم کے غلط مذہبی جوش کا ردِّ عمل تھا۔ اسلام سے محبّت اور اپنے ملک میں اس کے قیام کی خواہش یقیناً بہت اعلیٰ جذبات ہیں لیکن اگر ان ہی جذبات کو مناسب حدود سے تجاوز کرنے دیا جائے تو یہی ہمیں اسلام سے دُور لے جانے کا باعث بن جائیں گے۔

ہمارے رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکّہ والوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا جو تاریخ میں صُلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اِس معاہدہ کی ایک شرط یہ بھی کہ اگر کوئی مسلمان کفر اختیار کر لے تو اسے مکّہ جانے کا پُورا اختیار ہوگا لیکن اس کے برعکس اگر کوئی کافر اسلام لے آئے تو اسے مدینہ کی اسلامی ریاست میں رہنے کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ انسے اس کے وارثوں اور رشتہ داروں کے پاس واپس بھیج دیا جائے گا۔ یہ شرط مسلمانوں کے لئے بظاہر نقصان دِہ اور ذلیل کُن معلوم ہوتی تھی اور انہوں نے اس ہتک کو محسوس بھی کیا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے لیڈر بھی کچھ وقت کے لئے تذبذب میں پڑ گئے۔ ابھی اِس معاہدہ پر دستخط ہوئے ہی تھے کہ ایک نوجوان جس کا نام ابوجندل تھا بیڑیوں میں جکڑا ہوا بمشکل تمام اس مجلس میں آپہنچا جہاں اس کے باپ سہیل نے ابھی ابھی مکّہ والوں کی طرف سے معاہدہ پر دستخط کئے تھے۔ سہیل نے فوراً مطالبہ کیا کہ معاہدہ کے مطابق ابوجندل کو

مکہ واپس کیا جائے مسلمانوں نے جب اِس معاہدہ کا عملی پہلو دیکھا تو اسے نہایت خطرناک اور ذلیل کُن خیال کیا اور ابوجندل کی حفاظت میں فوراً تلواریں کھینچ لیں لیکن رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمجھایا اور فرمایا :-

"خدا کے رسول اپنا عہد کبھی توڑا نہیں کرتے" [1]

اور مسلمانوں کی جذبات انگیز درخواستوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ابوجندل کو اس کے باپ کے حوالہ کر دیا۔ اِس لئے ایک پاکستانی مسلمان خواہ کتنا ہی مخلص اور دینی جوش رکھنے والا ہو کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اسلام کی محبّت اور خیرخواہی میں اتنا گدا زہے جتنا حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اِس معاملہ میں ہمارے لئے خود ایک اعلیٰ نمونہ چھوڑ گئے ہیں۔ اگر ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی نظر میں ویسا ہی اچّھا مسلمان ثابت ہونا چاہتا ہے جیسا کہ وہ خود گمان کرتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ لفظی اور معنوی طور پر ان تمام معاہدات اور وعدوں کو پُورا کرے جو پاکستان بننے کے وقت اقلیتوں اور دوسری قوموں سے کئے گئے تھے اگر وہ ان وعدوں کے ایفاء سے ذرا بھی پہلوتہی کرتا ہے تو وہ درحقیقت اسلام سے دُور جاتا ہے۔

پاکستان کے قوانین بناتے ہوئے ہمیں خاص خیال رکھنا ہوگا کہ :-

ا۔ تعلیمِ اسلام کی رُوح ہمیشہ ہمارے مدِّنظر رہے۔

ب۔ ہمارے قوانین فطرتِ انسانی کے ساتھ کامل مطابقت رکھتے ہوں۔

ج۔ ہم ان وعدوں کو ہر لحاظ سے پُورا کریں جو اقلیتوں سے کئے گئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے مطابق ہر بچّہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

(بخاری کتاب القدر)

اب اگر حضور کا یہ ارشاد صحیح اور سچّا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سچّا کون ہو سکتا ہے تو پھر اسلام کے قوانین بھی انسانی فطرت کے خلاف نہیں ہو سکتے اور نہ ہی انسانی فطرت قوانینِ اسلام کے خلاف ہو سکتی ہے۔ پس ہمارا یہ ایک مقدّس فرض ہے کہ ہم مندرجہ بالا حدیث کو سامنے رکھیں اور اِس حقیقت پر یقین رکھیں کہ اسلام نے جو کچھ سکھایا ہے فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے اگر اسلام کی تعلیم کا وہ حصّہ جسے ہم انسانی فطرت کے خلاف سمجھتے ہیں واقعی انسانی فطرت کے

[1] طبری جلد ۲ (حالات صلح حدیبیہ) از علّامہ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (۲۲۴ھ - ۳۱۰ھ)

خلاف ہے تو ظاہر ہے کہ ہم نے اس حصّۂ تعلیم کی رُوح کو اخذ نہیں کیا لیکن اگر ہم نے اسلامی تعلیم کو صحیح طور پر سمجھا ہے تو فطرتِ انسانی کبھی بھی اس کے خلاف نہیں ہو سکتی اور یقیناً کہیں پر ہماری ہی غلطی ہوگی۔ اس صورت میں ہمیں چاہیئے کہ اس معاملہ پر زیادہ گہرے طور پر غور کریں اور مزید کوشش کر کے اصل حقیقت کو معلوم کریں۔ اگر ہم اِس نہایت ہی مضبوط اصل کو سامنے رکھیں گے تو ہم یقیناً بہت جلد صداقت کو پالیں گے اور اپنے ملک کے لئے بہترین قوانین بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے یہ صحیح ہے کہ ہم اپنے ملک کے ہر طبقہ یعنی مولویوں، مغربیّت زدہ تعلیمیافتہ لوگوں، غریبوں اور امیروں کو پُوری طرح مطمئن نہیں کر سکتے لیکن مندرجہ بالا دانشمندانہ اصول پر عمل کر کے ہم یقیناً انسانی فطرت کے تقاضوں کو پُورا کر سکیں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے میں دُعا کرتا ہوں کہ پاکستان کے قوانین بنانے والوں اور ان پر عمل کرانے والوں کو۔ انکے وکیلوں کو اور قوانین کی کتابیں لکھنے والوں کو اور ان کے شارحین کو اللہ تعالیٰ اسلام کے بنائے ہوئے طریق کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ مفید رسالہ جو کہ سندھ مسلم لاء کالج کی طرف سے جاری کیا جا رہا ہے اس مقصد کے حصول کے لئے ایک مفید آلہ ثابت ہو۔"[1]

احترامِ مساجد سے متعلق ایک فقہی مسئلہ اور حضرت مصلح موعودؓ کا موقف

پنجاب میں احمدیوں کے خلاف فرقہ وارانہ تقاریر سے صوبہ بھر کا امن و امان درہم برہم ہونے لگا تو پنجاب کے وزیرِ اعلیٰ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے ۱۱ جون ۱۹۵۲ء کو فرقہ وارانہ نوعیّت کے تمام جلسوں پر پابندی لگادی اور تمام ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو ہدایت دی کہ جمعہ کے ایسے اجتماعات پر بھی نگاہ رکھیں جن کو خطیب فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے لئے استعمال کریں۔[2]

حکومتِ پنجاب نے اِس پابندی کی وضاحت میں حسبِ ذیل پریس نوٹ جاری کیا:۔

"حکومتِ پنجاب عوام کی اطلاع کے لئے ان واقعات کا پس منظر بتانا چاہتی ہے جس کے پیشِ نظر صوبہ کے مختلف اضلاع میں ایک خاص نوعیّت کے پبلک جلسوں کے انعقاد پر پابندی عائد کرنا

---

[1] روزنامہ الفضل لاہور مورخہ ۲۰ ؍ تبوک ۱۳۳۱ ہش مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۵۔

[2] سول اینڈ ملٹری گزٹ ۱۷ ؍ جون ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

پڑی۔

کچھ عرصہ سے صوبہ میں مجلسِ احرار اور احمدیوں کے درمیان مناقشت نے پبلک جلسوں میں اشتعال انگیز تقاریر کی ناگوار صورت اختیار کر لی ہے۔ ان تقریروں میں اکثر مذہبی بحث و مناظرہ کی تمام جائز حدود کو نظر انداز کر دیا گیا اور ان تقریروں سے زیادہ تر پاکستانی شہریوں کے دو طبقات کے درمیان نفرت اور کشیدگی بڑھتی جا رہی ہے اِس طرح ماحول میں جو کشیدگی پیدا ہوئی اسکے باعث چند مقامات پر تشدّد کے واقعات بھی پیش آئے جن سے جانی نقصان اور دوسرے نہایت افسوسناک نتائج برآمد ہوئے۔۔۔۔ امنِ عامہ برقرار رکھنے کے اوّلین فریضہ کا خیال کرتے ہوئے حکومت اِس صورتِ حال کے جاری رہنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی خصوصاً اس خطرہ کے پیشِ نظر کہ اگر تشدّد کے لئے بالواسطہ اور بلا واسطہ اشتعال انگیزیوں کا مؤثر سدِّ باب نہ کیا گیا تو حالات اَور بھی ابتر ہو جائیں گے اور آبادی کے دو حصّوں میں کھلّم کھلا زبردست تصادم شروع ہو جائیگا۔

نفرت انگیزی کے اِس ماحول میں بعض لوگوں کے ذہنوں کی افتاد کیا ہو گئی؟ اس کی مثال ایک پوسٹر سے ملتی ہے جس کی کاپیاں متعلقہ جماعتوں میں سے ایک جماعت کے دفتر سے دستیاب ہوئی ہیں اس پوسٹر میں اعلانیہ تلقین کی گئی ہے کہ دوسری جماعت کے مبلّغوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی مساجد پر جبراً قبضہ کر لیا جائے۔ اِس پوسٹر میں ایک طبقہ کے مزارعین سے بھی کہا گیا ہے کہ دوسرے طبقہ سے تعلّق رکھنے والے جاگیرداروں کو بٹائی بھی نہ دیں۔۔۔ اور ان کی جائداد کی ضبطی کو ایک جائز اقدام تصوّر کریں۔ اِن حالات میں ضروری تھا کہ حالات کو ابتر ہونے سے بچایا جاتا چنانچہ پبلک جلسوں پر پابندی عائد کرنا ضروری سمجھا گیا تا کہ دونوں میں سے کوئی جماعت باہمی مناقشت کو جاری نہ رکھ سکے۔

حکومت اِس ضمن میں اِس امر کی پُوری وضاحت کر دینا چاہتی ہے کہ اس نے پُوری پُوری احتیاط کی ہے کہ یہ احکام کسی جگہ بھی عوام کی جائز مذہبی سرگرمیوں میں مداخلت یا ایسی مذہبی سرگرمیوں پر معمولی سی پابندی عائد کرنے کے بھی موجب نہ ہوں۔ حکومت صوبہ میں کسی جائز سیاسی یا سماجی سرگرمی کے رستہ میں بھی رکاوٹ حائل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی جلسوں پر پابندی کے احکام اسی سپرٹ میں عائد کئے گئے ہیں۔" [1]

---

[1] آفاق یکم جولائی ۱۹۵۲ء بحوالہ روزنامہ الفضل لاہور مورخہ یکم جولائی ۱۹۵۲ء

حکومت کے اِس اقدام پر علماء کے حلقوں میں سخت تنقید کی گئی حتّٰی کہ اسے "مداخلت فی الدین" کا مرتکب قرار دیتے ہوئے کہا گیا:۔

"خانۂ خدا پر کسی سلطنت کا کوئی قانون لاگو نہیں ہو سکتا مساجد حکومت کے قوانین سے مستثنٰی ہُوا کرتی ہیں"۔ [۱]

اس پر حکومتِ پنجاب نے اعلان کیا:۔

"یہ بالکل غلط ہے کہ سرکاری احکام کسی قسم کے مذہبی اجتماعات یا مذہبی عبادات یا مساجد میں کسی مذہبی سرگرمی میں مخل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص قانون کے خلاف کوئی حرکت کرتا ہے تو اس سے یقیناً مواخذہ کیا جائے گا قطع نظر اس سے کہ اس سے یہ حرکت مسجد میں سرزد ہوئی ہے یا مسجد سے باہر"۔ [۲]

احرار حکومت کی اس کشمکش سے عوام میں یہ سوال خود بخود اُبھر آیا کہ کیا حکومتِ پنجاب نے ایسا حکم دے کر واقعی مداخلت فی الدین کا ارتکاب کیا ہے یا وہ اس کی شرعاً مجاز ہے۔

سیّدنا حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ نے اِس اہم فقہی مسئلہ پر راہنمائی کے لئے حسبِ ذیل مضمون سپردِ قلم فرمایا:۔

"آجکل یہ سوال بڑے زور شور سے پیدا ہے کہ آیا حکومت کسی ایسے معاملہ میں دخل دے سکتی ہے جس کا فیصلہ یا جس کا انعقاد کسی مسجد میں ہُوا ہو۔ اور آیا حکومت اگر ایسا کرے تو یہ تداخل فی الدین ہوگا یا نہیں؟ اِس سوال کے دو پہلو ہیں۔ اوّل تو یہ کہ کیا مساجد میں منعقد ہونیوالے جلسوں یا مساجد میں کئے گئے فیصلوں یا مساجد کی پناہ میں آنے والے لوگوں کو اسلامی شریعت نے قانون سے بالا سمجھا ہے۔ دوسرے یہ کہ کیا عقلاً یہ بات قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہے؟ ان دونوں سوالوں کے جواب میں مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سُورہ توبہ میں کچھ ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے حکومتِ وقت یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی جماعت کے خلاف کارروائیاں کرنے کے لئے ایک مسجد تیار کی تھی اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں

---

[۱] "آزاد" لاہور ۳۰ رجون ۱۹۵۲ء صـ۲ بحوالہ الفضل ۶ رجولائی ۱۹۵۲ء

[۲] "آفاق" لاہور ۳ رجولائی ۱۹۵۲ء بحوالہ الفضل ۳ رجولائی ۱۹۵۲ء صـ۸

آکر نماز پڑھنے اور دعا کرنے کی دعوت دی تھی۔ درحقیقت ان لوگوں کی غرض یہ تھی کہ اس جگہ پر جمع ہو کر بعض سیاسی امور کا تصفیہ کریں جو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی جماعت کے خلاف تھے غالباً ان لوگوں کا خیال بھی آجکل کے احرار کی طرح تھا کہ جو امر مسجد میں طے کیا جائے وہ قانون کی زد سے بالا ہوتا ہے اور جو کوئی اِس معاملہ میں دخل اندازی کرے وہ مداخلت فی الدین کا موجب سمجھا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان لوگوں کا ذکر کیا اور ان کے اِس فعل کو ناجائز قرار دیا۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ بَنَوْا رِيْبَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبة ع ۱۳)

اِن آیات کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ جو کوئی مسجد بناتے ہیں یا کسی مسجد کو اختیار کر لیتے ہیں اِسلئے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو نقصان پہنچائیں اور نافرمانی کی تعلیم دیں اور مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کریں اور وہ لوگ جو کہ اللہ اور اس کے رسُول کی خاطر لڑ رہے ہیں ان کے لئے گھات میں بیٹھیں اور ان کے اُوپر حملہ کریں اور بڑی شدت سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم اپنے افعال سے صرف نیکی اور بھلائی چاہتے ہیں۔ اللہ گواہی دیتا ہے کہ ایسے لوگ جھوٹے ہیں۔ اے خدا کے رسول تُو ایسی مسجد میں مت کھڑا ہو۔ وہ مسجدیں جن کی بنیاد تقویٰ پر قائم کی گئی ہے ابتدائی دن سے وہ زیادہ حقدار ہیں کہ تُو ان میں کھڑا ہو۔ ان مسجدوں میں ایسے لوگ جاتے ہیں جو کہ نفس کی پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی پاکیزہ نفس لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ کیا وہ لوگ جو کہ مسجدوں کی

بُنیاد اللہ تعالیٰ کے تقویٰ پر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی پر رکھتے ہیں وہ اچھے ہیں یا وہ لوگ جو مسجد کی بنیاد ایک ایسی کھوکھلی زمین کے کنارے پر رکھتے ہیں جو کہ گرنے والی ہے اور جو ان لوگوں کو دوزخ کی آگ میں گرا کر پھینک دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ظلم اور فساد کرنے والے لوگوں کو کبھی پسند نہیں فرماتا۔ جو لوگ اِس قسم کی مسجدوں کی بنیادیں رکھتے ہیں (یعنی جن میں ضرر اور فتنہ کی کارروائیاں ہوتی ہیں) ان کی یہ تعمیر ہمیشہ ان کے دِلوں میں شک و شُبہات ہی پیدا کرتی رہے گی اور اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا اور بہت حکمت والا ہے۔

اِن آیات سے صاف ظاہر ہے کہ مسجد اپنی ذات میں کسی شخص کو نہیں بچا سکتی۔ اگر مسجد میں کوئی بُرا کام کیا جائے گا تو اس کو بُرا سمجھا جائے گا اور اگر مسجد میں کوئی اچھا کام کیا جائے گا تو اس کو اچھا سمجھا جائے گا۔ اگر مسجد اپنی ذات میں ہر ایک فعل کو بچا لیتی ہے اور مسجد میں کیا جانے والا فعل مذہبی کہلاتا ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ وہ منافق لوگ جن کا مذکورہ بالا آیات میں ذکر ہے اور جو مسجد میں اسلامی سیاست کے خلاف منصوبے کرتے تھے وہ بھی مسجد میں مجالس کرنے کی وجہ سے دینی افعال کرتے تھے اور ہر قسم کی گرفت سے بالا تھے بلکہ حکومت اگر ان کو پکڑتی تو وہ مداخلت فی الدّین کی مرتکب ہو جاتی تھی اور اِس صورت میں نعوذ باللہ من ذالک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام آئے گا کہ آپؐ نے جو مذکورہ مسجد کو گروا دیا اور اس کی جگہ کھاد کا ڈھیر لگوا دیا یہ فعل نعوذ باللہ ناجائز کیا۔ پس تعجب ہے اُن لوگوں پر جو علمائے اسلام کہلاتے ہیں اور مسجد کے نام سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور پبلک کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اگر فعل کی نوعیّت کو دیکھے بغیر صرف مسجد کے نام سے کوئی فعل مذہبی ہو جاتا ہے تو پھر یہ لوگ جنہوں نے قرآن کریم کی اس مذکورہ بالا مسجد میں انجمنیں اور جلسے کرنے شروع کئے تھے انہیں کیوں حق بجانب نہ سمجھا جائے مگر کیا کوئی مسلمان کہلانے والا ایسا خیال بھی کر سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درست فعل کرنے والے کو سزا دی اور ان کے ساتھی یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے جو فعل مسجد میں کیا وہ قانونی تھا مسجد کے باہر بھی اگر وہ فعل ہم کرتے تو اس پر گرفت کرنی ناجائز تھی لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہر فعل جو مسجد میں کیا جائے وہ مذہبی ہوتا ہے اور اگر ہر فعل جو مسجد میں کیا جاتا ہے وہ مذہبی نہیں ہوتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دنیوی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خلافِ قانون ہو تو مسجد کے اندر کئے گئے ایسے فعل پر گرفت بھی جائز ہوگی جیسا کہ

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا مسجد میں فتنہ کرنے والے لوگوں پر گرفت کی اور ان کی مسجد کو توڑ دیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسجد کے اندر گرفتاریاں کرنی مداخلت فی الدّین ہے اور اسی سے متاثر ہو کر حکومتِ پنجاب کے ہوم سیکرٹری نے ایک اعلان بھی کیا ہے کہ ہم نے تو ہدایت دی ہوئی ہے کہ مسجد کے اندر کسی کو گرفتار نہ کیا جائے لیکن احرار اور ان کے ساتھی علماء کا یہ دعویٰ بھی بالکل غلط اور خلافِ اسلام ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا فعل ان کے اِس دعویٰ کے خلاف ہے۔ تمام کی تمام مساجد خانہ کعبہ اور مسجدِ نبویؐ کے نمونہ پر بنائی گئی ہیں یعنی تمام مساجد ان کے اظلال ہیں۔ چونکہ ہر شخص خانہ کعبہ میں نہیں جا سکتا اور ہر شخص مسجدِ نبویؐ میں نہیں جا سکتا اِس لئے اجازت دی گئی ہے کہ ان کی نقل میں ہر جگہ پر مسجدیں بنالی جائیں۔ پس کسی مسجد کو وہ فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی جو خانہ کعبہ کو یا مسجدِ نبویؐ کو حاصل ہے اور کسی مسجد کو وہ حفاظت حاصل نہیں ہو سکتی جو خانہ کعبہ یا مسجدِ نبویؐ کو حاصل ہے۔ لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح مکّہ کے موقعہ پر گیارہ افراد کے نام لے کر فرمایا کہ کعبہ بھی ان لوگوں کو پناہ نہیں دے گا اگر یہ کعبہ میں بھی پائے جائیں تو وہاں بھی انکو قتل کر دیا جائے۔ بلکہ آپؐ نے یہاں تک فرمایا کہ اگر تم ان لوگوں کو خانۂ کعبہ کے پردوں سے بھی لٹکا ہوا پاؤ تو وہاں بھی ان کو نہ چھوڑو۔ (سیرت الحلبیہ[1] جلد ۳ صفحہ ۹۲)

اب یہ علماء کہلانے والے لوگ مجھے بتائیں کہ کیا یہ مسجدیں جن میں وہ سازشیں کرتے ہیں اور حکومت کے احکام کے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں یہ خانہ کعبہ سے زیادہ معزز ہیں؟ اگر بعض مُجرموں کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ میں بھی قتل کر دینے یا پکڑ لینے کا حکم دیتے ہیں تو دوسری مسجدوں کی خانۂ کعبہ کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہے کہ ان میں خلافِ آئین کام کرنے والے لوگوں کو قانون سے آزادی ملنی چاہیئے۔ قرآن کریم تو صاف فرماتا ہے کہ مساجد تقویٰ کے قیام کے لئے قائم کی گئی ہیں نہ کہ قانون شکنی کے لئے۔ اگر مسجدیں قانون شکنی کے لئے ہیں تو پھر شیطان کے لئے تو کوئی گھر بھی بند نہیں رہتا۔ جن گھروں کو خدا تعالےٰ نے امن کے لئے، تسکین کے لئے، رُوحانیت کے لئے، تقویٰ کے لئے، تعاون کے لئے، اتحاد کے لئے بنایا تھا ان گھروں کو مسلمانوں میں فتنہ ڈالنے کا ذریعہ بنانا، ان گھروں کو حکومت سے بغاوت کا ذریعہ بنانا، ان گھروں کو فتنہ و فساد کی بنیاد رکھنے کی جگہ بنانا تو ایک خطرناک ظلم ہے۔ ان افعال کے مرتکب کو

[1] مؤلفہ حضرت علامہ علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی

مسجدوں میں پکڑنے والا مسجدوں کی بے حُرمتی نہیں کرتا وہ مسجدوں کی عزت کو قائم کرتا ہے اور مسجدوں میں ایسے افعال کے مرتکب لوگ اوّل درجہ کے بُزدل ہیں کہ حکومت کے ڈر کے مارے مسجدوں کی پناہ لینے کی کوشش کرتے ہیں اور خدا اور اس کے رسُولؐ کے نام کو بدنام کرنا چاہتے ہیں اور تقویٰ کے مقامات کو فساد اور گناہ کی جگہیں بنانا چاہتے ہیں۔ ان کے پاس اس کے سوا کیا زور ہے کہ وہ عوام النّاس کو بھڑکا رہے ہیں لیکن عوام النّاس کے مِل جانے سے نہ قرآن بدل سکتا ہے نہ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بدل سکتی ہے، نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بدل سکتا ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ گو مسلمان عوام تعلیمِ اسلام سے بے بہرہ ہیں مگر محبتِ اسلام ان کے دلوں میں باقی ہے اور وہ اس دھوکے میں نہ آئیں گے اور ان لوگوں سے پوچھیں گے کہ شہید گنج کی مسجد کے سوال پر تو تم کو مسجد کی حُرمت کا خیال نہ آیا مگر اب مسجد کے نام سے اپنے آپ کو گرفتاری سے بچانے کی کوشش کرتے ہو آخر اِس کی کیا وجہ ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ ایک عالم کہلانے والے صاحب نے تاریخ اسلام میں سے ایک مثال مسجد کی حُرمت کی پیش کی ہے۔ انہوں نے ایک عباسی خلیفہ کا ذکر کیا ہے کہ اُس نے اپنی بیوی سے خفا ہو کر حکم دیا کہ شام سے پہلے پہلے وہ بغداد سے نکل جائے اگر وہ نہ گئی تو اسے سزا دی جائے گی لیکن بعد میں وہ اپنے حکم سے پچھتایا اور اس نے علماء سے پُوچھا کہ اب مَیں کیا کروں سب علماء نے بے بسی کا اظہار کیا لیکن امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ اس کا علاج تو آسان ہے وہ مسجد میں چلی جائے اِس طرح وہ بچ جائے گی۔ مَیں اِن عالم سے پوچھتا ہوں کہ کیا ہر چور اور ڈاکو اور قاتل اور زانی اگر مسجد میں چلا جائے تو اس کا پکڑا جانا ناجائز ہو جائے گا۔ کیا اگر کوئی شخص مسجد میں کھڑے ہو کر اسلام اور اس کے شعائر کو نعوذ باللہ گالیاں دینی شروع کر دے تو اس کی گرفتاری ناجائز ہو جائے گی اور چونکہ آپ لوگوں کے نزدیک جو جگہ ایک دفعہ مسجد بن جائے پھر وہ مسجد کی شرطوں سے باہر نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص مسجد میں کھڑے ہو کر مسجد کی عمارت ہی کو گرانے لگ جائے تو اس کو کوئی سزا نہیں مِل سکتی کیونکہ وہ مسجد میں کھڑا ہے اور ایک دینی کام کر رہا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالك۔

امام ابو یوسفؒ نے اگر یہ واقعہ صحیح ہے (جو بظاہر صحیح نہیں) تو بادشاہ کو ایک حیلہ بتایا ہے کیونکہ جب بادشاہ اپنے کئے پر پچھتایا تو بادشاہ خود اس عورت کو بچانا چاہتا تھا اِس لئے مسجد میں جا کر وہ عورت قانون شکنی کی مرتکب نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ قانون بنانے والے کی مرضی کو پُورا کر رہی

تھی۔ پس ان دونوں باتوں کا جوڑ کیا ہے؟ اگر تو امام ابو یوسفؒ یہ کہتے کہ مسجد میں گھس کے جو چاہے جُرم کرے اس کی اجازت ہے تو بے شک ان کے فتوٰی کے یہ معنی لئے جا سکتے تھے مگر وہ تو بادشاہ کی تائید میں ایک فتویٰ پیش کرتے ہیں اس کے خلاف فتویٰ پیش نہیں کرتے۔ مَیں ان فتوٰی دینے والے مُفتیوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر انہی مسجدوں میں اور ان کے جلسوں میں کھڑے ہو کر کوئی احمدی ان کے خلاف تقریر شروع کر دے تو کیا وہ اِس بات کے ذمّہ دار ہیں کہ مسجد میں کوئی فساد نہیں ہوگا اور کوئی اس آدمی کو مارے پیٹے گا نہیں اور کیا مسجد اس کو بھی پناہ دے گی جو احرار کے خلاف مسجد میں بولے یا صرف ان احرار کو پناہ دے گی جو حکومت کے خلاف مسجد میں بولیں؟

یہ علماء یہ بھی تو سوچیں کہ اگر مسجد ہر عمل کو پاک کر دیتی ہے تو جب پولیس مسجد کے اندر جا کر غیر آئینی کارروائی کرنے والے کو پکڑ لے تو اس کا یہ مسجد کے اندر کیا ہوا فعل کیوں دینی قرار نہ دیا جائے۔ آخر یہ امتیاز کہاں سے نکالا گیا ہے کہ دوسرے لوگ مسجد میں کوئی بھی کام کریں تو وہ دینی ہو جاتا ہے لیکن اگر پولیس یا حکومت مسجد میں کوئی کام کرے تو وہ دینی نہیں ہوتا۔

آخر میں مَیں اِس امر کی طرف بھی توجّہ دلانی چاہتا ہوں کہ پاکستان کو بدنام کرنے کے لئے ایک احراری اخبار نے لکھا ہے کہ قانون شکن لوگوں کو مسجد میں گرفتار کر کے پاکستان کی حکومت نے وہ ظالمانہ فعل کیا ہے کہ انگریزی حکومت نے بھی ایسا نہ کیا تھا۔ اوّل تو ہوم سیکرٹری صاحب پنجاب نے اِس امر کی تردید کی ہے اور بیان دیا ہے کہ حکومت نے مسجد کے اندر گرفتار کرنے سے حکام کو روکا ہوا ہے۔ لیکن فرض کرو یہ صحیح ہو تو کیا احرار اِس واقعہ کو بھول گئے ہیں جب انگریزی حکومت نے مساجد میں گھس کر خاکساروں پر حملہ کیا تھا اور بہت سے لوگ زخمی ہوئے تھے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ ان کا فعل اچھا تھا کیونکہ سارے واقعات میرے سامنے نہیں لیکن مَیں یہ کہتا ہوں کہ اپنے پاس سے بات گھڑ کر اس کی بناء پر انگریزی حکومت کو پاکستان کی حکومت پر ترجیح دینا کیا محض فساد کی نیّت سے نہیں؟"[1]

عُروجِ احمدیّت کی نسبت ایک عظیم الشّان پیشگوئی

جماعتِ احمدیہ اپنے محبوب امام سیّدنا حضرت المصلح الموعودؓ کی قیادت میں

---

[1] روزنامہ الفضل لاہور ۸ جولائی ۱۹۵۲ء ص ۲ ٭

خارق عادت رنگ میں ترقی کرتے ہوئے اس مقام تک جا پہنچی تھی کہ اس پر سورج غروب نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس کے باوجود تحریکِ احمدیت کی آخری منزل کو قریب سے قریب تر لانے اور عالمگیر اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے مزید ایک لمبی جدّوجہد کی ضرورت تھی۔

اِس ضرورت کے پیشِ نظر حضورؓ نے ۲۷/احسان ۱۳۳۱ہش/جون ۱۹۵۲ء کو بذریعہ خطبہ جمعہ ایک تو یہ اصولی راہنمائی فرمائی کہ جب قومیں اپنے زمانۂ جوانی میں داخل ہوتی ہیں تو اُن کا ہر تغیّر اُن کے لئے ایک نیک نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ دوسرے یہ پیشگوئی فرمائی کہ غلبۂ احمدیت میں جتنی دیر لگ رہی ہے اسی نسبت سے جماعتِ احمدیہ کی عظمت وشوکت کا زمانہ بھی لمبا ہو گا۔

حضور کے اِس انقلاب انگیز خطبہ کے بعض ضروری حصّے درج کئے جاتے ہیں:۔

"سلسلہ احمدیہ اور میری عمر ایک ہی ہے جس سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کیا ہے اور بیعت لی ہے مَیں اسی سال پیدا ہُوا تھا۔ گویا جتنی میری عمر ہے اتنی عمر سلسلہ کی ہے لیکن افراد کی عمروں اور قوم کی عمر میں فرق ہوتا ہے۔ ایک فرد اگر ۷۰ یا ۱۰۰ سال زندہ رہ سکتا ہے تو قومیں ۳۰۰، ۴۰۰ سال تک زندہ رہ سکتی ہیں۔ اگر تین سو سال بھی کسی قوم کی زندگی رکھ لی جائے تو اس کی جوانی کا زمانہ اس کے چوتھے حصّہ کے قریب سے شروع ہوتا ہے۔ اگر ایک انسان کی عمر ۷۲، ۷۴ سال فرض کر لی جائے تو اس کی عمر کے چوتھے حصّہ سے جوانی شروع ہوتی ہے یعنی ۱۸-۱۹ سال سے انسان جوانی کی عمر میں داخل ہوتا ہے۔ اِس طرح اگر کسی قوم کی عمر ۳۰۰ سال قرار دے لی جائے تو اس کی جوانی ۷۵ سال کی عمر سے شروع ہو گی۔ تمہاری عمر تو ابھی ۶۳ سال کی ہے ... ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ ابھی جوان بھی نہیں ہوئی۔ اس پر ابھی وہ زمانہ ہے کہ جب انسان کچھ بھی کھالے تو وہ اُسے ہضم ہو جاتا ہے۔ ہزاروں مخالفتیں ہوں، مصائب ہوں، ابتلاء ہوں، یہ اس کی قوّت کو بڑھانے کا موجب ہونے چاہئیں کمزوری کا موجب نہیں۔ اگر تم اس چیز کو سمجھ لو تو یقیناً تمہارے حالات اچھے ہو جائیں گے۔ جو لوگ جسمانی بناوٹ کے ماہر ہیں ان کا خیال ہے کہ انسانی جسم اس یقین کے ساتھ بڑھتا ہے کہ اس کی طاقت بڑھ رہی ہے۔ طاقت کا مشہور ماہر سینڈو گزرا ہے اس نے طاقت کے کئی کرتب دکھائے ہیں اور کئی بادشاہوں کے پاس جا کر اس نے اپنی طاقت کے مظاہرے کئے ہیں۔ اُس نے ایک رسالہ لکھا ہے کہ مجھے ورزش کا کہاں سے خیال پیدا ہُوا اور میرا جسم کیسے مضبوط ہُوا۔ وہ لکھتا ہے کہ مجھے

ایسے رنگ میں کام کرنے کا موقعہ ملتا تھا کہ میرے بازو بنیان سے باہر رہتے تھے۔ مَیں نے ایک دن اپنے بازو دیکھ کر خیال کیا کہ میرے بازو مضبوط ہو رہے ہیں۔ اِس خیال کے آنے کے بعد مَیں نے ورزش شروع کر دی اور آہستہ آہستہ میرا جسم مضبوط ہوتا گیا۔ سینڈو کا یہ خیال تھا کہ ورزش لنگوٹا باندھ کر کرنی چاہیئے تا ورزش کرنے والے کی نظر اس کے جسم کے مختلف حصّوں پر پڑتی رہے اور اُسے یہ خیال رہے کہ اس کا جسم بڑھ رہا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مَیں نے لنگوٹا باندھ کر ورزش شروع کی۔ مَیں ہمیشہ یہ خیال کرتا تھا کہ میرے جسم کا فلاں حصّہ بڑھ رہا ہے اور مجھ پر یہ اثر ہوُا کہ صحت کی درستی خیال کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ جب تک انسان کا خیال اس کی مدد نہیں کرتا اس کا جسم مضبوط نہیں ہوتا۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ورزش کرنے والا اپنے جسم کو دیکھ رہا ہو۔ یہ نہایت کامیاب اصل ہے۔ ہزاروں نے اس کا تجربہ کیا اور اسے کامیاب پایا اور انہوں نے اپنے جسموں کو درست کیا۔ تمہیں بھی اُٹھتے بیٹھتے یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ تم ہمّت محسوس کر رہے ہو اور تمہیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ تم تو ابھی جوان بھی نہیں ہوئے۔ تمہاری عمر ابھی ۶۳ سال کی ہے۔ اور اگر تمہاری عمر کم سے کم عمر بھی قرار دے لی جائے تو تم نے ۷۵ سال کے بعد جا کر جوان ہونا ہے اور پھر ۱۵۰-۱۷۵ سال جوانی کے بھی گزرنے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی قوم کی عمر کو لیا جائے تو اس کی جوانی کی عمر ۵۰۰ سال کی تھی، ۲۷ سال گزر جانے کے بعد ان کی جوانی کا وقت شروع ہوُا تھا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے جو وعدے کئے ہیں ان کے مطابق ہماری جوانی پہلے شروع ہو گی۔ بہرحال ہماری اُن سے کچھ مشابہت تو ہونی چاہیئے ممکن ہے ہماری جوانی کا وقت ۱۰۰ یا سوا سو سال سے شروع ہو۔ اس صورت میں جوانی کا زمانہ پونے دو سو سے اڑھائی سو سال تک کا ہو گا۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جن کی جوانی میں دیر لگتی ہے ان کی عمریں بھی لمبی ہوتی ہیں اور جن کی عمریں چھوٹی ہوتی ہیں ان کی جوانی بھی جلدی آتی ہے۔ جانوروں کو دیکھ لو جن جانوروں کی عمر چار پانچ سال کی ہوتی ہے ان کی جوانی مہینوں میں ہوتی ہے اور جو جانور ۲۷، ۲۸ سال تک زندہ رہتے ہیں ان کی جوانی سالوں میں آتی ہے۔ گھوڑے کو لے لو اس کی عمر بیس پچیس سال کی ہوتی ہے اور اس کی جوانی کی عمر کہیں چار سال سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن بکری اور بلّی چوتھے پانچویں ماہ جوان ہو جاتے ہیں۔ گویا جتنی کسی کی عمر چھوٹی ہو گی اُسی نسبت سے اس کی جوانی پہلے آئے گی اور جتنی کسی کی عمر لمبی ہو گی اسی نسبت سے اس کی جوانی بھی بعد میں

آئے گی۔ تمہاری زندگی کا لمبا ہونا مقدر ہے۔ اور یہ نیک فال ہے کہ ابھی تمہاری جوانی کا وقت نہیں آیا۔ اگر تم ۶۳ سال کی عمر میں ابھی نیم جوانی کی حالت میں ہو تو معلوم ہؤا کہ تمہاری عمر لمبی ہے۔ عمر اور جوانی میں کچھ نسبت ہوتی ہے۔ لمبی عمر ہو تو جوانی دیر سے آتی ہے اور اگر جوانی دیر سے آئے تو معلوم ہؤا کہ عمر لمبی ہوگی۔ بہرحال اِس زمانہ تک جماعتِ احمدیہ کا ترقی نہ کرنا حیرت کا مُوجب نہیں ۶۳ سال جماعت پر گزر چکے ہیں اگر ۶۳ سال میں جماعت غالب نہیں آئی تو یہ خوشی کی بات ہے عیسائیوں پر پونے تین سو سال میں جوانی آئی اور آج تک وہ پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔ ایک لمبے عرصہ تک انہیں مصائب جھیلنے پڑے، تکالیف برداشت کرنی پڑیں اور وہ غور و فکر کرتے رہے جس کی وجہ سے انہیں ہر کام کے متعلق غور کرنے اور فکر کرنے کی عادت پڑ گئی اور اس کے نتیجہ میں انہوں نے بعد میں شاندار ترقی حاصل کی۔

پس ہماری جماعت پر جوانی کا وقت آنے میں جو دیر لگی ہے اس کی وجہ سے ہمیں گھبرانا نہیں چاہیئے جوانی دیر سے آنے کے یہ معنے ہیں کہ جماعت کی عمر بھی لمبی ہوگی اور احمدیت دیر تک قائم رہے گی۔ یہ چیزیں تمہاری گھبراہٹ کا موجب نہیں ہونی چاہئیں بلکہ تمہیں خوش ہونا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ جماعت کو لمبی عمر دینا چاہتا ہے۔ تم سوچنے اور فکر کرنے کی عادت ڈالو۔ تمہاری طاقت، تمہارا ایمان، تمہاری قوّتِ مقابلہ اور عقل سوچنے سے بڑھے گی۔" [1]

صبر و صلوٰۃ کی پُرزور تحریک

ابتلاؤں اور آزمائشوں کے ان پُرفتن ایّام میں جبکہ مخالف عناصر کا سارا زور غیر اسلامی بلکہ غیر اخلاقی حربوں[2] کے استعمال پر صرف

---

[1] خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷ جون ۱۹۵۲ء بمقام ربوہ مطبوعہ روزنامہ الفضل لاہور ۱۲ جولائی ۱۹۵۲ء۔

[2] احراری آرگن "آزاد" لکھتا ہے:-

"یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مجلس احرار کے خطیبوں میں جذباتیت، جھگڑا بازی اور اشتعال انگیزی کا عنصر غالب ہے یہ ٹھیک ہے مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ ہماری قوم کی ذہنیت اور مذاق کیا ہے؟... آپ ذرا حقیقت پسند سنجیدہ اور متین بن جائیں پھر آپ مسلمانوں میں مقبول ہو جائیں اور کوئی تعمیری اور اصلاحی کام کرلیں تو ہمارا ذمہ۔ یہی تو ہماری سب سے بڑی کمزوری ہے کہ ہم حقائق و واقعات سے کوئی تعلق نہیں رکھتے آپ بڑے بڑے دیانتدار، بااخلاق اور سنجیدہ متین بہاڑوں کو کھودیں تو اشتعال کا (باقی اگلے صفحہ پر)

(باقی اگلے صفحہ پر)

ہو رہا تھا، حضرت مصلح موعودؓ اپنے مستقل طریق کے مطابق قدم قدم پر خدا کی جماعت کو صبر و صلوٰۃ کی تاکید فرما رہے تھے۔

چنانچہ حضور نے ۴ روفا ۱۳۳۱ہش/جولائی ۱۹۵۲ء کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔

"قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دعویٰ تو یہ کریں کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن ان کو آزمائشوں اور ابتلاؤں کی بھٹی میں نہ ڈالا جائے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ [1] کیا یہ لوگ وہم بھی کر سکتے ہیں۔ کیا مسلمان اس قسم کے خیالات میں مبتلا ہیں کہ انہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ انہیں آزمائشوں اور ابتلاؤں کی بھٹی میں نہ ڈالا جائے گا۔ انہیں تکالیف اور مصائب کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ انہیں ٹھوکریں نہیں لگیں گی حالانکہ وہ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے جو شخص ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اسے ابتلاؤں اور آزمائشوں کی بھٹی میں ضرور ڈالا جاتا ہے۔ اگر یہ قاعدہ کلیہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ابتدائے اسلام میں یہ نہ فرماتا کہ تم کس طرح یہ خیال کرتے ہو کہ تم دعویٰ تو یہ کرو کہ ہم ایمان لائے لیکن تمہیں ابتلاؤں اور آزمائشوں میں نہ ڈالا جائے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ چوہا نکلے گا۔ الیکشن بازی میں تو دیندار اور بے دین سب کے سب اشتعال انگیزی ہی سے کام لیتے ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ اس سے کوئی کم کام لیتا ہے اور کوئی زیادہ ہمارے احراری بزرگ اس میں سب سے آگے ہیں۔" (اخبار "آزاد" ۲۷ ستمبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۱۷-۱۸)

جہاں تک کذب بیانی کا تعلق ہے جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا یہ فتویٰ ہے:۔

"احیائے حق کے واسطے کذب درست ہے مگر تا امکان تعریض سے کام لیوے۔ اگر ناچار ہو تو کذب صریح بولے۔" (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۴۶۱ مؤلفہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی۔ ناشران محمد سعید اینڈ سنز۔ قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی)

اس دور میں جناب گنگوہی صاحب کے اس فتویٰ پر اُن کے معتقدین اور مریدان باصفا نے جس شدت، کثرت اور وسعت سے عمل کیا ہے اس کی نظیر گزشتہ زمانوں میں بہت کم ملتی ہے +

[1] العنکبوت: ۲

اسے ٹھوکریں نہ لگیں۔ وہ مخالفت کی آگ میں نہ پڑے۔

پس ہماری جماعت کو ہمیشہ یہ امر مدِّ نظر رکھنا چاہیئے کہ جب اُس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم ایک مامور من اللہ کی آواز پر لبیک کہنے والے ہیں تو انہیں ابتلاؤں اور آزمائشوں کی بھٹی میں ڈالا جائیگا خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ۔ اگر یہ سچ ہے کہ تم ایمان لائے ہو تو یہ بات بھی سچ ہے کہ تمہیں ابتلاؤں میں ڈالا جائے گا"

حضور نے یہ حقیقت ذہن نشین کرانے کے بعد ارشاد فرمایا:۔

"پس ہماری جماعت کو مشکلات کے مقابلہ میں دعا اور نماز کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ میرے تو وہم میں بھی یہ نہیں آیا کہ کوئی احمدی نماز چھوڑتا ہے۔ اگر کوئی ایسا احمدی ہے جو نماز کا پابند نہیں تو میں اسے کہوں گا کہ وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اِس وقت تم پر نماز گراں نہیں ہونی چاہیئے مصیبت کے وقت میں نماز گراں نہیں ہوتی مصیبت کے وقت لوگ دعائیں مانگتے ہیں گریہ وزاریاں کرتے ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں جب زلزلہ آیا تو اس وقت ہمارے ماموں میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ لاہور میں پڑھتے تھے آپ ہسپتال میں ڈیوٹی پر تھے کہ زلزلہ آیا۔ آپ کے ساتھ ایک ہندو طالب علم بھی تھا جو دہریہ تھا اور ہمیشہ خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق ہنسی اور مذاق کیا کرتا تھا۔ جب زلزلہ کا جھٹکا آیا تو وہ رام رام کرکے باہر بھاگ آیا جب زلزلہ رُک گیا تو میر صاحب نے اُسے کہا تم رام پر مذاق اُڑایا کرتے تھے اَب تمہیں رام کیسے یاد آگیا؟ اس کے بعد خوف کی حالت جاتی رہی تھی۔ زلزلہ ہٹ گیا تھا۔ اُس نے کہا یونہی عادت پڑی ہوئی ہے اور مُنہ سے یہ لفظ نکل جاتے ہیں۔ پس حقیقت یہ ہے کہ مصیبت کے وقت خدا تعالیٰ یاد آجاتا۔ جس شخص کو مصیبت کے وقت بھی خدا تعالیٰ یاد نہیں آتا سمجھ لو کہ اُس کا دِل بہت شقی ہے۔ وہ اَب ایسا لاعلاج ہو گیا ہے کہ خطرہ کی حالت بھی اسے علاج کی طرف توجہ نہیں دلاتی۔ پس اگر ایسے لوگ جماعت میں موجود ہیں جو نماز کے پابند نہیں تو میں انہیں کہتا ہوں کہ یہ وقت ایسا ہے کہ انہیں اپنی نمازوں کو پکّا کرنا چاہیئے اور جو نماز کے پابند ہیں میں انہیں کہتا ہوں آپ اپنی نمازیں سنواریں اور جو لوگ نماز سنوار کر پڑھنے کے عادی ہیں میں انہیں کہتا ہوں کہ بہتر وقت دعا کا تہجد کا وقت ہے نمازِ تہجد کی عادت ڈالیں۔ دعائیں کریں کہ خدا تعالیٰ ہماری مشکلات کو دُور فرمائے اور لوگوں کو صداقت قبول کرنے کی توفیق دے۔ مجھے اِس سے کوئی واسطہ نہیں کہ دشمن کیا کہتا ہے لیکن

یہ ڈر ضرور ہے کہ جب اِس قسم کا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے تو اکثر لوگ صداقت کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ پس ہماری سب سے مقدّم دعا یہ ہونی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ ہماری مُشکلات کو دُور کر دے جو لوگوں کے صداقت قبول کرنے میں روک ہیں اور اُن کی توجہ اس طرف سے پھیر رہی ہیں۔ ابتلاء مانگنا منع ہے لیکن اس کے دُور ہونے کے لئے دعا مانگنا سُنّت ہے اِس لئے یہ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ وہ روکیں دُور کر دے جو لوگوں کو صداقت قبول کرنے سے ہٹا رہی ہیں اور ہماری فکرمندیوں کو دُور کر دے۔ ہاں وہ ہمیں ایسا بے فکر اور بے ایمان نہ بنائے کہ جس کی وجہ سے ہمارے ایمان میں خلل واقع ہو۔ درحقیقت ایمان کا کمال یہ ہے کہ انسان خوف اور امن دونوں حالتوں میں خدا تعالیٰ کے سامنے جُھکے۔ اگر کوئی شخص خوف اور امن دونوں حالتوں میں خدا تعالیٰ کے سامنے جُھکتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اسے امن دیتا ہے لیکن جو مومن خوف کی حالت میں خدا تعالیٰ کے سامنے جُھکتا ہے امن کی حالت میں نہیں خدا تعالیٰ اس کے لئے ٹھوکریں پیدا کرتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ اسے مرتد کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے لئے امن کی حالت پیدا کر دیتا ہے اور وہ آہستہ آہستہ خدا تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے پس جو لوگ نماز کے پابند ہیں وہ نماز سنوار کر پڑھیں اور جو نماز سنوار کر پڑھنے کے عادی ہیں وہ تہجد کی عادت ڈالیں پھر نوافل پڑھنے کی عادت ڈالیں پھر نہ صرف نوافل پڑھیں بلکہ دوسروں کو بھی نوافل پڑھنے کی عادت ڈالیں۔ خدا تعالیٰ نے لوگوں کو روزہ کی عادت ڈالنے کے لئے ایک ماہ کے روزے فرض کئے ہیں۔ روزے فرض ہونے کی وجہ سے ایک مسلمان ایک ماہ جاگتا ہے اور پھر اپنے ساتھیوں کو بھی جگاتا ہے ڈھول پٹتے ہیں اور اِس طرح تمام لوگ اِس مہینہ میں تہجّد کی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اگر ایک ہمسایہ روزہ کے لئے نہ اُٹھتا تو دوسرا بھی نہ اُٹھتا۔ لیکن چونکہ ایک آدمی روزہ کے لئے اُٹھتا ہے تو اس کی وجہ سے دوسرا بھی بیدار ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے اِس طرح روزے فرض کرنے میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ سب لوگوں کو اِس عبادت کی عادت پڑ جائے۔ پس اِس قسم کی تدبیریں اور کوششیں جاری رکھنا بھی ضروری ہے۔ ربوہ کی جماعت کے افسران اور عہدیداران محلّوں میں تہجّد کی تحریک کریں اور جو لوگ تہجّد پڑھنے کے لئے تیار ہوں اور یہ عہد کریں کہ وہ تہجّد پڑھنے کے لئے تیار ہیں ان کے نام لکھ لیں اور جب وہ چند دنوں کے بعد اپنے نفوس پر قابو پا لیں تو انہیں تحریک کی جائے کہ وہ باقیوں کو بھی جگائیں۔ جب سارے لوگ اُٹھنا شروع ہو جائیں۔ پیپے بجنے لگ جائیں تو کئی لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا نماز

پڑھنے کو دل تو چاہتا ہے لیکن نیند کے غلبہ کی وجہ سے بیدار نہیں ہوتے وہ بھی تہجد کے لئے اُٹھ بیٹھیں گے رمضان میں لوگ اُٹھ بیٹھتے ہیں اِس لئے کہ اردگرد شور ہوتا ہے۔ اکیلے آدمی کو اُٹھائیں تو وہ سو جاتا ہے لیکن رمضان میں وہ نہیں سوتا اِس لئے کہ اِردگرد آوازیں آتی ہیں۔ کوئی قرآن کریم پڑھتا ہے۔ کوئی دوسرے کو جگاتا ہے۔ کوئی دوسرے آدمی سے کہتا ہے کہ ہمارے ہاں ماچس نہیں ذرا ماچس دے دو۔ ہمارے ہاں مٹی کا تیل نہیں تھوڑا سا مٹی کا تیل دو۔ کوئی کہتا ہے کہ ہمارے ہاں آگ نہیں آگ دو۔ کوئی کہتا ہے میں سحری کھانے کے لئے تیار ہوں روٹی تیار ہے؟ یہ آوازیں اس کا سونا دوبھر کر دیتی ہیں وہ کہتا ہے نیند تو آتی نہیں لیٹنا کیا ہے چلو چند نفل ہی پڑھ لو۔ رمضان بیشک برکت ہے لیکن رمضان میں جاگنے کا بڑا ذریعہ یہی ہوتا ہے کہ اردگرد سے آوازیں آتی ہیں اور وہ انسان کو جگا دیتی ہیں۔ ایک آدمی آٹھ بجے سوتا ہے اور اسے دو بجے بھی جاگ نہیں آتی لیکن ایک آدمی بارہ بجے سوتا ہے لیکن تین بجے اُٹھ بیٹھتا ہے اِس لئے کہ اِردگرد سے آوازیں آتی ہیں۔ ذکرِ الٰہی کرنے کی آوازیں آتی ہیں۔ قرآن کریم پڑھنے کی آوازیں آتی ہیں۔ کوئی کسی کو جگا رہا ہوتا ہے اور کوئی کھانا پکا رہا ہوتا ہے اور اس کی آواز اُسے آتی ہے۔ اِس لئے صرف تین گھنٹے سونے والا بھی اُٹھ بیٹھتا ہے یہ ایک تدبیر ہے جس سے جاگنے کی عادت ہو جاتی ہے پس مقامی عہدیداروں کو چاہیئے کہ وہ اس کا محلوں میں انتظام کریں اور پھر اسے باہر بھی پھیلایا جائے تا آہستہ آہستہ لوگ تہجد کی نماز کے عادی ہو جائیں پھر اگر کوئی تہجد کا مسئلہ پوچھے تو اسے کہو کہ اگر تہجد رہ جائے تو اشراق کی نماز پڑھو جو دو رکعت ہوتی ہے۔ وہ بھی رہ جائے تو ضُحیٰ پڑھو جو تہجد کی طرح دو سے آٹھ رکعت تک ہوتی ہے اِس طرح تہجد اور نوافل کی عادت پڑ جائے گی۔ صلوٰۃ کے دو معنے ہیں نماز اور دعا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ[1] تم مدد مانگو صبر، نماز اور دعا سے۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہے اس میں شُبہ ہی کیا ہے کہ کوئی شخص اس پر غالب نہیں آسکتا۔ اگر خدا تعالیٰ ہے تو سیدھی بات ہے کہ اس سے زیادہ طاقتور اَور کوئی نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ سے زیادہ طاقتور اَور کوئی نہیں تو یقیناً وہی شخص جیتے گا جس کے ساتھ خدا تعالیٰ ہے۔ بے شک کسی کے ساتھ دُنیا کی سب طاقتیں ہوں، جلسے ہوں، جلوس ہوں، نعرے ہوں، قتل و غارت ہو، قید خانے ہوں، پھانسیاں

---

[1] البقرہ ع ۱۹ ÷

ہوں، لعنت و ملامت ہو لیکن جیتے گا وہی جس کے ساتھ خدا تعالیٰ ہے۔ دلوں کی حالت کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ[1] خدا تعالیٰ ہی دِلوں کے بھید جانتا ہے وہی دلوں کو بدل سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ انسان کے کیا خیالات ہیں اور ان کا ردِّ عمل کیا ہے؟ وہ دلوں کو جانتا ہے۔ وہ اعمال کو جانتا ہے اور ان کے ردِّ عمل کو جانتا ہے۔ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ جو میری طرف آتا ہے اسے دِلوں کی طرف ایک سرنگ مِل جاتی ہے۔ آخر دلوں کو بدلنے کا کونسا ذریعہ ہے سوائے اس کے کہ ہم خدا تعالیٰ سے دعا کریں۔ خدا تعالیٰ نے اس کا ذریعہ صبر وصلوٰۃ مقرر کر دیا ہے۔ صبر کے یہ معنے ہیں کہ انسان کو خدا تعالیٰ سے کامل محبّت ہو۔ وہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ مقدّم ہے اور باقی ہر چیز مؤخر ہے اِس لئے وہ اس کے لئے ہر مشکل اور تکلیف کو برداشت کر لیتا ہے۔ گویا صبر میں جبری طور پر خدا تعالیٰ کی محبّت کا اظہار ہوتا ہے اور صلوٰۃ میں عشقیہ طور پر خدا تعالیٰ سے محبّت کا اظہار ہوتا ہے۔ صبر جبری محبّت ہے اور نماز طوعی محبّت۔ ہم کچھ کام جبری طور پر کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے خدا تعالیٰ کو نہیں چھوڑنا یہ چیز جبری ہے۔ مشکلات اور مصائب تم خود پیدا نہیں کرتے۔ دشمن مشکلات اور مصائب لاتا ہے اور تم انہیں برداشت کرتے ہو اور خدا تعالیٰ کو نہیں چھوڑتے لیکن نماز طوعی ہے نماز تمہیں کوئی اور نہیں پڑھاتا نماز تم خود پڑھتے ہو۔ پس تم صبر میں جبری طور پر خدا تعالیٰ کی محبّت کا ثبوت دیتے ہو اور نماز میں طوعی طور پر اس کا اظہار کرتے ہو اور یہ دونوں چیزیں مِل جاتی ہیں تو محبّت کامل ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کا فیضان جاری ہو جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ کے فیضان کو حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اس سے صبر وصلوٰۃ کے ساتھ مدد مانگو۔ خدا تعالےٰ کا دلوں پر قبضہ ہے وہ انہیں بدل دے گا میں جب تم سے کہتا تھا کہ جماعت پر مصائب اور ابتلاؤں کا زمانہ آنے والا ہے اِس لئے تم بیدار ہو جاؤ اُس وقت تم میری بات پر یقین نہیں کرتے تھے تم ہنسی اُڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ کہاں کی باتیں کرتے ہیں ہمیں تو یہ بات نظر نہیں آتی۔ اور جب کہ فتنہ آ گیا ہے میں تمہیں دوسری خبر دیتا ہوں کہ جس طرح بگولا آتا ہے اور چلا جاتا ہے یہ فتنہ مِٹ جائے گا۔ یہ سب کارروائیاں هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ہو جائیں گی۔ خدا تعالیٰ کے فرشتے آئیں گے اور وہ ان مشکلات اور ابتلاؤں کو جھاڑو دے کر صاف کر دیں گے لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِس

[1] سورہ انفال آیت ۲۵

کے لئے ضروری ہے کہ تم صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ میری مدد مانگو میں تمہیں مدد دوں گا لیکن تم دو باتیں کرو اوّل مصائب اور ابتلاؤں پر گھبراؤ نہیں انہیں برداشت کرو، دوسرے نمازوں اور دعاؤں پر زور دو تا مجھے پتہ لگ جائے کہ تمہاری محبّت کامل ہو گئی ہے۔ اور جب تمہاری محبّت کامل ہو جائیگی تو میں بھی ایسا بے وفا نہیں ہوں کہ میں اپنی محبّت کا اظہار نہ کروں" [۱]

فصلِ سوم

⦿ "مسلمان فرقہ احمدیہ" کی تکفیر کا نیا دور ⦿ مطالبہ "غیر مسلم اقلیت" پر مختلف مسلمان حلقوں کی طرف سے تشویش و اضطراب ⦿ احمدی علمِ کلام کی برتری کا اعتراف اور ایک دلچسپ تجویز۔

ماہِ جولائی ۱۹۵۲ء کے شروع میں ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان کے نمائندہ خصوصی متعینہ مصر نے یہ انکشاف کیا کہ مصر میں بھارت اور افغانستان مِل کر اِس قسم کی سازشیں کر رہے ہیں کہ پاکستان کو عرب ممالک سے بالکل الگ کر دیا جائے۔ پاکستان اور عرب ملکوں میں کشیدگی پیدا کرنیکی ایک عرصہ سے یہاں بھارتی اور افغان ایجنٹ منصوبے بنا رہے ہیں تا کہ عرب ممالک میں پاکستان کو بدنام کر کے عرب ملکوں کو بھارتی حلقۂ اقتدار میں شامل کر دیا جائے [۲]

جماعتِ احمدیہ کی تکفیر کا نیا دور اِس انکشاف کے چند روز بعد احرار کی کوشش سے ۱۳۔ جولائی ۱۹۵۲ء کو برکت علی محمڈن ہال لاہور میں ایک

---

[۱] الفضل یکم ظہور ۱۳۳۱ ہش / یکم اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۳-۴۔

[۲] جنگ (کراچی) ۵۔ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۔

"آل مسلم پارٹیز کنونشن" منعقد ہوا جس میں مختلف مکاتیبِ فکر کے سیاسی اور مذہبی راہنما اور دیگر مندوب کم و بیش سات سو کی تعداد میں جمع ہوئے اور احراری مطالبات کے حق میں زور شور سے پراپیگنڈا کرنے کا فیصلہ کیا[۱] جس کے بعد حکومتِ پاکستان اور جماعتِ احمدیہ کے خلاف جارحانہ سرگرمیاں تیز کر دی گئیں اور "مسلمان فرقہ احمدیہ" یا احمدی مذہب کے مسلمانوں[۲] کے خلاف تکفیر کا نیا دور شروع ہوا۔

جماعتِ احمدیہ اپنے قیام کے روزِ اوّل ہی سے رُوحِ کافرگری کا تختۂ مشق بنی ہوئی تھی بلکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر تو براہینِ احمدیہ جیسی عظیم الشّان تصنیف اور علمی شاہکار کی پاداش میں ۱۸۸۴ء ہی سے فتوئے کفر لگ چکا تھا اور اس میں مختلف فرقوں کے علماء حتّٰی کہ حرمین شریفین کے حنفی مسلک کے مفتیان بھی شامل ہو گئے تھے جیسا کہ نومبر ۱۸۸۸ء کے مطبوعہ رسالہ "نصرت الابرار" سے ثابت ہے[۳]

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ایک بار فرمایا تھا:

"عجیب بات یہ ہے کہ جتنے اہل اللہ گزرے ان میں کوئی بھی تکفیر سے نہیں بچا۔ کیسے کیسے مقدس اور صاحب برکات تھے ... یہ تو کفر بھی مبارک ہے جو ہمیشہ اولیاء اور خدا تعالیٰ کے مقدس لوگوں کے حصّہ میں ہی آتا رہا ہے۔"[۴]

---

[۱] کنونشن کی مفصّل کارروائی مجلسِ احرار کے آرگن "آزاد" ۱۷ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۱-۶ میں شائع شدہ ہے۔

[۲] یہی دونوں نام حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے "اشتہار واجب الاظہار" (۴ نومبر ۱۹۰۰ء) میں اپنے قلم سے تجویز فرمائے تھے چنانچہ فرمایا "وہ نام جو اس سلسلہ کے لئے موزوں ہے جس کو ہم اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے پسند کرتے ہیں وہ نام مسلمان فرقہ احمدیہ ہے اور جائز ہے کہ اس کو احمدی مذہب کے مسلمان کے نام سے پکاریں یہی نام ہے جس کے لئے ہم ادب سے اپنی معزز گورنمنٹ میں درخواست کرتے ہیں کہ اسی نام سے اپنے کاغذات اور مخاطبات میں اس فرقہ کو موسوم کرے یعنی مسلمان فرقہ احمدیہ۔" (اشتہار مشمولہ "تریاق القلوب")

[۳] یہ رسالہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی سابق صدر مجلسِ احرار اسلام کے بزرگوں کی تصنیف ہے جس میں آل انڈیا کانگرس میں شرکت کو مباح اور سرسیّد کی تحریک علیگڑھ سے وابستگی کو حرام قرار دیا گیا تھا۔ یہ رسالہ مطبع صحافی ایچی سن گنج لاہور میں چھپا تھا

[۴] الحکم ۱۸ مئی ۱۹۰۸ء

تکفیر کے قدیم و جدید دور میں ایک فرق

اِس اعتبار سے ۱۹۵۲ء کا فتنۂ تکفیر احمدیوں کے لئے کوئی انوکھی چیز نہ تھی نہ ہو سکتی تھی البتہ یہ فرق ضرور تھا کہ تقسیمِ ملک سے قبل جو فتاویٔ کفر صادر کئے گئے اُن سے انگریزی حکومت یا ہندوؤں کو بالواسطہ یا بلاواسطہ تقویت پہنچتی تھی مگر تکفیر کے اِس نئے دَور میں اس کا مقصد ایک اسلامی مملکت کو نقصان پہنچانا تھا۔

ملک محمد جعفر خاں کا بیان

چنانچہ ملک محمد جعفر خاں (وزیرِ مملکت پاکستان برائے اقلیتی امور و سیاحت) فرماتے ہیں :۔

"پنجاب میں ختمِ نبوّت کی ایجی ٹیشن میں سب سے بڑا مطالبہ یہ تھا کہ احمدیوں کو سیاسی لحاظ سے ایک اقلیّت کا درجہ دے دیا جائے۔ اِس مطالبے کی تہ میں کوئی قابلِ ستائش مُلکی یا قومی مفاد نہ تھا"
"یہ بات تو انسانی فہم ہی سے بالا ہے کہ احمدیوں کو اقلیّت قرار دینے سے ختمِ نبوّت کا کیا تعلق ہے بہرحال تحریک جو کچھ بھی چلی اور خُوب چلی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مملکت کا وجود ہی خطرے میں پڑ گیا"۔ [۱،۲]

محض لفظی نزاع

ملک صاحب موصوف نے کُھلے لفظوں میں اِس حقیقت کا بھی اعتراف کیا ہے کہ مسئلۂ ختمِ نبوّت میں احمدی اور غیر احمدی علماء میں محض لفظی نزاع ہے اِس لئے مخالفِ احمدیت علماء احمدیوں کو خارج از اسلام اور غیر مسلم اقلیّت قرار دئے جانے کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں :۔

۱؎ احرار کی دورُخی پالیسی ملاحظہ ہو کہ یہ اصحاب اُن دنوں جہاں پاکستان میں احمدیوں کے اکابر بزرگوں بلکہ بانیٔ سلسلہ پر کیچڑ اُچھالنا "تحفظ ختمِ نبوّت" کا لازمی تقاضا سمجھتے تھے وہاں انہوں نے جامع مسجد دہلی میں یہ قرارداد پاس کی کہ "ہندوستان کے تمام مذہبی گروہوں کا فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بزرگوں کی عزت کرنا سیکھیں اور سکھائیں تاکہ ہمارا ملک دُنیا میں اخلاقی بلندی کے ساتھ ترقی کر سکے"۔ ("آزاد" لاہور ۲۸ مئی ۱۹۵۱ء صفحہ ۶ کالم ۳) ٭

۲؎ "احمدیہ تحریک" مؤلفہ ملک محمد جعفر خاں صاحب صفحہ ۲۴۲۔ ناشر سندھ ساگر اکادمی لاہور چوک مینار بیرون لوہاری دروازہ لاہور۔ جنوری ۱۹۵۸ء ٭

"ہمیں اس امر نے ہمیشہ حیران کیا ہے کہ جس ختمِ نبوت کے عقیدہ سے انکار کی بناء پر علماء جماعتِ احمدیہ کو اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں اس کی روشنی میں یہ علماء اپنی پوزیشن پر کیوں غور نہیں کرتے، اگر ختمِ نبوت سے یہ مراد ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور ہمارے نزدیک یہی مراد ہے تو جماعتِ احمدیہ اور غیر احمدی علماء جو نزولِ مسیح پر ایمان رکھتے ہیں دونوں ہی ختمِ نبوت کے منکر ہیں مسیح ابنِ مریمؑ کے نبی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور اگر انکو رسولِ کریمؐ کے بعد آنا ہے تو نبی کریم خاتم النبیین نہیں ہو سکتے۔ احمدیوں کے نزدیک مسیح ابنِ مریمؑ کو نہیں آنا بلکہ ان کے مثیل کو آنا تھا جو مرزا صاحب کی ذات میں آ گیا۔ ساتھ ہی ان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ مثیل بھی نبی ہے بلکہ اپنی شان میں مسیح ناصری سے بڑھ کر ہے۔ اس طرح بنیادی لحاظ سے ان دو فریقوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے صرف اتنا فرق ہے کہ ایک فریق ایک نبی کے آنے کا منتظر ہے اور دوسرے کا خیال ہے کہ نبی آ چکا ہے۔" [1]

"تحفظ ختمِ نبوت" کا ادّعا اور اس کی حقیقت

ان لوگوں کو "ختمِ نبوت" اور اس کے تحفظ سے کہاں تک تعلق تھا؟ اس کا اندازہ "امیرِ شریعت"[2] احرار سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے مندرجہ ذیل بیان سے بخوبی لگ سکتا ہے جو انہوں نے ۶ جولائی ۱۹۵۲ء کو ملتان کے ایک معزز اجتماع میں دیا:۔

"مَیں ممتاز صاحب دولتانہ کو اس لئے اپنا لیڈر جانتا ہوں کہ ایک تو وہ صوبہ مسلم لیگ کے صدر ہیں اور دوسرے وہ صوبہ پنجاب کی حکومت کے وزیرِ اعلیٰ ہیں۔ اگر دولتانہ صاحب کہہ دیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان لے آؤ تو مَیں اس پر ایمان لے آؤں گا اور مرزا بشیرالدین محمود احمد کو خلیفۃ المسیح مان لوں گا۔" [3]

---

[1] "احمدیہ تحریک" صفحہ ۱۲۹، ۱۳۰۔

[2] لکھا ہے "شاہ جی نے فرمایا۔۔۔ یارو لوگوں نے شریعت کو نہ ماننے کے لئے مجھے امیرِ شریعت بنا رکھا ہے۔" ("فرمودات امیرِ شریعت" صفحہ ۴۵ مرتبہ حکیم مختار احمد صاحب الحسینی۔ ناشر مکتبہ تعمیرِ حیات دفتر جمعیۃ علماءِ اسلام چوک رنگ محل لاہور)

[3] اشتہار سید زین العابدین گیلانی سابق صدر ڈسٹرکٹ مسلم لیگ ملتان ۳۰ جولائی ۱۹۵۲ء۔ پاکستان الیکٹرک پرنٹنگ ورکس چوک شہیداں ملتان شہر۔

یہ وہی "امیرِ شریعت" تھے جنہوں نے قبل ازیں "ختمِ نبوّت کانفرنس کراچی" میں یہ فرمایا تھا کہ :-

" اگر خواجہ غریب نواز اجمیریؒ، سیّد عبدالقادر جیلانیؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام بخاریؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، ابن تیمیہؒ، غزالیؒ، حسن بصریؒ، نبوّت کا دعویٰ کرتے تو کیا ہم انہیں نبی مان لیتے علیؓ دعویٰ کرتا کہ جسے تلوارِ حق نے دی اور بیٹی نبی نے دی عثمان غنی دعویٰ کرتا، فاروقِ اعظم دعویٰ کرتا، ابوبکر صدیقؓ دعویٰ کرتا تو کیا بخاری اسے نبی مان لیتا " ؎۱

حکومتِ پاکستان کے خلاف اشتعال انگیزی

آل مسلم پارٹیز کنونشن کے انعقاد کے بعد عوام کو کس طرح کھلم کھلا تشدّد اور بغاوت پر اُکسایا جانے لگا اِس کا صرف ایک نمونہ کافی ہے۔ احرار کے "مجاہدِ ملّت" مولوی محمد علی صاحب جالندھری نے اگست ۱۹۵۲ء میں ملتان کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا :-

" اگر حکومت نے کراچی کی طرح سنگینوں کے سائے میں مرزائیت کی جبری تبلیغ کروانی ہے تو پھر ہماری تمہاری جنگ ہے ۔ اگر اظہارِ استبداد کے معنی بغاوت ہے ۔ اگر مظلوم کی فریاد کے معنی بغاوت ہے ۔ اگر بیزاریٔ بیداد کے معنی بغاوت ہے ۔ اگر ایک فطرتِ آزاد کے معنی بغاوت ہے تو پھر میں ایک باغی ہوں میرا مذہب بغاوت ہے "

" محمدؐ ملک کے لئے نہیں ملک محمدؐ کے لئے ہے اور ایسے کروڑوں خطۂ ارضی محمدؐ کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جاسکتے ہیں ؎۲ اپنی وزارتوں کے تحفّظ کے لئے سیفٹی اور سیکیورٹی ایکٹ بنانے والو! اس دن کے متعلق بھی سوچ لو ۔۔۔ جب حوضِ کوثر پر محمدؐ کوثر کا پیالہ ہاتھ میں لئے سوال کریں گے تمہاری وزارتوں میں میری نبوّت کیوں کر رسوا ہوئی تو سوچ لو اس وقت تمہارا کیا جواب ہوگا ؟ " ؎۳

؎۱ "آزاد" لاہور ۱۸ مئی ۱۹۵۱ء ۔

؎۲ اِسی سے ملتے جلتے الفاظ رئیس الاحرار مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے بھی استعمال فرمائے تھے فرق یہ تھا کہ انہوں نے "محمد" کی بجائے "جواہر لال نہرو" کا نام لیا اور فرمایا " دس ہزار جینا اور شوکت اور ظفر جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جاسکتے ہیں " (چمنستان صلہ ازمولانا ظفر علی خاں ۔ ناشر مکتبہ کارواں کچہری روڈ لاہور مطبوعہ ۱۹۴۲ء)

؎۳ ہفت روزہ "حکومت" کراچی "عقیدۂ ختمِ نبوّت کا علمبردار" ۱۴ / اگست ۱۹۵۲ء صلہ کالم ۳ ، ۴ ۔

محبِ وطن حلقوں میں تشویش و اضطراب اور سیاسی ردِّ عمل

یہ شعلہ نوائی جلد ہی رنگ لائی اور عوام میں اپنے مسلمان حکمرانوں کے خلاف آتشِ انتقام سلگنے لگی۔امن غارت ہونے لگا اور انتشار اور بدامنی اور بے اطمینانی کا مہیب طوفان اُمڈتا دکھائی دینے لگا تو تمام محبِ وطن مسلمان حلقوں میں تشویش و اضطراب کی زبردست لہر پیدا ہوگئی حتّٰی کہ وہ طبقہ بھی جو اَب تک خاموش کھڑا اِس معاملہ کو ایک دینی مسئلہ سمجھے بیٹھا تھا، احتجاج کرنے لگا۔

ملتان ان دنوں اِس تحریک کا اصل مرکز ملتان تھا جس کے بیس صحافیوں نے "تحریکِ ختمِ نبوت کا موجودہ دَور" کے عنوان سے حسبِ ذیل اشتہار شائع کیا:۔

"تحریکِ ختمِ نبوت کی ابتداء جن مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر کی گئی اس نے بلا امتیاز فرقہ ہر ایک مسلمان کا دل و دماغ اپنی طرف متوجّہ کر لیا لیکن ہمیں افسوس ہے کہ یہ مقدّس تحریک جس موجودہ دَور سے گذر رہی ہے اور اس سے پاکستانی عوام، پاکستان کی سالمیّت، سکون اور امن پر جو ہولناک حملے ہو رہے ہیں اُس نے ہر ایک ذی شعور مسلمان کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ بانیانِ تحریک کون ہیں اور اس تحریک سے ان کا اصل مقصد کیا ہے؟

ہم صحافیانِ ملتان نے دیگر صوبہ جات مملکتِ خدا داد پاکستان کے مسلمانوں کے خیالات کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ہم نے حکومت کے اعلانات، بیانات اور انسدادی تدابیر پر بھی غور کیا ہے۔ہم نے اُن خیالات پر بھی دھیان دیا ہے جو دیگر ممالک کی صحافت نے اِس تحریک کے متعلق ظاہر کئے ہیں۔ہم نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ سمجھدار طبقہ اِس تحریک کی موجودہ انتشار انگیز ضرر رساں شکل کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہا ہے۔اِس میں شبہ نہیں کہ مسلم عوام کا ایمان تازہ، ارادے مستقل اور قدم مضبوط ہیں اور وہ ہر ایسی تحریک سے دیوانہ وار منسلک ہو جاتے ہیں جو قوم، ملک اور مذہب کے نام پر چلائی جائے۔لیکن اِس وقت دیکھنا یہ ہے کہ ان کی یہ قربانیاں ملک و ملّت کے لئے مفید بھی ہیں یا نہیں؟ اگر تحریک کے علمبردار پاکستان دشمنی، قوم کی تباہی اور دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کے درپے ہوں تو فدایانِ ناموسِ رسولؐ کا اوّلین فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ ملک و قوم کے دشمنوں کے دھوکہ میں نہ آئیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایسے وقت میں قومی مفاد کے تحفّظ کی ذمّہ داری جہاں گورنمنٹ پر عائد ہوتی

ہے وہاں ملکی صحافت اور عوام پر بھی اُسی طرح اس ذمہ داری کا بوجھ پڑتا ہے۔

ہم صحافیانِ ملتان پُورے غور و خوض کے بعد اِس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تحریک کو موجودہ انتہائی خطرناک اور غیر آئینی رنگ دینے میں یقیناً دشمنانِ پاکستان کا ہاتھ ہے اور وہ اس مقدس نعرہ کی آڑ لے کر ملک کی خوشحالی و امن و سکون کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ہم صحافیانِ ملتان اپنا قومی فرض سمجھتے ہیں کہ اسلامیانِ پاکستان اور بالخصوص اہالیانِ ملتان کو تحریک کے اصل پس منظر سے آگاہ کرتے ہوئے اُن پر یہ واضح کر دیں کہ تحریک کی موجودہ شکل کو تحریک ختم نبوّت کا نام دینا ہی اس مقدس ترین نام کی توہین ہے لہٰذا وہ اسے تحریک ختم نبوّت کا نام نہ دیں بلکہ اسے دشمنانِ پاکستان کے ایجنٹوں کی تحریک سمجھیں۔

(شیخ) مظفر الدین ایڈیٹر روزنامہ "زمیندار سدھار" ٭ (چوہدری) محمد ظفر مخزون ایڈیٹر روزنامہ "کاروان" ٭ (صاحبزادہ ڈاکٹر) عبدالستار حامد ایڈیٹر ہفت روزہ "کلیم" ٭ (شیخ) عاشق حسین حسینی ایڈیٹر "روشن چراغ" ٭ (مولانا) منظور احمد اختر ایڈیٹر "الجیلان" ٭ (مسٹر) رسول بخش ارشد ملتانی ایڈیٹر ہفت روزہ "صدائے حق" ٭ (مسٹر) امان اللہ غازی ایڈیٹر "جدت" ٭ (قاری) وحید الزمان رزمی ایڈیٹر ہفت روزہ "بیوپاری" ٭ (مولانا الحاج) محبوب احمد اویسی ایڈیٹر ہفت روزہ "محسن" ٭ (مولانا) خدا بخش اویسی ایڈیٹر ہفت روزہ "مقبول" ٭ (مسٹر) اختر رسول ایڈیٹر ہفت روزہ "طوفان" ٭ (شیخ) غلام علی ظفر حیدری ایڈیٹر "الکائنات" ٭ (شیخ) علاؤ الدین اختر ایڈیٹر "زمیندار سدھار" ٭ (خان) محمد اکرم خان ایڈیٹر روزنامہ "شمس" ٭ (شیخ) مسعود دین ایڈیٹر سہ روزہ "نوائے عامہ" ٭ (خواجہ) عبدالکریم قاصف ایڈیٹر ہفت روزہ "ملتان کرانیکل" ٭ (چوہدری) نظر حسین نظر ایڈیٹر ہفت روزہ "زلزلہ" ٭ (ڈاکٹر) احتشام الحق ایڈیٹر "ہومیوپیتھی" ٭ بیگم شمیم حسینی مدیرہ "شمیم" ٭ (ڈاکٹر حکیم) فاروق احمد اویسی جرنلسٹ۔

(خادم کاتب) (یونین پریس ملتان شہر)" [1]

لاہور لاہور جہاں "آل مسلم پارٹیز کنونشن" منعقد ہوئی اور جہاں سے "آزاد" اور "زمیندار" وغیرہ اخبارات شورش کو ہوا دینے میں سرگرم تھے۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ، امروز اور نوائے وقت جیسے وقیع اخبارات نے ڈٹ کر اس امن شکن تحریک کے خلاف آواز بلند کی۔ چنانچہ

---

[1] اصل اشتہار خلافت لائبریری میں محفوظ ہے ٭

روزنامہ "نوائے وقت" لاہور نے ۲۲ جولائی ۱۹۵۲ء کے ایشوع میں مسلمانوں کی فرقہ وارانہ کشمکش کا ذکر کرتے ہوئے لکھا :۔

"ہم مسلمانوں کے پڑھے لکھے افراد سے یہ پوچھتے ہیں کہ آخر وہ اِس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کو کیوں محسوس نہیں کرتے ؟ اور اپنے اَن پڑھ اور سادہ لوح بھائیوں کو کیوں نہیں سمجھاتے کہ اگر مسلمانوں میں یہ باہمی مناقشت اِسی طرح جاری رہی تو مسلمانوں کا یہ نیا ملک پاکستان خدانخواستہ بالکل تباہ ہو جائے گا۔ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ سپین میں مسلمانوں کی تباہی کا باعث ان کے باہمی جھگڑے ہی تھے ؟ اور یہ ان جھگڑوں ہی کا نتیجہ ہے کہ آج سپین میں ایک مسلمان بھی نہیں ملتا حالانکہ مسلمانوں نے صدیوں اس ملک پر حکومت کی ہے۔ خلافتِ بغداد کی بربادی بھی مسلمانوں کے ان باہمی مناقشات کے باعث ہوئی اور آپ کے اپنے زمانہ میں سلطنتِ عثمانیہ محض اِس وجہ سے پارہ پارہ ہوئی کہ مسلمان مسلمان کا دشمن تھا۔ سپین، بغداد اور ترکانِ عثمانی کی سلطنتیں اپنے اپنے زمانہ میں دُنیا کی طاقتور ترین سلطنتوں میں شمار ہوتی تھیں اور ہمعصر یورپ ان کے دبدبہ اور ہیبت سے کانپتا تھا مگر آج ان عظیم الشّان سلطنتوں کے صرف کھنڈر باقی رہ گئے ہیں۔ مسلمانوں نے آپس میں لڑ بھڑ کر اپنے ہاتھوں سے ان سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔

وطنِ عزیز پاکستان سے محبّت اور عقیدت بجا، مگر ان سلطنتوں کے مقابلہ پر پاکستان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ اِس بچّہ نے تو ابھی گھٹنوں پر چلنا بھی نہیں سیکھا۔ اور ہم خود اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹنے کے درپے ہیں۔ کیا وطن سے محبّت اور عقیدت کا یہ تقاضا نہیں کہ پڑھے لکھے لوگ مسلمان عوام کو اس مہیب خطرہ سے آگاہ کریں۔ ابھی پاکستان میں قومیّت یا ملّیت کا شعور یکسر ناپید ہے ضرورت اِس امر کی تھی کہ حکومت، اخبارات، سیاسی کارکن اور پڑھے لکھے لوگ عوام میں ملّیت اور قومیّت کا شعور پیدا کرتے اور ہر شخص میں یہ احساس پیدا کیا جاتا کہ وہ مسلمان اور پاکستانی ہے مگر ہماری قوم کن جھگڑوں میں اُلجھ گئی ہے ؟ اور ان جھگڑوں کا کیا انجام ہوگا ؟ جن خود غرضوں کے مُنہ کو لہو لگ چکا ہے۔ کیا وہ اسی پر اکتفاء کریں گے ؟ جن کی دکان مسلمان کو مسلمان سے لڑانے کی وجہ سے چلتی ہے۔ کیا وہ شیعہ سُنّی کو ایک دوسرے سے لڑانے کے بعد یہ دکان بند کر دیں گے ؟ ہرگز نہیں آج شیعہ سُنّی جھگڑا ہے کل یہی لوگ سُنّیوں کو وہابیوں سے لڑائیں گے۔ پھر اہلِ حدیث اور اہلِ قرآن

میں جنگ ہوگی۔ اور اگر یہی لیل و نہار رہے تو کچھ عرصہ بعد پاکستان میں شیعہ، سنی، وہابی، چکڑالوی، بریلوی، دیوبندی تو بہت مِل جائیں گے مگر سیدھے سادے مسلمان اور پاکستانی چراغ لے کر ڈھونڈے سے بھی نہ مل سکیں گے۔

شکر ہے کہ اربابِ اقتدار میں سے دو اصحاب کو اللہ نے توفیق دی کہ وہ اِس مسئلہ پر لب کشائی کریں۔ میاں ممتاز دولتانہ نے پسرور میں کہا ہے کہ:۔

"فرقہ وارانہ نفرت پھیلانا پاکستان کے وجود کے لئے تباہ کُن ثابت ہوگا۔ جب بھارت میں مسلمانوں کا قتلِ عام جاری تھا اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالا جا رہا تھا تو کسی نے مسلمانوں کے بہتّر فرقوں میں کوئی تمیز روا نہ رکھی تھی۔ اس کے برعکس سبھی نشانۂ ستم بنے محض اِس لئے کہ وہ مسلمان تھے۔"

خان عبدالقیوم وزیرِ اعلیٰ سرحد نے مانسہرہ میں یہ کہا ہے کہ:۔

"ماضی میں مسلمانوں کی سلطنتیں اِسی وجہ سے تباہ ہوئیں کہ دوسروں نے ان مسلمان سلطنتوں میں انتشار کا بیج بو دیا۔ مسلمانانِ پاکستان کو ان تاریخی واقعات سے سبق حاصل کرنا چاہیئے اور اندرونی انتشار پیدا کر کے اپنی آزادی خطرے میں نہ ڈالنی چاہیئے نئی اور پُرانی سامراجی طاقتیں پاکستان کے وجود سے سخت ناخوش ہیں۔ وہ ہر ممکن ذریعہ سے اسے ختم کرنا چاہتی ہیں۔ بنگال میں زبان کا جھگڑا اِسی قسم کا ایک بارُود تھا۔ اب پنجاب میں اور دوسری جگہ حد درجہ بھک سے اُڑ جانے والے بارُود کی جھگڑے کھڑے کر دئے گئے ہیں۔"

خدا کا شکر ہے کہ اربابِ اقتدار اِس خطرے سے آگاہ ہیں جو ملک و ملّت کو درپیش ہے۔ پھر وہ اس کا استیصال کیوں نہیں کرتے؟ اِس معاملہ میں دورُخی یا نیم دلانہ پالیسی مُلک و ملّت کے لئے تباہ کُن ثابت ہو سکتی ہے۔ اربابِ اقتدار کا فرض ہے کہ حکومت کی مشینری کو اِس خطرہ کے استیصال کے لئے استعمال کریں۔ تبلیغ اور تشہیر کے بے شمار ذرائع حکومت کے پاس ہیں یہ ذرائع اِس کام آنے چاہئیں کہ مسلمان عوام کو یہ بتایا جائے کہ ماضی میں دُنیا کے ہر خطّہ میں مسلمانوں کے باہمی جھگڑے ہی ان کی تباہی و بربادی کا باعث بنے۔ اب پاکستان کو بھی (جیسا کہ قیوم صاحب اور دولتانہ صاحب

دونوں نے فرمایا ہے) یہی خطرہ درپیش ہے مسلمان عوام کو ملک و ملّت کے ان دشمنوں سے خبردار رہنا چاہیئے جو مسلمان کو مسلمان سے لڑا کر اِس نوزائیدہ اسلامی مملکت کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔

تبلیغ و تشہیر کے ذرائع کے علاوہ قانون کی قوّت بھی حکومت کو حاصل ہے۔ آخر وہ قوّت جائز اور نیک مقصد کے لئے کیوں استعمال نہیں کی جاتی؟ دولتانہ صاحب نے بعض سرگرمیوں کے متعلق صاف لفظوں میں یہ کہا ہے کہ وہ پاکستان کے وجود کے لئے تباہ کُن ہیں۔ اور قیّوم صاحب نے صرف یہی نہیں یہ بھی اشارہ کردیا ہے کہ بعض نئی اور پُرانی سامراجی طاقتیں پاکستان کے وجود پر سخت ناخوش ہیں اور ہر ممکن ذریعہ سے اسے ختم کرنا چاہتی ہیں اور یہ خطرناک سرگرمیاں اسی ناپاک مہم کے ہتھیار ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو اربابِ اقتدار کے اختیارات ملک و ملّت کے ان بدترین دشمنوں کے خلاف حرکت میں کیوں نہیں آتے جو ایسی سرگرمیوں میں مصروف ہیں جو خود اربابِ اقتدار کے قول کے مطابق ملک کے لئے تباہ کُن ہیں؟

حیرت ہے کہ جائز سیاسی اختلاف کا اظہار کرنے پر تو زبان کٹتی ہو مگر ان عناصر کو جو ملک کو برباد کردینے والی سرگرمیوں میں مصروف ہوں کُھلی چُھٹی ہو۔ اِس کی وجہ دورُخی ہے یا نیم دلی اور کمزوری؟

خدارا اب بھی آنکھیں کھولئے ورنہ جب پانی سر سے گذر گیا تو پھر جاگنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا ملک اپنی زندگی کے ابتدائی چند سالوں بعد ہی تباہی کے موڑ پر پہنچ گیا ہے اور اس کے ذمّہ دار ہمیں لوگ ہیں۔ یہ آگ ہم نے لگائی ہے اب اگر نیک نیّتی کے ساتھ ملک کو بربادی سے بچانا مقصود ہے تو ہم سب کا ــــ صرف حکومت کا نہیں ــــ حکومت، لیڈروں، اخبارات، علمائے کرام، پڑھے لکھے افراد سب کا فرض ہے کہ وہ اِس آگ کو بجھانے کی کوشش کریں ورنہ یاد رکھئے شیعہ، سنّی، وہابی کسی کا گھر محفوظ نہیں ع

جو ڈوبی یہ ناؤ تو ڈوبوگے سارے"

روزنامہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور نے ایجی ٹیشن سے متاثر ہوکر حسبِ ذیل اداریہ لکھا۔

عین اس وقت جبکہ مسئلۂ کشمیر کے متعلق بات چیت انتہائی نازک مرحلہ میں داخل ہوچکی ہے ظفر اللہ کے خلاف موجودہ ایجی ٹیشن اس یقینی کیفیت کا پتہ دیتی ہے کہ جبکہ کشمیر جل رہا ہے علماء نبسریا

بجا رہے ہیں۔ دو ہفتہ کے اندر اندر جینیوا میں کشمیر کے متعلق آخری بات چیت جس پر پاکستان کی موت وحیات کا دارومدار ہے شروع ہو جائے گی لیکن اسلام کے ان مقدس پاسبانوں نے "اسلام خطرے میں ہے" کا نعرہ لگا کر اس شخص کی فوری برطرفی کا مطالبہ شروع کر دیا ہے جو پاکستان کی زندگی اور موت کی لڑائی لڑنے کے لئے جا رہا ہے۔ اگر احرار شور و غوغا کریں تو یہ بات بڑی حد تک سمجھ میں آنے والی ہو سکتی ہے کہ وہ عین اس موقعہ پر جبکہ مسئلہ کشمیر اپنے آخری مراحل میں پہنچ چکا ہے اور دو ٹوک فیصلہ کا وقت آ چکا ہے اِس مسئلہ سے لوگوں کی توجہ کو ہٹا کر اپنے آقاؤں کا نمک حلال کر رہے ہیں لیکن جب بعض علماء بھی دشمن کا کردار ادا کرنے لگیں تو ان کی سمجھ کی کمی پر ماتم کناں ہونے کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے؟

بات چیت کے اِس خطرناک مرحلہ پر ملک کو صرف ایک امر کا تہیّہ کر لینا چاہیئے تھا یعنی ہر قیمت پر کشمیریوں سے انصاف کرانا لیکن جبکہ کشمیر کا معاملہ تیزی سے بگڑتا جا رہا ہے عوام کی طرف سے جو چند روز قبل گلے پھاڑ پھاڑ کر اِس جنّتِ ارضی کی خاطر اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کا اعلان کیا کرتے تھے اب اس کے متعلق ایک آواز بھی نہیں اُٹھتی۔ کیا اب بھی مُلّا کے نشّہ آور نعرے "اسلام خطرے میں ہے" کا شکریہ ادا نہ کیا جائے؟

قوم کو اس زبردست فریب پر جو مذہب کے نام پر اسلام اور پاکستان دونوں سے کھیلا گیا ہے ہوش میں آ جانا چاہیئے۔ اب یہ ایک کھُلا ہوُا راز ہے کہ جہاں تک ظفراللہ کے خلاف ایجی ٹیشن کے پیچھے اندرونی طاقتوں کا سوال ہے سب کچھ ذاتی اغراض اور خواہشات کو بروئے کار لانے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم پاکستان کی یکجہتی اور سلامتی کے لئے ذاتی اغراض کو پسِ پُشت ڈال دیں۔ ہمیں یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ اگر مذہب کا لبادہ اوڑھ کر قائدِ اعظم کا ایک رفیقِ کار بھی محض ذاتی مقاصد کے لئے پاکستان کی یکجہتی قائم رکھنے کے اصول کو پسِ پُشت ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے تو پھر پاکستان کا خدا ہی حافظ ہے۔

ایک سے زائد بار ہم واضح طور پر یہ کہہ چکے ہیں کہ ہم قادیانیوں کی ختمِ نبوّت کی تاویل کو قبول نہیں کرتے تاہم ایک سرکاری ملازم کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے لئے اس کے مذہبی خیالات کو بیچ میں لانے کی ہم پُرزور مذمّت کرتے ہیں۔ مملکت کے کسی وزیر یا افسر کو پرکھنے کی واحد کسوٹی

یہ ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ کیا اس کے ذریعہ ملک کی عزت و توقیر میں اضافہ ہوا ہے یا نہیں اور اس کا وجود ملک کے لئے سود مند ہے یا کہ نہیں؟ اس میزان پر جب ہم چوہدری ظفر اللہ خاں کو جانچتے ہیں تو ملک میں اس کے متعلق دو مختلف رائیں نہیں ہو سکتیں کہ بحیثیت وزیر خارجہ کے چوہدری صاحب نے ایک عظیم الشان کام سرانجام دیا ہے اور اپنی ٹھوس خدمت کی وجہ سے ان کا شمار معماران پاکستان کی صفِ اوّلین میں ہونے کے قابل ہے۔ ہم قوم کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ جب فضیلت مآب غلام محمد کو گورنر جنرل کا عہدہ تفویض کیا گیا اور آپ کی جگہ ممالکِ اسلامی کی اقتصادی کانفرنس کی صدارت کا مسئلہ پیش ہوا تو ہر مسلم ملک نے بلا استثناء اس اعزاز کے لئے چوہدری ظفر اللہ خاں کا نام ہی تجویز کیا۔ اکیلا یہی امر اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ وزیر خارجہ کے خلاف پراپیگنڈا کی جو عمارت کھڑی کی جا رہی ہے اس کی حقیقت کیا ہے شاید لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ ظفر اللہ خاں نے کبھی کسی عہدے کے لئے درخواست نہیں کی۔ اور دو موقعوں پر جب پاکستان کی نیابت کا سوال اُٹھا قائدِ اعظم کی نظر آپ پر ہی پڑی۔ باؤنڈری کمیشن کے سامنے پاکستان کی پیروی کرنے کے موقعہ پر اور بعد ازاں پاکستان کا وزیر خارجہ مقرر کرنے کے وقت۔ دونوں مواقع پر متحدہ ہندوستان کے ایک بہت بڑے مسلم لیڈر کی معرفت آپ سے ان اہم ذمہ داریوں کو اُٹھانے کی درخواست کی گئی۔ یہ لیڈر جن کا نام ہم بعض مخصوص وجوہات کی وجہ سے ظاہر نہیں کر سکتے ابھی تک بھارت میں مقیم ہیں۔ باؤنڈری کمیشن کے سامنے پاکستان کا کیس پیش کرنے کے معاملہ میں بھی آپ کو ہدفِ ملامت بنایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ آپ ہی گورداسپور کو پاکستان کے ہاتھ سے کھو دینے کے ذمہ دار ہیں۔ ایک معمولی آدمی بھی اگر ذرا سی سمجھ بوجھ سے کام لے تو سمجھ سکتا ہے کہ اگر اس الزام میں رائی برابر بھی صداقت ہوتی تو قائدِ اعظم آپ کو وزارتِ خارجہ جیسے اہم عہدہ کے لئے کسی صورت میں بھی نہ چُن سکتے تھے۔ یہ ایک کھُلا راز ہے کہ ظفر اللہ خاں نے اس عہدہ کو قبول کرنے میں بڑی ہچکچاہٹ ظاہر کی۔ قائدِ اعظم کی پیشکش کے جواب میں آپ نے کہا کہ اگر آپ کو میری قابلیت اور دیانت و امانت پر پورا اعتماد ہے تو میں وزارت کے علاوہ کسی اور صورت میں پاکستان کی خدمت کرنے کو تیار ہوں۔ اس پر قائدِ اعظم نے یہ تاریخی جواب دیا " آپ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مجھ سے ایسے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ آپ عہدوں کے بھُوکے نہیں ہیں "

قائدِ اعظم کا یہ جواب چوہدری صاحب کی قابلیت اور راستبازی کا ایک روشن ثبوت ہے۔ یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چوہدری صاحب کے مذہبی معتقدات کے باوجود قائدِ اعظم آپ کے ہاتھوں پاکستان کے مفادات کو پوری طرح محفوظ سمجھتے تھے۔ اس پاکستان میں جس کا تصوّر قائدِ اعظم کے ذہن میں تھا عوام کے خادموں کو ان کی قابلیّت اور دیانت وامانت کے پیمانہ سے ناپنا چاہیئے نہ کہ ان کے مذہبی معتقدات کی بناء پر۔ قائدِ اعظم کے تصوّر میں ایسے پاکستان کا نقشہ تھا جس میں نہ مسلمان ہوگا، نہ ہندو نہ عیسائی مذہبی اعتقاد کی بناء پر نہیں بلکہ پاکستان کے شہری ہونے کی بناء پر۔ [1]

الحاج خواجہ ناظم الدین کو جن کے کندھوں پر قائدِ اعظم کا بوجھ آپڑا ہے قائدِ اعظم کے مقدس ترکہ "پاکستان" کی جسے علماء ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں پوری حفاظت کرنی چاہیئے۔ حالات کی موجودہ رفتار سے پاکستان کی نوزائیدہ مملکت میں ابتری پیدا ہونے کا سخت خطرہ ہے۔ علماء جو پاکستان کو اپنے خود ساختہ مذہبی اصولوں کی بناء پر اپنی جائداد سمجھتے ہیں موجودہ ایجی ٹیشن کو ملک میں اپنی قیادت قائم کرنے کا ایک ذریعہ بنا رہے ہیں۔ ان کا اصل مقصد طاقت حاصل کرنا ہے لیکن انتخابات کے سیدھے راستہ سے اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکامی کے بعد اب وہ مذہبی عصبیّت کے چور دروازہ سے داخل ہو کر اپنی اغراض حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے ساتھ کسی قسم کا سمجھوتہ مملکتِ نوزائیدہ پاکستان کو تباہی کے گڑھے میں دھکیلنے کے مترادف ہوگا۔

ہمیں یقین ہے کہ مرکزی کابینہ اِس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہے کہ وہ خلاء جو ظفر اللہ خاں کو ان کے عہدے سے ہٹانے سے پیدا ہوگا اس کا پُر کرنا ناممکن ہوگا۔ چند روز قبل ان کے استعفےٰ

---

[1] قائدِ اعظم کا اہلِ امریکہ کے نام نشری پیغام (فروری ۱۹۴۸ء):۔

"پاکستان ایک ایسی مذہبی مملکت نہیں ہوگا جس میں مذہبی پیشوا مامور من اللہ کے طور پر حکومت کریں گے۔ ہمارے ہاں بہت سے غیر مسلم ہیں ــــ ہندو عیسائی اور پارسی ــــ لیکن وہ سب پاکستانی ہیں۔ وہ بھی تمام دوسرے شہریوں کی طرح یکساں حقوق اور مراعات سے بہرہ ور ہوں گے اور پاکستان کے معاملات میں کما حقہٗ کردار ادا کریں گے۔" (ظہورِ پاکستان" مصنفہ چوہدری محمد علی صفحہ ۴۵۱ ناشر مکتبہ کارواں کچہری روڈ۔ لاہور۔ طبع دوم ۱۹۷۲ء)

کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تو روشن خیال عوام کو سخت دھکا پہنچا تھا۔ ہمیں امید ہے کہ پاکستان کے موجودہ کشتی بان خواجہ ناظم الدین جنہوں نے دلیر قیادت کی ایک مثال قائم کر دی ہے اور قوم کی زندگی میں جن طوفانوں سے انہیں سابقہ پڑا ان کا انہوں نے دلیری سے مقابلہ کیا حالات کی نزاکت کو پوری طرح محسوس کریں گے اور ملک کی ایسی دلیرانہ قیادت کریں گے جس کا حالات تقاضا کر رہے ہیں۔ وزیرِ خارجہ کو جبکہ وہ اس آخری نازک مرحلہ پر پاکستان کی نیابت کرنے جنیوا تشریف لیجا رہے ہیں ملک کے واحد ترجمان کی حیثیت سے قوم کا پورا اعتماد حاصل ہونا چاہیئے۔ دشمن کے جاسوسوں نے ایسے آدمی کے عزّت و وقار اور اقتدار کو کھوکھلا کرنے کی کوشش میں جو ملک کی جنگ لڑنے باہر جا رہا ہے کشمیر کے معاملہ پر بھرپور ضرب لگائی ہے۔ اب یہ پاکستانی حکومت کا فرض ہے کہ وہ اِس نقصان کی تلافی ایک ایسے جرأت مندانہ بیان سے کرے جس میں وزیرِ خارجہ کی قابلیت، دیانت و امانت اور نمائندہ حیثیت پر پُورا اعتماد ظاہر کیا گیا ہو۔ لہ (ترجمہ)

اِسی طرح سالارِ نیشنل گارڈ مسلم لیگ نے "امروز" کے ایک حقیقت افروز مضمون کی بناء پر حسبِ ذیل اشتہار دیا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

پاکستان کے دوست نما دشمنوں کو انتباہ

کراچی میں احرار نے یہ پوسٹر لگایا کہ "ظفر اللہ خاں کو وزارتِ خارجہ سے ہٹا دو" اس کی بابت سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیوں ہٹایا جائے؟

کیا اِس لئے کہ

چوہدری صاحب کو ہمارے محبوب رہنما بانیٔ پاکستان حضرت قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دُوربین نگاہ نے وزارتِ خارجہ کے لئے منتخب کیا اور حضرت قائدِ ملت لیاقت علی خاں نے ان کے کام کی تعریف کی۔ حضرت قائدِ پاکستان الحاج خواجہ ناظم الدین وزیرِ اعظم و صدر مسلم لیگ اور آپ کے رفقاء کار قائدین نے باربار ان پر اعتماد کا اظہار فرمایا۔ تمام اسلامی ممالک کے مدبّرین نے ان کی اسلامی خدمات کی تعریف کی اور آج بھی اسلام اور مسلمانوں کے ہمدرد نمائندوں نے اُنہیں اپنا مشیر و معاون بنا رکھا ہے۔

لہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور ۱۲؍ اگست ۱۹۵۲ء بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور ۲۰؍ اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۴

یا اِس لئے کہ؟

اِس فتنہ کو کھڑا کرنے والے اور ہوا دینے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے شروع سے ہی ہمارے ان محبوب رہنماؤں پر اعتماد نہیں کیا اور نہ ہی ہمارے محبوب وطن پاکستان کی تعمیر میں حصہ لیا بلکہ شدید مخالفت اور پاکستان کو پلیدستان اور بیوقوفوں کی جنت بنایا اور آج بھی ان کی موجودہ روش سے بھی ظاہر ہے کہ وہ فرقہ وارانہ کشمکش پھیلا کر ہمارے زرّیں اصول

اتحاد ـــــ تنظیم ـــــ یقینِ محکم

کو برباد کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہمارے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط ہوں۔ وہ اپنی روش سے حضرت قائدِاعظم اور قائدِ ملت کی ارواح کو اذیت پہنچا رہے ہیں۔ ہم ان کو اپنے محبوب رہبرِ ملت جناب الحاج خواجہ ناظم الدین وزیرِاعظم پاکستان و صدر مسلم لیگ کا ارشاد پیش کرکے تنبیہہ کرتے ہیں کہ وہ انتشار پسندی اور فرقہ پرستی سے باز آجائیں۔ اپنے بے اعتمادی کے مرض کا علاج کریں اور قوم کا شیرازہ منتشر کرکے غرقابی کی طرف نہ دھکیلیں ورنہ یہ یاد رکھیں کہ قوم اِن باتوں کو ہرگز برداشت نہ کرے گی ....ہوشیار باش۔

رہبرِ ملت وزیرِاعظم کا ارشاد

ملک کے اندر .... ایسے عناصر موجود ہیں .... جو ہماری آزادی پر .... بالواسطہ حملہ کر رہے ہیں .... تاکہ ملک کے لیڈروں اور حکومت کے ارکان کے متعلق عوام کے دلوں میں بے اعتمادی پیدا ہو جائے۔ یہ .... صوبہ پرستی، فرقہ پرستی اور اسی قسم کے دوسرے امور چھیڑ کر پاکستانیوں کے درمیان نفاق و نفرت پیدا کرنے میں مصروف ہیں۔ تمام مسلم لیگی حضرات .... اور ہر وفادار پاکستانی کا فرض ہے کہ ان شر انگیز سرگرمیوں کی مخالفت کرے۔ انہیں رسوا کرنے میں کوئی کسر باقی نہ اٹھا رکھے۔ یہ وہی ہیں جو تقسیم سے پیشتر پاکستان کے عقیدے ہی کے خلاف تھے۔ اگرچہ ان میں سے بعض آج پاکستان اور اسلام کی حمایت کا دعویٰ کر رہے ہیں لیکن ہم ان پر ہرگز اعتبار نہیں کرسکتے۔" (امروز ۱۲؍ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

(المشتہر:۔ سالار نیشنل گارڈ مسلم لیگ لاہور)

(ناظر پریس کراچی)

گوجرانوالہ گوجرانوالہ بھی احراری تحریک کا ایک مضبوط مرکز بنا ہوُا تھا۔ اِس شہر کے اخبار "لاحول" نے اپنی ماہِ ستمبر ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں احراری ایجی ٹیشن کو ملک و ملّت کے مفاد کے لئے سخت مضرّت رساں قرار دیتے ہوئے لکھا:۔

"گذشتہ تین ماہ حکومتِ عالیہ پاکستان کی آزمائش کے دن تھے۔ احرار جو کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں کو پاکستان تو کیا اس کی "پ" بھی میسّر نہ آئے گی ختمِ نبوّت کی آڑ میں ملک میں شور و شر پھیلانے اور کھویا ہوُا اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور حکومت یہ جانتی تھی کہ ان کے تار دہلی سے مولوی حبیب الرحمٰن ہلا رہے ہیں جو پنڈت نہرو کے معتمدِ خاص بنے ہوئے ہیں[۱]۔ اور حکومت یہ بھی جانتی تھی کہ احرار جو کام کرتے ہیں قوم یا اسلام کی خاطر نہیں کرتے بلکہ اپنے ذاتی وقار اور بگڑی ہوئی شُہرت کو بنانے کے لئے کرتے ہیں۔ چنانچہ مسئلہ شہید گنج جو خالص قومی اور اسلامی مسئلہ تھا اور مسلمانوں کی موت وحیات کا سوال تھا اس کو احراری لیڈروں نے اِس لئے ادھورا چھوڑ دیا اور عین موقعہ پر اس سے الگ ہوگئے کہ اگر یہ کامیاب ہوگیا تو نام فدائے ملّت حضرت مولانا ظفر علی خاں کا ہوگا جو اُس وقت اِس تحریک کے قائد تھے۔ چنانچہ ایک چوٹی کے احراری لیڈر کے ایک خط کا عکس بھی اخبار زمیندار میں شائع ہوُا تھا جس میں خود ساختہ امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کو اِس تحریک سے علیحدہ رکھنے کا مشورہ دیا گیا تھا اور صاف لکھا تھا کہ کام تو احرار کریں گے لیکن نام مولانا ظفر علی خاں کا ہو جائے گا۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

یہ اس پارٹی کے لیڈروں کا کردار ہے کہ مسجد شہید گنج ایسے اہم مسئلہ کو جس پر لاہور کے مسلمانوں نے اپنی جانیں نچھاور کر دی تھیں اور دِلّی دروازہ کے باہر ان کے خون کی ندیاں بہہ گئی تھیں محض اِس لئے ادھورا چھوڑ دیا کہ کام تو احرار کریں گے نام دوسروں کا ہو جائیگا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اِس کے بعد اِس پارٹی نے اپنا کھویا ہوُا وقار حاصل کرنے کے لئے جتنے بھی ہتھکنڈے اختیار کئے وہ ناکام رہے۔ شہید گنج کے مسئلہ پر قوم کے ساتھ غدّاری کرنے والوں کو مسلمان کبھی بھی معاف نہیں کرسکتے چاہے وہ فرشتہ بن کر بھی آجائیں چنانچہ جب بھی احرار کوئی نئی تحریک

---

[۱] ملاحظہ ہو کتاب "رئیس الاحرار" از عزیز الرحمٰن جامعی لدھیانوی۔

شروع کرتے تھے تو اخبار زمیندار لکھا کرتا تھا کہ

ع نیا جال لائے پُرانے شکاری

ع روٹی تو کسی طور کما کھائے مچھندر

ع نمازی اپنے جُوتوں سے رہیں ہوشیار

لیکن جوئندہ یابندہ آخر وہ ایک ایسا مسئلہ تلاش کر ہی لائے جس سے وہ اپنا کھویا ہُوا وقار بھی حاصل کرلیں اور دہلی کے مخالف پاکستانی آقاؤں کو بھی خوش کرلیں اور یہ دونوں مقاصد اس پارٹی نے قریب قریب حاصل کر لئے ہیں۔ وقار تو خیر چند روزہ ہی ہے کیونکہ جونہی ان کا ساتھ دینے والوں پر یہ بھید کھُل گیا کہ احرار کا دوسرا مقصد حاصل ہو چکا ہے اور وہ ملک میں بدامنی اور انتشار اور عوام اور حکومت میں بدظنّی، غلط فہمی اور ایک حد تک نفرت پیدا کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں، جو ان کے دہلوی آقاؤں کے مدِّنظر تھا، تو وہ ان سے الگ ہو جائیں گے۔

ملک چاروں طرف سے دشمنوں سے گھرا ہُوا ہے۔ بھارت نے پاکستان کو گلے سے پکڑ رکھا ہے اور کشمیر ہضم کرنے کے لئے سرحدوں پر ساری فوج جمع کئے بیٹھا ہے اور احرار حکومت کے خلاف عوام میں نفرت پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور عوام سمجھنے لگے ہیں کہ حکومت دیدہ و دانستہ ایک جماعت کا ساتھ دے رہی ہے اس کی پُشت پناہی کر رہی ہے اور اسے کشتنی و گردن زدنی قرار دینے میں ہیت ولیت ولعل کر رہی ہے۔ جو مسئلہ ختم نبوت میں ان کے ہم خیال نہیں اور اپنی تبلیغ کے وسیع وسائل اختیار کر رہی ہے جس سے مسلمان اور خود ساختہ امیر شریعت کے ساتھی قطعاً غافل ہیں۔ ان کے پاس دلائل کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے اور اب وہ مجبور ہو کر دھینگا مُشتی پر اُتر آئے ہیں اور حکومت پر زور دے رہے ہیں کہ وہ اس جماعت کا حُقّہ پانی بند کر دے۔ ان پر کاروبار اور ملازمت کے دروازے بند کر دے اور پھر ان کو دیس نکالا دے۔ لاحول ولا قوّة۔

ایک مُٹھی بھر جماعت سے سات کروڑ پاکستانی مسلمانوں کو خائف کرنے اور اس جماعت کی ناکہ بندی کرنے میں احرار پوری طاقت خرچ کر رہے ہیں حالانکہ صاف اور سیدھی سی بات ہے۔ اگر یہ جماعت باطل پر ہے تو کسمپرسی سے اپنی موت آپ مر جائے گی اسے اتنی اہمیّت دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اور اگر وہ راستی پر ہے تو پھر دُنیا کی کوئی طاقت اس کی ترقّی، غلبہ اور قیامِ سلطنت کے منصوبہ کو نہیں روک

سکتی۔

معلوم نہیں احرار کو پاکستان کی وفاداری کا باربار اظہار کرنے کا مروڑ کب سے اُٹھا ہے؟ بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ ان کی رُوح پر لاکھ لاکھ رحمتیں نازل فرمائے) ان کے متعلق احرار جو کچھ کہا کرتے تھے فحاشی کی ڈکشنری بھی اس سے شرمسار ہو جاتی تھی۔ اور ابھی چند ہی روز قبل کی بات ہے سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے ایک تقریر کے دَوران کہا تھا "مَیں قائدِ اعظم ہوں جاؤ جو کچھ میرا کر سکتے ہو کر لو۔" اس پر بھی مسلمان ان کی پاکستان ہمدردی کے قائل ہو جائیں تو یہ ان کی بدقسمتی ہے۔ جب بھی ملک پر کوئی مصیبت آئے گی احرار کے ہاتھوں آئے گی۔ نوٹ کر لیں۔

مسئلہ ختمِ نبوت کی نوعیت اور اہمیّت سے ہمیں کوئی اختلاف نہیں لیکن اس کی باگ ڈور ایک ایسی پارٹی کے ہاتھ میں دے دینا جو اپنے وقار کے لئے سرگرمِ عمل ہو قرینِ دانش و عقلمندی نہیں مسلمانوں کو ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرنا چاہیئے اور حکومت اِس سلسلہ میں جو کچھ کر رہی ہے یا آئندہ کرے گی وہ مسلمانانِ پاکستان و مملکتِ پاکستان کے شایانِ شان ہو گا اور دُنیا بھر میں اہمیّت اور فوقیّت حاصل کرنے والا پاکستان قرینِ انصاف و دانش طرزِ عمل اختیار کرے گا۔ حکومت کسی بھی جماعت کو اس کے حقوق سے محروم نہیں کر سکتی۔ احرار کو تبلیغ کا جواب تبلیغ سے دینا چاہیئے اور حکومت کو مجبور و پریشان کرنے یا عوام کو اس کے خلاف اُکسانے کا طرزِ عمل ترک کر دینا چاہیئے۔

مسلمان عوام نہایت صائب رائے اور دانشمند ہیں اور وہ ہر معاملہ میں حکومت کا ساتھ دیں گے اور پاکستان کی شہرت و سالمیّت کو کبھی مجروح نہ ہونے دیں گے اور ہر معاملہ میں ٹھنڈے دل سے سوچ بچار کریں گے اور وقتی جوش میں کوئی ایسا اقدام نہ کریں گے جو بعد میں انہیں کفِ افسوس ملنے پر مجبور کر دے۔ وما علینا الا البلاغ۔" [1]

صوبہ سرحد صوبہ سرحد مغربی پاکستان کا واحد صوبہ تھا جہاں عبد القیوم خاں صاحب کی مُسلم لیگی وزارت کے ہاتھوں صورتِ حال مکمّل طور پر قابو میں تھی۔ اِس صوبہ کے اخبار "تنظیم" نے اِس نام نہاد تحریک کو ختمِ پاکستان کی سازش قرار دیتے ہوئے لکھا:۔

---

[1] اخبار "لاحول" (گوجرانوالہ) ستمبر ۱۹۵۲ء بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۵۲ء مطابق ۲۵ تبوک ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۵۔

خدا کی شان آج وہی لوگ حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے ارکانِ حکومت پر اِس امر کا زور دے رہے ہیں کہ پاکستان کے مختلف العقائد مسلمانوں کو جن میں ایک جماعتِ احمدیہ بھی ہے اقلیّت قرار دیا جائے کیونکہ ان کی وجہ سے مسلمانوں کو اور پاکستان کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اور اس مطالبہ کی تائید میں ان دونوں جماعتوں (مولانا مودودی کی جماعتِ اسلامی اور امیرِ شریعت پیر عطاء اللہ شاہ صاحب کی جماعتِ احرار) نے مُسلم رائے عامہ کو بھی متأثر کر رکھا ہے جو سرے سے پاکستان کے قیام کے ہی نہ صرف مخالف تھے بلکہ بانیٔ پاکستان حضرت قائدِ اعظم اور ان کے دوسرے ساتھی مسلم لیگی زعماء بھی ان کے نزدیک صحیح مسلمان ہی نہ تھے۔ مطالبۂ پاکستان کی مخالفت میں قائدِ اعظم سمیت مسلم لیگی لیڈروں کو جو بڑی سے بڑی فحش کلامی ہوسکتی ہے سے یاد کیا۔

جماعتِ احمدیہ نے مطالبۂ پاکستان کی تائید میں ہر بڑی سے بڑی قربانی پیش کی اور قیامِ پاکستان کے بعد اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہوئے اپنے مرکز اور لاکھوں روپیہ کی جائداد کو چھوڑ کر اپنے کلمہ گو بھائیوں کے زیرِ سایہ آ گئے ہیں مہر و محبت سے انہیں اپنے سینوں سے ملانے کے بجائے یہ کہاں کا انصاف اور اسلام ہے کہ اقتدار کے خواہشمند چند سیاسی لیڈروں کی خاطر ایک کلمہ گو فرقہ سے متعلق ہزاروں انسانوں کی زندگی دوبھر کر دی جائے حکومت کو پریشان کرنے اور مسلمانوں کی طاقت کو کمزور کرنے کی خاطر ایک ایسا مطالبہ پیش کر دیا گیا ہے جسے اگر آج تسلیم کر لیا جائے تو اس سے کل دوسرے مسلم فرقوں کو بھی اقلیّت قرار دینے کی راہ صاف ہوجاتی ہے۔ نیز حکومت اور مسلمانوں کے پاس اِس امر کی کیا گارنٹی ہوسکتی ہے کہ جب اسلام کا دائرہ احرار کے نزدیک اِس قدر تنگ ہے کہ کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ پانچوں ارکانِ اسلام کی سختی سے پابندی کرنے والے ایک گروہ کو سرے سے ہی کافر اور غیر مسلم قرار دیا جا رہا ہے خدانخواستہ اگر ان کے ہاتھ اقتدار آ جائے تو پاکستان کے دوسرے مسلمانوں سے جو کئی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اسلامی اور منصفانہ سلوک روا رکھیں گے۔ دوسری صورت میں جب تک ان کے ہاتھ اقتدار نہیں آ جاتا پھر بھی یہ لوگ اسی طرح پاکستان میں رہنے والے دوسرے فرقوں کو بھی اقلیّت قرار دلوانے کے لئے پاکستان میں کسی نہ کسی وقت قومی جنگ کی ہولی گرم کر کے ہی دَم لیں گے۔ جب یہ لوگ سرے سے ہی مسلم حکومت کے قیام کے مخالف تھے اور ہیں تو انہیں اس سے کیا غرض (اگر اقتدار ان کے ہاتھ نہیں آسکتا) تو مسلمانوں کی اس کمزوری سے خواہ ہندو

فائدہ اُٹھائیں یا روس لیکن یہ لوگ موجودہ حکومت کو کسی قیمت پر برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہندو سے ان کا تعاون ہو سکتا ہے۔ انگریزی ڈپلومیسی کی یہ تائید کر سکتے ہیں اور ان کے اشتراکِ عمل سے بقول احرار، مرزا غلام احمد اگر انگریزوں کا خود ساختہ پودا تھا اور انگریزوں نے اس پودا کی کاشت اس لئے کی کہ مرزا غلام احمد جہاد کا مخالف تھا اور اس نے حکومتِ وقت (یعنی انگریزوں) کے خلاف مسلمانوں کے دلوں سے جہاد کے جذبہ کو مفقود کرنے کی کوشش کی لیکن ان مذہبی رہنماؤں (جماعتِ احرار و اسلامی) والوں کو تو جہاد کی حقیقت و اہمیت معلوم تھی کہ ایک غیر ملکی مُشرک حکمران قوم کے خلاف جہاد روا بلکہ ایک اہم اسلامی فریضہ ہے۔ آپ بتائیے آپ لوگوں نے کس حد تک انگریزوں کے خلاف جہاد کے لئے کام کیا۔۔ کیا پاکستان میں شرعی آئین کے نفاذ کے یہ دعویدار (جماعتِ اسلامی اور احرار) ایک اسلامی سلطنت کے قیام کی مخالفت میں غدّاری کی جو سزا شرعی آئین پیش کرتا ہے اس کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے تو قیامِ پاکستان کے پہلے روز سے ہی پاکستان میں خود ہی شرعی آئین کے نفاذ کا اجراء ہو جاتا۔ غدّاری سے بڑھ کر اسلامی آئین میں کوئی جُرم نہیں۔ جب یہ لوگ خود اس سے بچ نکلے ہیں تو یہ پاکستانی عوام کے کونسے اتنے خیر خواہ ہیں جو ہندوؤں سے ان کی فروختگی کا سودا (متحدہ ہندوستان کی صورت میں) کرنا چاہتے تھے۔ شرعی آئین کے قیام کے لئے زمین و آسمان سر پر اُٹھا رکھا ہے۔ کیا شرعی آئین کے دعویدار یہ وہ لوگ نہیں جب سکّھوں کے قبضہ سے مسجد شہید گنج کو چھڑانے کے لئے ہندوستان بھر کے مسلمانوں نے شہید گنج کے حصول کے لئے قربانیاں پیش کیں۔۔۔۔ اس وقت بھی شہید گنج ایجی ٹیشن میں احرار بزرگوں نے فوج کی گولی سے ہلاک ہونے والے مسلمانوں کی شہادت کو حرام موت اور کُتّے کی موت مرنے کا فتویٰ دیا تھا اور بجائے اس کے کہ مسلمانوں کے ساتھ شہید گنج ایجی ٹیشن میں شریک ہوتے اُلٹا ان کی انگریزوں اور سکّھوں سے ساز باز تھی۔ ہم حیران ہیں کہ جس جماعت نے ہر موقعہ پر مُسلم رائے عامہ کے خلاف مُشرکوں اور مرتدوں کا ساتھ دیا ہو وہ آج کس طرح پاکستان کو ضُعف پہنچانے اور اپنے اقتدار کے لئے ایک کلمہ گو فرقہ کو اقلیت اور اقلیّت بھی غیر مسلم قرار دلوانے کے لئے ایک بار پھر مذہبی رُوپ میں پاکستان کے سادہ لوح اور مذہب کے نام پر اپنا سب کچھ لُٹا دینے والے غیور مسلمانوں کو اپنے ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو گئی ہے اور قوم ان کے سابقہ کارناموں کو جانتے بُوجھتے ہوئے پھر ان کا آلۂ کار بننے

کے لئے تیار ہو گئی ہے۔ یا باہمی خانہ جنگی کے ذریعہ بیرونی اقتدار کے ہاتھوں غلامی کے ایک ایسے گڑھے میں ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے جہاں سے نکلنے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ایک طویل عرصہ کی غلامی کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمان قوم کو قائدِ اعظم کے اخلاص و استقلال کے ذریعہ ایک آزاد ملک دیا تھا اور آج اس ملک کو دوبارہ غیر ملکی استبدادیت کے پنجہ میں دینے کی کوششیں شروع ہیں۔

چونکہ ہماری موجودہ حکومت ایک دفعہ خود مذہب کے نام پر پاکستان کے حصول میں قوم کو استعمال کر چکی ہے اور اس لئے اب وہ مسلم رائے عامہ کے جوش و خروش کا اپنے آپ میں مقابلہ کی تاب نہ پاتے ہوئے باوجود نتیجہ سے باخبر ہونے کے یہ کھیل دیکھ رہی ہے اور بےبس ہے یا نادانستہ طور پر پہلے اس تحریک کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ اور اب پانی سر سے چڑھ چکا ہے اور ہمارے یہ مولوی جو پاکستان کے اور جو مسلمانوں کے ازلی دشمن ہیں پاکستان کے دشمنوں سے قیامِ پاکستان سے پہلے جو سودا کر چکے ہیں نصف قوم ہلاک اور تباہ و برباد کرانے کے باوجود بھی اپنے اس سودا پر پوری ایمان داری سے قائم ہیں خواہ ملک اور ساری قوم اس سودا کی نذر ہو جائے۔ احمدی تو خوش قسمت ہیں کہ ہمارے احرار بزرگ خود انہیں سرکاری طور پر اقلیت قرار دلوا رہے ہیں۔ اب جبکہ انکو پاکستان کے کسی صوبہ میں آئین ساز اداروں یا لوکل باڈیوں کے انتخابات میں حصہ لینے کے لئے کوئی ایک نشست بھی مخصوص نہیں اور نہ ہی احرار نظریات کے رُو سے ان کی جان و مال، عزت و آبرو محفوظ ہیں عیسائی مشنریوں کی طرح قانوناً انہیں بھی اپنے عقائد کی اشاعت یا تبلیغ کی اجازت مل گئی۔ احمدیوں کو اس رعایت کے لئے احرار کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ انہیں پاکستان سے باہر نکالنے کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔ نیز اگر احمدی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور رہیں تو احرار کی طرف سے "غیر مسلم اقلیت" کا لیبل اُلٹا ان کے لئے مفید ثابت ہو گا جب آپ عملاً قولاً اور فعلاً مسلمان ہوں گے تو "غیر مسلم اقلیت" کا ٹائیٹل آپ کے لئے مزید تقویت کا باعث ہو گا کیونکہ پاکستان کے مقتدر علماء کی تمام توجہ... سیاسیات اور اقتدار کی طرف لگی ہوئی ہے اور ان کی سیاسیات کی راہ میں مسلمانوں کا کوئی فرقہ بھی اثر انداز ہوا اس کی بھی یہی سزا ہو گی جو آپ کے لئے تجویز کی گئی ہے۔

جہاں تک ہماری ناقص رائے کا تعلق ہے ملک افتراق و کشمکش سے اسی صورت میں بچ سکتا

ہے کہ موجودہ حکمران احرار اور جماعتِ اسلامی کے بزرگوں کے حق میں دستبردار ہوجائیں ورنہ افتراق وتشتّت کے بیج کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے نہایت مؤثّر اور مدلّل پراپیگنڈا کی ضرورت ہے جو پاکستان کے سادہ لوح مسلمانوں کے ذہنوں اور دلوں میں اس حقیقت کو جگہ دے سکے کہ ماضی میں مسلمانوں کی کئی شاندار حکومتیں فتویٰ ساز علماء کے ہاتھوں صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہیں اور اگر یہاں پاکستان میں بھی جو کئی مسلم فرقوں کا ملک ہے فرقہ وارانہ جذبات کو ہوا دی گئی تو پاکستان اور پاکستان کے مسلمانوں کا بھی وہی حشر ہوگا جو ماضی میں کئی شاندار اسلامی سلطنتوں کا ہو چکا ہے کابل اور امان اللہ کی مثال سامنے ہے۔

آخر میں ہم اس حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ نہ احرار سے ہماری فی سبیل اللہ دشمنی ہے اور نہ ہی ہم احمدی ہیں البتہ احرار اور احمدی جنگ کے نتیجہ میں پاکستان کو نقصان پہنچنا کسی حالت میں برداشت نہیں کرسکتے۔" [1]

کراچی کراچی پریس نے بھی ان ملک دشمن سرگرمیوں پر تنقید کی چنانچہ ہفت روزہ "مسلم آواز" نے لکھا:۔

"یوں تو یہ حقیقت مدّتوں قبل بے نقاب ہوچکی بلکہ اسلامی دُنیا کے علاوہ یورپ کے تمام ممالک کے سیاستدان تسلیم کرچکے کہ پاکستان کی وزارتِ خارجہ نے تمام امور میں ۔۔۔ آج تک جو اعلیٰ خدمات انجام دی ہیں ان کے ہر پہلو کے نقش ونگار کو دیکھ کر بڑے بڑے مدبّرینِ وقت انگشت بدنداں ہیں۔

امورِ خارجہ میں سیادت تدبّر کے اعتبار سے ایک طرف آپ سارے ایشیا کے لئے سرمایۂ ناز وصد افتخار ہیں تو دوسری طرف اکنافِ عالم میں سیاسی دانش کے آئینہ دار بھی۔ وہ اوصاف اور قابلیت کے وہ جوہر ہیں جن کی قدر قائدِ اعظم اور قائدِ ملّت کرتے تھے لیکن افسوس بھارتی ایجنٹ اور بعض احراری علماء جو کل تک کانگرس کی ہمنوائی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے قائدِ اعظم اور مسلم لیگ میں شریک ہونے والوں کو کفر کا فتویٰ دیتے تھے آج ایک طرف پاکستان کا لیبل لگا کر ملک اور ملت میں انتشار پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں تو دوسری طرف مذہب کی آڑ لے کر عوام کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

---

[1] بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور مورخہ ۲۱؍اکتوبر ۱۹۵۲ء صہ۲۔

کہیں تو عوام کو قادیانی اور غیر قادیانی کا غلط فلسفہ سمجھا کر اپنے ہمخیال بنانے کی کوشش کرتے اور کہیں خلیفہ جماعتِ احمدیہ کے خلاف عدالت میں استغاثہ پیش کرتے ہیں تاکہ عوام کے دلوں میں فرقہ احمدیہ کے خلاف بدظنّی قائم رہے اور وقتِ ضرورت یہ حضرات جہلاء کو جلتی ہوئی آگ میں دھکیل دیں۔ ان حضرات کی غلط روش کی ایک زندہ مثال میرے پاس موجود ہے جو عنقریب ایک خاص ایڈیشن میں بمعہ نام عوام کے سامنے پیش کر دیں گے۔

بولٹن مارکیٹ کے پاس نیو میمن مسجد زیرِ تعمیر تھی۔ چند علماء حضرات میرے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ حکیم صاحب آپ کے اخبار کے لئے دس ہزار روپیہ دلوانے کے لئے ہم ذمہ دار ہیں اگر آپ اِس فتویٰ کو اپنے اخبار میں شائع کر دیں۔

مَیں نے شائع کرنے کا وعدہ کر لیا اور فتویٰ ان حضرات سے لے لیا جس میں لکھا تھا کہ اِس میمن مسجد میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اس فتویٰ پر تیرہ مقتدر علماء حضرات کے دستخط بمعہ مُہر ثبت ہیں۔ مَیں نے دوسرے ایڈیشن میں مختصر واقعات لکھتے ہوئے آخر میں لکھا تھا کہ اصل فتویٰ میرے پاس موجود ہے۔ ہر شخص میرے دفتر میں آکر دیکھ سکتا ہے۔

فتویٰ مَیں نے اِس وجہ سے شائع نہیں کیا کہ مجھ کو یقین تھا کہ یہ علماء حضرات قوم میں ٹکراؤ پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور بعد میں چندے بازی سے جیبیں گرم کریں گے۔ آج یہی علماء حضرات جنہوں نے فتویٰ دیا تھا اسی نیو میمن مسجد میں خود نماز پڑھتے ہیں اور لمبے لمبے وعظ کرتے ہیں۔ یہ حالت ہے ان حضرات کی"۔ [1]

ہفتہ وار "سٹار" کراچی ۲۳ر اگست ۱۹۵۲ء نے اپنے اداریہ میں لکھا:-

اب جبکہ احراری، احمدی تنازعہ سے پیدا شدہ شور و غوغا کچھ مدّہم ہو گیا ہے تو آئیے ہم ایک لمحہ کے لئے بیٹھ کر غور کریں کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے اور چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کو مرکزی وزارت سے علیٰحدہ کرنے کے جو مطالبات کئے جا رہے ہیں اُن کے سیاسی نتائج کیا ہو سکتے ہیں؟؟

حکومتِ پاکستان نے حسبِ معمول نرم طریقے سے پوزیشن کو صاف کرنے کی کوشش کی ہے

---

[1] بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور مورخہ ۲۸ر نومبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲

اور چوہدری ظفر اللہ خاں نے بھی جنیوا جاتے ہوئے ایک بیان دیا ہے مگر افسوس ہے کہ ابھی تک کسی نے اِس سانپ کے سوراخ کو بند کرنے کی پُوری کوشش نہیں کی اور نہ دلیری سے اس شورش کے خطرات کو واشگاف کیا ہے۔ ہمارا یہ ارادہ نہیں ہے کہ ہم مسئلہ کے مذہبی پہلو پر بحث کریں کیونکہ سب مسلمان ختمِ نبوت پر متفق ہیں۔ ہمارے نزدیک جو خطرہ بڑا اہم ہے وہ یہ ہے کہ ایسی شورش پاکستان کو بطور ایک ایسی جدید قسم کی جمہوری ریاست کے سخت نقصان پہنچا سکتی ہے جو مُشترک قومی ثقافت وکردار، مُشترک تاریخ، مُشترک رسم ورواج، مُشترک مقاصد اور مطمحِ نظر مُشترک معیار اور آرزوؤں سے باہم پیوست ہے۔ افسوس ہے کہ یہ تمام تنازعہ ایسی جذباتی فضا میں ہوُا ہے کہ کوئی آدمی عقل کی بات سُننے کو تیار نہیں لیکن ہم عصرِ جدید کے تقاضوں اور پاکستان کو پیش آمدہ حالات سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ ہمارا رُوئے سُخن ان لوگوں کی طرف ہے جو اگرچہ تعداد میں تھوڑے ہیں مگر ان میں آنکھیں کھول کر دیکھنے کی صلاحیّت ابھی کچھ باقی ہے۔ ہم اُمّید کرتے ہیں کہ ہمارے فہمیدہ ناظرین ہمارے خیالات کو تسلیم کرنے سے پہلے حالات پر گہری اور دانشمندانہ نظر ڈالیں گے۔ کیا یہ مجرمانہ دیوانگی نہیں ہے کہ ہم اپنا وقت، قوّت، جوش اور تعمیری فوائد ایسے معاملات پر ضائع کریں جو قوم کے وسیع مفادات کے مقابلہ میں نہایت حقیر اور بے وقعت ہیں۔

پاکستان ایسے ملک میں جہاں ابھی ہمیں اپنا دستور مکمّل کرنا ہے جہاں ابھی ہمیں زندگی اور موت کے سوالات حل کرنے ہیں۔۔۔۔ جہاں مہاجرین ابھی تک تباہ حال پڑے ہیں جہاں فاقہ کش عورتیں بد اخلاقی پر مجبور ہیں۔ جہاں گداگر اور معذور سینکڑوں کی تعداد میں آوارہ گردی کر رہے ہیں۔ جہاں پر بیماریاں، بھُوک اور جہالت مستولی ہیں کیا ہم ایسے تنازعات میں اُلجھ سکتے ہیں جو ہمارے قومی اتّحاد کی جڑیں کھوکھلی کر سکتے ہیں۔ اور یہ تنازعہ بھی کیا ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھُولنا چاہیئے کہ قادیانیّت کے یہ مخالف مولوی جو اِس وقت پیش پیش ہیں اس فریق کے نمائندہ ہیں جس کے ارکان نے ماضی میں قائدِ اعظم اور علاّمہ اقبال تک کو بھی نہیں چھوڑا بلکہ مولانا ظفر علی خاں کو بھی نہیں چھوڑا جو اِس تحریک کے سالہا سال تک قائد رہے ہیں۔

بات یہ ہے کہ اِن مولویوں نے جس طریقے سے کُفر کے فتوے صادر کئے ہیں اس نے ان کے موقف کے نیچے سے زمین نکال دی ہے۔ یہ فتوے اِس طرح بے سوچے سمجھے دئے گئے ہیں کہ وہ عام مسلمانوں کیلئے

کوئی اپیل نہیں رکھتے اور نہ ان کے کوئی معنے ہیں۔

دوئم :- اگر آج ہم قادیانیوں کو اقلیت قرار دیدیں تو کل ان پیشہ ور مُلّاؤں کو یہ مطالبہ کرنے سے کون روک سکتا ہے کہ شیعوں، وہابیوں اور آغاخانیوں کو بھی غیر مسلم قرار دیا جائے۔ اخراج کا طریق اگر جاری رہا تو اس کے انجام کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ ہم تو اس خیال سے بھی کانپ اُٹھتے ہیں۔ کیا آپ بھی؟

سوم :- تاریخ کا سبق یہ ہے کہ اگر کسی مذہبی فرقہ یا معاشی گروہ یا سیاسی پارٹی کو زبردستی دبا دیا جائے تو وہ مرتا نہیں ہے بلکہ زیر زمین ہو کر زیادہ خطرناک بن جاتا ہے۔ اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ قادیانی پاکستان کے لئے مفید نہیں تو ہمیں اس بات کا بھی پہلے سے اندازہ کر لینا چاہیئے کہ انہیں مسلمانوں سے نکالنے کے بعد کیا ان کا سوال اور زیادہ پیچیدہ نہ بن جائے گا؟

چہارم :- اگر ہم تعصب سے اس طرح اقلیتیں پیدا کرتے جائیں تو کیا ہم دُنیا کی نظروں میں بیوقوف اور مذہبی دیوانے نہ سمجھے جائیں گے حالانکہ جمہوری رُجحانات تو یہ ہیں کہ مختلف ثقافتی وحدتوں کو ملک میں یکجا کر دیا جائے اور ذات پات اور رنگ کے اختلافات مٹا دئے جائیں تاکہ ایک قوم کہلانے کے لئے لوگوں میں مُشترکہ شہریت کا شعور پیدا ہو۔

آؤ ہم سوچیں کیا ہم پاکستان کا یہ نقشہ پیش کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ایک ایسا ملک ہے جہاں مذہب کو محض نمائشی رنگ دے دیا گیا ہے۔ جہاں مذہبی دیوانگی کا دَور دَورہ ہے اور جہاں قانون محض تعصب ہے۔

پنجم :- اگر ہم احراری مولویوں اور ان کے پٹھوؤں کے کہنے پر قادیانیوں کو اقلیت قرار دیدیں اور انہیں کلیدی آسامیوں سے محروم کردیں۔ پھر اگر بھارت بھی ہمارے نقش قدم پر چل کر بھارت کے مسلمانوں کو ایسی اقلیت قرار دیدے جس کے ارکان ملک میں کسی کلیدی عُہدے پر نہیں لگائے جا سکتے تو ہم اس کو کس طرح محسوس کریں گے؟؟ اگر ہم میں ذرا بھی دُور اندیشی کا مادّہ ہے اور ہم ایسی حرکت کے نتائج کا اندازہ کر سکتے ہیں تو ہمیں اپنے ملک میں حقائق کو بنظر غور دیکھنا شروع کر دینا چاہیئے۔

ششم :- ہمیں یاد ہوگا کہ کشمیر پر ہمارے دعویٰ کی بُنیاد اِس دلیل پر تھی کہ ضلع گورداسپور میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اور اگر ریڈکلف اس علاقہ کو بدنیتی سے پاکستان سے علیحدہ نہ کر دیتا تو

ریاستِ کشمیر خود بخود پاکستان کا ایک حصہ بن جاتی۔ اگر ہم قادیانیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ کر دیں تو کیا ہماری یہ دلیل بے اثر نہیں ہو جائے گی ؟

آخری سوال یہ ہے کہ چونکہ اس شورش کا مرکزی نشانہ چوہدری ظفر اللہ خاں ہیں کیا ہم نے کبھی یہ سوچنے کی کوشش کی ہے کہ اگر ہم پاکستان کے وزیرِ خارجہ کو فی الفور وزارت سے علیحدہ کر دیں تو مشرقِ وسطیٰ اور مغرب کے اسلامی ممالک میں اس کا کیا ردِّعمل ہوگا؟ سوال یہ نہیں ہوگا کہ وہ قادیانی ہیں یا نہیں بلکہ اس بات کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کا غیر ممالک میں بطور ایک پاکستانی ترجمان کے کیا مقام اور کیا مرتبہ ہے؟ چونکہ اس کے متعلق دو رائیں نہیں ہو سکتیں اس لئے اگر ہم احراری مطالبہ کو مان لیں تو اس کے بین الاقوامی نتائج کے متعلق ہم کو کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیئے۔

ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آؤ ہم غور کریں اور پھر غور کریں کہ اگر ہم نے پاگل بننے کا عزم بالجزم کر لیا ہے تو ہمارے پاگل پن میں بھی کچھ نہ کچھ نظم تو ہونا چاہیئے۔ ؎ (ترجمہ)

مشرقی پاکستان

مشرقی پاکستان پریس کی نظر میں احراری تحریک کے عزائم و مقاصد کس درجہ مکروہ اور ملک و ملّت کے لئے تباہ کُن تھے؟ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل مندرجات سے بآسانی لگ سکتا ہے :-

۱۔ روزنامہ "ستیہ جوگ" ڈھاکہ نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۴ر جولائی ۱۹۵۲ء میں احراری تحریک کو خالص سیاسی قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل رائے کا اظہار کیا :-

کراچی ۱۹ر جولائی۔ مغربی پاکستان کے سیاسی اور سماجی میدان میں ایک اشتعال پیدا ہو کر انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ ادھر قادیانیوں کے خلاف تحریک زوروں پر ہے اور ملتان میں فساد ہوا ہے ادھر (پاکستان کی) راجدھانی کراچی میں مزدوروں اور ملازمین نے ہڑتال کر رکھی ہے۔ قادیانی فرقہ کے خلاف تحریک اور اس کے نتیجہ میں جو فسادات رونما ہوئے ہیں اس کی خبر اس سے پہلے اخباروں میں چھپ چکی ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قادیانیوں کے خلاف جو تحریک چلائی جا رہی ہے اس کا پسِ منظر سیاسی ہے۔ ان دنوں یہ تحریک کچھ مدھم پڑ گئی ہے لیکن ختم نہیں ہوئی بلکہ خفیہ خفیہ اس کا پرچار جاری ہے۔ پاکستان کے سب سے پرانے روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ

؎ ہفت روزہ "سٹار" مورخہ ۲۳ر اگست ۱۹۵۲ء بحوالہ الفضل ۲۴ر اگست ۱۹۵۲ء صٓ

لاہور کی ایک خبر سے ظاہر ہے کہ احراری پارٹی کے لوگ مسجدوں میں گھوم گھام کر خلاف فرقہ قادیانیہ تحریک کے لئے عام لوگوں کی امداد حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن بہت سے مقامات میں ان کی یہ کوشش ناکام ہوئی ہے۔

لاہور کے قانون پیشہ لوگوں کا خیال ہے کہ احرار کی یہ تحریک اہلِ پاکستان کے اتحاد کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی ایک خطرناک کوشش ہے۔ اسلامی دُنیا کے لیڈر کی حیثیت سے ملکِ پاکستان کو دُنیا میں جو مقام اور عزّت حاصل ہے احراریوں کی یہ تحریک صرف اس مقام کو گنوانے اور عزّت کو بٹّہ لگانے کی خاطر جاری ہے وہ لوگ (یعنی لاہور کے قانون پیشہ) یہ اُمّید رکھتے ہیں کہ رائے عامہ کا تعاون حاصل نہ ہونے کی وجہ سے یہ تحریک آہستہ آہستہ اپنی طبعی موت مر جائے گی تاہم پاکستان میں اِس قسم کے خود غرض لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اِس قسم کی فساد انگیز تحریکات اور ذلیل اور ناجائز پروپیگنڈے کے سہارے سے اپنے ناجائز مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اِس قسم کے لوگ اِس طرح کے فسادوں کے لئے لوگوں کو اُکساتے رہتے ہیں۔ حکومت اگر سختی سے اِن فسادات کی روک تھام کا انتظام کرے تو حکومت اور عوام دونوں کی خیر اسی میں ہے۔[1] (ترجمہ)

بنگال کے ہفت روزہ "شیئی نیک" اپنی اشاعت مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۵۲ء میں لکھتا ہے:۔

اِن دنوں مغربی پاکستان میں احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تحریک کا بہت چرچا ہے افواہ ہے کہ مرکزی مجلس کے وزراء کے بعض ایسے ارکان نے جو اپنا اقتدار بڑھانا چاہتے ہیں غالباً اِس تحریک کی بُنیاد رکھی ہے۔ چوہدری ظفر اللہ خاں جو مرکزی مجلسِ وزراء کے ممبر ہیں آئندہ انکے وزیرِ اعظم ہو جانے کا امکان ہے اِسی ڈر سے ان کو مجلسِ وزراء سے خارج کرانے کے لئے غالباً احمدیت کے خلاف تحریک پیدا کی گئی ہے۔ یہ امر اِس بات سے ظاہر ہے کہ ہر جگہ احمدیّت کی مخالفت کے ساتھ ساتھ چوہدری ظفر اللہ خاں کی برطرفی کا مطالبہ بھی کیا جاتا ہے۔ اِن دنوں مختلف مقامات پر اِس بات پر فسادات بھی ہوئے ہیں اور ملتان میں اِسی شورش کی وجہ سے پولیس لوگوں پر گولیاں چلانے پر بھی مجبور ہوئی۔ ۱۲ر جولائی کو شہر بغداد الجدید (ریاست بہاولپور) سہروردی صاحب

---

[1] روزنامہ "ستیہ جوگ" ڈھاکہ ۲۴ر جولائی ۱۹۵۲ء بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور ۳۱ر اگست ۱۹۵۲ء مطابق ۳۱ر ظہور ۱۳۳۱ ہش صہ ۲۔

کی صدارت میں عوامی لیگ نے ایک جلسہ کیا اور اس میں احمدیوں کو اقلیت قرار دیتے ہوئے ظفراللہ خاں کی برطرفی کا مطالبہ کیا گیا۔

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس قدر شور و غوغا کے ساتھ احمدیوں کی مخالفت کی اس وقت کیا ضرورت تھی؟ خیال کیا جاتا ہے کہ چند خود غرض لوگ اپنی مطلب براری کے لئے یہ تحریک چلا کر عوام کو غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

پاکستان ابھی اندرونی اور بیرونی مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔ مسئلۂ کشمیر ابھی حل ہونے میں نہیں آتا۔ افغانستان والے روز بروز دشمنی میں بڑھ رہے ہیں ان حالات میں خواہ مخواہ آپس میں اُلجھنے سے کیا حاصل ہوگا؟

حصولِ پاکستان کی جنگ شیعہ، سنّی، احمدی سبھی نے مِل کر لڑی تھی۔ خود قائدِ اعظم شیعہ تھے مگر ان کی قیادت پر کوئی اعتراض نہ اُٹھا ظفراللہ خاں احمدی ہیں لیکن قائدِ اعظم کے وقت سے لے کر چار سال تک ان پر کوئی اعتراض نہیں اُٹھایا گیا۔ ایک صحیح العقل آدمی کے لئے اِس بات کا سمجھنا ناممکن نہیں ہے کہ جوگندر ناتھ جو غیر مسلم تھے ان کی وزارت پر غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اعتراض نہیں اُٹھایا گیا تو سر ظفراللہ خاں کو غیر مسلم قرار دے کر وزارت سے برطرف کرنے کی تحریک کیوں کی جا رہی ہے؟

اِس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ موجودہ وزراء میں ظفراللہ خاں بہترین قابلیت کے مالک ہیں۔ بعض دیگر وزراء کی نسبت بہت سی باتیں سُنی جاتی ہیں لیکن ظفراللہ خاں کے خلاف آج تک کوئی شکایت سُننے میں نہیں آئی۔ اہم عہدوں پر ناقابل لوگوں کے ہجوم سے پاکستان کے تباہی کی طرف جانے کا خطرہ ہے۔ اندریں حالات ظفراللہ جیسے قابل ترین شخص کو وزارت سے برطرف کرنے کا مطالبہ قوم کے لئے مُہلک ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ پاکستان کی اہم ترین بھلائی کی خاطر اس قسم کی دیوانگی اور آپس کی تُو تُو مَیں مَیں کو بند کر دینا چاہیئے۔[1] (ترجمہ)

---

[1] ہفت روزہ اخبار "شیئی نیک" بنگالی بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور ۳۰۔ اگست ۱۹۵۲ء مطابق ۳۰ ظہور ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۲۔

روزنامہ "ملت" (ڈھاکہ) نے ۹ راگست ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے استعفیٰ کی خبر پر حسبِ ذیل ریمارکس دیئے:-

کراچی میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے استعفیٰ کی خبر غیر سرکاری طور پر جاری ہے۔ گذشتہ ۶ راگست کو یہ خبر اُڑی کہ وزیرِ خارجہ نے استعفیٰ دے دیا ہے لیکن وزیرِ اعظم نے دوسرے وزراء سے مشورہ کرکے ان سے استعفیٰ واپس لینے کو کہا ہے۔

وزیرِ خارجہ کے استعفیٰ کی ابھی تک صرف افواہ ہی ہے لیکن اِس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا استعفیٰ دے دینا قرینِ قیاس بھی ہے اور اس سے جو نقصان ہوگا اس کے خیال سے پاکستان کے تمام بہی خواہوں کا پریشان ہونا ایک طبعی امر ہے۔ بین الاقوامی سیاست کے میدان میں پاکستان نے جو مقام حاصل کیا ہے وہ صرف چوہدری ظفر اللہ خاں کی جانفشانی اور مساعئ جمیلہ ہی کا نتیجہ ہے۔ ایک قابل سیاستدان کی حیثیت سے انہوں نے تمام حکومتوں کی نگاہِ تحسین و استعجاب کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ مصر، ٹیونیشیا، ایران اور فلسطین کی جنگِ آزادی میں ان کی گرانقدر امداد کی اہمیت سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ اقوامِ متحدہ کی تنظیم جو باوجود طرفداری کے ارادے اور نیّت کے ہندوستان کی جنبہ داری نہیں کر سکی تو اس کا موجب وہ براہینِ قاطعہ کے پہاڑ ہیں جو انہوں نے اپنے حُسنِ خطابت سے ان کی راہ میں رکھ دیئے ہیں۔

ابھی تک مسئلہ کشمیر حل ہونے میں نہیں آیا اور اِن دِنوں یہ سوال ایک نازک مرحلے میں ہے اور انہی دنوں میں ہر سہ فریق خصوصیت کی مجلس (جنیوا میں) شروع ہونے والی ہے ایسے وقت میں چوہدری صاحب کے استعفیٰ کا امکان غایت درجہ تکلیف دہ ہے۔ اگر واقعی انہوں نے استعفیٰ دے دیا... اور وہ استعفیٰ منظور بھی کر لیا گیا تو مملکتِ پاکستان کو ایسا نقصان پہنچے گا کہ پھر تلافی نہ ہو سکے گی... پاکستان کے سامنے جبکہ کشمیر کا مسئلہ ابھی لاینحل ہے ایسے وقت میں ظفر اللہ خاں جیسے آدمی کو کھو دینا بڑی غلطی ہے۔ آخر پاکستان کے اعلیٰ عُہدوں پر بعض یورپین اور دوسرے غیر مسلم بھی تو کام کر رہے ہیں اسی طرح اگر ظفر اللہ خاں سے بھی کام لیا جائے تو اس میں پاکستان کا کیا نقصان ہے؟ ہمارے مسلمان بھائیوں کی اِس تحریک نے تو فقط یہی ثابت کیا ہے کہ مخالف رائے کو برداشت کرنے کی تربیت ابھی ہمیں حاصل نہیں ہوئی[1] (ترجمہ)

---

[1] روزنامہ "ملت" ڈھاکہ ۹ راگست ۱۹۵۲ء بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور ۱۳ ستمبر ۱۹۵۲ء

بنگالی اخبار "انصاف" نے اپنے ۱۵ راگست ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں ایک اداریہ لکھا جس کا آخری حصّہ درج ذیل ہے :۔

چوہدری ظفر اللہ خاں کی مغرب زدہ خارجی پالیسی کو جو لوگ ناپسند کرتے ہیں وہ بھی ان کے خلاف افواہیں پھیلانے والے اخبارات اور ملک کی متعصّب پارٹی کے غیر روادارانہ رویّے اور ناجائز پراپیگنڈے کو دیکھ کر دلی صدمہ محسوس کرتے ہیں۔ پاکستان کی سیاست میں یہ لوگ فرقہ پرستی کا زہر داخل کر رہے ہیں اور اس کے نتیجہ میں پاکستان کے لئے ایک ترقّی یافتہ ملک بننا ناممکن ہو جائے گا۔ آیا فرقہ قادیانیہ مسلمان ہے یا نہیں ؟ اِس سوال کو اُٹھا کر جو اِن لوگوں نے وزیرِ خارجہ کے خلاف جنگ شروع کی ہے اس سے طبعاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ پاکستان کے دشمن ہیں۔ اِس قسم کی تفرقہ اندازی کو جتنی جلدی روکا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔[1] (ترجمہ)

مطالبۂ اقلیّت کا مذہبی ردِّ عمل

پاکستانی پریس کی طرف سے احراری تحریک کے سیاسی پہلوؤں پر جو ردِّ عمل ہوا اُس کا ذکر آ چکا ہے اَب یہ بتانا باقی ہے کہ جہاں تک اِس مطالبہ کے "مذہبی" پہلو کا تعلّق تھا اُس زمانہ کے بعض سنجیدہ، باوقار اور مذہبی اقدار کے علمبردار رسائل و اخبارات نے اسے فتنۂ تکفیر سے تعبیر کیا اور اس کی پُرزور مذمّت کی جس کے ثبوت میں حیدر آباد سندھ کے اخبار "ناظم"، پشاور کے اخبار "تنظیم" اور کوئٹہ کے رسالہ "کوہسار" کے اداریتی نوٹ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ اخبار "ناظم" حیدر آباد (سندھ) نے ۲۷ جولائی ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں اِس فتنہ کو قلبِ پاکستان میں چھُرا گھونپنے کی ناپاک سازش قرار دیتے ہوئے لکھا :۔

" کُفر سازی :۔ ہمارے علماءِ کرام کو کُفر سازی کا پُورا ملکہ ہے تبلیغِ دین کی بجائے کُفر گری آج کل ان کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کی بجائے خود مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں۔ دیوبندی علماء کی تحریرات ملاحظہ کیجیئے۔ بریلوی علماء کو کُفر کی سند دیتے نظر آئیں گے اور بریلوی علماء کے دربار سے دیوبندیوں کو کُفر کا سرٹیفکیٹ ملے گا وغیرہ وغیرہ۔ سُنّی، شیعہ، مقلّد، غیر مقلّد، وہابی، بدعتی خدا معلوم کتنے فرقے اِن علماء کی بدولت پیدا ہو گئے اور کتنے اَور پیدا ہوں گے۔ کمال یہ

---

[1] بحوالہ الفضل ۷ راخاء ۱۳۳۱ ہش / ۷ راکتوبر ۱۹۵۲ء صہ ۲ ۔

ہے کہ جن کے خلاف خود کفر کے فتاویٰ موجود ہوں وہ کس طرح دوسروں پر کفر کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ ان ہی فرقہ بندیوں کی وجہ سے ہندوستان میں مسلمانوں پر اَدبار کی گھٹائیں رہیں۔ اور یہی فرقہ بندی اور عقائدی جنگ آج پاکستان کے مسلمانوں کی شیرازہ بندی کو ختم کرنے اور اُنھیں باہم متصادم کرنے کے لئے شروع کی جارہی ہے جس کو فتنۂ عظیم کہنا بیجا نہ ہوگا۔ جہاں تک عقائدی اختلافات کا تعلق ہے وہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ بڑے بڑے مصلحانِ دین اور برگزیدہ ہستیوں کی اَن تھک کوششوں کے باوجود یہ اختلاف قائم رہے پھر بھلا یہ ہمارے موٹر نشین اور نرم گدّوں پر استراحت کرنے والے علماء جو اپنے نفس کی فرمانبرداری کا کسی حد تک عہد کرچکے ہیں اور جن کا خود دامن ملوّث ہے کس طرح اُن سے کوئی توقّع کی جاسکتی ہے ؟

ہوشیار باش :۔ آج پاکستان میں جس تحریک کا آغاز کیا جارہا ہے۔ جابجا جلسے کرکے کمیٹیاں بنائی جارہی ہیں اور فنڈ اکٹھے کئے جارہے ہیں کیا اس تحریک کا مقصد خدمتِ اسلام ہے؟ کیا اس تحریک سے مسلمانوں میں ختمِ نبوّت کا مسئلہ حل ہوسکتا ہے ؟ کیا اس سے پاکستانی مسلمانوں کی تنظیم پر ضرب نہیں لگتی ؟ کیا اس تحریک سے استحکامِ پاکستان پر چوٹ نہیں پڑتی ؟ آخر یہ اتنی مدّت کے بعد باسی کڑھی میں کیوں اُبال ہے ؟ کیا اس میں سیاسی اغراض پوشیدہ نہیں ہیں ؟ کیا اِس طرح دشمنانِ پاکستان کے عزائم کو تقویت نہیں پہنچتی ؟ اور کیا یہ پاکستان اور پاکستانیوں سے غدّاری نہیں ہے ؟

مسلمان بالکل سادہ واقع ہوُا ہے۔ اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ آج جو معصومیّت کا چولہ پہن کر ان کے سامنے آیا کل وہ کون تھا ؟ اور قوم کے لئے کس طرح کا عذاب بنا ہوُا تھا ؟ یہی ہمارے احراری علماء کرام اور احراری بھائی قیامِ پاکستان کی مخالفت میں ہندو دوستوں کی آغوش میں بیٹھے ہوئے مسلمانوں کی پھبتیاں اُڑانے میں کونسی کسر چھوڑ رہے تھے۔ مسلم لیگیوں اور مسلم لیگ پر دُشنام طرازی سے کس وقت چوکتے تھے ؟ کیا انھوں نے قائدِ اعظم پر کفر کے فتوے نہیں جاری کئے ؟ کونسا بُرا لفظ تھا جو ان مولوی حضرات نے قائدِ اعظم کی شان میں استعمال نہیں کیا ؟

پاکستان بن جانے پر طوعاً و کرہاً ہمارے ان احراری بھائیوں نے پاکستان بننا قبول کیا۔ کیونکہ بھارت کی زمین ان کے لئے تنگ تھی۔ ہندوؤں نے کہہ دیا کہ جب تم اپنے بھائیوں کے ہی نہ ہوسکے تو

ہمیں کیا توقع رکھنی چاہیئے۔ ہماری جمعیتہ العلماء پاکستان کے محترم صدر جو آج احراری بھائیوں کے دوش بدوش پاکستان میں عقائدی جنگ کے علمبردار بنے ہوئے ہیں برائے خدا اتنا تو بتا دیں کہ قیامِ پاکستان سے قبل اور قیامِ پاکستان کے بعد انہوں نے قادیانیوں کے خلاف کتنے احتجاجات کئے؟ کیا انہوں نے مسلم لیگ کے ذریعہ سے قادیانی اُمّیدواروں کو اسمبلیوں میں کامیاب نہیں کیا؟ کیا مسلم لیگی حکومتِ پاکستان نے جب چوہدری ظفر اللہ خاں کو وزیرِ خارجہ مقرّر کیا تو کوئی احتجاج کیا گیا؟ جب دستورِ پاکستان کے لئے بنیادی حقوق کی کمیٹی میں چوہدری ظفر اللہ خاں کو لیا گیا تو کوئی احتجاج کیا گیا؟ اور جب آپ نے اس کمیٹی سے علیحدگی کی خواہش ظاہر کی تو انہیں مجبور نہیں کیا گیا کہ وہ اس کمیٹی سے الگ نہ ہوں؟ اگر یہ سب حقائق ہیں تو پھر اس وقت راگنی کا مقصد کیا ہے؟

پاکستان سے غدّاری نہیں کی جا سکتی:۔ ہر پاکستانی جانتا ہے کہ استحکامِ پاکستان کے لئے تمام پاکستانیوں کا بلالحاظ مذہب وملّت متحد و منظّم رہنا ضروری ہے۔ اِس وقت کی ذرا سی لغزش نہ صرف پاکستانیوں بلکہ پاکستان کے ساتھ غدّاری ہے۔ ایسی حالت میں فرقہ پرستی اور عقائدی جنگ کے حامی خواہ ان کی نیّت صاف ہی کیوں نہ ہو سیاسی نوعیّت سے پاکستان دوستی کا ہرگز ثبوت نہیں دے رہے بلکہ پاکستان کے قلب میں چھُرا گھونپنے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی عوام اِس تحریک سے عدمِ دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں۔"[1]

۲۔ ماہنامہ "کوہسار" کوئٹہ (ماہِ اگست ۱۹۵۲ء) نے لکھا:۔

"پاکستان سے ہندوؤں اور سکھّوں کے انخلاء کے بعد خیال ایسا تھا کہ اِس ملک میں اب فرقہ وارانہ قضیّوں کے لئے کسی قسم کی گنجائش کا امکان نہیں ہوگا مگر یار لوگ بھلا کب چین سے بیٹھنے والے تھے؟ فرقہ وارانہ ہنگامہ آرائی کے لئے آخر کار انہوں نے موقعہ تلاش کر ہی لیا۔ احمدیّت اور غیر احمدیّت کا مسئلہ آجکل پاکستان کے بعض حصّوں میں خطرناک حد تک نزاعی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اِس ضمن میں ہمارے احراری دوست اور احمدیوں کا ایک طبقہ بہت پیش پیش نظر آتے ہیں۔

جہاں تک احمدیوں کے عقائد کا تعلق ہے کوئی مسلمان انہیں اسلامی اصولوں کے مطابق ماننے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ اِس سلسلہ میں علمائے اسلام کے فتاوٰی اور بیانات واضح ہیں مگر

[1] "ناظم" حیدرآباد سندھ ۲۷ جولائی ۱۹۵۲ء بحوالہ "الفضل" ۴ ستمبر ۱۹۵۲ء صٓ

ان اختلافات کی بناء پر کسی انسان کو گردن زدنی قرار دینا نہ اسلام کی رُو سے جائز ہے نہ انسانیت کی رُو سے احسن، اور نہ اختلافات کو ہوا دینے سے کسی فائدہ کی توقّع ہو سکتی ہے۔ البتہ برخلاف اس کے ملّی اور مُلکی نقصان کے امکانات زیادہ ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد خود احمدیوں کا وطن اور اصلی مرکز ان سے اِس بناء پر چھن گیا کہ انہیں بھی مسلمان سمجھا گیا تھا۔ اِس لئے اس سرزمین میں رہنے اور بسنے کے لئے ان کے حقوق بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ پاکستان سے پہلے احمدیوں کے خلاف تکفیر بازی کا فتویٰ دینے والے سات کروڑ کی اکثریت کے باوجود حکومتِ وقت سے یہ مطالبہ منوانے سے قاصر رہے کہ احمدی مسلمانوں سے علیحدہ ایک مختصر سی جماعت ہیں۔ آج پاکستان میں وہ ایک پناہ گزین جماعت کی حیثیت سے مقیم ہیں۔ ایسی صورت میں ان کے خلاف ہنگامہ آرائی کا جواز پیدا کرنا ہمارے نزدیک بین الانسانی اخلاق کے لحاظ سے بھی درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ہمارا اِس سے یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ احمدیوں کو اپنے عقائد کی برسرِعام اشاعت اور تبلیغ کے لئے کھُلی چھٹی دے دی جائے۔ احمدی ہوں یا غیر احمدی کسی کو کسی کے جذبات کی بے احترامی کی اِس سرزمین پر اجازت نہیں دی جا سکتی۔ یہ امن اور رحمت کی سرزمین ہے جسے ہم نے لاکھوں جانی، مالی اور آبروئی قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے۔ اِس سرزمین پر اِس قسم کی ہنگامہ آرائیوں کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ دشمنانِ وطن اس سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھا کر ملک کی توجہ تعمیری کاموں سے ہٹا کر ہماری تباہی کا باعث بنیں اور بس۔ احمدیوں کے عقائد کی تردید اور مخالفت بوجہ احسن بھی ہو سکتی ہے وہ اِس طرح کہ علمائے اسلام متفقہ طور پر اُن صحیح عقائد سے مسلمانوں کو رُوشناس کرنے کی کوشش کریں جنہیں اچھی طرح سمجھ کر کوئی مسلمان احمدیوں کے پھندے میں نہیں پھنس سکے گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس موعظہ حسنہ سے بعض احمدی حضرات بھی آپ کے ہم خیال ہو جائیں۔ کسی کے عقیدہ کو طاقت اور قانون سے توڑنا کامیابی کی دلیل نہیں ہو سکتی۔“ [1]

مطالبۂ غیر مُسلم اقلیّت اور برِّ صغیر کی ممتاز مُسلم شخصیّتیں

ان دنوں ”مطالبۂ غیر مسلم اقلیّت“ کی برِّ صغیر پاک و

---

[1] ماہنامہ ”کوہسار“ کوئٹہ ماہِ اگست ۱۹۵۲ء بحوالہ ”الفضل“ ۲۳۔ اگست ۱۹۵۲ء مطابق ۲۳ ظہور ۱۳۳۱ ہش۔

ہند کی جن شخصیتوں نے زبردست مذمت کی ان کے نام یہ ہیں :-

۱۔ دیوبندی عالم مولانا منوّرالدین صاحب ۔ ۲۔ اہلِ حدیث عالم مولانا محی الدین صاحب قصوری ۳۔ ممتاز صحافی مولانا عبدالمجید سالک ۔ ۴۔ صدقِ جدید لکھنؤ کے ایڈیٹر مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی ۵۔ مصوّرِ فطرت خواجہ حسن نظامی مدیر منادی دہلی ۔ ۶۔ بھارتی مسلمانوں کے رسالہ "مولوی" کے مدیر مولوی عبدالمجید خاں صاحب ۔

۱۔ مولانا منوّرالدین صاحب (معتقد مولانا حسین علی آف واں بھچراں ضلع میانوالی) نے اپنے رسالہ "مکتوب بنام علماء" میں لکھا :-

"حضرات میں یقیناً کہتا ہوں جس ڈھب سے تم لوگ مرزائیوں پر فتح پانا چاہتے ہو اس میں تم ہرگز کامیاب نہ ہوسکو گے کیونکہ اعداء پر فتح پانے کی جو شرائط قرآن مجید نے بیان کی ہیں قرآن کو اٹھا کر پڑھو خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا[1] ادھر تمہارے لیڈروں کو ایمان کی خبر نہیں۔ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[2] ادھر تمہاری تحریک میں اکثریت مشرکوں کی ہے۔ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے وَمن یتولّ اللہ ورسولہ والّذین اٰمنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون[3] ادھر آپ کی تولّی والّذین اشرکوا سے ہے خدا تعالیٰ کی ذات کو حاضر ناظر جانتے ہوئے آپ فرمائیں کیا یہ تحریک ساری کی ساری مجموعۂ علماءِ سُوء نہیں ؟ کیا آپ لوگ قلباً وصدراً ظفر علی خاں اور اختر علی جیسے ابناء الوقت کو دینی پیشوا مانتے ہیں ؟ کیا تمہاری تحریک میں کوئی کامل اہل اللہ وارث علومِ نبوی ہے ؟ کیا تم میں کوئی حکیم الامّت تھانوی جیسا ہے ؟ کیا تم میں کوئی اسمٰعیل شہیدؒ جیسا امام موجود ہے ؟ کیا تم میں کوئی جنیدِ وقت حضرت مولانا حسین علی مرحوم جیسا کوئی موحّد موجود ہے ۔ ہاں لے دے کر آپ کے پاس ایک امیرِ شریعت موجود ہے جس کی شریعت کی حقیقت سے آپ لوگوں کے سینے تو واقف ہیں لیکن کیا کہوں اُن زبانوں کو جن پر آج مُہریں لگ گئی ہیں ۔ اِدھر خدا کے چند بندے جو خدا کی توحید سُناتے تھے انہوں نے قسم اُٹھالی کہ ہم کلمۂ توحید ہرگز کسی کو نہ سُنائیں گے ۔ گویا ان کے نزدیک ربّانی حکم سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا[4] آج سے منسوخ ہوگیا ؟ جس کا یہ مطلب تھا کہ اے مومنو ! صبح شام خدا کی توحید بیان کرو اور اس کو

[1] سورۂ غافر : ۵۲ ۔ [2] آل عمران : ۱۴۰ ۔ [3] الانبیاء : ۴۵ ۔ [4] الاحزاب : ۴۳ ۔

مشرکوں سے پاک کہو۔ سوچئے! بھلا جس کشتی تحریک کے ایسے ناخدا ہوں کیا وہ ساحل تک پہنچ سکتی ہے؟"...

"حضرات! بزا اصلاحاً کہتا ہوں کہ آپ کی تحریک کسی خدائی تحریک کے نقش قدم پر نہیں ہے کیونکہ آسمانی کتابیں گواہ ہیں کہ خدائی تحریکوں نے ابتداءً ہمیشہ دلائل سے کام لیا نہ کہ زور اور لاٹھیوں سے۔ ہاں باطل تحریکیں جب دلائل سے عاجز آجاتی ہیں تو کبھی اکثریت کے بل پر اقلیتوں کو ملک بدر کرنے کو تازیانہ دکھاتی ہیں جس طرح قومِ لوطؑ نے کہا لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ يٰلُوۡطُ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُخۡرَجِيۡنَ[1]۔ اور کبھی واویلا کرتی ہیں کہ فلاں اقلیت ملک میں ارتداد پھیلانا چاہتی ہے اور ملک میں انقلاب برپا کرنا چاہتی ہے جس طرح فرعون نے کہا انی اخاف ان یبدل دینکم او ان یظھر فی الارض الفساد[2] اور کبھی حکام کے پاس جاکر سچی اقلیتوں پر جھوٹے الزام لگاتی ہیں جن کی وجہ سے ہزاروں خدا کے پیارے بندوں کو بےجا آلام و مصائب کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں ذرا امام اعظمؒ۔ امام احمد حنبلؒ۔ امام ابن تیمیہ۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہم کے حالات ملاحظہ فرمائے جائیں"...

"اور باطل تحریکیں کبھی اکثریت کے نشہ میں آکر سچی اقلیتوں کو کچلنے پر آمادہ ہوجاتی ہیں اور مملکت کے کونہ کونہ میں اپنے داعی بھیجتی ہیں جو عوام میں یہ پراپیگنڈا کرتے ہیں کہ فلاں اقلیت نے ہم کو تنگ کر رکھا ہے آؤ ہم سب اکٹھے ہوکر اس کا استیصال کردیں جس طرح فرعون نے کیا فَاَرۡسَلَ فِرۡعَوۡنُ فِي الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِيۡنَ ۝ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرۡذِمَةٌ قَلِيۡلُوۡنَ ۝ وَاِنَّهُمۡ لَنَا لَغَآئِظُوۡنَ ۝ وَاِنَّا لَجَمِيۡعٌ حٰذِرُوۡنَ ۝[3]

اِس مقام پر مَیں حکومتِ پاکستان کے باقتدار طبقہ کی روشن ضمیری پر بھی داد دیتا ہوں جنہوں نے خوب سمجھ لیا ہے کہ اگر بمطالبۂ احرار آج مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا گیا تو کل دیوبندیوں کو اقلیت قرار دینا پڑے گا اور پرسوں اہلحدیثوں کو علیٰ ہذا القیاس۔ اور اِس طرح سے ملّتِ پاکستانیہ کا شیرازہ بکھر جائے گا اور اِس نوزائیدہ مملکت کا وجود ہی سرے سے ختم ہوجائے گا۔ اور مَیں گورنر جنرل پاکستان کے ان الفاظ کی بہت قدر کرتا ہوں جو انھوں نے کراچی میں ایک کانفرنس میں کہے کہ

---

[1] الشعراء: ۱۶۸ ٭ [2] غافر: ۲۷ ٭ [3] الشعراء: ۵۴ ٭

گذشتہ ہزار سال میں شخصی حکومتوں اور مُلّاؤں نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا ہے"۔۔

"حضرات خدا اور انبیاء اور بعثتِ انبیاء اور آخرت کا واسطہ دیتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ تبلیغ توحید کو ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ کیا مشرکین سے الگ ہو کر ہم مرزائیوں کا رَدّ نہیں کر سکتے۔ کیا علماءِ سُوء کے تعاون (کے)[1] بغیر دین کا کام نہیں ہو سکتا؟ کیا ختمِ نبوت کا مسئلہ ختمِ توحید کے بغیر حل نہ ہو سکتا تھا۔ مرزائیوں نے ایک فئتہ قلیلہ ہوتے ہوئے اتنی مخالفت کے باوجود اپنی تبلیغ کو نہ چھوڑا۔ اہلِ شرک و بدعت کے پیشواؤں نے یہ اعلان نہ کیا کہ آئندہ ہم عقائدِ شرکیہ کی تبلیغ نہ کریں گے مگر ہمارے مؤحّد علماء نے سوچا کہ مصلحتِ وقت کا تقاضا ہے کہ مسئلہ توحید کو بند کر دیا جائے کیونکہ تحریک کو نقصان پہنچتا ہے"۔

"میں پوچھتا ہوں اگر تحریک کے بااثر لوگ مشرک ہیں تو آپ لوگوں کو ان کی اطاعت کرنی ہوگی اور ان کی خوشامد کے لئے کتمانِ حق کرنا ہوگا جیسا کہ گجرات میں کیا گیا ہے تو پھر وان اطعتموھم انکم لمشرکون کے مصداق کون ہوں گے؟ کیا مرزائیت کا دَور ہمارے حضرت صاحب کی زندگی میں نہ تھا۔ کیا ان کی کوئی تحریر و تقریر ملتی ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ جب تک مرزائیوں کو اقلیت قرار نہ دیا گیا میں گولڑے والوں یا سیال والوں کے ساتھ مل کر دینی کام کروں گا؟

خدارا سوچئے! اگر کل ابوالحسنات، قمر دین سیالوی، پیر گولڑوی جن کے گھٹنوں پر تمہارے امیرِ شریعت نے لاہور میں سجدہ کیا یا شیعہ مجتہدین جیسے بزرگوں کے ہاتھ میں زمامِ حکومت آگئی اور قانون ان کے ہاتھ میں آگیا تو جیسے آج مرزائیوں کو اقلیت قرار دے رہے ہیں کل ہمیں اقلیت قرار دیں گے۔

اگر یہ لوگ برسرِ اقتدار آگئے تو محمد بن عبد الوہاب، اسمٰعیل شہید، محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تو ان کے ہاتھ نہ لگیں گے ہم ہی ہیں جو ان کی گولی کا اوّلین نشانہ بنیں گے۔

لہٰذا آخری التجا کرتا ہوں کہ ہم کو ان لوگوں سے کسی بھلائی کی امید نہ رکھنی چاہیئے اور مرزائیوں سے بڑھ کر ان لوگوں کے عقائدِ شرکیہ کو دلائل سے رَدّ کرنا چاہیئے۔ اگر مرزائی اِس وجہ سے کافر بن سکتے ہیں کہ انہوں نے ایک انسان میں وہ صفات اور کمالات ثابت کئے جو تقریباً ایک لاکھ چوبیس

---

[1] سہواً رہ گیا ہے؟

ہزار انسانوں میں پہلے پائے جاتے ہیں تو یہ لوگ جو ہزاروں انسانوں میں خدائی صفات ثابت کرتے ہیں یقیناً مشرک اور اضلّ ہیں۔

خدا کے لئے اپنے دِلوں کو ٹٹولو اور ان سے پُوچھو ان دونوں فتنوں میں کونسا بڑا فتنہ ہے۔" [۱]

۲۔ مولانا محی الدین صاحب قصوری ممتاز اہلحدیث عالم نے لکھا:۔

"اب ذرا علمائے کرام کی حالت ملاحظہ فرمائیے: ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ تمام ارکانِ اسلامی کا پابند ہے لیکن کسی ایک عقیدے یا عمل میں اس کا آپ سے اختلاف ہے بس وہ مرتد ہے۔ واجب القتل ہے۔ کوئی اگر ان سے کہہ دے کہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ شخص گمراہ ہے۔ اسکے بعض عقائد اسلام کے ٹھیٹھ عقائد کے خلاف ہیں۔ وہ فاسق ہے لیکن خدارا آپ کس دلیل سے اسے مرتد کہتے ہیں۔ تو آپ خود "فھو منھم" کی بناء پر کافر، مرتد اور واجب القتل اور جہنمی ہیں۔ وزراء کے خلاف کچھ کہنے والا تو صرف یہاں چند مہینوں یا زیادہ سے زیادہ چند برسوں کے لئے محبوس کر دیا جاتا ہے مگر ہمارے خدائی فوجدار، خدائی جنّت و دوزخ کے مالک ایسے آدمی کو اگلی دُنیا میں بھی نہیں چھوڑتے۔

ہم نے صرف اِن دو مثالوں پر اکتفاء کیا ہے۔ اگر زیادہ اطناب سے کام لیں تو صرف اِس ایک موضوع پر پُوری تصنیف تیار ہو جائے۔ بریلویوں کی طرف سے تمام اہلِ سُنّت والجماعت (اہلِ حدیث، دیوبندی، احناف وغیرہ) اور تمام شیعہ حضرات کی تکفیر، شیعہ صاحبان کی طرف سے تمام اہلِ سُنّت والجماعت اور بریلویوں کی بلکہ اہلِ سُنّت کے آئمہ ہدیٰ خلفائے راشدین المحدثین کی تکفیر (نعوذ باللہ من ھٰذہ الاباطیل الکاذبہ: ان یقولون الا کذبا) اور پھر سب کی طرف سے (یعنی سُنّیوں اور شیعہ کے کُل فرقوں کی طرف سے) مرزائیوں کی تکفیر کیا یہ اسی جہالت اور کبر و نخوت کا کرشمہ نہیں جو لوگوں کے دلوں میں نہ تو قرآن پاک کی وعید: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا [۲] اور اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ [۳] کا خوف پیدا ہونے دیتا ہے اور نہ ھَلْ لَا شَقَقْتَ قَلْبَهٗ [۴] کی تنبیہہ کی طرف انہیں

---

[۱] مکتوب بنام علماء ص۸ تا ص۱۲ (از مولانا منوّر الدین صاحب چک منگلا (سرگودہا) مطبوعہ خالد پریس سرگودہا ۱۹۵۲ء)

[۲] النساء: ۹۵ [۳] الانعام: ۱۶۰ [۴] مسلم کتاب الایمان۔ ابوداؤد ابواب الجہاد۔ ابنِ ماجہ کتاب الفتن۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص۴۳۹ جلد ۵ ص۲۰۷

متوجہ ہونے دیتا ہے۔ کیا یہ قرآن پاک کی اسی تہدید کا بالکل عملی نمونہ ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں پیش کرتا جو بنی اسرائیل کو ہوئی تھی ؟ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ[1] مجھے ذاتی طور سے علم ہے کہ لاہور کے دو نہایت جید دیوبندی علماء نے جن کی میرے دل میں عزت ہے برسرِ مجلس ایک جماعت کو مرتد کہہ کر اسکے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا۔ لایکادون یفقھون حدیثا "[2]

۳۲۔ مولانا عبدالمجید خاں سالک نے تجویز پیش کی کہ اب وقت آگیا ہے کہ حکومت تکفیرِ مسلمان کو قانوناً جُرم قرار دے۔ اُن کے الفاظ یہ تھے :۔

" اسلام کے بعد ایمان کا درجہ ہے اور قرآنِ مجید کے نزدیک ایمان یہ ہے کہ اللہ اس کے فرشتوں، پیغمبروں، اس کی کتابوں، حشر و نشر اور سزا و جزا کا اقرار کیا جائے۔ حدیث میں اسلام کے ارکان پانچ بیان کئے ہیں شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔

" صفتِ ایمانِ مفصّل " اور ارکانِ اسلام پر عمل کا درجہ تو بعد میں آتا ہے اولین چیز توحید و رسالت کا اقرار ہے اور جو شخص یہ اقرار کرتا ہے اُسے دُنیا کی کوئی طاقت کافر قرار نہیں دے سکتی۔ بخاری میں حدیث ہے۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں۔ ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا۔ اسلام کیا ہے ؟ ارشاد ہوُا اسلام یہ ہے کہ " تم اللہ کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ نماز کو قائم کرو۔ رمضان میں روزہ رکھو اور زکوٰۃ دو " پھر جو شخص توحید و رسالت کا اقرار کرنے کے بعد حضورؐ کے ان احکام پر بھی عمل کرتا ہے اس کو کون کافر قرار دے سکتا ہے ؟

قرآنِ حکیم کا حکم

سُورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ جو شخص تم کو سلام کہے اس کے متعلق یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔ یعنی اللہ کے نزدیک اس شخص کو کبھی کافر قرار نہیں دیا جا سکتا جو مسلمانوں کو " السلام علیکم " کہتا ہے۔ اس پر بعض شائقینِ تکفیر کہا کرتے ہیں کہ اگر کوئی عیسائی یا ہندو ہم کو سلام کہے تو کیا ہم اس کو بھی مسلمان مان لیں ؟ اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ تمہارے اعتراض کا جواب ہم نہیں دے سکتے کیونکہ آیت صاف ہے اور اللہ کا حکم ہے اگر تم

---

[1] البقرہ : ۱۱۴ ؛ [2] اخبار ہفت روزہ " الاعتصام " گوجرانوالہ ۱۹ ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۹

اللہ کے بندے ہو تو تمہیں اللہ کا حکم ماننا ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ "لَسْتَ مُؤْمِنًا" کے الفاظ کا مطلب یہی ہے کہ کسی مومن کو یہ نہ کہو کہ تُو مومن نہیں ہے جس حالت میں وہ تم کو مومنانہ سلام کہتا ہے۔ غیر مسلم کا تو اس سے تعلّق ہی نہیں مقصود یہ ہے کہ جو شخص مسلمان کہلاتا ہے وہ مسلمانوں کے ساتھ ظاہر اخوّت کا ثبوت (یعنی سلام و کلام) بھی دیتا ہے اُس کو کافر کہنا از رُوئے قرآن ممنوع ہے۔

حدیثِ رسولؐ کا حکم

عن ابن مالك قال قال رسول الله صلّى الله عليه وسلم من صلّى صلوٰة واستقبل قبلتنا واكل ذبيحتنا فذالك المسلم الذى له ذمّة الله وذمّة رسول الله فلا تخفروا الله فى ذمّته۔ (بخاری کتاب الصّلوٰۃ)

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں فرمایا رسول اللہؐ نے جو شخص ہماری طرح نماز پڑھتا ہے، ہمارے قبلہ کی طرف مُنہ کرتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے تو یہ شخص مسلم ہے جس کے لئے اللہ کا عہد ہے اور رسول اللہ کا عہد ہے پس اللہ کے عہد کو نہ توڑو حضورؐ نے فرمایا جنے لا اله الّا الله کہنے والوں کی تکفیر کی وہ خود کفر سے زیادہ قریب ہے۔

ایسی حدیثیں متعدّد ہیں جن میں حضورؐ کے قول و عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص توحید کا اقرار کر لیتا تھا حضورؐ اُسے مسلمان سمجھتے تھے۔ اور اگر کوئی اعتراض کرتا تھا کہ فلاں شخص شاید دل سے مسلمان نہ ہؤا ہو تو حضورؐ فرماتے کہ مجھے یہ حکم نہیں ملا کہ مَیں لوگوں کے دلوں کو پھاڑ کر دیکھوں۔ اسلام کے لئے اقرار کافی ہے۔[1]

آئمۂ اسلام اور تکفیر

ہمارے آئمۂ کبار نے اہلِ قبلہ کی تکفیر کو ہمیشہ ناواجب ٹھہرایا ہے۔ امام طحاویؒ نے کیا خوب بات کہی ہے کہ جس اقرار کے بعد کوئی مسلمان ہوتا ہے جب تک اُس اقرار سے برگشتہ نہ ہو دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا۔[2] (ردّ المحتار سوم صفحہ ۳۱۱)

---

[1] صحیح مسلم (کتاب الایمان)

[2] عربی متن ہے "لا يخرج الرجل من الايمان الّا بجحود ما ادخله فيه" (ایضاً "معین الحکام" ص ۲۰۹)۔

ساری دُنیا جانتی ہے کہ ایک کافر جس وقت کلمہ پڑھ کر توحید و رسالت کا اقرار کر لیتا ہے تو مسلمان ہو جاتا ہے اور تمام مسلم اور غیر مسلم اس کو مسلمان سمجھ لیتے ہیں۔ اب جب تک وہ اِس اقرار کو واپس نہ لے یعنی توحید و رسالت سے مُنکر نہ ہو جائے اس کو کافر اور غیر مسلم کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے۔ حاکم نے اپنی کتاب منتقیٰ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بیان کیا ہے کہ وہ اہلِ قبلہ میں سے کسی کو بھی کافر نہیں کہتے اور ابوبکر رازی نے امام کرخی سے بھی یہی روایات کی ہیں۔ (شرح مواقف)

شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۲۱ میں لکھا ہے کہ اہل السُّنّت والجماعت کے قواعد میں سے ہے کہ اہلِ قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے۔

ابوالحسن اشعریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کے وصال کے بعد مسلمانوں میں کئی امور پر اختلاف ہوُا۔ وہ ایک دوسرے کو گمراہ کہنے لگے اور مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے لیکن اسلام ان سب کو یکجا کر کے اپنے دائرہ میں جمع کرتا ہے۔ ("مقالات الاسلامیین" ابوالحسن اشعریؒ صفحہ ۲۰۱)

مولانا احمدؒ بن المصطفیٰ لکھتے ہیں کہ حنفیوں، شافعیوں، مالکیوں اور اشعریوں کے معتمد علیہ اور مستند اماموں کی رائے یہی ہے کہ اہلِ قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ (مفتاح دار السعادۃ حصّہ اوّل صفحہ ۴۶)

فِقہ حنفی کی مستند ترین کتابوں سے صاف ظاہر ہے کہ اہل السُّنّت کو تکفیر کی ممانعت کی گئی ہے مثلاً ذیل کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

کِسی مسلمان کی تکفیر نہ کی جائے جب تک اس کے کلام کے کوئی اچھے معنے نہ لئے جاسکیں۔ (درّ مختار)

اگر کسی مسئلے میں ننانوے وجوہ کُفر کے ہوں اور ایک احتمال نفی کفر کا، تو قاضی و مفتی کا فرض ہے کہ اس احتمال کو اختیار کرے جو نفی کفر کا ہے۔ (شرح فقہ اکبر مُلّا علی قاری صفحہ ۱۴۶)

جب کسی مسئلے میں کئی وجوہ کُفر کے ہوں اور ایک وجہ عدمِ تکفیر کی ہو تو مفتی پر واجب ہے کہ وہ حُسنِ ظن کی راہ سے اسی وجہ کو اختیار کرے جو تکفیر کی مانع ہے۔ (سلّ الحسام الہندی سید محمد عابدین صفحہ ۴۵)

ہم کسی اہلِ قبلہ کو کافر نہیں کہتے، اگرچہ وہ بہت سی باتوں میں باطل پر ہی ہو کیونکہ اقرار توحیدِ الٰہی و تصدیق رسالت محمدیہ اور توجہ الی القبلہ کے بعد کوئی شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ لا الٰہ الّا اللہ کہتے ہیں انہیں کافر نہ کہو۔ (علم الکتاب میر دردؒ صفحہ ۸۵)

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب "منصبِ امامت" میں جہاں بعض سلاطین کو ان کے اعمالِ بد پر زجر و توبیخ کی ہے وہاں یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ لوگ چونکہ ظاہری شعائرِ اسلامی مثلاً ختنہ، عیدین پر اظہارِ شکریہ، تجہیز و تکفین، نماز جنازہ وغیرہ کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔

"پس یہ دعویٔ اسلام جو ظاہر اطوار پر ان کی زبانوں سے صادر ہوتا ہے انہیں کفرِ صریح سے محفوظ رکھتا ہے۔ اگرچہ آخرت کے مؤاخذہ کے لئے خفیہ کفر کافی ہے لیکن ظاہری اسلام کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے ساتھ دنیوی احکام میں مسلمانوں کا سا سلوک کیا جائے اور معاملات کی حد تک انہیں بھی مسلمانوں میں ہی شمار کیا جائے۔"

ابو الحسن اشعریؒ نے اپنی کتاب "مقالات الاسلامیّین و اختلاف المصلّین" میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کا ذکر کیا ہے مثلاً شیعہ، خوارج، مرجئہ، معتزلہ وغیرہ پھر ان فرقوں کے اندرونی گروہوں پر بھی بحث کی ہے مثلاً شیعہ کے تین گروہ ہیں غالیہ، رافضہ، زیدیہ، ان میں سے غالیہ کے پندرہ چھوٹے گروہ ہیں۔ اشعریؒ کے نزدیک یہ بھی مسلمان ہیں یہاں تک کہ وہ غالیہ کو خارج از اسلام قرار نہیں دیتے حالانکہ وہ اپنے ایک سردار کو نبی کا رُتبہ دیتے ہیں مثلاً بیانیہ فرقہ کے لوگ ایک شخص بیان کو اور عبد اللہ بن معاویہ کے پیرو اس کو اپنا خداوند اور پیغمبر مانتے ہیں لیکن چونکہ یہ سب لوگ حضرت رسول کریمؐ کی نبوت اور قرآن مجید کا کلامِ الٰہی ہونا تسلیم کرتے ہیں اسلئے وہ خارج از اسلام قرار نہیں دئے جاتے[1]

مسلمانوں کو کافر نہ بناؤ

غرض جہاں تک دیکھا جائے کتاب اللہ، حدیثِ رسول اللہ، تصانیف اہل السنّت والجماعت میں تکفیر اہلِ قبلہ کو قطعی طور پر ناجائز قرار دیا گیا ہے اِس لئے کہ دینِ اسلام دُنیا میں توحید و رسالت کا اقرار کرانے کے لئے آیا تھا اِس لئے نہیں آیا کہ اچھے خاصے توحید و رسالت کے اقراری انسانوں کو جو مسلمان ہیں مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور مسلمان ہی رہنا چاہتے ہیں زبردستی اسلام کے دائرہ سے نکال کر باہر کرے۔ یہ تکفیر کا مشغلہ پاکستان میں مسلمانوں کی وحدت کے لئے سخت مُہلک ہے۔ اگر اس کو رائے عامہ نے اپنی قوّت سے فوراً دبا نہ دیا تو دینِ مقدّس اور ملّتِ پاکستان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

---

[1] ایضاً "کتاب الفرق بین الفرق" ص ۱۰۹-۱۱۱ (الامام حضرت ابو منصور عبد القاہر بن طاہرؒ متوفی ۴۲۹ھ) ناشر مطبعة المعارف بشارع الفجالہ بمصر۔

کُفر کی دُو قسمیں

ممکن ہے تکفیر کے بعض شوقین بزرگانِ اسلام کی بعض تحریروں سے ایسے اقوال نقل کریں جن میں بعض مسائل پر "کُفر" کی مُہر لگائی گئی ہے اِس لئے مَیں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کُفر کی دُو قسمیں ہیں جیسا کہ علامہ ابنِ اثیرؒ اپنی کتاب "نہایہ" میں لکھتے ہیں :۔

کُفر کی دُو قسمیں ہیں۔ ایک کُفر تو وہ ہے جس میں خود دین کا انکار ہو (یعنی توحید و رسالت کا) اور دوسرا کفر یہ ہے جس میں کسی فرع کا انکار ہو۔ احکامِ اسلامی فروع کا حکم رکھتے ہیں ان میں سے کِسی کے انکار سے کوئی شخص دین سے خارج نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر مسلمانوں کے دُو گروہ آپس میں قتال بھی شروع کر دیں جو صریحاً دین و ملّت کے مقاصد کے خلاف ہے تو خود قرآن بھی ان کو کافر نہیں کہتا بلکہ ان کو "طائفتان من المؤمنین" قرار دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اگر مومنین کے دُو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو یعنی وہ آپس میں لڑنے کے بعد بھی "مومن" ہی رہتے ہیں کافر نہیں ہو جاتے۔

علامہ ابنِ اثیرؒ لکھتے ہیں کہ علامہ ازہریؒ سے کسی نے پُوچھا کہ آیا فلاں شخص فلاں قسم کی رائے ظاہر کرنے کی وجہ سے کافر ہو گیا جواب ملا کہ ایسی رائے کُفر ہے۔ پوچھا گیا کیا وہ مسلمان رہا؟ آپ نے جواب دیا بعض اوقات مسلمان بھی کُفر کا مرتکب ہو جاتا ہے [1]

---

[1] حضرت علامہ امام حسین بن محمد راغبؒ اصفہانی (متوفی ۵۰۶ھ / ۱۱۰۸ء) فرماتے ہیں :۔

" الاسلام فی الشرع علٰی ضربین احدهما دون الایمان وهو اعتراف باللسان وبه یحقن الدماء حصل معه الاعتقاد اَوْ لَمْ یحصل وایاه قصد بقوله قالتِ الاعرابُ اٰمنّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا والثّانی فوق الایمان وهو ان یکون مع الاعتراف واعتقادًا بالقلب ووفاء بالفعل واستسلام لله جمیع ما قضٰی وقدّر " (مفردات امام راغب ص ۲۴۰)

یعنی اسلام دینِ محمدی کی رُو سے دُو طرح کا ہوتا ہے ایک اسلام ایمان سے نیچے ہوتا ہے اور وہ زبان سے اعتراف کرنا اور کلمہ پڑھنا ہے جان کی حفاظت اتنے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اِس سے ظاہر ہے کہ مسلمان کوئی کافرانہ عمل بھی کرے تو اس کو فاسق، عاصی، گمراہ تو کہہ سکتے ہیں لیکن کافر نہیں کہہ سکتے۔ جس طرح اگر کسی کافر سے کوئی مومنانہ عمل سرزد ہو جائے تو اس عمل کو تو مومنانہ کہہ سکتے ہیں لیکن وہ کافر محض اس عمل سے مومن و مسلم تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مسلم اور کافر کے درمیان خطِ فاصل توحید و رسالت کا اقرار ہے۔

ہر مسلمان کہلانے والا مسلمان ہے

لہٰذا ہر شخص جو توحید و رسالت کا اقراری ہے وہ مسلمان ہے۔ باقی رہے اس کے اعمال تو اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ اگر شریعت ظاہری ان اعمال کو جرم سمجھے گی تو اُسے سزا دے گی اور اگر وہ اعمال شریعت کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اُسے عذاب دیگا ہمارا کام صرف اتنا ہی ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے ہر قائل کو مسلمان سمجھیں اور مسلمانوں کی تکفیر کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیں بلکہ اب وقت آگیا ہے کہ اسلامی حکومت تکفیرِ مسلمین کو قانوناً جرم قرار دے تاکہ معاشرۂ اسلامی اس لعنت سے ہمیشہ کے لئے پاک ہو جائے"[۱]

۴۔ مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی مدیر "صدقِ جدید" کو ہمیشہ یہ خصوصیت حاصل رہی ہے کہ انہوں نے جماعتِ احمدیہ کی تکفیر کے خلاف پوری قوت سے آواز بلند کی ہے اور ان ایام میں تو آپ نے مسلسل پُر زور شذرات سپردِ قلم فرمائے۔ مثلاً ایک صاحب نے لائل پور سے مولانا عبد الماجد خاں صاحب دریا بادی کو بطور شکوہ لکھا کہ وہ "متفقہ مطالبۂ تکفیر" کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں؟ آپ نے اس کا جواب حسبِ ذیل الفاظ میں دیا:۔

"یہ مطالبہ اگر مکتوب نگار صاحب اپنے دِل میں سوچیں تو انہیں خود کچھ عجیب سا نظر آئیگا کہ مدیر "صدق" کے نزدیک تکفیرِ قادیانیہ کا فتویٰ غیر مدلّل ہو۔ غیر تشفی بخش ہو پھر بھی اسے بولنے کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ سے ہی ہو جاتی ہے اس کے ساتھ اعتقاد کی صحت کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کی آیت قالت الاعراب الخ میں اسی طرح کے اسلام کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسرا اسلام وہ ہوتا ہے جو ایمان سے اُوپر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ زبان سے کلمہ پڑھنے کے علاوہ دل میں بھی اُس کا اعتقاد ہو اور عملاً بھی وفاداری کا اظہار کرے اور خدا تعالیٰ کی تمام قضا و قدر کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دے۔

[۱] اخبار "آفاق" لاہور ۴-۵ دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۔

حق نہ تھا۔ اسے خاموشی ہی اختیار کر لینا تھی۔ گویا اظہارِ حق کا حق صرف اکثریت کو حاصل ہے۔ اور جو فرد اپنے کو اس درجہ میں حق پر سمجھتا ہے لیکن چونکہ اقلیت میں ہے اس لئے اسے اکثریت پر جرح کا بھی حق نہیں اور اس پر لازم ہے کہ اگر وہ بے چون و چرا سرِ اطاعت خم نہیں کرتا تو کم از کم خاموش ہی رہے خواہ اس میں اپنے ضمیر و دیانت کا گلا ہی گھونٹ دینا پڑے۔

اکثریت کی یہ نازک مزاجی مکتوب نگار خود غور کریں کہ کس حد تک معقول ہے۔

ع کان اُن کے وہ نازک کہ گراں میری غزل بھی

مکتوب میں کوئی نئی اور مستقل دلیل تکفیرِ قادیانیہ پر پیش کرنے کی بجائے اکتفا صرف اس پر کیا گیا ہے کہ یہ چونکہ دُنیائے اسلام کا فتویٰ ہے متفقہ فیصلہ ہے فلاں فلاں بزرگوں کا اس پر اجماع ہو چکا ہے اس لئے بہر صورت واجب التسلیم ہے لیکن گزارش یہی ہے کہ اتفاقِ رائے کا یہ منظر "بے نظیر" آخر کیسے قرار دے لیا گیا ہے؟ یہ اتفاق و اجماع کب اور کس فرقہ کی تکفیر سے متعلق ایسے ہی بزرگوں کا نہیں ہو چکا ہے؟ کون فرقہ ایسا ہے۔ کس کی تکفیر کا اعلان بالجہر انہیں دلائل کے ماتحت اسی جوش و قوت کے ساتھ بار بار نہیں کیا جا چکا ہے؟ کیا فرقہ شیعہ؟ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی مدظلہ ماشاء اللہ ابھی ہمارے درمیان بہ خیریت و عافیت موجود ہیں اور وہ یقیناً اہلِ سُنّت کے ایک بڑے اور ممتاز عالمِ دین ہیں ذرا انہیں سے دریافت فرمایا جائے ان کے قلم کا مرتّب کیا ہوا "علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ (بلفظہ یاد رہے) درباب ارتداد شیعہ اثنا عشریہ" ابھی یاد میں تازہ ہے جس میں تصریح موجود ہے کہ شیعوں کی تکفیر میں کسی کو اختلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ اور تصریح در تصریح یہ کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام، ان سے مناکحت ناجائز، ان کا جنازہ پڑھنا ناجائز، انہیں اپنے جنازوں میں شریک کرنا ناجائز، ان کا چندہ اپنی مسجدوں میں لینا ناجائز۔ غرض یہ کہ ان سے کوئی سا بھی معاملہ مسلمانوں کا سا کرنا جائز نہیں۔ گویا سیّد کلبِ حسین اور لالہ بھگوان دین ایک سطح پر۔

اس فتویٰ کفر و ارتداد شیعہ پر آپ دستخط سُنیں گے کہ کن کن بزرگوں کے ہیں۔ کہنا چاہیئے کہ سلسلے دیوبند کے، مولانا مرتضیٰ حسن، مولانا حسین احمد، مولانا محمد شفیع، مولانا اعزاز علی، مولانا اصغر حسین، مولانا عقیل احمد، مولانا محمد انور (عجب نہیں کہ یہ وہی مشہور فاضل عصر مولانا انور شاہ کاشمیری ہی ہوں) مولانا محمد طیّب، مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہانپوری، مولانا محمد چراغ (گوجرانوالہ)، مولانا

محمد منظور نعمانی وغیرہم۔ پھر اس نہلہ پر دہلہ جناب ناظم صاحب تعلیمات دیوبند کے قلم سے کہ " اور صرف مرتد اور کافر خارج از اسلام ہی نہیں ہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن بھی اس درجہ میں ہیں کہ دوسرے فرقے کم ہی نکلیں گے " اور اسی متفقہ فتویٰ میں تائیدی حوالہ حضرت بحر العلوم فرنگی محلی کا بھی درج ہے۔ اور خود موجودہ امیرِ شریعت پنجاب آج سے چند سال قبل اپنی لکھنؤ (احاطہ شیخ شوکت علی) کی تقریروں میں فرقہ شیعہ کے باب میں جو کچھ فرما چکے ہیں اسے کوئی کیسے بھلا دے؟

پھر انہیں حضرات کا فیصلہ ایسے ہی دلائل کی بناء پر اسماعیلیوں اور آغا خاں اور سارے آغا خانیوں کے کفر اور اسلام سے متعلق کیا ہے؟

اور خود بانیٔ پاکستان قائد اعظم کے عقائد مذہبی سے متعلق انہیں مقدمات ومبادی کو تسلیم کرنے کے بعد فتویٰ کیا مرتب ہوتا ہے؟

سرسید کا زمانہ گزرے ابھی ایک ہی پشت ہوئی ہے مکتوب نگار کے علم یا حافظہ میں یقیناً یہ حقیقت محفوظ نہیں رہی کہ " جمہور علماء " کے حلقہ میں ان کا استقبال کس روش و انداز سے ہوا تھا؟ وہ " پیر نیچر " شائد مرزائے قادیان اور اُس کے پیرو " نیچری " شائد قادیانیوں سے کچھ بڑھ چڑھ کر ہی تھے اور ان کے اسلام کا دعویٰ کرنا " خرقِ اجماع " کا مرتکب ہونا تھا۔ آپ اسے مبالغہ سمجھ رہے ہیں؟ مولوی امداد العلی مرحوم کا رسالہ " امداد الآفاق بہ رجم اہل النفاق " کسی لائبریری کے پرانے ذخیروں میں دبا دبایا ہوا ضرور پڑا مل جائے گا۔ ذرا اسے ملاحظہ فرما لیا جائے یا اس زمانہ کے دوسرے اخبارات اور رسالوں کی فائلوں کو لکھنؤ، دہلی، سہارنپور، رام پور، ہندوستان کے ہر ہر شہر کے فقہاء کرام کا متفقہ فتویٰ اس شخص کے کفر و ارتداد اور اس کے کالج اس کی کانفرنس سب کی ملعونیت پر ناطق ملے گا۔ دہلوی فتویٰ آپ سنیں گے؟

" ایسے مکانِ ناپاک کا نام مدرسہ رکھنا اور محل تعلیم و تحصیل سمجھنا آدمیت سے نکلنا ہے۔ اور زمرۂ حیوانات میں داخل ہونا ہے۔۔۔ صرف کرنا مال کا ایسے محل میں موجب کندہ ہونا جہنم اور ایسے بے محل میں ساعی ہونا ہیمہ اور حطب بننا لازم " [1]

اور لکھنوی فرنگی محلی فتویٰ:۔

---

[1] حیاتِ جاوید حصہ دوم ص۲۴۳ (مولفہ مولانا الطاف حسین حالی) طبع اول۔

"وجود شیطان اور اجنّہ کا منصوص قطعی ہیں اور مُنکر اس کا شیطان ہے بلکہ اس سے بھی زائد کیونکہ خود شیطان کو بھی اپنے وجود سے انکار نہیں... وہ شخص مخرّبِ دین ابلیس لعین کے وسوسہ سے صورت اسلام میں تخریبِ دینِ محمدی کی فکر میں ہے"۔ [1]

اور مُفتیانِ حرم شریف حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ چاروں مفتی صاحبان کے متفقہ فیصلہ کی تاب آپ آج لاسکیں گے؟

"یہ شخص ضالّ و مُضلّ ہے بلکہ ابلیسِ لعین کا خلیفہ ہے... اس کا فتنہ یہود و نصاریٰ کے فتنہ سے بھی بڑھ کر ہے خدا اس کو سمجھے۔ واجب ہے اُولوالامر پر اس سے انتقام لینا... اگر باز آوے تو بہتر ہے ورنہ ضرب اور حبس سے اس کی تادیب کرنی چاہیئے"۔ [2]

مدینہ منوّرہ کے مفتی احناف کا قلم کیوں پیچھے رہنے لگا تھا؟

"یہ شخص یا تو ملحد ہے یا شرع سے کُفر کی کسی جانب مائل ہوگیا ہے یا زندیق ہے کہ کوئی دین نہیں رکھتا یا اباحی ہے کیونکہ منخنقہ کا کھانا مُباح بتاتا ہے اور اہلِ مذہب (حنفیہ) کے بیانات سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی توبہ گرفتاری کے بعد قبول نہیں ہوتی... ورنہ اس کا قتل واجب ہے دین کی حفاظت کے لئے اور ولاۃ امر پر واجب ہے کہ ایسا کریں"۔ [3]

اور شیعہ نیچریہ اسماعیلیہ کے علاوہ عام اہلِ اہوا و بدعت و خوارج اور "وہابیہ تجدید" اور تازہ ترین "مودودیہ" سے متعلق جو جو موتی قلم پرو چکا ہے اگر ان سب کے اقتباسات نمونہ کے طور پر ہی نقل ہونے لگیں تو مقالہ رسالہ نہیں پُوری ضخیم کتاب بن جائے۔ مغالطہ سب میں مُشترک ہے بس یہی ہے کہ نصوص کی تاویل و تعبیر کو ہر جگہ انکار و تکذیب کے مترادف سمجھ لیا گیا ہے اور تاویل و تعبیر میں ٹھوکر کھانے والوں کو جوشِ دینی سے مغلوب ہو کر مُنکرین و مکذّبین کے حکم میں رکھ دیا گیا ہے۔

اِس بے علم و بے عمل کے دِل میں اپنے اکابر کی بحمد اللہ پُوری عزّت و رفعت عظمت و عقیدت موجود ہے لیکن انقیاد کامل کا رشتہ صرف ذاتِ رسُولِ معصوم کے ساتھ محدود و مخصوص ہے اور جو حضرات آج اپنے علماء و شیوخ کے ہر فیصلہ کو ناطق اور ان کے ہر قول کو

---

[1] حیاتِ جاوید حصہ دوم ص ۲۳۲ ۔ [2] حیاتِ جاوید حصہ دوم از مولانا الطاف حسین حالی ص ۲۳۵

[3] حیاتِ جاوید حصہ دوم ص ۲۳۵ ۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ خوش عقیدگی کے غلو میں مبتلا ہیں اور نادانستہ وغیر شعوری طور پر سہی عملاً خود ختمِ نبوّت کے منکر ہو رہے ہیں کہ غیر معصوم کو معصوم کے درجہ پر رکھے ہوئے ہیں۔۔۔

آج سے ۳۰۔ ۳۱ سال پیشتر جب تحریکِ خلافت ہندوستان میں زور شور سے اُٹھی ہر شہر ہر قریہ میں مجلسِ خلافت بننے لگی اور بوڑھے سے لے کر بچے تک پُورے جوش و خروش سے اللہ اکبر کے نعرے لگانے لگے تو ایک بڑا اہم اور سنجیدہ مسئلہ یہی پیش ہوا تھا کہ آخر مسلمان سمجھا کس کو جائے گا؟ اور کن کن فرقوں کو اُمت سے الگ رکھا جائے گا؟ اُس وقت پُورے غور و خوض کے بعد بڑے بڑے علماء و مفکّرینِ اُمت کے مشورہ سے یہی فارمولا طے ہوا تھا کہ جو بھی اپنے کو مسلمان کہے اور توحید و رسالت کا قائل ہو بس اُسے مسلمان سمجھا جائے گا اور اُس کے دوسرے عقائد سے قطع نظر کر لی جائیگی۔ اِن غلط و باطل عقائد پر جرح یقیناً بجائے خود جاری رہے گی لیکن کسی کلمہ گو کو بھی اسلام کی عام وسیع برادری سے خارج نہ کیا جائے گا۔ مجلسِ خلافت کے زمانہ میں بھی غالباً سرکار کی طرف سے سوال اُٹھا تھا کہ مسلمان کسے سمجھا جائے؟ اس کا جواب اس مردِ ظریف و لطیف نے یہ دیا تھا کہ جو رائے شماری کے رجسٹر میں مسلمان لکھائے۔۔۔ وحدت کلمہ کی یہ ضرورت جب اُس وقت تھی تو موجودہ حالتِ ضعف و انتشار میں اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔

جن حضرات نے دین کے تحفظ کی خاطر اخلاص نیّت سے کفر کے فتوے دئے ہیں یقیناً وہ عنداللہ ماجور ہوں گے لیکن دوسرے شائد معذور ہیں جنہوں نے اپنی فہم و بصیرت کے موافق اس قطع و برید و عمل اخراج کو اُمّت کے حق میں زہر سمجھا ہے (اور اُن ہی میں مولٰنا محمد علی اور شوکت علی اور خود قائدِ اعظم سے لے کر آپ کے صُوبہ کے مہر صاحب اور سالک صاحب شامل ہیں) اُنہیں بھی اخلاصِ اسلامی اور دردِ دِلی سے معترانہ سمجھ لیا جائے۔" ؎۱

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے ایک اَور خط کے جواب میں لکھا:۔

؎۱ "صدقِ جدید" ۱۲ ستمبر ۱۹۵۲ء بحوالہ اخبار الفضل یکم اخاء ۱۳۳۱ ہش مطابق یکم اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۵، ۶۔

"ختمِ نبوّت اور ہم

...ایک طرف ایک ایسا شخص ہے جو ختمِ نبوت کا قولاً منکر ہے (؟) اب دوسری طرف ایک شخص ہے جو قولاً تو منکر نہیں ہے لیکن عملاً اس کی تکذیب کرتا ہے آپ اس کو مسلمان کہتے ہیں حالانکہ حقیقت میں دونوں ہی ختمِ نبوت کا انکار کر رہے ہیں زبانی اقرار کی وجہ سے فقہی طور پر ہم اس کو کافر نہ کہیں یہ اور بات ہے لیکن آیا میزانِ عمل میں بھی کوئی قدر و قیمت وزن رکھے گا یا نہیں؟ قابلِ غور ہے۔

پھر ذرا سوچئے تو سہی کہ آج دنیا بھر کے مسلمانوں میں کتنے فیصدی ایسے ہیں کہ ختمِ نبوت کے عملاً معتقد ہیں؟ جاہلوں اور اُمّیوں ہی میں نہیں عالموں اور صوفیوں میں بھی قادیانیوں کو کافر کہنے والوں اور ظفر اللہ خاں کو وزارت سے برطرف کرنے والوں کو بھی ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچنا چاہیئے کہ کہیں خدانخواستہ ؏

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

والا معاملہ تو نہیں ہے؟ کیا ہم نے اپنی سیاست و معیشت، اخلاق و معاشرت، حکومت و عدالت سے اس عقیدہ کو عملاً خیر باد نہیں کہہ دیا ہے؟ کیا ہمارے مدرسے، خانقاہ بھی اب اس کی رُوح سے خالی نہیں ہو گئے ہیں۔ پھر ایک فریق ایک جُرم کی وجہ سے کافر اور گردن زدنی اور دوسرا قریباً اسی جُرم کا مجرم لیکن نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے۔ (اَلْاِنْصَاف)"[1]

۵۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے اخبار "منادی" بابت ماہِ جون ۱۹۵۲ء میں لکھا۔

"مَیں نے مئی کے منادی میں قادیانی جماعت کراچی کی نسبت لکھا تھا کہ اس جماعت کے جلسے کے خلاف جو ہنگامہ ہوُا وہ مصلحتِ وقت کے خلاف تھا۔ مَیں نے قرآنِ مجید کی آیت بھی لکھی تھی کہ خدا نے فرمایا ہے کہ ہر شخص سے اس کے عمل کا حساب لیا جائے گا دوسروں کے اعمال کی پُوچھ گچھ نہیں ہوگی اور یہ بھی لکھا تھا کہ مَیں قادیانی جماعت کے عقائد کے ہمیشہ خلاف رہا ہوں اور اب بھی خلاف ہوں مگر موجودہ وقت ایسا نازک ہے کہ مسلمانوں کو شیعہ، سُنّی، مقلّد، غیر مقلّد کے اختلافات ترک کر دینے چاہئیں۔

چوہدری ظفر اللہ خاں نے باوجود قادیانی ہونے کے پاکستان بننے کے بعد سے آج تک یورپ

---

[1] "صدقِ جدید" لکھنؤ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۵۲ء بحوالہ الفضل ۷ اکتوبر ۱۹۵۲ء ص۸

اور امریکہ اور اسلامی دُنیا میں جو خدمات پاکستان کی انجام دی ہیں وہ بے مثل ہیں۔ اگر پاکستان کی تخت گاہ کراچی میں مسلمان ان کی مخالفت کریں گے تو امریکہ اور یورپ اور اسلامی ملکوں کے دلوں سے پاکستان کا وقار جاتا رہے گا۔

مجھے یقین تھا کہ کراچی میں مولانا عبد الحامد صاحب بدایونی اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی جیسے معاملہ فہم اور تاریخ کے ماہر موجود ہیں وہ عوام کی غلط فہمیاں دُور کر دیں گے اور یہ فتنہ زیادہ نہ بڑھے گا مگر یہ میرا خیال غلط ثابت ہوا اور اخباروں نے ایک ایسی خبر شائع کی کہ میرا دِل پاش پاش ہو گیا یعنی اخباروں نے شائع کیا کہ مولانا عبد الحامد صاحب بدایونی اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی وغیرہ علماء نے جمع ہو کر ایک نیا جلسہ کیا جس میں سر ظفر اللہ خاں کو وزارتِ خارجہ سے الگ کر دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ مولانا عبد الحامد صاحب بدایونی کو جب کراچی میں نظر بند کیا گیا تھا تو مَیں نے کراچی جا کر حاجی خواجہ شہاب الدّین صاحب وزیر داخلہ پاکستان سے کہا تھا کہ آپ نے ایسے عالم کو نظر بند کیا ہے جس نے ساری عمر مسلم لیگ کی خدمات انجام دی ہیں اور خواجہ شہاب الدین صاحب نے اس کو تسلیم کر کے نظر بندی کی میعاد ختم ہونے سے پہلے ان کو رہا کر دیا تھا۔

اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی نسبت تو بھارت کے پانچ کروڑ مسلمانوں اور پاکستان کے سب چھوٹے بڑے مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آج بھارت اور پاکستان میں ان سے زیادہ گذشتہ تاریخ کے نیک و بد حالات کے نتائج پر کسی دوسرے مؤرّخ کی نظر نہیں جاتی۔ پھر مَیں کیونکر یقین کر لوں کہ جو کچھ اخباروں میں چھپا ہے وہ درست ہے؟ اخباروں میں بہت سی غلط باتیں بھی شائع ہو جاتی ہیں۔ مَیں پچاس برس سے اخبار نویسی کرتا ہوں اور آج کل باوجود بینائی خراب ہو جانے کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے سب روزانہ اخبار پڑھتا ہوں اور بھارت اور پاکستان کے عوام کے رُجحانِ طبع اور خیالات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اِس لئے جب مَیں نے مذکورہ خبر پڑھی تو بے اختیار میری زبان سے نکلا خبر غلط ہے۔ مولانا عبد الحامد بدایونی اور مولانا سید سلیمان ندوی کبھی ایسی بے عقلی کا کام نہیں کر سکتے لیکن اَب تک کسی نے اِس خبر کی تردید نہیں کی۔ پاکستان کے اخباروں کو بھی پڑھا ریڈیو بھی سُنے مگر اس خبر کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی۔

اگر سچ مُچ علماء مذکور نے ایسا جلسہ کیا تھا تو مجھے خدا کے سامنے سجدے میں گر کر اور رو رو کر

دُعا کرنی چاہیئے کہ وہ علماء مذکور کو اِس غلط طرزِ عمل سے بچائے اور یا مجھ کو اِس دُنیا سے جلدی اُٹھا لے تاکہ مَیں اپنی مسلمان قوم کی تباہی اور پاکستان کی تباہی نہ دیکھوں جو ایسے غلط کاموں سے ہونی ضروری ہے۔" ؎۱

۶۔ مولوی عبدالحمید خاں صاحب مدیر رسالہ "مولوی" (دہلی) (ذوالحجہ ۱۳۷۱ھ مطابق ستمبر ۱۹۵۲ء) نے حسبِ ذیل اداریہ سپردِ اشاعت کیا:۔

"اَب ذرا ان کو بھی دیکھئے۔ یہ بھی اسی بدنصیب بھارت کے مسلمانوں کے خوش نصیب بھائی ہیں جن پر خدا کا "فضل" ہُوا۔ آزادی ملی، مختار ہوئے، اپنے آپ حاکم بنے، اپنی قسمتوں کے مالک ہوئے۔ جہاں بھارت کے مسلمان آسمانی بَلاؤں، اپنے وطنی بھائیوں کی بے انصافیوں سے پامال ونڈھال وہاں ان ہی کے صدقہ میں پاکستان والے چوتھال نہال نہال اور خوش حال ہوئے۔ ہم نے فاقوں پر بھی بھُوک سے واویلا نہ کی کہ اسلام صبر کی تلقین کرتا ہے۔ ہم نے اپنی بے عزّتی پر بھی بَین نہ کیا کیونکہ قرآن کا فرمان تھا کہ "نہیں آتی تم پر کوئی مصیبت مگر تمہارے ہی ہاتھوں۔" اب بَین کا موقعہ تھا نہ شکوہ کا وقت۔ غم ہے تو یہ اور صرف یہ کہ مسلمان کہیں پیٹ کے لئے دین نہ بیچ دیں اور کمیونزم کے سیلاب میں نہ بہہ جائیں کہ اس سے بھُوک تو مٹے گی۔ تن پوشی تو ہو گی مگر بہت بڑی قیمت دے کر" ایمان و اسلام"۔

ہم سر جوڑ کر بیٹھنے کے سَو سَو جتن کرتے ہیں۔ لڑنا بھُول گئے۔ ایک دوسرے کے آنسو پونچھتے ہیں کہ اللہ کو راضی کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے بلکہ شاید یہی ایک طریقہ ہے۔ جب سیلاب آتا ہے تو شیر اور بھیڑ دونوں برابر کھڑے ہو جاتے ہیں تو یہ تو مصائب کا مآل ہے۔

ان کا حال جن کو اللہ نے بندوں سے بے خوفی دی یہ ہے کہ ان کو اللہ کا بھی خوف نہ رہا اور وہ سب کچھ کیا جو اللہ کے پسندیدہ دینِ اسلام کے یکسر خلاف تھا منہیات قبول کرنے کے ساتھ وہ آپس میں بھی شدومد سے دست و گریبان ہونے لگے۔ اگر آنکھیں غافل نہ ہوتیں تو اللہ کی ایک ہلکی سی تنبیہہ کافی تھی کہ اللہ نے ان کا رزق کم کر دیا۔ جو مُلک دوسرے ممالک کو غلّہ فراہم کرتا تھا آج

؎۱ بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور ۱۱ر جولائی ۱۹۵۲ء مطابق ۱۱ر وفا ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۲ ؎

؎۲ ہوشیار۔ چالاک سمجھدار۔ توانا (فرہنگِ آصفیہ)؎

اسے دوسروں سے مانگنا پڑا۔

سُنّی سُنّی سے لڑتا ہے۔ شیعہ سُنّی سے لڑتا ہے اب مرزائیوں اور سُنّیوں کا مقابلہ ہے اور مقابلہ بھی ایسا سخت کہ اب مرزائی مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم اقلیّت اور کافروں سے بھی بدتر۔

یہ کاغذی مولوی فتویٰ دینے کے اہل نہ اس نے فتویٰ بازی کو اپنے صفحات میں جگہ دی۔ اس کو یہ دُکھ ہے کہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے والے پاکستانی غیر مسلموں کو کیا منہ دکھائیں گے؟ غیر مسلم کہتے ہیں کہ " وہ کبھی مسلم حکومت میں بے خوف اور باعزّت نہیں رہ سکتے ہیں۔ ہوگا اسلام صلح کُل اور اسلام قرآن میں ہو تو ہو مسلمانوں میں کم از کم نہیں ہے۔ تمہاری کتنی ہی چھوٹی بڑی حکومتوں میں ایک پاکستان ہی کا تو دعویٰ تھا کہ وہ اسلامی حکومت ہے اور اس کی بُنیاد ہی اس پر رکھی گئی اور تم ناسمجھ بھارت کے مسلمانوں نے اس اسلامی حکومت کے لئے اپنی زندگی خراب کر لی۔ اچھا احمدی ہم ہی جیسے غیر مسلم سہی تو کیا اسلام کہتا ہے کہ اپنے غیر مسلم محکوموں کے جان لیوا بن جاؤ۔ ان کی عزّتیں خاک میں ملاؤ۔ ان سے نوکریاں واپس لے لو۔ پرسشتانہ[1] کرے اگر ان کو پُورا بنگال، آسام اور پُورا پنجاب مل جاتا تو ہمارا کیا بناتے۔ بتلائیے ہمارے پاس کیا جواب ہے؟ ہم شرم سے نیچی گردنیں کر لیتے ہیں وہ تو یہی کہتے ہیں کہ ہم احراریوں کو لیگیوں سے بدرجہا بہتر سمجھتے تھے لیکن یہ بھی حکومت ملتے ہی ننگے ہوئے اور ہندو مسلم بھائی بھائی کہتے نہ تھکنے والے آج مسلم مسلم قصائی قصائی بن رہے ہیں۔"

ایک تو ہم پر فاقوں کی بھرمار دوسرے بے عزّت اور بے کار اس پر ان طعنوں کی بوچھاڑ ہمارا ہی دِل گُردہ ہے کہ یہ سب سہہ رہے ہیں۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔ کبھی کبھی تو ہمارے دِل میں وسوسہ اُٹھنے لگتا ہے کہ ہمارے غیر مسلم بھائی جو مسلمانوں کے عمل سے اسلام کو بُرا سمجھتے ہیں کہیں یہ سچ تو نہیں ہے۔

شیعہ، سُنّیوں، وہابی اور بِدعتیوں میں پہلے ... ہی یہ انتشار کیا کم تھا کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھتے تھے۔ ایک دوسرے کے ہاں شادی نہ کرتے تھے اور یہی بیوپار قادیانیوں سے بھی تھا۔ یہ افتراق نجی تھا منظرِ عام پر نہ آتا تھا کہ ایسی ہُلّڑ بازی ہوتی تھی کہ غیر مسلموں کو طعنہ زنی اور نشتر چبھونے کا موقعہ ملتا۔ آج پاکستانیوں نے اس کو بھی اُجاگر کر کے اور ہمارا جینا دوبھر کر دیا۔

---

[1] (نقل مطابق اصل پُرسا ہو گا جس کے معنٰی عذر خواہی اور ماتم پُرسی کرنے کے ہیں۔ (فرہنگِ آصفیہ)

مذہبی موشگافیاں فتوے سازوں کو مبارک۔ اِس کاغذی مولوی کو اس میں دخل نہیں۔ مَیں یہاں اپنے غیرمسلم بھائیوں سے موقعہ بہ موقعہ اسلام کی رواداریوں اور خوبیوں کا بقدر استطاعت ذکر کرتا رہتا تھا اور چاہتا تھا وہ مسلمانوں کو چاہے بُرا کہیں لیکن اسلام کی خوبیوں کے قائل ہو جائیں۔ ان میں سے ایک بھائی میرے چڑانے کو کہیں سے الفضل کا خاتم النّبییّن نمبر[1] اُٹھا لائے اور مجھ سے فرمایا۔ مولوی جی! ذرا اس کا پہلا پیج پڑھنا۔ یہ آپ کے دکھانے کو لایا ہوں۔ دیکھئے اِس میں لکھا ہے:۔

"ہم سچّے مسلمان ہیں" جماعتِ احمدیہ کسی نئے مذہب کی پابند نہیں بلکہ اسلام اس کا مذہب ہے اور اس سے ایک قدم اِدھر اُدھر ہونا وہ حرام اور موجبِ شقاوت خیال کرتی ہے اِس کا نیا نام اس کے نئے مذہب پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کی صرف یہ غرض ہے کہ یہ جماعت ان دوسرے لوگوں سے جو اسی طرح اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں ممتاز حیثیت سے دُنیا میں پیش ہو سکے.... غرض ہم لوگ سچّے دِل سے مسلمان ہیں اور ہر ایک ایسی بات کو جس کا ماننا ایک سچّے مسلمان کے لئے ضروری ہے مانتے ہیں اور ہر وہ بات جس کا ردّ کرنا ایک سچّے مسلمان کے لئے ضروری ہے اسے رَدّ کرتے ہیں اور وہ شخص جو باوجود تمام صداقتوں کی تصدیق کرنے کے اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو ماننے کے ہم پر کُفر کا الزام لگاتا ہے اور کسی نئے مذہب کا ماننے والا قرار دیتا ہے وہ ہم پر ظلم کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے حضور میں جواب دِہ ہے۔ انسان اپنے مُنہ کی بات سے پکڑا جاتا ہے نہ کہ اپنے دِل کے خیال پر۔ کون کہہ سکتا ہے کہ کسی کے دل میں کیا ہے؟ جو شخص کسی دوسرے پر الزام لگاتا ہے کہ جو کچھ یہ مُنہ سے کہتا ہے وہ اس کے دل میں نہیں ہے وہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ دِلوں کا حال جاننے والا صرف اللہ ہے اس کے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کسی کے دِل میں کیا ہے۔" (دعوۃ الامیر[2] صفحہ ۱، ۲)

پھر فرمانے لگے کہ مولوی جی! سُن دسو۔ اگر یہی بات پُوری کی پُوری مَیں کہوں تو کیا آپ مجھے مسلمان نہیں کہیں گے اور مجھے اپنا دینی بھائی نہیں جانیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر مجھ پر اتیاچار ہو اور یہ کہا جائے کہ تم مسلمان نہیں ہو تو کیا یہی اسلام کی تعلیم ہے؟ اور مَیں نے سُنا ہے کہ غیر مسلم کو مسلمان

---

[1] پرچہ ۲۷ جولائی ۱۹۵۲ء ٭ [2] تالیف حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ (۱۹۲۴ء)

کرتے وقت یہی تو اس سے کہلواتے ہیں۔ میں دم بخود رہ گیا۔ کہا شرماجی اِس میں ایک بات یہ ہے کہ وہ ہمارے رسُول کو خاتم الانبیاء نہیں مانتے۔ انہوں نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا اور کہا بھلا اِس فقرے میں یہ بات نہیں آتی "اسلام اس کا مذہب ہے اور اس سے ایک قدم اِدھر اُدھر ہونا حرام اور مُوجبِ شقاوت خیال کرتی ہے۔" کیا خاتم الانبیاء کی تصدیق کے لئے یہ کافی نہیں ہے اور جناب اِس فقرے میں کیا خاتم الانبیاء کی تصدیق نہیں ہے۔ "ہم لوگ سچے دِل سے مسلمان ہیں اور ہر ایک ایسی بات کو جو ایک سچے مسلمان کے لئے ضروری ہے مانتے ہیں اور ہر وہ بات جس کا رَدّ کرنا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے اسے رَدّ کرتے ہیں۔" اب مَیں بالکل خاموش تھا۔ کہنے لگے کہ اگر مَیں مسلمان ہونا چاہوں تو اتنی بات کہہ دینی مسلمان ہونے کے لئے کافی سمجھتا ہوں۔ پھر قہقہہ لگایا اور کہا دیکھئے اب کیا فرمائیں گے آپ جناب مولوی صاحب!!! احمدیوں کے امام کے بیانات پر جو اِسی پرچہ کے صفحہ ۸۷ پر درج ہیں۔ انہوں نے ۲۷ جگہ اقرار کیا ہے کہ آپ کے رسول خاتم الانبیاء ہیں۔ اور سُرخی دیکھئے "مجھ کو خدا کی عزّت و جلال کی قسم کہ مَیں ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں سے افضل اور خاتم الانبیاء ہیں۔"

ایک غیر مسلم کو سمجھانے کے لئے میرے پاس کیا تھا؟ پسینہ آگیا کہ اب یہ میرے مسلمان ہونے اور اسلام کے گُن گانے پر ہمیشہ قہقہہ ہی لگائیں گے پھر مَیں کیونکر اسلام کی رواداری پر بحث کرسکوں گا۔ شرماجی کو تاریخِ اسلام پڑھنے کی کیا ضرورت ان کے تو آنکھوں کے سامنے مملکتِ اسلامی پاکستان کی جیتی جاگتی تاریخ موجود ہے۔

ہمارے سُورما بھائیو اگر اس کی تہہ میں کوئی سیاسی جوڑ توڑ تھا تو ویسے ہی داؤ پیچ کرتے، ہماری گردنیں تو یہاں کے غیر مسلموں کے سامنے خَم نہ ہوتیں اور ہم ان کی زبان سے اسلام رُسوا ہوتا نہ دیکھتے۔

یہ ہیں ہمارے ابتلاء اور یہ ہیں ہماری مشکلات جن سے ہم اَور مایوس و ہراساں ہوجاتے ہیں اور اے پاکستانی بھائیو آپ کی اِن باتوں کا کوئی ڈیفنس نہیں کرسکتے۔

ہم نے آپ کے لئے اپنی ساری آسودگیاں نذرِ تباہی کیں۔ ہر مُشکل پر صابر و ضابط رہے۔ آپ سے کوئی مدد نہیں چاہی۔ آپ سے کسی ہمدردی کی توقع نہیں رکھی۔ جو بچے، بیویاں، مائیں، بہنیں

ہم سے جُدا ہو کر آپ کے زیرِ نگیں آئیں ہم نے تو ان کے مصائب پر بھی آپ کو متوجہ نہیں کیا اور بس

مرا بخیر تو امید نیست، بد مرساں " [1]

احرار کا مطالبۂ اقلیت اور شیعانِ پاکستان

احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مطالبہ پر پاکستان میں اہلِ تشیّع کے مشہور آرگن "دُرِّ نجف" (۲۴ر اگست ۱۹۵۲ء) میں ایک شیعہ دوست کا حسبِ ذیل مکتوب شائع ہوا:۔

" مَیں اتفاق بَین المسلمین کا ہمیشہ حامی رہا ہوں اور رہوں لیکن صرف معاملات معاشرت اور حدودِ سیاست تک۔ ہمارا مذہبی اتحاد نہ کسی فرقہ سے ممکن ہے نہ آج تک ہو سکا۔ جب ہمارے اصولِ دین ہی کسی سے متّحد نہیں تو دینی اتحاد کے کوئی معنی نہیں۔ اِس لئے گذارش ہے حدودِ پاکستان میں جو خلفشار سوادِ اعظم اور جماعتِ قادیانیہ کے درمیان اس وقت نظر آ رہا ہے اور اہلِ سُنّت زُعمِ اکثریّت میں قادیانیوں پر حملے کر رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے یہ ان کی پُرانی روایات ہیں جن کا دُہرانا اگر فرض نہیں تو سیرتِ شیخین کے لحاظ سے سُنّت ضرور ہو گا۔ سوادِ اعظم نے جب جہاں کسی کو کمزور دیکھا بڑھ گئے۔ دبا لیا تو شیر ورنہ میدان چھوڑ بھاگے۔

قادیانی جماعت کوئی اجنبی جماعت نہیں سوادِ اعظم کی ایک شاخ، عقائد و اعمال میں ہم خیال، توحید۔ رسالت۔ امامت۔ قیامت میں سارے معتقدات قریب قریب یکساں، عبادات ملتے جلتے ہیں فرقۂ حقّہ امامیّہ کو نہ ان سے واسطہ نہ ان سے مطلب۔ پھر قادیانیوں کے ویسا ورلھی یہی ہیں جتنا مال اُٹھایا اسی منڈی سے۔ خدا کا شکر ہے ہماری جماعت پر نہ کسی فرقۂ باطلہ کا اثر اب تک ہو سکا نہ آئندہ بتصدق ائمۂ اطہار علیہم السّلام اندیشہ ہے۔

اِن حالات میں علماءِ شیعہ کا ختمِ نبوّت کے نام پر ان برادرانِ یوسفؑ سے تعاونِ عمل کیسا؟ کیا اطمینان ہو گیا؟ یہ لوگ ہمارے دوست بن گئے۔ ان کے دِلوں سے فرقۂ شیعہ کی عداوتِ دیرینہ نکل گئی؟ حکومتِ بنی امیّہ و بنی عباس کے روایات دُہرائے نہیں جا سکتے؟ قادیانیوں پر کُفر کے فتوے شائع کرنے والے ہم کو مسلمان سمجھنے لگے؟ انہوں نے اپنے سابقہ فتووں سے توبہ کر لی؟ ان کی غلطی

---

[1] رسالہ "مولوی" دہلی ذوالحج ۱۳۷۱ھ مطابق ستمبر ۱۹۵۲ء بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور ۱۹ر ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۵

کا اعتراف کر چکے؟ عزاداریٔ سید الشہداء علیہ السّلام کو بدعت کہنا چھوڑ دیا؟ اگر یہ سب کچھ نہیں ہُوا تو آپ حضرات کا ان سے کسی معاملہ میں تعاون کیا معنی رکھتا ہے؟

تعجّب ہے جو لوگ رسولِ خداؐ پر طرح طرح کے الزامات، قسم قسم کے اتہامات لگاتے رہے پیغمبرِ اسلامؐ کو (معاذ اللہ) خاطی، گنہگار وغیرہ وغیرہ قرار دے کر نبوتؐ رسالتؐ تو درکنار آپ کی شرافت و نجابت سے بھی انکار کرتے رہے خدا جانے آج اثباتِ ختمِ نبوت پر کس مُنہ سے تیار ہوئے ہیں؟ اور اس سے زیادہ تعجّب خیز و حیرت انگیز علمائے شیعہ کا ان سے تعاون ہے۔ اگر ایک خاطی غیر معصوم جس کی حیثیت بڑے بھائی سے زیادہ نہ ہو اس کی ختمِ نبوّت تو درکنار اصل نبوّت ہی ثابت نہ ہو تو کیا تعجب؟ بالخصوص جبکہ اس جماعت کے سرپرست مولوی عنایت اللہ شاہ بخاری، مولوی محمد علی صاحب جالندھری، مولوی لعل حسین اختر جیسے حضرات ہوں تو ہمارا تعاون حیرت بالائے حیرت ہے[۱]۔ یہ

[۱] ۳ر جولائی ۱۹۵۵ء کی بات ہے کہ کوٹ سمابہ تحصیل و ضلع رحیم یار خاں میں ایک مناظرہ ہوا جس میں شیعہ عالم جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجرہ نے حضرت امام علی القاری رحمہ اللہ کی یہ عبارت پڑھی۔

"فلا یناقض قوله تعالیٰ خاتم النّبیّین اذا لمعنی انه لا یأتی نبی بعده ینسخ ملته ولم یکن من امته۔" (موضوعات کبیر صفحہ ۵۸، ۵۹) یعنی حضور کے بعد کسی نبی کا آنا خدا کے قول خاتم النّبیّین کے مخالف نہیں ہے۔ اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ حضور کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپ کی مِلّت کو منسوخ کر دے اور آپ کی اُمّت میں سے نہ ہو۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے یہ حوالہ پیش کرنے کے بعد کہا " یا معشر العلماء باللہ خبروا۔ اواحرار وتنظیم کے عالمو! تاج و تختِ ختمِ نبوّت کے جھوٹے محافظو! خدا لگتی کہو کہ مُلّا علی قاری اور مرزا قادیانی کے ترجمہ میں کیا فرق رہا۔ اگر مرزا قادیانی کافر ہے تو مُلّا علی قاری کیا ہیں؟ یہ ہے تمہاری ختمِ نبوّت جس کے لئے عوام کو لوٹتے پھرتے ہو۔"

("معیار الصحابہ" مرتبہ جناب خادم بخاری صاحب۔ ناشر شیعہ دار التبلیغ گوجرہ ضلع لائلپور)

ہر سہ حضرات تقریباً تین سال ہوئے جلیانی متصل بھریا روڈ (سندھ) آئے تو اپنی تقریر میں کہا خلفائے راشدین تو بڑی چیز ہیں اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی کوئی شخص گستاخی کا کلمہ کہے تو کافر خارج از اسلام۔ اس پر سیّد امام علی شاہ صاحب رئیس بھریا بستی سے بحث ہوئی۔ دوران بحث میں فدک کا ذکر آ گیا تو انہی مولوی صاحبان نے برجستہ کہا "حضرت ابوبکرؓ حق پر تھے بی بی فاطمہ زہراؑ کی سخت غلطی تھی جو ناجائز دعویٰ لے کر ان کے پاس گئیں"۔ ان خیالات اور ایسے دریدہ دہن لوگوں سے علماءِ شیعہ کا اتحاد کسی جگہ ممکن ہے؟ مولوی محمد علی صاحب جالندھری نے جامع مسجد خیرپور میرس میں اہلبیت رسول علیہم السّلام کی شان میں جس قدر سبّ وشتم کر کے شیعوں کی دلآزاری کی اہلِ خیرپور ہی خوب واقف ہیں۔ بالخصوص معصومۂ عالم کی ذات پر جو ناروا الزامات لگائے بس خدا کی پناہ۔ آج تک اہالیانِ خیرپور بے چین ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی تعاون درست ہے؟ حضرات علماء کرام کو سمجھتے رہنا چاہیئے کہ قادیانیوں سے ان کی ناچاقی ان کا گھریلو معاملہ ہے کسی سیاسی مصلحت سے ناراض ہو گئے تو اپنی کمزوری محسوس کر کے آپ حضرات کو اپنا ساتھی بنانے کی کوشش کی۔ آؤ بھگت کر کے ریاکاری کا مکمل مظاہرہ کر رہے ہیں جانتے ہیں کہ قادیانی علماء کا ہم مقابلہ نہیں کر سکتے ان کا مُنہ توڑ جواب اگر دے سکتے ہیں تو علمائے شیعہ اِس لئے آپ کو ہر تدبیر سے ہمنوا بنا کر وقتی کام نکالنا چاہتے ہیں اور وقت نکل جانے پر حسبِ دستورِ قدیم آنکھیں پھیر جائیں گی۔ غنیمت ہے اِس وقت سوادِ اعظم اور ہمارے درمیان یہ قادیانی موجود ہیں اگر کبھی ان کو اس گروہ سے فرصت ملی تو دوسرا قدم ہمارے سروں پر رکھنے کی کوشش کریں گے۔ وہی ہتھیار جو آج قادیانیوں کی گردن پر چلا رہے ہیں کل کو براہِ راست دوبارہ تیز کر کے ہماری گردنوں پر چلائیں گے جس طرح انکارِ خاتمیّت کی وجہ سے قادیانیوں پر کُفر کے فتوے لگائے جا رہے ہیں کل کو انکارِ خلافتِ ثلاثہ کی وجہ سے ہم پر صادر ہو کر مطالبہ پیش کریں گے چونکہ روافض خلفائے راشدین سے حُسنِ عقیدت نہیں رکھتے ان کی خلافت و امامت کے مُنکر ہیں اِس لئے کافر ہیں ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

اِس لئے بصد ادب التجاء ہے کہ آپ اپنی اور اپنی پُوری قوم کی حفاظت کی تدابیر پر غور کریں تاکہ برادرانِ یوسفؑ جب قادیانیوں سے فُرصت پا کر ہماری طرف رُخ کریں تو ہم بھی پُوری طرح سے تیار ہوں۔

آپ حضرات کے لئے یہ فرصت کا وقت اور اپنے تحفظ کے ذرائع پر غور کرنے کا قدرتی موقع ہے اور یہ کام موجودہ تعاون سے زیادہ اہم اور قابلِ توجہ ہے۔ یہ لوگ جائیں ان کے بھائی قادیانی جائیں نہ ہم کو ان سے مطلب جنہوں نے سرہندی کو دوسری ہزار صدی کا مجدّد مانا اور نہ ان سے واسطہ جنہوں نے مرزا غلام احمد کو چودھویں صدی کا مجدّد مان لیا اور نہ ان سے تعلق جنہوں نے خاتم المرسلینؐ کی نبوت کو جبریلِ امین کی طرفداری کا نتیجہ قرار دیا ورنہ حضرت ابوبکرؓ نبی ہوتے۔ نہ ایسے لوگوں سے غرض جو مرزا غلام احمد کو نبی جانتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ سوادِ اعظم نے توہین رسولِ خدا میں کونسی کسر باقی رکھی جو قادیانی پوری کریں گے۔ فقط "۔ ؎۱

احمدی علمِ کلام کی برتری کا بالواسطہ اعتراف اور دلچسپ تجویز

بزرگانِ اُمّتِ محمدیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تحریرات سے چونکہ ختمِ نبوت کے اُن معنوں کی تائید ہوتی تھی جو احمدی علمِ کلام نے پیش کئے ہیں۔ اس لئے اُن دنوں بعض غیر احمدی اصحاب نے یہ دلچسپ تجویز پیش کی کہ ہمارے علماءِ کرام کو چاہیئے کہ ہمارے ان بزرگوں کا لٹریچر ہی غائب کر دیا جائے۔ یہ تجویز ایک ٹریکٹ کی شکل میں شائع کی گئی جس کا متن یہ تھا:۔

"یہ عمل کا وقت ہے خاموشی کا نہیں"

برادران!! احرارِ اسلام۔ مولوی عبدالحامد صاحب بدایونی، سید سلیمان صاحب ندوی اور مولوی احتشام الحق صاحب دیوبندی نے مسلمانوں کی ترقی کے لئے ایک کشادہ راستہ کھول دیا ہے یعنی یہ کہ جو لوگ بظاہر مسلمان کہلاتے ہیں لیکن اہلِ سُنّت والجماعت کے عقائد سے یا بالفاظِ دیگر اس وقت کے علماء سے اختلاف رکھتے ہیں انہیں اسلام سے باہر کیا جائے تا آئندہ اختلافات کی کوئی صورت ہی باقی نہ رہے۔ نہ رہے گا بانس نہ باجے گی بانسریا۔ اس عمدہ نسخہ کے ذریعہ سے اُمید ہے کہ آئندہ مصلحت دیکھتے ہوئے مناسب وقت پر بعض اَور فرقوں کو بھی اسلام (سے) باہر کرنے اور اختلاف کا نام و نشان مٹا دینے کی صورت نکلتی رہے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسرے بہت سے ممالک میں جہاں تک ہماری دسترس نہیں یہ کانٹا موجود رہے گا اور اسلام کے وہ معنی نہیں سمجھے جائیں گے جو یہاں کے علماء سمجھتے ہیں بلکہ وہی پُرانے معنے جو امام ابوحنیفہؒ اور بعض دوسرے بزرگوں کی طرف منسوب ہیں سمجھے

؎۱ "دُرِّ نجف" سیالکوٹ ۲۴؍ اگست ۱۹۵۲ء بحوالہ الفضل ۲۶؍ اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۴

جائیں گے لیکن اپنے ملک کو پاک کرنا یہاں کے علماء کا کام ہے۔ باہر والے جانیں ان کا کام جانے۔

موجودہ موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہم سمجھتے ہیں کہ علماء کو پُوری طرح گھر کی صفائی کر دینی چاہیئے مثلاً مرزائی لوگ کہتے ہیں کہ ختمِ نبوّت کے متعلق ہمارا وہی عقیدہ ہے جو مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا تھا جو دیوبند کے بانی تھے اور مولانا احتشام الحق صاحب اور مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے رُوحانی باپ تھے اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی کتاب تحذیر النّاس میں ایسے فقرات موجود ہیں جن کو پڑھ کر یُوں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مرزائی لکھ رہا ہے۔ جب تک یہ کتاب موجود ہے مرزائیوں کو دوسرے مسلمانوں پر غلبہ رہے گا اور موجودہ جدّ وجہد ناکام رہے گی۔ اِس لئے ہمارے نزدیک وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے احرارِ اسلام اور مولانا احتشام الحق صاحب کو اِس بات پر راضی ہو جانا چاہیئے کہ نانوتوی صاحب کی یہ کتاب اور دوسری کتابیں جن میں اِس قسم کا ذکر ہے پاکستان میں ممنوع الاشاعت قرار دی جائیں۔ بے شک مولانا بخاری اور مولانا احتشام الحق کے لئے یہ گھونٹ پینا تلخ ہوگا لیکن اِس بڑے کام کے پُورا کرنے کے لئے جو انہوں نے شروع کیا ہے یہ تلخ گھونٹ پینا کوئی ایسا بڑا کارنامہ بھی نہیں۔ مرزائیوں کو کافر قرار دیا گیا ہے تو ان علماء سے بھی کُھلی برأت کا اظہار کیا جائے جنہوں نے مرزائی عقائد کی تائید کی ہے اور نادانستہ ان کی اشاعت میں ممد ثابت ہوئے ہیں۔ یہ پتّھر تو سخت ہے مگر چاٹنا ہی پڑے گا ورنہ وہ مغرب زدہ مسلمان جو ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی مرض میں مُبتلا ہو گئے ہیں وہ کمزور ایمان والے اپنی عقل کے برتے پر شور مچائیں گے کہ جب دیوبندی علماء بھی کہتے چلے آئے ہیں جو یہ مرزائی کہتے ہیں تو ان پر یہ فتویٰ کیوں نہیں لگایا جاتا۔ دِلوں میں ان لوگوں کی بے شک عزّت کی جائے مگر ظاہر میں برأت ضرور ظاہر کی جائے ورنہ یہ مہم ناکام رہے گی۔

ہاں ایک اَور مُشکل ہے اور وہ یہ کہ خالص حنفی طبقہ کے علماء نے بھی کچھ اسی قسم کی حرکات کی ہیں۔ مُلّا علی قاری جن کو عقائد کے بیان میں امام ابو حنیفہ صاحب سے کچھ ہی کم مرتبہ دیا جاتا ہے اور مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی نے جو احنافِ ہند کے لئے گویا شیخ المشائخ کا رُتبہ رکھتے ہیں اسی قسم کے الفاظ اپنی کتابوں میں لکھ دئے ہیں جو مرزائی کہتے ہیں اور مرزائی ان کتب کو دکھا دکھا کر کہتے ہیں کہ یہ لوگ اِن عقیدوں کے باوجود بزرگ اور امام اور ہم کافر اور مُرتد؟ آخر یہ فرق کیوں؟ اور یہ مغرب زدہ مسلمان اِس دلیل کو سُن کر متاثر ہو جاتے ہیں حالانکہ عقل انسان کو علماء کی تائید کے لئے ملی ہے نہ کہ

ان کی مخالفت کے لئے مگر بہرحال اس مغربیت کی مرض کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اِس لئے اگر کسی نہ کسی رنگ میں ملّا علی قاریؒ اور مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کی کُتب کو بھی ضبط کر لیا جائے تو یہ ایک بڑی دینی خدمت ہوگی اور اس سے احرارِ اسلام جیسے مجاہدین کو بڑی تقویت پہنچے گی۔

مگر ایک اور بات بڑی مشکل ہے اس کا علاج ذرا جان جوکھوں کا کام ہے مگر احرارِ اسلام ارادہ کرلیں تو وہ بھی کوئی ایسی بڑی بات نہیں اور وہ یہ کہ ہمارے ملک میں پیروں فقیروں کا بہت زور ہے اور یہ لوگ محی الدین صاحب ابنِ عربیؒ معین الدین صاحب چشتیؒ اور خواجہ میر درد صاحبؒ کے ذرا ضرورت سے زیادہ معتقد ہوتے ہیں اور ان بزرگوں نے بھی اپنی کتب میں ویسی ہی باتیں لکھی ہوئی ہیں جیسے مرزائی کہتے ہیں حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ نے تو اپنے آپ کو مسیح تک کہہ دیا ہے اور اپنے اُوپر جبرائیل کے اُترنے اور ان پر وحی نازل کرنے تک کا دعویٰ کر دیا ہے۔ اِن حوالوں سے مرزائیوں کو بہت تقویت ملتی ہے اور ان حوالوں کو سُن کر صوفیوں کے شاگرد اور معتقد چلّا اُٹھتے ہیں کہ ان بزرگوں کو کافر کہیں یا مرزائیوں کو مسلمان اور پھر گھبرا کر کہہ اُٹھتے ہیں کہ ان بزرگوں کو تو کافر کہنا مشکل ہے اِن مرزائیوں کو ہی مسلمان سمجھ لیتے ہیں۔ اب اس شر کا ازالہ یہی ہے کہ کم سے کم مرزائی فتنہ کے استیصال تک اِن بزرگوں کی کتب کو پاکستان میں ضبط کر لیا جائے اور داخلہ ممنوع قرار دیا جائے تاکہ مرزائی ان سے فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔ اور تمام مساجد میں علماء یہ خطبہ پڑھیں کہ بعض ضروری مصالح کی وجہ سے اِن کتب کا پڑھنا ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔ کم سے کم عقل کی مرض میں مبتلا ان کو ہرگز نہ دیکھیں۔ اِس وقت مسلمانوں کی تو وہی حالت ہے کہ

ع اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

چند سال ہوئے ایک شخص نے شیخ شلتوت پروفیسر جامعہ ازہر و صدر مجلس افتاء سے پُوچھا کہ قرآن کی رُو سے مسیح زندہ ہیں یا فوت ہوگئے؟ تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ قرآن کی رُو سے مُردہ ہیں۔ ان کی توجہ جب اس طرف پھرائی گئی کہ مولانا علماءِ ہند تو متوفّیك کے معنی موت کے نہیں کرتے تو انہوں نے اِس اشارہ کو بھی نہ سمجھا اور صاف لکھ دیا کہ غیر عرب جو عربی نہیں جانتے (یہ ہتک کی ہمارے علماء کی) جو چاہیں معنے کریں ہم عرب لوگ جن کی مادری زبان عربی ہے متوفّیك کے معنے وفات دینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ اس پر بھی جب فتویٰ پُوچھنے والے نے کہا کہ اِس فتوے سے

مرزائیت کو تقویت پہنچتی ہے تو انہوں نے یہ جواب لکھ کر بھجوا دیا کہ مجھے اس سے کیا کہ اس فتویٰ سے مرزائیت کو تقویت پہنچتی ہے میں نے تو وہ فتویٰ دیا ہے جو قرآن سے ثابت ہے۔ اگر موجودہ دَور کے علماء بھی مصلحتِ وقت کو نہیں سمجھ سکتے اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے کے لئے تیار نہیں تو ان علماء سے اِس دُنیا میں کیا فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے؟

یہ وقت کام کا ہے ہمیں سب پُرانے بزرگوں کا ایسا لٹریچر غائب کر دینا چاہیئے جس سے مرزائی فائدہ اُٹھا سکیں۔ آخر ان بزرگوں سے ہم نے اب کیا فائدہ اُٹھانا ہے؟ انہوں نے جو کچھ لکھنا تھا لکھ چکے اور فوت ہو گئے کام تو اَب احرارِ اسلام آئیں گے۔ کوئی الیکشن لڑنا پڑا یا باہمی مناقشتوں میں استمداد کی ضرورت ہوئی تو آخر یہی کام آویں گے پس انہی کی تائید ہمیں کرنی چاہیئے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو موجودہ علماء کے فتووں سے مرزائیوں کا کچھ نہ بگڑے گا مسلمان فطرتاً بہادر اور شریف الطبع واقع ہوا ہے وہ ان فتووں سے متأثر ہو کر اور زیادہ تحقیق کرنے لگ جائے گا اور مرزائیوں کے قتل اور ان کے بائیکاٹ کا نتیجہ یہ ہو گا کہ شریف اور بہادر مسلمان مظلوم کی حمایت کے جذبہ سے متأثر ہو کر کھڑا ہو جائے گا۔

پس اس وقت کے آنے سے پہلے سب ایسا لٹریچر غائب کر دینا چاہیئے۔ نہ وہ لٹریچر ہو گا نہ مرزائی اُسے مسلمانوں کو دکھا سکیں گے۔

خاکسار

کامریڈ محمد حسین پریذیڈنٹ انجمن نوجوانانِ اسلام

پاکستان پنجاب لاہور

فصل چہارم

● سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا اخبار ”لنڈن ڈیلی میل“ کے نمائندہ کو اہم انٹرویو ● پنجاب مسلم لیگ کا اجلاس لاہور ● ”اراکین پنجاب مسلم لیگ کی خدمت میں چند معروضات“ ● وزیرِ اعلیٰ پنجاب کا احمدیوں سے متعلّق موقف اور حضرت مصلح موعودؓ کا بیان۔

حضرت مصلح موعودؓ کا نمائندۂ ”ڈیلی میل“ کو ایک اہم انٹرویو

احرار نے احمدیوں کے خلاف تحریک تو جماعتِ احمدیہ کو بدنام کرنے کے لئے اُٹھائی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اسے جماعتِ احمدیہ کی تبلیغ اور اس کی عالمی شُہرت میں اضافہ کا موجب بنا دیا چنانچہ جب مطالبۂ اقلیّت کا زور بڑھا اور احرار بعض مسلم لیگی عہدیداروں اور ممبروں کو بھی متأثر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو بیرونی پریس نے بھی دلچسپی لینا شروع کردی۔ اسی کی ایک کڑی اخبار ”لنڈن ڈیلی میل“ کے نمائندہ خصوصی (میاں محمد شفیع صاحب) کا اہم انٹرویو ہے جو انہوں نے ربوہ میں جولائی ۱۹۵۲ء کے تیسرے عشرہ میں حضرت مصلح موعودؓ سے لیا۔ اصل انٹرویو انگریزی میں چھپا جو ضمیمہ میں درج کیا گیا ہے جس کا اُردو ترجمہ یہاں لکھا جاتا ہے۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد نے لنڈن ڈیلی میل کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے اتوار کو فرمایا:۔[1]

مجھے یقین ہے کہ احمدیوں کے خلاف موجودہ ایجی ٹیشن میں ہندوستان کا مخفی ہاتھ کام کر رہا ہے۔

---

[1] یہ انٹرویو ”سول اینڈ ملٹری گزٹ“ لاہور میں بھی شائع ہوا۔

آپ نے بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ان کے پاس اس کا حتمی ثبوت موجود ہے جسے متعلقہ حکام کو مناسب وقت پر پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔

اگر پاکستان کی ہائی کمان نے ان کی جماعت کو اقلیت قرار دینے کا فیصلہ کر دیا تو انہیں اپنی جماعت کو یہ حکم جاری کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ ہوگی کہ وہ اپنے آپ کو احمدی نہ کہیں بلکہ مسلم کہیں۔

ڈیلی میل کے میاں محمد شفیع کو خصوصی بیان دیتے ہوئے جماعتِ احمدیہ کی قادیانی شاخ کے تریسٹھ سالہ سربراہ نے اِس الزام کی سختی کے ساتھ تردید کی کہ طاقت کے زور پر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے انہوں نے کسی قسم کا کوئی منصوبہ بنایا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ احمدیت کوئی سیاسی نظریہ نہیں ہے ہماری جماعت تو مذہبی جماعت ہے۔ احمدیوں اور غیر احمدیوں کی موجودہ کشمکش کے پیشِ نظر صرف ایک دیوانہ ہی احمدیوں کے لئے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا سوچ سکتا ہے۔

آپ نے بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر بفرضِ محال یہ مان ہی لیا جائے کہ یہ چھوٹی سی اقلیت طاقت سے سیاسی اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی جاتی ہے تو اگلے ہی دن غیر احمدیوں کی شدید مخالفت کے پیشِ نظر اسے چھوڑنے کے لئے تیار بھی رہنا چاہیئے۔

سوال:۔ کیا یہ فرض کرنا صحیح ہوگا کہ حکومت کے ساتھ تصادم کے نتیجہ میں حکومت کے احمدی ملازم آپ کی اطاعت کو حکومت کے احکام پر ترجیح دیں گے؟

جواب:۔ حکومتِ وقت کے ساتھ وفاداری ہمارے مذہب کا جزو ہے۔ اگر کسی وقت بھی میرے ساتھ ایسے تصادم کا وقت آجائے جس سے احمدیوں کی حکومتِ وقت کے ساتھ اطاعت پر آزمائش آجائے تو اُسی لمحہ بحیثیت خلیفہ اپنا موجودہ مقام چھوڑنے کے لئے مجھے تیار رہنا چاہیئے۔

اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا ہم کسی ایسی ملکی حکومت کے خلاف کبھی کوئی غیر قانونی اقدام نہیں کریں گے جو قانون کے ذریعہ قائم کی گئی ہو۔

احمدیوں کے خلاف اِس ملک گیر تحریک کے خلاف کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا جائے مرزا صاحب نے فرمایا: "مجھے یہ پسند نہیں اور اس لئے پسند نہیں کہ ہمیں اِس سے کوئی نقصان ہوگا بلکہ اِسلئے کہ اس سے اسلام بدنام ہو جائے گا۔

اِس کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

ہماری جماعت بین الاقوامی طور پر ترقی پذیر جماعت ہے اور تبلیغی کاموں کی وجہ سے ہم اسلام اور مسلمانوں کے لئے کئی شاندار کام سرانجام دیتے ہیں۔ اگر ہمیں مسلمانوں سے علیحدہ ایک اقلیت قرار دے دیا جائے تو ممالکِ بیرون میں ہمارے کاموں میں روک پیدا ہوگی اور اسے مجموعی طور پر ایک مسلم قوم کی کوشش نہیں سمجھا جائے گا بلکہ یہ ایک علیحدہ مذہبی فرقہ کا کام سمجھا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی احمدیوں اور دیگر مسلمانوں کے درمیان ایک ناقابلِ عبور خلیج بھی پیدا ہو جائے گی

اِس پر نہایت ذہین لیڈر نے یہ سوال کیا کہ پھر مجوّزہ احمدی اقلیت کے لئے کونسی حدود مقرر کی جائیں گی ؟

ہیئتِ حاکمہ نے اگر جماعت کو اقلیت قرار دیا تو مَیں یہ حکم جاری کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کروں گا کہ ہم اپنے ساتھ احمدی کا نام ترک کر دیں اور صرف مسلم کہلائیں۔

آپ نے فرمایا کہ ہماری مذہبی کتب میں لفظ احمدی ہمارے لئے قطعی (یا لازمی) نہیں۔ یہ نام بانیٔ سلسلہ نے اپنے معتقدین کو مردم شماری کے لئے اپنی زندگی میں صرف امتیاز کے لئے استعمال کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔

فرض کریں کہ حکومت آپ کی انجمن کو سیاسی جماعت قرار دے کر غیر قانونی قرار دے دیتی ہے اس وقت آپ کا رویّہ کیا ہوگا ؟ تو آپ نے فرمایا کہ مَیں انجمن کا نام تبدیل کر دوں گا لیکن حکومت کے ساتھ تصادم نہیں ہونے دوں گا۔

اِسلامی مملکت پاکستان میں آپ سے دریافت کیا گیا کہ فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں بھی آپ مکمّل مذہبی آزادی کی حمایت کریں گے ؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ایک اسلامی ریاست میں مکمّل مذہبی آزادی ہوتی ہے۔ اسلام غیر مسلموں سے بھی امّید کرتا ہے کہ وہ اپنے مذہبی اصولوں پر عمل کریں گے۔

آپ نے پھر فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ موجودہ احمدیہ ایجی ٹیشن میں ہندوستان کا مخفی ہاتھ کام کر رہا ہے۔ ہمارے پاس اس کا حتمی ثبوت ہے جسے وقت آنے پر متعلّقہ حکام کے سامنے پیش کرنے کے لئے ہم تیار رہوں گے۔

سوال:۔ کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ ساری دُنیا کے علماءِ اسلام کا ایک کنونشن بُلایا جائے جو احمدیوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کے بارہ میں غور کرے۔

جواب:۔ ہاں بشرطیکہ ہمیں مجوّزہ کنونشن میں نمائندگی دی جائے۔

سوال:۔ فرض کریں کہ اکثریّت آپ کو عقائد کی بناء پر غیر مسلم قرار دیتی ہے تو کیا پھر بھی آپ اپنے آپ کو مسلمان کہنے پر اصرار کریں گے؟

جواب:۔ ہاں۔ ہم پھر بھی عالمی اسلامی برادری کے ساتھ منسلک رہیں گے[1]

وضاحت مندرجہ بالا انٹرویو کی اشاعت کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے ایڈیٹر سول اینڈ ملٹری گزٹ کو ایک وضاحتی مکتوب لکھا جو جولائی ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں شائع ہوا اس مکتوب کا اُردو ترجمہ حسبِ ذیل ہے:۔

جنابِ عالی! آپ کی بروز منگل ۲۲ ماہِ حال کی اشاعت میں میرے ایک انٹرویو کی رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ میاں محمد شفیع صاحب جنہوں نے انٹرویو لیا ہے ایک آزمودہ کار اور دیانتدار شخص ہیں انہوں نے میرے جوابات کو نہایت احتیاط کے ساتھ ریکارڈ کیا ہے اور معمولی فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے وہی چیز شائع کی ہے جو مَیں نے بیان کی لیکن ایک امر کے بارہ میں کچھ غلط فہمی رہ گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ میاں محمد شفیع صاحب نے یہ اثر لیا ہے کہ ہمارے پاس اِس امر کا حتمی ثبوت موجود ہے کہ احرار کو ہندوستان سے مدد مل رہی ہے لیکن میرا مطلب یہ تھا کہ مجھے بعض لوگوں نے بتایا ہے کہ اُن کے پاس کچھ ثبوت موجود ہے کہ احرار کو سرحد پار سے کچھ مدد مل رہی ہے۔ لیکن میرے پاس اس کی تصدیق کے لئے کوئی طاقت نہیں ہے۔ مَیں نے یہ بھی کہا تھا کہ مجھے بعض لوگوں نے بتایا تھا کہ اُن کے پاس کچھ ایسی اہم باتیں موجود ہیں کہ بعض احراری کارکنان بعض ہندوستانی پارٹیوں سے امداد حاصل کر رہے ہیں ہم ان کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور مَیں نے مزید کہا تھا کہ جب یقینی معلومات حاصل ہو جائیں گی تو ہم مناسب وقت پر یہ معلومات متعلّقہ حکام کے سامنے پیش کر دیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مَیں بدقسمتی سے یہاں

---

[1] ترجمہ از "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور مورخہ ۲۲۔ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ و ۳

یہ بات واضح نہ کر سکا اور دونوں باتیں آپس میں خلط ملط ہو گئیں۔ [1]

پنجاب مسلم لیگ کونسل کا اجلاس لاہور

۲۶-۲۷ جولائی ۱۹۵۲ء کو لاہور میں پنجاب مسلم لیگ کونسل کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں کونسل کے بعض ممبروں کی ان قراردادوں کو زیرِ بحث لایا گیا جن میں حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے۔ [2]

اراکین پنجاب مسلم لیگ کی خدمت میں چند معروضات

اِس موقعہ پر پنجاب پراونشل مسلم لیگ کونسل کے ممبر جناب اصغر بھٹی صاحب بی۔ اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ سرگودھا کی طرف سے بعنوان "اراکین پنجاب مسلم لیگ کی خدمت میں چند معروضات" ایک حقیقت افروز رسالہ شائع ہوا جس میں مطالبۂ اقلیت کی حقیقت واضح کی گئی تھی۔ اس رسالہ کے دو اقتباسات ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں :-

۱۔ "مَیں تو ایک سیدھا سادھا مسلمان ہوں قرآن پاک نے اسلامی زندگی کی بُنیاد چار باتوں پر رکھی ہے۔

ایمان[1] - عملِ صالح[2] - تواصی بالحق[3] - تواصی بالصبر[4]

مَیں نہ قادیانی مرزائی ہوں اور نہ لاہوری۔ نہ میرا شیعہ فرقہ سے تعلق ہے اور نہ ہی کسی اور فرقہ سے مَیں محض مسلمان ہوں جس کا مسلک یہ ہونا چاہیئے کہ وہ حق کے اِعلان میں کسی سے نہ ڈرے۔ نہ تو دُنیا کا کوئی لالچ اس پر غالب آئے اور نہ کوئی خوف۔ مسلمان اگر طمع بھی رکھے تو صرف خدا سے اور ڈرے بھی تو صرف خدا سے۔

پاکستان نوزائیدہ بچہ ہے جس کو معرضِ وجود میں آئے ابھی صرف پانچ سال ہوئے ہیں۔ معمارِ ملّت حضرت قائدِ اعظمؒ نے ہمیں اپنے اندر" اتحاد، یقینِ محکم، عملِ پیہم، محبّت فاتحِ عالم" کی صلاحیتیں پیدا کرنے کی ہدایت فرمائی تھی اور حُکم دیا تھا کہ فرقہ پرستی کا چُغہ اُتار کر اسلام کے نام پر متّحد رہیں تاکہ ہم عالمِ اسلام اور خود اپنے لئے ایک طاقت بن سکیں لیکن ہو یہ رہا ہے کہ وہی سیاسی پارٹی جو

---

[1] ترجمہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" ۲۵ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۳ (متن اور وضاحتی مکتوب شاملِ ضمیمہ ہے)

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء

قیامِ پاکستان کے خلاف تھی اور جس نے حضرت قائدِ اعظمؒ کو کافر قرار دیا تھا ایک نئے لیبل کے تحت ہماری ملّی وحدت اور اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔ ابھی حال ہی میں پاکستانی بنگال میں "بنگالی اُردو" جھگڑا کھڑا کر دیا گیا جس کو اگر حکمتِ عملی سے نہ دبا دیا جاتا تو عین ممکن تھا کہ ہم ایک اندرونی خلفشار میں مُبتلا ہو جاتے جس سے نکلنا اگرچہ ناممکن نہ تھا لیکن محال ضرور تھا۔ یہ سیاسی بساط کے پٹے ہوئے مُہرے یعنی اراکینِ مجلسِ احرار بمصداق "نیا دام لائے پُرانے شکاری" نے ہمارے دیس پنجاب میں مرزائی اور غیر مرزائی کا نیا فتنہ کھڑا کر دیا اور یہی نہیں بلکہ سادہ عوام کو گمراہ کر کے حکومتِ وقت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ "قادیانیوں کو پاکستان کی ایک اقلیّت قرار دیا جائے۔"

سادہ لوح عوام احراریوں کی گذشتہ سیاسی زندگی سے کماحقہٗ آگاہ ہونے کے باوجود جذبات کے سمندر میں بہے جا رہے ہیں اور اِس طرح نادانستہ نظامِ ملّت کو پارہ پارہ کرنے میں ان کے ممدّو معاون ثابت ہو رہے ہیں۔ اِن حالات میں ضروری ہو گیا ہے کہ اعلائے کلمۃ الحق کا فرض ادا کیا جائے اور عامۃ المسلمین کو آنے والے خطرہ سے قبل از وقت آگاہ کر دیا جائے ؎

کھول کر آنکھ میرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دُور کی دُھندلی سی اِک تصویر دیکھ

امتیازِ حق و باطل کی طاقتیں خواہ کس قدر ماند پڑ گئی ہوں تاہم حقیقت ایک ایسی چیز ہے کہ اخلاص کے ساتھ مؤثر انداز میں جب بھی اس کو پیش کیا جائے گا تو سخت سے سخت طبائع بھی اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں گی۔ اِن حالات کے پیشِ نظر میں آپ سے مؤدّبانہ گذارش کرتا ہوں کہ مندرجہ ذیل کوائف کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ کریں اور پھر جائزہ لیں کہ "احرار" اپنے اس مطالبہ میں کہاں تک حق بجانب ہیں۔ کیا ان کا کھڑا کیا ہوا فتنہ کہیں پاکستان کو نیست و نابود کرنے کا ایک دوسرا حیلہ تو نہیں ہے!

۱۔ مرزائیوں کو اقلیّت بنا کر ہم کیا فائدہ اُٹھا لیں گے؟ کیا ہم سیاسی حقوق سے ان کو محروم کر دینگے؟ کیا ہم ان کو تبلیغ سے روک دیں گے؟ کیا عیسائی تبلیغ نہیں کر رہے؟ کیا آریہ سماج تبلیغ نہیں کر رہے؟ کیا بہائی ہمارے ملک میں بیٹھے ہوئے تبلیغ نہیں کر رہے؟ کراچی کے قریبًا تمام ہوٹل ان کے قبضہ میں ہیں۔

وہ قرآنِ کریم کو منسوخ قرار دیتے ہیں اور بہاء اللہ کو خدا تعالیٰ کا مظہر قرار دیتے ہیں مگر وہ تبلیغ کر رہے ہیں اور پاکستان ان کو نہیں روکتا۔ پارٹیشن کے بعد بھی کئی لوگ عیسائی ہوئے ہیں ان کو گورنمنٹ نہیں روکتی اور نہ روک سکتی ہے۔ خود ہم بھی تو ہر ملک میں اسلام کے لئے تبلیغ کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔

۲۔ اگر مرزائی اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہے تو ہمارا ان کو اقلیّت قرار دینے سے بنتا ہی کیا ہے یا پھر ہمیں یہ قانون بنانا پڑے گا کہ کوئی شخص مولویوں کی اجازت کے بغیر اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہہ سکتا اور پھر اگر یہی جھگڑا جاری رہا تو اِس بات کی کون ضمانت دے سکتا ہے کہ آئندہ سُنّیوں اور شیعوں اور حنفیوں اور دیوبندیوں کے خلاف ایسے ہی الزام نہیں لگائے جائیں گے اور ایسی ہی شورشیں نہیں کی جائے گی اور پاکستان میں فتنہ کی خلیج وسیع سے وسیع تر نہیں کی جائے گی؟

۳۔ پھر ایک یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر مرزائی اپنے آپ کو مسلمان کہنے پر اصرار کرتے رہے اور مسلمانوں کے دین پر چلتے رہے تو آپ کو گورنر جنرل سے ایک ایسا آرڈیننس نافذ کرانا پڑے گا کہ جس کی رُو سے کوئی مرزائی اپنا نام مسلمانوں کا سا نہ رکھے، نہ ہی کلمہ پڑھے اگر پڑھے تو اس کی زبان گُدّی سے نکال لی جائے۔ قرآن کو ہاتھ لگائے تو ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ اور اگر مسلمانوں کے قبلہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھے بلکہ مسلمانوں کی طرح نماز بھی پڑھے تو اس کو سخت سزا دی جائے۔ یا اور کوئی اسلامی کام کرے تو اس کو از رُوئے قانون ماخوذ کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ کوئی مہذّب حکومت ایسا قانون نافذ نہیں کر سکتی۔ اور جب یہ حقیقت ہے تو پھر خدارا سوچیں کہ ہم کہاں اور کس طرف جا رہے ہیں۔ آخر دُنیا ہمیں کیا کہے گی؟

۴۔ اِس کے علاوہ ہمیں ایک قربانی اَور دینی پڑے گی اور وہ ہے کشمیر کا ہندوستان سے الحاق۔ ضلع گورداسپور کی قبل تقسیم مسلم اور غیر مسلم آبادی کا تناسب کچھ اِس قسم کا تھا کہ مسلمان نصف سے زیادہ تھے اور غیر مسلم جن میں ہندو، سکھ اور عیسائی وغیرہ سب شامل تھے مِل مِلا کر مسلمانوں کے برابر نہ تھے۔ اِس لحاظ سے یہ ضلع بحیثیتِ مجموعی مسلم اکثریت کا ضلع تھا۔ اِس ضلع میں مرزائی کثرت سے آباد تھے ان کی آبادی کو الگ کر کے شمار کیا جاتا تو پھر مسلمان نصف سے کم رہ جاتے تھے اس صورت میں یہ ضلع غیر مسلم اکثریت کا ضلع ہو کر رہ جاتا تھا۔ چونکہ کانگرس کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ ملانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی اور اس راہ میں گورداسپور کا ضلع بُری طرح حائل تھا کیونکہ

ہندوستان کو کشمیر جانے کے لئے بہر حال گورداسپور سے ہو کر جانا پڑتا تھا اِس لئے کانگرس نے پُورا زور لگایا کہ ضلع گورداسپور بھی ہندوستان میں شامل ہو جائے چنانچہ اُس نے گورداسپور کو غیر مسلم اکثریت کا ضلع ثابت کرنے کے لئے پُوری کوشش کی۔ اس وقت احرار مسلم لیگ کے سخت مخالف بلکہ پاکستان کے نظریے ہی کے قائل نہ تھے اور بڑے سرگرم کانگرسی تھے اس لئے کانگرس نے ان سے خوب فائدہ اُٹھایا اور ان کے پوسٹر اور لٹریچر وغیرہ کمیشن کے سامنے پیش کئے جن میں ثابت کیا گیا تھا کہ مرزائی مسلمانوں سے الگ فرقہ ہیں یعنی خود مسلمان مرزائیوں کو اپنا حصّہ نہیں سمجھتے۔ ظاہر ہے کہ ایسا ثابت ہونے سے مسلم لیگ کو ایک عظیم نقصان کا ڈر تھا چنانچہ اس وقت کے دُوربین قائدِ اعظمؒ اور مسلم لیگ کے رہنماؤں نے اس سازش کو بروقت بھانپ لیا اور اس کے جواب کے طور پر خود قادیانیوں کی طرف سے ایک میمورنڈم ٹربیونل کے سامنے پیش کیا اس میں قادیانیوں نے خود اِس بات کو پیش کیا کہ وہ مسلمانوں کا ایک حصّہ ہیں اور کوئی الگ فرقہ نہیں ہیں یعنی "احرار نے ثابت کرنا چاہا کہ قادیانی الگ فرقہ ہیں اور مسلم لیگ نے ثابت کیا کہ مسلمانوں کا حصّہ ہیں" گو بعد میں ضلع گورداسپور پاکستان کو نہ مل سکا لیکن پاکستان کی یہ دلیل کہ ضلع گورداسپور مسلم اکثریت کا ضلع ہے قائم رہی اور یہ دلیل ایک ایسی مضبوط بُنیاد تھی جس پر آئندہ مسئلۂ کشمیر، نہروں اور بجلی وغیرہ کے مسائل میں پاکستان نے دلائل کی ایک عظیم الشّان عمارت کھڑی کر دی جس کے ساتھ ٹکرا ٹکرا کر ہندوستان کی تمام دلیلیں ٹوٹتی پھوٹتی ہیں۔ آج بھی یہ دلیل قائم ہے اور پاکستان کے ہاتھ میں ایک زبردست ہتھیار ہے جس پر مسئلۂ کشمیر کا دارومدار ہے۔

۵۔ ہندوستان میں اِس وقت پانچ کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ انتہائی کسمپرسی اور قابلِ رحم حالت میں ان کی زندگی کے دن گزر رہے ہیں۔ پاکستان میں اقلیتوں سے جس قسم کا سلوک ہوتا ہے اس کی طرف ان کی ملتجیانہ نگاہیں لگی رہتی ہیں۔ پاکستانیوں کی ذرا سی لغزش ان کے لئے قیامت کا نمونہ بن سکتی ہے۔ اگر مرزائیوں کو محض اقلیت قرار دینے کی بات ہوتی تو کچھ نہ تھا لیکن آج کل خونی مولوی تو برملا اعلان پر اعلان کر رہے ہیں کہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دے کر اِس مُلک سے ہی نکال دیا جائے اور شاید ان کا پیٹ تو اس طرح بھی نہ بھرے گا خواہ ایسا کرنے سے پانچ کروڑ جانیں خطرہ میں پڑ جائیں۔ ذرا غور کیجئے کہ اگر مرزائیوں کو آپ نے اقلیت قرار دے دیا تو آخر ان سے

وہی سلوک ہوگا جو ہندوؤں سے۔ اور ہند و پاکستان میں دو کروڑ ہیں۔ یہ دو کروڑ ہندو کیا پانچ کروڑ مسلمانوں کو زندہ رہنے دے گا؟ کیا یہ دو کروڑ ہندو مسلمانوں کا اپنے میں سے علیحدہ کئے ہوئے فرقہ پر ہوتا ہوا ظلم دیکھ کر اپنے آپ کو محفوظ سمجھے گا؟ کیا وہ اس خدشہ پر ہی آفت نہ لے آئے گا۔ خدارا ذرا تو سوچئے کہ آیا آپ چند لاکھ مرزائیوں پر ظلم کر کے پاکستان کے وجود کو خطرے میں تو نہیں ڈال رہے؟

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را "

۲۔ "کیا یہ حقیقت نہیں کہ مرزائی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ خدا ایک ہے اور رسولِ اکرمؐ خدا کے آخری نبی ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں وہی نماز جس کی حقیقت ہم لوگوں نے کھو دی ہے۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں (جس کا ہم میں اخلاص باقی نہیں رہا) حج کرتے ہیں، ہاں وہی حج جس کے کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ہمارے اور ان کے عقیدہ میں صرف لفظ "نبی" کا اختلاف ہے۔ وہ مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں، ایسا نبی کہ جس کی نبوّت رسولِ اکرمؐ کی غلامی کی رہینِ منّت ہے۔ ہمیں ان کے اِس عقیدہ سے ایک بُنیادی اختلاف ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ نبی کا لفظ سوائے رسُولِ خداؐ کے اُور کسی پر استعمال نہیں ہوسکتا۔ وہی نبیٔ آخر الزماں ہیں ان کے بعد نبوّت کے دروازے ہمیشہ کے لئے مسدُود ہوگئے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا محض عقیدہ کے اِس اختلاف پر ہم ان کو خارج از اسلام قرار دے سکتے ہیں؟ مسلمانوں کے اِس وقت بہتر فرقے ہیں ان میں سے ایسے بھی ہیں جو قرآن کے دس پاروں کو نہیں مانتے۔ بعض ایسے ہیں جو اسلام کے بنیادی ستونوں میں سے چند ایک کو کالعدم قرار دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ مسلمان ہیں اور ہماری حکومت میں اور سوسائٹی میں ایک امتیازی درجہ حاصل کئے ہوئے ہیں اور ہمیں بجا طور پر اُن سے کوئی پرخاش نہیں۔ اگر ایک آدمی اپنے آپ کو مسلمان کہے تو از رُوئے قرآنِ پاک ہم اس کو خارج از اسلام نہیں کر سکتے ہمارے پاس کوئی ایسی طاقت نہیں جس کے تحت ہم ان کو کافر بنا سکیں۔ مذہب کا تعلق دِل سے ہے اور دِل کے بھید سوائے حق تعالیٰ کے اُور کسی کو معلوم نہیں ہوسکتے۔ ہاں اگر مرزا غلام احمد صاحب نے اسلام سے ماوریٰ دعوئ نبوّت کیا ہوتا، قرآن سے انکار کیا ہوتا، کسی آیتِ قرآنی

کو کالعدم قرار دیا ہوتا یا اس میں تبدیلی پیدا کی ہوتی، کوئی نئی شریعت لائے ہوتے حضور سرورِ کائنات کی اطاعت سے آزاد ہو کر کسی نئی نبوّت کا اعلان کیا ہوتا تو ہم حق بجانب تھے کہ ان کو غیر مسلم اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے حالانکہ قرآن کا فیصلہ یہ ہے:۔

"جو لوگ پیغمبرِ اسلام پر ایمان لاچکے ہیں وہ ہوں یا وہ لوگ ہوں جو یہودی ہیں یا نصاریٰ اور صابی ہوں کوئی ہو اور کسی گروہ بندی میں ہو لیکن کوئی بھی جو خدا پر اور اس کے آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس کے اعمال بھی اچھے ہوئے تو وہ اپنے ایمان اور عمل کا اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائے گا۔ اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی"

میرا خطاب حضراتِ احرار سے ہے کہ خدارا پاکستان میں نیا فتنہ نہ پھیلائیے۔ فساد کو اللہ کریم نے قرآنِ حکیم میں قتل سے بھی بڑا جرم قرار دیا ہے اور فتنہ وفساد سے ارضِ الٰہی کو پاک کرنے کے لئے تلوار سے مدد لینے تک کی اجازت دے دی ہے۔ آپ نے قیامِ پاکستان کی مخالفت کی اور اس وقت کی تھی جبکہ ہمیں آپ کی امداد کی اشد ضرورت تھی لیکن آپ جان بوجھ کر دشمنوں کے ہاتھ میں کھیلے، مسلمانوں کی من حیث القوم مخالفت کی۔ حضرت قائدِ اعظم کو کافر قرار دیا اور ان کو طرح طرح کی گالیاں دیں ہم نے یہ سب کچھ سُنا اور سہا کیونکہ اس وقت ہمارا دشمن قوی تھا اور ہم میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ ہم اپنوں کا مقابلہ کرتے لیکن آپ کو اپنے عزائم میں شکست ہوئی اور خدا کے فضل وکرم سے پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔ اب ہمیں ایک عظیم سلطنت کی بنیادوں کو مستحکم کرنا ہے۔ اسلام کے تمام فرقے اسلام کے نام پر متحد ہیں۔ آپ شیرازۂ ملّت کو پارہ پارہ کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور نہ لگائیے۔ مسلم لیگ اسلامی وحدت کی علمبردار ہے اس کو اللہ کریم نے اتنی طاقت بخشی ہے کہ آپ کے ان خطرناک ہتھکنڈوں کو یکسر ناکام بنادے۔

ہاں اگر آپ صدقِ دل سے مرزائیوں کو مسلمانوں کے لئے ایک فتنۂ عظیم سمجھتے ہیں تو آپ تبلیغ فرمائیں وعظ کریں، اعلیٰ اخلاق پیش کریں تاکہ نئی پود مرزائیوں کے جنگل میں نہ پھنسے اور پرانے مرزائی اپنے عقیدہ کو خیرباد کہہ کر آپ کی صفوں میں آملیں۔ آپ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع کردیں تاکہ ہندو، عیسائی اور دوسری خارج از اسلام جماعتیں اسلام کی لذّتوں سے سرشار ہو کر مسلمان ہو جائیں۔

ایک تبلیغی مذہب کے پیرو صرف محبت اور اُسوۂ حسنہ پیش کر کے مخالفین کے دل موہ سکتے ہیں۔ نفرت اور حقارت کا آلہ استعمال کر کے کوئی مبلّغ اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکا حضرات اصُوفیائے کرام کا طریقۂ تبلیغ استعمال کریں کہ کس طرح غیر مُسلموں سے بے پناہ محبت کرلے اور ان کو اپنے ہمہ گیر اخلاقِ حسنہ سے گرویدہ بنا کر دائرۂ اِسلام میں داخل ہونے کی دعوت دیتے تھے اُسوۂ رسُولؐ کو مشعلِ راہ بنائیں۔ کیا اسلام تلوار سے پھیلا ؛ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر فرمائیں کہ کیا آپ کا یہ مطالبہ کہ مرزائیوں کو جو ببانگِ دُہل اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں قانون کے ذریعہ کافر قرار دیا جائے حق بجانب اور نیک نیتی پر مبنی ہے؟

وَمَا عَلَیۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلٰغُ "۔[1]

وزیرِ اعلیٰ پنجاب کا احمدیوں سے متعلّق موقف

مطالبۂ اقلیت پر پنجاب مُسلم لیگ کونسل نے ۸ کے مقابلہ میں ۲۷۲ ممبران کی بھاری اکثریت سے یہ فیصلہ کیا کہ گروہوں اور جماعتوں کو اقلیت قرار دینے کے جُملہ مسائل مرکزی قیادت کی بالغ نظری اور مدبرانہ فراست پر چھوڑ دئے جائیں۔ اِس موقعہ پر پنجاب مسلم لیگ کے صدر میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے اپنی تقریر میں اِس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ آپ نے تمام عواقب سے آگاہ کرنے کے بعد متنبہّ کیا کہ اگر سوچے سمجھے بغیر جلد بازی میں کوئی فیصلہ کیا گیا تو (اِس انوکھے اقدام پر کہ جس کی تاریخِ عالَم میں اور کوئی مثال موجود نہیں ہے) نہ صرف یہ کہ دُنیا پاکستان کا مضحکہ اُڑائے گی بلکہ آئینی اور قانونی لحاظ سے ایسی اُلجھنیں پیدا ہوں گی جنہیں کسی صورت میں حل نہیں کیا جا سکے گا۔ ان کی تقریر کے بعض ضروری اقتباسات درجِ ذیل ہیں۔ انہوں نے کہا :۔

"... جہاں تک اقلیت قرار دینے کا سوال ہے اِس کے متعلق اکثر کونسلر صاحبان نے سیاسی شعور کے لحاظ سے کچھ اچھی سمجھ بُوجھ کا ثبوت نہیں دیا۔ عقائد کی بحث سے قطع نظر اِس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اقلیت قرار دینے کا سوال ایک آئینی اور سیاسی سوال ہے جو بعض دوسرے مسائل کے ساتھ بُری طرح اُلجھا ہُوا ہے۔ آپ لوگوں نے ان جُملہ مسائل اور ان بے شمار پیچیدگیوں پر قطعًا غور نہیں کیا ہے۔ اور جب تک آپ تدبّر اور فراست کے ساتھ ٹھنڈے دِل سے ان پیچیدگیوں کا حل تلاش نہ کر لیں آپ فیصلہ دینا تو کجا مشورہ دینے کے بھی اہل نہیں ہیں

---

[1] "ارکین پنجاب مسلم لیگ کی خدمت میں چند معروضات" مطبع پاکستان پرنٹنگ ورکس ایبک روڈ۔ لاہور۔

اگر پورے غور و خوض کے بعد آپ ان مشکلات پر قابو پانے میں کامیاب ہوگئے تو آپ بے شک مشورہ دے سکتے ہیں تھوڑی بہت سمجھ بوجھ رکھنے کے باوجود میں ابھی تک کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا ہوں یہ امر میرے لئے محال ہے کہ میں چار دن کے جلسے جلوسوں سے متأثر ہو کر دو ٹوک فیصلہ دے دوں، کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے ہمیں تمام پہلوؤں پر غور کرنا ہوگا اور اس کی وجہ سے جو الجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا ہونی لازمی ہیں ان کو بھی حل کرنا ہوگا۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں ان میں سے بعض پیچیدگیوں کا یہاں ذکر کر دوں۔

تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا سوچئے۔ اقلیت سے مراد کیا ہوتی ہے؟ یہی ناکہ ایک ملک میں کچھ ایسے لوگ بستے ہیں جو اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ عام قانون کے تحت ان کے حقوق محفوظ نہیں رہ سکتے تو وہ اپنے لئے اکثریت سے علیحدہ تحفظات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اقوامِ عالم کی تاریخ میں آج تک کوئی اس کی دوسری مثال نہیں ہے کہ اقلیت قرار دئے جانے کا مطالبہ اکثریت والے گروہ کی طرف سے تحفظِ حقوق کے علاوہ کسی اَور شکل میں پیش کیا گیا ہو۔ آپ کو یاد ہوگا کہ متحدہ ہندوستان میں ہندوؤں نے خود کبھی نہیں کہا کہ مسلمانوں کو ہم سے علیحدہ کر دو۔ مطالبہ کیا تو ہم نے کیا کہ ہمیں ہندوؤں سے علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے۔ ہندو یہی چاہتے تھے کہ وہ ہمیں کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ رکھیں اور ہم علیحدہ تحفظات حاصل نہ کر سکیں۔ آج ہم کس مصلحت کی بناء پر تاریخِ عالم اور تمام دستوری روایات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ مسلم اکثریت میں سے ایک حصّہ کو اقلیت قرار دے دیا جائے۔ اِس انوکھے اقدام کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے پاس انتہائی مدلّل جواز ہو ایسا جواز جس سے ہم ہی قائل نہ ہوں بلکہ باقی دُنیا کو بھی قائل کر سکیں۔ آج کل کی دُنیا میں پاکستان الگ تھلگ زندہ نہیں رہ سکتا اس کی زندگی دوسرے ملکوں کے ساتھ تعلّقات پر مبنی ہے۔ ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ کہیں اِس اقدام سے ہماری بین الاقوامی ساکھ پر تو اثر نہیں پڑتا۔ ہمارے خلاف پہلے ہی یہ جھوٹا پراپیگنڈا کیا جارہا ہے کہ ہم اقلیت کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر سکتے نئی اقلیتیں بنانے سے اِس غلط پراپیگنڈے کو مزید تقویت پہنچے گی اور پھر دُنیا والے کیا کہیں گے کہ عجیب لوگ ہیں پاکستان بننے سے پہلے کہتے تھے کہ ہمیں اکثریت سے بچاؤ اور اب کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ایک معمولی سی اقلیت سے بچاؤ۔

پہلے اکثریت کا خوف سوار تھا اور اب اقلیت کا فکر دامنگیر ہے۔

اِس ضمن میں میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے مزید فرمایا۔ اِس مسئلہ کا ایک اَور پہلو بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ہم نے اقلیت قرار دینے کا فیصلہ کر بھی دیا تو اس فیصلہ کو نافذ کرنے کا طریقہ کیا ہوگا۔ احمدی کی آپ کیا تعریف مقرر کریں گے۔ کسی ملک کا طور طریق اور آئین اُٹھا کر دیکھ لو اِس ضمن میں ایک ہی تعریف ملے گی اور وہ یہ کہ جو شخص اپنے آپ کو جس مذہب کی طرف منسوب کرتا ہے وہ اسی مذہب کا پیرو شمار ہوگا۔ جو اپنے آپ کو عیسائی کہتا ہے وہ عیسائی شمار ہوگا اور جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ مسلمان کہلائے گا۔ اگر احمدی بھی جیسا کہ انہوں نے اعلان کیا ہے اپنے آپ کو صرف مسلمان ظاہر کرنا شروع کر دیں تو آپ کیا کریں گے۔ اِس کا ایک حل یہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ علماء کا بورڈ بنا دیا جائے اور ہر شخص کے لئے ضروری قرار دیا جائے کہ وہ ووٹنگ رجسٹر میں درج ہونے سے پہلے امتحان میں سے گزرے اگر علماء اُسے مسلمان قرار دیں تو وہ مسلمان شمار ہو ورنہ نہیں۔ بظاہر تو یہ تجویز درست معلوم ہوتی ہے لیکن اگر کل کلاں کو ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ بعض اغراض کے ماتحت مسلمانوں ہی کو غیر مسلم قرار دیا جانے لگا تو اس کا کیا علاج ہوگا؟ اِس بات کا بھی امکان ہے کہ ایک وقت میں ایک دو نہیں اکٹھی چالیس فیصدی آبادی کو غیر مسلم قرار دے دیا جائے تو ان بے چاروں کا کیا حال ہوگا؟

اِس مسئلہ کے ایک اَور پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے صدر پنجاب مسلم لیگ نے فرمایا:۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ (نعوذ باللہ) احمدیوں نے قیامِ پاکستان سے قبل مسلم لیگ کا ساتھ نہیں دیا اگر یہ صحیح ہے اور اِس بُنیاد پر ان کو اقلیت قرار دینا جائز ہے تو پھر ہمیں سوچنا ہوگا کہ کس کس کو اقلیت قرار دیا جائے مسلم لیگ اور قیامِ پاکستان کی مخالفت تو اَور بڑے بڑے لوگوں نے بھی کی تھی اور پھر اس کی زَد میں اَور بہت سے لوگ بھی آئیں گے۔ مَیں کہنا تو نہیں چاہتا لیکن مثال کے طور پر کہنا پڑتا ہے کہ کیا اِس بناء پر آپ احراریوں کو بھی اقلیت قرار دینے کے لئے تیار ہیں؟ (پُرزور تالیاں) بہر حال ایسی صورت میں ہمیں یہی فیصلہ کرنا ہوگا کہ جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا ہم میں اتنی وسعتِ قلبی موجود ہے کہ ہم مخالفوں کو بھی اپنے میں جگہ دینے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ وہ کامل وفاداری کا یقین دلائیں۔ ہاں ہمارے اندر رہ کر اگر کوئی سازش کرے گا اور ریشہ دوانیوں سے باز نہیں آئے گا تو پھر ہم

ان کا قلع قمع کئے بغیر نہیں رہیں گے۔

دورانِ تقریر میں آپ نے مزید فرمایا:۔

"پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم احمدیوں کو اِس لئے اقلیت قرار دلانا چاہتے ہیں کہ انہیں اسمبلیوں وغیرہ میں نمائندگی مل سکے۔ اِس میں شک نہیں کہ اَب احمدیوں کا کوئی نمائندہ نہیں ہے اور ان کے حقوق متعین ہو جانے پر انہیں نمائندگی مِل جائے گی اور وہ فائدے میں رہیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ اِس بات میں وزن تو اُس وقت ہو کہ جب یہ مطالبہ خود احمدیوں کی طرف سے کیا جائے۔

اِس مسئلہ کی مذکورہ بالا پیچیدگیاں بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا ایک خطرہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ احمدی لوگ سروسز میں بہت گھسے ہوئے ہیں حالانکہ ان کی وفاداری مشتبہ ہے تو پھر واقعی یہ بہت گہرا مسئلہ ہے لیکن سوچنے والی بات یہ ہے کہ کیا انہیں اقلیت قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ان کے کم سے کم حقوق کا تعین کرنا ہوگا۔ کم از کم سے مُراد یہ ہے کہ ان کی تعداد سروسز میں مقررہ حد سے کم نہیں ہونی چاہیئے زیادہ ہو کوئی حرج نہیں کیونکہ حد مقرر کرنے کا مقصد حقوق کا تحفظ ہوتا ہے ان کا اتلاف نہیں۔ ایسی صورت میں موجود ملازمین کو ہم ہٹا نہیں سکیں گے اور آئندہ مقررہ کوٹے کے مطابق نئے آدمی لازمی طور پر ملازم ہوتے رہیں گے" ردِ مرزائیت" نہیں" فروغِ مرزائیت" کا خود اپنے ہاتھ سے راستہ صاف کریں گے۔ اِن آئینی اور قانونی مشکلات کی وجہ سے مَیں کہتا ہوں کہ ہمارے جذبات خواہ کتنے بھی مشتعل کیوں نہ ہوں ہمیں اپنی مرکزی قیادت کو جو ہم سے زیادہ بالغ نظر اور صاحبِ فراست ہے کامل غور و خوض اور تحمل بُردباری سے فیصلہ کرنے کا موقعہ دینا چاہیئے"۔

دورانِ تقریر میں شہری حقوق کی حفاظت کا ذکر کرتے ہوئے آنریبل میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے فرمایا:۔

"احمدیوں کے متعلق خواہ تمہارا کچھ ہی اعتقاد کیوں نہ ہو مگر جب تک انہیں شہریت کے حقوق حاصل ہیں تمہارا فرض ہے کہ ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی پُوری پُوری حفاظت کرو لیکن آپ لوگوں سے مجھے توقع نہیں کہ آپ اس فرض کو کماحقہٗ ادا کر سکیں گے بچاہیئے یہ کہ اِس کونسل کا ایک ایک رُکن شہید ہو جائے قبل اس کے کہ کسی احمدی کے خُون کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرے۔ اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو آپ لوگ حکومت کے نااہل ہیں۔

ہم میں سے کوئی مارا جائے یا نہ مارا جائے اس کی اتنی اہمیت نہیں لیکن پاکستان میں ایک ہندو ایک سکھ یا ایک عیسائی کا مارا جانا بہت بُری بات ہے۔ اگر ان میں سے ناحق کوئی مارا جاتا ہے تو حیف ہے ہم پر اور ہمارے صاحبِ اقتدار ہونے پر۔ امن کیسے قائم رہے؟"

تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے مزید فرمایا:۔

"لیکن موجودہ حالات میں امن کیسے قائم رہے گا؟ ہمارے مولوی صاحبان آسمانی مقصد کی خاطر یا کسی نجی غرض کے تحت غم و غصہ پھیلاتے ہیں اور امن بحال کرنے کے لئے جب پولیس مداخلت کرتی ہے یا دفعہ ۱۴۴ لگائی جاتی ہے تو اس پر بُرا منایا جاتا ہے۔ پچھلے دنوں مجلس احرار کے بعض برگزیدہ کارکن تشریف لائے اور انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ ان کا مطالبہ آئینی مطالبہ ہے امن برقرار رکھنے میں وہ حکومت کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں گے بلکہ انہوں نے کہا امن کا تحفظ ہمارا سیاسی ہی نہیں بلکہ مذہبی فرض بھی ہے۔ اِس ضمن میں مَیں احراریوں اور مسلم لیگیوں سے ایک بات کہوں گا اور وہ یہ ہے کہ امن و امان قائم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے شہری حقوق کی حفاظت کی جائے لیکن وزیرآباد کے شہر میں جو کچھ ہُوا ہے وہ اِس لحاظ سے بہت قابلِ اعتراض ہے۔ وہاں بعض نوجوان طلباء نے فیصلہ کیا کہ ایک احمدی استاد کو برطرف کیا جائے۔ اسی شام میونسپل کمیٹی کا ایک اجلاس منعقد ہُوا اور ہر آئینی پابندی کو نظر انداز کرتے ہوئے اس احمدی اُستاد کو برطرف کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ میں احرار سے کہتا ہوں کہ اگر تحفظِ امن کا وعدہ سچا ہے تو لاہور چھوڑ کر وزیرآباد جائیے اور لوگوں کو بتائیے کہ یہ مسئلہ محض عقیدے کا ہے ہم انسانیت کا خون نہ ہونے دیں گے اور اِس بات کو گوارا نہ کریں گے کہ لوگوں کے شہری حقوق تلف ہوں۔

مسئلۂ زیرِ بحث کے تمام پہلوؤں پر بخوبی روشنی ڈالنے کے بعد آپ نے فرمایا "جب تک غور و خوض کے ساتھ تمام پہلوؤں پر غور نہ کیا جائے ہم صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے اور اگر آپ نازک مسائل پر صبر و تحمل سے غور کرنے کے لئے تیار نہیں تو مجھے ایسی جماعت کی صدارت قبول نہیں جو مسائل کی نزاکت کا احساس نہ کرتے ہوئے فیصلے کرنے میں تدبّر سے کام نہ لے۔ اگر آپ نے جلد بازی میں کوئی غلط فیصلہ کر دیا جو پاکستان کے مجموعی مفاد کے خلاف ہُوا تو یہ پنجاب مسلم لیگ پر ایک دھبہ ہو گا۔" لہ

لہ ٹریکٹ بعنوان "میاں ممتاز محمد خان دولتانہ صدر پنجاب مسلم لیگ" مطبوعہ ایس ڈبلیو پریس رام نگر لاہور، ۱۷ جولائی ۱۹۵۲ء

قائدِ اعظم کا مسلک

مندرجہ بالا بیان قائدِ اعظم کی اس مستقل پالیسی اور عملی مسلک کے عین مطابق تھا کہ تمام کلمہ گو بلا تفریقِ فرقہ سب مسلمان ہیں اور پاکستان کی آئینی و قانونی جنگ میں مسلم لیگ کی کامیابی کا سارا راز اسی نکتہ میں مضمر تھا جیسا کہ قائدِ اعظم نے ۲۳ مئی ۱۹۴۴ء کو کشمیر پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مجھ سے ایک پریشان کن سوال پوچھا گیا کہ مسلمانوں میں سے مسلم لیگ کا ممبر کون بن سکتا ہے؟ یہ سوال خاص طور پر قادیانیوں کے سلسلے میں پوچھا گیا۔ میرا جواب یہ ہے کہ جہاں تک آل انڈیا مسلم لیگ کے آئین کا تعلق ہے اس میں درج ہے کہ ہر مسلمان بلاتمیز عقیدہ و فرقہ مسلم لیگ کا ممبر بن سکتا ہے بشرطیکہ وہ مسلم لیگ کے عقیدہ، پالیسی اور پروگرام کو تسلیم کرے، رُکنیّت کے فارم پر دستخط کرے اور دو آنے چندہ ادا کرے۔ مَیں جموں و کشمیر کے مسلمانوں سے اپیل کروں گا کہ وہ فرقہ دارانہ سوالات نہ اُٹھائیں بلکہ ایک ہی پلیٹ فارم پر ایک ہی جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اسی میں مسلمانوں کی بھلائی ہے۔ اِس سے نہ صرف مسلمان مؤثر طریقے سے سیاسی، سماجی، تعلیمی اور معاشرتی ترقّی کر سکتے ہیں بلکہ دیگر اقوام بھی اور بحیثیت مجموعی ریاست کشمیر بھی۔"[1]

حضرت مصلح موعودؓ کا بیان

امام جماعتِ احمدیہ حضرت مصلح موعودؓ نے وزیرِ اعلیٰ پنجاب کے اپنے موقف کی حمایت میں استقامت دکھانے پر حسبِ ذیل بیان جاری فرمایا:۔

"پنجاب مسلم لیگ کونسل کے اتوار کے اجلاس کی رپورٹ مَیں نے مطالعہ کی ہے جو الفاظ احراری احمدی تنازعہ کے متعلق قرارداد میں کہے گئے ہیں مجھے اُن سے اختلاف ہو سکتا ہے[2] لیکن اس قرارداد کے متعلق جو بحث کونسل میں ہوئی ہے اس سے ایک بات نہایت نمایاں طور پر واضح ہو گئی ہے اور وہ یہ کہ پنجاب کی سیاسی دُنیا میں وزیرِ اعلیٰ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کے وجود میں ایک ایسا انسان موجود ہے جو اپنے معتقدات کی خاطر اپنے دوستوں کی ایک بہت بڑی تعداد کی مخالفت کے علی الرغم استقامت دکھانے کی پُوری صلاحیّت رکھتا ہے یہ نہایت صحتمند آثار ہیں۔ اگر پاکستان

---

[1] ہفت روزہ "اصلاح" (سرینگر کشمیر) ۱۳ رجون ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ ٭ [2] رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء" کے صفحہ ۹۶-۹۷ پر اِس قرارداد کا مکمل متن درج ہے ٭

کے مسلمانوں کے ہر طبقہ میں سے ان جیسے دِل گُردہ کے انسان اَور بھی نکل آئیں تو پنجاب محفوظ ہو جائیگا اور پاکستان کے متعلق کہا جاسکے گا کہ وہ بفضلہٖ تعالیٰ ہر خطرہ سے باہر ہے۔ مَیں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ مسلمانانِ پاکستان کا حامی و ناصر ہو تاکہ وہ ان فرائض اور ذمہ داریوں کو جو خداوند تعالیٰ، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وطنِ عزیز کی طرف سے اُن پر عائد ہوتی ہیں پُوری دلیری اور دیانتداری سے بجا لائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی برکات سے نوازے"۔ [1]

فصلِ پنجم

◉ جماعتِ احمدیہ کے وفد کی جناب وزیرِاعظم پاکستان سے ملاقات ◉ اِبتلاؤں میں لقاءِ الٰہی کی بشارت ◉ بحیثیت مسلم بہترین شانِ انفرادیت دکھانے کی تلقین ◉ مسئلہِ اقلیت سے متعلق حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اہم خطبہ

جماعتِ احمدیہ کے وفد کی جناب وزیرِاعظم پاکستان سے ملاقات

اِس سال کے اہم واقعات میں سے جماعتِ احمدیہ کے وفد کی عزّت مآب خواجہ ناظم الدین صاحب وزیرِاعظم پاکستان سے ملاقات ہے جو کراچی میں ۱۷؍جولائی ۱۹۵۲ء کو ہوئی۔ وفد میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مندرجہ ذیل ممتاز اور بزرگ علماء و مبلغین شامل تھے:۔

---

[1] انگریزی سے ترجمہ (الفضل ۲۹؍وفا ۱۳۳۱ہش مطابق ۲۹؍جولائی ۱۹۵۲ء صا)

مبلغین احمدیت کا مرکزی وفد کراچی اسٹیشن پر

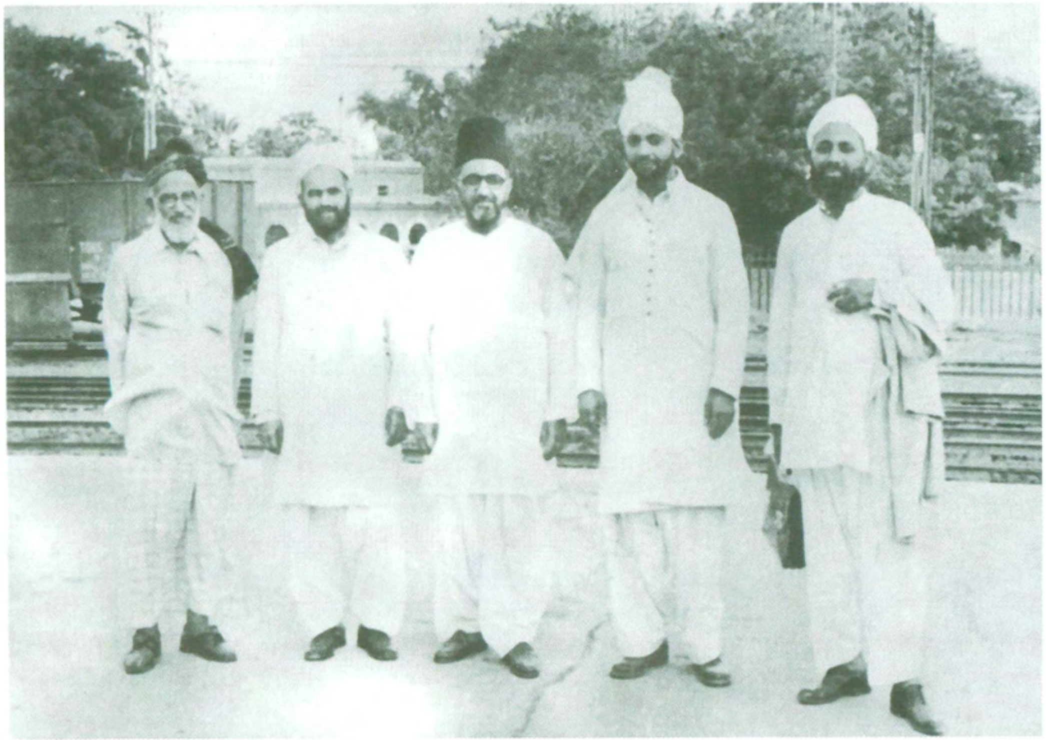

دائیں سے بائیں: مولانا ابوالعطاء صاحب، جناب ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم،
جناب شیخ بشیر احمد صاحب، مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ، جناب مولانا عبدالرحیم صاحب دردؓ۔

۱ - مولانا عبدالرحیم صاحب درد سابق مبلغ انگلستان و ناظر امور عامہ ربوہ[1]

۲ - مولانا جلال الدین صاحب شمس مجاہد بلادِ عربیہ و انگلستان[2]

۳ - مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری مبلغ بلادِ عربیہ۔

۴ - ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتی[3]

۵ - جناب شیخ بشیر احمد صاحب سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ لاہور[4]

وفد کی تبلیغی رُوداد مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری کے قلم سے درج ذیل کی جاتی ہے:-

"سیّدنا حضرت امام جماعتِ احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ایک وفد تجویز فرمایا جو کراچی جا کر وزیرِاعظم خواجہ ناظم الدین صاحب سے ملاقات کرے اور حقیقتِ حال سے انہیں مطلع کرے۔ اس وفد میں (۱) جناب مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے ناظر امور عامہ ربوہ (۲) جناب مولانا جلال الدین صاحب شمس (۳) جناب شیخ بشیر احمد صاحب سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ لاہور (۴) جناب ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم ایڈووکیٹ گجرات اور (۵) خاکسار ابوالعطاء جالندھری شامل تھے۔

ہم سب محترم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی کوٹھی ٹمپل روڈ لاہور پر جمع ہوئے۔ پہلے دن کراچی کے لئے ریل میں سیٹیں ریزرو نہ ہو سکیں ہمیں ایک رات لاہور میں قیام کرنا پڑا۔ شام کے وقت صوفی عبدالرحیم صاحب نے محترم شیخ بشیر احمد صاحب کو فون کیا کہ آج جناب مودودی صاحب سے ملاقات ہو سکتی ہے اگر چاہیں تو آجائیں۔ جناب شیخ صاحب موصوف، جناب مولانا جلال الدین صاحب شمس مرحوم اور خاکسار بذریعہ کار جناب مودودی صاحب کے مکان پر پہنچ گئے وہ گویا ملاقات کے لئے تیار ہی بیٹھے تھے کہنے لگے کہ اچھا ہؤا کہ آپ لوگ آگئے مَیں چاہتا ہی تھا کہ جماعتِ احمدیہ کے کوئی نمائندے مل جائیں تو مَیں آپ کے امام کو ایک پیغام بھجواؤں ہم نے کہا کہ فرمائیے کیا پیغام ہے؟

[1] ولادت ۱۹؍جون ۱۸۹۴ء وفات ۷؍فتح ۱۳۳۴ہش مطابق ۷؍دسمبر ۱۹۵۵ء

[2] ولادت ۱۹۰۱ء وفات ۱۴؍اخاء ۱۳۴۵ہش مطابق ۱۴؍اکتوبر ۱۹۶۶ء

[3] ولادت ۱۹۰۶ء وفات ۳۱؍فتح ۱۳۳۶ہش مطابق ۳۱؍دسمبر ۱۹۵۷ء

[4] وفات یکم شہادت ۱۳۵۲ہش مطابق یکم اپریل ۱۹۷۳ء

جناب مودودی صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگ جا کر اپنے امام سے کہیں کہ اس وقت جماعتِ احمدیہ کے خلاف سخت شورش برپا ہے اور شدید خونریزی کا خطرہ ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ آپ خاموشی سے اپنے آپ کو غیر مسلم اقلیت تسلیم کر لیں یا پھر وہ عقائد اختیار کر لیں جو ہمیں گوارا ہوں ورنہ سخت خطرہ ہے۔

مَیں مودودی صاحب سے پٹھانکوٹ کے دارالاسلام میں اچھی طرح گفتگو کر چکا تھا اور غالباً اس مجلس میں مَیں ان کے قریب اور سامنے تھا مَیں نے جواباً عرض کیا کہ جناب آپ نے ہمیں کیا پیغام دیا ہے؟ یہ پیغام ہم اپنے امام ایدہ اللہ بنصرہ کو کس طرح دے سکتے ہیں؟ اس پیغام کو تو سُن کر ہم خود شرمندہ ہیں کہ آپ ہمیں کیا کہہ رہے ہیں۔ الٰہی جماعتوں کی مخالفتیں ہوتی آئی ہیں اور نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے اِس ملک میں بھی جماعتِ احمدیہ کی مخالفت ہو رہی ہے یہ وہی مخالفت ہے۔ مودودی صاحب نے ناصحانہ انداز میں کہا کہ آپ میری بات مان لیں اور یہ پیغام اپنے امام کو پہنچا دیں اِس مرتبہ کی مخالفت عام مخالفت نہیں یہ بہت گہری ہے اور اس کے نتائج بڑے سخت ہیں۔ خاکسار نے مودودی صاحب سے پھر زور سے کہا کہ پیغام دینے کا تو سوال ہی نہیں ہے ہم تو سمجھتے ہیں کہ یہ مخالفت بھی بعینہٖ ویسی ہی ہے جیسی جملہ نبیوں کے وقت میں ہوتی رہی ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار مرتبہ تجربہ ہو چکا ہے کہ مخالفتوں کے باوجود الٰہی جماعت ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہوتی رہی ہے آج بھی یہی نظّارہ دہرایا جائے گا۔

پھر مَیں نے کہا کہ جناب معاملہ دُوحال سے خالی نہیں یا تو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السّلام اپنے دعوٰیٔ ماموریّت میں سچے ہیں یا معاذ اللہ جھوٹے اور مُفتری ہیں۔ اگر وہ سچے ہیں اور ہمیں کامل یقین ہے کہ وہ سچے ہیں تو اِس مخالفت سے کچھ احمدیوں کے گھر جلائے جا سکتے ہیں، ان کی فصلیں اُجاڑی جا سکتی ہیں، ان کی دُکانیں لُوٹی جا سکتی ہیں، ان میں سے بعض کو شہید بھی کیا جا سکتا ہے مگر یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی جاری کردہ تحریک کو مٹایا جا سکے یا اس کی قائم کردہ جماعت کو نابُود کر دیا جائے اور اگر خدانخواستہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ مُفتری اور جُھوٹے تھے جیسا کہ آپ کہتے ہیں تو پھر آپ کو ان کی جماعت سے کیا ہمدردی ہے؟ اگر ایسی جماعت نے کل ہلاک ہونا ہے تو اسے آج ہلاک کر دینا اچھا ہے اِس لئے آپ کے پیغام دینے کا عقلاً بھی کوئی سوال نہیں

ہے۔

اِس مرحلہ پر گفتگو دیگر مذہبی و سیاسی مسائل کے متعلق جاری ہو گئی اور خاکسار کے علاوہ محترم جناب شیخ بشیر احمد صاحب اور محترم مولانا شمس مرحوم بھی گفتگو فرماتے رہے۔ اِس گفتگو میں مسلمان کی تعریف اور جماعت کے خلاف ہنگامہ آرائی کا جواز بھی زیر بحث آیا۔ دوسرے روز ہم کراچی کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ جولائی ۱۹۵۲ء کے آخری ایّام تھے یا اگست ۱۹۵۲ء کے شروع کے دن تھے ہمارا قیام ایک ہوٹل میں تھا۔ امیرِ وفد جناب مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ نے ہر رُکن کے ذمہ الگ الگ مضمون مقرر کر دیا اور ہم سب نے باقاعدہ حوالے نوٹ کر لئے۔ اصل کتابیں ساتھ رکھ لیں مقررہ تاریخ پر ہم سب وزیرِ اعظم خواجہ ناظم الدین صاحب مرحوم کے بالائی کمرہ میں حاضر ہوئے۔ بڑے میز کے ایک طرف خواجہ صاحب موصوف کے علاوہ سردار عبدالرب نشتر، میاں مشتاق احمد صاحب گورمانی، فضل الرحمٰن صاحب بنگالی اور خواجہ صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری تشریف فرما تھے اور میز کے دوسری طرف علی الترتیب خاکسار ابوالعطاء، محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس مرحوم، ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم مرحوم، محترم شیخ بشیر احمد صاحب اور محترم مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ مرحوم بیٹھے تھے۔ ہمارے امیرِ وفد نے خواجہ صاحب اور دیگر وزیروں سے ہمارا تعارف کرایا اور یہ بھی فرمایا کہ پہلے ہماری طرف سے ابوالعطاء بات کریں گے۔

خاکسار نے آغازِ گفتگو یوں کیا کہ ہم احمدی بھی پاکستان کے آزاد شہری ہیں اور ہمیں بھی اِس ملک میں تمام باشندوں کی طرح مساوی حقوق حاصل ہیں۔ آپ اِس ملک کے ذمہ دار وزراء ہیں آپ کے پاس ہمارے مخالف علماء نے آکر ہمارے خلاف بہت سی باتیں کہی ہیں ہم اِس بارے میں وضاحت کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ امّید ہے کہ آپ ہماری باتوں کو بھی توجہ سے سماعت فرمائیں گے۔

مَیں نے جناب وزیرِ اعظم صاحب کو توجّہ دلاتے ہوئے عرض کیا کہ علماء کے جو وفود آپ کو ملے ہیں انہوں نے آپ سے کہا ہو گا کہ احمدی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین نہیں مانتے۔ محترم خواجہ صاحب مرحوم نے اثبات میں جواب دیا۔ مَیں نے عرض کیا کہ مَیں صرف اِس حصّے کے متعلق وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔

مَیں نے عرض کیا کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو مانتے ہیں انہوں نے ہمیں فرمایا ہے کہ۔

"تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوعِ انسان کے لئے رُوئے زمین پر اَب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبیؐ کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔" (کشتی نوح صٓ ۱۳)

مَیں نے مؤثر انداز میں یہ عبارت پڑھتے ہوئے اصل کتاب جناب وزیرِاعظم کے سامنے رکھ دی اور پھر عرض کیا کہ جب ہمیں بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے قرآنِ مجید پر ایسے مضبوط ایمان کی تلقین فرمائی ہے اور قرآنِ مجید کی صریح نص ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ[1] کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں تو اَب یہ امکان کس طرح پیدا ہو سکتا ہے کہ احمدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا انکار کریں؟ ایسا الزام سراسر غلط اور باطل ہے۔ مَیں نے عرض کیا۔ محترم وزراء کرام!! اگر علماء کرام یہ کہتے کہ خاتم النبیین کے معنوں اور تفسیر میں ہمارا احمدیوں سے اختلاف ہے تو بات قدرے معقول ہوتی مگر انہوں نے تو آپ کو بھی اور سارے ملک کے باشندوں کو بھی یہ کہا ہے کہ احمدی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ زعم ہرگز درست نہیں۔ پھر مَیں نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی کتب سے مندرجہ ذیل دس حوالہ جات مجلس میں بلند آواز سے سُنائے اور ہر حوالہ پر اصل کتاب میز پر کھول کر سامنے رکھ دی جاتی تھی۔ وہ حوالہ جات یہ ہیں:۔

۱۔ "مَیں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کا قائل ہوں۔ اور جو شخص ختمِ نبوّت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔"

(اشتہار تقریر واجب الاعلان صٓ ۵ مطبوعہ ۱۸۹۱ء مشمولہ تبلیغِ رسالت جلد دوم صٓ ۴۴۔ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء)

---

[1] احزاب : ۴۱

۲ ۔ "مجھے اللہ جلّ شانہٗ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر میرا عقیدہ ہے اور وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت میرا ایمان ہے۔"

(کرامات الصادقین صؔ ۲۵ مطبوعہ ۱۸۹۴ء، ۱۳۱۱ھ)

۳ ۔ "ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔"

(ایام الصلح صؔ ۸۶-۸۷ مجریہ ۱۸۹۹ء)

۴ ۔ "عقیدے کی رُو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے۔ اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔"

(کشتی نوح صؔ ۱۵ مطبوعہ ۱۹۰۲ء)

۵ ۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا گیا جس کے یہ معنے ہیں کہ آپ کے بعد براہِ راست فیوضِ نبوت منقطع ہو گئے اور اب کمالِ نبوت صرف اُسی شخص کو ملے گا جو اپنے اعمال پر اتباعِ نبوی کی مُہر رکھتا ہو گا اور اس طرح وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا اور آپ کا وارث ہو گا۔"

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی، چکڑالوی صؔ ۶-۷ مطبوعہ ۱۹۰۲ء عکس)

۶ ۔ "مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے یہ ہم پر افتراء عظیم ہے ہم جس قوتِ یقین و معرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین کرتے ہیں اس کا لاکھواں حصہ بھی وہ لوگ نہیں مانتے۔"

(اخبار الحکم ۱۷ مارچ ۱۹۰۵ء صؔ ۶ کالم ۲)

۷ ۔ "اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے اُمتی ہو۔"

(تجلیاتِ الٰہیہ صؔ ۲۶ مطبوعہ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۳)

۸۔ "و اِنّ نبیّنا خاتم الانبیاء لا نبیّ بعدہٗ الّا الّذی ینوّر بنورہٖ ویکون ظھورہ ظلّ ظھورہٖ" (الاستفتاء صـ۲۲ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

۹۔ "اللہ جلّ شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحبِ خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لئے مُہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النّبیین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ رُوحانی نبی تراش ہے اور یہ قوّتِ قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔"

(حقیقۃ الوحی صـ۹۷ حاشیہ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

۱۰۔ "خدا اُس شخص سے پیار کرتا ہے جو اس کی کتاب قرآن شریف کو اپنا دستور العمل قرار دیتا ہے اور اُس کے رسول حضرت محمد (مصطفےٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کو درحقیقت خاتم الانبیاء سمجھتا ہے۔" (چشمۂ معرفت صـ۳۲۵ مطبوعہ ۱۹۰۸ء)

اِن دس حوالہ جات کے پڑھنے سے اِس مجلس میں عجیب موقعہ پیدا ہو گیا تھا، الحمدللہ۔ مَیں نے کہا کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین مانتے ہیں۔ خود بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے کلمات آپ کے سامنے ہیں۔ کتابیں موجود ہیں تو پھر کسی مولوی صاحب کا یہ کہنا کیا وزن رکھتا ہے کہ احمدی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین نہیں مانتے؟

مَیں نے واضح کیا کہ آنحضرتؐ کو خاتم النّبیین تو احمدی بھی مانتے ہیں اور غیر احمدی بھی۔ اِس تفسیر میں بھی دونوں فریق متّفق ہیں کہ خاتم النّبیین کی رُو سے نئی شریعت والا نبی نہیں آسکتا۔ اِس مرحلہ پر خاکسار نے سلفِ صالحین کے دس اقتباسات عربی و اُردو میں پیش کئے اور اصل کتابیں میز پر رکھ دیں۔ ان اقتباسات کا خلاصہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انقطاع صرف تشریعی نبوت کا ہے۔ پھر مَیں نے واضح کیا کہ ہمارے معنوں کی رُو سے فیوضِ محمدیہ جاری ہیں اور آنحضرتؐ کی پیروی سے خیرِ اُمّت کے افراد کو وہ تمام انعام مِل سکتے ہیں جو پہلی اُمّتوں کو ملے تھے۔ اِن معنوں کی رُو سے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اور برتری نمایاں ہوتی ہے۔

پچیس تیس منٹ کے اِس بیان کے آخر میں مَیں نے کہا کہ درحقیقت تو خاتمیّتِ محمدیہ کے بارے میں ہمارے اور دوسرے علماء میں اختلاف کا کوئی سوال نہیں، وہ بھی ایک مسیحِ موعود کے اُمّت میں آنے کے

قائل ہیں اور ہم بھی۔ اور دونوں فریق حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے مسیح موعود کو آنحضرتؐ کا تابع نبی مانتے ہیں جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ خاتم النّبیین کے بعد اُمّتی اور تابع نبی آسکتا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف تو صرف شخصیت میں ہے کہ اُمّتِ محمدیہ کا مسیح موعود کون ہے؟ آیا حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں جنہیں قرآن مجید نے صرف رَسُولًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ[1] قرار دیا ہے یا اُمّتِ محمدیہ کا ایک فرد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اُمّتی ہے۔ پس جماعتِ احمدیہ پر یہ الزام سراسر خلافِ واقع ہے کہ ہم معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین نہیں مانتے۔ ہم حضور علیہ السّلام کو پورے یقین سے اور حقیقی رنگ میں خاتم النّبیین مانتے ہیں میری تقریر کے دَوران دو ایک موقعہ پر مکرم سردار عبد الربّ صاحب نشتؔر نے سوال کئے تھے جن کے خاکسار نے جواب دے دیئے مگر جناب خواجہ ناظم الدین صاحب کی خواہش تھی کہ تقریر کا تسلسل قائم رہے اور سوال بعد میں ہوں۔

جب مَیں آخری حصّۂ بیان پر پہنچا تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ پوائنٹ تو واضح ہو چکا ہے اب دوسرے صاحب بیان شروع کریں۔ اِس پر حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ مرحوم نے مخالفین کی اشتعال انگیزی پر مدلّل تقریر فرمائی اور اخبارات کے حوالے پیش فرمائے۔ یاد رہے کہ شروع ہی سے مخالف علماء برآمدہ میں ہمارے بیانات سُن رہے تھے وہ بعض کتابیں وزراء کرام کو بھجوانے لگے جس پر مجلس کا رنگ کچھ بدل گیا تیسرے نمبر پر جناب ملک عبد الرحمٰن صاحب خادمؔ مرحوم نے جب مختلف فرقوں کے علماء کے باہمی فتووں کے انبار پیش فرمائے تو خواجہ صاحب موصوف حیران رہ گئے کہ علماء نے بات کہاں تک پہنچا دی ہے۔ اسی دَوران مکرم فضل الرحمٰن صاحب بنگالی بول پڑے کہ ہم آپ لوگوں کو اب تک برداشت کرتے رہے ہیں آئندہ یہ صُورت نہ ہوگی اس کے جواب میں محترم جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ نے نہایت غیورانہ جواب دیا کہ آپ لوگوں نے ہمارے ساتھ کیا خاک سلوک یا رعایت کی ہے اور آپ آئندہ کیا کریں گے گفتگو میں قدرے تلخی پیدا ہو گئی گفتگو کا یہ حصّہ زیادہ تر انگریزی میں ہوا۔ حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب دردؔ نے بھی اِس میں مؤثر حصّہ لیا اور جماعت کی خدماتِ پاکستان کا بھی تذکرہ فرمایا نیز بتلایا کہ ہم

[1] آلِ عمران: ۵۰

تو اپنے اصول کے مطابق حکومت سے تعاون کرتے ہیں یہ ہماری مذہبی تعلیم ہے ہمیں کوئی لالچ یا طمع نہیں ہے۔ اِس مرحلہ پر وزیرِاعظم خواجہ ناظم الدین صاحب مرحوم کی علیمی اور بُردباری نے پھر ماحول کو تحقیقی اور علمی بنا دیا اور قریباً تین گھنٹے کی یہ مجلس آخر نہایت اچھی فضا میں ختم ہوئی۔

خواجہ صاحب کے آخری بیان سے مترشح ہوتا تھا کہ ان کے نزدیک جماعتِ احمدیہ کو منکرِ ختمِ نبوّت ٹھہرانا یا انہیں غیر مسلم اقلیّت قرار دینا بےمعنی بات ہے البتہ انہوں نے فرمایا کہ مَیں یہ اعلان کر دوں گا کہ سرکاری ملازم تبلیغ نہ کیا کریں اور یہ اعلان سب فرقوں پر یکساں حاوی ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے چند روز بعد یومِ پاکستان کے موقعہ پر اپنی تقریر میں یہ اعلان کر دیا تھا۔[1]

سردار عبدالرّب صاحب نشتر سے انفرادی ملاقات

مولانا ابوالعطاء صاحب مزید فرماتے ہیں:۔

”وزیرِاعظم کے بالائی کمرہ کی سیڑھیوں سے اُترتے ہوئے مَیں نے سردار عبدالرب مرحوم سے کہا کہ آپ ایک علم دوست بزرگ ہیں اگر کبھی موقعہ ملے تو آپ سے مفصل گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ کہنے لگے کہ ضرور تشریف لائیں۔ جب ربوہ واپس پہنچنے پر حضرت امام جماعتِ احمدیہ سے اِس امر کا ذکر ہُوا تو آپ نے فرمایا کہ اِن دنوں جامعہ احمدیہ میں تعطیلات ہیں (مَیں اُن دنوں جامعہ احمدیہ کا پرنسپل تھا) چند دن کے لئے کراچی ہو آئیں چنانچہ مَیں جلد ہی کراچی گیا اور محترم سردار صاحب کو ملاقات کے لئے وقت معیّن کرنے کے لئے چِٹھی لکھی۔ غالباً ۱۷؍ اگست ۱۹۵۲ء کی تاریخ تھی کہ مَیں اور محترم مولوی عبدالمالک خاں صاحب مربّی کراچی[2] سردار صاحب کے ہاں پہنچے۔ وہ ملاقات کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ خیر و عافیت کی ابتدائی گفتگو کے بعد سردار صاحب نے فرمایا کہ فرمائیے کِس طرح آنا ہُوا؟ مَیں نے عرض کیا کہ مَیں حسبِ وعدہ آپ کو تبلیغ کرنے کے لئے آیا ہوں کہنے لگے کہ آپ نے وزیرِاعظم کا پندرہ اگست والا اعلان نہیں سُنا کہ سرکاری آدمی تبلیغ نہ کریں؟ مَیں نے کہا کہ مَیں تو سرکاری آدمی نہیں ہوں مَیں تبلیغ کرنے آیا ہوں مُسکرا کر فرمانے لگے کہ آپ مجھے کیا تبلیغ کریں گے مَیں تو آپ کی جماعت کے عقائد کا کٹّر مخالف ہوں۔ مَیں نے کہا کہ ایسے آدمی کو ہی تبلیغ کرنے کا لُطف ہوتا ہے کیونکہ ایسا آدمی جب احمدی ہوگا تو وہ پختہ احمدی ہوگا۔

---

[1] ”الفرقان“ ربوہ ماہ نومبر ۱۹۷۰ء صفحہ ۸۔ [2] حال ناظر اصلاح و ارشاد صدر انجمن احمدیہ پاکستان

سردار صاحب کہنے لگے کہ میں تو پہلے ہی نمازیں پڑھتا ہوں، قرآنِ مجید پڑھتا ہوں، آپ مجھے کس امر کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں ؟ میں نے عرض کیا کہ آج کی اس مختصر ملاقات میں میں صرف ایک بات کی تبلیغ کرنے آیا ہوں اور وہ یہ کہ آپ قرآنِ مجید تدبّر سے تلاوت فرمایا کریں۔ سردار صاحب کہنے لگے کہ قرآنِ مجید سوچ کر ہی پڑھتا ہوں، نمازیں بھی ایسا ہی کرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ میری بات ابھی واضح ہو جائے گی آپ فرمائیں کہ جب آپ سُورۃ فاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ[1] کی دُعا کرتے ہیں تو مُنعَم علیہم سے آپ کی مراد کون لوگ ہوتے ہیں ؟ سردار صاحب نے جھٹ سُورہ نساء کی آیت وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا[2] پڑھ کر فرمایا کہ اِس وقت میرے ذہن میں انعام پانے والے یہ لوگ مراد ہوتے ہیں۔ میں نے کہا کہ جناب! اِس آیت میں انعام پانے والے لوگوں کے چار گروہ مذکور ہیں (۱) نبی (۲) صدّیق (۳) شہید (۴) صالح۔ اب آپ فرمائیں کہ کیا اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا کے نتیجہ میں اُمّت میں یہ سارے گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتّباع و اطاعت میں بن سکتے ہیں ؟ سردار صاحب نے ذرا توقف کے بعد سوچ کر فرمایا کہ نبی تو آنحضرتؐ کی اطاعت میں نہیں بن سکتے۔ میں نے کہا کہ بس قرآنِ مجید کو تدبّر سے پڑھنے کی تبلیغ کا یہی مقصد ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ قرآنِ مجید تو اطاعتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے والوں کے لئے چاروں انعامات کے دروازے کھُلے قرار دیتا ہے مگر آپ سب سے پہلے ذکر شدہ اور سب سے بڑے انعام کے دروازہ کو مسدود قرار دیتے ہیں۔ سردار صاحب ذرا حیران ہو کر کہنے لگے کہ کیا آپ حیاتؑ و وفاتِ مسیحؑ کی بات کرنا چاہتے ہیں ؟ میں نے کہا کہ ہرگز نہیں میرا تو آج کا پیغام بس قرآنِ مجید کو تدبّر سے پڑھنے کی تلقین تک محدود ہے۔ ذرا سوچ کر سردار صاحب کہنے لگے کہ اب مجدّد اور عالم تو ہو سکتے ہیں مگر نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ آفتاب کی موجودگی میں ٹمٹماتے چراغوں کی کیا ضرورت ہے ؟ میں نے کہا کہ یہ اعتراض تو آپ کے عقیدہ پر پڑتا ہے۔ آپ آفتاب کی موجودگی میں علماء اور مجدّدین کی ضرورت کو جو ٹمٹماتے چراغ ہیں مانتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ تو قانونِ نیچر کے عین مطابق ہے یعنی آفتاب کے ساتھ ہم ماہتاب

---

[1] الفاتحہ [2] النساء : ۷۰

کے قائل ہیں۔ ماہتاب اُمّتی نبی مسیح موعود ہے۔ باقی یہاں تقابل نہیں ہے بلکہ آفتاب کی فیض رسانی اور ماہتاب کے فیض کے قبول کرنے کا مسئلہ ہے۔ سردار صاحب نے فرمایا کہ حدیث میں تو لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ آیا ہے۔ مَیں نے کہا کہ اِس پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ طے ہو جائے کہ ہم نے ہی ایک حدیث ماننی ہے یا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب حدیثیں ماننی ہیں۔ فرمانے لگے کہ نہیں سب حدیثیں ماننی ضروری ہیں۔ مَیں نے کہا کہ پھر حدیث میں مجدّدین کے آنے کا بھی ذکر ہے۔ امام مہدی کے آنے کا بھی ذکر ہے۔ مسیح موعود کے مبعوث ہونے کا بھی بیان ہے۔ اور پھر حدیث صحیح مسلم میں مسیح موعود کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار دفعہ نبیُّ اللہ[1] کے لفظ سے یاد فرمایا ہے۔ احادیث پر مجموعی غور کیا جائے تو وہ قرآنِ مجید کے عین مطابق ہیں۔ حدیث میں صاحب شریعت یا مستقل نبی کے آنے کی نفی ہے اور آیت میں تابع اور مطیع نبی کے آنے کی خبر ہے۔ پس قرآنِ مجید اور حدیث میں واضح تطبیق موجود ہے۔

سردار صاحب فرمانے لگے کہ آپ یہ بتائیں کہ آپ پیدائشی احمدی ہیں یا بعد میں آپ نے احمدیت کو قبول کیا ہے؟ مَیں نے کہا کہ سردار صاحب! اگر کسی شخص کو مَیں اسلام کی دعوت دوں اور اسکے پاس کوئی عذر نہ رہے تو وہ مجھے کہے کہ آپ پیدائشی مسلمان ہیں یا بعد میں مسلمان ہوئے تھے تو کیا اسکا یہ طریق معقول ہے؟ فرمانے لگے کہ مَیں صرف علم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ مَیں وہ طریق اختیار نہ کرونگا مَیں نے کہا کہ مَیں پیدائشی احمدی ہوں میرے والد صاحب مرحومؓ نے اوائل زمانہ میں احمدیت کو قبول کیا اور پیدائش کے وقت سے ہی انھوں نے مجھے خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا تھا مَیں نے اپنی زندگی میں دہریوں، آریوں، یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے جملہ فرقوں کے ماہر علماء سے گفتگو اور مناظرے کئے ہیں اور مَیں عَلٰی وجہِ البصیرت اِس بات پر قائم ہوں کہ اسلام کے وہ عقائد جو احمدیت پیش کرتی ہے وہی حق اور سب پر غالب آنے والے ہیں۔ اس پر سردار صاحب کہنے لگے کہ مَیں حیران ہو رہا تھا کہ ایسا عالم ہم میں سے نکل کر احمدیوں میں کس طرح شامل ہو گیا ہے؟ مَیں نے کہا کہ بات تو وہی ہوئی جس کا مَیں نے اشارہ کیا تھا۔ اس مرحلہ پر انہیں مجلسِ وزراء کے اجلاس کے لئے بُلا لیا گیا۔ ہم نے انہیں چند کتب اور ایک مفصّل تحریری بیان پیش کیا جس کا مطالعہ کرنے کا انھوں نے بخوشی وعدہ فرمایا۔ اِس طرح یہ گفتگو ختم ہوئی۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ

[1] مسلم (باب ذکر الدجال)

ربّ العٰلمین"۔ ؎۱

ابتلاؤں میں لقاءِ الٰہی کی بشارت

یکم ظہور ۱۳۳۱ ہش مطابق یکم اگست ۱۹۵۲ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے جماعتِ احمدیہ کو خوشخبری دی کہ اگرچہ ہم ابتلاء سے دوچار ہیں مگر خدا کے قُرب کو پانے کے یہی ایّام ہیں حضور نے فرمایا:۔

"اِن ایّام میں جو فتنہ پاکستان کے مختلف حصّوں خصوصاً پنجاب کے مختلف مقامات میں پیدا ہو رہا ہے اگرچہ حکومت کے بعض اعلانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی رپورٹوں کے مطابق اس میں کمی آرہی ہے لیکن جو ہماری اطلاعات ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کمی نہیں آرہی بلکہ وہ اپنی جگہ بدل رہا ہے بعض جگہوں سے ہٹتا ہے اور پھر آگے بعض دوسری جگہوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ جہاں تک فتنہ کا سوال ہے میرے نزدیک کوئی اوّل درجہ کا ناواقف اور جاہل احمدی ہی ہوگا جو یہ کہے کہ یہ فتنہ ایسی چیز ہے جس کی مجھے امّید نہیں تھی۔ تم دریا میں کُودتے ہو اور بعد میں شکایت کرتے ہو کہ تمہارا جسم گیلا ہو گیا ہے یا تمہارے کپڑے گیلے ہو گئے ہیں۔ تم آگ میں ہاتھ ڈالتے ہو اور کہتے ہو میری اُنگلی جل گئی ہے یا تم دُھوپ میں بیٹھتے ہو اور کہتے ہو مجھے گرمی لگتی ہے یا تم برف پیتے ہو اور کہتے ہو مجھے ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے تو یہ کوئی عقل کی دلیل نہیں۔ تم برف پیتے ہو تو یہ سمجھ کر پیتے ہو کہ تمہیں ٹھنڈک لگے گی۔ تم دُھوپ میں بیٹھتے ہو تو یہ سمجھ کر بیٹھتے ہو کہ تمہیں گرمی لگے گی۔ تم آگ میں ہاتھ ڈالتے ہو تو یہ سمجھ کر ہاتھ ڈالتے ہو کہ تمہارا جسم جل جائے گا یا تم دریا میں کُودتے ہو تو تم یہ جانتے ہوئے کُودتے ہو کہ ہمارا جسم گیلا ہو گا۔

پس جب تم ایک صداقت کی تائید کے لئے کھڑے ہوئے ہو اور تم نے مسلمانوں کے اندر بیداری پیدا کرنے کی آواز کو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بلند ہوئی ہے سُنا یا مان لیا تو تمہیں لازماً اس بات کے لئے بھی تیار ہونا پڑے گا کہ لوگ تمہاری مخالفت کریں، شورشیں برپا کریں اور تمہارے خلاف منصوبہ بازی کی جائے۔ پس کون احمدی ہے جس کے حواس درست ہوں اور وہ یہ کہہ سکے او ہو یہ کیسا فساد ہے مجھے تو اس کی امّید نہیں تھی۔ حالانکہ جب وہ احمدی ہوا تھا تو یہ سمجھ کر ہوا تھا کہ لوگ اس کے خلاف فساد کریں گے، شورش کریں گے اور منصوبہ بازی کریں گے۔ اس کا کام یہ ہے

؎۱ ماہنامہ "الفرقان" دسمبر ۱۹۷۰ء صفحہ ۲۵ تا صفحہ ۳۱

کہ ان فسادوں، شورشوں اور منصوبہ بازیوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائے۔ دیکھو رمضان کے مہینہ میں اپنی مرضی اور ارادے سے ایک پروگرام کے ماتحت انسان تکلیف اُٹھاتا ہے۔ وہ رات کو اُٹھتا ہے۔ بے شک وہ یہ تدبیر کر لیتا ہے کہ اگر گرمی ہو تو وہ ٹھنڈے پانی سے وضو کرے۔ پھر اگر گرمی کا موسم ہو تو وہ چھت سے باہر تہجّد کی نماز پڑھ لے اور اگر سردی ہو تو چھت کے نیچے تہجّد کی نماز پڑھ لے۔ یا گرم لباس پہن لے۔ پھر اگر وہ بیمار ہے تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے صحت اچھی نہیں ہے تو زیادہ عمدہ غذا کھا لے یا اگر معدہ خراب ہے تو نرم غذا کھالے۔ پیاس کے دن ہوں تو دو تین گلاس پانی کے اکٹھے پی لے یا چائے کی ایک پیالی پی لے تا تکلیف دُور ہو۔ دن کو گرمی کی تکلیف ہو تو وہ سائے اور ٹھنڈک میں رہے تا گرمی کی شدّت کم ہو۔ مگر باوجود اس کے کہ رمضان میں تمہارے پاس ایسے ذرائع موجود ہوتے ہیں جن سے تم گرمی کی شدّت کو کم کر سکتے ہو پھر بھی تمہاری تکلیف کو دیکھ کر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ رمضان کے مہینہ میں مَیں دعائیں سُننے کے لئے آسمان سے نیچے اُتر آتا ہوں اور کہتا ہے مجھ سے مانگو مَیں تمہیں دوں گا۔ پس اگر خدا تعالیٰ روزہ میں جس کی تکلیف کم کی جا سکتی ہے، جس کے ضرر سے بچنے کے لئے تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں مومن کے لئے اتنی رعایت کرتا ہے کہ وہ کہتا ہے چونکہ تم تکلیف اُٹھاتے ہو اس لئے مَیں تمہارے قریب ہو جاتا ہوں۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان[1] مَیں اس پکارنے والے (یعنی روزہ دار) کی آواز کو سُنتا ہوں اور مَیں اس کی دعائیں قبول کرتا ہوں۔ پھر ان تکالیف اور مصائب میں جو تمہارے اختیار میں نہیں جن کو کم کرنے کے لئے تم کوئی تدبیر نہیں کر سکتے ان میں وہ تمہارے کس قدر قریب ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اگر روزہ میں خدا تعالیٰ تمہارے لئے بے چین ہو جاتا ہے کہ جس میں ہر قسم کی سہولت بہم پہنچانا تمہارے اختیار میں ہوتا ہے تو دوسرے آلام اور مصائب میں وہ کتنا قریب ہو جاتا ہو گا۔ مومن کو اِبتلاؤں میں خوشی محسوس ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے قریب آ گیا ہے۔"[2]

حضور نے اِس خطبہ کے بعد ۲۶ تبوک ۱۳۳۱ ہش/ ۲۶ ستمبر ۱۹۵۲ء کو اِسی موضوع پر ایک اَور خطبہ دیا جس میں خصوصاً نوجوانانِ احمدیّت کو نصیحت فرمائی کہ:۔

" اگر تم احمدیّت، اسلام اور مذہب سے کوئی فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو تو وہ فائدہ تم اس وقت

---

[1] البقرہ: ۱۸۷ [2] الفضل ۸ ظہور ۱۳۳۱ ہش/ ۸ اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۳

تک نہیں اُٹھا سکتے جب تک کہ تمہیں خدا تعالیٰ نہ ملے۔ باقی چیزیں اس کی تابع ہیں ... مذہب اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں دیتا جب تک کہ تعلق باللہ پیدا نہ ہو۔ مذہب خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا نام ہے۔ آپ لوگ نمازیں پڑھیں، ذکرِ الٰہی کی عادت ڈالیں، غور و فکر کی عادت پیدا کریں، ہر ایک بات کو سوچیں اور اس سے نتیجہ نکالیں۔ آجکل لاکھوں میں کوئی ایک ہوگا جسے سوچنے کی عادت ہو سب لوگ نقل کے عادی ہوتے ہیں بات سُن لی اور نقل کر دی یہ نہیں کہ خود سوچ بچار کر کے کوئی نتیجہ اخذ کیا جائے وہ خود اِس بات پر غور نہیں کرتے کہ سچ کی کیا تعریف ہے، قومیں کیسے بنتی ہیں، کن ذرائع سے بھلائیاں بُرائیاں نظر آتی ہیں اور بُرائیاں بھلائیاں نظر آتی ہیں جب انسان بجائے غور و فکر کے محض جذبات سے کام لیتا ہے وہ ٹھوکر کھاتا ہے تم اگر کامیاب ہونا چاہتے ہو، تم اگر بامراد ہونا چاہتے ہو، تم اگر خوشی کی موت مرنا چاہتے ہو تو تم اپنی زندگی کو مفید بناؤ جیسا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بہتر عبادت یہی ہے کہ تم یہ محسوس کرو کہ تم خدا تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھ رہے تو تمہیں یہ یقین ہو کہ خدا تعالیٰ تمہیں دیکھتا ہے۔ تم بھی اپنے اندر یہی رنگ پیدا کرو تا جب موت آئے تو اگر تم خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھتے تو تمہیں یہ یقین ہو کہ خدا تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے اس کے بغیر حقیقی راحت حاصل نہیں ہوسکتی باقی چیزیں سب ڈھکوسلے ہیں ان میں کوئی حقیقت نہیں۔ اگر کسی مذہب پر عمل کرنے کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نہیں ملتا تو وہ مذہب محض نام کا مذہب ہے اس کے اندر کوئی حقیقت نہیں۔" [1]

شانِ انفرادیّت کا نمونہ دکھانے کی تلقین

۱۵ ظہور ۱۳۳۱ ہش/۱۵ اگست ۱۹۵۲ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ صحابہؓ کی شانِ اجتماعیّت و انفرادیّت کے موضوع پر خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور جماعتِ احمدیہ کو پیش آمدہ حالات کے مطابق بحیثیت مسلمان بہترین رنگ میں شانِ انفرادیّت کا نمونہ قائم کرنے کی تلقین کی چنانچہ ارشاد فرمایا:۔

"قومیں امن کی حالت میں اور شرارت کی ابتداء میں اجتماعی طاقت سے فائدہ اُٹھاتی ہیں لیکن اگر شرارت لمبی ہو جاتی ہے تو پھر انفرادیّت کام کرتی ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ

[1] روزنامہ "الفضل" لاہور مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۲ء صـ۳

میں بھی جب شرارت بڑھ گئی تو آپؐ نے اجتماعیّت کو بکھیر دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ حبشہ چلے جاؤ اور بعض کو آپؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا ارشاد فرمایا۔ پھر انہوں نے اپنی اپنی جگہ اکیلے کام کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوُا کہ وہی انفرادیّت اجتماعیّت کی شکل اختیار کر گئی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب خلافت کا دَور شروع ہوُا صحابہؓ پر کچھ ابتلاء آئے۔ صحابہؓ کو بھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعیّت اور انفرادیّت دونوں چیزیں سکھائی تھیں۔ آپؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ ایسے خاندان سے نہیں تھے جو حکمران خاندان ہو۔ بے شک آپ ایک شریف خاندان کے ایک فرد تھے لیکن وہ خاندان ایسا نہیں تھا کہ دوسرے خاندان اس کی ماتحتی برداشت کر لیں۔ آپ کے والد کا نام ابو قحافہؓ تھا۔ ابو قحافہؓ فتح مکّہ کے بعد مسلمان ہوئے اور وہ بھی رسمی طور پر۔ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو آپؐ کی وفات کی خبر مکّہ میں بھی پہنچی۔ ابو قحافہؓ بھی اس مجلس میں بیٹھے تھے کہ جس میں پیغامبر نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سُنائی۔ عرب لوگ پراگندہ تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر انہیں ایک نظام کے ماتحت کر دیا۔ جس طرح اس شخص کی زندگی ان کے لئے نرالی تھی اسی طرح اس کی وفات بھی ان کے لئے نرالی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اب کیا ہوگا؟ اس شخص نے کہا ہوگا کیا۔ ایک شخص خلیفہ بن گیا ہے اور اس نے نظام کو دوبارہ قائم کر دیا ہے۔ انکا خیال تھا کہ عربوں کی تلواریں میانوں سے نکل آئی ہوں گی اور قتل وغارت شروع ہو گئی ہو گی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کس شخص کو خلیفہ منتخب کیا گیا ہے؟ تو پیغامبر نے کہا ابوبکرؓ کو خلیفہ منتخب کیا گیا ہے۔ ابو قحافہؓ کو اس بات پر یقین نہ آیا انہوں نے خیال کیا میرا بیٹا خلیفہ نہیں ہو سکتا کوئی اَور ابوبکرؓ ہوگا جس کی اطاعت سب عرب قبائل نے قبول کر لی ہے چنانچہ انہوں نے دوبارہ دریافت کیا کون ابوبکرؓ؟ اس شخص نے کہا وہی ابوبکر جو آپؐ کا پُرانا ساتھی اور دوست تھا۔ ابو قحافہؓ نے پھر دریافت کیا کس کا بیٹا؟ تو اس شخص نے کہا تیرا بیٹا۔ ابو قحافہ کے لئے یہ عجیب بات تھی۔ عرب قبائل آزاد تھے، غیور تھے اور اپنے سے چھوٹے آدمی کی اطاعت نہیں کرتے تھے لیکن سب عربوں نے حضرت ابوبکرؓ کو مان لیا اور خونریزی کے بغیر مان لیا۔ یہ بات ابو قحافہ کے لئے نہایت عجیب تھی اس لئے انہوں نے دوبارہ دریافت کیا کہ کیا بنو ہاشم نے ابوبکرؓ کی بیعت کر لی ہے؟ اس شخص نے کہا ہاں ابو قحافہ نے پھر کہا۔ کیا بنو عبد المطلب نے ابوبکرؓ کی بیعت قبول کر لی ہے؟ اس شخص نے کہا۔ ہاں۔ ابو قحافہ نے جب یہ سُنا کہ

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کی وجہ سے عربوں میں اجتماعیّت اِس حد تک آگئی ہے کہ ایک شخص جو حاکم قوم میں سے نہیں سب قبائل اس کی بیعت کے لئے تیار ہو گئے ہیں اور انہوں نے بلاچون و چرا اس کی بیعت کر لی ہے تو بے ساختہ اس کے مُنہ سے نکلا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ آج میرا دل مان گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی خدا تعالیٰ کے رسول تھے۔ اگر سارے قبائل میرے بیٹے کی بیعت کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو یہ کام ایک رسول کے سوا کوئی اَور نہیں کر سکتا۔ گویا عربوں نے اجتماعیّت کا نہایت اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ پھر جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر عرب میں پھیلی تو نئے مسلمان مرتد ہو گئے اور وہ مدینہ پر چاروں طرف سے حملہ کر کے آگئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کو اپنی زندگی میں شام کی طرف جانے کا حکم دیا تھا جس کی روانگی آپؐ کی وفات کی وجہ سے رُک گئی تھی حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس لشکر کو شام کی طرف روانہ کر دیا صحابہؓ نے اِس بات کو بُرا منایا اور کہا مدینہ اِس وقت ننگا ہو گیا ہے اور یہ بُوڑھا شام کی طرف لشکر بھیج رہا ہے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو کہا کہ ابوبکرؓ کو سمجھاؤ شاید اس بُوڑھے نے حالات کی نزاکت کو نہیں سمجھا چنانچہ حضرت عمرؓ آپ کے پاس گئے اور کہا کیا آپ نے لشکر کو شام کی طرف جانے کا حکم دیا ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ہاں حضرت عمرؓ نے کہا کہ میرا اور صحابہ کا مشورہ یہ ہے کہ آپ اس لشکر کو روک لیں کیونکہ چاروں طرف سے اِس قسم کی خبریں آ رہی ہیں کہ دشمن مدینہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ نئے مسلمان کثرت سے مرتد ہو گئے ہیں اور بہت تھوڑی جگہیں ایسی رہ گئی ہیں جہاں پُرانے مسلمان ہیں۔ اِس حالت میں لشکر کا باہر بھیجنا اچھا نہیں۔ جس طرح حضرت ابوبکرؓ کی جان خطرہ میں تھی اسی طرح حضرت عمرؓ کی جان خطرہ میں تھی، اسی طرح حضرت عثمانؓ کی جان خطرہ میں تھی، اسی طرح حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی جانیں خطرہ میں تھیں، اسی طرح ان کے بیوی بچوں کی جانیں خطرہ میں تھیں، اسی طرح جو لشکر روانہ ہو رہا تھا ان کے بیوی بچوں کی جانیں خطرہ میں تھیں۔ اس وقت ہر ایک شخص یہ سمجھ رہا تھا کہ اس وقت اُسے اپنے گھر کے سامنے کھڑے ہو کر لڑنا چاہیئے اور اپنے بیوی بچوں کی جانیں بچانی چاہئیں لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ابوقحافہ کے بیٹے کی کیا طاقت ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے لشکر کو روک سکے؟ پھر جب ایسی خبریں آنی شروع ہوئیں کہ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار

کر دیا ہے اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ ہمارا روپیہ مدینہ کیوں جائے، نجد کا روپیہ نجد میں خرچ ہونا چاہیئے، بحرین کا روپیہ بحرین میں خرچ ہونا چاہیئے مدینہ اپنے اخراجات کا خود انتظام کرے ہم روپیہ علاقہ سے باہر نہیں لے جانے دیں گے تو صحابہؓ نے آپس میں مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجا حضرت عمرؓ نے کہا وقت نازک ہے آپ لوگوں کو کچھ وقت تک ڈھیل دے دیں آہستہ آہستہ ان میں اسلام آ جائے گا تو وہ زکوٰۃ دے دیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا عمرؓ تم وہ بات کہتے ہو جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کہی۔ خدا کی قسم! اگر یہ لوگ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اُونٹ باندھنے کی رسّی بھی بطور زکوٰۃ دیا کرتے تھے تو مَیں ان سے وہ رسّی بھی لیکر چھوڑوں گا۔ اور اگر کوئی شخص زکوٰۃ نہیں دے گا تو اس سے مَیں اس وقت تک لڑوں گا یہاں تک کہ مَیں مارا جاؤں یا وہ مارے جائیں عمرؓ اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟ اگر دشمن مدینہ کی تمام عورتوں کو مار دے اور کُتّے ان کی لاشیں مدینہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھریں تب بھی مَیں ڈروں گا نہیں۔ اب دیکھو مدینہ خطرہ میں گھرا ہوُا ہوتا ہے۔ ہر مسلمان کا گھر، مال اور اس کی عزّت خطرہ میں ہوتی ہے لیکن حضرت ابوبکرؓ کے مُنہ سے یہ فقرات نکلتے ہیں تو ہر مسلمان اٰمنّا وصدّقنا کہہ کر اطاعت پر تیار ہو جاتا ہے۔ یہ اجتماعی رُوح کا کمال تھا۔ پھر اسلام پر وہ زمانہ آیا جب خلافت کے پرخچے اُڑ گئے۔ اب مسلمانوں کے لئے انفرادیت دکھانے کا وقت آیا اور اس میں بھی انہوں نے کمال کر دکھایا۔ کوئی ایران چلا گیا، کوئی افغانستان چلا گیا، کوئی افریقہ کے صحراؤں کی طرف چلا گیا اور کوئی چین چلا گیا۔ آجکل جو کروڑوں کروڑ مسلمان ان ممالک میں موجود ہیں وہ انہی لوگوں کی اعلیٰ درجہ کی انفرادیّت کا نمونہ ہیں۔ پس صحابہؓ کو جہاں انفرادیت میں کام کرنا سکھایا گیا تھا وہاں اجتماعیت میں بھی انہوں نے کام کیا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ایک ہزار کے ماتحت کس طرح کام کیا جاتا ہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ فرداً فرداً کام کس طرح کرنا چاہیئے چنانچہ اب بھی بمبئی میں ایسے صحابہؓ کی قبریں موجود ہیں جو اس وقت ہندوستان آئے اور یہاں تبلیغِ اسلام کی۔ خدا کی قدرت ہے کہ سندھ میں جہاں ہم نے زمین خریدی ہے خصوصاً جہاں پر میری زمین ہے وہاں ایک جگہ دلیہ صابو کہلاتی ہے اس جگہ کے متعلق بھی مشہور ہے کہ وہاں کسی صحابیؓ کی قبر ہے۔ جب صحابہؓ نے دیکھا کہ خلافت کے ماتحت جو نظام چلا تھا وہ درہم برہم ہو گیا ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ اب وقت کیوں ضائع کیا جائے وہ دُنیا میں پھیل گئے اور مختلف ممالک میں جا کر انہوں نے اشاعتِ اسلام

کی۔ پس ہماری جماعت کو یہ دونوں طاقتیں یعنی اجتماعیّت اور انفرادیّت اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں بسا اوقات اجتماعیّت کمزور پڑ جاتی ہے تو اس وقت انفرادیّت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ہر جگہ فتنہ و فساد برپا ہو جاتا ہے اور مرکز سے تمہارے تعلّقات منقطع ہو جاتے ہیں تو اس وقت ہر احمدی اپنی ذات میں مرکزِ احمدیّت ہونا چاہیئے اور اُسے سمجھ لینا چاہیئے کہ احمدیّت کا جھنڈا اس کے ہاتھ میں ہے۔ اُسے یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ ربوہ آ کر وہ مشورہ کرے بلکہ اس وقت اُسے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ خود خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ اس وقت اس کا گھر ربوہ ہونا چاہیئے۔ اس وقت اس کا گھر قادیان ہونا چاہیئے۔ اور جس طرح خلافت کا نظام ٹوٹ جانے کے بعد صحابہؓ نے ایک ایک گھر کو مدینہ بنا لیا اور جب تفرقہ ہؤا تو ہر مسلمان نے یہ عزم کر لیا کہ وہ اسلام کا جھنڈا نیچے نہ ہونے دے گا اسی طرح تم نے اجتماعیّت کی حالت میں نہایت اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ تم تھوڑے تھے تم نے اپنے پیٹ کاٹے اور معمولی آمدنوں میں سے ایک حصہ اشاعتِ اسلام کے لئے دیا۔ تم نے چندے دئے اور جماعت نے مبلّغ تیار کئے۔ پھر جماعت نے ان مبلّغوں کو دیانت کے ساتھ بیرونی ممالک بھیجا۔ جماعت نے تمہارے روپیہ کو اعلیٰ طور پر استعمال کیا یہاں تک کہ دُنیا میں احمدی جماعت کی دُھوم مچ گئی اور دُشمنوں نے بھی اقرار کیا کہ پچھلے تیرہ سو سال میں مسلمانوں نے وہ کام نہیں کیا جو اِس چھوٹی سی جماعت نے ایک قلیل عرصہ میں کر دیا ہے پس تم نے اجتماعیّت کا نہایت اعلیٰ نمونہ دکھایا ہے اَب تم نے انفرادیّت کا بھی نمونہ دکھانا ہے۔ بہت سے احمدی گھبرا کر میرے پاس آتے ہیں تو مَیں انہیں یہی کہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک خلیفہ کا قائمقام ہے۔ تم میں سے ہر ایک دین کا مرکز ہے۔ تم میں سے ہر ایک کو سمجھ لینا چاہیئے کہ احمدیّت اور اسلام کا احیاء اور بقاء اس کے ذمہ ہے۔ تم میں سے ہر ایک کا گھر احمدیّت کا مرکز ہے جس سے احمدیّت کا نُور دُنیا میں پھیلے گا۔ تم نے اجتماعیّت کا بہت اعلیٰ نمونہ دکھایا ہے اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم انفرادیّت کا نمونہ بھی دکھاؤ اگر مخالفت بڑھ جائے تو تم نے مرکز سے مشورہ کئے بغیر اپنا مدّعا اپنے سامنے رکھ کر اسلام کو پھیلانا ہے احمدیّت کی اشاعت کرنا ہے۔ تمہیں یہ عزم کر لینا چاہیئے کہ اگر تمہارے چاروں طرف دُشمن کا ٹھاٹھیں مارتا ہؤا سمندر بھی ہؤا تو تمہاری گردن نیچے نہیں ہوگی تم چُپ نہیں ہوگے بلکہ اسلام اور احمدیّت کے پیغام کو مرتے دَم تک لوگوں تک پہنچاتے چلے جاؤ گے۔" [1]

---

[1] خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ اگست ۱۹۵۲ء بمقام ربوہ مطبوعہ روزنامہ "الفضل" لاہور ۲۶ اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۵، ۶

مسئلۂ اقلیت سے متعلق اہم خطبۂ جمعہ

اُن دنوں پاکستان کے مختلف حلقوں میں خاص طور پر یہ افواہیں پھیلائی جا رہی تھیں کہ پاکستان کی مرکزی حکومت احراری ایجی ٹیشن سے متاثر ہو کر احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے گی۔

اِس خدشہ کی بناء پر حضرت مصلح موعودؓ نے نمائندہ "لنڈن ڈیلی میل" کو بیان دینے کے علاوہ ۱۸ ظہور ۱۳۳۱ ہش / ۱۸ اگست ۱۹۵۲ء کو مفصّل و مبسوط خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں حضور نے مسئلۂ اقلیت کے مختلف امکانی گوشوں پر بصیرت افروز روشنی ڈالی اور بحیثیت خلیفۃ المسیح اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا۔

یہ خطبہ اِس موضوع پر ایک مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ حضور نے فرمایا:-

"مَیں نے کہا تھا کہ اگر حکومت احمدی نام کو خلافِ قانون قرار دیدے تو ہم احمدی مسلمان کی بجائے محض مسلمان کہلانا شروع کر دیں گے کیونکہ ہمارا اصل نام مسلمان ہے احمدی تو اس کے ساتھ صرف امتیاز کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ[1] اُس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے پس جب ہمارا اصل نام مسلمان ہی ہے تو اگر کوئی حکومت احمدی نام پر پابندی لگائے گی تو ہم صرف مسلمان کہلانے لگ جائیں گے۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا ہے اور بعض اخبارات نے بھی لکھا ہے کہ آجکل کی حکومتیں ایسی نہیں جو محض نام پر پابندی عائد کرنے پر اکتفاء کریں۔ آجکل نظم و نسق اس قسم کا ہے کہ جب لوگ سوال کرتے ہیں تو اس سے کوئی چیز باہر نہیں نکل سکتی۔ یہ درست ہے کہ انسان اگر کرنے پر آئے تو کیا کچھ نہیں کر سکتا لیکن یہ بات بھی درست ہے کہ جہاں ہم اِس بات کو جائز سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی حکومت ایسا حکم دے جو افراد کے مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور وہ ہماری اصولی چیزوں سے ٹکراتا نہ ہو تو ہم جماعت کو یہ تعلیم دیں گے کہ وہ حکومت کی اطاعت کرے وہاں شریعت یہ بھی کہتی ہے کہ اگر تمہارے ایمان کا امتحان ہو اور تمہارے سروں پر آرے رکھ کر تمہیں چیر دیا جائے تو تم آخر تک چِر جاؤ لیکن ایمان کو ضائع نہ ہونے دو۔ پس جہاں یہ ٹھیک ہے کہ کوئی حکومت ایسی بھی ہو سکتی ہے جو اِس قسم کے عمل کے خلاف احکام دیدے اور وہ افراد کے مذہب میں مداخلت کرے

---

[1] الحج: ۷۹

وہاں یہ بھی ٹھیک ہے کہ دُنیا میں ایسے ست بھی ہو سکتے ہیں جو مذہب کے لئے جائز قربانیاں کرتے چلے جائیں اور ایمان پر قائم رہیں۔ جس شخص کو ہم نے مانا ہے اس کا شعر ہے

در کُوئے تو اگر سرِ عشّاق را زنند
اوّل کسیکہ لافِ تعشّق زند منم

یعنی اگر تیرے کُوچہ میں عشّاق کے سروں کو کاٹنے کا حکم دے دیا جائے تو سب سے پہلے جو عشق کا شور مچائے وہ میں ہوں گا۔ پس یہ ٹھیک ہے کہ بعض حکومتیں ایسا ظلم بھی کر سکتی ہیں جیسا کہ رُوس میں ہو رہا ہے کہ وہاں مذہب کو بالکل بیکار کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح اور بھی ایسے ممالک ہو سکتے ہیں لیکن میرے خیال میں رُوس سے زیادہ ان میں مذہب پر پابندی نہیں ہو سکتی۔ آجکل کی ظاہری روش اور جمہوری خیالات کے نتیجہ میں کوئی حکومت رُوس کا سا طریق اختیار نہیں کر سکتی اور کوئی قوم ایسی نہیں جو مذہب میں اِس حد تک دخل دے۔ پس عقلی بات تو یہی ہے کہ کوئی حکومت افراد کے مذہب میں دخل نہیں دے سکتی لیکن کوئی حکومت اگر عقل سے باہر جا کر ایسے قوانین بنا دے جو مذہب میں روک پیدا کر دیں۔ اور الفاظ کی تبدیلی سے کام نہ بنے تو ہم بھی کہیں گے کہ تم ہمیں گولی مار دو لیکن ہم اپنے اصول کو نہیں چھوڑیں گے۔ ہم مرتے جائیں گے لیکن صداقت کا انکار نہیں کریں گے۔ موت سے زیادہ حقیر چیز اور ہے ہی کیا؟ ساری چیزوں پر کچھ نہ کچھ خرچ ہوتا ہے۔ دستخطوں کے لئے سیاہی لینے جائیں تو اس پر بھی دھیلہ خرچ آجاتا ہے لیکن موت پر کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا موت آخر آنی ہے اور جو چیز ضرور آنی ہے اس پر خرچ کیا آئے گا۔ پس یہ ٹھیک ہے کہ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں آجکل کی متمدّن دُنیا میں کسی حکومت کے قوانین مذہب کے بارہ میں اِس حد تک نہیں جایا کرتے کہ وہ ظالمانہ صُورت اختیار کر جائیں۔ بعض جگہوں پر حکومتیں ایک حد تک سختی کرتی ہیں۔ مثلاً ساؤتھ افریقہ کی حکومت نے یہ قانون بنایا ہے کہ کالے گوروں سے الگ رہیں لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتی کہ کالے ملک میں نہ رہیں۔ اس نے یہ کہا ہے کہ گورے اور کالے ریلوں میں اکٹھے سفر نہ کریں لیکن اس نے یہ نہیں کہا کہ کالے سفر ہی نہ کریں۔ اس نے یہ کہا ہے کہ گوروں کے ہسپتال میں کالے نہ جائیں لیکن اس نے یہ نہیں کہا کہ کالوں کا علاج ہی نہ ہو۔ اس نے یہ کہا ہے کہ گورے اور کالے آپس میں شادی نہ کریں لیکن وہ نہیں کہتی کہ کالے شادی ہی نہ کریں

پس بعض ممالک میں بے شک سختیاں ہوتی ہیں مگر ایک حد تک لیکن دُنیا چونکہ متمدن ہو چکی ہے اِس لئے اب کوئی ایسی حکومت نہیں ہو سکتی جو کوئی ایسا قانون بنائے جو عقل کے خلاف ہو۔ لیکن فرض کرو کہ اگر کوئی ایسی حکومت ہو جو عقل سے باہر جا کر ایسے قانون بنا سکتی ہو تو عاشق بھی عقل سے باہر جا کر اپنی جانوں کو شہادت کے لئے پیش کر سکتے ہیں اور یہ کوئی عجیب بات نہیں جس پر لوگوں کو حیرت ہو ہماری جماعت امن پسند جماعت ہے لیکن جن ملکوں میں احمدیوں کے لئے امن نہیں رہا وہاں ہم نے اپنے آپ کو بچایا نہیں۔ کابل میں دیکھ لو احمدی پتھر کھاتے گئے مگر مرتد نہیں ہوئے۔ پس حکومت کی فرمانبرداری اَور چیز ہے اور عقائد اَور چیز ہیں۔ متمدن دُنیا افراد کے مذاہب میں دخل نہیں دیتی۔ متمدن دُنیا حُریتِ ضمیر میں دخل نہیں دیتی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب مکہ میں تھے جہاں تک آئین کا سوال تھا آپؐ مکہ کی حکومت کے قانون کے پابند تھے اور حکومت کی اطاعت کرتے تھے لیکن آپؐ نے تبلیغ کو ترک نہیں کر دیا تھا۔ مسیح کو آپؐ نے ترک نہیں کر دیا تھا کسی کے کہنے پر آپؐ نے اپنا کام نہیں چھوڑ دیا تھا لیکن جہاں تک آئین اور قانون کا سوال تھا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کے قوانین کی پابندی کی۔ اور جہاں تک عقائد کا سوال تھا آپؐ نے اپنے آپ کو ان پر مضبوطی سے قائم رکھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام پر بھی ہماری طرح متضاد سوالات کئے جاتے تھے۔ لوگ عوام الناس کے پاس جاتے تو کہتے یہ حکومت کے خوشامدی ہیں اور حکومت کے پاس جاتے تو کہتے یہ باغی ہیں۔ ہمارے متعلق بھی یہی کہا جاتا ہے۔ مخالفوں کی کتب میں وہ مضامین بھی موجود ہیں جن میں لکھا گیا ہے کہ ہم حکومت کے خوشامدی ہیں اور حکومت کے نام ایسے محضر نامے بھی موجود ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ ہم حکومت کے باغی ہیں۔ ایک طرف باغی کہنا اور دوسری طرف خوشامدی کہنا یہ دونوں چیزیں اکٹھی کیسے ہو سکتی ہیں؟ لیکن لوگ اکثریت کے گھمنڈ میں سب کچھ کہہ لیا کرتے ہیں۔ وہ طاقت کے گھمنڈ میں یہ خیال نہیں رکھتے کہ سچ کیا ہے۔ لوگ اکثریت کے گھمنڈ میں بجائے دوسروں کے احساسات کا خیال رکھنے کے یہ کہتے ہیں کہ تم نے ہماری بات نہ مانی تو ہم ڈنڈا ماریں گے۔ مثل مشہور ہے کہ کوئی بھیڑیا ندی کے کنارے پانی پی رہا تھا۔ ایک بکری کا بچہ آیا اور اُس نے بھی پانی پینا شروع کر دیا۔ بکری کا بچہ دیکھ کر بھیڑیے کے مُنہ میں پانی بھر آیا اور اُس نے یہ چاہا کہ اُسے کھالے۔ اِنسانوں اور حیوانوں کے حالات ایک سے نہیں ہوتے انسان دلیل دیتا ہے لیکن ایک حیوان

دلیل نہیں دیتا۔ مثال میں چونکہ دلیل دی گئی ہے اس لئے یہاں بھیڑیے سے مراد وہ آدمی ہے جو بھیڑیے کے سے خصائل رکھتا ہو۔ بہرحال بھیڑیے کو یہ لالچ پیدا ہوا کہ کسی نہ کسی طرح بکری کے بچہ کو کھالے چنانچہ وہ بکری کے بچہ کو دیکھ کر کہنے لگا تجھے شرم نہیں آتی کہ میرا پانی گدلا کر رہا ہے۔ بکری کے بچہ نے کہا سرکار یہ کونسی بات ہے؟ آپ نے سوچا نہیں کہ آپ اُوپر ہیں اور مَیں نیچے آپ کا پیا ہوا پانی میری طرف آرہا ہے نہ کہ میرا پیا ہوا پانی آپ کی طرف جارہا ہے۔ بھیڑیے نے آگے بڑھ کر بکری کے بچہ کو تھپڑ مارا اور اُسے مار دیا اور کہا نالائق آگے سے جواب دیتا ہے۔ پس زبردست کثرت پر گھمنڈ کرتا ہی ہے جیسے آجکل احراری اخبار آزاد، زمیندار اور آفاق کر رہے ہیں۔ وہ کہیں گے اور ہم سُنیں گے۔ اور چونکہ ہم تھوڑے ہیں۔۔۔ اس لئے ہم تھوڑے ہونے کی سزا بھگتیں گے یہانتک کہ ہمارے خدا کی غیرت بھڑک اُٹھے اور وہ ہمیں اقلیت سے اکثریت میں تبدیل کر دے۔ لیکن جب تک ہم تھوڑے ہیں ہمیں تھوڑے ہونے کی سزا بھگتنی پڑے گی، ماریں کھانی پڑیں گی، گالیاں سُننی پڑیں گی۔ کئی احمدی میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آخر ہم کب تک اِن تکالیف کو برداشت کریں گے؟ مَیں انہیں یہی کہتا ہوں تم تھوڑے ہو اور جب تک تم تھوڑے ہو تمہیں تھوڑا ہونے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ خدا تعالیٰ اگر تمہیں دُکھوں میں مبتلا نہ کرنا چاہتا تو وہ تمہیں اقلیت میں نہ رہنے دیتا۔ لیکن جس طرح کثرت دماغ میں غرور پیدا کر کے عقل مار دیتی ہے اسی طرح عشق بھی ایک عاشقِ صادق کے اندر کبریائی پیدا کر دیتا ہے مگر عشق ہمیشہ کبریائی کے نشہ میں آکر مرتا ہے مارتا نہیں۔ چنانچہ دیکھ لو عاشقوں نے معشوقوں کے لئے اپنی جانیں دی ہیں اور کثرت والوں نے تھوڑی تعداد والوں کو غرور میں آکر مارا ہے۔ پس خدا تعالیٰ کی یہ تقدیر ہے جو بدل نہیں سکتی۔ تم کوئی نئی جماعت نہیں جو اقلیت میں ہو۔ کثرت والے کہتے ہیں ہم تمہیں اقلیت بنا دیں گے۔ ہم کہتے ہیں بنانے کا کیا سوال ہے ہم تو پہلے ہی اقلیت میں ہیں کیونکہ ہم تھوڑے ہیں۔ جس چیز کا ہمیں انکار ہے وہ یہ ہے کہ ہم وہ اقلیت نہیں جس کے معنے غیر مسلم کے ہیں۔ کیا مسلمان ہندوستان میں اقلیت میں نہیں؟ ہندوستان میں ہندو زیادہ ہیں اور مسلمان کم ہیں۔ پھر اگر پاکستان میں کوئی ناجائز سلوک اقلیت سے ہو سکتا ہے تو کیا وہی سلوک ہندوستان میں مسلمانوں سے بھی ہو سکتا ہے یا چین میں مسلمانوں سے ہو سکتا ہے۔ اگر اقلیت پر سختی کرنا جائز ہے تو پھر وہی سلوک انگلستان میں بھی

مسلمانوں سے جائز ہے۔ یہ کتنی بے حیائی ہے کہ ایک قوم متمدّن ہونے کا دعوٰی بھی کرے اور پھر وہ یہ خیال کرے کہ اگر وہ اقلیّت والوں سے اپنی کثرت کی وجہ سے کوئی بُرا سلوک کرتی ہے تو جائز ہے لیکن دوسری شریف حکومتوں سے جہاں وہ قوم خود اقلیّت میں ہے یہ اُمّید رکھے کہ وہ اس سے ایسا سلوک نہیں کرے گی کتنے تعجّب کی بات ہے کہ اسلام جو سب سے زیادہ شرافت سکھاتا ہے اُس کی طرف منسوب ہونے والے آج غیر قوموں کی شرافت سے تو ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہارے مُلک میں تھوڑے ہیں اس لئے ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرو لیکن اپنے مُلک میں تھوڑوں پر ظلم کرنا چاہتے ہیں اور تھوڑا سمجھ کر اُن کو آزادی سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ شرافت ہے؟ ہم اقلیّت سے جو سلوک کرتے ہیں وہی سلوک اگر وہ ممالک ہم سے کریں جہاں ہم اقلیّت میں ہیں تو ان کا یہ طریق جائز ہو گا لیکن ہم اسے جائز نہیں کہتے۔ جو سلوک ہندوستان میں مسلمانوں سے ہو رہا ہے کوئی احمدی ہو یا غیر احمدی اسے بُرا مانتا ہے کیونکہ مسلمان بھی حکومت کے اعضاء ہیں اور حکومت میں سب کو برابر ہونا چاہیئے۔ یہی سلوک پاکستان میں بھی ہونا چاہیئے۔ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کا قرآن کریم کے احکام اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر ایمان ہے وہ مسلمان ہے اور پھر جتنا جتنا وہ احکامِ قرآن اور احکامِ رسولؐ پر عملاً ایمان لاتا ہے اتنا اتنا وہ حقیقتاً مسلمان ہے لیکن جب وہ مُنہ سے کہتا ہے کہ مَیں مسلمان ہوں تو وہ ظاہر میں سَو فیصدی مسلمان ہے کیونکہ وہ مُنہ سے کہتا ہے مَیں مسلمان ہوں اور نام کے لحاظ سے مُنہ سے کہنا کافی ہے اور عمل حقیقت کے لحاظ سے ضروری ہے۔

یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ کوئی کیسا مسلمان ہے بندے کا کام نہیں۔ بندے کا کام یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے تو وہ اسے مسلمان کہے۔ اگر مَیں کہتا ہوں مَیں مسلمان ہوں تو اسے مجھے مسلمان ماننا پڑے گا۔ اگر زید کہتا ہے مَیں مسلمان ہوں تو اُسے زید کو مسلمان ماننا پڑے گا چاہے وہ شافعی ہو، حنفی ہو، مالکی ہو، حنبلی ہو۔۔۔"

"تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ تم تھوڑے ہو اِس لئے نہیں کہ تم مسلمان نہیں بلکہ اِس لئے کہ احمدی کہلانے والے مسلمان غیر احمدی کہلانے والے مسلمانوں سے کم ہیں اور عربی زبان میں اسے اقلیّت کہتے ہیں اقلیّت کے یہ معنے نہیں کہ ہم مسلمان نہیں کیونکہ ہم مُنہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور قیامت

تک اپنے آپ کو مسلمان کہتے جائیں گے یہاں تک کہ ہم بڑھ جائیں۔ اور اگر خدا تعالیٰ کی تقدیر چاہتی ہے کہ وہ احمدیت کو قائم رکھے تو یقیناً ہم بڑھیں گے اور بڑھتے چلے جائیں گے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ اس فتنہ کے ایّام میں بھی جن لوگوں میں جُرأت ہوتی ہے وہ لوگوں کے غلط الزامات کی تردید کر دیتے ہیں۔ ایک دوست نے مجھے خط لکھا کہ مَیں احمدی نہیں مَیں سیاسی آدمی ہوں مذہبی نہیں لیکن جوں جوں اخبارات میں مَیں نے پڑھنا شروع کیا کہ احمدی پاکستان کے غدار ہیں تو مجھے پتہ لگا کہ ایسا کہنے والے جھوٹے ہیں۔ مَیں کٹر پاکستانی تھا مَیں نے پاکستان کی خاطر بہت سی قربانیاں کیں اور میرے وفادار ساتھیوں میں سے بعض احمدی بھی تھے۔ پس جب مَیں اخبارات میں پڑھتا ہوں کہ احمدی غدّار ہیں تو مَیں سمجھتا ہوں کہ ایسا کہنے والے جھوٹے ہیں۔ یہ خیالات ہزاروں کے نہیں لاکھوں کے ہیں لیکن سب میں یہ جُرأت نہیں کہ اس کا اظہار کریں لیکن ایک وقت آئے گا جب لوگ جُرأت سے اس کا اظہار کریں گے۔ لاہور، گورداسپور، فیروزپور وغیرہ کے لاکھوں آدمی ہیں جن کے ساتھ احمدی مل کر کام کرتے رہے ہیں۔ راولپنڈی کا اخبار "تعمیر" آجکل "زمیندار" کا ہمنوا ہے لیکن آج سے کچھ سال پہلے ایڈیٹر نے اپنے ایک ناول میں لکھا تھا کہ احمدیوں نے پاکستان کی خاطر بہت سی قربانیاں کی ہیں۔

آج وہ جو کچھ چاہتے ہیں کہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اُس وقت ایڈیٹر اخبار "تعمیر" نے کیا لکھا تھا؟ مصیبت کے وقت اس کے مُنہ سے سچ نکل گیا تھا۔ پس یہ چیزیں وقتی ہیں۔ مومن اور شریف آدمی وہی ہے جس کے ہاتھ سے ایک طرف چیونٹی کو بھی ضرر نہیں پہنچتا۔ وہ قانون کا بڑا ہی پابند ہوتا ہے۔ وہ قانون پر بڑا چلنے والا ہوتا ہے اور بڑا ہی بے ضرر ہوتا ہے جیسے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے ایبےسینیا اور مکّہ میں رہ کر وہاں کی حکومتوں کے قواعد کی پابندی کی لیکن ساتھ ہی وہ نڈر بھی ہوتا ہے کوئی اسے مارتا ہے یا گالیاں دیتا ہے تو وہ اس کی پروا نہیں کرتا۔ ایک صحابیؓ جو پہلے مسلمان نہیں تھے بعد میں وہ مسلمان ہو گئے ہمیشہ یہ واقعہ سُنایا کرتے تھے۔ اِس وقت سارا واقعہ تو سُنا نہیں سکتا اختصار کے ساتھ بیان کر دیتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں مَیں مسلمان نہیں تھا مَیں ایک لڑائی میں شامل ہو گیا اور ہم نے مسلمانوں کو مارنا شروع کیا۔ اِتنے میں مسلمانوں کا ایک لیڈر نیچے اُتر آیا۔ ہم میں سے دو تین آدمیوں نے اُس پر حملہ کر دیا اور ایک شخص نے آگے بڑھ کر اُس کے

سینہ پر نیزہ مارا وہ گر پڑا جب وہ گرا تو اُس کی زبان سے نکلا فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَةِ[۱] کعبہ کے ربّ کی قسم مَیں کامیاب ہو گیا۔ مَیں نے کہا یہ عجیب آدمی ہے گھر سے دُور ہے، بے وطن ہے، بیوی بچّے پاس نہیں، دھوکہ میں اُسے یہاں لایا گیا ہے، اُسے وصیّت کرنے کا موقعہ بھی نہیں ملا مگر بجائے اِس کے کہ یہ روتا وہ نعرہ مارتا ہے کہ فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَةِ کعبہ کے ربّ کی قسم مَیں کامیاب ہو گیا۔ وہ صحابیؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں اس قبیلے کا آدمی نہیں تھا جس نے اس شخص کو شہید کیا مَیں ان کے ہاں بطور مہمان مقیم تھا اور لڑائی میں ان کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر مَیں مدینہ آ گیا تا دیکھوں کہ یہ کیسے لوگ ہیں جنہیں موت میں لذّت محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ مَیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور چند دن وہاں رہا مجھے صداقت کا احساس ہوا اور مَیں مسلمان ہو گیا۔ پھر آگے وہ صحابیؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اتنے سال گذر گئے کہ یہ واقعہ ہوا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر بھی اتنے سال گذر گئے لیکن مَیں جب بھی یہ واقعہ سُناتا ہوں وہ نظّارہ میرے سامنے آجاتا ہے اور میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مَیں اِس نظّارہ کو بھول نہیں سکتا۔

پس جہاں تک قانون کا سوال ہے جماعت اس کی پابندی کرے گی لیکن جہاں تک لٹھ بازی کا سوال ہے ہر مخلص احمدی لاٹھیاں کھاتا جائے گا اور صداقت کا اظہار کرتا جائے گا بعض کمزور کمزوریاں دکھا چکے ہیں اور ممکن ہے آئندہ بھی دکھائیں کیونکہ بعض طبائع کمزور بھی ہوتی ہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اُحد میں بھاگے تو آپؐ نے فرمایا تم لوگ فرار نہیں کرار ہو کیونکہ تمہارا جنگ میں دوبارہ جانے کا ارادہ تھا۔ اِسی طرح ایک اَور صحابیؓ تھے ان پر مخالفین نے سختی کی۔ وہ ابھی بچّے تھے مخالفین نے ان کے مُنہ سے بعض الفاظ نکلوا لئے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پتہ لگا تو آپؐ نے محبّت سے ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور ایسے الفاظ کہے جن سے ان کی دلجوئی ہو۔ مومن کی شان یہی ہے کہ جتھے اسے مارتے ہیں تو مارتے رہیں... لوگ اسے صداقت سے پھیرنا چاہتے ہیں لیکن وہ پھرتا نہیں وہ صداقت پر قائم رہتا ہے لیکن اگر کوئی کمزور طبیعت شخص کمزوری دکھا جاتا ہے تو طاقتوروں کو بھی چاہیئے کہ وہ کمزور کا خیال رکھیں۔ آپ اس کے ساتھ ایسے رنگ میں پیش آئیں کہ اسے پشیمانی محسوس ہو اور وہ توبہ کرے۔ بہرحال ایک مومن ڈر، رُعب اور جتھے سے ڈر کر اپنا ایمان نہیں

---

[۱] بخاری جلد ۳ صفحہ ۲ (باب غزوۃ الرجیع) مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء

چھوڑتا، وہ دوسروں پر خود حملہ نہیں کرتا، وہ خود آئین شکنی اور فساد نہیں کرتا، وہ دوسروں سے لڑتا نہیں لیکن جہاں تک عقائد کا سوال ہے وہ قانون سے بالا ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ اور بندے کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ خدا اور بندے کے درمیان کوئی حکومت بھی کھڑی نہیں ہو سکتی۔ جہاں تک مذہب اور ایمان کا سوال ہے کسی حکومت کو اس میں دخل حاصل نہیں۔ ایسی کوئی حکومت نہیں جو کسی کے مذہب میں دخل دے۔۔۔ عقیدہ کا تعلق خدا تعالیٰ سے ہے یہ حکومت کے زور سے بدلا نہیں جا سکتا۔ اگر عیسائی کسی مسلمان کو ماریں اور کہیں کہ تم تین خدا تسلیم کر لو تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص مجھے پکڑ لے اور کہے تم یہ کہو کہ میں ایک نہیں دو ہوں تو خواہ وہ کتنا عذاب دے میں اپنے آپ کو ایک ہی کہوں گا۔ پس اگر خدا تعالیٰ ایک ہے تو کون کہے گا کہ خدا تین ہیں اگر کمزور طبیعت کا کوئی شخص تین خدا کہہ بھی دے تو اس کا اپنا دل یہ تسلیم کرے گا کہ میں ایسا کہنے میں سچا نہیں جان بچانے کی خاطر میں نے جھوٹ بولا ہے۔ پس اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سچے ہیں تو خواہ سارا شہر چڑھ آئے، لاکھ دو لاکھ کا جتھا حملہ کر دے، ڈرائے اور طاقت کا رعب دے کر کہے تم کہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں تو ہم کس طرح آپ کو جھوٹا کہیں گے۔ کمزور طبیعت انسان اگر کہہ بھی دے تو اُس کا دل اُسے جھوٹا کہہ رہا ہوگا وہ سمجھتا ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سچے ہیں جھوٹا میں ہوں جس نے بُزدلی دکھائی ہے پس تم اپنے ایمان کو مضبوط کرو اور ساتھ ہی اپنے جذبات پر قابو رکھو میرے پاس کئی لوگ آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں ہم کیا کریں۔ ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آخر ہم کب تک مار کھاتے جائیں گے۔ میں اُن کی اِس بات کا یہی جواب دیتا ہوں کہ تم ماریں کھاتے جاؤ۔ جب خدا تعالیٰ نے تمہیں اس مقام پر کھڑا کیا ہے کہ تم ماریں کھاؤ تو میں کون ہوں جو تمہیں بچا سکوں۔ جس حرکت پر معشوق راضی ہوتا ہے عاشق وہی کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا جہاد کرنا بڑی اچھی چیز ہے لیکن اگر خدا تعالیٰ نے تم سے انگریزوں کے مقابلہ میں جہاد کروانا ہوتا تو وہ تمہارے ہاتھ میں تلوار دیتا۔ اگر اُس نے ان کے مقابلہ میں تم سے تلوار چھین لی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انگریزوں سے جہاد کرنے کا موقعہ نہیں۔ اب تلوار ہمارے ہاتھ میں آگئی ہے۔ پاکستان آزاد ہو چکا ہے اب ہم بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی پاکستان کی آزادی میں فرق لائے تو جہاد فرض ہو جائے گا۔ یہی دلیل ہمیں بھی

اپنے مدِّنظر رکھنی چاہیئے۔ اگر خدا تعالیٰ نے ہمیں مار سے بچانا ہوتا تو وہ ہماری تعداد زیادہ کیوں نہ کر دیتا۔۔۔ خدا تعالیٰ آج یہ نظّارہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم ماریں کھاؤ۔ جتنی زیادہ ماریں تم کھاؤ گے خدا تعالیٰ تم سے اتنا ہی راضی ہوگا۔" ؎

؎ "الفضل" ۱۹ ظہور ۱۳۳۱ ہش / ۱۹ اگست ۱۹۵۲ء صٓ تا صٓ

تیسرا باب

مفتی مصر کے فتویٰ تکفیر سے لے کر حضرت مصلح موعودؓ کے ۳ مارچ ۱۹۵۳ء کے پُرشوکت پیغام تک

(از احسان ۱۳۳۱ھش / جون ۱۹۵۲ء تا ۳ امان ۱۳۳۲ھش / ۳ مارچ ۱۹۵۳ء)

فصل اوّل

● مفتی مصر کا فتویٰ تکفیر، مصری پریس کا احتجاج اور خدائے ذوالجلال کے جلالی نشان کا ظہور ● اخبار "الیوم" (مصر) کے نام حضرت مصلح موعودؓ کا مکتوب اور مسئلہ ختم نبوت سے متعلق ایک وضاحتی بیان

نہر سویز کا قضیہ اور چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب

نہر سویز پر برطانوی فوجیں قابض تھیں جس کی وجہ سے حکومت انگلستان اور حکومت مصر کے درمیان تنازعہ چل رہا تھا اور چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب (وزیر خارجہ پاکستان) مشرق وسطی کے اسلامی ممالک کے دوسرے مسائل کی طرح اس تنازعہ کو نمٹانے کی بھی جدوجہد فرما رہے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ نے جنوری ۱۹۵۲ء کے اجلاس جنرل اسمبلی کے بعد لنڈن میں برطانوی وزیر اعظم

مسٹر ایڈن سے بھی بات چیت کی۔ برطانیہ نے مصر کو مطلع کر دیا کہ وہ ایک معیّنہ میعاد کے اندر نہر سویز سے اپنی تمام فوجیں ہٹالے گا۔ اخبار "الاہرام" مصر (۲۱ر فروری ۱۹۵۲ء) نے یہ خبر دیتے ہوئے لکھا کہ اِس فیصلہ میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وزیرِ خارجہ پاکستان کی مساعی کا بھاری دخل ہے [۱]

اِس کامیاب گفت و شنید کے بعد چوہدری صاحب مشرقِ وسطیٰ کے دَورہ کے سلسلہ میں چار روز تک قاہرہ میں ٹھہرے اور اِس قضیہ کو نمٹانے کے لئے مصر کے وزیرِ اعظم علی ماہر پاشا، عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عزام پاشا نیز صلاح الدین پاشا، فوزی بے (اقوامِ متّحدہ میں مصر کے مستقل مندوب) اور دیگر زعماء سے ملاقاتیں کیں [۲] اخبار "المصری" (قاہرہ) نے ۲۵ر فروری ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں آپ کی مصر میں تشریف آوری پر ایک مقالہ افتتاحیہ سپردِ قلم کیا جس میں آپ کی اسلامی خدمات کو سراہتے ہوئے اعتراف کیا کہ آپ کی سرگرمیوں اور دینی صلاحیّتوں سے اسلامی ممالک کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔ اقوامِ متّحدہ میں اخبار "المصری" کے نامہ نگار نے اِس سے بھی شاندار الفاظ میں آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور کہا کہ پچھلے تین برسوں میں اسلام اس کے فلسفے اور مقاصد کے متعلق مغربی طاقتوں کے رویّہ میں جو تبدیلی ہوئی ہے وہ اکثر و بیشتر چوہدری (محمد) ظفر اللہ خاں کی قابلیت اور فہم و تدبّر کی رہینِ منّت ہے [۳]

---

[۱] بحوالہ الفضل ۲۲ر تبلیغ ۱۳۳۱ ہش / ۲۲ر فروری ۱۹۵۲ء

[۲] اخبار "زمیندار" لاہور (۲۹ر فروری ۱۹۵۲ء) میں یہ خبر شائع ہوئی:۔

قاہرہ ۲۷ر فروری۔ سر محمد ظفر اللہ خاں وزیرِ خارجہ پاکستان نے کل علی ماہر پاشا وزیرِ اعظم مصر سے ملاقات کی۔ وزیرِ اعظم مصر سے وزیرِ خارجہ پاکستان کی دوسری ملاقات تھی۔ سر ظفر اللہ خان حکومتِ مصر کے مہمان کی حیثیت سے قاہرہ میں مقیم ہیں۔ آپ خیرسگالی کے دَورہ پر مصر آئے ہیں۔ سلامتی کونسل میں پاکستان کے متبادل نمائندے محمد اسد نے الگ تینتیس منٹ تک وزیرِ اعظم سے ملاقات کی۔ سر ظفر اللہ خان نے عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل غازی عبدالرحمان عظام پاشا کے ساتھ لنچ کھایا اور بعد دوپہر آپ نے پاکستانیوں کے اجتماع میں شرکت کی۔ عربی کے بہترین مصنّف شیخ محمد ابراہیم نے ایک دستی لکھا ہوا قرآنِ مجید سر ظفر اللہ خاں کو پیش کیا۔ سر ظفر اللہ خاں جمعرات کو قاہرہ سے بذریعہ طیارہ کراچی روانہ ہو جائیں گے۔ (اے۔ پ) (صلہ)

[۳] بحوالہ روزنامہ الفضل ۲۷ر تبلیغ ۱۳۳۱ ہش / ۲۷ر فروری ۱۹۵۲ء صث

مفتی مصر کا فتویٰ تکفیر حضرت چوہدری صاحب تو ملت اسلامیہ کے بطل جلیل کی حیثیت سے عرب ممالک کی بے لوث عالمی خدمات میں سرگرم عمل تھے کہ استعماری طاقتوں کی ان خفیہ اور جارحانہ کوششوں میں یکا یک تیزی پیدا ہوگئی جو اُن کی طرف سے "الکفر ملة واحدة" کے مضمون کی اشاعت کے بعد جماعت احمدیہ کے خلاف جاری تھیں۔[1] دشمنان دین نے اپنی انتقامی کارروائی کیلئے مصر کی سرزمین کو چنا اور مفتی دیارِ مصریہ فضیلة الاستاذ الشیخ حسنین محمد مخلوف کے ذریعہ حضرت چوہدری صاحب پر احمدی ہونے کی بناء پر فتویٰ کفر شائع کر ادیا گیا

یہ فتویٰ " اخبار الاجدید " کے ۲۲ جون ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں منظر عام پر آیا جس میں فضیلة الاستاذ الشیخ مخلوف نے لکھا کہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان غیر مسلم بلکہ کافر ہیں کیونکہ پاکستان کے ایسے مخصوص فرقہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کا منکر ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اسلام میں سلسلۂ انبیاء جاری ہے[2] یہ فتویٰ مشرقِ وسطی کے عرب ممالک نے نمایاں طور پر شائع کیا[3]

مصری عالم الاستاذ احمد بہاء الدین نے اپنی کتاب " فاروق ... ملکا " میں اس فتویٰ

[1] اس ضمن میں الاستاذ علی الخیاط آفندی کا سنسنی خیز انکشاف '' تاریخ احمدیت '' سابق جلد ۱۲ صفحہ ۳۹ تا ۹۸ میں درج ہو چکا ہے۔

[2] الیوم (یافا) ۲۱ شوال ۱۳۷۱ھ بحوالہ البشریٰ ۱۸-۱۹

[3] مغربی پنجاب کا اخبار " زمیندار " اُن دنوں احمدیوں کے خلاف اشتعال انگیزی اور فتنہ آرائی میں دوسرے مخالف اخبارات میں پیش پیش تھا۔ اس اخبار نے اپنی ۸ جولائی ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں اِس فتویٰ کو صفحہ اوّل پر چوکھٹہ کے ساتھ شائع کیا۔ عنوان یہ تھا:۔

" مرزائی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں ـــــ مفتیٔ اعظم مصر السیّد محمد حسنین المخلوف کا فتویٰ "

کا ذکر کرتے ہوئے حضرت چوہدری صاحب کو زبردست خراجِ تحسین بھی ادا کیا[1] لیکن ساتھ ہی ایک فرضی واقعہ بھی ان کے قلم سے لکھا گیا ہے۔ فرماتے ہیں

"السیّد ظفر اللہ خان معروف بجرأته وصراحته، وقد كان مارًّا بالقاهرة فی طريقه الیٰ بلده وتُشرّف بمقابلة الملك، وكان الرجل قد عاش فی الخارج زمنا طويلًا، وقرأ من فضائحُ فاروق ومهازله مايسيٌ اليه والیٰ مصر والیٰ بلاد الشرق كلها وقال الرجل لفاروق بلباقة مولمةٍ[2]: إنّ بلاد العالم الاسلامی محط انظار العالم اجمع۔ وان اعداءها الكثيرين يتربصون بها ويحصون عليها الاخطاء۔ وان هٰذا لموقف يلزم روساء الدول الاسلاميّة بان يرعوا فی سلوكهم تقاليد الاسلام وان يتمسكوا بقواعده، وان تكون حياتهم المستقيمة قدوة لشعوبهم ودعاية امام العالم اجمع !!

وفهم فاروق المقصود۔ فنهض واقفًا... وانهى المقابلة... وكتم الملك السابق غيظه ونقمته علی الوزير الصريح... وبات يتربص به ويتربص معه الشيخ مخلوف مفتی الديار المصريّة أو بالاخری مفتي القصور الملكية۔

وانتهز الشيخ مخلوف الفرصة، وادلی بحديث عجيب: قال فيه ان ظفر اللہ خان من طائفة القاديانية، وهی ملّة كافرة ولم يقف عند ذٰلك حتّٰی يبقی غرض الحديث مستورًا، بل استطرد يقول: ان علیٰ حكومة الباكستان وهی حكومة اسلاميّة ان تطرد من وزارة خارجيتها هٰذا الوزير الكافر! لانه لا يجب ان يبقی علیٰ رأس دولة اسلاميّة وزير كافر!

---

[1] یہ کتاب ۱۹۵۲ء میں ادارہ مجلہ "روزالیوسف" المصریہ نے چھپوائی تھی اور اس کا یہ اقتباس پہلی بار مولانا محمد شریف صاحب مجاہد بلادِ عربیہ نے رسالہ "البشریٰ" (حیفا) دسمبر ۱۹۵۲ء میں شائع فرمایا تھا۔

[2] آَوْلَمَ: اجتمع خلقه وعقله (منجد)

وھکذا ردّ علیٰ قول ظفر اللہ خان انہ لا یجب ان یبقی علی رأس دولۃ اسلامیّۃ ملک فاسق !!

وثارت الصُحف فی مصر والباکستان تحمل علی المفتی المدفوع واقسم الھلالی۔ وکان رئیسا للوزارۃ لیعزلنہ من منصبہ جزاء رعونتہ ولکن الھلالی لم یلبث ان تبین الامر وعرف ان الملک لا یقبل ابدا ان تمس شعرۃ من رأس مخلوف۔ ھٰذہ الرأس التی تخرج لہ الفتاوٰی والتحلیلات !!"

(صفحۃ ۷۱-۷۲-۷۳)

(ترجمہ) چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اپنی جُراُت اور دلیری میں مشہور ہیں۔ آپ ایک مرتبہ پاکستان واپس جاتے ہوئے قاہرہ سے گذرے تو قاہرہ میں آپ کو شاہ فاروق سے ملنے کا اتّفاق ہوُا۔ بیرونی دُنیا میں انھوں نے ایک لمبا عرصہ گذارا ہے۔ فاروق کی ایسی رُسواکُن اور بیہودہ حرکات کے متعلق انہیں پڑھنے کا اکثر موقعہ ملا ہے جو فاروق ملکِ مصر اور تمام مشرقی ممالک کی بدنامی اور رُسوائیوں کا موجب ہیں چنانچہ چوہدری صاحب نے نہایت حکمت، دانشمندی اور کمالِ ملاطفت کے ساتھ شاہِ مصر سے کہا کہ "ساری دُنیا کی نظریں عالمِ اسلام پر ہیں۔ اسلامی ملکوں کے دشمن بے شمار ہیں اور ان کی تاک میں ہیں نیز ان کی لغزشوں پر نگاہ رکھتے اور شمار کرتے رہتے ہیں۔ اِن حالات میں مسلمان حکومتوں کے سربراہوں اور حکمرانوں کا فرض ہے کہ اپنی زندگی میں اسلامی طریقوں کو رواج دیں اور اسلامی قوانین کی پابندی کریں تا ان کی راستباز زندگی ان کی قوموں کے لئے نمونہ ہو اور تمام دُنیا کے لئے اسلام کی تبلیغ کے پروپیگنڈا کا موجب ہو۔

شاہ فاروق چوہدری صاحب کا مقصد بھانپ کر فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور ملاقات ختم کر دی[۱] شاہ فاروق نے وزیرِ خارجہ پاکستان کی اِس جُراُت پر اپنا غیظ و غضب چھپایا اور موقعہ کی تلاش میں رہے۔ شیخ مخلوف بھی موقع ڈھونڈتے رہے۔ مفتی الدّیار المصریّہ کی بجائے وہ شاہی محلات کے مفتی کہلانے کے زیادہ مستحق تھے۔

شیخ مخلوف نے بالآخر موقع پاتے ہی اس سے فائدہ اُٹھایا اور ایک عجیب بیان شائع کر دیا

[۱] ۱۹۷۵ء میں اس جلد کے پہلے ایڈیشن میں جب یہ اقتباس شائع ہوا تو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے سختی سے تردید فرمائی اور کئی مجالس میں بتایا کہ قصہ بے بنیاد ہے میری ایسی کوئی ملاقات شاہ فاروق سے نہیں ہوئی۔

جس میں کہا کہ ظفر اللہ خاں قادیانی ہے اور یہ لوگ کافر ہیں شیخ مذکور نے اسی پر بس نہ کی بلکہ اس نے اپنے مقصد کو چھپانہ رہنے کی خاطر یہ بھی کہہ دیا کہ حکومتِ پاکستان چونکہ اسلامی سلطنت ہے اس لئے اس کا فرض ہے کہ اس کافر وزیر کو اپنی وزارتِ خارجہ سے نکال دے کیونکہ اسلامی سلطنت میں کافر وزیر کا باقی رہنا مناسب نہیں۔ گویا اس طرح شیخ مخلوف نے چوہدری ظفر اللہ خاں کے اس قول کا جواب دیا کہ اسلامی سلطنت میں بدکار بادشاہ کی کوئی جگہ نہیں۔

شیخ مخلوف (جنہیں آلۂ کار بنایا گیا تھا) کے بیان پر مصر اور پاکستان کے اخبارات نے پُرجوش جوابی حملہ کیا اور اس کی تغلیط کی۔ ہلالی پاشا نے جو اُن دنوں مصر کے وزیر اعظم تھے قسم کھائی کہ شیخ مخلوف کی اس حماقت اور رعونت کے باعث انہیں افتاء کے منصب سے معزول کر دوں گا لیکن انہیں بہت جلد معلوم ہو گیا کہ (سابق) شاہ مصر تو شیخ مخلوف کے سر کا بال تک بیکا نہیں ہونے دیں گے کیونکہ یہی شخص بادشاہ کے لئے حسبِ منشاء فتویٰ اور جواز پیدا کرتا رہتا ہے[1] الاستاذ احمد بہاؤ الدین نے شاید یہ بات ہفت روزہ ''الصیاد'' (۷/اگست ۱۹۵۲ء) کی مندرجہ ذیل خبر سے اخذ کی ہے۔

" اشتهر عن الملك السابق فاروق انه كان يكره النصح والارشاد وخاصة فى المسائل السياسيّة والدينية ويكره الذين يجرأون على نصحه وارشاده وحدث حين مرّ السيّد ظفر الله خان، وزير خارجية الباكستان بمصر عائدا من هيئة الامم المتحدة ان استقبله الملك السابق، فما كان من الوزير الباكستانى الذى يعتبر من كبار رجالات السياسة والاسلام الا ان وجه للملك بعض النصائح السياسية والدّينيّة. فغضب الفاروق واستدعى على اثر المقابلة شيوخ الازهر واجبرهم على اصدار فتوىٰ ضد ظفر الله خان بانه ملحد وخارج على الدّين، وصدرت الفتوىٰ ونشرت فى الصحف ..... وقامت قيامة/ لباكستان، وقدّم وزيرها فى القاهرة احتجاجاً رسميا الى الحكومة المصريّة الّتى كانت يرئسها احمد نجيب

[1] کتاب" فاروق ۔ ملکا" مطبوعہ مصر ص۲، ص۳ بحوالہ رسالہ البشریٰ (حیفا فلسطین) مجلد نمبر ۱۸ بابت دسمبر ۱۹۵۲ء

الهلالی۔۔۔ فبادر الهلالی الی وضع المرسوم بدحض الفتوی الجزئیة والغائها، ثمّ حمله الی الملك لیوقعه ولکن فاروق رفض توقیع المرسوم، فاصر الهلالی وهدد بالاستقالة۔۔۔ وهزّا لملك السابق کتفیه مستهزأ واستقال الهلالی۔۔۔" [1]

یعنی سابق شاہ فاروق کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ ہر نصیحت اور راہنمائی کو ناپسند کرتے تھے بالخصوص سیاسی اور مذہبی معاملات میں جو لوگ ان کو نصیحت کرنے کی جُرأت کرتے وہ انہیں سخت حقارت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان مجلس اقوامِ متّحدہ میں شمولیّت کے بعد واپسی پر مصر سے گزرے تو سابق شاہ فاروق نے جنابِ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کا استقبال کیا۔ اس موقعہ پر موصوف نے جن کا شمار دُنیا کی خاص سیاسی اور اسلامی معزز شخصیتوں میں ہوتا ہے شاہِ فاروق کو دورانِ ملاقات مذہبی امور پر مشتمل اہم مشورے دئے۔ اس پر شاہ فاروق خفا ہو گئے اور اس ملاقات کے بعد علماءِ ازہر کو بُلا کر مجبور کیا کہ وہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کے مُلحد اور خارج از دین ہونے کا فتویٰ دیں۔ چنانچہ فتویٰ صادر کر دیا گیا اور اخبارات میں اس کی اشاعت بھی ہوئی۔

اِس فتویٰ سے پاکستان میں کُہرام مچ گیا۔ پاکستانی سفیر مقیم قاہرہ نے سرکاری طور پر مصری حکومت کے پاس احتجاج کیا۔ اُس وقت اس حکومت کے وزیرِ اعظم نجیب الہلالی تھے۔ وزیرِ اعظم الہلالی نے اِس بیباکانہ فتویٰ کی تردید اور اسے لغو قرار دینے کا معاملہ شاہ فاروق کے سامنے رکھا اور دستخط کے لئے کاغذ پیش کیا لیکن شاہ فاروق نے الہلالی کی تجویز پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا جس پر وزیرِ اعظم الہلالی نے اصرار کرتے ہوئے استعفیٰ کی دھمکی دی۔ بایں ہمہ سابق شاہ فاروق نے عواقب سے بے نیاز ہو کر متکبّرانہ انداز میں فتویٰ کی منسوخی پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ وزیرِ اعظم الہلالی پاشا مستعفی ہو گئے۔

مصری زعماء اور صحافیوں کا زبردست احتجاج

اِس فتویٰ کی اشاعت پر مصریوں کو از حد قلق ہوُا اور مصری عوام و خواص سرتاپا احتجاج بن گئے چنانچہ اس موقعہ پر مصری زعماء اور پریس نے جو بیانات دئے وہ اُن کی فرض شناسی، تدبّر،

[1] "الصیاد" ۵ ر اگست ۱۹۵۲ء ؂

اور معاملہ فہمی کی بہت عمدہ مثال تھی۔ ان بیانات میں سے بعض کا متن ضمیمہ میں شامل ہے اور ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل کا بیان

عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عبدالرحمٰن عزام پاشا نے شدید تنقید کی اور الاخبار الجدید (جس میں یہ فتویٰ شائع ہوا تھا) کے نمائندہ خصوصی کو حسب ذیل بیان دیا:۔

(ترجمہ) میں حیران ہوں کہ آپ نے قادیانیوں یا چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وزیر خارجہ پاکستان کے متعلق مفتی کی رائے کو ایک مؤثر مذہبی فتویٰ خیال کیا ہے۔ اگر یہ اصول مان لیا جائے تو پھر بنی نوع انسان کے عقائد، ان کی عزت و وقار اور ان کا سارا مستقبل محض چند علماء کے خیالات و آراء کے رحم و کرم پر آ رہے گا۔

فتویٰ کسی مخصوص اور غیر مبہم واقعہ سے متعلق ہونا چاہیئے اور پھر ایسی صورت میں بھی اس کی حقیقت محض ایک رائے سے زیادہ نہیں ہوسکتی اور نہ ہر شخص کے لئے اس کا تسلیم کرنا واجب اور لازمی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسلام نے علماء کے ذریعہ کسی کلیسائی نظام کی بنیاد نہیں ڈالی جو لوگوں کو خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم کرسکے۔

بلاشبہ یہ رائے کی حیثیت محض رائے کی ہے نہ کہ دین کی کسی کی رائے نہ تو کسی کو دین سے خارج کرسکتی ہے اور نہ داخل۔

ہر وہ شخص جو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا قائل ہے اور قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے وہ یقیناً مسلمان ہے۔

یہ امر مسلمانوں کے مفاد کے سراسر خلاف ہے کہ کسی ایک فرقہ کو بے دین قرار دیا جائے۔ اسلام کی بنیادی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان دوسرے کو کافر قرار دینے سے بچے۔

ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ظفر اللہ خاں اپنے قول اور اپنے کردار کی رو سے مسلمان ہیں۔ روئے زمین کے تمام حصوں میں اسلام کی مدافعت کرنے میں آپ کامیاب رہے اور اسلام کی مدافعت میں جو موقف بھی اختیار کیا گیا اس کی کامیاب حمایت ہمیشہ آپ کا طرۂ امتیاز رہا اس لئے آپ کی عزت عوام کے دلوں میں گھر کر گئی اور مسلمانانِ عالم کے قلوب آپ کے لئے احسان مندی کے جذبات

سے لبریز ہو گئے۔ آپ ان قابل ترین قائدین سے ہیں جنہیں عوامی اور ملی مسائل کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔ ؎

اخبار "المصری" کا بیان

مصر کی حکمران وفد پارٹی کے مشہور اخبار "المصری" نے ۲۶ جون ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں ایک زوردار مقالہ افتتاحیہ سپردِ قلم کیا جس میں لکھا:۔

"اے کافر خدا تیرے نام کی عزت بلند کرے

ہماری مسلمان مملکت پاکستان نے "شاہ سوڈان" کی حیثیت سے شاہ فاروق کے نئے خطاب کو تسلیم کیا۔

پاکستان نے یہ لقب برطانوی تاج کے تحت دولتِ مشترکہ کا رُکن ہونے کے باوجود تسلیم کیا۔ شاہ فاروق کو سوڈان کا بادشاہ تسلیم کرنا ایک جرأت مندانہ اقدام تھا اور اس کے لئے ہم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی مساعیٔ جمیلہ کے ممنونِ احسان ہیں۔ یہ ہم پر ایک نئی کرم فرمائی تھی۔ یہ ہماری دلجوئی اور ہمارے ساتھ ہمدردی کا ایک نیا اظہار تھا ہمیں احسان مندی کے جذبات کے ساتھ اس کا اعتراف کرنا چاہیئے تھا ۔۔۔ بالکل خلافِ توقع اور اچانک ہمیں معلوم ہوا کہ مفتیٔ مصر نے اسی ظفر اللہ خان کو ایک بے دین اور ایک "غیر مسلم" فرقہ کا رُکن قرار دے دیا ہے۔

ہمیں رحم آتا ہے کہ اس فتویٰ کی موجودگی میں ہمارے سفیر مقیم کراچی عبدالوہاب عزام کی کیا حالت ہوگی جو اس ملک میں "شاہ سوڈان" کا نمائندہ ہے اور جس ملک نے برطانوی تاج سے وابستہ ہونے کے باوجود ہمارے بادشاہ کا نیا لقب تسلیم بھی کر لیا ہے۔

ہاں ہاں! ہمیں ترس آتا ہے اپنے وزیرِ خارجہ عبدالخالق حسونہ پاشا پر جسے اپنے عہدے کی وجہ سے ہمارے ملک اور ہمارے قومی مطالبات کے بارے میں پاکستان کے موقف کا بخوبی علم ہے اور جسے اچھی طرح معلوم ہے کہ جہاں تک ہماری امنگوں اور ہمارے قومی مطالبات کا تعلق ہے ان کے بارے میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کے کیا جذبات ہیں۔

ہمیں ترس آتا ہے اپنے سابق وزیر خارجہ ڈاکٹر محمد صلاح الدین پاشا پر بھی کہ جس نے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کا اعتماد حاصل کیا اور اقوامِ متحدہ میں ان کی امداد و حمایت سے فائدہ اُٹھایا۔

؎ البشریٰ دسمبر ۱۹۵۲ء مجلد ۱۳ صفحہ ۱۱۵، ۱۱۶ ۔

اِسی طرح ہمیں رحم آتا ہے محمد علی علوبہ پاشا پر احمد خشابہ پاشا دیگر سیاستدانوں اور دُنیائے عرب و اسلام کے مقتدر مدبّرین پر جو چوہدری محمد ظفراللہ خاں کو جانتے ہیں اور مصر، فلسطین، تونس اور دیگر مسلمان و عرب مملکتوں کے مفاد کی خاطر آپ نے جو دوڑ دھوپ کی ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہیں۔ یہ سب مدبّرین کیا سوچتے ہوں گے! ہمیں رحم آتا ہے ان سب پہ اور پھر خود مفتی پر۔ اس نے صفائی کا موقعہ دئے بغیر خواہ مخواہ ایک شخص کو مُجرم قرار دے دیا اور اس پر بے دینی کا الزام لگا ڈالا۔ خدا کی پناہ۔ خدا کی پناہ۔

ظفراللہ خاں ہماری ہمدردی کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ اب بھی اسلامی مفادات کی حفاظت کی خاطر اسی طرح سینہ سپر رہیں گے اور مصر کے ساتھ اپنی دوستی کا دم بھرتے رہیں گے۔ مفتی نے ظفراللہ کو کافر و بے دین قرار دیا ہے۔ آؤ ہم سب مل کر چوہدری محمد ظفراللہ خان پر سلام بھیجیں۔ ظفراللہ خاں کافر کے کیا کہنے ان جیسے اور بڑے بڑے "دسیوں" کافروں کی ہمیں ضرورت ہے۔

بالآخر ہم پوچھتے ہیں کہ حکومتِ مصر اس بارے میں کیا کرنا چاہتی ہے؟ ایسی حالت میں اس پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں وہ کیا بیان جاری کرے گی؟ اور یہ کہ آئندہ اُسے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے تاکہ اسے محض چند احمقانہ الفاظ کی وجہ سے جو کوئی عاقبت نااندیش سوچے سمجھے بغیر زبان سے نکال دے اپنے معدودے چند دوستوں کی رفاقت سے ہی ہاتھ دھونا پڑے۔ [له]

احمد خشابہ پاشا کا بیان

مصر کی بااثر شخصیت احمد خشابہ پاشا کا حسبِ ذیل بیان اخبار الزمان (۲۵ جون ۱۹۵۲ء) میں شائع ہوا:-

(ترجمہ) خشابہ پاشا نے اعلان کیا ہے کہ "مجھے اس فتویٰ سے سخت رنج پہنچا ہے کیونکہ چوہدری محمد ظفراللہ خاں نے اسلام اور عرب دُنیا کی بالعموم اور مصر کی بالخصوص بہت خدمت سرانجام دی ہے۔ عالمِ اسلام ان کی خدماتِ جلیلہ کے لئے ان کا ممنونِ احسان ہے۔" خشابہ پاشا نے مصر کے معاملات میں چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کی اس تائید و حمایت کا بھی ذکر کیا ہے جو موصوف نے اقوامِ متحدہ کے مختلف اجلاسوں میں ہمیشہ روا رکھی اور بالخصوص سلامتی کونسل کی نشست حاصل کرنے میں

له المصری ۲۶ جون ۱۹۵۲ء بحوالہ البشریٰ مجلہ ۱۸ ۱۱ ص ۱۱ ص ۱۱۹ حیفا فلسطین

آپ نے مصر کو بے حد تقویت پہنچائی۔ خشابہ پاشا نے اپنے بیان کے آخر میں فرمایا:۔

میں اس عظیم شخصیت کا بے حد ممنونِ احسان ہوں کیونکہ اس نے میرے ملک کی بے حد خدمت سرانجام دی ہے اور مجھے انتہائی افسوس ہے کہ ایسا فتویٰ دیا بھی گیا ہے تو ایسی نمایاں اور بلند ہستی کے خلاف۔ ؎

اخبار النداء کا بیان

اخبار النداء (یکم جولائی ۱۹۵۲ء) نے لکھا:۔ (ترجمہ)

نمائندہ النداء کو معلوم ہوا ہے کہ مفتی کی شخصیت بالکل محل بحث نہیں تھی بلکہ ارباب حل و عقد نے مفتی کے منصب کے دائرۂ عمل پر غور کیا ہے۔ اور یہ معاملہ مفتی کے منصب کے محدود کرنے پر مشتمل ہے کہ اس کو کس حد تک اجتہاد کرنا چاہیئے۔ ہاں سرکاری حدود میں اس کو اجازت نہیں ہے۔ چونکہ مطالبات دارالافتاء میں آتے ہیں اس لئے کوئی فتویٰ اس وقت تک صادر نہ کیا جائے جبتک اس کو مجلس افتاء کے سامنے پیش نہ کیا جائے جو مذاہب اربعہ کے آئمہ پر مشتمل ہو۔

مولانا محمد شریف صاحب مدیر البشریٰ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

بعدازاں ہم دریافت کرتے ہیں: کیا حضرت مفتیٔ مصر کئی سالوں سے نہیں جانتے کہ سر ظفر اللہ خاں احمدیت کے ستاروں میں سے ایک ستارہ ہے؟ وہ کونسی وجہ ہے جس کی وجہ سے مفتی اس فتویٰ کے جاری کرنے پر مجبور کیا گیا جیسا کہ کہا گیا ہے کہ یہ غلطی ہے یا یہ اس کا بیان ہے جیسا کہ فاضل مفتی نے خود بیان دیا ہے۔ موجودہ نازک حالات میں جن میں سے عالمِ اسلامی گذر رہا ہے مسئلۂ کشمیر، مسئلۂ حیدر آباد، ملکِ فارس کے پٹرول کا مسئلہ، مسئلۂ ٹیونس، نہر سویز کا مسئلہ، مسئلۂ سوڈان، فلسطین کے پناہ گزینوں کا مسئلہ، اسلامی ممالک کی حفاظت کا مسئلہ، جو آنے والی جنگ کی تباہ کاریوں کی وجہ سے ہے جس کے لئے جنگجو اقوام مسلح اور تیار ہو رہی ہیں۔ اس کے علاوہ اور کئی مشکل مسائل ہیں جو ان ایام میں مسلمانوں کو درپیش ہیں۔ کیا یہ مسائل مسلمانوں کے اتحاد کا تقاضا کرتے ہیں یا مسلمانوں کے افتراق کے فتاوٰی یا اس قسم کی شخصی آراء کی اشاعت کا تقاضا کرتے ہیں۔

ہم ان مشکلات کے پیشِ نظر اور مشرق میں سب سے بڑی اسلامی حکومت مصر اور دنیا میں سب سے بڑی اسلامی حکومت پاکستان کے اتحاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اور ان کے اسلامی اور عالمی

؎ بحوالہ "البشریٰ" (حیفا فلسطین) المجلد ۱۸ صفحہ ۱۲۳۔

مسائل میں متفقہ موقف کو دیکھتے ہوئے اس نتیجہ کے اخذ کرنے ــــــــــــ پر مجبور ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن جو سر ظفر اللہ خاں کے سامنے اپنے نظریات کو عالمی مجالس میں بذریعہ دلائل و براہین ثابت کرنے سے عاجز آ گئے ہیں اور جنہوں نے قاہرہ (۲۶ جنوری ۱۹۵۲ء) کو بروز سیاہ ہفتہ آگ کے شعلہ میں تبدیل کر دیا۔ ایسے ہی اشخاص نے مفتیٔ مصر کو استعمال کیا ہے اور مفتی کو اس امر کا احساس ہی نہیں ہے مفتی کو افتراق کے لئے دو بڑی اسلامی حکومتوں کے درمیان آلۂ کار بنایا گیا ہے اس کے سوا کچھ مقصد نہیں تھا۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

اخبار الجمہور مصری کا بیان

اخبار" الجمہور المصری" (۲۱ جولائی ۱۹۵۲ء) نے ایک شذرہ میں لکھا:۔

(ترجمہ) ہم اس امر کی وضاحت کرنا پسند کرتے ہیں کہ ہم ڈاکٹر احمد شلبی پروفیسر فواد الاوّل یونیورسٹی کی رائے کی تائید کرتے ہیں کہ مفتیٔ مصر کا فتویٰ برطانیہ کی چال ہے اور ان برطانوی اخبارات کی سازش ہے جو عربی زبان میں مصر سے شائع ہوتے ہیں۔ عوام کے تصوّر سے یہ مسئلہ کہیں گہرا ہے۔

دھوکہ کی بنیاد۔ یہ واضح حقیقت ہے کہ ظفر اللہ خاں نے جو تمام دنیا کے مسلمانوں کے معاملات میں دفاع کیا ہے اس نے انگریزوں کو خوفزدہ کر دیا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی خاطر اور اس کی دلیرانہ آواز نے انگریزوں کو پریشان کر دیا ہے اور ان کو اس امر کا خوف ہے کہ پاکستان مضبوط ہاتھ ہو جائے گا جو ہر جگہ مسلمانوں کے معاملات میں ان کو سہارا دے گا۔۔۔

ظفر اللہ خاں نے کہا ہے کہ پاکستان ہرگز اسرائیل کو تسلیم نہیں کرے گا چاہے عرب لیگ اس کو تسلیم کرے۔ اس وجہ سے انگریزوں نے پاکستان کے وزیر خارجہ کے خلاف سازش کی تاکہ وہ مصر اور مشرق کو اس پاکستانی بڑے لیڈر کی تائید سے محروم کر دے۔

الدکتور اللبان بک کا بیان

الدکتور ابراهيم اللبان بك پرنسپل کلیہ دار العلوم المصریہ نے " النحلة القاديانية وما اعرف عنها" (فرقہ قادیانی کے متعلق میری معلومات) کے زیر عنوان لکھا:۔

(ترجمہ) مجھے انتہائی افسوس ہے کہ عرب حکومتوں نے ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان جیسی شخصیت کو

تکلیف دی جس نے عرب حکومتوں کے دفاع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جس کی وجہ سے اس نابغہ اور مثالی شخصیت کی تائید اور دوستی کو مفقود کر دیا گیا ہے حالانکہ آج کے عالمی سیاسی تنازعہ اور خطرناک نازی بحران میں عرب حکومتیں ظفر اللہ خاں کی شجاعت، بلاغت اور آپ کے دفاع کی بہت ضرورت محسوس کرتی ہیں۔

قادیانی فرقہ کے متعلق میں انتہائی باریک بینی پر مبنی اپنی معلومات بیان کرتا ہوں اور پڑھنے والے پر اس کا فیصلہ چھوڑتا ہوں۔ میں ہرگز اس امر کا دعویٰ نہیں کرتا کہ میں نے قادیانیت کا کماحقہٗ مطالعہ کیا ہے۔ میرا ان سے مسلسل تعلق رہا ہے بلکہ اس جماعت سے مجھے واسطہ بھی پڑا ہے۔

قادیانی مذہب سے میرا تعلق پہلی مرتبہ میرے قیام لندن کے دوران ہوا جن دنوں میں وہاں تعلیم حاصل کرتا تھا۔ میرا پہلا تأثر یہ ہے کہ یہ دو قسموں میں منقسم ہے۔ جماعت کا ایک گروہ تو اس رائے کا حامل ہے کہ اس کا امام (احمد) القادیانی اسلامی مصلح سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ وہ مصلحین جن کو خدا تعالیٰ وقتاً فوقتاً دین کی تجدید کے لئے مبعوث کرتا ہے جبکہ دوسرا گروہ اپنے امام کی عزت میں غلو کرتا ہے اور وہ اس کو نبی یقین کرتا ہے۔ لندن کے محلہ پٹنی میں اس گروہ کی مسجد بھی ہے۔

ان ایام میں اس فرقہ کے خلاف میں نے سخت ناقدانہ حملہ کیا چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ امام مسجد کو میرے ہاں بھیجے اور وہ میرے ساتھ تبادلہ خیالات کرے، یا تو وہ مجھے خاموش کرا دے اور یا میں اس کو خاموش کر دوں۔ چنانچہ دُوم مرتبہ مصری کلب لندن میں ہم مناظرہ کے لئے اکٹھے ہوئے۔ بحث کا دائرہ ان کے زعیم (احمد) القادیانی کی نبوت کا تھا۔ میں نے امام صاحب کی توجہ کو اس طرف پھیرا کہ یہ مسئلہ قرآن کے صریح خلاف ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ یہ دلیل رسول اکرمؐ کے بعد ہر شخص کے لئے اس رستہ کو ختم کر دیتی ہے کہ وہ اپنے کو نبی کہے۔ میں اب تک اس امام کے جواب کو یاد کرتا ہوں کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح ہی محمدؐ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ کہ ان کی کتاب قرآن کریم ہے اور اس کے سوا اور کوئی ان کی کتاب نہیں ہے۔ اس سے وہ عقیدہ اور شریعت حاصل کرتے ہیں۔ لیکن امام نے جیسا کہ مجھے یاد ہے قادیانی کی نبوت کے عقیدہ پر اصرار کیا اور جب میں نے اسکے سامنے قرآنی آیت کو پیش کیا تو اس نے تاویل کرنی شروع کر دی اور صراحتاً کہا کہ یہ ان کے لئے

ناممکن ہے کہ وہ کوئی ایسا عقیدہ اختیار کریں جو قرآن کے خلاف ہو لیکن یہ عقیدہ قرآن کے ہرگز مخالف نہیں ہے۔ آیتِ قرآنی خاتم النبیین زیر کے ساتھ اِس امر کا اظہار کر رہی ہے اور زبر کے ساتھ ہی آیت وارد ہوئی ہے۔ زیر کے ساتھ وارد ہوئی ہوتی تو یہ قطعی دلیل ہوتی کہ محمد علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ قرآنی آیت میں لفظ خاتم کی وہ خاص تاویل کرنے لگا جس کی رُو سے انبیاء کے ظہور کے لئے دروازہ کھلا ہے اور اس میں ان کے لئے کوئی روک نہیں ہے۔

بعد ازاں امام نے نبی اور رسُول کے فرق کو بیان کرنا شروع کر دیا ان قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ محمدؐ کے بعد کوئی رسُول نہیں ہے اور آپؐ کی رسالت ہی آخری دینی رسالت ہے لیکن وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ آپؐ کے بعد انبیاء ظاہر ہوں جن کا کام احیاءِ شریعت ہو اور اس کی تعلیم کی رُوحانی اشاعت۔ قادیانی بھی ان انبیاء سے ایک ہے جو لوگوں کو اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی شریعت پر عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

اِس صورت میں یہ لوگ تاویل کرنے والے ٹھہرتے ہیں نہ کہ قطعی مُنکر۔ اور تاویل کرنے والے کا حکم قطعی منکر جیسا نہیں ہوا کرتا۔ [1]

الشیخ محمد ابراہیم سالم بک کا بیان

الشیخ محمد ابراہیم سالم بک (سابق چیف جسٹس ہائیکورٹ مصر) نے ایک بیان میں کہا:۔

بلاشبہ ہماری طرف سے یہ جلد بازی ہوگی کہ ہم قادیانیوں پر کفر کا فتویٰ لگائیں اور یہ اس لئے کہ ہمیں ابھی تک ایسے وسائل میسّر نہیں کہ ہم اس مذہب کے متعلق علم اور اس کے میلانات بذریعہ کتب معلوم کر سکیں۔

اور جب تک ہمیں اس مذہب کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو تو یہ جلد بازی اور جسارت ہوگی کہ ہم اس مذہب کے پیرو کاروں پر کفر کا فتویٰ لگا دیں۔ وہ اس وقت تک مسلمان ہی ہیں جب تک کہ ان کے کفر پر دلیل قائم نہیں ہو جاتی۔ اس کے علاوہ مَیں سمجھتا ہوں کہ کئی ایسے پہلو ہیں جو فرقہ قادیانی کے مسلمان ہونے کی تائید کرتے ہیں بلکہ ان کے (مسلمان ہونے کی) تائید میں یہ پہلو بھی ہے کہ احمدی اسلام اور مسلمانوں کی تائید کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے بلکہ ہر موقعہ سے پُورا فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ یہ تائید

---

[1] المصری ۲۷ر جون ۱۹۵۲ء

خواہ سرکاری تقریبات کے مواقع پر ہو یا ان کے علاوہ۔

اِن امور کی بناء پر یہ بات بڑی تکلیف دہ ہے کہ جنابِ ظفر اللہ خاں کی ذات پر کفر کا اتہام لگایا جائے ہم جانتے ہیں کہ وہ شخص اسلامی اخلاق سے آراستہ ہے اور اسلامی روایات اور سُنّت پر عامل ہے۔

ظفر اللہ خاں مصر میں کئی مرتبہ آئے ہیں ہم نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کرتے ہیں اور ان کے معاملات میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ اور آپ ہر ایسے معاملہ میں جس میں اسلام اور مسلمانوں کی شان بلند ہوتی ہو دلیر ہیں۔ اِس بناء پر اس شخص کے مسلمان ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ [1]

الشیخ علام نصار بک کا بیان

مصر کے سابق مفتی الشیخ علام نصار بک نے اپنے بیان میں کہا:۔

نہ تو یہ جائز ہے اور نہ آسان کہ مسلمانوں کے فرقوں میں سے کسی فرقہ پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے اور نہ ایسے دلائل ہی پائے جاتے ہیں جو اس امر کو جائز قرار دیں کہ قادیانی جماعت پاکستان میں اسلام سے خارج ہے۔ مَیں اِس امر کو مناسب نہیں سمجھتا کہ ایک عظیم سیاسی آدمی پاکستان کے وزیرِ خارجہ کی پوزیشن جیسے شخص سے تعرّض کیا جائے کہ ان کا دین کا عقیدہ کیا ہے حالانکہ وہ شخص دینِ اسلام کا علی الاعلان اظہار کرتا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بڑی بڑی مجالس میں دفاع کرتا ہے۔ اپنے موقف اور بیانات کی تائید میں قرآن کریم اور احادیث محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور دلیل پیش کرتا ہے اور علی الاعلان اس کی اقتداء کا اظہار کرتا ہے اور اسلام کو ہی بہترین رابطہ مصر، اسلامی ممالک اور پاکستان کے درمیان یقین کرتا ہے اِس لئے دین میں انصاف کی خاطر یہ امر حکمت کے خلاف ہے کہ کوئی ان کو خارج از اسلام قرار دینے کی مصیبت میں مُبتلا ہو حالانکہ وہ شخص اپنے اسلام کا کُھلم کُھلا اظہار کرتا ہے اور اس کو پاکیزہ تعلق یقین کرتا ہے۔ اسلام اور اقوامِ اسلامیہ کی خدمت کے لئے قابلِ قدر چُستی سے کام لیتا ہے ان کے دوست اور جاننے والے اشخاص (جو مصر میں اکابرینِ اسلام ہیں) کی آراء سے یہ واضح تأثر لیا جاتا ہے کہ وہ آپ کو ایک مسلم شخصیت ہی تصور کرتے ہیں جو اسلام کے آداب اور شرائط پر مضبوطی سے عامل، اسلامی اخلاق و صفات سے مزیّن اور اسلام کی اتباع اور اس کے اصول کے التزام پر ترغیب دیتے ہیں۔

---

[1] البلاغ ۲۶ جون ۱۹۵۲ء

مسلمان اس واقعہ سے ناواقف نہیں ہیں جو آنحضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا جبکہ کسی نے ایک آدمی کو جنگ میں قتل کر دیا حالانکہ وہ شہادتین کا اقرار کر چکا تھا کیونکہ قاتل کو یقین تھا کہ اس شخص نے قتل کے ڈر سے کلمہ شہادت پڑھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کے اِس فعل پر ملامت کی اور اس کے عذر کو قبول نہ کیا اور آپؐ نے فرمایا کیا تُو نے اس کے دل کو پھاڑ کر دیکھا تھا؟ [۱]

اخبار "الیوم" کے نامہ نگارِ خصوصی مقیم کراچی کا بیان

اخبار "الیوم" (۲۶۔ جولائی ۱۹۵۲ء) نے اپنے نامہ نگارِ خصوصی مقیم کراچی کے حوالہ سے لکھا:-

"اصبح الابرار کافرین" (نیک لوگ کافر ہو گئے)

شیخ مخلوف نے جس گناہ کا ارتکاب کیا ہے اب اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش عبث اور بے معنی ہے۔ اس غلطی کا نام وہ فتویٰ رکھیں یا بیان نام دیں دونوں برابر ہیں۔ بہرکیف وہ خود ہی اس کا شکار ہو گئے ہیں۔ حکومت کے لئے اگر اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے تو اب مفتی صاحب کو ان کے اس منصب سے علیحدہ کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ مفتی صاحب کے فتویٰ کے جاری ہونے کے وقت ہی سے ہم نہ صرف اس کو ناقابلِ التفات سمجھ رہے تھے بلکہ لوگوں کے اسے طاقِ نسیان پر رکھ دینے میں بھی ان کے ممد تھے مگر اس کے باوجود مفتی صاحب اپنی اس غلطی کا دفاع کر رہے ہیں اور ایک غلطی کو محو کرنے کے بدلہ میں دوسری کا ارتکاب کر رہے ہیں اور ایک گمراہی کے عوض دوسری میں اپنے کو ملوّث کر رہے ہیں۔

مفتی صاحب اِس بات کو جانتے ہیں کہ قادیانی جماعت میں اعتدال پسند اور صاحبِ وقار لوگ بھی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ظفر اللہ خاں بھی ان ہی میں سے ایک ہوں۔

مفتی صاحب یہ سب کچھ بھی جانتے ہیں جیسا کہ الاخبار کو انہوں نے بیان بھی دیا ہے اور جو جمعرات کو شائع بھی ہو چکا ہے ان کا فرض تھا کہ کسی کو خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم کرنے اور اس کے دین سے نکالنے سے پیشتر وہ فقۂ اسلامی کے عام اور معمولی قوانین ہی ملاحظہ فرما لیتے جو انہیں اس معاملہ پر تحمّل اور بُردباری سے غور کرنے کی طرف توجہ دلا رہے تھے اور جلد بازی سے کام نہ لیتے۔

---

[۱] البلاغ ۲۶۔ جون ۱۹۵۲ء

فاضل مفتی صاحب کو علم ہو گا کہ ایک روز رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک گواہ کو فرمایا تھا کہ کیا تو یہ سورج دیکھ رہا ہے پس اسی طرح گواہی دے ورنہ رہنے دے۔

اسی طرح ان کو یہ بھی علم ہو گا کہ علمائے اسلام اور آئمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ مسلمان جس کے اسلام کا ایک فیصدی بھی احتمال ہے اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔ پس اس شخص کے لئے جو منصبِ افتاء پر فائز ہو مناسب نہ تھا کہ کسی مسلمان کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کرنے میں جلد بازی سے کام لیتا اور مسلمان بھی اتنی عظمتِ شان کا مالک کہ صحافت اس کے وجود ہی کو ایک بڑی خبر تصور کرتی ہو۔ اگر بالفرض ایسی کوئی بات تھی جو مفتی صاحب کو ظفر اللہ خاں کے اسلام سے خارج کرنے ہی پر مجبور کرتی تھی (جس کا ہمیں علم نہیں) تب بھی انہیں اپنے فتویٰ یا بیان کو بہتر اور مناسب صورت دینا چاہیئے تھی اور پاکستان سے "وزیر زندیق" کی معزولی کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب نے اپنی تعیّناتی سے متعلق قوانین کا مطالعہ ہی نہیں کیا اور یہ گمان کر لیا کہ وہ مصر اور پاکستان کے مفتی ہیں اور اس طرح اپنے ہم مشرب کے معاملات میں بھی دخل اندازی کے مرتکب ہوئے ہیں اور اس کے حقوق کا احترام نہیں کیا۔

مفتیٔ پاکستان اپنے ملک اور اپنے وزیر کے متعلق یقیناً وہ کچھ جانتا ہے جس کا شیخ مخلوف (مفتیٔ مصر) کو کوئی علم نہیں۔

اس مسئلہ کے اور بھی کئی پہلو ہیں جو زیادہ خطرناک ہیں اور نتائج کے لحاظ سے سنگین بھی۔

اسلامی اصول ہے کہ جس نے کسی مسلمان کو کافر کہا وہ خود کافر ہو گیا۔ ظفر اللہ خاں جب تک ہم آنکھوں سے اُن کا کفر مشاہدہ نہ کر لیں اور اس بارہ میں ہمیں یقینی علم نہ حاصل ہو جائے ہمارے نزدیک مسلمان ہیں اور ان کا اسلام کامل ہے۔

مفتیٔ مصر نے خود اپنے آخری بیان میں اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ ظفر اللہ خاں اعتدال پسند اور وقار کے حامل ہوں یہ امر بھی مفتی صاحب کو اس کے خلاف فتویٰ صادر کرنے کا حق نہیں پہنچاتا اور نہ ہی غیض و غضب اور لعنت ملامت کے نشانہ بنانے کا۔

ہماری رائے ہے کہ مفتی صاحب نے ایک مسلمان کو کافر ٹھہرایا ہے اور جس کسی نے کسی مسلمان کو کافر ٹھہرایا ہو وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔

میں قارئین سے امید کرتا ہوں کہ وہ مجھے کسی کی تنقیص کا مرتکب نہ تصور کریں گے میں حقیقت کے اظہار میں سنجیدہ ہوں۔ اِس سلسلہ میں تمام ذمّہ داری اُٹھانے کے لئے تیار ہوں۔

جہاں تک ظفراللہ خاں کا تعلق ہے اِس قسم کی کہی گئی باتوں سے اس کا کوئی نقصان نہیں لیکن یہ واقعہ اِس امر کی ضرور یاد دلاتا ہے کہ لوگوں نے رسُولِ عظیم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان میں بھی کاہن، ساحر، صابی اور مجنون کے الفاظ استعمال کئے تھے۔

وہ شخص جو استعماریت کا بڑی قوت، بلاغت اور صدق بیانی سے مقابلہ کرتا ہے اور خدا تعالےٰ بھی جس کی زبان اور دِل پر حق جاری کرتا ہے وہ بھی اگر کافر قرار دیا جاسکتا ہے تو نیک لوگوں کی اکثریت ایسے کافر بن جانے کی خواہش کرے گی۔ (خالد محمد خالد)

اخبار "المصری" کا مقالۂ خصوصی

اخبار "المصری" نے اپنے مقالۂ خصوصی (مورخہ ۲۷۔ جون ۱۹۵۲ء) میں بعنوان "ظفراللہ خاں" لکھا:۔

المصری کے قارئین اِس کالم کے علاوہ کسی دوسری جگہ مصر میں پاکستان کے سفیر کے بیان کا مطالعہ کریں گے جس میں آپ نے مصری صحافت کی عزّت افزائی کی ہے اور بالخصوص روزنامہ المصری کی جس نے اپنے اور پاکستان کے دوست مصری لوگوں کے خیالات کی اشاعت اس اتہام کے ردّ میں کی ہے جسے مصر کے علمائے عظام میں سے ایک نے عوام کی خلافِ توقع مشرق کی عظیم شخصیت محمد ظفراللہ خاں پر عائد کیا تھا۔

اس اتہام سے قبل شاید پاکستان اِس امر سے واقف نہ تھا کہ مصر پاکستان کے لئے دِل کی گہرائیوں سے محبت، اخلاص اور ہمدردی کے جذبات رکھتا ہے اور عالمی اخوّت کا بھی حامل ہے۔ دونوں ایک جیسے مقاصد رکھتے ہیں۔ عربوں میں کیا خوب یہ کہاوت ہے کہ بسا اوقات ضرر رساں اشیاء بھی مفید مطلب ہوجایا کرتی ہیں۔ پاکستان کے مصری دوست ظفراللہ خاں کے مقام کا اندازہ ہی نہیں کرسکتے۔ بین الاقوامی سوسائٹیوں میں وہ قضیۂ مصر کے بلند پایہ ارکان میں سے ہیں اور دُنیا کی عظیم ترین ان شخصیتوں سے ایک ہیں جنہوں نے مصر کی خاطر اپنی ذات، وقت اور روطن تک کو وقف کر رکھا ہے۔ استعماریت کا مقابلہ کھُلم کھُلا اور بڑی جرأت سے کرتے ہیں۔ اس شخص کے وجود میں اور

لہ بحوالہ البشریٰ ۱۹۵۲ء صکا ۱۲۸ ، صہ ۱۲۵ ۔

بھی کئی خوبیاں موجود ہیں۔ یہ سب باتیں اِس امر کی متقاضی ہیں کہ آپ کے خلاف نہ صرف کچھ بھی نہ کہا جائے بلکہ آپ کی گرانقدر خدمات کو سراہا جائے اور ان کے بارہ میں انصاف سے کام لیا جائے۔ محمد ظفر اللہ خاں عصرِ حاضر میں دولتِ اسلامیہ کی نہایت درجہ بلند پایہ اور ممتاز شخصیتوں سے ایک ہیں بلکہ سرِ فہرست ان ہی کا اسمِ گرامی آتا ہے۔ آپ ہی وہ شخص ہیں جس نے سیاست کا مطالعہ تو اچھی طرح کیا ہے لیکن نظری سیاست کے اصولوں کو اپنایا نہیں بلکہ سیاسی ثقافت کو قرآنی اندازِ فکر کے تابع اور ہم آہنگ کر دیا ہے۔ آپ نے ایسا اسلامی نظریہ اختیار کیا ہے جو عصرِ حاضر کے افکار کی آراء اور اسلامی نظریات پر مشتمل ہے۔

ظفر اللہ خاں کو اقتصادیات پر وسیع نظر حاصل ہے۔ آپ نے اقتصادیات کا نہ صرف مطالعہ کیا ہے بلکہ ایک بڑی قوم کا جس کے اغراض و مقاصد وسیع تر ہیں اور جو ابھی ابھی استعماری اقتصادیات کے بھنور سے نکلی ہے بجٹ تیار کیا ہے۔ اقتصادی نظام میں آپ علمِ اقتصادیات پر صرف انحصار نہیں کرتے بلکہ اقتصادی ثقافت کو اسلامی تعلیم کے تحت لے آتے ہیں۔ دولتِ اسلامیہ کی تعمیر میں آپ کا یہ نظریہ ہے کہ افراد کے فرائض اور حقوق حکومت کے حق میں کیا ہیں اور حکومت کے فرائض اور حقوق افراد کے حق میں کیا ہیں؟

ظفر اللہ خاں وہ عظیم شخصیت ہیں جنہوں نے حکومت کے جھنڈے کو اُٹھایا اور پاکستان کی خارجہ سیاست کو حکومت کے دو بڑے وجودوں محمد علی جناح اور لیاقت علی خاں کی طرف سے سپرد ہونے پر سنبھالا اور ان کے اسلامی طریقِ کار کو جاری رکھا۔ اِس طرح اِس نوزائیدہ مملکت کو عصرِ حاضر کی ترقی یافتہ صف میں لا کھڑا کیا۔ پاکستان کی ہر دو (مذکورہ بالا) بڑی شخصیتوں نے اسلام اور اسلامی تعلیمات کی اقتداء میں جو روایات قائم کی تھیں ان کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ مزید چار چاند لگا دیئے۔

امریکہ اور یورپ کے عالمی سیاسیات کی شہرت کے مالک ان کی قدر و منزلت محض نمائش کے طور پر نہیں کرتے بلکہ ان کی ذاتی خوبیوں کے مداح ہونے کی صورت میں نہایت قدر کی نگاہ سے ان کو دیکھتے ہیں۔ انہیں یہ بھی علم ہے کہ آپ اپنی لیاقت اور قابلیت کی بدولت اطرافِ عالم میں کس احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

وہ اس حقیقت سے بھی آشنا ہیں کہ آپ مشرقی محاسن کے آئینہ دار ہیں اور سلامتی کی دعویدار، نئی دُنیا میں آپ دو متقابل و متحارب بلاکوں میں تیسرے گروپ کی نمائندگی کرتے ہیں۔

یہ ہیں وہ ظفر اللہ خاں جنکو تکفیر کا نشانہ بنایا گیا ہے حالانکہ تنہا آپ ہی ہیں جو اقوام متحدہ میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر فریضۂ نماز اس کے وقت میں ادا کرتے ہیں اور اس غرض کے لئے اقوام متحدہ کے ہال میں کوئی علیحدہ جگہ تلاش کرتے ہیں تاکہ اُمتِ اسلامیہ کی نصرت طلب کرنے کے لئے خدا کی جناب میں سجدہ ریز ہو سکیں۔

بیروت پریس مصر کے علاوہ بیروت کے پریس نے بھی فتویٰ پر تنقید کی چنانچہ بیروت کے کثیر الاشاعت روزنامہ "بیروت المساء" نے لکھا:۔

ہم وزیرِ خارجہ پاکستان السیّد محمد ظفر اللہ خاں کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ بیروت میں ان سے کئی مرتبہ ملاقات ہوئی۔ ہم نے اُن کا فصاحت و بلاغت سے پُر لیکچر بھی سُنا۔ آپ کا لیکچر سُن کر ہمارا متاثر ہونا لازمی تھا جبکہ اقوامِ متحدہ کی مجالس آپ کی زور دار تقاریر سُن کر ورطۂ حیرت میں پڑ چکی تھیں۔ ہم نے آپ کو قرآنِ مجید کے علوم بیان کرتے ہوئے سُنا جس میں آپ نے شاعر کا یہ قول بھی بیان فرمایا:۔

وکل العلم فی القرآن لکن ✧ تقاصر عنه افهام الرجال

تمام علوم قرآن مجید میں موجود ہیں لیکن عام لوگوں کے فہم انہیں سمجھنے سے قاصر ہیں

پھر ہم نے آپ کو "پالم بیلیش" ہوٹل میں نمازِ تہجّد پڑھتے اور عبادت کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے آپ کے پیچھے نماز میں آپ کے ساتھی بھی تھے۔ پھر ہم نے دیکھا کہ آپ اسلامی حکومتوں کے وزراءِ اعظم کی ایک کانفرنس منعقد کرنے میں کوشاں ہیں۔ پھر آپ نے مصر کی امداد اور تائید و حمایت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔ اِسی طرح مسئلۂ تونس کے متعلق اسلامی مفادات کے تحفّظ میں آپ جس طرح سینہ سپر ہوئے وہ بھی ہمیں اچھی طرح یاد ہے۔

یقیناً ظفر اللہ خاں ایک مفکّر دماغ کے حامل ہیں اور آپ ترقی پذیر پاکستانی مملکت کے لئے لسانِ ناطق کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس مملکت کے لئے جس کی مسلم آبادی آٹھ کروڑ نفوس سے بھی متجاوز ہے۔ جس نے قرآن کریم کو اپنا دستور بنایا ہوا ہے اور جہاں عربی زبان کو ممتاز درجہ پر شمار کیا جاتا ہے۔

اس ہمسایہ مملکت کو جو ایشیا میں تعمیر و ترقی کا عَلم بلند کر رہی ہے اور جو عربوں کے تمام مسائل میں خلوصِ نیّت اور صدق دلی سے ان کا ہاتھ بٹا رہی ہے۔ عرب دُنیا کے ایک وسیع حِصّہ کی طرف ایک طعنہ دیا گیا ہے۔ ہماری مراد اِس سے مصر ہے۔

ہاں مفتی صاحب نے جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ اس کا منصب صرف دینی ہے۔ اس کا کام لوگوں کو کافر قرار دینا نہیں ہے جس نے مومن کو کافر کہا وہ خود کافر ہوا۔

آہ! اس نے یہ فتویٰ دے کر کہ پاکستان کا وزیر خارجہ کافر ہے اور یہ کہ پاکستانی حکومت پر واجب ہے کہ وہ ظفر اللہ خاں کو وزارتِ خارجہ سے الگ کر دے انتہائی غفلت کا ثبوت دیا ہے۔

مذہبی لوگ خدمتِ دین کے لئے پیدا کئے گئے ہیں سیاسی امور میں دخل دینا ان کا کام نہیں۔ اگر ظفر اللہ خاں مختلف اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقے (یعنی جماعتِ احمدیہ) کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو یہ امر ان کو کافر نہیں بناتا۔ وہ ایمان باللہ وملٰئکتہٖ وکتبہٖ ورسلہٖ کے قائل ہیں۔ وہ اسلامی ارکان پر پُوری طرح عامل ہیں۔ کیا مفتی کے لئے جائز ہے کہ وہ ان مسلمانوں پر بھی کفر کا فتویٰ لگائے جو دینِ اسلام پر عمل پیرا ہوں ؟

شیخ مخلوف مسلمانوں کی صفوں میں انتشار برپا کر رہا ہے اور ایسے وقت میں تفرقہ کی اشاعت کر رہا ہے جبکہ انہیں اتحاد کی بے حد ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں کافروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے لکم دینکم ولی دین۔ مفتیٔ مصر کو کیا ہو گیا کہ وہ احمدی مسلمانوں کو مخاطب کر رہا ہے اور ان پر کفر کا اتّہام لگا رہا ہے۔ جس نے مومن کو کافر کہا وہ خود کافر ہوا۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ اہلِ مصر بالخصوص اور دیگر مسلمان بالعموم قرونِ وسطیٰ کی جمود انگیز اور غیر ترقی پذیر روش سے خلاصی حاصل کریں۔

شیخ مخلوف اور ظفر اللہ خاں کے درمیان نمایاں فرق ہے۔ اوّل الذکر مسلم غیر عامل ہے اور اگر شیخ مذکور عمل کرتا بھی ہے تو تفرقہ انگیزی کے لئے۔ برخلاف اس کے ظفر اللہ خاں "مسلم عامل الخیر" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیات میں ہمیشہ ایمان اور عملِ صالح کا اکٹھا ذکر کیا ہے۔

آہ! ایمان اور عملِ صالح کے باوجود مسلمانوں کو کافر قرار دینا کتنا ہی دُور از عقل ہے۔[1]

---

[1] (ترجمہ) بیروت المساء بحوالہ روزنامہ الفضل لاہور مورخہ ۱۰ وفا ۱۳۳۱ ہش مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۵

مفتیٔ مصر کے لقب کی منسوخی کا مطالبہ

مفتیٔ مصر کے فتوی پر صرف تنقید ہی نہیں کی گئی بلکہ مشہور و معروف مصری مصنف ڈاکٹر احمد ذکی بک نے مطالبہ کیا کہ "مفتیٔ مصر" کے لقب کو حکومت آئندہ کے لئے منسوخ قرار دیدے۔ آپ نے کہا:۔

مفتیٔ مصر نے کس حیثیت سے خارجی مسائل و معاملات میں دخل اندازی کرتے ہوئے وزیرِ خارجہ پاکستان کے متعلق "کفر" کا فتویٰ صادر کیا ہے؟ اور اسے حق کیا پہنچتا ہے کہ وہ حکومتِ پاکستان سے موصوف کو اس عہدۂ جلیلہ سے برطرف کرنے کا مطالبہ کرے جبکہ پاکستان ایک علیحدہ آزاد خود مختار مملکت ہے؟ اس نے ہزارہا میل دُور بیٹھ کر یہ مطالبہ سُننے اور سُنانے کے بغیر کیا ہے اور اس طرح مذہب کے نام پر سب سے بڑی اسلامی حکومت کی پوزیشن کو نازک بنا یا ہے۔ میں پُوچھتا ہوں "ومن اعطاہ حق الافتاء"۔ کس شخص نے مفتی کو فتویٰ کا حق دیا ہے اور کس شخص نے مفتی کو مذہب کے نام پر تمام دُنیا کے متعلق رائے ظاہر کرنے کی اجازت دی ہے۔ کیا مصر ہی صرف ایک اسلامی حکومت ہے اس کے سوا اور کوئی حکومت اسلامی حکومت نہیں ہے؟ اور کیا صرف مفتیٔ مصر ہی دُنیا میں ایک مفتی ہے اور اس کے سوا اور کوئی مفتی نہیں ہے؟

وفی ای رجل افتی؟ فی رجل صنع للاسلام والمسلمین مالم یصنعه المفتی و لن یصنعه ولو عاش مثل عمره الحاضر۔ اس نے کس عظیم المرتبت شخص کے متعلق یہ فتویٰ دیا؟ ہاں اس شخصیتِ عظیمہ کے متعلق جس نے اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے لئے وہ کام کیا ہے جو نہ مفتی کر سکا ہے اور نہ آئندہ کر سکے گا خواہ وہ اپنی موجودہ عمر کے برابر بھی زندہ رہے۔

اِن تمام وجوہات کی بناء پر ہم مطالبہ کرتے ہیں:۔

اوّل:۔ "مفتی الدیار" کے لقب کی منسوخی کا۔ کیونکہ وہ ایک فرد کی حیثیت سے "ڈکٹیٹر شپ" کی نمائندگی کرتا ہے جس کی دین میں کوئی سند نہیں ہے۔

دوم:۔ مجلسِ افتاء کے توڑنے کا۔ ہاں اس مجلس کو مختلف علمی امور کی تحقیقات کے ایسے حلقے میں بدل دیا جائے جس کا فیصلہ نہ تو کسی کو ملزم بنائے اور نہ ہی کسی مسلمان کو کافر ٹھہرائے۔

سوم:۔ ازہر یونیورسٹی کے ایک سو نوجوانوں کو یونیورسٹی سے فراغت کے بعد علومِ جدیدہ کی

تحصیل کے لئے دُنیا کے ترقّی یافتہ علاقوں میں بھیجا جائے تاکہ ازہر یونیورسٹی کو جدید لباس پہنایا جاسکے اور اس میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیوی علوم کی تدریس کا بھی انتظام ہوسکے۔ یہ تبدیلی دُور رس نتائج کی حامل ہونی چاہیئے تاکہ "الازھر" علمی لحاظ سے ایک جدید یونیورسٹی کی شکل اختیار کرے جس میں صحیح خطوط پر آزادانہ بحثیں ہوں اور اِس طرح دین قرآن کریم اور احادیثِ نبویؐ کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہو اور اسے محض علماء کی سند کی بجائے عقل کی تائید بھی حاصل ہو۔ [1]

مفتیٔ مصر کا بیان

مفتیٔ مصر کو مصری پریس اور شخصیتوں کے احتجاج اور مذمت پر اپنے فتویٰ کے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر یہ بیان دینا پڑا:۔

"اِنّ ما نشر لیس بفتوٰی رسمیّة ولیس لھا رقم فی سجلٍ خاصٍ واِنّما ھی مجرّد حدیث دَارَ فی مجلس خاصٍ یتضمن رأیٔ فضیلته فی ھٰذہ المسئلة"۔ [2]

یعنی شائع شُدہ بیان سرکاری فتویٰ نہیں ہے اور نہ اس کا اندراج خاص رجسٹر میں ہُوا ہے اس کی حیثیت ایک نجی مجلس کی گفتگو سے زیادہ کچھ نہیں اور مسئلہ مذکورہ میں محض ایک شخصی رائے کی ہے۔

مفتیٔ مصر نے ایک اور بیان میں کہا:۔

"انّہٗ فُوجیٔ بنشر حدیثہٖ مُحَرَّفًا ومنسوبًا الیه بوصفه الرسمی وباعتبارہ فتوی صدرت عنه"۔ [3]

یعنی اچانک اُس کی گفتگو محرّف و مبدّل کرکے اور اسے فتویٰ ظاہر کرکے شائع کی گئی ہے۔

مفتیٔ مصر کو پنشن دیدی گئی

بالآخر مفتی حسنین محمد مخلوف ریٹائرڈ کر دیئے گئے۔ اخبار المصوّر (۱۲ر مارچ ۱۹۵۴ء) نے لکھا:۔

"فی الاسبوع الماضی احیل فضیلة الاستاذ الشیخ حسنین محمد

---

[1] (ترجمہ) اخبار "الیوم" عدد ۲۹۹ مورخہ ۲۸ر جون ۱۹۵۲ء بحوالہ روزنامہ "الفضل" لاہور ۱۰ر جولائی ۱۹۵۲ء/ ۱۰ر وفا ۱۳۳۱ہش صا

[2] اخبار "المصری" (۲۳ر جون ۱۹۵۲ء)

[3] اخبار "المصری" ۲۸ر جون ۱۹۵۲ء بحوالہ "البشریٰ" (حیفا) ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ صنہ ۱۲۰

مخلوف مفتی الدیار المصریہ الی المعاش بعد ان اثار اکثر من مشکلة واکثر من ازمة "

یعنی گزشتہ ہفتہ شیخ حسنین محمد مخلوف کو پنشن دے دی گئی ہے انہوں نے بہت سی مشکلیں اور اُلجھنیں پیدا کر دی تھیں۔

نیز بتایا:-

" ولم تکن فتاوی الاستاذ الشیخ مخلوف عادیة یمرّ علیها الانسان مرّ الکرام بل اِنّ کثیرا منها اثار روائح وعواصف وکان موضع القیل والقال وفی مقدمة ھٰذہ الفتاوی ... فتواہ فی شان الطائفة القادیانیة "[1]

یعنی الاستاذ الشیخ مخلوف کے فتاویٰ ایسے معمولی حیثیت کے نہ تھے جن کو انسان بآسانی نظرانداز کر دے بلکہ اُن کے اکثر فتوے آندھیاں اُٹھانے اور طوفان برپا کرنے کا موجب بنے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر ہر جگہ اعتراضات کی بوچھاڑ کی گئی۔ ان قابلِ اعتراض فتاویٰ میں سرِ فہرست قادیانی جماعت سے متعلق فتویٰ ہے۔

شاہِ فاروق مصر کا عبرتناک انجام الشیخ حسنین محمد مخلوف تو دُو سال کے بعد پنشن یاب ہوئے مگر شاہ فاروق کی نسبت خدائے ذو الجلال کا آسمانی فیصلہ اس نام نہاد فتویٰ کے چند دن بعد ہی نافذ ہو گیا یعنی ۲۲/۲۳ جولائی ۱۹۵۲ء کی شب کو مصری افواج نے لیفٹیننٹ جمال عبدالناصر کی قیادت میں بغاوت کر دی۔ مصر و سوڈان کے اِس مطلق العنان بادشاہ کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور عسکری انقلاب کے بعد جنرل محمد نجیب مصر کے سربراہ مقرر ہوئے۔

جنرل محمد نجیب نے بادشاہ کو معزول اور ملک بدر کرنے کے لئے حسبِ ذیل اعلامیہ جاری کیا:۔

" انّهٗ نظراً لما لاقتہ البلاد فی العھد الاخیر من فوضی شاملة عمّت جمیع المرافق نتیجة سوء تصرفکم وعبثکم بالدستور وامتهانکم لارادة الشعب حتّٰی اصبح کُلّ فرد من افرادہ لا یطمئن علٰی حیاتہ اُوماله اوکرامتہ۔

---

[1] بحوالہ الفضل ۱۱ ظہور ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۵ کالم ۲

ولقد ساءت سمعة مصر بين شعوب العالم من تماديكم فی هٰذہ المسالك حتّٰی اصبح الخونة والمرتشون يجدون فی ظلکم الحماية والامن والثراء الفاحش والاسراف الماجن علٰی حساب الشعب الجائع الفقير ولقد تجلت اٰية ذالك فی حرب فلسطين وماتبعها من فضائح الأسلحة الفاسدة۔ وماترتب عليها من محاکمات تعرضت لتدخلکم السافر إمما افسد الحقائق وزعزع الثقة فی العدالة وساعد الخونة علٰی ترسم هٰذہ الخطی۔ فاثری من اثری۔ وفجر من فجر۔ وکيف لا؟ والنّاس علٰی دين ملوکهم! لذالك قد فوضنی الجيش الممثل لقوة الشعب ان اطلب من جلالتکم التنازل عن العرش لسمو ولی عهدکم الامير احمد فواد علٰی ان يتم ذالك فی موعد غايته الساعة الثانية عشر من ظهر اليوم (السبت الموافق ۲۶ يوليو ۱۹۵۲ والرابع من ذی القعدة ۱۳۷۱) ومغادرة البلاد قبل الساعة السّادسة من مساء اليوم نفسه والجيش يحمل جلالتکم کل مايترتب علٰی عدم النزول علٰی رغبة الشعب من نتائج۔

فريق (ارکان حرب) محمّد نجيب القائد العام للقوات المسلّحة الاسکندرية فی يوم ۲۶ يوليو سنة ۱۹۵۲۔"

(ترجمہ) اِن آخری ایّام میں یہ دیکھتے ہوئے کہ ملک میں عام افراتفری پھیل گئی ہے جسنے زندگی کے تمام شعبوں پر اثر ڈالا ہے۔ یہ سب کچھ آپ کے ناجائز تصرف اور آئین کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں ہے۔ عوام کی خواہش کو نظر انداز کیا گیا ہے یہاں تک کہ ہر فرد اپنی جان، مال اور عزت کو بھی محفوظ نہیں سمجھتا۔ آپ کی بے جا زیادتیوں کی وجہ سے جملہ اقوامِ عالم میں مصر کے وقار کو نقصان پہنچا ہے۔ آپ کے زیرِ سایہ خائن، رشوت خور اشخاص ناجائز حمایت بے جا اسراف اور ثروت کا ناجائز اور اندھا دھند استعمال کرتے ہیں اور یہ سب کچھ مفلس اور غریب مصری عوام کے خزانہ سے ہو رہا ہے۔ یہ کوائف جنگِ فلسطین میں منصۂ شہود پر آ چکے ہیں۔ ناقص اسلحہ کی خرید و فروخت کے

رُسوا کُن واقعات، عدالتوں کے فیصلے جن میں آپ کی شرمناک مداخلت سے حقائق پر پردہ پڑتا رہا، اعتماد اور انصاف کی بے حُرمتی ہوئی، مُجرموں کو جرائم کے ارتکاب کے لئے حوصلہ افزائی ہوئی، کئی لوگ بے تحاشا دولتمند ہوگئے اور بدکرداری میں حد کردی۔ اور ایسے حالات کیوں نہ رُونما ہوتے جبکہ عوام اپنے بادشاہوں کی عادات وخصائل کو ہی اختیار کرتے ہیں۔

اِن حالات کی وجہ سے فوج نے جو دراصل عوام کے اقتدار کی نمائندہ ہے مجھے اختیار دیا ہے کہ مَیں جلالۃ الملک سے مطالبہ کروں کہ آپ ہفتہ کے دن ۲۶ جولائی ۱۹۵۲ء کو بارہ بجے دوپہر ولیعہد شہزادہ احمد فواد کے حق میں دستبردار ہوجائیں اور اسی روز چھ بجے شام سے پہلے اِس ملک کو چھوڑ دیں ورنہ فوج عوام کی خواہش سے انکار کے جُملہ نتائج کی ذمّہ دار آپ کو قرار دے گی۔

محمد نجیب کمانڈر انچیف مسلّح افواج (اسکندریہ ۲۶ جولائی ۱۹۵۲ء)

مصری حکومت نے سابق شاہ کی تمام جائداد واملاک پر قبضہ کرلیا اور فاروق کو نوٹس دے دیا گیا کہ وہ اپنی جائداد میں کسی قسم کا تصرّف نہیں کرسکتے۔ اور ان کی تمام خواہشات کو ردّ کردیا گیا۔ شاہ کی ذاتی ملکیّت مصر میں دو لاکھ ایکڑ سے زیادہ تھی اور اس کے علاوہ وہ دو کروڑ پونڈ کی دولت کے مالک تھے جو امریکہ اور سوئٹزرلینڈ کے بنکوں میں جمع تھی۔ شاہی محل میں ایک کمرہ جو قیمتی جواہرات سے لبالب تھا، کئی محلّات، قسما قسم کے پھلوں کے باغات، یہ سب کچھ بحق سرکار ضبط کرلئے گئے اور شاہ فاروق نے اپنے ہاتھ سے پروانہ معزولی یوں تحریر کیا:۔

"أمر ملكي رقم ٦٥ لسنة ١٩٥٢ نحن فاروق الأوّل ملك المصر والسودان لما كنا نتطلب الخير دائمًا لأمتنا، ونبتغي سعادتها ورقيها وكنا نرغب رغبة اكيدة في تجنيب البلاد المصاعب التي تواجهها في هٰذه الظروف الدقيقة ونزولا على ارادة الشعب۔

قررنا النزول عن العرش لولي عهدنا الامير احمد فواد واصدرنا امرنا بهٰذا الى حضرة صاحب المقام الرفيع علي ماهر باشا رئيس مجلس الوزراء للعمل بمقتضاه۔

فاروق

صدر بقصر رأس التين في ٤ من ذي القعدة سنة ١٣٧١-٢٦ يوليو سنة ١٩٥٢"[1]

---

[1] المصوّر (اکتوبر ۱۹۵۲ء) بحوالہ البشریٰ (حیفا) شمارہ نومبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۶۵، صفحہ ۱۶۶۔

(ترجمہ) شاہی فرمان نمبر ۶۵ ۱۹۵۲ء ہم ہیں فاروق الاوّل شاہ مصر و سوڈان۔ چونکہ ہم ہمیشہ اپنی رعایا کی بہبود، خوشحالی اور ترقی کے خواہشمند رہے ہیں اور ہماری یہ انتہائی خواہش رہی ہے کہ ملک کو مشکلات سے ان نازک حالات میں محفوظ رکھا جائے جن سے آجکل وہ دوچار ہے۔ لہذا عوامی خواہش کے مطابق ہم نے تختِ شاہی چھوڑنے اور ولی عہد احمد فواد کے حق میں دستبردار ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وزیراعظم علی ماہر پاشا اِس سلسلہ میں کارروائی کریں۔

فاروق

رأس التین کے محل سے پروانہ معزولی

۲۶۔ جولائی ۱۹۵۲ء کو جاری کیا گیا

جلاوطنی کا دردناک منظر شاہ فاروق اپنی معزولی پر دستخط کرنے کے بعد بوقتِ شام سکندریہ سے اپنے بحری جہاز میں بیٹھ کر اٹلی روانہ ہو گئے جہاں ۱۳ برس تک گمنام زندگی بسر کرنے کے بعد ۱۸ مارچ ۱۹۶۵ء کو اگلے جہان سدھار گئے۔ مصر سے اُن کی روانگی کا نظارہ نہایت دردانگیز اور عبرتناک تھا۔ ملک کو الوداع کہتے وقت شاہ کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے اور انہوں نے اپنا چہرہ شرم کے مارے ڈھانپ لیا۔ شاہ اُس وقت حسرت و یاس اور مایوسی کی تصویر بنے ہوئے تھے اور زبانِ حال سے حضرت مہدیٔ موعود علیہ السّلام کے مندرجہ ذیل حقیقت افروز عربی اشعار کی عملی تصدیق کر رہے تھے کہ ؎

يَا مُكَفِّرِي إِنَّ الْعَوَاقِبَ لِلتُّقٰى
فَانْظُرْ مَآلَ الْأَمْرِ كَالْعُقَلَاءِ
إِنِّيْ أَرَاكَ تَمِيْسُ بِالْخُيَلَاءِ
أَنَسِيْتَ يَوْمَ الظَّعْنِ وَالْإِسْرَاءِ
تُبْ أَيُّهَا الْغَالِيْ وَتَأْتِيْ سَاعَةٌ
تُمْسِيْ تَعَضُّ يَمِيْنَكَ الشَّلَّاءَ [1]

(ترجمہ) اے میری تکفیر کرنے والے! عاقبت تو متقی کی ہے پس دانشمندوں کی طرح آخری

[1] "منن الرحمٰن" تصنیف ۱۸۹۵ء

انجام پر نظر رکھ۔ میں دیکھتا ہوں کہ تُو مٹک کر ناز سے چلتا ہے کیا تُو نے کُوچ کے دِن اور شام کو روانگی کو بُھلا رکھا ہے؟ اے حد سے گزرنے والے توبہ کر! وہ گھڑی آنے والی ہے کہ تو اپنے شَل ہاتھ کو دانتوں سے کاٹے گا۔

مصریوں کا ردِّ عمل اور تاثرات

شاہ فاروق کی دستبرداری کی خبر مصر ریڈیو نے نشر کی تو مُلک بھر میں بہجت و شادمانی کی ایک لہر دوڑ گئی[۱] حتیٰ کہ برطانیہ میں رہنے والے اکثر مصری باشندوں نے بھی شاہ کا تختہ اُلٹنے پر اظہارِ مسرت کیا نیز یہ رائے دی کہ شاہ کے خود غرض اور مطلب پرست حواری ہی شاہ سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر غیر ممالک میں مصر کے وقار کو ٹھیس پہنچانے کا موجب بنے ہیں۔[۲]

سابق وزیر اعظم حسین سری پاشا کے داماد ڈاکٹر محمد ہاشم پاشا نے شاہ فاروق کی پرائیویٹ زندگی کی تفاصیل بے نقاب کیں جن میں ان کی عیش پرستی، رات کی زندگی، سرکاری کام میں مداخلت اور بد دیانت افسروں سے میل ملاپ پر روشنی ڈالی۔[۳] رائل آٹو بائل کلب کے صدر شہزادہ عباس حلیم (شاہ کے بھتیجے) کے حکم سے کلب کے اُن کمروں کو بند کر دیا گیا جن میں شاہ مصریوں کے ساتھ ایک رات میں لاکھوں پاؤنڈ کا جُوا کھیلتے تھے۔[۴]

وفد پارٹی کے لیڈر مصطفےٰ نحاس پاشا اور سیکرٹری جنرل فواد سراج الدین پاشا نے انکشاف کیا کہ شاہ فاروق وفد پارٹی کو ختم کرنے کے لئے برطانوی استعمار پسندوں کے اشارات پر اخبارات کو مالی امداد دیتے رہے۔[۵]

اخبار "المصری" نے لکھا کہ شاہ فاروق کی بے پروائی اور اُن کا تشدد اُن کے اِس حسرت ناک انجام کا باعث بنے ہیں اور ہمارے سینوں سے ایک بھاری بوجھ اُتر گیا ہے۔

"الاخبار" نے لکھا آج تاریخ کے ظالم اور جابر بادشاہوں کی فہرست میں شاہ فاروق جیسے ظالم اور تنگ دل بادشاہ کا نام بھی شامل ہو گیا ہے۔ فاروق ایک ایسا بادشاہ تھا جس نے اپنے

---

[۱] نوائے وقت (لاہور) ۳۰ جولائی ۱۹۵۲ء صـ۳ کالم ۵ ۔ [۲] زمیندار (لاہور) ۳ اگست ۱۹۵۲ء صـ۳ کالم ۱
[۳] نوائے وقت (لاہور) ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء صـ۱ ۔ [۴] زمیندار (لاہور) ۲ اگست ۱۹۵۲ء صـ۱
[۵] زمیندار (لاہور) ۲۶ اگست ۱۹۵۲ء صـ۱

عوام پر بے انصافی، بددیانتی اور تشدد سے حکومت کی جس نے انصاف اور آزادی کو کچلنے کیلئے شہنشاہیت کو تازیانے کے طور پر استعمال کیا اور جس نے مصر پر غلامی اور افلاس کو مسلط کیا۔ شاہ فاروق کو عوام نے تخت چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ اُن کی کرتوتوں اور بدعنوانیوں نے انہیں تخت سے محروم کر دیا۔[۱] [۲]

حضرت مہدیٔ موعودؑ کی پیشگوئی

حضرت مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"نادان مخالف خیال کرتا ہے کہ میرے مکروں اور منصوبوں سے یہ بات بگڑ جائے گی اور سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا مگر یہ نادان نہیں جانتا کہ جو آسمان پر قرار پا چکا ہے زمین کی طاقت نہیں کہ اس کو محو کر سکے۔۔۔ وہ فرعون جو موسیٰ کو ہلاک کرنا چاہتا تھا اب اُس کا کچھ پتہ ہے؟ پس یقیناً سمجھو صادق ضائع نہیں ہو سکتا۔ وہ فرشتوں کی فوج کے اندر پھرتا ہے۔ بدقسمت وہ جو اس کو شناخت نہ کرے۔"[۳]

مے دہم فرعونیاں را ہر زماں ✽ چوں یدِ بیضائے موسیٰ صد نشاں
زیں نشانہا بدرگاں کور و کر اند ✽ صد نشاں بینند و غافل بگذرند[۴]

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا مکتوب اخبار "الیوم" کے نام

قاہرہ (مصر) کے بااثر و ممتاز اخبار "الیوم" کی ۲۶ر جون ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں الشیخ حسنین محمد مخلوف مفتی دیارِ مصریہ کا تحریکِ احمدیت کے خلاف ایک مغالطہ آفریں مضمون شائع ہوا جو جھوٹ کا پلندہ تھا جس پر سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اسلامی دُنیا کو اصل حقیقت سے باخبر کرنے کے لئے اخبار "الیوم" کے نام ایک تبلیغی مکتوب رقم فرمایا جس کا مکمل اُردو متن اخبار "الفضل" ۱۴ر تبوک ۱۳۳۱ہش / ۱۴ر ستمبر ۱۹۵۲ء کے حوالہ سے درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

---

[۱] نوائے وقت (لاہور) ۳۱ر جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۔

[۲] اخبار "نوائے وقت" (لاہور) نے ۱۲ر اگست ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں شاہ فاروق کی ملت فروشی اور بدعملی پر ایک خیال افروز مقالہ بھی شائع کیا جو لائق مطالعہ ہے۔

[۳] ضمیمہ براہینِ احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۲۸، صفحہ ۱۲۹ (تصنیف ۱۹۰۵ء)۔

[۴] تحفہ غزنویہ (ترجمہ) میں ہر زمانہ میں فرعون صفت لوگوں کو یدِ بیضا جیسے سینکڑوں نشان دکھاتا ہوں مگر بدفطرت لوگ ان نشانوں کی طرف سے اندھے اور بہرے ہیں اور سینکڑوں نشان دیکھ کر بھی غافل رہتے ہیں۔

"حضرت امام جماعتِ احمدیہ ایدہُ اللہ کا مکتوب مصری اخبار "الیوم" کے نام

یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡۤا اَنۡ تُصِیۡبُوۡا قَوۡمًۢا بِجَہَالَۃٍ فَتُصۡبِحُوۡا عَلٰی مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِیۡنَ[1]

مکرمی ایڈیٹر صاحب اخبار "الیوم"

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے اخبار مورخہ ۲۶ رجون ۱۹۵۲ء میں مکرم شیخ حسنین محمد مخلوف مفتی دیارِ مصریّہ کا ایک مضمون شائع ہوا ہے اس میں لکھا ہے کہ احمدیوں میں کچھ غالی ہیں اور کچھ معتدل۔ غلو کرنے والے وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین نہیں مانتے اور انہوں نے ظاہر کیا ہے کہ شاید ظفر اللہ خاں ان لوگوں میں سے ہیں جو غالی نہیں ہیں۔ میں بحیثیت امام جماعتِ احمدیہ ہونے کے اور بحیثیت اس کے کہ ظفر اللہ خاں بھی میرے اتباع میں سے ہیں سب سے زیادہ اِس بات کا حق رکھتا ہوں کہ جماعتِ احمدیہ کے عقائد کو عمومی طور پر اور ظفر اللہ خاں کے عقائد کو بحیثیت اپنے تلمیذ کے خصوصی طور پر بیان کروں۔ پس میں یہ مضمون آپ کی طرف اِس درخواست کے ساتھ بھجوا رہا ہوں کہ آپ اِس مضمون کو اپنے اخبار میں شائع کر دیں تاکہ لوگوں کو تصویر کا دوسرا رُخ بھی معلوم ہو جائے۔ چونکہ آپ کا اخبار سیاسی اور عام امور کے ساتھ تعلق رکھنے والا اخبار ہے اِسلئے مَیں مذہبی تفاصیل میں نہیں جاؤں گا صرف واقعات اور عقائد کے بیان تک محدود رہوں گا۔ یہ مَیں اِس لئے کہتا ہوں کہ تا کسی شخص کو یہ شُبہ پیدا نہ ہو کہ انہوں نے اپنے عقیدے کی دلیل نہیں بیان کی جس شخص کے دل میں دلیل اور توجیہہ معلوم کرنے کا شوق ہو وہ براہِ راست مجھے خط لکھ کر ان سوالات کا جواب حاصل کر سکتا ہے جو اس کے دل میں پیدا ہوئے ہوں۔ مَیں مفتیٔ مصر کی شخصیّت کا پُورا احترام کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کاش آپ اپنا اعلان شائع کرنے سے پہلے مُجھ سے یا ظفر اللہ خاں سے پوچھ لیتے کہ ہمارا عقیدہ کیا ہے؟ عقیدہ کسی شخص کا وہی ہو سکتا ہے جو وہ خود بیان کرتا ہے کسی دوسرے شخص کا حق نہیں کہ وہ کسی شخص کی طرف اپنی طرف سے عقیدہ نکال کر منسوب کرے۔ یہ دعوٰی کہ احمدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین نہیں سمجھتے یہ محض احمدیوں کے دشمنوں کا پراپیگنڈا ہے ہم اِس عقیدہ کے قائل ہیں رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا۔ ہم قرآن شریف کو سُورہ فاتحہ کی بِسۡمِ اللّٰہِ کی بؔ سے لیکر سورہ والنّاس کی آیت مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ تک تمام کا تمام صحیح محفوظ اور ابدالاباد

[1] الحجرات: ۷

تک قابلِ عمل سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم کی سورۂ احزاب میں صاف طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آتا ہے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ قرآن مجید میں نسخ کا قائل تو شاید یہ کہہ دے کہ یہ آیت منسوخ ہے مگر ہم تو قرآن مجید کے بین الدفتین کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو بھی اس میں ہے وہ قابلِ عمل ہے اور اس کا کوئی حصہ منسوخ نہیں اور خاتم النّبیّین تو عقائد میں سے ہے اور عقائد و واقعات کے متعلق تمام آئمہ اہلسنّت کا اتفاق ہے کہ ان میں ناسخ و منسوخ کا قاعدہ جاری نہیں پس کسی صورت میں بھی ممکن نہیں کہ ہم خاتم النّبیّین کے منصب کے منکر ہوں جو شخص اس منصب کا منکر ہوگا اسے لکن رسول اللہ کا بھی انکار کرنا پڑے گا کیونکہ یہ دونوں منصب ایک آیت میں اکٹھے کئے گئے ہیں۔ یہ وہ عقیدہ ہے جو ہم بیان کرتے ہیں اور یہ وہ عقیدہ ہے جس کو ہم دِل میں یقین کرتے ہیں۔ ہم اسی عقیدہ پر انشاء اللہ زندہ رہیں گے اسی عقیدے پر مریں گے اور اسی پر انشاء اللہ اٹھائے جائیں گے۔ اگر مَیں اپنے اِس بیان میں جھوٹ سے یا اخفاء سے یا توریہ سے کام لے رہا ہوں تو مَیں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے وعدے کو میرے حق میں جاری کردے اور اگر مَیں اور میری جماعت اس عقیدے کے اظہار میں سچ سے کام لے رہے ہیں تو مَیں الزام لگانے والے کے لئے بددعا نہیں کرتا مَیں خدا تعالیٰ سے یہ دُعا کرتا ہوں کہ وہ سچ اس کی زبان پر جاری کرے اور سچ اس کے دِل میں قائم کرے اور اسے توفیق بخشے کہ وہ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ کے ارشاد پر عمل کرنے والا ہو۔

اے اہلِ مصر! آپ کی تہذیب بہت پُرانی ہے۔ آپ کا تمدّن بہت قدیم ہے جس کا کچھ حصہ تاریخی زمانہ سے بھی پہلے کا ہے۔ مَیں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اتنی پُرانی تہذیب اور پُرانے تمدّن کی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے ایک ایسی قوم پر الزام نہ لگنے دیں جو آپ کے مُلک سے سینکڑوں میل دُور بیٹھی ہے اور جو ان الزاموں کے دُور کرنے کی طاقت نہیں رکھتی جو اس کے پسِ پُشت اس پر لگائے جاتے ہیں مَیں نہیں سمجھتا کہ میرا یہ بیان بھی مصر کے کسی اخبار میں شائع ہو سکے گا یا نہیں لیکن مَیں اِس یقین کے ساتھ اِس بیان کو بھجوا رہا ہوں کہ مصر کی رُوحِ انصاف مقامی اور ذاتی حد بندیوں سے آزاد ہو کر ضرور اس آواز کو اپنے اہلِ ملک تک پہنچا دے گی جو صرف ایک تکلیف دِہ الزام سے اپنی برأت کرنا چاہتی ہے مفتی صاحب کے مضمون کے ساتھ بعض اَور مضامین بھی مصر کے اخبارات میں شائع ہوئے ہیں جن میں

یہ کہا گیا ہے کہ سلسلہ احمدیہ نے کوئی نیا قبلہ بنایا ہے اور یہ کہ جماعتِ احمدیہ اپنے آپ کو کسی اَور نبی کا اُمّتی قرار دیتی ہے۔ مَیں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ یہ دونوں باتیں بالکل اتّہام ہیں۔

ہم مکّہ مکرّمہ میں واقع کعبہ کو ہی اپنا قبلہ سمجھتے ہیں۔ قادیان کے احترام کرنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہمارا قبلہ ہے مسلمانوں کے لئے سینکڑوں مقامات قابلِ احترام ہیں۔ ہم سب لوگ بیت المقدس کو محترم سمجھتے ہیں۔ کیا بیت المقدس ہمارا قبلہ ہے؟ اہلِ مصر خصوصاً اور سب مسلمان عموماً ازہر کو علومِ اسلامیہ کی تعلیم و تدریس کا ایک بڑا مرکز سمجھتے ہیں اور اس کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ کیا اہلِ مصر اور ہم لوگ ازہر کو اپنا قبلہ سمجھتے ہیں؟ قبلہ تو وہ ہے جس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھی جائے اور ہم سب نماز خانۂ کعبہ کی طرف مُنہ کر کے پڑھتے ہیں اور اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح قرآن، حدیث اور سُنّت نے بیان کیا ہے۔ خانۂ کعبہ کا ہم حج کرتے ہیں۔ مَیں نے بھی خانہ کعبہ کا حج کیا ہے اور دوسری دفعہ حج کرنے کی خواہش رکھتا ہوں پس یہ ہرگز درست نہیں کہ ہم خانہ کعبہ کے سوا کسی اَور مقام کو قبلہ قرار دیتے ہیں۔ اسلام کا قبلہ اور ہمارا قبلہ وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآنِ مجید میں بیان فرمایا گیا ہے اور قیامت تک وہی قبلہ رہے گا۔

اسی طرح یہ امر بھی درست نہیں ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کا اُمّتی اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّتی ہیں اور اس پر فخر کرتے تھے تو پھر ہم لوگ کس طرح کسی اَور کے اُمّتی ہو سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی اُمّتی ہیں اور ہمارے سلسلہ کے بانی بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّتی تھے اور ان کے دعویٰ کے مطابق انہیں جو کچھ ملا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّتی ہونے کی وجہ سے ہی ملا۔ پس ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّتی ہونے پر فخر کرتے ہیں اور اسی مقام پر زندہ رہنا چاہتے ہیں اور اسی مقام میں مرنا چاہتے ہیں اور اسی مقام پر دوبارہ اُٹھنا چاہتے ہیں۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ فرماتے ہیں:۔

وَمَوْتِیْ بِسُبُلِ الْمُصْطَفٰی خَیْرُ مِیْتَةٍ ۔ فَاِنْ فُزْتُہَا فَاُحْشَرَنْ بِالْمُقْتَدٰی [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں میری موت بہترین موت ہے۔ اگر میری یہ آرزو پوری ہوئی تو

[1] کرامات الصادقین صفحہ ۵۳ (مطبوعہ ۱۸۹۳ء)

مجھے اپنے پیشوا کے ساتھ ہی اُٹھایا جائے گا۔

اِنّا نطیع محمّدًا خیر الوریٰ ✤ نُورَ المہیمن دافعَ الظلماء [1]

ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تمام جہان سے بہتر ہیں فرمانبرداری کرتے ہیں۔ آپ دُنیا کی حفاظت کرنے والے خدا کے نُور ہیں اور تمام اندھیرے آپ کی بدولت دُور ہوتے ہیں۔

اور جو کوئی اِس کے خلاف ہمارے متعلق کہتا ہے وہ ہم پر ظلم کرتا ہے خدا تعالیٰ اس پر رحم کرے اور خدا تعالیٰ اسے اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانے کی قبیح عادت سے بچائے۔

ہمارے متعلق یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہم جہاد کے مُنکر ہیں۔ یہ درست نہیں۔ جہاد کا حکم قرآن کریم میں ہے اور قرآن کریم ہمارے نزدیک غیر منسوخ ہے پھر ہم جہاد کو کس طرح منسوخ کر سکتے ہیں؟ جہاد کے متعلق ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ بعض ہندوستانی مُلّاؤں کے عقیدہ کے خلاف لکھا ہے جن کے نزدیک اِکّا دُکّا غیر مسلم مل جائے تو اسے قتل کر دینا یا جبراً کسی سے کلمہ پڑھوا لینا یا اپنی ہمسایہ قوموں سے بلا کسی ظہورِ فساد کے لڑ پڑنا جہاد کہلاتا ہے۔ اس عقیدہ سے اسلام دُنیا میں بدنام ہو رہا ہے اور بدنام ہو چکا ہے۔ مصر کے تمام بڑے مصنّف جہاد کی اِس تشریح میں ہم سے متّفق ہیں۔ ہمارے نزدیک جو جہاد قرآن کریم میں پیش کیا گیا ہے اس کے بغیر کوئی آزاد قوم دُنیا میں محفوظ نہیں رہ سکتی۔ مذہبی اور سیاسی طور پر اِن شرائط کے ساتھ ظالم سے لڑنا جو قرآن مجید نے بیان کئے ہیں ایک ایسا ضروری امر ہے کہ جس کے بغیر حریّتِ ضمیر اور حریّتِ بلاد قائم ہی نہیں رہ سکتی۔ ہم اس جہاد کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں۔ ہم تو بربریّت اور فونویّت[2] کے مخالف ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَاءِہٖ[3]

ہماری طرف یہ بھی منسوب کیا گیا ہے کہ ہم تناسخ کو مانتے ہیں اور شاید یہ عقیدہ اِس امر سے مستنبط کیا گیا ہے کہ ہم بانیٔ سلسلہ کو مسیح کہتے ہیں۔ یہ الزام بھی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ ہم تناسخ کے مُنکر ہیں اور خود بانیٔ سلسلہ نے تناسخ کے عقیدہ کا اپنی کتابوں میں رَدّ کیا ہے ہمارا عقیدہ صرف یہ ہے کہ مسیحِ موعود جس کی آمد کی خبر انجیلوں میں دی گئی ہے یا حدیثوں میں ہے اس سے

[1] انجامِ آتھم ص۲۶۸ (مطبوعہ جنوری ۱۸۹۷ء) [2] فونویت، شورش اور تاراج کو کہتے ہیں

[3] بخاری کتاب الجہاد۔ مسلم کتاب الامارۃ۔ ابوداؤد کتاب الجہاد۔ نسائی باب البیعۃ ✤

مراد وہ مسیح ناصری نہیں ہے جس کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ[1]۔ بلکہ جیسا کہ مسیح نے خود یوحنا کو ایلیا کا نام دیا ہے اسی طرح ہمارا عقیدہ ہے کہ اس اُمّت میں سے عیسائیت کے غلبہ کے وقت میں ایک ایسا شخص کھڑا ہو گا جو اسلام کی طرف سے عیسائیت کے ساتھ علمی و رُوحانی جنگ لڑے گا نہ یہ کہ مسیح کی رُوح اس میں حلول کر جائے گی۔ ایک بات ہماری طرف یہ بھی منسوب کی گئی ہے کہ ہم ہندوستان کو فتح کر کے ساری دُنیا کو فتح کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ مجھے تعجب ہے کہ ایک تعلیمیافتہ آدمی کو ہماری طرف یہ بات منسوب کرنے کی جُرأت کیسے ہوئی؟ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے ہاں یہ پیشگوئیاں موجود ہیں کہ ہم پھر قادیان میں اکٹھے ہوں گے لیکن یہ بات تبلیغ سے بھی ہو سکتی ہے اور یہ بات پاکستان اور ہندوستان کے باہمی سمجھوتہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ[2] مفسّرین[3] کہتے ہیں کہ یہ آخری زمانہ کے متعلق ہے کیونکہ جمیع ادیان پر غلبہ پہلے کسی زمانہ میں نہیں ہوا تو کیا اِن آیات کے یہ معنی کئے جائیں کہ مصر، شام یا سعودی عرب یا پاکستان یا کوئی اَور اسلامی مملکت یہ ارادہ کر رہی ہے کہ باری باری چین، جاپان، رُوس اور جرمنی پر حملہ کر کے انہیں فتح کریں گے اور ساری دُنیا میں اسلام کو غالب کر دیں گے۔ خدا تعالیٰ نے اسلام کے متعلق ایک خبر دی ہے اور مسلمان اس پر یقین رکھتے ہیں مگر ان میں سے کوئی دوسری اقوام پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ وہ اس خبر کے پُورا ہونے کی تفصیلات کو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیتا ہے اسی طرح قادیان میں احمدیوں کے لئے آزادی حاصل ہونے کی پیشگوئی موجود ہے لیکن وہ ہو گی انہی ذرائع سے جو قرآن مجید کے نزدیک جائز ذرائع ہیں۔ اور قرآن کریم کسی ایسی قوم کو دوسرے مُلک سے لڑنے کی اجازت نہیں دیتا جس کے پاس حکومت نہیں۔ وہ اسے فساد قرار دیتا ہے۔ پس ہمارا کوئی

---

[1] آلِ عمران: ۵۶ ٭ [2] سورۃ التوبہ: ۳۳، الفتح: ۲۹، الصف: ۱۰

[3] تفسیر ابن جریر مطبوعہ مصر زیرِ آیت سورۃ صف۔ تفسیر حسینی مترجم فارسی صفحہ ۸۸۴ زیر سورۃ صف مطبع کریمی بمبئی۔ تفسیر غرائب القرآن برحاشیہ ابن جریر۔ بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۱۲۔ غایۃ المقصود جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ ٭

ایسا ارادہ نہیں اور ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسے مجانین نہیں جو اِس قسم کے خیالات کو اپنے دل میں جگہ دیں۔ ہم یہ جائز نہیں سمجھتے کہ بغیر اس کے کہ غیر قومیں ہم سے لڑیں ہم ان سے خود ہی جنگ شروع کر دیں۔ یہ مغربی حکومتوں کا حصہ ہے اور انہیں کو مبارک رہے۔ اسلام نے کبھی بھی اپنی حکومت کے زمانہ میں اپنے کمزور ہمسایہ پر دست درازی نہیں کی۔ وسطی اور جنوبی افریقہ کے وسیع علاقے اِس بات کے شاہد ہیں کہ شمالی افریقہ میں باقاعدہ حکومتیں قائم تھیں جو اسلام سے ٹکرائیں اور اسلام اُن سے ٹکرایا لیکن اسلام کے لشکر جب ان حدود تک پہنچے جہاں پر ان خاص حکومتوں کی حدیں ختم ہوتی تھیں اور کمزور قبائل کے علاقے شروع ہوتے تھے وہاں وہ ٹھہر گئے اور انہوں نے جنگ بند کر دی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو آج یورپین لوگوں کے لئے افریقن کالونیز کے بنانے کی گنجائش نہ رہتی۔ وسطی اور جنوبی افریقہ کی کونسی طاقت تھی کہ جس نے مسلمانوں کے ان لشکروں کو روکا؟ جنہوں نے رُوسی، ہسپانوی، فرانسیسی اور اطالوی منظم لشکروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔ وہ اسلام کی منصفانہ، عادلانہ اور رحیمانہ تعلیم ہی تھی جس نے یہ عظیم الشّان مُعجزہ دُنیا کو دکھایا اور جس کی بدولت ایک مسلمان ہر سیاسی مجلس میں یورپ اور امریکہ کے سیاسی لوگوں کے سامنے اپنا سر اُونچا رکھ سکتا ہے۔

مضمون ختم کرنے سے پہلے مَیں عرب اور مصر کے پریس کو ایک خاص ذمّہ داری کی طرف توجّہ دلانا چاہتا ہوں۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ایک لمبے افتراق کے بعد اکثر مسلمانوں میں اتّحاد کا جوش پیدا ہو رہا ہے۔ پاکستان سے عرب ممالک اور مصر نے جس ہمدردی کا سلوک کیا ہے یا عرب اور اسلامی امور سے جس ہمدردی کا ثبوت پاکستان نے دیا ہے وہ اِس زمانہ کی خوشگوار ترین باتوں میں سے ہے مگر مذکورہ بالا امر کی اشاعت نے جماعتِ احمدیہ ہی نہیں پاکستان کے رستہ میں مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ اِس مضمون کی بناء پر جو سراسر غلط ہے ہندوستان پاکستان پر الزام لگا سکتا ہے کہ اس میں رہنے والی بعض جماعتیں ہندوستان پر حملہ کرنے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔ ہم بتا چکے ہیں کہ یہ الزام سو فیصدی غلط ہے مگر ہندوستان کا متعصّب عنصر اِس الزام سے ضرور فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرے گا اور پاکستان کو بدنام کرنے کی کوشش کرے گا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ الزام ایک جماعت پر ہے نہ کہ پاکستان پر۔ کیونکہ ہندوستان کا متعصّب گروہ کہے گا کہ جس امر کی اطلاع مصر کے ایک نامہ نگار کو مل گئی پاکستان کی حکومت کو اس کی کیوں اطلاع نہ ملی ہوگی۔ دوسرے وہ کہیں گے کہ جس جماعت پر

یہ الزام ہے پاکستان کا وزیرخارجہ اس کا ممبر ہے پس وہ اس سے ناواقف نہیں ہو سکتا۔ اِن حالات میں ایک نامہ نگار کی خوابِ پریشان پاکستان کے لئے کتنی مشکلات اور بدنامی کی صورت پیدا کر سکتی ہے اور کیا یہ ظفر اللہ خان کی خدماتِ پاکستان کا اچھا بدلہ ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ علاوہ اس کے کہ یہ جھوٹ ہے، یہ ایک وفادار دوست پر ناواجب حملہ بھی ہے جسے مصر کا غیور مسلمان یقیناً برداشت نہیں کرے گا۔ اِس کوشش کے بعد جو عرب اور مصر نے پاکستان کی مملکت کے استحکام کے لئے کی ایسی آواز کو اُٹھنے دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا[1] میں اِس دعا پر اپنے اِس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان ممالک کو اس لمبی نیند سے بیدار ہونے کی توفیق بخشے جس میں وہ مُبتلا تھے اور اغیار کے تصرّفات سے ان کو آزاد کرے اور مسلمان کی اس شان کو بحال کرے جو اسے گزشتہ زمانہ میں حاصل تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ عزت اسے عطا کرے۔ اللّٰھم آمین۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعتِ احمدیہ[2]

مندرجہ بالا مکتوب کا عربی ترجمہ حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے کیا اور یہ اخبار "الیوم" کے علاوہ مشرقِ وسطیٰ کے دوسرے اخبارات کو بھی بھجوایا گیا جن میں سے "الثقافة" "بیروت المساء" "نداء الوطن" (۱۱-۱۲ر اگست ۱۹۵۲ء) میں چھپا۔ برِصغیر پاک و ہند کے اخبارات میں سے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ (۹ر ستمبر ۱۹۵۲ء) جنگ (۲۹ر ستمبر ۱۹۵۲ء) ٹریبیون (۳۰ر اگست ۱۹۵۲ء) میں بھی اسکی خبر شائع ہوئی۔

عربی رسالہ "البشریٰ" (حیفا) نے اپنے ماہِ اگست ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں اس کا مفصّل ترجمہ دیا اور مشرقِ وسطیٰ کے علاوہ دوسرے ملکوں میں اس کی بکثرت اشاعت کی اور اس طرح عرب دُنیا پر خدائی نشان اور حُجّت و بُرہان دونوں اعتبار سے حُجّت تمام ہوئی۔

مسئلہ ختمِ نبوّت سے متعلق ایک وضاحتی بیان

حضرت مصلح موعودؓ نے جہاں اخبار "الیوم" کے ذریعہ مشرقِ وسطیٰ کے اسلامی ممالک

---

[1] النحل: ۹۳ (ترجمہ) اُس عورت کی مانند مت بنو جس نے اپنے کاتے ہوئے سوت کو اُس کے مضبوط ہو جانے کے بعد کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

[2] الفضل ۱۴ر تبوک ۱۳۳۱ ہش / ۱۴ر ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۳، ۴

کو پیغامِ حق پہنچایا وہاں اہلِ پاکستان کے لئے مسئلہ ختمِ نبوت سے متعلق مندرجہ ذیل وضاحتی بیان تحریر فرمایا جو ایک ٹریکٹ کی صورت میں شائع کیا گیا:۔

اَعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم ٭ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو النّــــــــــاصر

جو خاتم النّبیّین کا مُنکر ہے وہ یقیناً اسلام سے باہر ہے

"اے عزیزو! آجکل احمدی احراری جھگڑے میں ایک طوفانِ بے تمیزی اُٹھ رہا ہے۔ اور جن لوگوں کا اِس اختلاف سے دُور کا تعلق بھی نہیں وہ بھی سُنی سُنائی باتوں پر کان دھر کے اشتعال میں آرہے ہیں اور غلط رائے قائم کر رہے ہیں لیکن یہ معاملہ ایسا نہیں کہ صرف اظہارِ غضب سے اسے حل کیا جاسکے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کا سوال ہو تو کم سے کم اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سامنے رکھنا چاہیئے کیونکہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک شخص آپؐ کے احترام کے لئے جان دینے کا دعویٰ کرتا ہو لیکن اس غرض کے لئے وہ کام کرتا ہو جنہیں آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ باتیں کرتے ہیں تو غلط بیانی کرتے ہیں اور جب کسی سے اختلاف ہوتا ہے تو گالی گلوچ پر اُتر آتے ہیں[1] مومن کو ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔

اب آپ لوگ خود ہی دیکھ لیں کہ کیا احمدیت کے خلاف تقریریں کرنے والے جن کی تقریریں آپ نے سُنی ہیں اِس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں کہ نہیں؟ کیا جب وہ یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ فساد نہ کرو تو کیا آپ پر یہی اثر ہوتا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ فساد نہ کرو یا اس کے نتیجہ میں بہت سے بچے اور چند نوجوان فوراً جلوس بناتے اور گلیوں میں احمدیوں کے خلاف شور مچاتے پھرتے ہیں اور بعض پرائیویٹ مجالس میں احمدیوں کے قتل اور بائیکاٹ کے منصوبے کرنے لگ جاتے ہیں۔ اگر یہ مقرر واقعہ میں امن کی تعلیم دیتے ہیں تو اس کا اُلٹا اثر کیوں ہوتا ہے؟ کیا اِس سے ثابت نہیں ہوتا کہ سامعین بین السطور مطلب ان

---

[1] بخاری کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱ مصری ؏

تقریروں کا یہی سمجھتے ہیں کہ مقرر کہتا ہے کہ ہمیں قانون کی زد سے آزاد رہنے دو اور خود جاکر جو نقصان احمدیوں کا ہو سکتا ہے کرو۔ اسی طرح جو الفاظ وہ میری نسبت یا چوہدری ظفر اللہ خاں کی نسبت یا باقی جماعتِ احمدیہ کے متعلق بولتے ہیں کیا وہ گالی گلوچ کی حد میں نہیں آتے؟ اور کیا یہ سچ نہیں کہ ان لوگوں کی طرف سے جو جلوس مختلف جگہوں پر نکالے گئے ان میں چوہدری ظفر اللہ خاں کو نہایت ناپسندیدہ طور پر پیش کیا گیا اور ایک کتّا پکڑ کر اُسے ظفر اللہ خاں ظاہر کیا گیا اور اس پر جوتیاں لگائی گئیں۔ کیا یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مطابق نہیں کہ:۔

"جب وہ جھگڑتا اور مخالفت کرتا ہے تو گالی گلوچ پر اُتر آتا ہے"۔

اے اسلام کی غیرت رکھنے والو! اور اے وہ لوگو! جن کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرا بھی عشق ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ ایک منٹ کے لئے بھی یہ خیال کر سکتے ہیں کہ ان مجالس اور ان جلوسوں کو رسول کریمؐ پسند کر سکتے تھے؟ کیا اگر کوئی دشمن ایسے جلوس کا نقشہ کھینچ کر یہ لکھے کہ نعوذ باللہ من ذالك رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کسی جلوس کو پسند فرمایا تھا، تو کیا آپ کے جسم پر لرزہ طاری نہ ہو جائے گا؟ کیا آپ اسے غلط بیانی کرنے والا نہیں کہیں گے؟ پھر آپ یہ کس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ ایسی تقریریں کرنے والے اور ایسے جلوس نکلوانے والے احترامِ رسولؐ کی خاطر ایسا کر رہے ہیں؟ کیا سچ جھوٹ سے قائم ہوتا ہے؟ کیا احترام اور اعزاز گالی گلوچ کے ذریعہ سے قائم کیا جاتا ہے؟ کیا یہ مظاہرات دُنیا کی نگاہ میں اسلام کی عزّت کو بڑھانے والے ہیں یا گھٹانے والے؟ کیا اگر اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نظّارہ دکھا دے تو آپ فخر کرینگے کہ اُن کے نام پر تقریریں کرنے والے امن کا نام لے کر فساد کی تعلیم دے رہے ہیں۔ کیا وہ اس جلوس کو دیکھ کر خوش ہوں گے؟ جس میں گالیاں دی جاتی ہیں، جس میں ماتم کیا جاتا ہے، جس میں کُتّوں کو جُوتیاں مار کر اپنے ملک کا وزیر خارجہ قرار دیا جاتا ہے۔ کیا اگر صحابہؓ یہ نظّارہ دیکھیں تو وہ خوش ہو کر ایک دوسرے سے کہیں گے کہ یہ ہیں ہمارے سچے پَیرو۔ یہ وہی کام کر رہے ہیں جس کا کرنا ہم پسند کرتے تھے؟ اگر ایسا نہیں بلکہ آپ کا دل گواہی دیتا ہے کہ نہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام پسند کر سکتے تھے نہ صحابہؓ ان کاموں کا کرنا پسند کر سکتے تھے تو بتائیں کہ حُرمتِ رسُول کا دعویٰ کرنے والے اگر سچے ہیں تو یہ کام کیوں کرتے ہیں؟

اے عزیزو! عقیدہ وہی ہوتا ہے جو ایک شخص بیان کرتا ہے نہ وہ جو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ پس اچھی طرح سُن لو کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا ایمان تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیّین تھے اور قرآن کریم خاتم الکتب ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:۔

"مَیں مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانۂ خدا میں کرتا ہوں کہ مَیں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختمِ نبوّت کا منکر ہو اُس کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔"[1] (تقریر جامع مسجد دہلی ۱۸۹۱ء)

اسی طرح فرماتے ہیں:۔

"نوعِ انسان کے لئے رُوئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبیؐ کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو۔"

پھر آگے لکھتے ہیں:۔

"آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اَور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اَور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔" (کتاب کشتیٔ نوح ص ۱۳)

اِن الفاظ کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین نہ مانتے تھے تو وہ یاد رکھے کہ وہ خدا کی گرفت تلے ہے اسے ایک ناکردہ گناہ پر اتہام لگانے کی خدا تعالیٰ سزا دے گا اور ہر شخص جو اس امر سے واقف ہو کر محض اس لئے اس الزام لگانے والے کے پیچھے چلے گا کہ وہ اس کا مولوی ہے یا وہ قومی یا شہری جدّوجہد میں اس کی مدد کرے گا اور اس کا رفیقِ کار ہوگا تو اسے یاد رہے کہ اتنے بڑے اتہام پر خاموش رہنے والا اور اس کے خلاف احتجاج نہ کرنے والا خدا تعالیٰ کے سامنے کوئی جواب نہیں دے سکتا پس چاہیئے کہ وہ عاقبت کو سنوارے اور اس دُنیا کے کاموں اور اس کی ترقیوں میں بھی اللہ تعالیٰ پر توکّل کرے نہ کہ ان لوگوں پر جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر یہ اخلاق سوز جلوس نکلواتے ہیں اور قتل

[1] مشمولہ مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ ۲۲۵ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ

اور فساد کی سازشیں کرتے ہیں۔

اے عزیزو! بانیٔ سلسلہ ہی نے ختمِ نبوّت کے عقیدہ پر اتنا زور نہیں دیا بلکہ مَیں نے بھی اسے بیعت کی شرائط میں قرار دیا ہے اور ہر بیعت کرنے والے سے اقرار لیتا ہوں کہ مَیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین یقین کروں گا۔ اب بتاؤ کہ اِس سے زیادہ زور اِس عقیدہ پر کیا ہو سکتا ہے؟ اب جو نہ سمجھے قیامت کے دن ہمارا ہاتھ ہوگا اور اس کا دامن۔ باقی رہا یہ کہ ہم یہ سب کچھ دل سے نہیں کہتے بلکہ جھوٹ بولتے ہیں تو یہ دلیل تو دونوں طرف چل سکتی ہے۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم پر الزام لگانے والے لوگ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین نہیں مانتے۔ اگر ہم ایسا کہیں تو کیا آپ ہماری بات مان لیں گے اور وہی غیرت جس کا مظاہرہ ہمارے متعلق کرتے ہیں ان کے متعلق بھی دکھائیں گے؟

اے عزیزو! ایک دن ہم سب نے مرنا ہے اور خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ آپ کے آباء بھی مرے اور آپ بھی مریں گے اور آپ کی اولاد بھی مرے گی اور یہی حال میرا اور میرے ساتھیوں کا ہے پس چاہیئے کہ ہم اس دن کے لئے تیاری کریں جو آنے والا ہے۔ یہ دُنیا چند روزہ ہے یہ لاف و گزاف اور کثرت پر ناز اور جھگڑا بازی اور گالی گلوچ مالک الملک ربّ العٰلمین کے سامنے ہرگز کام نہ دیں گے۔ پس چاہیئے کہ جس نے ایسی غلطی نہیں کی وہ اپنے بھائی کو سمجھائے اور جس نے کی ہے وہ توبہ کرے۔ اُسی کی جان محفوظ ہے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اخلاق پر چلتا ہے نہ وہ کہ مُنہ سے آپؐ کے احترام کا دعویٰ کرتا ہے مگر عمل اس کے خلاف کرتا ہے۔ جو لوگ ایسے ہیں کہ ہمیں مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ بے شک اس کی طاقت رکھتے ہیں کیونکہ وہ بہت ہیں اور ہم تھوڑے ہیں مگر وہ اُس دن کو بھی یاد رکھیں جس دن ہم سب خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے، جس دن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مُنہ دکھانا ہوگا۔ جو اُس دن خوش ہوگا وہی کامیاب ہے اور جو اس دن آنکھ اُونچی نہ کر سکے گا اُس کی زندگی رائیگاں گئی۔ کاش وہ پیدا نہ ہوتا۔ کاش! اسے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غضبناک آنکھ نہ دیکھنی پڑتی۔ والسّلام [1]

---

[1] النّاشر انجمن ترقیٔ اسلام۔ ربوہ۔ پاکستان۔ بحوالہ روزنامہ "الفضل" مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۶

فصل دوم

◉ عالمی یومِ امن کے لئے دُعا ◉ حکومتِ پاکستان کے اعلان کا خیرمقدم ◉ سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے مساجد میں ذکرِ الٰہی کرنے اور فریضۂ حج بجالانے کی تحریک ◉ آل پاکستان مسلم لیگ کا اجلاسِ ڈھاکہ ◉ گوجرانوالہ میں احمدیوں کا بائیکاٹ اور اخبار "الاعتصام" ◉ حضرت امام ہمامؓ کا روح پرور پیغام جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کے نام۔

عالمی یومِ امن کے لئے دُعا

امریکہ کے شہر بالٹی مور (BALTIMORE) میں یو۔این سی۔ایل کے نام سے ایک تنظیم قائم تھی[1]۔ اس تنظیم نے ۶ر اگست ۱۹۵۲ء کو دُنیا بھر میں یومِ امن منانے کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے ایک کمیٹی تشکیل کی۔ کمیٹی کے ایگزیکٹو سیکرٹری جناب الفریڈ۔ ڈبلیو۔ پارکو نے کیلیفورنیا (امریکہ) سے حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کی خدمت میں درخواست کی کہ عالمی یومِ امن میں احمدی بھی شریک ہوں اور اس روز یا اس سے پہلے آنے والے جمعہ میں قیامِ امن کے لئے دعا کریں۔

حضرت امیر المومنینؓ نے اس تحریک کو سراہتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ امن کی اپیل خواہ کسی طرف سے ہو بہرحال قابلِ تعریف ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ دُنیا میں امن

---

[1] THE UNITED NATIONS CITIZENSHIP LEAGUE (متحدہ اقوام کی مجلسِ شہریت)

کا دَور دورہ ہو۔ پس اِس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ یہ تحریک کس کی طرف سے ہے؟ ہم اس تحریک میں شامل ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ تمام احمدی دوستوں کو چاہیئے کہ ۲ر اگست ۱۹۵۲ء بروز جمعہ یہ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ دُنیا کی موجودہ بے اطمینانی اور بدامنی کی حالت کو دُور فرمائے اور لوگوں کو امن اور اطمینان بخشے۔ آمین

اِس سلسلہ میں حضور نے عالمی یومِ امن کے لئے مندرجہ ذیل دُعا بھی بھجوائی جو دراصل سُورہ فاتحہ کا ترجمہ ہے:۔

" اے خدا ہمیں سیدھا رستہ دکھا۔ ایسا رستہ جس پر مختلف اقوام کے چنیدہ لوگ جنہوں نے تیری رضامندی کو حاصل کر لیا تھا چلے تھے۔ ہمارے ارادے پاکیزہ ہوں۔ ہماری نیّتیں درست ہوں ہمارے خیالات ہر بدی سے پاک ہوں اور ہمارے عمل ہر قسم کی کجی سے منزّہ ہوں سچائی اور صداقت کے لئے ہم اپنی ساری خواہشات اور رغبتیں قربان کر دیں، ایسا انصاف جس میں رحم ملا ہوُا ہو ہمارے حصّہ میں آئے اور ہم تیرے ہی فضل سے دُنیا میں سچّا امن قائم کرنے والے ہو جائیں جس طرح کہ تیرے برگزیدہ بندوں نے دُنیا میں امن قائم کیا اور تُو ہمیں ایسے تمام کاموں سے محفوظ رکھ جن کی وجہ سے تیری ناراضگی حاصل ہوتی ہے۔ اور تُو ہمیں اِس بات سے بھی بچا کہ ہم جوشِ عمل سے اندھے ہو کر ان فرائض کو بھُول جائیں جو تیری طرف سے عائد ہوتے ہیں اور ان طریقوں سے بے راہ ہو جائیں جو تیری طرف لے جاتے ہیں۔"

وکالتِ تبشیر ربوہ نے بذریعہ الفضل (۱۲ر احسان ۱۳۳۱ ہش) حضرت امیر المومنین کے مندرجہ بالا فرمان اور دعائیہ کلمات سے جماعتِ احمدیہ کو مطلع کر دیا اور تحریک کی کہ ۲۔ اگست کو "اسلام اور امنِ عالم" کے موضوع پر خطبۂ جمعہ دیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے مندرجہ بالا فرمان اور مُرسلہ دُعا سے امریکی دُنیا کو بالٹی مور کے روزنامہ ریکارڈ (RECORD) نے اور افریقی ممالک کو نائیجیریا کے اخبار "دی ٹروتھ" (THE TRUTH) نے روشناس کرایا۔ مؤخر الذکر اخبار نے اس کو اپنی جولائی ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں روزنامہ ریکارڈ کے حوالہ سے صفحہ اوّل پر شائع کیا۔

حکومتِ پاکستان کے اعلان کا خیر مقدم | حکومتِ پاکستان نے ۱۴ر اگست ۱۹۵۲ء کو

ایک پریس نوٹ جاری کیا کہ حکومتِ پاکستان کو اکثر شکایات موصول ہوتی رہی ہیں کہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے بعض حکام جو ایک خاص فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اپنی سرکاری حیثیت سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اپنے ماتحتوں اور ایسے آدمیوں میں اپنے فرقوں کی تبلیغ کرتے ہیں جن سے انہیں اپنی سرکاری حیثیت کی وجہ سے ملنے جُلنے کا موقعہ ملتا رہتا ہے۔ حکومت اِس صورتِ حال کو بہت تشویش کی نگاہوں سے دیکھتی ہے اور اُس نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ مذموم اور ناپسندیدہ روش فوراً بند کی جائے اور اِس قابلِ اعتراض طریقے سے کسی مذہبی فرقہ کے حق میں پروپیگنڈا کو ممنوع قرار دیا جائے۔[۱]

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وزیرِ خارجہ پاکستان نے حکومت کے اِس اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے حسبِ ذیل پیغام دیا:۔

"مَیں ایک مسلمان ہوں اور اِس لحاظ سے مَیں اسلام کی قرآن میں دی گئی تعلیمات اور رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات کی روشنی میں آزادئ ضمیر میں ایک جذباتی آدمی کی طرح یقین رکھتا ہوں۔ میرے نزدیک سرکاری دباؤ اور اثر کا استعمال آزادئ ضمیر میں مداخلت اور جبر و استبداد کے مترادف ہے، دوسری طرف جیسا کہ اسلام نے بتایا ہے ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالے اور یہ ایک ایسا اہم فرض ہے جو مسلمانوں نے اپنے زوال کے ایام میں افسوسناک حد تک بُھلا دیا تھا اور اس کا اثر ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر پڑا۔

میرے ذاتی نظریات کوئی سربستہ راز نہیں، ہر وہ آدمی جو ذاتی طور پر مجھے یا میرے نام سے جانتا ہے کسی حد تک میرے نظریات سے آگاہ ہے۔ حال ہی میں بعض حلقوں کی طرف سے میرے یہ نظریات غلط رنگ میں اور مسخ کر کے پیش کئے گئے ہیں مَیں جیسا کہ اُوپر بیان کر چکا ہوں اپنے مذہبی عقائد کو کسی بھی دوسرے شخص پر سرکاری حیثیت یا اختیار استعمال کر کے ٹھونسنا اسلام کے اصول کے خلاف تصوّر کرتا ہوں مجھے جس فرقہ سے وابستہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے اس میں اِس تصوّر کو پُوری طرح اپنایا جاتا ہے۔ اور اگر اس فرقہ کا کوئی فرد ان اصولوں کی خلاف ورزی کرتا ہُوا پایا جائے تو مجھے اس کا انتہائی صدمہ ہوگا۔

یہ درست ہے کہ ہمارے نظریات اور عقائد کی اشاعت ہمارے محدود وسائل سے کہیں بڑھ کر کی

---

[۱] آفاق ۱۷ / اگست ۱۹۵۲ء صلہ ۔

جاتی ہے۔ اِس کا مقصد صرف یہ ہے کہ صحیح طرزِ فکر رکھنے والوں تک ہمارے نظریات کو ان کے اصل رنگ میں پیش کیا جائے اور حق اور فلاح کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کی جائے۔ اس مطلب کے لئے دباؤ یا جبر کا استعمال خود اصل مقصد کے منافی ہوگا کیونکہ جس کسی آدمی پر یہ دباؤ استعمال کیا جائے گا اس کا ردِّ عمل یہ ہوگا کہ جس فکر کی دعوت دی جارہی ہے اس کا آزادانہ مطالعہ کرنے کا موقع نہیں دیا جارہا اور اسے ایک ایسی بات ماننے پر مجبور کیا جارہا ہے جسے اس کا ضمیر تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔

اِس مسئلہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے (کہ) جس فرقہ کے ممبروں پر جبر و اختیار استعمال کرنے کا الزام لگایا جارہا ہے خود ان کے عقائد و نظریات کو ان لوگوں کی طرف سے غلط طور پر پیش کیا جارہا ہے جو اکثریت میں ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں، اِن حالات میں اس فرقہ کے ممبروں کے لئے اثر و رسوخ استعمال کرنا ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔

اِس بارے میں حکومت کی طرف سے جو اعلان کیا گیا ہے مَیں اُس کا خیر مقدم کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ پاکستان کے ہر طبقے کے لوگ دِلی طور پر اس کا خیر مقدم کریں گے اور ملک میں امن و سکون اور برداشت کا ماحول پیدا کرنے میں ممدّ ہوں گے۔

ایمان اور یقین ایسے مقاصد ہیں جنہیں مناسب ماحول پیدا کرکے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کِسی شخص کو ایک ایسی بات تسلیم کرنے پر جسے اُس کا ضمیر نہیں مانتا مجبور کرنا کسی بھی طرح مناسب نہیں۔ کوئی آدمی جو اِس قسم کا دباؤ ڈالتا ہے وہ چاہے کوئی وزیر ہو، افسر ہو یا عام آدمی ہو مخلص مومن پیدا کرنے کے بجائے ریاکار پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ (ا۔پ۔پ)" [۱] [۲]

---

[۱] اخبار "نوائے وقت" (لاہور) ۱۷؍ اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ کالم ۲-۳۔

[۲] جناب خواجہ ناظم الدین صاحب وزیرِ اعظم پاکستان نے تحقیقاتی عدالت پنجاب میں بیان دیا:۔

" اس اعلامیہ نے وزیرِ خارجہ کے خلاف الزامات کو لازماً قبول نہیں کیا لیکن ان کے متعلق عام طور پر مشہور تھا کہ وہ احمدیوں کی اعانت کرتے اور دوسروں کو اپنے فرقہ میں شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں مَیں نے اِس سلسلہ میں ٹھوس شکایات پیش کرنے کو کہا لیکن ایسی شکایات نہیں مل سکیں۔"

(روزنامہ "ملّت" لاہور ۵؍ دسمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۴)

مساجد کو ذکرِ الٰہی سے معمور رکھنے کی تحریک

حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعودؓ نے اِس سال جہاں احترامِ مساجد کے فقہی مسئلہ پر روشنی ڈالی وہاں مسجدوں کو ذکرِ الٰہی سے معمور رکھنے کی بھی تحریک فرمائی۔ چنانچہ ۲۹ ظہور ۱۳۳۱ ہش کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:۔

"مساجد ذکرِ الٰہی کے لئے ہوتی ہیں اور انہیں اسی غرض کے لئے استعمال کرنا چاہیئے۔ لیکن جب ہم اسلام کا اور خصوصاً قرونِ اُولیٰ کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے مساجد کو صرف ذکرِ الٰہی کی جگہ ہی نہیں بنایا بلکہ بعض دُنیوی امور کے تصفیہ کا مقام بھی بنایا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجالس میں ہم دیکھتے ہیں کہ لڑائیوں کے فیصلے بھی مساجد میں ہوتے تھے، قضائیں بھی وہیں ہوتی تھیں، تعلیم بھی وہیں ہوتی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد صرف اللہ اللہ کرنے کے لئے ہی نہیں بلکہ بعض دوسرے کام بھی جو قومی ضرورت کے ہوتے ہیں مساجد میں کئے جا سکتے ہیں۔ ہاں مساجد میں خالص ذاتی کاموں کے متعلق باتیں کرنا منع ہیں۔ مثلاً رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ اس گمشدہ چیز کے متعلق مسجد میں اعلان نہ کرے۔ اگر وہ اس گمشدہ چیز کے متعلق اعلان کرے تو خدا تعالیٰ اس میں برکت نہ ڈالے۔

پس ایک طرف تو مساجد میں جنگی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں، تعلیم دی جاتی ہے، قضائیں ہوتی ہیں لیکن دوسری طرف گمشدہ چیز کے متعلق اعلان کرنا مسجد میں منع کیا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مسجد میں جو کام ہوں وہ قومی ہوں ذاتی نہیں۔ گویا مسجد اجتماعی جگہ ہے اور وہاں ایسے کام ہو سکتے ہیں جو اجتماعی اور قومی ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ جو کام وہاں ہوں وہ قومی فائدہ کے بھی ہوں اور نیکی کے بھی ہوں۔ گویا جو کام نیک ہے اور قومی فائدہ کا ہے اسے ذکرِ الٰہی کا قائمقام قرار دیا گیا ہے۔ اس کی تصدیق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہو جاتی ہے کہ آپ فرماتے ہیں جو شخص وضو کر کے مسجد میں آئے اور وہاں امام کے انتظار میں بیٹھے تو خدا کے نزدیک وہ ایسا ہی ہے کہ گویا وہ نماز پڑھ رہا ہے۔ اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قومی کام کے لئے انتظار میں بیٹھنا نماز کا قائمقام ہوتا ہے۔

پس مساجد خالی سُبحان اللہ سُبحان اللہ کرنے کے لئے نہیں بلکہ ان میں قومی کام بھی کئے جا سکتے

ہیں بشرطیکہ وہ کام امن، صُلح اور نیکی کے ہوں۔ مثلاً اگر لوگ مسجد میں سیاسی جلسے کریں اور قانون شکنی کریں اور یہ کہہ دیں کہ مسجد خدا تعالیٰ کا گھر ہے ہمیں حکومت مسجد میں قانون شکنی کی وجہ سے نہ پکڑے تو ان کا ایسا کہنا غلط ہوگا مساجد قانون شکنی اور ناجائز کاموں کے لئے نہیں بلکہ مساجد جائز قومی اجتماعوں کے لئے بنائی گئی ہیں۔ گویا مساجد میں ہر وہ کام جو اجتماعی حیثیت رکھتا ہو کیا جا سکتا ہے مگر وہ کام جو قانون کے مطابق ہو، صُلح کی غرض سے ہو، قیامِ امن کی غرض سے ہو۔ خدا تعالیٰ نے مساجد کو حکومت کے خلاف فساد کی جگہ بنانا ناجائز قرار دیا ہے اور نہ صرف ناجائز قرار دیا ہے بلکہ اس قسم کی مساجد کو گرا دینے کا حکم دیا ہے۔

پس ایک تو مَیں پھر اپنے اس مضمون کی طرف جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ دوست مساجد میں زیادہ سے زیادہ ذکرِ الٰہی کریں لیکن مَیں ذکرِ الٰہی کو محدود نہیں کرتا مساجد میں قومی اور اجتماعی کام بھی کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً مساجد ہی ہیں جن میں یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ کوئی باہر سے آیا ہے۔ فرض کرو کوئی احمدی گوجرانوالہ، لائلپور یا ملتان سے یہاں آتا ہے۔ وہاں چونکہ آج کل شورش ہو رہی ہے اس لئے قدرتاً ہر ایک احمدی کو یہ شوق ہوگا کہ اسے پتہ لگے کہ وہاں جماعت کا کیا حال ہے؟ اور اس کی حفاظت کے لئے گورنمنٹ کیا کر رہی ہے؟ اب اگر وہ مسجد میں اس احمدی سے یہ باتیں نہیں پوچھتا تو اس کا اجتماعی علم نامکمل رہ جاتا ہے۔ اگرچہ بظاہر یہی سمجھا جائے گا کہ وہ اس سے دُنیوی باتیں پوچھ رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ دُنیوی باتیں نہیں۔ اگر وہ اِس قسم کی باتیں پُوچھتا ہے تو اجتماعی اور قومی حالت سے واقفیت حاصل کرتا ہے اور یہ ذکرِ الٰہی ہے۔ بظاہر تو یہ ہوگا کہ اُس کے لڑکے کو کسی نے طمانچہ مارا ہے، یا فلاں لڑکے کو سکول سے نکالا گیا ہے، یا فلاں استانی کو سکول سے ہٹا دیا گیا ہے یا کنوئیں سے پانی بھرنے سے احمدیوں کو روک دیا گیا ہے، لیکن یہ سب باتیں دینی ہوں گی اور ذکرِ الٰہی کہلائیں گی۔ پس ایسے اہم امور کے متعلق مساجد میں باتیں کرنا جائز ہے اور دین کا ایک حصہ ہے۔ لیکن اگر کوئی اِس قسم کی باتیں کرے کہ تم فلاں جگہ سَودا لینے گئے تھے وہاں چاول کا کیا بھاؤ ہے؟ مَیں بھی چاول لینے وہاں جاؤں گا؟ یا آجکل قربانی کے بکرے کا کیا بھاؤ ہے؟ تو یہ قومی بات نہیں اس لئے مسجد میں ایسی بات کرنا ناجائز ہے۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ کسی حالت میں اگر وہ یہ پُوچھتا ہے کہ فلاں جگہ سے تم نے چاول خریدنے ہیں کیا وہاں چاول سستے ہیں تا مَیں بھی چاول وہیں سے لاؤں تو یہ ناجائز

بات ہے لیکن اگر کسی علاقہ میں قحط کی صُورت ہے اور وہ یہ پُوچھتا ہے کہ فلاں جگہ غذائی حالت کیسی ہے۔ چاول کا کیا بھاؤ ہے؟ دال کا کیا بھاؤ ہے؟ گیہوں کا کیا بھاؤ ہے؟ تو یہ باتیں جائز ہوں گی کیونکہ ان کا قوم اور ملک سے تعلق ہے اور اِن باتوں کے لئے ہی مساجد بنی ہیں۔

پس یہ فرق یاد رکھو کہ مساجد اصل میں ذکرِ الٰہی کے لئے بنی ہیں لیکن ذکرِ الٰہی کا قائم مقام وہ کام بھی ہیں جو قومی فائدہ کے ہوں خواہ وہ کھانے پینے کے متعلق ہوں یا قضاء کے متعلق ہوں، جھگڑے فسادات کے متعلق ہوں، تعلیم کے متعلق ہوں یا کسی اَور رنگ میں مسلمان قوم کی ترقی اور تنزّل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ان کاموں کے متعلق مساجد میں باتیں کی جاسکتی ہیں خواہ بظاہر یہ باتیں دُنیوی معلوم ہوتی ہوں لیکن دراصل یہ قوم سے تعلق رکھتی ہیں اور دین اِن سے ہی بنتا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مساجد میں اِس قسم کی باتیں کیا کرتے تھے، حبشی کیا کرتے تھے اور اِس قسم کے دوسرے معاملات طے کیا کرتے تھے پس مساجد میں اِس قسم کے کام جائز ہیں اِس لئے کہ خدا تعالیٰ نے اِن امور کو دین کا جزو بنایا ہے۔ ہمارے دین میں ذکرِ الٰہی اِس کا نام نہیں کہ انسان اللہ اللہ کرتا رہے بلکہ اگر کوئی بیوہ کی خدمت کرتا ہے تو وہ بھی دین ہے، اگر کوئی یتیم کی پرورش کرتا ہے تو وہ بھی دین ہے، اگر کوئی شخص قوم کی خدمت کرتا ہے تو وہ بھی دین ہے، اگر کوئی شخص جھگڑوں کو دُور کرتا ہے، مقدمے طے کرتا ہے، صُلح کراتا ہے تو یہ بھی دین ہے۔

پس تمام وہ قومی کام جن سے قوم کو فائدہ پہنچے، وہ قوم کے اَخلاق اور اس کی دُنیوی حالت کو اُونچا کریں ذکرِ الٰہی میں شامل ہیں اور ان کا مساجد میں کرنا جائز ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اِس قسم کے کام مساجد میں ہی کیا کرتے تھے۔ مثلاً اگر کوئی مہمان آجاتا تو آپ صحابہؓ کو مخاطب کرکے فرماتے فلاں مہمان آیا ہے تم میں سے کون اسے ساتھ لے جائے گا؟ تو ایک صحابیؓ اُٹھتا اور عرض کرتا اسے مَیں ساتھ لےجاتا ہوں۔ یا زیادہ مہمان آتے تو کوئی کہتا مَیں ایک لے جاتا ہوں، مَیں دو لے جاتا ہوں، مَیں چار لے جاتا ہوں۔ بظاہر یہ روٹی کا سوال تھا لیکن یہ دین تھا، اس لئے کہ اس سے ایک دینی ضرورت پُوری ہوتی تھی۔ درحقیقت لوگوں نے دین کو محدود کر دیا ہے اور اس کے معنے اِس قدر کمزور کر دیئے ہیں کہ کوئی چیز دین میں باقی نہیں رہی ورنہ دُنیا کی سب چیزوں کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور ان سب چیزوں سے تعلق پیدا کرنا دین ہے۔ خدا تعالیٰ براہِ راست کسی کو نہیں ملتا بلکہ خدا تعالیٰ یتیم کی پرورش کرنے سے

ملتا ہے، بیوہ کی خدمت کرنے سے ملتا ہے، کافر کو تبلیغ کرنے سے ملتا ہے، مومن کو مصیبت سے نجات دلانے سے ملتا ہے۔ یہ چیزیں خدا تعالیٰ کے ملنے کے ذرائع ہیں یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نیچے اُتر آتا ہے۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ رُوحانی بینائی اور معرفت کے مطابق انسان پر ایسی حالت آتی ہے کہ وہ محسوس کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ آگیا ہے لیکن اس کا ذریعہ بیوہ کی خدمت کرنا ہوتا ہے، یتیم کی پرورش کرنا ہوتا ہے یا دوسرے قومی کام کرنا ہوتا ہے اور یہی دین ہے۔ اگر تم مساجد میں ذاتی باتیں کرتے ہو مثلاً کہتے ہو تمہاری بیٹی کی شادی کے متعلق کیا بات ہے یا میری ترقی کا جھگڑا ہے افسر مانتے نہیں میں کوشش کر رہا ہوں۔ تو یہ باتیں کرنا مسجد میں جائز نہیں سوائے امام کے کہ اس کا ذمہ قوم کی خدمت ہے اور نہ صرف ان باتوں کا کرنا مسجد میں جائز نہیں بلکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا بھی ہے کہ خدا تعالیٰ اس کام میں برکت نہ دے۔

اب اگر کسی شخص کو شوق ہے کہ وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددُعا لے تو مَیں ایسے دلیر شخص کو کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن اگر کسی کو یہ شوق ہے کہ وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں لے تو وہ مسجد سے نکل کر ایسی باتیں کرے۔ پس مساجد کے اندر ذکرِ الٰہی کرو لیکن ذکرِ الٰہی کے وہ تنگ معنے نہیں جو مُلّاں نکالا کرتے ہیں۔ ذکرِ الٰہی ان تمام باتوں پر مُشتمل ہے جو انسان کی ملّی، سیاسی، علمی اور قومی برتری اور ترقی کے لئے ہوں لیکن تمام وہ باتیں جو لڑائی دنگا یا قانون شکنی کے ساتھ تعلق رکھتی ہوں خواہ ان کا نام ملّی رکھ لو، سیاسی رکھ لو، قومی یا دینی رکھ لو مساجد میں ان کا کرنا ناجائز ہے۔" [1]

تحریکِ حج

حضرت مہدیٔ موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اپنی جماعت کے لئے یہ واضح تعلیم ہے کہ:۔

"جو شخص اپنے نفس کے لئے خدا کے حُکم کو ٹالتا ہے وہ آسمان میں ہرگز داخل نہیں ہوگا سو تم کوشش کرو جو ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن شریف کا بھی تم پر گواہی نہ دے تا تم اسی کے لئے پکڑے نہ جاؤ۔ ... مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے۔" [2]

اس ضمن میں فریضۂ حج کی نسبت خاص طور پر یہ حکم دیا کہ:۔

---

[1] روزنامہ الفضل مورخہ ۱۱ تبوک ۱۳۳۱ ہش ص۲،۳ ۔ [2] کشتی نوح ص۲۳، ۲۴ (طبع اوّل)

"جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے"۔ [1]

اِس سال سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے بھی نائب مہدی کی حیثیت سے فریضۂ حج کی بجا آوری کے لئے پُرزور تحریک کی چنانچہ خطبہ جمعہ یکم تبوک ۱۳۳۱ ہش کے دَوران فرمایا:-

(۱) "یہ عید اِس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ اپنے بھائیوں کو دیکھ کر ہمارے اندر بھی حج کرنے کا جذبہ پیدا ہونا چاہیئے۔ جہاں اپنے بعض بھائیوں کو حج نصیب ہونے کی خبر سُنکر ہم خوش ہوتے ہیں وہاں ساتھ ہی ہمیں یہ خیال بھی کرنا چاہیئے کہ ہم کیوں حج نہ کریں؟ ہمارے اندر یہ خواہش پیدا ہونی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ ہمیں بھی حج کا موقعہ دے مگر افسوس کہ حج کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹ گئی ہے بہت کم لوگ ہیں جو حج کے لئے جاتے ہیں"۔

(۲) "یہ عید اِس لئے آتی ہے تا ہمارے دلوں کو بیدار کرے اور ہمیں ہمارا فرض یاد دلائے عید ہمیں یہ بتانے آتی ہے کہ حج کی عبادت تم پر بھی فرض ہے۔ جس طرح نماز ایک ضروری فریضہ ہے جس طرح زکوٰۃ ایک ضروری فریضہ ہے، جس طرح روزے ایک ضروری فریضہ ہیں اسی طرح حج بھی ایک ضروری فریضہ ہے لیکن افسوس کہ نہ غیر احمدیوں میں اِس فریضہ کا صحیح احساس پایا جاتا ہے اور نہ احمدیوں کو اس کا پُورا احساس ہے۔ غیر احمدیوں میں تو یہ لطیفہ ہوتا ہے۔ ان کے خطوط آتے ہیں کہ اگر حضرت مرزا صاحبؑ مسلمان تھے تو اُنہوں نے حج کیوں نہیں کیا؟ پھر ان کے پہلے خلیفہ نے بھی حج نہیں کیا اور آپ نے بھی حج نہیں کیا حالانکہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے نہ صرف حج کیا تھا بلکہ دو سال کے قریب آپ مکّہ مکرّمہ میں رہے اور مَیں نے بھی حج کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی صحت اِس قابل نہیں تھی کہ آپ سفر کرتے اور پھر آپ کے لئے رستہ میں امن بھی نہیں تھا اِس لئے آپ نے حج نہیں کیا لیکن آپؑ کی طرف سے ہم نے حج بدل کروا دیا تھا"۔

(۳) "اب اِس عید سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے دلوں میں حج کی عظمت پیدا کرو اور زیادہ سے زیادہ حج کے لئے جاؤ تاکہ حج کی غرض پُوری ہو اور حج سے جو خدا تعالیٰ کا منشاء ہے وہ پُورا ہو اور پھر جو لوگ حج کے لئے جائیں ان کا فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر اِس بات پر غور کریں کہ آج باوجود اتنی تعداد میں ہونے کے مسلمان آزاد کیوں نہیں؟ مسلمان منظّم کیوں نہیں؟ وہ

---

[1] کشتی نوح صفحہ ۱۵ (طبع اوّل)

اسلام کو اس کی پہلی شان پر لے جانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ وہ ان ذرائع پر غور کیوں نہیں کرتے جن سے اسلام کو پہلی شان حاصل ہو؟" [1]

آل پاکستان مسلم لیگ کا اجلاس ڈھاکہ

پنجاب میں مسئلۂ اقلیت اٹھائے جانے کے بعد آل پاکستان مسلم لیگ کے اجلاس ڈھاکہ (منعقدہ اکتوبر ۱۹۵۲ء) میں اِس ریزولیوشن کا نوٹس دیا گیا کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے لیکن یہاں بھی مُحبِّ وطن اور بیدار مغز مُسلم لیگی راہ نماؤں نے قائدِ اعظم مرحوم کی طرح اِس ریزولیوشن کے زیرِ بحث لانے کی اجازت تک دینے سے انکار کر دیا۔ دراصل بنگال کے اکثر مُسلمان لیڈر اور ممبر پہلے ہی اِس عزم کا اظہار کر چکے تھے کہ ہم اِس مطالبہ کی پُرزور مخالفت کریں گے، بعض نے یہاں تک کہا کہ اسلام پر عمل کرنے والے اور اکنافِ عالم تک اس کی اشاعت کرنے والے تو احمدی ہی ہیں اگر ان کو کافر اور غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا تو دُنیا میں مسلمان کون رہے گا؟ [2]

اِس موقعہ پر مشرقی پاکستان کے مُسلم پریس نے عُمدہ نمونہ دکھایا چنانچہ ڈھاکہ کے روزنامہ "ملّت" مؤرخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۲ء) نے اپنے ادارتی نوٹ میں لکھا کہ:-

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے لئے گزشتہ آل پاکستان مسلم لیگ کونسل میں ایک ریزولیوشن کا نوٹس دیا گیا تھا لیکن موجودہ حالات میں اِس معاملہ کو نہ اُٹھا کر مسلم لیگی زعماء نے بہت دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ قطع نظر علماء کے فتویٰ بازیوں کے یہ امر ظاہر ہے کہ پاکستان میں مسلمانوں کے اندر آپس کی تفرقہ اندازی اپنی ہی حکومت کو کمزور کرنے کا باعث ہوگی، قادیانی یا احمدی مسلمانوں نے ملک کی آزادی کے جہاد میں خاص حصّہ لیا ہے اِس لئے مسلمان قوم کی آئندہ تعمیری پروگرام کے سلسلہ میں اِس جماعت کی قدر کم قرار نہیں دی جا سکتی۔ سوامی شردھانند جی کی شُدھی تحریک کے مقابلہ میں اِس جماعت نے "تحریکِ تنظیم" قائم کرکے مسلمانانِ برِّصغیر کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔

---

[1] روزنامہ الفضل ۳ اخاء ۱۳۳۱ ہش مطابق ۳ اکتوبر ۱۹۵۲ء صک، صٹ۔

[2] روزنامہ الفضل، ۷ شہادت ۱۳۴۲ ہش مطابق ۷ اپریل ۱۹۶۳ء ص۳ مضمون مولوی محمد صاحب بی۔ اے امیر جماعتِ احمدیہ مشرقی پاکستان) جناب شیخ روشن دین صاحب تنویر مدیر الفضل نے اِس مضمون کو ایک شعر میں یوں بیان فرمایا ہے

دُنیا میں آج حاملِ قرآن کون ہے؟ ؎ گر ہم نہیں تو اور مسلمان کون ہے؟

جذبات کی رَو میں بیٹھ کر اگر آج جماعتِ احمدیہ کو اقلیّت قرار دے دیا جائے تو آئندہ شیعہ حضرات کے خلاف بھی یہی آواز اُٹھائی جا سکتی ہے اس کے بعد آہستہ آہستہ شافعی، حنبلی، مالکی وغیرہ سب فرقوں کے بارہ میں ہی اقلیّت قرار دیئے جانے کا سوال اُٹھ سکتا ہے لہٰذا اس کے خطرناک نتائج اور مسلمانوں کے اندرونی خلفشار کا تصوّر کرتے ہوئے آج مسلمانوں کے اندر آپس میں اتحاد اور اتّفاق کی پہلے سے بھی زیادہ ضرورت ہے۔ یہ امر باعثِ خوشی ہے کہ موجودہ مسلم لیگی زعماء نے اِس سوال کے خطرناک نتائج کو بروقت بھانپ لیا ہے۔[۵] (بنگلہ سے ترجمہ)

تبلیغِ اسلام کا عالمی ادارہ تحریکِ جدید

سیّدنا حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعودؓ نے ۵ ماہِ فتح ۱۳۳۱ ہش کو اس بُنیادی نکتہ کی طرف احباب جماعت کو توجّہ دلائی کہ قیامِ تحریکِ جدید کا مقصد دُنیا بھر میں تبلیغِ اسلام ہے جو محض انفرادی فرض نہیں بلکہ پُوری ملّتِ اسلامیہ کا اجتماعی فرض ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

"تحریکِ جدید ہمیشہ کے لئے قائم رہنے والا ادارہ ہے۔ جب تک قوم زندہ رہے گی یہ ادارہ قوم کے ساتھ وابستہ رہے گا اور جب افراد میں زندگی منتقل ہو جائے گی یعنی جماعت کے کچھ افراد مُردہ ہو جائیں گے اور کچھ زندہ رہیں گے تو یہ ادارہ زندہ افراد کے ساتھ وابستہ ہو جائے گا۔

اسلام کی گذشتہ تاریخ میں جہاں مسلمانوں سے بعض بڑی بڑی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں وہاں ایک اہم ترین غلطی ان سے یہ ہوئی کہ تبلیغ کو انفرادی فرض سمجھ لیا گیا۔ بے شک مسلمانوں میں مبلّغ رہے، گذشتہ صدیاں تو الگ رہیں قریب کے زمانہ تک بھی مسلمانوں میں مبلّغ رہے بلکہ اس زمانہ تک رہے جس کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ اس میں اسلام مٹ گیا اور مسلمانوں پر موت طاری ہو گئی، اس میں بھی خدا تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے تھے جو زندہ تھے اور تبلیغِ اسلام کے فرض کو ادا کرنے میں خوشی، رغبت اور لذّت محسوس کرتے تھے۔ پہلی صدی کو تو جانے دو جب ہر مسلمان ہی ایک مبلّغ تھا، دوسری صدی کو بھی جانے دو، تیسری صدی کو بھی جانے دو، چوتھی پانچویں چھٹی اور ساتویں صدی کو بھی جانے دو جب تبلیغ کرنے والے اور اس کا انتظام کرنے والے بڑے بڑے اہم آدمی تھے، ان کے بعد کی صدیوں کو بھی جانے دو جب تبلیغ نہایت محدود دائرہ کے ساتھ وابستہ رہ گئی تھی لیکن پھر بھی لوگ دوسرے ملکوں میں جاتے تھے، مَیں تو تیرھویں صدی کے

---

۵ روزنامہ الفضل ۲۹ اخاء ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۵ (ترجمہ)

متعلق کہتا ہوں بلکہ چودھویں صدی کی ابتداء کے متعلق کہتا ہوں جب بظاہر مسلمانوں پر موت آگئی کہ اس وقت بھی خدا تعالیٰ کے ایسے بندے موجود تھے جو اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ مثلاً مغربی افریقہ ہے اس میں اسلام بہت قریب کے زمانہ میں پھیلا ہے یعنی اِس ملک میں تبلیغ ۶۰-۷۰ یا ۱۰۰ سال کے اندر ہوئی ہے۔ بالعموم بربری، شامی اور سوڈانی لوگ وہاں گئے اور انھوں نے اسلام کی تبلیغ کی جس کے نتیجہ میں لاکھوں لوگ مسلمان ہوئے۔ [۱]

پس انفرادی حیثیت سے مسلمانوں میں آخر تک تبلیغ ہوتی رہی ہے گو محدود ہوئی ہے لیکن اجتماعی رنگ میں تبلیغ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی قریباً مفقود ہو گئی کیونکہ خلفاء ان جنگوں میں بھی جو عیسائیوں اور زرتشتیوں کے خلاف لڑی گئیں اِس قدر اُلجھ گئے کہ اس وقت جہاد اور تبلیغ دونوں کو ایک سمجھ لیا گیا اور خلفاء کے بعد مسلمانوں پر جمود طاری ہو گیا۔ وہ دُنیوی شان وشوکت اور ترقیات کو اپنا منتہائے مقصود سمجھ بیٹھے اور تبلیغ کی اصل رُوح کو بھول گئے۔

پس انفرادی طور پر اسلام میں نہایت عظیم الشّان لوگ پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے تبلیغِ اسلام کے فرض کو اچھی طرح ادا کیا۔ افغانستان میں مسلمان پھیل گئے۔ افریقہ میں وہ گئے اور وہاں تبلیغ کی۔ وہ چین، جاپان، انڈونیشیا اور ہندوستان میں آئے اور یہاں اسلام کی تبلیغ کی اور لاکھوں لوگ انکے ذریعہ مسلمان ہوئے۔ غرض انہوں نے تبلیغ کی اور بڑی شان سے تبلیغ کی لیکن یہ انفرادیت تھی اجتماعیت نہیں تھی حالانکہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ [۲] یعنی تم میں ہمیشہ ایک ایسی اُمّت ہونی چاہیئے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بُلائے اور انہیں نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے منع کرے۔ اور اُمّت کے معنے ایسی ہی جماعت کے ہیں جو اپنے اندر نظم رکھتی ہو۔ چونکہ اُمّت اور امام ایک ہی مادّے سے نکلے ہیں اِس لئے درحقیقت اُمّت وہی ہے جو اپنا مرکز رکھتی ہو، جب وہ مرکز سے نکل جائے گی ہم اُسے اُمّت نہیں کہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو اُمّتِ محمدیہ کہتے ہیں۔ مسلمانوں میں چاہیے کتنا

---

[۱] ملاحظہ ہو "تاریخ اشاعتِ اسلام صفحہ ۵۰۰ - ۵۱۶ مؤلفہ مولانا شیخ محمد اسمٰعیل صاحبؒ پانی پتی، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور طبع اوّل ۱۹۶۲ء۔ دعوتِ اسلام" PREAKING OF ISLAM" (سرتھامس آرنلڈ) زیرِ حالات "افریقہ میں اشاعتِ اسلام"

[۲] آلِ عمران : ۱۰۵

اختلاف ہو جائے، چاہے اُن کے کتنے فرقے بن جائیں اُمّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رہے گی اسی وجہ سے ہم باوجود حضرت مسیح موعودؑ کو نبی کہنے کے اپنے آپ کو آپ (مسیح موعود۔ ناقل) کی اُمّت نہیں کہتے۔ ہمارے بچوں تک سے پُوچھو تو وہ کہیں گے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت ہوں، مسیح موعودؑ کی جماعت میں سے ہوں ہم عیسائیوں اور یہودیوں کو اُمّت نہیں کہتے عیسائی اور یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں اُمّت تھے اب وہ اُمّت نہیں رہے، اب وہ جماعت بھی نہیں رہے وہ ایک طائفہ ہیں، گروہ ہیں، حزب ہیں اُمّت نہیں کیونکہ کوئی اُمّت صرف اس وقت تک اُمّت کہلاتی ہے جب تک اس میں اتحاد ہو، اُمّت اس وقت تک اُمّت کہلاتی ہے جب تک وہ امام کے گرد چکر کھاتی ہو، اُمّت اس وقت تک اُمّت کہلاتی ہے جبتک وہ خاص مقاصد لے کر کھڑی ہوئی ہو۔ اُمّ کے معنے خاص مقصد کے ساتھ چلنے کے بھی ہیں۔ اور اُمّت وہی کہلاتی ہے جو کسی خاص مقصد کو لے کر کھڑی ہو، اس میں نظم ہو اور وہ کسی مرکزی نقطہ کے گرد چکر کھا رہی ہو۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ میں مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں جو مقصدِ تبلیغ کو لے کر کھڑے ہوں، ان کا عمر بھر یہی کام ہو کہ وہ ایک نظام کے ماتحت رہیں، لیکن یہ بات رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں ہوئی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ آپؐ لوگوں کو اِدھر اُدھر بھیج رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ تم فلاں جگہ پر جاؤ اور انہیں اسلام کی تعلیم دو، آپؐ کے زمانہ میں ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ آپؐ کے اِردگرد لوگ بیٹھتے ہیں تاکہ وہ دین سیکھیں، ہمیں نظر آتا ہے کہ وفود باہر جا رہے ہیں تا وہ دوسرے لوگوں کو اسلام کی تعلیم سکھائیں اور باہر سے وفود آ رہے ہیں تا مدینہ میں آ کر وہ اسلام کی تعلیم حاصل کریں۔ خلفاء کے وقت میں صحابہؓ جنگوں میں اُلجھ گئے اور اِس طرح کی تبلیغ کے لئے وہ وقت نہ نکال سکے اور ان کے بعد لوگ سُستی اور غفلت کی وجہ سے اس طرف سے ہٹ گئے اور انہوں نے اپنے مقصد کو بُھلا دیا۔ چونکہ درمیان میں وقفہ پڑ گیا تھا اِس لئے بعد میں آنے والے اپنے اس مقصد کو بُھول گئے اور وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ ... الخ پر عمل نہ ہوا۔

اب تبلیغ جیسے عظیم الشان کام کو جاری کرنے کے لئے سلسلہ احمدیہ نے تحریکِ جدید جاری کی ہے تا باہر سے لوگ بلوائے جائیں جو یہاں آکر دین سیکھیں اور ان میں سے ایسے لوگ تیار کئے جائیں جو باہر جاکر لوگوں کو دین سکھائیں یہی قرآن کہتا ہے کہ تم باہر کے لوگوں کو تحریک کرو کہ وہ تمہارے پاس آکر دین سیکھیں اور مرکز میں تم ایک ایسی جماعت تیار کرو جو باہر جائے اور لوگوں کو دین سکھائے تحریکِ جدید اِن دونوں مقاصد کو پورا کرتی ہے۔ تیرہ سو سال کے عرصہ میں بعد از زمانۂ نبوت صحابہؓ کے وقت میں مجبوراً اور ان کے بعد مسلمانوں کی غفلت کی وجہ سے ہمیں یہ چیز نظر نہیں آتی۔ آج صرف ہماری جماعت کو اِس بات کی توفیق (ملی ہے[۱])۔ یہ کتنا عظیم الشان کام ہے اِس ایک کام کی وجہ سے تمہیں دوسروں پر فضیلت حاصل ہو جاتی ہے اور تمہارے مقابلہ میں کوئی اَور ٹھہر نہیں سکتا۔"[۲]

گوجرانوالہ میں احمدیوں کا بائیکاٹ اور "الاعتصام"

۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء کے آخر میں گوجرانوالہ میں احمدیوں کے خلاف بائیکاٹ کی ایک مہم جاری کر دی گئی جس کی اہلحدیث کے ترجمان "الاعتصام" نے سخت مذمت کی اور اس کے مدیر مسئول مولانا محمد حنیف صاحب ندوی نے "اقلیت کا مسئلہ اور مقاطعہ کی پالیسی" کے زیرِ عنوان حسب ذیل اداریہ سپردِ قلم کیا:۔

"چند ہفتوں سے گوجرانوالہ میں مرزائیوں کے مقاطعہ کی باقاعدہ مہم جاری ہے۔ پہلے تو ہم یہ سمجھے کہ شاید یہ کوئی مقامی تحریک ہے لیکن کتبوں سے جو اِس سلسلہ میں دکانوں، ہوٹلوں اور دیواروں پر آویزاں کئے گئے ہیں یہ معلوم ہوا کہ یہ اسلامیانِ پاکستان کا متفقہ فیصلہ ہے۔

کتبوں پر اِس ڈھنگ کی عبارتیں مرقوم ہیں "مرزائیوں کا بائیکاٹ کرو" "مرزائیوں کے کھانے کے برتن الگ ہیں" "مرزائیوں کا مقاطعہ اسلامیانِ پاکستان متحدہ فیصلہ ہے۔"

ہمارے نزدیک یہ تحریک قطعاً غلط، غیر ذمہ دارانہ اور مضر ہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے مجلس عمل نے اِس نوعیت کا کوئی فیصلہ نہیں کیا، حالانکہ مرزائیت کے خلاف یہی ایک نمائندہ جماعت ہے جسے کہنے سننے اور مستقل پالیسی وضع کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ مجلسِ احرار دوسری جماعت ہے اوّل روز سے جس کے مشن میں یہ بات داخل ہے کہ مرزائیت نے جس جس فتنہ کو پیدا کیا ہے ان کی روک تھام کا اہتمام

---

[۱] یہ الفاظ مٹے ہوئے ہیں۔ [۲] روزنامہ الفضل ۷ ۔ فتح ۱۳۳۱ہش صفحہ ۳، ۴۔

کرے، اس کا بھی کوئی ایسا فیصلہ ہماری نظر سے نہیں گزرا جس میں مقاطعہ کی تلقین کی گئی ہو۔ ذمہ دار اور صاحبِ بصیرت علماء سے بھی کوئی ایسا نہیں جس نے مرزائیوں کے مقاطعہ کا فتویٰ دیا ہو۔

لہٰذا دو سوال یہاں قدرتاً اُبھرتے ہیں اوّل یہ کہ جب یہ تحریک سوا گوجرانوالہ کے حلقہ کے اَور کہیں نہیں پائی جاتی اور ملک کی کسی دینی و سیاسی جماعت نے اِس انداز کا فیصلہ نہیں کیا تو اِس تحریک کو چلانے والوں کو کیا حق ہے کہ اسے اسلامیانِ پاکستان کا متفقہ فیصلہ قرار دیں؟

دوسرے مجلسِ عمل نے اس لغویّت کے خلاف کیوں کوئی نوٹس نہ لیا؟ حالانکہ تحریک کی دیکھ بھال اور نگرانی اس کے فرائض میں داخل ہے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اِس طرح کی تحریک آئندہ چل کر کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتی ہے؟ اور اس سے مجلسِ عمل کے راستے میں کیا کیا مشکلات پیش آسکتی ہیں؟

"الاعتصام" وہ پہلا پرچہ ہے جس نے اس موضوع پر پوری سنجیدگی سے قلم اُٹھایا کہ مرزائیوں کو آئندہ دستور میں اقلیت سمجھا جائے، نیز مرزائیوں کو ازراہِ اخلاص یہ مشورہ دیا کہ وہ اس معقول مطالبہ کو تسلیم کر لیں لیکن اس کے ہرگز یہ معنی نہیں ہیں کہ مرزائیت کی مخالفت میں جو غیر ذمہ دارانہ اور احمقانہ قدم بھی اُٹھایا جائے ہم اس کی تائید کریں گے۔

یاد رہے کہ قرآن نے ہمیں ہر حال میں متوازن رہنے کی تلقین کی ہے اور ہم سے بحیثیت مسلمان کے مطالبہ کیا ہے کہ دشمنی میں بھی حدود و عدل و اعتدال سے متجاوز نہ ہوں۔ اِس اصول کے پیشِ نظر ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ اس نوع کی زیادتی کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور چُپ رہیں۔ ہم اس طرزِ عمل کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہیں اور مجلسِ عمل سے درخواست کرتے ہیں کہ اس روش کے انسداد کے لئے وہ فوراً کوئی اقدام کرے ورنہ اگر یہ بدعت چل نکلی تو پُورے پاکستان میں اس کے پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔ ان لوگوں کو جو مقاطعہ کی آگ کو ہوا دے رہے ہیں خدارا اپنے مطالبہ کا تو احترام کرنا چاہئیے اور عداوت و دشمنی میں اتنا غیر محتاط نہ ہونا چاہیئے کہ نفسِ مطالبہ ہی لایعنی ہو کر رہ جائے۔۔ ہمیں کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیئے جس سے ہمارے اس مطالبے کو نقصان پہنچے کہ آئندہ آئین میں انہیں اقلیت ٹھہرایا جائے۔ ان لوگوں کو اِس نکتہ پر غور کرنا چاہیئے کہ اگر پاکستان میں انہیں کاروبار کی آزادی مہیا نہیں ہے بلکہ ہم ان پر اکتسابِ رزق کے دونوں کواڑ سختی سے بند کر دیتے ہیں تو یہ اقلیت کیونکر ہوئے؟ انہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ مرزائی ایک اقلیت ہیں تو اس کا واضح

مطلب یہ ہوتا ہے کہ پاکستان میں ان کی جان محفوظ ہے اور کاروبار و ملازمت کے تمام دروازے ان پر کھلے ہیں۔ یہی نہیں اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ یہ اپنے مذہب کی تبلیغ بھی کر سکتے ہیں۔ اگر آزادی کی ان سہ گونہ نعمتوں سے یہ محروم ہیں تو پھر یہ اقلیت ہرگز نہیں ہو سکتے۔ حریف و معاند گروہ ہو سکتے ہیں جس کو ہم نے بدرجۂ مجبوری پناہ دے رکھی ہے۔

مقاطعہ کے بظاہر دو مقصد ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اس طرح کے غیر شائستہ اور جارحانہ طرزِ عمل سے انہیں مجبور کیا جائے کہ یہ اپنا اقلیت ہونا مان لیں، دوسرے یہ کہ اپنے عقائد سے توبہ کر لیں ــــ غور کیجئے گا تو دونوں صورتیں مہمل اور غیر دانشمندانہ نظر آئیں گی۔

ہم جب مرزائیوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ ہم سے الگ ایک قومیت ہیں تو یہ نہایت ہی سنجیدہ اور آئینی مطالبہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اور نبوت سے چاہے وہ جھوٹی ہو یا سچی، مستقل بالذات گروہ معرضِ وجود میں آتا ہے اس لئے مرزائیوں کو چاہیئے کہ اپنی اس حیثیت کو تسلیم کر لیں اور حکومت انہیں اقلیت کے تمام حقوق سے بہرہ مند کرے۔ ہم جانتے ہیں کہ ان کے اقلیت بن جانے سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ اُلٹا کچھ فوائد ہی حاصل ہوتے ہیں۔ تاہم اس مطالبہ پر ہمارا اصرار اس بناء پر ہے کہ مرزائیت کا مزاج اور حکومت کا دینی موقف اس کا متقاضی ہے ــــ یہ مطالبہ چونکہ بالکل دینی اور آئینی ہے اس لئے اس کو منوانے کے لئے ہم کوئی ایسا طریق اختیار نہیں کریں گے جو مطالبہ کی معقولیت اور سنجیدگی کے منافی ہو۔

علاوہ ازیں اگر مرزائی پاکستان میں موجودہ حالات میں اپنے کو محفوظ نہ سمجھیں تو اقلیت کی صورت میں ان کو ان کی حفاظت کا یقین دلانا سخت احمقانہ ہے ــــ دوسرا سبب اس روش کو حق بجانب ٹھہرانے کا یہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح کی حرکات سے انہیں توبہ پر مجبور کیا جا سکے گا؟ لیکن کیا کوئی سمجھدار آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ بائیکاٹ سے عقیدوں میں تبدیلی پیدا کی جا سکتی ہے؟

ہم مجلسِ عمل کے ذمہ دار ارکان سے درخواست کریں گے کہ وہ اس بیہودگی کو جس قدر جلد ہو سکے روکیں اور اپنے اعلانات اور طرزِ عمل سے ثابت کریں کہ ان کی جنگ کا رُخ اُن کی طرف نہیں ہے بلکہ یہ جس غرض کے لئے کوشاں ہیں وہ سراسر آئینی اور سنجیدہ ہے۔" [1]

---

[1] ہفت روزہ "الاعتصام" (گوجرانوالہ) ۲۶ر دسمبر ۱۹۵۲ء، ص ۳۔ نوٹ:- ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۶ء سے یہ اخبار لاہور سے نکلتا ہے۔

جلسہ سالانہ قادیان ۱۳۲۹ھ / ۱۹۵۰ء

(اوپر) بہشتی مقبرہ قادیان سے آگے درویشان قادیان اور بھارتی احمدی قافلہ پاکستان کی آمد کا بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں۔ تصویر میں مولانا شریف احمد صاحب امینی مبلغ سلسلہ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحبؓ، حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب جٹؓ امیر جماعت قادیان اور مولانا برکات احمد صاحب راجیکی بھی موجود ہیں۔

(نیچے) قافلہ پاکستان کے افراد نماز پڑھ رہے ہیں۔

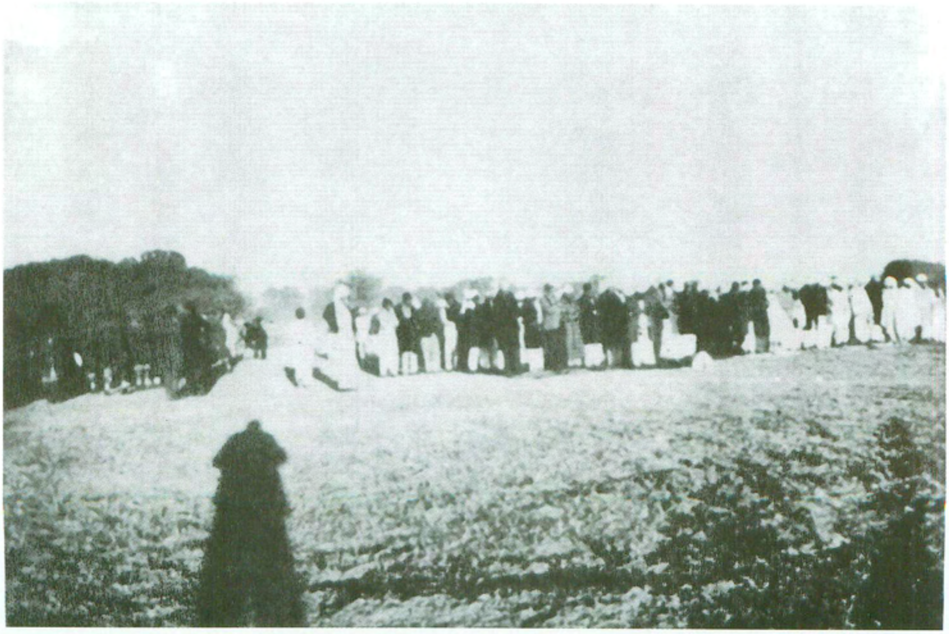

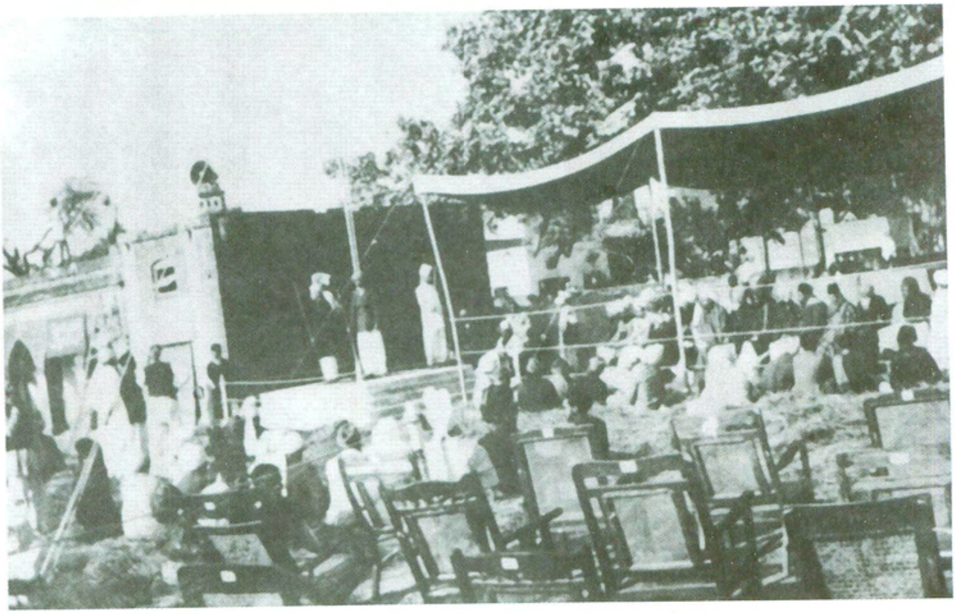

جلسہ سالانہ ۱۹۵۰ء کے دو مناظر (اوپر) سٹیج (نیچے) سامعین
(چوہدری انور صاحب جلسہ کی فلم لے رہے ہیں)

قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان ۱۳۳۱ھش / ۱۹۵۲ء

جلسہ سالانہ قادیان ۱۳۳۱ ہش / ۱۹۵۲ء

(اوپر) مولوی محمد اسمٰعیل صاحب وکیل یادگیری حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب
کی زیر صدارت تقریر فرما رہے ہیں (نیچے) سامعین، سامنے کرسیوں پر غیر مسلم معززین ہیں

عشاق احمدیت لوائے احمدیت کا پہرہ دے رہے ہیں۔

اے لوائے احمدیت قوم احمد کے نشان
تجھ پہ کٹ مرنے کو ہیں تیار تیرے پاسباں

اے خدا کی ایک چھوٹی سی جماعت کے علَم
تیرے سائے کے تلے آئیں گے شاہان جہاں

عہد یہ کرتا ہوں میں جب تک ہے میرے تن میں جاں
سرنگوں ہونے نہ دونگا تجھ کو زیر آسماں

(عبدالمنان ناھید)

حکّامِ گوجرانوالہ سے احمدی وفد کی مُلاقات

گوجرانوالہ کے مظلوم احمدیوں کے بائیکاٹ کی اطلاع سیّدنا حضرت المصلح الموعودؓ کی خدمت میں پہنچی تو حضور نے مولوی نورالدین صاحب منیر[1] نائب ناظر دعوت و تبلیغ کو ضروری ہدایات دیکر گوجرانوالہ بھجوایا جہاں آپ نے قریباً چالیس احمدیوں سے بالمشافہ بات چیت کی اور حالات کا جائزہ لیا بعد ازاں ۳ ماہِ فتح ۱۳۳۱ ہش/۳ دسمبر ۱۹۵۲ء کو مقامی سربرآوردہ احمدیوں کے ایک وفد کے ساتھ سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس اور ڈپٹی کمشنر صاحب سے ملاقات کی اور اِس ظالمانہ کارروائی کے سدِّباب کی طرف توجہ دلائی۔ اِس وفد میں آپ کے علاوہ مولوی غلام مصطفےٰ صاحب نائب امیر گوجرانوالہ، شیخ غلام قادر صاحبؓ تاجر اور سکھ لٹریچر کے سکالر گیانی عباد اللہ صاحب مبلّغ[2] سلسلۂ عالیہ احمدیہ بھی شامل تھے[3]

حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کے نام

۲۶-۲۷-۲۸ ماہِ فتح ۱۳۳۱ ہش/دسمبر ۱۹۵۲ء کو تسکملایا میں جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کی چوتھی سالانہ کانفرنس منعقد ہوئی جس کے لئے حضرت مصلح موعودؓ نے درج ذیل پیغام ارسال فرمایا جو مکرم سیّد شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا نے افتتاحی اجلاس میں پڑھ کر سنایا:۔

"بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

برادرانِ جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا! السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی سالانہ کنونشن عنقریب ہونے والی ہے اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ مَیں اس کے لئے پیغام لکھ کر بھجواؤں۔ اِس وقت طبیعت کی خرابی کی وجہ سے مَیں زیادہ لمبا پیغام نہیں لکھوا سکتا مختصراً اِس بات پر خوشی کا اظہار کرتا ہوں کہ میرے سالِ گذشتہ کے پیغام کے نتیجہ میں جماعتِ انڈونیشیا نے دو ترقیاں تو یقیناً کی ہیں ایک تو یہ کہ ان کا بجٹ شاندار طور پر ترقی کر گیا ہے ہمیں اس ترقی پر مغرور تو نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ کام ہمارے سامنے بہت بڑا ہے اور اس کی نسبت سے رقم بہت تھوڑی ہے لیکن جو ترقی ہوئی ہے اس کی ہم ناشکری بھی نہیں کر سکتے اور اس سے ہم

---

[1] آپ اِن دنوں نائب وکیل التصنیف تحریکِ جدید ربوہ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ [2] حال منیجر "الفضل" ربوہ۔ [3] مراسلہ مولوی نورالدین صاحب منیر بحضور سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ (مورخہ ۳ ماہِ فتح ۱۳۳۱ ہش)

آنکھیں بھی بند نہیں کر سکتے۔ پس دِل سے آپ کی اِس قربانی پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور جزاکم اللہ کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو مزید قربانیوں کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کا بجٹ لاکھوں سے بڑھ کر کروڑوں اور کروڑوں اربوں تک پہنچے تاکہ تمام مشرقی ایشیا میں آپ کے ذریعہ سے اسلام اور احمدیت کا جھنڈا بلند ہو اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ظاہر اور باطن پر قائم ہو جائے۔ اَللّٰھُمَّ آمین

دوسرا امر جس میں آپ لوگوں نے ترقی کی ہے وہ مرکز سے تعلقات کا ہے۔ اِس سال کچھ نئے طالبِ علم بھی یہاں آئے ہیں اور بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ اب آپ میں سے بہت سے لوگوں نے میرے ساتھ خط و کتابت بھی شروع کی ہوئی ہے جو کہ پہلے نہیں ہوتی تھی۔ اِس ذریعہ سے مجھے بھی آپ لوگ یاد آتے رہتے ہیں اور دُعا کی بھی میرے دل میں تحریک ہوتی رہتی ہے اور یہ خوشی بھی محسوس ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اِس دُور دراز ملک میں بھی مجھے ایسے رُوحانی فرزند بخش چھوڑے ہیں جن کے دلوں میں میری محبت ہے اور جن کے خیالات بار بار میری طرف پھرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی اِس کنونشن کو مبارک کرے اور گزشتہ سال سے بھی زیادہ خدمت کی توفیق دے۔ یاد رہے کہ بغیر اچھے لٹریچر کے تبلیغ نہیں ہو سکتی اِس لئے آپ لٹریچر کی طرف زیادہ توجہ کریں اور مختلف مضامین کے متعلق کتابیں اور رسالے اپنی زبان میں لکھ کر اپنے ملک میں شائع کریں۔ دوسرے اِس امر کا بھی خیال رکھیں کہ سب سے زیادہ انڈونیشیا کی حفاظت اور اس کی ترقی کی ذمہ داری احمدیوں کے کندھوں پر ہے کیونکہ آپ دوسروں سے زیادہ ایمان کے مدعی ہیں اور رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ[1] وطن کی محبت بھی ایمان کا ایک جزو ہے پس اگر آپ میں ایمان زیادہ ہے تو آپ کی حُبّ الوطنی بھی دوسروں سے زیادہ ہونی چاہیئے لیکن حُبّ الوطنی کے یہ معنے نہیں ہوتے کہ انسان حُبِّ بنی نوع انسان سے محروم ہو جائے۔ حُبّ الوطنی حُبِّ بنی نوع کا ایک حصّہ ہے جیسے انسان اپنے ماں باپ سے محبت کرنے کے بعد اپنے بھائی بہن کی محبت سے آزاد نہیں ہو جاتا بلکہ ماں باپ کی محبت جتنی زیادہ ہو بھائی بہنوں کی محبت اسی نسبت سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خَلَقَکُمْ

---

[1] موضوعاتِ کبیر صفحہ ۳۵ از مولانا امام علی القاری طبع دوم مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء

مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرة ع ۳) یعنی جو کچھ اِس دُنیا میں ہے سب ہم نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔ اور اسی طرح زمین کے متعلق فرماتا ہے وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ (البقرة ع ۴) پس حقیقتاً قرآنِ کریم نے ہمارا وطن ساری دُنیا کو قرار دیا ہے۔ ہاں یہ بھی قرآن نے کہا ہے کہ سب سے پہلے اپنے قریب ہمسایوں کی طرف توجّہ کرو۔ اس کی وجہ سے ہم اپنے ملک کو اپنا وطن قرار دیتے ہیں لیکن حقیقتاً ساری دُنیا مسلمان کا وطن ہے اور سارے بنی نوعِ انسان اس کے بھائی ہیں پس اپنے ملک اور اہلِ ملک سے محبّت کے یہ معنے نہیں کہ اپنے زیادہ وسیع ملک اور اپنی زیادہ وسیع برادری کو انسان بھول جائے۔ مومن کو چاہیئے کہ اپنی نظروں کو وسیع کرے اور ساری دُنیا کی بہتری اور ترقّی کی طرف توجّہ کرے۔ آپ آج تھوڑے اور کمزور ہیں دُنیا آپ کو اِس وسیع کام کے نااہل سمجھتی ہے اور نہ اس کا ذمّہ دار سمجھتی ہے لیکن آنے والا دن یہ ذمّہ داریاں آپ پر ہی ڈالنے والا ہے پس اگر آپ آج اِن ذمّہ داریوں کے اُٹھانے کے لئے تیاری نہیں کریں گے اور اگر آپ آج اپنے خیالات کو وسیع نہیں کریں گے تو کل جب وہ وقت آئے گا آپ اپنی ذمّہ داریاں ادا کرنے سے قاصر رہ جائیں گے۔ پس یہ نہ دیکھیں کہ آج آپ کے سپرد یہ کام نہیں ہے بلکہ اِس امر کو مدِّ نظر رکھیں کہ آپکے سپرد یہ کام ہونے والا ہے اور ہر کام کو ہاتھ میں لینے سے پہلے اس کے لئے پُوری تیاری کرنی ضروری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی وسیع ذمّہ داریوں کی سمجھ عطا فرمائے اور اس کے لئے تیاری کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

خاکسار مرزا محمود احمد" [1]

اِس رُوح پرور پیغام نے انڈونیشین احمدیوں پر ایک خاص رُوحانی کیفیت طاری کر دی اور کئی ایک مخلصین اشکبار ہوئے۔

پیغامِ امام کا انڈونیشین میں ترجمہ کیا گیا اور اس کی ہزار کاپیاں حضور کے عکسی دستخطوں کے ساتھ شائع کی گئیں۔ [2]

---

[1] ہفت روزہ "فاروق" لاہور ۴ مارچ ۱۹۵۳ء صا ۔

[2] روزنامہ "الفضل" ۴ ۲ تبلیغ ۱۳۳۲ ہش صا کالم ۔

فصل سوم

سالانہ جلسہ قادیان اور حضرت مصلح موعودؓ کا روح پرور پیغام

ضروری کوائف

اِس سال بھی قادیان اور ربوہ میں ابراہیمی طیور کا اجتماع ہوا یان مبارک ایام کے لئے دونوں مراکزِ احمدیت میں حسبِ دستور ۲۶-۲۷-۲۸ ماہِ فتح/دسمبر کی تاریخیں مقرر تھیں۔ اِس دفعہ جلسہ سالانہ قادیان کے لئے دہلی سے رنگین پوسٹر چھپوائے گئے جو قادیان کے علاوہ گورداسپور، دھاریوال، بٹالہ اور امرتسر میں بھی آویزاں کئے گئے۔

جلسہ میں جن ہندوستانی احمدی جماعتوں نے شرکت فرمائی ان کے نام یہ ہیں:۔

دہلی، یوپی، سی پی، مدراس، مالابار، حیدرآباد دکن، بمبئی، اُہیلی[1]، بہار، اڑلیسہ۔ پاکستان کے ۱۹۲ خوش نصیب زائرین کے قافلہ کو چوہدری اسد اللہ خاں صاحب کی معیّت میں مبارک تقریب میں شرکت کا فخر حاصل ہوا[2]۔

برّصغیر پاک وہند کے علاوہ شام اور مشرقی افریقہ کے بعض احمدی دوست بھی شاملِ جلسہ ہوئے۔ علاوہ ازیں معزز طبقہ کے غیر مسلم اصحاب اور خواتین[3] کی حاضری گذشتہ سالوں کی نسبت اِس سال زیادہ رہی اور ہر اجلاس میں ان کی تعداد ایک ہزار سے بارہ سو کے لگ بھگ رہی۔

تقسیمِ مُلک کے بعد یہ پہلا جلسہ تھا جس میں افتتاحی اجلاس سے اختتام تک لوائے احمدیت لہراتا رہا اور عشّاقِ احمدیت والہانہ جذبہ سے سرشار ہو کر اس کی پاسبانی کا فرض ادا کرتے رہے۔

---

[1] یہ مخلص جماعت اُن دنوں نئی قائم ہوئی تھی۔

[2] قافلۂ پاکستان کی تفصیل نامہ نگار الفضل کے قلم سے الفضل ۳، ۷، ۹ صلح ۱۳۳۲ ہش/جنوری ۱۹۵۳ء میں شائع شدہ ہے۔

[3] اِس سال جلسۂ خواتین حضرت مولانا سیّد سرور شاہ صاحبؓ کے مکان مُتصل عبداللہ خاں صاحبؓ کے احاطہ میں ہوا۔

بیک وقت چار مخلصین اِس خدمت پر متعیّن رہے جلسہ میں پہلی بار صدر انجمن احمدیہ قادیان کا خرید کیا ہُوا لاؤڈ سپیکر استعمال کیا گیا۔

حضرت مصلح موعودؓ کا روح پرور پیغام

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اس مرکزی جلسہ کے لئے ایک رُوح پرور پیغام عطا فرمایا تھا جو پاکستانی قافلہ کے امیر چوہدری اسداللہ خاں صاحب نے افتتاحی اجلاس میں پڑھ کر سُنایا جس کا متن درج ذیل ہے[1]:-

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

برادرانِ جماعتِ احمدیہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج پانچ سال سے اُوپر ہو گئے کہ قادیان کی جماعت کا اکثر حصّہ ہجرت کر کے پاکستان آ چکا ہے اور برّ صغیر ہندوستان کی جماعت دو حصّوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اب بھی ہندوستان میں اتنی جماعت موجود ہے کہ اگر وہ صحیح طور پر خدمت کرے تو ایک اعلیٰ درجہ کی پنیری کا کام دے سکتی ہے اور میں آپ لوگوں کو آپ کے اِس فرض کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ دونوں ملکوں کے تعلقات اِس قسم کے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کی مالی مدد نہیں کر سکتے۔ اِسی وجہ سے ہم نے ہندوستان کو پاکستان کی انجمن کو مدد دینے سے بالکل آزاد کر دیا ہے اور تمام ہندوستانی جماعت کو یہ نصیحت کی ہے کہ وہ اپنا روپیہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کو دیں اور اُسی کے ساتھ مل کر کام کریں تاکہ کسی قسم کی بین الاقوامی پیچیدگی پیدا نہ ہو۔ بہت سے لوگ شرارت سے آپ لوگوں کی طرف یہ باتیں منسوب کرتے رہتے ہیں کہ گویا خلیفۂ وقت کے پاکستان آ جانے کی وجہ سے آپ لوگ بھی پاکستان آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کی غرض محض حکومت اور جماعت کے درمیان

---

[1] تفصیلی روداد ہفت روزہ "بدر" (قادیان) ۷ صلح ۱۳۳۲ ہش/جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۹، صفحہ ۱۰ و الفضل ۳ صلح ۱۳۳۲ ہش/جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۲ میں مندرج ہے۔

منافرت پیدا کرنا ہے حالانکہ میرے نزدیک ہندوستان کے ہر احمدی کو سوائے اس کے کہ اُسے مجبور کرکے نکال دیا جائے ہندوستان میں ہی رہنے کی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ ہماری جماعت کا وہ مرکز جسے بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے قائم کیا تھا ہندوستان میں ہی ہے اور یہ کتنی حماقت کی بات ہوگی کہ وہ قوم جو اپنے مبلغ امریکہ اور جرمن اور سپین اور ہالینڈ اور فرانس اور انگلینڈ کو مسلمان بنانے کے لئے بھجوا رہی ہے وہ ہندوستان کو خالی چھوڑ دے جو کہ کسی زمانہ میں اسلام کی شان و شوکت کا ایک بڑا بھاری نشان تھا ہم تو اسے خدا تعالیٰ کا فضل سمجھتے ہیں کہ حکومتِ پاکستان اور حکومتِ ہند کے معاہدات میں دونوں طرف دونوں قوموں کو رہنے کی اجازت ہے اور اِس طرح وہ موّاد موجود ہے جو کسی وقت دونوں ملکوں میں صُلح پیدا کرنے کا موجب ہو جائے گا۔

پس آپ لوگ اِس قسم کے پراپیگنڈا سے بالکل متاثر نہ ہوں اور آپ کے دِل غمگین نہ ہوں کیونکہ شریر لوگ ایسی باتیں کیا ہی کرتے ہیں۔ آپ اسی طرح اپنے ملک کی وفاداری کریں جس طرح کہ ہم لوگ پاکستان کے وفادار ہیں لیکن اِس بات کو یاد رکھیں کہ ہندوستان کا یہ اعلان ہے کہ وہ دنیوی حکومت ہے اور مذہبی حکومت نہیں ہے اور اِس طرح اس نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ کسی کے مذہب میں دخل اندازی نہیں کرے گی جس کے معنے یہ ہیں کہ حکومتِ ہندوستان خدا کے سامنے اپنے آپ کو بری کر چکی ہے۔ اسی طرح مہذّب دُنیا کے سامنے بھی اپنے آپ کو بری کر چکی ہے۔ اگر اس کے اس اعلان کے بعد آپ لوگ تبلیغ میں سُستی کریں یا آپ لوگ اشاعت میں سُستی کریں تو یقیناً خدا کی نگاہ میں اور دُنیا کی نگاہ میں مُجرم ہوں گے حکومتِ ہندوستان مُجرم نہیں ہوگی۔

ہندوستان میں اِس وقت مسلمان جس کمزوری کی حالت میں سے گزر رہے ہیں وہ یقیناً ان کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا کرنے کا موجب ہو رہی ہے۔ اسی طرح ہندو قوم بھی آزادی کے بعد سیاست میں اب اتنی رغبت نہیں رکھتی جتنی کہ پہلے رکھتی تھی۔ ان میں بھی ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جو دین کی جُستجو کرنے لگ گیا ہے اور صداقت کی تلاش اس کے دِل میں پیدا ہو گئی ہے۔ پس ان مسلمانوں تک پہنچنا جن کے دِل شکستہ ہیں اور خدا کے خوف سے معمور ہو چکے ہیں آپ کا فرض ہے۔ اسی طرح وہ غیر مسلم جن کے دِل میں اَب دین کی جستجو پیدا ہو گئی ہے اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ سیاست کا کام ہم نے پُورا کر لیا، ہمارا ملک آزاد ہو گیا، اب ہمیں خدا کی طرف بھی توجّہ کرنی چاہیئے ان کی طرف بھی آپ کا

جانا ضروری ہے ۔ دیکھو مسیح نے کہا تھا کہ میں بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کو جمع کرنے کے لئے آیا ہوں اور مسیح صلیب کے شدید طور پر تکلیف دہ واقعہ کے بعد جس طرح بھی ہوا اگرتا پڑتا ان گمشدہ بھیڑوں کی طرف گیا۔ قادیان میں جو انقلاب ہوا ہے وہ تمہارے لئے بھی ایک صلیب جیسا ہی واقعہ ہے مگر اُس صلیب پر سے صرف ایک شخص بچا تھا اور تم ہزاروں آدمی اس دوسری صلیب سے بچ گئے ہو۔

اگر تم بھی مسیح کی طرح یہ ارادہ کر لو کہ خدا کی گمشدہ بھیڑوں کو تم نے جمع کرنا ہے تو تم ایک عظیم الشان کام کر سکتے ہو لیکن مجھے افسوس ہے کہ ہندوستان کی جماعتوں نے موقع کی نزاکت کو نہیں سمجھا، اور مجھے افسوس ہے کہ صدر انجمن احمدیہ قادیان نے بھی اب تک اپنی ذمہ داریوں کو نہیں سمجھا۔ وہ صرف ایک گاؤں کی پنچائت کی حیثیت اپنے آپ کو دیتے ہیں اور ایک ملک کا بوجھ اُٹھانے والے اور ملک کی آزادی کا بیڑہ اُٹھانے والے لیڈروں کی حیثیت اپنے آپ کو نہیں دیتے۔ ایک پیاسے کو پانی پلانا ثواب کا موجب ہے لیکن ایک گمراہ کو ہدایت دینا تمہارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ نہ صدر انجمن احمدیہ قادیان نے نہ تم نے اِس بارہ میں کوئی موثر قدم اُٹھایا ہے۔

سب سے پہلی چیز تو یہ تھی کہ امن کے قیام کے بعد قادیان کے جلسہ میں ہزاروں ہزار احمدی آتا مگر آپ لوگ تو اب بھی اُسی طرح آ رہے ہیں جس طرح کہ خطرہ کے وقت میں آتے تھے، وہ وقت گذر چکا، ملک میں خدا کے فضل سے امن ہو گیا اب آپ لوگوں کا کام ہے کہ سال میں کم سے کم ایک دفعہ تو قادیان آئیں اور یہاں آکر ان امور پر غور کریں جو آپ لوگوں کی بہتری کے لئے ضروری ہیں اور جو آپ کی ترقی کا موجب ہو سکتے ہیں پس جب آپ لوگ واپس جائیں تو ہر احمدی کے کان میں یہ بات ڈالیں کہ وہ آئندہ جلسہ سالانہ کے موقع پر قادیان چلنے کی کوشش کریں اور دَوران سال میں بھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ زور سے قادیان آتے رہیں جیسا کہ تقسیم سے پہلے آتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کو اُردو، انگریزی، ہندی، گورمکھی اور گجراتی پریس قائم کرنے چاہئیں ہندی تو ہندوستان کی حکومتی زبان ہو گئی ہے اور گورمکھی گویا پنجاب کی ایک رنگ میں حکومتی زبان ہے اور اُردو ملک کی غیر سیاسی مُلکی زبان ہے۔ انگریزی جاننے والے اب تک بھی اِس کثرت سے اُس ملک میں پائے جاتے ہیں کہ جن علاقوں میں کسی اَور زبان سے تبلیغ نہیں کی جا سکتی ان میں انگریزی کام دیتی ہے لیکن اب تک اُردو کا پریس بھی جاری نہیں ہوا گجا یہ کہ اُسے ترقی دے کر بڑھایا جائے

پھر مبلّغین کا سوال ہے مَیں متواتر کئی سال سے صدر انجمن احمدیہ کو لکھ رہا ہوں مگر اب تک مبلّغین پیدا کرنے کی طرف ہرگز پُوری توجّہ نہیں ہوئی ہندوستان میں کم سے کم ہمارے دس بارہ علماء موجود ہیں مَیں نے کہا تھا کہ ہر عالم کے ساتھ دو دو لڑکے لگاؤ وہ چھ سات سال میں ان کو عالم بنا کر نکالے اس طرح دس بارہ سال میں تمہارے پاس سینکڑوں علماء ہو جائیں گے لیکن افسوس ہے کہ اس طرف کوئی توجّہ نہیں کی گئی۔

کہا جاتا ہے کہ خرچ نہیں۔کیا صحابہؓ کے پاس خرچ ہُوا کرتا تھا؟ کیا موت کے مُنہ میں آئی ہوئی قومیں بجٹوں کو دیکھا کرتی ہیں؟ کیا عظیم الشّان ارادوں والے لوگ اپنی کوتاہ دامنیوں کا کبھی خیال کیا کرتے ہیں؟ اپنی سستیوں کو چھوڑو، غفلتوں کو ترک کرو، اپنی تنگ دامنیوں کو بھول جاؤ۔خدا نے انسان کے دل کو بڑی وسعت دی ہے تم اس وسعت کو دیکھو جو خدا نے تمہارے دل میں پیدا کی ہے۔تم اس کام کو دیکھو جو خدا نے تمہارے سامنے رکھا ہے۔تم بنی نوع انسان کی ان تکلیفوں کو دیکھو جو کہ رُوحانی طور پر ان کو پہنچ رہی ہیں۔تم مظلوموں کی اُن آوازوں کو سُنو جو خدا کا رستہ دکھانے کے لئے کرب اور اضطراب کے ساتھ بلند کی جا رہی ہیں اور تم اس بات کو دیکھو کہ تمہارے ان کاموں کو کرنے والا کوئی نہیں۔اور خدا کے ان وعدوں کو دیکھو جو تمہارے لئے کئے گئے ہیں۔اور اپنے اندر ایک عظیم الشّان تغیّر پیدا کرو۔جلد سے جلد علماء پیدا کرو۔جلد سے جلد تبلیغ کا کام اپنے ہاتھ میں لو۔جلد سے جلد لٹریچر پیدا کرنے اور اس کو شائع کرنے کی کوشش کرو۔اور تم میں سے ہر شخص اپنے عمل میں تبدیلی پیدا کرے۔اپنے دل میں محبّتِ الٰہی پیدا کرے اور اپنے آپ کو اِس قابل بنائے کہ خدا تعالیٰ اُس کی مدد کرے۔

کاش! خدا تعالیٰ تمہارے دلوں میں ان باتوں کی عظمت اور اہمیّت ڈال دے اور کاش! اس جلسہ پر تم ایک نئے وجود بن کر جاؤ۔ملک کو رُوحانی دعوت دینے والے، ملک کو رُوحانی ترقی بخشنے والے اور پھر ساری دُنیا کے لئے مفید وجود ثابت ہونے والے بن کر جاؤ۔خدا کے وعدوں کو ساتھ لے کر جاؤ۔اور خدا کی مدد کو ساتھ لے کر جاؤ۔اَللّٰھُمَّ آمین۔

مرزا محمود احمد

۱۸ر دسمبر ۱۹۵۲ء خلیفۃ المسیح الثانی و امام جماعتِ احمدیہ۔ربوہ [۱]

---

[۱] ہفت روزہ "بدر" (قادیان) ۷، صفحہ ۳۲ ۱۳۳ ہش/جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۳، صفحہ ۴

حضرت مصلح موعودؓ کا مندرجہ بالا پیغام پُورے جلسہ کی رُوحِ رواں تھا جس نے بھارتی جماعتوں میں اشاعتِ اسلام کی نئی رُوح پھُونک دی۔

فاضل مقرّرین علماءِ احمدیت کی تقاریر بھی ازدیادِ ایمان کا باعث بنیں۔ اِس مبارک جلسہ سے خطاب کرنے والوں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل یادگیر، گیانی واحد حسین صاحب، مولوی شریف احمد صاحب امینی، مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری، مولوی محمد سلیم صاحب، گیانی عباداللہ صاحب، حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری، حضرت مولوی رحمت علی صاحب مجاہد انڈونیشیا جیسے فاضل اور ممتاز مبلّغینِ سلسلہ تھے۔

جلسہ کے صَدر صدارتِ جلسہ کے فرائض انجام دینے والے اصحاب کے نام یہ ہیں :۔ حضرت سیٹھ عبداللہ الٰہ دین صاحب حیدر آباد دکن، حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل، سید بشارت احمد صاحب وکیل حیدر آباد، مولانا ابوالعطاء صاحب، چوہدری اسداللہ خاں صاحب (امیر قافلہ)

تاثّراتِ قادیان امیرِ قافلہ چوہدری محمد اسداللہ خاں صاحب نے قادیان سے مراجعت کے بعد لاہور میں ایک تقریر میں اِس کامیاب جلسہ کے تاثرات بیان فرمائے۔ آپ نے درویشوں کے عملی نمونے، اُن کی تبلیغی جدّوجہد اور اس کے خوشکن اثرات پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور فرمایا کہ غیر اسلامی ماحول میں درویشوں کی بستی کا موجود ہونا اور اپنے کردار سے اس ماحول کو متاثّر کرنا صاف اِس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ آج اگر دُنیا میں اسلام زندہ رہ سکتا ہے تو اِس جماعت کی مجاہدانہ کوششوں کے ذریعہ ہی رہ سکتا ہے جسے خدا نے اِس زمانہ کے مصلح حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ہاتھوں قائم کیا ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ مرکز سے جُدائی پر ہمارے دِل افسُردہ ضرور ہیں لیکن اِس میں بھی خدا تعالیٰ کی ایک حکمت کارفرما تھی۔ اسنے اپنی وراء الوریٰ حکمتوں کے تحت ایک وسیع علاقے کو اسلام کے رُوحانی ورثہ سے خالی کر کے اور وہاں درویشوں کے وجود میں ایک مختصر سی جماعت باقی رکھ کر تبلیغ کا میدان بے انتہاء وسیع کر دیا ہے ہو سکتا تھا کہ اگر ہم مرکز میں ہی مقیم رہتے تو تبلیغ سے غافل ہو جاتے۔ خدا نے عارضی جُدائی ڈال کر ہمیں بیدار کر دیا اور ساتھ ہی ایسے حالات بھی پیدا کر دیئے کہ ہم تبلیغ کے مواقع سے فائدہ اُٹھانے چلے جائیں

چنانچہ ہمارا ایمان ہے کہ غلبۂ اسلام کے وہ وعدے جو خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے مسیح سے کئے تھے عنقریب پورے ہوں گے اور تین سو سال نہیں گزریں گے کہ دُنیا میں بجز اسلام کے اور کوئی مذہب قابلِ ذکر حالت میں باقی نہ رہے گا دوسرے مذاہب والے ہوں گے لیکن نہایت قلیل تعداد میں۔

چوہدری صاحب نے درویشوں کی قابلِ رشک زندگی اور ان کے جذبۂ قربانی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے بتایا کہ درویشوں نے احباب کو بھی پیغام بھیجا ہے کہ آپ اپنی پنجگانہ دعاؤں میں ہمیں نہ بھولیں۔ ہمارے دل مسرت سے لبریز ہیں کہ خدمتِ دین کی توفیق ہمیں مل رہی ہے اور اس نے خدمت کا موقعہ عطا فرما کر ہمیں حصولِ رضا کے بہترین مواقع عطا کئے ہیں۔ ہم ہر طرح خوش ہیں البتہ آپکی دُعاؤں کے طالب ضرور ہیں۔ فی الحقیقت کسی درویش کے چہرے پر افسردگی نہ تھی وہ سب بشاش تھے اور اس نشہ میں سرشار کہ انہیں شعائراللہ کی حفاظت کا موقعہ مِل رہا ہے اور خدا اور اسکے رسُولؐ کا نام بلند کرنے کی سعادت ان کے حصّہ میں آ رہی ہے۔

آپ نے درویشانِ قادیان کے ذکر و فکر اور علمی مشاغل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے درویش بھائی ہر آن دین کی خدمت میں مصروف ہیں اور ساتھ ساتھ علمی لحاظ سے ترقی کرنے کی فکر بھی انہیں دامنگیر ہے۔ چنانچہ جو چیز میرے لئے انتہائی مسرّت کا باعث ہوئی وہ یہ تھی کہ ڈسکہ کا ایک نوجوان درویش پہلے علم سے بالکل کورا تھا اور اپنے پیشے کے اعتبار سے حصولِ علم کی طرف اس کا مائل ہونا ممکن نظر نہ آتا تھا لیکن درویشی کی حالت میں اسے لکھنے پڑھنے اور دین کا علم حاصل کرنے کی طرف توجّہ پیدا ہوئی اس نے علم حاصل کیا اور اتنا حاصل کیا کہ اسے مبلّغ بنا کر ہندوستان کے ایک علاقے میں بھیج دیا گیا، وہاں خدا نے اس کی تبلیغی کوششوں میں برکت دی اور اس نوجوان کے ذریعہ جو پہلے علم سے بالکل کورا تھا خدا نے سات خاندانوں کو قبولِ حق کی توفیق عطا فرمائی جن کے افراد کی تعداد ستّر کے قریب بنتی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو دین کے لئے وقف کرتا ہے خدا تعالیٰ کی غیرت یہ کبھی گوارا نہیں کرتی کہ اسے ضائع ہونے دیا جائے خدا خود اس کا متکفّل ہوتا ہے اور اس سے وہ کام لیتا ہے کہ دُنیا حیران رہ جاتی ہے۔

چوہدری صاحب نے غیر مسلموں کے ساتھ درویشوں کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ جب ابتدائی ایام میں ہندو اور سکھ تارکینِ وطن وہاں پہنچ کر آباد ہوئے تو انسانی ہمدردی کے طور

پر درویشوں نے حسبِ توفیق ان کی امداد کی، انہیں کپڑے اور برتن وغیرہ مہیا کئے اس کا ان پر بہت گہرا اثر ہوا۔ چنانچہ جب ابتداءً درویشوں کو بائیکاٹ وغیرہ کے باعث تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تو ایک غیر مسلم ضعیف خاتون نے درویشوں کے ساتھ نہایت اچھا سلوک روا رکھا اور دوسروں کو بھی درویشوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آنے کی ترغیب دلائی۔

مکرم چوہدری صاحب نے درویشوں کے ساتھ اس ضعیفہ کے مشفقانہ سلوک کے بعض نہایت پُراثر واقعات بیان کئے اور اس کے نتیجہ میں خود اس ضعیفہ پر بعض خدائی نوازشات کا بھی ذکر کیا جو سامعین کے لئے بہت ازدیادِ ایمان کا موجب ہوئیں۔ آپ نے بتایا کہ وہ ضعیفہ درویشوں کے ساتھ بیٹوں کا سلوک کرتی ہے اور جب کسی درویش کی شادی ہوتی ہے تو وہ اس کی بیوی کو اپنی بہو سمجھ کر اسے ہر قسم کا آرام پہنچاتی ہے اور ساس بن کر چند دن تک اس کے گھر کا کام کاج خود کرتی ہے۔ ابتداء میں جب درویشوں نے بہشتی مقبرہ کے گرد کچی چاردیواری تعمیر کی تو اس نے اپنی زمین سے چاردیواری کے لئے نہایت خوشی سے مٹی مہیا کی حالانکہ بعض لوگ اسے منع بھی کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے کئی رنگ میں اسے اس کا اجر عطا فرمایا۔

آپ نے یہ بھی بتایا کہ اِس مرتبہ آپ کی درخواست پر حضور نے لاہور سے قافلے کی روانگی کے وقت ربوہ میں خصوصیّت سے دُعا فرمائی چنانچہ حضور کی دُعاؤں ہی کا یہ اثر تھا کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے لاہور سے قادیان تک اور واپسی میں بھی اہلِ قافلہ کو کسی مشکل سے دوچار ہونا نہیں پڑا اور تمام سفر بفضلہٖ تعالیٰ نہایت خیر وخوبی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔[1]

---

[1] روزنامہ "الفضل" لاہور ۱۱ صلح ۱۳۳۲ ہش/جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۲

فصل چہارم

جلسۂ سالانہ ربوہ حضرت المصلح الموعودؓ کی ایمان افروز اور انقلاب انگیز تقاریر اور اُن کا پاکستانی پریس میں تذکرہ

عین اس وقت جبکہ قادیان کی مقدس سرزمین ہجوم خلق کا عاشقانہ اور فدائیانہ نظارہ پیش کر رہی تھی ربوہ میں شمع احمدیت کے پچاس ہزار پروانے جمع تھے۔ یہ ایک منفرد اور مثالی اجتماع تھا جس میں پاکستان کے علاوہ جرمنی، امریکہ، شام، سوڈان، حبشہ، برما، ہسپین، انڈونیشیا اور برٹش گیانا (جنوبی امریکہ) کے بعض مخلص احمدیوں نے بھی شرکت فرمائی اور اپنے مقدس امام کی زبان مبارک سے زندگی بخش کلمات سن کر اپنے ایمانوں کو تازہ اور اپنی روحوں کو زندہ کیا۔

افتتاحی خطاب حضرت المصلح الموعودؓ نے اس جلسہ سے (جو حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد پہلا جلسۂ سالانہ تھا) حسبِ دستور تین خطابات فرمائے۔

حضور نے اپنے افتتاحی خطاب میں جماعت کو اس نکتہ کی طرف بالخصوص توجہ دلائی کہ جماعتی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ نئی نئی اصلاحات ہوں اور نئی قیود اور اصلاحات کو خوشی سے برداشت کیا جائے۔

دوسری اصولی نصیحت یہ فرمائی کہ حفاظت کے لئے ظاہری تدابیر ایک ضروری چیز ہیں لیکن خلافت کو بادشاہت کا رنگ مت دو۔

اس دفعہ حفاظتی نقطہ نگاہ سے اسٹیج اور پنڈال میں بیٹھنے والے سامعینِ جلسہ کے درمیان غیر معمولی فاصلہ ڈال دیا گیا تھا جس پر حضور نے اظہارِ خفگی کیا اور فرمایا:۔

"جلسہ گاہ کے متعلق خود میں نے اس نقشہ کو دیکھ کر کہا کہ یہ مجھے پسند نہیں۔ یہ احتیاط سے گذر کر

غیر اسلامی طریق کا جلسہ گاہ بن گیا ہے اور اِسے مَیں پسند نہیں کرتا۔ اسلام ہمیں بے شک احتیاط کا حکم دیتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خُذُوْا حِذْرَکُمْ[1] لیکن موجودہ جلسہ گاہ کی جو شکل ہے یہ تو ایسی ہی ہے جیسے بادشاہ اعلانوں کے لئے آتے ہیں تو لوگوں کو دُور دُور بٹھا دیا جاتا ہے اتنا لمبا فاصلہ میرے نزدیک ہرگز اس حفاظت کے لئے ضروری نہیں جس حفاظت کا خدا تعالیٰ ہم سے تقاضا کرتا ہے۔ پہلوؤں کے متعلق مَیں نے کہا تھا کہ انہیں تنگ کرو اور یہاں لوگوں کو بیٹھنے کا موقع دو۔ اِسی طرح سامنے والے حصّہ کے متعلق مَیں نے کہا تھا کہ اسے بھی تنگ کرو جیسا کہ آپ لوگوں کو یاد ہو گا گزشتہ سال بھی بعض احتیاطی تدابیر اختیار کی گئی تھیں لیکن اس وقت چاروں طرف لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک حملہ جس کی آج کل زیادہ احتیاط کی جاتی ہے پستول کا حملہ ہوتا ہے اور پستول کا حملہ ایسی چیز ہے کہ ایسے ہنگامہ میں اگر کوئی شخص فائر کرنا چاہے اور اس کے پاس بیٹھنے والے ذرا بھی ہوشیار ہوں تو وہ اس کے حملہ کو فوراً بے کار کر سکتے ہیں پستول کا حملہ پچاس فٹ سے زیادہ فاصلے سے نہیں ہو سکتا، اِلّا ما شاء اللہ لیکن ایسا تو کبھی کبھی ہوتا ہے اور عزرائیل لوگوں کی جانیں نکالنے کے لئے ہر روز آتا ہے پس جان نکالنا کوئی ایسی غیر معمولی چیز نہیں کہ اس کے لئے غیر معمولی احتیاط کی جائے۔ اب جلسہ گاہ میں بیٹھنے والے اتنے دُور دُور بیٹھے ہیں کہ ان کا اِس قدر دُور بیٹھنا طبیعت پر سخت گراں گزرتا ہے اور زیادہ تر افسوس یہ ہے کہ باوجود میرے کہنے کے اصلاح نہیں کی گئی۔

پس مَیں منتظمین سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک اِس جلسہ گاہ کی اصلاح نہ کی گئی مَیں کل تقریر نہیں کروں گا۔ اگلی صف آگے آنی چاہیئے اور پہلوؤں میں بھی لوگوں کے بیٹھنے کا انتظام ہونا چاہیئے۔ اب تو ایسی شکل بنی ہوئی ہے جیسے بادشاہ اعلان کرنے کے لئے آتے ہیں تو لوگوں کو بٹھا دیا جاتا ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ احتیاط ضروری چیز ہے۔ حضرت عمرؓ[2] اسی بے احتیاطی کی وجہ سے شہید ہوئے، حضرت عثمانؓ[3] اسی بے احتیاطی کی وجہ سے شہید ہوئے، حضرت علیؓ[4] اسی بے احتیاطی کی وجہ سے شہید ہوئے مصر میں ایک دفعہ مسلمان نماز پڑھ رہے تھے کہ ان پر اچانک حملہ کر دیا گیا، شاید انہوں نے پہرہ مقرر نہیں کیا تھا جیسے آجکل کے مولوی ہمارے پہرہ پر اعتراض کرتے ہیں اسی طرح اُس زمانہ میں لوگ

---

[1] النساء: ۷۲ ٭ [2] شہادت ۲۳ ھ (۶۴۴ء) ٭ [3] شہادت ۳۵ ھ (۶۵۶ء)

[4] شہادت ۴۰ ھ (۶۶۱ء) ٭

اعتراض کرتے ہوں گے چونکہ نیا نیا ملک فتح ہوا تھا اِس لئے انہوں نے اِس خیال سے کہ لوگ اعتراض نہ کریں کہ نماز کے وقت بھی یہ پہرہ رکھتے ہیں اپنے لئے پہرہ مقرر نہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن نے نماز کی حالت میں ہی کئی صفیں قتل کر دیں اور پھر کہیں جاکر اگلی صف والوں کو پتہ لگا کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے بیسیوں صحابہؓ مارے گئے اور سینکڑوں دوسرے مسلمان شہید ہوئے پس پہرہ ایک ضروری چیز ہے لیکن اس کی ایسی شکل بنا دینا کہ پہرہ ہی رہ جائے اور کام ختم ہو جائے یہ بھی ایک لغو بات ہے۔ آخر ہر ایک نے مرنا ہے، پس ایسی احتیاط جو خلافت کو بادشاہت کا رنگ دیدے یا تنظیم کو غیر معمولی شان و شوکت والی چیز بنا دے، یہ نہ تنظیم کہلا سکتی ہے اور نہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے یہ کوئی پسندیدہ امر ہے۔ اصل حفاظت خدا تعالیٰ کرتا ہے بندے نہیں کرتے اور یہ چیز جو آج نظر آ رہی ہے یہ احتیاط سے بالا ہو گئی ہے۔ لوگ اتنی دُور بیٹھے ہوئے ہیں کہ وہ تو شاید مجھے دیکھ رہے ہیں لیکن میری نظر چونکہ کمزور ہے اِس لئے مجھے شاذ و نادر ہی کسی کی شکل نظر آ رہی ہے پس ان کو بھی قریب آنے کا موقعہ دینا چاہیئے۔ باقی نگرانوں کا کام ہوتا ہے کہ وہ ہوشیاری سے کام لیں بھلا ایسے احمقوں نے حفاظت کیا کرنی ہے جن کے سامنے ایک شخص رائفل لے کر آجاتا ہے، اسے اُٹھاتا ہے، نشانہ باندھتا ہے اور فائر کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر نہ انہیں رائفل لاتے وقت وہ نظر آتا ہے، نہ رائفل اُٹھاتے وقت نظر آتا ہے، نہ نشانہ باندھتے وقت نظر آتا ہے، صرف ارد گرد بیٹھنے والوں کو پتہ لگتا ہے کہ فلاں شخص رائفل چلانے لگا ہے، حالانکہ رائفل ایسی چیز ہے کہ ایک ہاتھ مارا جائے تو وہ دُور جا پڑے اور اس کا نشانہ آسمان کی طرف چلا جائے پس رائفل کا سوال نہیں سوال پستول کا ہے مگر اِس میں بھی تب کامیابی ہوتی ہے جب کوئی پچاس ساٹھ فٹ سے نشانہ لگائے اور ایک منٹ تو نشانہ لگانے میں ہی صرف ہو جاتا ہے۔ اگر پاس کے لوگ ذرا بھی ہوشیار ہوں تو وہ صرف ایک کُہنی کی حرکت سے اس کے نشانہ کو ختم کر سکتے ہیں بلکہ کُہنی تو الگ رہی سانس کی تیزی سے بھی نشانہ بگڑ جاتا ہے اگر کسی کو پتہ لگے کہ کوئی شخص پستول چلانے لگا ہے اور وہ فوراً اپنی کُہنی اسے مار دے تو انتہائی معمولی سی بات سے بھی اس کا نشانہ خطا ہو جاتا ہے۔

پس یہ کھیل میں پسند نہیں کرتا اِس کی فوراً اصلاح کی جائے جلسہ کے وقت میں تو اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی راتوں رات اِس کی اصلاح ہو جانی چاہیئے ورنہ کل میں تقریر کے لئے نہیں آؤں گا اور دوستوں کو خلافت کے لئے جو مکانات بنائے گئے ہیں ان میں ملاقات کا موقعہ دوں گا اور کہہ دوں گا کہ مجھ سے

مصافحہ کر لو اور چلے جاؤ ایسے ماحول میں تقریر کرنے کے لئے مَیں نہیں آسکتا ہماری جماعت ایک مخلصین کی جماعت ہے اور دُور دُور سے لوگ جلسہ سالانہ کے لئے آتے ہیں ان کو مجرم کے طور پر بٹھا دینا اور دلبہ کے طور پر بند کر دینا ایسی چیز ہے جسے میری غیرت برداشت نہیں کرتی۔ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور مَیں اُن سے محبت کرتا ہوں پھر ہم میں اتنی دُوری کیوں ہو؟ دوسری طرف پہرہ کا انتظام بہت ناقص ہے پہلے بہت سے آدمی ہوا کرتے تھے مگر اس دفعہ اتنے آدمی نظر نہیں آتے جلسہ گاہ کے متعلق مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر لوگوں کے لئے سٹیج سے پندرہ بیس فٹ پرے جگہ بنا دی جائے تو غالباً یہ کافی ہوگا۔ بے شک منتظمین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دیکھتے رہیں کہ کوئی شریر آدمی تو اندر نہیں آگیا مگر یہ بھی نامناسب امر ہے کہ کسی ایک شریر کی وجہ سے سارے مخلصوں کو دُور بٹھا دیا جائے۔ اسی طرح مَیں کارکنوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ بے تحقیق رپورٹیں نہ کیا کریں درست رپورٹیں کیا کریں بے شک ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ سلسلہ کا روپیہ ضائع ہو مگر یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ مہمانوں کی ہتک ہو۔ اب مَیں جلسہ کا افتتاح کرکے جاتا ہوں اس کے بعد دوسری کارروائی شروع ہوگی۔"[1]

اِس تقریر کا فوری اثر ہوا اور منتظمین جلسہ نے پنڈال کو اسٹیج تک وسیع کر دیا۔

دوسرے دن کی پُر معارف تقریر

حضرت امیر المومنین نے اپنے مستقل طریق و دستور کے مطابق اِس سال بھی مختلف اہم اور ضروری اُمور پر تفصیلی روشنی ڈالی مثلاً پاکستان کے بُنیادی اُصولوں کے متعلق سفارشات، حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کی وفات، تعمیرِ ربوہ، فتنہ ۱۹۵۲ء، مسئلۂ فلسطین، بیرونی ممالک میں تعمیر مساجد اور جماعت کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی ضرورت وغیرہ۔

۱۹۵۲ء کے فتنہ کا پس منظر

حضور نے بتایا کہ جماعتِ احمدیہ کے خلاف فتنہ گذشتہ دو سال سے جاری تھا مگر اِس سال اُس نے خاص شدت اختیار کر لی تھی کیونکہ ملک کے بعض عناصر نے اپنی اپنی سیاسی اور ذاتی اغراض کے ماتحت احراریوں سے جوڑ توڑ کر لئے اور انہیں ملک میں نمایاں کرنے کی کوشش کی۔ احمدیت کی مخالفت اور اسی طرح سر چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی مخالفت تو محض ایک آڑ تھی ورنہ اصل مقصد درپردہ اپنی سیاسی اغراض حاصل کرنا

---

[1] روزنامہ "الفضل" ۲۱ صلح ۱۳۳۷ ہش صفحہ ۳، ۴۔

تھا۔ اِس ایجی ٹیشن کی ابتداء تو انہی عناصر نے کی جو ہمیشہ پاکستان کے اور مسلم لیگ کے مخالف رہے ہیں مگر جب انہوں نے دیکھا کہ اِس طرح کام نہیں بنتا تو آہستہ آہستہ ایسے مولویوں کو بھی اپنے ساتھ ملانا شروع کیا جو بظاہر مسلم لیگ کے مخالف نہ تھے اور غیر جانبدار سمجھے جاتے تھے مگر اپنی اغراض کے ماتحت آگے آنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مختلف گروہوں میں سے ایسے ہی لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر اس کا نام مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ رکھ دیا گیا اور تحفظِ ختمِ نبوّت کے نام سے ایجی ٹیشن شروع کر دی گئی حالانکہ جاننے والے جانتے ہیں کہ بھلا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ختمِ نبوّت کی حفاظت کے لئے اِن لوگوں کی مدد کی کیا ضرورت ہے آپ کی ختمِ نبوّت کا محافظ تو خود اللہ تعالیٰ ہے اور ختمِ نبوّت کا جو مفہوم جماعتِ احمدیہ بیان کرتی ہے وہی مفہوم صحابہ کرامؓ اور اُمّت کے بہت سے بزرگوں نے بیان کیا پھر یہ مفہوم جماعتِ احمدیہ نے آج پیش نہیں کیا بلکہ ساٹھ سال سے پیش کر رہی ہے پس آج کوئی بھی ایسی نئی بات اِس مسئلہ کے متعلق پیدا نہ ہوئی تھی جسے اِس ہنگامہ اور ایجی ٹیشن کی وجہ قرار دیا جا سکے۔ بہرحال یہ ایجی ٹیشن اشتعال انگیزی اور جھوٹے پراپیگنڈا کے ساتھ بڑھتی چلی گئی حتّٰی کہ حکومت کے بعض ذمہ دار افراد بھی ایک حد تک اس سے متأثر ہو گئے کیونکہ وہ اصل حالات سے ناواقف تھے۔

اثرات

جہاں اِس فتنے نے ہماری جماعت کے لئے نئی نئی مشکلات پیدا کیں اور انفرادی طور پر بعض احمدیوں کو نقصان بھی اُٹھانا پڑا وہاں اس کے بعض فوائد بھی ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوئے چنانچہ ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ ملک کے جن ذمہ دار افراد کو جھوٹے الزامات کے ذریعہ جماعتِ احمدیہ سے بدظن کیا جا رہا تھا ہمیں بھی اُنہیں سمجھانے اور اصل حقیقت واضح کرنے کا موقع ملا چنانچہ ان میں سے بعض نے بعد میں برملا کہا کہ ہم تو یہ سمجھتے تھے احمدی اسلام کا اور قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں لیکن اب ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ یہ غلط ہے احمدی بھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا دیگر مسلمانوں کے ساتھ جو اعتقادی اختلاف ہے اسے صرف تفسیر اور تاویل کا اختلاف کہا جا سکتا ہے۔

دوسرا اثر اِس فتنے کا یہ ہوا کہ کراچی میں جماعتِ احمدیہ کے جلسہ میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے "اسلام زندہ مذہب ہے" پر تقریر کی۔ یہ مولوی بھلا یہ کب برداشت کر سکتے تھے کہ اسلام کو زندہ مذہب ثابت کیا جائے۔ انہوں نے اسلام کو زندہ ثابت کرنے کو اپنے لئے ایک بہت بڑی اشتعال انگیزی

قرار دیا اور ہنگامہ برپا کرنے کی کوشش کی۔ کراچی میں چونکہ بیرونی ممالک کے سفیر بھی موجود ہوتے ہیں اس لئے جب انہوں نے یہ حالات دیکھے تو ان پر یہ اثر ہوا اور اسی اثر کے ماتحت انہوں نے اپنے اپنے ملک میں رپورٹیں بھیجیں کہ احمدی جماعت ایک فعّال جماعت ہے اور مولویوں کا طبقہ محض اعتقادی اختلافات پر عوام کو مشتعل کر رہا ہے وہ پاکستان کی ترقی کی راہ میں حائل ہو رہا ہے اور مذہبی تعصب کو ہوا دیکر اسے ایک تنگ نظر ملک بنانا چاہتا ہے۔ ان میں سے بعض نے اس رائے کا اظہار کیا کہ پہلے ہم سمجھتے تھے کہ پاکستان ایک ترقی کرنے والا ملک ہے مگر اس ہنگامے کو دیکھ کر پاکستان کی ترقی کے متعلق ہمارے دل میں شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔ گویا انہوں نے سمجھا کہ شاید یہی مولوی ملک کی آواز ہیں حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ یہ لوگ پاکستان کا ایک چھوٹا سا جزو تو سمجھے جا سکتے ہیں مگر انہیں پاکستان کا دل قرار نہیں دیا جا سکتا پاکستان کا دل اَور ہے۔ بے شک لوگ وقتی اشتعال کے ماتحت ان کے پھانسے میں آ جاتے ہیں مگر ملک کی حقیقی آواز ہرگز وہ نہیں ہے جو یہ لوگ بلند کرتے ہیں پس اس فتنے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ غیر ممالک میں ہمیں متعارف ہونے اور انہیں اسلام کی تبلیغ کرنے کا موقع مل گیا، الحمد للہ۔

ایک اثر اس فتنہ کا یہ ہوا کہ بنگالی نمائندوں نے اصل حقیقت کو بھانپ لیا اور انہیں علم ہو گیا کہ اہلِ غرض افراد مذہب کی آڑ میں سیاسی چالیں چل رہے ہیں چنانچہ بنگال کے اخبارات میں سے سوائے ایک دو کے باقی سب نے یہی لکھا کہ ہم اس گند کو جو مغربی پاکستان میں پھیلایا جا رہا ہے ہرگز بنگال میں نہیں آنے دیں گے۔

کراچی کے فساد کا ایک اَور اثر یہ ہوا کہ ملک کے شریف اور سنجیدہ لیڈروں نے ان لوگوں کو سمجھانا شروع کیا جو کسی نہ کسی رنگ میں اس فتنہ سے متأثر ہو رہے تھے اور انہیں اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔ پھر جب جماعتِ اسلامی نے جو حکومت کی کھُلی مخالف ہے ہماری مخالفت میں آگے آنا شروع کیا تو سیاسی لیڈروں کی بھی آنکھیں کھُلیں اور انہوں نے محسوس کیا کہ جماعتِ احمدیہ کے مخالف دراصل اِس آڑ میں حکومت کو نیچا دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں چنانچہ جلد ہی اس کا ثبوت مِل گیا اور وہی لوگ جو شروع میں ہماری مخالفت کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ ہمیں سیاست سے یا حکومت کی مخالفت سے کوئی واسطہ ہی نہیں انہوں نے برملا حکومت کو دھمکیاں دینی شروع

کر دیں۔ اِس موقعہ پر حضور نے اخبار "آزاد" اور "زمیندار" میں سے متعدد ایسے حوالے پڑھ کر سُنائے جن میں حکومت کے ذمہ دار راہنماؤں کے نام لے لے کر کھلے طور پر یہ دھمکی دی گئی تھی کہ اگر حکومت نے ہمارے مطالبے نہ مانے تو ہم حکومت سے ٹکرائیں گے، بدامنی پیدا کریں گے اور جنرل نجیب کی طرح حکومت کا تختہ اُلٹا دیں گے۔ اِس طرح اِن حوالوں میں عوام کو تلقین کی گئی تھی کہ وہ کسی لیڈر کا انتظار نہ کریں بلکہ خود آگے آ کر ملک میں بدامنی پیدا کر دیں۔

حکومتِ پاکستان کا مخلصانہ رویّہ

حکومت کے رویّہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

ہمارے خلاف اِن فسادات کے ایام میں حکومت نے اکثر مقامات پر دیانتداری سے کام کرنے اور حالات کو سُدھارنے کی کوشش کی۔ اس نے جو اعلانات کئے وہ بھی درست تھے۔ گو عملاً بعض مقامات پر حکومت حالات پر قابو رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔

صُوبائی مُسلم لیگ

صُوبائی مسلم لیگ کا ذکر کرتے ہوئے حضورؓ نے فرمایا:۔

مجھے خوشی ہے کہ مسلم لیگ کا رویّہ بہت اچھا رہا۔ اس نے اپنے ہر اجلاس میں دلیری کا سے اصل حالات کا جائزہ لیا۔

پاکستان کے دوسرے صوبوں نے تو پنجاب سے بھی بہتر نمونہ دکھایا بالخصوص سرحد کے وزیر اعلیٰ[1] نے تو بڑی دلیری سے اِس فتنے کو بڑھنے سے روکا اور اسے دبایا۔ اِسی طرح سندھ میں بھی شرارتیں محدود رہی ہیں اور اب تو پنجاب میں بھی حالات بہتر ہو رہے ہیں گو پُوری طرح فتنہ دبا نہیں ہے۔

بعض افسروں کی غلطیاں

حضورؓ نے فرمایا:۔

جہاں مجھے خوشی ہے کہ اکثر مقامات پر حکومت نے دیانتداری سے کام کرنے کی کوشش کی ہے وہاں مجھے افسوس ہے کہ حکومت کے بعض افسروں نے ہمارے متعلق غلطیاں بھی کی ہیں مثلاً حکومت نے ایک اعلانؔ[2] میں یہ الزام لگایا ہے (گو نام نہیں لیا مگر اشارہ ہماری طرف ہی تھا) کہ احمدی افسر اپنے عہدہ سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر احمدیت کی تبلیغ کرتے ہیں اور اپنے ہم مذہبوں کو ملازمت میں بھرتی کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک ذمہ دار افسر نے کہا کہ احمدی

---

[1] خان عبدالقیوم خان (موجودہ وزیر داخلہ پاکستان)۔

[2] ۱۴ اگست ۱۹۵۲ء کا سرکاری اعلامیہ جس کا ذکر فصلِ دوم میں ہے۔

افسر اپنے عہدے سے فائدہ اُٹھا کر احمدیوں کو ناجائز الاٹمنٹ کرتے ہیں۔ جو شخص اپنے عہدے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ناجائز طور پر ایسے کام کرتا ہے اور اِس طرح حقداروں کی حق تلفی کرتا ہے میرے نزدیک وہ نہ صرف حکومت کا مُجرم ہے بلکہ قرآن کا بھی مجرم ہے کیونکہ وہ قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ایک فعل کا مُجرم ہونا کسی کو یہ حق دے دیتا ہے کہ وہ بغیر تحقیقات کے کسی پر اس جُرم کے ارتکاب کا الزام لگا دے؟ کیا حکومت کا یہ فرض نہیں تھا کہ وہ یہ الزام لگانے سے پیشتر اس شکایت کی تحقیقات کرتی اور یُوں بغیر تحقیقات کے ایک قوم پر الزام لگا کر اسکی ہتک کا مرتکب نہ ہوتی؟ کیا حکومت کے لئے یہ کوئی مُشکل امر تھا کہ وہ ان الزامات کی باقاعدہ تحقیقات کراتی اور ان کے ثبوت بہم پہنچاتی؟ پھر اگر یہ الزام کسی احمدی افسر کے متعلق درست ثابت ہوتا تو بے شک اسے سزا دیتی کیونکہ وہ واقعی مُجرم ہے' نہ صرف حکومت کا بلکہ اسلام کا بھی۔ لیکن اگر یہ الزام درست ثابت نہ ہو تو یقیناً یہ صریح بے انصافی ہے کہ ہم پر بغیر تحقیقات کے صرف اِس لئے الزام لگا دیا جائے کہ ہم غریب ہیں اور کمزور ہیں۔

اِسلامی حکومت کا فرض

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ ملک کے ہر فرد کی عزّت کی حفاظت کرے۔ اسلامی حکومت کا تو یہ فرض ہے کہ وہ اپنے ملک کے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ انسان کی عزّت کی بھی حفاظت کرے اور اس پر کوئی جُھوٹا الزام نہ آنے دے۔ کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ گذشتہ پانچ سال کے عرصہ میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے دفتر میں کسی چُوہڑے نے بھی بیعت کی ہے اور احمدیت قبول کی ہے؟ اگر یہ نہیں ثابت کیا جا سکتا تو یقیناً ایسا الزام لگانا چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب پر ظلم نہیں ہے بلکہ اس قوم پر ظلم ہے جس کے وہ ایک فرد ہیں۔

پھر الزام لگانے سے پہلے یہ بھی تو دیکھ لیا جاتا کہ کون کون سے احمدی افسر ایسے ہیں جو بھرتی کرنے کے قابل ہیں؟ کوئی فینانشل کمشنر احمدی نہیں ہے، کوئی ڈپٹی کمشنر احمدی نہیں ہے، مہاجرین کو زمین تقسیم کرنے والا کوئی اعلیٰ افسر احمدی نہیں ہے، پھر یہ ناجائز الاٹمنٹ کرنے والا اور احمدیوں کو بھرتی کرنے والا ایسا احمدی افسر کون ہے؟؟

پھر یہ بھی تو سوچنے والی بات ہے کہ اگر احمدی افسر ناجائز الاٹمنٹیں کرتے تو سب سے پہلے وہ مجھے فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے لیکن مجھے تو انہوں نے کچھ نہ لے کر دیا بلکہ میری جو زمین قادیان میں تھی

اس کے کاغذات ابھی اِدھر اُدھر ہی پھر رہے ہیں گو احراری تو کہہ رہے ہیں کہ مجھے دس ہزار مربعے ملے ہیں مگر مجھے دس ہزار مربعے چھوڑ دس مرتبان بھی نہیں ملے۔ یہ سب باتیں بتاتی ہیں کہ حکومت نے بغیر تحقیقات کے یہ الزام ہماری جماعت پر لگا دیا ہے اور انصاف کا طریق یہی ہے کہ حکومت اِس کی پُوری پُوری تحقیقات کرے، اگر کسی احمدی افسر کے متعلق یہ الزام درست ثابت ہو تو پھر اس کی تردید کرے اور اعلان کرے کہ یہ الزام غلط ہے۔

حقیقت پر پردہ ڈالنے کیلئے احمدیوں پر الزام

حضورؓ نے فرمایا گو الزام تو ہم پر لگایا جاتا ہے کہ احمدی افسر اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے احمدیوں کی مدد کرتے ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس بارہ میں احمدیوں سے تعصّب برتا جاتا ہے اور ان کو ان کے جائز حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے اور اس طرح ان کی حق تلفی کی جاتی ہے اور اس حق تلفی پر پردہ ڈالنے کے لئے اُلٹا احمدیوں پر الزام لگایا جا رہا ہے ہم حکومت کے سامنے کئی ایک ایسی مثالیں پیش کر سکتے ہیں جبکہ مختلف محکموں میں احمدیوں کو ملازمت یا ترقّی سے صرف اِس لئے محروم کیا گیا کہ وہ احمدی ہیں حالانکہ ان کی تعلیم، تجربہ، قابلیت اور گزشتہ ریکارڈ ان کے حق میں تھے لیکن ہم نے ان حق تلفیوں پر کبھی شور نہیں مچایا کیونکہ ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ اس قسم کی حق تلفی اور تعصّب کا بہترین علاج یہ ہے کہ ہم اپنی تعلیم، قابلیت، محنت، دیانتداری اور اچھے اخلاق کے معیار کو اَور بلند کر کے ان کا مقابلہ کریں نہ کہ شور مچائیں۔ اگر ہمارے نوجوان ہماری تعلیم پر عمل کریں گے تو اس قسم کی حق تلفی زیادہ عرصہ نہیں ہو سکتی اور نوکریاں اور ملازمتیں آپ اُنکے پاس آئیں گی۔“ لہ

پاکستانی پریس کی فرض شناسی اور دیانتداری

حضورؓ نے فرمایا مجھے بڑی خوشی ہے کہ اِس فتنے کے دَوران ہمارے ملک کے ذمّہ دار پریس نے جو ملک کی رائے عامہ کی جان ہوتا ہے بڑی دلیری سے اپنے فرض کو ادا کیا ہے۔ سب سے پہلے ”ڈان“ نے بڑی جرأت سے اِس فتنہ کے خلاف آواز بلند کی پھر بنگال کے پریس نے اس کی تائید کی۔ پنجاب میں ”سول اینڈ ملٹری گزٹ“ اور بعض دیگر اخبارات نے بھی اپنا فرض ادا کیا۔ اُردو پریس

لہ روزنامہ الفضل یکم صلح ۱۳۳۲ ہش صت ۳۲۲

کے ایک حصّہ کا رویّہ شروع میں ڈانواں ڈول تھا مگر بعد میں اس نے بھی دیانتداری کا ثبوت دیا گو افسوس ہے کہ مسلم لیگی پریس کے ایک حصّہ نے اِس موقعہ پر بہت بُرا نمونہ دکھایا۔ بہرحال جس قوم کے متعلق یہ مشہور ہو کہ وہ بہت جلد پراپیگنڈا سے متأثر ہو جاتی ہے اس قوم کے پریس کا پراپیگنڈا کے مواد کو چھوڑ دینا ایک بہت امید افزا بات ہے۔

بھارت کا مسلم پریس

دوسری خوشی مجھے یہ ہوئی کہ اِس موقعہ پر ہندوستان کے مسلم پریس نے بھی اِس فتنہ کے خلاف آواز بلند کی حتّٰی کہ وہ اخبارات جو پہلے ہمارے دشمن تھے انہوں نے بھی بڑے زور سے ہماری تائید کی۔ ان میں سے ایک نے تو لکھا کہ اِس فتنہ کو دیکھ کر ہمارے سر ندامت سے جُھک جاتے ہیں اور ہم ہندوستان کے غیر مسلموں کے سامنے آنکھ اُٹھانے کے قابل نہیں رہے۔ یہ ایک بہت نیک تبدیلی ہے۔ ہم دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے پھر ترقی کے مواقع پیدا کرے، انہیں ہر قسم کے ظلم سے بچائے، ان کے بڑھنے اور پھلنے پھُولنے کا سامان پیدا کرے اور ہندوستان میں اسلام کو پھر وہی بلکہ اس سے بھی زیادہ عزّت حاصل ہو جو اسے پہلے وہاں حاصل تھی۔

منظّم بائیکاٹ کی تحریک

فرمایا۔ اب اِس فتنہ نے ایک اَور پلٹا کھایا ہے اور وہ یہ کہ ہمارے خلاف منظّم بائیکاٹ کی تحریک شروع کی گئی ہے لیکن اِس قسم کی چیزیں عارضی ہوتی ہیں جو انشاء اللہ بہت جلد خود ہی ختم ہو جائیں گی۔

بے بُنیاد الزامات کی مہم

اَب آخری تدبیر کے طور پر ہمارے مخالفین نے سراسر جھُوٹے اور بے بُنیاد الزامات لگانے کی مہم شروع کی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ان لوگوں نے جھُوٹ بولنے میں جتنا کمال حاصل کر لیا ہے ہماری جماعت نے ابھی سچ بولنے میں اتنا کمال حاصل نہیں کیا۔ اگر سچ بولنے میں ہماری جماعت کمال حاصل کر لے تو یہ جھوٹا پراپیگنڈا ہمارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا۔

حضور نے فرمایا (۱) مثلاً پہلا الزام یہ لگایا گیا ہے کہ ہم نے فُرقان فورس کے ذریعے پاکستان کو سخت نقصان پہنچایا۔ مکمّل فوجی وردیاں اور بہت سے ہتھیار اور گولہ بارود وغیرہ حاصل کر کے ربوہ میں لے آئے۔ یہ الزام لگاتے ہوئے فوجی وردیوں اور گولہ بارُود کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے اوّل

تو وہی ایسی الزام کی تردید کے لئے کافی ہے کیونکہ بیان کردہ مقدار کبھی ایک بٹالین کو مل ہی نہیں سکتی
اور علاوہ اس کے ہمارے پاس فوجی حکام کی باقاعدہ رسید موجود ہے کہ فرقان فورس نے جو ہتھیار اور وردیاں
وغیرہ حاصل کیں وہ سب کی سب واپس دے دی گئیں اور کوئی چیز بھی ان کے پاس باقی نہیں رہی۔
ایسے الزام لگانے والوں کو علم ہی نہیں کہ فوج کا ایک خاص نظام ہوتا ہے اس میں ہر چیز کا ریکارڈ
اور حساب ہوتا ہے۔ وہ کوئی احراریوں کا لیا ہؤا چندہ نہیں ہوتا کہ جس کے پاس آیا اسی کی جیب میں
چلا گیا۔

(۲) حکومت کا جو ملازم کسی الزام میں ملوّث ہو اُسے احمدی مشہور کر دیا جاتا ہے حالانکہ اس کا
احمدیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

(۳) کہا جاتا ہے کہ احمدی غیر احمدی لڑکوں کو بھگا کر ربوہ لے آتے ہیں یہ الزام بھی صریحاً جھوٹ
ہے۔ چنانچہ حالیہ ہی میں جب ایک اِسی قسم کا الزام لگایا گیا تو پولیس نے اس کی تحقیقات کی اور اسے
بالکل بے بُنیاد پایا۔

(۴) احمدیت سے برگشتہ ہونے کی خبریں مشہور کر دی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے اکثر
غلط ہوتی ہیں چنانچہ جن لوگوں کے متعلق ایسی خبریں شائع کی گئیں ان میں سے اکثر کو تو میں اِس
وقت بھی اپنے سامنے بیٹھا ہؤا دیکھ رہا ہوں۔ بھلا ظلم و تشدّد اور جبر کے ساتھ بھی سچائی کسی کے
دل سے نکلا کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس فتنے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت ثابت قدم رہی
ہے۔ چند ایک کمزور لوگوں نے اگر تشدّد اور ظلم سے ڈر کر کمزوری دکھائی بھی تو بہت جلد اپنی حرکت پر وہ
نادم ہوئے اور واپس آگئے۔ اور اِس قسم کے کمزور لوگ تو ہر جماعت میں ہوتے ہی ہیں۔

(۵) کہا جاتا ہے کہ ہم نے چونکہ پُرانی کتابوں میں سے ایسے حوالوں کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی
ہے جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور دیگر انبیاءؑ کی ہتک کی گئی ہے لہٰذا ہم نے رسول کریم
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توہین کی ہے۔ حالانکہ اگر ہم نے صرف ان حوالوں کا ذکر کیا اور وہ قابلِ ضبط
ہے تو وہ کتابیں کیوں نہیں قابلِ ضبط سمجھی جاتیں جن میں یہ ہتک کی گئی ہے؟ کیا صرف اِس لئے کہ وہ
باتیں لکھنے والے وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں میں چوٹی کے عالم اور بزرگ سمجھے جاتے ہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں
کہ آج بھی یہ کتابیں مسلمانوں کے دینی مدارس اور خود پنجاب یونیورسٹی کے نصاب میں شامل ہیں؟ مگر

کوئی انہیں ضبط کرنے کا مطالبہ نہیں کرتا ہم تو کہتے ہیں کہ بے شک الفضل کا وہ پرچہ ضبط کر لو جس میں ان کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے بشرطیکہ ان کتابوں کو بھی ضبط کرو تاکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی عزت قائم ہو۔

دُعاؤں کی خاص تحریک

حضورؓ نے اس فتنہ کے ازالہ کے لئے خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کرنے کی تحریک فرمائی۔ حضورؓ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ احباب ۱۹۵۳ء کے شروع میں سات روزے رکھیں اور خاص طور پر دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ ملک میں فتنہ پھیلانے والوں اور ہم پر ظلم کرنے والوں کو سمجھ دے یا سزا دے اور ہمیں ان کے مظالم پر صبر کرنے کی توفیق دے اور اپنے مقاصد میں کامیاب کرے۔ یہ سات روزے جنوری سے شروع کئے جائیں اور ہر سوموار کو رکھے جائیں۔ جنوری میں یہ روزے ۵، ۱۲، ۱۹ اور ۲۶ تاریخ کو آئیں گے اور فروری میں ۲، ۹ اور ۱۶ تاریخ کو۔

عالمِ اسلام کے مسائل

حضورؓ نے عالمِ اسلام کے مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ مختلف ممالک میں مسلمانوں کے لئے بہت سی مشکلات پیدا ہو رہی ہیں مثلاً ایران، مصر، انڈونیشیا، عراق اور اُردن کے سیاسی حالات میں نئی نئی تبدیلیاں اور الجھنیں پیدا ہو رہی ہیں ٹیونس اور مراکو کے مسلمان آزادی کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اسلامی ممالک کے مسلمانوں کی مدد ہم دعا اور احتجاج سے تو کرتے ہی رہتے ہیں مگر ایک مسئلہ ایسا ہے جسکے متعلق ہماری حکومت کو بھی ضرور کوئی عملی کارروائی کرنی چاہیئے اور وہ ہے فلسطین میں یہودیوں کے اقتدار کا مسئلہ۔

مسئلۂ فلسطین

یہود مسلمانوں کے شدید دشمن ہیں اور انہوں نے ایک ایسے ملک میں اپنی حکومت قائم کر لی ہے جو ہمارے مقدس ترین مقامات یعنی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے بہت قریب ہے۔ ان کے ارادے یقیناً بہت خطرناک ہیں اس لئے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کو ضرور مجموعی طور پر کوئی عملی قدم اُٹھانا چاہیئے۔ مَیں سمجھتا ہوں اگر تمام اسلامی ملک اس خطرے کے ازالہ کے لئے اپنے اپنے بجٹ کا پانچ فیصدی بھی مخصوص کر دیں تو ایک اتنی بڑی رقم جمع ہو سکتی ہے جس سے ہم یہودیوں کی بڑھتی ہوئی شرارتوں کا عملاً سدِّباب کر سکتے ہیں۔ اِس مسئلہ

کی اہمیت کے متعلق مَیں نے پہلے بھی توجہ دلائی تھی اور اب پھر دلاتا ہوں مگر افسوس کہ اب تک مسلمانوں نے اس خطرے کی اہمیت کو محسوس نہیں کیا۔

مسئلہ کشمیر اسی طرح کشمیر کے علاقہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ موجودہ طریق سے یہ مسئلہ کس طرح حل ہوگا کشمیر کے متعلق پاکستان اور ہندوستان کی پوزیشن بالکل ایسی ہی ہے جیسے ایک شخص کا روپیہ گر جائے اور دوسرا اُسے اُٹھا کر اپنے قبضہ میں کر لے جس کا روپیہ گرا ہے اگر وہ محض صبر سے کام لیتا چلا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے کبھی روپیہ ملنے کی اُمید نہ کرنی چاہیئے۔ بہرحال دُعا کرو کہ اِس مسئلہ کو حل کرنے کا بھی کوئی صحیح راستہ حکومت کو نظر آئے اور پھر اس راستہ پر اسے عمل کرنے کی بھی توفیق ملے کیونکہ کشمیر کے بغیر پاکستان ہرگز محفوظ نہیں ہے یہ حکومت کا کام ہے کہ وہ کوئی صحیح طریق اختیار کرے مگر وہ جو بھی راستہ تجویز کرے تمہیں اس پر عمل کرنے کے لئے ابھی سے تیار رہنا چاہیئے۔[1]

تعلق باللہ کے موضوع پر ایمان افروز تقریر حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے اپنی آخری تقریر میں جو "تعلق باللہ" کے موضوع پر تھی تصوفِ اسلامی کے بہت سے باریک اور ضروری مسائل پر آسان اور دلنشین پیرایہ میں روشنی ڈالی اور مندرجہ ذیل دس ایسے ذرائع کی نشان دہی فرمائی جن سے انسان محبوبانِ الٰہی کے پاک گروہ میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کر سکتا ہے :-

(۱) صفاتِ الٰہیہ کا وِرد (۲) صفاتِ الٰہیہ پر تدبّر (۳) خدمتِ خلق (۴) گناہ پر ندامت (۵) ضرورتِ دُعا کا احساس (۶) تدبیرِ کامل اور توکّلِ کامل (۷) انصاف پروری (۸) تقوٰے (۹) صفاتِ الٰہیہ کی عکاسی (۱۰) محبّتِ الٰہی کے لئے دُعا۔

اِس پُر معارف تقریر کے اختتام پر حضورؓ نے فرمایا :-

سارے کاموں کا آخری انحصار دُعا پر ہے پس انسان کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جُھکے اور اس سے کہے کہ الٰہی تیرا وجود مخفی ہے، میری عقل سخت، ناقص اور نامکمل ہے مگر میرے دِل کے مخفی گوشوں میں تیرے وصال کی ایک نہ مٹنے والی خواہش پائی جاتی ہے۔ میرا دل تجھ سے ملنے کے لئے

---

[1] روزنامہ "الفضل" لاہور مورخہ ۲ صلح ۱۳۳۲ ہش صـ۲

بیتاب ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ تیری محبت کو حاصل کروں مگر اے میرے رب! میری کوششیں اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتیں جب تک تیرے فضل میرے شاملِ حال نہ ہوں پس تُو اپنی محبت سے مجھے حصّہ عطا فرما اور مجھے اُن لوگوں میں شامل فرما جو تیرے محبّین کے پاک گروہ میں شامل ہیں۔" [1]

پریس میں ذکر

۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء کے اِس کامیاب جلسہ پر جن اخباروں نے تبصرہ شائع کیا ان میں "ہمارا کشمیر" (مظفر آباد) "تنظیم" (پشاور) اور "اِقدام" (لاہور) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اخبار "ہمارا کشمیر"

۱۔ اخبار "ہمارا کشمیر" نے ۱۰ر فروری ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں صفحہ اوّل پر نہایت جلی عنوان کے ساتھ حسبِ ذیل خبر دی:۔

"حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعتِ احمدیہ نے مسلمانانِ عالم کو متوجہ کیا کہ فلسطین میں یہود کا اقتدار ہمارے مقدس ترین مقامات کیلئے

ایک بہت بڑا خطرہ ہے

کشمیر کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کے بغیر پاکستان بالکل غیر محفوظ ہے

ربوہ۔ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر پچاس ہزار کے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے جناب حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعتِ احمدیہ نے مسلمانانِ عالم کو متوجہ کرتے ہوئے بتایا کہ اسلامی ممالک کو فلسطین کے متعلق کوئی ٹھوس اور عملی قدم اُٹھانا چاہیئے۔ آپ نے عالمِ اسلام کے مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا مختلف ممالک میں مسلمانوں کے لئے بہت سی مشکلات پیدا ہو رہی ہیں مثلاً ایران، مصر، انڈونیشیا، عراق اور اُردن کے سیاسی حالات میں نئی نئی تبدیلیاں اور اُلجھنیں پیدا ہو رہی ہیں۔ ٹیونس اور مراکو کے مسلمان آزادی کی جدّ و جہد کر رہے ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اسلامی ممالک کے مسلمانوں کی مدد ہم دُعا اور احتجاج سے تو کرتے ہی رہتے ہیں مگر ایک مسئلہ ایسا ہے جس کے متعلق ہماری حکومت کو بھی ضرور کوئی عملی کارروائی کرنی چاہیئے اور وہ ہے فلسطین میں یہودیوں کے اقتدار کا مسئلہ یہود مسلمانوں کے شدید دشمن ہیں اور انہوں نے ایک ایسے ملک میں حکومت قائم کر لی ہے جو ہمارے مقدس ترین

[1] "تعلق باللہ" صفحہ ۱۲۳ ؎

مقامات یعنی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے بہت قریب ہے۔ان کے ارادے یقیناً بہت خطرناک ہیں اِس لئے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کو ضرور مجموعی طور پر کوئی عملی قدم اُٹھانا چاہیئے مَیں سمجھتا ہوں اگر تمام اسلامی ملک اِس خطرے کے ازالہ کے لئے اپنے اپنے بجٹ کا پانچ فیصدی بھی مخصوص کر دیں تو ایک اتنی بڑی رقم جمع ہوسکتی ہے جس سے ہم یہودیوں کی بڑھتی ہوئی شرارتوں کا عملاً سدِ باب کر سکتے ہیں۔اِس مسئلہ کی اہمیّت کے متعلق مَیں نے پہلے بھی توجہ دلائی تھی اور اب پھر دلاتا ہوں مگر افسوس کہ اب تک مسلمانوں نے اِس خطرے کی اہمیّت کو محسوس نہیں کیا۔اِسی طرح کشمیر کے علاقہ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ موجودہ طریق سے یہ مسئلہ کس طرح حل ہوگا؟ کشمیر کے متعلق پاکستان اور ہندوستان کی پوزیشن بالکل ایسی ہی ہے جیسے ایک شخص کا روپیہ گر جائے اور دوسرا اُسے اُٹھا کر اپنے قبضہ میں کرلے جس کا روپیہ گرا ہے اگر وہ محض صبر سے کام لیتا چلا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اُسے کبھی بھی روپیہ ملنے کی اُمید نہیں کرنی چاہیئے۔بہر حال دُعا کرو کہ اِس مسئلہ کو حل کرنے کا بھی کوئی صحیح راستہ حکومت کو نظر آئے اور پھر اس راستے پر اسے عمل کرنے کی توفیق بھی ملے کیونکہ کشمیر کے بغیر پاکستان ہرگز محفوظ نہیں ہے۔یہ حکومت کا کام ہے کہ وہ کوئی صحیح راستہ اختیار کرے مگر وہ جو بھی راستہ تجویز کرے تمہیں اُس پر عمل کرنے کے لئے ابھی سے تیار رہنا چاہیئے۔اِس سلسلہ میں آپ نے اپنی جماعت کے افراد کو تلقین کی کہ وہ موجودہ مشکلات کے ازالہ کے لئے سات روزے رکھیں اور خصوصیّت سے رات کو اُٹھ کر دُعا کریں۔(نامہ نگار)" [1]

اخبار "تنظیم" پشاور

۲۔اخبار "تنظیم" پشاور (مورخہ ۸ جنوری ۱۹۵۳ء) نے "احمدیوں کا سالانہ جلسہ" کے زیرِ عنوان درج ذیل نوٹ لکھا:۔

"پاکستان کی جماعتِ احمدیہ کا ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ دسمبر ۱۹۵۲ء کو بمقام ربوہ ضلع جھنگ سالانہ جلسہ کے لئے اجتماع رہا۔مردوں کی حاضری پچّاس ہزار سے زائد اور شاملِ جلسہ ہونے والی مستورات کا اندازہ پندرہ ہزار کے قریب ہے۔جماعتِ احمدیہ کے امام مرزا بشیر الدین محمود کے صرف اِس اعلان پر کہ دسمبر کے آخری ایّام میں سالانہ جلسہ ہے ستر اسّی ہزار نفوس کا ایک مرکز پر اکٹھا ہو جانا ایک بہت بڑا معجزہ اور پاک وہند کی تاریخ میں بہت بڑا اجتماع ہے خصوصاً اِس لئے بھی کہ ایک عرصہ سے

---

[1] "ہمارا کشمیر" (مظفر آباد) ۱۰ر فروری ۱۹۵۳ء صا۔

احمدیت کے خلاف ملک کے طول و عرض میں غم و غصہ اور ہیجان پھیلایا جا رہا ہے کہ یہ کافروں کی جماعت ہے اور خارج از اسلام ٹولہ ہے۔ یہ تمام لوگ جو اس اجتماع میں شامل ہوئے سوائے دو تین ہزار تماشائیوں کے جن کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا وہ احمدیت کے متعلق کیا تاثرات لے کر آئے تھے باقی سارے لوگ یہ جانتے تھے کہ مرزا بشیر الدین محمود نے وہاں دولت کے خزانے تقسیم نہیں کرنے بلکہ اُلٹا سلسلہ کے بعض شعبوں کے لئے امداد کی اپیل ہی کریں گے۔ اور انہیں یہ بھی علم تھا کہ ملک کی اکثریت پر انہیں بے دین ظاہر کیا جا رہا ہے لیکن اس کے باوجود ان کے امام نے بیعت کے وقت کہا تھا کہ خدمتِ دین اور اشاعتِ اسلام کے لئے ایک فعّال جماعت کا قیام مقصود ہے اور تمہیں دین کی خدمت کے لئے ہر قسم کی جانی و مالی قربانی پیش کرنی پڑے گی۔ جب انہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ دین کی خدمت کے لئے اپنے امام کی ہر آواز پر لبیک کہیں گے، سفر کی صعوبتیں اور سینکڑوں روپیہ خرچ کر کے اپنے امام کا پیغام سُننے کے لئے ربوہ پہنچے جہاں انہیں اپنے امام نے یہی درس دیا کہ تابعداری کرو خدا کی اس کے رسُول محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی اور تمام دُنیاوی امور اور زندگی کے ہر شعبہ کے لئے قرآن کریم کو مشعلِ راہ بناؤ۔ قرآن پاک کو پڑھو اور اس پر عمل کرو۔ تقویٰ اختیار کرو اور تعلّق باللہ قائم کرو۔ جوں جوں تم اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتے جاؤ گے تم میں تقویٰ بڑھتا جائے گا اور تم صحیح معنوں میں اللہ والے یعنی مومن بن جاؤ گے تمہاری دُنیاوی مشکلات اور رکاوٹیں تمہارے راستہ سے دُور ہو جائیں گی۔ انہیں انکے امام نے کہا تمہیں یورپین ممالک کو اسلام کی آغوش میں لانا ہے مبلّغین ان حلقوں میں کام کر رہے ہیں اور یورپ اسلام کی اہمیّت سے آگاہ ہو چکا ہے۔ کام کی رفتار کو تیز کرنے اور ضروری لٹریچر کی فراہمی کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہے اور یہ سب کچھ دین کے لئے ہے۔ اور آپ کے لئے یہ کیا کم سعادت ہوگی کہ یورپ آپ کے ذریعہ مسلمان ہو جائے اور آپ دُنیا میں خدمتِ دین اور اشاعتِ اسلام کرنے والی جماعت کہلاؤ۔ اور کہا جب تم خدا کے ہو اور خدا تمہارا ہے تو دُنیا کی بڑی سے بڑی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دُنیا کے ساتھ اپنے دین کو بھی سنوارو۔ یہ تھا مرزا بشیر الدین محمود کا اپنی جماعت سے خطاب۔ یہ تھا قادیان اور ربوہ سے متعلق لوگوں کا کُفر و شرک جو اجتماع میں دیکھنے اور سُننے میں آیا۔ (نامہ نگار خصوصی)" لہ

لہ بحوالہ "الفضل" (لاہور) مورخہ ۱۷ ؍صلح ۱۳۳۲ ہش صث ÷

"اقدام" لاہور ۳۔ ہفت روزہ "اقدام" لاہور کے ۵ رجنوری ۱۹۵۳ء کے پرچہ میں "احمدیوں کا اجتماع" کے عنوان سے حسبِ ذیل نوٹ چھپا:۔

"چنیوٹ سے چھ میل کے فاصلے پر چناب کے کنارے کالے کالے مہیب پہاڑوں کے درمیان صاف ستھرے مکانوں کی ایک نئی بستی آباد ہو رہی ہے یہ بستی جماعتِ احمدیہ پاکستان کا مرکز ہے اور "ربوہ" کے نام سے مشہور ہے۔ ہرچند کہ بستی تعمیر کے ابتدائی مراحل میں سے گزر رہی ہے پھر بھی اس درجہ اہمیت حاصل کر چکی ہے کہ اس کا اپنا ریلوے اسٹیشن، لاریوں کا اڈہ، پوسٹ آفس، پبلک کال آفس اور تارگھر بھی معرضِ وجود میں آچکا ہے۔ ہر سال دسمبر کے آخر میں یہاں جماعتِ احمدیہ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوتا ہے۔

پاکستان کے کونے کونے سے احمدی یہاں کھچے چلے آتے ہیں اور وہ چہل پہل ہوتی ہے کہ اِس خاموش بستی کے ذرّے ذرّے میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور کثرتِ اژدہام سے گرد و غبار کے بادل اُٹھ اُٹھ کر دُور دراز سے گذرنے والے راہگیروں کو اپنی طرف متوجّہ کئے بغیر نہیں رہتے۔

اِس مرتبہ جہاں ہزاروں احمدی عقیدۃً ربوہ میں آجمع ہوئے تھے وہاں مجھ جیسا سیدھا سادا مسلمان بھی جا براجمان ہؤا۔ میرا خیال تھا کہ انتہائی شدید مخالفت کے باعث اب اِس جماعت کے حوصلے پست ہو چکے ہوں گے اور اِس مرتبہ جلسہ پر وہ رونق نہیں ہو گی جو ہمیشہ سُننے میں آتی ہے لیکن مجمع دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب مَیں وہاں پہنچا تو جماعتِ احمدیہ کے امام مرزا بشیرالدین محمود احمد جلسہ کا افتتاح کرنے کے لئے جلسہ گاہ میں پہنچ چکے تھے اور اپنی تقریر کے ابتدائی فقرے زبان سے ادا فرما رہے تھے۔ جلسہ گاہ ہر قسم کے شان و شکوہ سے بالکل عاری تھی۔ ایک معمولی سی حد بندی کے وسیع احاطے میں خوش پوش لوگ ہزاروں کی تعداد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بیٹھنے کے لئے دریوں تک کا انتظام نہ تھا۔ مٹّی پر مٹّی ہی کے رنگ کی پرالی پھیلی ہوئی تھی جس پر مرزا صاحب کے ہزاروں مرید بے تکلف بیٹھے ہمہ تن گوش بنے جلسہ سُن رہے تھے۔

البتہ اسٹیج پر جو جلسہ گاہ کی مناسبت سے اچھا خاصہ وسیع تھا دریاں بچھی ہوئی تھیں۔ سٹیج اور پبلک کے درمیان آجکل کے "فیشن" کے مطابق کافی فاصلہ تھا جو غالباً حفاظت کے پیشِ نظر چھوڑا گیا تھا۔

مرزا صاحب نے آتے ہی کہا :-

" یہ فاصلہ غیر ضروری طور پر زیادہ ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ ایک حد تک حفاظت بھی ضروری ہے لیکن اصل محافظ خدا تعالیٰ ہے۔ حفاظت کے ظاہری سامانوں پر اِس درجہ بھروسہ کرنا خدائی حفاظت کے احساس پر گراں گزرتا ہے اِس لئے اِس فاصلہ کو ختم کیا جائے۔ اور اگر دوسرے روز جلسہ شروع ہونے سے قبل اِس فاصلہ کو پاٹا نہ گیا تو مَیں تقریر نہیں کروں گا۔"

بس پھر کیا تھا مریدانِ باصفا اِس جرأت مندانہ اعلان پر جھوم ہی تو اُٹھے اور چاروں طرف سے "امیرالمومنین زندہ باد" کے نعرے بلند ہونے لگے۔ وہ تو مرید تھے اِس لئے ان کا جھومنا لازمی تھا لیکن مرزا صاحب نے کچھ اِس دلیری سے یہ اعلان کیا کہ مَیں بھی متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ مرزا صاحب تو دُعا کے ساتھ جلسہ کا افتتاح کرکے واپس چلے گئے لیکن مجمع اپنی جگہ بیٹھا رہا مبلّغینِ اسلام کی تقریریں سُنتا اور سر دُھنتا رہا۔

اس روز تو بازار کی چہل پہل اور لوگوں کی بھیڑ بھاڑ دیکھ کر مَیں لائلپور واپس چلا آیا دوسرے روز مرزا صاحب کی تقریر سے قبل مَیں پھر وہاں جا پہنچا مَیں نے دیکھا کہ واقعی اسٹیج اور سامعین کا درمیانی فاصلہ غائب تھا اور لوگ قریب قریب سٹیج سے لگ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ مرزا صاحب نے ساڑھے چار گھنٹے کی تقریر میں جماعتی تنظیم کے علاوہ ملکی اور عالمی سیاست کے ہر اہم مسئلہ پر روشنی ڈالی اور بالخصوص احمدیت کے سر پھرے مخالفین کی طرف سے جو اعتراضات کئے یا بقول مرزا صاحب جھوٹے الزامات لگائے جاتے ہیں ان کے انہوں نے وہ بخئے ادھیڑے کہ مجمع پر کیف کا عالم طاری ہو گیا اور سامعین کے چہروں پر ایسی بشاشت نظر آنے لگی کہ گویا مخالفتوں کے شور اور مشکلات کے پہاڑ اُٹھانے ان کے لئے اب پہلے سے بھی زیادہ آسان ہو گئے ہیں پھر بھی اپنی طویل تقریر کو دلچسپ بنانے کے لئے مرزا صاحب نے ساتھ کے ساتھ نہایت با موقعہ چٹ پٹے لطیفے بیان کئے کہ مجمع میں " اللہ اکبر " کے بلند نعروں کے علاوہ گاہے گاہے مسکراہٹ اور ہلکی ہنسی کی خوش آئند آوازیں گونجتی رہیں۔ اِس تقریر کے بعد یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایثار و وفا کے یہ پُتلے اب پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گئے ہیں اور یہ کہ ان میں ایک نئی رُوح پھونک دی گئی ہے۔

مَیں جس قدر بھی مجمع کی کیفیت کا مطالعہ کرتا تھا اسی قدر میرا یہ احساس بڑھتا جا رہا تھا کہ مولوی

کی مخالفت نے انہیں زیادہ راسخ العقیدہ بنا دیا ہے۔ یہ اپنے ارادوں میں اور زیادہ پختہ ہو گئے ہیں اور ان کے حوصلے نہ صرف بڑھے ہیں بلکہ بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔

یہ نظارہ دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ ہمارے بعض علماء جذباتی نعرے لگا کر اور کانفرنسیں منعقد کر کے اس قلیل سی جماعت کے لئے اور زیادہ متحد و منظم ہونے کے مواقع بہم پہنچا رہے ہیں۔

میرے دل نے کہا۔ اے کاش ہمارے یہ علماء جذباتی نعرے لگانے اور کانفرنسوں سے ہمارا لہو گرمانے کی بجائے ٹھوس بنیادوں پر اس جماعت کا مقابلہ کریں۔ لیکن ٹھوس بنیادوں پر مقابلہ خالہ جی کا گھر نہیں اس کے لئے منفی قسم کی جدّوجہد کی بجائے خالص مثبت نوعیّت کے عمل کی ضرورت ہے۔

یعنی جو کام احمدی لوگ سر انجام دے رہے ہیں اسے ہم اور ہمارے مولوی صاحبان سر انجام دے رہے ہوں۔ ان کا ایک مشن قائم ہے تو اس کے مقابلہ میں ہمارے دس مشن ہونے چاہئیں جو ان کے تبلیغی کاروبار کو تہس نہس کر کے رکھ دیں لیکن اس کے لئے روپے سے زیادہ عزم و استقلال اور جذبۂ قربانی کی ضرورت ہے اور وہ ہم میں مفقود ہے۔ چندے کی اپیلیں بہت ہیں اور کام کی سبیل کوئی نہیں۔ نعرے جتنے چاہو لگوا لو لیکن عمل کے نام پر میدان صاف ہے۔ اس قسم کے غلط جوش دکھانے میں ہر وقت شیر ہیں کہ جو احمدیوں کو زیادہ تقویّت پہنچانے کا باعث ہو اور اتحاد کا کام دے کر انہیں ترقی کے امکانات سے اور زیادہ ہمکنار کر دے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

کیا ہمارے لئے یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم تبلیغ و اشاعت کا ایک وسیع منصوبہ تیار کریں اور اسے جامۂ عمل پہنا کر اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیں جس پر احمدیوں نے ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر اپنا اجارہ قائم کر رکھا ہے۔

کیا کوئی اللہ کا بندہ ہمیں اس بے کار قسم کے جوش سے نجات دلا کر عمل و کردار کے مثبت تقاضوں سے آگاہ کرنے کا بیڑا اٹھانے کے لئے تیار ہے؟ اور اگر واقعی اس دل گردے اور قربانی و ایثار کے مجسّمے ہم میں موجود ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ موجود نہ ہوں تو پھر حکمت اور موعظۂ حسنہ کے ذریعے میدانِ عمل میں احمدیت کو ناکام بنانا ہمارے لئے محض آسان ہی نہیں بلکہ انتہائی سہل ہے۔ ہمارے بعض مولویوں کی اندھی مخالفت اور لہو گرمانے کے موجودہ طریقے آجکل متمدن دنیا میں مؤثر ثابت نہیں ہو سکتے ہاں احمدیوں کے لئے مہمیز کا کام ضرور دے سکتے ہیں کہ وہ اور زیادہ متحد و منظم ہو جائیں۔ [۱]

---

[۱] بحوالہ الفضل ۸ صلح ۱۳۳۲ ہش

فصل پنجم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

۱۳۳۱ہش/ ۱۹۵۲ء کا سب سے اندوہناک حادثہ حضرت سیدہ نصرت جہان بیگم اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کا انتقال ہے۔ حضرت سیدہ کے علاوہ بھی متعدد عظیم المرتبت صحابہ اِس سال جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے جن میں سے بعض مبارک ہستیوں کا ذکر اِس فصل میں کیا جاتا ہے۔

۱۔ چوہدری غلام قادر صاحبؓ متوطن سیالکوٹ:۔ (ولادت ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳-۶۴ء بیعت وزیارت ۱۹۰۲ء۔ وفات ۳۱ صلح ۱۳۳۱ہش/ ۳۱ جنوری ۱۹۵۲ء)

حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ کے ماموں زاد بھائی اور حضرت منشی محمد اسمٰعیل صاحب سیالکوٹیؓ کے برادرِ اکبر تھے۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء میں ہجرتِ قادیان کی اور مسجد مبارک کی چھت سے متصل کمرہ دار المسیح میں رہنے لگے۔

اکتوبر ۱۹۰۵ء سے ۱۹۳۵ء تک تعلیم الاسلام ہائی سکول میں مددگار کارکن رہے۔ نظامِ الوصیت اور تحریک جدید کے مجاہدوں میں سے تھے۔ باوجود غربت کے حتی الوسع حضرت مصلح موعودؓ کی ہر تحریک پر لبیک کہا۔ منارۃ المسیح ہال کے لئے سو روپیہ چندہ دیا۔ تحریک وقف جائداد کی تعمیل میں اپنا مکان وقف کر دیا اور اُس کی قیمت بھی داخل خزانہ کر دی۔ تحریک جدید کا چندہ ہمیشہ شروع سال میں ہی ادا کر دیتے تھے۔ جوانی میں نماز کے بالکل تارک تھے مگر بیعت کے بعد آپ عابدِ شب بیدار بن گئے۔[1]

۲۔ حضرت مولوی عبداللہ صاحبؓ ریحان بوتالوی:۔ (ولادت ۲۰ مئی ۱۸۸۱ء۔ بیعت ۱۷ فروری ۱۹۰۱ء۔ وفات ۳ ماہِ ہجرت ۱۳۳۱ہش/ مئی ۱۹۵۲ء)

---

[1] "روایاتِ صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۲ تا ۱۱۴، "اصحابِ احمد" جلد اوّل صفحہ ۲۰۱ تا ۲۰۵ (از مکرم ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان، تالیف ۱۹۵۱ء)، "الفضل" ۷ تبلیغ ۱۳۳۱ہش صفحہ ۷

آپ کے والد ماجد مولوی محمد دین صاحب بوتالہ ضلع گوجرانوالہ کے خطیب اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے دلی معتقد تھے[1]۔ ۱۸۹۶ء کے اوائل میں حضرت اقدس علیہ السّلام نے اُن کے پاس تعطیلِ جمعہ کا میموریل[2] مع فارم بھجوایا جس کو انہوں نے خطبہ جمعہ میں سُنایا اور حضور کی اِس خدمتِ اسلامی کی بہت تعریف کی۔

قبولِ احمدیّت

جنوری ۱۹۰۱ء میں آپ نے حضرت مہدی موعود علیہ السّلام کے خلاف ایک اشتہار سُنا، مطالعہ سے معلوم ہُوا کہ کتاب ازالہ اوہام کی عبارتوں کا مفہوم بگاڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ ابھی آپ تحقیقِ احمدیت کے اس ابتدائی مرحلہ ہی میں تھے کہ عوام نے مشہور کر دیا کہ آپ احمدی ہو گئے ہیں۔ چند روز بعد ایک اہلحدیث عالم نے علماءِ زمانہ کا مُہروں سے مصدقہ فتویٰ سُنا کر گاؤں والوں سے آپ کا مقاطعہ کرا دیا اور آپ بوتالہ سے بھیرہ تشریف لے آئے۔

بائیکاٹ کا مقصد تو آپ کو حق سے محروم رکھنا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ پر اسی کے دوران اپنے مہدیٔ برحق کی صداقت ایک رؤیا میں کھول دی اور آپ نے ۹ر فروری ۱۹۰۱ء کو بھیرہ سے بیعت کا خط لکھ دیا۔ ایک ہفتہ بعد الحکم ۱۷ر فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۸ پر آپ کا نام مبائعین کی فہرست میں چھپ گیا[3] اور حضرت پیر سراج الحق صاحبؓ نعمانی قادیانی کے ہاتھ سے لکھا ہُوا یہ خط بھی پہنچا کہ

"آپ کا بیعت نامہ حضرت کی خدمت میں سُنایا گیا۔ حضور نے بیعت کو منظور فرمایا ہے اور استغفار اور درُود شریف کی مداومت کا ارشاد فرمایا ہے۔"

خدماتِ دینیہ

بھیرہ میں آپ نے بیعت کے بعد پٹوار کا امتحان پاس کیا۔ ۳ر فروری ۱۹۰۲ء کو چاوہ علاقہ بھیرہ کے پٹواری بنے اور دوسرے مقامات کے علاوہ سوات میں بھی رہے اور پھر لمبے عرصہ تک سرگودہا میں تعینات کئے گئے اور ۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۵ء کو اہلمد کی اسامی سے ریٹائرڈ ہوئے۔ دَورانِ ملازمت آپ قول و عمل سے پیغامِ احمدیت پھیلانے میں سرگرمِ عمل رہے۔ جماعتِ احمدیہ

---

[1] وفات ۷ار مارچ ۱۸۹۶ء۔ قبر بوتالہ کی خانقاہ کے احاطہ میں ہے۔

[2] تاریخ احمدیت جلد دوم ص۳۸ ، ص۳۸۱ میں اِس میموریل کا ذکر آ چکا ہے۔

[3] اِس پرچہ میں آپ کا نام و پتہ یہ درج تھا "محمد عبد اللہ صاحب خوشنویس بوتالہ سردار جھنڈا سنگھ گوجرانوالہ حال بھیرہ۔"

سرگودھا کے مقامی نظام سے وابستہ ہو کر سالہا سال تک خدماتِ سلسلہ بجا لاتے رہے۔ تحریکِ جدید کے صفِ اوّل کے مجاہدین میں سے تھے پنشن کے بعد مطالبۂ تحریکِ جدید کے تحت اپنی زندگی وقف کی، وصیت کا نمبر ۲۹۱ تھا۔ سلسلہ احمدیہ کا لٹریچر جمع کرنے اور خلفاءِ احمدیت اور بزرگانِ جماعت کی تحریرات محفوظ کرنے کا بہت شوق تھا اور ڈائری لکھنے کا التزام فرماتے تھے۔

آپ کے تین مخطوطات جو خوشنویسی کے نادر نمونے ہیں خلافت لائبریری میں محفوظ ہیں اور حضرت حکیم الملت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب فوز الکبیر اور فتح الخبیر اور "قصیدہ شاطبیہ" پر مشتمل ہیں اوّل الذکر دو قلمی نسخوں "فتح الخبیر" کی کتابت ۲۴ مارچ ۱۹۱۲ء کو شروع کی گئی اور ۹ اپریل ۱۹۱۲ء کو اختتام تک پہنچی۔ یہ قلمی نسخہ آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے حکم پر تیار کیا تھا جیسا کہ اس کے درج ذیل الفاظ سے ظاہر ہے :۔

"الحمد للہ کہ رسالہ ہذا المسمّٰی بہ فتح الخبیر حسب الارشاد فیض بنیاد حضرت سیدنا و مولانا و مرشدنا خلیفۃ المسیح والمھدی حضرت حاجی حافظ مولوی نور الدین صاحب ادام اللہ فیوضہ وایدہ اللہ بنصرہٖ از دستِ ذرّہ بے مقدار خاکسار محمد عبد اللہ عفاہ اللہ ساکن بوتالہ ضلع گوجرانوالہ بتاریخ ۹ ماہِ اپریل ۱۹۱۲ سنہ باتمام رسید ؎

ہر کہ خواند دعا طمع دارم

زانکہ من بندۂ گنہگارم " [1]

کتاب "قصیدہ شاطبیہ" کا مخطوطہ بھی جو ۲۵۱ صفحات پر مشتمل تھا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے ارشادِ مبارک پر لکھا گیا چنانچہ اختتام پر لکھتے ہیں :۔

"الحمد للہ والشکر للہ کہ کتاب مستطاب المسمّٰی بہ قصیدہ شاطبیہ حسب الارشاد فیض بنیاد سیدنا و مرشدنا و مولانا خلیفۃ المسیح حضرت مولوی نور الدین صاحب متعنا اللہ بطولِ حیاتہٖ وایدہ اللہ بنصرہٖ از دستِ خاکسار احقر عباد اللہ محمد عبد اللہ عفاہ اللہ متوطن موضع بوتالہ جھنڈا سنگھ ضلع گوجرانوالہ حال منشی نہر علاقہ سرگودہ امروز بتاریخ ۲۱ ماہِ شعبان ۱۳۳۱ سنہ ہجری مطابق ۲۶ ماہِ جولائی ۱۹۱۳ عیسوی بمقام موضع سلطان پوروان

---

[1] مخطوطہ صـ۷۹ ۔

داخلی جلوال ضلع شاہ پور باختتام رسید گر قبول افتد زہے عزو شرف۔

غرض نقشے ست کز ما یاد ماند
کہ ہستی را نمے بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے برحمت
کند برحالِ ایں مسکیں دُعائے " [1]

وفات آپ نے حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کی رحلت کے چند روز بعد وفات پائی۔ نمازِ جنازہ حضرت مصلح موعودؓ نے پڑھائی اور قبر پر اجتماعی دُعا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے کرائی۔ آپ حضرت اُمّ المومنین کے مزارِ مبارک کے قریب سپردِ خاک کئے گئے۔ آپ پہلے صحابی تھے جنہیں بہشتی مقبرہ ربوہ کے قطعہ صحابہ میں دفن کئے جانے کا اعزاز حاصل ہوا۔ [2]

اولاد ۱۔ محترمہ امۃ الحمید بیگم صاحبہ (ولادت مارچ ۱۹۰۵ء) اہلیہ خان صاحب قاضی محمد رشید صاحبؓ سابق وکیل المال تحریکِ جدید (خوش دامن مکرم ابوالمنیر نور الحق صاحب مینیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین)

۲۔ مکرم مولانا عبد الرحمٰن صاحب انورؔ (ولادت ۳۱ مئی ۱۹۰۸ء) سابق انچارج تحریکِ جدید و پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح حال نائب ناظر بیت المال آمد۔ ربوہ۔

۳۔ محترمہ سعیدہ بیگم صاحبہ (ولادت ۱۹۱۲ء) اہلیہ محترم مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری مبلّغ بلادِ عربیہ حال ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد۔ ربوہ۔

۴۔ مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب (تاریخ ولادت ۲۲ فروری ۱۹۱۷ء) مبلّغ ہالینڈ و انڈونیشیا۔

۵۔ مکرم عنایت اللہ صاحب سلیمؔ (ولادت ۲۵/۲۶ اپریل ۱۹۲۰ء) ریٹائرڈ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ اریگیشن سیکرٹریٹ لاہور۔

---

[1] مخطوطہ صفحہ ۲۵۱ ۔ [2] ملخصاً از "اصحابِ احمد" جلد ہفتم صفحہ ۱۶۷ تا صفحہ ۲۱۸ (مولفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے) سالِ طبع ۱۳۳۹ ہش / ۱۹۶۰ء۔ الفضل ۱۴ ہجرت ۱۳۳۱ ہش (خود نوشت حالات) الفضل ۶ ہجرت ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۲ (مضمون مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری)

۳۔ حضرت سردار محمد یوسف صاحبؓ نو مسلم ایڈیٹر اخبار "نور"۔ ولادت اندازاً ۱۸۸۹ء۔ تحریری بیعت ۱۹۰۵ء۔ زیارت ۱۹۰۶ء[1]۔ وفات ۵ ہجرت ۱۳۳۱ ہش/مئی ۱۹۵۲ء[2])

قبولِ اسلام کا واقعہ

پیدائشی نام سورن سنگھ اور وطن امرتسر تھا۔ کوئٹہ (بلوچستان) میں محکمہ بندوبست کے اہلکار تھے اور وہیں اسلام لائے اور دین کے شوق میں کشاں کشاں قادیان پہنچے۔ حضرت حکیم الامّت حاجی الحرمین مولانا نور الدینؓ (خلیفہ اوّل) نے آپ کو حضرت مہدئ موعود علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے اپنے مسلمان ہونے کے حالات عرض کئے اور گرنتھ صاحب وغیرہ سے کچھ اقوال اسلام کی تائید میں پڑھے جن کو حضورؑ نے دلچسپی سے سنا اور ارشاد فرمایا کہ ان کا لیکچر ہونا چاہیئے۔ چنانچہ مسجد اقصیٰ میں آپ کا پہلا پبلک لیکچر ہوا جو کامیاب رہا۔ آپ تعلیم الاسلام ہائی سکول میں ملازم ہوئے۔

حضرت مہدئ موعود کی دعائیں

اگلے سال سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "چشمۂ معرفت" تصنیف فرمائی اس کے لئے سکھ مذہب سے متعلق مواد آپ کو بھی فراہم کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضورؑ نے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا کہ میں آپ کے کام پر بہت خوش ہوا اور آپ کے لئے بہت دعائیں کیں[3]۔

لٹریچر

خدا تعالیٰ کے فرستادہ اور مامور کی ان دعاؤں ہی کا اثر تھا کہ آپ عمر بھر سکھوں ہندو بھائیوں کو محبت اور پیار سے دعوتِ اسلام دیتے رہے۔ نیز اخبار "نور" جیسے بلند پایہ ہفت روزہ کے علاوہ جسے آپ نے اکتوبر ۱۹۰۹ء میں جاری کیا اور جو تقسیم ہند تک باقاعدہ شائع ہوتا رہا آپ کے قلم سے قابلِ قدر علمی لٹریچر شائع ہوا جس میں سے قرآن مجید کے گورمکھی اور ہندی تراجم اور سوانح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جیون پتر) کے گورمکھی اور ہندی ایڈیشن کو خوب مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ کی اس عظیم الشان اسلامی خدمت کے اعتراف میں اعلیٰ حضرت نظام حیدر آباد دکن، نواب صاحب بہاولپور، اور مہاراجہ صاحب پٹیالہ نے امداد دی۔ مہاراجہ صاحب پٹیالہ جب قادیان آئے تو اُن کے دفتر میں جا کر آپ سے ملاقات کی۔ اور بہت سے معزز ہندو اور سکھ دوستوں نے اپنے خطوط میں ان تصانیف

---

[1] "روایاتِ صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۹ صفحہ ۱۹۷ ۔ [2] "الفضل" ۷ ہجرت ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۲ کالم ۲ ۔

[3] "روایاتِ صحابہ" جلد ۱۱ صفحہ ۱۹۷، ۱۹۸ ۔

پر مبارکباد دی اور بہت متاثر ہوئے۔ آپ کی مندرجہ ذیل کتابوں کو بھی خاصی شہرت حاصل ہوئی:۔

باوا نانک کا مذہب، دھرم کی کسوٹی، آریہ دھرم کا فوٹو، مسلمانوں کے احسانات سکھوں پر، قدیم ہندوستان کی رُوحانی تعلیم، گرو کی بانی، سومنگلا ناول، سکھ مُسلم اتحاد، باوا نانک کی سوانح عمری، فتح مبین، سکھ اور مسلمان، آریہ مذہب کی حقیقت، برکاتِ اسلام، آریہ دھرم کا پول، ست اپدیش، ردِّ تناسخ [1]

تقاریر اور مناظرے

آپ اسلام کے کامیاب مبلّغ و مناظر تھے ہندوستان کی متعدد اسلامی انجمنوں نے آپ کو اپنے جلسوں میں تقریر کے لئے خاص طور پر مدعو کیا۔ شمالی ہند میں مسلمانوں کی قدیم انجمن ــــ انجمن حمایتِ اسلام ــــ کے پلیٹ فارم سے آپ کی کئی تقریریں ہوئیں اور پسند کی گئیں۔ ملک میں آپ کے کئی زبانی اور تحریری مناظرے ہندوؤں اور سکھوں سے ہوئے۔ اپنی شیریں زبانی سے مخالفینِ اسلام تک کے دِلوں کو موہ لیتے تھے [2]

غیر مسلموں کے تاثرات

باوجودیکہ آپ سکھوں سے مسلمان ہوئے اور تمام عمر سکھوں کو اسلام کی طرف بُلاتے رہے سکھ حلقوں میں بھی آپ کو خاص عزّت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور سکھ ودوانوں نے آپ کی وفات پر رنج و غم کا اظہار کیا چنانچہ اخبار "آشا" (جالندھر) نے ۱۰ رمئی ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"آپ نے قرآن شریف کا پنجابی میں ترجمہ کیا اور متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔ اِس سے بڑھ کر قابلِ تعریف کام انہوں نے سکھ مُسلم اتحاد کے لئے کیا"۔

۲۔ سردار جنگ بہادر صاحب ایڈیٹر اخبار "شیرِ پنجاب" (دہلی مورخہ ۲۲ رجون ۱۹۵۲ء) نے لکھا:۔

" وہ اپنے اخبار نور کے ہر پرچہ میں سکھوں سے اُنس اور محبّت کرتے رہے اور انہیں سکھ حلقوں میں محبّت کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا۔ احمدیّت کے وہ ایک عظیم الشّان مبلّغ اور پیروکار تھے ... آپ نے قرآن

---

[1] اِن کتابوں کے نام جناب میاں عبدالعظیم صاحب درویش و تاجر کتب قادیان کے رسالہ "وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ" میں بھی مذکور ہیں ۔

[2] الفضل ۱۳ ر ہجرت ۱۳۳۱ ہش صٓ (مضمون قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل رض)

کا پنجابی اور ہندی میں ترجمہ کیا اور بہت قابل اور دوست نواز انسان تھے۔ ان کا انتقال جماعت احمدیہ اور ان کے دوستوں کے لئے ایک افسوسناک سانحہ ہے۔"

۳۔ سردار ردیل سنگھ صاحب گیانی ہیڈ ماسٹر پرائمری سکول موضع رتن گڑھ ضلع انبالہ نے سکھ لٹریچر کے ممتاز سکالر گیانی عباد اللہ صاحب کو اپنی چٹھی مورخہ ۱۴/مئی ۱۹۵۲ء میں تحریر کیا:-

"سردار صاحب موصوف بہت بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ میں اُن کا دیدار نہ کر سکا لیکن اُن کے مضامین سے اُن کی رُوح کا بخوبی پتہ چل جاتا تھا۔ سکھ مسلم ایکتا اُن کی زندگی کا مقصد تھا۔ نہ صرف اخبار نور ہی وفات پا گیا ہے بلکہ سکھ مسلم ایکتا کا بڑا حامی اِس دُنیا سے کُوچ کر گیا ہے اور اس سے صحافت کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔

... سردار صاحب موصوف اخبار نور کے متعدد پرچے ہندوستانی سکھوں میں مُفت تقسیم کرتے تھے ان کا مقصد سکھ مسلم اتحاد تھا۔ انہوں نے اسلام کی خوبیاں شائع کر کے غیر مسلموں خاص کر سکھوں میں اسلام کی بہت عزت بڑھائی ہے اِس طرح انہوں نے اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ اور جہاں وہ اسلام کے بڑے خدمتگار تھے وہاں سکھ مسلم اتحاد کے بھی بڑے حامی تھے۔ قرآن شریف کا پنجابی ترجمہ کر کے انہوں نے قوم کی بڑی خدمت کی ہے۔"[1] (ترجمہ از گورمکھی)

۴۔ حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحبؓ نومسلم (سابق مہر سنگھ) :- (ولادت اندازاً ۱۸۷۲ء۔ بیعت و زیارت دسمبر ۱۸۹۰ء۔ وفات ۴/احسان ۱۳۳۱ ہش/جون ۱۹۵۲ء)

قبولِ اسلام حضرت ماسٹر صاحبؓ بھی ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ چوتھی جماعت میں پڑھتے تھے کہ مجذوبانہ طور پر خدا کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔

دورِ تعلیم و ملازمت مسلمان ہونے کے بعد آپ نے حضرت حکیم الاُمّت حاجی الحرمین مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کی سرپرستی اور کفالت میں پہلے جموں پھر بھیرہ میں دسویں تک تعلیم پائی اور ایف۔ اے کا امتحان پرائیویٹ طور پر قادیان دارالامان میں پاس کیا۔ ۱۳/جولائی ۱۹۰۰ء کو تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے اسٹاف میں بیس روپے مشاہرہ پر شامل ہو گئے اور ایک لمبے عرصہ تک ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ میں تعلیمی و تدریسی خدمات بجالانے کے بعد ریٹائرڈ ہوئے۔

---

[1] الفضل ۱۳/ظہور ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۵ (مضمون جناب گیانی عباد اللہ صاحب)

حضرت مہدیٔ موعودؑ کے عہدِ مبارک کی خدمات

شروع ۱۹۰۱ء میں آپ کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام کی مبشّر اولاد کو تعلیم دینے کا موقعہ ملا۔ فرماتے ہیں :-

" جب حضورؑ فصیح و بلیغ عربی میں تفسیرِ قرآن علماء کے مقابلہ میں لکھ رہے تھے تو حضورؑ نے فرمایا کہ ان دنوں میں بچّوں کو پڑھا کر ہمارے گھر میں ہی سوجایا کرو چنانچہ اس موسمِ سرما میں دارِ مقدس میں شب باشی (ہونے) کا فخر رکھتا ہوں "

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ ۱۹۰۴ء کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

" مَیں آنکھوں کی تکلیف کی وجہ سے خود نہیں پڑھ سکتا تھا ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب مجھے سُناتے جاتے تھے اور مَیں سُنتا تھا۔ اس بات کو سترہ سال کے قریب ہو گئے ہیں مگر اُس وقت کے مجھے فقرے کے فقرے ابھی تک یاد ہیں " [۱]

۱۹۰۲ء و ۱۹۰۴ء کے دَوران جبکہ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السّلام دَورانِ مقدمات گورداسپور میں قیام فرما رہے آپ کو الدّار کی نگرانی اور پہرے کے انتظام کا شرف حاصل ہُوا حضرت اقدس علیہ السّلام نے انہی دنوں آپ کو مندرجہ ذیل مکتوب تحریر فرمایا :-

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ و نصلّی

محبّی اخویم ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب سلّمہ اللہ تعالیٰ ۔ السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔ آپ کے سب خطوط پہنچے جزاکم اللہ خیراً ۔ مگر میرے نزدیک سب پہرہ چوکی بے فائدہ ہے جب تک مسجد کے اندر اور بیت الفکر کے اندر دو تین آدمی نہ سلائے جائیں ، سو یہ کوشش کریں کیونکہ گھر کے لوگ سب باہر کے دالان میں رہتے ہیں اور دالان خالی رہتا ہے بہت تاکید ہے ۔ والسّلام خاکسار میرزا غلام احمد عفی عنہ "

حضرت ماسٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

" مَیں حضرت مسیح موعود کی ذرّیتِ طیّبہ کو نہ صرف اسکول میں بلکہ اندرونِ خانہ بھی تعلیم دیا کرتا تھا ۔ ایک دفعہ مَیں صُبح کے وقت حضرت مرزا شریف احمد صاحب کو بیت الدعا میں کچھ پڑھا رہا تھا اور حضورؑ لوٹا لئے قضاءِ حاجت کے لئے بیت الدعا میں سے گزرے حضورؑ نے فرمایا کہ اِن بچّوں نے قوم کا سردار بننا

---

[۱] الفضل ۳۰ جون ۱۹۲۱ء صفحہ ۹

ہے اِن کو بڑی محنت اور اخلاص سے پڑھایا کرو۔ مَیں نے عرض کی کہ مَیں تو اخلاص اور محبّت سے تعلیم دیا کرتا ہوں حضور میرے لئے اور میری اولاد کے لئے بھی دُعا کریں حضورؑ نے (پنجابی میں) فرمایا "جتنی کہو اُتنی ہی دُعا کراں گا"۔ یعنی جتنی کہو اتنی ہی دُعا کروں گا"۔

قلمی جہاد حضرت ماسٹر صاحب کے قلمی جہاد کا آغاز حضرت سُلطان القلم ہی کے عہدِ مُبارک میں ہوُا ۱۹۰۴ء میں آپ آشوبِ چشم سے بیمار ہو گئے۔ حضرت حکیم الاُمّت مولانا نورالدین صاحبؓ نے بینائی کے ضائع ہونے کا خطرہ ظاہر کیا تو آپ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السّلام کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے۔ حضورؑ نے فرمایا:۔

"مَیں نے کہا تھا کہ نومسلم سِلسلہ کے متعلق کچھ لکھیں آپ نے کچھ لکھا کہ نہیں؟" عرض کیا مَیں نے ارادہ کیا ہوُا ہے اور انشاء اللہ خوب لکھوں گا مگر اب آنکھوں میں سخت تکلیف ہے اِس وقت نہیں لکھ سکتا۔ فرمایا "نیّت کر لو خدا توفیق دے گا اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ دُعا کریں گے آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی"۔ چنانچہ دو چار روز میں آنکھیں درست ہو گئیں اس کے بعد آپ نے ہزاروں صفحے مطالعہ کئے اور سینکڑوں صفحات پر مشتمل کتابیں لکھیں مگر آپ کی آنکھیں دوبارہ دُکھنے نہیں آئیں۔ آپ کے سوانح نگار ملک صلاح الدین صاحب نے اصحابِ احمد جلد ہفتم میں آپ کی متعدّد مختلف تصانیف اور پمفلٹوں کے نام لکھے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کے اشتہارات کے نمونے بھی درج کئے ہیں۔ آپ کی بعض مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں:۔

خالصہ دھرم کے گروؤں کی تاریخ و باوا نانک کا مذہب۔ سکھّ نومسلم کا لیکچر۔ اسلام اور گرنتھ صاحب۔ باوا نانک کا چولہ۔ آنحضرتؐ کا دس کروڑ ہندوؤں پر احسان۔ اخلاقِ محمدی۔ حضرت مسیح موعود و علمائے زمانہ (تین حصّے)۔ ضرورتِ زمانہ۔ محمدؐ رسُول اللہ۔ مَیں مسلمان ہو گیا یا اختیار الاسلام (چار حصّوں میں مع ضمیمہ)۔

مؤخر الذکر کتاب حضرت مولانا نورالدینؓ کی تحریک پر لکھی گئی اور آپ نے اس پر یہ تبصرہ فرمایا کہ:۔

"مَیں اِس کتاب کو بہت پسند کرتا ہوں"

حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹی نے یہ رائے دی کہ:۔

"ماسٹر عبدالرحمٰن نے نہایت جانگداز محنت اور دردمندی سے کتاب لکھی ہے اور ہماری

امیدوں سے کہیں بڑھ کر لکھی ہے اور فی الجملہ علی الجملہ بہنوں کے لئے ہدایت کا موجب ہو گی، انشاء اللہ۔[1]

آپ کا جوشِ تبلیغ انتہاء تک پہنچا ہوا تھا جیسا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ میں فرمایا:-

"ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب کارآمد کارکن ہیں۔ تبلیغ کا انہیں ایسا جوش ہے کہ بعض لوگوں کی نظروں میں جنون کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ ایسے آدمی سُست لوگوں کو ہوشیار کرنے کے لئے بہت مفید کام کرتے ہیں"۔[2]

جزائر میں تبلیغِ اسلام

۱۹۱۵ء میں آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی اجازت سے جزیرہ پورٹ بلیئر میں ایک سکول کی ہیڈ ماسٹری کے لئے تشریف لے گئے جہاں آپ اپنے تعلیمی فرائض کو نہایت محنت و خلوص سے سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ والہانہ طریق سے تبلیغِ اسلام و احمدیت بھی کرتے رہے اور قریباً تیس ۳۰ نفوس پر مشتمل ایک جماعت پیدا کر لی۔ اِسی دَوران میں آپ حضرت خلیفہ ثانیؓ کے حکم سے بمبئی اور مدراس سے ہوتے ہوئے سیلون بھی تشریف لے گئے اور کولمبو، کانڈی جیسے اہم شہروں میں لیکچر دیئے اور لارڈ بشپوں اور بدھوں کو چیلنج دیا اور مباحثہ کیا جس کا سیلونی پریس میں خوب چرچا ہوا۔

قید و بند

۱۹۳۷ء میں پمفلٹ "حضرت بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کا دین دھرم" کی پاداش میں آپ پر مقدمہ چلایا گیا، عدالت نے چھ ماہ قید کی سزا دی، ہتھکڑی پہنائی گئی تو آپ نے اس کو چُوم لیا جیسا کہ حضرت مہدیٔ موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں:-

گر قضا را عاشقے گردد اسیر ✤ بوسد آں زنجیر را کز آشنا[3]

یعنی اگر قضائے الٰہی سے عاشق قید ہو جاتا ہے تو وہ زنجیر کو چُومتا ہے اِس لئے کہ وہ دوست کی طرف سے ہے۔

حضرت ماسٹر صاحبؓ نے جیل جاتے وقت نوجوانانِ احمدیت کو یہ پیغام دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حضرت بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلمان ہونے کی جس صداقت کا اظہار

---

[1] "مَیں مسلمان ہو گیا" حصّہ سوم صفحہ ۱۲۸ ✤ [2] الفضل ۲۲۔جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۷ ✤

[3] کتاب البریّہ (سرورق) ✤

فرمایا ہے اسے وہ دُنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں۔ مجھے اِس صداقت کے اظہار میں جو سزا بھی دی جائے اسے بخوشی قبول کرنے کو تیار رہوں چنانچہ آپ نے ایامِ اسیری کمال صبر و استقامت سے گذارے۔

مہدیٔ موعودؑ اور آپؑ کے صحابہ کی امتیازی خصوصیّت

قرآنِ مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کی ایک بھاری خصوصیّت حسبِ ذیل آیت میں بتائی گئی ہے:-

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ

(یوسف : ۱۰۸)

(ترجمہ) تُو کہہ یہ میرا طریق ہے کہ مَیں اور میرے پَیرو علی وجہ البصیرت اللہ کی طرف بُلاتے ہیں۔

منہاجِ نبوّت کے اِس قرآنی اُصول کے مطابق حضرت مہدیٔ موعود علیہ السّلام نے بھی فرمایا:-

"ہم نے اُس خدا کی آواز سُنی اور اُس کے پُر زور بازو کے نشان دیکھے جس نے قرآن کو بھیجا۔ سو ہم یقین لائے کہ وہی سچّا خدا اور تمام جہانوں کا مالک ہے۔ ہمارا دل اُس یقین سے ایسا پُر ہے جیسا کہ سمندر کی زمین پانی سے۔ سو ہم بصیرت کی راہ سے اِس دین اور اِس روشنی کی طرف ہر ایک کو بُلاتے ہیں۔" [1]

اِس سلسلہ میں اسد اللہ الغالب حضرت علی ابنِ ابی طالب رضی اللہ عنہ نے انصارِ مہدی کی نسبت بالخصوص یہ پیشگوئی فرمائی:-

" لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا كُنُوْزٌ لَيْسَتْ مِنْ ذَهَبٍ وَّلَا فِضَّةٍ۔ وَلٰكِنْ بِهَا رِجَالٌ مُؤْمِنُوْنَ عَرَفُوا اللّٰهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ وَهُمْ اَنْصَارُ الْمَهْدِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ۔ " [2]

اللہ عزّوجلّ کے ہاں سونا چاندی کے علاوہ اَور بھی خزانے ہیں اور وہ مومن مرد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ

[1] کتاب البریّہ صفحہ ۲۶۵ (تاریخ اشاعت جنوری ۱۸۹۸ء) ٭ [2] "کفایۃ الطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب" صفحہ ۴۹۱، صفحہ ۴۹۲ (مولّفہ الامام ابوعبد اللہ محمّد بن یوسف الشافعی مقتول ۶۵۸ھ) ناشر المطبعۃ الحیدریّہ النجف ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء ٭

کا حقیقی عرفان حاصل ہے اور وہ مہدیٔ آخر الزمان کے انصار ہوں گے۔

اِس پیشگوئی کے عین مطابق حضرت مہدیٔ موعود علیہ السّلام نے صحابہ کو یہ تلقین فرمائی کہ:۔

"ہماری جماعت جس نے مجھے پہچانا ہے، کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اِن نشانات کو باسی نہ ہونے دیں، اِس سے قوتِ یقین پیدا ہوتی ہے۔ اِس لئے ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ اِن نشانات کو پوشیدہ نہ رکھے اور جس نے دیکھے ہیں وہ ان کو بتلا دے جو غائب ہیں، تاکہ بُرائیوں سے بچیں اور خدا پر تازہ ایمان پیدا کریں اور ان نشانات کو عمدہ براہین سے سجا سجا کر پیش کریں۔" [1]

صاحبِ کشف و الہام بزرگ

حضرت اقدس علیہ السّلام کے جن صحابہ کو اس حکم کی تعمیل کا زندگی بھر موقعہ میسّر آیا ان میں حضرت ماسٹر عبد الرحمٰن صاحبؓ نو مسلم مہر سنگھ کا مقام بہت ممتاز ہے۔ آپ ۳۱۳ اصحاب کبار میں سے صاحبِ کشف و الہام اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے بعض نشانوں کے گواہ کی حیثیت سے آپ کا نام حضرت اقدس علیہ السّلام نے اپنے قلمِ مبارک سے لکھا ہے۔ آپ کی زندگی قبولیتِ دعا کے نشانوں سے لبریز تھی جن کو آپ اپنوں ہی میں نہیں غیر مسلموں میں بھی بڑی تحدّی سے پیش فرماتے تھے جیسا کہ اپنی کتاب "مَیں مسلمان ہوگیا" میں لکھتے ہیں کہ:۔

"مَیں اِس بات کو بیان کرنے سے شرم نہیں کرتا بلکہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اقرار کرتا ہوں کہ محض خدا کے فضل و کرم سے بارہا مجھے بھی الہام ہوُا اور اُس ذاتِ پاک کی آواز سُنائی دی جو زمین و آسمان کا خالق ہے۔ مَیں اپنے کانوں سے اور رُوحانی قویٰ سے الہامات اور مکاشفات کو آزما چکا ہوں اِس لئے مجھے الہام وغیرہ سے انکار کرنا ایسا ہے جیسا کہ اپنے تئیں آگ میں ڈالنا بلکہ اس سے بھی بڑھکر۔ درحقیقت جب انسان اپنا آپ خدا کے لئے قربان کر دے تو تعجب مت کرو کہ اس سے خدا کا مکالمہ اور مخاطبہ ہوتا ہے بلکہ تعجب اِس میں ہے کہ اگر ایسی بھاری قربانی اور تبدیلی کے بعد بھی خدا کی آواز نہ سُنائی دے اور عجیب کرشمۂ قدرت اس سے ظہور پذیر نہ ہوں۔" [2]

سیّدنا المصلح الموعودؓ نے ایک خطبۂ جمعہ میں آپ کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:۔

"ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب جالندھری کی یہ عادت ہوُا کرتی تھی کہ ذرا کسی آریہ اور کسی مخالف سے

---

[1] الحکم ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۰ء (بحوالہ ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ جلد دوم صفحہ ۱۱۳، الناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ، اشاعت نبوت ۱۳۳۹ ہش/ نومبر ۱۹۶۰ء) ۔ [2] "مَیں مسلمان ہوگیا" حصہ اوّل صفحہ ۵۳ ۔

بات ہوئی تو وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نقل میں بڑی دلیری سے کہہ دیتے کہ اگر تمہیں اسلام کی صداقت میں شبہ ہے تو آؤ اور مجھ سے شرط کر لو۔ اگر پندرہ دن کے اندر اندر مجھے کوئی الہام ہؤا اور وہ پورا ہو گیا تو تمہیں مسلمان ہونا پڑے گا اور پھر اشتہار لکھ کر اس کی دُکان پر لگا دیتے۔ چنانچہ کئی دفعہ انکا الہام پُورا ہو جاتا اور پھر وہ آریہ ان سے چھپتا پھرتا کہ اب میرے پیچھے پڑ جائیں گے اور کہیں گے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ تو اگر یہ نمونے قائم رہیں تو غیر مذاہب پر ہمیشہ کے لئے اسلام اور احمدیت کی فوقیت ثابت ہو سکتی ہے۔" [1]

مالی جہاد میں حصّہ

حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب رضی اللہ عنہ علمی اور تبلیغی خدمات بجا لانے کے علاوہ جماعت کے مالی جہاد میں بھی برابر شریک رہے۔ چنانچہ آپ نے تعمیر منارۃ المسیح کے لئے چندہ دیا۔ آپ ابتدائی موصیوں اور تحریکِ جدید کے اولین مجاہدوں میں سے تھے۔ آپ نے دارالفضل میں واقع سولہ مرلے کا ایک قیمتی قطعہ زمین بھی مسجد کے لئے وقف کر دیا تھا۔

ہجرت اور اہل و عیال کو وصیّت

۱۹۴۷ء میں قادیان سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور بھلوال ضلع سرگودھا میں پناہ گزین ہوئے۔ ۸۔ ماہِ وفا ۱۳۲۹ ہش/ جولائی ۱۹۵۰ء کو آپ نے اہل و عیال کے نام ایک وصیّت تحریر فرمائی جو صرف دینی اُمور سے تعلّق رکھتی تھی۔ اِس وصیّت میں آپ نے تاکید فرمائی کہ اگر تم صحابہ کرام کی برکات سے حصّہ لینا چاہتے ہو تو ہماری طرح کشتی نوح کا مطالعہ کیا کرو۔ مَیں اب بھی سال میں دو ایک مرتبہ اِسے پڑھتا ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانۂ مبارک میں ہم کشتی نوح پڑھ پڑھ کر بعض ہدایات کو خط کشیدہ کر لیتے تھے اور ہفتہ بعد دیکھتے کہ وہ نقص دُور ہؤا یا خُوبی ہم میں پیدا ہوئی یا نہیں۔ اِسی طرح صحابہ کیا کرتے تھے اور مَیں خود تو اپنے بعض عیوب اور کوتاہیوں کو خط کشیدہ کر کے اصلاح کیا کرتا تھا۔ اِسی لئے گھر میں اِس کتاب کا اور کبھی دوسری کتب حضرت اقدسؑ کا درس دیتا تھا۔ ماہِ اخاء ۱۳۲۹ ہش/ اکتوبر ۱۹۵۰ء میں آپ نے اپنی اولاد کے لئے قیمتی نصائح تحریر فرمائیں جن میں بالخصوص اُن ادعیۂ رسُولؐ کا ذکر کیا جو اکثر آپ کے وردِ زباں رہتی تھیں۔ [2]

---

[1] الفضل ۲۲۔ احسان ۱۳۳۵ ہش/ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۴ ؂

[2] ملخص از "اصحابِ احمد" جلد ہفتم صفحہ ۳ (مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے) ؂

اولاد (پہلی بیوی محترمہ غلام فاطمہ صاحبہؓ بنت حضرت خلیفہ نورالدین صاحب جمونیؓ سے)
۱۔ بشریٰ بیگم صاحبہ مرحومہ ۲۔ بشارت احمد مرحوم ۳۔ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب مجاہد ایم۔ سینیا حال لندن ۴۔ سردار بشیر احمد صاحب انجنیئر سابق صدر اسلامیہ پارک لاہور حال ربوہ ۵۔ سردار بشارت احمد صاحب لندن ۶۔ ڈاکٹر سعیدہ اختر صاحبہ کراچی ۷۔ ڈاکٹر محمودہ بیگم صاحبہ کراچی ۸۔ شریف احمد مرحوم ۹۔ امۃ الحفیظ بیگم مرحومہ ۱۰۔ امۃ الرشید بیگم صاحبہ۔

(دوسری بیوی محترمہ فضل بی بی صاحبہ بنت چوہدری پیر محمد صاحب اٹھوال سے)

۱۱۔ نصرت جہاں بیگم صاحبہ۔

(تیسری بیوی محترمہ ممتاز مرجان بیگم صاحبہ آف ہزارہ سے)

۱۲۔ سردار منیر احمد صاحب مقیم لندن ۱۳۔ سردار حفاظت احمد صاحب مقیم لاہور ۱۴۔ سردار رفیق احمد صاحب مقیم لاہور ۱۵۔ امۃ الرفیق بیگم صاحبہ مقیم لاہور۔ [۱]

۵۔ حضرت سید محمد اشرف صاحبؓ آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ قادیان:۔

(ولادت اندازاً ۱۸۷۷ء۔ بیعت ۱۹۰۴ء۔ زیارت ۱۹۰۳ء[۲]۔ وفات ۵ وفا ۱۳۳۱ہش[۳])

حضرت مصلح موعودؓ نے ان کی وفات پر خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"مرحوم موصی تھے اس لئے کراچی میں بطور امانت دفن کئے گئے۔ ان کی طبیعت تیز تھی اور قریباً سب احمدی انہیں جانتے ہیں۔ ۔ ۔ وہ پرانے احمدی نہیں تھے لیکن اپنے اخلاق کی وجہ سے انہوں نے اپنی زندگی اس رنگ میں گزاری کہ پرانے احمدی بن گئے۔ ۔ ۔ جب یہ احمدی ہوئے تو ان میں اتنا جوش پیدا ہو گیا کہ ہر مجلس اور ہر کام میں حصہ لیتے تھے اس لئے لوگ انہیں پرانا احمدی سمجھنے لگے۔"[۴]

اولاد ۱۔ سید محمد احمد شاہ صاحب ۲۔ سید محمد انور شاہ صاحب ۳۔ ممتاز بیگم صاحبہ ۴۔ آمنہ بیگم صاحبہ ۵۔ کلثوم آرا بیگم صاحبہ۔

---

[۱] مکرم سردار بشیر احمد صاحب انجنیئر کی ایک یادداشت سے ماخوذ؛ [۲] "روایاتِ صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۹ صفحہ ۳ (شاہ صاحبؓ کی خود نوشت روایات)؛ [۳] "لاہور ـــ تاریخ احمدیت" صفحہ ۳۳۳ (مولفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحبؓ سابق سوداگرمل۔ طبع اول ۲۰ فروری ۱۹۶۶ء وطن پرنٹنگ پریس لاہور؛ [۴] الفضل ۸ اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۵؛

۶۔ حضرت منشی کرم علی صاحبؓ کاتب :- (ولادت ؟ ۔بیعت وزیارت ۱۸۹۷ء وفات ۱۵ ؍فتح ۱۳۳۱ ہش)

حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکملؓ آپ کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے بیان فرماتے ہیں :-

"ایک وقت تھا کہ قادیان میں نہ کوئی پریس تھا نہ کاتب۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے مسودات طبع کرانے کے لئے امرتسر جانا پڑتا۔ بعض اوقات پا پیادہ ہی چل پڑتے۔ اس قسم کی دقتوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے آخر قادیان پریس دستی قائم ہو گیا۔ ابتداء میں حضرت پیر سراج الحق نعمانیؓ اور حضرت پیر منظور محمد صاحبان کتابت کی خدمات بجا لاتے۔ اور امرتسری[۱] کاتب بھی۔ اسی سلسلہ میں منشی کرم علی صاحب بھی آپہنچے اور قادیان کے ہو رہے۔ غیر احمدی کاتب اوّل تو آتے ہی نہ تھے پھر باوجود ڈبل اُجرت اور کھانے وغیرہ کی امداد کے ٹھہرتے نہیں تھے۔ منشی کرم علی صاحب کا خط بہت شستہ تھا۔ ریویو آف ریلیجنز اُردو کی کتابت وہی کرتے تھے۔ خطِ معکوس میں بھی ان کو قابلِ تعریف دسترس حاصل تھی جس سے سنگسازی کی مشکلات حل ہو گئیں۔ مَیں نے دیکھا کہ حقیقۃ الوحی چھپ رہی تھی چھاپنے والے مرزا اسمٰعیل بیگؓ تھے جو حضورؑ کے بچپن کے خادم تھے۔ پروف حضورؑ نے جو ملاحظہ فرما کر واپس بھیجا تو قریباً آدھا صفحہ عبارت بڑھا دی۔ منشی صاحب نے بلا تکلف پتھر پر اُلٹا لکھا چنانچہ جس خوبی سے یہ کام کیا گیا حقیقۃ الوحی طبع اوّل کے صفحات سے فنّی واقفیت والے دیکھ کر داد دے سکتے ہیں۔ پھر حضورؑ کا منشاء تھا کہ چراغ الدین جمونی وغیرہ کی تحریروں کا عکس چھپے۔ لاہور سے فوٹو کرانے میں کئی دقّتیں تھیں، جلدی بھی تھی۔ منشی صاحبؓ نے باریک کاغذ کاپی کے طور پر رنگ کرائے۔ اصل تحریر پر رکھ کر عکس لے لیا اور یوں بلا خرچ بہت جلد یہ کام بھی ہو گیا۔[۲] منشی صاحب نے اپنے کئی شاگرد بھی تیار کئے۔ بالخصوص منشی محمد حسین صاحب کاتب بدر جو آخری دم تک بدر اور الفضل لکھتے رہے اور سنگسازی بھی کرتے رہے ۔۔۔۔ جب ریویو اُردو کا چارج مجھے دیا گیا تو منشی صاحبؓ کی نظر کمزور ہو چکی تھی اور ہاتھ مضبوط نہیں رہا تھا

---

[۱] منشی غلام محمد صاحبؓ امرتسری مراد ہیں ۔

[۲] حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی سوانح عمری "مرقاۃ الیقین فی حیات نور الدین" (مؤلفہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی) کی کتابت بھی آپ ہی نے کی تھی ۔

میں لئے جب ان کو معلوم ہُوا کہ مَیں کتابت کا کچھ اَور انتظام کرنا چاہتا ہوں تو وہ بیرونی محلہ سے جہاں ایک معمولی سا مکان بنا لیا تھا دفتر میں آئے اور پاس بیٹھ کر مجھے کہا میری طرف دیکھئے اور میری گزارش سُنئے۔ مَیں نے بچشم پُرآب آپ سے یہ خواہش سُنکر کہ ریویو کو مَیں نے ہی لکھنا شروع کیا تھا اب چند روز کی بات ہے یہ شرف مجھ سے نہ لیا جائے۔ انہیں تسلی دلائی کہ آپ ہی اسے لکھا کریں گے۔ چنانچہ وہی لکھتے رہے جب تک کہ لکھ سکے۔"[1]

۷۔ حضرت سیّد محمود اللہ شاہ صاحبؓ:۔ (ولادت دسمبر ۱۹۰۰ء - وفات ۱۶ر فتح ۱۳۳۱ہش/ دسمبر ۱۹۵۲ء)

ابتدائی حالات حضرت مہدی علیہ السلام کے جلیل القدر صحابی حضرت سیّد عبدالستار شاہ صاحبؓ کے فرزند اور حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کے بھائی تھے۔ آٹھ برس کی عمر میں قرآن عظیم حفظ کیا۔ بچپن ہی سے بہت سنجیدہ اور متین تھے۔ ۱۹۱۷ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے میٹرک کیا اور بی۔ اے کا امتحان اسلامیہ کالج لاہور سے پاس کر کے ریلوے انجنیئرنگ کی فنّی تعلیم کے لئے انگلستان تشریف لے گئے۔ پھر وطن آکر علی گڑھ سے بی ٹی کا امتحان پاس کیا اور بی ٹی کرنے کے بعد آپ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں ٹیچر مقرر کئے گئے۔

نیروبی میں جماعتی خدمات ۱۹۲۹ء میں نیروبی کے محکمہ تعلیم نے آپ کی خدمات حاصل کر لیں اور آپ مشرقی افریقہ میں قریباً پندرہ سال تک رہے جہاں اپنے اور بیگانے سب آپ کا غایت درجہ عزّت و احترام کرتے تھے۔ کئی افریقن مجالس کے رُکن اور بعض کے صدر بنائے گئے۔ نیروبی میں اُن دنوں میکملن (MACHMILON) لائبریری شہر کے وسط میں تھی میکملن نے کئی ہزار پاؤنڈ اِس لائبریری پر خرچ کئے اور اسے ایک بورڈ کے سپرد کیا اور وصیّت کی کہ یورپین کے علاوہ دوسروں کو اِس سے استفادہ ممنوع ہو لیکن حضرت شاہ صاحبؓ واحد ایشیائی تھے جنہیں لائبریرین نے کسی درخواست اور مطالبہ کے بغیر اس سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت دے رکھی تھی۔[2] حضرت شاہ صاحبؓ کا نام مشرقی افریقہ کی احمدیہ تاریخ میں ہمیشہ جلی حروف سے لکھا جائے گا۔

---

[1] روزنامہ "الفضل" ۱۱ر صلح ۱۳۳۲ہش/جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۵۔

[2] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان سال ۱۹۳۴ء - ۱۹۳۵ء صفحہ ۹۶۔

آپ نے سید معراج الدین صاحب پریذیڈنٹ جماعتِ احمدیہ نیروبی اور دیگر مخلصینِ جماعت کے تعاون سے چار سال کے اندر جماعت میں زندگی کی ایسی رُوح پھونک دی کہ جماعتِ نیروبی نے مرکز سے درخواست کی کہ وہ اپنے خرچ پر چھ ماہ کے لئے مبلغ منگوانا چاہتی ہے اِس پر مولانا شیخ مبارک احمد صاحب فاضل ۱۱ر نومبر ۱۹۳۴ء کو قادیان سے مشرقی افریقہ تشریف لے گئے اور اِس ملک میں پہلے احمدیہ مُسلم مشن کی بُنیاد رکھی۔[1]

قیامِ مشن کے بعد بھی آپ کی دینی خدمات کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ درسِ قرآن، پبلک تقاریر اور انفرادی تبلیغ میں ہمیشہ ذوق و شوق سے حصّہ لیتے تھے اور تبلیغ فنڈ کا مقامی چندہ بھی باقاعدگی سے دیا کرتے تھے۔[2]

آپ مشرقی افریقہ میں قریباً پندرہ سال تک قیام فرما رہے اور بالآخر ۱۱ ماہ اخاء ۱۳۲۳ ہش / اکتوبر ۱۹۴۴ء کو قادیان تشریف لے آئے۔[3]

تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ہیڈ ماسٹری

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کے ارشاد پر آپ کو قادیان پہنچنے کے چند روز بعد تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ہیڈ ماسٹری کے فرائض سونپے گئے۔ اِس نئے عہدہ کے سنبھالنے کی اطلاع اخبار الفضل نے اپنے ۲۹ر اخاء ۱۳۲۳ ہش کے شمارہ میں صفحہ اوّل پر زیرِ عنوان "مدینۃ المسیح" شائع کی۔

یہ مرکزی ادارہ اپنی پہلی عالیشان عمارت سے منتقل ہونے کے بعد کسمپرسی کی حالت میں تھا لیکن آپ نے حُسنِ تدبیر، معاملہ فہمی اور محنت و استقلال سے بہت جلد سکول کا ظاہری، اخلاقی اور تعلیمی نقشہ ہی بدل دیا اور عمدہ نتائج پیدا ہونے لگے۔

آپ نے ابتداء میں سکول کے نظامِ عمل میں متعدّد اصلاحات کیں اور مندرجہ ذیل امور کی طرف خاص طور پر توجہ دی:-

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان سال ۱۹۳۴ء-۱۹۳۵ء صفحہ ۵۱ (تفصیل تاریخ احمدیت جلد ہفتم صفحہ ۲۵۴، پر آ چکی ہے)۔

[2] رپورٹ ہائے سالانہ صدر انجمن احمدیہ (سال ۱۹۳۴-۱۹۳۵) صفحہ ۵۸، صفحہ ۶۰، صفحہ ۷۳، صفحہ ۷۴۔ (سال ۱۹۳۵-۱۹۳۶ء) صفحہ ۴۵۔ (سال ۱۹۳۶-۱۹۳۷ء) صفحہ ۶۹۔ (سال ۱۹۳۷-۱۹۳۸ء) صفحہ ۱۱۸، صفحہ ۱۱۹۔ (سال ۱۹۳۸-۱۹۳۹ء) صفحہ ۱۰۹ (سال ۱۹۴۰-۱۹۴۱ء) صفحہ ۳۴۔

[3] الفضل ۱۳ر اخاء ۱۳۲۳ ہش صفحہ ۱

۱۔ اساتذہ اور طلبہ کا اُردو زبان میں گفتگو کرنا ضروری قرار دیا۔

۲۔ ہر صبح اساتذہ اور طلباء کی اسمبلی میں تلاوتِ قرآنِ پاک کے بعد طلباء کو عربی دعائیں کہلوائی جاتی تھیں اور پھر مناسب ہدایات دی جاتی تھیں۔

۳۔ پریفیکٹ سسٹم[1] جاری کیا جس کے مطابق ہر کلاس کے نمائندوں کو سکول کے انتظام اور صفائی میں مدد دینے کی ٹریننگ دی جاتی تھی۔

۴۔ اساتذہ کرام سکول کھلنے سے آدھ گھنٹہ پہلے باری باری تشریف لاتے اور صفائی اور دیگر امور کی نگرانی فرماتے تھے۔

۵۔ سیکنڈری حصّہ کے طلباء کو چار ایوانوں (HOUSES) میں تقسیم کیا گیا جن کے نام یہ تھے: حمزہ ہاؤس، طارق ہاؤس، خالد ہاؤس، اسامہ ہاؤس۔ ہر ایوان باری باری ایک ہفتہ کے لئے سکول کی صفائی کا نگران ہوتا تھا۔ اسی طریق کے ماتحت انٹر ہاؤس ٹورنامنٹ کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔

۶۔ سکول میں حضرت مصلح موعودؓ کی نئی جاری فرمودہ تحریکات میں سے تراجمِ قرآن فنڈ اور وقفِ زندگی کو مقبول بنانے کی بہت جدّوجہد کی گئی جس کے نتیجہ میں اِس مالی جہاد کے لئے ایک معقول رقم جمع ہوئی اور بہت سے طلبہ نے اپنی زندگیاں خدمتِ اسلام کے لئے اپنے پیارے آقا کے حضور پیش کیں[2]۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان فسادات کی لپیٹ میں آگیا اور سلسلہ احمدیہ کے دوسرے مرکزی تعلیمی اداروں کی طرح تعلیم الاسلام ہائی سکول کو بھی چنیوٹ ضلع جھنگ (پاکستان) میں از سرِ نو جاری کرنا پڑا۔ مارچ ۱۹۵۲ء میں اسے ربوہ میں منتقل کر دیا گیا۔ سکول کی نشأۃِ ثانیہ کے یہ ابتدائی پانچ سال بہت کٹھن اور صبر آزما تھے جس میں حضرت شاہ صاحب اور آپ کی زیرِ نگرانی سکول کے اساتذہ کو انتھک محنت اور جدّوجہد کرنا پڑی۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے خلیفہ موعود کی دُعاؤں کے طفیل اسٹاف کی کوششوں میں یہاں تک برکت ڈالی کہ مئی ۱۹۵۲ء میں سکول کے ایک طالبِ علم منور احمد صاحب میٹرک کے امتحان میں یونیورسٹی بھر میں اوّل رہے۔ سعید احمد خاں صاحب رحمانی، برکات الٰہی صاحب

---

[1] PREFECT SYSTEM۔

[2] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ سال ۱۹۴۴-۱۹۴۵ء صفحہ ۶۵، صفحہ ۶۶۔

اور عبدالغفور صاحب نے یونیورسٹی میں بالترتیب تیسری، چھٹی اور ساتویں پوزیشن حاصل کی۔[1]

اِس شاندار نتیجہ پر سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

"انگریزی تعلیمی اداروں میں سے تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ پہلا ادارہ ہے جس نے ایک ایسا ریکارڈ قائم کر دیا ہے جو گذشتہ پچاس سال سے جب سے سکول قائم ہوا ہے قائم نہ ہو سکا۔۔۔۔ احمدی بچوں کا اوّل، سوم، ششم اور ہفتم آنا ایک غیر معمولی کارنامہ ہے اور اِس بات کا ثبوت ہے کہ اگر ہمارے بچے پروگرام کے مطابق تعلیم و تربیت حاصل کریں تو تعلیمی میدان میں بازی لے جا سکتے ہیں۔"[2]

شاہ صاحب کے دَور میں ملتان ڈویژن کے انسپکٹر آف سکولز سکول میں تشریف لائے اور اِس ادارہ کے بلند معیارِ علمی سے بہت متأثر ہوئے اور ریمارکس دئے کہ ہمارے نزدیک یہ سکول ایک مثالی سکول ہے جس میں بچوں کی صحیح اور اسلامی رنگ میں تربیت کی جاتی ہے اور اس کے اساتذہ بھی محنتی اور فرض شناس ہیں۔[3]

تعلیم الاسلام ہائی سکول نے حضرت شاہ صاحبؓ کے عہد میں تعلیمی رنگ میں ہی نہیں اخلاقی اور دینی اعتبار سے بھی بہت ترقی کی۔ سکول میں فوجی ٹریننگ اور طلبہ کی طبّی امداد کے انتظامات ہوئے، ادبی اور علمی مجالس معرضِ وجود میں آئیں۔ بزرگانِ سلسلہ کی تقاریر کے علاوہ بیرونی ممالک سے آنے اور جانے والے مجاہدینِ احمدیت کے اعزاز میں تقاریب منعقد کی گئیں جن سے تحریکِ احمدیت کے بارہ میں بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا اور قوم کے نونہالوں کو ایک پاکیزہ اور خالص اسلامی ماحول میں پروان چڑھنے کے مواقع میسر آئے۔

آپ کے دَور کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ سر پر ٹوپی رکھنا اور اپنے ہاتھ سے کام کرنا طلبہ کا قومی شعار بن گیا تھا۔[4]

---

[1] الفضل ۱۷ ہجرت ۱۳۳۱ہش صفحہ ۸، رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۵۱ - ۱۹۵۲ء صفحہ ۴۳، صفحہ ۴۴۔

[2] حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۵ ماہ ہجرت ۱۳۳۱ہش/مئی ۱۹۵۲ء کو تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ایک ٹی پارٹی میں خطاب کیا۔ مندرجہ بالا الفاظ حضور نے اسی تقریب پر ارشاد فرمائے تھے (الفضل یکم احسان ۱۳۳۱ہش صفحہ ۴)

[3] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ سال ۱۹۵۱ - ۱۹۵۲ء صفحہ ۴۳، صفحہ ۴۴۔

[4] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ سال ۱۹۵۱ - ۱۹۵۲ء صفحہ ۴۴، صفحہ ۴۵۔

اِنتظامی اور تدریسی کارناموں پر ایک نظر

مکرم ماسٹر محمد ابراہیم صاحب جمونی بی۔ اے (حال مبلغ امریکہ) نے آپ کی وفات پر آپ کے آٹھ سالہ کامیاب تدریسی دور کے کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا:۔

"محترم سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ نے اکتوبر ۱۹۴۴ء[1] میں تعلیم الاسلام ہائی سکول کا ایسے وقت میں چارج لیا جبکہ سکول کے سٹاف میں وہ یگانگت اور ہم آہنگی موجود نہ تھی جو ہمارے مرکزی سکول کا طرۂ امتیاز ہونی چاہیئے تعلیمی حالت اگر ناگفتہ بہ نہیں تو معیار سے گری ہوئی ضرور تھی۔ اساتذہ کو آپس میں مربوط کرنا، ان کی صلاحیتوں کو خالصۃً سکول کے لئے مخصوص کرنا، سکول کی گرتی ہوئی تعلیمی حالت کو سنبھالنا، سلسلہ سے طلباء اور اساتذہ کو کماحقہٗ وابستہ رکھنا، قوم کا ایک مفید اور کارآمد وجود بنانا اور اغیار کی نظروں میں باوقار بنانا یہ وہ امور تھے جن کی تکمیل کے لئے محترم سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ کا تقرر عمل میں لایا گیا اور اس سلسلہ میں محیّر العقول کامیابی آپ کو حاصل ہوئی۔ اس سات سال کے مختصر عرصہ میں آپ نے سکول کو جس قدر بلندی اور کمال تک پہنچا دیا وہ آپ کی خداداد قابلیت پر دال ہے۔ اسی پرانے سٹاف سے کام لے کر آپ نے سکول کو اس قدر اجاگر کیا کہ آج خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارا سکول پنجاب کے چوٹی کے سکولوں میں شمار ہوتا ہے بلکہ مقدار، فیصدی اور کیفیت کے لحاظ سے اپنے آپ کو بہترین ثابت کر چکا ہے۔ بچانوے چھیانوے فیصدی نتیجہ دکھلانا اور یونیورسٹی میں پہلے سات طلباء میں سے چار طلباء پیدا کر دینا آپ کی ہی عملی نگرانی اور خداداد قابلیت کا نتیجہ ہے مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے سکول میں کام کرتے ۲۳ سال ہو چکے ہیں۔ میرے سارے عرصۂ ملازمت میں افسرانِ تعلیم نے سکول کے متعلق ایسی اچھی رائے کا اظہار نہیں کیا جس کا انہوں نے گذشتہ سال زبانی اپنی تقریروں میں اور تحریراً لاگ بک میں کیا اور یہ شاہ صاحبؓ کی مساعی اور دعاؤں کا نتیجہ ہے"۔[2]

"ہجرت کے بعد لاہور سے ہوتے ہوئے جب ہم چنیوٹ میں آئے تو اساتذہ اور طلباء کی مجموعی تعداد صرف ۴۳ تھی۔ اِدھر سے اُدھر سے احمدی طلباء ملا کر ہم نے چنیوٹ میں سکول کو ۱۵ کی تعداد سے شروع کیا تھا جس میں اساتذہ بھی شامل تھے۔ ابتداء میں جس طرح خندہ پیشانی سے آپ نے

---

[1] یہاں سہواً نومبر ۱۹۴۵ء لکھا گیا تھا۔

[2] روزنامہ الفضل لاہور مورخہ ۲۴ فتح ۱۳۳۱ ہش / دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۵

بے سروسامانی اور مشکلات کا مقابلہ کیا اور احباب اور طلباء کی رہبری فرمائی یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ چنیوٹ میں ہمارے قدم جم گئے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے سکول نے چنیوٹ کے پرانے سکولوں سے بھی زیادہ ناموری اور عزت حاصل کر لی اور آپ کے حسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر غیر احمدی افسران اور معززین نے اپنے بچوں کو ہمارے سکول میں داخل کروا دیا اور یہ سلسلہ آج تک ربوہ میں بھی قائم ہے۔ غیروں میں مقبول ہو جانا اور ان پر اپنے اخلاق کا سکہ بٹھا دینا شاہ صاحبؓ کا ہی خاصہ تھا۔ انسان کی زندگی کے بعد تو اخلاق کا تقاضا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے کہ ہم ہر انسان کو اچھا ہی سمجھیں اور صرف اس کی خوبیوں کا ہی تذکرہ کریں اور عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے لیکن شاہ صاحبؓ کا وجود ایسا تھا کہ اپنے اور غیر سبھی آپ کی زندگی میں ہی آپ کے مدّاح تھے چنانچہ چنیوٹ کے غیر احمدی بھی جن کو آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھے اور آپ کی زندگی میں ہی آپ سے نہایت تواضع اور محبت سے ملتے تھے چنانچہ چوہدری عبدالرحیم صاحب کلرک[1] نے ذکر کیا کہ وہ ایک روز ایک کام کے سلسلہ میں چنیوٹ تحصیل میں گئے آپؓ کا ذکر خیر آیا تو وہاں کے خزانچی صاحب نے اپنے ایک غیر احمدی ساتھی سے کہا کہ یہ شاہ صاحب کی بات ہے۔ اس نے پوچھا کونسے شاہ صاحب! ان صاحب نے تعجب سے کہا سید محمود اللہ شاہ صاحب! آپ ان کو بھی نہیں جانتے وہ تو فرشتہ ہیں فرشتہ!!

الغرض کوئی شخص خواہ جماعت اور سلسلہ کا کتنا ہی مخالف کیوں نہ ہو آپ کے اخلاق اور اخلاص کا معترف بلکہ مدّاح تھا اور سلسلہ کی اس طرح بلکہ بلا واسطہ تبلیغ جس خوبی اور احسن طور پر آپ کے وجود سے ہوئی اس کا اجر ہمیشہ آپ کو ملتا رہے گا۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ بہت خوش گفتار اور جہاندیدہ تھے۔ ہر مجلس پر چھا جاتے محکمہ تعلیم کے انسپکٹر اور دیگر افسران جن سے تعلیم والے عام طور پر مرعوب ہوتے ہیں وہ خود شاہ صاحب کی مجلس میں بجائے باتیں سنانے اور مجلس پر چھانے کے ان کی طرف توجہ کرتے اور ان سے باتیں سننے پر مجبور ہوتے۔ ایک دفعہ متحدہ پنجاب کے زمانہ میں صوبہ کے ہیڈ ماسٹروں کی لدھیانہ میں ایک کانفرنس ہوئی آپ بھی اس میں شامل ہوئے محترم میاں عبدالحکیم صاحب ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول لاہور آپ کو طالب علمی کے زمانہ سے ہی جانتے تھے، باوجود غیر از جماعت ہونے (کے) آپ کو دیکھتے ہی صدارت کے لئے آپ کا نام

---

[1] اب ریٹائرڈ ہو چکے ہیں اور دار الصدر شرقی ربوہ میں رہائش پذیر ہیں۔

تجویز کر دیا اور دوسروں نے تائید کی۔ آپ کی اسی لیاقت اور ہردلعزیزی کا ہی نتیجہ تھا کہ اس ایسوسی ایشن کا اگلا اجلاس قادیان میں ہی منعقد ہوا اور صوبہ بھر کے ہیڈ ماسٹر اس میں شریک ہوئے اور سلسلہ کے مرکز اور اس کے عہدیداروں سے متعارف ہوئے [1]

باوجود اس کے طبیعت میں اِس قدر استغنٰی اور بے نفسی تھی کہ کسی عہدہ یا اعزاز کو قطعاً قبول نہ کرتے جب تک کہ خود دُعا کر کے آپ کو اِس بات کا یقین نہ ہو جاتا کہ اِس میں سلسلہ کی بہتری ہو گی۔" [2]

اولاد ۱۔ سیدہ رقیہ بیگم صاحبہ مرحومہ [3] (زوجہ حضرت چوہدری فتح محمد صاحبؓ سیال۔ ولادت ۱۹۱۵ء وفات ۲۱ مارچ ۱۹۴۳ء) ۲۔ سید مسعود مبارک شاہ صاحب (حال سیکرٹری مجلس کارپرداز بہشتی مقبرہ ربوہ۔ ولادت ۵ جون ۱۹۱۹ء) ۳۔ سید داؤد مظفر شاہ صاحب (داماد حضرت مصلح موعودؓ۔ ولادت ۲۱ نومبر ۱۹۲۱ء) ۴۔ سید مشہود احمد شاہ صاحب (ولادت دسمبر ۱۹۴۳ء غالباً) ۵۔ لیڈی ڈاکٹر سیدہ مریم حنا صاحبہ (ولادت ۱۹۵۲ء غالباً) [4]

مندرجہ بالا جلیل القدر صحابہ کے علاوہ بعض اَور قیمتی وجود بھی داغِ مفارقت دے گئے مثلاً:۔

۱۔ محترمہ شہربانو صاحبہ ہمشیرہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف شہید رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۲۵ صلح ۱۳۳۱ ہش/جنوری ۱۹۵۲ء بعمر ۹۸ سال) ۲۔ حضرت صاحبزادہ سید عبدالسّلام صاحب فرزندِ اکبر حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۲۴ تبلیغ ۱۳۳۱ ہش/فروری ۱۹۵۲ء بعمر ۵۸ سال) ۳۔ فاطمہ بیگم صاحبہ اہلیہ حضرت میر عنایت علی صاحب لدھیانوی (وفات ۱۳۳۱ ہش/ ۱۹۵۲ء)

محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ کے متعلق حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

"انہوں نے ۱۹۰۰ء میں بیعت کی لیکن درحقیقت ان کا تعلق احمدیت سے بہت پرانا تھا۔ ان کے خاوند

---

[1] یہ پراونشل ایجوکیشنل ایسوسی ایشن ۲۸ فروری تا ۲ مارچ ۱۹۲۵ء میں منعقد ہوئی تھی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۶۴۲ - صفحہ ۶۴۶) ؛

[2] الفضل ۲۵ فتح ۱۳۳۱ ہش/دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۵ ؛

[3] مدفون بہشتی مقبرہ قادیان (قطعہ ۱ حصہ نمبر ۲ قبر ۵) ؛

[4] مندرجہ بالا تاریخیں سید مسعود مبارک شاہ صاحب کی ایک یادداشت سے اخذ کی گئی ہیں ؛

میر عنایت علی صاحب لدھیانوی ؓ ان چالیس آدمیوں میں سے تھے جنہوں نے لدھیانہ کے مقام پر حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پہلے دن بیعت کی۔ اُن کی بیوی بھی درحقیقت اسی دن سے احمدیت سے تعلّق رکھتی تھیں "۔

۴۔ میر مرید احمد صاحب تالپور سندھ :۔ حضرت مصلح موعودؓ نے ان کی وفات پر فرمایا:۔

" میر صاحب ریاست خیرپور کے شاہی خاندان میں سے تھے۔ طالبِ علمی کی حالت میں قادیان رہے اور شاید وہیں سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور بعد میں ان کی شادی ہوئی۔ احمدی ہو جانے کی وجہ سے اپنے خاندان سے بہت تکالیف اُٹھائیں۔ ریاست خیرپور میں فارسٹ آفیسر تھے۔ نواب صاحب خیرپور کی والدہ نے انہیں میرے پاس بھیجا کہ باپ کے بعد میرے بیٹے کا نواب ہونے کا حق ہے لیکن باپ بیٹے پر خفا ہے آپ دعا کریں کہ میرا بیٹا نواب ہو جائے۔ مَیں نے کہا اچھا مَیں دعا کروں گا لیکن وہی بیٹا جب نواب بنا تو اس نے انہیں ڈسمس کر دیا۔ آپ موصی تھے اور نہایت مخلص احمدی تھے۔ ان کی اولاد بھی مخلص احمدی ہے "۔ [1]

فصل ششم

۱۳۳۱ہش کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

اب اِس سال کے بعض متفرق مگر اہم واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ میں تقاریبِ مسرت

حضرت مہدی موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں ؎

غموں کا ایک دن اور چار شادی

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کی وفات کے سال میں بھی خوشیوں کے کئی دن دکھا

---

[1] الفضل ۲۹ صلح، یکم امان، ۲ ظہور، ۸ اخاء ۱۳۳۱ ہش

کہ اپنے پاک وعدہ کو پورا فرمایا مثلاً:۔

۱۔ ۷ ظہور ۱۳۳۱ہش کو اللہ تعالیٰ نے صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کو چوتھا بیٹا اور ۱۸/۱۹ اخاء کی درمیانی شب میں صاحبزادی امۃ النصیر بیگم صاحبہ کو پہلی بچی عطا فرمائی۔ بیٹے کا نام مظفر احمد اور بچی کا نام امۃ القیوم رکھا گیا۔ بچی کے کانوں میں حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے اذان کہی اور شہد کی گھٹی دی۔

۲۔ ۱۶۔ اخاء ۱۳۳۱ہش کو محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب (قادیان) کی تقریب شادی منعقد ہوئی۔ سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ نے انہیں ۲۷ اخاء کو والٹن کیمپ لاہور کے فضائی مستقر پر دُعاؤں سے رخصت کیا۔ اس موقعہ پر افراد خاندان مہدیٔ موعودؑ، سٹاف تعلیم الاسلام ہائی سکول اور دیگر مقامی اصحاب بکثرت موجود تھے۔

دہلی کے ہوائی اڈہ پر مرزا برکت علی صاحب آف ابادان مع اہلیہ استقبال کے لئے موجود تھے اور انہوں نے جماعتِ ہندوستان کی طرف سے پھولوں کے ہار ڈالے۔

۳۔ ۲۶۔ فتح ۱۳۳۱ہش کو حضرت مصلح موعودؓ نے صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب کا نکاح سیدہ امۃ السمیع صاحبہ (بنت حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ) سے اور سیدہ آنسہ (بنت حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ) کا نکاح قاضی محمود شوکت صاحب سے پڑھا[1]

مسجد مبارک ربوہ میں درس

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر وسط ۱۳۳۱ہش/ ۱۹۵۲ء میں قرآن مجید، حدیث اور فقہ کا درس مسجد مبارک ربوہ میں جاری ہوا۔ یہ درس مکرم مولوی ابو المنیر نور الحق صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ (حال مینیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین) ربوہ، مکرم مولوی خورشید احمد صاحب شاد اور مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب فاضل باری باری بعد نماز عصر دیا کرتے تھے۔

قصرِ خلافت کی مستقل عمارت

اس سال قصرِ خلافت کی مستقل عمارت مسجد مبارک ربوہ کے عقب میں تعمیر ہوئی اور حضرت مصلح موعودؓ قریباً پونے تین برس تک ایک سادہ

[1] الفضل ۹ ظہور، ۲۴ اخاء، ۲۶ اخاء، ۲۸ اخاء ۱۳۳۱ہش۔ اصحابِ احمد جلد ششم صفحہ ۱۹۲۔ الفضل ۱۸ صلح ۱۳۳۲ہش۔ بدر ۲۸ اخاء ۱۳۳۱ہش صفحہ ۱

ربوہ کا ایک یادگار فوٹو (ربوہ رہے کعبہ کی بڑائی کا دعا گو کعبے کی پہنچتی رہیں ربوہ کو دعائیں)

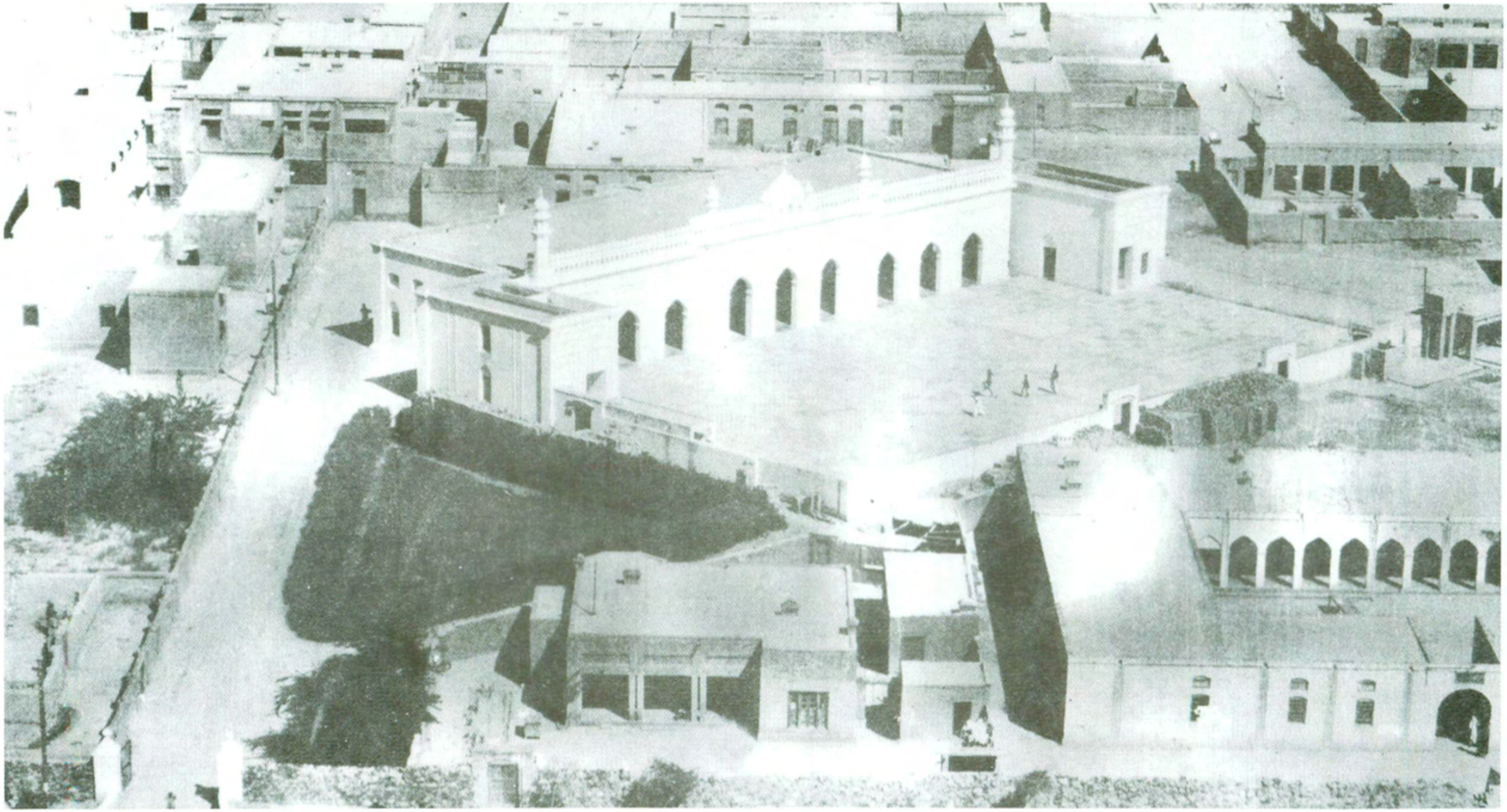

(قصر خلافت، مسجد مبارک، خلافت لائبریری اور لنگر خانہ کی ابتدائی عمارتیں سامنے نظر آ رہی ہیں)

سے مکان میں فروکش رہنے کے بعد ۳۰ احسان ۱۳۳۱ ہش/ جون ۱۹۵۲ء کو قصرِ خلافت کی نئی عمارت میں منتقل ہو گئے۔

پہلی رہائش گاہ سے روانگی کے وقت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ، حضرت مولوی محمد الدین صاحب، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؓ، حضرت خان صاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ اور دوسرے بزرگانِ سلسلہ کے علاوہ تحریکِ جدید کے کارکنوں کی ایک خاصی تعداد موجود تھی۔ حضور نے موٹر میں سوار ہونے سے قبل حاضرین سمیت دعا فرمائی۔ دُعا ختم ہوتے ہی بزرگانِ سلسلہ اور دوسرے احباب ایک مختصر راستے سے بغرضِ استقبال قصرِ خلافت پہنچ گئے۔ چند منٹ بعد حضور بھی تشریف لے آئے اور دوبارہ دُعا کرانے کے بعد قصرِ خلافت میں مبارک قدم رکھا۔ عین اس وقت جبکہ حضورؓ اس نئی عمارت میں رونق افروز ہوئے بارانِ رحمت کا بھی نزول ہوا[1]

خلافت لائبریری کا قیام

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کے حکم سے ماہ ہجرت ۱۳۳۲ہش/ مئی ۱۹۵۳ء میں حضورؓ کی ذاتی لائبریری اور صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی مرکزی لائبریری یکجا کر دی گئی اور اس کے انچارج مکرم مولوی محمد صدیق صاحب فاضل واقفِ زندگی مقرر کئے گئے۔

اِس لائبریری کے لئے قصرِ خلافت کے ساتھ ایک پختہ عمارت تعمیر کی گئی تھی جس کا جنوبی حصہ مکمل ہونے پر اس میں سب سے پہلے حضرت اقدس کی ذاتی کتب دفتر پرائیویٹ سیکرٹری سے لائی گئیں اور ان کو حضور کی اجازت سے بعض قواعد کے مطابق پبلک کے استفادہ کے لئے عام کر دیا گیا۔ ازاں بعد ۱۳ ماہ فتح ۱۳۳۲ہش/ دسمبر ۱۹۵۳ء کو مرکزی لائبریری کا لٹریچر بھی پختہ عمارت کے شمالی کمرہ میں رکھ دیا گیا اور ایک ہزار سے زائد انگریزی کتابیں جو اب تک ٹرنکوں میں بند تھیں الماریوں میں ایک عمدہ ترتیب اور قرینہ سے لگا دی گئیں[2] جس سے علماءِ سلسلہ اور دوسرے صاحبِ علم و قلم اصحاب کو مطالعہ کرنے اور تحقیق و تفحّص جاری رکھنے کی بہت سہولت پیدا ہو گئی۔ اِس طرح ربوہ میں اُس عظیم الشان لائبریری کی داغ بیل پڑی جس کا تخیل حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے مشاورت ۱۳۳۱ہش/

---

[1] بدر (قادیان) ۷ ظہور ۱۳۳۱ہش صفحہ ۲۔ [2] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان بابت سال ۱۹۵۲ء-۱۹۵۳ء صفحہ ۳۱، صفحہ ۳۳ و ایضاً ۱۹۵۳ء-۱۹۵۴ء صفحہ ۱۰، صفحہ ۱۱۔

۱۹۵۲ء کے دَوران پیش فرمایا تھا۔

الفضل میں شذرات کا دلچسپ سلسلہ

غیروں کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے اور الفضل کو پہلے سے زیادہ مفید بنانے کے لئے سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خصوصی ہدایت پر شذرات کا ایک دلچسپ علمی سلسلہ شروع کیا گیا جو ۲۰ ظہور ۱۳۳۱ ہش / اگست ۱۹۵۲ء سے لے کر ۲۷ ماہِ تبلیغ ۱۳۳۲ ہش / فروری ۱۹۵۳ء تک جاری رہا۔

اِس نئے کالم کو یہ امتیازی خصوصیت حاصل تھی کہ حضور نہایت باقاعدگی اور التزام کے ساتھ اس پر نظر ثانی فرماتے حضور کے ملاحظہ کے بعد اس کا مسودہ روزانہ لاہور بھجوا دیا جاتا تھا جہاں سے اُن دنوں اخبار الفضل کی طباعت و اشاعت ہوتی تھی۔[1]

اِس تعلق میں حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۲ ظہور ۱۳۳۱ ہش کو ایک ضروری مکتوب رقم فرمایا جس سے اس کے پس منظر کا پتہ چلتا ہے حضورؓ نے ایڈیٹر صاحب الفضل کو لکھا:۔

"آپ کو ہدایت جا چکی ہے کہ ایڈیٹوریل چھوٹا لکھا کریں اور موجودہ فتنوں کے متعلق اور قومی مسائل پر زیادہ لکھا کریں اور ایڈیٹوریل کے بعد مولوی دوست محمد صاحب کے لکھے ہوئے شذرات شائع کیا کریں۔۔۔ الفضل کے متعلق عام شکایت آرہی ہے کہ اس کا سٹینڈرڈ گر رہا ہے سوائے

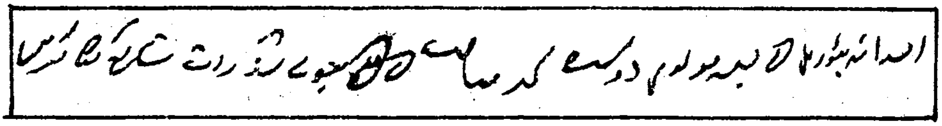

خاتم النّبییّن نمبر کے کہ اُس کی بے شک بہت تعریف آئی ہے۔ کثرت سے اعتراض ہوتے ہیں جنکے کوئی جواب نہیں دیئے جاتے اور اسی لئے ہم نے شذرات لکھوانے شروع کئے ہیں۔"[2]

سالار مسلم لیگ ربوہ کو انعامی کپ

ماہِ تبوک ۱۳۳۱ ہش / ستمبر ۱۹۵۲ء میں بمقام جھنگ مسلم لیگی رضا کاروں کی ریلی ہوئی جس میں سالار مسلم لیگ ربوہ خان شبیر احمد خان صاحب[3] اوّل آئے اور وزیرِ اعلیٰ پنجاب نے ان کو انعامی کپ دیا۔ اس موقعہ

---

[1] مولوی مبارک احمد خان صاحب ایمن آبادی مدیر "تریاق" و "رفتارِ زمانہ" نے ان شذرات کا انتخاب ایک ٹریکٹ کی صورت میں بھی شائع کیا۔ [2] اصل چٹھی دفتر شعبہ تاریخ احمدیت ربوہ میں محفوظ ہے۔

[3] آپ نے عمر کے آخری سال انگلستان میں بسر کئے اور وہیں انتقال کیا۔

کی تصویر اخبار "زمیندار" ۲۸ ستمبر ۱۹۵۲ء کے صفحہ اول پر شائع ہوئی۔

رسالہ خالد کا اجراء اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا خصوصی پیغام

خدام الاحمدیہ مرکزیہ پاکستان کی مجلس شوریٰ ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء میں یہ فیصلہ ہوا کہ مجلس کی طرف سے ساٹھ صفحے کا ایک سہ ماہی رسالہ جاری کیا جائے۔ ان دنوں مجلس کی مالی حالت اس کے گراں اخراجات کی متحمل نہ تھی اس لئے "الطارق" نام سے ۳۶ صفحات کے ایک ماہوار رسالہ کی تجویز ہوئی اور ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء سے اس کے ڈیکلریشن کی جدّوجہد شروع کر دی گئی۔ ابتدائی محکمانہ تحقیقات مکمل ہوئی تو عین آخری مرحلہ پر یہ اطلاع ملی کہ اسی نام کا ایک اور رسالہ بھی جاری ہے اور ضروری ہے کہ کوئی اور نام تجویز کیا جائے۔ مجلس مرکزیہ نے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں نئے نام کے لئے درخواست کی۔ حضور نے فرمایا "خالد نام رکھ دیں"۔ چنانچہ ۳۱۔امان ۱۳۳۱ہش/مارچ ۱۹۵۲ء کو خالد کے ڈیکلریشن کی درخواست دی گئی۔

کئی ماہ کی یاددہانیوں اور دفتری پیچیدگیوں اور محکمانہ کارروائیوں کے بعد ۶ ستمبر ۱۹۵۲ء کو ڈیکلریشن کی باضابطہ منظوری ہوئی اور ساتھ ہی ایک ہزار روپیہ کی ضمانت کا مطالبہ بھی ہوا جس کے داخل کرانے کی آخری تاریخ ۱۶ ستمبر ۱۹۵۲ء تھی۔ مجلس کے پاس اس قدر روپیہ نہیں تھا بڑی دوڑ دھوپ کے بعد ۱۷ ستمبر کو روپیہ کا انتظام ہو سکا لیکن جھنگ پہنچ کر معلوم ہوا کہ وقت پر ضمانت داخل نہ کرنے پر ڈیکلریشن منسوخ کر دیا گیا ہے اس پر دوبارہ درخواست دی گئی اور بالآخر ۲۔ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو ڈیکلریشن ملا اور زرِ ضمانت داخل کرا دی گئی۔ اس طرح نہایت لمبی جدّوجہد اور صبر آزما حالات میں سے گزرنے کے بعد اکتوبر ۱۹۵۲ء میں رسالہ "خالد" جاری ہوا[1]

خالد کے پہلے دو پرچے مولوی غلام باری صاحب سیفؔ پروفیسر جامعہ احمدیہ، مولوی خورشید احمد صاحب شادؔ پروفیسر جامعہ احمدیہ اور مولوی محمد شفیع صاحب اشرفؔ کے زیرِ ادارت چھپے۔ اسکے بعد مولوی غلام باری صاحب سیفؔ مدیر مقرر ہوئے۔ مینیجر کی خدمت شروع ہی سے سید عبد الباسط صاحب نائب معتمد مرکزیہ کے سپرد کی گئی۔

اداریہ کے علاوہ مشعلِ راہ، جواہر پارے، روشن ستارے، ہماری مساعی دنیا کے کناروں تک،

---

[1] "خالد" اخاء ۱۳۳۱ہش/اکتوبر ۱۹۵۲ء صؔ ۳ وصؔ ۳۱۔

کوائفِ ربوہ اور اطفال الاحمدیہ اس کے مستقل فیچر قرار پائے۔ اِس ابتدائی دَور میں پہلے سال رسالہ "خالد" کو جو قلمی معاونین میسر آئے ان میں ملک سیف الرحمٰن صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ مفتی سلسلہ احمدیہ، مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری، جناب حسن محمد خاں صاحب عارف نائب وکیل التبشیر، مولوی نورالحق صاحب انور فاضل (مبلغ امریکہ) بھی شامل تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس کے اجراء پر حسبِ ذیل پیغام سپردِ قلم فرمایا:۔

"؎ بکوشید اے جواناں تا بہ دیں قوت شود پیدا
بہار و رونق اندر روضۂ ملت شود پیدا [1]

مجھے مولوی غلام باری صاحب سیف معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ نے اطلاع دی ہے کہ انکی مجلس مرکزیہ کے زیرِ انتظام ایک ماہواری رسالہ "خالد" نامی جاری ہو رہا ہے اور سیف صاحب نے جنہیں "خالد" کے نام کے ساتھ ایک اہم تاریخی جوڑ حاصل ہے مجھ سے درخواست کی ہے کہ مَیں بھی اِس رسالہ کے پہلے نمبر کے لئے کوئی مختصر سا پیغام لکھ کر دوں جو جماعت کے نوجوانوں کی ہمتوں کو بڑھانے والا ہو اور ان میں کام کی رُوح پھونکنے والا ہو۔ سو مجھے اِس پیغام کے لئے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ فارسی شعر نظر آیا ہے جو میرے اِس نوٹ کا عنوان ہے اور جس کا اُردو زبان میں سلیس اور آزاد ترجمہ یہ ہے کہ اے احمدیت کے نوجوانو! دین کے رستہ میں اپنی کوششوں اپنی جدّ و جہد کو اس اخلاص اور اس ذوق و شوق اور اس جذبۂ قربانی کے ساتھ جاری رکھو کہ تمہاری اِس مجاہدانہ مساعی کے نتیجہ میں دین کو غیر معمولی مضبوطی حاصل ہو جائے اور اسلام کا باغ و مرغزار پھر دوبارہ ایک نئی رونق و بہار کے ساتھ مخالفوں کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگے۔ پس یہی وہ مقصد و منتہیٰ ہے جو ہمارے نوجوانوں کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا چاہیئے۔ فاروق ہوں یا خالد اور قلم ہو یا سیف سب اپنے اپنے میدان میں اور اپنے اپنے وقت پر اسلام اور صداقت کے خادم ہیں۔ صرف مومن کی نیّت پاک و صاف ہونی چاہیئے اور اس کے قلب میں سیمابی ولولہ، پھر اس کے آگے رستہ بالکل صاف ہے۔ کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ [2] (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ)۔

یہ وقت خاص خدمت کا ہے کیونکہ احرار کی مخالفت نے جماعت کے لئے تبلیغ کا راستہ اِس طرح

[1] "آئینہ کمالاتِ اسلام" سرورق صفحہ ۲ مطبوعہ ۱۸۹۳ء [2] المجادلہ رکوع ۳

کھول دیا ہے کہ اس سے پہلے کبھی اس طرح نہیں کھلا تھا۔ بے شک مخالفت بہت سخت اور اس کا دائرہ بہت وسیع ہے لیکن یہی وہ وقت ہے جبکہ سعید رُوحیں خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر تحقیق کی طرف مائل ہو رہی ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ فرمان بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ پورا ہو رہا ہے کہ الٰہی جماعتوں کے لئے مخالفت وہی کام دیا کرتی ہے جو ایک عمدہ کھیت کے لئے کھاد دیتی ہے۔

پس اے عزیزو اور بھائیو!! زندگی کی اِن قیمتی گھڑیوں کو غنیمت جانو تمہیں کیا معلوم ہے کہ ماحول کا یہ زرّیں موقعہ کب بدل جائے یا تمہاری اپنی زندگی کا یہ دَور کب ختم ہو جائے؟ اِسی لئے ہمارے آقا اور امام نے جہاں وہ شعر ارشاد فرمایا ہے جو اس نوٹ کے عنوان میں درج ہے وہاں دوسری جگہ یہ انتباہ بھی فرمایا ہے کہ

؎ اے بے خبر بخدمتِ فرقاں کمر ببند
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند [۱]

اور اِسی پر میں اپنا یہ مختصر پیغام ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو اور آپ کی جملہ نیک مساعی میں آپ کا حافظ و ناصر رہے۔ آمین یا ارحم الرّاحمین۔

والسلام
خاکسار مرزا بشیر احمد۔ ربوہ" [۲]

خدمتِ پاکستان کی خصوصی تحریک

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے خدّام الاحمدیہ کے بارھویں سالانہ اجتماع کے موقعہ پر نوجوانانِ احمدیت کو جہاں یہ قیمتی ہدایات دیں کہ مسابقت کی رُوح پیدا کرو، خدمتِ خلق کرو، ذکرِ الٰہی اور محاسبۂ نفس کے لئے مراقبہ کی عادت ڈالو وہاں خدمتِ پاکستان کی خصوصی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:۔

" اپنے ملک کی سچی خدمت کرنے کی راہ میں اِس امر کو کبھی روک نہ بناؤ کہ ہماری مخالفت بہت ہوتی ہے۔ جب ہم یہ جانتے ہیں کہ فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکا کر ہماری مخالفت کرنے والے ملک کے

---

[۱] اشتہار اہلِ اسلام کی فریاد بحوالہ درثمین فارسی صفحہ ۳۸۳ ناشر محمد احمد اکیڈمی رام گلی نمبر ۳۔ لاہور ٭
[۲] منقول از ماہنامہ "خالد" ماہِ اخاء ۱۳۳۱ ہش / اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۵-۶ ٭

دشمن ہیں اور دوسری طرف ہم سمجھتے ہیں کہ ہم ہی ملک کے حقیقی خیر خواہ اور وفادار ہیں تو خود اندازہ لگاؤ کہ اس مخالفت کے نتیجہ میں ہمیں ملک کی خدمت میں کمزور ہونا چاہیئے یا پہلے سے بھی بڑھ کر اس میں حصّہ لینا چاہیئے؟ جس چیز کے لئے سچّی محبّت اور ہمدردی ہوتی ہے اسے خطرے میں دیکھ کر تو قربانی کا جذبہ تیز ہُوا کرتا ہے نہ کہ کم"۔ [1]

تیونس اور مراکش کی تحریکِ آزادی کی حمایت اور دُعا

تیونس اور مراکش کے جانباز مسلمان ایک عرصہ سے فرانس کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ مؤتمر عالمِ اسلامی نے فیصلہ کیا کہ ۲۱ نومبر ۱۹۵۲ء کو دُنیا بھر کے مسلمان یوم تیونس و مراکش منائیں۔

اِس فیصلہ کے مطابق حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایت پر جماعتِ احمدیہ نے بھی ان مظلوم اسلامی ممالک کے مطالبۂ آزادی کی حمایت میں جلسے کئے اور دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی بخشے [2]

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب وزیر خارجہ پاکستان نے اقوامِ متحدہ میں اِن ممالک کے حق میں پُرزور آواز بلند کی جس کی تفصیل آپ کی خود نوشت سوانح "تحدیثِ نعمت" (طبع اوّل ۱۹۷۱ء) صفحہ ۵۶۹، ۵۷۳ میں ملتی ہے۔ ۱۹۵۱ء میں جنرل اسمبلی کے اجلاس کے دَوران مراکش اور تیونس کے مسئلے کو ایجنڈا میں شامل کرنے کا سوال پیش ہُوا تو آپ ہی کی تقریر اس موقع پر سب سے نمایاں تھی۔ تقریر میں آپ نے امریکہ اور دیگر تمام ایسے ممالک کے طرزِ عمل کی مذمّت کی جو ان مسائل کو شاملِ ایجنڈا کرنے کے خلاف تھے۔ آپ نے جب دَورانِ اجلاس فرمایا کہ اگر ان مسائل پر غور کرنے سے انکار کیا گیا تو مراکش میں قتل و خون ہوگا اور اس کی تمام تر ذمّہ داری امریکی نمائندہ پر ہوگی تو امریکی مندوب کا رنگ زرد پڑ گیا۔ [3]

اللہ تعالیٰ نے جماعتِ احمدیہ کی دعاؤں، چوہدری صاحب کی کوششوں اور اہلِ تیونس و مراکش کی قربانیوں کو شرفِ قبولیّت بخشا اور یہ دونوں ملک ۱۹۵۶ء میں آزاد ہو گئے [4]

---

[1] الفضل ۴ نبوّت ۱۳۳۱ ہش صہ ۲ ۔ [2] الفضل ۲۱۔۲۲ ماہ نبوّت ۱۳۳۱ ہش ۔

[3] ملّت (لاہور) ۲۲ جنوری ۱۹۵۴ء صہ ۷ ۔ [4] انسائیکلوپیڈیا آف بریٹینکا ایڈیشن ۱۹۷۲ء زیرِ لفظ TUNISIA اور MOROCCO ۔

چودہ درویش خاندانوں کی واپسی

قادیان کی مقامی احمدی آبادی ہر سال بڑھ رہی تھی یوپی کے بعض خاندان بطور مہاجر آباد ہو چکے تھے۔ ان کے بعد وسط ۱۳۳۰ہش / ۱۹۵۱ء میں بارہ[۱۲] درویش خاندان پاکستان سے واپس گئے۔ اس سال کے آخر میں چودہ[۱۴] خاندانوں کا اضافہ ہوا جو بذریعہ حسینی والا (ضلع فیروزپور) داخلِ ہندوستان ہوئے جس سے کُل احمدی آبادی کی تعداد ۴۷۹ تک جا پہنچی۔ اس آبادی میں مرد ۲۷۰، خواتین ۸۶ اور بچے ۱۲۳ تھے۔[۱]

مبلغینِ اسلام کی آمد اور روانگی

اِس سال مندرجہ ذیل مبلّغینِ اسلام بیرونی دُنیا تک پیغامِ احمدیت پہنچانے کے لئے مرکزِ احمدیت ربوہ سے روانہ ہوئے:۔

۱۔ مولانا شیخ مبارک احمد صاحب رئیس التبلیغ (۱۱ ماہ تبلیغ۔ مشرقی افریقہ) ۲۔ مولوی عبدالرشید صاحب ارشد (۱۱ ماہ تبلیغ۔ انڈونیشیا) ۳۔ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی[۲] (۱۱ ماہ اخاء برائے نائجیریا) ۴۔ مولوی محمد صدیق صاحب شاہد گورداسپوری (۱۸ ماہ اخاء برائے سیرالیون)

۵۔ مولوی عبداللطیف صاحب پریمی (۱۸ ماہ اخاء برائے غانا) ۶۔ مولوی عبدالقدیر صاحب شاہد (۱۸ ماہ اخاء برائے غانا)

علاوہ ازیں غیر ممالک یعنی بیرون پاکستان سے مولوی محمد عثمان صاحب صدیقی (۶ر ماہِ تبوک) صوفی محمد اسحٰق صاحب مبلّغ سیرالیون (۱۵ر شہادت) مولوی امام الدین صاحب مبلّغِ انڈونیشیا اور مولوی بشارت احمد صاحب بشیر مبلّغِ مغربی افریقہ تبلیغِ اسلام کا فریضہ کامیابی سے بجا لانے کے بعد واپس تشریف لائے۔

بیرونی احمدی جماعتوں میں مرکزِ سلسلہ میں اپنے بچوں کو تعلیم دلانے کی ایک نئی رَو چل نکلی تھی یہی وجہ تھی کہ ربوہ واپس آنے والے اکثر مبلّغین کے ہمراہ مختلف ملکوں کے بعض احمدی طلباء بھی تھے مثلاً علی امین صاحب (مغربی افریقہ) محی الدین صاحب (انڈونیشیا) عبدالوہاب بن آدم صاحب، بشیر بن صالح صاحب (مغربی افریقہ)۔ اِن طلباء میں سے عبدالوہاب بن آدم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جو آٹھ سال تک مرکزِ احمدیت میں تعلیم دین حاصل کرتے رہے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر بحیثیت مبلّغ ۲۱ر اخاء ۱۳۵۱ہش / ۲۱ر اکتوبر ۱۹۷۲ء کو انگلستان پہنچے جہاں آپ ۴ر فتح ۱۳۵۳ہش / ۴ر دسمبر ۱۹۷۴ء تک تبلیغِ اسلام کے فرائض انجام دیتے رہے اور ۵ر فتح ۱۳۵۳ہش / ۵ر دسمبر ۱۹۷۴ء سے احمدیہ مسلم مشن غانا کے انچارج اور امیر کی حیثیت سے اشاعتِ اسلام

---

[۱] بدر (قادیان) ۲۱ر اخاء ۱۳۳۱ہش صفحہ ۱، مصباح (ربوہ) ماہِ صلح ۱۳۳۲ہش صفحہ ۲۱۔

[۲] محترم مبارک احمد صاحب ساقی جو ۱۱ر اخاء / اکتوبر کو روانہ ہوئے تھے کراچی میں موجود تھے کہ موخر الذکر تینوں مجاہدین بھی پہنچ گئے۔ سب بذریعہ بحری جہاز عازم لندن ہوئے۔

واحمدیت کے جہاد میں سرگرم عمل ہیں۔[1]

بیرونی مشنوں کی سرگرمیاں

امریکہ:- ۱- اِس سال امریکن مشن نے اشاعتِ لٹریچر کے ضمن میں حضرت مصلح موعودؓ کا رقم فرمودہ ٹریکٹ کمیونزم اینڈ ڈیماکریسی کا چوتھا نمبر شائع کیا اور امریکہ کے صاحبِ اثر حلقہ میں اس کی بکثرت اشاعت کی گئی۔ امریکن سپریم کورٹ کے جج ڈگلس نے اس کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ خواہش ظاہر کی کہ آئندہ بھی انہیں لٹریچر دیا جائے۔ ۲- امریکہ کے ممتاز اور با اثر اخبار پٹس برگ کوائر کے نمائندہ نے چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر انچارج مبلّغ سے مفصّل انٹرویو لیا اور اسے جلی عنوان کے ساتھ دو قسطوں میں شائع کیا۔ مضمون میں احمدیّت کے بنیادی عقائد اور امریکہ میں حبشی قوم کے مسئلہ پر احمدیوں کا نقطۂ نگاہ اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے جماعتی مساعی پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ اِس مضمون کی اشاعت پر ملک کے مختلف اطراف سے بہت سے خطوط موصول ہوئے جن کے جواب میں مشن کی طرف سے سب کو لٹریچر بھجوایا گیا۔ ۳- اِس سال ایک امریکن نومسلم عبدالشکور رلیش زندگی وقف کر کے دینی تعلیم کے لئے ربوہ میں تشریف لائے۔[2]

گولڈ کوسٹ:- اکرافو گاؤں جماعتِ احمدیہ گولڈ کوسٹ (غانا) کی تاریخ میں ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وہ مشہور بستی ہے جس کے چیف مہدی آپا نے اپنے اور دوسرے فینٹی بھائیوں کی طرف سے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں مبلّغ بھجوانے کی درخواست کی جس پر حضور نے فروری ۱۹۲۱ء میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیّرؓ کو اِس تاریک برِّ اعظم میں نُورِ اسلام پھیلانے کے لئے بھیجا اور کئی ہزار لوگ داخلِ احمدیت ہوئے۔[3]

اکرافو کی قدیم مسجد کچی تھی جسے اِس سال مقامی مخلص جماعت نے پانچ ہزار پونڈ کی لاگت سے ایک پختہ اور شاندار مسجد میں تبدیل کر دیا جس کا افتتاح مولانا نذیر احمد صاحب مبشّر مبلّغ انچارج نے ۷ تبلیغ ۱۳۳۱ ہش / فروری ۱۹۵۲ء کو کیا۔ اِس تقریب پر تین ہزار سے زیادہ نفوس جن میں چیفس اور پیرامونٹ چیفس بھی شامل تھے مدعو تھے۔ صدارت کے فرائض ریاست کے پیرامونٹ چیف نے ادا کئے ساڑھے چار سو پونڈ چندہ جمع ہوا۔[4]

---

[1] ریکارڈ وکالتِ تبشیر تحریک جدید ربوہ۔ [2] الفضل ۱۲-۱۳ تبلیغ ۱۳۳۲ ہش۔ [3] تفصیل تاریخِ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۲۷۵، صفحہ ۲۷۶ میں گذر چکی ہے۔ [4] الفضل ۲۰ امان ۱۳۳۱ ہش صفحہ ۵۔

انڈونیشیا:۔ اس سال انڈونیشیا کی احمدی جماعتوں میں بیداری کے نئے اثرات پیدا ہوئے جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے درج ذیل الفاظ میں اظہارِ خوشنودی فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ کے فضل سے انڈونیشیا کی جماعتوں میں خاص بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ اس سال کے عام چندوں کا بجٹ ان کی طرف سے ایک لاکھ اسّی ہزار کا آ چکا ہے۔ اب انہوں نے تار دیا ہے کہ اسّی ہزار کے وعدے تحریکِ جدید کے ہو چکے ہیں اور ابھی سات جماعتوں کے وعدے باقی ہیں وہ بعد میں آئیں گے۔ گویا کُل وعدے اس وقت تک دو لاکھ ساٹھ ہزار کے ہو چکے ہیں۔ امید ہے یہ رقم تین لاکھ تک پہنچ جائے گی۔ جماعتہائے پاکستان کے لئے یہ ایک سبق اور عبرت ہے۔ اتنی دُور کی جماعتوں میں اتنا اخلاص پایا جاتا ہے جسے دیکھ کر پاکستان کے دوستوں کو اخلاص میں اَور ترقی کرنی چاہیئے۔ انڈونیشین جماعتوں کے علاوہ مغربی افریقہ کے تینوں ملکوں کے چندے سال میں پونے دو لاکھ کے قریب کے ہوئے ہیں اور مشرقی افریقہ کا چندہ قریباً ایک لاکھ شلنگ سے زائد کا ہوتا ہے اور امریکہ کا چندہ قریباً ایک لاکھ روپیہ کا ہو جاتا ہے اور عرب ممالک کے چندے کم سے کم مبلّغین کے اخراجات برداشت کرنے لگ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ احمدیت کے مبلّغوں کے کاموں اور نتائج میں برکت دے۔ احباب تمام بیرونی جماعتوں اور وہاں کام کرنے والے مبلّغوں کے لئے خاص طور پر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان نہتے سپاہیوں کی مدد کرے اور ان کے ہاتھ پر اسلام اور احمدیت کو فتحِ عظیم اور کامل بخشے اور جلد سے جلد بخشے۔"[1]

انڈونیشیا کے مخلص احمدیوں اور مبلّغوں کی سالِ زیرِ نظر کی سرگرمیوں میں سے بعض کا ذکر مناسب ہوگا۔

۱۔ ایک احمدی وفد نے جن میں دیگر مقامی مخلص احمدیوں کے علاوہ مولوی عبدالواحد صاحب فاضل، میاں عبدالحی صاحب، حافظ قدرت اللہ صاحب بھی تھے سید شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا کی قیادت میں پریذیڈنٹ سکارنو سے ان کے محل میں ملاقات کی اور ان کو تفسیر القرآن انگریزی کی دوسری جلد کا روحانی تحفہ پیش کیا۔ ۲۔ مولوی محمد زہدی صاحب نے سرابایا میں متعین ہونے کے بعد ایک کامیاب پریس کانفرنس کی جس میں ۱۵ نمائندگان شامل ہوئے جن میں سے بعض

---

[1] الفضل ۱۱ شہادت ۱۳۳۱ ہش / اپریل ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۔

نے احمدیت پر عمدہ نوٹ شائع کئے۔ سرابایا میں آپ کے زیرِ اہتمام ایک تبلیغی جلسہ بھی منعقد ہوا۔ ۳۔ پہلی ششماہی میں قریباً سو افراد احمدی ہوئے۔ ۴۔ مغربی جاوا کے شہر بوگیر میں نئی احمدیہ مسجد کا افتتاح عمل میں آیا۔ ۵۔ ایک پاکستانی دوست ڈاکٹر عبد الغفور صاحب نے سرابایا میں ایک مکان جماعتی ضروریات کے لئے وقف کیا[1]۔ ۶۔ "شرکتِ اسلام" انڈونیشیا کی سب سے قدیم سیاسی پارٹی ہے جس نے آزادئ وطن کی جدوجہد کا آغاز کیا۔ اس پارٹی کی چالیس سالہ سالگرہ میں سید شاہ محمد صاحب اور حافظ قدرت اللہ صاحب نے شرکت کی اور کئی معززین سے تبادلۂ خیالات کیا[2]۔ ۷۔ ۵ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو انڈونیشیا نے آزاد فوج قائم کی تھی۔ اس یادگار قومی دن کی تقریب میں وزارتِ دفاع کے چیف آف دی سٹاف نے سید شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ اور نائب صدر جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کو بھی شامل ہونے کی دعوت دی جسے انہوں نے قبول کر لیا[3]۔ ۸۔ ماہِ اکتوبر میں ہی میاں عبدالحی صاحب کو جزیرۂ بالی کے ایک سابق راجہ سے ملاقات کرنے اور اسلام کا پیغام پہنچانے کا موقعہ ملا۔ میاں صاحب نے انگریزی لٹریچر کی ایک نمائش میں حصہ لیا اور اسلامی لٹریچر رکھنے کے علاوہ "ہندوستان میں اُردو اور انگریزی کی ترویج" پر تقریر کی۔ ۹۔ انڈونیشیا مشن کا ایک اہم واقعہ جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کی چوتھی کامیاب سالانہ کانفرنس ہے جو بمقام تسکملایا (TASIKMALAYA) بتاریخ ۲۶-۲۷-۲۸ر ماہِ فتح منعقد ہوئی[4]۔

شام مشن: مفتئ مصر کے رسوائے عالم فتویٰ کی حقیقت واضح کرنے کے لئے السید منیر الحصنی امیر جماعتِ احمدیہ دمشق نے اخبار "العلم" (۱۱ر جون ۱۹۵۲ء) میں ایک نوٹ دیا نیز ۷ر جولائی ۱۹۵۲ء کو ایک استفتاء سائیکلوسٹائل کر کے علمی حلقوں میں تقسیم کیا[5]۔

---

[1] الفضل یکم ظہور ۱۳۳۱ہش ص۵، ۱۷ر صلح ۱۳۳۲ہش ص۴۔

[2] الفضل ۲ر نبوت ۱۳۳۱ہش ص۴۔

[3] الفضل ۷ر فتح ۱۳۳۱ہش ص۵۔

[4] تفصیل الفضل ۲۴ تا ۲۷ر تبلیغ ۱۳۳۲ہش میں چھپ چکی ہے۔

[5] کٹنگ رجسٹر خلافت لائبریری ربوہ۔

فصل ہفتم

◉ خطبات جمعہ میں روزہ رکھنے، دین پھیلانے، دعا کرنے اور سچ بولنے کی تلقین ◉ پاکستان اور احمدیت کے خلاف شورش کا آغاز

◉ حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے قیام امن کے لئے پُرحکمت ہدایات

◉ حضرت مصلح موعودؓ کی پریس کانفرنس اور پُرشوکت پیغام۔

(خلافت ثانیہ کا چالیسواں سال ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء)

۱۹۵۳ء (۱۳۳۲ہش) کا سال جماعت احمدیہ کا سنگِ میل (LAND MARK) اور اس کی ترقی کا نشان ہے جس میں مہدئ موعود کی اس پیاری جماعت نے اپنی مظلومیت کا کمال نمونہ دکھایا اور اس کے صبر و استقامت دعا اور اخلاق کی بے پناہ قوت نے صحابۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت دور کی یاد تازہ کر دی۔

سات روزے رکھنے کی تحریک

اس سال کا آغاز چار اصلاحی تحریکات سے ہوا۔ ۱۔ سات روزوں کی تحریک۔ ۲۔ اشاعتِ دین کی تحریک۔ ۳۔ دعا کی تحریک۔ ۴۔ سچ بولنے کی تحریک۔

حضرت مصلح موعودؓ نے سالانہ جلسہ پر ارشاد فرمایا کہ احمدی ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء کے شروع میں سات نفلی روزے رکھیں اور ہر روزہ سوموار کو رکھا جائے۔ حضور نے سال کے پہلے خطبہ میں

اس کی یاد دہانی کرائی اور نصیحت فرمائی کہ :-

"جو طاقتور ہیں، تندرست ہیں ان کے لئے سفر میں رمضان کے روزے جائز نہیں نفلی روزے جائز ہیں کیونکہ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ جب مسافر کے لئے فرض روزے منع ہو گئے تو بھی بعض صحابہؓ سفر اور لڑائیوں میں نفلی روزے رکھ لیتے تھے۔ اِن ایّام کو خصوصیّت کے ساتھ دعاؤں میں گذارو اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔" [1]

احمدیوں نے جو ہمیشہ فتنوں اور آزمائشوں کے ایّام میں اِس رُوحانی مجاہدہ کے خوشکن اثرات و نتائج کو آزماتے آرہے تھے اِس تحریک پر بھی والہانہ لبیک کہا۔

اشاعتِ دین کی تحریک

دوسری تحریک اشاعتِ دین سے متعلق تھی جس کی طرف حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۳ صلح ۱۳۳۲ ہش کے خطبہ جمعہ میں بڑے موثر پیرایہ میں توجہ دلائی اور نصیحت فرمائی کہ ہمارے ایمان و اخلاص کا تقاضا ہے کہ تحریکِ جدید ہمیشہ جاری رہے۔ اِس سلسلہ میں تبلیغی نقطہ نگاہ سے جماعتِ احمدیہ کی امتیازی شان پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا:-

"یاد رکھو کہ اِس وقت اشاعتِ دین کا کام تم ہی کر رہے ہو تمہارے سوا اَور کوئی نہیں کر رہا۔ دُنیا میں صرف تم ہی ایک جماعت ہو جو خدا تعالیٰ کے دین کے جھنڈے کو اُٹھائے ہوئے ہو۔ تمہیں شکوہ ہو گا کہ تمہیں وہ لوگ ہو جنہیں خارج از اسلام کہا جاتا ہے تمہیں وہ لوگ ہو جن کے خلاف مولوی اکٹھے ہو کر کفر کے فتوے لگاتے ہیں لیکن یہ شکوہ کی بات نہیں اِس سے تو تمہارے کام کی عظمت اور شان اَور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ایک شخص دین کی اِس لئے خدمت کرتا ہے کہ اسے اس کا بدلہ ملے گا۔ ایک شخص دین کی خدمت کرتا ہے اور اسے اس کا بدلہ نہیں ملتا اور ایک شخص دین کی خدمت کرتا ہے اور اسے نہ صرف اس کا بدلہ نہیں ملتا بلکہ اُلٹا اسے جھاڑیں پڑتی ہیں۔ اسے بُرا بھلا کہا جاتا ہے۔ گالیاں دی جاتی ہیں۔ تم دیکھ لو ان تینوں میں سے کس کا درجہ بڑا ہوتا ہے؟ آیا اُس شخص کا درجہ بڑا ہوتا ہے جو دین کی خدمت کرتا ہے اور اسے اس کا معاوضہ ملتا ہے یا اُس شخص کا درجہ بڑا ہوتا ہے جو دین کی خدمت کرتا ہے اور اسے اس کا معاوضہ نہیں ملتا یا اس شخص کا درجہ بڑا ہوتا ہے جو دین کی خدمت کرتا ہے اور نہ صرف یہ کہ اسے اس کا بدلہ ہی نہیں ملتا بلکہ اُلٹا اُسے جھاڑیں پڑتی

---

[1] خطبہ جمعہ فرمودہ ۲ صلح ۱۳۳۲ ہش (مطبوعہ الفضل ۷ صلح ۱۳۳۲ ہش صـ۳)

ہیں۔ اسے گالیاں دی جاتی ہیں۔

صاف بات ہے کہ جو شخص اِن حالات میں خدمتِ دین کرتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ اسے اس خدمت کا معاوضہ نہیں ملتا بلکہ اسے اُلٹا جھاڑیں پڑتی ہیں، اسے گالیاں دی جاتی ہیں اس (کا) درجۂ ایمان اس شخص سے بلند ہے جو خدمتِ دین کرتا ہے اور اسے اس کا معاوضہ ملتا ہے یا خدمت کرتا ہے اور اسے اس کا معاوضہ نہیں ملتا لیکن جھاڑیں بھی نہیں پڑتیں۔ درحقیقت محبّتِ کامل کا معیار یہی ہونا ہے۔

اگر مَیں غلطی نہیں کرتا تو غالباً ابراہیم ادہمؒ[1] تھے جن سے دوزخ اور جنّت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا مجھے جنّت اور دوزخ سے کیا غرض ہے خدا تعالیٰ جہاں مجھے رکھنا پسند کرے گا مَیں رہوں گا۔ اگر وہ مجھے جنّت میں رکھنا پسند کرے گا تو مَیں جنّت کو پسند کروں گا اور اگر وہ مجھے دوزخ میں رکھنا پسند کرے گا تو مَیں دوزخ ہی کو پسند کروں گا۔

پس جو شخص قطع نظر کِسی معاوضہ کے دین کی خدمت کرتا ہے بلکہ اسے معلوم ہے کہ اسے بجائے کِسی معاوضہ کے اُلٹا جھاڑیں پڑیں گی اور اسے گالیاں کھانی پڑیں گی لیکن وہ پھر بھی خدمت سے باز نہیں آتا وہ یقیناً خدا تعالیٰ کی محبّت اور اس کے پیار کو جذب کرنے والا ہے۔ اور اس میں کیا شُبہ ہے کہ جب قیامت کے دن سب لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے تو انبیاءؑ کے بعد سب سے مقدّم وہ شخص ہوگا جس کو دین کی خدمت کا نہ صرف یہ کہ معاوضہ نہ ملا بلکہ اسے جھاڑیں پڑیں، اسے گالیاں کھانی پڑیں لیکن وہ خدمت سے پھر بھی باز نہ آیا۔ اگر روزہ رکھنے والوں کے متعلق رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کہے گا کہ ان کا معاوضہ مَیں ہوں تو یقیناً وہ لوگ جنہوں نے دین کی خدمت کی اور اِس حالت میں خدمت کی کہ نہ صرف یہ کہ انہیں کوئی معاوضہ نہ ملا بلکہ انہیں جھاڑیں پڑیں، انہیں بُرا بھلا کہا گیا، انہیں گالیاں دی گئیں، انہیں واجب القتل قرار دیا گیا، انہیں اخراج عن الوطن کی دھمکیاں دی گئیں انہیں خدا تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا کہ اگر انسانوں کے پاس تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں تو تمہاری جگہ میری گود میں ہے۔ اور اگر انسانوں کے

---

[1] حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ نے "تذکرۃ الاولیاء" (باب ۴۳) میں یہ بات حضرت جنید بغدادیؒ کی طرف منسوب کی ہے۔

نزدیک تم واجب القتل قرار دیئے گئے تھے لیکن تم نے دین کی خدمت پھر بھی نہ چھوڑی تو تمہیں ہمیشہ کے لئے زندہ رکھنا مجھ پر فرض ہے۔

پس تمہارے لئے خدا تعالیٰ نے اِس نعمت کے دروازے کھولے ہیں جس کے دروازے سینکڑوں سال سے دوسروں پر نہیں کھولے گئے سینکڑوں سال گذر گئے اور دُنیا اِس نعمت سے محروم رہی جب اسلام ترقی پر تھا اس وقت اسلام کی خدمت کرنے والوں کی تعریف کی جاتی تھی، ان کی قدر کی جاتی تھی لیکن آج جب اسلام نہ صرف باطنی لحاظ سے بلکہ ظاہری لحاظ سے بھی گر چکا ہے وہ نہ غیر مسلموں کے نزدیک مقبول ہے نہ مسلمانوں کے نزدیک مقبول ہے خدا تعالیٰ اپنی قبولیت اور اپنا دستِ محبت تمہاری طرف بڑھاتا ہے وہ تمہیں اپنی محبت اور پیار کی بشارت دیتا ہے۔

پس تم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی کوشش کرو اور اپنے فرائض کو ادا کرو اور خدا تعالیٰ کی طرف سے جو جنتیں اور برکتیں تمہیں ملنی ہیں تم انہیں زیادہ سے زیادہ حاصل کر لو۔ ایسا زمانہ بہت کم آتا ہے اور مبارک ہوتے ہیں وہ لوگ جو ایسے زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ یہی لوگ نحوست سے دُور اور خدا تعالیٰ کی جنت کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ جو کہا ہے کہ اس دن جنت قریب کر دی جائے گی اس کا بھی یہی مفہوم ہے کہ خدا تعالیٰ ایسی جماعت کھڑی کر دے گا جو دین کی خدمت کرے گی اور نہ صرف یہ کہ اسے اس خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں ملے گا بلکہ اسے جھاڑیں پڑیں گی اسے گالیاں دی جائیں گی، دُنیا اسے دھتکارے گی کہ وہ کیوں خدا تعالیٰ کی ہو گئی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے دین کی کیوں خدمت کر رہی ہے اِس لئے لازمی طور پر خدا تعالیٰ اسے قبول کرے گا۔

پس تم ان وقتوں کی قدر کرو اور اپنے لئے زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کر لو تا خدا تعالیٰ کے سامنے بھی تم سُرخرو ہو جاؤ اور آئندہ نسلوں کے سامنے بھی تمہارا نام عزت سے لیا جائے"[1]

دُعاؤں کی تحریک ۳۰۔ ماہِ صلح ۱۳۳۲ ہش کو حضرت مصلح موعودؓ نے دُعاؤں کی خصوصی تحریک کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

"جماعت آجکل سخت مشکلات میں سے گزر رہی ہے دشمن مختلف طریق سے جماعت کو مٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔ جماعت نے خدا تعالیٰ کے فضل سے مٹنا تو نہیں لیکن جو شخص اس کے بچانے

[1] روزنامہ الفضل لاہور ۳۰ تبلیغ ۱۳۳۲ ہش صـ۳ ؁

کے لئے کوشش کرتا ہے یقیناً وہ خدا تعالیٰ کے حضور میں بڑا مقرب ہے۔ چونکہ ہم میں کوئی طاقت نہیں اس لئے ہمارے پاس یہی ذریعہ ہے کہ جس ہستی کو اس کی طاقت حاصل ہے ہم اس کے سامنے عرض کریں کہ حضور! جماعت کو دشمن کی زد سے محفوظ رکھئے۔ گویا ہمارا کام صرف مُنہ سے کہنا ہے اور رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی دوسرے شخص کی شفاعتِ حسنہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کو بھی فائدہ سے محروم نہیں کرتا بلکہ اسے بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ تو جب ایک شخص کی شفاعتِ حسنہ کرنے سے انسان فائدہ سے محروم نہیں رہتا تو ایک جماعت کی شفاعت کرنے کے بعد وہ کیوں محروم رہے گا؟[1]

پس دوستوں کو خدا تعالیٰ سے دعائیں کرنی چاہئیں کہ وہ جماعت کی حفاظت کرے، اسلام کی ترقی کے سامان بخشے، دشمن ناکام و نامراد ہوں ہم ان کی ناکامی اپنی آنکھوں سے دیکھیں تا ہمارے دل اللہ تعالیٰ کے فضلوں سے لذت حاصل کریں یہ بہت بڑی چیز ہے اِس کے لئے دوست دعا کریں بار بار خدا تعالیٰ کے حضور جائیں، بار بار اس کے سامنے پیش ہوں اور اس سے دعا مانگیں یہ ایسا کام نہیں جو دوبھر معلوم ہو یہ کام تو ایسا ہے جو جماعت کے ہر فرد کے لئے فائدہ مند ہے۔ اگر جماعت بچے گی تو اس کا ہر شخص بچے گا اگر جماعت ترقی کرے گی تو اس کا ہر فرد ترقی کرے گا۔ ہماری جماعت اگرچہ تعداد میں تھوڑی ہے مگر لیکن پھر بھی اس وجہ سے کہ جماعت مُنظّم ہے ہر سال ہزاروں آدمی ایسے ہوتے ہیں جو اس جتھہ کی وجہ سے بہت سی مشکلات سے بچ جاتے ہیں اگر وہ اِس جماعت سے باہر ہوتے تو ان مشکلات سے نہ بچتے۔ بے شک بعض ایسے افراد بھی ہیں جو اپنی بد اخلاقیوں اور سستیوں کی وجہ سے نہیں بچتے لیکن جماعت کا ایک خاصہ حصّہ ایسا ہے جو جماعت کی تائید کی وجہ سے بچ جاتا ہے اور بعض اوقات گرے ہوئے لوگ دوبارہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ابھی تو ہم تھوڑے ہیں لیکن پھر بھی جتھہ کی وجہ سے لوگ فائدہ اُٹھا لیتے ہیں لیکن اگر جماعت بڑھ جائے اور اسے طاقت حاصل ہو جائے تو کمزوروں کو اِس وقت سے کہیں زیادہ فائدہ حاصل ہوگا اور وہ

---

[1] حدیثِ نبویؐ ہے "اِشْفَعُوْا تُؤْجَرُوْا" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی) سفارش کرو تمہیں اجر ملے گا۔ اللہ جلّشانہٗ بھی فرماتا ہے "مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا" (النساء: ۸۶) جو شخص اچھی سفارش کرے اُس کے لئے اس میں سے ایک حصّہ ہوگا۔

ظالموں کے ظلموں سے بچ جائیں گے۔ دُنیوی طور پر بھی اور دینی طور پر بھی۔

پس جماعت کے لئے دعا درحقیقت اپنے لئے دعا ہے۔ اگر کوئی شخص جماعت کی ترقی کے لئے دعا کرتا ہے تو درحقیقت وہ اپنے لئے دعا کرتا ہے۔ وہ کسی پر احسان نہیں کرتا بلکہ اپنے فائدہ کا کام کرتا ہے۔"[1]

سچائی اختیار کرنے کی تحریک

حضرت مصلح موعودؓ کی چوتھی تحریک یہ تھی کہ سچائی کو اختیار کرو کہ اس کے نتیجہ میں تمہیں دوسری بہت سی نیکیوں کی بھی توفیق مل جائے گی چنانچہ حضورؓ نے ۶ر فروری ۱۹۵۳ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"تم فیصلہ کر لو کہ ہم نے سچ بولنا ہے چاہے اس کے بدلہ میں ہم ذلیل ہوں، شرمندہ ہوں یا ہمیں کوئی اور نقصان اٹھانا پڑے پھر دیکھو تمہارے اخلاق کی کتنی جلدی درستی ہو جاتی ہے پس میں ان مختصر الفاظ میں جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ سچائی کو اختیار کریں۔ بات مختصر ہے لیکن ہے بہت بڑی۔ کہنے کو تو یہ ایک منٹ میں کہی جا سکتی ہے لیکن نتیجہ اس کا صدیوں کی بھلائی اور قومی ترقی ہے۔"[2]

کراچی کنونشن اور ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ

احراری تحریک کے ہمنوا لیڈروں نے آل پاکستان مسلم لیگ کے اجلاسِ ڈھاکہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اگر حکومتِ پاکستان نے ۲۲ فروری ۱۹۵۳ء تک ان کے مطالبات تسلیم نہ کئے تو وہ "ختم نبوت کی باغی حکومت" کے خلاف ڈائریکٹ ایکشن کریں گے۔[3] اس سلسلہ میں راست اقدام کے متعدد راہنماؤں کی بے شمار تقاریر کے چند مختصر نمونے سپردِ قرطاس کئے جاتے ہیں۔

کفر و اسلام کی جنگ

۱۔ جناب مولانا عبد الحامد صاحب بدایونی صدر جمعیۃ العلماء کراچی و سندھ ورکن کونسل آف ایکشن یہ نظریہ رکھتے تھے کہ "میں آئین ساز اسمبلی کو دین کے متعلق قوانین منظور کرنے کا اختیار نہیں دے سکتا۔"[4]

---

[1] روزنامہ الفضل ۸ فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۴ ۔ [2] الفضل ۱۴ تبلیغ ۱۳۳۲ ہش صفحہ ۲

[3] رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب اردو صفحہ ۱۳۳، صفحہ ۱۳۹ ۔

[4] روزنامہ "آفاق" ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ ۔

مولانا صاحب نے ان دنوں اعلان کیا کہ :۔

"ہم دیانتداری کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ اس محاذ پر ہماری لڑائی کفر اور اسلام کی لڑائی ہے"۔[1]

"محافظینِ ختمِ نبوّت کا بلند مقام"

۲۔ جناب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری "امیر شریعت احرار" نے ۲۲ جولائی ۱۹۵۲ء کے ایک جلسۂ عام میں تقریر فرمائی کہ :۔

"مَیں تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلین پر ایمان رکھنے والے مسلمان کی گلی کے کُتّے کا بھی مُنہ چُومنے کو تیار ہوں"۔[2]

اِسی طرح مرکزی حکومت کو بھی مخاطب کرتے ہوئے کہا :۔

"تم ناموسِ مصطفٰے کا تحفّظ کرو مَیں تمہارے کُتّے پالنے کو تیار ہوں مَیں تمہارے سؤر چراؤں گا"۔[3]

پاکستان کی سربلندی کی لازمی شرط

۳۔ جناب مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کنوینر آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن نے کراچی میں تقریر کے دَوران کہا :۔

"جب تک مرزائیوں کو اقلیت قرار نہیں دیا جاتا پاکستان سربلند نہیں ہو سکتا"۔[4]

کشمیر دلانے کی ضمانت

۴۔ جناب مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی کی تقریر ۱۵ جنوری ۱۹۵۳ء بمقام لاہور :۔

"اگر ظفر اللہ کو آج وزارتِ خارجہ سے الگ کر دیا جائے تو علمائے کرام کشمیر حاصل کرنے کی گارنٹی دیتے ہیں"۔[5]

تکمیلِ پاکستان کی واحد صُورت

۵۔ جناب مولانا اختر علی خاں صاحب مدیر "زمیندار" نے شیخوپورہ کانفرنس (منعقدہ ۹۔ اکتوبر ۱۹۵۲ء) کو خطاب کرتے ہوئے کہا :۔

"جب تک ہم مرزائیت صفحۂ ہستی سے نہیں مٹا دیں گے اس وقت تک پاکستان صحیح معنوں میں

[1] زمیندار ۱۷ فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ کالم ۱ ۔ [2] انجام (کراچی) ۲۴ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۴

[3] آزاد ۱۸ فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ کالم ۴ ۔ [4] زمیندار یکم اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ کالم ۸

[5] زمیندار ۱۷ فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶

پاکستان نہیں بنے گا"۔ [1]

احمدیت ختم کرنے کا نسخہ

۵۔ جناب تاج الدین صاحب انصاری صدر مجلس احرار مرکزیہ نے ستمبر ۱۹۵۲ء کی گوجرانوالہ کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

"آج ظفر اللہ کو ہٹا دو اگر کل کو پچاس فیصد مرزائی مسلمان نہ ہو جائیں تو میری گردن مار دو۔ اگر مرزائیوں کو اقلیت قرار دے دو تو محمود ڈھونڈے گا کہ میرے باوا کی اُمّت کہاں ہے؟" [2]

جماعتِ احمدیہ پر "احسان"

۶۔ جناب صاحبزادہ فیض الحسن صاحب گدی نشین آلو مہار شریف نے اکتوبر ۱۹۵۲ء میں تقریر کی کہ:۔

"مرزائیو! ہمارا احسان مانو کہ ہم تمہیں اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں ورنہ قرآن پاک کی زبان سے پوچھا جائے تو وہ تو کہتا ہے کہ تمہیں انسانیت کے دائرہ سے ہی خارج کر دیا جائے۔" [3]

---

[1] زمیندار ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ کالم ۲ ۔ [2] آزاد ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۶ کالم ۲

[3] آزاد ۵ اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ کالم ۳ ۔ خدائی تصرف ملاحظہ ہو اسی اخبار نے جناب الطاف پرواز کی ایک نظم شائع کی جس میں مطالبۂ اقلیت کی نامعقولیت واضح کی۔ اس نظم کے چند اشعار یہ تھے ؎

اقلیت رواداری کی طالب بن کے آئے گی
کہو کیا پھر اجازت ہو گی انکارِ رسالت کی

مٹاؤ گے تم اِس فتنے کو کیونکر ملک و ملت سے
چلے گی کس طرح تحریک پھر ختمِ نبوت کی

محمدؐ کی رسالت پر اگر ایمان رکھتے ہو
سیاست سے الگ رہ کر اصولِ دین سمجھاؤ

اگر ظلمت کا اندیشہ ہے تم کو بے خطر ہو کر
جہانِ آدمیت میں ضیاءِ قرآں کی پھیلاؤ

اگر تبلیغِ دیں میں رنگ ہو اخلاص کا غالب
رہے "الحاد" کا کوئی نہ پاکستان میں طالب [1]

---

[1] آزاد ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۱ ۔

۷۲ فرقوں کا "اجماع"

۷۔ جناب مولوی اختر علی خاں صاحب ابن مولوی ظفر علی خاں نے نومبر ۱۹۵۲ء میں کہا کہ:۔

"مجلسِ عمل نے گذشتہ تیرہ سو سال کی تاریخ میں دوسری مرتبہ اجماعِ اُمّت کا موقعہ مہیّا کیا ہے۔ آج مرزائے قادیان کی مخالفت میں اُمّت کے ۷۲ فرقے متحد و متفق ہیں۔ حنفی اور وہابی، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سُنّی، اہلحدیث سب کے علماء، تمام پیر اور تمام صوفی اس مطالبہ پر متفق و متحد ہیں کہ مرزائی کافر ہیں انہیں مسلمانوں سے ایک علیحدہ اقلیت قرار دو۔" [1]

وزیرِ اعظم پاکستان کے احمدی ہونے کا پراپیگنڈا

۸۔ جناب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اور ان کے رفقاء نے یہ پراپیگنڈا کیا کہ:۔

"خواجہ ناظم الدین مرزا محمود کے ہاتھ پر بیعت کر کے قادیانی ہو گئے ہیں اور ان کے قادیانیوں کے درمیان کوئی رشتے بھی ہو چکے ہیں؟" [2]

مرکزی وزراء پر انتشار پھیلانے کا الزام

۹۔ "مجاہدِ ملّت" جناب مولوی محمد علی صاحب جالندھری نے بھرے جلسوں میں یہ الزام لگایا کہ:۔

"ملک میں بدامنی اور انتشار پھیلانے کی ذمّہ داری اُن لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو وزارتوں کی گدیوں پر فائز ہیں۔ آج ملک میں جو پریشانی پھیلی ہوئی ہے وہ صرف ان کُرسی نشینوں کی بدولت ہے جو اسلام کا نام لے کر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں۔" [3]

"ریاست در ریاست"

۱۰۔ جناب مولانا مرتضیٰ احمد خاں صاحب میکش نے ناصحانہ انداز میں کہا:۔

"میں اربابِ اقتدار کو ایسی بات کی طرف توجّہ دلاتا ہوں جو پاکستان کے اندر پاکستان کو تباہ کرنے کے لئے بنائی گئی ہے وہاں زمین دوز سُرنگیں ہیں، وہاں بم تیار ہوتے ہیں، وہاں مضبوط قلعہ بنایا جا رہا ہے۔۔۔ وہ ریاست جہاں ایسی تیاریاں ہو رہی ہیں وہ مرزائیوں کی ریاست ہے جس کا

---

[1] "زمیندار" ۵ر نومبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ کالم ۶ ۔
[2] ہفت روزہ "حکومت" ۱۴ر فروری ۱۹۵۳ء و "آزاد" ۳۰ر جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۳ ۔
[3] "آزاد" ۷ر ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ کالم ۷ ۔

نام ربوہ ہے"۔ [1]

حکومت کو دھمکی

۱۱۔ جناب مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی نے کہا:۔

" اگر حکومت نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ تسلیم نہ کیا تو اسکا وہی حشر ہوگا جو مصر میں شاہ فاروق کا ہوا ہے"۔ [2]

حکومتِ پاکستان کے خلاف فرضیتِ جہاد کا فتویٰ

۱۲۔ پاکستان کے ممتاز علماء میں سے مولانا عارف اللہ صاحب، مولانا غلام اللہ خان صاحب، مولانا عبدالحنان صاحب، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ذبیح، مولانا عبدالحکیم صاحب، مولانا محمد مسکین صاحب، مولانا محمد انیس صاحب، مولانا عبدالستار صاحب اور دیگر علماء و خطباء نے پوری شرح و بسیط سے تقاریر کیں کہ "ہم مجلسِ عمل کے حکم کے منتظر ہیں ورنہ یہ قید و بند اور ہتھکڑیاں و بیڑیاں ہمارے لئے نئی نہیں ہیں یہ تو حق کی حمایت میں اُسوۂ یوسف و سُنّتِ سجاد کے درجہ میں ہیں اگر حکومت نے مرزائیت نوازی ترک نہ کی تو خدا کے نام پر قائم کیا ہوا پاک مُلک کافرستان بن جائیگا اور ہم پر جہاد فرض ہو جائے گا"۔ [3]

خوفناک ردِّ عمل کا اِنتباہ

۱۳۔ اخبار "زمیندار" نے ۱۶ فروری ۱۹۵۳ء کو اداریہ میں لکھا:۔

" اگر الحاج خواجہ ناظم الدین نے اِس قومی مطالبہ کو اَب بھی تساہل و بے پروائی کی نگاہوں سے دیکھا تو ہمیں اندیشہ ہے کہ جو صُورتِ حال رُونما ہوگی اُس پر قابو پانے میں حکومت کی اجتماعی قوّت بھی کامیاب نہ ہو سکے گی"۔ [4]

احکامِ مملکت ماننے سے اِنکار

۱۴۔ جناب صاحبزادہ فیض الحسن صاحب آلومہار شریف "رضاکارانِ مجلسِ عمل کے کمانڈر انچیف" نے ۲۳ فروری ۱۹۵۳ء کو حسبِ ذیل بیان جاری کیا:۔

"آج خواجہ ناظم الدین باغیان محمد عربی کی حمایت کر رہے ہیں۔ جو محمدِ عربی کا باغی ہم اُس کے باغی

---

[1] "آزاد" ۱۳ اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۶ کالم ۲۔ [2] "زمیندار" یکم اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ کالم ۵

[3] "دعوت" لاہور ۱۹ فروری ۱۹۵۳ء بحوالہ "الفضل" لاہور ۲۵ فروری ۱۹۵۳ء / ۲۵ تبلیغ ۱۳۳۲ ہش

[4] "زمیندار" ۱۶ فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۳ (اداریہ)۔

ہیں اس کے احکام کی ہم قطعاً پابندی نہ کریں گے۔" [۱]

اُلٹی میٹم

۱۵۔ "خطیبِ پاکستان" جناب قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی کی تقریر بہاول پور (دسمبر ۱۹۵۲ء) :-

"ہمارے ذمہ دارانِ حکومت ختمِ نبوت سے بے اعتنائی کر کے اپنے خلاف بغاوت پر مجبور نہ کریں۔" [۲]

محمد عربی کے باغی حکمران

۱۶۔ "امیرِ شریعتِ احرار" جناب سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مسجد نُور کراچی میں تقریر کی کہ :-

"ایک مسلمان سلطنت اور مسلمان قوم کے حکمران وہی ہو سکتے ہیں جو مسلمان ہوں اور محمد عربی کے غلام محمدِ عربی کے باغی اور کافر و مرتد مسلمان قوم کے حکمران نہیں رہ سکتے۔" [۳]

جناب سید مظفر علی صاحب شمسی نے کہا :-

"خواجہ ناظم الدین اور اس کی حکومت پر ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ ہم محمد عربی صلعم کے باغیوں کو اس اسلامی ملک کی مسندِ وزارت پر قابض ہوتے برداشت نہیں کریں گے۔ کیا پاکستان اِس لئے بنایا گیا تھا کہ یہاں محمدِ عربی صلعم کے دشمن اور ان کی توہین کرنے والے دندناتے پھریں؟" [۴]

پاکستان کا سب سے بڑا باغی ہونا عبادت

۱۷۔ جناب حافظ قمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف نے ۱۳ر نومبر ۱۹۵۲ء کو کہا :-

"اب پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ ہم تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ دیر توہین برداشت نہیں کر سکتے۔ ۔ ۔ حکومت تاجدارِ مدینہ کی عزت و عظمت کی حفاظت کرے ورنہ مَیں اِس مملکت کا سب سے بڑا باغی ہوں اور یہ بغاوت میرے ہاں کوئی جُرم نہیں بلکہ مَیں اس بغاوت کو عبادت خیال کرتا ہوں۔" [۵]

حکومتِ پاکستان کی حمایت حرام

۱۸۔ جناب مولانا سید ابو الحسنات سید محمد احمد قادری صدر مجلسِ عمل پنجاب نے ۱۵ر فروری ۱۹۵۳ء کو ایک جلسہ میں فرمایا :-

---

[۱] آزاد ۲۵ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۵ ÷ [۲] آزاد ۷ر دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ کالم ۶

[۳] ہفت روزہ "حکومت" کراچی ۴ار فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۳ + [۴] آزاد ۶ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ کالم ۵ ÷ [۵] آزاد ۱۶ر نومبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ کالم ۴ ÷

"میں پولیس، فوج تمام سرکاری ملازموں، افسروں اور حکمرانوں کو یہ اطلاع دیتا ہوں کہ ایک دن آنے والا ہے جس کی خبر قرآن دے چکا ہے وہ دن قیامت کا ہے بہشت اور دوزخ میں سے ایک ٹھکانا منتخب کرنے کا ہے۔ اب تم خود سوچ لو کہ اگر تم نے ختم نبوت کے علمبرداروں پر گولیاں چلائیں تو تمہارا ٹھکانا کہاں ہوگا؟"

"میں اس فتویٰ کا اعلان کرتا ہوں کہ ایسی حکومت کی حمایت حرام ہے جو ختمِ نبوت کے محافظوں پر گولی چلائے۔" [1]

خواجہ ناظم الدین کا گریبان پکڑ لیں گے

۱۹۔ جناب ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری صدر مرکزیہ مجلس احرار اسلام نے "ختمِ نبوت کانفرنس" چنیوٹ (منعقدہ ۲۶ ردسمبر ۱۹۵۲ء) کو دھمکی دی کہ:۔

"اب جو دستوریہ کی رپورٹ شائع ہوئی ہے اس میں مرزائیوں کو اقلیتوں کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔ ہم نے حکومت کو ایک ماہ کی مہلت دی ہے اگر ایک ماہ کے بعد بھی حکومت نے کوئی نوٹس نہ لیا تو پھر ہم خود ہاتھ پاؤں ماریں گے اور جس طرح ڈوبنے والا سہارا دینے والے کی ہر وہ پہلی چیز مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیتا ہے جو اس کے ہاتھ میں آتی ہے ہم بھی جہاں ہمارا ہاتھ پہنچے گا اسی چیز کو پکڑ لیں گے خواہ وہ ناظم الدین کا گریبان ہو یا کسی اَور کا۔" [2]

نوٹس کی آخری میعاد قطعی ہے

۲۰۔ جناب مولانا سید ابوالحسنات محمد احمد صاحب قادری صدر مجلسِ عمل پنجاب نے ۲۰ رفروری ۱۹۵۳ء کو واضح کیا:۔

"بائیس فروری کے بعد حکومتِ پاکستان کو ایک دن کی بھی مہلت نہیں دی جائے گی۔"

"مجلسِ عمل کے نوٹس کی میعاد آخری ہے اور اس میں مزید توسیع قوم کے جذبات سے کھیلنے کے مترادف ہے۔" [3]

---

[1] "آزاد" ۱۸ رفروری ۱۹۵۳ء صہ۵ کالم ۲۔

[2] "آزاد" لاہور ۱۶ رجنوری ۱۹۵۳ء صہ۱ کالم ۳۔

[3] "آزاد" ۲۳ رفروری ۱۹۵۳ء صہ۱۔

مطالبات منظور کرائے بغیر باہر نہ آئیں گے

۲۱۔ جناب سید ابو الحسنات محمد احمد صاحب قادری صدر جمعیۃ علمائے پاکستان نے اس عزم کا اظہار کیا:۔

" اگر ہمیں گرفتار کر لیا گیا تو ہم الحمد للہ کہہ کر آپ کی جیلوں میں ڈیرے ڈالیں گے اور اس وقت تک باہر نہیں آئیں گے جب تک ہمارے مطالبات تسلیم نہیں کر لئے جاتے ہم جب باہر آئیں گے تو چوہدری ظفر اللہ ہمیں وزارتی گدی پر نظر نہیں آئیں گے۔" [1]

ہر طاقت کو پاش پاش کر دینے کا عزم

۲۲۔ جناب ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری صدر مجلس احرار نے موچی دروازہ کے ایک جلسہ میں کہا:

" مجلس عمل اپنا پروگرام مرتب کر چکی ہے اور اب دنیا کی کوئی طاقت اسے آگے قدم بڑھانے سے روک نہیں سکتی اور ہمارا ایمان ہے کہ مرزائیوں کو شکست ہوگی اور جو طاقت بھی ہمارے اس پروگرام میں حائل ہوگی ہم اسے بھی ہٹا دیں گے۔" [2]

پیشگوئیاں

۲۳۔ جناب مولانا اختر علی خاں صاحب مدیر "زمیندار" نے نومبر ۱۹۵۲ء میں جلسہ پنڈی بھٹیاں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

" میں اس پلیٹ فارم سے یہ پیشگوئی کرتا ہوں کہ قادیانیت بھی اسی طرح ختم ہوگی جس طرح انگریز یہاں سے گیا۔" [3]

ازاں بعد ۱۶ر فروری ۱۹۵۳ء کو کہا:۔

۲۴۔" میں اس ملک کے ساڑھے سات کروڑ مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے حکومت تک یہ آواز پہنچانا چاہتا ہوں کہ اب اس ملک میں مسلمان رہیں گے یا مرزائی۔" [4]

۲۵۔ جناب تاج الدین صاحب انصاری نے موچی دروازہ کے جلسہ (منعقدہ یکم فروری ۱۹۵۲ء) میں کہا:۔

" مجلس عمل اپنا پروگرام مرتب کر چکی ہے اور اب دنیا کی کوئی طاقت اسے آگے قدم بڑھانے

---

[1] زمیندار ۳ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۲ ٭ [2] آزاد ۶ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۲

[3] زمیندار ۲۳ نومبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱ کالم ۵ ٭ [4] زمیندار ۱۸ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ کالم ۳

سے روک نہیں سکتی۔ میں کہتا ہوں کہ حکومت جس قدر عجلت کے ساتھ ہم پر ہاتھ ڈالے گی اُسی عجلت کے ساتھ ہماری کامیابی ہمارے قدم چُومے گی۔" [1]

۲۶۔ جناب سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے "ختمِ نبوّت کانفرنس" چنیوٹ (منعقدہ ۲۶ دسمبر ۱۹۵۲ء) کو خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

"مرزا محمود کو آگاہ رہنا چاہیئے کہ اس کی بڑ کا ۵۲ء گزر گیا ہے۔۔۔ لو اب ۵۳ء بخاری کا ہے اور مَیں اپنے مولا کریم کے فضل و کرم سے کہہ رہا ہوں کہ تم ہوشیار ہو جاؤ آخری فتح میری ہو گی۔" [2]

"قادیانی مسلم" فسادات کی دھمکی

۲۷۔ راست اقدام کے نامور لیڈروں نے دستوری سفارشات کے متعلق جنوری ۱۹۵۳ء میں ایک مفصّل بیان دیا جس میں انہوں نے حکومتِ پاکستان کو مخاطب کرتے ہوئے یہ زبردست انتباہ کیا:۔

"ان کو پچھلے دَور کے بیرونی حکمرانوں کی طرح نہ ہونا چاہیئے جنہوں نے ہندو مسلم مسئلہ کی نزاکت کو اس وقت تک محسوس کرنے ہی نہ دیا جب تک متحدہ ہندوستان کا گوشہ گوشہ دونوں قوموں کے فسادات سے خُون آلودہ نہ ہو گیا جو دستور ساز حضرات خود اِس ملک کے رہنے والے ہیں ان کی غلطی بڑی افسوسناک ہوگی کہ وہ جب تک پاکستان میں قادیانی مُسلم تصادم کو آگ کی طرح بھڑکتے ہوئے نہ دیکھ لیں اس وقت تک انہیں اِس بات کا یقین نہ آئے کہ یہاں ایک قادیانی مُسلم مسئلہ بھی موجود ہے۔" [3]

بانیٔ جماعتِ اسلامی سیّد ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے موچی دروازہ کے ایک جلسۂ عام میں علماء کے اِس بیان کی مکمّل حمایت میں تقریر کی اور کہا:۔

"قوم کے متفقہ مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو بہت ممکن ہے یہ مسئلہ ہندو مُسلم فسادات سے بھی نازک صُورت اختیار کر جائے۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ "مسلمان" اور "مرزائی" سوال پیدا ہونے اور

---

[1] زمیندار ۳ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ کالم ۲ ✦ [2] آزاد ۱۶ر جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ کالم ۱

[3] اخبار "کوثر" ۲۵ر جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۲ کالم ۲۔ جناب مولوی محمد علی صاحب جالندھری نے انہی دنوں کہا "کیا ہماری حکومت بھی مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے اور مسلمانوں کے دوسرے مطالبات اس وقت تسلیم کرے گی جب خون کی ندیاں بہہ نکلیں گی۔" (آزاد ۱۸ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۳) ✦

اس سے رُونما ہونے والے حالات سے پہلے ہی قوم کے مطالبات تسلیم کرلے۔"[1]

اخبار زمیندار (یکم فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ کالم ۱) میں یہی بیان درج ذیل الفاظ میں شائع ہوا:۔

"اگر قوم کے متفقہ مطالبہ کو نظر انداز کیا گیا اور اس فرقہ کو علیحدہ اقلیت قرار دینے کا اعلان نہ کیا گیا تو بہت ممکن ہے کہ اس ملک میں ہندو مُسلم فسادات کی طرح قادیانی اور مُسلم فسادات کا سلسلہ شروع ہوجائے۔ یہ وہ نازک صورتِ حال ہو گی جسے شاید ہماری حکومت برداشت نہ کرسکے گی۔"[2]

جماعتِ اسلامی کے رُخِ کردار پر ایک نظر

اِس مرحلہ پر یہ بتانا ضروری ہے کہ احمدیوں کے خلاف ایجی ٹیشن کی بُنیاد تو احراری علماء نے رکھی تھی جیسا کہ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی تسلیم کرتے تھے:۔

"اِس ایجی ٹیشن کی ابتداء کرنے والے بلاشُبہ احرار تھے۔"[3]

مگر جب فسادات کے لئے ماحول سازگار ہو گیا تو جماعتِ اسلامی بھی پیش پیش نظر آنے لگی حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اُس نے شروع ۱۹۵۲ء میں دستور ساز اسمبلی پاکستان سے دستور کو خالص اسلامی بنانے کے لئے جن آٹھ مطالبات کی قطعی صراحت کا مطالبہ کیا تھا اور جس کے لئے اس نے ایک وسیع مہم چلا کر بہت سے مسلمانوں سے دستخط کرائے تھے اُن میں جماعتِ احمدیہ کو اقلیت قرار دینے کا ذکر تک نہیں تھا۔ یہ مطالبہ دستخط کرانے کے بعد پُراسرار طریق سے ازخود شامل کیا گیا[4] جس پر راولپنڈی کے معززین و زعماء نے کُھلا احتجاج کیا۔

اِس غیر اسلامی اقدام کے نتیجہ میں جماعتِ اسلامی کی عملی پالیسی کے متعدد ایسے پہلو نمایاں ہو کر سامنے آ گئے جو حد درجہ افسوسناک اور ناقابلِ فہم تھے۔ مثلاً:۔

اوّل۔ جماعتِ اسلامی نے سات برس قبل تحریکِ پاکستان کی مخالفت کا شرعی جواز ہی یہ پیش کیا تھا کہ اگرچہ ہندوستان کے مسلمانوں کی اکثریت مطالبۂ پاکستان پر متفق و متحد ہے مگر حدیثِ نبوی

---

[1] آزاد ۳۱؍جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۲ ؎ [2] زمیندار یکم فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ کالم ۱

[3] روزنامہ آفاق (لاہور) ۱۳؍اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ ؎ [4] ملاحظہ ہو اشتہار "ہم مطالبہ کرتے ہیں" مطبوعہ مرکنٹائل پریس لاہور۔ شائع کردہ جماعتِ اسلامی پاکستان "دستوری تجاویز" سرورق صفحہ ۲ از سیّد ابوالاعلیٰ صاحب مودودی طبع اوّل ۱۴؍اگست ۱۹۵۲ء۔ ناشر مرکزی مکتبہ جماعتِ اسلامی اچھرہ ؎

کے مطابق اکثریت باطل پر ہے[۱] اور ۷۲ فرقوں میں سے صرف وہ فرقہ ناجی ہے جو اقلیت میں ہوگا چنانچہ جماعت اسلامی کے ترجمان رسالہ "ترجمان القرآن" ستمبر، اکتوبر ۱۹۴۵ء نے لکھا:۔

" اسلام میں نہ اکثریت کا کسی بات پر متفق ہو جانا اس کے حق پر ہونے کی دلیل ہے نہ اکثریت کا نام سوادِ اعظم ہے، نہ ہر بھیڑ جماعت کے حکم میں داخل ہے اور نہ کسی مقام کے مولویوں کی کسی جماعت کا کسی رائے کو اختیار کر لینا اجماع ہے۔ ان ساری غلط فہمیوں سے تعرض کرنے کا یہ موقع نہیں ہے البتہ مذکورہ بالا حدیث کا مطلب ہم بیان کئے دیتے ہیں۔

---

[۱] بالکل اسی نظریہ پر احرار نے مخالفتِ پاکستان کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ ایک بار سید عطاء اللہ شاہ صاحب نے کہا "ہم سے کہا جاتا ہے کہ جدھر اکثریت ہو ادھر تم بھی چلو اور اکثریت کا ساتھ (دو) ہم اکثریت نہیں چاہتے ہمیشہ اقلیت حق پر ہوتی ہے۔۔۔ ہم نام نہاد اکثریت کی تابعداری نہیں کریں گے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اکثریت باطل پر ہے" (اخبار زمزم ۳۰ اپریل ۱۹۳۹ء بحوالہ "سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری ص ۱۱۶ مؤلفہ خان حبیب الرحمٰن صاحب کابلی" طبع اوّل جون ۱۹۴۰ء)

آپ نے ایک اور موقعہ پر تقریر کے دوران کہا " اگر اکثریت کا لحاظ ہے تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر درود کیوں بھیجتے ہو یزید پر درود پڑھو" (فرمودات امیرِ شریعت" ص ۳۶ مرتب جناب حکیم مختار احمد الحسینی صاحب مکتبہ تعمیرِ حیات چوک رنگ محل لاہور)

شاہ صاحب نے قیام پاکستان کے بعد یہ بھی کہا:۔ "کمیونسٹوں سے ہماری جنگ کیسی، اسلام و اشتراکیت کا جھگڑا کیسا، میں تو پوچھتا ہوں کہ اسلام ہے کہاں جس سے کمیونزم کی جنگ ہوگی" (خطباتِ امیرِ شریعت" ص ۵۹ مرتبہ جانباز مرزا طبع اوّل پنجاب پریس لاہور)

نیز کہا:۔

" کعبہ سے کراچی تک ہر جگہ قانونِ کفر ہی مسلط ہے" ۔

" ز کافِ کعبہ تا کافِ کراچی
سراسر کفر و کفر دوں کفر"

(حیات امیر شریعت" ص ۵۲۵، ص ۵۲۶ مرتبہ جانباز مرزا۔ ناشر مکتبہ تبصرہ ۲/۷ گلشن کالونی شاد باغ لاہور)

مذکورہ بالا حدیث ترمذی میں اِن الفاظ کے ساتھ وارد ہے: "انّ اللّٰہ لایجمع امّتی اَوقال امّۃ محمّد علی ضلالۃ ویداللّٰہ علی الجماعۃ ومن شذّ شذّ فی النّار" (اللہ تعالیٰ میری اُمّت کو یا یوں فرمایا کہ محمد کی اُمّت کو ضلالت پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو جماعت سے الگ ہوُا وہ جہنم میں پڑا) اِس کا مطلب یہ ہے کہ اِس اُمّت پر کوئی ایسا دَور نہیں آئے گا کہ یہ پُوری اُمّت گمراہی میں پڑجائے بلکہ اس میں ایک گروہ خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور وہی جماعت ہے اور اللہ کا ہاتھ اس جماعت پر ہے۔ اور جو اس جماعت سے الگ ہوُا وہ جہنّم میں گرا۔ اِس مطلب کی تائید اس حدیثِ نبویؐ سے ہوتی ہے جو عبداللہ بن عمرؓ سے بایں الفاظ مروی ہے: "انّ بنی اسرائیل تفرّقت علی اثنتین وسبعین ملّۃ وتفترق امّتی علی ثلاث وسبعین ملّۃ کلّھم فی النّار الّا ملّۃ واحدۃ قالوا من ھی یا رسول اللّٰہ؟ قال ما انا علیہ واصحابی!" بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری اُمّت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی جو سب کے سب جہنّم میں پڑجائیں گے بجز ایک کے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کون لوگ ہوں گے یا رسول اللہ؟ آپؐ نے فرمایا وہ جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوں گے۔

احمد اور ابوداؤد کے یہاں پہلی روایت کسی قدر مختلف الفاظ میں ہے اور ان میں اِس بات کی تصریح ہے کہ یہی فرقہ جو آپ کے اور آپ کے صحابہ کے طریق پر ہوگا، جماعت ہے اور اس کے اُوپر اللہ کی رحمت کا ہاتھ ہے۔ عن معاویۃ ثنتان وسبعون فی النّار وواحدۃ فی الجنّۃ وھی الجماعۃ (معاویہؓ سے روایت ہے کہ بہتّر فرقے جہنّم میں ہوں گے ایک جنّت میں ہوگا اور وہی جماعت ہے) اِس سے معلوم ہوُا کہ ایک زمانہ اس اُمّت پر ایسا آئے گا کہ اس کے بڑے حصّہ میں ضلالت کا اثر اسی طرح سرایت کرجائے گا جس طرح باؤلے کُتّے کے کاٹنے سے اس کا زہر آدمی کی رگ رگ میں سرایت کرجاتا ہے صرف تھوڑے لوگ بچ رہیں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طریق پر ہوں گے اور وہی لوگ جماعت کے حکم میں ہوں گے۔ بعینہٖ اسی مضمون کی ایک حدیث اور بھی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:-

لا تزال طائفۃ من اُمّتی علی الحق ۔۔۔ الخ۔ میری اُمّت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر

قائم رہے گا اور جو لوگ انہیں چھوڑیں گے ان کو کچھ ضرر نہ پہنچائیں گے۔

اِن احادیث کی روشنی میں زیرِ بحث حدیث کا مطلب یہ نکلا کہ یہ پوری اُمّت کبھی گمراہ نہ ہوگی بلکہ ایک جماعت خواہ وہ کتنی ہی مختصر ہو حق پر قائم رہے گی اور وہی جماعت ناجی ہے۔ اسی کے اُوپر اللہ کا ہاتھ ہے بقیہ سب جہنّم میں پڑیں گی۔ اِن احادیث سے یہ امر بالکل واضح ہے کہ یہ گروہ نہ کثرت میں ہوگا نہ اپنی کثرت کو اپنے برحق ہونے کی دلیل ٹھہرائے گا بلکہ اس اُمّت کے ۷۳ فرقوں میں سے ایک ہوگا اور اس معمورِ دُنیا میں ان کی حیثیت اجنبی اور بیگانہ لوگوں کی ہوگی جیسا کہ فرمایا ہے "بدء الاسلام غریبًا وسیعود کما بدء، فطوبی للغرباء ھم الّذین یصلحون ما افسد النّاس بعدی من شئ" (اسلام غربت میں شروع ہوُا اور اسی غربت میں پھر مُبتلا ہوگا پس مبارکباد ہے ان "اجنبیوں" کے لئے جو دوسروں کے بگاڑے ہوئے دین کی اصلاح کریں گے)۔

پس جو جماعت محض اپنی کثرتِ تعداد کی بناء پر اپنے آپ کو وہ جماعت قرار دے رہی ہے جس پر اللہ کا ہاتھ ہے اور جس سے علیحدہ ہونا جہنّم میں داخل ہونے کے مترادف ہے اس کے لئے تو اس حدیث میں اُمّید کی کوئی کرن نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں اس جماعت کی دو علامتیں نمایاں طریقہ پر بیان کردی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طریق پر ہوگی، دوسری یہ کہ نہایت اقلیت میں ہوگی۔" [1] [2]

---

[1] رسالہ "ترجمان القرآن" ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۹، ۱۰۔

[2] جناب مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور نے ایک بار خطبۂ جمعہ کے دوران بتایا "اس حدیث شریف کا ماحصل یہ نکلا کہ آپ کی اُمّت کہلانے والوں میں ۷۳ فرقے ہوں گے اور فقط ایک فرقہ صحیح معنوں میں آپ کی اُمّت کہلانے کا مستحق ہوگا اس سے معلوم ہوُا کہ کھری اُمّت کمیاب ہوگی اور کھوٹی اُمّت کی بہتات ہوگی اور یہ بھی معلوم ہوُا کہ کھوٹی اُمّت کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کھری اُمّت بہشت میں جائیگی۔ نیز معلوم ہوُا کہ کھری اُمّت وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے طریقہ پر ہو اور کھوٹی اُمّت وہ ہے جو نام تو اسلام کا لے اور مسلمان کہلائے مگر اُن کا دین رسول اللہ والا نہ ہو بلکہ بعد کی ایجاد شدہ چیزیں ہوں۔"

("آزاد" لاہور ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲)

دوم ۔ جماعتِ احمدیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ صرف پاکستان کے اقلیتی طبقوں کا مطالبہ تھا۔ چنانچہ مودودی صاحب نے اپنے رسالہ "قادیانی مسئلہ"[له] میں بھی لکھا کہ :۔

" تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد ابھی تک اس کی صحت و معقولیت کی قائل نہیں ہو سکی ہے اور پنجاب و بہاولپور کے سوا دوسرے علاقوں خصوصاً بنگال میں ابھی عوام الناس بھی پوری طرح اُسکا

له یہ رسالہ مودودی صاحب نے مارچ ۱۹۵۳ء میں عین اُس وقت شائع کیا جبکہ علماء کی شعلہ افشانیوں نے ملک کو فرقہ دارانہ فسادات کے دہانے پر پہنچا دیا تھا۔ جناب غلام احمد صاحب پرویز مدیر "طلوعِ اسلام" لکھتے ہیں : "سب سے زیادہ اہمیت مودودی صاحب کے رسالہ قادیانی مسئلہ کو دی جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک اِس رسالہ کے دلائل اِس قدر پوچے ہیں کہ ان کا تجزیہ کیا جائے تو وہ خود احمدیوں کے حق میں چلے جاتے ہیں۔" ("مزاج شناسِ رسول" صفحہ ۴۴۳ طبع اوّل ناشر ادارہ طلوعِ اسلام۔ کراچی)

امریکہ کی ٹفٹس یونیورسٹی (TUFTS UNIVERSITY) میں تاریخ کے پروفیسر مسٹر فری لینڈ ایبٹ (FREELAND ABBOT) نے مڈل ایسٹ جرنل کی سرمائی اشاعت ۱۹۵۷ء میں "قادیانی مسئلہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا "اِس پمفلٹ میں خواہ علمی لحاظ سے کیسے ہی عمدہ دلائل کیوں نہ دیئے گئے ہوں بہرحال ایک کشیدگی کی موجودگی میں اس کی اشاعت یقیناً کھچاؤ میں اضافہ کا باعث ہوئی۔ احمدی قبل ازیں ایک مدّت سے جماعتِ اسلامی کی مخالفت میں بہت سرگرم رہے تھے عین ممکن ہے کہ مولانا مودودی اس مخالفت سے سرگراں ہو چکے ہوں اور مولانا موصوف نے مسلم سوسائٹی سے ان لوگوں کے اخراج کا موقعہ غنیمت جان کر یہ پمفلٹ لکھا ہو اور انہیں اِس بات کا خیال نہ آیا ہو کہ یہ پمفلٹ بھی کشیدگی میں اضافہ ہی کرے گا۔۔۔ مولانا مودودی کو اس وقت معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ وہ درحقیقت ایک بہت بڑے آتشگیر بم سے کھیل رہے ہیں۔ ان کا یہ عدم احساس درحقیقت ایک زبردست غیر ذمہ داری کے مترادف ہے۔" (ترجمہ)

(بحوالہ رسالہ "چراغِ راہ" "تحریکِ اسلامی نمبر" صفحہ ۳۶۸
تاریخ اشاعت نومبر ۱۹۶۳ء ناشر ادارہ چراغِ راہ
کراچی)

وزن نہیں محسوس کر رہے ہیں۔" (ص ۱۰،۱۱)

قبل ازیں انہوں نے ۲۲ر فروری ۱۹۵۳ء کو ایک خط میں لکھا:۔

"پنجاب سمیت پورے ملک میں تعلیم یافتہ پبلک کو قادیانیوں کے بارے میں ہمارے مطالبے کی صحت پر اب تک مطمئن نہیں کیا جا سکا ہے۔ دوم یہ کہ عوام الناس بھی صرف پنجاب اور بہاولپور ہی میں اس مطالبے کی حمایت کے لئے تیار کئے جا سکے ہیں باقی دوسرے تمام صوبوں اور سب سے بڑھ کر بنگال کے عوام اس سے بالکل غیر متاثر ہیں۔" ؎۱

نیز لکھا:۔

"ہمارے نزدیک یہ سخت غلط اور غیر مدبرانہ کارروائی ہے۔ اس طرح کے اگر چند مظاہرے اور کر ڈالے گئے تو بعید نہیں کہ بنگال میں اس کا بالکل اُلٹا ردِّعمل پیدا ہو جائے اور ہم قادیانیوں کے مسئلے میں بنگال کی تائید حاصل کرنے سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ خود پنجاب میں بکثرت لوگ ان مظاہرات کے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ دراصل دولتانہ صاحب کے اشارے سے مجلسِ عمل والوں نے کئے ہیں کیونکہ دولتانہ صاحب اِس وقت خواجہ ناظم الدین پر دھونس جمانا چاہتے ہیں۔" ؎۲

یہ ایسی واضح حقیقت تھی کہ اس کی تائید میں جماعتِ اسلامی کے ایک راہنما جناب نصراللہ خاں عزیز (مدیر "کوثر") کو مشرقی پاکستان کا دورہ کرنے کے بعد یہ بیان دینا پڑا کہ:۔

"جب ہم قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کے نکتے کا تذکرہ کرتے تو جواب ملتا یہ تو فرقہ بندی ہے فتنۂ تکفیر ہے۔ مولوی تو اس سے پہلے اسی طرح ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے آئے ہیں قادیانی گمراہ سہی مگر ان کو کافر کہنے سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوگا۔ بعض کہتے وہ تو اسلام کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ قرآنِ مجید کا ترجمہ انگریزی زبان میں انہوں نے کیا ہے اور ان کے مشن ممالکِ غیر میں اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں۔" ؎۳

اِس حقیقت کے باوجود حکومت کو اس غیر جمہوری مطالبہ کے سامنے سپر انداز ہونے کی دھمکی دینا

؎۱ "یہ گرفتاریاں کیوں؟" ص ۲۹ ناظم شعبہ نشر و اشاعت جماعتِ اسلامی پاکستان۔ اشاعت اوّل اپریل ۱۹۵۳ء مطبوعہ ناظر پرنٹنگ پریس اخبار بلڈنگ میکلوڈ روڈ کراچی۔ ؎۲ ایضاً ص ۲۸۔

؎۳ اخبار "کوثر" لاہور ۴ر فروری ۱۹۵۳ء ص ۶۔

عقل و فہم کے منافی تھا۔

سوم۔ بفرضِ محال اِس مطالبہ کو ملک کے دونوں حصوں کے اکثر[ل] باشندوں کی حمایت بھی حاصل ہوتی تب بھی پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا فرض تھا کہ وہ عوام کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کی بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سپریم کورٹ کے اِس واضح آئینی و قانونی فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کو اپنے لئے موجبِ سعادت سمجھتی جو مولانا مودودی صاحب نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو موچی دروازہ لاہور کے ایک جلسۂ عام میں سُنایا تھا اور جو انہی کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے۔

"اسلامی حکومت کا چوتھا اصول یہ ہے کہ اس میں لوگوں کو جان، مال اور عزت کے تحفظ کی جو ضمانت دی جائے گی وہ کسی شخص یا گروہ کی طرف سے نہیں بلکہ خدا اور رسول کی طرف سے دی جائیگی اور قانونِ خداوندی کے سوا کسی دوسرے قانون کے تحت کسی شخص کے ان بنیادی حقوق پر ہاتھ نہ ڈالا جاسکے گا۔ اِس دستوری قاعدے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

"جس شخص نے وہ نماز ادا کی جو ہم ادا کرتے ہیں۔ اس قبلہ کی طرف رُخ کیا جس کی طرف ہم رُخ

ل یہاں یہ بتانا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مسلمانانِ ہند و پاکستان کی اکثریت کی نسبت مودودی صاحب کی حتمی رائے یہ تھی کہ "ایک قوم کے تمام افراد کو محض اِس وجہ سے کہ وہ نسلاً مسلمان ہیں حقیقی معنی میں مسلمان فرض کر لینا اور یہ امید رکھنا کہ اُن کے اجتماع سے جو کام بھی ہوگا اسلامی اصول پر ہی ہوگا پہلی اور بنیادی غلطی ہے۔ یہ انبوہِ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں نہ اُن کا اخلاقی نقطہ نظر اور ذہنی رویّہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے اِس لئے مسلمان ہیں۔" (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم ص۱۷۲، ص۱۷۳۔ طبع ہفتم ۱۹۵۵ء۔ ناشر مرکزی مکتبہ جماعتِ اسلامی پاکستان اچھرہ لاہور)۔ "قرآن میں جن کو اہلِ کتاب کہا گیا ہے وہ آخر نسل مسلمان ہی تو تھے" (ایضاً ص۱۹۹) پھر عہدِ حاضر کے مسلمان فرقوں کی نسبت فرماتے ہیں: "خدا کی شریعت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بناء پر اہلحدیث، حنفی، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سُنّی وغیرہ الگ الگ اُمتیں بن سکیں۔ یہ اُمتیں جہالت کی پیدا کی ہوئی ہیں۔" (خطبات طبع چہارم ص۲۴ ناشر مکتبہ جماعتِ اسلامی دارالاسلام جمالپور پٹھانکوٹ)

کرتے ہیں اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے پس تم اللہ کے دئے ہوئے ذمے میں اس کے ساتھ دغا بازی نہ کرو۔"

اِس کے صاف معنیٰ یہ ہیں کہ اسلامی حکومت میں شہریوں کو بنیادی حقوق کی جو ضمانت دی جاتی ہے وہ دراصل خدا اور رسول کی طرف سے نیابتہً دی جاتی ہے۔ اور اگر کوئی حکومت یہ ضمانت دینے کے بعد قانونِ الٰہی کے سوا کسی دوسرے طریقے پر شہریوں کے اس حق کو چھینے تو وہ دراصل خدا کے ساتھ دغا بازی کی مجرم ہے۔" [۱]

چہارم۔ جناب مودودی صاحب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ احراری تحریک کا ختمِ نبوت کے ساتھ دُور کا بھی تعلق نہیں مگر اس کے باوجود انھوں نے جماعتِ اسلامی کی پُوری مشینری اس کی حمایت میں لگا دی۔ خود لکھتے ہیں :-

"اِس کارروائی سے دو باتیں میرے سامنے بالکل عیاں ہوگئیں۔ ایک یہ کہ احرار کے سامنے اصل سوال تحفّظِ ختمِ نبوت کا نہیں بلکہ نام اور سہرے کا ہے اور یہ لوگ مسلمانوں کے جان و مال کو اپنی اغراض کے لئے جُوئے کے داؤ پر لگانا چاہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ رات کو بالاتفاق ایک قرارداد طے کرنے کے بعد چند آدمیوں نے الگ بیٹھ کر ساز باز کی ہے اور ایک دوسرا ریزولیوشن بطور خود لکھ لائے ہیں مَیں نے محسوس کیا کہ جو کام اس نیت اور طریقوں سے کیا جائے اس میں کبھی خیر نہیں ہو سکتی اور اپنی اغراض کے لئے خدا اور رسول کے نام سے کھیلنے والے جو مسلمانوں کے سروں کو شطرنج کے مُہروں کی طرح استعمال کریں اللہ کی تائید سے کبھی سرفراز نہیں ہو سکتے۔" [۲]

انھوں نے ایک تقریر میں یہ بھی بتایا کہ :-

"مَیں صاف صاف کہتا ہوں کہ ختمِ نبوت کی تحریک اٹھوائی ہی اس غرض کے لئے گئی تھی کہ مطالبۂ نظامِ اسلامی کو روکا جائے۔ اِس موقع پر ختمِ نبوت کی تحریک کے لیڈروں کو بہتیرا سمجھایا گیا اور ان سے کہا گیا کہ خدا کے لئے ایک مرتبہ دستور پاس ہو جانے دو اس کے بعد تم اس مسئلے کو اُٹھا سکتے ہو۔ خواجہ ناظم الدین

---

[۱] "دستوری سفارشات پر تنقید اسلامی اور جمہوری نقطۂ نظر سے" مصنفہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ص۱۴، ص۱۵۔ ناشر شعبہ نشر و اشاعت جماعتِ اسلامی پاکستان۔

[۲] روزنامہ "تسنیم" لاہور ۲ جولائی ۱۹۵۵ء (جماعتِ اسلامی کا آرگن)

کی رپورٹ تیار ہو چکی تھی۔ دستور پاس ہونے میں کچھ زیادہ دیر نہیں تھی صرف اتنا کام باقی تھا کہ دستور ساز اسمبلی میں بنیادی اصولوں کی رپورٹ پیش ہو اور دستور پاس ہو جائے لیکن عین وقت پر ہنگامہ برپا کر دیا گیا۔۔۔ اور بیوروکریسی اِس طرح ملک کے سینے پر سوار ہوئی کہ آج تک اس سے پیچھا نہیں چھڑایا جا سکا ہے۔" [1]

پنجم۔ جناب مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودی کے نزدیک ملک کے سب علمائے دین اور مسلمان سیاسی جماعتیں خصوصاً مسلم لیگ گم کردہ راہ اور پاکستان دراصل ناپاکستان بلکہ کافرانہ ریاست تھی چنانچہ وہ برملا برسوں سے اس عقیدہ کا پُر زور اعلان کر رہے تھے کہ :۔

"خواہ مغربی تعلیم و تربیت پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہوں یا علمائے دین و مفتیانِ شرع مبین دونوں قسم کے رہنما اپنے نظریے اور اپنی پالیسی کے لحاظ سے یکساں گم کردہ راہ ہیں۔"

"یہ ویسا ہی ناپاکستان ہوگا جیسا ملک کا وہ حصّہ جہاں آپ کی اسکیم کے مطابق غیر مسلم حکومت کریں گے بلکہ خدا کی نگاہ میں یہ اس سے زیادہ ناپاک اس سے زیادہ مبغوض و ملعون ہوگا۔"

"اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی اس کا نام حکومتِ الٰہی رکھنا اس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے۔" [2]

اِس نظریہ و مسلک کی موجودگی میں مودودی صاحب جیسے "مفکرِ اسلام" کا علماء سے گٹھ جوڑ کر کے پاکستان اسمبلی کے سامنے مطالبۂ اقلیت پیش کرنا اُن کی اصطلاح میں حاکمیتِ طاغوت کو تسلیم کرنے کے مترادف تھا۔

ششم۔ مولانا مودودی صاحب یہ حقیقت بھی برسوں سے ببانگِ دہل پیش کرتے آ رہے تھے کہ عہدِ حاضر میں صرف اُسی شخصیت سے نظامِ اسلامی کی تشکیل ممکن ہے جو نبی کی نظر رکھتا ہو چنانچہ آپ نے لکھا:۔

"علماء (اِلّا ماشاء اللہ) خود اسلام کی حقیقی رُوح سے خالی ہو چکے تھے۔۔۔۔ ان پر تو اسلاف کی اندھی

---

[1] "جماعتِ اسلامی کے ۲۹ سال" ص ۶۱ (تقریر سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی امیر جماعتِ اسلامی مورخہ ۲۶، اگست ۱۹۷۰ء) شعبۂ نشر و اشاعت جماعتِ اسلامی پاکستان لاہور طبع اوّل ستمبر ۱۹۷۰ء۔

[2] "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصّہ سوم ص ۱۲۶، ص ۱۲۸، ص ۱۲۹۔

اور جامد تقلید کا مرض پوری طرح مسلط ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وہ ہر چیز کو ان کتابوں میں تلاش کرتے تھے جو خدا کی کتابیں نہ تھیں کہ زمانے کی قیود سے بالاتر ہوتیں۔ وہ ہر معاملہ میں اُن انسانوں کی طرف رجوع کرتے تھے جو خدا کے نبی نہ تھے کہ ان کی بصیرت اوقات اور حالات کی بندشوں سے بالکل آزاد ہوتی۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ ایسے وقت میں مسلمانوں کی کامیاب رہنمائی کر سکتے جبکہ زمانہ بالکل بدل چکا تھا اور علم و عمل کی دُنیا میں ایسا عظیم تغیّر واقع ہو چکا تھا جس کو خدا کی نظر تو دیکھ سکتی تھی مگر کسی غیر نبی انسان کی نظر میں یہ طاقت نہ تھی کہ قرنوں اور صدیوں کے پردے اُٹھا کر ان تک پہنچ سکتی۔" [۱]

جماعتِ اسلامی کا مقصد

مندرجہ بالا چھ امور کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچنا چنداں مشکل نہ تھا کہ جماعتِ اسلامی اس شورش میں دینی نہیں خالص سیاسی مقصد کے لئے شامل ہوئی اور وہ مقصد جس کا اعلان جماعتِ اسلامی کے رہنما ۱۹۵۰ء میں کر چکے تھے صرف یہ تھا کہ:۔

"جب صالحین کا گروہ منظّم ہو، ان کے پاس طاقت موجود ہو۔ اہلِ ملک کی عظیم اکثریت ان کے ساتھ ہو یا کم از کم اِس بات کا ظنِّ غالب ہو کہ عملی جدّ و جہد شروع ہوتے ہی اکثریت اُن کا ساتھ دے گی اور کسی بڑی تباہی اور خون ریزی کے بغیر مُفسدین کے اقتدار کو مٹا کر صالحین کا اقتدار قائم کیا جا سکے گا اس صورت میں بلاشبہ صالحین کی جماعت کو نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ ان کے اُوپر یہ شرعی فرض ہے کہ وہ اپنی طاقت منظّم کر کے ملک کے اندر بزور شمشیر انقلاب پیدا کر دیں اور حکومت پر قبضہ کر لیں۔" [۲]

اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" (لاہور) کا تبصرہ

اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور نے جناب مودودی صاحب کی موچی دروازے کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:۔

"گذشتہ جمعہ کو ایک پبلک جلسے میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے لوگوں کو قادیانیوں کے خلاف تشدّد استعمال کرنے پر علی الاعلان اُبھارا ہے۔ تشدّد کا یہ علی الاعلان پرچار اہلِ فہم حضرات کی نگاہ میں

---

[۱] "تنقیحات" صفحہ ۴۷، ۴۸ طبع اوّل ۱۹۳۹ء۔ طبع ہفتم ۱۹۶۳ء۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۱۔ سی شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔ [۲] "اسلامی ریاست" صفحہ ۲۱، ۲۲ شائع کردہ مکتبہ جماعتِ اسلامی ذیلدار پارک اچھرہ لاہور۔ طبع اوّل ۱۹۵۰ء۔

مولانا کی قدر و منزلت بڑھانے کا موجب نہیں بن سکتا۔ اس روز تقریر کرتے ہوئے مولانا نے اعلان کیا کہ اگر حکومت نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار نہ دیا تو عین ممکن ہے کہ ملک میں اسی طرح قادیانی غیر قادیانی فسادات شروع ہو جائیں جس طرح پہلے ہندو مسلم فساد ہوا کرتے تھے۔ یہ افسوسناک بات ہے کہ ایک تحریک کا سربراہ جو آزاد خیالی اور روشن ضمیری کا مدعی ہو جیسا کہ جماعتِ اسلامی دعویٰ کرتی ہے اور وہ غیر ذمہ دارانہ باتیں زبان سے ادا کرنے میں احراریوں اور دوسرے علماء کو بھی مات کر دکھائے قادیانیوں کے خلاف نفرت و حقارت کا پرچار کرنے کے باوجود یہ لیڈر بظاہر اپنی طرف سے سامعین پر یہی اثر ڈالتے رہے ہیں کہ وہ اس تحریک کو پُرامن ذرائع تک ہی محدود رکھیں گے اور تشدد کی جانب خفیف سے خفیف میلان کو بھی پنپنے نہ دیں گے لیکن مولانا مودودی نے حکومت کی مشکلات میں ایک اور اضافہ کرنے کی خاطر اور کچھ نہیں تو قادیانیوں کے خلاف ہی سامعین کو فساد برپا کرنے پر اُکسانا شروع کر دیا۔۔۔ مولانا صاحب موصوف ایک گھٹیا سیاستدان کا کردار ادا کرکے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بٹہ لگا رہے ہیں۔ ان جیسے عالم سے بہتر اور کون جان سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک لاقانونیت سے بڑھ کر اور کوئی جرم نہیں۔ یہ جرم اپنی نوعیت کے اعتبار سے مملکت کے خلاف بغاوت کے مترادف ہے۔ قرآن واضح الفاظ میں ہدایت فرماتا ہے لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ یعنی زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ مولانا نے تشدد کے علی الاعلان پرچار کے ذریعہ اس قرآنی ہدایت کا تمسخر اُڑانے میں نہ صرف کوئی مضائقہ نہ سمجھا بلکہ ایک گونہ خوشی محسوس کی۔ فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکانا قوم و ملک میں انتشار پھیلانے کے مترادف ہے۔ ملک کا کوئی سچا بہی خواہ ایسا خطرناک کھیل نہیں کھیل سکتا۔ اِسلام ایک قوت ہے جس کا مقصد تخریب نہیں تعمیر ہے۔ وہ لوگوں کو باہم متحد بنانے اور انہیں ایک رشتہ میں منسلک کرنے آیا ہے۔ ہمارے علماء کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ اختلافات مٹیں اور لوگوں میں اتنی فراخدلی پیدا ہو کہ وہ ٹھنڈے دِل سے دوسروں کے نقطہ ہائے نظر بھی سن سکیں۔ اختلافی مسائل کے باوجود تمام فرقے سُنّی، شیعہ، اہلحدیث، اہلِ قرآن اہل سُنّت والجماعت وغیرہ سب یکساں طور پر اسلام سے وابستہ ہیں۔ قادیانی بھی اِس بارے میں کسی سے پیچھے نہیں۔ اسلام کے ساتھ ان کی وابستگی دوسروں کی طرح اظہر من الشمس ہے۔ باہمی اختلافات خواہ کچھ ہی ہوں یہ حقیقت کہ تمام فرقے اسلام کے ساتھ وابستہ ہیں ہم سب کو متحد

رکھنے کا موجب ہونی چاہیئے۔

اختلافات ہمیشہ رہیں گے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے رواداری سے کام لیں اور مختلف نقطہ ہائے نظر میں جو باتیں مشترک ہوں ان کو زیادہ سے زیادہ اُجاگر کرنے کی کوشش کریں۔ خود اسلام کے متعلق مولانا مودودی کے اپنے نظریات دوسرے لوگوں کے نزدیک سخت قابلِ اعتراض ہیں۔ مثال کے طور پر ان کا اعتقاد ہے کہ جو شخص اسلام سے ارتداد اختیار کرتا ہے اسے قتل کر دینا چاہیئے۔ ایسا اعتقاد رکھنا اس قرآنی آیت کی واضح نفی پر دلالت کرتا ہے کہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ یعنی دین کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر و دباؤ جائز نہیں ہے۔ کیا قرآن مجید کی اِس غلط توجیہہ کے پیشِ نظر یہ کہنا درست ہو گا کہ مولانا اور ان کی جماعت قرآن سے پھر گئی ہے لہٰذا اسے غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے؟ کبھی نہیں۔ ان کی بعض توجیہات کتنی ہی غلط کیوں نہ ہوں لیکن جب تک وہ قرآن کو حَکم مانتے ہیں دُنیا کی کوئی طاقت انہیں اسلام سے خارج نہیں کر سکتی۔ یہی اصول قادیانیوں کے حق میں ناطق ہونا چاہیئے۔ جب تک کوئی شخص قرآن اور رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقراری ہے وہ اِس بات کا حقدار ہے کہ اسے مسلمان قرار دیا جائے۔ اس سے اُتر کر کوئی غلط توجیہہ کسی شخص کو خارج از اسلام کا سزاوار نہیں ٹھہرا سکتی۔ ہم علماء سے اپیل کریں گے کہ وہ سیاسی اغراض کی تکمیل کے لئے اسلام کو آلۂ کار بنا کر خدارا اسے بدنام نہ کریں۔ بُنیادی اُصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ نے ملک میں ایک سو فیصدی اسلامی دستور کے نفاذ کی ضمانت دے دی ہے اور اِس لحاظ سے علماء اب تک رپورٹ میں کوئی نقص نہیں نکال سکتے ہیں اب اُور کچھ نہیں تو وہ قادیانیت کا نعرہ ہی وہ آخری سہارا رہ گیا ہے کہ جس کی مدد سے وہ حکومت کی دُرگت بنانا چاہتے ہیں۔ یہ طریق نہ وطن دوستی کے موافق ہے اور نہ اسلام کے مطابق۔ ملک کا کوئی سچا بہی خواہ قوم کے اتّحاد اور یکجہتی کو پارہ پارہ کرنے کا خیال بھی دِل میں نہیں لائے گا کیونکہ اتّحاد اور یکجہتی ہی پاکستان کے بقاء و استحکام کے اصل ضامن ہیں۔ علاوہ ازیں مذہب کے معاملات میں تشدّد کی تعلیم دینا اِسلام کے بھی سراسر منافی ہے کیونکہ اسلام مذہبی اختلافات طے کرنے کے لئے ایک ہی ہتھیار استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے اور وہ دلائل و براہین کا ہتھیار ہے ہمیں چاہیئے کہ ہم قادیانیوں کو دلائل سے سمجھائیں کہ ختمِ نبوّت کے متعلق ان کی پیشکردہ توجیہہ درست نہیں ہے

اور اِس طرح انہیں اپنے مسلک پر لانے کی کوشش کریں۔[1] (ترجمہ)

ایک رُوسی مؤرخ کا نظریہ

سوویٹ روس کے ایک مؤرخ (YU. V. GANKOVSKY) L. R. GORDON POLONSKAYA) اپنی کتاب "A HISTORY OF PAKISTAN" میں ۱۹۵۳ء کی شورش کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

مخالف بورژوا اور جاگیردار عناصر کے نزدیک احمدیوں کی ترقی ان کے حقوق اور مراعات پر ایک خطرے کا رنگ رکھتی تھی چنانچہ ۱۹۵۲-۱۹۵۳ء میں مذہبی بدعات کا قلع قمع کرنے کا مسئلہ اُبھر کر سامنے آیا۔۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ قادیانی جماعت مسلمانوں کی حکومت، تجارت اور زراعت میں ایک آزاد پارٹی کی طرح ہر جگہ مخالفت کرتی تھی (قادیانی مسئلہ ص۱۷) اور حقیقت میں یہی وجہ تھی جو مودودی صاحب کے لئے سردردی کا موجب تھی۔

شہنشاہیت (سرمایہ داری) کے مابین حریفانہ سرگرمیاں بھی احمدیہ جماعت کی مخالفت میں پیش پیش تھیں۔ مثال کے طور پر جماعتِ اسلامی پاکستان سے امریکہ کے قریبی تعلّق کی حامی تھی اور اب وہ احمدیوں کے برطانیہ سے پُرانے تعلقات کی شاکی تھی۔

احمدیوں کے خلاف ایجی ٹیشن اُونچے بورژوا کی اس بے چینی کا اظہار بھی تھا کہ یہ جماعت انگریزوں سے پُرانے تعلّقات کو نباہے چلی جاتی ہے۔ اور یہ وہ طبقہ تھا جو امریکہ کی طرف مائل تھا۔ امریکہ کی کوشش بھی یہ تھی کہ برطانیہ نواز حلقے کی جگہ ایسے لوگ برسرِ اقتدار آجائیں جو اُس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔[2]

(ترجمہ و تلخیص)

اربابِ حل و عقد سے براہِ راست رابطہ اور ملاقاتیں

جماعتِ اسلامی کے رُخِ کردار پر ضمناً روشنی ڈالنے کے بعد ہم بتاتے ہیں کہ جماعتِ احمدیہ پاکستان کا مرکز، اس کی صوبائی شاخوں کے امراء اور دیگر ذمہ دار احمدی (جو حُبّ الوطنی کے ناقابلِ تسخیر جذبہ سے سرشار تھے) شورش کے ابتدائی دنوں ہی سے افسرانِ حکومت کو خطوں اور تاروں کے ذریعہ صورتِ حال سے باخبر رکھنا اپنا قومی اور ملّی فرض سمجھتے تھے۔

---

[1] روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور ۲ر فروری ۱۹۵۳ء بحوالہ روزنامہ الفضل لاہور مورخہ ۵ر فروری ۱۹۵۳ء ص۸

[2] صفحہ ۱۸۴ (ناشر PEOPELS PUBLISHING HOUSE LAHORE)

اِس سلسلہ میں جماعتِ احمدیہ کے مرکزی نمائندوں نے چوٹی کے سرکاری افسروں سے ملاقاتیں بھی کیں چنانچہ ۱۷ر جولائی ۱۹۵۲ء کو علمائے سلسلہ کے تبلیغی وفد کی وزیر اعظم پاکستان سے ملاقات کا ذکر آ چکا ہے اس کے بعد جماعت کے سربر آوردہ حضرات اور بزرگ، گورنر صاحب پنجاب (۲۳ر اگست ۱۹۵۲ء و ۲۰-۲۲ر فروری ۱۹۵۳ء) چیف سیکرٹری صاحب پنجاب (۱۳ر دسمبر ۱۹۵۲ء) ہوم سیکرٹری صاحب پنجاب (۱۳ر دسمبر ۱۹۵۲ء- ۱۳ر جنوری و ۲ر فروری ۱۹۵۳ء) اور وزیر اعلیٰ صاحب پنجاب (۲۰-۲۲ر فروری ۱۹۵۳ء) سے بھی ملے۔

اُس دَور کے جماعتی ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومتِ پنجاب کے افسران سے ملاقات کرنے والوں میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؓ، حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور چوہدری اسد اللہ خاں صاحب جیسی ممتاز اور اہم شخصیات بھی تھیں۔

حقائق و واقعات سے باخبر ہونے کے باوجود پنجاب کی مسلم لیگی وزارت نے جس قسم کا سلوک احمدیوں سے روا رکھا اس کا خلاصہ جسٹس منیر اور جسٹس کیانی کے الفاظ میں یہ ہے کہ:۔

"احراریوں سے تو ایسا برتاؤ کیا گیا گویا وہ خاندان کے افراد ہیں اور احمدیوں کو اجنبی سمجھا گیا"۔ [1]

حالانکہ چیف سیکرٹری پنجاب جناب عبدالحمید صاحب تک بھی بخوبی جانتے تھے کہ:۔

"احرار اِس نزاع میں جارحانہ انداز لئے ہوئے تھے اور احمدی صرف مدافعت کر رہے تھے"۔ [2]

اور مطالبہ اقلیّت کی نسبت تو اُن کی دوٹوک رائے یہ تھی کہ:۔

"جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے اسے مسلمان ہی تصوّر کرنا چاہیئے۔ اگر پاکستان کو ایک زندہ قوم رہنا ہے تو میری رائے میں مسئلہ کا یہی واحد حل ہے۔ اِس رائے کو دوسرے لفظوں میں یُوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص کلمۂ طیبہ پڑھے اُسے مسلمان سمجھنا چاہیئے۔ کلمہ گو افراد اور مسلمان ہونے کے

---

[1] رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۲۲۔

[2] روزنامہ "ملّت" لاہور ۹ جنوری ۱۹۵۴ء صفحہ ۷ کالم ۲۔

مدعیوں کے درمیان خلیج حائل کرنا معاشرہ پر دشمنی پر مبنی اقدام ہے "۔ [1]

پنجاب مسلم لیگی وزارت کی سیاسی پالیسی

جناب چوہدری فضل الٰہی صاحب [2] اس دور کی مسلم لیگی وزارتِ پنجاب کی سیاسی پالیسی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

ا۔" قادیانیوں کے خلاف تین مطالبات کی منظوری کے لئے جو ایجی ٹیشن شروع کی گئی تھی اسکی اصلیت پر پردہ ڈالنے کے لئے میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے ایک " آئینی ڈھونگ " رچایا تھا حکومتِ پنجاب نے عدالت کو بتایا ۱۹۴۸ء میں پہلی بار جب یہ مطالبات پیش کئے گئے تھے اس وقت سے ہی صوبے میں احرار، احمدی تنازعہ کو ہمیشہ امن و امان کا ایک مسئلہ سمجھا گیا تھا اور اسی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ سے نپٹا گیا تھا اور جولائی ۱۹۵۲ء تک اس مسئلہ کو امنِ عامہ کا ہی مسئلہ سمجھا جاتا رہا لیکن جولائی ۱۹۵۳ء تک میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے اچانک ان مطالبات کی " آئینی نوعیت "

---

[1] روزنامہ " ملت " لاہور ۸ ر جنوری ۱۹۵۴ء صـ۲ ۔

[2] پاکستان کے موجودہ صدرِ مملکت —— آپ زراعتی کالج لائلپور کے فارغ التحصیل ہیں علیگڑھ یونیورسٹی سے ایم۔ اے۔ ایل ایل بی کیا اور اپنے وطنِ مالوف گجرات (پنجاب) سے وکالت کا آغاز کیا۔ ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگی امیدوار کی حیثیت سے رکنِ اسمبلی منتخب ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ممدوٹ وزارت کے زمانہ میں میاں محمد ممتاز خاں دولتانہ کے پارلیمنٹری سیکرٹری رہے۔ مئی ۱۹۴۸ء میں میاں صاحب ممدوٹ وزارت سے الگ ہو گئے تو آپ بھی مستعفی ہو گئے۔ پھر تھوڑے عرصہ کے لئے ممدوٹ وزارت میں وزیرِ تعلیم رہے۔ ممدوٹ وزارت اور پنجاب اسمبلی برخاست کر دی گئی تو آپ دوبارہ وکالت کرنے لگے۔ ایک یونٹ کے قیام کے بعد گجرات سے مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن چنے گئے۔ اکتوبر ۱۹۵۳ء میں پاکستان مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری منتخب کئے گئے اور مغربی پاکستان اسمبلی کے سپیکر رہے۔ (اردو انسائیکلوپیڈیا صـ۱۱۴۹ ناشر فیروز سنز لاہور طبع اوّل ۱۹۶۲ء)

" قائدِ عوام " جناب ذوالفقار علی بھٹو کے عہدِ حکومت میں سپیکر پاکستان اسمبلی کے فرائض انجام دینے کے بعد ۱۴ ر اگست ۱۹۷۳ء کو صدرِ مملکت کے عہدۂ جلیلہ پر ممتاز ہوئے ۔

"دریافت" کرلی۔

مغرب کے تعلیم یافتہ مسٹر دولتانہ جو "ترقی پسندانہ زرعی اصطلاحات" کے مصنف بھی ہیں ان کے اور احراریوں اور مذہبی رہنماؤں کے درمیان کوئی بات مشترک تو نہ تھی البتہ سابق وزیر اعلیٰ (میاں دولتانہ) اس ایجی ٹیشن کو مرکز کے خلاف اپنے سیاسی فائدہ کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے۔" لہ

۲۔ "اس دوران میں جو پالیسی اختیار کی گئی تھی وہ کمزور، اُلجھی ہوئی اور تذبذب پر مبنی تھی حالانکہ کراچی کے فیصلوں نے گول مول بات کی کوئی گنجائش نہیں رکھی تھی اور لاقانونی کو سختی کے ساتھ روکنا تھا۔"

"میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کو ۱۶ر فروری ہی کو معلوم ہوگیا تھا کہ قادیانیوں کے خلاف مطالبات کے سلسلہ میں خواجہ ناظم الدین کا موقف کیا ہے، جب وزیر اعظم نے مسٹر دولتانہ سے کہا تھا کہ وہ مطالبات کو منظور نہیں کرسکتے لیکن مسٹر دولتانہ کے ہاتھ میں دو پتے تھے اور وہ دو طرح کی باتیں کرتے تھے اور اب بھی انہوں نے کوئی قطعی موقف قائم نہیں کیا۔"

۳۔ "مطالبات اگر منظور کرلئے جائیں تو مسٹر دولتانہ اپنی حضوری باغ کی تقریر کی طرف اشارہ کرکے کہیں گے کہ انہیں ان کے مطالبات سے ہمدردی تھی اور اگر وہ مسترد کر دیئے جائیں تو وہ اپنے دوسرے بیانوں کا حوالہ دے سکتے ہیں۔" ۲ے

۴۔ "سابق وزیر اعلیٰ نے ڈاکٹر جیکل اور مسٹر ہائڈ کا پارٹ ادا کیا اور پنجاب میں حکومت کے حامی اخباروں نے نفرت کی تبلیغ کی۔ مسٹر دولتانہ چاہتے تھے کہ مرکز قادیانیوں کے خلاف مطالبات کو رد کر دے تاکہ وہ تحریک والوں کے غیض وغضب کا رُخ مرکز کی طرف موڑ سکیں اور احرار سے اپنے تعلق کو اپنے سیاسی اغراض کے لئے استعمال کرسکیں۔ یہ دعویٰ حقائق پر مبنی ہے کہ خواجہ ناظم الدین جو اس وقت وزیر اعظم تھے علماء سے ملاقاتیں کرکے کچھ اس قسم کا تاثر پیدا کر رہے تھے کہ تحریک پر مہربان ہیں۔

جون ۱۹۵۲ء تک تحریک احرار تک محدود تھی اور یہ کہ ۱۳ر جولائی سے ۱۰ر اگست تک ختم نبوت

لہ روزنامہ "آفاق" لاہور ۴ر فروری ۱۹۵۴ء ص۵۔

۲ے روزنامہ "ملت" لاہور ۵ر فروری ۱۹۵۴ء ص۲۔

تحریک کے سلسلہ میں کوئی جلسہ نہیں ہوا۔ یہ بتاتے ہوئے وکیل موصوف نے کہا کہ مسٹر دولتانہ نے ۲۶ر جولائی کو ایک قرارداد منظور کرنے کے لئے صوبائی مسلم لیگ کا جلسہ بلایا۔ قرارداد کے پہلے حصّہ میں ختم نبوّت کے اصول سے گہرے لگاؤ کا اظہار کیا گیا اور صورتِ حال کا الزام قادیانیوں کو دیا گیا۔ دوسرے حصّہ میں تحریک کو ایک راستے پر ڈالنے کی اس طرح کوشش کی گئی تھی کہ عام لوگوں سے اپیل کی گئی کہ صوبے میں امن اور قانون کو قائم رکھئے اور مرکز سے رجوع کیجئے کہ وہی اِس مسئلہ کو طے کرسکتا ہے۔

مذکرہ بالا قرارداد نے کراچی کا رستہ دکھایا اور وفود خواجہ ناظم الدین سے ملنے روانہ ہونے لگے۔ جب علماء واپس آئے تو انہوں نے سابق وزیرِاعظم کے طرزِ عمل پر بے اطمینانی کا اظہار کیا۔" لـه

جناب خواجہ ناظم الدین صاحب (وزیرِاعظم پاکستان) اور جناب میاں ممتاز محمد خان دولتانہ (وزیرِاعلیٰ پنجاب) کی اِس رسہ کشی کی حقیقی وجہ مشہور احراری لیڈر جناب مولوی مظہر علی صاحب اظہر کے الفاظ میں یہ تھی کہ :-

"مسٹر دولتانہ چاہتے تھے کہ مرکزی کابینہ میں ان کے چنے ہوئے وزراء پنجاب کی نمائندگی کریں لیکن یہ بات خواجہ ناظم الدین کے لئے ناقابلِ قبول تھی۔ خواجہ ناظم الدین کو مسٹر دولتانہ سے شکایت تھی کیونکہ انہوں نے مساوی نمائندگی کے مسئلہ پر ان کی مخالفت کی تھی۔" ٢ـه

جناب میاں ممتاز محمد خاں صاحب دولتانہ نے بھی اپنے ایک بیان میں یہ تسلیم کیا کہ :-

"خواجہ ناظم الدین... کی پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ آئینی ڈھانچہ کے سوال پر ہمارے درمیان اختلاف تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ پیرٹی کے سوال پر میں ان کے فیصلہ کی راہ میں حائل ہو رہا ہوں۔" ٣ـه

نیز بتایا کہ :-

"کراچی میں مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے اجلاس میں میں نے وزیرِاعظم اور دوسرے اصحاب پر یہ واضح کر دیا تھا کہ پنجاب کے عوام مساوات کے خلاف ہیں۔" ٤ـه

(اِس موقف نے مشرقی پاکستان کے مسلمانوں میں پنجاب کے خلاف جو زہر پھیلا دی ہوگی اُس

لـه روزنامہ "آفاق" لاہور ۴ر فروری ۱۹۵۴ء صـ۱ ÷ ٢ـه روزنامہ "ملت" ۲۴ر فروری ۱۹۵۴ء صـ۳

٣ـه روزنامہ "آفاق" لاہور ۲۴ر جنوری ۱۹۵۴ء صـ۲-۶ ÷ ٤ـه روزنامہ "آفاق" ۲۳ر جنوری ۱۹۵۴ء صـ۱

اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں ہے)

خالص سیاسی تحریک تحریک راست اقدام کا خالص سیاسی ہونا حکومت کے ذمہ دار افسروں پر روزِ روشن کی طرح واضح تھا چنانچہ میاں انور علی صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل سی آئی ڈی نے اپنے ایک بیان میں کہا :-

" احرار پارٹی اپنی پرانی سیاسی پوزیشن حاصل کرنا چاہتی تھی اور احرار کا خیال تھا کہ مطالبات پر زور دینے سے حکومت پریشان ہوگی اور احرار کی مقبولیت میں اضافہ ہوگا " [1]

" یہ مطالبات کہنے کو تو مذہب کے نام پر پیش کئے جا رہے تھے لیکن بہت سی جماعتیں جانتی تھیں کہ یہ بنیادی طور پر سیاسی جھگڑے ہیں اور وہ ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش میں لگی ہوئی تھیں۔ ان مطالبات کو چونکہ مذہبی رنگ دے کر پیش کیا جا رہا تھا اس لئے سرکاری ملازموں کے لئے یہ ایک نازک و پیچیدہ مسئلہ بن گیا تھا کہ وہ کارروائی کریں تو اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ وہ مطالبات کی مخالفت کر رہے ہیں " [2]

تحریک کے ایک مشہور لیڈر مولانا اختر علی خان صاحب ایڈیٹر زمیندار نے بھی اپنے ایک بیان میں یہ اعتراف کیا کہ :-

" تحریکِ ختمِ نبوت میں احرار پیش پیش تھے کیونکہ وہ اپنی کھوئی ہوئی شہرت بحال کرنا چاہتے تھے " [3]

اس سلسلہ میں احرار نے جناب میاں ممتاز محمد خان دولتانہ وزیر اعلیٰ پنجاب سے ایک خفیہ سمجھوتہ کیا تھا جس کا سراغ ہمیں جناب " غازی" سراج دین صاحب منیر کے ایک تحریری بیان سے ملتا ہے جو انہوں نے تحقیقاتی عدالت پنجاب میں دیا تھا۔[4] اس سمجھوتہ کی بعض تفصیلات محمد نور الحق قریشی ایم۔اے، ایل ایل بی ایڈووکیٹ ملتان کی کتاب " سوانح حیات خطیب پاکستان حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی " کے صفحہ ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷ میں بھی درج ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص معاہدہ کے تحت احراری لیڈروں نے انتخاب ۱۹۵۱ء کے دوران حلقہ بوریوالہ میں میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کے حق میں کنویسنگ

---

[1] روزنامہ "ملت" لاہور ۱۵ر دسمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۔ [2] روزنامہ "ملت" لاہور ۱۸ر دسمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۔
[3] روزنامہ " آفاق " لاہور ۳۰ر اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۔ [4] روزنامہ " آفاق " لاہور ۲۸ر اگست ۱۹۵۳ء صفحہ ۔

کی اور میاں صاحب انتخاب جیت گئے جس سے احرار دولتانہ پیکٹ کی بنیاد پڑی۔ انہی حقائق کی بناء پر جناب حمید نظامی صاحب مدیر "نوائے وقت" نے قطعی طور پر یہ رائے قائم کی کہ احراری مطالبات ہرگز قبول نہیں کئے جانے چاہیئے تھے اور "یہ مطالبات بعض سیاسی طالع آزماؤں نے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے کئے تھے۔"[1]

گٹھ جوڑ کے مقاصد؟

یہ سیاسی طالع آزما کیا چاہتے تھے اور ان کے گٹھ جوڑ کے بنیادی مقاصد کیا تھے؟ اس بارے میں مختلف آراء ہیں۔

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کے سربراہ جناب خلیفہ ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی کا بیان ہے کہ "پاکستان کی ایک یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے مجھ سے حال ہی میں بیان کیا کہ ایک ملائے اعظم اور عالمِ مقتدر سے جو کچھ عرصہ ہوا بہت تذبذب اور سوچ بچار کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آ گئے ہیں میں نے ایک اسلامی فرقے کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے فتویٰ دیا کہ ان میں جو غالی ہیں وہ واجب القتل ہیں اور جو غالی نہیں وہ واجب التعزیر ہیں۔ ایک اور فرقہ کی نسبت پوچھا جس میں کروڑپتی تاجر بہت ہیں۔ فرمایا کہ وہ سب واجب القتل ہیں۔ یہی عالم ان تیس بتیس علماء میں پیش پیش اور کرتا دھرتا تھے جنہوں نے اپنے اسلامی مجوزہ دستور میں یہ لازمی قرار دیا کہ ہر اسلامی فرقے کو تسلیم کر لیا جائے سوا ایک کے جس کو اسلام سے خارج سمجھا جائے ہیں تو وہ بھی واجب القتل مگر اس وقت علی الاعلان کہنے کی بات نہیں، موقع آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ انہیں میں سے ایک دوسرے سربراہ عالمِ دین نے فرمایا کہ ابھی تو ہم نے جہاد فی سبیل اللہ ایک فرقے کے خلاف شروع کیا ہے اس میں کامیابی کے بعد انشاء اللہ دوسروں کی خبر لی جائے گی۔"[2]

مسٹر عبدالرحیم شبلی بی کام سابق چیف ایڈیٹر روزنامہ "زمیندار" کا بیان ہے کہ:۔

"اس زمانے میں یہ خیال تھا کہ صوبہ میں گڑبڑ ہو گی اور دفعہ ۹۲ الف کے تحت صوبائی اسمبلی توڑ دی جائے گی جس کے بعد نئے انتخابات کی ضرورت پڑے گی۔ ایسی ہنگامی صورتِ حال کے لئے یہ انتظام

---

[1] روزنامہ "ملت" لاہور ۲۵۔ دسمبر ۱۹۵۳ء صہ ۶

[2] "اقبال اور ملا" صہ ۱۹ مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی۔ ناشر بزمِ اقبال نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ۔ لاہور۔

کیا گیا تھا کہ میاں ممتاز دولتانہ ختمِ نبوّت کے ٹکٹ پر انتخاب لڑیں گے۔" [۱]

حیرت انگیز انکشاف

لیکن جناب چوہدری فضل الٰہی صاحب نے پنجاب کی تحقیقاتی عدالت میں یہ حیرت انگیز انکشاف کیا کہ:۔

"مسٹر دولتانہ کی اِس سیاست بازی کا مقصد صرف داخلی نہ تھا بلکہ بین الاقوامی سیاسیات سے بھی متعلق تھا۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ خواجہ ناظم الدین کو اقتدار کی کُرسی سے اُتار پھینکیں، خود اپنی قیادت میں ایک مرکزی حکومت قائم کریں اور پاکستان کو ایک کمیونسٹ مملکت بنا دیں۔" [۲]

پنجاب سول سیکرٹریٹ کا خط مرکزی وزارتِ داخلہ کے نام

جوں جوں ۲۲ر فروری ۱۹۵۳ء کی میعاد کے اختتام کا وقت قریب تر آتا گیا سول وار کی تیاریاں زیادہ زور شور سے ہونے لگیں۔ اِس پُر آشوب دَور کی کیفیت پر پنجاب سول سیکرٹریٹ لاہور کا مندرجہ ذیل خط خوب روشنی ڈالتا ہے۔ یہ خط ۲۱ر فروری ۱۹۵۳ء کو وزیرِ اعلیٰ پنجاب کی منظوری سے سیکرٹری حکومتِ پاکستان وزارتِ داخلہ کراچی کو لکھا گیا تھا:۔

"نمبر 2249-BDSB

پنجاب سول سیکرٹریٹ لاہور

۲۱ر فروری ۱۹۵۳ء

مکرمی احمد صاحب

از راہِ کرم غیاث الدین احمد کی ڈی او چٹھی نمبر BDSB-2682 مورخہ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۲ء بنام حمید الدین احمد جو احمدی احرار شورش کے موضوع پر لکھی گئی تھی بغرض حوالہ پیشِ نظر رکھ لیجئے۔

۲۔ کچھ وقت کے لئے شورش کی رفتار نرم پڑ گئی تھی لیکن حال ہی میں عوام کی دلچسپی کو تیز کرنے کی کوششیں خاصی شدّت کے ساتھ دوبارہ جاری کر دی گئی ہیں۔ صوبے بھر میں بے شمار کانفرنسیں اور جلسے منعقد کئے گئے ہیں اور آتش ریز تقریریں کی گئی ہیں۔ ملّاؤں کی تائید و حمایت حاصل کر لی گئی ہے اور احمدیوں کے خلاف زہر اُگلا جا رہا ہے۔ گوجرانوالہ میں مطبوعہ اشتہارات نشر کئے گئے جن میں

---

[۱] روزنامہ "ملّت" ۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۳ء صہ۲ کالم ۱۔

[۲] رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب صہ۳۰۴۔

یہ مطالبہ کیا گیا کہ احمدیوں سے اچھوتوں کا سا سلوک کیا جائے اور کھانے پینے کی چیزوں کی دکانوں پر ان کے لئے علیحدہ برتن رکھے جائیں۔ کچھ مدت تک ضلع گوجرانوالہ میں اس امر پر بھی زور دیا گیا ہے کہ احمدیوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ صرف پولیس کی مداخلت ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ ایسے واقعات نہ ہونے پائے۔ احمدیوں نے جو اس نئی حرکت سے بہت زیادہ مضطرب ہو گئے تھے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو درخواست دی کہ انہیں اپنا علیحدہ قبرستان بنانے کے لئے زمین الاٹ کی جائے۔ یکم فروری ۱۹۵۳ء کو سرگودھا میں مسلمانوں کے قبرستان میں ایک احمدی میت کی تدفین کے خلاف مزاحمت کی گئی۔ پولیس موقعہ پر پہنچ گئی جس سے صورتِ حالات پر قابو پا لیا گیا۔ احمدیوں کے مجلسی مقاطعہ کی تلقین کھلم کھلا کی جا رہی ہے۔ منٹگمری میں ایک مقرر نے کہا کہ احمدیوں کی دکانوں پر پکٹنگ کیا جائے اور اُن کو عوامی کنوؤں سے پانی بھرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ شورش کا لہجہ قطعی طور پر نہایت پست اور مبتذل صورت اختیار کر گیا ہے۔ سوبے بھر میں رضا کاروں کی بھرتی کے لئے ایک مہم کا آغاز کر دیا گیا ہے اور صاحبزادہ فیض الحسن پہلا ڈکٹیٹر مقرر کیا گیا ہے۔ رضا کاروں سے ایک حلف نامے پر دستخط کرائے جاتے ہیں کہ اگر رسولِ پاک کی عزت کے لئے جان دینے کی ضرورت پڑے گی تو وہ اُس میں دریغ نہ کریں گے۔ کہا جاتا ہے کہ بعض رضا کاروں نے حلف نامہ اپنے خون سے لکھ کر پیش کیا ہے۔ لاہور میں کوئی ڈیڑھ سو اشخاص بھرتی ہوئے ہیں۔ صوبے کے دوسرے حصوں میں اب تک جو رضا کار بھرتی ہوئے ہیں اُن کی تعداد کا اندازہ پانچ سو کے قریب کیا جاتا ہے۔ صوبے بھر میں پچاس ہزار رضا کاروں کو بھرتی کرنا مقصود ہے۔ ماسٹر تاج الدین انصاری (صدر آل پاکستان مجلس احرار) سید مظفر علی شمسی (سیکرٹری ادارہ تحفظ حقوقِ شیعہ) اور صاحبزادہ فیض الحسن کا رویہ خصوصاً جارحانہ ہو رہا ہے۔

۳۔ آل مسلم پارٹیز کنونشن جو گذشتہ ماہ جولائی میں احراریوں نے مرتب کی تھی اُس کا ایک اجلاس ۱۶ جنوری سے ۱۸ جنوری تک کراچی میں منعقد ہوا جس میں حسبِ معمول مطالبات کی قراردادیں منظور کی گئیں۔ اس کنونشن کے مندوب جب سے پنجاب واپس آئے ہیں اُن کا طرزِ عمل پہلے کی نسبت زیادہ سرکشانہ ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کراچی میں علماء کی کانفرنس نے احمدیوں کو ایک اقلیت قرار دینے کی جو حمایت کی اُس سے اُن لوگوں کو بہت تقویت پہنچی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ وزیرِ اعظم نے جن سے وہ

ملاقات کر چکے ہیں اُن کے مطالبات سے ہمدردی نہیں کی۔ لہٰذا انہوں نے صاحب موصوف کو الٹی میٹم دے دیا ہے کہ وہ ۲۳ر فروری کو راست اقدام کریں گے۔ وہ ظاہر کر رہے ہیں کہ کراچی کے عوام اُنکے حامی ہیں اور اگر تحریک شروع کی گئی تو وہ جوق در جوق اُس کی حمایت کریں گے۔ وہ مرکزی حکومت کے ارکان پر الزام عائد کر رہے ہیں کہ انہوں نے وعدے کئے لیکن اُن کا ایفاء نہ کیا۔ کراچی سے مندوبین کی واپسی کے بعد اس شورش میں ایک نئے پہلو کا اضافہ ہو گیا ہے یعنی عزّت مآب وزیرِاعظم پاکستان کے خلاف بدگوئی اور دشنام طرازی کی مہم شروع کر دی گئی ہے۔ شورش کے ابتدائی مرحلوں میں سرظفراللہ خاں کی موقوفی کا مطالبہ کیا جاتا تھا لیکن اَب بعض مقررین یہ کہہ رہے ہیں کہ عزّت مآب وزیرِاعظم کو اپنے عہدے سے مستعفی ہو جانا چاہیئے۔

۴۔ کہا جاتا ہے کہ "ڈائریکٹ ایکشن" کراچی میں شروع کیا جائے گا اور اُس کے لئے رضاکار پنجاب اور دوسرے صُوبوں سے بھیجے جائیں گے۔ "ڈائریکٹ ایکشن" احمدیوں کی دکانوں پر پکٹنگ کی شکل اختیار کرے گا۔ یہ دھمکی بھی دی گئی ہے کہ اگر دفعہ ۱۴۴ کے تحت احکام جاری کئے گئے تو اُن کی خلاف ورزی کی جائے گی۔ مطالبات حسب ذیل ہیں:-

(i) سرظفراللہ خاں کو وزیرِخارجہ کے عہدہ سے برطرف کیا جائے۔

(ii) احمدیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

(iii) جو احمدی حکومت کے کلیدی عہدوں پر قابض ہیں اُن کو اُن عہدوں سے موقوف کیا جائے۔

۵۔ اِس شورش کو جماعتِ اسلامی، اہلِ سُنّت والجماعت، اہلِ حدیث اور شیعوں کی حمایت حاصل ہے۔ پیر صاحب گولڑہ شریف (ضلع راولپنڈی) پیر صاحب سیال شریف (ضلع سرگودہا) پیر صاحب علی پور سیّداں (ضلع سیالکوٹ) پیر شوکت حسین (سجادہ نشین پیر صاحب ملتان) اور بعض دیگر حضرات نے اِس شورش کو برکت کی دعا دی ہے۔ سرمایہ جمع کیا جا رہا ہے اور ایک روپے کے نوٹ چھاپ کر فروخت کئے جا رہے ہیں۔ بازاری اور غنڈہ عناصر نے بھی شورش پسندوں کی تائید وحمایت اختیار کر لی ہے۔ آزاد پاکستان پارٹی کی شاخ بہاولپور نے شورش پسندوں کو ایک ہزار روپے کی رقم عطا کی ہے۔

۶۔ جب یہ معلوم ہوا کہ عزّت مآب وزیرِاعظم ۱۶ تاریخ کو لاہور آ رہے ہیں تو ایک جلسۂ عام منعقد

کیا گیا جس میں اعلان کیا گیا کہ وزیرِاعظم کے ورود کی تاریخ کو ہڑتال کی جائے اور مکانوں کی چھتوں پر کالی جھنڈیاں لگائی جائیں۔ مقررین نے احتیاطاً اِس بات پر زور دیا کہ تشدّد سے کام نہ لیا جائے لیکن عملاً وہ عوام کے احساسات کو مشتعل کرنے میں برابر مصروف رہے۔ بعض مقررین نے اپنی تقریروں میں کہا کہ نافرمانی شروع ہونے کی حالت میں پولیس کے جن ملازموں کو گرفتاریاں کرنے کا حکم دیا جائے انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ روزِ قیامت انہیں ان افعال کے لئے جواب دہی کرنی پڑے گی جو اُن کے فرائضِ مذہبی کے منافی ہوں گے۔ ۱۶ تاریخ کی صبح کو سکولوں کے لڑکوں اور بازار کے لونڈوں کے دستے اِدھر اُدھر بھیج دیئے گئے اور دکانداروں کو دکانیں بند کرنے کی ہدایت کی گئی۔ بہت سے لوگ اپنی دکانیں کھلی رکھنا چاہتے تھے لیکن ان کو دھمکایا گیا اور وہ غریب ان لڑکوں اور دوسرے لوگوں کے سامنے جو بازاروں میں چکّر کاٹ رہے تھے عاجز آکر دکانیں بند کرنے پر مجبور ہو گئے۔ چند سکول بھی بند کر دیئے گئے۔ دو ایسے واقعات بھی ہوئے جن میں تشدّد اور خونریزی تک نوبت پہنچ گئی۔ ایک واقعہ دیال سنگھ کالج کے باہر اور دوسرا تعلیم الاسلام کالج (احمدیوں کی درسگاہ) میں رونما ہوا۔ جب ان کالجوں کے طلبہ نے ہڑتال کرنے سے انکار کیا تو طرفین کی طرف سے خشت باری ہوئی اور لوگ زخمی ہوئے۔ سر ظفر اللہ خاں کا ایک جنازہ بھی نکالا گیا اور متعدد چھوٹے چھوٹے جلوس بازاروں میں چکّر لگانے لگے پابندِ قانون شہری ان مظاہروں کو پسند نہ کرتے تھے لیکن محض اِس خوف سے ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرتے تھے کہ مبادا اُن کو بھی احمدی قرار دے دیا جائے۔

۷۔ کہا گیا ہے کہ کراچی میں 'ڈائریکٹ ایکشن' شروع کرنے کے لئے آخری تاریخ ۲۳ مقرر کی گئی تھی۔ احراری لیڈروں نے عوام کے غیظ و غضب کو اِس حد تک مشتعل کر دیا ہے کہ اب اُن کے لئے پیچھے ہٹنا بے حد مشکل ہے۔ وہ بڑی تیز و تند اور جنگجویانہ تقریریں کرتے رہے ہیں اور انہیں محض اپنی عزّت سلامت رکھنے کی خاطر بھی ۲۳ تاریخ کو کوئی نہ کوئی ڈرامائی اقدام کرنا پڑے گا۔

۸۔ لاہور میں قریب قریب ہر شب کو جلسے ہو رہے ہیں جن میں احمدیوں کے خلاف عوام کے احساسات کو مشتعل کرنے کے لئے تقریریں کی جاتی ہیں۔ ۱۶ تاریخ کو بعض دکانداروں کے مُنہ کالے کر دیئے گئے کیونکہ انہوں نے دکانیں بند کرنے سے انکار کیا تھا۔ دیال سنگھ کالج کے قریب مظاہرین نے ایک موٹر کار کو بھی کسی قدر نقصان پہنچایا۔ ۱۸ تاریخ کو نارتھ ویسٹرن ریلوے کی ورکشاپ میں ایک

احمدی جو کئی روز سے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جا رہا تھا غصہ میں بھر گیا تھا اور اس نے ایک غیر احمدی کو لوہے کی ایک سلاخ مار کر بے ہوش کر دیا۔ اس وقت سے یہ احمدی مفرور ہے اور اس کا کوئی اتہ پتہ معلوم نہیں۔ لاہور میں ایک ڈپو ہولڈر نے ایک احمدی عورت کے ہاتھ گیہوں فروخت کرنے سے انکار کر دیا اور آخر اُس وقت مہربان ہوُا جب عورت نے یہ وعدہ کر لیا کہ احمدیوں کے خلاف جو تحریک شروع کی جائے گی وہ اس میں شامل ہو گی۔ سنت نگر کے پرائمری سکول کے ایک طالبِ علم کو اس کے ہم جماعتوں نے گھیر لیا۔ اس کو تھپڑ مارے اور "مرزائی کُتّا" کے نعرے لگائے۔

۹۔ یہ شورش صرف اِسی صوبہ تک محدود نہیں۔ نہ وہ مطالبات جن پر بظاہر یہ شورش مبنی ہے صوبائی حکومت کے دائرۂ اختیار میں داخل ہیں اِس لئے حکومت کو اس صورتِ حالات کا مداوا کرنے میں سخت دِقت محسوس ہو رہی ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ اگر مرکزی حکومت ان مطالبات کے متعلق ایک مضبوط پالیسی اختیار کرنے کا اعلان کرے تو صوبائی حکومت کے ہاتھ کافی مضبوط ہو جائیں گے۔ وہ پالیسی کچھ بھی ہو لیکن اس کے اعلان کے بعد کسی کو اس بارے میں کوئی شُبہ باقی نہ رہے گا کہ حکومتِ پاکستان کا ارادہ کیا ہے اور وہ کیا رویّہ اختیار کرنا چاہتی ہے۔ صوبائی حکومت محسوس کرتی ہے کہ وہ صوبے کے اندر اس پالیسی پر عمل درآمد کرنے کے لئے کافی طاقتور ہے۔

آپ کا مخلص

(دستخط) ایچ۔ اے۔ مجید

انسپکٹر جنرل صاحب پولیس پنجاب کا مراسلہ بنام چیف سیکرٹری پنجاب

اسی دن مسٹر انور علی انسپکٹر جنرل پولیس نے چیف سیکرٹری صاحب پنجاب کو حسبِ ذیل یادداشت بھجوائی:۔

"حکومت غالباً اس تقریر کی روداد پر مطلع ہونے کی خواہاں ہو گی جو مولوی محمد علی جالندھری نے ۱۵ر فروری ۱۹۵۳ء کو لاہور کے ایک جلسہ میں کی۔ ایک بات خاص طور پر قابلِ ملاحظہ ہے کہ ایک دفعہ زورِ فصاحت میں اس مقرر نے اعتراف کیا کہ وہ اور ان کی جماعت تقسیمِ ملک کے مخالف تھے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ جن وجوہ کی بناء پر وہ تقسیم کے خلاف تھے وہ لوگوں پر ظاہر ہونے چاہئیں لیکن اگر اب تک انہیں ان کا شعور حاصل نہیں ہوُا تو ایک یا دو سال کے اندر انہیں سب معلوم ہو جائے گا۔ اسنے

حکومت کی شدید مذمت کی۔ اور اس کے حملوں کا سب سے بڑا ہدف وزیرِ اعظم پاکستان تھے۔ اس جلسہ میں مقررین نے پنجاب اور صوبہ سرحد کے چیف منسٹروں کو بھی بُرا بھلا کہا۔ وزیرِ اعظم پاکستان کو کھُلم کھُلا مرزائی کہا جا رہا ہے۔ ایک اور جلسہ میں عطاء اللہ شاہ بخاری نے ان کو "ید ھو الذین احمقون" کہا۔ ان تقریروں کی خصوصیت صرف تخفیر تھی۔

۲۔ جس زمانہ میں غذا کی کمی ہو، بیروزگاری عام ہو، کاروبار کی کساد بازاری ہو اور کشمیر کے متعلق عام خیال یہ ہو کہ اس کو ہم کھو چکے ہیں۔ جو شخص بدنظمی اور ابتری پھیلانے کی کوشش کرتا ہے وہ پاکستان کا دوست نہیں ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ احرار اور دیگر علماء جو ان کی پُشت پناہی کر رہے ہیں عوام کی توجہ کو ان سنگین مسائل کی طرف سے آج جو ملک کو درپیش ہیں مُنحرف کرنے میں خاص طور پر کامیاب ہوئے ہیں۔ اس ابتری کی وجہ سے عوام کا وہ عزم کمزور ہو جائے گا جو ان مسائل کا مقابلہ اور ان کا مداوا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ ہمارے پاس اِس امر کی شہادت موجود ہے کہ احرار نے آزاد پاکستان پارٹی کی شاخ بہاولپور سے روپیہ لیا۔ یہ لوگ پاکستان کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔ حکومت کو کمرِ ہمت باندھ کر اس خطرہ کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ حکومت پڑھے لکھے طبقے کی ہمدردی کھو چکی ہے۔ اور اب غیر ملکی لوگ بھی یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ حکومت غالباً اس بحران کا مقابلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی جو علماء نے پیدا کر رکھا ہے۔ "لندن ٹائمز" کے نمائندہ نے حکومتِ پنجاب کے ایک افسر سے یہ کہا کہ مرکزی حکومت کمزور ہے اور موجودہ مسائل کے مؤثر مداوا کی قوت نہیں رکھتی۔ رات لاہور کے برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر نے مجھے بتایا کہ ان کے پاس ایسی اطلاعات موصول ہوئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کی صورتِ حالات بے حد تشویش انگیز ہے اور ایک عام ہنگامہ عنقریب برپا ہونے والا ہے۔ حسین شہید سہروردی، ملک خضر حیات خاں اور نواب ممدوٹ برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر سے ملاقات کر چکے ہیں۔ ہم نے مرکزی حکومت کو صورتِ حالات کی نزاکت سے مطلع کر دیا ہے۔ امید ہے کہ وہ کوئی مضبوط طرزِ عمل اختیار کرے گی۔" لے

اخبار "نگہبان" کراچی کا بروقت انتباہ

اخبار "نگہبان" کراچی (۲۵ فروری ۱۹۵۳ء) نے سِول نافرمانی کی دھمکی دینے والوں کو انتباہ کیا کہ:-

لے رپورٹ تحقیقاتی عدالت صد ۱۴۲ تا صد ۱۴۶ مطبوعہ الصاف پریس۔ لاہور۔

"مولویوں کا ڈائریکٹ ایکشن ملک اور قوم کے لئے خطرناک ہوگا۔ اگر ڈائریکٹ ایکشن سے بدامنی یا خونریزی ہوئی تو اس کے ذمہ دار صرف مولوی ہوں گے۔ حال ہی میں آرام باغ میں چند مولویوں کا ایک جلسہ ہؤا جس میں حکومتِ پاکستان کو ڈائریکٹ ایکشن شروع کرنے کی دھمکی دی ہے۔ مولویوں کے مطالبات یہ ہیں کہ (۱) چوہدری ظفراللہ خاں کو وزارتِ خارجہ سے علیحدہ کیا جائے (۲) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے (۳) قادیانیوں کو پاکستان کے کلیدی عُہدوں سے ہٹایا جائے۔ ان تمام مطالبات کے جواز میں انہوں نے ایک قرارداد میں کہا کہ اس جماعت نے اسلام کے عظیم ترین رُکن جہاد کی رُوح کو ختم کرنے کی کوششیں کیں۔ پاکستان کے قیام کی بھی شدید مخالفتیں کیں اور پاکستان بننے کے بعد سے اب تک ربوہ میں حکومتِ پاکستان کے بالمقابل ایک متوازی نظام قائم کیا جا رہا ہے۔ ہم پہلے بھی ایک مرتبہ تحریر کر چکے ہیں کہ ہمیں قادیانیوں یا ان کے عقائد سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور ہم پھر ایک بار اعلان کرتے ہیں کہ ہم نہ تو قادیانی ہیں اور نہ قادیانیوں کے عقائد سے ہمیں کوئی ہمدردی ہے لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہیں گے کہ چند مولوی جو کھیل کھیل رہے ہیں وہ نہ ختم ہونے والا ایک تنازعہ ہو کر رہ جائے گا اور ملّتِ اسلامیہ مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر رہ جائیگی اور جس لئے پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا ایک خواب ہو کر رہ جائے گا۔

آج قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جا رہا ہے تو کل شیعوں کو اور پھر حنفیوں کو اقلیت قرار دینے کے مطالبے ہو سکتے ہیں اور یہ سلسلہ اگر چل نکلا تو ملّتِ اسلامیہ سینکڑوں فرقوں میں تقسیم ہو جائیگی اور ہر مولوی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد تعمیر کرنا شروع کرے گا۔ ہم ان مولویوں سے جو چاہتے ہیں کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے پُوچھتے ہیں کہ کیا تم قادیانیوں کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے سے روک سکتے ہو؟ یا تم ان کو قرآن شریف کی تلاوت، نماز، روزہ اور زکوٰۃ سے منع کر سکتے ہو؟ کیا کوئی مسلمان یہ گوارا کر سکتا ہے کہ وہ کسی شخص کو کلمہ پڑھنے، روزہ، نماز، زکوٰۃ اور اسی قسم کے دوسرے ارکان کو ادا کرنے سے روکے؟ چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ احکامات کی ادائیگی کرنے والوں کو مسلمان کہا جاتا ہے اس لئے مولوی قادیانیوں کو کس طرح غیر مسلم کہہ سکتے ہیں؟ اب رہا یہ سوال کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قادیانی آخری نبی نہیں مانتے بلکہ مرزا غلام احمد کو مسیح موعود مانتے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ کی رُوح کو کچل رہے

ہیں تو جناب آپ مولوی کس مرض کی دوا ہیں؟ آپ کیوں نہیں یہ تبلیغ کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی تھے اور مسلمان پر جہاد فرض ہے اور ان گمراہوں کو کیوں صحیح راستہ پر چلنے کی تلقین نہیں کرتے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ قادیانیوں نے قیامِ پاکستان کی شدید مخالفت کی تھی لیکن ہم مولویوں سے پُوچھتے ہیں کہ وہ بتائیں کہ کیا انھوں نے پاکستان کی مخالفت نہیں کی تھی ؟ کیا انھوں نے قائدِ اعظم اور دوسرے مخلص مسلمان لیڈروں کے خلاف فتوے نہیں دیئے تھے؟ جب مولویوں کا دامن پاک نہیں ہے تو وہ کس مُنہ سے یہ ڈائریکٹ ایکشن کی دھمکی دیتے ہیں۔ کیا وہ ڈائریکٹ ایکشن کے نتائج سے واقف ہیں۔ کیا مسٹر سہروردی کی سِول نافرمانی اور مولویوں کا ڈائریکٹ ایکشن ایک ہی چیز کی دُو شاخیں ہیں؟ ڈائریکٹ ایکشن شروع کرنے سے پہلے جذباتی مولوی اچھی طرح سوچ لیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا یہ قدم کسی آنے والی تباہی کا پیش خیمہ ہو۔ اگر ڈائریکٹ ایکشن سے پاکستان میں خونریزی اور بدامنی پھیلی تو اس کی ساری ذمہ داری حکومتِ پاکستان پر نہیں بلکہ ان مولویوں پر عائد ہوگی۔ مولویوں کے لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ سارے ملک میں دینِ حق کی تبلیغ کریں اور گمراہ مسلمانوں کو راہِ راست پر لائیں۔ اِن مولویوں پر مولانا حالیؔ مرحوم کا یہ شعر صادق آ رہا ہے ؎

رہے اہلِ قبلہ میں جنگ ایسی باہم ٭ کہ دینِ خدا پر ہنسے سارا عالم " [1]

پاکستان کی مرکزی کابینہ کی نظر میں مطالبات اور ڈائریکٹ ایکشن

پاکستان کی مرکزی کابینہ ڈائریکٹ ایکشن کو کس نگاہ سے دیکھتی تھی؟ اور مطالبۂ اقلیت سے متعلق اُس کا اندازِ فکر کیا تھا؟ اِن سوالات کا واضح جواب ہمیں اُن بیانات کی روشنی میں "تلاش کرنا چاہیئے جو مرکزی حکومت کے تین وزراء کی طرف سے فساداتِ پنجاب ۱۹۵۳ء کی تحقیقاتی عدالت میں دیئے گئے اور جن کا ملخص انہی کے الفاظ میں حسبِ ذیل ہے:-

جناب خواجہ ناظم الدین صاحب وزیرِ اعظم پاکستان :-

مَیں نے علماء سے کہا تھا کہ ان کے مطالبات کو منظور کرنا بہت مُشکل ہے اور آئین میں اگر اس کی

[1] ہفت روزہ نگہبان (کراچی) ۲۵ فروری ۱۹۵۳ء

گنجائش رکھ بھی دی گئی تو مسلمان کی صحیح تعریف پر اتفاقِ رائے مشکل ہو جائے گا۔ جب مَیں نے مسلمانوں کی تعریف کا ذکر کیا تھا تو میرے ذہن میں ایک ایسی تعریف تھی جس کے مطابق احمدیوں پر پابندی لگا دی جائے لیکن مسلمانوں کے دوسرے طبقوں پر اس کا اطلاق نہ ہو۔ ختمِ نبوّت کے مسئلہ پر مجھے علماء سے پورا پورا اتفاق ہے لیکن علماء کے اس بیان سے مجھے اتفاق نہیں کہ اس معاملہ میں ناموسِ پیغمبر علیہ السلام شامل ہے۔ پچھلے تجربات خاص طور پر تقسیمِ ملک سے پہلے کے تجربات نے بتایا ہے کہ سول نافرمانی کی تمام تحریکیں اس اعلان کے ساتھ شروع ہوئیں کہ یہ پُر امن رہیں گی لیکن ان تمام تحریکوں کا خاتمہ تشدّد پر ہوا اور یہی چیز پنجاب میں ہوئی۔ اس تحریک کے پسِ پردہ وہ لوگ ہیں جو سیاسی اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میری مراد صوبہ پنجاب کے اُن لیڈروں سے تھی جن کے ہاتھ میں صوبائی حکومت کی باگ ڈور تھی۔ مجھے برابر اطلاع مل رہی تھی کہ خود وزیرِ اعلیٰ اور اُن کے افسر خود تحریک کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔

مَیں نے اعلیٰ اختیارات والی سہ روزہ کانفرنس میں (جو ۱۳ فروری ۱۹۵۳ء کو شروع ہوئی اور جس میں گورنر مشرقی پاکستان کے سوا پاکستان کے باقی صوبوں کے گورنروں اور وزرائے اعلیٰ نے شرکت کی تھی) کہا تھا کہ یہ درست ہے کہ احمدیوں کو اپنے عقیدے کے مطابق دوسروں کو اپنے مذہب میں شامل کرنا چاہیئے لیکن اس وقت کروڑوں غیر مسلم دائرۂ اسلام سے باہر ہیں ان کا فرض اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو احمدی بنانے کی بجائے غیر مسلموں کو مسلمان بنائیں۔ اس سلسلے میں سر ظفر اللہ خاں نے دو سوالات کئے تھے (۱) کیا احمدیوں کو نجی کانفرنسیں کرنے کی اجازت ہو گی (۲) اگر کوئی مسلمان احمدیوں کا لٹریچر مانگے اور اگر اس کے لئے لٹریچر فراہم کر دیا جائے تو کیا اس مسلمان پر کوئی اعتراض ہو گا۔ مَیں نے پہلے سوال کے جواب میں کہا تھا کہ اگر احمدی کسی مسلمان کو مدعو نہ کریں اور وہ مسلمان اُن کی مجلس میں شریک ہو جائے تو اس پر اعتراض نہیں ہو گا۔ دوسرے سوال کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ اگر احمدی اپنا لٹریچر مسلمانوں میں خود تقسیم نہ کریں اور کوئی مسلمان اُن کا لٹریچر مانگے تو اُس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ اسی قسم کے دو ایک اَور سوالات تھے۔ یہ انتظام کیا گیا تھا کہ گورنر پنجاب امیر جماعتِ احمدیہ پنجاب کو سہولت دیں گے کہ وہ اپنی جماعت کی کونسل کو بُلا کر ان سے اس سوال پر بحث کریں گے۔

عدالت نے پُوچھا کیا یہ درست نہیں ہے کہ یہ تینوں مطالبات اس فیصلہ کا نتیجہ تھے کہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنانا چاہیئے۔

خواجہ ناظم الدین صاحب نے اصرار کیا کہ کفر کے فتوے کا مطلب لازماً یہ نہیں کہ ایک فرقہ کو غیر مسلم اقلیت سے بدل دیا جائے خلفاءِ راشدین کے عین بعد سے موجودہ وقت تک متعدد افراد اور جماعتوں کے خلاف کُفر کے فتوے دیئے جاتے رہے ہیں لیکن تاریخ اِس بات کی کوئی شہادت نہیں دیتی کہ ایسی جماعت کو کبھی مسلمان کی حیثیت سے شہری حقوق سے بھی محروم کیا گیا ہو۔ ایک مسلمان کے شہری حقوق فتویٰ نہیں چھین سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر پاکستان کو غیر مذہبی مملکت قرار دیا جاتا تب بھی یہ تینوں مطالبات اپنی جگہ قائم رہتے اور انہیں منوانے کے لئے اسی طرح زور دیا جاتا جس طرح اب دیا گیا ہے۔

سوال کیا گیا آپ نے علماء کو کیوں نہیں بتایا کہ آپ احمدیوں کو اقلیّت قرار دینے کے حق میں نہیں تھے؟

جواب۔ اس کا نتیجہ علماء سے کُھلی ٹکّر لینے کے مترادف ہوتا جس سے مَیں اجتناب کرنا چاہتا تھا۔ مَیں نے محسوس کیا اگر مَیں علماء کو قائل کر سکا تو تحریک خود بخود ختم ہو جائے گی کیونکہ صرف علماء ہی تحریک کو ہَوا دے رہے تھے۔ جہاں تک میری اطلاع کا تعلق ہے شیعہ ایک فرقہ کی حیثیّت سے اس الٹی میٹم کے خلاف تھے۔ خود ساختہ نمائندہ سیّد مظفّر علی شمسی نجی حیثیّت سے موجود تھے۔ اہلحدیث اور دیوبندی گروہوں کی نمائندگی تو صحیح تھی لیکن یہ دونوں گروپ ڈائریکٹ ایکشن کے خلاف تھے۔ پنجاب کے

لے ممتاز محمد خاں دولتانہ سے تحقیقاتی عدالت میں دریافت کیا گیا کہ

"جو علماء اِس وقت ایجی ٹیشن چلا رہے تھے۔ ان کے متعلق خواجہ ناظم الدین کی روش کیا تھی؟ اس کے جواب میں انہوں نے کہا ان کی طرف خواجہ ناظم الدین صاحب کا رویہ ہمدردانہ تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ملک کے سامنے آئین سازی کا مسئلہ درپیش تھا اور وہ برسرِ اقتدار پارٹی کے لیڈر تھے اور آئین سازی کے دَوران میں انہوں نے علماء کے نقطہ نگاہ کا بہت لحاظ کیا تھا۔ اور جہاں تک مَیں نے اندازہ لگایا خواجہ صاحب نے مذہبی رہنماؤں کے نقطہ نظر کو قبول بھی کر لیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ان کی پالیسی یہ تھی کہ آئین کے صرف مذہبی مسائل پر پوری توجہ دی جائے تاکہ اس طرح ملک میں عام مقبولیّت حاصل کر لی جائے اور پھر اسکے ذریعہ سے غیر مذہبی نوعیّت کے مسائل مساویانہ نمائندگی اور قومی زبان کے مسائل کو حل کرنے میں مدد لی جائے۔" (اخبار ملّت ۲۳ جنوری ۱۹۵۴ء صلہ)

وزیر اعلیٰ کو چاہیئے تھا کہ وہ چند سرغنوں کو منتخب کر کے اُن کے خلاف کارروائی کرے۔ احمدیوں بالخصوص چوہدری ظفر اللہ خاں کے خلاف تحریک کو چلایا گیا۔ لاہور میں اور پنجاب کے بعض اضلاع میں چوہدری ظفر اللہ خاں کو گدھے یا کُتّے کی صورت میں دکھایا گیا۔ احمدیوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں مُردے دفن کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ ان کا سوشل بائیکاٹ کر دیا گیا اور ان کی دُکانوں پر پہرے بٹھا دیئے گئے۔ اگر علماء نے احمدیوں کو محض کافر یا مرتد کہا ہوتا اور مَیں پنجاب کا وزیر اعلیٰ ہوتا تو مَیں ان کو اِس بناء پر سزا نہ دیتا لیکن اگر علماء ایسی باتیں کہتے جن سے احمدیوں کے خلاف نفرت پیدا ہوتی تو مَیں ضرور کارروائی کرتا۔ اگر قابلِ اعتراض ذرائع اختیار نہ کئے جائیں تو ایک جمہوری ملک میں حکومت کے سامنے ہر مطالبہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ [1] [2]

جناب سردار عبد الرّب صاحب نشتر مرکزی وزیر صنعت و حرفت :-

میری رائے یہ تھی کہ احرار کی سرگرمیوں کا یہ سبب ہو سکتا ہے کہ تقسیم کے بعد اپنی پوزیشن سے محروم ہو جانے کے بعد وہ عوام میں اپنی جگہ دوبارہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ پاکستان کے قیام کے بعد احرار نے پاکستان کی وفاداری کا اعلان کر دیا تھا لیکن احرار کی گذشتہ تاریخ کے پیشِ نظر مسلم لیگ بدستور اُن کے بارے میں محتاط رہی۔ میری یہ رائے تھی کہ مسلم لیگ اگر احرار کے خلاف پراپیگنڈا کرے

---

[1] روزنامہ ملت ۲ تا ۶ ر دسمبر ۱۹۵۳ء ؏

[2] تحقیقاتی عدالت میں جماعتِ اسلامی کے وکیل چوہدری نذیر احمد صاحب نے بھی کہا کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کو نہایت ناپاک اور گندے الفاظ میں علانیہ طور پر گالی دی جا رہی تھی جس کی اجازت کسی متمدّن ملک کی متمدّن حکومت نہیں دے سکتی۔ انہوں نے کہا کہ مرکزی حکومت کے ایک سینئر رکن کو گالیاں دینے کا سلسلہ شدّت کے ساتھ جاری رہا لیکن اس انتہائی شرمناک اور حوصلہ فرسا اقدام پر ان کے رفقائے کابینہ یا ملک کے رہنماؤں نے اس کو ختم کرنے کے لئے ذرّہ بھر بھی آواز نہیں اُٹھائی۔

چوہدری نذیر احمد نے کہا۔ گندے دشنام آمیز اور زہریلے نعروں کے باوجود جب ملک کے صحیح الخیال لوگوں نے دیکھا کہ یہ بظاہر سرکاری افسروں کی جانب سے کسی روک ٹوک یا پابندی کے بغیر جاری ہیں تو ان میں شکست خوردگی کی ذہنیت پیدا ہو گئی ہے۔

انہوں نے کہا کہ یہ افسوس کی بات ہے کہ اس طرح کی حرکتوں کی مذمت میں نام نہاد مجلسِ عمل کے کسی رہنما نے بھی کوئی بیان جاری نہیں کیا۔ (ملت ۷ ر فروری ۱۹۵۴ء ص۳)

اور پاکستان کے عوام کو احرار کا ماضی یاد دلا دے تو احرار ہمیشہ کے لئے ذلیل ہو جائیں گے۔ احرار نے یقیناً پاکستان کے خلاف کام کیا تھا۔

سوال کیا گیا آپ نے کسی احمدی لیڈر یا احمدی مقرر کو بھی انتباہ کیا تھا؟

جواب۔ نہیں مجھے فرقہ احمدیہ سے کسی بدامنی کا خدشہ نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک چھوٹا سا فرقہ ہے۔ ریاست کی بنیاد اگر قرآن اور سُنّت پر ہوئی تو احمدیوں اور غیر مسلموں کو اپنے عقائد کی علانیہ طور پر تبلیغ کرنے کی اجازت ہوگی۔ بنیادی حقوق ہیں اس کے متعلق ایک دفعہ پہلے ہی موجود ہے۔ پاکستان میں غیر مسلموں کی حیثیت ذمّیوں کی نہیں بلکہ معہدوں کی ہوگی کیونکہ وہ لوگ مفتوح نہیں ہیں۔

اِن تینوں مطالبات میں سے کوئی مطالبہ قرارداد مقاصد یا بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات سے پیدا نہیں ہوتا۔

جس مکتبِ خیال کی میں پیروی کرتا ہوں وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ کوئی مہدی یا مسیحا آئے گا۔

سوال۔ کوئی شخص اگر غلطی سے لیکن دیانتداری کے ساتھ کسی کا یہ دعویٰ تسلیم کرے کہ وہ مہدی یا مسیحا ہے تو آپ کے مکتبِ خیال کے مطابق وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا؟

جواب۔ میں اس کے متعلق یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔[1]

جنابِ مشتاق احمد صاحب گورمانی وزیرِ داخلہ :-

حکومتِ پاکستان سمجھتی ہے ہر چند کسی فرقے یا طبقے کے جائز حقوق پر کوئی ناروا پابندی عائد نہیں ہونی چاہیئے اور مختلف نظریات کے حامیوں میں کوئی امتیاز بھی روا نہیں رکھنا چاہیئے تاہم مذہبی فرقہ بندی سے پیدا ہونے والے تنازعات کو اِس حد تک بڑھنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے جہاں امن وامان ہی خطرے میں پڑ جائے۔ اس کے علاوہ جنگجویانہ اور جارحانہ نوعیت کی مذہبی فرقہ بندی کے خلاف غیر جانبداری اور سختی سے قدم اُٹھایا جائے۔[2]

جنابِ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وزیرِ خارجہ :-

جہاں تک اپنے عہدہ کے متعلق میرے رویہ کا تعلق ہے میں اسے ایک بہت بڑا اعزاز سمجھتا ہوں جو خداوند تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے۔ یہ چیز قابلیت اور صلاحیت کی بناء پر نہیں میں اسے ایک امانت

---

[1] اخبار "ملت" لاہور ۲۸، ۲۹ نومبر ۱۹۵۳ء ؛ [2] اخبار "ملت" لاہور ۶ دسمبر ۱۹۵۳ء صٓ

تصوّر کرتا ہوں اور ذمّہ داری بھی جسے مَیں معمولی نہیں سمجھتا اور دوسری طرف یہ بالکل واضح ہے کہ وزیرِ اعظم اپنے کسی ساتھی سے استعفاء طلب کر سکتے ہیں۔ جب یہ تحریک شروع ہوئی تو مَیں نے نہایت واضح لفظوں میں اُس وقت وزیرِ اعظم خواجہ ناظم الدین کو یہ بتایا تھا کہ اگر وہ بار سمجھیں تو مَیں علیحدہ ہونے کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ ؎[1]

حکومتِ پاکستان کا اعلامیہ

حکومتِ پاکستان کی طرف سے فروری ۱۹۵۳ء کے آخر میں حسبِ ذیل اعلامیہ جاری کیا گیا:۔

" ملک کے بعض حصّوں میں جماعتِ احمدیہ کے متعلق جو فرقہ وار تحریک جاری ہے اس کے ارتقاء کی نمایاں خصوصیات سے عوام بے خبر نہیں ہیں۔ اِس تحریک کے علمبرداروں نے اب حکومت کو تحکمانہ چیلنج دیا ہے کہ اگر ان کے مطالبات کو تسلیم نہ کیا گیا تو وہ "ڈائریکٹ ایکشن" کریں گے۔ اِس تحریک کا آغاز احرار نے کیا تھا اور اگرچہ بعد میں اِس کی تائید بعض دوسرے عناصر نے بھی کی لیکن اسے چلانے والے اب بھی احرار ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ قیامِ پاکستان سے پہلے احرار مسلمانوں کی جدّوجہدِ آزادی کے شدید ترین اور پیہم مخالف تھے اور انہوں نے ان جماعتوں سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا تھا جو حصولِ پاکستان کے لئے کوشاں تھیں بلکہ بہت سے احرار لیڈر کانگرس میں شامل ہو گئے یا ایسی جماعتوں سے مل کر کام کرتے رہے جو قائدِ اعظم کی تحریکِ آزادی کی دشمن تھیں۔ احرار نے اپنی تخریب پسندانہ سرگرمیوں کو قیامِ پاکستان کے بعد ترک نہیں کیا بلکہ اِس بات کا حتمی ثبوت موجود ہے کہ احرار نے اب تک پاکستان کو تسلیم ہی نہیں کیا اور وہ ملک کے دشمنوں سے مل کر نہ صرف مسلمانوں میں افتراق و نفاق پھیلا رہے ہیں بلکہ پاکستان کے استحکام پر عوام کے اعتماد کو بھی متزلزل کرنے کے درپے ہیں۔ احرار کی موجودہ ایجی ٹیشن کا مقصد بھی ایک مذہبی تحریک کے پردے میں ملّتِ اسلامیہ کی وحدت و سالمیّت کو پارہ پارہ کرنے اور پاکستان کے مفاد کو نقصان پہنچانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اب تک یہ ایجی ٹیشن عام جلسوں میں اشتعال انگیز تقریروں اور بعض اخبارات میں تحریروں کے ذریعے سے جاری رہی جس کے نتیجہ میں بعض مقامات پر امن شکنی اور لاقانونی کے واقعات بھی رُونما ہوئے لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ اِس تحریک کے علمبرداروں نے پُورے ملک میں فتنہ و فساد پھیلانے کا تہیّہ کر لیا

---

[1] اخبار ملّت (لاہور) ۲۲ جنوری ۱۹۵۴ء صٓ

ہے تاکہ حکومت اور عوام کو اپنے تحکمانہ مطالبات کے سامنے جھکنے پر مجبور کیا جا سکے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اعلان کیا ہے کہ اگر ہمارے مطالبات منظور نہ کئے گئے تو وہ براہِ راست قدم اٹھائیں گے۔

دُنیا کی کوئی حکومت اپنے آپ کو "ڈائریکٹ ایکشن" کی دھمکی سے مرعوب ہونے کی اجازت نہیں دے سکتی لہذا حکومت نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ امن وامان کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے تمام [illegible] استعمال کرے گی۔ حکومت تمام متعلقہ عناصر کو متنبہ کر دینا چاہتی ہے کہ اگر اس تحریک کے علمبرداروں [illegible] الٹی میٹم کے نتیجہ میں امنِ عامہ میں کوئی خلل واقع ہوا تو قانون یقیناً حرکت میں آئے گا اور جو لوگ [illegible] شکنی کے مرتکب ہوں گے ان کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

بایں ہمہ حکومت کو امید ہے کہ اس تحریک کے علمبردار ہوش مندی سے کام لیں گے اور وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے جس سے امنِ عامہ میں خلل پڑتا ہو یا اُن تخریب پسند عناصر کی حوصلہ افزائی ہوتی ہو جو عوام کے اعتماد کو ایک ایسے وقت میں متزلزل کرنے کے درپے ہیں جب پاکستان کو بعض اہم ترین اندرونی اور بیرونی مسائل کا سامنا ہے۔ حکومت عوام کے ہر طبقہ سے اپیل کرتی ہے کہ وہ کسی غیر آئینی حرکت کو برداشت نہ کرے اور اِس بات کا خیال رکھے کہ کوئی ایسی سرگرمی نہ دکھائی جائے جس سے پاکستان کی وحدت اور سالمیت کے خطرے میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔"[1]

اعلامیہ کی ضرورت و اہمیّت بھارتی لیڈروں کے بیانات کی روشنی میں

حکومتِ پاکستان کے اِس اعلامیہ کا تجزیہ اگر بھارتی لیڈروں کے بیانات کی روشنی میں کیا جائے تو اس کی ضرورت واہمیّت بالکل عیاں ہو جاتی ہے۔

اِس سلسلہ میں چند مشہور ہندوستانی زعماء کے بعض ضروری اقتباسات بطور نمونہ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔[2]

ا۔ "۱۹۴۵ء میں پنڈت نہرو نے ایک سینئر برطانوی افسر سے کہا تھا کہ اُن کا اصل منصوبہ یہ ہے کہ وہ جناح کو اُن کا پاکستان دے دیں گے اور پھر بتدریج پاکستان کے لئے معاشی طور پر اور دیگر لحاظ

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور یکم مارچ ۱۹۵۳ء ص ۳ ۔ [2] یہ سب اقتباسات جناب ممتاز احمد صاحب کی کتاب "مسئلہ کشمیر" سے لئے گئے ہیں۔ یہ کتاب المحراب سمن آباد لاہور نے شائع کی ہے اور دیباچہ بانی جماعت اسلامی جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے لکھا ہے۔

سے بھی ایسے حالات پیدا کر دیں گے جن میں پاکستان کا وجود ناممکن ہو کر رہ جائے گا۔ پھر ان (پاکستان کا مطالبہ کرنے والوں) کو جھک کر ہمارے سامنے آنا ہوگا اور یہ درخواست کرنی ہوگی کہ ہمیں ہندوستان میں دوبارہ شامل ہونے کی اجازت عطا کی جائے۔"[1]

۲۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ۱۴ جون کے پلان کی توثیق کرتے ہوئے حسبِ ذیل قرارداد منظور کی تھی:۔

"جغرافیائی حالات نے، پہاڑوں نے اور سمندروں نے ہندوستان کو ویسا ہی بنایا ہے جیسا کہ وہ اس وقت ہے، اور کوئی انسانی طاقت نہ تو اس صورت و ہیئت کو تبدیل کر سکتی ہے اور نہ ہی اس آخری صورت کے راستے میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔۔۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی اس بات پر پورا پورا یقین رکھتی ہے کہ جب موجودہ جذباتی شدت میں کمی آ جائے گی تو ہندوستان کا مسئلہ اسی حقیقی تناظر میں دیکھا جائے گا اور دو قوموں کے مصنوعی نظریے کو تمام لوگ ساقط اور ترک کر دیں گے۔"[2]

۳۔ ہندو مہاسبھا کی مجلسِ عاملہ کی قرارداد کے الفاظ یہ تھے:۔

"ہندوستان ایک وحدت ہے — اور ناقابلِ تقسیم وحدت — ہندوستان میں اس وقت تک امن قائم ہی نہیں رہ سکتا جب تک کہ الگ ہونے والے علاقوں کو انڈین یونین میں واپس نہ لایا جائے اور انہیں ہندوستان کا لازمی حصہ نہ بنایا جائے۔"[3]

۴۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۴۷ء کو — قیامِ پاکستان کے چھ ہفتے بعد — فیلڈ مارشل آکنلک نے لندن میں اپنے افسرانِ بالا کو ایک خفیہ پیغام میں لکھا:۔

"اس امر کی تصدیق میں میرے پاس شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ موجودہ انڈین کابینہ اپنی ہر ممکن کوشش اور طاقت کے ذریعے پاکستان کی مملکت کو مستحکم بنیادوں پر کھڑا ہونے سے

---

[1] (VIDE KHALID BIN SAEED "PAKISTAN FORMATIVE PHASE." (KARACHI, 1960) P. 283) بحوالہ "مسئلہ کشمیر" مؤلفہ ممتاز احمد صاحب (ص ۲۵۶، ۲۵۷)

[2] VIDE V.P. MENON, "THE TRANSFER OF POWER IN INDIA", (CALCUTTA, 1957), P.384

[3] V.P. MENON, OP. CIT. P. 382

روکنے کا مصمم ارادہ کر چکی ہے میری اِس رائے سے میرے تمام سینئر افسر بھی متفق ہیں بلکہ اس کی تائید ہر وہ ذمّہ دار برٹش افسر کر رہا ہے جو حالات سے ذرہ برابر بھی آگاہ ہے۔" لہ

۵۔ ایک بھارتی مصنف ستیا ورتا رامداس پٹیل لکھتا ہے:۔

"پاکستان کا قیام بھارت کی سلامتی کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ پاکستان نے بھارت کی جغرافیائی وحدت کو پاش پاش کر دیا ہے۔۔۔ اِس مصنوعی تقسیم سے ہندوستانی قومیت کی بنیاد پر زد پڑی ہے جس سے نہ صرف بھارت کمزور ہو کر رہ گیا ہے بلکہ اس کی آزادی کو بھی خطرہ لاحق ہے۔ ایک تعمیری ڈپلومیسی کا تقاضا یہ ہوگا کہ اس تقسیم کو ختم کیا جائے۔۔ یہی ایک صورت ہے جس سے بھارت ایک عظیم طاقت کی حیثیت سے اُبھر سکتا ہے۔" ٢ه

۶۔ ایک اَور مقام پر یہی مصنف لکھتا ہے:۔

"ہمیں پاکستان کو بھی ختم کرنے کی ویسی ہی کوشش کرنی چاہیئے جس طرح ہم نے پرتگال کا گوا سے قبضہ ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس قدر ہم گوا کی آزادی کے خواہاں تھے اسی قدر ہمیں پاکستان کو بھی آزاد کرانے کی خواہش کرنی چاہیئے۔"

بھارتی پریس اور ایجی ٹیشن

اُن دنوں بھارتی پریس ایجی ٹیشن کی خبریں جس رنگ میں شائع کر رہا تھا اس کا ایک نمونہ دہلی کے اخبار تیج سے ملتا ہے۔ اس اخبار نے اپنی ۱۱/ مارچ ۱۹۵۳ء کی اشاعت کے صفحہ اوّل پر جلی قلم سے جو نمایاں ترین خبر شائع کی وہ یہ تھی کہ:۔

"لاہور میں ڈائریکٹ ایکشن کرنے والوں نے متوازی حکومت قائم کر لی۔"

بھارتی ایجنٹوں کی گرفتاری

پاکستانی فوج کے ایک ریٹائرڈ ڈ نائک میاں غلام نبی صاحب کا بیان ہے کہ:۔

لہ JOHN CONNELL, "AUCHINLECK" (LONDON 1959), P. 920 بحوالہ "مسئلہ کشمیر" ص۳۵۸

٢ه SATYAVARATA RAMDAS PATEL, "FOREIGN POLICY OF INDIA: ENQUIRY AND CRITICISM" (BOMBAY, 1960) P. 19 بحوالہ "مسئلہ کشمیر" ص۳۵۹

"ہمارے ختمِ نبوت کے فسادات کے موقع پر ان (بھارت) کی افواج کی تیز نقل و حرکت اور بارڈر سے ذرا ہٹ کر پوزیشن سیٹ کرنا (مشقوں کے بہانے) نیز فسادات کے مرکز لاہور اور گرد و نواح میں اُن کی جاسوسی اور مخالفانہ پراپیگنڈے کی زبردست سرگرمیاں یہ کیا تھا حتّٰی کہ جب ختمِ نبوت کا جھگڑا ختم ہوا تو جاسوسوں کے چرچا کی وجہ سے شہر میں بھارتی جاسوسوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا (اُن دنوں ہم نے بھی علاقہ بارڈر کے قصبہ ہڈیارہ و دیگر دیہات اور کھیتوں سے متعدد جاسوس گرفتار کرائے) تو تقریباً چالیس ہمارے مقامی مسلمان صاحبان بھی بھارتی جاسوسوں کے دستِ راست بنے ہوئے پائے گئے جن میں (بڑے افسوس اور شرم کا مقام ہے کہ) چند ہمارے امام مسجد مولوی صاحبان بھی تھے مگر اس کیس کو مصلحتاً ڈراپ کر دیا گیا۔ حاصل یہ کہ ہمارے اندرونی اور داخلی جھگڑے کے اس موقع پر بھی دشمن جو ہر وقت تاک میں تھا حملے کے لئے تیار ہو کر امڈ آیا۔" [1]

ایک امریکی سکالر کی رائے

امریکہ (U.S.A) کے ایک ممتاز ادیب اور سکالر مسٹر ڈانلڈ این۔ ولبر (DONALD . N. WILBER) نے ۱۹۵۳ء کی شورشِ پنجاب کی نسبت لکھا ہے :-

"BUT IN 1953 AGITATION DIRECTED AGAINST THEM BY OTHER MOSLEMS BECAME SO VIOLENT THAT IT SHOOK THE VERY FOUNDATIONS OF THE NEW STATE." [2]

دوسرے مسلمانوں کی طرف سے ان کے خلاف ۱۹۵۳ء میں جو شدید ایجی ٹیشن برپا کی گئی اس نے اس نوزائیدہ مملکت کی بنیادیں تک ہلا دیں۔

---

[1] رسالہ "سیّارہ ڈائجسٹ" مئی ۱۹۷۲ء صفحہ ۱۳۷، صفحہ ۱۳۸۔

[2] "PAKISTAN"
ITS PEOPLE ITS SOCIETY ITS CULTURE P. 95
(HRAF PRESS NEW HAVEN) دسمبر ۱۹۶۳ء

مشرقی پاکستان پریس کی طرف سے راست اقدام کی مذمت اور اس کا پس منظر

مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کی تحریک پاکستان سے متعلق خدمات ہمیشہ آبِ زر سے لکھی جائیں گی۔ یہ فخر و امتیاز اسی خطہ کو حاصل ہے کہ اُسکے ایک بہادر سپوت نواب سلیم اللہ خاں کی تحریک اور دعوت پر ۱۹۰۶ء میں بمقام ڈھاکہ آل انڈیا مسلم لیگ کی بُنیاد رکھی گئی۔ اور دوسرے مایہ ناز فرزند آنریبل مولوی فضل الحق وزیرِ اعظم بنگال نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے اجلاس لاہور میں قرار دادِ پاکستان پیش کی جس کے بعد بنگالی مسلمانوں نے پاکستان کو قائم کرنے کے لئے لاتعداد قربانیاں دیں اور باوجودیکہ احرار کے ہم خیال کانگرسی اور نیشلسٹ علماء نے بنگال میں بھی پاکستان کی زبردست مخالفت کی حتیٰ کہ پاکستانی خیال کے مسلمانوں پر کفر و ارتداد اور فسخ نکاح تک کے فتوے بھی لگائے مگر انہوں نے ۱۹۴۵ء۔ ۴۶ء کے انتخابات میں پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالے۔

اُس زمانہ میں نیشلسٹ اور کانگرسی علماء کے ہاتھوں بنگالی مسلمانوں پر کیا بیتی؟ اور پھر کس طرح یہ نام نہاد علماء اپنے سیاسی اور مذہبی حربوں میں ناکام ہوئے؟ اِس کی تفصیل میں رسالہ "طلوعِ اِسلام" (کراچی) لکھتا ہے کہ:۔

"مولویوں کا بہت بڑا طبقہ پاکستان کا دشمن تھا اور قیامِ پاکستان کے راستے میں ہر قسم کے روڑے اٹکا رہا تھا۔ انہوں نے ہندو زمینداروں اور ہندو ساہوکاروں سے ساز باز کر رکھا تھا اور کسی طرح سے بھی مشرقی بنگال کے عوام تک "پاکستان" کی آواز نہیں پہنچنے دیتے تھے لیکن پاکستان کی تحریک میں کچھ اس قسم کی جاذبیّت تھی کہ مولویوں کی سازشوں اور رکاوٹوں کے باوجود مشرقی بنگال کے عوام تک یہ تحریک پہنچ ہی گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ وہاں کے عوام کو انگریزوں اور ہندوؤں نے اِس طرح دبا رکھا تھا کہ وہ اُن کی مرضی کے خلاف ایک لفظ تک زبان سے نہیں نکال سکتے تھے۔ وہاں کے سیدھے سادے عوام پر بیک وقت تین جگر سوز عذاب مسلّط تھے۔ انگریز، ہندو اور مولوی جس طرح مظلوم بنی اسرائیل کے سر پر فرعون، قارون اور ہامان سوار تھے۔

عوام کا ایک طبقہ کسی نہ کسی طرح انگریزوں اور ہندوؤں کے شکنجہ سے تو نکل آیا لیکن وہ مولوی کے آہنی پنجوں سے چھٹکارا نہ پاسکا۔ یہی نہیں بلکہ اِس سے بھی زیادہ تاسف انگیز بات یہ تھی کہ عوام

اپنے سب سے بڑے دشمن مولوی کو اپنا دوست سمجھ رہے تھے حالانکہ یہ اُسی کی سازشوں کا نتیجہ تھا کہ وہ اِس قدر بُری حالت تک پہنچ گئے تھے عوام کی سادہ دلی اور شدید مذہبی رُجحانات کی وجہ سے نہ صرف مقامی مولوی عوام کو لُوٹ رہا تھا اور اپنی من مانی کارروائی کر رہا تھا بلکہ ہندوستان کے تقریباً ہر گوشہ سے بڑا بڑا اجغاوری مولوی اور پیر ہر سال مشرقی بنگال پہنچ جاتا اور تبلیغ دین کے نام سے اپنی اپنی جھولیاں بھر بھر کر واپس آیا کرتا تھا مولویوں کی آمدورفت اور لُوٹ کھسوٹ کا سلسلہ اِس طرح جاری تھا کہ ۱۹۴۶ء کے الیکشن کا اعلان ہو گیا جو پاکستان کے نام پر لڑا جا رہا تھا۔ الیکشن کے سلسلہ میں کلکتہ اور بھارت کے دوسرے مقامات کے بہت سے مسلم لیگی لیڈروں نے مشرقی بنگال کا دَورہ کیا اور لوگوں پر پاکستان کی اہمیّت واضح کرنی شروع کر دی۔ مسلم لیگی لیڈروں کا اثر اور عوام کو پاکستان کی حمایت پر آمادہ دیکھ کر ہندوؤں نے اپنے اجیر مولویوں کو مسلم لیگی لیڈروں کا زور توڑنے کے لئے بھیجا۔ "رُوحِ جعفر" کے ان تازہ بچیوں نے اپنی تقریروں میں مسلم لیگی لیڈروں پر کُفر کے فتوے لگائے۔ پاکستان کی تحریک کو انگریزوں کا شگوفہ بتایا اور ہر ممکن کوشش کی کہ یہ تحریک مقبولِ عام نہ ہونے پائے لیکن جناح کے خلوص اور پاکستان کے نام میں کچھ ایسی جاذبیّت تھی کہ ہندوؤں اور انگریزوں اور مولویوں کے علی الرغم مسلم عوام نے مسلم لیگ کو ووٹ دئے اور ۱۹۴۶ء کے مرکزی اسمبلی کے الیکشن میں بنگال کے تمام کے تمام ممبر نہ صرف کامیاب ہوئے بلکہ ان کے حریفوں کی ضمانتیں بھی ضبط ہو گئیں۔

الیکشن کے نتائج کے اعلان کے بعد مولویوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ انہیں ایسا معلوم ہوُا کہ عوام نے ان سے بغاوت کر دی ہے۔ ان کو اپنی شکست سے بڑا دھچکا لگا۔ بنگال کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ عوام نے مولویوں کی خواہش بلکہ حکم کے خلاف مسلم لیگ کے نمائندوں کو کامیاب بنایا تھا۔ انہیں اپنی ناکامیابی کا بڑا قلق تھا۔ پھر ان مولویوں کے لئے سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ انہوں نے جن ہندو ساہوکاروں اور زمینداروں سے روپے لے کر عیش کئے تھے وہ ہندو بھی ان سے ناخوش تھے اور انہیں ناخوش ہونا بھی چاہیئے تھا چنانچہ انہوں نے ان مولویوں کو دھمکی دی کہ اب ہم تمہاری کسی قسم کی کوئی مدد کرنے کو تیار نہیں۔ تم نے ہمارے لاکھوں روپے مُفت میں ضائع کر دئے۔ ان مولویوں نے ہندوؤں کو سمجھایا کہ اس الیکشن میں اتّفاقی طور سے شکست ہو گئی ہے ورنہ عوام کے دِلوں پر اب بھی ہمارا راج ہے۔ اگر تم ہماری مدد کرو تو ہم قیامِ پاکستان کے روکنے کے لئے سارے مشرقی پاکستان کے عوام

کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیں گے۔ ہندوؤں کی تو یہ دِلی خواہش تھی ہی کہ جس طرح بھی ہو سکے قیامِ پاکستان کو روکا جائے چنانچہ انہوں نے دوبارہ اپنی تجوریوں کے پٹ کھول دئے اور ان مولویوں پر بیدریغ روپے خرچ کرنے شروع کر دئے۔ جب مولوی کو روپے کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس نے اب منظّم طریقے سے مشرقی بنگال پر دھاوا بول دیا۔

سب سے پہلے مولویوں کا گروہ مشرقی بنگال کے ایک بہت بڑے ضلع نواکھالی پہنچا۔ پُورے بنگال میں نواکھالی مولویوں کا گڑھ شمار ہوتا تھا (بنگال میں یہ عام طور پر مشہور ہے کہ نواکھالی کے ضلع میں مولویوں کی تعداد چار لاکھ کے لگ بھگ ہے)

یہاں ان مولویوں نے مقامی مولویوں کے تعاون سے ایک بہت بڑا جلسہ کیا اور متفقہ طور پر یہ فتویٰ دیا کہ مسلم لیگ میں شریک ہونے والے، مسلم لیگ کو ووٹ دینے والے اور مسلم لیگ کی تحریکِ پاکستان کا ساتھ دینے والے فاسق، فاجر، کافر اور منافق ہیں۔ ان مولویوں نے اِسی فتویٰ پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ یہ اعلان بھی کیا کہ مرکزی اسمبلی کے الیکشن میں جن لوگوں نے مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دئے تھے وہ سب کے سب کافر ہیں اور دین سے خارج ہو چکے ہیں لہذا ان کی بیویاں ان پر حرام ہو چکی ہیں اگر وہ صدقِ دل سے توبہ کر کے دوبارہ مسلمان نہ ہو جائیں تو ایسے میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کرا دی جائے۔

مولویوں کے اِس جلسہ میں شرکت کرنے والوں کا بیان ہے کہ کئی آدمی جلسہ ہی میں مولویوں کے "دستِ حق پرست" پر توبہ کر کے دوبارہ مسلمان ہوئے اور مولوی صاحب نے ان کی بیویوں سے دوبارہ ان کا نکاح پڑھایا۔ نواکھالی کے اِس جلسہ کو مولوی نے اپنی کامیابیوں کا پیش خیمہ قرار دے کر بڑے پیمانہ پر پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا شروع کر دیا۔

جمعیۃ علمائے ہند کے سربراہ مولوی حسین احمد مدنی اور ان کے شاگرد اِن رشید، مریدانِ حق پرست اور دیگر حوارین پُورے مشرقی بنگال میں پھیل گئے۔ مدنی صاحب ہر سال رمضان کے مہینہ میں سلہٹ آ جایا کرتے تھے اور عید کے بعد دیوبند واپس جایا کرتے تھے۔ سلہٹ اور اس کے پاس مولوی صاحب کا کافی اثر تھا اسی لئے انہوں نے سلہٹ کو اپنا ہیڈ کوارٹر قرار دے کر اپنے آدمیوں کو بنگال کے مختلف علاقوں میں بھیجنا شروع کیا۔ مولوی صاحب کی امداد کے لئے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے ہندوؤں

نے ہوائی جہازوں اور ریلوں سے مولویوں کی کھیپ کی کھیپ بھیجنی شروع کی مگر تحریکِ پاکستان کچھ اس قدر سخت جان تھی کہ ان مولویوں کی ایک نہ چلی اور آخر کار ۳ جون کو تقسیمِ ہند کے فیصلہ کا اعلان ہو ہی گیا۔ اب ہندوؤں کو مولویوں کی بالکل ضرورت نہ تھی کیونکہ ان کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہو چکی تھیں لیکن تقسیمِ ہند کے اعلان کے چند دنوں بعد مولویوں کا نصیبہ پھر جاگا اور آسام کے ضلع سلہٹ اور تھانوں میں رائے شماری کا اعلان ہوا۔ ہندوؤں نے پھر مولویوں کی خدمات حاصل کیں اور مولوی حسین احمد مدنی کی سرکردگی میں ہزاروں مولویوں کو سلہٹ بھیجا تاکہ وہ مسلم اکثریت کے شہر سلہٹ اور اس کے آس پاس کے علاقہ کو پاکستان سے کاٹ کر ہندوستان میں شامل کرا سکیں۔ ان مولویوں نے اپنی جانیں لڑا دیں مگر انہیں اس مرتبہ بھی منہ کی کھانی پڑی اور مولوی حسین احمد مدنی معہ حواریوں کے اپنا سا منہ لے کر مشرقی بنگال سے تشریف لے گئے۔ سلہٹ میں ان حضرات کی عبرت ناک شکست سے ایک بات تو بہرحال ثابت ہو گئی کہ مشرقی بنگال سے مولویوں کا اثر ختم ہو چکا ہے سلہٹ ریفرنڈم میں مولویوں کی شکست اصل میں ان کے اقتدار کا آخری دن تھا۔ جب مولویوں کی مخالفتوں کے علی الرغم پاکستان بن ہی گیا تو وہ مولوی جنہوں نے ہر ہر قدم پر پاکستان کے قیام کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا اور جنہوں نے قیامِ پاکستان کے راستے میں ہر قسم کی روکاوٹیں کھڑی کی تھیں وہ پاکستان کے زبردست دوست بن کر سامنے آئے۔ انہوں نے اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کرنے کے لئے یہ سوچا کہ اگر تمام مولوی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں تو اس طرح ایک متحدہ محاذ بن سکتا ہے۔" [1]

مشرقی پاکستان کے مظلوم مسلمانوں نے جو احرار کے ہم مشرب کانگرسی علماء کے فتاویٰ تکفیر کی شمشیرِ بے نیام سے پہلے ہی زخم رسیدہ تھے اسلام کے نام پر سول نافرمانی کی دھمکی دینے والے احراری علماء کی شدید مذمت کی [2] اور مسلم پریس نے ان کے خلاف پُرزور نوٹ لکھے۔

---

[1] رسالہ "طلوعِ اسلام" کراچی ۲۶ رمارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۱، ۱۲۔

[2] یاد رہے احراری علماء اُن دنوں صاف لفظوں میں کہہ رہے تھے کہ "ہمیں صرف چودھری سر ظفر اللہ کو اس کی کرسی سے علیحدہ کرنا نہیں ہے خواجہ ناظم الدین کو بھی عزت دینا ہے۔" (زمیندار ۳ رفروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۲، ۷ بیان ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری صدر مجلس احرار مرکزیہ)

اخبار شنگھا

۱۔ چنانچہ اخبار شنگھا (ڈھاکہ) نے یکم مارچ ۱۹۵۳ء کو "مذہبی عصبیت" کے عنوان سے حسبِ ذیل شذرہ سپردِ قلم کیا:۔

بعض عناصر نے جو قادیانی جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کرتے آرہے ہیں چونکہ گذشتہ جمعہ کو کراچی میں ڈائریکٹ ایکشن کا اعلان کرکے فتنہ برپا کرنے کی کوشش کی اس لئے حکومتِ پاکستان نے جمعہ کی صبح ہی گیارہ سرکردہ علماء کو گرفتار کرلیا۔ حکومت کے اِس بر وقت اقدام سے ان لوگوں کا منصوبہ پیوندِ خاک ہوگیا۔

قارئین جانتے ہیں کہ بعض فرقے کچھ عرصہ سے بے وجہ مذہبی منافرت پھیلاتے چلے آرہے ہیں حالانکہ محض اپنے سیاسی مفاد کی خاطر کسی کے مذہبی عقائد کے خلاف عوام کو مشتعل کرنا انتہائی قابلِ مذمت ہے۔ مذہب کے نام پر اختلاف کے ہم قائل نہیں۔ اتحاد اور نظام ہی اسلام کا بنیادی اصول ہے، اور اسی اصول پر پاکستان قائم ہوا۔

جن لوگوں نے کراچی میں جمعہ کے دن اپنے سیاسی اغراض کے لئے فتنہ اُٹھانے کی کوشش کی ان کی سیاست سے پورا ملک باخبر ہے کہ وہ پاکستان کے ہرگز خیر خواہ نہیں ہیں جیسا کہ سرکاری اعلامیہ سے بھی ظاہر ہے۔

پریس نوٹ میں بتایا گیا ہے کہ اِس فتنہ کے بانی مبانی احرار تھے گو بعد میں بعض اور فرقے بھی اُن کی تائید میں شامل ہوگئے۔ احرار تقسیم ملک سے قبل قیامِ پاکستان کے مخالف اور کانگرس کے ساتھی تھے احرار اب عوام کو مذہبی عقائد کی آڑ میں اشتعال دلا کر سیاسی طور پر کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ ہمارا ملک اِس امر کو سمجھنے کے لئے دماغ رکھتا ہے۔

اِس فرقہ نے ملکی بٹوارہ کے وقت جو گھناؤنا کردار ادا کیا ہے اُس کو دیکھ کر کوئی بھی پاکستانی اس کی موجودہ سرگرمیاں برداشت نہیں کرسکتا۔ پاکستان کے عوام مذہبی عصبیت کی تنگ نظری پسند نہیں کرتے اور نہ وہ ملک کے کسی مسلم یا غیر مسلم طبقہ یا فرد کے جمہوری حقوق کو نظر انداز کرسکتے ہیں لہٰذا ملک کو احراری طائفہ کی سازش سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ قادیانیوں کے خلاف خواہ مخواہ اشتعال پیدا کرنا پاکستان کے لئے مفید نہیں ہے۔ (ترجمہ)

اخبار "آزاد"

۲۔ اخبار "آزاد" (ڈھاکہ) نے "اتحاد اور مذہبی عصبیت" کے عنوان سے حسبِ ذیل

اداریہ لکھا:۔

۱۷؍فروری بوقت صبح کراچی میں گیارہ مشہور مولویوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان گرفتار شدگان میں مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی بھی شامل ہیں۔

۱۶؍فروری کو ایک جلسۂ عام میں مطالبہ کیا گیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے ورنہ ڈائریکٹ ایکشن تجویز کیا جائے گا۔ حکومتِ پاکستان کے ایک پریس کمیونک میں ان گرفتار شدگان کے متعلق کہا گیا ہے کہ چند روز سے احمدیوں کے خلاف ایک تحریک چل رہی ہے تحریک کرنے والوں نے کہا ہے کہ اگر ان کے دعویٰ کو حکومت تسلیم نہ کرے گی تو ڈائریکٹ ایکشن عمل میں لایا جائے گا۔ قیامِ پاکستان سے قبل احراری جماعت جو مسلمانوں کی تحریکِ آزادی کے مخالف تھی اسی ٹولہ نے اب یہ تحریک شروع کر رکھی ہے احراری قائدِ اعظم کے خلاف کانگریس کے ساتھ تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی ان لوگوں کو پاکستان پسند نہیں۔ اور وہ پاکستان کے دشمنوں کی سازش اور امداد سے قومی اتحاد کو درہم برہم اور پاکستان کو کمزور کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ پہلے یہ لوگ اشتعال انگیز تقاریر اور اخباروں کے ذریعہ مخالفانہ پراپیگنڈا کر رہے تھے مگر اب وہ تخریبی کارروائی پر اتر آئے ہیں۔ کوئی حکومت ایسی دھمکیوں کے سامنے جھک نہیں سکتی۔

یہاں پاکستان کے اتحاد اور استحکام کے خلاف تخریبی کارروائی کرنے والے فرقوں کی کوئی کمی نہیں۔ احراری ٹولی آج بھی اسی طرح پاکستان کی مخالف ہے جس طرح وہ گذشتہ زمانہ میں مخالفت کر رہی تھی۔ اب یہی فرقہ مذہبی لبادہ اوڑھے ہوئے مسلمانوں میں فتنہ و فساد پھیلانے کے درپے ہے اور چند ماہ سے احمدیوں کے خلاف منافرت پھیلا رہا ہے۔ اس فرقہ نے طرح طرح کی سازشیں کیں اور بالآخر خون خرابہ تک نوبت پہنچی۔ حکومتِ پاکستان اب سختی کے ساتھ اس تحریک کو دبانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس شورش کو بہت عرصہ قبل پوری قوت سے دبا دیا جانا چاہیئے تھا لیکن حکومت نے تغافل برت کر اس کو تخریبی کارروائی کا موقع دے دیا ہے۔ اس فرقہ کو جو پاکستان کے اتحاد و استحکام کا دشمن ہے اور مذہبی لبادہ اوڑھے ہوئے ہے معاف نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا وجود ہی ملک کے لئے ناقابلِ برداشت ہے اور اس کے ساتھ کسی طرح صلح نہیں ہو سکتی۔ افسوس!! حکومتِ پاکستان اس فرقہ کے معاملہ میں خوشامدانہ طرزِ عمل اختیار کرتی چلی آ رہی ہے۔

ہمیں اُمید ہے کہ حکومت اب اپنی گذشتہ پالیسی کو بدل دے گی اور اس کو اپنے فولادی ہاتھوں سے دبا دینے اور کیفرِ کردار تک پہنچانے میں ذرّہ برابر تامّل نہ کرے گی۔ اس صورت میں حکومت نے جو بھی قدم اُٹھایا اسے عوام کی حمایت حاصل ہوگی۔ (ترجمہ) لہ

اخبار "انصاف"

۳۔ روزنامہ "انصاف" نے اپنی ۴ مارچ ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں "ناقابلِ برداشت" کے زیرِ عنوان لکھا :-

احرار نے قادیانیوں کے خلاف کیوں سر اُٹھایا؟ ؟ کیا یہ مذہبی مفاد ہے یا کچھ اور؟ ... احرار تقسیم ملک سے قبل ہمیشہ سیاست سے وابستہ رہے اور مذہب سے ان کو چنداں دلچسپی نہ تھی۔ اور یہ تو مشہور بات ہے کہ ہندو کانگریس کے مسلم کُش لائحہ عمل کو دیکھ کر سب مسلمان زعماء یکے بعد دیگرے کانگریس سے علیحدہ ہوگئے اور مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو کر اپنے حقوق کے تحفظ کی جدّوجہد کرنے لگے ان دنوں احرار نے کانگریس کے ساتھ مل کر مسلم لیگ کی ڈٹ کر مخالفت کی لیکن ان کی ساری کوششیں اکارت گئیں۔

پاکستان اس وقت مسلم لیگ کی قیادت میں تیزی کے ساتھ شاہراہِ ترقّی پر گامزن ہے خصوصاً چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے ہاتھوں اسے نہ صرف شُہرت نصیب ہوئی بلکہ بین الاقوامی برادری میں اسے ایک نمایاں مقام حاصل ہو چکا ہے۔ ایسے مرحلہ پر چوہدری صاحب کو وزارتِ خارجہ سے برطرف کرنے کا مطالبہ حکومت کے خلاف بغاوت نہیں تو اَور کیا ہے؟

ہم ہر پاکستانی سے پُوچھتے ہیں کہ کیا یہ وقت اختلاف کا ہے؟ ایسے وقت میں جبکہ ہمارا وطن مختلف مسائل میں اُلجھا ہوا ہے دارالسلطنت کے امن اور سرکاری نظم ونسق کو درہم برہم کرنے کا معمولی خیال رکھنے والے ہر شخص کو ہم مشکوک سمجھتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ایسے لوگ پاکستان اور اسلام دونوں کے دشمن ہیں ان کی یہ حرکت ہرگز برداشت نہیں کی جاسکتی انہیں پُوری قوت سے دبا دینے کی ضرورت ہے ورنہ آنے والی نسلوں کی نظر میں ہم قصوروار ٹھہریں گے۔ (ترجمہ)

راست اقدام کی دھمکی اور بھارتی مسلمان

بنگالی مسلمانوں کی طرح ہندوستان کے متدیّن اور ملّتِ اسلامیہ کا درد رکھنے والے مسلمانوں

لہ "آزاد" یکم مارچ ۱۹۵۳ء

نے بھی علماء کے راست اقدام کے فیصلہ کو انتہائی نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھا۔

چنانچہ بمبئی کے مسلمان اخبار" انقلاب" نے احراری احمدی کشمکش پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:۔

"فتنۂ عظیم"

"پاکستانی علماء کدھر جا رہے ہیں"

" پاکستان میں احراریوں نے احمدیوں کے خلاف جو ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے اس کی ہر سلیم العقل انسان مذمت کرنے پر مجبور ہے ہمیں قادیانیوں کے مذہبی تصوّرات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور ختمِ نبوّت کے باب میں ان کے عقائد کو ہم قطعاً غلط تصوّر کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ہم اس ہنگامہ کی ہرگز تائید نہیں کر سکتے جو کراچی اور لاہور میں برپا ہے اور جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ مملکتِ پاکستان کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے بلکہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں منافرتِ باہمی پھیلانے کا بھی شدید اندیشہ ہے۔ آج کے حالات میں جب کہ دُنیا کے گوشہ گوشہ سے اتحادِ اسلامی کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور مسلمانوں کا صاحبِ شعور طبقہ فروعی اختلافات کو ختم کرتے ہوئے اپنی متحدہ طاقت کے بَل پر اسلامی نشأۃِ ثانیہ کا خواب دیکھ رہا ہے۔ اختلافِ عقائد کی بُنیاد پر ایک تحریک کا شروع کر دیا جانا ایک ایسی مذموم اور تکلیف دہ حرکت ہے جسے سنجیدہ مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ اور ہم انتہائی رنج وافسوس کے ساتھ ایک ایسی تحریک کی مذمت کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں جس کی قیادت کا فریضہ ممتاز علماءِ اسلام انجام دے رہے ہیں۔

جہاں تک ان مطالبات کا تعلق ہے جو احراریوں کی طرف سے پیش کئے جا رہے ہیں ہم کسی حالت میں ان کی تائید نہیں کر سکتے۔ اگر مولوی صاحبان کو یہ حق دے دیا جائے کہ وہ جس فرقہ کو چاہیں ایک ذرا سا شور و شغب برپا کر کے غیر مسلم اقلیّت قرار دلا دیں تو پاکستان میں اسلام کا مُستقبل تاریک ہو جائے گا۔ آج چند مولویوں کے مطالبہ پر قادیانیوں کو غیر مُسلم اقلیّت قرار دیا جا سکتا ہے تو کل شیعوں، دیوبندیوں، شافعیوں، مالکیوں، حنفیوں، مقلّدوں، غیر مقلّدوں، بوہروں، آغاخانیوں اور دوسروں پر بھی یہی مصیبت طاری کی جا سکتی ہے۔ ہر فرقہ کے مولوی صاحبان دوسرے فرقہ کے لوگوں کو غیر مسلم اقلیّت قرار دینے کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اور اگر حکومت اِن سب کے مطالبات قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کر دے تو وہ وقت دُور نہیں جب پاکستان میں سرے سے کوئی "مسلمان باقی نہیں رہے گا اور وہ ایسی غیر مسلم

اقلیّت کا ملک بن جائے گا جس پر یہ شعر سَو فیصدی صادق آئے گا کہ ؎

زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا ٭ اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلماں ہُوں مَیں

رہا احمدیوں کا سرکاری ملازمتوں سے اخراج کا مسئلہ تو یہ بھی ایک قطعاً مُہمل مطالبہ ہے۔ سرکاری مناصب کا تعلق اہلیّت اور قابلیّت سے ہوتا ہے مذہب سے نہیں۔ اگر کوئی قادیانی لائق ہے تو اسے ایک نالائق غیر احمدی کے مقابلہ میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا یقیناً زیادہ حق ہے کسی شخص کو محض اختلافِ عقائد کی بُنیاد پر سرکاری ملازمت سے محروم کرنا قطعاً غلط اور احمقانہ بات ہے اور ہم کسی حالت میں اِس کی تائید نہیں کر سکتے اور پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ آج جو مطالبہ قادیانیوں کے سِلسلہ میں کیا جا رہا ہے وہی کل دوسرے فرقوں کے متعلق نہیں کیا جانے لگے گا؟ آج اگر ظفراللہ خاں کو قادیانی ہونے کی بُنیاد پر وزارت سے مستعفی کیا جا سکتا ہے تو کل مسٹر غلام محمد کو پیر وارث علی شاہ سے گہری عقیدت کے جُرم میں ان کے عہدہ سے برطرف کرنے کا مطالبہ وجود میں آسکتا ہے یہ ایک ایسا لامتناہی سلسلہ ہے جس پر کوئی روک نہیں کی جا سکتی۔ اور اگر حکومتِ پاکستان آج اِس احمقانہ مطالبہ کو مان لے تو کل ایسا وقت آسکتا ہے جب اُسے سرکاری ملازمتوں کے لئے ایک شخص بھی نصیب نہ ہو اِس لئے کہ بہرحال ہر مسلمان کسی نہ کسی فرقہ سے ضرور متعلق ہوگا اور بدقسمتی سے دوسرے فرقہ کے لوگوں کے نزدیک اس کا "کفر" اتنا گہرا اور اتنا شدید ضرور ہوگا کہ اسے وہ کسی حالت میں سرکاری ملازمت کا اہل نہیں قرار دے سکیں گے۔

جہاں تک احراری حضرات کا تعلق ہے ان کی پُوری تاریخ ہنگامہ پسندی اور فتنہ انگیزی پر مشتمل رہی ہے انہوں نے کبھی کشمیر میں تحریک چلا کے مسلمانوں کو بیوقوف بنایا اور کبھی اور ایجی ٹیشن کا قصہ کھڑا کرکے میواتی مسلمانوں کو مُبتلائے مصائب کیا کبھی لکھنؤ میں شیعہ و سُنّی جھگڑا کھڑا کیا تو کبھی مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں ملّتِ اِسلامیہ کو کھلا ہوُا نقصان پہنچایا۔ یہ قطعاً تخریبی ذہنیّت رکھنے والے لوگ ہیں جو صرف ہنگاموں اور فسادات کی فضا میں زندہ رہنے کے قائل ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد سے یہ لوگ خاموش تھے اِس لئے کہ پاکستان کا حکمران طبقہ ان کے سابقہ کردار سے بخوبی واقف تھا اور وہ ان کو کسی حالت میں اُبھرنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا عوام میں بھی ان کی ساکھ گری ہوئی تھی اِس لئے کہ اِن لوگوں نے قیامِ پاکستان کی شدید مخالفت کی تھی۔ ایسی حالت میں ان کو مجبوراً پانچ سال تک

خاموشی کی زندگی گذارنی پڑی لیکن ان کی خوش قسمتی کہ چند "مہاجرین مولوی صاحبان" جو یہ محسوس کرتے تھے کہ ان کو قیامِ پاکستان سے اتنا فائدہ نہیں پہنچا ہے جتنا کہ وہ خود کو تصوّر فرماتے تھے ان کے ساتھ شامل ہوگئے اور ان کو اس کا موقع مِل گیا کہ وہ احمدی اور غیر احمدی کا فتنہ کھڑا کرکے اس پردہ میں دوبارہ سیاست کے میدان میں آجائیں۔ ہم جانتے ہیں کہ احراریوں نے یہ تحریک کسی دینی جذبہ کے ماتحت شروع نہیں کی ہے بلکہ وہ مذہب کے پردہ میں دوبارہ سیاسی عُروج حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی اس خود غرضی اور مطلب پرستی کے متعلق ہمیں کچھ عرض نہیں کرنا ہے وہ ہمیشہ اِس ذہنیت کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں اور آج بھی اپنی سابقہ روایات پر عمل کر رہے ہیں ہمیں افسوس تو ان دوسرے علماءِ کرام پر ہے جو اِس فتنہ میں شریک ہوگئے ہیں اور اِس طرح نادانستہ طور پر نہ صرف اپنے وطن کو بلکہ درحقیقت اسلام کو شدید نقصان پہنچا رہے ہیں۔ آج سارے اسلام کے علماء اِس اجتہاد و تبدیلی کے شاکی ہیں جو مسلمانوں کے مغربی تعلیم یافتہ طبقہ میں عام ہوتی جارہی ہے لیکن وہ یہ بھُولتے ہیں کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کو مذہب سے دُور کرنے میں مغربی تعلیم کا اتنا ہاتھ نہیں ہے جتنا کہ ان اجارہ دارانِ دین و ملّت کا ہاتھ ہے جو مسندِ علم و فضل پر فائز نظر آتے ہیں۔ اگر آج کمیونسٹ بے دین نظر آتا ہے تو اس میں مارکس کی مادّہ پرستی کا اتنا ہاتھ نہیں ہے جتنا کہ زارینہ کے اس سازشی اور غلط کار پادری کا ہاتھ ہے جس نے مذہب کو حکومت کا کھلونہ بنا دیا تھا۔ ہمارے علماء کرام کی قدامت پسندی کُفر سازی، تنگ نظری اور شدید قسم کی متعصبانہ روش نے تعلیم یافتہ طبقہ کو نہ صرف یہ کہ علماء کی جانب سے بدظن کر دیا ہے بلکہ ان میں مذہب کی جانب سے بھی بیزاری پیدا کر دی ہے۔ پاکستان کے علماء بھی بدقسمتی سے روایتی کٹھ ملاؤں کا کردار انجام دے رہے ہیں اور اِس طرح وہ احمدیوں کے مقابلہ میں خود اسلام کو زیادہ نقصان پہنچا رہے ہیں تعلیم یافتہ مسلمان جب اِس قسم کی حرکتوں کو دیکھتے ہیں اور مذہب کے نام پر علماء کرام کی تنگ نظرانہ روش کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان میں مذہب کی جانب سے مایوسی پھیل جاتی ہے۔ پاکستان میں ابھی یہی ہوگا۔ آج نہیں تو کل تعلیم یافتہ طبقوں میں مولویوں کی اِس روش کا ردِّ عمل نہایت ہی شدّت سے نمایاں ہوگا اور اس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ علماءِ کرام کی عزّت کا خاتمہ ہوجائے گا بلکہ اس دینی جذبہ کا بھی خاتمہ ہوجائے گا جو آج پاکستان میں موجود ہے۔

ترکی میں علماء کی اسی تنگ نظری نے جو نتائج پیدا کئے وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ایران میں علماء کا جو حشر ہُوا وہ ہمارے سامنے ہے اور شام ومصر میں جو حالات پیدا ہوئے ان سے بھی ہم واقف ہیں۔ بدقسمتی سے پاکستانی علماء بھی اس غلط راہ پر چل رہے ہیں جس پر ترکی اور ایران کے علماء چلے تھے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اگر انہوں نے جلد ہی اپنی روش تبدیل نہیں کی تو ان کو بھی انہیں نتائج کا سامنا کرنا پڑیگا جن سے ترکی اور ایران کے علماء دوچار رہ چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ پاکستان کا تعلیم یافتہ طبقہ ان حالات کو زیادہ دِنوں تک برداشت نہیں کرسکتا۔ وہ ملک کی سالمیت پر علماء کے وار دیکھتے ہوئے خاموش نہیں رہ سکتا اسے ایک نہ ایک دن علماء کے خلاف آواز بلند کرنا پڑے گی۔ اور ظاہر ہے کہ جب یہ طبقہ میدان میں آئے گا تو علماءِ کرام کے ساتھ ہی اسلام کو بھی اس حشر سے دوچار ہونا پڑے گا جس کا ایک ادنیٰ مظاہرہ ہم ترکی میں دیکھ چکے ہیں۔

سیاست میں تخریبی مقاصد کے لئے مذہب کا استعمال حد درجہ نقصان دہ ہُوا کرتا ہے۔ پاکستان میں آج مذہب کو تخریبی سیاست کا آلۂ کار بنایا جا رہا ہے۔ یہ چیز خود مذہب کے لئے انتہائی نقصان رساں ثابت ہوگی اِس لئے کہ جب پاکستان کا تعلیم یافتہ طبقہ یہ محسوس کرے گا کہ مذہب کا حد درجہ ناجائز استعمال ہو رہا ہے اور مذہب کے نام پر ملک کی وحدت کے پرخچے اُڑائے جا رہے ہیں تو وہ لازماً مذہب کے خلاف صف آراء ہو جائے گا اور اس کے نتیجے میں کم ازکم یہ تو ضرور ہوگا کہ پاکستان کو ایک مثالی اسٹیٹ بنانے کا خواب ہمیشہ کے لئے شرمندۂ تعبیر رہ جائے گا اور اسلامی اسٹیٹ کی جگہ ویسی ہی سیکولر حکومت وجود میں آجائے گی جیسی کہ انتزاعِ خلافتِ اسلامی کے بعد ترکی میں وجود میں لائی گئی۔ اگر پاکستانی علماء اسے پسند نہیں کرتے کہ پاکستان کو غیر مذہبی ریاست بنا دیا جائے اور وہ واقعی ایک مثالی اسلامی مملکت کے قیام کے خواہش مند ہیں تو ان کو اپنی موجودہ تنگ نظرانہ روش ترک کرنا پڑے گی۔ مذہب کے نام پر فتنہ آرائی کا راستہ چھوڑنا پڑے گا۔ احمدیوں کے نام پر فتنہ آرائی کرکے ممکن ہے کہ چند علماء کو کچھ عارضی شہرت حاصل ہو جائے لیکن یہ شُہرت آگے چل کے بہت مہنگی پڑ سکتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم پاکستانی علماء کو ان کی موجودہ روش کے باب میں ابھی سے متنبّہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کی موجودہ سیاست 'اِسلام' مسلمانوں اور خود پاکستان کے حق میں سمِّ قاتل سے کم نہیں۔ اور اگر انہوں نے اسے ترک نہ کیا تو آج وہ جو زہریلے بیج بو رہے ہیں۔ ان کے کڑوے

پھل کل خود انہیں کھانا پڑیں گے اور اس کا جو کچھ نتیجہ ہو سکتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے"۔ لہ

نمائندہ "المصوّر" (قاہرہ) کے تأثرات

قاہرہ کے مشہور اخبار "المصوّر" کی نامہ نگارِ خصوصی السیدہ ابینۃ السعید ایجی ٹیشن کے اس زمانہ میں مصر سے خاص طور پر پاکستان میں آئیں اور کراچی اور راولپنڈی کے حالات اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کئے۔ ان کے ذاتی تأثرات کا متعلقہ حصّہ درج ذیل ہے:۔

"جب ہم نو گھنٹے کی لمبی مسافت کے بعد راولپنڈی پہنچے تو چونکہ وہاں پر مصری صحافی وفد کی آمد کی خبر پہنچ چکی تھی اس لئے لوگ بڑی کثرت کے ساتھ گاڑی پر پہنچ گئے تاکہ قادیانیت یا احمدی مذہب کے بارے میں ہمیں اپنی رائے سے مطلع کریں۔ مُلک میں لاقانونیت کا آغاز اِس طرح ہؤا کہ پہلے پانچ آدمیوں کی ایک کمیٹی کراچی گئی جس نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ تمام احمدیوں کو جن میں چوہدری ظفر اللہ خاں بھی شامل ہیں تمام حکومتی عہدوں سے علیحدہ کر دیا جائے۔ نیز انہیں عیسائیوں، ہندوؤں اور پارسیوں کی طرح ایک علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے کیونکہ احمدیوں کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیّین ہونے کے منکر ہیں۔ اِس کمیٹی نے حکومت کو چند دن کی مُہلت دی جب حکومتِ پاکستان نے یہ مطالبات منظور نہ کئے اور مدّتِ مقررہ گزر گئی تو مُلک کے تمام اطراف میں سول نافرمانی کا اعلان کر دیا گیا۔ مظاہرے ہوئے۔ دکانیں بند کی گئیں اور وسائل آمد و رفت میں تعطّل پیدا ہو گیا چونکہ حکومتِ پاکستان فتنہ پرور اصحاب کی حرکات سے پُوری طرح آگاہ تھی اِس لئے اُس نے اِس فتنہ کے لیڈروں کو گرفتار کر لیا اور اِس طرح وقتی طور پر بغاوت کی آگ فرو ہو گئی۔

یہ واقعہ ہے کہ جب ہم دار السّلطنت پاکستان (کراچی) میں تھے تو اِس تحریک کا آغاز ہؤا اور ملک کے مختلف اطراف میں ہمارے ساتھ ساتھ یہ تحریک بھی چکّر لگاتی رہی۔ اِس تحریک پر مجھے بہت حیرت تھی کیونکہ قادیانی مذہب یا احمدیہ جماعت تو قریباً سو سال سے قائم ہے اور آج تک اِس عقیدہ کے لوگ آزادی اور سلامتی سے بستے رہے ہیں اور ان کی حیثیت مسلمانوں کے دوسرے فرقوں سُنّی، شیعہ اور وہابی وغیرہم کی طرح ہے۔ مجھے حیرت تھی کہ خاص طور پر اِن دنوں میں احمدیوں کے خلاف طبائع میں کیوں اشتعال پیدا ہو گیا ہے، نیز یہ کہ انہیں عہدوں سے معزول کئے جانے اور اقلیت غیر مسلمہ قرار دینے

لہ روزنامہ "انقلاب" بمبئی یکم مارچ ۱۹۵۳ء

کے مطالبہ کا حقیقی راز کیا ہے؟ اِس سلسلہ میں مَیں نے بہت جستجو کی اور بہت سے سیاسی اور اجتماعی جماعتوں کے لیڈروں سے بات چیت کی۔ آخر کار مجھ پر واضح ہو گیا کہ موجودہ ایجی ٹیشن خالص سیاسی تحریک ہے اور اِس ایجی ٹیشن کے محرّک درؔاصل پاکستان کے دوست نہیں ہیں اور ان کا حقیقی مقصد اس سے بہت مختلف ہے جیسا کہ ظاہر میں نظر آتا ہے اور حکومت کو اس کا پُورا پُورا علم ہے وہ بخوبی جانتی ہے کہ اندھیرے میں کونسے ہاتھ یہ تاریں ہلا رہے ہیں۔ اِس لئے حکومت نے اِس فتنہ کے ذمہ واروں پر سختی سے گرفت کرنے میں ذرا غفلت نہیں برتی۔

اِس بارے میں مَیں نے پاکستان کے ایک بہت بڑے سیاستدان سے گفتگو کی جو اپنی آزادانہ رائے اور ذاتی اغراض سے بالا ہونے میں معروف ہے۔ اس لیے یہ کہتے ہوئے کہ میرا نام ظاہر نہ کیا جائے مجھے بتایا کہ "بیشک تم ایک ایسی چھوٹی سی مسلم جماعت (جس کی تعداد سات آٹھ لاکھ سے زیادہ نہیں) کے خلاف اِس تحریک کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئی خصوصاً اِس لئے کہ جب پاکستان میں لاکھوں کروڑوں سُنّی، شیعہ، آغا خانی اور وہابی موجود ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے سے مختلف آراء رکھتا ہے تو یہ شور وشر اور ہنگامہ صرف احمدیوں کے خلاف ہی کیوں ہے؟ اِس لئے مَیں اِس جگہ معاملہ کی پُوری وضاحت کے لئے بتاتا ہوں کہ اس کے لئے قادیانیوں کی اُن گذشتہ چند سالوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیئے جب قائدِ اعظم محمد علی جناح نے پاکستان بنانے کی تحریک شروع فرمائی تھی۔ اس وقت جماعتِ احمدیہ جان و دِل سے قائدِ اعظم مرحوم کے دوش بدوش کھڑی ہوئی اور اِس جہاد میں اس نے قائدِ اعظم کی پُوری پُوری تائید کی اور وہ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے تک ہر طرح انکی مددگار رہی۔ اس زمانہ میں برِّعظیم ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک جماعت "احرار" کے نام سے موجود تھی وہ لوگ تقسیمِ ہند یعنی پاکستان بننے کے مخالف تھے۔ انہوں نے مسٹر جناح کا مقابلہ کیا اور انکی دعوت کی پُورے زور سے مخالفت کی لیکن جب ان کی مرضی کے خلاف پاکستان بن گیا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دئے اور ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔ اگرچہ احرار کا لیڈر اَب تک بھارت میں ہے تاہم انکی اکثریت پاکستان میں آگئی۔ پاکستان بننے کے دن سے لے کر آج تک جماعتِ احمدیہ اور احراریوں میں شدید دشمنی ہے جو موجودہ فتنہ کے حقیقی محرّک ہیں۔

(مضمون نگار کہتی ہیں کہ) مَیں نے دریافت کیا کہ اگر یہ بات ہے تو احرار نے اپنے مخالفوں سے اِس

سے پہلے کیوں معاملہ نہیں نپٹایا اور خاص طور پر اس وقت اپنے دیرینہ بغض و کینہ کے نکالنے کے لئے سول نافرمانی کو کیوں ذریعہ بنایا؟ (اس لیڈر نے جواب دیا کہ) اِس سوال کے جواب کے لئے بعض اُمور کا سلسلہ وار بیان کرنا ضروری ہے۔ یاد رہے کہ پاکستان کا قیام غیر متوقع طور پر ہوا ہے۔ ان حالات کا تقاضا تھا کہ ہم اپنی پوری کوشش سے اپنے وطنِ جدید کی ابتداء مضبوط حالات سے کرتے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہم نے ذمہ دارانہ عہدے دینے میں سمجھدار اور تعلیم یافتہ لوگوں کی قابلیت پر دارومدار رکھا۔ اور چونکہ احمدی بہت زیادہ تعلیم یافتہ اور مہذب تھے اِس لئے ان کو بہت سے ذمہ داری کے منصب سپرد کئے گئے اور احراریوں کو اِن عُہدوں کے حاصل کرنے میں ناکامی ہوئی۔ ایک تو اِس لئے کہ وہ تعلیم یافتہ نہ تھے اور دوسرے اِس لئے کہ وہ ماضی میں پاکستان بننے کی مخالفت کرتے رہے تھے (ترجمہ) [1]

قیامِ امن کیلئے حضرت مصلح موعودؓ کی پُرحکمت ہدایات

احرار اور اُن کے ہمنوا علماء و زعماء کُھلے لفظوں میں بار بار دھمکیاں دے چکے تھے کہ

"۲۲ فروری کے بعد مُلک میں سول نافرمانی کے آغاز کی ذمہ داری مرکزی حکومت پر عائد ہوگی۔"

"۲۲ فروری کے بعد صُورتِ حال کی ذمہ داری اربابِ حکومت پر ہوگی۔ سول نافرمانی ہو یا بغاوت پھیلے ان نتائج کی ذمہ داری خواجہ ناظم الدین اور اُن کی کابینہ پر ہوگی۔" [2]

اب چونکہ صُوبہ پنجاب کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جارہی تھی اور پاکستان اور احمدیت کی مخالف قوتیں کُھل کر سامنے آگئی تھیں اِس لئے سیّدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ۱۳ فروری ۱۹۵۳ء کو مسجد مبارک ربوہ میں ایک پُرجلال خطبہ دیا جس میں حضرت مہدیٔ موعودؑ کی مظلوم اور بےبس جماعت کو قیامِ امن کی احتیاطی اور حفاظتی تدابیر بتائیں اور پُرحکمت اور ضروری ہدایات سے نوازتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

"احرار اور ان کے ساتھیوں نے ۲۲ فروری کا آخری نوٹس دیا ہے اِس کے معنے یہ ہیں کہ اسکے

---

[1] "المصوّر" (قاہرہ) ۱۰ اپریل ۱۹۵۳ء بحوالہ "الفرقان" (ربوہ) فروری، مارچ، اپریل ۱۹۵۳ء صفحہ ۴۸ تا ۵۰ (متن و ترجمہ)

[2] "آزاد" (لاہور) ۶ فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۱ و صفحہ ۶ کالم ۳

بعد یہ لوگوں کو احمدیوں کے خلاف اُکسائیں گے۔ خود مساجد کے حُجروں میں گھُس جائیں گے اور عوام کو کہیں گے کہ جاؤ اور احمدیوں کو مار دو۔ بعد میں کہیں گے دیکھا ہم نے نہیں کہا تھا کہ اگر حکومت نے احمدیوں کو اقلیت قرار نہ دیا تو لوگ ان کو مار دیں گے۔ اگر واقعہ میں لوگوں نے احمدیوں کو مارنا تھا تو لوگ خود اِس بات کا نوٹس حکومت کو دیتے اِن مولویوں کو نوٹس دینے کی کیا ضرورت تھی؟ اِن مولویوں کو کس طرح پتہ لگ گیا کہ لوگ ۲۲ر فروری کے بعد احمدیوں کو مار دیں گے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک سازش ہے۔۔۔

اگلا جمعہ اِس نوٹس کے لحاظ سے آخری جمعہ ہوگا اور اگلے اتوار کو ان کا نوٹس ختم ہو جائے گا۔ میری کوشش ہوگی کہ یہ خطبہ اتوار کے اخبار میں چھپ جائے۔ پس جب اور جہاں یہ خطبہ پہنچے جماعت فوراً اجلاس بُلائے اور مشورہ کرے کہ ان کے لئے کیا کیا خطرات ممکن ہیں اور ان کے کیا کیا علاج انہوں نے تجویز کرنے ہیں۔ اور پھر جن جماعتوں کو خدا تعالیٰ توفیق دے اور ان کے پاس اتنا روپیہ ہو کہ وہ مرکز میں آدمی بھجوا سکیں وہ مرکز میں آدمی بھجوائیں جو مقامی تجاویز لا کر نظارت امورِ عامہ سے اور نظارت دعوۃ و تبلیغ سے مشورہ کرے۔ ممکن ہے بعض مشورے ایسے ہوں جن کی اطلاع حکومت تک پہنچانی مقصود ہو یا لٹریچر کی اشاعت مقصود ہو تو اس کے متعلق نظارت امورِ عامہ اور دعوۃ و تبلیغ ہی مفید مشورہ دے سکتے ہیں اور مقامی حالات کو لوکل جماعتیں ہی صحیح طور پر سمجھ سکتی ہیں اِس لئے مرکز کا یہ ہدایت دینا کہ تم یُوں کرو بعض اوقات فضول سی بات ہو جاتی ہے۔ جماعتیں پہلے آپس میں مشورہ کریں اور اِس بات پر غور کریں کہ انہیں کیا کیا خطرہ پیش آسکتا ہے اور پھر اس کا کیا علاج کیا جا سکتا ہے؟ پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ جن لوگوں سے خطرہ ہے انہیں وہاں کیا اہمیّت حاصل ہے اور ان کی جرأت اور دلیری کی کیا حالت ہے، ان کے اندر قربانی کا جذبہ کس حد تک پایا جاتا ہے۔ پھر آیا وہاں کے حکّام دیانتدار ہیں؟ اور وہ اِس فتنہ کو دبانے کے لئے تیار ہیں یا نہیں۔ پھر اگر حکّام دیانتدار بھی ہوں اور وہ فتنہ کو دبانے پر آمادہ بھی ہوں تو بعض اوقات کچھ کمزوری باقی رہ جاتی ہے۔ یا ہو سکتا ہے کہ وہ حکّام فتنہ کو دبانے پر آمادہ نہ ہوں تو اس صورت میں اگر کوئی شورش ہوئی تو کیا جماعت طاقت رکھتی ہے کہ شورش کا مقابلہ کرے۔ پھر اس مقابلہ کے لئے انہوں نے کیا سکیم تیار کی ہے یہ باتیں ہیں جن پر غور کرنا ضروری ہے۔

بہر حال تم یہ سمجھ لو کہ کسی احمدی نے اپنی جگہ کو نہیں چھوڑنا۔ تمہارا اپنے گاؤں یا شہر میں اچانک مرنا یا لڑتے ہوئے مارے جانا تمہارے وہاں سے آجانے سے ہزارہا درجہ بہتر ہے۔ اگر کسی احمدی نے جگہ چھوڑی تو ہمیں اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہوگی۔ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے اتنی تعداد میں قتل ہونے کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی جگہوں کو چھوڑ دیا۔ اگر وہ میری بات مان لیتے اور اپنی جگہوں کو نہ چھوڑتے تو اِس قدر قتل و غارت نہ ہوتی بے شک بعد میں امن ہو جانے پر ہجرت کر لیتے۔ ہجرت ہم نے بھی کی لیکن چونکہ ہم نے قادیان کو فتنہ کے وقت چھوڑا نہیں اِس لئے ہم امن ہونے پر خیریت سے یہاں آ گئے۔

پس یاد رکھو کہ اگر آپ لوگوں نے اپنی جگہ چھوڑی تو ہمیں آپ سے کوئی ہمدردی نہیں ہوگی۔ یہ نہیں کہ تم اپنی جگہ چھوڑ کر یہاں آجاؤ اور پھر دریافت کرو کہ اب ہم کیا کریں۔ اگر ایسا ہؤا تو ہم یہی کہیں گے کہ جس شخص کے مشورہ پر تم نے یہ فعل کیا ہے اُس سے اب بھی مشورہ لو ہم تو صرف ایک بات جانتے ہیں کہ مومن منظّم ہوتا ہے۔ وہ سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط ہوتا ہے سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار کو کوئی توڑ نہیں سکتا اور اگر وہ ٹوٹتی ہے تو اکٹھی ٹوٹتی ہے۔ پس تم اپنی جگہ کو مت چھوڑو۔ آپس میں مشورہ کرو اور مرکز میں اپنی تجاویز بھجواؤ۔ تم اندازہ لگاؤ کہ کس حد تک گورنمنٹ کے حکّام تمہاری حفاظت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور اگر کوئی کمزوری باقی رہ جاتی ہے تو سوچو کہ دشمن کے حملہ کی صورت میں جماعت کیا کرے گی۔ مثلاً کیا وہ محلّہ میں ایک جگہ جمع ہو جائے گی یا کونسی صُورت ہے جسے وہ اختیار کرے گی۔ پھر جو مشورے ہوں انہیں یہاں لے کر آؤ۔ ڈاک کے ذریعہ اطلاع بھیجنا فضول اور لغو ہے ڈاک خانے ہماری ڈاک ضائع کر دیتے ہیں محکمہ ڈاک کے بعض ملازمین اتنے بے ایمان ہیں کہ وہ روٹیاں تو سرکاری کھاتے ہیں اور نوکر احرار کے ہیں۔ اگر آپ لوگوں کی ڈاک پہنچ بھی گئی تو پھر غالباً مرکز کا مشورہ جماعت تک نہیں پہنچے گا۔ جماعتوں کے نمائندے خود آئیں اور ناظر صاحب امورِ عامہ اور ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ سے مشورہ کریں اور پھر اس مشورہ پر عمل کریں اور دعائیں کریں۔ یاد رکھو اگر تم نے احمدیت کو سچّا سمجھ کر ماننا ہے تو تمہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ احمدیت خدا تعالیٰ کی قائم کی ہوئی ہے۔

مودودی احراری اور ان کے ساتھی اگر احمدیت سے ٹکرائیں گے تو ان کا حال اس شخص کا سا ہوگا جو پہاڑ سے ٹکراتا ہے۔ اگر یہ لوگ جیت گئے تو ہم جھوٹے ہیں لیکن اگر ہم سچے ہیں تو یہی لوگ ہاریں گے

انشاء اللہ تعالیٰ و باللہ التّوفیق۔

مَیں مکرّر احباب کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ یہ فتنہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور سے تعلق رکھنے والوں کے لئے بھی ویسا ہی خطرناک ہے جیسا ہمارے لئے۔ اِس لئے ان سے بھی جہاں جہاں وہ ہوں مشورہ کریں اور اپنی حفاظت کی سکیم میں ان کو بھی شامل کریں اور ان کی حفاظت بھی پُورے اخلاص اور جذبہ سے کریں۔ خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔" ؎

حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اہم بیان حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے فروری ۱۹۵۳ء کے آخر میں لاہور کے انگریزی اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے نمائندہ کو انٹرویو دیا جس کا متن یہ تھا:۔

سوال:۔ جماعتِ احمدیہ کے خلاف موجودہ ایجی ٹیشن کی سب سے بڑی وجہ یہ عام الزام ہے کہ احمدی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین نہیں سمجھتے۔ کیا اِس الزام کی کوئی حقیقت ہے؟

جواب:۔ یہ الزام قطعاً غلط ہے۔ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کے واضح ارشاد کے مطابق خاتم النّبیّین مانتے ہیں۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ (علیہ السّلام) نے بارہا حلفیہ اعلان کیا تھا کہ میں ختمِ نبوّت کے عقیدہ پر محکم ایمان رکھتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؑ نے اعلان کیا تھا کہ جو کوئی اِس عقیدہ پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں ہے۔

سوال:۔ دوسرا الزام یہ ہے کہ احمدی غیر احمدی مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ کیا یہ الزام مبنی بر حقیقت ہے؟

جواب:۔ جو کوئی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اُسے مسلمان کہلانے کا حق حاصل ہے۔ اسلام کی بناء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی اور حضورؐ کے ذریعہ ہی بنی نوع انسان کو قرآنِ حکیم کی صورت میں الہامی کتاب ملی اِس لئے جو کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی (آخر الانبیاء) سمجھتا ہے اور قرآن کریم کو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے آخری الہامی کتاب تسلیم کرتا ہے اُسے مسلمان کہلانے کا حق حاصل ہے خواہ وہ قرآن کریم کی بعض تعلیمات پر عمل نہ کرتا ہو۔ نہ ہم نہ کوئی اور ایسے شخص کے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ دائرہ اسلام سے اسی طرح

؎ "الفضل" ۱۵ر فروری ۱۹۵۳ء صـ۳ تا صـ۵

خارج ہے جس طرح ہندو اور عیسائی وغیرہ ہیں۔ بلاشبہ ایک سچا مسلمان بننے کے لئے اسلام کی تمام تعلیمات کا پابند ہونا ضروری ہے۔ جب تک کوئی شخص ایسا نہیں کرتا وہ محض نام کا مسلمان ہے اس سے ہماری پوزیشن واضح ہو جانی چاہیئے۔ اگر لفظ کا مطلب ایسا شخص ہے جو ہندوؤں اور عیسائیوں کی طرح دائرۂ اسلام سے خارج ہو تو یقیناً یہ ہمارا عقیدہ نہیں ہے۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے مخالفین اِس بارے میں ہمارے عقیدے کو غلط طور پر پیش کرتے ہیں۔ اور جہاں تک اِس امر کا تعلق ہے عوامی ذہن کو گمراہ کر دیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف یہ ہمارا عقیدہ نہیں ہے بلکہ مَیں تو اپنے پیروؤں سے یہی کہتا رہا ہوں کہ وہ ایسے القاب استعمال کرنے سے اجتناب کریں جن سے غیر احمدی مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچے۔

سوال:۔ اِس وضاحت کی روشنی میں آپ کی پوزیشن مولانا مودودی امیر جماعتِ اسلامی کے تقریباً مشابہ ہے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں صالحین یعنی اصلی مسلمان اور دوسرے اسمی یا رسمی مسلمان۔ کیا مَیں آپ کی پوزیشن کو اس طرح سمجھنے میں درست ہوں؟

جواب:۔ ہاں اگر مولانا مودودی کے یہی خیالات ہیں تو ہماری پوزیشن یہی ہے۔" [1]

اِس حقیقت افروز بیان کا خیر مقدم کرنے کی بجائے ایجی ٹیشن کی دھمکی دینے والے حلقوں نے اِس پر تنقید کی [2] اور پاکستان کے ایک مسیحی لیڈر مسٹر ظفر اقبال نے تو علماء کی تائید میں یہاں تک لکھا:۔

"مَیں برادرانِ ملّت سے پُر زور اپیل کرتا ہوں کہ وہ ... مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کی تحریک کو زور شور سے جاری رکھیں۔ مرزائی اسلام، پاکستان کے لئے بہت بڑا خطرہ ہیں ہم اِس تحریک میں برادرانِ ملّت کے ساتھ ہیں اور ہم دو قدم آگے بڑھ کر ہر قسم کی جانی و مالی قربانی دے کر مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کی تحریک کو کامیاب بنائیں گے۔"

اخبار "آزاد" (لاہور) نے اپنے ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کے شمارہ میں مسیحی لیڈر کا یہ تائیدی بیان بڑے طمطراق سے شائع کیا جس پر مسلمانوں کے سنجیدہ طبقہ میں سخت حیرت کا اظہار کیا گیا کیونکہ خاتم الانبیاء سیّد المرسلین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے متعلق عیسائی دُنیا کا عقیدہ یہ

---

[1] "الفضل" ۴ ر تبلیغ ۱۳۳۲ ہش صفحہ ۱

[2] "زمیندار" ۲۶، ۲۸ فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۳

ہے کہ

"ابراہیمی اسلام کا ختم المرسلین خداوند یسوع مسیح ہے" لے

الفضل کی جبری بندش

صوبہ پنجاب کی مسلم لیگی حکومت نے ۲۷ر فروری ۱۹۵۳ء کو جماعت احمدیہ پاکستان کے واحد روزنامہ الفضل کی اشاعت ایک سال کے لئے جبراً بند کر دی۔ اِس ظالمانہ اقدام کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہ تھا کہ بیرونی احمدی جماعتوں کا رابطہ اپنے مرکز سے معطل بلکہ مفلوج کر کے رکھ دیا جائے۔

صوبۂ پنجاب بغاوت کے لپیٹ میں

الفضل کی جبری بندش کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے پورا صوبہ پنجاب بد امنی، تشدد، ہنگامہ آرائی اور بغاوت کا مرکز بن گیا اور احمدیوں اور مرکزی حکومت پاکستان کے خلاف سُلگائی جانے والی آگ شہروں سے نکل کر دیہات تک میں پہنچ گئی۔

فتنہ و فساد کے ان ایام کا نظارہ حضرت مصلح موعودؓ نے کئی ماہ پہلے ہی اپنے بعض دعائیہ اور القائی اشعار میں خوب کھینچ دیا تھا۔ حضورؓ کے یہ اشعار الفضل ۵ر اگست ۱۹۵۲ء میں چھپ گئے تھے جب کہ ۱۹۵۳ء میں خونی انقلاب لانے کے خفیہ منصوبے کئے جا رہے تھے۔ حضورؓ نے فرمایا ؎

دُنیا میں یہ کیا فتنہ اُٹھا ہے مرے پیارے
ہر آنکھ کے اندر سے نکلتے ہیں شرارے

یہ مُنہ ہیں کہ آہنگروں کی دھونکنیاں ہیں
دِل سینوں میں ہیں یا کہ سپیروں کے پٹارے

ہے امن کا داروغہ بنایا جنہیں تُو نے
خود کر رہے ہیں فتنوں کو آنکھوں سے اشارے

اسلام کے شیدائی ہیں خونریزی پہ مائل
ہاتھوں میں جو خنجر ہیں تو پہلو میں کٹارے ٢

لے الفرقان حصہ دوم مولفہ پادری غلام مسیح۔ پاسٹر انبالہ شہر چرچ ۱۹۰۵ء ٢ کٹارا۔ خنجر

سچ بیٹھا ہے اِک کونہ میں سَر اپنا جُھکا کر
اور جُھوٹ کے اُڑتے ہیں فضاؤں میں غبارے

ظلم و ستم و جور بڑھے جاتے ہیں حد سے
ان لوگوں کو اب تُو ہی سنوارے تو سنوارے

طُوفان کے بعد اُٹھتے چلے آتے ہیں طوفاں
لگتے ہیں نہیں آتی ہے مری کشتی کنارے

گو زندگی دینی ہے تو دے ہاتھ سے اپنے
کیا جینا ہے یہ جیتے ہیں غیروں کے سہارے

ختمِ نبوّت کے مقدّس نام پر مظاہرے

"ختمِ نبوّت" کے مقدّس نام پر اس دَور میں کیسے کیسے تخریبی مظاہرے شروع ہوئے؟؟ اس کا سرسری اندازہ لگانے کے لئے حکومتِ پنجاب کے مندرجہ ذیل دو اشتہارات کا مطالعہ کافی ہوگا:-

۱۔ "اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"

"پچھلے دنوں پنجاب کے مختلف مقامات پر اور بالخصوص لاہور میں تخریبی مظاہرے ہوئے۔ اِن مظاہروں میں شرپسند عناصر اور غیر ذمّہ دار افراد نے اپنی قومی دولت کو نقصان پہنچایا۔ اور امن و امان کو تہ و بالا کیا۔

- ڈاک خانے جلائے گئے۔
- اومنی بسیں اور لاریاں نذرِ آتش کی گئیں۔
- امن پسند شہریوں کی زندگی تلخ بنا دی گئی۔
- سرکاری فرائض ادا کرنے والوں کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں۔
- ریل کے ڈبّوں میں گھس کر مسلمان خواتین کی بے حُرمتی کی گئی۔ ریل کی پٹری اکھاڑ دی گئی اور تار و ٹیلیفون کے سلسلے منقطع کرنے کی کوشش کی گئی۔ گاڑیوں کی آمد و رفت میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں۔

اور اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

- ملک کے وقار کو سخت دھکا لگا۔

- ہم اغیار کی تضحیک کا نشانہ بنے۔
- اغیار نے بات کا بتنگڑ اور رائی کا پہاڑ بنا کر دُنیا کے سامنے پیش کیا۔
- خود ہمارے اندرونی مسائل سُلجھنے کی بجائے اور مُشکلات میں اضافہ ہوُا ۔"

(استقلال پریس لاہور)

۲۔ "ناموسِ رسُولؐ"

"ایک مسلمان کی جان و مال اور آبرو دوسرے مسلمان کے لئے اتنی مقدس ہونی چاہیئے جتنا یہ مہینہ، یہ دن اور یہ مقام ہے۔"

پیغمبرِ اسلامؐ نے یہ فرمان ذی الحجہ کے مہینے، حج کے دن عرفات کے میدان میں مسلمانوں کے عظیم اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

اور پھر اس پیغام کی اہمیّت کے پیشِ نظر فرمایا :۔

"جو لوگ یہ بات سُن رہے ہیں اسے دوسروں تک بھی پہنچا دیں۔"

ذرا سوچیئے

- اِس صریح فرمانِ نبویؐ کے مقابلے میں ہمارا طرزِ عمل کیا ہے ؟
- پچھلے دنوں پنجاب میں ناموسِ رسُولؐ کے مقدس نام پر کیا کچھ نہیں کیا گیا ؟

فتنہ و فساد، خونریزی، آتش زنی، شرفاء کی توہین، عورتوں کی بے حُرمتی، فحش کلامی، ہائے ہائے کے ناچ۔

— کیا یہ سب کچھ اسلام، خدا اور رسولؐ کے ساتھ محبّت کی دلیل تھی ؟

— کیا ہمارا مذہب اور ہمارا تمدّن جس کے فروغ کے لئے ہم نے پاکستان حاصل کیا ہمیں یہی کچھ سکھاتا ہے ؟

(مُرآد رقم) (گورنمنٹ پرنٹنگ پریس پنجاب)

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا پُرشوکت پیغام جماعتِ احمدیہ کے نام

عین اس وقت جبکہ فتنہ و فساد کے شعلے پُوری شدّت سے بھڑک اُٹھے اور مادّہ پرستوں کی نگاہ میں پنجاب بلکہ پاکستان بھر سے تحریکِ احمدیت کا نام و نشان تک معدوم ہو جانا قطعی اور یقینی نظر آرہا تھا سیّدنا حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ

نے خدا تعالیٰ کی تحریکِ خاص سے ۳؍امان ۱۳۳۲ ہش (مارچ ۱۹۵۳ء) کو جماعتِ احمدیہ کے نام حسبِ ذیل پُرشوکت پیغام دیا۔ یہ پیغام اگلے روز ہفت روزہ "فاروق"[2] کے صفحہ اوّل پر جلی قلم سے شائع ہؤا اور ملک بھر میں پہنچ گیا[1]

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ کا پیغام

برادران! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الفضل کو ایک سال کے لئے بند کر دیا گیا ہے۔ احمدیت کے باغ کو جو ایک ہی نہر لگتی تھی اس کا پانی روک دیا گیا ہے۔ پس دُعائیں کرو اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اس میں سب طاقت ہے ہم مختلف

---

[1] اسی روز لاہور کے مندرجہ ذیل چھ ممتاز شیعہ زعماء نے احراری تحریک سے کُھلے لفظوں میں لاتعلقی کا اعلان کیا:۔

۱۔ مولانا شبیر حسین صاحب بخاری سیکرٹری ادارہ تحفظ حقوق شیعہ ۲۔ مولانا عبد الغفور صاحب جامعہ امامیہ کربلا گامے شاہ ۳۔ مولانا محمد حسین صاحب مختار الفاضل و مولوی فاضل ۴۔ مولانا محمد باقر صاحب ۵۔ جناب سید عابد حسین صاحب ۶۔ جناب نوابزادہ اصغر علی خاں۔

اِن اکابر نے ایک مشترکہ بیان میں فرمایا:۔

"پاکستان میں مرزائی جماعت کے بارہ میں ہماری متفقہ اور مسلّمہ رائے ہے کہ عقائد کے اختلاف کی بنا پر کسی جماعت یا فرقے کو اقلیت قرار دینا اور اس پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کا مطالبہ کرنا صریحاً ناجائز اور ناانصافی پر مبنی ہے ہم شیعانِ پاکستان کی جانب سے احراری مولویوں کی تحریک سے قطع تعلق کا اعلان کرتے ہوئے اپیل کرتے ہیں کہ اُس نبی کے نام کو جنگ اور بدامنی کا بہانہ نہ بنائیے جو دنیا میں امن و آشتی اور سلامتی کا پیغام لیکر آیا۔" (روزنامہ "آفاق" ۵؍مارچ ۱۹۵۳ء)

[2] الفضل کی بندش پر لاہور ہی سے ہفت روزہ "فاروق" مکرم مولوی محمد شفیع صاحب اشرف (حال مربی انڈونیشیا) کی ادارت میں جاری کیا گیا تھا۔ یہ اخبار بھی ۴؍مارچ و ۱۱؍مارچ ۱۹۵۳ء کی دو اشاعتوں کے بعد بند کر دینا پڑا۔

اخباروں میں یا خطوں کے ذریعہ سے آپ تک سلسلہ کے حالات پہنچانے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ اور انشاء اللہ آپ کو اندھیرے میں نہیں رہنے دیں گے۔ آپ بھی دعا کرتے رہیں مَیں بھی دُعا کرتا ہوں، انشاء اللہ فتح ہماری ہے۔ کیا آپ نے گذشتہ چالیس سال میں کبھی دیکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے چھوڑ دیا ؟ تو کیا اب وہ مجھے چھوڑ دے گا ؟ ساری دُنیا مجھے چھوڑ دے مگر وہ انشاء اللہ مجھے کبھی نہیں چھوڑیگا سمجھ لو کہ وہ میری مدد کے لئے دوڑا آرہا ہے۔ وہ میرے پاس ہے، وہ مجھ میں ہے۔ خطرات ہیں اور بہت ہیں مگر اس کی مدد سے سب دُور ہو جائیں گے۔ تم اپنے نفسوں کو سنبھالو اور نیکی اختیار کرو سلسلہ کے کام خدا خود سنبھالے گا۔

خاکسار

مرزا محمود احمد ۵۳/۳/۳ "[1]

حکومتِ پنجاب کا نوٹس

پنجاب کی مسلم لیگی حکومت جو ایجی ٹیشن کے معاملہ میں محض خاموش تماشائی بنی ہوئی تھی حضرت مصلح موعودؓ کے اِس پیغام پر سخت برہم ہوئی اور اس نے حضور کے نام نوٹس جاری کر دیا۔ اس اہم واقعہ کی تفصیل حضور کے قلم سے درج کی جاتی ہے۔ فرمایا:-

" مَیں نے ایک اعلان میں کہا تھا کہ خدا تعالیٰ ہماری مدد اور نصرت کو آرہا ہے۔ وہ چلا آرہا ہے وہ دوڑتا آرہا ہے۔ اس پر حکومت نے مجھے نوٹس دیا کہ تم نے ایسا کیوں کہا ؟ اس سے دوسرے لوگوں کو اشتعال آتا ہے۔ ہاں نوٹس دینے والے افسر نے اتنی اصلاح کر لی کہ اُس نے کہا تم احرار کے متعلق کوئی ذکر نہ کرو۔ اگر وہ مجھے حکم دیتے کہ تم خدا تعالیٰ کے متعلق یہ نہ کہو کہ وہ مدد کو آرہا ہے یا یہ کہو کہ وہ مدد کو نہیں آتا تو دُنیا کی کوئی طاقت مجھے اِس بات کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ کر سکتی۔۔ حکومت اعمال پر کنٹرول کر سکتی ہے عقائد پر نہیں "[2]

حضور نے ایک اَور موقعہ پر اِس واقعہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:-

" اُس وقت بعض افسروں نے کہا کہ آپ کے اِس فقرہ سے اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ مَیں نے اُن کو جواب دیا کہ جب مجھے خدا آتا ہوا نظر آتا ہے تو کیا مَیں جھوٹ بولوں، خدا تعالیٰ ہمیشہ ہی اپنے

---

[1] ہفت روزہ "فاروق" ۴ مارچ ۱۹۵۳ء

[2] "الفضل" ۲۳ احسان ۱۳۳۳ ہش صٓ۲ کالم ۳، ۴

سچے بندوں کی مدد کے لئے آیا کرتا ہے اور اب بھی آئے گا اور ہمیشہ ہی آتا رہے گا۔ اگر یہ سلسلہ جاری نہ ہو تو خدا تعالیٰ کے دین کے خادم تباہ ہو جائیں اور اُن کے دِل غم سے ٹوٹ جائیں"۔ لہ

پیغام کے بعد سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے مندرجہ بالا و لولہ انگیز پیغام کے بعد جو الہامی رنگ رکھتا تھا شمعِ احمدیت کے پروانوں نے کس طرح اسلام کے عالمگیر غلبہ کی مہم کو تیز تر کرنے کے لئے پوری بشاشت سے اپنے نفوس و اموال اور عزت و آبرو کی قربانیاں اپنے خدا کے حضور پیش کیں، کیسے خون اور آگ کے طوفانوں میں حق و صداقت کا پرچم بلند رکھا۔ پھر خدا کی رحمتوں اور برکتوں اور فضلوں کو اپنی آنکھوں سے اُترتا دیکھا؟؟ اس کی ایمان افروز تفصیلات بتوفیقہٖ تعالےٰ تاریخ احمدیت کی اگلی جلدوں میں آرہی ہیں۔

خلاصہ تاہم یہاں خلاصتہً اِس قدر بتا دینا ضروری ہے کہ زمینی ابتلاؤں اور آسمانی نصرتوں کا یہ متوازی دَور اُن رُوح پرور تجلیات کا صرف ایک حصہ تھا جس کی کسی قدر جھلک جماعت احمدیہ ۱۹۳۴ء-۱۹۳۵ء میں دیکھ چکی تھی اور جس کی خبر حضرت مہدیٔ موعود علیہ السّلام نے قبل از وقت ۱۸۹۴ء سے درج ذیل الفاظ میں دے رکھی تھی کہ :-

"بجز خدا کے انجام کون بتلا سکتا ہے؟ اور بجز اُس غیب دان کے آخری دنوں کی کس کو خبر ہے؟ دشمن کہتا ہے کہ بہتر ہو کہ یہ شخص ذلت کے ساتھ ہلاک ہو جائے اور حاسد کی تمنا ہے کہ اس پر کوئی ایسا عذاب پڑے کہ اس کا کچھ بھی باقی نہ رہے لیکن یہ سب لوگ اندھے ہیں اور عنقریب ہے کہ ان کے بدخیالات اور بد ارادے انہیں پر پڑیں۔

اِس میں شک نہیں کہ مفتری بہت جلد تباہ ہو جاتا ہے اور جو شخص کہے کہ مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور اس کے الہام اور کلام سے مشرف ہوں حالانکہ نہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ اس ... کے الہام اور کلام سے مشرف ہے وہ بہت بُری موت سے مرتا ہے اور اس کا انجام نہایت ہی بد اور قابلِ عبرت ہوتا ہے لیکن جو صادق اور اس کی طرف سے ہیں وہ مر کر بھی زندہ ہو جایا کرتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے فضل کا ہاتھ ان پر ہوتا ہے اور سچائی کی رُوح ان کے اندر ہوتی ہے۔ اگر وہ آزمائش سے کچلے جائیں اور پیسے جائیں اور خاک کے ساتھ ملائے جائیں اور چاروں طرف سے ان پر لعن و طعن کی

لہ "الفضل" ۱۰ وفا ۱۳۳۵ہش صہ۲ کالم ۲، ۳ ٭

بارشیں ہوں اور ان کے تباہ کرنے کے لئے سارا زمانہ منصوبے کرے تب بھی وہ ہلاک نہیں ہوتے۔کیوں نہیں ہوتے؟ اس سچے پیوند کی برکت سے جو ان کو محبوبِ حقیقی کے ساتھ ہوتا ہے۔خدا ان پر سب سے زیادہ مصیبتیں نازل کرتا ہے مگر اِس لئے نہیں کہ تباہ ہو جائیں بلکہ اِس لئے کہ تا زیادہ سے زیادہ پھل اور پھول میں ترقی کریں۔

ہریک جوہرِ قابل کے لئے یہی قانونِ قدرت ہے کہ اوّل صدمات کا تختۂ مشق ہوتا ہے مثلاً اس زمین کو دیکھو جب کسان کئی مہینہ تک اپنی قلبہ رانی کا تختۂ مشق رکھتا ہے اور ہل چلانے سے اس کا جگر پھاڑتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ زمین جو پتھر کی طرح سخت اور درشت معلوم ہوتی تھی سُرمہ کی طرح پس جاتی ہے اور ہوا اس کو اِدھر اُدھر اُڑاتی ہے اور پریشان کرتی رہتی ہے اور وہ بہت ہی خستہ شکستہ اور کمزور معلوم ہوتی ہے اور ایک انجان سمجھتا ہے کہ کسان نے چنگی بھلی زمین کو خراب کر دیا اور بیٹھنے اور لیٹنے کے لائق نہ رہی لیکن اس دانا کسان کا فعل عبث نہیں ہوتا۔ وہ خوب جانتا ہے کہ اس زمین کا اعلیٰ جوہر بجز اس درجہ کے کوفت کے نمودار نہیں ہو سکتا۔اسی طرح کسان اس زمین میں بہت عمدہ قسم کے دانے تخم ریزی کے وقت بکھیر دیتا ہے اور وہ دانے خاک میں مِل کر اپنی شکل اور حالت میں قریب قریب مٹی کے ہو جاتے ہیں اور ان کا وہ رنگ و رُوپ سب جاتا رہتا ہے لیکن وہ دانا کسان اِس لئے ان کو مٹی میں نہیں پھینکتا کہ وہ اس کی نظر میں ذلیل ہیں۔نہیں بلکہ دانے اس کی نظر میں نہایت ہی بیش قیمت ہیں بلکہ وہ اِس لئے ان کو مٹی میں پھینکتا ہے کہ تا ایک ایک دانہ ہزار ہزار دانہ ہو کر نکلے اور وہ بڑھیں اور پھولیں اور ان میں برکت پیدا ہو اور خدا کے بندوں کو نفع پہنچے۔

پس اسی طرح وہ حقیقی کسان کبھی اپنے خاص بندوں کو مٹی میں پھینک دیتا ہے اور لوگ ان کے اُوپر چلتے ہیں اور پیروں کے نیچے کچلتے ہیں اور ہر یک طرح سے ان کی ذِلّت ظاہر ہوتی ہے تب تھوڑے دِنوں کے بعد وہ دانے سبزہ کی شکل پر ہو کر نکلتے ہیں اور ایک عجیب رنگ اور تاب کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں جو ایک دیکھنے والا تعجب کرتا ہے۔یہی قدیم سے برگزیدہ لوگوں کے ساتھ سُنّت اللہ ہے کہ وہ ورطۂ عظیمہ میں ڈالے جاتے ہیں لیکن غرق کرنے کے لئے نہیں بلکہ اِس لئے کہ تا ان موتیوں کے وارث ہوں کہ جو دریائے وحدت کے نیچے ہیں۔اور وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں لیکن اِس لئے نہیں کہ جلائے جائیں بلکہ اِس لئے کہ تا خدا تعالیٰ کی قدرتیں ظاہر ہوں۔اور ان سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے اور لعنت کی جاتی ہے اور وہ ہر

طرح سے ستائے جاتے اور دُکھ دئے جاتے اور طرح طرح کی بولیاں ان کی نسبت بولی جاتی ہیں اور بدظنّیاں بڑھ جاتی ہیں یہاں تک کہ بہتوں کے خیال و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ وہ سچے ہیں بلکہ جو شخص ان کو دُکھ دیتا اور لعنتیں بھیجتا ہے وہ اپنے دِل میں خیال کرتا ہے کہ بہت ہی ثواب کا کام کر رہا ہے۔

پس ایک مدّت تک ایسا ہی ہوتا رہتا ہے۔ اور اگر اس برگزیدہ پر بشریّت کے تقاضا سے کچھ قبض طاری ہو تو خدا تعالیٰ اس کو ان الفاظ سے تسلّی دیتا ہے کہ صبر کر جیسا کہ پہلوں نے صبر کیا اور فرماتا ہے کہ مَیں تیرے ساتھ ہوں، سُنتا ہوں اور دیکھتا ہوں پس وہ صبر کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ امرِ مقدر اپنے مدّتِ مقررہ تک پہنچ جاتا ہے تب غیرتِ الٰہی اس غریب کے لئے جوش مارتی ہے اور ایک ہی تجلّی میں اعداء کو پاش پاش کر دیتی ہے۔ سو اوّل نوبت دشمنوں کی ہوتی ہے اور اخیر میں اس کی نوبت آتی ہے۔ اسی طرح خداوند کریم نے بارہا مجھے سمجھایا کہ ہنسی ہو گی اور ٹھٹھا ہو گا اور لعنتیں کریں گے اور بہت ستائیں گے لیکن نصرتِ الٰہی تیرے شامل ہو گی اور خدا کے دشمنوں کو مغلوب اور شرمندہ کرے گا۔ چنانچہ براہینِ احمدیہ میں بھی بہت سا حصّہ الہامات کا انہی پیشگوئیوں کو بتلا رہا ہے اور مکاشفات بھی یہی بتلا رہے ہیں۔

چنانچہ ایک کشف میں مَیں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ میرے سامنے آیا اور وہ کہتا ہے کہ لوگ پھرتے جاتے ہیں تب مَیں نے اس کو کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو تو اس نے عربی زبان میں جواب دیا اور کہا کہ جئتُ من حضرۃ الوتر یعنی مَیں اس کی طرف سے آیا ہوں جو اکیلا ہے تب مَیں اس کو ایک طرف خلوت میں لے گیا اور مَیں نے کہا کہ لوگ پھرتے جاتے ہیں مگر کیا تم بھی پھر گئے ہو تو اُس نے کہا کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ تب مَیں اس حالت سے منتقل ہو گیا لیکن یہ امور ربّانی ہیں اور جو خاتمہ امر پر منعقد ہو چکا ہے وہ یہی ہے کہ بار بار کے الہامات اور مکاشفات سے جو ہزارہا تک پہنچ گئے ہیں اور آفتاب کی طرح روشن ہیں خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا کہ مَیں آخرکار تجھے فتح دوں گا اور ہر ایک الزام سے تیری بریّت ظاہر کر دونگا اور تجھے غلبہ ہو گا اور تیری جماعت قیامت تک اپنے مخالفوں پر غالب رہیگی اور فرمایا کہ مَیں زور آور حملوں سے تیری سچائی ظاہر کر دونگا۔ اور یاد رہے کہ یہ الہامات اِس واسطے نہیں لکھے گئے کہ ابھی کوئی انکو قبول کر لے بلکہ اِس واسطے کہ ہر یک چیز کیلئے ایک موسم اور وقت ہے پس جب اِن الہامات کے ظہور کا وقت آئیگا تو اُسوقت یہ تحریر مستعد دِلوں کیلئے زیادہ تر ایمان اور تسلّی اور یقین کا موجب ہو گی۔ والسّلام علیٰ من اتبع الھدٰی۔“ [1] (ختم)

---

[1] ”انوار الاسلام“ از حضرت مسیح موعود علیہ السّلام صفحہ ۵۲ تا صفحہ ۵۵ طبع اوّل مطبوعہ قادیان ۔ (ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

ضمیمہ تاریخِ احمدیت جلد پانزدہم

متعلقہ صفحہ ۴۹

۱۔ فہرست اراکین مجلس افتاء

(از ۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء تا ۱۳۵۴ہش/۱۹۷۵ء)

۱۔ مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ صدر ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۱ء سیکرٹری ۱۹۶۱ء تا ۱۹۷۵ء۔

۲۔ مکرم مولوی جلال الدین صاحب شمسؓ سیکرٹری ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۱ء۔ ممبر ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۷ء۔

۳۔ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۳ء ممبر۔ ۱۹۶۳ء سے اعزازی ممبر۔

۴۔ مکرم مولوی ابوالعطاء صاحب ۱۹۵۲ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۵۔ مکرم مولوی محمد احمد صاحب ثاقبؔ ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۸ء ممبر۔

۶۔ مکرم مولوی محمد احمد صاحب جلیلؔ ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۹ء ممبر۔

۷۔ مکرم مولوی تاج الدین صاحب ناظم دارالقضا ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۹ء ممبر۔

۸۔ مکرم قاضی محمد نذیر صاحب فاضل ۱۹۵۲ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۹۔ مکرم مولوی محمد صدیق صاحب انچارج خلافت لائبریری ربوہ ۱۹۵۲ء تا ۱۹۷۴ء ممبر۔

۱۰۔ مکرم مولوی خورشید احمد صاحب شادؔ ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۲ء ممبر۔

۱۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۲ء ممبر۔ ۱۹۶۲ء سے اعزازی ممبر

۱۲۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۱ء ممبر۔ ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء نائب صدر۔ ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۵ء صدر۔

۱۳۔ مکرم مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ امیر صوبائی سرگودھا۔ ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۲ء ممبر ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۸ء نائب صدر۔ ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۵ء صدر۔

۱۴۔ مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ امیر
جماعتِ احمدیہ ضلع لائلپور ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۷ء
ممبر۔ ۱۹۶۷ء تا ۱۹۶۸ء صدر۔ ۱۹۶۹ء تا
۱۹۷۵ء نائب صدر۔

۱۵۔ مکرم چوہدری عزیز احمد صاحب سب جج
۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۱ء ممبر۔

۱۶۔ مکرم مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب مینیجنگ
ڈائریکٹر ادارۃ المصنّفین ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۷ء ممبر
۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۱۷۔ مکرم چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب
۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء صدر۔ ۱۹۶۲ء تا ۱۹۷۵ء
اعزازی ممبر۔

۱۸۔ حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ
۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۳ء ممبر۔ ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۴ء
اعزازی ممبر۔

۱۹۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ سابق
امام مسجد لندن و مبلّغ سوئٹزرلینڈ ۱۹۶۱ء تا
۱۹۶۲ء ممبر۔ ۱۹۶۲ء تا ۱۹۷۴ء اعزازی ممبر

۲۰۔ مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل اعلیٰ
تحریکِ جدید ۱۹۶۱ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۲۱۔ مکرم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ناظم ارشاد
وقفِ جدید ۱۹۶۱ء ۱۹۷۵ء ممبر۔

۲۲۔ مکرم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب ۱۹۶۱ء تا
۱۹۶۷ء ممبر۔

۲۳۔ مکرم سیّد میر داؤد احمد صاحبؒ ۱۹۶۱ء تا
۱۹۶۶ء ممبر۔ ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۳ء نائب صدر

۲۴۔ مکرم شیخ بشیر احمد صاحبؒ سینئر ایڈووکیٹ و
جج ہائیکورٹ پنجاب ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء ممبر
۱۹۶۲ء تا ۱۹۷۳ء نائب صدر۔

۲۵۔ مکرم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔اے
۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء ممبر۔ ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۵ء
اعزازی ممبر۔ ۱۹۶۶ء صدر۔ ۱۹۶۷ء نائب
صدر۔ ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۰ء ممبر۔

۲۶۔ مکرم مولوی غلام باری صاحب سیف ۱۹۶۱ء
تا نومبر ۱۹۷۵ء ممبر۔

۲۷۔ مکرم مولوی نذیر احمد صاحب مبشر مبلّغ غانا
۱۹۶۲ء تا نومبر ۱۹۷۵ء ممبر۔

۲۸۔ مکرم میاں عبدالسمیع صاحب نون ایڈووکیٹ
۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۳ء ممبر۔ ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۵ء ممبر

۲۹۔ مکرم سیّد میر محمود احمد صاحب ۱۹۶۲ء تا
۱۹۶۲ء ممبر۔

۳۰۔ مکرم پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے
۱۹۶۲ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۳۱۔ مکرم ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے ایڈیٹر
تفسیر القرآن انگریزی ۱۹۶۳ء تا
۱۹۶۵ء ممبر۔

۳۲۔ مکرم شیخ مبارک احمد صاحب رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۴ء ممبر۔

۳۳۔ مکرم مولوی عبداللطیف صاحب فاضل بہاولپوری ۱۹۶۳ء تا نومبر ۱۹۷۰ء ممبر۔

۳۴۔ مکرم مولوی محمد صادق صاحب سماٹری ۱۹۶۵ء تا نومبر ۱۹۶۹ء ممبر۔

۳۵۔ مکرم ملک مبارک احمد صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ ۱۹۶۵ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۳۶۔ مکرم شیخ عبدالقادر صاحبؓ (سابق سوداگرمل) مربی لاہور نومبر ۱۹۶۶ء تا نومبر ۱۹۶۷ء ممبر

۳۷۔ مکرم مولوی محمد یار عارف صاحب (سابق مبلغ لندن) نومبر ۱۹۶۶ء تا نومبر ۱۹۶۷ء ممبر۔

۳۸۔ مکرم ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب لاہور نومبر ۱۹۶۶ء تا نومبر ۱۹۶۷ء ممبر۔

۳۹۔ مکرم مولوی عبدالمالک خان صاحب ۱۹۶۷ء تا ۱۹۶۸ء ممبر۔ ۱۹۷۰ء تا نومبر ۱۹۷۴ء ممبر۔

۴۰۔ مکرم مولوی امام الدین صاحب مبلغ انڈونیشیا نومبر ۱۹۶۷ء تا نومبر ۱۹۷۰ء ممبر۔

۴۱۔ مکرم سید احمد علی صاحب مربی سلسلہ نومبر ۱۹۶۷ء تا نومبر ۱۹۶۹ء ممبر۔

۴۲۔ مکرم پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب ۱۹۶۷ء تا ۱۹۶۹ء ممبر۔ نومبر ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۴ء ممبر۔

۴۳۔ مکرم مولوی محمد اجمل صاحب شاہد مربی سلسلہ نومبر ۱۹۶۸ء تا نومبر ۱۹۶۹ء ممبر۔

۴۴۔ مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد نومبر ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۴۵۔ مکرم ڈاکٹر خلیل الرحمٰن صاحب ملتان نومبر ۱۹۶۸ء تا نومبر ۱۹۶۹ء ممبر۔

۴۶۔ مکرم پروفیسر سلطان محمود صاحب شاہد ایم۔ایس سی نومبر ۱۹۶۹ء تا نومبر ۱۹۷۰ء ممبر

۴۷۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب (ممتاز عالمی سائنسدان) ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۵ء اعزازی ممبر۔

۴۸۔ مکرم نور محمد نسیم سیفی صاحب نومبر ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۴۹۔ مکرم پروفیسر نصیر احمد خان صاحب نومبر ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۵ء ممبر۔

۵۰۔ مکرم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر مبلغ ماریشس و سیلون و افریقہ نومبر ۱۹۷۱ء تا نومبر ۱۹۷۲ء ممبر

۵۱۔ مکرم بشیر احمد خان صاحب رفیق امام مسجد لندن نومبر ۱۹۷۱ء تا نومبر ۱۹۷۲ء ممبر۔

۵۲۔ مکرم عبدالحکیم صاحب اکمل مبلغ ہالینڈ نومبر ۱۹۷۱ء تا نومبر ۱۹۷۲ء ممبر۔

۵۳۔ مکرم مرزا خورشید احمد صاحب ناظر خدمت درویشاں نومبر ۱۹۷۴ء تا نومبر ۱۹۷۵ء ممبر

۵۴۔ مکرم صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب (خلف اکبر

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ)

نومبر ۱۹۷۴ء تا نومبر ۱۹۷۵ء (ووٹ کے بغیر ممبر)

دیگر کوائف

۱۹۵۴ء تا ۱۹۶۱ء ۔ تعداد ممبران ۱۵ ۔ صدرِ مجلس مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب ۔ سیکرٹری مولانا جلال الدین صاحب شمس رضی اللہ عنہ

۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۲ء ۔ تعداد ممبران ۲۵ ۔ صدرِ مجلس مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ۔ سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب ۔ نائب صدر مکرم شیخ بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ سابق جج ہائیکورٹ و حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ۔

۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۳ء ۔ تعداد ممبران ۲۴ ۔ صدرِ مجلس حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ۔ سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب ۔ نائب صدر مکرم شیخ بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ و مکرم مرزا عبد الحق صاحب ۔ اعزازی ممبر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ ۔ مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ۔ مکرم قاضی محمد اسلم صاحب ۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ ۔

۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۴ء ۔ تعداد ممبران ۲۴ ۔ صدرِ مجلس حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ۔ سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب ۔ نائب صدر مکرم شیخ بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ و مکرم مرزا عبد الحق صاحب ۔ اعزازی ممبر مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ ۔ مکرم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم ۔ اے کینٹب ۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ ۔

۱۹۶۵ء ۔ تعداد ممبران ۲۵ ۔ صدر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ۔ سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب ۔ نائب صدر مکرم شیخ بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ و مکرم مرزا عبد الحق صاحب ایڈووکیٹ ۔ اعزازی ممبر مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب مکرم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم ۔ اے ۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ ۔

۱۹۶۶ء ۔ تعداد ممبران ۲۸ ۔ صدر مکرم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم ۔ اے ۔ سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب ۔ نائب صدر مکرم شیخ بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ و مکرم مرزا عبد الحق صاحب ایڈووکیٹ ۔ اعزازی ممبر مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبد السلام صاحب ۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ ۔

۱۹۶۷ء تا ۱۹۶۸ء ۔ تعداد ممبران ۲۷ ۔ صدر مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ ۔ سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب ۔ نائب صدر مکرم شیخ بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ و مکرم مرزا عبد الحق صاحب اعزازی ممبر ۔ مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ۔

مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۶۸ء تا ۱۹۶۹ء۔ تعداد ممبران ۲۸۔ صدر مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر۔ سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب۔ نائب صدر مکرم شیخ بشیر احمد صاحبؓ۔ مکرم مرزا عبدالحق صاحب۔ مکرم سید میر داؤد احمد صاحب۔ مکرم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب۔ اعزازی ممبر۔ مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۰ء۔ تعداد ممبران ۲۳۔ صدر مکرم مرزا عبدالحق صاحب۔ سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب۔ نائب صدر مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر۔ مکرم شیخ بشیر احمد صاحبؓ۔ مکرم سید میر داؤد احمد صاحبؓ۔ اعزازی ممبر۔ مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۱ء۔ تعداد ممبران ۲۳۔ صدر مکرم مرزا عبدالحق صاحب۔ سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب۔ نائب صدر مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر۔ مکرم شیخ بشیر احمد صاحبؓ۔ مکرم سید میر داؤد احمد صاحبؓ۔ اعزازی ممبر مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۲ء۔ تعداد ممبران ۲۶۔ صدر مکرم مرزا عبدالحق صاحب۔ سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب۔ نائب صدر مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر۔ مکرم شیخ بشیر احمد صاحبؓ۔ مکرم سید میر داؤد احمد صاحبؓ۔ اعزازی ممبر مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۳ء۔ تعداد ممبران ۲۲۔ صدر مکرم مرزا عبدالحق صاحب۔ سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب۔ نائب صدر مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر۔ مکرم شیخ بشیر احمد صاحبؓ۔ مکرم سید میر داؤد احمد صاحبؓ۔ اعزازی ممبر مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۴ء۔ تعداد ممبران ۲۰۔ صدر مکرم مرزا عبدالحق صاحب۔ سیکرٹری مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب۔ نائب صدر مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر۔ اعزازی ممبر مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔

۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۵ء۔ تعداد ممبران ۱۸۔ صدر مجلس مرزا عبدالحق صاحب۔ سیکرٹری مکرم ملک

سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ ۔ نائب صدر مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ۔ اعزازی ممبر مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب لندن ۔

(دارالافتاء ربوہ کے ریکارڈ سے مرتب شدہ)

متعلقہ صفحہ ۶۱

۲ ۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا سفر حیدر آباد سندھ

(مکرم سید احمد علی شاہ صاحب مربی سلسلہ احمدیہ کی ایک غیر مطبوعہ یادداشت)

مورخہ ۲۶ ر فروری ۱۹۵۲ء کو حضورؓ ۲½ بجے صبح کو پنجاب سے حیدر آباد تشریف لائے حضور کو الوداع کہنے کے لئے ہم لوگ ٹنڈو والہ یار تک گئے جہاں حضور کو ناشتہ دیا گیا ۔ جماعت احمدیہ حیدر آباد آدھی رات سے استقبال کے لئے موجود تھی ۔ ۲۹ ر فروری کو جماعت حیدر آباد میں جلسہ کرانے کی تجویز ہوئی اور پھر حضور سے اجازت کے لئے خاکسار نے ناصر آباد جا کر عرض کیا تو فرمایا :-

" وہاں جلسہ ہو بھی سکے گا ۔ ابھی تھوڑے دن قبل احراری تقریریں کر کے گئے ہیں "

آخر حضور نے ہماری درخواست منظور فرمائی ۔ کیونکہ حضور کی گاڑی میر پور خاص کی طرف سے ان دنوں دس بجے آتی تھی اور جناب ایکسپریس ۸ بجے روانہ ہو جاتی تھی ۔ حضور نے ۲ گھنٹے حیدر آباد قیام فرمانا تھا ۔

۱۵ ر مارچ کو جماعت کی میٹنگ ہوئی اور مکرم ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ صاحب نے جو ہسپتال میں ڈاکٹر تھے اپنے تمام کمرے خالی کر کے دینے اور حضور کے قیام و طعام کا ذمہ لیا اور مکرم ماسٹر رحمت اللہ صاحب ٹیچر ہائی سکول ہیرہ آباد نے مکرم ماسٹر نور محمد صاحب ہیڈ ماسٹر سے اجازت لے لی کہ حضور کے ہمراہی اصحاب اور دیگر تمام مہمانوں کا قیام اور زائرین کے لئے ہائی سکول کا ہوسٹل فارغ ہو گا جو ہسپتال کے ساتھ ہی تھا درمیان میں صرف سڑک تھی ۔

حضور نے جلسہ کی اجازت کے ساتھ مجھے یہ ہدایت فرمائی کہ جماعت کراچی سے مدد حاصل کی جائے چنانچہ ۱۶ ر مارچ کو پھر میٹنگ کی گئی اور مورخہ ۲۵ ر مارچ کی شام کو " تھیا صوفیکل ہال " میں جلسہ کا پروگرام بنا کر سندھ کی بڑی بڑی ۳۲ جماعتوں کو جلسہ کی دعوت دی اور حاضری کی تاکید کی گئی اور پہرہ کا خاص اہتمام کیا گیا ۔

۱۷ ر مارچ کو مکرم چوہدری عبداللہ خان صاحب امیر جماعت احمدیہ کراچی کو میں نے چٹھی لکھی اور حضور کے ارشاد سے آگاہ کر کے پہرہ اور صدر جلسہ کا اہتمام کر کے آنے کے لئے تاکید کی اور ۳۲ جماعتوں

کو بھی دعوتی خطوط خاکسار نے لکھے۔

۲۰ مارچ کو پھر جلسہ اور حضور کے قیام کے بارہ میں میٹنگ ہوئی اور یہ فیصلہ ہوا کہ میں حضور کو "مسلم ہوسٹل" میں قیام کے انتظام کی اطلاع ناصر آباد میں جا کر دوں اور جلسہ کے لئے دعوتی پاس چھپوانے کا اہتمام کیا گیا چنانچہ خاکسار سید احمد علی جوان نوں زیریں سندھ (ضلع حیدرآباد، ٹھٹھہ، تھرپارکر، سانگھڑ، نواب شاہ اور ضلع دادو) کا انچارج مبلغ تھا ۲۱ مارچ بروز جمعہ صبح کو ناصر آباد گیا اور حالات تحریری چٹھی میں عرض کئے تو حضور نے میرے لفافہ میں حسبِ ذیل الفاظ تحریر فرمائے :-

" اگر مسلم ہوسٹل بہتر ہے تو وہیں انتظام
کر دیں لیکن موقعہ پر لوگوں کے شور سے
اکثر افسر ڈر جاتے ہیں "

(یہ اصل لفافہ میرے پاس ہے جس کے اوپر یہ الفاظ ہیں)

خاکسار حضور کی اقتداء میں نماز جمعہ کے بعد رات کو واپس حیدرآباد پہنچا اور جماعت کو حالات سے آگاہ کر کے کہا کہ ہمیں کوئی دوسرا انتظام فوری طور پر کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بعد میں بعض اساتذہ سے مرعوب ہو کر مکرم ماسٹر نور محمد صاحب ہیڈ ماسٹر ہائی سکول ہیرہ آباد نے معذرت کر دی ادھر ہم نے متبادل انتظام کر لیا ہوا تھا۔

۲۲ مارچ کو دفتر "تبلیغ" ربوہ کی طرف سے تار آیا کہ حضور کی تقریر کے قلمبند کرنے کا انتظام کریں چنانچہ جواب میں عرض کیا گیا کہ مکرم مولوی سلطان احمد صاحب پیر کوٹی تقریر قلمبند کریں گے۔

اسی رات کو پھر میٹنگ ہوئی اور مورخہ ۲۳ مارچ کو حضور کے قیام کے لئے "مسلم ہوسٹل" کی بجائے "انسپکشن بنگلہ" نزد سرکٹ ہاؤس انتظام کر لیا گیا اور جلسہ کے لئے حسبِ ذیل دعوت نامہ پوسٹ کارڈ سائز پر طبع کرایا گیا :-

" بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مکرمی جناب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بروز منگل مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۵۲ء کو ۴½ بجے شام تھیا صوفیکل ہال نزد جنرل پوسٹ آفس حیدرآباد میں "اتحاد المسلمین" کے موضوع پر تقریر فرمائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

آپ اس جلسہ میں شرکت فرما کر منتظمین کو شکریہ کا موقعہ دیں۔

نوٹ :- براہِ مہربانی یہ دعوت نامہ

ہمراہ لائیں گے۔ والسلام

الداعی سیکرٹری جماعتِ احمدیہ حیدر آباد"

یہ دعوت نامہ صرف ۵۰۰ کی تعداد میں طبع کرایا گیا تھا کیونکہ ہال میں اسی قدر بمشکل گنجائش تھی مگر شائقین و سامعین کا اتنا اشتیاق و اصرار ہوا کہ کارڈ تقسیم کرنے کے بعد جس کو کارڈ بوجہ واقفیت دیا گیا اس کی سفارش پر اسی کے کارڈ پر دو دو تین تین بلکہ چار چار کے بھی نام مجھے درج کرنا پڑے۔ اور ہال میں تنگی کی وجہ سے اکثر لوگوں کو جلسہ میں تقریر لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ باہر کھڑے ہو کر سننا پڑی۔ میں دعوتی کارڈ دیکھ دیکھ کر لوگوں کو اندر جانے کی اجازت دیتا تو پہرہ دار ان کو داخل ہونے دیتے تھے

۲۴ مارچ بروز سوموار حضور دس بجے شب بذریعہ ٹرین ناصر آباد سے میرپور خاص کے راستے حیدر آباد تشریف فرما ہوئے۔ جماعتِ احمدیہ حیدر آباد نے حضور کا استقبال کیا اور کاروں کے ذریعہ حضور مع عملہ "انسپکشن بنگلہ" نزد سرکٹ ہاؤس حیدر آباد میں تشریف لے گئے جہاں رات کو قیام فرمایا۔

۲۵ مارچ کی صبح کو مکرم چوہدری محمد سعید صاحب نے اپنے مکان واقع ہیرہ آباد میں حضور کو دعوتِ ناشتہ دی۔ اس موقع پر لی گئی ایک تصویر میرے پاس تھی جو اب ہنگاموں میں ضائع ہو گئی ہے۔ اسٹیشن پر سے اُترنے کے وقت کی بھی ایک تصویر تھی وہ بھی ضائع ہو گئی ہے۔ مکرم بابو عبد الغفار صاحب فوٹو اسپیڈ کمپنی حیدر آباد سندھ کے پاس بھی ہے ان کے بھائی مکرم نثار احمد صاحب کے پاس غالباً یہ مل سکیں گی جنہوں نے یہ تصاویر لی تھیں۔

۲۵ مارچ بروز منگل حضور سے معززینِ شہر حیدر آباد آ آ کر دن بھر ملاقات کرتے رہے۔

مکرم چوہدری عبد اللہ خان صاحبؓ امیر جماعت کراچی نے کراچی سے کافی تعداد میں موٹر کاروں کے ذریعہ احبابِ جماعت کو حیدر آباد بھیجا اور خود بھی تشریف لائے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ حیدر آباد کے اس جلسہ کے لئے صدر کا آپ نے کیا انتظام کیا ہے؟ تو انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ میں اب یہاں کوشش کرتا ہوں چنانچہ ہم دونوں مکرم جناب ایم۔ اے حافظ صاحب بار ایٹ لاء ہیرہ آباد کے پاس پہنچے۔ انہوں نے اس جلسہ کی صدارت کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھا۔ وہ مکرم چوہدری صاحب کے واقف اور دوست تھے اور آنے کا وعدہ کیا بڑی خوشی کا اظہار کیا۔

وقتِ مقررہ سے قبل ہی ہال کھچا کھچ بھر گیا جس میں انتظامی لحاظ سے احمدی نصف کے قریب تھے باہر بھی دعوت نامہ والے صحن میں کھڑے تھے۔ حضور وقتِ مقررہ پر ۴½ بجے بذریعہ کار ہال میں تشریف لائے۔ مکرم جناب ایم۔ اے حافظ صاحب

بار ایٹ لاء کی صدارت کا مکرم چوہدری عبداللہ خان صاحبؓ نے اعلان کیا۔ تلاوت قرآن کریم خاکسار سیّد احمد علی مبلّغ نے کی۔ نظم مکرم میر مبارک احمد صاحب تالپور نے پڑھی اور پھر صدرِ جلسہ نے حضور سے تقریر کی درخواست کی جو حضور نے "اتحاد المسلمین" کے موضوع پر ۱/۲ ۶ بجے شام تک فرمائی۔ آخر میں دعا کرائی اور پھر اس کے بعد جناب ایکسپریس کے ذریعہ پنجاب کے سفر کے لئے بذریعہ کار حضور سیدھے حیدر آباد اسٹیشن تشریف لے گئے جہاں تمام احباب جماعتہائے احمدیہ حیدر آباد (سندھ) اور کراچی سے آنیوالوں نے حضور سے ملاقات کی۔ گاڑی کے آنے میں کافی وقت تھا حضور کے لئے پلیٹ فارم پر کرسی کا انتظام کیا گیا جس پر رونق افروز ہو کر حضور نے مشتاقین کو زیارت سے مشرّف فرمایا اور غیر از جماعت اصحاب کو بھی شرفِ ملاقات بخشتے رہے۔ اِس موقع پر حضور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ پچھلی دفعہ جب یہاں میرا لیکچر ہوا تھا تو صرف ۳۵ افراد سننے والے تھے مگر اب کے تھیا صوفیکل ہال کے اندر ۵۰۰ سے زائد اور باہر اس سے بھی زیادہ صحن میں موجود تھے اِس طرح حاضری ہزار بارہ سو تھی مگر جو باہر کھڑے لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ حضور کی تقریر سنتے رہے وہ بھی کئی صد تھے۔ حضور بے حد خوشی اور مسرّت محسوس فرما رہے تھے۔ اور یہ خدا کا خاص فضل تھا کہ جلسہ میں ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے لوگ یعنی سُنّی حنفی، بریلوی، شیعہ، اہلِ حدیث، دیو بندی وغیرہ بلکہ عیسائی اور ہندو بھی موجود تھے اور بہت ہی اچھا اثر لے کر گئے اور حضور کی تقریر کے مدح سرا تھے۔

دس بجے حضور جناب ایکسپریس پر سوار ہوئے احباب کو شرفِ مصافحہ بخشا اور پھر خوشی و شادمانی اور جلسہ کی شاندار کامیابی کے ساتھ پنجاب کو تشریف لے گئے۔

اگلے ہی دن ۲۶ مارچ کو خاکسار نے اِس جلسہ کی رپورٹ دفتر "تبلیغ" ربوہ۔ "الفضل" اور "المصلح" کراچی کو روانہ کر دی۔ "الفضل" مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ پر زیرِ عنوان "حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی حیدر آباد میں تشریف آوری اور بصیرت افروز تقریر" شائع ہوئی، فالحمد للہ

میری ۱۹۵۲ء کی ڈائری اب تک موجود ہے اس سے یہ حالات مرتّب کئے گئے ہیں۔ والسّلام

خاکسار سیّد احمد علی مربّی جماعتِ احمدیہ
از شہر گوجرانوالہ ۳/۱۹۷۵ ء

متعلّقہ صفحہ ۳۶۰

۳۔ اہلِ قافلۂ قادیان (دسمبر ۱۹۵۲ء)

نوٹ:۔ مندرجہ ذیل فہرست قافلہ کی روانگی سے

قبول کی ہے اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ناظر خدمتِ درویشاں کی طرف سے الفضل مورخہ ۹ و ۱۷ دسمبر ۱۹۵۲ء میں چھپی۔ یہ حروفِ تہجی کے اعتبار سے مرتب کی گئی ہے:۔

۱۔ اللہ رکھی صاحبہ زوجہ فضل الرحمٰن صاحب درویش۔ ربوہ۔
۲۔ امۃ الرحمٰن ریحانہ صاحبہ بنت چوہدری اللہ بخش صاحب۔ ربوہ۔
۳۔ امۃ السمیع صاحبہ زوجہ مرزا عبداللطیف صاحب ربوہ
۴۔ آمنہ بیگم صاحبہ بنت حکیم اللہ بخش صاحب مرحوم۔ ربوہ
۵۔ مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری ولد شیخ امام الدین صاحب مرحوم
۶۔ احمد دین صاحب ولد محمد عارف صاحب منٹگمری
۷۔ اللہ بخش صاحب ولد فتح دین صاحب ڈسکہ کلاں
۸۔ اللہ بخش صاحب ولد میاں غلام رسول صاحب راولپنڈی۔
۹۔ امۃ الرحمٰن صاحبہ بنت حاکم خاں صاحب ربوہ
۱۰۔ احمد دین صاحب ولد صدر الدین صاحب گکرالی
۱۱۔ الٰہی بخش صاحب ولد جمال دین صاحب شاہدرہ
۱۲۔ اللہ رکھی صاحبہ زوجہ غلام قادر صاحب چک ۲۷۸ شیرکا
۱۳۔ اللہ رکھی صاحبہ والدہ مرزا محمود بیگ صاحب ربوہ
۱۴۔ چوہدری انوار الحق صاحب ولد چوہدری عبدالحق صاحب۔ جودھامل بلڈنگ لاہور۔
۱۵۔ ملک احسان اللہ صاحب مبلغ افریقہ ولد ملک خدا بخش صاحب مرحوم۔ لاہور۔
۱۶۔ امۃ القیوم بیگم صاحبہ بنت چوہدری ہدایت اللہ صاحب اکال گڑھ ضلع گوجرانوالہ۔
۱۷۔ امۃ الرحمٰن صاحبہ زوجہ منشی عطاء الرحمٰن صاحب۔ فتح جنگ ضلع کیمبلپور۔
۱۸۔ آمنہ بی بی صاحبہ بنت کرم داد صاحب۔ کرتو ضلع شیخوپورہ۔
۱۹۔ مرزا اعظم بیگ صاحب ولد مرزا رسول بیگ صاحب۔ ٹنڈو آدم (سندھ)
۲۰۔ آمنہ بی بی صاحبہ زوجہ قاضی عبدالعزیز صاحب مرحوم۔ ربوہ
۲۱۔ سید امجد علی صاحب ولد سید فضیلت علی شاہ صاحب مرحوم سیالکوٹ
۲۲۔ احمد علی صاحب ولد چوہدری جان محمد صاحب نصرت آباد اسٹیٹ (سندھ)
۲۳۔ چوہدری اسد اللہ خاں صاحب ولد چوہدری نصر اللہ خاں صاحب مرحوم۔ لاہور
۲۴۔ اللہ دتہ صاحب ولد اللہ جوایا صاحب سدوکے ضلع گجرات۔
۲۵۔ آمنہ بی بی صاحبہ زوجہ مرزا محمد زمان صاحب نوشہرہ ککے زئیاں ضلع سیالکوٹ۔
۲۶۔ اللہ دتہ صاحب ولد علی محمد صاحب بوٹ میکر

برادر نسبتی محمد احمد صاحب فقیر سائیں۔ ربوہ

۲۷۔ ارشد علی صاحب ایڈووکیٹ سابق بٹالہ حال سیالکوٹ شہر۔

۲۸۔ پیر بشیر احمد صاحب ولد پیر عبدالرشید صاحب ماڈل ٹاؤن لاہور۔

۲۹۔ مولوی برکت علی صاحب لائق سابق امیر جماعت احمدیہ لدھیانہ ولد میاں امام دین صاحب مرحوم۔ جڑانوالہ

۳۰۔ بشیر احمد صاحب ولد میاں سلطان احمد صاحب ڈوگری ہریاں ضلع سیالکوٹ۔

۳۱۔ بی بی صاحبہ اہلیہ عبدالرحیم صاحب سندھی درویش کرنڈی خیرپور میرس سندھ۔

۳۲۔ بیگم بی بی صاحبہ بنت احمد علی صاحب۔ کرنڈی خیرپور میرس سندھ۔

۳۳۔ بشیر بیگم صاحبہ بنت چوہدری اللہ دتہ صاحب چک ۸۴/ع بہاولپور۔

۳۴۔ بیگم بی بی صاحبہ زوجہ عزیزالدین صاحب کوٹ عبداللہ نبی سر روڈ۔ سندھ

۳۵۔ سردار بشیر احمد صاحب ولد حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب مرحوم۔ رسول گجرات۔

۳۶۔ بشریٰ اسداللہ بیگم صاحبہ بنت چوہدری عبداللہ خاں صاحب مرحوم۔ لاہور

۳۷۔ ثناء اللہ صاحب ولد عبدالحق نور صاحب کرنڈی خیرپور میرس سندھ۔

۳۸۔ جمال الدین صاحب ولد مولوی فضل دین صاحب مانگٹ اونچے ضلع گوجرانوالہ۔

۳۹۔ جنت بی بی صاحبہ اہلیہ محمد یوسف صاحب زیروی چک ۱۰/۱-R ضلع ملتان۔

۴۰۔ جان محمد صاحب ولد سردار محمد صاحب ننگر قصور خورد ضلع شیخوپورہ۔

۴۱۔ چراغ بی بی صاحبہ بنت فضل دین صاحب ربوہ

۴۲۔ حبیب اللہ صاحب ولد فتح دین صاحب کرنڈی خیرپور میرس سندھ۔

۴۳۔ حمیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ مرزا اعظم بیگ صاحب ٹنڈو آدم (سندھ)

۴۴۔ خورشید بیگم صاحبہ زوجہ بشیر احمد صاحب ٹھیکیدار۔ ربوہ

۴۵۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ولد عبدالرحیم خان صاحب محلہ رام پور پشاور

۴۶۔ حامد اختر احمد صاحب ولد ڈاکٹر بشیر احمد صاحب درویش۔ دسوعہ ضلع لائلپور

۴۷۔ مستری دین محمد صاحب ولد امام الدین صاحب جہلم بڑا بازار۔

۴۸۔ رحمت بی بی صاحبہ اہلیہ فقیر محمد صاحب۔ ربوہ

۴۹۔ ربیعہ خانم صاحبہ بنت قطب الدین صاحب مرحوم۔ احمد نگر

۵۰۔ مولوی رشید احمد صاحب چغتائی مبلغ بلادِ عربیہ ولد بابو نور احمد صاحبؓ۔ ربوہ

۵۱۔ رحیم بخش صاحب ولد فتح دین صاحب۔ احمد نگر

۵۲۔ رسول بیگم صاحبہ اہلیہ چوہدری مبارک علی صاحب۔ چک چہور ۱۱۷ ضلع شیخوپورہ

۵۳۔ ریشم بی بی صاحبہ بیوہ فتح دین صاحب مرحوم شیخ پور ضلع گجرات۔

۵۴۔ مولانا رحمت علی صاحبؓ مبلغ انڈونیشیا ولد بابا محمد حسن صاحبؓ۔ ربوہ

۵۵۔ رابعہ بی بی صاحبہ اہلیہ اللہ دین صاحب شاہدرہ۔

۵۶۔ رشید بیگم صاحبہ اہلیہ نبی احمد صاحب درویش دیہہ منیر خاں شاہانی خیرپور میرس۔

۵۷۔ رحیمن صاحبہ بنت پھجو صاحب معرفت نور محمد صاحب اہل مد۔ لاہور

۵۸۔ رفیق احمد صاحب برادر اہلیہ شیخ عبد الحمید صاحب عاجز۔ لاہور۔

۵۹۔ رفیق احمد صاحب ولد ملک محمد طفیل صاحب ٹمبر مرچنٹ لاہور

۶۰۔ رضیہ بیگم صاحبہ اہلیہ نواب خاں صاحب درویش۔ ربوہ

۶۱۔ رحمت بی بی صاحبہ بنت صلابت خاں صاحب چک ۹۹ شمالی۔ سرگودھا

۶۲۔ زینب بی بی صاحبہ بنت میاں علی محمد صاحب مرحوم بھیک چند روڈ کوئٹہ۔

۶۳۔ زینب بی بی صاحبہ بنت عبد الحمید صاحب سیّد والا ضلع شیخوپورہ۔

۶۴۔ زینب بیگم صاحبہ بنت عبد الخالق صاحب جلیانوالہ۔ گوجرہ۔

۶۵۔ زینب بی بی صاحبہ بنت فضل کریم صاحب شادیوال گجرات۔

۶۶۔ زینب بی بی صاحبہ اہلیہ چوہدری جان محمد صاحب نصرت آباد سٹیٹ۔ سندھ

۶۷۔ بھابی زینب بی بی صاحبہ بنت احمد بخش صاحب ربوہ۔

۶۸۔ سیّد محمد صاحب ولد چوہدری نواب دین صاحب۔ دھنی دیو چک ۲۳۲ لائلپور

۶۹۔ سلیم حسن صاحب الجابی (الشامی) ولد حسن بصری صاحب۔ ربوہ

۷۰۔ خلیفہ سراج الدین صاحب ولد شیخ قطب الدین صاحب۔ کلاس والا سیالکوٹ

۷۱۔ سکینہ بی بی صاحبہ اہلیہ منشی یعقوب علی صاحب گھنوکے ججہ ضلع سیالکوٹ۔

۷۲۔ سردار بی بی صاحبہ بنت سردار خاں صاحب شادیوال ضلع گجرات۔

۷۳۔ سردار بی بی صاحبہ زوجہ چوہدری نور احمد

صاحب۔ داتا زید کا۔ سیالکوٹ

۷۴۔ سلطان محمود انور صاحب ولد چوہدری محمد دین صاحب۔ ربوہ۔

۷۵۔ سعد بن ظریف صاحب ولد محمد علی صاحب وکیل۔ پرتاپ سکوئر۔ لاہور

۷۶۔ مسماۃ سادو صاحبہ بنت عبد الکریم صاحب ربوہ۔

۷۷۔ سعید احمد صاحب پسر بریگیڈیئر بشیر احمد صاحب درویش۔ ربوہ

۷۸۔ سعیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ بھائی شیر محمد صاحب درویش۔ اوکاڑہ

۷۹۔ منشی سلطان عالم صاحب خسر محمد احمد صاحب گجراتی درویش۔ گولیکیاں گجرات

۸۰۔ ملک شیر محمد صاحب ولد ملک کرم دین صاحب ربوہ۔

۸۱۔ چوہدری شاہ محمد صاحب ولد چوہدری حسن محمد صاحب۔ دھاروالی شیخوپورہ

۸۲۔ شمشیر علی صاحب ولد چوہدری فتح شیر صاحب۔ میانوالی۔

۸۳۔ شریف احمد صاحب ولد چوہدری فضل احمد صاحب۔ ربوہ

۸۴۔ شاہ محمد صاحب ولد عبد اللہ صاحب لدھووالی ورکاں شیخوپورہ

۸۵۔ چوہدری شبیر احمد صاحب بی۔اے وکالتِ مالی۔ ربوہ

۸۶۔ صدیقہ بیگم صاحبہ اہلیہ محمد عبد اللہ صاحب درویش۔ گوجرہ

۸۷۔ صدیقہ بی بی صاحبہ اہلیہ مولوی شریف احمد صاحب امینی۔ راولپنڈی

۸۸۔ مستری صلاح الدین صاحب ولد مستری نظام الدین صاحب چانگریاں ضلع سیالکوٹ۔

۸۹۔ طالع بی بی صاحبہ اہلیہ چوہدری عبد المجید صاحب درویش۔ ربوہ

۹۰۔ عبد اللطیف صاحب ولد نور محمد صاحب ربوہ۔

۹۱۔ عالم بی بی صاحبہ اہلیہ جلال دین صاحب درویش۔ ربوہ

۹۲۔ عطا بی بی صاحبہ اہلیہ مولوی فیروز دین صاحب درویش۔ ربوہ

۹۳۔ خلیفہ عبد الرحیم صاحبؓ ولد حضرت خلیفہ نور الدین صاحبؓ جمونی سیالکوٹ

۹۴۔ عبد الرشید صاحب ولد مستری عبد الغفور صاحب درویش۔ ربوہ

۹۵۔ عبد الرشید صاحب ولد اللہ بخش صاحب ریکارڈ کیپر سیالکوٹ

۹۶۔ عبدالسلام صاحب ولد سیٹھ فضل کریم صاحب مرحوم۔ ربوہ۔

۹۷۔ عصمت بیگم صاحبہ بنت مولوی عبدالقادر صاحب۔ ربوہ

۹۸۔ عبیداللہ صاحب ولد چوہدری مہردین صاحب بھوادچک شیخوپورہ

۹۹۔ گیانی عباداللہ صاحب ولد عبدالغفار صاحب گوجرانوالہ۔

۱۰۰۔ عائشہ بی بی صاحبہ اہلیہ حاجی محمد دین صاحب تہال ضلع گجرات۔

۱۰۱۔ عبدالرحمٰن صاحب ولد نور محمد صاحب چک ۳۶۶ ضلع ملتان۔

۱۰۲۔ عبدالمنان صاحب ولد عبدالکریم صاحب نومسلم۔ ربوہ

۱۰۳۔ عبدالغنی صاحب ولد چراغ دین صاحب چک ۶۶ ضلع منٹگمری۔

۱۰۴۔ عبدالرشید صاحب ارشد ولد عبدالرحمٰن صاحب دکاندار۔ ربوہ

۱۰۵۔ عبدالکریم صاحب ولد جینا صاحب۔ ربوہ

۱۰۶۔ عطاء اللہ صاحب ایم۔اے ولد چوہدری مولابخش صاحب۔ احمد پور شرقیہ حال خانیوال

۱۰۷۔ مرزا عبدالعزیز صاحب ولد مرزا محمد عبداللہ صاحب۔ فتح پور گجرات

۱۰۸۔ مرزا عبدالرحیم صاحب ولد مرزا محمد عبداللہ صاحب۔ ربوہ

۱۰۹۔ عبدالرحمٰن صاحب ولد روشن دین صاحب آنبہ ضلع شیخوپورہ۔

۱۱۰۔ عبدالحی صاحب ولد بابو عبدالغفور صاحب لاہور بکس نمبر ۳۴۰۔

۱۱۱۔ عبدالرحیم صاحب برادر عبدالسلام صاحب درویش۔ درگانوالی سیالکوٹ۔

۱۱۲۔ عبدالحق صاحب داماد جلال الدین صاحب درویش۔ ربوہ

۱۱۳۔ عبدالحق صاحب رامہ رشتہ دار ڈاکٹر بشیر احمد صاحب درویش۔ کراچی

۱۱۴۔ عبدالرحمٰن صاحب پسر عطا محمد صاحب درویش چک ۲۹۵ گ ب لائلپور

۱۱۵۔ عبدالغفار صاحب برادر عبدالستار صاحب درویش خانقاہ ڈوگراں۔

۱۱۶۔ قریشی عبدالرحمٰن صاحب سکھر (سندھ)

۱۱۷۔ عطاء المنان صاحب قریشی ولد حافظ محمد امین صاحب مرحوم۔ کوئٹہ

۱۱۸۔ عبدالستار صاحب ولد بڈھا صاحب مڑھ بلوچاں۔ شیخوپورہ

۱۱۹۔ سید عبدالحی صاحب ولد سید عبدالمنان صاحب۔ ربوہ

۱۲۰۔ عبدالعزیز صاحب ولد جیون خاں صاحب
تر گڑی۔ گوجرانوالہ
۱۲۱۔ عبدالخالق صاحب مہتہ ولد بھائی عبدالرحمٰن
صاحبؓ قادیانی۔ راب لین کوئٹہ
۱۲۲۔ ڈاکٹر عبدالحق صاحب ڈینٹل سرجن لاہور
۱۲۳۔ غلام محمد صاحب ولد تھکو خاں صاحب
چک ۹۹ شمالی۔ سرگودہا۔
۱۲۴۔ غلام سرور صاحب ولد میاں اللہ رکھا صاحب
رحیم یارخاں۔ بہاولپور
۱۲۵۔ غلام بی بی صاحبہ اہلیہ سردار محمد صاحب
بھوادچک ۱۸ شیخوپورہ۔
۱۲۶۔ غلام حیدر صاحب ولد مغل دین صاحب
مانگا ضلع گجرات۔
۱۲۷۔ غلام رسول صاحب ولد سائیں دتہ صاحب
سٹھیالی چک ۶۵ شیخوپورہ۔
۱۲۸۔ ماسٹر غلام محمد صاحب ولد مولاداد صاحب
شادیوال اچھرکا۔ گجرات
۱۲۹۔ ماسٹر غلام محمد صاحب عبدؔ ولد محمد مراد صاحب
۱۳۰۔ صوفی غلام محمد صاحب ولد جھنڈے خاں
صاحب۔ چھور مغلیاں چک ۱۱۷ شیخوپورہ
۱۳۱۔ غلام فاطمہ بی بی صاحبہ بنت رحیم بخش صاحب
خانقاہ ڈوگراں۔

۱۳۲۔ غلام محمد صاحب ولد محمد قاسم صاحب
بھیگووال۔ سیالکوٹ
۱۳۳۔ فقیر محمد صاحب ولد عیدا صاحب۔ ربوہ
۱۳۴۔ سیّد فضل محمد صاحب ولد سیّد شاہ نواز
صاحب چک ۳۲۳ انڈی ضلع لائلپور
۱۳۵۔ فاطمہ بی بی صاحبہ اہلیہ چوہدری محمد طفیل
صاحب درویش۔ کوٹ مرزا جان۔ گوجرانوالہ
۱۳۶۔ مولوی فضل دین صاحب ولد کالو خاں صاحب
مرحوم۔ کارخانہ بازار۔ لائلپور
۱۳۷۔ فتح بی بی صاحبہ اہلیہ الٰہی بخش صاحب
کوٹ عبداللہ نبی سرروڈ۔ سندھ
۱۳۸۔ بابو فضل دین صاحب ولد میاں فیروز الدین
صاحب۔ ہائی کورٹ لاہور
۱۳۹۔ فضل احمد صاحب داماد محمد طفیل صاحب
درویش داتہ زیدکا۔
۱۴۰۔ فضل بی بی صاحبہ زوجہ حسن دین صاحب
درویش۔ ربوہ
۱۴۱۔ میاں کھٹو صاحب ولد فتح دین صاحب
ملھو کے ضلع سیالکوٹ
۱۴۲۔ کرامت اللہ صاحب برادر محمد دین صاحب
درویش۔ کوہاٹ
۱۴۳۔ لال خاں صاحب ولد احمد خاں صاحب
کھاریاں۔

۱۴۴۔ مرزا لطف الرحمٰن صاحب انور ولد مرزا برکت علی صاحب۔ ربوہ

۱۴۵۔ مہر دین صاحب ولد رسول بخش صاحب ربوہ۔

۱۴۶۔ مہراں بی بی صاحبہ اہلیہ فضل دین صاحب درویش۔ ربوہ

۱۴۷۔ میاں محمد یوسف صاحب (سابق پرائیویٹ سیکرٹری) ولد میاں ہدایت اللہ صاحب لاہور۔

۱۴۸۔ صوفی محمد رفیع صاحب ولد صوفی محمد علی صاحب سکھر (سندھ)

۱۴۹۔ کبیر الدین صاحب صدیقی ولد قمر الدین صاحب صدیقی۔ احمد نگر

۱۵۰۔ کرم داد صاحب ولد جلال دین صاحب کرتو ضلع شیخوپورہ۔

۱۵۱۔ خواجہ محمد عبداللہ صاحب عرف عبدل ولد خواجہ گلاب دین صاحب۔ ربوہ

۱۵۲۔ مختار احمد صاحب ہاشمی ولد شاہ دین صاحب مرحوم۔ ربوہ

۱۵۳۔ محمد شفیق صاحب قیصر ولد منشی محمد صادق صاحب مختار عام حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ ربوہ

۱۵۴۔ سید مسعود احمد صاحب ولد سید منظور احمد صاحب۔ احمد نگر

۱۵۵۔ قریشی محمد یوسف صاحب بریلوی ولد حافظ سخاوت حسین صاحب ترقی جہلم۔

۱۵۶۔ ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم امیر المجاہدین ملکانہ ولد نور محمد صاحب جلیانوالہ لائلپور

۱۵۷۔ ماسٹر محمد یحییٰ صاحب ولد محمد عبداللہ صاحب سید والا شیخوپورہ۔

۱۵۸۔ محمد جمال صاحب ولد محمد اعظم صاحب ترگڑی ضلع گوجرانوالہ۔

۱۵۹۔ ملک محمد دین صاحب ولد ملک محمد جمال صاحب ترگڑی ضلع گوجرانوالہ۔

۱۶۰۔ شیخ محمد عمر صاحب ولد ڈی۔ آر شیخ۔ ربوہ

۱۶۱۔ محمد اسمٰعیل صاحب ولد محمد رمضان صاحب ربوہ۔

۱۶۲۔ منصف خاں صاحب ولد فتح محمد خاں صاحب چک ۱۶۵ ضلع منٹگمری۔

۱۶۳۔ بھائی محمود احمد صاحب ولد حکیم پیر بخش صاحب سرگودہا۔

۱۶۴۔ مہتاب بیگم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر برکت اللہ صاحب۔ نئی آبادی گجرات۔

۱۶۵۔ محمد سلیمان صاحب ولد محمد سلطان صاحب لاہور چھاؤنی۔

۱۶۶۔ محمد ابراہیم صاحب رشید ولد چوہدری محمد عبداللہ صاحب مرحوم۔ دھنی دیو چک ۲۳۲ لائلپور

۱۶۷ - منشی محمد اسمٰعیل صاحبؓ معتبر ولد مولوی غلام قادر
صاحب مرحوم - ربوہ

۱۶۸ - محمد رمضان صاحب ولد محمد عبداللہ صاحب
کھاریاں ضلع گجرات -

۱۶۹ - محمد شریف صاحب ولد فضل دین صاحب
رتن باغ - لاہور

۱۷۰ - کرامت اللہ صاحب ولد محمد عباد اللہ صاحب
درویش - گوجن

۱۷۱ - معراج سلطانہ صاحبہ اہلیہ بدر دین صاحب
عاملؔ - گنج مغلپورہ لاہور -

۱۷۲ - محمد بی بی صاحبہ بنت کھیوڑہ صاحب
بدوملہی ضلع سیالکوٹ -

۱۷۳ - مریم بی بی صاحبہ اہلیہ مستری محمد اسمٰعیل
صاحب - ربوہ

۱۷۴ - قاضی مبارک احمد صاحب ولد قاضی عبدالعزیز
صاحب - ربوہ

۱۷۵ - ڈاکٹر محمد حسن صاحب ولد سید محمد حسین شاہ
صاحب - ننکانہ صاحب -

۱۷۶ - مریم بیگم صاحبہ بنت علیا صاحب چک ۲۹۵
ضلع لائلپور -

۱۷۷ - سیدہ ممتاز بیگم صاحبہ اہلیہ سید محمد شریف
صاحب سیالکوٹی - گولی روڈ - لاہور

۱۷۸ - محمد شریف صاحب ننگلی ولد محمد بخش صاحب
جھول چاہ موسیٰ والا - بہاولپور -

۱۷۹ - محمد اسحٰق صاحب ولد حاجی اللہ بخش صاحب
ربوہ -

۱۸۰ - مرزا مجید احمد صاحب ولد حضرت مرزا بشیر احمد
صاحبؓ - ربوہ

۱۸۱ - میر محمود احمد صاحب ناصر ولد حضرت میر محمد اسحٰق
صاحبؓ - ربوہ

۱۸۲ - قریشی مقبول احمد صاحب مبلغ ولد محمد اسمٰعیل
صاحبؓ معتبر - ربوہ

۱۸۳ - محمد مالک صاحب ولد شکر الٰہی صاحب
بن باجوہ ضلع سیالکوٹ -

۱۸۴ - مجید احمد صاحب ولد بھائی شیر محمد صاحب
اوکاڑہ -

۱۸۵ - مبارکہ بیگم صاحبہ اہلیہ ملک عبدالوحید سلیم
صاحب - گورنمنٹ کوارٹرز لاہور -

۱۸۶ - چوہدری محمد شریف صاحب ولد نواب محمد دین
صاحبؓ منٹگمری -

۱۸۷ - پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد ولد خان صاحب
مولوی فرزند علی خاں صاحبؓ - لاہور

۱۸۸ - چوہدری محمد علی صاحب ایم - اے تعلیم الاسلام
کالج - لاہور

۱۸۹ - محمد شفیع صاحب پسر فضل احمد صاحب درویش
گھٹیالیاں -

۱۹۰۔ میاں محمد مراد صاحبؓ والد بشیر احمد صاحب درویش۔ حافظ آباد

۱۹۱۔ مرزا مسعود احمد صاحب برادر مرزا محمود احمد صاحب درویش۔ ربوہ

۱۹۲۔ محمد یوسف صاحب۔ مالو کے بھگت ضلع سیالکوٹ

۱۹۳۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اسلم داماد مولوی فضل دین صاحب مبلغ حیدر آباد دکن۔

۱۹۴۔ مختار بیگم صاحبہ اہلیہ غلام ربانی صاحب درویش۔ دھارووالی۔ شیخوپورہ

۱۹۵۔ مرزا منظور احمد صاحب ولد مرزا غلام اللہ صاحب مرحوم نسیم آباد اسٹیٹ۔ سندھ

۱۹۶۔ ناصرہ بیگم صاحبہ اہلیہ بشیر احمد صاحب بانگروی۔ ربوہ

۱۹۷۔ نظام الدین صاحب ٹھیکیدار ولد ڈھونڈا صاحب۔ ربوہ

۱۹۸۔ نذیر احمد صاحب ولد محمد اسمٰعیل صاحب، گکھڑ ضلع گوجرانوالہ۔

۱۹۹۔ ناصر احمد صاحب ولد ڈاکٹر برکت اللہ صاحب نئی آبادی گجرات۔

۲۰۰۔ ناصر احمد صاحب ابن سراج الدین صاحب موذن درویش۔ کوہاٹ۔

۲۰۱۔ چوہدری نور احمد صاحب ولد چوہدری فتح علی صاحب۔ داتہ زید کا ضلع سیالکوٹ۔

۲۰۲۔ نواب بی بی صاحبہ والدہ دین محمد صاحب نگلی بکھووال ضلع لائل پور۔

۲۰۳۔ گیانی مرزا احمد حسین صاحبؓ ولد مرزا حسین بیگ صاحب۔ تلونڈی راہوالی ضلع گوجرانوالہ۔

۲۰۴۔ ہدایت بی بی صاحبہ زوجہ محمد احمد صاحب فقیر سائیں درویش۔ ربوہ۔

۲۰۵۔ یوسف علی صاحب ولد چوہدری شیر علی خان صاحب۔ مری روڈ۔ راولپنڈی۔

۴۔ تصویر قافلۂ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۴۹ء۔

دائیں سے بائیں۔ نیچے بیٹھنے والے:۔

۱۔ قاضی مبارک احمد صاحب جامعہ احمدیہ (سابق مبلغ افریقہ) ۲۔(؟) ۳۔(؟) ۴۔(؟) ۵۔(؟) ۶۔(؟) ۷۔ مولوی عبد الحکیم صاحب (پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ گنج مغلپورہ لاہور) ۸۔(؟) ۹۔ مولانا عطاء اللہ صاحب کلیم (انچارج غانا مشن) ۱۰۔(؟)

کرسیوں پر بیٹھنے والے:۔

۱۔ منشی عبد الحق صاحبؓ کاتب والد مولانا ابو المنیر نور الحق صاحب مینیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین

ربوہ۔ ۲۔ مرزا مہتاب بیگ صاحبؓ ناظم درزی خانہ قادیان۔ ۳۔ چوہدری نور احمد صاحبؓ (خزانہ صدر انجمن احمدیہ) ۴۔ شیخ بشیر احمد صاحبؓ ایڈووکیٹ (امیر جماعتِ احمدیہ لاہور) امیر قافلہ۔ ۵۔ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ فاضل امیر جماعتِ احمدیہ قادیان۔ ۶۔ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ قادیان۔ ۷۔ مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری (مبلغ سیرالیون و فجی) ۸۔ مولانا شیخ مبارک احمد صاحب (رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ) ۹۔ منشی نور محمد صاحب (ہیڈ کلرک صدر انجمن احمدیہ قادیان)۔

کھڑے قطار ۱ :۔

۱۔ ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم (امیر المجاہدین ملکانہ) ۲۔ ڈاکٹر محمد یعقوب خان صاحبؓ لاہور ۳۔(؟) ۴۔(؟) ۵۔ مرزا محمد حیات صاحب "دواخانہ رفیقِ حیات" قادیان، سیالکوٹ ۶۔(؟) ۷۔ خواجہ محمد عبداللہ صاحبؓ کشمیری۔ ۸۔ چوہدری فضل احمد صاحب انسپکٹر آف سکولز حال ربوہ۔ ۹۔ (؟) ۱۰۔ محمد یعقوب صاحب ننگلی کاتب "الفضل"۔ ۱۱۔ (؟) ۱۲۔ (؟)

کھڑے قطار ۲ :۔

۱۔(؟) ۲۔(؟) ۳۔ میر محمد بخش صاحب امیر جماعتِ احمدیہ گوجرانوالہ۔ ۴۔ مہاشہ محمد عمر صاحبؓ فاضل مبلغ سلسلہ احمدیہ۔ ۵۔(؟) ۶۔(؟) ۷۔ ملک محمد شفیع صاحب ۸۔ خواجہ عبدالواحد صاحبؓ پہلوان گوجرہ۔ ۹۔ گیانی مرزا واحد حسین صاحبؓ مبلغ سلسلہ احمدیہ تلونڈی راہوالی ضلع گوجرانوالہ۔ ۱۰۔(؟) ۱۱۔(؟) ۱۲۔ چوہدری فیض احمد صاحبؓ چیف انسپکٹر بیت المال ربوہ۔ ۱۳۔(؟)

کھڑے قطار ۳ :۔

۱۔(؟) ۲۔ میاں عبدالحمید صاحبؓ آف دارالفتوح قادیان۔ ۳۔(؟) ۴۔(؟) ۵۔(؟) ۶۔ ڈاکٹر محمد احمد صاحب سرساوی "شفا میڈیکل ڈسپنسری" ربوہ) ۷۔ میاں مولا بخش صاحبؓ آف رعیہ ضلع امرتسر۔

۵۔ تصویر قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۰ء۔

دائیں سے بائیں نیچے بیٹھنے والے :۔

۱۔(؟) ۲۔(؟) ۳۔(؟) ۴۔(؟) ۵۔ ماسٹر محمد یحییٰ صاحب بستید والا (حال دارالیمین ربوہ) ۶۔ عبدالرحمٰن صاحب ولد مولوی صدر الدین صاحب دارالیمین ربوہ۔ ۷۔

سردار بشیر احمد صاحب ابن حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحبؓ مہر سنگھ۔ ۸۔شیخ عبدالمنان صاحب ولد شیخ احمد اللہ صاحب ناگپوری۔ ۹۔ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب بلانوی (دارالصدر ربوہ)۔ ۱۰۔(؟) ۱۱۔(؟) ۱۲۔(؟)

کرسیوں پر بیٹھے ہوئے :۔

۱۔چوہدری رستم علی صاحب محمد آباد سندھ ۲۔مولانا نور الحق صاحب انور مبلغ مشرقی افریقہ و امریکہ۔ ۳۔مولانا عنایت اللہ صاحب مبلغ مشرقی افریقہ۔ ۴۔ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیل مبلغ اٹلی و افریقہ۔ ۵۔مولانا غلام حسین صاحبؓ ایاز مبلغ سنگاپور۔ ۶۔حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ ۷۔بابو قاسم الدین صاحب امیر جماعت احمدیہ سیالکوٹ ۸۔صاحبزادہ مرزا نعیم احمد صاحب (افسر امانت تحریک جدید ربوہ) ابن حضرت مصلح موعودؓ۔ ۹۔شیخ بشیر احمد صاحبؓ ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور۔ امیر قافلہ۔ ۱۰۔حضرت مولانا غلام رسول صاحب قدسی راجیکیؓ مبلغ سلسلہ احمدیہ۔ ۱۱۔چوہدری عبداللہ خاں صاحبؓ امیر جماعت احمدیہ کراچی۔ ۱۲۔مولوی عبدالسلام صاحب عمرؓ (خلف الرشید حضرت خلیفہ اوّلؓ) لاکھا روڈ سندھ۔ ۱۳۔چوہدری نذیر احمد صاحب آف بھنگواں۔ڈسکہ۔ ۱۴۔(؟) ۱۵۔چوہدری سردار خاں صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ موہلن کے ضلع گوجرانوالہ۔ ۱۶۔ڈاکٹر محمد یعقوب خاں صاحبؓ لاہور۔

کرسیوں پر بیٹھے ہوئے نمبر۲ :۔

۱۔(؟) ۲۔ڈاکٹر عبدالرحیم صاحبؓ دہلوی میانی ضلع سرگودھا (والد صوبیدار عبدالمنان صاحب دہلوی افسر حفاظت ربوہ) ۳۔(؟) ۴۔عبدالرحیم صاحب عاقل لاہور۔ ۵۔حکیم محمد صدیق صاحب ربوہ۔ ۶۔ملک محمد الدین صاحب کارکن دفتر آبادی۔ دارالیمن ربوہ۔ ۷۔(؟) ۸۔شیخ خورشید احمد صاحب (اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل ربوہ) ۹۔مولوی خلیل الرحمٰن صاحب مولوی فاضل ۱۰۔(؟) ۱۱۔(؟) ۱۲۔(؟) ۱۳۔(؟)

کھڑے ہونے والے قطار نمبر۱ :۔

۱۔(؟) ۲۔(؟) ۳۔(؟) ۴۔(؟) ۵۔(؟) ۶۔(؟) ۷۔(؟) ۸۔(؟) ۹۔(؟) ۱۰۔مولوی تاج دین صاحبؓ فاضل لائلپوری ناظم دارالقضاء ربوہ۔ ۱۱۔میاں عطاء اللہ صاحبؓ ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی۔ ۱۲۔ڈاکٹر محمد احمد صاحبؓ (ابن خان میر خاں صاحبؓ خادم خاص حضرت مصلح موعودؓ) ٹل کوہاٹ۔ ۱۳۔(؟) ۱۴۔(؟) ۱۵۔(؟)

کھڑے ہونے والے قطار ۲ :-

شیخ اللہ بخش صاحبؓ پشاور (معاون امور عام)

۶۔ فہرست افرادِ قافلہ قادیان ۱۹۵۰ء

۱۔ شیخ اللہ بخش صاحبؓ پشاور۔
۲۔ اللہ دتا صاحب چوہدری والا ضلع لائلپور۔
۳۔ منشی احمد دین صاحب چوکناں والی ضلع گجرات۔
۴۔ اللہ رکھا صاحب گھٹیالیاں ؟
۵۔ امام دین صاحب شاہکی (شیخوپورہ)
۶۔ شیخ بشیر احمد صاحبؓ ایڈووکیٹ لاہور۔
۷۔ بشارت احمد صاحب بھٹی لاہور۔
۸۔ مولوی برکت علی صاحب سیالکوٹ۔
۹۔ حاجی باز خان صاحب۔ لورنگ (گجرات)
۱۰۔ سردار بشیر احمد صاحب۔ رسول (گجرات)
۱۱۔ مولوی تاج دین صاحبؓ۔ ربوہ۔
۱۲۔ ثناء اللہ صاحب۔ لاہور۔
۱۳۔ چوہدری حسن محمد صاحب۔ کوٹ رحمت خاں (شیخوپورہ)۔
۱۴۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب۔ پشاور۔
۱۵۔ رفیق احمد صاحب مظفر۔ کراچی۔
۱۶۔ شیخ خورشید احمد صاحب۔ لاہور۔
۱۷۔ چوہدری رستم علی صاحب۔ محمود آباد (سندھ)
۱۸۔ سردار خان صاحب۔ چک ۱۴۱ بہاولپور۔
۱۹۔ سردار خان صاحب۔ موہلنکی (گوجرانوالہ)
۲۰۔ ملک سردار خان صاحب۔ سیالکوٹ
۲۱۔ سلطان احمد صاحب ماجرا (گجرات)
۲۲۔ سید احمد صاحب۔ لاہور۔
۲۳۔ شاہ دین صاحب۔ ظفر اسٹیٹ (سندھ)
۲۴۔ صفی الرحمٰن صاحب۔ لاہور
۲۵۔ میاں عطاء اللہ صاحبؓ ایڈووکیٹ راولپنڈی۔
۲۶۔ مہتہ عبد الرزاق صاحب۔ کراچی
۲۷۔ عبد المجید صاحب نیاز۔ ربوہ
۲۸۔ عزیز الدین صاحب۔ کونڈی (خیرپور میرس)
۲۹۔ ڈاکٹر عبد الرحیم صاحب دہلوی میانی (سرگودھا)
۳۰۔ میاں عزیز الدین صاحب محمد آباد (سندھ)
۳۱۔ عنایت اللہ صاحب۔ شیخ پور (گجرات)
۳۲۔ عبد الرشید صاحب۔ گجرات
۳۳۔ مولوی عبد السلام صاحبؓ عمر۔ لاکھا روڈ (سندھ)
۳۴۔ عبد الرحیم صاحب عادل۔ لاہور
۳۵۔ عبد العزیز صاحب بھائی پھیرو (لاہور)
۳۶۔ چوہدری عبد اللہ خان صاحبؓ۔ کراچی
۳۷۔ چوہدری عنایت اللہ صاحب۔ لاہور

۳۸۔ عبدالرحمٰن صاحب۔ چوہڑ کانہ (شیخوپورہ)

۳۹۔ عبدالعزیز صاحب۔ چک سکندر (گجرات)

۴۰۔ عبدالرحمٰن صاحب چک نمبر ۳۶۶ ملتان

۴۱۔ چوہدری عبدالستار صاحب۔ درگانوالی (سیالکوٹ)

۴۲۔ غلام قادر صاحب چک شیر کا (لائلپور)

۴۳۔ چوہدری غلام محمد صاحب چک نمبر ۹۹ سرگودہا

۴۴۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب۔ لاہور

۴۵۔ چوہدری غلام محمد صاحب لقا پور (گوجرانوالہ)

۴۶۔ چوہدری غلام قادر صاحب چیمہ چک نمبر ۸۴ بہاولپور۔

۴۷۔ چوہدری غلام محمد صاحب ظفر اسٹیٹ (سندھ)

۴۸۔ مولوی غلام حسین صاحبؓ ایاز۔ ربوہ

۴۹۔ چوہدری غلام محمد صاحب (سندھ)

۵۰۔ فقیر محمد صاحب چک نمبر ۹۶ لائلپور۔

۵۱۔ فتح دین صاحب شمس آباد لاہور

۵۲۔ بابو قاسم دین صاحب سیالکوٹ شہر

۵۳۔ سیٹھ محمد ابراہیم صاحب۔ راولپنڈی

۵۴۔ مہاشہ محمد عمر صاحبؓ۔ ربوہ

۵۵۔ سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ ربوہ

۵۶۔ چوہدری مظفر علی صاحب۔

۵۷۔ میراں بخش صاحب سوک کلاں (گجرات)

۵۸۔ قریشی محمد کریم صاحب۔ راولپنڈی

۵۹۔ میاں محمد مراد صاحب۔ حافظ آباد

۶۰۔ ڈاکٹر محمد احمد صاحبؓ ابن خان بہر صاحبؓ ٹل (کوہاٹ)

۶۱۔ حکیم محمد صدیق صاحب۔ لاہور

۶۲۔ محمد دین صاحب۔ نصیرہ (گجرات)

۶۳۔ ماسٹر محمد یحیٰ صاحب رسید والا (شیخوپورہ)

۶۴۔ شیخ منیر احمد صاحب۔ لاہور

۶۵۔ محمد دین صاحب۔ ککرالی (گجرات)

۶۶۔ محمد عبداللہ صاحب۔ چک نمبر ۱۰۱ لائلپور

۶۷۔ ملک محمد دین صاحب خادم۔ ربوہ

۶۸۔ میاں محمد دین صاحب۔ ڈسکہ

۶۹۔ محمد سلیمان صاحب چک نمبر ۲۹۵ لائلپور

۷۰۔ محمد عبداللہ صاحب۔ ربوہ

۷۱۔ چوہدری مہر دین صاحب۔ گوجرانوالہ

۷۲۔ محمد دین صاحب چک نمبر ۴۶ سرگودہا۔

۷۳۔ محمد شفیع صاحب شیخ پور ضلع گجرات

۷۴۔ میاں محمد رمضان صاحب۔ تو گڑی ضلع گوجرانوالہ۔

۷۵۔ محمد عبداللہ صاحب کھاریاں (گجرات)

۷۶۔ چوہدری محمد شریف صاحب۔ کوٹ نیناں (سیالکوٹ)

۷۷۔ محمد اسلم صاحب۔ احمد نگر (جھنگ)

۷۸۔ ڈاکٹر محمد یعقوب خاں صاحبؓ۔ لاہور۔

۷۹۔ مولوی محمد ابراہیم صاحبؓ خلیل ۔ ربوہ

۸۰۔ مبشر احمد صاحب راجیکی ۔ پشاور

۸۱۔ چوہدری نذیر احمد صاحب آف بھنگواں ڈسکہ

۸۲۔ مستری نظام الدین صاحب چانگریاں (سیالکوٹ)

۸۳۔ چوہدری نور احمد صاحب چیمہ ۔ داتا زید کا ضلع سیالکوٹ ۔

۸۴۔ صاحبزادہ مرزا نعیم احمد صاحب ۔ ربوہ

۸۵۔ مرزا نور احمد صاحب ۔ نسو والی (گجرات)

۸۶۔ مستری ناظر دین صاحب ۔ احمد نگر ضلع جھنگ

۸۷۔ مولوی نور الحق صاحب انور ۔ ربوہ

۸۸۔ مرزا واحد حسین صاحبؓ ۔ ربوہ

۸۹۔ مولوی عمر دین صاحب ۔ شادیوال (گجرات)

(مستورات)

۱۔ اہلیہ سید محمد شریف صاحب ۔ کراچی

۲۔ امۃ السمیع صاحبہ اہلیہ مرزا عبد اللطیف صاحب درویش ۔

۳۔ امینہ بی بی صاحبہ اہلیہ مہر دین صاحب فیروز والا (گوجرانوالہ)

۴۔ عصمت بیگم صاحبہ بیوہ شاہ دین صاحب موسے والا ضلع سیالکوٹ ۔

۵۔ عائشہ بی بی صاحبہ زوجہ محمد صادق صاحب چک نمبر ۱۳۲ سرگودہا ۔

۶۔ کرم بی بی صاحبہ زوجہ محمد اسمٰعیل صاحب ربوہ

۷۔ مہتاب بی بی صاحبہ زوجہ محمد بخش صاحب ناصر آباد (سندھ)

۸۔ محمد بی بی صاحبہ والدہ عطاء اللہ صاحب میانوالی (سیالکوٹ)

۹۔ مبارکہ بیگم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر بشیر احمد صاحب (گولبازار ۔ ربوہ)

۱۰۔ مہراں بی بی صاحبہ زوجہ فضل دین صاحب درویش ۔ ربوہ

۱۱۔ خانم بی بی صاحبہ زوجہ رحمت خاں صاحب چوکنانوالی (گجرات)

(مرتبہ مختار احمد صاحب ہاشمی انچارج دفتر خدمت درویشاں ربوہ)

۷۔ تصویر قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۲ء ۔

دائیں سے بائیں نیچے بیٹھنے والے قطار ۱ :۔

۱۔ عبد اللطیف اسلم صاحب ٹیچر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ ۔ ۲۔ (؟) ۳۔ مرزا کرامت اللہ صاحب گنج مغلپورہ ۔ ۴۔ (؟) ۵۔ عبد السلام صاحب ٹیلر ماسٹر گولبازار ربوہ ۔ ۶۔ میاں غلام محمد صاحب زرگر سیالکوٹ ۔ ۷۔ (؟) ۸۔ (؟) ۹۔ (؟) ۱۰۔ میاں اللہ دتہ صاحب

بدوملہی والے۔ ۱۱۔ چوہدری محمد اسمٰعیل صاحبؓ والد خلیل احمد صاحب حلوائی گولبازار ربوہ۔ ۱۲۔ نذیر احمد صاحب دارالیمن ربوہ۔ ۱۳۔ ملک شیر محمد صاحبؓ دارالیمن ربوہ۔ ۱۴۔ عبدالغفار صاحب جلدساز ابن اللہ بخش صاحب ٹھیکیدار دارالنصر ربوہ۔ ۱۵۔(؟)

نیچے بیٹھنے والے قطار ۲ :۔

۱۔(؟) ۲۔ انوار الحق صاحب (امورِ عامہ) ربوہ۔ ۳۔(؟) ۴۔ سید سعید احمد صاحب جامعہ احمدیہ۔ واربرٹن۔ ۵۔(؟) ۶۔ بابو قریشی محمد اسمٰعیل صاحبؓ معتبر آڈیٹر تحریکِ جدید۔ ۷۔ میاں محمد یوسف صاحبؓ (پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ) ۸۔ چوہدری محمد اسحٰق صاحب مبلغِ چین۔ ۹۔ ملک احسان اللہ صاحب مبلغِ افریقہ۔ ۱۰۔ قریشی محمد یوسف صاحب بریلوی۔ دارالصدر۔ ربوہ۔ ۱۱۔(؟) ۱۲۔(؟) ۱۳۔ قاضی مبارک احمد صاحب شاہد جامعہ احمدیہ (مبلغ مغربی افریقہ) ۱۴۔ چوہدری نظام الدین صاحب دارالیمن ربوہ ۱۵۔(؟) ۱۶۔(؟)

نیچے بیٹھنے والے قطار ۳ :۔

۱۔(؟) ۲۔(؟) ۳۔(؟) ۴۔ ماسٹر غلام محمد صاحب عبدؔ حافظ آباد۔ ۵۔ میاں محمد مراد صاحبؓ آف پنڈی بھٹیاں۔ حافظ آباد۔ ۶۔ سردار بشارت احمد صاحب ابن حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحبؓ مہر سنگھ۔ ۷۔ میاں عبدالحق صاحب رامہ بی۔اے (سابق ناظر بیت المال ربوہ) ۸۔ چوہدری محمد اسد اللہ خان صاحب امیر جماعتِ احمدیہ لاہور۔ ۹۔ مولوی برکت علی صاحب لائق لدھیانوی۔ ۱۰۔ بابو فضل دین صاحبؓ سیالکوٹ۔ ۱۱۔ السید سلیم الجابی۔ شام۔ ۱۲۔(؟) ۱۳۔ پروفیسر محبوب عالم صاحب خالدؔ تعلیم الاسلام کالج (حال ناظر بیت المال ربوہ و پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ) ۱۴۔(؟) ۱۵۔(؟) ۱۶۔ چوہدری محمد شریف احمد صاحب گجراتی (ابن چوہدری فضل احمد صاحب انسپکٹر مدارس دارالرحمت ربوہ) ۱۷۔(کھڑے) مولوی سید عبدالحی صاحب کشمیری فاضل شاہد (دفتر نظارت اشاعت لٹریچر وتصنیف ربوہ) ۱۸۔ میاں اللہ بخش صاحب حجام۔ ڈسکہ۔

کھڑے ہونے والے قطار ۱ :۔

۱۔(؟) ۲۔ مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعہ احمدیہ۔ ۳۔(؟) ۴۔(؟) ۵۔(؟) ۶۔(؟) ۷۔ مولانا رشید احمد صاحب چغتائی مبلغ بلادِ عربیہ۔ ۸۔ قریشی عبدالرحمٰن صاحب سکھر (ناظم اعلیٰ انصار اللہ

صوبہ سندھ وامیر ضلع سکھر و حکیم آباد ۹۔ (؟) ۱۰۔
ڈاکٹر محمد جی صاحب ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر۔ ۱۱۔
مہاشہ محمد عمر صاحبؓ مبلغِ سلسلہ۔ ۱۲۔ صوفی
محمد رفیع صاحبؓ ڈی۔ ایس۔ پی سکھر۔ ۱۳۔
مستری دین محمد صاحب (آف دارالفتوح قادیان)
جہلم۔ ۱۴۔ حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ
رئیس التبلیغ انڈونیشیا۔ ۱۵۔ ڈاکٹر بھائی
محمود احمد صاحبؓ سرگودہا۔ ۱۶۔ جہنہ عبدالخالق
صاحب (ابن حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ قادیانی)

۱۷۔ (؟)

کھڑے ہونے والے قطار نمبر ۲ :۔

۱۔ چوہدری عبدالرحمٰن صاحب چک نمبر ۳۶۶
ضلع ملتان۔ ۲۔ (؟) ۳۔ سیّد
امجد علی شاہ صاحبؓ سیالکوٹ۔ ۴۔ مختار احمد
صاحب ہاشمی (حال انچارج دفتر خدمتِ درویشاں)
ربوہ۔ ۵۔ (؟) ۶۔ (؟) ۷۔ حکیم
عبدالرحمٰن صاحب آنبہ ضلع شیخوپورہ۔ ۸۔
سیّد احمد صاحب لاہور۔ ۹۔ چوہدری
محمد شریف صاحبؓ وکیل امیر جماعتِ احمدیہ منٹگمری
(ساہیوال) ۱۰۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب
مولوی فاضل۔ پشاور۔ ۱۱۔ ملک عبدالکریم
صاحب آف نرگڑھی۔ ۱۲۔ گیانی مرزا
واحد حسین صاحبؓ مبلغ سلسلہ احمدیہ۔ تلونڈی
راہوالی۔ ۱۳۔ خواجہ عبداللہ صاحبؓ کشمیری
ربوہ۔ ۱۴۔ (؟) ۱۵۔ (؟)

کھڑے ہونے والے قطار نمبر ۳ :۔

۱۔ (؟) ۲۔ ڈاکٹر عبدالحق صاحب
ڈینٹل سرجن لاہور ۳۔ (؟) ۴۔ چوہدری
محمد علی صاحب پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ۔
(حال پرنسپل کالج) ۵۔ سیّد میر محمود احمد
صاحب ناصر (پروفیسر جامعہ احمدیہ) ۶۔
(؟) ۷۔ (؟) ۸۔ کبیر الدین صاحب
جامعہ احمدیہ حال کراچی۔ ۹۔ مرزا منظور احمد
صاحب مغل آف قادیان (حال ربوہ) ۱۰۔ (؟)
۱۱۔ (؟) ۱۲۔ (؟)

کھڑے ہونے والے قطار نمبر ۴ :۔

۱۔ (؟) ۲۔ (؟) ۳۔ (؟)
۴۔ مولوی فضل دین صاحب بنگوی سیکرٹری وصایا
لائلپور (حال ربوہ) ۵۔ مرزا لطف الرحمٰن
صاحب مبلغ جرمنی۔ ۶۔ (؟) ۷۔ ماسٹر
محمد یحییٰ صاحب سیّد والا (حال دارالیمن ربوہ)
۸۔ (؟) ۹۔ (؟) ۱۰۔ (؟) ۱۱۔
عبدالحی صاحب۔ ۱۲۔ (؟) ۱۳۔ قریشی
مقبول احمد صاحب سابق مبلغ امریکہ (ابن قریشی
محمد اسمٰعیل صاحب معتبرؓ)۔

کھڑے ہونے والے آخری قطار :۔

۱-(؟) ۲-(؟) ۳-چوہدری عطاء اللہ صاحب ایم اے سابق پروفیسر تعلیم الاسلام	کالج ربوہ (حال نائب ناظر بیت المال ربوہ)۔

۸- حضرت مصلح موعودؓ کا مکتوبِ گرامی (متعلقہ صفحہ ۲۰۲)

(سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ ۲۵ نومبر ۱۹۲۲ء کو ریلوے انجنیئرنگ کی ٹریننگ کے لئے قادیان سے بیرونِ ملک روانہ ہوئے تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس موقع پر انہیں اپنے قلمِ مبارک سے حسبِ ذیل نصائح تحریر فرمائیں):-

عزیزم مکرم

السلام علیکم - اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہو چند باتوں کو اگر یاد رکھیں تو انشاء اللہ فائدہ ہوگا -

۱- اللہ تعالیٰ پر توکل کریں وہ بہت بڑا کارساز ہے - ہم نے خود اس کی قدرت کو دیکھا ہے اور ساری دنیا کے انکار بھی ان آنکھوں کا دیکھا ہوا منظر کا انکار نہیں کر سکتے - دعا کی عادت ڈالیں سفر کی مشکلات ہوتی ہیں ایسے وقت میں اسی سے رجوع کریں اس سے زیادہ محبت کرنے والا کوئی نہیں رشتہ داروں عزیز محبوبوں سے بہت بڑھ کر وہ خبر گیری کرتا

۲۔ نمازوں میں سستی نہ ہو ایک نماز رہ جائے تو پھر اس
کا پورا کرنا نہایت مشکل ہے۔

۳۔ اسباب کو مد نظر رکھیں کہ باہر ایک انسان دوسرے کی
نظروں سے نیچے ہو جاتا ہے لوگ اس کو کم نگاہ سے دیکھتے ہیں اسلئے ایسے ہو کر
رہیں کہ لوگوں کو نکتہ چینی کا موقع نہ ملے اور محسوس کریں کہ اس شخص
نے ایک نمایاں نمونہ دکھلایا ہے۔ یہ بے شک ایک ظاہر ہے مگر بہت سے
ظاہر باطن کے مددگار ہوتے ہیں

۴۔ اپنی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ رکھیں

۵۔ اگر جنگ وغیرہ کا کوئی حادثہ ہو تو سید ولی اللہ شاہ کی طرح
اپنے والدین کو تکلیف کا شکار نہ بنائیں بلکہ فوراً کسی نیوٹرل جگہ
یا کسی ایسے ملک میں جیسے سوئٹزرلینڈ کہ جہاں جنگ نہ ہو تعلیم پا کر
انگلستان میں ہو سکتا ہے ایسے خطرناک مقامات پر رہنا

کا سبب علم کا کام نہیں کرتی

٦۔ طالبعلموں سے دیکھا زیادہ میل جول رکھنا چاہئے خواہ ادنیٰ تعلیم کے ہوں یا اعلیٰ مذاق مختلف ہوں جب تک عصبیت نہ ہو اور اپنوں اور دوسروں میں فرق نہ ہو وہ کامل اتحاد پیدا نہیں ہوتا جس سے قومیں ترقی کرتی ہیں

٧۔ علم کے لئے قرآن کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کی کتب کی تلاوت نہایت مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ مقصد میں کامیاب کر کے لاوے اور سلسلہ کے لئے موجب خوشی بناوے آمین آمین۔ خاکسار
مرزا محمود احمد

بر ایسی ہی محمد الحق امرتسری کا ہمراہ نکاح دفتر ڈاک سے یہاں کچھ بعد کچھ مشورہ میں باد رہا
ایک خط سید عبدالجبار کے نام سیدی السید شاہ صاحب کے یہاں
مرزا محمود احمد

ـــ: ملــحق :ـــ
(متعلقه صفحه ۳۰۳ تا ۳۲۳)

مفتي الديار المصرية يقول أن ظفرالله خان كافر

القاهرة - نشر الشيخ محمد حسنين مخلوف ، مفتي الديار المصرية ، بياناً فى الصحف المصرية أعلن فيه بأن السيد ظفرالله خان ، وزير خارجية الباكستان ، غير مسلم بل كافر لأنه ينتمى إلى طائفة خاصة فى الباكستان لا تؤمن بأن النبى محمد هو خاتم الانبياء ، بل تعتقد بأنه سيطلع أنبياء آخرون فى الاسلام .

وقد أدى هذا البيان إلى هياج الخواطر فى الباكستان و مصر ، و طلبت بعض صحف القاهرة إقالة المفتي لأجل ترضية الباكستان ، صديقة مصر . و يحاول بعض الساسة و الصحفيين المصريين التقليل من أهمية بيان المفتي بقولهم إن هــذا كان رأيا شخصيا بحتا . و كان نشر أقوال المفتي مبعث استغراب الحكومة المصرية .

وقد أوضح موظف كبير فى المفوضية الباكستانية فى القاهرة فى صحيفة مصرية حقيقة الطائفة التى ينتمى إليها ظفرالله خان فقال ان ابناء هذه الطائفة لا يؤمنون بأنه سيطلع أنبياء بعد محمد لانهم هم ايضا يؤمنون بأن محمدا هو خاتم الانبياء ، إلا أنهم يعتقدون بأنه سيطلع مصلحون آخرون فى الاسلام .

ولأجل اصلاح الأمر نشرت صحف القاهرة مقالات فيها كثير من المدائح لظفر الله خان ، المسلم العظيم ، صديق مصر و الشعب المصرى . ومما قالته جريدة (المصرى) :

”اذا كان ظفرالله خان كافرا فليكثر عدد الكفار من أمثاله فى الاسلام .“ (اخبار ’اليوم‘ يافا ١٣ جولائى ١٩٥٢ء)

اخبار 'المصری، کے نمائندہ نے مفتی شیخ حسنین محمد مخلوف سے اس فتوی کی اصل حقیقت کے بارے میں دریافت کیا تو مفتی مذکور نے اپنے فتوی کی وضاحت میں فرمایا ۔

''ان ما نشر ليس بفتوى رسمية وليس لها رقم فى سجل خاص ، و انما هي مجرد حديث دار فى مجلس خاص يتضمن راى فضيلته فى هذه المسألة ،،

(اخبار 'المصری، ۲۳ - جون ۱۹۵۲ء)

—◆—

تحديد مهمة المفتى
عرض الفتاوى على مجلس الافتاء

علم مندوب ''النداء،، أن شخصية المفتى لم تكن محل بحث إطلاقا ، و إنما عنى المسؤلون ببحث حدود منصب المفتى .

و يشمل هذا البحث تقييد من يشغل هذا المنصب بالحد من الاجتهاد إلا فى الحدود الرسمية وبناءاً على الطلبات التى تصل إلى دارالافتاء على أن لاتصدر فتوى إلا بعد عرضها على مجلس الافتاء المكون من ائمة المذاهب الأربعة . . . ،،

(اخبار 'النداء ، المصری ۱ جولائی ۱۹۵۲ء)

—◆—

یو این او میں مصری نمائنیدہ نے اخبار 'الاھرام، مصری کے ساتھ گفتگو کے دوران فرمایا ۔

مواقف يفخر بها الشرق

و تحدث أحد ممثلى مصر فى الجمعيات العمومية لهيئة الأمم المتحدة عن مواقف يفخربها الشرق كلها وقفها السيد ظفرالله خان وزير خارجية الباكستان ، فى الجمعية العمومية لأمم المتحدة عام ۱۹۴۷ء

القى عن فلسطين الشهيدة خطبة استغرقت ثلاث ساعات كاملة لم يتناول خلالها جرعة ماء واحدة ، ولم يسكت عن الكلام لحظة واحدة وأثبت بها قوة ايمانه بالدين الاسلامى و بالوطن العربى ، ولقد بكى واستبكى تحت عبارات قوية فى معناها و رصينة فى مبناها ، و شهد له الجميع بأنه رجل عظيم ، مسلم كريم ، وطنى صميم ، سياسى حكيم و متمكن من اللغة الانجليزية كأحد أبنائها من العلماء الافذاذ .

وقال هذا القانونى الكبير ان السيد ظفرالله خان الرجل الوفور ذا اللحية المكتثة أخذته نشوة فرح لا توصف بانتصار الدول العربية و مؤيديها فى قضية ليبيا أمام الجمعية العمومية لأمم المتحدة عام ١٩٤٩ ، وقال بصوت مسموع للجميع ان سروره لا يقدر بانتصار قضية ليبيا العربية و كذلك كان دفاعه مجيدا عن طرابلس . . . ''

(اخبار ''الاهرام'' المصرى ٢٧ جون ١٩٥٢)

عزام باشا يقول : ظفرالله خان رجل مسلم ورأى المفتى لا يخرج أحدا من دينه

جریده الاخبار کے نمائیندہ نے جناب عبدالرحمن عزام پاشا سیکرٹری جنرل جامعہ عربیہ سے مفتی استاذ شیخ مخلوف کے فتوی کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی جو اس نے قادیانیوں اور ظفراللہ خان صاحب کے بارے میں دیا ہے ۔ تو جناب نے فرمایا ۔

''عجبت لا عتبار کم رأى المفتى فى القاديانية أو فى معالى وزير خارجية الباكستان محمد ظفرالله خان فتوى دينية لها أثرها ولو كان الأمر كذلك لكانت عقائد الناس و كراماتهم و مستقبلهم رهنا بأراء بعض العلماء . فالفتوى يجب أن تنصب على حادثة معينة و واضحة و هى بحد

رأى لادين يلزم الناس ، ان الاسلام تنزه عن أن يجعل من العلماء هيئات كهنوتية تفصل وتحرم من رحمةالله .

ولا شك فى أن هذا الرأى هو رأى خاص لا يخرج أحدا من دينه ولا يدخل أحدا فى دين . فمن قال "لاإله إلا الله محمد رسول‌الله" ، واستقبل قبلة المسلمين فهو مسلم وليس من مصلحة المسلمين فى شئ تكفير طائفة لطائفة بل إن من أحسن مبادئ الاسلام البعد عن التكفير .

و ظفرالله خان رجل مسلم لم نشهد عليه إلاقولا حسنا وعملا حسنا وقد أوتى حظا كبيرا فى الدفاع عن الاسلام فى مشارق الارض و مغاربها وله مواقف دولية مشهودة دفاعا عن‌الاسلام قدرها الناس و شكره المسلمون . وهو كذلك من اكفأ رجال الاسلام لتولى الشئون التى تولا ها فى مصر وفى الدولة العثمانية ايام الخلافة وفى دول غيرها فى تاريخ المسلمين رجال ينتسبون إلى أديان مخالفة للاسلام ومع ذلك لم يعترض أحد باسم الدين على توليهم هذه المناصب و بذلك يعتبر كلام المفتى فى هذا الشأن رأيا شخصيا ويتحمل هو وحده مسئوليته "

("الاخبار" المصرى ٢٣ جون ١٩٥٢م)

اخبار "الجمهور" المصرى لكهتا هـ .

" . . . نحب أن نوضح أننا نوافق الدكتور احمد شلبى المدرس بجامعة فؤاد الأول ، فقد أرسل إلينا يقول أن فتوى فضيلة مفتى لديار المصرية كانت خدعة بريطانية و مناورة من الصحف البريطانية التى تصدر فى مصر باللغة العربية و أن المسألة أعمق بكثير مما يتصور الرأى العام .

و الحقيقة الواضحة هى أن الانجليز هالهم موقف السيد ظفرالله خان فى الدفاع عن المسلمين وقضاياهم فى جميع أقطار الأرض وأزعجهم صوته الجرئ من أجل الاسلام و المسلمين وهالهم أن تكون الباكستان يدا قوية تسند قضايا المسلمين فى كل مكان تبارك مصر فتعترف بلقب

ملك مصر و السودان وتصرح على لسان ظفرالله خان بأن الباكستان لن تعترف باسرائيل ولواعترفت بها الجامعة العربيه .

هذا هو ما جعل الانجليز يتربصون لوزير خارجية الباكستان فرسموا هذه المناورة ليحرموا مصر و الشرق من تأييد القطب الباكستانى الكبير ،،

(الجمهور ، المصرى ۲۱ جولائی ۱۹۵۲ء)

اخبار ''المصری،، نے اپنے ایڈیٹوریل میں لکھا :

'' اعترفت الباكستان ، الدولة الاسلامية الشقيقة بلقب جلالة ملك مصر و السودان .

اعترفت الباكستان بهذا اللقب ، وهى العضو بمجموعة الامم البريطانية الخاضعة للتاج البريطانى .

و كان هذا الاعتراف خطوة جريئة تمت بفضل جهود وزير خارجية الباكستان السيد ظفرالله خان .

و كان هذا صنيعا جديدا ، و مكرمة نبيلة ينبغى لنا أن نقابلها بالشكر ، و الاعتراف بالجميل . . . ولكننا مع ذلك قابلناها بما لم يكن يتوقعه أحد ، إذ أعلن فضيلة مفتى الديار المصرية أن السيد ظفرالله خان كافر ينتحل نحلة باطلة .

و إننا لمشفقون على الموقف الذى يقفه الآن سعادة الدكتور عبدالوهاب عزام بك سفير مصر فى كراتشى و ممثل جلالة ملك مصر والسودان فى الدولة التى اعترفت باللقب مع أنها خاضعة للتاج البريطانى .

و إننا لمشفقون على الموقف الذى يقفه الآن معالى عبدالخالق

حسونه باشا وزير الخارجية المصرية الذى يعرف بحكم منصبه موقف الباكستان منا و من قضيتنا ، و يعرف موقف ظفرالله خان من مطالبنا الوطنية و أمانينا . . .

و مشفقون ايضا على سعادة الدكتور محمد صلاح الدين باشا وزير الخارجية المصرية الأسبق الذى و ثق بظفرالله خان و تلقى منه العون فى هيئة الامم المتحدة .

و مشفقون على محمد على علوبة باشا واحمد خشبة باشا وغيرهما من رجال السياسة ، و رجال العروبة ، و رجال العالم الاسلامى ، الذين يعرفون ظفرالله خان و جهوده فى سبيل مصر و فلسطين و تونس وغيرها من الدول العربية و الاسلامية ، اننا مشفقون على هؤلاء جميعا ، و مشفقون على فضيلة المفتى إذ أدان رجلا دون محاكمة ، فاتهمه بالكفر و العياذ بالله .

ولسنا نشفق على السيدظفرالله خان ، فسيظل هو هو كما نعرفه ، المدافع عن قضايا الاسلام و الدولة ، و الصديق الحميم لمصر والمصريين . و اذا كان فضيلة المفتى قد اتهمه بالكفر ، فأنعم بظفرالله خان كافرا ، و ما أحوجنا إلى عشرات من أمثاله من الكفار الكبار .

و بعد فما الذى تنوى الحكومة المصرية أن تفعله ؟ ما الاجراء الذى يجب أن تتخذه و ما البيان الذى ينبغى أن تصدره ، وما السياسة التى يجدربها أن تنتهجها فى المستقبل حتى لا تخسر مصر أصدقاءها القليلين بسبب بعض كلمات طائشة ، تقال دون روية أو اتزان .

("المصرى" ٢٦ جون ١٩٥٢م)

دکتور ابراهیم لبان بک عمید کلیة دارالعلوم المصری نے اس بارے میں ایک مضمون اخبار ''المصری'' میں شائع کیا - جو درج ذیل ہے -

النحلة القاديانية و ما أعرف عنها

إنى لآسف أشد الأسف أن تنال الدول العربية من شخصية السيد ظفرالله خان وزير خارجية الباكستان ، الذى لم يدخر وسعا فى سبيل الذود عن حياضها ، فتفقد بذلك و لاء هذا النابغة و تضعف من حمية هذا العبقرى و هى أحوج ما تكون إلى شجاعته و بلاغته و دفاعه المجيد عنها فى حومة النضال السياسى الدولى المستعرالاوار .

أما النحلة القاديانية فسأقرر ما أعرفه عنها بدقة تامة تاركاً للقارئ أن يصدر عليها حكمه . و لا أقول انى درستها حق دراستها ولكنى مع ذلك لم أكن مقطوع الصلة بها بل كان لى شأن معها .

قابلت المذهب القاديانى بصورة واضحة لأول مرة فى حياتى فى لندن فى اثناء دراستى هناك. و كان أول ما لاحظته أن القوم ينقسمون قسمين . فطائفة ترى أن امامهم ''أحمد'' القاديانى لا يعدو أن يكون مصلحا اسلاميا من اولئك المصلحين الذين يبعثهم الله من حين إلى حين ليجددوا شباب الدين .

. . . . أما الطائفة الاخرى فتغلو فى تقدير امامهم و تذهب إلى أنه نبى ، ولها مسجد خاص فى بثنى أحد أحياء لندن . و قد حملت على هذه الطائفة حملة شعواء فى ذلك الحين فقرروا أن يرسلوا إلى امام المسجد ليناقشنى فاما أقنعنى أو أفحمته ، و قد اجتمعنا للمناقشة بالنادى المصرى، بلندن مرتين ودارالبحث حول نبوة زعيمهم ''أحمد'' القاديانى .

فوجهت نظره إلى أن هذه الفكرة مخالفة لصريح القرآن فالله يقول ''ما كان محمد أبا احد من رجالكم ولكن رسول الله و خاتم النبيين''

و هذا يقطع الطريق على كل من تحدثه نفسه بالنبوة بعد ظهور الرسول ، و لا أزال أذكر رده إلى الآن ، فقـد قرر أنهم كغيرهم من المسلمين يؤمنون برسالة ''محمد'' و بأن كتابهم هو القرآن الكريم و ليس لهم كتاب سواه و منه يستمدون العقيدة و الشريعة و لكنه في ما أذكر أصر على فكرة نبوة القاديانى و لما واجهته بالآية سلك سبيل التأويل . فصرح بأنهم لا يمكن أن يعتنقوا عقيدة مخالفة لصرح الكتاب و لكن هذه العقيدة ليست مخالفة للقرآن . فالآيـة تقول انه خاتم النبيين بالفتح لا خاتمهم بالكسر. وردت الآيـة إذاً بالفتح و لو جاءت بالكسر لدلت دلالة قاطعة على أنه لا نبي بعد محمد عليه السلام . أما كلمة خاتم التى وردت فى الآية الكريمة فقد ذهب يؤولها تأويلا خاصا يترك الباب مفتوحا لظهور الأنبياء و لا يوصده فى وجه أحد منهم .

ثم شرح بشرح الفرق بين النبى و الرسول و انهم يعتقـدون انه لا رسول بعد محمد وان رسالته هى الرسالة الدينية الأخيرة ، و لكنهم يؤمنون ايضا بأنه من الممكن أن يظهر بعـده أنبياء تقتصر مهمتهم على إحياء الشريعة وبث الروح فى تعاليمها . وان القاديانى احد اولئك الأنبياء الذين جاؤوا ليحملوا الناس على كتاب ربهم و شريعة نبيهم .

القوم اذاً متأولون لا منكرون جاحدون و حكم المتـأول غير حكم الجاحد المنكر .

و فى اعتقادى أنه لايمكن الفصل فى هذه المسألـة إلا بعد دراسة علمية مستوعبة لتاريخها و لأصول هذا المذهب العامة و للفروق الرئيسية بينه و بين مذهب أهل السنة .

و من الخير أن يدرس الأزهر النحل الدينية التى ظهرت أخيرا فى بعض الممالك الاسلامية دراسة مستوعبة ليستطيع أن يصدر فى حكمه عليها و تقديره لها عن علم و بصيرة. و قديما كانوا يقولون أن الحكم على الشيء فرع عن تصوره ،، (المصرى ٢٧ جون ١٩٥٢م)

خشبة باشا يستنكر الفتوى

" و صرح لنا سعادة احمد خشبة باشا بأنه فى شدة الألم مما نسب إلى سعادة ظفرالله خان وزير خارجية الباكستان إذ أن سعادته يرى أن الخدمات التى أداها السيد ظفرالله خان للاسلام و العالم العربى عامة و مصر خاصة خدمات جليلة يدين له بها العالم الاسلامى و مصر .

و أضاف سعادته قائلا :

"انه لا يمكن أن ينسى مواقف السيد ظفراللهخان بجانب مصر سواء فى دورات الامم المتحدة فى باريس ، أو فى الولايات المتحدة و خاصة عندما رشحت مصر نفسها لمجلس الأمن . و قال سعادة خشبة باشا هذا كله فضلا عن الخدمات التى أداها السيد ظفر الله خان للاسلام و المسلمين و التى لا تحصى ، و لا يمكن إلاأن تكون محل تقدير و اعجاب من الجميع ."

و اختتم حديثه قائلا :

"اننى أشعر بأن فى عنقى ديناً نحو هذا الرجل العظيم الذى أدى خدمات جليلة لبلادى و اننى فى شدة الامتعاض لهذه الفتوى التى أفتيت بصدد هذا الرجل الكبير "

(اخبار ' الزمان ، المصرى ٢٥ جون ١٩٥٢ء)

—◀▶—

رئيس المحكمة العليا الأسبق

اخبار ' البلاغ ، مصرى کے نمائندہ سے انٹرویو کے دوران

قال صاحب الفضيلة الشيخ محمد ابراهيم سالم بك :—

"تسرع منا دون شك أن نحكم على القاديانين بالكفر ، و ذلك

لأننا لم تتح لنا بعد وسائل بحث هذا المـذهب و اتجاهاته عن طريق كتب تعرفه و تحدده .

و ما دمنا لم نعرف شيئاً عن هـذا المـذهب فانه يكون من الجراة و التسرع أن نرى معتنقيـه بالكفر ، فهم هم المسلمون إذن أن يقوم دليل على كفرهم .

على انى أرى ان هناك نواحى تؤيد اسلام الطائفـة القاديانيـة بل تؤيد انهم لا يدعون فرصة تمر إلا و يبـذلون كل مظاهر التأييد للاسلام و المسلمين ، سواء أكان ذلك التـأيـد فى المحافل الدوليـة أم فى غيرها .

من هنا نرى أن الامر المؤلم أن يتهم سعادة السيد ظفرالله خان بالذات بـالكفر و هو من تعرف الرجل المتخلق بخلق الاسلام الحريص على تقاليده و سننه فى كلما يصدر عنه .

ولقد زار السيد ظفرالله خان مصر أكثر من مرة ورأيناه يدافع عن الاسلام و المسلمين و يؤازر قضاياهم، متحمسا لكل ما من شأنه اعلاء كلمة الاسلام و أهلـه ، و ذلك لاشك أن اسلام الرجل اسلاما لاتشوبـه شائبة ،،

(البلاغ المصرى ٢٦ جون ١٩٥٢م)

المفتى الأسبق

وقال صاحب الفضيلة الشيخ علام نصاربك :

,,ليس من الجائز ولامن الهين رمى فرقة من فرق المسلمين بالكفر، ولا يوجد من الادلة مايبرر القول بأن القاديانية بالباكستان خرجت عن الاسلام ! ولاأرى التعرض بصفة خاصة لمركز رجل سياسى عظيم كوزير

خارجية الباكستان فى دينه و عقيدته وهو الرجل الذى ينادى بالاسلام دينا ، ويناضل عن الاسلام والمسلمين فى مواقف مشهودة ويجاهر باتباع القرآن ؤ يتمثل به وبأحاديث محمد صلى الله عليه وسلم فى مواقفه و تصريحاته ، ويعتبر الاسلام رابطة عزيزة بين الباكستان ومصر ، والبلاد الاسلامية ، فليس من الحكمة لانصاف الدين أن يتورط أحد فى رميه بالخروج عن الاسلام، وهو يجاهر باسلامه ويعتبره رابطة مقدسة ويبذل نشاطاً ملحوظا فى خدمة الاسلام و الشعوب الاسلامية و يتبين جليا من أقوال عارفيه و أصحابه من كبار رجال المسلمين فى مصر أنهم ينظرون إليه كرجل مسلم يتمسك بآداب الاسلام و قواعده ويتحلى بأخلاقه و مكارمه ، ويحث على اتباعه و التزام أصوله .

ولا يجهل المسلمون ما كان فى عهد النبى صلى الله عليه وسلم حين قتل أحد رجلا فى الحرب بعد أن نطق بالشهادتين لأنه أيقن انه إنما نطق بها هربا من القتل فلامه النبى صلى الله عليه وسلم على فعله ولم يقبل عذره ، و قال هلا شققت عن قلبه .

فيجدر بنا أن نتربث ونتدبر عواقب الأمور، ولا نتعجل بالتعرض لرجل كوزير خارجية الباكستان فى دينه و عقيدته وهو يجاهر بالاسلام و يدافع عنه طول حياته ،،

(البلاغ ٢٦ جون ١٩٥٢م)

خطاب مفتوح الى مفتى الديار

ثار حضرة صاحب الفضيلة الشيخ حسنين مخلوف على السيد ظفر الله خان وزير خارجية الباكستان ، واتهمه الاستاذ المفتى ، أفادنا الله منه ولا حرمنا من واسع علمه وفضله ، اتهمه فى النهاية بأنه كافر و زنديق .

ولا أريد أن أتعمق فى اسباب ثورة الاستاذ مفتى الديار، ولا فى اسباب اتهامه للوزير الباكستانى بالكفر و الزندقة ولكنى أود أن أخرج من هذا البحث الضيق إلى بحث أوسع .

كان على الاستاذ المفتى قبل أن يهاجم وزير خارجية الباكستان أن يفرق بين الدين و السياسة .

ثم كان عليه بعد هذا أن يفرق بين المسلم الباكستانى محمد ظفرالله خان و بين الوزير الباكستانى السيد ظفرالله خان .

و وزير أية وزارة ؟

وزارة خارجية !

ثم كان على الاستاذ المفتى أن يعلم شيأ ، أو أن يطلب ممن يعلم أن يحيط فضيلته علما بما لا يعلمه فضيلته عن الوزير الباكستانى .

أن ظفرالله خان لم يتوان عن خدمة مصر منذ اعلنت مصر الغاء المعاهدة وفى شهور ديسمبر و يناير و فبراير كنت فى باريس اثناء انعقاد دورة هيئة الامم المتحدة وفى هذه الفترة لمست وعلمت بعض ما حاول ظفرالله خان أن يقوم به من مساع لخدمة القضية المصرية و صدقونى اننى لمست اخلاص هذا الرجل أكثر مما لمست اخلاص بعض رجالات العرب .

ويومها لمس الجميع جهوده و شكروه عليها إلاجريدة و احدة هى الأخبار ''اليوم،، التى هاجمت ظفراللهخان ذات صباح و بلا مناسبة ، ولمصلحة من ؟ كلنا نعلم .

فلنفرض أن ظفراللهخان كافر ، هل انتهى فضيلة المفتى من تعقب كفار مصر وبدأ يتعقب و يحصى كفار البلاد الاخرى .

هل انتهى فضيلته من محاربة الزندقة فى مصر فانتقل إلى محاربتها

فى الخارج. و ألا يجدر بفضيلته أن يهتم قليلا بمصر بلده و بنفسه ، أن فضيلته هو مفتى الاسلام فى مصر ، ومصر حسب الدستور بلد دينه الاسلام ، وفى مرتب فضيلته الذى يتقاضاه كل شهر جانب لا بأس به تحصله الحكومة من الكباريهات و الخمارات، ومهمة الكباريه هى تهيئة الجو للزانى والزانية اللذين لا يرجمان بحجر فى مصر الاسلامية .

على فضيلة المفتى أن يارب هذا أو ذاك أو عليه على الأقل ، و هذا أضعف الايمان ، أن يتنازل عن كل مليم مرتبه يحصل من هزالارداف و البطون والتفاف الساق على الساق .

على فضيلة المفتى أن يحارب هذا أو ذاك قبل أن يحرك علينا الدنيا بلا مناسبة . (النداء ٢٥ جون ١٩٥٢م)

أصبح الابرار كافرين

عبثا يحاول الشيخ مخلوف أن ينفض عن نفسه تراب الاثم الذى اجترحه .. و سواء أسمى خطيئته هذه فتوى أم حديثا ، فقد أحاطت به.. وجعلت تنحيته عن منصبه حتما مفروضا على الدولة..إذا أرادت أن تحترم نفسها .

ولقد آثرنا ألا نعقب على فتوى الشيخ يوم صدورها حتى نعاون الناس على نسيانها . بيد أن الشيخ وهو بسبيل الدفاع عن سقطته راح يمحوالخطأ بالخطأ.. ويكفرعن الضلال بالضلال : والمفتى الذى يعلم أن فى القاديانية ”معتدلين متزنين و يرجو أن يكون ظفرالله خان منهم“

المفتى الذى يعلم ذلك-كما قال فى بيانه المنشور ”بالأخبار“ يوم الخميس-كان واجبا عليه أن يلتزم أبسط قواعد الفقه الاسلامى التى تهيب به أن يتربث و يتأنى قبل أن يخرج الناس من رحمةالله ودينه .

ففضيلته يعلم أن الرسول عليه السلام قال لشاهد ذاته يوم :

أترى هذه الشمس ؟ على مثلها فاشهد ، أو دع .

وهو أيضا يعلم : أن علماء الاسلام و أئمته مجمعون على أن المسلم الذى يساوى احتمال اسلامه واحدا فى المائة لايحكم بكفره . . .

و إذن فما كان ينبغي لرجل وضعته الظروف فى منصب الافتاء أن يسارع إلى تكفير مسلم ، و مسلم عظيم لمجرد خبر صحفى .

وحتى لو كان هناك مالا نعلم ، مما حفز فضيلته إلى اخراج ظفرالله من الاسلام..فقد كان عليه أن يحسن صياغة فتواه ، أو حديثه ، فلا يطالب باكستان بعزل الوزير الزنديق .

ولكن يبدو أن الشيخ لم يقرأ مرسوم تعيينه . فظن نفسه مفتيا لمصر و باكستان معاً..وهكذا أخل بواجبات الزمالة . ولم يحترم حقوق زميل له هناك ، هو مفتى باكستان الذى يعلم عن بلده و وزيره مالا يعلمه الشيخ مخلوف .

على أن للمسألة وجها آخر يفاقم من خطرها ، وتتمادى معه نتائجها..فالقاعدة الاسلامية تقول : من كفر مسلما ، فقد كفر !

و ظفرالله خان ــ بالنسبة لنا ــ مسلم كامل الاسلام حتى نرى كفره رأى العين ، و نعلمه علم اليقين .

و مفتى مصر نفسه عاد يعترف بهذا فى بيانه الاخير الذى تمنى فيه أن يكون ظفرالله خان من المعتدلين المتزنين ، الذين لا يستحقون تكفير فضيلته ، ولا يستأهلون رهبوته ولا لعنوته..

ومن ثم نرى أن فضيلة المفتى قد كفر مسلما ومن كفر مسلما فقد كفر ولكم أرجو من القراء أن لا يحسبونى مازحا . فأنا جاد فى تقرير هذه الحقيقة وفى تحمل مسئوليتها .

أما السيد ظفرالله خان فلن يضيره مما حدث شئ وانه ليذكركم قال الناس عن رسوله العظيم ”كاهن..وساحر..وصابى..ومجنون“ .

و إذا كان الرجل الذى يواجه الاستعمار فى جبروت شامخ من

بلاغته و صدقه : و الرجل الذى جعل الله الحق على لسانه وقلبه :

اذا كان هـذا الـرجل كافرا فان كثير من الابرار يودون ــ على هذا النحو ــ أن يصبحوا كافرين .

خالد محمد خالد

(اليوم ٢٦ جون ١٩٥٢م)

كلمة المصرى

ظفرالله خان

يطلع قراء "المصرى" فى غير هـذا المكان عـلى تصريح لسفير باكستان فى مصر عن تقديره للصحافـة المصريـة وعلى رأسها "المصرى" الذى استطاع برأيه وبما نشره عن آراء المصريين من أصدقاء باكستان أن يرد عن ظفرالله خان رجل الشرق الكبير ، تلك الدعوى التى ماكان أحد يتوقع أن تصدر ضدالرجل من مصر ومن علمائها الأجلاء .

ولعل باكستان لم تكن تعرف قبل تلك الـدعوى أن مصر تكن لها الحب من شغاف القلوب ، و العاطفـة الصادقة من أعمـاق الضمير ، والأخوة الدوليـة التى تتكون من وحـدة الأهداف والمصير ، وقد صدق العرب حين قالوا ! رب ضارة نافعة .

عـلى ان مكانــة ظفرالله خان لايقدرهـا أصدقاء البـاكستـان من المصريين لأن الرجل من أصدق انصار القضية المصرية فى المحافل الدولية وحسب ، ولا لأن الرجل أحد الرجال العالميين الكبار الذى شغل نفسه و وقته ، بل و وطنه فى سبيل مناصرة الشقيقـة مصر ، و مناطحة الاستعمار علنا و جهارا بل لصفات كثيرة تتركز فى الرجل وتجمله يحق من الذين لاتقال فيهم كلمة إلابقدر و إلا بميزان .

إن ظفرالله خان أحد رجال الدولة الاسلامية القلائل فى العصر الحديث ، بل هو فى الصـدارة منهم ! فهو الرجل الـذى درس السياسـة ولم يسلك سبيله فيها علي قواعـد سياسيـة نظريـة ، و إنما أخضع ثقافتـه

السياسية لفكرة القرآن ، و لنظرة الاسلام فى تكوين الدولة وسار بمنهاجه العصرى الفريد الذى يجمع بين آراء العصر ونظرة الاسلام .

و ظفرالله خان ، هو الرجل الـذى درس الاقتصـاد ، و وازن ماليـة أمـة كبيرة العـدد ، كبيرة الغايات و الأغراض ، قريبة عهد الانسلاخ من دولاب الاستعمار الاقتصادى ، و لم يقم فى تطبيقه للنظام الاقتصادى على علوم الاقتصاد المجردة ، و إنما هو قد أخضع ثقافته الاقتصادية لتعاليم الاسلام ، و نظرته الشاملة فى بناء الدولة الاسلامية من حيث حقوق الافراد و واجباتهم نحو الدولة ، و موازنة ذلك بحقوق الدولة و واجباتها نحو الأفراد .

و ظفرالله خان ، هو الرجل الذى تسلم راية الدولة و سياسة الباكستان الخارجيـة من رجليهـا الكبيرين ، محمـد على جناح ، و لياقت على خان ، فسار على نهجهمـا الاسلامى ، و رغبتهما فى دفع الدولة الوليدة سياسيا ، العريقـة تاريخاً ، نحو حضارة العصر الحاضر ، مع الابقاء على سمات الدولة الاسلامية ، دينا و تقليدا و تعاليما ، واستطاع الرجل أن يحافظ على منهاج رجلى الباكستان ، بل و يعلى من شانه .

و ما كان لرجالات العالم السياسيين ، فى اوربا و أمريـكا أن يقدروا للرجل قدره ، مجاملة ، أو تظاهرا بالمجاملـة ، و انما لعرفانهم قدره ، و وقوفهم على الثقافة الضاربة من كل الآفاق بوعيه ، و إدراكهم له على أنـه رجل يحمل بين طواياه روح الشرق الكبير ، و فكرة حاضر الدنيا الجديدة التى تنشـد السلام ، مما جعل الرجل يمثل فكرة الكتلة الثالثة بين الكتلتين المتنازعين .

هذا هو ظفرالله خـان الـذى اتهم بالكفر مع أنه كان يقوم من مقعده فى هيئة الامم إذا حان وقت فرض من فروض الصلاة فيبحث عن مكان منزول فى قاعة الهيئة يركع فيه لله مبتهلا إليه أن ينصرأمة الاسلام ! ،،

(المصرى ٢٧ جون ١٩٥٢ء)

Clarification

Sir, — In your issue of Tuesday the 22nd instant a report of an interview with me has been published. The interviewer Mian Mohammad Shafi is a very experienced and honest person. He has most carefully recorded my replies to his questions and apart from some immaterial discrepancies he has very faithfully reproduced what I said. There has however been some misunderstanding regarding one point. Mian Mohammad Shafi has somehow taken the impression that we are already in possession of definite proofs of the Ahrar getting help from India. What I meant to say was that I had been informed by certain persons that they possessed some proof about the Ahrar getting help from the other side of the border but that I had no power to finally verify it. I also said that we too had some important clues as to some of the Ahrar workers receiving help from certain Indian parties and that we were following up those clues. I added that when we reached some definite conclusions we would put them before the proper authorities at the proper time. It seems that unfortunately I could not express myself clearly on the point and the two things got intermixed with each other.

Mirza B. Mahmud Ahmad
Head of the Ahmadiyya Community

(*The Civil & Military Gazette Lahore, Friday, July 25, 1952, page 3*)

a complete religious freedom. Islamic State in Pakistan, he said : "In an Islamic State there is complete religious freedom. Islam expects even non-Muslims to live up to their religious ideals."

He then emphatically said "I am convinced that the secret hand of India is at the back of the present anti-Ahmadiyya agitation". He had positive proof in his possession and would be prepared to put it before the proper authorities at the proper time.

Question : "Would you like that a convention of Ulema of Islam from all over the world be held to adjudicate upon the issue whether Ahmadis be declared outside the pale of Islam ? "

Answer : Yes provided we are made a party to the proposed convention.

Question : "Suppose by a majority vote you are declared on doctrial basis to be non-Muslims. Will you even then persist in claiming that you are Muslims."

Answer "We will still, continue to be attached to the universal brotherhood of Islam."

The Civil & Military Gazette, Lahore
Tuesday, July 22, 1952 pages 1-3

Government, is it correct to presume that Ahmadis in Government service would owe their first loyalty to you?

Answer: "Loyalty to the Goverment of the day is an article of faith with us. The moment I entered into such conflict which will put to the test the loyalty of Ahmadis in Government service I should be ready to be thrown out of my present position of being the Khalifa." Continuing he said: "We shall never do anything unconstitutional against the Government of the country established by law".

Referring to the country-wide agitation for declaring Ahmadis a minority community, Mirza Sahib said: "I dislike it, not because it is going to do any harm to us, but because it will bring a bad name to Islam." Explaining he added: "We are an internationally-growing community and because of our missionary work we bring lot of kudos to Islam and Muslims. If we are branded a minority community separate from the rest of Muslims, our missionary activities abroad will not be interpreted as an effort on behalf of the Muslim people as a whole but as the work of a distinct religious community. This will also creat an unbridgeable gulf between the Ahmadis and orthodox Muslim."

The shrewd religious leader then posed a question: "What will be the delimiting lines of the proposed Ahmadiyya minority community?" He said that in the event of the authoritative body in Pakistan declaring it as a minority community, he would have no hisitation in issuing a mandate to his followers to drop the label of Ahmadi and call themselves Muslim only.

He said: "The nomeclature of Ahmadi is not a mandatory provision in our religious books. It was only for the sake of showing that the founder had asked his followers to declare themselves as Ahmadis in and during the census operations in his lifetime."

Question: "Suppose the Government declare your Anjuman a political organisation and then bans it, what will be your attitude?" He promptly said: "I will change the name of the Anjuman, but never come into conflict with the Government."

On being asked whether in view of the inter-sectarian conflict on religious issues, he would advocate the establishment of

Agitation India Prompted

Ahmadiyya Chief

Distinctive lable to be given up if necessary

"I am convinced that the secret hand of India is at the back of the present Anti-Ahmadiyya Agitation", declared Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad on sunday in an interview with the London Daily Mail.

He had positive proof in his possession and would be prepared to put it before the proper Autborities at the proper time, he added.

In the event of the authoritative body in Pakistan declaring his community a minority, he would have no hesitation in issuing a mandate to his followers to drop the label of Ahmadi and call themselves Muslims, the Ahmadiyya leader declared.

Sixty-three year old head of the Qadiani branch of the Ahmadiyya Community, Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad, in the course of an exclusive interview with Mian Mohd. Shafi of the Daily Mail categorically denied the allegation that he was planning a coup d'etat to seize political power In Pakistan.

He said "Ahmadiyyat is not a political theory. Ours is a religious movement. With the present tension between Ahmadyas and non-Ahmadyas only a mad man can think of seizing political power for Ahmadis".

He added : Even if, for the sake of argument, the tiny Ahmadiyya minority succeeds in getting into the seat of authority by force, it should be prepared to be liquidated the very next day at the hands of the bitterly hostile non-Ahmadis."

Question : In case of a conflict between you and the

Foreign Hand ?

Who Directed Karachi Riots

(From 'STAR' Karachi-Man)

Observers here sense some foreign hand behind the sporadic disturbances that greeted the Ahmadia Conference and resulted in several arrests, injuries and much of unpleasantness—a feature which had never defaced Karachi's characteristic calm.

The time of such ugly demonstrations is considered rather significant—immediately after the obviously American-inspired MPO Tamasha had so miserably flopped.

The Americans are very bitter about the way the MPO was ignored and insulted not only by the public and press in Pakistan but also by the Government. Much of it was considered due to the Foreign Minister, Ch. Zafrullah.

The aggrieved Americans could not have got a better opportunity to exploit to induce the public to dislike the Foreign Minister. The Ahmadi Conference is being held almost on the ruins of the MPO—The MPO Pandal is still only in the process of dismantling. And just here in the same Jehangir Park, Chaudhri Zafrullah has had to face perhaps the most-hostile-ever demonstration in his life.

There is increasing evidence of the fact that perhaps the U.S. Offices and missions in this country are ever-playing the part they are entitled to play within the internationally recognised sphere of diplomacy. During the last several weeks U.S. has had to face an increasing stream of not so pleasant comment in the Press, particulary what is considered to be official or semi official.

The spectacle that Karachi has had to witness at the Jehangir Park has been shocking. Never before was such unruliness seen in this city. Tear-gassing and Lathi charges have been practically alien to this town.

What makes it worse is that the occasion was a relgious conference. Apart from the fact that inspiration was, probably foreign, the ugly sight of one conference being disrupted by another hostile camp and police trying in vain to ward off trouble was an insult to the capital of any country.

'STAR' Exclusive. Vol. 2 No. 37, May 24, 1952 Shaban 29, 1371

The Europeans hate Asiatics. As far as Ahmadiyyat goes, I assure you that we—and when I say we, I mean myself and all the Ahmadis who follow me—consider all the people on earth as equals. All of us are equal and have the same powers. I assure you that during my life time I am not going to allow any Ahmadi to adopt this mistaken idea. Just as the Holy Prophet said that he would crush such ideas under his heels, I also assure you that I will also crush such ideas under my heels.

So, go and prove yourself a true Ahmadi. Tell your brothers that you went to Pakistan and Rabwah and found that in Pakistan also there are brothers and you did not see Pakistanis but Africans in different colours and they are looking towards their African brothers as their own kith and kin. I am expecting the same sacrifice from Africans as from any other nation and ask you to preach and convey the message of Islam to every corner of your country.

Rabwah will always look upon you to bring everybody in Gold Coast in the fold of Ahmadiyyat the true Islam, the religion of God."

Extract from "The Nigeria Ahmadiyya Bulletin"
August 1951 (Page 1)

A Great Future For Africa

Following is the concluding part of the speech delivered by Hazrat Khalifatul Masih II, the Supreme Head of the Ahmadiyya Movement at a party arranged by the Khuddamul Ahmadiyya, Rabwah Pakistan in honour of Alhaj Alhasan Atta of the Gold Coast when the Alhaj visited the Headqrarters of the Movement to attend the Annual Conference as the representative of the Ahmadiyya Movement, Gold Coast.

"To you Mr. Hasan my special message is that in future—I cannot say near future or distant future—I am reading the writing on the wall that there is a great future for your race. God does not forsake a race for all the times to come. He does it for some time but not for ever. He once gives opportunity to one nation and one continent and then He gives the same opportunity to another nation and continent. Now is your time.** Rest assured your glorious time is fast approaching. People were made to think that yours is an inferior race. I can say about myself that in my younger age, when I used to read English books, I used to think your race as inferior one. But when I grew up and read the traditions and the Holy Quran, I came to know that it was all humbug. God has not made an exception of your people. God mentions all races and nations as equals. When He sends Prophets in the world He gives sufficient intelligence also to the men who are addressed to accept that prophet. If you have not sufficient intelligence, or in other words are an inferior race, then God forbid it is the fault of God who sent a prophet to a people who have no intelligence to accept him. But this is not the case. Islam says Europeans, Americans, Asiatics, Africans and people in far off islands are all equal. All of them have the same power of understanding, learning, memorising and inventing. Americans consider themselves as super men. They even hate Europeans.

** You have been oppressed and ruled for a very long time,

(APPENDIX)

Muslim Leader's Prayer for U.N.O.

Following is an article culled from The Daily Record Baltimore which contains and comments on the message issued by The Supreme Head of the Ahmadiyya Community. If all the members of U.N.O. were to take this message to heart and act accordingly, the world would be changed for the better in no time.

One of the world's outstanding Moslem spiritual leaders has taken far-reaching action with reference to the nine-Point Program for Development of UN loyalty, sponsored by the United Nations Citizenship League. The UNCL has its world headquarters in Baltimore and was founded in this city.

Point 3 of the program is: "Prayers for the U.N. in every house of worship throughout the UN whenever prayers offered for any member Government."

The Khalif of the Ahmadiyya movement in Islam has prepared the following prayer for the United Nations:

"O God! Guide us unto the right path, the path of those chosen ones of different nations who attained Thy pleasure! Make our resolve pure! set right our intentions! Divest our thoughts of all evil and purge our thoughts from all weakness! Enable us to sacrifice all our desires and wishes for the sake of the Truth! Grant us to establish true peace in the world just as Thine chosen ones did! Preserve us from all actions which incure Thy wrath! Save us from forgetting in the excitment of action obligations which devolve on us from Thee, and from losing the path which leads to Thee. Ameen."

The Khalif whose headquarters are in Rabwah, Pakistan, has also prepared a statement for the encouragement of the children of the world, with reference to the UNCL's ideal of "a generation the glorious like of which has never been seen on this earth before."

(*The Truth - Nigeria, July, 1952 Vol. 1 No. 8 Page 1*)

تاریخ احمدیت

جلد شانزدہم

(۱۶)

۱۹۵۳ء (۱۳۳۲ہش) کے ایامِ ابتلاء میں پاکستانی احمدیوں کا
مثالی نمونۂ صبر و رضا اور اس کی عظیم برکات

اور

تحقیقاتی عدالت کی مفصّل رُوداد

مؤلّفہ
دوست محمد شاہد

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد پانزدہم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
موجودہ ایڈیشن	:	2007
شائع کردہ	:	نظارت نشرو اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-122-4

TAAREEKHE-AHMADIYYAT
(History of Ahmadiyyat
Vol-15 (Urdu)
By: Dost Mohammad Shahid
Present Edition : 2007
Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516
Distt.Gurdaspur (Punjab) INDIA
Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-122-4

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جا بجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرّخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنّفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۱۶ کو جلد نمبر ۱۵ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر واشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اوّل کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد پانزدہم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر واشاعت قادیان)

فہرست

تاریخِ احمدیت جلد ششدہم

(مرتبہ منیر احمد منور شاہد)

عنوان	صفحہ
مقدمہ	۲
اخلاق سوز مظاہرے	۳
نبی کے نام پر	۳
پاکستان کے خلاف بغاوت	۷
جماعت احمدیہ کے خلاف وسیع پیمانے پر تشدد	۱۷
حصہ اوّل	
پہلا باب	
اضلاع راولپنڈی، گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کی احمدی جماعتوں کے واقعات	
فصل اوّل	
راولپنڈی شہر	۲۴
بیتِ احمدیہ راولپنڈی	۲۵
مکان امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی	۲۹
نور آرٹ پریس، پاک ریسٹورنٹ، شافی کیمسٹ شاپ	۳۰
نیشنل میڈیکل ہال، برلاس سائیکل ورکس	۳۱
پنجاب موٹر سٹور، صرافہ شاپ	۳۲
احمدیہ کمرشل کالج	۳۳
ایک معزز غیر احمدی نوجوان کا دردناک قتل	۳۴
فصل دوم	
ضلع گوجرانوالہ	۳۶
احمدیوں کے بیانات	۳۸
ضلع میں شورش کے دوسرے مراکز	۶۴
فصل سوم	
ضلع سیالکوٹ	۶۵
سیالکوٹ شہر کے واقعات	۶۷
ضلع سیالکوٹ کے دوسرے مقامات کے واقعات	۷۴

پسرور ۷۵

ڈسکہ ۷۶

موضع دھیدووالی، بھانوالہ، ملیانوالہ ۷۸

ڈنگری پریاں ۸۷

موضع ترسکہ ۸۸

موضع ڈیرودوال ۸۹

سمبڑیال ۸۹

منڈیکے بیریاں، دمہ، نین کے توروے، ترسکہ ۸۹

چونڈہ ۹۰

شہزادہ، کھیوہ باجوہ ۹۱

کلاسوالہ ۹۲

داتہ زیدکا ۹۳

دوسرا باب

اضلاع شیخوپورہ، لائلپور (فیصل آباد) اور جھنگ کی احمدی جماعتوں کے واقعات

فصل اوّل۔ ضلع شیخوپورہ ۹۴

شیخوپورہ شہر

شاہ کوٹ، سٹھیالی، سانگلہ ہل، ہمراجپور، واربرٹن ۹۶تا۱۰۳

منڈی مریدکے، سیدوالا، گرمولہ، بھوڑو،

ننکانہ صاحب، آنبہ، بلّرکے، کرم پورہ، ہمریانوالہ

فصل دوم

ضلع لائلپور (فیصل آباد) ۱۰۴

لائلپور شہر کے واقعات ۱۰۴

مضافاتِ لائلپور کے واقعات، چک جھمرہ

چک ۲۶۱ ج ب - ب چک 192 R.B تحصیل جڑانوالہ، ڈھکوٹ

سندرہی، جڑانوالہ چک نمبر ۱۱۹ گ ب چک ۵۶

چک ۵۰۷، جلیانوالہ متصل گوجرہ، چک ۳۶ تھانہ

ستیانہ ۱۱۲تا۱۲۶

فصل سوم۔ ضلع جھنگ ۱۲۶

ربوہ اور اس کا ماحول پُرفتن ایام میں ۱۲۷تا۱۴۱

تیسرا باب

اضلاع منٹگمری (ساہیوال) اور لاہور کی احمدی جماعتوں کے واقعات ۱۴۲

فصل اوّل ضلع منٹگمری (ساہیوال) ۱۴۳

اوکاڑہ کے واقعات چشم دید بیانات کی روشنی میں، مضافاتِ اوکاڑہ کے واقعات ۱۴۴تا۱۵۰

فصل دوم۔

لاہور شہر اور اس کے مضافات ۱۵۱

لاہور اور اس کے ماحول کے واقعات (۶ مارچ ۱۹۵۳ء) ۱۵۳

رام گلی، بھاٹی گیٹ ۱۶۱تا۱۶۸

حالاتِ لاہور پر ایک طائرانہ نظر، موہن لال روڈ، نئی انارکلی، پرانی انارکلی، نیلا گنبد، راوی روڈ، رتن چند روڈ، بھاٹی گیٹ، چوک مسجد وزیر خاں، گمٹی بازار، بیرون دہلی دروازہ، میو ہسپتال، فلیمنگ روڈ، گوالمنڈی، ریلوے روڈ، نسبت روڈ، قلعہ گوجر سنگھ، میکلیگن روڈ، میکلوڈ روڈ، ۱۹ مین روڈ، ٹمپل روڈ، مزنگ روڈ، عزیز روڈ، مصری شاہ، کاچھو پورہ، چاہ میراں روڈ، باغبانپورہ، دھرمپورہ، سلطان پورہ وسن پورہ گنج مغلپورہ ۱۶۸ تا ۱۷۵

شاہدرہ کے واقعات ۱۷۵

کوٹ رادھاکشن ۱۷۷

فساداتِ پنجاب اور حکومت کی پالیسی ۱۷۸

چوتھا باب

ریاست بہاولپور، صوبہ سرحد، صوبہ سندھ اور مشرقی پاکستان کی احمدی جماعتوں کے واقعات

حضرت مصلح موعود کے بیان فرمودہ ایمان افروز واقعات۔ ۱۸۲

فصل اوّل۔

ریاست بہاولپور ۱۸۳

صادق آباد، ہارون آباد، بہاولنگر شہر و ضلع۔ ۱۸۳ و ۱۸۴

فصل دوم۔ صوبہ سرحد ۱۸۵

فصل سوم۔ صوبہ سندھ ۱۸۷

فصل چہارم۔ مشرقی پاکستان

(حال بنگلہ دیش) ۱۹۲

اخبارات کے بعض شذرات ۱۹۳

قادیانی اور احرار ۱۹۳

حسرت ناک انجام ۱۹۴

فصل پنجم۔ حضرت مصلح موعود

کے بیان فرمودہ بعض واقعات ۱۹۷

حصہ دوم

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ اور خاندانِ مہدی موعودؑ اور مرکزِ سلسلہ کے اہم واقعات

پہلا باب

حضرت مصلح موعودؓ کی اولوالعزمی، حضرت مصلح موعودؓ کے روح پرور پیغامات ۲۰۵

ایک ضمنی نوٹ ۲۰۸

دوسرا باب

جماعتوں کی صورتحال سے باخبر رہنے کا انتظام ۲۱۷

اطلاعات ۲۱۹

تیسرا باب

ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ کا نوٹس ۲۳۶

جناب گورنر صاحب پنجاب کا نوٹس ۲۴۰
حضرت مصلح موعود کا پُرشوکت جواب ۲۴۱
ہز ایکسی لینسی گورنر صاحب کو جوابی مراسلہ ۲۴۲
اخبارات میں ذکر "مرزا بشیر الدین محمود کے نام حکم" ۲۴۵
ہوم سیکرٹری صاحب پنجاب کو اطلاع ۲۴۵
خدائی نشان کا ظہور۔ خطبہ جمعہ میں نوٹس پر عارفانہ تبصرہ ۲۴۷
حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی غیرتِ ایمانی کا ایک واقعہ ۲۴۹
قصرِ خلافت کی تلاشی ۲۵۰
مخلص احمدیوں کی تلاشیاں اور گرفتاریاں ۲۵۲

چوتھا باب

حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کی گرفتاری اور قید بامشقت اور جرمانہ، صبر و تحمل اور توکل کے حیرت انگیز نمونے ۲۵۴
حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے دردناک اشعار ۲۵۶
بھارتی پریس کے تبصرے ۲۵۸
قید و بند میں رضا بالقضا کا ایمان افروز مظاہرہ ۲۶۰
پہلی چشم دید شہادت ۲۶۱
دوسری شہادت ۲۷۰
حضرت مصلح موعودؓ کے ایک خطبہ جمعہ کی ضبطی ۲۷۶

پانچواں باب

مجلس مشاورت ۱۳۳۲ ہش مطابق ۱۹۵۳ء ۲۷۹
مشاورت ۱۹۵۳ء کے لیے حضرت مصلح موعود کا رقم فرمودہ نوٹ ۲۸۱

چھٹا باب

سیدنا حضرت مصلح موعود کا اہم بیان۔ ہمارے عقائد ۲۸۲
ریڈیو پاکستان کراچی کا نشریہ، پاکستانی پریس میں بیان کی اشاعت ۲۸۵
خوش کن اقدام ۲۸۹
بعض دوسری شخصیات کے تاثرات ۲۹۰

حصہ سوم

تحقیقاتی عدالت میں وکلائے احمدیت کی کامیاب نمائندگی اور حضرت مصلح موعودؓ کا بصیرت افروز بیان اور اس کے اثرات ۲۹۲

پہلا باب

فسادات پنجاب کی تحقیقات کے لیے عدالت کا قیام ۲۹۴
نازک مرحلہ ۲۹۷

لاہور میں ذیلی دفتر کا قیام ۳۰۰

جماعتِ احمدیہ کا لائحہ عمل ۳۰۵

عدالتی کمیشن کے لیے بحث کی لائن کا مختصر خاکہ ۳۰۹

حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایات ۳۱۱

حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اہم مکتوب ۳۱۲

تحقیقاتی عدالت کی ابتدائی کارروائی ۳۱۹

حضرت مصلح موعودؓ کا ایک اور مکتوب ۳۲۰

دوسرا باب

تحقیقاتی کمیشن کے سات سوالوں کے جوابات ۳۲۴

تحقیقاتی کمیشن کے تین سوالوں کا جواب ۳۴۳

مسئلہ وحی و نبوت کے متعلق اسلامی نظریہ ۳۵۹

سوال نمبر ۲ متعلق اعتراض عدم ہمدردیٔ مسلمانان ۳۵۹

جماعت احمدیہ کی طرف سے ترکی حکومت کی تائید، عربوں کی امداد، انڈونیشیا کی آزادی ۳۶۰

شدھی کا مقابلہ، سکھ حملہ آوروں کا مقابلہ اور ڈرٹمان کی شرارت کا جواب، بہار اور کلکتہ کے فسادات ۳۶۱

بہار کے فسادات، کشمیر کمیٹی، باؤنڈری کمیشن ۳۶۲

کشمیر کی جنگ میں حصہ، تقسیم پنجاب کے وقت مسلمانوں سے تعاون ۳۶۳

مولانا محمد علی جوہر کی تصدیق ۳۶۴

سوال نمبر ۱ متعلق مخالفت پاکستان ۳۶۵

امام اور سیاست ۳۶۵

رسالہ "قادیانی مسئلہ" کا جواب ۳۶۶

آخری خطاب ۳۶۷

تیسرا باب

حضرت مصلح موعودؓ کا عدالتی بیان ۳۷۱

بجواب سوالاتِ عدالت بتاریخ ۱۴ جنوری ۱۹۵۴ء ۳۸۰

چوہدری نذیر احمد صاحب ایڈووکیٹ جماعتِ اسلامی کی جرح کے جواب میں ۳۸۳

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش نمائندہ مجلس عمل کی جرح کے جواب میں ۳۹۵

مولانا میکش کی جرح بتاریخ ۱۵/۱/۵۴ ۳۹۸

مسٹر نذیر احمد خان ایڈووکیٹ کے مزید سوالات عدالت کی اجازت سے ۴۰۵

تحریری درخواست جو منجانب حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ عدالت میں داخل کی گئی ۴۰۶

دوسری تحریری درخواست مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۵۴ء ۴۰۷

غیر از جماعت معززین کے شاندار تأثرات ۴۰۸

عدالتی کارروائی کے دوران حضرت مصلح موعودؓ کے سفر ہائے لاہور ۴۱۴

چوتھا باب

تحقیقاتی عدالت میں صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے داخل کردہ تبصرے ۴۱۵
تفسیر قرآن دیباچہ تفسیر قرآن (انگریزی) کا فاضل جج صاحبان کو تحفہ ۴۱۸
حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کا اہم بیان ۴۱۹
وکلائے احمدیت کے زوردار بیانات ۴۲۳
احمدیوں کا عقیدہ ۴۳۶
تحقیقاتی عدالت میں بعض دوسرے بیانات ۴۴۰
اخبار "زمیندار" لاہور کے ایڈیٹر مولانا اختر علی صاحب کا بیان ۴۴۱
جماعت اسلامی کے سابق لیڈر مولانا امین احسن اصلاحی کا بیان ۴۴۲
چیف ایڈیٹر "زمیندار" مسٹر اے آر شبلی، جناب حمید نظامی مدیر روزنامہ "نوائے وقت" کا بیان ۴۴۳
ہوم سیکرٹری حکومتِ پنجاب کا بیان ۴۴۴

پانچواں باب

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ اور جماعت احمدیہ کی بریّت و مظلومیت ۴۴۶
ایک افواہ اور اس کی تردید ۴۴۷
رپورٹ تحقیقاتی عدالت کا ایک اہم انکشاف ۴۴۹
مارشل لاء پر منتج ہونے والے کوائف ۴۴۹
صوبائی حکومت اور سیاسی لیڈروں کا طرزِ عمل ۴۵۰
فسادات کی ذمہ داری، مطالبات کا بچّہ ۴۵۲
رپورٹ کے اختتامی الفاظ ۴۵۳
رپورٹ تحقیقاتی عدالت اور احراری الزامات کا جائزہ ۴۵۵
اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کے حقوق اور علماء ۴۵۹
"مسلم" کی تعریف اور تحقیقاتی عدالت ۴۶۳
علماء کے تبصرے اور ان کا جواب ۴۷۱

چھٹا باب

نام نہاد "علمائے دین" کے افسوسناک بیانات کا شدید ردِّ عمل ۴۷۲
علماء اور فتنۂ تکفیر۔ جمعیۃ العلمائے ہند کے ایک متوسّلِ خصوصی کے قلم سے ۴۷۲
مسلمان کی تعریف۔ ایک غیر جانبدار ہندی مبصر کے قلم سے ۴۸۰
ایک اہلِ حدیث عالمِ دین کا نعرۂ حق ۴۸۹
برصغیر کے ممتاز ادیب اور سکالر کی رائے ۴۸۹
غیر مسلم دنیا میں اسلام اور پاکستان کی بدنامی ۴۹۰

حصہ چہارم

۱۹۵۳ء کے جماعتی ابتلاء کی عظیم الشان برکات	۴۹۸
پہلا باب	۴۹۹
نشاناتِ الٰہیہ کا ظہور	۵۰۰
دیوبندیوں کی مجلس تحفظ ختم نبوت کے اغراض و مقاصد۔	۵۱۱
مجلس تحفظِ ختم نبوت کی "اسلامی خدمات"	۵۱۲
ختمِ نبوت کے نام پر ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی بندر بانٹ	۵۱۳
دوسرا باب	
جماعت احمدیہ کی ترقی اور استحکام	۵۳۱
تیسرا باب	
جماعت احمدیہ کی عالمی شہرت و عظمت میں اضافہ	۵۴۱
ہندوستان کا مسلم پریس	۵۴۱
مصری پریس	۵۵۴
امریکی پریس	۵۵۵
عالمی لٹریچر میں احمدیت کا ذکر	۵۶۲
حرفِ آخر	۵۷۲
ضمیمہ جات	۵۷۴
ضمیمہ نمبر۱ شہدائے احمدیت ۱۹۵۳ء	۵۷۵
ضمیمہ نمبر۲ اسیرانِ راہِ مولیٰ ۱۹۵۳ء	۵۷۶
ضمیمہ نمبر۳ مقامی جماعتوں کے کوائف بھجوانے والے احباب	۵۷۷
ضلع راولپنڈی	۵۷۷
ضلع گوجرانوالہ	۵۷۸
ضلع سیالکوٹ	۵۷۹
ضلع شیخوپورہ	۵۸۰
ضلع لائلپور (فیصل آباد)	۵۸۱
ضلع جھنگ	۵۸۳
ضلع لاہور	۵۸۴
ریاست بہاولپور	۵۸۴
صوبہ سندھ	۵۸۵
صوبہ سرحد	۵۸۵
ضمیمہ نمبر۴ دفتر اطلاعات سے متعلق بعض مراسلات	۵۸۷
ضمیمہ نمبر۵ تحقیقاتی عدالت سے متعلق ضروری خط و کتابت	۵۹۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِر

مقدّمہ

فروری ۱۹۵۳ء کے آخر میں مغربی پاکستان خصوصاً اس کے صوبہ پنجاب میں فسادات کے شعلے بھڑک اٹھے جس پر ۶ مارچ ۱۹۵۳ء کو لاہور میں مارشل لاء کا نفاذ عمل میں آیا۔
بعد ازاں جسٹس محمد منیر اور جسٹس ایم آر کیانی جیسے فاضل ججان پر مشتمل تحقیقاتی عدالت نے اس شورش کے عوامل اور دیگر ضروری احوال و کوائف کی نہایت محنت و عرق ریزی سے چھان بین کی اور اپنی مفصل رپورٹ میں فسادات کی تفصیلات پر روشنی ڈالی اور ان کے پیچھے کارفرما عناصر کو بے نقاب کیا۔
ان فسادات میں لاقانونیت، ہنگامہ آرائی اور بدامنی کے اثرات و نتائج تین واضح صورتوں میں اُبھر آئے۔

اوّل ۔ اخلاق سوز مظاہرے۔

دوم ۔ پاکستان کے خلاف بغاوت۔

سوم ۔ جماعتِ احمدیہ کے خلاف وسیع پیمانے پر تشدّد۔

اخلاق سوز مظاہرے

ان مظاہروں میں اخلاق اور انسانیت کی اقدار کو کس بے دردی سے پامال کیا گیا ؟ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل بیانات سے بخوبی لگ سکتا ہے ۔

۱ ۔ جناب نصراللہ خاں صاحب عزیز مدیر تسنیم ، جناب ممتاز احمد خاں صاحب مدیر آفاق جناب خلیل احمد صاحب مدیر مغربی پاکستان ، جناب محمد حبیب اللہ صاحب اوج مدیر احسان ، جناب محمد علی صاحب شمسی مدیر سفینہ نے متفقہ بیان دیا کہ :۔

> "تحفظِ ختمِ نبوت کے مقصد سے ہر مسلمان کو ہمدردی ہے ۔ ختمِ نبوت مسلمان کے ایمان کا جزء ہے لیکن اس مقدس مقصد کے نام پر جھگڑے ، سوانگ رچانا ، مغلظ گالیاں نکالنا اور اخلاق سوز حرکتیں کرنا مسلمانوں کے لیے باعثِ شرم ہے "[1]

۲ ۔ روزنامہ "آفاق" لاہور نے متعدد اداریوں میں اس خلافِ اسلام ذہنیت کی پُرزور مذمت کی مثلاً لکھا :۔

نبی کے نام پر

" آج کل لاہور میں بعض بے فکرے نوجوان تحریک ختمِ نبوت کی آڑ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جو حرکات کر رہے ہیں ، کیا کسی حق گو عالم ، لیڈر ، رہنما اور ذی اثر انسان میں ہمت ہے کہ ان کی روک تھام کے لیے میدان میں نکلے اور (ان نوجوانوں کو جن کا خون گرم ملت کے ہزار کام آسکتا ہے) اس لہو ولعب اور غیر شریفانہ انداز سے روکے ۔ بعض نوجوانوں کا سوانگ بنانا ، ڈنڈے بجانا ، بھنگڑا پانا اور اچھل کود کرنا ۔ کیا ان تمام حرکات کو کوئی صحیح العقیدہ مسلمان تحریک ختمِ نبوت یا سرورِ کائنات کے مقدس نام سے کسی طرح وابستہ کر سکتا ہے اور

---

[1] روزنامہ آفاق لاہور ۴ مارچ ۱۹۵۳ء صفحہ نمبر ۶

یہ سب کچھ ہو اسی نام پر رہا ہے، کیا یہ تمام حرکات بجائے خود توہین سرورِ کائنات کی ذیل میں نہیں آتیں؟ بیّنوا و توجروا[1]

۳۔ اسی اخبار نے اپنی ۲۳ مارچ ۱۹۵۳ء کی اشاعت صـ۲ میں لکھا:۔

"کوئی شک نہیں کہ تحفظِ ناموسِ رسولؐ پر ہم دنیا کی پیاری سے پیاری چیز قربان کرنا ہی اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ لیکن ایثار و قربانی جیسی پاکیزہ اور قابلِ رشک چیزوں کے ساتھ ہم کسی طرح بھی ہڑبونگ، ہلڑ اور فساد کا پیوند نہیں لگا سکتے۔ ناموسِ رسالت کا صحیح پاس اسی دل کو ہو سکتا ہے جو رسولؐ کی شانِ رحمت کے حدود کو بھی سمجھتا ہو وہ رحمت جو عالمین کو محیط ہے جس کے دامنِ حیات آفریں میں طائف کے پتھر مارنے والے بھی دعائے نیک کے مستحق ٹھہرتے ہیں اور مکّہ کے جانی دشمن بھی یہ پیام سنتے ہیں لاتثریب علیکم الیوم۔ ہڑبونگ، ہلڑ اور فساد کو رحمت اللعالمین نے کسی طرح کی صورت میں بھی جائز قرار نہیں دیا...... ختم نبوّت کے مسئلے کا تعلق، ایمان و اعتقاد کی پاکیزگی، کبھی کسی اکراہ کی روادار بھی نہیں چہ جائیکہ فتنہ و فساد اس سے وابستہ ہو جائے"

۴۔ اخبار "مغربی پاکستان" لاہور نے ۶ مارچ ۱۹۵۳ء کے اداریہ میں لکھا:۔

"خدا اور محمدؐ کے نام کے ساتھ انتہائی غلیظ اور قابلِ نفرت گالیاں دی جاتی ہیں تشدّد کے مظاہرے کیے جاتے ہیں، گاڑیاں روک لی جاتی ہیں اور ہر ہجوم کی طرف سے ہر طرح کی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا جاتا ہے...... ہم مسلمانانِ پنجاب سے گذارش کریں گے کہ وہ مذہب کے معنے غلط نہ سمجھیں اور مذہب کو اس طرح نہ اُچھالیں کہ آپ ختم ہو کر رہ جائیں۔ علماء نے آپ کو غلط بات بتائی ہے۔ خدا کے لیے ہر شخص مذہب کا ٹھیکیدار نہیں ہو سکتا۔ مذہب ہر شخص کا اپنا اپنا ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص مسلمان نہیں تو کیا آپ کا اسلام یہ سبق دیتا ہے کہ آپ ا

[1] روزنامہ آفاق ۴ مارچ ۱۹۵۳ء صـ۳ کالم ۳

اُسے زبردستی مسلمان بنائیں یا اُسے اٹھا کر اپنے ملک سے باہر پھینک دیں۔ ذرا اپنے اعمال کا جائزہ لیجیے۔ کیا آپ مسلمان ہیں؟۔ ٹھنڈے دل سے غور کیجیے صرف پچھلے چند دن کے اعمال ہی پر نظر ڈالیے۔ کیا یہ سچے مسلمان کے اعمال ہو سکتے ہیں؟ پھر مذہب کے نام پر یہ ہڑبونگ کیوں مچائی جا رہی ہے؟ ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ احراریوں کی اس ہڑبونگ، اس راست اقدام اس ختمِ نبوت کو اسلام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اسلام کا نام بدنام کیا جا رہا ہے۔ اس کا تعلق ضرور کسی سیاسی اغراض سے ہے ...... احراری لیڈر ہوں یا دوسرے جو لوگ بھی مذہب کے نام پر آپ کو اشتعال دلاتے ہیں اور اس طرح آپ کے نازک جذبات سے کھیلتے ہیں تو وہ یقیناً پاکستان کے بدترین دشمن ہیں۔"[1]

۵۔ راولپنڈی کے مشہور اخبار "تعمیر" کو اپنے اداریہ میں یہانتک لکھنا پڑا کہ:۔

"سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عَلَم کو بلند رکھنے کے لیے کون مسلمان ہے جو اپنا سب کچھ قربان کر دینے سے گریز کرے گا؟ لیکن اس مقدس عَلَم کے نیچے فحش اور بازاری گالیاں سُن کر رحمۃ للعالمین کے نام پر لوٹ مار، توڑ پھوڑ اور آتش زدگی کی وارداتیں اور ساری دنیا کے لیے امن و سلامتی کا پیغام لانے والے کے پرستار ہونے کے دعویداروں کی جانب سے تشدد اور بدامنی دیکھ کر کس مسلمان کا سر ندامت سے نہیں جُھک جائے گا۔"[2]

۶۔ حکومت پاکستان نے ۲۷ر فروری ۱۹۵۳ء کو حسب ذیل اعلامیہ جاری کیا:۔

"ملک کے بعض حصوں میں احمدیہ فرقہ کے متعلق جو فرقہ وارانہ تحریک چل رہی ہے اور بڑھ رہی ہے لوگوں کو اس کی خاص خاص باتوں کا اچھی طرح علم ہے۔ اس ایجی ٹیشن کے چلانے والوں نے اب حکومت کو یہ تحکمانہ چیلنج دیا ہے کہ اگر ان کے مطالبات نہ مانے گئے تو وہ ڈائریکٹ ایکشن شروع کر دیں گے۔ یہ ایجی ٹیشن احراریوں نے شروع کیا تھا اور گو بعد میں بعض دوسرے عناصر نے بھی اس کی حمایت شروع کر دی لیکن اب بھی احراری

---

[1] روزنامہ "مغربی پاکستان" لاہور ۶ر مارچ ۱۹۵۲ء صفحہ ۳ [2] روزنامہ تعمیر ۱۱ر مارچ ۱۹۵۳ء صفحہ ۳

اس کی حمایت کر رہے ہیں اور وہی اسے چلا رہے ہیں۔ لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے احرار مسلسل اور سختی کے ساتھ مسلمانوں کی تحریک آزادی کی مخالفت کرتے رہے اور انہوں نے ان لیڈروں اور جماعتوں سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا تھا جو حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ تقسیم سے قبل بہت سے احرار لیڈروں نے کانگرس اور ان جماعتوں کا ساتھ دیا اور ان سے گہرا تعاون کیا جو مسلمانوں کی جنگِ آزادی میں قائداعظم مرحوم کے مقابلہ پر صف آرا تھیں۔ قیام پاکستان کے بعد بھی اپنی انتشار پسند سرگرمیوں کو ترک نہیں کیا۔ ہمارے پاس اس امر کی معتبر شہادتیں ہیں کہ احرار اب بھی پاکستان کے نظریہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ احرار لیڈروں نے پاکستان کے دشمنوں کے اشاروں پر اور ان کی مدد سے مسلمانوں میں انتشار پھیلانے اور پاکستان کے استحکام کو نقصان پہنچانے کی ہر امکانی کوشش کی ہے۔“ [1]

۶۔ وزیر دفاع جناب سکندر مرزا صاحب نے ۲۶ فروری ۱۹۵۳ء کو خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان کو خفیہ مکتوب لکھا کہ:۔

”آپ کے ذاتی دشمنوں نے جن میں مُلّا بھی شامل ہیں جو مسائل کھڑے کر دیئے ہیں اگر سختی سے نہ دبائے گئے تو ملک کی پوری انتظامیہ کو تباہ کر کے رکھ دیں گے۔ کافی عرصے سے میں اپنی انٹیلی جینس کے آدمیوں کو کراچی میں جلسوں وغیرہ میں بھیج رہا ہوں جہاں آپ کو اور حکومت کو کھلے عام جو گالیاں دی جاتی ہیں وہ انتہائی اشتعال انگیز اور تیز و تند نوعیت کی ہیں .... کیا مذہب اسی کا نام ہے کہ سب سے بڑی اسلامی ریاست کی انتظامیہ کی بنیادوں کو تباہ کر دیا جائے؟ قاہرہ میں سر ظفراللہ خاں کا استقبال پورے احترام اور عزت کے ساتھ کیا گیا۔ وہ تمام عرب ممالک کے سربراہوں سے ملاقاتیں کر رہے ہیں جن کی نظر میں ان کی بہت عزت بھی ہے لیکن کراچی میں عام جلسوں میں انہیں گالیاں دی جا رہی ہیں اور ان کی تصویر پر تھوکا جا رہا ہے۔ گزشتہ رات

---

[1] روزنامہ جنگ کراچی یکم مارچ ۱۹۵۳ء

ایک گدھے کے جسم کے ساتھ ملا کر ان کا کارٹون بنایا گیا ہے۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ دنیا بھر کے دارالحکومتوں میں رپورٹ نہیں ہو رہا ہوگا؟ پھر ایسی صورت میں بین الاقوامی طور پر پاکستان کی کیا پوزیشن باقی رہ جاتی ہے؟ اور کیا آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس تمام خرافات کے کیا نتائج نکل رہے ہیں .... خدا کے واسطے ایک جرأت مند لیڈر بنئے اور فیصلہ کن اقدام اُٹھایئے۔ صرف ایک دفعہ آپ یہ کر کے دیکھئے بدمعاشوں کے علاوہ پوری قوم آپ کے گرد ہوگی اور پاکستان کا وقار پھر رفعتوں کو چھونے لگے گا ملک بچ جائے گا۔“ [۱]

پاکستان کے خلاف بغاوت

یہ شورش ایک مقدس نعرہ کی آڑ میں بپا کی گئی تھی جو کھلی بغاوت پر منتج ہوئی جس نے ملک کے دانشوروں اور محب وطن طبقوں کی آنکھیں کھول دیں اور انہیں برملا تسلیم کرنا پڑا کہ یہ ختم نبوت نہیں بلکہ ختم پاکستان کی تحریک ہے جو پاکستان اور اسلام دشمن طاقتوں کی سازش کا نتیجہ ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل بیانات سے عیاں ہے

۱۔ روزنامہ ”مغربی پاکستان“ نے ”نوحہ غم“ کے زیر عنوان ایک اداریہ میں لکھا:۔

”اب تو شاید عوام کو بھی اس امر کا احساس ہو چکا ہوگا کہ یہ ”راست اقدام“ مذہب کی محبت کی وجہ سے شروع نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس کا مقصد کچھ اور ہی ہے .... مذہب اور مذہب اسلام جس کی بلندی کے سامنے دنیا کی تمام بلندیاں پست ہیں یہ کبھی اجازت نہیں دیتا کہ اس قسم کی ہنگامہ آرائی کی جائے۔“

”دشمن ہماری اس حرکت پر خندہ زن ہے کہ پاکستان کے مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے اور وہ اندر ہی اندر بہت شاداں و فرحاں بھی ہیں کہ اس ہنگامہ آرائی سے یقیناً پاکستان کمزور ہو جائے گا اور وہ اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر پاکستان کو ایک ہی ضرب میں ختم کر دیں گے۔“ [۲]

---

[۱] معیار ۱ تا ۸ رمئی ۱۹۷۶ء صفحہ ۴۴۔ صفحہ ۴۵ [۲] روزنامہ ”مغربی پاکستان“ لاہور مورخہ ۱۰ر مارچ ۱۹۵۳ء صفحہ ۲ کالم ۱

۲۔ وزیراعلیٰ پنجاب جناب میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے اپنی ۱۵؍مارچ ۱۹۵۳ء کی نشری تقریر میں کہا:۔

"حفاظتِ ناموسِ رسول کے مقدس نعرے کی آڑ میں بعض شرپسند اور پاکستان دشمن عناصر نے ایسی وحشیانہ حرکات کیں جن سے اسلام کے نام کو دھبہ لگا اور پاکستان کے مفاد اور وقار کو شدید نقصان پہنچا۔ ان عناصر نے ہماری پاک مسجدوں کو غلط سیاست کی کھلی سازش کا اکھاڑا بنانے تک سے دریغ نہ کیا۔ وہ لوگ جو کل تک پاکستان کے اعلانیہ دشمن تھے۔ امن پسند اور بھولے شہریوں کی آنکھوں میں خاک ڈالنے میں کامیاب ہو گئے، ریل گاڑیوں کی پٹڑیاں اکھاڑ دی گئیں تاکہ خوراک کی نقل و حرکت مسدود ہو جائے۔ تار اور ٹیلیفون کے سلسلے کو منقطع کرنے کی کوشش کی گئی۔ بیوپاریوں اور محنت مزدوری کرنے والوں کو کام سے جبراً روکا گیا۔ دکانیں اور گھر لوٹے گئے۔ عورتوں کی بے عزتی ہوئی۔ قتل و غارت کا بازار گرم ہوا۔ غرضیکہ ہر ممکن طریق سے بدامنی اور انتشار، دہشت اور ہراس پھیلانے کی کوشش کی گئی تاکہ صوبہ کی اقتصادی اور شہری زندگی ختم ہو جائے۔

آپ نے یہ بھی محسوس کیا ہو گا کہ یہ تمام کارروائی ایسے وقت میں عمل میں لائی گئی جبکہ ہمارا ملک خصوصاً صوبہ پنجاب ایک نازک اقتصادی دور سے گزر رہا تھا۔ ایک طرف قدرتی حوادث اور نہروں میں پانی کم ہونے کے باعث خوراک کی کمی کا مسئلہ درپیش تھا دوسری طرف عالمگیر بحران نے تجارت کا بازار سرد کر رکھا تھا۔ اس مصیبت کے وقت پنجاب میں خلفشار پیدا ہونا کوئی اتفاقی سانحہ نہ تھا۔ بلکہ ایک خوفناک سازش تھی۔ ہر آزاد قوم کا شیوہ ہے کہ مصیبت کے وقت اتفاق اور اعتماد سے کام لے۔ ایسے موقع پر سراسیمگی اور خلفشار پھیلانا ملک کے دشمنوں کے سوا اور کسی کا کام نہیں ہو سکتا۔ ان دشمنوں کے وجود سے آپ اور آپ کی حکومت بے خبر نہیں تھی۔ یہ لوگ پاکستان کے شروع سے مخالف تھے اور ہر مرحلے پر اس کی ترقی اور بہبودی کی راہ میں روڑے اٹکاتے رہے ہیں ...... ان کی کھلی بغاوت کا کم از کم ایک فائدہ یہ ہوا ہے کہ ملک کے دشمن بے نقاب ہو گئے اور قوم نے انہیں ان کے اصلی رنگ اور روپ میں دیکھ لیا ہے۔ اب یہ خواہ کسی بھیس میں آئیں یا کسی لائحہ عمل کی آڑ لیں

ان کا فریب نہ چل سکے گا لیکن افسوس اُن لوگوں پر ہے جو لاعلمی اور نادانی کے باعث ان غداروں کی سازش کا شکار ہو گئے۔ جو اُن کے دھوکے میں آکر اپنی قوم اور ملک کا اور خود اپنا مفاد بھول گئے اور اُن کی شیطنت کا آلۂ کار بن گئے"[1]

وزیر اعلیٰ صاحب نے اس کے بعد ۲۰ مارچ ۱۹۵۳ء کو پنجاب اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"اس تحریک کے علمبرداروں نے نام نہاد راست اقدام جسے میں کھلی بغاوت کہتا ہوں شروع کر کے تشدد کا راستہ اختیار کیا ..... تحریک کے پہلے تین چار دنوں میں کوئی خاص ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا لیکن بعد ازاں یہ تحریک پاکستان دشمن سیاسی عنصر اور شر پسند غنڈوں کے ہاتھوں میں چلی گئی"[2]

۳۔ گورنر پنجاب جناب ابراہیم اسمٰعیل چندریگر نے ۲۱ مارچ ۱۹۵۳ء کو ایک نشری تقریر کی جس میں اس ایجی ٹیشن کو "کھلی بغاوت" قرار دیتے ہوئے کہا:۔

"بدامنی کی یہ تحریک بظاہر ختم نبوت کے تحفظ کے لیے شروع کی گئی لیکن جو مطالبات اس تحریک کے نام پر پیش کئے گئے وہ سراسر سیاسی تھے۔ عوام کو دھوکہ دینے کے لیے انہیں مذہبی رنگ دیا گیا...... اس مسئلہ کو بدامنی اور قانون شکنی کی دلیل بنانا اور ڈائریکٹ ایکشن کی ابتدا کرنا ایک خطرناک سازش تھی جس کی بیشتر ذمہ داری جماعت احرار پر عائد ہوتی ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جو شروع سے پاکستان کی دشمن رہی اور قیام پاکستان سے اب تک شاید ہی کوئی ایسا حربہ ہو جو اس نے پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لیے استعمال نہ کیا ہو.... شر پسند عناصر نے نہ صرف صوبے کے امن دامان کو تہ و بالا کرنے کی کوشش کی بلکہ قومی اور انفرادی نقصانات کا ایک طویل سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ افسوس کا مقام ہے کہ یہ سب کچھ ناموسِ رسولؐ اور اسلام کے نام پر کیا جا رہا

---

[1] پمفلٹ "پنجاب میں امن دامان قائم رکھیے" ص۱ تا ۳ ناشر محکمہ تعلقات عامہ پنجاب مارچ ۱۹۵۳ء [2] "اخبار نوائے وقت" لاہور ۲۲ مارچ ۱۹۵۳ء ص۱

تھا یا

۴ - جناب خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان نے پاکستان پارلیمنٹ میں بجٹ اجلاس کے دوران تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"جن لوگوں نے اس کی راہنمائی کی اور جو اکثریت میں تھے زیادہ تر احراری گروہ سے تعلق رکھتے تھے ...... یہی لوگ اور ان کے نمائندے ہیں جنہوں نے قائداعظم کو (نعوذ باللہ) کافر اعظم اور پاکستان کو پلیدستان" کہا جنہوں نے پاکستان کی شدید مخالفت کی اور قیام پاکستان کے بعد بھی سرحد پار کے ساتھ اپنے روابط قائم رکھے۔"

"انہوں نے غیر اسلامی چالیں اور عیاریاں اختیار کیں اسلام دانستہ دروغ بافی اور جھوٹے پراپیگنڈا کا ہرگز روادار نہیں - اس جھوٹے پروپیگنڈے کے علاوہ جو ان لوگوں نے پاکستان کے وزیر خارجہ کے خلاف کیا - انہوں نے تو یہ کہنے میں تامل نہیں کیا کہ میں قادیانی ہو گیا ہوں اور میرے ایک بیٹے نے ایک قادیانی لڑکی سے شادی کی ہے حالانکہ انہیں خود معلوم تھا کہ یہ باتیں قطعاً غلط ہیں میں سوال کرنا چاہتا ہوں کہ جس حالت میں اسلام بہتان کی اجازت نہیں دیتا ایسی بہتان آمیز تحریک اسلامی کیونکر ہو سکتی ہے اور پھر ان حرکات کو بھی پیش نظر رکھئے جو اس تحریک کے دوران کی گئیں۔ شہری دفاع کے مقاصد کے لیے لوگوں کو جو اسلحہ سپرد کیے گئے اور جو تربیت دی گئی وہ فوج اور پولیس کے خلاف استعمال کی گئی - ٹیلیفون کے تار کاٹ ڈالے گئے، سڑکیں توڑ دی گئیں - مواصلات کے سلسلے میں خلل ڈالا گیا - ڈاکخانے جلائے گئے - موٹر بسیں تباہ کر دی گئیں، ریلوے ٹرینیں روکی گئیں - لوکو شیڈ میں انجن بیکار کر دیئے گئے اور ریل کی پٹڑیاں اکھاڑ ڈالی گئیں،،[2]

---

[1] اخبار نوائے وقت ۲۳ مارچ ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ [2] تقریر خواجہ ناظم الدین صاحب وزیر اعظم

اشتہار۔ ناشر محکمہ اشتہارات فلم و مطبوعات حکومت پاکستان کراچی ۱۹۵۲ء مطبوعہ ناظر پرنٹنگ پریس کراچی

۵۔ کراچی کے سات ممتاز علماء نے انہیں دنوں ایک متفقہ بیان میں تسلیم کیا کہ :۔

"پنجاب میں جو ہولناک حوادث رونما ہوئے ..... وہ دشمنانِ پاکستان کی سوچی سمجھی ہوئی ایک سازش کے نتائج تھے جس کا مدعا یہ تھا کہ تباہ کاری اور دہشت انگیزی کو اس حد تک پہنچایا جائے کہ ملک بھر میں بغاوت اور لاقانونی اور غنڈے پن کی آگ بھڑک اُٹھے جس میں یہ مملکت جل کر خاک سیاہ ہو جائے۔"[1]

۶۔ اخبار "سفینہ" لاہور نے لکھا :۔

"احرار نے تحفظ ناموسِ رسولؐ کے لیے یہ جھگڑا شروع نہیں کیا بلکہ اُن کا مقصد پاکستان کو نقصان پہنچانا ہے یہ لوگ پاکستان کے دشمن ہیں اور اس کے ساتھ مسلمانوں کی وحدت بھی ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہے اور یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر پہلے تو اُن کے ملی شیرازے کو درہم برہم کریں اور اس کے ساتھ پاکستان کو بھی ختم کریں۔"[2]

۷۔ جناب حامد علی خاں (الحمراء۔ ۳۔ ماڈل ٹاؤن لاہور) نے ۳ مارچ ۱۹۵۳ء کے ایک مکتوب میں اس بغاوت کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا :۔

"کانگرس کے احراری ایجنٹ پاکستان کو تباہ کرنے کے لیے آجکل یکایک تحریک ختم نبوت کے علمبردار بن گئے ہیں۔ جب کشمیر کی گفتگو شروع ہوتی ہے یہ لوگ جو متحدہ ہند میں نہرو، گاندھی، پٹیل وغیرہم کے ابدی غلام بننے کی تحریک کے پُشت پناہ تھے ظفراللہ خاں کی قادیانیت کے خلاف اینٹوں، ڈنڈوں اور مغلظات کا جہاد شروع کر دیتے ہیں جو کام تبلیغ سے ہونا چاہیئے اسے فحش گالیوں سے انجام دینے کا خیال اسلام کے ان محافظوں کا عجیب و غریب کارنامہ ہے۔ کشمیر کے بعض علاقوں میں قادیانی عقیدے کے لوگوں کی

---

[1] روزنامہ "جنگ" کراچی ۲۷ مارچ ۱۹۵۳ء [2] اخبار سفینہ لاہور ۲ مارچ ۱۹۵۳ء صفحہ ۳

اکثریت ہے۔ احرار جو بیک ایک اُن کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں غالباً ہندوستان کی خفیہ خدمت ہے تاکہ جب پاکستان کے مولوی قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے لیں تو ہندوستان دنیا بھر کو بتا سکے کہ کشمیر کے بیشتر حصوں میں اکثریت مسلمانوں کی نہیں۔ غیر مسلموں کی ہے جنہیں پاکستان خود غیر مسلم کہتا ہے علاوہ ازیں اس تحریک کی کامیابی سے پاکستان تمام مغربی ممالک میں انتہا درجے کا تنگ نظر متعصب ملک بھی قرار پائے گا۔ یہ بھی بھارت کی خدمت ہے تاکہ ہندوستان سے پاکستان کی علیحدگی خود جرم عظیم ثابت کی جا سکے۔"[1]

۷۔ مولوی محمد احسن شاہ صاحب صدر انجمن خدام الصوفیہ راولپنڈی نے ایک ٹریکٹ میں لکھا:۔

"تاریخ اسلام کے اوراق اس امر کے شاہد ہیں کہ جب بھی مسلمان سلطنتوں پر زوال آیا، اور جب بھی اسلامی حکومتیں تباہی سے دوچار ہوئیں اُن میں غیروں سے زیادہ اپنوں کا ہاتھ تھا۔ بغداد اور اسپین کی مسلمان حکومتوں کا زوال اور سلطنتِ مغلیہ کی تباہی سب اپنوں ہی کی مرہونِ منت تھی۔ آج بھی پاکستان کی اسلامی مملکت کو اگر کسی سے خطرہ ہے تو اپنوں سے۔ غیر کے مقابلہ میں ہم آج بھی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط ہیں مگر خود اپنے ہی جب دشمنی پر اُتر آئیں اور بغل میں چھری گھونپنے کی کوشش کریں تو ہر سچے مسلمان اور محبِ وطن پاکستانی کا مقدس فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اُن وطن کے دشمنوں کے اصلی چہروں پر سے پردہ اٹھائے اور پاکستانی عوام پر صاف اور کھلے طور پر عیاں کرے کہ اُن لوگوں کی اصل حقیقت کیا ہے۔ جنہوں نے اپنے وطن دشمن اور گھناؤنے چہروں کو تقدس اور علمیتِ دینی کے نقابوں سے ڈھانپ رکھا ہے۔ اسی مقصد کے لیے ایک سچے مسلمان اور ایک وفادار پاکستانی شہری کی حیثیت سے میں اس فرض کو ادا کر رہا ہوں۔ میں نے اُن تقدس مآبوں کے بھرم کھول دینے کی جرأتِ رندانہ کی ہے جو "اسلام خطرے میں ہے" کا نعرہ لگا کر ملک کے امن وامان کو تہ وبالا کر رہے ہیں اور دانستہ طور پر بیرونی دشمنوں کے آلۂ کار

---

[1] ماہنامہ "چراغ راہ" کراچی فروری ۱۹۵۴ء صفحہ ۴۸ مدیر نعیم صدیقی صاحب

بن کر اُن کے لیے رستہ ہموار کر رہے ہیں ۔

یہ نام نہاد رہبر اور تقدس مآب جو کچھ اس سے پہلے کرتے رہے ہیں وہ سب بر ظاہر ہے ۔ خُراساں کے بعد عراق کا دروازہ تاتاریوں پر اُن حضرات ہی نے تو کھولا تھا آخر غرناطہ قرطبہ، بغداد، قسطنطنیہ، اصفہان اور دلی کی اینٹ سے اینٹ بجوانے میں اپنوں ہی کا تو ہاتھ تھا ۔

تقسیم ملک سے پہلے جو تقدس مآب پاکستان کی مخالفت کیا کرتے تھے وہ ایک عرصہ تک خاموش رہے اور اُس وقت کا انتظار کرتے رہے جب کہ وہ کسی مذہبی نعرے کی آڑ لے کر مسلمانانِ پاکستان کو مشتعل کر کے اپنا سیاسی انتقام لے سکیں اور اس طرح پاکستان کی آزادی کو ختم کروا سکیں ۔ موقع مل گیا اور عرصہ سے سوچی سمجھی ہوئی سکیموں پر عمل درآمد کرنے کا وقت آ گیا ۔

اس ناپاک مقصد کے لیے ختم نبوت کے مقدس عقیدہ کو بہانا بنایا گیا اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے فائدہ اٹھا کر ختمِ نبوتؐ کے نام پر ملک میں ایک تحریک سول نافرمانی کا آغاز کر دیا گیا، لوگوں کو قانون شکنی پر اُبھارا گیا، انہیں لوٹ مار اور غنڈہ گردی کی تلقین کی اور اس طرح جہاں پاکستان کے امن پسند شہریوں کے جان و مال کے لیے خطرہ پیدا کیا وہاں پر لگے ہاتھوں خود پاکستان کی داخلی و خارجی آزادی کو معرضِ خطر میں ڈال دیا .... پنجاب کی حکومت اور راولپنڈی کے حکام نے ہمیشہ اور ہر حال میں اس تحریک کا احترام کیا ۔ اس کا ثبوت اس بات سے مل سکتا ہے کہ صوبہ کے کسی شہر میں بھی اس وقت تک دفعہ ۱۴۴ یا کرفیو کا نفاذ نہیں کیا گیا جب تک کہ انتشار پسند، وطن دشمن، غنڈہ عناصر اور اپنی سیاسی اغراض کے لیے اس تحریک کو آلہ کار بنانے والوں نے پُرامن شہریوں کے شہری حقوق کے لیے ایک عظیم خطرہ پیدا نہیں کر دیا، حکومت کی فراخ دلانہ پالیسی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تحریک ختمِ نبوت کی آڑ میں ...... لوٹ مار اور غنڈہ گردی کی گئی، قانون کا مضحکہ اُڑایا گیا، جس طرح حکومت کے ملازمین پر قاتلانہ حملے کئے گئے، موٹر لاریوں اور مکانات کو آگ لگائی گئی اور حکومت کے نظم و نسق میں ایک منظم سازش کے تحت ابتری پیدا کرنے کی کوشش سے

کی گئی ۔"

" وہ لوگ جو کل تک پاکستان کے قیام کو غلط سمجھتے تھے اور آج بھی اپنی روش پر قائم ہیں، جو آج بھی غیر ملکی طاقتوں کے آلۂ کار بن کر بے مثال قربانیوں کے بعد حاصل کی گئی آزادی کو ختم کروانا چاہتے ہیں، جو ایک مذہبی تحریک کے پردے میں اپنی سیاست کی دوکان چمکانا چاہتے ہیں۔ جنہیں پاکستان سے زیادہ ہندوستان عزیز ہے ۔ جو نازک حالات کا فائدہ اٹھا کر لوٹ مار اور غنڈہ گردی کرنا چاہتے ہیں ۔ جو پُرامن شہریوں کے جان و مال کے لیے ایک عظیم خطرہ ہیں اس موقع کو ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتے تھے انہوں نے ایک مقدس مطالبہ کو سول نافرمانی کی شکل دے دی ۔"

" ختم نبوت کی اس نام نہاد تحریک میں مندرجہ ذیل عناصر برسرپیکار ہیں : ۔

۱۔ وہ سادہ لوح مسلمان جو "عقیدہ ختم نبوت" میں اندھا یقین رکھتے ہیں اور جن کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر ان مولویوں نے اپنے ساتھ لگایا ہوا ہے ۔

۲۔ وہ لوگ جو اس تحریک کو اپنی سیاسی اغراض کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

۳۔ وہ لوگ جو ملک میں بدامنی پھیلا کر لوگوں کو اپنی حکومت سے بدگمان کرنا چاہتے ہیں ۔

۴۔ وہ لوگ جو اس تحریک کی آڑ میں اپنا سیاسی انتقام لینا چاہتے ہیں ۔

۵۔ وہ لوگ جو اس بدامنی کا فائدہ اٹھا کر لوٹ مار اور غنڈہ گردی کرنا چاہتے ہیں ۔

سب سے پہلے مجھے اُن سادہ لوح مسلمانوں سے کچھ کہنا ہے جن کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر ان لوگوں نے اپنا آلۂ کار بنا رکھا ہے ۔

میرے بھائیو! "عقیدہ ختم نبوت" پر ہر مسلمان کا ایمان ہے ۔ ہماری حکومت کے تمام اراکین اس بات پر متفق ہیں اور اُن کا ایمان ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ آیا ہے اور نہ آئے گا ۔ مگر انصاف سے بتایئے ، اپنے دلوں کو ٹٹولیئے اور کہیے کہ کیا ختم نبوت پر ایمان رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ جو اس عقیدہ پر ایمان نہیں رکھتے ان کے گھروں کو آگ لگا دی جائے ؟ انہیں قتل کر دیا جائے ، اور انہیں نوکریوں سے نکال دیا جائے ؟ اس ملک میں مسلمانوں کے تمام فرقوں کے علاوہ دوسری قومیں

بھی آباد ہیں اُن میں ہندو، عیسائی، پارسی اور یہودی بھی ہیں یہ لوگ تو ہمارے پیارے نبیؐ پر ایمان ہی نہیں رکھتے ختمِ نبوت تو ایک علیٰحدہ چیز ہے۔ یہ لوگ تو رسولِ کریمؐ کو نبی ہی نہیں مانتے۔ کیا صرف اس لیے اُن کے گھروں کو آگ لگا دی جائے، ان کے بچوں کو قتل کر دیا جائے، انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، اور انہیں نوکریوں سے برطرف کر دیا جائے؟

اور کیا آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ کے مذہبی جذبات کو بھڑکانے والے اور آپ کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھانے والے بزرگ کون ہیں؟ اُن کا مقصد کیا ہے اور وہ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ آئیے میں آپ کو بتاؤں کہ وہ کیا ہیں اور کیا کرنا چاہتے ہیں۔

ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس تحریک کو اپنی سیاسی اغراض کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں؟ قوم ان کو دھتکار چکی ہے۔ قوم نے ان کو اعتماد کا اہل نہیں سمجھا اور قوم انہیں نا اہل سمجھتی ہے۔ اس لیے یہ لوگ اب آپ کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر اُس کھوئی ہوئی شہرت و عظمت کو بحال کرنا چاہتے ہیں جو یہ اپنی نا اہلیوں اور نالائقیوں سے کھو چکے ہیں۔

ان کے بعد کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس تحریک کی آڑ لے کر ملک میں بدامنی پھیلا کر لوگوں کو اپنی حکومت سے بدگمان کرنا اور اپنی پارٹی کی حکومت کے لیے راستہ صاف کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ آئینی طور پر تو تمام عمر برسرِ اقتدار نہیں آسکتے اور نہ ہی دنیا کے کسی ملک میں آئے ہیں اور اسی لیے تشدّد کے حربے استعمال کر کے حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں۔ ان کا اصلی چہرہ شاید آپ کی نظر سے پوشیدہ ہو، مگر میں آپ کو نقاب اُلٹ کر ان کے درشن کرواتا ہوں۔ یہ ہیں آپ کے دشمن، آپ کے نظام کے دشمن، آپ کے ملک کے دشمن اور اسلام کے دشمن کمیونسٹ۔

یہ اگر خدا کو نہیں مانتے مگر وقت پڑنے پر مذہب کی آڑ لینے میں دریغ نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ خدا کے نہ ماننے والے کے دل میں ختمِ نبوت کے عقیدہ سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے مگر یقین جانیئے کہ جس مشتعل جلوس نے راولپنڈی شہر کے تھانے پر پتھر برسائے تھے اور جو ہجوم تھانے کو آگ لگانے کی غرض سے آیا تھا اس کی قیادت ایک

کمیونسٹ نوجوان کر رہا تھا۔

اس کے بعد آیئے اپنے ان دوست نما دشمنوں کی طرف جو اس تحریک کی آڑ میں اپنا سیاسی انتقام لینا چاہتے ہیں ان میں احراری حضرات قابلِ ذکر ہیں۔

"مجلس احرار کے بزرگوں نے جس طرح ہندوؤں کے سرمایہ کے بل بوتے پر مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کی مخالفت کی وہ آپ سے پوشیدہ نہیں۔ قیام پاکستان سے قبل بھی مجلس احرار کے لیڈر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لیے ختمِ نبوت کے نعرے کو استعمال کیا کرتے تھے۔ پاکستان کی مخالفت کے لیے بھی ان حضرات نے اسی نعرے کو استعمال کیا اور ایک جماعت کی حیثیت سے مسلمانوں کے مطالبہ کی مخالفت کی۔ اس مقصد کے لیے اس کے لیڈر غیر مسلموں اور مسلمانوں کے دشمنوں سے بھاری رقمیں رشوت کے طور پر وصول کیا کرتے تھے مگر ان کی تمام تر مخالفتوں کے باوجود پاکستان بن گیا۔ پاکستان کی تشکیل کے کافی عرصہ بعد تک تو یہ احراری حضرات خاموش رہے اور جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ ان کا ماضی بھول گئے ہیں تو پھر دوبارہ ختمِ نبوت کے سلسلہ کو آڑ بنا لیا اور سادہ لوح مسلمانوں کو ساتھ ملا کر تحریک سول نافرمانی کا آغاز کر دیا۔ یہ لوگ بڑے عرصے سے ایسے موقع کی تلاش میں تھے۔ یہ موقع مل گیا اور اپنا سیاسی انتقام لینے کے لیے ان بزرگوں نے ملک میں بدامنی شروع کرا دی۔ یہ جب بھی پاکستان کے دشمن تھے اور آج بھی ہیں۔ یہ اُس وقت بھی پاکستان کی مخالفت کا صلہ انعام کی صورت میں ہندوؤں سے وصول کیا کرتے تھے اور آج بھی اسی ڈگر پہ چل رہے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مجلس احرار نے دلی طور پر پاکستان کے قیام کو قبول نہیں کیا اور وہ اس حقیقت کو اس طرح ملک میں بدامنی پھیلا کر ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ ملک میں ایسے حالات پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ دشمن طاقتوں کو پاکستان کی آزادی ختم کرنے کا موقعہ مل جائے۔"[1]

---

[1] اعلانِ حق صفحہ ۳ تا ۱۲ مطبوعہ تعمیر پرنٹنگ پریس راولپنڈی

۸ - پاکستان کے ایک ممتاز صحافی مسٹر زیڈ۔ اے سلہری نے واضح الفاظ میں یہ حقیقت پیش کی کہ :۔

"قادیانیوں کے خلاف تحریک کی اصلیت کچھ بھی ہو، لیکن یہ کہنا پڑے گا کہ اس تحریک نے حکومت کے خلاف ایک کھلی بغاوت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس تحریک نے تمام پنجاب میں ہلچل پیدا کر دی اور صوبے کا سارا انتظام متزلزل ہو کے رہ گیا جس کے ساتھ قتل و غارت گری اور بہیمانہ کارروائیوں کا بازار گرم ہو گیا اور جائیداد کا بھی زبردست نقصان ہوا"۔[1]

جماعت احمدیہ کیخلاف وسیع پیمانے پر تشدد

شورش پسندوں نے جس زور اور شدت سے حکومت پاکستان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اسی درجہ طاقت و قوت کے ساتھ معصوم اور نہتے احمدی اُن کے غیظ و غضب اور تشدد کا نشانہ بنے۔ اس طرح پاکستان کے ازلی مخالفوں نے جماعت احمدیہ سے قیام پاکستان کے جہاد میں شرکت کا انتقام لینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس زمانہ میں جبکہ ظاہر بین نگاہیں سمجھ رہی تھیں کہ تحریک احمدیت کا نام ونشان تک صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا، جماعت کے اولوالعزم امام حضرت مصلح موعود نے ۳ر مارچ ۱۹۵۳ء کو جماعت احمدیہ کے نام پیغام دیا کہ :۔

"آپ بھی دعا کرتے رہیں مَیں بھی دعا کرتا ہوں۔ انشاء اللہ فتح ہماری ہے کیا آپ نے گزشتہ چالیس سال میں کبھی دیکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے چھوڑ دیا؟ تو کیا اب وہ مجھے چھوڑ دے گا؟ ساری دنیا مجھے چھوڑ دے مگر وہ انشاء اللہ مجھے کبھی نہیں چھوڑے گا۔ سمجھ لو کہ وہ میری مدد کے لیے

---

[1] اداریہ ٹائمز آف کراچی (۹ر دسمبر ۱۹۵۴ء)۔ اس اداریہ کا مکمل اردو ترجمہ رسالہ "ترجمان القرآن" لاہور جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۲ تا ۹ میں شائع شدہ ہے۔

دوڑا آرہا ہے ۔ وہ میرے پاس ہے۔ وہ مجھ میں ہے ۔ خطرات ہیں اور بہت ہیں ۔مگر اُس کی مدد سے سب دور ہو جائیں گے ۔تم اپنے نفسوں کو سنبھالو اور نیکی اختیار کرو ۔سلسلہ کے کام خدا خود سنبھالے گا"۔[1]

یہ پیغام خدا کے موعود و مقدس خلیفہ نے القائے ربانی کے تحت دیا تھا جس کے بعد خدا تعالیٰ کی تائیدات سماوی کے غیبی سامان پیدا ہوئے مگر جماعت احمدیہ بے شمار مصائب و مشکلات کے طوفانوں میں بھی گھر گئی تھی جس کے دوران خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستانی احمدیوں نے انتہائی مخالفت کے باوجود صبر و رضا اور ایثار و قربانی کا بے مثال نمونہ دکھلایا جو اس کا واضح ثبوت تھا کہ یہ جماعت خدا تعالیٰ کی قائم کردہ ہے اور انہی قدموں پر چل رہی ہے جن پر خدائی جماعتیں ہمیشہ چلتی آئی ہیں اور ترقی کرتی رہی ہیں ۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام فلسفہ ابتلاء پر بصیرت افروز روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"ابتلاء جو اوائل حال میں انبیاء اور اولیاء پر نازل ہوتا ہے اور باوجود عزیز ہونے کے ذلت کی صورت میں ان کو ظاہر کرتا ہے اور باوجود مقبول ہونے کے کچھ مردود سے کر کے اُنکو دکھاتا ہے یہ ابتلاء اس لیے نازل نہیں ہوتا کہ اُن کو ذلیل اور خوار اور تباہ کرے یا صفحۂ عالم سے ان کا نام و نشان مٹا دیوے کیونکہ یہ تو ہر گز ممکن ہی نہیں کہ خداوند عزّ وجلّ اپنے پیار کرنے والوں سے دشمنی کرنے لگے اور اپنے سچے اور وفادار عاشقوں کو ذلّت کے ساتھ ہلاک کر ڈالے بلکہ حقیقت میں وہ ابتلاء کہ جو شیرِ ببر کی طرح اور سخت تاریکی کی مانند نازل ہوتا ہے اس لیے نازل ہوتا ہے کہ تا اُس برگزیدہ قوم کو قبولیت کے بلند مینار تک پہنچا دے ۔ اور الٰہی معارف کے باریک دقیقے ان کو سکھا وے ۔یہی سُنّت اللہ ہے ۔جو قدیم سے خدائے تعالیٰ اپنے

---

[1] ہفت روزہ "فاروق" لاہور ۔۴ ۔مارچ ۱۹۵۳ء صفحہ

پیارے بندوں کے ساتھ استعمال کرتا چلا آیا ہے **زبور** میں حضرت داوٗدؑ کی ابتلائی حالت میں عاجزانہ نعرے اس سنّت کو ظاہر کرتے ہیں اور انجیل میں آزمائش کے وقت میں حضرت مسیح کی غریبانہ تضرعات اِسی عادت اللہ پر دال ہیں اور **قرآن شریف** اور احادیث نبویہ میں جناب فخر الرسلؐ کی عبودیت سے ملی ہوئی ابتہالات اسی قانونِ قدرت کی تصریح کرتے ہیں ؛ اگر یہ ابتلاء درمیان میں نہ ہوتا تو انبیاء اور اولیاء اُن مدارج عالیہ کو ہرگز نہ پاسکتے کہ جو ابتلاء کی برکت سے انہوں نے پالیئے ۔ ابتلاء نے اُن کی کامل وفاداری اور مستقل ارادے اور جانفشانی کی عادت پر مُہر لگادی اور ثابت کر دکھایا کہ آزمائش کے زلازل کے وقت کس اعلیٰ درجہ کا استقلال رکھتے ہیں ۔ اور کیسے سچے وفادار اور عاشق صادق ہیں کہ اُن پر آندھیاں چلیں اور سخت سخت تاریکیاں آئیں اور بڑے بڑے زلزلے اُن پر وارد ہوئے اور وہ ذلیل کیے گئے ، اور جھوٹوں اور مکاروں اور بے عزتوں میں شمار کیے گئے اور اکیلے اور تنہا چھوڑے گئے یہاں تک کہ ربانی مددوں نے بھی جن کا اُن کو بڑا بھروسہ تھا کچھ مُدّت تک مُنہ چُھپا لیا اور خدا تعالیٰ نے اپنی مربیانہ عادت کو بہ یکبارگی کچھ ایسا بدل دیا کہ جیسے کوئی سخت ناراض ہوتا ہے اور ایسا اُنہیں تنگی و تکلیف میں چھوڑ دیا کہ گویا وہ سخت مورد غضب ہیں اور اپنے تیئں ایسا خشک سا دکھلایا کہ گویا وُہ اُن پر ذرا مہربان نہیں بلکہ اُن کے دشمنوں پر مہربان ہے اور اُن کے ابتلاؤں کا سلسلہ بہت طویل کھینچ گیا ۔ ایک کے ختم ہونے پر دوسرا اور دوسرے کے ختم ہونے پر تیسرا ابتلاء نازل ہوا ۔ غرض جیسے بارش سخت تاریک رات میں نہایت شدّت وسختی سے نازل ہوتی ہے ایسا ہی آزمائشوں کی بارشیں اُن پر ہوئیں پر وہ اپنے پکّے اور مضبوط ارادہ سے باز نہ آئے اور سُست اور شکستہ دِل نہ ہوئے بلکہ جتنا مصائب و شدائد کا بار اُن پر پڑتا گیا اُتنا

ہی انہوں نے آگے قدم بڑھایا اور جس قدر وُہ توڑے گئے اُسی قدر وہ مضبوط ہوتے گئے اور جس قدر اُنہیں مشکلات راہ کا خوف دلایا گیا اُسی قدر اُن کی ہمت اور شجاعت ذاتی جوش میں آتی گئی۔ بالآخر وہ اُن تمام امتحانات سے اوّل درجہ کے پاس یافتہ ہوکر نکلے اور اپنے کامل صدق کی برکت سے پورے طور پر کامیاب ہوگئے اور عزّت اور حرمت کا تاج اُن کے سر پر رکھا گیا اور تمام اعتراضات نادانوں کے ایسے حباب کی طرح معدوم ہوگئے کہ گویا وُہ کچھ بھی نہیں تھے غرض انبیاء و اولیاء ابتلاء سے خالی نہیں ہوتے بلکہ سب سے بڑھ کر انہیں پر ابتلاء نازل ہوتے ہیں اور انہیں کی قوتِ ایمانی ان آزمائشوں کی برداشت بھی کرتی ہے عوام النّاس جیسے خدا تعالےٰ کو شناخت نہیں کر سکتے ویسے اُس کے خالص بندوں کی شناخت سے بھی قاصر ہیں بالخصوص ان محبوبانِ الٰہی کی آزمائش کے وقتوں میں تو عوام النّاس بڑے بڑے دھوکوں میں پڑ جاتے ہیں گویا ڈوب ہی جاتے ہیں اور اتنا صبر نہیں کر سکتے کہ اُنکے انجام سے منتظر رہیں۔ عوام کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ جلّ شانہٗ جس پودے کو اپنے ہاتھ سے لگاتا ہے اُس کی شاخ تراشی اس غرض سے نہیں کرتا کہ اُس کو نابود کر دیوے۔ بلکہ اس غرض سے کرتا ہے کہ تا وہ پودا پھول اور پھل زیادہ لاوے اور اُس کے برگ اور بار میں برکت ہو۔ پس خلاصہ کلام یہ کہ انبیاء اور اولیاء کی تربیت باطنی اور تکمیل رُوحانی کے لیے ابتلاء کا اُن پر وارد ہونا ضروریات سے ہے اور ابتلاء اس قوم کے لیے ایسا لازم حال ہے کہ گویا ان ربّانی سپاہیوں کی ایک روحانی وردی ہے، جس سے یہ شناخت کیے جاتے ہیں۔" [1]

---

[1] سبز اشتہار صفحہ ۱۱۔۱۴ مطبوعہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ریاض ہند پریس امرتسر

تاریخ احمدیت کی سولھویں جلد میں ۱۹۵۳ء کے دورِ ابتلاء کا چار حصّوں میں تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

پہلے حصّہ میں اُن زہرہ گداز روح فرسا ورد انگیز اور صبر آزما واقعات کی تفصیل درج ہے جو مظلوم احمدیوں کو مختلف صوبوں اضلاع اور مقامات میں پیش آئے
یہ تفصیل ایک تو اُن مکتوبات سے اخذ کی گئی ہے جو اس زمانہ میں حضرت مصلح موعود کی خدمتِ اقدس میں یا مرکز میں موصول ہوئے، دوسرے اُن چشم دید بیانات سے جو فسادات کے بعد سلسلہ احمدیہ کے محقق و فاضل جناب مہاشہ ملک فضل حسین صاحبؓ مرحوم[1] نے حضور کی خصوصی ہدایت پر بڑی محنت اور عرق ریزی سے جمع فرمائے تھے۔ علاوہ ازیں تحقیقاتی عدالت کی مطبوعہ رپورٹ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے

دوسرا حصّہ سیدنا حضرت مصلح موعود کی حیرت انگیز محنت وریاضت، عدیم المثال رہنمائی پیغامات، مرکز سے اطلاعات کا انتظام اور خاندانِ حضرت مسیح موعود کے بے نظیر صبر و استقلال جیسے اہم امور پر مشتمل ہے۔

تیسرا حصّہ تحقیقاتی عدالت میں وکلاءِ احمدیت کی شاندار نمائندگی اور حضرت مصلح موعود کے ایمان افروز بیان سے متعلق ہے

چوتھے حصّہ میں اس جماعتی ابتلاء کی عظیم الشان برکات اور اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والے نصرتِ خداوندی کے نشانات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔
آخر میں اس دور کی بعض اہم تحریرات ضمیمہ کی صورت میں منسلک کی گئی ہیں۔

---

[1] وفات ۱۸ ستمبر ۱۹۷۵ء

حصّہ اوّل

پہلا باب

اضلاع راولپنڈی، گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کی احمدی جماعتوں کے واقعات

فصل اوّل

راولپنڈی شہر

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں راولپنڈی شہر کے متعلق لکھا ہے کہ :۔

”یہاں بھی فسادات کے آغاز سے پیشتر واقعات کی رفتار بالکل صوبے کے دوسرے قصبوں ہی کی مانند تھی ...... آل پارٹیز مسلم کنونشن کے بعد احراری دوسرے مذہبی فرقوں کے مبلغوں اور پیرؤوں کا تعاون حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مساجد احمدیوں کے خلاف پراپیگنڈا کا مرکز بن گئیں اور جمعہ کے خطبات تو احمدی عقائد کی مذمت و مخالفت کے لیے وقف ہی کر دیئے گئے“۔[1]

پھر لکھا ہے :۔

”جب ۶ مارچ کو سیالکوٹ اور لاہور کے واقعات کے متعلق مبالغہ آمیز افواہیں پھیلیں اور یہ اطلاع موصول ہوئی کہ حکومت پنجاب نے مطالبات منظور کر لیے ہیں اور کراچی کو اس منظوری کی اطلاع دے دی ہے تو صورت حالات بے حد نازک ہو گئی۔ فوری نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے خیال کیا حکومت نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ چنانچہ جلوس زیادہ جارحانہ ہو گئے اُن کی تعداد بھی بڑھ گئی اور ان کو لاٹھی چارج سے منتشر کرنا پڑا۔

۶ مارچ کو لیاقت باغ میں ایک اور جلسہ منعقد ہوا۔ ایک ہجوم نے جلسے کے بعد منتشر ہو کر مری روڈ کا رخ کیا اور احمدیوں کی ایک مسجد اور ایک چھوٹی موٹر کار کو آگ لگا دی۔ اسی شام کو کچھ دیر بعد لوٹ مار اور آتش زنی کے مزید واقعات بھی رونما ہوئے۔ احمدیہ کمرشل کالج، نور آرٹ پریس اور پاک ریسٹوران شہر کے مختلف حصوں میں واقع تھے۔ لیکن لوگ

---

[1] ”رپورٹ تحقیقاتی عدالت“ ص ۱۸۴-۱۸۵ (مقررکردہ زیر پنجاب ایکٹ ۲ ۱۹۵۴ء) برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء اردو ـ مطبوعہ انصاف پریس لاہور۔

زبردستی اُن میں گھس گئے۔ اور انہوں نے مختلف اشیاء کو لوٹنے جلانے اور تباہ کرنے کی کوشش کی۔ ایک غیر احمدی نوجوان نور آرٹ پریس میں ملازم تھا۔ اس کو احمدی سمجھ کر چھرا مارا گیا اور وہ اسی زخم کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔ جب صورتِ حالات سخت خطرناک ہو گئی تو ۶ مارچ کو فوج طلب کر لی گئی۔"[1]

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں راولپنڈی کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ یہ واقعات کا اجمالی تذکرہ ہے۔ ذیل میں اس کی کسی قدر تفصیل بعض چشم دید بیانات کی روشنی میں دی جاتی ہے۔

بیت احمدیہ راولپنڈی

قائد مجلس خدام الاحمدیہ راولپنڈی چوہدری عبدالغنی رشدی صاحب[2] بیت احمدیہ (واقع مری روڈ حال شاہراہ رضا شاہ پہلوی) کے سامنے ایک چھت پر کھڑے تھے آپ ایک بیان میں لیاقت باغ کے جلسہ کی انتہائی اشتعال انگیز تقریروں کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

"اتنے میں گولڑہ کا قافلہ جلسہ گاہ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ عوام اس کی طرف بھاگے۔ اور پھر جلوس کی شکل میں یہ قافلہ مری روڈ کی طرف چلا۔ اس کی راہنمائی .... کر رہا تھا۔ یہ جلوس نہایت اشتعال انگیز نعرے لگا رہا تھا۔ جب یہ جلوس بیت انجمن احمدیہ (واقع مری روڈ۔ راولپنڈی۔ ناقل) کے قریب پہنچا تو وہاں آکر رک گیا اور نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ دو آدمیوں نے جلوس کو آگے بڑھانے کی کوشش کی مگر جلوس زیادہ مشتعل ہو گیا اتنے میں قرب و جوار کے مکانوں سے بیت احمدیہ پر سنگباری شروع ہو گئی اور جلوس نے بھی پتھروں کے ذریعہ بیت احمدیہ کے دروازے توڑنے شروع کیے۔ جب دروازہ ٹوٹ گیا تو کچھ لوگ اندر گھس گئے اور اندر سے اخبارات اٹھا لائے۔ کچھ لوگ اتنے میں باہر سے آکر اوپر گیلری میں چڑھ گئے اور اس عرصہ میں بیت کے سامنے ایک معزز غیر احمدی کی کار تھی۔ اس کو کسی شخص نے چلا کر موڑا کہ ایک لڑکے نے اینٹ ماری اور بہت سے لوگ اس پر پل پڑے اور کار کے

---

[1] "رپورٹ تحقیقاتی عدالت اردو ص ۱۸۵
[2] ولادت ۱۹۲۰ء وفات ۲۳ نومبر ۱۹۷۶ء

شیشے توڑ دیئے ۔ شیشے توڑنے والوں میں ایک سانولے رنگ کا داڑھی والا شخص بھی تھا۔ ہم نے جو کہ چھت پر یہ نظارہ دیکھ رہے تھے ایک شخص کو تھانے اطلاع کرنے کیلئے بھیج دیا کیونکہ پولیس ابھی تک نہ آئی تھی اور جو دو چار سپاہی پہلے موجود تھے وہ بھی غائب ہو چکے تھے۔ ہجوم میں سے ایک لڑکے نے کار کا ڈھکنا اٹھا کر ماچس کی تیلیاں جلا کر آگ لگانے کی کوشش کی مگر جب آگ نہ لگ نہ سکی تو کار کو اُلٹا دیا گیا اور جو پیٹرول نکلا اُسے آگ لگا دی۔ اسی پیٹرول کی مدد سے اور بیت کے اندر سے جو گھاس وغیرہ نکالا گیا تھا اس سے بیت کے دروازے کو آگ لگا دی۔ اسی عرصہ میں کافی لوگ بیت کے اندر گھس چکے تھے اور انہوں نے گیراج کی طرف کا دروازہ بھی توڑ دیا تھا۔ پھر میں اس کے بعد تھانہ کیطرف گیا کیونکہ آگ کے شعلے بہت بلند ہو چکے تھے۔ راستہ میں چند لوگ بیت کا بورڈ اٹھائے ہوئے آئے اور انہوں نے وہ چوہدری مولا داد صاحب کے مکان کے قریب گندے نالہ میں پھینک دیا ..... جلوس تقریباً پانچ بجے (بعد نماز عصر ۔ ناقل) بیت کے سامنے پہنچا تھا اور آگ پانچ بجکر دس منٹ پر لگائی گئی۔ پہلا شخص پانچ بجکر پندرہ منٹ پر تھانہ گیا۔ پھر میں اس کے دس منٹ بعد پہنچا۔ مگر پولیس اور فائر بریگیڈ پونے چھ بجے موقعہ پر پہنچے۔ جب آگ لگائی جا رہی تھی تو اس وقت ایک شخص کی آواز جو کہ اوٹ میں تھا آ رہی تھی کہ شاباش مجاہدو۔ لوٹو۔

بیت احمدیہ مری روڈ راولپنڈی کے اندر اس وقت سید اعجاز احمد شاہ صاحب انسپکٹر بیت المال ربوہ بھی تھے۔ آپ کا تحریری بیان ہے کہ :۔

" قریب پانچ بجے شام جلسہ نعروں پر ختم کر کے جلوس کی شکل میں ہجوم مری روڈ پر چل پڑا اور انجمن احمدیہ واقع مری روڈ پر جو لیاقت باغ سے دس منٹ کے فاصلہ پر واقع ہے آ کر رکا ..... اس وقت انجمن احمدیہ میں عاجز اور عاجز کے علاوہ دس اور احمدی دوست موجود تھے[1]

---

[1] ۱۔ مولانا رشید احمد صاحب چغتائی سابق مبلغ بلاد عربیہ ۲۔ چوہدری غلام قادر صاحب آف ربوہ۔ ۳۔ چوہدری سردار خان صاحب ساکن ٹھری تحصیل کہوٹہ ضلع راولپنڈی۔ ۴۔ چوہدری ریاض احمد صاحب ساکن پنجگرائیں ضلع سیالکوٹ ۵۔ حکیم آل احمد صاحب ترکستانی۔ ۶۔ بابو غلام حید صاحب پنشنر ریلوے گارڈ۔ ۷۔ میاں عبدالسمیع صاحب بد وملہی وغیرہ

جن میں تین ضعیف العمر اور ایک سولہ سترہ سالہ لڑکا تھا جلوس کی انجمن کی طرف پیش قدمی کی اطلاع سن کر خاکسار نے انجمن احمدیہ سے باہر ایک احمدی کے مکان پہ یہ اطلاع بھجوا دی کہ جلوس کا رخ انجمن کی طرف ہے اور انجمن میں موجود دوستوں سے عرض کیا کہ "تمام دروازے کھڑکیاں انجمن کی بند کر دیں اور کوئی دوست جلوس کو دیکھنے کی بھی کوشش نہ کرے ..... جلوس انجمن کے سامنے آ کر رکا اور نعرے بلند کرتا رہا۔ جلوس کے ایک ہجوم نے حملہ بول دیا۔ عین اُس وقت جبکہ عمارت کے دروازوں سے یہ سلوک جاری تھا انجمن کے ملحقہ مکانات کی طرف سے پتھراؤ شروع ہو گیا ...... انجمن احمدیہ کی بیرونی عمارت کو آگ لگا دی گئی۔ چنانچہ آگ چشم زدن میں لگ گئی۔ آگ کے دھوئیں اور تپش کی وجہ سے جب ہم نے دیکھا کہ حملہ آور سب کے سب عمارت سے باہر بھاگ گئے ہیں اور اب اندر رہنا خطرہ سے خالی نہیں تو احمدی احباب انجمن سے ملحقہ ایک مکان کی دیوار پر چڑھے ...... ہمارے ساتھ جو بزرگ معمر احمدی دوست تھے ان کو نوجوان سہارا دے کر دوسرے مکان میں لائے دوسرے مکان والوں نے تمام دروازے بند کر رکھے تھے مگر ہمارے کہنے سُننے پر انہوں نے دروازہ کھول دیا اور ہمارے ساتھی دوسری طرف نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ باہر ہجوم کے کچھ نوجوان موجود تھے جنہوں نے ہمارے دو ایک آدمیوں کو پکڑا اور دھول دھپے مارے .... یہ تمام کارروائی قریباً نصف گھنٹہ میں ہوئی۔"

اس آتشزدگی سے بیت کی عمارت کا جو نقصان ہوا وہ تقریباً اٹھائیس سو روپیہ کا تھا اور اور اس کے اندر جو سامان ضائع یا لوٹا یا جلایا گیا (جیسے اخبار۔ کتابیں۔ دریاں۔ قناتیں چارپائیاں سائبان وغیرہ) اندازاً پندرہ سو روپیہ مالیت کا ہو گا۔

علاوہ ازیں اس کے ملحقہ مکان میں بعض اور احمدی بھی رہتے تھے ان کا جو سامان برباد ہوا وہ (۱۱۲۵) سوا گیارہ سو روپیہ کا تھا۔ اس طرح یہ سارا نقصان قریباً ساڑھے پانچ ہزار روپیہ کا ہوا۔"

اس سلسلہ میں جناب ملک برکت اللہ خاں صاحب کا حلفیہ بیان حسب ذیل ہے۔

"میں برکت اللہ خاں ولد ملک نیاز محمد خاں۔ عارضی سکونت راولپنڈی حلفیہ طور پر بیان

دیتا ہوں کہ :۔

۶ر مارچ ۱۹۵۳ء بروز جمعہ۔ مَیں نماز جمعہ پڑھنے کے لیے حسبِ معمول بیت احمدیہ واقع مری روڈ گیا۔ نماز پڑھے جانے کے بعد حسب معمول مَیں نماز عصر تک وہیں رہا۔ نماز عصر پڑھنے کے بعد ایک صاحب چوہدری یوسف علی صاحب کی دعوتِ چائے پر میں انکے مکان پر جو کہ بیتِ احمدیہ کے بالمقابل کی گلی میں ہے چلا گیا۔ تقریبًا ۵ بجے شام ایک بڑا ہجوم جس کی تعداد ۱۵۰۰ سے ۲۰۰۰ کے درمیان ہوگی لیاقت باغ کی طرف سے بیت احمدیہ کی طرف آیا پہلے کچھ حصّہ سیدھا آگے گزر گیا لیکن پھر ایک شخص نے بیت احمدیہ کی منڈیر پر چڑھ کر ہاتھوں کے اشاروں سے ہجوم کو روکا۔ اور پھر بیت کے ملحقہ گلی کی جانب بھیجنا شروع کیا۔ چند لڑکے بیت کی بیرونی منڈیر پر بیٹھ گئے۔ ہجوم کا اگلا اور فعّال حصّہ دیہاتی اور اُجڈ قسم کے لوگوں کی اکثریت پر مشتمل تھا جو کہ باہر سے منگوائے گئے، معلوم ہوتے تھے۔ ہجوم عجیب شور و غل کرتا ہوا آرہا تھا۔ اور اگلے حصّہ میں لوگ بھانگڑا قسم کا ناچ کرتے ہوئے آرہے تھے۔

بیت احمدیہ کے دروازے بند تھے۔ ہجوم نے پتّھر اور روڑے دروازوں پر مارنے شروع کر دیئے۔ جس سے گلی سے ملحقہ دروازہ بالکل ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد دو نوجوان عمارت کے چھجے پر چڑھ گئے اور جو بورڈ آویزاں تھے ان کو اتار پھینکا۔ علاوہ ازیں عمارت کا بڑا دروازہ بھی ہجوم نے کھول لیا۔ ایک کار بیت کے بالکل ساتھ کھڑی تھی۔ ہجوم نے اُس پر پتھراؤ کرنا شروع کر دیا۔ ایک شخص نے جو کہ غالبًا کار کے مالک کا ملازم ڈرائیور ہوگا کار کو سٹارٹ کر کے ہجوم کی زد سے باہر نکالنے کی کوشش کی لیکن ہجوم نے کار کے سامنے اور بازوؤں پر جمع ہو کر سڑک کے عین درمیان میں روک لیا اور کار پر تیز پتھراؤ کرنا شروع کر دیا۔ ڈرائیور نے جان کو خطرہ میں دیکھ کوشش ترک کر دی۔ ازاں بعد کچھ لوگوں نے بیت کے بڑے دروازے سے چٹائیاں نیز تین سائیکلیں نکال کر اور کار کو اُلٹا کر اُس پر رکھ دیں اور کار کی گدّیاں نکال کر کار کو اُلٹا کر اُس پر رکھ دیں اور کار کی گدّیاں نکال کر کار کو آگ لگا دی۔

ہجوم کے آنے تک تین سپاہی باوردی بیت کے بالمقابل ۶۰ فٹ کے فاصلے پر کھڑے

ہوئے تھے لیکن کے آ جانے کے بعد وہ غائب ہو گئے۔ کار کو آگ لگانے کے بعد چند لوگوں نے اُس دروازے اور کمرے کو آگ لگانی شروع کر دی جو ہجوم نے پتھراؤ کر کے توڑا تھا۔ یہ آگ کار کی گدیوں اور اخبارات وغیرہ کے ذریعہ لگائی گئی۔ آن کی آن میں پورا کمرہ اور باہر کا چھجا شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ دوسرے بڑے دروازے سے کافی لوگ بیت کے اندر داخل ہوتے اور باہر نکلتے رہے۔ جس مکان کے چوبارہ پر میں کھڑا ہوا تھا اُس کے تقریباً بالمقابل مکان کے چوبارے پر سے ایک چودہ پندرہ سالہ لڑکا ہجوم پر پتھر برساتا رہا۔ شاید ہجوم کو یہ باور کروا کر مزید مشتعل کرنے کے لیے کہ یہ پتھر احمدی مار رہے ہیں۔

نماز جمعہ کے بعد مجھے یہ بھی علم ہوا تھا کہ ایک D.S.P کو سول کپڑوں میں بیت کے ساتھ کی عمارت میں جو کہ P.W.D کا دفتر ہے بٹھایا گیا تھا لیکن نصف گھنٹہ تک نہ تو پولیس جائے واردات پر پہنچی اور نہ ہی فائر بریگیڈ کا انجن۔ اور ہجوم اپنی من مانی کرتا رہا حالانکہ دو نوجوانوں مسمیٰ محمدؐ فاضل اور محمود احمد (ابن چوہدری یوسف علی صاحب مذکور) نے علی الترتیب یکے بعد دیگرے پولیس سٹیشن پر جا کر بھی اطلاع دی۔ جو کہ جائے وقوعہ سے صرف دو یا تین منٹ کے فاصلہ پر ہے۔ اتنی دیر تک ہجوم کا ایک حصہ اس گلی میں بھی آ گیا جس میں وہ مکان واقع تھا۔ جس میں میں موجود تھا۔ اور گلی کو دونوں طرف سے بلاک کر لیا۔ ایک بوڑھا...... ہجوم کو ہاتھوں کے اشارے سے بتلا رہا تھا کہ اس مکان میں رہنے والا احمدی ہے۔ ...... بالآخر میں یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں مندرجہ بالا بیان اگر ضرورت ہو تو حاضر عدالت ہو کر حلفاً دینے کے لیے ہر وقت تیار ہوں۔

فقط الراقم

برکت اللہ خان ولد ملک نیاز محمد خاں

پتہ:۔ معرفت میاں عطاء اللہ صاحب وکیل بی اے ایل ایل بی

کالج روڈ راولپنڈی شہر۔"

مکان امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی

جلوس اسی دن رات کے ۹ بجے بابو اللہ بخش صاحب امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی کے مکان پر بھی

حملہ آور ہوا۔ اس نے مکان کے دو دروازوں کو توڑ دیا۔ بیٹھک کا سامان میز کرسیاں پارچات اور قرآن شریف کے تین نسخے اور دیگر کتابیں جماعت احمدیہ کے مختلف شعبوں کے فائل وغیرہ بازار میں پھینک کر آگ لگا دی۔ اس طرح قریباً پانچ سو روپیہ کا نقصان پہنچایا۔ بلوائیوں نے بیٹھک سے آگے اندرون خانہ میں جانے کی بھی ازحد کوشش کی مگر خدا تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ حملہ آور اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔

نور آرٹ پریس فسادیوں نے اسی روز نور آرٹ پریس پر بھی حملہ کیا اور اس کو آگ لگا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ اس وحشیانہ یلغار سے اس پریس کے احمدی مالک (مولوی علی محمد صاحب اجمیری) کو بارہ ہزار روپیہ کا نقصان ہوا۔

پاک ریسٹورنٹ اسی روز ایک اور احمدی دوست عزیز احمد صاحب سیالکوٹی کے پاک ریسٹورنٹ واقع ٹرنک بازار پر بھی دھاوا بولا گیا۔ اور اُسے بے دردی سے لوٹا گیا اور باقی ماندہ سامان کو توڑ پھوڑ کر بیکار بنا دیا گیا

اس حادثہ کے بعد عزیز احمد صاحب نے ڈپٹی کمشنر صاحب راولپنڈی کی خدمت میں اس مضمون کی عرضداشت پیش کی کہ:-

"میرا ریسٹورنٹ یعنی پاک ریسٹورنٹ واقع ٹرنک بازار راولپنڈی جو یہاں کے تمام ہوٹلوں سے امتیازی حیثیت رکھتا تھا اور جس سے دو بڑے مہاجر کنبوں کی شکم پُری ہو رہی تھی اور جس کی آمدنی سے گورنمنٹ پاکستان کے خزانہ میں ۲۹۶ روپیہ انکم ٹیکس اور مبلغ ۳۰۰ روپے سالانہ سیلز ٹیکس جاتا تھا مورخہ ۴، مارچ کو بوقت شام مجلس احرار کے کارکنوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گیا ہے۔ ہوٹل کا تمام سامان مع سوڈا واٹر فیکٹری کے لوٹ لیا گیا ہے اور ہوٹل کے کمروں کو توڑ پھوڑ دیا گیا یہاں تک کہ ایک عالی شان ریسٹورنٹ جو شہر میں اپنی مثال آپ تھا کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ الخ"

شانی کیمسٹ شاپ راولپنڈی کے بوہڑ بازار میں ایک احمدی چوہدری محمد بشیر صاحب کی انگریزی ادویات کی بہت بڑی دوکان جو "شانی کیمسٹ شاپ"

کے نام سے مشہور تھی بلوائیوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئی۔ چنانچہ چوہدری محمد بشیر صاحب کا بیان ہے کہ :۔

"رات کے ساڑھے گیارہ بجے بازار کے چپڑاسی (چوکیدار) نے اطلاع دی کہ میری دوکان تالہ توڑ کر لوٹی جا چکی ہے۔ اس وقت ہر طرف ہنگامہ آرائی تھی۔ پولیس باہر پھر رہی تھی لیکن کسی کو منع نہیں کرتی تھی دوسرے دن صبح دس بجے کے قریب میں دوکان پر آیا تو سب چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ باہر جلی ہوئی اشیاء کی راکھ سڑک پر بکھری ہوئی ادویات جلا ہوا دوسرا سامان پڑا ہوا تھا۔ اس وقت پولیس کا پہرا بیٹھا ہوا تھا۔ دوکان کے اندر ٹوٹے ہوئے شیشے، گری ہوئی ادویات اور الماریاں ٹوٹی ہوئی حالت میں تھیں۔

Refrijrater خراب پڑا ہوا تھا...... نقصان کا اندازہ ۳۴۰۰ کے قریب ہے جس کی تفصیل جماعت کو دے دی گئی تھی اور اس کی کاپیاں حکام بالا کو بھی بھیج دی تھیں"

نیشنل میڈیکل ہال بوہڑ بازار میں ہی انگریزی ادویات کی ایک اور دکان "نیشنل میڈیکل ہال" تھی جس کے مالک ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب[۱] (پسر حضرت مولوی قطب الدین صاحب) تھے۔ یہ دکان کس طرح حملہ آوروں کے ہاتھوں غارت ہوئی اس کی تفصیل ڈاکٹر صاحب موصوف کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

"میری دکان واقعہ بوہڑ بازار کو بروز اتوار دن کے قریباً بارہ بجے سے لے کر ۳ بجے تک تمام سامان۔ ادویہ کی الماریاں، فرنیچر، میزیں کرسیاں اور دکان کی ہر ایک چیز دکان سے باہر نکال کر آگ لگا دی اور محلہ کے اکثر لوگوں نے اس واقعہ کو دیکھا۔ میں خود دکان پر نہ تھا، کیونکہ حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا...... میری دکان مکمل طور پر خالی کر دی گئی ہے۔ ایک پیسہ کی چیز دکان میں نہیں رہی۔ بجلی کمپنی کا میٹر جو دکان میں تھا اور متعلقہ بجلی کی وائرنگ تمام کی تمام توڑ پھوڑ کر پھینک دیا گیا۔ دکان بالکل خالی ہے۔ نقصان کا اندازہ بارہ ہزار روپیہ ہے۔"

برلاس سائیکل ورکس ایک اور احمدی دوست سردار محمد صاحب کی سائیکلوں کی دکان پر بلوائیوں نے حملہ کر کے اُسے لوٹ لیا اور ان کو قریباً

[۱] وفات ۱۸ مئی ۱۹۸۵ء

ڈیڑھ ہزار روپیہ کا نقصان پہنچایا۔

پنجاب موٹر سٹور راولپنڈی کا "پنجاب موٹر سٹور" بھی چونکہ ایک احمدی بشیر احمد صاحب کا ابن خواجہ غلام نبی صاحب آف ڈیرہ دون کی ملکیت تھا اس لیے یہ بھی شورش پسندوں کی چیرہ دستی و سفاکی کی نذر ہو گیا۔

صرافہ شاپ شیخ حبیب اللہ صاحب کی دکان صرافہ بھی بلوائیوں کے ہتھے چڑھنے سے نہ رہ سکی۔ چنانچہ شیخ صاحب کے والد شیخ محمد عبد اللہ صاحب اوورسیر نے لکھا:-

"راولپنڈی میں میرے لڑکے حبیب اللہ کے پاس ایک دکان صرافہ بازار میں تھی جس میں میرا لڑکا صرافی کا کام کیا کرتا تھا۔ بھرے بازار میں صرف ایک مختصر سی دکان تو مخالفین کو پہلے ہی کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی مگر تحریک کے ایام میں ان کی مرادیں بر آئیں۔ ۵ تاریخ کی رات تھی اور گیارہ بجے کا وقت (جیسا کہ مجھے میرے ایک غیر احمدی عزیز نے بتلایا ہے جو کہ ہماری دکان کے بالکل قریب رہائش رکھتا ہے) کہ مشتعل ہجوم چوک کی طرف سے اشتعال انگیز نعروں کیساتھ آیا۔ آناً فاناً ایک دو نہیں۔ زبردست ہتھوڑوں کی چوٹوں کی آواز سنائی دی۔ میرے عزیز کو یقین ہو گیا کہ اب حبیب کی دکان گئی۔ دکان کا دروازہ..... ہتھوڑے کی چوٹوں سے جلد ہی ٹوٹ گیا۔ اندر جا کر ہجوم نے شوکیس اور تصاویر کو تو بُری طرح تباہ کیا، اور چاندی کا کچھ زیور جو شوکیس میں تھا اور دکان کی کچھ اشیاء جو کسی کے ہاتھ لگیں اٹھا کر لے گیا۔ چند منچلے آدمی سیف کو توڑنے میں لگ گئے۔ تو بعض کا خیال بغیر وقت ضائع کیے دکان کو نذرِ آتش کرنے کا ہو گیا۔ بازار کے چوکیدار نے اپنی بساط کے مطابق ان کو منع کرنے کی سعی کی مگر جب دیکھا کہ سیف کو توڑنے کے بعد یہ اپنے ارادہ سے باز کم ہی آئیں گے تو فوراً ایک پڑوسی دکاندار کو اس کے گھر پہ اطلاع دی۔ وہ بھاگا بھاگا آیا اور ان لوگوں کو سمجھایا کہ "مرزائی" کو جلاتے جلاتے تم لوگ کئی مسلمانوں کو بھی جلا دو گے۔ یہ آگ سارے بازار کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ اسی اثناء میں بارڈر پولیس پہنچ گئی۔ پھر کیا تھا مذہبی دلوانے جدھر کسی کا سینگ سمایا بھاگ دوڑے۔

احمدیہ کمرشل کالج

احمدیہ کمرشل کالج کشمیری بازار راولپنڈی کے پروپرائٹر قاضی بشیر احمد[1] صاحب بھٹی تحریر فرماتے ہیں :-

"ہمارے مکان احمدیہ کمرشل کالج کی طرف وہ جلوس شام کے بعد پہنچ گیا (جو کشمیری بازار رتہ روڈ پر واقع ہے اور کوتوالی کے متصل اور جس کے ساتھ ہی احاطہ تحصیل میں اے۔آر۔پی کا ہیڈ آفس بھی تھا) ہم گھر کے سب افراد عورتیں بچے ابھی مغرب کی نماز سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ وہ جلوس آپہنچا اور آتے ہی کالج کے دروازے اینٹ پتھر سے توڑنے شروع کر دیئے جلوس آنے سے تھوڑا وقت پہلے ہی مَیں نے اپنے لڑکے حمید احمد کو کوتوالی بھیجا کہ جلدی سے چوہدری کرم داد صاحب سٹی انسپکٹر کو اطلاع کر دو کہ جلوس اس طرف آرہا ہے۔ وہ گیا لیکن باوجود اس کے تین چار بار بڑے اصرار اور تاکید سے عرض کرنے کے انہوں نے ایک سب انسپکٹر اور دو پولیس مین اس وقت بھیجے جب جلوس دروازے وغیرہ توڑ پھوڑ کر اندر داخل ہو چکا تھا اور (ٹائپ) مشینوں، پنکھ کرسیوں اور میز وغیرہ کو توڑ کر مع ضروری ریکارڈ اور ٹائپ مشینوں کے پرزہ جات کے، قرآن مجید مترجم (مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی) مع تفسیر حاشیہ کی وہ کاپیاں سڑک پر نالی کے پاس رکھ کر آگ لگا دی تھی، جو ایک غیر احمدی عالم جناب اعجاز ولی صاحب نے برائے درستی کاپیاں مجھے دی تھیں جن میں سے کچھ کی تصیح باقی تھی باقی مکمل ہو چکی تھیں۔

خدا تعالیٰ کی قدرت نمائی کا نشان اس وقت یہ ظاہر ہوا کہ جس کمرے کے تینوں دروازے توڑ کر جلوس والے اندر داخل ہو گئے تھے اس کے ساتھ والے کمرہ ہی میں ہم سب اپنے بال بچوں سمیت اکٹھے کھڑے سب کچھ توڑ پھوڑ کی آوازیں سُن رہے تھے اور درمیان میں صرف ایک دروازہ ہی تھا جس کی ایک ہی چٹخنی لگ رہی تھی۔ اگر کوئی ان میں سے اس دروازہ کو ایک ٹھوکر ہی مار دیتا تو دروازہ کھٹ سے کھل جاتا اور وہ اندر داخل ہو جاتے لیکن اس خدائے ذوالجلال والاکرام نے جو اپنے عاجز بندوں کی عاجزانہ پکار کو سُننے اور قبول فرمانے والا ہے عین وقت پر گویا دوڑ کر ہماری مدد فرمائی اور ان بلوائیوں پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ کالج کے کمرے کے اندر دس منٹ سے زیادہ نہ ٹھہر سکے اور جلدی

[1] وفات ۳۱ دسمبر ۱۹۸۲ء

نکلنے کی کوشش کی کہ اتنے میں مسلح پولیس بھی آگئی جس کا ذکر اوپر کرچکا ہوں اور انہوں نے ان کو اشارہ کرکے بٹھا دیا۔ جب ہمیں شام کے قریب پتہ لگا کہ بیت احمدیہ کو آگ لگا دی گئی ہے اور جلوس اب اس طرف آنے والا ہے تو میں نے اپنے بچوں (قاضی کبیر احمد۔ قاضی حمید احمد) سے کہا کہ ٹائپ مشین کالج سے نکال کر اندر رکھ لیں۔ کیا پتہ وہ سچ مچ ہی نقصان کر دیں مگر دل میں ایک قسم کا اطمینان بھی تھا گو سب کچھ آنکھوں کے سامنے ہم دیکھ رہے تھے نصیر احمد بوجہ سخت بیمار ہونے کے چلنے پھرنے سے بھی ان دنوں معذور تھا۔ پہلے ہم نے ضروری سامان اور ٹرنک وغیرہ اوپر کی منزل میں رکھ لیئے مگر پھر خیال آیا کہ ساتھ ہی اور پیچھے بھی مخالفین کے مکانات ہیں۔ کہیں اوپر سے دشمن کو راستہ نہ دے دیں۔ پھر سارا سامان وغیرہ نیچے کمرے ہی میں لے گئے اور قاضی نصیر احمد صاحب کو بڑی مشکل سے نیچے لے آئے لیکن جب جلوس آہی پہنچا تو پھر جلدی سے قاضی نصیر احمد کو اوپر بڑی مشکل سے پہنچایا اور سب عورتوں اور بچوں کو بھی" اس ہنگامہ میں بلوائیوں نے راولپنڈی کی بعض اور بھی احمدی دکانوں کو لوٹا مثلاً دہلی کریانہ ہاؤس، احمدیہ کریانہ سٹور، کشمیر ہوٹل گنج منڈی وغیرہ۔

ایک معزز غیر احمدی نوجوان کا دردناک قتل

خواجہ غلام نبی صاحب[1] گلکار انور (آزاد کشمیر حکومت کے پہلے صدر) کا تحریری بیان ہے کہ:-

"یوں تو کئی مہینوں سے روزانہ احرار کی طرف سے ہمارے محلہ میں احمدیوں کے خلاف جلسے ہوتے رہے اور جلوس ہمارے مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے ہمارے خلاف "مرزائی مردہ باد" کے نعرے لگاتے تھے۔

۶ مارچ ۱۹۵۳ء کو راولپنڈی میں مجلس احرار کے پروگرام کے ماتحت تمام شہر میں احمدیوں کے خلاف جلوس نکالے گئے۔ بیت احمدیہ راولپنڈی کو آگ لگا دی گئی۔ اور اسی روز ہمارے مکان واقع موہن پورہ راولپنڈی پر دوبارہ حملہ کیا گیا۔ پہلی بار مکان کے دروازوں اور کھڑکیوں کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی جس پر محلہ میں ہمارے قریبی ہمسایوں نے یہ کہہ کر انہیں باز رکھا کہ ان کا مکان جلنے کے ساتھ سارا محلہ جل جائے گا جس پر وہ چلے گئے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد پھر ہجوم آیا اور دروازے توڑنے لگا۔ اس کا ایک حصہ چھت کے راستہ اندر گھس

[1] وفات ۱۷ جولائی ۱۹۷۳ء

کر لوٹنا اور مارنا چاہتا تھا جیسا کہ ہمیں معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ ہمارے متعلق یہ سکیم طے پا گئی تھی کہ کچھ چھت پر سے آئیں گے اور کچھ دروازے توڑ کر اندر گھس آئیں گے اور نعوذ باللہ ہماری مستورات کو جبراً لے جائیں گے اور مجھے اور میرے بھتیجے ارشاد محمد اور بھائی غلام احمد کو قتل کر کے سامان کو لوٹیں گے اور بعد میں مکان کو آگ لگا دیں گے مگر خداوند کریم نے ہم پر اپنا فضل و کرم کیا کہ وہ اپنی سکیم میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جس وقت ہجوم ہم پر یورش کر رہا تھا تو میری بیوی زیب النساء بیگم نے کمال جرأت اور بہادری اور بلند حوصلگی سے ان کو للکارا اور کہا کیا یہی اسلام ہے کہ تم لوگوں کو لوٹتے اور مارتے پھرتے ہو" انہوں نے پتھر پھینکنے شروع کیے۔ اس پر میری بیوی اور بھانجی مریم سلمہا نے اُن پر پتھر اوپر سے پھینکے تاکہ وہ پسپا ہو جائیں چنانچہ جب ہمارے چھت پر سے اینٹوں کی جوابی بوچھاڑ ہوئی وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

اسی رات جبکہ ہم پر دوبارہ حملہ ہو چکا تھا میرے ایک غیر احمدی عزیز محمد مقبول شاہ صاحب جو نور آرٹ پریس کے مینیجر تھے ہمارے متعلق اطلاع پا کر دریافت حال کے لیے آئے اور صرف دس بارہ منٹ ہمارے ہاں بیٹھے رہے اور پانی کا ایک گلاس بھی پیا اور جب باہر گئے تو ابھی تین چار فرلانگ بھی نہ گزرے تھے کہ ایک ٹولی نے انہیں مجھے سمجھ کر (کہ یہی گناہگار ہے) چھرے مار مار کر شدید زخمی کر دیا اور کپڑے بھی اُتار لیے اور نقدی بھی سنبھالی۔ اس کے ایک روز بعد وہ میونسپل ہسپتال میں فوت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ حالانکہ مرحوم نے ان کو بار بار کہا بھی کہ وہ "مرزائی" نہیں ہیں مگر انہوں نے ایک نہ سُنی۔ افسوس کہ ہم میں سے کوئی بھی اُن کو نہ دیکھ سکا۔ یہ بھی فیصلہ ہو چکا تھا کہ جمعہ کے روز وہ ہمارے معاملہ میں کامیاب نہ ہو سکے تو سنیچر (ہفتہ) کو تیسری بار حملہ کر کے وہ ہمیں ختم کر دیں گے لیکن ہم ساری رات عجز و انکسار کے ساتھ دعاؤں میں لگے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا سامان کر دیا کہ ہم وہاں سے بچ نکلے اور کرنل عطاء اللہ کے ہاں ملٹری کے ذریعہ پہنچائے گئے جس کا ہمیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کرنل صاحب کے ہاں سوا مہینہ مقیم رہے"۔

فصل دوم

ضلع گوجرانوالہ

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں لکھا ہے :-

"۲ مارچ کو دس بجے ڈپٹی کمشنر[1] کے کمرہ عدالت میں سرکاری اور غیر سرکاری آدمیوں کا ایک اجلاس ہوا۔ سٹی مسلم لیگ کے عہدیداروں نے اس اجلاس میں موقع پاکر لیگ کے اندر اپنے مخالفین کی مذمت کی۔ اور حکام ضلع کے ساتھ سرگرم تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ اس مرحلے پر لاہور جانے والی ٹرینوں کو ان ہجوموں نے روکنا شروع کیا جو لاہور جانے والے رضا کاروں کی مشایعت کے لیے ریلوے اسٹیشن پر جمع ہو جاتے تھے۔ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پولیس کا ایک دستہ ساتھ لے کر ریلوے سٹیشن پر گئے۔ اور انہوں نے پچاس رضا کاروں کے ایک دستے کو ٹرین سے اتار کر گرفتار کر لیا۔ اس پر ہجوم میں جوش پھیل گیا اور اس نے دو دفعہ ٹرین کو روکا۔ جب ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ٹرین کو روانہ کر دینے کی دوسری کوشش کی تو اُن پر حملہ کیا گیا جس سے وہ اور چار پولیس مین زخمی ہو گئے۔ جن میں ایک سب انسپکٹر بھی تھا۔ اسی دن شام کو پانچ ہزار کے ایک جوش میں بھرے ہوئے ہجوم نے ریلوے اسٹیشن سے کچھ فاصلے پر سندھ ایکسپرس کو روک لیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس چھ پیادہ کانسٹیبلوں کو ساتھ لے کر اس مقام پر پہنچے لیکن ان پر اینٹوں اور پتھروں کی بوچھاڑ کی گئی۔ چونکہ اس وقت اندھیرا ہو چکا تھا اور اگر ہجوم منتشر نہ ہوتا تو تشدد پر اُتر آتا۔ اور ٹرین کے مسافروں کی پریشانی کا باعث ہوتا۔ اس لیے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے تین پیادہ کانسٹیبلوں کو حکم دیا کہ بارہ راؤنڈ ہوائیں چلائیں۔ اس سے ہجوم منتشر ہو گیا اور کسی قسم کا جانی نقصان نہ ہوا۔ اس کے بعد معززین شہر کا ایک اجلاس ریلوے اسٹیشن پر طلب کیا گیا۔ اگرچہ

---

[1] ضلع گوجرانوالہ سڑاقبل)

ان میں سے ہر ایک اس غنڈے پن کی مذمت کر رہا تھا لیکن کسی قسم کی عملی امداد کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ کہ مبادا وہ کافر یا مرزائی قرار دیا جائے۔

چونکہ مجلس عمل کے عہدیداروں نے مجلس عمل کی حمایت کا عہد کر رکھا تھا اس لیے مجلس عمل کے ڈکٹیٹر نے مسٹر منظور حسن ایم ایل اے سیکرٹری سٹی مسلم لیگ سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک دستے کی قیادت کر کے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کریں۔ لیگ کے صدر شیخ آفتاب احمد نے تجویز کی کہ شیخ منظور حسن کی فرضی اور بناوٹی گرفتاری کا انتظام کیا جائے تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ تحریک کو لیگ کی حمایت حاصل ہے۔ اس پر اتفاق ہو گیا۔ شیخ منظور حسن گرفتار کیے گئے۔ اور انہیں پولیس کی ایک جیپ میں بٹھا کر ضلع کے ایک دُور دست گوشے میں اُتار دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ وہ چند روز تک گوجرانوالہ واپس نہ آئیں لیکن لوگ اس چال کو سمجھ گئے۔ اور دوسرے دن کوئی دو سو آدمی شیخ آفتاب احمد کے مکان پر پہنچے اور ان سے کہنے لگے کہ ایک جلوس میں شامل ہوں۔ وہ زبردستی ایک مکان سے باہر نکالے گئے اور اُن کو ایک جلوس کے ساتھ چلنے پر مجبور کیا گیا۔ جو مسجد شیرانوالہ باغ کو جا رہا تھا۔ اس وقت تک مسٹر منظور حسن گوجرانوالہ واپس آچکے تھے اور مسجد شیرانوالہ باغ میں پہنچ کر شورش پسندوں میں شامل ہو چکے تھے۔ انہوں نے احمدیوں اور حکومت کے خلاف کئی تقریریں کیں۔ اور سات مسلم لیگ کونسلروں کو ساتھ لے کر ایک جلوس کی قیادت کی۔ یہ سب لوگ گرفتار کر لیے گئے۔

چیف منسٹر کا بیان مورخہ ۶ مارچ لاہور کی ہدایات کے مطابق شہر بھر میں نشر کر دیا گیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو اطلاع ملی کہ ۷ مارچ کو احمدیوں کے جان و مال پر حملوں کا خطرہ ہے۔ اس صورتِ حالات پر فوج سے گفتگو کی گئی۔ فوج نے تجویز کی کہ دفعہ ۱۴۴ کے ماتحت عام جلسے اور جلوس ممنوع قرار دیئے جائیں۔ لیکن سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ڈپٹی کمشنر نے اس تجویز کو قبول نہ کیا اور اس کی بجائے فیصلہ کیا کہ فوج اور پولیس کر شہر میں گشت کریں۔ اس کے بعد شہر میں لاقانونی کے کسی واقعہ کی اطلاع نہیں آئی۔ سوائے اس کے کہ ایک احمدی کی دکان لوٹنے کی کوشش کی گئی۔

۷ مارچ کو موضع نندپور میں شورش پسندوں کے ایک پُر غیظ ہجوم نے ایک شخص

محمد حسین کو یہ سمجھ کر قتل کر دیا کہ وہ احمدی ہے۔ تفتیش سے معلوم ہوا کہ متوفیؒ کے ایک دشمن نے اس کو قتل کرانے کے لیے چال چلی تھی۔

۸ر مارچ کو مقامی ایم ایل اے مسجد شیرانوالہ باغ میں طلب کیے گئے اور ان سے درخواست کی گئی کہ لاہور جا کر ہدایات لائیں۔ یہ ایم ایل اے چیف منسٹر صاحب سے ملے لیکن کوئی قطعی ہدایات نہ لائے۔

گوجرانوالہ میں فوج کی ایک کمپنی ۵ر مارچ کو۔ دو بٹالین ۶ر مارچ کو اور ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب کنسٹیلری کے دو ریزرو دستوں کو لے کر ۸ر مارچ کو پہنچ گئے۔

جب فوج آئی تو ان نعروں سے ان کا خیر مقدم کیا گیا "پاکستانی فوج نے سیالکوٹ میں گولی چلانے سے انکار کر دیا۔ زندہ باد پاکستانی فوج زندہ باد" شورش پسند ہر جگہ یہ اعلان کر رہے تھے کہ وہ کفر کے خلاف جہاد میں مصروف ہیں۔ اور کئی مقامات پر ایسے پوسٹر لگائے گئے جن میں پولیس اور فوج سے اپیل کی گئی تھی کہ گولی نہ چلائیں۔ بلکہ جہاد میں شامل ہو جائیں۔

ضلع میں کوئی ایک درجن احمدیوں کو مجبور کر دیا گیا کہ اپنے عقیدے سے توبہ کر لیں۔"[1]

احمدیوں کے بیانات

۱۔ جناب میر محمد بخش صاحبؒ[2] ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ گوجرانوالہ تحریر فرماتے ہیں:۔

شہر گوجرانوالہ میں بھی ایسی کانفرنسیں جن کے نتیجہ میں محلہ وار اجلاس کیے گئے۔ جن میں پاس کیا گیا کہ احمدیوں کا اقتصادی بائیکاٹ کیا جاوے اور ان کو اپنے مُردے عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کرنے دیئے جائیں۔۔۔۔۔ جس کے نتیجہ میں بازار میں دوکانوں پر دو قسم کے بورڈ احرار نے لگوائے جن میں یہ تحریر ہوتا تھا کہ :۔

"مرزائیوں کا مکمل بائیکاٹ کرو۔ مرزائیوں کے برتن علیحدہ ہیں" علاوہ اس کے بعض بعض احمدیوں کی دکانات کے بورڈ پر بھی احرار نے لکھوا دیا کہ یہ دکان مرزائی کی ہے اور ان کے سامنے پکٹنگ لگوائی گئی کہ کوئی غیر احمدی اُن سے سودا نہ خریدے اور اگر کوئی خریدتا

---

[1] رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۱۸۱ـ۱۸۳ [2] وفات ۱۴ر فروری ۱۹۷۷ء

تو اُسے واپس کر دیا جاتا تھا۔

۲۲ فروری ۱۹۵۳ء کو مطالبات نہ مانے جانے کے بعد مجلس عمل کے راست اقدام شروع کرنے کے بعد "مجاہدین" جلوس بنا کر کچہری میں آتے اور تمام کچہریوں کے گرد چکر لگاتے۔ ختم نبوت زندہ باد۔ مرزائیت مُردہ باد۔ حکومت مُردہ باد کے نعرے لگاتے اور جو گرفتار ہونے کے لیے آتے وہ اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیتے۔ ایسے جلوس ۴ رمارچ سے ۵ ارمارچ تک جاری رہے۔ جلوس میں باوجود باغیانہ اور اشتعال انگیز نعرے لگائے جانے کے مقامی حکام ایسے جلوسوں کو روکنے کی کوشش نہ کرتے۔ بالآخر ملٹری حکام نے آکر سول حکام کو ۵ ارمارچ کو توجہ دلائی کہ ایسے جلوس بند ہونے چاہئیں۔ تب جا کر مقامی حکام نے سختی سے ایسے جلوسوں کو بند کر دیا۔

پہلے چند بچے کسی احمدی کے مکان کے سامنے آکر احمدیوں کو گندی گالیاں دیتے اور اشتعال انگیز نعرے لگاتے۔ پھر اُن سے بڑی عمر کے لڑکے آجاتے اور دروازوں پر پتھراؤ شروع کر دیتے اور بالآخر معمر لوگ آتے اور مکانات کے دروازے وغیرہ توڑ کر مکینوں کو ڈانگوں اور چھروں وغیرہ سے ڈراتے اور کہتے کہ احمدیت سے تائب ہو جاؤ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے اور تمہاری مستورات اٹھالی جائیں گی۔ اگر کوئی ایسا کرنے سے انکار کرتا تو اس کے مکان کا سامان توڑ پھوڑ دیا جاتا اور لوٹ لیا جاتا اور بعض اوقات آگ لگا دی جاتی۔ عام طور پر حملہ آور ایک محلہ کے دوسرے محلہ میں جا کر حملہ کرتے۔ تاکہ پہچانے نہ جائیں اور محلہ والے پاس کھڑے ہو کر تماشا دیکھتے ماسوائے چند شرفاء کے جو حملہ آوروں کو منع کرتے لیکن حملہ آور اُن کو بھی مار ڈالنے کی دھمکی دیتے جس کی وجہ سے وہ بھی خاموش ہو جاتے۔ حملہ کرنے سے پہلے افواہیں پھیلائی جاتیں کہ فلاں احمدی کے مکان پر فلاں وقت حملہ کیا جائے گا تاکہ خوف و ڈر کی وجہ سے وہ مکان چھوڑ جائے۔

پولیس چوکیوں پر اطلاع دینے پر پولیس والے جان بوجھ کر جائے واردات کی بجائے دوسرے محلہ میں چلے جاتے اور رپورٹ کر دیتے کہ کوئی خطرہ نہیں ہے جس کی وجہ سے مقامی حکام بالا سمجھتے کہ احمدیوں کو شہر میں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔ پولیس کا چھوٹا عملہ حملہ آوروں کی

پیٹھ ٹھونکتا۔ اور اُن کو حملہ کے لیے اُکساتا تھا

۲۔ جناب شیخ نیاز احمد صاحب ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس شورش کے دنوں میں گوجرانوالہ میں اپنے آبائی مکان میں فروکش تھے اور فالج اور دیگر عوارض میں مبتلا ہونے کے باعث صاحب فراش تھے اور چلنے پھرنے سے معذور۔ انہی ایام میں آپ نے اپنے خط میں لکھا تھا:۔

"یہاں گوجرانوالہ میں لاقانونیت انتہائی صورت اختیار کر چکی ہے۔ علی الاعلان غنڈے بلا روک ٹوک لوٹ مار کر رہے ہیں اور مُلّا نے کوچہ بہ کوچہ کھلم کھلا تقریریں اشتعال انگیز کرتے ہیں جس میں وہ لوٹ اور ہر قسم کی سختی احمدیوں سے کرنے کی پُر زور الفاظ میں تحریک کرتے ہیں۔ مقامی افسران بھی اُن سے ملے ہوئے ہیں۔ سارے شہر میں کہیں بھی پولیس کا آدمی نظر نہ آئے گا۔ اور غنڈے بغیر کسی رکاوٹ کے من مانی سختیاں احمدیوں پر کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ ہمارے مکان پر نہایت شدّت سے حملے کیے گئے ہیں۔ غنڈے سینکڑوں کی تعداد میں ڈھول بجاتے ہوئے لاٹھیوں اور پتھروں سے مسلح۔ گندی گالیاں دیتے آتے ہیں اور آتے ہی دھاوا کرتے ہیں۔ دروازوں کو زور زور سے توڑتے ہیں۔ اینٹیں اور پتھر مار کر سخت تشویشناک حالت برپا ہو جاتی ہے میرے مکان کے روشندان۔ شیشے وغیرہ ٹوٹ گئے ہیں۔ مکان اینٹوں سے بھرا ہوا ہے۔

۳۔ عبدالحمید صاحب ٹیلر ماسٹر کا تحریری بیان ہے:۔

"مورخہ ۶ / مارچ بروز جمعہ صبح سے ہمارے گھر ٹولیاں آنی شروع ہو گئیں۔ ہم نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ وہ باہر آکر بدزبانی کرتے اور دروازہ کو اینٹیں اور لاٹھیاں مارتے تھے اور ساتھ ہی کہتے تھے۔ آج رات کو ان کا مکان بھی جلا دیں گے اور ان کی بے عزتی کریں گے اور یہ ٹولیاں ہر دس منٹ کے بعد چکر لگاتی تھیں اور دروازے پر آکر بدزبانی کرتے تھے ہمارا ایک غیر احمدی رشتہ دار ہمارے گھر آیا تو مجمع نے اس کو ہمارے گھر میں نہ آنے دیا اور وہ بیچارہ واپس چلا گیا۔ اس مجمع یا ٹولیوں میں ہمارے محلہ کا کوئی آدمی شامل نہ تھا۔ سب دوسرے محلوں سے آئے ہوئے تھے۔ محلہ والے گھروں سے باہر نکل کر تماشا ضرور دیکھ رہے تھے۔

۴۔ عبداللطیف صاحب آف گوجرانوالہ نے بیان دیا کہ:۔

"کمترین کے مکان پر جب جلوس آیا تو ہم گھر پر موجود تھے۔ اہل جلوس خشت باری کر کے چلے گئے۔ دوسرے روز جلوس پھر آیا مگر اس وقت ہم گھر میں موجود نہ تھے۔ صرف عورتیں تھیں اور اندر سے تالا لگا ہوا تھا۔ جس وقت جلوس ہمارے گھر کے نزدیک آیا اُن کے ہاتھوں میں لوہے کے سریا تھے۔ انہوں نے ہمارے گھر کا دروازہ توڑا۔ پھر بیٹھک کا توڑا۔ اسکے بعد میٹر توڑا۔ پھر بجلی کی تاریں کاٹ ڈالیں اور لوٹ مار شروع کر دی۔ اس وقت جو حالت عورتوں کی تھی وہ خدا ہی جانتا ہے۔ میرے پاس کارخانہ میں ایک لڑکے نے آکر اطلاع دی کہ تمہارے گھر کا دروازہ توڑ دیا گیا ہے۔ میں وہیں سے سیدھا پولیس چوکی گھنٹہ گھر گیا اور وہاں اطلاع دی۔ چوہدری اسمٰعیل تھانیدار ملک صاحب سے ٹیلیفون کر رہے تھے کہ اسلام آباد میں جو مرزائی تھے وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ باقی تھوڑی سی کسر ہے۔ جب ٹیلیفون کر چکے تو میں نے دروازہ کھولا اور اُن سے عرض کیا کہ میرا دروازہ توڑ دیا گیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ شائد میرے بال بچہ کو مار نہ دیں۔ چلیے کچھ انتظار کریں۔ انہوں نے کہا میں کیا کر سکتا ہوں۔ اتنے جلوس کے آگے میری کیا پیش جاتی ہے۔ تب میں نے کہا اگر کوئی قتل ہو گیا یا مارا گیا تو اس کے آپ ذمہ دار ہوں گے۔ پھر سائیکل پر اپنے گھر آ گیا۔ اس وقت جلوس والے دروازے وغیرہ توڑ پھوڑ کر کے جا چکے تھے۔"

۵۔ جناب مولا بخش صاحب، محمد لطیف صاحب اور محمد حسین صاحب کا مشترکہ بیان:۔

"ہمارے مکانات واقع گلی مولوی سراج الدین ایک دوسرے سے ملحق ہیں۔ فروری کے اوائل میں ہمارے کانوں میں یہ آوازیں پڑتی تھیں کہ ۲۶ ، فروری آ رہی ہے جو کہ آپ کیلئے شدید اور سخت ہے۔ چنانچہ ۲۵ ، فروری کی رات کو قریباً ساڑھے نو بجے ایک سو سے زائد افراد پر مشتمل ایک ہجوم ہمارے مکانوں کے سامنے آکر بے پناہ شور کرنے لگ گیا اور ہمارے دروازوں اور کھڑکیوں پر اینٹیں اور پتھر برسانے لگا۔ ہم نے انہیں بہتیرا سمجھایا کہ ان حرکتوں سے باز آ جاؤ آخر ہم نے آپ کا کیا بگاڑا ہے لیکن انہوں نے ہماری ایک نہ سُنی بلکہ شرارت میں بڑھتے ہی گئے۔ کبھی جلوس کی شکل میں سامنے بازار چلے

جاتے اور کبھی شور مچاتے مکانوں کے سامنے آجاتے اور دروازے اور کھڑکیاں بڑے زور سے کھٹکھٹانے لگتے۔ گندی اور فحش گالیاں دیتے۔ یہ حالت تقریباً پون گھنٹہ رہی۔ بعد میں محلہ میں بسنے والے شریف لوگوں نے بیچ میں پڑ کر اُن کو ہم سے دُور کیا اور کہا یہ طریق کار شریفانہ نہیں۔ ان کے مجبور کرنے پر ہجوم چلا گیا۔ متذکرہ بالا وقوعہ کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ہمارے دروازوں کو پیٹا جاتا رہا اور گندی اور فحش گالیاں دی جاتی رہیں۔ چنانچہ ایک رات ہمارے صدر دروازے پر آویزاں لیٹر بکس بالکل توڑ پھوڑ دیا اور ایڈریس کے بورڈ کو اتار لیا گیا سب سے آخر میں مارچ کی ۸ تاریخ کو رات کے قریباً پونے دس بجے ہمارے (مولی بخش) مکان پر پٹرول چھڑک کر باہر سے آگ لگا دی گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہمیں (محمد حسین) فوراً پتہ چل گیا اور آگ پر قابو پا لیا گیا۔ چونکہ یہ کام نہایت سرعت سے اور ہم سب نے مل کر کیا اس لیے کسی قسم کا جانی اور مالی نقصان نہیں ہونے پایا۔ ثم الحمد للہ۔ آگ کی خبر سامنے ایک ہمسایہ کے ذریعہ سارے محلہ میں پہنچ گئی اور محلہ کے سرکردہ اشخاص شیخ برکت علی۔ شیخ عاشق حسین اور میاں عبدالحمید صاحب نے تھانہ میں رپورٹ کر دی۔ تھانہ سے بروقت ذمہ دار حکام تشریف لائے اور انہوں نے موقع پر آگ لگنے کی جگہ کو دیکھا۔ اور جائزہ لیا اور تسلیم کیا کہ آگ پٹرول سے لگائی گئی ہے۔ آگ لگانے والوں نے ہمارے مکانوں کے دروازوں کو باہر سے کنڈیاں لگا کر بند کر دیا۔ تاہم جلد باہر نہ نکل سکیں۔ لیکن خوش قسمتی سے ایک دروازہ کی کنڈی کھلی رہ گئی۔ اس کے ذریعہ ہم جلد مکان سے نکل آئے۔ الخ"

۶۔ مکرم معراج دین صاحب پنساری کا بیان ہے:۔

"میری دکان پر آکر لوگ گالیاں دیتے۔ آس پاس کی دکانوں پہ آدمی بٹھا کر ہماری دکان سے سودا نہ لینے کی تلقین کی جاتی۔ بکے ہوئے سودے واپس کرائے جاتے۔ باقاعدہ پکٹنگ کی جاتی۔ احمدیت سے تائب ہونے کی دھمکیاں دی گئیں۔ بصورت دیگر قتل کرنے دکان لوٹنے اور آگ لگانے کی دھمکیاں دی گئیں۔ بلکہ بعض دفعہ چھرے بھی دکھائے جاتے۔ میرا والد میرا سخت مخالف تھا۔ اور مجھے تکالیف پہنچانے میں اس نے بھی کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی حتیٰ کہ میرے قتل کی بھی کوشش کی لیکن خدا تعالیٰ نے ہمیں ان تمام مصائب

برداشت کرنے کی توفیق بخشی - اور ہم بفضل خدا احمدیت پہ قائم رہے - الحمدللہ۔ مکان اور دکان پر خشت باری کی جاتی رہی - میری دکان کئی دن تک بند رہی اور ہم اپنے مکان میں محبوس رہے - بعض عورتوں نے ہمارے مکان پر آکر ہماری عورتوں کو احمدیت سے تائب ہونے کی تلقین کی مگر انہوں نے کہا کہ ہم ایسا کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ مرنا تو ایک ہی دفعہ ہے "۔

۷ - مکرم میاں محمد الدین صاحب بوٹ میکر کا بیان ہے کہ :-

"میری دکان دروازہ ٹھاکر سنگھ کے اندر احراریوں کے گڑھ میں واقع ہے - میری دکان پر اکثر احراری آتے رہتے - مجھے تبلیغ کرتے - میرے جوابات کا جواب نہ پاکر مجھے احمدیت سے تائب ہونے کو کہتے اور بس نہ چلتا تو میرا سودا خراب کرتے - دوسروں کو مجھ سے سودا خریدنے سے منع کرتے - جب پھر بھی میں اُن کا کہنا نہ مانتا تب مارنے کی دھمکیاں دیتے - بعض اوقات چھُرے دکھاتے اور کہتے یہ تیرے لیے ہی بنوا رکھے ہیں - جب میں نے اس کی بھی پرواہ نہ کی تب میری دکان کے تالوں پہ پاخانہ لگا جاتے (اور کافی عرصہ تک روزانہ لگاتے رہے) جو بازار کا بھنگی بھی صاف نہ کرتا اور آخر کار میں خود ہی صاف کیا کرتا۔ پھر مجھے سخت مارتے بھی رہے حتیٰ کہ میرا منہ اور چھاتی کئی دن تک سوجی رہی اور بعض چوٹوں کا مجھ پہ ابھی تک اثر ہے - میری بیوی ہر روز سہمی رہتی کہ نہ جانے آج میرے خاوند کا کیا بنتا ہے - ایک دن میرے بچے مبشر احمد (جس کی عمر ۷ ، ۸ سال کی تھی) کو اُٹھا کر لے گئے اور کہنے لگے کہ احمدیت سے تائب ہو جاؤ ورنہ ہم اس کو مار ڈالیں گے - میرا بچہ میرے سامنے روتا رہا۔ لیکن میں نے صبر کیا اور احمدیت کو نہ چھوڑا - ان تمام واقعات کی حکومت کے ذمہ وار افسران کو اطلاع دی جاتی رہی لیکن افسران نے کچھ بھی نہ کیا - سوائے اس مشورہ کے کہ میں دکان چھوڑ جاؤں لیکن میں نے دکان نہ چھوڑی - دورانِ تحریک میں ایک دن وہ میرے گھر گئے اور بتایا کہ تمہاری جماعت کے تمام بڑے بڑے افراد احمدیت کو چھوڑ چکے ہیں۔ تم بھی چھوڑ دو لیکن میں نے ایسا نہ کیا بلکہ احرار کے دفتر میں چلا گیا اور اُن سے بعض مسائل پر گفتگو کی لیکن اُن پر کسی بات کا اثر نہ ہوا - میرے بچہ کو سکول میں مارا بھی گیا لیکن اس نے صبر

کیا۔ غرضیکہ کوئی ایسی تکلیف نہ تھی جو مجھے نہ دی گئی ہو۔ ایک دن میں ایک شدید دشمن سے ڈر گیا اور نماز ظہر میں سخت رویا کہ مولیٰ کریم اب میں کیا کروں۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہی شخص اس دن سے میرا دوست بلکہ میرا محافظ بن گیا۔ الحمد للہ کہ میں احمدیت پر قائم ہوں۔"

۸۔ مکرم شیخ صاحب دین صاحب کا بیان ہے کہ:-

"سات اور آٹھ مارچ کی درمیانی رات کو قریباً دس بجے شب کے ۱۶، ۱۷ اشریروں کا ایک ٹولہ جو کہ چھروں سے مسلح تھا نعرے لگاتے ہوئے ہمارے کارخانہ اور رہائشی مکان کی طرف سوچی سمجھی ہوئی کے ماتحت حملہ کرنے کی غرض سے آیا۔ ہمارے مکان سے تیس چالیس گز کے فاصلہ پر بعض شریف اہلِ محلہ جو بیدار تھے اور ایک طرح سے پہرہ دے رہے تھے انہیں روک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر رعب ڈالا اور وہ واپس چلے گئے۔ لیکن صبح ہونے پر اہلِ محلہ نے غالباً شریر لوگوں کے کہنے پر ہمیں یہ کہا کہ فضا بہت خراب ہے اور ہماری طاقت سے باہر ہو چکا ہے۔ اب آپ خود اپنی حفاظت کا انتظام کر لیں۔ یا شہر چھوڑ دیں۔ ہم نے کہا ہم جگہ نہیں چھوڑ سکتے۔ اللہ ہی ہماری حفاظت کرے گا۔ وہی حافظ و ناصر ہے۔ چنانچہ اسی مولیٰ نے ہی ہماری حفاظت فرمائی اور ہم جانی نقصان سے محفوظ رہے۔ البتہ مالی نقصان ضرور ہوا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس تمام دورانِ شورش میں ہمارے پاس بیرون جات یا شہر سے کوئی بیوپاری ہمارے کارخانہ میں نہیں آیا کیونکہ خفیہ بھی اور ظاہراً بھی ہم پر پکٹنگ لگی رہی ہے۔ الخ"

۹۔ مکرم محمود احمد جان صاحب کا بیان ہے کہ:-

"۵ مارچ ۱۹۵۳ء کی رات کو ہمارے کارخانہ ایم اے رشید اینڈ سنز کرشن نگر گوجرانوالہ میں لوگوں نے دو دفعہ آگ لگائی لیکن دونوں دفعہ ہی جلدی قابو پا لیا گیا۔ اندازاً نقصان تین چار سو روپیہ کا ہوا۔ اسی رات پولیس کو اطلاع دی گئی تھی۔ پولیس بعد میں چکر لگاتی رہی مگر اس کے بعد بھی دو تین دفعہ لوگ جلوس کی شکل میں ہمارے کارخانہ کے ارد گرد چکر لگاتے رہے اور گالیاں نکالتے رہے۔"

۱۰۔ محلہ اسلام آباد کے ایک احمدی کا بیان ہے :-

"۷ر مارچ ۱۹۵۳ء کو ہم مع بچوں کے سارا دن گھر میں قیدیوں کی طرح گھرے ہوئے تھے اور ہمیں بعض غیر احمدی رشتہ دار ہمیں کھانے کی اشیاء مہیّا کرتے رہتے تھے۔ قریباً تین یا چار بجے بعد دوپہر اندازاً پانچ سو غنڈوں کا ایک ہجوم جماعت احمدیہ کے خلاف گندے نعرے مارتا ہوا ہماری گلی میں داخل ہوا۔ ہمارے ہمسایہ مرد عورت دروازوں کے آگے کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنے لگ گئے۔ اور ہجوم نے لاٹھیوں سے مسلّح تھا ہماری کھڑکیاں اور دروازے توڑنے شروع کر دیئے۔ شیشے کے ٹکڑے صحن میں پہنچ رہے تھے۔ ہم بیٹھک اور ڈیوڑھی کے دروازے کو اندر سے بند کر کے کوٹھے پر چڑھ گئے اور پچھلی طرف سے ہم نے اُترنے کی کوشش کی مگر پچھلی طرف سے سب ہمسایوں نے کنڈیاں لگا رکھی تھیں۔ آخر چوتھے مکان پر سے میرا بیٹا اُترا۔ مَیں نے اُس کو کہا کہ پولیس چوکی گھنٹہ گھر میں جا کر رپورٹ کر دے۔ ہمارے گھر کو لوٹ رہے ہیں۔ اور ہمیں مارنے اور قتل کرنے کے درپے ہیں۔ مَیں خود اپنے ایک رشتہ دار کے گھر چلا گیا۔ میری بیٹی، بہو نے ایک قریبی رشتہ دار کے گھر جا کر پناہ لی۔ ہجوم نے ڈیوڑھی کے دروازے کو بڑے زور سے لاٹھیوں کے ساتھ حملہ کیا جس سے ڈیوڑھی کے باہر کا دروازہ کھل گیا۔ ماب نے بیٹھک کا دروازہ بھی توڑ لیا اور تمام کھڑکیاں شیشے اور سامان چکنا چُور کر دیا اور تمام سامان جو قریباً دو صد کا تھا برباد کر دیا اور پھر مسمی دارو اور عمر حیات نے جس کو ہمارے ایک رشتہ دار نے ہماری حفاظت کے لیے بھیجا تھا۔ آ کر ماب کو باہر نکالا۔

کوئی پولیس کا سپاہی ہماری مدد کو نہیں آیا۔ اس وقت گوجرانوالہ میں کوئی گورنمنٹ موجود نہ تھی۔ پولیس چوکیوں میں بیٹھی ہوئی تماشا دیکھ رہی تھی۔ حتیٰ کہ اس کے بعد بھی چار پانچ روز تک ایسا ہی حال رہا۔ پھر ملٹری کی آمد کی وجہ سے لوگوں کو ڈر محسوس ہوا۔ اور ہم نے آرام کا سانس لیا۔"

۱۱۔ ریل بازار کے ایک احمدی دکاندار کا بیان ہے :-

"ہماری دکان ریل بازار میں واقع ہے۔ ۲، ۳ر نومبر ۱۹۵۲ء کو مجلس عمل کی کانفرنس

ہوئی۔ جس میں احمدیوں کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ اس فیصلہ کے ماتحت دکانوں پہ اس مضمون کے بورڈ مولوی احراری نے لگوائے کہ "مرزائیوں کا بائیکاٹ کرو" اور ہمارا مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔ اور بازار میں دکانداروں اور دلال وغیرہ نے اس تحریک میں مکمل حصہ لیا جو آج تک جاری ہے۔ جو گاہک سودا لیتے تھے انہیں منع کرتے تھے کہ سودا اس دکان سے نہ لو اور واپس کروا دیتے تھے۔ اور جو نہ واپس کرتے تھے ان کی ہتک کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک مولوی جو کہ احراری ہے ہماری دکان کے ساتھ بٹھا دیا تاکہ لوگوں کو اشتعال دلا سکے۔ اس کے بعد ۲۷ر فروری ۱۹۵۳ء سے ہر روز ہماری دکان کے آگے سے جلوس نکلتا جو کہ دکان کے سامنے کھڑا ہو کر فحش گالیاں اور نعرے لگاتا لیکن کوئی آدمی بھی ہماری مدد نہ کرتا۔ ۳۰ر مارچ کو جلوس ہماری دکان کے اوپر آگیا۔ اور بدزبانی بہت کی۔ اسی طرح ہمارے مکان پہ بھی ہر روز جلوس کی شکل میں آتے اور شیشے وغیرہ توڑتے۔ چنانچہ ۵ کھڑکیوں اور تین روشندانوں کے شیشے وان توڑ دیئے اس کے علاوہ فحش گالیاں نکالتے اور پتھر وغیرہ مارتے۔ ہماری دکان کو کئی ماہ سے بہت نقصان ہو رہا ہے۔ کوئی خرید و فروخت نہیں۔"

۱۲۔ ایک احمدی کلاتھ مرچنٹ کا بیان ہے:۔

"اوائل ۱۹۵۲ء سے ہی یار آشنا چلتے پھرتے بُری نظر سے دیکھتے اور گالیاں دیتے ہوئے دکان پر آ کر بھی گالیاں دینے لگے اور رعب جماتے۔ ہر کہ ومہ بھی یہی سمجھنے لگا کہ احمدی ایک ذرّہ سے بھی حقیر ہیں ایذا رسانی میں حدود سے تجاوز کرنے لگے حتیٰ کہ بائیکاٹ شروع ہو گیا۔ غالباً چھ ماہ تک دکان سے کوئی مال فروخت نہ ہونے دیا گیا۔ مَیں تھوک بزازی کی دکان کرتا ہوں اور انکم ٹیکس گزار ہونے کے باوجود ادنیٰ ادنیٰ آدمی دکان پر پکٹنگ کرتے اور گندی گالیاں سامنے کھڑے ہو کر دیتے ...... ایک شخص سوئیاں بیچنے والا پٹھان مستقل پکٹنگ پر مقرر تھے ...... پٹھان سخت جوشیلا تھا۔ چاقو دکھایا کرتا تھا ملحقہ دکاندار اس کو شاباش کہتے اور اس کی حمایت کرتے۔ جب کوئی دکان سے مال خریدتا معاً ایک ہنگامہ بپا ہو جاتا۔ پکٹنگ والے مال واپس کرواتے اور بازار راہ گیروں سے بھر جاتا۔ تمام شہر میں

ہر دکان پر "مرزائیوں کا مکمل بائیکاٹ کرو" کے بورڈ آویزاں تھے ۔ مخالفوں نے ہماری دکان کے دروازے پر مرزائی اور گندی گالیاں لکھیں ۔ میرا ایک گھر دکان کے بالاخانہ میں تھا۔ فساد کے شدید آثار دیکھ کر (یعنی گھر میں اینٹیں پتھر پڑنے لگے ۔ گھر والوں کو گالیاں دینے لگے وغیرہ وغیرہ) اس کو اپنے دوسرے گھر میں جو مالک پورہ میں تھا اکٹھا کر دیا۔ اب عوام الناس اس گھر میں بھی پتھر روڑے مارنے لگے اور گالیاں دینے لگے ۔ گھر سے چل کر آنا اور پھر دکان پر دن گزارنا اور پھر گھر واپس جانا یہ تینوں سخت مصیبتیں تھیں ۔ راستہ بھر میں حملہ کا خوف، گندی گالیاں اور اینٹ پتھر کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ دکان پر بھی اینٹ پتھر پڑنے لگے تھے ۔ گالیاں اور لوٹ مار کا خوف بھی ۔ غرضیکہ وہ نہایت خوف اور تکلیف کا وقت تھا ۔ رات کو حملہ کا خوف نیند اُچاٹ ۔ اسی دوران میں مارچ ۱۹۵۳ء آگیا ۔ جلوس نکلنے شروع ہو گئے ۔ جلوس دکان پر ٹھہرتے ۔ ماتم کرتے ۔ گالیاں دیتے ۔ تکلیف انتہاء کو پہنچ گئی ۔ ۵ رمارچ کی صبح کو دکان پر آئے تو کسی نے کہا کہ دکان کے اندر بیٹھو ۔ باہر نہ بیٹھو ۔ حملہ ہو جائے گا اور کچھ لوگوں نے کہا کہ آج تم پر حملہ ہو گا ۔ ہم نے دیکھا تو اور احمدی دوستوں کی دکانیں بھی بند تھیں ..... گھر آگئے ۔ دروازہ بند کیا اور محصور ہو کر رہ گئے ۔ اسی شب محلہ میں جلسہ ہوا ۔ غالباً مولوی .... نے فرمایا کوئی مرزائی زندہ نہ رہے ۔ بلکہ ان کا بچہ بھی ۔ اگلے دن صبح کو چھ سات سو افراد کا جتھہ میرے بھائی اور بہنوں کے گھروں پر جو ملحق تھے آیا اور کہا کہ ہم پہلے تم کو ختم کرتے ہیں ۔ پھر مرزائی کو ۔ وہ چونکہ غیر احمدی ہیں اور بہت سرمایہ دار ۔ روتے ہوئے اور چیخیں مارتے ہوئے میرے گھر آ گئے ۔ اور کہا خدا کے لیے ہم کو بچاؤ اور گھر سے باہر نکل کر کہہ دو کہ میں مسلمان ہوں ۔ مگر میری بڑی بیوی فاطمہ نے کہا کہ ہمارے ٹکڑے ہو جانے دو ہم ایسا نہیں کہیں گے ۔ اس اثناء میں جتھہ اندر ہو گیا اور نعرے مارتے ہوئے مجھے مسجد میں لے گئے اور کلمہ طیبہ پڑھوایا ۔ تمام مسجد بھری ہوئی تھی اور لوگ نعرے لگا رہے تھے کہ مسلمان ہو گیا ۔"

۱۳ ۔ ایک احمدی خوشنویس مکرم محمد یوسف صاحب کا بیان ہے ۔

"۴ رمارچ ۱۹۵۳ء کو ہم دونوں میاں بیوی احراریوں اور مودودیوں کی دھاندلی اور اُدھم

سے مرعوب ہو کر گکھڑ اپنے ہم زلف کے ہاں چلے گئے مگر وہاں بھی ہم سے وہی سلوک ہوا جس سے ڈر کر یہاں سے گئے تھے ۔ آخر، ۲ مارچ کو ایک بجے کے قریب میرا بھتیجا گیا اور کہا کہ تمہارا گھر لوٹا گیا ہے ۔ ہم میاں بیوی تانگہ پر سوار ہو کر ۲ ۱/۲ بجے کے قریب گوجرانوالہ اپنے گھر پہنچے ۔ مکان اور ٹرنکوں کے تالے سب ٹوٹے ہوئے دیکھے ۔ ابھی ہم جائزہ ہی لے رہے تھے کہ کیا نقصان ہوا کہ ایک ہجوم ہاتھوں میں لکڑیاں اور سوٹیاں اور پتھر روڑوں سے مسلح دروازہ اور کھڑکیوں پر اپنا غصہ نکالنے لگا ۔ ہم نے اندر سے دروازہ اور کھڑکیاں بند کی ہوئی تھیں ۔ اس ہجوم سے ایک کمبخت دوسرے مکان کو پھلانگ کر اور دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گیا ۔ اور نیچے آکر ہمارا باہر کا دروازہ کھول دیا ۔ ہجوم بدستور اینٹوں ۔ پتھروں اور لکڑیوں اور سوٹوں سے مکان کو توڑنے میں مشغول تھا ۔ کھڑکیاں ٹوٹ گئیں ۔ ناچار میں دروازے میں گیا اور کہا کہ آپ لوگوں کا اس طرح اُودھم مچانا اور حملہ کرنے کا کیا منشا ہے ؟ ہجوم بولا کہ ہم تم کو مسلمان بنانے آئے ہیں ۔ مَیں بیٹھک سے قرآن کریم لے کر کھڑا ہو گیا ۔ جو کچھ مَیں نے ہجوم سے کہا وہ آگے چل کر بیان کروں گا ۔ اس پر ہجوم چلا جاتا ہے قریباً چار بجے میری بیوی پھر جائزہ لینے لگی ۔ اور مَیں نماز عصر پڑھنے میں مشغول ہو گیا ۔ نماز پڑھ کر فارغ ہی ہوا تھا کہ باہر پھر شور و شغب اور نعروں کی گونج اور تڑاک پڑاک کی آواز آئی جو پتھروں ۔ لکڑیوں اور اینٹوں سے مکان کو توڑنے سے پیدا ہو رہی تھی ۔ مَیں نے جا کر دروازہ کھول دیا اور ہجوم سے کہا کہ آؤ اندر آؤ اور جو کچھ رہ گیا ہے تم لوٹ لو ۔ ہجوم سے گلی اٹی ہوئی تھی ۔ مجھے کہنے لگے ہم نے تم کو مسلمان بنانا ہے ۔ مَیں ابھی کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ چار نوجوانوں نے میری دونوں بغلوں میں ہاتھ ڈال کر دروازہ سے گلی میں اُتار لیا اور کہا کہ مسجد میں لے جائیں گے ۔ میرے مکان سے قریباً تین فرلانگ پر "زینت المساجد" ہے ۔ اس میں لے گئے ۔ راستہ میں مجھ سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے ۔ مَیں نے کہا محمد یوسف ۔ بس گلیوں اور بازاروں میں جلوس کا ہیرو بن گیا ۔ محمد یوسف زندہ باد ۔ پٹو وٹا ہائے ہائے ۔ جلوس بڑھتا گیا حتیٰ کہ مسجد میں جاتے وقت قریباً ۲ ۱/۲ ہزار کا مجمع بن گیا ۔ مکانوں پر عورتیں اور مرد دیکھ رہے تھے ۔ مسجد میں خوب رونق ہو گئی اور مَیں مسجد کے صحن میں بیٹھ گیا ۔ جب منتظمین

نے ہجوم کو بٹھا دیا تب میں نے عرض کیا۔ مولوی صاحبان! آپ کے مبلغ مجھے کشاں کشاں جو یہاں لائے ہیں اب آپ اپنی کارروائی شروع کریں ؎

عشق از پردہ عصمت بیرون آرد زلیخا را

بچاس ساٹھ مولوی کھڑے تھے اور خلقت بھی منتظر تھی کہ کب سنگباری کا حکم کون دیتا ہے؟ ہجوم ڈنڈوں سے مسلح۔ آنکھیں لال لال نکالے حکم کا منتظر تھا۔ لگے مولوی صاحب آوازے دینے کہ بلاؤ مولوی صابر کو۔ بلاؤ مولوی فلاں کو کہ وہ اپنا کام کریں۔ ہر طرف سے آواز آئی کہ مطلوبہ مولوی یہاں نہیں ہیں۔ آخر ایک مولوی صاحب کو ہجوم نے آگے کیا کہ مولوی صاحب آپ آگے آئیں۔ مولوی صاحب سر سے ننگے۔ آنکھ میں پھولا۔ داڑھی لمبی مگر کرڑ برڑی۔ سر پر عمامہ ندارد۔ قرآن کریم لے کر میرے پاس بیٹھ گئے اور لگے قرآن کریم کی ورق گردانی کرنے۔ جب مطلب کی جگہ کی تلاش میں ذرا دیر ہوئی تو میں نے قرآن کریم مولوی صاحب سے لے لیا اور اُٹھ کھڑا ہوا اور ہجوم کو مخاطب کر کے عرض کی کہ پہلے میری عرض سُن لیں۔ اگر کوئی کسر رہ گئی۔ کوئی کمی رہ گئی تو آپ بعدازاں پوری کر لیں۔ میں نے قرآن کریم کو دائیں ہاتھ سے بلند کیا۔ اعوذ اور بسم اللہ پڑھ کر اشهد ان لآ اله الاّ الله وحده لا شريك له واشهد ان محمداً عبده ورسوله پڑھا۔ اور کہا کہ قسم ہے مجھے اس اللہ تعالیٰ کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ جس جگہ قرآن کریم اُترا ہے اس کو کہتے ہیں اُمّ القریٰ اور جس پر نازل ہوا اس کو کہتے ہیں ابو الانبیاء اور اس کتاب (قرآن کریم) کو کہتے ہیں اُمّ الکتاب۔ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّین مانتا ہوں اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر میرا ایمان ہے۔ اگر کسی مولوی صاحب کو میرے اسلام میں شک ہو تو وہ اپنے آپ کو جن شرائط کے ماتحت مسلمان سمجھتے ہیں تحریر کریں۔ میں اس پر دستخط کر دوں گا۔ ہجوم پر ایک سناٹا چھا جاتا ہے۔ مولوی صاحبان ایک دوسرے کا منہ دیکھتے ہیں۔ میں نے پگڑی سر سے اُتار دی اور کہا کہ پہلے احرار نے میرے مکان کو لوٹا۔ بعدازاں ایک ہجوم نے میرے مکان کو توڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس کو بھی یہی عرض کیا آپ کے یہ مبلغ جاتے ہیں اور مجھے لے آتے ہیں۔ اگر میرے

قتل سے آپ صاحبان دل کی بھڑاس نکال سکتے ہیں تو بندہ حاضر ہے۔ یہ مسجد یہ شہادت زہے قسمت۔ ایک مولوی صاحب نے قرآن کریم ایک مسجد کی الماری میں رکھ دیا اور مجھے مسجد کے اندر کرکے دروازے تمام بند کر دیئے۔ نماز عصر سے فارغ ہو کر جستہ جستہ آدمی دروازوں سے جھانک جھانک کر آنے شروع ہوئے۔ مختلف اعتراض کرتے رہے جو کچھ مجھے آیا جواب دیا۔ آخر میری رہائی کی تجاویز ہونے لگیں۔ چونکہ ہمارے امیر صاحب کا گھر نزدیک تھا خطرہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انہوں نے تجویز کی کہ انہیں وہاں پہنچا دیا جائے خیر مجھے وہاں پہنچا دیا گیا اور امیر صاحب قبلہ کو ان الفاظ میں میرا محافظ بنایا کہ لو صاحب آپ اپنا بندہ سنبھالو۔"

۱۴۔ حضرت حکیم نظام جان صاحب قادیانی[1] کا خود نوشت بیان ہے کہ:۔

"ہمارا مکان اور دکان عین چوک گھنٹہ گھر میں واقع ہیں وہ گلی جس کے کونے پر یہ مکان دکان واقع ہیں شروع میں حکام ضلع نے احمدیوں کے لیے مخصوص کی تھی گو پانچ مکانوں سے زائد پر احمدی قابض نہ ہو سکے لیکن لوگوں میں یہ گلی مرزائیوں کی گلی ہی کے نام سے مشہور ہے اور ہماری دکان کا اشتہار چونکہ الفضل میں باقاعدہ شائع ہوتا رہتا ہے اس لیے ہم خاص طور پر شناسا تھے کہ "یہ مرزائی ہیں"۔

جن دنوں زمیندار اخبار میں ۲۲ رفروری تک کی مہلت کا اعلان بڑے طمطراق سے شائع ہوا کرتا تھا ایک دیہاتی ٹائپ کا مُلّا ہماری دکان پر برابر بیٹھنے لگا۔ وہ الفضل پڑھتا اور سلسلہ پر اعتراضات کرنے کے علاوہ ہمیں آنے والے خطرناک طوفان سے بھی خوف دلا کر بتاتا کہ اب مرزائیت چند روزہ ہے۔ اب نہ یہ سلسلہ رہے گا نہ اس سلسلہ کے داعی۔ اب سب اُمتِ مسلمہ تمہارے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ اب تم لوگوں کا بچنا مشکل ہے بہتر ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہم نے اُسے کہا کہ ان باتوں سے تم ڈرا کر ہمیں احمدیت سے روکنا چاہتے ہو یہی باتیں ہمارے ایمان کو زیادہ کرنے والی

---

[1] ولادت: ۱۸۸۹ء وفات: ۱۳رمئی ۱۹۷۲ء

ہیں۔تم ۲، فرقوں نے اکٹھے ہو کر خود بخود ۳، ویں اور ناجی فرقہ کی نشان دہی کر دی ہے ایک بن کر حملہ کرنے کا ارادہ کر کے فرعون اور جنگِ احزاب کا نقشہ پیش کر دیا ہے اور کسر کیا رہ گئی ہے ۔ وہ ملا بہت کہا کرتا ۔ہم لوگ تمہیں قتل کر دیں گے۔مکان جلا دیں گے ۔ اسباب لوٹ لیں گے بہتر ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ مگر ہم یہی کہتے رہے کہ وقت خود بخود نتائج ظاہر کر دے گا اور بتا دے گا کہ حق پر کون اور ناراستی پر کون ہیں ۔ خدا تعالیٰ کن کے ساتھ ہے اور کون خدا تعالیٰ کے دشمن ہیں ۔انشاء اللہ تعالیٰ ہم یہیں رہیں گے ۔ مگر تم ایسے نہ رہو گے۔

لاہور سے آمدہ خبروں کی وجہ سے شہر میں کشیدگی اور اضطراب بڑھتا جا تا رہا ۔ ہمارے خلاف نفرت اور بغض کے مظاہرے تو ان بورڈوں سے ہوتے ہی تھے جو قریباً ہر دکان پر ۔ اسلامیانِ پاکستان کا متفقہ مطالبہ ۔ کے محرک تھے ، مرزائیوں کا مکمل بائیکاٹ کرو ۔اور مرزائیوں کے برتن علیحدہ ہیں ۔ لگائے گئے تھے ۔ بعض ہوٹل والوں نے برتن بھی علیحدہ رکھ لیے تھے ۔ان بورڈوں سے خواہ مخواہ احمدیوں کیخلاف نفرت اور تعصب بڑھتا تھا اور مقرروں نے تقریروں میں یہ کہا ہوا تھا کہ مرزائی چوہڑوں اور کتوں سے بھی بدتر ہیں ۔اب اس کا ردِ عمل برتنوں کی علیحدگی اور سوشل بائیکاٹ کے بورڈوں کے سامنے آجانے سے کدورت کی شکل اختیار کر رہا تھا ......

جمعہ کی نماز کے وقت تک ایسی حالت ہو گئی تھی کہ مسجد میں جانا خالی از خطرہ نہ دکھائی دیتا تھا ۔جونہی ہم لوگوں پہ اُن کی نظر پڑتی وہ مرزائی مرزائی پکارتے ۔ گالیاں نکالتے ،گند بکتے آوازے کستے ۔کوئی گندی سے گندی گالی نہ رہی جو ہمیں دی نہ جا چکی ۔اور کوئی گندے سے گندے الفاظ نہ رہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت نہ کہے گئے ۔

مسجد میں نماز جمعہ کے لیے بہت کم احمدی جا سکے۔ ہمارا قیافہ صحیح نکلا جمعہ کے بعد جلوس نکلنے لگے ۔خطبوں میں خوب اُبھارا گیا تھا ۔شہر بھر میں آگ پھیل گئی اور جلوس نکلنے لگے ۔ ہماری دکان مکان سے ملحق ہے ۔جب جلوس آتے تو ہم دکان کو کھلا چھوڑ کر پیچھے مکان میں چلے جاتے مگر جمعہ کی نماز کے بعد جبکہ ملک محمد افضل صاحب ہماری دکان پر بیٹھے

تھے۔ مسجد سے خطبہ سُن کر آنے والے جلوس نے دکان کے سامنے کچھ اس طرح پرے جمالئے کہ ملک صاحب نے دکان بند کر لینے کا مشورہ دیا۔ وہ لوگ اب زیادہ بپھرتے اور گند پر اُترتے آرہے تھے۔ ہم نے دکان بند کر لی اور مکان میں محبوس ہو گئے۔

پولیس نے ٹرانسپورٹ کمپنی سے دو دو بسیں مانگی ہوئی تھیں جن پر گرفتار شدگان کو باہر لے جاکر چھوڑا جاتا تھا۔ مظاہرین نے دھمکا کر اور جلانے کی دھمکی دے کر وہ بسیں خود حاصل کر لیں۔ اور ان پر بیٹھ کر شہر میں نعرے لگاتے۔ شور مچاتے۔ گالیاں بکتے۔ جب اور جہاں جی چاہتا دندناتے پھرتے۔

اندر بیٹھے بیٹھے طبیعت تنگ آنے لگی۔ لوگوں کے بچے باہر ہنستے کھیلتے اور شور مچاتے پھرتے اور ہمارے بچے گھروں میں مقید۔ باہر نکلنے کا یارا نہیں۔ وہ حیران ہو ہو کر سوچتے یہ دو دن میں کیا ہو گیا کہ ہمارا نکلنا ہی بند ہو گیا۔ ہم انہیں دلاسا دیتے کہ آجکل دنیا ہم پر تنگ ہو رہی ہے۔ یہ کھیلنے اور ہنسنے کے نہیں۔ بلکہ رونے اور دعائیں کرنے کے دن ہیں۔ دعا کرو کہ ہم امتحان میں کامیاب اور ایمان میں ثابت قدم رہیں۔ خدا اس آزمائش کو جلد ٹال دے۔ دشمنوں کو ہدایت بخشے اور وہ صحیح انسان بن کر ہم سے پیش آویں۔ جب یہ مصیبت ٹل جائے گی پھر تم پہلے کی طرح ہنس کھیل سکو گے۔ باہر آجا سکو گے۔

ہفتہ کو بھی چھوٹی لڑکی ریحانہ اسکول چلی گئی تھی۔ سکول میں لڑکیوں نے مل کر اُسے خوب مارا۔ خوب مارا۔ خوب مارا۔ وہ کیوں..؟ اس لیے کہ ــ یہ مرزائی ہے۔ وہ بیچاری روتی اور مار کھاتی رہی۔ کسی کے دل میں رحم نہیں آیا کسی نے اُسے نہیں چھڑایا کسی نے اس کی مدد نہیں کی۔ کیونکہ وہ "مرزائی" تھی اور "مرزائیوں" کو ہلاک بھی کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

حکام بے بس تھے۔ انتظامیہ بے بس تھی۔ لوگوں میں حکومت اور احمدیت کے خلاف نفرت اور غصہ بڑھ رہا تھا۔ اشتعال پھیلایا جا رہا تھا۔ مگر کوئی جلسے جلوسوں پر پابندی یا دفعہ نمبر ۱۴۴ کا نفاذ نہ تھا۔ غنڈے اور بچے آتے اور علی الاعلان دروازے توڑتے۔ پتھر برساتے اور گالیاں دیتے مگر کوئی پولیس نہ آتی۔

ہنگامہ پسند تو جلسوں ہی میں باقاعدہ یہ اعلان کر رہے تھے کہ پولیس ہمارے ساتھ ہے۔ اور اس بات نے فسادی ہجوموں کو بہت جرأت دلا دی تھی۔ خوفِ حکومت ہی ختم ہو گیا تھا۔ پولیس عنقا ہو کر نہ جانے کہاں جا چھپی تھی

جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات کو کرشنا نگر میں واقع ایک احمدی کے کارخانہ کو آگ لگائی گئی۔ اور اب اس سے شہ پاکر فسادی ہمارے مکان کے سامنے جمع ہو کر اس تجویز پر عمل کرنے کی تجویزیں کرتے۔ انہوں نے ہزار کوشش اور طریق سے ہمیں نیچے اُتارنے کی کوشش تھی۔ ایسی ایسی گالیاں دی تھیں کہ ہم کسی طرح جواب دینے کو سامنے آئیں۔ مگر وہ ناکام رہے تھے۔ اب آگ ہی ایک صورت رہ گئی تھی اس مکان سے ہمیں باہر نکالنے کی۔

ہم نے رات کو پولیس چوکی میں دن بھر کی روداد کی رپورٹ دے کر انتظام کے لیے کہا تو جواب ملا کوئی فکر نہ کریں۔ ہم لوگ انتظام کرنے لگے ہیں۔ چوک میں پولیس کی ایک پکٹ قائم کر دی جائے گی جو فسادیوں کو روکے گی۔ لیکن ہم سمجھتے تھے یہ محض الفاظ ہی الفاظ ہیں ورنہ اس سیلِ عظیم میں پولیس سب سے پہلے بہہ گئی تھی۔

دن بھر اِکّا دُکّا محبوس احمدیوں کو دھمکا دھمکا کر احمدیت سے پھرانے کی کوشش کی گئی۔ مکان جلانے کی دھمکیاں۔ قتل کر دینے کی دھمکیاں۔ سامان لوٹ لینے کی دھمکیاں۔ عزّت و ناموس برباد کر دینے کی دھمکیاں۔ انسان دھمکیوں سے مرعوب اس وقت نہیں ہوتا جب وہ دنیاوی تعلقات کو یکسر نظر انداز کر دے۔ بھول ہی جائے کہ نہ اس کا مکان ہے نہ سامان۔ نہ بیوی ہے نہ بیٹی۔ اور اگر سمجھے ہیں تو پھر یہ خیال نہ کرے کہ عزّت و ناموس برباد کرنے اور مکان لوٹنے جلانے کی قوتیں اور قدرتیں انسان اور خود سر بھٹکے ہوئے فسادیوں کے ہاتھ میں ہیں۔

یہی ایک دھمکی نہیں تھی جو ارتداد کے لیے استعمال ہوئی بلکہ بعض جگہوں پر غلط طور پر مشہور کیا گیا کہ سب بڑے بڑے احمدی (نعوذ باللہ) ارتداد کر چکے ہیں۔ ان کے مقابل پر تمہاری پوزیشن ہی کیا ہے۔ تم بھی احمدیت سے الگ ہو جاؤ۔ مولوی شریف احمد صاحب امینی مبلغ بمبئی کی ساس صاحبہ ہفتہ کو آئیں۔ ڈرتے ڈرتے دروازہ کھلوایا اور کہنے لگیں میں آپ

لوگوں کا پتہ کرنے آئی تھی۔ ہمیں کہا جاتا ہے کہ حکیم نظام جان نے بھی احمدیت سے توبہ کرلی ہے سو تم بھی کرلو...... ہم نے احمدیت کی سچائی کا اور ثابت قدم رہنے کا یقین دلایا اور کہا کہ یہ لوگ تم کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اُن کے دھوکہ میں نہ آنا۔

جس وقت پولیس چوکی میں دن بھر کی کارروائی کی رپورٹ دینے کو بڑے لڑکے فضل الرحمٰن کو بھیجا گیا تو اس وقت انچارج چوکی فون پر کسی سے بات کر رہا تھا اور اطمینان کا اظہار کر رہا تھا کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ دو تین احمدی اور "مسلمان" ہو گئے ہیں۔ یہ باتیں بتاتی ہیں کہ مرکزی حکومت نہ بھی چاہتی تھی تو بھی پنجاب کے بعض حکام فسادیوں کے ساتھ تھے۔

کالج کے نونہالوں نے اتوار کو بھی چھٹی لی اور اپنا فرض پورا کرنے ہمارے مکان تلے نعرے۔ گالیاں دینے اور پتھر چلانے لگے۔ نکلو باہر کہاں ہو تم۔ مرزائی کُتے ہائے ہائے۔ مگر اس طرف ایک ہی چپ لگی تھی۔ گو ہم نے کچھ نہ کچھ جواب کا انتظام کیا ہوا تھا مگر شہر میں ایسے بھی غریب احمدی تھے جو ذرا سی حرکت سے ان ظالموں کا نشانۂ ستم بن کر ختم ہو سکتے تھے۔

پہلے پہل فسادیوں کو خیال تھا کہ ہم لوگ مسلح ہیں مگر جب اتنے دن تک ہم نے کوئی جوابی قدم نہ اٹھایا تو انہیں حیرت ہونے لگی کہ ہم کیسے انسان ہیں کہ اس عظیم ہنگامے سے بھی متاثر نہیں ہوتے۔ آخر چند نوجوان جرأت کرکے دروازہ کھلوانے پر اُتر ہی آئے۔ کہنے لگے ہم تمہیں مسلمان بنانے آئے ہیں۔ دروازہ کھولو...... ہمارے ایک ہی جواب پر کہ ہم تم سے زیادہ مسلمان ہیں وہ دروازہ زور زور سے کھٹکھٹاتے اور توڑنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب ہم کسی صورت دروازہ کھولتے نظر نہ آئے تو انھوں نے ہماری بھینس جو گلی میں بندھی تھی کھولنے کا پروگرام بنایا۔ جب وہ بھینس کی طرف بڑھے تو میں نے بندوق نکال کر ان کا نشانہ سیدھا کیا۔ ہماری دکان کے سامنے بیٹھنے والا درزی جو اب تک محض نظارہ کر رہا تھا دوڑ کر اُن کے پاس آیا اور حقیقت سے آگاہ کرکے بھاگ جانے کا مشورہ دیا۔ ہمارا تو ارادہ ہی نہیں تھا کہ گولی چلائی جائے کیونکہ یہ پھر نئے فساد کا پیش خیمہ اور مزید تباہی کا باعث بن سکتی تھی مگر اس سے یہ ہوا کہ ہماری خاموشی کا جو وہم غیر مسلح ہونے

کا اُن کے دل میں بیٹھ رہا تھا وہ دُور ہوگیا اور پھر انہیں جرأت نہ ہو سکی کہ وہ آکر دروازہ توڑیں ۔

اسی دن بابو عبدالکریم صاحب پوسٹماسٹر اور ملک محمد افضل صاحب کے مکانوں کو لوٹ لیا گیا ۔ اس کے بعد فوج کے آجانے سے حالت آہستہ آہستہ سدھرنے لگی ۔ اسی دن مرکز سے ایک خط آیا کہ مضبوطی سے ایمان پر قائم رہیئے ۔ مصیبتوں کے بادل عنقریب چھٹ جائیں گے .. .. بدھ کو پہلے روز ہم نے دکان کھولی ۔ وہی پہلے سے اہتمام کے ساتھ ۔ یوں محسوس ہوا گویا نئی زندگی مل گئی ۔ ہر گزرنے والا یوں نظریں اٹھا اٹھا دیکھتا گویا اُسے ہماری زندگی پر یقین نہیں ۔ جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو ۔ جیسے اُنہیں امید ہی نہیں تھی کہ یہ دکان جو ایک بار بند ہو گئی ہے پھر بھی کبھی کھُلے گی ۔

وہ مُلّا جو فسادات سے قبل ہی احمدیت کی تباہی کے خواب دیکھا کرتا تھا اس کی بیوی فوت ہو کر گھر ویران کر گئی ۔ جس کی معرفت آیا کرتا تھا اس کی بیوی بھی فوت ہو گئی ۔ اس کی ساری کمائی بیماری پر لگ گئی تھی ۔ اب بچوں کا بوجھ آن پڑا ۔ جس دکان پر بیٹھ کر سکیمیں سوچی جاتی تھیں وہ دکان اس سے چھن گئی مگر احمدیت کا سورج جب ان بادلوں کے چھٹ جانے کے بعد نظر آیا تو وہ پہلے سے زیادہ آب و تاب سے نکلا ۔“

۱۵ ۔ مکرم محمد شفیع صاحب کھوکھر مالک ”دہلی کلاتھ ہاؤس“ کا بیان ہے کہ :-

”جب احرار شورش زوروں پر تھی اور ہر طرف سے مخالفت کا زور دن بدن بڑھتا گیا سب دکاندار اور رشتہ دار بلکہ شہر کا اکثر حصہ ہماری مخالفت میں اُٹھ کھڑا ہوا اور یہاں تک کہا گیا کہ ہم دکان بند کرا دیں گے ۔ ہماری دکان کے سامنے کھڑے ہو کر گاہکوں کو کہا کہ ان مرزائیوں سے سودا مت لو ۔ بعض دفعہ کپڑا کٹوایا ہوا واپس کرا دینا ۔ ہم خاموشی سے کاٹا ہوا کپڑا واپس کر لیتے ۔ اور بعض احراری دکان کے سامنے کھڑے ہو کر فحش گالیاں دیتے مگر ہم نہایت صبر سے کام لیتے ہوئے دن گزار جاتے ۔ الحمدُللہ پھر بھی شام کو کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھا کر ہی جاتے اسی طرح ہر روز جلوس نکلتے اور ہماری دکان کے سامنے خاص کر کھڑے ہو کر ناچتے کودتے اور گالیاں نکالتے ۔ ایجی ٹیشن کے شروع ہونے سے قبل کئی دفعہ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ہماری

دکان لوٹی گئی ہے مگر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہا کہ یا الٰہی آپ تقدیر کو ٹال بھی سکتے ہیں۔ اس کے بعد ایک دن ایک نہایت ہی مشتعل ہجوم ہماری بند دکان دیکھ کر تالے توڑنے لگا۔ مگر ہمارے سامنے حلوائی دکاندار جو ہمارے ہمدرد اور جوان بلکہ پہلوان ہیں وہ کھڑے ہو گئے کہ ایسا ہرگز نہیں کرنے دیں گے۔ اس طرح وہ دکان بفضل خدا بچ گئی۔ ویسے بھی ہم کافی مال نکال کر اِدھر اُدھر کر چکے تھے۔ ایک روز ایک بڑا بھاری جلوس نکلا۔ اس روز بڑا خطرہ پیدا ہو گیا کہ آج یہ ضرور دکان پر حملہ کریں گے مگر اللہ تعالیٰ نے جو ہر مشکل میں اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔ اس موقعہ پر بھی اپنی رحمت کا نشان دکھایا اتفاق سے قریباً دس بارہ عورتیں برقعہ پوش راستہ نہ ملنے کی وجہ سے ہماری دکان کے سامنے چبوترے پر ایک لائن کی شکل میں کھڑی ہو گئیں۔ اسطرح ان کا حوصلہ نہ پڑا اور جلوس نکل گیا۔ دن بدن خطرہ بڑھتا گیا اور ہم نے دکان پر آنا بند کر دیا اور گھر میں محبوس ہو گئے بلکہ مسجد میں جانا بھی بند ہو گیا۔ گھر پر پیغام جانے لگے احمدیت چھوڑ دو ورنہ خیر نہیں بلکہ رشتہ دار بھی دھمکانے لگے۔ ہاں ابھی دکان پر کاروبار کرتے ہی تھے کہ ایک روز زبردستی کہا گیا کہ تم اپنے بورڈ پر مرزائی کلاتھ ہاؤس لکھواؤ۔ خاکسار نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جمعہ کے دن جب کہ چھٹی ہوتی ہے انہوں نے سفید پینٹ بورڈ پر پھیر کر اس کے اوپر مرزائی کلاتھ ہاؤس لکھ دیا۔ خیر مَیں نے کہا کہ چلو دیکھو۔ اس طرح بھی خدا رزق دیتا ہے یا نہیں۔ بفضل خدا پھر بھی گاہک سودا لیتے ہی رہے۔ دورانِ فساد میں دو دفعہ ہماری چوری بھی ہوئی۔ وہ ایسے کہ ایک روز مولوی نما چند آدمی آئے۔ مجھے دھیان میں لگا کر سمر کا ایک ٹکڑا لے گئے جو قریباً -/۱۵۰ روپے کا تھا۔ ایک دو آدمی آئے اور کپڑا کٹوا کر جھگڑا کر کے چل دیئے۔ ایک تو کپڑا کٹوا کر چھوڑ گئے دوسرے ایک پاپلین کا تھان اُٹھا کر لے گئے۔ اب ان کے پیچھے جانا یا اُن کو پکڑنا ہمارے بس کی بات نہ تھی کیونکہ اگر پکڑتے تو جھگڑا شروع ہو جاتا۔ غرضیکہ ہر طرح کی تکلیف اٹھا کر بھی مخالفین کے لیے فساد کا کوئی موقعہ پیدا نہ ہونے دیا۔

ہم بارہ دن تک اپنے گھر پر محبوس رہے۔ آخر کے تین دن تو نہایت خطرناک حالت میں گذرے۔ آخری دن سے پہلی رات کو میری لڑکی عزیزہ زہرہ بیگم سلمہا اللہ تعالےٰ نے خواب

دیکھا۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام زمین اور آسمان کے درمیان تشریف فرما ہیں۔ اور حضور پُر نور کے بدن مبارک سے نور کی شعاعیں نکل کر سارے آسمان اور زمین کو روشن کر رہی ہیں اور بے شمار مخلوق کہہ رہی ہے کہ یہ مسیح موعود آ گئے۔ اسی روز صبح کو عزیزہ زہرہ کا بڑا لڑکا جو آٹھ سال کی عمر کا ہے۔ کہنے لگا امی سانپ آئے۔ بین بجی اور بھاگ گئے اور سپاہی آ گئے۔ اسی روز صبح میری طبیعت کی گھبراہٹ جو تھی وہ بالکل جاتی رہی۔ میں نے سب کو گھر میں کہا کہ فکر نہ کرو۔ کوئی نہ کوئی سامان حفاظت کا ضرور ہو جائے گا۔ بفضلِ خدا اسی دن شام کو چار بجے فوج آ گئی۔ اور آتے ہی انہوں نے حفاظت کے سامان کر دیئے۔"

۱۶۔ مکرم جناب اقبال محمد خان صاحب (سابق اسسٹنٹ میٹرولوجسٹ محکمہ موسمیات پاکستان) فرماتے ہیں:۔

"میں کراچی سے تبدیل ہو کر ۴ مارچ کی صبح کو آٹھ بجے لاہور آیا اور تقریباً پونے سات بجے شام اپنے مکان گوجرانوالہ پہنچا۔ تو گھر میں سنا کہ احراری ہر روز شرارتیں شہر میں کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ ہمارے مکان پر بھی گاہ بہ گاہ آتے اور شور و غوغا کر کے چلے جاتے۔ میرے گھر پر علاوہ میرے ذیل کے افراد تھے۔ میری لڑکی۔ میرے ایک لڑکے کی بیوی۔ میرا ایک لڑکا قریباً ۱۳ / ۱۴ برس کا جو اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ میں ساتویں جماعت میں تعلیم پاتا تھا ایک پوتا اور دو پوتیاں یہ تینوں بچے چھ برس سے کم عمر کے تھے۔ میری گوجرانوالہ میں آمد کے بعد فسادی بچے جوان اور بوڑھے دن رات میں ایک سے تین مرتبہ روزانہ آتے اور گالی گلوچ بکتے۔ نازیبا فقرے دہراتے۔ چونکہ ہم اپنے مکان کو ہر وقت بند رکھتے تھے اور ضرورت کے وقت ہم باہر بھی جاتے تھے مگر مکان کو اندر سے کنڈی یا قفل سے بند رکھتے تھے۔ ہمارے محلہ میں شیخ غلام ربانی صاحب سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ گوجرانوالہ میرے مکان کے قریب ہی رہتے تھے اور ایک شخص مسمی جلال گوجر جو میرے مکان کے سامنے رہتا تھا یہ دونوں چھ اور سات مارچ ۱۹۵۳ء کو بوقت شب آتے اور بتایا کہ حالات سخت مخدوش ہیں اور فسادیوں کو آج تک دبایا جاتا رہا ہے مگر اب وہ ان کے اختیار سے باہر نکلتے جا رہے ہیں۔ ڈر ہے کہ فسادی اُن کے خلاف بھی نہ ہو جائیں۔ اس لیے انہوں نے مشورہ دیا کہ گھر چھوڑ کر

کسی اور جگہ چلے جاویں ورنہ جانی نقصان ہونے کا بھی خطرہ ہے۔ مَیں نے ۶ مارچ کو ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ مَیں اس بارے میں سوچوں گا اور ۷ مارچ کو مَیں نے پھر ان کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ بس مَیں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ موت نے ایک دن آنا ہی ہے۔ اگر ان لوگوں کے ہاتھوں میں میری اور میرے خاندان کی موت ہے اور اللہ تعالےٰ کو بھی یہی منظور ہے تو مَیں راضی بہ رضاء الٰہی ہوں۔ آپ اپنے آپ کو خطرہ میں ہماری وجہ سے نہ ڈالیں۔ وہ لوگ مجھے بہت سمجھاتے رہے۔ مگر آخر مایوس ہو کر چلے گئے۔ ہم لوگ دعاؤں میں لگے رہے۔ ۸ مارچ کو قریباً دس بجے میرے گھر میں ایک نابینا اور اس کے ساتھ ایک بچہ بطور مہمان آ گئے۔ اُن کے آنے کے چند منٹ بعد میرا لڑکا سکول سے آ گیا۔ اس نے بتایا کہ ماسٹر صاحب نے اُسے فسادات کی وجہ سے چھٹی دے دی ہے اور راستے میں اس نے ایک احمدی کے گھر میں لوٹ کھسوٹ ہوتے دیکھی ہے۔ اور مجمع کہہ رہا ہے کہ وہ اب ہمارے گھر پر بھی دھاوا بولنے والے ہیں۔ مَیں نے اُسی وقت مکان کے باہر کی طرف کھلنے والے تمام دروازے مقفل کر دیئے اور ریڈیو، کلاک جیسی چیزیں ہاتھوں ہاتھ ایک کوٹھڑی میں بند کر کے قفل لگا دیا ہمارے گھر میں ہر وقت پانی غسل خانہ کے سکاوے۔ حمام اور بالٹیوں وغیرہ میں بھرا رہتا تھا تا کہ اگر فسادی آگ لگائیں تو پانی کی مدد سے آگ بجھائی جا سکے۔ چارہ کرنے کا گنڈاسہ گھر میں تھا اور ایک چھری اور ایک ہاکی تھی۔ یہ تینوں ہم نے تیار رکھے ہوئے تھے کہ اگر فسادی دروازے کھڑکیاں توڑ کر گھر لوٹ مار کے لیے داخل ہوں گے تو اُن سے مقابلہ کیا جاوے گا ایک مسہری کے بانس کے ایک سرے پر کپڑے لپیٹ کر اوپر سے تار لپیٹی ہوئی تھی۔ ایک ماچس اور تیل کی بوتل یہ تینوں چیزیں صحن میں تیار رکھی تھیں۔ تا کہ اگر فسادی چھت پر چڑھ کر صحن میں اترنے کی کوشش کریں تو نیچے سے ہی اُن کا آگ کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے۔ ابھی یہ سب چیزیں بمشکل مناسب جگہوں پہ رکھی بھی نہ تھیں کہ کم و بیش تین چار سو آدمی شور کرتے ہوئے میرے مکان پر پہنچ گئے اور قریباً دو گھنٹہ تک دروازے۔ کھڑکیاں توڑ کر مکان میں داخل ہونے کی کوشش کرتے اور نازیبا نعرے لگاتے رہے۔ پڑوسیوں

کے مکانوں کے راستے ہمارے مکان کی چھت پر آنے کی کوشش کی مگر انہوں نے اپنے مکانوں میں داخل ہونے سے منع کر دیا۔ میرے مکان کی کھڑکیاں جو لب سڑک کھلتی تھیں اور کھڑکیوں کے دروازہ اور سوراخوں سے ہمیں دیکھتے تھے اور ہم سب لوگ خاموشی کے ساتھ دعاؤں میں لگے ہوئے تھے بچے سہمے ہوئے تھے اور میرے ایک ہاتھ میں گنڈاسہ تھا اور میں کمرے میں ٹہل رہا تھا اور بچوں اور مستورات کو آہستہ آہستہ تلقین بھی کر رہا تھا کہ دل نہیں ہارنا ۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا۔ اگر فسادی مکان میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تو ڈرنا نہیں ۔ جرأت سے ان کا مقابلہ ہاکی چھری اور لاٹھی سے کرنا ۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کی مدد کرے گا اور ان شریروں کو معلوم ہو جائے گا کہ مومن کس قدر دلیر ہوتا ہے ۔ اس وقت ایک شخص کھڑکی کے ایک سوراخ میں سے کھڑکی کے ساتھ آنکھ لگائے دیکھ رہا تھا تو میرے لڑکے نے کہا کہ چرخے کا تکلا (جو بطور ہتھیار ہم نے تیار کر رکھا تھا) اس سوراخ میں ڈال کر اس کی آنکھ پھوڑ دو ۔ میں نے اُسے جواب دیا کہ ہم حملہ نہیں کریں گے ۔ البتہ دفاع جرم نہیں ۔ جو مکان میں داخل ہوگا اُس کو اِس گنڈاسے سے ٹکڑے ٹکڑے کر دونگا ۔ ہاتھ پاؤں گردن جو بھی اس کھڑکی کے راستے مکان کے اندر آوے گی تو اس کو گنڈاسہ انشاء اللہ تعالیٰ مکان کے اندر رکھے گا اور جسم کا باقی حصہ مکان سے باہر رہے گا ...... مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میری اور میرے خاندان کی مدد کرے گا ۔ کھڑکی کے سوراخ میں سے تاکنے والے شخص نے میری باتیں سنیں ۔ اور میرے ٹہلنا اور گنڈاسے کو جوش میں حرکت دینا دیکھا تو چلّا چلّا کر کہنے لگا "ارے بابا تاں ٹوکا (گنڈاسہ) لیے پھردا اے (ارے لوگو بڈھا مراد اقبال محمد خاں بعمر ۸۵ سال) تو گنڈاسہ لیے پھر رہا ہے ۔ اس کے چند منٹ بعد ہی وہ لوگ یہ کہتے ہوئے منتشر ہو گئے کہ تم نے دروازے نہیں کھولے ۔ وہ لوگ چار بجے سہ پہر کو پھر آویں گے ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد میرے مہمان گھر جاک (جو گوجرانوالہ شہر سے قریباً دو میل کے فاصلہ پر گاؤں ہے) چلے گئے ۔ اور میں امیر صاحب جماعت احمدیہ گوجرانوالہ کے مکان پر گیا اور ان کو مذکورہ بالا قصہ سنایا تب انہوں نے مجھے ہدایت کی کہ

میں ایس پی اور ڈی سی کو سارا ماجرا بتاؤں ۔ وہ مجھے بتانے لگے کہ وہ خود ابھی ڈی سی کو مل کر آ رہے ہیں

چنانچہ میں ایس پی اور ڈی سی کے پاس رپورٹ کرنے کے لیے روانہ ہوا ۔ راستے میں میرے بڑے بھائی رہتے تھے ۔ میں ان سے ملا ۔ (وہ ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس اور ضلع گوجرانوالہ کے رضاکاروں کے کمانڈر بھی ہیں) ان کا داماد جو گوجرانوالہ کا ڈی آئی ایس تھا وہ بھی وہاں موجود تھے میرے بھائی نے مشورہ دیا کہ چار بجے جب مجمع مکان پر آوے تو تم ان سے کہدو کہ ہم احمدی نہیں ہیں ۔ میں نے فوراً انہیں کہا کہ مرنا صرف ایک دفعہ ہے ۔ یہ مجھ سے نہ ہوگا ...... میں اپنے گھر واپس آگیا اور میرا داماد جو گھر جاک میں رہتا ہے مذکورہ مہمانوں سے خبر سن کر میرے مکان پر آیا ہوا تھا اور میرے بال بچوں کو میرے بھائی کے گھر چلے جانے کو تیار کر رہا تھا ...... میرے بال بچے میری اجازت کے بغیر گھر چھوڑنے کو رضامند نہ تھے ۔ میں نے گھر پہنچ کر بال بچوں کو اپنے داماد کے ہمراہ اپنے بھائی کے گھر روانہ کر دیا ۔ اور خود مکان میں تنہا نماز پڑھنے لگ گیا قریباً پانچ بجے شام موٹروں کی آواز میرے کان میں پڑی ۔ تب میں نے مکان کی چھت پر چڑھ کر دیکھا کہ پولیس اور ملٹری اور محلہ کے لوگ جمع ہیں ۔ ملٹری والوں نے میرے مکان کے اردگرد پہرے لگائے ہوئے ہیں ۔ وہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے کہ مکان اندر سے بند ہے اور مکان میں کوئی آواز بھی نہیں آتی ۔ مجھے چھت پر دیکھ کر انسپکٹر پولیس نے مجھے نیچے آنے کو کہا ۔ چنانچہ میں نیچے آیا ۔ انہوں نے مجھ سے سارا ماجرا سنا ۔ انہوں بتلایا کہ یہ صاحب فرسٹ کلاس مجسٹریٹ ہیں ۔ وہ خود انسپکٹر پولیس ہیں اور ملٹری کے افسران وغیرہ سے بھی تعارف کرایا ۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں گزیٹڈ آفیسر ہوں ۔ ... غلام ربانی صاحب مذکور بھی دیگر محلوں والوں کے ہمراہ اس وقت موجود تھے ۔ مجسٹریٹ صاحب نے فرمایا کہ اگر ذرا سا بھی کوئی واقعہ اس وقت کے بعد ہوا تو پولیس اسٹیشن میں اطلاع کر دینا الخ ۔“

۱۶۔ مکرم میاں عبدالرحمٰن صاحب صابر[1] قائد خدام الاحمدیہ گجرانوالہ کا بیان ہے کہ :-

”مورخہ ۷ مارچ بعد دوپہر میری بیوی اپنے ایک سالہ بچے کو دودھ پلا رہی تھی اور میں دوسرے

---

[1] وفات ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۵ء

بچے کو سینے پر لٹا رہا تھا کہ بلوائیوں کا ایک ہجوم آیا جس نے آتے ہی ہمارے مکان کے دروازوں پر پتھر۔ ڈنڈے اور اینٹیں مارنی شروع کر دیں۔ ہمارے ایک ہمسایہ نے انہیں کہا کہ وہ تو یہاں ہیں نہیں۔ لیکن انہوں نے اس کی بات نہ مانی۔ اور مانتے بھی کیسے جبکہ ہم اندر سے نظر آ رہے تھے۔ ہمارا ایک دروازہ مضبوط تھا اور ایک کمزور لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ مضبوط دروازہ ہی ٹوٹ گیا اور اس وقت ہم نے سمجھا کہ بس ہم گئے۔ لیکن عین اسی وقت گجرانوالہ کے ایک معزز غیر احمدی دوست قاضی محمد شریف صاحب شوق اور ان کے بھائی آ گئے اور انہوں نے ہجوم کو بڑی حکمت عملی سے قابو میں کر لیا جس کی وجہ سے ہجوم مکان کے اندر نہ آ سکا۔ اس طرح محض خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہماری جان و مال اور عزت و آبرو اور سب سے بڑھ کر قیمتی شے ہمارا ایمان بچ رہا۔ اس ہجوم کے رد کے جانے کے بعد ایک مولوی صاحب میرے پاس آئے اور بزعم خویش مجھے مسلمان ہونے کو کہا۔ مَیں نے کہا مولوی صاحب! مسلمان تو مَیں پہلے سے ہوں۔ اس وقت میری بیوی زینب دوسرے کمرہ میں تھی گو اس کی جسمانی ساخت اور صحت کمزور ہے اور بظاہر اس کی طرف سے کمزوری دکھانے کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اس وقت وہ بھوکی شیرنی کی طرح صحن کی طرف جھپٹی اور نہایت بارعب الفاظ میں کہا "خبردار ڈولیو نہ۔ مرنا کو واری اے" (خبردار! ڈگمگایو مت۔ مرنا ایک ہی دفعہ ہے ناقل)

اس کے ان الفاظ سے میرے جسم میں ایک لہر سی دوڑ گئی۔ زاں بعد وہ مولوی صاحب اور ان کے ساتھی خاموشی سے چلے گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس وقت بظاہر حالات ہماری حفاظت کے تمام ذرائع ختم ہو چکے تھے۔ مثلاً میرا حقیقی بھائی اس حملہ سے چند منٹ پہلے ہی باہر چلا گیا تھا۔ اور اس تمام واقعہ کے بعد گھر آیا۔ ایسے موقعہ پر ہمسایوں سے جو توقع ہو سکتی تھی وہ بھی رائیگاں گئی۔ جس دروازے پر بوجہ مضبوطی اعتماد تھا وہ بھی ٹوٹ گیا اور بظاہر ہماری حالت یہی تھی ؏

چیلے سب جاتے رہے اک حضرتِ توّاب ہے

چنانچہ خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم اور ذرّہ نوازی سے ہماری شب و روز کی

التجاؤں کو سُنا اور ہماری بے کسی کے پیشِ نظر غیب سے ہماری مدد کی۔"

۱۷۔ مکرم نور محمد صاحب امینی بنگوی کا بیان ہے کہ:۔

"میں بنگہ ضلع جالندھر کا مہاجر ہوں......جن دنوں مخالفت اور فسادات کا زور شور ہوا تھا تو مَیں نے چند یوم اپنے مکان کا دروازہ بند کرکے اندر ہی رات دن بسر کیے تھے۔ غیر احمدی لڑکے، جوان اور بچے اکٹھے ہو کر میرے مکان کے پاس آکر گالیاں نکالتے اور دروازہ پر اینٹیں اور پتھر مارتے۔ مَیں اور میرے اہل و عیال صبر سے کام لے کر دعاؤں میں مصروف رہتے تھے۔ ایک جبکہ مخالفت کا زور تھا اور خطرہ بڑھ گیا تھا میری بیوی کے دو حقیقی بھائی جو غیر احمدی ہیں اور احمدیت کے سخت مخالف اور دشمن ہیں اور میرے مکان کے قرب میں رہتے ہیں انہوں نے میرے پاس ایک لڑکا بھیجا۔ وہ لڑکا کہنے لگا کہ مجھے ان دونوں نے بھیجا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تم اگر اب اپنی خیر چاہتے ہو اور جان بچانا چاہتے ہو تو احمدیت سے توبہ کر لو۔ مَیں نے یہ سُن کر لڑکے سے کہا کہ تم ان کو جا کر کہہ دو کہ وہ مجھے یہ تحریر کر دیں کہ توبہ کرنے سے مجھے موت نہیں آئے گی۔ جب بے ایمان ہو کر بھی موت آئے گی تو پھر بے ایمانی کی موت سے ایمانداری کی موت نہایت عمدہ اور حد درجہ بہتر ہے۔ میرا یہ جواب سُن کر وہ لڑکا چلا گیا۔ اس کے بعد پھر میرے پاس کوئی نہیں آیا۔ اللہ تعالےٰ نے دعاؤں کی برکت سے مجھے اور میرے اہل و عیال کو ہر طرح اپنی پناہ اور حفاظت میں رکھا۔"

۱۸۔ مکرم ماسٹر امجد علی صاحب صدر مدرس گوناچور کا بیان ہے کہ:۔

"۷ر مارچ ۱۹۵۳ء کو دو بجے کے قریب اپنے مکان پر پہنچا۔ اڑھائی بجے کے قریب ہمارے مکان پر سات آٹھ صد نوجوانوں کا ہجوم جن کے ہاتھوں میں دو دو تین تین ہاتھ لمبے ڈنڈے تھے ہمارے مکان پر حملہ آور ہوئے۔ آتے ہی انہوں نے گالیاں نکالنی شروع کر دیں۔ اور ڈنڈوں سے دروازہ اور کھڑکیاں توڑنی شروع کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے کھڑکیوں کے اوپر کے تمام چھجے اور ایک کھڑکی توڑ دی۔ اور پتھراؤ سے کئی شیشے توڑ دیئے۔ کھڑکی کے توڑنے کے بعد ایک آدمی نے کھڑکی کے اندر ہاتھ بڑھا کر کھڑکی کے

سامنے کی چارپائی پر سے ایک بستر باہر کھینچ لیا۔ تمام مستورات اور بچے اوپر کی منزل پر کھڑے ان کی تمام کارروائی دیکھ رہے تھے۔ میری بیوی نے اوپر سے انہیں کہا کہ کرلو لوٹ مار! اگر تمہارا اسلام یہی ہے اور لوٹ مار کی اجازت دیتا ہے تو ٹھہرو میں نیچے آکر دروازہ کھول دیتی ہوں۔ تمام مکان کو لوٹ لو۔ اس کے بعد کسی آدمی کے کہنے پر اس لڑکے نے بستر کھڑکی کے اندر پھینک دیا۔ اور ایسی فحش کلامی کرتے ہوئے جس کے اظہار کی اخلاق بھی اجازت نہیں دیتا۔ چلے گئے۔"

۱۹۔ مندرجہ بالا بیانات میں ضمناً بعض احمدی مستورات کے جذبہ ایمانی اور غیرت دینی کا کئی بار تذکرہ ہو چکا ہے۔ اب آخر میں دو اور احمدی خواتین کی ثابت قدمی۔ استقلال اور ایمانی پختگی کا قابلِ فخر واقعہ مبارک احمد صاحب ناصر سابق دیہاتی مبلغ زرگڑھی ضلع گوجرانوالہ کے الفاظ میں لکھا جاتا ہے :۔

"گوجرانوالہ کے محلہ گوبند گڑھ میں مستری امام دین صاحب کے گھر صرف اُن کی دو بہوئیں تھیں۔ صادقہ بیگم صاحبہ اور خورشید بیگم صاحبہ ان ہر دو کے بچے اُن کے پاس ہی تھے جو کہ اوّل الذکر کے چار اور دوسری کے دو اور ساتھ ہی گھر میں ایک رشتہ دار نوجوان لڑکی سخت بیمار تھی۔ جب یہ شورش شروع ہوئی تو انہوں نے بازار سے نئی لوہے کی کنڈیاں منگوا کر دروازوں کو خود لگائیں۔ مکان کا کل قیمتی سامان گیلری میں بند کر کے اس کی سیڑھی توڑ ڈالی تاکہ کوئی آدمی گیلری پر نہ چڑھ سکے۔ اس طرح سامان کو محفوظ کر لیا۔

محلہ کے قریبی آدمی متواتر روزانہ ہر تین چار گھنٹہ کے بعد اُن کے پاس آتے اور اپنی طرف سے محبت اور پیار سے یہ کہتے کہ تم صرف احمدیت سے انکار کر دو۔ اس سے تمہاری بے عزتی بھی نہ ہو گی۔ اور نقصان بھی نہ ہو گا۔ لیکن ان ثابت قدم احمدی خواتین نے ہر دفعہ یہی جواب دیا کہ ہم مر جائیں گی لیکن احمدیت سے انکار ہرگز نہ کریں گی یہی سلسلہ متواتر کئی روز تک چلتا رہا۔ زاں بعد محلہ کے غیر احمدیوں نے بھی کہا کہ تم ہمارے گھروں میں چلی چلو۔ ہم وہاں تمہاری اچھی طرح حفاظت کریں گے مگر انہوں نے یہی جواب دیا کہ ہم اپنے گھر ہی میں رہیں گی۔ خواہ کچھ بھی ہو۔ اس طرح ان کی غیر احمدی رشتہ دار مستورات

نے بھی احمدیت سے پھسلانے کی کئی مرتبہ کوشش کی اور کہتی رہیں کہ یہاں کئی گھرانوں نے احمدیت کو چھوڑ دیا ہے۔ تم تو اکیلی ہو۔ اپنے آپ کو بچا لو۔ لیکن ان کا یہی جواب رہا کہ ہم مریں گی بھی تو احمدیت کی راہ میں ہی مریں گی۔"[1]

ضلع میں شورش کے دوسرے مراکز

رپورٹ تحقیقاتی عدالت میں لکھا ہے:۔

"ضلع میں شورش کے دوسرے مراکز حسب ذیل تھے:۔

۱۔ کاموکے:۔ یہاں احمدیوں اور حکومت کے خلاف مظاہرے اور جلوس مرتب کرنیوالے لطیف احمد چشتی اور حافظ عبدالشکور تھے۔ جو سرمایہ ضبط کیا گیا اس کی مقدار دس ہزار سات سو بہتر روپے تھی۔

۲۔ وزیر آباد:۔ یہاں تحریک کی تنظیم کرنے والے مولوی عبدالغفور ہزاروی اور کامریڈ عبدالکریم تھے۔ یہاں ریل کی پٹڑی پر لکڑی کا ایک لٹھ رکھ کر ایک ٹرین روکی گئی۔ جو سرمایہ یہاں ضبط کیا گیا اس کی مقدار دو ہزار پانچسو ساٹھ روپے تھی۔

۳۔ حافظ آباد:۔ یہاں ابوالحسن محمد یحییٰ اور مولوی فضل الٰہی نے عوام کے جذبات کو بھڑکایا۔

۴۔ گکھڑ:۔ یہاں ٹرینیں روکی گئیں.....

۵۔ نوشہرہ ورکاں:۔ ایک پرانا کانگریسی ڈاکٹر محمد اشرف یہاں گڑبڑ کا ذمہ دار تھا۔

۶۔ سوہدرہ:۔ یہاں مولوی عبدالمجید اہل حدیث نے عام جلسوں کا اہتمام کیا۔"[2]

---

[1] ریکارڈ مرتبہ ملک فضل حسین صاحب۔ [2] تحقیقاتی رپورٹ صفحہ ۱۸۴

فصل سوم

ضلع سیالکوٹ

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں ضلع سیالکوٹ کے اندر احمدی احراری نزاع کی ابتدائی تاریخ پر روشنی ڈالنے کے بعد یکم مارچ ۱۹۵۳ء کی نسبت لکھا ہے :۔

"........یکم مارچ ۱۹۵۳ء کو شہر نے کامل ہڑتال کی اور دس ہزار اشخاص کا ایک ہجوم ریلوے اسٹیشن پر رضا کاروں کے اس پہلے دستے کو الوداع کہنے کے لیے جمع ہوا جو زیر سرکردگی مولوی محمد یوسف "ڈائریکٹ ایکشن" میں اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے روانہ ہو رہا تھا۔ اس ہجوم نے بازاروں میں گشت لگایا۔ احمدیوں کے خلاف نعرے لگائے اور حکومت بالخصوص وزیر اعظم پاکستان کو گالیاں دیں۔"[ل]

صدر انجمن احمدیہ کے عدالتی بیان میں ہے :۔

"۳ اور ۴ مارچ ۱۹۵۳ء کو مجلس عمل کے ممبروں کی گرفتاری کی وجہ سے حالات نے متشددانہ صورت اختیار کر لی اور حکام کو گولی چلانی پڑی اور فوج بلائی گئی۔ فوج کی آمد سے قبل دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جلوس نکلتے رہے۔ اور پولیس کی انتہائی کوششوں کے باوجود شر پسند لوگ منتشر نہ ہوئے اور قاتلانہ ہتھیاروں کے ساتھ احمدیوں پر حملے جاری رہے۔ اور سات اشخاص کو جن میں خواتین بھی شامل تھیں شدید ضربات آئیں اور شہر میں دس احمدیوں کو خوفزدہ کر کے احمدیت سے منحرف کیا گیا

تھانہ پسرور میں دس احمدیوں کو خوفزدہ کر کے یہ اعلان کرنے پر مجبور کیا گیا کہ انہوں نے احمدیت ترک کر دی ہے۔ اس ..... بارہ میں متعلقہ پولیس اسٹیشن کے افسر کے پاس شکایت کی گئی لیکن اس نے دخل دینے سے انکار کر دیا۔ اس قسم کے لاانتہاء واقعات ضلع

ل رپورٹ تحقیقاتی عدالت اردو صفحہ ۱۷۵

کے دوسرے مقامات میں ظہور پذیر ہوئے۔

سیالکوٹ کے احمدیوں کے ایک وفد نے خواجہ محمد صفدر صاحب پریذیڈنٹ مسلم لیگ سے ملاقات کی اور انہیں اس مشتعل حالات سے مطلع کیا۔ خواجہ صاحب نے جواب دیا کہ اگرچہ انصاف اور شرافت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اور دوسرے مسلم لیگی بے خوف ہوکر احمدیوں کی مدد کریں مگر دولتانہ صاحب کے گزشتہ دورہ پر میں نے اُن سے کہا تھا کہ حالات خطرناک ہوتے جا رہے ہیں۔ لیکن وزیر اعلیٰ نے مجھے یہ جواب دیا کہ خدشہ کی کوئی بات نہیں۔ مولویوں کے ہمارے ساتھ بہت اچھے تعلقات ہیں اور وہ صوبائی حکومت کے خلاف کوئی مصیبت کھڑی نہیں کریں گے۔"

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں ۳؍مارچ کے حالات کا ذکر بایں الفاظ میں کیا گیا ہے:۔

"دوپہر تک ہجوم بے انتہا بڑھ گیا اور ٹریفک ڈیوٹی کے پولیس کانسٹیبلوں پر حملے کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے ایک جلوس کی صورت اختیار کر لی اور اس شخص کی نعش کو ساتھ لے کر جو دارالشہابیہ میں مارا گیا تھا گشت کرنے لگا۔ یہ ہجوم سٹی مسلم لیگ کے دفتر میں پہنچا اور اس کی لائبریری لوٹ لی۔ خواجہ محمد صفدر ایم ایل اے صدر سٹی مسلم لیگ کو اُن کے دفتر سے نکالا گیا۔ ان کا منہ کالا کیا گیا[1] اور ان کو بازاروں میں پھرایا گیا۔ آخر کرنل خوشی محمد نے اُن کو چھڑایا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ۳؍تاریخ کے ایک بجے بعد دوپہر سے لے کر ۴؍تاریخ کے ایک بجے بعد دوپہر تک چوبیس گھنٹے کا کرفیو نافذ کر دیا تھا۔ لیکن چونکہ پولیس اور فوج کی نفری کم تھی اسلیے یہ کرفیو عمل میں نہ لایا جاسکا اور کمشنر نے اس کے اوقات تبدیل کرکے دس بجے شب سے ساڑھے چار بجے صبح تک کر دیئے۔ اسی شام کو ایک غیر احمدی دوست عبدالحی صاحب قریشی کو جنہوں نے ہجوم کو تشدد سے منع کیا تھا زدوکوب کیا گیا اور اس کا گھر لوٹ لیا گیا...... تیسرے پہر ایک ہجوم نے ایک اے۔ ایس۔ آئی اور ایک کانسٹیبل پر یورش کی۔ اے۔ ایس۔ آئی

---

[1] صدر انجمن احمدیہ کے عدالتی بیان میں کہا گیا ہے کہ "صدر سٹی مسلم لیگ کیساتھ یہ توہین آمیز برتاؤ اس لیے کیا گیا کہ بلوائیوں کے نزدیک خواجہ صاحب نے ڈپٹی کمشنر کو سختی کرنے کا مشورہ دیا تھا۔"

کا ریوالور اور کنسٹیبل کی بندوق چھین لی۔ دو احمدیوں کے چھرا گھونپ دیا گیا اور تین دوسرے احمدیوں کے مکانات ہجوم نے لوٹ لیے۔" [1]

سیالکوٹ شہر کے واقعات

ان مستند رپورٹوں کی مزید تفصیل معلوم کرنے کے لیے سیالکوٹ شہر کے مخلص احمدیوں کے بعض بیانات درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ مکرم مرزا محمد حیات صاحب (مہاجر قادیان) صدر حلقہ واٹر ورکس سیالکوٹ رقمطراز ہیں:۔

"میرے حلقہ واٹر ورکس میں چوہدری عبدالرشید صاحب، محمد لطیف خان صاحب حضرت خلیفہ عبدالرحیم صاحب [2] چوہدری محمد لطیف صاحب، سیٹھی کرم الٰہی صاحب حکیم پیر احمد شاہ [3] صاحب اور مولوی برکت علی صاحب کے مکان پر باقاعدہ خشت باری جاری رہی۔ میرے اور چوہدری عبدالرشید صاحب کے مکان کے شیشے اکثر ٹوٹ گئے۔ سیٹھی کرم الٰہی صاحب کے باہر کی لکڑی کی سیڑھی جلا دی گئی۔ ہمارے مکانوں کے اردگرد نوجوانوں کے جلوس آتے جاتے رہتے تھے۔ اور گندے نعرے بلند کر کے اپنی ماؤں بہنوں کو اپنی بے حیائی کا نمونہ دکھایا کرتے تھے۔"

"مورخہ ۸ مارچ ۱۹۵۳ء کو میرا لڑکا مرزا محمد اصغر جس کی عمر قریباً گیارہ سال ہے جب اپنی گلی میں گیا تو اس کو چند نوجوانوں نے گھیر لیا اور ان میں سے ایک نے اس کا بازو پکڑا اور اُسے چاقو مارنے لگا۔ تب میرے لڑکے نے آواز دی۔ ابا جی! مجھے چاقو مارنے لگا ہے۔ یہ آواز سن کر میں نے بھی زور سے آواز دی۔ فکر نہ کر۔ میں آرہا ہوں۔ جب میں نے بندوق اٹھائی تب اُسے دیکھتے ہی وہ نوجوان میرے لڑکے کو چھوڑ کر بھاگ گئے"

۲۔ مکرم محمد احمد صاحب نظام فوٹو گرافر (محلہ اسلام پورہ) کا خود نوشت بیان ہے کہ:۔

"ہمارے بھائی صاحب محلہ اسلام آباد میں رہتے تھے۔ اور ہم محلہ اسلام پورہ میں رہتے ہیں۔ جب میں اپنے بھائی کے گھر آرہا تھا تو میں نے دیکھا راستہ میں ناصر پال کے مکان کے گرد

---

[1] رپورٹ ۱۷۷-۱۷۸ صفحہ

[2] ولادت ۱۸۹۳ء وفات ۹ نومبر ۱۹۶۲ء [3] ولادت ۱۸۹۳ء، وفات ۱۹ اپریل ۱۹۷۵ء

بہت سے غنڈے، ڈنڈے، تلواریں اور کلہاڑیاں لیے ہوئے پھر رہے ہیں۔ جب مَیں ناصر پال کے مکان کے کونے پر پہنچا تو وہاں سے مَیں نے گلی میں جانا تھا۔ ان غنڈوں میں سے ایک لڑکا مجھے جانتا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ لیا اور شور مچا دیا کہ وہ مرزائی جا رہا ہے۔ وہ غنڈے جو ناصر پال کے مکان کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھے وہ سب میرے پیچھے بھاگے یہاں تک کہ انہوں نے مجھے میرے گھر کے پاس ہی جا کر گھیر لیا اور میرا سائیکل بھی انہوں نے چھین لیا۔ چھ سات لڑکے تھے جنہوں نے مجھے لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے مارا۔ چاقو کا بھی وار کیا مگر مجھے خدا تعالیٰ نے بچا لیا۔ چاقو میرے سینہ پر تھا کہ مَیں نے ایک ہاتھ سے چھڑا کر پاس ہی اپنے ایک غیر احمدی دوست کے گھر میں جا گھسا۔ خون سے میرے کپڑے لت پت تھے۔ اور میرا چہرہ پہچانا نہ جاتا تھا۔ جس غیر احمدی کے گھر میں گھسا تھا وہ بھی مجھے دھکے دے کر باہر نکال رہے تھے یہاں تک کہ دروازہ اس زور سے بند کیا تھا کہ مشکل سے کھلنا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی اور زور لگانے سے دروازہ کھل گیا اور مَیں اندر چلا گیا۔ دروازہ بند کر کے مکان کے ایک کونے میں بیٹھ گیا لیکن غنڈوں نے شور مچایا کہ مرزائی کو باہر نکال دو ورنہ مکان کو آگ لگا دی جائے گی۔ مَیں کمرے میں بھاگتا پھرتا تھا جس سے اُن کے مکان کا فرش خون سے بھر گیا تھا۔ اسی دوران گلی میں کئی ایک رحم دل آدمی اور دوست جمع ہو گئے جنہوں نے مجھے اندر سے نکالا۔ جب مَیں باہر آ گیا تب بھی غنڈے حملہ کرنے سے باز نہ آئے اور انہوں نے مجھ پر وار کیے۔ اس کے بعد مجھے کلمہ پڑھوایا.... پھر وہ غنڈے چلے گئے اور شیخ مہر دین احمدی کے گھر جا کر انہیں بھی زخمی کیا۔"

۳۔ جناب ناصر احمد صاحب پال تحریر فرماتے ہیں:-

"۱۹ مارچ سے قبل کئی دنوں سے یہ شور بپا تھا کہ ہمارا مکان سب احمدیوں سے بڑا ہے اور یہ بہت کٹر قسم کے احمدی ہیں۔ انہیں اس دفعہ بالکل ہی صاف کر دیا جائے گا۔ بہر کیف ہم نے بھی اپنے بچاؤ کی خاطر مناسب تیاری کر لی تھی۔ اور راشن وغیرہ بھی ایک ہفتہ کے

لیے اندر ڈال لیا تھا۔ چنانچہ ۳ مارچ سے محلہ کے باہر گولی وغیرہ چلی اور ایک دو نعشیں اٹھائی گئیں تو لوگوں میں انتقام کی آگ اور بھڑکنے لگی اور ہمارے مکان کے گرد غنڈے قسم کے لوگ اکٹھے ہونے شروع ہو گئے۔ بالآخر تقریباً ایک بجے کے قریب ایک بہت بڑا ہجوم آیا۔ جس نے ہمارے دروازوں سے اندر داخل ہونے کی کوشش کی۔ مگر وہ ناکام رہا۔ لیکن جب وہ ہمارے تیسرے دروازے کے راستہ داخل ہونے میں کامیاب ہونے ہی والے تھے اور انہوں نے اُسے توڑ ہی ڈالا تھا کہ ہم تینوں بھائیوں نے چھت پر چڑھ کر ان سے کہا کہ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ ہم اپنی حفاظت اور تمہارے حملہ کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہیں ہم رائفل اور بندوق بھی چھت پر لے آئے ہیں۔ اس پر ہجوم نے ہمارا رُخ چھوڑ دیا۔"

یہ تو عوام کا حال تھا۔ اب اُن کے خواص یا سرغنوں کی شجاعت و مردانگی کا حال بھی تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں پڑھ لیجیے۔ ایک جگہ سیالکوٹ کے بلوائیوں کی ہلڑ بازی اور ہنگامہ آرائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"ایک آدمی چھرا گھماتا اور ناچتا ہوا باہر نکلا اور گولی کھانے کے لیے سینہ تان کے کھڑا ہو گیا لیکن مَیں نے اس کو بتایا کہ جب تک وہ فیتے کے دوسری طرف رہے گا اس کو گولی نہیں ماری جائے گی۔ لیکن جونہی اُس نے فیتہ عبور کیا اُسے گولی مار دی جائے گی۔ جب گولی چلنی شروع ہوئی تو مجھے وہ کہیں نظر نہ آیا۔ وہ کہیں ہجوم میں غائب ہو گیا تھا۔ پہلی فائرنگ کے بعد ایک مولوی نے سامنے آکر فوج اور پولیس کو گالیاں دیں اور ان کو کافر کہا۔ مَیں نے بگلر سے کہا کہ بگل بجائے۔ چنانچہ جونہی اس مولوی نے بگل کی آواز سُنی وہ ہجوم پر سے پھلانگتا ہوا پیچھے کی طرف بھاگ گیا۔"[1]

۴۔ مکرم صفدر خاں صاحب محلہ بھابھڑیاں میں مقیم تھے، مظاہرین نے ان کو انہی کے مکان پر جا پکڑا۔ وہ بیچارے اپنی جان بچانے کے لیے اِدھر اُدھر دوڑے بھاگے مفسدین

---

[1] بیان لیفٹیننٹ کرنل خوشی محمد صاحب (رپورٹ تحقیقاتی عدالت اردو ص ۱۷۸)

کی گرفت سے نہ نکل سکے۔ یہ ایک شخص کے چبوترے پر پناہ لینے کے لیے جا چڑھے لیکن اس نے بھی دھکا دے کر انہیں مظاہرین ہی کے حوالہ کر دیا۔ جنہوں نے اُن پر پے در پے تیز دھار والے آلے سے حملہ کر کے ان کو سخت مجروح کیا اور انہیں مردہ سمجھ کر چلے گئے۔ بعد میں انہیں ہسپتال پہنچایا گیا جہاں خدا تعالیٰ نے انہیں شفا عطا فرمائی۔ انہی کے متعلق ایک اور دوست کا بیان ہے کہ یہ مفسدین کے حملہ سے بچنے کے لیے اپنے ایک معتمد علیہ سیّد ہمسایہ کے ہاں گئے۔ اور اس سے پنجتن پاک کا واسطہ دے کر پناہ مانگی مگر اس نے بجائے پناہ دینے کے ان کی کلائی کو دانتوں سے کاٹ کھایا اور زخمی کر کے مفسدین کے حوالہ کر دیا۔ خود صفدر خان صاحب نے لکھا ہے:-

میں جب ہسپتال گیا سوائے چند چیزوں کے باقی تمام سامان میرے مکان پر تین دن تک موجود تھا۔ اس کے بعد لوگ میرا سامان لوٹ کر لے گئے۔"

۵۔ جناب شیر محمد صاحب ثانی[1] صدر بازار سیالکوٹ نے انہی دنوں اپنی ایک چٹھی میں لکھا:-

"جیسا کہ حضور کی پہلی چٹھی میں ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے احمدیوں کی مدد کے لیے بارش کی طرح نازل ہو رہے ہیں (یہ نظارہ) یہاں دوستوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ باوجود (صحیح) تنظیم نہ ہونے کے اللہ تعالیٰ کی نصرت کس طرح شاملِ حال رہی۔ جن دوستوں نے (دباؤ میں آکر) ارتداد اختیار کیا وہ بھی اس تنظیم کے نہ ہونے کی وجہ سے تھا ورنہ عقائد ان کے اب بھی وہی ہیں الخ۔"

۶۔ محمد حسین صاحب کلاتھ مرچنٹ نے لکھا کہ:-

"مورخہ ۴ مارچ کو قریباً ۱۱ بجے دن تھانہ صدر سیالکوٹ کے سامنے جب ہجوم بے قابو ہو گیا تو فوج نے گولی چلائی اور لوگ بھاگے۔ قریباً تین چار آدمیوں کا ایک ریلا جب ہماری گلی سے بھاگتا ہوا گزرا تو کسی شرارتی نے اُن کو کہا کہ وہ سامنے مرزائی کا گھر ہے اس محلہ

---

[1] وفات ۱۸ دسمبر ۱۹۶۳ء

میں صرف میں ہی احمدی رہتا ہوں) بس پھر کیا تھا سارا ہجوم میرے گھر پر پل پڑا۔ اور اینٹوں کی بوچھاڑ شروع کر دی اور میرے مکان کی ڈیوڑھی کا دروازہ توڑنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی مکان کو آگ لگانے کی تیاری بھی شروع کر دی۔ اس وقت میں اپنے بال بچوں سمیت دعا میں مشغول تھا۔ وہ چونکہ بڑا نازک وقت تھا اور میں یہ سمجھ چکا تھا کہ اب یہ لوگ ڈیوڑھی توڑ کر مکان کے اندر گھس آئیں گے اور مار دیں گے۔ اس وقت میں نے اپنے بیوی بچوں کو صرف اور صرف یہ وصیت کی احمدیت یعنی حقیقی اسلام ایک نور ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ دنیا میں غالب آ کر رہے گا۔ اور یہ کہ احمدیت مجھے ورثہ میں نہیں ملی بلکہ محض اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے سلسلہ احمدیہ میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ یہ لوگ مجھے اب مار دیں گے اور اگر آپ پر یہ ظلم کریں جو یقیناً کریں گے تو کمزوری نہ دکھانا اگر تمہاری بوٹیاں بھی اُڑا دیں تب بھی حضرت مسیح موعود .... کی شان کے خلاف کوئی لفظ زبان پر نہ آنے پائے۔ اس پر سب نے لبیک کہا۔ ادھر میں گھبرایا ہوا یہ وصیت کر رہا تھا۔ اُدھر اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرشتے میری مدد کو پہنچ چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے اس مشتعل ہجوم کو بغیر کوئی نقصان پہنچانے کے واپس بھگا دیا تھا۔ میں حوصلہ کر کے ڈیوڑھی کی طرف گیا اور اندر سے کان لگا کر آواز سننے لگا۔ لیکن وہاں کوئی ہوتا تو آواز آتی۔ وہ لوگ تو بھاگ چکے تھے۔ دروازہ کھولا تو باہر اینٹوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور اینٹیں مار مار کر ڈیوڑھی توڑنے کی کوشش کی۔ اندر کا ایک کنڈا کھل بھی گیا تھا لیکن تالہ جو کہ بہت مضبوط تھا نہ کھل سکا۔ باہر نکل کر دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ دروازہ بند کر کے اوپر آیا اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ پھر وہ رات بڑی بے چینی سے گزری۔ ہمارے ہمسائے جو کہ سب کے سب غیر احمدی تھے ہماری زندگی سے مایوس ہو چکے تھے اور سمجھتے تھے کہ رات کو لوگ آ کر ہمیں مار ڈالیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے ہماری حفاظت فرمائی۔ اور ہم کو باعزت و سلامت رکھا۔ الحمد للہ!

۷۔ مکرم شیخ عبد الرحیم صاحب پراچہ[1] سیالکوٹ نے اپنی سرگزشت بایں الفاظ لکھ کر دی:-

---

[1] وفات ۱۸ جنوری ۱۹۸۹ء

"مارچ ۱۹۵۳ء میں جبکہ احراری ایجی ٹیشن زوروں پر تھی خاکسار نے مع اہل و عیال (دو لڑکیاں ایک اہلیہ اور ایک میں) سیالکوٹ چوک پوربیاں گلی پنڈتاں کا مکان نمبر ۹/۲۹۵ جو کہ میرے نام آلاٹ ہے، میں رہائش اختیار کی ہوئی تھی یکم مارچ سے ہی ہم پر اپنے پڑوس میں رہنے والے احراریوں کی طرف سے اینٹیں پڑنی شروع ہوگئی تھیں مگر ہم ارد گرد رسی باندھ کر اوپر رضائیاں ڈال لیتے تھے تاکہ جو بھی پتھر آئے اُن سے ٹکرا کر گر جائے اور اس کا زور ٹوٹ جائے۔ غالباً ۳ مارچ کو جبکہ گولی چل رہی تھی اور جلوس نکلا ہوا تھا ہمارے پڑوس میں ایک احراری مولوی رہتا تھا۔ اس کے ساتھ کئی اور آدمیوں نے اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہو کر مجھے بلایا اور کہا کہ ایک جلوس نکلا ہوا ہے جو پٹھان صفدر کو قتل کر آیا ہے اور وہ اب تمہاری طرف آرہا ہے۔ اس لیے ہم آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ آپ اسی وقت بال بچوں کو لے کر یہاں سے نکل جائیں۔ بعد میں ہمیں نہ کہنا کہ خبر نہیں ہوئی۔ میں نے جواب دیا کہ اِدھر جلوس نکلا ہوا ہے اور دوسری طرف گولی چل رہی ہے۔ ایسے حالات میں کسی طرف بھی جانے کے لیے تیار نہیں اور ہم گھر میں ہی مریں گے یا زندہ رہیں گے۔ بعد میں وہ کہنے لگے تم چلے جاؤ۔ عورتوں کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ میں نے جواب دیا کہ میں عورتوں کو چھوڑ کر کسی طرف بھی نہیں جا سکتا۔ پہلے میں مروں گا۔ بعد میں میرے بال بچوں کی طرف کوئی دیکھے گا۔ اس پر وہ چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ان کی عورتیں آئیں اور انہوں نے کہا کہ اپنی جان بچانی فرض ہے۔ ہمارا مشورہ یہی ہے کہ آپ "مسلمان" ہو جائیں۔ میں نے جواب دیا کہ مسلمان تو ہم پہلے سے ہی ہیں۔ آپ کے کلمہ میں اور ہمارے کلمہ میں، آپ کے قرآن میں اور ہمارے قرآن میں، آپ کی نماز میں اور ہماری نماز میں کیا فرق ہے؟ آپ ہر روز ہمیں دیکھتے ہیں پھر انہوں نے نیچے جا کر دوسرے پڑوسیوں کو بتایا کہ وہ تو کوئی بات بھی نہیں مانتا۔

نیچے سے سب پڑوسیوں نے مل کر ہمیں بلانا شروع کیا اور کہا کہ تم نیچے اُتر و۔ ورنہ نیچے سے آگ لگا دیں گے۔ میں نے اوپر سے جواب دیا میری تو تمہارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں اگر آپ لوگوں نے ہمیں قتل کرنا ہے تو اُوپر آجائیں۔ اگر آگ لگانی ہے تو لگا دیں۔ ہمارا مکان جلے گا تو ساتھ ہی آپ کا بھی جلے گا...... جو سقہ ہم کو پانی دیتا تھا اس کو بھی محلہ والوں نے

پانی دینے سے روک دیا اور جو خاکروب ہمارے ہاں صفائی کرتی تھی اس کو بھی انہوں نے روکا مگر وہ چونکہ عیسائی تھی اس نے اُن کی پرواہ نہ کی اور برابر کام کرتی رہی۔ نیز فساد کے دنوں میں میری بڑی لڑکی میٹرک کا امتحان دے رہی تھی۔ امتحان کا سنٹر گورنمنٹ لیڈی اینڈرسن ہائی سکول میں تھا جو ہمارے گھر سے کافی فاصلہ پر تھا۔ ہر روز صبح کو میں اپنی لڑکی کو لے جا کر سنٹر میں چھوڑ آتا اور بعد میں پھر واپس لایا کرتا تھا۔ ایک دن جبکہ میں جا رہا تھا ایک جلوس میرے پیچھے بڑی تیزی سے آیا۔ اور کسی نے کہا کہ یہ مرزائی جا رہا ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے مجھے ہمت دی۔ میں وہیں کھڑا ہو گیا اور انہیں للکارا کہ آؤ جس نے آنا ہے۔ مگر اس کے بعد پھر کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ میری طرف بڑھے۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ سے میری جان بچا لی۔ الحمدللہ"

۸۔ چوہدری عبدالرشید صاحب حلقہ واٹر ورکس کا بیان ہے کہ:-

"ایک دن شام کے وقت میرے مکان کو جبکہ میں گھر پر ہی تھا غنڈوں نے گھیر لیا۔ اور آگ لگانے کی کوشش کی۔ اس وقت میں اور میرے تایا چوہدری محمد علی صاحب موجود تھے۔ ہمیں بے حد فکر ہوئی۔ اس وقت سوائے خدا تعالیٰ کے سہارا اور کوئی مددگار نہ تھا مگر ہم نے اپنے امام ایدہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے مکان پر رہتے ہوئے ہی اپنی جان دینے کی ٹھان لی۔ مگر قربان جاؤں اس عالم الغیب پر کہ اچانک ایک جیپ کار اور ٹینک میں چند فوجی افسر اور مسلّح گارڈ نے آ کر ان تمام اشخاص کو گھیرے میں لے لیا۔ اس طرح ہماری جانیں اور مکان بخیر و بخوبی بچ گئے"۔

"ہمارے محلہ کی ایک قصائی عورت نے (جو ان دنوں نوجوانوں اور لڑکوں کو اکٹھا کر کے ہمارے مکان پر پتھراؤ کرواتی رہتی تھی) ایک دن شام کے وقت باہر کے دروازوں کو بہت زور سے کھٹکھٹایا۔ چنانچہ میں نے دروازہ کھولنے کے لیے دروازہ کے کنڈے کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ اچانک میرے دل کو کسی غیبی طاقت نے روک دیا۔ چنانچہ میں نے دروازہ کھولنے کی بجائے دروازہ کے اوپر جو گیلری ہے اس میں جا کر کھڑکی کھول کر جب دیکھا تو دو لڑکے نوجوان چاقو کھولے اس انتظار میں کھڑے ہیں کہ میں جونہی دروازہ کھولوں وہ مجھ پر بے دریغ

وار کردیں ۔ مگر الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اس موقع پر بھی بچا لیا ۔"

"ایک روز عشاء کے وقت مجھے تایا صاحب نے کہا کہ آؤ نماز با جماعت گھر میں ہی ادا کر لیں ۔ ہم پہلے ہی دو تین روز (خطروں کی وجہ سے) بیت الذکر نہ جا سکے تھے ۔ پہلے تو میں تیار ہو گیا مگر اس کے معاً بعد میرے منہ سے نکلا کہ آپ اکیلے نماز پڑھ لیں مگر اس سے قبل گھر کے برتن بالٹی وغیرہ پانی سے بھر دیں ۔ چنانچہ انہوں نے پانی بھر کر نماز پڑھنی شروع کر دی اور میں نے مکان کی ایک کھڑکی کے ذریعہ مکان کی حفاظت کی خاطر باہر دیکھنا شروع کیا ہی تھا کہ اسے میں لوگوں نے آ کر مکان کی ایک بیٹھک کو پٹرول وغیرہ سے آگ لگا دی ۔ چنانچہ اسی وقت میں نے اور تایا صاحب نے بھرے ہوئے پانی سے آگ پر فوری طور پر قابو پا لیا ۔"

ضلع سیالکوٹ کے دوسرے مقامات کے واقعات

جو کچھ سیالکوٹ شہر میں ہوا وہی کچھ ضلع سیالکوٹ میں بھی ہوا کیونکہ شہر سیالکوٹ کی طرح ضلع سیالکوٹ کیلئے بھی الگ مجلس عمل بنائی گئی تھی اور احمدیوں کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے کا باقاعدہ انتظام کیا گیا تھا جیسا کہ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں لکھا ہے :-

"مجلس عمل پنجاب کی ہدایت کے مطابق اس ضلع میں ایک مجلس عمل مرتب کی گئی ۔ اس مجلس عمل نے رضا کاروں کی بھرتی اور سرمائے کی فراہمی کا کام شروع کر دیا ۔ صاحبزادہ فیض الحسن ضلع میں جلسوں کا ایک سلسلہ جاری کر کے شدید پراپیگنڈا کرنے میں مصروف رہے ۔"[1]

اسی شدید پراپیگنڈے کا یہ فوری اثر ہوا کہ ضلع سیالکوٹ کے وہ دیہات اور قصبات جہاں احمدی مسلمان اور غیر احمدی مسلمان باہمی شیر و شکر ہو کر بس رہے تھے ان میں کسی قسم کا عناد اور عداوت نہ تھی مگر جب احرار کا پراپیگنڈا شدت اختیار کر گیا تو ضلع بھر میں جا بجا فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی مگر صرف ان قصبات میں جہاں احمدی تھوڑے تھے ۔ جن دیہات اور قصبات میں کوئی احمدی نہ تھا یا جن میں ان کی اچھی خاصی آبادی تھی ان تمام مقامات میں ہر طرح امن و امان رہا اور کسی قسم کا بھی کوئی فتنہ کھڑا نہ ہوا ۔

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۷۵

پسرور

سب سے پہلے ہم ضلع سیالکوٹ کے مشہور قصبہ پسرور کا ذکر کرتے ہیں ۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں ممتاز محمد دولتانہ خود گئے اور مجمع عام میں تحریک کی برملا حمایت کی جس سے اس تحریک کے داعیوں اور حامیوں کی کافی حوصلہ افزائی ہوئی ۔ عدالتی رپورٹ میں بھی لکھا ہے کہ :-

" ۲۰ جولائی ۱۹۵۲ء کو پسرور کے مقام پر ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کنونشن میں چیف منسٹر صاحب نے ایک تقریر کی ۔ جس میں انہوں نے اعلان کیا کہ وہ تحریک ختم نبوت کی پوری حمایت کرتے ہیں بشرطیکہ قانون و انتظام کو کوئی خطرہ درپیش نہ ہو "[1]

اس تقریر کے بعد پسرور میں جماعت احمدیہ کے خلاف ایک ایسا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا کہ الاماں الحفیظ!

اس قصبہ میں گنتی کے چند احمدی رہتے تھے ان غریبوں کی زندگی اجیرن بنا دی گئی ان کی مخالفت اس زور اور شدت سے ہوئی اور ایسا منظم بائیکاٹ کیا گیا کہ ان کی زندگیاں خطرے میں جا پڑیں اور یہ سب کچھ محض اس لیے ہو رہا تھا کہ احمدی کسی طرح تنگ آ کر اپنے عقائد کو خیر باد کہہ کر اُن کی ہاں میں ہاں ملا دیں ۔ اور اُن کے ہم خیال و ہم عقیدہ بن جائیں ۔

بعض شورش پسند لیڈر ضلع سیالکوٹ میں جابجا اس قسم کی تقریریں کرتے ہوئے برملا یہ کہہ چکے تھے کہ :-

" اگر مرزائی اسلام قبول نہیں کریں گے تو ہم اس مقصد کے حصول کے لیے انتہائی کوشش کریں گے اور ایسی صورت میں یہ لوگ زمینوں، کارخانوں اور بنگلوں کی الاٹمنٹیں کھو بیٹھیں گے بلکہ ربوہ بھی ان کے قبضہ سے نکل جائے گا "[2]

پسرور کے احمدیوں کے ماحول کا اندازہ لگانے کے لیے ہائی سکول پسرور کے ایک احمدی ٹیچر کی ایک چٹھی کا مختصر سا اقتباس کافی ہے ۔ یہ چٹھی انہوں نے اپنے ایک عزیز کے ہاتھ ربوہ بھجوائی تھی کیونکہ اس وقت جس قسم کی مخالفت احمدیوں کی ہو رہی تھی انہیں اندیشہ تھا کہ مبادا ان کے

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۰۴ ؛ [2] رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۳۶۲

خطوط ڈاکخانہ کے متعصب عملہ کے ہاتھوں تلف ہو جائیں ۔ آپ نے لکھا :۔

"خلاصہ سابقہ خطوط کا یہ ہے کہ میں آج اپنے ۹ چھوٹے بڑے بچوں سمیت تیرہ روز سے گھر میں بند ہوں ...... بروز جمعہ ۳ بجے سے لے کر ۷ بجے شام تک سینکڑوں آدمیوں عورتوں اور بچوں کے جلوس نے میرے گھر کے سامنے ماتم کیا اور وہ فحش بکا کہ چوڑھے چمار بھی شرمائیں ۔ اس کا بھی اثر نہ دیکھ کر اب میرا مکمل بائیکاٹ ہے ۔ کھانا پینا ، دوا ۔ خاکروب تک کی بندش ہے ۔ اب دو دفعہ کوشش کی گئی ہے کہ ناگہانی حملہ کر کے قتل کر دیں مگر شام سے صبح تک کی چوکسی کو مولیٰ نے حفاظت کا ذریعہ بنا دیا ۔ شہر میں مجسٹریٹ اور ایس پی موجود ہیں ۔ چوبیس گھنٹوں میں ایک آدھ بار اُن کا آدمی آتا ہے ۔ اور پوچھ جاتا ہے کوئی تکلیف تو نہیں ؟ کل بعض اشیاء بھی خرید کر دے گئے ۔ ان کی ہمدردی صرف اس حد تک ہے ۔ مگر عملاً شہر پر غنڈوں کی حکومت ہے ۔ جلوس آزادانہ پھرتا ہے ۔ پولیس یا ملڑی چوکی میں بیٹھ کر "اپنی" حفاظت کرتی ہے ۔ بڑی کوشش کی ہے کہ رات کو پہرہ کے لیے مدد مل جائے خواہ قیمتاً ہی ۔ مگر محروم ہوں ۔"

ڈسکہ محترم محمد ابراہیم صاحب[1] عابدؔ نائب امیر حلقہ امارت ڈسکہ نے انہی دنوں بذریعہ چٹھی ڈسکہ کے کوائف مرکز میں بھجوائے تھے جن میں لکھا :۔

"ہمارے ضلع میں شورش انتہائی زوروں پر ہے ۔ گاؤں سے بھی لوگ جتھوں کی صورت میں آتے نہیں بلکہ لائے جاتے ہیں ۔ گاؤں والے مایوس ہو کر واپس جاتے ہیں کیونکہ آؤ بھگت اور خاطر تواضع نہیں کی جاتی ۔ ڈسکہ میں ہڑتالیں بھی ہوتی ہیں اور جلوس بھی نکالے جاتے ہیں ۔ ..... رات گئے تک نعرے لگائے جاتے ہیں ۔ عورتیں جلوس کے ساتھ پیٹتی جاتی ہیں اور فحش گالیاں نکالتی ہیں ۔ لڑکوں کے غول کے غول گلی کوچوں میں پھرتے ہیں اور بیحد گندے نعرے لگاتے پھرتے ہیں ۔ احمدیوں کے گھروں کے سامنے سیاپا کیا جاتا ہے ۔ عورتیں احمدی مردوں پر آوازے کستی ہیں اور مردوں کو چھیڑتی ہیں تاکہ کوئی فساد کی صورت پیدا ہو سکے ۔ ..... ناچتے کودتے اور شور مچاتے ہیں ۔ احمدی حضرات پر عورتیں بچے اور مرد اینٹیں اور پتھر پھینکتے ہیں ۔ معلوم ہوا ہے کہ چوہدری نذیر احمد کی کوٹھی پر بھی پتھر پھینکے گئے ہیں ۔ ہماری جماعت سے چند دوستوں نے کمزوری دکھا کر ان میں شمولیت کا اعلان کر دیا ہے ۔ باقی دوست ڈٹے ہوئے

---

[1] وفات ۲۷ جنوری ۱۹۸۱ء

ہیں اور کامل صبر کا نمونہ دکھا رہے ہیں ۔ احمدی دوستوں کے پاس ان کے غیر احمدی رشتہ داروں کے وفود بار بار جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احمدی اب زندہ نہیں رہ سکتے ۔ اس لیے ہمارے ساتھ مل جاؤ ۔ اس کے علاوہ طرح طرح کے دنیاوی لالچ بھی دیتے ہیں ۔ لڑکیوں کا لالچ ، روپیہ کا لالچ ۔ ممبریوں کا لالچ ۔ میرے پاس جو وفود آئے انہوں نے مجھے کمیٹی کی ممبری کی آفر بھی کی اور خرچ کرنے کا وعدہ بھی کرتے تھے ۔ الغرض بار بار اس طرح تنگ کیا جا رہا ہے ۔ بعض اوقات ایک احمدی کو پندرہ سولہ آدمی اکٹھا کرلے جاتے ہیں اور مسجد میں جا کر کہتے ہیں کہ مسلمان ہو جاؤ ۔" احمدیوں کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا ہے ۔ حتیٰ کہ بھنگیوں کو بھی غلاظت اٹھانے سے منع کیا گیا ہے ۔ ہماری بیت احمدیہ پر بھی قبضہ کیے بیٹھے ہیں ۔ مقامی حکام نے کسی قدر ضرور تعاون سے کام لیا ہے ۔ جو بڑا شخص جلوس میں شامل نہیں ہوتا اس کو زبردستی اٹھا کر لایا جاتا ہے ۔ اور شامل ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے ۔ خوف اور ہراس بہت پھیلایا جاتا ہے ۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ احمدی کیمپوں میں جمع کیے جا رہے ہیں ۔ کبھی کہتے ہیں کہ ربوہ جل رہا ہے اور لاکھوں پٹھان ربوہ پر حملہ کرنے آ رہے ہیں ۔ کبھی کہتے ہیں حکومت ابھی اعلان کرنے والی ہے وغیرہ وغیرہ جھوٹ سے از حد کام لیا جا رہا ہے ۔ ایک احمدی کو ملتے ہیں اور اُسے کہتے ہیں فلاں احمدی "مسلمان" ہو گیا ہے ۔ تم بھی ہو جاؤ ۔" الخ

جناب عزیز اللہ صاحب گرداور قانونگو نے بیان دیا :-

"شورشِ (احرار) کا دَور نہایت ہی تکلیف دِہ تھا ۔ میرا " ڈیوٹی پر ڈسکہ سے گوجرانوالہ جاتے ہی بسوں کے اڈوں پر بائیکاٹ کیا جاتا ۔ مجبوراً سائیکل پر سفر آمد و رفت کرنا پڑتا ۔ راستہ میں جلوس نعرے لگاتے ہوئے ملتے سخت نفرت کی نگاہ سے ہم لوگ دیکھے جاتے تھے ۔ بلکہ نقصانِ جان پہنچانے کے درپے بھی ہوتے .... گوجرانوالہ میں ہمارے لیے اچھوتوں کی طرح علیحدہ برتن ہوٹلوں میں رکھے گئے .... ڈسکہ میں ہمارا کئی ہفتہ تک مکمل بائیکاٹ کیا گیا سبزی ترکاری اور دیگر اشیائے خوردنی بھی قطعاً خریدنے کی بندش تھی ۔ عورتیں سیاپے کرتیں ۔ پتھر گھروں میں مارے جاتے ۔ احمدیت کے خلاف گندی سے گندی گالیاں دی جاتیں ۔ ہمارے گھروں میں کوئی عورت یا بچہ داخل نہیں ہو سکتا تھا ۔ سخت نگرانی رکھی جاتی تھی ۔ قسمت کی ماری ایک مہاجر لڑکی

جو کہ ہمارے پڑوس میں رہتی تھی اور اکثر ساگ وغیرہ قیمتاً دے جایا کرتی تھی ۔ بوجہ غربت اپنا اور اپنے والدین کا پیٹ پالا کرتی تھی ۔ اتفاق سے شورش کے دوران میں ہمارے گھر میں ساگ لے آئی ۔ جب ساگ دے کر گلی میں واپس گئی تو محلہ والوں میں وہ جو تحریک کے علمبردار تھے انہوں نے اس غریب کا منہ کالا کیا اور گھر گھر یہ کہتے ہوئے پھرایا کہ دوبارہ تو ان کافر مرزائیوں کے ہاں نہیں جاؤگی ۔ الخ

موضع دھیدووالی میاں عبدالرحمان صاحب ولد امام دین صاحب قادیانی نے ڈسکہ سے لکھا کہ :۔

" موضع دھیدووالی میں یہاں شیر محمد صاحب موچی جو احمدی ہیں اُن کو دس دن سے اندر بند رکھا ہوا ہے اُن کے پاس نہ آٹا ہے نہ دانہ ۔ وہ چپ اندر بیٹھے ہوئے ہیں ۔ ڈسکہ میں میں بھی اور میرے بال بچے بھی پانچ دن بھوکے رہے ۔ اس کے بعد دو سیر آٹا ملا ہے جسے ہم نے کھایا اور خدا کا شکر ادا کیا "

بمبانوالہ جناب حمید احمد صاحب دیہاتی مبلّغ نے مرکز کو اطلاع دی کہ :۔

" ڈسکہ کے قریب موضع بمبانوالہ کی رپورٹ آئی ہے کہ وہاں آج عورتوں نے جلوس نکالا اور احمدی عورتوں کو مارا لیکن احمدی عورتوں نے کمال بہادری سے کہا کہ خواہ جان سے ماردو مگر احمدیت سے نہیں ہٹیں گی "

احمد مسعود نصراللہ خاں صاحب نے ڈسکہ سے لکھا کہ :۔

" رات چوہدری محمد عبداللہ صاحب بمبانوالہ سے آئے ہیں انہیں قتل کی دھمکی دی گئی ہے اور ان کے گھر کے سامنے دس بارہ آدمی لاٹھیوں اور کلہاڑیوں وغیرہ سے مسلّح بیٹھے رہے ۔ عبداللہ خان صاحب اور ان کا لڑکا موقع پاکر ڈسکہ آ گئے " الخ

ملیانوالہ جناب فضل الٰہی صاحب ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر صاحب[1] تحریر فرماتے ہیں :۔

" میں ضلع گورداسپور میں موضع بنی پور کا مہاجر ہوں اور آجکل موضع ملیانوالہ

---

[1] برادر اکبر چوہدری عبدالواحد صاحب نائب ناظر اصلاح وارشاد ربوہ

متصل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ رہائش رکھتا ہوں[1] گزشتہ بدامنی کے ایام میں ہمارے اردگرد تو بہت کچھ گڑبڑ تھی مگر ہمارے گاؤں ملیانوالا میں مورخہ ۵۳/۳/۸ تک بالکل امن تھا مورخہ ۵۳/۳/۹ کو اچانک معلوم ہوا کہ باہر کا ایک جتھہ احمدیوں کے گھروں پر ہمارے گاؤں پر حملہ آور ہو رہا ہے چونکہ ہمیں حضرت خلیفہ ثانی کی ہدایات مل چکی تھیں کہ گھر نہ چھوڑے جائیں ہم دروازے بند کر کے بیٹھ گئے جتھہ آیا جو عموماً موضع ببانوالہ کے گاؤں کے اوباش لوگوں پر مشتمل تھا۔ اس جتھہ کی راہنمائی وہاں کا مولوی .... کر رہا تھا اور دیگر مولوی اس کی اقتدا میں تھے ہمارے گاؤں کے اشرار بھی ساتھ شامل ہو گئے اور خاص کر میرے گھر کے سامنے انہوں خوب سیاپا کیا۔ مغلظ اور گند سے بھری ہوئی گالیاں ہمارے امام کو دی گئیں اور ہماری بہو بیٹیوں کے نام لے لے کر گند اچھالا گیا ۵۳/۳/۱۰ کو ہمیں معلوم ہوا کہ گاؤں کا نمبردار ...... جو سابقہ گاؤں گھو کلا تھانہ کاہنوں واں ضلع گورداسپور کا رہنے والا ہے۔ اور اس طرف ایک کافی عرصہ نمبر ۱۰ میں رہا اور اس کا عموماً کام عورتیں اغوا کرنا تھا اور یہاں احمدیوں کا جانی دشمن تھا۔ اردگرد بدمعاشوں کو ہمارے گھروں پر حملہ آور ہونے کی دعوت دے رہا تھا۔ گاؤں میں بھی اس نے خوب طور پر خفیہ ہدایات جاری کیں کہ جب باہر کا جتھہ احمدیوں پر حملہ آور ہو تو سارا گاؤں ان کا ساتھ دے اور وہ یہ کام ڈسکہ کے تحصیلدار ...... اور تھانہ دار ...... کی ہدایات کے حوالہ سے ترتیب دے رہا تھا۔ مقامی تحصیلدار اور تھانہ دار کی امداد ان لوگوں کو ہماری سمجھ میں نہیں آتی تھی مگر اس کا ثبوت کچھ تو اس دن پولیس کی آمد کے بعد کچھ میری گرفتاری کے بعد جیل میں ملا۔ ۳/۱۰ کو اردگرد کے دیہات ببانوالہ۔ جنڈو ساہی۔ کوٹ جنڈو گوجرہ کے جتھے ہم پر حملہ آور ہوئے اور ہمارے گاؤں نے ان کی پوری امداد کی عین اسی وقت ڈسکہ سے ۶ سپاہی خاں عبدالعزیز خان ASI کی قیادت میں آ گئے اور مجھے تسلی دی کہ آپ فکر نہ کریں ہم سب کچھ ٹھیک کر لیں گے مگر میری موجودگی میں ہی اس جتھہ کے چند سپاہیوں نے گاؤں کے لوگوں کو بھڑکایا اور احمدیوں کے خلاف ہر ممکن اقدام کے لیے کہا دوسری طرف مجھے کہا گیا کہ ہمارے

---

[1] بعد میں ربوہ مقیم ہو گئے تھے۔ (وفات / ۳۱ دسمبر ۱۹۷۶ء)

لیے فوراً کھانا تیار کراؤ مگر کھانا ہمارا اپنا سپاہی تیار کرے گا۔ چنانچہ مجھ سے دو مرغ آدھ سیر گھی ۵/- روپیہ کرایہ ٹانگا طلب کیا جو میں نے اسی وقت مہیا کر دیا آٹا...... نمبردار نے اپنے گھر سے دیا۔ یہ کھانا غلام علی لوہار کی دکان میں تیار ہوا۔ دوسری طرف اے ایس آئی صاحب نے گاؤں کے باہر جا کر اتنے بڑے ہجوم کو اکیلے ہی روکنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا اے ایس آئی سائیکل پر فوراً گاؤں کی طرف اپنی گارد کی طرف بھاگا اور سپاہیوں کو فوراً میرے گھر کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اے ایس آئی صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ مجمع قریباً ... ۳ کا تھا جس میں ۵۰۰ آدمی مختلف اوزار سے مسلح تھے اور میرے گھر کو نیست و نابود کرنے کو آئے تھے۔ سب احمدی میری بیٹھک میں جمع تھے جن میں ۲ احمدی اپنی جانیں بچا کر جنڈوساہی سے آکر میرے پاس پناہ گزیں تھے۔ پولیس کی موجودگی میں ہجوم نے میرے گھر کے دروازے توڑنے کی کوشش کی مگر پولیس کی مداخلت سے وہ کامیاب نہ ہوئے یہ سب ہجوم نہر کے کنارے چلا گیا مگر دوبارہ پلٹا کہ میرے گھر کو کم از کم آگ ہی لگا دی جاوے مگر اے ایس آئی صاحب نے پولیس کو رائفلیں سیدھی کرنے کا حکم دیا تو ہجوم خوفزدہ ہو کر منتشر ہو گیا۔ اے ایس آئی عبدالعزیز کا رویہ بہت اچھا اور نیک نیتی پر تھا۔ اگرچہ اس کے بعض کانسٹیبل شرارتیوں کے ساتھ تھے۔ شام کے وقت پولیس چلی گئی ۱۱/۳ کو صبح ہی ایک سپاہی آیا کہ راؤ صاحب آپ کو بلاتے ہیں مگر امیر جماعت ڈسکہ کو ساتھ لے کر آنا۔ اُس دن بھی ہمیں اطلاع آچکی تھی کہ آج ۸ گاؤں کے فسادی میرے گھر پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور یہ سب لوگ میرے گھر کو نشانہ بنانا چاہتے ہیں اور اس میں سب سے زیادہ ہاتھ اسی...... نمبردار...... تحصیلدار اور...... تھانیدار کا ہے میں گھر کو جس میں چھوٹے چھوٹے بچے اور عورتیں تھیں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا مگر اے ایس آئی صاحب کا حکم تھا۔ گھر کو اللہ کے سپرد کر کے میں امیر صاحب کو ساتھ لے کر راؤ صاحب کے پاس گیا۔ مگر مجھے دیکھتے ہی راؤ صاحب نے کہا کہ چوہدری نذیر احمد صاحب اس کو منع کر لو یہ علاقہ میں اشتعال پھیلا رہا ہے اور کل جب جتھہ گزر گیا تو اس نے کہا کہ کتے آئے تھے اور بھونک کر چلے گئے۔ میں نے کہا کہ راؤ صاحب میں تو گھر بار کی مصائب میں مبتلا تھا مجھے یہ الفاظ کہاں سوجھتے ہیں۔ میں نے یہ الفاظ ہرگز نہیں کہے مگر راؤ صاحب کا پارہ Highest ڈگری پر تھا اے ایس آئی صاحب نے مجھے بعض نالائق الفاظ بھی کہے۔ جب ان کی طبیعت میں کچھ سکون ہوا تو کہا کہ کل اگر ملک

پولیس نہ بھیجتا تو تم سب قتل ہو جاتے میں نے تم کو قتل سے بچا دیا ہے اور آج پھر بہت سے دیہات تم پر حملہ آور ہو رہے ہیں ۔ چنانچہ اسی وقت پھر اے ایس آئی عبدالعزیز صاحب کو حکم دیا کہ کل ۲ کانسٹیبل یتھے آج ۸ لے کر جاؤ ۔ ۶ رائفلوں والے اور ۲ ہتھکڑیاں والے اور مجھے کہا کہ تم شام سے پہلے گاؤں میں نہ جانا ۔ چنانچہ ان کی ہدایت کے ماتحت میں ڈسکہ میں ہی ٹھہر گیا اور پولیس گاؤں میں چلی گئی ۔ میری غیر حاضری میں پولیس نے پھر احمدیوں سے ۲ مرغ آدھ سیر گھی اور ۵/- روپیہ کرایہ طلب کیا ...... احمدیوں نے معذوری ظاہر کی سپاہیوں نے احمدیوں کو ڈانٹا کہ اب تم قتل بھی ہو جاؤ گے تو ہم تمہاری امداد نہیں کریں گے اور آئندہ بھی تمہاری امداد کو تمہارے گاؤں میں نہیں آئیں گے ۔ گاؤں کے نمبردار ...... نے باہر کے حملہ آوروں کو فوراً اطلاع دی کہ پولیس آگئی ہے ۔ چنانچہ وہ لوگ ہمارے گاؤں پر حملہ آور ہونے کی بجائے میتر الوالی کی طرف چلے گئے ۔ اے ایس آئی عبدالعزیز صاحب نے اس دن بھی بڑی شرافت کا مظاہرہ کیا ۔ گاؤں کے لوگوں اور نمبردار کو خوب ڈانٹ ڈپٹ کی کہ خبردار اگر تم نے احمدیوں کو کوئی گزند پہنچایا ۔ میں جب ڈسکہ سے آیا تو پولیس جا چکی تھی اور نمبردار گاؤں کے لوگوں کو اکٹھا کر رہا تھا ۔ چنانچہ عصر کے وقت سے لے کر عشاء کے وقت تک میرے گھر کے سامنے سیاپا اور بدمعاشی ہوتی رہی اس ہجوم کا سرغنہ وہی نمبردار ...... اور اس کا لڑکا ...... تھے اس دن ہم اپنی نمازیں بھی ادا نہ کر سکے ۔ رات مجھے اطلاع ملی کہ نمبردار مذکور مجھے قتل کرانے کی سازش کر رہا ہے ۔ حتیٰ کہ قاتل بھی مقرر کر دیا گیا ہے ۔ اور راستہ ہماری چھتوں پر سے ہو کر ہمارے صحن میں کودنے کا بنایا گیا ہے ...... میں بندوق لے کر ساری رات دروازے بند کر کے بیٹھا رہا ۱۲ ؍ مارچ کو پھر نمبردار نے گاؤں کے لوگوں کو تحصیلدار اور تھانیدار کا حکم سنا سنا کر گھروں سے نکالا ۔ باہر کے دیہات کو بھی پیغام بھیجا مگر اس سے باہر والے تو نہ آئے مگر گاؤں کے اوباشوں نے نمبردار کی قیادت میں میرے گھر پر حملہ کر دیا ۔ اور صبح سے شام تک سخت گندے الفاظ استعمال کرتے اور بھنگڑا ڈالتے رہے ۔ اس دن مجھے اطلاع ملی کہ میں باہر پاخانہ کو بھی نہ نکلوں ورنہ مجھے لوہاروں کی دکانوں کے سامنے قتل کر دیا جاوے گا ۔ چونکہ نمبردار کی دشمنی میرے ساتھ حد سے زیادہ تھی کیونکہ پنچائت کے انتخاب میں وہ میرے مقابلہ میں ہار چکا تھا ۔ اور باوجود کئی سفارشوں کے بھی کامیاب نہیں ہوا تھا اس لیے نمبردار کی دشمنی صرف میرے ہی گھر تک محدود تھی ۔ میں ۹ مارچ

سے ۱۵ر مارچ تک گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھا مصائب کو برداشت کرتا رہا، ۱ر مارچ کو صبح ہی پولیس کا کانسٹیبل آیا کہ ..... تھانیدار تم کو بلاتے ہیں میں خوفزدہ تو تھا ہی ڈرتا ہوا گیا ...... کہہ رہے تھے لوگوں پر غلّے چلاتے ہو غلّے۔ اب معلوم ہو جائے گا غلّے کس طرح چلائے جاتے ہیں تم بڑے آدمی ہو۔ بہت بڑے اب سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ ..... مجھے ۲ بجے کے قریب تحصیلدار .... کے پیش کیا گیا تحصیلدار صاحب نے کہا کہ ڈی سی صاحب نے تمہاری بندوق ضبط کر لی ہے۔ بندوق کہاں ہے میں نے جواب دیا کہ گھر پر ہے۔ کہا کہ فوراً ایک رقعہ اپنے لڑکے کے نام تحریر کرو کہ وہ ہمارے کانسٹیبل کو بندوق معہ کارتوس دے دے ......

میرے رقعہ لکھ دینے پر کانسٹیبل بندوق معہ کارتوس لے آیا۔ عشاء کی نماز تک میں تھانے میں رہا۔ عشاء کی نماز کے بعد راؤ صاحب آئے اور کہا کہ اب کوئی لاری سیالکوٹ کو نہیں جاتی اس لیے تم جاؤ کل ۱۸ر مارچ کو ۹ بجے صبح تھانہ میں حاضر ہو جاؤ۔ ۱۸ر مارچ کو میں وقت مقررہ پر تھانہ حاضر ہو گیا۔ قریباً ۲½ بجے بعد دوپہر ایک کانسٹیبل کے ہمراہ مجھے سیالکوٹ بھیج دیا گیا کہ تم کو ایس پی کے پیش کرنا ہے قلعہ پر لے جا کر ڈی سی کے حکم کے ماتحت مجھے گرفتار کر لیا گیا ۱۹ر مارچ کو میرا چالان ۲/۲۲ کے ماتحت کر دیا گیا اور مجھے جیل میں بھیج دیا گیا۔ جیل میں ایک نئی دنیا دیکھی۔ گھبراہٹ بہت زیادہ تھی۔ مجھ پر غنودگی کا اثر زیادہ تھا اور ۳۶ گھنٹہ میں ۲ تولہ پیشاب آتا تھا۔ جیل میں ہی اسی تحریک کے گرفتار کئی قسم کے لوگ تھے۔ مولوی لوگ کہتے تھے کہ غنڈوں نے ہماری تحریک کو ناکام بنا دیا اور غنڈے کہتے تھے مولویوں نے ہمیں دھوکہ دے کر گرفتار کرا دیا۔ دونوں فریقوں کی کشمکش بہت زیادہ تھی عام لوگ کہتے تھے کہ مولویوں نے حکومت سے بہت بڑی رقم کھا لی ہے اور ہم کو بلا میں پھنسا دیا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ مولویوں نے چندہ اکٹھا کرنے کی جو رسید بکیں چھپوائی تھیں وہ ۱/- ۵/- ۱۰/- ۵۰/- کی تھیں اور جب کسی سے چندہ وصول کیا جاتا تو اس کی رسید دے کر اپنے سامنے ہی چاک کروا دی جاتی تھی کہ پولیس کے قابو نہ آ جاوے۔

......اس طرح حاجی ...... سیالکوٹ والا نے ۲۴ ہزار روپیہ ہضم کیا اور اس طرح جو رقم جس نے حاصل کی وہی ہضم کر گیا۔ جیل میں مولوی عبدالحی اور مولوی عبدالتواب ڈسکہ والے دو رات ایک ہی چکی کوٹھڑی میں میرے ہمراہ رہے انہوں نے وہاں میرے ساتھ ذکر کیا کہ ...... تحصیلدار اور

......تھانہ دار روزانہ شام کو ہمیں بلاتے اور ٹی پیسٹری کھلاتے۔ دن بھر کی کارگزاری سنتے اور اگلے دن کی ہدایات دیتے تھے اور یہ سب تحریک ڈسکہ میں ان ہی دو صاحبوں کی ہدایات کے ماتحت چلتی رہی مگر حیرانی ہے کہ ہماری گرفتاری کے وقت ہر دو افسروں نے ہمیں منہ بھی نہ دکھایا اور اندر سے ہی کہلا بھیجا کہ ان کو سیالکوٹ لے جاؤ۔ حالانکہ ساری پولیس اور ساری تحصیل ہمارے ساتھ تھی مگر اس وقت کسی نے امداد نہ کی وغیرہ وغیرہ۔ عام لوگ کہتے تھے کہ مولویوں نے زہر ہلاہل شربت صندل بنا کر ہمیں پلا دیا اور حکومت کے خلاف ہمیں بھڑکایا۔ رقمیں خود کھا گئے اور اب یہی مولوی خود معافیاں مانگ کر باہر جا رہے ہیں اور ہم بلا میں پھنسے ہوئے ہیں چنانچہ ایک مولوی......ڈسکہ والا مولوی......چونڈہ والا عام نوجوانوں کو تلقین کرتے کہ خبردار معافی ہرگز نہ مانگی ورنہ قومی غدار کہلاؤ گے اور جب یہ مولوی علیحدہ بیٹھتے تو میرے سامنے ہی کہتے کہ بھائی فوراً معافی مانگ کر باہر چلیں چنانچہ موقع آنے پر سب مولویوں نے معافی مانگ کر رہائی حاصل کر لی۔ جب میں جیل میں ۱۹ر مارچ کو گیا تو وہاں معلوم ہوا کہ ۳ر مارچ سے ۱۱ر مارچ تک جتنے لوگ گرفتار ہوئے ان کو......سپرنٹنڈنٹ جیل نے غازی اور مجاہد قرار دے کر ہر قسم کی سہولت مہیا کی۔ ہر بوڑھے کو ½ سیر دودھ اور ایک ٹکیہ مکھن روزانہ ہر نوجوان کو ¾ سیر دودھ اور ہر کشتی لڑنے والے کو ۱ سیر دودھ اور ایک ٹکیہ مکھن اور تیل مالش کے لیے مہیا کیا۔ جاتے ہی پہلے دن زردہ اور پلاؤ سے ان کی تواضع کی۔ اگلے دن حلوہ کھلایا اور ان کو کہا کہ پھانسی کی کوٹھڑیوں کی طرف اور اخلاقی قیدیوں کے ورکشاپ کی طرف نہ جانا باقی سب جیل تمہاری ہے۔ مزے سے رہو اور اگر کسی کو تکلیف ہو تو فوراً مجھے کہو۔ سالن کو تیل کے بگھار کی جگہ مکھن کا بگھار لگتا تھا۔ ان سہولتوں کے ہوتے ہوئے ان لوگوں نے سپرنٹنڈنٹ کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا اس کو گندی گالیاں نکالنی شروع کیں حتیٰ کہ ۱۲ر مارچ سے ۱۴ر مارچ تک جیل میں خوب ہنگامہ رہا۔ گرفتاران نے جیل کے کمبل جلا دیئے۔ برتن توڑ دیئے۔ پھولوں والے پودے برباد کر دیئے۔ جیل کے دروازے توڑ دیئے جس پر ایس پی اور ڈی سی معہ دستہ پولیس آئے اور ان لوگوں کو قابو کیا گیا......اب میر محمد الدین صاحب لیفٹیننٹ کرنل آئے جن کے آنے پر جیل کا انتظام نہایت اعلیٰ ہو گیا۔ جیل میں ہم چار احمدی تھے۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب وکیل۔ محمد رفیق جراح۔ مستری ابراہیم اور خاکسار۔ جیل کے ملازم یعنی

نمبردار اور سپاہی دوسرے لوگوں کے بہکانے پر ہم پر سختی کا سلوک کرتے اور ۱۵ دن تک ہم چار دن احمدیوں کو سنگین کوٹھڑیوں میں اکیلے اکیلے بند رکھا گیا اور سخت واچ کی جاتی کہ ہم احمدی کسی دوسرے احمدی سے بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔ میر صاحب کے آنے پر ہم احمدیوں کو اکٹھا ایک کوٹھڑی میں کر دیا گیا۔ ہم چکی نمبر ۳ میں کوٹھڑی نمبر ۱۵ میں بند تھے کہ انہی دنوں راولپنڈی سے قریباً ۸۰ اسیاسی قیدی تبدیل ہو کر آئے۔ ان کا سرغنہ ایک مولوی .... غالباً راجہ بازار راولپنڈی کا تھا یہ مولوی فاضل اور شاید منشی فاضل بھی تھا۔ ایک دن جبکہ یہ سب لوگ اکٹھے کھڑے باتیں کر رہے تھے اور ان کو معلوم نہیں تھا کہ کوئی احمدی بھی اس تحریک میں گرفتار ہو کر جیل میں آ سکتا ہے ...... کہہ رہا تھا کہ اب تو ملٹری بھی ہمارے ساتھ تھی مگر ہم سے کچھ نہ ہو سکا۔ چنانچہ جب ہمارا جتھہ گرفتاری کے لیے نکلا تو فوجی سپاہیوں کی طرف سے ہمیں پیغام ملا کہ جب فوج کا دستہ تم کو روکنے کے لیے آگے بڑھے تو تم نے ہم پر حملہ کر دینا اور رائفلوں پر ہاتھ ڈال دینا۔ ہم رائفلیں چھوڑ کر بھاگ جاویں گے اور پھر تم نے رائفلوں کو جس طرح چاہو استعمال کر لینا۔ اس بات کی تصدیق راولپنڈی کے دوسرے لوگوں سے بھی ہوئی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ افسوس ہمارے آدمیوں نے کچھ نہ کیا۔ ایک رات ایک ملنگ کو جو قاتل تھا ہماری کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ وہ ۳، ۴ دن ہمارے ساتھ رہا۔ ایک دن ایک مولوی نے کہا کہ ملنگا تم نے آدمی قتل کر کے خدا کا گناہ کیا تو اس نے کہا کہ علی کا دشمن کافر تھا میں نے مار دیا۔ اس مولوی نے کہا کہ اگر تم کو کوئی مرزائی مل جاوے تو پھر کہنے لگا کہ مرزائی۔ مرزائی کو تو چن چن کر مارنا چاہیے اسی مولوی نے کہا کہ تم تو ۳، ۴ دن سے مرزائیوں میں رہتے اور سوتے ہو۔ کہنے لگا کہ نہیں یہ تو مسلین ہیں۔ نمازیں پڑھتے۔ تہجد پڑھتے ہر وقت عبادت کرتے ہیں۔ یہ کس طرح مرزائی ہو سکتے ہیں یہ تو بڑے پکے مسلین ہیں۔ اب مجھے پورا مہینہ جیل میں ہو گیا کئی لوگ ضمانت پر جیل سے جا چکے تھے مگر مجھے معلوم ہوا کہ ڈسکہ کا تھانیدار میرے ساتھ خاص دشمنی کی وجہ سے ریمانڈ پر ریمانڈ لیتا جا رہا ہے اور چالان عدالت میں پیش نہیں کرتا یعنی اس کا مقصد یہ ہے کہ میں زیادہ سے زیادہ عرصہ جیل میں اسی طرح رہ جاؤں چنانچہ بصد مشکل ۲۰ مارچ کو میری ضمانت ہوئی اگرچہ اس وقت بھی ایس آئی میرا ریمانڈ لے چکا تھا باہر آکر مجھے معلوم ہوا کہ مجھ پر جو الزام لگائے گئے ہیں ان میں بڑا الزام یہ تھا

کہ مَیں رسولِ پاکؐ کو گالیاں نکالتا ہوں اور رسولِ پاکؐ کی ہر وقت توہین کرتا ہوں۔ لوگوں کو اشتعال دلاتا ہوں وغیرہ۔ میرے خلاف چوٹی کے گواہ وہی نمبردار...... تھا اور باقی گاؤں کے سات کمی تھے یعنی دو جُلاہ۔ دو ترکھان۔ ایک موچی۔ ایک ملاں اور ایک دھوبی۔ حالانکہ گاؤں میں گوجر۔ راجپوت۔ آرائیں آوان اور چیمہ زمیندار قومیں آباد تھیں۔ چونکہ گاؤں کے کمی اس نمبردار سے سخت خائف تھے اس لیے وہی گواہ اس کے کہنے پر گواہی کے لیے تیار ہوئے اور وہ بھی میرے رہا ہونے پر کہہ رہے تھے کہ نمبردار نے ہمیں گرفتار کرا دینے کی دھمکی دی ہے اور راوڑ نے بھی ڈرایا دھمکایا ہے ورنہ ہم ہرگز گواہی دینا نہیں چاہتے۔ چنانچہ میرے خلاف صرف دو گواہ ایک نمبردار اور دوسرا...... جُلاہ گزرے اور دونوں کے بیانات متضاد سے متضاد تر ہیں اور عدالت نے حکومت کی نئی پالیسی کے ماتحت مجھ سے ایک تحریر لی اور رہا کر دیا اب بھی سلا گاؤں اس نمبردار کے خلاف ہے مگر نمبردار بدستور میرے خلاف اپنی کارروائیوں میں لگا ہوا ہے.....
چونڈہ کا ایک مولوی جو میونسپل کمشنر بھی تھا ہماری ساتھ والی کوٹھڑی میں بند تھا اس نے بتایا کہ تھانہ پھلوارہ کا تھانیدار...... میرے بالمقابل سٹیج بنا کر احمدیوں اور حکومت کے خلاف تقریریں کرتا تھا اور اب وہی تھانیدار عدالت میں میرے خلاف گواہیاں دلوا رہا ہے اگر مَیں قید ہو گیا تو تھانیدار مذکور کو بھی ساتھ ہی لوں گا اور میں وہ گواہ تھانیدار کے خلاف گزاروں گا کہ یہ بھی حکومت کے خلاف اور احمدیوں کے خلاف مجھ سے کئی گنا زیادہ تقریریں کرتا تھا۔ اس طرح شکر گڑھ کا ایک مولوی...... جو یک چشم تھا کہنے لگا کہ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ مَیں نے دو احمدیوں کی جان بچائی اور مقامی تھانیدار نہیں چاہتا تھا کہ مَیں احمدیوں کی امداد کروں اور اس کے عوض میرا اس نے چالان کر دیا۔ جیل میں سیالکوٹ کے مولوی........ تھے ان کے ہمنشیں ہمیں بتاتے کہ مولویوں نے قریباً ۸۰۰۰/. روپیہ دولتانہ صاحب سے لیا ہے۔ اور یہ روپیہ چیدہ چیدہ مولوی کھا گئے ہیں کاندھلوی صاحب نے کہا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہ سب سیاست کی خاطر کیا جا رہا ہے تو مَیں ہرگز اس تحریک میں حصہ نہ لیتا۔ جیل میں یہ عام مشہور تھا کہ دولتانہ صاحب نے اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے پانی کی طرح روپیہ بہایا ہے۔ بہت سے مولوی ہمارے ساتھ جب بھی گفتگو کرتے تو یہی کہتے کہ بھائی احمدیوں کے ساتھ ہمیں کوئی پرخاش نہیں ہم تو صرف گورنمنٹ کے ساتھ ٹکر لینا چاہتے تھے اور اس میں بھی دولتانہ صاحب

نے ہمیں دھوکہ دیا۔ کبھی وہ احمدیوں کے حق میں بیان دیتا رہا اور کبھی ہمارے حق میں بیان دیتا رہا اور حقیقتاً وہ سیاست میں خود غرضی کے گھوڑے پر سوار اپنا کوئی کام نکالنا چاہتا تھا۔ کوئی کہتا اس نے روئی میں سے بہت سا روپیہ نکالا اور مولویوں میں تقسیم کیا۔ کوئی کہتا حکومت کے محاصل میں سے ایک رقم حاصل کی اور دو لاکھ اپنی گرہ سے خرچ کیا اور لوگوں میں تقسیم کیا۔ احمدیوں کو صرف نشانہ بنایا گیا اصل غرض اس کی سنٹرل حکومت کے ساتھ ٹکر تھی۔ غرضیکہ کئی قسم کی باتیں جیل میں سنتے تھے۔ راولپنڈی والے کسی ایک خفیہ سازش کا نام لیتے تھے جو ہم باوجود کوشش کے معلوم نہ کر سکتے کہ وہ کیا سازش تھی۔ کیونکہ وہ لوگ معلوم کر چکے تھے کہ ہم تین چار وہاں احمدی موجود ہیں ہم میں سے کسی کو دیکھ کر وہ خاموش ہو جاتے تھے۔ اور یہ الفاظ تو ہر وقت ہر سیاسی قیدی کی زبان پر ہوتے تھے کہ حکومت ہمارے ساتھ ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ ہماری تحریک کامیاب نہ ہو۔ بلکہ متفقہ طور پر وہاں کے لوگوں کی یہ صدا ہوتی تھی کہ اگر یہ تحریک فیل ہو گئی تو ہم کہہ دیں گے کہ خدا ہے ہی نہیں۔ یعنی ان لوگوں کو اپنی تحریک کی کامیابی کی یہاں تک اُمید تھی کہ ان کے ذہن اس طرف جاتے ہی نہیں تھے کہ یہ تحریک فیل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ جس دن یہ اعلان ہوا کہ خواجہ صاحب کی وزارت مستعفی ہو گئی ہے تو سب معاندین نے خوشی منائی کہ یہ چال صرف ظفر اللہ خاں کو وزارت سے علیحدہ کرنے کی چلی گئی ہے۔ پولیس کی نسبت تو ہر شخص جیل کا کہتا تھا کہ پولیس مکمل طور پر ہمارے ساتھ ہے۔

ہمارے گاؤں ملیانوالا کے اردگرد سب دیہات میں گرفتاریاں ہوئیں مگر ملیانوالا میں کوئی گرفتاری سوائے میرے نہیں ہوئی کیونکہ یہاں ایک احمدی کو پھانسنے کے لیے نمبردار اور تھانیدار کی سازش تھی۔ حالانکہ جتنی شرارت بدمعاشوں نے ملیانوالا میں کی کسی دیگر گاؤں میں شاید ہی ہوئی ہو۔ ہمارے گھروں پر پتھر برسائے گئے اور پھر مشہور کر دیا جاتا کہ احمدی عورتیں جلوس پر پتھر برساتی ہیں۔ ہم میں سے چھ کس کو زبردستی تشدد کر کے احمدیت سے منحرف کیا گیا اور زبردستی ان کے ہاتھوں میں جھنڈا دیا گیا۔ اور یہی حال ہمارے اردگرد کے دیہات میں ہوا۔ جو احمدیت سے انکار نہیں کرتا تھا اس کو قتل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی اور گھر بار کو آگ لگانے کی دھمکیاں دی جاتی تھیں اور ۳/۳ سے ۵/۳ تک نہ کوئی قانون تھا اور نہ کوئی حکومت۔ تحصیلدار اور تھانیدار کے چپڑاسی اور سپاہی نمبرداروں کو بلا کرلے جاتے تھے اور پھر ہدایات حاصل کر کے جتھے نکالتے تھے۔

بلکہ نمبرداروں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ جلوس نکالیں۔ تھانیدار نے میرے روبرو لوگوں کو کہا کہ ہمیں جلوس کو روکنے کا حکم نہیں ورنہ ایک دن میں جتھے روک دیئے جاویں۔ سنا گیا کہ دو تھانہ کی طرف سے خاص آدمی ہدایات لے کر افسران کے پاس آتے تھے اور گوجرانوالہ کا ڈی سی تو خود جلوس کے ہمراہ ہو کر نعرے لگاتا تھا۔ اگرچہ لوگ اس کو بھی گالیاں نکالتے تھے۔

خاکسار فضل الٰہی از ملیانوالہ متصل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ"

ڈنگری پریاں

مکرم بشیر احمد صاحب ولد سلطان احمد صاحب درویش نے لکھا کہ:۔

"بندہ ایک ایسے گاؤں میں آباد ہے کہ جو دو اڑھائی سو مسلم جاٹوں کی آبادی پر مشتمل ہے گاؤں کے معتبر آدمی گرفتار ہونے کی وجہ سے باقی لوگ سخت جوش میں ہیں اور دن بدن زیادہ تکلیف کا موجب بن رہے ہیں۔ یہاں ہماری زمین وغیرہ کوئی نہیں۔ معمولی سی دکان پر گزارہ ہے لیکن اب بیس دن سے دکان بالکل بند ہے۔ پانی بالکل بند ہے۔ دُور سے لانا پڑتا ہے ...... ان حالات میں جبکہ ہماری ہر طرف سے ناکہ بندی ہے ایک منٹ بھی یہاں گزارنا مشکل ہے ...... باہر اندر جانا سخت خطرہ کا موجب ہے۔ رات دن اپنے گھر پہ ہی بیٹھ کر وقت گزار رہے ہیں" الخ

اسی گاؤں کے ایک اور احمدی محمد منیر صاحب نے لکھا:۔

"اس گاؤں میں ہم صرف دو گھر تھے۔ ان (مخالف) لوگوں نے ۴ مارچ سے ہمارا پانی بند کر دیا ہے یہاں تک کہ ایک غیر مسلم کے کنوئیں سے بھی پانی نہیں لینے دیتے تھے اور اگر ہم پیاس کی شدت کی وجہ سے پانی لینے جاتے تھے تو ہمیں گالیاں دی جاتیں۔ ڈرایا دھمکایا جاتا جس کی وجہ سے ہمیں واپس گھر خالی لوٹنا پڑتا۔ جب ہم گھر آتے تو بچوں کی یہ حالت ہوتی تھی کہ وہ پیاس کی شدت کی وجہ سے رو رہے ہوتے۔ ۴ تاریخ کو ہمیں بالکل اندر بند کر دیا گیا۔ ہمارے قتل اور لوٹنے کے منصوبے بنائے گئے جس کی وجہ سے ہمیں از حد پریشان ہونا پڑا۔ ہمارے پاس سوائے دعا کے کوئی ہتھیار نہ تھا جس کو ہم استعمال کرتے۔ اگر کبھی پاس کی جماعت کوشش بھی کرتی تو سخت (محاصرہ) کے باعث وہ (کوئی چیز) نہ پہنچا سکتے تھے۔ ۶ مارچ بروز جمعہ گاؤں کے شریر لوگوں کی ایک پارٹی جو ۱۵ افراد پر مشتمل تھی ہمارے دروازہ پر آئی۔ اور ہمیں مجبور کیا گیا کہ ہمارے

ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرو۔ ورنہ ہم قتل کر دیں گے۔ اور پھر پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیا لیکن پھر بھی ہماری طرف سے انکار کیا گیا۔ آخر کار وہ لاچار ہو کر چلے گئے۔ زیادہ خطرہ ہو جانے کے باعث ہم نے تھانہ پھلورہ میں اطلاع دی کہ ہمیں ناجائز (طور پر) تنگ کیا جا رہا ہے۔ تھانیدار صاحب مع تین سپاہیوں کے گاؤں میں آئے لیکن انہوں نے کچھ بھی نہ کیا بلکہ مخالفت کی آگ کو اور بھڑکایا گیا اور تھانیدار صاحب کی موجودگی میں انہوں نے جلوس نکالا۔ جلوس میں انہوں نے جو گند اچھالا اور حضرت مسیح موعود۔۔۔ کے متعلق جو نازیبا الفاظ استعمال کیے میری زبان زیب نہیں دیتی کہ میں ان کو قلم بند کروں۔ مگر پھر بھی بغرض اطلاع اتنا لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود۔۔۔۔۔ کی مصنوعی لاش بنا کر سخت بے حرمتی کی گئی جس کو دیکھ اور سن کر حضور اقدس کے ماننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اسی وقت سجدہ میں گر کر دعا کی گئی کہ اے خدا تو ان لوگوں کو ہدایت دے۔" الخ

موضع ترسکہ موضع ترسکہ تحصیل ڈسکہ کی جماعت احمدیہ کے پریذیڈنٹ غلام غوث صاحب نے مورخہ ۱۱؍مارچ ۱۹۵۳ء کو اپنے ایک خط میں لکھا کہ :۔

"ہمارے علاقہ میں شورش بہت زیادہ ہے۔ گاؤں گاؤں میں جلوس نکالے جاتے ہیں احمدیوں کے گھروں کے آگے بکواس کرتے اور نعرے لگاتے ہیں۔ کل ۱۰؍مارچ کو ہمارے گاؤں میں بھی مولوی ۔۔۔۔۔ ساکن ہوانہ ۔۔۔۔۔۔ نے جلوس نکالا۔ چار احمدیوں نے کمزوری دکھائی مگر ان کی بیویوں نے بہت اچھا نمونہ دکھایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم کو طلاق دے دو۔ ہم احمدیت نہیں چھوڑیں گی۔ آج کچھ سکون ہے مگر ہمارا پانی گاؤں والوں نے روک رکھا ہے۔ باہر کے کنوؤں سے لاتے ہیں۔" الخ

پھر ۱۲؍مارچ کے خط میں تحریر کیا :۔

"مولوی ۔۔۔۔۔ ساکن ہوانہ تھانہ ڈسکہ و مولوی ۔۔۔۔۔ ساکن وہیرکے نے ہمارا پانی بند کر دیا۔ اب ہم بڑی مشکل سے باہر کے کنوؤں سے پانی لاتے ہیں۔ ہماری عورتوں کو ڈر کی وجہ سے قضائے حاجت جانے کی بھی سخت تکلیف ہے اور ۱۰؍مارچ کو مولوی ۔۔۔۔۔ نے آکر جلوس نکالا۔ گلیوں اور احمدیوں کے گھروں کے (سامنے) نعرے لگاتے اور پیٹتے رہے جس سے ہمارے چھوٹے بچے ڈر کے

مارے سہمے رہے ۔ آگے اب ہر وقت دن رات سخت گھبراہٹ ہے ۔ چاروں طرف سے یہی آوازیں آتی ہیں کہ ہم (احمدیوں کے) گھروں کو لوٹیں گے اور آدمیوں کو شہید کر دیں گے "

موضع ویرووالہ

جماعت احمدیہ ویرووالہ کے سیکرٹری مال محمد ابراہیم صاحب نے اطلاع دی کہ :-

"ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم احمدیت چھوڑ دیں ۔ جب ہم نے یہ قبول نہ کیا تب یہ لوگ جا بکے چیمہ اور آلو مہار سے احرار کا جلوس لے آئے ..... اور کہنے لگے کہ تم احمدیت کو خیرباد کہہ دو ورنہ سارا گاؤں مل کر تمہارا خاتمہ کر دے گا ۔ ہم نے کہا کہ اگر ہمارے بچہ بچہ کو آپ لوگ شہید کر دیں گے تو ہم پھر بھی یہ بات کہنے کو تیار نہیں ہوں گے ۔ اس کے بعد انہوں نے کہا ۔ اچھا کل ہم تم کو مار دیں گے ۔" الخ[1]

سمبڑیال

جناب خواجہ محمد امین صاحب نے سمبڑیال سے لکھا کہ :-

"بعض مہاجر احمدی مستورات نے بعض مردوں سے زیادہ دلیری دکھائی ہے ۔ مختاراں زوجہ محمد الدین سکنہ شکار ماچھیاں حال سمبڑیال اور حسن بی بی بیوہ صابر خاں مرحوم ہمارے گھر پر آئیں ۔ ان کو صحابہؓ و صحابیاتؓ کی مثالیں دے کر سمجھایا گیا تو اس قدر دلیر ہو گئیں کہ بالکل مرنے کو تیار ہو گئیں ۔" الخ

منڈیکے بیریاں ۔ دھہ ۔ نین کے تورو لے ترسکہ

گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ سے مکرم سید نذیر حسین صاحب[2] نے لکھا :-

"آج تک جو خبریں ہم تک پہنچی ہیں جو ہماری تحقیق میں درست ہیں عرض خدمت ہیں .... موضع منڈیکے بیریاں جو چونڈہ کے قریب ہے وہاں چوہدری محمد ابراہیم صاحب احمدی کو جو صرف ایک ہی گھر احمدیوں کا ہے ۔ لوگوں نے جمع ہو کر قتل کی دھمکی دی ۔ اس نے کہا مجھے صرف چند منٹ اجازت دے دو ۔ پھر قتل کر لینا ۔ اس کے چاہ پر ایک چھوٹی سی بیت الذکر ہے ۔ اس نے وضو کر کے دو رکعت نماز گزاری ۔ بعد میں ان کو کہا کہ آؤ اپنا کام

---

[1] اس کارڈ پر ۹ مارچ ۱۹۵۳ء کی مہر ثبت ہے ۔ [2] وفات ۲۸ جولائی ۱۹۵۵ء

کرلو۔ وہ کہنے لگے بیت الذکر سے باہر آؤ۔ اس نے کہا کہ میں بیت الذکر سے باہر نہیں آؤں گا۔ آخر تکرار کے بعد انہوں نے کہا کہ اسے قتل نہ کرو۔ اس کا بائیکاٹ کر دو۔ اس کے اپنے چاہ سے بھی اور دیگر چاہ وغیرہ سے پانی روک دیا۔ پھر اس نے موضع کھریہ سے جہاں چوہدری محمد حسین صاحب احمدی ہیں پانی منگوانا شروع کیا۔ آخر پندرہ تاریخ کو پولیس نے آکر پوری طرح اس کی امداد کی۔"

"موضع دہبہ جہاں صرف ایک ہی احمدی تھا اس کو بہت تنگ کیا گیا لیکن وہ بھی خدا کے فضل سے بالکل قائم ہے اور قائم رہے گا۔ اب وہاں کی حالت درست ہے۔"

"موضع نین کے توروے میں بھی ایک احمدی عبدالحق تھا۔ اس نے بہت مردانگی دکھائی۔ دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اب وہاں بھی حالات درست ہیں۔ دشمن عنصر نے معافی مانگی۔"

"موضع ترسکہ متصل بڈھا گورایہ میں احمدیوں کو بہت تکلیف دی گئی اور مولویوں نے ان کو جبراً احمدیت سے پھرانا چاہا۔ انہوں نے بھی بزدلی سے کام لیا۔ ان کے ساتھ چند ساعت کے لیے مل گئے اور مولویوں نے کہا کہ اب تمہارا نکاح دوبارہ کیا جائے گا۔ جب وہ گھروں پر نکاح کے واسطے گئے تو احمدی مستورات کو دروازوں پر پایا۔ مستورات نے بڑی دلیری سے کہا باہر کھڑے رہو۔ اندر مت آؤ۔ مولوی لوگوں نے کہا کہ تمہارے آدمی مسلمان ہو گئے ہیں۔ اب تمہارے نکاح دوبارہ کریں گے۔ ہم اور کچھ نہیں کہتے۔ ان نیک بیبیوں نے کہا کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے بلکہ مرتد ہو گئے ہیں اور ہمارا نکاح ان سے نہیں ہو سکتا۔ مولوی اب ان کو لے جا کر کسی اور جگہ نکاح کریں۔ ہم کو تو اگر ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیں تو بھی ہم خدا کے فضل سے احمدی ہی رہیں گی۔ اس وقت ان کی بہادری کو دیکھ کر وہ احمدی مرد بھی دلیر ہو گئے۔ اور مولوی لوگوں کو جواب دے دیا اب حالات بہتر ہیں۔"

چونڈہ

چونڈہ سے چوہدری فیروز الدین صاحب انسپکٹر تحریک جدید نے رپورٹ بھیجی کہ "موضع چونڈہ تھانہ پھلورہ کے حالات حسب ذیل ہیں۔ گاؤں ہذا میں پچھلے دنوں بڑے زور شور سے پراپیگنڈا ہوتا رہا لیکن اب مردوں کے علاوہ مستورات کے ذریعہ بھی جتھہ جلوس کی شکل میں احمدیوں کے مکانات کے پاس آکر بیہودہ بکواس کی جا رہی ہے۔ سب کے دروازے دھکے دے کر توڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تمام افرادِ جماعت کو اکا دکا مل کر

ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ جماعت منظّم ہے لیکن غلط افواہوں کی وجہ سے جو کہ منادی کے ذریعہ کہہ رہے ہیں کہ ربوہ پر نزدیک کے دیہات والوں کا حملہ ہو گیا ہے اور مرزائی "مسلمان" ہو رہے ہیں ۔ یہ پراپیگنڈا اس کر بعض کمزور احمدی ہراساں ہیں ایک احمدی مسمّٰی مولی بخش جٹ تلونڈی جھنگلاں والے کے مکان پر پتھر پھینکے گئے اور اس کے گھر کی چار دیواری میں ایک کنویں سے اس کو پانی بھرنا بند کر دیا ہے ۔ اور پانی نکالنے والی بھونی اُتار کر لے گئے ہیں ۔"

"ایک موچی محمد شریف کی جھگی کو آگ لگا کر جلایا گیا ہے جو کہ گاؤں سے باہر کی بیری کے درختوں کے پاس تھی ۔ پچاس ساٹھ آدمیوں کے جتھے سے چند آدمیوں نے مل کر اسکو جھنجھوڑا اور وہ بیچارہ اپنی جان بچا کر گھر آگیا ۔ تھانہ والے کسی قسم کا تعاون نہیں کرتے ایک تھانیدار اور تین چار سپاہی اس جگہ متعین ہیں ۔ جس جگہ ٹھہرے ہیں وہاں سے باہر نکل کر دیکھتے ہی نہیں ۔"

شہزادہ قریشی عبدالرحمٰن صاحب[1] کی طرف سے مرکز میں (موضع شہزادہ کی نسبت) مندرجہ ذیل اطلاع موصول ہوئی کہ :-

"اس گاؤں میں صرف تین احمدیوں کے گھر ہیں ۔ باقی سارا گاؤں مخالف اور ایذا دہی پر کمربستہ ہے ۔ ایک مکان والے کی بیوی غیر احمدی تھی ۔ وہ بچوں کو لے کر سسرال چلی گئی لیکن اس کا مرد ثابت قدم رہا ۔ ایک گھر والوں کا پانی بند کر دیا ہے اور دوسرے ماسٹر صاحب کی عدم موجودگی میں اُن کے گھر پر حملہ کر دیا اور مستورات کو گھر سے نکل جانے کی دھمکی دی ۔ لیکن ان کی مستورات نے حضور کے ارشاد کے مطابق یہ جواب دے دیا کہ "ہم اپنے پیارے آقا کے حکم کے ماتحت یہیں رہیں گی ۔ نکلیں گی نہیں ۔ خواہ ہمیں قتل کر دو ۔ اور ان تینوں گھر والوں کا بازار سے سودا سلف لینا بالکل بند کر دیا گیا ہے ۔ اور ہر قسم کی ضروریاتِ زندگی سے محروم کر دیا گیا ہے ۔ اسی طرح تنگ کرنے کے دوسرے ذرائع بھی سب اختیار کیے گئے ہیں ۔"

کھیوہ باجوہ محمد منیر صاحب امیر جماعت احمدیہ کھیوہ باجوہ نے لکھا کہ :-

" دن بدن زیادہ خطرے کی افواہیں پھیلنی گئیں پسرور بھی میرے ہی حلقہ امارت میں تھا ۔ اور وہاں مخالفین کا بہت زور تھا ۔ ان دنوں تھانیدار نے بھی جواب دے دیا لیکن جب ملٹری نے انتظام ہاتھ میں لے لیا تو خطرہ کم ہونا شروع ہو گیا ورنہ پہلے یہی تھا کہ آج کلا سوالہ

[1] شہید سکھر ۔ وفات یکم مئی ۱۹۸۴ء

میں جلوس جائے گا اور پھر وہاں سے کھیوہ بھی جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کا خاص فضل رہا کہ صرف اور صرف پسرور تک ہی فتنہ و فساد محدود رہا ۔ بعض افراد کلاسوالہ سے نکلے اور ہمارے گاؤں میں آ گئے اور جماعت چوہڑ منڈہ میں چند غنڈوں نے ہمارے پریذیڈنٹ دین محمد کو قتل کر دینے کی دھمکیاں دیں ۔ اس نے میرے پاس رپورٹ کی تو میں پسرور تھانہ میں گیا ۔ تھانیدار صاحب نے میرے ساتھ تین ملٹری کے سپاہی اور ایک حوالدار کر دیا ۔ چوہڑ منڈہ تھانہ سے تقریباً آٹھ میل ہے ۔ وہاں حوالدار نے ان سے باز پرس کی تب انہوں نے انکار کر دیا کہ ہم نے کوئی بات نہیں کی ۔ حوالدار نے ان سے وعدہ لیا کہ اگر اس کے بعد کوئی شکایت ان کی طرف سے ہمیں پہنچی تو تم ذمہ دار ہو گے اور صرف تمہیں ہی گرفتار کر کے لے جایا جائے گا ۔ اس کے بعد بالکل امن ہے ۔ اور کلاسوالہ سے جو دوست نکلے علاقہ مجسٹریٹ نے خود آ کر کلاسوالہ کے لوگوں سے کہا کہ ان کو خود جا کر واپس لاؤ ورنہ اگر کوئی ان کا نقصان ہوا تو تم ہی ذمہ دار ہو گے ۔ تب کلاسوالہ والے خود آ کر اُن کو تانگہ میں بٹھا کر لے گئے باقی تمام علاقہ میں خیریت ہے ۔ خطرہ تو ہمیں بھی بہت ہو چکا تھا لیکن کسی نے بعد میں کوئی مظاہرے نہیں کئے ۔"

کلاسوالہ

عبدالغنی صاحب عبدؔ قائد مجلس خدام الاحمدیہ کلاسوالہ نے لکھا کہ :۔

"کلاسوالہ پسرور سے چار میل کے فاصلہ پر ہے اور احرار اور مخالفین تحصیل پسرور کا مرکز ہے ۔ بروز جمعہ پسرور میں نماز جمعہ کے موقعہ پر یہ اعلان ہوا کہ کل ۷ مارچ کو پسرور سے ایک جلوس جو کئی دیہات میں سے ہوتا ہوا اور احمدیوں کو مسلمان یا ختم کرتا ہوا کلاسوالہ پہنچے گا ۔ شام کو ۶ بجے پولیس کی طرف سے زبانی مجھے یہ اطلاع ملی کہ جلوس کل کلاسوالہ آ رہا ہے اور پولیس اس کا انتظام نہیں کر سکتی ۔ آپ خود کوئی انتظام کر لیں ۔ یہ خبر سُن کر بفضلہ تعالیٰ ہم ہر طرح سے مطمئن تھے اور ہمارے دلوں میں کسی قسم کی گھبراہٹ نہ تھی ۔ ہم نے اپنے لیے مناسب انتظام ہر طرح سے کر لیا ۔ اس کے بعد ایک چٹھی پسرور سے جماعت احرار کی جانب سے کلاسوالہ کے دیگر معززین کے نام آئی کہ ہمارا جلوس پہنچ رہا ہے ۔ اگر آپ نے ہمارے جلوس میں شمولیت نہ کی تو تمہاری جان ۔ مال بھی خطرہ میں ہو گا ۔ کلاسوالہ میں دو جماعتیں ہیں ۔ اہلحدیث اور حنفی جماعت حنفی جماعت کا چونکہ زور ہے اور چٹھی بھی حنفی جماعت کے آدمیوں کو ہی ملی تھی ۔ حنفی جماعت یہاں کی

بہت امن پسند ہے ۔ وہ دوست اس چٹھی کو لے کر میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کل یہ جلوس آرہا ہے ۔کوئی مناسب تجویز کی جائے تاکہ جلوس خیریت سے گزر جائے اور شور و شر بھی نہ ہو ۔ مَیں نے کہا کہ آپ کے خیال میں کیا ہونا چاہیئے ۔ انھوں نے کہا کہ تم اپنی جماعت کو سنبھال لو ۔ وہ کسی قسم کی جلوس میں مداخلت نہ کریں ۔ ہم پوری کوشش کریں گے کہ جلوس پُرامن طور پر گزر جائے ۔ چنانچہ خاکسار نے جماعت کی مستورات اور بچوں کو دو جگہوں میں محفوظ کر کے مردوں کو دو مناسب جگہوں پر..... بٹھا دیا ۔

اُس دن اکثر نظریں ہماری طرف اس حسرت سے اُٹھ رہی تھیں کہ آج دو بجے تک یہ (احمدی) لوگ تو ختم ہو جائیں گے اور ان کے مال اسباب پر ہم قابض ہوں گے ۔ اکثر لوگ ہمارے مال مویشی دیکھ دیکھ کر پسند بھی کر رہے تھے کہ آج دو بجے کے بعد یہ سب کچھ ہمارا ہو جائے گا ۔ لوگوں کی زبانی سنا کہ یہ احمدی لوگ خوش کیوں نظر آتے ہیں مگر اُن کو یہ پتہ نہیں کہ ان کی زندگی صرف دو بجے تک ہے ۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے چہرے اور ہمارے دل سوائے چند نام کے احمدیوں کے بہت شگفتہ اور دلیر تھے ۔ بندہ نے اپنی جماعت کو صبر اور برداشت کی بہت تلقین کی اور حضور کے ارشادات جو صبر کے متعلق تھے پڑھ کر سنائے اور کہا کہ ہر طرح امن کو قائم رکھنا ہے اور خدام کی قصبہ کے باہر ڈیوٹی لگا دی ایک خادم کو پسرور میں مقرر کر دیا کہ وہ بار بار یہ اطلاع دے کہ جلوس کس تعداد میں ہے اور کیا کرتا آرہا ہے ۔ کچھ خدام کو قریب کی جماعتوں کو اطلاع دینے کے لیے بھی مقرر کر دیا ۔ مگر اس کے بعد کیا ہوا ۔ لوگ تو جلوس کی آمد کی گھڑیاں گن رہے تھے ۔ بارہ بجے ، ایک بجے ۔ دو بجے مگر جلوس نہ آیا ۔ آیا تو کون آیا ؟ ایک وفد ! وہ بھی اس لیے کہ وہ رات والا رقعہ واپس لے جائے جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ تمہارے مال جان خطرہ میں ہیں ۔ مگر رقعہ اُن کو نہ ملا ۔ سارا دن بالکل بخیریت گزر گیا ۔ اور پانچ بجے شام فوج کے بہت سے سپاہی ، علاقہ مجسٹریٹ صاحب اور سپیشل پولیس نے آ کر لوگوں کو بہت ڈانٹا مگر ہم نے کلاسوالہ کے شریف غیر احمدیوں کی سفارش کر دی کہ یہ لوگ بہت امن پسند ہیں ۔"

داتہ زید کا

چوہدری بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ داتہ زید کا نے لکھا کہ :۔

" اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے حلقہ میں بالکل امن و امان ہے ۔ البتہ غلط

افواہیں پھیلائی جاتی ہیں اور غلط پروپیگنڈا کیا جاتا ہے .... افواہیں جو پھیلائی جاتی ہیں (باہر غیر احمدیوں کے دیہات میں) وہ یہ ہیں کہ احمدیوں نے غیر احمدیوں کے کھیتوں میں مویشی چھوڑ کر ان کے کھیتوں کو برباد کر دیا ہے۔ اور غیر احمدیوں کو مار پیٹ رہے ہیں۔ بالخصوص یہ خبریں میرے حلقہ امارت کے متعلق (جہاں احمدیوں کی کافی آبادی ہے۔ ناقل) پھیلائی جاتی ہیں۔ تاکہ باہر کے دیہات مشتعل ہو کر ہمارے خلاف جتھہ بندی کر کے امن عامہ کو برباد کر دیں۔"

دوسرا باب

اضلاع شیخوپورہ، لائلپور (فیصل آباد) اور جھنگ کی احمدی جماعتوں کے واقعات

فصل اوّل

ضلع شیخوپورہ

۱۹۵۳ء کے ہنگاموں میں ضلع شیخوپورہ کے احمدیوں کو بھی مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑا اس دور کو احمدیوں نے کس طرح گزارا، اس کا کسی قدر اندازہ مندرجہ ذیل تفصیل سے ہو سکتا ہے۔

شیخوپورہ شہر

یہ شہر دو ہفتے تک بدامنی اور فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنا رہا۔ احمدیوں کا شدید بائیکاٹ کیا گیا۔ ملک محمد ظریف صاحب کو چھرا گھونپا گیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا۔ دس ہزار افراد نے شیخ گلزار احمد صاحب پٹواری کے مکان کا محاصرہ کیا اور پھر انہیں احمدیت سے توبہ کرنے کے لیے مجبور کیا گیا مگر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ میں "تائب" ہونے کی بجائے شہید ہونے کو ترجیح دوں گا۔ مخالفین کو جب مایوسی ہوئی تو انہیں حیلوں، بہانوں سے جیل میں ڈال دیا گیا۔ جہاں سے وہ ۱۲ر مارچ ۱۹۵۳ء کو دو ہزار روپے کی ضمانت پر رہا ہوئے۔

قاضی بشیر احمد صاحب معتمد مقامی مجلس خدام الاحمدیہ کو ارتداد پر مجبور کیا گیا اور دھمکی دی گئی کہ شام تک قتل کر دیئے جاؤ گے اور تمہارا مکان اور دکان جلا دی جائے گی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے خلاف بدزبانی بھی کی اس پر ان کی والدہ جوش میں آگئیں اور کہا کہ میرے گھر کی اللہ تعالےٰ خود حفاظت کرے گا۔ ہمارا ذرا سا بھی نقصان نہ ہوگا خواہ تم کتنا ہی زور لگا لو۔ نصف گھنٹہ کے بعد شہر کے بعض بدقماش لوگوں نے مکان کو نرغے میں لے لیا اور برہنہ ہو کر ناچنے اور گالیاں دینے لگے۔ اگلے دن بھی ۲۰۰ کے قریب آدمی مکان کے سامنے آکر نعرے لگانے اور کہنے لگے کہ احمدیت سے توبہ کر لو ورنہ آج تمہارا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ بعض نے مکان کے صدر دروازہ کے بیچ میں کانٹے اور مٹی کا تیل لا کر رکھ دیا اس پر قاضی بشیر احمد صاحب نے مکان کی پچھلی جانب پہلے اپنی والدہ صاحبہ اور ہمشیرہ صاحبہ کو اتار کر حکیم ظفر الدین احمد صاحب ولد حکیم عبدالجلیل صاحب بھیروی کے گھر

بھیج دیا اور پھر مکان کو تالا لگا کر خود بھی حکیم صاحب کے گھر یہ کہتے ہوئے چلدیئے کہ "اگر میرا گھر مسیح موعودؑ کو سچا ماننے کی خاطر جلایا جا رہا ہے تو بے شک خوشی سے جلاؤ اور اگر ایک احمدی کی حیثیت سے مجھے یہ دُکھ دے رہے ہو تو مجھے یہ دُکھ اور تکلیف بادشاہی سے افضل ہیں" خدا تعالیٰ نے ان الفاظ سے مخالفین پر ایک رُعب اور ہیبت طاری کر دی اور وہ کوئی نقصان نہ کر سکے۔

شاہ کوٹ:۔ یہاں ایک احمدی دوست کا مکان لوٹا گیا۔

سٹھیالی:۔ چک نمبر ۱۶۹ گرمولا اور جدید چک میں بعض احمدیوں کی فصلیں تباہ کر دی گئیں۔

سانگلہ ہل میں ہر روز جلوس نکلتے اور مظاہرے ہوتے تھے اور احمدیوں کی دکانوں پر پکٹنگ لگائی گئی۔ اور مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔ چک چہور ۱۱۷ کے وہ احمدی جو سانگلہ ہل میں کاروبار کرتے تھے۔ وہ تین روز تک شہر نہ جا سکے۔ ۸ مارچ کو جب سانگلہ ہل میں پہلی بار بازار گئے تو جلوس والے "خون کا بدلہ خون سے لیں گے" کے نعرے لگا رہے تھے۔

سانگلہ ہل کے قریبی دیہات میں بھی شورش کے اثرات ظاہر ہوئے مثلاً کوٹ رحمت خان اور موضع کوٹلی چک ۱۱۷ میں جلوس نکلے اور گالیاں دی گئیں۔ ان دنوں سانگلہ ہل کے قرب وجوار کے بعض احمدی چہور مغلیاں ۱۱۷ میں آ گئے جن کو اس گاؤں کے احمدیوں نے اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے ان کے دیہات میں دوبارہ بسایا۔ چک چہور ۱۱۷ پر بھی حملہ کرنے کا مشورہ کیا گیا مگر اللہ تعالیٰ نے احمدیوں کو محفوظ رکھا۔

ہمراجپور چک نمبر ۴۰ میں احمدیوں کے صرف دو گھر تھے جو محصور ہو کر رہ گئے شرپسند عناصر غول کے غول ان کے گھروں کے ارد گرد جمع ہو جاتے اور جو منہ میں آتا بکتے چلے جاتے تھے۔

واربرٹن میں شیخ محمد عبداللہ صاحب اسٹیشن ماسٹر واربرٹن کا ہزاروں روپے کا سامان جو ان کی عمر بھر کا اندوختہ تھا، نہایت بے دردی سے لوٹ لیا گیا۔

منڈی مرید کے۔ اس جگہ بھی احمدیوں کا بائیکاٹ کیا گیا اور وہ کئی روز تک اپنے گھروں میں بند رہے البتہ وہ نمازوں میں ایک دوسرے سے ملتے اور صبر و شکر کا عہد کرتے نیز حضور کے روح پرور پیغامات پڑھتے۔ شیخ محمد بشیر صاحب آزاد سابق امیر جماعت منڈی مرید کے نے اہل قصبہ کی فلاح و بہبود کے لیے بہت سی خدمات انجام دی تھیں اور عوام پر ان کا گہرا اثر تھا۔ مگر انہیں بھی

نہ صرف اپنے مکان میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا گیا بلکہ ایک رات اپنے ایک نمائندے کے ذریعے انہیں پیغام بھجا گیا کہ لوگ آگ لگانا چاہتے ہیں، وہ احمدیت سے علیحدگی اختیار کر کے "مسلمان" ہو جائیں۔ شیخ صاحب نے کہا کہ حملہ ہونے کی صورت میں ہم لڑتے ہوئے مارے جائیں گے یہ موقعہ خدا کبھی کبھی دیتا ہے۔ ہمیں تو صرف بھو کا پیاسا رکھا جا رہا ہے۔ قرونِ اُولیٰ میں مسلمانوں کو ایسی ایسی روح فرسا تکالیف دی گئیں کہ انسان ششدر رہ جاتا ہے۔ پھر کیا دوبارہ ایمان لانے تک کی زندگی کا کچھ پتہ ہے؟۔ مرنا تو ایک دن ہے لہٰذا بجائے بے ایمان ہو کر مرنے کے، ایمان داری سے کیوں نہ مرا جائے؟ شیخ صاحب اور ان کے اہلِ خانہ کی یہ رات خاص طور پر دعائیں کرتے اور شہادت کے لیے تیاری میں گزری۔

احمدیوں کا یہ بائیکاٹ مسلسل کئی دن تک جاری رہا۔ بالآخر معززین منڈی نے فیصلہ کیا کہ احمدیوں کو سودا کھانے پینے کا دے دیا جائے ورنہ ہم یزید ثابت ہوں گے۔

گوجرہ ڈاکخانہ چوہڑکانہ کے احمدیوں کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔ گھروں پر سنگباری کی گئی اور احمدیوں سے بات کرنے والے کے لیے پچاس روپے جرمانہ مقرر کر دیا گیا۔

سیدوالا میں بھی احمدیوں کا سخت بائیکاٹ ہوا۔ جو لوگ احمدیوں کی دکانوں سے سودا لیتے ان کا منہ کالا کر دیتے۔ احمدیوں کو ختم کرنے کے برملا نعرے لگائے گئے۔ سب احمدی اپنے اپنے گھروں کے کواڑ بند کر کے بیٹھے رہے۔

گرمولا نزد ڈھاباں میں تین چار احمدی رہتے تھے جن میں سے ایک احمدی کو دھمکی دی گئی کہ بیعت چھوڑ دو ورنہ قتل کر دیں گے اور لوٹ لیں گے مگر اُس احمدی نے جواب دیا کہ مجھے بیشک قتل کر دو میں بیعت نہیں چھوڑ سکتا۔

بہوڑو چک ۱۸ ہیں سٹھیالی کے احمدیوں کو گالیاں دی گئیں۔

ننکانہ صاحب ۔ جلسوں جلوسوں میں انتہائی بدزبانی کا مظاہرہ کیا گیا احمدیوں کو تنگ کرنے کے لیے نئی سے نئی راہیں اختیار کی گئیں ایک دن یہ منادی کرائی گئی کہ "مرزائی استانی نے ہماری لڑکی کو مار مار کر اس کی ہڈیاں توڑ دی ہیں" حالانکہ اس میں ذرّہ برابر بھی صداقت نہیں تھی لیکن اس کی آڑ میں ایک احمدی استانی کو معطل کر دیا گیا اور دوسری احمدی استانیاں گھروں میں محبوس ہو کر رہ

گئیں ۔کیونکہ جب وہ باہر جاتیں تو اوباش ان کا پیچھا کرتے اور تالیاں بجاتے تھے۔ مقامی پولیس سب کچھ دیکھتی مگر خاموش تماشائی بنی رہتی ۔

رات کے وقت ایک جلسہ عام میں امیر جماعت ننکانہ صاحب محمد شفیع صاحب کی نسبت یہ بہتان تراشی کی گئی کہ ربوہ سے ایک جیپ آکر اس کو اسلحہ دے گئی ہے ابھی تلاشی لی جاوے ۔ چنانچہ پولیس نے رات کو احمدیوں کے مکانوں کا گھیراؤ کر لیا مگر کچھ برآمد نہ ہوا ۔ ننکانہ صاحب اُن دنوں افواہوں کا مرکز بنا ہوا تھا ۔

ایک دن افواہ پھیلائی گئی کہ جڑانوالہ کے امیر جماعت ڈاکٹر محمد انور صاحب کو چھُرا گھونپ دیا گیا ہے ۔ واربرٹن کے احمدی اسٹیشن ماسٹر قتل کر دیئے گئے ایک لاکھ کا جتھہ ربوہ کی طرف جا رہا ہے ننکانہ کے احمدی ربوہ چلے گئے ہیں ۔ جو باقی ہیں وہ تھانہ میں کیمپ لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔

آنبہ ، بلّڑ کے اور کرم پورہ میں جہاں جہاں اِکّے دُکّے احمدی آباد تھے وہاں وہاں فتنہ نے انتہائی صورت اختیار کر لی مگر خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت سے غیر معمولی نصرت کے سامان کر کے حفاظت فرمائی مثلاً ایک جگہ جب نرغے میں پھنسے ہوئے احمدی نے یہ کہدیا کہ جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر لو ۔ احمدیت مجھ سے نہیں چھوٹتی ۔ تو وہاں فوراً پولیس پہنچ گئی ۔ حالانکہ یہ جگہ تھانہ سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہوگی ۔ دوسری جگہ جب اشرار بُرے ارادے سے نکل آئے تو کچھ غیر احمدی شرفاء مسلح ہو کر حفاظت کے لیے پہنچ گئے اور تمام رات اُس احمدی کے گھر کا پہرہ دیا ۔

سریانوالہ جناب فضل دین صاحب اس گاؤں میں اکیلے احمدی تھے ۔ ۷ مارچ کو ۱۲ بجے دوپہر ایک مشتعل ہجوم نے ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا ۔ اور قتل و غارت کی دھمکیاں دے کر احمدیت سے منحرف کرنا چاہا ۔ مگر انہوں نے بڑی جرأت مندی سے کہا قتل کرنا چاہتے ہو تو قتل کر لو گھر لوٹنا چاہتے ہو تو لوٹ لو ، میں احمدیت کو نہیں چھوڑ سکتا ۔ اس پر ایک غیر احمدی معزز دوست نے بلوائیوں کو لعن طعن کی اور کہا کہ اس اکیلے احمدی پر دباؤ ڈال رہے ہو پہلے قرب و جوار کے احمدیوں کو برگشتہ کر لو پھر اس کو بھی اہلسنت کر لینا ۔ اس دوران میں سورج غروب ہو گیا اور گاؤں والوں نے ان کے مکمل بائیکاٹ کا فیصلہ کر کے اعلان کر دیا کہ ہم صبح کو اس کا خاتمہ کر دیں گے یہ کہہ کر شریر چلے گئے اور فضل دین صاحب ساری رات دعاؤں میں مصروف رہے صبح ہوئی تو ان

سے کہا گیا کہ گاؤں سے نکل جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنا مکان چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا جس طرح مرضی ہو کرو۔ اسی اثناء میں واربرٹن سے دو سپاہی پہنچ گئے اور انہوں نے اعلان کروا دیا کہ کوئی شخص اس احمدی کو تکلیف نہ دے اس طرح خدا نے اپنے اس مظلوم بندے کی حفاظت کا خود سامان کر دیا۔

چک چوہڑ شاہ تحصیل ننکانہ میں احمدیوں کا محاصرہ کیا گیا۔

بھینی شرق پور کے احمدیوں کے خلاف مخالفین نے شرق پور میں سخت اشتعال پھیلانے کی کوشش کی۔ موڑھا کھے میں مکرم چوہدری عطاء ربی صاحب احمدی کو لوٹنے کے لیے منصوبہ بنایا گیا۔ مگر موضع ملک پور کے معزز غیر احمدی نمبردار چودھری شاہ محمد صاحب ان کو اپنے گاؤں میں لے گئے۔ ترڑے والی میں سید اصغر حسین صاحب کو ان کے غیر احمدی بھائی نے پناہ دی۔ سکنہ مہلن وال میں شیخ محمد انور صاحب کے گھر پر حملہ کیا گیا مگر ان کے غیر احمدی بھانجے نے بیچ میں ہو کر اس حملے کو ناکام بنا دیا۔ نانوں ڈوگر مٹھہ تاجریاں اور شاہ مسکین میں بھی حملہ کی سکیمیں بنائی گئیں مگر بحمد اللہ خیریت رہی۔ بلکہ عین شورش کے ایام میں نانو ڈوگر میں دو سعید روحیں داخل احمدیت ہوئیں۔

سیّد والہ

میاں عبدالسلام صاحب احمدی زرگر حال جرمنی کا بیان ہے:-

۱۹۵۳ء کی شورش کے ایام میں خاکسار سیّد والہ ضلع شیخوپورہ میں مقیم تھا۔ اور خدام الاحمدیہ سیّد والہ کا قائد مجلس تھا۔ شروع شروع میں جب ہمارے خلاف تحریک شروع ہوئی تو دیواروں پر اور پوسٹروں کے ذریعے ہمارے خلاف مطالبات لکھے گئے "مرزائیت کو اقلیت قرار دو" "ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ سے ہٹاؤ"۔ کلیدی آسامیوں سے ان کو ہٹاؤ وغیرہ وغیرہ۔

اس کے ساتھ ہی منبروں پر ہمارے خلاف وعظوں کے ذریعہ بھڑکانا شروع کیا گیا۔ تقریباً روزانہ ہی ہمارے خلاف زہر اُگلتے اور منافرت پھیلاتے رہے۔ مخالفین میں ایک نوجوان خلیل احمد بی اے بی ٹی بھی تھے جو خوب لوگوں کو بھڑکاتے اور کہتے کہ یہ ہاتھ ناموس ختم نبوت کے لیے لوہے کے کڑے پہنیں گے، یہ عورتوں کی طرح چوڑیاں پہننے والے نہیں۔ ان ختم نبوت کے منکروں کو پاکستان سے ختم کر کے رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔ اس پر سامعین خوب نعرے لگاتے اور

جوش و خروش بڑھتا گیا آخر کار ہمارا مکمل بائیکاٹ کیا گیا اور پانی بند، سودا سلف بند - بول بند تھا مگر کئی ایسے معزز اور شریف غیر احمدی دوست بھی تھے جو خفیہ طور پر ہمیں سودا سلف گھر پہنچا جاتے تھے - بائیکاٹ اور منافرت روز بروز زور پکڑتی گئی اور "مرزائیوں" کے مال کو لوٹنا اور مارنا کارِ ثواب قرار دیا گیا تو ان حالات کو دیکھ کر خاکسار اور خاکسار کا بھائی غلام اللہ اسلم مرحوم دونوں نے ربوہ آکر اپنی نقدی خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں جمع کرا دی اور لوگوں کا جو زیور سونے چاندی کا بنا ہوا تھا اور سونا بھی ربوہ میں عزیزم ضیاء الدین احمد صاحب ولد میاں روشن الدین صاحب کی پیٹی میں رکھ دیا اور خود دونوں بھائی اسی دن واپس سیدوالہ کے لیے چل پڑے - صبح پہلی بس پر ہم سیدوالہ پہنچ گئے - اور ساتھ ہی مشہور ہو گیا کہ عبدالسلام اور غلام اللہ ٹیکسی پر ربوہ سے اسلحہ لے آئے ہیں - اور ہمارے سیدوالہ پہنچنے کے دو دن بعد متعصب لوگوں اور ہماری برادری نے یہ بات پھیلا دی کہ جس طرح ہندوؤں کو ملٹری یہاں سے لے گئی تھی اسی طرح ان "مرزائیوں کو یہاں سے لے جائے گی - اور جو کچھ تم نے ان سے لینا ہے فوری طور پر وصول کر لو- اسی طرح لوگ باہر سے بھی اور شہر کے اندر سے بھی جن لوگوں نے ہمیں زیورات دیئے ہوئے تھے مانگنے شروع کر دیئے- اس پر ہم نے اپنے والد میاں غلام محمد صاحب مقامی پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ کو ربوہ روانہ کیا کہ آپ وہاں جا کر زیورات اور چند ہزار روپے جو ہم نے دیئے تھے لے آئیں - والد صاحب ربوہ پہنچے اور رات ربوہ گزاری اور صبح مال نکلوا کر واپس سیدوالہ جانے کے لیے روانہ ہوئے - جب جڑانوالہ پہنچے سارا شہر بند تھا - لائلپور بھی ہڑتال تھی - اور جلوس نکل رہے تھے - اور ہمارے اور حکومت پاکستان کے خلاف نعرے بازی ہو رہی تھی جو جلوس جڑانوالہ پھر رہا تھا اس کی راہنمائی ایک احراری غلام رسول صاحب کر رہے تھے - والد صاحب نے منہ پر اپنی پگڑی سے مٹھاٹھا باندھ لیا اور ہاتھ میں بیگ تھا - مال اور رقم نقد واسکٹ میں تھی اور اڈا پر ایک ٹیکسی میں آکر بیٹھ گئے - ٹیکسی ڈرائیور راگ علی نامی تھا - جس نے جلوس کو جا کر تبلا دیا کہ میری ٹیکسی میں " مرزائی بیٹھا ہے - تب سارا جلوس اڈہ کی طرف امڈ آیا - جب جلوس ٹیکسی کے پاس پہنچا تو پہلی نظر غلام رسول صاحب کی والد صاحب پر پڑی - خدا تعالیٰ نے اس کے دل کو بدل دیا اور اس نے والد صاحب کو دیکھتے ہی کہا کہ واہ میاں صاحب آپ اس آگ میں کیوں آ گئے ؟ -

پھر جلوس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ چھوڑ دیا یہ تو میرا چچا ہے، مرزائی نہیں۔ اس طرح جلوس کو لے گیا۔ اور جلوس کو دوسرے بازار روانہ کر کے والد صاحب کو ساتھ لیا اور ریلوے کی پل سے گزار کر پیدل راستے سے سید والہ کی سڑک پر روانہ کیا اور اس طرح خدا تعالیٰ نے والد صاحب کو اس کے ذریعہ بال بال بچا لیا۔ جو لوگ زیور لینے کے لیے خود ہمارے گھر آئے تھے ہم نے اُن کا مال واپس دینا شروع کر دیا۔ بازار بند ہوتا تھا اور شہر میں کرفیو لگا ہوا تھا۔ بائیکاٹ مکمل تھا اور باہر سے جو لوگ ہمیں لوٹنے کے لیے جتھوں کی صورت میں آتے۔ وہ باہر سے ہی لَوٹ جاتے ہم لوگ تو کرفیو کی وجہ اور سخت مخالفت کی وجہ سے گھر میں رہتے تھے مگر مخالفوں نے خود ہی یہ افواہ پھیلا دی کہ عبد السلام محاذ کشمیر میں فوجی ٹریننگ لے کر آیا ہے اور قادیان میں بھی وہ تین ماہ ٹریننگ لے کر آیا تھا۔ اس لیے نہ سمجھو کہ یہ اندر ڈر کے مارے خاموش بیٹھے ہیں۔ وہ تو اندر بم بنا رہے ہیں۔ تم ان کے گھر حملہ کرنے یا لوٹنے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ وہ تمہارے سارے جتھہ کو تباہ کر دے گا۔ اس طرح دشمن میں خوف دہراس پھیل گیا۔ اور خدا تعالیٰ نے اُن کے حملوں سے ہمیں محفوظ رکھا۔ فالحمد للہ۔ پھر خدا تعالیٰ کا فضل یہ بھی ہوا کہ ہمارے خدام اور انصار بہت ہی مستعد ہو گئے۔ اور جو کہنے اور سمجھانے پر بھی بیت الذکر میں نہ جاتے تھے وہ اتنے مستعد ہوئے کہ جب حضور کی طرف سے سرکلر چٹھیاں آئیں تو اشارہ کرتے ہی سب افراد جماعت منٹوں میں بیت الذکر میں نماز کے وقت آ جاتے۔ اور بہت گریہ وزاری سے دعائیں کرتے۔ بائیکاٹ اور نعرے بازی اور کرفیو بدستور تھا۔ کہ اچانک خبر سُنی کہ مارشل لاء ملک میں لگ گیا ہے۔ حالات پُرسکون ہوئے تو جو لوگ ہمارے مارنے اور لوٹنے کے درپے تھے وہ پہلے تو کچھ دنوں تک ہمارے ساتھ ندامت کے مارے منہ نیچے کر کے ہماری دکانوں سے گزر جاتے مگر پھر آہستہ آہستہ بولنا اور سلام دعا شروع کر دی۔ خدا کی شان!! خلیل احمد صاحب بی اے۔ بی ٹی گریجوایٹ جو لوگوں کو بھڑکاتے تھے قیام امن کے بعد ربوہ پہنچے اور ربوہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے چوتھی صف میں بیٹھے تھے کہ اچانک اُن پر میری نظر پڑ گئی۔ میں ان کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھتا رہا۔ نماز جمعہ کے بعد میں ان کے پاس گیا اور وہ میرے گلے لگ گئے اور معانقہ کیا۔ میں نے کہا کہ آپ کدھر!! کہنے لگے کہ میں نے حق پا لیا ہے۔ احمدیت سچی ہے۔ میں نے اپنے دل سے عہد کیا تھا کہ اگر احمدی

اس حملہ سے بچ گئے تو میں ایمان لے آؤں گا - لہٰذا میں آج سے احمدی ہوں۔ اور بیعت کرنے آیا ہوں۔ چنانچہ وہ بیعت کر کے گئے - اور پھر اپنے والدین کو تبلیغ کی۔ اور وہ بھی احمدی ہو گئے۔ اس کے بھائی بھی۔ یعنی وہ چار پانچ افراد گھر کے احمدی ہو گئے - اس طرح ان کی تبلیغ سے اور بھی کئی سعید روحیں داخل جماعت احمدیہ ہو گئیں۔[1]

---

[1] (تلخیص) مراسلہ غیر مطبوعہ

فصلِ دوم

ضلع لائلپور (فیصل آباد)

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں لکھا ہے :۔

"جنوری ۱۹۵۳ء تک اس ضلع میں بھی احراری احمدی نزاع کی کیفیت دوسرے اضلاع ہی کی مانند تھی۔ یکم دسمبر کو یوم میلاد النبی کے موقعہ پر احراریوں نے ایسے جھنڈے بلند کیے جن پر یہ دو مطالبات لکھے تھے کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا جائے اور چوہدری ظفر اللہ خان کابینہ سے برطرف کیے جائیں۔ اس کے بعد یہ معمول ہو گیا کہ قبل نماز اور بعد نماز کی تقریروں میں یہی مطالبات دہرائے جانے لگے۔ تقریریں نہ صرف احمدیوں کے بلکہ حکومت کے بھی خلاف تھیں۔... اس دوران میں رضاکار برابر بھرتی کیے جاتے رہے جو قرآن پر حلف اٹھاتے تھے اور اپنے خون سے ڈائریکٹ ایکشن کے عہد نامے پر دستخط کرتے تھے۔..... اس تحریک کو بہت سے مسلم لیگیوں کی بھی حمایت حاصل تھی۔ حقیقت میں لیگ کے بہت سے کونسلر جماعت احرار سے تعلق رکھتے تھے اور اس تحریک کی حمایت میں عوام پر اثر ڈال رہے تھے۔..... یہ خبر موصول ہوئی کہ لاہور میں مارشل لاء اعلان کر دیا گیا ہے۔ شام کو چیف منسٹر کا یہ اعلان پہنچا کہ حکومت پنجاب نے شورش پسندوں کے مطالبات کو تسلیم کر لیا ہے۔ ان کو حکومت پنجاب کی رائے کے ساتھ مرکز میں بھیجدیا ہے۔ اور صوبے کا ایک وزیر ان مطالبات کو کابینہ کے سامنے بوجہ احسن پیش کرنے کی غرض سے کراچی جا رہا ہے۔

شورش پسندوں نے اس اعلان سے یہ سمجھ لیا کہ حکومت نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مہم تیز کر دی اور اس کے بعد مسلم لیگی ایم۔ ایل۔ اے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے لگے۔...... اسی دوران میں کسی احمدی کے جان و مال کو نقصان نہیں پہنچا۔ نہ شہر میں نہ صنعتی رقبے میں کسی جائیداد کی توڑ پھوڑ کی گئی۔ پرائیویٹ طور پر گولی چلانے کے صرف دو واقعات ہوئے۔ دونوں میں احمدیوں نے غلط فہمی کے ماتحت گولی چلا دی تھی۔ اور دونوں موقعوں

پر بعض بچے زخمی ہوئے "۔ ؎

عدالتی بیان صدر انجمن احمدیہ میں ہے کہ:-

"مارچ ۱۹۵۳ء میں اس خوف سے کہ راست اقدام کے نتیجہ میں سخت شورش برپا کی جائے گی مقامی احمدیوں کا ایک وفد راجہ جہاں داد خانصاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس غرض سے صحیح حالات ان سے بیان کیے کہ احمدیوں کو پناہ دی جائے اور ان کی حفاظت کی جائے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے وفد کی شکایات کی طرف مطلقاً توجہ نہ دی۔ وفد مایوس لوٹا۔ ۲۲ر فروری کو راست اقدام کا نفاذ کیا جانا تھا۔ اس تاریخ کے بعد احمدیوں کی دکانوں اور مکانوں کی فہرستیں پولیس نے طلب کیں، جو مہیا کی گئیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان فہرستوں کا استعمال شورش پسندوں نے احمدیوں کی دوکانوں اور مکانوں کا سراغ لگانے کے لیے کیا۔ جامع بیت الذکر لائلپور شورش پسندوں کا مرکز تھی جہاں احمدیوں پر ظلم وستم ڈھانے کے خفیہ منصوبے تیار کیے جاتے تھے۔ شہر میں جلوس چکر لگاتے پھرتے تھے اور "مرزائی کتا ہائے ہائے" کے نعرے لگاتے پھرتے تھے۔ مسٹر ابن حسن صاحب ڈپٹی کمشنر کے نوٹس میں یہ بات لائی گئی کہ شورش پسند کرفیو اور دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور مسجد میں اپنے پروگرام ترتیب دیتے ہوئے جلسہ کے انتظام کر رہے ہیں۔ اس پر انہیں ان شورش پسندوں کو جو مسجد میں جمع تھے منتشر کرنے کے لیے قانونی اقدامات کرنے پڑے۔ ایک احمدی ایڈووکیٹ مسٹر محمود احمد کے سامنے راجہ جہاں داد سپرنٹنڈنٹ پولیس نے یہ تجویز پیش کی کہ احمدیوں کے لیے شہر سے باہر ایک رفیوجی کیمپ کھول دیا جائے اور یقین دلایا کہ .... احمدی وہاں محفوظ رہیں گے۔ لیکن یہ تجویز احمدیوں نے منظور نہ کی اور اپنے مکانوں کو نہ چھوڑا۔

شہر میں مکمل لاقانونیت تھی جبکہ شورش پسند ہزاروں کی تعداد میں جلوس کی شکل میں گھومتے پھرتے تھے۔ سرکاری عمارتوں پر خشت باری کرتے تھے۔ اور احمدیوں کی دکانیں اور مکان لوٹتے تھے۔ ایک بہت بڑا اور تند ہجوم سپرنٹنڈنٹ پولیس کو ہار پہنا کر جیل کی طرف لے گیا اور ڈپٹی کمشنر

؎ رپورٹ تحقیقاتی عدالت صہ ۱۶۸ تا صہ ۱۸۹

صاحب اس کے ساتھ جانے پر مجبور ہو گئے۔

پولیس کہیں دکھائی نہ دیتی تھی اور اگر احمدی اس کے پاس پہنچ بھی جاتے تھے تو وہ احمدیوں کی مدد کرنے سے انکار کر دیتی تھی۔

کرفیو کے اوقات کے دوران میں غلام محمد احمدی کا مکان لوٹا گیا اور اسے زبردستی مسجد میں لے جایا گیا جہاں اُسے مجبور کیا گیا کہ وہ احمدیت سے "ارتداد" اختیار کرے"۔

لائلپور (فیصل آباد) شہر کے واقعات

۱۔ میاں فضل دین صاحب دکاندار (گلی ۳[1] کارخانہ بازار) کا بیان ہے :-

"۴ مارچ کو قریباً ۲، ۳ صد کا جتھہ میرے مکان پر حملہ کے لیے پہنچا۔ ڈیوڑھی کا دروازہ بلوائیوں نے توڑ دیا اور مکان کے اندر گھس گئے اور جو کچھ گھر میں تھا لوٹ کر لے گئے۔ میں مع مستورات چھت پر چلا گیا اور سیڑھیوں کا دروازہ بند کر لیا۔ تقریباً نصف گھنٹہ کی لوٹ کے بعد جتھہ واپس چلا گیا۔ پولیس میں رپورٹ کی گئی مگر کوئی آدمی پولیس کی طرف سے موقعہ دیکھنے کے لیے بھی نہ پہنچا"۔

مزید فرماتے ہیں :-

"موجودہ فسادات کے دنوں میں ۷ مارچ کو میں باہر گیا ہوا تھا چار بجے شام جلوس ہمارے مکان پر آیا۔ چند افراد نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میری والدہ گھر تھیں۔ انہوں نے دروازہ کھولا۔ چار پانچ افراد مکان کے اندر داخل ہو گئے اور میری بندوق، کیمرہ، ٹارچ کپڑے وغیرہ اٹھا کر لے گئے پولیس میں رپورٹ کی گئی۔ پولیس نے تفتیش کی تو بندوق ایک شخص محبوب نامی برادر ملک چیف گلاس ہاؤس کے پاس سے نکلی۔ بندوق ابھی تک پولیس کے قبضہ میں ہے۔ محبوب مذکور جماعت اسلامی کا ممبر ہے"۔

۲۔ والدہ صاحبہ ٹھیکیدار فتح دین صاحب نے بیان دیا کہ :-

"مورخہ ۷ مارچ کو میں اور میرا لڑکا جس کی عمر ۲۷ سال کی تھی گھر میں تھے حملہ آوروں نے جن

---

[1] ان دنوں آپ گلی نمبر ۳ بازار منٹگمری لائل پور میں رہتے تھے

کی تعداد ... ۵ کے قریب تھی) حملہ کیا یہ وقت تین بجے شام کا تھا۔ میرے گھر میں ایک شارٹ گن کمرہ میں سامنے لٹک رہی تھی۔ حملہ آوروں نے اُٹھالی اور کہا کہ تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ ورنہ مار دیا جائے گا۔ کارخانہ بازار میں (ہمارے نزدیک) ایک احمدی چوہدری فضل الدین کا گھر تھا۔ ہم اس مکان میں اکٹھے ہو گئے میرے گھر کا سب سامان لوٹ لیا گیا۔ میرے لڑکے نے تھانہ میں فون کیا تو دو سپاہی آئے جبکہ سامان لوٹا جا چکا تھا۔ کچھ آدمی وہاں تھے۔ پولیس نے ان کو کچھ نہیں کہا۔ مجھے یہ کہا کہ جاؤ اپنے گھر میں۔ کوئی فکر نہ کرو۔

حملہ آور مجھے کہتے تھے کہ ہم تمہیں مار دیں گے اور جب تیرے لڑکے تجھے اٹھانے آئیں گے تو ان کو بھی مار دیں گے۔ تب میں نے وہاں سے آجانا ہی مناسب سمجھا۔ پولیس نے ہماری کوئی مدد نہیں کی۔"

۳۔ عبد الحمید صاحب منیم ولد کریم بخش صاحب ساکن گلی نمبر ۵ محلہ پرتاپ نگر لائل پور لکھتے ہیں کہ:

"میں عرصہ تین سال سے پرانی غلہ منڈی میں سائیں محمد بشیر احمد کمیشن ایجنٹ کی دکان پر بطور منیم کام کرتا تھا۔ مارچ ۱۹۵۳ء میں احمدیوں کا مکمل بائیکاٹ کرنے کی مہم جاری ہوئی۔ احراری لیڈر میر غلام نبی۔ حکیم غلام محمد۔ چوہدری عبد الحمید آڑھتیاں نے سائیں محمد بشیر احمد کو مجبور کیا کہ مجھے ملازمت سے "مرزائی" ہونے کی وجہ سے علیحدہ کر دے۔ سو ۴ مارچ کو مجھے علیحدہ کر دیا اور اس وقت سے بیکار ہوں۔ مجھے اب تک ملازم نہیں ہونے دیتے۔"

۴۔ چوہدری غلام جیلانی صاحب نے (جو ان ایام میں گلی نمبر ۲ محلہ سنت پورہ لائل پور میں قیام پذیر تھے[1]) تحریر فرمایا:۔

"مارچ ۱۹۵۳ء کے پہلے ہفتہ میں دوبارہ منظم طور پر غنڈہ گردی شروع کی گئی۔ یکم مارچ ۱۹۵۳ء کو قریباً پانچ صد افراد کا ہجوم میرے مکان پر حملہ آور ہوا۔ انہوں نے اینٹیں برسائیں اور دروازہ توڑ کر اندر داخل ہونا چاہا مگر کوٹھے سے میرے رائفل دکھانے پر وہ باز رہے پولیس کو اطلاع دی گئی مگر چوہدری سردار علی اے ایس آئی انچارج چوکی جھنگ بازار نے صاف

---

[1] بعد ازاں ربوہ میں مقیم ہو گئے تھے اور یہیں وفات پائی۔ وفات ۵ مارچ ۱۹۷۶ء

جواب دیا کہ میں آپ کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ آپ ربوہ چلے جائیں۔ ہر روز کئی کئی دفعہ جلوس آئے اور مکان کے آگے نعرے لگاتے اور گالیاں نکالتے مگر ہم اپنے مکان کے کواڑ بند کر کے ہفتہ بھر مقید رہے۔ ہمارا مکمل بائیکاٹ کیا ہوا تھا۔ اس لیے کھانے پینے کی اشیاء بھی میسّر نہیں آتی تھیں۔ میری لڑکی شمیم شوکت جو کہ سٹی مسلم گرلز ھائی سکول میں پڑھتی ہے۔ اس کو دینیات کی استانی نے محض احمدی ہونے کی وجہ سے پیٹا اور دوسری لڑکیوں کو بھی احمدی لڑکیوں کو پیٹنے کی تلقین کی۔ ۲۰ ر اپریل ۱۹۵۳ء کو پولیس نے میرے مکان کی بلا وجہ تلاشی لی لیکن کوئی چیز قابلِ مواخذہ قبضہ میں نہ لے سکی۔ الخ"

۵۔ میاں محمد اسماعیل صاحب اپنے تحریری بیان میں ۱۲ر جولائی ۱۹۵۲ء کو فسادیوں کے حملہ اور غارت گری کا واقعہ بتانے کے بعد لکھتے ہیں :-

"جب احرار نے ۱۹۵۳ء میں نئے سرے سے منظم ہو کر احمدیت کے خلاف تحریک جاری کی اور ۲۸ر فروری سے جلسے جلوس شروع ہو گئے۔ تب ۶ر مارچ کی شام کو میرے مکان محلہ لکڑ منڈی لائلپور پر ہزاروں احراریوں نے حملہ کر دیا۔ ہم اس وقت مکان میں ۶ مرد اور ۴ عورتیں تھیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ محمد اسماعیل (۲) بشیر احمد (۳) ضمیر احمد (۴) شریف احمد (۵) صدیق احمد

۶۔ مبارک احمد (پسران خود) (۷) رحمت بی بی اہلیہ خود (۸) بشیراں بیگم اہلیہ بشیر احمد

۹۔ صفیہ بیگم بنت خود (۱۰) بشیر فاخرہ بنت بشیر احمد

سات بجے شام سے ۹ بجے رات تک ہمارا بلوائیوں سے مقابلہ ہوتا رہا .... (مگر جب ہماری اینٹیں ختم ہونے کو تھیں عین اس وقت) ۹ بجے رات کے پولیس آگئی اور اس نے آکر ہجوم کو منتشر کر دیا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر طرح محفوظ رکھا"

۶۔ جناب فضل عمر صاحب ولد عبداللہ صاحب کا بیان ہے :-

"میں ماہ مارچ میں حشمت اللہ ڈپو ہولڈر کے پاس اس کے ڈپو واقعہ گئوشالہ میں ملازم تھا مورخہ ۸ر مارچ قریب ساڑھے سات بجے صبح میں نے ڈپو کی طرف پانچ صد آدمیوں کا جلوس آتے دیکھا۔ جلوس کو میں نے دیکھ کر ڈپو کی دکان کو تالا لگا دیا۔ اور پڑوس میں غیر احمدیوں کے پاس پناہ لی۔

نعمت خاں نے میری مدد کے لیے مجھے ایک کمرہ میں بند کر کے اُسے تالا لگا دیا۔ جتھہ ڈپو میں میری تلاش میں پہنچا تو اس کو کسی نے بتا دیا کہ مَیں کمرہ میں بند ہوں۔ بلوائیوں نے تالا کو توڑ دیا اور مجھے گھسیٹ کر باہر نکالا اور زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ مگر عین اس وقت ملٹری کا ٹرک اس طرف آ گیا جس کو دیکھ کر وہ بھاگ گئے۔"

۷۔ مولوی فضل الدین صاحب بنگوی[1] دکاندار کارخانہ بازار شہر لائلپور ایک حلفیہ بیان میں لکھتے ہیں :-

"۶ر مارچ ۱۹۵۳ء کو مخالفین احمدیت احرار وغیرہ نے جلوس نکالا جس میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کے خلاف نہایت ہی فحش گالیاں اور نعرے لگا رہے تھے اور شہر لائل پور میں ہڑتال کروا دی گئی تھی۔

اس جلوس نے کارخانہ بازار میں احقر فضل الدین بنگوی نمک فروش کی دکان کو فحش نعرے لگاتے ہوئے دن دہاڑے لوٹ لیا۔ اور ۱۹۵۱ء کی طرح نمک کا ڈھیر جو کہ ۳۰ر ۴۰ من کے قریب تھا اور دکان کا سب سامان ترازو اور بٹے اور بوریاں اور ٹاٹ سب اٹھا کر لے گئے اور بوجہ ہڑتال کے مَیں دکان پر نہیں آیا۔ بلکہ اپنے گھر پر ہی رہا تھا تاکہ جلوس والوں کو فتنہ فساد کا موقعہ نہ ملے مگر باوجود اس کے پھر بھی شرپسند دکان سے سب مال اور سامان وغیرہ کو لوٹ کر لے گئے۔

پھر اس کارخانہ بازار سے گزر کر جلوس ریلوے اسٹیشن لائلپور کی طرف روانہ ہوا اور ان کے راستہ میں احقر کا مکان تھا جس پر انہوں نے خشت باری کی۔ اس دوران میں ہمارے ہمسایہ مکرمی محمد الدین صاحب بٹ نے بندہ کو اور میرے بال بچوں کو اپنے گھر میں پناہ دے کر ہماری پوری حفاظت کی اور جلوس میں اپنے واقف کاروں کو جو شامل تھے لعنت ملامت کر کے پیچھے ہٹا دیا۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ۔

پھر یہ جلوس آگے ریلوے لائن پر جا کر اسٹیشن کے قریب نہایت ہی اشتعال انگیز نعرے لگانے لگا جس پر پولیس نے ان کو منتشر ہونے کو کہا مگر جلوس منتشر نہ ہوا۔ جس پر پولیس نے لاٹھی

---

[1] ولادت ۲۰ر جون ۱۹۰۰ء وفات ۸ر اگست ۱۹۸۹ء

چارج کی۔ پھر بھی جلوس منتشر نہ ہوا۔ آخر شام چار بجے کے قریب پولیس نے گولی چلائی۔

۷ مارچ ۱۹۵۳ء کو باوجود کرفیو کے شرپسندوں نے شام کو جلوس نکالا۔ افسران نے اُن کو روکا مگر وہ باز نہ آئے جس پر چنیوٹ بازار میں گولی چلا کر اُن کو منتشر کیا گیا۔" لے

۷۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب دیالگڑھی مربی ضلع لائلپور کی ذاتی ڈائری میں لکھا ہے :۔

۴ مارچ ۱۹۵۳ء

"درس دیا۔ آج دن بھر ہڑتال رہی جس کے متعلق رات مفسدین نے اعلان کرایا دن بھر غنڈوں اور ہلڑ بازوں کے ہجوم گندے اور مشتعل نعرے لگاتے ہوئے گھومتے رہے۔

۵ مارچ ۱۹۵۳ء

درس دیا۔ شہر کی حالت آج بھی خراب رہی۔ گو ہڑتال نہیں تھی لیکن لوگوں میں اشتعال شدید پایا جاتا تھا۔ جگہ جگہ لوگوں کی ٹولیاں فسادات کے متعلق باتیں کرتی پائی گئیں کہ احمدیوں کو لوٹ لینا مار دینا بالکل جائز ہے

۶ مارچ ۱۹۵۳ء۔ آج احمدی احباب کو مشورہ دیا گیا کہ چونکہ فسادیوں کے ارادے

لے اخبار "اعلان" (لائلپور) مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۵۱ء نے ص ۲ پر لکھا کہ کارخانہ بازار میں جو فضل الدین مرزائی نمک فروش کا اڈہ ہے ہم اس کی تبلیغ برداشت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ہم پولیس کو مطلع کرتے ہیں کہ وہ کل صبح نو بجے سے پہلے پہلے کارخانہ بازار سے مرزائیت کے نمک فروشی کے اڈے کو اٹھا دیں ورنہ ہم خود انتظام کریں گے۔"

یہ انتظام کس طرح کیا گیا؟ اس کا ذکر تحقیقاتی عدالت کے فاضل ججوں نے بایں الفاظ کیا :۔

"لائلپور میں "یوم تشکر" ۲۰ اپریل ۱۹۵۱ء کو منایا گیا جہاں ایک بہت بڑے جلسے میں غلام نبی جانباز نے ایک احمدی دکاندار فضل دین کو دھمکی دی کہ تمہارا حشر بُرا ہوگا۔ چنانچہ ۷ مئی کو دن دہاڑے اس دکاندار پر اس کی دکان کے اندر ہی حملہ کیا گیا" (رپورٹ صـ۲۹ـ)

لے وفات ۴ اگست ۱۹۸۳ء

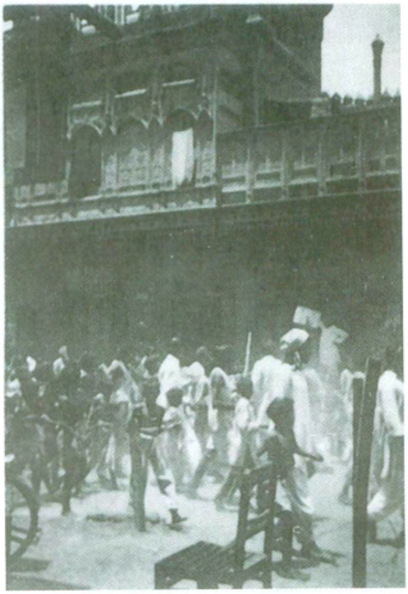

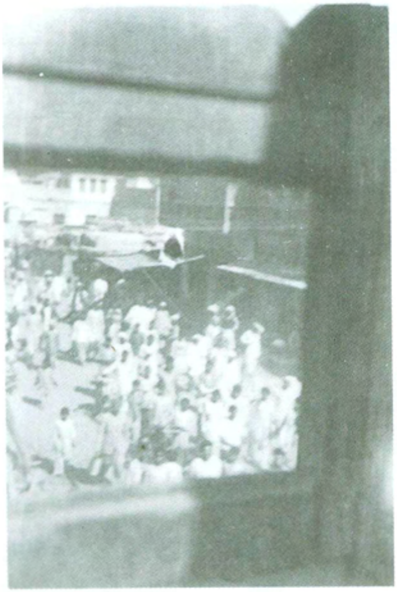

احمدیہ بیت الفضل فیصل آباد فسادات ۱۹۵۳ء کے دوران میں

احمدیہ بیت الفضل فیصل آباد فسادات ۱۹۵۳ء کے دوران میں

بہت گندے اور امن شکن ہیں اس لیے احمدی احباب اپنے اپنے گھروں کی حفاظت کریں۔ اور نماز جمعہ بھی گھر پر ہی ادا کریں۔ بیت الذکر[1] میں صرف چند آدمی جمعہ کے لیے آئے۔ باقی اپنے گھروں کی حفاظت کرتے رہے۔ عصر کی نماز کے بعد قریباً چار ہزار آدمیوں کا ہجوم ہماری بیت الذکر پر حملہ آور ہوا۔ ۲۵ منٹ تک انہوں نے ہماری بیت الذکر کو گھیرے رکھا۔ خشت باری کی۔ آگ لگانے کے مشورے کیے۔ مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے ناکام رہے۔ حملہ کے وقت خاکسار کے ہمراہ علی محمد خادم بیت الذکر، بھائی غلام محمد جلد ساز۔ مستری محمد صدیق اور شیخ عبدالمجید بیت الذکر میں تھے۔

۷ / مارچ ۱۹۵۳ء

آج ربوہ کی طرف سے آنے والی جناب ایکسپریس کو فسادیوں کے ہجوم نے طارق آباد کے قریب روک لیا۔ شورکوٹ کی طرف سے آنے والی گاڑی کو بھی سگنل سے باہر روک لیا گیا۔ جب ہجوم لوٹ مار، ریل کی پٹریوں کو جلانے اور اکھاڑنے میں مصروف ہو گیا تو پولیس کو مجبور ہو کر گولی چلانا پڑی جس کے بعد شہر کی حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی۔ اور خطرہ بڑھ گیا۔ چھ بجے شام سے کرفیو لگا دیا گیا لیکن لوگوں نے کرفیو کا مذاق اڑایا۔

۸ / مارچ ۱۹۵۳ء

کل فسادیوں اور لوٹ مار کرنے والوں پر جو گولی پولیس کو تنگ آکر چلانی پڑی اور اس میں جو تین آدمی ہلاک ہوئے وہ چونکہ احراریوں کے عظیم الشان "شہداء" تھے اس لیے بہت بڑے جلوس کے ہمراہ ان کا جنازہ اٹھایا گیا اور خوب مظاہرہ کیا گیا تاکہ فضا زیادہ سے زیادہ خراب ہو اور ملک کا امن بالکل برباد ہو جائے۔

آج شام جب کرفیو لگایا تو ساتھ اعلان کر دیا گیا کہ اگر کسی نے قانون کی ہتک کی تو اُسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ فسادیوں کے ایک ہجوم نے کرفیو توڑا جس پر ملٹری کو گولی چلانا پڑی۔

۹ / مارچ ۱۹۵۳ء

کرفیو آرڈر ۳ بجے بعد دوپہر تک لگایا گیا تھا لیکن سمندری روڈ پہ فسادیوں کے اجتماع اور ملٹری فائرنگ کی وجہ سے کرفیو کل صبح پانچ بجے تک بڑھا دیا گیا۔

---

[1] اصل ڈائری میں جو شعبہ تاریخ احمدیت میں محفوظ ہے "بیت الذکر" کی بجائے مسجد کا لفظ ہے (ناقل)

۱۰ مارچ ۱۹۵۳ء

لائلپور کے ڈی سی کے تدبر اور نیک نیتی سے قیام امن کی کوششوں سے احرار کا فتنہ دب گیا۔ کرفیو آرڈر نے فسادیوں کے حوصلے توڑ دیئے۔

مضافاتِ لائلپور کے واقعات

تحقیقاتی عدالت (فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء) کی رپورٹ میں ضلع لائلپور کے متعلق لکھا ہے:-

"ضلع کے جن دوسرے قصبوں پر شورش کا اثر ہوا وہ یہ تھے، چک جھمرہ، جڑانوالہ، ڈجکوٹ سمندری، تاندلیانوالہ، گوجرہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ اور کمالیہ وغیرہ۔ لیکن ان مقامات پر قوت کے استعمال کی ہرگز ضرورت نہیں پڑی اور احمدیوں کے جان و مال کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا" [1]

لیکن عدالتی بیان صدر انجمن احمدیہ میں لکھا ہے کہ:-

"لائلپور کے مضافات اور دوسرے چکوں میں احمدیوں پر آلاتِ قتل سے حملے کیے جاتے تھے جس کے نتیجہ میں بارہ احمدیوں کو شدید ضربات پہنچیں اور بہت سے احمدیوں کا پولیس نے خلافِ قانون چالان کیا"

ضلع لائلپور کے متعلق رپورٹ اور عدالتی بیان دونوں میں بہت ہی اختصار سے کام لیا گیا ہے حالانکہ شہر لائلپور کی طرح ضلع لائلپور کے قصبات و دیہات میں بھی احمدیوں کے خلاف انتہائی دلآزار ہنگامے کھڑے کیے گئے جیسا کہ مندرجہ ذیل بیانات سے عیاں ہوگا:-

چک جھمرہ

۱۔ بیان جناب محمد یوسف صاحب بی اے بی ٹی:-

"میں ڈی۔ بی ہائی سکول چک جھمرہ کا سیکنڈ ماسٹر ہوں اس قصبہ میں تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں مقامی مجلسِ احرار نے نہایت اشتعال انگیزی سے کام لیا۔ کوئی مہینہ بھر سے احمدیوں کا مکمل بائیکاٹ تھا۔ نہ انہیں بازار سے سودا ملتا تھا نہ وہ کسی جگہ آزادانہ آ جا سکتے تھے۔ دن بھر جلوس نکلتے جن میں جماعت احمدیہ کے بزرگوں کو فحش زبان کا لیا دی جاتیں اور احمدی گھروں کے سامنے ان کی بہو بیٹیوں کے نام لے لے کر گندے نعرے لگائے جاتے۔

---

[1] رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۱۸۹ (اردو)

مورخہ ۷ مارچ بروز ہفتہ یہ اشتعال انگیزی انتہا تک پہنچ گئی۔ تقریباً ساڑھے چار بجے بعد دوپہر اچانک شہر میں ہلڑ مچ گیا۔ لوگ اِدھر سے اُدھر دوڑتے بھاگتے لگے۔ شور میں صاف آوازیں آ رہی تھیں کہ "مجلس عمل" نے فیصلہ دیدیا ہے کہ مرزائیوں کو لوٹ لو۔ مار دو۔ ان کے مکان جلا دو۔

میرے مکان کے سامنے ایک مخالف رہتے ہیں۔ یہ مشتعل ہجوم کو اور زیادہ اشتعال دلانے کے لیے میرے مکان کی طرف اشارہ کر کے پکارنے لگے۔ "اے مسلمانو! تم ان مجاہدوں کی اولاد ہو جو فولادی قلعے توڑ دیتے تھے۔ کیا تم سے یہ معمولی کھڑکیاں دروازے نہیں ٹوٹتے"۔

ہجوم میں کچھ اس قدر جوش و خروش تھا کہ بس یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا ایک لحہ میں ہی یہ لوگ دروازے توڑ کر اوپر آیا چاہتے ہیں اور ہم سب کو تہ تیغ کر ڈالیں گے۔ میرے بیوی بچے بے اختیار ہو کر چیخ پکار کرنے لگے۔ اس مکان کی نچلی منزل میں ایک مہاجر کنبہ رہتا ہے۔ یہ گریہ وزاری دیکھ کر ان کی ایک عورت نے میری بیوی سے اصرار کیا کہ ہم سب سے نیچے چلیں تاکہ وہ ہمیں اپنے مکان کی پچھلی کوٹھڑی میں مقفل کر دے اس طرح شاید بچاؤ کی کوئی صورت پیدا ہو جائے مگر سامنے کی ایک اور ہمسائی نے اسے دیکھ لیا اور وہ پکاری کہ تو انہیں کب تک چھپائے گی۔ لوگ تو ابھی پہنچ رہے ہیں۔ چنانچہ ہم نے نیچے جانے سے انکار کر دیا۔ اس اثنا میں شام کا دھندلکا ہو گیا اور ہم ایک ایک کر کے مکان کھلا چھوڑ کر نکل گئے اور ایک لمبے راستے سے کھیتوں میں سے ہوتے ہوتے موضع بھگوان سنگھ والا میں جہاں کہ ایک احمدی زمیندار خاندان بستا ہے گرتے پڑتے پہنچ گئے۔ دوسرے روز دو اور احمدی خاندان اسی صورتِ حالات میں وہاں پناہ گزین ہوئے۔ ۳/۴ روز بعد قدرے امن ہونے پر ہم واپس اپنے گھروں میں آ گئے۔

بائیکاٹ پھر بھی جاری رہا اور جلوس نکلتے رہے مگر جوش و خروش کافی مدھم پڑ چکا تھا۔ مقامی چوکی پولیس کے ہیڈ کانسٹیبل سید محمد یوسف شاہ اور ایک اور کانسٹیبل منشی سدے خان گاہ گاہ جماعت احمدیہ کے افراد کی خبر گیری کرتے رہے۔ ۳ اپریل بروز جمعہ اچانک پولیس افسران میرے مکان پر آئے اور تمام مکان کی تلاشی لے لی مگر کسی قسم کا قابلِ اعتراض لٹریچر برآمد نہ ہوا۔"

۲۔ بیان جناب مولوی عبدالغنی صاحب عربک ٹیچر ڈی۔ بی۔ ہائی سکول چک جھمرہ:۔

"میرا مکان جو کہ ریلوے لائن کے بالکل سامنے ہے اور سرکاری گندم کے گودام کے بالکل متصل ہے میرے پڑوس میں دو آدمی رہتے ہیں ۔ یہ دونوں احراری ہیں ۔ اور انہوں نے لوگوں کو احمدیت کے خلاف سخت اشتعال دلایا۔ ایک کا لڑکا چاقو میرے بچوں کو دکھاتا تھا اور بچوں کو دھمکی دیتا تھا کہ تمہارا پیٹ چاقو سے پھاڑ دوں گا۔ کئی دفعہ اس نے میرے بچوں کو زدوکوب کیا۔ ہمارے مکان پر جلوس والے چار پانچ مرتبہ آئے ۔ صرف ایک دفعہ پولیس کے دو سپاہی ساتھ تھے ورنہ پولیس جلوس کے ساتھ نہیں ہوتی تھی۔ میرے مکان کے سامنے جلوس والے گندی گالیاں نکالتے اور دروازے کھڑکیاں توڑنے کی کوشش کرتے لیکن ہم دروازے اور کھڑکیوں کو اندر سے مضبوطی کے ساتھ دھکیل کر کھڑے رہتے ۔ ایک مرتبہ انہوں نے دروازے کی چق توڑ پھوڑ ڈالی کھڑکی کھول لی اور میری بیوی اور بیٹی کو دیکھ کر کہنے لگے کہ .....ہم مرزائیوں کی بیٹیاں نکال کر لے جائیں گے اور مکانوں کو آگ لگادیں گے ۔

۸ مارچ بروز اتوار دوپہر کے وقت میرے مکان پر قریباً پچاس آدمیوں نے حملہ کر کے سخت گالیاں دیں اور ہم کو قتل کر دینے کی دھمکیاں دیں ۔ دو گھنٹے بعد میرے بیوی بچے محبوب الٰہی کے مکان پر چلے گئے اور ان کے بچوں کے ساتھ ایک نزدیکی موضع میں ایک احمدی کے گھر پہنچ گئے ۔ جب جھمرہ سٹیشن پر ملٹری آگئی تب واپس اپنے گھروں میں آ گئے اور ہم کو دیکھ کر پھر لوگوں نے ہمیں مغلظ گالیاں دیں لیکن ہم نے صبر کیا۔"

۳ ۔ بیان سید عبد اللہ شاہ صاحب جنرل مرچنٹ :-

"دکان کے لٹ جانے کے خوف سے مجھے اکثر ایام میں اُسے بند ہی رکھنا پڑتا تھا ۔ ۴ مارچ کو حالات نہایت شدّت اختیار کر گئے ۔ ریلوے سٹیشن چک جھمرہ پر مشتعل لوگوں نے کئی مسافر گاڑیاں روک رکھی تھیں ۔ اور اس قدر شور و غوغا بر پا تھا کہ کان پڑی آواز سُنائی نہیں دیتی تھی۔ ۷ مارچ کو حالات اور بگڑ گئے اور کوئی چار بجے شام کے قریب تو اچانک یہ نعرے لگنے لگے ۔

"مجلس عمل نے یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ مرزائیوں کے مکان جلا دو ۔ مرزائیوں کو لوٹ لو ۔ مار دو۔"

ہر لحظہ مکان پر حملہ کا خوف تھا ۔ باہر راستے رُکے ہوئے تھے کسی طرف جان بچا کر

نکل جانا ناممکن نظر آتا تھا۔ مجبوراً خدا کا نام لے کر بیوی سمیت مکان میں دبکا بیٹھا رہا۔ کچھ رات گزرنے پر ایک ہمدرد ہمسائے نے آکر اطلاع دی کہ آپ فوراً مکان سے نکل جائیں سخت خطرہ ہے۔ چنانچہ میں اپنے بیوی بچوں اور ضعیف والد صاحب کو ساتھ لیے رات کی تاریکی میں مکان سے نکل گیا اور ہم چھپتے چھپاتے راتوں رات ۱۲ میل فاصلہ طے کر کے نہایت خستہ حالی میں موضع ستھوئی والہ میں پہنچ گئے۔ جہاں میرے ایک رشتہ دار رہتے ہیں۔ دوسرے دن اطلاع ملی کہ واقعی ہمارے مکان سے نکل جانے کے بعد حملہ آور آئے اور دروازہ توڑنے کی کوشش کی۔ چکیں جلا ڈالیں۔ ایک ہمسایہ کے گھر کے راستے سے اوپر کوٹھے پر چڑھ گئے۔ مگر ہمیں موجود نہ پا کر غیظ و غضب کی حالت میں واپس لوٹے۔ ہم ستھوئی والہ میں تقریباً ۱۰ دن پناہ گزیں رہے۔ حالات قدرے درست ہونے پر واپس اپنے گھر آئے۔ ابھی تک اس بائیکاٹ اور اشتعال انگیزی کا میرے کاروبار پر بہت بُرا اثر ہے ..... مورخہ ۳ اپریل کو اچانک میرے مکان کی مکمل تلاشی ہوئی مگر پولیس کو کوئی قابلِ اعتراض چیز نہ ملی۔"

چک نمبر ۲۶۱/ ج۔ب تحصیل لائلپور

۴۔ بیان چوہدری عبدالرحمٰن صاحب :-

"میں چک نمبر ۲۶۱ کا باشندہ ہوں۔ اس چک میں تین گھر احمدیوں کے ہیں۔ مورخہ ۴ مارچ بوقت چار بجے شام میرے گاؤں کے تین چار صد آدمیوں نے جلوس بنایا اور میرے گھر آئے۔ جلوس میں شامل آدمیوں نے میرے گھر کی کچی دیوار گرا دی۔ تنور گرا دیا۔ چبوترا اکھیڑ دیا۔ گالیاں نکالیں۔ گھر میں پتھر پھینکے۔ میری دو لڑکیوں کو مارا۔ دوسرے دو احمدیوں کے گھروں پر بھی گئے۔ مگر ان کے گھر میں داخل نہ ہوئے۔ باہر سے ہی پتھر مارتے رہے۔ ڈچکوٹ تھانہ میں رپورٹ کی۔ تھانیدار نے گاؤں کے دس سرکردہ آدمیوں کو بلایا۔ سمجھایا اور اس طرح امن ہو گیا۔"

چک ۱۹۴ R.B تحصیل جڑانوالہ

۵۔ بیان حکیم رحیم بخش صاحب :-

میرے چک میں قریباً تیس گھر احمدیوں کے ہیں اور ان احمدیوں کی برادری کے قریباً ساٹھ گھر ہیں۔ مارچ کے پہلے ہفتہ میں تین مولوی کار میں دیہات کا دورہ کر رہے تھے۔ کار میں لاؤڈ سپیکر تھا۔ یہ کار مولویوں سمیت ہمارے چک میں قریباً دو بجے

دوپہر آئی ۔ان مولویوں نے نہایت اشتعال انگیز تقریریں کیں ۔ لوگوں کو کہا کہ وہ احمدیوں کو ماریں اور لوٹیں مگر برادری کے نیک اثر کی وجہ سے گاؤں میں شرارت پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے ۔"

قریباً ۴ر ۵ رمارچ کو ہمارے گاؤں کے قریباً دس احمدی طلباء لکڑیانوالہ ڈی ۔بی مڈل سکول میں گئے تو سکول کے طالب علموں نے اُن کو مارا ۔ پولیس کو رپورٹ دی ہیڈ ماسٹر نے ہم سے کہا کہ لڑکوں کو سکول نہ بھیجا کریں ۔ حالات قابو سے باہر ہیں ۔ مورخہ ۳ر اپریل کو بغیر کسی وجہ کے میرے گھر کی تلاشی لی لیکن پولیس کوئی چیز قابل مؤاخذہ و اعتراض قبضہ میں نہ لے سکی ۔"

ڈچکوٹ

۶ ۔ بیان جناب محمد عبداللہ صاحب :-

" میں منڈی ڈچکوٹ میں دکان آڑھت کرتا ہوں ۔ دکان مذکورہ میں میرا حصہ دار غیر احمدی مسمی غلام مرتضیٰ تھا ۔ غیر احمدیوں نے میرے حصہ دار کو مجبور کر کے جبراً مجھے دکان سے علیحدہ کروا دیا ۔ اور بائیکاٹ کر دیا ۔ اب میں نے اسی شہر میں دوسری جگہ دکان حاصل کر لی ہے لیکن میرا مکمل بائیکاٹ ہے اور کسی گاہک کو میرے پاس نہیں آنے دیا جاتا ۔ مورخہ ۵ رمارچ کو میرے گاؤں چک نمبر ۱۳۲ میں جلوس نکالا گیا اور میرے گھر پر حملہ کے لیے آئے مگر بعض لوگوں اور پڑوسیوں کے روکنے سے وہ شرارت سے باز رہے ۔"

سمندری

۷ ۔ چوہدری محمد نواز صاحب آڑھتی نے انہی دنوں بتایا کہ :-

" میں احمدی ہوں جو کہ بمقام سمندری آڑھت کرتا ہوں ۔ مارچ ۱۹۵۳ء کو شورش میں میرا پورا پورا بائیکاٹ کیا گیا اور .... تقریباً چار ہزار روپیہ جو کہ میرا غیر احمدی اصحاب کے ذمہ واجب الوصول تھا میرے خلاف پراپیگنڈا کر کے روپیہ ضبط اور خرد برد کروا دیا گیا ہے ۔ بلکہ یہاں تک کہ کسی غیر احمدی دوست کو اب تک بھی میری دکان پر آنے نہیں دیا جاتا ۔ اس ناجائز فعل سے مجھے سخت نقصان ہوا ہے ۔"

جڑانوالہ

۸ ۔ جماعت احمدیہ جڑانوالہ کو ایام فسادات میں کن صبر آزما حالات سے دوچار ہونا پڑا ؟ اس کا کسی قدر نقشہ جڑانوالہ کے تین احمدیوں کے بیانات سے سامنے آسکتا ہے :-

۹۔ "شیخ عبدالرحیم صاحب صراف جڑانوالہ نے بیان دیا کہ "مجھے جو فسادات گزشتہ میں تکالیف پہنچیں، بعض یہ ہیں :۔

سب سے پہلے میرا بائیکاٹ کر دیا گیا جو اب تک جاری ہے۔ ایک شخص..... جس کی دکان بزازی ریل بازار میں ہے اس نے میرے -/۸۸ روپے دینے تھے۔ اس کی طرف میں نے اپنے بھائی کو قرض وصول کرنے کے لیے بھیجا مگر اس نے کہا اگر مجھ سے روپے مانگے تو میں آپ کا پیٹ پھاڑ دوں گا۔ اس طرح میرا پانچ سو روپیہ مختلف اشخاص نے نہیں دیا۔ ایک دفعہ میں نے ٹال سے ایندھن منگوایا اور ایندھن گھر میں رکھوا لیا۔ ٹال والا زبردستی ۱۵ افراد کیسا تھ آ کر گھر سے ایندھن اٹھوا کر لے گیا۔ اس طرح میں ایک دفعہ گوشت لینے کے لیے گیا تو انہوں نے گوشت دینے سے انکار کر دیا اور ایک شخص احراری دکان پر بیٹھا بتا تا تھا کہ یہ شخص مرزائی ہے اس کو گوشت نہ دو۔ اگر دیا تو جوتوں سے مرمت ہوگی۔ اسی طرح ایک دن سبزی لینے گیا تو سبزی والے نے انکار کر دیا۔ کچہری بازار میں میری دکان ہے اور یہاں پر اکثر صرّافوں کی دکانیں ہیں۔ اس لیے برادری کی طرف سے میرا ابھی تک مکمل بائیکاٹ ہے اگر کوئی باہر سے گاہک دکان پر آجائے تو اس کو یہ کہہ کر دکان سے لے جاتے ہیں کہ آپ کو شرم نہیں آتی کہ مسلمان ہو کر مرزائی کی دکان پر جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک بیوپاری جس کا نام عبدالمجید زرگر گجرانوالہ کا ہے وہ تمام صرافوں کی دکانوں کو چاندی کا مال تیار کر کے سپلائی کرتا ہے۔ میری برادری نے اُس کو آرڈر دیا ہے کہ تم نے عبدالرحیم کو مال دیا تو ہم آپ سے قطع تعلق ہو جائیں گے...... اس وقت میری دکان کی حالت یہ ہے اور کاروبار پر اتنا اثر پڑا ہے کہ کوئی ڈرتا دکان پر قدم نہیں رکھتا۔ میرے پاس جو کچھ نقدی وغیرہ تھی اسی کو کھا رہا ہوں۔ گڑبڑ کے دوران میں میرے گھر کے سامنے سے جلوس گزرتے رہے اور گھر کے سامنے ٹھہر کر بہت گالیاں دیتے۔ گڑبڑ کے بعد میرے گھر کی تلاشی لی گئی مگر کوئی چیز قابلِ اعتراض برآمد نہ ہوئی"

۱۰۔ ایک بیوہ احمدی خاتون محترمہ سردار بیگم صاحبہ نے اپنی دردناک آپ بیتی مندرجہ ذیل الفاظ میں لکھوائی :۔

"میرے خاوند چوہدری دوست محمد خان صاحب ایم۔ اے (علیگڑھ) بی ٹی گولڈ میڈلسٹ

جڑانوالہ گورنمنٹ ہائی سکول میں سیکنڈ ہیڈ ماسٹر تھے ۔ عرصہ چار سال کا ہو گیا ہے ۔ وہ وفات پا چکے ہیں ۔ میں ہوشیار پور کے ایک معزز گھرانہ سے تعلق رکھتی ہوں اور اب میں جڑانوالہ میں مقیم ہوں ۔ میرے پاس چھوٹا لڑکا جس کی عمر آٹھ نو سال کی ہے رہتا ہے ۔ اور پانچویں جماعت میں پڑھتا ہے ۔ جس دن سے احمدیوں کے خلاف مولویوں نے اعلان کر دیا کہ ان کو مارا پیٹا جائے اور ان کو دُکھ دینا اور مارنا کارِ ثواب ہے اس دن سے میرے بچے کو اسکول میں دوسرے بچے دُکھ دیتے تھے ۔ جس وقت اس کو اکیلا دیکھتے تو اُسے چڑاتے ۔ ایک دن میرے بیٹے کو خوب پیٹا گیا اور اُسے کہا گیا کہ جب تک تم چوہدری ظفر اللہ خاں اور بانی سلسلہ احمدیہ کو گالیاں نہیں نکالو گے ہم تمہیں مارنا بند نہیں کریں گے ۔ آخر ان لڑکوں نے میرے بچے کو اس وقت چھوڑا جب میرے بچے نے چوہدری ظفر اللہ کو غدّار کہدیا اور بڑی مشکلوں سے چھوٹ کر روتا روتا گھر آیا ۔ ایک دن بڑے بڑے لڑکے اس کی جوتی اٹھا کر لے گئے ۔ جلوس نکلنے کی وجہ سے سب دکانیں بند تھیں ۔ اس لیے اور جوتی خریدی بھی نہ جا سکی اور نہ ہی میرے پاس کوئی آدمی جوتا لا کر دینے والا موجود تھا ۔

ایک رات کچھ لڑکے میرے مکان میں داخل ہوئے ۔ پھولوں کے گملے اور چند برتن اٹھا کر لے گئے ۔ ان کے علاوہ اور بھی نقصانات ہوئے ۔

ہر روز کئی کئی جلوس نکالے جاتے اور ہمارے گھر کے سامنے آکر خوب مظاہرہ کرتے اور خوب ناچتے ۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ اور ہم احمدیوں کا سیاپا کیا جاتا ۔ ایک لڑکے کا منہ کالا کر کے اس کو چارپائی پر لٹا کر اُسے اٹھاتے پھرتے اور کہتے کہ یہ ظفر اللہ کا جنازہ ہے ۔ ایک آدمی کو جوتوں کا ہار پہنا کر جلوس کے آگے نچایا جاتا اور اُسے گالیاں دی جاتیں کہ یہ مرزا غلام احمد ہے اور ہمارے گھر کے چاروں طرف گھومتے ۔ گندی گالیاں دی جاتیں جو لکھی بھی نہیں جا سکتیں ۔ مَیں اور میرا چھوٹا بچہ دروازے بند کر کے اندر بیٹھے رہتے ۔ پھر مکان پر پتھراؤ کیا جاتا ۔ بہت زور سے پتھر ہمارے مکانوں اور کھڑکیوں پر آکر لگتے ۔ ہمارے روشندانوں کے شیشے سب توڑ دیئے گئے جن کی اب تک مرمت نہیں کروائی جا سکی ۔

ایک عورت جو میرے گھر میں کام کرتی تھی اُسے روپوں کا لالچ دے کر ہمارے گھر میں کام کرنے

سے روک دیا گیا۔ ہم احمدیوں سے بائیکاٹ کیا گیا اور سودا سلف دینے سے دوکانداروں کو منع کر دیا گیا۔ ایک دن میرا بچہ سبزی لینے گیا۔ دکاندار نے اُسے سبزی دے کر پیسے لے لیے اور بعد ازاں سبزی چھین لی۔ اور بچہ روتا روتا گھر آگیا۔ ہمارے پاس آٹا ختم ہو گیا تھا اور آٹا پسایا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اس لیے ہم دو دن بغیر آٹے کے رہے۔

دودھ والی سے کہا گیا کہ ان کو دودھ نہ دیا کرے مگر وہ وفادار نکلی اور خفیہ طور پر دودھ دے جاتی۔ بھنگن کو بھی بند کرنے کی کوشش کی گئی۔ ہم چائے پی کر اندر خاموشی سے بیٹھے رہتے۔ ایک دن ہمیں ایندھن کی بہت تنگی آئی۔ ایک دن ہمارے گھر کو آگ لگانے کی سکیم تھی۔ چند لوگ ہمارے گھر کی طرف آئے کچھ اشارے کرتے رہے مگر واللہ اعلم کیا وجہ ہوئی منتشر ہو کر چلے گئے۔ شاید پولیس والے گشت پر آتے نظر آئے ہوں۔ ہماری کھڑکیوں کو جالی لگی ہوتی تھیں۔ یہ سب کچھ ہمیں نظر آتا تھا۔ مجھے ساری ساری رات جاگنا پڑتا جس کی وجہ سے میری صحت خراب ہو گئی اور ابھی تک مکمل درست نہیں ہوئی۔ نوکرانی کے ہٹائے جانے سے سارا کام خود کرنا پڑتا۔ دھوبی کے پاس ہمارے کپڑے گئے ہوئے تھے۔ اس نے کپڑے دینے سے انکار کر دیا۔

ایک دن پولیس نے ہمارے مکان پر چھاپہ مارا اور تلاشی لی۔ صرف مَیں اور میرا چھوٹا بچہ اس وقت گھر پر تھے۔ لوگ ہمارے گھر کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ پولیس نے مجھے یہ موقع نہ دیا کہ مَیں کسی عزیز کو بلا لیتی۔ جس طرح ڈاکوؤں کے گھر میں داخل ہوتے ہیں اسی طرح ہمارے گھر میں داخل ہوئے۔ (ناقل) بچہ کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس وقت مجھ پر بہت خوف طاری ہوا۔ پولیس نے گھر کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے گھر میں سے کوئی بھی قابلِ اعتراض چیز نہ نکلی۔ جس وقت پولیس نے چھاپہ مارا اس وقت عصر کا وقت تھا مَیں نماز پڑھنے لگی تھی۔ انہوں نے کہا ہمارے ساتھ ہو کر گھر کی تلاشی دلاؤ۔ مَیں نے کہا پہلے مجھے عصر کی نماز پڑھ لینے دو سپاہیوں نے مجھے ایسا کرنے سے روکا لیکن تھانیدار نے کہا ہاں پڑھ لو۔ ایک دن مجھے ہمسایوں میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ آپ بہنوں جیسی ہیں اس لیے آپ کے لیے بہتر ہے کہ آپ مکان چھوڑ کر کہیں چلے جائیں یا احمدیت سے انکار کر دیں۔

انہوں نے کہا کہ آپ کی یہاں خیر نہیں۔ پبلک کے تمہارے متعلق بہت بُرے ارادے ہیں۔ میں نے کہا میں نہ مکان چھوڑ کر جاسکتی ہوں اور نہ احمدیت سے انکار کرسکتی ہوں لیکن میرے دل میں خوف ضرور تھا کہ کہیں ان لوگوں کو میرے جواب سے طیش نہ آجائے۔

یہ ہیں مشکلات جن کا ہمیں سامنا کرنا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم ایک لمبا عرصہ تک حبس اور خوف وہراس کی حالت میں رہے ہے۔"

۱۱۔ جناب محمد حسین صاحب سیکرٹری امور عامہ جڑانوالہ اپنے ایک بیان میں لکھتے ہیں کہ۔

"ان دنوں عبدالرشید ولد عبدالرحمٰن مہاجر طالب علم کو دو دفعہ پیٹا گیا۔ ایک دفعہ بازار میں بعض دکانداروں نے پیٹا۔ جب وہ اپنے کام سے وہاں سے گزر رہا تھا اور دوسری دفعہ جب وہ سکول میں تعلیم کے لیے گیا اس کا سر پھٹ گیا۔

افتخار احمد طالب علم کو جس کی عمر قریبًا آٹھ سال ہے سکول میں لڑکوں نے مار مار کر مجبور کیا کہ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کو گالیاں دو اور چوہدری ظفراللہ خاں کو غدار کہو۔ اُسے اس وقت تک پیٹتے رہے جب تک اُس نے مجبور ہو کر چوہدری ظفراللہ خان کو غدار نہ کہا۔ نہ ماسٹر نے شکایت سُنی اور نہ کسی لڑکے نے اُسے بچایا۔ بچہ کئی دن تک سکول نہ گیا۔

گرلز سکول میں احمدی لڑکیوں کو روزانہ گالیاں دی جاتی رہیں یہاں تک کہ سیّد عنائت علی شاہ زیروی کی لڑکی امتحان میں سے اُٹھ کر گھر کو چلے آنے پر مجبور ہوگئی۔ اور آئندہ تعلیم سے محروم ہوگئی۔ میاں محمد شریف صاحب اور چوہدری سردار احمد صاحب کی لڑکیوں کو بھی سکول چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ اُستانی کو جب شکایت کی گئی تو اس نے (اُلٹا) ہماری لڑکیوں کو ڈانٹا اور کہا تم کو جتنا پیٹا جائے تھوڑا ہے۔ تم نے ہزاروں مسلمانوں کو گولیوں سے مروایا ہے۔ ڈاکٹر محمد انور صاحب امیر جماعت احمدیہ جڑانوالہ کی چھوٹی بچی جو بازار سے کچھ سودا لانے کے لیے جارہی تھی کسی نے اُسے دھکا دیا اور پانچ روپیہ کا نوٹ اس سے چھین لیا۔" [1]

---

[1] ۔ڈاکٹر صاحب موصوف نے محترم ملک فضل حسین صاحب کو بتلایا کہ کسی شخص نے میری بچی کو دھکا دیا اور پانچ روپے کا نوٹ چھین کر کہنے لگا کہ مرزائیوں کا سب کچھ چھین لینا جائز ہے اور اپنی راہ چلتا بنا۔ کسی نے اُسے نہ ٹوکا۔ وہ بچی روتی ہوئی گھر آئی اور یہ واقعہ سنایا۔

اسی طرح ڈاکٹر صاحب کے بچے محمد اکرم عمر ۶ سال کو بازار میں لڑکوں نے پیٹا۔ نیز میاں عبدالرحیم صاحب صراف کے بچے کو بازار سے گزرتے وقت پیٹا۔"

چک نمبر ۱۱۹ گ ر ب

۱۱۔ میاں فضل دین صاحب قوم جٹ پیشہ زمیندار نے باقرار صالح مندرجہ ذیل بیان دیا کہ:۔

"ہمارے گاؤں چک نمبر ۱۱۹ گ ر ب میں عرصہ دو سال سے زیادہ شدت کے ساتھ ہمارے خلاف ہر قسم کی شرارت کی جا رہی ہے۔ مورخہ ۱۴ر جولائی ۱۹۵۲ء کو ایک مخالف نے بلا کر ہماری بے عزتی کی اور ڈرایا کہ احمدیت سے توبہ کرو ورنہ تم سب قتل کر دیئے جاؤ گے ہم اپنے عقائد پر ڈٹے رہے جس پر اوّلاً ہمارے ساتھ تمام تعلقات منقطع کر لیے۔ ہمارا حُقّہ پانی بند کر دیا گیا۔ کنوئیں سے پانی لینے سے روک دیا گیا۔ فرداً فرداً سب احمدیوں کو زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ موجودہ شورش میں تمام گاؤں کے گاؤں نے قرآن کریم اپنی لڑکیوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ ہم لڑکیوں سے بُرا کریں اگر ہم ایک ایک مرزائی قتل نہ کر دیں۔ یہ واقعہ ۶ر مارچ ۱۹۵۳ء کا ہے ایک شخص نے ہمیں کہا کہ تم نے ہمارے مولوی پکڑ وائے ہیں۔ اب ہم سے بھلا ایک گھر مرزائیوں کا ختم نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ سب لوگ جلوس کی شکل میں ہمارے گھر کے سامنے اکٹھے ہو گئے اور نہایت فحش قسم کی گالیاں دینی شروع کر دیں۔ ہم اندر سے دروازے بند کر کے بیٹھے رہے۔ بعد میں ان میں سے ایک نے کہا کہ ایک مرزائی نے تھانہ میں جا کر رپورٹ لکھوا دی ہے۔ یہ سن کر سب جلوس منتشر ہو گیا۔ اس طرح ہم بچ گئے۔ پھر ہم رات کو ۸ بجے بچ بچا کر تھانہ جڑانوالہ میں پہنچے۔ انچارج صاحب وہاں گئے اور پچیس آدمیوں کے انگوٹھے اس تحریر پر لگوائے کہ وہ آئندہ شورش نہ کریں گے۔ اس سے پندرہ روز پہلے خاکسار فضل الدین کو بلا کر جوتے لگائے گئے۔ نذیر احمد کو اس قدر زدوکوب کیا گیا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ محمد شریف احمدی کے پیٹ میں چاقو گھونپ دیا گیا مگر خدا کے فضل سے جان سے سب بچ گئے۔"

چک نمبر ۵۶ - ۵۷

۱۲۔ میاں عاشق محمد خان صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ چک ۵۶ - ۵۷ نے بیان دیا کہ:۔

"چک ۵۶ - ۵۵ گ ب تحصیل جڑانوالہ ضلع لائلپور کی جماعت احمدیہ کے خلاف یکم مارچ

تا ۵ ؍مارچ مختلف قسم کے مشورے اور خفیہ اجلاس ہوتے رہے ۔فیصلہ ہوا کہ جو کچھ جمعہ کے خطبہ میں امام مسجد کہے گا اس پر عمل ہو گا ۔ جمعہ کے خطبہ میں مولوی ..... نے کہا کہ مجاہدِ اسلام لاہور وغیرہ شہروں میں اپنی چھاتیوں پر گولیاں کھا رہے ہیں لیکن تم ہو اپنے گھروں میں خواب غفلت میں سو رہے ہو ۔ اب وقت آگیا ہے کہ اس فرقۂ مرزائیہ کے ہر فرد کو موت کے گھاٹ اتار دو ۔ کفن سر پر باندھو ۔ اگر مارے گئے تو شہید ورنہ غازی ۔ ثواب آخرت کے علاوہ اس دنیا کی لوٹ سے حصہ پاؤ ۔ مرزائیوں کی عورتیں تم پر بلا نکاح حلال ہیں ۔ اب ہماری ٹکر حکومت اور مرزائی دونوں سے ہے ۔ انشاء اللہ ہم ان کو مٹا کے چھوڑیں گے ...... بعد نماز جمعہ ایک خوفناک جلوس نکالا گیا جس میں ہے صد نفوس شامل ہوئے کافی تعداد کے پاس مہلک ہتھیار تھے ۔ احمدیوں کے بزرگوں کو دل کھول کر گالی گلوچ کیا گیا اور ہر احمدی کے بند دروازے (کیونکہ احمدیوں نے خوف سے دروازے بند کر لیے تھے) کے سامنے پکارا گیا کہ تمہیں ایک دو دن کی مہلت دی جاتی ہے کہ اپنے غلط عقیدہ کو بدل دو ۔ ورنہ تمہارے گھر بار لوٹ لئے جائیں گے ۔ تمہاری عورتوں کی بے عزتی کی جائے گی اور تمہیں قتل کر دیا جائے گا اور کہا کہ تمہاری عورتوں کی تقسیم اب ہی کر لی ہے ......

افرادِ جماعت کو پابند مسکن کر دیا اور باہر کی دنیا سے ان کا سلسلہ پیغام رسانی توڑ دیا گیا ۔ ہر قسم کی تنگی دی گئی ۔ ۹ ؍مارچ کو پروگرام پر عمل پیرا ہونے کے لیے بعد دوپہر جلوس نکالا گیا ۔ جلوس نہایت خوفناک صورت اختیار کیے ہوئے تھا ۔ ان کے ارادے نہایت برے تھے لیکن قدرتاً تمام گاؤں میں افواہ پھیل گئی کہ عاشق محمد خان احمدی چک نمبر ۵۶ نے تھانہ میں اطلاع کی ہوئی ہے اور پولیس آرہی ہے ۔ اس افواہ نے دشمنوں کے منصوبہ کو عملی رنگ اختیار نہ کرنے دیا اور جلوس کو خود ہی پولیس کے خوف سے منتشر کر دیا .... اور فیصلہ کیا گیا کہ آج کا دن پولیس کا انتظار کر لو اور احمدیوں کے قتل ، لوٹ مار اور عورتوں کی بے عزتی کو کل پر چھوڑ دو ۔ اے ایس آئی چک ۵۵ گ؍ب ۱۰ بجے قبل دوپہر پہنچ گئے اور نمبردار (وغیرہ) سے وعدہ لیا کہ ہم ہر قیمت پر گاؤں میں امن قائم رکھیں گے ۔

افسوس باوجود بحالی امن کا اقرار کرنے کے پھر بھی اس جماعت پر یلغار کی گئی جیسا کہ اسی چک کے متعلق محمد حسین خان صاحب سیکرٹری امور عامہ جڑانوالہ نے تحریری شہادت دی کہ :-

دو چک نمبر ۵۵ ر ۵۶ میں احمدیوں کو گھیر لیا گیا۔ تقریباً ساری جماعت کو قتل کرنے کی دھمکی سے مجبور کر کے دستخط لے لیے کہ وہ احمدیت سے باز آتے ہیں۔ ماسٹر عاشق محمد صاحب اور سید عنایت علی شاہ صاحب کو بہت پریشان کیا۔ مکان میں بند رکھا۔ قتل کرنے کو تیار ہو گئے۔ ان کی طرف سے جڑانوالہ میں اطلاع آ جانے پر ہم نے پولیس بھجوا دی۔ پولیس نے حالات پر قابو پا لیا۔"

چک نمبر ۳۶ تھانہ ستھیانہ

۱۴۔ جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ ضلع لائلپور کا بیان ہے :-

"چک نمبر ۳۶ ستھیانہ میں چند احمدی گھر ہیں۔ مولویوں نے وہاں جا کر تقریریں کیں۔ احمدیوں پر حملہ ہوا۔ بارہ احمدی سخت زخمی ہوئے۔ ٹکوے، بلم، کلہاڑے ان پر استعمال ہوئے۔ چار کی حالت ایسی تھی کہ قریب الموت تھے۔ ۲۸ر مارچ ۱۹۵۳ء کو یہ واقعہ ہوا۔ ۲۹ر مارچ کو راقم مع ڈسٹرکٹ ہیلتھ افسر ڈاکٹر رشید احمد صاحب ایمبولینس کار لے کر پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب نے چار آدمیوں کی حالت انتہائی مخدوش پا کر انہیں شہر لائل پور کے ہسپتال میں منتقل کر دیا۔ ۲۵ غیر احمدی زیر دفعہ ۳۰۷/۱۴۹ زیر چالان ہیں لیکن دوسرے تیسرے روز بعد احمدی مجروحین اور ان کے لواحقین کا بھی اسی دفعہ میں چالان کر دیا گیا۔ دونوں مقدمے عدالت میں ہیں۔ اس لیے اُن کے متعلق کوئی رائے زنی نہیں کی جا سکتی۔

۱۵۔ حمید احمد صاحب ساکن چک نمبر ۳۶ گ ر ب تحصیل جڑانوالہ ضلع لائلپور نے لکھا کہ :-

"میرے چک میں احمدیوں کے ۷ ، گھر ہیں۔ ہمارے گاؤں کے مولویوں نے بہت اشتعال پیدا کیا اور گاؤں میں ماہِ مارچ ۱۹۵۳ء میں قریباً ہر روز جلسہ کیا اور احمدیہ جماعت کے خلاف بہت گند اچھالا۔ سخت بد زبانی کرتے۔ اسی اشتعال پھیلانے کی وجہ سے پولیس نے سرکردہ چار مولویوں کو گرفتار کر لیا اور اس طرح چک میں امن برقرار رکھنے میں پولیس کامیاب ہوئی۔ یہ چاروں مولوی چند دن کے بعد رہا ہو کر واپس گاؤں میں آ گئے اور باقاعدہ تنظیم کے ساتھ حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ ہم احمدیوں کا گاؤں کے لوگوں سے بائیکاٹ کروایا۔ جلوس صبح شام نکالتے، نہایت فحش ناقابلِ برداشت اور انتہائی شر انگیز اور اشتعال انگیز گالیاں نکالتے رہے۔ اور گھروں میں پتھر پھینکتے رہے اور پولیس نے ہماری رپورٹ پر دو سپاہی چک میں تقریباً دس یوم رکھے۔ اور

اس طرح ان دنوں ہم اُن کے خطرناک ارادوں سے محفوظ رہے۔ مورخہ ۲۸ مارچ کو رہا شدہ مولویوں نے پروگرام کے مطابق ہمارے آدمیوں پر حملہ کیا۔ جبکہ وہ خراس پر آٹا پیسنے گئے اور اس طرح ۱۶ آدمیوں کو برچھوں، کلہاڑیوں اور ڈانگوں سے زخمی کیا۔ پولیس موقع پر پہنچ گئی اور (اُن کے) ۲۵ آدمیوں کا چالان کیا۔ دو تین یوم بعد ہمارے خلاف بھی لڑائی کا جعلی پرچہ کرا دیا گیا۔ اور ہمارے آدمیوں کا چالان کر دیا۔ تین ماہ تک ہماری ضمانتیں نہ ہوئیں اور گھر پر کوئی کام کرنے والا نہ رہا۔ وقوعہ کے ڈھائی ماہ بعد ہمارے ایک احمدی محمد یعقوب کے گھر گاؤں والوں نے نقب زنی کی واردات کرادی۔ الخ"

جلیانوالہ متصل گوجرہ

ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم نے جلیانوالہ متصل گوجرہ کا مندرجہ ذیل واقعہ انہی دنوں حضرت مصلح موعود کی خدمت میں لکھا کہ:-

" ہمارے گاؤں جلیانوالہ میں گو اندر ہی اندر کھچڑی پک رہی تھی مگر بظاہر امن تھا کہ ۷ مارچ کو گوجرے میں حالات زیادہ خراب ہونے کی وجہ سے دس بارہ مستورات ہمارے ہاں چلی آئیں تاکہ غنڈہ عناصر سے محفوظ رہ سکیں اس پر ہمارے گاؤں میں ایک آگ لگ گئی اور سرکردہ لوگ ہمیں کہنے لگے کہ تم نے ان عورتوں کو پناہ کیوں دی ہے چنانچہ سارے گاؤں میں مخالفت بھڑک اٹھی ...... مستورات کے یہاں آنے میں ایک لطیفہ یہ ہوا کہ ایک عورت اپنا ایک ٹرنک ساتھ لے آئی جو کسی قدر لمبا تھا اور قدرے وزنی بھی۔ گاؤں کے لوگوں نے سمجھا کہ اس میں اسلحہ ہے اور یہ مرزائیوں نے ہمارے لیے شہر سے مستورات کے بہانے منگوایا ہے اس وہم سے وہ لوگ اپنے مزموم ارادوں سے باز رہے "

جناب ملک فضل حسین صاحب کی تحقیق کے مطابق ضلع لائلپور میں

"اس قسم کی مار دھاڑ اور جبر و تشدّد وہیں ہوا جہاں کہ احمدی اقلیّت میں تھے۔ کمزور و لاچار تھے۔ برعکس اس کے جس جگہ بھی احمدی اکثریت میں تھے۔ یا ان کی اچھی خاصی آبادی تھی یا جہاں تھوڑے ہوتے ہوئے بھی اُن کے دلوں میں جرأت و مردانگی کا مادّہ کافی موجود تھا۔ وہاں کسی قسم کا فتنہ و فساد اور ہنگامہ آرائی نہ ہوسکی۔ بطور مثال سمندری سے تین میل دُور چک نمبر ۴۶۹ کا ذکر کافی ہوگا۔ اس گاؤں میں احمدی بمشکل دس پندرہ ہوں گے۔ جب احرار نے ان کو جلوس کے

لہ وفات

ذریعہ تنگ اور پریشان کرنا چاہا تو بقول چوہدری عبدالمجید خان صاحب "انہوں نے جلوس کے سامنے نکل کر کہا کہ روز روز کا جھگڑا آج ہی ختم کر لو ۔ لڑ کر دیکھ لیتے ہیں۔ ان کے اس چیلنج نے دشمن کو بے حوصلہ کر دیا ۔ اور پھر وہاں نہ جلوس نکلا اور نہ گڑبڑ ہوئی"۔

فصلِ سوم

ضلع جھنگ

جھنگ مگھیانہ میں شورش کے دوران اصل خطرے کے ایام ۶، ۷ مارچ کے تھے جن میں فتنہ وفساد انتہائی عروج پر تھا۔ اور اندیشہ تھا کہ جانی ومالی نقصان احمدیوں کا ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے شریروں کا رُخ دوسری طرف پلٹ گیا احمدی محفوظ رہے البتہ ان کے خلاف بائیکاٹ اور پکٹنگ کی تحریک بہت شدید تھی ان دنوں احمدیوں کی بیس کے قریب دکانیں شہر میں تھیں۔ جو ان کو بند رکھنا پڑیں۔ ان کی اور کھماچوں[1] کے احمدی مہاجرین کی کئی ایک چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں بند رہیں کیونکہ مزدوروں کو کام کرنے سے روک دیا گیا۔ اور احمدیوں سے لین دین کرنے والے شخص کے لیے یکصد روپیہ جرمانہ مقرر کیا گیا۔ میاں بشیر احمد صاحب (نائب امیر جماعت احمدیہ مگھیانہ۔ ایجنٹ سٹینڈرڈ ویکیم آئل کمپنی جھنگ) کی دکانیں ان ایام میں کھلی رہیں مگر سوائے پٹرول پمپ کے کوئی کاروبار نہ ہوا کیونکہ پکٹنگ جاری تھی اور پٹرول بھی پنجاب ٹرانسپورٹ کے سوا کسی نے نہیں لیا۔ ان کی دکان اور پمپ کے سامنے ہی روزانہ جلوس آکر اکھاڑا لگاتا اور وہیں سے منتشر ہو جاتا۔ بالآخر مقامی حکام کے تعاون سے پکٹنگ ناکام ہو گئی اور احمدیوں کا کاروبار پھر سے چل نکلا۔

اقتصادی بائیکاٹ کے علاوہ بھنگیوں اور حجاموں کو احمدیوں کا کام کرنے سے روک دیا گیا۔ احمدی احباب نے ان تمام حرکتوں کا صبر و استقلال سے مقابلہ کیا۔[2]

---

[1] بنگہ ضلع جالندھر کے نواح میں ایک گاؤں

[2] ملخص مکتوب چوہدری عبدالغنی صاحب امیر جماعت احمدیہ مگھیانہ بحضور حضرت مصلح موعود (۱۹ مارچ ۱۹۵۳ء)

مکتوب میاں بشیر احمد صاحب جھنگ مگھیانہ بحضور حضرت المصلح الموعود (۱۶ مارچ ۱۹۵۳ء)

رپورٹ مولوی عبدالرحیم صاحب عارف مربی جھنگ مگھیانہ بنام حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب (۶ مارچ ۱۹۵۳ء)

شورکوٹ ان ایام میں بدامنی سے محفوظ رہا اور جلوس پُر امن رہے اور ان میں کسی قسم کا کوئی نازیبا نعرہ نہیں لگایا گیا جو مقامی حکام کے تعاون اور حسن انتظام کا نتیجہ تھا۔ ایک شخص نے ازراہِ شرارت حکیم محمد زاہد صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ کے خلاف تحصیلدار صاحب کی عدالت میں بیان دیا کہ انہوں نے ہماری عورتوں کو گالیاں دی ہیں مگر یہ واقعہ سراسر فرضی تھا چنانچہ وہ بری کر دیئے گئے [1]

بستی وریام گڑھ مہاراجہ، پیر عبدالرحمان بس سٹینڈ اور تھانہ بھوانہ کی احمدی جماعتوں میں بھی خیریت رہی۔[2]

ربوہ۔ احمد نگر اور چنیوٹ اور اس کے ماحول پر کیا بیتی ؟ اس کی کسی قدر تفصیل اب بیان کی جاتی ہے

ربوہ اور اس کا ماحول پُر فتن ایام میں

جہاں صوبہ پنجاب کی بہت سی احمدی جماعتوں کو مارچ ۱۹۵۳ء کے فتنۂ محشر اور ہنگامۂ قیامت سے دوچار ہونا پڑا، وہاں ربوہ اور اس کا ماحول بھی بائیکاٹ محاصرہ اور قتل و غارت کی دھمکیوں کے تکلیف دہ ابتلاء میں گزرا۔ یہ ایام بہت صبر آزما تھے اور کئی تلخ یادیں چھوڑ گئے۔ اس دور کے احوال و کوائف تاریخ وار درج کیے جاتے ہیں :۔

۳ ؍مارچ

۳؍مارچ ۱۹۵۳ء کو صبح چھ بجے مولانا محمد اسماعیل صاحب دیالگڑھی مربی سلسلہ احمدیہ نے لائلپور سے یہ تحریری اطلاع بھجوائی کہ ۔

"حالات نہایت مخدوش ہیں۔ ہر احمدی گھر پر ہر لحظہ حملہ متوقع ہے کل چناب ایکسپریس ۳۰۔۵ منٹ تک چنیوٹ میں روکے رکھی اور ہر ڈبہ میں احمدیوں کی تلاشی لی گئی تا کہ انہیں باہر نکال کر مار دیا جائے۔ چنیوٹ پولیس یا فوج کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ گاڑی جب لائلپور پہنچی تو سگنل سے باہر روک لی گئی اور تین گھنٹہ تک روکے رکھی بالآخر گولی چلانا پڑی"۔

۴؍مارچ ۔ اسی دن چنیوٹ گورنمنٹ گرلز سکول کی معصوم احمدی بچیوں کو جوتیوں سے پیٹا

---

[1] مکتوب بحضور حضرت مصلح موعود مرسلہ حکیم عبدالرحمان صاحب شمس سیکرٹری تبلیغ جماعت احمدیہ شورکوٹ (مورخہ ۱۱؍مارچ ۱۹۵۳ء) [2] کارڈ مولوی عبدالرحیم صاحب عارف بنام حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوت و تبلیغ ربوہ (۱۸؍مارچ ۱۹۵۳ء)

گیا۔ رات کو لڑکوں کا جلوس شہر میں گشت کرتا اور ہندوستان زندہ باد اور پاکستان مردہ باد کے نعرے لگاتا رہا۔

۵ مارچ ۔ صبح کو لائلپور جانے والی چناب ایکسپریس جب ربوہ ٹھہری تو انجن پھولوں سے سجا ہوا تھا اور سواریوں کے ہاتھ میں مطبوعہ اور دستی اشتہارات تھے جن پر "بناوٹی نبی مردہ باد" "مرزائیوں کو اقلیت قرار دو" "ظفر اللہ کو اتارہ دو" "مجاہد بنو" کے الفاظ درج تھے گاڑی میں نعرے بھی لگائے گئے۔ جن سے ملک میں ابھرنے والے فتنہ کے نئے رجحانات کی نشان دہی ہوتی تھی۔

مرکز میں لاہور اور سیالکوٹ سے بعض احمدیوں کی شہادت کی اطلاعیں پہنچیں جس پر شام کو وزیرِ اعظم پاکستان، پنجاب کے چیف سیکرٹری، ہوم سیکرٹری اور انسپکٹر جنرل پولیس کو تار دیئے گئے جن میں لاہور اور سیالکوٹ کے احمدیوں کی تشویشناک صورتِ حال سے مطلع کیا گیا تھا۔ ایک تار حفاظتِ ربوہ کے انتظامات کے لیے ڈپٹی کمشنر صاحب جھنگ کو بھی دیا گیا۔

انسپکٹر صاحب پولیس اور ایس۔ ڈی۔ ایم صاحب چنیوٹ نے بعض احمدیوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے بچوں کا سرِ دست ہنگامی حالات میں ربوہ کے سکول میں آنا اور جانا بند کر دیں۔ خطرہ ہے کہ کوئی نقصان نہ ہو جائے۔

آج بھی چنیوٹ میں جلوس نکلا جس میں دو تین ہزار مرد اور سو کے قریب عورتیں بھی شامل تھیں چنیوٹ گرلز سکول کی احمدی بچیوں کی فہرست بنائی گئی اور استانیوں نے مشورہ کیا کہ ان کو غنڈوں کے حوالہ کیا جائے گا۔

۶ مارچ ۔ جناب شیخ محمد حسین صاحب پنشنر سیکرٹری مال و قائم مقام امیر جماعت احمدیہ چنیوٹ نے سب انسپکٹر صاحب پولیس تھانہ صدر چنیوٹ اور پریذیڈنٹ صاحب میونسپل کمیٹی چنیوٹ کو تحریری درخواست دی کہ۔

"جماعت احمدیہ کی بیس پچیس لڑکیاں ایم بی گرلز مڈل سکول محلہ گڑھا میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور اب امتحان سالانہ قریب آگیا ہے۔ گرلز سکول میں استانیوں کی موجودگی میں حنفی مسلمان لڑکیاں، احمدی...... لڑکیوں کو ہر قسم کی طعن تشنیع اور گالی گلوچ کا مظاہرہ کر کے سخت تنگ کرتی

لہ وفات، ۷ جون ۱۹۷۶ء

ہیں اور دہشت بھی پیدا کرتی ہیں کہ ہم مرزائیوں کو مار ڈالیں گے یہ کریں گے وہ کریں گے۔ لہٰذا مؤدبانہ گزارش ہے کہ فوری طور پر ہماری بچیوں کی حفاظت کا انتظام فرمایا جائے اور دوسری لڑکیوں کو ایسی شنیع حرکات کرنے سے روکنے کا انتظام فرمایا جائے مگر اس درخواست پر کوئی کارروائی نہ کی گئی۔

اسی روز جماعت احمدیہ چنیوٹ کے ایک وفد نے انچارج صاحب تھانہ چنیوٹ کو یہ عرض داشت بھی پیش کی کہ آج جمعہ کی نماز سب احمدی اپنی بیت الذکر میں ادا کریں گے۔ خبریں آرہی ہیں کہ مشتعل نوجوانوں کو شرارت کے لیے اکسانے کے علاوہ چاقو، چھرے وغیرہ سے مسلح کرنے کی کوشش ہو رہی ہے اس لیے احمدی حلقوں اور احمدیہ بیت الذکر کی حفاظت کا بندوبست کرکے ممنون فرمائیں۔ انچارج صاحب نے احمدی وفد سے وعدہ کیا کہ میں ابھی دو تین سپاہی احمدیہ بیت الذکر کے لیے بھیجتا ہوں مگر موقعہ پر نہ صرف ایک سپاہی بھی نہیں بھیجا گیا بلکہ پولیس نے احمدی حلقوں کا گشت کرنا بند کر دیا۔

نماز جمعہ کے بعد شیخ محمد حسین صاحب اور چوہدری جمال الدین صاحب[1] A. D. M. سے ملے انہوں نے دورانِ گفتگو کہا "آپ اطمینان سے اپنے گھروں کو بند کرکے بیٹھے رہیں اگر میں نے پولیس کو لگایا تو اشتعال زیادہ ہوگا میں نے شہر کے بڑے بڑے لوگوں کو تنبیہ کر دی ہے کہ احمدیوں کو کچھ نہ کہا جائے اور نہ نقصان کیا جائے اگر کسی احمدی کا نقصان ہوا تو ایک نہیں ہزار گولی چلاؤں گا۔ آپ گھروں میں بیٹھیں جلوس اور بازار میں نہ جائیں"۔

اس ملاقات کے چند منٹ بعد دس پندرہ ہزار کا ایک جلوس A. D. M. کے پاس پہنچا جس میں احمدیوں کو شدید گالیاں دی جارہی تھیں اور اشتعال انگیز نعرے لگا رہے تھے۔

کانڈیوال میں صرف ایک گھر احمدی کا تھا جسے لوٹنے کی کوشش کی گئی۔

اسی روز قریباً ۲ بجے دوپہر کیپٹن چوہدری محمد حسین صاحب چیمہ[2] (مقیم دارالنصر ربوہ) چنیوٹ سے بذریعہ لاری ربوہ آرہے تھے کہ ایک شخص نے جو لاری میں بیٹھا ہوا تھا دریا عبور کرتے ہی کہا کہ ۸ تاریخ کو ربوہ پر حملہ ہوگا اس حملہ میں فرنٹیئر کے پٹھان بھی شامل ہوں گے"۔

---

[1] وفات ۱۸ مئی ۱۹۸۷ء [2] حال لندن

۷ مارچ ۔ ربوہ کے اسٹیشن ماسٹر بابو بشیر احمد صاحب سے صبح کو بذریعہ تار کسی نے پوچھا کہ "سنا ہے مرزا بشیر الدین کو لاہور میں گولی مار دی گئی ہے" اسٹیشن ماسٹر صاحب نے تردید کی تو پھر اس نے کسی اور اسٹیشن سے رابطہ قائم کیا اُسے جواب ملا کہ بات درست ہے مگر بشیر احمد جھوٹ بولتا ہے بابو صاحب نے یہ بات بھی سنی ۔

پولیس افسر صاحب چنیوٹ نے بعض احمدیوں سے کہا کہ "اب ہمیں بہت خطرہ ہو گیا ہے اس لیے آپ اپنی حفاظت خود کریں" چنیوٹ کے ایک احمدی عطاء اللہ خاں صاحب نے اطلاع دی کہ "انچارج تھانہ اے ڈی ایم وغیرہ وغیرہ عاجز آ چکے ہیں تمام احمدیوں کے گھر خدا کے بھروسہ پر ہیں"

قبل ازیں لالیاں کے حالات کنٹرول میں تھے مگر چنیوٹ کے ۱۵ ر ۱۶ افراد نے لالیاں میں بھی یکایک اشتعال کی فضا پیدا کر دی ۔ چنانچہ ۷ مارچ کی صبح یہاں ۲½ ہزار کے ایک ہجوم نے چناب ایکسپریس کو روک لیا اور انجن پر چڑھ کر مختلف قسم کے نعرے لگائے گئے ۔ مولوی عبدالحق صاحب بدوملہی کے بیان کے مطابق یہ نعرے تھے :۔ "ہندوستان زندہ باد ۔ پاکستان مردہ باد" پولیس سب کچھ دیکھنے کے باوجود بے بس ہو کر کھڑی رہی ۔

۸ مارچ ۔ ربوہ کے جنوب مشرقی جانب ایک گاؤں چھنباں ہے جس کے معزز غیر احمدیوں نے ان ایام میں بہت اچھا نمونہ دکھایا ۔ اور نہ صرف اہل ربوہ کو اس گاؤں سے باقاعدگی کے ساتھ دودھ پہنچتا رہا بلکہ ربوہ کے بعض احمدی دکاندار وہاں روزانہ جاتے اور دودھ لاتے رہے ۔ ۸ مارچ کو ایک سپاہی نے انہیں یہ کہکر بائیکاٹ پر اکسانا چاہا کہ ربوہ میں خطرہ ہے ۔ دودھ وغیرہ کوئی چیز وہاں لے کر نہ جاؤ لیکن چھنی کے شرفاء قطعاً بائیکاٹ پر آمادہ نہ ہوئے ۔

محلہ دارالیمن ربوہ کے بعض احمدی احباب اپنی مستورات اندرون شہر چھوڑ گئے تھے ۔ ۸ مارچ کو یہ دوست اپنی خواتین بحفاظت واپس اپنے محلہ میں لے آئے ۔ سوائے ایک کے جن کی نسبت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس (جنرل پریذیڈنٹ) نے حضور کی خدمت میں اگلے روز اطلاع دی کہ "آج انہوں نے تحریر لکھ دی ہے کہ وہ آج مستورات کو واپس لے جائیں گے ۔ پریذیڈنٹ محلہ کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ وہ ان کی واپسی پر رپورٹ کریں"

لالیاں سے ڈاکٹر فضل حق صاحب صدر جماعت احمدیہ نے اطلاع دی کہ

"آج صبح سے لوگ جمع ہونے شروع ہوئے اس وقت جلوس نکل رہا ہے اور نعرے لگ رہے ہیں پبلک میں اشتعال پایا جاتا ہے۔ شرفاء پُرامن رہنے کی تلقین کر رہے ہیں لیکن مفسدہ پرداز باز نہیں آرہے ...... جماعت کے حوصلے خدا کے فضل و کرم سے بلند ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین ہے ہمیں معلوم نہیں کہ اُن کے کیا ارادے ہیں ہم ہر قربانی کے لیے تیار ہیں۔"

حضرت مصلح موعود نے اس رپورٹ پر اپنے دستِ مبارک سے لکھا "جزاکم اللہ احسن الجزاء۔"

۹ رمارچ۔ مرکز کی طرف سے چھ کارکنان گوجرانوالہ، لائلپور، لاہور، سیالکوٹ، چنیوٹ اور سرگودہا کو مفصل ہدایات دیکر روانہ کیے گئے۔

شام کو نظارت امور عامہ میں حسب ذیل رپورٹ موصول ہوئی کہ :۔

"ربوہ کا سب سے پہلے بائیکاٹ کوٹ امیر شاہ[1] کے آدمیوں نے کیا پہلے پہلے دودھ بند کیا پھر دوسری اشیاء۔ صرف چارہ بعض ہمارے دوست لے آتے تھے آج شام کو جب ہمارے ربوہ کے دوست یعنی غلام حسین گڈے والے کے آدمی چارہ لینے کے لیے گئے تو گاؤں کے آدمیوں نے انہیں چارہ کاٹنے سے منع کر دیا اور کہا کہ ...... شاہ کا آدمی رجوعہ سے آیا ہے کہ ربوہ والوں کا پورا پورا بائیکاٹ کر دیا (گیا) ہے اس لیے چارہ وغیرہ نہیں مل سکتا۔"

مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری مبلغ بلاد عربیہ و پرنسپل جامعہ احمدیہ ان دنوں احمد نگر کے پریذیڈنٹ تھے۔ آپ نے فسادات کے دوران نہ صرف احمد نگر اور اس کے قرب و جوار میں آباد احمدیوں کو چوکس، مستعد اور بیدار رکھا بلکہ مرکز کو احمد نگر اور اس کے ماحول لالیاں، کوٹ قاضی۔ مل پیرا بیکو کے۔ کوٹ امیر شاہ وغیرہ کی رپورٹ بھجواتے رہے۔ ۹ رمارچ سے آپ نے حضرت سیدنا المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت اقدس میں براہ راست روزانہ دو وقت اطلاعات پہنچانے

---

[1] ایک گاؤں جو کہ ربوہ سے متصل شمالی جانب واقع ہے۔

کا انتظام بھی کر دیا۔

اس روز حضور کی خدمت بابرکت میں آپ کی حسب ذیل پہلی رپورٹ موصول ہوئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدکم اللہ بنصرہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

احمد نگر میں جماعت کے افراد کو اپنی حفاظت اور مستعدی کے لیے کہا گیا ہے خدام الاحمدیہ کے ماتحت نوجوانوں کی تنظیم کی جا چکی ہے۔ بہت سے انصار بھی اس تنظیم سے ملحق ہیں مضبوط آدمی یہاں پر ۸۰ ہیں۔ کل تعداد مردوں کی ۱۵۰ کے قریب ہے

مقامی غیر احمدی صاحبان کے چار پانچ لیڈر ہیں۔ دو یہاں کے پیروں میں سے ہیں۔ ایک سربراہ نمبر دار[1] ہیں اور ایک برانچ پوسٹ ماسٹر ہیں[2]۔ وہ مسلم لیگ کے بھی ممبر ہیں۔ تین دن قبل ہمارا ایک اجتماع ہوا تھا۔ جس میں ان لوگوں نے اقرار کیا تھا کہ ہم ہر حالت میں جماعت احمدیہ کے ساتھ ہیں اور کسی صورت میں فساد میں حصہ نہ لیں گے اور نہ کسی کو حصہ لینے دیں گے۔ ہم نے بھی اپنی طرف سے پورے طور پر ان کی حفاظت کا یقین دلایا تھا۔

کل صبح ان میں سے ایک نے کہا کہ ہمارے بعض لوگ ڈر کی وجہ سے احمد نگر سے باہر جا رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ سب لوگوں کو جمع کریں میں انہیں ہر طرح تسلی دلاتا ہوں۔ وہ سب پیر خادم حسین صاحب کے مکان پر جمع ہوئے۔ جماعت کی طرف سے چھ سات آدمی ہم وہاں گئے اور باہمی سمجھوتہ ہوا کہ احمد نگر میں ہم سب مل کر ہر قیمت پر امن قائم رکھیں گے۔ اس سے انہیں بھی اطمینان ہو گیا۔ انہوں نے چار ممبر اپنی طرف سے مقرر کیے۔ اور چار ہمارے

---

[1] عیسیٰ صاحب [2] رحمت علی صاحب

مقرر ہوئے جن کا کام امن قائم کرنا ہوگا۔ غیر احمدیوں نے اس کمیٹی کے صدر کے لیے مجھے ہی منتخب کیا ہے۔ ہماری طرف سے اس کمیٹی میں چوہدری غلام حیدر[1] صاحب، قریشی محمد نذیر صاحب[2]، چوہدری علی شیر صاحب اور مولوی ظفر محمد صاحب[3] اور خاکسار مقرر ہوئے ہیں۔

جماعتی مقامی انتظامات میں عام تنظیم اور خدام کی اعلیٰ نگرانی قائد احمد نگر مولوی عبدالمنان صاحب[4] قادر آبادی کے سپرد ہے۔ اور مولوی شریف احمد صاحب خالد گجراتی دفاعی انتظامات کے نگران ہیں.....

کل شام سے پانچ سپاہی پھر احمد نگر میں آگئے ہیں انہیں اپنی نگرانی میں ایک کمرہ میں ٹھہرایا گیا ہے۔ ان کے کھانے وغیرہ کا انتظام جماعت کے زیر انتظام کیا جا رہا ہے۔ آج غیر احمدی حلقوں میں ایک افواہ ہے کہ میانوالی کے پٹھانوں کا تین ہزار کا ایک جتھہ پیدل آرہا ہے اور وہ جتھہ سرگودہا پہنچ چکا ہے۔

ایک غیر احمدی نے خبر دی ہے کہ مہر محمد محسن صاحب[5] نے اس تحریک میں شامل ہونے سے انکار کر دیا ہے۔ اس وقت چنیوٹ سے دو تین آدمی گاؤں کے لوگوں میں پراپیگنڈا کر رہے ہیں اور جھوٹی خبروں سے انہیں خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ان کا پورا پتہ کر کے انشاء اللہ اطلاع دی جائے گی۔

آج سے یہ انتظام کیا گیا ہے کہ انشاء اللہ حضور کی اقدس میں روزانہ دو وقت احمد نگر کی رپورٹ براہ راست بھی بھیجی جایا کرے گی انشاء اللہ

یہاں پر مردوں، عورتوں اور بچوں سب میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے پورا حوصلہ اور ہمت ہے۔ حضور کے اعلانات روزانہ بیت الذکر میں سنائے جاتے ہیں۔

خاکسار خادم ناچیز ابو العطاء جالندھری ۱۲ بجے دن ۵۳/۳/۹

---

[1] سپرنٹنڈنٹ جامعہ احمدیہ وفات ۲۴/مئی ۱۹۸۱ء [2] استاد جامعہ احمدیہ وفات ۲/جنوری ۱۹۷۰ء [3] استاد جامعہ احمدیہ (وفات ۲۹/اپریل ۱۹۸۲ء [4] مربی سلسلہ احمدیہ (وفات) ۱۵/اکتوبر ۱۹۸۸ء [5] "مہر محمد حسن" ایم ایل اے لالیاں۔

اسی روز چنیوٹ سے جمال الدین احمد صاحب کی یہ رپورٹ پہنچی کہ :-

"موضع کوٹ خدایار جو چنیوٹ سے تین میل پر ہے وہاں صرف ایک دو گھر احمدی ہیں اور انہیں کل سے سخت پریشان کیا جا رہا ہے انہوں نے ایک درخواست انچارج تھانہ چنیوٹ کے نام ارسال کی ہے مگر وہ فوری توجہ اور ضروری امداد کے مستحق اور خطرہ میں ہیں"

"راہ گزرتے احمدیوں پر آوازے کسے جاتے ہیں، گالیاں دی جا رہی ہیں اور مختلف افواہیں گرم ہیں۔ لوٹ مار اور قتل و غارت آگ کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں عملی طور پر چنیوٹ میں کوئی نقصان احمدیوں کا نہیں ہوا"

لالیاں کے احمدی اس روز شدید خطرے سے دوچار ہو گئے کیونکہ مخالفین نے بیت الذکر میں جمع ہو کر احمدیوں کے مکانوں کو جلانے اور لوٹنے کا جو منصوبہ باندھا تھا اُس کا آغاز کر دیا گیا چنانچہ ڈاکٹر فضل حق صاحب پریذیڈنٹ جماعت نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں اس منصوبہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد لکھا :-

"ہماری دعاؤں سے خاص طور پر امداد فرمائیں۔ مقامی دوستوں کے رشتہ دار اکٹھے ہو کر ان کے پاس جاتے ہیں اور انہیں کہتے ہیں تم قتل کیے جاؤ گے ورنہ تم ہمارے ساتھ مل جاؤ انہیں دن رات ڈرا دھمکا رہے ہیں۔ مہاجروں کو بھی دھمکی دے رہے ہیں ہم ساری رات جاگتے رہتے ہیں کاروبار بند پڑے ہیں مگر ہمیں اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر کامل یقین ہے انشاء اللہ ہم اللہ تعالیٰ کے رستہ میں ہر قربانی کے لیے تیار ہیں آپ ہماری پشت نہیں دیکھیں گے۔ بہرکیف آج ان کے ارادے انتہائی خطرناک ہیں اللہ تعالیٰ فتنہ پردازوں کے ارادوں میں ان کو ناکام کرے ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قربانی کا موقع دیا ہے حضور دعاؤں میں یاد رکھیں میں آج اپنا چندہ مبلغ پچاس روپیہ بھی سیکرٹری مال شیخ مہر یار صاحب کے ذریعہ بھیج رہا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ کے حضور بھی اس لحاظ سے سرخرو ہو جاؤں میرے ذمہ کوئی بقایا نہ ہو۔ برادرم میر احمد صاحب ولد میاں احمد دین صاحب زرگر بھی اخلاص سے کام کر رہے ہیں"

۶ مارچ - چنیوٹ، ربوہ، چھنی اور کچھی وغیرہ مقامات سے اطلاعات کی فراہمی چودھری صلاح الدین احمد صاحب[1] سابق ناظم جائیداد کے سپرد تھی جو اپنی رپورٹیں ان دنوں باقاعدہ ناظر

---

[1] وفات ۲۴ فروری ۱۹۸۷ء

اعلیٰ صاحب کو اور اس کی نقل حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حضور بھجواتے تھے۔ چوہدری صاحب موصوف نے رپورٹ دی کہ:-

"آج ملک احمد خاں صاحب کو چھٹیاں دے کر ربوہ بھیجا گیا ..... سید غلام محمد شاہ سابق ایم ایل اے ابن سید سردار حسین شاہ وہر شاہ سے ملاقات ہوئی۔ میری چٹھی پڑھ کر ان ہر دو نے اس امر سے انکار کیا کہ انہوں نے لوگوں کو دودھ وغیرہ لے جانے سے روکا ہے اور نہ ہی انہوں نے کسی قسم کے بائیکاٹ کی ترغیب دلائی ہے۔ سید غلام محمد شاہ صاحب نے یہ بھی کہا کہ شاید ان کے والد صاحب نے مزارعان وغیرہ کو اس ضمن میں کچھ کہا تھا نیز اس نے کہا کہ "آپ بھی ہم سے ناراض ہیں اور چنیوٹ والوں نے بھی کل ہمارا جنازہ نکالنا ہے۔ اس وجہ سے کہ ہم گرفتار نہیں ہوئے"

"بھٹہ جات سے چار پتھیرے جو چنیوٹ کے ہیں وہاں بھجوائے گئے۔ انہوں نے وہاں اپنے رشتہ داروں سے کہا کہ اگر ۱۱ مارچ ۱۹۵۳ء کو کوئی خطرہ ہے تو کیا ہم وہاں سے چلے آئیں ان کے رشتہ داروں نے جواب دیا کہ ربوہ پر کون حملہ کر سکتا ہے اور کس کی طاقت ہے پتھیروں نے کہا کہ پھر بھی اپنے ذمہ دار آدمیوں سے پوچھ لو ہم بھی بیچ میں یونہی نہ مارے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے شرارتی عناصر سے پوچھا جنہوں نے جواب دیا کہ ربوہ پر حملہ کیسے ہو سکتا ہے چنیوٹ والے تو سب بزدل ہیں اور ربوہ کی طرف کوئی منہ نہیں کرتا"

"جس قدر اطلاعات حاصل ہوئی ہیں اُن سے میرا تأثر یہ ہے کہ ۱۱ مارچ ۱۹۵۳ء والی بات یعنی حملہ کی صورت بہت مشکل ہے ویسے دیہات میں زہر پھیلانے کی کوشش جاری ہے۔ موضع چھنی کے علاوہ کھچی کی طرف سے بھی کسی قدر دودھ آنا شروع ہو گیا ہے"

چنیوٹ سے آمدہ (صبح سات بجے) کی رپورٹ میں بتایا گیا کہ:-

"سنا ہے کہ ربوہ سے آنے والے لوگوں نے شہر کے کارکنوں سے مل کر یہ پروگرام بنایا ہے کہ احمدیوں کو مجبور کر کے کیمپ کی صورت میں تبدیل کرا دیا جائے اور شہر سے نکلوا دیا جائے"

"باہر سے بلائے گئے رضا کاروں اور عوام کے ذریعہ سے فساد، لوٹ مار وغیرہ کرانے کا پروگرام بن رہا ہے اور علانیہ کہا جا رہا ہے کہ پولیس کا جبکہ پہرہ شہر پر نہیں ہے۔ رائفلوں

والے اب جاچکے ہیں اب کس کا ڈر ہے اور کب تک انتظار کرو گے۔"

احمدیوں کو کیمپ میں رکھنے کی تجویز انتہائی شر انگیز تھی جس کا فوری نوٹس حضرت مصلح موعود نے لیا اور ارشاد فرمایا "فوراً اس کے متعلق ڈی سی کو لکھا جائے اور تار دی جائے۔" چنانچہ دفتر امور عامہ کی طرف سے اس کی تعمیل کی گئی۔

میاں فرزند علی صاحب ملازم تعلیم الاسلام ہائی سکول نے تحریری بیان دیا کہ وہ صبح بجے چنیوٹ کی منڈی میں گئے تھے۔ تین چار آدمیوں نے انہیں زدوکوب کیا اور پکڑ کر منڈی سے باہر نکال دیا۔

اسی روز ۸½ بجے شام ربوہ میں ایک سہ رکنی اصلاحی کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کے سیکرٹری مولوی غلام باری صاحب سیف پروفیسر جامعہ احمدیہ مقرر ہوئے۔ کمیٹی کے پہلے اجلاس میں ربوہ کے داخلی انتظام کے سلسلہ میں متعدد اصلاحی فیصلے کیے گئے اور قرار پایا کہ (۱) اجلاس کے لیے آئندہ کورم دو ممبران کا ہوگا (۲) بعد نماز عصر کمیٹی کا بشرط ضرورت اجلاس ہوگا (۳) ہر سری بیان لے کر فیصلہ کر دیا جائے گا۔ (۴) اجلاس بیت مبارک میں ہوا کرے گا۔

۱۱ مارچ۔ پچھلے چند دنوں سے ربوہ پر حملہ ہونے کی افواہیں زور شور سے پھیل چکی تھیں اس لیے اس روز مولانا ابوالعطاء صاحب نے احمد نگر سے خاص طور پر لالیاں، کوٹ قاضی، مل پہرا بکھے اور کوٹ امیر شاہ وغیرہ دیہات میں بعض احمدی و غیر احمدی معزز دوستوں کو خبر رسانی کے لیے بھیجا۔ احمد نگر کے مقامی غیر احمدیوں سے معلوم ہوا کہ ابھی تک انہیں کوئی پختہ اطلاع نہیں البتہ عورتوں کے ذریعے یہ افواہ پہنچی کہ گیارہ مارچ کو ربوہ پر حملہ ہوگا۔ اس متوقع خطرہ کے پیش نظر سیدنا حضرت مصلح موعود نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب، اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو مشورہ کے لیے طلب فرمایا چنانچہ حضور نے قائمقام ناظر امور عامہ کے ایک مراسلہ پر اپنے قلم مبارک سے لکھا "میاں بشیر احمد صاحب، مولوی ابوالعطاء، شاہ صاحب مجھ سے جلد ملیں تا ڈیفنس کے بارے میں غور کر لیا جائے۔"

اطلاع ملی کہ ایک بادردی شخص جو اپنے آپ کو گورنمنٹ کا آدمی ظاہر کرتا ہے اور گھوڑ سوار ہے۔ ربوہ سے ۵/۲ میل کے فاصلہ پر موضع ڈاور کی طرف پھر رہا ہے اور لوگوں کو ربوہ کیطرف

دودھ لانے سے روک رہا ہے اس نے یہ افواہ بھی پھیلائی ہے کہ ربوہ والوں نے دودھ پہنچانے والی خواتین میں سے ایک کو بُری طرح ہلاک کر دیا ہے۔ حالانکہ اس میں کوئی صداقت نہ تھی۔

۱۲ مارچ۔ پتہ چلا کہ موضع کچھی اور ملحقہ دیہات کے لوگوں پر ربوہ کا معاشی بائیکاٹ کرنے کے لیے سخت دباؤ ڈالا جا رہا ہے مگر اس میں انہیں کامیابی نہیں ہو سکی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض دیہات میں یہ مشہور کیا جا رہا ہے کہ ربوہ میں گندم اور مکی کی گاڑیاں آگئی ہیں نیز دودھ گھی وغیرہ بھی بذریعہ ریل بہتات کے ساتھ پہنچ رہا ہے اس لیے بائیکاٹ کرنے والے صرف اپنا نقصان کر رہے ہیں۔

چنیوٹ سے چوہدری جمال الدین احمد صاحب نے مفصل رپورٹ بھجوائی کہ یہاں آج احمدیوں کے خلاف مکمل اقتصادی بائیکاٹ شروع ہو گیا ہے۔ اس دن دکانوں پر بورڈ لگایا گیا کہ "مرزائی اصحاب سے سودا مانگ کر شرمندہ نہ ہوں" بازار میں والنٹیرز گھومنے لگے جو دکانداروں کو احمدیوں کے پاس سودا فروخت کرنے سے منع کرتے تھے اور ۵۰ روپے جرمانہ کی دھمکی دیتے یا دکان لوٹ لینے کی۔ احمدی دکانداروں کو سودا اور پھل دینے سے منع کر دیا گیا۔ ایک احمدی بابا فضل الٰہی صاحب آٹا پسوانے کے لیے گئے تو مشین والوں نے انکار کر دیا۔

فضا یکدم زیادہ خراب ہو گئی۔ اشتعال بڑھ گیا۔ بعض احمدی دکانوں پر پتھراؤ کیا گیا کھلم کھلا تشدد یعنی احمدیوں کو قتل کرنے یا مرتد کرنے کے لیے دھمکیاں دی جانے لگیں۔ اور ان کے مکانوں کو نذرِ آتش کرنے کے ارادے ظاہر کیے جانے لگے اور شہر مکمل طور پر انارکی کی لپیٹ میں آگیا جس کا اثر اردگرد کے دیہات میں بھی پوری سرعت سے پھیل گیا۔

سیکرٹری صاحب امور عامہ جماعت احمدیہ چنیوٹ نے بھی اس دن جو ابتر اور تشویشناک حالات مرکز میں ارسال کیے ان کے آخر میں لکھا کہ "ایسے حالات میں جماعت بے بس ہے چند روز میں بھوک کا شکار ہونا شروع ہو جائیں گے نیز اپنے گھروں میں ہر وقت اندر ہی خطرناک حالات کی بناء پر رہتے ہیں مجبوری کے وقت بازار میں جاتے ہیں ہماری حالت قابلِ رحم ہونے والی ہے خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ جلد مدد کے لیے پہنچے"

حضرت مصلح موعود نے اس رپورٹ پر اپنے قلم مبارک سے تحریر فرمایا:

"احمدی ہو کر کیا آپ سمجھتے تھے کہ آپ کے گلے میں ہار پہنائیں گے کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے گلے میں ہار پڑے تھے" ؟

۱۴ مارچ - چنیوٹ میں بعد نماز جمعہ جلوس نکلا جس میں شامل ہونے والوں کی تعداد قریباً ۳ ہزار تھی۔ ملٹری کے سپاہی اڈے سے گزرے تو ان کے خلاف نعرے لگائے گئے۔

شیخ محمد حسین صاحب قائمقام امیر جماعت احمدیہ چنیوٹ نے سب انسپکٹر صاحب کو جماعت کے خلاف اقتصادی بائیکاٹ کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے جواب دیا کہ مَیں مجبور ہوں میری پُشت پر کوئی نہیں۔ سپاہی جواب دے چکے ہیں فورس طلب کی تھی وہ مل نہیں رہی ایک دوسرے تھانیدار صاحب نے فرمایا کہ آپ اپنے آدمیوں کو ربوہ کیوں نہیں بھیج دیتے ؟

ساڑھے چار بجے شام کی رپورٹ موصول ہوئی کہ "غیر احمدی مستورات اپنے تعلق والے گھروں کو از راہ ہمدردی آگاہ کر رہی ہیں کہ آج حملہ ہوگا اور رات کو آگ وغیرہ لگے گی"

آج لالیاں میں باہر سے آنے والے ایک مولوی صاحب نے خطبہ جمعہ میں یہ کہکر اشتعال دلایا کہ فلاں جگہ اتنے مسلمان مارے گئے اور فلاں جگہ اتنے۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو کم از کم مرزائیوں سے بائیکاٹ ہی کر دو پھر لوگوں سے اقرار لیا اور ہاتھ اٹھوائے۔ لالیاں کے مقامی خطیب نے کہا کہ لوگ ہاتھ اٹھاتے ہیں عمل نہیں کرتے اس پر ایک مہاجر نے کہا کہ جو عمل نہ کرے اس کو سزا دیجائے یاد رہے ایک رپورٹ کے مطابق انہی دنوں اہلِ چنیوٹ نے لالیاں والوں کو مہندی اور چوڑیاں بھجوائیں۔

پولیس کے بعض سپاہی احمد نگر میں متعین تھے جو فراغت کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب اور رسالے پڑھتے رہتے تھے ان میں سے بعض نے اس روز یہ اظہار کیا کہ ہم پر وفاتِ مسیح کا مسئلہ تو بالکل کھل گیا ہے اور حضرت مرزا صاحب کا مبلغِ اسلام ہونا بھی ہمیں مسلّم ہے مگر مسئلہ نبوت ابھی تک واضح نہیں ہوا۔

احمد نگر کے احمدیوں نے ہنگامی حالات کی وجہ سے اس روز جمعہ بھی گھروں میں ہی ادا کیا اور حضرت مصلح موعود کا تازہ خطبۂ ربوہ کا خلاصہ احباب تک پہنچا دیا گیا۔

۱۴ مارچ ۔ جامعہ محمدیہ شریف[1] (ضلع جھنگ) کے طلبہ نے ربوہ اور احمد نگر کے مضافات میں دورہ کر کے لوگوں کو احمدیوں کے سوشل بائیکاٹ کی تلقین کی ۔ بعض جگہ انہوں نے یہ بھی کہا وزیر اعلیٰ پنجاب (میاں ممتاز محمد خان دولتانہ) ہمارے ساتھ ہیں ۔

چنیوٹ میں جلوس نکالا گیا نیز احمدیوں کا بائیکاٹ کرنے پر زور دیا گیا اور دکانداروں سے کہا گیا کہ جو "مرزائیوں" کو سودا دیتا پکڑا گیا اس کا منہ کالا کر دیا جائے گا ۔

بُرجی اور دیگر دیہات میں یہ افواہیں پھیلائی گئیں کہ جو شخص ربوہ جاتا ہے قتل کر دیا جاتا ہے ۔ جو بالکل سفید جھوٹ تھا ۔

معلوم ہوا کہ میانوالی سے جس جتھہ کے چنیوٹ پہنچنے کی خبریں آ رہی تھیں اُسے سرگودھا سے ہی واپس کر دیا گیا ہے نیز جتھہ کے بعض لوگوں کو گرفتار کر کے شاہ پور میں چھوڑ دیا گیا ہے ۔

۱۵ مارچ ۔ ماحولِ ربوہ کی بعض اطلاعات سے معلوم ہوا کہ عوام میں احراری ایجی ٹیشن کے خلاف نفرت کی ایک رَو پیدا ہو رہی ہے اور یہ احساس بڑھ رہا ہے کہ احرار نے یہ قدم اٹھا کر بُرا کام کیا ہے ۔

۱۶ مارچ ۔ اس دن ربوہ کے ایک احمدی دودھ فروش بعض دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ربوہ کے قریبی گاؤں (ستی والا) سے دودھ لیے آ رہے تھے ۔ کہ ۵ ، ۶ آدمیوں نے ان پر حملہ کر کے دودھ کا برتن چھین لیا ۔ اور پھر پورے گاؤں کو اکٹھا کر لیا ہجوم میں کوئی کہتا ان کو قتل کر دو ۔ کوئی کہتا ان کو گڑھا کھود کر دفن کر دو ۔ ایک شخص جو اپنے آپ کو سپاہی ظاہر کرتا تھا کہنے لگا کہ اگر انہیں یہاں قتل کر دیا جائے تو حکومت ذمہ دار نہ ہوگی ۔ بہت دیر تک یہ ہنگامہ جاری رہا ۔ آخر بڑی مشکل سے یہ لوگ ربوہ پہنچے مولوی عبد العزیز صاحب بھامڑی محتسب ربوہ نے اس واقعہ کی اطلاع حضرت مصلح موعود کی خدمت میں پہنچاتے ہوئے لکھا :۔

"اس واقعہ کی اطلاع انچارج تھانہ لالیاں کو کر رہا ہوں کہ وہ انسداد فرمائیں یہاں کی ح ۔ گارد

---

[1] دریائے چناب کے دوسرے کنارے چنیوٹ جھنگ سڑک پر ایک سنی درگاہ مہتمم و بانی مولوی محمد ذاکر صاحب ۔ تاریخ بنیاد ۱۸ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۹۳۳ء

کو توجہ دلائی جائے تو وہ پروا نہیں کرتی کہ یہ کام تھانہ والوں کا ہے کوٹ امیر شاہ کے ایک شخص... نے آکر کہا تھا کہ مجھے روکتے اور دودھ گراتے ہیں ۔ P.C کے سپاہی نے کہا یہاں آکر کیوں بتاتے ہو چنانچہ دوسرے روز.... (اس) کا منہ کالا کرکے اُسے کوٹ امیر شاہ میں مارا گیا ۔ کسی مشتبہ آدمی کو بھی P.C اُسے احمد نگر گارد کے پاس بھیجنا پڑتا ہے ۔"

لالیاں سے تحریری اطلاع پہنچی کہ ایک شخص نے جو ایک مقامی باثر شخصیت کا کارندہ تھا ڈاکٹر فضل حق صاحب پریذیڈنٹ کے بیٹے عطاء الحق سے کہا کہ

"ہوش کرو ۔ چند دن اور گھوم پھر لو قتل کر دیئے جاؤ گے ۔"

ان ہر دو ناخوشگوار واقعات کے علاوہ مضافاتِ ربوہ میں عام طور پر یہ دن سکون و امن سے گزرا ۔

۱۷؍مارچ ۔ اس روز ڈاکٹر فضل حق صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ لالیاں کا خط حضور کی خدمت میں موصول ہوا جس میں یہ خوشخبری لکھی تھی "اب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھل گئے ۔ بالکل سکون ہے ہڑتال بھی ختم ہو گئی ہے ۔"

احمد نگر میں مقیم تین سپاہی بعض ایسے دیہات میں گئے جہاں ابھی تک ربوہ کی طرف دودھ لانے میں روکاوٹیں کھڑی کی جا رہی تھیں ۔ بائیکاٹ کی پشت پناہی کرنے والوں نے وعدہ کیا کہ آئندہ مزاحمت نہ ہوگی ۔ اس کارروائی کے نتیجہ میں ربوہ کے معاشرتی محاصرہ کے باقی ماندہ اثرات بھی ختم ہو گئے اور دودھ بلا روک ٹوک آنے لگا ۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک ۔ بایں ہمہ ملک کے مختلف مقامات پر یہ خبریں بدستور پھیلائی جاتی رہیں ۔ کہ ربوہ میں ایک لاکھ جتھہ جا رہا ہے بلکہ کمال ڈیرہ سندھ میں یہ خبر گشت کر رہی تھی کہ ربوہ پر حملہ بھی ہو چکا ہے ۔

۱۸؍مارچ ۔ پتہ چلا کہ ضلع سیالکوٹ وغیرہ میں یہ پراپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ معاذ اللہ ربوہ کو جلا دیا گیا ہے اور سب احمدی قتل کر دیئے گئے ہیں ۔ اس پراپیگنڈا کا علم ماسٹر حمید احمد صاحب[1] شناسی مقیم ربوہ کے ایک غیر احمدی رشتہ دار کے ذریعہ ہوا جو اس دن دوپہر کے قریب ان کی خیریت دریافت کرنے کو ربوہ پہنچے تھے ۔

۲۰؍مارچ ۔ نماز جمعہ کے بعد چنیوٹ میں جلوس نکالا گیا جس میں گوجرانوالہ، سیالکوٹ اور جڑانوالہ

---

[1] وفات ۹؍مئی ۱۹۸۹ء

کے رضا کار بھی شامل تھے۔ جلوس میں برملا یہ دھمکی دی گئی کہ حکومت اس وقت ہمارے مطالبات منظور کرے گی جب احمدیوں کے گھر جلائے جائیں گے۔

۱۲؍مارچ ۔ چنیوٹ کے احمدیوں کے خلاف بائیکاٹ کی مہم تیز تر کر دی گئی احمدیوں کی دکانیں کھلی تھیں مگر گاہکوں کو وہاں سے سودا خریدنے نہ دیا جاتا ایک احمدی ٹرنک ساز نواب الدین صاحب نے بتایا کہ گاہکوں کو یہ کہکر روکا جاتا ہے کہ یہ مرزائی کی دکان ہے اس سے سودا نہ خریدیں۔ ایک احمدی کسی غیر احمدی دکاندار سے سودا خریدنے گئے اس نے سودا دے دیا مگر دوسروں نے اسے روک دیا وہ احمدی گھر چلے گئے تھوڑی دیر بعد یہ دکاندار گھی وغیرہ خود احمدی کو دینے جا رہا تھا کہ لوگوں نے اُسے زبردستی منع کر دیا۔

۲۱، ۲۲؍ مارچ کی درمیانی شب کو چنیوٹ میں ڈھول بجا کر جلوس نکالا گیا جس میں احمدیت، حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اور وزیر اعظم پاکستان کے خلاف گند اُچھالا گیا اور گندے نعرے لگائے گئے۔

۲۳؍ مارچ ۔ چنیوٹ سے رپورٹ ملی کہ "سوشل بائیکاٹ تا حال جاری ہے منڈی کے سب آڑھتیوں کی کمیٹی نے منڈی سے احمدیوں کو سودا دینے کے خلاف آڑھتیوں سے وعدے لے رکھے ہیں۔ لہٰذا منڈی سے احمدیوں کو نہ گندم نہ سبزی دی جاتی ہے ویسے دالیں اور سبزی وغیرہ بچوں کے ذریعہ شرفاء سے لے لی جاتی ہے۔ غنڈوں کے ڈر سے شرفاء بھی احمدیوں کے بڑے آدمیوں کو سودا نہیں دیتے چپکے سے کہہ دیتے ہیں کہ کسی بچہ کو بھیج دینا"

تیسرا باب

اضلاع منٹگمری (ساہیوال) اور لاہور کی احمدی جماعتوں کے واقعات

فصلِ اوّل

ضلع منٹگمری (ساہیوال)

تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب کے فاضل جج اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ ۔

"اس ضلع میں کسی قدر اہمیت کے واقعات صرف وہ تھے جو اوکاڑہ میں پیش آئے"[1]

اوکاڑہ کے واقعات کا پسِ منظر صدر انجمن احمدیہ کے عدالتی بیان میں یہ لکھا ہے کہ :۔

"۱۹۴۹ء میں احرار نے عوام کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے احمدیوں کو گالیاں دینے اور ان پر ظلم و ستم ڈھانے کے پرانے ہتھیاروں کا استعمال شروع کر دیا۔ اور انہوں نے کانفرنسیں کیں جن میں متواتر یہ بیان کیا گیا کہ احمدی واجب القتل ہیں اور ان کا قتل کرنا ثواب کا کام ہے۔ ان زہریلی تقریروں کا نتیجہ اوکاڑہ کے نزدیک ایک احمدی مدرس مسمی غلام محمد کے قتل کی صورت میں برآمد ہوا۔ قاتل نے اقبال کیا کہ اُسے مولویوں کی تقریروں نے قتل پر اکسایا ہے۔ سیشن جج نے قرار دیا کہ اُسے مولویوں کی گزشتہ شب کی تقریروں نے متاثر کیا ہے۔ ان لوگوں کے خلاف جنہوں نے یہ تقریریں کی تھیں اور جن کے نتیجہ میں قتل کی واردات ہوئی تھی کوئی کارروائی نہ کی گئی "

رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء میں لکھا ہے کہ :۔

"۴؍مارچ کو تین ہزار کا ایک ہجوم ریلوے اسٹیشن پر پہنچا اور اس نے ڈاؤن پاکستان میل کو تین گھنٹے تک روکے رکھا۔ ہجوم نے ڈبوں کی کھڑکیاں توڑ ڈالیں۔ ٹرین روکنے والی ویکم کی زنجیریں توڑ ڈالیں اور مسافر عورتوں کو بے آبرو کیا۔

۸؍مارچ کو اوکاڑہ کے قریب ٹیلیگراف کے تار کاٹ دیئے گئے۔ ۳؍اپریل کو جامع

---

[1] رپورٹ صفحہ ۱۹۰

مسجد میں چند آتش ریز تقریروں کے بعد عورتوں کا ایک جلوس نکلا جو کچھ کتبے اور جھنڈے اٹھائے ہوئے تھیں۔ پولیس نے کتبے چھیننے کی کوشش کی جس پر پانچ سو آدمیوں کا ایک پُرغیظ ہجوم پولیس پر پل پڑا۔ پولیس اس ہجوم کو پیچھے ہٹا رہی تھی کہ ستر سال کا ایک بوڑھا زخمی ہوا اور ہسپتال میں فوت ہو گیا۔

۸۔ مارچ کا ایک اور واقعہ بھی ہے اگرچہ اس کا ذکر کسی سرکاری بیان میں موجود نہیں لیکن ہمارے نزدیک اس کے باور نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ حافظ محمد بخش سیکرٹری جماعت احمدیہ چک نمبر ۲/۲ (نزد اوکاڑہ) اور ان کے کنبے کے اشخاص کو جن میں ایک بی۔ اے اور دوسرا بی۔ اے ایل ایل بی ہے مجبور کیا گیا کہ اپنے عقیدے سے توبہ کریں اور تحریک احمدیہ کے بانی کو گالیاں دیں۔ پھر چار پانچ ہزار کا ایک ہجوم ان کو اُن کے گاؤں سے جامع مسجد[2] اوکاڑہ میں لایا جہاں وہ مولوی ضیاء الدین اور مولوی معین الدین کے سامنے پیش کیے گئے اور ان سے کہا گیا کہ مولویوں کے سامنے اپنے عقائد سے منحرف ہونے کا اعلان کریں۔ الخ "[1]

اوکاڑہ کے واقعات چشمدید بیانات کی روشنی میں

۱۔ جناب چوہدری حاکم علی صاحب سیکرٹری جماعت احمدیہ اوکاڑہ نے انہی دنوں اطلاع دی کہ:-

"۴ مارچ کی رات ایک احمدی دکاندار شیخ محمد اقبال منیاری فروش کی دکان جو ایک بڑے لکڑی کے کھوکھا میں تھی، لوٹنے کے بعد اُسے آگ لگا دی۔ وہ جل کر راکھ ہو گئی۔ مجسٹریٹ اور پولیس موقع پر پہنچ گئی تھی بعد ازاں شیخ محمد صدیق صاحب آڑھتی کی نئی کوٹھی جو زیر تعمیر تھی اس کے دروازے اور کھڑکیاں جلا دی گئیں۔ ۷ مارچ کو حالات زیادہ خراب ہو گئے کیونکہ یہ ٹولیاں تمام رات احمدیوں کے مکانوں کے سامنے ہلڑ بازی، نعرے، گالی گلوچ سے شور مچاتی اور پتھر مارتی رہیں۔ چند گھروں سے احمدیوں کو مسجد میں لایا گیا۔ ۷ مارچ صبح شہر کے تمام سکول بند کروا دیئے گئے اور میٹرک کے مقامی تین سنٹروں کے امیدواروں کو بھی پرچہ نہ کرنے دیا اور تمام طلبہ، لڑکے اور دوسرے لوگ جلوس کی شکل میں گلیوں، بازاروں میں نعرے لگاتے رہے احمدیہ بیت الذکر میں بھی پتھر پھینکے۔ شہر میں بہت زیادہ خوف و ہراس پھیلایا گیا اور کھلم کھلا اعلان

---

[1] تحقیقاتی رپورٹ صفحہ ۱۹۰ و صفحہ ۱۹۱۔ [2] اصل رپورٹ میں بیت الذکر کی بجائے مسجد کا لفظ ہے (ناقل)

کیا گیا کہ لاہور اور سیالکوٹ کا بدلہ اوکاڑہ میں لیا جائے گا۔ ہمسایوں نے احمدیوں کو عورتوں کے ذریعہ خوف دلانا شروع کیا کہ آج رات احمدیوں کے مکانوں پر حملہ ہوگا اور مستورات اور بچوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ ملنے والوں کے ذریعہ بطور ہمدردی اور خیر خواہی کے کہلایا گیا کہ ہم تعلقات کی وجہ سے صرف آپ کو اطلاع دے رہے ہیں کہ آپ کے مکان پر حملہ ہوگا۔ میرے تعلقات نے مجبور کیا کہ میں خفیہ آپ کو اطلاع دوں۔ علاوہ ازیں پانچ پانچ دس کی ٹولیوں میں احمدیوں کے مکانوں کے گرد منڈلانا شروع کیا اور کبھی اس طرف کبھی اُس طرف کھڑے ہو کر آواز کسنے اور مشوروں کی شکل میں باتیں کرنا شروع کر دیا...... اگلے روز.... بازاروں میں بذریعہ لاؤڈ سپیکر کہا گیا کہ بہت سے مرزائی مسلمان ہو چکے ہیں۔ وہ رات کو یقین دلائیں گے۔ باقی جس مرزائی نے مسلمان ہونا ہو وہ بھی آئے۔ ہم اس کی حفاظت کریں گے اور اس کے بعد وہ ہمارے بھائی ہوں گے۔

رات کو چوہدری غلام قادر صاحب[ؓ] پریذیڈنٹ کے مکان کے دروازہ پر سپرٹ پھینکی گئی۔ لیکن آگ لگنے سے پہلے پتہ چل گیا۔ باقی مکانوں کے متعلق بھی افواہ پھیلائی گئی کہ آج رات آگ لگا دی جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہے گو آج حالات بہتر ہیں لیکن افواہیں بہت خطرناک اور دہشت ناک قسم کی پھیلائی جا رہی ہیں۔"

۲۔ نصر اللہ خان صاحب باجوہ مالک پٹرول پمپ اوکاڑہ کا بیان ہے :۔

۸ر مارچ کا واقعہ ہے ایک جلوس...... ستلج کاٹن ملز کی طرف سے لاہور جانے کے لیے دیپالپور چوک سے گزرا...... جب جلوس گزر رہا تھا تو کسی نے بتایا کہ یہ پٹرول پمپ مرزائیوں کا ہے۔ جلوس کے ساتھ پولیس کافی تعداد میں تھی۔ پولیس والوں کو جب علم ہوا کہ جلوس والے پمپ کو توڑنا چاہتے ہیں تو وہ عمداً آگے نکل گئے اس پر جلوس والوں نے پتھر مار کر پٹرول پمپ کی بلڈنگ جس کے تین طرف شیشے لگے ہوئے تھے بالکل برباد کر دیا اور پمپ کو بھی خراب کر دیا۔

۳۔ شیخ محمد صدیق صاحب لکھتے ہیں :۔

"آغاز ماہ مارچ ۱۹۵۳ء میں ہمارے خلاف بوجہ احمدی ہونے کے بہت شور و شر تھا اور ہم

ؓ حضرت مسیح موعودؑ کے رفقاء میں سے تھے ولادت ۱۸۸۵ء بیعت ۱۸۹۷ء وفات یکم اپریل ۱۹۶۶ء

پر مکان میں، دکان پر، چوبارہ پر حملہ کیا گیا۔ پولیس اور مقامی افسران کو بذریعہ فون مطلع کیا جاتا رہا مگر کوئی امداد نہ ہوئی۔ آخر ہمسایوں نے حکمت عملی سے ہمیں اندرونِ محلہ کے حملوں سے تو بچا لیا مگر محلہ کے باہر ٹیلیفون کے دفتر کے سامنے جو میری کوٹھی زیرِ تعمیر تھی اس کے دروازے کھڑکیاں اور دیگر عمارتی سامان جلایا گیا اور توڑ پھوڑ کر تباہ کر دیا گیا۔

۴۔ اوکاڑہ کے ایک احمدی دکاندار (شیخ محمد یعقوب صاحب) کا بیان ہے:-

"۶ تاریخ کو میرے لڑکے محمد اقبال صاحب کے کھوکھا کو ہجوم نے آگ لگا دی۔ مَیں سات تاریخ کو جائے وقوع پر دیکھنے گیا۔ تمام سامان وغیرہ جلا ہوا تھا۔ نقصان کے باعث مجھے از حد صدمہ ہوا۔ مَیں خود ضعیف آدمی ہوں۔ اتنی ہمت نہیں رکھتا کہ صدمات کو برداشت کر سکوں۔ مجھے ایک سپاہی ہمراہ لے کر اپنے مکان پر چھوڑ گیا۔ مَیں وہاں نقصان کے غم میں بیٹھا ہی تھا کہ میرے چند عزیز...... جائے وقوعہ پر پہنچے۔ انہیں ہجوم نے گھیر لیا۔ جس طرح وہ اپنی جان بچا کر واپس پہنچے انہوں نے اپنی داستان سنائی تو اور بھی صدمہ بڑھ گیا۔ ابھی ہم اسی حال میں تھے کہ ہجوم ہمارے دروازے پر اکٹھا ہو گیا اور شور ڈالنے لگا کہ اگر تم بچنا چاہتے ہو تو احمدیت سے لاتعلقی کا اعلان کر دو ورنہ تمہارے بچے قتل کر دیئے جائیں گے۔ عورتیں اٹھا لی جائیں گی۔ ہم نے کچھ روپیہ تقریباً ۲۶،۲۷ لوگوں کو ادھار دیا ہوا تھا۔ اس کی ادائیگی کے متعلق کہہ دیا کہ وہ نہیں دیا جائے گا۔"

۵۔ ایک احمدی سوداگر چرم اوکاڑہ نے بیان دیا کہ :-

"میرے پاس میرا بیوپاری سوداگر چرم...... منٹگمری کئی بار آتا رہتا تھا۔ شورش کے ایام میں بھی میرے پاس آیا۔ میرا اور اس کا لین دین تھا۔ وہ اپنا قرضہ وصول کرنے کی نیت سے آیا تھا۔ اس نے چھ مارچ کو مجھے کہا کہ اگر تم بچ سکتے ہو تو بچ جاؤ۔ گھر سے اپنا سامان وغیرہ سنبھال لو اور بال بچوں کو کسی اور جگہ بھیجدو کیونکہ اب پاکستان میں یا مرزائی رہیں گے یا مسلمان۔ ۱۵۰۰ مسلمان کے حصہ میں ایک مرزائی آتا ہے جو ان سے بچ نہیں سکتا۔ سات مارچ کو آکر مجھ سے کہا کہ میرا حساب چکا دو کیوں کہ اب تم بالکل ختم ہونے والے ہو۔ مَیں نے تقریباً پانچ ہزار روپیہ اس کا دینا تھا جس کو مَیں نے چمڑا وغیرہ دے کر پورا کر دیا۔ جونہی وہ اپنا مال اٹھانے لگا دس پندرہ

غنڈے آگئے اور انہوں نے مجھے اور اس کے مال کو جو میں نے اُسے دیا تھا گھیر لیا اور کہنے لگے کہ ہم مرزائیوں کو اور اُن کے مال کو ہرگز نہیں جانے دیں گے۔ یہ سب مال تحفظ ختم نبوت کیلئے خرچ ہو گا۔ مظفر مذکور نے مجھے از حد دہشت زدہ کیا اور مجھ پر لین دین کے معاملہ میں بھی اس قدر سختی کی جو بیان سے باہر ہے۔"

۶۔ صدر بازار اوکاڑہ کے ایک اور احمدی دکاندار کا بیان ہے کہ:۔

"شورش کے ایام سے ۱۰-۱۵ دن قبل ہمارا پڑوسی ..... دکاندار صدر بازار اپنے گاہکوں سے یہ کہتا رہتا تھا کہ ۲۲ فروری کے بعد ان مرزائیوں کو ختم کر دیا جائے گا اور ان کی لڑکیاں اٹھا کر لے جاویں گے۔ جو گاہک ہمارے پاس آتا اُسے کہتا کہ مرزائیوں سے کیوں سودا خریدتا ہے۔ تیرا منہ کالا کر دیا جاوے گا۔ ۲۳ فروری کے بعد یہ کہتا رہا کہ صرف ایک دو دن کے یہ مہمان ہیں حتیٰ کہ مارچ کی ۵ تاریخ آگئی صبح دکان کھولتے ہوئے اس نے کہا کہ کل تمام مرزائی ختم کر دیئے جاویں گے۔ کوئی نظر نہیں آوے گا۔ اس طرح متواتر ہمیں دہشت زدہ کرنے کی کوشش کی جاتی رہی اور ہمارے مکان میں ہمارا پڑوسی..... ہمیں بار بار یہ اطلاع دے رہا تھا کہ تمہارے مکان کو آگ لگانے لگے ہیں۔ تم جلد مسلمان ہو جاؤ ورنہ آگ لگا دی جاوے گی۔ ۶ مارچ کو محمد اقبال کی دکان جو لکڑی کے کھوکھا کی تھی جلا دی گئی۔ اس وقت ہمارے مکان کے قریب مجلس عمل کے زیر اہتمام ایک جلسہ ہو رہا تھا جس میں مولوی ...... تقریر کر رہا تھا اور پبلک کو اشتعال دلا رہا تھا کہ مرزائیوں کو مار دو۔ آگ لگا دو۔ جلا دو۔ پبلک اشتعال میں آکر نعروں پر نعرے لگا رہی تھی اور اس قدر دہشت ناک صورت تھی کہ ابھی ہمیں ہمارے مکان اور دکان کو آگ لگا دی جائے گی۔"

۷۔ ریل بازار اوکاڑہ کے ایک منیاری فروش احمدی نے بتایا کہ:۔

"مورخہ ۷ مارچ ۱۹۵۳ء بروز ہفتہ جبکہ ہم پر ایک روز قبل ۶ مارچ بروز جمعۃ المبارک بعد از نماز مغرب ۷ بجے شام جلوس نے ہمارے مکان پر پتھراؤ کیا اور کھوکھا ملکیتی شیخ محمد اقبال واقع چوڑی گلی ریل بازار کے دروازے اور تختیاں وغیرہ توڑ دیں تو ہم سب دہشت زدہ ہو کر اپنے مکان کو کھلا چھوڑ کر شیخ رحیم بخش ولد شیخ دیوان احمد ساکن ڈی بلاک کے مکان پر چلے آئے تھے

ہمارے آنے کے تقریباً ایک گھنٹہ بعد کھوکھا مذکور کو آگ لگا دی گئی تھی۔ صبح سات مارچ کو تقریباً گیارہ بجے دن کے ایک حوالدار صاحب پولیس بلا وردی سفید کپڑوں میں آئے اور ہمیں کہا کہ اپنے مکان کو قفل لگا لو اور وہاں سے اپنا ضروری سامان بھی لے آؤ۔ ہم اس کے ساتھ چار کس مع ایک بچہ کے اپنے مکان واقع چوڑی گلی ریل بازار کی طرف روانہ ہو گئے۔ چوڑی گلی کے مشرقی حصہ کی جانب ایک تھانیدار صاحب مع وردی کھڑے تھے انہوں نے ایک حوالدار صاحب کو روکا کہ بلا وردی انہیں تم ساتھ کیوں لائے ہو۔ ...... ہم نے اپنے مکان پر پہنچ کر سامان ریڑھے پر رکھا تھا کہ ہمارے سامان کو ریڑھے سے اتروا کر رکھ دیا گیا اور کہا گیا کہ ہمارے نوجوان اس قدر گورنمنٹ نے گولیوں سے مار دیئے ہیں اور یہ سب انہی کی باعث ہوا ہے اور ان کو اور ان کے سامان کو کیوں جانے دیں۔ قریب تھا کہ یہ لوگ اشتعال میں آ کر ہم پر حملہ کر دیں کہ ہم اپنے مکان کے اندر چلے گئے اور کواڑ وغیرہ بند کر لیے۔ ہم میں سے ایک لڑکا بچ بچا کر ہمارے بھائی شیخ ..... کے پاس پہنچا اور انہیں اطلاع دی۔ انہوں نے آ کر ہجوم کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ آپ لوگ ان کو ماریں نہیں۔ یہ سب مسلمان ہو جائیں گے۔ اور اس طرح سے ہجوم سے کہہ کر ہمیں چھڑایا اور ہم اپنے مکان پر آ گئے۔"

مضافاتِ اوکاڑہ کے واقعات

۱۔ حوالدار محمد ابراہیم صاحب کا بیان ہے:-

"چک نمبر ۳۲ تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری میں ہم دو احمدیوں کے گھر ہیں۔ ایک میرا اور ایک میرے خسر چوہدری عدالت خان ولد شیر خان قوم راجپوت کا۔ شورش کے ایام میں ہمیں از حد تنگ کیا گیا حتیٰ کہ تمام دیہہ کے مشترکہ کنوئیں پر سے پانی لے کر پینے تک نہیں دیا۔ کئی دنوں تک ہم شہر کے کھالے سے پانی لے کر پیتے رہے۔ یہ لوگ جلوس اور جتھہ کی شکل میں ہمارے مکانوں پر آتے۔ نہایت گندے نعرے لگاتے۔ اینٹ اور پتھر ہم پر برساتے تھے۔ ہمیں پنچایت میں بٹھا کر شدید دھمکیوں کے بعد احمدیت سے تائب ہونے پر مجبور کرتے رہے۔ لیکن ہمارے انکار پر ہمارا سوشل بائیکاٹ کر دیا گیا۔ سرفراز حسین صاحب نائب تحصیلدار اوکاڑہ موقعہ پر تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے گاؤں والوں کو سمجھایا۔ ان کے سامنے اتنا اقرار کیا کہ ہم ان کو کنوئیں سے نیچے نالی میں برتن رکھوا کر خود پانی دیدیا کریں گے۔ یہ لوگ ہمارے کنوئیں پر نہ چڑھیں۔

ہمیں قتل کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔ ہم نے ان تمام باتوں کی رپورٹ تھانہ اوکاڑہ میں دیدی تھی ....
بعد میں شہر کے کھالے سے بھی پانی لینا بند کر دیا تھا۔ آخر ہم جوہڑ سے پانی لے کر پیتے رہے ۔"

۲۔ محمد خاں صاحب ولد عالم خاں صاحب نے ایک بیان میں لکھا :۔

"شورش کے ایام میں ہمارے گاؤں کے چک نمبر ۱۲ تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری میں ہم احمدیوں کو جن کا گاؤں میں صرف ایک ہی گھر تھا سخت تنگ کیا گیا۔ ہمارے رہائشی مکان واقعہ چک مذکورہ کو لوگوں نے جتھے کی صورت میں آکر نذرِ آتش کر دیا۔ علاوہ مکان کے اس میں خانگی سامان بھی تھا جو اس کے ساتھ ہی جل گیا یہ واقعہ تقریباً رات کے دس بجے ہوا۔ مقامی چک کے باشندے جمع ہو کر ایک جلوس میں ہمارے مکان کے سامنے آئے ۔ نہایت گندی گالیاں اور اشتعال انگیز نعرے لگاتے رہے ہمارے مکان کے دروازہ کو پتھر بھی مارے گئے ۔ آخر جلوس ہمارے مکان کے آگے بڑھ گیا جس میں سے پانچ اشخاص ..... الگ ہو گئے۔ واپس آکر انہوں نے ہمارے مکان کو آگ لگا دی ۔ ہمارا مکمل بائیکاٹ کیا گیا جو تقریباً ۱½ ماہ تک جاری رہا۔ ہم نے اس واقعہ کی رپورٹ تھانہ اوکاڑہ میں دی تھی ۔ تھانیدار فضل احمد تفتیش کے لیے گیا لیکن موقعہ پر جا کر کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ الٹا ان لوگوں کے حوصلہ کو بڑھا دیا۔ دوسرے روز ہم نے مجسٹریٹ صاحب کے سامنے واقعہ کی رپورٹ کی جس پر دوبارہ فضل احمد تھانیدار چک مذکور میں آیا اور مذکورہ بالا پانچ اشخاص میں سے تین کو اپنے ہمراہ تھانہ میں لے آیا ۔ یہاں آکر ان کی ضمانت لے کر چھوڑ دیا ۔"

۳۔ میاں نور محمد صاحب کی شہادت ہے کہ :۔

"میں چک ۵۴/۲-ایل میں اکیلا احمدی ہوں۔ اور عرصہ پانچ سال سے اس چک میں رہتا ہوں ۔ موجودہ شورش میں پہلے تو چک کے لوگ خاموش رہے لیکن چھ مارچ کے بعد رات کو جلوس کی شکل میں جمع ہو کر نعرے لگانے شروع کیے گئے ۔ ۷، ۸ مارچ ہر دو راتوں کو بہت بڑا مجمع نعرے لگاتا ہوا میرے احاطہ کے گرد جمع ہو گیا ۔ اور زور زور سے نعرے لگانے شروع کیے گالیاں دیتے رہے اور کہتے رہے کہ باہر نکلو یا مسلمان ہو جاؤ لیکن کوئی آدمی احاطہ کے اندر داخل نہیں ہوا۔ ہر رات تقریباً دو گھنٹہ تک متواتر نعرے لگاتے شور کرتے، گالیاں دیتے اور ڈرانے دھمکانے کے بعد واپس چلے جاتے رہے۔ لیکن ۹ مارچ شام ہوتے ہی ایک بڑا مجمع نعرے

لگاتا ہوا احاطہ کے دروازہ پر پہنچ گیا اور احاطہ میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ لیکن ہم نے کہا کہ احاطہ سے باہر رہیں۔ اندر نہ آئیں لیکن چونکہ پہلے ہر دو روز کے واقعہ کی اطلاع نمبردار دیہہ کو ساتھ ساتھ دیتے رہے اور اس روز صبح نمبردار نے بھی کہہ دیا کہ تم خود اپنا انتظام کر لو میں آج تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ گاؤں کے لوگ میرے بہت خلاف ہو رہے ہیں اور اس روز صبح سویرے سے ہی مختلف قسم کی دھمکی آمیز پیغامات آ رہے تھے۔ لہٰذا شام کے وقت عورتوں اور بچوں کو قریبی چک نمبر ۵/۱۰ میں پہنچا دیا اور سامان مال مویشی اور تمام دیگر افراد گھر میں ہی موجود رہے۔ مجمع نے حسبِ معمول احاطہ کے گرد جمع ہو کر نعرے لگانے اور گالیاں دینی شروع کیں دو تین جگہ آگ لگانے کی کوشش کی۔ ہم خاموش احاطہ کے اندر بیٹھے رہے۔ البتہ ان کی منت سماجت کی کہ مکان کو آگ نہ لگائیں اور ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دیں لیکن یہ مجمع بڑھتا گیا اور کوئی کہتا آگ لگاؤ۔ کوئی کہتا مار دو۔ کوئی کہتا توبہ کرو۔ یہ مختلف نعرے لگاتے رہے۔ آخر دس بجے کے قریب مٹی کا تیل ڈال کر ایک کوٹھے کو آگ لگا دی۔ جب آگ کافی بھڑک اٹھی تو تمام لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ صبح تھانہ اوکاڑہ میں اطلاع دی گئی تو اے ایس آئی صاحب پولیس موقعہ پر تشریف لائے۔ مکان جل کر راکھ ہو چکا تھا۔"

۴۔ چوہدری نصیر احمد صاحب نے بیان کیا :-

"چک نمبر ۳۰/۱۱ ضلع منٹگمری میں احمدیہ جماعت ہے۔ لیکن اس چک میں بھی زیادہ آبادی غیر احمدیوں کی ہے۔ گردو نواح میں سب غیر احمدیوں کے چک ہیں۔ تحریکِ احرار کے زمانہ میں اس علاقہ میں بھی احمدیوں کی مخالفت کی گئی ہے۔ جلوس نکالے گئے۔ تعداد اور طاقت کے لحاظ سے ہم غیر احمدیوں کے مقابلہ میں بہت کمزور تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور حضور کی دعاؤں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے خود ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ یہ فتنہ کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔ خود غیر احمدیوں نے یہ مشہور کر دیا کہ چوہدری نصیر احمد کے پاس اتنا اسلحہ ہے کہ ہم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ کئی لوگوں نے باہر کے لوگوں میں حلفاً یہ کہا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے حالانکہ یہ سب غلط تھا۔ اس جھوٹی مخبری کی بناء پر پولیس نے میری تلاشی بھی لی۔ لیکن کوئی ناجائز چیز برآمد نہ ہو سکی۔"

فصلِ دوم

لاہور شہر اور اس کے مضافات

اس پُر آشوب زمانہ میں تشدد، قتل و غارت اور آتش زنی کی سب سے ہولناک وارداتیں لاہور میں ہوئیں ۔ جماعت احمدیہ لاہور پر ۶ ؍ مارچ ۱۹۵۳ء کو کیا بیتی ؟ اس کا نقشہ تحقیقاتی عدالت کے فاضل ججان نے حسبِ ذیل الفاظ میں کھینچا ہے :۔

" اس دن کے واقعات کو دیکھ کر " سینٹ بارتھولومیوڈے " یاد آتا تھا حتیٰ کہ ڈیڑھ بجے بعد دوپہر مارشل لاء کا اعلان کر دیا گیا ..... ایک دن قبل ایک احمدی مدرس قتل کر دیا گیا تھا ۔ ۶ ؍ مارچ کو ایک احمدی محمد شفیع برما والا مغل پورہ میں ہلاک کر دیا گیا ۔ اور کالج کے ایک احمدی طالب علم[1] کو بھاٹی دروازہ کے اندر لوگوں نے چھرے مار مار کر قتل کر دیا ایک اور احمدی یا (مفروضہ احمدی[2]) مرزا کریم بیگ کو فلیمنگ روڈ پر چھرا مار دیا گیا اور اس کی نعش ایک چتا میں پھینک دی گئی جو فرنیچر کو آگ لگا کر تیار کی گئی تھی ۔ احمدیوں کی جو جائیدادیں اور دکانیں اس دن لوٹی یا جلائی گئیں وہ یہ تھیں ۔ پاک ریز ۔ شفاء میڈیکل ۔ اور سوکو ۔ موسیٰ اینڈ سنز کی دکان ، راجپوت سائیکل ورکس ۔ ملک محمد طفیل اور ملک برکت علی کے چوب عمارتی احاطے اور گودام ۔ میسن روڈ پر ملک عبد الرحمٰن کا مکان ۔ مزنگ روڈ اور ٹمپل روڈ پر پانچ احمدیوں کے مکان جس میں شیخ نور احمد ایڈووکیٹ کا مکان بھی شامل تھا ۔ تیسرے پہر ایک ممتاز ایڈووکیٹ مسٹر بشیر احمد امیر جماعت احمدیہ لاہور کا مکان گھیر لیا گیا ، ہجوم اس مکان میں

---

[1] جمال احمد صاحب (ابن مستری نذر محمد صاحب) شہید کی عمر ۱۷ سال ۵ دن تھی آپ کو پہلے لاہور میں امانتاً دفن کیا گیا پھر سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی اجازت سے ۵ ؍ نومبر ۱۹۵۴ء کو بہشتی مقبرہ ربوہ میں سپرد خاک کیے گئے (لاہور تاریخ احمدیت صفحہ ۵۶۴ مؤلفہ مولانا شیخ عبد القادر صاحب اشاعت فروری ۱۹۶۶ء) [2] آپ نہایت مخلص احمدی تھے

داخل ہونے ہی والا تھا کہ مسٹر بشیر نے اپنے دفاع میں چند گولیاں چلائیں ۔ ایک خاص فوجی عدالت نے اس کے اس فعل پر مقدمہ چلایا ۔ لیکن وہ بری کر دیئے گئے ۔ ۶ ، ۷ مارچ کی رات کو عبد الحکیم مالک بانو یہ الیکٹرک اینڈ بیٹری سٹیشن کے مکان پر چھاپہ مارا گیا ۔ اور ان کی بوڑھی والدہ قتل کر دی گئی ۔[۱]

فاضل ججوں نے چھ مارچ کو "سینٹ بارتھالومیوڈے"[۲]

(Saint Bortholomew's Day) قرار دے کر فرانس کی مذہبی تاریخ کے اُن خونچکاں واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے جو ۲۴ اگست ۱۵۷۲ء کو وقوع پذیر ہوئے جبکہ فرانس کے اکثریتی عیسائی فرقہ رومن کیتھولک نے مسیحی کلیسیا کے دینی مصلح مارٹن لیوتھر کے پراٹسٹنٹ معتقدوں کا (جو ہیوگوناٹ Huguenots کہلاتے تھے) نہایت بیدردی سے قتل عام کیا مورخ سولی مقتولین کی تعداد کا اندازہ ستر ہزار بتاتا ہے مگر لارڈ ایکٹن آٹھ ہزار اور اے جے گرانٹ کے خیال میں دس ہزار قتل ہوئے ۔ اس وقت فرانس پر چارلس نہم Charles IX بادشاہ تھا اور کیتھرین ڈی میڈی چی (Cathrine De Medici) ملکہ تھی یہ دونوں کیتھولک تھے مگر اُن کے دربار کا ایک ممتاز رکن ایڈمرل ڈی کالگنی Coligny پراٹسٹنٹ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا کیتھرین کو کالگنی کے روز افزوں اثر کو دیکھ کر یہ حسد اور خوف پیدا ہوا کہ اگر کوئی تدبیر نہ کی گئی تو بہت جلد اس کا اقتدار زائل ہو کر امور سلطنت میں وہ بے اثر ہو کر رہ جائے گا ۔ اُس نے پہلے تو کالگنی (Cloigny) کو قتل کرانے کی سازش کی جس میں ناکامی کے بعد بادشاہ کے بھائی ہنری اور ہنری ڈیوک گائز اور پیرس کے دیگر عمائد کے ساتھ منصوبہ باندھا کہ پیرس کے مذہبی دیوانوں اور عوام کو کالگنی کے ہم مذہب فرقہ کو واجب القتل بتلا کر اس کے خلاف مشتعل اور برانگیختہ کر دیا جائے ۔ بادشاہ چارلس نہم اگرچہ کالگنی سے محبت والنس رکھتا تھا ، اس کے فرقہ ہیوگناٹ (Hugenot) کو موت کے گھاٹ اتارنے پہ آمادہ ہو گیا کیونکہ اس کو باور کرایا گیا کہ خود اس کی زندگی خطرے میں ہے ۔ اس قتل عام کو میڈرڈ اور روم میں فتح قرار دیا گیا اور اس پہ بہت خوشیاں منائی گئیں ۔

جماعت احمدیہ کے خلاف بھی از روئے شریعت مرتد اور سنگسار کیے جانے کا مطالبہ کئی

---

[۱] رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۱۶۱

[۲] Collier's Encyclopaedia Vol III Pg. 643 مطبوعہ امریکہ و برطانیہ ۱۹۶۷ء

سال سے پوری شدت سے جاری تھا اور مرکزی حکومت خصوصاً جناب خواجہ ناظم الدین صاحب وزیراعظم پر اس کے لیے بالخصوص دباؤ ڈالا گیا تھا مگر خواجہ صاحب احمدیوں کی موت کے پروانہ پر دستخط کرنے نہ پائے تھے کہ اُن کی حکومت کا تختہ الٹ گیا ورنہ جیسا کہ انہوں نے اپنے عدالتی بیان میں تسلیم کیا درپردہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ :۔

"اگر نوّے فیصدی علماء اس پر اتفاق کر لیں کہ مرزا غلام احمد کو ماننے والا کافر ہے اور اس کو سنگسار کر کے ہلاک کر دینا چاہیئے تو وہ اس فیصلے کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں گے"۔[1]

لاہور اور اس کے ماحول کے واقعات (۶ مارچ ۱۹۵۳ء)

"سینٹ بارتھالومیوڈے" کے ضمنی ذکر کے بعد لاہور اور اس کے ماحول پر روشنی ڈالی جاتی ہے :۔

۱۔ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں ۶ مارچ ۱۹۵۳ء کو لکھا کہ :۔

"......شہر کے مختلف حصوں سے انتہا درجہ تشویشناک اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔ کئی بار سراج الدین صاحب کے متعلق یہ پیغام موصول ہوا کہ اگرچہ وہ اپنے بچے اور مستورات کہیں بھجوا چکے ہیں لیکن وہ خود اور ان کے بھائی پہلوان معراج الدین خطرناک حالات میں گھرے ہوئے ہیں۔ دشمنوں نے نرغہ ڈالا ہوا ہے۔ اسی طرح مسعود احمد صاحب الفضل کی طرف سے پیغام موصول ہوا کہ وہ بھی دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں ان کا انتظام کیا جائے۔ مہاشہ فضل حسین صاحب کے گھر کو بھی آگ لگانے کی کوشش ہو رہی تھی۔ انہوں نے بھی مدد کی درخواستیں بھیجیں۔ ان تفاصیل میں گزشتہ اڑتالیس گھنٹوں میں ہر لحہ ایسے ہی پیغامات موصول ہوتے رہے۔ اور میں نے اور میرے رفقاء نے ہر ممکن مساعی کی کہ پولیس کے افسران کو مدد کی طرف متوجہ کریں اور کئی بار میاں مظفر احمد صاحب کی وساطت سے بھی کوشش کی لیکن نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اور حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔ اس وقت یہ حالت ہے کہ ملک برکت علی صاحب ٹمبر مرچنٹ راوی روڈ کی دکان ملک محمد طفیل صاحب سوداگر چوب۔ مستری نذر محمد صاحب آرہ، مستری موسیٰ صاحب اور

---

[1] رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۲۱۳

محبوب عالم صاحب کی دکانات جل چکی ہیں۔ جہاں تک لُوٹ کا سوال ہے کئی دکانیں لُٹ چکی ہیں۔ ہمارے مخلص کارکن جنہوں نے موجودہ فتنہ میں اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کیا ہے اور جن کی خاص سفارش کرنی چاہتا ہوں وہ محمود الحسن پاکستان گھی سٹور ہیں۔ اس وقت ان کی دکان بھی لُٹ چکی ہے۔ اور شہر سے کئی اطلاعات موصول ہو چکی ہیں .... آج شیخ نور احمد صاحب (وکیل) کے حالات بہت تشویشناک صورت اختیار کر گئے ہیں۔ پرسوں رات اُن کے گھر پر خشت باری ہوئی شیشے توڑ دیئے گئے۔ گزشتہ شب اُن کے گھر پر حملہ بھی ہوا لیکن زیادہ سنگین حالات رونما نہیں ہوئے۔ آج حالات زبوں تر ہو گئے اور ان کے بال بچوں کو ایک وکیل صاحب نکال کر لے گئے۔ مجھے اطلاع موصول ہوئی کہ اُن کی جان خطرہ میں ہے۔

میرے ساتھ کے کرایہ داروں کا ایک لڑکا ہوائی جہازوں میں ملازم، اس نے اپنے مکان کے حصہ سے ضروری سامان لے جانے کے لیے ایک ٹرک منگوایا جس کے ساتھ فوج کے سپاہی بھی تھے۔ مَیں نے اس ٹرک کو وہاں بھجوا کر ان کو اپنے ہاں بلوا لیا۔ وہ ابھی پہنچے ہی تھے کہ ان کے گھر کے سامان کو نکال کر آگ لگا دی گئی۔ اور سیاہ دھواں آسمان سے اُٹھتا نظر آیا۔ وہاں سے فارغ ہو کر مجمع اُمنڈتا ہوا ۱۳ ٹمپل[1] روڈ پر حملہ آور ہوا۔ گلی والے دروازے کو آگ لگا دی۔ ٹمپل روڈ والے دروازے کو توڑ کر اس میں داخل ہو گئے۔ سر عبد القادر کی کوٹھی پر بھی چڑھ گئے اور سڑک سے بھی اور ارد گرد سے بھی شدید خشت باری شروع کر دی۔ اس سے پہلے وہ میرے بورڈوں کو آگ لگا چکے تھے اور ساتھ لے بھی گئے تھے۔ حالات جب بے قابو ہو گئے تو میرے رفیقوں نے جن کے پاس بندوقیں تھیں ہوا میں فائر کئے لیکن اعجاز الحق صاحب جن کی گولی مجمع میں سے کسی کو لگ گئی وہ شاید زخمی ہوا یا مر گیا۔ ان گولیوں سے مجمع منتشر ہو گیا اور کوٹھی آگ لگنے اور جانیں ضائع ہونے سے بچ گئی۔ اسی عرصہ میں ملک عبد الرحمٰن صاحب کی کوٹھی کو بھی لوٹ لیا۔ اسی طرح ملک عبد الرحمٰن صاحب جو ڈاکٹر یعقوب صاحب کے بھائی ہیں اور رفعت محمود صاحب صاحب جو لکشمی بلڈنگز میں بیڈن روڈ اور مال روڈ کے ساتھ لگی ہوئی عمارت میں رہتے ہیں ان کا انخلاء کر کے

---

[1] جہاں شیخ بشیر احمد صاحب مقیم تھے

ٹمپل روڈ پر پہنچا دیا گیا ہے

اور مختلف جگہوں سے مختلف لوگوں کو لا کر جن کی مجموعی تعداد سو کے لگ بھگ ہے ٹمپل روڈ میں جمع کر دیا گیا ہے .... مارشل لاء نافذ ہو چکا ہے۔ مَیں مشورہ کے لیے رتن باغ آیا تھا اور کرفیو کی وجہ سے یہیں ٹھہر گیا ہوں" الخ

۲۔ صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے (جو ان فسادات کے دوران لاہور سول سیکرٹریٹ میں تھے اور رتن باغ میں مقیم تھے) ۶ مارچ ۱۹۵۳ء کو حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں حسب ذیل مکتوب لکھا:۔

۶/۳/۵۳ بسم اللہ

یا عمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

لاہور میں کل سے حالات سخت تشویشناک ہو گئے ہیں۔ اور بالکل ۴۷ء۱۹ کے فسادات کا نظارہ نظر آتا ہے۔ کوئی حکومت معلوم نہیں دیتی۔ کل اور آج کے واقعات مختصراً درج ہیں۔

۱۔ کل ماسٹر منظور احمد صاحب مدرس باغبانپورہ شہید کر دیئے گئے۔

اسی قسم کی خبر محمد شفیع صاحب برمی کے متعلق ہے۔

آج صبح راجپوت سائیکل ورکس، مستری موسیٰ کی دوکان شفاء میڈیکو، منیر کی دکان Orsinco ملک عبدالرحمان صاحب کے گھر کو لوٹا گیا۔ اور آگ لگائی گئی۔ ملک عبدالرحمان اپنی فیملی کے ساتھ دوسرے کسی مکان میں جا چکے تھے۔

ہسپتال میں ممانی جان[1] کا رہنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ کیونکہ وہاں بھی بدمعاشوں نے پہنچنے کی کوشش کی اب انہیں Ambulance کے ذریعہ یہاں مکان رتن باغ پر لایا جا رہا ہے۔

ممانی جان شام کو رتن باغ بخیریت پہنچ گئی ہیں۔

احمدی اپنے گھروں میں مقید ہیں۔ اور ان کی جان و مال خطرے میں ہے۔ پولیس قریباً بے بس ہو چکی ہے اور ابھی تک فوج کے سپرد انتظام نہیں کیا گیا۔ ابھی مَیں نے گورنمنٹ ہاؤس سے پتہ

---

[1] حضرت اُمّ داؤد صالحہ خاتون صاحبہ بیگم حضرت سید محمد اسحٰق صاحب وفات ۸ ستمبر ۱۹۵۳ء

کیا تھا۔ تو انہوں نے بتایا کہ اس کا فیصلہ ہو رہا ہے ۔

آج صبح یہاں جماعت کے احباب نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جہاں جہاں احمدی اکیلے ہیں۔ وہ یا تو دوسرے اس محلہ کے احمدی کے گھر چلے جائیں اور یا پھر اپنے اپنے محلہ میں ایک Pocket بنا لیں اور وہاں سب اپنی حفاظت کریں ۔

ایک جیپ کا انتظام کر کے پولیس سے مدد کی کوشش کی جا رہی ہے ۔ کہ وہ امداد دیں۔ تا محلہ جات وغیرہ میں گشت کر کے احمدیوں سے Contact قائم رکھا جائے ۔ اور جو مدد ہو سکے دی جاوے ۔ یوں احمدیوں کی آمد و رفت باہر مشکل ہے ۔ اور خطرہ سے خالی نہیں ۔

گورنمنٹ کا ابھی ابھی اعلان ہوا ہے ۔ کہ پنجاب کی حکومت نے یہ فیصلے کیے ہیں ۔ کہ وہ اس تحریک کے لیڈران سے گفت و شنید کرے ۔

مرکزی حکومت کو سفارش کی جا رہی ہے کہ وہ چوہدری صاحب کو مستعفی ہونے پر مجبور کریں۔ کیونکہ یہ عوام کا مطالبہ ہے ۔

آج شام کو شیخ بشیر احمد صاحب[1] کے مکان پر بھی حملہ ہوا ۔ کوئی ایک ہزار کا ہجوم تھا ۔ پولیس بھی اس وقت موجود نہ تھی اس لیے اپنے والنٹیرز نے اس حملہ کو بندوق چلا کر کامیابی کے ساتھ واپس کیا۔ اب میں یہ خط شام کے ساڑھے آٹھ بجے مکمل کر رہا ہوں ۔ چاروں طرف سے نعروں وغیرہ کی آواز آ رہی ہے ابھی تک حالات پوری طرح قابو میں نہیں آئے ۔ گو کچھ فرق پڑتا نظر آ رہا ہے ۔ حضور خاص طور پر دعا فرماویں ۔ اور اگر کوئی ہدایات ہوں تو وہ بھی ارشاد فرماویں امید ہے کہ آئندہ بارہ گھنٹے تک فوج حالات پر مکمل طور پر قابو پا لے گی ۔

قیوم[2] آدرمیں کل شام سے رتن باغ آ گئے ہیں ۔

بعض دوست ملک عبداللہ خالد اور دوسرے دوست کہہ رہے ہیں ۔ کہ یہاں آ جاؤ ۔ لیکن باقی عزیزوں کے ساتھ رتن باغ میں ہی رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے ۔

پرسوں اور آج ہمارے سیکرٹریٹ کے کلرکوں نے بھی ہڑتال کر دی ۔ اور کپاؤنڈ کے اندر نعرے

---

[1] ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور مراد ہیں ۔ [2] مراد صاحبزادی امۃ القیوم بیگم صاحبہ

لگانے شروع کر دیئے ۔ مجھے احساس ہے کہ حالات مشرقی پنجاب کے فسادات سے اگر زیادہ نہیں تو اس کے برابر ضرور ہیں ۔

طالب دعا خاکسار

مظفر احمد

نوٹ :۔

شام کو میں نے خالد ملک کو فون کیا تھا اس سے پتہ چلا کہ مرکز نے صوبہ پنجاب کی حکومت کی درخواست کہ چوہدری صاحب کو مستعفی ہونے پر مجبور کیا جائے، کو Resist[1] کیا ہے۔ اب دیکھنے کی بات ہے کہ مرکز کے اس جواب پر صوبہ کی حکومت مزید کیا فیصلہ کرتی ہے ؟

خاکسار

مظفر احمد

۲ ۔ ملک عبدالرحمٰن خان صاحب (برادر ڈاکٹر محمد یعقوب صاحب) نے اسی روز امیر صاحب جماعت احمدیہ لاہور کو اطلاع دی کہ :۔

" ۶ مارچ علی الصبح سے فضا نہایت مکدر ہوگئی ۔ صبح ہمارے ایک غیر احمدی رشتہ دار نے بتایا کہ تحریک کے سرغنوں نے جن کا صدر مقام مسجد وزیر خاں تھا فیصلہ کیا ہے کہ" تحریک راست اقدام"، جن کا رُخ پہلے گورنمنٹ کی طرف تھا آج سے احمدیوں کی طرف بھی ہوگا ۔ اور اس نے ان منصوبوں کا ذکر جو احمدیوں کے متعلق ہوئے آگاہ کیا اور بتایا کہ کس طرح جلد ہی احمدیوں کا پہلے لاہور میں، پھر دیگر نواحی شہروں میں وہی حشر ہوگا جو مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا ہوا ۔ اِرد گِرد کی مسموم فضاء کے پیش نظر ہمیں یہ باور کرنے میں ذرا بھی تامّل نہ تھا اور اسی رشتہ دار کے مشورہ سے اپنی حفاظت کے لیے سوچنے لگے ۔

خوش قسمتی سے جس علاقہ میں میری رہائش ہے وہاں اکثر تعلیم یافتہ اور مہذب لوگ آباد ہیں۔ اس لیے نسبتاً اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا تھا ۔ البتہ میری معمّر والدہ صاحبہ، ہمشیرہ اور چھوٹے بھائی

---

[1] سختی سے ردّ کرنا

کے بال بچے قلعہ گوجر سنگھ عبدالکریم روڈ کے اس علاقہ میں رہتے تھے جو امرتسر کے شوریدہ پشت اور شرارت پسند لوگوں کی آماجگاہ ہے۔ اس لیے صبح ۹ر۱۰ بجے کار لے کر میں اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر محمد یعقوب خان آف میو ہسپتال کو وہاں سے .... چھپ چھپا کر لے آیا کیونکہ ہمسائیوں تک کی نظریں آنے والے حالات کی غمازی کر رہی تھیں۔ ملازم اور بھانجا وہاں ہی رہ گئے تھے۔

جب واپس گھر پہنچے تو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد ملازم وہاں سے بھاگ کر آیا اور بتایا کہ غنڈوں کا ایک گروہ جس کی سرکردگی بعض خوش پوش نوجوان کر رہے ہیں مکان میں گھس کر لوٹ کھسوٹ میں مشغول ہے۔ اور ساتھ ہی کچھ اشیاء گھر کے سامنے رکھ کر نذر آتش کر رہے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی میں نے قلعہ گوجر سنگھ کے تھانہ میں فون کیا مگر ایک گھنٹہ متواتر کوشش کرنے کے باوجود نمبر نہ مل سکا۔ اس کے بعد یعنی پہلے ملازم کے آدھ پون گھنٹہ کے بعد دوسرے ملازم نے جس کو گھر سے صورتِ حال کا پتہ لینے کے لیے بھیجا تھا آکر اطلاع دی کہ لوٹ گھسوٹ اور آتش زدگی کا عمل زور وشور سے جاری ہے محلہ والے ویسے کھڑے ہیں اور مداخلت نہیں کر رہے۔ اس دوران میں تھانہ سول لائن میں فون کیا کہ اس وقت میرے چھوٹے بھائی اور ہمشیرہ کا مکان لوٹا اور جلایا جا رہا ہے۔ خدا کے واسطے اس وقت مدد کرو۔ جو اگر اس وقت پہنچ سکے تو کچھ نقصان سے بچ جائے گا۔ وہاں سے اطلاع ملی کہ اس کام کے لیے فلاں نمبر پر فون کرو۔ اس نمبر سے بتایا گیا کہ اس وقت ان کے پاس فالتو آدمی نہیں سارا عملہ ڈیوٹیوں پر متعین ہے۔ جس وقت کوئی فارغ ہوگا وہاں بھیج دیا جائے گا ...... ان سے بھی میں نے منت سماجت کی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اس کے بعد میں نے باری باری ڈی ایس پی اور ایس ایس پی کے دفتر اور گھر پر فون کیا مگر ہر جگہ سے یہی اطلاع ملی کہ ڈیوٹی پر گئے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے چیف منسٹر مسٹر دولتانہ کے دولت کدہ پر فون کیا جہاں سے اُن کے پی۔ اے کو عرض کیا گیا تو اس نے کہا کہ دولتانہ صاحب تو اس وقت گورنر صاحب کے بنگلہ پر میٹنگ میں مشغول ہیں البتہ پولیس کے ایک سینئر آفسر جن کا نام دریافت کرنے پر بھی انہوں نے نہ بتایا انہیں میں نے فون پر کہا کہ اس وقت میرے بھائی اور ہمشیرہ کا مکان لوٹا جا رہا ہے سامان نذر آتش ہو رہا ہے ہمسایہ تک تماشائی بنے ہوئے ہیں اگر اس وقت چند مسلح سپاہی وہاں پہنچ سکیں تو صورتِ حال

جو نازک تر ہو رہی ہے بہتر ہو سکتی ہے۔ منت اور لجاجت سے اسلام اور انسانیت تک کا واسطہ دے کر اُسے مدد کی درخواست کی مگر اس کا یہی جواب تھا کہ ہر جگہ ایسے ہی حالات ہیں اور آگیں لگی ہوئی ہیں۔ پولیس کس کس کی مدد کرے۔ مَیں نے کہا بھی کہ ہم احمدی جو اس وقت ظلم کا نشانہ اور تختہ مشق بنے ہوئے چند گنتی کے ہیں لاکھوں کی آبادی میں ہمارا اتنا سب ہی کیا ہے مگر اس افسر نے یہ کہہ کر ٹیلی فون بند کر دیا کہ افسوس ہے کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔"

۳۔ شیخ عبدالحمید صاحب نے انہیں دنوں مزنگ سے ایک پوسٹ کارڈ میں حسب ذیل رُوداد لکھی کہ:۔

"جمعہ کے روز بعد از دوپہر ہمارے مکان پر بھی حملہ ہو گیا۔ بمشکل جانیں بچا کر اور ملٹری کا انتظام ہو جانے پر رات کے وقت شیخ بشیر احمد صاحب کی کوٹھی پر بچوں کو لے کر پہنچے۔ میرے پاس اسی مکان میں میرا اپنا راشن ڈپو بھی تھا۔ وہ ڈپو اور مکان کا تمام کار آمد سامان لوٹ لیا گیا۔ باقی سامان کو بر لب سڑک رکھ کر جلا دیا گیا۔ اسی لوٹ کے باعث ہمارے پاس اوڑھنے کے لئے ایک چادر تک بھی باقی نہیں رہی۔ مکان کے در و دیوار تک کو بھی جہاں تک حملہ آوروں سے ممکن ہو سکا نقصان پہنچانے کی پوری پوری کوشش کی گئی۔ اب اس مکان میں رہنا ناممکن ہو گا۔"

شیخ صاحب کے مکان کے بالکل قریب ہی مزنگ کی پولیس چوکی ہے۔ مگر باوجود اس کے غنڈوں نے چھاپہ مار کر ایک بے کس اکیلے اور لاچار احمدی کا گھر بار تباہ و برباد کر کے ہی چھوڑا اور انہیں مالی طور پر گیارہ ساڑھے گیارہ ہزار روپیہ کا نقصان پہنچا گئے۔ اور وہ پولیس جو فساد سے قبل انہیں ہر طرح تسلی و تشفی دیتی رہی تھی وقت پڑنے پر ان کے کام نہ آسکی۔

۴۔ جماعت حلقہ گنج (مغلپورہ) لاہور کے صدر صاحب نے ایک تحریری بیان میں فسادات لاہور کا پس منظر بتاتے ہوئے لکھا:۔

"مذکورہ بالا حالات نے ہمارے حلقہ کی فضاء کو بھی کما حقہٗ متاثر کیا۔ یہاں کے لوگ بھی احمدیوں کے خلاف ہو گئے۔ سب سے پہلا واقعہ باغبانپورہ میں ماسٹر منظور احمد صاحب کی شہادت

کارونما ہوا ۔ جو اخبارات میں آچکا ہے ۔ اس سے اگلے روز احمدیوں کے گھروں پر شریروں اور بدمعاشوں نے جلوس کی شکل میں آ کر ہمارے خلاف نعرے لگائے ۔ پتھر پھینکے اور گالیاں دینی شروع کر دیں ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ احمدی اپنے گھروں میں محصور ہو گئے ۔ ہماری جماعت نے متعدد بار تھانہ مغلپورہ میں جا کر حالات کی نزاکت کی اطلاع دی اور مدد طلب کی مگر تھانہ والوں نے صاف الفاظ میں اپنی معذوری کا اظہار کیا اور کہا کہ لوگ سب خلاف ہیں ۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے ...... جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جمعہ کی صبح کو ہمارے حلقہ راج گڑھ کے ایک نہایت مخلص دوست محمد شفیع صاحب جب بیت الذکر سے صبح کی نماز ادا کر کے گھر جا رہے تھے راستہ میں روز روشن میں چاقوؤں سے شہید کر دیئے گئے ...... ساہو واڑی میں ایک احمدی دوست محمد عظیم تھے شریر لوگوں نے اُن کے مکان پر جا کر اُن کو ڈرایا ۔ دھمکایا اور ان سے زبردستی احمدیت سے توبہ کرائی ۔ وہاں کے مولوی صاحب نے اُن کا دوبارہ نکاح پڑھ کر چھوہارے بھی تقسیم کیے ۔ ..... گلی نمبر ۱ مکان نمبر ۲ رام گڑھ میں احمدیوں کا ایک اکیلا مکان تھا ۔ اس پر حملہ کیا گیا ۔ دروازے توڑ دیئے گئے اور چاقوؤں اور چھروں سے مسلح ہو کر غنڈے قتل اور لوٹ کے ارادہ سے اندر داخل ہو گئے (مگر) محلہ کے بعض معززین نے بمشکل ان کو نکالا اور پھر تھانہ میں مدد کے لیے اطلاع کی ۔ (چونکہ) اس وقت مارشل لاء لگ چکا تھا ۔ اس لیے فوج کے کہنے پر پولیس کی گارد وہاں جا کر ان کو بحفاظت مغلپورہ لائی ۔ جمعہ کے روز احمدیوں کی حالت نہایت خطرہ میں تھی ۔ وہ سمٹ سمٹا کر محصور ہو گئے تھے متواتر کئی راتوں سے وہ جاگ رہے تھے اور غنڈے باہر دروازے توڑ رہے تھے پتھر مار رہے تھے ۔ گالیاں دیتے اور اس فکر میں تھے کہ جس طرح ہو سکے احمدیوں کو ختم کیا جائے ۔ احمدی ایک دوسرے کی خیر و عافیت بھی نہیں معلوم کر سکتے ۔ باوجود اس کے کہ ۱/۲ ۱ بجے مارشل لاء لگ گیا تھا پھر بھی محلہ کے اندرونی حصوں کو خطرہ بدستور تھا ۔ جمعہ اور ہفتہ کی (درمیانی) شب کو جماعت گنج کے پریذیڈنٹ میاں عبدالحکیم صاحب کی والدہ (جو کہ غیر احمدی تھیں) کو شہید کیا گیا اور ان کا روپیہ اور مال اسباب لوٹ لیا گیا ۔ اُن کے نقصان کا اندازہ نقدی مع دیگر سامان مبلغ بارہ ہزار روپیہ ہے ۔ بابو عبدالکریم صاحب حلقہ گنج مغلپورہ کے مکان کو اسی رات پہلے لوٹا گیا اور پھر لوٹنے کے بعد آگ لگائی گئی ۔ ان کے نقصان کا اندازہ -/۶۰۰۰ ۲۷ روپیہ ہے ۔

احمدیوں کے مکانوں کا پتہ محلہ کے بعض شریروں نے باہر سے آنے والے بدمعاشوں کو بتایا ...... مستری محمد اسماعیل صاحب اور عبدالرزاق صاحب جو کہ ریلوے کوارٹر مغلپورہ میں رہتے ہیں ان کے کوارٹروں پر حملہ کیا گیا اور ان کو لوٹا گیا۔ عبدالرزاق صاحب کمپونڈر ریلوے کا اندازہً نقصان ۸۴۳ روپے تھے اُن کے بڑے بھائی کو شریروں نے محض اس لیے مارا کہ وہ ان کے بال بچوں کو محفوظ جگہ لے جانے کے لیے آیا تھا۔ حالانکہ وہ خود غیر احمدی تھا مستری محمد اسمٰعیل صاحب ملازم ریلوے کا سامان لوٹ لیا گیا اور اُن کی بھینس بھی کھول کر لے گئے تھے۔ بھینس تو بعد میں پولیس نے برآمد کرا دی۔ مگر دیگر نقصان جس کا اندازہ ۱۵۰۰ روپے ہے وہ نہیں پورا کیا گیا۔" الخ

رام گلی

۵۔ جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی کا بیان ہے کہ:-

"میرا مکان برانڈرتھ روڈ رام گلی نمبر ۳ میں واقع ہے۔ جس کے چار دروازے رام گلی نمبر ۴ میں کھلتے ہیں یہاں یہ مکان "رہنمائے تعلیم بلڈنگ" کے نام سے مشہور ہے میرے نام مکان کا نچلا حصہ الاٹ ہے۔ اُوپر کے حصوں میں تین غیر احمدی ہمسائے آباد ہیں۔

۱۔ فسادات سے بہت پہلے ایک صاحب میرے پاس آئے۔ اور کہنے لگے۔" میں اسی محلہ میں رہتا ہوں۔ اور آپ سے یہ کہنے آیا ہوں۔ کہ جب موقع آیا۔ تو ہم لوگ سب سے پہلے آپ کے مکان کو آگ لگائیں گے۔ آپ ہوشیار رہیں"

میں نے اُن سے کہا "کیا آپ کا اسلام یہی کہتا ہے کہ جو اپنا مخالف ہو اُسے پھونک دو" فرمانے لگے "جی ہاں ہمارا اسلام یہی کہتا ہے"۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ "بہتر ہے اس وقت تو آپ تشریف لے جائیں۔ جب موقع ہوگا تو آپ تشریف لے آئیں۔ اور مکان کو آگ لگا دیں"، میں فسادات کے موقع پر ان کا منتظر رہا۔ مگر اس وقت یا اس کے بعد آج تک اُن کو نہیں دیکھا۔ صورت آشنا ہوں۔ نام نہیں جانتا۔

۲۔ فسادات سے پہلے متعدد مرتبہ نہایت گندے اور فحش اشتہارات ہاتھ سے لکھے ہوئے میرے ذاتی لیٹر بکس پر اور میری گلی کے کھمبوں پر چسپاں کیے گئے۔ جو محلے کے شریف اصحاب نے اُتار کر پھاڑ دیئے۔

۳۔ فسادات سے دو چار دن پہلے ایک صاحب میرے آئے اور کہنے لگے "امیر صاحب جماعت احمدیہ لاہور کا حکم ہے کہ آپ اپنے گھر کے تمام افراد کے نام اور عمر وغیرہ ایک کاغذ پر لکھ دیں۔ تاکہ وہ نام پولیس میں دیکر حفاظت کی تدابیر کی جائیں"۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ "امیر صاحب کا تحریری حکم لے آیئے۔ مَیں ان کا خط پہچانتا ہوں۔ پھر آپ کو لکھدوں گا"۔ مگر وہ پھر نہیں آئے۔

۴۔ فسادات کے دنوں میں لوگوں کی ٹولیاں کم تر دن میں اور بیشتر راتوں کو آتیں۔ اور کتنی کتنی دیر تک میرے مکان کے سامنے کھڑے ہو کر نہایت اشتعال انگیز نعرے لگاتیں۔ اور چلی جاتیں یہ سلسلہ رات کے ایک اور دو بجے تک جاری رہتا۔ ہم لوگ کواڑ مضبوطی سے بند کیے اندر گھر میں بیٹھے رہتے۔ اور سب کچھ سنتے رہتے۔

۵۔ فسادات کے ایام میں اس امر کی برابر خبریں ملتی رہیں کہ لوگ ارادہ کر رہے ہیں۔ کہ رات کو پیٹرول ڈال کر تمہارے مکان کو آگ لگا دیں اور بوتلیں لیے پھر رہے ہیں۔

۶۔ آخر ۶ مارچ کو وہ لوگ آ گئے۔ اور مکان کو پھونک دینا چاہا۔ مگر مشکل یہ آ پڑی کہ مکان کی اوپر کی منزلوں میں دوسرے غیر احمدی حضرات رہتے تھے۔ اور نیچے کی منزل کو آگ لگانے سے اوپر تک تمام مکان جلتا تھا۔ اس لیے وہ لوگ اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور مجبوراً چھوڑ کر چلے گئے۔ اوپر کی منزل میں جو غیر احمدی رہتے ہیں۔ انہوں نے فسادیوں سے یہ بھی کہا "تم تو آگ لگا کر چلدو گے۔ مگر میں سرکاری ملازم ہوں جب بعد میں سرکار مجھ سے جواب طلب کریگی۔ کہ تم نے کیوں نہ روکا۔ تو مَیں کیا جواب دوں گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ مَیں مارا جاؤں گا پھر مَیں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ ان کے گھر میں سوائے قرآن شریف اور دینی کتابوں کے کچھ نہیں۔ تم قرآن شریف کے نسخوں کو کس طرح جلا سکتے ہو؟ جو قرآن شریف اُن کے پاس ہیں اُن میں سے ایک قرآن انہوں نے مجھے بھی پڑھنے کے لیے دیا تھا۔ اور وہ میرے پاس ہے"۔ اس پر انہوں نے کہا۔ کہ اچھا وہ قرآن شریف ہمیں لا کر دکھاؤ"۔ مَیں نے اُن صاحب کو چند دن پہلے تفسیر کبیر کی پہلی جلد پڑھنے کے لیے دی تھی۔ وہ انہوں نے لا کر بلوائیوں کو دے دی کہ لو دیکھ لو۔ اس پر بلوائی تفسیر کبیر اپنے ساتھ لے گئے۔ اور مکان کو چھوڑ گئے۔ بعد کے ایّام میں ایک شخص اُن میں سے آیا اور بڑی خاموشی کے ساتھ وہ تفسیر کبیر اُن کو واپس کر گیا۔ جو انہوں نے مجھے دیدی۔

فسادات کے ان تمام ایام میں محلہ اور گلی والوں کا برتاؤ میرے ساتھ بالعموم نہایت شریفانہ رہا۔ جو کچھ شورش مچائی ۔ وہ عام طور پر باہر کے لوگوں نے مچائی ۔

مَیں نے ان تمام واقعات میں سے کسی واقعہ کی رپورٹ پولیس میں نہیں کی۔ نہ کبھی پولیس کو اپنی امداد کے لیے بلایا۔ الحمدللہ میرا کوئی نقصان ان فسادات کے ایام میں نہیں ہوا ۔

خاکسار

(شیخ) محمد اسماعیل پانی پتی

مکان نمبر ۱۸ رام گلی نمبر۳ لاہور ۔ ۴ ؍ جولائی ۱۹۵۳ء

۶۔ حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری اپنی کتاب تجلی قدرت میں لکھتے ہیں :۔

" ۱۹۵۳ء میں جب مَیں ناصر آباد (سندھ) میں کام کر رہا تھا اس وقت ساری مذہبی پارٹیاں ہمارے خلاف ہو گئیں اور پھر حکومت بھی خلاف ہو گئی ۔ اس وقت برخوردار مسعود احمد بھی لاہور میں کام کرتا تھا۔ اکبری منڈی میں دکان تھی آسٹریلیا بلڈنگ میں ایک سو ستر روپیہ پر نچلا حصہ کرایہ پر تھا۔ اس مکان کے مالک آسٹریلین بلڈنگ والے خاندان کے ممبر تھے ۔ مَیں چونکہ اس وقت سندھ میں تھا ناصر آباد کا مینجر لگا ہوا مَیں نے خواب میں مسعود احمد کو دیکھا جو کہ نہایت پریشان حالت میں تھا اور کہتا تھا کہ ابا جان! آج ہم مہاجر بن گئے ۔ اس وقت دکان کا قرضہ دو لاکھ کے قریب بازار کے ذمہ تھا اور گودام میں جو مکان کے ساتھ تھا ستر ہزار کا مال پڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا آج ہمارے پاس کچھ نہیں رہا ۔ آج مہاجر ہو گئے ۔

اس خواب کے ذریعہ مجھے پریشانی ہو گئی ۔ مَیں نے صدقہ بھی دیا اور دعا بھی کی اور مسعود احمد کو خط لکھا کہ تمہارے گھر میں کوئی بچہ پیدا ہونے کی تو امید نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں مَیں نے اس غرض سے دریافت کیا تھا کہ اگر پیدا ہونے والی لڑکی ہو تو چونکہ لڑکی جہیز میں کچھ لے جاتی ہے ۔ مَیں نے سمجھا کہ یہ خواب اس طرح بھی پورا ہو سکتا ہے ۔ جب اس نے مجھے یہ جواب دے دیا ۔ ادھر خطرات بڑھ رہے تھے ۔ مَیں نے دعائیں شروع کر رکھی تھیں چنانچہ مارکیٹ میں جو دکان تھی خطرہ پیدا ہوا کہ لوٹ لی جاوے گی تو مسعود احمد صاحب اپنے کھاتہ جات کو گھر لے آئے اور دکان بند کر دی ۔ ان کا دکان پر آنا جانا بھی بند ہو گیا ۔

دکان کو بند ہوئے ابھی دو تین روز ہوئے تھے کہ شریروں نے دکان کے تالے توڑ کر جلا دی اور سمجھا کہ بازار میں جو حساب کتاب تھے وہ کاپیاں حساب کی بھی جل گئی ہوں گی ۔ اور وہ بھی نہیں لے سکیں گے ۔ مکان پر یہ حالت ہو گئی کہ جرنیلی سڑک سے فٹ پاتھ کے قریب کوچے میں دروازہ تھا ۔ دن میں دو دو تین تین دفعہ ہزار ہزار آدمی سڑک پر پہنچ کر گالیاں دیتے تھے لیکن کوچے کا دروازہ نہیں توڑتے تھے اور آپس میں کہتے تھے کہ اندر صرف دو آدمی ہیں اور ان کے پاس اسلحہ ہے ۔ جتنے کارتوس ہوں گے اتنے تو یہ مار سکتے ہیں نکلنے کے بعد پھر ان کو قابو کیا جا سکتا ہے ۔

جب یہ حالت ہو گئی تو مسعود احمد نے اپنی بیوی سے یہ بات کہی مالک مکان کی بیوی سے یہ بات جا کر کہو کہ ہمارا ستر ہزار کا مال آپ کے مکان میں پڑا ہے ہم یہ سب سامان آپ کے سپرد کرتے ہیں ۔ براہِ مہربانی اپنی موٹر میں پولیس لائن تک پہنچا دیں ۔ ان کی بیوی نے اپنے خاوند سے جا کر دریافت کیا انہوں نے جواب دیا کہ جماعت کے سب لوگوں کے لیے تاریخ مقرر ہے ۔ اس دن یہ سب قتل ہو جاویں گے .... میں اپنی بیس ہزار کی موٹر کیسے تڑوا لوں ۔

یہ جواب سن کر جب وہ واپس آئی اور مسعود احمد کو بتایا تو مسعود احمد خود مالک مکان کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آپ جو کہتے ہیں کہ ساری جماعت کے لوگ قتل ہو جائیں گے یہ بالکل غلط بات ہے ۔ خدانخواستہ چند آدمی شہید ہو جائیں تو ہو جائیں ۔ باقی آپ کا یہ خیال غلط ہے ۔ اگر آپ مہربانی کرتے تو ہم یہ سب سامان آپ کے پاس چھوڑ کر چلے جاتے مگر انہوں نے بھی حامی نہ بھری ۔ یہ واپس اپنے مکان میں آ گئے ۔

ایک رات گزری تھی کہ صبح کو قریشی محمد اقبال صاحب لائن افسر موٹر لے کر وہاں پہنچے اور ان کی موٹر کے آگے پیچھے دو مشین گنوں والی موٹریں تھیں اور انہوں نے آ کر کہا کہ فوراً جلدی جلدی چلے آؤ ۔ مکان کو اسی طرح رہنے دو ۔ کوئی سامان زیور کچھ نہیں لیا ۔ صرف چار جوڑے کپڑوں کے رکھے اور وہاں سے چلے گئے ۔ اور پولیس لائن جا کر مجھے خط لکھ دیا کہ آج ہمارے پاس صرف چار جوڑے کپڑوں کے رہ گئے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ سے ان کو پولیس لائن میں گئے ابھی دو دن ہی ہوئے تھے کہ مارشل لاء

گیا اور فوج نے حکومت سنبھال لی۔ خطرہ کے دُور ہوتے ہی مسعود احمد صاحب واپس اپنے گھر چلے گئے تو سارا سامان بدستور پڑا تھا۔ چار پانچ روز کے بعد جب بازار میں امن ہو گیا تو ہم نے دکان کھولی۔ جن جن لوگوں کے پاس روپیہ تھا اُن سے مطالبہ کیا تو انہوں نے یہی کہا کہ ہمیں بہی کھاتہ دکھاؤ۔ اُن کو کہہ دیا گیا کہ آؤ دیکھ لو۔ بہی کھاتہ دیکھ کر لوگ حیران تھے کہ دکان تو ساری جلا دی گئی تھی یہ بہی کھاتہ کہاں پڑا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دکان بھی بچا دی مکان بھی اور جان بھی محفوظ رکھی۔ اس واقعہ کا اثر مالکِ مکان پر ایسا ہوا کہ انہوں نے سلسلہ کی کتابیں دیکھنی شروع کر دی اور اپنے خاندان کے لوگوں کو احمدیوں سے ملایا کرتے تھے۔"[1]

۷۔ حضرت ڈاکٹر حافظ عبدالجلیل صاحب شاہجہانپوری کیمسٹ و ڈرگسٹ اندرون موچی دروازہ لکھتے ہیں کہ:۔

"میری دکان ۶ر مارچ کو لوٹی گئی اور بُری طرح صفائی کی گئی یہاں تک کہ دوائیاں لوٹنے اور توڑنے کے بعد میز، کرسی تمام سامان دکان کا ضائع کیا اور گھروں کو لے گئے دکان کا فرش اور دیواریں ضائع ہونے سے خراب ہو گئیں اور چھوٹی الماریاں اٹھا کر لے گئے اور بڑی الماری کے شیشے توڑ گئے۔ یہ نہایت سفاکی اور بربریت کا نمونہ پیش کیا گیا۔ ان دنوں بعض سائیکل سوار گزرتے تو وہ ساتھیوں سے کہتے کہ یہ دکان مرزائی کی ہے نوٹ کر لو۔ وغیرہ وغیرہ۔ افسوس کا مقام ہے کہ جب یہ واقعہ ہوا دن کے اڑھائی بجے تھے اور پولیس اسٹیشن میری دکان سے قریباً ۵۰ گز کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔ باوجود پولیس کو علم ہونے کے ٹس سے مس نہ ہوئی اور اپنے فرض منصبی کو بھلا دیا۔ جب مَیں نے متعدد بار پولیس والوں سے پوچھا تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ ہمارے افسران کی طرف سے ہم کو یہی حکم ہے کہ نہ وردی پہنیں اور نہ ہی ہاتھ اٹھائیں۔ اس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ ان پولیس والوں کی بے پرواہی سے ہم غریب لٹ گئے۔"

---

[1] "تجلّیِ قدرت" صفحہ ۱۶۹ تا صفحہ ۱۷۱ (طبع اوّل) مؤلفہ حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری[2] ولادت ۱۸۹۱ء بیعت ۱۹۰۴ء وفات یکم دسمبر ۱۹۷۰ء

آپ نے جو نقصان کی تفصیل سرکاری حکام کے سامنے پیش کی وہ قریباً ساڑھے تیس ہزار روپیہ کی تھی۔ بلوائیوں نے تو آپ کو جان سے مار ڈالنے کا بھی تہیہ کر لیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان موذیوں سے بچا لیا۔

بھاٹی گیٹ | ۸۔ حضرت میاں معراج دین صاحب پہلوان[1] بھاٹی گیٹ لاہور کا بیان ہے کہ۔

"۶ مارچ ۱۹۵۳ء ..... قتل و غارت کرنے اور لوٹ مار اور آتشزدگی کرنے کا آخری دن تھا۔ ۶ مارچ کی صبح کو سب دوستوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے تو یہ بات قرار پائی کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کی خدمت میں جا کر یہ کہیں کہ حالات بہت خراب ہو چکے ہیں آپ کوئی انتظام کریں لوگوں کے ارادے ہمارے متعلق بہت خطرناک ہیں۔ اگر کوئی روک تھام نہ کی گئی تو نتیجہ اس کا تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ چنانچہ وفد کے چار دوست کچہری کی طرف روانہ ہو گئے اور بعد میں لحظہ بلحظہ ہجوم بڑھتا گیا اور حالات درندگی۔ وحشت اور دیوانگی لیے ہوئے خراب سے خراب تر ہو گئے۔ اور ادھر یہ ہوا کہ ہمارے نوجوانوں کے بعض شریف اور ہمدرد دوست اپنے اپنے گھروں میں اُن کو بچوں اور عورتوں سمیت لے گئے۔ محلہ پیڑنگاں میں صرف ہم چار افراد رہ گئے۔ (معراج دین خاکسار، حکیم سراج دین صاحب اور ان کا لڑکا مبارک احمد طالبعلم ٹی آئی کالج اور ایک لڑکا ناصر احمد طالبعلم ٹی آئی کالج) مذکورہ بالا حالات کے پیش نظر ہمیں بھی گھر میں دروازے بند کر کے بیٹھنا پڑا۔

نو بجے کے قریب ہمارے ایک عزیز غیر احمدی نے ہمیں آکر یہ خبر دی کہ اونچی مسجد کے قریب ایک سائیکل سوار نوجوان کو قتل کر دیا گیا ہے۔ ہمیں یہ سنکر ایک دھکا سا لگا کہ مبارک احمد سائیکل لے کر نوجوان عبد الستار ابھی ابھی کالج کی طرف گیا تھا۔ کہیں وہی غریب نہ ہو۔ پھر ہم نے اسی عزیز مذکور سے کہا کہ اچھی طرح دیکھ آؤ کہ مقتول کون ہے؟ وہ گئے اور آکر کہا کہ مستری نذر محمد صاحب کا لڑکا جمال احمد ہے جسے قتل کر دیا گیا ہے۔ یہ سُنکر ہمیں سخت صدمہ ہوا۔ مگر ہم مجبور

---

[1] ولادت ۱۸۸۰ء وفات ۲۲ مارچ ۱۹۶۵ء [2] اسی حلقہ میں عبد الرحیم صاحب ڈسپنسر کا مکان بھی تھا جو ۶ مارچ کو لوٹ لیا گیا

کچھ نہیں کر سکتے تھے چاروں طرف درندگی پھیلی ہوئی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھ کے وہیں بیٹھ رہے۔ اس کے بعد فرداً فرداً محلہ کے بعض آدمی آتے رہے اور کہتے رہے کہ ہم بے بس ہیں کچھ نہیں کر سکتے کوئی کہتا کہ ہم کار لے آتے ہیں اور تمہیں کسی محفوظ جگہ پہنچا آتے ہیں۔ کوئی کہے کہ آپ اپنے مکان کے ساتھ والے مکان پر اوپر سے کود کر چلے جائیں اور پھر فلاں گلی میں چلے جائیں اور پھر فلاں مکان میں چلے جائیں تو آپ محفوظ ہو جائیں گے۔ اور ہم مشتعل فسادیوں سے کہدیں گے کہ وہ تو یہاں نہیں ہیں کہیں جا چکے ہیں وغیرہ وغیرہ مضحکہ خیز تجویزیں بتاتے رہے۔ ہم نے ان سے کہا کہ ہم یہ تماشہ دکھانا نہیں چاہتے کہ بھاگتے اور چھپتے پھریں اس وقت کون ہے جس کی نظر ہم پہ لگی ہوئی ہیں ہم تو اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر یہیں رہیں گے وہی ہماری مدد کرے گا۔ اور ہمارے پاک امام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا یہی ارشاد ہے کہ اپنی اپنی جگہ پر رہو اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعائیں کرتے رہو وہ ضرور ہماری مدد کرے گا۔ آپ لوگوں کی اس ہمدردی کا بہت بہت شکریہ۔ پھر ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کر کے ہم نے پڑھیں اور دعائیں کرتے رہے۔

ڈیڑھ یا دو بجے دن کے مارشل لاء لگ چکا تھا مگر اندرونِ شہر اس کا کوئی اثر نہ تھا۔ بدستور اسی طرح شور و غوغا اور لٹیروں کے لوٹے جلوسوں کی شکل میں پھر رہے تھے۔"

۹۔ مستری نذر محمد صاحب (محلہ پٹرنگاں اندرون بھاٹی دروازہ) نے اپنے جواں سال اور نہایت پیارے احمدی بچے کی شہادت کا دردناک واقعہ بتاتے ہوئے لکھا۔

"٦ مارچ کی صبح کو نو بجے حکیم سراج الدین صاحب نے مجھے بلایا۔ میں ان کے پاس گیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تین چار آدمی ڈپٹی کمشنر صاحب کے پاس جا کر کہیں کہ وہ ہم کو پولیس دیں۔ ہم کو بہت خطرہ ہے ان دوستوں کے کہنے پر میں نے بچوں کو ۵ مارچ کو جمعرات کے دن ڈبی بازار اپنے غیر احمدی رشتہ داروں کے ہاں بھیج دیا ہوا تھا۔ گھر میں میں اور میرا لڑکا جمال احمد ہی تھے۔ ٦ مارچ کی صبح کو ہمیں لوگ آ کر کہنے لگے کہ تم کو قتل کر دیا جائے گا۔ تم اب یہاں سے چلے جاؤ۔ ہم نے کہا ہم نہیں جائیں گے ...... میں نے اپنے لڑکے کو کہا کہ تم داتا گنج کے پاس میرے ایک دوست غیر احمدی امام بخش کا گھر ہے۔ وہاں چلے جاؤ کیونکہ میں کچہری چلا ہوں۔ شائد تمہیں اکیلا پا کر کوئی نقصان پہنچائیں۔ ہم کچہری گئے۔ مگر وہاں ڈپٹی کمشنر صاحب نہ ملے کیونکہ وہ آئے ہی نہ تھے۔

پھر مَیں ڈاکٹر رفیق صاحب جوکہ ڈینٹل سرجن ہیں اُن کے مکان میں آیا تو وہاں ہمارے محلہ کے احمدی مولوی عبدالرحیم صاحب کمپاونڈر اور میاں محمد اقبال صاحب زرگر موجود تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد مولوی عبدالرحیم صاحب کا لڑکا وہاں آیا۔ اس نے کہا کہ جمال احمد شہید کر دیا گیا ہے۔ اور اس کی لاش بھی اٹھاکر لے گئے ہیں......... مَیں اپنی دکان (آرہ مشین) پر گیا تو وہاں کے غیر احمدی ہمسائے کہنے لگے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ فسادی تمہیں دو تین دفعہ دیکھ گئے ہیں۔ وہ تمہیں قتل کر دیں گے۔ ہم تمہاری دکان کی حفاظت کریں گے۔ مگر جب جمعہ کے وقت حفاظت کرنے والے چلے گئے تو بلوائیوں نے پیچھے سے آکر آگ لگا دی۔ جس سے ہماری (عمارتی لکڑی کی) دکان مشینری۔ لکڑی۔ درخت وغیرہ سب جل کر راکھ ہو گئے ۔ .... جب مارشل لاء کی وجہ سے کچھ امن ہوگیا تو ہم گھر آئے دیکھا ہمارے گھر کا سارے کا سارا سامان لٹ چکا تھا حتیٰ کہ کپڑے کا ایک ٹکڑا تک نہ بچا تھا۔ جمال احمد کے قتل کی رپورٹ محمد صادق نے دیدی جس کا اوپر ذکر آیا ہے۔ گھر کی (لوٹ کی) رپورٹ مَیں نے جاکر میاں محمد شفیع صاحب کو دی۔ جوکہ ہمارے علاقہ کے تھانیدار تھے اور بھاٹی گیٹ کی پولیس چوکی کے انچارج تھے الخ۔"

محترم نذر محمد صاحب ایک اور بیان میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میرا لڑکا.... جمال احمد نہایت خوبصورت شریف طبع اور نیک صالح تھا یہ تعلیم الاسلام کالج فسٹ ایئر میں تعلیم حاصل کرتا تھا۔ جس دن انہوں نے شہید کیا اس دن نماز جمال احمد نے بہت لمبی پڑھی میں نے اس سے پوچھا کہ جمال احمد تم نے نماز بہت لمبی پڑھی ہے تو وہ خاموش ہوگیا۔"

حالاتِ لاہور پر ایک طائرانہ نظر تفصیلی بیانات قلمبند ہو چکے اب جماعت احمدیہ لاہور کی مالی اور جانی قربانیوں کا جائزہ لینے کے لیے ۳ تا ۱۴ مارچ ۱۹۵۳ء تک کے حالاتِ لاہور پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جاتی ہے۔ یہ جائزہ مندرجہ ذیل علاقوں پر مشتمل ہے:۔

راوی روڈ۔ رتن چند روڈ۔ بھاٹی گیٹ۔ چوک مسجد وزیر خاں۔ گمٹی بازار۔ بیرونی دہلی دروازہ موہن لال روڈ۔ نئی انارکلی۔ پرانی انارکلی۔ نیلا گنبد۔ میو ہسپتال۔ خواجہ دل محمد روڈ۔ فلیمنگ روڈ۔ ریلوے روڈ۔ نسبت روڈ قلعہ گوجر سنگھ۔ میکلیگن روڈ۔ میکلوڈ روڈ۔ میس روڈ۔

ٹمپل روڈ۔ مزنگ روڈ۔ عزیز روڈ۔ مصری شاہ۔ کاچھو پورہ۔ سلطان پورہ۔ محلہ وسن پورہ۔ گنج مغلپورہ۔ باغبانپورہ۔ نئی آبادی دھرمپورہ۔

راوی روڈ ۶ مارچ کو ملک برکت علی صاحب کی ٹمبر کی دکان اور مکان نذر آتش کر دیا گیا۔ تقریباً ساڑھے پانچ لاکھ روپے کا نقصان ہوا۔ اسی طرح ملک محمد طفیل اینڈ سنز ٹمبر مرچنٹ کا قیمتی سامان بھی جل کر راکھ ہو گیا۔

رتن چند روڈ

بلوائیوں نے ۶ مارچ کو محمد یونس صاحب کی ٹمبر کی دکان جلا دی۔

بھاٹی گیٹ جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے اس حلقہ کے احمدیوں کو بھی بلوائیوں کی چیرہ دستیوں کا شکار ہونا پڑا علاوہ ازیں ۶ مارچ کو ایک نہایت مخلص احمدی نوجوان جمال احمد صاحب طالبعلم تعلیم الاسلام کالج شہید کر دیئے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

چوک مسجد وزیر خان ۶ مارچ ۱۹۵۳ء بروز جمعہ قریباً ۱۱ بجے دن بلوائیوں نے مسعود احمد صاحب اور محبوب عالم اینڈ سنز کے مکان کو لوٹنے کے بعد آگ لگا دی۔ اسی طرح نیلا گنبد میں دکان "محبوب عالم اینڈ سنز" کا سامان لوٹ کر لے گئے اور عمارت کو نذرِ آتش کر دیا۔

گمٹی بازار — یہاں حافظ رحمت الٰہی صاحب کی دکان تھی جو لوٹی اور جلائی گئی۔

بیرون دہلی دروازہ ۶ مارچ کو ایک غضبناک ہجوم نے جو ایک سو افراد پر مشتمل تھا۔ احمدیہ بیت الذکر دہلی دروازہ پر حملہ کیا اور سلسلہ احمدیہ کے مشہور مبلغ مولانا ابو البشارت عبد الغفور صاحب بلوائیوں میں گھر گئے۔

عبد القدیر صاحب ہارون (ولد ڈاکٹر عبد الحمید صاحب چغتائی) کو قریباً سو افرادِ خاندان سمیت ۶ مارچ ۱۹۵۳ء کی صبح کو عوام کے بے پناہ جوش و خروش کی بناء پر ۶۸/۲ ماڈل ٹاؤن میں منتقل ہونا پڑا اور اسی رات اُن کا مکان نذرِ آتش کر دیا گیا۔

موہن لال روڈ ہدایت اللہ صاحب کارکن انشاء پریس موہن لال روڈ لاہور کا مکان لوٹ لیا گیا اور چارپائیاں اور بستر جلا دیئے گئے۔ بعد ازاں ایک مولوی صاحب نے تمام محلہ میں یہ فتویٰ دے دیا کہ یہ لوگ واجب القتل ہیں اور ان کا سامان لوٹنا اور جلانا جائز ہے

نئی انارکلی ۶ رمارچ کو ایچ نیاز احمد صاحب کی کپڑے کی مشہور فرم "الفردوس" (بی ۸۵) فساد کی نذر ہو گئی اور اس کا نہایت قیمتی سامان، کپڑے اور فرنیچر لوٹ لیا گیا۔

پرانی انارکلی اس حلقہ کے معزز اور شریف غیر احمدی ہمسایوں نے محبت اور رواداری کا بہت عمدہ نمونہ دکھایا جسکی وجہ سے افراد جماعت ہر قسم کے جانی اور مالی نقصان سے محفوظ رہے، تاہم انہیں ہراساں اور پریشان کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی اور جلوسوں میں نہایت گندے نعرے لگائے جاتے تھے۔ اس حلقہ میں مندرجہ ذیل احمدی رہائش پذیر تھے۔

شیخ عبد اللطیف صاحب۔ شیخ عبد الرشید صاحب، شیخ عبد الرحیم صاحب (۱۶ بھگوان سٹریٹ) چوہدری اکبر علی صاحب (۱۶ نابھہ روڈ) منور احمد صاحب (۵۲ مدنی چند سٹریٹ)۔ میاں شریف احمد صاحب (۱۳ لاج روڈ)۔ محمد یونس صاحب (۱۸ چرچ روڈ)۔ چوہدری عبد الغنی صاحب (۲ اپام سٹریٹ) ڈاکٹر اعجاز احمد صاحب (کپور تھلہ ہاؤس)

مقدم الذکر چار احمدیوں کے سوا باقی سب کو دو تین روز کے لیے اپنے مکانات چھوڑ کر جانا پڑا۔ بلوائیوں نے ان کے مکانات پر نشان دہی کی اور ان کو لوٹنا اور آگ لگانا چاہا مگر ہمسایوں کی مخالفت کے باعث وہ اس منصوبے میں ناکام رہے۔ ۶ رمارچ ۱۹۵۳ء کو چوہدری اکبر علی صاحب کے مکان کو نذرِ آتش کرنے کی دھمکی دی گئی۔ انہوں نے کہا کہ یہ مکان میرا نہیں بلکہ حکومت پاکستان کا ہے اس کے بعد محلے میں سے بعض لوگوں نے آپ کو احمدیت سے توبہ کرنے کی "نصیحت" کی مگر آپ نے انکار کیا تو انہوں نے دو چار دن کے لیے مکان چھوڑنے کو کہا ان کے بیٹے منور علی[1] صاحب کو پیٹا گیا بلکہ حملہ آوروں نے ان پر چاقو سے وار کرنے کی بھی کوشش کی۔ چوہدری اکبر علی صاحب نے انہیں للکارا اور وہ بھاگ گئے۔

نیلا گنبد ۶ رمارچ کی تاریخ نیلا گنبد اور خواجہ دل محمد روڈ کے احمدیوں کے لیے قیامت سے کم نہیں تھی چنانچہ اس روز حکیم عبد الرحیم صاحب کی دکان پر ایک احمدی مرزا کریم بیگ

---

[1] میاں منور علی صاحب اب انگلستان میں قیام پذیر ہیں اور سلسلہ کی خدمت بجا لا رہے ہیں۔

صاحب ولد جواہر بیگ صاحب کو شہید کرنے اور ان کی نعش جلا دینے کے بعد حکیم صاحب کا مکان و دکان لوٹ لی گئی ۔

نور علی خاں صاحب (ولد حکیم یوسف علی خان صاحب) کا دواخانہ "مفرح حیات" (قائم شدہ سنہ ۱۹۳۰ء) تباہ کر دیا گیا مکان و دکان ڈاکٹر نور محمد صاحب، قاضی محمد صادق صاحب ٹوپی والا کی دکان مستری موسیٰ اینڈ سنز کی دکان اور رہائشی مکان سب نہایت بے دردی سے جلائے اور لوٹ لیے گئے ۔ محمد احمد صاحب کا سب سامان لوٹ لیا گیا اور ان کی کار نذر آتش کر دی گئی ۔ یہ جمعہ کے روز ۱۱ بجے صبح کا واقعہ ہے ۔

میو ہسپتال | حملہ آوروں نے ۶ مارچ کو عبدالعزیز صاحب کا "پاک ریز ایکس ریز کلینک" لوٹا اور عمارت کو آگ لگا دی ۔

فلیمنگ روڈ | ۶ مارچ سنہ ۱۹۵۳ء بعد نماز جمعہ بلوائیوں نے محمد یحییٰ صاحب اور مبارک احمد صاحب کے مکان کا تمام قیمتی اثاثہ لوٹ لیا اور باقی سامان گھر کے سامنے رکھ کر آگ لگا دی ۔

گوالمنڈی ریلوے روڈ | چوہدری عبداللطیف صاحب (ولد حاجی عبدالکریم صاحب) کا گودام چوک برف خانہ کے چھ کمروں میں تھا جسے بلوائیوں نے ۶ مارچ لوٹا اور جلا دیا۔

اسی طرح عبدالرشید صاحب کے مکان کا قیمتی سامان حملہ آوروں کے ہاتھوں لُٹ گیا ۔

نسبت روڈ | ۶ مارچ سنہ ۱۹۵۳ء کو بلوائیوں نے سمیع اللہ بھٹی صاحب کی دکان "شفا میڈیکو" ۶۹۔ نسبت روڈ لاہور (چوک میو ہسپتال) کو جی بھر کے لوٹا اور پھر نذر آتش کر دیا ۔

قلعہ گوجر سنگھ | ڈاکٹر محمد یعقوب خاں صاحب کے بھائی اور ہمشیرہ کا مکان لوٹا اور سامان جلایا گیا ۔ محمود الٰہی صاحب سیلز انسپکٹر ریلوے (سعید رام پارک عبدالکریم روڈ) کے مکان میں لوٹ مار اور آتشزدگی کی وارداتیں ہوئیں ۔

میکلیگن روڈ — ۶ ر مارچ کو ہجوم نے عبدالکریم خانصاحب بی اے کے گھر کا سامان جلا دیا۔

میکلوڈ روڈ — اکبر علی صاحب کی دکان کارز سٹور ۵ ر مارچ ۱۹۵۳ء کو بلوائیوں نے جلا کر خاکستر کر ڈالی۔

۱۹ امین روڈ — ۶ ر مارچ ۴ بجے شام دوسو سے زائد بلوائی چاند بیگم صاحبہ کے مکان میں ڈیڑھ گھنٹہ تک لوٹ مار کرتے رہے اور تمام قیمتی سامان ہتھیا لے گئے اور دروازے اور کھڑکیاں توڑ ڈالیں۔

۶۵۔ ٹمپل روڈ — شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت لاہور کی کوٹھی کے علاوہ اس حلقہ کے دوسرے احمدی بھی حملہ آوروں کی چیرہ دستیوں کا نشانہ بنے۔ مثلاً عبدالحمید صاحب ناظم دفتر جماعت احمدیہ کے مکان پر بلوائیوں نے شدید حملہ کیا اور مکان کا تمام سامان لوٹ لیا اور فرنیچر وغیرہ مع قیمتی کتب کے جن میں قرآن مجید کے چند نسخے بھی تھے برلبِ سڑک جلا دیا گیا ان کا راشن ڈپو بھی لوٹ لیا گیا۔

مزنگ روڈ — ۶ ر مارچ ۱۹۵۳ء کو بلوائیوں نے کوٹھی نمبر ۶۴ کی بالائی منزل پر حملہ کیا اور مسعود احمد خان صاحب (کلرک پنجاب سول سیکرٹریٹ لاہور) محمود احمد خان صاحب ایم اے (ایکسائز انسپکٹر سنٹرل ایکسائز) مسعودہ ابراہیم صاحبہ ایم۔ اے بی ٹی (سیکنڈ ہیڈ مسٹرس گورنمنٹ ہائی سکول فار گرلز فیروز پور روڈ) کا قیمتی سامان اٹھا کر لے گئے۔

عزیز روڈ مصری شاہ — حکیم محمد الدین صاحب کا "محمدی دواخانہ" لوٹ لیا گیا۔

کاچھو پورہ چاہ میراں روڈ — ۳ ر مارچ کو مستری اللہ بخش صاحب دکاندار سائیکل مرمت کو ان کے رشتہ داروں اور دوسرے لوگوں نے مجبور کیا کہ وہ وقتی طور پر احمدیت چھوڑ دیں مگر انہوں نے جواب دیا "میری لڑکیاں اور بچے میری آنکھوں کے سامنے اٹھا کر لے جاؤ ذرا انہیں ایک طرف سے چیرنا شروع کر دو اور سارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو تب بھی احمدیت چھوڑنے کو کبھی تیار نہیں ہو سکتا۔"

مورخہ ۵ مارچ کو مستری صاحب مع ماسٹر غلام نبی صاحب مصری شاہ کے تھانہ میں گئے اور کہا کہ ہماری حفاظت کے لیے کیا انتظام کر سکتے ہیں۔ جواب ملا کہ ہم تمہاری کوئی حفاظت نہیں کر سکتے ہمیں تھانہ سے باہر نکلنے کی بھی اجازت نہیں تم یہاں سے آدھ گھنٹہ کے اندر اندر نکل جاؤ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے اس کے بعد یہ لوگ اپنے رشتہ داروں کی مدد سے نکلے بہت سے لوگ ہاتھوں میں چھرے لے کر اُن کے قتل کے لیے بیٹھے تھے۔ فتنہ پردازوں نے ان کے مکان کو آگ لگا دی جو مستری صاحب کے غیر احمدی والدین نے بجھا دی۔

سلطان پورہ شیخ فیروز دین صاحب اور عبدالحمید صاحب کے کارخانہ کا نقصان کیا گیا۔

محلہ وسن پورہ اس محلہ میں صوفی عطاء اللہ صاحب کا مکان، جو گلی ۱۶ عمر دین روڈ پر واقع تھا غارت گری کا نشانہ بنایا گیا۔

گنج مغلپورہ حلقہ گنج مغلپورہ مارچ ۱۹۵۳ء میں "کربلا" کا منظر پیش کر رہا تھا۔ جہاں کئی احمدیوں کو جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔ سب سے پہلا واقعہ ماسٹر منظور احمد صاحب کی شہادت کا رونما ہوا۔ اس کے اگلے روز احمدیوں کے گھروں پر پتھر پھینکنے اور گالیاں دینا شروع کی گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ احمدی اپنے گھروں میں بند ہو گئے۔ ۶ مارچ کی صبح کو قلعہ راج گڑھ کے ایک نہایت مخلص احمدی مکرم محمد شفیع صاحب بہت الذکر مغل پورہ سے نماز فجر ادا کر کے گھر واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ انہیں سفاکانہ طور پر چاقوؤں سے شہید کر دیا گیا۔ احمدی متواتر کئی راتوں سے جاگ رہے تھے۔ اُس روز ان کی حالت نہایت خطرہ میں تھی۔ وہ سمٹ سمٹا کر تین چار جگہ میں محصور ہو گئے۔ شریر اور فتنہ پرداز اُن کے دروازے توڑتے، پتھر مارتے اور گالیاں دیتے تھے۔ اور اس فکر میں تھے کہ جس طرح ہو سکے احمدیوں کو ختم کیا جائے۔ احمدیوں کے لیے ایک دوسرے کی خیریت معلوم کرنا بھی ناممکن ہو گیا۔ بلکہ ۱۲ بجے کے قریب مارشل لاء لگ جانے کے باوجود محلہ کے اندرونی حصوں کو بدستور خطرہ لاحق تھا۔

بابو عبدالکریم صاحب کا مکان لوٹا گیا اور پھر اسے آگ لگا دی گئی۔ مستری محمد اسماعیل صاحب و عبدالرزاق صاحب کمپونڈر کے ریلوے کوارٹر پر بھی حملہ کر کے اس کو لوٹا گیا۔ عبدالرزاق صاحب

کے غیر احمدی بڑے بھائی کو محض اس لیے مارا پیٹا گیا کہ وہ ان کے بال بچوں کو محفوظ جگہ پہنچانے آئے تھے۔ مستری محمد اسماعیل صاحب ملازم ریلوے کا سامان لوٹ لیا گیا اور دو بھینسیں کھول کر لے گئے۔ ایک طالب علم عبدالرشید صاحب ولد ماسٹر چراغ دین صاحب نبی پورہ میں رہتے تھے۔ وہ اپنی بھاوج اور اس کے بچوں کو محفوظ جگہ پہنچانے کے لیے گھر جا رہے تھے کہ راستہ پر اسّی نوّے آدمیوں کے ایک ہجوم نے حملہ کر کے اتنا زدوکوب کیا کہ وہ بے چارے گر گئے۔ قریب تھا ان کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا جاتا کہ کسی نے ان لوگوں سے کہہ دیا کہ ملٹری آگئی اس پر وہ لوگ بھاگ گئے اور اس معصوم بچے کی جان بچ گئی۔

جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب میں میاں عبدالحکیم صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ گنج مغلپورہ کی (غیر احمدی) والدہ صاحبہ قتل کر دی گئیں اور روپیہ پیسہ اور مال واسباب لوٹ لیا گیا۔

باغبان پورہ

مکرم ماسٹر منظور احمد صاحب کی دردناک شہادت کے بعد یہاں فسادات زور پکڑ گئے اور تھانے والوں نے کہا کہ عوام بپھرے ہوئے ہیں۔ ہم کچھ مدد نہیں کر سکتے اس پر بعض دوست اپنے گھروں میں رہے اور بعض دوستوں نے اور جگہ پناہ لی۔

جتھے آتے اور مکانوں پر حملہ کرتے اور قتل کی دھمکیاں اور گالیاں دیتے تھے۔ ان لوگوں کے پاس تلواریں، برچھیاں، مٹی کا تیل اور لاٹھیاں ہوتی تھیں۔ اس حلقہ میں جن احمدیوں کا سامان لوٹا گیا ان کے نام یہ ہیں:-

مستری محمد اسماعیل صاحب۔ ماسٹر منظور احمد صاحب شہید۔ فضل دین صاحب۔ خدا بخش صاحب

دھرم پورہ

اس حلقہ میں احمدیوں کے مالی نقصان کی تفصیل یہ ہے کہ محمد یٰسین صاحب فیروز پوری اپنا مکان بند کر کے دوسری جگہ چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد ان کے مکان میں ریشمی پارچات، نقدی اور کچھ برتن اور راشن چوری کر لیا گیا۔

محمد رفیق صاحب کفش ساز کی دکان لوٹی گئی اور کچھ سامان باہر نکال کر نذرِ آتش کر دیا گیا۔ بابو غلام محمد صاحب ریٹائرڈ کلرک آرڈیننس ڈپو کی دکان میں موجود ایف اے۔ بی اے کی کورس کی تمام کتابیں تلف کر دی اور اکثر گم کر دی گئیں۔ اور پرچون کی دکان کی مختلف اشیاء لوٹ لی گئیں۔

شام سندر گلی نمبر ۲ میں محمد یاسین خاں صاحب اکیلے احمدی تھے جنہیں فسادات کے دوران اپنا مکان

مقفل کرکے اپنے بھائی کے گھر جانا پڑا۔ لوگوں نے ان کی چھت پر سے ہو کر اندرونی تالا توڑا ۔ اور سامان نکال کر لے گئے ۔

شیخ محمد علی صاحب انبالوی کے ایک خط سے پتہ چلتا ہے کہ :-

" لاہور میں ایک احمدی حوالدار عبدالغفور صاحب ولد الہٰی بخش رساکن موضع اول خیر کوٹ شہاب دین شاہدرہ) ڈیوٹی کے دوران ۸ر مارچ ۱۹۵۳ء کو شہید کر دیئے گئے ۔اس شہید کے چھوٹے بھائی عبدالحمید صاحب قادیان میں درویش تھے "

شاہدرہ کے واقعات

لاہور کے نواحی علاقوں میں سے ایک مشہور قصبہ شاہدرہ ہے ۔ وہاں کے نہایت ہی کمزور ۔ بے بس ۔ اور لاچار احمدیوں کے ساتھ جس قسم کا متشددانہ سلوک ہوا ۔ اس کے لیے انہی مجبور اور مظلوم لوگوں میں سے دو اصحاب کی مندرجہ ذیل چھٹیاں پڑھ لینا کافی ہوگا ۔

ماسٹر غلام محمد صاحب ٹیچر ہائی سکول شاہدرہ نے لکھا کہ :-

" ۶ر مارچ کو ہمیں صبح سے ہی خبریں آنی شروع ہو گئی تھیں کہ جمعہ کے بعد شاہدرہ کے احمدیوں کو قتل کر دیا جائے گا اور ان کی عورتوں کی بے حرمتی کر کے قتل کر دیا جائے گا ۔ اور اس مطلب کے لیے لاہور سے بھی مولویوں کا جتھہ آئے گا ۔ ابھی جمعہ کا وقت نہیں ہوا تھا کہ بازار سے شور اٹھا کہ جتھہ آگیا ہے ۔ میں اس وقت پولیس چوکی کی طرف جارہا تھا اور ہسپتال کے موڑ پر تھا ۔ چنانچہ شور سن کر واپس آگیا ۔ بال بچوں کو اطلاع دی جتھہ آیا ہے ۔ نعرے لگ رہے تھے ۔ ظفر اللہ مردہ باد ۔ ناظم الدین مردہ باد ۔ ایک مصنوعی جنازہ چارپائی پر اٹھایا ہوا تھا اور ہائے ہائے کر رہے تھے ۔ میرے مکان کے دروازے کو اس قدر زور زور سے دھکے دیئے کہ اس کے قبضے اکھڑ گئے اور دروازہ پر پتھر اور اینٹیں زور زور سے چلائی گئیں فحش گالیاں دے رہے تھے ۔ اس قدر گالیاں اور ایسی گالیاں کہ اس سے بیشتر ایسی مکروہ گالیاں میرے کانوں نے نہ سنی تھیں میری حویلی کی دیواروں کی اینٹیں اکھاڑ کر کافی دیوار گرا دی ۔ وہ دفعہ جلوس آیا اور مکروہ حرکتیں کرتا رہا اور کہتا رہا کہ جمعہ کے بعد تم کو قتل کر دیا جائے گا ورنہ مرزا کو چھوڑ دو اور مسلمان ہو جاؤ ۔ یہ جلوس لمبے لمبے چھروں اور کلہاڑوں سے

سے مسلح تھا۔۔۔۔۔۔خیر جلوس چلا گیا۔ جلوس کے بعد میں پولیس چوکی میں دوڑ گیا۔ اس وقت چوکی میں صرف دو سپاہی اور ایک حوالدار تھے۔ میں نے حوالدار کو کہا کہ جمعہ کے بعد ہمیں قتل کر دیا جائیگا آپ کوئی انتظام کریں۔ اس نے کہا میں کچھ نہیں کر سکتا میرے پاس کچھ نہیں۔ آپ اپنے گھر جاویں اور اپنا خود انتظام کریں۔ اس کے بعد میں اپنے پریذیڈنٹ صاحب کے پاس اُن کے مطب میں گیا۔ اس وقت اُن کے پاس بعض لوگ بیٹھے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اب تم قتل کیے جاؤ گے۔ صرف بچنے کی صورت یہی ہے کہ مسلمان ہو جاؤ یا کہیں چھپ جاؤ۔ لیکن جہاں چھپو گے ان کی بھی خیر نہیں۔ یہ باتیں سُن کر میں گھر آگیا۔ اور گھر والوں کو بتایا کہ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ڈاکٹر بخاری نے مجھے اس سے پیشتر کہا تھا کہ خطرہ کی صورت میں میرے گھر آ جاؤ۔ چنانچہ ہم نے اُن کی ہمشیرہ کے کہنے پر اُن کے گھر چلے گئے اور اپنا گھر خالی چھوڑ دیا۔"

۲۔ حکیم مختار احمد صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ شاہدرہ نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں لکھا:۔

"مورخہ ۶ ؍ مارچ کو جماعت احمدیہ شاہدرہ پر دشمنوں نے اچانک حملہ کیا اور تمام احمدیوں کے گھروں کو گھیر لیا۔۔۔۔۔۔ قریباً دس بارہ ہزار کا مسلح جلوس نکلا جو بندوقوں، چھروں، برچھیوں اور آگ لگانے کے سامان سے مسلح تھا۔ تمام رستے انہوں نے بند کر دیئے تھے اور پولیس مقامی اُن کی ہمنوا تھی۔ کوئی چارہ نہ دیکھتے ہوئے میرے غیر احمدی چند دوستوں نے مجھے کہا کہ اس وقت بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم باہر جاکر لوگوں کو کہتے ہیں کہ حکیم مختار احمد ہمارا ہم خیال ہو گیا ہے جب ہم حالات بہتر دیکھیں۔ تو پھر تم کو باہر بلا لیں گے تم باہر آ جانا۔ چنانچہ آدھ گھنٹہ کے بعد مجھے باہر بلایا گیا۔ میرے مکان سے باہر آتے ہی ان لوگوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ (حکیم مختار احمد زندہ باد) اس آواز نے تمام شہر میں سکون پیدا کر دیا اور لوگوں نے مجھے گھیرے میں لے لیا۔ پھر مجھے ایک جامع مسجد میں لے گئے میرے رفقاء نے وہاں بھی خود ہی شور مچا دیا کہ حکیم مرزائی نہیں رہا۔ پھر مجھے کہا گیا کہ جمعہ کا خطبہ پڑھو۔ چنانچہ میں نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا۔ اس میں میں نے یہ کہا کہ میں رسول کریم صلعم کو خاتم النبیین مانتا ہوں اور کلمہ پڑھ کر کہا اسی کلمہ کا قائل ہوں۔ اس کے علاوہ احمدیت کے خلاف یا حضرت مسیح موعودؑ کے

خلاف کوئی بات نہیں کہی اور نہ کسی نے کہلوائی کیونکہ میرے ساتھیوں نے جو مجھے بچانا چاہتے تھے میرے ایک ایک فقرہ پر نعرے لگائے تاکہ شور پڑا رہے اور کسی اور طرف کسی کا دھیان نہ ہو۔ پھر ہم لوگ مسجد سے باہر آگئے اور لوگ دوسرے احمدیوں کو پکڑ کر لاتے رہے اور مَیں اُن سے یہ کہتا تھا کہ جو کچھ مَیں نے کہا ہے آپ کو منظور ہے وہ بھی حقیقت کو سمجھ گئے تھے۔ سب نے یہی کہا کہ ہاں ہم کو منظور ہے۔ اس پر لوگ نعرے لگاتے رہے .... اس کے بعد جب ملٹری کا انتظام ہو گیا تو تمام جماعت اپنی پہلی سطح پر آگئی ہے۔ ہماری دونوں بیوت الذکر پر مخالفین نے قبضہ کر لیا تھا۔ وہ بھی ان سے واپس لے لی گئی ہیں۔ دوسرے جمعہ کی نماز مَیں نے پڑھائی تھی۔ سب احمدیوں اور غیر احمدیوں نے میری اقتدا میں نماز پڑھی تھی"۔[۱]

کوٹ رادھا کشن جناب محمد فقیر اللہ خاں صاحب (ریٹائرڈ) ڈپٹی انسپکٹر سکولز نے تحقیقاتی عدالت میں حسبِ ذیل درخواست پیش کی کہ:۔

"یہاں احمدیوں کے صرف تین گھر ہیں۔ کئی دنوں سے ہم سن رہے تھے کہ ہر ایک کو قتل کر دیا جائے گا۔ مخالفت کی ہوا اس قدر مسموم ہو چکی تھی کہ لوگ بُری نظر سے ہمیں دیکھنے لگے۔ پہلے جلسے ہوئے۔ احراری لیکچراروں نے احمدی جماعت اور ہمارے بزرگوں کے خلاف جس قدر ہو سکا گندہ دہنی سے کام لیا اور "زمیندار" کی روزانہ اشاعت نے ہمارے خلاف بہت زہر اگلا۔ جلوس جو بڑی شان سے نکالے جاتے تھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہماری زندگیاں امن میں نہیں ہیں ...... مخبر نے ہمیں خبر دی کہ یہاں سے نکل جاؤ ورنہ خیر نہیں۔ چنانچہ مَیں مع اہل و عیال ۸ / مارچ کو لاہور جانے کے خیال سے اسٹیشن کوٹ رادھا کشن کے پلیٹ فارم پر جا پہنچا۔ جلوس نکل رہا تھا۔ اس کے سینکڑوں افراد پلیٹ فارم کا جنگلا پھاند کر میری طرف لپکے۔ مرزائی، مرزائی پکارتے ہوئے مجھے نرغہ میں لے لیا۔ مَیں پلیٹ فارم کے ایک طرف ٹہل رہا تھا۔ مَیں نے اپنا رُخ اسٹیشن ماسٹر صاحب کے کمرہ کی طرف کر لیا۔ اگر عملہ اسٹیشن تعاون نہ کرتا تو مَیں یقیناً سخت خطرہ میں تھا۔ خبر پاتے ہی پولیس کے کچھ سپاہی بھی آگئے لیکن وہ ہجوم کے

---

[۱] خط جناب حکیم مختار احمد صاحب شاہدرہ ۱۸ / مارچ ۱۹۵۳ء بحضور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود

پیچھے ہی رہے۔ دراصل پولیس خود خائف تھی۔ ملٹری کے کارندے پہنچ چکے تھے۔ گاڑی کے آنے کی خبر پاتے ہی کہ ملٹری کا دستہ اس کے ساتھ آئے گا لوگ منتشر ہو گئے۔ ہم امن کے ساتھ لاہور پہنچے۔ اور بڑے اطمینان کے ساتھ لاہور میں پھرنے اور رہنے لگے۔ مارشل لاء اپنا قبضہ جما چکا تھا۔ اگر مارشل لاء نافذ نہ ہوتا تو یقیناً احمدیوں کے گھرانے بُری طرح ذبح کیے جاتے۔ اُن کے مکانات نذرِ آتش ہوتے۔ میں نے لاہور پہنچ کر اپنی سرگزشت تحریر کر کے سپرنٹنڈنٹ صاحب کی خدمت میں بھیجی۔ دوسری درخواست واپس آکر یہاں سے بھیجی۔ مہربانی فرما کر میری دونوں درخواستیں دفتر پولیس سے برآمد کرا کے ملاحظہ فرمائیں۔ پولیس نے کیا کارروائی کتنے عرصہ کے بعد کی پولیس بالکل بے کار ہو چکی تھی۔ عوام الناس سے ڈرتی تھی۔"

فسادات پنجاب اور حکومت کی پالیسی

صوبہ پنجاب کی چند احمدی جماعتوں کے دردناک اور زہرہ گداز واقعات بیان ہو چکے ہیں اب آخر میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اس دور میں پنجاب کی دولتانہ حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ باوجودیکہ فتنہ و فساد جنگل کی آگ کی طرح پورے صوبہ کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھے وہ اپنی سیاسی مصلحت کی بناء پر حالات کو چھپاتی تھی اور قیام امن کے لیے یہ پراپیگنڈا کر رہی تھی کہ صوبہ میں امن وامان ہے اور شورش کو کچل دیا گیا ہے چنانچہ سیدنا حضرت مصلح موعود نے ۳ ماہ وفا ۱۳۳۲ ہش بمطابق ۳ جولائی ۱۹۵۳ء کو ناصر آباد سندھ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

"ان دنوں گورنمنٹ کی پالیسی یہ تھی کہ حالات کو چھپایا جائے اور دبایا جائے اور لوگوں پر یہ ظاہر کیا جائے کہ ہر طرح امن ہے اور اس میں وہ معذور تھی کیونکہ پولیٹکل اصول کے مطابق یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اگر فتنہ و فساد کی خبریں پھیلیں تو لوگوں میں اور بھی جوش پھیل جاتا ہے پس گورنمنٹ کے اکثر حکام کی یہ کارروائی کسی بدنیتی پر مبنی نہیں تھی بلکہ مصلحت اس بات کا تقاضا کرتی تھی لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ باہر کی جماعتیں مرکز اور پنجاب کے حالات سے ناواقف رہیں یہاں تک کہ جب حکومت نے دیکھا کہ خطوں کے ذریعہ ناظر دعوۃ و تبلیغ باہر کی جماعتوں کو اپنے حالات سے اطلاع دیتے ہیں تو انہوں نے ان خطوط کو بھی کسی قانونی عذر کے ماتحت روک دیا ......

ان دنوں پنجاب کے اکثر اضلاع کے احمدیوں کی حالت ایسی ہی تھی جیسے لومڑ کا شکار کرنے کے لیے شکاری کتے اس کے پیچھے پیچھے دوڑتے پھرتے ہیں۔ اور لومڑ اپنی جان بچانے کے لیے کبھی اِدھر بھاگتا ہے اور کبھی اُدھر بھاگتا ہے ان ایام میں لاریاں کھڑی کر کر کے احمدیوں کو نکالا جاتا اور انہیں پیٹا جاتا۔ اسی طرح زنجیریں کھینچ کر گاڑیوں کو روک لیا جاتا اور پھر تلاشی لی جاتی کہ گاڑی میں کوئی احمدی تو نہیں اور اگر کوئی نظر آتا تو اسے مارا پیٹا جاتا۔ اسی طرح ہزاروں ہزار کے جتھے بن کر دیہات میں نکل جاتے اور گاؤں کے دس دس پندرہ پندرہ احمدیوں پر حملہ کر دیتے یا اگر ایک گھر ہی کسی احمدی کا ہوتا تو اسی گھر پر حملہ کر دیتے، مال و اسباب لوٹ لیتے۔ احمدیوں کو مارتے پیٹتے اور بعض شہروں میں احمدیوں کے گھروں کو آگ بھی لگائی گئی بیسیوں جگہوں پر احمدیوں کے لیے پانی روک دیا گیا اور وہ تین تین چار چار دن تک ایسی حالت میں رہے کہ انہیں پانی کا ایک قطرہ تک بھی نہیں مل سکا۔ اسی طرح بعض جگہ ہفتہ ہفتہ دو دو ہفتے وہ بازار سے سودا بھی نہیں خرید سکے۔ بیرونی جماعتیں ان حالات سے ناواقف تھیں۔ وہ گورنمنٹ کے اعلانوں کو سُنکر کہ ہر طرح امن ہے اور خیریت ہے خوش ہو جاتی تھیں۔ حالانکہ جس وقت خیریت کے اعلان ہوتے تھے وہی سب سے زیادہ احمدیوں کے لیے خطرے کا وقت ہوتا تھا لیکن جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے حکومت کے اکثر افسروں کی نیت نیک تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ اگر ملک میں یہ خبریں پھیلیں کہ لوگ احمدیوں پر سختی کر رہے ہیں تو دوسرے جگہوں کے لوگ بھی ان پر سختی کرنے لگ جائیں گے اس لیے امن کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ متواتر یہ اعلان کیے جائیں کہ سب جگہ امن ہے تاکہ شور دب جائے اور لوگ سمجھ جائیں کہ جب سب جگہ امن ہے تو ہمیں فساد کرنے کی کیا ضرورت ہے ؛ پس ہم ان میں سے اکثر کی نیت پر شبہ نہیں کرتے۔ ہمیں سیاسیات کا علم ہے اور ہم نے تاریخ کا بھی مطالعہ کیا ہوا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ تمام حکومتیں ایسا ہی کرتی ہیں کیونکہ علم النفس کے ماتحت لوگوں کے جوش اسی وقت ٹھنڈے ہوتے ہیں جب

انہیں معلوم ہو کہ سب جگہ امن ہے اگر انہیں پتہ لگے کہ بعض مقامات پر امن نہیں تو وہ خود بھی امن سے نہیں بیٹھتے کیونکہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے کوئی شورش نہ کی تو لوگ ہمیں طعنہ دیں گے کہ تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا اسی وجہ سے حکومتوں کا عام دستور یہی ہے کہ ابتداء میں جو خبریں نکل جائیں سو نکل جائیں۔ بعد میں وہ یہ پروپیگنڈا شروع کر دیتی ہیں کہ سب جگہ امن قائم ہو گیا ہے تا کہ ایک جگہ کے لوگ دوسری جگہوں کی خبریں سن کر بیٹھ جائیں اور فتنہ و فساد کو ترک کر دیں بہر حال ان حالات میں سے دو اڑھائی ماہ کے قریب ہماری جماعت گزری۔ بسا اوقات ہمیں بیرونی جماعتوں کی طرف سے چٹھیاں پہنچتی تھیں کہ الحمد للہ پنجاب میں امن قائم ہو گیا ہے اور جماعت کے خلاف شورش دب گئی ہے۔ مگر اسی وقت ہمیں پنجاب کی مختلف اطراف سے یہ اطلاعات پہنچ رہی ہوتی تھیں کہ فلاں کا گھر لوٹ لیا گیا ہے۔ فلاں جگہ عورتوں اور بچوں پر حملے کیے جا رہے ہیں اور انہیں بچا بچا کر محفوظ مقامات پر پہنچایا جا رہا ہے۔ فلاں کا گھر جلا دیا گیا ہے مگر باہر کی جماعتوں کی طرف سے مبارکباد اور خوشی کے خطوط پہنچ رہے ہوتے تھے۔ کہ الحمد للہ گورنمنٹ کے اعلانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اب ہر طرح خیریت ہے۔ پس آپ لوگ اس مصیبت کا اندازہ نہیں لگا سکتے جس میں سے پنجاب کے لوگوں کو گزرنا پڑا۔ کیونکہ سندھ۔ سرحد اور بنگال میں ان فسادات کا ہزارواں حصہ بھی ظاہر نہیں ہوا جو پنجاب میں ظاہر ہوئے۔ اس وجہ سے یہاں کے لوگ امن میں رہے اور خیریت سے رہے لیکن باوجود اس کے کہ ان فسادات نے پنجاب میں انتہائی نازک صورت اختیار کر لی تھی۔ وہ وہ تغیرات جو گورنمنٹ میں پیدا ہوئے ان کی وجہ سے بھی اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ حکام کا ایک حصہ ایسا تھا جو دیانت دار تھا اور اپنے فرائض کو ادا کرنا چاہتا تھا۔ یہ فتنہ آخر دب گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس فتنہ کی روح ابھی باقی ہے اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اگر آئندہ فتنہ اُٹھے تو وہ شاید پنجاب کی بجائے سندھ میں پیدا ہو یا بنگال میں پیدا ہو یا ممکن ہے پنجاب میں ہی پیدا ہو کیونکہ ہمیں نظر یہ آتا

ہے کہ اس دفعہ جو فتنہ اُٹھا ہے یہ خالص مذہبی نہیں تھا بلکہ سیاسی تھا۔ ہمارے ملک میں حکومت لیگ کی ہے اور لیگ کی حکومت جب سے پاکستان بنا ہے برابر چلتی چلی جا رہی ہے اور بظاہر آثار ایسے نظر آتے ہیں کہ ایک لمبے عرصہ تک مسلم لیگ کی حکومت ہی قائم رہے گی لیکن بدقسمتی سے لیگ کے کارکنوں کا ایک حصہ جس نے پاکستان بننے کے وقت بڑی قربانی کی تھی۔ اپنے دوسرے ساتھیوں سے اختلاف ہو جانے کی وجہ سے لیگ سے علیحدہ ہونے پر مجبور ہو گیا مگر چونکہ اس وقت نیا نیا پاکستان بنا تھا ملک کا بیشتر حصہ یہ چاہتا تھا کہ ہمارے ملک میں زیادہ پارٹیاں نہ بنیں اور نظم و نسق ایک ہی ہاتھ میں رہے چنانچہ باوجود اس کے کہ یہ جُدا ہونے والے مشہور آدمی تھے اور انہیں خیال تھا کہ اکثریت ان کا ساتھ دے گی۔ لوگوں نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کی قربانیاں بڑی تھیں وہ ملک کے خیر خواہ بھی تھے۔ انہیں لوگوں میں رسوخ بھی حاصل تھا۔ اور وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم لیگ سے الگ ہو گئے تو لیگ کا اکثر حصہ ہمارے ساتھ شامل ہو جائے گا لیکن لوگوں کے دلوں میں جو یہ احساس پیدا ہو چکا تھا کہ زمانہ نازک ہے ہمیں اس نازک زمانہ میں اپنے اندر تفرقہ پیدا نہیں کرنا چاہیئے یہ اتنا مضبوط ثابت ہوا کہ وہ لیگ سے باہر نکل کر ایک عضوِ بے کار بن کر رہ گئے اور اکثریت نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا جب انہوں نے دیکھا کہ ہم سیاسیات کے ذریعہ لیگ کو شکست نہیں دے سکے بوجہ اس کے کہ مسلمانوں میں اتحاد کا جذبہ موجود ہے اور وہ اپنی حکومت کے قائم کرنے میں ناکام رہے ہیں تو انہوں نے سوچا کہ اب ہمیں کوئی اور تدبیر اختیار کرنی چاہیئے اور ایسے رستہ سے حکومت کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے جس میں عوام کی تائید ہمارے ساتھ شامل ہو۔ چنانچہ اس غرض کے لیے انہوں نے علماء کو چنا تاکہ لوگوں کو یہ محسوس نہ ہو کہ یہ حکومت اور لیگ کی مخالفت ہے بلکہ وہ یہ سمجھیں کہ یہ مخالفت صرف مذہب اور لا مذہبی کی ہے اور اس غفلت اور جہالت میں وہ اپنے اصل مؤقف کو چھوڑ دیں اور ایسے مواقع پیدا کر دیں جو

بعد میں ان لوگوں کے لیے حکومت سنبھالنے کا موجب بن جائیں"۔[1]

---

[1] (خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرمودہ ۳ جولائی ۱۹۵۳ء بمقام ناصر آباد سندھ بحوالہ روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۴ جولائی ۱۹۵۳ء صفحہ ۲، ۳)

چوتھا باب

- ریاست بہاولپور، صوبہ سرحد ، صوبہ سندھ

اور

مشرقی پاکستان[1] کی احمدی جماعتوں کے واقعات

- حضرت مصلح موعود کے بیان فرمودہ پانچ ایمان افروز واقعات

---

[1] ۱۹۷۰ سے اس خطہ میں بنگلہ دیش کے نام سے مستقل حکومت قائم ہو چکی ہے

فصلِ اوّل

ریاست بہاولپور

اگرچہ ریاست بہاولپور میں حکومت نے امن قائم رکھنے کی پوری کوشش کی مگر شہری آبادیوں اور اُن مقامات پر جہاں احمدی اِکّے دُکّے تھے نچلے درجہ کے حکام کی جانبداری اور بزدلی کے باعث شور و سر بلند رہا اور فضا بہت مسموم رہی۔

صادق آباد یہاں منڈی میں چوہدری محمد شریف صاحب، چوہدری محمد امین صاحب کمیشن ایجنٹ کی واحد احمدی دکان تھی جس کو مشتعل ہجوم نے زبردستی بند کرا دیا اور پولیس بالکل خاموش رہی۔

ہارون آباد اور ملحقہ چکوک شہر ہارون آباد اور اس کے ملحقہ چکوک نمبر ۵۵/۴-R، چک نمبر ۹، ۷ نہر ہاکڑا۔ چک نمبر ۷۶/۴-R، چک نمبر ۱۵۲ ہاکڑا۔ چک نمبر ۵۲/۴-R چک نمبر ۱۶/۱-R چک نمبر ۹۳/۶-R اور چک نمبر ۱۲/۳-R کے احمدیوں کو تکالیف پہنچائی گئیں اور چک نمبر ۱۲/۳-R کے احمدیوں پر حملہ بھی کیا گیا۔

چک نمبر ۱۵۲/۲-L میں شرپسندوں نے اشتعال انگیز نعرے لگائے اور بعض احمدیوں کو پکڑ کر دھمکی دی گئی کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ ورنہ ہم تم کو مار ڈالیں گے۔ ایک احمدی پیر محمد صاحب نے کمال جرأت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ "بے شک تم مجھے مار ڈالو لیکن احمدیت خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے اس لیے مَیں احمدیت کو جان سے عزیز سمجھتا ہوں اور احمدیت کو نہیں چھوڑونگا" اس پر ایک شخص نے کہا کہ اچھا اس کو کل تک مہلت دیجائے لیکن وہ لوگ پھر واپس نہ آئے۔

بہاولنگر شہر و ضلع ریاست کے اندر مخالفت کا زیادہ تر زور اُن دنوں ضلع بہاولنگر میں تھا جہاں احمدی زمینداروں کی فصلیں فروخت ہونا بند ہو گئیں

اور ان کی دکانوں پر پکٹنگ بٹھا دی گئی جس سے جماعت کو ہزاروں روپے ماہوار کا نقصان ہوا۔ بہاونگر میں تین چار احمدی گھر تھے جن میں امیر ضلع بہاونگر شیخ اقبال الدین صاحب بھی شامل تھے۔ جن کے مکان پر پتھراؤ ہوا اور آپ کئی دن گھر میں محصور اور بیرونی حالات سے بے خبر رہے۔

فصلِ دوم

صوبہ سرحد

اُن دنوں صوبہ سرحد میں مسلم لیگی حکومت تھی اور اس کے وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خاں تھے جنہوں نے اپنی حب الوطنی، فرض شناسی اور حُسنِ تدبیر و انتظام کی بہت اعلیٰ اور قابلِ تعریف مثال قائم کی انہوں نے امن وامان کے قیام کے لیے نہ صرف سرحد اسمبلی میں بلکہ مانسہرہ، ایبٹ آباد، بالاکوٹ وغیرہ مقامات پر نہایت زور دار اور مؤثر تقریریں کیں چنانچہ سیّد عبدالرحیم شاہ صاحب نے پھگلہ ضلع مانسہرہ سے ۱۲ مارچ ۱۹۵۳ء کو حضرت مصلح موعود کی خدمت میں لکھا کہ

"۱۴ مارچ ۱۹۵۳ء کو وزیر اعلیٰ سرحد نے مانسہرہ ایبٹ آباد میں تقریریں کیں۔ کل ۵ مارچ ۱۹۵۳ء کو بالاکوٹ میں تقریر کی پنجاب کے واقعات کی انہوں نے پُرزور مذمت کی، لوگوں کو پُرامن رہنے کی تلقین کی۔ موجودہ فتنہ کا بانی، پاکستان کے دشمن عناصر کو قرار دیا۔ اکثر شریف لوگوں نے اس فتنہ کو سخت ناپسند کیا ہے۔"

اسی طرح پیر محمد زمان شاہ صاحب نے مانسہرہ سے ۵ مارچ ۱۹۵۳ء کے مکتوب میں حضور کو اطلاع دی "۴ مارچ وزیر اعلیٰ کی تقریر مانسہرہ میں ہوئی یہ تقریر بڑے جوش سے اور رُعب و دبدبہ سے کی گئی۔ نہایت معقول تقریر تھی۔ دلائل سے بھی لوگوں کو سمجھایا کہ یہ تحریک سیاسی تحریک ہے اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ سب مسلمان رسولِ خدا کو خاتم النبیین یقین کرتے کرتے ہیں۔ پنجاب کا بتایا کہ یہ شرارت پنجاب سے شروع ہوئی ہے اور اب پنجاب میں گولی چل رہی ہے۔ مسلمان مسلمان کو مار رہا ہے ایسا نہ ہو کہ یہاں بھی گورنمنٹ کو سخت کارروائی کرنی پڑے۔ دو دن پہلے بھی تم پر گولی چلنی تھی مگر حکام نے تم سے مہربانی کی اس تقریر کا اثر لوگوں پر اچھا معلوم ہوتا تھا۔"

وزیر اعلیٰ سرحد خان عبدالقیوم خاں صاحب نے تقریریں ہی نہیں کیں بلکہ اپنی کامیاب حکمت عملی اور مضبوط اقدامات کے ساتھ صوبہ بھر میں بد امنی اور شورش اور فساد کو کچل کے رکھ دیا اور

خدا کے فضل وکرم سے صوبہ سرحد کے اضلاع پشاور، کیمبل پور، اٹک، مردان، ہزارہ۔کوہاٹ بنوں اور ڈیرہ اسماعیل خاں کی احمدی جماعتیں اس شورہ وشر میں جانی ومالی نقصانات سے بالکل محفوظ رہیں اور پشاور، اچینی پایاں - بازید خیل، شیخ محمدی، چارسدہ، مردان ایبٹ آباد، مانسہرہ، مچھگلہ، ٹل، کوہاٹ اور بنوں کی جماعتوں کے احوال وکوائف خاص طور پر مرکز پہنچے۔

فصل سوم

صوبہ سندھ

صوبہ سرحد کی طرح سندھ حکومت نے بھی امن برقرار رکھا اور فرض شناسی کا ثبوت دیا۔
سندھی پریس نے احراری ایجی ٹیشن کی پُرزور مذمت کی۔ سندھ کے مشہور لیڈر پیر پگاڑہ
صاحب نے اس سلسلہ میں ایک پُرزور بیان دیا :۔

When asked as to his reactions to the Anti Ahmedi Movement, Pir Sahib declared that his own Jamaat as also such sections of the Sindhi community as were inclined to listen to him ought to have nothing to do with any movement intended to divide and separate one Pakistani from the other. He was happy to say that his Jamaat had to a man, kept it self aloof from that disruptive movement. Aiso Sindhis as a community. He, however, regretted that some refugee Maulanas who had made Sind their Habitat were trying

to set the Indus on fire but this "They would not be allowed to do" "Sind", maintained He: "Must become a source of strength to Pakistan and to those who run the nation's Affairs. If the Government machinery cannot deal with mischievous Maulanas, the society shall on my own part I am prepared to take upon myself the whole responsibility in this behalf, if only the Government allows me to do so. We cannot, in the interests of our security and freedom, allow a handful of fanatics and mischief-mongers to set fire to the whole country."1

1. The Sind Observer
March 19, 1953
P. No. 1 C. No. 1

یعنی پیر صاحب سے دریافت کیا گیا کہ اینٹی احمدیہ تحریک کے متعلق آپ کا ردّ عمل کیا ہے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ میری اپنی جماعت اور سندھی فرقہ کے وہ لوگ جو ان کی باتوں کو سُننے کے حق میں ہیں ان سب کا ایک ایسی تحریک سے جو ایک پاکستانی کو دوسرے پاکستانیوں سے جدا کرتی ہے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے یہ بیان کرنے میں خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ میری ساری جماعت (مسلم لیگ) اس فساد انگیز تحریک سے بالکل الگ تھلگ رہی ہے۔ اسی طرح تمام سندھی بھی اس سے الگ رہے ہیں مگر انہوں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کچھ پناہ گزین مولانا، جنہوں نے سندھ کو اپنا وطن بنا رکھا ہے وہ دریائے سندھ کو آگ لگانا چاہتے ہیں مگر اُن کو اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ انہوں نے اصرار سے کہا کہ سندھ کو پاکستان کے لیے طاقت دینے کا ذریعہ بنایا جائے گا۔ اور یہ ان لوگوں کے لیے طاقت بخش ثابت ہوگا جو قوم کی باگ ڈور کو سنبھالتے ہیں۔ اگر گورنمنٹ کی مشینری شرارت پسند علماء کو قابو میں نہیں رکھ سکتی۔ تو معاشرہ اُن کو قابو کرے گا۔ میرا اپنا تو یہ حال ہے کہ مَیں اس معاملے میں ساری ذمہ داری اپنے سر لینے کو تیار ہوں بشرطیکہ گورنمنٹ پاکستان بھی مجھے یہ ذمہ داری سنبھالنے کی اجازت دے دے۔ ہم اپنی حفاظت اور آزادی کے تحفظ کی خاطر چند ایک سر پھرے مذہبی دیوانوں کو اور مفسدانہ طبع لوگوں کو یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ سارے ملک کو آگ لگا دیں۔"[1]

پیر پگاڑو صاحب کا یہ بیان سندھ کے سب اخباروں میں شائع ہوا۔ علاوہ ازیں جناب علی احمد صاحب بروہی ایڈیٹر "منشور" اور جنرل سیکرٹری انجمن مدیران جرائد سکھر نے "ختم نبوت یا ختم پاکستان" کے عنوان سے ایک پوسٹر شائع کیا جس میں لکھا کہ :۔

"ختم نبوت ہر مسلمان کا ایمان ہے اور جو لوگ اس حقیقت کو نہیں مانتے ان کو سمجھانا اور دلیل دے کر قائل کرنا چاہیئے۔ لیکن بعض حضرات تبلیغ کرنے کی بجائے اشتعال انگیز تقریریں کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے کھیل کر ان کو قانون توڑنے اور گرفتار ہونے پر

---

[1] اخبار The Sind Observer کراچی ۱۹ر مارچ ۱۹۵۳ء ص ۱

ابھار رہے ہیں۔ چنانچہ پنجاب میں لوٹ مار کرنے ڈاکخانے جلانے قومی دولت تباہ کرنے اور بدامنی پھیلانے کے بڑے دردناک واقعات ہوئے ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ پاکستان کے دشمن .... ختم نبوت کی تحریک کی آڑ میں پاکستان کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ دشمنوں کے جال میں نہ آیئے ان کی سازش ناکام بنایئے "

خدا کے فضل و کرم سے صوبہ سندھ کے احمدی ۱۹۵۳ء کے المناک ابتلاء میں بہت حد تک محفوظ رہے البتہ مندرجہ ذیل چند مقامات پر بعض احمدیوں کو وقتی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۔ میرپور خاص ضلع تھرپارکر میں بعض شریر ایم۔ این۔ سنڈیکیٹ کی رہائش گاہ کے گرد جمع ہوئے اور فتنہ کھڑا کرنا چاہا۔ مگر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ایک معزز غیر احمدی فقیر محمد صاحب منگریو کی مداخلت پر یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

۲۔ میرپور خاص سے پانچ چھ میل پر ڈیرہ غازی خان کے ایک احمدی اللہ بخش صاحب اور ان کے والد پر حملہ کیا گیا اور ان کو لاٹھیاں ماری گئیں حملہ آوروں نے کہا کہ یہاں سے بھاگ جاؤ۔

۳۔ نوکوٹ ضلع تھرپارکر میں ایک احمدی نوجوان کو پیٹا گیا۔ ایک سندھی احمدی نصرت آباد میں کام کرتے تھے جنکی نسبت جھوٹی رپورٹ کی گئی کہ اس نے ڈاک پر چھاپہ مارا ہے حالانکہ وہ نوکوٹ میں موجود ہی نہ تھا۔

۴۔ سکھر میں بعض پنجابی علماء نے شورش پیدا کرنے کے لیے قدم رکھا مگر جلد ہی بھاگ گئے۔

۵۔ مکرم علی محمد نجم صاحب نمائندہ جماعت محمد آباد اسٹیٹ ضلع تھرپارکر سندھ نے ۱۱ر مارچ ۱۹۵۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے ملاقات کی اور پھر مرکز کو تحریری طور پر آگاہ کیا کہ ایک بااثر زمیندار یہ اشتعال انگیز باتیں کر رہا ہے کہ احمدیوں کو قتل کر کے اُن کی زمینوں پر قبضہ کر لو ان لوگوں کی لالچی نظریں جماعت احمدیہ کُنری کی فیکٹری اور زمینوں پر ہیں۔

۶۔ پتھورو ضلع تھرپارکر میں ایک ہی احمدی تھے۔ لوگوں نے ان پر سختی کی اور ارتداد کے لیے مجبور کیا مگر انہوں نے سختی برداشت کی مگر ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

۷۔ چک ۱۰۰ ضلع تھرپارکر میں فتنہ کے ان ایام میں "انی مھین من اراد اھانتک"۔

کا نشان ظاہر ہوا ۔ ڈگری کے قریب ایک سکول کا عربی ٹیچر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شانِ اقدس میں انتہائی بے باکی سے گالیاں دیتا اور ایک احمدی طالب علم جمیل (ابن حکیم نور محمد صاحب ٹنڈو غلام علی ضلع بدین) کو زدوکوب کرتا تھا ۔ احمدی طالب علم نے اپنے والد کی نصیحت پر عمل کر کے صبر کیا ۔ چند دن کے بعد وہ ٹیچر ایک شرمناک اخلاقی جرم میں پکڑا گیا اور جوتوں سے اس کی پٹائی کی گئی ۔

۸ ۔ کنری ضلع تھرپارکر سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ایک احمدی جو اکیلے گاؤں میں رہتے تھے ۔ کنری آنے کے لیے گھر سے نکلے ۔ تو چند غیر احمدی ان کا رستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یا احمدیت کو ترک کر دو یا ہم تمہیں ختم کر دیں گے ۔ احمدی دوست نے انہیں جواب دیا کہ ہم مرنے سے نہیں ڈرتے اگر ہمیں اس لیے مارنا چاہتے ہو کہ ہم کلمہ بھی پڑھتے ہیں اور نماز ، روزہ ، حج زکوٰۃ پر عامل ہیں تو بے شک مار لو ۔ اس بات کا ایسا فوری اثر ہوا کہ انہوں نے رستہ چھوڑ دیا ۔

۹ ۔ دارالعلوم ٹنڈو الہ یار ضلع حیدر آباد سندھ کے دیوبندی علماء نے ان دنوں احمدیوں کے خلاف نہ صرف اشتعال انگیز تقریریں کیں بلکہ جماعت احمدیہ کے پریذیڈنٹ چوہدری عنایت الرحمٰن صاحب (زمیندار انجینیرنگ اینڈ ٹریڈنگ کمپنی) کو قتل کرنے کے وعظ کئے ۔ ایک دوست امجد علی خان صاحب کو جو تین ماہ قبل احمدی ہوئے تھے ۔ قتل کی دھمکی دی گئی مگر انہوں نے دلیری سے جواب دیا کہ حق کے لیے جان چلی جائے تو پرواہ نہیں ۔

۱۰ ۔ گوٹھ مولا بخش (ڈاکخانہ دیہ ماہ کھنڈ ضلع نواب شاہ) کے احمدیوں پر حملہ کی افواہ پھیلائی گئی مگر خدا کے فضل سے امن رہا ۔

۱۱ ۔ کمال ڈیرہ ضلع نواب شاہ کے علاقہ میں یہ افواہ پھیلائی گئی کہ ربوہ پر بھی حملہ ہوا ہے ۔ تحصیل کنڈیارہ میں دو مخالف پارٹیوں نے احمدیوں کے خلاف شرارت کا ارادہ کیا مگر تحصیلدار صاحب نے یہ منصوبہ ناکام بنا دیا ۔

فصل چہارم

مشرقی پاکستان (حال بنگلہ دیش)

فسادات پنجاب کے دوران مشرقی پاکستان میں امن وامان رہا۔ مولانا سید اعجاز احمد صاحب فاضل مبلغ مشرقی پاکستان نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں ۲؍مارچ ۱۹۵۳ء کو بذریعہ مکتوب اطلاع دی کہ مشرقی پاکستان کے انگریزی اور بنگلہ پریس نے احرار ایجی ٹیشن کی پُرزور مذمت کی البتہ عوامی لیگ کے آرگن" اتفاق" نے اغماض برتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا بھی اس فتنہ میں ہاتھ ہے۔ مولانا نے یہ بھی عرض کیا کہ :-

"اخبار الفضل کے بند ہو جانے کی وجہ سے مرکز سلسلہ اور جماعت کے صحیح حالات سے ہم لوگ بالکل بے خبر ہو رہے ہیں۔ براہ کرم حضور مرکز سلسلہ اور جماعت کے تازہ کوائف و حالات سے ہم لوگوں کو باخبر رکھنے کا کوئی موزوں انتظام فرمائیں "

اس پر حضور کے ارشاد پر مرکز کی طرف سے اطلاعات بھجوانے کا باقاعدہ انتظام کیا گیا۔

ان پُرفتن ایام میں مشرقی پاکستان کے احمدیوں نے پریس اور ملک کے دوسرے حلقوں کو ضروری لٹریچر پہنچا دیا اور انفرادی و اجتماعی دعائیں کیں اور روزے رکھے۔ جیسا کہ جناب احسان اللہ شکولر صاحب سیکرٹری تعلیم و تبلیغ انجمن احمدیہ مشرقی پاکستان کے ۹؍مارچ ۱۹۵۳ء کے مکتوب کے درج ذیل الفاظ سے معلوم ہوتا ہے :-

" بفضلہ تعالیٰ مشرقی پاکستان کے تمام اخبارات ہماری تائید میں ہیں۔ اخبارات کے اداریہ کو ترجمہ کر کے حضور کی خدمت میں ارسال کیا جا رہا ہے۔ ہم حالات کے موافق کام کر رہے ہیں تمام اخباری دفتر میں (۱)" قیام پاکستان اور جماعت احمدیہ" (۲) جناب اصغر بھٹی کے مضمون -

---

ل مؤلفہ مولانا جلال الدین صاحب شمس سابق مبلغ بلاد عربیہ و انگلستان

(۳)" پاکستان کس راہ پر" - ان سب کا بنگلہ میں ترجمہ دیا گیا ہے - اور ڈھاکہ نرائن گنج شہر میں اور باہر بھی بذریعہ جہاز، ریل، لانچز، ڈاک کی ترسیل جاری ہے - نرائن گنج میں دو روزے رکھے گئے اور اجتماعی دعا بھی جاری ہے - مشرقی پاکستان کی تمام جماعتوں کو بھی روزے رکھنے اور اجتماعی دعا کرنے کے لیے تاکید کی گئی"

اخبارات کے بعض شذرات

۱- اخبار" ڈھاکہ" نے ۷ مارچ ۱۹۵۳ء کو اپنے اداریہ میں احرار کے فتنہ کے خلاف حسب ذیل شذرہ لکھا:-

قادیانی اور احرار

(ترجمہ) موجودہ بین الاقوامی حالات پر نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کو تنگ دائرہ میں محدود کرنے کے لیے فضا میں مکدر کیے جانے کی کوشش ہو رہی ہے - اسی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے چونکہ پاکستان اسلام کی بنیاد پر قائم ہوا ہے - اس لیے وہ غیر رسمی طور پر پاکستان کے خلاف ہیں - ان حالات میں پاکستانی عوام کو متحد اور متفق رہنا ہی پاکستان کی حفاظت کا باعث ہے -

دوسری بات یہ ہے کہ پاکستان ایک نئی حکومت ہے - اس کی مضبوطی اور ترقی لازمی ہے - لیکن اب تک ممکن نہ ہو سکا - اس لیے ہم سب کو متفق ہو کر اس کی مضبوطی اور استحکام کی کوشش کرنی چاہیئے - ان حالات میں احمدیوں کے خلاف احراری فتنہ حکومت اور اسلام کے سب سے بڑے مفاد کے لیے مضر ہے - خبروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ گزشتہ ۱۶ فروری کو احرار ایک عام جلسہ میں جمع ہوئے اور وزیر خارجہ چوہدری ظفراللہ خاں کو وزارت سے برطرف کیے جانے کی اور قادیانی فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی آواز اٹھائی - اور ڈائریکٹ ایکشن عمل میں لانے کے عزم کیے ہوئے ہیں - حکومتِ پاکستان کو بطور چیلنج کے یہ اعلان کیا گیا -

حکومت نے اس قسم کے فتنہ برپا کرنے والے گیارہ مولویوں کو گرفتار کر لیا - اور ان

گرفتاریوں کی وجہ سے احراریوں میں غیظ و غضب پھیل گیا۔ اور چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں جلوس نکالے گئے اب تک حکومت نے ایک ہزار احراریوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ احراریوں اور احمدیوں کے روزنامہ کی اشاعت بند کر دی گئی ہے۔ حالات قابو میں کر لیے گئے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارا کسی جگہ احمدیوں کے ساتھ اختلاف ہے لیکن اس کے باوجود بنیادی اصولوں میں ان کے ساتھ ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ ہستی باری تعالیٰ پر ایمان ہی احمدیوں یا قادیانیوں کا اصل اصول ہے......... احرار کی ماضی کی تاریخ ہر پاکستانی کو یاد ہے انہوں نے پاکستانی تحریک کے خلاف جو کارروائی کی اس بنا پر ہم موجودہ حرکات کو پاکستان کے استحکام کے خلاف دشمنوں کی تائید سمجھتے ہیں۔

اب احراریوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی غلطیوں کا اقرار کریں اور اس حرکت سے باز آجائیں ورنہ اسلام اور حکومت کے خلاف ان کی یہ بغاوت پاکستانی معاف نہیں کریں گے۔

(۲) ۔ مشہور اخبار "آزاد" (بنگالی) کی اشاعت مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۵۳ء میں حسب ذیل اداریہ شائع ہوا۔

حسرت ناک انجام

میاں ممتاز دولتانہ نے ۱۰ مارچ کے ایک بیان میں کہا ہے کہ احمدیوں کے خلاف تحریک کے بہانے پر فساد برپا کرنے والے باغیوں نے موجودہ حکومت کا تختہ الٹ دینے کی سازش کی تھی اور یکدم مسلمانوں کے اندر تفرقہ ڈال کر پاکستان کے امن اور یکجہتی پر حملہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تاہم مرکزی اور صوبائی حکومت حسب ضرورت کارروائی کے لیے مستعد ہیں۔ ملکی آئین اور نظم و نسق برقرار رکھنا نیز ہر ایک کی جان و مال کی حفاظت حکومت کا اولین فرض ہے۔

دولتانہ کے مذکورہ بیانات کے ساتھ اطاعت پسند عناصر کے کسی فرد کو اختلاف نہیں ہوسکتا۔ لیکن چند ماہ سے ملک کی مختلف جگہوں میں جو ہنگامہ آرائی ہوئی اس پر ہر پاکستانی کو

فکر لاحق ہوگئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گزشتہ سال کے گیارہ فروری کے واقعہ اور کراچی اور پنجاب کے موجودہ ہنگامے کے وقت دیکھا گیا کہ سول گورنمنٹ نے مجبور ہو کر امنِ عامہ کی حفاظت اور لوگوں کے جان ومال کی حفاظت کی خاطر ملٹری کو بلایا۔ اور اسے معاملہ سونپ دیا۔ دولتانہ کے بیان سے ظاہر ہے کہ شروع شروع میں انہوں نے ہنگامہ برپا کرنے والوں کے ساتھ سمجھوتہ کی کوشش کی۔ فقط اسی کوشش میں ہی وہ ناکام نہیں ہوئے بلکہ ملکی آئین اور نظم ونسق کو برقرار رکھنے میں بھی سخت ناکام ہوئے۔ بالآخر ملٹری کو بلا کر اس کے ہاتھ میں معاملہ سونپ دیا۔ ہر بار ملکی آئین کی حفاظت کے لیے فوج کو بلانا اور مارشل لاء جاری کرنا کوئی قابلِ تعریف بات نہیں۔ امن وامان اور ملکی یکجہتی برباد کرنے والوں کو کھلی چھٹی دینے سے عام زندگی میں امن پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اب حکام اور سول کو اس معاملہ میں غور وخوض کرنے کی ضرورت ہے۔

اتنے دن تو صرف طلباء پر ہی قانون شکنی کا الزام تھا۔ اب تو نام نہاد علماء بھی اسی کی تقلید کر رہے ہیں۔ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ حکام نے بھی اپنی لیاقت کا ثبوت دیا۔ اخباری جرنلسٹ کے ایک گروہ کی کارروائی قابلِ تعریف نہیں بلکہ انہوں نے تو ملکی یکجہتی برباد کرنے میں مدد دی۔ سیاسی چال بازوں کا نام لینا بھی ضروری ہے۔ یہ سب مل کر ایک لعنتی چکر بن گیا۔ اور اس میں پھنس کر عوام کی زندگی اور ملک کی بہبودی برباد ہونے لگی تھی۔ نازیبا حرکت اور قانون شکنی کو کسی طبقہ کی تائید حاصل نہیں لیکن جس فعل سے امن وامان اور ملکی نظم ونسق کی بربادی کا خطرہ ہو اس قسم کی تحریک کو ابتداء ہی میں سختی سے دبا دینا حکومت کے لیے ضروری ہے نام نہاد علماء کے فتنہ سے ملک کا امن وامان اور مفاد خطرہ میں پڑ جائیں گے۔ دولتانہ کو پہلے ہی اسے بھانپ لینا چاہیئے تھا۔ لیکن اُلٹا انہوں نے اُن کے ساتھ مفاہمت اور سمجھوتہ کی کوشش کی۔ یہ ان کی کمزوری اور ناعاقبت اندیشی کی علامت ہے۔ ماضی سے بے نیاز ہو کر عہدِ جدید کی واقفیت کا گھمنڈ جس کو لاحق ہے۔ اس کے ساتھ جس طرح مفاہمت نہیں ہو سکتی اسی طرح عہدِ حاضر سے ناواقف قدامت پسندوں کے ساتھ بھی کسی طرح سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔

کیا دولتانہ کو یہ بات نہیں سوجھی۔ کہ جمہوریت کے نام پر کسی کے ساتھ ناروا سلوک یا کسی پر کوئی تعلیم زبردستی ٹھونس دینا جیسا کہ جمہوری اصول کے خلاف ہے اسی طرح مذہبی لبادہ اوڑھ کر

مسلمانوں کے اندر پھوٹ ڈالنا اور ملکی یکجہتی کو توڑنا بھی جمہوریت کے خلاف ہے۔ کوئی بھی اس کی تائید نہیں کر سکتا۔ متفرق فرقوں میں جو جنگ کی آوازیں کسی جا رہی ہیں کیا واقعی یہ نمونہ کی لڑائی ہے یا سیاسی ہیر پھیر۔ مختلف گروہوں میں جو نازی خیالات نمودار ہو رہے ہیں وہ ملک کے لیے مستقبل میں خطرہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ہم سب کی توجہ اُدھر مبذول کراتے ہیں۔ حسرت ناک انجام سے ملک کو بچانا، تعلیم یافتہ طبقہ، حقیقی علماء اور حکومت کے کارندوں کا فرض ہے۔ ہم سب کی خدمت میں اس کے لیے غور و فکر کی گزارش کرتے ہیں۔ (ترجمہ)

فصلِ پنجم

حضرت مصلح موعود کے بیان فرمودہ بعض واقعات

اب آخر میں ۱۹۵۳ء کے بعض ایسے ایمان افروز واقعات درج کیے جاتے ہیں جن کا تذکرہ سیدنا حضرت مصلح موعود نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا اور جو حضور کی زندگی میں ہی سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں محفوظ ہو گئے۔

پہلا واقعہ فرمایا "احمدی جماعت سیاسی جماعت کبھی نہیں ہوئی۔ وہ ساری دنیا میں صرف مذہبی کام کرتی ہے۔ زیادہ تر احمدی پاکستان میں رہتے ہیں۔ مگر یہاں بھی کبھی اس نے کسی سیاسی پارٹی سے تعلقات قائم نہیں کیے۔ انہیں صرف اپنے اصول کے مطابق حکومت سے تعاون کرنا آتا ہے اس موقع پر مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا۔ ۱۹۵۳ء میں جبکہ سارے پنجاب میں فساد تھا حکومت کے پاس رپورٹیں کی جاتی تھیں کہ احمدیوں نے اپنے بچاؤ کے لیے بڑا سامان رکھا ہوا ہے[1]۔ اس لیے گورنمنٹ کی طرف سے کبھی کبھی سی آئی ڈی کے افسر ربوہ آجاتے

---

[1] اس ضمن میں امیر شریعتِ احرار سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی تقاریر کے بعض اقتباس ملاحظہ ہوں۔ (۱) "میں مطالبہ کرتا ہوں کہ ربوہ کی خودمختار ریاست پر چھاپہ مار یئے اسی ہزار ایکڑ رقبے کے ایک ایک مربع فٹ میں ہزاروں فتنے مدفون ہیں، ہزاروں سازشیں ہیں۔ خطرناک منصوبے ہیں۔ ملتِ اسلامیہ کی تخریب کے سامان ہیں ..... حکومت اب بھی راتوں رات چھاپے مارے تو اسے بہت کچھ مل سکتا ہے" (تقریر لاہور مئی ۱۹۵۰ء)

(۲) "قادیانی نبی کے اُمتیوں نے ربوہ میں ایک متوازی حکومت قائم کر رکھی ہے اور ان کے اس نظام کے تحت ربوہ میں اسلحہ تیار ہو رہا ہے۔ زمین دوز قلعے تعمیر ہو رہے ہیں ... دریائے چناب کے کنارے ربوہ کو ایک قلعہ بند شہر بنایا جا رہا ہے پاکستان کی آزاد حکومت میں اس متوازی حکومت کا قیام ناقابلِ برداشت ہے"

(تقریر لاہور۔ اگست ۱۹۵۲ء) ۔ (خطباتِ امیر شریعت ص ۵۲ ۔ ص ۱۰۹) مرتبہ مرزا غلام نبی صاحب جانباز ناشر مکتبہ تبصرہ بیرون دہلی گیٹ ۱۹۶۲ء (طبع اول)

تھے ۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک سی آئی ڈی کا افسر آیا ایک پٹھان لڑکے کو اس نے دیکھا کہ وہ بیوقوف سا ہے اور اس کی تعلیم اچھی نہیں ہے ۔ اس لیے اس نے خیال کیا کہ اس نوجوان سے بات معلوم ہو جائے گی چنانچہ اس نے اسے کہ تم مجھے وہ جگہ دکھاؤ جہاں تم نے لڑائی کا سامان رکھا ہوا ہے ۔ اس لڑکے نے کہا تم میرے ساتھ آجاؤ چنانچہ اس لڑکے نے اس سی آئی ڈی افسر کو ساتھ لیا اور ایک مسجد میں لے گیا ۔ وہاں قرآن کریم کا درس ہو رہا تھا ۔ اس لڑکے نے کہا یہ ہماری لڑائی کی تیاری ہے ۔ اس افسر نے کہا یہ کیا تیاری ہے ۔ مَیں نے تو پوچھا تھا کہ وہ جگہ دکھاؤ جہاں تمہارے ہتھیار پڑے ہوئے ہیں ۔ وہ لڑکا اُسے پھر ایک اور مسجد میں لے گیا ۔ وہاں بھی قرآن کریم کا درس ہو رہا تھا ۔ اس افسر نے کہا تم نے پھر غلطی کی ہے ۔ تم مجھے وہ جگہ بتاؤ جہاں تم نے مقابلہ کے لیے سامان جمع کیا ہوا ہے ۔ تم لوگ کمزور ہو اس لیے تم نے مقابلہ کے لیے ضروری تیاری کی ہوگی ۔ وہ لڑکا کہنے لگا اچھا آؤ مَیں تمہیں اور جگہ دکھاؤں ۔ جہاں ہمارا فوجی سامان پڑا ہے ۔ وہ افسر خوش ہو گیا اور اس کے ساتھ ہو لیا ۔ چنانچہ وہ پھر اُسے ایک اور مسجد میں لے گیا ۔ وہاں بھی قرآن کریم کا درس ہو رہا تھا ۔ وہ آخر کہنے لگا تم مجھے پھر ایسی جگہ لے آئے ہو جہاں قرآن کریم کا درس ہو رہا ہے اس لڑکے نے کہا ہمیں تو یہی فوجی سامان دیا جاتا ہے اور یہ مَیں نے تمہیں دکھا دیا ہے ۔ باقی رہا ظاہری سامان ۔ سو ہمیں تو یہ سبق دیا جاتا ہے کہ سر جھکاؤ اور مار کھاؤ ۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے سر سے ٹوپی اتاری اور اپنے سر پر چپت مار کر سر جھکا لیا اور کہا ہمیں تو بس یہی سکھایا جاتا ہے کہ مخالف کے آگے اپنا سر جھکا دو وہ افسر کہنے لگا اس طرح تو لوگ تمہیں مار دیں گے ۔ وہ پٹھان لڑکا کہنے لگا پھر کیا ہوگا ہمیں شہادت نصیب ہوگی اور کیا ہوگا ۔ اس پر وہ افسر مایوس ہو کر چلا گیا ۔ وہ افسر سمجھتا ہوگا کہ شاید یہ لڑکا بہت بیوقوف ہے لیکن تھا وہ بڑا عقلمند ۔ دین کے لیے مارا جانا عزت کی بات ہوتی ہے ۔ ذلّت نہیں ہوتی ۔ قرآن کے ذریعہ مقابلہ کرنا ہی سب سے بڑا ہتھیار ہے ۔ تلوار اور بندوق قرآن کریم کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی ۔ جس کے ساتھ قرآن ہے اس کے ساتھ سب کچھ ہے ۔ اور جس کے ساتھ قرآن نہیں ساری کے توپخانے ، ہوائی جہاز اور گولہ بارود بھی اس کے پاس موجود ہوں تو اُسے کوئی فائدہ

نہیں دے سکتے۔ جس کے پاس قرآن کریم ہے اور جس کے پاس خدا ہے اُسے دنیا کے کسی توپخانے ہوائی جہاز، بندوقوں اور تلواروں کی ضرورت نہیں کیونکہ دنیوی توپخانے، بندوقیں اور تلواریں خدا تعالیٰ کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔"[1]

دوسرا واقعہ

"۱۹۵۳ء میں جب فسادات ہوئے تو بعض احمدی دوسرے احمدیوں کی خبر لینے کے لیے پچاس پچاس میل تک خطرہ کے علاقہ میں سے گزر کر گئے اور انہوں نے احمدیوں کی مدد کی۔ ایک عورت ہمارے پاس سیالکوٹ کے علاقہ سے آئی۔ اور اس نے بتایا کہ ہمارے گاؤں میں دو تین احمدی ہیں جن کو لوگ باہر نکلنے نہیں دیتے اور اگر نکلیں تو ان کو مارتے ہیں۔ آخر مَیں نے سوچا کہ مَیں خود ان کے حالات سے آپ کو اطلاع دوں۔ چنانچہ میں پیدل چل کر سیالکوٹ پہنچی اور پھر سیالکوٹ سے ربوہ آئی۔ اس پر مَیں نے اُسی وقت ایک قافلہ تیار کیا جس میں کچھ ربوہ کے دوست تھے اور کچھ باہر کے اور مَیں نے انہیں کہا کہ جاؤ اور ان دوستوں کی خبر لو۔ اسی طرح سیالکوٹ کی جماعت سے بھی کہو کہ وہ ان کا خیال رکھے۔"[2]

تیسرا واقعہ

"لاہور میں ہی ایک گھر پر غیر احمدی حملہ کرنے آگئے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہم نے اس مکان کو جلا دینا اور احمدیوں کو مار ڈالنا ہے۔ اس پر ایک غیر احمدی عورت اس مکان کی دہلیز کے آگے لیٹ گئی اور کہنے لگی پہلے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر لو۔ پھر بیشک آگے بڑھ کر احمدیوں کو مار لینا ورنہ جب تک مَیں زندہ ہوں مَیں تمہیں آگے نہیں بڑھنے دوں گی

اسی طرح ایک دوست نے سنایا کہ ان کے گھر پر حملہ ہوا اور مخالفین کا بہت بڑا ہجوم ان کے مکان کی طرف آیا۔ وہ اس وقت برآمدہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں وہ کیا دیکھتے ہیں کہ جب حملہ کرنے والے قریب آئے تو ایک نوجوان جو اُن کے آگے آگے تھا گالیاں دیتے ہوئے مکان کی طرف بڑھا اور کہنے لگا ان مرزائیوں کو مار دو مگر جس وقت وہ لوگ مکان کے پاس پہنچے تھے تو وہ نوجوان سب کو مڑنے کے لیے کہہ دیتا اور اس کے مڑ جانے کی وجہ سے دوسرے لوگ

---

[1] روزنامہ الفضل ۳ شہادت ۱۳۳۸ہش ۳ اپریل ۱۹۵۹ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴

[2] الفضل ۲۸ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۲ ایضاً ۳ اکتوبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۴

بھی مڑ جاتے تھے۔ آخر کچھ دیر کے بعد وہ سب لوگ واپس چلے گئے۔ اتنے میں ان کے دوسرے پھاٹک کی طرف سے ایک مستری داخل ہوا جو ان کے ماتحت کام کرتا تھا اور جسے انہوں نے ہی ملازم کروایا تھا۔ تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ ان لوگوں کے آگے آگے کون نوجوان تھا۔ میں نے دیکھا ہے کہ پہلے وہ گالیاں دیتے ہوئے آگے بڑھتا مگر پھر وہ اور اس کا ساتھی دونوں مڑ جاتے اور ان کے مڑ جانے کی وجہ سے باقی ہجوم بھی مڑ جاتا۔ وہ کہنے لگا یہ دونوں میرے بیٹے تھے۔ میں نے انہیں بلا کر کہا تھا کہ مجھے پتہ ہے کہ کل اُن کے مکان پر حملہ ہونا ہے مگر انہوں نے مجھ پر یہ احسان کیا ہوا ہے کہ انہوں نے مجھے بھی ملازم کروایا ہے۔ اور تمہیں بھی۔ اب تمہارا فرض ہے کہ تم اس احسان کا بدلہ اتارو۔ یہ لڑکے ہوشیار تھے۔ انہوں نے پتہ لگا لیا کہ کس وقت حملہ ہونا ہے اور خود ان میں شامل ہو کر آگے آگے ہو گئے اور کہنے لگے چلو ہم بتائیں کہ تم نے کس گھر پر حملہ کرنا ہے۔ مگر جب وہ گالیاں دیتے ہوئے قریب آتے تو کہتے مرزائی کے گھر میں کیا رکھا ہے۔ چلو ہم تمہیں اور گھر بتاتے ہیں جن کے سیف روپوں سے بھرے پڑے ہیں اور جہاں بڑا سامان ہے۔ اور اس طرح وہ ان کو واپس لے گئے اور آپ کا گھر بچ گیا۔"[1]

چوتھا واقعہ گوجرانوالہ کے ایک احمدی کا یہ واقعہ حضور نے کئی بار بیان فرمایا:۔

"ایک پرانے احمدی تھے جو ستر بہتر سال کی عمر کے تھے۔ ان کے پاس بھی گاؤں کے لوگ پہنچے اور کہنے لگے کہ چلو اور مسجد میں چل کر توبہ کرو۔ اس نے کہا ہم تو ہر روز توبہ کرتے ہیں۔ آج مجھ سے نئی توبہ کونسی کروانے لگے ہو۔ وہ کہنے لگے ہماری مُراد اس توبہ سے نہیں بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ تم احمدیت سے توبہ کرو۔ وہ کہنے لگا میں اپنے سارے گناہوں سے تمہارے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ لوگ خوش خوش واپس چلے گئے اور انہوں نے اپنے مولوی سے جا کر کہا کہ ہم تو اس سے توبہ کروا آئے ہیں۔ اس نے کہا کس طرح وہ کہنے لگے اس نے سب کے سامنے کہہ دیا ہے کہ میں اپنے سارے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔

---

[1] "الفضل" ۲۸ جون ۱۹۵۶ء ص ۲ - ۳

وہ کہنے لگا اس قسم کی توبہ تو وہ تم سے بھی زیادہ کرتے ہیں۔ اگر اس نے واقعہ میں احمدیت سے توبہ کر لی ہے تو پھر اسے مسجد میں لاؤ اور میرے پیچھے نماز پڑھاؤ۔ چنانچہ وہ پھر اس کے پاس گئے۔ وہ انہیں دیکھ کر کہنے لگا کہ اب پھر تم کیوں آگئے ہو۔ انہوں نے کہا ہم اس لیے آئے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ مسجد میں چل کر نماز پڑھیں تاکہ ہمیں یقین ہو کہ آپ نے احمدیت سے توبہ کر لی ہے۔ وہ کہنے لگا میں نے تو اس لیے توبہ کی تھی کہ مرزا صاحب کہتے تھے نمازیں پڑھو۔ روزے رکھو۔ زکوٰۃ دو۔ حج کرو۔ جھوٹ نہ بولو۔ شراب نہ پیو۔ جوا نہ کھیلو۔ کنچنیاں نہ نچواؤ۔ اب تم نے جب توبہ کروائی تو میں خوش ہو گیا کہ چلو نمازیں بھی چھوٹیں۔ روزے بھی گئے۔ زکوٰۃ بھی معاف ہوئی۔ حج بھی گیا۔ اب دن رات شراب پیئں گے۔ جوا کھیلیں گے۔ کنچنیوں کے ناچ دیکھیں گے مگر تم تو پھر نمازیں پڑھانے کے لیے آگئے ہو۔ اگر نمازیں ہی پڑھانی تھیں تو یہ نمازیں تو مرزا صاحب بھی پڑھایا کرتے تھے پھر توبہ کرنے کا فائدہ کیا ہوا۔ وہ شرمندہ ہو کر اپنے مولوی کے پاس آئے اور انہوں نے یہ سارا واقعہ اُسے سنایا۔ وہ کہنے لگا میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس نے ضرور کوئی چالاکی کی ہے ورنہ اگر اُس نے توبہ کی ہوتی تو یہاں آکر ہمارے پیچھے نماز کیوں نہ پڑھتا۔ اس شخص کے بیٹے کے دل میں ایمان زیادہ تھا۔ اُسے جب اپنے باپ کا یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوا اور اس نے اپنے باپ کو کہا کہ تم نے اتنی کمزوری بھی کیوں دکھائی۔ کئی بیٹے مخلص ہوتے ہیں اور ماں باپ کمزور ہوتے ہیں اور کئی ماں باپ مخلص ہوتے ہیں اور بیٹے کمزور ہوتے ہیں لیکن بہر حال اصل خوبی یہی ہے کہ قوم کو ہزاروں بلکہ لاکھوں سالوں تک توکّل اور ایمان کی زندگی نصیب ہو اور اس کے افراد خدا تعالیٰ کے دامن کو ایسی مضبوطی سے پکڑے رکھیں کہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے جدا ہونا انہیں گوارا نہ ہوئے۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پانچواں واقعہ

فرمایا:۔

”گزشتہ شورش میں بعض جگہ ہماری جماعت کی مستورات نے ایسی بہادری دکھائی کہ جب شرارتی عنصر نے انہیں پکڑا اور احمدیت سے منحرف کرنا چاہا تو انہوں نے کہا کہ تم ہمیں مار دو ہمیں اس کی پروا نہیں بلکہ اگر تم ہمارے جسم کے ستر ستر ٹکڑے ٹکڑے کر دو تب بھی ہمیں خوشی ہے کیونکہ ہمارے ستر ٹکڑے ہی خدا تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہوں گے۔“[1]

---

[1] ”المصلح“ ۲۸ وفا ۱۳۳۲ہش / ۲۸ جولائی ۱۹۵۳ء صفحہ ۴

حاشیہ صفحہ ۲۰۱ [1] روزنامہ الفضل ۳ اخاء ۱۳۳۷ہش مطابق ۳ اکتوبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۴ الفضل ۱۸ اپریل ۱۹۵۸ء صفحہ ۱ ایضاً خالد جنوری ۱۹۵۵ء مشعلِ راہ طبع دوم صفحہ ۸۱۰ و صفحہ ۸۱۱۔ ناشر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ۔

حصّہ دوم

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ اور خاندانِ مہدی موعودؑ اور مرکزِ سلسلہ کے اہم واقعات

پہلا باب

حضرت مصلح موعودؓ کی اولوالعزمی

جنابِ الٰہی کی طرف سے سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کو بتایا گیا تھا کہ مصلح موعود "اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا"[1]

یہ عظیم الشان خبر ۱۹۵۳ء کے انتہائی تلخ، پُرفتن اور تشویش انگیز دور میں بھی اس شان سے پوری ہوئی کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ حضور اپنی عمر کے چونسٹھویں سال میں داخل ہو چکے تھے اور اُن دنوں کمزور بھی تھے اور بیمار بھی بایں ہمہ آپ کو مسلسل چھ ماہ کے قریب رات کے دو دو تین تین بجے تک کام کرنا پڑا کوئی رات ہی ایسی آئی ہوگی جب آپ چند گھنٹے سو سکے ہوں ورنہ اکثر رات جاگتے جاگتے کٹ جاتی تھی[2]۔ حضور کی یہ عدیم النظیر اولوالعزمی اور بے مثال جفاکشی آئندہ نسلوں کے لیے قیامت تک مشعلِ راہ کا کام دے گی۔

حضرت مصلح موعودؓ کے روح پرور پیغامات

اُن پُرفتن ایام میں جبکہ ہر طرف تاریکی ہی تاریکی دکھائی دیتی تھی حضرت مصلح موعود کا مقدس وجود ایک عظیم الشان نور تھا جس کی برکت سے جماعت (کے نیک دل بزرگوں) نے اپنے قلوب و اذہان پر فرشتوں کے نزول کو دیکھا اور انتہائی خطرات کے باوجود سکینت، اطمینان اور بشاشتِ ایمان کے انوار سے معمور رہی۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی دعاؤں اور تدابیر کو انتہا تک پہنچانے کے علاوہ جماعتِ احمدیہ کو پے در پے اپنے رُوح پرور پیغامات سے نوازا۔ اِن پیغامات نے پژمردہ

---

[1] اشتہار حضرت مسیح موعود ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء [2] الفضل ۹ فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۵

دلوں میں زندگی کی برقی لہر دوڑادی ۔ ان تاریخی پیغامات کا آغاز ۲۸ر فروری ۱۹۵۳ء کو اور اختتام ۲۷ر مارچ ۱۹۵۳ء کو ہوا ۔ یہ پیغامات جو اُس دَور کی تاریخ کا ایک قیمتی سرمایہ ہے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں :۔

پہلا پیغام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم
وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

برادرانِ جماعت احمدیہ ! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ

آپ نے سُنا ہوگا کہ حکومتِ پاکستان نے مجبور ہو کر احرار ورکرز کو کراچی میں گرفتار کر لیا ہے ۔ اور ملک کے دوسرے حصّوں میں بھی گرفتاریاں شروع ہیں ۔ چونکہ اس ایجی ٹیشن کا موجب احرار کی طرف سے جماعت احمدیہ کو ظاہر کیا جا رہا تھا ۔ اس لیے ممکن ہے کہ بعض کمزور طبع احمدی ان خبروں کو سُن کر مجالس یا ریلوے سفروں میں یا لاری کے سفروں میں یا تحریر یا تقریر کے ذریعہ سے ایسی لاف زنی کریں جس میں کہ ان واقعات پر خوشی کا اظہار ہو ۔ اور بعض طبائع میں اس کے خلاف غم وغصّہ پیدا ہو ۔ اس لیے میں تمام احباب کو ان کے اخلاقی اور مذہبی فرض کی طرف توجّہ دلاتا ہوں کہ ایسے دن جب آتے ہیں تو مومن خوشی اور لاف وگزاف سے کام نہیں لیتے بلکہ دعاؤں اور استغفار سے کام لیتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے گند بھی صاف کرے اور ان کے مخالفوں کو بھی سمجھ دے کہ آخر وہ بھی ان کے بھائی ہیں ۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام[1] ہے کہ ؎

"اے دل تو نیز خاطرِ اینان نگاہ دار کآخر کنند دعوٰے حُبّ پیمبرم"

یعنی اے دل تو اِن مسلمانوں کے جذبات کا بھی خیال رکھا کر جو تیرے مخالف ہیں کیونکہ آخر وہ بھی میرے آقا اور پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ رکھتے ہیں ۔

---

[1] یہاں "الہام" کا لفظ سہواً لکھا گیا ہے ۔ دراصل یہ شعر حضور علیہ السلام کا رقم فرمودہ ہے جو حضور کی کتاب "ازالہ اوہام" میں درج ہے ۔ (صفحہ ۱۲۴ طبع اوّل)

ہم میں خواہ کتنے ہی اختلاف ہوں ہم اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ سب مسلمان کہلانے والے ہمارے آقا کی اُمّتِ سے ہیں۔ اور اُمّتِ خواہ کتنی بھی گنہگار ہو اُن کی تکلیف کا رنج صاحبِ اُمّت کو ضرور ہوتا ہے۔ جس طرح اولاد خواہ کتنی ہی غلطی کرے ان کی تکلیف کا اثر والدین پر ہوتا ہے پس ہمیں اُن لوگوں کے لیے بھی دعا کرنی چاہیئے جو غلط فہمیوں میں مبتلا ہو کر ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنی چاہیئے کہ وہ ان کو ایسے راستہ پر چلنے کی توفیق دے کہ وہ خود بھی عذابوں سے بچیں۔ اور حکومت کے لیے بھی پریشانی کا موجب نہ بنیں۔ اللہ تعالےٰ نے ایک لمبے عرصہ کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کو آزادی اور حکومت بخشی ہے۔ ہماری کوشش ہونی چاہیئے کہ حکومت کو ضُعف نہ پہنچے۔ اور خدا تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے کہ ہمیں اور دوسرے پاکستانی مسلمانوں کو وہ ایسے اعمال کی توفیق دے کہ جس سے پاکستان مضبوط ہو۔ اور غیروں میں ہماری عزت بڑھے۔ اور ہم عالم اسلام کی تقویت اور اتحاد کا موجب بن جائیں۔

والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد۔ خلیفۃ المسیح الثانی

ربوہ ۲۸ فروری ۱۹۵۳ء

دوسرا پیغام

"اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھُوَ النَّاصِرُ

برادران! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

الفضل کو ایک سال کے لیے بند کر دیا گیا ہے۔ احمدیت کے باغ کو جو ایک ہی نہر لگتی تھی اس کا پانی روک دیا گیا ہے۔ پس دعائیں کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ اس میں سب طاقت ہے۔ ہم مختلف اخباروں میں یا خطوں کے ذریعہ سے آپ تک سلسلہ کے حالات پہنچانے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ اور انشاء اللہ آپ کو اندھیرے میں نہیں رہنے دیں گے۔ آپ بھی دعا کرتے رہیں۔ مَیں بھی دعا کرتا ہوں۔ انشاء اللہ فتح ہماری ہے۔ کیا آپ نے گزشتہ چالیس

سال میں کبھی دیکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے چھوڑ دیا؟ تو کیا اب وہ مجھے چھوڑ دے گا؟ ساری دنیا مجھے چھوڑ دے مگر وہ انشاء اللہ مجھے کبھی نہیں چھوڑے گا۔ سمجھ لو کہ وہ میری مدد کے لیے دوڑا آرہا ہے۔ وہ میرے پاس ہے۔ وہ مجھ میں ہے۔ خطرات ہیں اور بہت ہیں۔ مگر اس کی مدد سے سب دور ہو جائیں گے۔ تم اپنے نفسوں کو سنبھالو۔ اور نیکی اختیار کرو سلسلہ کے کام خدا خود سنبھالے گا۔

خاکسار

مرزا محمود احمد ۳ ۳/۵۳ [1]

ایک ضمنی نوٹ مولانا محمد شفیع صاحب اشرف [2] سابق مُدیر فاروق و مبلغ انڈونیشیا کا بیان ہے کہ:۔

"۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کو حکومت پنجاب کے ایک حکم کے مطابق روزنامہ "الفضل" جو اس وقت لاہور سے شائع ہوتا تھا ایک سال کے لیے جبراً بند کر دیا گیا تھا۔ اُس وقت اتفاق سے لاہور ہی میں ہمارے ایک اور دوست کے پاس ایک ہفت روزہ اخبار "فاروق" کے نام کا ڈیکلریشن تھا۔ فیصلہ کیا گیا کہ "الفضل" کی بندش سے جو فوری طور پر خلاء پیدا ہو گیا ہے اُسے پورا کرنے کے لیے فی الحال "فاروق" سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اُن دنوں یہ عاجز نیا نیا شاہد کا امتحان پاس کر کے جامعہ احمدیہ سے فارغ ہوا تھا۔ اور وکالت تبشیر تحریک جدید میں رپورٹ کر چکا تھا۔ جہاں میری تقرری اس وقت سیرالیون کے لیے ہو چکی تھی۔

۲ مارچ کی شام کو اچانک حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب [3] جو اُس وقت ناظر دعوۃ و تبلیغ تھے کے دستخطوں سے مجھے یہ ارشاد موصول ہوا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے تمہیں "فاروق" کا ایڈیٹر مقرر فرمایا ہے۔ تم کل صبح فوراً لاہور جا کر کام شروع کر دو اور جانے سے پہلے حضور اقدس سے مل کر جاؤ۔

اس ہدایت کی تعمیل میں اگلی صبح ۹ بجے خاکسار قصر خلافت حاضر ہوا۔ حضور کی خدمت میں اپنے

---

[1] ہفت روزہ "فاروق لاہور" جلد ۱ نمبر ۱ مؤرخہ ۴ مارچ ۱۹۵۳ء صفحہ اوّل: [2] وفات ۲۹ مارچ ۱۹۸۹ء: [3] وفات ۱۶ مئی ۱۹۶۷ء

حاضر ہونے کی اطلاع بھجوائی۔ دفتر کی طرف سے اوپر جانے والی سیڑھیوں میں مَیں کھڑا تھا کہ حضور بنفسِ نفیس فوراً ہی تشریف لائے۔ دروازہ خود کھولا۔ حضور اس وقت ننگے سر تھے۔ ململ کا سفید کھُلا کُرتہ اور شلوار پہنے ہوئے، ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ خاکسار نے سلام عرض کیا اور مصافحہ کا شرف حاصل کیا۔ حضور نے فرمایا الفضل بند ہوگیا ہے۔ اب فاروق جاری ہو رہا ہے تم ابھی لاہور جا کر فوراً کام شروع کر دو اور میرا یہ پیغام جاتے ہی صفحۂ اوّل پر شائع کر دو۔ بعد میں تمہیں اور ہدایات ملتی رہیں گی۔ یہ فرماتے ہی وہ کاغذ جس پر حضور کا اپنے قلم سے لکھا ہوا پیغام تھا مجھے عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مَیں ایک دفعہ اسے حضور کے سامنے ہی پڑھ لوں۔ تاکہ حضور کی تحریر پڑھنے میں اگر مجھے کوئی مشکل ہو تو وہ دور ہو جائے اور اخبار میں شائع کرتے وقت کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ چنانچہ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں اُسی وقت خاکسار نے حضور کا وہ پیغام پڑھا بلکہ پڑھ کر حضور کو سُنایا اور الحمدللہ کہ میرے پڑھنے اور سُنانے سے حضور اقدس کو ایک گونہ اطمینان ہوا اور مجھے لاہور جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور فرمایا کہ مَیں اپنے کام کی رپورٹ جلد جلد حضور کی خدمت میں بھیجتا رہوں۔ چنانچہ اُسی وقت خاکسار لاہور کے لیے روانہ ہوگیا۔ اور وہ پیغام جس میں یہ ذکر تھا کہ خدا میری مدد کے لیے دوڑتا ہوا آ رہا ہے" فاروق" کے پہلے شمارہ کے صفحہ اوّل پر جلی قلم سے شائع کر دیا گیا۔ "فاروق" کے اس پہلے پرچہ پر تاریخ اشاعت ۴ رمارچ درج ہے۔ ویسے یہ شائع ۳ رمارچ ہی کو ہوا تھا۔ اس کے بعد ابھی تین دن بھی نہ گزرے تھے کہ لاہور میں مارشل لاء لگ گیا۔ اور فی الحقیقت اُس وقت یہی معلوم ہوتا تھا کہ خدا اپنے مظلوم اور بے گناہ بندوں کی حفاظت کے لیے دوڑ کر آگیا ہے۔ تین دن قبل حضور کے اس پیغام کی اشاعت اور اسکے معاً بعد کے حالات ہر احمدی کے ایمان و استقامت کو بڑھانے اور اللہ تعالیٰ کی ہستی پر توکل اور یقین اور خدائی نصرت و تائید کا ایک نہایت عظیم الشان منہ بولتا نشان تھے ..... اگرچہ ہفت روزہ "فاروق" کی زندگی اُس وقت کے حالات کی وجہ سے بہت مختصر ثابت ہوئی لیکن اس کی پہلی اشاعت میں ہی حضور کے اس تاریخی پیغام نے اسے سلسلہ کی تاریخ میں زندہ جاوید بنا دیا ہے"۔ [1]

---

[1] غیر مطبوعہ (ریکارڈ شعبہ تاریخ احمدیت)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

تیسرا پیغام

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّاصِرُ

برادران! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

میری طبیعت ابھی خراب ہے۔ مگر کھانسی کو کل آرام رہا۔ ضعف زیادہ رہا۔ درس القرآن بعد از عصر حسب قاعدہ دیا گیا۔ جماعتوں کی طرف سے جو اطلاعات ملی ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ لاہور سیالکوٹ، لائلپور کے شہروں اور سیالکوٹ کے بعض دیہات میں شورش زیادہ رہی۔ ملتان میں بھی افواہیں پھیلیں، لیکن خیریت رہی۔ اکثر جگہ افسران کا انتظام اچھا رہا۔ بعض جگہ انہوں نے بزدلی دکھائی۔ کراچی میں امن رہا۔ سندھ میں افسران نے جلد جلد دورے کر کے معاملات کو سنبھالے رکھا۔ صوبہ سرحد کے افسران و حکام نے خوب مستعدی سے فتنہ کا مقابلہ کیا۔ بلوچستان میں اصل بلوچیوں نے پُرامن طریق اختیار کیا۔ صرف وہاں کے پنجابی عنصر میں ہی تحفظِ ختم نبوت کے نام پر سیاسی اغراض کے حصول کا جوش پایا جاتا ہے۔ بنگال بالکل پُرامن ہے۔ اخبارات اور سیاسی پارٹیاں حتّٰی کہ با اثر علماء تک اچھا نمونہ دکھا رہے ہیں۔ فالحمد للہ وجزاھم اللہ۔

اخبار فاروق مل گیا ہوگا۔ ہم روزانہ اخبار کی فکر میں ہیں۔ آپ لوگ صبر سے کام لیں۔ دعاؤں میں لگے رہیں۔ فتنہ کی جگہوں سے بچیں۔ ایک دوسرے کی خبر لیتے رہیں۔ مرکز سے تعلق بڑھانے چاہئیں۔ افسروں سے تعاون کریں۔ اور خدا تعالیٰ پر پورا توکل کریں کہ وہ جو آخر تک صبر سے کام لے گا اور ایمان پر قائم رہے گا، وہی دائمی جنت کا وارث ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرے گا۔ خوش قسمت ہو تم کہ جنت تمہارے قریب کی گئی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل کے دروازے تمہارے لیے کھولے گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فرشتے تمہارے لیے اُتر رہے ہیں اور اس کی نصرت بارش کی طرح برس رہی ہے جس کی آنکھیں ہیں وہ دیکھتا ہے اور جو اندھا ہے اسے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ تم اپنی آنکھیں کھولو، اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کو دیکھو۔ تم سے پہلے لوگ تم سے بہت زیادہ مصیبتوں کا شکار ہوئے مگر انہوں نے اُف تک نہ کی اور ہمت سے آگے بڑھ گئے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی گود میں انہوں نے جگہ پائی تمہارے لیے

بھی وہی برکتیں موجود ہیں۔ صرف آگے بڑھنے اور اٹھانے کی ضرورت ہے خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو۔

مَیں نے آج رات ایک خواب دیکھا جو اسی بارہ میں معلوم ہوتا ہے مَیں نے دیکھا کہ حضرت خلیفہ اوّل بیٹھے ہیں اور ان کے سامنے ان کے لڑکے میاں عبدالسّلام بیٹھے ہیں۔ یہی موجودہ عمر اور اسی طرح کی داڑھی ہے مگر زیادہ تراشی ہوئی۔ بجائے حضرت خلیفہ اوّل کی طرف منہ کرنے کے پہلو بدل کر بیٹھے ہیں اور حضرت خلیفہ اوّل ان پر خفا ہو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ایسی بیہودہ نظمیں سُنا کر دماغ پریشان کر دیا ہے۔ مَیں نے بیٹھ کر دیکھا تو عزیزم عبدالسلام کی پیٹھ کے پیچھے دو کاغذ پڑے ہیں مَیں نے ایک کو اٹھا کر دیکھا تو اس پر کئی شعر لکھے ہیں۔ ایک مصرعہ ہے "آہستہ آہستہ آخر یہ کرسچین گھر پر آیا (یا پہنچا)" مَیں اسے پڑھ کر ہنس پڑا اور مَیں نے حضرت خلیفہ اوّل سے کہا کہ یہ میاں عبدالسلام کی تقریر تو نہیں وہ آپ کو مومن جی کے شعر سُنا کر خوش کر رہے تھے۔ پھر مَیں نے کہا کہ مومن جی دراصل تمام خدا بخش پٹیالہ کے رہنے والے بوجہ سادہ طبیعت کے لوگ مومن جی کہتے ہیں مگر جاگتی دنیا میں انہوں نے شاید کبھی شعر نہیں کہا یا مَیں نے نہیں سنا) کچھ ایسے پڑھے لکھے تو ہیں نہیں جوش میں آتے ہیں تو شعر کہنے لگ جاتے ہیں جن کا نہ وزن ہوتا ہے۔ نہ مضمون۔ یہ لڑکے ان کے شعروں پر مذاق اڑاتے ہیں۔ اسی وجہ سے میاں عبدالسلام نے آپ کو یہ شعر سنا دیئے تھے۔

یہ بات سن کر حضرت خلیفہ اوّل بھی ہنسنے لگ گئے اور سمجھ گئے کہ میاں عبدالسلام کا یہ فعل ان کو خوش کرنے کے لیے تھا۔ پھر پوچھنے لگے آخر اس مصرعہ کا مطلب کیا ہوا۔ مَیں نے کہا کہ انہوں نے کہیں سنا ہوگا کہ مسیح کو کرائسٹ کہتے ہیں وزن کی تو خیر انہیں ضرورت ہی نہیں۔ ذرا شعر کو انگریزی سے آراستہ کرنے کے لیے حضرت مسیح موعودؑ کو کرائسٹ کہنا چاہا مگر چونکہ کرائسٹ نہیں آتا تھا کرسچین لکھ دیا اور مطلب یہ ہے کہ مسیح آہستہ آہستہ اپنے مقام پر پہنچ گیا۔ اس پر آپ اور ہنسے۔ اس کے بعد یکدم حضرت خلیفہ اوّل غائب ہو گئے اور ان کی جگہ حضرت اماں جان، آگئیں اور آپ نے کہا کہ میاں! تم نے یہ کیا لکھا ہے کہ تم سپاہی تو نہیں ہو مگر ہم تم کو سپاہیوں کی جگہ کھڑا کریں گے،، مَیں نے کہا یہ مَیں نے مومن جی کی نسبت کہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک دن مَیں گھوڑے پر سوار تھا کہ گھوڑے نے یکدم منہ زوری اختیار کی اور قریب تھا کہ مجھے لیکر بھاگ جاتا اتنے میں آگے بڑھ کر مومن جی نے اس کی باگ منہ کے پاس سے پکڑ لی۔ اس پر گھوڑا اور بدکا۔ اس

نے زور سے چھلانگ لگائی مگر مومن جی ساتھ ہی اچھلے اور باگ نہ چھوڑی۔ گھوڑی نے اپنی اگلی ٹانگیں اٹھا کر ان کو گِرانا چاہا۔ اس پر میں نے زور سے کہا کہ چھوڑ دو گھوڑے کو چھوڑ دو ورنہ مر جاؤ گے لیکن انہوں نے مضبوطی سے گھوڑے کو پکڑے رکھا۔ چھوڑا نہیں۔ آخر تھوڑی دیر شرارت کر کے گھوڑا ٹھیک ہو گیا تب مَیں نے کہا کہ "مومن جی تم سپاہی تو نہیں ہو مگر ہم تمکو سپاہی کی جگہ کھڑا کریں گے" پھر میری آنکھ کھل گئی۔ اس رؤیا میں مومن جی کے لفظ سے خاص شخص مراد نہیں بلکہ سادہ لوح مومن مراد ہے۔ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیہ کلبی کی صورت میں جبریل کو دیکھا تھا۔ اسی طرح جماعت (نیک لوگوں) مومن جی کی صورت میں دکھائی گئی ہے اور مطلب یہ ہے کہ مومن ایک طرف تو اتنا سادہ لوح ہوتا ہے کہ جوش ایمانی میں یہ بھی نہیں دیکھتا کہ اس کے شعر میں وزن ہے یا نہیں اپنے دل کے جوش کے اظہار کے لیے بے پرواہ ہو کر نکل کھڑا ہوتا ہے۔ لوگ اس پر ہنستے ہیں مگر اس کی سنجیدگی میں فرق نہیں آتا وہ خدا کی باتیں پہنچاتا جاتا ہے۔ دوسری طرف نرم اور سادہ اور کمزور ہونے کے باوجود اسلام اور اس کے نظام کی قیمت اس کے دل میں اتنی ہوتی ہے کہ وہ اپنی جان کے خوف سے بے پرواہ ہو کر خدمتِ دین میں لگ جاتا ہے اور مصائب سے ڈرتا نہیں۔ مشکلات سے گھبراتا نہیں حتیٰ کہ اپنے لوگ بھی سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ اب وہ مارا جائے گا۔ کچلا جائے گا لیکن خدا تعالیٰ اس کے اخلاص کو ضائع ہونے نہیں دیتا۔ فرشتے اس کی مدد کو اترتے ہیں اور وہ آفتوں سے اسے بچاتے ہیں اور خود سری کی روح کو توڑنے میں وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ تب آسمانی گروہ کو کہنا پڑتا ہے کہ تم سپاہی تو نہیں ہو مگر ہم تم کو سپاہیوں کی جگہ کھڑا کریں گے۔

والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد

(امام جماعت احمدیہ)

اس بلیٹن کے ساتھ جناب ناظر صاحب دعوت و تبلیغ نے مندرجہ ذیل ہدایت دی:-

"یہ بلیٹن جس جس کے پاس پہنچے وہ آگے دوسروں تک پہنچائے اور پہنچاتا چلا جائے تاکہ جماعت کی گھبراہٹ دور ہو اور وہ حالات سے واقف رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔

اطلاع ملی ہے کہ سیالکوٹ میں دو احمدی شہید کر دیئے گئے ہیں[1]

[1] یہ اطلاع غلط ثابت ہوئی (مرتب)

زین العابدین ۔ ولی اللہ

ناظر دعوت و تبلیغ ۳۲/۵۳ /۳/ ۵

چوتھا پیغام

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّاصِر

برادران! السَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

افسوس کے ساتھ اطلاع دیتا ہوں کہ الفضل کے بند ہو جانے اور ریلوں اور لاریوں کی روک کی وجہ سے تین دن سے نہ آپ کو ہماری خبر ہے اور نہ ہمیں آپ کی ۔ لاہور ۔ سیالکوٹ اور راولپنڈی میں بعض احمدی شہید کیے گئے ہیں اور بعض کی دکانوں کو لوٹا گیا اور جلایا گیا ۔ افسوس ہے کہ بلیٹن بھی آپ کو ارسال نہیں کیا جا سکا ۔

ناظر امور عامہ لاہور الفضل کے لیے کوشش کرنے گئے تھے ۔ مگر جا کر اپنے گھر بیٹھ گئے کیونکہ الفضل کے فون سے اطلاع ملی ہے کہ انہیں کچھ معلوم نہیں کہ وہ الفضل کے لیے کیا کر رہے ہیں ۔

ریلوں اور لاریوں میں احمدیوں پر حملے کیے جا رہے ہیں لیکن اصل خطرناک بات یہ ہے کہ اب یہ لوگ اپنے اصل مقاصد کی طرف آ رہے ہیں ۔ سرکاری عمارتوں اور سرکاری مال پر حملہ کیا جا رہا ہے سرگودہا اور جھنگ کے بعض مقامات پر **ہندوستان زندہ باد اور پاکستان مردہ باد** کے نعرے لگائے گئے ۔ سکھیکی پر ایک ٹرین پر چڑھے ہوئے افراد نے **پاکستانی فوج مردہ باد** کے نعرے لگائے اس سے ملک دشمنی اور غداری کی روح کا صاف پتہ چلتا ہے ۔

مگر اس حالت میں بھی بعض جگہوں سے خطوط مل رہے ہیں ۔ پھر نہ معلوم جماعت کیوں خاموش ہے اور خطوں کے ذریعے سے اطلاع نہیں دیتی ہے ۔

خدائی جماعتوں پر یہ دن آیا کرتے ہیں پس گھبرانے کی بات نہیں ۔ اپنے لیے اور اپنے ملک اور حکومت کے لیے دعا کرتے رہو ۔ اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ ہو ۔ والسلام

نقل مطابق اصل

خاکسار

۸ ؍مارچ ۱۹۵۳ء مرزا محمود احمد ؍ امام جماعت احمدیہ

جس جس کو یہ خط ملے تحریراً و تقریراً تمام جماعتوں میں پھیلائے۔

پانچواں پیغام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

برادران! اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

حالات پہلے سے درستی پر آ رہے ہیں۔ ساٹھ فیصدی جگہوں سے خبریں یہی آ رہی ہیں کہ حالات درست ہو رہے ہیں۔ ۲۵ فیصدی کے قریب خبریں یہ ہیں کہ فسادات ابھی اپنے دستور پر قائم ہیں اور پندرہ فیصدی جگہوں سے یہ خبریں ہیں کہ فساد یا تو نیا پیدا ہو رہا ہے یا بڑھ رہا ہے۔ بہرحال ان ساری خبروں کا نتیجہ یہ ہے کہ نصف سے زیادہ فساد دب چکا ہے اور خدا کے فضل سے اُمید ہے کہ ہفتہ عشرہ تک یہ فساد دب جائے گا۔ قریب میں گندم پیدا ہونیوالی ہے اور زمیندار مجبور ہوگا کہ وہ گندم کی کٹائی کرے اس طرح کپاس کی کاشت کا وقت بھی قریب آ رہا ہے غالباً ان دنوں میں مولوی زمینداروں کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ اپنا کام چھوڑے اور اگر وہ زمیندار کو مجبور کرے گا تو اگلی دو فصلیں اس قدر تباہ ہو جائیں گی کہ پنجابی کو نہ پہننے کو کپڑا ملے گا۔ نہ کھانے کو روٹی ملے گی اور اس تباہی کی ذمہ داری کلی طور پر مولویوں اور مودودیوں پر ہو گی۔ گو یہ فتنہ پرداز لوگ غصے سے اس وقت اندھے ہو رہے ہیں۔ پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ اتنی جرأت کرنی ان کے لیے مشکل ہوگی۔ کیونکہ تین چار مہینے کے بعد اس کے نتائج نکلنے پر پبلک اس قدر مخالف ہو جائے گی کہ وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل ہی نہ رہیں گے۔ پس ہمت اور استقلال سے کام لو۔ اصل چیز جرأت اور ایمان ہے۔ ہمارے مخالفوں میں سے احمدیوں کو مارنے والوں کو بھی یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر میں نے مارا تو پھانسی چڑھوں گا یا اگر مقامی حکام مجھے نہیں پکڑیں گے تو ملک کی تباہی کو دیکھتے ہوئے مرکز دخل دیگا اور میں گولیوں کا شکار بنوں گا پس مارنے والے کے دل میں مرنے والے سے کم ڈر نہیں

بلکہ اُسے موت کے علاوہ کبھی کبھی خدائی سزا کا بھی خیال آسکتا ہے۔ پس ہمت اور بہادری سے کام لو اور اپنی عاقبت کو بگاڑو نہیں۔

خدا تعالیٰ نے غیر معمولی ثواب کے مواقع آپ کے لیے بہم پہنچائے ہیں۔ اس موقعہ کو بزدلی اور کمزوری سے جو شخص ضائع کرتا ہے۔ وہ بہت بدبخت آدمی ہے۔ کاش وہ پیدا نہ ہوتا تاکہ اس کی سیاہی سے دنیا داغدار نہ ہوتی۔

اب مودودی آگے آرہے ہیں ان پر نگاہ رکھو اور ان کے تمام حالات سے دفتر کو آگاہ رکھو ان کے لیڈروں کے ناموں سے اطلاع دو ان کے تقریر کرنے والوں سے مطلع کرو اور ان کی تقاریر کا خلاصہ ہمارے پاس بھجواؤ۔ وہ پولیس اور فوج کو ہمارے خلاف مسموم کرنا چاہتے ہیں۔ اس بات کی بھی نگرانی رکھو" [۱]

چھٹا پیغام

اعوذ باللّٰہِ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هو الناصر

برادران! السّلامُ علیکمُ ورحمۃُ اللّٰہِ وبرکاتہٗ

احبابِ جماعت کو معلوم ہے کہ اس وقت جماعت پر ایک نازک موقعہ آیا ہوا ہے۔ گورنمنٹ اپنی طرف سے کوشش کر رہی ہے کہ فتنہ کو دور کرے۔ درحقیقت یہ گورنمنٹ کا ہی کام ہے لیکن بعض دفعہ بعض کمزور طبائع ایسی باتیں بھی کر بیٹھا کرتی ہیں کہ گورنمنٹ کی تدابیر کو بطور طعن مخالفوں کے سامنے کر دیتی ہیں یا اور قسم کی باتیں کر دیتی ہیں جو بعض جوشیلی طبیعتوں کے لیے اشتعال کا موجب ہو جاتا کرتی ہیں اور فساد پھر پیدا ہو جاتا ہے اور حکومت کے لیے مشکل پیدا ہو جاتی ہے پس میں دوستوں کو ان کے فرض کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ایسے موقعہ پر قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق

---

[۱] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو رسالہ "ان گرفتاریوں کا پس منظر" ناشر اے قادر صاحب مطبوعہ کلیم پریس کراچی ۱۹۵۲ء نیز بلیٹن ۲۲ مارچ ۱۹۵۲ء بحوالہ "بدر" ۷ ر اپریل ۱۹۵۲ء ص ۲

صبر اور دعا سے کام لیں اور کچھ کہنا ہے تو اپنے خدا سے کہیں۔ لوگوں کے سامنے ایسی کوئی بات نہ کریں کہ جس سے اشتعال پیدا ہو اور فساد کی صورت پیدا ہو کر حکومت کے لیے مشکلات کا موجب ہو۔

والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد۔ خلیفۃ المسیح"

دوسرا باب

جماعتوں کی صورتحال سے باخبر رہنے کا انتظام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے اس دور میں کمال حکمت عملی سے ایسا نظام قائم فرما رکھا تھا کہ پاکستانی جماعتوں کے بدلتے ہوئے حالات بلکہ بعض اوقات ان کی جزئیات و تفصیلات تک آپ تک پہنچ جاتی تھیں۔ ایک طرف مرکزی اداروں میں سے خصوصاً امورعامہ کے کارکن نظارت دعوت و تبلیغ کے مبلغین کرام، نظارت بیت المال کے انسپکٹر صاحبان ان دنوں سرتاپا جدوجہد بنے رہے۔ دوسری طرف مقامی جماعتوں کے امراء صدور اور دیگر ذمہ دار عہدیداران نے حتی الامکان اپنے پیارے آقا اور مرکز سلسلہ کو اپنے کوائف سے آگاہ رکھا جیسا کہ مفصل ذکر آچکا ہے۔

ربوہ کے بعد جس مقام پر ان ایام میں خاندان مہدی موعود کے اکثر قابل احترام بزرگ اور وجود قیام پذیر تھے وہ لاہور کا رتن باغ تھا جو جماعت لاہور سے متعلق اطلاعات کا اہم ترین مرکز تھا۔

مرکز سے سائیکلوسٹائل خطوط کا خاص انتظام

سیدنا حضرت مصلح موعود نے اپنے مشہور پیغام مورخہ ۳؍مارچ ۱۹۵۳ء میں الفضل کی بندش کا ذکر کرنے کے بعد وعدہ فرمایا تھا کہ:۔

”ہم مختلف اخباروں میں یا خطوں کے ذریعہ سے آپ تک سلسلہ کے حالات پہنچانے کی کوشش کرتے رہیں گے اور انشاء اللہ آپ کو اندھیرے میں نہیں رہنے دیں گے“[۱]

حضرت اقدس نے اس وعدہ کی تکمیل کے لیے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ۳؍مارچ ہی کو اپنی نگرانی میں دفتر اطلاعات کا قیام فرمایا اور اس کا انچارج راقم الحروف (دوست محمد شاہد) کو مقرر کیا۔ یہ دفتر احاطۂ قصر خلافت میں قائم کیا گیا۔ ۲۰؍مارچ کو اس کا نام حضور نے بدل دیا اور اسے دفتر ریکارڈ سے موسوم فرمایا۔ اس نئے دفتر کے حسب ذیل فرائض تھے:۔

---

[۱] فاروق ۴؍مارچ ۱۹۵۳ء صفحہ ۱

۱۔ ایجی ٹیشن سے متعلق اندرون ملک سے آنے والی ڈاک کا ریکارڈ رکھنا۔

۲۔ تازہ اطلاعات کا خلاصہ تیار کر کے حضرت مصلح موعود کی خدمت اقدس میں پیش کرنا۔

۳۔ حکامِ وقت کو حالات سے باخبر رکھنے اور مشرقی پاکستان کی احمدی جماعتوں کو مرکزی کوائف سے مطلع کرنے کے لیے الگ الگ اطلاعات کا انتخاب کرنا اور پھر بالترتیب حضرت مولانا عبدالرحیم[۱] صاحب درد ناظر امور عامہ اور حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس[۲] ناظر تالیف و تصنیف کو بھجوانا۔

۴۔ احمدی جماعتوں کو مرکزی اور جماعتی اطلاعات سے باخبر رکھنے کی خاطر ضروری معلومات مرتب کرنا۔

موخر الذکر معلومات سیدنا حضرت مصلح موعود نہایت احتیاط اور باقاعدگی سے ملاحظہ فرماتے اور حضور کی منظوری کے بعد ان کو نظارت دعوت و تبلیغ میں بھجوا دیا جاتا تھا جہاں حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوت و تبلیغ ان کو اپنی نگرانی میں سائیکلوسٹائل کراتے اور پھر اوّلین فرصت میں بیرونی جماعتوں میں بھجوا دیتے تھے۔

جناب محمد یوسف صاحب سابق کارکن نظارت دعوت و تبلیغ حال آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ کا بیان ہے کہ:۔

"جماعتوں سے رابطہ کے لیے خطوط بھیجنے کا ہی ذریعہ باقی رہ گیا چنانچہ خطوط کے ذریعے احباب جماعت سے رابطہ قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ ان خطوط کی چھپائی اور ترسیل کا کام میرے ذمہ ہوا۔ میں ان دنوں صیغہ نشر و اشاعت میں تھا مجھے ایک دفتری[۳] اور ایک مددگار کارکن ملا ہوا تھا۔ خط کا مضمون مغرب کے قریب مل جاتا۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر ہم لوگ دفتر پہنچ جاتے۔ میں موصولہ مضمون کو سٹینسل پر لکھتا اور پھر خود سائیکلوسٹائل مشین پر اسے چھاپتا تھا یہ مشین پرانی طرز کی تھی (جو مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ سے عاریتاً حاصل کی تھی) اس لیے چھپائی پر بہت وقت صرف ہوتا تھا۔

جماعتوں کے کچھ پتے چھپے ہوئے موجود تھے کچھ ہاتھ سے لکھے جاتے یہ سب کچھ تیار کر کے

---

[۱] وفات ۷ر دسمبر ۱۹۵۵ء [۲] وفات ۱۳ر اکتوبر ۱۹۶۶ء [۳] محمد لطیف صاحب حال کارکن جائیداد

لفافے ڈاک کے ذریعہ بھیجنے کے لیے کبھی نماز فجر تک کبھی اس سے پہلے تیار کر لیتے ۔ اگر کبھی کام جلدی ختم ہو جاتا تو نماز فجر سے قبل کچھ آرام کر لیتے صبح پھر دفتر کے وقت حاضر ہو کر پورا وقت دفتر کے کام میں مصروف رہتے ۔

چونکہ قریباً ساری رات ہی جاگنا پڑتا تھا اس لیے بھوک بھی لگ جاتی تھی اس کے لیے ہم نے یہ انتظام کیا کہ چائے یا قہوہ جو بھی میسر آئے گھر سے لے آتے اور جب بھوک محسوس ہوتی تو اسے گرم کر کے پیتے ، کھانے پینے کی چیزیں بوجہ فسادات ربوہ نہیں آ رہی تھیں چائے یا قہوہ کیساتھ کبھی چنے اُبلے ہوئے اور کبھی یہ میسر نہ آتے تو خالی چائے یا قہوہ پی کر گزارا کر لیتے تھے "۔

ان خطوط میں جماعتی خبروں کے علاوہ مرکزی اداروں کے اعلانات اور بعض دیگر اہم رپورٹیں بھی شامل کی جاتی تھیں ۔ حضرت مصلح موعود کی واضح ہدایت یہ تھی کہ اس میں کوئی ہراس پھیلانے والی خبر نہیں ہونی چاہیئے ۔ حضور نے اس پر سختی سے کاربند رکھنے کے لیے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ناظر اعلیٰ کو خاص طور پر اس امر کی تاکید فرما رکھی تھی ۔

یہ خطوط اپنی افادیت کے اعتبار سے مرکزی خبر نامہ کی حیثیت رکھتے تھے جن سے سب پاکستانی جماعتوں کا رابطہ اپنے مرکز سے قائم رہا اور یہ جہاں جہاں بھی پہنچے جماعتوں میں استقلال اور بشاشت اور صبر کی نئی روح پیدا ہو گئی ۔

یہ انتظام ۳۰ ؍ مارچ ۱۹۵۳ ء تک یعنی کراچی سے روزنامہ " المصلح " کے شروع ہونے تک جاری رہا اور ساتھ ہی دفتر اطلاعات بھی ختم کر دیا گیا ۔

ذیل میں بعض بلیٹن معہ ضروری ہدایات کے درج کیے جاتے ہیں :۔

" اطلاعات "

(بلیٹن ۴ جماعت کے لیے)

برادرانِ جماعت ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ،

" ربوہ ۱۰ ؍ مارچ ۔ حضرت اقدس ۔۔۔۔۔ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی صحت کے متعلق تازہ ترین

رپورٹ یہ ہے کہ نزلہ نسبتاً آرام ہے۔ مگر گلے میں درد ہے۔ اور سر درد کی تکلیف ہے۔ احباب کرام دعا فرماویں۔

حضور انور نے آج اور کل ڈیرہ اسماعیل خاں۔ لاہور۔ ضلع شیخوپورہ۔ ضلع لائل پور۔ ڈھاکہ گجرات اور راولپنڈی کے متعدد احباب کو شرف ملاقات بخشا۔

سیالکوٹ کے متعلق بعض احمدیوں کے جانی نقصان کی خبریں مشہور ہو گئی تھیں۔ لیکن چوہدری نذیر احمد[1] صاحب کا تار موصول ہوا ہے کہ تمام احباب خیریت سے ہیں۔ فالحمدللہ۔

کراچی کے مسٹر شریع الدین (نگران ایڈہاک کمیٹی) سیکرٹری سٹوڈنٹس فیڈریشن۔ اخبار سندھ آبزرور۔ ڈان ایوننگ سٹار سب نے موجودہ ہنگامہ کی مذمت کی ہے۔ نیز مشرقی پاکستان سے بھی خبر ملی ہے کہ وہاں کا انگریزی و بنگلہ پریس پنجاب ایجی ٹیشن کے خلاف آواز بلند کر رہا ہے۔

کراچی جماعت نے "المصلح" کا روزانہ ڈیکلریشن حاصل کر لیا ہے۔ نیز ایک برقی پریس بھی وہاں خریدنے کے انتظامات کیے جا رہے ہیں۔

ربوہ میں ڈاک تار اور فون کا انتظام حسب دستور باقاعدہ موجود ہے۔ گاڑیاں قریباً وقت پر آ رہی ہیں اور آج سے ربوہ اور سرگودہا کے درمیان بسوں کی ایک سپیشل سروس بھی شروع ہو رہی ہے۔

بعض شرپسند عناصر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ اور ربوہ کے متعلق مختلف قسم کی افواہیں پھیلا رہے ہیں۔ ان مکروہ ہتھکنڈوں کے استعمال کی غرض جماعت کو پریشان کرنا ہے۔ ان عناصر کو معلوم ہونا چاہیئے کہ احمدیوں کو پریشان کرنے کا یہ طریق نہ اب تک کامیاب ہوا ہے۔ اور نہ انشاء اللہ کبھی آئندہ کامیاب ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں۔ مرکز احمدیت میں ہر طرح خیریت ہے۔ احباب جماعت اپنے اپنے حالات کے متعلق ڈاک کے ذریعہ باقاعدگی سے اطلاع دیتے رہیں۔ انشاء اللہ مرکز پوری ذمہ داری سے اس سلسلہ میں اپنے فرائض کی سرانجام دہی کرے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کا ہر دم حامی و ناصر ہو۔ اور مسرتوں کی لازوال دولت سے مالا مال فرماوے۔

(دستخط) زین العابدین ولی اللہ

ایڈیشنل ناظر اعلیٰ"   ۱۱-۳-۵۳

---

[1] وفات ۲۱ دسمبر ۱۹۶۴ء

اطلاعات۔ ربوہ ۱۲ مارچ ۱۹۵۳ء۔ حضرت اقدس ...... ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی صحت کے متعلق تازہ ترین رپورٹ یہ ہے کہ " نقرس کی تکلیف شروع ہے۔ پاؤں میں جو زخم تھا۔ وہ ابھی باقی ہے" احباب صحتِ کاملہ کے لیے دعا فرماویں۔ آج حضور انور نے سیالکوٹ، گوجرانوالہ، شیخوپورہ کے اضلاع شہر پشاور اور ریاست بہاولپورہ کے بعض خدام کو شرف ملاقات بخشا۔

آج اور کل مرکز میں کوٹ رحمت خاں، پریم کوٹ، مانگٹ اونچے، لائلپور، گجرات، ڈسکہ میانوالی، ملتان، نگھیانہ اور دوسرے مقامات سے جماعتوں کی خیریت کے متعلق اطلاعات موصول ہوئیں۔ ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے فضل سے اکثر جماعتیں موجودہ حالات میں بڑے صبر واستقلال سے کام لے رہی ہیں۔ اور خدا کے فضل سے سراسیمگی کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ لاہور لائلپور اور راولپنڈی کی جماعتوں نے مصائب کے طوفانوں میں ہمت و استقلال کا نہایت عمدہ نمونہ دکھایا ہے۔

راولپنڈی میں بعض سرکاری افسروں نے ہمارے احمدی ملازمین کو یہ "پیشکش" کی کہ وہ ان کی حفاظت کے لیے ایک محفوظ کیمپ قائم کرا دیتے ہیں۔ مگر انہوں نے کہا کہ وہ اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میں اپنے اپنے گھروں میں مرجانا منظور کر سکتے ہیں۔ مگر کیمپ میں جانا منظور نہیں کر سکتے۔

ایک جماعت نے لکھا " یہاں کی جماعت میں خدا کے فضل سے کوئی گھبراہٹ نہیں۔ لیکن ہمیں ہر وقت مرکز کا خیال ہے"۔ پچھلے دنوں ایک جگہ سے کسی دوست نے لکھا۔ کہ یہاں شرارت بڑھ رہی ہے۔ اس پر حضرت اقدس ..... ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے یہ جواب رقم فرمایا:۔

" ان شرارتوں کو پکڑنے والا آسمان پر زندہ خدا موجود ہے"

زندہ خدا کس طرح شرارتوں کو پکڑتا ہے۔ اور انسانی تدبیریں خدائی تقدیروں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہیں۔ اس کا نظارہ پہلے ہم نے ہزاروں مرتبہ کیا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی ہمیں کوئی فکر دامنگیر ہو سکتا ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔

احباب ربوہ کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش کرتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ شر پسندوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ آپ ہمیں اپنی خیریت کے متعلق جلدی جلدی

اطلاع دیا کریں۔کیونکہ تاخیر سے تشویش ہوتی ہے۔

(دستخط) زین العابدین ولی اللہ

ناظر دعوت و تبلیغ ربوہ"

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم والسلام علیٰ عبدہ المسیح الموعود

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔خدا کرے کہ آپ اور دیگر جملہ برادرانِ احمدیت بخیر وعافیت ہوں۔

سیدنا حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کی صحت کے متعلق تازہ ترین رپورٹ یہ ہے کہ حضور کے پاؤں میں تکلیف کچھ زیادہ ہے مگر کھانسی میں کمی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمارے آقا کو صحت کاملہ وعاجلہ بخشے اور ہزاروں برکتوں اور کامرانیوں کے ساتھ لمبی عمر عطا فرما وے آج اور کل حضور پُرنور نے خانیوال۔لائلپور۔سرگودھا۔لالہ موسیٰ۔چک پنیار۔کراچی۔محمد آباد اسٹیٹ سندھ اور جہلم کے بعض خدام کو شرف ملاقات بخشا۔

مربی دین حق مولوی نذیر احمد صاحب مبشر نے گولڈ کوسٹ (افریقہ) سے یہ خوشکن اطلاع دی ہے کہ کماسی میں جماعت احمدیہ کے بیرونِ پاکستان میں سب سے پہلے کالج کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا ہے۔انہوں نے مزید خبر دی ہے کہ اس تقریب پر علاقہ کے بڑے بڑے رؤسا کے علاوہ شانٹی کے بادشاہ بھی شامل ہوئے۔سنگِ بنیاد کی تقریب کا آغاز کلام پاک کی تلاوت سے کیا گیا۔

وکیل المال ثانی تحریک جدید تحریر فرماتے ہیں کہ ۳۱ مارچ ۱۹۵۳ء کو سیدنا حضرت .... ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں سو فیصدی چندہ ادا کرنے والے مخلصینِ جماعت کی پہلی فہرست بغرض دعا پیش کی جائے گی۔آپ تمام احباب جماعت کو اس کی اطلاع دیدیں اور پُر زور تحریک فرما دیں کہ احباب اپنے وعدوں کو حتی الوسع جلد تر ادا فرمائیں۔

ہم میں سے کسے معلوم نہیں کہ تحریک جدید کے ذریعہ دنیا کے تمام بیرونی ممالک میں تبلیغ دینِ حق کا وسیع کام ہو رہا ہے۔(بیوت الذکر۔ناقل) تعمیر ہو رہی ہیں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت و ناموس کے قیام کے لیے دنیا کی مختلف زبانوں میں لٹریچر شائع کیا جا رہا ہے

پس ہر فردِ جماعت کا اوّلین فرض ہے کہ وہ اس مقدس کام کو جاری رکھنے اور اس کو وسیع کرنے میں ہر ممکن کوشش سے کام لیتے ہوئے زیادہ سے زیادہ حصہ لے۔

مشکلات ضرور ہیں مگر ان مشکلات پر قابو پانے کا بھی یہی طریق ہے کہ ہم خدا کے دین کی اشاعت کریں اس طرح خدا عرش سے ہماری حفاظت کرے گا اور ہمیں اپنی برکتوں سے نوازے گا۔

براہ کرم تمام احبابِ جماعت تک یہ مکتوب بھی پہنچا دیں اور احباب ربوہ کا ہدیہ سلام بھی۔ خدا آپ کے ساتھ ہو اور خدمتِ دین اور خدمتِ ملک و قوم کی توفیق بخشے آمین۔ والسلام

ناظر دعوۃ و تبلیغ ربوہ ۵۴/۳/۲ - ۳ - ۱۷"

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم والسلام علیٰ عبدہ المسیح الموعود

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت اقدس ..... ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی صحت کے متعلق تازہ ترین رپورٹ مظہر ہے کہ کھانسی کو آرام ہے۔ ٹانگ کی درد میں اضافہ[1] ہے اور پاؤں کی درد میں بھی قدرے تخفیف ہے اللہ تعالیٰ حضور کو صحت کاملہ و عاجلہ بخشے۔ آج حضور نے سیالکوٹ۔ گوجرانوالہ۔ چکوال اور لاہور کے بعض خدام کو شرفِ ملاقات بخشا اور اوکاڑہ۔ سکھر۔ گوگیرہ۔ کنری۔ کوٹ رحیم یار خاں۔ پنڈی گھیپ۔ لیاقت پور اور دوسری جماعتوں کے متعدد خطوط حضور کی خدمت میں موصول ہوئے۔

الحمد للہ کہ بحیثیت مجموعی حالات پہلے سے بہتر ہو رہے ہیں۔ ہمارے محبوب وطن اور محبوب جماعت پر منڈلانے والے بادل اب آہستہ آہستہ چھٹ رہے ہیں اور خدا کے فضل سے مطلع صاف ہو رہا ہے۔ لیکن ابھی حالات پوری طرح تسلی بخش نہیں۔ احباب کو ہوشیار رہنا چاہیئے اور دعائیں جاری رکھنی چاہئیں۔

لاہور کی ایک معزز غیر احمدی خاتون نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے بذریعہ مکتوب یہ استفسار کیا ہے کہ آپ نے ۱۹۱۷ء میں اپنی ایک تقریر میں جو یہ فرمایا تھا کہ "ان کا اسلام اَور ہے اور ہمارا اَور۔ اُن کا خدا اَور ہے اور ہمارا اَور۔ ہمارا حج اَور ہے اور

---

[1] (نقل مطابق اصل) ۔ اصل لفظ افاقہ ہے سہوِ کتابت کی وجہ سے اضافہ لکھا گیا ہے۔ مرتب

اُن کا حج اور" اس عبارت کا کیا مقصد ہے ؟

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے قلم مبارک سے آج اس کا مندرجہ ذیل جواب رقم فرمایا ہے :-

"یہ تقریر ایسی ہی ہے جیسے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اُس کی نماز نہیں ہوتی حالانکہ سارے حنفی سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے۔ بعض دفعہ زور دینے کے لیے یہ الفاظ کہے جاتے ہیں اور مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ لوگ مغز کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ یہی مراد اس تقریر کی ہے یعنی عام طور پر مسلمان نماز جلد جلد پڑھتے ہیں حج کو غریب جاتے ہیں۔ جن پر حج فرض ہے وہ نہیں جاتے۔ پس مراد یہ نہیں کہ مسائل الگ الگ ہیں بلکہ نماز۔ حج۔ زکوٰۃ ہماری اور دوسروں کی ایک ہے۔ میری تقریر کا منشاء اس بات پر زور دینا ہے کہ ان لوگوں میں اسلام کی شرائط پوری کرنے کی طرف سے سستی ہے تم شرائط کو پورا کرو۔"

براہ کرم اپنی اور جملہ احباب کی خیریت سے اطلاع دیں اور مندرجہ بالا مکتوب ان تک پہنچا کر شکریہ کا موقعہ بخشیں۔

اللہ تعالیٰ آپ سب پر اپنی بے انتہا رحمتوں کے دروازے کھولے اور مشکلات و مصائب کے راستے ہمیشہ کے لیے بند کر دے۔ آمین۔ والسلام

ناظر دعوۃ و تبلیغ۔ ربوہ $\frac{۳۲}{۵۲}$ - ۳ - ۱۹"

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم والسلام علی عبدالمسیح الموعود

برادرم ! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی صحت کے متعلق تازہ ترین رپورٹ یہ ہے کہ "پاؤں کا زخم مندمل ہو رہا ہے اور دوسرے عوارض میں بھی افاقہ ہے"۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

آج حضور پُر نور نے نہایت ہی لطیف پیرایہ میں دوستوں کو دعا اور انابت الی اللہ کی طرف توجہ دلائی اور ارشاد فرمایا کہ ہمارا فرض ہے کہ ہم خوشی غمی ، رنج و راحت اور عسر یسر میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کیا کریں اور ہر حال میں اُسی سے مدد و نصرت کے طلبگار رہوں کیونکہ وہی

ہمارا سہارا ہے ۔

حضور نے خطبہ کے آغاز میں فرمایا کہ دنیا میں جب کبھی کسی شخص کو کوئی تکلیف یا خوشی پہنچتی ہے تو وہ اپنے دوستوں اور عزیزوں کی طرف دوڑتا ہے اور فطرتاً چاہتا ہے کہ وہ انہیں بھی اپنے رنج اور راحت میں شریک کرے ۔ اسی فطری جذبہ کے ماتحت شادی بیاہ پر تمام رشتہ دار اکٹھے ہو جاتے ہیں اور موت کے مواقع پر بھی برادریوں کا اجتماع ہوتا ہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ جذبہ خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک بچہ کو باہر کھیلتے ہوئے اگر شیشے کا چمکتا ہوا ٹکڑا بھی مل جاتا ہے تو وہ خوشی میں دوڑ کر فوراً ماں کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اماں مجھے یہ ٹکڑا ملا ہے ۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بچے کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچاتا ہے تو اس صورت میں بھی وہ اپنی ماں کی طرف بھاگتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میری ماں مجھے بچائے گی ۔

یہ مثال بیان کرنے کے بعد حضور نے فرمایا کہ جس طرح بچہ مصیبت اور خوشی کے وقت اپنی ماں کی طرف بھاگتا ہے ۔ اسی طرح ایک سچا مومن بھی اپنی تکلیف اور خوشی کی گھڑیوں میں اپنے مالک حقیقی اور اپنے قادر مطلق خدا کی طرف بھاگتا اور اس کے آستانہ پر اپنا سر رکھ دیتا ہے ۔

اسی لیے ہمارے آقا سیدنا حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم ہر تکلیف اور مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھیں جس کے یہ معنی ہیں کہ ہماری مصیبت کو دور کرنے والا خدا کے سوا کوئی نہیں اس لیے ہم اس کی طرف جاتے اور اسی سے مدد کی درخواست کرتے ہیں ۔ اسی طرح حضور نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب تمہیں کوئی خوشی اور راحت پہنچے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہو جس کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا یہ انعام تیری ہی وجہ سے ہمیں عطا ہوا ہے اور تو ہی ہماری شکر گزاری کا حقیقی حقدار ہے ۔ مگر فرمایا کہ جس طرح ناقص العقل بچے خوشی اور غمی میں اپنی ماں کی طرف نہیں دوڑتے اسی طرح ناقص العقل انسان بھی دعا اور عبادت سے غافل رہتے ہیں لیکن وہ لوگ جو عقل و دانش کے مالک ہوتے ہیں اُن کے لبوں پر خوشی کے وقت بھی خدا کا ذکر ہوتا ہے اور مصیبت کے وقت بھی اسی کی یاد ہوتی ہے ۔

.... براہِ کرم یہ مکتوب تمام احباب جماعت تک پہنچا دیں اور کوشش کریں کہ احباب جماعت پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ ان ایام میں تہجد کا بھی التزام کریں اور اپنے اوقات کو زیادہ سے زیادہ ذکرِ الٰہی اور دعاؤں کے لیے وقف رکھیں۔

خدا تعالیٰ ہمیں بے شمار رحمتیں اور برکتیں دینے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ اے کاش ہم اُس کے وفادار ثابت ہوں اور اس کے دامن سے لپٹ کر ان برکتوں کے طالب ہوں جو ہمیشہ صادقوں کے لیے مقدر ہیں۔ والسلام

ناظر دعوۃ و تبلیغ ربوہ ۳۲/۵۴ ۳ - ۲۰"

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم والسلام علیٰ عبدالمسیح الموعود

برادرم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ الودود کی صحت کے متعلق تازہ ترین رپورٹ یہ ہے کہ "عام طبیعت اچھی ہے پاؤں میں درد ہے" اللہ تعالیٰ حضور کو صحت کاملہ و عاجلہ بخشے۔

احباب یہ خبر سن کر بے حد خوشی محسوس کریں گے کہ درسِ قرآن کی وہ پاک محفل جس سے جماعت کئی دنوں سے محروم تھی کل ہفتہ سے پھر شروع ہو گئی ہے چنانچہ کل حضور نے سورۃ مریم ع ۲ کی بعض آیات کی لطیف تفسیر بیان فرمائی اور بائیبل کے مقابل قرآن مجید کے نظریات کی صداقت کو تاریخ اور عقل کی روشنی میں ثابت کر دکھایا کہ مسیح کی پیدائش جیسا کہ بائیبل میں آیا ہے دسمبر میں نہیں ہوئی بلکہ ایسے موسم میں ہوئی جب کھجوریں پکتی ہیں۔

نیروبی (افریقہ) سے مبلغ احمدیت جناب شیخ مبارک احمد صاحب نے بذریعہ مکتوب احباب جماعت کو یہ مژدہ سنایا ہے کہ قرآن کریم کے سواحیلی ترجمہ کے آخری مسودات پریس کے سپرد کر دیئے گئے ہیں اور خدا کے فضل سے اُمید ہے کہ ماہ ڈیڑھ ماہ تک قرآن کریم کا ترجمہ چھپ کر تیار ہو جائے گا۔ احباب دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ جناب شیخ صاحب موصوف کی اس دینی خدمت کو قبول فرماوے اور قرآن کی روشن تعلیمات کی بدولت افریقہ کا تاریک براعظم جگمگا اٹھے۔

شیخ صاحب موصوف نے اپنے مکتوب میں نیروبی کے مشہور روزنامہ ڈیلی کرانیکل کے تراشے بھی ارسال کیے ہیں جن میں پنجاب کی موجودہ ایجی ٹیشن کا ذکر ہے اور لکھا ہے کہ اس ایجی ٹیشن

کی وجہ سے افریقہ کے غیر مسلم عناصر پر یہ اثر ہے کہ پاکستان کے عوام میں مذہبی آزادی نہیں ہے اور جبر واکراہ سے کام لیا جاتا ہے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ پاکستان میں باہمی اختلافات اسقدر بڑھ گئے کہ انہیں مضبوطی سے دبانے کی ضرورت ہے۔

یہ ملک کی بدقسمتی ہے کہ چند فتنہ پرداز لوگوں کی وجہ سے ہمارا محبوب وطن بدنام ہو گیا ہے یقیناً یہ چند لوگوں کا ذاتی فعل ہے اس سے پاکستانی حکومت پر الزام لگانا ظلم ہوگا۔

سرحد کے وزیراعلیٰ خان عبدالقیوم خان صاحب نے حالیہ سرحد اسمبلی کے اجلاس میں ایک بار پھر اس بات پر زور دیا ہے کہ وہ صوبہ کے امن کو ہر قیمت پر برقرار رکھیں گے۔ وزیراعلیٰ نے مسلم لیگی ممبروں سے یہ اپیل بھی کی ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں جاکر لوگوں کو سمجھائیں کہ مذہب کی آڑ میں خلاف اسلام حرکات کا ارتکاب کرنے والے پاکستان کے دشمن ہیں۔

آج کی ڈاک میں احباب جماعت نے گزشتہ ہنگامہ کے سلسلہ میں کئی ایمان افروز واقعات کی اطلاع دی ہے جن کو پڑھ کر خدا تعالیٰ کی نصرت کا زندہ یقین حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً ضلع شیخوپورہ کے احمدی دوست لکھتے ہیں کہ ایک جگہ چند تنہا اور بے کس احمدیوں پر بے حد سختی کی گئی اور ان کو محاصرہ میں لے لیا گیا۔ ایک احمدی نے کہا کہ آپ لوگ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کر گزریں احمدیت تو مجھ سے نہیں چھوٹ سکتی۔ احمدی دوست یہ الفاظ کہنے ہی پائے تھے کہ وہاں پولیس پہنچ گئی حالانکہ یہ جگہ تھانہ سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔

بعض دوسرے مقامات پر احمدیوں کو بچانے کے لیے غیر احمدی شرفا حفاظت کے لیے آگئے اور شرپسند عناصر کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا چنانچہ ایک احمدی خاتون نے لکھا ہے کہ وہ اپنے مکان پر اپنے بچوں سمیت رہتی تھیں کہ تین دفعہ مکان پر حملہ کرنے کی تیاری کی گئی مگر انہیں خدا نے بتایا کہ وہ محفوظ رہیں گی چنانچہ جب آخری بار جلوس آیا تو محلہ کے شریف لوگ از خود اس خیال سے مقابلہ کے لیے آگے آگئے کہ ایک عورت کو مکان سے نکلوا دینا ایک مسلمان کی شرافت سے بعید ہے۔

اسی طرح ایک احمدی دکاندار جمعہ پڑھنے کے لیے گئے ہوئے تھے کہ اس اثناء میں ہجوم نے دکان پر دھاوا بول دیا مگر ساتھ ہی بعض شریف غیر احمدی دکاندار تھے انہوں نے ہجوم کا مقابلہ کیا

اور اس طرح سے اُسے ناکامی اٹھانی پڑی ۔

بعض مقامات پر محض عزم و استقلال کے اظہار سے مخدوش فضا بدل گئی مثلاً شیخوپورہ کے ایک گاؤں میں بعض لوگوں نے احمدیوں کو قتل کی دھمکی دی مگر انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں ذبح کر دیں ہمارے بچوں کو تہ تیغ کر دیں مگر ہم صداقت کو نہیں چھوڑیں گے اس پر یہ لوگ اپنے ارادوں کی تکمیل سے دستکش ہو گئے ۔

غرضیکہ اسی ہنگامہ کے دوران میں خدا تعالیٰ نے بعض جگہوں پر غیر معمولی اسباب نصرت پیدا کر کے اپنے بندوں کی اپنے ہاتھ سے مدد فرمائی جس کے لیے ہم اُس کا جس قدر بھی شکریہ ادا کریں بہت کم ہے ۔

ضلع سرگودہا کے ایک احمدی دوست اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ مودودیوں اور بعض دوسرے مخالفین جماعتوں میں کچھ ایسے نوجوان پھیلا رہے ہیں جو شرارت کی غرض سے جھوٹے طور پر احمدیت کی طرف منسوب ہو جاتے ہیں ۔

براہ کرم یہ مکتوب تمام احباب جماعت تک پہنچا دیں اور اپنے علاقہ کی خیریت سے جلد جلد اطلاع دیتے رہیں ۔ والسّلام

ناظر دعوۃ و تبلیغ ربوہ ۳۲/۵۳ - ۳ - ۲۲"

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم والسّلام علیٰ عبدہ المسیح الموعود

برادرم ! السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی صحت کے متعلق تازہ ترین رپورٹ یہ ہے کہ " انگوٹھے کا زخم ابھی ہے ۔ مگر طبیعت نسبتاً اچھی ہے "۔ خدا تعالیٰ ہمارے مقدس آقا کو صحتِ کاملہ و عاجلہ بخشے اور حافظ و ناصر ہو ۔

پنجاب کے گزشتہ ہنگامہ میں جماعت کی بعض احمدی مستورات نے ہمت و استقلال کا جو قابلِ رشک نمونہ دکھایا ہے ناممکن ہے کہ احمدیت کی تاریخ میں انہیں فراموش کیا جا سکے ۔ اس سلسلہ میں آج کی ڈاک سے گوجرانوالہ اور شہزادہ ضلع سیالکوٹ سے دو اور واقعات کی اطلاع ملی ہے ۔ ان دو واقعات کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دو جگہ پر احمدی مستورات اکیلی تھیں کہ بہت بڑا

ہجوم حملہ آور ہو گیا اور اس نے قتل و غارت کی دھمکی دی مگر اندر سے صرف ایک ہی آواز آئی اور وہ یہ کہ ہم اپنے آقا کے حکم کے ماتحت گھر میں رہیں گے احمدیت کو نہیں چھوڑیں گے خواہ ہمیں قتل کر دیا جائے یا ہمارا سامان لوٹ لیا جائے۔ اس آواز میں کچھ ایسا اثر تھا کہ ہجوم کا رُخ پلٹ گیا اور شر پسند لوگ واپس چلے گئے۔

لاہور کے ایک احمدی دوست جنہیں حالیہ فسادات میں دکان کے جل جانے کی وجہ سے تقریباً بیس ہزار روپیہ کا نقصان ہوا ہے سیدنا حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی خدمت میں اخلاص و عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "جو مال ہمارا گیا ہے ہم خوش ہیں کہ احمدیت کے نام پر گیا ہے۔ ان تمام واقعات سے جو ہماری آنکھوں نے دیکھے ہمارا ایمان اور بھی مضبوط ہوا۔ حضور دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ ایمان کی حالت میں موت نصیب کرے۔" آمین

بیرونی جماعتوں سے آمدہ خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی تک بہت سی جگہوں پر افواہیں پھیلانے کی باقاعدہ مہم جاری ہے مثلاً ضلع سیالکوٹ کے ایک حصہ میں یہ افواہ پھیلائی جا رہی ہے کہ ربوہ کو جلا دیا گیا ہے اور جو احمدی وہاں تھے انہیں یا تو زندہ جلا دیا گیا یا قتل کر دیا ہے اسی ضلع کے بعض دوسرے مقامات پر یہ چرچا کیا جا رہا ہے کہ ۵ لاکھ پٹھان ربوہ پر حملہ کرنے آ رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ اگر نعوذ باللہ ربوہ واقعی جل چکا ہے تو "۵ لاکھ پٹھانوں" کو یہاں حملہ کیلئے آنے کی کیا ضرورت پڑی ہے؟ دوستوں کو جھوٹی افواہوں کی طرف سے بہت ہوشیار رہنا چاہیئے۔

سیکرٹری صاحب مجلس مشاورت کی طرف سے جماعتوں کو یہ اطلاع بھجوائی جا رہی ہے کہ قواعد کے لحاظ سے جماعتوں کو پہلے جتنی تعداد میں نمائندے بھجوانے کا حق تھا اس دفعہ انہیں اس سے نصف تعداد میں نمائندے بھجوانے چاہیئں۔ نیز یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اگر وقتی حالات کے ماتحت امیر یا صدر کو اپنی جگہ چھوڑنا مناسب نہ ہو تو وہ اپنی جگہ کوئی دوسرا ذمہ دار نمائندہ مشاورت کے لیے بھجوا سکتے ہیں۔

ضلع سرگودہا کے ایک احمدی دوست کی اطلاع کے مطابق مودودی ہماری جماعتوں میں بعض ایسے نوجوان پھیلا رہے ہیں جو فتنہ پیدا کرنے کی غرض سے احمدیت قبول کر لیتے ہیں اور

درپردہ مخالف ہوتے ہیں۔ امید ہے دوست اس قسم کے منصوبوں سے ہوشیار رہیں گے ۔

براہ کرم یہ مکتوب تمام احباب جماعت تک پہنچا دیں ۔ والسلام

ناظر دعوۃ و تبلیغ ۔ ربوہ

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم والسلام علیٰ عبدہ المسیح الموعود

برادرم ! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی صحت کے متعلق تازہ ترین رپورٹ یہ ہے کہ " پاؤں کے زخم میں ابھی کچھ تکلیف ہے اور کھانسی بھی ہے "۔ اللہ تعالیٰ ہمارے آقا کو صحت کاملہ و عاجلہ بخشے ۔ آج حضور پُر نور نے ضلع شیخوپورہ ، جھنگ اور سرگودھا کے بعض خدام کو شرف ملاقات بخشا اور باوجود علالت طبع کے عصر کے بعد قرآن کا درس بھی دیا۔

صوفی محمد رفیع صاحب سکھر سے اطلاع دیتے ہیں کہ سندھ کے مشہور لیڈر پیر پگاڑو نے اپنے ایک بیان میں حالیہ ایجی ٹیشن کی پر زور مذمت کی ہے۔ پیر پگاڑو کا یہ اعلان سندھ کے کئی اخبارات نے شائع کیا ہے ۔

دوستوں کی اطلاع کے لیے لکھا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آج سے ۴۷ سال قبل اپنی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ :-

"یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کر دے گا ۔ تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا ۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا ۔ پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے تا خدا تمہاری آزمائش کرے کہ کون اپنے دعویٰ بیعت میں صادق اور کون کاذب ہے ۔ وہ جو کسی ابتلاء سے لغزش کھائے گا وہ کچھ بھی خدا کا نقصان نہیں کرے گا اور بدبختی اُسکو جہنم تک پہنچائے گی ۔ اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اُس کے لیے اچھا تھا مگر وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کریں گے اور ان پر مصائب کے زلزلے آئیں گے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں ہنسی اور ٹھٹھا کریں گی

اور دنیا ان سے سخت کراہت سے پیش آئے گی وہ آخر فتح یاب ہوں گے اور برکتوں کے دروازے اُن پر کھولے جائیں گے ۔"

(الوصیت ص۹ طبع اول دسمبر ۱۹۰۵ء)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا یہ روح پرور کلام احباب جماعت تک پہنچا دیں اور انہیں صبر و استقامت سے کام لینے اور اپنے اندر نیک تبدیلی پیدا کرنے کی تلقین کریں اور دوستوں کو تحریک کریں کہ وہ ان ایام میں قرآن و حدیث اور حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کے مطالعہ کی طرف خاص توجہ دیں اور دعاؤں پر بہت زور دیا جائے اور جو دوست روزہ کی توفیق رکھتے ہوں وہ روزہ بھی رکھیں کیونکہ روزہ کی حالت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے ۔ والسّلام

ناظر دعوت و تبلیغ ۔ ربوہ ۲۵/۳/۳۲/۵۳"

"بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم والسّلام علیٰ عبدہ المسیح الموعود

برادرم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ"

سیدنا حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کی صحت کے متعلق تازہ ترین رپورٹ یہ ہے کہ "نقرس کا دورہ پھر شروع ہو گیا ہے ۔ دائیں پاؤں کا انگوٹھا متورم ہو گیا ہے اور حرکت مشکل ہو گئی ہے ۔" اللہ تعالیٰ حضور انور کو صحت کاملہ دعاجلہ بخشے ۔

احباب یہ سُن کر خوشی محسوس کریں گے کہ مولوی احمد شاہ صاحب نائیجیریا میں پانچ سال تک تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دینے کے بعد ۱۰؍ اپریل کو بذریعہ بحری جہاز کراچی پہنچ رہے ہیں ۔ مولوی صاحب موصوف کے ساتھ جرمنی کے ایک نومسلم دوست عمر ہوفر صاحب بھی تشریف لا رہے ہیں ۔ عمر ہوفر صاحب ربوہ میں قرآن مجید اور اسلامیات کی تعلیم حاصل کریں گے اور پھر اپنے ملک کو نورِ اسلام سے منور کرنے کی کوشش کریں گے ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان بھائیوں کو خیریت سے یہاں پہنچائے ۔

سیرالیون کے مبلغ مولوی محمد صدیق صاحب شاہد کے ہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے بچی[1]

---

[1] نام عائشہ الٰہی صاحبہؓ (بیگم مقصود احمد صاحب قمر سابق مبلغ تنزانیہ)

تولد ہوئی ہے۔ دوست دعا فرمائیں کہ نومولودہ دین کی خادمہ بنے اور والدین کے لیے قرۃ العین ثابت ہو۔

جرمنی سے اطلاع ملی ہے کہ جرمنی کے مبلغ چوہدری عبداللطیف صاحب نے نیورمبرگ کے ایک ہال میں اسلامی تعلیمات کے موضوع پر کامیاب لیکچر دیا۔ صدارت کے فرائض جرمنی کے ڈاکٹر ویزر نے سرانجام دیئے۔ چوہدری صاحب موصوف کی کوششوں سے ایک جرمن لیڈی کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی بھی اطلاع موصول ہوئی ہے۔

سیلون سے آمدہ خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مبلغ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر نہایت تندہی سے تبلیغ اسلام میں مصروف ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں سیلون گورنمنٹ کے محکمہ خوراک کے ایک رکن، محکمہ جنگلات کے ایک اعلیٰ ممبر، ریلوے کلرک، پوسٹ آفس کے ملازمین اور ایک اساتذہ سے بھی ملاقات کی اور ان تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب کے مقاصد اور مساعی میں برکت دے۔

مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب نے جاکرتا (انڈونیشیا) سے اطلاع دی ہے کہ انڈونیشیا کی جماعتیں پاکستان سے متعلقہ خبروں کے باعث کئی دنوں سے دعاؤں پر خاص زور دے رہی ہیں۔

.... لاہور سے شیخ بشیر احمد صاحب اور ان کے رفقاء اور محمد عبداللہ ایم۔ ایس سی اور ان کے رفقاء کے متعلق خبر موصول ہوئی ہے کہ وہ خدا کے فضل سے بری ہو گئے ہیں اور خیریت سے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

براہ کرم یہ مکتوب احباب جماعت تک پہنچا دیں۔ والسلام

ناظر دعوۃ و تبلیغ۔ ربوہ ۵۳-۳-۲۶"

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم والسلام علیٰ عبدہ المسیح الموعود

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سیدنا و امامنا حضرت المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کی صحت کے متعلق آج شام کی رپورٹ یہ ہے کہ "نقرس کی درد کا خاصہ شدید دورہ ہوا ہے اور حضور چل پھر نہیں سکتے"۔

اللہ تعالیٰ ہمارے محبوب آقا کو ہر تکلیف سے محفوظ رکھے اور صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ آمین

مکرم شیخ ناصر احمد صاحب مبلغ سوئٹزرلینڈ نے سوئٹزرلینڈ سے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں چند استفسارات بغرض جواب تحریر کیے ہیں۔ شیخ صاحب موصوف کے پیش کردہ استفسارات اور حضور انور کے لطیف جوابات آپ کے اضافہ علم کی خاطر درج ذیل ہیں

۱۔ سوال - اگر شراب کا استعمال ہر صورت اور ہر مقدار میں بُرا ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کی حرمت اسلام سے پہلے کسی نبی کے ذریعہ نہ ہوئی اور اگر پہلے جائز تھی تو کیا بائبل کی رُو سے انبیاء بھی اس کا استعمال کرتے تھے؟

جواب - "کیا ہر زمانہ میں ایک سی ضرورت ہوتی ہے اس طرح تو دنیا کی تمام حکومتوں کے قوانین ردّ کرنے ہوں گے"

۲۔ سوال - قرآن کریم میں جانوروں کے خون کی حرمت کا ذکر ہے - کیا یہ حرمت صرف اس وجہ سے ہے کہ خون کا استعمال بطور خوراک کے صحت کے لیے مضر ہے؟

جواب - "کسی نے صحت کا ذکر نہیں کیا - اس کا اثر روحانیت پر پڑتا ہے - کبھی مردار خور اور خون کھانے والا روحانیت کے مقام تک نہیں پہنچا"

۳۔ سوال - بعض عیسائیوں کو ہر سال ایسٹر کے دنوں میں مسیح علیہ السلام کے واقعہ صلیب کی یاد میں عین اُن مقامات پر زخم پھوٹتے ہیں جہاں حضرت مسیح علیہ السلام کے جسم مبارک پہ کیل ٹھونکے گئے تھے - بعض لوگ ایسے واقعات کو اپنے مذہب کی صداقت کے طور پر پیش کرتے ہیں اس کی توضیح فرمائی جائے۔

جواب - "محض دھوکہ ہے اس قسم کے قصّے قبروں کے مجاوروں نے بھی بنا رکھے ہیں ان کو کیوں نہیں مانتے؟"

۴۔ سوال - نمازوں کے اوقات میں مغربی ممالک میں مسلمانوں کو بہت مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ جب تک موجودہ صنعتی نظام رائج ہے کام کے دوران میں نماز کی چھٹی کا ملنا ناممکن ہے اس مشکل کا حل کیا ہو؟

جواب - "کون سا کام بغیر مشکلات کے ہوتا ہے جہاں ناقابلِ تلافی مشکل ہو وہاں جمع کا

مسئلہ موجود ہے پھر مشکل کیا ہے "۔

ربوہ میں الحمدللہ خیریت ہے اور عموماً جماعتوں کی طرف سے بھی خیریت کی اطلاع آ رہی ہے۔ گو مودودی اصحاب مختلف رنگوں میں فتنہ کو ہوا دے رہے ہیں۔ دوستوں کو ہوشیار اور محتاط رہنے اور دعاؤں کی تلقین کرتے رہیں۔ والسلام

شیخ عبدالقادر مولوی فاضل ربوہ ۳/۲۸ ؁۳۲/۵۳"

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سیدنا حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی صحت کے متعلق آج شام کی رپورٹ یہ ہے کہ "پاؤں میں درد ابھی باقی ہے"۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کو صحت کاملہ وعاجلہ بخشے۔

آج حضور پُرنور نے لاہور، بقاپور، دوالمیال، لالہ موسیٰ، سرگودہا، وزیرآباد اور لائلپور کے بعض خدام کو شرفِ ملاقات بخشا۔

ضلع لائلپور کے ایک دوست ایک مکتوب میں مقامی جماعت کے کوائف کے متعلق لکھتے ہیں کہ :-

"کہیں کہیں یہ افواہ بھی پھیلائی جاتی ہے کہ فلاں فلاں آدمی احمدیت سے تائب ہو گیا ہے۔ ایسی دو تین اطلاعیں ہمارے پاس آئیں۔ ہم نے آدمی بھیج کر پتہ کیا تو ان افواہوں میں ذرہ بھی صداقت نظر نہ آئی بلکہ اپنے دوستوں کو پہلے سے زیادہ احمدیت پر پابند پایا"

یہی دوست مقامی جماعت کی اپنی حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"نمازوں میں حاضری کافی ہوتی ہے۔ دعائیں بہت کی جاتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اعلیٰ اخلاق پیدا کرنے پر زور دیا جاتا ہے تا لوگ ہمارے اخلاق کی وجہ سے خود بخود ہماری طرف کھنچے چلے آئیں۔ حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ کی کُتب سے اخلاق کے بارہ میں اقتباسات پڑھ کر سُنائے جاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسنِ خلق اور حُسنِ معاملات کا تذکرہ کر کے اخلاق کی درستی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے سو الحمدللہ کہ جماعت اخلاق میں ترقی کر رہی ہے اور اپنی حالت میں بہتری پیدا ہو رہی ہے۔ جس کا غیر از جماعت لوگوں پر بہت اچھا اثر ہے"۔

لہ وفات ۱۸ نومبر ۱۹۶۶ء

یہی دوست آخر میں لکھتے ہیں:۔

"ہم نے توان ابتلاؤں کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کے واضح نشانات بلکہ خود زندہ خدا کو دیکھ لیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صداقت پر زندہ رکھے اور اسی پر موت دے۔"

مرکز سلسلہ میں خدا کے فضل و کرم سے ہر طرح خیر و عافیت ہے ۔ آپ یہ مکتوب اپنے حلقہ احباب تک پہنچا دیں اور دعاؤں کی تلقین کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر دم آپ کا حامی و ناصر ہو۔ والسّلام

خاکسار احمد خان نسیم ۔ مجلس قیام امن۔احمد نگر

۵۳/۳۲ ۳ / ۲۹"

تیسرا باب

ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ کا نوٹس

۱۲ مارچ ۱۹۵۳ء کو ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے حسب ذیل نوٹس جاری کیا۔

No. 104 Dated 12-3-53

From

G. M. Mansoor Esquire,
P. C. S.,
Addl. District Magistrate, Jhang,
Camp at Chiniot.

To,

The Secretary
To the Khalifatul Masih,
Rabwah.

Sir,

I have the honour to inform you that after delegating all the essential powers of a District Magistrate to me, I have been directed by the District Magistrate, Jhang that you will excercise full control over the despatch of telegrams from Rabwah to out stations including India, which do not comment, infer, and state the conditions adversely, in regard to the "Direct Action" movement in this province.

I hope you will appreciate that such comments, inferences and statements issued by you are detrimental to peace of the country.

It is needless for me to mention that I have in my possession documentry evidence corroborating the facts I now ask you to excercise full control over.

I have etc etc
Sir,
Your most obedient servant,

Sd/- G. M. Mansoor P. C. S.,
Addl. District Magistrate,
Jhang
at Chiniot.

ترجمہ :-

نمبر ۱۰۴۱ مؤرخہ ۱۲/۳/۵۳

منجانب جی۔ایم۔منصور پی۔سی۔ایس

ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ چنیوٹ کیمپ۔

بخدمت سیکرٹری صاحب

خلیفۃ المسیح ربوہ

جناب عالی!

مَیں آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے تمام خصوصی اختیارات مجھے تفویض ہو جانے کے بعد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ نے مجھے ہدایت دی ہے کہ آپ کے یہ گوش گزار کر دوں کہ وہ تمام تار جو ربوہ سے بیرونی سٹیشنوں بشمول انڈیا کو ارسال کیے جائیں ان میں اس صوبہ میں جاری "راست اقدام" کی تحریک کے سلسلہ میں کوئی تبصرہ نہ ہو، کوئی نتیجہ نہ اخذ کیا گیا ہو۔ اور حالات پر کوئی مخالفانہ بیان نہ ہو۔ایسے تاروں کی ترسیل پر آپ مکمل کنٹرول قائم کریں گے۔

مجھے اُمید ہے کہ آپ کو اس امر کا احساس ہوگا کہ ایسے تبصرے، نتائج یا بیانات کا ذکر اگر آپ کی طرف سے ہوگا تو وہ ملک کے امن کے لیے مضر ثابت ہوگا۔

مجھے اس امر کے بیان کرنے کی چنداں حاجت نہیں کہ میرے پاس ایسی تحریری شہادت موجود ہے جس سے وہ امور ثابت ہو جاتے ہیں جن پر مکمل کنٹرول قائم کرنے کے بارے میں مَیں آپ کو اب ہدایت دے رہا ہوں۔

مَیں ہوں نہایت تابعدار

آپ کا خادم

دستخط۔جی۔ایم۔منصور پی۔سی۔ایس

ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ (چنیوٹ)

جواب ـــــــ حضرت مصلح موعود کی ہدایت پر نظارت امور عامہ نے اس نوٹس کا حسب ذیل جواب دیا۔

From

Nazir Umoor Amma,
Ahmadiyya Community Pakistan, Rabwah.
No. 196 Dated 12th March, 1953.

To

G. M. Mansoor, Esq.,
P. C. S.,
Additional District Magistrate Jhang,
Camp at Chiniot.

Sir,

Your letter No. 104 dated 12-3-53 has just been received. I have the honour to reply to the same as follows:-

We do fully appreciate the gravity of the present situation and are following the policy of full cooperation with the authorities as far as it lies in our power. In order, however, to facilitate our cooperation I would ask you to kindly let me know the nature and contents of the telegram or telegrams to which objection has been taken as well as the names of the senders.

Further, your letter does not make it clear whether we are also not to send any telegraphic information regarding the state of affairs prevailing and the dangers facing the members of our Community at different places in the Punjab to the Deputy Commissioners concerned, Secretaries of the Punjab Government, Inspector General of Police Punjab, or the officials of the Central Government. Do such telegrams also come under your instructions?

I hope you will very kindly let us know about the two above mentioned questions at your earliest convenience. Assuring you again of our best co-operation.

I have the honour to be
Sir,
Your most obedient servant,

(Ijaz Nasrullah Khan)
Nazir Umoor Amma
Rabwah.

منجانب ناظر امور عامہ

جماعت احمدیہ پاکستان ربوہ

نمبر ۱۹۶ ۔ مؤرخہ ۱۲ مارچ ۱۹۵۳ء

بخدمت جناب جی ۔ ایم ۔ منصور صاحب پی سی ۔ ایس

ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ ۔ چنیوٹ کیمپ ۔

جناب عالی ۔

آپ کا مراسلہ نمبر ۱۰۴ مؤرخہ ۱۲ مارچ ۱۹۵۳ء ابھی ملا ۔ اس کا جواب درج ذیل سطور میں ملاحظہ فرمایئے ۔

موجودہ صورتحال کی نزاکت کا ہمیں پوری طرح احساس ہے اور جہانتک ہمارے اختیار میں ہے ہم حکومت سے مکمل تعاون کی پالیسی پر کاربند ہیں ۔ تاہم اس تعاون کو سہل بنانے کی غرض سے میں جناب سے درخواست کروں گا کہ جس تار یا تاروں کو قابلِ اعتراض سمجھا گیا ہے ان کی نوعیت اور مواد سے مجھے مطلع کیا جائے ۔ نیز تار بھیجنے والوں کے اسماء سے بھی اطلاع دی جائے ۔

علاوہ ازیں آپ کے مراسلہ سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ آیا جو حالات اب پیدا ہو گئے ہیں اور جو خطرات ہماری جماعت کے افراد کو مختلف مقامات پر درپیش ہیں ان کے بارے میں متعلقہ ڈپٹی کمشنروں ، پنجاب گورنمنٹ کے سیکرٹریوں ۔ انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب یا مرکزی حکومت کے عہدہ داروں کو تار کے ذریعہ اطلاعات دینے کی بھی ممانعت ہے ؟ کیا ایسے تاروں پر بھی آپ کی ہدایات حاوی ہیں ؟

مجھے امید ہے کہ آپ مہربانی فرما کر مندرجہ بالا دونوں وضاحت طلب امور کے بارے میں جلد از جلد مطلع فرمائیں گے ۔ آخر میں پھر ہم آپ کو اپنے بہترین تعاون کا یقین دلاتے ہیں ۔

میں ہوں

جناب کا ادنیٰ خادم (اعجاز نصر اللہ خاں)

ناظر امور عامہ ربوہ

جناب گورنر صاحب پنجاب کا نوٹس

ابھی اس مراسلہ پر چند دن ہی گزرے تھے کہ صوبہ کی مرکزی مشینری بھی حرکت میں آگئی اور ہوم سیکرٹری حکومت پنجاب نے جناب گورنر صاحب پنجاب کی طرف سے ۱۸ مارچ ۱۹۵۳ء کو حضرت مصلح موعود کے نام پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ ۱۹۴۹ء کی دفعہ ۵ کے تحت ایک نوٹس جاری کر دیا جو حضرت مصلح موعود کے اس پیغام کی بناء پر دیا گیا تھا جو "فاروق" لاہور ۴ مارچ ۱۹۵۳ء کے صفحہ (ایک) پر شائع ہوا اور جس میں بشارت دی گئی تھی کہ خدا میری مدد کے لیے دوڑا آرہا ہے۔ یہ نوٹس حسب ذیل الفاظ میں تھا۔

<u>5306 - BDSB</u>

Whereas the Governor of the Punjab is satisfied that with a view to preventing Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad, the Head of 'Ahmadiyya' sect, from acting in a manner prejudicial to the public safety and the maintenance of public order, it is necessary to direct the said Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad to abstain from making any speech or publishing any statement or report relating to the Ahrar-Ahmadiyya controversy or the anti-Ahmadiyya agitation or any matter likely to promote feelings of hatred or enmity between various classes;

Now, therefore, in exercise of the powers conferred clause (d) of sub-section (1) of section 5 of the Punjab Public Safety Act, 1949, the Governor of the Punjab is pleased to direct the aforesaid Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad to abstain from making any speech or publishing any statement or the report relating to the Ahrar-Ahmadiyya controversy or the anti-Ahmadiyya agitation or any matter likely to promote feelings of hatred or enmity between different classes.

By order of the Governor of the Punjab.

(Sd) S. Ghiasud Din Ahmad,
Home Secretary to Govt. Punjab.
Dated 18th March, 1953.

نمبر ۵۲۰۶ - بی ڈی ایس بی

ہرگاہ کہ گورنر پنجاب کو یہ قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد سربراہ فرقہ احمدیہ کو ایسے طرز عمل سے روکا جائے جو عوامی حفاظت کے خلاف ہو اور امن عامہ میں خلل انداز ہونے کا موجب ہو اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد موصوف کو ہدایت کی جائے کہ وہ احرار۔ احمدی تنازع یا جماعت احمدیہ کے خلاف ایجی ٹیشن یا اور کسی امر کے بارے میں جس سے مختلف طبقات کے مابین منافرت یا دشمنی کے جذبات کے ابھرنے کا امکان ہو تقریر کرنے یا بیان یا رپورٹ شائع کرنے سے احتراز کریں۔

لہٰذا پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ مجریہ ۱۹۴۹ء کی دفعہ ۵ کی ذیلی دفعہ ۱جز(د) کے تفویض کردہ اختیارات کے مطابق گورنر پنجاب متذکرہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کو یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ احرار۔ احمدی تنازعہ یا جماعت احمدیہ کے خلاف ایجی ٹیشن یا اور کسی امر کے بارے میں جس سے مختلف طبقات کے درمیان منافرت یا دشمنی کے جذبات ابھرنے کا امکان ہو کوئی تقریر کرنے یا بیان دینے یا رپورٹ شائع کرنے سے احتراز کریں۔

بحکم گورنر پنجاب

(دستخط) ایس۔ غیاث الدین احمد۔ ہوم سیکرٹری گورنر پنجاب

مؤرخہ ۱۸ مارچ ۱۹۵۳ء

حضرت مصلح موعود کا پُرشوکت جواب

حکومتِ پنجاب کی خصوصی ہدایت پر ۱۹ مارچ ۱۹۵۳ء کو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جھنگ ربوہ پہنچے اور گورنر پنجاب کا یہ نوٹس حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بغرض تعمیل پیش کیا حضور نے نوٹس تو لے لیا مگر ساتھ ہی نہایت پُر جلال انداز میں ارشاد فرمایا:-

"آپ اس وقت اکیلے مجھ سے ملنے آئے ہیں اور کوئی خطرہ محسوس کیے بغیر میرے پاس پہنچ گئے ہیں اسی لیے کہ آپ کو یقین ہے کہ گورنمنٹ آپ کی پشت پر ہے پھر اگر آپ کو یہ یقین ہے کہ گورنمنٹ کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے حکومت آپ کی مدد کرے گی۔ تو کیا میں جو خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ خلیفہ ہوں

مجھے یقین نہیں ہونا چاہیئے کہ خدا میری مدد کرے گا۔ بے شک میری گردن آپ کے گورنر کے ہاتھ میں ہے لیکن آپ کے گورنر کی گردن میرے خدا کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کے گورنر نے میرے ساتھ جو کچھ کرنا تھا وہ کر لیا اب میرا خدا اپنا ہاتھ دکھائے گا۔"[1]

ہز ایکسیلینسی گورنر صاحب کو جوابی مراسلہ

حضرت مصلح موعود نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس ضلع جھنگ کے واپس جانے کے بعد عزت مآب گورنر صاحب پنجاب کو اپنے مبارک دستخط سے حسب ذیل جوابی مراسلہ بھی بھیجا۔

From

M. B. Mahmud Ahmad,
Head of the Ahmadiyya Community,
Rabwah, Distt. Jhang.
Dated 20th March, 1953.

To

His Excellency
The Governer of the Punjab
Lahore.

Your Excellency,

On the afternoon of Thursday 19th March, the D. S. P. Jhang served on me a notice signed by the Home Secretary Punjab under Your Excellency's order under the safety Act 1949 Clause (d) of Sub section (1) of Section 5. Though I do not understand the reason of this notice specially when aggressors like Maulvi Maududi of Jamaat-i-Islami are even more vigorously distributing literature against the Ahmadiyya Community and declaring that all actions taken by the Government to suppress lawlessness are unjust and cruel and that they will make them fail and still no action has been taken against them as far as I know. And further,

---

[1] خطبہ فرمودہ ۱۵؍اگست ۱۹۵۸ء مطبوعہ الفضل ۵؍ستمبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۲

rumours are being spread every day either about my murder or Rabwah having been burnt or that Ahmadies have recanted all over which cause great anxiety in the minds of the Ahmadies.

In the circumstances I think that some misunderstanding is the cause of this notice. But whether there is any misunderstanding or not, as Islam enjoines on us to obey the orders of the Government of the day I will obey the orders to the best of my knowledge and reason and leave the matter of my honour to God who has ordered me to obey the Government.

I pray to God that He may reveal the truth to you and vindicate my honour and help Pakistan in these difficult times.

I have the honour to be,
Sir,
Your most obedient
servant,

(Mirza Bashir-ud-Din
Mahmud Ahmad)
Head of the Ahmadiyya
Community.

از ایم - بی محمود احمد

امام جماعت احمدیہ ربوہ (ضلع جھنگ)

مؤرخہ ۲۰ مارچ ۱۹۵۳ء

بخدمت جناب عزت مآب گورنر صاحب پنجاب - لاہور

جناب عالی

جمعرات مؤرخہ ۱۹ مارچ کو بعد دوپہر ڈی - ایس - پی جھنگ نے ایک حکمنامہ سے مجھے اطلاع دی ہے جس پر آں عزت مآب کے حکم کے تحت ہوم سیکرٹری پنجاب کے دستخط تھے اور جو سیفٹی ایکٹ مجریہ ۱۹۴۹ء کی دفعہ ۵ کی ذیلی دفعہ ۱ جز (د) کے تحت جاری کیا گیا تھا۔

مجھے اس (نوٹس) حکم نامہ کے جاری کیے جانے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی بالخصوص جب کہ جماعت اسلامی کے مولوی مودودی صاحب جیسے جارح افراد پہلے سے بھی زیادہ جوش خروش سے جماعت احمدیہ کے خلاف لٹریچر تقسیم کرنے میں مصروف ہیں اور اس امر کا برملا اعلان کر رہے ہیں کہ حکومت نے لاقانونیت کو دبانے کے لیے جو اقدامات کیے ہیں وہ تمام کے تمام غیر منصفانہ اور ظالمانہ ہیں اور یہ کہ انہوں نے ان کو ناکام کر دینے کا تہیہ کیا ہوا ہے - تاہم جہاں تک میرا علم ہے ان کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی ہے۔ علاوہ ازیں روزانہ اس امر کی افواہیں پھیلائی جارہی ہیں کہ مجھے قتل کر دیا گیا ہے یا ربوہ کو جلا دیا گیا ہے یا یہ کہ ہر جگہ کے احمدی اپنے عقائد سے دستبردار ہو گئے ہیں اور ان افواہوں سے احمدیوں کو بے حد فکر لاحق ہو رہا ہے۔

ان امور کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ یہ نوٹس کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے لیکن اس سے قطع نظر کہ یہ کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے یا نہیں چونکہ اسلام کا یہ حکم ہے کہ حکومتِ وقت کے احکام کی تعمیل کی جائے میں اپنے علم اور سمجھ کے مطابق ہر طرح ان احکام کی تعمیل کروں گا اور اپنی عزت کا معاملہ خدا پر چھوڑتا ہوں جس نے مجھے حکومت کے احکامات کی تعمیل کا ارشاد فرمایا ہے۔

میں خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ پر حق کھول دے، میری عزت کی لاج رکھے اور ان پریشان کن حالات میں پاکستان کی مدد فرمائے۔ میں ہوں جناب کا تابعدار - مرزا بشیر الدین محمود احمد) امام جماعت احمدیہ

اخبارات میں ذکر اس نوٹس کی خبر پنجاب پریس نے بڑے طمطراق سے شائع کی چنانچہ اخبار نوائے وقت (لاہور) نے لکھا:۔

مرزا بشیر الدین محمود کے نام حکم

لاہور، ۲۷ مارچ۔ ایک سرکاری اعلان مظہر ہے کہ حکومت پنجاب نے تحریک قادیان کے امیر مرزا بشیر الدین محمود کو حکم دیا ہے کہ وہ احرار اور قادیانیوں کے اختلافات یا قادیانیوں کے خلاف تحریک کے بارہ میں کسی قسم کا بیان، تقریر یا اطلاع یا کوئی ایسا مواد شائع نہ کریں جس سے مختلف طبقوں میں نفرت یا دشمنی کے جذبات پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ یہ حکم پنجاب سیفٹی ایکٹ کی دفعہ ۵ کے ماتحت دیا گیا ہے۔[1]

ہوم سیکرٹری صاحب پنجاب کو اطلاع ہوم سیکرٹری گورنمنٹ پنجاب جناب غیاث الدین احمد صاحب نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس جھنگ کو ہدایت کی تھی کہ وہ جناب گورنر صاحب پنجاب کا نوٹس پہنچانے کے علاوہ (حضرت) امام جماعت احمدیہ سے یہ بھی کہیں کہ آپ تمام احمدیوں کو حکم دیں کہ وہ احراری تنازع یا جماعت احمدیہ کے خلاف شورش کے بارے میں نہ لکھیں نہ کہیں۔

سیدنا حضرت مصلح موعود نے اس ضمن میں ہوم سیکرٹری صاحب پنجاب کے نام حسب ذیل چٹھی لکھی۔

From

Mirza Bashirud-Din Mahmud Ahmad,
Head of the Ahmadiyya Community,
Rabwah, Distt. Jhang.
Dated 20the March, 1953.

To

Home secretary of Punjab,
Lahore.

Dear Sir,

I was told by the D. S. P. Jhang that you instructed him to convey to me

---

[1] نوائے وقت ۲۹ مارچ ۱۹۵۳ء صفحہ ۱

that I should instuct all Ahmadies that they should not say or publish any statement or report about Ahrar-Ahmadiyya controversy or Anti-Ahmadiyya agitation. I have told him that as His Excellency has ordered me to refrain from saying or publishing anything about matters which are likely to promote feelings of hatred etc I cannot do that. It is possible that whatever I write may contain something which, though not objectionable in my opinion, may be objectionable in the opinion of the Government.

You know that about three weeks back D. C. Jhang asked me to issue orders to the community to remain peaceful and I did it. But at that time I was a free agent which now I am not.

I have the honour to be,
Sir,
(Sd)(Mirza Bashirud-Din Mahmud Ahmad)

منجانب مرزا بشیر الدین محمود احمد
امام جماعت احمدیہ ربوہ ضلع جھنگ
مؤرخہ ۲۰ مارچ ۱۹۵۳ء

بخدمت جناب ہوم سیکرٹری صاحب پنجاب ۔ لاہور

جنابِ من! ڈی ایس پی صاحب جھنگ نے مجھے تبلایا ہے کہ آپ نے انہیں یہ ہدایت دی تھی کہ وہ مجھے اس امر سے مطلع کریں کہ میں تمام احمدیوں کو حکم دوں کہ وہ احرار۔احمدی تنازع یا جماعت احمدیہ کے خلاف ایجی ٹیشن کے بارے میں نہ تو کوئی بات کہیں اور نہ کوئی بیان یا رپورٹ شائع کریں ۔ میں نے انہیں جواب دیا ہے کہ چونکہ عزت مآب گورنر صاحب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں کوئی ایسی بات نہ کہوں نہ شائع کروں جس سے اشتعال پیدا ہونے کا امکان ہے اس لیے میں اس حکم کی تعمیل سے معذور ہوں ۔ کیونکہ اس امر کا امکان ہے کہ جو کچھ میں لکھوں وہ اگرچہ میری دانست میں قابلِ اعتراض نہ ہو لیکن حکومت کی نگاہ میں وہ قابلِ اعتراض ٹھہرے ۔

آپ جانتے ہیں کہ قریباً تین ہفتہ قبل ڈی ۔ سی ۔ جھنگ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنی جماعت کے افراد کو پُرامن رہنے کی ہدایت جاری کروں اور میں نے ایسی ہدایت جاری کر دی تھی۔ اس وقت ایسی ہدایت جاری کرنے پر مجھ پر کوئی پابندی نہ تھی لیکن اب مجھ پر پابندی عائد کر دی گئی ہے ۔

خاکسار دستخط (مرزا بشیر الدین محمود احمد)

خدائی نشان کا ظہور

سیدنا حضرت مصلح موعود نے ۱۹؍ مارچ ۱۹۵۳ء کو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس جھنگ کو قوت یقین سے لبریز جن الفاظ میں قبل از وقت خبر دے دی تھی۔ وہ چند دنوں کے اندر اندر ایسے حیرت انگیز طریق پر پوری ہوئی کہ ایک عالم انگشت بدنداں رہ گیا۔ پاکستان کی مرکزی حکومت کے حکم سے مسٹر آئی آئی چندریگر کو جو اس وقت گورنر پنجاب تھے برطرف کر دیا گیا اور ان کی جگہ میاں امین الدین صاحب گورنر پنجاب مقرر ہوئے جنہوں نے یکم مئی ۱۹۵۳ء کو یہ ظالمانہ نوٹس واپس لے لیا۔ اس درست اور مبنی بر انصاف اقدام پر جماعت احمدیہ کی طرف سے گورنر صاحب پنجاب اور حکومت پاکستان کو مبارکباد دی گئی اور اس حقیقت پر ایک بار پھر مہر تصدیق ثبت ہوگئی کہ

؎ جو خدا کا ہے اُسے للکارنا اچھا نہیں
ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ زار و نزار

خطبہ جمعہ میں نوٹس پر عارفانہ تبصرہ

حضرت مصلح موعود نے اگلے سال ۴؍ احسان ۱۳۳۳ہش/۴؍ جون ۱۹۵۴ء کے خطبہ جمعہ کے دوران چندریگر صاحب کے نوٹس پر عارفانہ تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"انسان کے ساتھ جو والدین کا تعلق ہے وہی تعلق حکومت کا ہے۔ اگر حکومت کہتی ہے کہ تم فلاں جگہ کھڑے ہو جاؤ تو ہم اس کے حکم کی اطاعت کریں گے اور اس جگہ کھڑے ہو جائیں گے اگر وہ کہتی ہے فلاں کام کرو تو ہم کر دیں گے۔ لیکن اگر وہ کہے کہ تم خدا تعالیٰ کے متعلق فلاں بات مت کہو تو ہم اس کی اطاعت نہیں کریں گے یہاں حکومت کے قوانین ختم ہو جاتے ہیں اس کے بعد وہ بے شک ڈنڈا چلائے لیکن خدا تعالیٰ کہتا ہے تم اس کی اطاعت نہ کرو تم وہی کہو جو میں کہتا ہوں مثلاً اگر تم کہتے ہو کہ خدا تعالیٰ قادر ہے تو بے شک حکومت یہ قانون بنا دے کہ تم خدا تعالیٰ کو قادر نہ کہو کیونکہ ایسا کہنے سے ان لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کو قادر تسلیم نہیں کرتے پھر بھی خدا تعالیٰ کا حکم یہی ہوگا کہ تم اسے قادر کہتے رہو۔

گزشتہ سال میں نے ایک اعلان میں کہا تھا کہ خدا تعالیٰ ہماری مدد اور نصرت

کو آرہا ہے وہ چلا آرہا ہے وہ دوڑتا آرہا ہے۔ اس پر حکومت نے مجھے نوٹس دیا کہ تم نے ایسا کیوں کہا؟ اس سے دوسرے لوگوں کو اشتعال آیا ہے۔ ہاں نوٹس دینے والے افسر نے اتنی اصلاح کر لی کہ اس نے کہا تم احرار کے متعلق کوئی ذکر نہ کرو۔ اگر وہ مجھے یہ حکم دیتے کہ تم خدا تعالیٰ کے متعلق یہ نہ کہو کہ وہ مدد کو آرہا ہے یا یہ کہو کہ وہ مدد کو نہیں آتا تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس بات کو تسلیم کر لینے پر آمادہ نہ کر سکتی۔ اس لئے کہ وہ اس طرح کا حکم دے کر قرآن کریم پر حکومت کرنا چاہتے اور یہ ایسا حکم تھا جس کا ماننا جائز نہ ہوتا۔ اگر کوئی حکومت یہ کہے کہ تم خدا تعالیٰ کو ایک نہ سمجھو تو ہم کہیں گے عقائد کے بارے میں تمہاری حکومت نہیں چلتی۔ تمہاری حکومت ایسے امور میں چلے گی جو دنیوی ہوں۔ مثلاً کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ تم لوگوں کو خوب مارو تو حکومت اس پر ایکشن لے سکتی ہے لیکن اس لحاظ سے نہیں کہ وہ ایسا عقیدہ کیوں رکھتا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ وہ اس عقیدہ کو عملی جامہ پہنا رہا ہے حکومت اعمال پر کنٹرول کر سکتی ہے عقائد پر نہیں۔ قرآن کریم میں بہت زیادہ زور ماں باپ کی اطاعت پر دیا گیا ہے لیکن جب عقیدہ کے بارے میں ان کی بات بھی نہ ماننے کا حکم ہے تو اور کسی کی بات کیوں مانی جائے۔ پس جو چیزیں خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض کی گئی ہیں انہیں پورا کرو۔ جب انسان ایسے امور میں دخل دے جن میں اسے دخل نہیں دینا چاہیئے تو اس کی اطاعت مت کرو لیکن اگر کوئی حکومت یا فرد اپنے غرور میں آکر کہے کہ میں ان میں ضرور دخل دوں گا تو پھر جیسے کہا جاتا ہے کہ ملّاں کی دوڑ مسیت تک تو مومن خدا تعالیٰ کے پاس چلا جاتا ہے اور مسجد کسی ملّاں کو بچاتے یا نہ بچائے خدا تعالیٰ اپنے مومن بندہ کو ضرور بچا لیتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو نہایت واضح ہے۔ پس ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ یہ یقین رکھے کہ خدا تعالیٰ اسے بچائے گا چاہے کوئی اسے پھانسی پر ہی چڑھا دے وہ پھانسی پر بھی یہ یقین رکھے کہ خدا تعالیٰ اُسے بچائے گا۔ جب تک کوئی شخص اس قسم کا یقین نہیں رکھتا اس کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا ہے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی غیرتِ ایمانی کا ایک واقعہ

احراری ایجی ٹیشن کے دوران چوہدری ظہور احمد صاحب[۱] آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ اور ملک محمد عبد اللہ صاحب[۲] مولوی فاضل کارکن نظارت تالیف و تصنیف کو کئی بار مرکز سلسلہ کے نمائندہ خصوصی کی حیثیت سے کراچی میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانؓ صاحب وزیر خارجہ پاکستان سے ملاقات کا موقعہ ملا۔ بلکہ ملک صاحب موصوف تو محض اسی "جرم" کی پاداش میں ڈیڑھ ماہ تک جھنگ اور لاہور میں قید بھی رہے[۳]

محترم ملک صاحب کا بیان ہے کہ۔

"ایک بار میں جب چوہدری صاحب خدمت میں حاضر ہوا تو حالات بہت نازک تھے اور یہ خبر گرم تھی کہ ربوہ سے تمام چیدہ چیدہ افراد گرفتار کر لیے جائیں گے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا نام سر فہرست ہے (گو ایسا واقعہ ہوا نہیں تھا)

جناب چوہدری صاحب کو کہیں سے اطلاع مل گئی تھی۔ اس ملاقات میں جب پیغامات وغیرہ ختم ہو گئے اور میں واپس آنے لگا تو چوہدری صاحب نے مجھے دوبارہ بٹھا لیا۔ اور فرمایا کہ مجھے ایسی خبر ملی ہے۔ بعض اوقات صوبائی حکومت از خود ایسا سخت قدم اٹھا لیتی ہے اور مرکزی حکومت کو بعد میں اطلاع ملتی ہے آپ میری طرف سے حضور کی خدمت میں یہ گزارش کر دیں کہ اگر خدانخواستہ کوئی ایسا واقعہ ہو گیا تو میں ایک منٹ کے لیے بھی اپنے عہدہ پر نہیں رہوں گا اور مستعفی ہو کر ربوہ آ جاؤں گا۔ چوہدری صاحب کی آواز اس وقت بہت گلوگیر تھی۔ خود میری کیفیت بھی چوہدری صاحب کے اس بے پایاں اخلاص کی وجہ سے بے حد متاثر تھی۔ نیز چوہدری صاحب نے فرمایا کہ حضرت اقدس کا خیال ہے کہ میں ربوہ کی گرمی میں نہیں رہ سکوں گا۔ یہ سب باتیں عام حالات کی ہیں۔ خاص حالات میں انسان ہر طرح کی قربانی کر لیتا ہے۔ میں نے جناب

بقیہ حاشیہ ۲۴۸ [۱] خطبہ جمعہ فرمودہ ۴؍احسان ۱۳۳۳ہش۔ الفضل ۲۴؍احسان ۱۳۳۳ہش ۲۳؍جون ۱۹۵۴ء

[۱] سابق ناظر دیوان صدر انجمن احمدیہ ربوہ۔ وفات ۲۴؍جون ۱۹۸۲ء [۲] ریٹائرڈ لیکچرار تعلیم الاسلام کالج آپ کے خود نوشت حالات اسیری شامل ضمیمہ ہیں [۳] وفات ۱۱؍ستمبر ۱۹۸۵ء

چوہدری صاحب کا یہ پیغام ربوہ آتے ہی حضور کی خدمت میں دے دیا۔"[1]

قصرِ خلافت کی تلاشی

یکم اپریل ۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے کہ جناب ابرار احمد صاحب سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس ضلع جھنگ مع ڈی ایس جھنگ بھاری گارد کے ساتھ قصرِ خلافت میں آ گئے۔ چونکہ حضرت مصلح موعود کی عظیم شخصیت ان دنوں احرار کے ہم نوا افسروں کی تنقید کا اصل مرکز بنی ہوئی تھی اور آپ کا وجود مقدس مخالفین احمدیت اور دشمنانِ پاکستان کی نگاہ میں خار کی طرح کھٹک رہا تھا اس لیے ضلع کے ایک ذمہ دار پولیس افسر کی مع گارد آمد سے عام طور پہ سمجھا گیا کہ حکومت حضرت مصلح موعود کو گرفتار کرنا چاہتی ہے مگر جیسا کہ بعد میں پتہ چلا پولیس افسر صاحب گرفتاری کے لیے نہیں۔ بلکہ قصرِ خلافت کی تلاشی کے لیے بھجوائے گئے تھے۔

چنانچہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور (پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) کا چشم دید بیان ہے کہ:۔

"۱۹۵۳ء میں جب D. S. P. صاحب ربوہ قصرِ خلافت میں آئے اور پولیس کی گارد بھی آئی تھی خطرہ تھا کہ کہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو گرفتار کرنے کا منصوبہ نہ ہو۔ انہوں نے حضور سے ملاقات کا کہا۔ حضور نے احتیاطاً حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کو بھی ساتھ ہی بلانے کا فرمایا۔ جب D. S. P. صاحب کو جو لدھیانہ کے شہزادہ فیملی سے تعلق رکھتے تھے۔ اوپر بلانا تھا تو اس سے پہلے حضور نے مجھے یاد فرمایا میں اس وقت پرائیویٹ سیکرٹری تھا۔ میں سیڑھیوں سے چڑھ کر مشرقی برآمدہ میں اُوپر گیا جہاں حضور بیٹھ کر ملاقات فرمایا کرتے تھے حضور سامنے کے کمرہ سے جو حضور کا بیڈ روم تھا۔ مجھے اسی کمرہ میں لے گئے۔ پھر کمرہ سے نکل کر غربی لمبے برآمدہ میں ساتھ لے گئے اور مجھے فرمایا کہ میں تم کو صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ خطرہ ہے کہ یہ لوگ مجھے گرفتار کرنے نہ آئے ہوں۔ اس لیے تم اپنی ذمہ داری کو سمجھنا کہ تم میرے پرائیویٹ سیکرٹری ہو۔ اور صرف اس قدر فرما کر حضور مجھے واپس شرقی جانب کے برآمدہ میں لے آئے اور فرمایا۔ D. S. P صاحب کو بلا لو۔ چنانچہ D. S. P صاحب آئے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بھی ہمراہ تھے۔ وہ اندر گئے

---

[1] غیر مطبوعہ مکتوب جناب ملک محمد عبداللہ صاحب ربوہ (مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۷۵ء)

تو مَیں سیڑھیوں میں آگیا اور اندر سے دروازہ بند کر لیا گیا۔ حضور نے مشرقی برآمدہ میں ان سے ملاقات کی۔ تھوڑا عرصہ کی خاموشی کے بعد جب کچھ خوش گفتاری اور ہنسنے کی آوازیں میرے کانوں میں آئیں تو میرے دل کو کسی حد تک تسلّی ہوئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ حضرت صاحب کے مکان کی تلاشی لینے آئے تھے D. S. P. صاحب تکلف برتتے تھے کہ وہ تو مجبوراً حکومت کے احکام کی تعمیل میں آگئے ہیں ورنہ تلاشی کی ضرورت نہیں۔ لیکن حضور نے ان کو مجبور کیا کہ اگر تلاشی لیے بغیر لکھ دیں گے کہ آپ نے تلاشی لی ہے تو حضور نے فرمایا مَیں حکومت کو اطلاع دے دونگا کہ انہوں نے فرضی رپورٹ کی ہے تلاشی نہیں لی چنانچہ انہوں نے اپنے ہمراہی انسپکٹر کو کہا کہ وہ تلاشی لے چنانچہ اس نے تلاشی لی تاکہ ان کی رپورٹ درست ہو۔"[1]

خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے ۱۵ اگست ۱۹۵۸ء کے خطبہ جمعہ میں اس اہم واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

"انہی ایام میں جب کہ ابھی فتنہ کے آثار باقی تھے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس ضلع جھنگ ڈی۔ ایس۔ پی کو ساتھ لے کر میرے مکان کی تلاشی کے لیے آئے چونکہ سپرنٹنڈنٹ پولیس ڈی۔ ایس۔ پی سے گورنر پنجاب کے نوٹس والا واقعہ سُن چکے تھے۔ اور وہ دیکھ چکے تھے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے چند دنوں کے اندر اندر میری بات کو پورا کر دیا۔ اور مسٹر چندریگر کو پنجاب سے رخصت کر دیا گیا۔ اور پھر اس سے پہلے میری طرف سے یہ بھی شائع ہو چکا تھا کہ میرا خدا میری مدد کے لیے دوڑا چلا آرہا ہے اس لیے وہ اتنے متاثر تھے کہ مجھے کہنے لگے ہمیں حکم تو یہ ہے کہ عورتوں والے حصّہ کی بھی تلاشی لی جائے مگر مجھے کسی تلاشی کی ضرورت نہیں مَیں گورنمنٹ کو لکھ دوں گا کہ مَیں نے تلاشی لے لی ہے۔ مَیں نے کہا اگر آپ ایسا لکھیں گے تو مَیں اخبار میں اعلان کر دوں گا یہ بالکل غلط ہے۔ انہوں نے کوئی تلاشی نہیں لی۔ آپ اندر چلیں اور ایک ایک چیز کو دیکھیں تاکہ آپ کے دل میں کوئی شبہ نہ رہے چنانچہ وہ اندر گئے اور انہوں نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس سے کہا کہ وہ کاغذات کو دیکھ لیں۔"[2]

---

[1] غیر مطبوعہ خط مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور

[2] خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرمودہ ۱۵ اگست ۱۹۵۸ء بحوالہ روزنامہ "الفضل" ۵ ستمبر ۱۹۵۸ء۔

لاہور کے اخبار "نوائے وقت" (۴ر اپریل ۱۹۵۳ء صفحہ ۱) اور بعض دیگر مشہور اخبارات میں اس خانہ تلاشی کی خبریں بڑے جلی عنوانوں سے شائع ہوئیں۔

مخلص احمدیوں کی تلاشیاں اور گرفتاریاں

یکم اپریل ۱۹۵۳ء کو قصرِ خلافت کی تلاشی کے علاوہ صدر انجمن احمدیہ کے مرکزی دفاتر کی تلاشی لی گئی اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوت وتبلیغ کو گرفتار کرکے ضمانت پر رہا کر دیا گیا نیز پریس ایمرجنسی پاورز ایکٹ کی دفعہ ۱۸ کے تحت مقدمہ درج کر لیا گیا۔ حکومت پنجاب نے اس سلسلہ میں حسب ذیل اعلان جاری کیا:۔

"ربوہ میں احمدیہ فرقہ کے ناظم دعوتِ تبلیغ سید زین العابدین کے خلاف پریس ایمرجنسی پاورز ایکٹ کی دفعہ ۱۸ کے تحت مقدمہ درج کیا گیا ہے اس سے پہلے پولیس نے سید زین العابدین احمدیہ فرقہ کے امیر مرزا بشیر الدین محمود اور نائب ناظم دعوت تبلیغ مسٹر عبد المجید کے دفتر اور مکان کی تلاشی لی اور کئی دستاویزات پر جن میں بعض ناجائز خبرنامے بھی شامل ہیں قبضہ کر لیا سید زین العابدین کو گرفتار کرکے بعد میں ضمانت پر رہا کر دیا گیا"[1]

اس واقعہ کا ذکر جناب ابرار احمد صاحب (سابق سپرنٹنڈنٹ پولیس ضلع جھنگ) نے اپنی سوانح میں بھی کیا ہے چنانچہ "ربوہ" کے زیر عنوان لکھا ہے۔

"۳۰ر مارچ کو میں شہزادہ حبیب احمد ڈی ایس پی کے ہمراہ ربوہ گیا جہاں میاں زین العابدین ولی اللہ ناظم دعوت تبلیغ کی گرفتاری صوبائی حکم کے تحت عمل میں لائی گئی۔ اگلے روز میں نے بھاری گارد کے تعاون سے ربوہ میں جماعت احمدیہ کے تمام دفاتر کی تلاشی لی کیونکہ پریس ایمرجنسی پاورز ایکٹ ۱۹۳۱ء کے تحت تھانہ لالیاں (دلالیاں۔ ناقل) مقدمہ ۴۳ مورخہ ۳۰ر مارچ ۱۹۵۳ء درج ہوا تھا۔ چند بولیٹن قبضہ میں لئے آئندہ تفتیش کے سلسلہ میں مرزا بشیر الدین محمود صاحب امیر جماعت احمدیہ سے ۲۴ر اپریل ۱۹۵۳ء کو ہمراہ ڈی ایس پی ملنے گیا۔ اس تحریک میں جہاں

---

[1] "نوائے وقت" لاہور ۴ر اپریل ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۴-۵

صوبائی حکومت ٹوٹی مرکزی حکومت بھی ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو ختم ہو گئی ۔ مسٹر محمد علی بوگرا ملک کے نئے وزیر اعظم مقرر ہوئے اس مرحلہ پر تحریک بھی سرد پڑ گئی تھی اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ۔"[1]

یکم اپریل کو ربوہ کے علاوہ لاہور کے بعض احمدیوں کی بھی تلاشی لی گئی ۔

چنانچہ لاہور میں جناب ثاقب صاحب زیروی مدیر لاہور کے گھر اور دفتر پر چھاپہ مارا گیا۔ مارشل لاء والوں کا اصل ارادہ تو جناب ثاقب صاحب کو گرفتار کرنے کا تھا مگر وہ باوجود انتہائی کوشش کے کامیاب نہ ہو سکے اور ان کی بجائے اُن کے بھائی محترم محمد بشیر صاحب زیروی کو ٹرک میں بٹھا کر میڈیکل ہوسٹل نیلا گنبد کے کیمپ میں لے گئے ۔ اس روز لاہور سے مندرجہ ذیل احمدیوں کی گرفتاریاں بھی عمل میں آئیں :-

مرزا مظفر احمد صاحب (ابن حضرت مرزا قدرت اللہ صاحب) محمد صالح صاحب ۔ ملک برکت علی صاحب ۔ محمد یحیٰ صاحب (نیلا گنبد) شیخ فضل حق صاحب ۔ حکیم سراج دین صاحب[2]

چند روز بعد (۴ اپریل کو) راولپنڈی کے ایک مخلص احمدی رشید احمد صاحب بٹ کے مکان کی تلاشی لی گئی اور ایک دیسی پستول اور کارتوس برآمد کر کے مقدمہ رجسٹر کر لیا گیا ہے ۔"[3]

---

[1] نقوشِ زندگی صـ ۱۴۱ ۔ صـ ۱۴۲ ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور ۔ حیدر آباد ۔ کراچی ۔ [2] اخبار نوائے وقت لاہور ۳ اپریل ۱۹۵۳ء صـ ۱

[3] نوائے وقت لاہور ۷ اپریل ۱۹۵۳ء صـ ۱ :: (وفات حکیم سراج الدین صاحب ۱۲ دسمبر ۱۹۷۰ء)

چوتھا باب

حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کی گرفتاری اور قید بامشقت اور جرمانہ

یکم اپریل ۱۹۵۳ء کو پیش آنے والے واقعات میں المناک ترین واقعہ جس نے دنیا بھر کے احمدیوں کو تڑپا دیا یہ تھا کہ رتن باغ لاہور سے حضرت مسیح موعودؑ کے لختِ جگر حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت مصلح موعود کے فرزندِ اکبر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج لاہور گرفتار کر لیے گئے[1] اور فوجی عدالت نے انہیں مارشل لاء ضوابط نمبر ۳ا کے تحت، بالترتیب ایک سال قید بامشقت اور پانچ ہزار روپیہ جرمانہ اور پانچ سال قید بامشقت اور پانچ سو روپیہ جرمانہ کی سزا دی[2] اور قریباً دو ماہ کے بعد ۲۸ رمئی ۱۹۵۳ء کو رہا کیے گئے۔[3]

صبر و تحمل اور توکل کے حیرت انگیز نمونے

جناب بشارت احمد صاحب جو ایک ریٹائرڈ لیفٹیننٹ کرنل کا بیان ہے کہ:-

"میں یہاں اپنے ہم پیشہ دو افسروں کا ذکر کروں گا۔ نام مصلحتاً نہیں لے رہا مگر واقعات بالکل درست ہیں اور عین ان کے بیان کے مطابق ہیں۔ ایک لیفٹیننٹ (جو اب بریگیڈیر ہیں) نے بتایا کہ ۱۹۵۳ء میں ان کو رات کے وقت حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کو جو اس وقت لاہور میں پرنسپل تعلیم الاسلام کالج تھے رتن باغ کی عمارت سے گرفتار کرنے کے لیے وارنٹ دیئے گئے۔ یہ افسر وقت مقررہ پر رتن باغ گئے تو انہوں نے مکان کی دوسری منزل کے ایک کمرہ سے پردوں سے نکلتی ہوئی روشنی کو دیکھ کر کچھ تعجب کا اظہار کیا گھنٹی بجائی۔ ایک خادم پانچ منٹ کے اندر اندر نیچے اُترا۔ جب حضرت مرزا صاحب کے متعلق معلوم کیا کہ کیا کر رہے ہیں تو جواب ملا کہ "نماز پڑھ رہے ہیں"۔

---

[1] نوائے وقت لاہور ۳ر اپریل ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۔ [2] نوائے وقت لاہور ۷ر اپریل ۱۹۵۳ء صفحہ ۱، ۹ر اپریل ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۔ [3] المصلح کراچی ۲۹ر مئی ۱۹۵۳ء صفحہ ۱

یہ صاحب بہت حیران ہوئے پھر سنبھلے بہت جلد حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب حضورؓ کو وارنٹ گرفتاری دکھائے تو حضورؓ نے فرمایا اگر اجازت ہو تو میں اپنچی کیس لے لوں پھر گھر والوں کو خدا حافظ کہا اور ساتھ چل پڑے۔ اسی افسر کو دو ایک روز کے بعد ایک بڑے عالم دینؒ کی گرفتاری کے وارنٹ ملے وقت گرفتاری تقریباً پہلے والا۔ ان کے گھر پہنچے گھنٹی اور دروازے کھٹکھٹاتے رہے مگر کافی دیر تک کوئی جواب نہ ملا کافی وقت کے بعد ایک نوکر آنکھیں ملتا ہوا آیا۔ جب مولانا کے متعلق معلوم کیا تو جواب ملا سو رہے ہیں۔ کافی تگ و دو کے بعد مولانا سے ملاقات ہوئی۔ جب وارنٹ گرفتاری دکھائے تو اسلامی اور عربی اصطلاحات میں کوسنے لگے بڑی بحث مباحثہ کے بعد جب ان مولانا کو گاڑی میں لے چلے تو یہ لیفٹیننٹ دل ہی دل میں سوچتے رہے کہ ایک "کافر" تو تہجد پڑھ رہا تھا اور توکل کا اعلیٰ نمونہ خاموشی سے پیش کرتا گیا دوسری طرف بزعم خود یہ عالم دین تحمل، توکل اور بردباری سے قطعاً عاری۔

دوسرے واقعہ کا تعلق اس دور سے ہے جب اس گرفتاری سے متعلقہ حضور رحمۃ اللہ کے مقدمہ کا فیصلہ ہو چکا تھا اور آپ کو سزا سنائی گئی۔ یہ واقعہ سنانے والے ایک کیپٹن صاحب تھے جو اس بلوچ رجمنٹ سے ہی تعلق رکھتے تھے جس میں خاکسار بھی تعینات تھا وہ ایک روز میرے گھر تشریف لائے ۱۹۶۶ء کی بات ہے۔ باتوں باتوں میں انہیں میرے احمدی ہونے کا علم ہوا۔ یہ کیپٹن صاحب پوچھنے لگے کہ آجکل آپ کے خلیفہ کون ہیں جب میں نے حضرت مرزا صاحب کا نام لیا تو یکدم سکتے میں آگئے کہنے لگے میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ آپ کی جماعت واقعی خدائی سایہ کے نیچے اور روحانی ہاتھوں میں ہے پھر انہوں نے یہ واقعہ بتایا۔ اُن کی ڈیوٹی ۱۹۵۳ء کے مارشل لاء میں تھی ان کے فرائض میں ایک کام یہ تھا کہ جن لوگوں کے مقدمات کے فیصلے مکمل ہونے تو کسی افسر کو مقرر کرتے کہ جیل میں جاکر اُسے سزا سنائیں جن افسروں کو یہ کام دیا جاتا وہ اپنے عجیب و غریب مشاہدات بیان کرتے کہ ایک صاحب جن کو سزا سنائی گئی۔ غیظ و غضب میں آگئے ایک اور صاحب سکتے میں آگئے۔ بلکہ شدید مایوس ہو گئے۔ بعض اپنی بے گناہی اور معصومیت کا واسطہ دینے لگتے وغیرہ وغیرہ۔

میرے پلٹن والے اس کیپٹن کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اگر موقعہ ملا تو وہ بھی کسی کو

لہ جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب امیر جماعت اسلامی جنہیں ۲۸ مارچ ۱۹۵۳ء کو گرفتار کیا گیا تھا (ناقل)

سزا سنائیں اور دیکھیں کہ کس قسم کے تاثر کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک بعد دوپہر ایک فائل اُن کو ملی جس میں ایک قیدی کے خلاف فیصلہ درج تھا اور کوئی افسر فوری طور پر موجود نہیں تھا۔ انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور خود جیل پہنچ گئے۔ فائل سے نام پڑھا۔ یہ نام گرامی حضرت مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا تھا۔ یہ کیپٹن ان سے بالکل واقف نہ تھے علیک سلیک کے بعد چارج شیٹ اور سزا انگریزی میں پڑھ کر سنائی ان کیپٹن صاحب کے دماغ میں تھا کہ دیکھیں ان صاحب کا ردِّ عمل دیگر لوگوں کی نسبت کیسا ہوگا جب یہ کیپٹن صاحب ساری کارروائی انگریزی میں سُنا چکے تو حضرت مرزا صاحب نے جانے کی اجازت چاہی۔ نہ تعجب نہ حیرانگی۔ نہ گھبراہٹ نہ کوئی تاثر، نہ فکر، نہ غم۔ کیپٹن صاحب تو کسی عجیب و غریب ردّ عمل کے منتظر تھے۔ فوراً بولے آپ شاید انگریزی نہ سمجھے ہوں میں اُردو میں پڑھ کر سناتا ہوں۔ اس پر اس کوہِ وقار اور متوکل انسان نے فرمایا "کیپٹن صاحب آپ کی مہربانی میں آکسفورڈ کا گریجویٹ ہوں"۔ تو اُلٹا ان کیپٹن صاحب پر کپکپی کا عالم طاری ہوگیا۔ سزا اور جرمانہ بہت شدید تھے گو جرم صرف ایک خاندانی زیبائشی خنجر کو گھر میں رکھنے کا تھا۔" [1]

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے دردناک اشعار

ان بزرگ شخصیتوں کی اسیری کے اندوہناک سانحہ پر حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے درج ذیل دردناک اشعار کہے

---

[1] الفضل ۵ راکتوبر ۱۹۸۳ء صہ ۴

عکس

یہ اشعار وہ ہیں جو حضرت خلیفۃ المسیح ثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد رضی
کی قید پر ۱۹۵۳ء میں قادیان بھیجنے کو کہے تھے
مصلحتاً شائع نہ کئے گئے اسوقت

(1) چلاؤ کوئی جاکے مزار مسیح پر
نصرت جہاں کی گود کے پالوں کو لے گئے

(3) رو بہ صفات دشمن بد بیں بہ مکر و زور
قیدی بنا کے شیر خصالوں کو لے گئے

2 آقا تمہارے باغ میں داخل ہوئے عدو
گلزار احمدی کے نہالوں کو لے گئے

(4) جائے گرفت ہاتھ نہ آئی تو بد سرشت
دھبہ لگا کے نیک خصالوں کو لے گئے

مبارکہ

بھارتی پریس کے تبصرے

اس غیر دانشمندانہ اقدام کا نہایت افسوسناک پہلو یہ تھا کہ اس کے نتیجہ میں پاکستان کی بیرونی دنیا میں سخت بدنامی ہوئی جو پاکستان کے ہر محب وطن احمدی کے لیے مزید قلبی و ذہنی اذیت کا موجب بنی۔

ا۔ اخبار "ریاست" دہلی نے "احمدی جماعت کا کارخانہ اسلحہ سازی" کے زیر عنوان لکھا:۔

"پچھلے دنوں اخبارات میں ایک اطلاع شائع ہوئی تھی کہ احمدی جماعت کے لاہور کے ہیڈ کوارٹر کی مارشل لاء کے حکام نے تلاشی لی اور وہاں سے اسلحہ سازی کا کارخانہ اور تیار شدہ اسلحہ ملا جس کے جرم میں احمدی جماعت کے پیشوا کے صاحبزادے اور بھائی کو مارشل لاء کے ماتحت پانچ اور ایک برس قید اور پانچ پانچ ہزار روپیہ جرمانہ کی سزائیں ہوئیں۔ اس سلسلہ میں لاہور کے ایک دوست نے اصل حالات بھیجے ہیں جو یہ ہیں۔

احمدی جماعت کے موجودہ پیشوا کے بڑے لڑکے مرزا ناصر احمد آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایم اے ہیں۔ اور آپ لاہور کے ٹی آئی۔ کالج کے پرنسپل تھے اور آپ کی شادی موجودہ نواب مالیر کوٹلہ کے چچا کی صاحبزادی سے ہوئی اور جب شادی ہوئی تو آپ کے خسر نے آپ کو زیورات اور تحائف کے ساتھ ایک خنجر بھی دیا جس کا دستہ سنہری تھا اور جو مالیر کوٹلہ کے شاہی خاندان کی نادر اشیاء میں سے تھا۔ قانون کے مطابق ہندوستان کے ہر والیٔ ریاست اور اس کے خاندان کے لوگ ایکٹ اسلحہ سے مستثنیٰ ہیں اور اس لحاظ سے مرزا ناصر احمد کی بیوی بھی نواب مالیر کوٹلہ کی قریبی عزیزہ ہونے کے باعث قانوناً ایکٹ اسلحہ سے مستثنیٰ ہیں۔ مگر لاہور کے مارشل لاء کی ستم ظریفی ملاحظہ کیجیے کہ جب تلاشی ہوئی تو یہ خنجر (جس کی پوزیشن ایکٹ اسلحہ کے مطابق بھی آلو، ساگ یا گوشت کاٹنے والی ایک چھری سے زیادہ نہ ہونی چاہیئے تھی) بیگم مرزا ناصر احمد کے زیورات میں پڑا تھا جس کو فوجی حکام نے حاصل کر کے مرزا ناصر احمد پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا اور آپ کو پانچ سال قید سخت اور پانچ ہزار روپیہ جرمانے کی سزا دی اور آکسفورڈ یونیورسٹی کا یہ گریجویٹ اور لاکھوں احمدیوں کے پیشوا کا بیٹا آج لاہور کے سنٹرل جیل میں بطور قیدی کے اب بان بٹ رہا ہے۔

یہ کیفیت تو مرزا ناصر احمد اور آپ کے مقدمہ اور سزا کے متعلق ہے۔ اب دوسرا واقعہ

سنیئے ۔ مرزا شریف احمد احمدی جماعت کے بانی مرزا غلام احمد کے صاحبزادے اور احمدی جماعت کے موجودہ پیشوا کے حقیقی بھائی ہیں ۔ یہ بزرگ جن کی عمر باسٹھ برس کی ہے لاہور میں بندوق سازی کے ایک کارخانہ کے مالک ہیں اور یہ کارخانہ پاکستان گورنمنٹ سے لائسنس حاصل کر کے جاری کیا گیا ۔ چنانچہ اس فرم کو ایک فوج افسر نے نمونہ کے طور پر ایک کرچ دی ۔ کیونکہ پاکستان گورنمنٹ اس نمونہ کی کرچیں تیار کرانا چاہتی تھی ۔ اور اس کرچ کے متعلق جو خط و کتابت محکمہ فوج سے ہوئی وہ مرزا شریف احمد کے پاس موجود ہے ۔ جسے عدالت میں داخل کیا گیا مگر مرزا شریف احمد کو اس کرچ کے ناجائز رکھنے کے جرم میں ایک سال قید سخت اور پانچ ہزار روپیہ جرمانے کی سزا دی گئی ۔

مارشل لاء کی فوجی عدالت کا ایسے مقدمات میں پانچ پانچ ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا دینا تو خیر قابل درگزر ہے کیونکہ پاکستان اقتصادی بدحالی میں مبتلا ہے اور اس طریقہ سے روپیہ حاصل کر کے یہ ملک اپنے فوجی اخراجات کسی نہ کسی حد تک پورے کر سکتا ہے ۔ مگر سوال یہ ہے کہ اوپر کے دو مقدمات کو اگر کسی انصاف پسند عدالت یا غیر جانبدار ملک کے سامنے پیش کیا جائے تو پاکستان گورنمنٹ کی کیا پوزیشن ہو ۔ اور کیا دنیا کا کوئی معقولیت پسند شخص اس شرمناک دورِ استبداد کو برداشت کر سکتا ہے اور کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ مذہبی پاگل پن میں پاکستان کے عوام کے علاوہ وہاں کے حکام بھی مبتلا ہیں جو چھری رکھنے کے جرم میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کو پانچ پانچ برس قید سخت کی سزا دے رہے ہیں ۔

اوپر کی سزاؤں کے متعلق ہم نے غور کیا ہے اور غور کرنے کے بعد ہماری رائے ہے کہ یہ سزائیں احمدی جماعت کی بنیادوں کو زیادہ مضبوط کرنے کا باعث ہوں گی اور احمدیوں کو خدا کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ ان بے گناہوں کو قربانی کا موقعہ نصیب ہوا اور ایسی قربانیاں یقیناً احمدیت میں ایک دوامی زندگی پیدا کرنے کا باعث ہو سکتی ہیں ۔“[1]

۲ ۔ اخبار ”ہند“ نے بعنوان ”پاکستان نے گھٹنے ٹیک دیئے“ حسب ذیل نوٹ سپردِ قلم

---

[1] اخبار ”ریاست“ دہلی مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۵۳ء صفحہ ۵ کالم ۱

کیا کہ :-

"پاکستان میں مذہبی تنگدلی نے ان احمدیوں کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا جو پاکستان بنانے میں سب سے آگے تھے۔ اس مذہبی جنون نے بھیانک شکل اختیار کر لی اور پچھمی پنجاب سے بڑی بھیانک خبریں آ رہی ہیں لیکن ایسا نظر آتا ہے کہ پاکستان سرکار کو بھی اس جنون کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ہے۔ چنانچہ پہلی اپریل کو مارشل لاء افسروں نے لاہور میں احمدیوں کے ہیڈ کوارٹر پر چھاپہ مارا اور احمدیوں کے خلیفہ کے بھائی شریف احمد اور بیٹے ناصر احمد کو گرفتار کر لیا۔ چار اور احمدی لیڈر مظفر احمد۔ محمد صالح۔ محمد بشیر اور محمد یحییٰ کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ احمدیوں کے خلیفہ کے بیٹے کے گھر کی تلاشی لینے پر ایک خنجر نکلا ہے۔ وہ لاہور کے تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل تھے۔ خنجر رکھنے کے جرم میں انہیں پانچ برس قید اور پانچ ہزار روپیہ جرمانہ یا جرمانہ ادا نہ کر سکنے پر مزید سات سال قید کی سزا دی گئی۔

احمدیوں کے اتنے بڑے لیڈر کو ذرا سے جرم کے لیے اتنی کڑی سزا دے کر غالباً پاکستان سرکار مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو انصاف پسند ثابت کرنا چاہتی ہے لیکن اس سے ایک بات واضح ہے کہ پاکستانی مسلمانوں کے مذہبی جنون کے سامنے پاکستان سرکار کو بھی گھٹنے ٹیکنے پڑے ہیں۔ احمدیوں کی حالت عجیب ہے۔ ایک تو وہ لوٹ مار۔ قتل اور تباہی کا شکار رہنے۔ دوسرے اب سرکار بھی ذرا ذرا سے بہانے ڈھونڈھ کر انہیں اپنی سخت گیری کا شکار بنانے لگی ہے"۔[1]

قید و بند میں رضا بالقضا کا ایمان افروز مظاہرہ

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالثؒ) نے بیان فرمایا کہ:

"جب ہمیں ۱۹۵۳ء میں ظالمانہ طریق پر پکڑ کر لے گئے تھے تو ہمارے پہننے کے لیے کھدر کے موٹے موٹے کپڑے دے آئے کہ تمہیں سی کلاس دینی ہے دل میں سوچا کہ خدا کے لیے یہ کھدر کیا کانٹوں کے کپڑے دیں تو وہ بھی پہن لیں گے۔ مگر

---

[1] "ہندو" (جالندھر اور نئی دہلی) ۱۲؍ اپریل ۱۹۵۳ء

لطف یہ کہ پتہ نہیں وہ کپڑے کس سے اور کہاں سے لائے گئے تھے ۔ چنانچہ ہم نے وہ کپڑے پہنے تو زور سے سانس لینے پر ان کے دھاگے ٹوٹ گئے اور سلائی کھل گئی یوں لگتا تھا کہ چھوٹی چھوٹی گڑیوں کو پہنانے والے کپڑے ہیں ہم نے کہا ہم راضی برضائے الٰہی ہیں۔" [1]

پہلی چشم دید شہادت

اس سلسلہ میں دو اور اہم چشم دید شہادتیں درج کی جاتی ہیں ۔ پہلی اور تفصیلی شہادت مکرم محمد بشیر صاحب زیروی کی ہے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

جس دن میری گرفتاری ہوئی اسی دن حضور انور اور حضرت میاں شریف احمد صاحب کی گرفتاری عمل میں آئی ۔ جس کے بعد چند دن ہم نے اکٹھے سنٹرل جیل میں گزارے اور بفضلہٖ تعالیٰ ان پُر آشوب دنوں کا ایک ایک لمحہ (جو آپ کے ساتھ گزرا) میرے لیے ہمیشہ ہی ازدیادِ ایمان کا باعث ہوا آج کی صحبت میں انہی یادوں کا دہرانا مقصود ہے ۔ ......

جس دن جماعت کے بعض اکابر کے گھروں کی تلاشیاں اور گرفتاریاں ہوئیں ۔ اسی دن بھائی جان (ثاقب صاحب زیروی) کے گھر اور دفتر کی بھی تلاشی ہوئی ۔ ان میں اس عاجز کے علاوہ حضور پُر نور اور حضرت صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحب بھی تھے ۔ جب ہمیں میڈیکل ہوسٹل کے نیلا گنبد کے بڑے گیٹ پر کھلے کیمپ سے لیکر جیل بھیجنے کے لیے اکٹھا کیا گیا تو وہاں اس عاجز کی ملاقات حضرت میاں صاحبان سے ہوئی ۔ دیکھتے ہی زمین پیروں تلے سے نکل گئی اور ذہن پہ بوجھ اور بڑھ گیا اور اپنا سارا دکھ بھول کر سارا ذہن اس طرف منتقل ہو گیا کہ حکام کی یہ کتنی بڑی جسارت ہے ۔ لیکن جلد ہی دل نے یہ کہہ کر حوصلہ بڑھایا ۔ کہ ان کا آنا ہم سب کے لیے بابرکت ثابت ہوگا کیونکہ ہم بھی اب اس زُمرے میں شامل ہوں گے جن کے لیے اللہ تعالیٰ کے بے شمار فضل نازل ہوں گے ۔ نیز اگر جیل میں ایک ہی جگہ ہوئے تو آپ کی مقبول دعاؤں سے حصہ پائیں گے اور ان کے طفیل اس مصیبت سے جلد چھٹکارا حاصل ہوگا ۔ رفتہ رفتہ یہ احساس پختہ ہو گیا کہ آپ کی گرفتاری ہماری رستگاری کا باعث

---

[1] الفضل ۲۲ نومبر ۱۹۷۲ء صفحہ نمبر ۳

بنے گی لیکن اس کے باوجود بے چینی تھی کہ ہر لمحہ بڑھ رہی تھی۔ وہاں سے ہمیں ایک ٹرک میں بٹھا کر جیل کی طرف لے گئے۔ حضرت میاں ناصر احمد صاحب نے ٹرک میں بیٹھتے ہی بلند آواز میں قرآنی دُعا لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ؔ کا ورد شروع کر دیا۔ جس سے دلوں میں سکینت واطمینان کی لہر دوڑنا شروع ہو گئی۔ عمر کے لحاظ سے حضرت میاں شریف احمد صاحب ہم سب میں بڑے تھے اور صحت کے لحاظ سے بھی کمزور مگر حوصلہ کے اعتبار سے ازحد مضبوط و مستحکم کہ جب ہمارے چہروں کو پریشان یا ہمیں اضطراب سے دعائیں کرتے دیکھتے تو فوراً ہماری دلی گھبراہٹ کو بھانپ جاتے اور حضرت میاں ناصر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب سے فرماتے یہ بچے تو مجھے دل چھوڑتے معلوم ہوتے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کریں۔ چنانچہ حضرت میاں صاحب ہمیں اپنے مخصوص انداز میں ہر آنے والے وقت کے لیے تیار کرتے رہتے۔ مجھے ان کی یہ ادا کبھی نہیں بھولے گی کہ جب ہم میں سے ایک نوجوان نے اپنے بیان میں کسی قدر جھوٹ ملایا تو حضرت میاں شریف احمد صاحب بیتاب ہو گئے۔ اس کے بعد آپ بار بار فرماتے کہ اب یہ سزا سے نہیں بچ سکتا۔ اس نے اپنا ثواب بھی ضائع کر لیا۔ اور پھر ہم میں سے ایک ایک سے مل کر فرماتے "بیٹا ہم خدا کی خاطر یہاں آئے ہیں۔ یہ ہمارے ایمانوں کی آزمائش ہے۔ اگر ہم آزمائش میں پورے نہ اترے تو ہم جیسا بدنصیب کوئی نہ ہو گا۔ اور اگر اس آزمائش میں کامیاب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہوں گے اگر ہم نے جھوٹ بولا تو اس کی نصرت سے محروم ہو جائیں گے خواہ کتنی بڑی سزا مل جائے مگر سچ کا دامن کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑنا۔ اللہ اللہ کیسی صداقت شعار تھیں یہ ہستیاں کہ جہاں بڑے بڑے جُبّہ پوش اور دیندار سمجھے جانے والے لوگ بڑے بڑے جھوٹ گھڑتے ہیں اور حیلوں بہانوں کا ایک طومار باندھ کر اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں وہاں بھی یہ ہمیں ہر حالت میں اور ہر قیمت پر سچ بولنے کی تلقین فرماتی تھیں۔ آپ نے ہمیں اس تکرار سے اس بات کی تلقین کی کہ بعض دفعہ یوں محسوس ہوتا جیسے آپ کو اس معاملہ میں کچھ وہم سا ہو گیا ہے۔ ایک دفعہ مَیں نے عرض کیا کہ حضرت میاں صاحب! آپ میری طرف سے بالکل مطمئن رہیں کیونکہ میرا کیس ہی ایسا ہے کہ بغیر سچ بولے میرا گزارہ ہی نہیں اور دوسرے مجھے جھوٹ بولنا آتا ہی نہیں۔ آپ اطمینان رکھیں مَیں انشاء اللہ ہر حال میں سچ ہی بولوں گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت تو اسی لمحہ میں ہمارے ساتھ ہوگئی تھی جب مارشل لاء حکام کے ذہن میں خیال بھی گزرا ہوگا کہ اب گرفتاریوں میں توازن قائم رکھنے کے لیے جماعت احمدیہ کے افراد کو بھی پکڑا جائے۔ بلکہ یہ جسارت بھی کہ خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر بھی ہاتھ ڈالا جائے ہمارے گھر سے مارشل لاء والے دراصل بھائی جان (ثاقب زیروی) کو گرفتار کرنے کے لیے آئے تھے مگر قدرت نے مجھ سے ایک ایسی غلطی کروائی جس سے ان کی ساری توجہ میری طرف منتقل ہوگئی اور مجھے گرفتار کر لیا گیا اور باوجود ارادے اور پروگرام کے بھائی جان (ثاقب زیروی) پر ہاتھ نہ ڈال سکے۔ اس کے بعد مجھے ٹرک میں بٹھا کر میڈیکل ہوسٹل نیلا گنبد کے کیمپ میں لایا گیا وہاں ایک اور احمدی نوجوان مکرم محمد یحییٰ صاحب (جو غالباً حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ والے) کے خاندان سے تھے۔ سے ملاقات ہوئی۔ ہم دونوں نے مل کر ظہر کی نماز باجماعت ادا کی اور خوب گریہ وزاری سے دعا کی توفیق ملی جس سے ذہنی بوجھ قدرے ہلکا ہوا۔

عصر کے بعد ہمیں باہر لایا گیا۔ تو ان دو مقدس ہستیوں کی زیارت ہوئی تو انہیں دیکھ کر دلوں کو ایک گونہ تسلی ہوئی کہ ہم اکیلے نہیں ہیں ہمارے رستگار بھی ہمارے ساتھ ہی ہیں۔ جیل کے سامنے گاڑی سے اُترتے ہی میرے شہر کے ایک دوست میرے سامنے تھے جن کے ذریعہ بھائی جان کو فوری طور پر یہ اطلاع مل گئی۔ کہ ہم کہاں ہیں اور کرفیو کے باوجود انہوں نے فوراً ہی وہ اطلاع حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کو پہنچادی جیل میں ہمیں ایسی کوٹھڑیوں میں بند کیا گیا جن کے سامنے والی کوٹھڑیوں میں ایسے پابجولاں قیدی بند تھے جن کو عدالتوں کی طرف سے "سزائے موت" سنائی جا چکی تھی اور اب وہ اپنی اپیلوں کے فیصلوں کے انتظار میں تھے۔ لہٰذا وہ ساری رات وقفہ وقفہ سے مختلف قسم کے دعائیہ نعروں میں گزارتے اور اس طرح ہمیں بھی دُعا کی طرف متوجہ کرتے رہتے۔

پہلی رات نہایت ہی کرب میں گزری صبح ہوئی ہمیں ان کوٹھڑیوں سے باہر نکالا گیا۔ ہم ضروری حاجات سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود ہوئے۔ اور باہر اپنے کمبل بچھا کر بیٹھ گئے حضرت میاں ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے میری اُداسی دیکھ کر فرمایا سورۃ ملک یاد ہے؟ مَیں نے عرض کیا کہ حضور یاد ہے فرمایا سناؤ چنانچہ اس عاجز نے سُنائی۔ پھر فرمایا کوئی خواب

آئی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور آئی ہے۔" فرمایا سُناؤ" چنانچہ میں نے عرض کیا کہ حضور میں نے دیکھا ہے۔

"کہ ہمارے لیے ایک ریلوے لائن تیار ہوئی ہے جس کے بائیں پہلو سے ایک چھوٹی سی لائن تیار ہوئی ہے جیسے کہ ٹرالی وغیرہ کے لیے ہوتی ہے وہ صرف میرے لیے ہے۔ اس کے آگے جو مین لائن ہے۔ اس کے ساتھ کچھ لوگ پگھلا ہوا مزید لوہا دائیں جانب جمٹا رہے ہیں"

یہ سُنتے ہی آپ نے فرمایا کہ آپ تو انیٹروگیشن (Interogation) میں رہا ہو جائیں گے مگر اس سے آگے آپ خاموش ہو گئے۔ اس طرح جیسے کہ کچھ حصۂ تعبیر کا ان کے ذہن میں اپنے متعلق ہو جس کو آپ بیان نہیں فرمانا چاہتے۔ یہ محسوس کر کے میں نے عرض کیا کہ حضور آپ کے لیے بھی تو اس میں رہائی کی خوشخبری ہے کیونکہ ریلوے لائن منزلِ مقصود کی طرف لے جاتی ہے اور ہماری منزل اس وقت "رہائی" ہی ہے۔ فرمایا درست ہے مگر آپ نے پھر بھی آگے تعبیر بیان نہیں فرمائی۔ اصل میں میرے ذہن سے خواب میں لائن کے ساتھ جو مزید لوہا لگایا جا رہا تھا اس کی تعبیر اوجھل تھی۔ جو 'سزا' کی طرف اشارہ تھا۔ یعنی باقیوں کو سزا تو ہو گی مگر وہ بھی جلد رہا ہو جائیں گے اور پوری سزا نہیں گزاریں گے۔ اتنے میں ناشتے کا وقت ہو گیا چنانچہ جیل سے ہمارا ناشتہ آگیا جو کالے اُبلے ہوئے چنوں (بالوں سے بھی زیادہ سیاہ) کا تھا۔ میں نے ان چنوں کی طرف کچھ ترچھی سی نگاہوں سے دیکھا کہ کیا اب ہمیں یہ کھانے ہوں گے۔ حضرت میاں صاحب فوراً میرے چہرے کے تاثرات ہی سے میرے دل کی کیفیت اور میرا تردّد بھانپ گئے اور فوراً ان کو چادر پر ہاتھ سے بکھیرنے کے بعد انہیں خود مزے لے لے کر کھانا شروع کر دیا۔ آپ کھاتے بھی جاتے تھے۔ اور فرماتے بھی جاتے تھے۔ "بشیر صاحب! دیکھئے یہ تو بے حد لذیذ ہیں۔ اللہ اللہ! آپ نے ہمیں کس کس طرح تکلیف کے ان دنوں کو حوصلہ اور بشاشت سے گزارنے کے بعد آداب سکھائے ان کا ہاتھ دستر خوان کی طرف بڑھ جانے کے بعد بھلا کس کی مجال تھی جو نہ کھائے چنانچہ میں نے بھی کھانا شروع کر دیا۔ اپنے اس عمل سے گویا آپ نے بڑے لطیف انداز میں مجھے یہ بات ذہن نشین کرا دی کہ ہم جیل میں ہیں اور پھر مارشل لاء کی جیل میں۔ گھر پہ نہیں ہیں۔

اس لیے ہمیں بشاشت کے ساتھ حالات کے تقاضوں کے مطابق ڈھل جانا چاہیئے غالباً اسی دن کو دوپہر سے حضرت اقدس کے گھر سے کھانا شروع ہو گیا ۔ جو اس قدر ہوتا تھا۔ کہ ہم سب سیر ہو کر کھا لیتے تھے ۔ تو پھر بھی بچ جاتا تھا (گویا کہ جیل میں بھی ہم لوگ حضرت مسیح موعودؑ کے لنگر سے ہی کھاتے تھے) ۔

یہاں بھی ہماری دلجوئی مدّنظر رہی کھانا آتا تو آپ سارا کھانا میرے سپرد فرما دیتے اور فرماتے " ساقی صاحب " اسے تقسیم کریں اور خود میرے گھر سے آیا ہوا کھانا لے بیٹھتے کہ مَیں تو یہ کھاؤں گا ، جو نہایت ہی سادہ سا ہوتا تھا اور جس میں بعض اوقات صرف ڈبل روٹی کے چند ٹکڑے ہوتے میرے اصرار کے باوجود میرا وہ سادہ سا کھانا حضور خود تناول فرماتے اور رتن باغ سے آیا ہوا کھانا ہم کھاتے (الحمد للہ چنوں کے اس ناشتے کے بعد جیل سے ہم نے کچھ نہیں کھایا)

ممکن ہے کہ قارئین کے لیے یہ باتیں معمولی ہوں مگر مجھ ناچیز و حسّاس کے لیے جیل میں یہ اتنی بڑی تھی کہ میرے قلب و روح اس پر آج بھی اس روح پُر فتوح کی عظمتوں کو دُھراتے رہتے ہیں ۔ یہ وقت تھا جب ہر شخص ربِّ نفسی ربِّ نفسی ! کے عالم میں تھا ۔ مگر حضور پُر نور ہمارے لیے شفقتوں کا پہاڑ بن گئے ۔ اللہ تعالیٰ حضور کے درجات میں بیش بہا اضافہ فرمائے اور اعلیٰ علیین میں اپنے قرب میں جگہ دے اور کروٹ کروٹ راحتیں نصیب کرے ۔

حضور پُر نور اور حضرت صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحب جب تک ہمارے پاس رہے ایک لمحہ کے لیے بھی ہمیں اداس اور غمگین نہیں ہونے دیا ، اور ہمیں واقعات سُنا سُنا کر ہمارے حوصلے بلند فرماتے رہے گویا جیل میں بھی ہر روز مجلس علم و عرفان جمتی رہی ۔

ایک دن مجھے پریشان سا دیکھ کر نہایت ہی بے تکلّفی سے فرمانے لگے بشیر ! " تمہیں پانچ سال قید ہو گی " یہ سُن کر مَیں نے بھی اُسی بے تکلّفی سے عرض کیا کہ میاں صاحب ! آپ خدا کے فضل سے خود بھی بزرگ ہیں پھر بزرگوں کی اولاد بھی ہیں ۔ میرے حق میں اس پاکیزہ مُنہ سے تو کلمہ خیر ارشاد فرمائیں فرمانے لگے میرا مطلب ہے "Think Worst"

جیل میں مَیں نے آپ کو ایک لمحہ کے لیے بھی پریشان نہیں پایا ۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا ۔ کہ

جیل میں اس مرد بحران کی صحت روز بروز بہتر ہو رہی ہے۔

میں نے ایک دن عرض کیا کہ چونکہ میری گرفتاری اچانک اور بالکل غیر متوقع تھی اور میرے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتا تھا کہ کبھی میں بھی گرفتار ہو جاؤں گا اس لیے پہلے پہل میں بہت پریشان ہو گیا۔ اور میری بھوک پیاس بالکل ختم ہو گئی۔ لہٰذا ناشتہ بھی نہ کر پایا۔ مارشل لاء حکام نے گو کھانا دیا بھی مگر ماسوائے کپ چائے کے میں کچھ نہ کھا سکا۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا۔ "جب مجھے گرفتار کیا گیا تو میں نے پہلے نہایت ہی اطمینان سے غسل کیا پھر سیر ہو کر ناشتہ کیا کیونکہ ایسے وقتوں میں مجھے خوب بھوک لگتی ہے۔ اس کے بعد کپڑے تبدیل کیے نیز فرمایا خدا کے فضل سے میرے جوہر بحران میں کھلتے ہیں۔ اور میری اندرونی طاقتیں نمایاں ہونا شروع ہو جاتی ہیں ہر وقت خوش رہتے اور ہمیں خوش رکھنے کی کوشش فرماتے اور ہمارے ذہنوں میں یہ احساس پیدا کرتے رہتے کہ یہ آزمائش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس میں کامیابی کے بعد ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات کی بے شمار بارشیں ہوں گی۔ لہٰذا ہمیں استقلال کے ساتھ اور دعاؤں کے ساتھ ان لمحات کو مسکراتے ہوئے گزارنا چاہیئے۔ اللہ اللہ کیا ہی پاکیزہ اور پیارا دل تھا۔ جو ہر وقت سلسلہ پہ ہر طرح قربان ہونے کے لیے مستعد رہتا تھا۔ ایسا بھی نہیں کہ حضور پُر نور جیل میں دعائیں نہیں کرتے تھے۔ دعائیں کرتے تھے۔ دعائیں تو وہ ہر سانس کرتے تھے مگر اس طرح کہ ان کی کسی حرکت سے یہ ظاہر نہ ہو کہ ان پر کسی قسم کی گھبراہٹ ہے در اصل آپ کے اپنے رب سے راز و نیاز تنہائی میں ہوتے تھے۔ میں نے بھی اسی غلط فہمی میں ایک دن آپ کو کرب سے دعا کی طرف راغب کرنے کے لیے عرض کیا "حضور اگر اجازت دیں تو یہ عاجز آپ کو دبائے فرمایا ہاں ہاں چنانچہ میں نے دبانا شروع کیا پھر میں نے عرض کیا کہ حضور کچھ سناؤں بھی فرمایا ضرور سنائیں چنانچہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وہ دعائیہ اشعار جو مجھے یاد تھے سنانے شروع کیے۔ میں اشعار سُناتا رہا۔ اور حضور بڑے انہماک سے سُنتے رہے اور ان کا اثر اپنے دل و دماغ پر لیتے رہے اور ساتھ ساتھ دعائیں بھی فرماتے رہے۔ (یاد رہے اس وقت ہمارے سوا ہمارے پاس اور کوئی نہ تھا) جب میں اشعار پڑھتے پڑھتے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شعر پہ پہنچا۔ ؎

میرے زخموں پر لگا مرہم کہ میں رنجور ہوں

میری فریادوں کو سن میں ہو گیا زار و نزار

تو آپ کی کیفیت کچھ اور ہی ہو گئی اور میں چپکے سے باہر چلا گیا اور حضور دیر تک اپنے رب سے راز و نیاز فرماتے رہے اور یہی میرا مقصد تھا۔ اور انہی دعاؤں ہی کے طفیل ہم اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بن گئے

جمعہ کا دن تھا اس دن میری انٹروگیشن (Interogation) تھی اور حضرت میاں صاحب کی ٹرائل تھی۔ اس عاجز کی پردہ پوشی کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ سامان فرمایا کہ اسی کار میں جس میں آپ کو سنٹرل جیل سے بوسٹل جیل میں لایا گیا۔ اس عاجز کو بھی لایا گیا۔ راستے میں حضور ہدایات دیتے رہے۔ کہ کسی سے بھی فضول باتیں نہیں کرنی بلکہ کوشش کریں کہ کسی سے کوئی بات ہی نہ ہو۔ نیز استغفار پہ زور دیں۔ گویا اپنے سے زیادہ میری فکر تھی۔

بوسٹل جیل پہنچے تو بھائی جان (ثاقب زیروی) پہلے ہی پہنچ چکے تھے دن رات کی دوڑ دھوپ نے ان کی صحت پر بھی بہت برا اثر ڈالا تھا۔ ویسے "لاہور"[1] کی بندش کے باعث بھی کچھ کبیدہ خاطر تھے مگر خدا کے فضل سے حوصلہ بہت بلند تھا اور اپنے رب کے فضلوں پر یقین محکم چنانچہ دیر تک میرا بھی حوصلہ بڑھاتے رہے اور فرمایا بالکل فکر نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب ٹھیک ہوگا۔ نیز نصیحت کی کہ اگر کوئی سوال کرے تو Orthodox ہو۔ اس کا جواب نہ دینا۔ ممکن ہے کوئی ماہر نفسیات آج تم پر سوال کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک تھانیدار صاحب میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے کہنے لگے کہ بھائی آپ کیوں گرفتار ہوئے؟ میں نے عرض کیا کہ بس گرفتار کر لیا گیا۔ اور کیوں ہوئے یہ تو آپ لوگ بہتر سمجھتے ہیں۔ کہنے لگے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس ایک تحریر تھی جسے تم نے پھاڑ کر کھا لیا۔ چونکہ اس میں جھوٹ کی ملاوٹ تھی میں نے فوراً اسے اصل واقعہ بیان کر کے عرض کیا کہ یہ اصل بات ہے مگر باقی آپ نے اپنی طرف سے ملایا ہے۔ آپ لوگ کیوں اپنی طرف سے جھوٹ ملا کر لوگوں کو سزائیں دلواتے ہیں۔ اگر مجھے سزا ہو گئی تو آپ کو کیا ملے گا؟ کچھ تو خدا کا خوف کرو۔ کہنے

---

[1] "ہفت روزہ لاہور"

لگے اگر آپ سے زیادتی ہوئی ہے تو وہ مارشل لاء کی طرف سے ہے۔ پولیس کی طرف سے نہیں چنانچہ بعد میں معلوم ہوا کہ میری رہائی میں ان کی رپورٹ کا بھی دخل تھا۔

"بریگیڈیر مرزا" ، انیٹروگیشن (Interogation) پر مامور تھے وہ نہایت شریف انسان تھے۔ انہوں نے مجھ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد مشورے کے طور پر کہا کہ اگر آپ کا ٹرائل ہو تو وہاں یہ کہنا کہ میں نے یہ مضمون ایک اور مضمون لکھنے کے لیے نقل کیا تھا (غالباً وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ میں واقعات سے ہٹ کر بھی کچھ کہہ سکتا ہوں کہ نہیں) میں نے یہ عرض کیا کہ نہیں جناب ! یہ بات واقعات کے خلاف ہے۔ اصل بات اتنی ہی ہے۔ جو میں نے آپ سے پہلے عرض کر دی ہے کہ میں نے یہ مضمون اس لیے نقل کیا تھا کہ میرا ارادہ تھا کہ اسے "الفضل" کو بعینہٖ بھیج دوں گا کیونکہ اسی قسم کی ایک قسط پہلے بھی "الفضل" میں شائع ہو چکی تھی۔ مگر میں نے اسے نقل تو کر لیا مگر الفضل کو بھیج نہ سکا اور اسی طرح پچھلے چھ ماہ سے میرے پاس پڑا تھا۔ بار بار انہوں نے مختلف پیراؤں میں چکّر دے کر اصل واقعہ کے خلاف مجھ سے کہلوانے کی کوشش کی مگر میں نے وہی کہا جو اصل بات تھی اور سچ کا دامن نہ چھوڑا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بریگیڈیر صاحب نے نہ صرف اس عاجز کی سفارش کر دی بلکہ اس انسپکٹر پولیس کو جو مجھے گرفتار کر کے لایا تھا بھائی جان کے سامنے ہی بہت سخت سُست کہا بلکہ بہت بے عزّتی کی۔ میرے اس کیس کی تفصیلات تو اور بھی ہیں مگر یہاں چونکہ مقصود اپنے کیس کی تفصیلات بیان کرنا نہیں ہے بلکہ مقصد حضرت میاں صاحبان کی زندگی کے ان پہلوؤں کے ذکرِ خیر سے روحوں کو سیراب کرنا ہے۔ جن کو میں نے جیل میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور جن کا میں عینی شاہد ہوں اس لیے میں اپنے کیس کی مزید تفصیلات یہیں چھوڑتا ہوں۔

اس عاجز کو حضرت میاں صاحبان کی معیت میں بہتر گھنٹے سے زیادہ ہی رہنے کا موقع ملا اور میں نے آپ کو بہت قریب سے خوب، خوب ہی دیکھا ہر لحہ اور ہر آن اُن کی رفاقت ہمارے ایمانوں میں اضافہ کا باعث بنی رہی۔ اور آج تک میرے دل و دماغ پر کالنقش فی الحجر ہے اس کے بعد آپ بی (B) کلاس میں چلے گئے۔ جس سے ہم خوش تو تھے کیونکہ آپ کا سی (C) کلاس میں ہونا ویسے بھی آپ کے مقام و منصب کے منافی تھا۔ لیکن ہم آپ کی رفاقتِ حسنہ

سے محروم ہو گئے جس کے باعث ہم ملول بھی تھے۔ مگر اب ہمارے حوصلے اتنے بلند تھے کہ ہمارے لیے جو کچھ بھی ہونے والا تھا ہم اس کے لیے انشراحِ صدر سے پوری طرح تیار تھے۔

یہ بات کسے نہیں معلوم کہ جب کسی پر کیس بن جائے تو خواہ پیر ہو یا فقیر، سیاست دان ہو یا عالم دین کوئی کاروباری انسان ہو یا ملازم وکیل صاحبان ان کو جیسے جیسے بیان پڑھاتے اور سکھاتے ہیں۔ ساتھ کے ساتھ ویسی ہی تبدیلیاں اُن کے بیانوں میں ہوتی چلی جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کی غرض تو صرف سزا سے بچنا ہوتا ہے۔ خواہ اس سے بچنے کے لیے کتنا ہی جھوٹ بولنا پڑے۔ مگر ہمارے کیس تو مارشل لاء کے کیس تھے۔ اور پھر ۱۹۵۳ء کے مارشل لاء کے۔ جس میں سزا ایسی دی جاتی تھی کہ سُننے والوں کے سُن کر ہی دل دہل جاتے تھے۔ ایسے وقت میں ہمیں ان دونوں بزرگوں کی طرف سے ہمیشہ یہ تلقین کی جاتی کہ صرف سچ ہی بولنا ہے۔ خواہ کتنی بھی سزا کیوں نہ ہو جائے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ایسے برگزیدہ بندوں ہی کا شیوہ ہوتا ہے۔ جن کی نگاہوں میں اپنے رب کی رضا کے حصول کے سوا کوئی شے نہ ہو۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ آپ کے ارشادات کے مطابق اس عاجز کو سچ ہی بولنے کی توفیق ملی۔ اور جھوٹ بولنے والوں کا منہ سیاہ ہوا۔

یہ عاجز تین دن کے بعد ہی رہا ہو گیا اور حضرت میاں صاحبان کو سزائیں سُنا دی گئیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی دن خواب میں ظاہر فرما دیا تھا۔ عین اسی کے مطابق یہ عاجز تو انٹروگیشن (Interogation) میں رہائی پا گیا اور حضرت میاں صاحبان چند ماہ بعد رہا ہو گئے۔

مَیں نے ان تین دنوں میں ان پاک وجودوں سے یہ سیکھا کہ کس طرح استقلال کے ساتھ مصائب کا مقابلہ کیا جاتا ہے اور پھر یہ دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالےٰ حق کی حمایت کرتا ہے یہ دن جماعت کے ہر ایک فرد کے لیے بے حد آزمائش کے دن تھے ہر دل بے چین اور ہر آنکھ خدا کے حضور گریاں تھی، مگر مومن کس طرح ان آزمائشوں سے گزرتے ہیں۔ اس کا صحیح نمونہ ان دو پاک وجودوں میں ہم نے پایا۔ ان دونوں وجودوں نے ایسے ایسے طریقوں سے سچ کی تلقین فرمائی کہ ہمیں سچ مچ ایک مضبوط اور مستحکم چٹان بنا دیا۔[1]

---

[1] خالد ربوہ "سیدنا ناصر نمبر" صفحہ ۲۴۵ تا صفحہ ۲۵۱

دوسری شہادت مکرم ملک عبدالرب صاحب (ابن حضرت ملک غلام نبی صاحب[1]) ساکن دارالرحمت غربی ربوہ کا تحریری بیان ہے کہ :-

"۱۹۵۳ء میں جبکہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ) اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب کو قید کیا گیا - میں اُس وقت مچھ جیل (بلوچستان) میں تھا۔ ازاں بعد مجھے سنٹرل جیل لاہور میں منتقل کیا گیا - چند دنوں کے بعد مجھے راشن کا منشی بنا دیا گیا - میرے ہمراہ دو غیر احمدی تھے جن کی ڈیوٹی جیل میں مولانا اختر علی خاں صاحب کے ساتھ تھی۔ انہوں نے ایک روز مجھے بتایا کہ حضرت صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی .....) کے بیٹے اور بھائی بھی یہاں قید ہیں تو میں دوڑتا ہوا حضور کی کوٹھڑی کی طرف گیا چونکہ میں منشی تھا اس لیے مجھے آنے جانے میں کوئی روک نہ تھی ۔

مچھ جیل میں میں چاہتا تھا کہ مجھے لاہور جیل منتقل نہ کیا جائے مگر یہ خدائی تصرف تھا کہ مجھے اُن دنوں لاہور سنٹرل جیل میں لے جایا گیا جبکہ حضور اور میاں شریف احمد صاحب بھی وہاں تھے - اس طرح خدا نے حضور سے ذاتی تعلق کا ایک موقعہ پیدا کر دیا ۔

آپ کا کمرہ بہت چھوٹا سا تھا - میں روزانہ ملاقات کے لیے جاتا - اپنے کام سے فارغ ہو کر میں حضور کے پاس جا کر بیٹھا رہتا - حضور اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے چہرے پر کرب، گھبراہٹ یا بے چینی کا کسی قسم کا تأثر میں نے نہیں دیکھا - ہر وقت حضور کا چہرہ ہشاش بشاش رہتا تھا - حضور زیادہ تر اپنے کمرہ میں ہی رہتے یا کبھی کبھار کوٹھڑی سے باہر چھوٹے سے صحن میں ہوتے ۔

کئی مرتبہ جب حضرت مرزا شریف احمد صاحب کو دبانا چاہا - میاں صاحب حضور کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ "میری بجائے میاں صاحب کو دباؤ" اس وقت تو اس اشارہ کا مطلب پتہ نہ چلا مگر ۱۲ سال بعد جبکہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی خداداد بصیرت کا پتہ چلا - چنانچہ اس طرح قریباً روزانہ ہی حضور کو دبانے کا موقعہ ملتا ۔

حضور اکثر اپنے راشن کا کچھ حصہ جو بسکٹ اور گھی وغیرہ پر مشتمل ہوتا خاکسار کو مرحمت

---

[1] تاریخ وفات یکم جنوری ۱۹۸۰ء

فرماتے ۔

حضور کی رہائی کے چند دن بعد ہم بھی رہا کر دیئے گئے ۔ حضور اس وقت رتن باغ میں تھے حضور کو اطلاع ہوئی تو حضور فوراً تشریف لے آئے ۔ حضور کے ہاتھوں پر راکھ تھی یوں محسوس ہوتا تھا کہ حضور خود برتن دھوتے دھوتے تشریف لے آئے ہیں ۔ حضور نے خود ہی پانی وغیرہ بنا کر ہمیں پلایا کیونکہ حضرت بیگم صاحبہ ہسپتال میں بیمار تھیں ۔

جیل کے دنوں کی رفاقت کی وجہ سے حضور نے قبل از خلافت اور بعد از خلافت جس شفقت اور محبت کا سلوک مجھ سے فرمایا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی ۔ مجھے اتنا پیار میرے والدین نے بھی شاید نہ دیا ہو ۔

چنانچہ جب بھی حضور سے ملا تو حضور نے اپنے رفقاء سے میرا تعارف "جیل کے ساتھی" کے نام سے کروایا ۔ جب حضور سے ملنا ہوتا اکثر بغیر نام لکھوائے حضور سے ملا اور جونہی حضور کو میری آمد کی اطلاع ہوئی حضور نے فوراً مجھے شرفِ ملاقات بخشا ۔

اسی طرح حضور نے ۱۹۶۶ء میں میری شادی کے موقعہ پر میری برات میں بھی شرکت فرمائی اور از راہِ شفقت دعوتِ ولیمہ میں بھی شرکت فرمائی ۔

یہ اسی خاص تعلق اور شفقت کا بھی نتیجہ تھا کہ جب میری دوسری بچی پیدا ہوئی اور میں نام رکھوانے کے لیے حاضر ہوا تو حضور نے دریافت فرمایا کہ دوسری بھی بچی پیدا ہوئی ہے ۔ اب لڑکے کے لیے دعا کریں ؟ میں نے عرض کیا کہ ضرور چنانچہ حضور نے دعا فرمائی اور ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو اللہ کے فضل اور حضور کی خاص دعاؤں کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہوا جس کا نام حضور نے از راہِ کرم "ملک عبدالقیوم" رکھا ۔

حضور کی عنایات اور محبت کا کہاں تک ذکر کروں کہ

عمؔ سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لیے ۔

والسلام

ملک عبدالرب ۱۰ ر اکتوبر ۱۹۸۰ء

ملک محمدؐ عبداللہ صاحب کی نظر بندی

ملک محمد عبداللہ صاحب مولوی فاضل اُن دنوں نظارت تالیف وتصنیف کے مصنّف کے فرائض انجام دے رہے تھے ۔حضرت مصلح موعود نے صوبہ پنجاب کے حالات کی اطلاع حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب تک پہنچانے کا کام آپ کے سپرد فرمایا ہوا تھا کہ اسی دوران آپ کو بھی گرفتار کر لیا گیا ۔ آپ ڈیڑھ ماہ تک پہلے پندرہ دن جھنگ میں اور بعد ازاں لاہور میں نظر بند رکھے گئے ۔

چنانچہ ملک صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں

محترم مکرم حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا قیام کراچی میں تھا ۔ پنجاب میں جو حالات جماعت کے خلاف پیدا کیے جا رہے تھے اور جو کارروائیاں کی جاتی تھیں ان کی اطلاع جناب چوہدری صاحب کراچی دینے کے لیے خاکسار کو تجویز کیا گیا ۔ چنانچہ مارچ کی ۸ ، ۹ تاریخ کو حضرت مصلح موعودؓ نے شام کے وقت اس عاجز کو قصرِ خلافت میں بُلایا ۔ وہاں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بھی موجود تھے ۔ انہوں نے فرمایا کہ صبح تم نے کراچی جانا ہے اور کچھ ضروری خطوط وہاں پہنچانے ہیں ۔ اس کے لیے ایک بڑی جیبوں والی صدری تیار کروائیں اور صبح پنجاب ایکسپریس سے پہلے یہاں پر آجائیں ۔ چنانچہ مَیں نے رات ہی کو ایک صدری تیار کروالی اور صبح حضور کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ مَیں نے کاغذات صدری کی بڑی جیب میں ڈالے اور پہلی مرتبہ حضور نے خود اپنے دست مبارک سے اس جیب پر بکسوآ[ل] لگا کر اُسے بند کیا اور دعا کے بعد اس عاجز کو رخصت کیا ۔

مَیں نے وقفہ وقفہ کے بعد چار دفعہ کراچی کا سفر کیا ۔ وقفہ صرف دو تین دن کا ہوتا تھا ۔ کراچی سے دوسرے دن ہی واپسی ہو جاتی تھی جب مَیں تیسری دفعہ کراچی جانے لگا تو حضور مصلح موعود نے فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ پنجاب پولیس آپ کا تعاقب کر رہی ہے ۔ اس لیے دو آدمیوں کو میرے ساتھ سفر میں ملتان چھاؤنی تک کر دیا ۔ ایک چوہدری فیروز دین صاحب جو اَب انسپکٹر تحریکِ جدید ہیں اور دوسرے چوہدری نصیر احمد صاحب ۔ یہ بھی اس وقت تحریک جدید کے کارکن تھے ۔ دو

ل Safty Pin

آدمیوں کے ساتھ کرنے کے متعلق حضور نے فرمایا کہ اگر راستہ میں کسی جگہ گرفتاری ہو جائے تو ایک آدمی میرے پیچھے جائے گا کہ پولیس آپ کو کہاں لے جاتی ہے اور دوسرا آدمی واپس آکر مرکز میں اطلاع دے گا۔

اس کے بعد جب میں چوتھے سفر سے کراچی سے واپس آیا ان ایام میں میری رہائش کوارٹرز صدر انجمن احمدیہ میں تھی۔ میں مغرب کی نماز بیت مبارک میں ادا کر کے آرہا تھا کہ ایک شخص نے بتلایا کہ آپ کے کوارٹر پر چار سپاہی اور ایک پولیس آفیسر کھڑے ہیں۔ یہ وسط اپریل کی بات ہے۔ صحیح تاریخ اب یاد نہیں رہی۔ پولیس آفیسر کا نام شیخ ابرار احمد تھا۔ انہوں نے مجھے بتلایا کہ آپ کی نظر بندی کے احکام ہیں۔ رات کوارٹر ہی میں قیام کیا اور صبح یہ مجھے لاہور لے گئے شیخ صاحب بہت شریف پولیس افسر تھے۔ سفر کے دوران میری ضرورت کا بہت خیال رکھتے رہے۔ لاہور میں ایک بہترین ہوٹل میں کھانا کھلایا۔ لاہور میں سیکرٹریٹ میں وہ مجھے برآمدہ میں چھوڑ کر خود اپنے بڑے افسر ہوم سیکرٹری سے ملنے گئے۔ میں دروازہ کے قریب ہی کھڑا تھا۔ ایک افسر نے انہیں کہا کہ آپ نظر بند کو بغیر کسی نگرانی کے ہی چھوڑ آئے ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں ان کا ذمہ دار ہوں۔ یہ بہت شریف لوگ اور قانون کے پابند ہیں۔ اور یہ نظر بند ہیں، قیدی تو نہیں ہیں۔

ہوم سیکرٹری صاحب نے مجھے بی کلاس دینے کا فیصلہ کیا اور لاہور سے مجھے جھنگ میں لایا گیا۔ پندرہ دن میں جھنگ میں رہا۔ تھانے ہی میں ایک کوٹھڑی میں مجھے رکھا گیا۔ صبح شام صحن میں پھرنے کی اجازت تھی۔ کھانے کا انتظام جماعت جھنگ نے کیا۔ اس کے بعد جھنگ سے مجھے لاہور لے جایا گیا اور وہاں پانچ دن میں سنٹرل جیل میں رہا۔ یہاں ایک منڈو نظر بند تھے۔ بخشی صاحب انہیں کہتے تھے۔ بڑے زندہ دل اور ادب نواز آدمی تھے۔ جیل کے حکام ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ بڑے اچھے خاندان سے ہیں اور پنڈت نہرو تک کے پیغام ان کے لیے آتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اسی جیل کے ایک حصہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب تھے........ جیل میں ہمارا رابطہ کھانا لانے والے قیدیوں کے ذریعہ قائم تھا لیکن

پانچ دن کے بعد مجھے یہاں سے بورسٹل جیل میں تبدیل کر دیا گیا۔ بورسٹل جیل میں بچوں کا ایک سکول ہے اس سے ملحق دو کمرے پختہ بنے ہوئے تھے جن کے آگے برآمدہ اور ایک وسیع صحن تھا۔ یہاں مجھے اکیلے رکھا گیا۔ سکول کے احاطہ کی طرف ایک بڑا آہنی گیٹ تھا۔ یہ حصہ اور کمرے جن میں مَیں فروکش تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ خان عبدالغفار سرحدی گاندھی کے لیے بنایا گیا تھا۔ وہ یہاں پر نظر بند تھے اور تھوڑا عرصہ ہوا کہ انہیں یہاں سے تبدیل کیا گیا ہے۔

بورسٹل جیل کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ ان دنوں شیخ نذیر احمد صاحب تھے جو ایک نوجوان آدمی تھے۔ بڑے خوش اخلاق اور ملنسار طبیعت کے مالک تھے۔ ہر دوسرے تیسرے روز عصر کے بعد تشریف لاتے اور کافی دیر باتیں کرتے رہتے۔ بار بار دریافت کرتے کہ کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتلائیں۔ مَیں نے انہیں ایک دن کہا کہ تکلیف یہ ہے کہ مَیں یہاں سارا دن بیکار رہتا ہوں۔ مجھے کوئی کام دے دیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ آپ تو ہمارے پاس امانت ہیں۔ کام کیسے دے سکتے ہیں۔ اس پر مَیں نے کہا کہ مجھے کچھ کتابیں ہی منگوا دیں اور کوئی ایک اخبار۔ چنانچہ اس بات کا انہوں نے دو ایک دن میں ہی انتظام کر دیا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ۔

بورسٹل جیل میں کھانے کا انتظام معقول تھا۔ میری بی کلاس تھی۔ دونوں وقت کھانے میں گوشت ہوتا تھا۔ اور ناغہ کے دن انڈے ہوتے تھے۔ ایک وقت چپاتی کے ساتھ چاول بھی ہوتے تھے۔ عصر کے وقت روزانہ دودھ اور کھانڈ مہیا کرتے اور ہفتہ میں دو تین بار موسم کا پھل بھی دیتے تھے۔ ڈیڑھ ماہ کے بعد رمضان کے ایام میں مجھے رہا کر دیا گیا۔

اس عرصہ میں حضرت مصلح موعود کی شفقت اور احسان ناقابلِ فراموش ہے۔ میرے متعلق آپ کا دفتر امور عامہ والوں کو بار بار ارشاد ہوتا کہ اس کا خیال رکھا جائے۔ اور میری بیوی بچوں کے متعلق الگ تاکید کی جاتی۔ میری اہلیہ صاحبہ گھر سے بہت کم باہر نکلتی ہیں۔ میری نظربندی کے دوران حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضور مصلح موعود کے ہاں جاتی تو وہ انہیں بڑی تسلی اور تشفی فرماتے۔ اسی طرح حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب روزانہ کوارٹر پہ تشریف لا کر خیریت اور ضروریات کے متعلق پوچھتے۔ ربوہ میں جب شام کے وقت پولیس میرے مکان پہ

پر آئی تو حضرت اقدس کو بھی فوراً اطلاع ہوئی کہ مجھے نظر بند کر لیا گیا ہے۔ مکرم قاضی عبدالرحمٰن صاحب سیکرٹری بہشتی مقبرہ نے حضور کا یہ پیغام مجھے دیا کہ پریشانی اور گھبراہٹ کی ضرورت نہیں اور آپ کے بیوی بچوں کا ہر طرح خیال رکھا جائے گا۔ میں اس وقت پولیس کے ہمراہ کوارٹر کے سامنے سڑک پر کھڑا تھا۔ میں نے مکرم قاضی صاحب سے کاغذ کا ٹکڑا اور پنسل لی اور کاغذ پر حدیث شریف کے یہ الفاظ لکھ دیئے کہ " فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ "[لے] اور قاضی صاحب سے درخواست کی کہ میرا یہ پیغام حضور تک پہنچا دیں۔ جب میں نظر بندی سے رہا ہو کر ربوہ آیا تو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے مجھے فرمایا کہ آپ کے "فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ" کے الفاظ خوب تھے اور حضور نے اُسے بڑا پسند فرمایا۔

اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ حضرت مولوی محمد دین صاحب صدر انجمن احمدیہ (جو اس وقت آپ ناظر تعلیم تھے) جو میرے ساتھ بڑی ہی شفقت اور مہربانی کا برتاؤ رکھتے ہیں۔ اور آپ کا مکان میرے مکان کے قریب ہی تھا۔ آپ نے مجھے بتلایا کہ جن دنوں تم نظر بند تھے صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب بھی لاہور میں نظر بند تھے۔ ایک دن امور عامہ کا کوئی کارکن صاحبزادہ صاحب سے لاہور میں ملاقات کر کے آئے۔ اور وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں آئے۔ میں بھی حضور کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کارکن نے حضرت صاحبزادہ صاحب کی خیریت اور حالات کی اطلاع دی تو حضور نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے۔ وہ ملک عبداللہ غریب کے متعلق بھی پتہ کریں کہ اُن کا کیا حال ہے۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ غریب کا لفظ مجھے خاص طور پر یاد ہے۔ اللہ اللہ! کس قدر مہربان اور شفیق آقا ہے کہ اپنے فرزند کی خیریت کی خبر کے ساتھ ایک ادنیٰ خادم کا کس قدر خیال ہے کہ اس کی خبر گیری کی تاکید کی جاتی ہے۔

[لے] رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ یہ تاریخی کلمات صحابیٔ رسول حضرت حرامؓ بن ملحان نے اس وقت کہے تھے جبکہ آپ کو غزوۂ اُحد کے ایک بدبخت کافر نے نیزہ مارا اور آپ کے جسم مبارک سے خون کا فوارہ چھوٹ گیا اور آپ شہید ہو گئے (صحیح بخاری مصری ج ۳ ص ۲۰ (حالات غزوۂ اُحد)

نظر بندی سے رہا ہو کر جب میں ربوہ آیا تو مغرب کی نماز کے بعد حضور نے بیت المبارک میں جب مجھے دیکھا تو شرفِ مصافحہ بخشا اور میری خیر و عافیت کے متعلق دریافت فرماتے رہے۔ بعد ازاں چند دن کے بعد مجھے قصرِ خلافت میں بلا کر شرفِ ملاقات بخشا اور نظر بندی کے تفصیلی کوائف سنے میں نے عرض کیا کہ نظر بندی کے دوران لاہور میں صرف ایک دفعہ ایک آفسر میرے پاس آئے تھے۔ انہوں نے چند منٹ میرے ساتھ باتیں کیں۔ اور دریافت کیا کہ آپ چوہدری ظفر اللہ خانصاحب سے کراچی ملنے جاتے تھے۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ جناب چوہدری صاحب سے میری واقفیت ایک لمبے عرصہ سے ہے۔ اور ملکی تقسیم سے پہلے قادیان میں ان کی سکنی اراضی کا نگران اور فروخت کنندہ رہا ہوں اور قادیان میں جب بھی چوہدری صاحب تشریف لاتے، میں اُن سے متعدد بار ملاقات کرتا۔ اب کراچی میں بھی۔ میں جب جاتا ہوں تو اگر موقعہ ملے تو ان سے ملاقات ہوتی ہے۔ اس کے بعد کوئی بات نہیں ہوئی"۔ [1]

حضرت مصلح موعود کے ایک خطبہ جمعہ کی ضبطی

۶ راپریل ۱۹۵۳ء کو حکومت پنجاب نے حضرت مصلح موعود کا ایک خطبہ جمعہ [2] ضبط کر لیا۔ یہ خطبہ مولوی سلطان احمد صاحب پیر کوٹی زود نویس نے مرتب کیا تھا اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے اُسے نور آرٹ پریس راولپنڈی میں چھپوانے کے لیے بھجوایا تھا۔ مگر ۱۹ مارچ کے نوٹس کے پیش نظر ایک خصوصی تار کے ذریعہ اس کی چھپوائی اور اشاعت رکوا دی گئی تھی۔ پریس میں یہ خبر دی گئی کہ گویا یہ خطبہ نور آرٹ پریس راولپنڈی سے چھپ کر شائع ہو چکا تھا حالانکہ یہ بالکل خلاف واقعہ بات تھی۔ یہ تفصیلات ہمیں حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب کے درج ذیل مراسلہ سے بھی ملتی ہیں جو آپ نے ۷ راپریل ۱۹۵۳ء کو انسپکٹر جنرل صاحب پولیس پنجاب کے نام لکھا

---

[1] (غیر مطبوعہ مکتوب جناب ملک محمد عبداللہ صاحب ریٹائرڈ لیکچرار تعلیم الاسلام کالج ربوہ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۷۵ء سابق قائد مال مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ) [2] بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصلح موعود نے یہ خطبہ جمعہ ۶ یا ۱۳ مارچ ۱۹۵۳ء کو ارشاد فرمایا تھا

From

Syed Zainul Abedin Wali Ullah Shah,
Nazir Dawat-o-Tabligh,
Ahmadiyya Community Rabwah
Dated 7th April 1953

To

The Inspector General of Police, Punjab
Lahore

Sir,

"In today's issue of the Civil and Military Gazette on page 6, I have read the Government notification that the Khutba Juma delivered by the Head of the Ahmadiyya Community was printed at the Noor Art Press Rawalpindi and that the same has been proscribed by the Government. In this connection I have the honour to bring to your notice the fact that I did indeed send the afore-said Khutba for printing at Rawalpindi but before its printing was completed and before its publication the Head of the Ahmadiyya Community received a notice under the Punjab Safety Act from the Governor Punjab. As a result of that I was immediately directed to stop the aforesaid printing and publication whereupon I sent an express telegram to the Manager Noor Art Press Rawalpindi to stop the printing and publication of the said Khutba. The said Manager received my telegram in time and stopped printing before it was completed. The Police reached the Noor Art Press only after the Manager had received the said telegram. The Khutba was thus never published and the part-printed copies of it were taken away by the police."

Under the circumstances it is extremely regrettable that the facts have not been rightly and fully stated in the said notification and I am finding myself humiliated before the Head and members of our community showing that I allowed the printing of the said Khutba in spite of clear and timely instructions.

I have the honour to be,
Sir,
Your most obedient servant,
(Sd/-)
(Syed Zainul Abedin Wali Ullah Shah)
Nazir Dawat-o-Tabligh Rabwah

از سید زین العابدین ولی اللہ شاہ۔ ناظر دعوت و تبلیغ

جماعت احمدیہ ربوہ

مورخہ ۱۰ر اپریل ۱۹۵۳ء

بخدمت انسپکٹر جنرل صاحب پولیس ۔ پنجاب ۔ لاہور

جناب عالی

سول ملٹری گزٹ کی آج کی اشاعت کے صفحہ ۶ پر میں نے گورنمنٹ کا یہ اعلامیہ پڑھا ہے کہ جماعت احمدیہ کے سربراہ نے جو خطبہ جمعہ دیا وہ نور آرٹ پریس راولپنڈی میں شائع ہوا اور گورنمنٹ نے اسے بحق سرکار ضبط کر لیا ہے ۔ اس سلسلہ میں میں جناب کے علم میں یہ بات لانا چاہتا ہوں کہ میں نے متذکرہ بالا خطبہ چھپوانے کیلئے راولپنڈی ضرور بھجوایا تھا لیکن اس کی چھپوائی مکمل ہونے اور اس کی اشاعت سے قبل جماعت احمدیہ کے سربراہ کو گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے سیفٹی ایکٹ کے ماتحت ایک نوٹس موصول ہوا ۔ چنانچہ مجھے فوراً ہدایت دی گئی کہ میں متذکرہ صدر خطبہ کی چھپوائی اور اشاعت کو فی الفور روک دوں ۔ بناء بریں میں نے نور آرٹ پریس راولپنڈی کے مینجر کو ایکسپریس تار کے ذریعہ ہدایت کی کہ متذکرہ خطبہ کی چھپوائی اور اشاعت فوراً روک دی جائے ۔ مینجر مذکور کو میرا تار بر وقت مل گیا اور اس نے چھپوائی کا کام تکمیل سے قبل ہی روک دیا ۔ پولیس، نور آرٹ پریس میں اس تار کے ملنے کے بعد پہنچی جو مینجر کو دیا گیا تھا ۔ اس طرح مذکورہ خطبہ کی اشاعت ہوئی ہی نہیں اور جزوی طور پر جتنا حصہ چھپ چکا تھا اس کی مطبوعہ کاپیاں پولیس لے گئی ۔

ان حالات میں یہ امر نہایت درجہ قابلِ افسوس ہے کہ مذکورہ حکمنامہ میں واقعات کو صحیح اور مکمل طور پر بیان نہیں کیا گیا ۔ اور مجھے امام جماعت احمدیہ اور اپنی جماعت کے ممبران کے سامنے اس وجہ سے شرمندگی اٹھانی پڑی کہ میں نے واضح اور بر وقت ہدایات مل جانے کے باوجود متذکرہ خطبہ کی چھپوائی کیوں ہونے دی ۔

میں ہوں جناب کا ادنیٰ خادم

دستخط حضرت سید زین العابدین

ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوت و تبلیغ ربوہ

پانچواں باب

مجلس مشاورت ۱۳۳۲ہش مطابق ۱۹۵۳ء

مجلس مشاورت ۱۳۳۲ہش مطابق ۱۹۵۳ء کے لیے ۳، ۴، ۵ شہادت/اپریل کی تاریخیں مقرر تھیں مگر سیدنا حضرت مصلح موعود کے نام گورنر صاحب پنجاب کے نوٹس (مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۵۳ء) کے باعث ملتوی کر دی گئی[1] لیکن جب حکومت پنجاب نے یہ نوٹس واپس لے لیا تو حضور نے فیصلہ فرمایا کہ ۱۶ مئی کو شوریٰ کا صرف یک روزہ اجلاس منعقد ہو۔ اس ضمن میں حضور نے ۶ مئی ۱۹۵۳ء کو حسب ذیل اعلان جاری فرمایا:۔

"مجلس شوریٰ ۱۹۵۳ء کے متعلق ضروری اعلان

تمام جماعت ہائے احمدیہ پاکستان و ممالک غیر کو اطلاع دی جاتی ہے کہ چونکہ گورنمنٹ نے سیفٹی ایکٹ کا نوٹس جو میرے نام جاری کیا تھا واپس لے لیا ہے۔ اس لیے اعلان کیا جاتا ہے کہ ۱۹۵۳ء کی مجلس شوریٰ ۱۶ مئی بروز ہفتہ منعقد کی جائے گی۔ یہ شوریٰ بہت مختصر ہوگی اور اس میں (اوّل) بجٹ پر غور کیا جائے گا (دوم) اس امر پر غور کیا جائے گا کہ موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے طبائع سے اشتعال کو دور کرنے اور پاکستان کے مختلف فرقوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی غرض سے احمدیہ جماعت کے تبلیغی پروگرام میں اگر ضروری سمجھا جائے تو مناسب تبدیلی کی جائے اور ایسے طریق اختیار کیے جائیں جو جماعت احمدیہ کی طرف سے قیام امن میں امداد دینے کے لیے مناسب اقدام ہوں اور اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ ذمہ داریوں میں بھی کسی قسم کا خلل نہ آئے (سوم) کوئی ایسا امر جو صدر انجمن احمدیہ یا تحریک جدید میرے مشورہ کے بعد مجلس میں پیش کرنا چاہیں۔

تمام احباب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ چونکہ نمبر ۲ ایک ایسا معاملہ ہے جس پر گفتگو کرتے

---

[1] "المصلح" کراچی ۷ اپریل ۱۹۵۳ء صا

وقت جماعت کے مختلف نمائندوں کو ایسے امور کے متعلق بھی گفتگو کرنی پڑے گی جن کے متعلق پبلک میں گفتگو کرنا نامناسب ہوگا یا شاید بعض لوگ ایسے اہم مسئلہ کے متعلق عام مجلس میں رائے دینے سے بھی ہچکچائیں۔ اس لیے یہ بھی اعلان کیا جاتا ہے کہ اس شوریٰ میں سوائے نمائندوں کے اور کسی شخص کو آنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس لیے شوریٰ کے دن کوئی غیر نمائندہ دوست باہر سے تشریف نہ لائیں کیونکہ انہیں شوریٰ کے لیے زائرین کا ٹکٹ نہیں مل سکے گا۔

مناسب تو یہ تھا کہ موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے یہ شوریٰ پنجاب سے باہر منعقد کی جائے۔ لیکن چونکہ گرمی یکدم زیادہ ہوگئی ہے اور میری صحت کمزور ہو رہی ہے باہر کسی جگہ فوراً رہائش اور جلسہ گاہ کا انتظام بھی مشکل ہوگا اس لیے مجبوراً ربوہ میں ہی اس شوریٰ کے انعقاد کا فیصلہ کرتا ہوں۔

سیکرٹری شوریٰ کی طرف سے الگ نوٹس سب جماعتوں کو جلد بھجوا دیا جائے گا

خاکسار مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح)

ربوہ ۶ رمئی ۱۹۵۳ء[۱]

یہ مجلس مشاورت حسب پروگرام ۱۶ ماہ ہجرت رمئی کو ربوہ میں منعقد ہوئی جس میں حضور نے بجٹ پر مشورہ طلب کرنے کے علاوہ ۱۹۵۳ء کی ایجی ٹیشن اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے حالات پر روشنی ڈالی۔ اس مشاورت کی روداد طبع نہیں ہوئی۔ نہ اس کا کوئی ریکارڈ ہے البتہ اس موقعہ کے لیے حضرت مصلح موعود کا ایک رقم فرمودہ نوٹ جو حضور نے کچی پنسل سے تحریر فرمایا تھا محفوظ شکل میں موجود ہے۔ جس سے کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس اہم مجلس میں حضور نے کیا کیا ارشاد فرمایا۔

مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور (سیکرٹری مجلس مشاورت) کو یہ نوٹ مشاورت کے اختتام پر اُس میز سے ملا تھا جو اس وقت حضرت مصلح موعود کے سامنے رکھا تھا۔

---

[۱] الفضل ۹ ہجرت ۱۳۳۲ہش (۹ رمئی ۱۹۵۳ء) ص۲

مشاورت ۱۹۵۳ء کیلئے حضرت مصلح موعود کا رقم فرمودہ نوٹ

"ہمارے آدمیوں کی گرفتاریاں
کیمپ بنانے کی کوشش
تبلیغ کا ارادہ ظاہر کرنے پر گرفتاری
رسالہ چھاپنے کے لیے جانے پر گرفتاری
میرا نوٹس
حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کی ضبطی تلاشیوں میں مانگٹ اُونچے کا واقعہ
ایک جگہ احمدیوں پر حملہ۔ بہت سے زخمی ہوئے مگر احمدیوں کو ساتھ پکڑا گیا[1]
منافقت
۱۔ رپورٹ پولیس اور فوج کو
۲۔ میاں شریف احمد صاحب کے خلاف سازش
۳۔ منافق گروہ ربوہ میں
اس کے مقابل اخلاص کا اظہار۔ چندہ کی طرف توجہ
عورتوں تک کا اخلاص
مبلغین میں سے مولوی محمد اسماعیل صاحب کا اچھا نمونہ ان سے اتر کر مولوی عبدالغفور صاحب
ایک احمدی کے حالات پوچھنے پہ ایک فوجی افسر کے
دوسری قسم کے میں اصلاح اور سلسلہ اور ملک کے فائدہ کے لیے مشورہ دوں گا ڈر کر نہیں اور
اور اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈروں گا اور احمدیت کی
عظمت اور سچائی کے ثبوت کے لیے اپنی جان لڑا دوں گا۔"

---

[1] ۳۶ رگ رب متصل ستیانہ بنگلہ تحصیل جڑانوالہ ضلع لائلپور کے احمدی مراد ہیں
(بروایت مولانا محمد اسماعیل صاحب دیالگڑھی) سابق مبلغ لائلپور (فیصل آباد)

باب ششم

سیّدنا حضرت مصلح موعود کا اہم بیان

اس مجلس مشاورت کا ایک خوشنما اور شیریں پھل ایک اہم بیان کی شکل میں ظاہر ہوا جو مجلس کی درخواست پر حضرت مصلح موعود نے جاری فرمایا اور جس کا مکمل متن یہ ہے :۔

"ہمارے عقائد"

ہم اس دنیا کا بادشاہ قادر مطلق لافانی اور لاثانی اللہ تعالیٰ کو سمجھتے ہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ صرف اسلام اللہ تعالیٰ کا سچا دین ہے اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب ہے اور اس میں فرشتوں، آسمانی صحیفوں۔ بعثت انبیاء، بعث بعد الموت اور تقدیر خیر و شر کا جس طرح ذکر آیا ہے۔ وہ سب حق اور درست ہے۔ اور ہم اس پر کامل ایمان رکھتے ہیں ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نبیوں کا سردار سمجھتے ہیں اور خاتم النبیین تسلیم کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ آپ پر نازل شدہ شریعت بنی نوع انسان کے لیے آخری شریعت ہے۔ جسے کوئی انسان تو بدل ہی نہیں سکتا بلکہ خود خداوند کریم نے بھی اسے تبدیل نہ کرنے کا وعدہ فرمایا ہے شریعت محمدی کا کوئی حکم قیامت تک منسوخ نہیں ہوگا اور اس کا ہر حکم جملہ شرائط کے ساتھ اور جملہ شرائط کے مطابق قیامت تک قابل عمل رہے گا۔

قرآن کریم کے بعد ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ متواترہ اور احادیث صحیحہ کی پابندی اپنے اوپر لازمی اور ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اس سے ذرا بھی انحراف کو گناہ سمجھتے ہیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام و اہلِ بیت اطہار کو تعلیمات قرآنی اور اخلاق محمدی کے مطابق ایک اعلیٰ اسوہ سمجھتے ہیں۔ جو شخص ان کے طریق سے منحرف ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ سے منحرف ہوتا ہے۔

ہم وہی نماز پڑھتے ہیں۔ اور وہی روزے رکھتے ہیں۔ اور وہی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ وہی حج ادا کرتے ہیں۔ اور اسی قبلہ کو تمام مسلمانوں کا مرکز و مامن سمجھتے ہیں۔ جو قرآن مجید سنتِ رسول و احادیث نبوی اور اقوال صحابہ سے ثابت ہے۔ ہم خود بھی اُمّتِ محمدیہ میں شامل ہیں۔ اور سلسلہ احمدیہ کے بانی بھی اس اُمّت میں شامل تھے وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے تھے۔ اور ہم احمدی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا کلمہ نہیں پڑھتے۔ جو شخص ایسا نہ کرے ہمارے عقیدہ میں قرآنی تعلیم کے خلاف عمل کرنے والا اور اسلام سے انکار کرنے والا ہے۔

ہم ہر کلمہ گو کو اُمّتِ محمدیہ کا جزو سمجھتے ہیں۔ ہم ہر اس شخص کو اُمّتِ محمدیہ کا فرد اور جزو قرار دیتے ہیں جو کلمہ طیبہ پڑھتا ہو اور کعبہ مکرمہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے۔ ہم تمام بنی نوع انسان کی ہمدردی اور خدمت کو خصوصاً تمام مسلمانوں کی ہمدردی اور خدمت کو خواہ وہ کسی ملک میں رہتے ہوں۔ یا کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ہم اس پر ہمیشہ عمل کرتے آئے ہیں۔ اور ہمیشہ عمل کرتے رہیں گے۔ ہماری ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ سب انسانوں سے عموماً اور تمام مسلمانوں سے خصوصاً خوشگوار اور روادارانہ تعلقات رکھیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ ہم آئندہ بھی ایسا ہی کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ اور ہر قسم کے فتنے سے بچیں گے اور کوشش کریں گے کہ ہماری کسی غلطی کیوجہ سے طبائع میں اشتعال پیدا نہ ہو۔

جماعت احمدیہ سیاسی جماعت نہیں ہے

ہم سیاسی جماعت نہیں اور من حیث الجماعت سیاست سے بچے رہنا پسند کرتے ہیں۔ ہم خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ کہ من حیث الجماعت وہ ہمیں ان امور سے بچائے رکھے۔ تاکہ اس دور میں جبکہ عام طور پر دنیا دین کو چھوڑ رہی ہے۔ ہمیں اسلام کی خدمت کی توفیق ملتی رہے۔ اور غیر مسلم اقوام کو اسلام کی طرف لانے کا کام ہم سے سرانجام پاتا رہے۔

حکومت اور ملک کو مضبوط کرنا ہمارا اصول ہے

جماعت احمدیہ کا اصول ہے کہ حکومت اور ملک کو مظبوط کیا جائے۔ اور مسلمانوں کے فرقوں میں مودت اور یگانگت پیدا کی جائے۔ قرارداد مقاصد متعلقہ دستور اساسی پاکستان یا تفصیلات دستور اساسی پاکستان میں جو اساسی اصول منظور ہو چکے ہیں یا ہوں ان کو نظر انداز کئے بغیر ہم سمجھتے ہیں کہ ان دنوں ملک میں جس قسم کی تشویش و شورش پیدا کر دی گئی ہے۔ اسے دیکھتے ہوئے جماعت احمدیہ کے لیے بھی ضروری ہے۔ کہ وہ کوئی ایسا قدم اٹھائے جو طبیعتوں میں سکون پیدا کرنے اور اشتعال ٹھنڈا کرنے میں ممد ہو۔

تحریر و تقریر میں انتہائی نرمی اختیار کی جائے

پس ہم جماعت ہائے احمدیہ افراد جماعت سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ (۱) جماعتی جلسوں کو (بیت الذکر[1]) یا اپنے ہال یا کرایہ پر لیے ہوئے ہال یا اپنے پرائیویٹ احاطوں یا کرایہ پر لیے ہوئے احاطوں تک محدود رکھیں۔ تاکسی قسم کے اشتعال کا موقعہ پیدا نہ ہو۔ (۲) جہاں پبلک جلسوں کی ضرورت پیش آ جائے (اور اگر حکام کی طرف سے اجازت کی ضرورت ہو اور اجازت مل جائے) تو ایسے جلسوں میں متنازعہ عقائد کو زیر بحث نہ لایا جائے اور کسی ایسے طریق کو روانہ رکھا جائے۔ جس کے نتیجہ میں فتنہ اور اشتعال پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ بلکہ تمام مواقع پر تقریر و تحریر میں انتہائی نرمی اور شفقت اختیار کی جائے۔ اور اعلیٰ اخلاقی شرافت، مروت رواداری اور محبت کے طریق کو مدنظر رکھتے ہوئے خیالات کا اظہار کیا جائے۔

۲۔ اس عرصہ میں پاکستان کے اندر مباحثہ اور مناظرہ کے طریق کو بالکل بند کر دیا جائے جماعتہائے احمدیہ اور افراد جماعت اس امر کی پوری احتیاط کریں۔ کہ مسلمانوں کے دیگر فرقوں کے ساتھ متنازعہ عقائد پر مباحثہ اور مناظرہ نہ کیا جائے۔ تبدیلی عقیدہ کی غرض سے جماعت کی طرف سے کوئی اقدام نہ کیا جائے اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ جماعت کی طرف سے اخبارات رسائل اور کتب میں احمدیہ عقائد کی تشریح اور توضیح پر کوئی روک ہو گی یا اعتراضات کا مناسب جواب نہ دیا جائے گا۔ لیکن کوئی غیر احمدی ان کی خریداری یا مطالعہ پر مجبور نہیں۔ اور نہ یہ مراد ہے۔ کہ شخصی گفتگو میں سوال کے جواب میں عقائد کی وضاحت سے پرہیز کیا جائے۔

---

[1] متن میں مسجد کا لفظ ہے (ناقل)

سرکاری ملازم حکومت کی ہدایات کی پوری پابندی کریں

سرکاری افسروں اور ملازمین پر خصوصیت سے ان ہدایات کی پابندی لازم ہے۔ جو حکومت کی طرف سے ان کے متعلق جاری ہوں۔ اور جن امور میں ان پر حکومت کیطرف سے پابندی عائد کی جائے ان کی تعمیل میں سرمو فرق نہ آنا چاہیئے۔ ایمان اور دیانت کا یہی تقاضا ہے۔ کہ جب کوئی شخص حکومت کی ملازمت اختیار کرتا ہے۔ تو ملازمت کا قبول کرنا ہی اس کی طرف سے عہد ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے فرائض کو سرگرمی اخلاص اور دیانت کے ساتھ ادا کرتا رہے گا اور حکومت کی جاری شدہ تمام ہدایات کی پوری پابندی کرے گا۔ اس عہد کی خلاف ورزی اسے حکومت کی طرف سے بھی قابلِ مواخذہ بناتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے روبرو بھی وہ جوابدہ ہوتا ہے اور اپنے ایمان اور تعلق باللہ کو خطرہ میں ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کا اور اُمتِ محمدیہ کا حافظ و ناصر ہو۔ اور ہمیں اس راستہ پر قائم رکھے۔ جو اس کی رضا کا رستہ ہے آمین [1]

ریڈیو پاکستان کراچی کا نشریہ

۱۶ جون ۱۹۵۳ء کو ریڈیو پاکستان کراچی نے یہ خبر نشر کی کہ "حضرت امام جماعت احمدیہ نے اپنے ایک اعلان میں جماعت احمدیہ کے افراد کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے عام جلسوں میں اعتقادی اختلافات کو زیر بحث نہ لائیں آپ نے فرمایا جماعت احمدیہ کوئی سیاسی جماعت نہیں ہے جماعت کے ان افراد کے متعلق جو سرکاری ملازم ہیں آپ نے فرمایا کہ حکومت وقتاً فوقتاً جو ہدایات جاری کرتی رہتی ہے وہ ان سب پر عمل کریں۔" [2]

پاکستانی پریس میں بیان کی اشاعت

یہ مکمل بیان ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان (اے پی پی) کے ذریعہ "المصلح" (کراچی) کے علاوہ "ملت" لاہور (۱۸ جون ۱۹۵۳ء) میں بھی شائع ہوا اور ملک میں اس کی خاصی شہرت ہوئی۔ حتیٰ کہ پنجاب کے

---

[1] روزنامہ المصلح کراچی مورخہ ۱۸ احسان ۱۳۳۲ ہش ۱۸ جون ۱۹۵۳ء ص ۳-۸ الفضل ۲ احسان ۱۳۳۵ ہش ۱۹۵۶ء ص ۳ و ۶۔

[2] روزنامہ المصلح (کراچی) ۱۷ جون ۱۹۵۳ء ص ۱

بعض مشہور اخبارات نے بھی اس کا خیر مقدم کیا۔

(ا) روزنامہ "آفاق" لاہور مؤرخہ ۱۲؍جون ۱۹۵۳ء نے "قادیانیوں کے امام کا بیان" کے زیرِ عنوان حسب ذیل اداریہ سپرد قلم کیا۔

"قادیانیوں کے امام مرزا بشیر الدین محمود صاحب کا ایک بیان اخبارات میں آیا ہے۔ اس بیان میں مرزا صاحب نے نہایت شرح صدر کے ساتھ ان تمام شکوک و اعتراضات کو رفع کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ جو عام طور پر اُن کی جماعت کے متعلق کئے جاتے ہیں اور جنہوں نے گزشتہ ایام میں ایک نہایت خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔ مرزا صاحب کا ارشاد ہے کہ وہ

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خاتم النبیین اور آپ کی شریعت کو آخری مانتے ہیں۔

۲۔ وہی اعتقاد رکھتے ہیں جو توحید، نبوت اور قیامت کے متعلق عام مسلمانوں کا ہے۔

۳۔ وہ ۔ وہی اعمال بجا لاتے ہیں جو دوسرے مسلمان بجا لاتے ہیں۔

۴۔ وہ مسلمانوں کے خصوصاً اور عام انسانوں کے عموماً ہمدرد اور بہی خواہ ہیں۔

۵۔ وہ کلمہ گو اہلِ قبلہ کو اُمتِ محمدیہ کا فرد اور جزو سمجھتے ہیں۔

یہ پنجگانہ نکات اپنی جگہ بہت خوب ہیں اور انہیں پڑھ کر اکثر مسلمان ایک سے زائد بار سوچیں گے کہ اگر ان لوگوں کے عقائد یہی ہیں تو قدر مشترک بہت زیادہ ہے۔

لیکن مرزا صاحب اگر ان نکات کے ساتھ ہی ایک نکتہ کی وضاحت اور بھی فرما دیتے تو اختلافات کی وہ خلیج جو عام مسلمانوں اور اُن کی جماعت کے درمیان دیر سے حائل ہے اور پچھلے دنوں بہت وسیع ہو گئی تھی، بڑی حد تک پٹ سکتی تھی اور وہ نکتہ یہ ہے کہ جو مسلمان مرزا غلام احمد صاحب کو نہیں مانتے، ان کا مقام و منصب قادیانیوں کے نزدیک کیا ہے؟ آیا قادیانی حضرات ان سے دین و دنیا کے معاملات میں ایسا تعاون کر سکتے ہیں جو باوجود فروعی اختلافات رکھنے کے مسلمانوں کے دوسرے فرقوں میں نظر آتا ہے، اگر اس کا جواب اثبات میں ہو تو پھر امام جماعت احمدیہ کا بیان بڑی حد تک مؤثر ہو جاتا ہے۔ رہی یہ بات کہ خاتم النبیین کے معنوی تصور میں قادیانی حضرات کونسی تاویل کرتے ہیں اس کا جواب مولانا عبدالماجد نے یہ دیا تھا کہ تاویل خواہ کیسی ہی رکیک ہو، کذب و انکار کے مترادف نہیں ہوتی۔ ہمیں معلوم نہیں کہ عامۃ المسلمین کے نزدیک مولانا

دریا بادی کا ارشاد کس حد تک قابل قبول ہے ؟ ۔ لیکن مرزا غلام احمد کے نہ ماننے والے کے متعلق قادیانیوں کا نقطۂ نظر معلوم ہو جائے تو اختلاف کی حدیں بڑی حد تک سمٹ سکتی ہیں ورنہ اس بیان سے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ جس مقصد کے لیے یہ شائع کیا گیا ہے اُسے بوجہ احسن پورا کر سکے گا

بینوا وتوجروا "[۱]

۲۔ میاں محمد شفیع صاحب نے اخبار "آثار" (لاہور) ۲۰ رجون ۱۹۵۳ء میں لکھا :۔

"۶۴ سالہ ۔۔ ذہین وفطین مرزا بشیر الدین محمود احمد نے مسلمانوں کے متعلق اپنی جماعت کے مؤقف کی، ایک بیان میں وضاحت کی ہے ۔ انہوں نے بانی سلسلہ اور جماعت کے مذہبی عقائد کی بھی اس بیان میں توضیح کی ہے ۔

(کیا اچھا ہوتا کہ لاہور کے اخبارات اس بیان کا مفصل متن چھاپ دیتے تاکہ عوام اور خواص اسے پڑھ کر خود کوئی رائے قائم کر سکتے)

پاکستان کے مذہبی طبقوں کا اس بیان کے متعلق کیا ردِ عمل ہوگا ؟ ۔ میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا ۔ میرے نزدیک اس بیان کا اہم ترین حصہ وہ ہے جس میں مرزا صاحب نے اپنی جماعت کے ارکان کو تلقین کی ہے کہ وہ تبدیلی عقیدہ کی غرض سے کوئی اقدام نہ کریں اور کہ وہ مسلمانوں کے دیگر فرقوں کے ساتھ متنازعہ عقائد پر مباحثہ اور مناظرہ نہ کریں اور یہ کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ خاتم النبیین تسلیم کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان پر خدا کے جو احکام نازل ہوئے وہ آخری تھے "[۲]

---

[۱] آفاق ۱۲ رجون ۱۹۵۳ء ص ۳ ۔ [۲] "آثار" لاہور ۲۰ رجون ۱۹۵۳ء ص ۳ "لاہور کی ڈائری" (اخبار کے مینجنگ ایڈیٹر مولوی اختر علی خاں)

۲۔ اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" نے لکھا:

"Welcome Gesture

In issuing a detailed statement about the Ahmadiyya beliefs and a directive to his community to stop all religious controversies, the Head of the Ahmadiyya movement, Mirza Bashirud-Din Mahmud Ahmad has made a most helpful contribution towards the easing of the bitterness created as a result of the recent anti-Ahmadiyya agitation. Deviation even by an hair's breadth from the way chalked out by the Quran and Sunnah, says the Ahmadiyya leader, is, according to his creed, a sin. All those who recite the "Kalima" are looked upon by his community as belonging to and part of the "Ummat" of the Holy Prophet. These declarations should go a long way to dispel misunderstandings. That there are differences between the Ahmadies and the orthodox Ulema on certain religious points is perfectly true. But there are equally great, even greater differences among other sects. If we start probing into those differences, there would be no end to them and Pakistan would be reduced to a Babel of confusion. Solidarity of the "Millat", to our mind, is the highest objective if Islam. To sacrifice national solidarity and weaken a national State is the greatest "Kufr". There should be no other interpretation of Islam and "Kunfr" in Pakistan. And that, we are quite clear in our mind, is the essence of the Quranic teachings. We doubt that the Ahmadiyya Chief's clarifications will at all pacify the Ulema who, according to Iqbal, would need something to quarrel about even in Heaven. But sensible sections of public opinion should find food for thought in it. Unless we learn to stand united, despite our differences, we are doomed as a free people. Any outside wire-pulling can plunge Pakistan into a conflagration, by working up sectarian passions between any two sects.

("Civil & Military Gazette", Lahore 18-6-1953)

خوش کُن اقدام

(ترجمہ) جماعت احمدیہ کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے جماعت کے عقائد سے متعلق ایک مفصل بیان جاری کر کے مذہبی مناقشات کو دور کرنے اور حالیہ اینٹی احمدیہ تحریک کے ذریعہ پیدا کی گئی تلخی کو رفع کرنے کے لئے ایک نہایت مفید اقدام کیا ہے۔ امام جماعت احمدیہ نے کہا ہے کہ قرآن مجید اور سنّت کے طریق کار سے ذرہ بھر انحراف ان کے نزدیک گناہ ہے تمام کلمہ گو آپ کے اور آپ کی جماعت کے نزدیک مسلمان ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں شامل اور اس کا حصّہ ہیں آپ کا یہ اعلان غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے ایک بہت ہی دُور رس اقدام ہے۔
یہ درست ہے کہ احمدیوں اور قدامت پسند علماء کے مابین بعض مذہبی امور میں اختلاف ہے تاہم دیگر فرقوں کے درمیان اس سے بھی بڑھ کر اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اگر ہم ان اختلافات کی چھان بین کرنے لگیں تو ان کی کوئی انتہاء نہ ہو گی اور پاکستان انتشار کا ملغوبہ بن کر رہ جائے گا۔
ہمارے خیال میں ملّت کی یکجہتی اسلام کا سب سے بڑا مطمح نظر ہے اس قومی یک جہتی کو کھونا اور ملک کو کمزور کرنا سب سے بڑا کفر ہے۔ پاکستان میں اسلام اور کفر کی اس کے سوا کوئی توجیہہ نہیں ہونی چاہیئے اور ہم اس بات کے کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہی قرآنی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ ہمیں شبہ ہے کہ احمدیہ جماعت کے سربراہ کی یہ تصریح اُن علماء کرام کو تسلّی دے سکے گی جو علامہ اقبال کے نظریہ کیمطابق جنت میں بھی کسی ایسی چیز کی تلاش میں ہوں گے جو جھگڑے کا باعث ہو۔ تاہم عوام کے اندر دانشور طبقہ کے لیے اس میں یقیناً لمحۂ فکریہ کی گنجائش ہے۔
جب تک ہم اپنے تمام اختلافات کے باوجود متحد نہیں ہو جاتے، ایک آزاد قوم کی حیثیت سے ہمارا مستقبل مخدوش ہو جائے گا بیرونی دنیا کی کوئی بھی طاقت کسی بھی

دو فرقوں کے درمیان فرقہ وارانہ اشتعال پھیلا کر پاکستان کو ایک نہ بجھنے والی آگ میں دھکیل سکتی ہے۔

بعض دوسری شخصیات کے تأثرات

پاکستان کے ایک معروف اہل قلم جناب ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ نے لکھا:-

"جماعت احمدیہ کے موجودہ امام جناب میاں محمود احمد صاحب غیر معمولی فہم و فراست اور علم و تدبر کے مالک ہیں۔ نزاکت وقت کو محسوس کرتے ہوئے آج سے ایک ہفتہ پہلے (جون ۱۹۵۲ء کے آخر میں) آپ نے ایک طویل بیان اخبارات کے حوالے کیا جس میں اعلان فرمایا:۔

اوّل:۔ کہ ہم مسلمان ہیں۔ دیگر مسلمانوں سے ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ ہمارا رسول ایک کتاب ایک۔ قبلہ ایک۔ تمدن ایک۔ روایات ایک اور سب کچھ ایک۔

یہ ایک نہایت مبارک اقدام ہے۔ اللہ کرے کہ احمدی و غیر احمدی کے مصنوعی اختلافات ختم ہو جائیں اور ہم سب مل کر پاکستان کے استحکام اور قرآنی اقدار کے احیاء کے لیے کام کریں۔

گزشتہ ستر برس میں احمدی کو غیر احمدی سے جدا کرنے کے لیے کئی ہزار صفحات سپرد قلم ہوئے اور انہیں ملانے کے لیے شاید ایک لفظ بھی کسی زبان سے نہ نکلا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے جنازے اور نمازیں ایک دوسرے سے الگ ہوگئیں۔ رشتے کٹ گئے اور کفر و اسلام کے پہاڑ درمیان میں حائل ہو گئے۔ جناب مرزا میاں محمود احمد صاحب کا یہ بیان اس لحاظ سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ مصالحت کی طرف یہ پہلا جرأت مندانہ قدم ہے۔"[۱]

۱۹۵۳ء کی احراری تحریک کے سرگرم لیڈر اور اخبار زمیندار کے ایڈیٹر مولانا اختر علی خاں صاحب نے تحقیقاتی عدالت میں بیان دیا کہ:۔

"احمدیوں نے .... اپنے تحریری بیان میں جو اعلانات کیے ہیں اور جنہیں مئی ۱۹۵۳ء میں جس طرح شائع کیا گیا۔ ان سے تنازعہ ختم ہو جاتا ہے اور احمدیوں

---

[۱] حرفِ محرمانہ مؤلفہ ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برقؔ ص ۱۴، ۱۵ سن اشاعت ۱۹۵۴ء باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر و پبلشر علی پرنٹنگ پریس اسپتال روڈ لاہور۔

کو اب دائرہ اسلام سے خارج نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر احمدیوں کے خلاف تحریک دوبارہ شروع ہو تو مَیں اس میں یقیناً شامل نہیں ہوں گا۔" لہ

لہ اخبار ملّت (لاہور) ۳۱ر اکتوبر ۱۹۵۲ء ص ۲ کالم ۴

حصّۂ سُوم

تحقیقاتی عدالت میں وکلائے احمدیت کی کامیاب نمائندگی

اور

حضرت مصلح موعودؓ کا بصیرت افروز بیان اور اس کے اثرات

پہلا باب

فسادات پنجاب کی تحقیقات کیلئے عدالت کا قیام

گورنر پنجاب جناب میاں امین الدین صاحب نے ۱۹ جون ۱۹۵۳ء کو ایک آرڈیننس جاری کیا جس کے تحت فسادات پنجاب کی تحقیقات کے لیے ایک عدالت قائم کی۔ اور چیف جسٹس محمد منیر اور جسٹس ایم۔ آر کیانی کو اس کا ممبر مقرر کیا گیا۔ اور ہدایت کی گئی کہ وہ مندرجہ ذیل امور کی چھان بین کریں:۔

۱۔ وہ کیا کوائف تھے جن کی وجہ سے ۶ مارچ ۱۹۵۳ء کو لاہور میں مارشل لاء کا اعلان کرنا پڑا۔

۲۔ فسادات کی ذمہ داری کس پر ہے؟

۳۔ صوبے کے سول حکام نے فسادات کے حفظ ما تقدم یا تدارک کے لیے جو تدابیر اختیار کیں، آیا وہ کافی تھیں یا ناکافی؟

عدالت نے اپنے دائرہ تحقیقات میں شروع میں ہی غیر معمولی وسعت پیدا کر لی اور حکومت پنجاب، صوبہ مسلم لیگ، مجلس احرار، مجلس عمل اور جماعت اسلامی کے علاوہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو بھی کارروائی عدالت میں فریق بنا لیا۔ اور ہدایت کی کہ وہ تحقیقات کے دائرہ شرائط کے متعلق تحریری بیانات داخل کریں جن میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

تحقیقاتی عدالت نے دوران تحقیقات متعلقہ اداروں سے مندرجہ ذیل دس سوالات کے جوابات بھی طلب کیے۔

۱۔ ظہور مسیح و مہدی کا ذکر قرآن مجید اور احادیث میں۔

۲۔ کیا مسیح جن کا آئندہ ظہور تسلیم کیا گیا ہے وہی عیسیٰ بن مریم ہوں گے یا کوئی اور؟

۳۔ (الف) کیا مسیح اور مہدی کا درجہ نبی کا ہوگا؟ (ب) انہیں وحی والہام بھی ہوگا؟

۴۔ کیا ان میں سے ایک یا دونوں قرآن یا سنت کے کسی قانون کو منسوخ کریں گے؟

۵۔ پیغمبر کو کس طریق پر وحی آتی تھی۔ اور کیا حضرت جبرائیل مرئی صورت میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے سامنے آتے تھے؟

۶۔ آل مسلم پارٹیز کنونشن نے خاتم الانبیاء کی جو تشریح اور وضاحت کی ہے کیا وہ مسلم عقیدہ کا ہمیشہ جزو رہی ہے؟

۷۔ قرآن اور سنت کے وہ حوالے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی سیاسی اور مذہبی نظام میں غیر مسلموں کو ایک غیر ملکی عنصر کے طور پر قرار دیا گیا ہے۔ اور اگر ایسا ہے تو جس حد تک ان کو الگ رکھا گیا ہے اس کی تائید میں تاریخی حوالے پیش کئے جائیں۔ اسی طرح اس پر روشنی ڈالی جائے کہ کیا غیر مسلموں کو ملک میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کی اجازت تھی یا نہیں؟ اور کس حد تک ایک قوم یا فرد کے گناہ دوسری قوم یا فرد پر ڈالے جا سکتے ہیں؟

۸۔ ڈائریکٹ ایکشن کا جواز

۹۔ احمدیوں کی مطبوعات جو عامۃ المسلمین کے مذہبی جذبات و احسانات کی توہین کرتی ہیں۔

۱۰۔ دیگر مسلمانوں کی مطبوعات جن سے احمدیوں کے عقائد کی توہین ہوتی ہے۔

ان دس سوالات کے علاوہ جو تمام متعلقہ جماعتوں سے کئے گئے تحقیقاتی عدالت نے بالخصوص صدر انجمن احمدیہ کو ضابطہ کی کارروائی کے آغاز ہی میں حسب ذیل سات سوالات کے تحریری جوابات داخل کرنے کی ہدایت کی:۔

سوال نمبر ۱:۔ جو مسلمان مرزا غلام احمد صاحب کو نبی بمعنیٰ ملہم اور مامور من اللہ نہیں مانتے کیا وہ مومن اور مسلمان ہیں؟

سوال نمبر ۲:۔ کیا ایسے شخص کافر ہیں؟

سوال نمبر ۳:۔ ایسے کافر ہونے کے دنیا اور آخرت میں کیا نتائج ہیں؟

سوال نمبر ۴:۔ کیا مرزا صاحب کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اور اسی ذریعہ سے الہام ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۵:۔ (ا) کیا احمدیہ عقیدہ میں یہ شامل ہے کہ ایسے اشخاص کا جنازہ جو مرزا صاحب پر یقین نہیں رکھتے Infructuous ہے۔

(ب) کیا احمدیہ عقائد میں ایسی نماز جنازہ کے خلاف کوئی حکم موجود ہے؟

سوال نمبر ۶ :- (۱) کیا احمدی اور غیر احمدی میں شادی جائز ہے؟

(ب) کیا احمدی عقیدہ میں ایسی شادی کے خلاف ممانعت کا کوئی حکم موجود ہے؟

سوال نمبر ۷ :- احمدیہ فرقہ کے نزدیک امیر المومنین کی Significance کیا ہے؟

تحقیقاتی عدالت کی طرف سے درج ذیل مزید دس سوالات کے جوابات صدر انجمن احمدیہ ربوہ کو داخل کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ سوالات دوسرے فریقوں کے تحریری بیانات کی روشنی میں مرتب کئے گئے تھے:۔

۱۔ انہوں نے اسلام میں اُمتیوں پر وحی اور نزول جبرئیل کے وجود کو تسلیم کیا ہے حالانکہ نہ غیر نبی پر وحی نازل ہو سکتی ہے نہ بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جبرئیل نازل ہو سکتا ہے۔ ایسے عقیدے والا رسول کریم صلعم کی ہتک کرتا ہے۔

۲۔ انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کی ہتک کی ہے

(۳) انہوں نے مسیح موعودؑ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور مسیح ناصری کی وفات کا اعلان کر کے مسلمانوں کی دل شکنی کی ہے۔

۴۔ انہوں نے ایک نئی اُمت بنائی ہے اور اپنے نہ ماننے والوں کو کافر اور خارج از اسلام کہا ہے اس لیے مسلمانوں کو اشتعال آتا ہے۔

۵۔ انہوں نے اپنے مخالفوں کے پیچھے نمازیں پڑھنے سے روکا ہے ان کا جنازہ پڑھنے سے روکا ہے اور ان کو لڑکیاں دینے سے روکا ہے۔

۶۔ انہوں نے ایک غیر مسلم حکومت کی اطاعت کرنے کی تعلیم دی ہے اور اس کی تائید میں جہاد کو منسوخ قرار دیا ہے۔

۷۔ انہوں نے مسلمان حکومتوں اور مسلمان تحریکوں سے کبھی ہمدردی نہیں کی۔

۸۔ انہوں نے مسلمانوں کو عموماً اور مسلمان علماء کو خصوصاً سخت گالیاں دی ہیں۔

۹۔ انہوں نے مسلمانوں سے الگ رہنے کی کوششیں کیں مثلاً ربوہ بنایا۔

۱۰۔ احمدی پاکستان کے مخالف ہیں اور عقلاً بھی وہ مخالف ہونے چاہئیں کیونکہ وہ ایک امام کو مانتے ہیں اور اس طرح وہ ایک متوازی حکومت بنانے کے مجرم ہیں۔

نازک مرحلہ یہ مرحلہ کئی اعتبار سے فسادات کے ایام سے بھی بڑھ کر نازک، بلکہ حضرت مصلح موعود کے الفاظ میں جماعت احمدیہ کے لیے "موت اور زندگی کا سوال" [1] تھا۔ جب کے دو پہلو ابتداء ہی میں تشویش پیدا کر رہے تھے:۔

اوّل:۔ تحقیقاتی عدالت کے اعلان سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس تحقیقات کا مقصد اس سے زیادہ سمجھتی ہے جتنا کہ حکومت کے ابتدائی اعلان سے ظاہر ہوتا تھا اور اس نوعیت کی تحقیقات میں یہ زبردست خطرہ تھا کہ بعض لوگ حقائق کو بگاڑ کر اس انکوائری کو مذہبی اختلافات اچھالنے کا موجب ہی نہ بنا دیں۔ خصوصاً جبکہ یہ دونوں فاضل جج صاحبان اپنے مسلک کے اعتبار سے احمدیت سے اختلاف رکھتے تھے۔

دوم:۔ عوام میں علماء نے ایک خاص منصوبے کے تحت جماعت احمدیہ کے خلاف بغض و عناد کا زہر بھر دیا تھا۔ اور مارشل لاء میں ماخوذ علماء اور زعماء کی نظر بندی کو احمدیت کے خلاف نفرت اور اشتعال پیدا کرنے کا ایک ذریعہ بنا لیا گیا اور تمام جماعتیں اس روح کے ساتھ مجتمع ہو گئیں کہ تحقیقاتی عدالت میں احمدیوں کو فسادات کا ذمہ دار ٹھہرا کر انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دلوا دیا جائے۔ چنانچہ جناب سید یزدانی جالندھری کا بیان ہے کہ:۔

"مارچ ۱۹۵۳ء میں لاہور میں احمدیوں کے خلاف فرقہ وار فساد ہوا ...... احمدیوں کے خلاف فرقہ ورفساد تو مارشل لاء نے چند لمحوں میں ختم کر دیا۔ جہاں تک آئندہ کا تعلق تھا مستقبل قریب میں کوئی نیا فرقہ وار فساد کرا سکنا ان کو ناممکن نظر آ رہا تھا۔ اس لیے کچھ منفی طبع مولوی بہت پریشان تھے اور اسی قسم کے نئے امکانات پیدا کرنے کی سوچ رہے تھے کہ اتنے میں خبر آئی کہ حکومت نے احمدیوں کے خلاف برپا شدہ فسادات کی تحقیقات کے لیے ہائی کورٹ کے دو جج "منیر انکوائری کمیٹی" کے نام سے مقرر کر دیئے ہیں جن کے سامنے ہر مکتب فکر کے مولویوں کو اپنا نقطۂ نگاہ پیش کرنے کی عام اجازت ہو گی۔ اس سے انہوں نے یہ سمجھ کر کہ اب احمدیوں کو دائرہ اسلام سے آئینی طور پر خارج قرار دلانے کا موقع ہاتھ آ گیا ہے۔ کچھ مولویوں نے خود اپنے درمیان

---

[1] مکتوب حضرت مصلح موعود بنام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب موصولہ ۷ جولائی ۱۹۵۳ء

شدید اختلافِ عقائد رکھتے ہوئے اس منفی کام کے لیے منظم ہونا قبول کر لیا اور وقت آنے پر اس کمیٹی کے روبرو پیش ہونے لگے۔

مولانا محمد علم الدین سالک بڑی سختی سے حنفی عقائد کے پابند تھے اور عقائداً احمدیوں سے شدید اختلاف رکھتے تھے اور یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں تھی۔ ایک دن ایک مولوی صاحب جو اتفاق سے دیوبندی بھی تھے۔ مولانا کے پاس تشریف لے گئے اور درخواست کی کہ انکوائری کمیٹی کے ہاتھوں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دلانے کے لیے وہ اس کمیٹی کے روبرو خود پیش ہوں اور اپنے دوسرے رفقاء علماء کو بھی ایسا کرنے کے لیے کہیں بعد میں مولانا نے جو کچھ بتایا اس کے مطابق ان مولوی صاحب اور مولانا کے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

مولانا علم الدین سالک مرحوم۔ "میں آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔ لیکن آپ یہ فرمائیں کہ آپ کی اور میری کوشش سے اگر احمدی خارج از اسلام قرار دے دیئے جائیں تو کیا تمام عالم اسلام کی تطہیر ہو جائے گی اس کے بعد کوئی کافر عنصر مسلمانوں میں باقی تو نہیں رہ جائے گا۔ غیر ممالک میں احمدی تبلیغی مشنوں کے بدلے کیا انتظام ہوگا۔

مولوی صاحب۔ نہیں۔ یہ تو ہماری ابتداء ہے انشاء اللہ رفتہ رفتہ ہم سب کافر عناصر کو مسلمانوں سے خارج کرا لیں گے۔ پہلے احمدیوں سے نپٹ لیں۔ دوسروں کی پھر سوچیں گے۔

مولانا علم الدین سالک مرحوم۔ شیعوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا آپ ان کو مسلمانوں میں شامل رہنے دیں گے؟

مولوی صاحب۔ ہم سمجھتے ہیں کہ احمدی لوگ ختمِ نبوت کو نہیں مانتے۔ مگر وہ بانیٔ جماعت احمدیہ کو اُمتی نبی اور تابع شریعت محمدی بنا کر اپنے حق میں کچھ منطقی صورت پیدا کر لیتے ہیں۔ شیعہ فرقہ "امام" کو نبی سے بڑا مانتا ہے۔ اور وہ امام کی آمد کا منتظر ہے اس سے حضور سرور کائنات کی دوہری توہین ہوتی ہے۔ یعنی اس کے عقیدہ کے مطابق امام ضرور آئے گا اور امام نبی سے بڑا ہوگا۔ چنانچہ حضرت نعمت اللہ شاہ ولی[1] نے محض اس بنا پر صرف شیعہ فرقہ کو منکر ختمِ نبوت قرار دے کر کافر گردانا ہے۔ شیعوں کے بعد اہلِ حدیث کا نمبر آتا ہے یہ فرقہ حضور سرور کائنات کے مقام کو گھٹاتا اور قبروں کی عزت سے منع کرتا ہے۔ ان قبروں

---

[1] یہ سہو ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی چاہیئے ملاحظہ ہو آپ کی کتاب تفہیمات الٰہیہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۴ اکیڈمی شاہ ولی اللہ حیدرآباد ۱۹۶۷ء

میں حضور سرورِ کائناتؐ اور صحابہ اجمعین کے روضے بھی آتے ہیں۔ پھر اس فرقہ کو کس طرح مسلمان شمار کیا جا سکتا ہے؟ پس مسلمانوں کی مکمل تطہیر اس وقت ہو گی جب احمدی، شیعہ، اہلحدیث تینوں فرقے غیر اسلامی اقلیتیں بنا دی جائیں گی۔ لیکن اس کام کی ابتداء احمدیوں سے ہونی چاہیئے"

مولانا علم الدین سالک فرمانے لگے کہ مولوی صاحب کی گفتگو جب اس مقام پر پہنچی تو مجھے خیال آیا کہ دیوبندی فرقہ نے بڑے بڑے جید علماء پیدا کیے جنہوں نے اسلام کی عظمت کو چار چاند لگائے اور اب بھی اس کے ایسے علماء موجود ہیں یہ مولوی صاحب خود بھی دیوبندی ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ ایک دوسرے دیوبندی مولوی صاحب سے ان کی شدید دشمنی ہے اس لیے میں مولوی صاحب سے کہا:۔

"غالباً آپ نے مسلمانوں کے تمام عقائد پر غور نہیں کیا ورنہ شائد آپ بریلوی فرقہ کو بھی غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے حق میں ہوتے۔ خیر اس بات کو چھوڑیئے۔ آپ یہ فرمائیں کہ فلاں (دیوبندی) مولوی صاحب کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے کیا وہ اس قابل ہیں کہ ان کو مسلمانوں کے زمرہ میں رہنے دیا جائے"

اس پر مولوی صاحب بہت جز بز ہوئے اور فرمایا:

"اس مولوی میں ایمان کا یکسر فقدان ہے۔ اُس سے بھی نپٹ لیں گے مگر سب کے بعد۔ بات اس وقت احمدیوں کی ہو رہی ہے۔ آپ اُن کے خلاف گواہی دیجیئے اور ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دلا کر مسلمانوں کی تطہیر کا آغاز کرا دیجیئے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے گا"

مولانا علم الدین سالک فرمانے لگے میں نے مولوی صاحب کی گفتگو سے دو نتیجے اخذ کئے۔

۱۔ عقائد کی بنا پر مسلمانوں کے کسی فرقہ کو بھی آئینی طور پر غیر مسلم قرار دے دیا گیا تو تخریبِ اسلام کی یہ ابتداء ہو گی۔ آئندہ مختلف موقعوں پر کوئی اسلامی فرقہ اس قسم کی انتقامی کارروائی سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ جس سے عالمِ اسلام انتشار کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔

۲۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا وار احمدیوں پر ہے۔ اس لیے احمدی فرقہ دوسرے فرقوں بالخصوص شیعہ اور اہلِ حدیث کے درمیان ایک بفر سٹیٹ (Buffer State) کی حیثیت رکھتا ہے۔ احمدی مغلوب ہو گئے اور ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ تو اس کے بعد

دوسرے دو فرقوں کی شامت آنا ضروری ہے ۔ چنانچہ میں نے مولوی صاحب سے معذرت کر دی کہ میں گواہ کے طور پر پیش نہیں ہو سکتا ۔ اس منفی کام میں مجھے علیحدہ ہی رہنے دیجئے ۔"[1]

بالکل اسی قسم کا ایک واقعہ جناب ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ایم ۔ اے ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی ۔ نے اپنے رسالہ "اقبال اور ملّا" میں درج کیا ہے ۔ آپ تحریر فرماتے ہیں :۔

"پاکستان کی ایک یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے مجھ سے حال ہی میں بیان کیا کہ ایک مُلّائے اعظم اور عالم مقتدر سے جو کچھ عرصہ ہوا بہت تذبذب اور سوچ بچار کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آگئے ہیں میں نے ایک اسلامی فرقے کے متعلق دریافت کیا ۔ انہوں نے فتویٰ دیا کہ ان میں جو غالی ہیں وہ واجب القتل ہیں اور جو غالی نہیں وہ واجب التعزیر ہیں ۔ ایک اور فرقے کی نسبت پوچھا جس میں کروڑ پتی تاجر بہت ہیں فرمایا کہ وہ سب واجب القتل ہیں ۔ یہی عالم اُن تیس بتیس عُلماء میں پیش پیش اور کرتا دھرتا تھے ۔ جنہوں نے اپنے اسلامی مجوّزہ دستور میں یہ لازمی قرار دیا کہ ہر اسلامی فرقے کو تسلیم کر لیا جائے سوائے ایک کے جس کو اسلام سے خارج سمجھا جائے ۔ ہیں تو وہ بھی واجب القتل ، مگر اس وقت علی الاعلان کہنے کی بات نہیں موقع آئے گا تو دیکھا جائیگا انہیں میں سے ایک دوسرے سربراہ عالم دین نے فرمایا کہ ابھی تو ہم نے جہاد فی سبیل اللہ ایک فرقے کے خلاف شروع کیا ہے اس میں کامیابی کے بعد انشاء اللہ دوسروں کی خبر لی جائے گی ۔"[2]

لاہور میں ذیلی دفتر کا قیام صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے معاملہ کی نزاکت و اہمیت کے پیش نظر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی کوٹھی (واقع ٹمپل روڈ لاہور) کے اندر ایک دفتر قائم کر دیا ۔ ان دنوں قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ناظر اعلیٰ تھے اور حضرت مصلح موعود نے تحقیقاتی عدالت سے متعلقہ امور کی نگرانی آپ ہی کے سپرد فرما رکھی

---

[1] رسالہ "انقلاب نو" ۔ لاہور ۔ جلد نمبر ۴ شمارہ نمبر ۷ ص نمبر ۳۳ یکم اپریل تا ۳۱ اپریل ۱۹۷۴ء

[2] "اقبال اور مُلّا" طبع مفتم ص ۱۸ ۔ ۱۹ ، ناشر بزم اقبال ، نرسنگھ داس گارڈن ، کلب روڈ ، لاہور ۔

تھی۔ آپ نے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ ناظر امور عامہ کی معیت میں اپنے اہم فرائض کو سات آٹھ ماہ تک جس بصیرت، خوش اسلوبی اور جانفشانی سے ادا کیا اس کا اندازہ صرف وہی مخلصین جماعت لگا سکتے ہیں جنہیں اس زمانے میں آپ کے ماتحت کام کرنے کا موقعہ نصیب ہوا۔ علاوہ ازیں اس دور کے ریکارڈ میں آپ کے قلم مبارک سے جو ہدایات اور ارشادات اور خط و کتابت موجود ہے اُس سے قطعی طور پر پتہ چلتا ہے کہ آپ نے حضرت المصلح الموعود کے احکام کی بجاآوری میں جزئیات اور تفصیلات تک کو بھی ملحوظ رکھا ہے بلاشبہ یہ ایک عظیم معرکہ تھا جس میں آپ کی عظیم الشان خدمات ہمیشہ زرّیں الفاظ سے لکھی جائیں گی۔

جناب منظور احمد صاحبؒ قریشی کا تحریری بیان ہے کہ:-

"جماعت احمدیہ نے جن دنوں اپنا کیس تحقیقاتی عدالت کے روبرو پیش کیا مَیں اس زمانہ میں چوک نسبت روڈ لاہور پر بطور ٹائپسٹ کام کرتا تھا۔ ہماری جماعت نے مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت لاہور کی کوٹھی واقع ۱۳۔ ٹمپل روڈ لاہور میں اپنا دفتر قائم کیا ہوا تھا۔ جماعت کو بعض ٹائپسٹ کی ضرورت پیش آئی تو لاہور سے مجھے اور ایک اور صاحب خلیل احمد قریشی (پنجاب سیکرٹریٹ) کو اور ربوہ سے حسن محمد خاں صاحب عارفؔ کو بلوایا گیا۔

ہم روزانہ صبح کوٹھی پر پہنچ جاتے تھے۔ ہمیں مسودہ دیا جاتا تھا اور ہم اسے ٹائپ کرتے جاتے تھے اور پھر اصلاح کر کے دوبارہ ٹائپ کرایا جاتا تھا۔ ٹائپ شدہ مسودہ پر حضرت مولانا عبدالرحیم دردؔ صاحب، شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ اور ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم ایڈووکیٹ گجرات وغیرہ

لے (والد ماجد ڈاکٹر قریشی لطیف احمد صاحب ہارٹ سپیشلسٹ "فضل عمر ہسپتال") ولادت ۱۵؍ جولائی ۱۹۱۴ء۔ مولد ریاست الور، تعلیم اجمیر شریف میں حاصل کی۔ پھر فوج میں ملازم ہو گئے قیام پاکستان کے بعد لاہور آ گئے ۵؍ دسمبر ۱۹۴۷ء سے لیکر ۱۶؍ مارچ ۱۹۸۷ء تک لاہور میں ٹائپ کا کام کیا۔ آپ کے ادارہ کا نام ٹائپ کارنر تھا۔ آپ مولانا عبدالمالک خاں صاحبؒ مربی سلسلہ کے سمبندھی ہیں۔ آج کل آپ اپنے صاحبزادہ قریشی لطیف احمد صاحب کی کوٹھی ۱۸/۵۳ دارالعلوم وسطی ربوہ میں قیام پذیر ہیں۔

نظرِ ثانی فرماتے اور تصحیح و ترمیم اور اضافہ کے بعد اسے دوبارہ ٹائپ کیا جاتا تھا۔ یہ کام رات گئے تک ہوتا رہتا تھا۔ تقریباً دس روز تک یا زیادہ ہم صبح سے شام تک کام کرتے رہتے تھے۔

ہم تینوں نے تمام ٹائپ کا کام ہاتھ میں لے لیا۔ مسودے بنتے رہے اور ٹائپ ہوتے رہے۔

مگر جو بیان صدر انجمن احمدیہ ربوہ کی طرف سے دائر ہونا تھا وہ میرے حوالے کیا گیا اور مَیں نے اُسے بہت ہی احتیاط سے ٹائپ کیا اور وہی داخلِ عدالت کیا گیا۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد اور شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت لاہور نے میری بہت تعریف کی اور میرے کام کو بہت پسند فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے مجھے یہ سعادت عطا کی اور مجھے ان بزرگوں کی دعاؤں میں شامل کیا۔

محترم شیخ صاحب نے مجھ سے کئی مرتبہ ٹائپ کا معاوضہ لینے کے لیے اصرار فرمایا لیکن مَیں نے قطعی انکار کر دیا کہ یہ سلسلہ کا مبارک کام تھا اور اس کے ثواب میں حصہ دار ہونا میرے نزدیک ایک عظیم سعادت تھی۔"[1]

حضرت سیدنا المصلح الموعود کی خدمتِ اقدس میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے لکھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

سیدنا!

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج شیخ بشیر احمد صاحب کا خط لاہور سے آیا ہے کہ کام کی سہولت کے لیے مختلف شعبوں کے انچارج نامزد ہو جانے چاہئیں تا ذمہ داری کا زیادہ احساس ہو اور باہم تعاون بھی رہے۔

انتظام تو پہلے سے موجود ہے لیکن اگر حضور پسند فرماویں تو کیا زیادہ تعیّن کے ساتھ مندرجہ ذیل تنظیم جاری کر دی جائے؟

---

[1] تحریری بیان مؤرخہ ۳ جولائی ۱۹۹۰ء

۱۔ مرکزی دفتر کا انچارج ناظر اعلیٰ بمعیت ناظر امور خارجہ

(ارشاد حضرت مصلح موعود "درست ہے")

۲۔ مقدمہ کی قانونی پیروی کے انچارج شیخ بشیر احمد صاحب بمعیت چوہدری اسد اللہ خان صاحب جو شیخ صاحب کی غیر حاضری میں انچارج بھی ہوں گے۔ عمومی نائب خادم صاحب[1] ہوں گے۔

("درست ہے بشرطیکہ میری سکیم میں رخنہ نہ پڑے" ارشاد حضرت مصلح موعود)

۳۔ دینی اور علمی حوالہ جات و تبصرہ جات کے انچارج شمس صاحب[2] بمعیت مولوی ابو العطاء صاحب و مولوی صدیق صاحب۔ خادم صاحب بھی حسب ضرورت امداد کریں گے۔

(" درست ہے" ارشاد حضرت المصلح الموعود)

۴۔ دفتر کے انچارج چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب۔ نقول کے حصول کا کام بھی انہی کے سپرد ہوگا۔

("درست ہے" ارشاد حضرت مصلح موعود)

---

[1] خالد احمدیت ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم گجراتی (ناقل)

[2] صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی سالانہ رپورٹ ۵۴-۱۹۵۳ء ص ۱۱ میں لکھا ہے۔

"فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت کی کارروائی کے سلسلہ میں ۱۹۴۷ء سے قبل کے اخبارات و رسائل قادیان سے منگوائے گئے اور ان میں سے مفید مطلب حوالہ جات عدالت میں پیش کرنے کے لیے مہیا کئے گئے۔

نیز تحقیقاتی عدالت کی کارروائی کے سلسلہ میں علماء سلسلہ و طلباء جامعۃ المبشرین ربوہ و طلباء جامعہ احمدیہ احمد نگر کثرت سے تلاش حوالہ جات کی غرض سے لائبریری میں آتے رہے جنہیں مطلوبہ لٹریچر بہم پہنچایا جاتا رہا۔ اس سلسلہ میں لائبریری کا تمام عملہ کئی کئی گھنٹے دن کو اور رات کو بھی زائد وقت دیتا رہا اور لائبریری کھلی رکھی جاتی رہی عدالتی کارروائی کے سلسلہ میں مولوی محمد صدیق صاحب انچارج لائبریری اور ایک مددگار کارکن لائبریری (سلیم اللہ صاحب) بہت ہی ضروری کتب لے کر اکتوبر ۱۹۵۳ء سے ۱۱ مارچ ۱۹۵۴ء تک پانچ ماہ لاہور میں رہے اور وہاں دن رات کام میں مصروف رہے۔ اس عرصہ میں دن اور رات کے کسی حصہ میں جب بھی ضرورت پڑی۔ ربوہ سے لائبریری کے کارکنان لاہور کتب بھجواتے رہے۔"

۵۔ تمام کام حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ بنصرہ کی ہدایات کے ماتحت اور حضور کے استصواب کے ساتھ کیا جائے گا۔

خاکسار

مرزا بشیر احمد ۱۶/۹/۵۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سیدنا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شیخ بشیر احمد صاحب کے ایک سابقہ خط کی بنا پر تنظیم اور تقسیم کار کے متعلق حضور کی ہدایات کی روشنی میں ایک نوٹ تیار کر کے جملہ کارکنان کی خدمت میں بھجوایا گیا ہے۔ اس پر شیخ بشیر احمد صاحب نے اپنے تازہ خط مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۵۳ء (بزبان) دو امور کے متعلق مزید وضاحت چاہی ہے تا کام میں مزید سہولت پیدا ہوتے کا رستہ کھلے۔

۱۔ پہلی بات شیخ صاحب یہ چاہتے ہیں کہ چونکہ وہ مقدمہ کی قانونی پیروی کے انچارج ہیں اور انہوں نے عدالت میں صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے پیروی کرنی ہوتی ہے اس لیے اس امر کی صراحت ہونی چاہیئے کہ اگر کسی امر میں قانونی تکمیل کی غرض سے شیخ صاحب کوئی بات شمس صاحب یا چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب سے کہیں تو وہ اس کی تعمیل کریں تا کام میں روک اور تعویق نہ پیدا ہو۔

میرے خیال میں یہ درست ہے اس کی صراحت کر دینی چاہیئے باقی رہا دینی امور کی حفاظت کا سوال سو وہ ذیل کے حصہ میں آجاتی ہے۔

۲۔ دوسری وضاحت یہ چاہتے ہیں کہ شیخ صاحب کی قانونی قیادت کے متعلق جو حضور کا یہ نوٹ ہے کہ:۔

"درست ہے بشیر طیکہ میری سکیم میں رخنہ نہ پڑے۔"

اس سے کیا مراد ہے تا شیخ صاحب پوری پابندی اختیار کر سکیں سو اس کے متعلق بھی بات واضح ہے کہ حضور کی طرف سے اس وقت تک جو ہدایات جاری ہو چکی ہیں یا آئندہ ہوں وہی حضور کی سکیم ہے مثلاً:۔

(الف) عدالت کے سات سوالوں کے جواب میں جو کچھ حضور کی منظوری کے بعد عدالت کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اس کی روح اور مقصد کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔

(ب) جماعت اور خلافت کے وقار کے خلاف کوئی بات نہ کہی جائے۔

(ج) اگر فریقِ مخالف کی طرف سے کوئی مزعومہ تضاد حضور اور حضرت مسیح موعودؑ کے بیانات میں پیش کیا جائے یا حضور کی اپنی تحریروں اور اعلانوں میں کوئی مزعومہ تضاد پیش کیا جائے تو ایسے تضاد کو تسلیم نہ کیا جائے اور بہر حال ایسے امر کا جواب حضور سے پوچھ کر دیا جائے۔

(د) دینی اور مذہبی امور اور حوالہ جات کو پیش کرتے ہوئے چوہدری اسد اللہ خان صاحب کو آگے کر دیا جائے یا وہ نہ ہوں تو خادم صاحب اور شمس صاحب کے مشورہ سے کام کیا جائے۔

وغیرہ وغیرہ مطابق ہدایت بالا کہ کوئی بات حضور کی کسی جاری شدہ ہدایات کے خلاف نہ ہو۔

خاکسار

مرزا بشیر احمد ۲۹/۹/۵۳

(ارشاد حضرت مصلح موعود)

"میرے نزدیک تو ٹھیک جواب ہے"۔

شیخ صاحب۔ چوہدری اسد اللہ خان صاحب۔ درد صاحب۔ خادم صاحب۔ شمس صاحب اور چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب کے نام ہدایت جاری کی گئی۔

مرزا بشیر احمد ۳۰/۹/۵۳

جماعت احمدیہ کا لائحہ عمل

تحقیقاتی عدالت کے طریق کار کی روشنی میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے ابتداء ہی میں ایک مفصل لائحہ عمل مرتب کر لیا تھا جو حسبِ ذیل الفاظ میں تھا:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تحقیقاتی کمیشن برائے گزشتہ فسادات کے متعلق جماعت احمدیہ کا لائحہ عمل

جون و جولائی ۱۹۵۳ء

حکومت پنجاب نے جو تحقیقاتی کمیشن گزشتہ فسادات کے بارے میں تحقیق کرنے کے لیے مقرر کیا ہے۔ اور کمیشن نے اپنے کام کے متعلق جو طریق کار تجویز کر کے شائع کیا ہے ۔

اس کے ماتحت کمیشن کے سامنے جماعت احمدیہ کی صحیح پوزیشن واضح کرنے اور جماعت کی مظلومیت کو آشکار کرنے کے لیے مندرجہ ذیل لائحہ عمل تجویز کیا گیا ہے ۔

۱۔ پنجاب کے جن اضلاع میں فسادات کا زور رہا ہے اور جماعت کے افراد کے خلاف عملی اقدامات کر کے جانوں یا مالوں کو نقصان پہنچایا گیا ہے ۔ (یعنی لاہور ۔ لائل پور ۔ سیالکوٹ ۔ گوجرانوالہ راولپنڈی ۔ ملتان اور منٹگمری) ان کے امراء کو پہلے بھی لکھا جا چکا ہے اور مزید تاکید سے لکھا جائے کہ وہ اپنے علاقہ میں فسادات کے موجبات (قریب وبعید) اور فسادات کی نوعیت اور فسادات کے دوران میں جماعت احمدیہ کے جانی اور مالی نقصانات وغیرہ وغیرہ کے بارے میں مکمل اور تفصیلی رپورٹ کریں ۔ یہ رپورٹ ۱۰ جولائی ۱۹۵۳ء تک ضرور مرکز میں پہنچ جائے ۔ اس رپورٹ میں مخالفوں کی کارروائیوں اور ریشہ دوانیوں اور اشتعال انگیزیوں اور ان کے نتائج کو اچھی طرح بے نقاب کیا جائے ۔ اور نیز بتایا جائے کہ کون کون لوگ اس فتنہ میں پیش پیش رہے ہیں ۔

۲۔ خاص آدمی مقرر کر کے مخالفوں کے اخبارات اور رسائل وغیرہ سے ایسی تحریریں معہ ضروری حوالہ جات جمع کی جائیں جن میں جماعت احمدیہ کے خلاف اشتعال انگیز پراپیگنڈا کیا گیا ہو ۔ اور افرادِ جماعت کے خلاف عوام الناس کو ابھارا اور اکسایا گیا ہو ۔ ایسے حوالہ جات خصوصیت سے ۱۹۵۲ اور ۱۹۵۳ء سے تعلق رکھنے والے جمع کیے جائیں تا مخالفوں کی اشتعال انگیزی بالکل عریاں ہو جائے نیز حضرت امام جماعت کو جو دھمکی آمیز خطوط آتے رہے ہیں اور ان میں سے بعض کی رپورٹ حکومت کو بھجوائی جاتی رہی ہے اس کا ریکارڈ جمع کیا جائے ۔

۳۔ صیغہ نظارت امور عامہ وخارجہ ربوہ اپنے موجودہ ریکارڈ سے مدد لینے کے علاوہ اوپر کی ہر دو قسم کے مواد سے مدد لے کر کمشن کے اعلان کے مطابق دو قسم کی مفصل رپورٹیں تیار کرے جن میں سے ایک رپورٹ میں فسادات کے موجبات اور محرکات اور بواعث (قریب وبعید) کی مکمل تشریح اور تعین درج کی جائے ۔ اور جماعت کی مظلومیت کو آشکارا کیا جائے اور بتایا جائے کہ ختم نبوت وغیرہ کے مقدس عقیدہ کو (جس پر جماعت احمدیہ دل وجان سے ایمان لاتی ہے) محض ایک بہانہ بنایا گیا ہے ۔ ورنہ مخالفین کی اصل غرض جماعت احمدیہ کے خلاف عوام الناس کو اکسا کر اپنے مخصوص مفاد حاصل کرنا اور جماعت کو نقصان پہنچانا تھی ۔ حالانکہ جماعت احمدیہ ختم نبوت کے عقیدہ پر پورا پورا ایمان لاتی ہے ۔ اور ساتھ

ستر سال اپنے عقائد کی معقول تشریح پیش کرتی چلی آئی ہے۔ یہ بھی اشارہ کر دیا جائے کہ مجلس احرار کی اصل غرض پاکستان کو کمزور کرنا اور ہندوستان کے لیے رستہ صاف کرنا تھی دوسری رپورٹ میں گزشتہ فسادات میں جماعت کے جانی و مالی نقصانات کی تفصیل صحیح صحیح صورت میں پیش کی جائے یہ دو رپورٹیں ۱۰ر جولائی ۱۹۵۳ء تک مکمل ہو کر ان پر بحث ہو جانی چاہیئے۔ اس لیے یہ کام بلا توقف شروع کر دینا چاہیئے۔

۴۔ نظارت امور عامہ جماعت احمدیہ کی طرف سے پیش ہونے کے لیے ایک قابل وکیل مقرر کرے۔ (چوہدری اسد اللہ خانصاحب یا شیخ بشیر احمد صاحب یا کوئی اور) جو مکمل تیاری کے بعد جماعت کی طرف سے مقررہ تواریخ پر پیش ہو۔ اس وکیل کی مدد کے لیے دو جونیئر وکیل (چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب اور شیخ نور احمد صاحب) بطور سولیسٹر مقرر کیے جائیں۔ جو تمام ضروری ریکارڈ اور شہادات کا مطالعہ کر کے وکیل کی بحث کے لیے مواد تیار کرے۔ حسب ضرورت ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم سے بھی مدد لی جائے۔

۵۔ جماعت کی طرف سے چند سمجھ دار اہل الرائے اور باحیثیت اصحاب کو بطور گواہ تیار کیا جائے جو کمیشن کے سامنے پیش ہو کر فسادات کے موجبات اور تفصیلات اور جماعت کے نقصانات وغیرہ کے بارہ میں شہادت دیں۔ اس گواہی کے لیے ناظر صاحب امور عامہ (درد صاحب) میاں ناصر احمد صاحب۔ شیخ نور احمد صاحب۔ چوہدری اسد اللہ خان صاحب یا شیخ بشیر احمد صاحب (یعنی ان دونوں میں سے جو بطور وکیل مقرر ہو اس کے علاوہ دوسرا) چوہدری نذیر احمد صاحب باجوہ سیالکوٹ۔ شیخ محمد احمد صاحب لائلپور۔ میر محمد بخش صاحب گوجرانوالہ۔ میاں عطاء اللہ صاحب پنڈی۔ چوہدری محمد شریف صاحب منٹگمری (برائے اوکاڑہ) اور ملتان کا کوئی نمائندہ۔ مثلاً عبد الرحمٰن صاحب کلاتھ مرچنٹ یا میاں عبد الرحیم صاحب پراچہ اور ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم، درد صاحب اور خادم صاحب عمومی گواہ ہوں گے اور باقی اپنے اپنے علاقہ کے مخصوص گواہ ہوں گے۔ ان کی طرف سے بروقت درخواست بھجوا دینی چاہیئے۔ اسی طرح اگر کوئی باحیثیت شریف غیر احمدی گواہ مختلف علاقوں سے تیار کئے جاسکیں تو اس کے لئے ضروری کوشش کی جائے۔ ایسے لوگوں کی جماعت کے حق میں گواہی بہت مفید ہو سکتی ہے۔ ایسے احباب اپنی شہادت براہ راست پیش کریں۔

۶۔ وکلاء اور گواہ صاحبان تیاری میں مندرجہ ذیل امور کو خصوصیت سے مدنظر رکھیں۔

(الف) فسادات کا پس منظر کیا تھا اور وہ کونسی وجوہات تھیں جنہوں نے بالآخر فساد کی صورت پیدا کر دی ریریس۔ خطبات، خفیہ ریشہ دوانیوں وغیرہ سب کو مد نظر رکھا جائے۔

(ب) فسادات کی نوعیت اور تفصیل کیا تھی اور فسادیوں کا طریقِ کار کیا تھا۔ جس سے منظم اور سوچی سمجھی ہوئی سکیم پر روشنی پڑتی ہو۔

(ج) کون کون سے لوگ فسادات میں پیش پیش تھے اور ان کا طریقِ کار کیا تھا۔

(د) فسادات کیساتھ احرار اور مودودیوں کا خاص تعلق کیا رہا ہے۔

(ھ) علاقہ میں احمدیوں کا جانی اور مالی نقصان کیا ہوا ہے ۱۹۵۲ء ۱۹۵۳ء ہر دو کے متعلق تفصیل تیار ہونی چاہیئے۔

(و) علاقہ کے کن کن احمدیوں کو جبر اور تشدد سے احمدیت سے منحرف کیا گیا۔

(ز) فسادات کے دوران میں علاقہ کے سرکاری حکام کا رویّہ کیا رہا۔

(ح) علاقہ کے شریف غیر احمدی احباب کا شریفانہ رویّہ کیا رہا۔

(ط) آئندہ کے متعلق امکانی خطرات اور ان کے انسداد کے لیے کیا تجاویز مناسب ہیں۔

۷۔ چونکہ کمشن نے پندرہ جولائی تک رپورٹیں اور گواہوں کے نام مانگے ہیں اس لیے رپورٹیں ۱۰ جولائی تک تیار ہو جانی چاہیئں اور گواہوں کی طرف سے درخواست چلی جانی چاہیئے تا اس کے بعد ایک دو دن میں وکلاء اور دیگر واقف کاروں سے مشورہ کر کے بروقت داخل کرائی جا سکے۔ وکلاء اور گواہوں کو بلا توقف تیاری کی ہدایت بھجوا کر (ایک اطلاع پہلے بھی جا چکی ہے) کام پر لگا دیا جائے۔ اور ان کے کام کی مسلسل نگرانی رکھی جائے تا کسی قسم کی غفلت نہ ہو۔

۸۔ معاوضہ پر کام کرنے والوں کے ساتھ ان کے معاوضہ کا ابھی سے فیصلہ کر لینا چاہیئے تا بعد میں کوئی غلط فہمی نہ پیدا ہو مثلاً وکیل (چوہدری اسد اللہ خانصاحب یا شیخ بشیر احمد صاحب) اور جونیئر وکیل (شیخ نور احمد صاحب) کے معاوضہ کا فیصلہ کیا جاوے اور حضرت صاحب یا انجمن سے بروقت منظوری حاصل کر لی جائے۔

۹۔ جملہ کارروائی کے ساتھ ساتھ حضرت صاحب کی خدمت میں رپورٹ بھجوائی جاتی رہے۔

۱۰۔ یہ لائحہ عمل صرف سرسری ہے۔ جو مجمل صورت میں تیار کیا گیا ہے۔ دفتر مرکزی اور وکلاء اور گواہان

اور امراء صاحبان کا یہ فرض ہوگا کہ کمشن کی ٹرمز آف ریفرنس دیکھ کر اور پھر کمشن کے تجویز کردہ طریق کار کا مطالعہ کر کے جو مزید کارروائی ضروری ہو وہ بروقت سرانجام دے کر عنداللہ ماجور ہوں تا دنیا پر جماعت احمدیہ کی بریت اور مظلومیت ثابت ہو اور مخالفین کے مظالم آشکارا ہو جائیں ۔

بحث کے خطوط کا مختصر خاکہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے اس مسئلہ پر بھی گہرا غور و فکر کیا کہ وکلائے احمدیت کی طرف سے بحث کی لائن کیا ہونی چاہیئے ؟ اس سلسلہ میں جو مختصر خاکہ تیار کیا گیا وہ درج ذیل ہے :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہٖ المسیح الموعود

عدالتی کمشن کے لئے بحث کی لائن کا مختصر خاکہ

۱ ۔ اسلام اور احمدیت کی باہمی نسبت کیا ہے ؟ احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں بلکہ اسلام ہی کے احیاء اور تجدید کا دوسرا نام ہے ۔

۲ ۔ بانی سلسلہ احمدیہ کا منصب اور جماعت کے عقائد (مسیح اور مہدی کا عقیدہ) بانی سلسلہ کی بعثت قرآن اور حدیث کی پیشگوئیوں کے مطابق ہوئی ہے ۔

۳ ۔ بانی سلسلہ احمدیہ نے کب دعوےٰ کیا ؟ جماعت احمدیہ کے آغاز کی تاریخ اور مولویوں کی مخالفت کی ابتداء اور ناگوار فتوے بازی ۔

۴ ۔ اُمّتِ محمدیہ میں وحی اور الہام کا سلسلہ

۵ ۔ نزولِ جبریل اور وحی کی اقسام

۶ ۔ بانی سلسلہ احمدیہ کا ظلی اور اُمتی نبوت کا دعویٰ اور عقیدہ ختم نبوت کی تشریح

۷ ۔ سابق علماء اسلام کی طرف سے ختم نبوت کی تشریح ۔ ہر زمانہ سے مثالیں پیش کی جائیں ۔

۸ ۔ مسیلمہ کذّاب کے خلاف جنگ کی بنیاد بغاوت اور تشریعی نبوت کا دعویٰ تھی نہ کچھ اور ۔

۹ ۔ کفر و اسلام غیر احمدیوں کی حقیقت ۔ اسلام اور کفر کی دو تعریفیں ہیں ۔ ایک ظاہری اور ایک حقیقی ۔

۱۰ ۔ کفر کے فتویٰ میں غیر احمدیوں کی طرف سے ابتداء ہوئی ۔
۱۱ ۔ خدا کے نزدیک آخرت میں قابلِ مواخذہ ہونے کا اصول محض عقیدہ کا غلط ہونا نہیں بلکہ صاحب عقیدہ پر اتمام حجت اور عقیدہ میں دیانتداری ہے ۔
۱۲ ۔ اقتداء نماز کا مسئلہ ۔ اور اس میں بھی غیر احمدیوں کی طرف سے ابتداء ہوئی نماز میں بہرحال زیادہ متقی امام کو ترجیح دی جاتی ہے ۔
۱۳ ۔ جنازہ کا مسئلہ اور اس میں بھی غیر احمدیوں کی طرف سے ابتداء ہوئی ۔
۱۴ ۔ احمدیوں کے جنازوں کے ساتھ غیر احمدیوں کا اخلاق سوز سلوک ۔
۱۵ ۔ رشتہ ناطہ کا مسئلہ اور اس میں بھی غیر احمدیوں کی طرف سے ابتداء ہوئی رشتہ میں خیالات اور عقائد کی ہم آہنگی دیکھی جاتی ہے ۔
۱۶ ۔ جہاد کے مسئلہ کے متعلق جماعت احمدیہ کا عقیدہ جماعت احمدیہ کے نزدیک کوئی اسلامی حکم منسوخ نہیں اور نہ قیامت تک ہو سکتا ہے ۔
۱۷ ۔ سخت کلامی کے الزام کی تردید اور تشریح اور اس بارے میں خود بانی سلسلہ احمدیہ کا اعلان ۔
۱۸ ۔ حضرت مسیحؑ ناصری اور امام حسینؓ کی ہتک کا غلط الزام اور اس کی تشریح ۔
۱۹ ۔ آنحضرت صلعم پر فضیلت کا مفتریانہ الزام ۔ آپ کے مقابل پر بانی سلسلہ احمدیہ کا مقام خادم اور شاگرد کا تھا ۔
۲۰ ۔ ملک میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کا باطل الزام اور اس کی تردید ۔
۲۱ ۔ کوئٹہ کا خطبہ اور ملازمتوں پر قبضہ کرنے کا غلط الزام اور اس کی تشریح ۔
۲۲ ۔ حکومتِ برطانیہ کے ساتھ سازباز کا اتہام اور برطانیہ کی وفاداری کی تشریح اور اس بارے میں جماعت کا اصولی نظریہ ۔
۲۳ ۔ پاکستان بننے کی مخالفت کا الزام ۔ جماعت نے ہر حال میں مسلمانوں کا ساتھ دیا ۔
۲۴ ۔ متوازی حکومت قائم کرنے کا الزام ۔ جماعتی تنظیم سے غلط استدلال ۔
۲۵ ۔ ربوہ کا مرکز علیحدہ قائم کرنے کا سوال ۔ مرکز کا قیام جماعتی تنظیم کا حصہ ہے مگر پھر بھی ربوہ

کی رہائش مقررہ شرائط کے ماتحت دوسروں کے لیے بھی کھلی ہے۔

۲۶۔ قتلِ مرتد کا مسئلہ۔ مرتد کے لفظ کی تشریح۔

۲۷۔ جماعت احمدیہ کا حق شہریت اور شہریت کا اسلامی نظریہ۔

۲۸۔ ہر جماعت کو اپنے عقائد اور خیالات کی تبلیغ کا حق ہے۔ تبلیغ کے متعلق جماعت احمدیہ کا پُرامن نظریہ۔ خیالات کا پُرامن تبادلہ ملک کی ذہنی اور علمی اور عملی ترقی کے لیے مفید ہے (اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ)۔

۲۹۔ جماعت احمدیہ کی شاندار اسلامی خدمات (اندرونِ ملک میں اور بیرونِ ملک میں)۔

۳۰۔ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات کے متعلق غیر از جماعت لوگوں کے تعریفی اعلانات۔

۳۱۔ جماعت احمدیہ کی مخالف پارٹیاں اور ان کی ہم آہنگی۔

۳۲۔ جماعت اسلامی کے نظریات اور امن شکن کارروائیاں۔

۳۳۔ احرار اور مجلس عمل کے نظریات اور امن شکن کارروائیاں۔

۳۴۔ راست اقدام کے نظریہ کی حقیقت اور اسلام کی رو سے اس کا عدمِ جواز۔

۳۵۔ گزشتہ فسادات میں جماعت اسلامی اور احرار اور مجلسِ عمل کی ذمہ داری۔

۳۶۔ فسادات کا بروقت انسداد نہ کرنے کے متعلق حکومت کی ذمہ داری (اور صوبہ کی حکومت کی خاص ذمہ داری)۔

۳۷۔ فسادات ایک منظّم اور سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت ہوئے۔

۳۸۔ فسادات کا بھیانک نقشہ اور اگر خدانخواستہ یہ فسادات کامیاب ہوتے۔ تو ان کے نتائج ملک کے لیے تباہ کن ہوتے۔

۳۹۔ اگر حکومت وقت پر اپنی ذمہ داری کا احساس کرتی تو سول انتظام کے ماتحت بھی فسادات کا انسداد کر سکتی تھی مگر حالاتِ پیش آمدہ میں مارشل لاء کا نفاذ ناگزیر ہو گیا۔

۴۰۔ اس قسم کے فسادات کا بیرونی دنیا پر انتہائی طور پر ناگوار اثر۔

حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایات

حضرت اقدس المصلح الموعود نے حضرت صاحبزادہ صاحب کو اپنے خطوط میں قدم قدم پر بیش بہا اور قیمتی ہدایات

سے نوازا۔ مثلاً ۱۳ راگست ۱۹۵۳ء کو تحریر فرمایا:۔

۱۳/۸/۵۳ عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"یہ موقعہ ایسا ہے کہ ایک ایسا ہی شخص جماعت کی نمائندگی کر سکتا ہے جس کا دل گداز اور ایمان سے پُر ہو بغیر ایمان کی زیادتی اور عقیدت کی فراوانی کے کوئی شخص اس فرض کو اس وقت ادا نہیں کر سکتا۔ کمیشن کی کارروائی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود اور ان کے خلفاء کے رویہ اور نیتوں کے متعلق حملے کیے جائیں گے......... اس وقت تو وہ شخص کھڑا ہونا چاہیئے جس کا دل سلسلہ کی غیرت سے بھرپور ہو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور سلسلہ کی ہتک کی باتوں کو دیکھ کر پاؤں سے سر تک شعلہ اٹھتا ہوا محسوس کرے بات کرتے وقت اس کی آواز میں لرزش اور آنکھوں میں چمک اور پانی ہو یہ وہ شخص ہے جو اس وقت کا حق ادا کر سکتا ہے۔...... ہم حق پر ہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔ ہم کسی سے ڈرتے نہیں نہ کسی انجام سے خوف کرتے ہیں لیکن بات کو صحیح طور پر پیش کرنا ہمارے ذمہ ہے اور خدا تعالیٰ کے آگے ہمیں جواب دینا پڑے گا"

حضرت مصلح موعود کا ایک اہم مکتوب

اس سلسلہ میں سیدنا حضرت مصلح موعود کا درج ذیل مکتوب خاص اہمیت رکھتا ہے یہ مکتوب حضور نے اپنے حرم حضرت سیدہ اُم متین صاحبہ مدظلہا العالی کو املاء کرایا تھا۔ جو سندھ سے ۷ رجولائی ۱۹۵۳ء کو موصول ہوا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ نذیر علی صاحب آئے۔ تین خط انہوں نے دیئے سو ل پہلے پڑھ چکا تھا۔ کورٹ کے ڈیکلریشن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس انکوائری کا مقصد اس سے زیادہ سمجھتے ہیں جتنا کہ گورنمنٹ کے اعلان سے معلوم ہوتا تھا اور اس انکوائری میں خطرہ ہے کہ بعض لوگ بات کو بگاڑ کر اس انکوائری کو مذہبی اختلاف اچھالنے کا موجب نہ بنائیں۔ جج دونوں ہوشیار ہیں لیکن بعض دفعہ وکلاء ہوشیار ججوں کو بھی اِدھر سے اُدھر لے جاتے ہیں......... ہماری طرف سے یہ مواد پوری طرح مہیا ہونا چاہیئے کہ دو تین سال سے یہ کارروائی ہو رہی تھی مگر حکومت نے کچھ نہیں کیا کوئٹہ کا قتل سب سے پہلے ہوا۔ جلسہ خلیفۃ المسیح کے گھر کے سامنے کیا گیا اس میں تقریریں یہ کی گئیں کہ مرزا صاحب نے تو ایسے دعوے نہیں کیے تھے مگر ان کے لڑکے نے ایسی

باتیں کرنی شروع کیں کیونکہ وفات یافتہ کے متعلق لوگوں کے جوش کام نہیں آسکتے لیکن زندوں کے متعلق آسکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک احمدی ڈاکٹر میجر محمود جو کسی مریض کو دیکھ کر آرہا تھا اور جس نے ہجوم دیکھ کر اپنی کار کھڑی کر لی تھی مشتعل ہجوم نے پہچان کر ہزاروں آدمیوں کے جلسے سے صرف چند گز کے فاصلہ پرلے جا کر مار دیا۔ لیکن باوجود اس کے کہ واقعہ جلسہ گاہ کے قریب ہوا ہزاروں آدمیوں کے پاس ہوا پھر مجرم نہیں پکڑے گئے۔ پھر اوکاڑہ میں ایک احمدی کو مار دیا گیا یہ بھی مولویوں کے اکسانے پر ہوا خود مجرم نے اقرار کیا کہ مولویوں نے کہا تھا کہ ان لوگوں کو ختم کرنا ثواب کا کام ہے۔ اس کے بعد راولپنڈی میں واقعہ ہوا۔ دن دھاڑے ایک احمدی کو جاتے ہوئے پبلک سیرگاہ پر مار دیا گیا اور وہاں بھی وہی وجہ احمدیوں کے اشتعال دلانے کی تھی یہ چار قتل چار سال میں ہوئے اور ایک نوعیت کے ہوئے لیکن جو انگیخت کرنے والے تھے اُن کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی بلکہ ان کی امداد کی گئی۔ چنانچہ مولوی عبدالرحیم صاحب درد دو سال ہوئے غیاث الدین صاحب کو جو اس وقت گورنر کے سیکرٹری تھے ان کو ملے تو انہوں نے بتایا کہ آپ لوگ قربان علی خان صاحب انسپکٹر جنرل پولیس سے بھی ملیں انہوں نے بڑے زور سے گورنمنٹ میں رپورٹ کی ہے کہ جب تک منبع کو نہیں پکڑا جائے گا۔ یہ فسادات دور نہیں ہوں گے۔ احمدی کم ہیں اگر عوام الناس نے مولویوں کے جوش دلانے پر ایک ایک احمدی کو مارا اور خود پھانسی بھی چڑھ گیا تو نتیجہ کیا نکلے گا نہ انصاف قائم ہوگا نہ امن۔ جو لوگ اُکسا رہے ہیں اُن کو پکڑنا چاہیئے چنانچہ ان کی تحریک پر احمدیہ جماعت کا ایک وفد قربان علی خان صاحب سے بھی ملا اور انہوں نے اسی کے خیالات کا اظہار کیا (اس وفد میں غالباً شیخ بشیر احمد صاحب اور درد صاحب شامل تھے وہ تفصیلات بتا سکتے ہیں) اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو غیاث صاحب کا نام چھوڑا جا سکتا ہے۔ کیونکہ شاید ان پر الزام آئے کہ گورنمنٹ سیکرٹ آؤٹ کئے ہیں) لیکن باوجود ان تمام کوششوں کے نتیجہ کچھ نہ نکلا اور گورنمنٹ نے کوئی ایکشن نہ لیا اور جب چیف سیکرٹری سے ہمارے وفد ملے تو انہوں نے کہا کہ وہ قانون لاؤ جس کے ماتحت ہم اڈیٹروں یا لیڈروں کے خلاف کارروائی کر سکتے ہیں جب کہا گیا کہ قانون کے ذمہ دار تو آپ ہیں تو انہوں نے کہا کہ کوئی عام قانون نہیں جس کے ماتحت ہم ان لوگوں پر ہاتھ ڈال سکیں اور خاص قانونوں کو ہم استعمال نہیں کرنا چاہتے کیونکہ اس سے اشتعال بڑھے گا۔ جب ۱۹۵۲ء کے وسط میں ۱۴۴ دفعہ لگائی گئی تو مختلف مقامات

کے وفد جب حکومت کے افسروں سے ملے تو انہوں نے بتایا کہ ہم کو ایک طرف یہ اختیارات دیئے گئے ہیں دوسری طرف ہم کو مؤثر قدم اٹھانے سے روکا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیفٹی ایکٹ کو استعمال نہیں کرنا جو ۱۴۴ دفعہ توڑے اگر مناسب ہو تو اس کے خلاف قدم اٹھانا ہے۔ چند دنوں کے بعد ہی اس ہدایت کو واپس لے لیا گیا اور دولتانہ صاحب نے اعلان کیا کہ ہم نے ایسی کوئی ہدایت نہیں دی تھی جو قدم اٹھایا ہے ضلع کے افسروں نے اپنی ذمہ داری سے اٹھایا ہے (یہ تقریر چھپی ہوئی ہے تلاش کریں) چنانچہ فوراً سب لوگ چھوڑ دیئے گئے اور شورش پھر تیز ہونی شروع ہو گئی جب افسران ضلع کو پھر توجہ دلائی گئی تو بعض افسران نے تو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ کوئی شور وغیرہ نہیں ہے۔ آپ کو وہم ہے۔ ضلع گوجرانوالہ کے S.P نے صاف لفظوں میں ہمارے وفد سے کہا کہ شورش ہے لیکن ہم کچھ کرنے کو تیار نہیں ہم نے جب امن قائم کرنا چاہا تو ہم کو پبلک کی نظروں میں ذلیل کر دیا اور علی الاعلان حکومت نے پردے پر دے ہیں ہمیں Condemnd کیا اب جو کچھ کہنا ہے جا کر پنجاب حکومت سے کہو ہم کچھ کرنے کو تیار نہیں اور آخر میں یہاں تک کہا کہ بے شک جا کر میرا نام لے دو کہ میں نے یہ بات کہی ہے۔ بعض افسروں نے یہاں تک کہا کہ ہمیں پولیس کے محکمہ سے ہدایت آئی ہے کہ گورنمنٹ نے پولیس کو بدنام کیا ہے آئندہ ایسے مواقع سے پولیس کو الگ رکھو۔ اس سپرنٹنڈنٹ کی ملاقات کے بعد ہمارا وفد پھر چیف سیکرٹری سے ملا اور ان کو بتایا کہ پولیس کی یہ روایت ہے اور ڈپٹی کمشنر احرار کے ساتھ تعلق رکھتا ہے وہ دو دو گھنٹے اس کے پاس بیٹھے رہتے ہیں اور جب ہمارا وفد جاتا ہے تو اس کو ملنے سے انکار کر دیتا ہے۔ چیف سیکرٹری نے یہی کہا کہ ہماری اطلاعات یہی ہیں کہ فساد کوئی نہیں ہوگا آپ کو یونہی وہم ہو رہا ہے اور ہم ڈپٹی کمشنر سے کہہ دیں گے کہ وہ آپ کے وفد سے بھی ملا کرے اور احرار سے اس طرح کے بے تکلفانہ تعلقات نہ رکھا کرے بلکہ ہم سارے اضلاع میں ایسی ہدایات بھجوا دیں گے لیکن بعد میں گوجرانوالہ سے بھی معلوم ہوا کہ نہ وہاں کوئی ہدایت دی گئی اور نہ ڈپٹی کمشنر کو۔ بلکہ الجھایا گیا اور نہ اور کسی ضلع میں ہدایت دی گئی ہے۔ چنانچہ اس ضلع میں شدید فساد ہوا اور لوگوں کو مجبور کر کے احمدیت سے پھر جانے کا اعلان کروایا گیا گو اب وہ سب واپس آ چکے ہیں سوائے ایک کے جو معافی مانگ رہا ہے مگر ابھی تک جماعت نے اسے معاف نہیں کیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس گوجرانوالہ نے جو کچھ کہا تھا اس کے مطابق عمل کیا تمام فسادات کے دوران میں کسی قسم کا کوئی علاج نہیں کیا کسی احمدی کی حفاظت نہیں کی اور گویا

پولیس کو تمام اعتراضات سے بالا رکھا۔ لائلپور کے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ایک رپورٹ کے موقعہ پر جماعت احمدیہ کے وفد اور ڈپٹی کمشنر کی موجودگی میں کہا احمدی غلط کہہ رہے ہیں کوئی فساد نہیں ہو رہا۔ یہ بالکل خلافِ واقعہ باتیں کہہ رہے ہیں جب جماعت احمدیہ کے وفد نے زور دیا کہ فلاں جگہ پر فساد ہو رہا ہے اور احمدیوں کی دکان لوٹی جا رہی ہے۔ تو سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ڈپٹی کمشنر کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر ان کی بات ٹھیک ہے تو میری داڑھی منڈوا دیجیئے اور مجھے ذلیل کروا دیجئے۔ اس کے بعد جب اسی موقعہ پر ہماری جماعت کے آدمی اور وہ سپرنٹنڈنٹ جمع ہوئے اور اسے دکھایا گیا کہ یہ دکان دیکھو لوٹی ہوئی اور لوٹی ہوئی ہے کیا اب تم تیار ہو کہ اپنی داڑھی منڈوا ڈاور ذلیل ہو تو ہنس کر چلا گیا۔ تمام اضلاع میں پولیس فسادوں سے پہلے احمدیوں کی لسٹیں مانگیں کہ ہمیں تمہاری حفاظت کا حکم آیا ہے بعض لوگ جو امام جماعت احمدیہ سے مشورہ لینے کے لیے گئے تو انہوں نے مشورہ دیا کہ ہرگز لسٹیں نہ دینا یہ دشمنوں تک پہنچ جائیں گی چنانچہ ایسی جگہوں پر احمدی بالعموم لوٹے جانے سے بچ گئے لیکن جہاں جہاں جماعت احمدیہ کے افسروں نے سادہ لوحی سے لسٹیں دے دیں وہاں غیر معروف احمدیوں تک کے مکان لوٹے گئے اور لاہور کے ایک غیر احمدی نے ہمیں بتایا کہ اس نے وہی لسٹ جو جماعت احمدیہ نے پولیس کو دی تھی فسادیوں کے ہاتھ میں دیکھی۔ اگر کورٹ اس نام کو ظاہر نہ کرے اور پوچھنا ہو تو مخفی پوچھے تو ہم اس کا نام بھی بتا سکتے ہیں اگر اسے خطرہ نہ ہو تو ممکن ہے کہ وہ صحیح گواہی دے دے (مولوی عبدالغفور صاحب سے اس شخص کے نام کا پتہ لیا جا سکتا ہے لنڈے بازار اور کشمیری بازار کے قریب کا رہنے والا ہے غیر احمدی ہے لیکن چندہ دیتا ہے اس کی دکان بھی احمدیت کے الزام کے نیچے لوٹنے لگے تھے)۔ یہ رپورٹ سندھ آنے سے چند دن پہلے مجھے ملی تھی۔

سیالکوٹ میں فسادات شروع ہونے سے پہلے ہماری جماعت کا وفد مسلم لیگ کے پریذیڈنٹ خواجہ محمد صفدر صاحب سے ملا اور کہا کہ ہماری جماعت ہمیشہ لیگ کی مدد کرتی رہی ہے۔ اب یہ نازک وقت ہم پر آیا ہے کیا ہماری جماعت یہ سمجھے کہ اس وقت لیگ بھی وفاداری دکھائے گی اور ہماری مدد کرے گی یا وہ دشمنوں سے مل کر ہم پر حملہ کرے گی انہوں نے کہا انصاف کا تو یہی تقاضا ہے کہ ہم آپ کی مدد کریں لیکن دولتانہ صاحب آ رہے ہیں میں ان سے مل کر آپ کی بات کا جواب دوں گا۔ دولتانہ صاحب کے جانے کے بعد انہوں نے بتایا کہ دولتانہ صاحب بات ٹلا گئے ہیں اور کہا کہ جب

تک مرکز ہماری اس بات میں راہ نمائی نہ کرے ہم کچھ نہیں کرسکتے Laws Order صوبوں سے متعلق ہیں (اسی سلسلہ میں دولتانہ صاحب سے جو وفد ملا تھا اس کی باتیں بھی نوٹ کی جائیں) راولپنڈی میں جو قتل ہوا۔ قاتل نے شروع میں یہ بیان دیا کہ مولویوں نے جو تقریریں کی تھیں اس کے نتیجہ میں میں نے مارا ہے لیکن پولیس نے اس بیان کو حذف کر دیا اور اس کو ذاتی جھگڑے کی شکل دینی چاہی ایک دوسرا پولیس افسر بیان کے وقت چوکی پر موجود تھا افسران بالا کو توجہ دلانے پر اس کا بیان لیا گیا اور اس نے سچی بات بتادی مگر پھر بھی یہ بیان شامل نہ کیا گیا جب سپرنٹنڈنٹ پولیس کو مل کر اس طرف توجہ دلائی گئی تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ آپ کے فائدے کے لیے ہم نے اس بیان کو حذف کر دیا اس سے شور پڑے گا اور آپ کے خلاف ایجی ٹیشن بڑھے گی۔ ہاں ہم نے انسپکٹر جنرل صاحب پولیس کو اپنی رپورٹ میں یہ بات لکھ دی ہے۔ اوکاڑہ میں ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس نے اور لائلپور میں سپرنٹنڈنٹ پولیس نے عوام سے گلے میں ہار ڈلوائے اور وہی نعرے لگائے جو پبلک لگاتی تھی۔ اسی طرح بعض اور لوگوں کے متعلق بھی رپورٹیں ملی ہیں۔ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں چوہدری مسعود احمد جو وہاں کی ایک نہایت ہی معزز فیملی کا ممبر ہے انہی فسادات کے سلسلہ میں تھانیدار نے اس کو بلا کر ذلیل کیا اور باوجود اس کے گھر پر مظاہرہ ہونے کے اس کی کسی قسم کی مدد نہ کی اسی طرح بعض ایسے احمدیوں کو پکڑوایا اور دھمکیاں دیں جو اپنی جگہ پر اکیلے دکیلے تھے اور کسی قسم کا زور ان کا نہیں تھا۔ جب مرکز احمدیہ کی طرف سے آئی جی پولیس میاں انور علی صاحب کو اس کے متعلق شکایت کی گئی تو صرف یہ کارروائی ہوئی کہ ایک احمدی فوجی افسر جو ڈسکہ سے گزرتے ہوئے چوہدری مسعود احمد صاحب سے ملا تھا اور اس نے اسے تسلی دی تھی کہ گھبرانے کی بات نہیں یہ دن گزر جائیں گے۔ اس کے خلاف پولیس نے فوج میں رپورٹ کی۔ اور لوگوں سے تاریں بھی دلوائیں کہ اس فوجی افسر نے بڑا اشتعال دلایا ہے اور بڑا اسلحہ بھی مسعود کو دیا ہے چنانچہ وہ فوجی افسر اپنے عہدہ سے معطل کیا گیا اور اس کے خلاف انکوائری کی گئی۔ تب ہم نے سمجھ لیا کہ آئی۔ جی کو کسی قسم کی شکایت کرنا نقصان دہ ہے اس کا نتیجہ نیک نہیں نکل سکتا۔ آئی جی صاحب کے پاس سپرنٹنڈنٹ گوجرانوالہ کی بھی شکایت کی گئی تھی اور اس کا نتیجہ بھی یہی نکلا تھا کہ اس کے بعد سختی بڑھ گئی تھی۔ جماعت مودودی نے "قادیانی مسئلہ" کے نام سے ایک کتاب شائع کی جو کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے اور کئی لاکھ شائع ہو چکی ہے۔ لیکن حکومت پنجاب نے فوراً ہی امام

جماعت احمدیہ کو نوٹس دے دیا کہ ایسے مسائل کے متعلق وہ کوئی تحریر نہیں شائع کر سکتے اور ان کی غرض یہ تھی کہ جماعت احمدیہ کے خلاف زہر پھیلتا رہے اور وہ کوئی جواب نہ دے سکے جب حکومت کو توجہ دلائی گئی کہ آخر یہ نوٹس کس بناء پہ ملا ہے تو چیف سیکرٹری صاحب نے جواب دیا کہ الفضل میں ان کا ایک مضمون چھپا ہے جس میں ان کا یہ فقرہ درج ہے کہ گھبراؤ نہیں فتح آخر ہماری ہو گی چونکہ ایسے مضامین سے ملک کا امن بالکل برباد ہو سکتا ہے۔ اس لیے ان کو نوٹس دیا گیا۔ عدالت اس جواب سے سمجھ سکتی ہے کہ دراصل نوٹس کا یہ موجب نہیں تھا۔ بلکہ اس کا موجب کچھ اور ہی تھا۔ ربوہ سے لوگوں کی اطلاع کے لیے احمدیوں کے اطمینان کے لیے بذریعہ خطوط اطلاعات بھجوائی جاتی تھیں کہ وہ صبر سے کام لیں اور دعاؤں سے کام لیں حکومت نے اس بناء پر ناظر دعوت تبلیغ اور امام جماعت احمدیہ کی تلاشی لی اور بعد میں امام جماعت احمدیہ سے اس بات کا جواب طلب کیا کہ فلاں فلاں خط سائیکلوسٹائل پر کیوں شائع ہوا یہ چار مضمون تھے۔ لطف یہ ہے کہ ان میں سے دو خود گورنمنٹ کی درخواست پر شائع کیے گئے تھے ایک ہوم سیکرٹری اور ڈپٹی کمشنر کی درخواست پر اور ایک ہوم سیکرٹری اور چیف سیکرٹری کی درخواست پر۔ ایک دفعہ تھانیدار اس کی تحقیقات کے لیے آیا اور دوسری دفعہ ڈی۔ ایس۔ پی اس کی تحقیقات کے لیے آیا۔ امام جماعت احمدیہ نے جب توجہ دلائی کہ ڈپٹی کمشنر خود میرے پاس یہ درخواست لے کر آیا تھا کہ یہ اعلان شائع کرو۔ ہوم سیکرٹری کی یہ خواہش ہے پھر یہ شائع میں نے نہیں کیا۔ محکمہ نے کیا ہے پھر اس کے بارہ میں مجھ سے کیوں پوچھا جاتا ہے اور جو دوسرا اعلان شائع ہوا ہے اس کے متعلق ڈی۔ ایس۔ پی صاحب سے کہا کہ اس کے شائع کرنے کے متعلق آپ نے آ کے مجھے ہوم سیکرٹری کا پیغام پہنچایا تھا لیکن میں نے یہ جواب دیا تھا کہ میں گورنمنٹ کی تحریر کے بغیر ایسا شائع کرنے کے لیے تیار نہیں کیونکہ سیفٹی ایکٹ کا نوٹس دیتے ہی مجھ سے یہ درخواست کرنا بتاتا ہے کہ مجھ کو سیفٹی ایکٹ میں پھنسانے کی کوشش کی جا رہی ہے لیکن اس کے بعد مشورہ کے نتیجہ میں مولوی عبدالرحیم صاحب درد ناظر امور عامہ ہوم سیکرٹری سے ملے اور انہوں نے کہا ہم نے ایسی کوئی چٹھی نہیں بھجوائی۔ شاید چیف سیکرٹری نے بھجوائی ہو پھر انہوں نے درد صاحب کو چیف سیکرٹری سے ملوایا اور چیف سیکرٹری نے کہا کہ ہاں میں نے ایسی ایک چٹھی بھجوائی ہے ایسا اعلان کرنے میں کیا حرج ہے۔ درد صاحب نے کہا کہ اس میں

یہی حرج ہے کہ امام جماعت احمدیہ کو جن باتوں کے ذکر کرنے سے آپ نے سیفٹی ایکٹ کے ماتحت منع کیا ہے انہی کے متعلق آپ اُن سے اعلان کروانا چاہتے ہیں پس آپ تحریر دے دیں تو میں اُن سے اعلان کروانے کی کوشش کروں گا۔ چیف سیکرٹری نے کہا اچھا پھر مسودہ بنا کر بھجوا دیں میں اس کی تصدیق کرونگا اس تصدیق شدہ مسودہ کو شائع کرنے کے خلاف اب یہ کارروائی کی جارہی ہے اور باوجود اس کے کی جارہی ہے کہ تھانیدار کو لکھ کر یہ دے دیا گیا کہ یہ اعلان گورنمنٹ کی خواہش پر اور چیف سیکرٹری کے حکم سے کیا گیا ہے۔ کیا میاں انور علی صاحب لاہور میں چیف سیکرٹری صاحب سے نہیں پوچھ سکتے تھے۔ جو یہاں جھنگ میں ڈی۔ ایس۔ پی سے تحقیقات کروا رہے ہیں۔ اس پر ڈی۔ ایس۔ پی صاحب نے کہا کہ ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ جو کچھ افسروں نے لکھ بھیجا ہے اس کی تعمیل ہم نے کرنی ہے اس پر امام جماعت احمدیہ نے ان کو کہا کہ یاد رکھیں ایک بالا حکومت بھی آسمان پر ہے وہ ان ظلموں کا بدلہ لے گی۔

ملک عبداللہ صاحب کا واقعہ بھی لکھیں کہ ایک ایسے اشتہار کی بناء پر جس کو روک دیا گیا تھا ان کو سیفٹی ایکٹ کے ماتحت گرفتار کر لیا گیا پھر وہ واقعہ بھی لائیں کہ زمیندار کے بدلہ میں آثار کی اجازت دے دی گئی لیکن ”الفضل“ کی اجازت نہ دی گئی پھر میاں شریف احمد صاحب اور ناصر احمد صاحب کا واقعہ بھی لائیں پھر ان Accidents کو بھی لائیں جو ان دنوں میں ظہور پذیر ہوئے۔ ربوہ پر حملہ کی تیاری ہوئی۔ باہر سے جتھے آئے اور ان کو کئی کئی ضلعوں میں سے گزرنے دیا گیا گو ربوہ پر وہ حملہ نہ کر سکے مگر اشتعال پیدا کرتے رہے جس سے مقامی جماعتوں کو نقصان پہنچا۔ ربوہ کے اردگرد مکمل بائیکاٹ کیا گیا ایک ہفتہ تک نہ دودھ ملا نہ ترکاری ملی اور نہ اور ضروریات زندگی جو اِردگرد سے ملتی تھیں ملیں۔ بچوں۔ بوڑھوں اور بیماروں نے سخت تکلیف سے یہ دن گزارے۔ بعض غیر احمدی ملازموں یا تعلق داروں سے بہت تھوڑی مقدار میں چیزیں مہیا ہو سکیں جو ۵/۱ کو بھی کافی نہ تھیں۔ کئی دن تک کئی جگہ پر احمدیوں کو پانی میسر نہ آسکا۔ نلکوں سے ان کو روک دیا گیا۔ بعض جگہ پر ہفتہ ہفتہ دو ہفتہ تک کھانے پینے کی چیزیں لوگوں کو نہ ملتی تھیں ریل میں اگر کوئی احمدی مل جاتا تو اسے قتل کی دھمکیاں دی جاتیں ریل سے پھینک دینے کی دھمکیاں دی جاتیں (مولوی اسماعیل دیالگڑھی کا واقعہ اور بہت سے واقعات) ان واقعات کو پوری طرح

اُن واقعات سے جمع کریں جو مولوی دوست محمدؐ صاحب کے پاس تھے ۔ یہ احتیاط سے کام کرنے چاہئیں ہمارے لیے موت اور زندگی کا سوال ہے۔"

تحقیقاتی عدالت کی ابتدائی کارروائی

روزنامہ "آفاق" لاہور کی ۶ راگست ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں لکھا ہے : ۔

"پنجاب میں ردِ قادیانیت کی تحریک کے سلسلہ میں حالیہ فسادات کی تحقیقات کرنے والا کمیشن ختم نبوت کے متعلق عقائد کا اختلاف معلوم کرنے کے لیے قادیانی فرقہ اور مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کے سترہ ممتاز علماء کے بیانات کمیشن کے لاہور کے اجلاس میں بند کمرہ میں قلمبند کرے گا۔ تحقیقاتی عدالت نے سات سوالوں پر مشتمل ایک سوال نامہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے نام جاری کیا ہے ۔ اور انہیں ہدایت کی گئی ہے ۔ کہ وہ جماعت احمدیہ کے عقائد کے حوالہ سے اور فرقہ احمدیہ کے سربراہ سے مشورہ کے بعد سترہ اگست تک ان سوالات کے جواب پیش کریں۔ تحقیقاتی عدالت نے آج کے اجلاس میں ایڈووکیٹ جنرل پنجاب کو حکم دیا ہے ۔ کہ مارشل لاء کے دوران میں خاص فوجی عدالتوں نے مولانا اختر علی خاں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مولانا عبدالستار نیازی اور مسٹر احمد سعید کرمانی کے خلاف مقدمات میں جو احکامات اور فیصلے صادر کیے تھے ۔ ان کی مصدقہ نقول عدالت میں پیش کی جائیں ۔ تحقیقاتی عدالت نے جو چیف جسٹس مسٹر محمد منیر اور مسٹر جسٹس ایم آر کیانی پر مشتمل ہے مسٹر عبدالعزیز خاں ایڈووکیٹ جنرل کو مزید حکم دیا ہے کہ ردِ قادیانیت کی تحریک اور حالیہ فسادات کے متعلق اگر پنجاب کے محکمہ تعلقات عامہ میں کوئی فائل رکھی گئی ہو ۔ تو وہ بھی عدالت میں پیش کی جائے ۔

عدالت نے صدر انجمن احمدیہ ربوہ کی جانب سے مسٹر بشیر احمد اور جماعت اسلامی کی جانب سے مسٹر صفدر حسن صدیقی کو اجازت دے دی ہے ۔ کہ وہ مطلوبہ دستاویزات کا مطالعہ کر سکتے ہیں ۔

جن سترہ علماء کے بیانات قلمبند کیے جائیں گے ان کے نام یہ ہیں ۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی ۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری مجلس احرار ۔ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صدر جمعیت علمائے پاکستان ۔ مولانا داؤد غزنوی اہلِ حدیث ۔ مولانا محمد ذاکر تنظیم اہلِ سنت

والجماعت ۔ مولانا نورالحسن شاہ بخاری ۔ مولانا حافظ کفایت حسین ادارہ تحفظ حقوق شیعہ ۔ پیر قمرالدین جمعیت المشائخ ۔ مسٹر قیصر مصطفیٰ اسلام لیگ ۔ مولانا محمد ادریس جامعہ اشرفیہ ۔ مولانا احمد علی صدر جمعیۃ علمائے اسلام مغربی پاکستان ۔ مولانا سید سلیمان ندوی ۔ مولانا عبدالماجد بدایونی اور مفتی محمد شفیع دیوبندی کراچی ۔ مفتی محمد ادریس جامعہ اشرفیہ یہ سوالنامہ عدالت نے اس لیے جاری کیا ہے ۔ کہ وہ اس مسئلہ پر مسلمانوں کے مختلف مکتبہ ہائے فکر کے علمائے کے عقائد میں باہمی اختلاف معلوم کرنا ضرور سمجھتی ہے ۔ عدالت اپنے آپ کو اس متنازعہ مذہبی مسئلہ پر فیصلہ صادر کرنے کا اہل نہیں سمجھتی ۔ لیکن چونکہ حالیہ فسادات اس مسئلہ پر قادیانیوں اور مسلمانوں کے باہمی عقائد میں اختلاف ہی کا نتیجہ تھے ۔ اس لیے عدالت نے ضروری سمجھا کہ اس کے متعلق مختلف فرقوں کے درمیان عقائد کا اختلاف معلوم کیا جائے ۔

تحقیقاتی عدالت نے ایڈووکیٹ جنرل کو مزید حکم دیا ہے ۔ کہ مولانا اختر علی خاں ، مولانا مودودی ۔ مولانا عبدالستار نیازی ، اور مسٹر ابوسعید کرمانی کے بیانات کی نقول بھی عدالت میں پیش کی جائیں ۔

عدالت نے مولانا عبدالستار نیازی کی یہ درخواست بھی منظور کر لی ہے ۔ کہ انہیں اپنا بیان پیش کرنے کے لیے ۱۱ ؍ اگست تک کی مہلت دی جائے ۔ فریقین کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے بیانات مری میں تحقیقاتی عدالت کے دفتر میں یا لاہور ہائی کورٹ کے رجسٹرار کے دفتر میں پیش کریں ۔

عدالت نے فریقین سے مزید درخواست کی کہ وہ ۷ ؍ اگست سے پہلے اپنے گواہوں کی فہرست اور ایسے لوگوں یا گواہوں پر جرح کے متعلق درخواستیں پیش کر دیں ۔ جو عدالت کی کارروائی سے تعلق نہیں رکھتے ۔ عدالت کی ہدایت کے مطابق گواہوں کی فہرست میں ہر گواہ کے متعلق اس کی گواہی کا منشا بیان کیا جائے “ ۔[1]

حضرت مصلح موعود کا ایک اور مکتوب

مندرجہ ذیل خط سیدنا حضرت مصلح موعود نے ۷ ؍ اگست ۱۹۵۳ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے نام سندھ سے تحریر فرمایا : ۔

---

[1] آفاق لاہور ۶ ؍ اگست ۱۹۵۳ء ص ۱ کالم ۴ - ۶

۵۳/۸/۷ عزیزم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

کل ڈاک اور سول[1] میں یہ حیرتناک خبر ملی کہ کمیشن نے مولویوں والے سوالات[2] احمدیوں سے کیے ہیں۔ آج تار تو دے دی گئی ہے مگر نہ معلوم تار کے راستے خراب ہیں پہنچے گی یا نہیں۔ اب آدمی کے ہاتھ یہ خط بھجوایا جارہا ہے۔ مرے نزدیک فوراً کمیشن کے سامنے یہ درخواست دے دینی چاہیئے۔

۱۔ علماء سے یہ سوال کیا جائے۔ کیا جماعت کے بانی اور جماعت احمدیہ پر کفر۔ ارتداد۔ زندیقیت۔ الحاد۔ بے ایمانی۔ خباثت۔ شرارت۔ شیطان کے چیلے ہونے ابوجہل کی نسل سے ہونے۔ ان کے نکاحوں کے ٹوٹنے۔ ان کی اولاد ولدالزنا ہونے ان کے مسجدوں میں داخل ہونے سے مسجد کے پلید ہوجانے۔ ان کے مقبروں میں دفن ہونے کے جائز نہ ہونے اور اگر دفن ہوجائیں تو مردے نکال کر باہر پھینک دینے کے فتوے علماء نے ۱۸۹۱ء اور اس کے بعد دیئے ہیں یا نہیں اور اگر احمدیوں نے ان کے ان فتووں کا کوئی جواب دیا ہے تو کیا پورے دس سال ان فتووں کے سُننے کے بعد نہیں دیا۔ (اگر علماء کو انکار ہو تو ہمیں یہ فتوے پیش کرنے کی اجازت دی جائے)

۲۔ کیا مسلمانوں کے ہر فرقہ کے دوسرے فرقہ کے خلاف کفر۔ الحاد۔ زندقہ۔ ارتداد وغیرہ کے فتوے موجود نہیں ہیں۔ (اگر علماء کو انکار ہو تو ہم کو یہ فتوے پیش کرنے کی اجازت دی جائے)

۳۔ کیا خوارج جن کی عمان میں بھی حکومت تھی اور زنجبار میں بھی حکومت ہے اور جن کے ساتھ پاکستان کے دوستانہ تعلقات ہیں اور جن کے ہم مذہب افراد کراچی میں بھی موجود ہیں۔ کیا ان کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ ہر کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے اور جہنمی ہوتا ہے اور یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کبائر کے مجرم تھے اور اس وجہ سے ان کے آباء نے حضرت عثمانؓ کو مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن ہونے سے روک دیا تھا۔ آخر کئی دن کے بعد رات کے وقت مقبرہ کے کونے میں ان کو دفن کیا گیا۔ کیا ان لوگوں کے خلاف اور ان کی حکومتوں کے خلاف علماء نے فتوے دیئے

---

[1] روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور [2] یہ سات سوالات تھے جن کے جوابات حضرت مصلح موعود نے تحریر فرمائے تھے جیسا کہ آگے ذکر آرہا ہے۔

اور ان کی حکومتوں سے قطع تعلق کرنے کا مشورہ دیا اور ان کے خلاف ہنگامے گئے (اگر ان واقعات سے علماء کو انکار ہو تو ہم اسلامی لٹریچر پیش کرنے کو تیار ہیں)

۴ ۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ بہاء اللہ نے قرآن کے منسوخ ہونے کا اعلان کیا کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ختم ہو جانے کا اعلان کیا اور اپنے خدا کے مظہر ہونے کا اعلان کیا اور بہاء اللہ کی قبر کو سجدہ کرنے کو ان کے نائب عبدالبہاء نے جائز کہا ہے ۔ بہاء اللہ کے اتباع سینکڑوں کی تعداد میں کراچی میں موجود ہیں اور سینکڑوں کی تعداد میں پاکستان کے دوسرے حصوں میں موجود ہیں کیا ان لوگوں کے خلاف علماء نے فتوے دیئے ۔ کوئی ہنگامہ برپا کیا ۔ اور ایجی ٹیشن کیئے اور کب کیے (اگر جو عقائد ہم نے بہائیوں کی طرف منسوب کیے ہیں اس بیان کی صحت سے علماء کو انکار ہو تو ہم لٹریچر پیش کرنے کو تیار ہیں) ۔

۵ ۔ شیعہ مذہب کی رو سے حضرت ابوبکرؓ ۔ حضرت عمرؓ ۔ حضرت عثمانؓ تینوں فاسق تھے ۔ صحابہؓ کی اکثریت فاسق تھی ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی قابلِ اعتراض تھیں ۔ کیا علماء نے ایسے عقیدے رکھنے والوں کے خلاف کوئی احتجاج کیا یا ان عقائد کو برداشت کے قابل سمجھ لیا اگر شیعہ عقائد کے متعلق ہمارا یہ بیان غلط ہے تو ہم شیعہ لٹریچر سے اس کے حوالے پیش کرنے کو تیار ہیں ۔

ہم یہ بھی لکھ دینا چاہتے ہیں کہ شیعوں کا ایک گروہ جو اقلیت میں ہے ۔ ان عقائد سے پاک ہے ۔

۶ ۔ کیا علماء کو یہ معلوم ہے کہ نہیں ہے کہ شیعہ مذہب کے عقیدہ میں رجعت کا ایک عقیدہ ہے جس کی رو سے امام مہدی کے زمانہ میں تمام انبیاء دوبارہ ظاہر ہوں گے اور ان کی اطاعت کریں گے اور تمام صحابہؓ کو زندہ کیا جائے گا اور ان کو کوڑے لگوائے جائیں گے ۔ کیا علماء کے نزدیک یہ عقیدہ اشتعال دلانے والا نہیں ۔ اگر ہے تو اس کے خلاف انہوں نے کیا احتجاج کیا اور کیا ہنگامے کیے ۔

۷ ۔ کیا علماء کے نزدیک مسیح ناصری زندہ ہیں اور دوبارہ دنیا پر آئیں گے اور کیا وہ اس وقت نبی ہوں گے یا نہیں ہوں گے اور ان کے منکر مومن ہوں گے ۔ کافر ہوں گے اگر کافر کہلائیں گے تو کیا ان کے

خلاف احتجاج اور ہنگامہ خیزی جائز ہو گی۔ اور کیا اس عقیدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہے یا نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کے دل دکھتے ہیں یا نہیں۔

ہم ان سوالات سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ احمدیوں کے متعلق اگر کوئی بات ہے تو وہ پرانی بات ہے نئی پیدا نہیں ہوئی تینتیس سال سے کوئی ایسا لٹریچر شائع نہیں ہوا جس سے قیاس بعید کر کے بھی ایسے الفاظ نکالے جا سکیں۔

دوسرے احمدیہ جماعت کی طرف سے کوئی ایسا لفظ جس کو کھینچ تان کر بھی اشتعال انگیز کہا جا سکے اس وقت تک استعمال نہیں کیا گیا۔ جب تک سال تک متواتر خلافِ اخلاق۔ خلافِ شریعت۔ خلافِ انسانیت الفاظ احمدیوں کے خلاف استعمال نہیں کیے گئے۔

۸۔ یہ کہ اس کے مشابہہ صورتیں مسلمانوں کے ہر فرقہ میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن علماء نے اس پر کوئی ہنگامہ خیزی ہوئی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ احمدیت کے خلاف شورش محض سیاسی تھی اور محض ظفر اللہ خاں کے وزیر ہونے کی وجہ سے تھی اور سیاسی اغراض کے ماتحت سیاسی لوگوں نے شروع کروائی تھی۔

۹۔ یہ کہ ایسے لٹریچر کے متعلق شور کرنا جو کبھی بھی مسلمانوں میں شائع نہیں کیا گیا بلکہ صرف احمدیہ جماعت کے دو فرقوں کے اختلاف کے متعلق پرائیویٹ طور پر شائع کیا گیا اور جس میں استعمال ہونیوالے الفاظ ان اصطلاحات کے مطابق نہیں تھے جو کہ مسلمانوں میں رائج ہیں بلکہ ان اصطلاحات کے مطابق تھے جو کہ صرف احمدیوں کے نزدیک مسلمہ تھیں اس لٹریچر کے غلط معنے کرنے اور ان اصطلاحات کے وہ معنے کرنے جو کہ اس وقت عام مسلمانوں میں رائج تھے مگر احمدی ان معنوں کے خلاف معنے صاف بتاتا ہے کہ اشتعال کی وجہ موجود نہیں تھی بلکہ اشتعال پیدا کیا گیا اور عوام الناس کو بھڑکایا گیا۔ اگر اشتعال حقیقی ہوتا تو وہ عوام الناس میں پہلے ہوتا مگر یہ اشتعال تو کئی سال جلسے کر کر کے شہر بہ شہر پھر پھر کے مولویوں نے پیدا کیا اور غلط باتیں منسوب کر کے پیدا کیا۔‘‘

دوسرا باب

حضرت مصلح موعود نے صرف ہدایات پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے قلمِ مبارک سے تین نہایت اہم دستاویزات تحریر فرمائیں جو تحریری بیانات کی شکل میں صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے داخلِ عدالت کی گئی تھیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے :۔

تحقیقاتی کمیشن کے سات سوالوں کے جوابات

یہ جوابات ایڈووکیٹ صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے ذریعہ ۲۹ ؍اگست ۱۹۵۳ء کو عدالت میں داخل کیے گئے اور بعد ازاں ان کو پہلے اخبار "المصلح" کراچی مورخہ ۱۱ ؍نومبر ۱۹۵۳ء میں نذرِ اشاعت کیا گیا۔ اور پھر دار التجلید اردو بازار لاہور نے مندرجہ بالا عنوان ہی سے رسالہ کی شکل میں اس کو بہت کثرت سے شائع کیا۔

اس نہایت اہم دستاویز کا متن درج ذیل ہے :۔

ذیل میں ان سات سوالوں کا جواب درج کیا جاتا ہے جو حکومتِ پنجاب کے مقرر کردہ تحقیقاتی کمیشن نے گزشتہ فسادات کی تحقیق کے تعلق میں صدر انجمن احمدیہ ربوہ سے کیے تھے اور صدر انجمن احمدیہ نے ان سوالوں کا جواب تیار کرا کے اپنے وکیل کے ذریعہ عدالت میں داخل کیا :

سوال نمبر ۱ : جو مسلمان مرزا غلام احمد صاحب کو نبی بمعنی ملہم اور مامور من اللہ نہیں مانتے کیا وہ مومن اور مسلمان ہیں؟

جواب : "مسلم" اور "مومن" قرآن مجید کے محاورات کو دیکھتے ہوئے دو الگ الگ معنے رکھتے ہیں۔ "مسلم" نام اُمّتِ محمدیہ کے افراد کا ہے اور "ایمان" دراصل اس روحانی اور قلبی کیفیت کا نام ہے جس کو کوئی دوسرا جان نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ ہی اس سے واقف ہوتا ہے۔

جہاں تک لفظ "مسلم" کا تعلق ہے قرآن کریم کی آیت ھو سمّٰکم المسلمین (سورۃ حج ع۱۰)

کے مطابق امتِ محمدیہ کا ہر فرد مسلم کہلانے کا مستحق ہے ۔ اس تعریف کی تائید اس حدیث صحیح سے بھی ہوتی ہے کہ "من صلّٰی صلٰوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالک المسلم الذی ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ (بخاری بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الایمان ص۱۲ مطبع اصح المطابع) یعنی جو شخص بھی ہمارے قبلہ (یعنی کعبہ) کی طرف منہ کر کے مسلمانوں کی سی نماز پڑھے اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھائے پس وہ مسلمان ہے جس کو خدا اور اس کے رسول کی حفاظت حاصل ہے :۔

باقی رہا "مومن" سو کسی کو مومن قرار دینا درحقیقت صرف خدا تعالیٰ کا کام ہے ۔ عام اصطلاح میں "مسلم" اور "مومن" ایک معنوں میں استعمال ہو جاتے ہیں لیکن درحقیقت "مومن" خاص ہے اور "مسلم" عام ۔ پس ہر مومن "مسلم" ضرور ہوگا لیکن ہر مسلم کا "مومن" ہونا ضروری نہیں ۔

مندرجہ بالا تشریح کے مطابق جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہے اور آپ کی "اُمّت" میں سے ہونے کا اقرار کرتا ہے وہ اپنے کسی عقیدہ یا عمل کی دانستہ یا نادانستہ غلطی کی وجہ سے اس نام سے محروم نہیں ہو سکتا ۔ ظاہر ہے کہ اس تشریح کے مطابق اور قرآن کریم کی آیت "ھو سمّٰکم المسلمین" کے تحت کسی شخص کو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو نہ ماننے کی وجہ سے غیر مسلم نہیں کہا جا سکتا ۔

ممکن ہے ہماری بعض سابقہ تحریرات سے غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اس کے متعلق ہم کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ہماری ان بعض سابقہ تحریرات میں جو اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں وہ ہماری مخصوص ہیں ۔ عام محاورہ کو جو مسلمانوں میں رائج ہے استعمال نہیں کیا گیا ۔ کیونکہ ہم نے اس مسئلہ پر یہ کتابیں غیر احمدیوں کو مخاطب کر کے شائع نہیں کیں بلکہ ہماری یہ تحریرات جماعت کے ایک حصّہ کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہیں اس لیے ان تحریرات میں ان اصطلاحات کو مدِ نظر رکھنا ضروری نہیں تھا جو دوسرے مسلمانوں میں رائج ہیں ۔

ہمارے اس عقیدہ کی تائید کی کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو نہ ماننے والا مسلمان "مسلمان" ہی کہلائے گا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے الہامات سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ملاحظہ ہو آپ کا الہام

"مسلماں را مسلماں باز کردند" (حقیقۃ الوحی ص۱۰۷ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

یعنی آپ کی بعثت کی غرض مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنانا ہے ایک دوسرے الہام میں خدا تعالیٰ نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو یہ دعا سکھلائی ہے :۔

"رَبِّ اَصْلِحْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ" (تحفہ بغداد صفحہ ۲۳ مطبوعہ ۱۳۱۱ھ)

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی تمام کتابوں میں ان تمام مسلمانوں کو جو آپ کی جماعت میں داخل نہیں "مسلمان" کہہ کر ہی خطاب کیا ہے کیونکہ وہ اسلام کی عمومی تعریف کے مطابق کلمہ طیبہ پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں۔[1] اسی طرح موجودہ امام جماعتِ احمدیہ بھی اُن کو مسلمان کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں۔ (مثلاً ملاحظہ ہو الفضل ۱۹ ؍مئی ۱۹۴۷ء و الفضل ۱۸ ؍ستمبر ۱۹۴۷ء وغیرہ)

ہاں آنحضرت صلعم نے بھی فرمایا ہے "یاتی علی الناس زمان لا یبقیٰ من الاسلام الّا اسمہ" (مشکوٰۃ کتاب العلم) یعنی لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا۔ یہ حدیث اسی زمانہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے چنانچہ جماعتِ اسلامی کے امیر مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی بھی موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو جو ان کی جماعت میں شامل نہیں ہیں صرف رسمی اور اسمی مسلمان قرار دیتے ہیں چنانچہ وہ مسلمانوں کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"دنیا میں جو مسلمان پائے گئے ہیں یا آج پائے جاتے ہیں ان سب کو دو حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے ایک قسم کے مسلمان وہ جو خدا اور رسول کا اقرار کر کے اسلام کو بحیثیت اپنے مذہب کے مان لیں مگر اپنے اس مذہب کو اپنی کلی زندگی کا محض ایک جزو اور ایک شعبہ ہی بنا کر رکھیں اس مخصوص جزو اور شعبے میں تو اسلام کے ساتھ عقیدت ہو۔ لیکن فی الواقعہ ان کو اسلام سے کوئی علاقہ نہ ہو۔ دوسری قسم کے مسلمان وہ ہیں جو اپنی پوری شخصیت کو اور اپنے سارے وجود کو اسلام کے اندر پوری طرح دے دیں۔ ان کی ساری حیثیتیں ان کے مسلمان ہونے کی حیثیت میں گم ہو جائیں .... یہ دو قسم کے مسلمان حقیقت میں بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ چاہے قانونی حیثیت سے دونوں پر لفظ مسلمان کا اطلاق یکساں ہو۔"

(رسالہ موسومہ روداد جماعت اسلامی حصّہ سوم صفحہ ۸۰ تا ۷)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:۔

"یہ انبوہِ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق و باطل کی تمیز سے آشنا ہیں نہ ان کا اخلاقی نقطۂ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق

---

[1] ملاحظہ ہو رسالہ پیغام صلح مصنفہ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱، ۱۷، ۱۸ مطبوعہ ۱۹۳۶ء بار دوم۔

تبدیل ہوا ہے باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم بار ششم صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶)

اسی طرح موجودہ دور کے مسلمانوں کے متعلق اہلحدیث کا خیال بھی ملاحظہ فرمایا جاوے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالوی اپنی کتاب اقتراب الساعۃ کے صفحہ ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"اب اسلام کا صرف نام۔ قرآن کا فقط نقش باقی رہ گیا ہے۔ مسجدیں ظاہر میں تو آباد ہیں لیکن ہدایت سے بالکل ویران ہیں۔ علماء اس اُمت کے بدتر ان کے ہیں جو نیچے آسمان کے ہیں۔ انہی میں سے فتنے نکلتے ہیں انہی کے اندر پھر کر جاتے ہیں۔" (اقتراب الساعۃ ص۱۲)

پھر جناب علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے موجودہ مسلمانوں کے متعلق اپنا خیال ان اشعار میں بیان فرمایا ہے کہ:

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغاں بھی ہو تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

(بانگِ درا ایڈیشن دوازدہم ص۲۲۶ جوابِ شکوہ)

پھر صرف نام کے طور پر اسلام کے باقی رہنے کے متعلق مولانا حالی کا یہ شعر بھی ملاحظہ فرمایا جاوے

رہا دین باقی نہ اسلام باقی اِک اسلام کا رہ گیا نام باقی

(مسدس حالی مطبوعہ تاج کمپنی ص۲۶)

پھر سید عطاء اللہ صاحب بخاری کمیونزم اور اسلام کا مقابلہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے متعلق حسب ذیل بیان دیتے ہیں:۔

"مقابلہ تو تب ہو کہ اسلام کہیں موجود بھی ہو۔ ہمارا اسلام؟ ہم نے اسلام کے نام پر جو کچھ اختیار کر رکھا ہے وہ تو صریح کفر ہے۔ ہمارے دل دین کی محبت سے عاری۔ ہماری آنکھیں بصیرت سے ناآشنا اور کان سچی بات سننے سے گریزاں

بیدلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

ہمارا اسلام؟

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیدی　　مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

یہ اسلام جو ہم نے اختیار کر رکھا ہے کیا یہی اسلام ہے جو نبی نے سکھایا تھا؟ کیا ہماری رفتار۔ گفتار کردار میں وہی دین ہے جو خدا نے نازل کیا ہے...... یہ روزے یہ نمازیں جو ہم میں سے بعض پڑھتے ہیں ان کے پڑھنے میں ہم کتنا وقت صرف کر رہے ہیں؟ جو مصلّے پر کھڑا ہے وہ قرآن سنانا نہیں جانتا اور جو سنتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ کیا سُن رہے ہیں اور باقی ۲۳ گھنٹے ہم کیا کرتے ہیں؟ میں کہتا ہوں گورنری سے گداگری تک مجھے ایک بات ہی بتلاؤ جو کہ قرآن اور اسلام کے مطابق ہوتی ہے؟ ہمارا تو سارا نظام کفر ہے۔ قرآن کے مقابلہ میں ہم نے ابلیس کے دامن میں پناہ لے رکھی ہے۔ قرآن صرف تعویذ کیلئے۔ قسم کھانے کے لیے ہے۔"

(تقریر سید عطاء اللہ شاہ بخاری آزاد ۹ر دسمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۱ و ۲)

مندرجہ بالا حوالجات سے کفر و اسلام کے مسئلہ کے متعلق جماعتِ احمدیہ کا مسلک اور اس کے مقابلہ پہ موجودہ زمانے کے دوسرے مسلمان فرقوں کا طریق واضح اور عیاں ہے۔

سوال نمبر ۲: کیا ایسے شخص کافر ہیں؟

جواب: "کافر" کے معنے عربی زبان میں نہ ماننے والے کے ہیں۔ پس جو شخص کسی چیز کو نہیں مانتا اس کے لیے عربی زبان میں "کافر" کا لفظ ہی استعمال ہوگا۔ پس ایسے شخص کو جب تک وہ یہ کہتا ہے کہ میں فلاں چیز کو نہیں مانتا اس کو اس چیز کا کافر ہی سمجھا جائے گا۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام آئمہ اہلِ بیت کا انکار کرنے والوں کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"من عرفنا کان مومنا۔ من انکرنا کان کافراً۔ من لم یعرفنا و لم ینکرنا کان ضالاً۔"

(الصافی شرح الاصول الکافی باب فرض اطاعۃ الأئمۃ کتاب الحجۃ جزو ۳ صفحہ ۱۶ مطبوعہ نولکشور)

یعنی جس نے ہم آئمہ اہلِ بیت کو شناخت کر لیا وہ مومن ہے اور جس نے ہمارا انکار کیا وہ کافر ہے اور جو ہمیں نہ مانتا ہے اور نہ انکار کرتا ہے وہ ضال ہے۔

اس ارشاد سے حضرت امام صاحب کی یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ ایسا شخص اُمّتِ محمدیہ سے خارج ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے اوپر تشریح کی ہے یہی مُراد ہو سکتی ہے کہ آئمہ اہلِ بیت کے درجہ کا منکر ہے ہمارے

نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مامور من اللہ کے انکار کے ہرگز یہ معنے نہیں ہوں گے کہ ایسے لوگ اللہ تعالےٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے منکر ہو کر اُمتِ محمدیہ سے خارج ہیں یا یہ کہ وہ مسلمانوں کے معاشرہ سے خارج کر دیئے گئے ہیں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں :۔

اوّل: ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔

دوم: دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارہ میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے ۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۷۹ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ اس قسم کے فتووں میں بھی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ یا آپ کی جماعت کی طرف سے ابتداء نہیں ہوئی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ غیر احمدی علماء نے اپنے فتووں میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو آپ کے ابتدائے دعوے ۱۸۹۰ء-۹۱ء سے ہی نہ صرف کافر قرار دیا بلکہ 'مرتد' 'زندیق' 'ملحد' 'ابلیس' 'دجال' 'کذاب' وغیرہ الفاظ بھی استعمال کئے اور اس قسم کے اور بہت سے گندے ناموں سے آپ کو یاد کیا گیا۔ اس قسم کے فقرے لکھے گئے اور کتابیں چھاپی گئیں اشتہارات اور پمفلٹوں کے ذریعہ سے ان فتووں کو لوگوں میں پھیلا دیا گیا اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی پر اس طرح پہلے حملہ کرتا ہے وہ پھر اس قسم کے جواب کا مستحق بھی ہو جاتا ہے اور اس صورت میں اسے اپنے آپ کو ملامت کرنی چاہیئے دوسرے کو الزام دینے کا اسے کوئی حق نہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں :۔

(ا) ایما رجل قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما ۔ (ترمذی کتاب الایمان ص۱۰۱)

(ب) اذا کفر احدکم اخاہ فقد باء بھا احدھما

(صحیح مسلم بحوالہ کنوز الحقائق للمناوی مطبوعہ مصریہ حاشیہ جامع الصغیر جلد ۱ ص۱۶۰)

یعنی جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہے تو ان میں سے ایک ضرور کافر ہوگا اگر وہ شخص جسے کافر کہا گیا ہے کافر نہیں ہے تو کہنے والا کافر ہوگا۔

(ج) ما اکفر رجل رجلا قطُّ الا باء بھا احدُھما۔

(ابن حبان فی صحیحہ بحوالہ جامع الصغیر مصنفہ حضرت امام سیوطی مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۴۳)

یعنی دو (مسلمان) آدمیوں میں سے ایک آدمی اگر دوسرے کو کافر قرار دے تو لازمی ہے کہ ان میں سے ایک ضرور کافر ہو جائے گا۔

غرضیکہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی طرف سے اس قسم کے فتووں میں کبھی ابتداء نہیں ہوئی چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"پھر اس جھوٹ کو تو دیکھو کہ ہمارے ذمہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے بیس کروڑ مسلمانوں اور کلمہ گویوں کو کافر ٹھہرایا حالانکہ ہماری طرف سے تکفیر میں کوئی سبقت نہیں ہوئی خود ہی ان کے علماء نے ہم پر کفر کے فتوے لکھے اور تمام پنجاب اور ہندوستان میں شور ڈالا کہ یہ لوگ کافر ہیں اور نادان لوگ ان فتووں سے ایسے ہم سے متنفر ہو گئے کہ ہم سے سیدھے منہ سے کوئی نرم بات کرنا بھی ان کے نزدیک گناہ ہو گیا کیا کوئی مولوی یا کوئی اور مخالف یا کوئی سجادہ نشین یہ ثبوت دے سکتا ہے کہ پہلے ہم نے ان لوگوں کو کافر ٹھہرایا تھا؟ اگر کوئی ایسا کاغذ یا کوئی اشتہار یا رسالہ ہماری طرف سے ان لوگوں کے فتویٰ کفر سے پہلے شائع ہوا ہے جس میں ہم نے مخالف مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے تو وہ پیش کریں۔ ورنہ خود سوچ لیں کہ یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر تو ٹھہرائیں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگائیں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے اس قدر خیانت اور جھوٹ اور خلاف واقعہ تہمت کس قدر دلآزار ہے ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے اور پھر جبکہ ہمیں اپنے فتووں کے ذریعہ سے کافر ٹھہرا چکے اور آپ ہی اس بات کے قائل بھی ہو گئے کہ جو شخص مسلمان کو کافر کہے تو کفر الٹ کر اس پر پڑتا ہے۔ تو اس صورت میں کیا ہمارا حق نہ تھا کہ بموجب انہی کے اقرار کے ہم ان کو کافر کہتے"۔ (حقیقۃ الوحی مطبوعہ ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۲۰-۱۲۱)

پھر اس بات کے ثبوت میں کہ فتویٰ کفر کی ابتداء علماء کی طرف سے ہوئی نہ کہ جماعت احمدیہ کی طرف سے ذیل کے چند فتوے بطور مثال درج ہیں۔

(۱) مولوی عبدالحق صاحب غزنوی (جو مولانا داؤد غزنوی صاحب کے عم بزرگوار تھے) نے لکھا ہے کہ:۔

"اس میں شک نہیں کہ مرزا قادیانی کافر ہے چھپا مرتد ہے گمراہ ہے گمراہ کنندہ۔ ملحد ہے۔ دجال ہے وسوسہ ڈالنے والا۔ وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جانے والا" (فتوے علماء ہند و پنجاب اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ صفحہ ۱۲)

اس قسم کا فتویٰ پنجاب و ہند کے قریباً دو صد مولویوں سے لے کر شائع کیا گیا۔

(ب) اس فتوے سے بھی کئی سال پہلے علمائے لدھیانہ نے ۱۸۸۴ء میں تکفیر کا مندرجہ ذیل فتویٰ صادر کیا۔ جس کا ذکر قاضی فضل احمد صاحب کورٹ انسپکٹر لدھیانہ نے اپنی کتاب کلمہ فضل رحمانی (مطبوعہ دہلی پنج پریس لاہور ۱۳۱۴ھ صفحہ ۱۴۸) میں کیا ہے

باہمی تکفیر کے بارے میں علماء کے چند فتوے درج ذیل ہیں:۔

"من انکر امامة ابی بکر الصدیق فھو کافر وکذلک من انکر خلافة عمرؓ"

(فتاویٰ عالمگیریہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۳ مطبع مجید کانپور)

یعنی جو شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امامت اور حضرت عمرؓ کی خلافت کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

اسی طرح جماعت اسلامی کے امیر مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے بے علم و بے عمل مسلمان کو جس کا علم و عمل کافر جیسا ہو اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو کافر ہی قرار دیا ہے اور اس کا حشر بھی کافروں کے والا بتایا ہے یعنی اس کو نجات سے محروم اور قابل مواخذہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"ہر شخص جو مسلمانوں کے گھر پیدا ہوا ہے جس کا نام مسلمان کا سا ہے جو مسلمانوں کے سے کپڑے پہنتا ہے اور جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہے بلکہ مسلمان درحقیقت وہ شخص ہے جو اسلام کو جانتا ہو اور پھر جان بوجھ کر اس کو مانتا ہو ایک کافر اور ایک مسلمان میں اصل فرق نام کا نہیں کہ وہ رام پرشاد ہے اور یہ عبداللہ ہے اس لیے وہ کافر ہے اور یہ مسلمان (خطبات مودودی صفحہ ۶)

اسی طرح دوسرے مسلمان فرقوں کے علماء ایک دوسرے کو کافر اور جہنمی کہتے ہیں شیعہ اثنا عشریہ کے متعلق علماء اہلسنت والجماعت اور علماء دیوبند متفقہ طور پر مندرجہ ذیل فتویٰ صادر کرتے ہیں:۔

"شیعہ اثنا عشریہ قطعاً خارج از اسلام ہیں۔ شیعوں کے ساتھ مناکحت قطعاً ناجائز اور ان کا ذبیحہ حرام۔ ان کا چندہ مسجد میں دینا ناروا ہے۔ ان کا جنازہ پڑھنا یا ان کو اپنے جنازہ میں شریک کرنا جائز نہیں۔" (فتویٰ شائع کردہ مولوی عبدالشکور صاحب مدیر النجم لکھنؤ)

(نوٹ):۔ اس فتویٰ میں دیگر علماء کے علاوہ دیوبند کی تصدیق بھی شامل ہے جس کی شہادت مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دیوبند سے لی جا سکتی ہے۔

مندرجہ بالا فتویٰ کی عبارت سے خالص مذہبی اختلافات ہی ظاہر نہیں ہوتے بلکہ شیعہ فرقہ کے خلاف شدید

غیظ و غضب کا اظہار پایا جاتا ہے علاوہ ازیں اہلسنت والجماعت کے مسلمہ گزشتہ بزرگان و اولیاء نے بھی حضرات شیعہ کے بارے میں فتویٰ کفر دیا ہے حوالجات ذیل ملاحظہ ہوں۔

(ا) حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ کفر برخلاف اصحاب شیعہ اثنا عشریہ۔

(مکتوبات امام ربانی جلد نمبر ا دفتر اول مکتوب پنجاہ چہارم)

(ب) حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ (غنیۃ الطالبین مع زبدۃ السالکین ص۵۷ اور تحفہ دستگیر یہ اردو ترجمہ غنیۃ الطالبین شائع کردہ ملک سراج دین اینڈ سنز لاہور بار چہارم مطبوعہ پنجاب پریس ص۱۴۱/۱۲ باب بعنوان محمد مصطفےٰ کی امانت کی فضیلت اور بزرگی)

اسی طرح اہلسنت والجماعت کے بریلوی فرقہ کے علماء مندرجہ ذیل فتویٰ علمائے دیوبند کے خلاف صادر کر چکے ہیں:۔

(ا) حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور علمائے حرمین شریفین کے دستخطوں سے یہ فتویٰ شائع ہوا ہے۔

"وبالجملة هؤلاء الطوائف كلهم كفار مرتدون خارجون عن الاسلام باجماع المسلمين"

(حسام الحرمین علی منحر الکفر والمبین مع سلیس ترجمہ اردو مسمی بنام تاریخ بین احکام و تصدیقات اعلام ۱۳۲۵ھ مطبع اہل سنت والجماعۃ بریلی ۱۳۲۶ھ بار اول ص۲۴ مصنفہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی)

یعنی یہ سب گروہ (یعنی گنگوھیہ۔ تھانویہ۔ نانوتویہ۔ دیوبندیہ وغیرہ) مسلمانوں کے اجماع کی رو سے کفار مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور اس کتاب کے ٹائیٹل پیج پر لکھا ہے۔

"جس (رسالہ ہذا) میں مسلمانوں کو آفتاب کی طرح روشن کر دکھایا کہ طائفہ قادیانیہ، گنگوھیہ۔ تھانویہ نانوتویہ و دیوبندیہ و امثالہم نے خدا اور رسولؐ کی شان کو کیا کچھ گھٹایا علمائے حرمین شریفین نے باجماع اُمت ان سب کو زندیق و مرتد فرمایا ان کو مولوی درکنار مسلمان جاننے یا ان کے پاس بیٹھنے ان سے بات کرنے زہر و حرام و تباہ کن اسلام بتلایا۔

(ب) پھر اسی کتاب میں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دیوبند۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی

مولوی محمود الحسن صاحب و دیگر دیوبندی خیال کے علماء کی نسبت یہ فتویٰ درج ہے کہ :۔

"یہ قطعاً مرتد اور کافر ہیں اور ان کا ارتداد و کفر اشد درجہ تک پہنچ چکا ہے ایسا کہ جو ان مرتدوں اور کافروں کے ارتداد و کفر میں شک کرے وہ بھی انہی جیسا مرتد و کافر ہے .... ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا تو ذکر ہی کیا اپنے پیچھے انہیں نماز نہ پڑھنے دیں .... جو ان کو کافر نہ کہے گا وہ خود کافر ہو جائے گا اور اس کی عورت اس کے عقد سے باہر ہو جائے گی اور جو اولاد ہوگی از روئے شریعت ترکہ نہ پائیگی"

یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ یہ فتوے حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب آف بریلی کا شائع کردہ ہے جو فرقہ حنفیہ بریلویہ کے بانی اور مولانا ابوالحسنات صاحب صدر جمعیتہ العلمائے پاکستان و صدر مجلس عمل نیز ان کے والد مولوی دیدار علی صاحب کے پیر و مرشد تھے اس فتوے کے بارے میں مولانا ابوالحسنات صاحب سے دریافت کیا جا سکتا ہے ۔ اور یہ بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ ان کے پیر و مرشد کے اس فتوے کے بعد کہ دیوبندی بالاجماع کافر ہیں انہیں کیا شبہ ہے ؟ آیا یہ کہ ان کے پیر نے غلطی کی تھی یا یہ کہ اجماع کوئی دلیل نہیں ہوتا ؟

(ج) "وہابیہ دیوبندیہ اپنی عبارتوں میں تمام اولیاء انبیاء حتےٰ کہ حضرت سید الاوّلین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی اور خاص ذات باری تعالیٰ کی اہانت و ہتک کرنے کی وجہ سے قطعاً مرتد و کافر ہیں اور ان کا ارتداد و کفر سخت سخت ۔ سخت اشد درجہ تک پہنچ چکا ہے ایسا کہ جو ان مرتدوں اور کافروں کے ارتداد و کفر میں شک کرے وہ بھی انہی جیسا مرتد و کافر ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان سے بالکل ہی محترز مجتنب رہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا ذکر ہی کیا اپنے پیچھے بھی ان کو نماز نہ پڑھنے دیں اور نہ ہی اپنی مسجدوں میں گھسنے دیں نہ ان کا ذبیحہ کھائیں اور نہ ہی ان کی شادی و غمی میں شریک ہوں نہ اپنے ہاں ان کو آنے دیں یہ بیمار ہوں تو عیادت کو نہ جائیں مریں تو گاڑنے توپنے میں شرکت نہ کریں مسلمانوں کے قبرستان میں نہ دیں ۔ (ملاحظہ ہو تین سو علمائے اہلسنت والجماعت کا متفقہ فتوے مطبوعہ حسن برقی پریس اشتیاق منزل نمبر ۶۳ ہیور وڈ لکھنؤ)

اسی پر بس نہیں بلکہ علماء کرام و مفتیان اہلسنت والجماعت نے اہلحدیث مسلمانوں کے متعلق بھی اسی قسم کا فتوے دیا ہے کہ :۔

"بدعت کفروالے شقی ان کے کفر پر آگاہی لازم ہے اسلام کے نام کو پردہ بنانے ہیں ۔ مرتد ہیں باجماع اُمت اسلام سے خارج ہیں جو ان کے اقوال کا معتقد ہوگا کافر و گمراہ ہوگا کچھ شک نہیں کہ یہ خارجی ہیں اور

ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنا ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا اور تمام معاملات میں ان کا حکم بعینہ وہی ہے جو مرتد کا ہے" (فتوے علماء کرام مشتہرہ دراشتہار شیخ مہر محمد قادری باغ مولوی انوار لکھنؤ ۳ شوال ۱۳۵۴ھ جس پر ستر علماء کے دستخط ہیں جن میں مولوی سید احمد ناظم انجمن حزب الاحناف (برادر حقیقی مولوی ابوالحسنات صاحب مولانا ابوالحسنات ۔ سید محمد احمد خطیب مسجد وزیر خاں مولوی عبدالقادر بدایونی اور پیر جماعت علی شاہ صاحب مجددی محدث علی پور بھی شامل ہیں ۔

سوال نمبر ۳ :۔ ایسے کافر ہونے کے دنیا اور آخرت میں کیا نتائج ہیں ؟

جواب :۔ اسلامی شریعت کی رو سے ایسے کافر کی کوئی دنیوی سزا مقرر نہیں وہ اسلامی حکومت میں ویسے ہی حقوق رکھتا ہے جو ایک مسلمان کے ہوتے ہیں اسی طرح وہ عام معاشرہ کے معاملہ میں بھی وہ وہی حقوق رکھتا ہے رکھتا ہے جو ایک مسلمان کے ہیں ۔ ہاں خالص اسلامی حکومت میں وہ حکومت کا ہیڈ نہیں ہو سکتا ۔ باقی رہے اخروی نتائج ۔ سو ان نتائج کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے بالکل ممکن ہے کہ کسی حکومت کی وجہ سے ایک مسلمان کہلانیوالے انسان کو تو خدا تعالیٰ سزا دیدے اور کافر کہلانے والے انسان کو اللہ تعالیٰ بخش دے ۔ اگر "کافر" کے لیے یقینی طور پر دائمی جہنمی ہونا لازمی ہے تو پھر کسی کو کافر قرار دینا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے ۔

سوال نمبر ۴ : کیا مرزا صاحب کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اور اسی ذریعہ سے الہام ہوتا تھا ؟

جواب : ہمارے نزدیک حضرت بانی سلسلہ احمدیہ بہر حال رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل وحی قرآن مجید ہے قرآن کریم کی وحی کے متعلق ہمیں قرآن کریم سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حفاظت کے خاص سامان کیے جاتے ہیں ہمارے نزدیک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو نبی گزرے ہیں ان کی وحی بھی اس رنگ کی نہیں ہوتی تھی اور حضرت بانی جماعت احمدیہ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے آپ کی وحی بھی قرآن کریم کے تابع تھی بہر حال وہ ذرائع جو اللہ تعالیٰ اس وحی کے بھیجنے کے لیے استعمال کرتا تھا وہ ان ذرائع سے نیچے ہوں گے جو قرآن کریم کے لیے استعمال کیے جاتے تھے لیکن یہ محض ایک عقلی بات ہے واقعاتی بات نہیں جس کے متعلق ہم شہادت دے سکیں بعض قرآنی آیات اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ پر قیاس کر کے یہ جواب دے رہے ہیں حقیقت کو پوری طرح معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں البتہ ہم ضرور تسلیم کرتے

ہیں کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر وحی الٰہی ہوتی تھی اور قرآن کریم سے ثابت ہے کہ وحی الٰہی نہ صرف ماموروں بلکہ غیر ماموروں کو بھی ہوتی ہے چنانچہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی نازل ہونے کا ذکر آیا ہے (ملاحظہ ہو سورۂ قصص رکوع ۱ پارہ ۲۰) اور حضرت مریم علیہ السلام کے متعلق بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ ان کے پاس خدا تعالیٰ کا کلام لے کر آئے (سورۂ آلِ عمران و مریم ع ۲)

پس وحی اور فرشتوں کا اترنا مامور من اللہ کے علاوہ غیر ماموروں کے لیے بھی ثابت ہے ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا گاڑنے والے اور اس کی بنیاد قائم کرنے والے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

دمبدم روح القدس اندر معینے می دمد — من نمے گویم مگر من عیسیٰ ثانی شدم

(دیوان حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ)

یہ عرض کرنا مناسب ہے کہ مسلمانوں کی اصطلاح میں "روح القدس" حضرت جبرئیل کا نام ہے۔
(ملاحظہ ہو لغت کی مستند ترین کتاب مفردات القرآن مصنفہ امام راغب زیر لفظ روح ص۲۰۵ مطبع میمنیہ مصر تفسیر روح المعانی جلد اول ص۲۹۰، ص۲۶۱ مطبوعہ مصر اور تفسیر صافی جلد اول پارہ اول ص۴۳) (نیز تفسیر کبیر مصنفہ حضرت امام رازی جلد ۲ ص۴۵۸ و جلد ۳ ص۶۹۱ مطبوعہ مصر و تفسیر مدارک التنزیل النسفی جلد ۱ ص۹۶ مطبوعہ مصر)

ان کے علاوہ اسلام میں سینکڑوں اولیاء اللہ مثلاً سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سید احمد صاحب سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم علیٰ قدر مراتب ملہم من اللہ تھے۔

وحی تین طریقوں سے ہوتی ہے ان کا ذکر قرآن کریم کی آیت مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ

(سورۂ شوریٰ ع ۵ پارہ ۲۵)

میں بیان ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء و اولیاء پر انہی طریقوں سے وحی نازل ہوتی ہے البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی وحی میں ایک فرق تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی شریعت جدیدہ والی نازل ہوتی تھی اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی وحی غیر تشریعی اور ظلی ہے یعنی یہ نعمت آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آپ کے فیض سے

ملی ہے ماسوا اس کے دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ قرآنی وحی کے ماننے کے لیے بانی سلسلہ احمدیہ کی تصدیق کی ضرورت نہیں بلکہ اگر قرآن مجید حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تصدیق نہ کرتا ہو تو ہم ہرگز ان پر ایمان نہ لاتے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی وحی اور آنحضرت صلی اللہ وسلم کی وحی میں بلحاظ مرتبہ فرق کیا ہے آپ فرماتے ہیں:۔

"سنو! خدا کی لعنت ان پر جو دعوےٰ کریں کہ وہ قرآن کی مثل لا سکتے ہیں قرآن کریم معجزہ ہے جس کی مثل کوئی انس و جن نہیں لا سکتا اور اس میں وہ معارف اور خوبیاں جمع ہیں جنہیں انسانی علم جمع نہیں کر سکتا بلکہ وہ ایسی وحی ہے کہ اس کی مثل اور کوئی وحی نہیں اگرچہ رحمان کی طرف سے اس کے بعد کوئی اور وحی بھی ہو اس لیے کہ وحی رسانی میں خدا کی تجلیات ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی تجلی جیسا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی ہے ایسی کسی پر نہ پہلے ہوئی اور نہ پیچھے ہوگی"۔ (اردو ترجمہ از عربی عبارت الہدیٰ والتبصرہ لمن یریٰ ص۲۳)

سوال نمبر ۵۔ (ا) کیا احمدیہ عقیدہ میں یہ شامل ہے کہ ایسے اشخاص کا جنازہ جو مرزا صاحب پر یقین نہیں رکھتے Infructuous ہے؟

(ب) کیا احمدیہ عقائد میں ایسی نماز جنازہ کے خلاف کوئی حکم موجود ہے؟

جواب: (ا) احمدیہ کریڈ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جو شخص حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو نہیں مانتا اس کے حق میں نماز جنازہ "Infructuous"[1] ہے۔

(ب) دوسری شق کا جواب یہ ہے کہ گو اس وقت تک جماعتی فیصلہ یہی رہا ہے کہ غیر از جماعت لوگوں کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے لیکن اب اس سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تحریر اپنے قلم سے لکھی ہوئی ملی ہے جس کا حوالہ ایک مرتبہ ۱۹۱۷ء میں دیا گیا تھا اور حضرت امام جماعت احمدیہ نے اس کے متعلق اسی وقت اعلان فرما دیا تھا کہ اصل تحریر کے ملنے پر اس کے متعلق غور کیا جائے گا لیکن وہ اصل خط اس وقت نہ مل سکا۔ اب ایک صاحب[2] نے اطلاع دی ہے کہ ان کے والد مرحوم کے کاغذات میں سے اصل خط مل گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا مکفر یا مکذب نہ ہو اس کا جنازہ پڑھ لینے میں حرج نہیں کیونکہ جنازہ صرف دعا ہے۔

لیکن باوجود جنازے کے بارے میں جماعت کے سابق طریقہ کے غیر احمدی مرحومین کے لیے دعائیں کرنے میں جماعت نے کبھی اجتناب نہیں کیا چنانچہ حضرت امام جماعت احمدیہ اور اکابرین جماعت

---

[1] لاحاصل۔ [2] ڈاکٹر میجر محمد شاہنواز خانصاحب مراد ہیں۔

احمدیہ نے بعض غیر احمدی وفات یافتہ اصحاب کے لیے دعا کی ہے چنانچہ جی معین الدین سیکرٹری حکومت پاکستان کے والد صاحب (جو احمدی نہ تھے) کی وفات پر حضرت امام جماعت احمدیہ ان کے گھر تعزیت کے لیے تشریف لے گئے اور ان سے میاں معین الدین کے ماموں صاحب نے "فاتحہ" کے لیے کہا تو آپ نے فرمایا کہ فاتحہ میں تو دعا مانگنے والا اپنے لیے دعا کرتا ہے یہ موقعہ تو وفات یافتہ کے لیے دعا کرنے کا ہوتا ہے اس پر متوفیٰ کے رشتہ داروں نے کہا کہ ہماری یہی غرض ہے فاتحہ کا لفظ رسماً بول دیا ہے تو آپ نے متوفیٰ کے رشتہ داروں سے مل کر متوفی کے لیے دعا فرمائی اسی طرح مسٹر عبدالقادر مرحوم کی وفات پر جب حضرت امام جماعت احمدیہ تعزیت کے واسطے ان کی کوٹھی پر تشریف لے گئے تو ان کے حق میں بھی دعا فرمائی۔

اس جگہ یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ ممانعت جنازہ کے بارے میں بھی سبقت ہمارے مخالفین نے ہی کی چنانچہ مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی کا فتوےٰ ۱۸۹۰ء میں بایں الفاظ اشاعۃ السنہ میں شائع ہو چکا ہے :۔

"اب مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسے دجّال کذّاب سے احتراز کریں اور نہ ان کے پیچھے اقتداء کریں اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں۔ (رسالہ اشاعت السنہ نمبر ۵ جلد نمبر ۱۳ مطبوعہ ۱۸۹۰ء)

اسی طرح ۱۹۰۱ء میں مولانا عبدالاحد صاحب خانپوری لکھتے ہیں :۔

"جب طائفہ مرزائیہ امرتسر میں بہت خوار و ذلیل ہوئے جمعہ و جماعات سے نکالے گئے اور جس مسجد میں جمع ہو کر نمازیں پڑھتے تھے اس میں سے بے عزتی کے ساتھ بدر کیے گئے اور جہاں قیصری باغ میں نماز جمعہ پڑھتے تھے وہاں سے حکماً روک دیئے گئے تو نہایت تنگ ہو کر مرزائے قادیان سے اجازت مانگی کہ مسجد نئی تیار کریں تب مرزا نے ان کو کہا کہ صبر کرو میں لوگوں سے صلح کرتا ہوں اگر صلح ہو گئی تو مسجد بنانے کی حاجت نہیں اور نیز اور بہت سی ذلتیں اٹھائیں معاملہ و برتاؤ مسلمان سے بند ہو گیا عورتیں منکوحہ و مخطوبہ بوجہ مرزائیت کے چھن گئیں مردے ان کے بے تجہیز و تکفین اور بے جنازہ گڑھوں میں دبائے گئے۔"

(اظہار مخادعۃ مسیلمہ قادیانی بجواب اشتہار مصالحت پرواس ثانی صفحہ ۲ مولفہ مولوی عبدالاحد خانپوری مطبوعہ مطبع چودھویں صدی راولپنڈی ۱۹۰۱ء)

اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ احمدیوں نے مسجدیں نہیں چھوڑیں بلکہ ان کو مسجدوں سے نکالا گیا

احمدیوں نے نکاح سے نہیں روکا بلکہ ان کے نکاح توڑے گئے احمدیوں نے جنازہ سے نہیں روکا بلکہ ان کو جنازہ سے باز رکھا گیا لیکن باوجود اس کے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے آخری کوشش یہی کی کہ باقی مسلمانوں سے صلح ہو جائے لیکن جب باوجود ان تمام کوششوں کے ناکامی ہوئی تو جیسا کہ مولوی عبدالاحد صاحب کی مندرجہ بالا عبارت میں اقرار کیا گیا ہے تب بامرِ مجبوری فتنے سے بچنے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق جوابی کارروائی کرنی پڑی۔

پھر اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ دیگر فرقوں نے بھی ایک دوسرے فرقہ والوں کے جنازہ کی حرمت و امتناع کے فتوے دیئے ہیں چنانچہ علمائے اہلسنت والجماعت و علمائے دیوبند نے شیعہ فرقہ والوں کے جنازہ کو نہ صرف حرام اور ناجائز قرار دیا ہے بلکہ ان کو اپنے جنازہ میں شریک ہونے کی بھی ممانعت کی ہے چنانچہ مولانا عبدالشکور صاحب مدیر "النجم" کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"ان کا جنازہ پڑھنا یا ان کو اپنے جنازہ میں شریک کرنا جائز نہیں ہے ان کی مذہبی تعلیم ان کی کتابوں میں یہ ہے کہ سنیوں کے جنازہ میں شریک ہو کر یہ دعا کرنی چاہیئے کہ یا اللہ! اس قبر کو آگ سے بھر دے اس پہ عذاب نازل کر۔"

(ملاحظہ ہو رسالہ موسومہ بہ علمائے کرام کا فتویٰ در باب ارتداد شیعہ اثنا عشریہ صہ ۴)

(ب) نیز مولانا ریاض الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:۔

"شادی غمی جنازہ کی شرکت ہرگز نہ کی جائے ایسے عقیدہ کے شیعہ کافر ہی نہیں بلکہ اکفر ہیں۔"

(فتویٰ علمائے کرام صہ ۴)

(ج) اس کے بالمقابل شیعہ صاحبان کے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے شیعہ صاحبان کو یہ ہدایت فرمائی کہ اگر کسی غیر شیعہ کی نماز جنازہ میں شامل ہونا پڑ جائے تو متوفّی کے لیے مندرجہ ذیل دعا کرے:۔

"قَالَ اِنْ کَانَ جَاحِداً لِلْحَقِّ فَقُلْ اَللّٰھُمَّ اِمْلَأْ جَوْفَہٗ نَاراً وَ قَبْرَہٗ نَاراً وَسَلِّطْ عَلَیْہِ الْحَیَّاتِ وَالْعَقَارِبَ وَ ذٰلِکَ قَالَہٗ اَبُوْجَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ لِاِمْرَأَۃٍ سُوْءٍ مِنْ بَنِیْ اُمَیَّۃَ صَلّٰی عَلَیْھَا۔"

ملاحظہ ہو شیعہ حضرات کی مستند ترین کتاب فروع الکافی کتاب الجنائز جلد ا صنا باب الصلوٰۃ علی الناصب مصنفہ حضرت محمد یعقوب کلینی مطبوعہ نولکشور)

اے اللہ! اس کا پیٹ آگ سے بھر دے اور اس پر سانپ اور بچھو مسلط کر یہی وہ دعا ہے جو حضرت امام جعفر صادق نے بنو امیہ کی ایک غیر شیعہ عورت کے بارے میں کی تھی ۔

سوال نمبر ۶: (ا) کیا احمدی اور غیر احمدی میں شادی جائز ہے ؟

(ب) کیا احمدی عقیدہ میں ایسی شادی کے خلاف ممانعت کا کوئی حکم موجود ہے ؟

جواب: کسی احمدی مرد کی غیر احمدی لڑکی سے شادی کی کوئی ممانعت نہیں البتہ احمدی لڑکی کے غیر احمدی مرد سے نکاح کو ضرور روکا جاتا ہے لیکن باوجود اس کے اگر کسی احمدی لڑکی اور غیر احمدی مرد کا نکاح ہو جائے تو اسے کالعدم قرار نہیں دیا جاتا اور اولاد کو جائز سمجھا جاتا ہے ۔

اس تعلق میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ہماری طرف سے ممانعت کی ابتداء نہیں ہوئی بلکہ اس میں بھی غیر احمدی علماء نے ہی سبقت کی اور اس میں شدت اختیار کی ۔

(ا) چنانچہ سب سے پہلے مولوی محمد عبداللہ صاحب اور مولوی عبد العزیز صاحب مشہور مفتیانِ لدھیانہ نے یہ فتویٰ دیا :-

"خلاصہ مطلب ہماری تحریرات قدیمہ وجدیدہ کا یہی ہے کہ جو شخص (یعنی مرزا غلام احمد) مرتد ہے اور اہلِ اسلام کو ایسے شخص سے ارتباط رکھنا حرام ہے ایسے ہی جو لوگ اس پر عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہیں اور ان کے نکاح باقی نہیں رہے جو چاہے ان کی عورتوں سے نکاح کرے ۔"

(ملاحظہ ہو رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ صہ مطبوعہ ۱۸۹۵ء)

(ب) جب عقیدت فرقہ قادیانی بسبب کفر و الحاد و زندقہ و ارتداد ہوا تو بحکم داس عقیدت مندی ان کی بیویاں ان کے نکاحوں سے باہر ہو گئیں اور جب تک وہ توبہ نصوح نہ کریں تب تک ان کی اولادیں سب حرامی ہوں گی ۔"

(مہر صداقت المعروف باحکام شریعت صنا مطبوعہ ہجری ۱۳۲۵ھ)

علاوہ ازیں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ دراصل غیر احمدیوں سے ممانعت نکاح کی بنا احمدیت سے بغض اور عداوت رکھنے والوں کے اثر سے لڑکیوں کو بچانا تھا کیونکہ تجربے نے یہ بتایا ہے کہ وہ احمدی لڑکیاں جو غیر احمدیوں میں بیاہی جاتی ہیں ان کو احمدیوں سے ملنے نہیں دیا جاتا احمدی تحریکوں میں چندے دینے سے روکا جاتا ہے اور بعض گھرانے تو اتنے جاہل ہوتے ہیں کہ لڑکی پر اس وجہ سے سختی کرتے ہیں کہ وہ نماز کیوں پڑھتی

ہے وہ کہتے ہیں کہ وہ اس طرح ہم پر جادو کرتی ہے حقیقۃً نکاح کا مسئلہ ایک سوشل قسم کا مسئلہ ہے ایسے مسائل میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ لڑکی کو کہاں آرام رہے گا اور کہاں اسے مذہبی امور میں ضمیر کی آزادی ہوگی اور اس پر ناجائز دباؤ تو نہیں ڈالا جائے گا جس سے اس کے عقائد دینیہ خطرے میں پڑ جائیں لیکن باوجود مخالفت کے اگر کوئی احمدی اپنی لڑکی کا نکاح غیر احمدی مرد سے کر دے تو اس کے نکاح کو کالعدم قرار نہیں دیا جاتا۔

پھر یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ رشتہ ناطہ کے مسئلہ میں بھی ہماری جماعت اپنے طرز عمل میں منفرد نہیں بلکہ مسلمانوں کے دوسرے فرقے اور جماعتیں بھی اس طرز عمل کو اختیار کیے ہوئے ہیں بلکہ بعض تو آپس میں ایسی شدت اختیار کر چکے ہیں وہ دوسرے کے آدمی سے ازدواجی تعلق کو " حرام " اور اولاد کو ناجائز قرار دیتے ہیں چنانچہ اہلسنت والجماعت۔ شیعہ اثنا عشریہ سے مناکحت کو حرام قرار دیا ہے۔

(ا) علماء دیوبند اور علماء اہلحدیث کا فتوےٰ ملاحظہ ہو:۔

"سنی لڑکی شیعہ کے گھر پہنچتے ہی طرح طرح کے ظلم و ستم کا نشانہ بن کر مجبور ہو جاتی ہے کہ شیعہ ہو جائے یہ خرابی علاوہ اس ارتکاب حرام کے ہے جو ناجائز نکاح کے سبب ہوتا ہے .... لہٰذا شیعوں سے ساتھ مناکحت قطعاً ناجائز انکا ذبیحہ حرام۔ ان کا چندہ مسجد میں لینا ناروا ہے ان کا جنازہ پڑھنا یا ان کو جنازہ میں شریک کرنا جائز نہیں۔"

(ملاحظہ ہو علمائے کرام کا فتویٰ دربارہ ارتداد شیعہ اثنا عشریہ شائع کردہ مولانا محمد عبدالشکور صاحب مدیر النجم ص۳۱)

(ب) نیز بریلوی فرقہ جس کے ساتھ مولانا ابوالحسنات صاحب صدر مجلس عمل کا تعلق ہے کے نزدیک بھی شیعہ سے مناکحت "زنا" سے مترادف ہے چنانچہ ردّ الرفضہ " میں لکھا ہے" بالجملہ ان رافضیوں تبرائیوں کے باب میں حکم یقینی قطعی اجماعی یہ ہے کہ وہ علی العموم کفار۔ مرتدین ہیں ان کے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے ان کے ساتھ مناکحت نہ صرف حرام بلکہ خالص زنا ہے اگر مرد سنّی اور عورت ان خبیثوں ہی کی ہو جب بھی ہرگز نکاح نہ ہوگا۔ محض " زنا " ہوگا اور اولاد " ولد الزنا " ہوگی۔"

(رد الرفضہ تصنیف حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی مطبوعہ ۱۳۲۰ھ ص۱۶)

ہم نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ اس فتویٰ میں حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب بانی فرقہ بریلویہ کا ہے، شیعہ حضرات کو نہ صرف کافر قرار دیا گیا ہے بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے کیونکہ قرآن مجید کی رو سے کتابیہ عورت کیساتھ مسلم مرد کا نکاح جائز ہے لیکن حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب کے نزدیک شیعہ عورت کیساتھ سنّی مرد کا نکاح قطعاً حرام اور ناجائز ہے۔

(ج) اسی طرح اہلِ شیعہ کے نزدیک اہلسنت والجماعت سے مناکحت ناجائز ہے چنانچہ حضرات شیعہ کی حدیث کی نہایت مستند کتاب الفروع الکافی میں لکھا ہے :۔

عن الفضل بن یسار قال قلت لابی عبداللّٰہ علیہ السلام ان لا اُتی اختاً عارفۃ علی راینا ولیس علی راینا بالبصرۃ الا قلیل فازوّجھا من لا یری راینا قال لا۔ (الفروع الکافی من جامع الکافی جلد ۲ کتاب النکاح ص۱۴۲ مطبوعہ نولکشور)

یعنی فضل بن یسار سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام ابو عبداللہؑ سے عرض کیا کہ میری اہلیہ کی ایک بہن ہے جو ہماری ہم خیال ہے لیکن بصرہ میں جہاں ہم رہتے ہیں شیعہ لوگ بہت تھوڑے ہیں کیا میں اس کا کسی غیر شیعہ سے بیاہ کر دوں؟ حضرت امام نے فرمایا "نہیں"

(د) اسی طرح "امیر جماعت اسلامی" کے نزدیک ایسے لوگوں کے لیے ان کی جماعت میں کوئی جگہ نہیں جو اپنی لڑکی یا لڑکے کی شادی کرتے وقت دین کا خیال نہ رکھیں۔

(روئیداد جماعت اسلامی حصہ سوم ص۱۰۳)

سوال نمبر ۵: احمدیہ فرقہ کے نزدیک امیر المومنین کی Significance کیا ہے؟

جواب: ہمارے امام کے عہدے کا اصل نام "امام جماعت احمدیہ" اور "خلیفۃ المسیح" ہے لیکن بعض لوگ انہیں "امیر المومنین" بھی لکھتے ہیں اور ایسا ہی ہے جیسا کہ مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی "امیر جماعت اسلامی" کہلاتے ہیں یا سید عطاء اللہ شاہ بخاری "امیر شریعت" کہلاتے ہیں غالباً مودودی صاحب اور ان کی جماعت نے یہ مراد نہیں لی ہوگی کہ باقی لوگ اسلامی جماعت سے باہر ہیں یا کافر ہیں۔ نہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ماننے والوں نے یہ مراد لی ہوگی کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری شریعت پر حاکم ہیں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں وہی شریعت ہوتی ہے۔

جب کوئی احمدی حضرت امام جماعت احمدیہ کے لیے "امیر المومنین" کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس کی مراد یہی ہوتی ہے کہ آپ ان لوگوں کے جو بانی سلسلہ احمدیہ کو مانتے ہیں "امیر" ہیں لوگ اپنی عقیدت میں اپنے لیڈروں کے کئی نام رکھ لیتے ہیں بعض تو کلی طور پر غلط ہوتے ہیں بعض جزوی طور پر صحیح ہوتے ہیں بعض کلی طور پر صحیح ہوتے ہیں۔ کوئی معقول آدمی ان باتوں کے پیچھے نہیں پڑتا جب تک کہ ایسی بات کو ایمان کا جزو قرار دیگر اس کے لیے دلائل اور براہین نہ پیش کیے جائیں سابق مسلمانوں نے بھی بعض

آئمہ کو "امیر المومنین" کے الفاظ سے یاد کیا ہے چنانچہ مولانا محمد ذکریا شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور اپنی کتاب (موسومہ مقدمہ اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک) کے صفحہ ۴ مطبوعہ یحیویہ سہارنپور ۱۳۴۸ھ میں امام قطان اور یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"مالك امير المومنين فى الحديث" یعنی امام مالک فن حدیث میں "امیر المومنین" ہیں۔

اسی طرح حضرت سفیان ثوری کے متعلق حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی امام شعبہ اور امام ابن علقمہ اور امام ابن معین اور بہت سے علماء کی سند پر اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں :۔

"سفيان امير المومنين فى الحديث" یعنی حضرت سفیان ثوری فن حدیث میں امیر المومنین ہیں"

(تہذیب التہذیب مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن جلد ۴ صـ ۱۱۳)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سابق امیر مولانا محمد علی صاحب مرحوم کو بھی ان کے بعض اتباع "امیر المومنین" لکھتے ہیں۔ پروفیسر الیاس برنی صاحب نے اپنی کتاب "قادیانی مذہب" مطبوعہ اشرف پرنٹنگ پریس لاہور بار ششم صفحہ ۳ تمہید اول میں موجودہ نظام صاحب دکن کو "امیر المومنین" لکھا ہے مزید برآں بعض لوگ اس قسم کے نام رکھ لیتے ہیں جیسے "ابو الاعلیٰ" حالانکہ "الاعلیٰ" اللہ تعالےٰ کا نام ہے :

ایڈووکیٹ صدر انجمن احمدیہ ربوہ

Murree/ Lahore	Advocate of the Sadr
Dated 29th August 1953	Anjuman Ahmadiyya Rabwah.

تحقیقاتی کمیشن کے تین ۳ سوالوں کا جواب

اس نہایت اہم بیان میں مندرجہ ذیل تین ۳ سوالوں کے جواب حضرت مصلح موعود نے سپرد قلم فرمائے :۔

(۱) وہ حالات جن کی وجہ سے مارشل لاء نافذ کرنا پڑا
(۲) صوبجاتی گورنمنٹ نے جو ذرائع فسادات کے نہ ہونے دینے کے لیے اختیار کیے آیا وہ کافی تھے یا نہیں؟
(۳) صوبجاتی حکومت نے جب یہ فساد ظاہر ہو گئے تو ان کے دبانے کے لیے جو تجاویز اختیار کیں آیا وہ کافی تھیں یا نہیں تھیں؟

یہ تحریری بیان غیر مطبوعہ ہے اور بجنسہٖ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے[1]

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہٖ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھو النّاصر

سوالات:۔

۱۔ وہ حالات جن کی وجہ سے مارشل لاء نافذ کرنا پڑا ۔
۲۔صوبہ جاتی گورنمنٹ نے جو ذرائع فسادات کے نہ ہونے دینے کے لیے اختیار کیے ۔ آیا وہ کافی تھے ۔یا نہیں ۔
۳۔صوبہ جاتی حکومت نے جب یہ فساد ظاہر ہو گئے ۔تو ان کے دبانے کے لیے جو تجاویز اختیار کیں ۔آیا وہ کافی تھیں یا نہیں تھیں ۔

جوابات:۔

مارشل لاء کے جاری کرنے کی ضرورت جن امور کی وجہ سے پیش آئی وہ وہ واقعات تھے ۔جو فروری کے آخری ہفتہ اور مارچ کے ابتدائی ہفتہ میں لاہور میں ظاہر ہوئے اور جنہیں صوبجاتی حکومت مؤثر

---

[1] اس تحریری بیان کا اصل مسودہ حضرت مصلح موعود نے ۲۸؍ جنوری ۱۹۵۴ء کو لکھوایا تھا مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر مرحوم سابق انچارج شعبہ زود نویسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا اور حضرت مصلح موعود کے قلم مبارک سے اصلاح شدہ ہے ۔

طور پر دبا نہ سکی۔ اگر یہ واقعات ظاہر نہ ہوتے۔ یا اگر صوبجاتی حکومت ان کو دبانے میں کامیاب ہو جاتی تو مارشل لاء کے جاری کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس سوال کا جواب دینے میں کچھ نہ کچھ ذکر حکومت کا بھی آجاتا ہے کیونکہ ایسے بڑے پیمانہ پر فسادات جن کو پولیس نہ دبا سکے اور انتظامی عملہ ناکام ہو جائے دو ہی وجہ سے پیدا ہوا کرتے ہیں یا تو صیغہ خبر رسانی کی شدید غفلت اور نا قابلیت کیوجہ سے یا عملہ انتظام کی عدم توجہ کی وجہ سے۔ کیونکہ ایسے موقعہ پر جب کہ سول اور پولیس ناکام ہو جائے اور فوج کو دخل دینا پڑے۔ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آبادی کی ایک کثیر تعداد اس میں شامل تھی یا آبادی کی ایک معقول تعداد ایسی منظم صورت میں فساد پر آمادہ تھی کہ فساد کی وسعت کی وجہ سے عام قانون کے ذریعہ سے اسے دبایا نہیں جا سکتا تھا۔ اور یہ دونوں حالتیں یکدم نہیں پیدا ہو سکتیں۔ ایک لمبے عرصہ کی تیاری کے بعد پیدا ہو سکتی ہیں۔ اور ایک لمبے عرصہ کی تنظیم کے بعد یا ایک لمبے عرصہ کے اشتعال کے بعد ہی رونما ہو سکتی ہیں۔ دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں بھی سول معاملات میں فوج کو استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی جب تک کہ معاملہ ہاتھوں سے نہیں نکل جاتا اور یہ ہمیشہ ہی عرصہ دراز تک نفرت کے جذبات کے سلگتے رہنے اور ایک عرصہ تک مخفی تنظیم کے بعد ہی ہوتا ہے۔

تیسری صورت وہ ہوا کرتی ہے۔ جبکہ کوئی ظالم شخص اپنے اشتعال سے مجبور ہو کر بلا ضرورت فوج کو استعمال کرتا ہے تاریخ میں اس کی بھی مثالیں ملتی ہیں۔ لیکن موجودہ مارشل لاء اس تیسری قسم میں شامل نہیں اس لیے لاء اینڈ آرڈر کی ذمہ وار پنجاب حکومت تھی اور پنجاب حکومت نے ۵ اور ۶ (مارچ) کو یہ یہ محسوس کر لیا تھا۔ کہ اب ہم امن کو اپنے ذرائع سے قائم نہیں رکھ سکتے اور مرکز کو دخل دینے کی ضرورت ہے پس چونکہ اس فیصلہ کی بنیاد صوبائی حکومت کے ساتھ تعلق رکھتی تھی اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ مرکزی یا فوجی افسروں نے فوری اشتعال کے ماتحت ایک کام کر لیا۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ پس لازماً یہی ماننا پڑے گا۔ کہ وہ حالات جو فروری کے آخر یا مارچ کے شروع میں ظاہر ہوئے۔ ایک لمبی انگیخت کے نتیجہ میں تھے اور ایک باضابطہ تنظیم کے ماتحت تھے جس کیوجہ سے باوجود اس کے کہ ہزاروں کی تعداد میں پولیس موجود تھی۔ سینکڑوں کی تعداد میں انتظامی افسر موجود تھے۔ پھر بھی وہ لاہور کے فسادات کو روکنے کے قابل نہیں ہوئے۔

یہ بھی بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ کہ جیسا کہ شہادتوں سے ثابت ہے۔ لاہور میں فسادات میں حصّہ لینے والے صرف لاہور کے باشندے نہیں تھے۔ بلکہ زیادہ تر حملے کرنے والے لوگ وہ تھے۔ جو کہ باہر سے منگوائے گئے تھے۔ پس اس بات کو دیکھ کر لاہور کے مارشل لاء کے جاری کرنے کے موجبات کو صرف لاہور تک محدود نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ پنجاب کے دوسرے علاقوں پر بھی نظر ڈالنی پڑے گی اگر بیرونجات سے سینکڑوں کی تعداد میں جتھے نہ آتے تو پولیس کے لیے انتظام مشکل نہ ہوتا۔ پولیس کا انتظام زیادہ تر اس بات پر مبنی ہوتا ہے کہ وہ لوکل آدمیوں کی طبیعتوں اور ان کے چال چلن کو جانتی ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ کس محلہ میں کون کون لوگ سے اس قسم کی شرارت کر سکتے ہیں اور پھیلا سکتے ہیں۔ پس وہ ان کو گرفتار کر لیتی ہے اور اس طرح شورش کی جڑ کو کچل دیتی ہے لیکن گزشتہ فسادات میں پارٹیشن کے زمانہ کے فسادات سے سبق سیکھتے ہوئے ان فسادات کے بانیوں نے جہاں جہاں بھی فساد ہوا۔ وہاں باہر سے آدمی لا کر جمع کر دیئے تھے۔ تاکہ پولیس ان سے معاملہ کرتے وقت صحیح اندازہ نہ کر سکے اور مقامی شورش پسند لوگ جن کو وہ جانتی ہے ان کی گرفتاری سے شورش کو دبا نہ سکے۔ پنجاب کے دوسرے علاقوں میں بھی جہاں جہاں شورش کی گئی۔ اسی رنگ میں کام کیا گیا۔ کہ جس گاؤں میں شورش کرنی ہوتی تھی۔ وہاں اردگرد کے گاؤں سے آدمی لائے جاتے تھے اور مقامی گاؤں والے بظاہر خاموش بیٹھے رہتے تھے۔ پس جو کچھ لاہور میں ہوا۔ وہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر اضلاع میں اس کی بنیاد نہ رکھی جاتی۔ اور اگر حکومت اس فتنہ کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے تمام اضلاع میں تعاون پیدا کر دیتی تو یہ فسادات یا نوروںما نہ ہوتے یا ظاہر ہوتے ہی دبا دیئے جاتے۔

ہم اس بات میں نہیں پڑنا چاہتے۔ کہ زید یا بکر کس پر ان فسادات کی زیادہ ذمّہ واری ہے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں۔ کہ نہ اس طرح ہمارے مقتول واپس لائے جا سکتے ہیں۔ نہ ہمارے جلائے ہوئے مکان بنائے جا سکتے ہیں نہ ہمارے لُوٹے ہوئے مال ہم کو واپس دیئے جا سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ فساد کرنے والے دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ لوگ جن کا فساد میں فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ فساد میں شامل ہیں تو وہ اس فائدے سے محروم ہو جاتے ہیں دوسرے وہ لوگ فساد کروانا چاہتے ہیں اور فساد کروانے کی عزّت خود حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کا فائدہ اسی میں ہوتا ہے کہ ان کا نام آگے آئے اور لوگوں کو معلوم ہو۔ کہ وہ اس کام میں حصّہ لے رہے ہیں۔

اگر گورنمنٹ کا کوئی براہ راست دخل ان فسادات میں تھا تو گورنمنٹ پہلے گروہ میں آجاتی ہے۔ اگر کسی وقت بھی یہ ظاہر ہوجاتا۔ کہ وہ ان فسادات کو انگیخت کررہی ہے تو جس غرض سے وہ ان فسادات میں حصہ لے سکتی تھی۔ وہ اس غرض سے فائدہ اٹھانے سے محروم ہوجاتی تھی۔ اس لیے لازماً اگر حکومت بحیثیت حکومت یا اسکے کچھ افسران فسادات میں حصہ لینا چاہتے تھے تو وہ یقیناً اسے مخفی رکھتے تھے اور جو بات مخفی رکھی جاتی ہے اس کا پتہ لگا آسان نہیں ہوتا فسادات کے دنوں میں ہماری جماعت کو مختلف قسم کی رپورٹیں ملتی تھیں کبھی ایک افسر کے متعلق۔ کبھی دوسرے افسر کے متعلق۔ کبھی صوبجاتی حکومت کے متعلق کبھی مرکزی حکومت کے متعلق۔ کبھی ہمیں یہ خیال پیدا ہوتا تھا۔ کہ فلاں افسر یا صوبجاتی حکومت اس کی ذمہ دار ہے کبھی ایک دوسری رپورٹ کی بناء پر ہم یہ سمجھتے تھے۔ کہ کوئی دوسرا افسر اور مرکزی حکومت اس کی ذمہ دار ہے (چونکہ ہمارے آدمی حکومت کے ذمہ دار عہدوں پر فائز نہیں تھے۔ اس لیے) ہمیں حقیقت حال کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لیے ہماری جماعت کا طریقہ یہی تھا۔ کہ ہر قسم کے افسروں سے تعاون کرنا اور بعض دفعہ یہ خیال کرتے ہوئے بھی کہ وہ ان فسادات میں حصہ لیتے ہیں ان کے پاس اپنی شکایت لے جانا۔ اور اگر کسی کے منہ سے کوئی بات (انصاف[1]) کی نکل جائے تو اس کی تعریف کردینا۔ تاکہ شائد اسی تعریف کے ذریعہ سے آئندہ اس کے شر سے نجات مل جائے ہماری مثال تو اس جانور کی سی تھی۔ جس کے پیچھے چاروں طرف سے شکاری کتے لگ جاتے ہیں اور وہ مختلف طریقوں سے اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ پس ہم معین صورت میں کسی شخص پر الزام نہیں لگا سکتے۔ مارشل لاء سے پہلے بھی ہم پر سختیاں کی گئیں اور ہمارے لیے یہ نتیجہ نکالنا بالکل ممکن تھا۔ کہ اس کا اصل موجب کون شخص تھا ہاں ہم شہادتوں کو دیکھ کر یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ صوبجاتی حکومت میں قطعی طور پر بے عملی پائی جاتی تھی۔

ہمیں یہ سن کر نہایت ہی تعجب ہوا ہے۔ کہ اس وقت کے وزیر اعلیٰ کا صرف یہی خیال تھا کہ (اول) ان کو اس امر کے متعلق وہی کارروائی کرنی چاہیئے جس کے متعلق ان کے ماتحت رپورٹ کریں۔

---

[1] مسودہ پر دھبہ کی وجہ سے پڑھا نہیں گیا اس لیے اندازاً لکھا گیا ہے

(ب) جب کوئی معاملہ زیر بحث آئے تو ان کے لیے یہ کافی تھا کہ وہ اپنے افسروں کے ساتھ تبادلۂ خیال کے بعد درست یا غلط کوئی حکم دیدیں۔ ان کے نزدیک اس بات کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ وہ یہ بھی دیکھیں کہ وہ حکم نافذ بھی ہوا ہے یا نہیں۔

(ج) ان کے نزدیک انصاف کا تقاضا اس سے پورا ہو جاتا تھا کہ اگر ظالم اور مظلوم دونوں کو ایک کشتی میں سوار کر دیا جائے اور اس طرح دنیا پر ظاہر کیا جائے کہ وہ سب قسم کے لوگوں کو ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں اور یہی کیفیت ہم کو لاہور کے انتظامیہ حکام میں نظر آتی ہے اور یہیں فساد سب سے زیادہ ہوا ہے گواہیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت لاہور میں جو ذمہ وار افسر تھا۔ اس کے نزدیک بھی اوپر کے ہی اصول قابلِ عمل تھے اور انہی پر وہ عمل کرتا رہا ہے۔ شاید جرمنی کے مشہور چانسلر پرنس بسمارک کا یہ قول ہے کہ "افسر اس لیے مقرر کیے جاتے ہیں کہ وہ دیکھتے رہیں کہ ان کا ماتحت عملہ قواعد اور احکام کی پابندی کرتا ہے"۔ مگر ان شہادتوں کے پڑھنے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ افسر اس لیے مقرر کیے جاتے ہیں کہ وہ ایک فیصلہ کریں اور پھر کبھی نہ دیکھیں کہ اس پر عمل ہوا ہے۔ یا ایسے مقرر کیے جاتے ہیں کہ وہ اس انتظار میں رہیں کہ ان کے ماتحت افسر کوئی کارروائی کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ کارروائی کرنا چاہیں۔ تو پھر مناسب طور پر وہ اس کارروائی کو بستہ میں لپیٹ دینے کی کوشش کریں اور اگر وہ کوئی کارروائی نہ کروانا چاہیں تو وہ اس انتظار میں رہیں کہ کبھی وہ عمل کی طرف متوجہ ہوں گے یا نہیں۔ جہاں تک ہماری عقل کام دیتی ہے دنیا کی ادنیٰ سے ادنیٰ حکومت بھی ان اصول کے ماتحت نہیں چل سکتی۔ پس ہمارے نزدیک حکومت کی بے حسی اور عدم توجہی اور عدم تنظیم ان فسادات کی ذمہ وار ہے۔ لیکن اصل ذمہ داری ان لوگوں پر آتی ہے جو کہ اپنے ارادوں کو ظاہر کرتے تھے لوگوں کو فساد کے لیے اکساتے تھے اور اس بارہ میں تنظیم کر رہے تھے۔ یہ کہہ دینا کہ کوئی شخص ایسے الفاظ نہیں بولتا تھا۔ جن سے وہ قانون کی زد میں آئے درست نہیں۔ کیونکہ اوّل تو اخباروں کے کٹنگز اور تقریروں کے حوالوں[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ بولے جاتے تھے۔ دوسرے ایسے مواقع پر یہ نہیں دیکھا جاتا۔ کہ الفاظ کیا بولے جاتے تھے۔ دیکھا یہ جاتا ہے کہ کس ماحول میں وہ بولے جاتے تھے اور کیا ذہنیت وہ لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتے تھے۔ اگر

---

[1] حضرت مصلح موعودؓ نے یہاں مسودہ کے حاشیہ میں تصحیح کے دوران لکھا "بعض حوالہ جات"

یہ ثابت ہو جائے کہ ایک خاص ذہنیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک خاص سکیم کے ماتحت جو فتنہ و فساد کو پیدا کرنے میں محد ہو سکتی ہے۔ کچھ الفاظ بولے جاتے تھے جن میں رائج الوقت قانون سے بچنے کی بھی کوشش کی جاتی تھی تو یقیناً الفاظ خواہ کچھ ہی ہوں اس بات کو ماننا پڑے گا کہ فساد کے لیے لوگوں کو تیار کیا گیا اور متواتر تیار کیا گیا اور پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ عین فساد کے دنوں میں جلسوں کی حد سے نکل کر ایک مقررہ تنظیم کے ماتحت سارا فساد آ گیا تو ماننا پڑتا ہے کہ جو لوگ جلسوں میں محتاط الفاظ استعمال کرتے بھی تھے اپنی خلوت میں دوسرے کام کرتے تھے۔ اگر ایسا نہیں تھا تو اچانک شورش ایک انتظام کے ماتحت کس طرح آ گئی اور اس کو باقاعدہ لیڈر کہاں سے مل گئے آخر وہ کیا بات تھی کہ جلسوں میں تو محض لوگوں کو ختمِ نبوت کی اہمیت بتائی جاتی تھی لیکن فسادات کے شروع ہوتے ہی جتھے لاہور کی طرف بڑھنے شروع ہوئے۔ ایک شخص نے آ کر مسجد وزیر خان میں راہنمائی اور راہبری سنبھال لی۔ اور لوگ اس کا حکم ماننے لگ گئے اور دوسروں نے دوسرے علاقوں میں باگ ڈور سنبھال لی۔ جس دن شورش کرنی ہوتی تھی مختلف طرف سے جتھے نکلتے تھے لیکن شورش ایک یا دو مقامات پر کی جاتی تھی جب گرفتاریاں ہوتی تھیں تو شورش پسند لیڈر وہاں سے بھاگتے تھے اور ان کو پناہ دینے کے لیے پہلے سے جگہیں موجود ہوتی تھیں۔ حکومت کو بیکار بنانے کے لیے ریلوں اور لاریوں پر خصوصیت کے ساتھ حملے کیے جاتے تھے۔ تمام بڑے شہروں میں گاؤں کی طرف سے جتھے آتے تھے جیسے لائلپور میں گوجرہ اور سمندری وغیرہ سے اور سرگودہا میں میانوالی اور سکیسر کے علاقوں سے اور لاہور میں راولپنڈی، لائلپور اور دوسرے شہروں سے گویا لاہور میں تو لائلپور، راولپنڈی، سرگودہا اور ملتان کے شہروں کو استعمال کیا جا رہا تھا اور لائلپور، سرگودہا، راولپنڈی ملتان وغیرہ میں اردگرد کے دیہات کے لوگوں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ کیا یہ بات بغیر کسی تنظیم کے ہو سکتی تھی اور کیا یہ تنظیم بغیر کسی منظّم کے ہو سکتی تھی۔ پس یہ حالات صاف بتاتے ہیں کہ تقریروں میں کچھ اور کہا جاتا تھا گو جوش کی حالت میں وہ بھی اصل حقیقت کی غمازی کر جاتی تھیں لیکن پرائیویٹ طور پر اور رنگ میں تیاری کی جا رہی تھی۔

پس فسادات کی اصل ذمہ وار جماعتِ اسلامی۔ جماعتِ احرار اور مجلس عمل تھی۔ ان کے کارکنوں نے متواتر لوگوں میں یہ جوش پیدا کیا کہ احمدی اسلام کو تباہ کر رہے ہیں۔ پاکستان کے غدار ہیں۔ غیر حکومتوں کے ایجنٹ ہیں گویا وہ دو ہی چیزیں جو پاکستانی مسلمانوں کو پیاری ہو سکتی ہیں۔

یعنی اسلام اور پاکستان دونوں کی عزت اور ایک دونوں کی ذات احمدیوں سے خطرہ میں ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تقریروں کے نتیجہ میں عوام الناس میں اتنا اشتعال پیدا ہو جانا ضروری تھا کہ وہ اپنی دونوں پیاری چیزوں کے بچانے کے لیے اس دشمن کو مٹا دیتے جس کے ہاتھوں سے ان دونوں چیزوں کو خطرہ بتایا جاتا تھا ضرورت صرف اس بات کی تھی کہ انڈر گراؤنڈ طور پر کچھ ایسے لوگ بھی مقرر کیے جاتے جو اس طوفان کو ایک خاص انتظام کے ماتحت اور ایک خاص لائن پر چلا دیتے۔ جب طبائع میں اشتعال پیدا ہو جائے تو وہ لیڈر کی اطاعت کے لیے پوری طرح آمادہ ہو جاتے ہیں اس طرح تنظیم کے لیے رستہ کھول دیا گیا تھا ان لوگوں کو یہ اتفاقی سہولت میسر آگئی کہ پنجاب کے صوبہ کی حکومت دانستہ یا نادانستہ ایسے طریق عمل کو اختیار کرنے لگی جو دنیا کی کسی مہذب حکومت میں بھی استعمال نہیں کیا جاتا اور جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں اس دوران میں بدقسمتی سے پاکستان کی مرکزی حکومت میں ایک ایسا وزیر اعظم آگیا جو مذہبی جوش رکھتا تھا اور علماء کا حد سے زیادہ احترام اس کے دل میں تھا اور انتہاء درجہ کا سادہ اور طبیعت کا شریف تھا اتفاقی طور پر کچھ علماء اس کے پاس پہنچے اور اس کے ادب اور احترام کو دیکھ کر انہوں نے محسوس کیا کہ کامیابی کا ایک اور راستہ بھی ان کے سامنے کھل سکتا ہے۔ ہمیں ان فسادات کے دنوں میں جو کچھ معلومات حاصل ہوئیں یا ہو سکتی تھیں۔ خواہ مخالفوں کے کیمپ سے یا اپنے وفود سے۔ جو کہ پاکستان کے وزیر اعظم سے ملے یہی معلوم ہو سکا ہے کہ پاکستان کے وزیر اعظم سادہ اور شریف آدمی تھے ہمیں کبھی بھی اُن کے متعلق یہ محسوس نہیں ہوا کہ وہ شرارت یا فساد کے لیے کوئی کام کرتے تھے مگر علماء کا ادب اور احترام اور ان کی سادگی اور دوسری طرف علماء کا فساد پر آمادہ ہو جانا ان کو دھکیل کر ایسے مقام پر لے گیا۔ جبکہ وہ نادانستہ طور پر اس فساد کو آگ دینے والے بن گئے۔ پاکستان میں اس وزیر اعظم کے آنے سے پہلے علماء کے دل میں یہ طمع کبھی نہیں پیدا ہوا کہ آئندہ حکومت اُن سے ڈر کر ان کی پالیسیاں چلائے گی لیکن اس وزیر اعظم کے زمانہ میں یہ طمع علماء کے دل میں پیدا ہو گیا۔ مولانا مودودیؒ جو کہ پہلے کانگرسی تھے پھر ہندو نواز تھے اور پاکستان بننے کے وقت پاکستان کے مخالف تھے۔ آخری دن تک ان کی پاکستان

لے حضرت مصلح موعود نے یہاں حاشیہ میں ہدایت دی کہ "مناسب حوالہ جات"

میں آنے کی تحریر نہیں تھی وہ پاکستان کو مسلمانوں کے مفاد کے خلاف سمجھتے تھے۔ انکی جماعت کی بنیاد سرے سے ہی سیاسی ہے اور ان کا نظریہ یہی ہے کہ جس طرح ہو حکومت پر قبضہ کیا جائے اور پھر ان کے سمجھے ہوئے اسلامی نظام کو چلایا جائے ان کے اس نظریہ کی وجہ سے دوسری پارٹیوں سے مایوس شدہ سیاسی آدمی ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ پارٹی جو جلد سے جلد حکومت پر قبضہ کرنا چاہتی ہے اس کے ذریعہ سے ہم کو بھی رسوخ حاصل ہو جائے گا۔ اور چونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ بعد میں اسلامی نظام قائم کیا جائے گا اس لیے مذہب کی طرف مائل ہونے والے لوگ بھی ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان کا انجمن اخوان المسلمین کے ساتھ تعلق بھی ظاہر کرتا ہے کہ درحقیقت ان کا مطلوب بھی سیاست ہے ان کا طریق عمل بھی بالکل اُسی رنگ کا ہے۔ مثلاً اسی کمیشن کے سامنے مولانا مودودی صاحب تو یہ کہتے ہیں کہ فساد تو مذہبی تھا اور ان کی جماعت اسلامی یہ کہتی ہے کہ اس فساد کے موجبات سیاسی تھے۔ یہ اختلاف دیانتداری کے ساتھ نہیں ہو سکتا اگر تو جماعتِ اسلامی پہلے ہوتی اور مولانا مودودی بعد میں آکر اس کے پریذیڈنٹ بن جاتے۔ تب تو نفسیاتی طور پر اس اختلاف کو حل کیا جا سکتا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا مودودی ہی نے جماعت اسلامی بنائی ہے اور اب بھی گو انہیں ایکس امیر (Examir) کہا جاتا ہے لیکن چیلنانہ میں بھی انہی سے مشورے کیے جاتے ہیں کیونکہ ان کو "مزاج شناس رسول" کا درجہ دیا جاتا ہے (بیان امین احسن اصلاحی) اگر اتنا اہم اختلاف پیدا ہو گیا تھا تو یہ تعاون باہمی کیسے جاری ہے جماعتِ اخوان المسلمین نے بھی مصر میں یہی طریقہ اختیار کیا ہوا ہے جنرل نجیب کے برسر اقتدار آنے پر انہوں نے اعلان کر دیا کہ ان کی جماعت مذہبی جماعت ہے لیکن ایک حصہ اسے سیاسی قرار دیتا رہا اور اب ساری جماعت ہی سیاسیات میں اُلجھ کر مصر کی قائم شدہ حکومت جس کے ذریعہ سے اس کے لیے آزادی کا حصول ممکن ہو گیا ہے۔ اس کے خلاف کھڑی ہو گئی اور جماعت اسلامی کے صدر صاحب جنرل نجیب کو تار دیتے ہیں کہ جو الزام تم اخوان المسلمین پر لگاتے ہو وہ غلط ہے۔ عجیب بات ہے کہ مصر کی حکومت مصر کے بعض لوگوں پر ایک الزام لگاتی ہے اور واقعات کی بناء پر الزام لگاتی ہے لیکن پاکستان کی جماعتِ اسلامی بغیر اس کے کہ ان لوگوں سے واقف ہو بغیر اس کے کہ کام سے واقف

لہ حضرت مصلح موعود نے یہاں حاشیہ میں تحریر فرمایا "حوالہ"

ہوا صدر مصر کو نار دیتی ہے کہ تمہاری غلطی ہے یہ لوگ ایسے نہیں ہیں یہ صاف بتاتا ہے کہ دونوں تحریکیں سیاسی ہیں اور دونوں ایک دوسرے کا بازو ہیں ۔ مذہب کا صرف نام رکھا گیا ہے اور اسی وجہ سے جب اس تحریکِ فسادات نے زور پکڑا اور جماعت اسلامی نے یہ محسوس کیا کہ اس ذریعہ سے وہ حکومت کے کچھ لوگوں کی نظر میں بھی پسندیدہ ہو جائیں گے اور عوام الناس میں بھی ان کو قبولیت حاصل کرنے کا موقع میسّر آ جائے گا ۔ تو وہ اس تحریک میں شامل ہو گئے ۔

ہمیں تعجب ہے کہ مسٹر انور علی صاحب آئی جی پولیس ، مولوی عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے متعلق تو یہ کہتے ہیں کہ لائلپور کی تقریر[1] میں ان کا یہ کہنا کہ اس اس رنگ میں فساد ظاہر ہوں گے یہ بتاتا ہے کہ وہ ان فسادات کی سکیم میں شامل تھے ۔ لیکن مولانا مودودی صاحب کی لاہور کی تقریر جس میں وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر حکومت نے یہ باتیں نہ مانیں[2] تو جس رنگ میں پارٹیشن کے وقت فسادات ہوئے تھے اسی رنگ میں فسادات ہوں گے اس کے متعلق وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کے متعلق مجھے یہ شبہ نہیں تھا کہ وہ کوئی سیاسی کام گورنمنٹ کے خلاف کرتے ہیں تعجب ہے ایک ہی قسم کی تقریریں دو شخص کرتے ہیں اور ایک سے اور نتیجہ نکالا جاتا ہے اور دوسری سے اور ۔ حالانکہ مولانا مودودی نے جس قسم کے فسادات کی طرف اشارہ کیا تھا ۔ فسادات تفصیلاً اسی رنگ میں پیش آئے ۔ یا تو وہ الہام کے مدعی ہوتے کہ خدا تعالےٰ نے مجھے ایسا بتایا ہے تب ہم اس امر کی تحقیقات کرتے مگر وہ تو الہام کے منکر ہیں ۔ آخر انہیں کیونکر پتہ لگا تھا ۔ کہ اُسی رنگ میں فسادات ہوں گے جس رنگ میں پارٹیشن کے زمانہ میں فسادات ہوئے تھے ۔ فسادات کے مختلف پیٹرن (Pettern) ہوتے ہیں اور ہر وقت اور ہر ملک میں ایک قسم کے فسادات ظاہر نہیں ہوتے ۔ گزشتہ پارٹیشن کے زمانہ میں فساد کا ایک معین طریق تھا جو ہندوؤں اور سکھوں نے مقرر کیا تھا ۔ مغربی پنجاب میں بھی فسادات ہوئے مگر وہ اس رنگ میں نہیں ہوئے ان کا رنگ بالکل اور تھا ۔ مگر جو فسادات پچھلے دنوں میں ہوئے ان کا پیٹرن وہی تھا جو کہ مشرقی پنجاب میں استعمال کیا گیا تھا اور اس کی طرف مولانا مودودی صاحب نے اشارہ کیا تھا ۔

غرض یہ ایک حقیقت ہے کہ باوجود ۱۹۵۰ء ، ۱۹۵۱ء اور ۱۹۵۲ء میں جماعت احمدیہ کی طرف

---

[1] [2] حضرت مصلح موعود کے قلم سے یہاں حاشیہ میں لفظ "حوالہ" لکھا ہے

سے متواتر پروٹسٹ کرنے کے حکومت نے کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھایا۔ اس نے روم کے بادشاہ نیرو کے نقشِ قدم پر چلنا پسند کیا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ

Rome burns but Nero plays with his fiddle

آخر وجہ کیا ہے کہ جبکہ جماعت احمدیہ متواتر فسادات کے پیدا ہونے کے امکان کی طرف حکومت کو توجہ دلاتی رہی۔ حکومت انہیں یہ طفل تسلیاں دیتی رہی کہ فسادات کا کوئی خطرہ نہیں ہے اور یہ کہ جب کوئی قانون کی خلاف ورزی کرے گا۔ ہم اسے پکڑ لیں گے لیکن جب فساد کی صریح انگیخت بعض لوگ کرتے تھے۔ تو کبھی لوکل افسروں کے توجہ دلانے پر یہ کہہ دیا جاتا تھا کہ یہ آدمی اہم[1] نہیں حالانکہ فسادات کے لیے ملکی اہمیت نہیں دیکھی جاتی علاقائی اہمیت دیکھی جاتی ہے اور کبھی یہ کہہ دیا جاتا کہ اگر اس وقت کسی کو پکڑا گیا تو شورش بڑھ جائے گی۔ حالانکہ شورش کے بڑھنے کا خطرہ تو زمانہ کی لمبائی کے ساتھ لمبا ہوتا ہے اس وقت خاموش رہنے کے یہ معنی تھے کہ شورش کے بڑھنے کو اور موقعہ دیا جائے حالانکہ شہادتوں سے صاف ثابت ہے کہ مرکزی حکومت سے دو ٹوک فیصلہ چاہنے کی کبھی بھی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔ اور کبھی یہ کہہ دیا جاتا کہ چونکہ مرکزی حکومت نے ابھی تک اصل مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا اس لیے ہمارا دخل دینا مناسب نہیں کبھی انسپکٹر جنرل پولیس توجہ دلاتا تو خاموشی اختیار کی جاتی۔ اور سمجھ لیا جاتا کہ ہم ایک دفعہ فیصلہ کر چکے ہیں۔ اب مزید اظہار رائے کی ضرورت نہیں کبھی مقامی حکام یا پولیس اگر بعض لوگوں کو پکڑ لیتی تو ہماری حکومت ان کو اس لیے رہا کرنے کا آرڈر دے دیتی کہ وہ لوگ اب پچھلے کام پر پشیمان ہیں۔ حالانکہ گزشتہ تاریخ احرار کی اس کے خلاف تھی جیسا کہ شہادتوں سے ثابت ہے اور مستقبل نے بھی اس خیال کو غلط ثابت کر دیا۔ یہ کہنا بھی درست نہیں کہ ان لوگوں نے اصلاح کی۔ شہادتیں اور لٹریچر اس کے خلاف ہے[2] گویا ایک لاکھ یا دو لاکھ پاکستانیوں کی جان کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ اس کے لیے حکومت کو کسی قدم کے اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ آخر اگر کسی نے ملک میں کوئی غیر آئینی تقریر نہیں کی تھی اگر تمام لیڈر لوگوں کو امن سے رہنے اور احمدیوں

---

[1] یہاں حضور نے اس فقرہ کا اپنے قلم سے اضافہ فرمایا "حوالہ سیالکوٹ کا واقعہ"

[2] یہاں حضور نے حاشیہ پر اپنے قلم سے لکھا "حوالہ جات"

کی جان کی حفاظت کرنے کا وعدہ کر رہے تھے اور حکومت کو ان کے وعدوں پر اعتبار تھا تو یہ کس طرح ہوا کہ احمدی قتل کیے گئے۔ اور ان کی جائیدادیں تباہ کر دی گئیں۔ ان کے گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ اور کئی جگہ پر انہیں مجبور کر کے ان سے احمدیت ترک کروائی گئی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کوئی احمدی اپنے عقیدہ کو ترک نہیں کر سکتا۔ دنیا میں ہمیشہ سے ہی لوگ اپنے عقائد چھوڑتے آئے ہیں اگر کوئی احمدی بھی اپنا عقیدہ چھوڑ دے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے لیکن وجہ کیا ہے کہ احمدیت کو ترک کرنے کا خیال ان دنوں میں پیدا ہونا شروع ہوا۔ جن دنوں میں چاروں طرف سے احمدیت کے خلاف قتل اور غارت کا بازار گرم تھا ہم مثال کے طور پر راولپنڈی۔ سیالکوٹ، اوکاڑہ، ملتان۔ گوجرانوالہ۔ شاہدرہ۔ لاہور۔ اور لائلپور کے واقعات کو پیش کرتے ہیں یہ عجیب بات ہے کہ انہی فسادات کے ایام میں جماعت اسلامی جو امن و امان کے قیام کی واحد ٹھیکیدار اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے اس کے سیکرٹری نے مندرجہ ذیل خط امام جماعت احمدیہ کو لکھا۔

امیر جماعت اسلامی　　　　تاریخ ۹ مارچ ۱۹۵۳ء شمارہ نمبر ۱۰۳۹

مکرمی۔　　السّلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

مندرجہ ذیل حضرات نے قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کیا ہے انہوں نے تحریری طور پر دفتر ہذا کو اطلاع دی ہے۔ کہ ان پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا گیا۔ اور نہ ہی کسی ڈر اور خوف سے انہوں نے توبہ کی ہے بلکہ برضا و رغبت اور پوری طرح سمجھ کر اسلام قبول کیا ہے۔

(۱) فضل الرحمٰن صاحب سپروائزر	O.H.E	مکان نمبر ۶/۵۴۳	کالج روڈ راولپنڈی
(۲) چوہدری احمد علی خان	"	"	"
(۳) حفظ الرحمٰن صاحب	"	"	"
(۴) عطاء الرحمٰن صاحب	"	"	"
(۵) سمیع الرحمٰن صاحب	"	"	"
(۶) مطیع الرحمٰن صاحب	"	"	"

لے یہاں حضور نے حاشیہ پر اپنے قلم سے لکھا "حوالہ جات"

(۷) ساجدہ خانم بنت فضل الرحمن صاحب " " " "

(۸) ممتاز بیگم زوجہ فضل الرحمن صاحب " " " "

(۹) سردار بیگم زوجہ احمد علی خانصاحب " " " "

(۱۰) غیاث بیگم بنت احمد علی خانصاحب " " " "

(دستخط) صدیق الحسن گیلانی ناظم حلقہ راولپنڈی

اس خط سے ظاہر ہے کہ عین اُن فسادات کے ایام میں یہ امر ان آدمیوں[۱] پر ظاہر ہوا۔ کہ احمدی عقائد غلط ہیں اور جماعت اسلامی کے عقائد درست ہیں اور جماعت اسلامی کے راولپنڈی کے سیکرٹری صاحب نے غیر معمولی طور پر یہ ضرورت بھی محسوس کی کہ امام جماعت احمدیہ کو اطلاع دیں۔ کہ بغیر جبر و اکراہ کے ایام میں اس قدر آدمی جماعت احمدیہ سے بیزار ہو کر اسلامی جماعت کے سیکرٹری کے پاس توبہ کا اظہار کرتے ہیں اس خط سے خوب واضح ہے کہ جبر و اکراہ بالکل استعمال نہیں کیا گیا اور جبر و اکراہ کے ساتھ اسلامی جماعت کا کوئی بھی تعلق نہیں تھا۔ اتفاقی طور پر جبر و اکراہ کے دنوں میں بغیر جبر و اکراہ کے بارہ آدمیوں پر راتوں رات احمدیت کی غلطی ثابت ہو گئی۔ اور بغیر اس کے کہ جماعت اسلامی کا کوئی بھی ان فسادات سے تعلق ہو۔ وہ لوگ دوڑ کر جماعتِ اسلامی کے سیکرٹری کے پاس پہنچے اور ان کو ایک تحریر دیدی۔

جماعت احمدیہ کے اوپر صرف یہ الزام ہے کہ بعض موقعوں پر اس نے حملوں کا جواب کیوں دیا۔ حالانکہ جواب دینا تو انسان کو اپنی جان بچانے کے لیے ضروری ہوتا ہے اگر جواب نہ دیں تو لوگوں پر حقیقت روشن کس طرح ہو۔ مثلاً اسی کمیشن کے سامنے مولانا مرتضیٰ احمد صاحب میکش نے امام جماعت احمدیہ سے سوال کیا۔ کہ ہم تو آپ کو اس لیے کافر کہتے ہیں کہ آپ کافر ہیں۔ آپ ہمیں کس لیے کافر کہتے ہیں۔ ان کی غرض یہ تھی کہ احمدی چونکہ دوسروں کو کافر کہتے ہیں اس لیے لوگوں کے دلوں میں اشتعال آتا ہے لیکن چونکہ ان کے سامنے کفر کی ایک ایسی تشریح پیش کی گئی جس پر وہ اعتراض نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے ان کو اپنا سوال اس رنگ میں ڈھالنا پڑا۔ کہ ہم تو آپ کو کافر سمجھ کر کافر کہتے ہیں۔ آپ ہمیں کافر کیوں کہتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک علماء احرار و مجلس عمل و جماعتِ اسلامی بیشک

---

[۱] حاشیہ میں یہاں حضور نے بوقت نظر ثانی "تعداد" کا لفظ لکھا

احمدیوں کو کافر سمجھیں اور کہیں اس سے فساد کا کوئی احتمال نہیں۔ لیکن اگر احمدی جماعت جوابی طور پر بھی انہیں کافر کہے۔ تو اس سے فساد کا احتمال پیدا ہو جاتا ہے۔

ان فسادات کے سیاسی ہونے کا ایک اہم ثبوت یہ بھی ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے خلاف سراسر جھوٹ بولا جاتا تھا۔ اگر جماعت احمدیہ کے عقائد غلط تھے۔ تو ان کو بیان کرنا کافی تھا۔ جھوٹ بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ مثلاً متواتر یہ کہا جاتا تھا۔ کہ احمدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔[1] حالانکہ یہ سراسر افتراء تھا۔ احمدی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے تھے، اور مانتے ہیں اور قیامت تک مانتے رہیں گے۔ کیونکہ قرآنِ کریم میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ اور احمدی قرآنِ کریم کو مانتے تھے۔ مانتے ہیں اور قیامت تک مانتے رہیں گے۔ اور بیعت میں بھی ختمِ نبوت کا اقرار لیا جاتا ہے۔ اس جھوٹ کے بنانے کی وجہ یہی تھی کہ علماء جانتے تھے کہ اس کے بغیر لوگوں کو غصہ نہیں دلایا جا سکتا۔ اسی طرح لوگوں کے سامنے یہ کہا جاتا تھا کہ احمدی غیر احمدی کو کافر کہتے ہیں اور یہ کبھی بھی نہیں کہا جاتا تھا کہ ہم نے دس سال تک ان کو کافر کہا ہے[2] اس کے بعد انہوں نے ہمیں کافر کہنا شروع کیا ہے اور نہ کبھی یہ کہا جاتا تھا کہ کفر کے جو معنی ہم کرتے ہیں۔ احمدی وہ معنے نہیں کرتے۔ احمدی فلاں معنے کرتے ہیں (جو حضرت امام جماعت احمدیہ کے خطبہ مطبوعہ الفضل ۳ مئی ۱۹۳۵ء میں بیان کیے گئے ہیں) جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ مذہب کا دفاع مقصود نہیں تھا بلکہ سیاسی طور پر ایک فتنہ پیدا کرنا مقصود تھا ورنہ کیا خدا جھوٹ کا محتاج ہوتا ہے کیا خدا دھوکہ بازی کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ کہا جاتا تھا کہ احمدی جماعت مسلمانوں کی سیاست سے کٹ گئی ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے جنازے نہیں پڑھتی اور یہ کبھی بھی نہیں کہا گیا کہ ہم نے احمدیوں کو سیاست سے کاٹ دیا ہے کیونکہ ہم نے ان کے جنازے پڑھنے سے لوگوں کو روک دیا ہے اگر وہ ان باتوں کو ظاہر کرتے تو لوگوں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ علماء کا مقام یہ ہے کہ کثیر التعداد جماعت جو چاہے کرے اسے جائز ہے اور قلیل التعداد جماعت کو صحیح طور پر اپنے دفاع کرنے کی بھی اجازت نہیں اور عقلمند لوگ سمجھ جاتے کہ یہ مذہبی جھگڑا نہیں۔ سیاسی جھگڑا ہے ہم کورٹ سے درخواست

---

[1]-[2] یہاں حضور نے حاشیہ پر لکھا "حوالہ" پ ۳ یکم مئی (ناقل)

کرتے ہیں کہ اس فتنہ کو دور کرنے کا ایک آسان ذریعہ یہ ہے کہ وہ علماء کو بھی مجبور کرے اور ہمیں بھی مجبور کرے کہ جو فتویٰ ان کے ہمارے بارے میں ہیں وہ بھی اکٹھے کر دیئے جائیں اور جو فتویٰ ہمارے ان کے بارہ میں ہیں وہ بھی اکٹھے کر دیئے جائیں اور ان کی وہ شائع شدہ تشریحات بھی شامل کی جائیں جو دونوں فریق آج سے پہلے کر چکے ہیں اور پھر ان فتووں کو جماعتِ احرار، مجلس عمل۔ جماعتِ اسلامی اور جماعت احمدیہ کے خرچ پر شائع کیا جائے اور آئندہ یہ فیصلہ کر دیا جائے کہ سوائے اس مجموعی کتاب کے ان فتووں کے مضمون کے متعلق اور کوئی بات کسی کو کہنے یا لکھنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ ہم خود اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہیں ہم اس کتاب آدھا خرچ دینے کے لیے تیار ہیں مگر ہمیں یقین ہے کہ یہ مولوی صاحبان جو جماعتِ احرار، جماعتِ اسلامی اور جماعتِ عمل کے نمائندے ہیں کبھی اس بات پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔

غرض کلی طور پر ان فسادات کی ذمہ واری جماعتِ اسلامی۔ مجلس احرار اور مجلس عمل پر ہے جماعتِ احرار نے ابتداء کی۔ مجلس عمل نے اس کو عالمگیر بنانے کی کوشش کی اور جماعتِ اسلامی لُوٹ کی امید میں آگے آگے چلنے لگ گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ ابتدائی ایام کی سستی اور غفلت نے حکومت کو ایک ایسے مقام پر کھڑا کر دیا۔ کہ اگر وہ چاہتی بھی تو ان فسادات سے بچ نہیں سکتی تھی۔ پہلے انہوں نے غفلت برتی پھر انہوں نے اس فساد کو ایک دوسرے کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کی اور آخر میں انہوں نے سمجھا کہ اگر علماء کو کچھ بھی کہا گیا تو عوامی لیگ وغیرہ مسلم لیگ کو کچل دیں گی اور طاقتور ہو جائیں گی۔ یہ علماء قائداعظم کے زمانہ میں بھی موجود تھے۔ مگر انہوں نے ان کو مُنہ نہیں لگایا۔ بار بار عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اپنی تقریروں میں بیان کرتے رہے ہیں۔ کہ مَیں نے اپنی داڑھی قائداعظم کے بوٹ پر ملی مگر پھر بھی ان کا دل نہ پسیجا[1] وہی عطاء اللہ شاہ بخاری اب بھی تھے اور وہی قائداعظم والی حکومت اب بھی تھی۔ صرف قائداعظم فوت ہو گئے تھے۔ اور ان کے نمائندے کام کر رہے تھے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ وہ مردِ دلیر نہ ڈرا۔ اور یہ علماء اس کے ڈر کے مارے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہے۔ لیکن

---

[1] آزاد ۱۴ نومبر ۱۹۴۹ء جلد ۲ ع ۵۳

اس کے اس دنیا سے رخصت ہوتے ہی یہ اسی شخص کے کام کو تباہ کرنے کے لیے آگے نکل آئے۔ جس کے بوٹ پر یہ ڈاڑھیاں رگڑا کرتے تھے۔ درحقیقت یہ جو کچھ کیا گیا۔ ہمارے نزدیک تو دانستہ تھا۔ لیکن اگر کوئی ہمارے ساتھ اتفاق نہ کرے تو اسے یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ نادانستہ طور پر ہندو کے ہاتھ کو مضبوط کرنے کے لیے کیا گیا اس کا ثبوت تیج[1] کا حوالہ ہے۔ اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ اس وقت غیر احمدی بھی احمدیت کی تائید کرنے لگے تھے اور اس کا علاج کرنے کے لیے ہندوؤں کو پکارا گیا تھا۔ اس کے معاً بعد جماعتِ احرار پیدا ہوئی اور پھر چند سال میں جماعتِ اسلامی تیج کے مضمون اس کے وقت اور ان دونوں جماعتوں کے ظہور کے وقت اور ان کے طریقِ عمل سے ظاہر ہے کہ یہ ہندوؤں کا خود کاشتہ پودا ہے۔

نیز جس رنگ میں یہ کوشش پاکستان بننے کے بعد کی گئی اس سے بھی ظاہر ہے کہ متعصب ہندوؤں کا ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے ایسا کیا گیا کیونکہ تمام فساد کی جڑ یہ اصل ہے کہ ایک مینارٹی کو کیا حق ہے کہ وہ ایک میجارٹی کے مقابلہ میں اپنی رائے ظاہر کرے۔ (آفاق کی مثال[2]) اور اسلام کو ایسی بھیانک صورت میں پیش کیا گیا کہ کوئی منصف مزاج آدمی اس کی معقولیت کا قائل نہیں ہو سکتا۔ اور ہندوستان اور پاکستان میں ایک ایسا مواد پیدا کر دیا گیا۔ کہ اگر خدانخواستہ پاکستان اور ہندوستان میں جنگ چھڑ جائے تو ہندوستان کا مسلمان ہمارے خلاف ہوگا۔ کیونکہ ہندو پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اسلامی عقیدہ کے مطابق وہ اس کا وفادار نہیں ہو سکتا اور اسے اس الزام کو دور کرنے کے لیے ضرورت سے بھی زیادہ وفاداری کا اظہار کرنا پڑے گا۔ ورنہ وہ تباہ ہو جائے گا۔ ادھر پاکستان کا ہندو ان خیالات کے سننے کے بعد جو ایک اسلامی حکومت کے متعلق ان علماء نے ظاہر کیے ہیں۔ پاکستان کی وفاداری کے جذبات اپنے اندر پیدا نہیں کر سکے گا۔ درحقیقت پاکستان کو مضبوط کرنے والی اور پاکستان کے ہندو کو سچا پاکستانی بنانے والی اور ہندوستان کے مسلمان کو خونریزی سے بچانے والی اور بزدل بنانے سے محفوظ رکھنے والی پالیسی وہی ہے جو کہ

---

[1] تیج ۲۵ جولائی ۱۹۲۷ء مفصل حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو تاثرات قادیان ص ۲۲۱ سے ۲۳۳ از ملک فضل حسین صاحب مرحوم؛ [2] یہاں حاشیہ پر حضور نے لکھا "جماعت اسلامی اور احرار وغیرہ کا طرزِ عمل"

اسلام کی اس تشریح سے ثابت ہوتی ہے جو ہم بیان کرتے ہیں اور جس کو قائداعظم بھی اپنی زندگی میں بیان کرتے رہے اور وہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں کسی اقلیت یا غیر اقلیت کو کوئی خوف نہیں بلکہ تمام قوموں کے لیے یکساں آزادی اور یکساں کاروبار کے مواقع نصیب ہیں اور غیر اسلامی حکومت میں رہنے والے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی حکومت سے تعاون اور اس کی فرمانبرداری کریں۔

مودودی صاحب اپنے بیان میں یہ لکھتے ہیں کہ احمدیوں نے ملازمتوں پر قبضہ کر لیا ہے حالانکہ انہوں نے اس کا کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ [1] جو شخص سنی سنائی بات کو پیش کر دیتا ہے۔ اس کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی ثبوت کافی ہے۔ یہ بات سراسر غلط ہے۔ سو فیصد غلط ہے۔ لیکن اگر صحیح بھی ہو تو ملازمتیں بھی پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ سے ملتی ہیں اور پبلک سروس کمیشن میں آج تک ایک بھی احمدی ممبر نہیں ہوا۔ نہ صوبجاتی پبلک سروس کمیشن میں اور نہ مرکزی پبلک سروس کمیشن میں۔ اگر اسلام ساری قوموں کے حقوق کی حفاظت کا حکم دیتا ہے تو جبکہ پاکستانی حکومت امتحانوں اور انٹرویو کے ذریعہ سے ملازم رکھتی ہے۔ تو فرض کرو۔ اگر کسی محکمہ میں احمدی اپنی تعداد سے دس یا پندرہ یا بیس فیصدی یا پچاس فیصدی زائد بھی ہو جاتے ہیں تو یہ اعتراض کی کونسی بات ہے۔ خود پاکستان کی گورنمنٹ ایک قانون بناتی ہے اور اس قانون کے بنائے ہوئے رستہ سے اگر احمدی طلبہ سینما اور تماشوں اور تاش اور شطرنج سے اجتناب کرتے ہوئے محنت اور کوشش سے آگے نکل جاتے ہیں تو اس کو پولیٹیکل سٹنٹ بنانے اور شور مچانے کی کیا وجہ ہے؟ اور جھوٹ بول کر ایک کو سو بنا دینا صاف بتاتا ہے۔ کہ مذہب اس کا باعث نہیں سیاست اس کا باعث ہے کیونکہ خدا کو جھوٹ کی ضرورت نہیں۔

پھر مولانا مودودی صاحب نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ تجارت پر احمدی قابض ہو چکے ہیں زراعت پر احمدی قابض ہو چکے ہیں صنعت و حرفت پر احمدی قابض ہو چکے ہیں یہ بات بھی سراسر جھوٹ ہے۔ ایک مذہبی جماعت کا لیڈر ہوتے ہوئے، اس قدر جھوٹ سے کام لینا ہماری عقل سے

---

[1] الجامع الصغیر للسیوطی حرف الکاف

باہر ہے ۔ لاہور ہمارے صوبہ کا مرکز ہے ۔ اگر پولیس کو حکم دیا جائے ۔ کہ بازاروں میں سے دکانوں کی اعداد شماری کرے اور دیکھے کہ ان میں سے احمدی کتنے ہیں تو کورٹ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس جماعت اسلامی کے لیڈر نے شرمناک غیر اسلامی حرکت کی ہے ۔

(مندرجہ بالا قیمتی مضمون کی روشنی میں صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے اپنا بیان انگریزی میں ترجمہ کرا کر تحقیقاتی عدالت میں داخل کرایا ۔)

مسئلۂ وحی و نبوّت کے متعلّق اسلامی نظریہ

تحقیقاتی عدالت نے صدر انجمن احمدیہ سے علاوہ سات سوالوں کے جواب کے دس اور سوالات کے جوابات طلب کیے جن کا تفصیلی ذکر اُوپر آچکا ہے ۔ سیدنا حضرت مصلح موعود نے ان دس سوالات کے جوابات بھی نہایت شرح وبسط سے رقم فرمائے جو داخل عدالت کیے جانے کے بعد عنوانِ بالا سے "الشرکۃ الاسلامیہ لمٹیڈ ربوہ" نے کتابی شکل میں بھی شائع کر دیئے ۔ یہ جوابات بڑی تقطیع کے ۲۰۸ صفحات پر محیط ہیں ۔ جن میں نہ صرف اسلام کے بنیادی نظریہ متعلق مسئلہ نبوّت پر روشنی ڈالی گئی ہے بلکہ جماعت احمدیہ کے خلاف اہم اعتراضات کی حقیقت بھی پوری شان کیساتھ نمایاں کی گئی ہے ۔ بطور نمونہ سوال نمبر ۷ اور ۱۰ کے جوابات کے حضور کے الفاظِ مبارک میں ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں ۔

"سوال نمبر ۷ متعلق اعتراض عدمِ ہمدردیٔ مُسلمانان

ہفتم ۔ یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مسلمان حکومتوں اور مسلمان تحریکوں سے کبھی ہمدردی نہیں کی ۔ افسوس ہے کہ جماعتِ اسلامی ، مجلسِ عمل اور احرار نے اس معاملہ میں بھی غلط بیانی سے کام لیا ہے ۔ ہمارے زمانے کی بڑی بڑی مشہور اسلامی حکومتیں ترکی ، عرب ، مصر ، ایران ، افغانستان اور انڈونیشیا ہیں ۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے زمانہ میں صرف ترکی کی حکومت تھی جو مسلمانوں کے سامنے آئی تھی ۔ ایران تو بالکل نظر انداز تھا اور افغانستان ایک رنگ میں انگریزوں کے ماتحت حکومت تھی ۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے سامنے کوئی ایسی جنگ نہیں ہوئی جس میں ترکی اور یورپ کی بڑی طاقتوں کو آپس میں لڑنا پڑا ہو سوائے

اس جنگ کے جو کہ یونان کے ساتھ ہوئی تھی ۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے ٹرکی حکومت کی تائید

اور بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اس معاملہ میں ٹرکی کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا تھا ۔

آپ کے بعد دوسری جنگ ٹرکی اور اٹلی کے درمیان ہوئی جس میں جماعت احمدیہ نے ٹرکی سے ہمدردی ظاہر کی اور اٹلی کے خلاف جذبات کا اظہار کیا ۔

تیسری جنگ ٹرکی اور اتحادی قوموں کے ساتھ ہوئی جس میں ٹرکی اپنی اغراض کے لیے نہیں کھڑا ہوا تھا بلکہ جرمن کی تائید کے لیے کھڑا ہوا تھا ۔ لازماً اتحادی قوموں نے اپنی اپنی حکومتوں کی مدد کی ۔ وہ وقت کسی ہمدردی کے اظہار کا تھا ہی نہیں ۔ تمام مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا ۔ ٹرکی کی شکست کے بعد تحریک خلافت پیدا ہوئی ۔ لیکن اپنے ہاتھوں سے ٹرکی کی حکومت کو تباہ کرنے کے بعد خلافت کا شور مچانا ، یہ تو کوئی پسندیدہ طریق نہیں تھا مگر اس وقت بھی موجودہ امام جماعت احمدیہ نے ٹرکی کی تائید میں دو ٹریکٹ لکھے جن میں سے ایک کا نام "ٹرکی کا مستقبل اور مسلمانوں کا فرض" ہے اور دوسرے کا نام "معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ" ہے ۔

عربوں کی امداد

پھر جب عربوں کے ساتھ یورپین لوگوں نے معاہدہ کیا تو اس پر بھی امام جماعت احمدیہ نے سختی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ عربوں کے ساتھ انگریزوں نے ظلم کیا ہے اور ان کے ساتھ دھوکا کیا ہے (یہ مضامین الفضل مؤرخہ ۹ رجون و ۲۰ رجون ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئے ہیں)

انڈونیشیا کی آزادی

پھر انڈونیشیا کی آزادی کا سوال پیدا ہوا تو اس میں بھی احمدی جماعت نے انڈونیشیا کی آزادی کی پوری طرح تائید کی اور انڈونیشیا کی زمین اُسی طرح احمدی محبانِ وطن کے خون سے رنگین ہے جس طرح کہ غیر احمدی محبانِ وطن کے خون سے ۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ انڈونیشین ایمبیسڈر (سفیر) نے اپنی حکومت کی طرف سے گزشتہ فسادات کے موقعہ پر حکومتِ پاکستان کے فارن منسٹر کے خلاف شورش پیدا ہونے پر انڈونیشین حکومت کی ناپسندیدگی کو ظاہر کیا ۔ یہ انڈونیشین ایمبیسڈر احمدی نہیں تھا اور نہ اب تک وہی ایمبیسڈر ہے ۔ ہمیں افسوس ہے کہ مجلسِ عمل کے نمائندہ شمسی صاحب نے اس کو (اپنی ناجائز اغراض پوری کرنے کے لیے) احمدی قرار

دیا ہے۔ حالانکہ جس شخص کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ احمدی ہے وہ کبھی بھی ایمبیسیڈر نہیں ہوا۔ وہ موجودہ فسادات سے پہلے اور موجودہ ایمبیسیڈر سے پہلے انچارج کی حیثیت میں پاکستان میں رہا ہے اور ان فسادات سے پہلے بدل کر عراق میں بطور منسٹر کے چلا گیا تھا مگر یہ بتانے کے لیے کہ گویا بیرونی دنیا میں ان مظالم پر کوئی نفرت نہیں پیدا ہوئی تھی اگر کسی نے دلچسپی بھی لی تھی تو وہ صرف ایک احمدی تھا یہ جھوٹ بولا گیا کہ انڈونیشین ایمبیسیڈر فساد کے وقت میں احمدی تھا۔ فسادات کے وقت میں جو ایمبیسیڈر تھا وہ آج بھی ہے اور وہ نہ اس وقت احمدی تھا اور نہ اس وقت تک ہے۔

شدھی کا مقابلہ

ہندوستان میں جب ملکانہ میں آریوں نے لوگوں کو شدھ کرنا شروع کیا تو اس وقت احمدی ہی تھے جو مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ اس معاملہ کے دوران میں ہم احمدیت کی تبلیغ نہیں کریں گے (الفضل ۲۶ مارچ ۱۹۲۳ء والفضل ۲۶ اپریل ۱۹۲۳ء) چنانچہ بیس ہزار کے قریب آدمیوں کو وہ واپس لائے اور وہ آج تک بھی حنفی ہیں، احمدی نہیں اور اس وقت ملکانہ لیڈروں نے ہمارے اس کام کا اقرار کیا اور اس کی پبلک میں گواہی دی (دیکھو الفضل ۹ اپریل ۱۹۲۳ء و الفضل ۱۶ اپریل ۱۹۲۳ء چوہدری نذیر احمد صاحب)

سکھ حملہ آوروں کا مقابلہ اور ورتمان کی شرارت کا جواب

۱۹۲۷ء میں جب لاہور میں مسجد سے نکلتے ہوئے چند مسلمانوں پر سکھوں نے بلاوجہ حملہ کر دیا تو اس وقت بھی احمدی ہی اس مقابلہ کے لیے آگے آئے۔ (الفضل ۱۳ مئی ۱۹۲۷ء) اور "ورتمان" کی شرارت کا جواب بھی احمدیوں نے ہی دیا (الفضل ۱۰ جون ۱۹۲۷ء) چنانچہ ان ہی کی کوششوں کے نتیجہ میں ۱۵۳ الف کا قانون بنا۔ ورتمان کے ایڈیٹر کو سزا ملی اور یہ وہی زمانہ ہے جبکہ احرار معرض وجود میں آ رہے تھے مگر ابھی انہوں نے اپنا نام احرار اختیار نہیں کیا تھا۔

بہار اور کلکتہ کے فسادات

پھر جب بمبئی، بہار اور کلکتہ کے فسادات ہوئے تو اس وقت مسلمانوں کی تائید میں امام جماعت احمدیہ نے انگریزی میں ٹریکٹ لکھ کر انگلستان میں شائع کیا اور انگلستان کے کئی اخبارات نے ان سے متاثر ہو کر مسلمانوں کی تائید میں نوٹ لکھے۔

بہار کے فسادات جب بہار کے فسادات ہوئے اور بہت سے مسلمان مارے گئے تو قائداعظم کی چندہ کی تحریک کا سب سے پہلے جماعت احمدیہ نے خیر مقدم کیا اور یہ پیش کیا کہ وہ اپنی تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ چندہ دیں گے چنانچہ انہوں نے چندہ دیا اور نہ صرف قائداعظم کے فنڈ میں چندہ دیا بلکہ خود وہاں وفد بھیجے جو مسلمانوں کو ان کی جگہوں میں بسائیں اور ان کے حقوق اُن کو دلائیں (الفضل مورخہ ۴ رمئی ۱۹۴۷ء)

کشمیر کمیٹی جب کشمیریوں پر ظلم ہوا تو اس وقت بھی آگے آنے والی جماعت، جماعت احمدیہ ہی تھی۔ خود علامہ اقبال نے کشمیر کمیٹی کا صدر امام جماعت احمدیہ کو بنوایا دو سال تک احمدی وکیل مفت کشمیر کے مقدمے لڑتے رہے۔ مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک جتنے مقدمے اُن دنوں میں مسلمانوں پر کیے گئے اور جتنی گرفتاریاں مسلمانوں کی ہوئیں ان میں سے ننانوے فیصدی مقدمے احمدیوں نے لڑے اور گرفتار شدگان کی تعداد میں سے اسّی فیصدی کو رہا کرا لیا حالانکہ احمدی وکیلوں کی تعداد غیر احمدی وکیلوں کے مقابلہ میں شاید ایک فیصدی ہوگی۔ (الفضل ۲۵ر جون ۱۹۳۲ء صـ۹ و الفضل ۱۲ر جولائی ۱۹۳۲ء و الفضل ۲۴ر جولائی ۱۹۳۲ء و الفضل ۲۳ر اگست ۱۹۳۲ء و الفضل ۸ر ستمبر ۱۹۳۲ء و الفضل ۱۸ر ستمبر ۱۹۳۲ء صـ۱)

باؤنڈری کمیشن باؤنڈری کمیشن کے موقعہ پر قائداعظم کی نظر باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش ہونے کے لیے صرف چوہدری ظفر اللہ خاں پر پڑی۔ اور جب لیگ نے دیکھا کہ کانگرس شرارت کر کے سکھوں اور بعض اور قوموں کو آگے لا رہی ہے، یہ بتانے کے لیے کہ ساری قومیں مسلمانوں کے خلاف ہیں تو لیگ کے کہنے پر جماعت احمدیہ نے بھی اپنا وفد باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش کیا۔ اور اس بات کا اظہار کیا کہ جماعت احمدیہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ اور وہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ ضلع جس میں ان کا سنٹر ہے وہ پاکستان میں جائے۔ ضلع گورداسپور کی ساری آبادی میں مسلمان ½۵۱ فیصدی تھے اگر احمدی کافر قرار دے کے اس میں سے نکال دیئے جاتے جیسا کہ احراریوں کا تقاضا تھا تو ضلع گورداسپور کی کل مسلمان آبادی چھیالیس ۴۶ فیصدی رہ جاتی تھی اس ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے لیگ نے چاہا کہ احمدی وفد پیش ہو۔ اور اس ضرورت کے ماتحت احمدی وفد پیش ہوا اور اس نے صفائی سے کہہ دیا کہ ہم مسلمانوں کا حصہ ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں

اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ بونڈری کمیشن کے سامنے پیش ہونے کی صرف لیگ یا کانگرس کو اجازت تھی اور دوسری کوئی جماعت انہی کی اجازت سے پیش ہو سکتی تھی۔

کشمیر کی جنگ میں حصہ

جب پارٹیشن ہوئی اور کشمیر میں لڑائی شروع ہوئی تو احمدی جماعت ہی تھی جو کہ منظم طور پر اس جنگ میں شرکت کے لیے گئی۔ اور انہوں نے تین سال تک برابر اس محاذ کو سنبھالے رکھا جو کہ کشمیر کا سخت ترین محاذ تھا یہاں تک کہ فوجی حکام کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ اس لڑائی کے لمبے عرصے میں احمدی فوج نے ایک انچ زمین بھی دشمن کے ہاتھ میں نہیں جانے دی۔ (دیکھو اعلان کمانڈر انچیف افواج پاکستان از الفضل ۲۳ جون ۱۹۵۰ء)

اس وقت مولانا مودودی یہ اعلان کر رہے تھے کہ کشمیر کا جہاد ناجائز ہے۔

(ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء صـ۱۱۹)

ہم ان کے فتویٰ سے متفق ہیں کہ یہ مذہبی جہاد نہ تھا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو اپنی جان اور مال کی حفاظت کے لیے لڑتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہے پس یہ جنگ اسلام کی تعلیم کے مطابق منع نہ تھی بلکہ پسندیدہ تھی اور یہ احراری علماء احمدیوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کی کوشش کر رہے تھے اور احمدی فوج، کی بدنامی کے لیے پورا زور لگا رہے تھے۔

تقسیم پنجاب کے وقت مسلمانوں سے تعاون

پھر گزشتہ تقسیم پنجاب کے فسادات کے موقعہ پر جماعت احمدیہ نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ جو تعاون کیا ہے اس کے متعلق ہم مندرجہ ذیل شہادتیں اپنے حال کے مخالفین کی ہی پیش کرتے ہیں۔ اخبار "زمیندار" ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے اداریہ میں لکھتا ہے:۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ مرزائیوں نے مسلمانوں کی خدمت قابل شکریہ طریقہ پر ادا کی"۔

۲۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کا اخبار زمیندار لکھتا ہے:۔

"قادیان میں ایک لاکھ پناہ گزین موجود ہیں"۔

۱۹ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے اخبار زمیندار نے لکھا:۔

"کل صبح ہندوستانی فوج کے ایک بڑے افسر نے معہ تین بریگیڈیر کے قادیان کا دورہ کیا۔ اس

پارٹی کا متفقہ بیان ہے کہ قادیان کے تمام حصے صحرا کا منظر پیش کر رہے ہیں، ہر جگہ ہُو کا عالم ہے البتہ تین علاقے ایسے ہیں جہاں ایسے مسلمان دکھائی دیتے جو کفار کے مقابلہ میں اپنی جانیں قربان کرنے کا عزم صمیم کر چکے ہیں۔ ان لوگوں کے چہروں سے بشاشت ٹپکتی ہے .... پناہ گزینوں کی حالت بہت ابتر ہے مقامی ملٹری نے انہیں خوراک دینے سے انکار کر دیا ہے اور احمدی انجمن سے کہا ہے کہ وہ ان مصیبت زدوں کی خوراک کا انتظام کرے۔ چنانچہ انجمن اپنا راشن کم کر کے ان پناہ گزینوں کو خوراک دے رہی ہے۔“

(زمیندار ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

مولانا محمد علی جوہر کی تصدیق

اس سوال کے جواب کے آخر میں ہم جماعت احمدیہ کے متعلق مولانا محمد علی جوہر مرحوم کی رائے بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ مولانا محمد علی ایسے بڑے لیڈر تھے کہ قائداعظم اور مولانا محمد علی کے مقابلہ میں اور کوئی سیاسی لیڈر نہیں ٹھہر سکتا۔ اور اسلام کی اتنی غیرت رکھتے تھے کہ دشمن بھی ان کی اس خوبی کو تسلیم کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے اخبار ”ہمدرد“ دہلی مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۷ء میں لکھا:۔

”ناشکر گزاری ہوگی کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور ان کی اس منظم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلاف عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لیے وقف کر دی ہیں۔ یہ حضرات اس وقت تک اگر ایک جانب مسلمانوں کی سیاسیات میں دلچسپی لے رہے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کی تنظیم و تجارت میں بھی انتہائی جدوجہد سے منہمک ہیں اور وہ وقت دور نہیں جبکہ اسلام کے اس منظم فرقہ کا طرز عمل سواد اعظم اسلام کے لیے بالعموم اور ان اشخاص کے لیے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدمت اسلام کے بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوں کے خوگر ہیں، مشعل راہ ثابت ہوگا۔“

(اخبار ”ہمدرد“ دہلی مؤرخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۷ء)

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ مولانا محمد علی جوہر کے نزدیک نہ صرف جماعت احمدیہ کلی طور پر مسلمانوں کی بہبودی میں لگی ہوئی تھی اور مسلمانوں کی تنظیم اور جماعت کی ترقی کے لیے کوشش کر رہی تھی بلکہ

اُن کے نزدیک مسلمان علماء کے لیے ضروری تھا کہ وہ جماعتِ احمدیہ کے کاموں میں اس کی تردید نہیں بلکہ تائید کریں اور تائید ہی نہیں اس کے نقشِ قدم پر چلیں"۔[1]

سوال نمبر ۱۰ متعلق مخالفتِ پاکستان

دہم:۔ یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ وہ پاکستان کے مخالف ہیں اور عقلاً بھی وہ مخالف ہونے چاہئیں کیونکہ وہ ایک امام کو مانتے ہیں اور اس طرح وہ ایک متوازی حکومت بنانے کے مجرم ہیں۔

امام اور سیاست اس کا جواب یہ ہے کہ امام کو ماننا تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص امام کی بیعت میں نہ ہو وہ اپنی زندگی رائیگاں کر دیتا ہے (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۶ و جلد ۳ صفحہ ۲۰۰) اور امام کا ہونا بڑی اچھی بات ہے اس کے بغیر تو کوئی انتظام ہو ہی نہیں سکتا جو لوگ امام کو سیاست کا حق دیتے ہیں، اُن پر تو یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ وہ ایک متوازی حکومت بناتے ہیں لیکن جو لوگ اپنے امام کو سیاست کا حق نہیں دیتے، ان پر یہ اعتراض کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ ایک متوازی حکومت بناتے ہیں۔ جماعت احمدیہ کا تو اعتقاد یہ ہے کہ جس حکومت کے تحت میں رہو اس حکومت کی اطاعت کرو۔ کیسی عجیب بات ہے کہ انگریز کے وقت میں تو اس امر پر زور دیا جاتا اور بڑے شدومد سے یہ پراپیگنڈا کیا جاتا کہ احمدی اسلام کے غدار ہیں کیونکہ انگریز کی اطاعت کرتے ہیں اور پاکستان میں آکر اس کے بالکل برخلاف یہ کہا جا رہا ہے کہ احمدی پاکستان کے خلاف متوازی حکومت بنا رہے ہیں۔ ایک ہی تعلیم دو جگہ پر دو مختلف نتیجے کس طرح پیدا کر سکتی ہے؟۔ احمدی تعلیم کی رو سے تو صرف احمدی جماعت ہی نہیں بلکہ احمدی جماعت کا امام بھی پاکستان کی حکومت کے تابع ہیں۔ اور ان کا فرض ہے کہ پاکستان کی حکومت کے تابع رہیں باقی رہا یہ بے وقوفی کا سوال کہ اگر کسی وقت امام حکومت کے خلاف حکم دے تو پھر احمدی کیا کریں گے۔؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس شخص کو امام تسلیم کرتے ہیں جو سب سے زیادہ شریعت کی پابندی

---

[1] "مسئلہ وحی و نبوت کے متعلق اسلامی نظریہ" از افاضات حضرت امام جماعت احمدیہ الناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ صفحہ ۱۸۱ تا صفحہ ۱۸۴

کرنے والا اور دوسروں کو پابند بنانے والا ہو لیں یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ حکومت کے خلاف حکم دے
کل اگر کوئی کہے کہ اگر تمہارا مذہب چوری اور ڈاکہ ڈالنے کا حکم دے تو تم کیا کرو گے ؟ ۔ تو ہم اس کو
بھی یہی جواب دیں گے کہ ہمارا مذہب چوری اور ڈاکہ کا حکم دے ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ اس کی روح کے
خلاف ہے ۔ اگر یہ اعتراض پڑتا ہے تو مودودی صاحب پر البتہ پڑتا ہے جو امیر بھی ہیں اور سیاست
بھی اُن کے مقاصد میں داخل ہے ان کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اگر وہ پاکستان کے خلاف ہوئے
تو ان کی جماعت کیا کرے گی " [1]

رسالہ "قادیانی مسئلہ" کا جواب

مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے عین فسادات پنجاب کے دوران اپنے مضمون " قادیانی مسئلہ " کو پہلے ترجمان القرآن میں اور پھر مستقل رسالہ کی شکل میں لاکھوں کی تعداد میں شائع کیا تھا ۔ تحقیقاتی عدالت میں یہ رسالہ بھی زیر بحث آیا اور مودودی صاحب اور ان کی جماعت نے اُسی کی بنیاد پر تحریری و تقریری بیانات عدالت میں دیئے ۔ ویسے بھی ملک کے ایک طبقے پر اس نے ایسا گہرا اثر ڈالا کہ احمدیت کے خلاف نفرت و حقارت کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہو گئی لہٰذا حضرت مصلح موعود نے اس کے جواب میں بھی انہیں دنوں قلم اُٹھایا اور رسالہ " قادیانی مسئلہ " کے تمام ضروری اعتراضات کے مسکت و مدلل جوابات دیئے اور مسئلہ ختم نبوت ، مسئلہ کفر و اسلام ، مسئلہ جنازہ ، مسئلہ جہاد ، اور دیگر اہم مذہبی یا سیاسی مسائل پر نہایت جامع انداز میں روشنی ڈالی ۔

حضور کا منشاءِ مبارک چونکہ محض حقائق کو پیش کرنا تھا اس لیے مولانا مودودی کے اعتراضات کی حقیقت نمایاں کرنے کے بعد نہایت درد اور اندوہ میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ اُمتِ مسلمہ کے مفاد کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمانوں کی صفوں میں زیادہ سے زیادہ اتحاد اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تا عیسائی حکومتیں مسلمان ممالک کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکیں نیز مسلمانوں سے دردمندانہ اپیل کی کہ وہ احمدیوں کو اقلیت قرار دینے کی بجائے اپنے مذہبی لیڈروں

---

[1] مسئلہ وحی و نبوت کے متعلق اسلامی نظریہ (اسلامک آئیڈیالوجی) الناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ صفحہ ۲۰۷ ، ۲۰۸

میں تقویٰ اور خشیت اللہ پیدا کرکے ان کو عدل و انصاف اور رواداری کا سبق سکھائیں کہ اسلام کی خدمت کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

چنانچہ حضور نے "آخری خطاب" کے زیرِ عنوان تحریر فرمایا:۔

آخری خطابؒ

"مولانا مودودی صاحب نے قادیانی مسئلہ لکھ کر ملک میں خطرناک تفرقہ اور انتشار پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ جہاں تک مولانا مودودی صاحب کے اپنے مفاد کا سوال ہے۔ اس کے مطابق تو یہ کوشش بالکل جائز اور درست ہے کیونکہ وہ اپنی کتابوں میں صاف لکھ چکے ہیں کہ صالح جماعت کا یہ فرض ہے کہ ہر ذریعہ سے حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے کیونکہ حکومت پر قبضہ کیے بغیر کوئی پروگرام ملک میں جاری نہیں ہو سکتا۔ لیکن جہاں تک مسلمانوں کے مفاد اور اُمّتِ مسلمہ کے مفاد کا سوال ہے۔ یقیناً یہ کوشش نہایت ناپسندیدہ اور خلافِ عقل ہے مسلمان جن خطرناک حالات میں سے گزر رہے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے اس وقت ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ متحد کرنے اور مسلمانوں کی سیاسی ضرورتوں کے متعلق زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ بغیر اتحاد کے اس وقت مسلمان سیاسی دنیا میں سر نہیں اٹھا سکتا۔ اس وقت بیسیوں ایسے علاقے موجود ہیں جن کی آبادی مسلمان ہے۔ جو سیاسی طور پر آزاد ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں لیکن باوجود اس کے وہ آزاد نہیں۔ وہ غیر مسلموں کے قبضہ میں ہیں اور بیسیوں ایسے ممالک اور علاقے موجود ہیں جہاں کے مسلمان موجودہ حالات میں علیحدہ سیاسی وجود بننے کے قابل نہیں ہیں۔ لیکن انہیں ایسی آزادی بھی حاصل نہیں جو کسی ملک کے اچھے شہری کو حاصل ہو سکتی ہے اور ہونی چاہیئے بلکہ ان کے ساتھ غلاموں کا سا سلوک کیا جاتا ہے اور انہیں معزز شہریوں کی حیثیت حاصل نہیں ہے اور جو علاقے مسلمانوں کے آزاد ہیں انہوں نے بھی ابھی پوری طاقت حاصل نہیں کی بلکہ وہ تیسرے درجہ کی طاقتیں کہلا سکتے ہیں۔ دنیا کی زبردست طاقتوں کے مقابلہ میں ان کو کوئی حیثیت حاصل نہیں۔ حالانکہ ایک زمانہ وہ تھا جب مسلمان ساری دنیا پر حاکم تھا جب مسلمان پر ظلم کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مسلمان پر ظلم کرنے کے نتیجہ میں ساری دنیا

میں شور پڑ جاتا تھا۔ لیکن آج عیسائی پر ظلم کرنے سے تو ساری دنیا میں شور پڑ سکتا ہے۔ مسلمان پہ ظلم کرنے سے ساری دنیا میں شور نہیں پڑ سکتا۔ عیسائی کسی ملک میں بھی رہتا ہو اگر اس پر ظلم کیا جائے تو عیسائی حکومتیں اس میں دخل دینا اپنا سیاسی حق قرار دیتی ہیں۔ لیکن اگر کسی مسلمان پہ غیر مسلم حکومت ظلم کرتی ہے اور مسلمان احتجاج کرتے ہیں تو انہیں یہ جواب دیا جاتا ہے کہ غیر ملکوں کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دیا جاسکتا۔ گویا عیسائیت کی طاقت کی وجہ سے عیسائیوں کے لیے اور سیاسی اصول کارفرما ہیں لیکن مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے سیاسی دنیا ان کے لیے اور اصول تجویز کرتی ہے۔ ایسے زمانہ میں مسلمانوں کا متفق اور متحد ہونا نہایت ضروری ہے اور چھوٹی اور بڑی جماعت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ الیکشن میں ممبر کو اپنے جیتنے کی سچی خواہش ہوتی ہے اور وہ ادنیٰ سے ادنیٰ انسان کے پاس بھی جاتا ہے اور اس کا ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مسلمان حکومتوں کا معاملہ الیکشن جیتنے کی خواہش سے کم نہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہم کو اس معاملہ میں چھوٹی جماعتوں کی ضرورت نہیں۔ وہ صرف یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کو اسلامی حکومتوں کے طاقتور بنانے کی اتنی بھی خواہش نہیں جتنی ایک الیکشن لڑنے والے کو اپنے جیتنے کی خواہش ہوتی ہے۔ پس وہ سچی خیر خواہی کا نہ مفہوم سمجھتا ہے اور نہ اس کو مسلمانوں سے سچی خیر خواہی ہے۔ پس مودودی صاحب نے "قادیانی مسئلہ" لکھ کر قادیانی جماعت کا بھانڈا نہیں پھوڑا۔ اپنی اسلامی محبت کا بھانڈا پھوڑا ہے اور اپنی سیاسی سوجھ بوجھ کا پردہ فاش کیا ہے۔ کاش وہ اسلام کی گزشتہ ہزار سال کی تاریخ دیکھتے اور انہیں یہ معلوم ہوتا کہ کس طرح مسلمانوں کو پھاڑ پھاڑ کر اسلام تباہ کیا گیا۔ اور پھاڑنے کے یہ معنے نہیں تھے کہ ان میں اختلافِ عقیدہ پیدا کیا گیا تھا۔ کیونکہ اختلافِ عقیدہ کبھی بھی فتنہ پردازوں نے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اختلافِ عقیدہ علماء وفقہاء کی دیدہ ریزیوں کا نتیجہ تھا۔ پھاڑنے کے معنے یہ تھے کہ اختلافِ عقیدہ کی بناء پر بعض جماعتوں کو الگ کر کے اسلام کو نقصان پہنچایا گیا تھا۔ تاریخ موجود ہے۔ ہر آدمی اس کی ورق گردانی کر کے اس نتیجہ کی صحت کو سمجھ سکتا ہے پس حقیقت یہ ہے کہ قادیانی مسئلہ کا حل اس طرح نہیں کیا جا سکتا جو مولانا مودودی صاحب نے تجویز کیا ہے۔ یعنی پہلے تو احمدیوں کو اسلام سے خارج کر کے ایک علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے اور پھر وہ سلسلہ شروع ہو جائے جو ایک ہزار سال سے اسلام میں چلا آیا ہے یعنی پھر آغا خانیوں کو اسلام سے خارج کیا جائے پھر بوہروں

کو اسلام سے خارج کیا جائے۔ پھر شیعوں کو اسلام سے خارج کیا جائے۔ پھر اہلحدیث کو اسلام سے خارج کیا جائے۔ پھر بریلویوں کو اسلام سے خارج کیا جائے۔ پھر دیوبندیوں کو اسلام سے خارج کیا جائے اور پھر مولانا مودودی کے اتباع کی حکومت قائم کی جائے مولانا مودودی کے اتباع کی حکومت تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے یقیناً نہیں بنے گی۔ لیکن پھر ایک دفعہ دنیا میں وہی تباہی کا دور شروع ہو جائے گا۔ جو گزشتہ ایک ہزار سال تک مسلمانوں میں جاری رہا اور وہ طاقت جو پچھلے پچیس سال میں مسلمانوں نے حاصل کی ہے بالکل جاتی رہے گی۔ اور مسلمان پھر ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگ جائیں گے اور جماعت اسلامی کے پیرو اپنے دل میں خوش ہوں گے کہ ہماری حکومت قائم ہو رہی ہے لیکن ایسا تو نہ ہوگا۔ ہاں اسلامی حکومتیں کمزور ہو کر پھر ایک ترلقمہ کی صورت میں۔ یا تو روس کے حلق میں جا پڑیں گی یا مغربی حکومتوں کے گلے میں جا پڑیں گی۔ خدا اسلام کے بدخواہوں کا مونہہ کالا کرے اور اسلام کو اس روزِ بد کے دیکھنے سے محفوظ رکھے۔

مولانا مودودی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کی بجائے صحیح طریقہ ملک میں امن قائم کرنے کا یہ ہے کہ:۔

۱۔ اسلام کی طرف منسوب ہونے والے مختلف فرقے، خواہ اپنے اپنے مخصوص نظریات کے ماتحت دوسرے فرقوں کے متعلق مذہبی لحاظ سے کچھ ہی خیال رکھتے ہوں یعنی خواہ انہیں سچا مسلمان سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں مسلمانوں کے ملی اتحاد کی خاطر اور اسلام کو فرقہ ورانہ انتشار سے بچانے کی غرض سے ان سب کو کلمۂ طیبہ کی ظاہری حد بندی کے ماتحت بلا استثناء مسلمان تسلیم کیا جائے اور اس میں شیعہ۔ سنی۔ اہلحدیث۔ اہل قرآن۔ اہل ظاہر۔ اہل باطن۔ حنفی۔ مالکی۔ حنبلی۔ شافعی۔ احمدی اور غیر احمدی میں کوئی فرق نہ کیا جائے۔

۲۔ اگر اس ایک ہی طریق کو استعمال نہیں کرنا۔ جس کے بغیر مسلمانوں کو ترقی حاصل نہیں ہو سکتی۔ تو پھر احمدیوں کو اقلیت قرار دینے سے کچھ نہیں بنتا۔ کیونکہ جیسا کہ ہم اُوپر ثابت کر آئے ہیں۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا دشمن ہو رہا ہے اور اسلام کی خیر خواہی دلوں میں نہیں ہے۔ صرف اپنے فرقوں کی خیر خواہی دلوں میں ہے۔ اس لیے یہ اپریشن صرف احمدیت پر ختم نہیں ہو جائے گا احمدیت پر تجربہ کر لینے والا ڈاکٹر بعد میں دوسرے فرقوں پہ اس نسخہ کو آزمائے گا۔ پس ایک ہی دفعہ یہ

فیصلہ کر دینا چاہیئے کہ اس اسلامی حکومت میں فلاں فرقہ کے لوگ رہ سکتے ہیں۔ دوسروں کے لیے گنجائش نہیں۔ تاکہ باقی سب فرقے ابھی سے اپنے مستقبل کے متعلق غور کر لیں اور دنیا کو بھی معلوم ہو جائے کہ علماء پاکستان کس قسم کی حکومت یہاں قائم کرنا چاہتے ہیں۔

۳۔ اور اگر یہ نہیں کرنا اور واقعہ میں یہ ایک خطرناک بات ہے تو پھر ہم تمام مسلمانوں سے یہ اپیل کریں گے کہ وہ احمدیوں کو اقلیت قرار دینے کی بجائے مولوی صاحبان کے دل میں تقویٰ اور خشیت اللہ کی روح پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اور ان کو یہ سبق سکھائیں کہ عدل اور انصاف اور رواداری کا طریق سب سے بہتر طریق ہے اور اسلام کی خدمت کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ جب ان کے استاد علماء کی حالت خراب ہو گئی تو شاگرد ہی استاد کی کرسی پر بیٹھیں اور اپنے سابق اساتذہ کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلائیں۔ کہ اسلام مزید ضعف اور تباہی سے بچ جائے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا ہاتھ پکڑے اور ان کی مدد اسی طرح کرے جس طرح ابتدائی تین سو سال میں اس نے مسلمانوں کی مدد کی تھی۔ اَللّٰھُمَّ اٰمین۔"[1]

اگرچہ "قادیانی مسئلہ کا جواب" نومبر ۱۹۵۳ء تک لکھا جا چکا تھا لیکن اس کی اشاعت ملکی حالات اور دیگر مصالح کی وجہ سے ملتوی کر دی گئی اور بعد ازاں اسے پنجاب کی بجائے کراچی سے شائع کیا گیا۔ یہ جواب انجمن احمدیہ کراچی کی طرف سے چھپوایا گیا اور "دارالتجلید ۱۴۰ ملکانی محل فریئر روڈ پوسٹ بکس نمبر ۵۱۲، کراچی" نے شائع کیا۔

---

[1] مولانا مودودی کے رسالہ قادیانی مسئلہ کا جواب ص ۱۲۰ تا ۱۲۶ طبع اول ناشر "دارالتجلید" کراچی

تیسرا باب

حضرت مصلح موعودؓ کا عدالتی بیان

سیدنا حضرت المصلح الموعود امام جماعت احمدیہ کو تحقیقاتی عدالت نے بطور گواہ بلایا اور ۱۳۔۱۴۔۱۵ جنوری ۱۹۵۴ء کو لاہور ہائی کورٹ میں حضور کی شہادت قلمبند کی گئی۔ پہلے خود فاضل جج صاحبان نے مختلف سوالات پوچھے اور اس کے بعد چوہدری نذیر احمد صاحب ایڈووکیٹ جماعت اسلامی اور مولانا مرتضیٰ احمد خان صاحب میکش نمائندہ مجلس عمل نے جرح کی۔ جرح کے دوران عدالتِ عالیہ نے بھی بعض سوالات کیے۔ آخر میں عدالت کی اجازت سے چوہدری نذیر احمد صاحب نے چند مزید سوالات پوچھے۔ اس بیان کے دوسرے روز حضور کی طرف سے دو تحریری وضاحتیں بھی داخلِ عدالت کی گئیں۔ یہ پُرمعارف بیان جو تین دن جاری رہا۔ عدالتِ عالیہ نے انگریزی زبان میں املاء کرایا جس کا اردو ترجمہ "سندھ ساگر اکادمی کراچی نمبر ۳" نے "سعید آرٹ پریس حیدرآباد (سندھ)" سے چھپوا کر شائع کیا۔ یہ رسالہ "احمدیہ کتابستان" کی مندرجہ ذیل شاخوں سے مل سکتا تھا:۔ ۱۔ رسالہ روڈ۔ حیدرآباد (سندھ)۔ (۲)۔ ۳۶ سنت نگر۔ لاہور پنجاب۔ (۳) میگزین لائن صدر کراچی۔

حضرت سیدنا المصلح الموعود کے اس معرکۃ الآراء عدالتی بیان کا اردو ترجمہ صیغہ نشر و اشاعت ربوہ نے انہیں دنوں ٹریکٹ کی شکل میں شائع کر دیا تھا جس کا مکمل متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

تحقیقاتی عدالت میں حضرت امام جماعت احمدیہ کا بیان

بجواب سوالاتِ عدالت بتاریخ ۱۳ جنوری ۱۹۵۴ء

سوال:۔ کیا وہ تحریری بیان جو ۲۲ جولائی ۱۹۵۳ء کو صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے اس عدالت

میں پیش کیا گیا اور جس کی تصدیق مرزا عزیز احمد نے کی اور جس پر مسٹر بشیر احمد۔ مسٹر اسد اللہ خاں اور مسٹر غلام مرتضیٰ کے دستخط ہیں۔ وہ صحیح طور پر آپ کی جماعت کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہے؟

جواب:۔ جی ہاں۔ ایسی امکانی غلطی کو نظر انداز کرتے ہوئے جو سہواً رہ گئی ہو۔

سوال:۔ تحقیقاتی عدالت نے آپ کی انجمن سے کچھ سوالات پوچھے تھے جن کا جواب اگزبٹ ۳۲۲ کی صورت میں موجود ہے۔ کیا یہ جواب بھی صحیح طور پر آپ کی جماعت کے نظریات کی ترجمانی کرتا ہے؟

جواب:۔ جی ہاں۔ یہ جواب مجھے دکھایا گیا تھا اور یہ میری جماعت کے نظریات کی صحیح طور پر ترجمانی کرتا ہے۔ لیکن اس دستاویز کے بارہ میں بھی کسی امکانی سہو نظر کے متعلق وہی رعایت ملحوظ رکھی جانی چاہیئے۔

سوال:۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے بیان کے جواب میں بھی اس عدالت کے سامنے ایک بیان۔ دستاویز ۳۲۳ پیش کیا گیا تھا۔ کیا آپ نے اُس بیان کو دیکھ لیا تھا؟

جواب:۔ یہ بیان مجھ سے مشورہ لینے کے بعد تیار کیا گیا تھا اور غالباً میں نے اس کو پڑھا بھی تھا۔ اس کے متعلق بھی وہی رعایت مدِنظر رکھتے ہوئے جن کا میں نے دوسری دو دستاویزات کے متعلق ذکر کیا ہے یہ سمجھا جانا چاہیئے کہ یہ اُس جماعت کے نظریات کی ترجمانی کرتا ہے جس کا میں امیر ہوں۔

سوال ۔ رسول کون ہوتا ہے؟

جواب:۔ رسول اُسے کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مقصد کے لیے انسانوں کی رہنمائی کی غرض سے مامور کیا ہو۔

سوال:۔ کیا نبی اور رسول میں کوئی فرق ہے؟

جواب:۔ صفات کے لحاظ سے دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔ وہی شخص اس لحاظ سے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے پیغام لاتا ہے رسول کہلائے گا۔ لیکن ان لوگوں کے لحاظ سے جن کی طرف وہ خدائی پیغام لاتا ہے۔ وہ نبی کہلائے گا۔ اس طرح وہی ایک شخص رسول بھی ہوگا اور نبی بھی۔

سوال:۔ آپ کے نزدیک آدم سے لے کر اب تک کتنے رسول یا نبی گزرے ہیں؟

جواب:۔ غالباً اس بارہ میں کوئی بات قطعی طور پر نہیں کہی جا سکتی۔ احادیث میں ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بیان ہوئی ہے۔

سوال:۔ کیا آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ رسول تھے۔؟

جواب :۔ آدمؑ کے بارہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کو بعض لوگ صرف نبی یقین کرتے ہیں اور رسول نہیں سمجھتے۔ مگر میرے نزدیک یہ سب رسول بھی تھے اور نبی بھی

سوال :۔ ولی کس کو کہتے ہیں؟

جواب :۔ وہ جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوتا ہے۔

سوال :۔ اور محدّث کون ہوتا ہے؟

جواب :۔ وہ جس سے اللہ کلام کرتا ہے۔

سوال :۔ اور مجدّد کس کو کہتے ہیں؟

جواب :۔ وہ جو اصلاح اور تجدید کرتا ہے۔ محدّث ہی کا دوسرا نام مجدّد ہے۔

سوال :۔ کیا ولی۔ محدّث۔ یا مجدّد کو وحی ہو سکتی ہے؟

جواب :۔ جی ہاں۔

سوال :۔ اُن پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے؟

جواب :۔ وحی کے معنی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو وحی پانے والے پر مختلف طریق سے نازل ہو سکتا ہے۔ وحی کے نازل ہونے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جس پر وحی نازل ہوتی ہے اس کے سامنے ایک فرشتہ ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ جس شخص پر وحی نازل ہوتی ہے وہ بعض الفاظ سُنتا ہے لیکن کلام کرنے والے کو نہیں دیکھتا۔ وحی کا تیسرا طریق مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ ہے (پردے کے پیچھے سے) یعنی رؤیا کے ذریعہ سے۔

سوال :۔ کیا فرشتوں کے سردار حضرت جبریل کسی ولی۔ محدّث یا مجدّد پر وحی لا سکتے ہیں؟

جواب :۔ جی ہاں۔ بلکہ متذکرہ بالا اشخاص کے علاوہ دیگر افراد پر بھی۔

سوال :۔ ایک ولی۔ محدّث یا مجدّد پر نازل ہونے والی وحی کا کیا موضوع ہو سکتا ہے؟

جواب :۔ جس پر وحی نازل ہوتی ہو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبّت کا اظہار یا آئندہ آنے والے واقعات کی خبر یا کسی پہلی نازل شدہ کتاب کے متن کی وضاحت۔

سوال :۔ کیا ہمارے نبی کریمؐ پر صرف جبریل کے ذریعہ ہی وحی نازل ہوتی تھی؟

جواب :۔ یہ درست نہیں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وحی حضرت جبریل ہی لاتے تھے

ہاں یہ درست ہے کہ وحی خواہ ایک نبی یا ولی یا محدث یا مجدد پر نازل ہو وہ حضرت جبریلؑ کی نگرانی نازل ہوتی ہے ۔

سوال :۔ وحی اور الہام میں کیا فرق ہے ؟

جواب :۔ کوئی فرق نہیں ۔

سوال :۔ کیا مرزا غلام احمد صاحب پر جبریل وحی لاتے تھے ؟

جواب :۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہر وحی حضرت جبریل کی نگرانی میں نازل ہوتی ہے حضرت مرزا صاحب کے ایک الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبریل ایک دفعہ اُن پر نظر آنے والی صورت میں ظاہر ہوئے تھے ۔

سوال :۔ کیا مرزا صاحب اصطلاحی (Dagmatie) معنوں میں نبی تھے ؟

جواب :۔ میں نبی کی کوئی اصطلاحی (Dagmatie) تعریف نہیں جانتا ۔ میں اُس شخص کو نبی سمجھتا ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی کہا ہو

سوال :۔ کیا اللہ تعالےٰ نے مرزا صاحب کو نبی کہا ہے ؟

جواب :۔ جی ہاں ۔

سوال :۔ مرزا صاحب نے پہلی مرتبہ کب کہا کہ وہ نبی ہیں ؟ مہربانی فرما کر اس کی تاریخ بتلایئے اور اس بارہ میں اُن کی کسی تحریر کا حوالہ دیجیئے ۔

جواب :۔ جہاں تک مجھے یاد ہے انہوں نے ۱۸۹۱ء میں نبی ہونے کا دعویٰ کیا ۔

سوال ۔ کیا ایک نبی کے ظہور سے ایک نئی امت پیدا ہوتی ہے ۔

جواب :۔ جی نہیں ۔

سوال :۔ کیا اس کے آنے سے ایک نئی جماعت پیدا ہوتی ہے ؟ جواب :۔ جی ہاں ۔

سوال :۔ کیا ایک نئے نبی پر ایمان لانا دوسرے لوگوں کے متعلق اُس کے ماننے والوں کے رویہ پر اثر انداز نہیں ہوتا ؟

جواب :۔ اگر تو آنے والا نبی صاحب شریعت ہے تو اس سوال کا جواب اثبات میں ہے لیکن اگر وہ کوئی نئی شریعت نہیں لاتا تو دوسروں کے متعلق اس کے ماننے والوں کے رویہ کا انحصار اس سلوک پر ہوگا ۔ جو دوسرے لوگ اُن کے ساتھ کرتے ہیں ۔

سوال :۔ کیا دوسرے مفہوم کے لحاظ سے احمدی ایک جداگانہ کلاس نہیں ہیں ؟

جواب :۔ ہم کوئی نئی اُمت نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کا ہی ایک فرقہ ہیں ۔

سوال :۔ کیا ایک احمدی کی اوّلین وفاداری اپنی مملکت کے ساتھ ہوتی ہے یا کہ اپنی جماعت کے امیر کے ساتھ ؟

جواب :۔ یہ بات ہمارے عقیدہ کا حصّہ ہے کہ ہم جس ملک میں رہتے ہوں اس کی حکومت کی اطاعت کریں ۔

سوال :۔ کیا ۱۸۹۱ء سے پہلے مرزا غلام احمد صاحب نے بار بار نہیں کہا تھا کہ وہ نبی نہیں ہیں ۔ اور یہ کہ اُن کی وحی وحیِ نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت ہے ؟

جواب :۔ انہوں نے ۱۹۰۰ء میں لکھا تھا کہ اس وقت تک اُن کا یہ خیال تھا کہ ایک شخص صرف اس صورت میں ہی نبی ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی نئی شریعت لائے لیکن اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ انہیں بتلایا کہ نبی ہونے کے لیے شریعت کا لانا ضروری شرط نہیں اور یہ کہ ایک شخص نئی شریعت لانے کے بغیر بھی نبی ہو سکتا ہے ۔

سوال :۔ کیا مرزا غلام احمد صاحب معصوم تھے ؟

جواب :۔ اگر تو لفظ معصوم کے معنے یہ ہیں کہ نبی کبھی بھی کوئی غلطی نہیں کر سکتا ۔ تو ان معنوں کے لحاظ سے کوئی فردِ بشر بھی معصوم نہیں حتیٰ کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی ان معنوں کے لحاظ سے معصوم نہ تھے ۔ جب معصوم کا لفظ نبی کے متعلق بولا جاتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ اُس شریعت کے کسی حکم کی جس کا وہ پابند ہو خلاف ورزی نہیں کر سکتا ۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی قسم کے گناہ کا خواہ وہ کبیرہ ہو یا صغیرہ مرتکب نہیں ہو سکتا بلکہ وہ مکروہات کا بھی مرتکب نہیں ہو سکتا ۔ کئی نبی ایسے گزرے ہیں جو کوئی نئی شریعت نہیں لائے تھے ۔ وہ امورِ شریعت سے تعلق نہ رکھتے ہوں اُن کے بارہ میں نبی اپنے اجتہاد میں غلطی کر سکتا ہے مثلاً دو فریق مقدمہ کے درمیان تنازعہ کے بارہ میں اس سے غلط فیصلہ کا صادر ہونا ناممکن نہیں ہے ۔

سوال :۔ آپ اس سوال کا جواب کس رنگ میں دے سکتے ہیں کہ آیا مرزا غلام احمد صاحب کسی مفہوم کے مطابق معصوم تھے ؟

جواب :۔ وہ ان معنوں میں معصوم تھے کہ وہ کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ نہیں کر سکتے تھے ۔

سوال :۔ کیا آپ یہ مانتے ہیں کہ دوسرے انسانوں کی طرح مرزا صاحب بھی روزِ حساب اپنے اعمال کے لیے جوابدِہ ہوں گے ؟

جواب :۔ قیاس یہی ہے کہ انہیں اپنے اعمال کا حساب نہیں دینا پڑے گا۔ ہمارے نبی کریمؐ نے کہا ہے کہ آپؐ کی اُمّت میں کثیر التعداد ایسے لوگ ہیں، جو نبی نہیں ہیں مگر وہ یوم الحساب کو حساب سے مستثنیٰ ہوں گے ۔

سوال :۔ موت کے بعد انبیاء پر کیا گزرتی ہے ؟ کیا وہ دوسرے انسانوں کی طرح یوم الحساب تک قبروں میں رہتے ہیں یا کہ سیدھے فردوس یا اعراف میں چلے جاتے ہیں ؟

جواب :۔ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں کہ انبیاء موت کے بعد سیدھے فردوس یا اعراف میں چلے جاتے ہیں۔ لیکن یہ درست ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب تر ایک خاص مقام پر پہنچائے جاتے ہیں۔ چونکہ مرزا غلام احمد صاحب نبی تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن سے بھی عام احمدیوں کی طرح نہیں بلکہ خاص سلوک کیا ہوگا ۔

سوال :۔ کیا آپ یہ مانتے ہیں کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو منکر و نکیر قبر میں اُس کے پاس آتے ہیں ؟

جواب :۔ منکر و نکیر دو فرشتے ہیں۔ لیکن میرا یہ عقیدہ نہیں کہ وہ قبر میں مُردوں سے سوالات کرنے کے لیے جسمانی صورت میں ظاہر ہوں گے ۔

سوال :۔ منکر و نکیر قبر میں کیوں آتے ہیں ؟

جواب :۔ مرنے والے کو اس کے گزشتہ اعمال کی خبر دینے کے لیے ۔

سوال :۔ کیا آپ کے خیال میں منکر و نکیر مرزا غلام احمد صاحب کی قبر میں بھی آئے تھے ؟

جواب :۔ میرے پاس اس بات کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ۔

سوال :۔ کیا وہ نور جو اللہ تعالیٰ نے آدم کو معاف کرنے کے بعد اُس میں داخل کیا تھا مرزا صاحب کو بھی ورثہ میں ملا ہے ؟

جواب :۔ مجھے کسی ایسی تھیوری کا علم نہیں ۔ قرآن کریم یا کسی صحیح حدیث میں کسی ایسے واقعہ کا ذکر نہیں

سوال :۔ کیا قرآن کریم میں مسیح یا مہدی کے متعلق کوئی واضح پیشگوئی موجود ہے ؟

جواب :۔ ان کا ذکر قرآن کریم میں نام لے کر موجود نہیں ۔

سوال :۔ کیا احادیث مسیح اور مہدی کے ظہور پر متفق ہیں ؟

جواب :۔ ایسی کوئی حدیث موجود نہیں جس میں یہ کہا گیا ہو کہ کوئی مسیح ظاہر نہیں ہوگا۔ جہاں تک مہدی کا تعلق ہے بعض حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اور مسیح ایک ہی ہیں ۔

سوال :۔ کیا تمام مسلمان متفقہ طور پر ان احادیث کو مانتے ہیں ؟

جواب :۔ جی نہیں ۔

سوال :۔ کیا ان احادیث سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مسیح اور مہدی دو علیحدہ علیحدہ شخص ہوں گے ؟

جواب :۔ ہاں ! بعض احادیث سے ایسا ظاہر ہوتا ہے ۔

سوال :۔ ان احادیث کے مطابق جن میں مسیح اور مہدی کے ظہور کی پیشگوئی کی گئی ہے دجّال کے قتل اور یاجوج و ماجوج کی تباہی کے کتنا عرصہ بعد اسرافیل اپنا پہلا صور پھونکے گا ؟

جواب :۔ میں ان احادیث کو کوئی اہمیت نہیں دیتا ۔

سوال :۔ کیا آپ ان احادیث کو مانتے ہیں جن میں دجّال اور یاجوج و ماجوج کا ذکر ہے ؟

جواب :۔ اس سوال کا جواب دینے کے لیے مجھے ان احادیث کی پڑتال کرنا ہوگی ۔ دجّال ۔ یاجوج و ماجوج کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے ۔

سوال :۔ کیا مسیح یا مہدی کو نبی کا رتبہ حاصل ہوگا ؟

جواب :۔ جی ہاں ۔

سوال :۔ کیا وہ دنیوی بادشاہ ہوں گے ؟

جواب :۔ میرے نزدیک نہیں ۔

سوال :۔ کیا اس مفہوم کی کوئی حدیث ہے کہ مسیح جہاد یا جزیہ کے متعلق قانون منسوخ کردے گا ؟

جواب :۔ ایک حدیث "جزیہ" کے متعلق ہے اور دوسری "حرب" کے متعلق ۔ ہم جزیہ کے متعلق حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور دوسری کو اس کی وضاحت سمجھتے ہیں ہم نہیں سمجھتے کہ جو الفاظ یعنی یضع حدیث میں استعمال ہوئے ہیں ان کے معنے منسوخ کرنے کے ہیں ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس لفظ کے معنے التوا کے ہیں ۔

سوال :۔ کیا مرزا غلام احمد صاحب نے مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا؟

جواب :۔ جی ہاں ۔

سوال :۔ کیا مسیح یا مہدی کے ظہور پر ایمان لانا مسلمانوں کے عقیدہ کا ضروری جزو ہے ؟

جواب :۔ جی ہاں ۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہ دعویٰ درست ہے تو اُسے ماننا اس پر فرض ہو جاتا ہے ۔

سوال :۔ کیا دینِ اسلام ایک سیاسی مذہبی نظام ہے ؟

جواب :۔ یہ ایک مذہبی نظام ہے مگر اس میں کچھ سیاسی احکام بھی ہیں جو اس مذہبی نظام کا حصہ ہیں اور جن کا ماننا اتنا ہی ضروری ہے جتنا دوسرے احکام کا ۔

سوال :۔ اس نظام میں کفار کی حیثیت کیا ہے ؟

جواب :۔ کفار کو وہی حیثیت حاصل ہو گی جو مسلمانوں کو ۔

سوال :۔ کافر کسے کہتے ہیں ؟

جواب :۔ کافر اور مومن اور مسلم نسبتی الفاظ ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ متعلق ہیں ان کا کوئی جداگانہ معیّن مفہوم نہیں قرآن کریم میں کافر کا لفظ اللہ تعالیٰ کے تعلق میں بھی استعمال ہوا ہے اور طاغوت کے تعلق میں بھی اسطرح مومن کا لفظ طاغوت کے تعلق میں بھی استعمال ہوا ہے ۔

سوال :۔ کیا اسلامی نظام میں کفار یعنی غیر مسلموں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قانون سازی اور قانون کے نفاذ میں حصہ لیں اور کیا وہ اعلیٰ انتظامی ذمہ داری کے عہدوں پر فائز ہو سکتے ہیں ؟

جواب :۔ میرے نزدیک قرآن نے جس حکومت کو خالص اسلامی حکومت کہا ہے اس کا قیام موجودہ حالات میں ناممکن ہے ۔ اسلامی حکومت کی اس تعریف کے مطابق یہ ضروری ہے کہ دنیا کے تمام مسلمان ایک سیاسی وحدت میں منسلک ہوں مگر موجودہ حالات میں یہ صورت بالکل ناقابلِ عمل ہے ۔

سوال :۔ کیا کبھی اسلامی حکومت قائم رہی بھی ہے ؟

جواب :۔ جی ہاں ۔ خلفائے راشدین کی اسلامی جمہوریت کے زمانہ میں ۔

سوال :۔ اس جمہوریہ میں کفار کی کیا حیثیت تھی ؟ کیا وہ قانون سازی اور نفاذِ قانون میں حصہ لے سکتے تھے اور کیا وہ انتظامیہ کی اعلیٰ ذمہ داریوں کے عہدوں پر متمکن ہو سکتے تھے ؟

جواب :۔ یہ سوال اُس وقت پیدا ہی نہیں ہوا تھا کیونکہ اسلامی جمہوریہ کے دَور میں مسلمانوں اور

کفار میں مسلسل جنگ جاری رہی۔ اور جو کفار مفتوح ہو جاتے تھے اسلامی مملکت میں انہیں وہی حقوق حاصل ہو جاتے تھے جو مسلمانوں کو حاصل ہوتے تھے۔ اُن دنوں آج کل جیسی منتخب شدہ اسمبلیاں موجود نہ تھیں

سوال :۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں عدلیہ علیحدہ ہوتی تھی؟

جواب :۔ ان دنوں سب سے بڑی عدلیہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

سوال :۔ کیا اسلامی طرز کی حکومت میں ایک کافر کو حق حاصل ہے کہ وہ کھلے طور پر اپنے مذہب کی تبلیغ کرے؟

جواب :۔ جی ہاں۔

سوال :۔ اسلامی مملکت میں اگر کوئی مسلمان مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے بعد دیانتداری کے ساتھ اسلام کو ترک کر کے کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لیتا ہے مثلاً عیسائی یا دہریہ ہو جاتا ہے۔ تو کیا وہ اس مملکت کی رعایا کے حقوق سے محروم ہو جاتا ہے؟

جواب :۔ میرے نزدیک تو ایسا نہیں۔ لیکن اسلام میں دوسرے ایسے فرقے پائے جاتے ہیں جو ایسے شخص کو موت کی سزا دینے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

سوال :۔ اگر کوئی شخص مرزا غلام احمد صاحب کے دعاوی پر واجبی غور کرنے کے بعد دیانتداری سے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ آپ کا دعوےٰ غلط تھا۔ تو کیا پھر بھی وہ مسلمان رہے گا؟

جواب :۔ جی ہاں۔ عام اصطلاح میں وہ پھر بھی مسلمان سمجھا جائے گا۔

سوال :۔ کیا آپ کے نزدیک اللہ تعالےٰ اُن لوگوں کو سزا دے گا جو غلط مذہبی خیالات یا عقائد رکھتے ہوں لیکن دیانتداری سے ایسا کرتے ہوں؟

جواب :۔ میرے نزدیک سزاء جزاء کا اصول دیانتداری اور نیک نیتی پر مبنی ہے نہ کہ عقیدہ کی صداقت پر۔

سوال :۔ کیا ایک اسلامی حکومت کا یہ مذہبی فرض ہے کہ وہ تمام مسلمانوں سے قرآن اور سنّت کے تمام احکام کی جن میں حقوق اللہ کے متعلق قوانین بھی شامل ہیں پابندی کرائے؟

جواب :۔ اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ گناہ کی ذمہ داری انفرادی ہے اور ایک شخص صرف اُن ہی گناہوں کا ذمہ دار ہوتا ہے جن کا وہ خود مرتکب ہوتا ہے۔ اس لیے اگر اسلامی مملکت میں کوئی شخص قرآن و سنّت کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کا وہ خود ہی جواب دِہ ہے۔

بجواب سوالات عدالت بتاریخ ۱۴ جنوری

سوال :- کل آپ نے کہا تھا کہ گناہ کی ذمہ داری انفرادی ہوتی ہے۔ فرض کیجئے کہ میں ایک مسلم حکومت کا شہری ہوں اور میں ایک دوسرے شخص کو قرآن و سنت کی کوئی خلاف ورزی کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ کیا میرا یہ مذہبی فرض ہے کہ میں اُسے اس خلاف ورزی سے روکوں۔ مذہبی فرض کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں اُسے ایسا کرنے سے نہ روکوں تو میں خود بھی گنہگار ہوں گا؟

جواب :- آپ کا فرض صرف اس شخص کو نصیحت کرنا ہے۔

سوال :- اگر میں صاحب امر ہوں تو کیا پھر بھی یہی صورت ہوگی؟

جواب :- پھر بھی آپ کا یہ مذہبی فرض نہیں کہ آپ اس شخص کو ایسا کرنے سے جبراً روکیں۔

سوال :- اگر میں صاحب امر ہوں تو کیا میرا یہ فرض ہوگا کہ میں ایسا دنیاوی قانون بناؤں جو اس قسم کی خلاف ورزیوں کو قابل سزا قرار دے؟

جواب :- جی نہیں۔ ایسا کرنا آپ کا مذہبی فرض نہیں ہوگا۔ لیکن ایسا قانون بنانے کا آپ کو اختیار حاصل ہوگا۔

سوال :- کیا ایک سچے نبی کا انکار کفر نہیں؟

جواب :- ہاں یہ کفر ہے۔ لیکن کفر دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ جس سے کوئی شخص ملت سے خارج ہو جاتا ہے دوسرا وہ جس سے وہ ملت سے خارج نہیں ہوتا۔ کلمہ طیبہ کا انکار پہلی قسم کا کفر ہے۔ دوسری قسم کا کفر اس سے کم درجے کی بدعقیدگیوں سے پیدا ہوتا ہے۔

سوال :- کیا ایسا شخص جو ایسے نبی کو نہیں مانتا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آیا ہو اگلے جہان میں سزا کا مستوجب ہوگا؟

جواب :- ہم ایسے شخص کو گنہگار تو سمجھتے ہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے گا یا نہیں۔ اس کا فیصلہ کرنا خدا کا کام ہے۔

سوال :- کیا آپ خاتم النبیین میں خاتم کو "ت" کی فتح سے پڑھتے ہیں یا کسرہ سے؟

جواب :- دونوں درست ہیں۔

سوال :- اس اصطلاح کے صحیح معنے کیا ہیں ؟

جواب :- اگر اسے "ت" کی زبر سے پڑھا جائے تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے نبیوں کی زینت ہیں جس طرح انگوٹھی انسان کے لیے زینت ہوتی ہے۔ اگر اسے کسرہ سے پڑھا جائے تو لغت کہتی ہے کہ اس صورت میں بھی اس کا یہی مفہوم ہو گا مگر اس سے وہ شخص بھی مُراد ہو گا جو کسی چیز کو اختتام تک پہنچا دے۔ اس مفہوم کے مطابق اس کا یہ مطلب ہو گا کہ خاتم النبیین آخری نبی ہیں مگر اس صورت میں لفظ النبیین سے مُراد وہ نبی ہونگے جن کے ساتھ شریعت نازل ہو یعنی تشریعی نبی۔

سوال :- مرزا غلام احمد صاحب کن معنوں میں نبی تھے ؟

جواب :- مَیں اس سوال کا جواب پہلے دے چکا ہوں کہ وہ اس لیے نبی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی میں اُن کا نام نبی رکھا ہے۔

سوال :- کیا مرزا غلام احمد صاحب کے روحانی درجہ کا کوئی اور شخص آئندہ آسکتا ہے ؟

جواب :- اس کا امکان ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا اللہ تعالیٰ آئندہ ایسے اشخاص مبعوث کرے گا یا نہیں۔

سوال :- کیا عورت نبی ہو سکتی ہے

جواب :- احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت نبی نہیں ہو سکتی۔

سوال :- کیا آپ کی جماعت میں کسی عورت نے اس منصب پر ہونے کا دعویٰ کیا ؟

جواب :- میرے علم کے مطابق نہیں۔

سوال :- کیا جہنّم ابدی ہے ؟

جواب :- نہیں۔

سوال :- کیا جہنّم کوئی جانور ہے یا متحرک شئ یا کوئی مقررہ مقام ؟

جواب :- جہنم صرف ایک روح سے تعلّق رکھنے والی کیفیّت ہے۔

سوال :- امام غزالی نے جہنم کو ایک جانور سے تشبیہ دی ہے۔ کیا یہ درست ہے ؟

جواب :- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ مجازاً استعمال کیا گیا ہے۔

سوال :۔ اسلام کے بعض نکتہ چین کہتے کہ اسلام جیسا کہ ایک معمولی عالم دین اسے سمجھتا ہے ذہنی غلامی کو دائمی شکل دیتا ہے کیونکہ وہ دیانتداری سے مخالفت کرنے والوں کو چاہے وہ کتنے ہی دیانتدار ہوں ہمیشہ کے لیے جہنمی قرار دیتا ہے۔

جواب :۔ میری رائے میں اسلام ہی صرف ایک ایسا مذہب ہے جو جہنم کو ابدی نہیں سمجھتا۔

سوال :۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت ان لوگوں تک بھی وسیع ہوگی جو مسلمان نہیں ہیں؟

جواب :۔ یقیناً۔

سوال :۔ کیا قوم کا موجودہ نظریہ کہ ایک ریاست کے مختلف مذاہب کے ماننے والے شہریوں کو مساوی سیاسی حقوق حاصل ہوتے ہیں اسلام میں پایا جاتا ہے؟

جواب :۔ یقیناً۔

سوال :۔ ایک غیر مسلم حکومت میں ایک مسلمان کا اس صورت میں کیا فرض ہے اگر یہ حکومت کوئی ایسا قانون بنائے جو قرآن وسنت کے خلاف ہو؟

جواب :۔ اگر حکومت قانون بناتے وقت وہ اختیارات استعمال کرے جو وہ بحیثیت حکومت استعمال کر سکتی ہے تو مسلمانوں کو اس قانون کی تعمیل کرنی چاہیئے۔ لیکن اگر یہ قانون پرسنل ہو مثلاً اگر یہ قانون مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روکے تو چونکہ یہ ایک بہت اہم سوال ہے اس لیے مسلمانوں کو ایسا ملک چھوڑ دینا چاہیئے۔ لیکن اگر سوال معمولی نوعیت کا ہو مثلاً وراثت۔ شادی وغیرہ کا معاملہ ہو تو مسلمان کو اس قانون کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔

سوال :۔ کیا ایک مسلمان کسی غیر مسلم حکومت کا وفادار ہو سکتا ہے؟

جواب :۔ یقیناً۔

سوال :۔ اگر وہ ایک غیر مسلم حکومت کی فوج میں ہو اور اُسے ایک مسلم حکومت کے ساتھ لڑنے کے لیے کہا جائے تو اس صورت میں اُس کا کیا فرض ہوگا؟

جواب :۔ یہ اس کا کام ہے کہ وہ دیکھے کہ آیا مسلم مملکت حق پر ہے یا نہیں۔ اگر وہ سمجھے کہ مسلم حکومت حق پر ہے تب اس کا فرض ہے کہ وہ استعفاء دیدے۔ یا جیسا کہ بعض دوسرے ممالک

میں دستور ہے ۔ یہ اعلان کر دے کہ ایسی جنگ میں شمولیت میری ضمیر کے خلاف ہے ۔

سوال :۔ کیا آپ کا یہ ایمان ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب بھی انہی معنوں میں شفیع ہوں گے جیساکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع سمجھا جاتا ہے ؟

جواب :۔ جی نہیں ۔

چوہدری نذیر احمد صاحب ایڈووکیٹ جماعتِ اسلامی کی جرح کے جواب میں

سوال :۔ آپ کی جماعت میں الفضل کو کیا حیثیت حاصل ہے ؟ اور آپ کا اس سے کیا تعلق ہے ؟

جواب :۔ یہ صحیح ہے کہ اس اخبار کو میں نے جاری کیا تھا لیکن میں نے دو تین سال بعد اپنا تعلق اس سے منقطع کر لیا تھا ۔ غالباً ایسا میں نے ۱۹۱۵ء یا ۱۹۱۶ء میں کیا تھا یہ اب صدر انجمن احمدیہ ربوہ کی ملکیت ہے ۔

سوال :۔ کیا ۱۶-۱۹۱۵ء کے بعد آپ کے اختیار میں یہ بات تھی کہ آپ اس کی اشاعت کو روک دیں ؟

جواب :۔ جی ہاں ۔ اس اعتبار سے کہ جماعت میری وفادار ہے اور اگر میں انہیں کہوں کہ وہ اس پرچہ کو نہ خریدیں تو اس کی اشاعت خود بخود بند ہو جائے گی ۔

عدالت کا سوال :۔ کیا آپ انجمن کو مشورہ دے سکتے ہیں کہ وہ اس کی اشاعت کو بند کر دے ؟

جواب :۔ میں انجمن کو بھی مشورہ دے سکتا ہوں جو اس کی مالک ہے کہ وہ اس کی اشاعت کو روک دے ۔

وکیل کے سوال :۔ کیا آپ مومن اور مسلم کی اس تعریف سے اتفاق رکھتے ہیں جو صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے عدالت کے ایک سوال کے جواب میں دی تھی ؟

جواب :۔ ہاں ۔

سوال :۔ کیا آپ اپریل ۱۹۱۱ء میں تشحیذ الاذہان کے ایڈیٹر تھے ؟

جواب :۔ ہاں ۔

سوال :۔ کیا آپ نے جن خیالات کا آج یا کل اظہار کیا ہے اُن خیالات سے کسی رنگ میں مختلف ہیں جو آپ نے اپریل ۱۹۱۱ئہ میں تشحیذ الاذھان کے دیباچہ میں ظاہر کئے تھے ؟

جواب :۔ نہیں ۔

سوال :۔ کیا آپ اب بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں جو آپ نے کتاب آئینۂ صداقت کے پہلے باب میں صفحہ ۳۵ پر ظاہر کیا تھا۔ یعنی یہ کہ تمام وہ مسلمان جنہوں نے مرزا غلام احمد صاحب کی بیعت نہیں کی خواہ انہوں نے مرزا صاحب کا نام بھی نہ سُنا ہو وہ کافر ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ؟

جواب :۔ یہ بات خود اس بیان سے ظاہر ہے کہ میں ان لوگوں کو جو میرے ذہن میں ہیں مسلمان سمجھتا ہوں۔ پس جب میں "کافر" کا لفظ استعمال کرتا ہوں تو میرے ذہن میں دوسری قسم کے کافر ہوتے ہیں جن کی میں پہلے ہی وضاحت کر چکا ہوں۔ یعنی وہ جو ملت سے خارج نہیں۔ جب میں کہتا ہوں کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں تو میرے ذہن میں وہ نظریہ ہوتا ہے جس کا اظہار کتاب مفرداتِ راغب کے صفحہ ۲۴۰ پر کیا گیا ہے۔ جہاں اسلام کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں ایک دون الایمان اور دوسرے فوق الایمان دون الایمان میں وہ مسلمان شامل ہیں جن کے اسلام کا درجہ ایمان سے کم ہے۔ فوق الایمان میں ایسے مسلمانوں کا ذکر ہے جو ایمان میں اس درجہ ممتاز ہوتے ہیں کہ وہ معمولی ایمان سے بلند تر ہوتے ہیں۔ اس لیے جب میں نے یہ کہا تھا کہ بعض لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں تو میرے ذہن میں وہ مسلمان تھے جو فوق الایمان کی تعریف کے ماتحت آتے ہیں۔ مشکوٰۃ میں بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ظالم کی مدد کرتا اور اس کی حمایت کرتا ہے وہ اسلام سے خارج ہے ۔

سوال :۔ موجودہ ایجی ٹیشن کے شروع ہونے سے پہلے کیا آپ ان مسلمانوں کو جو مرزا غلام احمد صاحب کو نہیں مانتے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں کہتے رہے ؟

جواب :۔ ہاں میں یہ کہتا رہا ہوں اور ساتھ ہی میں "کافر" اور "خارج از دائرہ اسلام" کی اصطلاحوں کے اس مفہوم کی بھی وضاحت کرتا رہا ہوں جس میں یہ اصطلاحیں استعمال کی گئیں ۔

سوال :۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ موجودہ ایجی ٹیشن شروع ہونے سے قبل آپ اپنی جماعت کو یہ مشورہ دیتے رہے کہ وہ غیر احمدی امام کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور غیر احمدی کا جنازہ نہ پڑھیں اور غیر

احمدیوں سے اپنی لڑکیوں کی شادی نہ کریں؟

جواب :۔ میں یہ سب کچھ غیر احمدی علماء کے اسی قسم کے فتووں کے جواب میں کہتا رہا ہوں بلکہ میں نے ان سے کم کہا ہے۔ کیونکہ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا۔

سوال :۔ آپ نے اب اپنی شہادت میں کہا ہے کہ جو شخص نیک نیتی کے ساتھ مرزا غلام احمد صاحب کو نہیں مانتا۔ وہ پھر بھی مسلمان رہتا ہے۔ کیا شروع سے آپ کا یہی نظریہ رہا ہے؟

جواب :۔ ھاں۔

سوال :۔ کیا احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان اختلافات بنیادی ہیں؟

جواب :۔ اگر لفظ بنیادی کا وہی مفہوم ہے جو ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کا لیا ہے تب یہ اختلافات بنیادی نہیں ہیں۔

سوال :۔ اگر لفظ "بنیادی" عام معنوں میں لیا جائے تو پھر؟

جواب :۔ عام معنوں میں اس کا مطلب "اہم" ہے۔ لیکن اس مفہوم کے لحاظ سے بھی اختلافات بنیادی نہیں ہیں بلکہ فروعی ہیں۔

عدالت کا سوال :۔ احمدیوں کی تعداد پاکستان میں کتنی ہے؟

جواب :۔ دو اور تین لاکھ کے درمیان۔

وکیل کے سوال :۔ کیا کتاب تحفہ گولڑویہ جو ستمبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی تھی مرزا غلام احمد صاحب کی تصنیف ہے؟

جواب :۔ جی ہاں۔

سوال :۔ کیا آپ کو یہ معلوم ہے یا نہیں کہ جس عقیدہ کا ذیل کے پیرا میں ذکر ہے وہ عامۃ المسلمین کا عقیدہ ہے :۔

"جیسا کہ مومن کے لیے دوسرے احکام الٰہی پر ایمان لانا فرض ہے۔ ایسا ہی اس بات پر ایمان فرض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہیں۔ ایک بعث محمدی جو جلالی رنگ میں ہے۔ دوسرا بعث احمدی جو کہ جمالی رنگ میں ہے"۔

جواب :۔ عامۃ المسلمین کے نزدیک اس کا اطلاق صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا ہے

لیکن ہمارے نزدیک اس کا اطلاق اصلی طور پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا ہے۔

لیکن ظلی طور پر مرزا غلام احمد صاحب پر بھی ہوتا ہے

سوال :۔ از راہِ کرم ۲۱ راگست ۱۹۱۷ء کے الفضل کے صفحہ نمبر ۷ کے کالم نمبر ۱ کو ملاحظہ فرمائیے جہاں آپ نے اپنی جماعت اور غیر احمدیوں میں فرق بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ :۔

"ورنہ حضرت مسیح موعود نے تو فرمایا ہے کہ اُن کا اسلام اَور ہے اور ہمارا اَور، اُن کا خدا اَور ہے اور ہمارا اَور۔ ہمارا حج اَور ہے اور اُن کا حج اَور۔ اسی طرح اُن سے ہر بات میں اختلاف ہے۔" کیا یہ صحیح ہے ؟

جواب :۔ اس وقت جب یہ عبارت شائع ہوئی تھی میرا کوئی ڈائری نویس نہیں تھا اس لیے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میری بات کو صحیح طور پر رپورٹ کیا گیا ہے یا نہیں۔ تاہم اس کا مجازی رنگ میں مطلب لینا چاہیئے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ہم زیادہ خلوص سے عمل کرتے ہیں ۔

سوال :۔ کیا آپ نے انوارِ خلافت کے صفحہ ۹۳ پر کہا ہے کہ :۔

"اب ایک اور سوال رہ جاتا ہے کہ غیر احمدی تو حضرت مسیح موعود کے منکر ہوئے اس لیے اُن کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیئے۔ لیکن اگر کسی غیر احمدی کا چھوٹا بچہ مر جائے تو اُس کا جنازہ کیوں نہ پڑھا جائے وہ تو مسیح موعود کا مکفّر نہیں۔ میں یہ سوال کرنے والے سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہندوؤں اور عیسائیوں کے بچوں کا جنازہ کیوں نہیں پڑھا جاتا۔"

جواب :۔ ہاں۔ لیکن یہ بات میں نے اس لیے کہی تھی کہ غیر احمدی علماء نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ احمدیوں کے بچوں کو بھی مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ احمدی عورتوں اور بچوں کی نعشیں قبروں سے اُکھاڑ کر باہر پھینکی گئیں۔ چونکہ اُن کا فتویٰ اب تک قائم ہے اس لیے میرا فتویٰ بھی قائم ہے۔ البتہ اب ہمیں بانیٔ سلسلہ کا ایک فتویٰ ملا ہے جس کے مطابق ممکن ہے کہ غور و خوض کے بعد پہلے فتویٰ میں ترمیم کر دی جائے ۔

سوال :۔ کیا یہ صحیح ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب نے حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۱۶۳ پر لکھا ہے کہ :۔

"علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا۔ وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔"

جواب :۔ ہاں۔ یہ الفاظ اپنے عام معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔

سوال :۔ ۱۹۴۴ء میں قیام پاکستان کے متعلق آپ کا طرزِ عمل کیا تھا؟ کیا یہ صحیح ہے کہ ۱۱ر جون ۱۹۴۴ء کو آپ نے ملفوظات میں کہا تھا کہ :۔

" پاکستان اور آزاد حکومت کا مطالبہ ہندوستان کی غلامی کو مضبوط کرنے والی زنجیریں ہیں"۔

جواب :۔ ہاں۔ لیکن میں نے یہ اس لیے کہا تھا کہ میرے اور مولانا مودودی سمیت کئی سرکردہ مسلمانوں کی یہ رائے تھی کہ قیام پاکستان کا مطالبہ ہندوستان کی آزادی کو مشکل بنا دے گا۔ ان دنوں پاکستان کے قیام کو ناممکن سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ انگریز ایسی مملکت کے قیام کے خلاف تھے۔

سوال :۔ کیا جیسا کہ الفضل مورخہ ۵ راگست ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا تھا آپ نے یہ کہا تھا کہ :۔

(الف) " اس لیے ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ہندو مسلم سوال اُٹھ جائے اور ساری قومیں شیر و شکر ہو کر رہیں تاکہ ملک کے حصے بخرے نہ ہوں۔ بیشک یہ کام بہت مشکل ہے مگر اس کے نتائج بھی بہت شاندار ہیں"۔

(ب) " ممکن ہے عارضی طور پر افتراق ہو اور کچھ وقت کے لیے دونوں قومیں جُدا جُدا رہیں مگر یہ حالت عارضی ہوگی اور ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ جلد دُور ہو جائے"۔

(ج) " بہر حال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے اور ساری قومیں باہم شیر و شکر ہو کر رہیں"۔

جواب :۔ الفضل مورخہ ۵ راپریل ۱۹۴۷ء میں میری تقریر صحیح طور پر رپورٹ نہیں ہوئی۔ صحیح رپورٹ ۱۲ راپریل ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی ہے۔

سوال :۔ کیا آپ کی جماعت میں کوئی ملّا بھی ہے؟

جواب :۔ " ملّا " کا لفظ " مولوی " کا مترادف ہے۔ اور یہ لفظ تحقیر کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ ملّا علی قاری ــ ملّا شور بازار اور ملّا باقر جو تمام معروف شخصیتیں ہیں ملّا کہلاتے ہیں اور اس میں فخر محسوس کرتے ہیں یا کرتے رہے ہیں۔

سوال :۔ کیا آپ نے سندھ سے واپسی پر کوئی پریس انٹرویو دیا تھا جو ۱۲ راپریل ۱۹۴۷ء کے الفضل میں شائع ہوا۔ اور جس میں آپ سے ایک اخباری نمائندہ نے ایک سوال کیا اور آپ نے اس کا جواب دیا؟

سوال یہ تھا کہ کیا پاکستان عملاً ممکن ہے ؟

جس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے اس سوال کو دیکھا جائے تو پاکستان ممکن ہے لیکن میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ملک کے حصے بخرے کرنے کی ضرورت نہیں ۔

جواب :- یہ صحیح ہے کہ ایک اخباری نمائندے نے مجھ سے ایک سوال کیا تھا مذکورہ بالا الفاظ اس کا ایک اقتباس ہے جو کچھ اس میں کہا گیا وہ تقسیم کے سوال پر میری ذاتی رائے تھی ۔

سوال :- کیا آپ نے ۱۴ مئی ۱۹۴۷ء کو نماز مغرب کے بعد اپنی مجلس علم و عرفان میں مندرجہ ذیل الفاظ کہے جو ۱۶ مئی ۱۹۴۷ء کے الفضل میں شائع ہوئے ؟

" مَیں قبل ازیں بتا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہندوستان کو اکٹھا رکھنا چاہتی ہے لیکن اگر قوموں کی غیر معمولی منافرت کی وجہ سے عارضی طور پر الگ بھی ہونا پڑے تو یہ اور بات ہے ۔ بسا اوقات عضو ماؤف کو ڈاکٹر کاٹ دینے کا بھی مشورہ دیتے ہیں ۔ لیکن یہ خوشی سے نہیں ہوتا بلکہ مجبوری اور معذوری کے عالم میں اور صرف اُسی وقت جب اس کے بغیر چارہ نہ ہو ۔ اور اگر پھر یہ معلوم ہو جائے کہ ماؤف عضو کی جگہ نیا لگ سکتا ہے ۔ تو کون سا جاہل انسان اس کے لیے کوشش نہیں کرے گا ۔ اسی طرح ہندوستان کی تقسیم پر اگر ہم رضامند ہوئے ہیں تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے ۔ اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ یہ کسی نہ کسی طرح جلد نہ متحد ہو جائے ۔"

جواب :- نہیں مَیں نے بالکل انہی الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار نہیں کیا تھا ۔ جو کچھ مَیں نے کہا اُسے بہت حد تک غلط طور پر پیش کیا گیا ہے ۔ جس شخص نے میری تقریر کی رپورٹ مرتب کی ۔ یعنی منیر احمد ۔ وہ کبھی میرا ڈائری نویس نہیں رہا ۔ اس بارے میں میرے صحیح خیالات الفضل مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئے تھے جو مندرجہ ذیل ہیں :-

" ان حالات کے پیشِ نظر ان (مسلمانوں) کا حق ہے کہ مطالبہ کریں ۔ اور ہر دیانتدار کا فرض ہے کہ خواہ اس میں اس کا نقصان ہو مسلمانوں کے اِس مطالبہ کی تائید کرے .... بے شک ہمیں مسلمانوں کی طرف سے بھی بعض اوقات تکالیف پہنچ

جاتی ہیں۔ اور ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ شاید وہ ہمیں پھانسی پر چڑھا دیں گے۔ لیکن میں ہندوؤں سے پوچھتا ہوں۔ کہ تم لوگوں نے ہمیں کب سکھ دیا تھا۔ تم لوگوں نے ہمیں کب آرام پہنچایا تھا۔ اور تم لوگوں نے کب ہمارے ساتھ ہمدردی کی تھی"؟

سوال:۔ کیا آپ نے جو کچھ ۱۶ر مئی ۱۹۴۷ء کے الفضل میں شائع ہوا اس کی تردید کی؟

جواب:۔ جو کچھ اس میں بیان ہوا تھا۔ ۲۱ر مئی ۱۹۴۷ء کے الفضل میں عملاً اس کی تردید کر دی گئی تھی۔

سوال:۔ الفضل پر شائع شدہ الفاظ ۱۴ر ہجرت کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ اس سے ۱۴ر مئی مُراد ہے۔

عدالت کا سوال:۔ آپ اس مہینے کو ہجرت کیوں کہتے ہیں؟

جواب:۔ کیونکہ تاریخ بتلاتی ہے کہ رسولِ کریمؐ کی ہجرت ماہِ مئی میں ہوئی تھی۔

وکیل کے سوال:۔ کیا آپ سنِ ہجری استعمال کرتے ہیں یا کہ عیسوی کیلنڈر؟

جواب:۔ ہم نے صرف یہ کیا ہے کہ شمسی مہینوں کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے مختلف واقعات کے اعتبار سے مختلف نام دیدئے ہیں۔

سوال:۔ کیا آپ نے جیسا کہ ۱۲ر نومبر ۱۹۴۶ء کے الفضل میں درج ہے اپنے آپ کو اقلیت قرار دیا جانے کا مطالبہ کیا تھا؟

جواب:۔ نہیں اصل واقعات یہ ہیں کہ جب ۱۹۴۶ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلافات پیدا ہوئے تو حکومت نے مختلف فرقہ وارانہ پارٹیوں سے استفسارات کیے۔ اور تمام مسلمانوں کو ایک جماعت قرار دیا۔ اس پر بعض مسلم لیگیوں کی طرف سے ہمیں کہا گیا کہ یہ انگریز کی ایک چال ہے جس نے اس طرح غیر مسلم جماعتوں کی تعداد بڑھا دی ہے۔ اور مسلمانوں کو صرف ایک پارٹی ہی تصور کیا ہے اس پر ہم نے گورنمنٹ سے احتجاج کیا کہ کیوں احمدیوں سے بھی ایک پارٹی کی حیثیت میں استفسار نہیں کیا گیا۔ حکومت نے جواب دیا کہ ہم ایک سیاسی پارٹی نہیں بلکہ ایک مذہبی جماعت ہیں۔

سوال:۔ کیا مارچ ۱۹۱۹ء کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر ایک اجلاس میں آپ نے وہ بیان دیا تھا جس کا ذکر رسالہ "عرفان الٰہی" کے صفحہ ۹۳ پر "انتقام لینے کا زمانہ" کے زیرِ عنوان کیا گیا ہے اور

جس میں کہا گیا ہے کہ:۔

"اب زمانہ بدل گیا ہے۔ دیکھو پہلے جو مسیح آیا تھا اُسے دشمنوں نے صلیب پر چڑھایا۔ مگر اب مسیح اس لیے آیا تا اپنے مخالفین کو موت کے گھاٹ اتارے"؟

جواب:۔ ہاں۔ مگر اقتباس والے اس فقرے کی تشریح کتاب کے صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲ پر کی گئی ہے جہاں مَیں نے کہا ہے کہ:۔

"لیکن کیا ہمیں اس کا کچھ جواب نہیں دینا چاہیئے اور اس خون کا بدلہ نہیں لینا چاہیئے۔ لیکن اسی طریق سے جو حضرت مسیح موعود نے ہمیں بتا دیا ہے اور جو یہ ہے۔ کہ کابل کی سرزمین سے اگر احمدیت کا ایک پودا کاٹا گیا ہے تو اب خدا تعالیٰ اس کی بجائے ہزاروں پودے وہاں لگائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سید عبداللطیف صاحب شہید کے قتل کا بدلہ یہ نہیں رکھا گیا کہ ہم اُن کے قاتلوں کو قتل کریں اور اُن کے خون بہائیں۔ کیونکہ قتل کرنا ہمارا کام نہیں۔ ہمیں خدا نے پُرامن ذرائع سے کام کرنے کے لیے کھڑا کیا ہے نہ کہ اپنے دشمنوں کو قتل کرنے کے لیے۔ پس ہمارا انتقام یہ ہے کہ اُن کے اور ان کی نسلوں کے دلوں میں احمدیت کا بیج بوئیں اور انہیں احمدی بنائیں۔ اور جس چیز کو وہ مٹانا چاہتے ہیں۔ اس کو ہم قائم کر دیں۔ .... مگر اب ہمارا یہ کام ہے کہ اُن کے خون کا بدلہ لیں۔ اور اُن کے قاتل جس چیز کو مٹانا چاہتے ہیں اُسے قائم کر دیں۔ اور چونکہ خدا کی برگزیدہ جماعتوں میں شامل ہونے والے اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں کہ اپنے دشمنوں پر احسان کرتے ہیں۔ اس لیے ہمارا بھی یہ کام نہیں ہے کہ سید عبداللطیف صاحب کے قتل کرنے والوں کو دنیا سے مٹا دیں اور قتل کر دیں بلکہ یہ ہے کہ انہیں ہمیشہ کے لیے قائم کر دیں اور ابدی زندگی کے مالک بنا دیں اور اس کا طریق یہ ہے کہ انہیں احمدی بنائیں"۔

عدالت کا سوال:۔ اس سیاق و سباق میں "احمدیت" سے کیا مُراد ہے؟

جواب:۔ احمدیت سے مُراد اسلام کی وہ تشریح ہے جو احمدیہ جماعت کے بانی نے کی۔

وکیل کے سوال:۔ کیا آپ نے الفضل کے ۱۵ر جولائی ۱۹۵۲ء کے شمارہ میں ایک مقالہ افتتاحیہ جو "خونی مُلّا کے آخری دن" کے عنوان سے شائع ہوا دیکھا ہے جس میں مندرجہ ذیل الفاظ آتے ہیں:۔

"ہاں آخری وقت آن پہنچا ہے ان تمام علماء حق کے خون کا بدلہ لینے کا جن کو شروع سے یہ خونی مُلّا قتل کرواتے آئے ہیں۔ ان سب کے خون کا بدلہ لیا جائے گا (۱) عطاء اللہ شاہ بخاری سے (۲) مُلّا بدایونی سے (۳) مُلّا احتشام الحق سے (۴) مُلّا محمد شفیع سے (۵) مُلّا مودودی (پانچویں سوار) سے۔"

جواب:۔ ہاں۔ اس تحریر کے متعلق منٹگمری کے ایک آدمی کی طرف سے ایک شکایت میرے پاس پہنچی تھی اور میں نے اس کے متعلق متعلقہ ناظر سے جواب طلبی کی تھی اُس نے مجھے بتلایا تھا کہ اُس نے ایڈیٹر کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ اس کی تردید کرے۔

سوال:۔ کیا وہ تردید آپ کے علم میں آئی؟

جواب:۔ نہیں۔ لیکن ابھی ابھی مجھے ۷ راگست ۱۹۵۲ء کے الفضل کا ایک آرٹیکل جس کا عنوان "ایک غلطی کا ازالہ" ہے دکھایا گیا ہے جس میں مذکورہ بالا تحریر کی تشریح کر دی گئی تھی۔

عدالت کا سوال:۔ اس ادارتی مقالہ میں جن مولویوں کو مُلّا کہا گیا ہے کیا انہوں نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ احمدی مرتد اور واجب القتل ہیں؟

جواب:۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے یہ رائے ظاہر کی تھی۔

وکیل کے سوال:۔ کیا آپ نے جون ۱۹۱۹ء کے تشحیذ الاذہان کے صفحہ نمبر ۳۸ پر مندرجہ ذیل عبارت لکھی تھی؟

"خلیفہ ہو تو جو پہلا ہو اس کی بیعت ہو۔ جو بعد میں دوسرا پہلے کے مقابل پر کھڑا ہو جائے جیسے لاہور میں ہے۔ تو اُسے قتل کر دو۔ مگر یہ قتل کا حکم تب ہے کہ جب سلطنت اپنی ہو۔ اب اس حکومت میں ہم ایسا نہیں کر سکتے۔"

جواب:۔ جی نہیں! ڈائری نویس نو آموز تھا۔ میں نے جو کچھ کہا اُسے اُس نے غلط طور پر پیش کیا۔ درحقیقت جو کچھ میں نے کہا تھا۔ میں نے اس کی توضیح اُس وقت کر دی تھی جب احمدیوں کی لاہوری پارٹی نے حکومت سے شکایت کی تھی اور حکومت نے مجھ سے اس کی وضاحت چاہی تھی۔

سوال:۔ کیا آپ کی جماعت خالص مذہبی جماعت ہے یا کہ سیاسی بھی؟

جواب:۔ اصل میں تو یہ مذہبی جماعت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے ایسا دماغ عطا کیا ہے کہ جب بھی کوئی سیاسی مسئلہ اس کے سامنے پیش ہوتا ہے تو وہ بیکار نہیں رہ سکتا۔

سوال:۔ کیا آپ نے کوئٹہ میں اپنے خطبہ جمعہ میں وہ تقریر کی (اگزبٹ ڈی۔ای ۳۲۴) کی تھی۔ جو الفضل کے ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء کے پرچہ میں شائع ہوئی ہے؟

جواب:۔ جی ہاں۔

سوال:۔ آپ نے جب اپنی تقریر میں ذیل کے الفاظ کہے تو اس سے آپ کی کیا مراد تھی؟

"یاد رکھو تبلیغ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک ہماری Base مضبوط نہ ہو پہلے Base مضبوط ہو تو تبلیغ ہو سکتی ہے"

جواب:۔ یہ الفاظ اپنی تشریح آپ کرتے ہیں۔

سوال:۔ اور آپ نے جب یہ کہا تھا کہ بلوچستان کو احمدی بنایا جائے تاکہ ہم کم از کم ایک صوبہ کو تو اپنا کہہ سکیں تو اس سے آپ کا کیا مطلب تھا؟

جواب:۔ میرے ایسا کہنے کے دو سبب تھے (۱) موجودہ نواب قلات کے دادا احمدی تھے اور (۲) بلوچستان ایک چھوٹا سا صوبہ ہے

سوال:۔ کیا آپ نے اپنے خطبہ جمعہ میں مندرجہ ذیل الفاظ کہے تھے جو الفضل ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۸ء (دستاویز ڈی۔ای ۲۱۰) میں شائع ہوئے ہیں؟

"میں یہ جانتا ہوں کہ اب یہ صوبہ ہمارے ہاتھوں سے نکل نہیں سکتا۔ یہ ہمارا ہی شکار ہو گا۔ دنیا کی ساری قومیں مل کر بھی ہم سے یہ علاقہ چھین نہیں سکتیں"

جواب:۔ جی ہاں۔ لیکن اس عبارت کو اس کے لفظی معنوں میں نہیں لینا چاہیئے۔ یہاں مستقبل کا ذکر ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ چونکہ اس صوبہ میں ایک احمدی فوجی افسر قتل ہوا ہے اس لئے یہ صوبہ لازماً احمدی ہو کر رہے گا۔

سوال:۔ کیا ربوہ ایک خالص احمدی نوآبادی ہے؟

جواب:۔ یہ زمین صدر انجمن احمدیہ نے خریدی تھی اور اسی کی ملکیت ہے۔ انجمن کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کے متعلق جو چاہے انتظام کرے۔ لیکن بعض غیر احمدیوں نے بھی زمین خریدنے کے لیے

درخواست دی تھی۔ اس پر انجمن نے کہا کہ اُسے اچھے ہمسائیوں کی موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں۔

سوال:۔ کیا کسی غیر احمدی نے زمین خریدی؟

جواب:۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ ایک غیر احمدی نے زمین خریدی ہے۔ لیکن مجھے اس کا کوئی ذاتی علم نہیں۔

سوال:۔ فسادات کے دوران میں آپ کہاں تھے؟

جواب:۔ ربوہ میں۔

سوال:۔ کیا جو واقعات لاہور میں پیش آئے۔ ایسے کوئی واقعات ربوہ میں بھی ہوئے؟

جواب:۔ نہیں۔

سوال:۔ کیا آپ اپنی جماعت کے لوگوں سے یہ بات متواتر کہتے رہے ہیں کہ اُن کا اصل وطن قادیان ہے؟ اور بالآخر انھوں نے وہاں ہی جانا ہے؟

جواب:۔ ہر مسلمان کی یہ خواہش ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے وطن کو واپس حاصل کرے۔

سوال:۔ کیا ہندوستان میں بھی احمدیہ جماعت ہے؟

جواب:۔ ہاں۔

سوال:۔ برطانوی حکومت کے متعلق احمدیہ جماعت کے بانی کا کیا رویہ تھا؟

جواب:۔ مَیں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اسلام کی تعلیم کے مطابق انسان جس ملک میں رہے ان شرائط کے ماتحت جن کا مَیں پہلے ذکر کر چکا ہوں اس کی حکومت کا وفادار رہنا چاہیئے۔

سوال:۔ کیا یہ امر واقعہ ہے کہ بغداد پر انگریزوں کے قبضہ ہونے پر قادیان میں خوشیاں منائی گئیں؟

جواب:۔ یہ قطعاً غلط ہے۔

سوال:۔ کیا آپ کے نظریہ کے مطابق قائم شدہ اسلامی سلطنت میں کوئی غیر احمدی اس مملکت کا رئیس ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ جی ہاں۔ پاکستان، مصر وغیرہ جیسی حکومت میں ہو سکتا ہے۔

سوال:۔ فرض کیجیئے کہ پاکستان ایک مذہبی مملکت نہیں۔ تو کیا آپ کے نزدیک ایک غیر مسلم یہاں رئیس مملکت ہو سکتا ہے؟

جواب :۔ یہ تو قانون ساز اسمبلی کی اکثریت ہی فیصلہ کر سکتی ہے کہ رئیس مملکت مسلمان ہو یا غیر مسلم۔

سوال :۔ کیا آپ اپنی جماعت کے لوگوں سے یہ کہتے رہے ہیں کہ اُن کا معاشرہ دوسرے مسلمانوں سے مختلف ہونا چاہیئے ؟

جواب :۔ جی نہیں۔

سوال :۔ کیا آپ نے اپنی جماعت کے لوگوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ پاکستان میں سرکاری عہدوں پر قبضہ کر لیں ؟

جواب :۔ جی نہیں۔

سوال :۔ کیا جنگی لحاظ سے ربوہ کے جائے وقوع کو کوئی خاص اہمیت حاصل ہے ؟

جواب :۔ جی ہاں۔ حکومت پاکستان کے ہاتھوں میں یہ ایک جنگی اہمیت والا مقام ہوگا۔

سوال :۔ کیا آپ نے جیسا کہ الفضل مؤرخہ ۹ نومبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۲ پر چھپا ہے ربوہ میں ایک پریس کانفرنس میں یہ بیان دیا تھا کہ :۔

"گو یہ زمین موجودہ حالت میں واقعی مہنگی ہے اور اس میں کوئی جاذبیت نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم اسے ایک نہایت شاندار شہر کی صورت میں تبدیل کرنے کا تہیہ کر چکے جو دفاعی لحاظ سے بھی پاکستان میں محفوظ ترین مقام ہوگا"

جواب :۔ میں پانچ سال کے عرصہ کے بعد بتا نہیں سکتا کہ کانفرنس میں میرے اصل الفاظ کیا تھے۔

عدالت کا سوال :۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ربوہ کو جنگی لحاظ سے کوئی اہمیت حاصل ہے ؟

جواب :۔ ربوہ کے درمیان سے موٹر سڑک اور ریل دونوں گزرتی ہیں۔ اس لیے اسے حکومت پاکستان کے خلاف جنگی اہمیت رکھنے والا مقام خیال نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن دوسرے لوگوں کے لحاظ سے اسے ہمارے لیے خاص اہمیت ضرور حاصل ہے۔ کیونکہ چنیوٹ کی طرف سے جو دریا کے دوسری جانب واقع ہے اس پر حملہ نہیں ہو سکتا۔

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش نمائندہ مجلسِ عمل کی جرح کے جواب میں

سوال :۔ مسیلمہ بن الحبیب کے دعویٰ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے ؟

جواب :۔ اس کا دعویٰ جھوٹا تھا۔

سوال :۔ کیا وہ کلمہ پڑھتا تھا ؟

جواب :۔ نہیں۔

سوال :۔ کیا وہ مسلمان تھا ؟

جواب :۔ نہیں۔

سوال :۔ حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۱۲۴ پر لکھا ہوا ہے کہ :۔

"پھر ماسوائے اس کے کیا کسی مرتد کے ارتداد سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ وہ سلسلہ جس میں سے یہ مرتد خارج ہوا حق نہیں ہے۔ کیا ہمارے مخالف علماء کو خبر نہیں کہ کئی بدبخت حضرت موسیٰ کے زمانہ میں ان سے مرتد ہو گئے پھر کئی لوگ حضرت عیسیٰ سے مرتد ہوئے۔ اور پھر کئی بدبخت اور بدقسمت ہمارے نبی صلعم کے عہد میں آپ سے مرتد ہو گئے چنانچہ مسیلمہ کذاب بھی مرتدین میں سے ایک تھا" کیا آپ کی رائے میں مسیلمہ مرتد تھا ؟

جواب :۔ ہاں جب میں نے کہا کہ وہ مسلمان نہیں تھا اس سے میری مراد یہ تھی کہ دعویٰ نبوت کے بعد وہ مسلمان نہیں رہا تھا۔

سوال :۔ کیا آپ نے اسود عنسی۔ سجاح بنیہ کا ذبہ۔ طلیحہ اسدی کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کیا ہے ؟

جواب : ہاں۔

سوال :۔ کیا ان تمام اشخاص نے جن میں ایک عورت بھی تھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا جس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے ان کے خلاف جنگ کا اعلان کیا ؟

جواب :۔ نہیں۔ صورتِ حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان اشخاص نے جن میں سے ہر ایک نے

دعویٰ نبوت کیا مسلمانوں پر حملے کیے جس پر مسلمانوں نے اس کے جواب میں اُن کو شکست دی ۔

سوال :۔ کیا حسب ذیل اشخاص نے وقتاً فوقتاً نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

۱ ۔ حارث دمشقی ۶۸۵-۷۰۵ء نے خلیفہ عبدالملک کے زمانہ

۲ ۔ مغیرہ بن سعید الاجلی ۷۲۴-۷۴۱ء

۳ ۔ ابومنصور الاجلی ۷۲۴-۷۴۱ء

۴ ۔ اسحاق الاخراس المغربی ۷۵۰-۷۵۴ء

۵ ۔ ابوعیسیٰ اسحاق اصفہانی ۷۵۴-۷۷۵ء

۶ ۔ علی محمد خارجی ۸۶۹ء

۷ ۔ حامین من اللہ ماعکاسی

۸ ۔ محمود واحد گیلانی ۱۵۲۸-۱۵۸۶ء

۹ ۔ محمد علی باب ۱۸۵۰ء

جواب :۔ محمد علی باب کے سوا دوسرے لوگوں کے متعلق وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا محمد علی باب نے اپنے آپ کو نبی نہیں کہا تھا بلکہ مہدی موعود کہا تھا ۔

سوال :۔ آپ نے تشریعی اور غیر تشریعی نبی کا فر بیان فرما دیا ۔ مہربانی کر کے ظلی نبی اور بروزی نبی کی بھی تعریف کر دیجیے ۔

جواب :۔ ان اصطلاحات سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص جس کے متعلق ان اصطلاحات کا استعمال کیا جاتا ہے وہ خود بعض مخصوص صفات نہیں رکھتا ۔ بلکہ یہ صفات اس میں منعکس رنگ میں ظاہر ہوتی ہیں ۔

سوال :۔ کیا مرزا غلام احمد صاحب نے تشریعی نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا؟

جواب :۔ نہیں ۔

سوال :۔ کیا مرزا غلام احمد صاحب نے اربعین حصہ چہارم کے صفحہ ۸۳، ۸۴ میں یہ نہیں لکھا کہ :۔

" ماسوائے اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند اوامر اور نہی بیان کیے اور اپنی اُمت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت

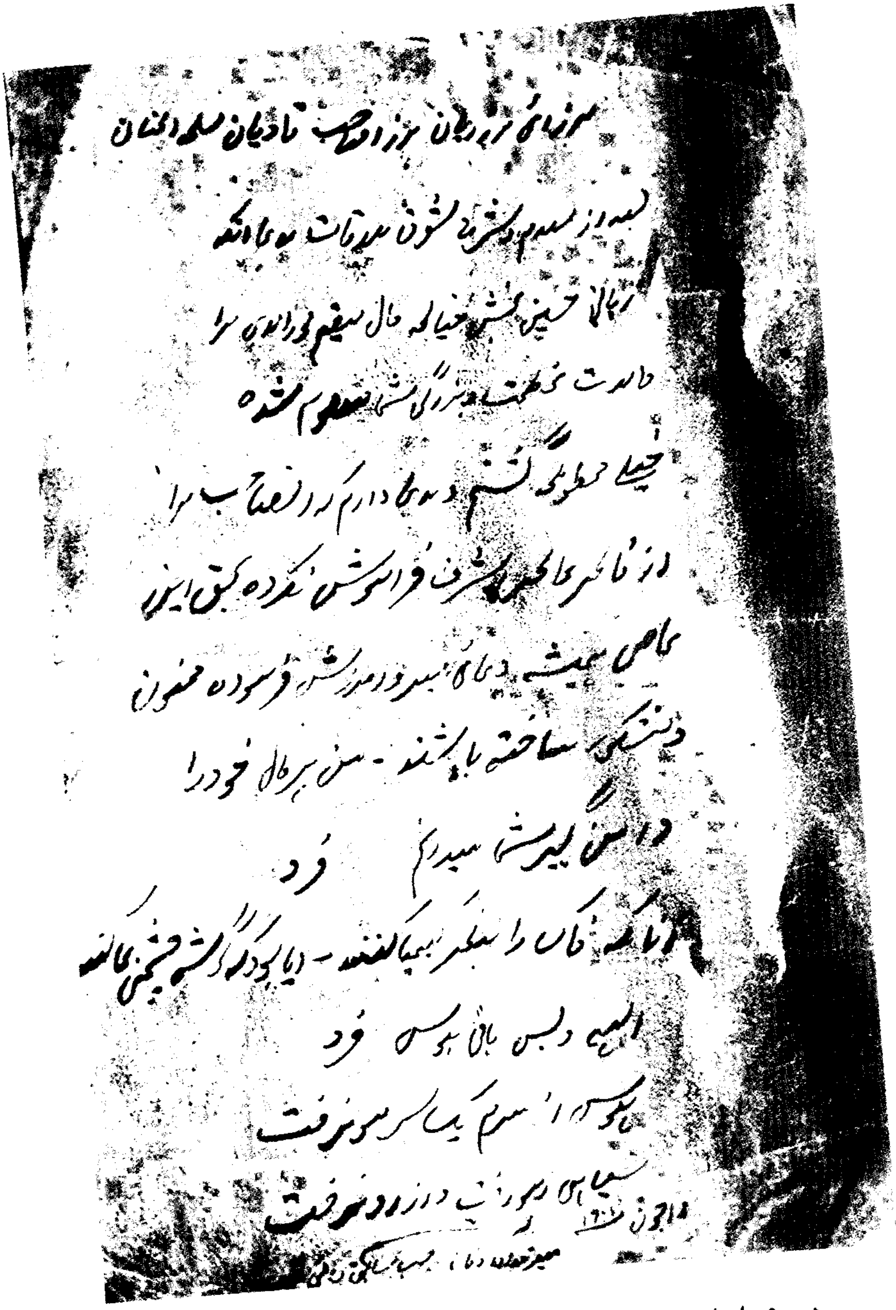

[illegible] مرزا صاحب قادیان سلمه المنان

بعد از سلام [illegible] شوق ملاقات [illegible]

[illegible]

[illegible] بزرگی شما معلوم شده

[illegible] دارم [illegible] صاحب مرا

[illegible] فراموش نکرده [illegible]

[illegible] همیشه [illegible]

[illegible] ساخته باشند - من [illegible] خود را

دامن [illegible] سپردم

فرد

آنانکه خاک را بنظر کیمیا کنند - آیا بود که گوشهٔ چشمی بما کنند

[illegible] فرد

[illegible] رفت

[illegible] رفت

[illegible]

میر خداداد خان صاحب سابق والی قلات کا بیعت نامہ

ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام قل للمومنین یغضّوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذٰلک ازکٰی لھم۔ یہ الہام براہین احمدیہ میں درج ہے۔ اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ اور اس پر تیئیس برس کی مدت بھی گذر گئی۔ اور ایسا ہی ابتک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔ اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی۔ صُحُفِ اِبْرَاھِیْمَ وَ مُوْسٰی۔ یعنی قرآنی تعلیم توریت میں بھی موجود ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفاء امر اور نہی کا ذکر ہو۔ تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ اگر توریت یا قرآن شریف میں باستیفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔ غرض یہ سب خیالات فضول اور کوتاہ اندیشیاں ہیں ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن ربانی کتابوں کا خاتم ہے تاہم خدا تعالیٰ نے اپنے نفس پر حرام نہیں کیا کہ تجدید کے طور پر کسی اور مامور کے ذریعے سے یہ احکام صادر کرے کہ جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹی گواہی نہ دو۔ زنا نہ کرو۔ خون نہ کرو اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنا شریعت ہے جو مسیح موعود کا بھی کام ہے۔ پھر وہ دلیل تمہاری کیسی گاؤ خورد ہو گئی۔ کہ اگر کوئی شریعت لاوے اور مفتری ہو تو تیئیس برس تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ چونکہ میری تعلیم میں امر بھی اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اور اس وحی کو جو میرے پر ہوتی ہے فُلک یعنی کشتی کے نام سے موسوم کیا ہے جیسا کہ ایک الہام کی عبارت ہے واصنع الفلک باعیننا ووحینا۔ ان الّذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم۔ یعنی اس تعلیم اور تجدید کی کشتی کو ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے بنا۔ جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ یہ خدا کا ہاتھ ہے جو اُن کے ہاتھوں پر ہے۔

اب دیکھو خدا نے میری وحی اور تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں

کے لیے مدارِ نجات ٹھہرایا۔ جس کی آنکھیں ہوں وہ دیکھے اور جس کے کان ہوں وہ سُنے"

جواب: ہاں۔ لیکن انھوں نے ایک بعد کی کتاب میں اس کی تشریح کی ہے (گواہ نے ایک کتاب سے پڑھ کر سنایا)

سوال: ۔ کیا مرزا غلام احمد صاحب نے ان لوگوں کو مرتد کہا ہے جو احمدی بننے کے بعد اپنے عقیدے سے پھر گئے؟

جواب: ۔ مرتد کا مطلب صرف یہ ہے۔ کہ ایسا شخص جو واپس لوٹ جائے۔ مولانا مودودی صاحب نے بھی یہ اصطلاح استعمال کی ہے۔

سوال: ۔ کیا آپ مرزا غلام احمد صاحب کو اُن مامورین میں شمار کرتے ہیں جن کا ماننا مسلمان کہلانے کے لیے ضروری ہے؟

جواب: ۔ میں اس سوال کا جواب پہلے دے چکا ہوں۔ کوئی شخص جو مرزا غلام احمد صاحب پر ایمان نہیں لاتا دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا۔

سوال: ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کتنے سچے نبی گزرے ہیں؟

جواب: ۔ میں کسی کو نہیں جانتا مگر اس اعتبار سے کہ ہمارے رسول کریمؐ کی حدیث کے مطابق آپ کی اُمت کے علماء تک میں آپ کی عظمت اور شان کا انعکاس ہوتا ہے سینکڑوں اور ہزاروں ہو چکے ہوں گے۔

سوال: ۔ کیا آپ اس حدیث کو سچا تسلیم کرتے ہیں؟

جواب: ھاں۔

سوال: ۔ کیا آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب ہمارے رسولِ کریمؐ کے سوا سب انبیاء سے افضل تھے؟

جواب: ۔ ہم ان کے متعلق صرف حضرت مسیح ناصری سے افضل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

مولانا میکش کی جرح بتاریخ ۱۵/۱/۵۴

سوال: ۔ یہ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ بن مریم (مسیح ناصری) قیامت سے پہلے پھر

دوبارہ ظاہر ہوں گے۔ اس کے متعلق آپ کا عقیدہ کیا ہے؟

جواب:۔ یہ بات غلط ہے کہ یہ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے۔ مسلمانوں کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جو یہ ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح ناصری طبعی موت سے وفات پا گئے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم خود دوبارہ مبعوث نہیں ہوں گے۔ بلکہ ایک دوسرا شخص جو اُن سے مشابہت رکھتا ہوگا اور ان کی صفات کا حامل ہوگا آئے گا۔

عدالت کا سوال:۔ کیا حضرت عیسیٰ کے زمانے میں یہودی کسی مسیح کے منتظر تھے؟

جواب:۔ جی ہاں۔ وہ ایک مسیح کی آمد کے منتظر تھے۔ مگر اس سے پہلے الیاس نے آنا تھا جس نے آسمان سے اسی خاکی جسم کے ساتھ نازل ہونا تھا۔

سوال:۔ کیا حضرت عیسیٰ ہی یہ مسیح تھے؟

جواب:۔ ہمارے عقیدہ کے مطابق وہی مسیح تھے لیکن یہودیوں کے عقیدہ کے مطابق نہیں۔

سوال:۔ کیا حضرت عیسیٰ ناصری نے کبھی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا؟

جواب:۔ جی ھاں۔

سوال:۔ یہودیوں نے خدا کو ایک تاجر کی شکل میں پیش کیا تھا اور یہ کہ کر اس کے واحد اجارہ دار بن گئے تھے کہ خدا نے ابراہیم سے عہد کیا تھا کہ وہ کنعان کی زمین دوبارہ انہیں دے گا۔ اسی طرح پولوس کے ماننے والے عیسائیوں نے خدا پر اپنا پہلا حقِ رہن جتایا۔ اور اس حقِ رہن کی وجہ گال گوتھا کی پہاڑی پر حضرت مسیح کا پھانسی پانا قرار دی۔ اب مولانا مرتضیٰ احمد میکش اور ان کے ساتھ دوسرے علمائے دین دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا پر پہلا حقِ رہن اُن کا ہے۔ اور اس رہن کی قیمت یہ قرار دی گئی ہے کہ ذہنی غلامی اختیار کر لی جائے۔ کیا آپ بھی مرزا غلام احمد صاحب کی نبوت پر ایمان لانے کی وجہ سے خدا پر کسی مخصوص اور علیحدہ حقِ رہن کا دعویٰ رکھتے ہیں؟

جواب:۔ ہم نہ تو کسی ایسے حقِ رہن کو مانتے ہیں اور نہ اس کے دعویدار ہیں۔

مولانا میکش کے سوال:۔ آپ نے کل فرمایا تھا۔ کہ مرزا غلام احمد صاحب نے صرف عیسیٰ بن مریم پر اپنے آپ کو فضیلت دی ہے۔ مگر ۴ و ۶ اپریل ۱۹۱۵ء کے الفضل (دستاویز ڈی۔ای ۳۲۵) میں مرزا صاحب کی ۷ اپریل ۱۹۰۲ء کی ڈائری سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے:۔

"کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں۔ وہ سب حضرت رسولِ کریمؐ میں ان سے بڑھ کر موجود تھے۔ اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسولِ کریمؐ سے ظلی طور پر ہم کو عطا کیے گئے۔ اور اس لیے ہمارا نام آدم۔ ابراہیم۔ موسیٰ۔ نوح۔ داؤد۔ یوسف سلیمان۔ یحیٰ۔ عیسیٰ وغیرہ ہے۔ چنانچہ ابراہیمؑ ہمارا نام اس واسطے ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ایسے مقام میں پیدا ہوئے تھے کہ وہ بت خانہ تھا اور لوگ بت پرست تھے۔ اور اب بھی لوگوں کا یہی حال ہے.........."

کیا اس عبارت سے ثابت نہیں ہوتا کہ مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ آپ ان تمام انبیاء سے جن کا اس عبارت میں ذکر ہے افضل ہیں؟

جواب:۔ ان دنوں مرزا صاحب کوئی باقاعدہ ڈائری نہ رکھتے تھے۔ یہ اقتباس تو کسی رپورٹر کا لکھا ہوا ہے۔ لیکن یہ فرض کرتے ہوئے کہ یہ رپورٹ صحیح ہے۔ اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو دوسرے انبیاء پر فضیلت دی ہے۔ اس کا مطلب تو صرف ان صفات کو گنوانا ہے جو مرزا صاحب اور دوسرے انبیاء میں مشترک تھیں۔

سوال:۔ عام مسلمان تو احمدیوں کا اس لیے جنازہ نہیں پڑھتے کہ وہ احمدیوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ آپ بتایئے کہ احمدی جو غیر احمدیوں کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے اس کی اس کے علاوہ اور کیا وجہ ہے۔ جس کا آپ قبل ازیں اظہار کر چکے ہیں۔ کہ آپ نے جوابی کارروائی کے طور پر یہ طریق اختیار کیا ہے؟

جواب:۔ بڑا سبب تو جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں یہ ہے کہ ہم غیر احمدیوں کا جنازہ اسلیے نہیں پڑھتے کہ وہ احمدیوں کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اپنے دعویٰ کے دس سال بعد تک نہ صرف مرزا غلام احمد صاحب نے احمدیوں کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ غیر احمدیوں کے جنازے پڑھیں۔ بلکہ خود بھی ایسی نمازِ جنازہ میں شریک ہوتے رہے۔ اور دوسرا سبب جو اصل میں پہلے سبب کا حصہ ہی ہے یہ ہے۔ کہ ایک متفقہ اور مسلّمہ حدیث کے مطابق جو شخص دوسرے مسلمان کو کافر کہتا ہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔

سوال:۔ کیا غیر احمدی امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کرنے پر بھی آپ کے سابقہ جواب کا اطلاق ہوتا ہے؟

جواب :۔ ہاں۔

سوال :۔ ازراہ کرم القول الفصل کے صفحہ ۴۵ کو ملاحظہ فرمایئے جس میں حسب ذیل عبارت ہے:۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ کا حکم آیا۔ جس کے بعد نماز غیروں کے پیچھے حرام کی گئی۔ اور اب صرف منع نہ تھی بلکہ حرام تھی اور حقیقی حرمت صرف خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے"۔

کیا اس عبارت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ احمدیوں کو غیر احمدی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت کی وجہ کچھ اور ہے؟

جواب :۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جس وجہ سے احمدیوں کو غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کیا گیا اس کی بعد میں وحی کے ذریعہ بھی تصدیق کر دی گئی۔

سوال :۔ آپ نے انوار خلافت کے صفحہ ۹۰ پر اس ممانعت کی ایک مختلف وجہ بیان کی ہے متعلقہ عبارت یہ ہے۔

" ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے۔ اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں"۔

جواب :۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ کفر کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو ایک شخص کو ملت سے خارج نہیں کرتی۔ ہمارے نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ ہمیں ایسے شخص کو اپنا امام بنانا چاہیئے جو دوسروں سے زیادہ نیک اور صالح ہو۔ ایک نبی کے انکار سے انسان کی نیکی کمزور ہو جاتی ہے۔

سوال :۔ آپ نے فرمایا ہے کہ کفر اور اسلام اضافی الفاظ ہیں۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ الفاظ کفر۔ کافر۔ کافرون۔ کافرین۔ کفار۔ الکفرۃ قرآن کریم میں ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی ایسے اشخاص کے متعلق جو اُمت سے باہر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں؟

جواب :۔ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ یہ لفظ قرآن کریم میں ایک ہی معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ کل میں نے قرآن کریم سے ہی اس کی ایک مثال پیش کی تھی۔

سوال :۔ ازراہِ کرم ذکرِ الٰہی کے صفحہ ۲۲ کو دیکھئے جس میں حسب ذیل عبارت آتی ہے:۔

" میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں دو گروہ ہیں۔ ایک مومن۔ دوسرے کافر۔ پس جو حضرت

مسیح موعود پر ایمان لانے والے ہیں وہ مومن ہیں۔ اور جو ایمان نہیں لائے خواہ ان کے نہ لانے کی کوئی وجہ ہو وہ کافر ہیں۔"

کیا یہاں لفظ "کافر" مومن کے مقابل پہ استعمال نہیں ہوا؟

جواب:۔ اس عبارت میں مومن سے مراد وہ شخص ہے جو مرزا غلام احمد صاحب پہ ایمان لاتا ہے۔ اور کافر سے مراد وہ شخص ہے جو آپ کا انکار کرتا ہے۔

عدالت کا سوال:۔ تو کیا مرزا غلام احمد صاحب پر ایمان لانا جزوِ ایمان ہے؟

جواب:۔ جی نہیں۔ یہاں پہ لفظ مومن صرف مرزا غلام احمد صاحب پہ ایمان لانے کے مفہوم کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے نہ کہ اسلام کے بنیادی عقیدوں پہ ایمان لانے کے مفہوم میں۔

سوال:۔ کیا جب "کفر" کے لفظ کے استعمال سے غلط فہمی اور تلخی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ تو یہ بہتر نہیں ہوگا کہ یا تو اس کے استعمال کو قطعی طور پہ ترک کر دیا جائے یا اس کے استعمال میں بہت احتیاط برتی جائے؟

جواب:۔ ہم ۱۹۲۲ء سے اس سے اجتناب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مولانا میکش کے سوال:۔ کیا آپ نے اپنی جماعت کے متعلق کبھی اُمّت کا لفظ استعمال کیا ہے؟

جواب:۔ میرا عقیدہ ہے کہ احمدی علیحدہ اُمّت نہیں ہیں۔ اور اگر کہیں اُمّت کا لفظ احمدیوں کے متعلق استعمال ہوا ہے تو بے توجہی سے ہوا ہوگا اور اس سے اصل مُراد جماعت ہے۔

سوال:۔ ۱۳/ اگست ۱۹۴۸ء کا الفضل دیکھئے۔ اس میں حسبِ ذیل عبارت ہے:۔

"اللہ تعالیٰ نے جو کام ہمارے سپرد کیا وہ کسی اور اُمّت کے سپرد نہیں کیا۔ پہلے انبیاء میں سے کوئی نبی ایک لاکھ کی طرف آیا۔ کوئی نبی دو لاکھ کی طرف آیا اور کوئی دس لاکھ کی طرف آیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم سوا لاکھ تھی یا ہو سکتا ہے کہ عرب کی آبادی آپ کے زمانہ میں دو تین لاکھ ہو۔ بس یہی آپ کے پہلے مخاطب تھے۔ لیکن ہمارے چھٹتے ہی چالیس کروڑ مخاطب ہیں۔"

یہاں کن معنوں میں آپ نے لفظ "اُمّت" استعمال کیا ہے؟

جواب یہاں مَیں نے لفظ اُمّت "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت" کے لیے استعمال کیا ہے۔

سوال:۔ کیا آپ انگریزوں کے اس لیے ممنون احسان نہیں ہیں کہ اُن کے عہدِ حکومت میں آپ کے مخصوص عقائد پھولے پھلے۔ اور کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ اُن کے شکر گزار نہ رہیں؟

جواب:۔ شکر گزاری ایک اخلاقی فرض ہے اور اس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہم اُن کے احسان مند ہیں اور یہ اس منصفانہ سلوک کی وجہ سے ہے جو انہوں نے ہر ایک کے ساتھ کیا۔ جن میں ہم بھی شامل ہیں۔

سوال:۔ کیا مرزا غلام احمد صاحب نے انگریزوں کو ممنون کرنے کے لیے بلادِ اسلامیہ میں اشاعت کی غرض سے جہاد کے خلاف اتنی کتابیں نہیں لکھیں جن سے کم و بیش پچاس الماریاں بھر جائیں؟

جواب:۔ مرزا صاحب نے جو کچھ لکھا اس غرض سے لکھا کہ اس سے اُن غلط فہمیوں کو دور کیا جائے جو مسلمانوں کے خلاف دوسرے مذاہب میں پائی جاتی تھیں۔ یہ تصانیف کئی موضوعات و مضامین پر مشتمل ہیں۔ جن کے متعلق غلط فہمیاں پائی جاتی تھیں۔ ضمناً ان میں مسئلہ جہاد بھی شامل تھا لیکن اس مخصوص مسئلہ پر انہوں نے صرف چند صفحات پر مشتمل ایک رسالہ لکھا تھا۔

سوال:۔ کیا مندرجہ ذیل شعر میں مرزا غلام احمد صاحب نے اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ پر فضیلت نہیں دی؟

؎ لہ خسف القمر المنیر و اِنّ لی — غسا القمران المشرقان اَتنکر،

یعنی رسولِ اکرمؐ کے لیے صرف چاند کو گرہن لگا۔ لیکن میرے لیے سورج اور چاند دونوں گہنا گئے الخ

جواب:۔ اس شعر میں صرف اُس حدیث کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مہدی کے وقت ماہ رمضان میں چاند اور سورج دونوں کو گرہن لگے گا۔

سوال:۔ کیا آپ نے کبھی عام مسلمانوں کو ابو جہل کہا اور اپنی جماعت کو اقلیت قرار دیا؟

جواب:۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ مَیں عام مسلمانوں کو ابوجہل کی پارٹی قرار دیتا ہوں۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ ہماری جماعت تعداد کے لحاظ سے بہت تھوڑی ہے۔

عدالت کا سوال:۔ پاکستان میں کتنے احمدی کلیدی اسامیوں پر فائز ہیں؟

جواب :۔ میرے نزدیک تو چوہدری ظفر اللہ خاں کے علاوہ کوئی احمدی ایسی اسامی پر فائز نہیں جسے کلیدی کہا جا سکے ۔

سوال :۔ فضائیہ ۔ بحریہ ۔ بری فوج میں افسروں کی تعداد کیا ہے ؟

جواب :۔ بری فوج میں ½ یا ۲ فی صدی ہوں گے ۔ ہوائی فوج میں کوئی پانچ فی صدی اور بحری فوج میں ½ فی صدی ۔

سوال :۔ کیا مسٹر لال شاہ بخاری احمدی ہیں ؟

جواب :۔ جی نہیں ۔

سوال :۔ کیا جنرل حیاء الدین احمدی ہیں ؟

جواب :۔ وہ کبھی احمدی تھے ۔ لیکن میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ اب بھی احمدی ہیں یا نہیں ۔

سوال :۔ کیا مسٹر غلام احمد پرنسپل گورنمنٹ کالج راولپنڈی احمدی ہیں ؟

جواب :۔ جی نہیں ۔

سوال :۔ کیا پاکستان میں موجودہ انڈونیشین سفیر کے پیشرو احمدی تھے ؟

جواب :۔ وہ احمدیوں کی قادیانی جماعت سے تو یقیناً تعلق نہ رکھتے تھے ۔ مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ لاہوری جماعت سے تعلق رکھتے تھے یا نہیں ۔ بہر حال ۱۹۵۳ء میں انڈونیشین سفیر یقیناً احمدی نہ تھے

مولانا میکش کے سوال :۔ کیا آپ نے اپنے ایک خطبہ میں وہ الفاظ کہے جن کی رپورٹ الفضل مورخہ ۳ ر جنوری ۱۹۵۲ء (دستاویز ڈی ۔ ای ۳۲۶) میں شائع ہوئی ہے ؟

جواب :۔ میں رپورٹ کے الفاظ کے متعلق تو وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا ۔ لیکن یہ رپورٹ بہت حد تک ان الفاظ کے مفہوم کی آئینہ دار ہے جو میں نے کہے ۔ میں نے یہ سب کچھ آفاق مورخہ ۶ ر دسمبر ۱۹۵۱ء کے ایک مقالہ کے جواب میں کہا تھا ۔

سوال :۔ اس رپورٹ میں آپ یا آپ کے کسی جانشین کے پاکستان کے فاتح ہونے کی طرف اشارہ ہے ؟

جواب :۔ آپ رپورٹ کو غلط طور پر پیش کر رہے ہیں ۔ اس میں ایسی کوئی بات نہیں ۔

عدالت کا نوٹ :۔ اس یقین دلانے کے باوجود کہ مرزا غلام احمد صاحب یا گواہ کی کہی ہوئی کوئی

بات یا جماعت احمدیہ کے شائع کردہ لٹریچر کو عدالت ایک مستقل شہادت کی صورت میں تسلیم کریگی اس وقت تک جو بھی سوالات کئے گئے ہیں وہ تقریباً سب کے سب ایسی ہی تحریروں سے متعلق ہیں۔ یہ محض تضیع اوقات ہے۔ اور ہم اس بارہ میں مزید سوالات کرنے کی اجازت دینے کو تیار نہیں۔

مسٹر نذیر احمد خاں صاحب ایڈووکیٹ کے مزید سوالات عدالت کی اجازت سے

سوال :۔ سول ملٹری گزٹ کے ۲۳ فروری ۱۹۵۳ء کے پرچہ میں آپ کا ایک بیان شائع ہوا تھا کیا خواجہ نذیر احمد ایڈووکیٹ اس بیان کے شائع ہونے سے قبل یا بعد آپ سے ملے تھے؟

جواب :۔ ھاں۔ وہ اس بیان کی اشاعت سے ایک یا دو دن قبل مجھ سے ملے تھے۔

سوال :۔ کیا خواجہ نذیر احمد نے دوبارہ کسی وقت مارچ کے مہینہ میں آپ سے ملاقات کی؟

جواب :۔ ہاں۔ وہ دوبارہ بھی مجھ سے ملے تھے۔ لیکن مجھے تاریخ یاد نہیں۔ وہ پہلی ملاقات کے ایک یا دو ماہ بعد ملے ہوں گے۔

سوال :۔ کیا انہوں نے آپ کو خواجہ ناظم الدین کا کوئی پیغام دیا تھا؟

جواب :۔ نہیں۔ انہوں نے خواجہ ناظم الدین کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے صرف یہ کہا تھا۔ کہ کراچی میں ان کی گفتگو بعض اہم شخصیتوں سے ہوئی ہے۔ میرا اپنا خیال یہ تھا کہ وہ گورنر جنرل سے ملے تھے۔

سوال :۔ کیا انہوں نے مولانا مودودی کا نام لیا تھا؟

جواب :۔ نہیں۔

تحریری درخواست جو منجانب حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ عدالت میں داخل کی گئی

جناب عالی!

مظہر کے بیان روبرو عدالت مؤرخہ ۱۴ر جنوری ۱۹۵۴ء میں چند جوابات چونکہ ایسے اصطلاحی الفاظ پر مشتمل تھے جو عام استعمال میں نہیں آتے۔ اس لئے اُن کا ترجمہ شاید پورے طور پر مظہر کے مفہوم کا حامل نہ ہو۔ یا بصورت دیگر فریقین غلط تعبیر کی کوشش نہ کر سکیں۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مظہر اپنے اصلی الفاظ کو دُہرا دے اور اپنا منشاء واضح کر دے۔

اس لیے درخواست ہے کہ مندرجہ ذیل جوابات بعد تصدیق صحت شامل مثل فرمائے جاویں۔

سوال بر صفحہ ۱۳ یہ ہے۔

سوال:۔ اگر لفظ بنیادی عام معنی میں استعمال ہو تو پھر؟

جواب:۔ عام مفہوم کے لحاظ سے اس لفظ کے معنی "اہم" کے ہیں۔ لیکن اس مفہوم کی رو سے بھی یہ اختلافات حقیقتاً "بنیادی" نہیں۔ اور انہیں فروعی کہا جاسکتا ہے۔

سوال بر صفحہ ۳۲ و ۳۳ یہ ہے:۔

سوال:۔ آپ نے تشریعی اور غیر تشریعی نبی کا فرق بیان کر دیا ہے۔ اب کیا آپ مہربانی کر کے ظلّی اور بروزی نبی کی تشریح فرمائیں گے؟

جواب:۔ اِن اصطلاحات کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص جس کی نسبت یہ اصطلاحات استعمال کی جائیں وہ بعض مخصوص صفات کا براہِ راست حامل نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے متبوع سے روحانی ورثہ پاتے ہوئے انعکاسی رنگ میں یہ صفات حاصل کرتا ہے۔

سوال بر صفحہ ۱۴ یہ ہے۔

سوال:۔ کیا آپ کے خیال میں مسیلمہ کذاب مرتد تھا؟

جواب:۔ ہاں۔ جب میں نے یہ کہا ہے کہ وہ مسلمان نہیں تھا۔ تو اس سے میری مراد یہی ہے کہ وہ تشریعی نبوت کے دعوے کے بعد مسلمان نہیں رہا تھا۔

دوسری تحریری درخواست مؤرخہ ۱۴؍جنوری ۱۹۵۴ء

جو منجانب حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ عدالت میں داخل کی گئی

جنابِ عالی!

میں نے کل جو بیان عصمتِ انبیاء کے متعلق دیا تھا۔ میرے دل میں شک تھا کہ شاید میں پوری طرح اپنے مافی الضمیر کو واضح نہیں کر سکا۔ عدالت کے بعد صدر انجمن احمدیہ کے وکلاء سے مشورہ کرنے پر انہوں نے بھی اس رائے کا اظہار کیا۔ اس لیے میں آج اس سوال کے متعلق اپنا اور جماعت احمدیہ کا عقیدہ بیان کر کے درخواست کرتا ہوں کہ میرے بیان میں کل کے درج شدہ الفاظ کی جگہ ان الفاظ کو درج کیا جائے۔

"بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے متواتر اور شدّت سے اپنی جماعت کو یہ تعلیم دی ہے کہ تمام انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ اور صغیرہ اور کبیرہ کسی قسم کا گناہ بھی اُن سے سرزد نہیں ہوتا۔ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ سردار انبیاء ہونے کے سب نبیوں سے زیادہ معصوم تھے۔ اور حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر دنیا کے آخری انسان تک کوئی شخص آپ کی معصومیت کے مقام کے قریب بھی نہیں پہنچا نہ پہنچ سکے گا۔ قرآن کریم نے آپ کی معصومیت کے مقام کی یہ ارفع شان بتائی ہے کہ آپ پر نازل شدہ کتاب قرآن کریم کے متعلق فرماتا ہے لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (پاک لوگوں کے سوا اس کتاب کے مضامین تک کوئی نہیں پہنچ سکتا) یعنی قرآن کریم کے سمجھنے کے لیے بھی ایک درجہ معصومیت کی ضرورت ہے۔ پس کیا شان ہو گی اُس ذاتِ والا کی جس کے دل پر ایسی عظیم القدر کتاب نازل ہوئی۔ اسی طرح فرماتا ہے کہ آپکو اللہ تعالیٰ نے مبعوث ہی اسی لیے فرمایا تھا کہ آپ اپنے ساتھ ملنے والوں کو پاک کریں۔ چنانچہ فرماتا ہے وَيُزَكِّيْهِمْ (اور یہ رسول اپنے مخاطبوں کو پاک کرے گا) اور آپ کے اہلِ بیت و آلِ مطہرہ کے متعلق فرماتا ہے کہ ہم ان کی طرف بُرائی منسوب کرنے والوں کے الزامات سے اُن کو پاک ثابت کریں گے۔ اور ان کی پاکیزگی کو ظاہر کریں گے۔ اور وہ دو حدیثیں بخاری اور مسلم کی جو میں نے بیان کی نقلیں رجن میں سے ایک میں رسولِ کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ یعنی تم لوگ اپنے دنیوی امور کو بہتر سمجھ سکتے ہو۔ اور دوسری میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص مجھے دھوکہ دے کر اپنے حق میں فیصلہ کروالے تو اگر وہ اس سے فائدہ اٹھا کر دوسرے کا حق لینا چاہے گا تو وہ آگ کھائے گا) وہ اس بات کے اظہار کے لیے بیان کی گئی تھیں کہ جو غیر مسلم مصنفین اس قسم کی حدیثوں سے آپ کی معصومیت کے خلاف استدلال کرتے ہیں وہ حق پر نہیں۔ ان احادیث میں آپ نے صرف اپنی بشریت کا اظہار کیا ہے ان سے آپ کی معصومیت کے خلاف استدلال کرنا درست نہیں اور جس شخص کے متعلق خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (جب تُو نے پھینکا تو تُو نے نہیں پھینکا بلکہ خود خدا ہی نے پھینکا) اس کا اپنی بشریت کا علی الاعلان اقرار اس کے درجہ کے بلند ہونے اور اس کے اخلاق کے بے عیب ہونے پر دلالت کرتا ہے کسی عیب یا نقص پر دلالت نہیں کرتا۔" تمّت (بحوالہ "تحقیقاتی عدالت میں حضرت امام جماعت احمدیہ کا بیان ازصفحہ ۳ تا ۴۸ ناشر: سندھ ساگر اکادمی۔ کراچی نمبر ۳ (پرنٹر سعید آرٹ پریس حیدرآباد)

پرمٹ نمبر ۳۲۳ اگست ۱۹۵۳ء

غیر از جماعت معززین کے شاندار تاثرات

سیدنا حضرت مصلح موعود کے اس بصیرت افروز بیان کا پبلک میں بہت چرچا ہوا۔ اور بہت سے غیر از جماعت معززین نے بھی اس پر شاندار الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا جس کا ذکر ہمیں اس دور کے خطوط سے ملتا ہے جو اُن دنوں بعض مخلصینِ جماعت نے حضرت اقدس مصلح موعود کی خدمت میں لکھے۔ اور جو یہ ہیں :۔

۱۔ جناب چوہدری شریف احمد صاحب باجوہ ایڈووکیٹ کرشن بھون، لیاقت علی روڈ، لائلپور[1] نے اپنے مکتوب مورخہ ۱۸ر جنوری ۱۹۵۴ء میں لکھا:۔

"میرے پیارے آقا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

حضور کا بیان چھپنے کے بعد آج ہی ہم لوگوں کو ملے ہیں۔ ہر وکیل جو ملتا ہے تعریف کرتا ہے۔

---

[1] حال فیصل آباد

بے حد تعریف اور اپنے اپنے رنگ میں ۔ کوئی اپنی خفت مٹانے کے لیے اپنے وکیلوں کو کوستا ہے اور اور کہتا ہے کہ پاکستان کا چوٹی کا وکیل ایسی جرح کے لیے چاہیے تھا ۔ کوئی کہتا ہے کہ ایسا مولوی تلاش کرنا تھا جس کو دینی و دنیوی علوم پر عبور ہوتا ۔ کوئی مظہر علی اظہر اور میکش کو کوستا ہے اور نالائق بیان کرتا ہے اور بعض یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ واقعی ایسا بیان ذہانت کا شاہکار ہے ۔ میر قیوم نے کہا کہ خیالات سے کوئی متفق ہو یا نہ ہو مگر بیان کو پڑھ کر یہ احساس شدید ہوتا ہے کہ بیان نہایت Straight[1] ہے اور پوری دیانت و امانت سے اپنی رائے کا اظہار ہے ۔ کوئی بات چھپائی نہیں ۔ کہنے لگا "مرزا صاحب کا عدالت میں آنا پاکستان کے تمام علماء کو کھلا چیلنج تھا کہ آؤ مجھ پر جس طرح کا چاہو سوال کر لو ۔ ان مولویوں کی زبردست شکست ہے کہ کچھ بھی اپنے مطلب کی بات پوچھ نہ سکے" ایک نے کہا کہ " یہ تو ثابت ہو گیا ہے کہ مرزا صاحب پاکستان میں واحد عالم ہیں ۔ بیان میں تناقض قطعاً نہیں" ایک نے کہا میں تو حیران ہوں کہ مرزا صاحب نے ایک دو سوال میں ہی جرح کرنے والے کو "Dirarm"[2] کر دیا" ایک نے کہا " واقعی مرزا صاحب نے کسی کو چلنے نہیں دیا" ایک نے باک وکیل نے کہا کہ "مرزا صاحب کے بیان سے تو اب بھی متفق نہیں مگر یہ تسلیم کر گیا ہوں کہ ایسا ذہین اور دیانتدار آدمی کوئی اور نہیں" ایک نے کہا کہ " میں اب بھی سمجھتا ہوں کہ مرزا صاحب کے عقیدے اور ہیں مگر جواب ایسے صحیح انداز میں دیئے ہیں کہ کسی کے پلے کچھ نہیں پڑا" لوگ حیران ہیں کہ اس قدر اختصار، اس قدر مختصر جواب، اور ایسے مشکل اور حیران کن مسائل کے متعلق ۔ ایک کہنے لگا کہ " یہ بیان تو مذہبی Terminalogy[3] کی ڈکشنری ہے" انگریزوں کی تعریف کے متعلق سوال کا جواب تو بے حد سراہا جاتا ہے ۔ کہتے ہیں " لو بھائی یہاں سے بھی بچ گئے" اس سوال کو توپ کا درجہ دیتے تھے ۔ باقی جنازہ ۔ نماز کے متعلق سوالوں کے جواب (پر) کچھ تنقیح نہیں کرتے ۔ ہر جواب کو لاجواب سمجھتے ہیں اور ملّاؤں کو گالیاں دیتے ہیں کہ اگر کچھ قرآن، حدیث اور کتب میں ان عقائد کے خلاف تھا تو کیوں نہ اس وقت مرزا صاحب کے پیش کیا ۔ بڑی مجلس جمی ہوئی تھی ۔ ایک وکیل نے کہا " بات سچی یہ ہے کہ مرزائیوں کے عقائد بڑے Ratianal[4] ہیں ۔ انہوں نے مذہب کو Ratialise

---

[1] صاف صاف اور دیانتدارانہ [2] غیر مسلح [3] اصطلاحات [4] عقل سے ہم آہنگ

کر دیا ہے اب ہم وہاں کیا پیش کرتے کہ عیسیٰ آسمان سے زندہ اترنا ہے۔ اس سائنس کے زمانہ میں کون مانے گا؟ گلے اپنے مولویوں اور وکیلوں پر درست نہیں۔ مرزائیوں کے عقائد عقل اور دلیل پر مبنی ہیں"۔ ایک ہنس کر کہنے لگا "مجھے تو ڈر ہے کہ منیر بھی مرزائی نہ ہو جاوے"۔

حضور میں نے یہ اس لیے لکھا کہ بیان کا اخبارات میں آنے سے قبل بے حد Suspense[1] تھی۔ لوگ سبھی اخبار کو چھینتے تھے کہ آج بیان آیا ہو گا۔ انگریزی کی اخبارات گاؤں گاؤں میں گئی ہیں حضور کا بیان پڑھنے کے لیے۔ اور لوگ ہم کو اپنے خیال کے مطابق ڈراتے تھے۔ اب پتہ چلے گا۔ اب پول کھلیں گے۔ اب حقیقت واضح ہو گی۔ اللہ نے ہماری مدد کی اور فتح مبین دی۔ کس قدر خوش قسمت ہیں کہ اپنی آنکھوں سے معجزہ پر معجزہ دیکھ رہے ہیں کس قدر روح پرور اور ایمان افروز یہ زمانہ ہے۔ اپنے میں تو کوئی ایسی خوبی نہیں۔ بزرگوں کی نیکی اور ایمان کی وجہ سے یہ دولت ہم کو ملی۔ خدا اس کی قدر و قیمت اور اہمیت (کا) صحیح احساس پیدا کرے اور ہمارا عمل درست ہو"۔

۲۔ جناب چوہدری محمد شریف صاحب وکیل منٹگمری[2] و امیر جماعت احمدیہ منٹگمری نے اپنے مورخہ ۱۹ر جنوری ۱۹۵۴ء میں لکھا:۔

"تحقیقاتی کمیشن کے رُو برُو حضور کے بیان کی جو روئیداد اخبارات میں چھپی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فضل کیا ہے کہ حضور کی شہادت ایسے رنگ میں ہوئی کہ مخالفین کے تمام اعتراضات خود بخود صاف ہو گئے ہیں۔ مجلس عمل والوں نے ہی حضور کو شہادت کے لیے بلوایا تھا اور ان کی اور مودودیوں کی تمام کی تمام تدابیر خاک میں مل گئیں۔ انہوں نے جو اعتراضات کی توپیں گاڑی ہوئی تھیں سب ساکت ہو گئیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان اور اُس کا نشان ہے"۔

۳۔ جناب گیانی عباد اللہ صاحب[3] ۲۱ر جنوری ۱۹۵۴ء کو لکھا:۔

"خاکسار دو چار دن سے لاہور آیا ہوا ہے۔ یہاں مجھے مختلف خیالات کے متعدد لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ آجکل یہاں پر جہاں بھی دو چار پڑھے لکھے لوگ جمع ہوں۔ حضور کے بیان کا تذکرہ

---

[1] انتظار کی پریشانی۔ [2] حال ساہیوال۔ [3] سکھ مذہب کے محقق، سابق مینجر روزنامہ "الفضل" ربوہ۔ گیانی صاحب موصوف اُن دنوں مکان نمبر ۵۳/۴ نزد اڈہ قلعہ میہاں سنگھ گوجرانوالہ میں بطور مبلغ مقیم تھے۔

ہوتا ہے۔ جن دنوں وہ بیان اخباروں میں چھپے ہیں اخبار ہاتھوں ہاتھ بکتے رہے۔ بلکہ مَیں نے سُنا ہے کہ بعض لوگوں نے تو اخبار زیادہ قیمت پر بھی خریدے ہیں۔ پڑھا لکھا طبقہ جن میں بعض کمیونسٹ بھی شامل ہیں یہ کہہ رہا ہے کہ اگر تو اسلام کی یہی تعلیم ہے جو حضور نے بیان کی ہے تو پھر یہ اسلام ایسا ہے جو مستقبل میں قابلِ قبول ہوگا۔ مولوی کا اسلام تو بہت گھناؤنا ہے۔ اس کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ مجھے جن مسائل سے متعلق لوگوں سے گفتگو کرنے کا موقعہ ملا ہے اُن میں سے ایک تو کفر و اسلام ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں کو کُفر و اسلام کی حضور کی یہ تشریح کہ یہ نسبتی چیزیں ہیں بہت پسند آئی ہے .... الغرض جہاں تک حضور کے بیان کا پڑھے لکھے لوگوں پر اثر ہے وہ بہت ہی شاندار ہے۔ اور اکثر لوگ حضور کے بیان کردہ مسائل پر سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں۔"

۴۔ جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر امیر جماعت احمدیہ ضلع لائل پور[1] نے اپنے مکتوب مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۵۴ء میں حضرت المصلح الموعود کی خدمتِ اقدس میں لکھا:۔

"حضور کے بیان کا اثر تعلیم یافتہ طبقہ پر بہت گہرا ہوا ہے۔ اتنا گہرا کہ اندازہ بھی مشکل سے ہو سکتا ہے۔ ایک سب جج جو بیان کے وقت عدالت میں موجود تھا۔ اس کا قول ہے کہ اگر ایمان مضبوط نہ ہو تو احمدی ہونے کو اس وقت جی چاہتا تھا۔ اس بیان سے بہت سی غلط فہمیاں احرار کی پھیلائی ہوئی دور ہو چکی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی مصلحت تھی کہ حضور کو بیان کے لیے طلب کیا گیا۔ بہت سے پیچیدہ مسائل کے حل ہونے کا لوگ اعتراف کرتے ہیں۔ غرضیکہ تائیدِ الٰہی اور نصرت بالرّعب کا سماں ہے والحمدللہ علیٰ ذالک۔ اپنی اخلاقی اور قانونی شکست کا بھی لوگ ذکر کرتے ہیں۔"

۵۔ محترم شیخ صاحب نے اس کے بعد اپنے مکتوب مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۵۴ء میں مزید لکھا:۔

"عاجز نے پہلے جو عریضہ حضور کے بیان کے متعلق عام لوگوں کے تأثرات کے بارہ میں لکھا تھا وہ لائلپور سے متعلق تھا نہ کہ صرف لاہور کے بارے میں۔

ا۔ واقعہ یہ ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگوں نے مجھ سے از خود کئی بار ذکر کیا ہے۔ یہاں بھی اور مقامات[2] میں بھی۔ کہ حضور کا بیان واضح صاف صاف۔ اور صداقت پر مبنی ہے۔ اور ہر لفظ

---

[1] حال فیصل آباد۔ [2] اسجگہ اصل خط میں "مقامات" لکھا ہے جو سہوِ قلم ہی ہو سکتا ہے۔

قانون کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ جبکہ مولویوں کی بے مائیگی اور جہالت ظاہر ہو چکی ہے۔

(۲) کل ہی کا واقعہ ہے کہ ایک وکیل نے جو مولویوں کے خاندان سے ہے اور دینی واقفیت رکھنے والا ہے۔ خود بخود مجھے کہا۔ کہ اس بیان کے بعد پڑھے لکھے لوگوں کو تو ضرور احمدی ہو جانا چاہیئے۔ مولویوں کے پاس خرافات کے سوا کچھ نہیں۔ یہ اظہار رائے اس نے از خود کیا۔ اسی طرح اور بہت سے لوگوں سے ذکر آیا۔

(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت کے بارے میں حضور کے بیان سے مُلّا طبع لوگوں (نے) غلط فہمی پھیلانی چاہی تھی۔ لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا۔ کے مطابق۔ لیکن معاً بعد درخواست جو دی گئی ہے۔ اس کا بہت عمدہ اثر نکلا ہے۔

(۴) بعض لوگوں کا یہ بھی خیال پایا گیا کہ یہ مُلّا ایک دفعہ پھر شور مچائیں گے۔ ابھی دبے ہوئے اور مجبور ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۵) حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی کتاب "ختمِ نبوّت کی حقیقت" بھی بہت اچھا اثر پیدا کر رہی ہے۔ یہاں پر ہم نے -/۱۵۰ (روپے کی)[1] کتب تقسیم کی تھیں۔

(۶) ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چھوٹی چھوٹی کتب عمدہ طور پر طبع کروا کے مفت یا برائے نام اس وقت پھیلائی جاویں۔ کاغذ کی گرانی ایک مانع اس وقت ہے۔ یہ ضرور ہے کہ لوگ مسائل کی ٹوہ میں لگے ہوئے ہیں۔ بعض لوگ کتابیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایک بڑے زمیندار نے مجھ سے کہا کہ ہمیں کتابیں دو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم غفلت میں اپنی عاقبت خراب کر بیٹھیں"

۶۔ جناب عبدالجلیل صاحب عشرتؔ برادر مولانا عبدالمجید صاحب سالکؔ سابق ایڈیٹر روزنامہ "انقلاب" لاہور) نے مؤرخہ ۲۶ جنوری ۱۹۵۴ء کو ڈھاکہ سے حضور کی خدمت میں حسب ذیل مکتوب لکھا:۔

"حضور نے جو بیان تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے دیا ہے۔ اس کو یہاں کے اخبار "Morning News" نے شائع کیا ہے۔ حالانکہ اس اخبار نے پہلے کوئی بیان جو کمیٹی کے سامنے دیا گیا تھا۔ شائع نہیں کیا۔ ماشاء اللہ حضور کا بیان نہایت ایمان افزا۔ جرأت مندانہ۔ عالمانہ ہے اور الٰہی تائید

---

[1] یہ لفظ اصل مکتوب میں نہیں ہیں۔ بغرض وضاحت اضافہ کیے گئے ہیں (ناقل)

اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ مکرمی چوہدری صاحب کا بیان بھی اس اخبار نے شائع کیا ہے۔ وہ بھی بہت عمدہ ہے اللہ تعالیٰ اس تحقیقات کے نتائج جماعت احمدیہ کے لیے بے شمار برکات و حسنات کا موجب بنائے آمین۔"

۷۔ جناب مسعود احمد خاں صاحب دہلوی اسسٹنٹ ایڈیٹر روزنامہ "المصلح" کراچیؐ نے مورخہ ۱۸ر مارچ ۱۹۵۴ء کو درج ذیل مکتوب حضور کی خدمت اقدس میں لکھا جس میں کراچی کے حلقوں میں عدالتی بیان کی نسبت جو تاثرات اُبھر رہے تھے اُن کا تذکرہ کیا:۔

۱۔"آج کل یہاں حضور کے عدالتی بیان کا بہت چرچا ہے خصوصاً اُردو کے اخبارات صبح ہی صبح سب فروخت ہو جاتے ہیں اور دوپہر کے بعد کسی قیمت پر بھی نہیں ملتے۔ ان دنوں یہاں لاہور کے اردو روزنامہ "ملت" کی مانگ بہت بڑھ گئی ہے۔

صبح نو بجے کے قریب یہ یہاں پہنچتا ہے اور پہنچتے ہی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتا ہے۔ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ "ملت" میں جو بیان چھپ رہا ہے وہ زیادہ صحیح اور مستند ہے۔ کل جب ایک بک سٹال پر "ملت" کا پرچہ مانگا گیا تو دکاندار نے بتایا کہ پرچہ آتے ہی بک جاتا ہے بعد میں لوگ ایک ایک روپیہ دینے کو تیار ہو جاتے ہیں پھر بھی انہیں پرچہ نہیں ملتا۔

۲۔ میں دفتر میں سے وقت نکال کر کل اور آج اخبار نویسوں سے ملنے پریس روم گیا تھا۔ اخبار نویسوں میں یہاں عام خیال یہی ہے کہ بیان بہت سوچ سمجھ کر دیا گیا ہے اور مذہبی عقائد کے لحاظ سے بہت Rational[ؔ] ہے۔ میں نے جن اخبار نویسوں سے بات کی انہوں نے کہا کہ عدالت میں پیش کردہ تحریری بیانوں کی وجہ سے غلط یا صحیح عام طور پر یہ تاثر پھیل گیا تھا کہ گویا حالات سے ڈر کر احمدیوں نے عقائد میں تبدیلی کر لی ہے لیکن عدالت میں حضرت امام جماعت احمدیہ کے زبانی بیان کے بعد یہ غلط فہمی دُور ہو جانی چاہیئے کہ عقائد میں تبدیلی کی گئی ہے۔ زبانی بیان سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ تحریرات کو جو غلط معنی پہنائے جاتے تھے اُن کی تردید کر کے انہیں درست رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔"

ؐ بعد ازاں مدیر روزنامہ "الفضل" ربوہ :: ؔ معقول

عدالتی کارروائی کے دوران حضرت مصلح موعود کے سفرہائے لاہور

سیّدنا حضرت مصلح موعود نے عدالتی کارروائی کے دوران پانچ بار لاہور کا سفر اختیار فرمایا جس میں سے ایک سفر تو وہ تھا جو حضور نے اپنے عدالتی بیان کے لیے کیا۔ اور جو ۱۲ تا ۱۷ر جنوری ۱۹۵۴ء میں ہوا۔ دیگر سفر مندرجہ ذیل ایّام میں تھے:۔

۱۔ ۲۰ر نومبر تا ۲۶ر نومبر ۱۹۵۳ء

۲۔ ۲۹ جنوری تا ۴ر فروری ۱۹۵۴ء

۳۔ ۱۵ر فروری تا ۲۳ر فروری ۱۹۵۴ء

۴۔ ۲۶ر فروری تا یکم مارچ ۱۹۵۴ء[1]

یہ جملہ سفر حضور نے محض اس لیے اختیار فرمائے کہ وکلائے احمدیت اور علمائے سلسلہ کو ضروری ہدایات سے نوازیں اور ہر ضروری مرحلے پر براہِ راست راہنمائی اور نگرانی فرماتے رہیں۔ جس سے حضور کی کارروائی سے متعلق ذاتی دلچسپی ظاہر ہے۔

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ بابت سال ۵۴-۱۹۵۳ء صہ

چوتھا باب

تحقیقاتی عدالت میں صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے داخل کردہ تبصرے

تحقیقاتی عدالت میں صدر انجمن احمدیہ ربوہ کی طرف سے "مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے تحریری بیان پر تبصرہ[1]" "تحقیقاتی عدالت کے دس سوالات کے جوابات اور مولانا مودودی صاحب کے جوابات پر تبصرہ" نیز مجلس احرار کے تحریری بیان پر تبصرہ بھی شاملِ ریکارڈ کیا گیا[2] یہ ہر سہ تبصرے مولانا جلال الدین صاحب شمس نے تحریر فرمائے تھے۔ جن کو بعد میں "الشرکۃ الاسلامیۃ لمیٹڈ ربوہ" نے شائع کر دیا

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے بیان پر تبصرہ ایسا شاندار اور مدلل و مسکت تھا کہ غیر احمدی حلقوں میں بھی اس کو بہت پسند کیا گیا۔ جس کے ثبوت میں بطور نمونہ ایک خط درج ذیل کیا جاتا ہے جو سید محمد احمد صاحب جیلانی نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں لاہور سے ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۳ء کو لکھا تھا۔

مکرمی و محترمی جناب میاں صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

بعد اَدائے آداب کے عرض ہے کہ ویسے تو مَیں بہت عرصہ سے آپ کی جماعت سے واقف ہوں لیکن عملی کوئی وابستگی نہیں ہے گو میرا خیال ہمیشہ آپ کی جماعت کے لوگوں کے متعلق اچھا ہی رہا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مَیں نے ان کو اچھا ہی پایا ہے لیکن یہ راز مری سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسا کیوں ہے اور نہ ہی مَیں نے پورے طور سے سمجھنے کی کوشش کی ایک سرسری خیال میں تھا کہ یہ لوگ اچھے ہیں۔

پچھلے فسادات میں جو کچھ پنجاب میں ہوا اُس سے مَیں خوب واقف ہوں اور غالباً پنجاب کے ہر طبقہ

---

[1] یہ تبصرہ پہلے روزنامہ "المصلح" کراچی ۲ر دسمبر ۱۹۵۳ء / ۲ر فتح ۱۳۳۲ ہش کی ایک خاص اشاعت میں چھپا

[2] "رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ بابت سال ۵۴-۱۹۵۳ء" صفحہ ۳۳

کو اس کا علم ہے جو کچھ بھی ہوا اس کے متعلق ذکر کرنا مَیں مناسب نہیں سمجھتا لیکن مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے ہونے میں خدا تعالیٰ کا کچھ راز ہے اور اس راز کا افشاء ہونا بھی ضروری تھا جو اس رنگ میں ہوا۔ اس کے بعد مَیں نے یہ محسوس کیا کہ ہر طبقہ کے ذی علم اور ذی عقل بمع علمائے کرام دنیا کے سامنے اپنی اپنی قابلیت کے ساتھ نمایاں ہونے لگے اور بعض تو اس حد تک نمایاں ہوئے کہ ان کا اندرونی بھانڈا پھوٹ گیا۔ مَیں تحقیقاتی کمیشن کی تمام رپورٹوں کا بغور مطالعہ کر رہا ہوں اور اس کے ایک ایک لفظ کو پڑھتا ہوں ایک خاص قسم کی دلچسپی سی پیدا ہو گئی ہے۔ روزانہ کچھ نہ کچھ پڑھ کر دوسرے دن کے لیے پھر بے تاب ہو جاتا ہوں اس دوران میں مجھ پر ہر ایک کی پوزیشن اپنی عقل کے بموجب واضح ہو گئی اور مَیں نے تعصب کو بالائے طاق رکھ کر یہ ضرور سمجھ لیا ہے کہ حق پر کون ہے۔ یہ میرے لیے ایک عجوبہ بات ہوئی ہے اگر تحقیقاتی کمیشن نہ ہوتا تو شاید میری معلومات میں اتنا اضافہ نہ ہوتا اور نہ ہی میں بہت سی باتوں کو سمجھ سکتا تھا۔

مَیں نے مولانا مودودی صاحب کا بیان اخباروں میں پڑھا جو کہ انہوں نے عدالت میں داخل کیا ہے اور اس کے پڑھنے کے بعد مَیں نے محسوس کیا کہ مَیں اس سے متاثر ہوا ہوں لیکن کچھ دن کے وقفہ کے بعد اخبار ملت میں میری نظر سے وہ تبصرہ بھی گزرا جو کہ احمدیہ جماعت کی طرف سے عدالت میں داخل ہوا ہے۔ ابھی اس سلسلہ کی قسطیں باقی ہیں۔ مجھے یہ محسوس ہونے لگا کہ مولانا مودودی صاحب نے جو کچھ بیان فرمایا ہے وہ اس کے سامنے ماند ہے اور اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتا ہے مَیں نے جو تبصرہ پڑھا ہے اس میں دلائل اور براہین سے باتیں کی گئی ہیں نہ کہ یوں ہی۔ اس تبصرے کے پڑھنے کے بعد میرے مطالعہ میں بے انتہا اضافہ ہوا۔ بہت سے شکوک رفع ہوئے اور اب مَیں کم از کم اس مقام پر نہ رہا۔ جس پر میں تحقیقات سے پہلے تھا۔ اس کے علاوہ مَیں نے آپ کے عقیدہ کے متعلق سوالات کے جوابات بھی غور سے پڑھے ہیں جن سے مرے بہت سے شکوک رفع ہوئے ہیں۔ مَیں یہ سمجھتا ہوں اور انصاف کا بھی یہ ہی تقاضا ہے کہ جس طرح سے اسلامی جماعت کے لوگ مولانا مودودی صاحب کے بیان کو پمفلٹ کی شکل میں تقسیم کر رہے ہیں اس طرح مری خواہش بھی یہ ہے کہ آپ کی جماعت کی طرف سے اس تبصرے کو پمفلٹ کی شکل میں تقسیم کیا جاوے۔ میرا اس لکھنے کا منشاء صرف اور صرف یہ ہے کہ لوگ راستی اور امن کی طرف آجائیں اور ان کو کم از کم

یہ پتہ چل جائے کہ جس جماعت کے خلاف یہ ہنگامہ برپا ہوا اعتقادہ کم از کم امن اور صلح پسند ہے اور اس کے عقائد کم از کم اتنے اشتعال انگیزی سے بھرے ہوئے نہیں ہیں جتنا ان کو سمجھا جارہا ہے مجھے امید ہے کہ آپ ضرور اس سلسلہ میں بہتر سے بہتر جدوجہد فرمائیں گے اور جس طرح میرا دل و دماغ صاف ہو گیا۔

مَیں سمجھتا ہوں جو لوگ کہ فطرت صحیحہ کے مالک ہیں وہ بھی حقیقت سے آشنا ہو جائیں گے۔ مَیں ایک غیر احمدی ہونے کی حیثیت سے آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں اور آپ کے عقیدے کے مطابق میں آپ سے دعا کے لیے جرأت کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر آپ کی جماعت کا قدم سچائی پر ہے تو وہ مجھ پر بھی آشکار کر دے۔ فقط۔ والسلام۔ طالب دعا

(سید محمد احمد جیلانی۔ سابقہ انسپکٹر سنٹرل ایکسائز و لینڈ کسٹم

مکان نمبر ۵ گلی نمبر ۱ نہر و پارک۔ سنت نگر۔ لاہور۔)

کتاب "تحقیقاتی عدالت کے دس سوالوں کا جواب اور مولانا موذودی کے جوابات پر تبصرہ" کے مندرجات کا اندازہ کرنے کے لیے بطور نمونہ چند عنوانات ملاحظہ ہوں:۔

ظہورِ مسیحؑ و مہدیؑ کا ذکر قرآن اور حدیث میں، ظہورِ مہدیؑ کے متعلق احادیث، وفات مسیحؑ توفّی کے معنے، اجماع کی حقیقت، مسئلہ بُروز، قائد اُمّت کون ہوگا؟ دجّال کے خانہ کعبہ کے طواف سے مُراد، مسیح موعودؑ کے نبی ہونے کا ثبوت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیّین ماننا کیوں ضروری ہے؟ تفسیرِ "خَاتَمُ النَّبِیّٖن" "خَاتَمُ النَّبِیّٖن" اور احادیث، قرآن مجید کی رُو سے ڈائریکٹ ایکشن ناجائز ہے، احادیث کی رُو سے بھی ڈائریکٹ ایکشن جائز نہیں؟

ان سطور سے واضح ہے کہ تحقیقاتی عدالت کے نتیجہ میں جماعتِ احمدیہ کے لٹریچر میں کتنا شاندار اضافہ ہوا۔ حق یہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد اگرچہ سلسلہ احمدیہ کی طرف سے متعدد کتابیں اور رسائل فسادات پنجاب کے زمانہ تک اشاعت پذیر ہو چکے تھے مگر تحقیقاتی عدالت کی کارروائی کے نتیجہ میں چند ماہ کے اندر اندر جس قدر غیر معمولی محنت اور تحقیق و تفحّص کے ساتھ بنیادی اور اہم مضامین پر مشتمل مبسوط لٹریچر مرتب اور شائع کیا گیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

تفسیر قرآن و دیباچہ قرآن (انگریزی) کا فاضل جج صاحبان کو تحفہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے ۱۲ر فتح ۱۳۳۲ ہش/۱۲ر دسمبر ۱۹۵۳ء کو سیدنا حضرت مصلح موعود کی خدمت بابرکت میں حسب ذیل مکتوب لکھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

سیدنا!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

شیخ بشیر احمد صاحب کی تجویز ہے کہ جماعت کی خدمات دینی کا اثر پیدا کرنے کے لیے تفسیر قرآن مجید انگریزی کی دو جلدیں اور دیباچہ قرآن مجید انگریزی مطبوعہ امریکہ کے دو نسخے جج صاحبان کو تحفۃً پیش کر دیئے جائیں اور ترجمہ قرآن مجید بزبان سواحیلی اور ترجمہ بزبان ڈچ دکھا دیا جائے۔

سو حضور اس کی اجازت فرماویں۔ نیز ڈچ ترجمہ جو حضور کے پاس ہے وہ چند دن کے لیے عنایت فرماویں۔

خاکسار مرزا بشیر احمد   ۱۲/۱۲/۵۳

سیدنا حضرت مصلح موعود نے اپنے قلم مبارک سے یہ الفاظ لکھے

"مناسب ہوگا، مرے دل میں خود بھی یہ خیال آیا تھا"

چنانچہ حضرت امام ہمام کی اجازت سے جماعت احمدیہ کی طرف سے تفسیر قرآن اور دیباچہ قرآن (انگریزی) کا روحانی تحفہ فاضل جج صاحبان کو پیش کر دیا گیا اور سواحیلی اور ڈچ تراجم قرآن دکھا دیئے گئے۔

جناب مولوی عبدالرحیم صاحب اشرفؔ مدیر "المنبر" نے اس اہم واقعہ کا ذکر نہایت اثر انگیز الفاظ میں کیا ہے لکھتے ہیں:۔

(الف) "پہلا ضابطہ قیام وارتقاء یہ ہے وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ۔ ہر وہ چیز جو انسانیت کے لیے نفع رساں ہو اُسے زمین پر قیام وبقاء عطا ہوتا ہے.....

قادیانیت میں نفع رسانی کے جو جوہر موجود ہیں ان میں اوّلین اہمیت اس جدوجہد کو حاصل ہے جو اسلام کے نام پر وہ غیر مسلم ممالک میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ قرآن مجید کو غیر ملکی زبانوں میں پیش کرتے ہیں۔ تثلیث کو باطل ثابت کرتے ہیں۔ سید المرسلین کی سیرت طیبہ کو پیش کرتے ہیں۔ ان ممالک میں مساجد بنواتے ہیں اور جہاں کہیں ممکن ہو اسلام کو امن اور سلامتی کے مذہب کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔"

"غیر مسلم ممالک میں قرآنی تراجم اور اسلامی تبلیغ کا کام صرف اسی اصول "نفع رسانی" کی وجہ سے قادیانیت کے بقا اور وجود کا باعث ہی نہیں ہے۔ ظاہری حیثیت سے بھی اس کی وجہ سے قادیانیوں کی ساکھ قائم ہے۔ ایک عبرت انگیز واقعہ خود ہمارے سامنے وقوع پذیر ہوا ۱۹۵۴ء میں جب جسٹس منیر انکوائری کورٹ میں علم اور اسلامی مسائل سے دل بہلا رہے تھے اور تمام مسلم جماعتیں قادیانیوں کو غیر مسلم ثابت کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھیں قادیانی عین انہی دنوں ڈچ اور بعض دوسری غیر ملکی زبانوں میں ترجمۂ قرآن کو مکمل کر چکے تھے اور انہوں نے انڈونیشیا کے صدر حکومت کے علاوہ گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمد اور جسٹس منیر کی خدمت میں یہ تراجم پیش کئے گویا وہ بزبان حال وقال یہ کہہ رہے تھے کہ ہم ہیں وہ غیر مسلم اور خارج از ملتِ اسلامیہ جماعت جو اس وقت جبکہ ہمیں آپ لوگ "کافر" قرار دینے کے لیے پَر تول رہے ہیں، ہم غیر مسلموں کے سامنے قرآن اُن کی مادری زبان میں پیش کر رہے ہیں۔"[1]

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا اہم بیان

تحقیقاتی عدالت میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا بیان

۱۶ جنوری ۱۹۵۴ء کو ہوا جس سے ملک میں جماعتِ احمدیہ اور آپ کی ذات کی نسبت پھیلائی ہوئی متعدد غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا۔ اور نہایت برجستہ، پُر حکمت اور قانونی زبان میں پہلی بار عدالت اور عوام

---

[1] ہفت روزہ "المنبر" لائلپور (فیصل آباد) ۲ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۰ کالم ۱-۲ (گورنر جنرل پاکستان کی خدمت میں ولندیزی ترجمہ کا ایک نسخہ جماعت احمدیہ کے ایک وفد نے ۲۷ جنوری ۱۹۵۴ء کو پیش کیا تھا وفد کی قیادت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے کی (المصلح کراچی ۳۰ جنوری ۱۹۵۴ء ص۱)

کے سامنے بعض بنیادی ملکی اور دینی مسائل صحیح صورت میں سامنے آئے ۔ ذیل میں حضرت چوہدری صاحب کے اس فاضلانہ بیان کے ضروری حصے اخبار "ملت" سے درج کیے جاتے ہیں :۔

ا ۔ "لاہور ۔ ۱۹ رجنوری پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری ظفراللہ خاں نے فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت میں کہا ہے کہ قادیانیوں کے خلاف پوری تحریک کے دوران میں مَیں نے اس وقت کے وزیراعظم سے یہ بات مکمل طور پر واضح کر دی تھی کہ مَیں ایک لمحہ کا نوٹس ملنے پر بھی استعفٰا دینے کے لیے تیار ہوں۔ مجلس احرار کی جانب سے جرح کے دوران میں چوہدری ظفراللہ خاں نے کہا کہ مَیں نے یہ پیشکش اس لیے کی تھی کہ اس وقت کے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین اگر یہ سمجھیں کہ مَیں ایک بوجھ ہوں یا کسی اور وجہ سے مجھے مستعفی ہو جانا اور حکومت کو چھوڑ دینا چاہیے تو مَیں ایک لمحے کے نوٹس پر بھی علیحدہ ہونے کے لیے تیار تھا ۔

چوہدری ظفراللہ خان کو جماعت اسلامی نے گواہی کے لیے نامزد کیا تھا انہوں نے کہا کہ متعدد لوگوں نے تحریک کے زمانے میں مجھے یہ رائے دی تھی کہ مجھے اپنے عہدے سے استعفٰی دے دینا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے ملک کے باہر سے یہ تجویز نہیں موصول ہوئی تھی کہ مَیں چلا آؤں ... چودھری محمد ظفراللہ خاں سے سب سے پہلے جماعت اسلامی کی جانب سے چودھری نذیر احمد خان نے سوالات کیے ۔

انہوں نے سوال کیا کہ وہ پاکستانی کابینہ کے علم میں یہ سوال لائے ہیں کہ پاکستان میں ان کے فرقے سے کس طرح کا سلوک کیا جا رہا ہے اور اس سوال کا جواب اگر اثبات میں ہے تو یہ بتلایئے کہ آپ یہ بات کابینہ کے علم میں کب لائے تھے

چودھری ظفراللہ خان نے جواب دیا کہ جس وقت تحریک جاری تھی ممکن ہے مَیں نے اس سوال کے بعض پہلوؤں کا کابینہ میں ذکر کیا ہو۔ لیکن مَیں نے کابینہ سے یہ کبھی نہیں کہا کہ وہ اس پر ایک معینہ معاملہ کی حیثیت سے بحث کرے ۔

سوال :۔ کیا آپ کابینہ کے کسی اجلاس میں مرحوم لیاقت علی خاں کے علم میں یہ بات لائے تھے کہ آپ کے فرقے سے جس طرح کا سلوک کیا جا رہا ہے اس کے خلاف آپ کو بعض شکایتیں ہیں ۔ ؟

جواب :۔ مجھے کوئی بات قطعی طور پر یاد نہیں ہے ۔

سوال :۔ خواجہ ناظم الدین نے کہا ہے کہ ایسا مرحوم قائدِ ملت کے زمانے میں ہوا تھا کہ آپ کابینہ کے علم میں یہ بات لائے تھے کہ تین احمدیوں کو قتل کر دیا گیا ہے کیا یہ درست ہے؟

جواب :۔ مجھے یاد ہے کہ کسی معاملے کے سلسلے میں مَیں نے اس معاملہ کا ذکر موجودہ گورنر جنرل سے کیا تھا جو اس زمانے میں وزیر مالیات تھے۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت ہم ملک سے باہر تھے۔ اپنی واپسی پر انہوں نے اس معاملہ کا ذکر اس وقت کے وزیر اعظم سے کیا تھا اور ممکن ہے کہ اس کے پیشِ نظر کوئی تحقیقات کی گئی ہو۔

سوال :۔ کیا آپ کے علم میں پاکستانی کابینہ نے ، ۱۸ اگست ۱۹۵۲ء کو یا اس کے لگ بھگ تحریک پر بحث کی تھی؟

جواب :۔ مَیں اگر کراچی میں ہوتا اور مجھے کابینہ کے اجلاس کی اطلاع نہ دی جاتی تو کابینہ کا کوئی باقاعدہ اجلاس نہیں ہو سکتا تھا لیکن میرا خیال ہے کہ بعض مواقع پر خواجہ ناظم الدین نے اپنے بعض رفقاء کو تحریک کے سلسلہ میں مشورے کے لیے بلایا تھا۔ ان مواقع پر مجھے نہیں بلایا گیا۔.......

سوال :۔ جہانگیر پارک میں یہ تقریر کرنے سے پہلے کیا آپ نے خواجہ ناظم الدین سے کوئی گفتگو کی تھی؟

جواب :۔ خواجہ صاحب نے مجھ سے اس بات کا ذکر کیا تھا کہ متعدد لوگوں نے اس جلسے میں میری شرکت پر اعتراض کیا تھا۔

سوال :۔ کیا انہوں نے آپ کی متوقع تقریر کے متعلق کچھ کہا تھا؟

جواب :۔ انہوں نے تجویز کیا تھا کہ مَیں اگر جلسے (میں) تقریر نہ کروں تو بہتر ہوگا۔

سوال :۔ آپ نے کیا کہا؟

جواب :۔ مَیں نے کہا کہ اب میرا تقریر نہ کرنا میرے لیے اُلجھن کا باعث ہوگا کیونکہ مقرر کی حیثیت سے میرے نام کا پہلے ہی اعلان کیا جا چکا ہے لیکن میں اگر اس پوزیشن میں نہ ہوتا تو ضرور ان کی تجویز منظور کر لیتا اور وہاں نہ جاتا۔ عدالت کے ایک سوال پر گواہ نے کہا کہ وہ ایک جلسہ عام تھا۔ مسٹر نذیر احمد کے سوالات دوبارہ شروع ہونے پر انہوں نے کہا کہ یہ پہلا جلسہ عام نہیں تھا جو اُن کے فرقے نے کیا تھا۔ ربوہ اور دوسرے مقامات پر متعدد عام جلسے ہوتے تھے.......

سوال: ۔ خواجہ ناظم الدین نے عدالت میں اپنی گواہی میں حسب ذیل الفاظ کہے ہیں :۔

"مجھے قطعی طور پر یاد ہے کہ ان سے ایک تبادلۂ خیال کے دوران میں چوہدری ظفراللہ خان نے مجھ سے اس بات کا ذکر کیا تھا کہ ان کے عقیدے کے مطابق میں کافر ہوں لیکن سیاسی معاشرتی اور دوسرے مقاصد کے پیش نظر وہ مجھے مسلمان سمجھ سکتے ہیں۔"

کیا آپ نے یہ کہا تھا ؟

جواب: ۔ عقیدے سے متعلق پوزیشن کی تشریح سے ممکن ہے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہو۔

عدالت نے گواہ سے کہا کہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جیکب آباد کی ایک مسجد کے خطیب مولوی محمد اسحٰق سے اگست ۱۹۴۹ء میں ایک گفتگو کے دوران میں انہوں (گواہ) نے اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ انہیں (گواہ کو) ایک کافر حکومت کا ایک مسلمان ملازم یا ایک مسلمان حکومت کا ایک کافر ملازم سمجھا جا سکتا ہے۔

یہ دریافت کرنے پر کہ یہ بیان کیا درست ہے ؟

چوہدری ظفراللہ خاں نے کہا کہ مجھے اس پر بہت زیادہ شک ہے ....

سوال: ۔ کیا خواجہ نذیر احمد نے آپ سے مارچ ۱۹۵۳ء میں ملاقات کی تھی ؟

جواب: ۔ ممکن ہے انہوں نے ملاقات کی ہو۔

سوال: ۔ کیا تینوں مطالبات کے متعلق فرقے کے امیر کی پوزیشن کی تشریح کے سلسلہ میں آپ دونوں میں گفتگو ہوئی تھی ؟

جواب: ۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ بعض تشریحات کے متعلق فرقے کے امیر سے ملاقات کی تھی یا ان کا ملاقات کرنے کا ارادہ تھا۔

گواہ نے کہا کہ انہوں نے بعض تشریحات تجویز کی تھیں اور میری رائے دریافت کی تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ میں اپنی رائے ظاہر نہیں کر سکتا اس لیے انہیں اس معاملہ پر فرقے کے امیر سے گفتگو کرنی چاہیئے۔

سوال: ۔ فرقے کے سلسلے میں آپ کی پوزیشن کیا ہے ؟ خواجہ نذیر احمد آپ سے ملنے کیوں گئے تھے ؟

جواب: ۔ میں ایک معمولی رکن ہوں اور فرقے میں میری کوئی خاص پوزیشن نہیں ہے۔ مجھے معلوم

نہیں کہ خواجہ نذیر احمد اس معاملہ میں مجھ سے مشورہ کرنے کیوں آئے تھے۔؟

سوال:۔ کیا انہوں نے تجویز پیش کی تھی کہ امیر جماعت اگر عام مسلمانوں کو آئندہ کا فرنہ کہیں تو ممکن ہے مزید تبادلۂ خیال کے لیے بنیاد پیدا ہو جائے۔

جواب:۔ مجھے یہ یاد ہے کہ انہوں نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ وہ اور ان کے ایک رفیق پہلے ہی ربوہ جا چکے تھے اور امیر جماعت سے ملاقات کر چکے تھے اور انہوں نے اس موضوع پر ایک بیان جاری کر دیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے مجھ سے یہ تجویز پیش نہیں کی تھی۔ انہوں نے خیال ظاہر کیا کہ امیر جماعت نے جو بیان جاری کیا تھا اس سے اس پہلو کے متعلق پوزیشن واضح ہو گئی تھی۔

۔۔۔۔۔۔۔

سوال:۔ یہ کہا گیا ہے کہ لاہور جلد اور بار بار آکر اور اپنے فرقہ کو اس کے رویّہ کے متعلق مشورہ دے کر آپ نے اس تحقیقات سے متعلق معاملات میں بڑی سرگرمی سے حصّہ لیا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

جواب:۔ میں تحقیقات کے زیادہ تر حصّے میں ملک کے باہر رہا ہوں۔ ملک سے باہر جانے سے قبل میرے لاہور آنے کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ تحقیقاتی عدالت کے متعلق فرقے کو کیا رویّہ اختیار کرنا اور کیا رویّہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے نہ اس کا مقصد اپنے فرقے کے اراکین کو مشورہ دینا تھا۔

سوال:۔ کیا مذہبی امور میں آپ کو عام طور پر اپنے فرقے کے امیر سے اتفاق ہے؟

جواب:۔ جی ہاں۔ ان امور پر جن کا سختی کے ساتھ عقیدے سے تعلق ہے۔

سوال:۔ امیر جماعت کی کیا پوزیشن ہے؟

جواب:۔ عقائد کے متعلق وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ فرقے کے لیے قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔

سوال:۔ کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ نے قائد اعظم کی نماز جنازہ میں شرکت نہیں کی؟

جواب:۔ میں اصل نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوا لیکن میں جنازے کے جلوس کے ساتھ تھا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ نماز جنازہ مرحوم مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھائی تھی جن کے خیال کے مطابق میں کافر اور مرتد تھا۔ اور مجھے سزائے موت دے دینی چاہیئے تھی۔

سوال:۔ اس زمین کو حاصل کرنے کے لیے جس پر ربوہ واقع ہے کیا آپ کو کسی شکل میں ذریعہ بنایا

گیا تھا یا آپ نے فرقے کی کوئی مدد کی تھی ؟

جواب :۔ میرا خیال ہے کہ اراضی کے حصول کی اصل گفت و شنید میں کسی موقع پر مَیں نے کوئی حصّہ نہیں لیا تھا۔ اراضی کے حصول کے بعد بعض دشواریاں پیدا ہو گئی تھیں اور مجھے یاد ہے کہ مَیں نے ان کے متعلق مسٹر دولتانہ اور مسٹر دستی سے بھی بات کی تھی۔

سوال :۔ کیا آپ تقسیم سے پہلے مسلم لیگ کے رکن تھے ؟

جواب :۔ ۱۹۴۱ء میں فیڈرل کورٹ کا جج بننے سے پہلے میں مسلم لیگ کا رکن تھا مگر مرکزی کابینہ کی رکنیت کے دوران میں مَیں نے مسلم لیگ کی کارروائیوں میں سرگرمی سے حصّہ نہیں لیا تھا۔

سوال :۔ ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کی ہدایات کے مطابق کیا آپ نے اپنا خطاب واپس کیا تھا ؟

جواب :۔ مجھے اس طرح کی کسی ہدایت کا کوئی علم نہیں ہے لیکن مَیں نے تقسیم کے بعد عہدہ سنبھالنے کے بعد اپنا خطاب استعمال نہیں کیا ہے۔

سوال :۔ ایک شکایت یہ ہے کہ سرکاری دفاتر میں خواہ وہ آپ کی اپنی وزارت کے ہوں یا کسی دوسرے محکمے کے آپ اپنے فرقے کے اراکین کو ترجیح دیتے رہے ہیں ؟

جواب :۔ جہاں تک میری اپنی وزارت کا تعلق ہے پوزیشن یہ ہے کہ فارن سروس کے لیے مَیں خود کوئی تقرر نہیں کرتا۔ فارن سروس کے لیے تمام تقرریاں پبلک سروس کمیشن کی سفارش پر کی جاتی ہیں اس لیے میرے علم کے مطابق فارن سروس کے اسّی یا سو افراد میں سے احمدیہ فرقے کے صرف ۴ ارکان ہیں۔ ان میں سے ایک پہلے ہی سے وزارت میں تھا اور میرے خیال میں وہ بھارت سے آپٹ[1] کر کے آیا تھا۔ وہ تقسیم سے پہلے ہی سے سرکاری ملازم تھا۔ میرے وزیر خارجہ ہونے سے پہلے وہ وزارت میں تھا۔ ان میں سے ایک تقسیم سے پہلے ہونے والے مقابلے کے امتحان کے ذریعہ منتخب ہوا تھا۔ وہ بعد میں پبلک سروس کمیشن کے ذریعے منتخب ہوئے تھے۔ لیکن اپنے انتخاب کے وقت وہ دونوں سرکاری ملازم تھے۔ تقسیم کے بعد ملازم ہونے والے تین افراد میں سے دو کے متعلق مجھے ان کی ملازمت کے بعد تک یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ احمدی ہیں

---

[1] "سہوا" نے "لکھا ہے OPT (اختیار۔ انتخاب۔ پسند)

صرف ان دو اسامیوں پر مجھے خود کسی آدمی کو مقرر کرنے کا اختیار ہے۔ یعنی میرا پرائیویٹ سیکرٹری اور میرا پرسنل اسسٹنٹ اور ان دونوں اسامیوں میں سے ایک پر کبھی کوئی احمدی مامور نہیں ہوا۔ وزارت میں یا دوسرے ملکوں کی منسٹریل[1] اسامیوں کے لیے بھرتی سے مجھے کوئی تعلق نہیں ہے اور جہاں تک مجھے علم ہے ممالک غیر میں ہمارے مشن کی منسٹریل اسامیوں پر صرف تین احمدی ہیں ان میں سے کسی ایک کی بھرتی سے مجھے کوئی مطلب نہیں تھا۔ ان میں سے دو تقسیم سے پہلے منسٹریل اسامیوں پہ ملازم تھے اور میرا خیال ہے کہ تیسرے کو ملک کے باہر ہی بھرتی کیا گیا تھا۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے اس کے سرکاری ملازم ہونے کے کافی دیر بعد تک مجھے یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ احمدی ہیں۔

جہاں تک دوسری تمام وزارتوں میں سرکاری ملازمتوں پر افسروں کے گریڈ کی بھرتی کا تعلق ہے میرا خیال ہے کہ یہ بھی پبلک سروس کمیشن کے ذریعے ہوتا ہے۔ اور میں نے کسی شخص کی ملازمت کے لیے خواہ وہ احمدی ہو یا غیر احمدی براہِ راست یا بالواسطہ طور پر پبلک سروس کمیشن کے کسی رکن پہ اثر ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے مرکز یا صوبوں میں تقسیم سے قبل یا اس کے بعد پبلک سروس کمیشن کا چیئرمین یا اس کا رکن احمدی نہیں ہوا۔

سوال:۔ کیا وزارتِ صنعت کے ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل چوہدری بشیر احمد اور محکمہ خوراک کے جائنٹ سیکرٹری شیخ اعجاز احمد آپ کے دوست اور احمدی ہیں؟

جواب:۔ جی ہاں! وہ میرے دوست اور احمدی ہیں۔ شیخ اعجاز احمد اب ریٹائرڈ ہو چکے ہیں۔

سوال:۔ کیا آپ نے انہیں پہلے سرکاری ملازمت دلائی تھی؟

جواب:۔ جی نہیں"[2]

۲۔" فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت میں وزیر خارجہ پاکستان چوہدری محمد ظفر اللہ خان نے

---

[1] Ministerial وزارتی [2] اخبار روزنامہ "ملت" لاہور مؤرخہ ۱۲ جنوری ۱۹۵۴ء صفحہ ۵

مارشل لاء کے ایام میں مرزا ناصر احمد (صاحب) اور مرزا شریف احمد (صاحب) کی سزا یابی کے اسباب کے متعلق عدالت کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا جہانتک مجھے علم ہے ان پر یہ الزام تھے۔

مرزا ناصر احمد (صاحب) نے مارشل لاء کے ایک حکم پر عمل نہ کیا تھا اور اپنے اسلحہ کا اعلان نہ کیا تھا چونکہ ان کے پاس باقاعدہ اجازت نامہ موجود تھا لیکن ان کے مکان کی تلاشی لی گئی اور ان کی بیگم کے صندوق سے ایک مرصع خنجر برآمد کر لیا گیا۔ جو کہ ایک خاندانی نشانی کے طور پر موجود تھا کیونکہ ان کی بیوی کے والد کا تعلق مالیر کوٹلہ خوانین سے تھا۔ وہ نواب سر ذوالفقار علی مرحوم کے بڑے بھائی تھے اور نواب آف مالیر کوٹلہ سے ان کی قریبی رشتہ داری تھی۔ یہ خنجر شادی پر باپ نے اپنی بیٹی کو دیا تھا اس بناء پر ان کی بیوی نے دوسرے جواہرات کے ساتھ یہ مرصع خنجر بھی اپنے صندوق میں رکھ چھوڑا تھا۔ مرزا ناصر احمد ایم اے (اوکسن) پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کو ۵ سال قید بامشقت اور دس ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا دی گئی۔ مرزا شریف احمد کی سزا کا پس منظر بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ انہوں نے اپنے اسلحہ کی اطلاع دے دی تھی اور اس کا پرمٹ حاصل کر لیا تھا۔ ان کے مکان کی تلاشی لی گئی وہ پریسیژن مینوفیکچرنگ کمپنی کے مینجنگ ڈائریکٹر تھے۔ کمپنی کے پاس مینوفیکچرنگ کے لیے لائسنس موجود تھا۔ اس رجسٹرڈ کمپنی کا دفتر ان کے مکان کے ایک کمرے میں تھا۔ پچھلے سال فوجی حکام کی طرف سے سنگینوں کا نمونہ پیش کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی لیکن بعد ازاں یہ نمونہ اس رپورٹ کے ہمراہ واپس کر دیا گیا کہ جس قسم کی خصوصیات درکار تھیں یہ اس کے مطابق نہیں۔ اس رپورٹ میں نمونہ کی خامیوں کی طرف بھی اشارہ کیا گیا تھا اور یہ نمونہ کے ساتھ منسلک تھی چنانچہ اس حالت میں الماری سے جو کمپنی کے رجسٹرڈ دفتر میں موجود تھی یہ نمونہ برآمد کر لیا گیا اس نمونہ کی بناء پر مرزا شریف احمد کو ایک سال قید بامشقت اور دس ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا دی گئی۔ ...... مجلس احرار کی طرف سے مسٹر مظہر علی اظہر نے جرح کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا انہوں نے احمدی ہال کراچی میں (دستاویز ڈی۔ ای۔ ۱۱۹) تقریر کی تھی۔

چوہدری ظفر اللہ خان نے جواب دیا میں نے کئی موقعوں پر جمعہ کا خطبہ دیا ہے بعض اوقات میں نے اپنی جماعت کے اجتماعات کو بھی خطاب کیا ہے۔ یہ رپورٹ امکانی طور پر صحیح نہیں کیونکہ اس

میں دو ایک واقعات کو جن کا میں نے ذکر کیا غلط رنگ میں پیش کیا گیا اور جہاں تک اپنے عہدہ کے متعلق میرے رویّہ کا تعلق ہے میں اسے ایک بہت بڑا اعزاز سمجھتا ہوں جو خدا وند تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے یہ چیز قابلیت اور صلاحیت کی بناء پر نہیں میں اسے ایک امانت تصوّر کرتا ہوں اور ذمہ داری بھی۔ جسے میں معمولی نہیں سمجھتا اور دوسری طرف یہ بالکل واضح ہے کہ وزیر اعظم اپنے کسی ساتھی سے استعفےٰ طلب کر سکتے ہیں جب یہ تحریک شروع ہوئی تو میں نے نہایت واضح لفظوں میں اس وقت (کے) وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کو یہ بتایا تھا کہ اگر وہ بار سمجھیں تو میں علیحدہ ہونے کے لیے ہر وقت تیار ہوں جہاں تک اس رپورٹ کا تعلق ہے اتنا حصہ بالکل صحیح ہے اور میری پوزیشن کو واضح کرنا ہے"۔[1]

"مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش نے مجلس عمل کی طرف سے جرح کی۔

سوال:۔ ۱۹۴۷ء میں جب آپ اقوام متحدہ کے اجلاس میں شرکت کے جنیوا گئے تھے کہا جاتا ہے کہ عرب ڈیلی گیٹوں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ اپنے قیام میں چند دن کی توسیع کر دیں تو آپ نے انہیں کیا جواب دیا تھا۔؟

جواب:۔ اس سوال کا اصطلاحی جواب یہ ہے کہ اقوام متحدہ کی اسمبلی کا کوئی اجلاس ۱۹۴۷ء میں جنیوا میں منعقد نہ ہوا تھا۔ اجلاس نیویارک سے باہر منعقد ہوا تھا لیک سکس اور فلشنگ میڈوز میں۔ اس سوال میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے۔ فلسطین کا مسئلہ اجلاس میں پیش ہوا۔ اس پر خوب بحث ہوئی اور کمیٹیوں میں اس پر آراء شماری بھی ہوئی۔ ان میں سے ایک سب کمیٹی کا میں صدر تھا۔ اجلاس کے خاتمہ پر عرب ریاستوں کے نمائندوں کو معلوم ہوا کہ میں اجلاس کے خاتمہ سے پہلے واپس جانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے درخواست کی کہ میں اجلاس کے خاتمہ تک وہاں رہوں میں اس وقت نواب بھوپال کا آئینی مشیر تھا۔ پاکستان کی حکومت کا میں رکن نہ تھا۔ درحقیقت بہت سا کام ختم ہو چکا تھا۔ پاکستانی ڈیلی گیشن کے دو ممبروں کو خود میں نے واپس پاکستان جانے کی اجازت دے دی تھی اگر میں اس وقت آ جاتا تو بھی ہمارے ڈیلی گیشن کے دو تین ارکان وہاں تھے جو اس قسم کی رسمی کارروائی کی نمائندگی کر سکتے تھے جب میں وہاں تھا۔

---

[1] روزنامہ "ملت" لاہور ۲۲ جنوری ۱۹۵۴ء صہ ۲

مشرقی پنجاب میں ہولناک قسم کے فسادات شروع ہوئے اور مسلمانوں پر ظلم وستم توڑے گئے ۔ قادیان کئی سال سے میرا گھر تھا ۔ اس پر بھی حملہ کیا گیا ۔ میرا گھر لوٹ لیا گیا ۔ میری عدم موجودگی میں میری ایک ہی بہن کا انتقال ہو گیا ۔ مجھ سے چھوٹا بھائی تپ دق کا شکار ہو رہا تھا ۔ یہ سب باتیں تھیں جن کی بناء پر مجھے جلد آنا تھا ۔

جب سے میں نواب بھوپال کا ملازم ہوا تھا میں نے اپنے وقت کا کافی حصہ پاکستان کے مفاد کے لیے وقف کیا ۔ پہلے سرحدی کمیشن میں کام کیا ۔ اس کے بعد اقوام متحدہ کی اسمبلی میں میں پاکستان کی نمائندگی کرتا رہا ۔ بھوپال میں میں نے بہت کم وقت صرف کیا ۔

جب عرب ڈیلی گیٹوں نے مجھ سے یہ کہا کہ میں کچھ دیر اور قیام کروں تو میں نے نواب بھوپال اور قادیان کی صورت حالات پر پوری روشنی ڈالی ۔ انہوں نے یہ تجویز کی کہ وہ نواب بھوپال اور صدر انجمن احمدیہ سے درخواست کریں ۔ وہ مجھے وہاں رہنے کی ہدایت کریں چنانچہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر انہوں نے ان دو اصحاب سے اجازت حاصل کر لی تو کیا میں ٹھہروں گا ؟ میں نے کہا میں غور کروں گا چنانچہ انہوں نے نواب بھوپال اور صدر انجمن احمدیہ کو تار ارسال کیے ۔ ان دونوں نے یہ ہدایت کی کہ میں جلسہ کے اختتام تک وہیں رہوں چنانچہ میں وہاں رہا ۔ جب میں واپس پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ میرا بھائی موت کے دروازے پر ہے میں کچھ کر سکا تو اتنا کہ اس کا ہاتھ دبا کر اسے ہمیشہ کے لیے الوداع کہی ۔ .... میرے نزدیک سوال یہ ہے کہ میں نے نواب بھوپال اور صدر انجمن احمدیہ کی بجائے کیوں نہ پاکستان گورنمنٹ سے مشورہ لینے کے لیے کہا اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا میں پہلے کہہ چکا ہوں میں نواب بھوپال کا ملازم تھا اور میری سرکاری ڈیوٹی وہاں لگائی گئی تھی ۔ میرا خاندانی مفاد قادیان میں تھا اور اسے شدید نقصان پہنچا ....

سوال : ۔ کیا آپ نے عرب ڈیلی گیٹوں کو کہا تھا کہ جب وہ صدر انجمن احمدیہ کو تار دیں تو لفظ "امیرالمومنین" لکھیں ۔؟

جواب : ۔ جی نہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ میں نے گفتگو کے دوران میں اپنے طور پر یہ الفاظ استعمال کیے ہوں ۔

سوال : ۔ کیا آپ انہیں یہ بتانا چاہتے تھے کہ پاکستان جیسے اسلامی ملک میں واقعی "ایک امیرالمومنین" ہے؟

جواب: ۔ جی نہیں۔

سوال: ۔ ۱۹۵۱ء میں جب آپ پاکستان کی نمائندگی کرنے کے لیے امریکہ گئے ہوئے تھے تو کیا آپ نے احمدیہ جماعت کی شائع کردہ تفسیر قرآن مجید کا ایک نسخہ صدر ٹرومین کو پیش کی تھی۔

جواب: ۔ میں ان دنوں واشنگٹن میں تھا۔ جب صدر ٹرومین نے قوم کے نام ایک پیغام دیا تھا۔ اس کے دوسرے دن ٹرومین سے میری ملاقات ہونے والی تھی چنانچہ اس ملاقات میں، میں نے ان کی تقریر پر کچھ تبصرہ کیا اور ایک دو اصول کے بارے میں جن کی انہوں نے وکالت کی تھی میں نے کہا کہ اس سلسلے میں قرآن مجید کی کچھ آئتیں یاد آگئی ہیں میں نے انگریزی میں انہیں وہ آئتیں سنا بھی دیں۔ صدر ٹرومین نے کہا کہ انہیں اس سے بڑی دلچسپی ہے اور وہ قرآن مجید میں یہ آئتیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ میں نے دوسرے دن قرآن مجید کے انگریزی ترجمے کی ایک جلد انہیں بھجوا دی۔ یہ جلد جو جماعت (احمدیہ) کی شائع کردہ تھی میں نے واشنگٹن ہی سے حاصل کی تھی۔

سوال: ۔ روزنامہ "زمیندار" میں جو چٹھیاں شائع ہوئی ہیں ان پر اپنے پتہ میں آپ نے اپنے نام کے ساتھ "سر" کے خطاب کا استعمال کیا ہے؟

جواب: ۔ ڈاک کی تقسیم میں سہولت کے لیے ایسا کیا گیا تھا۔

سوال: ۔ کیا سردار عبد الرب نشتر نے کابینہ کے ایک اجلاس میں جو اگست ۱۹۵۲ء میں منعقد ہوا اور جس کی صدارت آپ نے کی۔ آپ کو یہ کہا تھا کہ آپ کی جماعت ایک ایسی جماعت ہے جس کے متعلق مذہبی تبلیغ کی شکایات موصول ہو رہی ہیں؟

جواب: ۔ جب میں کابینہ کے اجلاس میں پہنچا تو ایک سیکرٹری نے مجھے بتایا کہ خواجہ ناظم الدین علیل ہیں اور وہ اجلاس میں شرکت نہ کر سکیں گے۔ انہوں نے مجھے ایک مسودہ دیا اور کہا خواجہ صاحب چاہتے ہیں کہ اسے کابینہ کے اجلاس میں مسودہ پیش کر کے منظور کرایا جائے میں نے اُسے پڑھا اس میں صرف ایک فرقہ کا ذکر تھا اور وہ احمدی فرقہ تھا۔ یہ اس لحاظ سے غیر منصفانہ تھا کیونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس پر سردار عبد الرب نشتر نے فرمایا کہ اعلان میں یہ درج نہیں لیکن اس قسم کی شکائتیں موصول ہوئی ہیں۔ میں نے اس پر جواب دیا کہ جہاں تک شکایت کا تعلق ہے یہ صرف ایک فرقہ کے خلاف ہے انہوں نے فرمایا کہ اگر کسی اور فرقہ کے متعلق اس قسم کی شکایت ہو تو ہم اس میں ترمیم کرتے

ہیں ۔ میں نے اس پر انہیں کہا کہ جماعتِ اسلامی ایک سیاسی جماعت ہے جس کے متعلق حکومت کی پالیسی واضح ہے کہ اگر کوئی سرکاری ملازم اس جماعت کا رکن بنے گا وہ قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا ۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ تو صرف پیش لفظ ہے ورنہ اعلان کا جو بدائتی حصہ ہے وہ سب فرقوں کے متعلق ہے .... ۔

سوال : ۔ آپ کو باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لیے کس نے مقرر کیا تھا ۔ ؟

جواب : ۔ مجھے قائدِاعظم نے بھوپال سے بلایا تھا اور کہا تھا کہ میں باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کروں ۔

سوال : ۔ کیا آپ نے باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنے دلائل میں یہ کہا تھا کہ احمدی مسلمانوں سے الگ ایک فرقہ ہیں ۔ ؟

جواب : ۔ جی نہیں جہاں تک مجھے یاد ہے باؤنڈری کمیشن سے خطاب کے دوران میں اگر میں نے قادیان، احمدیہ تحریک یا احمدیہ فرقے کے متعلق کوئی ذکر کیا ہو تو وہ اس دلیل کو وزنی بنانے کے لیے تھا کہ ضلع گورداسپور کو مغربی پنجاب کا ایک حصہ ہونا چاہیئے اور اُسے پاکستان میں ہی ہونا چاہیئے"۔

سوال : ۔ جہانگیر پارک میں آپ کی تقریر کے لیے " زندہ مذہب " کا موضوع کس نے منتخب کیا ؟

جواب : ۔ میں نے خود ۔

سوال : ۔ آپ نے یہ موضوع کیوں چنا ؟

جواب : ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کو دوسرے مذاہب سے نمایاں کرنے والی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اسلام میں بنیادی تعلیمات کو تازہ رکھنے کے ذرائع اور قرآن سے اس قسم کے فلسفے کو جس کی ضرورت وقتاً فوقتاً ہو پیش کرنا ہے کسی اور مذہب میں یہ خصوصیت نہیں دوسرے مذاہب تو صرف انسانی تاریخ کی وقتی ضرورت کے لیے تھے ۔

سوال : ۔ مولانا میکش نے اپنی جرح میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اقوامِ متحدہ کے سامنے آپ عربوں کا مقدمہ پیش کرنا نہیں چاہتے تھے کیا پاکستان کے نمائندے کی حیثیت سے آپ نے اقوامِ متحدہ میں اب تک کبھی ایسے معاملات میں کوئی دلچسپی لی ہے ۔ جو دنیائے اسلام کے لیے کوئی

اہمیت رکھتے ہوں؟

جواب: ۔جس دن سے پاکستان اقوام متحدہ کا رکن بنا ہے میں جنرل اسمبلی میں پاکستانی وفد کی قیادت کرتا آرہا ہوں ۔جب کبھی وہاں مسلمانوں کے عام مفاد کا مسئلہ آیا ہے مثلاً مسئلہ فلسطین ۔ مسئلہ لیبیا ۔ اریٹریا ۔ سمالی لینڈ ۔ مراکش اور تیونس ان تمام مسائل میں میں نے ذاتی دلچسپی لی اور میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کی طرف سے ان ممالک کے مقدمات کی پیروی کو نہ صرف ان ممالک نے بلکہ دیگر تمام مسلم ممالک نے بھی سراہا اور اس کی تعریف بھی کی ۔

سوال: ۔سان فرانسسکو میں آپ نے جو تقریر کی تھی وہ آپ کو یاد ہے ؟

جواب: ۔ جی ہاں ۔

سوال: ۔ کیا آپ نے اس تقریر میں اسلام کے متعلق کچھ کہا تھا؟ اگر کچھ کہا تھا تو کیا اس تقریر میں ایک فرقہ وارانہ رجحان کی جھلک نہ تھی؟

جواب: ۔ جاپانی معاہدے کا ایک پہلو جو ان ممالک میں بھی بحث و تحیص کا موضوع بن گیا تھا ۔ جو اس معاہدے کے حق میں تھے ، وہ یہ تھا کہ جاپان سے بہت فیاضانہ سلوک کیا جارہا ہے ۔ دوسری طرف ایک یہ رجحان تھا کہ انسانی تاریخ میں ایک مفتوح دشمن سے امریکہ کے فیاضانہ سلوک کو انسان تاریخ کا ایک بے مثال واقعہ قرار دیا جائے ۔ اس پر میں نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ایک مفتوح دشمن کے ساتھ ایک فیاضانہ معاہدے کی سب سے درخشاں مثال وہ حسن سلوک ہے جو پیغمبر اسلامؐ نے مفتوح قریش کے ساتھ معاہدہ مکّہ کے موقع پر کیا تھا ۔ میری اس تقریر کا نہ صرف ان مدبروں پر جو وہاں جمع تھے بلکہ سارے امریکہ پر گہرا اثر ہوا ۔ کیونکہ یہ تقریر سارے امریکہ پر نہ صرف نشر کی جارہی تھی بلکہ ٹیلی ویژن پر اس کارروائی کا منظر بھی دکھایا جارہا تھا ۔ اس صدا کی ایک بازگشت جو مجھ تک پہنچی اور جس کا احداث نعمت کے طور پر میں ذکر کررہا ہوں وہ یہ ہے کہ جب اس معاملے پر آسٹریلیا کی پارلیمنٹ میں بحث ہوئی تو اپوزیشن پارٹی نے اس معاہدے پر دکھائی ہوئی فیاضی کی طرف حکومت کو متوجہ کیا ۔ جس کے جواب میں برسراقتدار پارٹی کے ایک رکن نے اپنی تقریر میں کہا کہ اس موقعہ پر انہیں اس سپرٹ پر عمل کرنا چاہیئے ۔ جس پر پیغمبر اسلامؐ نے فتح مکّہ کے موقعہ پر عمل کیا تھا ۔ مجھے یقین ہے کہ یہ حوالہ میری تقریر ہی سے دیا گیا تھا ۔

سنہ ۱۹۵۱ء میں جنرل اسمبلی کے اجلاس پیرس میں میں نے جو تقریر کی تھی اس پر جماعت اسلامی کی نکتہ چینی کا میں جواب دینا چاہتا ہوں جس میں میں نے ایک برطانوی نو آبادی میں ایک احمدی کے ساتھ بدسلوکی کا شکوہ کیا تھا۔ میں نے مسلمانوں کے اس مفاد کا کوئی ذکر نہیں کیا جس میں مسلمانوں کے مفادات مغربی ممالک کے خلاف تھے۔ میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ میری اس تقریر کا زیادہ تر حصہ نوآبادیاتی نظام کے دونوں سیاسی اور اقتصادی پہلوؤں کی مذمت سے متعلق تھا۔ وہ مذمت بہت پُر زور تھی اور اسے بڑے جوش سے ظاہر کیا گیا تھا اس مذمت کے سلسلے میں نوآبادیاتی نظام کی دفتریت کے تکبر کی مثال دیتے ہوئے میں نے ایک برطانوی نوآبادی میں ایک پاکستانی کے ساتھ بدسلوکی کی مثال دی۔

میں حلفیہ تو نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں اس وقت اپنے حافظے کو تازہ نہیں کر سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ اس میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا تھا۔ کہ وہ شخص احمدی تھا۔ بہرحال اس واقع کا ذکر صرف نوآبادیاتی نظام کی برائیوں کے اظہار کے لیے کیا گیا تھا"

"اسی اجلاس کے دوران میں مراکش اور تیونس کے مسئلے کو ایجنڈا میں شامل کرنے کا سوال پیش ہوا۔ اس موقع پر میری ہی تقریر سب سے نمایاں تھی جس میں میں نے امریکہ اور دیگر ان ممالک کے طرزِ عمل کی مذمت کی تھی جو ان مسائل کو ایجنڈا میں شامل کرنے کے خلاف تھے۔

مجھے خاص طور پر یہ بات بھی یاد ہے کہ میں نے جب سے یہ کہا کہ اگر ان مسائل پر غور کرنے سے انکار کیا گیا تو مراکش میں قتل و خون ہوگا۔ اور اس کی تمام تر ذمہ داری امریکی مندوب پر ہوگی جس نے مجھ سے پہلے تقریر کی تھی۔ جس شدت کے ساتھ اس کی مذمت کی گئی تھی اس کے باعث امریکی مندوب کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ ان حالات میں یہ کہنا بڑی ناانصافی کی بات ہے کہ میں نے ایک احمدی کی وکالت کی جس کے ساتھ بدسلوکی ہوئی تھی مگر عام مسلمانوں کے مسائل کی طرف کوئی توجہ نہیں دی"

لہ روزنامہ "ملت" لاہور مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۵۴ء صٹ

وکلائے احمدیت کے زوردار بیانات

سیدنا حضرت المصلح الموعود کے ایمان افروز عدالتی بیان کے بعد جس سے کمرۂ عدالت ہی میں نہیں پریس میں بھی احمدیت کا ملک گیر چرچا ہوا، علمی اعتبار سے سب سے زیادہ اہمیت وکلائے احمدیت کے زوردار بیانات کو حاصل ہے۔

اس معزز عدالت میں صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے نمائندگی کی سعادت جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ (سابق امیر جماعت احمدیہ لاہور) اور خالدِ احمدیت ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتی پلیڈر امیر جماعت احمدیہ گجرات کو نصیب ہوئی۔

جناب شیخ بشیر احمد صاحب نے ۲۲، ۲۳ اور ۲۴ فروری ۱۹۵۴ء کو مفصل بیان دیا جس میں (اخبار "ملت" لاہور کے نامہ نگار کے مطابق) آپ نے نہایت واشگاف الفاظ میں اپنے اس دعویٰ کے دلائل پیش کیے کہ یہ ایک غیر متنازعہ حقیقت ہے کہ فسادات احرار نے کرائے تھے۔ نیز یہ کہ مطالبات مقصد کی دیانتداری پر مبنی نہیں تھے اور پاکستان کو ختم کرنے کے لیے مذہب کو آلہ کار بنایا گیا تھا اور جماعتِ اسلامی نے ایسا طریق کار اختیار کیا کہ اس کے اراکین اس بات کے قائل ہوجائیں کہ حکومت کا تختہ الٹ دینا ان کی مذہبی ذمہ داری ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ مولانا مودودی اور ان کے پیرو پوری طرح سے محسوس کرتے تھے کہ تحریک جس نے . . . . حکومت کی تساہلی اور بے عملی کی وجہ سے شدت اختیار کرلی تھی ریاست کے وجود کو خطرے میں ڈال دے گی۔ اور ملک میں وسیع پیمانے پر ایسے ہولناک فسادات ہوں گے جو تقسیم سے پہلے کے ہندو مسلم فسادات سے بھی زیادہ سنگین ہوں گے۔ انہوں نے دولتانہ حکومت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ جماعت احمدیہ نے تحریک کے خطرناک رُخ کے امکانات کی طرف حکومت کی توجہ وقتاً فوقتاً مبذول کرائی۔ لیکن پہلے سے منصوبہ تیار کرکے چلائی جانے اور مذہب کے نام پر اٹھائی جانے والی تحریک کے محرکین کے خلاف کوئی مؤثر اقدام نہ کیا گیا۔ نہ اشتعال انگیز پراپیگنڈے کے روکنے کے لیے کوئی کارروائی کی گئی۔ اور تحریک کے خطرناک مضرات سے واقف ہونے کے باوجود شورش کو بڑھ جانے کا موقع دیا گیا۔ اور سزا پانے والے لیڈروں کی رہائی اور دفعہ ۱۴۴ اٹھا لینے کے باعث صورتِ حال بد سے بدتر ہوگئی۔ انہوں نے کہا مجھے نیک نیتی کیساتھ

یقین ہے کہ عام لوگ دلائل کے ساتھ قائل کیے جا سکتے تھے اور انہیں ان افسوسناک واقعات کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا جن کا منتہیٰ لاہور میں مارشل لاء کا نفاذ تھا۔ دراصل عوام کے مذہبی شعور کے محافظ ہونے کے دعویداروں نے اپنی اشتعال انگیز تقریروں سے اس تحریک کو ہوا دی جس کی وجہ سے جان و مال کا نقصان ہوا پس احمدیوں پر الزام لگانا دراصل اپنے احساسِ گناہ کو معقول بنانے کی کوشش کے مترادف ہے۔ آپ نے فرمایا احمدی جماعت کے ہر رُکن کی تن من دھن سے یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ پوری دنیا کو اپنے مذہبی نظریات پر لے آئے۔ احمدی سچے اسلام کو پیش کرتے ہیں اور قرآن مجید نے ہر مومن کو حکم دیا ہے کہ وہ اس حق و صداقت کا مشعل بردار بن جائے جس کی تبلیغ حضرت رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور جسے آنحضرتؐ ہی نے دنیا میں پھیلایا تھا۔ اس مقصد کا حصول روحانی فتح کے سوا کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جماعت احمدیہ کا اصل مقصد عیسائیوں کو مشرف بہ اسلام کرنا ہے۔[۱]

تحریکِ احمدیت کے علم کلام کی حقانیت ثابت کرنے اور اعتراضات کے جوابات کی حقیقت واضح کرنے کا فریضہ ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؔ کے سپرد تھا جسے انہوں نے نہایت عمدگی اور پُر شوکت اور پُر اثر رنگ میں ادا کیا۔ "خالدِ احمدیت" کا بیان اپنے اندر اس درجہ گہری تحقیق اور غیر معمولی تفحص کا رنگ لیے ہوئے تھا کہ فاضل جج صاحبان آپکی قابلیت اور لیاقت پر عش عش کر اُٹھے اور اپنی رپورٹ میں آپ کا نام لے کر آپ کا شکریہ ادا کیا بلکہ آپ کی نسبت لکھا کہ آپ نے "کتبِ قدیمہ کی تلاش و تجسس میں بڑی محنت کی ہے"۔[۲]

خالدِ احمدیت مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ آپ کی خدماتِ جلیلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"تحقیقاتی عدالت کے سلسلہ میں بھی انہوں نے ہمارے ساتھ چھ سات ماہ کام کیا۔ روزانہ گجرات سے لاہور آیا کرتے اور آخری بحث میں بھی حصہ لیا۔ بحث کے لیے تحقیقاتی عدالت نے دوسروں کی نسبت سے ہمیں تھوڑا وقت دیا تھا۔ لیکن خادمؔ صاحب مرحوم نے تھوڑے سے وقت میں نہایت

---

[۱] اخبار "ملت" لاہور ۲۴، ۲۵، ۲۶ فروری ۱۹۵۴ء

[۲] "رپورٹ تحقیقاتی عدالت" اردو صفحہ ۷ و ۲۱۔

قابلیت کے ساتھ دوسری پارٹیوں کے اعتراضات کے ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ تحقیقاتی عدالت کے جج صاحبان بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ تحقیقاتی عدالت کے صدر نے اس امر کا اظہار کیا کہ خادم صاحب نے بہت اچھی بحث کی ہے۔ تحقیقاتی عدالت کی مطبوعہ رپورٹ میں زیرعنوان "اسلامی اصطلاحات کا استعمال" ان کا ذکر کیا ہے"۔[1]

جناب چوہدری اسدُ اللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء امیر جماعت احمدیہ لاہور جنہوں نے خود بھی اس طویل تحقیقات کے دوران میں اوّل سے آخر تک جماعت احمدیہ کے مقدمہ کی پیروی کرنے میں اپنی تمام تر صلاحیتیں وقف کر دیں اور جن کی بیش بہا امداد و اعانت کا اعتراف فاضل جج صاحبان نے اپنی مطبوعہ رپورٹ[2] میں بھی کیا۔ آپ اپنی چشم دید شہادت کی بناء پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے میں مکرم ملک صاحب مرحوم نہایت نڈر تھے اور اُن کی زبان اور نُطق میں اللہ تعالیٰ نے بے اندازہ برکت رکھی تھی۔ فسادات پنجاب (۱۹۵۳ء) کے تحقیقاتی کمیشن کے رُو برُو دینی حصہ کو پیش کرنے میں جس بے لوث اور جرأت مندانہ انداز میں آپ نے جماعتِ احمدیہ کی وکالت کی وہ فاضل ججان سے بھی خراج عقیدت حاصل کر گئی جس کا انہوں نے اپنی رپورٹ میں نہایت زوردار الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ جتنی دیر ملک صاحب تقریر کرتے رہے تمام سامعین گویا مسحور ہی رہے"۔[3]

اسی طرح جناب ثاقبؔ صاحب زیروی مدیر ہفت روزہ "لاہور" نے "خادم۔ مجاہد احمدیت" کے زیرعنوان ایک مضمون میں لکھا:۔

"ایک متعصب غیر احمدی نے بھری بزم میں کہا تھا کہ "اسلام پر اعتراض کا جواب دے کر خادم کا چہرہ یُوں کھل اُٹھتا ہے جیسے گلاب کا پھول"۔

—— پھر یاد آئے اینٹی احمدیہ فسادات کی انکوائری کے وہ دن جب اُس شیر کی دہاڑ سُن کر مخالف سر نیوڑھائے بیٹھے تھے اور شہبازِ احمدیت بات بات پر ان کے فرسودہ

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۵ صلح/جنوری ۱۳۳۷ہش/۱۹۵۸ء صفحہ ۸ ؛ [2] رپورٹ تحقیقاتی عدالت اردو صفحہ ۲

[3] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۵ امان/مارچ ۱۳۳۷ہش/۱۹۵۸ء صفحہ ۳

دلائل کے تانے بانے کو توڑ مروڑ کر پرے پھینک رہا تھا۔ ماحول دم بخود تھا اور جج صاحبان اس کے علم کی وسعتوں پر حیران تھے"۔ ؎۱

ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتی کے بیان کا ایک مجمل سا خلاصہ اخبار "ملت" لاہور نے اپنی ۲۸ فروری اور یکم مارچ ۱۹۵۴ء کی اشاعتوں میں سپرد قلم کیا جو حسب ذیل ہے :۔

ا۔ "مولانا میکش کے بعد صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے وکیل مسٹر عبدالرحمٰن خادم نے اپنے دلائل دینا شروع کیے۔ اور خدا کی قسم کھاتے ہوئے کہا کہ ان کا فرقہ اور اس کے بانی یہ یقین رکھتے ہیں کہ محمد عربی ؐ سے برابری کرنے کا دعویٰ کرنے والا کوئی بھی آدمی کافر ہے۔

احمدیوں کا عقیدہ

انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ احمدی مرزا غلام احمد کو اور اپنے آپ کو آنحضرت ؐ کا جو خاتم النبیّین ہیں غلام سمجھتے ہیں انہوں نے کہا احمدی ختم نبوت کے عقیدے میں یقین رکھتے ہیں اگرچہ انہوں نے یہ اعتراف کیا کہ وہ اس کی ترجمانی مختلف طریقے سے کرتے ہیں۔

ربوہ کے وکیل نے عدالت کے سامنے اس امر کا اظہار کیا کہ فسادات کی وجہ مذہب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انہوں نے کہا کہ انہیں اس سے انکار نہیں ہے کہ احمدیوں اور مسلمانوں کے دوسرے فرقوں میں عقیدہ کے اختلافات موجود ہیں انہوں نے کہا کہ مذکورہ بالا حقیقت کا ثبوت یہی ہے کہ احمدی ایک الگ فرقہ بناتے ہیں۔

مسٹر خادم نے کہا یہ حقیقت کہ بعض لوگ عقیدہ کے معاملہ میں احمدیوں سے اختلاف رکھتے ہیں۔ لوٹ مار کرنے اور قتل کرنے کا جواز مہیا نہیں کرتی انہوں نے کہا اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ نہ ہی کوئی مذہب یا ضمیر اس کی اجازت دیتا ہے۔ انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ جب تک بعض دلچسپی رکھنے والے .... مذہبی منافرت پھیلانے کے لیے مذہبی اختلافات کو استعمال نہ کریں اس وقت تک خطہ میں امن و امان کو نقصان نہیں پہنچ سکتا اور فسادات نہیں ہو سکتے۔

مسٹر خادم نے کہا کہ گزشتہ ستر برس میں ہندوستان اور پاکستان میں کسی غیر احمدی کی طرف سے کسی کسی ایک احمدی کو نہیں مارا گیا۔ یا احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان کوئی جھگڑا اور تنازعہ نہیں ہوا جبکہ

؎۱ روزنامہ "الفضل" ۳۰ صلح ۱۳۳۷ہش / جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۳

دوسرے فرقوں میں جواب احمدیوں کی مخالفت میں متحد ہیں کئی بار فساد ہوئے ۔ انہوں نے کہا کہ یہ حقیقت اس لیے اور بھی زیادہ واضح ہوتی ہے اور اس کی طرف زیادہ نظر جاتی ہے جب یہ دیکھتے ہیں کہ عدالت کے سامنے شکایات ہیں اشتعال انگیز تحریری چیزیں پیش کی گئی ہیں وہ دسیوں برس پرانی ہیں ۔

وکیل نے کہا یہ بات انسانی فہم سے بالا ہے کہ فروری اور مارچ ۱۹۵۳ء کو یکایک تمام دوسرے فرقوں پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ احمدیوں کا پراپیگنڈا اور تبلیغ اور خود احمدی اس قدر اشتعال انگیزی کر رہے ہیں کہ ان کو برداشت نہیں کیا جا سکتا ۔ مسٹر خادم نے کہا کہ یہ خیال صحیح ہے کہ اسلامی تصورات کے مطابق مملکت پاکستان کے قیام نے تمام نظریہ بدل ڈالا ہے اور یہ کہ تقسیم کے بعد مسلمانوں کے دوسرے فرقے دوسرے معاملات میں اس قدر مصروف تھے کہ وہ اس مسئلے پر جسے احمدیہ فتنہ کہا جاتا ہے زیادہ توجہ صرف نہیں کر سکے ۔

انہوں نے کہا تقسیم کے فوراً بعد جب حکومت اور عوام کے سر پر مسئلہ کشمیر اور مہاجرین کی آبادکاری کے مسائل کا بوجھ پڑا ہوا تھا اس وقت شیعوں اور سنیوں میں کم از کم چار بار فسادات ہوئے ۔

وکیل نے کہا کہ مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ خیال نہ تو مناسب ہے اور نہ ہی اس کی بنیاد حقائق پر ہے کہ احمدی اور دوسرے مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ مل کر امن سے نہیں رہ سکتے ۔ انہوں نے یہ خیال پیش کیا کہ حالیہ ہنگاموں کی وجوہات کچھ اور ہی ہوں گی ۔

مسٹر خادم نے کہا کہ شروع میں جب احرار کو اپنی طاقت کے متعلق شک تھا وہ یہ خیال ظاہر کر رہے تھے کہ ان کو اور احمدیوں کو اپنے اپنے جلسے کرنے کی اجازت دی جائے لیکن جونہی ان کو کافی امداد حاصل ہو گئی ۔ انہوں نے اپنا مؤقف تبدیل کر لیا ۔

انہوں نے کہا جہاں تک ختم نبوت کے عقیدہ کا تعلق ہے احمدیوں اور دوسرے مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ۔ اختلاف صرف اس عقیدہ کی تشریح کے سلسلے میں ہے

وکیل نے کہا :۔ عقیدے کے سلسلے میں احمدیوں کا نقطۂ نظر دوسرے مسلمانوں کے لیے نیا نہیں۔ اپنے دعوے کے ثبوت کے طور پر انہوں نے مسلمان عالموں کی بہت سی تحریریں پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان تحریروں کے متعلق چاہے کچھ بھی کہا جائے بہرحال یہ تو صاف ظاہر ہے کہ ان کو اسلام کے دائرہ سے خارج نہیں سمجھا جاتا رہا ۔ اور یہ کہ برسوں سے ان کے خیالات کو برداشت کیا جاتا رہا ہے ۔

انہوں نے کہا احمدیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ایک اُمتی نبی بن جائے گا جبکہ دوسرے فرقوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ایک نبی کا دوبارہ ظہور ہوگا جو اُمتی ہوگا۔ ابھی انہوں نے اپنے دلائل ختم نہیں کیے تھے کہ عدالت کا اجلاس ختم ہوگیا۔[۱]

۲۔ "لاہور ۲۶ر فروری۔ صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے وکیل مسٹر عبدالرحمٰن خادم نے آج یہاں فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت میں کہا کہ متعدد مسلمان علماء نے ماضی میں ختم نبوت کی وہی تشریح کی تھی جو احمدیوں نے پیش کی ہے۔

اپنے دعویٰ کے ثبوت میں انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے عہد سے دورِ حال تک علماء کی تحریروں کا حوالہ دیا۔

انہوں نے کہا کہ اس حقیقت کے باوجود کہ جن علماء نے یہ رائے ظاہر کی تھی وہ احمدی نہیں ان کی رائے کے اظہار پر انہیں کافر نہیں قرار دیا گیا۔

مسٹر خادم نے کہا کہ مسیلمہ پر حملہ اس لیے نہیں کیا گیا تھا کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک اسلامی ریاست میں اس نے دوسری باتوں کے علاوہ ۴۰ ہزار افراد کی ایک فوج تیار کی تھی اور کئی مسلمانوں کو ہلاک کر دیا تھا۔

انہوں نے زور دے کر کہا کہ جن لوگوں نے ختم نبوت کی مختلف تشریح پیش کی ان کے پاس اس کے اسباب موجود تھے اور قرآن مجید میں ایسی آیتیں موجود ہیں جو ایسی تشریح کی بنیاد بن سکتی ہیں۔"[۲]

"لاہور ۲۷ر فروری۔ صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے وکیل مسٹر عبدالرحمٰن خادم نے آج یہاں فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت میں اس الزام کی تردید کی کہ مرزا غلام احمد صاحب نے قرآن، اسلام اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے خلاف جہاد کو منسوخ قرار دیا ہے۔

مسٹر خادم کے دلائل کے بعد فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت کی کارروائی ختم ہوگئی۔

انہوں نے کہا یہ خیال کرنا بالکل غلط ہوگا کہ میرے فرقے نے یہ پوزیشن فسادات کے بعد اختیار کی ہے۔ اس سلسلہ میں میرا فرقہ عام مسلمانوں کے ساتھ مکمل اتفاق رکھتا ہے کہ کسی کو قرآن مجید اور رسولِ

---

[۱] روزنامہ "ملت" لاہور مورخہ ۲۸ر فروری ۱۹۵۴ء صہ ۲ ،، [۲] ایضاً صہ ۵

کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کوئی فرمان منسوخ کرنے کا اختیار نہیں ہے ۔

مسٹر خادم نے کہا کہ احمدیہ فرقہ گزشتہ تین چالیس برس سے اس سلسلہ میں اپنی پوزیشن واضح کر رہا ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب اور ان کے پیروکار اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت خود اختیاری کے لیے جنگ کے خلاف نہیں ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے جماعت کے خلاف پروپیگنڈا جاری رہا ۔

صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے وکیل نے کہا کہ جہاد کے تصور کو بڑی کثرت سے غلط طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے اور اس کا مطلب یہ لیا جاتا رہا ہے کہ مسلمان مذہبی اختلافات کو جہاد شروع کرنے اور ان لوگوں کو ہلاک کرنے کے لیے جو مسلمانوں کے عقائد سے اتفاقاً متفق نہیں ہیں کافی وجہ سمجھتے ہیں ۔

"نزولِ مسیح" کے عقیدے کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر خادم نے کہا کہ قرآن کی رُو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ابن مریم ایک طبعی موت مرے تھے اور یہودیوں کے عقیدے کے برعکس ان کی موت صلیب پر واقع نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ یہودی مانتے ہیں کہ عیسیٰ (علیہ السّلام) ابن مریم کی موت صلیب پر واقع ہوئی کیونکہ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر خدا کا قہر نازل ہوا تھا۔ اور وہ صلیب پر ایک ذلّت آمیز موت مرے ۔ انہوں نے کہا کہ یہودی نظریہ بالکل غلط ہے کیونکہ قرآن مجید اور حدیث نبوی میں نبی کے دوبارہ ظہور کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

انہوں نے کہا کہ میرا فرقہ مانتا ہے کہ ایک اُمّتی نبی بن جائے گا ۔

صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے وکیل نے کہا کہ احمدیوں کے خلاف یہ الزام ہے کہ انہوں نے (بعض اسلامی) اصطلاحیں استعمال کر کے اسلام کی پیروڈی[1] کی ہے ۔ بالکل غلط ہے یہ اصطلاحات بعض مسلمان اولیاء کے لیے استعمال کی جاتی رہیں ہیں ۔ لیکن عام مسلمانوں نے اسے کبھی اشتعال انگیز خیال نہیں کیا تھا۔

انہوں نے کہا کہ ۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران میں عام مسلمانوں کا سلوک بہت شاندار رہا۔ اور انہوں نے جان و مال کی حفاظت کے لیے اپنے احمدی ہمسایوں کی مدد کی ۔

انہوں نے کہا کہ جماعت کے خلاف جھوٹے اور معاندانہ پراپیگنڈے کے ذریعے یہ فسادات معدودے چند لوگوں نے کرائے ۔ احمدیوں کے خلاف دوسرے الزامات میں کہا گیا ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو کافر

---

[1] Parody مضحکہ خیز نقل

سمجھتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ یہ بالکل غلط ہے اس کے برعکس مسلمانوں کے بعض فرقے ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے رہے ہیں۔

مسٹر خادم نے کہا کہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی نے جن کا موقف یہ تھا کہ احمدیوں کے بارے میں مطالبات پر تمام علماء متفق تھے۔ احمدیوں کے نظریئے کی نقل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن فرق صرف یہ تھا کہ جماعت اسلامی تشدد کے ذریعے سیاسی اقتدار حاصل کرنے میں یقین رکھتی تھی۔

انہوں نے کہا کہ اگر ختم نبوت کا عقیدہ مسلمانوں کو اتنا عزیز تھا کہ وہ اس کی تشریح کے اختلاف تک برداشت نہیں کر سکتے تھے تو اس سلسلہ میں گزشتہ کئی صدیوں سے بعض مشہور مسلمان علماء کا اختلاف کیوں برداشت کیا جاتا رہا تھا؟

وکیل نے کہا کہ مسلمانوں کا ہر فرقہ کسی نہ کسی اصول پر ایک دوسرے سے اختلاف رکھتا ہے لیکن انہیں اقلیت قرار دینا کبھی خیال نہیں کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ گزشتہ ستر برس سے احمدیوں کو بھی مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھا جاتا رہا تھا

انہوں نے کہا کہ یہ بات انتہائی تعجب خیز ہے کہ یکدم یہ کہا جانے لگا کہ احمدیوں کو بالکل ہی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے وکیل نے یہ بتانے کے لیے کہ مرزا غلام احمد صاحب کی وفات پر انہیں شاندار خراجِ تحسین پیش کیا گیا، بعض مسلم اخبارات پڑھ کر سنائے۔"[1]

تحقیقاتی عدالت میں بعض دوسرے بیانات

تحقیقاتی عدالت میں جن اصحاب نے بیانات دیئے ان میں صوبائی و مرکزی حکام، سرکاری و غیر سرکاری وکلاء، صحافی، علماء، سیاسی لیڈر اور عوام غرضیکہ ملک کے ہر طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان بیانات کا ایک حصہ جہاں عدالت اور ملک کے سامنے بہت سی نئی معلومات و انکشافات کا موجب بنا وہاں بعض بیانات سے کئی اہم اور دلچسپ امور بھی منظر عام پر آئے۔ مثلاً:-

---

[1] روزنامہ "ملت" لاہور مورخہ یکم مارچ ۱۹۵۴ء صہ ۹

۱۔ حکومت پنجاب کے وکیل جناب چوہدری فضل الہٰی صاحبؒ نے اشارۃً بتایا کہ :۔

"مسٹر دولتانہ کی اس سیاست بازی کا مقصد صرف داخلی نہ تھا بلکہ بین الاقوامی سیاسیات سے بھی متعلق تھا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ خواجہ ناظم الدین کو اقتدار کی کرسی سے اُتار پھینکیں خود اپنی قیادت میں ایک مرکزی حکومت قائم کریں اور پاکستان کو ایک کمیونسٹ مملکت بنا دیں۔" ؎۲

۲۔ اخبار "زمیندار" لاہور کے ایڈیٹر مولانا اختر علی صاحب کا بیان

"انہوں نے اپنے بیان میں بتایا کہ مسلم پارٹیز کنونشن کا اجلاس مجلس احرار نے طلب کیا تھا۔ اور کنوننگ کمیٹی میں بھی احرار کی غالب اکثریت تھی۔ مولانا نے یہ بھی بیان کیا کہ تحریک ختم نبوت میں احرار پیش پیش تھے کیونکہ وہ اپنی کھوئی ہوئی شہرت بحال کرنا چاہتے تھے۔" ؎۳

"س۔ کیا آپ کے دعوئ اسلام سے یہ بات مطابقت رکھتی ہے کہ پروپیگنڈا کی خاطر موقع بہ موقع جھوٹ بولا جائے؟

ج۔ ہر سیاست دان جھوٹ بولتا ہے۔

س۔ کیا آپ نے یہ جھوٹ سیاست دان کی حیثیت سے بولا تھا یا ایک مسلمان کی حیثیت سے؟

ج۔ ایک مسلمان کے نزدیک مذہب اور سیاست دو مختلف چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں ایک ہی ہیں۔

س۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر ایک مسلمان سیاست دان جھوٹ بولے تو وہ مسلمان کی حیثیت سے جھوٹ بولتا ہے؟

ج۔ جب آپ سیاستدانوں کو جھوٹ بولنے کا حق دیتے ہیں تو علماء کو اس حق سے محروم کیوں رکھتے ہیں؟" ؎۴

؎۱ سابق صدر مملکت پاکستان :: ؎۲ رپورٹ تحقیقاتی عدالت اُردو صفحہ ۳۰۴

؎۳ آفاق ۳۰ر اکتوبر ۱۹۵۳ء، صفحہ ۲ کالم ۱ :: ؎۴ ایضاً، کالم ۴

۴۔ جماعتِ اسلامی کے سابق لیڈر مولانا امین احسن اصلاحی کا بیان

"انہوں نے مسلمانوں کو دو زمروں میں تقسیم کیا۔ سیاسی مسلمان اور حقیقی مسلمان۔ اس کے بعد انہوں نے ان دس عناصر کی تفصیل بیان کی جو کسی کو سیاسی مسلمان بنانے کے لیے ضروری ہیں۔ اور کہا کہ وہ اگر ان تمام شرائط کو پورا کرے تو وہ اسلامی ریاست کے تمام شہری حقوق کا مستحق ہو جاتا ہے۔

انہوں نے کہا کہ سیاسی مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اس کا عقیدہ خدا کی وحدانیت پر ہو۔ رسول اللہؐ کو خاتم النبیین مانتا ہو اور وہ زندگی کے تمام مسائل کے متعلق اُن کے حکم کو آخری سمجھتا ہو۔ یہ اصول مانتا ہو کہ ہر خیر اور ہر شر کو خدا پیدا کرتا ہے۔ اس کا عقیدہ قیامت پر ہو، اور قرآن کو خدا کا آخری صحیفہ سمجھتا ہو۔

انہوں نے کہا کہ سیاسی مسلمان کو ہر سال حج کرنا چاہیئے۔ زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے۔ مسلمانوں کی طرح نماز پڑھنی چاہیئے۔ اسلامی معاشرہ کے تمام قواعد ظاہرہ پر عمل کرنا اور روزہ رکھنا چاہیئے۔

گواہ نے کہا کہ مذکورہ بالا شرائط میں سے کوئی ایک بھی شرط پوری نہ کی جائے تو متعلقہ شخص سیاسی مسلمان نہیں رہ جاتا۔

بعد میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ کوئی شخص ان دس اصولوں پر عقیدہ رکھتا رہو) تو یہ اس کے مسلمان ہونے کے لیے کافی ہے قطع نظر اس حقیقت کے کہ وہ ان پر عمل کرتا ہے یا نہیں۔"[1]

"حکومتِ پنجاب کی طرف سے مسٹر فضل الٰہی کی جرح کے جواب میں گواہ نے کہا کہ جون اور جولائی کے مہینے میں تحریک کے سلسلے میں کچھ بدنظمیاں ہوئی تھیں۔ لیکن جماعت کو اس پر بہت زیادہ تشویش ہوئی تھی۔ کیونکہ یہ خیال کیا گیا تھا کہ ایک دفعہ عوام اگر دھمکی یا تشدد سے اپنے مطالبات منوانے میں کامیاب ہو گئے تو اس ملک میں پھر کوئی چیز بُرامن طریقے پر کرنی ناممکن ہو جائے گی۔ یہ بھی محسوس کیا گیا کہ یہاں تشدد پر اُترنے کا رجحان موجود ہے۔ ہم نے مجلس عمل میں اس لیے شمولیت کی تھی کیونکہ ہمارا خیال تھا کہ چونکہ مجلس میں شورش پسند عنصر موجود ہے۔ اور ہماری جماعت کے لیے یہ ضروری تھا کہ اس عنصر

---

[1] روزنامہ "ملت" لاہور ۲ر نومبر ۱۹۵۳ء صـ۱

کو تشدد کے ذرائع استعمال کرنے سے باز رکھا جائے۔" ؎۱

۴۔ چیف ایڈیٹر "زمیندار" مسٹر اے۔ آر۔ شبلی

شبلی صاحب نے یہ چشم دید واقعہ بیان کیا:۔

"احرار اور میاں ممتاز محمد خاں کے درمیان ایک "شریفانہ" معاہدہ کرنے کے سوال پر میری موجودگی میں بحث کی گئی تھی۔ احرار کی طرف سے صاحبزادہ فیض الحسن اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسری طرف سے مولانا اختر علی خاں نے باتیں کی تھیں۔ **سمجھوتہ یہ ہوا تھا کہ احرار احمدیوں کے خلاف تحریک جاری رکھیں گے۔ اور مسٹر دولتانہ صوبے میں ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ اس کے بدلے میں احرار کو انتخابات اور دوسرے معاملات میں مسٹر دولتانہ کی حمایت کرنی تھی۔** یہ معاہدہ غالباً جولائی ۱۹۵۲ء میں مسٹر دولتانہ کی مری سے واپسی کے بعد ہوا تھا۔" ؎۲

۵۔ جناب حمید نظامی صاحب مدیر روزنامہ "نوائے وقت" لاہور کا بیان

ملک کے نامور صحافی جناب حمید نظامی صاحب کے بیان کا ایک حصہ:۔

"سوال:۔ کیا آپ مطالبات کے حق میں تھے؟

جواب:۔ جی نہیں۔ ہرگز نہیں۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے ان مطالبات کے خلاف کچھ نہیں لکھا۔

مسٹر حمید نظامی نے کہا میرا جواب وہی ہے جو میں نے مسٹر غیاث الدین احمد ہوم سیکرٹری اور خان قربان علی خان انسپکٹر جنرل پولیس کو دیا تھا کہ اگر میں نے صاف اور واضح لفظوں میں ان مطالبات کے خلاف لکھا ہوتا تو مجھے کسی تحفظ کی توقع نہ تھی۔ اور میرا دفتر محکمہ تعلقات عامہ کے اشارہ پر جلا کر راکھ کر دیا ہوتا۔ جو اس تحریک کو ہوا دے رہا تھا۔

سوال:۔ اگر آپ نے ان مطالبات کی مخالفت کی ہوتی تو کیا آپ کے اخبار کی اشاعت کم نہ ہوتی؟

جواب:۔ میں نے کبھی اخبار کی فروخت کو اپنی پالیسی پر اثر انداز نہیں ہونے دیا۔

سوال:۔ کیا آپ کو کسی ذاتی نقصان کا خدشہ تھا؟

؎۱ "ملت" ۶ر نومبر ۱۹۵۳ء ص۲ کالم ۵ ؛ ؎۲ "ملت" ۱۳ر نومبر ۱۹۵۳ء ص۵ کالم ۳

جواب:۔ جی ہاں مجھے کئی خط ملے جن میں مجھے قتل کی دھمکی دی گئی تھی۔

سوال:۔ کیا آپ نے اس دھمکی کا کسی سے ذکر کیا۔ مثال کے طور پر وزیراعظم ۔ مسٹر گورمانی اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سے؟

جواب:۔ جی ہاں مَیں نے اس کا ذکر مسٹر گورمانی اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سے کیا۔

سوال:۔ آپ ان مطالبات کے خلاف کیوں تھے؟

جواب:۔ مَیں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ یہ مطالبات بعض سیاسی طالع آزماؤں نے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے کیے تھے۔

سوال: کیا آپ مطالبات سے متفق ہیں؟

جواب:۔ اب کوئی مطالبہ ہی نہیں۔

سوال:۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ احمدی اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں اقلیت قرار دیا جائے؟

جواب:۔ ہرگز نہیں۔

سوال:۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ موجودہ وزیر خارجہ کو اُن کے عہدے سے ہٹا دیا جائے؟

جواب:۔ جی نہیں۔

سوال:۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ احمدیوں کو کلیدی ملازمتوں سے علیحدہ کر دیا جائے؟

جواب:۔ ایسی تجویز تو ہندو شہریوں کے متعلق بھی پیش نہیں کرنی چاہیئے"۔[1]

ہوم سیکرٹری حکومتِ پنجاب کا بیان

مسٹر غیاث الدین احمد صاحب ہوم سیکرٹری حکومتِ پنجاب نے کہا:۔

"اس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ قادیانیوں کے خلاف تحریک کے مبلغ و محرک احرار تھے۔ انہوں نے عدالت سے کہا کہ وہ عوام کے مذہبی جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لیے اس سیاسی غرض سے کام لے رہے تھے تاکہ وہ سیاسی طور پر دوبارہ زندہ ہو جائیں .... انہوں نے کہا کہ ختمِ رسالت ہر مسلمان کا بنیادی عقیدہ ہے۔ لیکن احرار تحریک پھیلانا اور یہ ظاہر کرنا

---

[1] روزنامہ "ملت" لاہور ۲۵ دسمبر ۱۹۵۳ء صد۶ کالم ۵

چاہتے تھے کہ تحریک صرف اُنہیں کی تخلیق نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان اس کے پیچھے ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ماضی میں انہوں نے اِس موضوع کو اپنی واحد سیاسی اجارہ داری بنا رکھا تھا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ایسی صورت حال پیدا ہو گئی کہ وہ سیاسی طور پر مٹ جائیں گے تو انہوں نے اس مسئلہ کو عوام کی دلچسپی کا سوال بنا دیا۔ گواہ کے بیان کے مطابق ان کا خیال یہ تھا کہ اگر مطالبات منظور کر لیے گئے تو وہ اپنی ذاتی فتح کا دعویٰ کریں کیونکہ وہ اس مسئلہ کے بانی تھے لیکن کوئی نقصان پہنچا تو ہر شخص اس میں شریک ہوگا۔"[1]

---

[1] روزنامہ ملت لاہور۔ ۹ جنوری ۱۹۵۴ء

پانچواں باب

تحقیقاتی عدالت کی کارروائی یکم جولائی ۱۹۵۳ء سے شروع ہو کر ۲۸ فروری ۱۹۵۴ء تک جاری رہی۔ کل ۱۱۷ اجلاس ہوئے۔ جن میں ۹۲ اجلاس شہادتوں کی سماعت اور اندراج کے لیے مخصوص رہے۔ شہادت ۲۳ جنوری ۱۹۵۴ء کو ختم ہوئی اور اس مقدمے پر بحث کا آغاز یکم فروری کو اور اختتام ۲۸ فروری ۱۹۵۴ء کو ہوا۔ اس تحقیقات کا ریکارڈ تحریری بیانات ۳۶۰۰ صفحات اور شہادت کے ۲۷۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ تین سو انتالیس دستاویزیں رسماً عدالت میں پیش کی گئیں۔ اور شہادت اور بحث کے دوران میں کثیر التعداد کتابوں، کتابچوں، رسالوں اور اخباروں کے حوالے دیئے گئے۔ علاوہ بریں عدالت کو کثیر التعداد چٹھیاں بھی وصول ہوئیں جو کئی کئی صفحوں پر لکھی ہوئی تھیں۔ اور چند کی ضخامت تو سو صفحے سے بھی زیادہ تھی۔ عدالت نے ایک ایک چٹھی کو نہایت احتیاط سے پڑھا اور پانچ ہفتوں میں اپنے نتائج فکر مرتب کیے اور رپورٹ قلمبند کی جو انگریزی میں ۱۰ اپریل ۱۹۵۴ء کو شائع کر دی گئی۔ یہ رپورٹ بڑی تقطیع کے ۳۸۷ صفحات اور تقریباً ایک لاکھ الفاظ پر مشتمل تھی۔ بعد میں اس کا اردو ایڈیشن بھی شائع کیا گیا۔

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ اور جماعتِ احمدیہ کی بریّت و مظلومیّت

اگرچہ حالات سراسر ناموافق تھے اور ماحول انتہائی مخالف تھا مگر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضرت مصلح موعود کے تحریری و تقریری بیانات کے نتیجہ میں معزز عدالت کے سامنے صداقت بہت حد تک آشکار ہو گئی۔ حق کا بول بالا ہوا۔ جماعتِ احمدیہ کی بریّت اور مظلومیّت ثابت ہوئی اور اس کے مخالفین کے مظالم اور خفیہ منصوبے پوری طرح بے نقاب

ا۔ "رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء" صفحہ ۲

ہو گئے۔ اور ہوئے بھی حکومتِ پنجاب کے ذریعے۔ جس نے سرکاری سطح پر آٹھ ماہ تک فسادات پنجاب کی تحقیقات پر لاکھوں روپیہ اپنے بجٹ سے صرف کیا اور پھر فاضل جج صاحبان کی مستند رپورٹ کے اردو اور انگریزی ایڈیشن زرِ کثیر سے چھپوا کر ملک بھر میں شائع کیے۔

یہ رپورٹ درحقیقت ۱۹۵۳ء کے فسادات کی مفصل تاریخ ہے۔ جس پر اُس دَور کے پاکستانی پریس نے فاضل ججوں کو زبردست خراجِ تحسین ادا کیا۔ ملک کے صحافیوں اور دانشوروں نے بالاتفاق اس کو ایک تاریخی دستاویز تسلیم کیا۔[1]

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ جماعتِ احمدیہ کی مظلومیت اور اُس کے خلاف الزامات کی بریّت سے بھری ہے مثلاً فاضل ججوں نے احمدیوں کے خلاف صوبائی حکومت کے افسوسناک طرزِ عمل کا نقشہ کھینچتے ہوئے اپنی رائے حسبِ ذیل الفاظ میں دی:۔

"احراریوں سے تو ایسا برتاؤ کیا گیا گویا وہ خاندان کے افراد ہیں اور احمدیوں کو اجنبی سمجھا گیا۔ احراریوں کا رویہ اُس بچے کا سا تھا جس کو اُس کا باپ کسی اجنبی کو پیٹنے پر سزا کی دھمکی دیتا ہے اور وہ بچہ یہ جان کر کہ اُسے سزا نہ دی جائے گی اجنبی کو پھر پیٹنے لگتا ہے۔ اس کے بعد چونکہ دوسرے لوگ دیکھ رہے ہوتے ہیں اس لیے باپ محض پریشان ہو کر بیٹے کو مارتا ہے لیکن نرمی سے تاکہ اُسے چوٹ نہ لگے۔"[2]

ایک افواہ اور اس کی تردید

فاضل ججوں نے اُن چالوں کا بھی ذکر کیا ہے جو شورش پسندوں نے حکام کے خلاف نفرت پھیلانے کے لیے اختیار کر رکھی تھیں مثلاً ایک یہ چال بیان کی کہ:۔

"یہ افواہ پھیلائی گئی کہ احمدی موٹر کاروں میں سوار ہو کر اندھا دھند لوگوں پر گولیاں چلا رہے ہیں"

---

[1] "نوائے وقت" لاہور (۲۴-۲۵ر اپریل ۱۹۵۴ء) "ملت" لاہور (۲۵-۲۹ ر اپریل ۱۹۵۴ء) رسالہ "لاہور" لاہور (۲۶ ر اپریل ۱۹۵۴ء) زمیندار سدھار ملتان (۴ر مئی ۱۹۵۴ء) رسالہ "اقدام" لاہور (۹ر مئی ۱۹۵۴ء) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب "Chief Justice Mohammed Munir" ص ۲۲۷ تا ص ۲۳۵

[2] "رپورٹ تحقیقاتی عدالت" اردو ص ۲۲۲

فاضل جج اس افواہ سے متعلق لکھتے ہیں :۔

" یہ بیان کہ بعض احمدی فوجی وردیاں پہنے ایک جیپ میں سوار ہو کر لوگوں کو اندھا دھند گولیوں کا نشانہ بنا رہے تھے ۔ ہمارے سامنے موضوع ثبوت بنایا گیا اور اس کی تائید میں متعدد گواہ پیش کیے گئے۔ اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک پُراسرار گاڑی میں بعض نامعلوم آدمی اس دن شہر میں گھومتے رہے لیکن ہمارے سامنے اس امر کی کوئی شہادت نہیں کہ اس گاڑی میں احمدی سوار تھے یا وہ گاڑی کسی احمدی کی ملکیت تھی"۔[1]

جماعتِ احمدیہ کے امام اور دوسرے بزرگوں کو احراری لیڈروں نے فحش اور اخلاق سوز گالیاں دیں۔ اس کا ذکر فاضل جج صاحبان نے درجِ ذیل الفاظ میں کیا ہے :۔

" ایک اردو اخبار مزدور ملتان سے شائع ہوتا ہے جس کا ایڈیٹر سید ابوذر بخاری ہے جو مشہور احراری لیڈر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا بیٹا ہے ۔ اس اخبار کی غالب توجہ صرف احمدیوں کے خلاف تحریک پر مرکوز رہی ہے ۔ اس نے اپنی اشاعت مؤرخہ ۱۳ رجون ۱۹۵۲ء میں ایک مضمون شائع کیا **جس میں جماعتِ احمدیہ کے امام کے متعلق عربی خط میں ایک ایسی پست اور بازاری** بات لکھی کہ ہماری شائستگی ہمیں اس کی تصریح کی اجازت نہیں دیتی۔ اگر یہ الفاظ احمدی جماعت کے کسی فرد کے سامنے کہے جاتے اور نتیجہ یہ ہوتا کہ کسی کی کھوپڑی توڑ دی جاتی تو ہمیں اس پر ذرا بھی تعجب نہ ہوتا ۔ جو الفاظ استعمال کیے گئے وہ پرلے درجے کے مکروہ اور مبتذل ذوق کا ثبوت ہیں ۔ اور ان میں اس مقدس زبان کی نہایت گستاخانہ تضحیک کی گئی ہے جو قرآنِ مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہے"۔[2]

اُس زمانہ میں "آزاد" احراریوں کا ترجمان تھا۔ فاضل جج صاحبان اس اخبار کی شرمناک اشتعال انگیزیوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں :۔

" "آزاد" احراریوں کا اخبار ہے جس کے ایڈیٹر ماسٹر تاج الدین انصاری ہیں ۔ اس اخبار نے اپنے آغاز ہی سے اپنے کالموں میں احمدیوں اور ان کے عقائد اور اُن کے لیڈروں کے خلاف نہایت بازاری، ناشائستہ اور زہریلی مہم جاری کر رکھی تھی ۔ چونکہ حکومت پنجاب نے اس کی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے کوئی قدم نہ اٹھایا تھا اس لیے مرکزی حکومت نے اپنی چٹھی نمبری ۱- Poll ۵۱/۱/۴۴ مورخہ ۲۴

---

[1] تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ، ص۱۵۹ ۔ [2] تحقیقاتی عدالت، ص ۸۰ - ۸۸

مئی ۱۹۵۲ء میں اس اخبار کے بعض مضامین کے تراشے منسلک کر کے اُن کی طرف حکومتِ پنجاب کی توجّہ مبذول کرائی۔ .... لیکن اس اخبار کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گئی اور حکومتِ پنجاب نے اپنی چٹھی ڈی۔او نمبری PR ۵۲ ۸۸ مورخہ ۳۰ راگست ۱۹۵۲ء میں مرکزی حکومت کو صرف یہ اطلاع دے دی کہ اخبار مذکور کو شدید تنبیہ کر دی گئی ہے"۔[1]

رپورٹ تحقیقاتی عدالت کا ایک اہم انکشاف

فاضل جج صاحبان نے اپنی رپورٹ میں گوجرانوالہ کے حالات بیان کرتے ہوئے یہ اہم انکشاف کیا کہ جولائی ۱۹۵۲ء کی ایک کانفرنس میں ایک مقرر نے حضرت امام جماعت احمدیہ کے قتل پر اُکسایا اور احمدی کو قتل کرنا موجبِ رضائے الہٰی قرار دیا۔ رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں:۔

"جولائی ۱۹۵۲ء میں ایک اور کانفرنس ہوئی جس میں صاحبزادہ فیض الحسن نے یہ اعلان کیا کہ کسی احمدی کو قتل کرنا رضائے الہٰی کا موجب ہے جب کانفرنس ختم ہوئی تو مولانا اختر علی خان کے اعزاز میں ایک دعوت چائے دی گئی جس میں ڈپٹی کمشنر اور مسلم لیگی لیڈر بھی شامل ہوئے بعد میں احمدیوں نے ڈپٹی کمشنر سے شکایت کی کہ اس کانفرنس میں ایک مقرر نے حاضرین کو امام جماعت احمدیہ کے قتل پر اُکسایا تھا"۔[2]

یہ اشتعال انگیزیاں جو معلوم نہیں شورش کے ایام میں کس کس شکل میں اور کس کس مقام پر کی گئیں پنجاب کی مسلم لیگی حکومت نے ان کو ذرہ برابر کوئی حیثیت نہ دی، بالآخر رنگ لائیں اور ۱۰ مارچ ۱۹۵۴ء کو یعنی تحقیقاتی عدالت میں بیان کے صرف دو ماہ کے اندر حضرت مصلح موعود پر ایک بدبخت نے بیتِ مبارک ربوہ میں نماز عصر کے بعد چاقو سے حملہ کر دیا۔ اس دردناک حادثہ کی تفصیل تاریخ احمدیت کی ۱۷ ویں جلد میں آ رہی ہے۔

مارشل لاء پر منتج ہونے والے کوائف

وہ کوائف کیا تھے جو ۶ مارچ ۱۹۵۳ء کو لاہور میں مارشل لاء کے نفاذ کا موجب ہوئے؟ فاضل جج صاحبان نے اس ضمن میں لکھا:۔

---

[1] "رپورٹ تحقیقاتی عدالت" صفحہ ۸۷

[2] رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۸۰ (اردو)

"یہ امر تمام جماعتوں کے نزدیک مسلّم ہے کہ ۶؍ مارچ کو جو کوائف موجود تھے ان میں حالات کو فوج کے حوالے اور سول اقتدار کو فوج کے ماتحت کر دینا بالکل ناگزیر ہو چکا تھا۔ سول کے حکام جو عام حالات میں قانون و انتظام کے قیام کے ذمہ دار ہوتے ہیں کاملاً بے بس ہو چکے تھے اور ان میں ۶؍ مارچ کو پیدا ہونے والی صورتِ حالات کا مقابلہ کرنے کی کوئی خواہش اور اہلیت باقی نہ رہی تھی۔ نظمِ حکومت کی مشینری بالکل بگڑ چکی تھی اور کوئی شخص مجرموں کو گرفتار کر کے یا ارتکابِ جرم کو روک کر قانون کو نافذ العمل کرنے کی ذمہ داری لینے پر آمادہ یا خواہاں نہ تھا۔ انسانوں کے بڑے بڑے مجمعوں نے جو معمولی حالات میں معقول اور سنجیدہ شہریوں پر مشتمل تھے ایسے سرکش اور جنون زدہ ہجوموں کی شکل اختیار کر لی تھی جن کا واحد جذبہ یہ تھا کہ قانون کی نافرمانی کریں اور حکومتِ وقت کو جھکنے پر مجبور کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی معاشرے کے ادنیٰ اور ذلیل عناصر موجودہ بدنظمی اور ابتری سے فائدہ اٹھا کر جنگل کے درندوں کی طرح لوگوں قتل کر رہے تھے۔ ان کی املاک کو لوٹ رہے تھے اور قیمتی جائیداد کو نذرِ آتش کر رہے تھے محض اس لیے کہ یہ ایک دلچسپ تماشا تھا۔ یا کسی خیالی دشمن سے بدلہ لیا جا رہا تھا۔ پوری مشینری جو معاشرے کو زندہ رکھتی ہے پُرزہ پُرزہ ہو چکی تھی۔ اور مجنون انسانوں کو دوبارہ ہوش میں لانے اور بے بس شہریوں کی حفاظت کرنے کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ سخت سے سخت تدابیر اختیار کی جائیں گویا مارشل لاء کے نفاذ کی براہِ راست ذمہ دار فسادات تھے۔"[1]

صوبائی حکومت اور سیاسی لیڈروں کا طرزِ عمل

اس کھلی بغاوت کے دوران صوبائی حکومت اور لاہور کے سیاسی لیڈروں کا طرزِ عمل کیا تھا؟ اس پر تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ حسبِ ذیل روشنی ڈالتی ہے:-

"۵؍ مارچ کی سہ پہر کو گورنمنٹ ہاؤس میں شہریوں کا جو اجلاس ہوا اس میں کوئی لیڈر کوئی سیاسی آدمی اور کوئی شہری اس پر آمادہ نہ ہوا کہ شہریوں سے عقل و ہوش اختیار کرنے کی اپیل پر دستخط کرے۔ سب خوفزدہ تھے کہ ایسا کرنے سے وہ عوام میں نامقبول ہو جائیں گے۔ بلوائی ہجوم نے کوتوالی کا محاصرہ کر رکھا تھا اور ۵؍ مارچ کی شام کو وزراء و حکام کے اجلاس میں جو فیصلے کیے گئے ان کا مطلب پولیس نے یہ سمجھا کہ گولی چلانا بالکل بند کر دیا جائے۔ لہٰذا بلوائی ہجوم نے کوتوالی کا محاصرہ جاری رکھا

---

[1] تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ اردو ص ۱۹۲، ۱۹۳

اور ۶ مارچ کی صبح کو حکومت کی مشینری میں پورے سقوط کے آثار نظر آنے لگے۔ یہاں تک کہ حکومت نے طوائف الملوکی کے آگے کھلم کھلا ہتھیار ڈال دینے کا اعلان کر دیا۔ اس دن صبح کو چیف منسٹر کا "بیان" محض "میکیا ولیت" کا ایک نمونہ تھا۔ لیکن یہ چال کامیاب نہ ہو سکی۔ صورتِ حالات بالکل قابو سے باہر ہو گئی اور شہریوں نے محسوس کیا کہ ان کے جان و مال کو سخت خطرہ درپیش ہے الخ"[1]

"سہ پہر کے جلسہ میں گورنر اور چیف منسٹر کے ایماء پر انسپکٹر جنرل پولیس نے صورتِ حالات کی مفصل کیفیت بیان کی۔ ان کے بعد دو اور مقررین یعنی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مسٹر احمد سعید کرمانی ایم۔ ایل اے نے تقریریں کیں۔ مولانا نے صورتِ حالات کو حکومت اور عوام کے درمیان خانہ جنگی سے تعبیر کیا اور بتایا کہ جب تک حکومت عوام کے مطالبات کے متعلق غور کرنے پر آمادگی ظاہر نہ کرے گی میں کسی اپیل میں شریک نہیں ہو سکتا"۔[2]

انہی کے متعلق ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ:۔

"جماعتِ اسلامی کے لیڈر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے حکومت کی ان سر توڑ کوششوں میں جو وہ ۵ مارچ کو فسادات کے روکنے کے لیے کر رہی تھی کسی قسم کا تعاون پیش نہ کیا...... اس کے برعکس مولانا نے سرکشانہ رویّہ اختیار کیا تمام واقعات کا الزام حکومت پر عائد کیا اور فسادی عناصر کو "تشدد کا شکار" کہہ کر ان سے عام ہمدردی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ گورنمنٹ ہاؤس میں انہوں نے جو رویہ اختیار کیا اس کے متعلق جو شہادت پیش ہوئی ہے اس سے ہم یہی اثر قبول کر سکتے ہیں کہ وہ پورے نظامِ حکومت کے انہدام کی توقع کر رہے تھے اور حکومت کی متوقع پریشانی پر بغلیں بجا رہے تھے"۔[3]

"اس نے ان فسادات کو فرو کرنے کے لیے جو نہایت سرعت سے نہایت تشویش انگیز صورت اختیار کر رہے تھے قوت کا استعمال کیا۔ سید فردوس شاہ کو ۴ کی شام کو ایک غضب ناک ہجوم نے مسجد وزیر خاں کے اندر یا باہر قتل کر دیا۔ یہ بعد میں ہونے والے واقعات کا محض ایک پیش خیمہ تھا لیکن اس حادثے کے بعد بھی جماعت اسلامی نے نہ اظہارِ تاسف کیا نہ اس وحشیانہ قتل کی مذمت میں ایک لفظ کہا بلکہ اس کے برعکس اس جماعت کے بانی نے آگ اور خون کے اس ہولناک ہنگامے کے

---

[1] رپورٹ ص۲۵۳ ؛ [2] رپورٹ ص۱۶۳ ؛ [3] رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص۲۷

درمیان "قادیانی مسئلہ" کا بم پھینک دیا۔" [1]

فسادات کی ذمہ داری

تحقیقاتی عدالت کے بنیادی فرائض میں یہ شامل تھا کہ وہ تحقیق و تفتیش کے بعد رائے قائم کرے کہ فسادات کی ذمہ داری کس جماعت یا فرد پر عائد ہوتی ہے۔ جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے فاضل جج صاحبان نے اگرچہ بعض واقعات کی طرف اشارہ کرکے یہ لکھا کہ:۔

"اُن کے خلاف عام شورش کا موقع خود انہیں کے طرزِ عمل نے بہم پہنچایا۔" [2]

مگر بایں ہمہ انہوں نے واضح لفظوں میں یہ فیصلہ دیا:۔

"احمدی براہِ راست فسادات کے لیے ذمہ دار نہ تھے کیونکہ فسادات حکومت کے اس اقدام کا نتیجہ تھے جو حکومت نے اس پروگرام کے خلاف کیا تھا جو ڈائریکٹ ایکشن کی قرارداد کے ماتحت آل مسلم پارٹیز کنونشن نے اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔" [3]

اس کے مقابل فاضل ججوں نے اپنی تحقیقات کی بناء پر مندرجہ ذیل جماعتوں یا اداروں کو فسادات پنجاب کا براہِ راست ذمہ دار ٹھہرایا:۔

(۱) مجلس احرار (۲) جماعتِ اسلامی (۳) آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کراچی (۴) آل مسلم پارٹیز کنونشن لاہور (۵) تعلیماتِ اسلامی بورڈ کراچی کے ممبر (۶) صوبائی مسلم لیگ (۷) مرکزی حکومت (۸) محکمۂ اسلامیات (۹) اخبارات

مطالبات کا بچہ

فاضل جج صاحبان نے اپنی رپورٹ میں یہ بھی لکھا:۔

"خواجہ ناظم الدین نے اپنی شہادت میں ایک نہایت موزوں تشبیہ استعمال کی ہے۔ اور شکایت کی ہے کہ مسٹر دولتانہ چاہتے تھے کہ میں "ننھے کو لیے رہوں" اگر مطالبات کو ایک ننھے بچے سے تشبیہ دی جائے۔ تو ذمہ داری کے پورے موضوع کو ایک فقرے میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً احرار نے ایک بچہ جنا جسے انہوں نے متبنّٰی بنانے کے لیے علماء کی خدمت

---

[1] رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ نمبر ۱۲۷ ؛ [2] رپورٹ تحقیقاتی عدالت صہ ۲۸۱
[3] ایضاً صہ ۲۷۹ ۔

میں پیش کیا - علماء نے اس کا باپ بننا منظور کر لیا - لیکن مسٹر دولتانہ نے سمجھ لیا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر پنجاب میں شرارت کرے گا لہٰذا انہوں نے اس کو ایک نہر میں بہا دیا - جو میر نور احمد کی مدد سے کھودی گئی تھی۔ اور جس کو پانی اخباروں نے اور خود مسٹر دولتانہ نے بہم پہنچایا تھا - جب یہ بچہ حضرت موسیٰ کی طرح بہتا ہوا خواجہ ناظم الدین تک پہنچا تو انہوں نے دیکھا کہ بچہ خوبصورت تو ہے - لیکن اس کے چہرے پر ایک چین جبین اور ایک غیر معلوم سی ناگواری نظر آتی ہے - چنانچہ انہوں نے اس کو گود میں لینے سے انکار کیا - اور پرے پھینک دیا - اس پر بچے نے ایڑیاں رگڑنا اور شور مچانا شروع کر دیا - اس شور نے اس کی پیدائش کے صوبے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا - اور خواجہ ناظم الدین اور مسٹر دولتانہ دونوں کو موقوف کرا دیا - یہ بچہ ابھی زندہ ہے اور راہ دیکھ رہا ہے کہ کوئی آئے اور اسے اٹھا کر گود میں لے لے - اس مملکت خداداد پاکستان میں سیاسی ڈاکوؤں - طالع آزماؤں اور گمنام اور بے حیثیت آدمیوں - غرض سب کے لیے کوئی نہ کوئی روزگار موجود ہے - ہمارے سامنے صرف دو ایسے آدمی ہیں، جنہوں نے اس قسم کا روزگار قبول کرنے سے انکار کیا ہے - یعنی سردار بہادر خاں وزیر مواصلات اور مسٹر حمید نظامی ایڈیٹر "نوائے وقت" انہوں نے اس بچے کو اور اس کے تمام نتائج کو قبول کرنے سے انکار کر دیا"۔ [1]

رپورٹ کے اختتامی الفاظ

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ مندرجہ ذیل فقرات پر ختم ہوتی ہے ہمارا خیال ہے کہ یہ مطالبات بغیر کسی مذہبی احتیاط کے بغیر امن عامہ کو خطرے میں ڈالے اور بغیر حسیات عامہ کو صدمہ پہنچائے مسترد کیے جا سکتے تھے - لیکن ہمارے نزدیک قانون و انتظام کی صورت حالات کے مقاصد کے لیے ان کا جواب دینا بالکل ضروری نہ تھا - وہ صورت حالات تو ایک سادہ حکم امتناعی کے نفاذ ہی سے بہت بہتر ہو گئی تھی (گو وہ حکم بہت ناکافی تھا) لیکن جب جولائی ۱۹۵۲ء کے بعد احرار اور علماء کے ہر قول و فعل کی طرف سے کامل بے پروائی کا رویہ اختیار کر لیا گیا، تو وہ صورت حالات پھر بگڑتی چلی گئی - بلکہ اس کے برعکس چیف منسٹر کی ان تقریروں کی وجہ سے یہ بگاڑ اور بھی زیادہ ہو گیا - جن میں انہوں نے علی الاعلان

---

[1] تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ ص ۳۰۷

یہ خیال ظاہر کیا کہ احمدی مسلمان نہیں ہیں ۔

اخبارات نے یقیناً ڈائرکیٹر تعلقاتِ عامہ کی حوصلہ افزائی سے شورش کی آگ کو ہوا دی اور ہم ڈاکٹر قریشی کے اس خیال سے متفق ہیں کہ مسٹر دولتانہ ہرگز اس امر سے بے خبر نہ ہو سکتے تھے ۔ کہ اخبارات کیا کر رہے ہیں ۔ اردو کے چار اخباروں کو ان کے ہزاروں پرچوں کے عوض بڑی بڑی رقمیں دی گئیں اور وہ پرچے بھی شاید خریدے نہ گئے ۔ اور یہ سب کچھ ایک پرانی پالیسی کی تعمیل میں کیا گیا ۔ کہ حکومت کی حمایت کرنے والے اخباروں کی سرپرستی کی جائے اور اگرچہ یہی اخبارات سب سے زیادہ شورش انگیزی کر رہے تھے ۔ لیکن جولائی ۱۹۵۲ء میں ان کے معاہدوں کی تجدید کر دی گئی اور مسٹر دولتانہ کو اس کا علم تھا دو لاکھ روپے کی رقم جو اسمبلی نے ناخواندہ بالغوں کی تعلیم کے لیے منظور کی تھی ۔ مسٹر دولتانہ کے احکام کے ماتحت ان چار اخباروں کی خریداری کیلئے منتقل کر لی گئی ۔ اور کہا گیا کہ اس سکیم کو خفیہ رکھا جائے ۔ ڈائرکیٹر نے نہایت خیرہ چشمی سے ہمارے سامنے بیان کیا کہ یہ سکیم خواندگی کو ترقی دینے کے لیے نہیں بلکہ خاص قسم کے اخباروں کی امداد کے لیے وضع کی گئی تھی ۔ "زمیندار" باوجود اس امر کے کہ وہ جولائی ۱۹۵۲ء کے بعد بھی جب ڈاکٹر قریشی نے مسٹر دولتانہ سے شکایت کی تھی ، برابر نفرت کی تلقین و اشاعت کرتا رہا ۔ گویا مامور من اللہ سمجھا جاتا رہا اور اس کے خلاف اقدام اس وقت تک ملتوی ہوتا رہا جب آخر اس التواء کی کوئی گنجائش نہ رہی ۔ کیونکہ مرکز نے سخت شکایت کی تھی ۔ احراریوں کے آرگن "آزاد" کی طرف مرکز نے بار بار صوبائی حکومت کو توجہ دلائی اور صوبائی حکومت نے ہر دفعہ محض تنبیہ پر اکتفا کیا ۔

مجلس عمل کے چیلنج کو دونوں میں سے کسی حکومت نے بھی سنجیدگی سے قابلِ توجہ نہ سمجھا ۔ خواجہ ناظم الدین آخری لمحے تک اسی اُمید میں رہے کہ غیب سے کوئی اچھا سامان ہو جائے گا ۔ اور صوبائی حکومت مطمئن رہی کہ شورش کا آغاز کراچی میں ہوگا ۔

آخر کار جب الٹی میٹم رد کر دیا گیا ۔ تو پوری صورت حالات کو بالکل تھیٹر کے ایک پُرامن تماشے کی طرح سمجھا گیا ۔ جس میں مطمئن سامعین کی دلچسپی کے لیے سٹیج پر جلوس نکالے اور نعرے لگائے جا رہے ہوں ۔ لاہور میں جلوس قریب قریب روزانہ نکلتے ہیں ۔ اور کوئی شخص ان کی پرواہ بھی نہیں کرتا ۔ جرگے بہت ہو رہے تھے ۔ اور کارروائی بالکل مفقود تھی ، پولیس بھی موجود تھی اور فوج بھی موجود تھی ۔ اور جیسا کہ افسر نے کہا ہر شخص صورت حالات کے متعلق گہرے غور و خوض میں مصروف تھا اور ہر شخص کو معلوم تھا ۔ کہ

کیا کرنا چاہیئے ۔ ہر شخص محسوس کر رہا تھا ۔ کہ فوج خاصہ کام انجام دے سکتی تھی ۔ لیکن کسی کو یہ معلوم نہ تھا، کہ ایسا کیوں نہ ہوا ۔"

"بعض کہتے ہیں کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا ۔ دوسرے کہتے ہیں کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا ۔ لوگ یونہی قیاسی باتیں کرتے ہیں .... تو کہدے کہ میرا خدا بہتر جانتا ہے (کہف)

ہمیں یقین واثق ہے کہ اگر احرار کے مسئلے کو سیاسی مصالح سے الگ ہو کر محض قانون و انتظام کا مسئلہ قرار دیا جاتا تو صرف ایک ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس ان کے تدارک کے لیے کافی تھے ۔ چنانچہ وہ طاقت جسے انسانی ضمیر کہتے ہیں ۔ ہمیں یہ سوال کرنے کی ترغیب دیتی ہے ۔ کہ آیا ہمارے سیاسی ارتقاء کے موجودہ مرحلے پر قانون و انتظام کا مسئلہ اس جمہوری "ہم بستر" سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا جسے وزارتی حکومت کہتے ہیں ۔ اور جس کے سینے پر ہر وقت کابوس سوار رہتا ہے ۔ لیکن اگر جمہوریت کا مطلب یہ ہے کہ قانون و انتظام کو سیاسی اغراض کے ماتحت کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ ہی علیم و خبیر ہے کہ کیا ہو گا اور یہاں ہم رپورٹ کو ختم کرتے ہیں ۔" [1]

رپورٹ تحقیقاتی عدالت اور احراری الزامات کا جائزہ

احرار لیڈر ملک میں جماعت احمدیہ کے خلاف اشتعال پیدا کرنے کے لیے جو الزامات جماعتِ احمدیہ پر مسلسل عائد کر رہے تھے ۔ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں اُن کا جائزہ بھی لیا گیا ۔ مثلاً رپورٹ میں لکھا ہے :۔

"احراری مقررین کئی دفعہ اپنی تقریروں میں کہہ چکے ہیں کہ مرزا محمود احمد اور چوہدری ظفر اللہ خاں کی غداری ہی کی وجہ سے ضلع گورداسپور بھارت میں شامل ہو گیا اور پاکستان کو نہ مل سکا ۔" [2]

فاضل ججوں نے اس الزام کو سراسر جھوٹا قرار دیا اور اپنی رپورٹ میں لکھا :۔

"احمدیوں کے خلاف معاندانہ اور بے بنیاد الزامات لگائے گئے ہیں کہ باؤنڈری کمیشن کے فیصلے میں ضلع گورداسپور اس لیے ہندوستان میں شامل کر دیا گیا کہ احمدیوں نے ایک خاص

---

[1] تحقیقاتی رپورٹ ص ۴۲۳ تا ۴۲۵ ؛ [2] رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۱۲۵ - ۱۲۶

رویہ اختیار کیا اور چوہدری ظفر اللہ خاں نے جنہیں قائداعظم نے اس کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے پر مامور کیا تھا خاص قسم کے دلائل پیش کیے لیکن عدالت ہٰذا کا صدر جو اس کمیشن کا ممبر تھا اس بہادرانہ جدوجہد پر تشکر و امتنان کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے جو چوہدری ظفر اللہ خاں نے گورداسپور کے معاملے میں کی تھی۔

یہ حقیقت باؤنڈری کمیشن کے کاغذات میں ظاہر و باہر ہے اور جس شخص کو اس مسئلے سے دلچسپی ہو وہ شوق سے اس ریکارڈ کا معائنہ کر سکتا ہے۔ چوہدری ظفر اللہ خاں نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات انجام دیں۔ ان کے باوجود بعض جماعتوں نے عدالت تحقیقات میں اُن کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ شرمناک ناشکرے پن کا ثبوت ہے۔" [1]

۱۹۵۳ء کی ساری شورش "تحفظِ ختمِ نبوت" کے نام پر اُٹھائی گئی تھی۔ فاضل ججوں نے اپنی رپورٹ میں جماعتِ احمدیہ کا ذکر کر کے لکھا:-

"ہمارے سامنے جو مُوقف اختیار کیا گیا ہے وہ واضح طور پر یہ ہے کہ مرزا غلام احمد اپنے آپ کو محض اس لیے نبی کہتے تھے کہ اُن کو ایک الہام میں اللہ تعالیٰ نے نبی کر کے مخاطب کیا تھا۔ وہ کوئی نیا قانون یا ضابطہ نہیں لائے۔ انہوں نے اصلی اور پرانی شریعت میں نہ کوئی تنسیخ کی ہے نہ اضافہ کیا ہے۔ اور مرزا صاحب کی وحی پر ایمان نہ لانے سے کوئی شخص خارج از اسلام قرار نہیں دیا جا سکتا۔" [2]

فاضل ججوں نے مسئلۂ وفات و حیاتِ مسیحؑ کے سلسلہ میں جماعتِ احمدیہ کا یہ عقیدہ درج کیا ہے کہ:-

"مسیحؑ صلیب پر نہیں، بلکہ عام حالات میں طبعی موت مرے تھے۔ اُن کے خصائل رکھنے والا ایک اَور آدمی مَوعُود تھا۔ چنانچہ وہ مرزا غلام احمد کی شخصیت میں ظہور کر چکا ہے۔ وہ نامور علماء و ائمہ کی کئی تحریرات اپنے اس عقیدہ کی تائید میں پیش کرتے ہیں کہ روزِ قیامت سے پیشتر جو مسیح موعود ظاہر ہونے والا تھا خود مسیح نہیں بلکہ مثیلِ مسیح ہو گا۔" [3]

---

[1] "رپورٹ تحقیقاتی عدالت" صفحہ ۲۰۹ ؛ [2] رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۱۹۹

[3] " رپورٹ تحقیقاتی عدالت" صفحہ ۲۰۲

مُدت سے یہ مکروہ پراپیگنڈا بھی کیا جا رہا تھا کہ معاذ اللہ احمدی جہادِ اسلامی کے منکر ہیں۔ اور یہ کہ بانیٔ جماعتِ احمدیہ نے اس جہاد کو جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور اسلام کی رُوحِ رواں ہے منسوخ کر دیا ہے۔ فاضل جج صاحبان نے اس بارے میں بالوضاحت لکھا کہ:۔

"جہاں تک عقیدۂ جہاد کا تعلق ہے احمدیوں کا خیال یہ ہے کہ جس جہاد کو جہاد بالسّیف کہتے ہیں وہ صرف اپنے دفاع میں جائز ہے اور مرزا غلام احمد (صاحب) نے اس مسئلہ پر اپنا خیال پیش کرتے ہوئے محض ایک عقیدہ مرتب کر لیا ہے جو قرآنِ مجید ہی کی متعدد آیات پر مبنی اور براہِ راست اسی سے ماخوذ ہے (فاضل ججوں نے وہ آیات بھی اس سے قبل نقل کر دیں۔ ناقل) اور مرزا صاحب قرآن مجید کے کسی قاعدے یا کسی ہدایت کو منسوخ و موقوف کرنے کے مدّعی نہیں ہیں"۔[1]

غیر احمدی علماء نے عدالت میں جہاد کے متعلق حضرت بانیٔ جماعتِ احمدیہ کے بعض اقوال و اقتباسات پیش کیے تھے۔ فاضل ججوں نے ان کا ذکر کر کے لکھا:۔

"احمدیوں کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جو الفاظ و تصریحات استعمال کی گئی ہیں ان میں تنسیخ کا مفہوم نہیں بلکہ قرآن مجید کے ایک عقیدے کی تعبیر و توجیہ ہے جو صدیوں سے غلط فہمی کا شکار رہتا رہا ہے اور بہر کیف ان الفاظ کی تعبیر دوسرے لوگ کچھ بھی کریں احمدیوں نے اس کا مطلب ہمیشہ یہی سمجھا ہے کہ ان میں کوئی نیا عقیدہ رائج نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُسی اصلی اور ابتدائی عقیدے کا اعادہ ہے جو قرآن مجید میں موجود ہے اور مرزا غلام احمد (صاحب) نے صرف پرانے عقیدے کی پاکیزگی کو میل کچیل سے پاک کر دیا۔ جماعتِ احمدیہ نے اس سلسلہ میں "یَضَعُ الْحَرْبَ" کی حدیث بھی پیش کی ہے اور کہا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنی تحریرات میں کسی قانون کو منسوخ نہیں کیا۔ بلکہ اس حدیث کے مطابق صرف قتال کو معطّل کر دیا ہے۔ یہ نکتہ بے حد اہم ہے"۔[2]

جماعتِ احمدیہ اپنے قیام کے آغاز ہی سے یہ عقیدہ پیش کرتی آرہی ہے کہ اسلام آزادیٔ

---

[1] "رپورٹ تحقیقاتی عدالت" ص ۲۰۵۔ [2] "رپورٹ تحقیقاتی عدالت" صفحہ نمبر ۲۰۶۔

فکر کا علمبردار ہے اور اس میں محض ارتداد کی سزا ہرگز قتل نہیں۔ عدالت میں یہ مسئلہ بھی زیرِ بحث آیا اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی کے رسالہ "الشہاب" کو بڑی اہمیت دی گئی جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ اسلام میں اِرتداد کی سزا قتل ہے۔ فاضل ججوں نے جماعتِ احمدیہ کے نظریہ کی پُرزور تائید کرتے ہوئے لکھا:۔

"ارتداد کے لیے سزائے مَوت بہت دُور رس متعلّقات کی حامل ہے۔ اور اس سے اسلام مذہبی جنونیوں کا دین ظاہر ہوتا ہے جس میں حرّیت فکر مستوجب سزا ہے۔ قرآن تو بار بار عقل و فکر پر زور دیتا ہے۔ رواداری کی تلقین کرتا ہے اور مذہبی امور میں جبر و اِکراہ کے خلاف تعلیم دیتا ہے لیکن ارتداد کے متعلّق جو عقیدہ اس کتابچے میں پیش کیا گیا ہے۔ وہ آزادیٔ فکر کی جڑ پر ضرب لگا رہا ہے۔ کیونکہ اس میں یہ رائے قائم کی گئی ہے کہ جو شخص پیدائشی مسلمان ہو یا خود اسلام قبول کر چکا ہو وہ اگر اس خیال سے مذہب کے موضوع پر فکر کرے کہ جو مذہب اسے پسند آئے اس کو اختیار کرے تو وہ سزائے موت کا مستوجب ہوگا۔ اس اعتبار سے اسلام کامل ذہنی فالج کا پیکر بن جاتا ہے۔ اور اگر اس کتابچہ کا یہ بیان صحیح ہے کہ عرب کے وسیع رقبے بارہا انسانی خون سے رنگین ہوئے تھے تو اس سے یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ عین اس زمانے میں بھی جب اسلام عظمت و شوکت کے نقطۂ عروج پر تھا اور پورا عرب اس کے زیرِ نگیں تھا اس ملک میں بے شمار ایسے لوگ موجود تھے جو اس مذہب سے منحرف ہو گئے تھے اور انہوں نے اس کے نظام کے ماتحت رہنے پر مَوت کو ترجیح دی تھی۔"[1]

وزیرِ داخلہ کا جنہوں نے حکومتِ پنجاب کو اس کتابچہ کی ضبطی کا مشورہ دیا تھا اور جو خود بھی دینی امور میں خاص مہارت رکھتے ہیں ذکر کر کے فاضل جج لکھتے ہیں کہ:۔

انہوں نے ضرور یہ سوچا ہوگا کہ اس کتابچے کے مصنّف نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ اس نظیر پر مبنی ہے جو عہد نامہ عتیق کے فقرات ۲۶، ۲۷، ۲۸ میں مذکور ہے اور جس کے متعلّق

---

[1] "رپورٹ تحقیقاتی عدالت" صـ ۲۳۷

قرآن کی دوسری سورۃ کی ۲۵۶ ویں آیت ہیں جزوی سا اشارہ کیا گیا ہے۔ اس نتیجے کا اطلاق اسلام سے ارتداد پر نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ قرآن مجید میں ارتداد پر سزائے موت کی کوئی واضح آیت موجود نہیں اس لیے کتابچے کے مصنف کی رائے بالکل غلط ہے بلکہ اس کے برعکس ایک تو سورۂ کافرون کی چھ مختصر آیات میں اور دوسری سورۃ کی آیت "لَآ اِکْرَاہ" کی تہہ میں جو مفہوم ہے اس سے وہ نظریہ بالکل غلط ثابت ہوتا ہے جو "اَنشِھَاب" میں قائم کیا گیا ہے۔"

نیز لکھا:۔

"سورہ کافرون صرف تیس الفاظ پر مشتمل ہے۔ اس کی کوئی آیت چھ الفاظ سے زیادہ کی نہیں۔ اس سورت میں وہ بنیادی خصوصیت واضح کی گئی ہے جو کردارِ انسانی میں ابتدائے آفرینش سے موجود ہے۔ اور "لَآ اِکْرَاہ" والی آیت ہیں جس کا متعلقہ صرف نو الفاظ پر مشتمل ہے ذہن انسانی کی ذمہ واری کا قاعدہ ایسی صحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے بہتر صحت ممکن نہیں۔ یہ دونوں متن جو الہام الٰہی کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتے ہیں، انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے اس اصول کی بنیاد و اساس ہیں جس کو معاشرۂ انسانی نے صدیوں کی جنگ و پیکار اور نفرت و خونریزی کے بعد اختیار کیا ہے اور قرار دیا ہے کہ یہ انسان کے اہم ترین بنیادی حقوق میں سے ہے لیکن ہمارے علمائے محققین اسلام کو جنگجوئی سے کبھی الگ نہیں کریں گے۔"[1]

اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کے حقوق اور علماء

مخالف علماء چونکہ یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دے کر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو وزارتِ خارجہ سے اور دوسرے احمدیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے اس لیے فاضل عدالت کے سامنے یہ اہم نکتہ بھی زیر غور آیا کہ اسلامی مملکت ہیں غیر مسلموں کو کیا حیثیت حاصل ہو گی؟ آیا انہیں وہی حقوقِ شہریت حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو ہوں گے؟ اور انہیں اپنے مذہب کی تبلیغ

---

[1] "رپورٹ تحقیقاتی عدالت" صفحہ ۲۳۷، ۲۳۸

کا حق ہو گا یا نہیں؟ فاضل جج لکھتے ہیں:۔

"اگر ہم اسلامی دستور نافذ کریں گے تو پاکستان میں غیر مسلموں کا مؤقف کیا ہو گا؟ ممتاز علماء کی رائے یہ ہے کہ پاکستان کی اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کی حیثیت ذمیوں کی سی ہو گی اور وہ پاکستان کے پورے شہری نہ ہوں گے کیونکہ اُن کو مسلمانوں کے مساوی حقوق حاصل نہیں ہوں گے۔ وضع قوانین میں اُن کی کوئی آواز نہ ہو گی۔ قانون کے نفاذ میں اُن کا کوئی حصہ نہ ہو گا اور انہیں سرکاری عہدوں پر فائز ہونے کا کوئی حق نہ ہو گا۔"[1]

فاضل جج مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی کی شہادت سے متعلقہ فقرات درج کر کے لکھتے ہیں:۔

"پس اس عالم دین کی شہادت کی رُو سے پاکستان کے غیر مسلم نہ تو شہری ہوں گے نہ انہیں ذمیوں یا معاہدوں کی حیثیت حاصل ہو گی۔"[2]

امیرِ شریعت احرار جناب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے عدالت میں بیان دیا تھا کہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم حکومت کا وفادار ہو۔ اسی طرح چار کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بھی یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی مملکت کے وفادار شہری ہوں۔"[3]

اس بیان پر فاضل جج لکھتے ہیں:۔

"یہ جواب اس نظریے کے بالکل مطابق ہے جو ہمارے سامنے پُرزور طریق پر پیش کیا گیا ہے۔ لیکن اگر پاکستان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے دستور کی بنیاد مذہب پر رکھے تو یہی حق ان ملکوں کو بھی دینا ہو گا۔ جن میں مسلمان کافی بڑی اقلیتوں پر مشتمل ہیں یا جو کسی ایسے ملک میں غالب اکثریت رکھتے ہیں جن میں حاکمیت کسی غیر مسلم قوم کو حاصل ہے۔"[4]

پس جب پاکستان کی اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کا یہ مؤقف ہو گا تو ردِّ عمل کے طور پر اس کے بعض نتائج اُن مسلمانوں پر ضرور اثر انداز ہوں گے جو غیر مسلم مملکتوں میں آباد ہیں۔ اس لیے عدالت نے علماء سے یہ سوال کیا کہ اگر پاکستان میں غیر مسلموں کے ساتھ شہریت کے معاملات میں مسلموں سے

---

[1] رپورٹ تحقیقاتی عدالت، صفحہ ۲۲۹ : [2] رپورٹ تحقیقاتی عدالت" صفحہ نمبر ۲۳۱

[3] ایضاً ص ۲۴۵ : [4] رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۴۵

مختلف سلوک کیا جائے۔ تو کیا علماء کو اس امر پر اعتراض ہوگا؟

مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صدر جمعیۃ العلماء پاکستان نے یہ جواب دیا کہ ہندوؤں کو جو ہندوستان میں اکثریت رکھتے ہیں۔ ہندو دھرم کے ماتحت مملکت قائم کرنے کا حق ہے اور اگر اس نظامِ حکومت میں منوشاستر کے ماتحت مسلمانوں سے ملیچھوں یا شودروں کا سا سلوک کریں تو اُن پر مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

اسی طرح مولانا مودودی صاحب نے کہا:۔

"یقیناً مجھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ حکومت کے اس نظام میں مسلمانوں سے ملیچھوں اور شودروں کا سا سلوک کیا جائے ان پر منو کے قوانین کا اطلاق کیا جائے اور انہیں حکومت میں حصہ اور شہریت کے حقوق قطعاً نہ دیئے جائیں"۔ ؎۱

۲۔ میاں طفیل محمد قیم جماعت اسلامی کے متعلق رپورٹ کہتی ہے کہ:۔

"اس گواہ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے۔ کہ اگر کوئی غیر مسلم حکومت اپنے ملک کی سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو آسامیاں پیش بھی کرے۔ تو ان کا فرض ہوگا کہ ان کو قبول کرنے سے انکار کردیں"۔ ؎۲

۳۔ غازی سراج الدین صاحب منیر نے جب یہ جواب دیا کہ ہمسایہ ملک اپنے سیاسی نظام کو اپنے مذہب پر مبنی قرار دے سکتا ہے۔ تو عدالت نے اس سے سوال کیا۔

سوال:۔ کیا آپ انکا یہ حق تسلیم کرتے ہیں۔ کہ وہ تمام مسلمانانِ ہند کو شودر اور ملیچھ قرار دے دیں اور انہیں کسی قسم کا شہری حق نہ دیں؟

جواب:۔ ہم انتہائی کوشش کریں گے۔ کہ ایسی حرکت سے پہلے ہی اُن کی سیاسی حاکمیت ختم کردی جائے۔ ہم ہندوستان کے مقابلے میں بہت طاقتور ہیں۔ ہم ضرور اتنے مضبوط ہوں گے کہ ہندوستان کو ایسا کرنے سے روک دیں"۔

جب غازی صاحب نے عدالت کے سوال پر یہ جواب دیا کہ تبلیغ اسلامی مذہبی فرائض میں سے ہے اور مسلمانانِ ہند کا بھی فرض ہے کہ علی الاعلان اپنے مذہب کی تبلیغ کریں۔ اور ان کو اس کا حق حاصل

؎۱ رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۴۵ :: ؎۲ رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۴۶

ہونا چاہیئے تو عدالت نے سوال کیا ۔

سوال : "اگر ہندوستانی مملکت مذہبی بنیاد پر قائم کر دی جائے اور وہ اپنے مسلم باشندوں کو تبلیغ مذہب کے حق سے محروم کر دے تو کیا ہو گا ؟

جواب : ۔ اگر ہندوستان کوئی ایسا قانون وضع کرے گا تو چونکہ میں تحریک توسیع پر ایمان رکھتا ہوں ۔ اس لیے ہندوستان پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لوں گا ۔ اس پر عدالت نے یہ ریمارک لکھا ہے :۔

"گویا مذہبی وجوہ کی بناء پر امتیازی سلوک کی باہم مساوات کا یہ جواب ہے" پھر فاضل ججوں نے اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کی ہے ۔

" ہمارے سامنے جس نظریے کی حمایت کی گئی ہے ۔ اس کو اگر ہندوستان کے مسلمان اختیار کر لیں تو وہ مملکت کے سرکاری عہدوں سے کاملاً محروم ہو جائیں گے اور صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی ان کا یہی حشر ہو گا جہاں غیر مسلم حکومتیں قائم ہیں مسلمان ہر جگہ دائمی طور پر مشتبہ ہو جائیں گے ۔ اور فوج میں بھرتی نہ کیے جائیں گے ۔ کیونکہ اس نظریہ کے مطابق کسی مسلم ملک اور کسی غیر مسلم ملک کے درمیان جنگ ہونے کی صورت میں غیر مسلم ملک کے مسلم سپاہیوں کے لیے کوئی چارہ نہیں کہ یا تو مسلم ملک کا ساتھ دیں یا اپنے عہدوں سے مستعفی ہو جائیں " [1]

فاضل ججوں کو نہایت افسوس سے ان کے دائرہ نگاہ کی تنگی کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھنا پڑا :۔

" علماء نے ہم سے صاف صاف کہہ دیا ہے (اور یہ کہتے ہوئے انہوں نے آنسو بہانا تو ایک طرف رہا آنکھ تک نہیں جھپکی کہ جب تک ہمارے خاص مہنے کا اسلام یہاں رائج ہے ۔ ہم کو اس بات کی کچھ پرواہ نہیں کہ دوسرے ممالک کے مسلمانوں کا کیا حشر ہو گا صرف ایک مثال سن لیجیئے ۔

" امیرِ شریعت نے کہا " باقی ۴ کروڑ (یہ عدد ان کا اپنا ہے) کو اپنی تقدیر کا فیصلہ خود کرنا چاہیئے " .... لہٰذا جن لوگوں کو صرف یہیں کی کھیتیوں کی نہیں بلکہ چین اور پیرو کی فصلوں کی دیکھ بھال کرنی ہے ان کے لیے اشد ضروری ہے کہ تمام اطراف کے مفادات کا خیال رکھیں " [2]

پھر فاضل ججوں نے اپنی رائے ظاہر کی ہے ۔

---

[1] رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص۲۴۶ و ص۲۴۷ ؛ [2] رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص۳۲۲

"آج مسلمان یادِ ماضی کا لبادہ اوڑھے، صدیوں کا بھاری بوجھ اپنی پشت پر لادے، مایوس و مبہوت ایک دوراہے پر کھڑا ہے اور فیصلہ نہیں کر سکتا کہ دونوں میں سے کس موڑ کا رخ کرے۔ دین کی وہ تازگی اور سادگی جس نے ایک زمانے میں اس کے ذہن کو عزمِ مصمم اور اس کے عضلات کو لچک عطا کی تھی آج اس کو حاصل نہیں ہے اس کے پاس نہ فتوحات حاصل کرنے کے وسائل ہیں نہ اہلیت ہے اور نہ ایسے ممالک ہی موجود ہیں جن کو فتح کیا جا سکے مسلمان بالکل نہیں سمجھتا کہ جو قوتیں آج اس کے خلاف صف آراء ہیں۔ وہ ان قوتوں سے بالکل مختلف ہیں جن سے اس کو ابتدائے اسلام میں جنگ کرنی پڑی تھی اور اس کے اپنے آباء و اجداد ہی کی راہ نمائی سے ذہنِ انسانی نے ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں جن کے سمجھنے سے وہ قاصر ہے۔ ...... صرف ایک ہی چیز ہے جو اسلام کو ایک عالمگیر تصور کی حیثیت سے محفوظ رکھ سکتی ہے اور مسلمان کو جو آج ضد و قدامت کا پیکر بنا ہوا ہے۔ دنیائے حال اور دنیائے مستقبل کا شہری بنا سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام کی نئی تاویل و تشکیل دلیرانہ کی جائے جو زندہ حقائق کو مردہ تصورات سے الگ کر دے۔ ...... اگر ہم جہاں رینی کی ضرورت ہے وہاں ہتھوڑا استعمال کرنا چاہیں گے اور اسلام سے ان عقدوں کے حل کرنے کی توقع رکھیں گے جن کو حل کرنا اس کا کبھی مقصود نہ تھا مایوسی نامرادی اور دل شکستگی برابر ہمارے شاملِ حال رہے گی۔ وہ مقدس دین جس کا نام اسلام ہے برابر زندہ رہے گا۔ خواہ ہمارے لیڈر اس کو نافذ کرنے کے لیے موجود نہ بھی ہوں۔ دین اسلام فرد میں۔ اس کی روح اور اس کے نقطۂ نگاہ میں اور مہد سے لحد تک خدا اور بندوں کے ساتھ تعلقات میں زندہ ہے اور زندہ رہے گا اور ہمارے اربابِ سیاست کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر احکامِ الٰہی ایک انسان کو مسلمان نہیں رکھ سکتے۔ تو ان کے قوانین یہ کام انجام نہیں دے سکتے"[1]

"مسلم" کی تعریف اور تحقیقاتی عدالت

اب ہم "تحقیقاتی عدالت" کی رپورٹ اس حصہ کی طرف آتے ہیں جو ہمارے نزدیک آئینی و مذہبی اعتبار سے سب سے اہم ہے۔ اور وہ یہ کہ اسلامی ریاست میں **مسلم کی تعریف** کیا ہے؟ فاضل جج لکھتے ہیں:-

"جمہوریہ اسلامی کے دوران میں رئیس مملکت یعنی خلیفہ ایک ایسے نظام انتخاب کے

---

[1] رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۵۰، ۲۵۱

ماتحت منتخب کیا جاتا تھا جو زمانۂ حاضر کے انتخاب سے قطعاً مختلف تھا۔ اور اس کی بنیاد نہ بالغوں کے حقِ رائے دہی پر اور نہ عمومی نمائندگی کی کسی اور ہیئت پر تھی۔ اس کی جو بیعت کی جاتی تھی جسے حلفِ اطاعت کہنا چاہیے اُسے ایک مقدس معاہدہ کی حیثیت حاصل تھی اور جب وہ اجماع الامت یعنی لوگوں کے اتفاق آراء سے منتخب ہو جاتا تھا تو جائز حکومت کے تمام شعبوں کا سرچشمہ بن جاتا تھا۔ اس کے بعد اس کو اور صرف اس کو حکومت کرنے کا حق ہوتا تھا وہ اپنے بعض اختیارات اپنے نائبوں کو تفویض کر سکتا تھا۔ اور اپنے گرد ایسے اشخاص کے ایک گروہ کو جمع کر لیتا تھا جو علم و تقویٰ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ اس گروہ کو مجلس شوریٰ یا اہل الحل والعقد کہتے تھے۔ اس نظام کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ کُفّار اُن وجوہ کے ماتحت جو واضح تھے اور جن کے بیان کی حاجت نہیں اس مجلس میں دخل حاصل نہیں کر سکتے تھے اور خلیفہ اپنے اختیارات کُفّار کو بالکل تفویض نہ کر سکتا تھا۔ خلیفہ حقیقی رئیس مملکت اور تمام اختیارات کا حامل ہوتا تھا اور زمانہ حاضر کی کسی جمہوری مملکت کے صدر کی طرح ایک بے اختیار فرد نہ تھا جس کا فرض صرف اتنا ہوتا ہے کہ اپنے وزیرِاعظم اور کابینہ کے فیصلوں پر دستخط کر دے۔ وہ غیر مسلموں کو اہم عہدوں پر مقرر نہ کر سکتا تھا نہ قانون کی تعبیر یا تنفیذ میں اُن کو کوئی جگہ دے سکتا تھا۔ اور وضعِ قوانین کا کام ان کے سپرد کرنا تو قانونی اعتبار سے بالکل ہی ناممکن تھا۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو مملکت کو لازماً کوئی ایسا انتظام کرنا ہوگا کہ **مسلم اور غیر مسلم کے درمیان فرق** معیّن ہو سکے اور اس کے نتائج پر عمل درآمد کیا جا سکے لہٰذا یہ مسئلہ بنیادی طور پر اہم ہے کہ فلاں شخص مُسلم ہے یا غیر مُسلم؟" [1]

فاضل جج صاحبان نے اس پس منظر میں علماء سے کیا کیا سوالات کیے علماء نے ان کے کیا جواب دیے؟ اور فاضل جج ان کے افکار و نظریات کو سُن کر کس نتیجے پر پہنچے؟ اس کی تفصیل ہمیں مطبوعہ رپورٹ کے درج ذیل الفاظ میں ملتی ہے:۔

"ہم نے اکثر ممتاز علماء سے یہ سوال کیا۔ کہ وہ "مسلم" کی تعریف کریں۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اگر

---

[1] "رپورٹ تحقیقاتی عدالت" ص ۲۳۱

مختلف فرقوں کے علماء احمدیوں کو کافر سمجھتے ہیں تو ان کے ذہن میں نہ صرف اس فیصلے کی وجوہ بالکل روشن ہوں گی۔ بلکہ وہ "مسلم" کی تعریف بھی قطعی طور پر کر سکیں گے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں شخص یا جماعت دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے۔ کہ دعویٰ کرنے والے کے ذہن میں اس امر کا واضح تصور موجود ہو کہ "مسلم" کس کو کہتے ہیں؟ تحقیقات کے اس حصے کا نتیجہ بالکل اطمینان بخش نہیں نکلا۔ اور اگر ایسے سادہ معاملے کے متعلق بھی ہمارے علماء کے دماغوں میں اس قدر ژولیدگی موجود ہے۔ تو آسانی سے تصور کیا جا سکتا ہے۔ کہ زیادہ پیچیدہ معاملات کے متعلق ان کے اختلافات کا کیا حال ہوگا۔ ذیل میں ہم مسلم کی تعریف ہر عالم کے اپنے الفاظ میں درج کرتے ہیں۔ اس تعریف کا مطالبہ کرنے سے پہلے ہر گواہ کو واضح طور پر سمجھا دیا گیا تھا۔ کہ آپ وہ قلیل سے قلیل شرائط بیان کیجیے جن کی تکمیل سے کسی شخص کو مسلم کہلانے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ تعریف اس اصول پر مبنی ہونی چاہیے جس کے مطابق گرامر میں کسی اصطلاح کی تعریف کی جاتی ہے۔ نتیجہ ملاحظہ ہو۔

مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری صدر جمعیت العلمائے پاکستان

سوال:۔ مسلم کی تعریف کیا ہے؟

جواب:۔ اوّل وہ توحید الٰہی پر ایمان رکھتا ہو۔ دوم وہ پیغمبر اسلام کو اور تمام انبیاء سابقین کو خدا کا سچا نبی مانتا ہو۔ سوم۔ اس کا ایمان ہو کہ پیغمبر اسلام صلعم انبیاء میں آخری نبی ہیں (خاتم النبیین) چہارم اس کا ایمان ہو کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام پیغمبر اسلام صلعم پر نازل کیا۔ پنجم وہ پیغمبر اسلام صلعم کی ہدایات کے واجب الاطاعت ہونے پر ایمان رکھتا ہو۔ ششم۔ وہ قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔

سوال:۔ کیا تارک الصلوٰۃ مسلم ہوتا ہے؟

جواب:۔ جی ہاں۔ لیکن منکر صلوٰۃ مسلم نہیں ہو سکتا۔

مولانا احمد علی صدر جمعیتہ العلماء اسلام مغربی پاکستان۔

سوال:۔ از راہ کرم مسلم کی تعریف کیجیے۔

جواب:۔ وہ شخص مسلم ہے۔ جو (۱) قرآن پر ایمان رکھتا ہو۔ اور (۲) رسول اللہ صلعم کے ارشادات پر ایمان رکھتا ہو۔ ہر شخص جو ان دو شرطوں کو پورا کرتا ہے مسلم کہلانے کا حقدار ہے۔ اور اس کے لیے

اس سے زیادہ عقیدے اور اس سے زیادہ عمل کی ضرورت نہیں"

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی۔

سوال:۔ ازراہِ کرم مسلم کی تعریف کیجیے؟

جواب:۔ وہ شخص مسلم ہے جو (۱) توحید پر (۲) تمام انبیاء پر (۳) تمام الہامی کتابوں پر (۴) ملائکہ پر (۵) یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔

سوال:۔ کیا ان باتوں کے محض زبانی اقرار سے کسی شخص کو مسلم کہلانے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ اور آیا ایک مسلم مملکت میں اس سے وہ سلوک کیا جائے گا جو مسلمان سے کیا جاتا ہے۔

جواب:۔ جی ہاں۔

سوال:۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ان تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہوں تو کیا کسی شخص کو اس کے عقیدے کے وجود پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے؟

جواب:۔ "جو پانچ شرائط میں نے بیان کی ہیں وہ بنیادی ہیں۔ جو شخص ان شرائط میں سے کسی شرط میں تبدیلی کرے گا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا"

غازی سراج الدین منیرؔ۔

سوال:۔ ازراہ کرم مسلم کی تعریف کیجیے؟

جواب:۔ میں ہر اس شخص کو مسلمان سمجھتا ہوں۔ جو کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان کا اقرار کرتا ہے اور رسولِ پاک صلعم کے نقشِ قدم پر چل کر زندگی بسر کرتا ہے"

مفتی محمد ادریس جامعہ اشرفیہ نیلہ گنبد۔ لاہور۔

سوال:۔ ازراہِ کرم مسلمان کی تعریف کیجیے؟

جواب:۔ لفظ مسلمان فارسی کا لفظ ہے۔ مسلم کے بیے فارسی میں جو لفظ مسلمان بولا جاتا ہے اس میں اور لفظ مومن میں فرق ہے۔ میرے لیے یہ ناممکن ہے کہ میں لفظ مومن کی مکمل تعریف کروں۔ کیونکہ اس امر کی وضاحت کے لیے بے شمار صفحات درکار ہیں۔ کہ مومن کیا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اقرار کرتا ہے۔ وہ مسلم ہے۔ اس کو توحیدِ الہٰی، رسالت انبیاء اور یومِ قیامت پر ایمان رکھنا چاہیئے جو شخص اذان یا قربانی پر ایمان نہیں رکھتا۔ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس طرح بیشمار

دیگر امور بھی ہیں جو ہمارے نبی کریمؐ سے ہم کو تواتر کے ساتھ پہنچے ہیں۔ مسلم ہونے کے لیے ان سب امور پر ایمان لانا ضروری ہے۔ میرے لیے یہ قریب قریب ناممکن ہے۔ کہ ان تمام امور کی مکمل فہرست پیش کروں۔"

حافظ کفایت حسین - ادارہ تحفظ حقوق شیعہ :۔

سوال :۔ مسلمان کون ہے ؟

جواب :۔ جو شخص (۱) توحید (۲) نبوت اور (۳) قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ مسلمان کہلانے کا حقدار ہے۔ یہ تین بنیادی عقائد ہیں۔ جن کا اقرار کرنے والا مسلمان کہلا سکتا ہے۔ ان تین بنیادی عقائد کے معاملے میں شیعوں اور سنیوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ ان تین عقیدوں پر ایمان رکھنے کے علاوہ بعض اور امور ہیں۔ جن کو ضروریاتِ دین، کہتے ہیں۔ مسلمان کہلانے کا حقدار بننے کے لیے ان کی تکمیل ضروری ہے۔ ان ضروریات کے تعین اور شمار کے لیے مجھے دو دن چاہئیں۔ لیکن مثال کے طور پر میں یہ بیان کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ احترام کلام اللہ۔ وجوب نماز۔ وجوب روزہ۔ وجوب حج مع الشرائط اور دوسرے بے شمار امور ضروریاتِ دین میں شامل ہیں۔"

مولانا عبدالحامد بدایونی - صدر جمعیت العلمائے پاکستان :۔

سوال :۔ آپ کے نزدیک مسلمان کون ہے ؟

جواب :۔ جو شخص ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتا ہے وہ مومن ہے اور ہر مومن مسلمان کہلانے کا حقدار ہے

سوال :۔ ضروریاتِ دین کون کون سی ہیں ؟

جواب :۔ جو شخص پنج ارکانِ اسلام پر اور ہمارے رسولِ پاک صلعم پر ایمان رکھتا ہے وہ ضروریات کو پورا کرتا ہے۔

سوال :۔ آیا ان پنج ارکانِ اسلام کے علاوہ دوسرے اعمال کا بھی اس امر سے کوئی تعلق ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہے۔ یا دائرہ اسلام سے خارج ہے ؟ (نوٹ :۔ گواہ کو سمجھا دیا گیا تھا کہ دوسرے اعمال سے وہ ضوابط اخلاقی مراد ہیں جو زمانہ حاضر کے معاشرے میں صحیح سمجھے جاتے ہیں)

جواب :۔ یقیناً تعلق ہے۔

سوال :۔ پھر آپ ایسے شخص کو مسلمان نہیں کہیں گے جو ارکان خمسہ اور رسالتِ پیغمبر اسلام پر تو

ایمان رکھتا ہے لیکن دوسرے لوگوں کی چیزیں چرا لیتا ہے ، جو مال اس کے سپرد کیا جائے اس کو غبن کر لیتا ہے اپنے ہمسائے کی بیوی کے متعلق نیت بد رکھتا ہے ۔ اور اپنے محسن سے انتہائی ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے ؟

جواب :۔ ایسا شخص اگر ان عقیدوں پہ ایمان رکھتا ہے ۔ جو ابھی بیان کیے گئے ہیں ۔ تو ان تمام اعمال کے باوجود وہ مسلمان ہوگا "

مولانا محمد علی کاندھلوی دارالشہابیہ ۔ سیالکوٹ ۔

سوال :۔ ازراہ کرم مسلمان کی تعریف کیجئے ؟

جواب :۔ جو شخص نبی کریم صلعم کے احکام کی تعمیل میں تمام ضروریاتِ دین کو بجالاتا ہے وہ مسلمان ہے ۔

سوال :۔ کیا آپ ضروریاتِ دین کی تعریف کر سکتے ہیں ؟

جواب :۔ ضروریاتِ دین ہر مسلمان کو معلوم ہیں خواہ دینی علم نہ رکھتا ہو ۔

سوال :۔ کیا آپ ضروریاتِ دین کو شمار کر سکتے ہیں ؟

جواب :۔ وہ اتنی بے شمار ہیں کہ ان کا ذکر بے حد دشوار ہے ، میں ان ضروریات کو شمار نہیں کر سکتا بعض ضروریاتِ دین کا ذکر کیا جا سکتا ہے مثلاً صوم وصلوٰۃ وغیرہ "

مولانا امین احسن اصلاحی :۔

سوال :۔ مسلمان کون ہے :۔

جواب :۔ مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک سیاسی مسلمان ، دوسرے حقیقی مسلمان ۔ سیاسی مسلمان کہلانے کی غرض سے ایک شخص کے لیے ضروری ہے کہ (۱) توحید الٰہی پر ایمان رکھتا ہو (۲) ہمارے رسول پاک کو خاتم النبیین مانتا ہو ۔ یعنی اپنی زندگی کے متعلق تمام معاملات میں ان کو آخری سند تسلیم کرتا ہو ۔ (۳) ایمان رکھتا ہو کہ ہر خیر وشر اللہ کی طرف سے ہے ۔ (۴) روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو ۔ (۵) قرآن مجید کو آخری الہام الٰہی یقین کرتا ہو ۔ (۶) مکہ معظمہ کا حج کرتا ہو ۔ (۷) زکوٰۃ ادا کرتا ہو ۔ (۸) مسلمانوں کی طرح نماز پڑھتا ہو ۔ (۹) اسلامی معاشرے کے ظاہری قواعد کی تعمیل کرتا ہو ۔ (۱۰) روزہ رکھتا ہو ۔ جو شخص ان تمام شرائط کو پورا کرتا ہو ۔ وہ ایک اسلامی مملکت کے پورے شہری کے حقوق کا مستحق ہے ۔ اگر وہ ان میں سے کوئی شرط پوری نہ کرے گا ۔ تو وہ سیاسی مسلمان نہ ہوگا ۔ (پھر کہا) اگر کوئی شخص ان دس امور

پر ایمان کا محض اقرار ہی کرتا ہو۔ گو ان پر عمل کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔ تو یہ اس کے مسلمان ہونے کے لیے کافی ہے۔ حقیقی مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کے تمام احکام پر عین اس طرح ایمان رکھتا ہو۔ اور عمل کرتا ہو۔ جس طرح وہ احکام و ہدایات اس پر عائد کیے گئے ہیں ۔

سوال :۔ کیا آپ یہ کہیں گے کہ صرف حقیقی مسلمان ہی "مردِ صالح" ہے ؟

جواب :۔ جی ہاں ۔

سوال :۔ اگر ہم آپ کے ارشاد سے یہ سمجھیں کہ آپ کے نزدیک سیاسی مسلمان کہلانے کے لیے صرف عقیدہ کافی ہے ۔ اور حقیقی مسلمان بننے کے لیے عقیدے کے علاوہ عمل بھی ضروری ہے۔ تو کیا آپ کے نزدیک ہم نے آپ کا مفہوم صحیح طور سے سمجھا ہے ؟

جواب :۔ جی نہیں آپ میرا مطلب صحیح طور پر نہیں سمجھے ۔ سیاسی مسلمان کے معاملہ میں بھی عمل ضروری ہے ۔ میرا مطلب یہ ہے ۔ کہ اگر کوئی شخص ان عقائد کے مطابق عمل نہیں کرتا ۔ جو ایک سیاسی مسلمان کے لیے ضروری ہیں۔ تو وہ سیاسی مسلمانوں کے دائرے سے خارج ہو جائے گا ۔

سوال :۔ اگر کوئی سیاسی مسلمان ان باتوں پر ایمان نہ رکھتا ہو ۔ جن کو آپ نے ضروری بتایا ہے تو کیا آپ اس شخص کو "بے دین" کہیں گے ؟

جواب :۔ جی نہیں میں اسے محض "بے عمل" کہوں گا ۔

صدر انجمن احمدیہ ربوہ کی طرف سے جو تحریری بیان پیش کیا گیا ۔ اس میں مسلم کی تعریف یہ کی گئی کہ مسلم وہ شخص ہے جو رسول پاک صلعم کی اُمت سے تعلق رکھتا ہے ۔ اور کلمہ طیّبہ پر ایمان کا اقرار کرتا ہے ۔

ان متعدد تعریفوں کو جو علماء نے پیش کی ہیں ۔ پیشِ نظر رکھ کر کیا ہماری طرف سے کسی تبصرے کی ضرورت ہے ؟

بجز اس کے کہ دین کے کوئی دو عالم بھی اس بنیادی امر پر متفق نہیں ہیں ۔ اگر ہم اپنی طرف سے "مسلم" کی کوئی تعریف کر دیں جیسے ہر عالم دین نے کی ہے ۔ اور وہ تعریف ان تعریفوں سے مختلف ہو جو دوسروں نے پیش کی ہیں ۔ تو ہم کو متفقہ طور پر دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا جائے گا ۔ اور اگر ہم علماء میں سے کسی ایک کی تعریف کو اختیار کر لیں ۔ تو ہم اُس عالم کے نزدیک تو مسلمان رہیں گے لیکن دوسرے تمام علماء کی تعریف کی رو سے کافر ہو جائیں گے ۔"

"اسلامی مملکت میں ارتداد کی سزا موت ہے اس پر علماء عملاً متفق الرائے ہیں (ملاحظہ ہو مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صدر جمعیت العلمائے پاکستان پنجاب۔ مولانا احمد علی صدر جمعیت العلماء اسلام مغربی پاکستان۔ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی بانی وسابق امیر جماعت اسلامی پاکستان۔ مفتی محمد ادریس جامعہ اشرفیہ لاہور ورکن جمعیتہ العلماء پاکستان۔ مولانا داؤد غزنوی صدر جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان مولانا عبدالحکیم قاسمی جمعیت العلماء اسلام پنجاب۔ اور مسٹر ابراہیم علی چشتی کی شہادتیں)

اس عقیدے کے مطابق چوہدری ظفر اللہ خاں نے اگر اپنے موجودہ مذہبی عقائد ورثے میں حاصل نہیں کیے بلکہ وہ خود اپنی رضامندی سے احمدی ہوئے تھے۔ تو ان کو ہلاک کر دینا چاہیئے۔ اور اگر مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری یا رضا احمد خاں بریلوی یا اُن بے شمار علماء میں سے کوئی صاحب جو (فتویٰ (EX. D E 14) کے خوبصورت درخت کے ہر پتے پر مرقوم دکھائے گئے ہیں) ایسی اسلامی مملکت کے رئیس بن جائیں۔ تو یہی انجام دیوبندیوں اور وہابیوں کا ہوگا۔ جن میں مولانا محمد شفیع دیوبندی ممبر بورڈ تعلیمات اسلامی ملحقہ دستور ساز اسمبلی پاکستان اور مولانا داؤد غزنوی بھی شامل ہیں۔ اور اگر مولانا محمد شفیع دیوبندی رئیس مملکت مقرر ہو جائیں تو وہ ان لوگوں کو جنہوں نے دیوبندیوں کو کافر قرار دیا ہے۔ دائرہ اسلام سے خارج قرار دیں گے اور اگر وہ لوگ مرتد کی تعریف میں آئیں گے یعنی انہوں نے اپنے مذہبی عقائد ورثہ میں حاصل نہ کیے ہوں گے، بلکہ خود اپنا عقیدہ بدل لیا ہوگا۔ تو مفتی صاحب ان کو موت کی سزا دے دیں گے۔

جب دیوبندیوں کا ایک فتویٰ (EX. DE 13) جس میں اثنا عشری شیعوں کو کافر و مرتد قرار دیا گیا ہے۔ عدالت میں پیش ہوا تو کہا گیا کہ یہ اصل نہیں۔ بلکہ مصنوعی ہے لیکن جب مفتی محمد شفیع نے اس امر کے متعلق دیوبند سے استفسار کیا تو اس دارالعلوم کے دفتر سے اس فتویٰ کی ایک نقل موصول ہو گئی۔ جس پر دارالعلوم کے تمام اساتذہ کے دستخط ثبت تھے۔ اور ان میں مفتی محمد شفیع صاحب کے دستخط بھی شامل تھے۔ اس فتوے میں لکھا ہے۔ کہ جو لوگ حضرت صدیق اکبرؓ کی صحابیت پر ایمان نہیں رکھتے۔ جو لوگ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے قاذف ہیں اور جو لوگ قرآن میں تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں وہ کافر ہیں۔

اس تمام بحث کا آخری نتیجہ یہ ہے۔ کہ شیعہ سُنی۔ دیوبندی۔ اہل حدیث اور بریلوی لوگوں میں

سے کوئی بھی مسلم نہیں اور اگر مملکت کی حکومت ایسی جماعت کے ہاتھ میں ہو جو دوسری جماعت کو کافر سمجھتی ہے تو جہاں کوئی شخص ایک عقیدے کو بدل کر دوسرا اختیار کرے گا اس کو اسلامی مملکت میں لازماً موت کی سزا دی جائے گی اور جب یہ حقیقت مدنظر رکھی جائے کہ ہمارے سامنے مسلم کی تعریف کے معاملے میں کوئی دو عالم بھی متفق الرائے نہیں ہو سکے تو اس عقیدے کے نتائج کا قیاس کرنے کے لیے کسی خاص قوت متخیلہ کی ضرورت نہیں۔ اگر علماء کی پیش کی ہوئی تعریفوں میں سے ہر تعریف کو معتبر سمجھا جائے۔ پھر انہیں تحلیل و تحویل کے قاعدے کے ماتحت لایا جائے اور نمونے کے طور پر الزام کی وہ شکل اختیار کی جائے جو گلیلیو کے خلاف انکویزیشن کے فیصلے میں اختیار کی گئی تھی تو اُن وجوہ کی تعداد بے شمار ہو جائے گی جن کی بناء پر کسی شخص کا ارتداد ثابت کیا جا سکے،" [1]

علماء کے تبصرے اور ان کا جواب

"تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ نے احمدیت اور پاکستان کے مخالف مذہبی لیڈروں کی کارروائیوں کو جس طرح طشت از بام کیا اُس نے اُن کے حامیوں میں صفِ ماتم بچھا دی اور ان کی طرف سے محاسبہ اور تبصرہ کے نام سے دو کتابیں [2] شائع کیں جن میں نام نہاد علماء کی شکست اور بے آبروئی پر پردہ ڈالنے اور مظلوم احمدیوں کو ملزم گردانںے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ خالدِ احمدیت مولانا جلال الدین صاحب شمس نے "تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر ایک نظر" کے نام سے اپریل ۱۹۵۵ء میں ایک مبسوط کتاب شائع کی جس میں نہ صرف یہ التزام فرمایا کہ ہر معاملہ میں تحقیقاتی عدالت کی رائے بلا کم و کاست درج کر دی جائے بلکہ مؤلفین تبصرہ کی مغالطہ انگیزیوں کا پردہ چاک کر دیا جائے۔

---

[1] رپورٹ تحقیقاتی عدالت (اردو) ص ۲۳۱ تا ۲۳۷

[2] ۔ (۱) "تبصرہ" از نعیم صدیقی صاحب و سعید احمد ملک صاحب (ناشر مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان) (۲) "محاسبہ" از مولانا مرتضیٰ احمد صاحب میکش ۔

چھٹا باب

نام نہاد "علمائے دین" کے افسوسناک بیانات کا شدید ردِّ عمل

خدا کی قدرت، وہ علماء جو تحقیقاتی عدالت کی کارروائی میں اس جوش خروش کے ساتھ شامل ہوئے تھے کہ وہ احمدیوں کو تحقیقاتی کمیشن سے غیر مُسلم اقلیت تسلیم کرا کے چھوڑیں گے عدالت میں مسلم کی تعریف کرنے سے قاصر رہے۔ جس کا پاکستان اور بیرونی ممالک میں شدید ردِّ عمل رُونما ہوا۔ جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اس ردِّ عمل کا اندازہ کرنے کے لیے صرف چند تأثرات کا مُطالعہ کافی ہوگا:۔

۱۔ عُلماء اور فتنۂ تکفیر

جمعیتہ العلمائے ہند کے ایک متوسّلِ خصوصی کے قلم سے

حضرت مدیر" صدقِ جدید" دامت برکاتہم

پاکستان کو تو چھوڑیئے اینٹی احمدیہ تحریک نے علماء کرام کو اپنوں اور غیروں کی نظروں میں اس قدر ذلیل اور رسوا کیا ہے کہ مجموعی حیثیت سے اس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ حق یہ ہے کہ پاکستان کے علماء نے اپنی گردنیں خود اپنے ہاتھوں سے کاٹی ہیں۔ اور اپنے وقار پر خود ہی خاک اڑائی ہے، لطف یہ ہے کہ اس حادثہ کا اعتراف دوسرے لوگ تو کر لیں گے خود علماء کرام ہرگز نہ کریں گے۔ حق کا ناحق سودا ان کے سر پر ہمیشہ سوار رہا ہے انہوں نے اپنی غلطیوں سے سلطنتیں تباہ کر ڈالی ہیں۔ .... ان کی تکفیر بازی اُن کی اور مسلمانوں کی قبر کھود چکی ہے۔۔
لاہور میں جو تحقیقاتی کمیشن علماء کرام سے شہادتیں لے رہا ہے اس نے نہ صرف علماء کے وقار ہی کو بلکہ علم وفضل کو بھی بے نقاب کر ڈالا ہے۔ شہادت دینے گئے تھے اس بات کی کہ قادیانی کافر ہیں

اور بتایا یہ آئے کہ خیریت سے وہ خود بھی دوسروں کی نظروں میں کافر ہی قرار پائے ہیں۔ اور وہ تکفیر بازی کی مشق آپس ہی میں ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں۔ مثلاً مولانا محمد علی کاندھلوی نے شہادت دیتے ہوئے بعض سوالات کے جواب میں فرمایا کہ

"ابتدائے اسلام ہی سے علماء ایک دوسرے کو کافر کہتے آئے ہیں۔ مسلمانوں نے جبر و قدر کے مسئلہ پر ایک دوسرے کو کافر لکھا ہے۔ معتزلہ اور اہل قرآن دونوں کافر ہیں علماء نے امام ابن تیمیہ اور عبدالوھاب کو بھی کافر قرار دیا ہے۔ علماء نے دیوبندی علماء کی بھی تکفیر کی ہے۔" (نوائے وقت ۲۳، ۲۴ ، اکتوبر ۱۹۵۳ء)

سبحان اللہ سرکاری کمیشن کو باور کرایا جارہا ہے کہ خود مکفر علماء بھی کفر سے نہیں بچے اور انہوں نے تکفیر کے تیروں سے کسی بڑے چھوٹے کو نہیں چھوڑا عدالت تو یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ جو علماء قادیانیوں کو بڑھ چڑھ کر کافر کہہ رہے ہیں وہ خود بھی مسلمان ہیں یا نہیں؟ خوش قسمتی سے علماء کرام نے عدالت کی یہ خواہش بھی پوری کی۔ اور باتوں ہی باتوں میں اُگل گئے کہ خیریت سے وہ بھی دوسرے کی نظروں میں کافر ہی رہے۔ اور دوسرے ان کی نظروں میں خارج از ملت۔ خیر! یہ تو علماء کا بھولا پن تھا۔ کہ آپس کی باتیں ججوں کے سامنے کہہ بیٹھے اور یوں قادیانیوں کا بوجھ ہلکا ہوا۔ افسوسناک چیز تو یہ ہے کہ علماء نے ایک دوسرے کے خلاف باتیں کہیں اور ایک نے دوسرے کے نظریہ، فیصلہ اور فتویٰ کو جھٹلایا اور مسٹروں کو اپنے اُوپر ہنسنے کا موقع دیا.........

محترم: للہ علماء کو تکفیر بازی سے روکیے۔ ورنہ اس گروہ کا انجام بخیر نظر نہیں آتا۔ کچھ اُمید تھی کہ جماعت اسلامی کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنا "مسلک اعتدال" تکفیر کے میدان سے الگ رکھیں گے۔ اور اس بارہ میں علماء کی کچھ ایسی اصلاح کر جائیں گے کہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ مگر افسوس ہے کہ اینٹی قادیانی تحریک میں وہ ایسے گرے کہ ان کی ریفارمیشن کا سارا بھرم کھل گیا۔ اگر رَد میں روا باشد ہی ان کا مسلک تھا تو انہیں مسلمانوں پر الفاظ کا جادو تو نہ چلانا چاہیئے تھا۔ یہیں آکر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ قدرت نے مدیر "صدقِ جدید" کو بیکار پیدا نہیں کیا ہے انہوں نے تکفیر بازی کے اس دور میں جب دور رس نگاہی کا ثبوت دیتے ہوئے فتنہ تکفیر پر ضرب لگائی ہے اس پر ہم تو کیا شاید کوئی آنے والا مجدّد ہی داد دے سکے گا۔ مدیرِ "صدقِ جدید" کی

یہ جرأت تو اپنے مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بھی ماند نہ پڑ سکی۔ اس لیے تو موصوف سے درخواست ہے کہ اس فتنہ سے سختی کے ساتھ باز پرس کریں۔ اور مسلمان فرقوں کو اس امتحان سے ہمیشہ کے لیے نجات دلادیں۔ تاکہ ایک طرف علماء کا وقار قائم رہے دوسری طرف خدا، رسول، کتاب اور یوم آخرۃ پر ایمان لانے والے اور کلمۂ شہادت کے شریک زبردستی اسلام سے باہر نہ کیے جاسکیں۔ مدیر صدق کے بعد کوئی نظر نہیں آتا جو اس میدان میں اپنی جرأت کا ثبوت دے سکے۔ اگر موصوف نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے کوئی مستقل منصوبہ نہیں بنایا تو قدرت کی باتیں تو دوسری ہیں علماء کو اس کا احساس دلانے والا بھی ڈھونڈے سے نہ مل سکے گا۔"

["صدقِ جدید" لکھنؤ ۸ر جنوری ۱۹۵۴ء
بحوالہ رسالہ الفرقان ربوہ جنوری ۱۹۵۴ء صر۳،۴]

۲۔ اخبار "ٹائمز" (Times) کراچی نے تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر حسب ذیل نوٹ سپردِ اشاعت کیا:۔

The Times of Karachi
30th April, 1954

"The Court of Inquiry has unerringly put its finger on every weak spot. Apart from indicating the factual and moral responsibility involved in the conduct of persons and organisations, the Court has felt it necessary to examine the psychological foundations that made the Ahrar appeal irresistible. The Court subjected the Ulema who appeared before it to searching questions on doctrinal matters. Almost every Maulvi was asked to state the irreducible minimum of beliefs necessary to make one a Muslim. Almost each reply differed from the other. The representative of Jamaat-i-Islami even wanted notice to answer the question. The divergence of the Ulema's replies is regrettable since it relates to the very fundamentals of the Faith. But that in spite of their irreconcilable doctrinal differences the Ulema were able to forge a united front against Ahmadis calls pointed attention to the characteristic aims and activities of the Ahmadis themselves that made this possible. The replies on the subjects of "Jehad", "apostasy," and the status of non-Muslims, have to be studies in the light of the plainest

Quranic injunctions and for their bearing on the constitutional responsibilities of the Pakistani State.

The elucidation of the concepts of sovereignty, legislation, interpretation etc., constitute a stimulating invitation to the reconstruction of Islamic political thought. This part of the Court of Inquiry is of much more than local or ephemeral interest. The Court has pleaded for a "bold re-orientation of Islam" if this sublime Faith is to be rid of "archaic incongruities" and to regain its vitality as a "world Idea". The Muslim mind has to be brought into proper relationship with the modern environment, if it is to be immunised against the forces of ignorance that can sway it in the holy name of religion.

The weak mental foundations of the community could not have been demonstrated more painfully than by the fact that the very people who had stubbornly opposed the very conception of the Islamic State claimed immediately after the establishment of Pakistan the right to build up the new State on Islamic patterns and were successful in imposing upon the people and causing bloodshed and destruction.

The report of the Court of Inquiry will naturally direct the thoughts of the people in various directions. The evidence examined by the Court implicates many individuals, holding important places in different walks of life in serious charges. The Inquiry has exposed those who provoked the disturbances; those who plotted them; those who demoralised the administration, abdicated before the forces of lawlessness, and poisoned and corrupted public life. The country will naturally ask whether this colossal exposure will be the end of the matter. Determined action is called for if this God-given State is not to remain a haven for "political brigands, adventurers and non-entities." This elaborate and incisive report is not labour lost.

"Chief Justice Muhammed Munir" by Nazir Hussain Chaudhri p. 221-222 Reserch Society of Pakistan, Lahore, March 1973.

تحقیقاتی عدالت نے کسی غلطی کے بغیر اپنی انگلی ہر ایک کمزور جگہ پر رکھی ہے ۔ ایک طرف تو جج صاحبان نے واقعاتی اور اخلاقی ذمہ داری جو افراد اور تنظیموں پر عائد ہوتی تھی ۔ اس کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ تو دوسری طرف عدالت نے ضروری سمجھا ہے ۔ کہ اُن نفسیاتی محرکات کا تجزیہ کرے ۔ جس نے احرار کی اپیل کو ناقابلِ مزاحمت بنا دیا تھا ۔

عدالت نے اُن علماء پر جو اس کے سامنے پیش ہوئے تھے ۔ اُن کے مذہبی عقائد کے بارے میں کڑی جرح کی ۔ قریباً ہر ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا گیا کہ وہ ناقابلِ تخفیف فقرات اور اقل ترین الفاظ میں اپنے وہ عقائد بیان کرے جو ایک شخص کو مسلمان بنانے کے لیے کافی ہو سکتے ہیں ۔ اس سوال کے جتنے بھی جواب دیئے گئے اُن میں سے قریباً ہر ایک جواب دوسرے جوابوں سے مختلف تھا ۔ جماعت اسلامی کے نمائندے نے تو یہ کہا ۔ کہ مجھے اس سوال کا جواب دینے کے لیے قبل از وقت نوٹس دیا جانا چاہیئے تھا علماء کے ان جوابوں کا اختلاف قابلِ افسوس ہے ۔ کیونکہ یہ سوال ہمارے مذہب کی اصل بنیاد سے تعلق رکھتا ہے ۔ لیکن باوجود اپنے ناقابلِ اتفاقی فرقہ وارانہ اختلافات کے علماء اس قابل ہو گئے تھے کہ وہ احمدیوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ بروئے کار لا سکیں ۔ اور یہ بات ہماری گہری توجہ کو اس طرف مبذول کراتی ہے ۔ کہ احمدیوں کے خصوصی عزائم اور مشاغل خود محلِ اعتراض تھے ۔ جنہوں نے یہ صورت حال پیدا کی ۔

مسئلہ جہاد ۔ ارتداد اور اسلام میں ایک غیر مسلم کا درجہ وغیرہ اس قسم کے سوالات کے جوابات کو قرآن شریف کے سادہ ترین احکامات کی روشنی میں مطالعہ کرنا ہوگا ۔ اور نیز یہ بھی دیکھنا ہوگا ۔ کہ پاکستانی مملکت کی آئینی ذمہ داریوں پر اُن کا کیا اثر پڑتا ہے ۔

حکومت ۔ قانون سازی ۔ ترجمانی وغیرہ کے تصورات اور ان کی تشریح و توضیح ایک سیاسی مکتب فکر کی دوبارہ تعمیر کے لیے کافی خوش کن دعوت ثابت ہوگی ۔

تحقیقاتی عدالت کا یہ حصہ مقامی یا قلیل العمر دلچسپی کا موجب نہیں ہے ۔ عدالت نے زور دیا ہے کہ اسلام کی جرأت مندانہ تجدید کی جائے تاکہ ہم اس باجمال مذہب کو تمام فرسودہ اور بے معنی لغویات سے پاک کر سکیں ۔ اور اس کی قوتِ حیات کو ایک عالمگیر مثالی تخیل کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں ۔

اگر تو ہم نے اس مذہب کو جہالت کی تمام طاقتوں کے حملہ سے محفوظ رکھنا ہے۔ جو اس کو مذہب کے مقدس نام پر متاثر کر سکتی ہیں تو ضروری ہے کہ دلِ مسلم کو جدید ماحول کے ساتھ ایک مناسب رشتہ میں منسلک کیا جائے۔ اسلامی برادری کی کمزور دماغی بنیادیں اس سے زیادہ واضح اور دردناک طور سے ظاہر نہیں کی جا سکتی تھیں جیسا کہ اس امر واقعہ سے ظاہر ہے۔ کہ وہی لوگ جنہوں نے اسلامی ریاست کے تصور و قیام کی اس شدّ و مد سے مخالفت کی تھی۔ انہوں نے اس ریاست کے وجود میں آنے کے فوراً بعد اپنا یہ حق جتایا کہ ہم لوگ اس ریاست کو اسلامی نمونے پر قائم کریں گے اور پھر وہ لوگوں کو مرعوب کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور خون ریزی کی اور تباہی پیدا کی۔

اس تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ قدرتی طور پر لوگوں کے خیالات کو مختلف سمتوں میں جانے کی ہدایت کرے گی۔ عدالت نے جس شہادت کو قلمبند کیا ہے۔ اس میں بہت سے افراد ملوّث ہیں جو کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں ممتاز جگہوں پر فائز ہیں۔ یہ رپورٹ اُن لوگوں پر بڑے خطرناک الزام عائد کرتی ہے۔

اس انکوائری نے ان لوگوں کو بے نقاب کیا ہے جنہوں نے فسادات کو ہوا دی۔ اُن کو بھی جنہوں نے سازشیں کیں۔ وہ لوگ بھی جنہوں نے انتظامیہ کو بے اثر کیا۔ اور لاقانونی طاقتوں کے آگے سرنگوں ہوئے۔ اور پبلک زندگی کو مسموم اور خراب کیا۔ قدرتی طور پر ملک سوال کرے گا۔ کہ کیا اتنا بڑا عظیم الشان انکشاف یہیں تک محدود رہے گا۔ (یا اس پر کوئی کارروائی ہوگی) ایک پُر عزم کارروائی کی ضرورت ہے۔ اگر ہم نے اس خداداد سلطنت کو سیاسی مجرموں۔ ڈاکوؤں اور مہم انگیزوں اور ناکارہ لوگوں کی پشت پناہ نہیں بنانا ہے یہ مفصل اور کاٹ کرنے والی رپورٹ وقت ضائع کرنے والی چیز نہیں ہے۔

۴۔ اخبار الاعتصام لاہور ۷ راکتوبر ۱۹۵۵ء نے لکھا:۔

"ہم آج مسلمانوں کے سامنے ایک معمّہ برائے حل پیش کرتے ہیں۔ جس کے حل پر کوئی فیس نہیں اور صحیح حل پر انعام ہم تو کیا دیں گے۔ خود صحیح حل بصورت "حیاتِ طیبہ" انشاء اللہ دے گا۔ اچھا تو لیجیئے۔

ختم نبوت ایجی ٹیشن کی تحقیقاتی کمیٹی کے صدر مسٹر جسٹس منیر نے سُنا ہے۔ کہ اپنی رپورٹ

میں یہ انکشاف کیا ہے۔ کیا جتنے علماء اس تحقیقات میں شہادت دینے تشریف لائے۔ ہر ایک سے یہ سوال کیا گیا۔ کہ "مسلمان کی تعریف کیا ہے" ؟ اس کے جواب میں دو علماء بھی متفق نہ پائے گئے۔ حتیٰ کہ مولوی امین احسن اصلاحی صاحب بھی مسلمان کی تعریف میں اپنے امیر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے متفق نہ نکلے۔ مشاہدات یہ بتا رہے ہیں۔ کہ مسلمان جھوٹ بولے، دھوکہ کرے، فریب کرے، قتل کرے، چوری کرے، شراب پیئے، زنا کرے، غیبت کرے، بہتان اٹھائے، عیب لگائے، اغوا کرے، غداری کرے، نماز نہ پڑھے، روزے نہ رکھے، زکوٰۃ نہ دے، غیر اللہ کو سجدے کرے غرض یہ کہ جو جی چاہے۔ کرتا پھرے۔ "نہ ایمان بگڑے نہ اسلام جائے"۔

قرآن کریم میں اوامر ہیں، نواہی ہیں، حلال ہیں، حرام ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کے فرمان ہیں۔ اخوتِ اسلامی کے لوازم ہیں، حقوق اور فرائض ہیں۔ مگر ان پر عمل کس کا ہے؟ یہ اتنی ضخیم کتاب ہدایت کیوں نازل ہوئی؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اتنی تکالیف اور اتنے مصائب کیوں اٹھائے؟ جس مذہب کے ماننے والے مندرجہ بالا تمام امور کے ارتکاب پر بھی جنت کے مستحق رہیں۔ اس کی مخالفت کی ضرورت کیا تھی؟۔

آج مسلمانوں کے سامنے سب سے بڑا معمہ یہ ہے۔ کہ "اسلام ہے کیا؟" کیا قرآن مبین اور احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بتایا جائے گا۔ کہ۔ "اسلام" ۔ کیا ہے؟ اور "مسلمان" ۔ کی صحیح تعریف کیا ہے؟ "بیّنوا۔ توجروا"۔ [1]

۵۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی مدیر "صدقِ جدید" نے "خارجیت" کی جارحیت" کے زیر عنوان لکھا:۔

" انٹی احمدیہ بلووں کی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے دو سوالوں کے دو جواب:۔

(۱) کیا آپ ہندوؤں کا جن کی بھارت میں اکثریت ہے۔ یہ حق تسلیم کریں گے کہ وہ اپنے ملک کو ہندو دھارمک کی ریاست بنائیں؟

جواب۔ جی ہاں۔ کیا اس طرز حکومت میں مو سمرتی کے مطابق مسلمانوں سے ملیچھوں یا شودروں کا

---

[1] ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور ۷، اکتوبر ۱۹۵۵ء ص ۵ کالم ۱

سا سلوک ہونے پر آپ کو کچھ اعتراض تو نہیں ہوگا ۔ جواب جی نہیں ۔

(۲) اگر پاکستان میں اس قسم کی اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو کیا آپ ہندوؤں کو اجازت دیں گے کہ وہ اپنا آئین اپنے مذہب کی بنیاد پر بنائیں ۔ جواب ۔ یقیناً بھارت میں اس قسم کی حکومت مسلمانوں سے شودروں اور ملیچھوں کا سا سلوک بھی کرے اور ان پر منو کے قوانین نافذ کرکے انہیں حقوقِ شہریت سے محروم اور حکومت میں حصہ لینے کے نااہل قرار دے ڈالے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا ۔

یہ دونو جوابات آپ کو یقین آئے گا کہ کن کی زبان سے عطا ہوئے ہیں ۔ پہلا جواب صدر جمعیۃ العلماء پاکستان ابوالحسنات مولانا محمد احمد قادری رضوی (بریلوی) کا ہے اور دوسرا بانی و امیر جماعت اسلامی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا ۔ انا للہ ثم انا للہ ؏

ناؤ یہ کس نے ڈبوئی؟ خضر نے

مسلمانانِ ہند کا بڑے سے بڑا دشمن بھی کیا اس سے بڑھ کر کوئی جواب دے سکتا تھا ۔ فریاد بجز مالک حقیقی اور کس سے کیجیئے ؛ ۔

کس شقاوت کے ساتھ ۴ کروڑ کلمہ گوؤں کو سیاسی موت کا حکم سنایا جارہا ہے ۔ اور ان میں سے ایک جمعیۃ العلماء پاکستان کے صدر ہیں ۔ اور دوسرے جماعتِ اسلامی کے بانی و امیر ۔ اور مولانا مودودی کا یہ پہلا کرم مسلمانانِ ہند پر نہیں ۔ کئی سال ہوئے ایک اور فتویٰ بھی تو کچھ اسی قسم کا دے چکے ہیں ۔ کہ ہندی مسلمانوں کے ساتھ رشتۂ ازدواج جائز نہیں !

وہی ہندوستان جس میں صرف رسمی اور نسلی مسلمان ہی نہیں ۔ ہزارہا ہزار "صالحین" یعنی جماعت اسلامی کے ارکان بھی آباد ہیں ! ۔ جارحیت کی اس حد تک تو شاید خارجیت بھی اپنے دور اوّل میں نہیں پہنچی تھی (صدق جدید ۲۸ مئی ۱۹۵۴ء)[1]

۶ ۔ جماعتِ اسلامی کے راہنما مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے ۱۱ جون ۱۹۵۵ء کو شیخوپورہ میں ایک سپاسنامے کے جواب میں کہا کہ : ۔

---

[1] صدق جدید ۲۸ مئی ۵۴ ۱۹ء بحوالہ الفرقان ربوہ جولائی ۱۹۵۴ء ص ۴۸

"فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت میں کھلم کھلا علماء کو خوار کرنے کا سامان ہو رہا تھا اور جب تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ شائع ہوئی تو ایک دنیا نے دیکھ لیا کہ اس میں علماء کی کیا گت بنائی گئی اور اس رپورٹ کی اشاعت پر سب کو سانپ سونگھ گیا۔" لہ

۷ ۔ بھارت کے ایک سُنی عالم کا مندرجہ ذیل مقالہ لکھنؤ کے رسالہ "صدقِ جدید" میں ۶ اور ۲۰ دسمبر ۱۹۵۷ء کی اشاعتوں میں اشاعت پذیر ہوا :۔

"مُسلمان کی تعریف"

(ایک غیر جانبدار ہندی مبصّر کے قلم سے)

"یاد ہوگا کہ مغربی پاکستان میں جو ایجی ٹیشن قادیانیوں کے خلاف ہوا۔ اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ مارشل لاء لگا ۔ علماء جیل میں ڈالے گئے ۔ ایک تحقیقاتی عدالت قائم ہوئی جس میں بہت سے علماء (اہلِ حدیث دیوبندی ۔ بریلوی ۔ شیعہ) نے شہادتیں دیں ۔ عدالت نے سب سے پوچھا کہ اسلام کی رو سے "مسلم" کی تعریف کیا ہے ۔ عمر بھر درس و تدریس اور فتویٰ دینے والے علماء اس سوال پر بہت چکرائے مشکل سے جواب دے سکے اور متضاد جوابات دے کر خود ایک دوسرے کی تکذیب کر بیٹھے ۔ کوئی ضروریات دین کی حد تک گیا ۔ کہ جو شخص ضروریاتِ دین کو مانے وہ مسلمان ہے مگر دین کیا ہیں؟ ان کی فہرست کوئی عالم پیش نہ کر سکا ۔ چند علماء نے یہ کہہ کر پیچھا چھڑایا کہ عدالت نے اس سوال پر غور کرنے کی مہلت نہیں دی ۔ گویا ساری عمر مسلمان کی تعریف سے بے نیاز اور غافل رہے اور غفلت میں لاکھوں بندگانِ خدا کو کافر بنا ڈالا ۔ حال ہی میں سُنی شیعہ جھگڑے چلے جن میں جانوں کا اتلاف ہوا ۔ نہ معلوم آئندہ کیا ہو ۔ ہم ذیل میں لفظ "مسلم" کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں شاید اس سے پاکستان کے علماء کوئی فائدہ اٹھا سکیں اور انہیں لفظ مسلم کی تعریف کیلئے کچھ مواد مل جائے

لہ روزنامہ "ملت" لاہور ۲۱ جون ۱۹۵۵ء صا

(۱)

لاہور کے معاصر آزاد نے سوال اٹھایا ہے کہ جب صدر مملکت کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے تو لفظ مسلمان کی آئینی تعریف بھی قانون میں شامل ہونی چاہیئے۔ اور جبکہ رائے دہندوں کو مسلمان اور نامسلمان کے خانوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے، .... مسلمان کی تعریف اور بھی ضروری ہو گئی ہے۔ ورنہ رائے دہندوں کی تقسیم بالکل بیکار ہو جائے گی اور فلاں فرقہ کو بھی مسلمانوں میں شامل کر لیا جائے گا۔

(روزنامہ آزاد۔ ۱۸ر نومبر ۱۹۵۶ء)

بیشک لفظ "مسلمان" کی تعریف ضرور شائع ہونی چاہیئے۔ مگر اس کی تعریف علماء کرام ہی فرمائیں گے تو ہو گی۔ اس کے صرف دو طریقے ہو سکتے ہیں اوّل یہ کہ جس فرقہ کو اسلام سے خارج کرنا یا اسے کافر قرار دینا ہو اُسے پہلے سے ذہن میں محفوظ رکھیں اور پھر "مسلمان" کی کوئی ایسی تعریف نکالیں جس میں صرف وہی فرقے داخل ہو سکیں جن کو تعریف کرنے والے داخل کرنا چاہیں۔ مگر یہ طریقہ اختیار کرنے سے علماء کو بڑا تکلف کرنا ہو گا۔ پہلے سے مسلمان کی تعریف کیے بغیر یہ فیصلہ کر لینا کہ فلاں فرقہ اسلام سے خارج ہے اور پھر اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے کتاب و سنت کے ساتھ زور آزمائی کرنا بڑی محنت اور ساتھ ہی بڑی بد دیانتی چاہتا ہے۔ اگر ہر فرقہ نے دوسرے فرقہ کو اسلام سے نکالنے کے لیے لفظ مسلمان کی کوئی من مانی تعریف کی تو کسی ایک تعریف پر بھی اتفاق نہ ہو سکے گا اور نتیجہ میں کوئی فرقہ بھی مسلمان ثابت نہ ہو گا۔ لیجیے میدان صاف اور لفظ مسلمان کی تعریف معلق۔ روز روز کے جھگڑوں سے نجات اور مسلمان در گور و مسلمانی در کتاب۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کے الفاظ میں پہلے سے فیصلہ کیے بغیر ایمانداری سے مسلمان کی تعریف تلاش کر لی جائے۔ نہ تو ذہن میں یہ ہو کہ فلاں فرقہ کو ضرور مسلمان ثابت کرنا ہے۔ نہ یہ کہ فلاں فرقہ کو اسلام سے نکالنا ہے۔ کتاب اللہ اور اقوال پیغمبرؐ سے انہی کے الفاظ میں مسلمان کی تعریف اخذ کر لی جائے۔ اور اس بات کی کوئی پروا نہ کی جائے کہ اس کی رُو سے کون مسلمان اور کون کافر قرار پاتا ہے۔ جو فرقہ بھی اس تعریف میں آتا ہو اسے آنے دو اور جو اس سے نکلتا ہو اسے نکل جانے دو نہ تو کسی کو زبردستی داخل کرو اور نہ زبردستی نکالو۔ اگر کوئی تعریف سب

کو اسلام کی آغوش میں لیتی ہے تو تم بھی اسے گلے لگاؤ اور اسے دھکے دینے کی کوشش نہ کرو۔

(۲)

کتاب وسنت میں لفظ مسلم کی کوئی متفق علیہ تعریف موجود ہے؟ اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ علمائے کرام نے کتاب وسنت کا گہرا مطالعہ اور اس کا منشاء معلوم کر کے ایک عقیدہ مقرر کیا ہے اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اس عقیدے کو سچے دل سے مانتا ہے وہ مسلمان ہے خواہ اس کا تعلق کسی فرقہ سے ہو۔ وہ عقیدہ یہ ہے۔

"میں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اس بات پر کہ خیر وشر کا وہی مالک ہے اور اس پر کہ مرنے کے بعد جینا برحق ہے ایمان لاتا ہوں۔"

اگر یہی عقیدہ ایک مسلم کی کسوٹی ہے تو ہر فرقہ سے پوچھو کہ وہ اس عقیدہ کی تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر ایمان رکھتا ہے تو اسے مسلمان سمجھو، اور تفصیلات کو علام الغیوب کے حوالے کرو۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ پھر ایسے فرقہ کو اسلام سے خارج کر دے اور اس عقیدے کو بے نتیجہ اور بے اثر بنائے۔

اگر اس استدلالی اور استنباطی عقیدہ سے کام نہیں چل سکتا۔ تو پھر کتاب اللہ سے کتاب اللہ کے الفاظ میں پوچھو اور قرآن کریم سے لفظ مسلم کی تعریف نکالو۔ قرآن ہر زمانہ میں بولنے والی کتاب ہے۔ ناممکن ہے کہ ضرورت کے وقت وہ ہمیں لفظ مسلم کی تعریف سے آگاہ نہ کرے اور ہمیں مسلمان کی تعریف نہ بتائے۔ ہم نے جب اس مقصد کے لیے قرآن حکیم سے پوچھا تو اس نے بتایا:[1]

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا

[1] مقالہ میں صرف ترجمہ آیات درج ہے آیات کا متن مقالہ کی افادیت میں اضافہ کے لیے بڑھایا گیا ہے۔

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۝

(سورۃ انفال ع ۱)

مومن وہ ہیں کہ ذکر الٰہی کے وقت ان کے دلوں میں خوف پیدا ہوتا ہے اور جب آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھتا ہے۔ اور وہ خدا پر بھروسہ کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے اور خدا کے بخشے ہوئے رزق کو خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں سچے ایمان والے۔ (قرآن پ ۹ ع ۱۵)

(۲) فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

(ھود۔ع ۲)

اگر وہ تمہاری بات کا جواب نہ دے سکیں تو سمجھ لو کہ یہ قرآن خدا کے علم کے مطابق اُترا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس کیا تم مسلمان ہو۔ (قرآن پ ۱۲ ع ۲)

(۳) وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝ (المائدہ ع ۱۵)

اور ہم نے حواریوں کو وحی کی کہ وہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لائیں۔ انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

(قرآن پ ۷ ع ۵)

(۴) قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (الانبیاء ع ۷)

کہہ دو کہ مجھ کو تو یہی حکم ملا ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہے۔ پس کیا تم اسلام قبول کرتے ہو۔ (قرآن پ ۱۷ ع ۷)

(۵) فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۝ (توبہ ع ۲)

اگر وہ تائب ہوکر نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

(قرآن پ۱۰ ع ۸)

(۶) فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

(اعراف ع ۲۰)

پس تم اللہ اور اُس کے نبی اُمّی کی رسالت پہ ایمان لاؤ جو خود بھی اللہ اور اس کے کلمات پہ ایمان لایا ہے ۔ اور تم اس کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ۔ (قرآن پ۹ ع ۱۰)

اب خواہ آپ کسی ایک آیت سے لفظ "مسلم" اور مومن کی تعریف اخذ کریں یا تمام آیات کو ملا کر کوئی نتیجہ نکالیں، خلاصہ یہی ہے کہ جو شخص خدا کی توحید اور صاحب قرآن کی رسالت کا قائل ہے نماز قائم کرتا اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے وہ مسلمان ہے، سچا مومن ہے، مسلمانوں کا بھائی ہے ۔ ہدایت یافتہ ہے اور حواری تو خدا اور اس کے رسولؐ پہ ایمان لاکر لوگوں کو گواہ بناتے ہیں کہ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۔

(۳)

قرآن کے بعد صاحبِ قرآن کی طرف آیئے اور دیکھیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کو مسلم قرار دیا ہے:۔

(۱) حضرت جبرئیلؑ نے پوچھا ایمان کیا ہے؟ فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پہ، اللہ کے فرشتوں پہ، اس کی ملاقات پہ، اس کے رسولوں پہ، دوسری زندگی پہ یقین کرو۔ فرشتے نے پوچھا اور اسلام؟ فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو۔

(بخاری کتاب الایمان)

(۲) اسلام کی بنیاد ہی پانچ چیزوں پر ہے ۔ اس بات کی شہادت کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ نماز کا قیام۔ زکوٰۃ کی ادائیگی۔ بیت اللہ کا حج۔ رمضان کے روزے۔ (بخاری کتاب الایمان)

۳۔ جس شخص نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کو مانا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلمان ہے۔ (مشکوٰۃ)

مسلم کی تعریف میں خدا نے جو کچھ بتایا ہے کیا صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دوسری راہ اختیار کی؟ ایمان کی تعریف میں اور مسلم کی تعریف میں اسلام کی بنیادیں کیا ہیں؟ اس کا اجمال قرآن میں اور تفصیل صاحبِ قرآن کے فرمان میں ہے۔ پس جو شخص، جو فرقہ ایمان و اسلام کی ان تمام باتوں کو مانتا ہے۔ وہ سچا مسلمان اور پکا ایماندار ہے۔ کسی کو حق نہیں کہ کچھ اپنی طرف سے بڑھا کر کسی کو اسلام سے خارج کرے اور کتاب اللہ اور ارشاداتِ رسولؐ سے تجاوز کر کے صرف اپنے اسلام کا ڈھنڈورا پیٹے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آیات اور احادیث مسلم کی تعریف میں کارآمد نہیں ہو سکتیں۔ کچھ اور آیات اور احادیث ہیں جو لفظ مسلم کی تعریف میں قولِ فیصل کا حکم رکھتی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو وہ آیات اور احادیث پیش کرو اور ان میں اپنی طرف سے کچھ نہ ملاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام سے اس فرقہ کو خارج کرو جسے کتاب اللہ اور اقوالِ رسول اللہؐ خارج کریں اور ان فرقوں کو مسلمان سمجھو جن کو خدا اور رسولؐ مسلمان قرار دیں۔ ایک حرف کی کمی بیشی نہ کرو۔ الفاظ اور ان کا صحیح مفہوم جوں کا توں رہنے دو۔ اور پھر دیکھو کہ اسلام میں کون داخل ہوتا اور اس سے کون خارج ہوتا ہے۔

اس موقعہ پر علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی یاد رکھنے کے قابل ہے:۔

"بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صاحب کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا تھا۔ وہ احمق سی کوئی حبشیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور دریافت کیا کہ کیا یہ مسلمان ہے؟ آپ نے اس سے پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا دی آپ نے ان صاحب سے فرمایا لے جاؤ یہ مسلمان ہے۔ اللہ اکبر! اسلام کی حقیقت پر کتنے پردے پڑ گئے ہیں آپ اسلام کے لیے آسمان کی طرف انگلی اٹھا دینا کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک آج کوئی مسلمان مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ نسفی کے بندھے ہوئے عقائد پر حرفاً حرفاً آمنت نہ

کہنا جائے "۔ (رسالہ اہلسنت والجماعت صہ ۲۴)

۴

اسلام اور ایمان کے مقابلہ میں کفر اور انکار ہے ۔ جو مسلمان نہیں وہ نامسلمان ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمان کون ہے اور اس کے لیے کن باتوں کا ماننا ضروری ہے ۔ پس جس شخص کو ان باتوں سے انکار ہے وہ نامسلمان ہے ۔ یہ بات اتنی واضح ہے جس پر بحث کی کوئی ضرورت نہیں رہتی ۔ تاہم وضاحت کے لیے یہ کہنا شاید نامناسب نہ ہوگا کہ کفر کی بنیاد انکار و تکذیب ہے اَلتَّاوِیْلُ فَرْعُ الْقَبُوْلِ (تاویل قبول و تسلیم ہی کی ایک شکل ہے)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں :۔

اَمَّا الْوَصِیَّۃُ فَاَنْ تَکُفَّ لِسَانَکَ عَنْ تَکْفِیْرِ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ مَا اَمْکَنَکَ مَادَامُوْا قَائِلِیْنَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ غَیْرُ مُنَاقِضِیْنَ لَھَا وَالْمُنَاقَضَۃُ تَجْوِیْزُھُمُ الْکَذِبَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعُذْرٍ اَوْ بِغَیْرِ عُذْرٍ فَاِنَّ التَّکْفِیْرَ فِیْہِ خَطَرٌ وَّ السُّکُوْتُ لَا خَطَرَ فِیْہِ ۔

(التفرقہ بین الاسلام والزندقہ صہ ۵۶)

(ترجمہ) میری نصیحت یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اہلِ قبلہ کی تکفیر سے اپنی زبان کو روکو جب تک کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے قائل رہیں اور اس کے خلاف نہ کریں اور خلاف یہ کہ حضور صلعم کو کسی عذر یا بغیر عذر کے کاذب قرار دیں ۔ کیونکہ کسی کو کافر کہنے میں بڑے خطرات ہیں اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں ہے ۔

چونکہ امام صاحب نے مسئلہ تکفیر کی گہری ریسرچ کی ہے اور کتاب التفرقہ اسی موضوع پر لکھی ہے ۔ اس لیے انہوں نے اس بات کی وضاحت بھی کی ہے کہ مسلمانوں کے فرقے جب

ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں تو اس کے لیے انکار و تکذیب ہی کا حربہ استعمال کرتے ہیں۔ مگر جب تک قائل خود انکار نہ کر دے اور اپنی طرف سے تکذیب کا یقین نہ دلائے۔ اسے مکذّب و مکفّر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ امام صاحب فرماتے ہیں:۔

"ہر فرقہ دوسرے فرقے کی تکفیر کرتا ہے۔ اور اس پر رسولؐ کی تکذیب کی تہمت دھرتا ہے۔ حنبلی اشعری کو کافر کہتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے خدا کے لیے اوپر کی جہت اور عرش پر بیٹھنے کی تکذیب کی ہے اور اشعری حنبلی کو اس لیے کافر کہتا ہے کہ وہ خدا کی تشبیہ کا قائل ہے۔ حالانکہ رسولؐ نے تو لَيْسَ كَمِثْلِهِ کہا ہے۔ اس لیے وہ رسول کی تکذیب کرتا ہے اور اشعری معتزلی کو اس بناء پر کافر بتاتا ہے کہ اس نے خدا کے دیدار ہونے اور خدا میں علم و قدرت اور دیگر صفات کے قائم بالذات ہونے سے انکار کرنے میں رسولؐ کی تکذیب کی ہے۔" اور معتزلی اس خیال سے اشعری کو کافر بتاتا ہے کہ صفات کو عین ذات نہ ماننا تکثیر فی الذات ہے۔ اور توحید باری کی تکذیب رسولؐ اللہ کی تکذیب ہے۔" (التفرقہ بین الاسلام والزندقہ صـ۲۳)

یہ سطور اہل پاکستان کے ان علماء کے لیے لکھی گئی ہیں جو حکومت سے لفظِ مُسلم کی تعریف کرانا چاہتے ہیں۔ اگرچہ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ وہ تعریف سے پہلے بعض فرقوں کو خارج از اسلام قرار دینے کے لیے بے چین ہیں اور تعریف بھی ایسی من مانی کرانا چاہتے ہیں کہ جن کو وہ مسلمان کہنا نہیں چاہتے وہ مسلمان ثابت نہ ہوں۔ اس الجھن کو دور کرنے کے لیے یہ سطور پیش کی جا رہی ہیں۔

"ناظرین یقین فرمالیں کہ مضمون نگار صاحب نہ "قادیانی" ہیں نہ "رافضی" نہ "وہابی" نہ "بدعتی" نہ "پرویزی" نہ "چکڑالوی" نہ "خارجی" نہ "مودودی"۔ بلکہ ٹھیٹھ اہل سنت ہیں۔ جمعیۃ العلماء سے تعلق رکھنے والے ہیں۔"

۸۔ چیف جسٹس قدیرالدین صاحب نے لکھا:۔

"اسلام کسی ایک دین کا نام ہے یا طرح طرح کے بہت سے دین اور بہت سی شریعتوں

کو ملا کر ان کا نام اسلام رکھ دیا گیا ہے؟

یہ سوال ان سب لوگوں کے لیے اہم ہے۔ جو اپنے آپ کو سچے دل سے مسلمان بھی کہتے ہیں۔ اور اسلام سے محبت بھی رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے ملک میں یہ مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہوا کہ مسلمان کن عقائد کے رکھنے والوں کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے دستور میں مسلمان کی تعریف (Defination) شامل نہیں ہوسکی۔ اس لیے شق نمبر ۲۶۰ کے جز نمبر ۳ میں غیر مسلم کی تعریف شامل کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ سوال کہ مسلمان کس کو کہتے ہیں؟ کھل کر ۱۹۵۳ء میں اُس وقت سامنے آیا۔ جب قادیانیوں کے خلاف پنجاب میں فسادات ہوئے اور ایک تحقیقی عدالت مقرر کی گئی کہ ان فسادات کے اسباب کی تفتیش کرے۔ اس عدالت کے صدر جناب محمد منیر تھے جو اس وقت چیف جسٹس تھے اور ایک رُکن کیانی صاحب مرحوم تھے۔ جو اُس وقت پنجاب ہائی کورٹ کے جج تھے۔

اس عدالت نے مُلک کے تقریباً تمام فرقوں کے سرکردہ علماء کو بطور گواہ کے بُلایا، جو فرقے اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ چنانچہ وہ سب پیش ہوئے اور سب سے یہ سوال کیا گیا کہ مسلمان کی تعریف کیا ہے؟ ہر ایک کا جواب منیر رپورٹ میں درج ہے۔

ان جوابات کو غور سے دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کوئی بھی یہ کہہ کر مطمئن نہیں ہوا کہ اللہ کو ایک ماننا اور محمدؐ کو اس کا سچا پیغمبر ماننا ایک مسلمان کا عقیدہ ہے بلکہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ اور شرائط شامل کی گئیں وجہ یہ تھی کہ اگر وہ شرائط نہ لگاتے تو پھر فرقوں میں جو اختلاف ہے اس کی بنیاد قائم نہ ہوسکتی۔ ہر فرقے کے عالم نے ان عقائد کا ذکر کسی نہ کسی طرح سے مسلمان کی تعریف میں کرنا ضروری سمجھا۔ جن کو وہ اپنے فرقے کی خصوصیت سمجھتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان کی تعریف میں فرقوں کی تعریفیں شامل ہوتی رہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلام فرقوں کا ایک مجموعہ نظر آنے لگا اور خالص اسلام کی تعریف مسلمان کی تعریف کے ساتھ اُلجھ کر رہ گئی؛

روزنامہ "جنگ" کراچی ۱۶ رمئی ۱۹۷۶ء بحوالہ ہفت روزہ لاہور
جلد نمبر ۲۵ شمارہ نمبر ۲۲ ۳۱ رمئی ۱۹۷۶ء صفحہ نمبر ۵

ایک اہلحدیث عالمِ دین کا نعرۂ حق

۸۔ پنجاب کے مشہور اہلحدیث خاندان کے چشم و چراغ مولانا غلام محی الدین لکھوی نے رگو ہڑ نمبر ۸ متصل پتوکی ضلع لاہور میں) ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ہر وہ شخص جو پنجگانہ نماز ادا کرتا ہے مسلمان ہے خواہ وہ کوئی بھی عقیدہ رکھتا ہو۔ ..... تحقیقاتی عدالت میں کسی عالم دین کو مسلمان کی تعریف کرنا نہیں آئی۔ حالانکہ حدیث کی رُو سے مسلمان وہ جو حدیث من صلّٰی صَلٰوتَنَا واستقبل قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا پر عامل ہے"

اخبار "الاعتصام" لکھتا ہے کہ:۔

"اس موقع پر انہوں نے تمام علماء کو جاہل قرار دیا ایک شخص نے اُٹھ کر کہا کہ قادیانیوں کے بارہ میں جناب کا کیا خیال ہے؟ جبکہ وہ اس حدیث پر بھی عامل ہیں؟ مولانا نے فوراً جواب دیا کہ وہ مسلمان ہیں"[۱]

برِّصغیر کے ممتاز ادیب اور سکالر کی رائے

۹۔ میاں محمد طفیل ایڈیٹر رسالہ نقوش و سیکرٹری جنرل پاکستان رائٹرز گلڈ نے لکھا:۔

"مجھے یا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان کہیں جبکہ آج تک یہی پتہ نہ چلا ہو کہ مسلمان کی تعریف کیا ہے۔ ۱۹۵۳ء میں احمدی ایجی ٹیشن کے خلاف جو انکوائری کمیٹی بیٹھی تھی اُس نے تمام علماء سے سوال کیا تھا کہ پہلے یہ بتائیے کہ مسلمان کی تعریف کیا ہے وہاں مختلف عقائد کے علماء جمع تھے۔ سب ایک دوسرے کا مُنہ دیکھ کر رہ گئے اس لیے کہ مسلمانوں میں بھی تو کئی عقیدوں کے لوگ ہیں جیسے شیعی، خارجی، معتزلی، وہابی، احمدی، بہائی، نیچری وغیرہ۔ ہمارا مولوی تو دوسرے عقیدے والے کو جھٹ سے کافر کہہ دیتا ہے۔ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ہم مولویوں کی نظر میں مسلمان نہیں ہیں اسلیے کہ جو خدا کی وحدانیت اور رسول کی رسالت پر ایمان رکھتا ہے کافر کیسے

---

[۱] مکتوب محمد یوسف ناظم جمعیتہ اہلحدیث گوہڑ ۸ متصل پتوکی ضلع لاہور رہفت روزہ الاعتصام لاہور ۲۶ نومبر ۱۹۵۴ء ص ۵ کالم ۱

ہو جاتا ہے"۔ ؎

غیر مسلم دُنیا میں اسلام اور پاکستان کی بدنامی

تحقیقاتی عدالت میں عُلماء کے طرزِ عمل، تنگ نظری، تعصّب اور علمی کم مائیگی کے مظاہرہ نے جہاں برِصغیر کے مسلمان حلقوں میں اُنکے خلاف سخت نفرت وحقارت کے جذبات پیدا کیے وہاں اس کا یہ افسوسناک نتیجہ بھی برآمد ہوا کہ غیرمسلم دنیا میں بھی اسلام اور پاکستان کی سخت بدنامی ہوئی۔ اس حقیقت میں صرف چند تحریرات کا ذکر کافی ہوگا۔

۱۔ مشہور مستشرق پروفیسر ولفرڈ کانٹ ویل سمتھ

(Wilfred Cantwell Smith)

نے لکھا:۔

"The Court of Inquiry, and subsequently the world, was presented with the sorry spectacle of Muslim divines no two of whom agreed on the definition of a Muslim, and who yet were practically unanimous that all who disagreed should be put to death."

Islam in Modern History by Wilfred Cantwell Smith-1957
Princeton University Press, Princeton, New Jersey, USA, page, 233.

تحقیقاتی عدالت اور بعد میں دنیا کے سامنے یہ افسوسناک نظارہ پیش کیا گیا کہ کوئی سے دو علماء بھی مسلمان کی تعریف پر آپس میں متفق نہ ہو سکے اور اس کے باوجود وہ سب اس بات پر عملی طور پر متفق تھے اور یک آواز تھے کہ جو شخص بھی ان کے نکتہ نگاہ سے اختلاف کرے اُسے قتل کر دیا جائے۔

؎ "آپ" صفحہ ۳، ۱۹۷۳ء دوسرا ایڈیشن مصنف محمد طفیل۔ ایڈیٹر "نقوش" سیکرٹری جنرل پاکستان رائٹرز گلڈ

۲۔ مسٹر ایم اے کرانڈکر (M. A. Karandikar) نے لکھا۔

The committee later on converted itself into a Council of Action. The agitation later on took an ugly turn resulting in the imposition of martial law and appointment of a commission of enquiry headed by Justice M. Munir and Justice M. R. Kayani. Their report is famous as the Munir Report. The controversy is summarised in the Report: 'In am Islamic state or in Islam there is a fundamental distinction between the rights of Muslim and non-Muslim subjects and one distinction which may at once be mentioned is that the non-Muslims cannot be associated with the business of administration in the higher sphere. Therefore, if the Ahmadis were not Muslims but Kafirs, they could not occupy any of the high offices in the state and as a deduction from the proposition two of the demands required the dismissal of Choudhary Zafrulla Khan and other Ahmadis who were occupying key positions in the State, and the third required the declaration of Ahmadis as a non-Muslim minority.'

While giving their evidence, different ulama claimed that in the Islamic state, the non-Muslims 'would have no voice in the making of laws, no right to administer the law, no right to hold public office, no right to be employed in the army, judiciary, ministry or any post involving the reposing of confidence.' When confronted with the question as to whether the Muslims should be treated in the same manner in India, Moududi and other ulama categorically stated that they had no objection if the Muslims were treated as mlechhas and shudras in India. This was the Qurban theory in practice. They were, however, forthright enough to admit that a true Mussalman (as they understood the term) could not be a faithful citizen of any non-Muslim government. Maulana Tajuddin Ansari stated that the Islamic ideology would not let them remain in India for a minute. Maulana Abul Hasnat

Sayyid Muhammad Ahmad Qadri, of the J. U. I. Pakistan stated that in the event of a war between India and Pakistan, the Indian Muslims were duty bound to side with Pakistan. This view was corroborated by Maulana Moududi. Some ulama stated during the enquiry that in an Islamic State portrait painting, photographing of human beings, sculpture, playing of cards, music, dancing, acting and all cinema and dramatic performances will have to be banned. Maulana Abul Hasnat stated that a policeman or a soldier would have the right to disobey any command from his superiors on the ground of religion. He added that the policeman or the soldier was free to decide himself whether a particular command was contrary to religion or not. It was only during a war between Pakistan and another non-Muslim country that the soldier was not free to decide for himself; in such an eventuality, he would have to depend on the fatwa of the ulama. Maulana Abdul Hanif Badayuni and some others considered that the dissection of dead bodies in the Medical college or for postmortem was antithetical to Islam.

The ulama of the different shades materially differed from each other when asked to define a Muslim. The Report summarizes the curious position: 'Keeping in view the several definitions given by the ulama, need we make any comment except that no two learned divines are agreed on this fundamental. If we attempt our own definition as each learned divine has done and that definition differs from that given by all others, we unanimously go out of the fold of Islam. And if we adopt the definition given by any one of the ulama, we remain Muslims according to the view of that alim but Kafirs according to the definition of every one else.

Islam in India's Transition to Modernity,
by M. A. Karandikar, pp: 284-285.
Eastern Publishers 25/216 Darakhshan Society, Malir.
KARACHI 7.

اس (احراری) کمیٹی نے بعد میں جب اپنے آپ کو راست اقدام کرنے والی کمیٹی میں بدل دیا تو ایجی ٹیشن نے ایک انتہائی بدنما رُخ اختیار کر لیا۔ تحقیقاتی کمیشن جسٹس منیر اور جسٹس ایم آر کیانی کی سرکردگی میں مقرر کیا گیا۔ ان کی رپورٹ منیرؔ رپورٹ کے نام سے مشہور ہے اس قضیہ کو اس رپورٹ میں مختصراً یوں بیان کیا گیا ہے ۔

" ایک اسلامی ریاست میں یا یوں کہیے کہ اسلام میں مسلمان اور غیر مسلمان رعایا کے حقوق میں ایک بنیادی امتیاز ہے ۔ جسے فوراً بیان کیا جا سکتا ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ غیر مسلمان کو ریاست کے اعلیٰ انتظامی اُمور میں شامل نہیں کیا جا سکتا ۔ اس لیے اگر احمدی مسلمان نہیں ہیں۔ بلکہ کافر ہیں۔ تو وہ کسی بھی اعلیٰ ریاستی منصب پر فائز نہیں رہ سکتے ۔ اور مطالبہ کی شرط ۲ سے بطور استنباط یہ دو مطالبے کیے گئے ۔ کہ چوہدری ظفر اللہ خان کو برطرف کیا جائے ۔ اور دوسرے احمدی جو ریاست کے کلیدی عہدوں پر فائز ہیں ۔ انہیں برخواست کیا جائے ۔ اور تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ احمدیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے ۔

اپنی شہادت کے دوران مختلف علماء نے یہ دعویٰ کیا ۔ کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی قانون سازی میں کوئی آواز نہ ہوگی ۔ اور وہ قانون کی تنفیذ میں کوئی اختیار نہ رکھیں گے ۔ اور کسی پبلک عہدہ پر مقرر نہ کیے جا سکیں گے ۔ فوج ، عدالت ۔ وزارت میں یا کسی ایسی اسامی پر جہاں اعتماد کا سوال ہو ملازم نہیں رکھے جائیں گے ۔ اور جب ان کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا ۔ کہ آیا مسلمانوں سے بھی ہندوستان میں ایسا ہی سلوک کیا جائے ۔ تو مودودی اور دوسرے علماء نے بے لاگ جواب دیا کہ انہیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا اگر ہندوستان میں مسلمانوں سے ملیچھوں یا شودروں والا سلوک کیا جائے ۔

یہ قرآنی نظریے کی عملی شکل تھی ۔ اُنہوں نے اِس بات میں بھی نہایت بے باکی سے اعتراف کیا ۔ کہ ایک سچا مسلمان (جیسا کہ ان کے خیال میں ایک سچا مسلمان ہونا چاہیئے) کسی دوسرے غیر مسلم ریاست کا وفادار شہری بن کر نہیں رہ سکتا ۔ مولانا تاج الدین انصاری نے بیان کیا ۔ کہ اسلامی نظریے کے تحت تو وہ ایک منٹ کے لیے بھی ہندوستان میں قیام نہیں کر سکتے ۔ جمعیت العلماء پاکستان کے مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری نے بیان کیا ۔ کہ پاک و ہند کے درمیان جنگ کی صورت میں مسلمانِ

ہند کا لازمی فرض ہوگا ۔ کہ وہ پاکستان کی حمایت کریں ۔ اس بیان پر مولانا مودودی نے صاد فرمایا ۔ تحقیقات کے دوران بعض علماء نے بیان کیا کہ ایک اسلامی ریاست میں مصوری ۔ انسانوں کی فوٹو اُتارنا ۔ مجسمہ سازی ۔ تاش کھیلنا ۔ موسیقی ۔ رقص ۔ ایکٹنگ اور ہر طرح کے سینما اور ڈرامائی کردار پر حکم امتناعی لگانا ہوگا ۔ مولانا ابوالحسنات نے بیان کیا ۔ کہ ایک پولیس مین یا فوجی ملازم کو اپنے مذہب کی بناء پر اختیار ہوگا ۔ کہ وہ اپنے اعلیٰ افسران کے کسی بھی حکم کو ماننے سے انکار کر دے انہوں نے مزید یہ فرمایا ۔ کہ ایک فوجی یا پولیس مین اس بات میں آزاد ہوگا کہ وہ خود فیصلہ کرے ۔ کہ آیا اس کے افسر کا کوئی خاص حکم شرع (محمدی) کے مخالف ہے یا نہیں ۔ سوائے اس کے کہ پاکستان کی کسی غیر مسلم ملک سے جنگ کی صورت میں کسی فوجی ملازم کو یہ اختیار نہ ہوگا ۔ کہ وہ از خود فیصلہ کرے بلکہ ایسی صورت میں اس کو چاہیئے کہ وہ علماء (اسلام) کے فتویٰ پر انحصار کرے ۔ مولانا عبدالحامد بدایونی اور کچھ دوسرے علماء کے خیال میں مُردوں کی چیڑ پھاڑ جو میڈیکل کالجوں میں ہوتی ہے یا پوسٹ مارٹم وغیرہ خلاف اسلام ہیں ۔ جب علماء سے یہ کہا گیا کہ مسلمان کی تعریف بیان کریں ۔ تو اس میں بھی مختلف خیالات کے علماء کا آپس میں مادی اختلاف تھا ۔ رپورٹ اس کیفیت کو اختصاراً یوں بیان کرتی ہے ۔

" اُن بہت سی تعریفوں کے پیش نظر جو کہ علماء نے پیش کی ہیں ۔ کیا ہمیں کسی تبصرے کی ضرورت ہے سوائے اس کے کہ کوئی بھی دو مقدّس عالم اس بنیادی اصول پر متفق نہ تھے ۔ اگر ہم خود اسلام کی تعریف پیش کرنے کی کوشش کریں ۔ جیسا کہ ہر فاضل عالم دین نے کی ہے اور ہماری تعریف ان سے مختلف ہو جو ۔ ۔ سروں نے کی ہے ۔ تو ہم متفقہ طور پر دائرہ اسلام سے خارج اور اگر ہم کسی ایک عالم کی بتائی ہوئی تعریف کو قبول کر لیں ۔ تو ہم صرف اُس ایک عالم کی تعریف کے مطابق ہی مسلمان رہتے ہیں ۔ لیکن باقی تمام علماء کی تعریفوں کے مطابق ہم کافر بن جاتے ہیں "۔

۳ - ایک روسی مؤلف طایازنکن (Tayazinkin) نے اخبار میں لکھا کہ :۔

The Manchester Guardian (8th January 1955)

But what is an Islamic Constitution? The present Chief Justice of the Federal Court, Mr. Justice Munir, has considered the problem in his report on the Lahore disturbances of 1953 where the Ahmdis were massacred in the name of orthodoxy. "What is then the Islamic State of which everybody talks so much and nobody thinks?" He asks. He goes on to discuss the definition, implications and corollaries of Islam, though somewhat handicapped by the fact that the scores of Moslem pundits, Mullahs and Scholars who gave evidence could not agree even over what makes a man Mussalman, let alone a State Islamic."

Chief Justice Muhammad Munir P. 216,
by Nazir Hussain Chaudhri.
Publisher: Research Society of Pakistan, Lahore,
First Edition, March, 1973.

بحوالہ کتاب "چیف جسٹس محمد منیر" مرتبہ ناظر حسین چوہدری، شائع کردہ سوسائٹی آف پاکستان پنجاب یونیورسٹی لاہور، صفحہ ۲۱۶ طبع اول ۱۹۷۳ء

اسلامی آئین کیا ہے ؟ فیڈرل کورٹ کے موجودہ چیف جسٹس۔مسٹر جسٹس منیر نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ میں اس مسئلہ پر غور کیا ہے ۔جو انہوں نے ۱۹۵۳ء میں لاہور کے فسادات کے بارے میں لکھی ہے۔ (ان فسادات میں) احمدیوں کا قدامت پسندی کے نام پر قتلِ عام کیا گیا تھا۔ اُس نے دریافت کیا ہے " آخر وہ اسلامی ریاست کیا ہے جس کے بارے میں ہر شخص اتنی باتیں کرتا ہے ۔ اور کوئی سوچتا نہیں " پھر وہ آگے چل کر اسلام کی تعریف اُس کے مبادی ۔ اور اس کے بدیہی نتائج پر بحث کرتا ہے ۔ اگرچہ وہ اس امر سے کسی قدر مشکل میں پڑ گیا ہے کہ بیسوں مسلم پنڈت مُلّا اور عالم لوگ جنہوں نے (اس کی عدالت میں) گواہیاں دی تھیں ۔ وہ لوگ صرف اس بات پر آپس میں اتفاق نہ کر سکے ۔ کہ ایک شخص کو مسلمان بنانے کے لیے کن باتوں کی ضرورت ہے ۔ چہ جائیکہ وہ یہ بیان کر سکتے کہ اسلامی ریاست کیا ہوتی ہے ۔

۴ - ایک اور روسی مفکر مسٹر ایم ۔ ٹی سٹیپینٹس M. T. Stepanynts) نے علماء کے متشددانہ نظریات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

The ulama have not confined themselves to theorising, and from time to time have gone over to parctical steps. Such was the case in 1953, when fourteen of their organisations, including the leading Ahrar and Jamaat-i-Islami parteis, launched a campaign against the Ahmadiya sect. Playing up their differences on questions of faith (whereas the real reason lay in the political sturggle between different bourgeois and landlord groups), the ulama raised the following demands: for the Ahmadiya to be declared a non-Muslim sect; for Chaudhury Zafrullah Khan to be removed from the post of foreign minister on the grounds of his membership in the sect; for all Ahmadis to be dismissed from their government offices.

The stand taken by the ulama did not meet with a sympathetic reception in official circles. It was denounced as undemocratic and contradictory to the spirit of Islam; which could not be blamed for the fact

that "the pages of Muhammadan history are stained with the blood of many cruel persecutions." 1

علماء نے اپنے آپ کو نظریات قائم کرنے تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ وقتاً فوقتاً عملی اقدام بھی کرتے رہے۔ چنانچہ ۱۹۵۳ء میں بھی ایسا ہی واقعہ رونما ہوا جبکہ ان کی چودہ تنظیموں بشمولیت احرار اور جماعتِ اسلامی نے جو اس ایجی ٹیشن میں نمایاں کردار ادا کر رہی تھیں فرقہ احمدیہ کے خلاف ایک زبردست مہم کا آغاز کیا۔ اگرچہ حقیقی اختلافات اس سیاسی کشمکش میں مضمر تھا جو شہری متوسط طبقہ اور جاگیردار طبقے میں جاری تھی مگر اس موقع پر علماء نے مذہبی مسائل پر اختلافات کو ہوا دی اور مندرجہ ذیل مطالبات پیش کر دیئے۔

ایک یہ کہ احمدیوں کو ایک غیر مسلم فرقہ قرار دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس فرقے کا ایک رُکن ہونے کی بناء پر چوہدری ظفر اللہ خان کو وزارتِ خارجہ سے ہٹا دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ تمام احمدیوں کو سرکاری عہدوں سے برطرف کیا جائے۔

علماء کے اس مؤقف کو سرکاری حلقوں میں پذیرائی حاصل نہ ہوئی بلکہ اس کو غیر جمہوری اور روحِ اسلام کے متضاد سمجھتے ہوئے اس کی مذمت کی گئی۔ ویسے اس کی وجہ سے علماء کو موردِ الزام بھی نہیں ٹھہرایا جا سکتا کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تاریخ اس قسم کی بعض ظالمانہ ایذا رسانیوں کے خون سے داغدار ہے۔

---

1 PAKISTAN, Philosophy and Sociololgy, p p: 98-99 By M. T. Stepanyants, Published by: U. S. S. R. Academy of Sciences, Institute of Philosophy

حصّہ چہارم

سنہ ۱۹۵۳ء کے جماعتی ابتلاء کی عظیم الشّان برکات

پہلا باب

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے "الوصیت" میں مستقبل میں رونما ہونے والے تغیرات اور جماعتی ابتلاؤں اور اُن کے نتائج کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ :-

"یہ مت خیال کرو کہ خُدا تمہیں ضائع کر دے گا۔ تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خُدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔ پس مبارک وہ جو خُدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے تا خدا تمہاری آزمائش کرے کہ کون اپنے دعویٰ بیعت میں صادق اور کون کاذب ہے ...... وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کریں گے اور اُن پر مصائب کے زلزلے آئیں گے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں ہنسی اور ٹھٹھا کریں گی اور دنیا اُن سے سخت کراہت کے ساتھ پیش آئے گی وہ آخر فتحیاب ہوں گے اور برکتوں کے دروازے ان پر کھولے جائیں گے۔"[1]

اس پیشگوئی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ۱۹۵۳ء کے جماعتی ابتلاء میں جن برکات سے اپنی پاک جماعت کو نوازا اُن میں سے بعض کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

اس باب میں چار مزید برکات کا ذرا تفصیل اور شرح و بسط سے ذکر کیا جاتا ہے:-

اوّل :- نشاناتِ الٰہیّہ کا ظہور۔

دوم :- جماعتِ احمدیّہ کی ترقی و استحکام۔

---

[1] رسالہ "الوصیت" طبع سوم صفحہ ۱ مطبوعہ ۹ر جولائی ۱۹۰۸ء

سوم :۔ جماعتِ احمدیہ کی عالمی شہرت میں اضافہ۔

چہارم :۔ جماعتِ احمدیہ کی بے مثال اخلاق قوت اور بلند کیریکٹر کا اظہار

نشاناتِ الٰہیہ کا ظہور

اوّل :۔ سیدنا حضرت مہدیٔ معہود و مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ۳ جنوری ۱۸۹۶ء کو حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی کو لکھا :۔

" خدا تعالٰے کی طرف سے یہ مبشر الہام مجھے ہوا ہے انی مع الافواج اٰتیک بغتة " ترجمہ :۔ یعنی میں فوجوں کے ساتھ ناگاہ تیرے پاس آنے والا ہوں یہ **کسی عظیم الشان نشان کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے "** [1]

اس کے بعد یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کئی بار نازل ہوا۔ ۲۸ اپریل ۱۹۰۵ء کو جب اس کا نزول ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ الہام اس کی خبر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین (خلیفۃ المسیح الثانی) کو بھی دی گئی۔ چنانچہ بدر ۲۸ اپریل ۱۹۰۵ء میں لکھا ہے۔

اسی شب صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب نے خواب دیکھا تھا کہ حضرت کو انی مع الافواج اٰتیک بغتة " الہام ہوا صبح اُٹھ کر ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ بے شک یہ الہام ہوا ہے " [2]

اس تصرّف الٰہی میں واضح حکمت یہی تھی کہ اس نوع کا ایک عظیم الشان نشان حضرت مصلح موعود کے دورِ خلافت میں مقدر تھا۔ چنانچہ جب اس کے ظہور کا وقت آن پہنچا تو

---

[1] مکتوباتِ احمدیہ جلد پنجم حصہ اوّل ص۲ مکتوب ۱۳ (مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب) ناشر دفتر الحکم دسمبر ۱۹۱۸ء طبع اوّل۔

[2] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر کبیر (الزلزال ص۴۴۷، ص۴۴۸) از حضرت مصلح موعود مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان ۲۵ دسمبر ۱۹۴۶ء

حضور نے یہ پُر شوکت پیشگوئی فرمائی کہ " خدا مدد کے لیے دوڑا آرہا ہے" اس پیشگوئی کے تیسرے روز ۶ر مارچ ۱۹۵۳ء کو مارشل لاء نافذ ہوگیا اور فوجیں لاہور میں داخل ہوگئیں ۔

چھ مارچ کو جمعہ تھا - اُدھر دن طلوع ہوا اِدھر خدا کی مظلوم جماعت کو مٹا دینے کے منصوبے ہونے لگے ۔ اس وقت کشتیٔ احمدیت خطرناک گرداب میں ہچکولے کھا رہی تھی اور اس کا بچ نکلنا کسی معجزہ کے بغیر ناممکن دکھائی دیتا تھا - ایسے نازک وقت میں الہام " انی مع الافواج اتیک بغتۃ " اور حضرت مصلح موعود کی پیشگوئی کے عین مطابق خدا تعالیٰ کی آسمانی تائید و نصرت کا یکایک نزول ہوا اور ٹھیک بارہ بجے کے قریب لاہور میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا اور پاکستان کی بہادر اور محب وطن فوج چند گھنٹے کے اندر اندر امن قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی بصورت دیگر پاکستان اور جماعت احمدیہ کا جو حشر ہوتا اس کا تصور کر کے آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ ناظم مارشل لاء میجر جنرل اعظم نے سچ کہا تھا کہ :-

" ۶ر مارچ کو فوج نے اور ڈیڑھ گھنٹہ انتظام نہ سنبھالا ہوتا تو وہاں مکمل تباہی، لوٹ مار قتل و غارت اور زنا بالجبر کا دور دورہ ہوتا اور کسی کی عزت اور وقار محفوظ نہ تھا "[1]

یہ مارشل لاء ۱۵ر مئی ۱۹۵۳ء کو صبح ۳ بجے اٹھایا گیا ۔ ناظم مارشل لاء میجر جنرل اعظم نے ۱۴ر مئی کو اپنی نشری تقریر میں کہا :-

" اہلِ پنجاب اور خاص کر اہلِ لاہور کو ان حالات کا اچھی طرح علم ہے جن میں فوج کو شہری حکام کی مدد کے لیے آنا پڑا ۔ جبکہ ہر طرف بدامنی کے بادل چھائے ہوئے تھے ۔ ریلوں کی پٹریاں اکھاڑے جانے، ٹیلیفون اور ٹیلی گراف کے تار کاٹے جانے اور عام ٹریفک میں مداخلت کیے جانے کی خبریں برابر آرہی تھیں ۔ لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم ہوگیا ۔ غرض کہ ۶ر مارچ کی اس صبح کو لاہور میں کسی بھی شہری کی جان و مال کو محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا تھا ۔ چند خود غرض انسانوں نے اپنے مفاد کے لیے جھوٹی باتوں سے کام لے کر اور مذہب کی آڑ لیتے ہوئے نادان عوام کے جذبات کو پاگل پن کی حد تک ابھار دیا تھا ۔ انہوں نے اپنی تحریک کو بظاہر مذہب کا رنگ

---

[1] "ملت" ۲ر دسمبر ۱۹۵۳ء ص ا (اس پرچہ میں مارشل لاء کے نفاذ کی تاریخ ۴ر مارچ چھپی تھی جو غلط ہے)

اس لیے دیا تھا تاکہ ناواقف لوگ اُن کے جال میں پھنس سکیں ۔ اب اس حقیقت میں کوئی شک نہیں رہا کہ ان کی یہ تحریک سارے ملک کے خلاف ایک مکمل سازش تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ ملک میں بدامنی پھیلانے کے بعد حکومت کو بالکل بیکار کر دیا جائے ۔ یہ کام صرف ملک کے دشمنوں کا ہی ہو سکتا ہے"[۱]

تحریک پاکستان کے ایک عظیم رہنما جناب حمید نظامی نے اپنے اخبار نوائے وقت میں" فوج کا شکریہ" کے زیر عنوان لکھا :۔

" یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ۶ مارچ (۱۹۵۳ء) کو لاہور شہر میں سول نظم ونسق پوری طرح تباہ ہو چکا تھا اور اگر چند گھنٹے اور مارشل لاء نافذ نہ کیا جاتا تو پاکستان کے اس قدیم ترین تاریخی شہر میں بلا امتیاز عقیدہ کسی شہری کے جان و مال کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ اگر لاہور کے حالات کو بر وقت (بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ آخری وقت پر) سنبھال نہ لیا جاتا تو لاقانونیت کی آگ سارے صوبہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ۔ اس اعتبار سے فوج نے صرف لاہور کو ہی نہیں سارے صوبہ کو بچا لیا ہے ۔ ہم پاکستانی فوج کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں"[۲]

دوم :۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ۱۸۹۲ء میں الہام ہوا کہ

" انی مھین من اراد اھانتک "[۳]

جناب مولوی عبدالرحیم صاحب اشرف مدیر المنبر لائل پور (فیصل آباد) تحریر فرماتے ہیں :۔

" قادیانیوں کے ہاں یہ بات عقیدے کی شکل اختیار کر چکی ہے کہ جو گروہ اور شخص مرزا غلام احمد کی نبوت کو چیلنج کرتا ہے یا قادیانی جماعت کی مخالفت کے درپے ہوتا ہے وہ انجام کار ذلیل و خوار ہوتا ہے ۔ اس پر مرزا غلام احمد صاحب کا یہ الہام ہر قادیانی کے وردِ زبان ہے ۔

انی مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ میں ہر اس شخص کو ذلیل کروں گا ۔ جو تیری

---

[۱] نوائے وقت ۱۶ رمئی ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ [۲] نوائے وقت لاہور ۱۷ رمئی ۱۹۵۳ء صفحہ ۳

[۳] آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۱ طبع اوّل

تذلیل کے درپے ہو گا ......"

اس کے بعد لکھا:۔

" قادیانی جماعت ان تمام مخالفتوں کے علی الرغم بڑھتی چلی گئی اور آج مخالفت کے جتنے طوفان اس کے خلاف اٹھے ان کی لہریں تو آہستہ آہستہ ابھرتی رہیں لیکن یہ گروہ پھیلتا چلا گیا .... خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے کام کا جواب نعروں سے، مسلسل جدوجہد کا توڑ اشتعال انگیزی سے علمی سطح پر مساعی کو ناکام بنانے کا داعیہ صرف پھبتیوں، بے ہودہ جلوسوں اور ناکارہ ہنگاموں سے پورا نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے جب تک وہ انداز اختیار نہ کیا جائے جس سے فکری اور عملی تقاضے پورے ہوں ہنگامہ خیزی کا نتیجہ وہی برآمد ہو گا جس پر مرزا صاحب کا الہام " انی مھین من اراد اھانتک " صادق آئے گا۔ جو لوگ اس طرز پر مثبت کام نہیں کر سکتے وہ قادیانی تحریک کے صحیح حامی و مددگار ہیں وہ اس نہج پر جتنا کام کریں گے اس سے یہ تحریک تقویت حاصل کرے گی۔" [1]

۱۹۵۳ء کی اینٹی احمدیہ تحریک میں شورش پسند علما کی باطنی کیفیت جس طرح ملک کے ہر طبقہ کے سامنے آشکارا ہوئی اور ان کے اخلاق و ایمان کا سارا بھرم کھل گیا۔ وہ بھی اس الہام کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت تھا چنانچہ جامعہ رشیدیہ منٹگمری (ساہیوال) کے صدر تحریر فرماتے ہیں:۔

" ختم نبوت کے زمانہ میں تمام علماء کا کھرا کھوٹا قوم نے دیکھ لیا ہوا ہے" [2]

اس اجمال کی تفصیل تو بہت طویل ہے بطور نمونہ صرف چند واقعات کا ذکر کافی ہو گا۔ انٹیلی جنس بیورو کے سابق ڈائریکٹر جنرل ایم اے چوہدری کی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ:۔

" ۱۹۵۳ء میں جب قادیانیوں کے خلاف تحریک چلی تو میں لاہور میں تھا... ایک واقعہ یاد ہے یونیورسٹی کے سامنے بدمعاش ننگے ناچے۔ تحریک کا ابھی آغاز تھا اس لیے تعلیمی ادارے کھلے ہوئے تھے انہوں نے اچھل اچھل کر ختم نبوت کے نعرے لگائے

---

[1] المنیر ۱۰ اگست ۱۹۵۵ء ص ۱۰-۱۱-۱۲ ؛ [2] رسالہ تعلیم القرآن (راولپنڈی) جولائی اگست ۱۹۶۰ء ص ۱۲، ۱۳ بحوالہ رسالہ " الفرقان " ربوہ اگست ۱۹۶۰ء ص ۲۲

اور لڑکیوں کے سامنے ننگے ناچے۔ سچی بات ہے مجھے بہت بُرا لگا اور بڑی غیرت آئی کہ نام لیں پاک رسولؐ کا اور یوں ننگے ناچیں چنانچہ مَیں نے انہیں گھیرے میں لے لیا اور ان کی خوب گوشمالی کی اس پر میرے خلاف افواہ پھیلا دی گئی کہ یہ تو وہابی ہے چنانچہ ایک روز آدھی رات کو کسی منچلے نے جنگلے سے آ کر میرے خیمہ کو آگ لگا دی .... تحریک کے دوران عام لوگوں کا جوش دیدنی تھا ناموس محمدؐ پر کٹ مرنے کا ایسا بے پناہ جذبہ تھا کہ تمام تر سختیوں کے باوجود کسی مرحلے پر اس میں کوئی کمی نہ آئی لیکن افسوس کہ ان کے لیڈر بودے نکلے اور انہیں ناکامی و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس تحریک کے دوران سیاست دانوں اور علماء حضرات کا ایک عجیب اور افسوسناک رُخ دیکھنے میں آیا وہی لوگ جو بڑھ چڑھ کر گرما گرم تقریریں کرتے اور نعرے لگاتے تھے کہ جو بھی ہو کسی کو گولی نہیں لگے گی لیکن حقیقتاً جب گولی چلی تو مَیں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہی لوگ تھے جنہوں نے سب سے پہلے راہ فرار اختیار کی۔ دکانیں بند تھیں، انہوں نے دکانوں کے تھڑوں کے آگے لگے تختوں کے نیچے سے اور نالیوں میں سے گزر کر اپنی جان بچائی۔ چند جذباتی نوجوان سینے تان کر سامنے آئے لیکن یہ بھاگ نکلے مارشل لاء لگا تو لیڈر غائب ہی ہو گئے جیسے اُن کا کبھی وجود ہی نہ رہا ہو بیت سے چھپ گئے یا اِدھر اُدھر بھاگ گئے ..... ایک اور لیڈر کا بتاؤں جو آج بھی حیات ہیں اور بڑے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ جب مارشل لاء لگا تو وہ مسجد وزیر خاں میں تھے ان کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے اور ان کی تلاش ہونے لگی انہوں نے ڈاڑھی منڈوا دی اور چھپ گئے لیکن جلد ہی پکڑے گئے۔"[۲]

اس متن میں اخبار "نوائے وقت" ۲۵، مارچ ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ پر حسبِ ذیل خبر شائع ہوئی تھی:۔

"پنجاب اسمبلی کے ایک رُکن مولانا عبد الستار نیازی آج قصور میں گرفتار کر لیے گئے۔"

---

۲ نوائے وقت جمعہ میگزین یکم تا ۷ فروری ۱۹۸۵ء ص۱۲

"پولیس قادیانیوں کے خلاف حالیہ ایجی ٹیشن کے سلسلہ میں مولانا نیازی کی تلاش میں تھی انہوں نے اس عزم سے کہ انہیں کوئی پہچان نہ سکے ڈاڑھی اور مونچھیں صاف کرا دی تھیں۔

یاد رہے کہ پنجاب کے حالیہ واقعات سے مولانا نیازی کو گہرا تعلق ہے وہ اپنے حامیوں کو بے سہارا چھوڑ کر مسجد وزیر خاں سے بھاگ گئے تھے۔ اس کے بعد وہ اِدھر اُدھر پھرتے رہے اور آج گرفتار کر لیے گئے۔ گرفتاری کے وقت وہ ایک مکان میں سو رہے تھے۔"

پھر جو "قائدین" جیلخانوں میں گئے انہوں نے وہاں جس طرزِ عمل یا اخلاق کا مظاہرہ کیا اس سے اُن کے عقیدت مندوں کو سخت ٹھیس پہنچی چنانچہ "ابنِ انشاءؔ" اپنے ایک مقالہ میں رقم طراز ہیں:۔

"ہمارے ایک دوست بیان کرتے ہیں کہ جب میں جیل میں تھا تو بہت سے لوگ ختم نبوت کی تحریک کے سلسلہ میں جیل میں آ گئے۔ ان میں کچھ بڑے ناموں والے مولوی بھی تھے۔ میں ان دنوں قرآن اور عربی زبان پڑھا کرتا تھا ایک روز ایک آیت کے معنوں میں اٹکا تو ایک لیڈر مولوی سے پوچھا کہ مولانا ذرا رہنمائی فرمایئے بہت دیر تک بیٹھے قرآن شریف کے اس صفحہ کو تکتے رہے آخر کہنے لگے "میاں سچی بات یہ ہے کہ مجھے تو معلوم نہیں ہے کسی اور سے پوچھو، تبھی تو منیر کمیشن کے سامنے اکثر کی بھد ہوئی۔ ان لیڈروں کے علاوہ جو کارکن اس تحریک کے سلسلے میں آئے تھے بہت مخلص اور نیک تھے۔ ان میں سے ایک خدا کا بندہ جو لاہور کا پہلوان ہے ایک روز ان دوست کے پاس آیا اور بولا شاہ جی میرے جی میں آتی ہے کہ ان لیڈروں کو چھرا مار دوں۔ میں نے کہا ارے یہ کیا کہہ رہے ہو؟ بولا یہاں پاس آ کر ان کی حقیقت معلوم ہوئی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے اور جلد رہائی کے لیے یا اونچی کلاس کے لیے لڑتے ہیں کبھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ ہم لوگوں کا حال احوال ہی پوچھ لیں کہ میاں تم لوگوں کو کھانے کو ٹھیک ملتا ہے؟"[1]

پاکستان کے صحافی مجیب الرحمٰن صاحب شامی نے رسالہ ہفت روزہ "زندگی" میں ۱۹۵۳ء کی

---

[1] جنگ کراچی ۱۰؍نومبر ۱۹۶۶ء بحوالہ "الفرقان" ربوہ فروری ۱۹۶۸ء صفحہ ۴۶

ایجی ٹیشن میں حصہ لینے والے راولپنڈی کے ایک "عالم دین" اور "شیخ القرآن" کے ایک مکتوب کا عکس شائع کیا جو وزیر اعظم فیروز خاں نون اور آئی جی سے رہائی کی سفارش کے لیے تھا۔ شامی صاحب نے اس خط پر یہ تبصرہ کیا کہ:۔

"یہ مولانا صاحب تحریک ختم نبوت کے زمانے میں قید ہوئے اور قید کے دوران ...... یہ خط تحریر کیا۔ اس خط کو پڑھیئے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ آجکل منبر رسول پر بیٹھنے والے بعض حضرات کے دل دین کی محبت سے کس قدر خالی ہیں اور انہیں اپنے کاروبار کا کتنا خوف لاحق ہے۔ منبر پر کھڑے ہو کر ختم نبوت کے لیے جان دینے کے دعویدار جیل میں پہنچے تو سارا دعویٰ علم و فضل دھرے کا دھرا رہ گیا"۔[1]

جیل خانوں میں ان لوگوں پر کیا بیتی؟ اس سلسلہ میں جامعہ اشرفیہ کے صدر مدرس جناب مولوی محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے تحقیقاتی عدالت میں یہ بیان دیا کہ:۔

"ڈپٹی کمشنر مسلح پولیس کی گارد کے معیت میں جیل آئے۔ اس وقت علماء اور دوسرے ممتاز اصحاب بیرکوں میں منتظر بند تھے۔ ڈپٹی کمشنر نے انہیں بیرکوں سے باہر نکالا اور انہیں پانچ پانچ کے گروپ میں کوٹھڑیوں میں بند کر دیا...... ان کوٹھڑیوں میں علماء اور دوسرے ممتاز اصحاب کو بڑی طرح پیٹا گیا"۔[2]

شورش کاشمیری صاحب مدیر "چٹان" لاہور لکھتے ہیں:۔

"انگریزوں کے زمانہ میں لاہور کا شاہی قلعہ سیاسی اسیروں کے خلاف استعمال ہوتا تھا۔ اس تحریک میں بھی کئی علماء کو گرفتار کر کے قلعہ میں لے جایا گیا وہاں ...... ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ...... نے ان علماء کے خلاف اس قسم کی واہیات زبان استعمال کی کہ ایک شریف آدمی تخیلہ میں بھی اس کا تصور نہیں کر سکتا الخ"۔[3]

---

[1] رسالہ "زندگی" لاہور، ۲۰ جولائی ۱۹۷۰ء صفحہ ۲۹، ۳۰؛ [2] اخبار "نوائے وقت" لاہور ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۲ء ص۲ کالم ۳

[3] سید عطاء اللہ شاہ بخاری ص۲۴۶ طبع دوم نومبر ۱۹۷۳ء ناشر مکتبہ چٹان ۸۸ میکلوڈ روڈ لاہور (نوٹ) اس اقتباس کے اگلے فقرے عمداً چھوڑ دیئے گئے ہیں کیونکہ تاریخ احمدیت کے پاکیزہ اوراق اسے نقل کرنے کی اجازت نہیں دیتے)

ایجی ٹیشن کے اصل محرک اور بانی مبانی احراری زعماء تھے۔ جناب نعیم صدیقی صاحب نے اُن کے رُخِ کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا:۔

" بدقسمتی سے اس مسئلے کو گزشتہ کئی سال سے ایسے عناصر لے کے چل رہے تھے جو ایک طرف اپنے سیاسی کردار کے لحاظ سے تعلیم یافتہ حلقوں میں کبھی وقار نہیں پا سکے۔ پھر ان کی ذہنی سطح ایسی تھی کہ وہ اس مسئلہ کی توضیح کے لیے ٹھوس اور استدلال کرنے میں ناکام رہے۔ مزید برآں مصیبت یہ تھی کہ ان کی زبان اور ان کا اندازِ بیان بسا اوقات رکاکت اور ابتذال، تمسخر اور استہزا کے حد کو چھو جانے کی وجہ سے کبھی اپیل نہیں کر سکا۔ یہ عناصر اس کو صحیح حل تک پہنچانے کے لیے اس سے کھیلتے چلے آئے ہیں۔ لیکن اس سے مسئلہ کی اہمیت، نزاکت اور سنجیدگی کی نفی نہیں ہو جاتی۔ ایک کیس کو پیش کرنے میں ایک وکیل اگر ناکام رہا ہے تو ضروری نہیں خود کیس ہی کو بے جان اور بے وزن سمجھا جانے لگے۔

مزید مشکل یہ کہ یہ عناصر مسئلہ کے حل کے لیے عوام کو تربیت دے کر اور منظم کر کے کوئی منصوبہ بند دستوری جدّ وجہد کرنے کی صلاحیتوں سے خالی تھے۔ اور ان کا طریقہ صرف اندھا جوش و خروش پھیلا دینا رہا ہے۔ چنانچہ ۱۹۵۱ء سے برابر آتشیں تقاریر کے ذریعہ عوام کو جذباتی تحریک دلا رہے تھے۔ اس خطرے کو دیکھ کر ہم نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ عوام کے جذبات کو دستوری جدوجہد کی رودگاہ میں سنبھالا جا سکے لیکن ہماری اصلاحی کوششوں کے علی الرغم طوفان پھوٹ پڑا۔ اور اس کی لہریں اس طرح امڈ پڑیں کہ خود اس طوفان کے بپا کرنے والوں کے قابو سے بھی باہر ہو گئیں۔ جوشیلی تقریروں میں جو کچھ پیش آتا ہے وہ سب کچھ یہاں بھی پیش آیا۔ ایک تو یہ کہ جب عوام جذبات کی لہروں میں بہنے لگے تو ان کو سہارا دینے والا کوئی نہ تھا۔ وہ رہنمائی کے لیے اِدھر اُدھر دیکھتے تھے لیکن رہنمائی کے لیے کوئی نظم سرے سے تھا ہی نہیں۔ تحریک کے مجاہدین جو ہار پہنے نعرے لگاتے جیل جانے کے لیے بے چین نظر آتے تھے وہ جیل پہنچنے کے فوراً ہی بعد گھبرا گھبرا کر دریافت کرنے

ؔ نقل مطابق اصل

لگتے کہ اب راہِ نجات کیا ہے اور پھر راہ نجات صرف معافی ناموں کے بل پر کھلتی نظر آتی تو جو کچھ کوئی لکھواتا لکھ کر پیش کر دیتے۔ ایک طرف گولیاں کھانے کے لیے شجاعت کا اظہار تھا تو دوسری طرف رخساروں سے ڈھلکتے ہوئے آنسو تھے اور لبوں سے اٹھنے والی آہیں تھیں۔ جلوسوں میں ناموسِ رسول کے پروانے جس شان سے آگے بڑھتے تھے اس کا سارا بھرم جیل کے اندر جاکر کھل جاتا۔ جب اُن کے سیرت و کردار کے گوشے بے نقاب ہونے لگتے۔ "ابتدائے عشق" کے مرحلوں میں دنیا کی دنیا ساتھ ہوتی۔ لیکن جب فوجی عدالتوں کی طرف سے سینکڑوں افراد کو لمبی لمبی سزائے قید دے دی گئی تو آگے کے ان مشکل مقامات میں ان کا اور ان کے بیوی بچوں کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔ یہاں پہنچ کر نوبت یہ آجاتی کہ جن "ہستیوں" کے لیے "زندہ باد" کے نعرے لگاتے لگاتے گلے سوکھ جاتے، ان کے لیے موٹی موٹی گالیاں گونجتی سنائی دیتیں۔ تحریک، اسلام کے ایک بنیادی عقیدے کے تحفظ کے لیے اٹھائی گئی تھی۔ مگر اس کے دوران میں آتشزنی اور لوٹ مار کا وہ ہنگامہ ابل پڑا کہ جس پر جتنا افسوس بھی کیا جائے کم ہے۔ شہر شہر میں بیش بہا رقمیں چندہ کے طور پر جمع کی گئی تھیں لیکن رسید پرچے اور حساب کتاب کا سلسلہ ہی سرے سے نہ تھا۔ چنانچہ جس کے ہاتھ جو کچھ آگیا غائب ہوگیا۔ آج نہ کوئی حساب مانگنے والا ہے نہ بتانے والا۔

ان واقعات نے تحریک کو بدنام کیا۔ مقصد کو بدنام کیا۔ دین کو بدنام کیا۔ ان واقعات نے پاکستان کے دینی عناصر کی قوت گھٹائی ہے اور ملحد عناصر کے ہاتھ مضبوط کیے ہیں۔ بلکہ بیچ میں تو خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ خود اسلامی دستور کے لیے جو جدوجہد نہایت اہم مراحل میں داخل ہوچکی ہے اُسے بھی سخت نقصان پہنچے گا۔[۱]

ممتاز سنی عالم دین مولانا غلام مہر علی صاحب گولڑوی نے اپنی کتاب "دیوبندی مذہب" میں احراری علماء اور ان کے ادعائے تحفظ ختم نبوت پر زبردست تنقید کی چنانچہ لکھا:۔

ایک مجلس عمل بنی۔ صدر مولانا ابوالحسنات مرحوم اور صدر رضا کاران حضرت قبلہ صاحبزادہ صاحب

---

[۱] "چراغ راہ" کراچی مارچ ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۸، ۱۹)

اور سیکرٹری مجلس عمل داود غزنوی منتخب ہوئے۔ دیوبندی چندہ خوری کے لیے از خود منتخب ہو گئے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے تحفظ اور مطالبات مذکورہ سے تمام فرقوں کے علماء کو اتفاق تھا۔ مگر ایجی ٹیشن یعنی سول نافرمانی کر کے جیلوں میں جانے کے مسئلہ میں دیوبندی و سنی اور غیر مقلد ہر فرقہ کے اکثر علماء کو اس کے شرعی جواز میں اختلاف تھا اور وہ کافر کی بیخ کنی کے لیے اپنے آپ کو محبوس کرانے کو ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کا مصداق قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ افاضات الیومیہ میں مولوی اشرف علی تھانوی بھی اسے حرام قرار دے چکے تھے۔ اس لیے رضا کار تحریک میں امید سے بہت کم لوگ شریک ہوئے مگر مارچ ۱۹۵۳ء کو تحریک شروع ہو گئی سب سے اول رئیس اہل سنۃ حضرت مولانا صاحبزادہ رضاکار لے کر کراچی روانہ ہوئے۔ اور گرفتار کر لیے گئے۔ بعدہٗ اکثر شہروں سے رضاکار مظاہرے کرتے اور روانہ ہوتے رہے اور راستوں میں گرفتار کر لیے جاتے رہے۔ پھر یکے بعد دیگرے مولانا ابوالحسنات مولوی عطاء اللہ شاہ، مولوی محمد علی جالندھری کو گرفتار کر کے مع صاحب زادہ صاحب مدظلہ سب کو سکھر جیل میں محبوس کر دیا گیا۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی گرفتاری سے بچنے کے لیے پہلے شجاع آباد سے بھاگ کر کہیں روپوش ہو گئے۔ مبیّنہ طور پر سب سے پہلے مولوی محمد علی جالندھری جیل میں بدل گئے اور حکومت سے عرض معروض کر کے پیرول پر بالفاظ دیگر تحریک سے معافی ہو کر جیل سے نکل گئے، تحریک کمزور پڑ گئی، نئے رضاکاروں کا سلسلہ بند ہو گیا اور محبوس رضاکاروں نے حکومت سے مایوس ہو کر مختلف ذرائع سے جیلوں سے باہر آنا شروع کر دیا مگر رضاکاروں کے اس انفرادی تقدم و تاخر سے مطالبات کی قائمی پر کوئی اثر نہ پڑا۔ اور عوام کی نظریں مرکز کے قائدین پر مرکوز۔ حوصلے پختہ اور مولانا ابوالحسنات مرحوم و صاحب زادہ صاحب ابھی سکھر جیل میں عزم صمیم لیے مطالبات پر قائم تھے کہ دیوبندی مولویوں عطاء اللہ شاہ بخاری، محمد علی جالندھری داؤد غزنوی نے ۔ ا مئی ۱۹۵۳ء مطابق ۱۵ شعبان ۱۳۷۲ھ کو تحریک سے مکمل استعفا کا اعلان کر کے تمام تحریک اور مطالبات کا خاتمہ کر دیا۔ ان کا یہ عجیب و غریب اور بے سروپا بیان جنگ کراچی میں شائع ہوا۔ مولوی داؤد کے بیان کے چند الفاظ یہ ہیں۔

ہم سب بشمول عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا محمد جالندھری اس بات پر متفق ہیں کہ مرکز اور صوبہ میں وزارتی تبدیلی کے بعد ہم کو ہر قسم کی سول نافرمانی بند کر دینی چاہیئے۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۰ مئی ۱۹۵۳ء)

دیوبندی مولویوں کا یہ بیان فہمیدہ لوگوں کو سمجھ میں نہیں آیا، اور اس سے ان کے کسی مخفی دنیاوی پروگرام کے خدشات پیدا ہو گئے۔ کیونکہ مطالبات مذکورہ واجبی اور دائمی تھے، صرف وزارت کی تبدیلی پر مقصد برآری کا اظہار اور مطالبات سے دست برداری بعید از فہم تھی۔ کیا تحریک سے مقصد وزارت کی تبدیلی تھی اور بس،......حکومت نے تو مرزائیوں کو کافر قرار نہ دیا۔ البتہ دیوبندیوں نے الٹا تحریک ختم نبوت کے رضا کاروں کو کافر ضرور بنا دیا۔ چنانچہ مؤرخہ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۶۲ء مطابق ۲۲ جمادی الاول ۱۳۸۲ھ کو دیوبندیوں کی مسجد مدینہ چک ۱۴ منڈی چشتیاں شریف کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے انہیں مولوی محمد علی صاحب نے ایک جاہل نابکار کے اشارے پر یا اجرت وعظ کے اضافہ کے لالچ میں یہ الفاظ کہہ ڈالے کہ جن لوگوں نے تحریک میں معافیاں مانگی تھیں وہ مسلمان نہیں رہتے، ان کے پیچھے نماز نہ جائز ہے۔ الخ۔

مولوی صاحب کو شاید یہ الفاظ کہتے خیال نہیں آیا کہ وہ خود بھی اور ان کی ساری برادری اس کفر کی زد میں آگئی، کہ وہ خود پیرول (معافی) پر جیل سے نکلے اور اکثر دیوبندی بھی مختلف طریقوں سے قبل از میعاد سزا یا بفیصلہ تحریک جیلوں سے بھاگے۔ چنانچہ مولوی صاحب کے اس معاندانہ فتوے کے بعد بعض لوگوں نے دیوبندی فرقہ کے معتمد مفتیوں سے جو فتوے طلب کیے اور انہوں نے اصل جواب دے کر جالندھری صاحب اور دیوبندیوں کی مکاری کا بھانڈا پھوڑا وہ مختصراً بالفاظ ملاحظہ ہو۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ ہمارے چک کے امام مسجد صاحب جو کہ عالم فاضل ہیں وہ تحریک خلاف مرزائیت ۱۹۵۳ء میں رضا کاروں کے ساتھ جیل میں گئے تھے۔ پھر وہ معافی مانگ کر باہر آ گئے تھے (الیٰ قولہ) دریافت طلب یہ امر ہے کہ جن لوگوں نے معافیاں مانگی تھیں وہ مسلمان رہے یا نہیں، اور ان کی امامت نماز شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ (مختصراً)

الجواب ۴۴۷/۴۸ ع۱ امام موصوف کی اقتداء میں نماز درست ہے (بندہ عبدالستار عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۲ اس تحریک کے اختتام پر کافی حضرات نے معافی مانگ کر رہائی حاصل کی ۔ لہٰذا اس وجہ سے ان پر ملامت نہیں کی جا سکتی ۔ فقط والجواب صحیح ۔

(مُہر مدرسہ خیر المدارس ملتان)

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۱۵

سوال :۔ (مذکور)

الجواب اگر امام مذکور ہیں اور کوئی خلاف شرع باتیں نہ ہوں تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا درست ہے ۔ فقط والسلام ۔ بندہ احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان ۔

(مہر مدرسہ)

ان دونوں فتووں کو پڑھ لیجیے اور مولوی عبداللہ صاحب کے الفاظ کافی حضرات بھی بغور پڑھ لیجیے ۔ یہ کافی حضرات کون تھے ظاہر ہے کہ یہ اسی حضرت فرقہ کے ہی تھے ، ہم ان کی طویل فہرست یہاں دینا فضول سمجھتے ہیں کیونکہ وقت گزر گیا ، اور دفن شدہ مردے اکھیڑنا بے فائدہ کام ہے اور پھر یہ ذاتیات پر اتر آنے کا معاملہ ویسے بھی اخلاقیات سے باہر ہے یہ تو دیوبندیوں کا ہی شیوہ ہے کہ جب وہ علمائے اہل سنت پر کوئی اعتقادی گرفت نہیں کر سکتے تو ذاتیات کو موضوع بحث بنا کر اپنی امت کو خوش کیا کرتے ہیں ۔ عرض صرف یہ کرنا تھا کہ مسلمان کو کافر کہنا خود کفر ہے اب مولوی محمد علی صاحب اور ان کے مفتی آپس میں نپٹ لیں کہ ان میں کون مسلمان ہے اور کون نہیں اور انہیں سنیوں پر نکتہ چینی کرنے سے پہلے اپنے گھر کی پڑتال بھی کر لینا چاہیئے ۔ ؎

اتنی نہ بڑھا پاکئی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ"

دیوبندیوں کی مجلس تحفظ ختم نبوت کے اغراض و مقاصد

حصول مربعہ جات زمین ـــــــــ آڑھت کی دکانیں

دیوبندی کہتے ہیں کہ ہم ہی تحفظ ختم نبوت کے ٹھیکیدار ہیں واقعی سنی بریلویوں نے اس کو

پیٹ پرستی کا کاروبار بنا کر ختم نبوت کے روپیہ سے کاروبار کبھی نہیں چلایا البتہ سُنی علماء کی مخلصانہ تبلیغی سرگرمیاں محتاج تعارف نہیں .... دُور نہ جائیے تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں ہی عطاء اللہ شاہ بخاری و محمد علی جالندھری اہلسنت کے مقتدر علماء حضرت مجاہد اعظم مولانا ابو الحسنات رحمۃ اللہ علیہ خطیب مسجد وزیر خاں لاہور صدر مجلس عمل اور شیر بیشہ خطابت حضرت مولانا صاحبزادہ فیض الحسن شاہ مدظلہ کی جوتیاں چاٹا کرتے تھے اور انہیں کے نام پر دیوبندی دو لاکھ روپیہ لوگوں سے بٹور کر ثواب دارین سے مشرف ہوئے تھے ....

....مجلس تحفظ ختم نبوت کی اسلامی خدمات

دیوبندیوں کے ہر کام میں زراندوزی کا ہی مقصد در پیش ہوتا ہے چنانچہ ختم نبوت کا صدر مشہور قصہ خوانی مولوی محمد علی جالندھری جس نے دو تین کاروباری حصہ دار مبلغ بھی اپنے ساتھ نتھی کر رکھے ہیں لاکھوں روپیہ نبی کے ناموس کے نام پر جمع کر کے زمین کے مربعے اور آڑھت کی دکانوں سے مشرف ہو کر نعیم دارین و اجر جمیل سے ثواب عظیم حاصل فرما چکے ہیں چنانچہ دیوبندی فرقہ کے مرشد اعظم جناب منشی عبد الکریم شورش کشمیری اپنے رسالہ چٹان میں اپنے ہی مرید مخلص مولوی محمد علی جالندھری کے متعلق لکھتا ہے :-

"وہ (مولوی محمد علی جالندھری) ہمارے لیے اب بھی اسی طرح محترم ہے جس طرح پہلے تھے۔ لیکن ایک چیز ہے مولانا محمد علی کی ذات دوسری چیز ہے مجلس تحفظ ختم نبوت تیسری چیز ہے اس مجلس کے نام پر جمع کردہ روپیہ الخ (اس کے چند سطور بعد یہ شورش صاحب لکھتے ہیں) مولانا محمد علی جالندھری بہر حال اس مجلس اور اس روپیہ کے امین بنے ہوئے ہیں اب اگر وہ اس مجلس کو اپنی ذات تک محدود کر لیں اور جس مقصد کے لیے یہ روپیہ جمع ہوا ہے یا ہو رہا ہے اس مقصد پر صرف نہ ہو بلکہ اس کے برعکس ان کے مشاہرہ میں صرف ہو یا اس سے اراضی خرید لی جائے یا اس سے آڑھت کی جائے اور جس عظیم مقصد کا روپیہ ہے وہ عظیم مقصد روز بروز مجروح ہو رہا ہے تو ہمارے کرم فرما ہی ہمیں بتائیں کہ اصلاح احوال

اور احتساب جماعت کا کون سا طریقہ ان کے نزدیک مستحسن و موزوں ہے۔ مقصد روپیہ جمع کرنا۔ تنخواہیں بانٹنا اور آڑہت چلانا ہے یا تحفظ ختم نبوت الخ

(ہفت روزہ رسالہ چٹان لاہور اشاعت ۲۳ مارچ ۱۹۶۶ء)

ناظرین غور فرمائیں کہ یہ سب رونا ان کے گھر سے رویا جارہا ہے اور اس سے واضح ہے کہ تحفظ ختم نبوت کا دیوبندی مقصد کیا ہے اور روپیہ ان کے تقوی کا کس طرح دیوالہ نکال رہا ہے۔

ختم نبوت کے نام پر دو لاکھ روپیہ کی بندر بانٹ

حکومت سے مرزائیوں کو پاکستان میں غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے لیے مارچ ۱۹۵۳ء میں عظیم عالم اہلسنت حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد شاہ صاحب خطیب جامع مسجد وزیر خاں لاہور کی صدارت میں ایک تحریک چلی دیوبندی مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری و محمد علی جالندھری نے بھی تحریک میں شمولیت حاصل کر کے اسی تحریک کے نام پر ملک کے مختلف شہروں سے دو لاکھ روپیہ جمع کر لیا کہ یہ روپیہ رضاکاروں اور تحریک کے ضروری مصارف پر خرچ کیا جائے گا حکومت پاکستان اس تحریک کے خلاف تھی اس لیے اس نے اس تحریک کے مشہور افراد حضرت مولانا ابوالحسنات مرحوم و حضرت مولانا صاحبزادہ فیض الحسن شاہ صاحب مدظلہ اور مولوی عطاء اللہ شاہ، محمد علی کو گرفتار کر کے سکھر جیل بھیج دیا مبینہ طور پر مولوی عطاء اللہ شاہ گرفتاری کے وقت یہ دو لاکھ روپیہ اپنے بیٹے کے سپرد کر گئے کہ اس ثواب دارین کی پوری نگرانی کرنا تمہاری پشتوں کے لیے کافی ہو گا مگر جب جیل میں محمد علی جالندھری کو پتہ چلا کہ اس روپیہ پر عطاء اللہ شاہ بخاری وحدہٗ لاشریک قابض ہو رہا ہے تو جالندھری صاحب کا ہارٹ فیل ہونے لگا بخاری صاحب سے کہنے لگے کہ تحریک کو گرم کرنے کے لیے میرا جیل سے باہر جانا ضروری ہے بخاری صاحب بھی معاملہ سمجھ گئے کہ یہ جرأت محض اس روپیہ سے پیٹ گرم کرنے کے لیے کی جارہی ہے انہوں نے بہتیرا سمجھایا مگر جالندھری صاحب باآخر (بیردل) ضمانت و معافی پر جیل سے نکل آئے عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے اپنے فرزند ارجمند کو پیغام بھیجا کہ محمد علی روپیہ پر ہاتھ

صاف کرنے کے لیے باہر آچکا ہے۔ خبردار ہوجاؤ محمد علی روپیہ پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے سکھر جیل سے معافی لے کر آرہا ہے۔ بخاری کا بیٹا یہ جانکاہ خبر سن کر روپیہ لے کر مظفر گڑھ بھاگ گیا ادھر جالندھری صاحب کو دست پر دست آئے جا رہے تھے کہ تحریک ختم ہوگئی اور بخاری صاحب نے آئندہ خطرات سے بچنے کے لیے جالندھری کو برابر کا حصہ دے کر باہمی بندر بانٹ کرکے یہ تمام روپیہ ہضم کر گئے۔ صدر مجلس عمل مولانا ابوالحسنات نے بار بار اس روپیہ کا حساب مانگا۔ چنانچہ جمعیتہ العلمائے پاکستان کے داعی رسالہ "سواد اعظم" لاہور جو کہ مولانا ابوالحسنات کی سرپرستی میں چھپتا تھا کے ایڈیٹر مولانا معین الدین نے بذریعہ رسالہ ہذا بارہا اس دو لاکھ روپیہ کے حساب، کا مطالعہ کیا چنانچہ اسی مطالبہ کو سواد اعظم مجریہ، نومبر مطابق ۸ جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ، ۱۹۶۲ء میں دہرایا گیا۔ مگر دیوبندیوں کو ایسا سانپ سونگھ گیا۔ آج تک صدائے بازگشت نہ اٹھی اور بقول شورش کشمیری زمینیں اور آڑھت کی دکانیں بنالی گئیں"۔ ؎۱

سوم:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بذریعہ الہام ۲۹ جولائی ۱۸۹۷ء کو مومنوں پر ابتلاء آنے اور آسمانی فوجوں سے اُن کی نصرت کیئے جانے کی خوشخبری دی گئی پھر بعد اس کے الہام ہوا **"مخالفوں میں پھوٹ"** ؎۲

یہ پیشگوئی بھی اس زمانہ میں کمال وضاحت اور صفائی سے پوری ہوئی۔

۱۹۵۳ء کی شورش میں مجلس احرار اور جماعت اسلامی دونوں ہی سب سے نمایاں اور پیش پیش تھیں اور انہوں نے اپنے مطالبات منوانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ لیکن ایجی ٹیشن بڑی طرح ناکام ہوگئی اور لیڈر گرفتار کر لیے گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب یہ اصحاب رہا ہوئے تو باہم برسرپیکار ہوگئے اور ایک دوسرے کے خلاف قلمی اور لسانی جنگ کا وسیع محاذ کھول دیا۔

؎۱ "دیوبندی مذہب" صفحہ ۴۴۴ تا ۴۵۱ ناشر کتب خانہ مہریہ مہر منزل منڈی چشتیاں شریف ضلع بہاولنگر ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء۔ ؎۲ "تریاق القلوب" صفحہ ۹۱ طبع اول مطبوعہ قادیان

تذکرہ طبع چہارم صفحہ ۳۰۸ ، ۱۹۷۷ء مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ۔

چنانچہ مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی امیر و بانی جماعت اسلامی نے احراریوں کی "تحریک ختمِ نبوت" کی نسبت اپنی رائے یہ دی کہ :-

"اس کارروائی سے دو باتیں میرے سامنے بالکل عیاں ہو گئیں۔ ایک یہ کہ احرار کے سامنے اصل سوال تحفظِ ختمِ نبوت کا نہیں ہے۔ بلکہ نام اور سہرے کا ہے۔ اور یہ لوگ مسلمانوں کی جان و مال کو اپنی اغراض کے لیے جوئے کے داؤں پر لگا دینا چاہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ رات کو بالاتفاق ایک قرار داد طے کرنے کے بعد چند آدمیوں نے الگ بیٹھ کر ساز باز کیا ہے اور ایک دوسرا ریزولیوشن بطور خود لکھ لائے ہیں جو بہرحال کنونشن کی مقرر کردہ سبجیکٹس کمیٹی کا مرتب کیا ہوا نہیں ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ جو کام اس نیت اور ان طریقوں سے کیا جائے اس میں کبھی خیر نہیں ہو سکتی اور اپنی اغراض کے لیے خدا اور رسول کے نام سے کھیلنے والے جو مسلمانوں کے سروں کو شطرنج کے مہروں کی طرح استعمال کریں، اللہ کی تائید سے کبھی سرفراز نہیں ہو سکتے"[۱]

---

[۱] ہفت روزہ المنبر۔ ا؍ جولائی ۱۹۵۵ء ص۲۔ اس بیان پر جناب حمید نظامی صاحب مدیر اخبار نوائے وقت (لاہور) نے حسبِ ذیل ادارتی نوٹ سپردِ قلم کیا۔

"آج ۲۷، ۲۸ ماہ بعد اس انکشاف سے تو ایک عام آدمی اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ آپ کے سامنے بھی سوال تحفظِ ختمِ نبوت کا نہیں نام اور سہرے کا تھا اور آپ اپنی اغراض کے لیے خدا اور رسول کے نام سے کھیل رہے تھے اور آپ نے بھی مسلمانوں کے جان و مال کو اپنی اغراض کیلئے داؤ پر لگا دیا۔"

"دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ جو پوری ملّتِ اسلامیہ کی انقلابی قیادت کے دعویدار اور امارت کے مدعی ہیں کیا آپ ایسے ہی ڈھلمل یقین آدمی ہیں کہ خود اپنے قول کے مطابق آپ یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ "...... میں نے فوراً یہ رائے قائم کی کہ مجھے اٹھ کر ابھی کنونیشن سے علیحدگی کا اعلان کر دینا چاہیے، چنانچہ میں نے ...... لیکن چند ہی منٹ بعد دوسرا خیال میرے ذہن میں آیا ..... اور آپ نے اپنی رائے بدل دی اور آپ کنونیشن سے چمٹے رہے اور اب پورے سوا دو سال بعد آپ کو یہ خیال آیا کہ آپ کو مسلمانوں کو اس خطرہ سے خبردار کر دینا چاہیے، غور ہی فرمایئے (باقی ص۵۱۶ حاشیہ پر)

جماعتِ اسلامی کے ہفت روزہ ترجمان "المنیر" نے (جس کے ایڈیٹر حکیم مولوی عبدالرحیم صاحب اشرف تھے) یہ لکھا:۔

"رہے احراری تو ہم اب اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ اس بدنصیب گروہ نے تحفظ ختم نبوت کے نعرہ کو اپنے سیاسی کردار کی طرح بکاؤ مال بنا رکھا ہے۔ ان لوگوں کی اکثریت کو نہ خدا کا خوف ہے نہ خلق کی شرم نہ یہ پیغمبر کی نگاہ خشمگیں سے ڈرتے ہیں اور نہ انہیں جلالِ کبریائی سے کوئی خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ ان پاسبانِ ختمِ نبوت نے لائل پور کی اسی گراؤنڈ میں لپک لپک کر یہ جملے کہے ہیں "الحاج ناظم الدین! تم نے حاجی کہلا کر اور نمازی بن کر اسلام اور ختمِ نبوت کا بیڑا غرق کیا ہے تم سے ہزار بار وہ بے دین، بے نماز اور غیر حاجی دولتانہ اچھا جس نے اپنی وزارت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تحفظ ختمِ نبوت کا ساتھ دیا ہے" اور آج یہی گروہ ہے جو دولتانہ کو ختمِ نبوت کا غدار کہتے نہیں تھکتا.......... اور پھر احراری وہی حضرات ہیں جنہوں نے مارشل لاء کے دوران مخلص نوجوان مسلمانوں کو کرفیو اور دفعہ ۱۴۴ کی مخالفت پر اُکسا کر مسجدوں سے سر پر کفن بندھوا کر باہر نکالا اور ان کی لاشوں کو فوج کی گولیوں سے تڑپتا دیکھ کر یہ کہا کہ:۔

"جس تحریک کو خون سے نہ سینچا جائے وہ تحریک کبھی "عوامی تحریک" بن ہی نہیں سکتی" لیکن جب ان "علمبر داران حریت" کو چند ہفتے کے لیے جیلوں میں رہنا (نہیں "بی کلاس" میں تین چھٹانک گوشت ایک چھٹانک گھی، چھٹانک دودھ چھ چھٹانک آٹا اور تیسرے دن فروٹ کھانے کے لیے ملتے تھے) رہنا پڑا تو ان کی اکثریت نے سینکڑوں مرتبہ زبانی اور دسیوں دفعہ تحریری طور پر لکھ دیا کہ "ہم کبھی بھی حکومت کے خلاف نہ تھے نہ ہم نے سول نافرمانی کو آج تک جائز سمجھا ہے اور نہ آئندہ کبھی بھی اسے جائز سمجھیں گے نیز کہ ہم حکومت کے سچے وفادار ہیں اور ہم عہد کرتے ہیں کہ کسی تحریک میں کبھی حصہ نہیں لیں گے"۔

بقیہ حاشیہ صفحہ:۔ کہ ایسے ڈھلمل یقین اور مذبذب کیریکٹر کے لیڈر کے متعلق اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ وہ آئندہ کسی ایسے ہی کرائسس کے وقت قوم کی کشتی کو عین منجدھار میں نہ جا ڈبوئے گا"۔ (نوائے وقت ۷ر جولائی ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ کالم ۲)

آج یہ غازی ہیں "جو ختمِ نبوت کا نعرہ" لگا کر پھر میدانِ سیاست میں آنا چاہتے ہیں"۔ [1]

مزید لکھا:۔

تحفظِ ختمِ نبوت ہو یا مجلس احرار۔ ان دونوں کے نام سے آج تک قادیانیت کے خلاف جو کچھ کیا گیا ہے اس نے قادیانی مسئلے کو الجھایا ہے۔ ان حضرات کے اختیار کردہ طرزِ عمل نے راہِ حق سے بھٹکنے والے قادیانیوں کو اپنے عقائد میں پختگی کا مواد فراہم کیا ہے اور جو لوگ مذبذب تھے انہیں بدعقیدگی کی جانب مزید دھکیلا ہے۔

استہزا، اشتعال انگیزی، یاوہ گوئی، بے سروپا لفاظی، اس مقدس نام کے ذریعہ مالی غبن لادینی سیاست کے داؤ پیچ، خلوص سے محروم اظہارِ جذبات، مثبت اخلاقِ فاضلہ سے تہی کردار ناخدا ترسی سے بھرپور مخالفت کسی بھی غلط تحریک کو ختم نہیں کر سکتی اور ملتِ اسلامیہ پاکستان کی ایک اہم محرومی یہ ہے کہ "مجلس احرار" اور "تحفظِ ختمِ نبوت" کے نام سے جو کچھ کیا گیا ہے اس کا اکثر و بیشتر حصہ انہی عنوانات کی تفصیل ہے"۔ [2]

"تحفظِ ختمِ نبوت" کے فنڈ اور اس کے فنڈ سے حاصل کیے گئے باتنخواہ "مبلغین" کو جماعت اسلامی کے خلاف تقاریر کی ٹریننگ کا اہتمام کیا گیا جس کی زمام کار مولوی لال حسین ایسے "محتاط" اور "شیریں مقال" مناظر کے ہاتھوں میں سونپی گئی۔ اور یہ کام بھی انہی کے سپرد کیا گیا کہ وہ ہر شہر میں سیاسی کارکنوں کی میٹنگیں بلائیں اور ان میں مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے خلاف نفرت و حقارت پھیلانے کا کام کریں۔ ان مجالس میں مسلم لیگ، آزاد پاکستان پارٹی جناح عوامی لیگ کے کارکنوں کو بلایا جاتا اور اہلِ حدیث، دیوبندی اور بریلوی حضرات کو دعوت دی جاتی۔ انہیں یکجا کرکے مذہبی اور سیاسی اختلافات کے علاوہ یہ بات عام طور پر کہی جاتی رہی کہ جماعت اسلامی کا کردار اس کے قائد ابوالاعلیٰ مودودی کے اس طرزِ عمل سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ مودودی صاحب صبح مجلس عمل کے اجلاسوں میں شریک ہوتے اور رات

---

[1] المنبر لائل پور۔ ۶ر جولائی ۱۹۵۶ء ص۲ کالم ۲ ر ۳

[2] المنبر لائل پور۔ ۶ر جولائی ۱۹۵۶ء ص۷ کالم ۲

کو ناظم الدین سے ملاقاتیں کرتے۔ اور آخری مرتبہ مودودی صاحب نے تحریک تحفظِ ختمِ نبوت سے یہ عظیم غدّاری کی کہ ناظم الدین سے یہ جاکر کہا کہ جماعتِ اسلامی تحریک سے الگ ہے۔ آپ جو چاہیں ان لوگوں سے سلوک کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی مشورہ پر ۲۶ رفروری کو مجلس عمل کے رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا اور اس کے بعد نوبت مارشل لاء تک پہنچی جس میں مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی گئی۔ اگر مودودی صاحب تحریک سے غدّاری نہ کرتے تو نہ کوئی نوجوان قتل ہوتا الخ"[1]

اسی اخبار نے سید عطاء اللہ شاہ صاحب کی ایک تقریر پر حسبِ ذیل نوٹ دیا کہ :۔

"شاہ صاحب نے کہا کہ حضور خاتم النبیینؐ نے میرے نام پیغام دیا ہے کہ میں ختمِ نبوت کے مسئلہ کو کامیابی سے چلاؤں ...... شاہ صاحب کی جانب منسوب کردہ الفاظ اگر صحیح ہیں یا انہوں نے اس مفہوم کو بیان کیا ہے کہ حضور سرورِ کائناتؐ روحی ونفسی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منتخب فرمایا کہ وہ ختمِ نبوت کی حفاظت کریں اور اب شاہ صاحب اسی ارشادِ رسالت کی تعمیل کے لیے شہر شہر گھوم پھر رہے ہیں تو ہم دُکھ بھرے دل سے کہتے ہیں کہ شاہ صاحب نے حضورِ اقدس کی شان میں (نادانستہ) ایسی گستاخی کی ہے جس سے وہ جتنی جلدی توبہ کر لیں ان کے لیے بہتر ہے۔

شاہ صاحب کی اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم شاہ صاحب کی ان تقریروں کو جو تحفظِ ختمِ نبوت کے نام پر آج تک کرتے رہے اور اب کر رہے ہیں منظوری و پسندیدگی حاصل ہے اور اسی وجہ سے انہیں دربارِ رسالت سے یہ امتیاز عطا ہوا ہے کہ آٹھ کروڑ مسلمانوں میں سے انہیں اس عظیم کام کے لیے منتخب فرمایا گیا ہے اور ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب کی یہ تقریریںؒ جو وہ قادیانیت کے خلاف کر رہے ہیں (جن میں سے آیات کی تلاوت اور ان کے بعض مطالب کی تبلیغ کا حصہ جو فی الحقیقت ان کی تقریروں کا...... (اگر ہو مستثنیٰ کر لیا جائے) اگر انہیں دربارِ رسالت کی

---

[1] المنبر، ۱۷ رجولائی ۱۹۵۵ء صفحہ ۹۔ حاشیہ صفحہ ۵۱۹ پر

پسندیدگی حاصل ہے تو ہم اس اسلام کو جو کتاب و سنت میں پیش کیا گیا ہے اور جس میں ذہن، قلب، زبان اور اعضاء کو مسؤلیت سے ڈرایا گیا ہے خیر باد کہنے کو تیار ہیں۔

ہمارے نزدیک شاہ صاحب نے نہایت غلط سہارا لیا ہے اور مسلمانوں میں جو عقیدت رحمۃ للعالمین بابی ھو وامیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود ہے اس سے نہایت غلط قسم کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ اور پھر اس میں جب ہم مزید دیکھتے ہیں کہ وہ اس خواب سے مراد یہ لیتے ہیں کہ "تحفظِ ختمِ نبوت" کے نام پر جو نظم (؟) انہوں نے قائم کر رکھا ہے حضور خاتم النبیین روحی ونفسی فداہ اس نظم کی تائید فرما رہے ہیں تو ہماری روح لرز جاتی ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ نظم اور اس کے تحت متعین کردہ مبلغین کا کام اور اس کے نام پر حاصل کیے گئے صدقات، زکوٰتیں۔ اور چندے اس بُری طرح صرف ہونے کے باوجود انہیں پیغمبر امین کی پسندیدگی حاصل ہے تو ناگزیر ہے کہ ان تمام احادیث رسالت مآب کو خیر باد کہہ دیا جائے جن میں آپ نے مسلمانوں کے مال کے احترام کی اہمیت بیان فرمائی ہے اور جن میں اموال المسلمین میں خیانت کو حرام اور موجب سزا بتلایا گیا ہے۔"[1]

دوسری طرف احرار رہنماؤں نے جماعت اسلامی کے امیر و بانی پر "تحریک ختمِ نبوت" سے غداری اور منافقت کے الزامات لگائے چنانچہ تاج الدین صاحب انصاری نے بیان دیا کہ:

"۱۸ رجنوری سے لیکر ۲۶ رفروری تک مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب تحریک کا بغور مطالعہ کرتے رہے۔ وہ یہ اندازہ لگا رہے تھے کہ اگر حکومت مسلمانوں کے مطالبات آخری وقت

حاشیہ بقیہ ص۵۱۵:- "ان تقریروں کا ایک نمونہ قاضی محمد اسلم صاحب سیف فاضل عربی کے الفاظ میں درج ذیل کیا جاتا ہے موصوف شاہ جی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں" آپ نے متعدد بار متعدد مقامات پر اپنی تقریروں میں خواجہ ناظم الدین اور ملک غلام محمد مرحوم کو مخاطب کر کے فرمایا اے خواجہ صاحب اور اے ملک صاحب اگر تم میری یہ معمولی سی درخواست مان لو یعنی عقیدہ ختمِ نبوت کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھاؤ تو میں اپنی اس سفید ریش سے تمہارے پاؤں صاف کر دوں گا۔" (رسالہ تنظیم اہلحدیث لاہور ۲۹ ستمبر ۱۹۶۱ء ص۵)

[1] ہفت روزہ المنیر ۹ مارچ ۱۹۵۶ء ص۴ کالم ۱-۲

بھی تسلیم کر لیتی ہے تو جماعت اسلامی تحریک میں موجود ہے۔ کراچی میں مولانا سلطان احمد نائب امیر جماعت اسلامی یعنی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے خلیفہ صاحب فوج ظفر موج کے کمانداروں میں بہ نفسِ نفیس موجود ہیں۔ خود مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب قادیانی مسئلہ لکھ کر تحریک میں شمولیت کا دستاویزی ثبوت لیے کھڑے ہیں۔ حتیٰ کہ مارشل لاء کے نفاذ سے ایک روز پہلے گورنمنٹ ہاؤس میں بیچ کی دیوار پر کھڑے گورنمنٹ کو اس امید پر آنکھیں دکھا رہے ہیں کہ شاید مسلمانوں کے متفقہ مطالبات دو ایک روز تک ماننے جانے والے ہیں...... مگر جب مارشل لاء کا اعلان ہونے لگا مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوار کے اس پار کر دیئے گئے اور فرمانے لگے کہ میرا اس تحریک سے کیا واسطہ؟ یہ تو چند خود غرض بے ایمان اور غداروں کی تحریک ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ دیوار سے کودتے وقت مولانا کا دامن کسی کیل میں پھنس کر اچاک ہو گیا جسے وہ دو سال تک جیل میں بیٹھ کر رفو کرتے رہے۔ آگے سے پھٹا ہوا دامن چیرہ دستیوں کی اب بھی غمازی کرتا ہے اور مولانا ہیں کہ اپنی صفائی میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں اور کہے چلے جا رہے ہیں کہ میں پاکباز ہوں۔ میری جماعت صالحین کی جماعت ہے باقی سب چور ہیں، غدار ہیں، خود غرض ہیں۔"

پھر مولانا مودودی کو مخاطب کر کے لکھا:۔

"حضورِ والا! کنونشن میں شرکت کے بعد ہی مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ آپ جو اسلام اسلام پکار کر اسلامی دستور کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ آپ کیا ہیں؟ آپ کی اصل خواہش کیا ہے؟ پبلک نے آپ کو تحریک ختم نبوت میں اچھی طرح جان پہچان لیا ہے۔ اب آپ یہ بھی دیکھ لیں گے کہ پبلک آپ سے کیا کچھ دریافت کرتی ہے۔ آپ تو بڑے آدمی ہیں۔ اپنی صفائی میں آپ نے کوئی معقول دلیل پیش نہیں فرمائی۔ کسی جیب تراش نے پکڑے جانے کے بعد کبھی یہ صفائی پیش نہیں کی کہ مستغیث نے مجھے قریب ہی کیوں آنے دیا تھا۔ بہر حال آپ دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ جتنا زور لگایئے گا۔ اسی قدر زیادہ دھنستے چلے جایئے گا۔ میں یہ سمجھا ہوں کہ آپ اپنی غلطی یا تحریک ختم نبوت سے غداری کا اقرار کرنے سے رہے بحث کے لیے آپ کے پاس وہ سب سامان موجود ہے جس سے آپ کافی عرصہ بحث جاری رکھ سکتے ہیں مگر ہمیں

اس بحث سے مطلب ؟

جہانتک پبلک کی معلومات کا تعلق ہے ہم نے پبلک سے یہی کہتے سُنا ہے کہ آپ نے تحریک ختمِ نبوت سے غدّاری کی ہے اس وقت آپ اور آپ کی جماعت منافقت سے کام لے رہے تھے اور اب آپ صاف مُکر رہے ہیں"۔[1]

خود سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے کہا کہ :-

"اس تحریک میں جو کچھ ہوا مَیں ذمہ دار ہوں غلط ہوا یا صحیح ذمہ داری میرے سر ہے ارے مَیں مودودی نہیں ہوں ۔ بد دیانت نہیں ہوں ...... آج وہ کہتے ہیں مَیں تحریک میں شامل نہیں تھا مَیں کہتا ہوں شامل تھا اور اگر مودودی شامل نہیں تھا تو مَیں اُن سے حلفیہ بیان کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ صرف یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ اپنے لڑکوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر اعلان کر دیں ...... یہ ہے دیانت ہزاروں شہید ہوئے ۔ سَوؤں کے سُہاگ لُٹے ، کئی یتیم ہوئے ، کئی اُجڑ گئے ...... ہزاروں کو مروا کر کہوں میں شامل نہیں تھا کیا یہی دین ہے ..... ارے تم سے تو کافر گلیلو ہی اچھا تھا جس نے زہر کا پیالہ پی لیا "۔[2]

اس پر بس نہیں شاہ جی نے لائلپور کی ایک کانفرنس میں جناب سیّد ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کو غدار، دروغ گو اور مستحق سزا مجرم گردانتے کے بعد ان کو مباہلے کا کھلا چیلنج بھی دے دیا۔[3]

جماعت اسلامی کو احرار اور ان کے ہم نوا علماءِ ہند و پاک نے کافر و ملحد بلکہ دجّال تک قرار دے دیا اس طرح تکفیر کے جس حربہ کو جناب مودودی صاحب اور ان کی جماعت نے نہایت بے دردی سے جماعت احمدیہ کے خلاف استعمال کیا تھا اس کا رُخ پوری قوت و شدّت سے ان کی طرف ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے فتووں کے انبار لگ گئے

---

[1] "بیان صادق" ص ۳۴ ۳۵ از تاج الدین صاحب انصاری لدھیانوی ناشر مکتبہ مجلس احرار اسلام پاکستان کاشانہ معاویہ ۳۲/۷ کوٹ تغلق شاہ ملتان شہر طبع ثانی محرم ۱۳۸۸ھ/اپریل ۱۹۶۹ء مطبع مکتبہ جدید پریس لاہور

[2] "خطبات امیرِ شریعت" ص ۱۲۸ ، ص ۱۲۹ مرتبہ مرزا غلام نبی صاحب جانباز ناشر مکتبہ تبصرہ بیرون دہلی گیٹ لاہور۔ [3] المنیر لائلپور ۱۷ جولائی ۱۹۵۵ء ص ۹

اس بیرونی یلغار کے علاوہ جماعت اسلامی کی صفوں میں زبردست انتشار پیدا ہو گیا اور کئی عمائدین مثلاً مولانا امین احسن صاحب اصلاحی (معتمد امیر جماعت اسلامی) ملک سعید صاحب (ایڈیٹر تسنیم وامیر جماعت اسلامی صوبہ پنجاب) عبدالغفار صاحب اور مولانا عبدالرحیم اشرف مدیر "المنبر" نے علیحدگی اختیار کر لی۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنے سولہ سالہ تجربہ و مشاہدہ کی بناء پر لکھا:۔

"جماعت اسلامی کے متعلق تو ہماری ایماندارانہ رائے یہ ہے کہ اس وقت اسلام کے لیے اس ملک میں اس سے زیادہ مضر جماعت کوئی نہیں۔ متحدہ محاذ کی اسلام دشمن جماعتیں اسلام کی مخالفت بے دلیل کریں گی اور جماعت اسلامی کے امیر صاحب اور ان کے اتباع ان کے لیے اپنی نرالی فقاہت سے شرعی دلیلیں ایجاد کریں گے۔"

"دین اور عقل دونوں سے بعید تر جماعت اس ملک میں اگر کوئی ہے تو جماعت اسلامی ہے یہ جماعت اب صحیح فکر اور صحیح عمل کی توفیق سے محروم ہو چکی ہے اس کی ہر بات الٹی ہوتی ہے اور جو قدم بھی یہ اٹھاتی ہے اس سے اپنی بے راہ روی اور ضلالت کا ثبوت مہیّا کرتی ہے"[1]

سعید ملک صاحب ایڈیٹر تسنیم نے اپنے بیان میں کہا:۔

"جماعتی لٹریچر میں یہ بات واضح طور پر بیان کی گئی ہے کہ اسلامی تحریک کو چلانے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ مخاطب آبادی میں اسلام کے اصولوں کا شعور اور ان پر چلنے کا شدید داعیہ پیدا کر دیا جائے تا آنکہ ایک مرحلے پر پہنچ کر وہ آبادی فطری طور پر اسلام کو ایک نظامِ زندگی کی حیثیت سے اپنا لے۔ یہ بات کھل کر کہہ دی گئی تھی کہ یہ کام محض سیاسی ہنگاموں سے ہوگا اور نہ صرف انتخابات کے ذریعے حصولِ اقتدار کی کوششوں سے۔ لیکن ابھی قوم میں اسلامی اصولوں کا ابتدائی تصور بھی پیدا نہ ہوا تھا اور اس نے اسلامی اصولِ اخلاق اور سیاست کو اختیار کرنے پر معمولی سی آمادگی کا اظہار بھی نہ کیا تھا کہ آپ نے بنیادی کام سے صرفِ نظر کر کے تحریک کو پوری

---

[1] "انتخابی کالج کے لیے لمحہ فکریہ" از مولانا امین احسن اصلاحی ص۴ ص۵ ص۶ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور

طرح سیاسی ہنگامہ آرائیوں میں الجھا دیا تھا کہ اسلامی نظام کی حیثیت ہمارے ہاں محض ایک نعرے کی رہ گئی"۔[1]

حکیم عبدالرحیم صاحب اشرف نے جماعتِ اسلامی سے خروج کے بعد پے در پے تنقیدی مضامین لکھے جن میں واضح الفاظ میں بتایا کہ "مولانا مودودی صاحب نے اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی اور قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" سے جس اسلام کی دعوت کا آغاز کیا تھا وہ اب ایک ایسے اسلام کی شکل میں ہمارے سامنے ہے جس کی روح تعلق باللہ، اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید، ایمان بالغیب اللہ تعالیٰ کی عبادات میں انہماک، تقویٰ کی حقیقت کو پانے کے اساسات پر مبنی نہیں بلکہ اس کی حقیقی روح اسلام کے سیاسی نظام کو قائم کرنا ہے اور جماعت کے اندر اصل قیمت صرف اس چیز کی ہے کہ پروپیگنڈے، نشرواشاعت مخالفین کی سرکوبی، اخبارات میں نمایاں ہونے، دوسرے سے گٹھ جوڑ کرنے کی صلاحیت کی مقدار کس قدر پائی جاتی ہے؟ .... رہا طریق کار اور وسائل تو وہ چونکہ مقصود بالذات نہیں ہیں اس لیے ان میں اگر کچھ اجزاء باطل، جھوٹ، فریب، فساد انگیزی اور اسلام کی عام تعلیمات کی رو سے ناجائز کردہ باتوں کے شامل ہو جائیں تو انہیں بوقتِ ضرورت اختیار کیا جا سکتا ہے بالفاظ دیگر جماعت جس فلسفہ میکا دلی کے استیصال کے لیے اٹھی تھی۔ یہی اس کا محور فکروعمل بن رہے ہیں۔ اسی پر اکتفا نہیں میں جماعت کے قائدین کا مؤقف یہ سمجھتا ہوں کہ وہ ان تمام باتوں کے جواز کے لیے قرآن اور حدیث سے استدلال کریں اور اپنی ہر غلطی کو اسوۂ رسالت سے سندِ جواز عطا کریں"۔[2]

جماعت اسلامی کے ایک سابق رکن ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے احراری تحریک میں مولانا مودودی اور ان کے رفقاء کی شرکت کو بے اصولے پن اور عوام پرستی کا شاہکار قرار دیتے ہوئے لکھا:۔

---

[1] روزنامہ تسنیم لاہور ۶ رجنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۴ کالم نمبر ۲

[2] المنبر ۴ر اکتوبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۷

"اس داستان کا المناک ترین باب" مسئلہ قادیانیت میں جماعت اسلامی کا طرزِ عمل ہے۔ اس کے دوران جماعت اور اس کے قائدین نے جس طرح اپنے اصولوں کی بجائے عوام کے چشم و ابرو کے اشاروں پر حرکت کی ہے اسے دیکھ کر انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ —— اتنی قلیل مدت میں ایک جماعت کا مزاج اس درجہ بھی بدل سکتا ہے؟ ......

یہ مسئلہ کوئی آج کی پیدا وار نہیں تھا ...... لیکن ...... اپنے تاسیس کے دن سے لے کر ۱۹۵۲ء تک پورے گیارہ بارہ سال جماعت اسلامی نے بحیثیت جماعت یا اس کے اکابرین نے بحیثیتِ افراد اس پر کوئی علمی اقدام کرنا تو کجا زبان سے ایک حرف تک نہ نکالا بلکہ ایک اصولی اسلامی جماعت کی حیثیت سے اپنے دور اوّل میں اس نے ایسی باتیں کہیں کہ جن سے قادیانیوں کی تکفیر کی براہِ راست نہ سہی بالواسطہ ضرور صریحاً شکنی ہوتی ہے؟

(ملاحظہ ہو تکفیر بغیر اتمام حجت سے متعلق جماعت کا نقطۂ نظر ص ۵۴)

لیکن جب ۱۹۵۲ء میں زعمائے احرار نے اسے واقعی ایک مسئلہ بنا لیا اور عوام کے جذبات کو مشتعل کر لیا تو اب جب کہ اصول پرستی اور مردانگی کا تقاضا یہ تھا کہ ...... لوگوں کو بتایا جاتا کہ تم خواہ مخواہ مشتعل کیے جا رہے ہو۔ نہ یہ مسئلہ اتنی اہمیت رکھتا ہے اور نہ اس کے حل کی صورت وہ ہے کہ جو اختیار کی جا رہی ہے —— اور اگر عوام اسے ردّ کرتے تو کم از کم "اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ" کہہ کر الگ ہو جاتا۔ جماعت اسلامی نے اپنی اصول پسندی اور اصول پرستی کو ذبح کر کے "حق گوئی" سے جی کراتے اور "رد باہی" کا ثبوت دیتے ہوئے جو طرزِ عمل اختیار کیا وہ "بے اصولے پن" اور "عوام خوفی کی عملی تصویر ہے چنانچہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ ہشت نکاتی مطالبے میں نویں نکتے کی حیثیت سے کر لیا گیا اور مجلس عمل کے ساتھ تعاون شروع کر دیا گیا اور ان لوگوں کی قیادت قبول کر لی گئی کہ جن کے پاس بیٹھتے ہوئے بھی بقول "یکے از بزرگانِ جماعت" جماعت کے زعماء کو "گھن آتی تھی"۔ اور جن کے حقیقی ارادوں اور عزائم پر سے بعد میں مولانا مودودی نے "بیانِ حقیقت" میں پردے اٹھائے ...... صرف یہی نہیں کہ عوام کے "تقویٰ" کی وجہ سے جماعت نے اس معاملہ میں حصہ لینا شروع کر دیا بلکہ ان کی بارگاہ میں "احسان" کا درجہ حاصل کرنے کی سعی شروع ہو گئی اور "قادیانی

مسئلہ" تصنیف ہوا جس میں" عوام" کے مطالبات کی وجوہات اور ان کے دلائل کو مولانا مودودی صاحب نے پُر زور انداز میں پیش کیا۔ اس کتاب کے آخری پیرے میں یہ "عوام پرستی" جس طرح چھلکی پڑتی ہے وہ قابلِ دید ہے۔۔۔۔۔۔

جذبۂ عوام پرستی کی انتہاء ہے کہ ان خامیوں اور خرابیوں کو بھی خوشنما الفاظ کے پردے میں چھپا کر" پیٹھ" ٹھونکی جارہی ہے کہ تم سے کچھ غلطیاں تو ضرور سرزد ہو رہی ہیں لیکن گھبراؤ نہیں! اس میں تمہارا قصور تھوڑا ہی ہے! ۔

اس کے بعد جب" احرار" کے ساتھ مزید چلنا ناممکن ہوگیا اور مجلسِ عمل سے علیحدگی ناگزیر ہوگئی تو بھی اس احتیاط کے ساتھ علیحدگی کا اعلان کیا گیا کہ عوام اسی بھرّے میں رہیں کہ" ہم نے اپنے حصے کا کام اپنے ذمے لے لیا ہے"! آخر عوام کی ناراضی مول لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔

پھر جب معاملہ تحقیقاتی عدالت میں آیا تو اس وقت مولانا مودودی صاحب نے حالات کو بگاڑنے کی ذمہ داری میں حکومت اور قادیانیوں کے ساتھ ساتھ" احرار" کو بھی شریک کیا! یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ تینوں برابر کے ذمہ دار تھے تو آج سے قبل آپ ساری ذمہ داری حکومت اور قادیانیوں پر کیوں ڈالتے رہے؟ کچھ تو آپ نے احرار کے بارے میں بھی فرمایا ہوتا! اور جماعتِ اسلامی کو من حیث الجماعت تو اس" قولِ ثقیل" کے کہہ گزرنے کی پھر بھی ہمت نہ ہوئی۔ جماعت نے اپنے بیان میں ساری ذمہ داری صرف حکومت اور قادیانیوں ہی پر ڈالی۔

تحقیقاتی عدالت میں مولانا اور جماعت نے اپنے آپ کو ان سارے معاملات میں بالکل بری الذمہ ٹھہرانے کی کوشش کی اور اس کے لیے سارا زور اس استدلال پر صرف کیا کہ ہم نے مجلسِ عمل سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ لیکن میں اس معاملے میں تحقیقاتی عدالت کے اس فیصلے کو بالکل صحیح سمجھتا ہوں کہ۔۔۔۔۔۔ جماعت اسلامی ذمہ داری میں احرار کے ساتھ برابر کی شریک ہے۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔ اس کے بعد جب تک مقدمات چلتے رہے اور عوام کے جذبات میں اس مسئلہ

پر حرارت باقی رہی جماعت کے رسائل و اخبارات اس مسئلہ پر مسلسل لکھتے رہے جب فضا ٹھنڈی ہو گئی جماعت نے بھی مسئلہ کا نام لینا بند کر دیا اور آج ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ سرے سے پیدا ہوا ہی نہیں تھا!

یہ پوری داستان بے اصولے پن اور عوام پرستی کا شاہکار نہیں تو اور کیا ہے؟" [۱]

مجلس احرار اور جماعتِ اسلامی کی جنگ زرگری زور شور سے جاری تھی کہ دوسرے مکاتیب فکر کے علماء بھی میدانِ تکفیر و تفسیق میں اتر پڑے اور کفر سازی کی مہم بکا یک زور پکڑ گئی جس پر مولانا حکیم عبدالرحیم صاحب اشرف مدیر "المنبر" نے حسب ذیل حقیقت افروز نوٹ سپرد قلم فرمایا:۔

"ختمِ نبوت کا ایک لازمی تقاضا یہ تھا کہ امتِ محمدیہ بنیان مرصوص کی حیثیت سے قائم علی الحق رہتی ۔ اس کے جملہ مکاتیب فکر اور تمام فرقوں کے مابین دین کی اساسات پر اس نوع کا اتحاد ہوتا جس نوع کا اتحاد ایک صحیح الذہن امت میں ہونا ناگزیر تھا لیکن غور کیجیے کیا ایسا ہوا؟ بلاشبہ ہم نے متعدد مراحل پر اتحاد امت کے تصور کو پیش کیا اور سب سے زیادہ قادیانیوں کے خلاف مناظرہ کے سٹیج سے ڈائرکٹ ایکشن کے ویرانے تک ہم نے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام کے تمام فرقے "یکجان" ہیں لیکن کیا حقیقتاً ایسا تھا۔ کیا حالات کی شدید سے شدید تر ناسا عدت کے باوجود ہماری تلوار تکفیر نیام میں داخل ہوئی؟ کیا ہولناک سے ہولناک تر واقعات نے ہمارے فتاویٰ کی جنگ کو ٹھنڈا کیا۔ کیا کسی مرحلہ پر بھی "ہمارا فرقہ حق پر ہے اور باقی تمام جہنم کا ایندھن ہیں" کے نعرہ سے کان نامانوس ہوئے؟ اگر ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی تو بتایئے اس سوال کا کیا جواب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت پر ایمان رکھنے والی امت کے اگر تمام فرقے "کافر" ہیں اور ہر ایک دوسرے کو جہنمی کہتا ہے تو لامحالہ ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو سب کو اس کفر اور جہنم سے نکال

---

[۱] "تحریک جماعتِ اسلامی" از ڈاکٹر اسرار احمد ایم اے ایم بی بی ایس شائع کردہ دارالاشاعت الاسلامیہ کرشن نگر لاہور ص ۱۸۸ تا ۱۹۳ طبع اول محرم الحرام ۱۳۸۶ھ اپریل ۱۹۶۶ء [۲] المنبر ۹ مارچ ۱۹۵۶ء ص ۵

کر اسلام اور جنّت کا یقین دلا سکے"۔ ؎۱

چہارم:۔ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو ۱۹۰۵ء میں اپنے الہام سے یہ خبر دی کہ:۔
"جو شخص تیری طرف تیر چلائے گا میں اسی تیر سے اس کا کام تمام کرونگا"۔ ؎۲
۱۹۵۳ء میں یہ الہام جس عبرتناک رنگ میں ظہور پذیر ہوا اس کا کسی قدر اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے بخوبی لگ سکتا ہے۔

۱۔ ہفت روزہ "آثار" لاہور (۲۴ تا ۳۰ جون ۱۹۷۴ء) نے لکھا:۔
"۱۹۵۳ء میں ختمِ نبوت کے نام پر جو سیاسی کھیل کھیلا گیا اس کی ہولناک یادیں ابھی قومی ذہن سے محو نہیں ہوئیں۔ جن سیاسی لیڈروں اور شرعی جیب کتروں نے ختم نبوت کے عقیدے کو سیاسی یا مالی منفعت کا ذریعہ بنایا ان کا وجود صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹا کہ آج کوئی ان کی قبروں پر فاتحہ پڑھنے والا بھی نہیں۔ ان میں سے جو لوگ ابھی زندہ ہیں وہ بس زندگی کی سانسیں پوری کر رہے ہیں ان کا نہ کوئی حال ہے نہ مستقبل۔ ان کے سیاسی اقتدار پر فائز رہنے کے تمام خواب چکنا چور ہو گئے۔ ان کے مذہبی شیوخ بننے کے تمام امکانات معدوم ہو گئے۔ ختمِ نبوت کا عقیدہ بیچ کر انہوں نے جو ڈھیروں روپیہ اپنی ہتھیلیوں میں داخل کیا تھا اس نے ان کے گھروں کو جہنم کے انگاروں سے بھر دیا ہے اب یہ لوگ خود اپنے جنازے اٹھائے پھرتے ہیں لیکن ایسا کوئی قبرستان نہیں ملتا جہاں وہ اپنی لاشوں کو دفن کر سکیں"

۲۔ رسالہ "آثار" نے اس تمہید کے بعد نمونۃً بعض نمایاں شخصیات کا بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس دور کے وزیر اعلیٰ پنجاب جناب میاں ممتاز صاحب دولتانہ کی نسبت لکھا:۔

"ختمِ نبوت کی تحریک کو سیاسی مقاصد کے لیے ایکسپلائٹ کرنے والوں کے سرخیل تھے انہوں نے بعض اخبارات اور شرعی جیب کتروں کو صوبائی حکومت کے خزانے سے جس کے وہ سربراہ تھے لاکھوں روپے اس مقصد کے لیے دیئے کہ وہ

؎۱ المنیر ۹ مارچ ۱۹۵۶ء ص ۵۔
؎۲ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۷۵ طبع اوّل۔

عقیدے کے نام پر ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائی تھی جب یہ آگ بھڑکی تو خود ممتاز دولتانہ جل بجھے ان کا شاندار سیاسی مستقبل برباد ہو گیا وہ آج بھی زندہ ہیں مگر اس حال میں کہ جسے ایوان شہی کے اندر ہونا چاہیئے تھا آج وہ اس کے دروازے پر پیٹی باندھے کھڑا ہے خدا ہی بہتر جانتا ہے ان کا انجام کیا ہوگا" [۱]

۳ ۔ ہفت روزہ "آثار" (۲۴ تا ۳۰ جون ۱۹۷۴ء ص۸) مولانا اختر علی خاں صاحب (خلف مولانا ظفر علی صاحب) ایڈیٹر زمیندار کی نسبت لکھا:۔

"مرحوم روزنامہ زمیندار کے مالک تھے انہوں نے ختم نبوت کے نام پر حکومت سے بھی لاکھوں روپے لیے اور عوام سے بھی ڈھیروں روپے چندہ وصول کیا ۔ انہوں نے چندہ اکٹھا کرنے کے لیے ختم نبوت کے نام پہ ایک ایک روپے کے نوٹ چھاپ لیے تھے۔ جنہیں لوگوں کو دے کر ان سے اصلی نوٹ بطور چندہ لیے جاتے تھے ۔ جس زمانہ میں انہوں نے ختم نبوت کے عقیدے کو روپیہ کمانے کا ذریعہ بنایا وہ میکلوڈ روڈ پہ ایک عالیشان بلڈنگ کے مالک تھے ان کے پاس دو تین کاریں بھی تھیں ۔ اور زمیندار بھی اچھا خاصا چل رہا تھا مگر جونہی انہوں نے ختم نبوت کے نام پر روپیہ خورد برد کیا بہت ہی تھوڑے سے عرصہ کے اندر نہ ان کی بلڈنگ رہی، نہ اخبار رہا اور نہ وہ خود رہے ان کی بلڈنگ بک کر ایک ہوٹل بن گئی ۔ زمیندار صفحۂ ہستی سے یوں محو ہوا جیسے کبھی تھا ہی نہیں ۔ اور مولانا اختر علی گمنامی کی حالت میں اس طرح مرے کہ کرم آباد میں ان کا جنازہ پڑھنے کے لیے بھی بیس تیس آدمی میسر نہ آئے "

۴ ۔ ہفت روزہ "چٹان" لاہور نے ۱۳ جولائی ۱۹۶۴ء (ص ۵) کی اشاعت میں اخبار "زمیندار" کی نیلام شدہ بلڈنگ کا فوٹو شائع کیا اور اس کے نیچے ایک عبرت انگیز نوٹ لکھا جو یہ ہے:۔

"یہ کبھی روزنامہ زمیندار کا دفتر تھا"

"یہاں وہ شخص رہتا تھا جس نے رُبع صدی تک برطانوی سامراج کو للکارا ۔ ہماری آزادی

---

[۱] ہفت روزہ آثار ۲۴ تا ۳۰ جون ۱۹۷۴ء صفحہ ۸

کے لیے گیارہ سال قیدِ فرنگ میں رہا۔ لاکھوں روپے ضبط کرائے۔ جس کا ضبط شدہ پریس آج بھی بورسٹل جیل کے سرکاری پریس میں موجود ہے اور جہاں اس کا پوتا مسعود علی خان ورکس مینجر کی حیثیت سے ملازم ہے۔ یہ بلڈنگ اُسی ظفر علی خاں کی ہے۔ ظفر علی خاں جس نے پنجاب کے سیاسی ویرانوں کو رنگ و روغن بخشا جس نے ہمیں حریت آشنا کیا۔ جس نے تپکدوں میں آذان دی۔ لیکن جب آزادی کا آفتاب طلوع ہوا تو وہ صرف "دُودِ چراغِ محفل" تھا۔ قلم کی آبرو صنعت کاروں کو منتقل ہو گئی۔ اخبارات عظیم الشان عمارتوں کے استحصال خانوں میں بازار کی جنس ہو گئے اور یہ عمارت جو قومی یادگار ہونی چاہیئے تھی قرض میں نیلام ہو گئی۔ اب ستم ظریفی حالات نے اس کو زمیندار ہوٹل میں بدل ڈالا ہے جہاں راتیں جاگتی اور دن سوتے ہیں۔ جی ہاں انہی کمروں میں بیٹھ کر ظفر علی خاں نے بارگاہ رسالت مآبؐ میں ہدیہ ہائے عقیدت پیش کیے تھے اب اس کے در و دیوار دیدہ ہائے عبرت سے رجل رشید کا انتظار کر رہے ہیں۔"

۵۔ سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری امیر شریعت احرار نے اس ایجی ٹیشن میں سب سے نمایاں حصہ لیا اُن کے جوش کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے متعدد بار اور متعدد مقامات پر خواجہ ناظم الدین صاحب

اور ملک غلام محمد صاحب مرحوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:۔

"اگر تم ..... عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھالو (یعنی احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دو۔ناقل) تو میں اپنی اس سفید ریش سے تمہارے پاؤں صاف کروں گا"۔[1]

زندگی کے آخری ایام میں شاہ جی کے عقیدتمندوں نے ان کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا وہ ایک عبرت انگیز داستان ہے جس کا پتہ اُن کے مذکورہ انٹرویو سے ملتا ہے جو انہوں نے اپنی وفات سے قریباً ڈیڑھ برس قبل روزنامہ "امروز" ملتان کے سٹاف رپورٹر کو دیا۔ سٹاف رپورٹر نے سوال کیا "ان دنوں جب کہ آپ اس قدر بیمار ہیں اور پبلک لائن سے بھی ریٹائر ہو چکے ہیں کبھی دیرینہ رفقاء میں سے کوئی ملنے آیا"،

آپ جواب میں مسکرا دیئے اور فرمایا:۔

"جب تک یہ کتیا (زبان) بھونکتی تھی۔ سارا برصغیر ہند و پاک ارادت مند تھا۔ اس نے بھونکنا چھوڑ دیا ہے تو کسی کو پتہ ہی نہیں رہا کہ میں کہاں ہوں"۔[2]

۶۔ مجلس احرار جو ۱۹۵۳ء کی تحریک میں نفس ناطقہ اور رواں تھی اپنوں کی نگاہ میں بھی لاشہ بے جان بن کے رہ گئی۔ چنانچہ احرار کے سابق جنرل سیکرٹری شورش کاشمیری صاحب کو لکھنا پڑا کہ:۔

"واقعہ یہ ہے کہ مجلس احرار بہ لحاظ جماعت تاریخ کے حوالے ہو چکی ہے اب اس کا ذہنی وجود تو بعض روایتوں اور حکایتوں کی وجہ سے ملک کے عوامی دماغوں میں موجود ہے لیکن (۱) نہ اس کی کوئی تنظیم ہے۔ (۲) نہ اس کا کوئی مربوط شیرازہ ہے (۳) نہ اس فضا میں اڑنے کے لیے اس کے بال و پر ہیں"۔

"ہماری ایمانداری سے رائے ہے کہ اب احرار کا زمانہ بیت چکا ہے اور مرحوم ماضی میں زندگی بسر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں"۔[3]

---

[1] ہفت روزہ "تنظیم اہلحدیث" لاہور ص۸ کالم ۳ ؛ [2] امروز ملتان ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۱ء بحوالہ "حیات امیر شریعت" ص۵۲۶ مؤلفہ جناب غلام نبی صاحب جانباز طبع اول نومبر ۱۹۶۲ء۔ ناشر مکتبہ تبصرہ ۷/۲ گلشن کالونی شادباغ لاہور۔ ؛ [3] اخبار "چٹان" لاہور ۲۵ مارچ ۱۹۶۳ء ص

دوسرا باب
جماعتِ احمدیہ کی ترقی اور استحکام

۱۹۵۳ء کے فسادات تو اس لیے رونما ہوئے تھے تا جماعت احمدیہ کو صفحہ روزگار سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے مگر عملاً یہ ہوا کہ جماعت احمدیہ نے صبر و رضا کا بہترین نمونہ پیش کر کے نہ صرف خدا کے کئی نشان اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حقیر قربانیوں کو نوازتے ہوئے تائید و نصرت کے ایسے سامان پیدا کیئے کہ قائم شدہ جماعتیں پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئیں اور بعض نئی جماعتوں کا قیام بھی عمل میں آیا خصوصاً ربوہ کے ماحول میں چک منگلہ کے مشہور پیر منور الدین صاحب کے خلیفہ مجاز الحاج حافظ مولانا عزیز الرحمن صاحب منگلا جیسے عالم ربانی نے حضرت مصلح موعود کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی[1] اور پھر ان کے ذریعہ ہزاروں مرید حلقہ بگوش احمدیت ہوئے اور اس علاقہ میں یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا روح پرور نظارہ آنکھوں کے سامنے آگیا

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:۔

”حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے زمانہ میں یہ علاقہ جس میں ہمارا مرکز ہے اس میں کوئی احمدی نہیں تھا۔ آپ کی وفات کے قریب عرصہ میں یہاں صرف ایک احمدی تھا لیکن اب ضلع جھنگ میں ہزاروں احمدی موجود ہیں۔ ۱۹۵۲ء میں جبکہ ہم ہجرت کر کے یہاں آ گئے تھے اس علاقہ کے صرف پانچ چھ احمدی تھے۔ لیکن دو تین ہزار احمدی ہو چکا ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت میں داخل ہونے والے ایسے آسودہ لوگ ہیں کہ حیرت

---

[1] تاریخ وفات ۲۹ جون ۱۹۸۰ء

آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان مال داروں کو احمدیت کی طرف ہدایت دے دی۔ ملاقات کے وقت ہر شخص جو اس علاقہ کا آتا ہے اس سے دریافت کیا جائے کہ تمہاری کتنی زمین ہے تو وہ کہتا کہ دس مربعے یا بیس مربعے یا چالیس مربعے اور اس وقت مربعے کی قیمت ۵۰، ۶۰ ہزار روپیہ ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کے پاس آٹھ مربعے سے کم زمین ہوتی ہے۔ اگر ٹوٹل کیا جائے تو میرے خیال میں یہاں ایک ہزار مربع جماعت کا ہو گیا ہے گویا پانچ کروڑ کی جائیداد صرف اس ضلع میں پیدا ہو گئی ہے۔ اور یہ انقلاب ایک تھوڑے سے عرصہ میں ہوا ہے۔ صرف تین سال کی بات ہے کہ جب یہ انقلاب ہوا۔ اب دیکھ لو یہ معجزہ ہے یا نہیں۔ پہلے اس علاقہ میں جس میں احمدی ہیں ایک پیر منورالدین صاحب تھے وہ قادیان بھی گئے تھے۔ واپس آکر انہوں نے اپنے مریدوں کو کہنا شروع کیا کہ مرزا صاحب کی بات سچی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام یقیناً وفات پا گئے ہیں مگر جب اُن کے مرید جماعت میں داخل ہونے لگے تو انہیں ہماری جماعت سے بغض پیدا ہو گیا۔ کیونکہ ہماری وجہ سے اُن کی آمدن کم ہو گئی۔ کجا تو اُن کی یہ حالت تھی کہ علاقہ میں ان کی بڑی عزّت اور قدر کی جاتی تھی اور کجا یہ کہ جب اُن کے تمام مرید احمدی ہو گئے تو انہیں رہنے کے لیے کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ آخر ایک دوست صالح محمد صاحب نے انہیں اپنے بنگلہ میں ٹھہرایا اور پھر وہ اپنے وطن واپس چلے گئے۔ غرض اللہ تعالیٰ احمدیت کی تائید میں ہمیشہ نشانات دکھلاتا چلا آیا ہے۔" [1]

۱۹۵۳ء کے بعد جماعت احمدیہ کو جو حیرت انگیز ترقیات پاکستان اور بیرون ممالک میں ہوئی اس کا واضح اقرار غیر از جماعت کے ممتاز ادیبوں، عالموں بلکہ جماعتِ اسلامی اور احراری حلقوں کی طرف سے کیا گیا۔ بطور ثبوت چند تأثرات و آراء درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ شیخ محمد اکرام صاحب ایم اے مؤرخ پاکستان نے "موجِ کوثر" میں لکھا:۔

---

[1] الازھار لذوات الخمار ص۲۰ حصہ دوم طبع دوم (مرتبہ حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ) ناشر۔ دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ ربوہ

"عام مسلمانوں نے جس انداز سے قادیانیوں کی مخالفت کی ہے اس سے اس جماعت کو اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا فائدہ۔ قرآن نے مسلمانوں بلکہ مسلمانوں اور دوسری قوموں کے درمیان فوقیت پانے کا طریقہ یہ بتایا تھا کہ نیک کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں اور اللہ انہیں جزا دے گا۔ انسانی زندگی کا یہ اٹل قانون دورِ حاضر کے بعض مناظرین نے پوری طرح نہیں سمجھا۔ عیب جوئی، مخالفت اور تشدد سے دوسرے فرقوں اور جماعتوں کی ترقی بند نہیں ہو سکتی جو فرد اپنی جماعت کی ترقی چاہتا ہے اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیک کاموں میں دوسروں سے بڑھ جائے۔ ہمارے بزرگوں نے عام مسلمانوں کو نظم ونسق، مذہبی جوش اور تبلیغ اسلام میں مرزائیوں پر فوقیت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھائی بلکہ بیشتر فتووں اور عام مخالفت سے فتنہ قادیان کا سدباب کرنا چاہا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب کسی قوم کے ساتھ بے جا سختی کی جائے تو اس میں ایثار اور قربانی کی خواہش بڑھ جاتی ہے چنانچہ جب کبھی عام مسلمانوں نے قادیانیوں کی مخالفت میں معمولی اخلاق، اسلامی تہذیب اور رواداری کو ترک کیا ہے تو اُن کی مخالفت سے قادیانیوں کو فائدہ ہی پہنچا ہے۔ اُن کی جماعت میں ایثار اور قربانی کی طاقت بڑھ گئی اور اُن کے عقائد اور بھی مستحکم ہو گئے ہیں"۔ [1]

۲۔ ایڈیٹر صاحب "اخبار صداقت" گوجرہ نے اعتراف کیا:۔

"احرار کی تحریک ناکامیوں سے پُر ہے۔ دور جانے کی کیا ضرورت۔ ختم نبوت کا تحفظ آپ کے سامنے ہے ۔

تو کار زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

ربوہ موجود۔ اس کے کالج اور سکول موجود۔ پریس، اخبار اور تبلیغ موجود.....
ان کا عقیدہ اجرائے نبوت موجود.......... حق کو مٹانے والے آپ

---

[1] "موج کوثر" صفحہ ۱۹۴ مؤلفہ جناب شیخ محمد اکرام ایم اے۔ ناشر فیروز سنز لاہور۔ پشاور۔ کراچی طبع دوم ۱۹۵۸ء

کون ؟ [1]

۳۔ مولانا عبدالرحیم صاحب اشرف مدیر "المنبر" نے اپنے اخبار میں متعدد بار جماعت احمدیہ روز افزوں ترقی اور استحکام کا برملا اظہار فرمایا چنانچہ لکھا :۔

المنبر ۲۳ / فروری ۱۹۵۴ء

"ہمارے بعض واجب الاحترام بزرگوں نے اپنی تمام ترصلاحیتوں سے قادیانیت کا مقابلہ کیا۔ لیکن یہ حقیقت سب کے سامنے ہے کہ قادیانی جماعت پہلے سے زیادہ مستحکم اور وسیع ہوتی گئی۔ مرزا صاحب کے بالمقابل جن لوگوں نے کام کیا ان میں سے اکثر تقویٰ، تعلق باللہ دیانت، خلوص، علم اور اثر کے اعتبار سے پہاڑوں جیسی شخصیتیں رکھتے تھے۔ سید نذیر حسین صاحب دہلوی، مولانا انور شاہ صاحب دیوبندی، مولانا قاضی سید سلیمان منصور پوری، مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی، مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ وغفرلہم کے بارے ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ یہ بزرگ قادیانیت کی مخالفت میں مخلص تھے اور ان کا اثر ورسوخ بھی اتنا زیادہ تھا کہ مسلمانوں میں بہت کم ایسے اشخاص ہوئے ہیں جو ان کے ہم پایہ ہوں۔ .... اگرچہ یہ الفاظ سننے اور پڑھنے والوں کے لیے تکلیف دہ ہوں گے .... لیکن ہم اس کے باوجود اس تلخ نوائی پر مجبور ہیں کہ ان اکابر (نور اللہ مرقدھم ورفع مضاجعہم) کی تمام کاوشوں کے باوجود قادیانی جماعت میں اضافہ ہوا ہے۔ متحدہ ہندوستان میں قادیانی بڑھتے رہے۔ تقسیم کے بعد اس گروہ نے پاکستان میں نہ صرف پاؤں جمائے بلکہ جہاں ان کی تعداد میں اضافہ ہوا وہاں ان کے کام کا یہ حال ہے کہ ایک طرف تو روس اور امریکہ سے سرکاری سطح پر آنے والے سائنسدان ربوہ آتے ہیں (گزشتہ ہفتہ روس اور امریکہ کے دو سائنسدان ربوہ وارد ہوئے) اور دوسری جانب ۱۹۵۳ء کے عظیم تر ہنگامہ کے باوجود قادیانی جماعت اس کوشش میں ہے کہ اس

---

[1] "صداقت" گوجرہ۔ ۲ / جون ۱۹۵۸ء بحوالہ رسالہ الفرقان ربوہ اگست ۱۹۵۸ء صفحہ ۶

۵۷-۱۹۵۶ء کا بجٹ لاکھ روپیہ کا ہو۔"

"۱۹۵۳ء کے وسیع ترین فسادات کے بعد جن لوگوں کو یہ وہم لاحق ہوگیا ہے کہ قادیانیت ختم ہوگئی یا اس کی ترقی رُک گئی۔ انہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ پاکستان میں پہلی مرتبہ بلدیاتی اداروں میں بلکہ (بعض اطلاعات کی بناء پر) مغربی پاکستان اسمبلی میں قادیانی ممبر منتخب ہوگئے۔"[1]

ہفت روزہ المنبر ۲ مارچ ۱۹۵۶ء

(ب) "قادیانیوں نے گزشتہ پچاس سال میں اندرون اور بیرون ملک اپنی قومی زندگی کو قائم رکھنے اور قادیانی تحریک کو عام کرنے کے سلسلہ میں جو جدوجہد کی ہے اس کا یہ پہلو نمایاں ہے کہ انہوں نے اس کے لیے ایثار و قربانی سے کام لیا ہے۔ ملک میں ہزاروں اشخاص ایسے ہیں جنہوں نے اس نئے مذہب کی خاطر اپنی برادریوں سے علیحدگی اختیار کی۔ دنیوی نقصانات برداشت کیے اور جان و مال کی قربانیاں پیش کیں۔"

"ہم کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ قادیانی عوام میں ایک معقول تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اخلاص کے ساتھ اس سراب کو حقیقت سمجھ کر اس کے لیے جان و مال اور دنیوی وسائل و علائق کی قربانی پیش کرتی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بعض افراد نے کابل میں سزائے موت کو لبیک کہا۔ بیرون ملک دُور دراز علاقوں میں عسرت و اخلاص کی زندگی اختیار کی۔"

"تقسیم ملک کے وقت مشرقی پنجاب کی یہ واحد جماعت تھی جس کے سرکاری خزانہ میں اپنے معتقدین کے لاکھوں روپے جمع تھے اور جب یہاں مہاجرین کی اکثریت بے سہارا ہو کر آئی تو قادیانیوں کا یہ سرمایہ جوں کا توں محفوظ پہنچ چکا تھا اور اس سے ہزاروں قادیانی بغیر کسی کاوش کے از سر نو بحال ہوگئے۔ پھر یہ موضوع بھی مستحق توجہ ہے کہ یہ وہ واحد جماعت ہے جس کے ۳۱۳ افراد تقسیم کے بعد سے آج تک قادیان میں موجود ہیں اور وہاں اپنے مشن کے لیے کوشاں بھی ہیں اور منظم

---

[1] المنبر ۲۳ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۰

بھی ...... قادیانی تنظیم کا تیسرا پہلو وہ تبلیغی نظام ہے جس نے اس جماعت کو بین الاقوامی جماعت بنا دیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ بھارت، کشمیر انڈونیشیا۔ اسرائیل۔ جرمنی۔ ہالینڈ۔ سوئٹزرلینڈ۔ امریکہ۔ برطانیہ۔ دمشق۔ نائیجیریا۔ افریقی علاقے اور پاکستان کی تمام قادیانی جماعتیں مرزا محمود احمد صاحب کو اپنا امیر اور خلیفہ تسلیم کرتی ہیں اور ان کے بعض دوسرے ممالک کی جماعتوں اور افراد نے کروڑوں روپوں کی جائیدادیں "صدر انجمن احمدیہ ربوہ" اور "صدر انجمن احمدیہ قادیان" کے نام وقف کر رکھی ہیں"[1]

المنیر ۶ جولائی ۱۹۵۶ء

(ج) "اس وقت جو کوشش تحفظِ ختمِ نبوت کے نام سے قادیانیت کے خلاف جاری ہے قطع نظر اس سے کہ اس کوشش کا اصل محرک خلوص، خدا کے دین کی حفاظت کا جذبہ ہے یا حقیقی وجہ معاشی اور منفی ذہن کے رجحانات کا مظاہرہ ہے ہماری رائے میں یہ کوشش نہ صرف یہ کہ اس مسئلہ کے حل کرنے کے لیے مفید نہیں ہے بلکہ ہم علی وجہ البصیرت کامل یقین و اذعان کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ جدوجہد قادیانی شجرہ کے بارآور ہونے کے لیے مفید کھاد کی حیثیت رکھتی ہے"[2]

(د) اخبار "المنبر" نے ۱۹۷۴ء کی اشاعت میں اعتراف کیا کہ:۔

۱۹۵۳ء کے بعد احمدیت کی ترقی

"۱۹۵۳ء کے بعد، جو غلطیاں، ہم سے سرزد ہوئیں، ان میں ایک فاش غلطی یہ تھی کہ ہم میں سے بہت سے حضرات نے، اس غیر واقعاتی تاثر کو خوب خوب عام کیا کہ ۵۳ء کی تحریک سے قادیانیت ختم یا کم از کم بے اثر ہو چکی ہے، درآنحالیکہ ـــــ قادیانی ملک کی بیشتر کلیدی آسامیوں پر چھاتے چلے گئے۔

---

[1] ہفت روزہ المنیر ۲ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۰ [2] المنبر ۶ جولائی ۱۹۵۶ء ص ۳ کالم ۱

● ہر قابل ذکر اور اہم محکمے میں، ان کے ممتاز افراد گھسے اور انہوں نے اپنے اپنے دائرۂ کار میں قادیانی کارکنوں کی ٹیمیں، جمع کرلیں۔

● صدر ہاؤس اور وزارتِ عظمیٰ کے ایوان ہی میں نہیں، ان بڑے عہدہ داروں کے نجی عملے تک میں قادیانیوں کو مؤثر قوت بننے کا موقعہ میسر آیا۔

● ملک کی معیشت پر قادیانیوں کو فیصلہ کن پوزیشن حاصل ہوئی اور اس سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے اپنی جماعت کے بیشمار افراد کو مالا مال کر دیا۔

● ملک کے اہم ترین مناصب پر فائز ہونے کے بعد، قادیانیوں نے بیرون ملکوں، بالخصوص بڑی طاقتوں سے اپنے روابط مستحکم کیے اور بیشتر ممالک میں انہوں نے انتہائی منظم طریقے پر یہ پروپیگنڈہ کیا کہ پاکستان کی حکومت، قادیانی پالیسی کو اپنائے ہوئے ہے۔

● سر ظفر اللہ سے ایم۔ ایم۔ احمد اور عبدالسلام تک، بڑے قادیانیوں نے وزارتِ خارجہ اور دنیا بھر کے پاکستانی سفارت خانوں کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا ــــــــ ان سفارت خانوں کے ذریعہ، دنیا کے بیشتر ممالک میں۔

● سرکاری وسائل واثر ورسوخ کو قادیانیت کی تبلیغ واشاعت کیلئے بے محابا استعمال کیا گیا۔

● قادیانی اکابر نے ملک کے تمام مناصب کو اپنے عقائد کی تبلیغ، اپنے سیاسی مشن کی تکمیل اور مسلمانوں کے خلاف یہود اور دوسرے سامراجی عناصر کی سازشوں کی تکمیل کے لیے استعمال کیا۔

● ایک اہم تر مقصد قادیانیوں کے سامنے یہ تھا کہ سفارتی مناصب کو، تمام ملکوں سے براہِ راست روابط کا ذریعہ بنایا جائے اور انہیں اس میں اس حد تک کامیابی ہوئی کہ وہ نہ صرف یہ کہ دنیا کے بیشتر ممالک میں پاکستان کے نمائندوں کی حیثیت سے معروف ہوئے، بلکہ وہ پاکستان کی نمائندگی کے ساتھ ساتھ اسلام کی نمائندگی وترجمانی کے منصب پر فائز بھی سمجھے جانے لگے اور ان کے عمل اور پروپیگنڈے سے یہ تاثر عام ہوگیا کہ اس وقت دنیا میں صرف قادیانی ہی تبلیغ واشاعتِ اسلام کا علم تھامے ہوئے ہیں۔

اندرونِ ملک قادیانیت کا فروغ!

اندرونِ ملک، قادیانیوں کو اس حد تک فروغ حاصل ہوا کہ:۔

تقسیم ملک کے کچھ عرصہ بعد تک ان کا جو مرکزی بجٹ ایک ڈیڑھ لاکھ کا تھا، اب وہ اڑھائی کروڑ تک جا پہنچا اور انہوں نے اس سال کے آغاز میں، اپنی ۷۵ سالہ جوبلی منانے کے لیے ۱۰ کروڑ کی رقم کے وعدے اپنے خلیفے کے حضور پیش کیے۔

● فوج میں ان کا اثر اس حد تک بڑھا کہ یہ خطرہ ہر ہوش مند کو محسوس ہونے لگا کہ اگر اب یہاں خدانخواستہ کوئی فوجی انقلاب آتا ہے تو کہیں، وہ "قادیانی حکومت" کی صورت میں نہ ہو۔"

● قادیانیوں نے مسلم معاشرے میں اس حد تک نفوذ حاصل کیا کہ علمائے دین کے متفقہ فتویٰ اور متعدد عدالتوں کے قطعی فیصلوں کے برعکس، ہزاروں مسلم خاندانوں نے قادیانیوں سے رشتے ناطے کے روابط قائم کیے اور ایک اہم تعداد ہمارے اہلِ سیاست اور اصحاب مال و جاہ کی ایسی اس ملک میں موجود ہے، جو نیم قادیانی یا کم از کم قادیانیوں کے خلاف ہر قسم کے جذبہ مغائرت سے تہی دامن ہے اور وہ یہ بات ان کے لیے اچنبھے کی ہے کہ قادیانی غیر مسلم ہیں اور ان سے معاشرتی تعلقات شرعاً ممنوع ہیں۔

قادیانیوں کی یہ ترقی، اگرچہ مسلمانوں کی دین سے دوری کے باعث تھی مگر اس میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ قادیانی ایک پرجوش جماعت کی حیثیت سے مسلسل اور پیہم مصروفِ تبلیغ واشاعت تھے اور اس امت کے افراد نے فی الواقعہ، اپنے باطل مقصد سے لگن، اس کے لیے محنت اور ایثار سے بھی کام لیا اور اس ..... گروہ کے بیشتر افراد، ...... اپنے مشن میں "مخلص" تھے، اور یہی اخلاص انہیں ہر وقت عمل کے تسلسل پر مجبور کرتا رہا۔"

۴۔ ایک احراری لیڈر مولانا عبید اللہ احرار صدر مجلس احرار اسلام پاکستان لائلپور نے جماعت احمدیہ کے اتحاد، تنظیم اور ایثار کو خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے لکھا:۔

"مجلس احرار کے علاوہ بعض دیگر دینی جماعتوں نے بھی مسئلہ ختم نبوت کی تبلیغ اور تعلیم میں سرگرم حصّہ لیا ہے اور لے رہی ہیں مگر ہم عملاً دیکھ رہے ہیں۔ کہ مسلمان ختم نبوت کے مسئلہ پر کامل یقین رکھتے ہوئے بھی قرآن وسنت کو نظر انداز کر کے کمیونزم اور سوشلزم کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔ اکابرین مختلف حیلوں بہانوں سے سوشلزم میں ملک کی فلاح اور نجات بیان کر رہے ہیں۔ اس طرح عملاً مسئلہ ختم نبوت کی نفی کی جا رہی ہے۔ اور یہ حادثہ اس لیے رونما ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ کہ مسئلہ ختم نبوت کے اکابرین کی تقریروں اور عمل کے درمیان ایک طویل مسافت ہے۔ تضاد ہے۔ ہم آہنگی کا فقدان ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اتحاد اور تنظیم کو مستحکم کرو مگر ہم صوبائی، لسانی اور نسلی بتوں کی پرستش کر کے ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے ہیں۔ باہمی اعتماد نہ ہو تو باہمی اخوت کس طرح ہو سکتی ہے۔ مسئلہ ختم نبوت کی ضرورت مرزا غلام احمد قادیانی کی تنظیم اور نظریات کے پیش نظر ہوئی۔ مسئلہ ختم نبوت میں زیادہ تر جماعت احمدیہ ہی کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ مگر جماعت احمدیہ نے جس طرح خود کو منظم اور مستحکم کر رکھا ہے ان کے مقابلہ میں مجلس احرار یا کوئی اور جماعت اس قدر منظم اور متحد نہیں۔ جماعت احمدیہ سیاسی اقتصادی معاشرتی اور عسکری لحاظ سے طاقتور جماعت ہے، پاکستان کے اندر اور پاکستان کے باہر اس کی تنظیم کا ایک مضبوط نظام قائم ہے۔ اس جماعت کا ہر فرد اپنے عقیدہ اور عمل میں راسخ ہے۔ فنڈز کے لیے اسے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ایک نظام کے تحت از خود ان کے فنڈز میں روپیہ جمع ہوتا ہے۔ ایک منصوبہ کے تحت خرچ کیا جاتا ہے۔ جماعت کے پسماندہ افراد کی ہر طرح امداد اور اعانت کی جاتی ہے۔

مقابلۃً مجلس احرار اور دیگر دینی جماعتیں ہمیشہ فنڈ نہ ہونے کا شکوہ کرتی ہیں۔ اور فنڈز کی کمی کے باعث وہ کماحقہٗ خدمات سرانجام نہیں دے سکتیں۔ جماعت احمدیہ میں اتحاد تنظیم اور ایک دوسرے کے لیے ایثار کا جذبہ ہے۔ لیکن ہمارے ہاں تنظیم اتحاد اور ایثار میں کوئی شے بھی نہیں۔ دوسرے معنوں میں خلوص اور عمل کا فقدان ہے

اس وقت پاکستان کا ہر فرد یہ محسوس کر رہا ہے۔ کہ جماعت احمدیہ ایک زبردست طاقت

بن چکی ہے۔ اس کی وجہ ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر معلوم کر سکتے ہیں۔ مسئلہ ختم نبوت کے منکر تو خاموشی سے اپنی صفوں کو منظّم کرتے رہے۔ اور ختمِ نبوّت پر ایمان رکھنے والے اپنی صفوں میں انتشار پیدا کرتے رہے۔"[1]

---

[1] پمفلٹ "مجلس احرار کی تبلیغی سرگرمیاں اور اس کا اجمالی خاکہ" صفحہ   مرتب:۔ محمد طاہر لدھیانوی۔ محمد عالم منہاس لدھیانوی۔ شائع کردہ:۔ محمد اشرف ناظم مجلس احرار اسلام گوجرانوالہ ۶ر ستمبر ۱۹۷۲ء

تیسرا باب

جماعتِ احمدیہ کی عالمی شہرت وعظمت میں اضافہ

۱۹۵۳ء کے دورِ ابتلاء کی تیسری عظیم الشان برکت یہ تھی کہ بیرونی ممالک میں اس کی شہرت وقار اور عظمت میں بے پناہ اضافہ ہوا جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ عالمی پریس نے جماعت احمدیہ کے حق میں کھلے بندوں آواز بلند کی اور اس کی مظلومیت کے چرچے دنیا کے ہر گوشے میں ہونے لگے۔

اس سلسلے میں بعض بیرونی ممالک کے اخبارات کے تأثرات اور ان کے قارئین کی آراء کا نمونۃً ذکر کیا جاتا ہے۔

ہندوستان کا مسلم پریس

۱۔ اخبار "حقیقت" لکھنو نے اپنی ۳ مارچ ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں مندرجہ ذیل اداریہ تحریر کیا

؎ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

تقریباً چھ سات ماہ کے سکون اور خاموشی کے بعد ایک بار پھر پاکستان کے ناعاقبت اندیش مولویوں اور کٹھ ملاؤں نے وہی شر انگیز ایجی ٹیشن پھر شروع کر دیا ہے جس کا مقصد مسلمانوں کی شیرازہ بندی کو پاش پاش کر دینا ہے۔ ان مولویوں، ملاؤں اور خود ساختہ مولاناؤں کا مطالبہ یہ ہے کہ فرقہ احمدیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ کے عہدہ سے ہٹا دیا جائے ان احمقوں کے نزدیک پاکستان گورنمنٹ کے اس اعلان کر دینے سے کہ احمدی غیر مسلم ہیں ساری دنیا ان کا غیر مسلم ہونا تسلیم کرے گی۔ لاکھوں افراد کی ایک کلمہ گو جماعت کو جو خدا کی وحدانیت، رسول کی رسالت اور شریعت اسلامیہ کی خود ان مولویوں

اور مولاناؤں سے کہیں زیادہ سختی کے ساتھ پابند ہو ـــــــــــــــــ

ـــــ بیک گردش قلم خارج از اسلام قرار دے دینا ایسی افسوسناک بلکہ شرمناک جسارت ہے جس کی اسلام کی ۱۳۰۰ سال کی تاریخ میں کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی۔ غور کیجیئے کہ ایک شخص جو خدا اور رسول کا کلمہ پڑھتا ہے اسلامی شریعت پر عمل کرتا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے کسی کو کیا حق حاصل ہے کہ اس کو محض اس بناء پر خارج از اسلام قرار دیدے کہ ختم نبوت کے بارے میں اس کا عقیدہ عام مسلمانوں کے عقیدہ سے کچھ مختلف ہے۔ کراچی اور لاہور میں جن لوگوں نے اس فتنہ کو اٹھایا ہے وہ پاکستان کے دوست نہیں ہیں بلکہ نہایت خطرناک دشمن ہیں۔ ہمارے خیال میں راولپنڈی کی سازش سے کم مضرت رساں اور خطرناک یہ شورش نہیں ہے۔

اس وقت پاکستان گورنمنٹ کا فرض ہے کہ اس قسم کی فتنہ انگیز تحریکوں کو قطعی کچل دے ورنہ اگر مولویوں اور کٹھ ملاؤں کی رسی ڈھیلی کر دی گئی تو یہ فتنہ احمدیوں کے بعد دوسرے اسلامی فرقوں کو بھی سمیٹ لے گا۔ یقین کیجیئے کہ ملاؤں کو اگر اس ایجی ٹیشن میں حکومت کی کمزوری یا نرمی کی وجہ سے کچھ بھی کامیابی ہوئی تو پھر اس فرقہ وار تعصب کے سیلاب سے دوسرے مسلم فرقوں کا محفوظ رہنا بھی محال ہوگا اور پھر اس کا انجام پاکستان کے لیے جس قدر تباہی[1] اور مہلک ہوگا اس کا اندازہ سمجھدار شخص ہی کر سکتا ہے۔

کراچی اور لاہور کی تازہ خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ پاکستان کی مرکزی اور صوبائی حکومتیں اس خطرناک فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہیں چنانچہ کراچی اور لاہور میں اب تک کم و بیش ڈیڑھ ہزار گرفتاریاں ہو چکی ہیں اور لاہور کے کئی روزانہ اردو اخبارات کی اشاعت ایک ایک سال تک روک دی گئی۔ مولانا اختر علی خان ایڈیٹر "زمیندار" اور اس تحریک کے دوسرے کئی سرغنہ گرفتار کر لیے گئے ہیں۔ حکومت پوری مستعدی اور سختی کے ساتھ اس فتنہ انگیز تحریک کو کچل دینے کا قطعی فیصلہ کر چکی ہے۔ جیسا کہ لاہور اور کراچی کے تازہ سرکاری بیانات میں اعلان کر دیا گیا ہے یقیناً پاکستان گورنمنٹ کو ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ ورنہ اگر

---

[1] نقل مطابق اصل ("تباہ کن" ہونا چاہیئے)

اس موقع پر ذرا بھی کمزوری کا اظہار کیا تو شورش پسندوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ اور پھر تو پاکستان کا زیادہ عرصہ تک سلامت رہنا قطعی ناممکن ہو جائے گا۔"[1]

اسی اخبار نے ۵ مارچ ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں بعنوان "قادیانی اور پاکستان" مندرجہ ذیل اداریہ لکھا ہے۔

"قادیانیوں یا احمدیوں کے خلاف پاکستان کے ایک طبقے میں جو شورش گزشتہ کئی سال سے برپا کر رکھی گئی ہے وہ روز بروز زور پکڑتی جا رہی ہے۔ ابتداءً اس میدان میں صرف احراری ہی پیش پیش نظر آرہے تھے اور اب تو جمعیت العلماء پاکستان، نیوز پیپرس ایڈیٹرس کانفرنس شریک ہو گئے ہیں اور یہ مطالبہ ان کی طرف سے انتہائی شدومد کے ساتھ شروع کر دیا گیا ہے کہ ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان کو وزارت سے ہٹا دیا جائے۔ قادیانیوں کو سرکاری طور پر ایک اقلیت والی قوم قرار دیا جائے۔ یہ ایجی ٹیشن اس مرتبہ ان کل جماعتوں کے اشتراکِ عمل سے اس زور شور کے ساتھ اٹھایا گیا ہے کہ پاکستان کی تازہ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس سلسلہ میں روزانہ ہر ہر مقام پر متعدد گرفتاریاں ہو رہی ہیں اور گرفتار شدگان کی مجموعی تعداد ہزاروں سے تجاوز ہو چکی ہے۔ راست اقدام کے لیے جو مجلس عمل مقرر کی گئی تھی اس کے کُل اراکین گرفتار ہو چکے ہیں لیکن یہ شورش گھٹنے کا نام نہیں لیتی۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان پاکستانی افراد کی اس ذہنیت کی کیا تاویل کی جائے کہ جس سے ان کے اس طرز عمل کا کسی پہلو سے کوئی جواز نکل سکے۔

سوچنے کی بات ہے کہ مسلمانوں میں ایک دو نہیں بہتّر فرقے ہیں۔ اگر ہر ہر فرقہ کے خلاف اسی قسم کا ایجی ٹیشن برپا کر دیا جائے تو اس سے مسلمانوں کی عصبیت و مرکزیت مجروح ہو گی یا نہیں؟ اور اگر ہر فرقہ دائرۂ اسلام سے یونہی خارج قرار دے دیا گیا تو پھر اسلام کے لوا برداروں کی تعداد کتنی کم ہو جائے گی؟

مانا کہ ان کے عقائد عام اسلامی عقائد سے کسی قدر مختلف ہیں۔ مانا کہ مرزا غلام احمد صاحب

---

[1] بحوالہ بدر قادیان ۱۴ مارچ ۱۹۵۳ء ص۹

قادیانی کو مسیح موعود مانتے ہیں لیکن جب تک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، خاتم النبیین کی رسالت اور آپ کے خاتم النبیین ہونے پر ان کا ایمان وایقان ہے اس وقت تک دائرہ اسلام سے انہیں کوئی خارج نہیں کر سکتا اور یوں حرف گیری پر اگر کوئی آئے تو ہر ہر فرقہ کے عقیدے کے بارے میں وہ ایک نہیں ۲۱ باتیں نکال سکتا ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ پاکستان کی جمعیت العلماء بشمول اس کے صدر مولانا عبدالحامد صاحب قادری بدایونی کے سب کے سب احراریوں کی اس جماعت کے ہمنوا اور ہمخیال ہو گئے ہیں کہ جس کا منشا ہی مسلمانوں کی مرکزیت کو توڑنا اور اس کی عصبیت کو نقصان پہنچانا ہے۔ جس زمانہ میں ہندوستان میں مسلم لیگ کا دور شباب تھا اور اس کے لیڈران کانگرس سے مطالبہ پاکستان کے سلسلہ میں اُلجھے ہوئے تھے یہی جماعت احرار مسلم لیگ کا ساتھ دینے کی بجائے اس کے مخالف کیمپ میں تھی اور ہر طریقے سے مسلمانوں کے اس مطالبہ کو روندنے اور پامال کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہی عطاء اللہ شاہ بخاری کہ جو آج اس تحریک کے ہیرو بنے ہوئے ہیں اپنی سوقیانہ تقریروں اور اپنی دریدہ دہنیوں سے مسلم لیگی لیڈران کی ٹوپیاں اچھالنے میں لگے ہوئے تھے۔ اور اب تشکیل پاکستان کے بعد انہوں نے اپنی گرم بازاری کے قیام اور اپنی قدیمی نفرت وعداوت کی آگ کو بجھانے کے لیے وہاں ایک ایسی شرمناک فضا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس کو کسی طریقے پر جائز وحق بجانب قرار نہیں دیا جا سکتا۔

پاکستان کی نومولود سلطنت کو یونہی کیا کم افکار لاحق ہیں کہ جن میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن پر ان کی زندگی اور موت کا سوال اٹکا ہوا ہے۔ ایسی صورت میں اس قسم کا کوئی ایجی ٹیشن وہاں شروع کرنا اس کے ساتھ کسی پہلو سے دوستی کا مترادف نہیں ہو سکتا۔ حکومتِ پاکستان اس وقت تک اس معاملے میں جس مضبوطی اور استقلال کے ساتھ اپنی پالیسی پر قائم ہے وہ بہت زیادہ مسرت بخش ہے اور اُسے یقیناً اس معاملہ میں ایک انچ بھی اپنی پالیسی سے نہ ہٹنا چاہیئے۔“[1]

---

[1] بحوالہ ہفت روزہ بدر (قادیان) ۱۴ مارچ ۱۹۵۳ء صفحہ ۹

۲۔ اخبار" خلافت بمبئی" (مؤرخہ ۱۳ مارچ ۱۹۵۳ء) نے اپنے اداریہ میں لکھا:۔

"احمدی تحریک کی مخالفت میں پاکستان میں جس قسم کے مجنونانہ جوش و خروش کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اس کو کوئی ذی ہوش اور ذی فہم مسلمان پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ عقائد کا اختلاف ایک (الگ) شئی ہے۔ لیکن عقائد کے اختلاف میں اتنی شدت اور بحرانی کا مظاہرہ کسی قوم کے توازن دماغی کے صحیح ہونے کی علامت نہیں۔ پاکستان میں احمدی تحریک نئی نہیں ہے۔ تقریباً پچاس برس یا اس سے بھی زیادہ زمانے سے ہندوستان میں احمدی عقائد کے لوگ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وہ اپنے خیالات اور عقائد کی تبلیغ بھی کرتے رہے۔ لیکن کسی دور میں ان کے خلاف اتنی شدت کے ساتھ عوامی مخالفت ظہور میں نہیں آئی۔ جتنی کہ پچھلے چند ہفتوں سے پاکستان میں ظاہر ہو رہی ہے۔ کسی مذہبی جذبے میں اگر سیاسی اغراض اور اختلافات بھی شامل ہو جائیں تو وہ نہایت امن سوز اور خطرناک شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پاکستان میں احمدی تحریک کے خلاف عوام کے جوش و خروش کے جو مظاہرے ہو رہے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ محض مذہبی عقائد کے اختلاف تک محدود نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی پشت پر سیاسی اغراض اور جماعتی اختلافات بھی کام کر رہے ہیں۔ اگر اسی قسم کے مظاہرے اسی طرح ہوتے رہے۔ اور عوام کو قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی آزادی دی جاتی رہی۔ تو کسی منظّم حکومت کا قیام ہی دشوار نظر آتا ہے۔

افسوس ہے کہ اس وقت جبکہ پاکستان کو سینکڑوں خارجی اور داخلی مشکلات سے سابقہ ہے۔ ملک کے تحفظ اور استحکام اور ترقی اور بہبودی کے بہت سے مسائل درپیش ہیں۔ اتنے وسیع پیمانے پر اندرونی خلفشار برپا ہے۔ اس وقت تو پاکستان کی پوری اجتماعی قوت ترقی اور تعمیر کے کاموں میں صرف ہونی چاہیئے تھی۔ بجائے اس کے ہو کیا رہا ہے ؟ ہر طرف مذہبی جنون کے مظاہرے۔ ہنگامے۔ گرفتاریاں۔ قتل۔ خونریزی۔ حکومت امن قائم رکھنے کے لیے اور احمدی فرقہ کے افراد کے جان و مال کے تحفظ کے لیے جو کچھ کر رہی ہے۔ وہ اس کا فرض ہے۔ اس کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیئے۔ ہر مہذّب حکومت ان حالات میں یہی کرے گی۔ لیکن ملک میں جب کوئی مذہبی تحریک حد اعتدال سے متجاوز ہو جاتی ہے اور اس کو سختی سے

دبانے کے لیے حکومت کی طرف سے سخت تدابیر اختیار کی جاتی ہیں تو ان کا ردِ عمل یہ ہوتا ہے کہ عوام کے جذبات کی شدت اور بڑھ جاتی ہے۔ حکومت پاکستان کا موجودہ ہیجان اور بحران کا مقابلہ بڑی ہوش مندی اور اعتدال کار کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ صرف طاقت کے استعمال ہی سے یہ بحران دور نہیں ہو سکتا۔ ضرورت اس کی بھی ہے۔ کہ تمام حالات اور واقعات کا تجزیہ کیا جائے اور ان اسباب کی صحیح چھان بین کی جائے جو موجودہ مذہبی منافرت کے باعث ہوئے۔ ان شکایات کی تحقیق بھی بے لاگ طور پر کی جائے۔ جو پاکستان کے احمدی فرقہ کے حکام اور آفیسران کی زیادتیوں کے متعلق ہیں۔ جوشیلے عوام کو پُر امن طور پر سمجھایا جائے کہ اسلام جس کے وہ نام لیوا ہیں۔ وسیع رواداری کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن پاک میں صاف طور پر بتا دیا گیا ہے کہ لا اکراہ فی الدین دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں۔ ہر فرد کو یہ آزادی اسلام نے دی ہے۔ کہ وہ نجات کے جس راستہ کو بہتر سمجھتا ہے۔ اپنے لیے اختیار کرے۔ اسلام کی پوری تاریخ رواداری سے بھری ہوئی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے ایک ایسے ملک میں جہاں ایک بڑی اسلامی اکثریت موجود ہے۔ ایک کمزور اور اقلیت کے فرقے پر ایسے وحشیانہ مظالم کا ہونا ایک ایسا فعل ہے جس پر جتنا بھی اظہارِ نفرت کیا جائے کم ہے۔ ہمیں احمدی عقائد کے حسن و قبح کے متعلق اس شذرے میں رائے زنی نہیں کرنی ہے۔ نہ ہمیں اس پر بحث کرنا ہے۔ کہ احمدی فرقہ دائرہ اسلام سے خارج ہے یا نہیں۔ ہم جس حقیقت پر زور دینا چاہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ احمدی عقائد رکھنے والے حضرات کو یہ پورا حق ہے کہ وہ آزادی اور بے فکری کے ساتھ رہ کر پاکستان میں محفوظ زندگی گزاریں۔ اور کوئی قوت اور جماعت خواہ وہ ملک کی سب سے بڑی اکثریت ہی کیوں نہ ہو یہ حق نہیں رکھتی۔ کہ وہ اس آزادی کو ان سے چھین سکیں۔ اس کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔ کہ جو مختلف خبریں ان ہنگاموں کے متعلق پاکستان سے آرہی ہیں۔ کہاں تک صحیح ہیں؟ لیکن جس حد تک بھی صحیح ہیں۔ وہ کچھ کم افسوسناک نہیں۔ عوام کے جذبات جب بے قابو ہو جاتے ہیں۔ جنون کی خوفناک حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ خدا کرے کہ پاکستان کے جنون زدہ عوام کو ہوش آئے۔ اور پاکستان سے جلد ان فتنوں کا سدِ باب ہو جائے۔ جو پاکستان کی سالمیت کے لیے بھی ایک بڑا خطرہ بن سکتے ہیں" (حاشیہ صفحہ ۵۴۷ پر)

۳- روزنامہ "اقدام" حیدر آباد نے مورخہ ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۷۲ھ ۱۱ مارچ ۱۹۵۳ء کو مندرجہ ذیل افتتاحیہ تحریر کیا ہے۔

"اسلام اس مقدس تحریک کا نام ہے جو وسعت نظر- فراخ دلی- انسانیت دوستی اور جمہوریت نوازی میں اپنی مثال نہیں رکھتی- پاکستان کی حکومت اور پاکستان کے عوام کی غالب اکثریت اسلام کے اصولوں کی نگہبانی کا دعویٰ کرتی ہے- اسلام کو سرخرو و بلند کرنے کی آرزومند ہے- اور اسلامی قوانین و احکامات کی روشنی میں اپنی زندگی کو آگے بڑھانے کے اعلانوں سے اپنی زبانیں خشک کرتی رہتی ہے۔ قائداعظم علیہ الرحمۃ سے لے کر شہید ملت نوابزادہ لیاقت علی خاں تک کی یہ تمنا تھی- کہ پاکستان ایک ایسی اسلامی مملکت بن جائے جس کے فرماں رواؤں کی زندگی میں خلفائے راشدین کی زندگی کی جھلک پورے آب و تاب کے ساتھ موجود ہو- اور جس کے مسلمان شہری اس ریگ زار عرب کے مسلمانوں کا نمونہ بن جائیں- جنہوں نے آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ساری دنیا میں امن و چین، شرافت و نیکی- وسعت نظر اور انسانیت و شرافت کی نعمتیں بکھیر دی تھیں- قائداعظم یا نواب زادہ کی زندگی تک تو یہ تمنا پوری نہیں ہوئی- اور ان دونوں اکابرین کے بعد اگر کچھ ہوا تو پاکستان میں یہ ہوا- کہ پاکستانی حکمرانوں کے ایک طبقے اور پاکستانی مسلمانوں کی قابل ذکر تعداد نے ان جاہل عربوں کی نقل اتارنی شروع کر دی جو اسلام سے پہلے دل آزاری، تنگ نظری اور خون خرابے کو اپنے قبیلوں کا وقار بنائے ہوئے تھے اور عقائد کے نام پر کٹ مرنا دوسروں کے عقائد کو متأثر کرنا، انسان کی فکر و نظر کی آزادی پر پہرے بٹھانا جن کا شعار ہو چکا تھا- پاکستان ایک اسلامی طرز کی جمہوریت کے قیام کے لیے بے تاب ہے- اور ایک ایسی جمہوریت کی نمائندگی کا دعویدار ہے- جس میں ہر فرد کو مساوات ہر خیال کو آزادی اور ہر عقیدہ کو بے خطر ماحول میں پروان چڑھنے کا موقعہ حاصل رہے۔

لیکن لاہور سے لے کراچی تک کے حالیہ ہنگامے کیا اس دعوے کی تکذیب نہیں کرتے- کیا یہ ثابت نہیں کر رہے ہیں- کہ ہنگامہ آرائی کے ماہرین اسلام سے دُور اور بہت دور ہو چکے ہیں- اور ایسی

حاشیہ ص۵۴۶ ؎ بحوالہ بدر قادیان ۱۲ مارچ ۱۹۵۳ء ص۲

حرکتیں ان سے سرزد ہو رہی ہیں - جو خود اسلام کی روح کو مضطرب کیے بغیر نہیں رہ سکتیں احمدی ہو یا مہدوی۔ شیعہ ہو یا سنی حنفی ہو یا حنبلی ہر ایک کو اس کی آزادی حاصل ہے۔ کہ وہ اپنے انداز میں سوچے اور اپنی پسند کو دوسروں کی پسند پر ترجیح دے - اگر کچھ لوگ مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں تو یہ ان کا حق ہے۔ یہ ان کی صوابدید ہے - اور یہ ان کا اپنا اعتقاد ہے - پاکستان کے وہ علمائے دین اور مفتیان شرع متین جو احمدی و غیر احمدی کے عنوان پر قتل و غارتگری کو ہوا دے رہے ہیں -

ہمیں جواب دیں - کہ دوسروں کے عقائد میں مداخلت کرنا - دوسروں کی صوابدید پر پہرے بٹھانا اور دوسروں کے انداز فکر کو متاثر کرنا کہاں کی مسلمانی ہے - یہ اسلام کا کون سا اصول یہ ہے - اور یہ رسول کریمؐ کی کس تعلیم کی تعمیل میں ہو رہا ہے -

ہمیں معلوم ہے نبی کریمؐ نے دل آزاری کی سختی کے ساتھ ممانعت کی ہے - اور دوسروں کے عقائد کی تضحیک سے شدت کے ساتھ روکا ہے اس انداز کر یہی ذہنیت نفسی کے خلاف جانبوا ے غور کریں - کہ وہ خود کہاں تک سچے مسلمان اور نبی کریمؐ کے حقیقی پیرو اور شیدائی ہیں - اعتقاد کا معاملہ دنیاوی نہیں، دینی اور صد فیصدی دینی معاملہ ہے - اور اس معاملے میں حق و ناحق کا فیصلہ کرنے کی جسارت انسان نہیں کر سکتا - یہ صرف خدا ئے قدوس ہی کرے گا - اگر کوئی غلط راستے پر چل رہا ہے - اور غلط روی پر مُصر ہے - تو وہ خدا کے حضور میں خود جواب دہ ہے - نبی کریمؐ نے بھی کبھی کسی کے ساتھ سختی نہیں کی - اور نہ ہی اسلام کی طرف گم کردہ راہوں کو بلایا ہے - اور جب خود بانئ اسلام نے جبر و اکراہ سے کام نہیں لیا - تو اسلام کے نام لیواؤں کو تشدد اور زبردستی کا پروانہ کس طرح دیا جا سکتا ہے - ہمیں حیرت تو اس بات پر ہے - کہ احمدی و غیر احمدی کے اس فتنہ کو ہوا دینے والوں میں ان علمائے دین کے نام بھی نظر آ رہے ہیں - جو "اسلام کی حقیقی سپرٹ" پیدا کرنے کے لیے تحریکیں چلا رہے ہیں - جو "طاغوتی نظام معاشرت" کے خلاف جنگ کے بہت بڑے رہنما مانے جاتے ہیں - اور جو ہر چیز کو "اسلام" اور قرآن کی روشنی میں رکھنے کی کوششیں کرتے ہیں - اور جو اپنے مخصوص گروہ کے ساتھ اس امر کی دھؤا ں دھار کوشش کر رہے ہیں - کہ پاکستان کا دستور اسلامی دستور ہو - اور قرآن اور فرمودات محمدی کی روشنی میں اس کی ترتیب عمل میں آئے ہمیں حیرت اس سے ہو رہی ہے - کہ یہ سب ہنگامہ آرائی قطعی اسلامی سپرٹ کے خلاف ہے اور فرمودات

محمدی کا سایہ تک اس پر نہیں پڑ سکتا۔ ان حالات کی موجودگی میں کیا ہمارا یہ خیال ٹھیک نہیں ہے کہ یہ ساری فتنہ سامانی ہوس اقتدار کی آسودگی کے لیے ہو رہی ہے۔ شخصی منافرت اور کشمکش برتری نے اس فتنہ کو اپنا سہارا بنا لیا ہے۔؟

اس امر کے امکانات بھی موجود ہیں کہ پاکستان کے دشمن پاکستان سے اپنی استحصالی آرزوؤں کو وابستہ رکھنے والوں نے چند ملّاؤں کو اپنا آلہ کار بنا کر اور چند حکمرانوں کو مقامات بلند کے جھانسے دے کر پاکستان کے نظم وضبط کو درہم برہم کرنے کے لیے یہ کھیل شروع کر رکھا ہے۔ چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو پاکستان کے ہوشمند شہریوں، فرض شناس حکمرانوں اور خود آگاہ و مخلص رہنماؤں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس فتنہ کی پُرزور مذمت کریں اور اس غیر اسلامی ہنگامہ آرائی کو سختی کے ساتھ کچلنے اور دبانے کی کوشش کریں اور اتاترک کی طرح ان ملّاؤں کو عبرتناک سزائیں دیں جو اس شر فتن کے خالق ہیں اور اسلام کے نام پر اسلام کی روح کو مسخ کر رہے ہیں۔" [1]

۴۔ اخبار "رہبر" (کانپور) نے اپنی ۴ار مارچ ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں مندرجہ ذیل مقالہ شائع کیا۔

"مشہور یہ ہے کہ پاکستان میں احراریوں نے احمدیوں کے خلاف مذہب کے نام پر جو سیاسی ہنگامہ برپا کر رکھا ہے وہ سارے پاکستان کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے لیکن جہاں تک اخباری اطلاعات کا تعلق ہے یہ آگ پنجابی حدود میں جس تیزی سے لگی ہوئی ہے وہ کسی اور صوبے میں نہیں ہے۔ اس کی وجہ ایک تو صوبائی تعصب ہے۔ دوسری پنجابی مسلمانوں کی قدیم توہم پرستی ہے۔ پنجابی، پاکستانی مرکزی حکومت سے کبھی مطمئن نہیں ہوا۔ اس کے بس میں ہوتا تو اس قسم کے ہنگامے اس سے بہت پہلے کر کے مرکزی حکومت میں انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کرتا۔"

"ہنگامہ خواہ کم ہو یا زیادہ پاکستان میں جس طرح شروع ہوا ہے وہ افسوس ناک ہے۔ اور اس سے بڑھ کر رونے کی بات یہ ہے کہ احراریوں کے اس سیاسی جال میں علماء کرام پھنس گئے ہیں اور جو مسئلہ آئینی جدوجہد سے حل ہو سکتا تھا اس کے لیے غیر آئینی راستہ اختیار کرنے پر زور

---

[1] بحوالہ ہفت روزہ بدر (قادیان) ۲ اپریل ۱۹۵۳ء ص ۶

دے رہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ احمدیوں کو کس قانون کی کس دفعہ کی رو سے اقلیت قرار دیئے جانے اور کس جرم کی پاداش میں وزیرِ خارجہ سر ظفر اللہ کو مستعفی ہونے کا مشورہ دیا جا رہا ہے۔ اب اگر کہا جائے کہ پاکستان اسلامی (غیر احمدی) ریاست ہے تو سب سے بڑی رکاوٹ تو یہی ہے کہ پاکستان کا دستور مملکت ہی نہیں ہے۔ جس کی کسی دفعہ سے اسلامی مملکت کا ہونا ثابت ہو۔ سمجھداری کی بات یہ تھی کہ پہلے قانون بنانے پر زور دیا جاتا اور اسلامی شرعی قوانین نافذ کروائے جاتے اور نفاذ میں یہ سوال بھی اٹھتا تو غور کے قابل بنتا۔ علماء نے ایسا نہیں کیا۔ اور سیاسی مکروفریب کے شکار ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج علماء سُو کی افسوسناک سیاست سے ملتِ اسلامیہ تنگ آچکی ہے۔ وہ اس الحاد و بیدینی کے شاکی ہیں۔ جو مسلمانوں کے مغربی تعلیم یافتہ میں عام ہوتی جا رہی ہے۔ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں۔ کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کو مذہب سے دور کرنے میں مغربی تعلیم کا اتنا ہاتھ نہیں ہے جتنا کہ ان اجارہ داران دین وملت کا ہاتھ ہے۔ جو اپنے دنیاوی اغراض کی تکمیل کے لیے علماء کی مسند پر بیٹھ گئے ہیں۔ اگر آج کیمونسٹ بیدین نظر آتا ہے تو اس میں مارکس کی مادہ پرستی کا اتنا ہاتھ نہیں ہے۔ جتنا کہ زارینہ کے اس سازشی اور غلط کار پادری کا ہاتھ ہے۔ جس نے مذہب کو حکومت کا کھلونا بنا دیا تھا۔ ہمارے نمائشی مولویوں کی قدامت پسندی۔ کفر سازی۔ تنگ نظری اور شدید قسم کی متعصبانہ روش نے تعلیم یافتہ طبقہ کو کٹھ ملاؤں (علماء) مخاطبین ہی سے نہیں بلکہ ان میں مذہب کی جانب سے بھی بیزاری پیدا کر دی ہے۔ پاکستان کے علماء بھی روائتی کٹھ ملاؤں کی بدولت ایک غلط کردار پیش کر رہے ہیں، اس طرح وہ احمدیوں کے مقابلہ میں خود اسلام کو نقصان پہنچانے کے باعث بن رہے ہیں تعلیم یافتہ مسلمان جب اس قسم کی حرکتوں کو دیکھتے ہیں۔ اور مذہب کے نام پر علماء کرام کی تنگ نظرانہ روش کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ تو اس میں نفس مذہب کی جانب سے مایوسی پھیل جاتی ہے۔ اور کٹھ ملاؤں کی سیاسی چال کی بدولت علماء کرام کی عزت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ترکی میں علماء کی تنگ نظری نے جو نتائج پیدا کیے۔ وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ایران میں جو حشر ہوا۔ وہ ہمارے سامنے ہے۔ اور شام و مصر میں جو حالات پیدا ہوئے۔ ان سے بھی ہم واقف ہیں۔ بدقسمتی سے پاکستانی علماء بھی اسی راہ پر چل پڑے ہیں۔ جسے پاکستان کا تعلیم یافتہ طبقہ زیادہ دنوں تک برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ ملک کی سالمیت پر کوئی وار دیکھ کر خاموش نہیں

رہ سکتا۔ ظاہر ہے کہ جب یہ طبقہ میدان میں آئے گا۔ تو علماء کرام کے ساتھ ہی اسلام کو بھی اسی حشر سے دوچار ہونا پڑے گا۔ جس کا ایک ادنیٰ مظاہرہ ہم ترکی میں دیکھ چکے ہیں۔ سیاست میں تخریبی مقاصد کے لیے مذہب کا استدلال حد درجہ نقصان دہ ہوا کرتا ہے۔ پاکستان میں آج مذہب کو تخریبی سیاست کا آلۂ کار بنایا جا رہا ہے۔ یہ چیز مذہب کے لیے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوگی۔ اور آج نہیں تو کل پاکستان کا تعلیم یافتہ طبقہ مذہب کے خلاف صف آرا ہو جائے گا۔ جس کے نتیجہ میں کم از کم یہ تو ضرور ہو جائے گا۔ کہ پاکستان کو ایک اسلامی اور مثالی سٹیٹ بنانے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ اسلامی سٹیٹ کی جگہ ویسی ہی سیکولر حکومت وجود میں آ جائے گی۔ جیسی کہ تنزل خلافت اسلامی کے بعد ترکی میں وجود میں لائی گئی۔ اگر پاکستانی علماء اسے پسند نہیں کرتے کہ پاکستان غیر مذہبی ریاست بنا دی جائے۔ اور وہ واقعی ایک مثالی مذہبی سٹیٹ کے قیام کے خواہشمند ہیں تو ان کو اپنی موجودہ تنگ نظری ترک کرنا پڑے گی۔ مذہب کے نام پر فتنہ آرائی کا راستہ چھوڑنا پڑیگا۔ پیر پرستوں صوبائی متعصبین کو تختۂ مشق نہیں بنایا جائے گا۔"[1]

۵۔ رسالہ "معارف" (اعظم گڑھ) نے لکھا:۔

معزبی پاکستان میں قادیانیوں کی مخالفت جو شکل اختیار کر گئی ہے وہ بھی مذہب، قانون اور اخلاق کسی حیثیت سے بھی صحیح نہیں ہے۔ قادیانیوں کی شرعی حیثیت سے بحث نہیں مگر ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ اس وقت کیا جا سکتا تھا جب پاکستان میں اسلامی دستور نافذ ہو چکا ہوتا۔ مگر ابھی تک تو وہاں ۱۹۳۵ء[2] کا ایکٹ ہی چل رہا ہے جس کی نگاہ میں سب فرقے برابر ہیں اور اس کی رو سے اس قسم کا مطالبہ ہی کرنا صحیح نہیں۔ اور اگر اسلامی دستور بھی نافذ ہوتا تو وہ بھی اس فتنہ و فساد کی اجازت نہیں دے سکتا تھا جو مذہب کے نام پر برپا کیا گیا۔ کوئی ایسی تحریک جس سے ملک کا امن و امان خطرہ میں پڑ جائے اور لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حرمت اُٹھ جائے مذہب کی خدمت نہیں بلکہ اس کو بدنام کرنا ہے۔ پنجاب میں اسلام کے نام پر جو جرائم کیے گئے ہیں ان کی اجازت اس کا کون سا قانون دیتا ہے اور اس سے اس کی کیا خدمت ہوئی اور اس

---

[1] بحوالہ بدر ۱۲ مارچ ۱۹۵۳ء ص۔ [2] یہاں سہواً ۱۹۵۳ء لکھا تھا۔

کے بعد فوج کے ہاتھوں جو زیادتیاں ہوئیں اس کی ذمہ داری بھی اس تحریک کے رہنماؤں کے سر ہے۔ اگر اسلام کی خدمت اسی طرح ہوتی رہی تو ملک ہی باقی نہ رہ جائے گا۔ اسلامی قانون کہاں نافذ کیا جائیگا حصولِ اقتدار کے لیے مذہب کو وسیلہ بنانا خود بڑا مذہبی جرم ہے۔ مذہب کے نام پر جو کچھ کیا گیا ہے اس کی اجازت تو لامذہبی بھی نہیں دے سکتی ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ اسلام کے اصل محافظ و پاسبان علماء ہیں مگر ان کو اس زمانہ کے ارباب سیاست سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کہ وہ ان کا آلہ کار نہ بننے چاہئیں۔ پنجاب میں جو کچھ ہوا اس میں مذہب سے زیادہ سیاست کو دخل ہے مگر افسوس یہ ہے کہ یہ ساری شورش مذہب کے نام پر کی گئی۔ جس کی ذمہ داری سے علماء بھی بری نہیں" [1]

۶۔ گجراتی ہفت روزہ" وطن" (بمبئی) کے ایڈیٹر مکرم جناب سیف صاحب پالمپوری نے ۱۰ رمئی ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں جماعت احمدیہ کے بارے میں بعض سوالات کے جواب میں لکھا:۔

"وطن" ہر کلمہ گو انسان کو مسلمان مانتا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کی کتابوں پر ایمان رکھتا ہو اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتا ہو۔" وطن" کے خیال میں وہ پکا مسلمان ہے خواہ وہ مسلمان قادیانی ہو خواہ وہابی خواہ شیعہ اور خواہ سُنّی ہو۔ اس قسم کا سوال پوچھ کر فرقہ بندی اور فرقہ پرستی کو ظاہر کرنا ہماری پالیسی کے خلاف ہے۔" وطن" ان جھگڑوں کو نہیں مانتا۔ یہ کام تو ان لوگوں کا ہے جو اسلام کے دشمن ہیں فتنہ پرداز ہیں۔" وطن" ایسی فتنہ پردازی کا سخت مخالف ہے اور اُسے بہت بری نظر سے دیکھتا ہے۔ پاکستان میں قادیانی مذہب والے بڑے عہدوں پر ہیں۔ اس کے متعلق وطن کے پاس کوئی جواب نہیں۔ کیونکہ" وطن" ایسی فرقہ بندی اور فرقہ پرستی کو مانتا ہی نہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ پاکستان میں قادیانی مذہب کا زور شور سے پرچار ہو رہا ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ قادیانی مذہب کا تو پرچار نہیں ہو رہا مگر قادیانیوں کے خلاف کچھ عرصہ پہلے کافی پرچار رہا ہے جس کی وجہ سے پاکستان میں بار بار طوفان اٹھا۔ ملاؤں نے اپنا نام تو اونچا کیا مگر اسلام کو شرمندہ کیا۔ اب اگر ملاّ ذرا بھی شرم و حیا رکھتا ہے تو اس کے بعد وہ اب کبھی فرقہ بندی اور فرقہ پرستی میں دلچسپی نہ لے۔ پاکستان میں فرقہ بندی سے زیادہ "ملاں بندی" ہو

---

[1] رسالہ معارف اپریل ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۴۳ و ۲۴۴ بحوالہ بدر ۷ رجولائی ۱۹۵۳ء صفحہ

گئی ہے - ایک ہے " شراب بندی " جو صرف ایک انسان یا ایک خاندان کو خراب کرتی ہے مگر " ملّاں بندی " اور ان کی فتنہ پردازی تو ساری قوم کو غرق کر رہی ہے - اور اب ساری قوم اور سارے ملک کو تباہ و برباد کر سکتی ہے " ۔ ؎

۷ ۔ روزنامہ " ہلالِ نو " نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۵۳ء میں " قادیانی اور پاکستان " کے عنوان سے درج ذیل اداریہ سپردِ اشاعت کیا : ۔

" پاکستان میں جو واقعات رونما ہو رہے ہیں ۔ ان کا کوئی براہ راست تعلق اسلامی تعلیمات سے نہیں ہے - اسلام ان بھیانک جرائم سے بری ہے اور اللہ اور اس کے رسول ان حرکات کے مخالف ہیں قادیانیوں کے عقائد اگر گمراہی پر مبنی ہیں ۔ اور اگر وہ اسلام کے پردہ میں کفر پھیلا رہے ہیں تو مسلمانوں کے لیے تبلیغ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں - وہ قادیانیوں کے ایک ایک جلسہ کے مقابلہ میں دس دس جلسے کر سکتے ہیں - ایک ایک قادیانی رسالہ کے مقابلہ میں دس دس رسائل شائع کر سکتے ہیں ۔ اور ان کی ایک تفسیر کے مقابلہ میں دس دس تفسیریں لکھ سکتے ہیں - اسلام نے اصلاح کے لیے تبلیغ کا طریق کار مقرر کیا ہے - یہ کہیں نہیں کہا کہ جو تمہارے نقطۂ نظر سے اتفاق نہ کریں ان کے گھر جلاؤ ان کو پکڑ پکڑ کے ذبح کر ڈالو اور ان کی عورتوں پر بھی دست درازی شروع کر دو - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلفاء راشدین جب فوجوں کو دفاعی جہاد کے لیے بھیجتے تھے تو یہ نصیحت ضرور کرتے تھے - کہ عورتوں ، بچوں اور بوڑھوں پر دست درازی نہ کرنا . . . .

اس امر کا ہر امکان موجود ہے - کہ قادیانیوں سے نپٹ کر بوہروں اور اسمٰعیلی فوجوں پر مذہب کے نام سے ہاتھ صاف کیا جائے گا - پھر اہل حدیث پر نزلہ گرے گا - پھر شیعوں پر مصیبت آئے گی - اور پھر بریلوی ایک دوسرے کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے " جہاد " فرمائیں گے - اور اس کے بعد ان کا نمبر آئیگا - جو تقدیر کے قائل نہیں ۔ یا جو اللہ کے عرش پر ہونے کے خاص معنی لیتے ہیں - پھر زمین کو گول کہنے والوں کی گردن ماری جائے گی - غرض کہ یہ مار کاٹ کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ پاکستان کے طول و عرض میں صرف شیطان باقی رہ جائے گا جو انا ولا غیری

؎ ترجمہ از اخبار وطن گجراتی ۱۰ رمئی ۱۹۵۲ء ص۷ بحوالہ اخبار " بدر " قادیان ۲۱ رمئی ۱۹۵۲ء ص۲

کا نعرہ لگائے گا۔ خود مولوی آپس میں کٹ مریں گے۔ اور ہر ایک مرتے وقت یہ ہی تصوّر کرتا جائے گا۔ کہ بس اِدھر روح نے جسمِ خاکی سے پرواز کی اور اُدھر باغ جنّت کے دروازہ پر رضوان نے استقبال کیا۔ پھر کیا ہے ہزاروں حسین و جمیل حوریں ہوں گی۔ اور عیش و عشرت کی وہ رنگ رلیاں جن کا ایک حقیر نمونہ واجد علی شاہ کی زندگی میں پایا جاتا تھا۔

خوب سمجھ لو کہ پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ یہ مولویانہ ذہن کا کرشمہ ہے۔ اور دوسرے ملکوں میں بھی اسلام کے چہرہ پر یہ مولوی ہی کی کولتار مل رہے ہیں۔ آج ساری دنیا میں غیر مسلم ان واقعات سے ایک ہی نتیجہ نکال رہے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اسلام اور تعصب مترادف ہیں۔ اور یہ کہ قرآن و قتل کے درمیان ایسا گہرا رشتہ ہے کہ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جب اسلام کے روحانی لیڈروں کا یہ حال۔ تو بابو راؤ پٹیل یا دوسرے ایسے مخالفوں کی شکایت کیوں کیجئے ؎

آپ کہتے ہیں کہ غیروں نے کیا ہمکو تباہ
بندہ پرور کہیں اپنوں ہی کا یہ کام نہ ہو [1]

(از علی بہادر خاں)

مصری پریس

مصر کے مشہور صحافی جناب عبدالقادر حمزہ نے "پاکستان میں مذہب" کے عنوان سے اخبار البلاغ میں ایک خصوصی مقالہ سپرد اشاعت کیا جس کا خلاصہ اخبار مدینہ بجنور (۲۸ مارچ ۱۹۵۳ء) میں حسب ذیل الفاظ میں شائع ہوا:-

"قاہرہ ۲۳ مارچ اخبار البلاغ کے پروپرائٹر عبدالقادر حمزہ پچھلے دنوں مصری اخبار نویسوں کے وفد کے رکن کی حیثیت سے پاکستان گئے تھے۔ آپ نے اپنے اخبار کے صفحہ اوّل پر ایک مضمون شائع کیا ہے جس میں واضح کیا گیا ہے کہ پاکستان میں مذہب کے نام پر ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے علماء اور دوسرے لوگ عوام کے کورانہ عقائد سے بے جا استفادہ کر رہے ہیں

---

[1] بحوالہ بدر ۲۸ مارچ ۱۹۵۳ء صہ ۴

آج کل پاکستان اسی لعنت میں مبتلا ہے جس میں مصر مبتلا رہ چکا ہے ۔یعنی کچھ لوگ (علماء) سیاسی اثر بڑھانے کے لیے مذہب سے بیجا فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور ایسے معاملات (سیاسیات) میں دخل دینے کی کوشش کر رہے ہیں جو اُن سے تعلق نہیں رکھتے ۔ محض اس دعویٰ کی بناء پر کہ ہم علماء ہیں دوسرے لوگ بھی عوام کے مذہبی احساسات سے بیجا فائدہ اٹھانے کی کوشش میں مصروف ہیں ان لوگوں پر دوسرے ممالک کے مسلمانوں کی نسبت مذہب کا اثر زیادہ غالب ہے انہوں نے کہا کہ پاکستانی مسلمان قرآن پڑھتا ہے ۔اور وہ اس کی بعض سورتوں کو ازبر کر لیتا ہے۔لیکن وہ نہ قرآن کے معانی و مطالب کو سمجھتا ہے اور نہ اسلام کے متعلق کسی دوسری کتاب کو۔ نہ عربی زبان جانتا ہے اس لیے خواندہ ہونے کے باوجود ناخواندہ ہوتا ہے۔ اس لیے یہ کہنا صحیح رہے) کہ عام پاکستانی محض مذہبی طور پر مسلمان ہیں اور ان سے مذہب کے نام پر یا اس کے متعلق جو کچھ کہہ دیا جاتا ہے اس پر یقین کر لیتے ہیں ۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے دورہ میں جو فرقہ وارانہ گڑبڑ دیکھی اس کا بڑا سبب یہی تھا کہ مسلمان اسلام کی صحیح سپرٹ سے ناآشنا ہیں۔میرا مقصد نہ احمدیوں کی صفائی پیش کرنا ہے اور نہ ان کے مخالفوں پر نکتہ چینی کرنا ۔ اگر ایسی صورت میں کہ اختلافی بحث، بلوے اور آتش زنی کی شکل اختیار کرے اور بیگناہ لوگوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا جانے لگے تو افسوس ہوتا ہے۔ اگر پاکستانی مسلمان زیادہ ہو جائیں اور تعلیم یافتہ افراد کی تعداد بڑھ جائے تو ایسے قابل اعتراض اعمال کا رونما ہونا ناممکن ہو جائے گا ۔ضرورت ہے کہ جہاں جدید علوم و فنون حاصل کیے جائیں وہاں قرآن کے معانی ومفہوم سے قریب تر ہونے کی کوشش کی جائے۔"[1]

امریکی پریس امریکہ کے اخبار "Cleveland - Plain Dealer" نے اپنی ۷ مارچ ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں ڈبلیو۔ جی[2]۔ ڈلڈائن (W. G. Dildine) کا حسب ذیل نوٹ دیا۔

---

[1] بحوالہ بدر قادیان ۷ اپریل ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ ؛ [2] مسٹر ڈلڈائن ایشیا کے رسالہ "پلین ڈیلر" کے سٹاف ممبر تھے جو ۱۹۵۰ء - ۱۹۵۱ء میں شائع ہوتا رہا۔اس کے بعد وہ اس علاقہ میں نیو زدیک اور دوسرے رسالوں کے نامہ نگار خصوصی کے فرائض انجام دینے لگے ۔

Cleveland Plain Dealer, Tuesday, March 17, 1953.

Reds Spur Religious Agitation in Pakistan.

By W. G. Dildine

Karachi, March 16- The last two week's bloody rioting in Pakistan, all in the name of religion, appears to bear out opinion of Government officials in the highest level that Communists are assuming tactical direction of the most reactionary and bigoted religious groups.

This trend is causing acute distress to the progressive Western minded Muslims who have guided this nation's destinies since it was created by partition from India in 1947.

Today in Pakistan, long considered a bulwark against Communism because of its pious population and progressive administration, the pattern of Communist penetration and action is beginning to bear striking and ominous resemblance to that developed in Iran (Persia) during the past three years.

In both Countries the Reds have made use of student organisations and fanatic religious groups. And in both the aim has been to create distrust and disunity between geographical seetions and especially among government leaders.

Iran's murderous Fidayan-i Islam, led by Ayatullah Kashani, has its Pakistani counterparts. They are the Ahrar ("true") group and the Jamaat-i-Islami, which simply means Islamie organisation.

AHRAR STARTS RIOTS

It is the Ahrar which has touched off the mob action which has brought about the first imposition of Martial law in Pakistan history. Martial law has thus far been applied only in Lahore, capital of the wheat-growing Punjab, most populous province of West Pakistan. It was imposed following a series of mob-killings, looting of post offices and shops, arson and disruption of communications.

Ahrar is led by mullahs, Moslem priests. Pakistan was separated from India on the basis of the Moslem faith of its inhabitants and immigrants, and the mullahs have long sought a greater voice in direction of government. They have resented the western orientation and religious liberalism of government leaders of the dominant Moslem League party.

As a stick to beat the government, they have seized upon the long-standing Ahmedi controversy. The Ahmadis, also, called Qadianis, are considered heretics by orthodox Moslems because they proclaim their founder, dead 40 years, as a true prophet. Orthodox Moslems believe Muhammad was the last of the prophets.

Ahrar demands that the government declare the Qadianis to be a non-Moslem minority, placing them

upon separate electoral lists. They also demand removal from government of Sir Zafrullah khan, foreign minister and Pakistan's chief spokesman in the world area. Ahrar charges that Zafrullah has sponsored Qadiani infiltration of government posts.

The Qadianis are a small group in Pakistan, numbering but a few hundred thousand. But, like other religious minorities, they are closely knit, successful in business and wealthy, owning newspapers, lands and business. To jealousy thus provoked among the less fortunate, especially in times of economic stress, is added resentment of the fact that Qadianis almost alone among Moslem sects, are an actively proselyting missionary group, using every possible means to propagate their faith. In their search for converts, Qadiani missionaries have gone to every part of the world, including most large cities of the United States.

The Qadiani agitation is an issue which can be used to inflame large masses of the population, and demonstrations, some peaceful, some bloody, have occurred in the last few days, in all the large cities of West Pakistan. There are few Qadianis in East Pakistan.

This capital is full of wildly varying interpretations of the Ahrar business, one of the weirdest being the Socialist contention that America is

secretly backing the campaign against Sir Zafrullah on the ground that the foreign minister is a supposed carrier of British influence.

Most opinion here, however, is agreed that the communists have most to gain from the removal of Zafrullah and also from smearing the Qadianis. The sect is a pushing, progressive group with international connections and a strong paralled is drawn between persecution of Qadianis here and crackdown on the Jews in Russia.

Author of this article is a former plain Dealer staff member who wrote for this paper from Asia in 1950 and 1951. He is now back in that area as special correspondent for News Week and other publications.

کلیولینڈ پلین ڈیلر، ۱۷ مارچ ۱۹۵۳ء

کمیونسٹ پاکستان میں مذہبی ایجی ٹیشن کو ہوا دے رہے ہیں

(ڈبلیو۔ جی۔ ڈلڈائن)

کراچی ۱۶ مارچ۔ گزشتہ دو ہفتوں کی خونریز ہنگامہ انگیزی جو پاکستان میں سراسر مذہب کے نام پر کی گئی، وہ اعلیٰ ترین سطح کے سرکاری افسران کی اس رائے کی تصدیق معلوم ہوتی ہے کہ کمیونسٹ ہمارے ملک کے مذہبی گروہوں کے نہایت متعصب اور رجعت پسند عناصر کی شاطرانہ رہنمائی کر رہے ہیں اور یہ رُخ اُن مغرب زدہ ترقی پسند مسلم لیڈروں کو بہت پریشان کر رہا ہے جنہوں نے کہ اس ملک کی قسمتوں کی قیادت اس دن سے کی ہے جب سے یہ انڈیا سے بذریعہ تقسیم الگ ہوا تھا۔ آجکل پاکستان میں جس کو لمبے عرصہ سے اس کی عبادت گزار آبادی اور ترقی پسند حکومت کی وجہ سے کمیونزم کے خلاف ایک قلعہ سمجھا گیا تھا کمیونسٹ دخل اندازی اور کمیونسٹ اثر پذیری، اس صورتِ حال سے ایک نفرت انگیز اور نمایاں مماثلت اختیار کرتی جا رہی ہے جو ایران میں گزشتہ تین سالوں میں انہوں نے پیدا کی تھی۔

دونوں ممالک میں کمیونسٹوں نے طلباء کی تنظیموں اور بعض دیوانے مذہبی گروہوں کو استعمال کیا۔ دونوں ملکوں میں اُن کا مقصد یہ رہا ہے کہ بے اعتقادی پیدا کریں اور جغرافیائی گروہوں خصوصاً گورنمنٹ کے لیڈروں کے درمیان ناچاقی پیدا کریں۔

ایران کے قاتلانہ فدایان اسلام جن کے لیڈر آیت اللہ کاشانی ہیں پاکستان میں اپنے مماثل عناصر رکھتے ہیں وہ گروہِ احرار رہے) اور جماعت اسلامی ہیں (جس کا مطلب سادہ طور پر اسلامی تنظیم ہے)

احرار فسادات کو شروع کرتے ہیں

یہ احرار ہی تو ہیں جنہوں نے عوامی تحریک چلائی جس کے نتیجہ میں تاریخ پاکستان کا پہلا مارشل لاء نافذ ہوا۔ مگر تا حال یہ مارشل لاء صرف لاہور میں جاری ہوا ہے جو گندم اُگانے والے

پنجاب کا دارالسلطنت اور مغربی پاکستان کا سب سے زیادہ گنجان آباد صوبہ ہے۔ یہ مارشل لاء عام سلسلۂ قتل و غارت، لوٹ مار، ڈاک خانوں اور دکانوں کی لوٹ کھسوٹ آتش زنی اور مواصلات کے درھم برہم ہونے پر لگایا گیا۔ احرار کے لیڈر ملّا یعنی دینی پیشوا ہیں۔ پاکستان کو انڈیا سے اس لیے الگ کیا گیا کہ اس کے باشندے اور مہاجرین ایک جُداگانہ مذہب یعنی اسلام کے پیروکار تھے۔ اور مُلّا لوگ لمبے عرصہ سے گورنمنٹ کی انتظامیہ میں دخیل ہونے کا مطالبہ کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے غالب مسلم لیگ کی گورنمنٹ کے لیڈروں کی مغرب نواز طرز حکومت اور مذہبی روا داری کی ہمیشہ سے مخالفت کی ہے جو ہر دلعزیز مسلم لیگ پارٹی کے لیڈروں نے شروع سے اپنائی ہے گورنمنٹ کو شکست دینے کے لیے بطور ایک چھڑی کے انہوں نے لمبے عرصہ سے قائم چلے آتے مسئلہ احمدی نزاع کا کھڑا کر لیا ہے۔ احمدی جن کو قادیانی بھی کہا جاتا ہے ان کو قدامت پسند مسلمانوں کے منہ سے مرتد کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہمارا بانی جس کو فوت ہوئے ۴۰ برس بیت چکے ہیں "ایک سچا نبی ہے"۔ قدامت پسند مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آخری نبی تھے احرار کا مطالبہ ہے کہ گورنمنٹ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دے۔ اور ان کو جُداگانہ انتخابی فہرست پہ ڈال دے ان کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ سر محمد ظفر اللہ خان جو کہ وزیر خارجہ پاکستان اور اس ملک کے سب سے بڑے نمائندہ یا وکیل دنیا کے اکھاڑہ میں ہیں احرار نے الزام لگایا کہ چوہدری محمد ظفر اللہ نے قادیانیوں کو سرکاری ملازمتیں دلانے کی سرپرستی کی ہے۔

قادیانی پاکستان میں ایک مختصر گروہ ہیں جن کی تعداد چند لاکھ ہوگی مگر دوسری مذہبی اقلیتوں کی طرح وہ باہم گہرے طور پہ متحد ہیں۔ وہ کاروبار میں کامیاب اور متمول ہیں۔ اخباروں، زمینوں اور تجارت کے مالک ہیں۔ اس لیے کم خوش قسمت لوگوں کے اندر ان کی رقابت پیدا ہوئی خصوصاً آج کل جبکہ معاشی دباؤ کا سامنا ہے پھر اس امر کا مزید غصہ بھی ہے کہ قادیانی صرف اکیلے ہی تمام مسلمانوں کے فرقوں میں سے ایک مستعد تبلیغی گروپ اور دوسروں کا مذہب تبدیل کروانے کا شغف رکھتے ہیں اور یہ لوگ ہر ممکن ذریعہ سے اپنے مذہب کو پھیلانے کا کام کرتے ہیں۔ نیا مذہب تبدیل کرنے والوں کی تلاش میں قادیانی مبلغ بشمول

امریکہ کے بڑے بڑے شہروں کے دُنیا کے ہر حصہ میں پہنچے ہوئے ہیں۔ قادیانی ایجی ٹیشن ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو استعمال کر کے پاکستانی آبادی کے ایک کثیر حصے کو بھڑکایا جا سکتا ہے اور گذشتہ چند ایام میں مظاہرے (کچھ پُرامن اور کچھ خونریز) مغربی پاکستان کے تمام شہروں میں ہوئے ہیں۔ مگر مشرقی پاکستان میں بہت کم احمدی ہیں۔ (لاہور کا) دارالحکومت احراری مشغلہ کی درجہ بدرجہ مختلف کی جانبوالی توجیہات سے پُر ہے جن میں سے ایک نہایت ہی پُر اسرار توجیہہ وہ سوشلسٹ دعویٰ ہے جو امریکہ اس بناء پر کہ سر محمد ظفراللہ خان خفیہ طور پر برطانوی اثر ورسوخ کے حامل شخص ہیں پوشیدہ طور پر ان کے خلاف مہم چلا رہا ہے۔ تاہم اکثر آراء اس بات پر متفق ہیں۔ کہ کمیونسٹوں کو (چوہدری) ظفراللہ کے ہٹانے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی قادیانیوں کو واغدار کرنے سے اُن کو کچھ فائدہ ہوگا۔

یہ فرقہ جدوجہد کرنے والا۔ ترقی پسند گروہ ہے۔ جو بین الاقوامی تعلقات رکھتا ہے۔ اور قادیانیوں کی اس ملک میں ایذا دہی اور روس میں یہودیوں پر ہونے والے مظالم کے درمیاں قوی مشابہت بنائی جاتی ہے۔

عالمی لٹریچر میں احمدیت کا ذکر

۱۹۵۳ء میں جماعت احمدیہ کو اس درجہ نمایاں حیثیت حاصل ہو گئی کہ مشرقی و مغربی دنیا کے مفکرین، مورخین اور اہلِ قلم شخصیتوں نے اس دور کے حوالہ سے تحریکِ احمدیت کا خصوصی ذکر کیا اور یہ ایک ایسی غیر معمولی بات تھی کہ اگر احمدی لاکھوں روپے بھی خرچ کرتے تو حاصل نہ ہو سکتی۔ اس ضمن میں چند تحریرات کا ذکر کافی ہوگا۔

۱۔ بھارت کے ممتاز کشمیری مؤرخ جناب پریم ناتھ بزاز نے اپنی کتاب (کشمیر میں جدوجہد آزادی)

"Struggle for freedom in Kashmir"

میں احراری تحریک کا ذکر بایں الفاظ کیا۔

When the report of the Basic Principles Committee was published the religion-ridden and other bigoted Muslims of Pakistan felt jubilant at their success in having installed reaction on crest of politics in their country and also for having deprived non-Muslims of the fundamental right to get elected to the highest office in the State. Thus emboldened the reactionaries headed by mullahs started a campaign that the Ahmadis should also be declared as non-Muslim and therefore a minority in Pakistan. That is an old demand of the orthodox mullahs. What is the sin that the Ahmadis have committed to deserve this punishment? They call themselves Muslims and have faith in the Quran, the Sunnah and the prophet. Only they hold that every age has its prophets and do not believe in the tenet that Mohammad was the last prophet that God had deputed for mankind. It is not for me to say what is right and what is wrong about this belief. But there can be no two opinions that in a democratic state every one has the right to believe in what he thinks true and proper. But for the triumphant mullahs and their violent followers it was enough to kick up trouble. In the beginning of 1953 an anti-Ahmadi agitation gained momentum and assumed gigantic proportions within weeks.

Having yielded before Mullahism while framing the Basic Principles Committee's Report it became difficult for the Nazimud-Din Government to discountenance, much less suppress, this dangerous, vicious and anti-democratic agitation. Indeed, some responsible League leaders only fanned the flames of fanaticism by vehemently supporting the principle that "Mohammed is the last prophet" and any one who did not subscribe to this view could not claim to be a

Muslim. Not even one member of the ruling party had the courage to announce publicly that it was the birth right of everyone, including a Muslim, to disagree with any belief however sacred in the eyes of the Muslims. "Politicians were playing with fire", stated Anwar Ali, Inspector-General of Police in West Punjab before the Court of Inquiry, "by arousing religious feelings of a fanatical population. All political parties, including the Muslim League, tried to make political capital out of the situation. No politician had the strength to say that the (public) demands were unreasonable; on the other hand they all placed themselves on the crest of an agitational wave. Politicians in this country do not consider any weapon too low." It is no wonder that the agitation took a most virulent and violent form. What carnage, what holocausts, and what destruction was wrought in the name of Islam in West Pakistan especially in the Punjab during those dark and terrible days of March and April. Hundreds of Ahmadis were looted, dozens of their villages were burnt, men and women were roasted alive and thousands were rendered homeless. There was a reign of terror for this small Muslim Community. "What happened in Lahore and elsewhere in the Punjab should make us hang our heads down in shame", confessed Ghulam Mohammed, Governor General of Pakistan.

Ultimately when the civil administration failed to deal with the disturbances Nazim-ud-Din Government was obliged to hand over the area to the army and impose martial law on it to restore normalcy.

Just as the followers of Jan Sangh, Mahasabha and other Hindu Communal parties think that by adoption of a secular constitution for the country a *great* boon has been conferred on the Muslims in India,

similarly there is a wide spread belief in Pakistan that by becoming non-communal in their outlook Pakistani Muslims would be putting their Hindu compatriots under great obligation. That is an unwarranted attitude. Secularism is primarily in the interests of all people and the majority community benefits from it the most. Without secularism democracy cannot flourish in modern times. The absence of secularism might harm the religious minorities first of all but it will not take long before, one after the other, different sections of the majority also fall prey to fanaticism and bigotry in the country. Many Pakistanis have now learned that lesson as a res 't of recent bitter experience. Had the Pakistan Government committed the fatal mistake of yielding before the anti-Ahmadi agitation fanatics would have demanded exclusion of other sections from the fold of Islam, till at last none but fanatics would be counted as Muslims. That would be the sure path to ruin and annihilation. The danger has not wholly vanished yet. So long as the idea of building a religious State is not totally abandoned the possibility of fanaticism raising its evil head will remain. It is for lovers of democracy to be fully warned about it.

This so far as the basic principles of the Pakistan Constitution are concerned. Has the country made any progress in other sphere?

Struggle for Freedom in Kashmir,
by Prem Nath Bazaz pp. 602-604,
Kashmir Publishing Company, Delhi, 1954.

جب بنیادی حقوق کی کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی تو پاکستان کے مذہب پرست اور دوسرے متعصب مسلمان اس امر پر بڑے خوش تھے کہ انہیں اپنے ملک کی سیاسیات کے سر پر رجعت پسندی ٹھونسنے میں بڑی کامیابی ہوئی ہے اور اس امر پر بھی کہ انہوں نے اس طرح غیر مسلموں کو اُن کے اس بنیادی حق سے کہ وہ ریاست کے اعلیٰ ترین عہدے کے لیے منتخب ہو سکتے ہیں محروم کر دیا ہے۔ اس طرح جرأت پا کر ان رجعت پسندوں نے جن کی راہنمائی ملاؤں کے ہاتھ میں تھی ایک یہ تحریک چلائی کہ احمدیوں کو بھی غیر مسلم قرار دے دیا جائے تاکہ وہ پاکستان کی ایک اقلیت قرار پائیں یہ تقلید پسند مُلاؤں کا ایک پرانا مطالبہ ہے۔ احمدیوں نے بھلا کون سا قصور کیا ہے کہ انہیں اس سزا کا مستوجب قرار دیا جائے؟ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں، سنت اور رسول اکریم صلی اللہ علیہ وسلم) پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کا صرف یہ اعتقاد ہے کہ ہر زمانہ میں نبی ہو سکتا ہے اور وہ اس خیال کو ردّ کرتے ہیں کہ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) آخری نبی ہیں جو خدا تعالیٰ نے بندوں کی راہنمائی کے لیے مبعوث کیے۔ یہ میرا کام نہیں ہے کہ میں اس امر پر بحث کروں کہ یہ اعتقاد کس حد تک درست یا غلط ہے لیکن اس بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ ایک جمہوری ریاست میں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس چیز کو حق اور درست سمجھتا ہے

اس پر اعتقاد رکھے۔ لیکن کامیابی کے نشہ میں مخمور مُلاؤں اور ان کے تشدد پسند حامیوں کے لیے یہ بات فتنہ پیدا کرنے کے لیے کافی تھی۔ ۱۹۵۳ء کے آغاز میں احمدیوں کے خلاف جو ایجی ٹیشن شروع کی گئی اس نے زور پکڑنا شروع کر دیا اور چند ہفتوں میں ہی وہ بڑی بھیانک صورت اختیار کر گئی۔

بنیادی حقوق کی کمیٹی کی رپورٹ مرتب کرتے وقت چونکہ مُلاؤں کے اثر کو قبول کر لیا گیا تھا اس لیے ناظم الدین کی حکومت کیلئے اس خطرناک نفرت انگیز اور خلاف جمہوری ایجی ٹیشن کو دبانا تو الگ رہا اس کی مذمت کرنا بھی مشکل ہو گیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بعض ذمہ دار لیگی لیڈروں نے تعصب کی اس آگ کو اس اصول کی بشدّت تائید کر کے ہوا دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آخری نبی ہیں اور کوئی شخص جو اس نظر کی تائید نہیں کرتا وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ حکمران

پارٹی کے کسی ایک ممبر کو بھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ کھلم کھلا یہ اعلان کرے کہ بشمول ایک مسلمان کے ہر شخص کا یہ پیدائشی حق ہے کہ وہ کسی بھی اعتقاد سے اختلاف کرے خواہ وہ مسلمانوں کی نگاہ میں کس قدر ہی مقدس کیوں نہ ہو۔ تحقیقاتی عدالت کے سامنے مسٹر انور علی انسپکٹر جنرل پولیس مغربی پاکستان نے یہ بیان دیا کہ "سیاستدان آگ کا کھیل کھیل رہے تھے جبکہ وہ متعصب عوام کے مذہبی جذبات کو مشتعل کر رہے تھے۔ تمام سیاسی پارٹیوں نے اور ان میں مسلم لیگ بھی شامل ہے اس امر کی کوشش کی اس صورتِ حال سے سیاسی رنگ میں فائدہ اٹھائیں کسی سیاستدان میں یہ جرأت نہ تھی کہ وہ کہتا کہ عوامی مطالبات غیر معقول ہیں۔ اس کے برعکس سب نے اپنے آپ کو اس ہیجان خیز تحریک کی چوٹی پہ بطور رہنما کے رکھنا پسند کیا۔ اس ملک کے سیاستدان کسی بھی حربہ کے استعمال کو (روا جائز و) ناپسندیدہ نہیں سمجھتے" بناء بریں یہ امر قابل استعجاب نہیں کہ اس تحریک نے بڑی ہلاکت آفرین اور شدید شکل اختیار کر لی۔ مارچ اپریل کے ان تاریک اور ہولناک ایام میں مغربی پاکستان بالخصوص پنجاب میں اسلام کے نام پر بے حساب کشت و خون آگ سے اتلاف جان ہوا تباہی اور بربادی روا رکھی گئی۔ سینکڑوں احمدیوں کو لوٹا گیا۔ ان کے درجنوں دیہات کو نذر آتش کیا گیا، مردوں اور عورتوں کو زندہ جلایا گیا اور ہزاروں کو بے خانماں کر دیا گیا۔ مسلمانوں کی اس چھوٹی سی جماعت کے لیے خوف و ہراس کی فضا پیدا کر دی گئی۔ (مسٹر) غلام محمد گورنر جنرل پاکستان کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ "جو کچھ لاہور میں اور پنجاب کے دوسرے مقامات پہ ہوا وہ ہمارے سروں کو ندامت سے جھکا دینے کے لیے کافی ہے" بالآخر جب سول انتظامیہ ان فسادات کو دبانے میں ناکام ہو گئی تو ناظم الدین حکومت اس امر پہ مجبور ہو گئی کہ اس علاقہ کا نظم و نسق فوج کے حوالے کر دے اور اس میں مارشل لاء لگا دیا جائے تاکہ حالات معمول پر آ سکیں۔

جس طرح جن سنگھ، مہا سبھا کے پیروکار اور دوسری ہندو فرقہ وارانہ پارٹیاں یہ سمجھتی ہیں کہ ملک کے لیے لادینی طرز حکومت اختیار کر لینے سے ہندوستان کے مسلمانوں پہ ایک بہت بڑا احسان کیا گیا ہے اسی طرح پاکستان میں بھی وسیع طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ اگر پاکستان کے مسلمان اپنے نقطۂ نظر میں غیر فرقہ وارانہ ہو جائیں تو وہ اپنے ہندو ہموطنوں پر بڑا احسان کریں گے یہ نقطۂ

نظر قطعی طور پر غلط ہے۔ لادینی نظام بنیادی طور پر سب لوگوں کے لیے یکساں مفید ہے اور اکثریتی فرقہ کو اس سے سب سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے۔ موجودہ دور میں جمہوریت، لادینیت کے بغیر پنپ نہیں سکتی ملک میں لادینیت کی غیر موجودگی سے بے شک ابتداء میں مذہبی اقلیتوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے لیکن بہت جلد اکثریتی طبقہ کے مختلف فرقے بھی یکے بعد دیگرے تعصب اور مذہبی جنون کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بہت سے پاکستانیوں نے بھی تازہ تلخ تجربہ کے بعد یہ سبق اب سیکھ لیا ہے۔ اگر حکومتِ پاکستان احمدیوں کے خلاف چلائی گئی تحریک کے سامنے جھک جانے کی خطرناک غلطی کر بیٹھتی تو مذہبی مجنونوں نے مطالبہ کرنا تھا کہ دوسرے فرقوں کو بھی اسلام کے دائرہ سے خارج کیا جائے۔ یہاں تک کہ صرف ایسے جنونی ہی مسلمان سمجھے جاتے اور باقی سب خارج ہو جاتے۔ یہ تباہی اور بربادی کا یقینی راستہ ہوتا۔ یہ خطرہ ابھی تک پوری طرح ٹلا نہیں ہے۔ جب تک کہ مذہبی ریاست قائم کرنے کا تصور مکمل طور پہ ترک نہ کر دیا جائے گا۔ اس وقت تک تعصب کو اپنا پُر فتن سر اٹھانے کا امکان باقی رہے گا۔ یہ سب آئین پاکستان کے بنیادی حقوق کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا ہے لیکن کیا اس ملک نے دوسرے شعبوں میں بھی کوئی ترقی کی ہے۔؟

۲ - مسٹر ڈانلڈ ولبر (Donald Wilber) نے اپنی کتاب پاکستان (Pakistan) میں جماعت احمدیہ کی نسبت لکھا:-

Even in the case of the Qadianis, however, the hositility towards the Ahmadiyya Movement did not stem primarily from its theology but from its social aspects. It has a strong and closely knit organisation. With high corporate enthusiasm its members devote themselves to the service of the community. They strictly enforce purdah, encourage polygamy; have an ascetic morality that disapproves of all worldly indulgence; collect alms from their rich for their poor; have a very high literacy rate; find jobs for their members; and run their own mosques, courts, schools, and welfare institutions, for which they impose heavy taxes. In 1947 they were the best educated Moslem group native to the area which became West Pakistan. As a result, they were drawn upon to fill many posts in the foreign ministry and other departments of the new government.

The widespread belief that Ahmadiyya find all their members government jobs, give scholarships to all their university students, and care only about other Ahmadiyyas is certainly an exaggeration. Yet the strong internal cohesion of the group did involve external aloofness and it was this social exclusiveness that brought about the antagonism between themselves and the rest of the Moslems. Submerged for a while during the hight of Hindu-Muslim communalism, this social animosity was strong enough that after 1947 a semipolitical group, the Ahrars, could fan it into violence by focusing attention on the doctrinal differences mentioned above.

"Pakistan" p. 96-97 by Donald N. Wilber, HRAF Press, New Haven.

"بہر حال قادیانیوں کے معاملے میں بھی دیکھا گیا ہے کہ احمدیہ تحریک سے جو عداوت پائی جاتی ہے وہ بنیادی طور پر اس کے دینی عقائد کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اس کے بعض معاشرتی پہلوؤں کی وجہ سے تھی۔ احمدیہ تنظیم بڑی مضبوط اور مربوط ہے اس کے ممبران اس بلند مقصد کی خاطر پورے جوش سے اپنی جماعت کے لیے وقف ہیں۔ وہ سختی سے پردہ کے پابند ہیں۔ کثرت ازدواج کے حامی ہیں زاہدانہ اخلاقیات کے حامل ہیں اور دنیوی آسائشوں سے لطف اندوز ہو کر رہ جانے کو پسند نہیں کرتے۔ وہ اپنے امراء سے چندہ لے کر اپنے غرباء پر خرچ کر دیتے ہیں ان میں خواندگی کی شرح بہت اونچی ہے وہ اپنے ممبران کے لیے روزگار فراہم کرتے اور اپنی مساجد۔ عدالتیں۔ سکول اور رفاہی ادارے خود چلاتے ہیں جس کے لیے وہ اپنے ممبران پر بھاری ٹیکس لگاتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں وہ اس علاقہ میں جو بعد میں مغربی پاکستان کہلایا۔ سب سے بہتر تعلیم یافتہ اسلامی گروہ سمجھے جاتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ وزارت خارجہ میں کئی اسامیوں پر تعینات کیے گئے اور نئی گورنمنٹ پاکستان کے کئی دوسرے محکموں میں بھی ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا گیا۔

یہ ایک عام خیال ہے کہ احمدی لوگ اپنے تمام ممبران کے لیے سرکاری ملازمتیں ڈھونڈ کر ان کو دلواتے ہیں اور اپنے تمام یونیورسٹی طلبا کو وظائف دیتے اور صرف احمدی احباب کی ہی غور و پرداخت کرتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک بہت مبالغہ آمیز خیال ہے۔

تاہم اس گروہ کا اندرونی طور پر مضبوط اتصال بیرونی لحاظ سے ان کے یکا و تنہا رہ جانے کا موجب بن گیا۔ چنانچہ معاشرتی لحاظ سے ان کا الگ تھلگ رہ جانا ان کے اور باقی مسلمانوں کے درمیان دشمنی کو بروئے کار لایا۔ ہندو مسلم فرقہ وارانہ فسادات کی انتہائی تباہ کاریوں کے دوران گو یہ دشمنی تھوڑی دیر کے لیے دب گئی تھی، لیکن ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد یہ معاشرتی عناد اتنا بڑھ گیا کہ ایک نیم سیاسی گروہ یعنی احرار نے اس عناد کو باآسانی ہوا دے کر عام دنگا فساد میں بدل دیا اور عوام کی توجہ کو عقائد کے محو لا بالا اختلافات پر مرتکز کر دیا۔

۳ - برطانوی مؤلف مسٹر ایان سٹیفنز (Ian Stephens) نے اپنی کتاب (پاکستان) Rakistan میں لکھا :-

Serious anti-Ahmadi rioting raged for days in Lahore in March 1953, necessitating imposition of martial law. In part, this complex episode had little really to do with disapproval of the Ahmadis' doctrines, and was a political side-wind from the controversy then blowing in Karachi over the federal shape, and Islamic flavour, of Pakistan's proposed new Constitution. .... Ahmadis however are a vigorous lot, active in proselytising; and much of the contemporary Muslim religious propaganda which Christian missionaries, not very successfully, find themselves struggling against outside Asia - in Africa, for instance is of Ahmadi derivation.

Pakistan by Ian Stephens,
London: Ernest Benn Limited P. 59, 1963.

مارچ ۱۹۵۳ء میں شدید اینٹی احمدیہ فسادات لاہور میں کئی روز تک بڑھتے چلے گئے جو مارشل لاء پر منتج ہوئے ۔ یہ پیچیدہ صورت حال محض احمدیوں کے عقائد کے ساتھ ناراضگی کی بناء پر ہرگز نہ تھی بلکہ دراصل یہ ایک یک طرفہ سیاسی رو تھی اس بحث کے متعلق جو کراچی میں چل رہی تھی کہ دفاقی نظام کی شکل کیا ہو ۔ اس کو اسلامی رنگ میں کیسے سمویا جائے اور پاکستان کے مجوزہ نئے آئین کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے ۔ ....

احمدی ایک مستعد گروہ ہیں جو تبلیغ میں ماہر ہیں ۔ اور موجودہ زمانے میں متدین مسلمانوں کا اکثر و بیشتر پراپیگنڈا جس کا مقابلہ عیسائی مبلغین کو ایشیا کے باہر مثلاً افریقہ وغیرہ میں درپیش ہے احمدیہ فرقہ ہی کی طرف سے کیا جاتا ہے ۔

حرفِ آخر

بالآخر یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ ۱۹۵۳ء کے بھاری ابتلاء کی ایک عظیم الشان برکت یہ بھی تھی کہ اس کے نتیجہ میں احمدیوں کی بے مثال اخلاقی قوت اور بلند کیریکٹر کا سکہ اپنوں اور بیگانوں پر بیٹھ گیا ۔

۱۹۵۳ء کے فسادات کے موقعہ پر سمندری (ضلع فیصل آباد) سے دو مولوی صاحبان بھاگ کر کوئٹہ پہنچے اور کئی بڑے لوگوں کے پاس پناہ کے لیے گئے کیونکہ مارشل لاء کی طرف سے ان کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے تھے ۔ مگر کسی نے ان کو پناہ نہ دی ۔ آخر وہ ایک احمدی ٹیچر ماسٹر عبدالحلیم صاحب کے پاس آئے ۔ انہوں نے انہیں اپنے مکان پر ٹھہرایا اور خوب خاطر و مدارات کی ۔ مولوی صاحبان نے احمدیت کے خلاف بھی باتیں کیں ۔ ماسٹر صاحب خاموشی سے سنتے رہے ۔ دوسرے روز ان مولویوں نے لوگوں سے ذکر کیا کہ ہمیں تو ماسٹر صاحب نے پناہ دی ہے جبکہ باقی مسلمان علماء اور امراء ہمیں پناہ دینے سے ڈر گئے ۔ لوگوں نے ان مولویوں کو بتایا کہ ماسٹر صاحب تو قادیانی ہیں ۔ مولوی صاحبان بہت شرمسار تھے ۔ اور رات کے کھانے پر ماسٹر صاحب سے جھینپتے ہوئے کہا کہ ہم نے بڑی زیادتی کی ہے مگر آپ نے نہایت اعلیٰ اخلاق کا ثبوت دیا ۔ اگلے روز انہوں نے مسجد

میں اعلان کیا کہ اس شہر میں فلاں ماسٹر صاحب حقیقی مسلمان ہیں۔ اس پر عوام ان کے مخالف ہو گئے ہنگامہ کے خطرہ کے پیش نظر انہیں قید کر دیا گیا۔ پھر ماسٹر صاحب نے انہیں چھڑایا۔ اور وہ مولوی صاحبان آزاد علاقہ کی طرف چلے گئے۔ [1]

دہلی کے غیر مسلم صحافی سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون نے انہی دنوں اپنے اخبار "ریاست" میں جماعت احمدیہ کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے لکھا:۔

"آج احمدیوں کے خلاف پنجاب میں بالکل وہی کچھ ہو رہا ہے جو ۱۹۴۷ء میں وہاں سکھوں اور ہندوؤں کے خلاف ہوا تھا۔ جو لوگ احمدیوں کے مذہبی کیریکٹر اور ان کے بلند شعار سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر دنیا کے تمام احمدی ہلاک ہو جائیں، ان کی تمام جائیداد لوٹ لی جائے۔ صرف ایک احمدی زندہ بچ جائے اور اس احمدی سے یہ کہا جائے کہ اگر تم بھی اپنا مذہبی شعار تبدیل نہ کرو گے تو تمہارا بھی یہی حشر ہو گا تو یقیناً زندہ رہنے والا یہ واحد احمدی بھی اپنے شعار کو نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ مرنا اور تباہ ہونا قبول کرے گا" [2]

---

[1] ماہنامہ "الفرقان" ربوہ ستمبر ۱۹۷۱ء صفحہ ۴۷

[2] اخبار "ریاست" دہلی ۱۶ مارچ ۱۹۵۳ء صفحہ ۳

ضمیمہ جات

(تاریخ احمدیت جلد شانزدہم)

ضمیمہ نمبر ۱

شہدائے احمدیت (۱۹۵۳ء)

۱۔ مکرم ماسٹر منظور احمد صاحب مدرس باغبانپورہ لاہور ۵ر مارچ ۱۹۵۳ء

۲۔ مکرم محمد شفیع صاحب برمادائے مغلپورہ۔ لاہور۔ ۶ر مارچ ۱۹۵۳ء

۳۔ مکرم جمال احمد صاحب طالب علم تعلیم الاسلام کالج بھاٹی گیٹ لاہور ۶ر مارچ ۱۹۵۳ء

۴۔ مکرم مرزا کریم بیگ صاحب فلیمنگ روڈ۔ لاہور۔ ۶ر مارچ ۱۹۵۳ء

۵۔ مکرم حوالدار عبدالغفور صاحب ولد الٰہی بخش صاحب لاہور ۸ر مارچ ۱۹۵۳ء

۶۔ لاہور کے ایک علاقہ میں ایک احمدی عطار ۸ر مارچ ۱۹۵۳ء۔ نام معلوم نہیں

(ان کے علاوہ مولوی عبدالحکیم صاحب صدر جماعت احمدیہ گنج مغلپورہ کی بوڑھی والدہ جو غیر احمدی تھیں نہایت بے رحمی سے قتل کر دی گئیں)

ضمیمہ نمبر ۲

اسیرانِ راہِ مولیٰ (۱۹۵۳ء)

لاہور

۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب (خلف الرشید حضرت مسیح موعودؑ)
۲۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج لاہور
۳۔ مرزا مظفر احمد صاحب (ابن مرزا قدرت اللہ صاحب)
۴۔ محمد بشیر صاحب زیردی۔
۵۔ محمد صالح صاحب۔
۶۔ محمد یحیٰ صاحب۔
۷۔ ملک برکت علی صاحب۔
۸۔ حکیم سراجدین صاحب۔

ربوہ

۹۔ ملک عبدالرب صاحب
۱۰۔ جناب ملک محمد عبداللہ صاحب فاضل کارکن نظارت تصنیف واشاعت ربوہ

ضلع سیالکوٹ

۱۱۔ چوہدری فضل الٰہی صاحب ملیانوالہ نزد ڈسکہ سیالکوٹ

۱۲۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب وکیل ۔

۱۳۔ محمد رفیق صاحب جراح ۔

۱۴۔ مستری ابراہیم صاحب ۔

ضمیمہ نمبر ۳

مقامی جماعتوں کے کوائف بھجوانے والے احباب

ذیل میں مغربی پاکستان کے ان مخلصین کی ایک فہرست دی جاتی ہے جنہوں نے ۱۹۵۲ء کے پُرآشوب زمانہ میں مرکز احمدیت کو مقامی احمدیوں کے حالات و کوائف سے باخبر رکھا اور جن کی رپورٹیں سیدنا حضرت مصلح موعود یا سلسلہ احمدیہ کے مرکزی اداروں کو موصول ہوئیں۔

ضلع راولپنڈی

ا ۔ بابو اللہ بخش صاحب جماعت احمدیہ راولپنڈی ۔

۲ ۔ جناب میاں عطاء اللہ صاحب ایڈووکیٹ راولپنڈی ۔

۳ ۔ قاضی بشیر احمد صاحب بھٹی کشمیری بازار راولپنڈی ۔

۴ ۔ چوہدری بشیر احمد صاحب پسر چوہدری فقیر محمد صاحب مرحوم راولپنڈی۔

۵ ۔ پیر انوار الدین صاحب راولپنڈی۔

۶ ۔ محمد عالم صاحب ڈھوک رتہ راولپنڈی شہر۔

۷ ۔ خواجہ غلام نبی صاحب گلکار راولپنڈی۔

۸ ۔ سید اعجاز احمد شاہ صاحب مقیم راولپنڈی انسپکٹر بیت المال راولپنڈی (حلقہ صوبہ سرحد ۔ و اضلاع جہلم ، راولپنڈی ، کیمبل پور ، میانوالی)

۹ ۔ غلام احمد صاحب پریذیڈنٹ چنگا بنگیال تحصیل گوجرخان

ضلع گوجرانوالہ

۱ ۔ میر محمد بخش صاحب امیر جماعت احمدیہ ضلع گوجرانوالہ ۔

۲ ۔ میاں غلام احمد صاحب، میاں نصیر احمد صاحب سوداگران چرم وزیر آباد

۳ ۔ شیخ نیاز محمد صاحب پنشنر انسپکٹر پولیس گوجرانوالہ۔

۴ ۔ محمد علی صاحب مانگٹ اونچے [1] ۔

۵ ۔ شریف صاحب کشمیری گلی گوردوارہ گوجرانوالہ ۔

۶ ۔ میاں جھنڈا خاں صاحب پریذیڈنٹ ہیلو کی براستہ قلعہ دیدار سنگھ۔

۷ ۔ بشیر احمد صاحب سیکرٹری مال ،، ،، ،، ،، [2]

۸ ۔ مبارک احمد صاحب ناصر سابق دیہاتی مبلغ تر گڑی

۹ ۔ محمد الدین صاحب قائد خدام الاحمدیہ و سیکرٹری دعوۃ و تبلیغ تر گڑی ۔

۱۰ ۔ غلام رسول صاحب دیہاتی مبلغ مدرسہ چٹھہ ڈاکخانہ کوٹ ہرا ضلع گوجرانوالہ ۔

۱۱ ۔ ضیاء الدین صاحب پریذیڈنٹ حافظ آباد

۱۲ ۔ مولوی محمد حسین صاحب عربی ٹیچر گلی شیر سنگھ آبادی حاکم رائے گوجرانوالہ ۔

۱۳ ۔ چوہدری ظفر علی صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ گکھڑ ۔

۱۴ ۔ چوہدری محمد حسین صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ بھڑی شاہ ۔

۱۵ ۔ محمد عبداللہ صاحب باجوہ پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ کاموں کی ۔

---

[1] آپ ۹ مارچ ۱۹۵۳ء کو موضع مانگٹ سے بذریعہ سائیکل ربوہ آئے تا مرکز کے حالات کا پتہ کریں اور مقامی جماعت کے کوائف مرکز تک پہنچا ہیں ۔

[2] اس جماعت کی طرف سے ۱۲ مارچ ۱۹۵۳ء کو عطاء الرحمٰن صاحب آف اودھووال بطور نمائندہ ربوہ پہنچے اور حالات سے مطلع کیا ۔

۱۶۔ نصراللہ خاں صاحب سیکرٹری مال انجمن احمدیہ تولیکی۔

۱۷۔ چوہدری محمد شریف صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ فیروزوالا

۱۸۔ چوہدری فضل احمد صاحب باجوہ کوٹ عنایت خاں علاقہ صدر وزیر آباد

ضلع سیالکوٹ

۱۔ خادم علی صاحب نائب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ کلاس والا تحصیل پسرور

۲۔ ماسٹر مولاداد صاحب پریذیڈنٹ شہزادہ ڈاکخانہ خاص براستہ چونڈہ

۳۔ غلام فرید صاحب پریذیڈنٹ چک دھار ووالی۔

۴۔ عنایت اللہ صاحب امیر جماعت بہلولپور ضلع سیالکوٹ

۵۔ میاں محمد ابراہیم صاحب عابد نائب امیر حلقہ امارت ڈسکہ

۶۔ ملک سراج الدین صاحب سمبڑیال

۷۔ خواجہ محمد امین صاحب 〃

۸۔ سید نذیر حسین صاحب گھٹیالیاں۔

۹۔ ڈاکٹر شیر محمد عالی صاحب صدر بازار سیالکوٹ چھاؤنی

۱۰۔ عبدالحمید بٹ صاحب سیکرٹری مال نارووال۔

۱۱۔ غلام رسول صاحب پریذیڈنٹ موضع سلدیاں تھانہ نارووال

۱۲۔ میر محمد ابراہیم صاحب پنشنر پریذیڈنٹ وسیکرٹری مال جماعت احمدیہ پسرور

۱۳۔ بابو قاسم الدین صاحب امیر جماعت احمدیہ سیالکوٹ

۱۴۔ محمد ابراہیم صاحب سیکرٹری مال ویروواله

۱۵۔ حکیم اللہ دتہ صاحب امیر جماعت احمدیہ درگانوالی

۱۶۔ سردار محمد خاں صاحب

۱۷۔ عبدالحمید صاحب بٹ سیکرٹری مال جماعت احمدیہ نارووال

۱۸۔ مسعود نصراللہ خاں صاحب سیکرٹری امور عامہ ڈسکہ۔

۱۹۔ چوہدری دین محمد صاحب پریذیڈنٹ جماعت چوڑمنڈا

۲۰۔ ماسٹر محمد شریف صاحب میانوالی خانانوالی۔

۲۱۔ عنایت اللہ خاں صاحب پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ دھرگ

۲۲۔ عبدالغفور صاحب ظفروال۔

۲۳۔ محمد نصیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ کھیوہ باجوہ

۲۴۔ مرزا غلام نبی صاحب پورن نگر سیالکوٹ۔

۲۵۔ حکیم مرزا محمد حیات صاحب سیکرٹری وصایا وصدر حلقہ واٹروکس سیالکوٹ۔

۲۶۔ محمد منیر صاحب ڈوگریاں ہریاں ڈاکخانہ خاص تحصیل پسرور

۲۷۔ بشیر احمد صاحب " " "

۲۸۔ چوہدری غلام غوث صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ ترسہ تحصیل ڈسکہ

۲۹۔ خورشید عالم صاحب عزیز پور ڈگری

۳۰۔ عبدالغنی صاحب عبدؔ قائد مجلس خدام الاحمدیہ کلاسوالہ

۳۱۔ فیروزالدین صاحب امرتسری انسپکٹر تحریک جدید (مقیم سیالکوٹ)

۳۲۔ قریشی نورالحسن صاحب سیکرٹری مال جماعت احمدیہ کوٹلی ہرنرائن ڈاکخانہ پیرزمیک

ضلع شیخوپورہ

۱۔ چوہدری محمد انور حسین صاحب ایڈووکیٹ امیر ضلع شیخوپورہ

۲۔ غلام اللہ صاحب اسلم سیکرٹری تبلیغ جماعت احمدیہ سید والا

۳۔ چوہدری منظور حسین صاحب امیر جماعت احمدیہ سانگلہ ہل چہور چک ۱۱۷

۴۔ محمد نذیر صاحب بچیکی۔

۵۔ قاضی عبدالحمید صاحب احمدی سیکرٹری مال کوٹ رحمت خاں

۶۔ محمد اسماعیل صاحب چہور چک ۴۵

۷۔ محمد شفیع صاحب ننکانہ صاحب۔

۸ ۔ شیخ محمد علی صاحب انبالوی منڈی چوہڑکانہ
۹ ۔ شیخ محمد عبداللہ صاحب واربرٹن
۱۰ ۔ احمد دین صاحب پٹیالہ دوست محمد
۱۱ ۔ شیخ محمد بشیر صاحب آزاد انبالوی رائس ڈیلر منڈی مریدکے
۱۲ ۔ غلام سرور صاحب قائد خدام الاحمدیہ چک ۹۷ بچاہے والی
۱۳ ۔ عمر دین صاحب امیر جماعت احمدیہ کوجبر ڈاکخانہ چوہڑکانہ
۱۴ ۔ سید لال شاہ صاحب امیر جماعت احمدیہ واربرٹن
۱۵ ۔ محمد صادق صاحب چک ۱۷ بھوڑو ۔
۱۶ ۔ فضل حسین انسپکٹر تحریک جدید مقیم سیدوالا
۱۷ ۔ شیخ گلزار احمد صاحب پٹواری شیخوپورہ
۱۸ ۔ مولوی مہر الدین صاحب مبلغ دعوت و تبلیغ بھینی شرقپور
۱۹ ۔ قاضی بشیر احمد صاحب جنرل سیکرٹری مجلس خدام الاحمدیہ شیخوپورہ
۲۰ ۔ فضل الدین صاحب احمدی دکاندار موضع سریانوالہ ۔

ضلع لائلپور[۱]

۱۔ حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر امیر جماعت احمدیہ ضلع لائلپور[۲]
۲۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب دیالگڑھی مبلغ جماعت احمدیہ لائلپور[۳]
۳۔ اقبال حسین صاحب ہیڈ ماسٹر ڈی بی ہائی سکول ٹوبہ ٹیک سنگھ
۴۔ محمد حسین صاحب چک نمبر ۳۶۶ ۱/۲ گ ب ڈاکخانہ خاص تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ
۵۔ عبدالعزیز صاحب آڑھتی پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ گوجرہ
۶۔ غلام حسین صاحب پریذیڈنٹ کرتار پور چک نمبر ۲۷۵ ر۔ب

---

[۱] [۲] [۳] حال فیصل آباد

۷۔ حکیم غوث محمد صاحب سیکرٹری مال کرتار پور چک نمبر ۲۶۵ R.B
۸۔ حکیم رحیم بخش صاحب مبلغ لاٹھیانوالہ نمبر ۱۹۴
۹۔ منشی خدا بخش صاحب چک نمبر ۳۶۷ ج ب جلیانوالہ
۱۰۔ نعمت اللہ صاحب پٹواری مال چک نمبر ۲۴۳ گ ر ب براستہ ماموں کانجن
۱۱۔ علی احمد صاحب سیکرٹری مال چک نمبر ۶۴۴
۱۲۔ محمد جعفر صاحب مدرس گکھڑال ساکن ڈھوپیال
۱۳۔ نعمت خاں صاحب ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ سیشن جج چک ۲۳۰ رکھ برانچ
۱۴۔ محمد دین صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ چک ۵۶۴ تحصیل جڑانوالہ
۱۵۔ عنایت اللہ صاحب امیر جماعت احمدیہ بہلولپور
۱۶۔ خواجہ محمد احمد صاحب مسلم شراکت جڑانوالہ
۱۷۔ عبدالمجید خاں صاحب سمندری
۱۸۔ شیخ محمد یوسف صاحب بیت فضل لائلپور
۱۹۔ منشی بشیر احمد صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ چک ۹۶ گ ر ب
۲۰۔ غلام رسول صاحب سیکرٹری جماعت احمدیہ چک ۲۰۹ تحصیل سمندری
۲۱۔ محمد مشتاق صاحب چک نمبر ۱۱۷ گ ر ب براستہ تاندلیانوالہ
۲۲۔ عبدالرحمٰن صاحب چک ۵۰ ج ر ب سٹھیالہ ضلع لائلپور
۲۳۔ حاکم علی صاحب پریذیڈنٹ چک ۵۵، ۵۶ گ ر ب تحصیل جڑانوالہ
۲۴۔ فتح محمد صاحب سندھ ویجی ٹیبل آئل کمپنی لمیٹڈ گوجرہ
۲۵۔ محمد شریف صاحب جڑانوالہ
۲۶۔ ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم جلیانوالہ ڈاکخانہ گوجرہ
۲۷۔ محمد مشتاق صاحب چک نمبر ۱۱۷ گ ر ب رام سنگھ والی براستہ تاندلیانوالہ
۲۸۔ نجات احمد صاحب پریذیڈنٹ گرالہ
۲۹۔ بشیر احمد صاحب سیکرٹری مال چک ۱۹۵ جنڈانوالہ

۳۰۔ ڈاکٹر محمد انور صاحب پریذیڈنٹ جڑانوالہ

۳۱۔ غلام محمد صاحب چک ۴۳۸ گ ب ۔ بھرتھ ڈاکخانہ تاندلیانوالہ

۳۲۔ چوہدری سردار خاں صاحب پریذیڈنٹ کتھووالی چک ۲۱۲ ج ر ب

۳۳۔ عبدالحیٔ صاحب آئرن مرچنٹ منڈی بازار تاندلیانوالہ منڈی

۳۴۔ مولوی بشیر احمد صاحب زاہد۔ لال دین صاحب سردار احمد صاحب (چک ۶۹/R.B گھسیٹ پورہ)

۳۵۔ انوار احمد صاحب سیکرٹری مال جماعت احمدیہ چک نمبر ۶۱/R.B ضلع فیصل آباد

۳۶۔ محمد یعقوب صاحب جنرل سیکرٹری جماعت احمدیہ چک نمبر ۱۲۱ ج ر ب گوکھووال۔

۳۷۔ بشیر احمد صاحب سیکرٹری مال چک ۱۹۵ ۔ رکھ جنڈاوالا

۳۸۔ عبدالرحمٰن صاحب پریذیڈنٹ چک ۴۶۹ تحصیل سمندری

۳۹۔ عبدالغنی صاحب صراف منڈی پیر محل

۴۰۔ محمد حسین خاں صاحب سیکرٹری امور عامہ جڑانوالہ

۴۱۔ رشید احمد صاحب سابق سیکرٹری جماعت احمدیہ قادرآباد چک نمبر ۲۵۴/ج ب براستہ گوجرہ

۴۲۔ غلام محمد صاحب چک ۴۳۸

۴۳۔ نور محمد صاحب پریذیڈنٹ چک شیرکا۔

۴۴۔ عبدالحمید صاحب پریذیڈنٹ جماعت دنجواں

۴۵۔ نذیر احمد صاحب سیکرٹری مال چک نمبر ۶۱

ضلع جھنگ

۱۔ شیخ محمد حسین صاحب پنشنر قائمقام امیر جماعت احمدیہ چنیوٹ

۲۔ جمال الدین احمد صاحب چنیوٹ

۳۔ عطاء اللہ خان صاحب ״

۴۔ عبدالکریم صاحب سیکرٹری امور عامہ چنیوٹ

۵۔ چوہدری عبدالغنی صاحب امیر جماعت احمدیہ جھنگ

۶۔ میاں محمد بشیر احمد صاحب ایجنٹ اسٹینڈرڈ آئل کمپنی جھنگ

۷۔ سراج الدین صاحب فضل سٹریٹ مگھیانہ

۸۔ مولوی عبد الرحیم صاحب عارف مگھیانہ

۹۔ عبد الرحمٰن صاحب محلہ گوہر شاہ جھنگ مگھیانہ

۱۰۔ ڈاکٹر فضل حق صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ لالیاں

۱۱۔ مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ احمد نگر

۱۲۔ ماسٹر غلام حیدر صاحب سپرنٹنڈنٹ مدرسہ احمدیہ احمد نگر

۱۳۔ مولوی ظفر محمد صاحب استاذ مدرسہ احمدیہ ،،

۱۴۔ حکیم عبد الرحمان صاحب شمس سیکرٹری جماعت احمدیہ شورکوٹ شہر

ضلع لاہور

۱۔ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ ہائی کورٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور

۲۔ صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب لاہور

ریاست بہاولپور

۱۔ چوہدری خورشید احمد صاحب لیاقت پور امیر جماعت ہائے احمدیہ ضلع رحیم یار خاں

۲۔ شیخ اقبال الدین صاحب امیر جماعت احمدیہ بہاولنگر

۳۔ رحمت علی صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ چک نمبر ۶۵/P ضلع رحیم یار خاں

۴۔ عزیز محمد خاں صاحب سپرنٹنڈنٹ دفتر چیف انجینئر بہاولپور

۵۔ چوہدری فرزند علی صاحب صادق نائب امیر جماعت ہائے احمدیہ ضلع رحیم یار خاں۔ کوٹ فرزند علی ضلع رحیم یار خاں

۶۔ منیر احمد صاحب سیکرٹری مال چک نمبر ۵۵/4R منڈی ہارون آباد ضلع بہاولنگر

۷۔ غلام نادر صاحب سیکرٹری جماعت احمدیہ چک نمبر ۱۶۰/1R ڈاکخانہ فقیر والی ضلع بہاولنگر

۸ - محمد عبداللہ صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ کوٹ فرزند علی ضلع رحیم یار خاں

صوبہ سندھ

۱ - حضرت صوفی محمد رفیع صاحب (ریٹائرڈ) ڈی ایس پی سکھر

۲ - مولانا غلام حسین صاحب ایاز سابق مجاہد احمدیت سنگاپور مبلغ سلسلہ کنری

۳ - قریشی عبد الرحمٰن صاحب ٹیچر ریلوے ہائی سکول سکھر

۴ - فضل الرحمٰن صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ سانگھڑ

۵ - فضل الدین صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ ناصر آباد اسٹیٹ

۶ - شیخ احمد دین صاحب پراونشل سیکرٹری تبلیغ سندھ کنری

۷ - ملک عنایت اللہ صاحب سیکرٹری تعلیم و تربیت بدین

۸ - ملک بشیر احمد صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ جیکب آباد سندھ

۹ - چوہدری عنایت الرحمٰن صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ ٹنڈوالہ یار

۱۰ - سلطان احمد صاحب سیکرٹری مال جماعت گوٹھ مولا بخش ضلع نواب شاہ سندھ

۱۱ - محمد عثمان صاحب جیمس آباد

۱۲ - حضرت حکیم محمد موصیل صاحب کمال ڈیرہ سندھ

صوبہ سرحد

۱ - حضرت قاضی محمد یوسف صاحب ہوتی مردان امیر جماعت احمدیہ سرحد

۲ - شہاب الدین صاحب امیر جماعت احمدیہ مردان

۳ - غلام سرور خاں صاحب بالاکوٹ ہزارہ

۴ - مولوی عبد الکریم صاحب پشاور

۵ - سید عبد الرحیم شاہ صاحب بھگلہ تحصیل مانسہرہ

۶ - محمد احمد خاں صاحب ولد خان میر صاحب افغان ٹل ضلع کوہاٹ

۷۔ پیر محمد زمان شاہ صاحب مانسہرہ۔

۸۔ ریٹائرڈ صوبیدار سلیم اللہ صاحب (سلیم برادرز) نوشہرہ

۹۔ عبداللطیف صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ داتہ (ہزارہ)

۱۰۔ محمد علی صاحب درّانی وکیل پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ چارسدہ

ضمیمہ نمبر۴

"دفتر اطلاعات" سے متعلق بعض مراسلات

۱۔ ارشاد حضرت مصلح موعود از قلم حضرت سیدہ اُمّ متین صاحبہ

"دفتر اطلاعات

کل بھی کچھ خط بھجوائے تھے ان کے متعلق ہدایت ہے کہ پڑھ کر پھر متعلقہ دفاتر میں بھجواتے ہیں کیونکہ جواب انہوں نے بھجوانے ہیں نیز کوئی ہراس پھیلانے والی خبر نہ بھجوائی جائے"۔

۲۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　　　　　نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

منسلکہ بلیٹن تو ایسا ریکارڈ ہے جس میں سے عندالضرورت حکام صوبائی (ہوم سیکرٹری۔ آئی جی) اور مرکزی حکام (پرائم منسٹر۔ وزیر داخلہ اور وزیر اعظم اور چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب) کو حضور کی ہدایت کے ماتحت چٹھی لکھتے وقت اس سے ضروری اقتباس حاصل کرنا ہے یہ جماعتوں کے لیے مقصود نہیں۔ بلکہ اس سے ضرورت کے مطابق معلومات اخذ کرتی ہیں اور اسی غرض کے لیے اس کی آٹھ نو کاپیاں کروائی گئی ہیں۔ مولوی دوست محمد صاحب یہ حضور کو دکھا چکے ہیں۔ اطلاعاً عرض ہے۔

اس تعلق میں اختلاف اس بات پر ہے کہ حکام سے خط وکتابت نظارت امور عامہ کرے گی نہ کہ کوئی اور نظارت۔

چوہدری اعجاز نصر اللہ صاحب کو بلا کر ان سے تبادلہ خیال کیا گیا ہے اور یہی صورت مناسب ہے کہ ایسی اطلاعات دفتر میں بطور ریکارڈ رہیں گی۔ عند الضرورت حکام کے ساتھ خط و کتابت کرتے وقت مناسب اقتباس وہ لے لیں گے۔ اس تعلق میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ اطلاعات کا ریکارڈ مولوی دوست محمد صاحب کے پاس رہیگا یا نظارتِ امورعامہ کے پاس۔ اعجاز صاحب کا خیال ہے کہ یہ ریکارڈ مولوی دوست محمد صاحب کے پاس رہے۔ اور وہ عند الضرورت ان سے لے لیں گے۔

جہاں تک مجھے یاد ہے حضور نے یہ بھی فرمایا تھا کہ حکام کو ساتھ کے ساتھ مظالم کے متعلق اطلاعات دی جانی بھی ضروری ہیں اندریں صورت نظارتِ امورعامہ کی طرف سے بذریعہ چٹھی حکام کو ساتھ کے ساتھ لکھا جانا چاہیئے۔

والسلام

خاکسار

(دستخط حضرت سید) زین العابدین ولی اللہ (شاہ صاحب)

ایڈیشنل ناظر اعلیٰ ۱۲-۳-$\frac{۳۲}{۵۴}$"

۳- $\frac{۱۲۷}{۱۶/۳}$ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی مولوی دوست محمد صاحب فاضل

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ

آج تقسیم کار کے متعلق حضرت صاحب نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ امورمتعلقہ بنگال (یعنی جن امور کا بنگال پر اثر پڑتا ہو) وہ خطوط میں سے نقل کر کے مولوی جلال الدین صاحب شمسؔ کو بھجوایا جایا کریں اور وہ امور جن کا ملک کے نظم ونسق پر اور مرکزی حکومت پر اثر پڑتا ہے اور ان کے ساتھ تعلق ہے وہ خطوط میں سے نقل کر کے مولوی عبدالرحیم صاحب دردؔ ناظر امورعامہ کو بھجوائے جایا کریں اور اس کے علاوہ عام امور جو جماعت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور انہیں ہوشیار کرنے یا ان کی ہمت افزائی وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ نقل کر کے سید ولی اللہ شاہ

شاہ صاحب کو بھجوائے جائیں تاکہ یہ ہر سہ اصحاب اپنے اپنے دائرہ میں مناسب کارروائی کر سکیں اور ریکارڈ بھی رکھ سکیں۔

والسلام

خاکسار (دستخط) مرزا بشیر احمد ناظر اعلیٰ"

۱۶/۳/۵۳

۴- ۱۲۳/۱۶/۳ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی مولوی دوست محمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آئندہ ابتدائی خطوط مرتب کرنے میں جہاں اس بات کو نوٹ کیا جائے کہ فلاں جگہ افسروں کا رویہ اچھا نہیں رہا وہاں لازماً اس بات کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ اگر کسی جگہ افسروں کا رویہ اچھا رہا ہو تو اس کا بھی ذکر کیا جائے تاکہ دونوں پہلو آ جائیں یعنی نقص کا پہلو اصلاحی غرض سے اور تعریف کا پہلو ہمت افزائی اور شکرگزاری کے لحاظ سے۔ آئندہ اس ہدایت کو ضرور مدنظر رکھیں۔

والسلام

(دستخط) مرزا بشیر احمد

ناظر اعلیٰ" ۱۶/۳/۵۳

۵- ۹۲۲۷/۲۱/۳ D/P

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکرمی مولوی دوست محمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ آئندہ سے آپ کے دفتر کا نام دفتر "ریکارڈ" ہوگا دفتر اطلاعات نہیں ہوگا۔

خاکسار عبد الرحمٰن انور پرائیویٹ سیکرٹری
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی" ۲۰/۳/۵۳

۶ " ۴۰۲۶/۱ / ۲۱/۳/۵۳ مکرم مولوی دوست محمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جہان خاں صاحب کے ایک خط کا اقتباس جس کے متعلق حضور نے ارشاد فرمایا ہے " روزانہ خطوط ہیں یہ مضمون جائے "۔ نقل کر کے آپ کی خدمت میں ارسال ہے

والسلام

(دستخط) مرزا بشیر احمد

۲۱/۳/۵۳ ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ"

۷۔ نقل اقتباس خط جہان خان صاحب

پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ چک نمبر ۹ شمالی ضلع سرگودہا

" منڈی بھلوال چک نمبر ۹ شمالی سے ۱/۲ میل کے فاصلہ پر ہے وہاں تین چار دکاندار مودودی جماعت کے ہیں ان کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنی جماعت کو باقاعدہ چندہ وغیرہ دیتے ہیں مگر یہ لوگ منافق طرز کے ہیں ہم اور باتیں بھی معلوم کرنے کی کوشش کریں گے دوسرے مجھے خود چھٹی لکھنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی ہے کہ دشمن نے کچھ ایسے نوجوان پھیلا رکھے ہیں جو باہر جماعتوں کے حالات معلوم کریں اور وہ جھوٹے احمدی بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ دو تین دن ہوئے۔ یہاں ایک نوجوان ہمارے پاس آیا اور بیٹھ کر کچھ دیر کے بعد کہنے لگا کہ میں نے احمدی ہونا ہے مجھے احمدی بنا دو اور خط لکھدو کہ حضرت صاحب بیعت کر لیں یا حضرت صاحب کے پاس خط دیکر مجھے بھیج دو۔ ہم نے سمجھ لیا کہ دشمن کا آدمی ہے پھر اچھی طرح معلوم کرنے سے پورا شک ہو گیا کہ یہ آدمی خراب ہے اس لیے جناب کی آگاہی کے لیے لکھا جاتا ہے کہ ایسے نئے احمدیوں سے باخبر رہیں۔ دوسرے لاہور والی جماعت اس شورش سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی ہے کیونکہ پرسوں ہی مجھے ایک ٹریکٹ عراق بغداد سے آیا ہے جس کا عنوان ہے:

میاں بشیرالدین محمود احمد کے نام کھلی چٹھی - جس میں ساری جماعت کو فتنہ محمودی قرار دیا ہے اس ٹریکٹ کے چھپنے کی کوئی تاریخ نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ٹریکٹ اسی موقعہ کیلئے انہوں نے چھپوا کر رکھا تھا - جو باہر ملکوں سے جماعت کے نام بھیج رہے ہیں۔"

۸ - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دفتر پرائیویٹ سیکرٹری

مولوی دوست محمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

موجودہ ہنگامی ڈاک کے متعلق حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سے دریافت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ حضور کی ابتداءً ہدایت تھی لیکن جبکہ اب حضور چٹھی پر جس کا نام لکھیں پہلے ان کو چٹھی جایا کرے پھر وہ خود اس چٹھی کو دفتر ریکارڈ میں بھیج دیا کرے گا۔ چنانچہ فرمایا وہ خود بھی ان چٹھیوں کو جن پر ان کا نام ہوتا ہے بعد ملاحظہ دفتر ریکارڈ میں بھیج دیتے ہیں اطلاعاً عرض ہے۔

خاکسار

عبدالرحمٰن انور ۲۸/۳/۵۳"

۹ - " ھو الناصر

مکرمی مولوی دوست محمد صاحب دفتر ریکارڈ

السلام علیکم

(۱) صرف آپ کی اطلاع کے لیے لکھا جاتا ہے کہ لاہور سے خبر ملی ہے - کل رات مودودی صاحب مع اپنے بیس تیس ساتھیوں کے گرفتار ہو گئے ہیں۔

(۲) نیز کراچی سے اطلاع ملی ہے کہ المصلح کے چھپنے کا انتظام ہو گیا ہے انشاء اللہ پرسوں سے نکلنا شروع ہو جائے گا۔

(۳) پرسوں شام کو ریڈیو نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ حکومت پنجاب نے حضرت صاحب کو سیفٹی ایکٹ کے ماتحت ہدایت کی ہے کہ موجودہ ایجی ٹیشن کے متعلق کچھ نہ لکھا جائے

اور نہ کوئی تقریر کی جائے۔

مرزا بشیر احمد ۲۹/۲/۵۳"

۱۰۔ "ھوالناصر

مکرمی مولوی دوست محمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

روزانہ خط بہت احتیاط سے تیار ہونا چاہیے اس میں ایک تو لازماً حضرت صاحب اور ربوہ کی خیریت درج ہو اور خاص خاص بیرونی خبریں درج ہوں مگر کوئی بات ایسی نہ ہو جو تشویش پیدا کرنے والی ہو یا حکام کی نظر میں قابلِ اعتراض سمجھی جائے۔ اس معاملہ میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہر شک والی بات چھوڑ دیں۔

ویسے اپنے طور پر ریکارڈ ساری اطلاعات کا دفتر میں رہنا چاہیے۔

خاکسار

مرزا بشیر احمد ۲۹/۲/۵۳"

ضمیمہ نمبر ۵

تحقیقاتی عدالت سے متعلّق ضروری خط و کتابت

مندرجہ ذیل گشتی مراسلہ بصیغہ رجسٹری حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ ناظر امور عامہ نے ۲ رجولائی ۱۹۵۳ء کو مندرجہ ذیل احباب کے نام ارسال کیا اس مراسلہ کا متن حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے قلم کا رہینِ منت تھا۔

۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (پرنسپل تعلیم الاسلام کالج لاہور)

۲۔ شیخ نور احمد صاحب (لاہور)

۳۔ شیخ محمد احمد صاحب (لائلپور[1]) امیر جماعت احمدیہ لائلپور[2]

۴۔ چوہدر انور حسین صاحب (شیخوپورہ) امیر جماعت احمدیہ شیخوپورہ

۵۔ میر محمد بخش صاحب امیر جماعت احمدیہ گوجرانوالہ

۶۔ چوہدری نذیر احمد صاحب باجوہ (سیالکوٹ) ایڈووکیٹ سیالکوٹ

۷۔ میاں عطاء اللہ صاحب ایڈووکیٹ راولپنڈی

۸۔ ملک عبدالرحمن صاحب خادمؔ ایڈووکیٹ گجرات

۹۔ چوہدری محمد شریف صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ (منٹگمری[3])

۱۰۔ چوہدر محمد حسین صاحب جماعت احمدیہ ملتان

---

[1]، [2] حال فیصل آباد ؛ [3] حال ساہیوال

ربوہ ۲/۷/۵۴ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مکرمی محترمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کو معلوم ہے کہ حکومتِ پنجاب نے صوبہ کے گزشتہ فسادات کی تحقیق کے لیے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا ہے جس کے ممبر جسٹس محمد منیر اور مسٹر جسٹس کیانی امیر مقرر ہوئے ہیں اور حکومت نے اس تحقیق میں جماعت احمدیہ اور مجلس احرار جماعت اسلامی اور صوبائی مسلم لیگ کو بھی پارٹی بنایا اور شہادت کے لیے بلایا ہے۔ سو اس تعلق میں آپ کو بھی جماعت کیطرف سے شہادت کے لیے منتخب کیا گیا۔ پس آپ مہربانی کر کے اس بارہ میں مکمل تیاری کر لیں۔ تا آخری فیصلہ ہونے پر آپ کو پیش کیا جا سکے۔

منجملہ دیگر متعلقہ امور کے ذیل کے امور کے متعلق خاص طور پر تیاری ہونی چاہیئے۔

۱۔ فسادات کا پس منظر کیا تھا۔ اور وہ کون سی وجوہات تھیں۔ جنہوں نے بالآخر فساد کی صورت پیدا کر دی (پریس۔ خطبات اور خفیہ ریشہ دوانیاں وغیرہ سب کو مدِ نظر رکھا جائے)

۲۔ فسادات کی نوعیت اور تفصیل کیا تھی۔ اور فسادیوں کا طریق کار کیا تھا۔ (جس سے منظم اور سوچی سمجھی سکیم پر روشنی پڑے)

۳۔ آپ کے علاقہ میں احمدیوں کا جانی اور مالی نقصان کیا ہوا ۱۹۵۲ء، ۱۹۵۳ء (ہر دو نقصانات کو شامل کیا جائے اور حتی الوسع پوری تفصیل دی جائے) نیز مارشل لاء نے جن لوگوں کو نقصانات کا معاوضہ دیا ہے اس کی تشریح کی جائے کہ کتنوں میں سے کتنے احمدی تھے اور ان کے نقصان کے مقابلہ میں یہ معاوضہ کیا حیثیت رکھتا ہے۔

۴۔ کون کون سے لوگ فسادات میں آگے تھے۔

۵۔ علاقہ کے سرکاری حکام کا کیا روّیہ رہا۔

۶۔ فہرست ان لوگوں کی جنہیں فسادات میں تشدد کر کے جماعت احمدیہ سے منحرف کرایا گیا۔

۷۔ فسادات کے ساتھ مودودیوں کا براہِ راست یا بالواسطہ تعلق۔

ان امور کے متعلق معین اور مفصل تیاری ہونی چاہیئے تا آپ کمیشن کے سامنے پختہ صورت

میں شہادت دے سکیں اور ہر قسم کی جرح کے لیے تیار ہیں۔

ناظر امور عامہ۔ ربوہ

حسب ذیل چٹھی متعلقہ ہدایات تحقیقاتی کمیشن بھی انہیں دنوں نظارت امور عامہ کی طرف سے لکھی گئی اور مندرجہ ذیل امراء جماعت کو دستی پہنچائی گئی۔

۱۔ چوہدری محمد انور حسین صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت شیخوپورہ۔

۲۔ شیخ محمد احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت لائل پور حال (فیصل آباد۔)

۳۔ ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم " " گجرات۔

۴۔ میر محمد بخش صاحب امیر جماعت گوجرانوالہ۔

۵۔ بابو قاسم الدین صاحب امیر جماعت احمدیہ سیالکوٹ۔

۶۔ مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ امیر صوبائی پنجاب سرگودھا۔

۷۔ میاں اللہ بخش صاحب امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی۔

۸۔ چوہدری محمد حسین صاحب امیر جماعت احمدیہ ملتان۔

ربوہ ۲/۷/۵۳ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بخدمت امیر صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کو اخبارات سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ حکومت پنجاب نے گذشتہ فسادات کے متعلق ایک تحقیقاتی کمیشن کا اعلان کیا ہے جس کے ممبر جسٹس منیر اور جسٹس کیانی ہوں گے اس تحقیق میں جماعت احمدیہ اور مجلس احرار، جماعت اسلامی[ل] اور صوبائی مسلم لیگ کو بھی ایک پارٹی بنایا گیا ہے پس ضروری ہے کہ اس تحقیق کے پیش نظر بہت جلد پوری پوری تیاری کی جائے۔ تیاری میں ذیل کے امور مدنظر رہنے چاہئیں۔

۱۔ آپ کے علاقہ میں فسادات کا پس منظر کیا تھا؟ اور وہ کون سی وجوہات تھیں جنہوں نے

[ل] سہواً اسلامی کی بجائے اسلام لکھا ہے

بالآخر فساد کی صورت پیدا کر دی رپلیں اور خطباب اور خفیہ رپلشٹ روا ئیاں وغیرہ سب کو مدّ نظر رکھا جائے) نیز احتیاطاً فتویٰ کفر وغیرہ میں غیر احمدیوں کی طرف سے پہل ثابت کرنے کے لیے فتاوی جمع کیے جائیں۔

۲۔ فسادات کی نوعیت اور تفصیل کیا تھی اور فسادیوں کا طریق کار کیا تھا۔ جس سے منظم اور سوچی سمجھی ہوئی سکیم پر روشنی پڑے۔

۳۔ کون لوگ فسادات میں آگے آگے تھے۔

۴۔ آپ کے علاقہ میں جماعت کا جانی اور مالی نقصان کیا کیا ہوا (۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۳ء ہر دو کے نقصانات کو شامل کیا جائے اور حتی الوسع پوری تفصیل دی جائے) نیز مارشل لا والوں کے منظور کردہ معاوضہ پر روشنی ڈالی جائے کہ کل افراد میں کتنے احمدی تھے اور یہ معاوضہ اصل نقصان کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟

۵۔ علاقہ کے سرکاری حکام کا رویہ کیا رہا؟

۶۔ فہرست اُن احمدیوں کی جن پر تشدّد کر کے جماعت سے منحرف کرایا گیا۔

۷۔ اگر علاقہ میں کوئی غیر احمدی معزز ہمارے حق میں شہادت کے لیے تیار ہو سکیں تو انہیں تیار کیا جائے اس کا بہت اچھا اثر ہو سکتا ہے۔

۸۔ فسادات میں مودودیوں کا براہِ راست یا بالواسطہ جو تعلق ثابت ہو اس کے متعلق تیاری کیلئے ان امور کے متعلق معیّن اور مفصل تحقیق ہونی چاہیئے تاکمیشن کے سامنے پیش کی جا سکے۔

یہ رپورٹ خاص آدمی کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ ۱۰ رجولائی تک ہمارے پاس پہنچ جائے۔

(ناظر امور عامہ ربوہ)

ہدایات حضرت مصلح موعود (مورخہ ۵ جولائی ۱۹۵۳ء) فرمایا:۔

۱۔ وکلاء شیخ صاحب تو ہوں گے ہی۔ دو تین آدمی لگنے چاہئیں تاکہ اگر ایک کسی معذوری کی وجہ سے کام نہ کر سکے تو دوسرے صاحب ساتھ ہوں۔ گجرات کے ظہور الدین بہت اچھے

ہیں جیسا کہ شیخ صاحب نے نوٹ کیا ہے۔ خصوصاً وقار کے لحاظ سے۔ جونیئر وکیل Paid ہونا چاہیئے یونہی Commentry سے کام کرنے والا نہ ہو اور اتنے بھی جمع نہ ہوں کہ کام نہ ہو سکے۔

۲۔ خادم صاحب بطور گواہ اچھے رہیں گے۔ میاں عطاء اللہ صاحب شاید موزوں نہ ہوں چوہدری انور حسین صاحب کا غالباً زیادہ اثر نہ ہوگا۔ شیخ محمد احمد صاحب خواہ کام نہ کریں ان کا مشورہ بہت اچھا ہے۔

۳۔ کورٹ کو خواہ وسیع اختیار دیا گیا ہے اور قانون شہادت کی پابندی لازمی نہیں لیکن ہماری طرف سے اس معاملہ میں احتیاط ہونا لازم ہے۔ تا ایسا نہ ہو کہ ہمارا کیس weak ہو جائے یعنی سنی سنائی بات پر واقعہ کا انحصار نہ رکھا جاوے۔ گواہ ایسا ہونا چاہیئے جو اپنے آپ دیکھی بات یا بیتی بیان کر سکے ہاں جہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہو کہ یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے تو عمومی رنگ میں یہ کہا جا سکتا ہے مگر بہتر اور محتاط طریق یہی ہے کہ معین اور مخصوص شہادت ہو۔

۴۔ احرار کا ذکر کرتے ہوئے عناد یا طعنہ زنی یا جارحانہ طریق نہ اختیار کیا جاوے وقار کے ساتھ بے شک جذبات اور افسوس میں ڈوبی ہوئی بات ہو لیکن بتایا یہ جاوے کہ احرار نے یہ کہا یا کیا۔

۵۔ دوسرا فریق بے شک یہ کوشش کرے گا کہ ہر قسم کی باتیں زیر تنقیح آئیں لیکن ہماری طرف سے واقعاتی رنگ غالب ہونا چاہیئے۔

۶۔ حکومت کے افسران کے متعلق یہ یاد رہنا چاہیئے کہ حتی الوسع کسی کا نام نہ آئے سوائے اس کے کہ جرح میں پوچھا جاوے تو بتانا پڑے اس میں دشمنی اور عناد کی بات نہ کی جاوے اگر کچھ کہنا ہی ہو تو مختلف افسروں کا رویہ بیان کر کے اس طرف توجہ دلائی جاوے کہ فلاں افسر کا رویہ مختلف تھا۔ خواہ مخواہ تعریف بھی نہ ہو۔ افسروں کو جو خط لکھے گئے وہ بے شک پیش کی جائیں۔

۷۔ ہماری طرف سے مقدمہ ایسے رنگ میں پیش کیا جاوے کہ عدالت مجبور ہو کہ فریق مخالف کے متعلق سخت Remarks کرے اگر خود بھڑاس نکال لی جاوے تو عدالت اپنے

آپ کو کسی حد تک سبکدوش سمجھتی ہے۔

۸۔ Statement مختصر ہو لمبی نہ ہو۔

۹۔ Presentation ہمارا بہت Careful ہونا چاہیئے۔ ان کی اشتعال انگیزی کو نمایاں کیا جائے۔ حوالہ جات و اقتباسات کے ساتھ۔

۱۰۔ غیر احمدی چونکہ پوری طرح ہمارے نقطہ نظر کو سمجھ نہیں سکتا اس لیے ہمارے اپنے آدمی کو پیش ہونا چاہیئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی[1]

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۔ کیا آپ نے قائد صاحب خدام کو کچھ والنٹیر لینے کے لیے لکھ دیا ہے یا ابھی نہیں لکھا ہے تو کیا جواب آیا ہے؟

۲۔ ارشاد صاحب کلرک ہیں، چپڑاسی نہیں ان سے بھی لکھنے پڑھنے کا کام لینا چاہیئے۔

۳۔ مہاشہ صاحب اور مولوی عبد الغفور صاحب اور مسعود صاحب ہر قسم کے حوالے نکال کر آپ کو دے سکتے ہیں ان کی ڈیوٹی لگا دیں۔

۴۔ نوٹ وغیرہ جو شیخ صاحب طلب فرمائیں آپ اور شیخ نور احمد صاحب تیار فرمائیں۔ اگر کسی اور آدمی کی ضرورت ہو اطلاع دیں تا اس کا بھی انتظام کر دیا جائے۔

۵۔ دوست محمد صاحب اپنے کاغذات لیکر آج ربوہ سے یہاں پہنچ جائیں گے۔

تعجب ہے آج عدالت میں گئے ہی نہیں میرے نزدیک وہاں جانا نہایت ضروری ہے

خاکسار

عبد الرحیم درد ۹/۷/۵۲

جواب وصول پایا بوقت چار بجے شام۔ خاکسار مرزا سمیع احمد ظفر ۹/۷/۵۲

---

[1] مکتوب بنام چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب وکیل۔

ارشاد مبارک حضرت مصلح موعود بنام حضرت مرزا بشیر احمد صاحب

عزیزم مکرم[1] السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نوٹ مع ہدایات واپس ارسال ہے ان کو دیکھ لیں اور بہت احتیاط کے ساتھ کام کریں۔ معاملہ نہایت نازک اور اہم ہے میرے نزدیک چوہدری صاحب کی بہت سی باتیں وزنی ہیں۔ قانونی اور تجرباتی نقطہ نگاہ سے ہم ان کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ہم اپنی بات بھی نہیں چھوڑ سکتے مگر ہم کورٹ سے یہ بھی امید نہیں کر سکتے کہ وہ برسر اقتدار حکومت کے خلاف واضح الفاظ میں کوئی رائے ظاہر کرے۔ پس ہمیں پختہ اور ثابت شدہ حقائق احرار اور مودودیوں کے خلاف پیش کرنے چاہئیں اور جو واقعات چیف سیکرٹری۔ ہوم سیکرٹری یا آئی جی سے گذرے ہیں ان کو بیان کر دینا چاہیئے۔ گورنمنٹ کا براہِ راست نام نہیں لینا چاہیئے نتیجہ واضح آپ ہی ہو جاتا ہے۔ خواجہ ناظم الدین صاحب کا خط پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ مفید ہے۔

میں چوہدری صاحب سے اس بات میں متفق ہوں کہ میاں عطاء اللہ کو بطور وکیل یا گواہ پیش کرنا مفید نہیں ہوگا۔ وہ بہت ذکی الحس ہیں اور بعض دفعہ انسان انکی افسردگی کو دور کرنے کیلئے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کر بیٹھتا ہے۔

(دستخط حضرت صاحب)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے خطوط

موصولہ لاہور ۱۵/۷/۵۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدنا!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۔ درد صاحب اور شمس صاحب تو اس وقت لاہور روانہ ہو رہے ہیں لیکن تجویز ہے کہ

---

[1] بنام حضرت مرزا بشیر احمد صاحب

مولوی صدیق صاحب بھی ضروری کتابیں لے کر شمس صاحب کی امداد اور وقت پر حوالہ جات کی تلاش کے لیے چند دن کے واسطے لاہور چلے جائیں اس کے لیے حضور کی اجازت کی ضرورت ہے

۲۔ احمدی علماء کی شہادت کا معاملہ وکلاء پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ اگر پسند کریں اور ضرورت ہو تو شمس صاحب اور خادم صاحب کو پیش کر دیں۔ ویسے شہادت والے امور تحریری بیان میں تو پیش کر ہی دیئے گئے ہیں

خاکسار مرزا بشیر احمد

۲/۹/۵۳

فرمایا مولوی صدیق صاحب چلے جائیں۔

(ارشاد حضرت مصلح موعود)

ھوالنــــــــاصر

سیدنا!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضور کے ارشاد کے ماتحت شیخ بشیر احمد صاحب کو ان کی فیس کے متعلق پوچھا گیا تھا۔ ان کا جواب لف ہذا ہے بعد ملاحظہ واپس ارسال فرمایا جاوے۔

خاکسار

مرزا بشیر احمد ۱۹/۹/۵۳

Phone 2301
Sh. Bashir Ahmad
Senior Advocate Federal Court
and Advocate High Court

13 - Temple Road
Lahore 18 - 9 - 53

محترمی حضرت میاں صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مکرمت نامہ ملا۔ عبدالغفار صاحب مری موجودگی میں کوہ مری واپس نہیں آئے اور نہ ہی

آپ کا کوئی ملفوف بصیغہ رجسٹری مجھے ارسال کیا ہے۔

مَیں سنے تو جہاں تک میرا حافظہ مری راہنمائی کرتا ہے کسی فرد سے بھی بالواسطہ یا بلا واسطہ معاوضہ کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی مرے ذہن میں کبھی یہ خیال آیا ہے اس لیے جہاں تک مری ذات کا تعلق ہے یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی ستاری غیر معمولی حالات میں میرا ساتھ دیتی جارہی ہے اور اپنے فضل اور احسان سے مجھے برابر رزق دیتی جارہی ہے اگرچہ قطعاً مَیں اس کا مستحق نہیں دعا فرمائیں مجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جو اس کی ناراضگی کا موجب ہو اور مجھے ایسے اعمال کی توفیق ملتی جائے جو اس کی رضا کے حصول کا ذریعہ بنتی رہیں مرے گناہ معاف فرمائے اور انجام بخیر ہو۔

امید ہے کہ میرا پہلا خط آپ کو مل چکا ہو گا۔ مرے ساتھ کوئی ایسا عملہ نہیں کہ اگر اردو میں خط لکھوں تو نقل ہی کرا سکوں اس لیے انگریزی میں لکھ دیتا ہوں۔ اگرچہ کئی مرتبہ ندامت کا بھی احساس ہوتا ہے کہ اردو خط کا جواب انگریزی میں بھجوا رہا ہوں۔ آپ کی کریمانہ طبیعت ہے امید کرتا ہوں کہ بار خاطر نہ ہو گا۔

خاکسار شیخ بشیر احمد عفی عنہ

مکتوب حضرت مرزا بشیر احمد صاحب

ھُوَ النّاصِرُ

سیدنا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل کے نوائے وقت میں مولوی مودودی کے اس بیان کی نقل چھپی ہے۔ جو مودودی صاحب نے جماعت احمدیہ کے خلاف عدالت میں دیا ہے۔ شاید اور اخباروں میں بھی چھپے۔ چونکہ مودودی کو ملمع سازی کا فن آتا ہے۔ اور تحریر عموماً واضح اور متعلقہ امور پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے بعض دوست جو جلدی میں یکطرفہ رائے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ گھبرا جاتے ہیں...... اس کا ازالہ ہونا چاہیئے سو اس صورت میں اس بات پر غور ہونا چاہیئے کہ کیا اس کے جواب میں اپنا جواب چھاپ دیا جائے۔ ہمارا جواب دو ٹکڑوں میں ہے ایک حوالوں کے انکار واقرار

کی صورت میں اور دوسرا مفصل تبصرہ تیار کردہ شمس صاحب۔ ہر دو جوابوں کو حضور دیکھ کر منظور فرما چکے ہیں۔

حضور نے ارشاد فرمایا "اطلاع ہوئی جزاہم اللہ"

والسلام خاکسار مرزا بشیر احمد ۱۲/۱۰/۵۳

(ارشاد حضرت مصلح موعود بقلم سیّدہ امّ متین صاحبہ)

مَیں متواتر کہہ چکا ہوں۔ کہ آپ وکیلوں سے اس بارے میں پوچھیے کہ چھپوایا جائے یا نہیں اگر ان کے نزدیک چھپوانے میں حرج نہ ہو۔ تو عدالت کے سامنے یہ معاملہ پیش کر دیں کہ اب دوسرے لوگ چھاپ رہے ہیں تو ہم بھی چھاپنے پر مجبور ہیں۔

مکتوب حضرت مرزا بشیر احمد صاحب

هو الناصر

سیدنا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل لاہور کے وکلاء دوست کہہ گئے تھے کہ اب جواب میں ہماری طرف سے بھی جوابات کی اشاعت ہونی چاہیئے خصوصاً مودودی صاحب کے بیان کا جواب۔

آج محترمی مرزا عبدالحق صاحب کے ساتھ بات ہوئی تو انہوں نے اس کی پُر زور تائید کی کہ اب پبلک میں جواب کا انتظار ہے۔ خصوصاً انہوں نے کہا کہ سات سوالوں والا مفصل جواب المصلح میں بھی شائع ہو جانا چاہیئے۔

سو اگر حضور اجازت دیں تو کیا سات سوالوں والا جواب المصلح میں اشاعت کے لیے بھجوا دیا جائے۔ یہ جواب حضور کا دیکھا ہوا بلکہ تیار کیا ہوا ہے۔ البتہ جنازہ والے سوال میں اس نوٹ کے دینے کی ضرورت ہوگی کہ امام احمدی ہونا چاہیئے۔

خاکسار مرزا بشیر احمد ۱۷/۱۰/۵۳

چھپوا دیا جائے آخر امام کا جھگڑا اس وقت پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ فتویٰ تو دیا ہی نہیں گیا۔ آئندہ غور کرنے کا لکھا ہے۔ اس کے لئے امام کا کیا سوال ہے۔ (ارشاد حضرت مصلح موعود)

بعض دیگر اہم خطوط: تحقیقاتی عدالت کے سلسلہ میں بعض دیگر اہم خطوط درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

۱ - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بخدمت محترم مکرم حضرت میاں صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

.........اس وقت حسب ذیل عملہ یہاں کام کر رہا ہے۔

۱۔ مکرم دردؔ صاحب

۲۔ مکرم مولوی جلال الدین صاحب شمسؔ

۳۔ مولوی محمد صدیق صاحب

۴۔ مرزا عبد السمیع صاحب کلرک

۵۔ سید داؤد احمد صاحب کلرک

۶۔ چوہدری نور الدین صاحب کلرک

۷۔ عابد حسین صاحب ٹائپسٹ

۸۔ سلیم اللہ مددگار کارکن لائبریری

۹۔ باورچی

۱۰۔ ڈرائیور۔ جو آج واپس چلا گیا

۱۱۔ مولوی عبد الغفور صاحب لاہور

۱۲۔ مولوی محمد اشرف صاحب۔ لاہور

۱۳۔ ان کے علاوہ دو تین اور احباب مثلاً ایک مزید ٹائپسٹ اور دوسرے کارکن ہوتے ہیں۔

۱۴۔ باہر سے جب وکلاء آجاویں تو مزید خرچ ہوتا ہے۔

۱۵۔ خاکسار۔ غلام مرتضیٰ از لاہور ۔ ۴/۱۱/۵۳

۲ - بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　　　　نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

ربوہ
تاریخ ......　　　　　　دفتر پرائیویٹ سیکرٹری　　　　　　　ع ـــــ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ

بخدمت　　　مکرم محترم حضرت مرزا بشیر احمد صاحب

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضور ایدہ اللہ بنصرہٖ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حضور کا ارادہ کل دوپہر کو لاہور کے لیے روانہ ہونے کا ہے ۔ آپ اور **ملک غلام فرید صاحب** اور **مرزا مبارک احمد صاحب** بھی لاہور جائیں گے ۔ نیز فرمایا کہ غالباً مکرم سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو مقامی امیر اس عرصہ میں تجویز کرنا ہوگا ۔

خاکسار عبد الرحمن انور ۔ پرائیویٹ سیکرٹری
۵۴/۱/۱۱　حضرت خلیفۃ المسیح الثانی

۳ - بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　　　　نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

سیدنا !　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۱ ۔ خاص خاص دوستوں کو دعا کی تحریک کر دی ہے ۔

۲ ۔ مگر کئی دوست پوچھتے ہیں کہ کیا ہم اپنے طور پر شہادت کے موقع پر لاہور جائیں تو اس میں کوئی روک تو نہیں سو اس بارے میں ہدایت فرمائی جائے ۔

۳ ۔ میری ذاتی رائے یہ کہ کمرہ عدالت کے اندر جانے کا تو سوال ہی نہیں بلکہ باہر کے احاطہ میں بھی غالباً پولیس لوگوں کے ہجوم کو روکے گی اور ویسے بھی اس موقعہ پر جماعت کی طرف سے کسی قسم کا Demonstration وغیرہ نہیں ہونا چاہیئے اور تعداد کی غیر معمولی کثرت بھی ایک رنگ کا مظاہرہ ہی ہوتا ہے ۔ غالباً عدالت بھی اسے پسند نہیں کرے گی اور اس سے بالمقابل مظاہرہ کی بھی بنیاد قائم ہوتی ہے ۔

۴ ۔ البتہ حضور کے ارشاد سے جامعہ مبشرین کے طلبہ اور اساتذہ جا رہے ہیں اور باقی انتظام حسب ضرورت لاہور کے دوستوں کے ذریعہ ہو جائے گا جس کے لیے عزیز میاں مبارک احمد

انتظام کر رہے ہیں۔

۵۔ مَیں نے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کو علی الحساب -/Rs. ۵۰۰ دے دیا ہے اور اس قدر رقم زائد بھی لے جا رہا ہوں جو ملک غلام فرید صاحب کے سپرد کر دی ہے۔

خاکسار مرزا بشیر احمد ۱۲/۱/۵۴

"فرمایا ٹھیک ہے آپ کی بات"

(ارشاد حضرت مصلح موعود)

۷۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدنا !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

درد صاحب نے کہا تھا کہ اطلاع کر دی جائے کہ

۱۔ گواہی بیٹھ کر ہوتی ہے جس کے لیے چیف جج فوراً گواہ کو کہہ دیتے ہیں کہ بیٹھیے۔

۲۔ ہر سوال خواہ جج کی طرف سے ہو یا کسی وکیل کی طرف سے اس کا جواب جج کی طرف مخاطب ہو کر دیا جاتا ہے گو سوال سننے کے وقت سوال کرنے والے وکیل کی طرف منہ کر لیا جاتا ہے۔

۳۔ ہر سوال اور جواب پر جج صاحب خود سوال و جواب املا کراتے ہیں اور اس کے لیے ہر سوال اور ہر جواب کے بعد خفیف سا وقفہ ہوتا ہے۔

۴۔ شیخ صاحب کہتے ہیں کہ گواہ اپنے پاس ضروری نوٹ رکھ سکتا ہے

۵۔ شیخ صاحب خود جج صاحبان سے کہہ دیں گے کہ چونکہ سب حوالہ جات یاد نہیں ہوتے اس لیے وہ حسب ضرورت بعد میں پیش کر دیئے جائیں گے۔

۶۔ میاں مبارک احمد رستہ دیکھنے اور چوہدری اسد اللہ خاں صاحب سے مقامی دوستوں کے متعلق مشورہ لینے کے لیے گئے ہیں کہ اگر زیادہ وسیع اجازت ہو تو مقامی دوستوں میں سے کس کس کو رکھ لیا جائے۔

۷۔ محمد اقبال صاحب سب انسپکٹر نے بھی اپنی ڈیوٹی ہائی کورٹ میں لگوا لی ہے۔

خاکسار مرزا بشیر احمد 13/1/54

"پانچ آدمی اگر ہوں تو آپ، ملک صاحب، ناصر احمد، مولوی ابوالعطاء اور اندر پہرہ کیلئے مبارک احمد یا ظہیر مگر سمجھا دیا جائے صرف آنکھ سے کام لیں کورٹ کا ادب مدِّ نظر رکھیں۔"

(ارشاد حضرت مصلح موعود)

۵- بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

دفتر پرائیویٹ سیکرٹری

ربوہ
تاریخ ...... حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نمبر ـــــ

بخدمت مکرم محترم حضرت مرزا بشیر احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ بنصرہٖ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حضور جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد لاہور روانہ ہو رہے ہیں۔ آپ اور دیگر علماء کرام ساتھ ہوں گے یعنی مولوی ابوالعطاء صاحب۔ مولوی سیف الرحمن صاحب۔ مولوی محمد یعقوب صاحب۔ ملک غلام فرید صاحب اور مولوی نذیر احمد علی صاحب کو کراچی تار بھجوائی جا رہی ہے کہ وہ جمعہ کی شام تک لاہور پہنچ جائیں۔

نیز حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر باورچی کا اپنا انتظام کر لیا جاوے تو لوگوں کی دلجمعی کا موجب ہوگا اور کھانا بھی اچھا مل سکے گا۔

نیز فرمایا جامعۃ المبشرین کے طلبہ کی اس دفعہ ضرورت نہ ہوگی۔

خاکسار عبدالرحمن انور 27/1/54

۶- بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

ربوہ
تاریخ ...... دفتر پرائیویٹ سیکرٹری

ـــــ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ

بخدمت مکرم محترم حضرت مرزا بشیر احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ بنصرہٖ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ملک غلام فرید صاحب اور مولوی

نذیر احمد علی صاحب کو اطلاع بذریعہ تار دے دی جاوے کہ وہ جمعہ کے دن لاہور پہنچ جائیں۔ حضور بھی اس تاریخ لاہور پہنچ رہے ہیں۔

خاکسار

عبدالرحمٰن انور ۲۷/۱/۵۴

پرائیویٹ سیکرٹری
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی | مہر

تار دی گئی۔ مرزا بشیر احمد ۲۷/۱/۵۴

۷۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت اقدس حضرت میاں صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مکرمی شیخ بشیر احمد صاحب بحث کر رہے ہیں اور نہایت اطمینان سے کر رہے ہیں اور حضور کے فرمودہ نوٹ کے متعلق حوالہ جات پیش کر رہے (ہیں)

والسلام
خاکسار۔ غلام مرتضیٰ
۳/۲/۵۳[1] ستہ ۲/۱۵ PM

۸۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت اقدس حضرت میاں صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج مؤرخہ ۲۴ رفروری ۱۹۵۴ء[1] بوقت دس بجے صبح مکرم شیخ بشیر احمد صاحب نے اپنی بحث ختم کی۔ اس کے بعد مسٹر یعقوب علی صاحب نے جواب دیا اور اس کے بعد چوہدری محمد حسین چیمہ وکیل انجمن احمدیہ اشاعت اسلام نے ..... اپنا کیس پیش کیا۔ چیف صاحب نے فرمایا کہ لنچ کے بعد مذہبی حصہ کی بحث شروع ہوگی۔ عدالت سوالات کرے گی اور ہر فریق

---

[1] سہواً ۵۳ لکھا گیا ہے اصل میں ۱۹۵۴ء ہے

کو اس کے جوابات دینے ہوں گے ۔ چنانچہ آج بعد دوپہر مولانا مرتضیٰ احمد میکش نے مجلس عمل کی طرف سے لہ شروع کیا۔ چیف صاحب نے بھی فرمایا کہ یہ مذہبی حصہ بحث کا ہفتہ تک یعنی ۲۷ فروری ۱۹۵۴ء تک ختم ہو جائے گا۔ شیخ بشیر احمد صاحب نے آج Aggressive تبلیغ کے متعلق بحث کی اور بلوچستان والے خطبہ جمعہ کی وضاحت بھی کی۔ دوران بحث میں کیانی صاحب نے فرمایا کہ تبلیغ کرنا آپ مذہبی فرض سمجھتے ہیں ۔ اس لیے ہم اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں دے سکتے ہاں یہ فیصلہ ہمارا کام ہے کہ آیا ایک خاص تحریر Aggressive تبلیغ ہے یا نہیں ۔ شیخ صاحب کی بحث کے دوران میں کیانی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ ایک دوست کی حیثیت سے میرے پاس آکر تبلیغ کرتے ہیں تو میکش صاحب کو اس پر معترض نہیں ہونا چاہیئے۔ چیف صاحب نے بھی اُن کی تائید کی بہر حال شیخ صاحب نے نہایت مؤثر طریق پر بحث کی ۔ میکش صاحب نے آج بعد دوپہر مذہبی حصہ پر حوالہ جات پیش کئے ۔ کل سوال نمبر ۷ اور Politics Religion سوال پر بحث ہوگی ۔ بظاہر نظر آتا ہے کہ کل بارہ بجے تک میکش صاحب اور مولوی مظہر علی اظہر اپنی بحث ختم کر لیں گے اور بعد دوپہر ہماری باری شروع ہو جائے گی ۔

آج ٹیلیفون پر آپ کو اطلاع دینے کی کوشش کی لیکن Connection نہ مل سکا ۔

والسلام خاکسار غلام مرتضیٰ از لاہور

۲۴/۲/۵۴

نوٹ منجانب حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ۔

" فوری بحضور سیدنا مرسل ہو آخری فقرہ میں شاید جلدی آنے کا اشارہ ہے گو شاید جاتے جاتے بحث ختم ہو جائے ۔ چوہدری صاحب بھی کل صبح یہاں آرہے ہیں ۔

خاکسار مرزا بشیر احمد ۲۵/۲/۵۴ بوقت صبح "

(جواب منجانب پرائیویٹ سیکرٹری صاحب)

لہ یہاں کوئی لفظ چھوٹ گیا ہے ناقل ۔

"حضور نے فرمایا ہے کہ لاہور فون کر کے معلوم کیا جائے کہ کیا اب بھی ہمارے وہاں آنے کی ضرورت رہ گئی ہے

خاکسار

عبدالرحمٰن انور ۲۵/۲/۵۴

۹ - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

لاہور میں شیخ بشیر احمد صاحب کے نمبر پر فون کیا جائے کہ چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب کا خط آیا ہے کہ بحث جلدی جلدی ختم ہو رہی ہے اور غالباً ہماری بحث کی باری آج بعد دوپہر آجائیگی اس پر حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ اب کیا ہمارے وہاں آنے کی ضرورت رہ گئی ہے نیز کہدیا جائے کہ غالباً اگر آج دوپہر کو ہماری بحث شروع ہو تو موجودہ رفتار کے لحاظ سے آج شام تک یا کل دوپہر تک ختم بھی ہو جائے گی

ارجنٹ فون کیا جائے اور فون پر درد صاحب یا شیخ صاحب یا خادم صاحب یا چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب کو بلایا جائے اور ان کا جواب نوٹ کر لیا جائے۔ ایک وقت میں صرف دو آدمیوں کا نام دیا جا سکتا ہے اگر گھر پر نہ ملیں تو بار روم ہائی کورٹ کے نمبر پر بلالیا جائے وہ چیف جج کے کمرے میں ہوں گے۔

خاکسار

مرزا بشیر احمد ۲۵/۲/۵۴

۱۰ - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سیدنا!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خط والا آدمی لاہور پہنچ گیا ہے اور اس پر لاہور سے شیخ بشیر احمد صاحب نے حسب ذیل فون کیا ہے:-

"خادم صاحب نے دوپہر سے بعد بھی ختم نبوت پر بحث کی اور بعض آیات اور حوالہ جات پیش کیے اور ابھی یہ بحث ختم نہیں ہوئی انشاء اللہ ہماری بحث ہفتہ تک تو یقینی جاری رہے گی اور اس کے آگے بھی جاری رہنے کی اُمید ہے۔ خادم صاحب نے اچھی بحث کی ہے بہتر یہی ہے کہ حضور تشریف لے ہی آویں۔ ججوں نے کہا ہے کہ ختم نبوت کے موضوع کو

بہت اہمیت دی گئی ہے اس لیے ہم اس موضوع پر مفصل بحث سننا چاہتے ہیں۔ حضور کے خط میں جن خدشات کا اظہار کیا گیا ہے۔ ان کا امکان نہیں ہے حضور تشریف لے آئیں۔
نیز کہا مولوی ابوالعطاء صاحب سے کتاب تحقیق الجہاد لیتے آئیں۔

خاکسار

مرزا بشیر احمد ۲۵/۲/۵۴

اشاریہ

جلد شانزدہم

مرتبہ: ریاض محمود باجوہ شاہد

شخصیات ---------- ۱

مقامات ---------- ۲۶

کتابیات ---------- ۳۶

اسماء

آ

حضرت آدم علیہ السلام ۳۷۲، ۳۷۶، ۴۰۰

آفتاب احمد، شیخ ۳۷

آل احمد ترکستانی، حکیم ۲۰۱

آئی آئی چندریگر ۹، ۲۴۷، ۲۵۱

ا

ابرار احمد ۲۵۰، ۲۵۲، ۲۷۳

حضرت ابراہیم علیہ السلام ۳۷۲، ۳۹۹، ۴۰۰

ابراہیم، مستری ۸۳، ۵۷۷

ابراہیم علی چشتی ۴۷۰

ابن انشاء ۵۰۵

ابن تیمیہ، امام ۴۷۳

ابن حجر عسقلانی، حافظ ۳۴۲

ابن حسن ۱۰۵

ابن علقمہ، امام ۳۴۲

ابن معین، امام ۳۴۲

ابوالبشارت عبدالغفور ۱۶۹، ۲۸۱، ۳۱۵، ۵۹۸، ۶۰۳

ابوالحسن محمد یحییٰ ۶۴

ابوالعلیٰ مودودی ۲۴۴، ۲۵۵، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۶، ۳۳۱، ۳۴۱، ۳۴۹ تا ۳۵۱، ۳۵۸، ۳۶۳، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۲، ۳۸۷، ۳۹۱، ۳۹۸، ۴۰۵، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۳۳، ۴۴۰، ۴۵۱، ۴۶۱، ۴۶۶، ۴۷۰، ۴۷۳، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۹۲ تا ۴۹۴، ۵۱۵، ۵۱۷ تا ۵۲۱، ۵۲۳ تا ۵۲۵، ۵۹۱، ۶۰۱، ۶۰۲

ابوالعطاء جالندھری ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۶، ۳۰۳، ۵۸۴، ۶۱۰

ابوبکر صدیقؓ ۳۲۲، ۳۳۱، ۴۷۰

ابوجہل ۳۲۱، ۴۰۳

ابوذر بخاری، سید ۳۴۱

ابوعبداللہ، امام ۳۴۱

ابوعیسیٰ اسحاق اصفہانی ۳۹۶

احتشام الحق، ملاّ ۳۹۱

احسان احمد شجاع آبادی، قاضی ۵۰۹

احسان اللہ شکور ۱۹۲

احمد، مولوی ۵۱۱

احمد خان، ملک ۱۳۵

احمد خان نسیم ۲۳۵

احمد دین ۵۸۱

احمد دین، شیخ ۵۸۵

احمد رضا خان بریلوی ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۴۰، ۴۷۰

احمد سرہندی مجدد الف ثانی، سید ۳۳۵

احمد سعید کرمانی ۳۱۹، ۳۲۰، ۴۵۱

احمد شاہ، حکیم پیر ۶۷

احمد شاہ، مولوی ۲۳۱

احمد علی، مولانا ۳۲۰، ۴۶۵، ۴۷۰

احمد علی خاں، چوہدری ۳۵۳

احمد مسعود نصر اللہ خاں ۷۸

اختر علی خان، مولانا ۲۷۰، ۲۸۷، ۲۹۰، ۳۱۹، ۳۲۰، ۴۱۴، ۴۴۳، ۴۴۹، ۵۲۸، ۵۴۲

ارشاد ۵۹۸

ارشاد محمد ۳۵

اسحاق الاخراس المغربی ۳۹۶

اسد اللہ خاں، چوہدری ۳۰۳، ۳۰۵، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۷۲، ۴۳۵، ۶۰۵

اسرار احمد، ڈاکٹر ۵۲۳

اسود عنسی ۳۹۵

اشرف علی تھانوی ۳۳۲، ۵۰۹

اشتیاق حسین قریشی، ڈاکٹر ۴۴۴، ۴۵۴

اصغر حسین، سید ۱۰۰

اعجاز احمد، ڈاکٹر ۱۷۰

اعجاز احمد، شیخ ۴۲۵

اعجاز احمد، مولانا سید ۱۹۲

اعجاز احمد شاہ ۲۶، ۵۷۷

اعجاز الحق ۱۵۴

اعجاز نصر اللہ ۲۳۹، ۵۸۸

اعجاز ولی ۳۳

اعظم، جنرل ۵۰۱
افتخار احمد ۱۲۰
اقبال الدین، شیخ ۱۸۴، ۵۸۴
اقبال حسین ۵۸۱
اقبال محمد خان ۵۷، ۵۹
اکبر علی ۱۷۲
اکبر علی، چوہدری ۱۷۰
الطاف حسین حالی ۳۲۷
اللہ بخش ۱۹۰
اللہ بخش ۲۹، ۵۷۷
اللہ بخش، میاں ۵۹۵
اللہ بخش، مستری ۱۷۲
اللہ دتہ، حکیم ۵۷۹
حضرت الیاس علیہ السلام ۳۹۹
الیاس برنی، پروفیسر ۳۴۲
امام بخش ۱۶۷
امام دین، مستری ۶۳
اُمۃ القیوم ۱۵۶
امجد علی، ماسٹر ۶۲
امجد علی خاں ۱۹۱
اُمّ داؤد صالحہ خاتون ۱۵۵
اُمّ متین، سیّدہ ۳۱۲، ۵۸۷، ۶۰۲
امین احسن اصلاحی ۳۵۰، ۴۲۲، ۴۶۸، ۵۲۲
امین الدین، میاں ۲۴۷، ۲۹۴
انور الدین، پیر ۵۷۷
انور احمد ۵۸۳
انور شاہ دیوبندی ۵۳۴
انور علی، میاں ۳۱۸
انور علی آئی جی پولیس ۳۵۱، ۵۶۴، ۵۶۷
اے آر شبلی ۴۴۳
ایان سٹیفنز ۵۷۱
ایچ نیاز احمد ۱۷۰
ایس غیاث الدین احمد ۲۴۱، ۲۴۵
ایکٹن، لارڈ ۱۵۲
ایم۔ آر کیانی، جسٹس ۲، ۲۹۴، ۳۱۹، ۴۸۸، ۴۹۱، ۴۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۶۰۸
ایم۔ اے، چوہدری ۵۰۳
ایم۔ اے کرانڈکر ۴۹۱
ایم۔ ڈی سٹیپننٹس ۴۹۶

ب

بارتھالومیو ڈے ۱۵۲، ۱۵۳
باقر، ملّا ۳۸۷
باگ علی ۱۰۱
بخشی ۲۷۳
برکت اللہ خاں، ملک ۲۹

برکت علی، ملک۔ لاہور ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۶۹
۲۵۳، ۵۷۶
بسمارک، پرنس ۳۴۷
بشارت احمد جوئیہ، کرنل ۲۵۴
بشیر الدین محمود احمد، مرزا خلیفۃ المسیح الثانی
۱۷، ۲۱، ۷۹، ۱۲۴، ۱۲۷، ۱۳۰ تا ۱۳۲
۱۳۴ تا ۱۳۹، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۶۷
۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۵، ۱۹۰
۱۹۲، ۱۹۷، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۱۲
۲۱۴، ۲۱۶ تا ۲۳۴، ۲۳۸، ۲۴۰ تا ۲۴۲
۲۴۴ تا ۲۴۷، ۲۴۹ تا ۲۵۲، ۲۷۲، ۲۷۴
تا ۲۷۶، ۲۷۹ تا ۲۸۲، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۹
۲۹۰، ۲۹۲، ۲۹۷، ۳۰۰، ۳۰۱ تا ۳۰۴
۳۱۱، ۳۱۲، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۴، ۳۴۲
۳۴۳، ۳۴۷، ۳۴۹، ۳۵۱، ۳۵۹، ۳۶۶
۳۷۱، ۴۰۶ تا ۴۰۸، ۴۱۱، ۴۱۴، ۴۱۵
۴۱۸، ۴۳۳، ۴۴۶، ۴۴۹، ۴۵۵
۵۰۰، ۵۰۱، ۵۳۱، ۵۷۷، ۵۸۷
۵۸۹ تا ۶۰۰، ۶۰۲، ۶۰۴ تا ۶۰۷
بشیراں بیگم ۱۰۸
بشیر احمد، بابو ۱۳۰
بشیر احمد، بھلوکی ۵۷۸
بشیر احمد۔ جنڈالوالہ ۵۸۲، ۵۸۳
بشیر احمد، چوہدری۔ داتہ زیدکا ۹۳
بشیر احمد، چوہدری۔ ڈپٹی ڈائریکٹر وزارت صحت
۴۲۵
بشیر احمد۔ ڈیگری ہریاں ۸۷، ۵۸۰
بشیر احمد، قاضی۔ راولپنڈی ۳۳
بشیر احمد، قاضی۔ شیخوپورہ ۹۶، ۵۸۱
بشیر احمد، ملک۔ سندھ ۵۸۵
بشیر احمد، منشی ۵۸۲
بشیر احمد، میاں۔ فیصل آباد ۱۰۸
بشیر احمد، میاں۔ مگھیانہ ۱۲۶
بشیر احمد بن خواجہ غلام نبی ۳۲
بشیر احمد ابن چوہدری فقیر محمد ۵۷۷
بشیر احمد ایڈووکیٹ، شیخ ۱۵۱ تا ۱۵۴، ۱۵۶
۱۵۹، ۱۷۲، ۲۳۲، ۳۰۰ تا ۳۰۵، ۳۰۷
۳۰۸، ۳۱۳، ۳۱۹، ۳۷۲، ۴۱۸، ۴۳۳
۵۸۴، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۷ تا ۶۰۹
بشیر احمد ایم۔ اے، مرزا ۱۳۶، ۲۱۹
۲۵۰، ۲۷۲، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۹۷، ۳۰۰
۳۰۲، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۲۰، ۴۱۲، ۴۱۸
۵۸۹ تا ۵۹۳، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۲، ۶۰۴
۶۰۶ تا ۶۱۰

بشیر احمد بھٹی ۵۷۷

بشیر احمد زاہد ۵۸۳

بہادر خاں، سردار ۴۵۳

بہاء اللہ ۳۲۲

پ

پٹیل، راؤ ۱۱، ۵۵۴

پریم ناتھ بزاز ۵۶۲

پگاڑا، پیر ۱۸۷، ۱۸۹، ۲۳۰

پولوس ۳۹۹

ت

تاجدین انصاری ۴۴۸، ۴۹۳، ۵۱۹

ٹ

ٹرومین ۴۲۹

ث

ثاقب زیروی ۲۵۳، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۶۷، ۴۲۵

ثناء اللہ امرتسری ۵۳۴

ج

جعفر صادق، امام ۳۲۸، ۳۳۸

جلال الدین شمس ۱۳۰، ۱۹۲، ۲۱۸، ۳۰۳ تا ۳۰۵، ۴۱۵، ۴۳۴، ۴۷۱، ۵۸۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۲، ۶۰۳

جلال گجر ۵۷

جماعت علی شاہ، پیر ۳۳۴

جمال احمد ۱۵۱، ۱۶۶ تا ۱۶۹، ۵۷۵

جمال الدین، چوہدری ۱۲۹، ۱۳۴، ۱۳۶، ۵۸۳

جمیل ابن حکیم نور محمد ۱۹۱

جواہر لال نہرو ۱۱، ۲۷۳

جہان خان ۵۹۰

جہان داد خاں، راجہ ۱۰۵

جی۔ ایم منصور ۲۳۷، ۲۳۹

جھنڈا خاں، میاں ۵۷۸

چ

چارلس نہم ۱۵۲

چاند بیگم ۱۷۲

ح

حارث دمشقی ۳۹۶
حاکم علی ۵۸۲
حاکم علی، چوہدری ۱۴۴
حامد علی خاں ۱۱
حامین من اللہ ماعکاسی ۳۹۶
حبیب احمد، شہزادہ ۲۵۲
حبیب اللہ، شیخ ۳۲
حرام بن ملحان ۲۷۵
حسن بی بی ۸۹
حسن محمد خاں عارف ۳۰۱
حسینؓ، امام ۳۱۰
حشمت اللہ ۱۰۸
حفظ الرحمٰن ۳۵۳
حمید احمد ۱۲۳
حمید احمد - بھالوالہ ۷۸
حمید احمد، قاضی ۳۳
حمید احمد سنیاسی ۱۴۰
حمید نظامی ۳۴۳، ۵۰۲، ۵۱۵
حیاء الدین، جنرل ۴۰۴

خ

خادم حسین، پیر ۱۳۲
خادم حسین ۵۷۹
خدا بخش ۱۰۷۴
خدا بخش، منشی ۵۸۲
حضرت خضر علیہ السلام ۴۷۹
خلیل احمد ۳
خلیل احمد بی۔ اے بی ٹی ۱۰۰، ۱۰۲
خلیل احمد قریشی ۳۰۱
خورشید احمد، چوہدری ۵۸۴
خورشید بیگم ۶۳
خورشید عالم ۵۸۰
خوشی محمد، کرنل ۶۶، ۶۹

د

حضرت داؤد علیہ السلام ۱۹، ۴۰۰
داؤد احمد، سید ۶۰۳
داؤد غزنوی، مولانا ۳۱۹، ۳۳۰، ۴۷۰، ۵۰۹
دحیہ کلبی ۲۱۲
دستی ۴۲۴
دوست محمد خاں، چوہدری ۱۱۷

دوست محمد شاہد - مؤرخ احمدیت ۲۱۷، ۳۱۹
۵۸۸ تا ۵۹۲، ۵۹۸
دیدار علی، مولوی ۳۳۳
دین محمد، چوہدری ۹۲، ۵۸۰
دیوان سنگھ مفتون ۵۷۳

ڈ

ڈانلڈ ولبر ۵۶۹
ڈلڈ ائن، ڈبلیو۔جی ۵۵۵، ۵۵۶
ڈی کالگنی، ایڈمرل ۱۵۲

ذ

ذوالفقار علی، نواب سر ۴۲۶

ر

رازی، امام ۳۳۵
راغب، امام ۳۳۵
رحمت الٰہی، حافظ ۱۶۹
رحمت بی بی ۱۰۸
رحمت علی ۵۸۴
رحمت علی پوسٹ ماسٹر ۱۳۲
رحیم بخش، حکیم ۱۱۵، ۵۸۲
رحیم بخش ولد شیخ دیوان احمد ۱۴۷
رشید احمد، ڈاکٹر ۱۲۳
رشید احمد بٹ ۲۵۳
رشید احمد چغتائی ۲۶
رشید احمد ساہی ۵۸۳
رفعت محمود ۱۵۴
رفیق، ڈاکٹر ۱۶۸
ریاض احمد، چوہدری ۲۶
ریاض الدین، مولانا ۲۳۸

ز

زہرہ بیگم ۵۶، ۵۷
زیڈ اے سہری ۱۷
زین العابدین ولی اللہ شاہ، سید ۱۲۶، ۱۲۷
۲۰۸، ۲۱۳، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۵۲
۲۷۶، ۲۷۸، ۵۸۸، ۶۰۴
زینب النساء بیگم ۳۵
زینب اہلیہ میاں عبدالرحمان صابر ۶۱

س

ساجدہ خانم ۲۵۴
سجاح نبیہ کاذبہ ۳۹۵

سدے خاں، منشی ۱۱۳
سراج الدین ۱۵۳، ۱۶۶، ۱۶۷، ۲۵۳، ۵۷۶
سراج الدین ۔ بگھیانہ ۵۸۴
سراج الدین، ملک ۵۷۹
سراج الدین منیر، غازی ۴۶۱، ۴۶۶
سردار احمد، چوہدری ۱۲۰
سردار احمد ۔ گھسیٹ پورہ ۵۸۳
سردار بیگم ۱۱۷
سردار بیگم زوجہ احمد علی خاں ۲۵۴
سردار خاں، چوہدری ۵۸۳
سردار خاں، چوہدری ۔ بہڑی کہوٹہ ۲۶
سردار علی، چوہدری ۱۰۷
سردار محمد ۳۱
سرفراز حسین ۱۴۸
سرور محمد خان ۵۷۹
سعید احمد ملک ۴۷۱، ۵۲۲
سفیان ثوریؒ ۳۴۲
سکندر مرزا ۶
سلطان احمد، مولانا ۵۲۰
سلطان احمد ۔ نواب شاہ ۵۸۵
سلطان احمد پیر کوٹی ۲۷۶
سلیم اللہ ۔ نوشہرہ ۵۸۶
سلیم اللہ ۔ مددگار کارکن ۳۰۳، ۶۰۳
حضرت سلیمان علیہ السلام ۴۰۰
سلیمان منصور پوری، سید ۵۳۴
سلیمان ندوی، سید ۳۲۰، ۴۸۵
سمیع الرحمان ۳۵۳
سمیع اللہ بھٹی ۱۷۱
سولی، مؤرخ ۱۵۲
سید احمد، مولوی ۳۳۴
سیف الرحمان، ملک ۶۰۶
سیف پالپوری ۵۵۲

ش

شاہ محمد، چوہدری ۱۰۰
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۲۹۸
شبیر احمد عثمانی، مولانا ۴۲۳، ۴۵۸
شریح الدین ۲۲۰
شریف احمد، مرزا ۲۵۴، ۲۵۷، ۲۵۹ تا ۲۶۲، ۲۶۵، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۸۱، ۳۱۸، ۴۲۶، ۵۷۶
شریف احمد، میاں ۔ فیصل آباد ۱۰۸
شریف احمد، میاں ۔ لاہور ۱۷۰

شریف احمد امینی ۵۳
شریف احمد باجوہ، چوہدری ۴۰۸
شریف احمد خالد ۱۳۳
شریف کشمیری ۵۷۸
شعبہؒ، امام ۳۴۲
شمیم شوکت ۱۰۸
شہاب الدین ۔ مردان ۵۸۵
شور بازار، ملّا ۳۸۷
شورش کشمیری ۵۰۶، ۵۱۲، ۵۱۴، ۵۳۰
شیر محمد عالی ۷۰، ۵۷۹
شیر محمد موچی ۷۸

ص

صابر، مولوی ۴۹
صاحب دین، شیخ ۴۴
صاحبزادہ، مولانا ۵۰۹
صادقہ بیگم ۶۳
صالح محمد ۵۳۲
صدیق احمد، میاں ۱۰۸
صدیق الحسن گیلانی ۳۵۴
صدیق حسن خاں، نواب ۳۲۷
صفدر حسن صدیقی ۳۱۹
صفدر خان ۶۹، ۷۰، ۷۲
صفیہ بیگم ۱۰۸
صلاح الدین، چوہدری ۱۳۴، ۱۳۵

ض

ضمیر احمد، میاں ۱۰۸
ضیاء الدین، مولوی ۱۴۴
ضیاء الدین آف حافظ آباد ۵۷۸
ضیاء الدین ولد میاں روشن دین ۱۰۱

ط

طایا زنکن ۴۹۵
طفیل محمد، میاں ۴۶۱
طلیحہ اسدی ۳۹۵

ظ

ظفر الدین، حکیم ۹۶
ظفر علی، چوہدری ۵۷۸
ظفر علی خاں، مولانا ۵۲۸، ۵۲۹
ظفر محمد ظفر ۱۳۳، ۵۸۴
ظہور احمد، چوہدری ۲۴۹

ظہورالدین ایڈووکیٹ ۵۹۶

ع

عابد حسین ۶۰۳
عاشق محمد خاں، میاں ۱۲۱ تا ۱۲۳
عائشہ الہٰی ۲۳۱
عائشہ صدیقہؓ ۴۷۰
عباد اللہ گیانی ۴۱۰
عبد الاحد خانپوری ۲۳۷، ۲۳۸
عبد البہاء ۳۲۲
عبد التواب، مولوی ۸۲
عبد الجبار غزنوی ۵۳۴
عبد الجلیل شاہجہانپوری ۱۶۵
عبد الجلیل عشرت ۴۱۲
عبد الحامد بدایونی، مولانا ۳۹۱، ۴۶۰، ۴۶۷
عبد الحق، مولوی ۱۳۰
عبد الحق ـ نین کے توروے ۹۰
عبد الحق ایڈووکیٹ، مرزا ۵۹۵، ۶۰۲
عبد الحق غزنوی ۳۳۰
عبد الحکیم ۱۵۲
عبد الحکیم، مولوی ۵۷۵
عبد الحکیم، میاں ۱۶۰، ۱۶۴
عبد الحکیم ایم۔ اے، ڈاکٹر خلیفہ ۳۰۰
عبد الحکیم قاسمی، مولانا ۴۷۰
عبد الحمید ۱۶۲
عبد الحمید ـ درویش قادیان ۱۷۵
عبد الحمید ـ سلطان پورہ ۱۷۳
عبد الحمید، شیخ ۱۵۹
عبد الحمید، قاضی ۵۸۰
عبد الحمید ـ ونجواں ۵۸۳
عبد الحمید آڑھتی، چوہدری ۱۰۷
عبد الحمید بٹ ۵۷۹
عبد الحمید ٹیلر ماسٹر ۴۰
عبد الحمید منیم ۱۰۷
عبد الحنیف بدایونی، مولانا ۴۹۲
عبد الحیٔ، مولوی ۸۲
عبد الحیٔ آئرن مرچنٹ ۵۸۳
عبد الرب، ملک ۲۷۰، ۲۷۱، ۵۷۶
عبد الرب نشتر، سردار ۴۲۹
عبد الرحمان ـ جھنگ مگھیانہ ۵۸۴
عبد الرحمان، چوہدری ۱۱۵
عبد الرحمان ـ سٹھیالہ ۵۸۲
عبد الرحمان ـ سمندری ۵۸۳

عبدالرحمٰن، قریشی۔ سکھر ۵۸۵
عبدالرحمٰن، قریشی۔ شہزادہ ۹۱
عبدالرحمٰن۔ ملتان ۳۰۷
عبدالرحمان، ملک ۱۵۱، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۷
عبدالرحمٰن، میاں ۷۸
عبدالرحمٰن انورؔ ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۸۰، ۵۹۰، ۵۹۱، ۶۰۴، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۹
عبدالرحمٰن خادمؔ ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۵، ۳۰۷، ۴۳۴ تا ۴۴۰، ۵۹۳، ۵۹۵، ۵۹۷، ۶۰۰، ۶۰۹
عبدالرحمٰن شمسؔ ۱۲۷، ۵۸۴
عبدالرحمان صابرؔ ۶۰
عبدالرحمٰن سیکرٹری بہشتی مقبرہ، قادیان ۲۷۵
عبدالرحمٰن مدراسی ۵۰۰
عبدالرحمان وکیل، شیخ ۸۳، ۵۷۷
عبدالرحیم، حکیم ۱۷۰
عبدالرحیم، خلیفہ ۶۷
عبدالرحیم، شیخ ۱۷۰
عبدالرحیم اشرف ۴۱۸، ۵۰۲، ۵۱۶، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۶، ۵۲۴

عبدالرحیم پراچہ، شیخ ۷۱، ۳۰۷
عبدالرحیم دردؔ ایم۔ اے ۲۱۸، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۵، ۳۰۷، ۳۱۳، ۳۱۷، ۵۸۸، ۵۹۳، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۳، ۶۰۵، ۶۰۹
عبدالرحیم ڈسپنسر ۱۶۶
عبدالرحیم شاہ ۱۸۵، ۵۸۵
عبدالرحیم شبلی ۴۴۳
عبدالرحیم صراف ۱۱۷
عبدالرحیم عارفؔ ۱۲۶، ۱۲۷، ۵۸۴
عبدالرحیم کمپاؤنڈر ۱۶۸
عبدالرزاق کمپاؤنڈر ۱۶۱، ۱۷۳
عبدالرشید، چوہدری ۶۷، ۷۳
عبدالرشید، شیخ ۱۷۰
عبدالرشید۔ لاہور ۱۷۱
عبدالرشید ولد عبدالرحمٰن ۱۲۰
عبدالرشید ولد ماسٹر چراغ دین ۱۷۴
عبدالستار۔ لاہور ۱۶۶
عبدالستار۔ ملتان ۵۱۱
عبدالستار نیازی ۳۱۹، ۳۲۰، ۵۰۴، ۵۰۵
عبدالسلام، ڈاکٹر ۵۲۷
عبدالسلام، میاں ۲۱۱
عبدالسلام زرگر ۱۰۰ تا ۱۰۳

عبدالسمیع، میاں ۲۶
عبدالشکور، حافظ ۶۴
عبدالشکور۔ مدیر "النجم" لکھنؤ ۳۳۱، ۳۳۸، ۳۴۰
عبدالعزیز۔ لاہور ۱۷۱
عبدالعزیز، مولوی ۲۳۹
عبدالعزیز آڑھتی ۵۸۱
عبدالعزیز بھامڑی ۱۳۹
عبدالعزیز خان ۷۹ تا ۸۱
عبدالعزیز خان۔ ایڈووکیٹ جنرل ۳۱۹
عبدالغفار ۵۲۲
عبدالغفار۔ مری ۶۰۰
عبدالغفار خان، خان ۲۷۴
عبدالغفور، حوالدار ۵۷۵
عبدالغفور آف ظفروال ۵۸۰
عبدالغفور ولد الٰہی بخش ۱۷۵
عبدالغفور ہزاروی ۶۴
عبدالغنی، چوہدری۔ لاہور ۱۷۰
عبدالغنی، چوہدری۔ بگھیانہ ۱۲۶، ۵۸۳
عبدالغنی، مولوی ۱۱۳
عبدالغنی رشدی، چوہدری ۲۵
عبدالغنی صرّاف ۵۸۳

عبدالغنی عبد ۹۲، ۵۸۰
عبدالقادر، سر ۱۵۴، ۲۳۷
عبدالقادر، مولانا شیخ ۱۵۱، ۲۳۴
عبدالقادر بدایونی ۳۳۴
عبدالقادر جیلانی ۳۳۲، ۳۳۵
عبدالقادر حمزہ ۵۵۴
عبدالقدیر ہارون چغتائیؒ ۱۶۹
عبدالقیوم، ملک ۲۷۱
عبدالقیوم خان، خان ۱۸۵، ۲۲۷
عبدالکریم، بابو ۱۶۰، ۱۷۳
عبدالکریم۔ چنیوٹ ۵۸۳
عبدالکریم، کامریڈ ۶۴
عبدالکریم پوسٹماسٹر ۵۵
عبداللطیف، چوہدری ۲۳۲
عبداللطیف، چوہدری۔ لاہور ۱۷۱
عبداللطیف، شیخ ۱۷۰
عبداللطیف۔ گوجرانوالہ ۴۱
عبداللطیف۔ ہزارہ ۵۸۶
عبداللطیف شہید، صاحبزادہ ۲۹۰
عبداللہ، ملک ۲۱۸
عبداللہ، مولوی ۵۱۱
عبداللہ خالد، ملک ۱۵۶، ۱۵۷

عبداللہ شاہ ۱۱۴	عطاء الحق ۱۴۰
عبدالماجد بدایونی ۲۸۶، ۳۲۰	عطاء الرحمن ۔ اودھووال ۵۷۸
عبدالماجد دریاآبادی ۴۷۸	عطاء الرحمان ۔ راولپنڈی ۳۵۳
عبدالمالک خاں، مولانا ۳۰۱	عطاء اللہ، صوفی ۱۷۳
عبدالمجید ۔ ربوہ ۲۵۲	عطاء اللہ، کرنل ۳۵
عبدالمجید، شیخ ۱۱۱	عطاء اللہ ایڈووکیٹ، میاں ۲۹، ۳۰۷
عبدالمجید، مولوی ۶۴	عطاء اللہ خاں ۱۳۰، ۵۸۳
عبدالمجید خاں ۱۲۵، ۵۸۲	۵۷۷، ۵۹۳، ۵۹۷، ۵۹۹
عبدالمجید زرگر ۱۱۷	عطاء اللہ شاہ بخاری، سید ۱۹۷، ۳۱۹، ۳۲۷
عبدالمجید سالکؔ ۴۱۲	۳۲۸، ۳۴۱، ۳۵۱، ۳۵۵، ۳۹۱، ۴۴۳
عبدالمنان قادر آبادی ۱۳۳	۴۴۸، ۴۶۰، ۵۰۶، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۲
عبدالواحد، چوہدری ۷۸	۵۱۳، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۱، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۴۴
عبدالوہاب ۴۷۳	عطاء ربی، چوہدری ۱۰۰
عبدالسمیع احمد ظفر ۵۹۸، ۶۰۳	علی احمد ۵۸۲
عبیداللہ احراری ۵۳۸	علی احمد بروہی ۱۸۹
عثمان غنیؓ ۳۲۱، ۳۲۲	علی بہادر خاں ۵۵۴
عدالت خاں، چوہدری ۱۴۸	علی شیر، چوہدری ۱۳۳
عزیز احمد، مرزا ۲۶۳، ۳۷۲	علی قاری، مُلّا ۳۸۷
عزیز احمد سیالکوٹی ۳۰	علی کرم اللہ وجہہ ۸۴، ۳۲۱
عزیز الرحمن منگلا ۵۳۱	علی محمد ۱۱۱
عزیز اللہ گرداور ۷۷	علی محمد اجمیری، مولوی ۳۰
عزیز محمد خاں ۵۸۴	علی محمد خارجی ۳۹۶

علی محمد نجم ۱۹۰
عمر ابن الخطابؓ ۳۲۲، ۳۳۱
عمر حیات ۴۵
عمر دین ۵۸۱
عنایت الرحمان، چوہدری ۱۹۱، ۵۸۵
عنایت اللہ - بہلولپور ۵۷۹، ۵۸۲
عنایت اللہ، ملک - بدین ۵۸۵
عنایت اللہ خان - دھر گیانہ ۵۸۰
عنایت علی شاہ زیروی ۱۲۰، ۱۲۳
حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۲۳۳، ۲۹۴
۲۹۶، ۳۱۰، ۳۷۲، ۳۹۵، ۳۹۸ تا
۴۰۰، ۴۳۹، ۵۳۲
عیسیٰ - نمبردار احمد نگر ۱۳۲

غ

غزالی، امام ۳۸۱، ۴۸۶
غلام احمد - چنگا بنگیال ۵۷۸
غلام احمد - راولپنڈی ۴۰۴
غلام احمد، میاں ۵۷۸
غلام احمد قادیانی، مرزا - مسیح موعود علیہ السلام
۱۸، ۲۱، ۵۷، ۷۱، ۸۸، ۹۶، ۹۷
۱۱۸، ۱۲۰، ۱۳۸، ۱۴۵، ۱۵۳، ۱۹۱
۲۰۱، ۲۰۳، ۳۰۵، ۲۰۶، ۲۱۱، ۲۳۰، ۲۳۱
۲۳۴، ۲۵۴، ۲۵۹، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۶۶
۲۸۱، ۲۸۷، ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۰۵، ۳۱۲، ۳۱۴
۳۲۴، ۳۳۶، ۳۳۹، ۳۷۴ تا ۳۷۹، ۳۸۱
۳۸۳ تا ۳۸۶، ۳۹۰، ۳۹۶، ۳۹۸ تا
۴۰۱، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۷، ۴۱۲، ۴۳۶، ۴۳۸
۴۴۰، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۲
۵۲۷، ۵۳۹، ۵۴۳، ۵۴۸
غلام اللہ اسلمؔ ۱۰۱، ۵۸۰
غلام باری سیفؔ ۱۳۶
غلام ربانیؔ ۶۰
غلام رسول - احراری ۱۰۱
غلام رسول - دیہاتی مبلغ ۵۷۸
غلام رسول - سمندری ۵۸۲
غلام جیلانی، چوہدری ۱۰۷
غلام جیلانی، برق ۲۹۰
غلام حسین ۱۳۱
غلام حسین - کرتارپور ۵۸۱
غلام حسین ایازؔ ۵۸۵
غلام حیدر، بابو ۲۶
غلام حیدر، چوہدری ۱۳۳
غلام حیدر، ماسٹر ۵۸۴

غلام سرور ۵۸۱
غلام سرور خاں ۵۸۵
غلام علی لوہار ۸۰
غلام غوث ۸۸، ۵۸۰
غلام فرید ۵۷۹
غلام فرید، ملک ۶۰۴ تا ۶۰۶
غلام قادر، چوہدری ۱۴۵
غلام قادر۔ چک ۱۶۲/R بہاولنگر ۵۸۴
غلام قادر، چوہدری۔ ربوہ ۲۶
غلام محمد۔ اوکاڑہ ۱۴۳
غلام محمد، بابو ۱۷۴
غلام ۔ تاندلیانوالہ ۵۸۳
غلام محمد، حکیم ۱۰۷
غلام محمد۔ گورنر جنرل ۴۱۹، ۵۱۹
۵۳۰، ۵۶۴، ۵۶۷
غلام محمد، ماسٹر ۱۷۵
غلام محمد، میاں ۱۰۱
غلام محمد احمدی ۱۰۶
غلام محمد جلد ساز ۱۱۱
غلام محمد شاہ ۱۳۵
غلام مرتضیٰ، چوہدری ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵
۳۰۷، ۳۷۲، ۵۹۸، ۶۰۳، ۶۰۷ تا ۶۰۹
غلام مہر علی گولڑوی ۵۰۸
غلام محی الدین لکھوی ۴۸۹
غلام نبی، مرزا ۵۸۰
غلام نبی۔ مصری شاہ لاہور ۱۷۳
غلام نبی، میر ۱۰۷
غلام نبی جانباز، مرزا ۱۱۰، ۱۹۷، ۵۲۱
۵۲۹
غلام نبی گلکار، خواجہ ۳۴، ۵۷۷
غوث محمد، حکیم ۵۸۲
غیاث الدین احمد ۳۱۳، ۴۴۳، ۴۴۴
غیاث بیگم ۳۵۴

ف

فتح دین، ٹھیکیدار ۱۰۶
فتح محمد ۵۸۲
فردوس شاہ، سید ۴۵۱
فرزند علی، میاں ۱۳۶
فرزند علی صادق، چوہدری ۵۸۴
فضل احمد، قاضی ۳۳۱
فضل احمد باجوہ ۵۷۹
فضل احمد تھانیدار ۱۴۹
فضل الدین ۵۸۵

فضل الدین، چوہدری ۱۰۷
فضل الدین۔ سریانوالہ ۵۸۱
فضل الدین بنگوی ۱۰۹، ۱۱۰
فضل الرحمان۔ سانگھڑ ۵۸۵
فضل الرحمان سپروائزر ۳۵۳
فضل الٰہی، بابا ۱۳۷
فضل الٰہی پوسٹماسٹر ۷۸
فضل الٰہی، چوہدری ۵۷۶
فضل الٰہی، چوہدری۔ سابق صدر پاکستان
۱۴۱، ۲۴۲
فضل الٰہی، مولوی ۶۴
فضل بن بسار ۳۴۱
فضل حق، ڈاکٹر ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۴۰
۵۸۴
فضل حق، شیخ ۲۵۳
فضل حسین ۵۸۱
فضل حسین، ملک ۲۱، ۶۴، ۱۲۰، ۱۲۴
۱۵۳، ۳۵۷
فضل دین۔ لاہور ۱۷۴
فضل دین، میاں۔ فیصل آباد ۱۰۶
فضل دین آف سریانوالہ ۹۹
فضل دین جبٹے ۱۲۱
فضل عمر ولد عبداللہ ۱۰۸
فقیر محمد منگریو ۱۹۰
فیروز الدین امرتسری ۹۰، ۲۷۲، ۵۸۰
فیروز خاں نون ۵۰۶
فیروز دین، شیخ ۱۷۳
فیض الحسن، صاحبزادہ ۷۴، ۴۴۳، ۴۴۹
۵۱۲، ۵۱۳

ق

قاسم الدین، بابو ۵۷۹، ۵۹۵
قدرت اللہ، حافظ ۲۳۲
قدرت اللہ سنوری ۱۶۳، ۱۶۵
قدیر الدین، جسٹس ۴۸۷
قربان علی خاں ۳۱۳، ۴۴۳
قطان، امام ۳۴۲
قمر الدین، پیر ۳۲۰
قیصر مصطفیٰ ۳۲۰

ک

کبیر احمد، قاضی ۳۴
کرم الٰہی سیٹھی ۶۷
کریم بیگ، مرزا ۱۵۱، ۱۷۰، ۵۷۵

کفایت حسین، حافظ ۳۲۰، ۴۶۷
کیتھرین ڈی میڈی چی ۱۵۲

گ

گاندھی ۱۱
گرانٹ، اے جے ۱۵۲
گلزار احمد پٹواری ۹۶، ۵۸۱

ل

لال دین ۵۸۳
لال شاہ ۵۸۱
لال شاہ بخاری ۴۰۴
لطیف احمد چشتی ۶۴
لطیف احمد، قریشی۔ ڈاکٹر ۳۰۱
لیاقت علی خاں ۴۲۰، ۵۴۷

م

ماب ۴۵
مارٹن لیوتھر ۱۵۲
مالکؒ، امام ۳۴۲
مبارک احمد، شیخ ۲۲۶
مبارک احمد۔ لاہور ۱۷۱
مبارک احمد، مرزا ۴۱۹، ۶۰۴، ۶۰۵
مبارک احمد، میاں۔ فیصل آباد ۱۰۸
مبارک احمد ناصر ۶۳، ۵۷۸
مبارک احمد ولد حکیم سراج دین ۱۶۶
مبارکہ بیگم، سیدہ نواب ۲۵۶، ۲۵۷
مبشر احمد۔ گوجرانوالہ ۴۳
مجیب الرحمٰن شامی ۵۰۵
محبوب ۱۰۶
محبوب عالم ۱۵۴
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۳ تا ۵، ۱۵، ۱۴۸
۱۸۵، ۲۰۶، ۲۱۲، ۲۲۲، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۳۴
۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۹، ۲۹۴ تا
۲۹۶، ۳۱۰، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۹، ۳۳۳
تا ۳۳۶، ۳۵۵، ۳۵۸، ۳۶۵، ۳۷۳
۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۹ تا ۳۸۱، ۳۸۳ تا ۳۸۶
۳۸۹، ۳۹۵، ۳۹۷، ۳۹۸، ۴۰۰، ۴۰۲
۴۰۳، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۱۷، ۴۱۹، ۴۳۴
۴۳۶، ۴۳۸، ۴۴۲، ۴۴۸، ۴۶۵ تا ۴۶۸
۴۷۸، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۸، ۵۰۴، ۵۰۹
۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۶، ۵۳۹، ۵۴۸، ۵۵۲
۵۵۳، ۵۵۷، ۵۶۱، ۵۶۳، ۵۶۶
محمد ابراہیم، چوہدری ۸۹

محمد ابراہیم، حوالدار ۱۴۸
محمد ابراہیم، میر ۵۷۹
محمد ابراہیم۔ دیروالہ ۸۹، ۵۷۹
محمد ابراہیم عابدؔ ۷۶، ۵۷۹
محمد احسن شاہ ۱۲
محمد احمد، خواجہ ۵۸۲
محمد احمد، سیدؔ ۳۳۴، ۵۱۳
محمد احمد۔ لاہور ۱۷۱
محمد احمد جیلانی، سیدؔ ۴۱۷
محمد احمد خاں ۵۸۵
محمد احمد قادری، ابوالحسنات سید ۳۱۹
۳۲۳، ۳۳۴، ۳۴۰، ۴۶۱، ۴۶۵، ۴۷۰
۴۷۹، ۴۹۲ تا ۴۹۴، ۵۰۸، ۵۰۹
۵۱۲، ۵۱۴
محمد احمد مظہر ایڈووکیٹ، شیخ ۱۲۳
۳۰۷، ۴۱۱، ۵۸۱، ۵۹۳، ۵۹۵
محمد احمد نظام ۶۷
محمد ادریس، مفتی ۳۲۰، ۴۷۰
محمد ادریس کاندھلوی ۵۰۶
محمد اسحاق، مولوی ۴۲۲
محمد اسلم سیف، قاضی ۵۱۹
محمد اسماعیل ۵۸۰
محمد اسمٰعیل، ڈاکٹر ۳۱
محمد اسمٰعیل، مستری ۱۶۱، ۱۷۳، ۱۷۴
محمد اسمٰعیل، مولوی ۲۸۱
محمد اسمٰعیل، میاں ۱۰۸
محمد اسمٰعیل دیالگڑھی ۱۱۰، ۱۲۷، ۳۱۸، ۵۸۱
محمد اسمٰعیل پانی پتی، شیخ ۱۶۱، ۱۶۳
محمد اسمٰعیل میرؔ ۲۳۲
محمد اشرف، ڈاکٹر ۶۴
محمد اشرف۔ لاہور ۶۰۳
محمد اشرف ۵۴۰
محمد اصغر، مرزا ۶۷
محمد افضل، ملک ۵۵
محمد اقبال، ڈاکٹر سر ۲۸۹، ۳۲۷
۳۶۲
محمد اقبال، شیخ ۱۴۴
محمد اقبال، قریشی ۱۶۴، ۶۰۵
محمد اقبال۔ اوکاڑہ ۱۴۶، ۱۴۷
محمد اقبال زرگر، میاں ۱۶۸
محمد اکرم۔ گوجرانوالہ ۱۲۱
محمد اکرم ایم۔ اے، شیخ ۵۳۲، ۵۳۳
محمد الدین۔ ترگڑی ۵۷۸
محمد الدین، حکیم ۱۷۲

محمد الدین، میاں ۴۳
محمد الدین، میر ۸۳، ۸۴
محمد الدین بٹ ۱۰۹
محمد امین، چوہدری ۱۸۳
محمد امین، خواجہ ۸۹، ۵۶۹
محمد انور، ڈاکٹر ۹۹، ۱۲۰، ۵۸۳
محمد انور، شیخ ۱۰۰
محمد انور حسین، چوہدری ۵۸۰، ۵۹۳، ۵۹۵، ۵۹۷
محمد بخش، حافظ ۱۴۴
محمد بخش ایڈووکیٹ، میر ۳۸، ۳۰۷، ۵۷۸، ۵۹۳، ۵۹۵
محمد بشیر، چوہدری ۳۰، ۳۱
محمد بشیر آزاد، شیخ ۹۷، ۵۸۱
محمد بشیر احمد، سائیں ۱۰۷
محمد بشیر احمد، میاں ۵۸۴
محمد بشیر زیروی ۲۵۳، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۴، ۲۶۵، ۵۷۶
محمد جعفر ۵۸۲
محمد حبیب اللہ اوچ ۳
محمد حیات، مرزا ۶۷
محمد حیات، مرزا۔ سیالکوٹ ۵۸۰
محمد حسین، ٹوبہ ٹیک سنگھ ۵۸۱
محمد حسین۔ جڑانوالہ ۱۲۰
محمد حسین، چوہدری ۵۷۸
محمد حسین چوہدری۔ ملتان ۵۹۳، ۵۹۵
محمد حسین، حکیم۔ مرہم عیسیٰ ۲۶۳
محمد حسین۔ سیالکوٹ ۷۰
محمد حسین، شیخ ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۸، ۵۸۳
محمد حسین۔ گوجرانوالہ ۴۱، ۵۷۸
محمد حسین۔ نندپور ۳۸
محمد حسین بٹالوی ۵۳۴
محمد حسین چیمہ ۱۲۹، ۶۰۷
محمد حسین خاں ۱۲۲، ۵۸۳
محمد خاں ولد عالم خاں ۱۴۹
محمد دین، مولوی ۲۷۵
محمد ذاکر، مولانا ۱۳۹، ۳۱۹
محمد ذکریا آف سہارنپور ۳۴۲
محمد رفیع، صوفی۔ سکھر ۲۳۰، ۵۸۵
محمد رفیق جراح ۸۳، ۵۷۷
محمد رفیق کفش ساز ۱۷۴
محمد زاہد، حکیم ۱۲۷
محمد زمان شاہ، پیر ۱۸۵، ۵۸۶
محمد شاہنواز خاں، ڈاکٹر ۳۳۶

محمد شریف۔ جڑانوالہ ۱۲۰، ۵۸۲
محمد شریف، چوہدری۔ صادق آباد ۱۸۳
محمد شریف، چوہدری۔ فیروزوالہ ۵۷۹
محمد شریف، ماسٹر ۵۸۰
محمد شریف احمدی، قاضی ۶۱
محمد شریف موچی۔ چونڈہ ۹۱
محمد شریف ایڈووکیٹ، چوہدری ۳۰۷،
۴۱۰، ۵۹۳
محمد شفیع، ملّا ۳۹۱
محمد شفیع، میاں ۲۸۷
محمد شفیع۔ ننکانہ صاحب ۹۹، ۵۸۰
محمد شفیع اسلم، ماسٹر ۱۲۴، ۵۸۲
محمد شفیع اشرف ۲۰۸
محمد شفیع برمی ۱۵۱، ۱۵۵، ۱۶۰،
۱۷۳، ۵۷۵
محمد شفیع تھانیدار، میاں ۱۶۸
محمد شفیع دیوبندی، مفتی ۳۲۰، ۴۷۰
محمد شفیع کھوکھر ۵۵
محمد صادق۔ بھوڑوچک ۵۸۱
محمد صادق۔ لاہور ۱۶۸
محمد صالح ۲۵۳، ۲۶۰، ۵۷۶
محمد صدیق، چوہدری۔ لائبریرین ۳۰۳، ۶۰۰
۶۰۳
محمد صدیق، مستری ۱۱۱
محمد صدیق آڑھتی، شیخ ۱۴۴، ۱۴۵
محمد صدیق گورداسپوری ۲۳۱
محمد صفدر، خواجہ ۶۶، ۳۱۵
محمد طاہر لدھیانوی ۵۴۰
محمد طفیل، میاں۔ ایڈیٹر نقوش ۴۸۹، ۴۹۰
محمد طفیل، ملک ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۶۹
محمد ظریف، ملک ۹۶
محمد ظفراللہ خاں، سر چوہدری ۶، ۷، ۱۱، ۸۶
۱۰۰، ۱۰۴، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۸، ۱۴۱، ۱۵۶
۱۹۳، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۷۲، ۲۷۶، ۳۲۳
۳۶۲، ۴۰۴، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۲، ۴۲۵
۴۲۶، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۹۱، ۴۹۶، ۴۹۷
۵۳۷، ۵۴۱، ۵۴۳، ۵۵۰، ۵۵۷، ۵۵۹
۵۶۱، ۵۶۲، ۵۸۷
محمد عالم۔ ڈھوک رتّہ ۵۷۷
محمد عالم منہاس لدھیانوی ۵۴۰
محمد عبداللہ، چوہدری ۷۸
محمد عبداللہ۔ کوٹ فرزند علی ۵۸۵
محمد عبداللہ، شیخ۔ واربرٹن ۵۸۱
محمد عبداللہ، ملک ۲۴۹، ۲۵۰، ۵۷۶
محمد عبداللہ، ملک۔ مولوی فاضل ۲۷۲، ۲۷۵،
۲۷۶، ۳۳۹

محمد عبداللہ ایم۔ ایس۔ سی۔ لاہور ۲۲۲
محمد عبداللہ، باجوہ ۵۷۸
محمد عثمان ۵۸۵
محمد عظیم ۱۶۰
محمد علم الدین سالک ۲۹۸، ۲۹۹
محمد علی ۵۱۴
محمد علی، چوہدری ۷۳
محمد علی۔ مانگٹ اونچے ۵۷۸
محمد علی انبالوی، شیخ۔ لاہور ۱۷۵
محمد علی انبالوی، شیخ۔ چوہڑکانہ ۵۸۱
محمد علی ایم۔ اے، مولوی ۳۴۲
محمد علی باب ۳۹۶
محمد علی بوگرا ۲۵۳
محمد علی جالندھری، مولوی ۵۰۹ تا ۵۱۳
محمد علی جناح، قائداعظم ۲، ۶، ۳۵۶، ۳۵۸، ۳۶۲، ۳۶۴، ۴۲۳، ۴۳۰، ۴۵۶، ۴۹۷، ۵۴۷
محمد علی جوہر ۳۶۴
محمد علی درانی ۵۸۶
محمد علی شمسی ۳
محمد علی کاندھلوی، مولانا ۴۶۸، ۴۷۳
محمد فاضل ۲۹
محمد فقیر اللہ خاں ۱۷۷
محمد قاسم نانوتوی ۳۳۲
محمد لطیف، چوہدری ۶۷
محمد لطیف۔ کارکن ۲۱۸
محمد لطیف۔ گوجرانوالہ ۴۱
محمد محسن، مہر ۱۳۳
محمد مشتاق ۵۸۲
محمد مقبول شاہ ۳۵
محمد منیر، جسٹس ۲، ۲۹۴، ۳۱۹، ۴۱۹، ۴۷۷، ۴۸۸، ۴۹۱، ۴۹۳، ۴۹۶، ۵۹۴، ۵۹۵
محمد منیر۔ ڈوگری ہریاں ۸۷، ۵۸۰
محمد منیر۔ کھیوہ باجوہ ۹۱
محمد موصیل، حکیم ۵۸۵
محمد نذیر، قریشی ۱۳۳
محمد نذیر بیچیکی ۵۸۰
محمد نواز آڑھتی ۱۱۶
محمد نصیر احمد ۵۸۰
محمد یسین خاں ۱۷۴
محمد یعقوب ۱۲۴
محمد یعقوب، ڈاکٹر ۱۵۴، ۱۵۸، ۱۷۱
محمد یعقوب، شیخ ۱۴۶

محمد یعقوب، گوکھوال ۵۸۳
محمد یعقوب، مولوی ۶۰۶
محمد یعقوب طاہر ۳۴۳
محمد یعقوب کلینی ۳۳۸
محمد یوسف، ایڈیٹر ۲۱۸
محمد یوسف بی۔اے۔ بی ٹی ۱۱۲
محمد یوسف خوشنویس ۴۷، ۴۸
محمد یوسف، شیخ ۵۸۲
محمد یوسف، مولوی ۶۵
محمد یوسف شاہ ۱۱۳
محمد یوسف ہوتی، قاضی ۵۸۵
محمد یونس۔ پرانی انارکلی ۱۷۰
محمد یونس۔ رتن چند روڈ لاہور ۱۶۹
محمد یحییٰ ۲۶۰، ۲۶۳، ۵۷۶
محمد یحییٰ۔ فلیمنگ روڈ لاہور ۱۷۱
محمد یحییٰ۔ نیلا گنبد لاہور ۲۵۳
محمود احمد۔ راولپنڈی ۲۹
محمود احمد، میجر ڈاکٹر ۳۱۳
محمود احمد ایڈووکیٹ ۱۰۵
محمود احمد جان ۴۴
محمود احمد جیلانی، سید ۴۱۵
محمود احمد خاں ایم۔اے ۱۴۲

محمود الحسن ۱۵۴
محمود الحسن، مولوی ۳۳۳
محمود الہٰی ۱۷۱
محمود واحد گیلانی ۳۹۶
مختاراں زوجہ محمد الدین ۸۹
مختار احمد، حکیم ۱۷۶، ۱۷۷
حضرت مریم علیہ السلام ۲۳۵
مریم ۳۵
مریم صدیقہ، سیدہ (اُمّ متین) ۵۳۲
مرتضیٰ احمد خاں میکش ۳۵۴، ۳۷۱
۳۹۵، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۲، ۴۰۴، ۴۰۹
۴۲۷، ۴۳۰، ۴۳۶، ۴۷۱، ۶۰۸
مسعود ۵۹۸
مسعود احمد ۱۵۳، ۱۶۳ تا ۱۶۵، ۱۶۹
مسعود احمد، چوہدری ۳۱۶
مسعود احمد خاں ۱۴۲
مسعود احمد خاں دہلوی ۴۱۳
مسعود علی خاں ۵۲۹
مسعود نصر اللہ خاں ۵۷۹
مسعودہ ابراہیم ۱۴۲
مسیلمہ کذاب ۳۰۹، ۳۹۵، ۴۰۶
۴۳۸

مشتاق گورمانی ۴۴۴
مطیع الرحمان ۳۵۳
مظفر احمد، مرزا ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۷، ۵۳۷، ۵۸۴
مظفر احمد، مرزا۔ ابن مرزا قدرت اللہ ۲۵۳، ۲۶۰، ۵۷۶
مظہر علی اظہر ۴۰۹، ۴۲۶، ۶۰۸
معراج دین پنساری ۴۲
معراج دین پہلوان ۱۵۳، ۱۶۶
معین الدین ۳۳۷
معین الدین، مولوی۔ اوکاڑہ ۱۴۴
معین الدین، مولانا۔ ایڈیٹر "سوادِ اعظم" ۵۱۴
معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ ۳۳۵
مغیرہ بن سعید الاجلی ۳۹۶
مقصود احمد قمر۔ سابق مبلغ تنزانیہ ۲۳۱
ممتاز احمد خاں۔ ایڈیٹر آفاق ۳
ممتاز بیگم ۳۵۴
ممتاز محمد خاں دولتانہ ۸، ۶۶، ۷۵، ۸۵، ۸۷، ۱۲۹، ۱۵۸، ۱۹۴، ۱۹۵، ۳۱۴ تا ۳۱۶، ۴۲۴، ۴۴۱، ۴۴۳، ۴۵۲ تا ۴۵۴، ۵۱۶، ۵۲۷، ۵۲۸

منظور احمد، قریشی ۳۰۱
منظور احمد، ماسٹر ۱۵۵، ۱۶۳، ۱۶۴، ۵۷۵
منظور حسن ایم۔ ایل۔ اے ۳۷
منظور حسین، چوہدری ۵۸۰
منور احمد ۱۷۰
منور الدین، پیر ۵۳۱، ۵۳۲
منور علی، میاں ۱۷۰
منیر۔ لاہور ۱۵۵
منیر احمد ۳۸۸
منیر احمد۔ چک ۵۵/۴-R بہاولنگر ۵۸۴
منیر احمد زرگر ۱۳۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام ۳۷۲، ۳۹۵، ۴۰۰، ۴۵۳
موسیٰ، مستری ۱۵۳، ۱۵۵
مولا بخش ۴۱، ۴۲
مولا بخش جٹ ۹۱
مولا داد، چوہدری ۲۶
مولا داد، ماسٹر ۵۷۹
موہن جی (خدا بخش) ۲۱۱، ۲۱۲
مہر الدین، مولوی ۵۸۱
مہر دین، شیخ ۶۸
مہر شاہ ۱۳۵

مہریار ۱۳۴

ن

ناصر احمد، شیخ ۲۳۳
ناصر احمد ۔ لاہور ۱۶۶
ناصر احمد، مرزا ۔ خلیفۃ المسیح الثالثؒ ۲۵۴
۲۵۶ تا ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۷۰
۲۷۳، ۲۷۵، ۳۰۷، ۳۱۸، ۴۲۶، ۵۶۷
۵۹۳
ناصر احمد پال ۶۷، ۶۸
ناظر حسین، چوہدری ۴۹۵
ناظم الدین، خواجہ ۱۰۶، ۸۶، ۱۵۳
۴۰۵، ۴۲۰ تا ۴۲۲، ۴۲۷، ۴۲۹، ۴۴۱
۴۵۲، ۴۵۳، ۵۱۶، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۹
۵۶۷، ۵۹۹
نجات احمد ۵۸۲
نذر محمد، مستری ۱۵۳، ۱۶۷، ۱۶۸
نذیر احمد ۱۲۱
نذیر احمد ۔ چک ۱۶ فیصل آباد ۵۸۳
نذیر احمد، چوہدری ۔ ڈسکہ ۸۰
نذیر احمد، چوہدری ۔ ملکانہ ۳۶۱
نذیر احمد، شیخ ۲۷۴
نذیر احمد ایڈووکیٹ ۔ ممبر جماعت اسلامی ۳۷۱
۳۸۳، ۴۰۵، ۴۲۲، ۴۲۳
نذیر احمد باجوہ، چوہدری ۲۲۰، ۳۰۷
۵۹۳
نذیر احمد علی، مولوی ۶۰۶
نذیر احمد مبشر ۲۲۲
نذیر حسین، سید ۸۹، ۵۸۹
نذیر حسین دہلوی ۲۳۷، ۵۳۴
نصر اللہ خاں ۵۷۹
نصر اللہ خاں باجوہ ۱۴۵
نصر اللہ خاں عزیز ۳
نصرت جہاں بیگم، سیدہ ۲۱۱، ۲۵۷
نصیر احمد، چوہدری ۲۷۲
نصیر احمد باجوہ، چوہدری ۱۵۰
نصیر احمد، قاضی ۳۴
نصیر احمد، میاں ۵۷۸
نظام جان، حکیم ۵۰
نعمت خاں ۵۸۲
نعمت خاں ۔ فیصل آباد ۱۰۹
نعمت اللہ پٹواری ۵۸۲
نعمت اللہ شاہ ولی ۲۹۸
نعیم صدیقی ۴۷۱، ۵۰۷

نواب دین - چنیوٹ ۱۴۱
حضرت نوح علیہ السلام ۳۷۲، ۴۰۰
نور احمد، میر ۴۵۳
نور احمد ایڈووکیٹ، شیخ ۱۵۱، ۱۵۴، ۳۰۷، ۳۰۸، ۵۹۳، ۵۹۸
نور الحسن، قریشی ۵۸۰
نور الحسن شاہ بخاری ۳۲۰
نور الدین، چوہدری ۶۰۳
نور الدین، حکیم مولانا - خلیفۃ المسیح الاوّل ۲۱۱
نور علی خاں ۱۷۱
نور محمد ۵۸۳
نور محمد، ڈاکٹر ۱۷۱
نور محمد، میاں ۱۴۹
نور محمد امینی ۶۲
نیاز محمد، شیخ ۴۰، ۵۷۸
نیرو - بادشاہ روم ۳۵۲

و

وارو ۴۵
ویزر، ڈاکٹر ۲۳۲

ہ

ہدایت اللہ ۱۷۰
ہنری ڈیوک گائڈ ۱۵۲

ی

حضرت یحییٰ علیہ السلام ۴۰۰
یحییٰ بن معین ۳۴۲
یزدانی جالندھری، سید ۲۹۷
یعقوب علی ۶۰۷
یعقوب علی تراب، شیخ ۵۰۰
حضرت یوسف علیہ السلام ۴۰۰
یوسف علی، چوہدری ۲۸

مقامات

آ

آسٹریلیا ۴۳۱

آنبہ ۹۹

ا

اٹک ۱۸۶

اٹلی ۲۶۰

اچینی پایاں ۱۸۶

احمد نگر ۱۲۷، ۱۳۱ تا ۱۳۳

اریٹیریا ۴۳۱

اسرائیل ۵۳۶

اصفہان ۱۳

افریقہ ۲۲۶، ۲۲۷، ۵۷۲

افغانستان ۳۵۹

امرتسر ۳۳۷

امریکہ ۴۲۹، ۴۳۱، ۴۳۲، ۵۳۶، ۵۶۲

انڈونیشیا ۲۳۲، ۳۵۹، ۳۶۰، ۵۳۶

انگلستان ۳۶۱

اوکاڑہ ۴۳ تا ۱۵۱، ۲۲۳، ۳۱۳، ۳۵۳

ایبٹ آباد ۱۸۵

ایران ۳۵۹

ایشیا ۵۷۲

ب

بائزید خیل ۱۸۶

بالاکوٹ ۱۸۵
برطانیہ ۵۳۶
بستی وریام ۱۲۷
بصرہ ۳۴۱
بغداد ۳۹۳، ۵۹۰
بقاپور ۲۳۴
بڑے کے ۹۹
بلوچستان ۲۱۰، ۳۹۲
بمبانوالہ ۷۸
بمبئی ۳۶۱
بنگال ۱۸۰، ۲۱۰، ۵۸۸
بنگلہ دیش ۱۸۲، ۱۹۲، ۱۹۳
بنوں ۱۸۶
بنی پور ۷۸
بہار ۳۶۱، ۳۶۲
بہاولپور ۱۸۲، ۲۲۱
بہاولنگر ۱۸۳، ۱۸۴
بھوڑ و چک نمبر ۱۸۱ ۹۸
بھگوان سنگھ والا ۱۱۳
بھوانہ ۱۲۷
بھوپال ۴۳۰
بھینی شرق پور ۱۰۰

پ

پاکستان ۲، ۵ تا ۱۴، ۱۶، ۱۷، ۱۲۸، ۱۳۰
۱۴۶، ۱۸۱، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۷
۲۰۷، ۲۱۳، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۲۷
۲۳۲، ۲۴۷، ۲۵۸ تا ۲۶۰، ۲۷۹، ۲۸۹
۲۹۰، ۲۹۶، ۳۰۰، ۳۰۷، ۳۴۹، ۳۵۷
۳۶۰ تا ۳۶۲، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۸۷
۳۸۸، ۳۹۳، ۳۹۴، ۴۰۳، ۴۰۴
۴۰۹، ۴۱۲، ۴۲۷ تا ۴۳۱، ۴۳۳، ۴۳۶
۴۳۷، ۴۴۱، ۴۵۵، ۴۶۰، ۴۷۲، ۴۷۹
۴۹۰، ۴۹۲، ۴۹۴، ۵۱۳، ۵۳۲، ۵۳۴
تا ۵۳۶، ۵۳۹، ۵۴۱ تا ۵۴۶، ۵۴۸ تا
۵۵۷، ۵۶۰ تا ۵۶۳، ۵۶۶، ۵۶۸، ۵۷؛
۵۷۷
پتھورو ۱۹۰
پٹیالہ ۲۱۱
پریم کوٹ ۲۲۱
پسرور ۶۵، ۷۵، ۹۱، ۹۲
پشاور ۱۸۶، ۲۲۱
پنجاب ۲، ۸، ۱۱، ۱۳، ۱۷، ۲۴، ۱۲۷
۱۵۷، ۱۷۸ تا ۱۸۰، ۱۹۲، ۱۹۵، ۱۹۷

۲۲۸، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۴، ۲۷۲، ۳۰۶
۳۴۹، ۳۵۱، ۳۶۳، ۳۷۰، ۴۱۵
۴۲۸، ۴۳۰، ۵۵۲، ۵۶۱، ۵۶۷
۵۷۳
پنڈی گھیپ ۲۲۳
پیرس ۱۵۲
پیر عبدالرحمان ۱۲۷
پھگلہ ۱۸۶
پھلوارہ ۸۵

ت

تاندلیانوالہ ۱۱۲
ترڈے والی ۱۰۰
ترسکہ ۸۸ تا ۹۰
ترکی ۳۵۹، ۳۶۰، ۵۵۱
ترگڑی ۶۳
تلونڈی جھنگلاں ۹۱
تیونس ۴۳۱، ۴۳۲

ٹ

ٹنڈوالہ یار ۱۹۱
ٹوبہ ٹیک سنگھ ۱۱۲
ٹھٹھہ تاجریاں ۱۰۰

ج

جاکرتا ۲۳۲
جرمنی ۲۳۲، ۳۴۷
جڑانوالہ ۹۹، ۱۰۱، ۱۱۲
۱۱۶، ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۴۰
جلیانوالہ ۱۲۴
جنڈوساہی ۸۰
جہلم ۲۲۲
جیدچک ۹۷
جھنگ ۹۵، ۱۲۶، ۱۲۸، ۲۱۳، ۲۳۰
۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۴۲، ۲۴۶
۲۴۹، ۲۷۲، ۲۷۳، ۳۰۶
جھنگ مگھیانہ ۱۲۶

چ

چارسدہ ۱۸۶
چک نمبر ۹ شمالی سرگودھا ۵۹۰
چک 12/2-R ہارون آباد ۱۸۳
چک ۲۱ اوکاڑہ ۱۴۹
چک ۳۲ اوکاڑہ ۱۴۸

چک ۳۶ گ ب فیصل آباد ۲۸۱
چک ۳۶/۱ ستھیانہ ۱۲۳
چک ۵۳/۴-R ہارون آباد ۱۸۳
چک ۵۵/۲-L اوکاڑہ ۱۵۰
چک ۵۵/۴-R ہارون آباد ۱۸۳
چک ۵۷-۵۶ گ-ب ۱۲۱ تا ۱۲۳
چک ۱۱۹ گ-ب ۱۲۱
چک ۱۶۰/۷-R ہارون آباد ۱۸۳
چک ۱۶۹ گرمولا ۹۷
چک ۷۰/۱ تھرپارکر ۱۹۰
چک ۷۶/۴-R ہارون آباد ۱۸۳
چک ۷۹ نہر ہاکڑا ہارون آباد ۱۸۳
چک ۹۳/۶-R ہارون آباد ۱۸۳
چک ۱۵۲/۲-L ۱۸۳
چک ۱۹۴/۶-R ۱۱۵
چک ۲۶۱ ر-ج-ب ۱۱۵
چک ۴۶۹ سمندری ۱۲۴
چک پنیار ۲۲۲
چک جھمرہ ۱۱۲، ۱۱۳
چک چوہڑ شاہ ۱۰۰
چک منگلا ۵۳۱
چکوال ۲۲۳
چنیوٹ ۱۲۷ تا ۱۳۱، ۱۳۳ تا ۱۳۹
۱۴۱، ۳۹۴
چونڈہ ۸۵، ۸۹، ۹۰
چوہڑ منڈہ ۹۲
چہور مغلیاں ۱۱۷، ۹۷
چھنی ۱۳۴، ۱۳۵
چھنیاں ۱۳۰

ح

حافظ آباد ۶۴
حیدر آباد ۳۷۱

خ

خانیوال ۲۲۲
خراسان ۱۳

د

دانہ زید کا ۹۳
دمشق ۵۳۶
دوالمیال ۲۳۴
دہبہ ۸۹، ۹۰
دھیدو والی ۷۸

دیپالپور ۱۴۵

ڈ

ڈادر ۱۳۶
ڈجکوٹ ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱،
ڈسکہ ۷۶، ۷۸ تا ۸۱، ۸۴، ۲۲۱
۳۱۶
ڈیرہ اسماعیل خاں ۱۸۶
ڈیرہ غازی خاں ۱۹۰
ڈھاکہ ۱۹۳، ۲۲۰
ڈھاکے ۱۰۰
ڈہگری پریاں ۸۷

ر

راولپنڈی ۱۲، ۱۳، ۱۵، ۲۳، ۲۴
۲۵، ۲۷، ۳۰، ۳۲، ۳۴، ۸۴، ۲۱۳
۲۲۰، ۲۲۱، ۲۵۳، ۲۷۶، ۲۷۸، ۳۰۶
۳۱۳، ۳۴۸، ۳۵۳، ۵۴۲
ربوہ ۶۵، ۷۷، ۷۹، ۹۱، ۹۹، ۱۰۱
۱۰۲، ۱۱۰، ۱۲۷ تا ۱۳۱، ۱۳۵ تا ۱۴۰
۱۵۱، ۱۹۱، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۱۷، ۲۱۹ تا
۲۲۱، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۴، ۲۳۷، ۲۴۴
۲۴۹، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۶۰، ۲۷۴ تا ۲۷۶
۲۸۰، ۲۹۶، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۱۰
۳۱۸، ۳۱۹، ۳۹۲ تا ۳۹۴، ۴۱۵، ۴۲۱
۴۳۶، ۴۴۹، ۵۳۱، ۵۳۴، ۵۹۲، ۵۹۸
۶۰۴
رجوعہ ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۳۵
روس ۵۳۴، ۵۵۹
روم ۱۵۲

س

سان فرانسسکو ۴۳۱
سانگلہ ہل ۹۷
ساہیوال ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۶، ۳۰۶، ۳۹۱
۵۰۳
ستھوئی والہ ۱۱۵
ستی والا ۱۳۹
ستھیال ۹۷، ۹۸
سرحد ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۶، ۲۲۷
سرگودہا ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۹، ۲۱۳، ۲۲۲
۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۴، ۳۴۸
سریانوالہ ۹۹
سکھر ۱۹۰، ۲۲۳، ۵۰۹، ۵۱۳

سمالی لینڈ ۴۳۱

سمبڑیال ۸۹

سمندری ۱۱۲، ۱۱۶، ۱۲۴، ۳۴۸، ۵۶۲

سندھ ۱۶۳، ۱۸۰، ۱۸۲، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۰، ۲۱۰، ۲۲۲، ۲۳۰، ۳۷۱

سوہدرہ ۶۴

سوئٹزرلینڈ ۵۳۶

سیالکوٹ ۲۳، ۲۴، ۶۵ تا ۶۷، ۷۴، ۷۵، ۷۹، ۸۲، ۸۷، ۱۲۸، ۱۳۱، ۱۴۰، ۱۴۵، ۱۹۹، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۲۹، ۳۰۶، ۳۵۳

سیدوالا ۹۸، ۱۰۰ تا ۱۰۲

سیرالیون ۲۳۱

سیلون ۲۳۲

ش

شاہدرہ ۱۷۵، ۱۷۶، ۳۵۳

شاہ کوٹ ۹۷

شاہ مسکین ۱۰۰

شورکوٹ ۱۱۱، ۱۲۷

شہزادہ ۹۱، ۲۲۸

شیخ محمدی ۱۸۶

شیخوپورہ ۹۵، ۹۶، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۰

ص

صادق آباد ۱۸۳

ط

طارق آباد ۱۱۱

ع

عراق ۱۳، ۳۶۱

عرب ۳۵۹

عمان ۳۲۱

غ

غرناطہ ۱۳

ف

فرانس ۱۵۲

فلسطین ۴۲۷، ۴۳۱

فیصل آباد (لائلپور) ۹۵، ۱۰۱، ۱۰۴، ۱۰۶

۱۰۹، ۱۱۲، ۱۲۳، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۱
۲۱۰، ۲۲۰ تا ۲۲۲، ۲۳۴، ۳۰۶، ۳۱۵
۳۱۶، ۳۵۳، ۴۰۸، ۴۱۱، ۵۲۱

ق

قادیان ۱۰۲، ۲۵۷، ۲۷۶، ۳۶۳
۳۶۴، ۳۹۳، ۴۲۸، ۵۳۲
قاہرہ ۵۵۴
قرطبہ ۱۳
قسطنطنیہ ۱۳

ک

کابل ۳۹۰
کامونکے ۶۴
کانڈیوال ۱۲۹
کراچی ۶، ۱۱، ۲۴، ۵۷، ۱۹۵
۲۰۶، ۲۱۰، ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۳۱
۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۶، ۲۸۵، ۳۲۱
۳۲۲، ۳۷۰، ۳۷۱، ۵۴۲، ۵۴۷
۵۵۶، ۵۶۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۶۰۶
کرم پورہ ۹۹
کشمیر ۱۱، ۱۳، ۱۰۲، ۳۶۲، ۳۶۳
۴۳۷، ۵۳۶
کلاسوالہ ۹۱ تا ۹۳
کلکتہ ۳۶۱
کماسی ۲۲۲
کمال ڈیرہ ۱۹۱
کمالیہ ۱۱۲
کنڈیارہ ۱۹۱
کنری ۱۹۱، ۲۲۳
کنعان ۳۹۹
کوٹ امیر شاہ ۱۳۱، ۱۳۶، ۱۴۰
کوٹ خدایار ۱۳۴
کوٹ رادھا کشن ۱۷۷
کوٹ رحمت خاں ۲۲۱
کوٹ رحیم یار خاں ۲۲۳
کوٹ قاضی ۱۳۱، ۱۳۶
کوہاٹ ۱۸۶
کوئٹہ ۳۹۲، ۵۷۲
کیمبل پور ۱۸۶
کچھی ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶
کھاچوں ۱۲۶
کھیوہ باجوہ ۹۱

گ

گجرات ۲۲۰، ۲۲۱، ۴۳۴، ۵۹۶
گرمولا ۹۸
گڑھ مہاراجہ ۱۲۷
گوہڑ مولی بخش ۱۹۱
گوجر ۹۸
گوجرانوالہ ۲۳، ۳۶ تا ۳۸، ۴۰، ۴۸، ۵۷، ۵۹ تا ۶۱، ۸۷، ۱۳۱، ۱۴۰، ۲۰۰، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۲۸، ۳۰۶، ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۵۳، ۴۴۹
گوجرہ ۱۱۲، ۱۲۴، ۳۴۸
گورداسپور ۷۸، ۳۶۲، ۴۳۰، ۴۵۵
گوگیرہ ۲۲۳
گولڈ کوسٹ (غانا) ۲۲۲
گولڑہ ۲۵
گوناچور ۶۲
گوکلا ۷۹
گھٹیالیاں ۸۹
گھرجاک ۵۹، ۶۰

ل

لالہ موسے ۲۲۲، ۲۳۴
لالیاں ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۳۸ تا ۱۴۰، ۲۵۲
لاہور ۲، ۳، ۲۴، ۳۶ تا ۳۸، ۵۱، ۱۲۲، ۱۲۸، ۱۳۱، ۱۴۲، ۱۴۵، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۸، ۱۷۵، ۱۷۸، ۱۹۹، ۲۰۸ تا ۲۱۰، ۲۱۳، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۲۹، ۲۳۲، ۲۳۴، ۲۴۴، ۲۴۹، ۲۵۲ تا ۲۵۴، ۲۵۸ تا ۲۶۰، ۲۷۰، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۶، ۲۸۷، ۲۹۴، ۲۹۷، ۳۰۰ تا ۳۰۲، ۳۰۶، ۳۱۵، ۳۱۹، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۵۳، ۳۵۹، ۳۶۱، ۳۷۱، ۳۹۱، ۳۹۳، ۴۱۱، ۴۱۳ تا ۴۱۵، ۴۲۳، ۴۳۴، ۴۳۸، ۴۵۰، ۴۷۲، ۴۸۱، ۵۰۱ تا ۵۰۳، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۴۲، ۵۴۷، ۵۶۰، ۵۶۷، ۵۷۲، ۵۹۰، ۶۰۲، ۶۰۴، ۶۰۶، ۶۰۹
لدھیانہ ۲۵۰، ۳۳۱
لکڑیانوالہ ۱۱۶
لیاقت پور ۲۲۳

لیبیا ۴۳۱

م

مالیرکوٹلہ ۲۵۸، ۴۲۶
مانسہرہ ۱۸۵، ۱۸۶
مانگٹ اونچے ۲۲۱، ۲۸۱
محمد آباد سٹیٹ ۲۲۲
مراکش ۴۳۱، ۴۳۲
مردان ۱۸۶
مری ۴۴۳
مصر ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۹، ۳۹۳، ۵۵۴، ۵۵۵
مظفر گڑھ ۵۱۴
مکّہ ۴۳۱
مگھیانہ ۲۲۱
ملتان ۲۱۰، ۲۲۱، ۳۰۶، ۳۴۸
مل سپرا ۱۳۱، ۱۳۶
ملک پور ۱۰۰
ملیانوالہ ۷۸، ۷۹، ۸۶، ۸۷
منڈیکے بیریاں ۸۹
منڈی مریدکے ۹۷
مہلن وال ۱۰۰
میانوالی ۳۳، ۱۳۹، ۲۲۱
میڈرڈ ۱۵۲
میرپور خاص ۱۹۰

ن

ناصر آباد (سندھ) ۱۷۸
نانوں ڈوگر ۱۰۰
نائیجیریا ۵۳۶
نرائن گنج ۱۹۳
نند پور ۳۷
ننکانہ صاحب ۹۸، ۹۹
نوشہرہ ورکاں ۶۴
نیروبی ۲۲۶
نین کے تورولے ۸۹، ۹۰
نیورمبرگ ۲۳۲
نیویارک ۴۲۷

و

واربرٹن ۹۷، ۹۹
واشنگٹن ۴۲۹
وزیر آباد ۶۴، ۲۳۴

دہیر ۸۸
دیرووالہ ۸۹

ہ

ہارون آباد ۱۸۳
ہالینڈ ۵۳۶
ہزارہ ۱۸۶
ہمراجپور چک ۷۰ ۹۷
ہوانہ ۸۸
ہندوستان ۱۲، ۱۴، ۱۲۸، ۱۳۰، ۲۱۳، ۲۵۸، ۲۰۷، ۳۵۷، ۳۶۱، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۹۳، ۴۳۶، ۴۵۵، ۴۶۲، ۴۹۳، ۵۳۴، ۵۳۶، ۵۴۴، ۵۶۲

ی

یوکے ۱۳۱، ۱۳۶
یورپ ۳۵۹

کتابیات

تفسیر

روح المعانی ۳۳۵

صافی ۳۳۵

مدارک التنزیل النسفی ۳۳۵

حدیث

اوجز المسالک شرح موطا امام مالک ۳۴۳

بخاری شریف، صحیح ۲۷۵، ۳۲۵، ۴۰۷، ۴۸۴، ۴۸۵

ترمذی ۳۲۹

جامع الصغیر ۳۳۰، ۳۵۸

کنز العمال ۳۶۵

کنوز الحقائق ۳۲۹

مسلم، صحیح ۳۲۹، ۴۰۷

مشکوٰۃ ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۸۴

کُتب حضرت مسیح موعودؑ

آئینہ کمالاتِ اسلام ۵۰۲

اربعین حصہ چہارم ۳۹۶

ازالہ اوہام ۲۰۶

الوصیت ۲۳۱، ۴۹۹

الھدیٰ والتبصرۃ لمن یریٰ ۳۳۶

براہین احمدیہ ۳۹۷، ۵۲۷

پیغام صلح ۳۲۶

تریاق القلوب ۵۱۴

تذکرہ ۵۱۴
تحفہ بغداد ۳۲۶
تحفہ گولڑویہ ۳۸۵
حقیقۃ الوحی ۳۲۵، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۸۶، ۳۹۵
سبز اشتہار ۲۰
مکتوباتِ احمدیہ ۵۰۰

کُتب خلفاءِ سلسلہ

آئینہ صداقت ۳۸۴
الازھار لذوات الخمار ۵۳۲
القول الفصل ۴۰۱
انوار خلافت ۳۸۶، ۴۰۱
تفسیر کبیر ۳۳۵، ۵۰۰
ٹرکی کا مستقبل اور مسلمانوں کا فرض ۳۶۰
عرفانِ الٰہی ۳۸۹
مسئلہ وحی و نبوت کے متعلق اسلامی نظریہ ۳۶۵
معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ ۳۶۰

کتب مصنّفین سلسلہ

تأثراتِ قادیان ۳۵۷
تاریخ احمدیت ۲۱
تاریخ احمدیت لاہور ۱۵۱
تجلّی قدرت ۱۶۵
تحقیقاتی عدالت کے دس سوالوں کا جواب اور مولانا مودودی کے جوابات پر تبصرہ ۴۱۷
تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر ایک نظر ۴۷۱
ختم نبوت کی حقیقت ۴۱۲
قادیانی مسئلہ کا جواب ۳۷۰
قیام پاکستان اور جماعتِ احمدیہ ۱۹۲

فقہ، اسلامیات، تصوف، کلام

الصافی شرح الاصول الکافی ۳۲۸
حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین ۳۳۲
فتاوٰی عالمگیر ۳۳۱
فروع الکافی ۳۳۸، ۳۴۱
اقبال اور مُلّا ۳۰۰
اقتراب الساعۃ ۳۲۷
تفہیمات الٰہیہ ۲۹۸
خطباتِ مودودی ۳۳۱

مسدس حالی ۳۲۷
مکتوبات امام ربانی ۳۳۲
مہر صداقت المعروف باحکام شریعت ۳۳۹
تحفہ دستگیریہ ۳۳۲
دیوانِ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ ۳۳۵
غنیۃ الطالبین مع زبدۃ السالکین ۳۳۲
التفرقہ بین الاسلام والزندقہ ۴۸۶، ۴۸۷
تہذیب التہذیب ۳۴۲
ردّ الرّفضہ ۳۴۰
علماء کرام کا فتویٰ درباب ارتداد شیعہ اثنا عشریہ ۳۳۸، ۳۴۰

سیرت و تاریخ

اسلام ان انڈیاز ٹرانزیشن ٹو ماڈرینٹی ۴۹۲
اسلام ان ماڈرن ہسٹری ۴۹۰
بیان صادق ۵۲۱
پاکستان ۵۶۹، ۵۷۱
پاکستان کس راہ پر ۱۹۳
تحریک جماعت اسلامی ۵۲۶
چیف جسٹس محمد منیر ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۹۵
حیاتِ امیرِ شریعت ۵۲۹، ۵۳۰
دیوبند مذہب ۵۱۴
رپورٹ تحقیقاتی عدالت ۲۴، ۲۵، ۳۶، ۳۸، ۶۴ تا ۶۶، ۶۹، ۷۵، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۱۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۲، ۱۵۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۴۱، ۴۴۶ تا ۴۵۳، ۴۵۵ تا ۴۶۴، ۴۷۱
روداد جماعتِ اسلامی ۳۲۶
سٹرگل فار فریڈم ان کشمیر ۵۶۲
مجلس احرار کی تبلیغی سرگرمیاں اور اس کا اجمالہ خاکہ ۵۴۰
مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش ۳۲۷
موجِ کوثر ۵۳۲، ۵۳۳

کُتبِ مخالفینِ سلسلہ

اظہار مخادعہ مسیلمہ قادیانی
بجواب اشتہار مصالحت پولوس ثانی ۳۳۷
حرفِ محرمانہ ۲۹۰
خطباتِ امیرِ شریعت ۵۲۱
قادیانی مذہب ۳۴۲
قادیانی مسئلہ ۳۶۶ تا ۳۶۸، ۳۷۰، ۵۲۵
کلمہ فضل رحمانی ۳۳۱

محاسبہ ۴۷۱
میاں بشیر الدین محمود احمد کے نام کھلی چٹھی ۵۹۱

کُتب سیاسیات

انتخابی کالج کے لیے لمحۂ فکریہ ۵۲۲

کُتب اہلِ کتاب

انجیل ۱۹
بائبل ۲۲۶
توریت ۲۹۷
زبور ۱۹

لغت، ادب، انسائیکلوپیڈیا

مفردات القرآن ۳۳۵، ۳۸۴
بانگِ درا ۳۲۷
کولیئرز انسائیکلوپیڈیا ۱۵۲

اخبارات و رسائل

اخبار۔ آثار۔ لاہور ۳۸۷، ۳۱۸
۵۲۷، ۵۲۸
" آزاد۔ بنگال ۱۹۴، ۳۵۶، ۴۴۸
۴۵۴، ۴۸۱
اخبار آفاق۔ لاہور ۳، ۴، ۲۸۶، ۲۸۷
۳۱۹، ۳۲۰، ۴۰۴، ۴۴۱
اخبار آرگن اتفاق۔ ڈھاکہ ۱۹۲
رسالہ اشاعۃ السنۃ۔ لاہور ۳۳۰، ۳۳۷
۳۳۹
اخبار اعلان۔ فیصل آباد ۱۱۰
" اقدام۔ حیدر آباد ۵۴۷
رسالہ اقدام۔ لاہور ۴۴۷
" الاعتصام۔ لاہور ۴۷۷، ۴۷۸
۴۸۹
اخبار البلاغ۔ قاہرہ ۵۵۴
رسالہ الشہاب۔ لاہور ۴۵۸
" الفرقان۔ ربوہ ۴۷۴، ۴۷۹، ۵۰۳
۵۰۵، ۵۳۴، ۵۷۳
اخبار الفضل۔ ربوہ ۱۹۲، ۱۹۹
۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۵، ۲۰۷ تا ۲۰۹، ۲۱۳، ۲۱۷
۲۴۲، ۲۵۱، ۲۵۶، ۲۶۱، ۲۶۸، ۲۸۵
۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۶، ۳۵۵، ۳۶۰ تا ۳۶۳
۳۸۳، ۳۸۶ تا ۳۸۹، ۳۹۲، ۳۹۹
۴۰۲، ۴۰۴، ۴۱۰، ۴۱۳، ۴۲۵، ۴۳۶
رسالہ المصلح۔ کراچی ۱۸۱، ۲۰۲، ۲۱۹
۲۲۰، ۲۵۴، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۵، ۴۱۳

۴۱۵، ۴۱۹، ۶۰۲

رسالہ المنبر۔ فیصل آباد ۴۱۹، ۵۰۲

۵۰۳، ۵۱۵، ۵۳۴ تا ۵۳۶

رسالہ المنیر۔ فیصل آباد ۵۱۷ تا ۵۱۹

۵۲۳، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۳۵، ۵۳۶

اخبار امروز۔ ملتان ۵۳۰

〃 انقلاب۔ لاہور ۴۱۲

رسالہ انقلابِ نو۔ لاہور ۳۰۰

〃 اہلسنت والجماعت۔ کراچی ۴۸۶

اخبار ایوننگ سٹار۔ کراچی ۲۲۰

〃 بدر۔ قادیان ۵۴۳، ۵۴۴

۵۴۷، ۵۴۹، ۵۵۱ تا ۵۵۵

رسالہ ترجمان القرآن۔ لاہور ۱۷، ۳۶۳

۳۶۶

اخبار تسنیم۔ لاہور ۵۲۳

رسالہ تشحیذ الاذہان۔ ربوہ ۳۸۳، ۳۸۴

۳۹۱

رسالہ تعلیم القرآن۔ راولپنڈی ۵۰۳

اخبار تعمیر۔ راولپنڈی ۵

رسالہ تنظیم اہلحدیث۔ لاہور ۵۱۹، ۵۳۰

اخبار تیج۔ دہلی ۳۵۷

〃 ٹائمز آف کراچی ۱۷، ۴۷۴

اخبار جنگ۔ کراچی ۶، ۱۱، ۵۰۵، ۵۱۰

〃 〃 ۔ لاہور ۴۸۸

رسالہ چٹان۔ لاہور ۵۰۶، ۵۱۲، ۵۱۳

۵۲۸، ۵۳۰

رسالہ چراغِ راہ۔ کراچی ۱۴، ۵۰۸

اخبار حقیقت۔ لکھنؤ ۵۱۴

رسالہ خالد۔ ربوہ ۲۰۲، ۲۶۹

اخبار خلافت۔ بمبئی ۵۴۵

〃 دی سندھ آبزرور۔ کراچی ۱۸۸، ۱۸۹

۲۲۰

〃 دی مانچسٹر گارڈین ۴۹۵

〃 ڈان۔ کراچی ۲۲۰

〃 ڈھاکہ ۱۹۳

〃 ڈیلی کرانیکل۔ نیروبی ۲۲۶

〃 رہبر۔ کانپور ۵۴۹

〃 ریاست۔ دہلی ۲۵۸، ۲۵۹، ۵۷۳

〃 زمیندار۔ لاہور ۵۰، ۱۷۷، ۳۱۸

۳۶۳، ۳۶۴، ۴۲۹، ۴۴۱، ۴۵۴

۵۲۸

〃 زمیندار سدھار۔ ملتان ۴۴۷

رسالہ زندگی۔ لاہور ۵۰۵، ۵۰۶

اخبار سفینہ۔ لاہور ۱۱

رسالہ سوادِ اعظم - لاہور ۵۱۴
اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ - لاہور ۲۷۸، ۲۸۸، ۳۲۱، ۴۰۵
" صداقت - گوجرہ ۵۳۳، ۵۳۴
" صدقِ جدید - لکھنؤ ۴۷۲ تا ۴۷۴، ۴۷۸ تا ۴۸۰
" فاروق - لاہور ۱۸، ۲۰۸ تا ۲۱۰، ۲۱۷، ۲۴۰
" کلیولینڈ پلین ڈیلر - امریکہ ۵۵۵، ۵۵۶
رسالہ لاہور ۲۶۷، ۴۳۵، ۴۴۷، ۴۸۸
اخبار مارننگ نیوز - ڈھاکہ ۴۱۲
" مدینہ - بجنور ۵۵۴
" مزدور - ملتان ۴۴۸
رسالہ معارف - اعظم گڑھ ۵۵۱، ۵۵۲
" معیار ۷
اخبار مغربی پاکستان - لاہور ۴، ۵، ۷
" ملت - لاہور ۲۸۵، ۲۹۱، ۴۱۳، ۴۱۶، ۴۲۰، ۴۲۵، ۴۲۷، ۴۳۲ تا ۴۳۴، ۴۳۶، ۴۳۸، ۴۴۰، ۴۴۲ تا ۴۴۵، ۴۴۷، ۴۸۰، ۵۰۱
رسالہ نقوشِ زندگی - لاہور ۲۵۳، ۴۸۹، ۴۹۰
اخبار نوائے وقت - لاہور ۹، ۱۰، ۲۴۵، ۲۵۲ تا ۲۵۴، ۴۴۷، ۴۷۳، ۵۰۲، ۵۰۴، ۵۰۶، ۵۱۵، ۵۱۶
رسالہ نیوز ویک ۵۵۵
" ورتمان - امرتسر ۳۶۱
اخبار وطن - بمبئی ۵۵۲
" ہلالِ نو ۵۵۳
" ہمدرد - دہلی ۳۶۴
" ہندو - جالندھر ۲۶۰

تاریخ احمدیّت

جلد ہفتدہم

سواحیلی ترجمہ قرآن کی اشاعت سے لیکر
سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی سفرِ یورپ سے
کامیاب مراجعت تک

(مئی ۱۹۵۳ء ــــ ستمبر ۱۹۵۵ء)

مؤلفہ
دوست محمد شاہد

النّاشر
ادارۃ المصنّفین۔ ربوہ

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد شانزدہم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-123-2

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-16 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt. Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-123-2

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جا بجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۱۷ کو جلد نمبر ۱۶ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد شانزدہم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر و اشاعت قادیان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

تاریخ احمدیت کی سترھویں جلد

الحمدللہ۔ چودھویں صدی کے اختتام کے موقع پر ادارۃ المصنفین کی طرف سے تاریخ احمدیت کی سترھویں جلد طبع ہو کر احباب کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ تاریخ احمدیت کی پہلی جلد ۱۹۵۷ء کے جلسہ سالانہ پر شائع ہوئی تھی۔ اور پندرھویں جلد ۱۹۷۵ء کے جلسہ سالانہ پر۔ سولھویں جلد کا مسودہ تیار ہو رہا ہے انشاء اللہ احباب کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ و باللہ التوفیق۔

سترھویں جلد میں مئی ۱۹۵۳ء سے لیکر ستمبر ۱۹۵۵ء تک کے حالات کا ذکر ہے۔ اِس زمانہ کا مہتم بالشان واقعہ حضرت مصلح موعودؓ کا سفرِ یورپ ہے جس کے دوران حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی یہ پیشگوئی دوبارہ پوری ہوئی ثُمَّ یُسَافِرُ الْمَسِیْحُ اَوْخَلِیْفَۃٌ مِّنْ خُلَفَاءِہٖ اِلٰی اَرْضِ دِمَشْقَ (حمامۃ البشریٰ ص۳۷) کہ مسیح موعود یا ان کے خلفاء میں سے کوئی خلیفہ ارضِ دمشق کی طرف سفر کرے گا۔ پہلی مرتبہ حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۹۲۴ء کے سفرِ یورپ میں دمشق میں نزول فرمایا اور پھر ۱۹۵۵ء میں یورپ جاتے ہوئے دوبارہ ارضِ دمشق میں اُترے۔ پہلی مرتبہ ابھی وہاں جماعت قائم نہیں ہوئی تھی لیکن دوسرے سفر میں حضورؓ نے دیکھا کہ آپ کے عُشّاق کی ایک کثیر جماعت آپ پر قربان ہونا چاہتی تھی۔ اور حضور کی قدم بوسی کو سعادت سمجھتی تھی۔ الغرض یہ پیشگوئی دوسری دفعہ پھر بڑے زور سے پوری ہوئی۔ والحمدللہ علیٰ ذالک۔

حضرت مصلح موعودؓ کا سفرِ یورپ گو علاج کی غرض سے تھا لیکن اس میں الٰہی مصلحت یہ بھی تھی کہ آپ کے متعلق جو یہ الہام تھا کہ قومیں آپ سے برکت پائیں گی یہ بھی پُورا ہو۔ اور غلبۂ اسلام کی وہ مہم جو آپ کی خلافت میں شروع ہوئی تھی اُس میں ایک خاص جوش پیدا ہو چنانچہ ۱۲ پریل ۱۹۵۵ء کو حضورؓ نے کراچی سے ایک پیغام جماعت کے نام دیا کہ

> "میرا ارادہ ہے کہ میں یورپ اور امریکہ کے تمام مبلغین کو اکٹھا کر کے تصفیۂ زمین بر سرِ زمین طے کرنے کی کوشش کروں گا .... کیا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زندگیوں میں اسلام کی فتح کا دن دیکھنا نصیب کرے۔ اور ہماری موتیں ہماری پیدائشوں سے زیادہ مبارک ہوں اور کامیابی ہمارے قدم چومے اور ہم

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فاتح جرنیل بن جائیں اور قیامت کے دن تمام دُنیا کی حکومت کی کنجیاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رکھنے کا فخر حاصل کریں۔"

چنانچہ لندن میں حضورؓ نے دُنیا کے تمام بر اعظموں سے تعلق رکھنے والے مبلّغین کی کانفرنس بُلائی۔ یہ کانفرنس ۲۲ تا ۲۴ر جولائی منعقد ہوئی اور اس میں محترم چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے بھی یورپ اور افریقہ میں تبلیغِ اسلام، اسلامی لٹریچر کی اشاعت اور تعلیمی سکیموں سے متعلق بحث میں حصہ لیا۔ حضورؓ نے افریقہ اور مغربی ممالک میں اسلام کی تبلیغ کو تیز سے تیز تر کرنے کے لئے متعدد تجاویز منظور فرمائیں۔ بعد میں آنے والے دنوں نے بتایا کہ حضورؓ کی اِن تجاویز کا نہایت شاندار نتیجہ نکلا۔ الغرض حضرت مصلح موعودؓ کا یہ سفر خاص مصلحتوں کے ماتحت ہوُا اور نہایت ہی مبارک سفر ثابت ہوُا۔

احباب کو علم ہے کہ اِن دنوں مہنگائی بہت زوروں پر ہے۔ ہر چیز کی قیمتیں پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہیں۔ اِس مہنگائی کے زمانے میں کسی کتاب کا شائع کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ پھر اخراجات کے مطابق اگر کتاب کی قیمت رکھی جائے تو وہ اِتنی زیادہ بن جاتی ہے کہ ہر ایک اسے آسانی سے حاصل نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دو مخلصین مکرم جناب ملک ممتاز احمد صاحب آف دوالمیال اور مکرم میاں اصغر علی صاحب ٹمبر مرچنٹ لاہور کے دِل میں ڈالا کہ وہ تاریخ کی اِس جلد کی اشاعت کے لئے ادارہ کی مدد کریں چنانچہ اِن دونوں اصحاب نے ہمیں گرانقدر امداد دی ہے۔ امّید ہے کہ اِن کے عطیہ کی وجہ سے خریدار دوستوں پر بوجھ قدرے کم ہو جائے گا۔ دوست دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اِن دوستوں کو فضلوں اور برکتوں سے نوازے اور ان کے اخلاص میں برکت دے۔ آمین

ادارہ مؤلف کتاب ہٰذا مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کا شکر گزار ہے کہ انہوں نے باوجود گوناگوں مصروفیت کے رات دن ایک کر کے مواد جمع کیا اور اسے نہایت احسن طریق سے ترتیب دی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری محنتوں اور ناچیز مساعی کو قبول فرمائے اور ہمیں اپنی رضا کے عطر سے ممسوح کرے اور دُنیا اور آخرت میں ستّاری فرمائے۔ آمین

والسّلام

خاکسار

ابوالمنیر نورالحق

مینجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنّفین ربوہ

فہرست مضامین تاریخ احمدیت جلد ہفتدہم

عنوان	صفحہ
پہلا باب	
سواحیلی ترجمہ قرآن کی طباعت واشاعت سے لیکر شاہ ابنِ سعود کی المناک وفات پر حضرت مصلح موعودؓ کے تعزیت نامہ تک	
فصل اوّل	
سواحیلی ترجمہ قرآن کی طباعت واشاعت	۱
ترجمۃ القرآن کی مختصر تاریخ	۲
سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کا ایمان افروز دیباچہ	۵
اخبار ایسٹ افریقن سٹینڈرڈ میں مفصّل خبر	۹
سواحیلی ترجمہ کی اشاعت	۱۱
مشرقی افریقہ کے مختلف علماء اور اہلِ قلم کے تاثرات	۱۲
ترجمہ سواحیلی کا ردِّعمل	۲۰
فصل دوم	
مرکزِ احمدیت میں دو اہم اشاعتی اداروں کا قیام	۲۱
۱۔ الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ	۲۱
۲۔ اورینٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کارپوریشن	۳۱
فصل سوم	
تاریخ احمدیت کی تدوین واشاعت کا انتظام	۴۰
حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے تحریکِ خاص	۴۲

عنوان	صفحہ
تاریخ احمدیت کی پندرہ جلدوں کی اشاعت	۴۷
سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کے تاثرات وارشادات	۴۷
فصل چہارم	
فضلِ عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ربوہ کا افتتاح	۵۰
فصل پنجم	
حضرت مصلح موعودؓ کا سفرِ سندھ	۵۶
خطباتِ ناصر آباد	۵۷
خطبہ احمد آباد	۶۰
خطبہ محمد آباد	۶۲
خطباتِ کراچی	۶۴
کراچی میں اہم تقاریب اور حضرت مصلح موعودؓ کے پُرمعارف خطابات۔	۷۰
فصل ششم	
حضرت سیّدہ اُمِّ داؤد کی وفات	۸۳
فصل ہفتم	
سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ مرکزیہ سے حضرت مصلح موعودؓ کا خطاب۔	۹۰
فصل ہشتم	
شاہ ابنِ سعود کی المناک وفات پر حضرت مصلح موعودؓ	

عنوان	صفحہ
کی طرف سے تعزیت۔	۱۰۵
دوسرا باب	
فصل اوّل	
مرکزی دفاتر کا افتتاح	۱۰۹
تحریکِ جدید کے پہلے اُنیس سالہ دَور کا کامیاب اختتام۔	۱۲۵
فصل دوم	
جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۳ء	۱۲۷
جلسہ سالانہ ربوہ اور حضرت مصلح موعودؓ کی معرکۃ آراء تقاریر۔	۱۳۷
افتتاحی خطاب	۱۳۷
دوسرے دن کی بصیرت افروز تقریر	۱۳۹
تیسرے دن کی پُرشوکت تقریر	۱۴۵
رپورٹر المصلح کے تاثرات	۱۴۷
اخبار تنظیم پشاور میں جلسہ سالانہ ربوہ کا ذکر	۱۴۹
۱۹۵۳ء کے خطباتِ جمعہ ایک نظر میں	۱۵۴
فصل سوم	
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۱۵۸
فصل چہارم	
۱۹۵۳ء کے متفرق اہم واقعات	۱۹۱
حضرت مصلح موعودؓ کی مبلغینِ احمدیت کو نصائح	۱۹۱
درس القرآن کا آغاز	۱۹۲

عنوان	صفحہ
روزنامہ ایوننگ سٹار کراچی کا چودھری محمد ظفراللہ خاں صاحب کو خراجِ عقیدت۔	۱۹۲
روزنامہ المصلح کا اجراء	۱۹۳
کراچی میں صدر انجمن احمدیہ کا قیام	۱۹۷
عراق کے نائب سفیر متعینہ پاکستان کی طرف سے چودھری محمد ظفراللہ خاں صاحب کی خدمات کا اعتراف۔	۱۹۸
کرنل ڈگلس سے امام مسجد لندن کی ملاقات	۱۹۸
رسالہ "ریاض" میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا ایک علمی مضمون۔	۲۰۱
حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے بعض اہم خطوط کا جواب۔	۲۰۱
حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کا سفرِ پاکستان۔	۲۰۲
ڈاکٹر عبدالسلام کا نیا اعزاز	۲۰۳
حضرت مصلح موعودؓ کا ایک خطبۂ نکاح	۲۰۴
بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں	۲۰۵
نئی مطبوعات	۲۱۲
تیسرا باب	
حادثہ جھمپیر اور حضرت مصلح موعودؓ پر حملہ سے لیکر نوجوانانِ احمدیت کی ملک گیر خدمتِ خلق تک	

عنوان	صفحہ
فصل اوّل	
ریل کا خطرناک حادثہ اور ایک عظیم الشان نشان	۲۱۳
رؤیا کی تفصیلات	۲۱۴
مصیبت زدہ مسافروں کی خدمت	۲۱۶
حضرت مصلح موعودؓ کا پُر معارف خطبہ	۲۱۷
چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا فاضلانہ خطبۂ اسناد۔	۲۲۱
فصل دوم	
حضرت مصلح موعودؓ کے خلاف پے در پے منصوبے اور ان کی ناکامی۔	۲۲۷
قاتلانہ حملہ اور خارق عادت رنگ میں خدائی حفاظت	۲۳۰
پولیس کو حادثہ کی اطلاع	۲۳۳
حضرت مصلح موعودؓ کا ایمان افروز پیغام	۲۳۴
قاتلانہ حملہ کی خبر قادیان میں	۲۴۰
انڈونیشیا میں حادثہ کی اطلاع	۲۴۱
دو لبنانی احمدیوں کا درد انگیز قصیدہ	۲۴۲
پنجاب کے مذہبی لیڈروں کی طرف سے قاتلانہ حملہ کی مذمت۔	۲۵۰
برِّ صغیر پاک و ہند کے پریس کا زبردست احتجاج	۲۵۲
حضرت مصلح موعودؓ کا حقیقت افروز بیان۔	۲۶۴
عدالت میں مقدمہ، بیانات اور فیصلہ	۲۷۲

عنوان	صفحہ
فصل سوم	
الفضل کا دوبارہ اجراء	۲۷۵
۱۹۵۴ء کی مجلسِ مشاورت	۲۸۰
مذاہبِ عالم کانفرنس جاپان سے احمدی مبلغ کا خطاب۔	۲۹۲
فصل چہارم	
حضرت مصلح موعودؓ کا سفرِ سندھ	۲۹۵
حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی علالت اور قیامِ لاہور۔	۲۹۸
فصل پنجم	
سیلابِ مشرقی پاکستان اور جماعتِ احمدیہ کی امدادی سرگرمیاں۔	۳۰۰
سیلابِ پنجاب۔ مجالسِ خدام الاحمدیہ کی خصوصی خدمات۔	۳۰۵
پنجاب پریس میں چرچا	۳۱۳
مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی خدمات کا اعتراف	۳۱۵
خدمتِ خلق کے اسلامی مطمح نظر پر ایک ایمان افروز خطبہ۔	۳۱۸
فصل ششم	
عقل و تدبّر اور فہم و ذکا کے خزانوں سے فائدہ اٹھانے کی تلقین۔	۳۲۱
چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا انتخاب عالمی	

عنوان	صفحہ
عدالت کے جج کی حیثیت سے۔	۳۲۲
وقفِ زندگی کی تحریک	۳۳۰
پاکستان کے لئے تحریکِ دعا اور اس کی فوری قبولیت	۳۳۲
فصل ہفتم	
حضرت مصلح موعودؓ کا لاہور کے متاثرہ علاقوں میں دورہ اور تعمیری سرگرمیوں پر اظہارِ خوشنودی۔	۳۳۶
چوتھا باب	
سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ مرکزیہ ۱۹۵۴ء سے لیکر خدام الاحمدیہ کی تحریکِ حج تک	
فصل اوّل	
سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ ۱۹۵۴ء	۳۴۱
اِفتتاحی خطاب	۳۴۱
اختتامی خطاب	۳۴۷
خدام الاحمدیہ عالمگیر کی طرف سے الوداعی ایڈریس	۳۵۱
اجتماع کے بعض ضروری کوائف	۳۵۳
اجتماع کے بعد الوداعی تقاریب اور حضرت مصلح موعودؓ کی قیمتی ہدایات۔	۳۵۴
تحریکِ جدید کی نسبت اہم خطبہ	۳۶۰
فصل دوم	
جلسہ سالانہ قادیان و جلسہ سالانہ ربوہ ۱۹۵۴ء	۳۶۳
جلسہ قادیان	۳۶۳
جلسہ ربوہ اور حضرت مصلح موعودؓ کی پُرمعارف تقاریر	۳۶۵
افتتاحی تقریر	۳۶۵
دوسری تقریر	۳۶۶
تیسری تقریر	۳۶۹
فصل سوم	
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۳۷۳
حضرت خان صاحب ذوالفقار علی خان صاحب گوہر رامپوری۔	۳۷۳
الحاج ممتاز علی خاں صاحب صدیقی درویش قادیان	۳۷۸
حضرت میاں فیروز دین صاحب سیالکوٹی	۳۸۱
مرزا محمد احسن بیگ صاحب راجستھان	۳۸۲
حضرت مولوی مہرالدین صاحب لالہ موسیٰ	۳۸۵
حضرت میرزا محمد رمضان علی صاحب پشاوری	۳۸۸
حضرت حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ	۳۹۰
حضرت حافظ احمد دین صاحب ڈنگوی	۴۰۲
بعض دیگر مخلصینِ احمدیت کی وفات	۴۰۴
الحاج السیّد عبدالرؤف صاحب الحصنی دمشق	۴۰۴
جناب خان بہادر سعداللہ خاں صاحب نظام پور ضلع پشاور۔	۴۰۵
منشی محمد خالد صاحب صدر جماعتِ احمدیہ جھانسی یوپی۔	۴۰۶
خان بہادر نواب احمد نواز جنگ بہادر حیدرآباد دکن۔	۴۰۹

عنوان	صفحہ
فصل چہارم	
۱۹۵۴ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	۴۱۲
خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں اضافہ	۴۱۲
حج فنڈ خدام الاحمدیہ	۴۱۲
گورنر جنرل پاکستان کو ولندیزی ترجمہ قرآن کا تحفہ۔	۴۱۳
مسجد احمدیہ دارالذکر لاہور کا سنگِ بنیاد	۴۱۵
جلالۃ الملک شاہ سعود سے جماعتِ احمدیہ کراچی کے ایک وفد کی ملاقات۔	۴۱۶
ربوہ میں بجلی کی رَو کا افتتاح	۴۱۶
ایک احمدی کوہ پیما کی کامیابی	۴۱۷
جامعۃ المبشرین کی پختہ عمارت کی بنیاد	۴۱۸
تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی نئی عمارت کا افتتاح	۴۲۰
بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں	۴۲۰
ہاورفورڈ کالج امریکہ سے چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا خطاب۔	۴۳۲
مبلّغینِ احمدیت کی مرکز سے روانگی اور واپسی	۴۳۴
نیا لٹریچر	۴۳۵
الحاج مولوی عزیز الرحمٰن صاحب فاضل منگلا کا قبولِ احمدیت۔	۴۴۰
فصل پنجم	
خلافتِ ثانیہ کا بیالیسواں سال ۱۹۵۵ء	۴۴۶

عنوان	صفحہ
۱۹۵۵ء کا پہلا خطبہ	۴۴۶
حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے جماعت ہائے انڈونیشیا کے لئے ایک قیمتی تبرک۔	۴۴۸
فارغ التحصیل شاہدین کے لئے نئی سکیم	۴۴۹
صدر انجمن احمدیہ کے لئے واقفین کی تحریک	۴۵۱
ضرورتِ زمانہ کے مطابق لٹریچر تیار کرنے کا ارشاد۔	۴۵۱
پانچواں باب	
فصل اوّل	
حضرت مصلح موعودؓ کی تشویشناک علالت	۴۵۵
ڈاکٹروں کی طرف سے بغرض علاج یورپ یا امریکہ جانے کا متفقہ مشورہ۔	۴۵۷
یورپ جانے کا فیصلہ	۴۵۸
رُوح پرور پیغامات کا جدید سلسلہ	۴۶۰
پہلا پیغام	۴۶۰
دوسرا پیغام	۴۶۷
قائمقام امیر اور ناظر اعلیٰ کا تقرر	۴۶۸
تیسرا پیغام	۴۶۹
چوتھا پیغام	۴۷۲
فصل دوم	
سفرِ یورپ کا آغاز	۴۷۵
قصرِ خلافت سے روانگی	۴۷۶

عنوان	صفحہ
حضرت سیّدہ نصرت جہاں کے مزارِ مبارک پر دعا	۴۷۷
لاہور سے کراچی	۴۷۸
ملک میں بے بنیاد اور جھوٹی افواہیں اور حضرت امیرِ مقامی کے دو زوردار مضامین۔	۴۷۸
پانچواں پیغام	۴۸۲
چھٹا پیغام	۴۸۴
ساتواں اور آٹھواں پیغام	۴۸۵
نواں پیغام	۴۸۸
اپنی صحت سے متعلق حضور کا رقم فرمودہ نوٹ	۴۹۰
دسواں پیغام	۴۹۱
مدیر صدقِ جدید کا خراجِ تحسین	۴۹۳
بنگالی احمدیوں کے نام حضورؓ کا پیغام	۴۹۴
ربوہ میں مقیم بنگالیوں کا اخلاص نامہ	۴۹۶
گیارھواں پیغام	۴۹۷
کراچی سے دمشق کے لئے روانگی	۴۹۹
دمشق میں ورود اور ہفت روزہ قیام	۵۰۲
دمشق سے بیروت	۵۰۹
بیروت سے زیورک تک	۵۱۱
بارھواں اور تیرھواں پیغام	۵۱۵
سورۃ فاتحہ کے متعلق چار پُرمعارف خطبات	۵۱۶
چودھواں پیغام	۵۲۴
ربوہ کی دردناک اجتماعی دعا اور اس کا نظارہ عالَمِ رؤیا میں۔	
زیورچ کے احمدی احباب سے خطاب	۵۲۸
ٹیلیویژن پر انٹرویو اور ایک یوگوسلاوین کا قبولِ اسلام۔	۵۲۹
زیورک سے جرمنی تک	۵۲۹
ایک نامور مستشرق کی بیعت	۵۳۰
مقامی جماعت کی طرف سے حضورؓ کے اعزاز میں دعوت۔	۵۳۲
اخبارات میں چرچا	۵۳۳
مبلّغ جرمنی کی مخلصانہ خدمات پر اظہارِ خوشنودی	۵۳۴
جرمنی سے ہالینڈ میں ورود	۵۳۵
فصل سوم	
ہالینڈ سے روانگی اور لندن میں تشریف آوری	۵۴۱
ایڈیٹر صاحب الفضل کے نام مکتوب	۵۴۲
لندن میں مبلّغینِ اسلام کی عالمی کانفرنس	۵۴۲
کانفرنس کے کامیاب اختتام پر اخبار الفضل میں مفصّل خبر۔	۵۴۴
اخبار المنیر لائلپور کا تبصرہ	۵۴۵
لندن کانفرنس	۵۴۵
حضرت مصلح موعودؓ کا پُرشوکت اعلان	۵۴۷
مالٹا کے ایک انجنیئر کا قبولِ اسلام	۵۴۹
پندرھواں پیغام	۵۴۹

عنوان	صفحہ
خطبہ عید الاضحیہ	۵۴۹
عید کے بعد ڈسمنڈ شا کی ملاقات	۵۵۰
جماعتِ احمدیہ نائیجیریا کے نمائندہ وفد کی ملاقات۔	۵۵۱
ایڈیٹر ماہنامہ ایسٹرن ورلڈ کی ملاقات	۵۵۲
طلبائے زنجبار کی ملاقات	۵۵۲
حضرت امّاں جانؓ کے انتقال پر پیغامِ تعزیت۔	۵۵۲
ایک سوئس کا قبولِ اسلام	۵۵۳
ناظرِ اعلیٰ ربوہ کے نام مکتوب اور واپسی کے پروگرام سے اطلاع۔	۵۵۳
قافلہ کی پہلی پارٹی کراچی میں	۵۵۳
حضرت مصلح موعودؓ کا جماعتِ احمدیہ لندن سے خطاب۔	۵۵۴
لندن سے کراچی تک	۵۵۴
قادیان میں جشنِ مسرت	۵۵۵
نمائندگان جماعت ہائے احمدیہ پاکستان کا سپاسنامہ۔	۵۶۰
حضرت مصلح موعودؓ کی بصیرت افروز تقریر	۵۶۳
مسلم فرقوں سے مغربی ممالک میں تبلیغِ اسلام کی پُرزور اپیل۔	۵۶۵
حضرت مصلح موعودؓ کا مرکزِ احمدیت میں ورود اور شمعِ خلافت کے پروانوں کا فقید المثال استقبال۔	۵۶۵
مبارک سفر کا مبارک اختتام	۵۷۲

ضمیمہ

فہرست قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۳ء	صـ۱
تصویر قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۳ء	
حضرت مصلح موعودؓ پر حملہ سے متعلق حضرت مسیح موعود کی رؤیا اور اس بارے میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کی مراسلت	۱۵
حملہ کے عینی گواہوں کے بیانات	۲۱
فہرست قافلہ قادیان ۱۹۵۴ء	۳۸

تصاویر

- سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے سفرِ کراچی ۱۹۵۳ء کا ایک یادگار فوٹو۔
- مینجنگ ڈائریکٹر ایسٹ افریقہ سٹینڈرڈ مولانا شیخ مبارک احمد صاحب کو سواحیلی ترجمہ قرآن کی پہلی مطبوعہ کاپی پیش کر رہے ہیں۔
- حضرت مصلح موعودؓ تحریکِ جدید کے دفاتر کا معائنہ فرما رہے ہیں۔
- صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کے دفاتر کے افتتاح کے مناظر۔
- جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۳ء کے چند مناظر۔
- لوائے احمدیت کا پہرہ۔
- جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۳ء میں شرکت کرنیوالے پاکستانی قافلہ کا گروپ فوٹو۔
- حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ اور دوسرے اکابر صحابہ جامعہ احمدیہ میں۔
- حضرت مصلح موعودؓ جامعہ احمدیہ میں۔
- حملہ کے بعد حضرت مصلح موعودؓ کے دو نایاب فوٹو۔
- حضرت مصلح موعودؓ کا گروپ فوٹو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی الوداعی تقریب کے موقع پر۔
- حضرت مصلح موعودؓ سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ ۱۹۵۴ء سے خطاب فرما رہے ہیں۔
- لاہور اسٹیشن سے حضرت مصلح موعودؓ کی سفرِ یورپ کے لئے روانگی۔
- حضرت مصلح موعودؓ کا مجلس خدام الاحمدیہ کراچی سے خطاب۔
- خطاب کے بعد اجتماعی دعا۔
- کراچی سے یورپ کے لئے روانگی۔
- کراچی ائیرپورٹ پر مصافحہ۔
- حضرت مصلح موعودؓ کا نزولِ دمشق۔
- حضرت مصلح موعودؓ بیروت کے ائیرپورٹ پر۔
- حضرت مصلح موعودؓ لندن میں۔
- حضرت مصلح موعودؓ کالج اسٹاف سے مصافحہ فرما رہے ہیں۔
- تعلیم الاسلام کالج کی افتتاحی تقریب پر گروپ فوٹو۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ـــــ نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِهِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

پہلا باب

سواحیلی ترجمہ قرآن کی طباعت و اشاعت سے لے کر

شاہ ابنِ سعود کی المناک وفات پر حضرت مصلح موعودؓ کے تعزیت نامہ تک

فصل اوّل

سواحیلی ترجمۂ قرآن کی طباعت و اشاعت

دُنیائے احمدیت میں سال ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء کے وسط کا ایک نہایت اہم واقعہ سواحیلی ترجمۃ القرآن کی طباعت و اشاعت ہے، جس نے مشرقی افریقہ میں تبلیغِ اسلام کی مہم کو تیز تر کر دیا اور مسلم افریقہ کے تخیّل کو بہت تقویت پہنچائی۔

جیسا کہ تاریخ احمدیت (جلد ہفتم) میں بتایا جا چکا ہے اِس ترجمہ کا آغاز مکرم شیخ مبارک احمد صاحب (سابق رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ) نے یکم رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ (مطابق ۱۷/ نومبر ۱۹۳۶ء) کو کیا اور ۱۴/ مئی

۱۹۵۳ء کو ایسٹ افریقن سٹینڈرڈ لمیٹڈ کے مینجنگ ڈائریکٹر مسٹر سی۔ بی۔ اینڈرسن[1] نے اس کا پہلا مجلّد نسخہ تیار کیا جو مکرم شیخ صاحب نے اسی دن بذریعہ ہوائی ڈاک حضرت امیرالمؤمنین المصلح الموعود کی خدمت میں بھیج دیا اور درخواستِ دعا کے ساتھ اس کی اشاعت کے لئے اجازت چاہی۔ مکرم شیخ صاحب کو ۲۱ مئی ۱۹۵۳ء کو حضور کا برقیہ موصول ہؤا کہ

"Translation reached. May God bless its publication and sale."

(Khalifatul Masih)

ترجمہ پہنچ گیا ہے اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت مبارک کرے۔ خلیفۃ المسیح[2]

ترجمۃ القرآن کی مختصر تاریخ

مکرم شیخ مبارک احمد صاحب نے ترجمہ سواحیلی کے پیش لفظ میں لکھا:-

مجھے خوب یاد ہے کہ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ کا پہلا مبارک دن تھا۔ نمازِ صبح کے بعد خاکسار نے قرآنِ مجید کے سواحیلی ترجمہ کا کام شروع کیا۔ اُن دنوں مَیں ٹبورا میں مقیم تھا۔ جب خاکسار نے اِس کام کا ارادہ کیا تو مَیں اکیلا تھا کوئی افریقن دوست نہ تھا جو اِس معاملہ میں میری مدد کرے سوائے پرائمری سکول کے ایک افریقن ٹیچر معلم سعیدی کامبی کے، جو عربی زبان سے واقف نہ تھے اور جو کچھ عرصہ کے بعد کام چھوڑ کر چلے گئے۔ بہرحال ترجمہ کا کام مَیں نے باقاعدگی کے ساتھ جاری رکھا دن کے بعد دن، ہفتے کے بعد ہفتے اور سال کے بعد سال گذرتے رہے حتیٰ کہ وہ دن بھی آن پہنچا جب تیس پاروں کا ترجمہ مکمل ہوگیا۔

۱۹۴۳ء میں جب ترجمہ قرآن کا مسودہ ٹائپ ہوکر مکمل ہوگیا تو اسے مشرقی افریقہ کے ایک اہم ادارہ انٹرٹیریٹوریل لینگوایجز کمیٹی برائے سواحیلی (Inter-Territorial Languages Committee for Swahili) کو جو سواحیلی کی ترقی و اصلاح کے لئے حکومت کی طرف سے

---

[1] Mr. C. B. Anderson Managing Director of the East African Standard Ltd.

[2] پندرہ روزہ اخبار احمدیہ یکم جون ۱۹۵۳ء نیروبی (مشرقی افریقہ)

مقرر تھا بغرض رائے بھجوا دیا گیا۔ اس ادارہ نے اپنے ماہرین کو اس کی دو کاپیاں بغرض تنقید و اصلاح بھجوائیں اور خواہش کی کہ وہ ترجمہ اور زبان دونوں کے متعلق اپنی رائے سے پورے غور و فکر کے بعد مطلع کریں۔ اپریل ۱۹۴۴ء میں اس ادارہ کے سیکرٹری نے ان ماہرین کی کئی صفحات پر مشتمل آراء ہمیں بھجوائیں۔ ان کی متفقہ رائے تھی کہ

"On the whole, the translation is very good"

یہ ترجمہ مجموعی اعتبار سے بہت اچھا ہے۔ ان ماہرین نے بعض مقامات کی تبدیلی کا مشورہ دیا جو قبول کیا گیا اور بعض جگہ ان کی عربی زبان سے عدم واقفیت کی وجہ سے ان کی مجوزہ اصلاح یا رائے ردّ کرنی پڑی۔

اِس ابتدائی نظرِ ثانی کے بعد یہ مسودہ سواحیلی زبان کے بعض دیگر فاضل و ماہر افریقن کو بھجوایا کہ وہ خالصتہً زبان کے عام فہم اور صحتِ زبان کے بارے میں اپنی رائے دیں۔ کچھ عرصہ بعد قریباً ۱۹۴۵ء میں ہمارے عزیز بھائی شیخ امری عبیدی جو لمبا عرصہ میرے ساتھ رہے اور مجھ سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے اور عربی سیکھنے اور دیگر دینی امور میں دسترس حاصل کرنے اور خداداد صلاحیت کے باعث اِس قابل ہو گئے کہ وہ اس پر مزید ماہرانہ تنقیدی نگاہ ڈال سکیں۔ چنانچہ انہوں نے اس کا بغور مطالعہ، موازنہ اور تصحیح کا کام شروع کر دیا اور عربی زبان سے اس کا تطابق اور درستی کی طرف بھی توجہ دی اور کئی مفید مشورے دیئے۔ چند سال کے بعد ہمارے دوسرے علماء نے بھی جو قرآنی علوم اور اسلامی علوم کے بھی ماہر تھے اور عربی اور سواحیلی دونوں زبانوں سے خاص واقفیت حاصل کر چکے تھے اِس ترجمہ کو بڑے غور و فکر سے پڑھا، اپنی رائے دی، مشورہ دیا۔ الحمدللہ سب افریقن اہلِ علم اور ہمارے علماء سواحیلی ترجمہ اور اس کی فصاحت سے متأثر اور خوش ہوئے۔

ترجمہ میں تشریحی اور تفسیری نوٹ بھی شامل کئے گئے کیونکہ ترجمہ کے کام کے بعد اس کی بڑی شدّت سے ضرورت محسوس ہوئی کہ تفسیری نوٹ بھی لکھے جائیں چنانچہ ۱۹۴۹ء کے آخر میں بالخصوص مندرجہ ذیل تین امور کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کئی سَو نوٹ لکھے گئے:۔

اوّل:۔ پہلی بات ان نوٹوں میں یہ مدِّ نظر رکھی گئی کہ مشرقی افریقہ میں غیر مسلموں بالخصوص عیسائیوں کی طرف سے ان کے جرائد و رسائل اور کتب میں قرآن کریم کی کسی آیت یا تعلیم یا آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی مقدّس زندگی پر اعتراض کیا گیا تو اس کا جواب ضرور دیا جائے۔

دوم:۔ قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہبِ عالَم کی تعلیم کا مقابلہ کرکے اسلامی تعلیم کی برتری کو دلائل سے ثابت کیا جائے۔

سوم:۔ کئی بدعات اور رسم و رواج شریعتِ اسلامیہ اور اُسوۂ نبیؐ کے خلاف ہیں اور مسلمانوں میں بوجہ عدم فہمِ قرآن داخل ہوگئی ہیں جن کی قباحت کو واضح کرکے اصل تعلیم اور اصل حقائق نمایاں کئے جائیں۔

بہت سے نوٹ مَیں نے لکھے اور بعض میرے رفقاء نے۔ یہ اکثر نوٹ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام بالخصوص حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی بیان فرمودہ تفاسیر سے استفادہ کے ساتھ تیار کئے گئے جن کے پڑھنے سے انسانی ذہن اور دماغ پر گہرا اثر پڑتا ہے اور یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید بنی نوع انسان کی تمام ضرورتیں پوری کرتا ہے اور اس کتابِ عظیم میں ایسی زبردست قوّت ہے کہ وہ لوگوں کو ذلّت سے اُٹھا کر رفعت اور عظمت کی چوٹیوں تک پہنچا سکتی ہے۔

جن دوستوں نے سواحیلی ترجمۂ قرآن میں مکرم شیخ مبارک احمد صاحب کا ہاتھ بٹایا اور خصوصی امداد فرمائی آپ نے ترجمہ کے شروع میں اُن کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ "مجھ پر لازم ہے کہ مَیں اپنے اُن رفقاء کا خاص طور پہ ذکر کروں جنہوں نے گزشتہ دو تین سالوں میں بہت فکرمندی، خاص شوق اور پوری لگن اور محبت سے میرا ہاتھ بٹایا ہے مثلاً

۱۔ شیخ امری عبیدی [ل]　　　۲۔ مولانا محمد منور صاحب فاضل

حقیقت یہ ہے کہ میرے اِن دو ساتھیوں نے اس ترجمہ و تفسیر کی نظرِ ثانی کے کام، نوٹوں کی تکمیل، پروفوں کے دیکھنے اور تفسیر سے متعلق دوسرے امور میں خاص امداد کی ہے۔ اِسی طرح مولانا عنایت اللہ صاحب خلیلؔ، مولانا جلال الدین صاحب قمرؔ نے احادیث اور دیگر ضروری موادّ اکٹھا کرنے میں اور عربی متن کے آخری پروف دیکھنے میں　　　بہت مدد دی ہے[ل]"

[ل] مفصّل حالات "تاریخ احمدیت جلد ہفتم صٓ ۲۸۳ تا صٓ ۲۸۵ میں درج ہیں۔

[ل] محترم قاضی عبدالسلام صاحب بھٹی نے بھی پروف ریڈنگ میں حصہ لیا ہے آپ مشرقی افریقہ میں لمبا عرصہ قیام اور سلسلہ کی خدمات بجالانے کے بعد ۱۹۶۷ء کو پاکستان میں تشریف لے آئے ہیں اور ربوہ میں مقیم ہیں۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا ایمان افروز دیباچہ

سواحیلی ترجمہ قرآن کے ساتھ حضرت مصلح موعودؓ کا ایک ایمان افروز دیباچہ بھی شائع ہوا جو حضور نے محترم شیخ صاحب کی درخواست پر عطا فرمایا۔ یہ تاریخی دیباچہ حضور نے مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر انچارج شعبہ زود نویسی کو لکھوایا تھا جو انہوں نے ۱۸ ؍جنوری ۱۹۵۳ء کو صاف کر کے حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور نے اپنے قلم مبارک سے کئی مقامات پر تصحیح کی اور آخر میں دستخط ثبت فرمائے [۱] ۱۹ ؍جنوری ۱۹۵۳ء کو مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور پرائیویٹ سیکرٹری نے اسے نیروبی پہنچانے کے لئے وکیل التبشیر صاحب تحریک جدید کو بھجوا دیا۔

جناب شیخ صاحب نے اس اُردو دیباچہ کا عام فہم سواحیلی میں ترجمہ کیا۔ دیباچہ کا متن حسبِ ذیل تھا:۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَالنَّاصِرُ

سواحیلی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ اور اس کے مضمون کے متعلق مختصر نوٹ شائع کئے جا رہے ہیں۔ افریقہ کو اسلامی تاریخ میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے خصوصاً شمال مشرقی افریقہ کو۔ اسلام کے ابتدائی ایام میں جب مکہ والوں نے مسلمانوں پر بڑے بڑے مظالم کئے اور مکہ میں مسلمانوں کی رہائش ناممکن ہوگئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف جانے کی ہدایت فرمائی۔ حبشہ یعنی ایبے سینیا وہ ملک ہے جو کہ کینیا کالونی کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ چنانچہ مسلمان اس ملک میں پہنچے اور وہاں کے بادشاہ کے قانون کے ماتحت انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی گئی اور امن کا سانس انہوں نے لینا شروع کیا تو مکہ والوں سے یہ بات برداشت نہ ہوسکی اور انہوں نے اپنی قوم کے دو لیڈروں کو بادشاہ اور اس کے درباریوں کے لئے بہت سے تحائف دے کر بھجوایا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ بادشاہ سے درخواست کریں کہ وہ مہاجرین کو مکہ کی حکومت کے حوالہ کر دے تاکہ وہ ان سے اپنے خیالات اور عقائد کے مطابق سلوک کریں اور اگر بادشاہ نہ مانے تو پھر درباریوں کو تحفے دے کر اُن سے بادشاہ پر زور ڈلوائیں

---

[۱] اصل مسودہ اب دفتر شعبہ تاریخ احمدیت میں محفوظ ہے۔

اور مسلمان مہاجرینِ مکہ کو جس طرح بھی ہو واپس مکہ لائیں چنانچہ یہ وفد مکہ سے گیا اور درباریوں خصوصاً پادریوں کے ذریعہ سے بادشاہ سے ملا جو اس زمانہ میں بنگس کہلاتا تھا جسے عرب لوگ نجاشی کہتے تھے۔ یہ اس بادشاہ کا نام نہیں تھا بلکہ یہ اس زمانہ کے حبشی بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا۔ چنانچہ بادشاہ کے سامنے انہوں نے شکایت کی کہ ان کے ملک کے کچھ باغی بھاگ کر حبشہ آگئے ہیں اور انہیں مکہ والوں نے اس لئے بھیجا ہے کہ ان باغیوں کو مکہ کی حکومت کے حوالے کر دیا جائے۔ بادشاہ نے ان لوگوں کی باتیں سُن کر مسلمانوں کو بلوایا اور ان سے پُوچھا کہ وہ کس طرح آئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اُن پر ان کی قوم ظلم کر رہی تھی اور چونکہ افریقن بادشاہ کا انصاف اور اس کا عدل مشہور تھا وہ اس کے ملک میں پناہ لینے کے لئے آگئے۔ اس پر بادشاہ نے مکہ کے وفد کو جواب دیا کہ چونکہ ان کے خلاف کوئی سیاسی جرم ثابت نہیں صرف مذہبی اختلاف ثابت ہے اِس لئے وہ اُن کو واپس کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مکہ کا وفد جب دربار سے ناکام لوٹا تو اس نے درباریوں اور پادریوں کو بھی تحفے تقسیم کئے اور انہیں اُکسایا کہ یہ مسلمان لوگ حضرت مسیح کی بھی ہتک کرتے ہیں اِس لئے مسیحیوں کو بھی مکہ والوں کے ساتھ مل کر اُن پر سختی کرنی چاہیئے۔

چنانچہ دوسرے دن پھر درباریوں نے بادشاہ پر زور دیا کہ یہ لوگ تو مسیح کی بھی ہتک کرتے ہیں چنانچہ بادشاہ نے مسلمانوں کو پھر بلوایا اور اُن سے پوچھا کہ آپ لوگ مسیح کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ مسلمانوں نے سُورت مریم کی ابتدائی آیات پڑھ کر اُن کو سُنائیں جن میں مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کا ذکر ہے اور پھر کہا کہ ہم مسیح کو نبی اللہ مانتے ہیں۔ ہاں انہیں خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ اس پر پادریوں نے شور مچا دیا کہ دیکھو انہوں نے مسیح کی ہتک کی ہے مگر افریقن بادشاہ منصف اور عادل تھا اس نے سمجھ لیا کہ یہ الزام اُن پر غلط لگایا جا رہا ہے یہ لوگ مسیح کا ادب کرتے ہیں مگر اس کو خدا یا خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ چنانچہ اس نے بڑے جوش سے ایک تنکا فرش پر سے اُٹھایا اور کہا کہ خدا کی قسم مَیں بھی مسیح کو وہی کچھ مانتا ہوں جو یہ کہتے ہیں اور مَیں اس درجہ سے جو انہوں نے مسیح کا بیان کیا اُسے ایک تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں سمجھتا۔ اس پر پادریوں نے بادشاہ کے خلاف بھی آوازے کسنے شروع کئے کہ تُو بھی مرتد ہو گیا ہے لیکن نجاشی نے کہا کہ مَیں تمہارے شور و شغب کی وجہ سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔ جب میرا باپ مرا تو مَیں چھوٹا بچہ تھا اور میری جگہ میرا چچا قائم مقام بادشاہ مقرر کیا گیا تھا اور تم

لوگوں نے اس کے ساتھ مل کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ مجھ کو تخت سے محروم کر دو۔ جب مجھے یہ بات معلوم ہوئی تو باوجود اس کے کہ مَیں چھوٹا تھا مَیں نے اپنا حق لینا چاہا اور نوجوان میرے ساتھ مل گئے اور میرے چچا نے ڈر کر دستبرداری دے دی اور تخت میرے حوالے کر دیا تو میری بادشاہت تمہاری وجہ سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے باوجود تمہاری مخالف کوششوں کے مجھے دی ہے۔ کیا مَیں اب تم سے ڈر کر خدا کو چھوڑ دوں گا اور ظلم اور تعدی کروں گا۔ نہ تم نے یہ بادشاہت مجھے دی ہے نہ مَیں تمہاری مدد کا محتاج ہوں مَیں کسی صورت میں ظلم نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ آزادی سے میرے ملک میں رہیں گے اور کوئی اُن کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

پس اے اہلِ افریقہ جن کے مشرقی علاقہ کی علمی زبان سواحیلی ہے مَیں یہ ترجمہ آپ کو پیش کرنے میں ایک لذّت اور سرور محسوس کرتا ہوں کیونکہ اِس کتاب کے ابتدائی ایام میں اِس کتاب کے ماننے والوں کو آپ کے برِ اعظم نے پناہ دی تھی اور ظلم و تعدی کرنے سے انکار کر دیا تھا اور انصاف اور عدل قائم کرنے کا بیڑا اُٹھا لیا تھا۔ آج قرآن پاک کی تعلیم اسی طرح مظلوم ہے جس طرح کہ کسی زمانہ میں قرآن کریم کے ماننے والے مظلوم ہوا کرتے تھے۔ آج اس قرآن کریم کو دُنیا میں لانے والا نبی فوت ہو چکا ہے لیکن اس کا رُوحانی وجود آج اس سے بھی زیادہ مظلوم ہے جتنا کہ آج سے قریباً چودہ سَو سال پہلے وہ اپنی دُنیاوی زندگی میں مظلوم تھا۔ اس پر جھوٹے الزام لگائے جاتے ہیں۔ اس کی لائی ہوئی تعلیم کو بگاڑ کر دُنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے ماننے والوں کو حقیر اور ذلیل سمجھا جاتا ہے لیکن خدا گواہ ہے کہ واقعہ یہ نہیں۔ خدا کی نظروں میں سب سے زیادہ معزّز وجود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جن پر یہ قرآن نازل ہوا تھا اور سب سے زیادہ سچی تعلیم وہ ہے جو اس کتاب یعنی قرآنِ مجید میں موجود ہے جیسا کہ آپ خود دیکھ لیں گے۔ دُنیا صرف اپنی طاقت اور قوّت کے گھمنڈ پر اس کی تردید کر رہی ہے اور اس کے ماننے والوں کو ذلیل کر رہی ہے۔

لیکن اے اہلِ افریقہ! آج آپ کا بھی یہی حال ہے۔ آپ کو بھی غیر ملکوں میں تو الگ رہا اپنے ملک میں بھی ذلیل ہی سمجھا جا رہا ہے۔ پس وہ تعلیم جس نے چودہ سو سال پہلے ایک وحشی اور غیر تعلیم یافتہ قوم کو دُنیا کی ترقیات کی چوٹی پر پہنچا دیا تھا لیکن جو آج مظلوم ہے اور گھر سے بے گھر کر دی گئی ہے مَیں اُسے آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں جبکہ آپ لوگوں کی حالت بھی اسی قسم کی ہے۔ اور آپ سے

اپیل کرتا ہوں کہ اِس کتاب کو غور سے پڑھیں اور اسی عدل اور انصاف کی نگاہ سے اسے دیکھیں جس نگاہ سے نجاشی نے مکہ کے مسلم مہاجرین کو دیکھا تھا اور پھر اپنی عقل اور بصیرت سے نہ کہ لوگوں کے لگائے ہوئے جھوٹے الزاموں کے اثر کے نیچے اور لوگوں کی بنائی ہوئی رنگین عینکوں کے ذریعہ سے اُسے دیکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ کو اس لاثانی جوہر کی حقیقت معلوم ہو جائیگی اور اس رسّے کو آپ پکڑ لیں گے جو کہ خدا تعالیٰ نے اس کتاب کے ذریعہ سے آسمان سے پھینکا ہے تا کہ اس کے بندے اُسے پکڑ کر اس تک پہنچ جائیں۔

اے اہلِ افریقہ! ایک دفعہ پھر اپنے عدل اور انصاف کا ثبوت دو اور پھر ایک سچائی کے قائم کرنے میں مدد دو جو سچائی تمہارے پیدا کرنے والے خدا نے بھیجی ہے جس سچائی کو قبول کرنے کے بغیر غلام قومیں آزاد نہیں ہو سکتیں۔ مظلوم ظلم سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ قیدی قید خانوں سے چھوٹ نہیں سکتے۔ امن، رفاہیّت اور ترقی کا پیغام مَیں تمہیں پہنچاتا ہوں۔ پیغام میرا نہیں بلکہ تمہارے اور میرے پیدا کرنے والے خدا کا پیغام ہے۔ یہ زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے خدا کا پیغام ہے۔ یہ یورپ، امریکہ اور ایشیا کے پیدا کرنے والے خدا کا پیغام ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں آؤ، لاکھوں کی تعداد میں آؤ اور سچائی کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاؤ تا کہ ہم سب مل کر دُنیا میں ازسرِ نو خدا تعالیٰ کی بادشاہت کو قائم کر دیں اور بنی نوع انسان کی ہمہ گیر اخوّت اور خدا تعالیٰ کے ہمہ گیر عدل و انصاف کو دُنیا میں قائم کر دیں۔ خدا تعالیٰ آپ لوگوں کو میری آواز پر لبّیک کہنے کی توفیق دے اور مَیں وہ دن دیکھوں جب کہ آپ لوگ میرے دوش بدوش دُنیا میں امن اور سلامتی اور ترقی اور رفاہیّت کے قائم کرنے میں کوشش کر رہے ہوں اور پھر یہ کوشش خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیاب ہو۔

(خاکسار مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی)[1]

احمدیہ مشن مشرقی افریقہ نے یہ معرکۃ الآراء دیباچہ پچاس ہزار کی تعداد میں بصورت پمفلٹ بھی شائع کر کے تقسیم کیا[2]

---

[1] روزنامہ المصلح کراچی ۸ ؍ اخاء ۱۳۳۲ ہش / ۸ ؍ اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳-۴

[2] بروایت مکرم شیخ مبارک احمد صاحب

East African Standard, Saturday, May 16, 1953. 5

Holy Quran in Swahili and Arabic published

مینجنگ ڈائرکٹر ایسٹ افریقہ سٹینڈرڈ
مولانا شیخ مبارک احمد صاحب کو سواحیلی
ترجمہ قرآن کی پہلی مطبوعہ کاپی پیش کر رہے ہیں۔

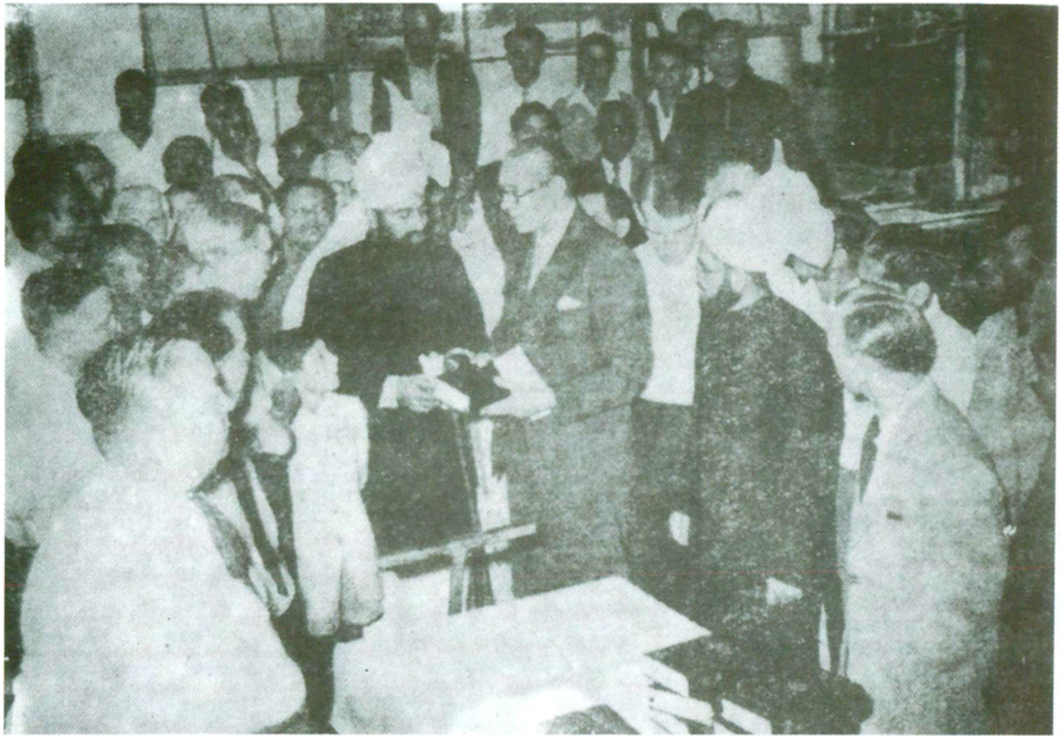

The Sheikh Mubarak Ahmad, Amir and Chief Missionary of the East African Ahmadiyya Muslim Mission, receives the first printed copy of his Arabic-Kiswahili translation of the Holy Quran from Mr. C. B. Anderson, Managing Director of the East African Standard, Ltd., who printed the work. Also in the picture is Maulana Muhammed Munawwar, who helped the Sheikh in his translation, which took 15 years. Members of the "East African Standard" printing works staff watch the ceremony.

اخبار "ایسٹ افریقن سٹینڈرڈ" میں مفصّل خبر

۱۴ رمئی ۱۹۵۳ء کو ترجمہ قرآن کا پہلا نسخہ تیار ہوا اور ۱۶ رمئی ۱۹۵۳ء کو نیروبی کے اخبار ایسٹ افریقن سٹینڈرڈ (East African Standard) نے پریس کی طرف سے اس کے پہلے نسخہ کے پیش کئے جانے کی تقریب کا فوٹو مع اس کی تفصیلی خبر کے شائع کیا جو یہ تھی:-

Holy Quran in Swahili and Arabic Published

Seventeen years ago Sheikh Mubarak Ahmad, the Amir and Chief Missionary of the East African Ahmadiyya Muslim Mission, set himself the task of translating the whole of the Holy Quran from Arabic into Swahili.

On Thursday his work was completed when the first copy of his translation, in a presentation binding, was handed to him by Mr. C. B. Anderson, Managing Director of the East African Standard, Ltd., after the 1,100 pages of the book had taken over three months in the printing.

Mainly for distribution through the Muslim missions working in East Africa and the Belgian Congo, 10,000 copies have been published.

The first copy of the Quran, which has the Arabic text alongside the Swahili translation, will be sent to the head of the Ahmadiyya Muslim movement, Hazrat Mirza Bashirud-Din Mahmud Ahmad, at his headquarters in Rabwah, West Pakistan. Other copies will go to the Prime Minister of Pakistan, Mr. Mohammad Ali, and to the Foreign Minister, Mr. Zafrullah Khan.

STUPENDOUS WORK : Receiving the first copy, Sheikh Ahmad said that when he had finished his translation, he was confronted with the problem of its printing. With the Arabic original retained, it was a novel

and difficult job for any printing press in East Africa.

He thanked the East African Standard staff for bringing "this stupendous work" to completion in so short a time.

"I hope that this publication will prove a great blessing to the people of East Africa, bring them peace of mind, moral and spiritual uplift, and will go a long way in combating the evil of Communism and improving inter-communal relations," said the Sheikh.

"Your firm will certainly be blessed by God for your share in this holy work", he added.

Gathered at the presentation were members of the East African Standard staff associated in the production of the Holy Quran.

Mr. Anderson said that he regarded it as a great occasion not only because the Quran was one of the great works which the firm produced, but also its introduction would surely bring peace and spiritual well-being to Swahili-speaking Muslims in East Africa.

(East African Standard, Saturday, May, 16, 1953)

قرآن کریم سواحیلی اور عربی زبان میں شائع کر دیا گیا

سترہ سال قبل کی بات ہے کہ شیخ مبارک احمد صاحب نے جو مشرقی افریقہ کے امیر اور احمدیہ مسلم مشن کے چیف مشنری ہیں قرآن کریم کا عربی سے سواحیلی زبان میں ترجمہ کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ جمعرات کے دن ان کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچا اور مسٹر سی۔ بی۔ اینڈرسن نے جو ایسٹ افریقن سٹینڈرڈ لمیٹڈ کے مینجنگ ڈائریکٹر ہیں ترجمہ کا پہلا نسخہ جو دیدہ زیب جلد سے مزین تھا شیخ صاحب موصوف کو پیش کیا۔ یہ کتاب ۱۱۰۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور اس کی طباعت میں تین ماہ صرف ہوئے۔

قرآن کریم کا پہلا نسخہ جس میں عربی متن کے ساتھ سواحیلی ترجمہ دیا گیا ہے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعتِ احمدیہ کو ان کے مرکز ربوہ مغربی پاکستان ارسال کیا جائے گا۔ اسکے

علاوہ اِس ترجمہ کے نسخے مسٹر محمد علی وزیرِ اعظم پاکستان اور مسٹر محمد ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان کو ارسال کئے جائیں گے۔

عظیم کارنامہ:۔

شیخ مبارک احمد صاحب نے اِس کتاب کا پہلا نسخہ لیتے ہوئے فرمایا کہ جب وہ ترجمہ کا کام مکمل کر چکے تو ان کے سامنے اس کی طباعت کا مسئلہ درپیش تھا۔ مشرقی افریقہ میں کسی پریس کے لئے عربی متن کے ساتھ ترجمہ کی اشاعت ایک نیا اور مشکل مسئلہ تھا۔

انہوں نے ایسٹ افریقن سٹینڈرڈ کے سٹاف کو اِس عظیم کام کی اِس قدر قلیل عرصہ میں تکمیل پر مبارکباد پیش کی۔

نیز فرمایا کہ اِس ترجمہ کی اشاعت مشرقی افریقہ کے باشندوں کے لئے بڑی برکت کا موجب ثابت ہوگی، اِس کے ذریعہ سے انہیں اطمینانِ قلب حاصل ہوگا اور وہ اخلاقی اور رُوحانی رنگ میں ان کی سربلندی کا موجب ہوگا نیز کمیونزم کے بُرے اثرات کے ازالہ اور مختلف فرقوں میں بہتر تعلقات استوار کرنے میں اہم کردار ادا کرے گا۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ اِس مقدّس کام میں آپ کی فرم نے جو حصّہ لیا ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے بھی برکت دے گا۔

اِس کتاب کی پیشکش کے موقعہ پر ایسٹ افریقن سٹینڈرڈ کا سارا سٹاف جس نے اِس قرآن کریم کی طباعت میں حصہ لیا موجود تھا۔

مسٹر اینڈرسن نے کہا کہ وہ اِس تقریب کو ایک بہت بڑا واقعہ گردانتے ہیں نہ صرف اِس لئے کہ اِس فرم نے قرآن جیسی عظیم کتاب کی طباعت کا کارنامہ سرانجام دیا بلکہ اِس لئے بھی کہ اِس کی وجہ سے مشرقی افریقہ کے سواحیلی بولنے والے مسلمانوں کے لئے وہ سکون اور رُوحانی تسکین کا موجب ہوگا۔

سواحیلی ترجمہ کی اشاعت

حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعودؓ کا منشاء مبارک یہ تھا کہ قرآن کریم کے ترجمہ کی اشاعت کے لئے خاص توجّہ دی جائے۔ مکرم شیخ مبارک احمد صاحب نے اس کی تعمیل کے لئے ایک وسیع پروگرام تجویز کیا اور ازراہِ احسان

۱۳۳۲ہش (مطابق ۱۱ر جون ۱۹۵۳ء) کو حضور کی خدمت میں حسبِ ذیل رپورٹ ارسال کی۔

حضور کا ارشاد کہ "قرآن کریم کے سواحیلی ترجمہ کی اشاعت اصل کام ہے" اس کے متعلق ضروری پروگرام اور تجاویز اختیار کی جارہی ہیں (۱) اہم ملکی اخبارات میں باقاعدہ اشتہار (۲) بذریعہ خاص پمفلٹ (۳) اخبارات میں ریویو (۴) اور فنکشنز FUNCTIONS (۵) مبلّغین کے ذریعہ (۶) بُک شاپوں کے ذریعہ (۷) جماعتوں کے ذریعہ کہ وہ اس ترجمہ کو لے کر معزّزین کے پاس جائیں اور فروخت کریں اور انہیں تحریک کریں کہ وہ افریقنز میں اس کو تقسیم کریں۔ خود بھی ارادہ ہے کہ ملک کا دَورہ کیا جائے۔ جماعت کے دوسرے کاموں کے ساتھ ساتھ خود ہندوستانی و پاکستانی معزّزین سے مل کر انہیں تبلیغ بھی کی جائے اور ترجمہ کے متعلق بھی تحریک کی جائے۔ ایک خاص نگران کمیٹی مقرر کرنے کی فکر میں ہوں۔

پاکستان کے گورنر جنرل، پرائم منسٹر اور فارن منسٹر کو مقامی کمشنر پاکستان کے ذریعہ سواحیلی ترجمہ بطور تحفہ دیا جارہا ہے امروز فردا میں.... اس موقع پر اخبارات اور فوٹو گرافروں کے نمائندے ہوں گے۔ مقامی کمشنر پھر خود ان کتابوں کو کراچی بھجوا دیں گے۔ ہر ایک کی خدمت میں ایک مختصر خط بھی لکھا جائے گا اِنشاء اللہ۔ اِس وقت تک تقریباً ۱۲ ہزار شلنگ کی کتب باہر مختلف ایجنٹوں، بک شاپ اور فرداً فرداً لوگوں کو بھجوائی جاچکی ہیں[1]

مشرقی افریقہ کے مختلف علماء اور اہلِ قلم کے تاثرات

سواحیلی ترجمہ مشرقی افریقہ کے احمدیہ مِشن کا عظیم کارنامہ ہے جس نے مسلمانانِ افریقہ کے حوصلے بڑھائے۔ ان میں علمِ قرآن کی نئی مشعل روشن کی اور غیر مسلموں میں اشاعتِ اسلام کے نئے رستے کھول دیئے۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء کی بات ہے کہ محترم شیخ مبارک احمد صاحب ٹانگا شہر کے تبلیغی دَورہ پر تشریف لے گئے تو ایک مسلم انجمن کے سرکردہ رُکن بابو فتح محمد صاحب (ملازم انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ ایسٹ افریقن ریلوے) نے آپ سے ملاقات کی اور کہا "مبارک دینے آیا

---

[1] رپورٹ مکرم شیخ مبارک احمد صاحب رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ بحضور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود از نیروبی (۱۱ر جون ۱۹۵۳ء)

ہوں اور خوشخبری سُنانے آیا ہوں"۔ شیخ صاحب نے کہا وہ کیا؟ کہنے لگے کہ آپ کے سواحیلی ترجمہ قرآن کریم کی ایک کتاب خرید کر مَیں نے ایک عیسائی افریقن کو پڑھنے کے لئے دی تھی اس کا خط آیا ہے کہ مَیں قرآن مجید کا ترجمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا ہوں[1]

اِس ترجمہ کی نسبت مشرقی افریقہ کے چند ممتاز علماء اور اہلِ قلم کی آراء درج ذیل کی جاتی ہیں:۔

۱۔ شیخ الغزالی آف ممباسہ[2] (کینیا):۔

انہوں نے سواحیلی ترجمہ پڑھنے کے بعد جمعہ کے دن اپنے خطبہ میں اس ترجمہ کی تعریف کی۔ کچھ عرصہ بعد انہیں نیروبی آنے کا موقع ملا تو انہوں نے یہاں بھی سواحیلی ترجمہ کو سراہتے ہوئے بتایا کہ یہ بالکل صحیح اور درست ہے۔

۲۔ جناب ایپونی صالح آف زنجبار[3]:۔

انہوں نے لکھا کہ مَیں نے قرآن پاک کے اِس ترجمہ کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہے جو آپ نے میرے لئے بھیجا اور مَیں یہ ماننے پر مجبور ہوگیا ہوں کہ اس قرآن پاک کے متن اور تفسیر میں دوسرے قرآن پاک کے متنوں اور انگریزی تفسیروں (جن میں مولانا محمد علی۔ عبداللہ یوسف علی۔ اور مارک پکتھال کی تفسیریں ہیں) میں جو مَیں نے پڑھی ہیں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا لیکن ایک خاص امر جس کا مجھ پر بہت زیادہ اثر ہے اور جس نے مجھے مجبور کیا کہ خلوصِ قلب سے تعریف کروں وہ تفسیر کے بیان کرنے کا طریق ہے۔ ایسی تفسیر جس میں مختلف دلائل اِس طرز پر دیئے گئے ہیں جن کو قبول کئے بغیر چارہ نہیں اور ایسے دلائل جن سے پادری سیل اور پادری جے ڈیل کے اعتراضات کے مُنہ توڑ جوابات آپ کے

---

[1] ڈائری مکرم شیخ مبارک احمد صاحب مقیم نیروبی ۲۹ راکتوبر ۱۹۵۴ء

[2] مدرسہ غزالی ممباسہ کے مدرس اور دینی علوم کی اشاعت کا خاص شغف رکھنے والے عالمِ دین تھے اور دن رات درس و تدریس ان کا وظیفہ تھا

[3] آپ بہت عرصہ ٹانگانیکا پولیس فورس میں اعلیٰ عہدہ پر متمکن رہے۔ بعد ازاں زنجبار آکر اپنے قبیلہ کے لوگوں میں رہائش اختیار کی اور زنجبار کی کونسل کے ممبر بنے۔ کموریں قبیلہ کے سرکردہ علم دوست احباب میں سے تھے

سواحیلی ترجمہ و تفسیر قرآن پاک میں دیئے گئے ہیں جن کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے۔

۳۔ جناب اے عبداللہ آف مومبسٔو (تنزانیہ) نے لکھا:۔

آپ کے اِس مقدّس کام کا بہت بہت شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو لمبی عمر عطا فرمائے۔ ہم نے قرآنِ مجید جیسی پاک و مقدس کتاب پائی۔ آج میرا فرض ہے کہ آپ کو آپ کے اِس اہم کام کے متعلق کچھ لکھوں اور آپ کے اس انتھک محنت والے کام پر اظہارِ ہمدردی کروں۔

۴۔ جناب عمادی آر و بٹی آف ارنگاؔ (تنزانیہ) نے لکھا:۔

آپ کی طرف سے قرآن پاک کے سواحیلی ترجمہ و تفسیر کو پاکر نہایت ممنون ہوں۔ آپ کے اِس بڑے اور اہم کام پر آپ کو مبارکباد عرض کرتا ہوں۔ (ترجمہ)

۵۔ جناب ڈی۔ اے۔ لاسنؔ صاحب نے لکھا:۔

مَیں آپ کی خدمت میں آپ کے اِس اچھے کام پر جو کہ آپ نے مشرقی افریقہ کے لوگوں کیلئے کیا مبارکباد عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں اور ایک سوشلنگ کا چیک ساتھ منسلک کر رہا ہوں جس سے آپ اِس قرآن پاک کے چند نسخے مُفت تقسیم کر سکیں۔ یہ ایک چھوٹی سی حقیر رقم اِس غرض کے لئے ارسالِ خدمت ہے۔ (ترجمہ)

۶۔ معلم ایم۔ ٹی۔ رمضان ہاہیشی آف ایجیجیؔ (تنزانیہ) نے لکھا:۔

(UJIJI) ایجیجی ٹاؤن میں مَیں دوسرا شخص ہوں جسے قرآن پاک کا سواحیلی ترجمہ دیکھنے کی

لے اپنے علاقہ کے ایک بڑے کاروباری اور تاجر تھے۔ جنگِ عظیم کے وقت جو احمدی اس علاقہ میں ہندوستان سے گئے ان سے ان کے مراسم تھے۔

کے ارنگا کے علاقہ کے ایک مشہور صاحبِ علم اور تبلیغِ اسلام سے خصوصی دلچسپی رکھنے والے ہیں۔

سے نیروبی میں مقیم انگریز نومسلم جو قریباً سترہ سال سے مسلمان ہیں آپ اسلام کی تعلیم سے گہری واقفیت اور موازنۂ مذاہب پر گہری نظر رکھتے ہیں جنہوں نے "WHY ISLAM" ایک تحقیقی کتابچہ عیسائیت کے ردّ میں اور اِسلام کی برتری کے سلسلہ میں لکھا جو مقبولِ عام ہُوا۔

کے اہلِ قلم مضمون نگار اور سواحیلی زبان میں دینی علوم کی درس و تدریس کا شغل رکھتے ہیں۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے سفر کراچی ۱۹۵۳ء کا ایک یادگار فوٹو

توفیق ملی۔ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کی بابت کچھ لکھوں۔ میں آج بہت بڑی خوشی محسوس کرتا ہوں اور مجھے اِس اعلیٰ کام نے حیرت میں ڈال دیا۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسا ترجمہ وتفسیر سواحیلی نہیں دیکھا۔ اب میں آپ کے ترجمہ قرآن پاک کی خوبی بیان کرتا ہوں۔ مجھے جب سے یہ تفسیر ملی اسی وقت سے مجھے اس کا دوسری چھوٹی چھوٹی تفسیروں سے جو کہ ممباسہ اور زنجبار سے حاصل کی تھیں مقابلہ کرنے کا موقعہ ملا تو بلاشبہ آپ کی تفسیر و ترجمہ بہت بہتر پایا۔ مزید برآں آیات کی اگرچہ یہ مختصر تفسیر متن کی ہے مگر ظاہری لحاظ سے اس تفسیر میں بہت سی حکمت کی باتیں ملتی ہیں۔ میں نے تفاسیر میں میراث کے مسئلہ کے متعلق اتنی وضاحت نہیں دیکھی اور نہ ہی پڑھی جیسا کہ آپ کے ترجمہ و تفسیر میں ہے۔

۷۔ معلّم سونگورو مرجان لوانو آف کاموتو[۵] (تنزانیہ) نے لکھا:-

میں اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکرادا کرتا ہوں کہ جس نے میری دعائیں قبول کرکے میرے احمدی بھائیوں کو قرآن پاک کا سواحیلی زبان میں ترجمہ وتفسیر کرنے کی توفیق عطا فرمائی جس میں پادری ڈیل اور اس جیسے دوسرے دشمنانِ اسلام کے اعتراضات کے جواب ایسے رنگ میں دیئے گئے ہیں کہ جن کا جواب دینا ایسے دشمنانِ اسلام کے لئے نہایت ہی مشکل ہے۔ یہ ترجمہ و تفسیر سواحیلی ہر مسلمان کے لئے ہر جگہ زبردست ہتھیار کا کام دے گی۔ مجھے آج بے حد خوشی ہوئی۔ الحمد للہ ربّ العٰلمین۔ (ترجمہ)

۸۔ جناب محمد کالونیا آف اوونزا[۶] (تنزانیہ) نے لکھا:-

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہم افریقن قوم کی حالت بدلنے کے لئے بھیجا ہے اور ہمیں مُردہ حالت سے نکال کر زندگی دینے کو بھیجا ہے۔ آپ ہمیں بڑے سخت اندھیرے سے نکالنے کے لئے آئے اور ہمارے لئے ایسا چراغ لائے جو کبھی نہ بجھ سکے گا۔

میں آج سے آپ کے ساتھ ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ اچھا کیا ہے اور بُرا کیا۔

---

[۵] مسلم سوسائٹی کے ایک سرکردہ رکن اور گورنمنٹ سکول برائے افریقن کے استاد۔

[۶] اپنے علاقہ کی سرکردہ شخصیت ہیں۔

وجہ یہ کہ آپ کے سواحیلی ترجمہ وتفسیر سے قبل ہم گہرے اندھیرے میں تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اندھیرے کو دُور کرنے کے لئے ہمارے پاس بھیجا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اِس کام کو قیامت تک مضبوطی سے قائم رکھے۔ (ترجمہ)

۹۔ جناب ناصر شریف آف پیمبا[1] (زنجبار) نے لکھا:۔

مَیں اتنا خوش ہوں کہ مَیں نے ترجمہ وتفسیر سواحیلی قرآن پاک کی خبر ملتے ہی ایک دم پمفلٹ تقسیم کر کے تمام دوستوں میں پھیلا دئے۔ اسی عرصہ میں میرے دوسرے ساتھی جن میں مسٹر ایچ رشید اوگوٹو شامل ہیں میرے پاس آئے اور آپ کے شائع کردہ سواحیلی قرآن پاک کے بارے میں ایسے ہی تعریفی کلمات کہے جیسے کہ میرے دِل میں موجود تھے۔ مجھے فی الحقیقت اِس تفسیر کا بہت دنوں سے شوق تھا۔ مدّت سے اِس ترجمہ کے منگوانے کے لئے فکر مند تھا۔ اب مجھے یقین ہے کہ مَیں جلد ہی آپ سے اِس ترجمہ وتفسیر سواحیلی قرآن پاک کا ایک نسخہ اپنی پیاس بجھانے کے لئے حاصل کر لوں گا اِسلئے مَیں نے اور دوسرے ساتھیوں نے ایڈمنسٹریشن بلڈنگ سے آپ کو پیسے بھجوائے ہیں۔ (ترجمہ)

۱۰۔ جناب جمیس محمود آف روجیجوا نے لکھا:۔

یہ واقعہ ہے کہ آپ کے سواحیلی ترجمہ وتفسیر قرآن پاک کو پا کر مَیں بہت خوش ہوُا ہوں۔ مجھے یہ بڑا ہی پسند آیا ہے۔ اِس ترجمہ وتفسیر میں عیسائیوں سے زبردست مقابلہ کیا گیا ہے۔ یہ کام حقیقتاً عین ضرورت پر اور عین وقت میں ہوُا ہے کیوں کہ عیسائیوں نے ہمیں مشرقی افریقہ میں چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ (ترجمہ)

۱۱۔ سنو وائٹ آف لگومہ[2] (تنزانیہ) نے لکھا:۔

مَیں بہت شکر گزار ہوں اور جماعتِ احمدیہ مشرقی افریقہ کو قرآن پاک کے سواحیلی ترجمہ و تفسیر کے پہلی بار مشرقی افریقہ میں شائع کرنے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ترجمہ اتنا عمدہ اور اعلیٰ ہے کہ انسان کا دل چاہتا ہے کہ پڑھتا ہی جاوے۔ اِس کے علاوہ مَیں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ یہ ترجمہ

---

[1] علاقہ زنجبار میں سرکاری ملازم تھے۔

[2] سواحیلی زبان کے معروف شاعر اور مشہور صحافی۔

بڑا اچھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عربی متن اور سواحیلی ترجمہ میں بڑی مطابقت ہے۔ عربی متن میں بھی کوئی خرابی نہیں۔ تفسیری نوٹس علم و معرفت سے لبریز ہیں۔ عربی زبان سے ناواقف کے لئے ان کا مطالعہ عالم بنانے کے لئے کافی ہے۔ (ترجمہ)

۱۲۔ جناب شیخ ایچ۔ ایل۔ پیبنگا آف نیاسالینڈ (ملاوی) لکھتے ہیں :۔

آپ کا بہت بہت شکریہ۔ مَیں نے قرآن پاک سواحیلی کا نسخہ وصول کیا۔ مَیں اس قرآن پاک کی فصاحتِ تفسیر کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ بہ نسبت اس قرآن کے جسے مَیں نے ۱۹۳۲ء میں دارالسلام بُک شاپ سے پادری ڈیل آف زنجبار کا لکھا ہؤا خریدا تھا۔ حقیقتاً یہ سواحیلی ترجمہ و تفسیر قرآن پاک ایٹم بم کی طرح ثابت ہؤا ہے۔ مَیں واقعی بڑا خوش ہوں کیونکہ اس میں حرف بہ حرف ترجمہ ہے اور ساتھ ہی تورات اور انجیل کی آیات سے استدلال پیش کیا گیا ہے۔ ایسی ترجمہ و تفسیر کی مثال واقعہ میں کوئی نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ اس ترجمہ و تفسیر کرنے والے مفسّر کو برکت سے نوازے۔ آمین (ترجمہ)

۱۳۔ جناب اے۔ اے کیانڈو آف لگومہ (تنزانیہ) نے لکھا :۔

یہ ترجمہ و تفسیر جو جماعتِ احمدیہ کی طرف سے شائع کیا گیا ہے بہت ہی اچھا ہے۔ اس کی تفسیر حکمت و معرفت سے پُر ہے۔ عربی متن کی تفسیر بہت ہی آسان اور شیریں ہے اور لفظ بلفظ تفسیر ہے۔ علمِ میراث جو کہ اسلام میں بڑا ہی مشکل ہے اس ترجمہ و تفسیر سواحیلی میں بڑے آسان طریقہ اور مہارت سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اِس میں سابقہ کتب کے جو نام دیئے گئے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تفسیر بالکل صحیح اور بڑی قیمتی ہے۔ ایسے لوگ جو تھوڑی سی عربی بھی جانتے ہیں وہ اس تفسیر کے بہتر اور اعلیٰ ہونے کے بارے میں غلطی نہیں کریں گے اور عربی زبان کے علم میں مہارت پیدا کر سکیں گے ہم جماعتِ احمدیہ کے ان معزّز احباب کے جنہوں نے ایسی تفسیر سواحیلی زبان میں کی جس کی اشد ضرورت تھی اور شائع کیا بہت بہت ممنون ہیں۔ (ترجمہ)

۱۴۔ جناب کے۔ آئی۔ ایس۔ بلمبا (BALIMBA) آف دارالسلام (تنزانیہ) لکھتے ہیں :۔

اگرچہ متعدد لوگوں نے قرآن پاک کے اِس سواحیلی ترجمہ کے عمدہ اور اعلیٰ ہونے کے بارہ میں بہت کچھ لکھا ہے مَیں مزید قرآن پاک کے اس سواحیلی ترجمہ کے پڑھنے والوں پر زور دیتا ہوں کہ قرآن پاک کا یہ سواحیلی ترجمہ بہت ہی اچھا ہے اور تفسیر بڑی واضح اور حکمت سے پُر۔ اور فی الحقیقت

معجزہ ہے۔ اِس لئے مَیں ایسٹ افریقن احمدیہ مسلم مشن کا اُن کے اِس اہم کام یعنی قرآن پاک کی سواحیلی زبان میں ترجمہ وتفسیر شائع کرنے کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔ قرآن پاک کی سواحیلی تفسیر مشرقی افریقہ کے سارے عالم وشیوخ کئی سالوں تک بھی نہ کر سکے۔ اُن کے تفسیر سواحیلی نہ کر سکنے کی وجہ سے انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ تفسیر ہو ہی نہیں سکتی اور ایسا کام کرنا کفر ہے۔ اب قرآن پاک کی اِس سواحیلی تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ صرف احمدی ہی محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح راستے پر گامزن ہیں۔ مَیں جماعتِ احمدیہ کے لئے دُعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی برکات ورحمت اس پر ہوں۔ آمین (ترجمہ)

قیدیوں کا قبولِ اسلام

ترجمہ سواحیلی کی پہلی اشاعت دس ہزار کی تعداد میں کی گئی۔ دسمبر ۱۹۵۹ء تک اس کے قریباً چھ ہزار نسخے فروخت یا تقسیم ہو چکے تھے۔ بہت سے نسخے جیل خانوں کو ارسال کئے گئے بالخصوص ماؤ ماؤ ڈیٹنشن کیمپوں کو، جہاں ان کی بہت مانگ تھی۔ اِس کتاب کی وجہ سے بہت سے تعلیم یافتہ اور سمجھدار قیدیوں نے قبولِ اسلام کیا۔ اِس سلسلہ میں بطور نمونہ بعض خطوط کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

۱۔ مسٹر نارن نتھنگے کامبا قبیلہ کے ایک قیدی نے قرآن کریم کے سواحیلی ترجمہ کے بار بار پڑھنے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے ۲۹ر اپریل ۱۹۵۹ء کو لکھا کہ مَیں نے اپنی ساری زندگی اشاعتِ اِسلام کے لئے وقف کر دی ہے اور اگر اسے قبول کر لیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ مَیں پُوری طرح اِس پر عمل کر کے دکھاؤں گا۔

۲۔ جوروگ جوگو (NJOROGE NJOGU) ایمرجنسی ریگولیشنز کے تحت ۱۹۵۳ء سے گرفتار تھے آپ نے ۱۱ر جنوری ۱۹۵۹ء کو لکھا کہ مَیں اپنی جوانی کے زمانہ سے عیسائیت کا پرچار کر رہا تھا لیکن اب مَیں نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا ہے اور مَیں چاہتا ہوں کہ آپ کے سچے مذہب اسلام کا مطالعہ قرآن کریم پڑھ کر کروں۔

۳۔ مسٹر کب کگیرا (KIBE KAGIRA) بھی ایمرجنسی ریگولیشنز کے تحت گرفتار تھے ۱۶ر جنوری ۱۹۵۹ء کو لکھا کہ مَیں اپنی جوانی کے زمانہ سے عیسائی ہوں لیکن اب قرآن کریم پڑھنے کے بعد آپکے مذہب کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ قرآن کریم کے مطالعہ سے خدائے توانا نے جو

پیغام محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ دیا ہے اس کا مجھے (کافی) وسیع علم ہو جائے گا۔

۴۔ جوروگ کرن (NJOROGE KARAN) ایک ماؤ ماؤ قیدی تھے آپ نے ۱۲ جنوری ۱۹۵۹ء کو لکھا کہ میں قریباً ۵۰ سال کی عمر کا آدمی ہوں۔ اپنی جوانی سے عیسائی تھا لیکن اب میں قرآن کریم کے مطالعہ کا ارادہ رکھتا ہوں۔

۵۔ مسٹر محمد ڈی۔ ایم۔ مادھو نے ۲۸ جون ۱۹۵۹ء کو ہولا اوپن کیمپ (HOLA OPEN CAMP) سے لکھا یہ کتاب (یعنی قرآن کریم کا سواحیلی ترجمہ) بڑی اہم ہے اور یہی وہ کتاب ہے جس نے مجھے اور عمر کو اِس قدر یقین اور اطمینان دلا دیا ہے کہ ہم کو بغیر کسی اَور کے مشورہ کے مسلمان ہو جانا چاہیئے۔ ہولا کیمپ میں جو کیکویو قبیلے کے افراد قیدی ہیں وہ مشن سے زیادہ تر یہی کہتے ہیں کہ انہیں مذہبِ اسلام کی کتب بالخصوص قرآن کریم مہیّا کیا جائے۔

پھر اپنے ایک اَور خط مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۵۸ء میں لکھا کہ جس گھر میں خدا کی روشنی رہتی ہے اس گھر کی کنجی قرآن کریم ہے۔ یقیناً اگر قرآن سواحیلی زبان میں آج سے دس سال قبل ترجمہ ہو چکا ہوتا تو اس سے کینیا کے مسائل حل ہو گئے ہوتے۔ ہمیں بڑے افسوس کے ساتھ آپ کو یہ اطلاع دینی پڑ رہی ہے کہ ہم مسلمانوں کے بڑے دشمن تھے لیکن اب ہمیں یہ سمجھ آگئی ہے کہ وہ (صحیح) سچی آواز جو ہمیں پکار رہی ہے وہ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز ہے۔

۶۔ مسٹر مناسح کابوجی جوگونا (MANASSEH KABUGI NJUGUNA) نے ۴ اگست ۱۹۵۹ء کو ہولا اوپن کیمپ سے ایک طویل خط لکھا جس میں انہوں نے بیان کیا کہ ۷ ماؤ ماؤ قیدیوں نے اپنے پُرانے مذہب کو چھوڑ دیا ہے اور قرآن کریم کا سواحیلی ترجمہ پڑھنے کے بعد اسلام کو قبول کر لیا ہے۔ انہوں نے مزید ۱۱۸ افراد کی فہرست بھیجی جو اِس ترجمہ کے پڑھنے کی طرف مائل ہیں اب ان میں سے ہر ایک کو قرآن کریم کا ترجمہ مہیّا کر دیا گیا ہے۔

مسٹر کابوجی جوگونا نے مؤرخہ ۹ $\frac{11}{59}$ کو پھر لکھا کہ میں اور بہت سے قیدی جنہیں آپ نے مہربانی سے قرآن مہیّا کیا آپ کے مشن کے اِس مفید کام کے شکر گذار ہیں جو آپ اِس ملک میں کر رہے ہیں۔ ہم اِس (کتاب) کو بار بار پڑھ رہے ہیں کیونکہ ہمیں یہ بہت مفید معلوم ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ جو اپنی رائے تبدیل کر رہے ہیں اور عیسائیت میں ان کی دلچسپی ختم ہو رہی ہے انہیں اِس

امر کا اشتیاق ہے کہ ان کے پاس قرآن کریم کا اپنا نسخہ ہو۔ مجھے اِس امر کا علم ہے کہ آپ اسلام کی اشاعت پر بہت روپیہ خرچ کر رہے ہیں اور آپ کو یہ سُنکر خوشی ہوگی کہ افریقیوں میں مذہب اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے[1]

مندرجہ بالا اقتباسات سے بخوبی پتہ چل سکتا ہے کہ اِس ترجمہ نے مشرقی افریقہ کی علمی او ر تبلیغی تاریخ پر کتنا گہرا اثر ڈالا ہے۔

ترجمہ سواحیلی کا ردِّ عمل متعصّب طبقہ پر جہاں مشرقی افریقہ کی ممتاز مسلم اور غیر مسلم شخصیتوں نے اِس اسلامی خدمت کو فراخ دلی سے سراہا اور خراجِ تحسین ادا کیا وہاں ایک صاحب شیخ عبد اللہ صالح غیر از جماعت عالم نے اِس ترجمہ کے ایک خاصے حصّہ کی حرفاً حرفاً نقل کی اور اس کے بعض مقامات میں اپنے مخالفانہ نوٹوں کا اضافہ کرکے اسے ایک نئے ترجمہ کے طور پر شائع کیا۔

اِس حرکت کو مشرقی افریقہ کے علمی حلقوں میں انتہائی غیر پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا چنانچہ ایک غیر از جماعت عالم الشیخ شریف احمد بداوی آف ممبروئی کینیا نے اپنی کتاب FIMBO YA MUSA (عصائے موسٰی) کی فصل ہفتم صفحہ ۴۱ میں اِس روش پر تنقید کرتے ہوئے لکھا:۔

"Pia ni ajabu ya pili kwa Sheikhtukitazama Tafsiri yake jinsi alivyowashambulia hawa Makadiani, baadaye akawa akarudi afasiri na kueleza kama walivyofasiri na kueleza wao Makadiani."

(FIMBO YA MUSA cha Sharief Ahmad A. Badawiy, Faslu ya Saba 'Kupingana Jalalen na Kuafikiana na Makadiani', uk. 41).

شیخ (عبد اللہ صالح) کی دوسری تعجب انگیز بات یہ ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ پہلے تو وہ قادیانیوں کے

---

[1] ترجمہ اخبار ایسٹ افریقن ٹائمز "EAST AFRICAN TIMES" دسمبر ۱۹۵۹ء صـ ۱۲۔

[2] بحوالہ سواحیلی اخبار مپینزی یا مُنگو "MAPENZI YA MUNGU" اگست ۱۹۷۱ء۔

ترجمہ پر حملہ کرتے ہیں اور پھر ان کے ترجمہ اور تفسیر کے مطابق ترجمہ اور تفسیر کرنے لگ جاتے ہیں۔ (ترجمہ) الشیخ بداوی کے یہ الفاظ نہ صرف احمدی علمِ تفسیر کی فوقیت و برتری کا کھلا ثبوت ہیں بلکہ ان سے جماعتِ احمدیہ کے شائع کردہ سواحیلی ترجمہ و تفسیر کی عظمت و افادیت بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔[1]

فصل دوم

مرکزِ احمدیت میں دو اہم اشاعتی اداروں کا قیام

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے مشاورت ۱۹۵۲ء/۱۳۳۱ ہش میں فیصلہ فرمایا تھا کہ اسلامی لٹریچر کی اشاعت کے لئے دو کمپنیاں قائم کی جائیں۔ اِس ارشادِ مبارک کے مطابق اِس سال "الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ" اور "دی اورینٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ" کے نام سے دو اہم اشاعتی اداروں کا قیام عمل میں آیا۔

الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ اور اس کا پراسپکٹس

پہلی کمپنی الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ کے نام سے ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء/تبلیغ ۱۳۳۲ ہش کو قائم ہوئی اور اس کا تعارف اور کیفیت نامہ (PROSPECTUS) حسبِ ذیل الفاظ میں شائع کیا گیا:-

۱۔ منظور شدہ و جاری شدہ سرمایہ تین لاکھ پچاس ہزار روپیہ بیس بیس روپیہ کے سترہ ہزار پانصد حصص پر منقسم ہے۔

۲۔ اِس سرمایہ کے جاری کرنے کی گورنمنٹ پاکستان کی منظوری زیر کیپٹیل اشو کنٹی نیوئینس آف

---

[1] ترجمہ کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۱ء میں اور تیسرا ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔ موخر الذکر ایڈیشن لندن سے The Greshm Press, old woking میں چھپا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ارشاد پر اسے عربی طریق کے مطابق دائیں سے بائیں طبع کروایا گیا نیز مولانا منور احمد صاحب کا مرتبہ انڈیکس بھی شامل کیا گیا جس سے اس کی افادیت بڑھ گئی۔

کنٹرول ایکٹ ۱۹۴۷ء زیر آرڈر نمبر R. 18/CC/52 مورخہ ۱۰-۱-۵۳ حاصل کی گئی ہے۔ مرکزی حکومت پر اِس اجازت دینے سے کمپنی کی مالی حالت یا کمپنی کی کسی سکیم یا اظہارِ رائے کی صحت کے متعلق کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

۳۔ ڈائریکٹرز۔ (۱) مولوی جلال الدین صاحب شمس[1] چیئرمین ربوہ (۲) خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب ناظر بیت المال[2] صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ (۳) سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب[3] ناظر دعوۃ و تبلیغ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ (۴) مولوی عبدالمنان صاحب، ایم۔اے انچارج تالیف و تصنیف تحریکِ جدید انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ (۵) صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب بزنس مین ربوہ۔

۴۔ رجسٹرڈ آفس۔ ربوہ ضلع جھنگ۔

۵۔ بینک۔ دی نیشنل بنک آف پاکستان لاہور۔ دی آسٹریلیشیا بنک لمیٹڈ لائل پور۔

۶۔ آڈیٹرز۔ ایس رسول اینڈ کمپنی لاہور۔

۷۔ مقاصد۔ یہ کمپنی عام طور پر ان اغراض و مقاصد کو پورا کرنے کے لئے قائم کی گئی ہے جو کمپنی کے میمورنڈم اور آرٹیکل آف ایسوسی ایشن میں درج کئے گئے ہیں۔ ان اغراض و مقاصد میں دیگر امور کے علاوہ مختلف علوم و فنون کی کتب، قرآن مجید اور دیگر اسلامی کتب کی طباعت و اشاعت کا کام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

۸۔ ڈائریکٹر بننے کی شرط۔ ڈائریکٹر بننے کے لئے کم سے کم -/۳۵۰۰ روپے کے حصص خریدنے ضروری ہیں۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگوں میں شمولیت کے لئے ڈائریکٹروں کو علاوہ اس سفر خرچ وغیرہ کے جو بورڈ آف ڈائریکٹر مقرر کرے گا مبلغ پچاس روپے تک فی میٹنگ دیئے جا سکتے ہیں۔

۹۔ حصص کے مشترک خریدار انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر حصّہ کی رقم کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے لیکن ان میں سے جس کا نام رجسٹر میں پہلے درج ہوگا ووٹ وغیرہ دینے اور نوٹس کے بھجوانے اور سرٹیفکیٹ کی وصولی میں انہیں مدِّنظر رکھا جائے گا۔ منافع کی وصولی کے لئے ان میں سے کسی بھی حصّہ دار کے دستخط کافی ہوں گے۔

---

[1] وفات ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۶ء / اخاء ۱۳۴۵ ہش ◆ [2] وفات ۹ جون ۱۹۵۹ء / احسان ۱۳۳۸ ہش

[3] وفات ۱۶ مئی ۱۹۶۷ء / ہجرت ۱۳۴۶ ہش ◆

ایک حصّہ کے لئے صرف ایک ہی سرٹیفکیٹ ہوگا۔

۱۰۔ **کمپنی کا جاری شدہ سرمایہ** تین لاکھ پچاس ہزار روپیہ ہے اور یہ بیس بیس روپیہ کے سترہ ہزار پانصد حصص پر منقسم ہے۔

۱۱۔ **ابتدائی مصارف**۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ابتدائی مصارف، چار ہزار روپیہ سے زیادہ نہ ہوں گے۔ اِس میں حصص کی فروخت کے لئے اشتہارات اور کمیشن کے اخراجات شامل نہیں ہیں۔

۱۲۔ **مینجنگ ڈائریکٹر**۔ ابھی تک مینجنگ ڈائریکٹر کا تقرر نہیں ہؤا۔ جب تک باقاعدہ طور پر کمپنی کے مینجنگ ڈائریکٹر یا مینجنگ ایجنٹ مقرر نہیں ہوتے مولوی جلال الدین صاحب شمس ہی متعلقہ امور سرانجام دیں گے۔

۱۳۔ **انتقال حصص**۔ کمپنی کے حصص کے انتقال کے متعلق کوئی غیر معمولی پابندی نہیں گو کمپنی کے حقوق کو فائق رکھا جائے گا۔ ڈائریکٹروں کو اختیار ہے کہ ایسے حصص کے انتقال کو منظور نہ کریں جن کی پوری قیمت ادا نہ کی گئی ہو۔ نیز ڈائریکٹر کوئی ایسا انتقال بھی جو کسی ناپسندیدہ منتقل الیہ کے حق میں ہو نامنظور کر سکتے ہیں۔

۱۴۔ کمپنی کے میمورنڈم اور آرٹیکلز آف ایسوسی ایشن کی کاپی کمپنی کے دفتر کے مقررہ اوقاتِ کار میں دیکھی جا سکتی ہے اور قیمتاً ایک روپیہ میں حاصل کی جا سکتی ہے۔

۱۵۔ **خرید حصص کا طریق**۔ کمپنی کے حصص کی خرید کا طریق نہایت آسان ہے ایک حصّہ کی قیمت بیس روپے ہے اور اس کا طریق حسبِ ذیل ہے:۔

(۱) درخواست کے ہمراہ دو روپیہ فی حصّہ (۲) درخواست منظور ہونے پر تین روپیہ فی حصّہ (۳) بقیہ پندرہ روپے پانچ پانچ روپیہ کی تین قسطوں میں ادا ہوں گے۔ ہر قسط کی ادائیگی کا درمیانی وقفہ کم سے کم ایک ماہ ہوگا اور اگر کوئی صاحب خرید کردہ حصّوں کی پوری رقم یکمشت درخواست کے ہمراہ یا درخواست منظور ہونے پر ادا کرنا چاہیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں حصص کی خریداری پر کوئی پابندی نہیں ہر شخص جس قدر حصص خریدنا چاہے خرید سکتا ہے۔

۱۶۔ ڈائریکٹروں کو اختیار ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو بطور معاوضہ کمیشن دیں جس نے کمپنی کے حصص خریدے یا فروخت کئے ہوں یا فروخت کرنے کا معاملہ کیا ہو مگر اِس کمیشن کی مقدار حصص کی مالیت پر

۲½ فیصدی سے زائد نہ ہوگی۔

۱۷۔ درخواست فارم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت ڈائریکٹرز الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ

مورخہ ....

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مَیں "الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ" کے ..... معمولی حصص بحساب بیس روپے فی حصّہ خرید نا چاہتا ہوں اور اِس درخواست کے ہمراہ مبلغ ..... روپے بطور ابتدائی رقم کے بذریعہ ..... ارسال ہیں۔ آپ میرے اِس قدر یا اس سے کم حصص جو بھی مقرر کریں گے وہ مجھے زیر شرائط مندرجہ میمورنڈم و آرٹیکلز آف ایسوسی ایشن و پراسپکٹس منظور ہوں گے۔ میری طرف سے آپ کو اختیار ہے کہ آپ مجھے کمپنی مذکور کے رجسٹروں میں ان حصص کا مالک درج کریں۔ مَیں پاکستانی شہری ہوں۔

دستخط

نام　　　　ولدیت یا زوجیت　　　　پتہ

(مینجنگ ڈائریکٹر) [1]

چیئرمین اور ڈائریکٹران اِس اشاعتی ادارہ کے پہلے چیئرمین اور مینجنگ ڈائریکٹر خالدِ احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس تھے۔ آپ فروری ۱۹۵۳ء/ تبلیغ ۱۳۳۲ہش سے لے کر ۱۳ر اکتوبر ۱۹۶۶ء/ اخاء ۱۳۴۵ہش یعنی وفات کے دن تک ادارہ کے لئے وقف رہے۔ الشرکۃ الاسلامیہ کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے میں آپ کی کوششیں ہمیشہ آبِ زر سے لکھی جائیں گی۔ آپ کے وصال کے بعد مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ (سابق امام مسجد لنڈن) کو اس کا چیئرمین اور ڈائریکٹر مقرر کیا گیا اور آپ ۳۰ر جون ۱۹۷۱ء تک یہ دینی خدمت بجالاتے رہے۔ یکم جولائی ۱۹۷۱ء سے اب تک مکرم قاضی محمد نذیر صاحب فاضل (ناظر اشاعت لٹریچر و

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۶ر مئی ۱۹۵۳ء/ ہجرت ۱۳۳۲ہش صفحہ ۵

تصنیف) یہ فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

ابتدائی ڈائریکٹران کے بعد حضرت شیخ کریم بخش صاحب کوئٹہ، چوہدری عبد الواحد صاحب بی۔اے (نائب ناظر اصلاح و ارشاد)، مولوی محمد احمد صاحب جلیل (پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ)، حافظ عبد السلام صاحب شملوی (سابق وکیل اعلیٰ تحریک جدید) اور مولوی نور محمد صاحب نسیم سیفی (سابق رئیس التبلیغ مغربی افریقہ) کو بھی ڈائریکٹر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ محترم چوہدری عبد الواحد صاحب بی۔اے قریباً پندرہ سال تک اِس اشاعتی ادارہ کے ڈائریکٹر رہے۔ موجودہ ڈائریکٹران کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ محترم قاضی محمد نذیر صاحب فاضل (چیئرمین و منیجنگ ڈائریکٹر) ربوہ

۲۔ محترم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ (ناظر امور عامہ) ربوہ

۳۔ محترم مولوی عبد المالک خان صاحب (ناظر اصلاح و ارشاد) ربوہ

۴۔ محترم مولوی بشارت احمد صاحب بشیر (نائب وکیل التبشیر) ربوہ

۵۔ محترم شیخ محمد اقبال صاحب پراچہ (سرگودھا)

۶۔ محترم چوہدری عبد الحکیم خان صاحب (محمد پورہ فیصل آباد)

۷۔ محترم صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب (ابن حضرت مصلح موعود) ربوہ

الشرکۃ الاسلامیہ کی مطبوعات پر ایک نظر

الشرکۃ الاسلامیہ کے قیام پر رُبع صدی ہو چکی ہے۔ اِس عرصہ میں ادارہ کی طرف سے (قرآن مجید کے علاوہ) حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، خلفاءِ احمدیت اور علماءِ سلسلہ احمدیہ کا جو بیش بہا پُرمعارف اور رُوح پرور لٹریچر شائع ہوا وہ حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔ رُوحانی خزائن۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جملہ کُتب کا مکمّل سیٹ "روحانی خزائن" کے نام سے $\frac{20 \times 26}{8}$ کے سائز پر شائع کیا گیا جو تئیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ سیٹ کی خصوصیّت یہ ہے کہ اس کی ہر جلد کے ساتھ مضامین اور حوالہ جات کی تفصیلی فہرست (INDEX) بھی دی گئی ہے جو مجموعی طور پر قریباً دو ہزار صفحات پر محیط ہے۔ سیٹ کی انیس جلدوں کی فہرست حضرت مولانا شمس صاحب نے مرتب فرمائی اور آپ ہی کے زیرِ انتظام اُن کی اشاعت ہوئی۔ بعد کی چار جلدیں مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ کی زیرِ نگرانی طبع ہوئیں اور ان کا انڈیکس مکرم سیّد عبد الحی صاحب فاضل ایم۔اے نے تیار کیا۔

مکمل سیٹ کی کتابت کی سعادت مکرم منشی محمد اسمٰعیل صاحب خوشنویس مہاجر امرتسری (حال ربوہ) کو نصیب ہوئی۔ کئی مخلصینِ جماعت نے مکمل سیٹ کی قیمت پیشگی ادا کر دی تھی جن کے نام "رُوحانی خزائن" [1] کے دیباچہ میں شائع کر دیئے گئے۔

۲۔ **ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السّلام**۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام کے ملفوظاتِ طیّبہ، جو علم و معرفت کا خزینہ ہیں، الشرکۃ الاسلامیہ نے دس جلدوں میں شائع کئے۔ "رُوحانی خزائن" [1] کی طرح اِس سیٹ کی ہر جلد کے ساتھ بھی تفصیلی انڈیکس شامل ہے جو قریباً نوسو صفحات پر مشتمل ہے۔ ملفوظات کی نو جلدیں حضرت مولانا شمس صاحبؓ نے چھپوائیں اور پہلی چار جلدوں کا انڈیکس بھی تیار کیا۔ بقیہ جلدوں کی فہرست حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؓ بہاولپوری [2] نے ترتیب دی۔

اِن ملفوظات کی مکمّل ترتیب و تدوین مندرجہ ذیل اہلِ قلم کی مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ تھی:۔

چوہدری احمد جان صاحب وکیل المال تحریکِ جدید (جلد ۱ تا ۳)، شیخ عبدالقادر صاحب نومسلم مربّی سلسلہ احمدیہ (جلد ۱ تا ۱۰)، مولوی عبدالرشید صاحب مولوی فاضل (جلد ۱)، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب دیالگڑھی مربّی سلسلہ احمدیہ (جلد ۴ تا ۱۰)

ملفوظات کا یہ سیٹ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ) کی تحریکِ خاص پر اشاعت پذیر ہوا جیسا کہ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس نے ۲۰ر اگست ۱۹۶۰ء کو ملفوظات کی پہلی جلد کے شروع میں لکھا ہے:۔

"ہمارا ارادہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جملہ کتب کی طباعت کے بعد رُوحانی خزائن کا دوسرا سلسلہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہارات، مکتوبات اور ملفوظات پر مشتمل ہوگا شروع کریں لیکن بعض دوستوں اور خصوصاً حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد سلّمہ ربّہ

---

[1] وفات ۳ر نومبر ۱۹۷۷ء/ نبوت ۱۳۵۶ ہش۔ آپ کے مختصر سوانح "تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۶۳۱ (حاشیہ) میں درج ہیں۔

[2] وفات ۱۸ر نومبر ۱۹۶۶ء/ نبوت ۱۳۴۵ ہش۔

کے شدید اصرار پر کہ ملفوظات جلد شائع ہونے چاہئیں، الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ملفوظات شائع کر رہی ہے ہمارے مقررہ پروگرام میں تبدیلی کی وجہ جماعت کا یہ شدید احساس بھی ہے کہ اِس وقت تربیت کی سخت ضرورت ہے.... ملفوظاتِ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ایسا قیمتی خزانہ ہے جو خود ہماری اور ہماری آئندہ نسلوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنے اندر ایک غیر معمولی موّاد اور طاقت رکھتے ہیں...."

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مکمل سیٹ کی کتابت کرنے کا شرف چوہدری شاہ محمد صاحب[۱] خوشنویس (مرحوم) کو حاصل ہوا۔

۳۔ مجموعہ اشتہارات حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جملہ ایمان پرور اشتہارات حضرت میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر "فاروق" قادیان نے "تبلیغِ رسالت" کے نام سے دس جلدوں میں شائع فرمائے تھے۔ محترم مولانا عبد اللطیف صاحب بہاولپوری نے محنتِ شاقہ اور عرقریزی سے مزید اشتہارات تلاش کئے اور ان میں مفید اضافہ کیا جس کو الشرکۃ الاسلامیہ نے تین جلدوں میں شائع کیا۔ اِن جلدوں کی کتابت بھی چوہدری شاہ محمد صاحب خوشنویس نے کی۔ اِس مجموعہ کی پہلی جلد مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ کے زیرِ انتظام اور بقیہ دو جلدیں مکرم قاضی محمد نذیر صاحب کی نگرانی میں شائع ہوئیں۔

۴۔ تذکرہ (مجموعہ الہامات وکشوف و رؤیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام) تذکرہ کا پہلا ایڈیشن بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان نے دسمبر ۱۹۳۵ء میں شائع کیا[۲] جس کے اکیس[۲۱] سال بعد الشرکۃ الاسلامیہ کی کوشش سے اس کا دوسرا شاندار ایڈیشن اکتوبر ۱۹۵۶ء میں منظرِ عام پر آیا۔ حضرت مولانا شمس صاحب نے طبع دوم کے پیش لفظ میں لکھا کہ:۔

"دوسرے ایڈیشن کی تیاری کا سارا کام درحقیقت فاضل عبد اللطیف صاحب بہاولپوری کی مساعی کا رہینِ منّت ہے۔ آپ نے صیغہ "تالیف و تصنیف اور الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ کے

---

[۱] وفات ۲۳ مارچ ۱۹۷۵ء/امان ۱۳۵۴ہش۔

[۲] تاریخ احمدیت جلد ۷ صفحہ ۱۶۱-۱۶۲۔

ماتحت دو سال میں کام کو سرانجام دیا۔ اِس کے لئے آپ کو سلسلہ کی ہزارہا اخبارات و رسائل وکتب و روایاتِ صحابہ کا جائزہ لینا پڑا اور جو رؤیا کشوف اور الہامات روایاتِ صحابہ سے اخذ کئے گئے ہیں انہیں بصورت ضمیمہ "تذکرہ" کے آخر میں درج کر دیا گیا ہے ......
جب مولوی عبد اللطیف صاحب دوسرے ایڈیشن کی ترتیب مکمل کر چکے اور اس پر نظرِ ثانی کا سوال پیدا ہوا تو .... مَیں نے یہ معاملہ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ آپ خود اس کام کو کریں۔ چنانچہ مَیں نے اس پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے بعض جگہ مناسب تبدیلیاں کر کے "تذکرہ" چھپوانا شروع کر دیا۔
بعض امور کے متعلق حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ سے استصواب کیا گیا اور بعض وقت حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ سے مشورہ لیا گیا۔ تین ساڑھے تین سو صفحات کے قریب چھپ چکے تھے کہ مَیں بعارضہ پلورسی بیمار ہو گیا اور میری جگہ چوہدری محمد شریف صاحب سابق مبلغ بلادِ عربیہ متعین ہوئے جن کی نگرانی میں بقیہ حصّہ تذکرہ کا طبع ہوا۔ بیماری سے افاقہ پانے پر مَیں نے تذکرہ کے آخری سَو ڈیڑھ سو صفحات کی بھی نظرِ ثانی کی اور ضمیمہ میری نگرانی میں طبع ہوا۔ مگر تذکرہ کی بنیادی جمع و ترتیب وہی ہے جو پہلے ایڈیشن کی تھی۔" ؎۱

مولوی عبد اللطیف صاحبؓ بہاولپوری نے صرف تذکرہ کا دوسرا ایڈیشن ہی تیار نہیں کیا بلکہ آپ نے "مفتاح التذکرہ" بھی مرتّب فرمائی جس کے حصّہ اوّل میں "تذکرہ" کے الہامات کا اور حصّہ دوم میں کشوف و رؤیا کا خلاصہ حروفِ تہجی کے اعتبار سے دیا گیا ہے۔ اِس کلید کے ذریعہ تذکرہ سے استفادہ بہت آسان ہو گیا۔ یہ کلید بھی الشرکۃ الاسلامیہ کی طرف سے دسمبر ۱۹۵۷ء میں چھپ گئی۔
الشرکۃ الاسلامیہ نے اکتوبر ۱۹۶۹ء میں تذکرہ کا تیسرا ایڈیشن شائع کیا۔ اِس ایڈیشن کے شروع میں ایک تو "مفتاح التذکرہ" کو شامل کر دیا گیا دوسرے طبع دوم کے تتمہ کے الہامات و کشوف اصل مجموعہ میں مناسب مقامات پر درج کر دیئے گئے البتہ جو محض روایات سے ماخوذ تھے ان کو ضمیمہ میں ہی

؎۱ "تذکرہ طبع دوم صفحہ الف۔ب"

رہنے دیا گیا۔ اِس ایڈیشن کی جمع و ترتیب کا کام بھی مولوی صاحب موصوف ہی کے ہاتھوں انجام پذیر ہوا۔

تذکرہ کا چوتھا ایڈیشن ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔

۵۔ کتب حضرت مولانا نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ [۱]

مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نور الدین۔ فصل الخطاب لمقدمۃ اہل الکتاب

۶۔ کتب حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ [۲]

تفسیر کبیر (جلد ۶ جزو اوّل چہارم حصہ سوم۔ جلد ۶ جزو دوم چہارم حصہ آخر۔ جلد سوم چہارم۔ جلد اوّل پنجم حصہ اوّل۔ جلد پنجم حصہ سوم) تفسیر سورۃ کہف۔ تفسیر سورۃ البقرہ (یعنی حضرت مصلح موعود کے فرمودہ نوٹوں کا مجموعہ)۔ اِسلام اور ملکیتِ زمین۔ دعوۃ الامیر۔ اسلام میں اختلافات کا آغاز۔ خیر الرسل۔ نبیوں کا سردار۔ تقدیرِ الٰہی۔ مسئلہ وحی و نبوّت کے متعلق اسلامی نظریہ (اسلامک آئیڈیالوجی)۔ فضائل القرآن۔ سیرِ روحانی (جلد ۱۔۲۔۳)۔ ذکرِ الٰہی۔ منہاج الطالبین۔ نجات۔ تحفۃ الملوک۔ منصبِ خلافت۔ حقیقۃ الرؤیا۔ دُنیا کا محسن۔ ملائکۃ اللہ۔ ہستی باریتعالیٰ۔ انقلابِ حقیقی۔ اسلام اور دیگر مذاہب۔ اختلافاتِ سلسلہ کے صحیح حالات۔ خلافتِ حقّہ اسلامیہ۔ نظامِ اسلامی کی مخالفت اور اس کا پس منظر۔ ہمارا رسولؐ۔ سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ خلافتِ راشدہ۔ اُسوۂ حسنہ۔ الموعود۔ دیباچہ تفسیر القرآن (عکسی)۔

DID JESUS REDEEM MANKIND? (انگریزی ترجمہ تفسیر کبیر سورہ مریم)

۷۔ کتب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ [۳]

تبلیغِ ہدایت۔ اشتراکیت اور اسلام۔ ہمارا خدا۔ چالیس جواہر پارے۔ سیرت خاتم النّبیّین حصہ اوّل و دوم۔

۸۔ کلام حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا [۴]

دُرِّ عدن

۹۔ کتب مصنّفین سلسلہ احمدیہ

---

[۱] وفات ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء ؞
[۲] وفات ۸ نومبر ۱۹۶۵ء / نبوّت ۱۳۴۴ ہش
[۳] وفات ۲ ستمبر ۱۹۶۳ء / تبوک ۱۳۴۲ ہش ؞
[۴] وفات ۲۲ مئی ۱۹۷۷ء / ہجرت ۱۳۵۶ ہش

ضرورت علم القرآن۔ تبلیغی خط۔ اسلام اور مذہبی آزادی۔ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر ایک نظر۔ شرح القصیدہ۔ دس سوالوں کے جواب۔ خلافت مصلح موعود۔ تنقید الصحیح (ردِّ بہائیت)۔ عقائدِ جماعتِ احمدیہ پر نکتہ چینیوں کا جواب۔ WHERE DID JESUS DIE? (حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس)

بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور انگریز (حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب دردؓ سابق امام مسجد لنڈن)

تحقیقِ عارفانہ لحق المبین فی تفسیر خاتم النبیین (مکرم قاضی محمد نذیر صاحب فاضل)

تنویر القلوب (محترم جناب مرزا عبد الحق صاحب امیر صوبائی جماعتِ احمدیہ پنجاب)

ڈوئی کا عبرتناک انجام (چودھری خلیل احمد صاحب ناصر سابق انچارج مبلغ امریکہ)

تشریح الزکوٰۃ (علمائے سلسلہ)

۱۰۔ بچوں کے لئے مفید کتب کا سیٹ

اخلاق اور ان کی ضرورت (خالدِ احمدیت حضرت مولانا ابو العطاء صاحب الجالندھری[1])۔ عبادات اور ان کی ضرورت (مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل)۔ بچوں کے لئے اخلاقی مضامین (میاں محمد ابراہیم صاحب سابق ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ حال مبلغ اسلام امریکہ)۔ رسالہ قضاء و قدر (مولانا ابو المنیر نور الحق صاحب)۔ رسالہ روزہ (ملک محمد عبد اللہ صاحب سابق لیکچرار تعلیم الاسلام کالج ربوہ) رسالہ حج (مولانا عبد اللطیف صاحب بہاولپوری[2])

ضیاء الاسلام پریس ربوہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ کی ملکیت ہے۔ اِس پریس کا افتتاح ۷ جولائی ۱۹۵۴ء/ وفا ۱۳۳۳ ہش کو صبح ۸½ بجے عمل میں آیا۔ سب سے پہلے حضرت مولانا شمس صاحب نے سُورۃ فاتحہ کی تلاوت کی پھر حضرت مولوی محمد دین صاحب سابق مبلغ امریکہ نے مختصر تقریر کر کے دعا کرائی۔ اِس تقریب پر صدر انجمن احمدیہ کے ناظر صاحبان، تحریکِ جدید کے وکلاء اصحاب، جامعہ احمدیہ کے اساتذہ کرام کے علاوہ بعض دیگر احبابِ جماعت بھی موجود تھے۔ افتتاح کے بعد سب سے اوّل سورہ فاتحہ کی کاپیاں طبع کی گئیں اور حاضرین

---

[1] وفات ۷ دسمبر ۱۹۵۵ء/ فتح ۱۳۳۴ ہش۔

[2] وفات ۲۹/۳۰ مئی ۱۹۷۷ء/ ہجرت ۱۳۵۶ ہش۔

میں تقسیم کی گئیں[1]

یہ پریس قریباً پچیس سال سے قابلِ قدر خدمات بجا لارہا ہے۔ روزنامہ "الفضل" اور دیگر مرکزی رسائل نیز سلسلہ احمدیہ کا اکثر اُردو لٹریچر اِسی میں چھپتا ہے۔

اورینٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ اور اس کا پراسپکٹس

الشرکۃ الاسلامیہ کے بعد دوسری اشاعتی کمپنی

"اورینٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ" کے نام سے ۲۰ ر اپریل ۱۹۵۳ء/شہادت ۱۳۳۲ہش کو قائم ہوئی جو "آرپیکو" (O.R.P.C.O) بھی کہلاتی ہے۔ اِس کمپنی کے مطبوعہ پراسپکٹس کا متن درج ذیل ہے:-

"منظور شدہ سرمایہ:- پانچ لاکھ روپے (بیس بیس روپیہ کے پچیس ہزار حصص پر منقسم)

جاری شدہ سرمایہ:- پانچ لاکھ روپے (بیس بیس روپیہ کے پچیس ہزار حصص پر منقسم)

ڈائریکٹرز:- (۱) عبدالمنان عمر ایم۔اے۔ چیئرمین بورڈ آف ڈائریکٹرز الکتاب لمیٹڈ راولپنڈی، ڈائریکٹر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ، انچارج تالیف و تصنیف تحریکِ جدید ربوہ۔

(۲) میاں عبدالرحیم احمد چیئرمین بورڈ آف ڈائریکٹرز دی سندھ ویجی ٹیبل اینڈ ایلائیڈز پروڈکٹس کمپنی لمیٹڈ، ڈائریکٹر دی سندھ جننگ اینڈ پریسنگ فیکٹری کنری سندھ، ڈائریکٹر انڈسٹریل اینڈ کمرشل سندھ ڈویلپمنٹ کمپنی لمیٹڈ، وکیل التعلیم والصنعت تحریکِ جدید ربوہ۔

(۳) قریشی عبدالرشید[2] چیئرمین بورڈ آف ڈائریکٹرز دی سندھ جننگ اینڈ پریسنگ فیکٹری کنری، ڈائریکٹر پریو سوئنرز لمیٹڈ، وکیل المال تحریکِ جدید ربوہ۔

(۴) مولانا جلال الدین شمس چیئرمین بورڈ آف ڈائریکٹرز الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ، انچارج تالیف و تصنیف صدر انجمن احمدیہ۔

(۵) سید داؤد احمد ناصر[3] بی۔ایس سی۔ربوہ

---

[1] الفضل ۹ ر وفا ۱۳۳۳ہش/جولائی ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۔ [2] وفات ۱۵ ر جون ۱۹۷۹ء/احسان ۱۳۵۸ہش [3] وفات ۲۴-۲۵ ر اپریل ۱۹۷۳ء/شہادت ۱۳۵۲ہش۔

مشیرِ قانونی :- چوہدری غلام مرتضیٰ[۱] بی۔اے، ایل ایل بی، بار ایٹ لاء

رجسٹرڈ آفس :- ربوہ

بینک :- آسٹریلشیا بنک لمیٹڈ لاہور

مقاصد :- مادیّت کی تباہ کاریاں اور کمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے دُنیا کے مذہبی رجحانات میں زبردست تبدیلی پیدا کر دی ہے اور اسلام کے متعلق لوگوں کی دلچسپی بڑھ رہی ہے اور مذہبی اور اسلامی لٹریچر لوگوں کی توجہ کا مرکز بن رہا ہے۔

اِن حالات کے پیشِ نظر ضروری ہے کہ ہماری دینی تعلیمات جو جواہرات تحقیق و تدقیق سے پُر اور حق کے طالبوں کو راہِ راست پر کھینچنے والی ہیں جلدی سے نیز کثرت سے ایسے لوگوں کو پہونچ جائیں جو بُری تعلیموں سے متاثر ہو کر مہلک بیماریوں میں گرفتار یا قریب قریب موت کے پہنچ گئے ہیں اور ہر وقت یہ امر ہمارے مدِّنظر رہنا چاہیئے کہ جس ملک کی موجودہ حالت ضلالت کے سمِّ قاتل سے نہایت خطرہ میں پڑ گئی ہو بلا توقف ہماری کتابیں اس ملک میں پھیل جائیں اور ہر ایک متلاشیٔ حق کے ہاتھ میں وہ کتابیں نظر آئیں۔ قرآنِ مجید اور علومِ قرآنی کی ساری دُنیا میں اشاعت کی جائے اور ذہنوں کو اصل دینی سرچشموں سے روشناس کروایا جائے۔

مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے پانچ لاکھ روپے کے سرمایہ سے دی اورنیٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کارپوریشن کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا گیا ہے جس کے اغراض و مقاصد پوری تفصیل کے ساتھ کمپنی کے میمورنڈم اور آرٹیکلز آف ایسوسی ایشن میں بیان کئے گئے ہیں۔ اِن اغراض و مقاصد میں دیگر امور کے علاوہ قرآنِ مجید اور علومِ قرآنیہ اور مختلف علوم و فنون پر مشتمل کتب کی طباعت و اشاعت، ان کی فراہمی اور فروخت کا اہتمام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

سرمایہ :- وہ کم سے کم سرمایہ جس سے حصص کی فروخت کی منظوری ہو سکتی ہے یہ ہے کہ پچاس ہزار روپیہ کی مالیت کے حصص فروخت ہو جائیں اور اِس مالیت کے حصص فروخت ہو چکے ہیں۔

ابتدائی مصارف :- اندازہ کیا گیا ہے کہ ابتدائی مصارف چار ہزار روپیہ سے زیادہ نہ ہوں گے

---

[۱] وفات ۱۳ جنوری ۱۹۷۶ء / صلح ۱۳۵۵ ہش ۔

اس میں حصص کی فروخت کے لئے نشری کوششوں اور کمیشن کے اخراجات شامل نہیں۔

کمیشن:۔ ڈائریکٹروں کو اختیار ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو بطور معاوضہ کمیشن دیں جس نے کمپنی کے حصص خریدے یا فروخت کئے ہوں یا فروخت کرنے کا معاہدہ کیا ہو مگر اس کمیشن کی مقدار حصص کی مالیّت پر اڑھائی فیصدی سے زائد نہ ہو گی۔

حصص کی مشترکہ خریداری:۔ حصص کے مشترکہ خریدار انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر حصّہ کی رقم کی ادائیگی کے ذمّہ دار ہوں گے لیکن ان میں سے جس کا نام رجسٹر میں پہلے درج ہو گا ووٹ وغیرہ دینے اور نوٹسوں کے بھجوانے اور سرٹیفکیٹ کی وصولی میں انہیں مدِنظر رکھا جائے گا۔ منافع کی وصولی کے لئے ان میں سے کسی بھی حصّہ دار کے دستخط کافی ہوں گے۔ ایک حصّہ کے لئے صرف ایک ہی سرٹیفکیٹ جاری ہو گا۔

ڈائریکٹر بننے کی شرائط:۔ ڈائریکٹر بننے کے لئے ضروری ہو گا کہ ہر ڈائریکٹر کے سوائے نامزد یا سپیشل ڈائریکٹر کے اپنے نام پر کمپنی کے کم سے کم ساڑھے تین ہزار روپے کی مالیّت کے حصص ہوں۔

ڈائریکٹروں کے مفاد:۔ کمپنی میں ڈائریکٹروں کے کوئی مخصوص مفاد نہیں ہیں البتہ بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگوں میں شامل ہونے کے لئے انہیں سفرخرچ وغیرہ کے علاوہ پچاس روپے تک دیا جا سکتا ہے۔

مینیجنگ ایجنٹس:۔ مینیجنگ ایجنٹس اور مینیجنگ ڈائریکٹرز اگر کوئی ہوں تو ان کا تقرر کنٹرولر آف کیپیٹل اشو کی اجازت کے بعد ہو گا۔

انتقالِ حصص:۔ کمپنی کے حصص کے انتقال کے متعلق کوئی غیر معمولی پابندی نہیں گو کمپنی کے حقوق کو فائق رکھا جائے گا۔ ڈائریکٹروں کو اختیار ہے کہ ایسے حصص کے انتقال کو منظور نہ کریں جن کی پوری قیمت ادا نہ کی گئی ہو نیز ڈائریکٹر کوئی ایسا انتقال بھی جو کسی ناپسندیدہ منتقل الیہ کے حق میں ہو، نامنظور کر سکتے ہیں۔

ضروری کاغذات کا معائنہ:۔ کمپنی کے میمورنڈم اور آرٹیکلز آف ایسوسی ایشن کی کاپی کمپنی کے رجسٹرڈ دفتر میں متعین اوقاتِ کار میں کسی وقت دیکھی جا سکتی ہے۔

خرید حصص کا طریق:۔ کمپنی کے حصّوں کی خرید کا طریق بہت سہل ہے ایک حصّہ کی قیمت بیس[۲۰] روپے ہے۔ ادائیگی کا طریق یہ ہے:۔

(۱) درخواست کے ہمراہ پانچ روپیہ فی حصّہ۔

(۲) درخواست منظور ہونے پر پانچ روپے فی حصّہ۔

(۳) بقیہ دس روپیہ پانچ پانچ روپیہ کی دو قسطوں میں جبکہ ہر قسط کے درمیان ایک ماہ کا وقفہ ضرور ہوگا۔

اگر کوئی صاحب خرید کردہ حصص کی پوری رقم یکمشت درخواست کے ہمراہ یا درخواست منظور ہونے پر ادا کرنا چاہیں تو بخوشی ایسا کر سکتے ہیں۔

حصص کی خرید پر کوئی پابندی نہیں ہر شخص جس قدر حصص خریدنا چاہے خرید کر سکتا ہے۔

خریداری حصص کے لئے فارم مندرجہ ذیل ہیں:۔

بخدمت ڈائریکٹرز دی اورنٹیل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ ربوہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مَیں دی اورنٹیل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ کے ـــــ حصص خریدنا چاہتا / چاہتی ہوں۔ اِس غرض کے لئے اس درخواست کے ہمراہ مبلغ ـــــ روپیہ بحساب پانچ روپیہ فی حصّہ بطور ابتدائی رقم کے بذریعہ ـــــ ارسال ہیں آپ میرے لئے حصص کی جو تعداد مقرر کریں گے وہ مجھے منظور ہوگی۔ مجھے میمورنڈم اور آرٹیکلز آف ایسوسی ایشن و پراسپکٹس کی جملہ شرائط تسلیم ہیں۔ میری طرف سے آپ کو اختیار ہے کہ آپ مجھے کمپنی مذکور کے رجسٹروں میں ان حصص کا مالک درج کریں۔

دستخط ـــــ نام ـــــ ولدیت یا زوجیت ـــــ پتہ ـــــ[۱]

دوسرے ڈائریکٹران

اِن ابتدائی ڈائریکٹران کے بعد جن کا ذکر پراسپکٹس میں کیا گیا ہے ۱۹۷۸ء تک حسبِ ذیل ڈائریکٹران مقرر ہوئے:۔

۱۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔اے، ایل ایل بی حال سوئٹزرلینڈ

---

[۱] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۲۰، ۲۱ رجون ۱۹۵۳ء / احسان ۱۳۳۲ ہش صـــ

۲ ۔ مکرم شیخ فضل الرحمٰن صاحب پراچہ سرگودھا

۳ ۔ مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب (وکیل اعلیٰ و وکیل التبشیر)

۴ ۔ مکرم مولوی برکت علی صاحب لائقؔ لدھیانوی سابق امیر جماعتِ احمدیہ لدھیانہ[1]

۵ ۔ مکرم چوہدری شبّیر احمد صاحب بی۔اے (وکیل المال)

۶ ۔ مکرم قاضی محمد رشید صاحب (وکیل المال) [2]

۷ ۔ مکرم صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب

۸ ۔ مکرم مولوی محمد احمد صاحب جلیلؔ پروفیسر جامعہ احمدیہ

۹ ۔ مکرم چوہدری احمد جان صاحب وکیل المال (حال امیر جماعتِ احمدیہ راولپنڈی)

۱۰ ۔ مکرم مولوی بشارت احمد صاحب بشیرؔ (نائب وکیل التبشیر)

۱۱ ۔ مکرم حافظ عبدالسلام صاحب (وکیل الدیوان ۔ وکیل الاعلیٰ)

۱۲ ۔ مکرم سیّد میر مسعود احمد صاحب (نائب وکیل الدیوان ۔ حال مبلّغِ اسلام ڈنمارک)

۱۳ ۔ مکرم مولوی نذیر احمد صاحب مبشّرؔ (نائب وکیل التبشیر حال ناظم دارالقضاء ربوہ)

۱۴ ۔ مکرم مولوی نورالدین صاحب منیرؔ (نائب وکیل التعلیم)

۱۵ ۔ مکرم مولوی نور محمد صاحب نسیمؔ سیفی (وکیل التعلیم)

۱۶ ۔ مکرم چوہدری مبارک مصلح الدین احمد صاحب (وکیل المال ثانی)

۱۷ ۔ مکرم صاحبزادہ مرزا نعیم احمد صاحب (ابن حضرت مصلح موعود)

۱۸ ۔ مکرم مولوی عبدالقادر صاحب ضیغمؔ[3] (سابق مبلّغ امریکہ و نائب وکیل التبشیر)

۱۹ ۔ مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب ایم۔اے (ایڈیٹر رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی)

۲۰ ۔ مکرم محمد شفیق صاحب قیصرؔ[4] (سابق مبلّغ افریقہ)

۲۱ ۔ مکرم جناب مبارک احمد صاحب طاہرؔ (مشیر قانونی تحریکِ جدید)

---

[1] وفات ۲۵ دسمبر ۱۹۶۳ء / فتح ۱۳۴۲ ہش ✣ [2] وفات ۲۵ فروری ۱۹۶۶ء / تبلیغ ۱۳۴۵ ہش

[3] وفات ۱۶ فروری ۱۹۷۷ء / تبلیغ ۱۳۵۶ ہش ✣ [4] وفات ۲۲ مارچ ۱۹۷۹ء / امان ۱۳۵۸ ہش

۲۲۔ مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ (ناظر امور عامہ) ؎۱

موجودہ ڈائریکٹران

موجودہ ڈائریکٹران مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ محترم مولوی نورالدین صاحب منیر (نائب وکیل التبشیر) مینجنگ ڈائریکٹر

۲۔ محترم چوہدری مبارک مصلح الدین احمد صاحب (وکیل المال ثانی)

۳۔ محترم مرزا نعیم احمد صاحب

۴۔ محترم چوہدری شبیر احمد صاحب (وکیل المال اوّل)

۵۔ محترم چوہدری مبارک احمد صاحب طاہر (وکیل قانونی)

۶۔ محترم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ ناظر امور عامہ (نمائندہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان)

۷۔ محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز انگریزی (نمائندہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان)

کمپنی کے شائع کردہ تراجم قرآن عظیم اور دوسرا بلند پایہ لٹریچر

اس کمپنی نے ۱۹۵۳ء/ ۱۳۳۲ ہش سے لے کر ۱۹۷۹ء/ ۱۳۵۸ ہش تک جو بلند پایہ اسلامی لٹریچر عربی، انگریزی، جرمن اور ڈچ زبان میں شائع کیا اس کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

قرآن عظیم

1. The Holy Quran with Translation and Commentary

(قرآن مجید انگریزی ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ پانچ جلدوں میں۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مولانا شیر علی صاحب؎۲ بی۔ اے اور حضرت ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے سابق مبلغ جرمنی؎۳ پر مشتمل بورڈ کی مساعی کا نتیجہ)

؎۱ مراسلہ ملک بشارت احمد صاحب سابق مینجر کمپنی و نصرت آرٹ پریس (مورخہ ۲۰؍ اگست ۱۹۷۸ء/ ظہور ۱۳۵۷ ہش) سے ماخوذ؛

؎۲ وفات ۱۳؍ نومبر ۱۹۴۷ء/ نبوت ۱۳۲۶ ہش؛ ؎۳ وفات ۷؍ جنوری ۱۹۷۷ء/ صلح ۱۳۵۶ ہش؛

2. The Holy Quran with English Translation and Commentary.

(قرآن مجید انگریزی ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ ایک جلد میں۔ از حضرت ملک غلام فرید صاحبؓ ایم۔اے سابق مبلغ جرمنی)

3. The Holy Quran with English Translation.

(قرآن مجید انگریزی ترجمہ از حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ بی۔اے)

4. The Holy Quran with German Translation.

(قرآن مجید کا جرمن ترجمہ)

5. The Holy Quran with Dutch Translation.

(قرآن مجید کا ڈچ ترجمہ)

حدیثِ نبویؐ

1. Forty Gems of Beauty

(چالیس جواہر پارے از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے)

2. Nibras-ul.Momineen

(نبراس المؤمنین از خالد احمدیت حضرت مولانا ابوالعطاء صاحبؓ سابق مبلغ بلادِ عربیہ)

تصانیف حضرت مسیح موعود علیہ السلام

1. The Philosophy of Teachings of Islam.

(اسلامی اصول کی فلاسفی)

2. A Misunderstanding Removed.

(ایک غلطی کا ازالہ)

3. The Will

(الوصیت)

4. So said the Promised Messiah.

5. حمامۃ البشریٰ

6. الاستفتاء

7. التعلیم (کشتی نوح کا ایک حصہ)

تصانیف حضرت مصلح موعود

1. Introduction to the Study of the Holy Quran.

(دیباچہ تفسیر القرآن)

2. Ahmadiyyat or the true Islam.

(احمدیت یعنی حقیقی اسلام)

3. The Real Revolution.

(انقلابِ حقیقی).

4. Why I Believe in Islam.

(مَیں اسلام کو کیوں مانتا ہوں؟)

(〃) لماذا اعتقد الاسلام

6. Muhammad The Liberator of Women

7. Economic Structure of Islamic Society.

(اسلام کا اقتصادی نظام)

8. Ahmadiyya Movement

(سلسلہ احمدیہ۔ ویمبلے کانفرنس لنڈن منعقدہ ۱۹۲۴ء میں پڑھا جانے والا مضمون)

خطبات حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ

A Message of Peace and a Word of Warning.

(امن کا پیغام اور ایک حرفِ انتباہ)

تصانیف حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے

1. Two Pillars of spirituality

(رُوحانیت کے دو زبردست ستون)

2. Attitude of Islam towards Communism.

(اسلام اور اشتراکیت)

علماءِ سلسلہ احمدیہ کی تصانیف

1. The Existence of God.

(از حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹی[1])

2. Islam and Communism

(اسلام اور اشتراکیت از حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد[2] ایم۔اے سابق امام مسجد لنڈن)

3. Pronouncement of the Promised Messiah.

(از جناب مولانا نور محمد نسیم سیفی صاحب سابق رئیس التبلیغ مغربی افریقہ)

4. Muslim Prayer

متفرق:۔

An Interpretation of Islam

(ایک اطالوی مستشرقہ Veccia Vaglieri کے مقالہ کا انگریزی ترجمہ مع پیش لفظ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب سابق صدر عالمی اسمبلی و جج بین الاقوامی عدالتِ انصاف)

نصرت آرٹ پریس ربوہ یہ سب بلند پایہ لٹریچر نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا جو آر پیکو کی ملکیت ہے اور ضیاء الاسلام پریس کی طرح ۱۹۵۴ء/۱۳۳۳ہش سے سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر کی طباعت و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔

---

[1] وفات ۱۱/اکتوبر ۱۹۰۵ء

[2] وفات ۷/دسمبر ۱۹۵۵ء/فتح ۱۳۳۴ہش

فصل سوم

تاریخ احمدیّت کی تدوین و اشاعت کا انتظام

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کو اپنے زمانۂ خلافت کے آغاز ہی سے سلسلہ احمدیہ کی ابتدائی تاریخ کے محفوظ کئے جانے کا خیال دامنگیر رہا۔ چنانچہ حضور نے جلسہ سالانہ ۱۹۱۴ء کے موقع پر ارشاد فرمایا:۔

"ہمارے بہت بڑے فرائض میں سے ایک یہ بھی فرض ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے حالات اور آپ کے سوانح کو بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے محفوظ کر دیں۔ ہمارے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اُسوۂ حسنہ نہایت ضروری ہے .... آج بہت سے لوگ حضرت مسیح موعودؑ کے دیکھنے والے اور آپ کی صحبت میں بیٹھنے والے موجود ہیں اور ان سے بہت سے واقعات معلوم ہو سکتے ہیں مگر جوں جوں یہ لوگ کم ہوتے جائیں گے آپ کی زندگی کے حالات کا معلوم کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اِسلئے جہاں تک ہو سکے بہت جلد اس کام کو پُورا کرنا چاہیئے"۔ [1]

حضور نے صرف جماعت ہی کو اِس طرف توجہ نہیں دلائی بلکہ بعد ازاں علاوہ رسالہ "سیرت مسیح موعودؑ" کی تالیف کے، اپنے خطبات، تقاریر اور ملفوظات اور کتب میں بڑی کثرت سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے عہدِ مبارک کے واقعات پر روشنی ڈالی[2] جہاں تک جماعتِ احمدیہ کے دوسرے افراد کا تعلق ہے جن

---

[1] "برکاتِ خلافت" صفحہ ۹۳، ۹۴ (طبع اوّل مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان)

[2] ان ایمان افروز روایات کا ایک مجموعہ جو تاریخی ترتیب کے مطابق ہے اور ملک فضل حسین صاحب مہاجر کی کوشش سے مرتّب ہوا ہے اخبار الحکم قادیان ۲۱ مئی تا ۲۸ جولائی ۱۹۴۳ء میں شائع شدہ ہے ان کی جمع کردہ بعض اَور روایات بھی شعبہ تاریخ احمدیت میں محفوظ ہیں۔

بزرگوں کو سب سے بڑھ کر اِس قومی فریضہ کی بجا آوری کا شرف حاصل ہؤا ان میں سرِفہرست حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب (عرفانی) تھے جنہوں نے "حیات النبی" "حیاتِ احمد" اور "سیرت مسیح موعود" کی متعدد جلدیں شائع فرمائیں۔ آپ کے علاوہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے صحابہ مسیح موعود کی روایات "سیرت المہدی"[۱] کے تین حصّوں میں سپردِ اشاعت فرمائیں۔ "مُحبِ صادق" حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے "ذکرِ حبیب"[۲] کے نام سے ایمان افروز کتاب لکھی۔ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی، جمالی شانوی کا "سفرنامہ" جو حضرت مسیح موعود کے واقعات پر مشتمل تھا خلافتِ اُولیٰ کے عہدِ مبارک میں اخبار "الحق" (دہلی) میں چھپا اور جون ۱۹۱۵ء میں "تذکرۃ المہدی" کے نام سے شائع ہؤا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا کہ اس کا دوسرا حصّہ بھی چھپنا چاہیئے۔ حضرت پیر صاحب کے قلم کا لکھا ہؤا دوسرا حصّہ ۳۷۵ صفحات کا تھا اور آپ کا ارادہ تھا کہ اسے کئی حصّوں میں تقسیم کرکے چھپوا دیں مگر افسوس اس کے صرف ۸۴ صفحات[۳] ہی شائع کر پائے تھے کہ آپ انتقال کر گئے۔

۱۹ نومبر ۱۹۳۷ء کو حضرت مصلح موعود نے روایاتِ صحابہ جمع کرنے کی ایک اَور مؤثر تحریک فرمائی[۴] اِس تحریک پر ابھی مرکزی نظام کے تحت باقاعدہ کام شروع نہیں ہؤا تھا کہ حضرت مسیح موعود کے نہایت یک رنگ، قدیم اور بے مثال فدائی و شیدائی حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی بیمار ہو گئے۔ حضرت خلیفہ ثانی المصلح الموعود نے ۱۵ دسمبر ۱۹۳۷ء کو اپنے قلمِ مبارک سے مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ کپورتھلہ[۵] کو لکھا کہ:۔

> "منشی صاحب کی بیماری کی خبر سے افسوس ہؤا۔ آپ یہ کام ضرور کریں کہ بار بار پوچھ پوچھ کر ان سے ایک کاپی میں سب روایات حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق لکھوا لیں اس میں تاریخی اور واعظانہ اور سب ہی قسم کی ہوں یعنی صرف ملفوظات ہی نہ ہوں بلکہ سلسلہ کی تاریخ اور حضور علیہ السلام کے واقعات تاریخی بھی ہوں۔ یہ آپ کے لئے اور اُن کے لئے بہترین

۱؎ اشاعت حصّہ اوّل دسمبر ۱۹۲۳ء حصّہ دوم دسمبر ۱۹۲۷ء حصّہ سوم فروری ۱۹۳۹ء

۲؎ اشاعتِ اُولیٰ دسمبر ۱۹۳۶ء ۳؎ اشاعت دسمبر ۱۹۲۱ء

۴؎ تاریخ احمدیت جلد ہشتم صفحہ ۴۲۹ ۵؎ حال امیر جماعتِ احمدیہ ضلع فیصل آباد

یادگار اور سلسلہ کے لئے ایک کار آمد سامان ہوگا"۔ ؎۱

محترم شیخ محمد احمد صاحب مظہر نے اِس ارشادِ مبارک کی تعمیل میں حضرت منشی ظفر احمد صاحب کی بیان فرمودہ روایات انہی کے الفاظ میں قلمبند کر کے رسالہ ریویو آف ریلیجنز جنوری ۱۹۴۲ء میں شائع کرا دیں۔

۱۹۳۷ء کی تحریک کے نتیجہ میں نہ صرف روایاتِ صحابہ کے جمع و اشاعت کا کام پوری توجہ اور باقاعدگی سے شروع ہو گیا بلکہ ایسا لٹریچر بھی تیار ہونے لگا جو سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ اور خلافتِ اولیٰ و ثانیہ کے عہدِ مبارک کی تاریخ پر مشتمل تھا چنانچہ فروری ۱۹۳۸ء میں مکرم چوہدری محمد شریف صاحب مولوی فاضل مبلغ سلسلہ احمدیہ نے "سلسلہ عالیہ احمدیہ" اور دسمبر ۱۹۳۸ء میں ملک فضل حسین صاحب مہاجر نے "تاثراتِ قادیان" شائع کی۔ دسمبر ۱۹۳۹ء میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے قلم سے "سلسلہ احمدیہ" جیسی شاندار تالیف اشاعت پذیر ہوئی جو سلسلہ احمدیہ کی پچاس سالہ تاریخ پر ایک مختصر مگر نہایت جامع اور حقیقت افروز کتاب تھی۔ ۱۹۴۲ء میں شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مدیر الحکم نے "مرکزِ احمدیت — قادیان" کے نام سے ایک پُر از معلومات کتاب چھپوائی۔ ۱۹۴۵ء میں حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب دردؔ نے اپنی محققانہ تالیف "LIFE OF AHMAD" کا حصہ اول مکمل کیا جو ۱۹۴۸ء میں لاہور سے شائع ہؤا۔

۱۹۵۰ء میں ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے درویش قادیان نے "اصحابِ احمد" کی پہلی جلد اور ۱۹۵۲ء میں دوسری جلد شائع کی جس سے سلسلہ کے لٹریچر میں قابلِ قدر اضافہ ہؤا۔ اسی طرح ۱۹۵۱ء کے دوران حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ عنہ کی "حیاتِ قدسی" کے دو حصے حیدر آباد دکن سے سیٹھ علی محمد۔ اے۔ الہ دین صاحب کے زیرِ انتظام چھپے اور ہر طبقہ کے لئے ازدیادِ ایمان کا موجب بنے۔

۱۹۵۳ء کا سال اگرچہ ابتلاؤں کا سال تھا مگر یہی وہ سال تھا جس میں سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی تحریکِ خاص سے مرکزِ احمدیت میں تاریخِ سلسلہ احمدیہ کی تدوین و اشاعت کی مرکزی سطح پر بُنیاد پڑی۔

اِس کا محرک دراصل حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا ایک مکتوب تھا جو آپ نے ۴ ۲ مارچ

؎۱ "اصحابِ احمد" جلد ۴ صفحہ ۶ (مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے)

۱۹۵۳ء (۲۴؍امان ۱۳۳۲ہش) کو حضرت مصلح موعودؓ کی خدمتِ بابرکت میں لکھا[1] اور جس میں ایک عزیز کی یہ تجویز عرض کی گئی تھی کہ کوائف ۱۹۵۳ء سے متعلق حکومتِ پاکستان کے مرکزی اور صوبائی افسروں کے بیانات ایک رسالہ کی صورت میں شائع ہونے چاہئیں۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اس پر اپنے قلمِ مبارک سے تحریر فرمایا کہ:-

"اچھی بات ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کی مکمل تاریخ لکھی جائے۔ میرے نزدیک مہاشہ فضل حسین .... کو بُلوا کر اِس کام پر لگا دیا جائے یا دوست محمد بھی یہ کام کر سکتے ہیں ......"

اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور کی توجہ اِس طرف بھی منعطف فرمائی کہ سلسلہ احمدیہ کی پوری تاریخ کو محفوظ کیا جانا چاہیئے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے تحریکِ خاص

چنانچہ اِس سلسلہ میں حضور نے درج ذیل الفاظ میں تحریک فرمائی:-

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

سِلسلہ احمدیہ کی "تاریخ کو محفوظ کرنے کا اِنتظام

احباب اِس اہم ضرورت کو پُورا کرنے کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیں

احبابِ کرام! اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

آپ کو علم ہے کہ ہماری جماعت کی تاریخ اَب تک غیر محفوظ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سوانح بعض لوگوں نے مرتب کرنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ بھی نامکمل ہیں۔ پس سلسلہ کی اِس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے تاریخ سلسلہ احمدیہ کے مکمل کرانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے قریب کے زمانہ کی تاریخ مرتب کی جائے گی تاکہ

---

[1] اصل مکتوب "شعبہ تاریخ احمدیت" ربوہ میں محفوظ ہے۔

ضروری واقعات محفوظ ہو سکیں۔سلسلہ کی تاریخ کئی جلدوں میں مکمل ہو گی۔تین سال تک کام کا اندازہ ہے۔اِس کی چھپوائی اور لکھوائی وغیرہ پر کم از کم تیس پینتیس ہزار روپیہ خرچ کا اندازہ ہے۔صدر انجمن احمدیہ پر چونکہ اِس وقت کافی بار ہے اِس لئے اِس کام کا علیحدہ انتظام کرنے کے لئے مَیں احبابِ جماعت میں سرِدست صرف مبلغ بارہ ہزار روپیہ کی تحریک اِس کام کے لئے کر رہا ہوں۔جب یہ روپیہ خرچ ہونے کو ہوگا پھر اَور اپیل کی جائے گی۔ جماعت کے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی ہے انہیں سلسلہ کی اِس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اِس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیئے تا یہ کام جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔

دفتر محاسب صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں اِس تحریک کے لئے مَد کھول دی گئی ہے جو احباب اِس تحریک میں حصہ لینا چاہیں وہ اپنی رقوم محاسب صاحب صدر انجمن احمدیہ ربوہ کو ''بمدِ تصنیف تاریخ سلسلہ احمدیہ'' بھجوا دیں۔

یہ رقم میرے اختیار میں رہے گی اور میرے ہی دستخطوں سے برآمد ہو سکے گی۔

والسّلام

مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعتِ احمدیہ

یہ تحریکِ خاص اخبار ''المصلح'' (کراچی) ۲۰ ہجرت ۱۳۳۲ ہش (۲۰ مئی ۱۹۵۳ء) میں چھپ کر منظرِ عام پر آئی تو مخلصینِ جماعت نے اِس کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔نیز اِس اعلان نے جماعت کے اہلِ قلم اصحاب میں بھی ایک جُنبش پیدا کر دی چنانچہ لاہور کے ایک مخلص احمدی ایڈووکیٹ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمتِ اقدس میں تحریری درخواست دی کہ انہیں تاریخ سلسلہ لکھنے کا موقعہ عطا فرمایا جائے۔لیکن حضور نے دفتر کو ارشاد فرمایا کہ:۔

''المصلح میں اعلان کیا جائے۔تاریخ سلسلہ کے لکھنے کے لئے آدمیوں کی ضرورت ہے۔تاریخ سے مَس ہو۔ادیب ہوں تحقیق اور مطالعہ کا بہت شوق ہو جس تنخواہ پر آ سکیں اس سے بھی اطلاع دیں۔''

چنانچہ مکرم مولوی محمد صدیق صاحب انچارج خلافت لائبریری ربوہ کی جانب سے الفضل ۱۶ر جولائی ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ میں یہ اعلان بھی کر دیا گیا جس پر درج ذیل مقامات سے درخواستیں موصول ہوئیں :۔

لاہور (۲ عدد)، شیخوپورہ (۲ عدد)، کراچی (ایک عدد)، لطیف نگر اسٹیٹ ضلع تھرپارکر سندھ (ایک عدد)۔

حضرت مصلح موعودؓ کی خدمتِ بابرکت میں جب یہ سب درخواستیں مع کوائف پیش کی گئیں تو حضور نے فیصلہ صادر فرمایا کہ

"درخواستوں پر کسی کارروائی کی ضرورت نہیں ان میں سے سرِ دست کوئی پُورا نہیں اُترتا"

چونکہ حضور تاریخِ سلسلہ کے مدوّن کئے جانے کا عزمِ صمیم کر چکے تھے اِس لئے آپ نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے ابتدائی مراسلہ کے قریباً سوا ماہ کے بعد مکرم مہاشہ فضل حسین صاحب کو تاریخِ احمدیت کا مواد اکٹھا کرنے کے لئے نامزد فرمایا اور ان کا تقرر خلافت لائبریری میں ہُوا۔ آپ نے ۳۰ر اپریل ۱۹۵۳ء سے لے کر ۲۰ر مئی ۱۹۵۵ء تک یہ خدمت انجام دی۔ حضور رضی اللہ عنہ نے فسادات ۱۹۵۳ء کے واقعات کو جمع کرنے میں اوّلیت دینے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں انہوں نے علاوہ اخبارات و رسائل کا مطالعہ کرنے کے منٹگمری[1] (ساہیوال) سے لے کر راولپنڈی تک کا دَورہ کیا اور بہت سی چشم دید شہادتیں جمع کر کے ان کو مرتب کیا نیز "فساداتِ پنجاب ۱۹۵۳ء کا پس منظر" کے عنوان سے ایک کتابچہ بھی لکھا۔

محترم مہاشہ فضل حسین صاحب کو مقرر ہوئے چند ہفتے ہی گزرے تھے کہ ۲۴ر جون ۱۹۵۳ء کو دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے راقم الحروف (دوست محمد شاہد) کو اطلاع ملی کہ حضرت اقدس نے اِس عاجز کو یاد فرمایا ہے چنانچہ اگلے دن حضور نے شرفِ باریابی بخشا اور تاریخِ احمدیت کی تدوین سے متعلق بنیادی ہدایات ارشاد فرمائیں جن کا خلاصہ یہ تھا کہ :۔

۱۔ فی الحال ستمبر ۱۹۴۷ء سے اگست ۱۹۵۲ء تک کی تاریخ لکھنے کا کام آپ کے سپرد کیا جاتا ہے۔

---

[1] اِس سفر میں آپ منٹگمری (ساہیوال)، اوکاڑہ، لائلپور (فیصل آباد)، سرگودھا، جھنگ، ملتان، سیالکوٹ، وزیر آباد، گوجرانوالہ، لاہور اور راولپنڈی تشریف لے گئے۔

یہ حصّہ لکھنے کے بعد دوسرے حصّوں کی طرف توجہ دینا ہوگی۔

۲۔ تاریخ کی ترتیب و تدوین میں علاوہ دیگر ماخذوں کے لاہور کی پبلک لائبریری سے بھی فائدہ اُٹھایا جائے۔

۳۔ اِس حصّہ تاریخ میں نمایاں طور پر قیام و استحکامِ پاکستان کے سلسلہ میں جماعتی خدمات کو پیش کیا جائے۔ حوالہ پورا نقل کیا جائے اور جو موّاد بھی مل سکے اس کو جمع کر دیا جائے تا مستقبل کے مؤرخ اس سے انتخاب کرکے اپنے زمانہ میں ان واقعات کی ترتیب دے سکیں۔

تاریخ احمدیت کی تدوین کا دفتر ابتداءً پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر کے کمرۂ ملاقات میں قائم کیا گیا بعدازاں جب خلافت لائبریری کے نئے کمرے تعمیر ہو گئے تو اسے لائبریری میں منتقل کر دیا گیا۔

یہ محکمہ چونکہ حضور کی تحریکِ خاص سے قائم ہوا تھا اِس لئے حضور اِس کی خاص طور پر نگرانی اور راہ نمائی فرماتے تھے۔ حضور کی شروع ہی سے تاکیدی ہدایت تھی کہ اِس شعبہ کی ہفتہ وار رپورٹ آنی چاہیئے چنانچہ (حضور کی بیماری یا سفرِ یورپ کے دنوں کے سوا) اِس شعبہ کی کارگذاری باقاعدگی سے حضور کی خدمت میں پیش کی جاتی تھی حضور اسے ملاحظہ فرما کر بعض اوقات اپنے دستِ مبارک سے اور بعض اوقات زبانی ارشادات فرمادیتے۔ حضور کے بعض احکام حضرت سیّدہ اُمِّ متین صاحبہ حرم حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے قلم سے بھی لکھے ہوتے تھے۔

۲۲ مئی ۱۹۵۵ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود زیورچ (سوئٹزرلینڈ) میں تشریف فرما تھے اس روز حضور نے مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ پرائیویٹ سیکرٹری کو مکرم مولوی محمد صدیق صاحب انچارج خلافت لائبریری ربوہ کے نام خط لکھوایا کہ "مہاشہ صاحب نے جتنا کام کر لیا کر لیا باقی دوست محمد صاحب شروع کر دیں بہرحال تاریخ سلسلہ ہم نے لکھنی ہے ۱۹۳۸ء سے پہلے لکھ لیں پچھلی بعد میں لکھ لی جائے گی۔"

حضور کا یہ ارشاد ۲۹ مئی ۱۹۵۵ء کو ربوہ میں موصول ہوا۔

ازاں بعد ۶ فروری ۱۹۵۶ء کو شعبہ تاریخ کی رپورٹ ملاحظہ کرکے ارشاد فرمایا:۔

"یہ بتائیں چھپنے میں کیا دیر ہے؟ چھپنی جلد چاہیئے تاکہ محفوظ ہو جائے پھر ابتدائی تاریخ کی تدوین شروع کر دیں مَیں نے پچھلے زمانہ کی تاریخ اِس لئے سپرد کی تھی کہ کم ازکم

یہ تو محفوظ ہو جائے۔"

"تاریخ احمدیت" کی پندرہ ۱۵ جلدوں کی اشاعت

حضرت مصلح موعودؓ کی اِس مبارک خواہش کو پُورا کرنے کی سعادت ادارۃ المصنّفین کے حصّہ میں آئی۔ حضور نے اِس مرکزی ادارہ کی بنیاد دسمبر ۱۹۵۷ء میں رکھی اور اس کے بنیادی مقاصد میں تاریخ احمدیت کی اشاعت کو بھی شامل فرمایا اور مکرم ابوالمنیر نورالحق صاحب فاضل کو اس کے مینجنگ ڈائریکٹر کے فرائض سپرد فرمائے اور ان کو "تاریخ احمدیت" کے چھپوانے کے لئے خصوصی ہدایات فرمائیں۔ مکرم ابوالمنیر صاحب نے پوری توجہ، غیر معمولی ہمت و استقلال اور کمال دلجمعی اور ذوق وشوق کے ساتھ اشاعتِ تاریخ کا بیڑا اُٹھایا اور ادارہ کے معرضِ وجود میں آتے ہی سب سے پہلے کام یہ کیا کہ ملک فضل حسین صاحب کی کتاب "فسادات ۱۹۵۳ء کا پس منظر" طبع کروائی اور پھر گوناگوں مشکلات اور نامساعد حالات کے باوجود دسمبر ۱۹۷۵ء تک "تاریخ احمدیت" کی پندرہ ۱۵ ضخیم جلدیں شائع کرائیں۔ علاوہ ازیں پہلی تین جلدوں کے دو۲ دو۲ ایڈیشن بھی چھپوا دیئے۔

"تاریخ احمدیت" کی ابتدائی پانچ جلدیں خلافتِ ثانیہ کے بابرکت عہد میں اور بقیہ خلافتِ ثالثہ کے مبارک دَور میں منظرِ عام پر آئیں۔

سیّدنا حضرت مُصلح موعُودؓ کے تاثرات و ارشادات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے "تاریخ احمدیت" کے ابتدائی پانچ حصّوں کی نسبت حسبِ ذیل تاثرات کا اظہار فرمایا:-

تاریخِ احمدیت جِلد اوّل

فرمایا:- "اِس سال تاریخ احمدیت کی بھی پہلی جِلد شائع ہو چکی ہے جو ۱۸۸۰ء تک کے حالات پر مشتمل ہے دوستوں کو اس کی اشاعت کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیئے۔"[۲]

تاریخِ احمدیت جِلد دوم

فرمایا:- "اِس سال ادارۃ المصنّفین نے تاریخ احمدیت کا دوسرا حصّہ بھی شائع کر دیا ہے۔

---

[۱] تفصیل ۱۹۵۷ء کے حالات میں آئے گی۔ [۲] "الفضل" ۲۵ جنوری ۱۹۵۹ء (۲۵ صلح ۱۳۳۸ ہش) صفحہ ۳۔

گزشتہ سال اِس کا پہلا حصہ شائع ہؤا تھا۔ دوستوں کو چاہیئے کہ وہ اِس کتاب کو بھی خریدیں اور پڑھیں تاکہ انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے واقعات کا علم ہو۔"[1]

تاریخِ احمدیت جلد سوم

"یہ خوشی کی بات ہے کہ میری ہدایت کے مطابق ادارۃ المصنفین نے تاریخِ احمدیت حصہ سوم کو شائع کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات کو مکمل کر لیا ہے۔ اِس کتاب کے سب حصوں کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے۔ اِسی طرح بخاری شریف کی شرح کا چھٹا جزو بھی شائع کر دیا گیا ہے۔ جماعت کے دوستوں کو یہ دونوں کتابیں فوراً خرید لینی چاہئیں۔

(دستخط)

مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی ۱۵/۱۲/۶۲ء

تاریخِ احمدیت جلد چہارم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ——— نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّاصِرُ

برادران! اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

جیسا کہ احباب کو علم ہے کہ مولوی دوست محمد صاحب شاہد میری ہدایت کے ماتحت تاریخِ احمدیت لکھ رہے ہیں۔ الحمدللہ کہ خدا کے فضل سے اُنہوں نے اس کا چوتھا حصہ بھی مکمل کر لیا ہے۔ اُستاذی المکرم حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے بلند مقام اور آپ کے عظیم الشان احسانات کا کم از کم تقاضا یہ ہے کہ جماعت کا ہر فرد آپ کے

---

[1] الفضل ۱۶ر فروری ۱۹۶۰ء (۱۶ر تبلیغ ۱۳۳۹ ہش) صٓ۳ ؁

[2] الفضل ۱۹ر دسمبر ۱۹۶۲ء (۱۹ر فتح ۱۳۴۰ ہش) صٓ۱ ؁

زمانہ کی تاریخ کی اشاعت میں پورے جوش و خروش سے حصہ لے۔ اسے خود بھی پڑھے اور دوسروں کو بھی پڑھائے۔ بلکہ میں تو یہ بھی تحریک کروں گا کہ جماعت کے وہ مخیر اور مخلص دوست جو سلسلہ کے کاموں میں ہمیشہ ہی نمایاں حصہ لیتے رہے ہیں "تاریخِ احمدیت" کے مکمل سیٹ اپنی طرف سے پاکستان اور ہندوستان کی مشہور لائبریریوں میں رکھوا دیں تا اس صدقہ جاریہ کا ثواب انہیں قیامت تک ملتا رہے اور وہ اور اُن کی نسلیں اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی وارث ہوتی رہیں۔ آمین

والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد

(خلیفۃ المسیح الثانی) ۶۳/۱۲/۴ "[۱]

تاریخِ احمدیت جلد پنجم

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ——— نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

" ادارۃ المصنفین ربوہ کی طرف سے تاریخِ احمدیت کا پانچواں حصہ شائع کیا جا رہا ہے سلسلہ کی تاریخ سے واقفیت رکھنا ہر احمدی کے لئے ضروری ہے احباب کو چاہیئے کہ اس کا مطالعہ کریں اور اس کی اشاعت میں حصہ لیں۔

والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد

(خلیفۃ المسیح الثانی) ۶۴/۱۲/۶ "[۲]

---

[۱] الفضل ۱۰ر دسمبر ۱۹۶۳ء (۱۰ر فتح ۱۳۴۲ ہش) صفحہ ۱

[۲] الفضل ۱۰ر دسمبر ۱۹۶۴ء (۱۰ر فتح ۱۳۴۳ ہش) صفحہ ۱

فصل چہارم

فضلِ عمر ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹ ربوہ کا اِفتتاح

فضلِ عمر ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹ کی عمارت تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے مشرقی جانب زیرِ تعمیر تھی جس کی ایک حد تک تکمیل پر سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۵ ماہِ احسان ۱۳۳۲ ہش مطابق ۲۵ جون ۱۹۵۳ء کو ربوہ میں نو بجے صبح فضلِ عمر ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹ کا افتتاح فرمایا۔

حضور نے پہلے تو ریسرچ کے ڈائریکٹر چوہدری محمد عبد اللہ صاحب ایم۔ اے، پی ایچ ڈی کے ہمراہ عمارت اور سامان کا معائنہ کیا اور پھر ریسرچ کے کارکنوں اور دیگر احبابِ جماعت سے ایک نہایت معلومات افروز تقریر فرمائی جس کا ملخص درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"آٹھ سال ہوئے مَیں نے قادیان میں ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد رکھی تھی۔ وہاں پر اس کا کام شروع ہوگیا تھا لیکن ۱۹۴۷ء کے اِنقلاب کے بعد ہمارے پاس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ مَیں نے ایک دوست کو تحریک کی کہ وہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ربوہ میں بنانے کے لئے ایک لاکھ روپیہ جمع کریں ایک لاکھ مَیں جمع کروں گا۔ ابھی تک مَیں تو اِس بارے میں تحریک نہ کر سکا کیونکہ جماعت کے سامنے اَور بہت سی تحریکات ہیں لیکن اس دوست نے باون ہزار روپیہ کے قریب جمع کر دیا ہے جس سے یہ عمارت تیار کی گئی ہے۔ اگر بقیہ رقم بھی جمع ہوگئی تو انشاء اللہ العزیز وسیع پیمانے پر کام جاری ہو جائے گا اور بلڈنگ بھی مکمل ہو جائے گی۔ سرِدست اِس انسٹی ٹیوٹ میں پانچ سکالر کام کر رہے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس آسمانی کتاب نے کائناتِ عالَم پر غور کرنے کی طرف سب سے زیادہ توجہ دلائی ہے وہ قرآن کریم ہے۔ دُنیا کی کوئی آسمانی کتاب ایسی نہیں جس نے اِنسان کو کائناتِ عالَم پر غور کرنے کا اِس طرح واضح حکم دیا ہو جس طرح قرآن کریم نے دیا ہے۔ قرآن مجید نے اِس بارے میں تین بنیادی امور بیان فرمائے ہیں۔

اوّلؔ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِس دُنیا کی تمام چیزیں مرکب ہیں کوئی چیز مفرد نہیں ہے۔ سب اشیاء میں ترکیب پائی جاتی ہے۔ فرمایا وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (الذّٰریٰت: ۵۰)

دوّمؔ:۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ اشیاء کی وہ ترکیب ہر وقت عمل (WORK) کر رہی ہے یعنی اسکے نتائج کا ایک سلسلہ جاری ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت نئی شان اور ترکیب کے ساتھ تجلّی فرماتا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ کائناتِ عالَم کی تمام چیزیں اُس کی اس تجلّی سے متاثر ہوتی ہیں اور ان مرکب اشیاء کا سلسلہ کسی جگہ پر ٹھہر نہیں جاتا بلکہ آگے ہی آگے چلتا ہے۔ گویا ہر وقت نئے نتائج پیدا ہو رہے ہیں۔ الفؔ اور بؔ کے ملنے سے جؔ پیدا ہوتا ہے پھر جؔ اور دؔ کے ملنے سے سؔ پیدا ہوتا ہے۔ غرض اِسی طرح ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے۔

سوّمؔ۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ ان تمام اشیاء اور ان کی ترکیب اور اُس ترکیب سے پیدا ہونے والے نتائج کے اسرار کو معلوم کرنا تمہارا کام ہے۔ اس کام کو سرانجام دینے والے ہی اللہ تعالےٰ کے نزدیک عقلمند ہیں۔ اَلَّذِيْنَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آلِ عمران: ۱۹۲) وہ لوگ جو زمین و آسمان کی پیدائش کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں اور بالآخر اِس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اے خدا! تُونے اِس کارخانہ کو بے حکمت پیدا نہیں کیا۔ تُو پاک ہے اور ہمیں جہنّم کے عذاب سے بچا۔ پھر قرآن مجید یہ بھی وعدہ کرتا ہے کہ جو لوگ قوانینِ الٰہی میں غور کریں گے اور کائناتِ عالَم کی حکمتوں کو سوچیں گے ان پر ان کے اسرار ضرور کھولے جائیں گے اور دُنیا کے ذرّہ سے لے کر خود خدا تعالیٰ تک ان لوگوں کے لئے کامیابی کا راستہ کھولے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) کہ جو لوگ ہمارے پیدا کردہ عالَم کے متعلق اور ہم تک پہنچنے کے لئے صحیح طریق سے کوشش کریں گے ہم اُن پر کامیابی کے راستے ضرور کھولیں گے۔

یہ تینؔ اہم صداقتیں ہیں جن کا قرآن کریم اعلان کرتا ہے اور مسلمانوں کو ان کی طرف توجہ دلاتا ہے اور یہی تینؔ امور سائنس کی بنیاد ہیں۔ اِن حالات میں کس قدر تعجب کی بات ہوگی کہ مسلمان کائناتِ عالَم سے غفلت اختیار کریں۔

دُنیا میں مختلف خیال کے لوگ بستے ہیں۔ بعض لوگ تو یہ خیال کرتے ہیں کہ دُنیا کی طرف توجہ کرنا مذہب

کا کوئی حصّہ نہیں بلکہ ان کے نزدیک دُنیا سے بے توجہ رہنا مذہبی آدمی کے لئے ضروری ہے جیساکہ بدھوں کا خیال ہے یا عیسائیوں کے بعض فرقے سمجھتے ہیں۔بعض لوگ دُنیا کو صرف دُنیا کے نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کو ہی اپنا منتہائے مقصود سمجھتے ہیں۔بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ وہ کائناتِ عالَم پر غور کرتے ہیں اور بعض ایجادات بھی ایجاد کرتے ہیں لیکن ان کے مذہب نے انہیں اِس بارے میں کوئی ہدایت نہیں کی ان کے مذہب اِس پہلو سے سراسر خاموش ہیں۔انہوں نے یہ طریق اپنے لئے از خود ایجاد کر لیا ہے لیکن قرآن کریم تو مسلمانوں کو نہ صرف کائناتِ عالَم پر غور کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے بلکہ وہ اِس کام کو مذہب کا ایک حصّہ قرار دیتا ہے اور اس کوشش کے نتیجہ میں ثواب اور رُوحانی بدلے کی اُمید دلاتا ہے۔اگر مسلمان اِس پہلو سے غفلت اور سُستی کریں تو وہ صریح طور پر قرآن کریم کے احکام سے مُنہ پھیرنے والے قرار پائیں گے۔

جو لوگ صحیح طور پر کائناتِ عالَم پر غور کرنے والے ہیں وہ بڑی محنت سے کام کرتے ہیں۔مَیں نے بہت سے سائنسدانوں کے حالات پڑھے ہیں وہ بڑے انہماک سے بارہ بارہ گھنٹے تک کام کرتے ہیں اور پھر شاندار نتائج پیدا کرتے ہیں لیکن مسلمان بالعموم پانچ چھ گھنٹے کے کام کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں۔مَیں نے دیکھا ہے کہ لوگ اِسی لئے اپنے کام کی رپورٹ کرنے اور ڈائری لکھنے سے گھبراتے ہیں۔تبلیغی کام کرنے والے اور ریسرچ میں کام کرنے والے اگر اپنے کام کی ڈائری لکھیں تو اس سے انہیں صحیح طور پر احساس ہو جائے کہ انہیں اتنا کام کرنا چاہیئے تھا اور انہوں نے کتنا کیا ہے۔سُست لوگ اِس بارے میں یہ عُذر کیا کرتے ہیں کہ ہم نے کام کرنا ہے یا ڈائری لکھنا ہے۔ڈائری لکھنے اور رپورٹ کرنے میں وقت ضائع ہوتا ہے۔یہ عذر درحقیقت نفس کا دھوکہ ہوتا ہے۔ڈائری وہی لکھ سکتا ہے جو صحیح طور پر کام کرتا ہے اور جو شخص کام نہیں کرتا وہ ڈائری لکھنے سے گریز کرتا ہے۔ہمارا دُنیا سے بہت بڑا مقابلہ ہے۔ہماری یہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ دُنیا کی لیبارٹریوں اور ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹوں کے مقابلہ میں بلحاظ اپنے سامان اور کارکنوں کے کوئی حیثیت نہیں رکھتی لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ اصل کام یہ ہے کہ انسان میں اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے کی رُوح پیدا ہو جائے اور یہ رُوح محنت اور ایثار سے پیدا ہوتی ہے۔جب ہمیں یہ معلوم ہو کہ ہم نے بہت بڑے دشمن سے مقابلہ کرنا ہے تو ہمارے اندر کام کرنے کی رُوح بڑھ جائے گی۔ہمارے اِس مقابلہ کی بنیاد روپے پر نہیں ہے۔دُنیا کے مقابلہ میں ہمارے پاس روپیہ ہے ہی

نہیں۔

نپولین کا قول ہے کہ ناممکن کا لفظ میری ڈکشنری میں نہیں ہے۔ اس کے یہی معنی تھے کہ نپولین کسی کام کو ناممکن نہیں سمجھتا تھا ہاں وہ اسے مشکل ضرور سمجھتا تھا اور پھر ہمت سے اس کام کو سرانجام دیتا تھا۔ دُنیا میں بہت سے لوگ ایسے گذرے ہیں کہ وہ اپنی اولوالعزمی سے سامانوں کے مفقود ہونے کے باوجود کامیابی کا راستہ نکال لیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے وقت مسلمانوں پر جو غفلت اور جمود کی حالت طاری تھی اس کو بیداری سے بدلنا ناممکن سمجھا جاتا تھا لیکن آپ نے مسلمانوں کے اندر اُمید کی کرن پیدا کر دی اور انہیں بیدار کر دیا۔ یورپین مصنفین حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلے کے ہندوستانی مسلمان لیڈروں یعنی سرسید احمد خاں، امیر علی وغیرہ کو اپالوجسٹ (APOLOGIST) یعنی معذرت کرنے والے قرار دیتے تھے لیکن وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا طریق اسلام کی طرف سے معذرت خواہانہ نہیں بلکہ جارحانہ حملے کا طریق ہے۔ ابھی ایک مشہور مغربی مصنف نے تحریکِ احمدیت کا ذکر اِسی انداز میں کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مستقبل کے متعلق ایک ایسی جگہ بھی آتی ہے جہاں پر مؤرخ کو خاموش ہونا پڑتا ہے۔ تحریکِ احمدیت کے مستقبل کے ذکر میں اُس نے لکھا ہے کہ بہت سے گھوڑے جو گھوڑ دوڑ کی ابتداء میں کمزور نظر آتے ہیں وہی بسا اوقات اوّل نکلتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اِس وقت مذہبی دُنیا میں جو تغیّرات پیدا ہوئے ہیں اور مسلمانوں میں جس قدر بیداری نظر آتی ہے وہ حضرت مسیح موعود کی تعلیم کے نتیجہ میں ہے۔ اب مسلمانوں میں سے ننانوے فیصدی لوگ وفاتِ مسیح علیہ السلام کو ماننے لگ گئے ہیں۔ عصمتِ انبیاء کو ماننے لگ گئے ہیں، عدم نسخِ قرآن کے نظریے کو بھی ننانوے فیصدی لوگ ماننے لگ گئے ہیں حالانکہ گزشتہ بارہ سو سال میں علمائے اسلام قرآنی آیات کے منسوخ ہونے کا عقیدہ رکھتے آئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہایت لطیف رنگ میں انہی آیات سے بہت سی حکمتیں بیان فرمائیں جنہیں لوگ منسوخ سمجھتے تھے۔ اِس طرح مسئلہ نسخِ قرآن کی بنیاد کو آپ نے توڑ کر رکھ دیا۔ تمام وہ مسائل جو باقی دُنیا اور مسلمانوں کے لئے مشکوک بلکہ مخالفانہ طور پر تسلیم کئے جاتے تھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو بدل دیا۔ پس ناممکن بات کو خدا تعالیٰ کے فضل سے ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ جب ہم قادیان سے نکلے ہیں تو خود جماعت کا ایک بڑا حصہ کہتا تھا کہ اب ہمارے پاؤں کس طرح جمیں گے لیکن دیکھ لو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب ہمارا بجٹ پہلے

سے زیادہ ہے اور مخالفت کے باوجود جماعت کی ترقی ہو رہی ہے۔ اقتصادی حالت بھی پہلے سے بہتر ہے اگرچہ جماعت کی صحیح تربیت کی جائے تو چندے دُگنے ہو سکتے ہیں۔ میرے نزدیک ریسرچ سکالر کو یہ کبھی نہیں سوچنا چاہیئے کہ کوئی ایسی بات بھی ہے جو نہیں ہو سکتی اس کو اپنی تحقیقات کے سلسلہ کو پھیلانے میں یہ بھی نہ ماننا چاہیئے کہ مَیں دُنیا کو پیدا نہیں کر سکتا (گو یہ پیدا کرنا مجازی رنگ میں ہی ہوگا) یہ تو درست ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ناممکن قرار دے دیا ہے وہ بہرحال ناممکن ہیں لیکن یہ درست نہیں کہ جن چیزوں کو انسان کسی وقت ناممکن کہہ دیں وہ فی الواقعہ ناممکن ہوتی ہیں۔ ابھی جب ایٹم بم ایجاد ہؤا تو وہ سائنسدان جو کہتے تھے کہ دُنیا کا کبھی خاتمہ نہیں ہو سکتا وہ کہنے لگ گئے کہ اِس ایجاد سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ دُنیا ختم ہو سکتی ہے۔ چار پانچ ماہ تک وہ لوگ CHAIN REACTION (تسلسل ردِّ عمل) کے نظریہ کے ماتحت دُنیا کے خاتمہ کے قائل رہے ہیں۔ بہرحال ریسرچ کرنے والے اِنسان کے لئے بہت بڑی وسعت ہے۔ دُنیا میں ایک وقت میں ایک چیز ناممکن سمجھی جاتی ہے اور پھر وہ ممکن ہو جاتی ہے۔ گویا قدرت بھی اپنے دائرہ کو لمبا کرتی رہتی ہے۔ پہلے لوگ دُنیا کی لمبائی کا اندازہ روشنی کے تین ہزار سال سمجھتے تھے جنگ کے بعد یہ اندازہ چھ ہزار سال تک پہنچ گیا اور اب نیا نظریہ یہ ہے کہ دُنیا کی لمبائی روشنی کے چھتّیس ہزار سال کے برابر ہے۔

اِس وقت محقّقین کے دو نظریے ہیں۔ بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ دُنیا EXPAND ہو رہی ہے۔ جوں جوں ہم علمی طور پر آگے بڑھتے ہیں دُنیا کی وسعت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ درحقیقت ابھی تک ہم نے صحیح اندازہ ہی نہیں کیا۔ ہمارے سارے اندازے ناقص اور کم ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا (النازعات: ۴۵) کہ ہر چیز کی مُجملیں اللہ ہی حل کر سکتا ہے اور ہر چیز انجامکار تیرے ربّ کی طرف پہنچتی ہے۔ گویا ہمارے سامنے UNLIMITED SOURCES (غیر محدود خزانے) موجود ہیں جن کی ریسرچ ہم نے کرنی ہے لیکن ہمارے پاس سامان نہیں۔ ایٹم بم کے متعلق پانچ ہزار ورکر کام کر رہے ہیں لیکن ہمارے ہاں یہاں صرف پانچ کارکن ہیں۔ پھر ان کے سامانوں کی فراوانی سے بھی ہمیں کوئی نسبت نہیں۔ ان لوگوں کا بجٹ دو دو ارب کا ہوتا ہے ہمارے ریسرچ کے بجٹ کو ان کے بجٹ کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب سامان تھوڑے ہوں اور کام کرنے والے آدمی تھوڑے ہوں تو کام کی نسبت زیادہ ہونی ضروری ہے۔ کم ہمّت آدمی

کام کی زیادتی کو دیکھ کر کہتا ہے کہ بہت کام ہے مجھ سے تو یہ ہو ہی نہیں سکے گا۔ اِس لئے وہ کام چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے اور مختلف جھوٹے عذرات پیش کرتا ہے لیکن اچھا آدمی کام کی زیادتی کی وجہ سے گھبراتا نہیں بلکہ کہتا ہے کہ مَیں کام کے لئے وقت کی مقدار کو بڑھا کر اور محنت میں اضافہ کرکے اِس کام کو کروں گا۔ سوچ لو کہ جب دُنیا کے سامنے یہ حقیقت واضح طور پر پیش ہو کہ ایک شخص ایسا ہے کہ زیادہ کام کو دیکھ کر اُس نے کام کرنا ہی چھوڑ دیا اور دوسرا ایسا ہے کہ کام کی زیادتی کی وجہ سے اس نے زیادہ محنت اور زیادہ ہمّت سے کام کو سرانجام دیا تو دُنیا ان میں سے کس کو اچھا سمجھے گی اور کس کو بُرا قرار دے گی۔ صحابہؓ کی کامیابی تو خاص خدائی نصرت کا نتیجہ تھی دُنیوی طور پر بھی بعض لوگ ایسے گزرے ہیں کہ جنہوں نے بظاہر ناممکن کاموں کو ممکن کر دکھایا ہے۔ سکندر، چنگیز خاں، تیمور، بابر اور ہٹلر وغیرہ ایسے ہی لوگ تھے۔ اِن کے علاوہ اَور بہت سے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے اپنی قربانی اور ایثار سے بڑے بڑے کام کر دکھائے ہیں۔ ٹرکی کی گزشتہ جنگ میں ایک کرنیل کا واقعہ مَیں نے پڑھا ہے کہ ایک قلعے کے فتح کرنے کے لئے وہ اپنے ساتھیوں سمیت پہاڑی پر چڑھ رہا تھا کہ درمیان میں اُسے گولی لگی اور وہ زخمی ہو گیا۔ اُس کے سپاہی محبّت کی وجہ سے اُس کی خبر گیری کے لئے بڑھے مگر اُس نے کہا کہ تم لوگ مجھے ہاتھ مت لگاؤ وہ سامنے قلعہ ہے جس کا فتح کرنا ہمارا مقصد ہے جاؤ اور اس قلعہ کو فتح کرو۔ اگر فتح کر لو تو اس قلعے کے اُوپر میری لاش کو دفن کرنا ورنہ اُسے کتّوں کے کھانے کے لئے چھوڑ دینا۔ اُس کے اِس جذبہ کا اس کے ساتھیوں میں وہ اثر ہوُا کہ سب نے نہایت ہمّت کے ساتھ جنگ کی اور قلعے کو فتح کر لیا۔ پس دُنیا میں کوئی کام ناممکن نہیں۔ صرف وہی کام ناممکن قرار دیا جائے گا جسے ہمارا خدا ناممکن قرار دے۔ لیکن جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے قرآن کریم نے کائناتِ عالم کے رازوں کو جاننے کی طرف خود توجہ دلائی ہے اور وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ صحیح رُوح سے اس راستے میں کام کریں گے وہ ضرور کامیاب ہوں گے۔ پس مَیں اِس انسٹی ٹیوٹ کے افتتاح کے وقت توجہ دلاتا ہوں کہ اپنے اندر قرآنی رُوح پیدا کرو۔ زیادہ محنت اور زیادہ وقت لگا کر کام کرنے کی عادت ڈالو تب بہت سی چیزیں جو دُنیا کے لئے ناممکن ہیں تمہارے لئے ممکن ہو جائیں گی۔ تمہارے سامنے کائناتِ عالَم کی کوئی دیوار بند نہیں تم جس طرف بڑھنا چاہو اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہارے لئے دروازہ کھول دے گی۔ تمہارا یہ کام کوئی دنیوی کام نہیں بلکہ حقیقتاً دینی کام ہے۔ قرآن مجید کے حکم کی تعمیل ہے۔ اور پھر

اِس ریسرچ میں حقیقی طور پر کام کرنے والے کارکن سلسلہ کے لئے مالی طور پر بہت ممد ہو سکتے ہیں اور اخلاقی طور پر بھی۔ ان کے زیادہ محنت سے کام کرنے کو دیکھ کر، ان کے اس کیریکٹر کا اثر باقی افراد اور خصوصاً تبلیغی کام کرنے والوں پر بھی پڑے گا اور اسی میں ہماری کامیابی کا راز ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر توکّل کر کے ہمّت اور عزم کے ساتھ زیادہ وقت لگا کر اور زیادہ محنت کے ساتھ کام کریں۔ خدا تعالیٰ کی نصرت ہمارے شاملِ حال ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے۔ آمین"[1]

اِس حقیقت افروز خطاب کے بعد حضور نے دعا فرمائی اور یہ بابرکت تقریب بخیریت اختتام پذیر ہوئی۔[2]

فصل پنجم

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کا سفرِ سندھ

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے اِس سال بھی حسبِ معمول سفرِ سندھ اختیار فرمایا۔ حضور ۲۷ ر احسان ۱۳۳۲ ہش مطابق ۲۷ ر جون ۱۹۵۳ء کو ربوہ سے ناصر آباد (سندھ) کیلئے روانہ ہوئے اور ناصر آباد، احمد آباد، محمد آباد میں کچھ عرصہ قیام کے بعد میرپور خاص اور حیدر آباد سے ہوتے ہوئے ۱۹ ر ظہور مطابق ۱۹ ر اگست کو کراچی میں رونق افروز ہوئے۔ کراچی میں حضور ۳۰ ر ظہور (اگست) تک قیام فرما رہے۔ حضور کا قیام ہاؤسنگ سوسائٹی میں تھا۔ ۳۱ ر ظہور (اگست) کو حضور بخیر و عافیت ربوہ مراجعت فرما ہوئے[3]

---

[1] رسالہ "الفرقان" (ربوہ) بابت ماہ جولائی ۱۹۵۳ء صفحہ ۲ تا صفحہ ۷۔ [2] روزنامہ "المصلح" کراچی ۲۳ ر جولائی ۱۹۵۳ء صفحہ ۳، ۴۔ [3] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ ۵۴-۱۹۵۳ء صفحہ ۵، روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ یکم جولائی ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ و یکم ستمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۔

اِس تاریخی سفر کی علمی اور دائمی یادگاروں میں وہ معرکۃ الآراء خطبات و تقاریر ہیں جو حضور نے نہایت اہم دینی اور علمی اور اخلاقی مسائل پر ناصر آباد، احمد آباد، محمد آباد اور کراچی میں ارشاد فرمائیں اور جن سے جماعت کے علم و عرفان میں بے انداز ترقی ہوئی۔ حضور کے یہ خطابات اُسی زمانہ میں روزنامہ "المصلح" میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے اور اخبار "بدر" قادیان میں بھی چھپ گئے۔ ذیل میں اُن کی اہمیت کے پیشِ نظر بعض کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:۔

خطباتِ ناصر آباد

حضرت المصلح الموعود نے ناصر آباد میں پانچ خطبات ارشاد فرمائے جن کی تاریخ یہ ہے:۔ ۳، ۱۰، ۱۷ ر وفا/جولائی و ۷، ۱۴ ر ظہور/اگست۔

(۱) حضور نے مورخہ ۱۰ ر وفا ۱۳۳۲ ہش/۱۰ ر جولائی ۱۹۵۳ء کے خطبہ میں بڑی تفصیل سے بتایا کہ بیرونی ممالک میں مساجد کی تعمیر اسلام کی تبلیغ کا ایک نہایت مؤثر اور کامیاب ذریعہ ہے لہذا احمدیوں پر اشاعتِ اسلام کی جو بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے انہیں ہر وقت اس کو اپنے سامنے رکھنا چاہیئے اور تعمیرِ مساجد کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے پوری جدّ و جہد کرنی چاہیئے کیونکہ اسلام کی اشاعت یا مبلّغوں کے ذریعہ ہوگی اور یا مساجد کے ذریعہ!" چنانچہ فرمایا:۔

"جب تک ہماری جماعت اپنے اِس فرض کو نہیں سمجھتی اس وقت تک اس کا یہ امید کر لینا کہ وہ اسلام کو دُنیا پر غالب کرنے میں کامیاب ہو جائے گی غلط ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہوگی جیسے چھپکلی کی دُم کاٹ دی جائے تو وہ دُم تھوڑی دیر کے لئے تڑپ لیتی ہے لیکن پھر ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیئے آیا تو ہماری غرض صرف اتنی ہی تھی کہ ہم دُنیا میں شور مچا دیں گے۔ اور اگر یہی ہماری غرض تھی تو یہ کام ہم نے کر لیا ہے اب ہمیں کسی مزید کام کی ضرورت نہیں۔ اور یا پھر ہماری غرض یہ تھی کہ ہم دُنیا میں اسلام پھیلائیں اور اگر یہی ہماری غرض ہے تو اس کے لئے متواتر قربانیوں اور جدّ و جہد اور نیک نمونہ کی ضرورت ہے اور ہماری تبلیغ تبھی کامیاب ہو سکتی ہے جب ہمارا عملی نمونہ اسلامی تعلیم کے مطابق ہو۔ اگر ہمارے اندر دیانت پائی جاتی ہے۔ اگر ہمارے اندر سچائی پائی جاتی ہے۔ اگر ہمارے اندر نیک چال چلن پایا جاتا ہے۔ اگر ہمارے اندر معاملات کی صفائی پائی جاتی ہے تو ہر شخص جو ہمیں دیکھے گا وہ سمجھے گا کہ اِس جماعت کے ساتھ مل کر دین کی خدمت کی

جا سکتی ہے لیکن اگر ہمارا نمونہ اچھا نہیں تو وہ کہے گا کہ "دُور کے ڈھول سہانے" باتیں تو ہم بڑی سُنتے تھے لیکن پاس آکر دیکھا تو ہمیں معلوم ہُوا کہ اس کا پھل ایسا میٹھا نہیں پس اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور چندہ مساجد کی تحریک میں حصّہ لو۔ اگر ہماری جماعت کے تمام دوست اِس چندہ میں حصّہ لینا شروع کر دیں تو ہر سال ایک خاص رقم اِس غرض کے لئے جمع ہوسکتی ہے.... ہماری جماعت میں ایک غریب سقّہ تھا جب بھی چندہ کی کوئی تحریک ہوتی وہ فوراً آجاتا اور کچھ نہ کچھ چندہ دے دیتا۔ اس کی تنخواہ صرف تیس روپے ماہوار تھی مگر آہستہ آہستہ اُس کے چودہ پندرہ روپے چندہ میں جانے لگے اور وہ ہر نئی تحریک پر اصرار کرتا کہ اس میں میرا بھی حصّہ شامل کیا جائے۔ وہاں کے امیر جماعت نے مجھے لکھا کہ ہم اس کو بار بار سمجھاتے ہیں کہ تمہاری مالی حالت کمزور ہے تم ہر تحریک میں حصّہ نہ لیا کرو ہر تحریک غرباء کے لئے نہیں ہوتی مگر وہ کہتا ہے یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ چندہ کی تحریک ہو اور پھر مَیں اس میں حصّہ نہ لوں اِس لئے آپ سے کہا جاتا ہے کہ آپ اسے روکیں چنانچہ مَیں نے اُسے پیغام بھجوایا کہ آپ چندوں میں اِس قدر زیادہ حصّہ نہ لیا کریں تب کہیں جا کر وہ رُکا..... احمدیت اگر پھیلے گی اور اسلام اگر ترقی کرے گا تو اُنہی لوگوں کے ذریعہ جو سمجھتے ہیں کہ جو کچھ کرنا ہے ہم نے ہی کرنا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہم سے اپنے دین کی خدمت کا کوئی کام لے رہا ہے تو یہ ایک انعام ہے جو ہم پر کیا جا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے ایسے زمانہ میں ہم کو اسلام کی خدمت کے لئے چُنا جبکہ اسلام کمزور ہو رہا ہے اور مسلمان صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو ہمیشہ کے لئے زندہ رکھے جائیں گے اور ان کے نام اسلام کے مجاہدین میں شمار کئے جائیں گے"[1]

(۲) مورخہ ۱۷ روفا ۱۳۳۲ ہش / ۱۷ جولائی ۱۹۵۳ء کے خطبہ میں حضورؓ نے فرمایا:۔

قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا (المؤمنون ۵۲)

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۲۲ روفا ۱۳۳۲ ہش بمطابق ۲۲ جولائی ۱۹۵۳ء صٓ۵ ۔

(ترجمہ) اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور مناسبِ حال عمل کرو۔

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کی اِس آیت کی لطیف تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اِس بارہ میں مومنوں کو ایک اصولی ہدایت دیتا ہے اور فرماتا ہے یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا یعنی یہ مقام کہ انسان ہر قسم کے تنزل سے بچ جائے اور اسے روحانیت اور مذہب پر ثبات حاصل ہو جائے حلال کھانے کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے اگر تم حلال کھاؤ گے تو اس کے نتیجہ میں لازمی طور پر تمہیں عملِ صالح کی توفیق ملے گی جس طرح آجکل کمیونزم نے یہ بات نکال لی ہے کہ سارا دھندا پیٹ کا ہے چنانچہ جہاں بھی کمیونسٹوں سے بات کرنے کا کسی کو موقع ملے وہ یہی کہتے ہیں کہ اور مسائل کو جانے دیجئے سارا جھگڑا ہی پیٹ کا ہے اِسی طرح قرآن کریم بھی کہتا ہے کہ پیٹ ہی اصل چیز ہے مگر انہوں نے تو یہ کہا ہے کہ جس نے پیٹ کا مسئلہ حل کر لیا وہ کامیاب ہوگیا اور قرآن یہ کہتا ہے کہ جس نے اپنے پیٹ کو ہر قسم کے حرام سے بچا لیا وہ کامیاب ہوگیا جس نے حلال اور حرام میں ہمیشہ امتیاز کیا اور جس نے طیّبات کا استعمال ہمیشہ اپنا معمول رکھا وہی ہے جسے عملِ صالح کی توفیق ملتی ہے یعنی نماز کی بھی اسے ہی توفیق ملتی ہے جو حلال کھاتا ہے اور روزہ بھی اس کو نصیب ہوتا ہے جو حلال کھاتا ہے اور حج بھی اسی کو نصیب ہوتا ہے جو حلال کھاتا ہے اور زکوٰۃ کی بھی اسی کو توفیق ملتی ہے جو حلال کھاتا ہے.... اگر کمیونسٹ ایک بات کو بار بار رٹنے سے اِس قدر پھیلا سکتے ہیں تو تم سمجھ سکتے ہو کہ اگر خدا کی بات کو رٹنا شروع کر دیا جائے تو وہ کیوں نہیں پھیلے گی اور قرآن یہ کہتا ہے کہ جس کے پیٹ میں حلال رزق جائے گا وہی دُنیا میں عملِ صالح بجا لاسکے گا۔ اگر ہم اپنی باتوں میں اور خطبات میں اور تقاریر میں اور آپس کے لین دین میں یہی فقرہ دُہرانا شروع کر دیں تو دُنیا اس کی قائل ہو جائے گی۔" ؎

؎ روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۲۸ ؍جولائی ۱۹۵۳ء (۲۸ ؍وفا ۱۳۳۲ ہش) صفحہ ۴

خطبہ احمد آباد

(مورخہ ۲۴ر وفا ۱۳۳۲ ہش / ۲۴ر جولائی ۱۹۵۳ء)

اِس خطبہ میں حضور نے جماعتِ احمدیہ کو نصیحت فرمائی کہ اپنے نمونہ اور عمل کو ایسا پاکیزہ بناؤ کہ تم اپنی ذات میں مجسّم تبلیغ بن جاؤ۔ اگر تم ایسا تغیر پیدا کر لو تو دُنیا کی کوئی طاقت لوگوں کو تمہاری طرف مائل ہونے سے روک نہیں سکتی۔

اِس خطبہ کے دو نہایت اہم اقتباسات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ "اگر ہر مسلمان کی زبان بندی کی جائے۔ اگر ہر مسلمان کو تبلیغ سے روک دیا جائے۔ اگر ہر مسلمان کو خدا اور اس کے رسولؐ کا پیغام پہنچانے سے منع کر دیا جائے تب بھی خدا کا پیغام رُک نہیں سکتا۔ خدا خود آسمان سے لوگوں کے دِلوں پر الہام نازل کرتا ہے اور وہ خود بخود ہدایت کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں۔ ہمارے پاس بیسیوں خطوط اِس قسم کے آتے ہیں کہ ہم نے فلاں خواب دیکھی ہے جس کی وجہ سے ہم احمدیت کو قبول کرتے ہیں۔ ابھی امریکہ سے وہاں کے مبلّغ نے ایک شخص کی چٹھی بھجوائی ہے جو ایم۔ اے ہے اور جس میں اُس نے لکھا ہے کہ مَیں نے رؤیا میں دیکھا ہے کہ ایک شخص بلند آواز سے کہہ رہا ہے اِس زمانہ میں محمود سے بڑھ کر اسلام کا کوئی خادم نہیں۔ اِسی طرح بعض لوگ لکھتے ہیں کہ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نظر آئے اور آپؐ نے ہمیں کہا کہ اِس شخص کو قبول کر لو۔ اور جب خدا کسی کو آپ بتائے گا کہ یہ سچائی ہے تو خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات کو ردّ کرنے کی کون شخص طاقت رکھتا ہے.... تمہارا فرض ہے کہ اپنے اندر ایسی نیک تبدیلی پیدا کرو کہ تمہیں دیکھنے والے یہ محسوس کریں کہ تم ایک نئی چیز ہو۔ دُنیا میں جب بھی کوئی ایسی چیز نظر آئے جو غیر معمولی ہو تو لوگ اُس کے متعلق خود بخود دریافت کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے اور اِس کی کیا حقیقت ہے۔"

حضور نے خطبہ کے آخر میں اِس نکتہ کو اَور زیادہ موثّر انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مومن کو قرآن پر اعتبار ہوتا ہے جب اس کے سامنے کوئی بات قرآن سے ثابت کر دی جائے تو وہ فوراً اس کو ماننے لگ جاتا ہے۔ بعض لوگوں کو کسی تجربہ کار انسان پر اعتماد

ہوتا ہے اِس لئے جو کچھ وہ کہتا ہے اسے وہ بلا دریغ ماننے لگ جاتے ہیں۔ بعض کو کسی نیک انسان پر اعتماد ہوتا ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ وہ ایک کام کر رہا ہے تو وہ بھی ویسا ہی کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ تم بھی اپنی زندگیاں ایسی بناؤ کہ سب لوگ تمہارے متعلق یہ کہیں کہ یہ لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔ یہ دھوکا اور فریب نہیں کرتے۔ نیکی اور پاکیزگی میں اپنی عمر بسر کرتے ہیں۔ اگر تم اپنے متعلق لوگوں کے دلوں میں یہ اعتماد پیدا کر لو تو نہ کوئی حکومت کسی کو تمہارے آنے سے روک سکتی ہے نہ کوئی پارٹی تمہاری آواز کو دبا سکتی ہے نہ لوگوں کے باہمی معاہدات تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں.... جن کے ساتھ خدا کا تعلق ہو، جو اپنے نیک نمونہ سے لوگوں کے دلوں کو گھائل کر چکے ہوں، جو اپنی نیکی اور تقویٰ کی وجہ سے لوگوں کا اعتماد حاصل کر چکے ہوں، جو اُٹھتے اور بیٹھتے شرافت اور دیانت کا ایک مجسمہ ہوں۔ ان کا ہر قدم تبلیغ ہوتا ہے۔ ان کا ہر لفظ تبلیغ ہوتا ہے۔ ان کی ہر حرکت تبلیغ ہوتی ہے۔ ان کا ہر سانس تبلیغ ہوتا ہے اور دُنیا کی کوئی طاقت لوگوں کو ان کے نیک اثر سے محروم نہیں کر سکتی۔ وہ لوگ جو ان کی بات سُننا تک گوارا نہیں کرتے، وہ لوگ جو ان کی شکل دیکھ کر بھاگنا چاہتے ہیں وہ بھی ان کے نمونہ کو دیکھ کر ان کے پاؤں پکڑ کر برکت حاصل کرنے کے خواہشمند ہو جاتے ہیں۔ پس اپنے نمونہ اور عمل سے اپنے آپ کو ایسا بناؤ کہ تم اپنی ذات میں ایک مجسّم تبلیغ بن جاؤ۔ جس طرح سُورج کو دیکھنے کے بعد انسان کیلئے کسی دلیل کی احتیاج باقی نہیں رہتی اسی طرح جب کوئی شخص تم کو دیکھ لے تو وہ یہ یقین ہی نہ کرے کہ مرزا صاحب جھوٹے تھے .... پس تم اپنے عمل سے اپنے آپ کو ایسا بناؤ کہ دُنیا تمہارے پیچھے چلنے پر مجبور ہو، دُنیا تم سے محبّت کرنے پر مجبور ہو، دُنیا تمہارے سایۂ عاطفت میں پناہ لینے پر مجبور ہو جس طرح اگر کسی جنگل میں سے لوگ گذر رہے ہوں اور اس جنگل میں کوئی خطرناک شیر رہتا ہو تو لوگ سمٹ کر کسی زبردست شکاری کی پناہ میں چلے جاتے ہیں اسی طرح دُنیا سمجھ لے کہ ہر جگہ آفتیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں مگر جہاں تم کھڑے ہو وہاں کوئی مصیبت آسمان سے نازل نہیں ہوتی اگر تم ایسا مقام حاصل کر لو تو دُنیا تمہاری طرف آنے پر خود بخود مجبور ہو جائے گی۔ اگر کسی جگہ آگ کی بارش ہو رہی ہو اور صرف ایک

مقام ایسا ہو جو اس آگ کی بارش سے محفوظ ہو اور اس وقت کوئی عورت اپنے بچّہ کو لے کر آجائے تو کیا تم سمجھتے ہو کہ دُنیا کی کوئی حکومت اور دُنیا کی کوئی طاقت اس عورت کو وہاں آنے سے روک سکتی ہے۔ نہ حکومتیں اسے روک سکتی ہیں نہ فوجیں اسے روک سکتی ہیں نہ پولیس اسے روک سکتی ہے کیونکہ وہ سمجھتی ہے کہ میرا بچّہ اس وقت تک نہیں بچ سکتا جب تک مَیں اس جگہ نہ جاؤں۔ پس اپنے اندر وہ رُوح پیدا کرو جو سچّے مومنوں میں ہونی چاہیئے۔ تم دیکھو گے کہ خدا آپ ہی آپ ساری دُنیا کو تمہارے قدموں میں سمیٹ کر لے آئے گا تب تمہاری کامیابی میں کوئی شُبہ نہیں ہو گا اور تمہارے پاس آنے سے لوگوں کو روکنے والا سوائے حسرت اور خسران کے اَور کچھ حاصل نہیں کر سکے گا۔" [1]

خطبہ محمد آباد

(مؤرخہ ۱۳ر وفا ۱۳۳۲ ہش / ۱۳ر جولائی ۱۹۵۳ء)

حضور نے اِس پُرحکمت خطبہ میں یہ زرّیں نصیحت فرمائی کہ خدائی جماعتوں کو ہمیشہ ہی اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیئے تا ان کے کسی اقدام سے خدا اور رسولؐ بدنام نہ ہوں۔ چنانچہ فرمایا:۔

"جو شخص خدا کے نام پر حرام خوری کرتا ہے وہ اس سے بہت زیادہ خطرناک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ اس میں صرف اس کی اپنی بدنامی ہی نہیں ہوتی بلکہ خدا اور اس کے رسولؐ کی بھی بدنامی ہوتی ہے۔ دُنیا میں بڑے بڑے بادشاہ گزرے ہیں جنہوں نے لوگوں کو مار مار کر ان کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے تھے مگر ان کی وجہ سے ان کے مذہب کو کوئی بدنام نہیں کرتا لیکن بعض فیج اعوج کے مسلمان کہلانے والے بادشاہوں نے جہاد کے نام سے تلوار اُٹھائی تو ان کی وجہ سے اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آج تک بدنام کیا جا رہا ہے۔ اب مارنے والا بے ایمان کوئی اَور انسان تھا مگر الزام ہمارے آقا پر آ گیا۔ اُس بے ایمان نے اپنے نفسانی جوش کی وجہ سے خونریزی کی مگر چونکہ اس نے دین کا نام لے کر خونریزی کی اور کہا کہ مَیں اسلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت ایسا کر رہا ہوں اِس لئے اسلام بدنام ہو گیا حالانکہ اسلام میں ایسے اعلیٰ درجہ کا

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۲۳ر تبوک ۱۳۳۲ ہش بمطابق ۲۳ر ستمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳ کالم ۱ و ۲ و ۳

نمونہ دکھانے والے لوگ بھی گذرے ہیں جنہوں نے خود تکلیفیں اُٹھا کر معاہدات کی پابندی کی اور دشمن کے ہر قسم کے مظالم کے باوجود اُن سے حُسنِ سلوک کیا لیکن ان کی نیکیاں بھی ان بے ایمانوں کی وجہ سے چُھپ گئیں۔ جو کچھ ابوبکرؓ نے کیا، جو کچھ عمرؓ نے کیا، جو کچھ عثمانؓ نے کیا، جو کچھ علیؓ نے کیا اور جو کچھ بنو اُمیّہ کے کئی بادشاہوں نے کیا اور بنو عباس کے کئی بادشاہوں نے کیا بلکہ اُن کے بعد بھی مختلف ملکوں کے مسلمان بادشاہوں نے کیا وہ ان کے اخلاق اور حُسنِ کردار کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے۔ انہوں نے اپنے دشمن سے جو سلوک کیا آدم سے لے کر آج تک کسی بادشاہ کے متعلق یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اُس نے ایسا اعلیٰ نمونہ دکھایا ہو لیکن ان کی نیکیاں بھی چُھپ گئیں کیونکہ بعض بے ایمانوں نے خدا کے نام پر لڑائیاں کیں اور جہاد کے نام پر فساد کئے اور خدا کے نام پر لوگوں کی گردنیں اُڑانا جائز قرار دے دیا۔ اگر وہ یہ کہہ کر لوگوں کی گردنیں اُڑاتے کہ ہمارا دل چاہتا ہے کہ گردنیں اُڑائیں تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ آخر ہندوؤں نے لوگوں کی گردنیں اُڑائی ہیں یا نہیں۔ عیسائیوں نے گردنیں اُڑائی ہیں یا نہیں لیکن باوجود اِس کے کہ عیسائیوں نے بہت زیادہ ظلم کئے ہیں بلکہ مَیں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں نے تیرہ سَو سال میں اتنا ظلم نہیں کیا جتنا عیسائیوں نے صرف ایک صدی میں کیا ہے پھر بھی عیسائیت بدنام نہیں ہوئی کیونکہ عیسائی یہ کہا کرتے تھے کہ ہماری طبیعت چاہتی ہے کہ ہم ایسا کریں اور مسلمان یہ کہا کرتے تھے کہ ہم خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم کے ماتحت ایسا کرتے ہیں نتیجہ یہ ہوُا کہ عیسائی مذہب بدنام نہ ہوُا کیونکہ لوگوں نے کہا یہ ان کا ذاتی فعل تھا لیکن خدا اور اُس کا رسولؐ بدنام ہو گئے۔ غرض خدا کے کام میں اگر غلطی ہو جائے تو زیادہ بدنامی کا موجب ہوتی ہے اسی طرح خدا کی جماعت میں شامل ہو کر اگر کوئی غلطی کی جائے تو وہ غلطی بھی زیادہ بدنامی کا موجب ہوتی ہے۔ غیر احمدی سَو میں سے ننانوے نماز نہیں پڑھتا اور سب مسلمان اس کو برداشت کرتے ہیں لیکن اگر ایک احمدی بھی نماز نہیں پڑھتا تو سب لوگ کہنے لگ جاتے ہیں کہ تم میں اور ہم میں فرق کیا ہے۔ اگر ہم نماز نہیں پڑھتے تو فلاں احمدی بھی نماز نہیں پڑھتا۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارا سَو میں سے ایک نماز نہیں پڑھتا اور غیر احمدیوں

کے سَو میں سے ننانوے نماز نہیں پڑھتے، وہ صرف اتنا دیکھتے ہیں کہ یہ اپنے آپ کو ایک خدائی جماعت کی طرف منسوب کرتا ہے اور پھر نماز نہیں پڑھتا گویا اس ایک کا فعل ساری جماعت کو بدنام کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے کام میں حصّہ لینے والوں اور خدائی جماعتوں میں شامل ہونے والوں پر بہت بڑی ذمّہ داری عائد ہوتی ہے اور ان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہیں اور دیکھتے رہیں کہ انہوں نے کوئی ایسا قدم تو نہیں اُٹھایا جو خدا اور اس کے رسولؐ کو بدنام کرنے والا ہو۔ پھر خدا تعالیٰ سے دُعا بھی کرنی چاہیئے کہ وہ اپنی حفاظت شاملِ حال رکھے۔ انسانی عقل چونکہ کمزور ہے اِس لئے زندگی میں وہ کئی دفعہ غلطی بھی کر بیٹھتا ہے مگر اس کی بدنامی بعض دفعہ سَو سَو سال تک چلتی چلی جاتی ہے اس کا علاج صرف دعا ہے۔" [1]

ناصر آباد، احمد آباد اور محمد آباد کے خطباتِ جمعہ کا تذکرہ کرنے کے بعد اب کراچی کے خطبات، تقاریر اور دوسری بعض تقاریب کے کوائف درج کئے جاتے ہیں۔

خطباتِ کراچی

قیامِ کراچی کے دَوران سیّدنا حضرت المصلح الموعود نے خطبہ عید الاضحیہ کے علاوہ دُو خطباتِ جمعہ ارشاد فرمائے۔

۱۔ خطبہ عید الاضحیہ (مورخہ ۱۲۔ظہور/اگست) اِس خطبہ میں حضرت امام ہمام نے نہایت لطیف پیرائے میں ملّتِ اسلامیہ کو ایک عظیم سبق کی طرف توجّہ دلائی۔ آپ نے فرمایا:۔

"رشتوں کی محبت بے شک جاہل لوگوں اور نادان لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے لیکن انسانیت کا مقام اس محبت سے انسان کو اُونچا لے جاتا ہے جتنا نیچے چلے جاؤ محبّت کا ذریعہ مادیت ہوتی ہے لیکن جتنا اُوپر چلے جاؤ محبّت کا ذریعہ روحانیّت ہوتی ہے۔ جتنا جتنا انسان جانوروں میں شامل ہوگا اتنی ہی اس میں مادیت والی محبت اور بھائیوں اور رشتہ داروں کی محبت زیادہ ہوگی اور جتنا جتنا وہ اُونچا ہوگا اتنی ہی اس کی محبّت بھی بلند تر ہوتی چلی جائے گی۔ پہلے وہ اپنی اولاد سے زیادہ محبت رکھے گا پھر اَور اُونچا ہوگا تو اپنے خاندان سے محبّت رکھے گا۔

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۲۶ تبوک ۱۳۳۲ ہش/۲۶ ستمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳، ۴

.....اور اُونچا ہوگا تو اپنے وطن سے محبت کرنے لگ جائے گا اور اُونچا ہوگا تو اپنی قوم سے محبّت کرنے لگ جائے گا اور اُونچا ہوگا تو انسانیت سے محبّت کرنے لگ جائے گا اور اُونچا ہوگا تو دینِ الٰہی سے محبّت کرنے لگ جائے گا اور اُونچا ہوگا تو فرشتوں سے تعلق رکھنے لگ جائے گا اور اُونچا ہوگا تو اس کا خدا سے تعلق ہو جائے گا مگر خدائی تعلق کا پہلا زینہ خدا تعالیٰ کے نبیوں سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ جس طرح تمہارے لئے یہ ناممکن ہے کہ تم چھلانگ لگا کر چھت پر چڑھ سکو اس طرح تمہارے لئے یہ ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف راہنمائی کرنے والے وجودوں کو چھوڑ کر تم خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کر سکو مگر جس طرح کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ چھت پر بیٹھا ہؤا انسان جب دیکھتا ہے کہ کسی پر شیر یا ڈاکو نے حملہ کر دیا ہے تو وہ رسّی گرا کر اس کو اُوپر کھینچ لیتا ہے اسی طرح کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ جب دیکھتا ہے کہ کوئی شخص اس سے ملنے کی سچّی تڑپ رکھتا ہے لیکن وہ ایسے ماحول میں ہے کہ اسے انبیاء کی راہنمائی میسّر نہیں آسکتی تو وہ خود اس کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے مگر ایسا بہت شاذ ہوتا ہے اور شاذ پر کسی قانون کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ عام قانون یہی ہے کہ جو لوگ خدا نما وجود ہوتے ہیں انہی کے ذریعہ انسان کو روحانی ترقی ملتی ہے اور اس ترقی کے حصول کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ انسان دُنیوی محبّتوں کو سرد کر کے ان کی محبّت کو اپنے اُوپر غالب کرلے۔ جب وہ ان کی محبّت کو غالب کر لیتا ہے تو ان کا نمونہ اختیار کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ کوئی غیر ہے جس کی مَیں اقتداء کر رہا ہوں بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ میرا باپ ہے اور اس کا خون میری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ یہی سبق اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ میں سکھایا گیا ہے اور پھر آگے ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ کا ذکر کر کے بتایا گیا ہے کہ جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں شامل ہو جاتا ہے وہ ابراہیمؑ کی اولاد میں بھی شامل ہو جاتا ہے پھر جو کام اسمٰعیلؑ نے کیا وہی کام وہ خود بھی کرنے لگ جاتا ہے اِس لئے نہیں کہ اگر اسمٰعیلؑ نے یہ قربانی پیش کر دی تھی تو مَیں کیوں نہیں کر سکتا بلکہ اِس لئے کہ وہی خون جو اسمٰعیلؑ کی رگوں میں دوڑ رہا تھا میری رگوں میں بھی دوڑ رہا ہے اور مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

بیٹا ہو کر ابراہیمؑ کا بھی بیٹا ہوں اور ابراہیمؑ کا بیٹا ہو کر اسمٰعیلؑ کے کاموں میں اس کا شریک ہوں۔ پس جو کام اس نے کیا وہ مَیں بھی کروں گا۔ جو شخص اِس نقطۂ نگاہ سے اسلام کو دیکھتا ہے اس کے لئے عید الاضحیہ بالکل اَور چیز ہو جاتی ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ دوسروں کی باتیں سُنکر نصیحت حاصل کرنا عقلمند انسان کا کام ہے یہ بھی درست ہے مگر اپنے ہی خاندان کے افراد کی قربانی اور ان کا نمونہ جو تغیّر انسان کے اندر پیدا کر سکتا ہے وہ کسی دوسرے کی قربانی اور اس کا نمونہ تغیّر پیدا نہیں کر سکتا۔ پس عید الاضحیہ کے آنے پر ہم مسلمان یہ سبق تازہ کرتے ہیں کہ اس میں کسی غیر کا ذکر نہیں بلکہ میرے بھائی اسمٰعیلؑ کی قربانی کا ذکر ہے۔ اگر اس نے ایسا نمونہ دکھایا تھا تو مَیں کیوں نہیں دکھا سکتا۔ اگر ابراہیمؑ کا ایک بیٹا ایسی قربانی کر سکتا ہے تو اس کا دوسرا بیٹا ایسی قربانی کیوں نہیں کر سکتا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ چونکہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں سے ہیں جو ساری دُنیا کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اس لئے ایک سچا مسلمان تو اِس موقعہ پر یہ کہے گا کہ اگر حضرت ابراہیمؑ نے خدا کی راہ میں اپنا ایک بیٹا قربان کیا تھا تو مَیں دین کی راہ میں اپنے دُو بیٹے پیش کروں گا کیونکہ مَیں ابراہیمؑ ہی کی نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی آل ہوں۔ غرض ہر مسلمان اگر حقیقی معیارِ روحانیت کو حاصل کرنا چاہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے سمجھنے کی عادت ڈالے پھر آدم تک جو سلسلۂ انبیاء جاری رہا اس کا اپنے آپ کو جُزو سمجھے۔ جب وہ اِس بات کو سمجھ لے گا تو اس کا اخلاص بالکل اَور رنگ اختیار کر لے گا۔ اس کی رُوحانیت ترقی کر جائے گی۔ اس کی قربانی بڑھ جائے گی اور اس کی رُوح ایک نیا جامہ پہن لے گی اور جو چیز اسے پہلے دوسروں کے باپ میں نظر آتی تھی وہ اسے اپنے خاندان میں نظر آنے لگے گی تب وہ خطرناک وادیاں جن میں سے گذرتے بلکہ داخل ہوتے بھی لوگ ڈرتے اور گھبراتے ہیں ان میں سے گذرنا اس کے لئے آسان ہو جائے گا اور وہ خدا تعالیٰ کے قُرب میں تیزی سے ترقی کرنے لگے گا۔ پس اِس عید سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے یہ رُوح اپنے اندر پیدا کرو کہ یہ دوسروں کے باپ کے قصّے نہیں بلکہ تمہارے اپنے باپوں اور اپنے خاندان کے واقعات ہیں جو تمہارے لئے ایک مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن کو عید الاضحیہ کے ذریعہ تمہارے

سامنے پیش کیا جاتا ہے"۔ [1]

۲ ۔ ۲۱ ظہور / اگست کے خطبہ جمعہ کے آغاز میں حضور نے یہ بتایا کہ

" اسلام صرف دل کی صفائی کے لئے نہیں آیا اسلام قومی ترقی اور معاشرت کے ارتقاء کے لئے بھی آیا ہے اور قوم اور معاشرت کا پتہ بغیر اجتماع میں شامل ہونے کے لگ نہیں سکتا"۔

پھر جمعہ اور عید کے اجتماعی فلسفہ اور اس کے تقاضوں کا ذکر کرکے فرمایا کہ

" شریعت نے حکم دیا ہے کہ امراء اور قوم کے لیڈر جمعہ اور دوسری نمازیں خود پڑھایا کریں۔ مرکز میں مقدم حق خلیفۂ وقت کا ہے اگر وہ نہ ہو تو اُس کے نائب پڑھائیں، ملک کے افسر پڑھائیں، امراء اور لیڈرانِ قوم پڑھائیں۔ اِس میں بھی بڑا مقصد یہی ہے کہ اِجتماع میں جانے سے غرباء کی تکالیف نظر آجاتی ہیں اور پھر اُن کو دُور کرنے کے لئے اجتماعی رنگ میں کوشش کی جاسکتی ہے"۔

اِس اثر انگیز خطبہ کا اختتام درج ذیل الفاظ پر ہوا :۔

"غرض جمعہ اور عیدین وغیرہ کی نمازیں نہ صرف قُربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں بلکہ قومی مشکلات کے معلوم کرنے اور پھر اُن کو دُور کرنے کا بھی اعلیٰ ذریعہ ہیں اور ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کو مضبوط رکھے بلکہ عوام کی مشکلات کے دُور کرنے میں بھی عملی حصہ لے۔ حقیقت یہی ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی نہ دُنیا کے لحاظ سے کامیاب بسر کرسکتا ہے اور نہ دینی لحاظ سے جب تک اُس کا خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہ ہو۔ اسی طرح کوئی شخص اپنی زندگی خدا تعالیٰ کے لئے بسر نہیں کرسکتا جب تک قوم کے لئے اور قوم کے افراد کے لئے قربانی اور ایثار کی رُوح اس میں پیدا نہ ہو"۔ [2]

۳ ۔ ۲۸ ظہور / اگست کے خطبہ جمعہ کا مضمون یہ تھا کہ نمازوں کو اِس طرح سنوار کر ادا کرو کہ خدا تعالیٰ کے تائیدی نشان اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلو۔ چنانچہ فرمایا :۔

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۱۶ اخاء ۱۳۳۲ ہش / ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۶

[2] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۲۰ اخاء ۱۳۳۲ ہش / ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۵

" قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْکَرِ (العنکبوت ع ۵) نماز انسان کو فحش اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کی نماز یہ ہے کہ تُو سمجھے کہ خدا تجھے دیکھ رہا ہے اور اعلیٰ درجہ کی نماز یہ ہے کہ تُو یہ سمجھے کہ تُو اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف نماز اپنی ذات میں کوئی چیز نہیں۔ نماز کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ عملی زندگی میں وہ انسان کو فحشاء ومنکر سے روکے۔ گویا اصل مقصود یہ ہُوا کہ انسان فحشاء ومنکر سے رُکے اور رُوحانی لحاظ سے نماز کی غرض یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے سامنے آجائے اور وہ یہ سمجھے کہ وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے .... پس نماز کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ انسان جب نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو اسے یہ یقینِ کامل ہو کہ وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اِس کے یہ معنی نہیں کہ جیسے ہندو کہتے ہیں کہ انسان عبادت کے وقت یہ سوچنا شروع کر دے کہ ایک بُت جو اس کے سامنے ہے وہ خدا ہے اسی طرح وہ مسلمان بھی سوچنا شروع کر دے کیونکہ اسلام وہم نہیں سکھاتا۔ اسلام کوئی جھوٹا تصوّر انسانی ذہن میں پیدا نہیں کرتا۔ اسلام یہ سکھاتا ہے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تمہیں اِس امر کی کامل معرفت حاصل ہو کہ تم سے نیک سلوک کرنے والے سے خدا تعالیٰ نیک سلوک کرتا ہے اور تم سے بُرا سلوک کرنے والے سے خدا تعالیٰ بُرا سلوک کرتا ہے۔ اگر تم کو بھی یہ نظر آجائے اور تم کو بھی یہ محسوس ہونے لگ جائے کہ جس نے تمہارے ساتھ نیک سلوک کیا تھا اس کے ساتھ خدا تعالیٰ نے نیک سلوک کیا اور جس نے تمہارے ساتھ بُرا سلوک کیا تھا اس کے ساتھ خدا تعالیٰ نے بُرا سلوک کیا تو اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری محبتِ الٰہی کامل ہو جائے گی اور تمہاری نماز اپنی ذات میں مکمّل ہو جائے گی۔ غرض اسلام واہمہ کی تعلیم نہیں دیتا اسلام ہمیں یقین اور معرفت کے مقام پر پہنچانا چاہتا ہے۔ اسلام ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنی نمازوں کو اِس طرح سنوار کر ادا کریں اور انہیں اتنا اچھا اور اعلیٰ درجہ کا بنائیں کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ ہم سے اتنا تعلق رکھے کہ ہمارے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے والے سے وہ حُسنِ سلوک کرے اور ہمارے ساتھ بُرا سلوک کرنے والے سے وہ بُرا سلوک کرے اور دوسری طرف ہماری اپنی آنکھیں اتنی روشن ہوں اور ہمارے دل میں اتنا نُور

بھرا ہو کہ ہم کو خود بھی نظر آجائے کہ خدا تعالیٰ ہماری تائید میں اپنے نشانات ظاہر کرتا ہے جب یہ مقام کسی شخص کو حاصل ہو جائے تو وہ ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے روشن نشانات اس کی تائید میں ظاہر ہونے لگتے ہیں اور وہ اس یقین سے لبریز ہو جاتا ہے کہ خدا اسے ضائع نہیں کرے گا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے نشانات کو دیکھ رہا ہوتا ہے وہ اس کے حُسنِ سلوک اور انعامات کا مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے اور وہ اس یقین پر مضبوطی سے قائم ہوتا ہے کہ دُنیا اسے چھوڑ دے مگر خدا اسے نہیں چھوڑے گا. نادان اس کو نہیں سمجھ سکتا مگر وہ جس نے خدا تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہو۔ وہ ایسی مضبوط چٹان پر قائم ہوتا ہے کہ دُنیا کی کوئی طاقت اُس کے عزم کو متزلزل نہیں کر سکتی .... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ مومن عبادت کرتے وقت یہ سمجھتا ہے کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے اسکے یہ معنی نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کو ایک بُت سمجھتا ہے اور اس کا تصوّر اپنے ذہن میں لانے کی کوشش کرتا ہے بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ اسے اپنی آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے کہ خدا اس کی تائید میں اپنے نشانات ظاہر کر رہا ہے۔ خدا اس کی تائید کرنے والوں کی تائید کرتا ہے۔ خدا اس کی مخالفت کرنے والوں کی مخالفت کرتا ہے۔ خدا اس کے دشمنوں کو ہلاک کرتا اور اس کے دوستوں کو ترقی دیتا ہے اور یہی مقام ہے جو ہر مومن کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ورنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہرگز مراد نہیں کہ تم نماز میں خدا تعالیٰ کی تصویر بنانے کی کوشش کرو اور اس کا جھوٹا تصوّر اپنے ذہن میں لاؤ۔ اسلام مومن کے دل میں کوئی جھوٹا تصوّر پیدا نہیں کرتا بلکہ وہ عملاً اسے ایسے مقام پر پہنچاتا ہے کہ صفاتِ الٰہیہ کا ظہور اس کے لئے شروع ہو جاتا ہے اور خدا اس کے لئے زمین و آسمان میں بڑے بڑے نشانات دکھانا شروع کر دیتا ہے اور خود اسے بھی وہ رُوحانی آنکھیں میسّر آجاتی ہیں جن سے وہ خدا تعالیٰ کے چمکتے ہوئے ہاتھ کا مشاہدہ کر لیتا ہے اور جب یہ مقام کسی مومن کو حاصل ہو جاتا ہے تو پھر دُنیا اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ ساری دُنیا بھی اگر اس کے خلاف کوشش کرے تو وہ ناکام رہتی ہے کیونکہ خدا اس کی پُشت پر ہوتا ہے اور جس کی تائید میں خدا ہو دُنیا اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت

نہیں رکھتی"۔[1]

کراچی میں اہم تقاریب اور حضرت المصلح الموعود کے پُرمعارف خطابات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے قیامِ کراچی کے دَوران متعدد اہم اور یادگار تقاریب میں شرکت فرمائی اور اپنے قیمتی خیالات سے نوازا۔

پہلی تقریب - ۲۴ ظہور/اگست کو مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کا ایک غیر معمولی اجلاس احمدیہ ہال میں منعقد ہوُا جس میں خدام و اطفال کے علاوہ صحابہ کرام اور دوسرے بزرگانِ سلسلہ شامل ہوئے۔ تلاوت و نظم اور عہد کے بعد قائد مجلس کراچی مرزا عبد الرحیم بیگ صاحب نے مجلس کی رپورٹ پیش کی جس کے بعد حضور نے نوجوانانِ احمدیت سے ایک پُرمعارف خطاب فرمایا جس کا خلاصہ رپورٹر صاحب "المصلح" کراچی کے الفاظ میں درج ذیل کیا جاتا ہے:-

"ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اِس دُنیا میں زندگی کے ساتھ ساتھ موت کا سلسلہ بھی قائم کیا ہوُا ہے۔ لوگ پیدا ہوتے ہیں اور ایک عرصہ تک زندگی گزارنے کے بعد مَر جاتے ہیں۔ موت سے جو ایک خلاء پیدا ہو جاتا ہے اسے پُورا کرنا نوجوانوں کا کام ہے۔ اگر نوجوانوں کی حالت پہلے لوگوں کی مانند ہو یا ان سے بہتر ہو تو قوم تنزّل سے محفوظ رہتے ہوئے ترقی کے راستے پر بدستور گامزن رہتی ہے لیکن اگر نوجوان ہی قومی کردار کے اعتبار کے معیار پر پُورے نہ اُترتے ہوں تو پھر قوم کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے۔ سو قوم کی آئندہ ترقی کا دارومدار نوجوانوں پر ہوتا ہے۔ جس فوج کا ہر سپاہی سمجھ لے کہ شاید آگے چل کر مَیں ہی کمانڈر انچیف بن جاؤں تو وہ یقیناً اِس احساس کے تحت اپنے عمل و کردار کو ایسے طریق پر ڈھالے گا جو بالآخر اسے اس عہدے کا اہل بنا دے یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس فوج کے تمام سپاہیوں میں کمانڈر انچیف بننے کی اہلیّت پیدا ہو جائے گی لیکن اگر فوج کا ہر سپاہی یہ سمجھ بیٹھے کہ مَیں تو کمانڈر انچیف نہیں بن سکتا تو وہ فوج گرتے گرتے اِس حالت

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۲۶ اخاء ۱۳۳۲ ہش/۲۶ اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳ تا ۵۔

[2] مکمل رپورٹ روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۹۵۳ء/۲۷ تبوک ۱۳۳۲ ہش صفحہ ۵-۸ میں شائع شدہ ہے۔

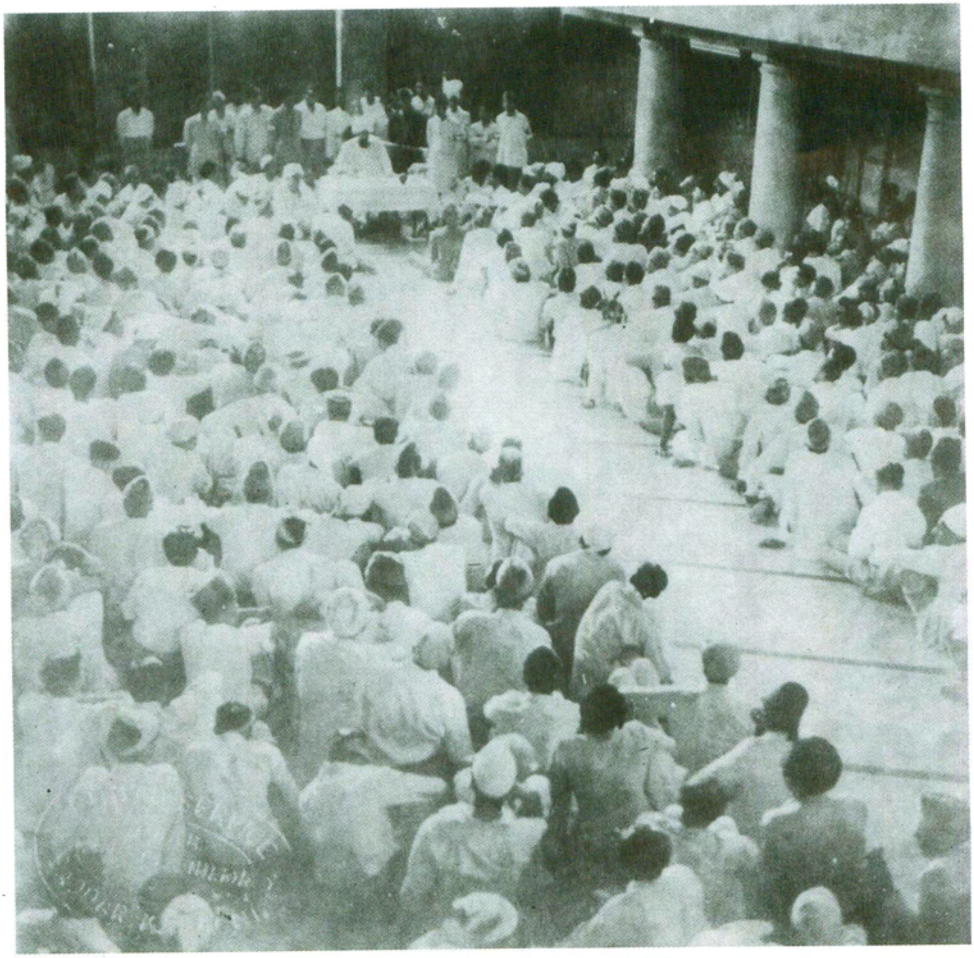

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا مجلس خدام الاحمدیہ کراچی سے خطاب (احمدیہ ہال کراچی)

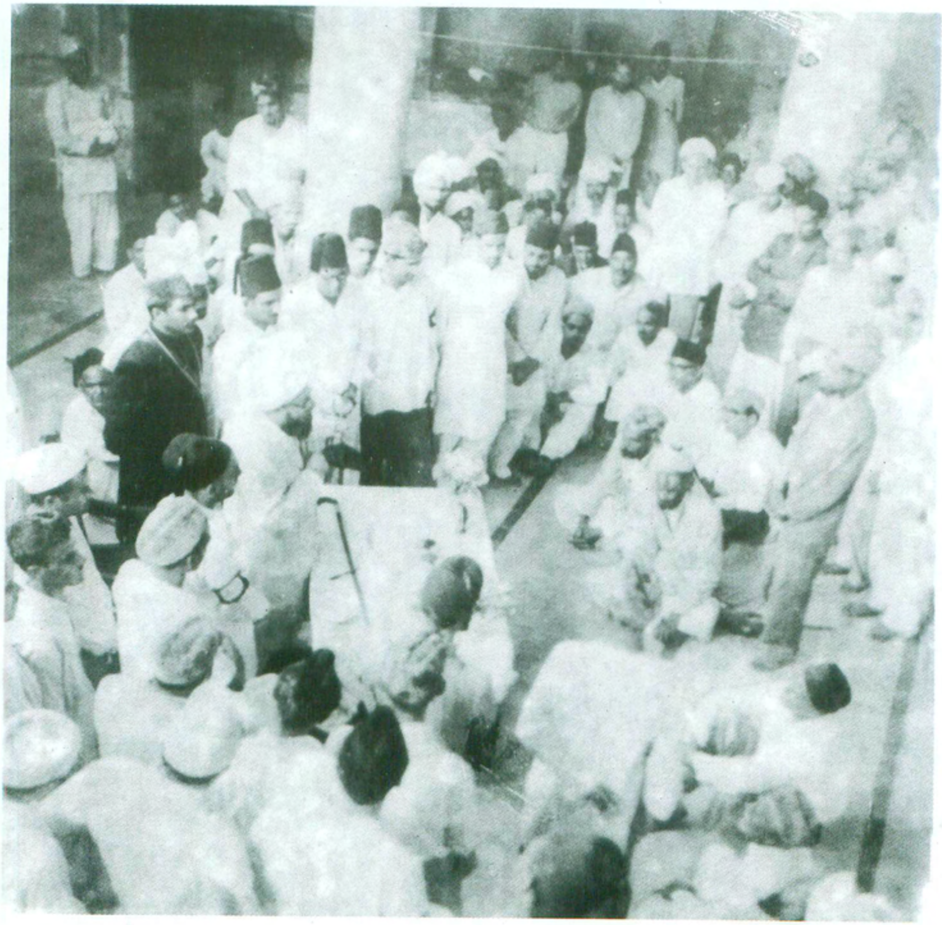

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا مجلس خدام الاحمدیہ کراچی سے خطاب (احمدیہ ہال کراچی)

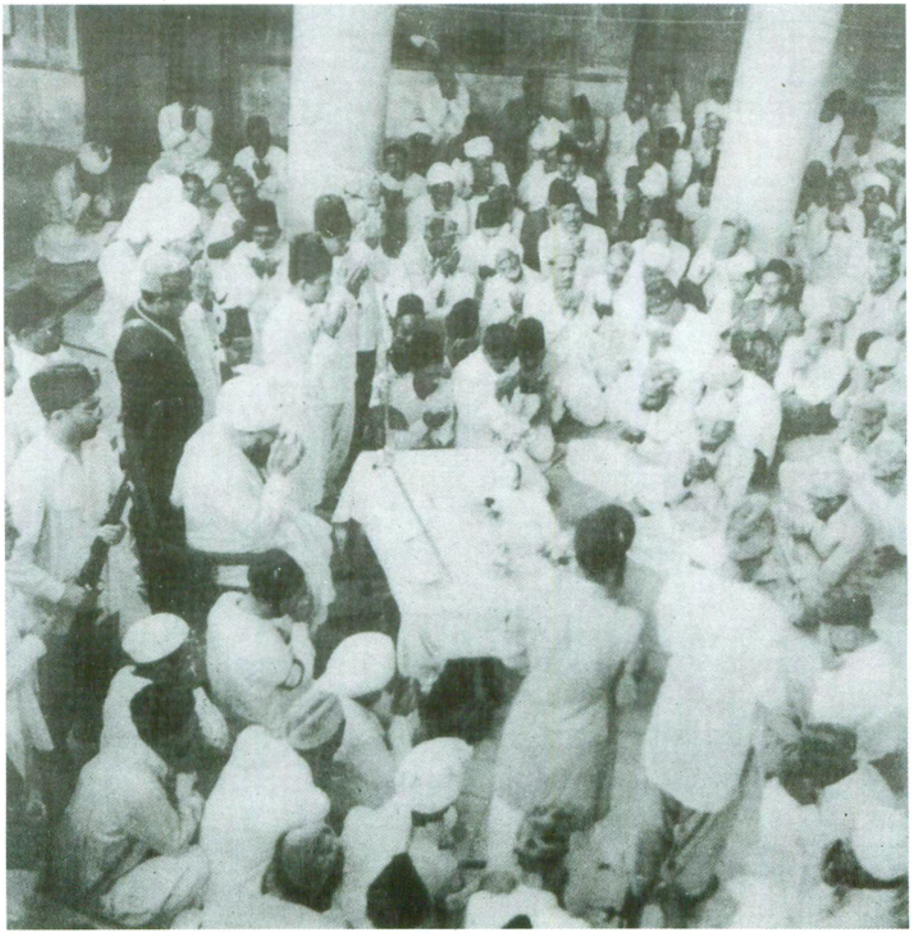

خطاب کے بعد اجتماعی دعا

کو پہنچ جائے گی کہ اس میں ڈھونڈے سے بھی کوئی شخص ایسا نہ ملے گا کہ جو اس عہدے کی ذمہ داری سنبھال سکے۔ پس جماعت کی ترقی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے ہر فرد میں یہ احساس پیدا ہو کہ بڑے سے بڑا کوئی عہدہ ایسا نہیں ہو سکتا جس کی ذمہ داریوں کو میں کماحقہٗ ادا نہ کر سکوں۔ جب تک ہر فرد اِس احساس کے ماتحت آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے اُس وقت تک قومی اعتبار سے وہ صلاحیت پیدا نہیں ہو سکتی جس کا پیدا ہونا تحفّظ و بقا اور ترقی کے لئے ضروری ہے۔ پس تم میں سے ہر شخص کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ وقت پڑنے پر وہ بڑے سے بڑا عہدہ سنبھالنے کا اہل ثابت ہو سکے۔

اِس کوشش اور جدّ و جہد میں کامیاب ہونے کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ علمِ کامل و عملِ کامل۔ علمِ کامل اِس بات کا مقتضی ہے کہ وہ اس جماعت یا مذہب یا سیاست کا بغور مطالعہ کرتا رہے جس سے وہ منسلک ہے۔ اِسی طرح عملِ کامل کے لئے ضروری ہے کہ نظم و ضبط اور جماعتی پابندی کو لازم پکڑا جائے۔ دوسرے اپنے اندر خیال آرائی اور بلند پروازی پیدا کی جائے کیونکہ جب تک انسان اِس صفت سے متّصف نہ ہو اُس وقت تک آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہو سکتی۔

قومی اعتبار سے ترقی کا کوئی مقام ایسا نہیں ہوتا جسے انتہائی منزل سے تعبیر کیا جا سکے۔ دُنیا میں کوئی قوم بھی ایسی نہیں گزری کہ جو یہ دعویٰ کر سکی ہو کہ وہ ترقی کے اس مقام تک پہنچ گئی ہے کہ جس سے آگے ترقی کرنا ممکن نہیں ہے۔ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی یہ شان بیان فرمائی ہے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ[1] کہ وہ ہر روز ایک نئی حالت میں ہوتا ہے۔ شان اُس چیز کو کہیں گے جو غیر متوقع اور غیر معمولی ہو تو كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کا مطلب یہ ہُوا کہ خدا تعالیٰ کی صفات ایسی ہیں کہ ان کے مطابق وہ ہر روز دُنیا میں تبدیلیاں پیدا کر رہا ہے لیکن وہ تبدیلیاں غیر معمولی ہوتی ہیں اور پہلے سے بڑھ کر ہوتی ہیں۔ پس انسان بھی جسے اِس دُنیا میں امور کی سرانجام دہی کے لئے ایک واسطہ بنایا ہے جُہدِ مسلسل کے لئے پیدا

[1] سورہ رحمٰن : ۳۱

کیا گیا ہے۔کوئی مقام ایسا نہیں آسکتا جس کے بعد وہ اپنے آپ کو جدّ وجہد اور عمل و کوشش سے بے نیاز سمجھنے لگے۔ اسی امر کے لئے اس کی جدّ وجہد اعلیٰ سے اعلیٰ نتائج پر منتج ہو ضروری ہے کہ وہ خیال آرائی اور بلند پروازی سے کام لے۔جب بھی وہ بلند پروازی اور خیال آرائی سے کام لینا چھوڑ دے گا۔اس کی کوششیں بے نتیجہ ہو کر رہ جائیں گی۔

غلام قوم میں سب سے بڑی بُرائی یہی ہوتی ہے کہ وہ غور وفکر کی عادت کھو بیٹھتی ہے اس کے افراد صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک حال میں ہی محو رہتے ہیں اور مستقبل کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے اور اگر کبھی اس طرف متوجہ ہوتے بھی ہیں تو بے حقیقت اور خیالی باتوں سے آگے نہیں جاتے۔کوئی پروگرام اور کوئی سکیم ان کے مدِّنظر نہیں ہوتی محض ایک خیال دل میں پیدا ہوتا ہے جسے عملی جامہ پہننا کبھی نصیب نہیں ہوتا حالانکہ سکیم اس کو کہتے ہیں کہ فلاں چیز ملنی ممکن ہے اسے حاصل کرنے کیلئے فلاں فلاں ذرائع کی ضرورت ہے اور وہ ذرائع فلاں فلاں نوعیت کی کوشش کے بغیر مہیّا نہیں ہوسکتے تو گویا ذرائع معلوم کرنے کے بعد یہ سوچنا کہ ان ذرائع کو کیونکر فراہم کیا جاسکتا ہے دوسرے الفاظ میں بلند پروازی کہلاتی ہے۔

اِسی امر کو مزید واضح کرتے ہوئے حضور نے فرمایا۔بلند پروازی اس کو کہتے ہیں کہ انسان اپنی موجودہ حالت سے اُوپر ایک مقصد معیّن کرے پھر یہ سوچے کہ یہ مقصد کن ذرائع سے حاصل ہوسکتا ہے۔جب ذرائع اپنی معیّن صورت میں سامنے آجائیں تو پھر اس امر پہ غور کرے کہ کن طریقوں سے یہ ذرائع فراہم ہوسکتے ہیں۔جب کوئی شخص یہ طریقے معلوم کرکے مصروفِ عمل ہوجاتا ہے تو ذرائع خود بخود پیدا ہوجاتے ہیں اور بالآخر وہ مقصد مل جاتا ہے جس کے لئے یہ سب کوشش ہو رہی تھی اگر ایسا ظہور میں نہیں آتا تو وہ بلند پروازی نہیں خام خیالی یا واہمہ ہے۔ایسا شخص ہمیشہ خوابوں کی دُنیا میں اُلجھا رہتا ہے پس ہماری جماعت کے نوجوانوں کو غور وفکر اور بلند پروازی کی عادت ڈالنی چاہیئے۔

اِس مرحلہ پر حضور نے مثالیں دے کر واضح کیا کہ غور وفکر سے کیونکر کام لیا جاسکتا ہے چنانچہ حضور نے فرمایا مثلاً آپ الفضل میں امریکہ یا ہالینڈ کے مشن کی رپورٹ پڑھتے ہیں۔

آپ کے لئے اِتنا ہی کافی نہیں ہے کہ آپ اسے پڑھ کر وہاں کے حالات سے باخبر ہو جائیں بلکہ رپورٹ میں نومسلموں کی تعداد پڑھتے ہی آپ کو سوچنا چاہیئے کہ اس ملک میں بیعت کی رفتار کیا ہے۔ وہاں کب سے مشن قائم ہے اور اس عرصہ میں کتنے آدمیوں نے بیعت کی بیعت کی رفتار نکالنے کے بعد آپ اندازہ لگائیں کہ اس حساب سے وہ ملک کتنے عرصہ میں جا کر مسلمان ہوگا اور اسی طرح ہم کتنے عرصہ میں توقع کر سکتے ہیں کہ ساری دُنیا اسلام کو قبول کر لے گی۔ اگر بیعت کی رفتار کے مطابق آپ اِس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس ملک کے مسلمان ہونے میں سینکڑوں یا ہزاروں سال لگ جائیں گے جیسا کہ بظاہر حالات نظر بھی آ رہا ہے تو پھر آپ کو سوچنا چاہیئے کہ تبلیغی مساعی کو کیونکر مثمر ثمرات بنایا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ کہہ کر آپ اپنے دل کو تسلّی نہیں دے سکتے کہ کوشش کرنا ہمارا کام ہے نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اور اگر خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا تو اس میں ہمارا کیا دخل ہے؟ اِس میں شک نہیں نتیجہ پیدا کرنا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے لیکن خدا ظالم نہیں کہ وہ کسی کی کوششوں کو رائیگاں جانے دے۔ سوال پیدا ہوگا خدا نے ابراہیم علیہ السّلام کی کوششوں کو کیوں بے نتیجہ نہ رہنے دیا؟ اس نے نوح علیہ السلام کی کوششوں کو کیوں بے نتیجہ نہ رہنے دیا؟ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی کوششوں کو کیوں بے نتیجہ نہ رہنے دیا؟ اس نے بدھ کی کوششوں کو کیوں بے نتیجہ نہ رہنے دیا؟ اس نے رامچندر کی کوششوں کو کیوں بے نتیجہ نہ رہنے دیا؟ صاف بات ہے کہ انہوں نے اپنی ذمّہ داری کو اِس طرح ادا کیا کہ جو ادا کرنے کا حق تھا۔ پس ایسی صورت میں آپ کو اپنی کوششوں کو تیز کرنا چاہیئے نہ یہ کہ آپ دل کو تسلّی دے کر بیٹھے رہیں۔ یہ کہنا کہ ہم اِس لئے ناکام رہ گئے کہ نتیجہ خدا کے ہاتھ میں تھا بالکل غلط ہے ایسا کہنے والا اشرارتی ہے۔ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ نتیجہ خدا کے ہی ہاتھ میں ہوتا ہے لیکن خدا بھی کسی وجہ سے نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ ہمارا خدا بھی آئینی خدا ہے وہ ڈکیٹیٹر نہیں وہ ہر چیز حکمت کے ساتھ کرتا ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ ہم دیں نہ دیں ہماری مرضی وہ کہتا ہے کہ اگر تم استحقاق پیدا کر لو تو ہم انعام ضرور دیں گے اور اگر نہ دیں تو ہم ظالم یعنی اگر ہماری ہی دی ہوئی طاقتوں سے اِس اِس طریق پر کام لو تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اِنعام نہ دیں نتیجہ بے شک خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن

اس نے نتیجے کو ہمارے تابع کرنے کے لئے کچھ قانون بنا دیئے ہیں۔ خود فیصلہ کرنا بندے کے اختیار میں نہیں لیکن خدا کے ہاتھ کو پکڑ کر فیصلہ کروانا بندے کے ہاتھ میں ہے۔

غور و فکر کی عادت سے کام لینے کے طریق واضح کرتے ہوئے حضور نے ایک اور مثال دی۔ فرمایا اگر تم یہ سوچو کہ دُنیا ہماری مخالفت کرتی ہے تو ساتھ ہی تمہیں یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ دُنیا مخالفت کیوں کرتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ سچی تحریکوں کی مخالفت ہوتی ہی آئی ہے۔ یہ ہے صحیح لیکن ساتھ ہی تمہیں یہ سوچنا پڑے گا کہ کیا یہ مخالفتیں ہمیشہ ہمیش جاری رہتی ہیں؟ کیا پہلوں نے ان مخالفتوں کو دبانے اور کم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں نکالا تھا؟ کیا آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ اور موسیٰؑ و عیسیٰؑ نے ان مخالفتوں سے ہار مان لی تھی؟ اگر انہوں نے ہار نہیں مانی تھی تو ہم کیوں ہار مانیں؟ اور کیوں نہ ایسا رستہ نکالیں کہ جس سے یہ مخالفتیں آپ ہی ختم ہو جائیں۔ اگر تم سوچتے تو تمہارے سامنے خود راستے کُھل جاتے۔ ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنی اپنی جگہ غور و فکر کی عادت ڈالے اور محض دوسروں کے غور و فکر پر تکیہ نہ کرے۔

غور و فکر کی عادت پیدا کرنے کے طریقوں پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے حضور ایدہ اللہ نے بچپن ہی سے تربیت کرنے اور بالخصوص حواس کو بیدار رکھنے کی اہمیت پر بہت زور دیا اور اِس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زرّیں ہدایات نیز آئمہ کرام اور شاہانِ اسلام کے سبق آموز واقعات پیش کرنے کے بعد حضور نے واضح فرمایا کہ اگر حواس بیدار رہیں تو انسان بہت سے خطرات سے بچ کر اپنے لئے ترقی کے راستے پیدا کر سکتا ہے۔

اِسی ضمن میں حضور نے سوچنے کی عادت ڈالنے کی طرف پھر توجہ دلائی اور فرمایا باوقار طریق پر سوچنے اور غور کرنے کی عادت ڈالو تاکہ تم میں ایسی رُوح اور جذبہ پیدا ہو جائے کہ تم وقت آنے پر بڑی سے بڑی ذمہ داری اُٹھا سکو۔ کام کرنے کا جذبہ قوم کو اُبھار دیتا ہے پھر کسی کے مرنے یا فوت ہونے سے حوصلے پست نہیں ہوتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ میں غور و فکر کی عادت پیدا کرکے ان میں جذبۂ عمل بھر دیا تھا یہی وجہ ہے

کہ ان میں کسی کے مرنے یا فوت ہونے سے کبھی خلاء پیدا نہیں ہوا۔ ہر موقع پر کوئی نہ کوئی لیڈر آگے آتا رہا اور مسلمان اس کی قیادت میں منزل بہ منزل کامیابی و کامرانی کی طرف بڑھتے رہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا وصال ہوا تو فوراً حضرت ابوبکرؓ نے آگے آکر خلاء کو پورا کر دیا اور قوم میں پست ہمتی قطعاً پیدا نہ ہونے دی۔ آپ نے اِس موقعہ پر صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اگر کوئی شخص محمد (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کو خدا سمجھتا تھا تو وہ سُن لے کہ اس کا خدا فوت ہوگیا لیکن جو اس حی و قیوم ہستی کو خدا مانتا ہے کہ جس نے محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو مبعوث کیا تھا تو اس کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ زندہ ہے اور اس پر کبھی موت وارد نہیں ہوتی۔ تقریر جاری رکھتے ہوئے حضور نے فرمایا پس کام، فکر اور سمجھ کے مطابق کرنے چاہئیں اگر ایسا کرنے لگ جاؤ گے تو تم میں سے ہر شخص کمان کے قابل ہو جائے گا۔ یہی چیز قوم کو خطرات سے بچانے والی ہوتی ہے کہ اس کے ہر فرد کے اندر لیڈر شپ کی صلاحیت موجود ہو جب یہ صلاحیت قوم میں عام ہو جائے تو پھر لیڈر ڈھونڈنے یا مقرر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی ایسی حالت میں وقت پڑنے پر لیڈر شپ خود بخود اُبھر کر آگے آجاتی ہے اور قوم پر ہراساں یا پریشان ہونے کا کبھی موقع نہیں آتا۔ اِس میں شک نہیں قوموں پر مصائب آسکتے ہیں۔ انہیں قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔ انہیں گھروں سے بھی نکالا جا سکتا ہے لیکن اگر سوچنے کی عادت ہو تو ان سے بچنے کی راہیں بھی نکل سکتی ہیں۔

خطاب کے اختتام پر حضور ایدہ اللہ نے تمام خدام سے ان کا عہد بھی دُہروایا۔ بعدہٗ لمبی دُعا بھی کرائی اور اِس طرح یہ مبارک اجلاس اختتام پذیر ہوا۔"[1]

دوسری تقریب۔ ۲۶ ظہور/اگست کو لجنہ اماء اللہ کراچی کا ایک غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا جس میں حضور نے خواتین کو توجہ دلائی کہ وہ حالات کے مطابق اپنی زندگی میں تبدیلی پیدا کریں اور فرائض کو پہچانیں۔

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۲۵ ظہور ۱۳۳۲ ہش / ۲۵ اگست ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۔

"حضور نے اِس امر پر زور دیتے ہوئے کہ آجکل سوسائٹی میں ظاہری طور پر عورتوں کا اثر بڑھ گیا ہے انہیں تلقین کی کہ وہ اس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں اور اپنے اپنے حلقے میں دوسری خواتین کے ساتھ تعلقات بڑھا کر ان غلط فہمیوں کو دُور کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو جائیں کہ جو احمدیت کے خلاف بکثرت پھیلی ہوئی ہیں۔

حضور نے فرمایا کہ اگر احمدی خواتین نے اِس امر کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے فرائض کو خوش اسلوبی سے ادا کیا تو اس کا نہایت خوشگوار اثر ظاہر ہوگا۔

دورانِ تقریر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اِس امر پر روشنی ڈالتے ہوئے کہ ہمارے خلاف غلط فہمیاں پھیلتی کیوں ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے دینی کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور بتایا کہ حقیقی اسلام کے پیش ہونے سے ان مخالف مولویوں پر کیا اثر پڑا جنہوں نے دین پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی اور معمولی معمولی مسائل میں اختلافات کے نت نئے پہلو نکال کر مسلمان کے مختلف گروہوں کو مجبور کر رکھا تھا کہ وہ ان کے ساتھ چمٹے رہیں۔ مثال کے طور پر مسلمانوں میں یہ عقیدہ پھیلا ہوا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے آکر تمام کافروں کو تہ تیغ کر دیں گے اور دُنیا کے خزانے مسلمانوں میں بانٹ دیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کہہ کر کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اب جو کچھ کرنا ہوگا خود مسلمانوں ہی کو کرنا ہوگا ان کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا اسی طرح یہ کہہ کر کہ رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ کے جھگڑے عبث ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے مختلف حالات اور مختلف مزاجوں کے لحاظ سے مسائل سمجھانے میں مختلف طریق اختیار فرمائے تھے تمہیں جس میں آسانی ہو اسی طریق پر عمل کرو۔ لوگوں کو ایسے مولویوں کی محتاجی سے نجات دلا دی۔ پھر مسلمانوں میں اِس بات پر اختلاف چلا آرہا تھا کہ قرآنِ مجید کی کتنی آیات منسوخ ہیں مختلف لوگ پانچ سے لے کر سات سَو آیات تک مختلف تعداد کے قائل تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آکر اعلان کر دیا کہ قرآن کا ایک شعشہ بھی منسوخ نہیں ہے یہ سارے کا سارا قابلِ عمل ہے اور اِس طرح لوگ دین کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں مولویوں کی غلامی سے آزاد ہو گئے۔ ایسی صورت میں ان مولویوں کا سیخ پا ہونا لازمی تھا کیونکہ اِس طرح ان کی اجارے داری ختم ہوتی تھی۔ انہیں اس کے سوا اور کوئی راہ

نہ سُوجھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے خلاف غلط فہمیاں پھیلا کر لوگوں کو بدظن کر دیا جائے چنانچہ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اپنے تعلّقات کو وسیع کریں۔ اپنے اپنے حلقہ میں میل جول بڑھائیں ہمارے ملنے ملانے سے ہی بہت سی غلط فہمیاں دُور ہو جائیں گی کیونکہ ہم سے مل کر دوسروں کو معلوم ہوگا کہ ہم تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی اُمّت ہیں۔ ہمارا کلمہ، ہماری نماز، ہمارا روزہ، ہمارا حج، ہماری زکوٰۃ سب وہی ہے اور مولوی صاحبان جو کہتے ہیں وہ درست نہیں ہے لیکن اگر یہ غلط فہمیاں اِسی طرح پھیلی رہیں تو اس سے ہماری مشکلات میں بے حد اضافہ ہو جائے گا۔ پس احمدی خواتین کو اپنی ذمہ داری کو سمجھنا چاہیئے اور دوسری خواتین سے میل جول بڑھا کر یہ غلط فہمیاں دُور کرنی چاہئیں۔" [1]

تیسری تقریب۔ ۲۷ ظہور/اگست کو احمدیہ مرچنٹس ایسوسی ایشن نے حضور کے اعزاز میں "بیچ لگژری" ہوٹل میں ایک دعوتِ چائے کا اہتمام کیا جس میں احمدی احباب کے علاوہ غیر از جماعت معزّزین بھی کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ اِس موقعہ پر حضرت مصلح موعودؓ نے "اسلام اور کمیونزم" کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ [2]

چوتھی تقریب۔ بیچ لگژری ہوٹل میں جماعتِ احمدیہ کراچی کی طرف سے ۳۰ ظہور/اگست کو ایک شاندار استقبالیہ دیا گیا جس میں احمدی اور غیر احمدی معزّزین بکثرت مدعو تھے۔ سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اِس تقریب سے بھی خطاب کیا اور "حقیقی اسلام" کے موضوع پر ایک نہایت بصیرت افروز تقریر فرمائی جس کا خلاصہ رپورٹر صاحب "المصلح" کے الفاظ میں درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"تشہّد و تعوّذ کے بعد حضور نے فرمایا۔ اگرچہ اسلام اُس مذہب کا نام ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو ملا ہے اور مسلم کے نام سے وہی لوگ پکارے جاتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر ایمان لا کر آپؐ کو اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے ہیں لیکن قرآن کریم نے محاورے کے طور پر دوسرے انبیاء اور ان کے سچے متبعین کو بھی مسلم

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۲۷ ظہور ۱۳۳۲ ہش/۲۷ اگست ۱۹۵۳ء صا۔

[2] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۲۸ ظہور ۱۳۳۲ ہش/۲۸ اگست ۱۹۵۳ء صا۔

کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ظاہر ہے ان سب کا مسلمان ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بعد از ظہور ایمان لانے کی وجہ سے تو ہو نہیں سکتا کیونکہ ان کے سامنے قرآن مجید کی شکل میں نہ کامل شریعت موجود تھی اور نہ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت معرضِ وجود میں آئی تھی۔ دراصل قرآنی محاورے کی رُو سے ان کا مسلمان قرار پانا صاف اشارہ کر رہا ہے کہ اسلام کے دُو معنے ہیں۔ایک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والا مسلمان ہے اور دوسرے وہ بھی مسلمان ہے جو مطیع اور فرمانبردار ہو۔چنانچہ "مسلمان" کی مؤخر الذکر حیثیت کے اعتبار سے ہر وہ شخص جو مطیع اور فرمانبردار تھا خواہ وہ آدمؑ کا فرمانبردار تھا یا نوحؑ کا، ابراہیمؑ کا فرمانبردار تھا یا موسیٰؑ وعیسیٰؑ کا وہ مسلمان ہی تھا۔

اِسلام کی اِن دُو حیثیتوں کو مزید واضح کرتے ہوئے حضور نے فرمایا۔ہم مسلمانوں کو دُو قِسم کا اسلام حاصل ہے ایک تو اس اعتبار سے ہم مسلمان ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کا نام ہی "مسلم" رکھا گیا ہے دوسرے اطاعت و فرمانبرداری کی اِس رُوح کے اعتبار سے بھی ہم مسلم ہیں کہ جو ہر نبی کے متبعین کے لئے دُنیا میں وجہ امتیاز بنی۔پس تمام دوسرے انبیاء کی جماعتوں پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کو ایک یہ فضیلت دی گئی ہے کہ وہ دوہرے مسلم ہیں۔ انبیاء کی جماعتیں اطاعت و فرمانبرداری کے باعث مسلم ہوتی ہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ہمارا نام مسلم رکھا۔اِس بارے میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کا نام رکھتا ہے تو وہ بندوں کی طرح محض تفاؤل کے طور پر نہیں رکھتا وہ قادر و توانا جب ارادہ کرتا ہے کہ کسی قوم کے افراد خاص خاص صفات کے حامل ہوں تب ہی وہ انہیں کوئی مخصوص نام عطا کرتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ کا ہمیں "مسلم" کا لقب عطا فرمانا اِس بات کا متقضی ہے کہ ہم وہ صفات اپنے اندر پیدا کریں جن کا یہ نام متحمل ہے۔اِس میں یہ اشارہ مضمر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے اطاعت و فرمانبرداری کے اعلیٰ معیار پر قائم ہوتے ہوئے جب بھی دینی اور دُنیوی اعتبار سے بڑھنے اور ترقی کرنے کی کوشش شروع کریں گے تو خدا انہیں اعلیٰ درجات سے ضرور نوازے گا۔پس حقیقی اسلام کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی کامل فرمانبرداری اور اطاعت کی رُوح ہمارے اندر اِس طرح رچ

ہوئی ہو کہ اس کی مرضی اور منشاء کے خلاف کوئی ایک قدم اُٹھانا بھی ہمارے لئے ممکن نہ رہے تاکہ ہم محض نام کے اعتبار سے ہی مسلمان نہ کہلائیں بلکہ ہمارا عمل اور ہمارا کردار اِس بات کی گواہی دے کہ فی الواقعہ ہم اِس نام کے مستحق ہیں۔ ہمارا اُٹھنا اور ہمارا بیٹھنا، ہمارا چلنا اور ہمارا پھرنا الغرض ہماری ہر حرکت اور ہمارا ہر سکون اِس نام کے شایانِ شان ہو۔

تقریر جاری رکھتے ہوئے حضور نے فرمایا۔ چونکہ خدا تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دُنیا میں ایسی اُمّت پیدا کرنا چاہتا تھا کہ جو اِسم بامسمّٰی ہو اور جس کا عمل و کردار اپنے لقب یعنی لفظ "مسلم" کے شایانِ شان ہو۔ اِس لئے اس نے اِس اُمّت کو رُوحانی ترقی کے وہ وہ سامان اور مواقع عطا فرمائے جو اس سے پہلے کسی اُمّت کو میسّر نہ تھے چنانچہ نہ صرف یہ کہ خدا تعالیٰ نے کامل ترین شریعت نازل فرمائی بلکہ اسے ہمیشہ ہمیش کے لئے محفوظ رکھنے اور اس کی تعلیمات کو زندہ رکھنے کا سامان بھی بہم پہنچا دیا۔

دَورانِ تقریر اِس امر پر روشنی ڈالتے ہوئے کہ خدا نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ کِس عظیم الشّان طریق پر پُورا فرمایا حضور نے بعض یورپین مصنفین اور دیگر معاندینِ اسلام کا یہ اعتراف بھی پیش کیا کہ فی الواقعہ قرآن جن الفاظ میں نازل ہوُا تھا بجنسہٖ انہی الفاظ میں آج تک محفوظ ہے۔ نیز حضور نے قرآن اور انجیل کا موازنہ کرتے ہوئے ان تحریفات پر بھی کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالی جو انجیل میں ہوتی چلی آ رہی ہیں اور جن کا سلسلہ اب تک بدستور جاری ہے حتّٰی کہ بعض مستشرقین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ کاش وہ انجیل کے متعلق بھی یہ دعوٰی کر سکتے کہ وہ قرآن کی طرح تحریف اور ردّو بدل سے مبّرا ہے۔

اِس ضمن میں حضور نے ایک اعتراض کا ردّ کرتے ہوئے فرمایا۔ اِس میں شک نہیں مسلمانوں میں بھی بعض لوگ ایسے ہیں جو غلطی سے بعض آیات کو منسوخ مانتے ہیں لیکن مسلمانوں کا کوئی ایک فرقہ بھی ایسا نہیں ہے کہ جو یہ مانتا ہو کہ قرآنِ مجید میں نعوذ باللہ بعض آیات بعد میں داخل کی گئی ہیں اِس امر پر سب متفق ہیں کہ قرآن اوّل سے آخر تک اسی طرح محفوظ چلا آ رہا ہے جس طرح کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوُا تھا۔

نفسِ مضمون کی طرف عود کرتے ہوئے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اسلام کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم سُنّی، شیعہ، اہلِ حدیث، شافعی، حنبلی، مالکی یا قادری ہیں بلکہ اسلام کا اصل مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے دِل میں یہ فیصلہ کر لیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم پر چل کر ہی بشاشت محسوس کریں گے اور اس کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے قرآن کو اپنا دستور العمل بنائیں گے۔ نام کے اعتبار سے تو ہر فرقے کا مسلمان مسلمان ہے لیکن اس نام کا اصل مستحق وہی ہوگا جو اپنے عمل کو اسلام کے سانچے میں ڈھال کر اپنے آپ کو اس نام کا اہل ثابت کرے گا۔ اِسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے ابراہیم، نوح، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کی جماعتوں کو بھی مسلمان قرار دیا ہے حالانکہ ان کے پاس قرآن نہیں تھا اور نہ ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مبعوث ہوئے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی اسلام نام ہے اطاعت وفرمانبرداری کی سپرٹ کا۔ جب یہ سپرٹ ہم میں پیدا ہو جائے گی تو ہم اللہ کے نزدیک بھی مسلمان شمار ہونے لگ جائیں گے اور یہی وہ امتیاز تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ وہ خدا کے سوا اور کسی کے آگے جھکنا نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے اپنے دلوں پر خدا کو حکمران بنا لیا تھا اِسی لئے دُنیا کی ہر طاقت ان کی نگاہ میں ہیچ تھی پس اِسی رُوح اور اِسی جذبے کا نام حقیقی اسلام ہے۔ اِسلام فقہ کی باریکیوں کا نام نہیں اور نہ ہی ان تفصیلات کا نام ہے کہ جن سے علم الکلام والوں کی تصانیف بھری ہوئی ہیں بلکہ وہ نام ہے اُس سپرٹ اور اُس جذبے کا جس کے نتیجے میں انسان خدائی بادشاہت میں داخل ہو کر ہر ماسوا کی غلامی سے نجات حاصل کر لیتا ہے"۔ [1]

اِن اجتماعی تقاریب کے علاوہ خان ضیاء الحق صاحب (ڈرگ روڈ) اور سردار ممتاز احمد خاں صاحب (مالیر کینٹ) نے بھی الگ الگ عصرانہ پیش کیا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے قریباً نصف نصف گھنٹہ تقریر فرمائی۔ [2]

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ یکم تبوک ۱۳۳۲ ہش / یکم ستمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۱-۸۔

[2] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۶ تبوک ۱۳۳۲ ہش / ۶ ستمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳۔

پرائیویٹ سیکرٹری صاحب (خلیفۃ المسیح الثانیؓ) کی طرف سے کوائفِ سفر کا بیان اور شکریہ

حضرت مصلح موعودؓ کے ورودِ ربوہ کے بعد پرائیویٹ سیکرٹری صاحب حضرت خلیفۃ المسیح نے المصلح میں سفرِ سندھ کے کوائف پر دو مختصر نوٹ شائع کئے جن میں جماعت ہائے سندھ و پنجاب بالخصوص جماعتِ احمدیہ کراچی کے مظاہرہ اخلاص و محبت کا مختصر مگر پُرکیف الفاظ میں نقشہ کھینچا اور ان کا شکریہ ادا کیا چنانچہ لکھا:۔

"حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنے اہلِ بیت اور خدام کے ہمراہ ۱۹ ؍اگست سے ۳۰ ؍اگست تک کراچی میں قیام فرما رہے۔ اِس عرصۂ قیام میں جماعتِ احمدیہ کراچی کے مخلصین نے جس اخلاص اور فداکارانہ رُوح کا مظاہرہ کیا اور جس طرح رات دن انہوں نے حضور اور حضور کے اہلِ بیت کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف رکھا وہ ایک نہایت ہی خوشکن اور ایمان افزاء نظارہ تھا۔ خدام اور انصار دونوں اپنے اپنے فرائض کی بجاآوری میں شب و روز مشغول رہے اور انہوں نے حضور کی تشریف آوری سے زیادہ سے زیادہ مستفیض ہونے کی ہر ممکن کوشش کی چنانچہ اِس عرصہ میں کئی قسم کی تقاریب پیدا کی گئیں جن میں حضور شریک ہوئے اور سینکڑوں لوگ حضور کے کلماتِ طیّبات سے مستفیض ہوئے۔

جماعتِ احمدیہ کراچی کی خوش قسمتی تھی کہ اِس دفعہ حضور ایدہ اللہ نے وہاں عید الاضحیہ منانے کا فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ ۲۱ ؍اگست کو سب سے پہلے عید الاضحیہ کے خطبے کے ذریعہ ہی حضور نے جماعت سے خطاب فرمایا۔ اس کے بعد خطبہ جمعہ میں حضور نے مہاجرین کی آنکھوں دیکھی حالتِ زار کی کیفیت بیان فرماتے ہوئے حکومت کو توجہ دلائی کہ اسے ان کی رہائش کا خاطر خواہ انتظام کرنا چاہیئے۔ اِس کے بعد ایک خاص تقریب میں حضور نے خدام الاحمدیہ کراچی سے احمدیہ ہال میں خطاب فرمایا۔ اِسی طرح حضور نے مستورات میں بھی ایک تقریر فرمائی اور پھر ۲۸ ؍اگست کو حضور نے مارٹن روڈ کی مسجد احمدیہ میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ اِن تقاریب کے علاوہ دو دفعہ حضور کو بیچ لگژری ہوٹل میں عصرانہ دیا گیا جس میں حاضرین کی درخواست پر حضور نے ایک دفعہ "اسلام اور کمیونزم" پر اور دوسری دفعہ "حقیقی اسلام" کے موضوع پر روشنی ڈالی۔ خان ضیاء الحق خان صاحب ڈرگ روڈ اور سردار ممتاز احمد خاں صاحب مالیر کینٹ کی

طرف سے بھی ۲۸ ؍ اگست کو عصرانہ پیش کیا گیا جہاں حضور نے قریبًا نصف نصف گھنٹہ تقریر فرمائی۔

غرض اِس قلیل عرصۂ قیام میں حضور کی تشریف آوری سے جس قدر زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھایا جاسکتا تھا اس قدر جماعتِ کراچی نے پوری کوشش کی اور مردوں، عورتوں اور بچوں سب نے اپنے اپنے اخلاص کا قابلِ رشک مظاہرہ کیا۔ضیافت سے تعلق رکھنے والے انتظامات بھی قابلِ اطمینان تھے۔ اِسی طرح حضور اور حضور کے اہلِ بیت کے لئے دوستوں نے اپنی کاریں وقف رکھیں جو رات دن ہر ضرورت کے وقت کام آتی رہیں۔

ادارہ پرائیویٹ سیکرٹری جماعتِ احمدیہ کراچی کے تمام افراد کا عمومًا اور مکرم جناب چودھری عبد اللہ خان صاحب امیر جماعتِ احمدیہ کراچی اور مکرم جناب شیخ رحمت اللہ صاحب نائب امیر اور مکرم شمیم احمد صاحب جنرل سیکرٹری اور چودھری احمد جان صاحب کا خصوصًا شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے ہر قسم کے انتظامات میں حصّہ لیا اور حضور اور حضور کے اہلِ بیت اور ہمسفر خدام کی سہولت و آرام کا موجب بنے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والعقبٰی۔"

۲ ۔ "حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ۳۰ ؍ اگست کو چناب ایکسپریس کے ذریعہ کراچی سے عازمِ ربوہ ہوئے۔ جماعتِ احمدیہ کراچی کے سینکڑوں احباب اپنے محبوب اور مقدّس امام کو الوداع کہنے کے لئے سٹیشن پر تشریف لائے اور حضور پُر نور نے انہیں مصافحہ کا شرف بخشا اور لمبی دعا فرمائی۔ ۵ بجکر بیس منٹ پر گاڑی نعرہ ہائے تکبیر کے درمیان روانہ ہوئی۔ راستہ میں حیدر آباد سندھ، رحیم یار خان، خانپور، لیاقت آباد، ڈیرہ نواب، بہاولپور، لودھراں، شجاع آباد، ملتان، خانیوال، عبد الحکیم، شورکوٹ روڈ، ٹوبہ ٹیک سنگھ، گوجرہ، لائل پور، چک جھمرہ اور چنیوٹ کے سٹیشنوں پر بھی جماعتوں کے دوست حضور کے استقبال کے لئے تشریف لائے۔ بعض مقامات پر احمدی خواتین بھی اپنے مقدّس امام کی زیارت کے لئے آئی ہوئی تھیں۔ اِس سفر میں حضور اور حضور کے اہلِ بیت اور خدام کا ناشتہ ۳۱ ؍ اگست کو خانپور کے اسٹیشن پر مکرم جناب چوہدری نصیر احمد خان صاحب نے پیش کیا دوپہر کا کھانا جماعتِ احمدیہ ملتان نے دیا اور عصرانہ جماعتِ احمدیہ لائل پور نے پیش کیا۔

گوجرہ کی جماعت نے بھی اپنے اخلاص کے ثبوت میں حضور کی خدمت میں دودھ وسوڈا واٹر پیش کیا۔

دفتر پرائیویٹ سیکرٹری مکرم چوہدری نصیر احمد خان صاحب اور اسی طرح ملتان، گوجرہ اور لائل پور کی جماعتوں کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے حضور، حضور کے اہلِ بیت اور خدام کی خدمت میں نمایاں حصہ لیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب دوستوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور انہیں بیش از بیش خدمتِ دین وملت کی توفیق عطا فرمائے۔

۳۱؍اگست کو چھ بجے شام حضور ربوہ اسٹیشن پر پہنچے۔ مرکزی جماعت کے قریباً تمام افراد اسٹیشن پر صف بستہ کھڑے تھے۔ حضور نعرہ ہائے تکبیر کے درمیان گاڑی سے اُترے اور پھر حضور نے تمام احباب کو شرفِ مصافحہ عطا فرمایا اور پھر قصرِ خلافت میں تشریف لے گئے۔

چوہدری محمد شریف صاحب چک ۹۸ شمالی، چودھری نذیر احمد صاحب چک ۸۷ جنوبی ضلع سرگودہا، چوہدری عبدالرزاق صاحب، چوہدری مظفر احمد صاحب، چوہدری منظور احمد صاحب اور چوہدری رشید احمد صاحب چک ۱۲۱ گوکھووال ضلع لائل پور نے دورانِ سفر بطور والنٹیرز اپنے آپ کو پیش کیا۔ یہ سب نوجوان اخلاص اور تن دہی سے اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے رہے۔ دفتر ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء[1]

فصل ششم

حضرت سیّدہ اُمِّ داؤدؓ کی وفات

اِس سال کا ایک المناک واقعہ حضرت سیّدہ اُمِّ داؤد (بیگم صاحبہ حضرت علامہ میر محمد اسحٰق صاحب)

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۶؍ستمبر ۱۹۵۳ء/۶؍تبوک ۱۳۳۲ہش صفحہ ۶،۳۔

کی وفات ہے۔ آپ کی کُنیت اُمّ داؤد اور اسم گرامی صالحہ خاتون تھا۔ آپ حضرت صوفی احمد جان صاحب لدھیانوی رضی اللہ عنہ کی پوتی اور حضرت پیر منظور محمد صاحب رضی اللہ عنہ مصنّفِ قاعدہ یسّرنا القرآن کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کو یہ خصوصیّت حاصل ہے کہ آپ کی شادی کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبل از وقت بذریعہ رؤیا بشارت دی گئی۔ یہ آسمانی بشارت اگلے ہی دن ۵ر فروری ۱۹۰۶ء کو پوری ہوگئی جبکہ حضرت مولانا نورالدین صاحب بھیروی رضی اللہ عنہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی موجودگی میں آپ کے نکاح کا اعلان کیا۔ یہ عید الاضحیہ کا دن تھا۔ اِس طرح یہ دن جماعت کے لئے دوہری خوشیوں کے لانے کا موجب بنا۔ چنانچہ اِس مبارک تقریب پر مدیر "الحکم" حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ عنہ نے حسبِ ذیل نوٹ شائع کیا:-

"عید میں عید"

۵ر فروری ۱۹۰۶ء کا مبارک دن ہمارے لئے دوہری خوشی کا موجب ہؤا ایک تو اس دن عید الضحٰی تھی ہی مگر اس عید میں عید ہوگئی یعنے میرے محترم ومخدوم زادہ جناب میر محمد اسحٰق صاحب خلف الرشید حضرت میر ناصر نواب صاحب کی شادی صاحبزادہ پیر منظور محمد صاحب کی دختر نیک اختر صالحہ خاتون سے قرار پائی اور اسی مبارک دن میں بعد نماز ظہر وعصر جو جمع کی گئی تھیں مسجد اقصٰی میں حضرت امام حجۃ الاسلام کے حضور نکاح پڑھا گیا۔ خطبہ نکاح حسب معمول حضرت حکیم الامۃ نے بڑے جوش اور اخلاص سے پڑھا۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب کے متعلق تو کچھ کہنے کی حاجت نہیں اِس لئے کہ کوئی احمدی شاذ ہی ایسا ہوگا جس کو یہ علم نہ ہو کہ میر صاحب قبلہ حضرت اُمّ المؤمنین علیہا السلام کے والد ماجد ہونے کا شرف رکھتے ہیں اور آپ کی سیادت اور نجابت پر اللہ تعالیٰ کی وحی نے شہادت دی ہے۔

علاوہ اس تعلق کے جو حضرت مسیح موعودؑ سے میر صاحب ممدوح کو ہے آپ جناب خواجہ میر درد صاحب علیہ الرحمۃ مشہور ولی اللہ کے نبیرہ ہیں۔ ایسا ہی صاحبزادہ پیر منظور محمد صاحب لودہانہ کے مشہور ومعروف سلسلہ نقشبندیہ کے پیشوا صوفی احمد جان صاحب مرحوم کے چھوٹے صاحبزادہ ہیں اور صالحہ خاتون ماں کی طرف سے اپنے جسم میں حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا خون رکھتی ہے۔ حضرت آدم بنوری مشہور اکابر سے گذرے ہیں جن کے

ل حضرت مجدّد الف ثانی رحؒ کے خلفاء میں آپؒ کا مقام بہت بلند ہے۔ پہلے شاہی لشکر میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خدام کا سلسلہ ہند و پنجاب سے نکل کر عرب تک پہنچا ہوا ہے ان تمام امور کو مدّ نظر رکھ کر یہ تعلق نہایت ہی مسعود اور مبارک تعلق ہے اور خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اسی دن بعد نکاح دفتر الحکم کی طرف سے حسبِ معمول مندرجہ ذیل تہنیت نامہ شائع کیا گیا جو گویا کُل قوم کی طرف سے مبارکباد تھی اور قوم کے نمائندہ نے پیش کی۔ حضرت صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اپنے ماموں میر محمد اسحٰق صاحب کی اس تقریب پر چند شعر بھی فی البدیہہ کہہ دیئے۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ملازم تھے لیکن ایک واقعہ سے متأثر ہو کر ملازمت ترک کر دی اور حضرت مجددؒ سے فیضیاب ہوئے اور پھر ایک عالَم کو سیراب کیا۔ کہتے ہیں کہ آپ کی خانقاہ میں ایک ہزار سے زیادہ طلباء جمع رہتے تھے جن کو کھانا آپ کے لنگر سے ملتا تھا۔ آپ کے خلفاء کی تعداد ایک سَو اور مُریدین کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے جن میں سے ایک بزرگ حافظ سیّد عبد اللہ اکبر آبادی تھے جن کے مُرید حضرت شاہ ولی اللہ کے والد اور چچا یعنی شیخ عبد الرحیم اور شیخ محمد رضا ہوئے جن سے خود حضرت شاہ صاحبؒ نے فیض حاصل کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے "انفاس العارفین" میں حضرت آدم بنوریؒ کے واقعات لکھے ہیں اور ان کی بہت تعریف کی ہے۔ آپ کے خلاف سعد اللہ خاں وزیر نے شاہجہان بادشاہ سے شکایت کی۔ بادشاہ نے آپ کو مکّہ معظمہ جانے کا حکم دیا۔ آپ کو پہلے ہی وہاں جانے کا شوق تھا چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے۔

روایت ہے کہ جب آپ مکّہ معظمہ تشریف لے گئے اور فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے تو مرقد اطہر سے دونوں دستِ مبارک ظاہر ہوئے اور حضرت ممدوح نے بہ ہزار شوق بڑھ کر مصافحہ کیا اور بوسہ دیا اور جب آپ نے مدینہ منورہ سے مراجعت کا قصد فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بشارت ہوئی کہ یا ولدی انت جواری۔

چنانچہ آپ نے وہیں قیام فرمایا اور ۱۰۵۲ھ میں وفات پائی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضۂ مبارک کے قریب مدفون ہوئے ("رودِ کوثر" از شیخ محمد اکرام ایم۔ اے صفحہ ۲۸۵ ـ ۲۸۷ اشاعت سوم ۱۹۵۸ء شائع کردہ فیروز سنز لاہور، و "صوفیائے نقشبند" از سیّد امین الدین صفحہ ۲۶۶ طبع اوّل ۱۹۷۳ء شائع کردہ مقبول اکیڈمی، لاہور)

[1] یہ اشعار "کلامِ محمود" میں شائع شدہ ہیں۔

"....عید کے دن سے پیشتر کسی کو وہم وگمان بھی نہ تھا کہ یہ تعلق ہوگا۔ نہ کوئی تحریک ہوئی نہ کچھ۔ حضرت اُمّ المؤمنین علیہا السلام نے ایک رؤیا میں اِس تعلق کو دیکھا۔ زاں بعد حضرت اقدس کو بھی رؤیا میں یہی معلوم ہوا جس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاحبزادہ منظور محمد صاحب کو تحریک کی جنہوں نے نہایت خوشی اور فخر کے ساتھ اسے منظور فرمایا۔"[1]

اِسی طرح حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے اپنے اخبار "بدر" میں لکھا کہ:۔

"آج عید کا دن۔ دو خوشیوں کا دن ہے۔ ایک عید کی خوشی اور دوسرے ہمارے دو پیاروں کے درمیان مبارک تعلق کی خوشی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آج رات رؤیا میں دیکھا تھا کہ میاں محمد اسحٰق پسر حضرت میر ناصر نواب صاحب اور صالحہ بی بنت صاحبزادہ منظور محمد کے باہمی تعلق نکاح کی طیاری ہو رہی ہے سو آج ہی یہ رؤیا پورا ہوا۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے ایک خاص جوش کے ساتھ بعد جمع نماز ظہر و عصر مسجد اقصیٰ میں جہاں خود حضرت امام بھی رونق افروز تھے خطبہ نکاح پڑھا اور جانبین پر خدا تعالیٰ کے فضلِ خاص کا ذکر کیا۔"[2]

حضرت سیدہ اُمّ داؤد صاحبہؓ کو عورتوں میں علمی اعتبار سے ایک منفرد مقام حاصل تھا۔ تفسیر قرآن مجید اور حدیث سے آپ کو غیر معمولی شغف تھا۔ احمدی مستورات کو ترجمہ قرآن پڑھانے اور اسلامی مسائل سکھانے میں آپ عمر بھر کوشاں رہیں۔ تحریر و تقریر میں نہایت بلند پایہ مقام رکھتی تھیں اور مختصر الفاظ میں وسیع مضمون بیان کر دینے کا آپ کو حق تعالیٰ نے خاص ملکہ بخشا تھا۔

دینی خدمت کے زبردست جذبہ سے سرشار تھیں۔ لجنہ اماء اللہ کی ۱۴ ابتدائی ممبرات میں سے آپکا نمبر ساتواں تھا۔[3] سالہا سال تک نائبہ صدر لجنہ کے عہدہ پر فائز رہیں اور اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے ادا کئے۔ ۱۹۲۲ء سے لے کر ۱۹۵۲ء تک مسلسل تیس برس جلسہ سالانہ کا شعبہ مہمان نوازی آپ کے پاس رہا۔ سالانہ جلسہ ۱۹۵۲ء/۱۳۳۱ ہش کے دوران میں جبکہ آپ کی بیماری شدت اختیار کر چکی تھی آپ نے ایک استفسار کے جواب میں تحریر فرمایا:۔

---

[1] ہفت روزہ "الحکم" قادیان ۱۰ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۱ ۔ [2] ہفت روزہ "بدر" قادیان ۹ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۳
[3] رسالہ "خاتون" قادیان فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۶ ۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کی خدمت کے لئے میری جان بھی حاضر ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ اپنی اِس بیماری میں مَیں مہمانوں کی کوئی خدمت سرانجام دے سکتی ہوں؟" [1]

تحریکِ جدید کے مالی جہاد میں آخر دم تک شامل رہیں اور صحابیہ اور موصیہ ہونے کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کشوف و رؤیا کی نعمتوں سے بھی نوازا تھا۔[2]

آپ شادی کے بعد قریباً نصف صدی تک زندہ رہیں۔ اِس عرصہ میں آپ نے سلسلہ احمدیہ کی جو شاندار خدمات سرانجام دیں وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فراست اور توجہ رُوحانی اور آپکی حقانیّت کا کُھلا اور واضح نشان ہے اور خدائی انتخاب کے صحیح ثابت ہونے کا واقعاتی ثبوت ہے۔

آپ کی وفات ۸ ستمبر ۱۹۵۳ء کو ہوئی۔ اِس موقع پر سلسلہ احمدیہ کے آرگن روزنامہ "المصلح" کراچی نے اپنی اشاعت ۱۰ ستمبر ۱۹۵۳ء کے صفحہ اوّل پر آپ کی وفات کی خبر دیتے ہوئے حسبِ ذیل نوٹ شائع کیا:۔

بیگم صاحبہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ .... ایک نہایت ہی قیمتی، خلق اللہ کے لئے نفع رساں اور خدمتِ دین کا درد رکھنے والی ہستی تھیں اور اِس خیال سے کہ احمدی مستورات کی دینی، علمی اور اخلاقی اصلاح اور ترقی کے لئے وہ اپنی تمام عمر نہایت نمایاں رنگ میں کوشاں رہیں ان کی ہم سے جدائی کوئی انفرادی حادثہ نہیں بلکہ بجا طور پر ایک قومی اور جماعتی نقصان ہے۔

ہم یہ کہنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ جماعت کے لئے درد، فکر اور خیر خواہی کے جذبات جس طرح حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دلِ صافی میں موجزن تھے اور جن کی بناء پر وہ اپنی وفات کے آخری لمحوں تک خدمتِ دین میں مصروف رہے اسی

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۱۰ تبوک ۱۳۳۲ ہش / ۱۰ ستمبر ۱۹۵۳ء صـ۳۔

[2] مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو (۱) "تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد دوم صـ۳۵۲ تا صـ۳۵۹ (مرتبہ امۃ اللطیف صاحبہ سیکرٹری شعبہ اشاعت لجنہ اماء اللہ مرکزیہ زیرِ نگرانی حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ) اشاعت جنوری ۱۹۷۲ء (۲) "سیرتِ داؤد" صـ۱۱ (مرتبہ طلباء جامعہ احمدیہ) ناشر الجمعیۃ العلمیہ بالجامعۃ الاحمدیہ ربوہ۔ مارچ ۱۹۷۴ء۔

رنگ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی رنگین فرمایا تھا جہاں وہ اپنے جلیل القدر شوہر کی زندگی میں ان کے شانہ بشانہ خدمتِ دین، خلق اللہ کی فلاح، یتامیٰ اور مساکین کی نگہداشت اور غرباء کی امداد کے لئے مصروف رہیں۔ ان کی وفات کے بعد بھی انہوں نے اسی جذبہ کے ساتھ اس عظیم الشان مشن کو جاری رکھا اور اپنے علم و عمل سے جماعت کی مستورات کے لئے اپنے آپ کو نہایت ہی مفید وجود ثابت کیا۔

جلسہ سالانہ پر ہر سال عورتوں کے طعام و قیام کا انتظام آپ ہی کی نگرانی میں ہوتا تھا اور جس طرح حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ مردوں کے لئے تمام انتظامات حُسن و خوبی سے فرماتے تھے بالکل یہی انداز یہاں تھا اور ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح ہر سال ہمیں جلسہ سالانہ پر حضرت میر صاحب یاد آجایا کرتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی اب انہیں فراموش نہ کر سکیں گی۔

علم و فضل کے اعتبار سے بھی ان کا مقام بہت بلند تھا۔ حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ پایا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ان کو تعلیم دی تھی اور پھر حضرت میر صاحب نے اپنی زندگی میں جس طرح ان کی تربیت اور تعلیم کا انتظام فرمایا اس سے تو یہ جوہرِ قابل اور بھی چمک اُٹھا تھا۔ احمدی عورتوں میں تعلیمی ترقی کے شوق کو بڑھانے کے لئے انہوں نے بطور اُسوہ جب معمولی محنت کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی سے "مولوی" کا امتحان دیا تو آپ یونیورسٹی بھر میں اوّل رہی تھیں۔ حدیث اور قرآنِ مجید اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کا جو علم آپ کو تھا وہ عورتوں کو تو کیا مردوں میں سے بھی بہت تھوڑوں کو حاصل ہے۔ کئی بار آپ نے عورتوں کے سالانہ جلسوں کی صدارت فرمائی۔ کئی بار عورتوں میں حضرت میر صاحبؓ کی طرح قرآن مجید اور احادیث کا درس دیا۔ تقریر اور تحریر کے ذریعہ عورتوں کی بیداری کے سامان پیدا کئے۔ جماعت کے سینکڑوں نادار بچوں کے ساتھ ماؤں سے بڑھ کر سلوک کیا اور پھر سالہا سال سے لجنہ اماء اللہ کی نائب صدر ہونے کی حیثیت سے احمدی عورتوں کی تنظیم میں بھی آپ نے نمایاں کام کر کے دکھایا۔ [1]

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۰ / تبوک ۱۳۳۲ ہش / ستمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۔

محترمہ امۃ اللہ خورشید صاحبہ مدیرہ ماہنامہ "مصباح" ربوہ نے اپنے اداریہ خصوصی میں لکھا:۔

"تمام احمدی بہنوں کو نہایت افسوس کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ مورخہ ۸/۹/۵۴ کو دس بجے رتن باغ لاہور میں حضرت سیدہ اُمِّ داؤد احمد صاحبہ بیگم حضرت میر محمد اسحٰق صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ ایک طویل اور تکلیف دہ علالت کے بعد اپنے مولائے حقیقی سے جا ملیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت سیدہ ایک لمبے عرصہ سے بیمار چلی آرہی تھیں۔ بالآخر آپ کے گلے کی نالی بند ہوگئی اور معدہ میں خوراک جانا رُک گئی۔ پھر معدہ میں خوراک نلکی کے ذریعہ پہنچائی جاتی رہی لیکن آپکی طبیعت دن بدن گرتی ہی گئی اور آخر اِس صدمۂ جانکاہ پر منتج ہوئی۔ حضرت سیدہ مرحومہ صالحہ، قانتہ اور مخلصہ مومنہ تھیں۔ خالص دینی رُوح رکھتی تھیں۔ آپ کو ہر قدم پر اللہ اور اس کے رسول ؐ کی رضا مقدم ہوتی۔ اپنا ہر لمحہ خدمتِ دین کے لئے وقف سمجھتیں۔ آپ ہی کی رُوحانی تربیت کا نتیجہ ہے کہ آپ کے تینوں صاحبزادے دینی اور دنیوی اعلیٰ ڈگریوں کے ساتھ جامعۃ المبشرین کے فارغ التحصیل شاہد ہیں اور مستقبل قریب میں مفوضہ دینی خدمات بجالانے کے لئے مختلف ممالک میں جانے کے لئے تیار رہیں۔

آپ لجنہ اماء اللہ کی رُوحِ رواں تھیں چنانچہ مدت سے لجنہ کی نائب صدر چلی آرہی تھیں مصباح کی آپ بہت ہی مہربان سرپرست واقع ہوئی تھیں جب تک زندہ رہیں ادارہ کی بہت سی مشکلات میں ہاتھ بٹاتی رہیں لیکن افسوس اب ہم اس قیمتی وجود کے ہمدردانہ اور مشفقانہ سلوک سے کُلّیۃً محروم ہوگئی ہیں۔ اے خدا! ہماری تیری بارگاہ میں نہایت ہی عاجزانہ اِلتجا ہے کہ حضرت سیّدہ کے مراتب میں بلندی عطا فرما اور آپ کو جنّت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین!

مرحومہ موصوفہ کی نعش اسی دن رات کے آٹھ بجے ربوہ لائی گئی۔ دوسرے دن مورخہ ۹/۹/۵۴ کو آٹھ بجے صبح حضرت اقدس امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے باوجود علالتِ طبع کے مسجد مبارک کے غربی جانب ایک جمِّ غفیر سمیت نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ۸½ بجے حضرت سیّدہ کے تابوت کو بہشتی مقبرہ کے احاطہ خاص میں قبر میں اُتار اگیا اور ۹ بجے آپ کی قبر پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے نے حاضرین سمیت دعا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھَا وَارْحَمْھَا

وَاجْعَلْ مَثْوٰىهَا فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ "۔ ؎

فصل ہفتم

سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ مرکزیہ سے حضرت مصلح موعودؓ کا خطاب

۲۳-۲۴-۲۵ ؍اخاء ۱۳۳۲ ہش / اکتوبر ۱۹۵۳ء کو ربوہ میں مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا تیرھواں سالانہ اجتماع منعقد ہوا۔ اِس اجتماع میں سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۴ ؍اور ۲۵ ؍اخاء کو بیش بہا نصائح پر مشتمل دو اہم تقاریر فرمائیں۔

پہلی تقریر (مورخہ ۲۴ ؍اخاء ۱۳۳۲ ہش / اکتوبر ۱۹۵۳ء)

حضور نے پہلی تقریر میں ابتداءً خدام الاحمدیہ کو اعداد و شمار کا تفصیلی ریکارڈ رکھنے کی تاکید کی پھر ارشاد فرمایا :۔

"میں نے شروع میں بتایا تھا کہ مجلس خدام الاحمدیہ کو قائم کرنے کی غرض ہی یہی تھی کہ نوجوان دین میں ترقی کریں اور اِس قابل ہو جائیں کہ انہیں عزت دی جائے مگر گذشتہ حالات سے خدام الاحمدیہ نے کوئی زیادہ فائدہ نہیں اُٹھایا۔ تمہاری غلطیوں کی وجہ سے یا ہماری غلطیوں

؎ ماہنامہ "مصباح" ربوہ ستمبر ۱۹۵۳ء / تبوک ۱۳۳۲ ہش صفحہ ۲

آپ کی وفات پر شائع ہونے والے دیگر مضامین :۔ (۱) "المصلح" ۱۱ ستمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳ (میاں عبدالمنان صاحب عمر ایم۔اے)۔ (۲) "المصلح" ۱۳ ستمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳ (محترمہ امۃ اللطیف صاحبہ اہلیہ شیخ خورشید احمد صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر)۔ (۳) "المصلح" ۲۲ ستمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳ (ملک نذیر احمد صاحب ریاض حال راولپنڈی)۔ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے ۸ ستمبر ۱۹۵۳ء کو قادیان میں بعد نماز عصر حضرت ممانی جان رضی اللہ عنہا کے مقام، مناقب اور کارناموں پر نہایت رقت آمیز تقریر کی جس کا خلاصہ روزنامہ "المصلح" کراچی ۲۰ ستمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۵ میں شائع ہوا۔

کی وجہ سے بعض ایسی دیواریں قائم ہوگئی ہیں کہ اب سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی انہیں توڑ نہیں سکتا تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ ہم تدبیر سے انہیں توڑ لیں گے تو یہ غلط ہے خدا تعالیٰ ہی انہیں توڑے تو توڑے اور اس کی یہی صورت ہے کہ تم دعائیں کرو اور ذکرِ الٰہی کرو یہی ذرائع ہیں جن سے یہ دیواریں ٹوٹ سکتی ہیں اور کامیابی ہوسکتی ہے لیکن افسوس ہے کہ میرے پاس رپورٹیں آرہی ہیں کہ نوجوانوں میں نماز اور دعا کی اتنی عادت نہیں رہی جتنی پُرانے لوگوں میں تھی اور یہ نہایت خطرناک بات ہے تمہارے لئے تو پُرانے لوگوں سے زیادہ فتنے ہیں اِس لئے پہلوں کے مقابلہ میں تمہارے سامنے بہت زیادہ مشکلات ہیں اور ان کو دُور کرنا اور ان کا مقابلہ کرنا تمہارے بس اور قابو میں نہیں اس کا مقابلہ تو وہی کرے گا جو خدا تعالیٰ تک پہنچ سکے اور جب خدا تعالیٰ کسی بات میں دخل دیتا ہے تو وہ آپ ہی آپ حل ہو جاتی ہے۔ پس اگر تم نے موجودہ مشکلات کا مقابلہ کرنا ہے تو تمہیں اپنے اندر اصلاح پیدا کرنی چاہیئے مَیں نے پہلے بھی جماعت کو توجہ دلائی ہے اور اب پھر توجہ دلاتا ہوں کہ تمہاری غرض نعرے اور رکبڈیاں نہیں نعرے اور رکبڈیاں بالکل بیکار ہیں یہ نعرے اور کبڈیاں تو بالکل ایسے ہی ہیں جیسے کوئی شخص کپڑے پہنے تو ان پر فیتے سے اپنا نام بھی لکھوالے یہ بیکار چیزیں ہیں۔ تم نمازوں اور دعاؤں میں ترقی کرو اور نہ صرف خود ترقی کرو بلکہ ہر شخص اپنے ہمسایہ کو دیکھے اور اس کی نگرانی کرے تاکہ ساری جماعت اس کام میں لگ جائے۔ تم حسد کی عادت پیدا نہ کرو بلکہ آپس میں تعاون کی رُوح پیدا کرو۔ خدام الاحمدیہ کی تنظیم تمہارے لئے ٹریننگ کے طور پر ہے تاکہ جب تمہیں خدمت کا موقعہ ملے تو تم میں اتنی قابلیت ہو کہ تم امیر بن جاؤ یا سیکرٹری بن جاؤ اِس لئے تمہیں جماعت کے عہدیداروں سے بجائے ٹکراؤ کے تعاون سے کام لینا چاہیئے ..... تم اپنی ذکرِ الٰہی کی عادت اور اخلاص اور نمازوں کو درست کرو جب یہ چیزیں درست ہو جائیں گی تو خود بخود لوگ تمہیں آگے لے آئیں گے اور یہ شکوے سب ختم ہو جائیں گے۔

تم اپنے اندر نماز کی پابندی کی عادت پیدا کرو اور جھوٹ سے بکلّی پرہیز کرو جھوٹ ایسی چیز ہے کہ اگر انسان اس کو چھوڑ دے تو اس کی دھاک بیٹھ جاتی ہے۔ جھوٹ کو انسان سب سے زیادہ چھپاتا ہے لیکن سب سے زیادہ وہی ظاہر ہوتا ہے۔ جھوٹ ایک ایسی بدی ہے کہ عام لوگ

اس کو جلدی سمجھ لیتے ہیں اور اگر انہیں دوسرے کو جھوٹا کہنے کی جرأت نہ ہو تو وہ کم از کم اپنے دلوں میں یہ بات ضرور لے جاتے ہیں کہ فلاں شخص جھوٹا ہے اور سچ ایک ایسی نیکی ہے کہ منہ پر کوئی شخص سچے انسان کو سچا کہے نہ کہے وہ اپنے دل پر یہ اثر لے کر جاتا ہے کہ فلاں شخص سچا اور راستباز ہے۔ اگر خدام الاحمدیہ یہ کام کرلیں کہ ان کے اندر سچائی کا جذبہ پیدا ہو جائے تو ان کی اخلاقی برتری ثابت ہو جائے گی اور کسی شخص کو ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوگی ہر شخص یہی سمجھے گا کہ انہیں ذلیل کرنا سچے کو ذلیل کرنا ہے اور کوئی قوم یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ سچ کو ذلیل کیا جائے۔

پھر محنت کی عادت ہے۔ دنیا میں تمام ترقیات محنت سے ملتی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ احمدیوں کو رعایتاً عہدے مل جاتے ہیں اگر تم کام میں سست ہوگے تو کہنے والوں کو اِس بات کا یقین ہو جائے گا اور وہ سمجھیں گے کہ انہیں عہدے محض رعایت کی وجہ سے ملتے ہیں ورنہ ان میں کام کرنے کی قابلیت موجود نہیں۔ لیکن اگر وہ دیکھیں کہ احمدی جان مار کر کام کرتے ہیں اور حکومت اور ملک کو اتنا فائدہ پہنچاتے ہیں جتنا فائدہ دوسرے لوگ نہیں پہنچاتے تو ہر ایک شخص کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ کہنا کہ احمدیوں کو عہدے رعایتاً دے دیئے جاتے ہیں غلط ہے۔ ہم اِس اعتراض کا یہی جواب دیتے ہیں کہ تم وہ آدمی لاؤ جس کو بطور رعایت کوئی عہدہ ملا ہو۔

فرض کرو کوئی احمدی دیانت سے کام کر رہا ہے وہ ملک اور قوم کی خیر خواہی کر رہا ہے اور اس کا طریقِ عمل اور اس کی مثل اور اس کے کاغذات اِس بات کی شہادت پیش کرتے ہیں کہ وہ اپنے ہم جلیسوں، ہم عمروں اور ہم عہدوں میں سب سے بہتر کام کرنے والا ہے اور مخالف اس کا نام لے کر کہے کہ فلاں کو عہدہ بطور رعایت ملا ہے تو اس کا ریکارڈ اِس اعتراض کو دُور کر دے گا لیکن اگر تمہارے کام کا ریکارڈ اچھا نہیں اور معترض تمہارا نام لے تو ہمارے لئے اِس اعتراض کا جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔

پس تم اپنے اندر محنت اور دیانتداری پیدا کرو تا کہ تم پر کوئی اعتراض ہی نہ کرسکے کہ تمہیں رعایتی ترقی دی گئی ہے بلکہ مَیں تو یہاں تک کہوں گا کہ اگر تم میں سے کسی کو یہ نظر آتا ہو

کہ اسے رعایت سے ترقی دی گئی ہے تو وہ اس عہدے سے استعفیٰ دے دے کیونکہ اس سے زیادہ شرمناک بات اَور کوئی نہیں ہوسکتی کہ انسان کسی اَور کی سفارش سے ترقی حاصل کرلے۔

شیخ سعدیؒ نے کہا ہے ؎

حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابراست ؛ رفتن بپائے مروئی ہمسایہ در بہشت

خدا کی قسم ایسی جنّت دوزخ کے برابر ہے جس میں انسان کسی ہمسایہ کی سفارش سے داخل ہؤا ہو۔ اگر کسی شخص میں اس کام کی اہلیّت نہیں پائی جاتی جو اس کے سپرد کیا گیا ہے تو اسے سمجھ لینا چاہئیے کہ اس عہدہ کے لئے اس کی سفارش رعایتی طور پر کی گئی ہے اور اس کا فرض ہے کہ اگر اس کے اندر غیرت پائی جاتی ہو تو وہ استعفیٰ دے کر الگ ہوجائے۔ پس تم اپنی عقل، محنت اور قربانی سے یہ بات ثابت کر دو کہ تم اپنے افسران، ہم جلیسوں اور ہم عمروں سے بہتر ہو اگر تم اس مقام کو حاصل کرلو تو لازمی طور پر تم اِس الزام سے بچ جاؤگے کہ تمہیں کسی رعایت کی وجہ سے ترقی دی گئی ہے۔ مَیں کراچی گیا تو مجھے بتایا گیا کہ ایک احمدی کے متعلق لکھا گیا کہ اسے ملازمت سے برطرف کر دیا جائے کیونکہ وہ نااہل ثابت ہؤا ہے لیکن حکومت نے بعض انصاف کے قواعد بھی بنائے ہوئے ہیں تاکہ لوگ ایک دوسرے پر ظلم نہ کریں ان میں سے ایک قانون یہ بھی ہے کہ جب کوئی آفیسر اپنے ماتحت کے متعلق اِس قسم کے ریمارک کرے تو اس کارکن کو اس محکمہ سے تبدیل کرکے کسی دوسری جگہ مقرر کیا جائے اور اگر وہاں بھی اس کا افسر اسی قسم کے ریمارکس کرے تو اسے نکال دیا جائے چنانچہ اس احمدی کے متعلق جب افسر نے یہ سفارش کی کہ اسے نکال دیا جائے یہ نااہل ہے تو حکومت نے اسے ایک اَور محکمہ میں بھیج دیا۔ یہ ایک مرکزی ادارہ تھا ۶ ماہ یا سال کے بعد جب یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ اس کے متعلق کیا کیا جائے تو اتفاقی طور پر اس کی تبدیلی کے احکام بھی جاری ہوگئے اس پر ادارے نے لکھا کہ اِس کے بغیر ہمارا کام نہیں چل سکتا اسے تبدیل نہ کیا جائے۔ اعلیٰ آفیسروں نے لکھا یہ عجیب بات ہے کہ اس کا ایک آفیسر تو کہتا ہے کہ یہ نااہل ہے اِسے ملازمت سے برطرف کر دیا جائے اور دوسرا آفیسر کہہ رہا ہے کہ اسی نے آکر ہمارا کام سنبھالا ہے بہرحال چونکہ ہم نے فیصلہ کرنا ہے کہ یہ شخص اہل ہے یا نااہل اِس لئے اِس کی تبدیلی کے احکام رُک نہیں

سکتے چنانچہ اسے وہاں سے تبدیل کر دیا گیا اور کچھ عرصہ کے بعد اس تیسرے آفیسر سے اس کے متعلق رپورٹ طلب کی گئی اُس نے لکھا کہ مَیں نے اپنی پاکستان کی پانچ سالہ سروس میں اس قابلیت اور ذہانت کا آدمی نہیں دیکھا۔ چنانچہ اعلیٰ افسروں نے پہلے افسر کے ریمارک بدلے اور کہا کہ یہ شخص ترقی دئے جانے کے قابل ہے۔ غرض یہ بالکل غلط ہے کہ احمدیوں کو رعایتی طور پر عہدے دئے جاتے ہیں لیکن اگر تمہیں کسی نے اہل سمجھ کر بھرتی کر لیا ہے اور وہ بھرتی کرنے والا احمدی ہے یا غیر احمدی۔ اور اس پر الزام لگ رہا ہو کہ اس نے تمہاری ناجائز حمایت کی ہے تو کیا تم میں اِتنی غیرت بھی نہیں کہ اس نے تم پر جو احسان کیا ہے تم اس کا بدلہ اُتارو اور اس کی عزت کو بچاؤ۔ اِس کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ تم ملک اور قوم کی اتنی خدمت کرو اتنی قربانی اور ایثار کرو کہ ہر ایک شخص یہی کہے کہ تم سے کوئی رعایت نہیں کی گئی بلکہ سفارش کرنے والے نے تمہاری سفارش کر کے اپنی دانائی کا ثبوت دیا ہے کیونکہ اس نے اس شخص کو چُنا ہے جس کے سوا اور کوئی مستحق ہی نہیں تھا۔ پھر مَیں کہوں گا کہ اگر تم خدمتِ خلق کرتے ہو تو تمہیں اس کے مفید طریق اختیار کرنے چاہئیں مَیں نے کراچی کی رپورٹ سُنی ہے وہ نہایت معقول رپورٹ تھی۔ میرے نزدیک وہ رپورٹ تمام مجالس تک پہنچانی چاہیئے تاکہ وہ اس سے سبق حاصل کریں۔ یہاں رپورٹوں میں عام طور پر یہ درج ہوتا ہے کہ اتنے لوگوں کو رستہ بتایا گیا حالانکہ یہ نہایت ادنیٰ اور معمولی نیکی ہے اور ایسی ہی بات ہے جیسے کہتے ہیں کہ کسی نے اپنی ماں کو پنکھا جھلنے پر ایک ریچھ کو مقرر کیا۔ اس کی ماں بیمار تھی۔ مریضہ پر ایک مکھی بیٹھ گئی ریچھ نے ایک پتھر اُٹھا کر اس مکھی پر دے مارا جس سے وہ مکھی تو شاید نہ مری لیکن اس کی ماں مر گئی۔

یہ کوئی خدمت نہیں ہے جسے بڑے فخر کے ساتھ خدمتِ خلق کا کام قرار دیا جاتا ہے تم وہ کام کرو جو ٹھوس اور نتیجہ خیز ہو اور اس کے لئے خدام الاحمدیہ کراچی کی رپورٹ بہترین رپورٹ ہے جو تمام مجالس میں پھیلانی چاہیئے تا انہیں معلوم ہو کہ انہوں نے کس طرح خدمتِ خلق کا فریضہ سرانجام دیا۔ مَیں تمہیں اس کا چھوٹا سا طریق بتاتا ہوں اگر تم میں جوش پایا جاتا ہے کہ تم ملک اور قوم کے مفید وجود بنو تو تم اس پر عمل کرو۔ اِس وقت جو خدام حاضر ہیں ان میں سے جو لوگ تجارت کا کام کرتے ہیں وہ کھڑے ہو جائیں (حضور کے اِس ارشاد پر چالیس[۴۰] خدام

کھڑے ہوئے۔ پھر فرمایا) جو خدام صنعت و حرفت کا کام کرتے ہیں وہ کھڑے ہو جائیں (حضور کے اِس ارشاد پر انچاس[۴۹] خدام کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا) وہ ذریعہ جو میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ تم ارادہ اور عزم کر لو کہ تم میں سے ہر ایک نے اِس سال کسی ایک شخص کو تجارت پر لگانا ہے.... مرکزی ادارہ کو چاہیئے کہ وہ اِن خدام کے نام لکھ لے اگلے سال اِن سے پُوچھا جائے گا کہ انہوں نے اِس ہدایت پر کس حد تک عمل کیا ہے۔ اگر تم اِس کام کو شروع کر دو تو دُو چار سال میں تم دیکھو گے کہ اِس طریق پر عمل کر کے تم مذہب، ملک اور قوم کے لئے نہایت مفید ثابت ہو سکو گے۔ مگر یاد رکھو تم یہ سوچنے میں نہ لگ جانا کہ جس کو کام پر لگایا جائے وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو۔ چاہے وہ غیر ہی ہو تم نے بہر حال اسے کام سکھانا ہے۔ دوسرے یہ بھی یاد رکھو کہ بعد میں کسی صلہ کی اُمّید نہ رکھنا۔ احسان کرنے کے بعد اس کے صلہ کی امید رکھنا قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے۔"[۱]

دوسری تقریر (مورخہ ۵ ؍اخاء ۱۳۳۲ ہش / اکتوبر ۱۹۵۳ء)

عین اجتماع کے ایام میں حضرت مصلح موعود پر عالَمِ رؤیا میں مسلم قوم کے اصل فلسفۂ زوال کا انکشاف ہُوا اور بتایا گیا کہ مسلمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صرف ۳۳ برس کے بعد ہی خلافت کے بابرکت آسمانی نظام سے کیوں محروم ہو گئے؟ حضور نے اِس رؤیا کی بناء پر اپنی دوسری تقریر میں نوجوانانِ احمدیت کو توجہ دلائی کہ انہیں ہمیشہ یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ آئندہ ایسے حالات کبھی پیدا نہ ہوں جن کی بناء پر قبل ازیں اُمّتِ مُسلمہ سے خلافت جیسی عظیم نعمت چِھن گئی۔ حضور نے اِس مُہتم بالشّان تقریر میں خاص طور پر اِس نکتہ پر زور دیا کہ افراد مر سکتے ہیں لیکن قومیں اگر چاہیں تو خلافت کے قیام و استحکام کے ذریعہ سے ہمیشہ زندہ رہ سکتی ہیں چنانچہ فرمایا:۔

"انسان دُنیا میں پیدا بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ کوئی انسان ایسا نہیں ہُوا جو ہمیشہ زندہ رہا ہو لیکن قومیں اگر چاہیں تو وہ ہمیشہ زندہ رہ سکتی ہیں۔ یہی امید دلانے کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ:۔

---

[۱] روزنامہ "الفضل" مورخہ ۱۸ ؍اخاء ۱۳۴۰ ہش / ۱۸ ؍اکتوبر ۱۹۶۱ء صـ۳

"مَیں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔" (یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۶، ۱۷)

اِس میں حضرت مسیح علیہ السلام نے لوگوں کو اسی نکتہ کی طرف توجہ دلائی تھی کہ چونکہ ہر انسان کے لئے موت مقدر ہے اِس لئے مَیں بھی تم سے ایک دن جُدا ہو جاؤں گا لیکن اگر تم چاہو تو تم ابد تک زندہ رہ سکتے ہو۔ انسان اگر چاہے بھی تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا لیکن قومیں اگر چاہیں تو زندہ رہ سکتی ہیں اور اگر وہ زندہ نہ رہنا چاہیں تو مَر جاتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا کہ :-

"تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک مَیں نہ جاؤں لیکن مَیں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔"[1]

اِس جگہ ہمیشہ کے یہی معنے ہیں کہ جب تک تم چاہو گے تم زندہ رہ سکو گے لیکن اگر تم سارے مل کر بھی چاہتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ رہتے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتے تھے ہاں اگر تم یہ چاہو کہ قدرتِ ثانیہ تم میں زندہ رہے تو وہ زندہ رہ سکتی ہے۔ قدرتِ ثانیہ کے دو مظاہر ہیں اوّل تائیدِ الٰہی اور دوم خلافت۔ اور اگر قوم چاہے اور اپنے آپ کو مستحق بنائے تو تائیدِ الٰہی بھی اس کے شاملِ حال رہ سکتی ہے اور خلافت بھی اس میں زندہ رہ سکتی ہے۔ خرابیاں ہمیشہ ذہنیت کے خراب ہونے سے پیدا ہوتی ہیں ذہنیت درست رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کسی قوم کو چھوڑ دے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ[2] یعنی اللہ تعالیٰ کبھی کسی قوم کے ساتھ اپنے سلوک میں تبدیلی نہیں کرتا جب تک وہ خود اپنے دلوں میں خرابی نہ پیدا کر لے۔ یہ چیز ایسی ہے جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ مَیں اِس بات کو نہیں سمجھ سکتا۔ کوئی جاہل

---

[1] "الوصیّت" طبع اوّل صفحہ ۶

[2] سورہ رعد : ۱۲

سے جاہل انسان بھی ایسا نہیں ہوگا جسے مَیں یہ بتاؤں اور وہ کہے کہ مَیں اسے نہیں سمجھ سکا یا اگر ایک دفعہ سمجھانے پر نہ سمجھ سکے تو دوبارہ سمجھانے پر بھی وہ کہے کہ مَیں نہیں سمجھا لیکن اتنی سادہ سی بات بھی قومیں فراموش کر دیتی ہیں۔ انسان کا مرنا تو ضروری ہے۔ اگر وہ مر جائے تو اس پر کوئی الزام نہیں آتا لیکن قوم کے لئے مرنا ضروری نہیں قومیں اگر چاہیں تو زندہ رہ سکتی ہیں لیکن وہ اپنی ہلاکت کے سامان خود پیدا کر لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ صحابہؓ کو ایسی تعلیم دی تھی جس پر اگر ان کی آئندہ نسلیں عمل کرتیں تو ہمیشہ زندہ رہتیں لیکن قوم نے عمل چھوڑ دیا اور وہ مر گئی۔ دُنیا یہ سوال کرتی ہے اور میرے سامنے بھی یہ سوال کئی دفعہ آیا ہے کہ باوجود اس کے کہ خدا تعالیٰ نے صحابہؓ کو ایسی اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی تھی جس میں ہر قسم کی سوشل تکالیف اور مشکلات کا علاج تھا اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا تھا پھر وہ تعلیم گئی کہاں اور تینتیس سال ہی میں وہ کیوں ختم ہوگئی؟ عیسائیوں کے پاس مسلمانوں سے کم درجہ کی خلافت تھی لیکن ان میں اب تک پوپ چلا آرہا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عیسائیوں میں پوپ کے باغی بھی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی اکثریت ایسی ہے جو پوپ کو مانتی ہے اور انہوں نے اس نظام سے فائدے بھی اُٹھائے ہیں لیکن مسلمانوں میں تینتیس سال تک خلافت رہی اور پھر ختم ہوگئی۔ اسلام کا سوشل نظام تینتیس سال تک قائم رہا اور پھر ختم ہوگیا۔ نہ جمہوریت باقی رہی نہ غرباء پروری رہی نہ لوگوں کی تعلیم اور غذا اور لباس اور مکان کی ضروریات کا کوئی احساس رہا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ساری باتیں کیوں ختم ہوگئیں؟ اس کی یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کی ذہنیت خراب ہوگئی تھی اگر ان کی ذہنیت درست رہتی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ یہ نعمت انکے ہاتھ سے چلی جاتی۔ پس تم خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرو اور ہمیشہ اپنے آپ کو خلافت سے وابستہ رکھو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو خلافت تم میں ہمیشہ رہے گی۔ خلافت تمہارے ہاتھ میں خدا تعالیٰ نے دی ہی اس لئے ہے تا وہ کہہ سکے کہ مَیں نے اِسے تمہارے ہاتھ میں دیا تھا اگر تم چاہتے تو یہ چیز ہمیشہ تم میں قائم رہتی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے الہامی طور پر بھی قائم رکھ سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اُس نے یہ کہا کہ اگر تم لوگ خلافت کو قائم رکھنا

چاہو گے تو مَیں بھی اسے قائم رکھوں گا گویا اس نے تمہارے مُنہ سے کہلوانا ہے کہ تم خلافت چاہتے ہو یا نہیں چاہتے۔ اب اگر تم اپنا مُنہ بند کر لو یا خلافت کے انتخاب میں اہلیت مدِنظر نہ رکھو۔ مثلاً تم ایسے شخص کو خلافت کے لئے منتخب کر لو جو خلافت کے قابل نہیں تو تم یقیناً اس نعمت کو کھو بیٹھو گے۔ مجھے اِس طرف زیادہ تحریک اِس وجہ سے ہوئی کہ آج رات دُو بجے کے قریب مَیں نے ایک رؤیا میں دیکھا کہ پنسل کے لکھے ہوئے کچھ نوٹ ہیں جو کسی مصنف یا مورخ کے ہیں اور انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں۔ پنسل بھی COPYING یا BLUE رنگ کی ہے۔ نوٹ صاف طور پر نہیں پڑھے جاتے اور جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نوٹوں میں یہ بحث کی گئی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمان اتنی جلدی کیوں خراب ہو گئے؟ باوجود اِس کے کہ خدا تعالیٰ کے عظیم الشّان احسانات ان پر تھے۔ اعلیٰ تمدّن اور بہترین اقتصادی تعلیم انہیں دی گئی تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل کر کے بھی دکھا دیا تھا پھر بھی وہ گِر گئے اور ان کی حالت خراب ہو گئی۔ یہ نوٹ انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جو انگریزی لکھی ہوئی تھی وہ بائیں طرف سے دائیں طرف کو نہیں لکھی ہوئی تھی بلکہ دائیں طرف سے بائیں طرف کو لکھی ہوئی تھی لیکن پھر بھی مَیں اسے پڑھ رہا تھا گو وہ خراب سی لکھی ہوئی تھی اور الفاظ واضح نہیں تھے بہرحال کچھ نہ کچھ پڑھ لیتا تھا۔ اس میں سے ایک فقرہ کے الفاظ قریباً یہ تھے کہ

THERE WERE TWO REASONS FOR IT.

THERE TEMPERAMENT BECOMING (1) MORBID

AND (2) ANARCHICAL.

یہ فقرہ بتا رہا ہے کہ مسلمانوں پر کیوں تباہی آئی؟ اِس فقرہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ خرابی جو مسلمانوں میں پیدا ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی طبائع میں دُو قسم کی خرابیاں ہو گئی تھیں ایک یہ کہ وہ مار بِڈ (MORBID) ہو گئے تھے یعنی اَن نیچرل (UN NATURAL) اور ناخوشگوار ہو گئے تھے اور دوسرے ان کی ٹینڈنسیز (TENDENCIES) انارکیکل (ANARCHICAL) ہو گئی تھیں۔ مَیں نے سوچا کہ واقعہ میں یہ دونوں باتیں صحیح ہیں مسلمانوں

نے یہ تباہی خود اپنے ہاتھوں مول لی تھی۔ مار بڈ (MORBID) کے لحاظ سے یہ تباہی اِس لئے واقع ہوئی کہ جو ترقیات انہیں ملیں وہ اسلام کی خاطر ملی تھیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملی تھیں، ان کی ذاتی کمائی نہیں تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ میں پیدا ہوئے اور مکّہ والوں کی ایسی حالت تھی کہ لوگوں میں انہیں کوئی عزّت حاصل نہیں تھی لوگ صرف مجاور سمجھ کر ادب کیا کرتے تھے اور جب وہ غیر قوموں میں جاتے تھے تو وہ بھی ان کی مجاوریا زیادہ سے زیادہ تاجر سمجھ کر عزّت کرتی تھیں وہ انہیں کوئی حکومت قرار نہیں دیتی تھیں اور پھر ان کی حیثیت اتنی کم سمجھی جاتی تھی کہ دوسری حکومتیں ان سے جبراً ٹیکس وصول کرنا جائز سمجھتی تھیں۔ جیسے یمن کے بادشاہ نے مکّہ پر حملہ کیا جس کا قرآن کریم نے اصحابِ فیل کے نام سے ذکر کیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو تیرہ سال تک آپ مکّہ میں رہے اس عرصہ میں چند سَو آدمی آپؐ پر ایمان لائے۔ تیرہ سال کے بعد آپؐ نے ہجرت کی اور ہجرت کے آٹھویں سال سارا عرب ایک نظام کے ماتحت آگیا اور اس کے بعد اسے ایسی طاقت اور قوت حاصل ہوگئی کہ اس سے بڑی سے بڑی حکومتیں ڈرنے لگیں۔ اس وقت دُنیا حکومت کے لحاظ سے دو بڑے حصّوں میں منقسم تھی اوّل رومی سلطنت دوم ایرانی سلطنت۔ رومی سلطنت کے ماتحت مشرقی یوروپ، ٹرکی، ایبے سینیا، یونان، مصر، شام اور اناطولیہ تھا اور ایرانی سلطنت کے ماتحت عراق، ایران، رشین ٹری ٹوری کے بہت سے علاقے، افغانستان، ہندوستان کے بعض علاقے اور چین کے بعض علاقے تھے۔ اس وقت یہی دو بڑی حکومتیں تھیں۔ ان کے سامنے عرب کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی لیکن ہجرت کے آٹھویں سال بعد سارا عرب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوگیا۔ اس کے بعد جب سرحدوں پر عیسائی قبائل نے شرارت کی تو پہلے آپؐ خود وہاں تشریف لے گئے اِس کی وجہ سے کچھ دیر کے لئے فتنہ ٹل گیا لیکن تھوڑے عرصہ بعد قبائل نے پھر شرارت شروع کی تو آپؐ نے ان کی سرکوبی کے لئے لشکر بھجوایا۔ اس لشکر نے بہت سے قبائل کو سرزنش کی اور بہتوں کو معاہدے سے تابع کیا۔ پھر آپؐ کی وفات کے بعد اڑھائی سال کے عرصہ میں سارا عرب اسلامی حکومت کے ماتحت آگیا بلکہ یہ حکومت عرب سے نکل کر دوسرے

علاقوں میں بھی پھیلنی شروع ہوئی۔ فتح مکّہ کے پانچ سال بعد ایرانی حکومت پر حملہ ہو گیا تھا اور اس کے بعض علاقوں پر قبضہ بھی کر لیا گیا تھا اور چند سالوں میں رومی سلطنت اور دوسری سب حکومتیں تباہ ہو گئی تھیں۔ اتنی بڑی فتح اور اتنے عظیم الشان تغیّر کی مثال تاریخ میں اور کہیں نہیں ملتی۔ تاریخ میں صرف نپولین کی ایک مثال ملتی ہے لیکن اس کے مقابلہ میں کوئی ایسی طاقت نہیں تھی جو تعداد اور قوت میں اس سے زیادہ ہو۔ جرمنی کا ملک تھا مگر وہ اس وقت ۱۴ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا اِس طرح اس کی تمام طاقت منتشر تھی۔ ایک مشہور امریکن پریذیڈنٹ سے کسی نے پوچھا کہ جرمن کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ تو اس نے کہا ایک شیر ہے دو تین لومڑ ہیں اور کچھ چوہے ہیں۔ شیر سے مراد رشیا تھا۔ لومڑ سے مراد دوسری حکومتیں اور چوہوں سے مراد جرمن تھے۔ گویا جرمنی اس وقت ٹکڑے ٹکڑے تھا۔ روس ایک بڑی طاقت تھی مگر وہ[1] روس کے ساتھ ٹکرایا اور وہاں سے ناکام واپس لوٹا۔ اِس طرح انگلستان کو بھی فتح نہ کر سکا اور انجام اس کا یہ ہوا کہ وہ قید ہو گیا پھر دوسرا بڑا شخص ہٹلر آیا بلکہ دو بڑے آدمی دو ملکوں میں ہوئے ہٹلر اور مسولینی۔ دونوں نے بے شک ترقیات حاصل کیں لیکن دونوں کا انجام شکست ہوا مسلمانوں میں سے جس نے یکدم بڑی حکومت حاصل کی وہ تیمور تھا اس کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ بے شک دُنیا کے کناروں تک گیا لیکن وہ اپنے اِس مقصد کو کہ ساری دُنیا کو فتح کر لے پُورا نہ کر سکا مثلاً وہ چین کو تابع کرنا چاہتا تھا لیکن تابع نہ کر سکا اور جب وہ مرنے لگا تو اُس نے کہا میرے سامنے انسانوں کی ہڈیوں کے ڈھیر ہیں جو مجھے ملامت کر رہے ہیں۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی آدم سے لے کر اب تک ایسے گذرے ہیں جنہوں نے فردِ واحد سے ترقی کی۔ تھوڑے سے عرصہ میں ہی سارے عرب کو تابع فرمان کر لیا اور آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے ایک خلیفہ نے ایک بہت بڑی حکومت کو توڑ دیا اور باقی علاقے آپ کے دوسرے خلیفہ نے فتح کر لئے۔

یہ تغیّر جو واقع ہوا خدائی تھا کسی انسان کا کام نہیں تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] یعنی نپولین

فوت ہوئے تو آپؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر مکہ میں پہنچی تو ایک مجلس میں حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہ بھی بیٹھے تھے جب پیغامبر نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے ہیں تو سب لوگوں پر غم کی کیفیت طاری ہوگئی اور سب نے یہی سمجھا کہ اب ملکی حالات کے ماتحت اِسلام پراگندہ ہوجائے گا چنانچہ انہوں نے کہا اب کیا ہوگا۔ پیغامبر نے کہا کہ آپؐ کی وفات کے بعد حکومت قائم ہوگئی ہے اور ایک شخص کو خلیفہ بنالیا گیا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کون خلیفہ مقرر ہوا ہے؟ پیغامبر نے کہا ابوبکرؓ۔ ابوقحافہ نے حیران ہوکر پُوچھا کون ابوبکر؟ کیونکہ وہ اپنے خاندان کی حیثیت کو سمجھتے تھے اور اِس حیثیت کے لحاظ سے وہ خیال بھی نہیں کرسکتے تھے کہ ان کے بیٹے کو سارا عرب بادشاہ تسلیم کرلے گا۔ پیغامبر نے کہا ابوبکر جو فلاں قبیلہ سے ہے۔ ابوقحافہؓ نے کہا وہ کس خاندان سے ہے۔ پیغامبر نے کہا فلاں خاندان سے۔ اس پر ابوقحافہؓ نے دوبارہ دریافت کیا کہ وہ کس کا بیٹا ہے؟ پیغامبر نے کہا ابوقحافہؓ کا بیٹا۔ اِس پر ابوقحافہؓ نے دوبارہ کلمہ پڑھا اور کہا آج مجھے یقین ہوگیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی تھے۔ ابوقحافہؓ پہلے صرف نام کے طور پر مسلمان تھے لیکن اِس واقعہ کے بعد انہوں نے سچے دل سے سمجھ لیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوٰی میں راستباز تھے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کی خاندانی حیثیت ایسی نہ تھی کہ سارے عرب آپ کو مان لیتے۔ یہ الٰہی دین تھی۔ مگر بعد میں مسلمان کی ذہنیت ایسی بگڑی کہ انہوں نے یہ سمجھنا شروع کیا کہ یہ فتوحات ہم نے اپنی طاقت سے حاصل کی ہیں۔ کسی نے کہنا شروع کیا کہ عرب کی اصل طاقت بنوامیہ ہیں اِس لئے خلافت کا حق ان کا ہے۔ کسی نے کہا بنوہاشم عرب کی اصل طاقت ہیں۔ کسی نے کہا بنومطلب عرب کی اصل طاقت ہیں۔ کسی نے کہا خلافت کے زیادہ حقدار انصار ہیں جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھروں میں جگہ دی۔ گویا تھوڑے ہی سالوں میں مسلمان مار بِڈ (MORBID) ہوگئے اور ان کے دماغ بگڑ گئے۔ ان میں ہر قبیلہ نے یہ کوشش کی وہ خلافت کو بزور حاصل کرلے نتیجہ یہ ہوُا کہ خلافت ختم ہوگئی۔ پھر مسلمانوں کے بگڑنے کا دوسرا سبب انارکی تھی۔ اسلام نے سب میں مساوات کی رُوح پیدا کی تھی لیکن مسلمانوں نے یہ نہ سمجھا کہ مساوات پیدا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ایک

آرگنائزیشن ہو اس کے بغیر مساوات قائم نہیں ہوسکتی۔ اسلام آیا ہی اس لئے تھا کہ وہ ایک آرگنائزیشن اور ڈسپلن قائم کرے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی تھی کہ یہ ڈسپلن ظالمانہ نہ ہو اور افراد اپنے نفسوں کو دبا کر رکھیں تاکہ قوم جیتے۔ لیکن چند ہی سالوں میں مسلمانوں میں یہ سوال پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ خزانے ہمارے ہیں اور اگر حکام نے ان کے راستہ میں کوئی روک ڈالی تو انہوں نے ان کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ یہ وہ رُوح تھی جس نے مسلمانوں کو خراب کیا۔ انہیں یہ سمجھنا چاہیئے تھا کہ یہ حکومتِ الٰہیہ ہے اور اِسے خدا تعالیٰ نے قائم کیا ہے اِس لئے اسے خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی رہنے دیا جائے تو بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ سُورۃ نور میں فرماتا ہے کہ خلیفے ہم بنائیں گے لیکن مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا کہ خلیفے ہم نے بنائے ہیں اور جب انہوں نے یہ سمجھا کہ خلیفے ہم نے بنائے ہیں تو خدا تعالیٰ نے کہا اچھا اگر خلیفے تم نے بنائے ہیں تو اَب تم ہی بناؤ چنانچہ ایک وقت تک تو وہ پہلوں کا مارا ہؤا شکار یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا مارا ہؤا شکار کھاتے رہے لیکن مَرا ہؤا شکار ہمیشہ قائم نہیں رہتا۔ زندہ بکرا، زندہ بکری، زندہ مرغا اور زندہ مرغیاں تو ہمیشہ ہمیں گوشت اور انڈے کھلائیں گی لیکن ذبح کی ہوئی بکری یا مرغی زیادہ دیر تک نہیں جاسکتی کچھ وقت کے بعد وہ خراب ہو جائے گی۔ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کے زمانہ میں مسلمان تازہ گوشت کھاتے تھے لیکن بیوقوفی سے انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ چیز ہماری ہے۔ اِس طرح انہوں نے اپنی زندگی کی رُوح کو ختم کر دیا اور مرغیاں اور بکریاں مُردہ ہوگئیں۔ آخر تم ایک ذبح کی ہوئی بکری کو کتنے دن کھالو گے۔ ایک بکری میں دس بارہ سیر یا پچّیس تیس سیر گوشت ہوگا اور آخر وہ ختم ہو جائے گا پس وہ بکریاں مُردہ ہوگئیں اور مسلمانوں نے کھا پی کر انہیں ختم کر دیا۔ پھر وہی حال ہؤا کہ "ہنٹہ پرانے کھو نسڑے بسنتے ہوری آئے" وہ ہر جگہ ذلیل ہونے شروع ہوئے، انہیں ماریں پڑیں اور خدا تعالیٰ کا غضب ان پر نازل ہؤا۔ عیسائیوں نے تو اپنی مُردہ خلافت کو آج تک سنبھالا ہؤا ہے لیکن ان بدبختوں نے زندہ خلافت کو اپنے ہاتھوں گاڑ دیا اور یہ محض عارضی خواہشات، دُنیوی ترقیات کی تمنّا اور وقتی جوشوں کا نتیجہ تھا، خدا تعالیٰ نے جو وعدے پہلے مسلمانوں سے کئے تھے وہ وعدے اب بھی ہیں۔ اُسنے جب وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فرمایا تو اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ سے نہیں فرمایا۔ حضرت عمرؓ سے نہیں فرمایا۔ حضرت عثمانؓ سے نہیں فرمایا۔ حضرت علیؓ سے نہیں فرمایا۔ پھر اس کا کہیں ذکر نہیں کہ خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ صرف پہلے مسلمانوں سے کیا تھا یا پہلی صدی کے مسلمانوں سے کیا تھا یا دوسری صدی کے مسلمانوں سے کیا تھا بلکہ یہ وعدہ سارے مسلمانوں سے ہے چاہے وہ آج سے پہلے ہوئے ہوں یا ۲۰۰ یا ۴۰۰ سال کے بعد آئیں وہ جب بھی اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مصداق ہو جائیں گے وہ اپنی نفسانی خواہشات کو مار دیں گے۔ وہ اسلام کی ترقی کو اپنا اصل مقصد بنالیں گے شخصیات، جماعتوں، پارٹیوں، جتھوں، شہروں اور ملکوں کو بھول جائیں گے تو اُن کے لئے خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ قائم رہیگا کہ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں سے چاہے وہ عرب کے ہوں، عراق کے ہوں، شام کے ہوں، مصر کے ہوں، یورپ کے ہوں، ایشیا کے ہوں، امریکہ کے ہوں، جزائر کے ہوں، افریقہ کے ہوں کہا ہے کہ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ وہ انہیں اس دُنیا میں اپنا نائب اور قائمقام مقرر کریگا اب اس دُنیا میں شام، عرب اور نائیجیریا، کینیا، ہندوستان، چین اور انڈونیشیا ہی شامل نہیں بلکہ اَور ممالک بھی ہیں۔ پس اس سے مراد دُنیا کے سب ممالک ہیں گویا وہ موعود خلافت ساری دُنیا کے لئے ہے فرماتا ہے وہ تمہیں ساری دُنیا میں خلیفہ مقرر کرے گا۔ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اسی طرح جس طرح اس نے پہلے لوگوں کو خلیفہ مقرر کیا۔ اِس آیت میں پہلے لوگوں کی مشابہت اَرض میں نہیں بلکہ استخلاف میں ہے گویا فرمایا ہم انہیں اسی طرح خلیفہ مقرر کریں گے جس طرح ہم نے پہلوں کو خلیفہ مقرر کیا اور پھر اس قسم کے خلیفے مقرر کریں گے جن کا اثر تمام دُنیا پر ہوگا پس اللہ تعالیٰ کے اِس وعدہ کو یاد رکھو اور خلافت کے استحکام اور قیام کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہو۔ تم نوجوان ہو تمہارے حوصلے بلند ہونے چاہئیں اور تمہاری عقلیں تیز ہونی چاہئیں تاکہ تم اس کشتی کو ڈوبنے اور غرق نہ ہونے دو۔ تم وہ چٹان نہ بنو جو دریا کے رُخ کو پھیر دیتی ہے بلکہ تمہارا یہ کام ہے کہ تم وہ چینل (CHANNAL) بن جاؤ جو پانی کو آسانی سے گزارتی ہے تم ایک ٹنل

ہو جس کا یہ کام ہے کہ وہ فیضانِ الٰہی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حاصل ہوا ہے تم اُسے آگے چلاتے چلے جاؤ اگر تم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے تو تم ایک ایسی قوم بن جاؤ گے جو کبھی نہیں مرے گی اور اگر تم اس فیضانِ الٰہی کے رستہ میں روک بن گئے، اس کے رستے میں پتھر بن کر کھڑے ہو گئے اور تم نے اپنی ذاتی خواہشات کے ماتحت اسے اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور قریبیوں کے لئے مخصوص کرنا چاہا تو یاد رکھو وہ تمہاری قوم کی تباہی کا وقت ہو گا پھر تمہاری عمر کبھی لمبی نہیں ہو گی اور تم اسی طرح مر جاؤ گے جس طرح پہلی قومیں مریں۔ لیکن قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ قوم کی ترقی کا رستہ بند نہیں انسان بے شک دُنیا میں ہمیشہ زندہ نہیں رہتا لیکن قومیں زندہ رہ سکتی ہیں پس جو آگے بڑھے گا وہ انعام لے جائے گا اور جو آگے نہیں بڑھتا وہ اپنی موت آپ مرتا ہے اور جو شخص خود کشی کرتا ہے اُسے کوئی دوسرا بچا نہیں سکتا۔" [1]

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ کی تربیتی کلاس نمبر ۵

نوجوانانِ احمدیت میں دینی تعلیم کو فروغ دینے میں مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی تربیتی کلاس نے ہمیشہ ایک مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد اِس کلاس کے لئے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خاص ہدایت کے ماتحت خاص نصاب تیار کیا گیا اور حضور کے منتخب فرمودہ اساتذہ ہی تعلیم دینے پر مقرر کئے گئے جس سے اِس کلاس کی افادیت و اہمیت میں نمایاں اضافہ ہوا۔ ۱۹۵۳ء میں یہ پندرہ روزہ تربیتی کلاس جو پاکستانی دَور کی پانچویں کلاس تھی، ۲۷ر اکتوبر سے ۱۱ر نومبر تک ربوہ میں جاری رہی جس میں سات خدام شامل ہوئے۔

(۱) شیخ ارشاد احمد صاحب اوکاڑہ (۲) شیخ حمید احمد صاحب چنیوٹ (۳) محمد ہارون خان صاحب ربوہ (۴) ناصر احمد خاں صاحب ربوہ (۵) حامد نور صاحب ربوہ (۶) مولوی بشیر احمد صاحب منیر کراچی (۷) محمد لطیف صاحب شاکر کوئٹہ۔

اِس کلاس میں اوّل الذکر پانچ نمائندگان ہی آخر وقت تک شامل رہے اور دوسرے نمائندوں کو کلاس کے دَوران ہی رخصت لے کر واپس جانا پڑا۔ اِس کلاس میں محمد ہارون صاحب نے ۳۶ /۴۸۰ نمبر حاصل

---

[1] "الفضل" ۲۳ر مئی ۱۹۶۱ء / ہجرت ۱۳۴۰ ہش صفحہ ۳ تا ۶۔

کرکے اوّل اور ناصر احمد صاحب ۲۳۵/۴۸۰ نمبر حاصل کرکے دوم رہے۔ یہ زمانہ مالی اعتبار سے خدّام الاحمدیہ کیلئے بہت تنگی کا زمانہ تھا اِس لئے کلاس میں شامل ہونے والے خدّام کے اخراجات بھی مجلسِ متعلقہ کو ہی برداشت کرنے پڑتے تھے البتہ مجلسِ مرکزیہ نے یہ سہولت ضرور دے رکھی تھی کہ جو مجلس چندہ سالانہ اجتماع سَو فیصدی ادا کر دے گی اُس سے نمائندہ کا خرچ نہیں لیا جائے گا۔ صاحبزادہ مرزا منوّر احمد صاحب نائب صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے کلاس سے پہلے یہ ہدایت جاری فرمائی کہ ہر مجلس کو کم از کم ایک نمائندہ ضرور بھجوانا چاہیئے۔ نمائندے کے انتخاب کے وقت اِس امر کا خاص خیال رکھا جائے کہ وہ کم از کم مڈل پاس ہو۔ اُردو لکھ پڑھ سکتا ہو اور قرآن مجید ناظرہ جانتا ہو تاکہ کلاس میں نوٹ لے سکے[1]

محمد ہارون صاحب نمائندہ ربوہ حلقہ دارالصدر نے اِس کلاس سے متعلق اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھا:-

"سلسلہ کے ایسے مسائل و عقائد جو کہ میری سمجھ سے بالا تھے اس کے علاوہ فقہ کے ایسے مسائل جن کا مجھے مرکز میں رہتے ہوئے بھی علم نہ تھا اور جن کو میں ایک عرصہ سے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا فاضل اساتذہ کی دلی کاوشوں اور پسندیدہ طریقہ ہائے تعلیم سے اِس مختصر عرصہ میں سمجھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض صحابہ کرام کے لیکچر اتنے رُوح پرور اور ایمان افروز تھے کہ زبانِ قلم اُس کو بیان کرنے سے قاصر ہے"[2]

فصل ہشتم

شاہ ابنِ سعود کی المناک وفات پر حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے تعزیت

شاہ عبدالعزیز ابن سعود جو نجد و حجازِ مقدّس کے بادشاہ اور عالمِ اسلام کے نہایت جری، زبردست

---

[1] رسالہ "خالد" اکتوبر ۱۹۵۳ء / اخاء ۱۳۳۲ ہش صفحہ ۳۷ و دسمبر ۱۹۵۳ء / فتح ۱۳۳۲ ہش صفحہ ۲۴ ؛

[2] رسالہ "خالد" ربوہ جنوری ۱۹۵۴ء / صلح ۱۳۳۳ ہش صفحہ ۲۳ ؛

مُدبّر اور مرنجاں مرنج اور جدید جنگی فنون کے ماہر اور بین الاقوامی سیاست کے خم و پیچ سے واقف تھے اِس سال ۱۰ر نومبر ۱۹۵۳ء کو انتقال کر گئے۔ تمام عرب ملکوں نے اپنی سرکاری تقریبات ملتوی کر دیں اور قاہرہ، دمشق اور عمان کے ریڈیو سٹیشنوں سے عام پروگرام کی بجائے قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی گئی۔ تمام عرب ملکوں نے اڑتالیس گھنٹوں تک سوگ منایا نیویارک میں اقوامِ متحدہ کا پرچم شاہ ابنِ سعود کے ماتم میں سرنگوں رہا[1]

صاحب الجلالۃ شاہِ مملکت سعودیہ عبدالعزیز ابنِ سعود جیسے بیدار مغز، نیک دل اور شریف بادشاہ کے عہدِ حکومت میں اتحاد بین المسلمین کی تحریک کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ انہوں نے ۱۹۳۵ء میں جب ایک غیر مسلم کمپنی کو پٹرول وغیرہ کا ٹھیکہ دینے کا معاہدہ کیا تو احراری آرگن "مجاہد" نے اس پر بہت تنقید کی یہاں تک الزامات عائد کئے کہ شاہ ابنِ سعود انگریزوں کے زیرِ اثر ہیں اور عرب کے خارجی معاملات پر برطانیہ کا قبضہ ہے جس کے اشارے پر یمن اور نجد کی جنگ ہوئی تھی مگر جماعتِ احمدیہ ہمیشہ ہی اِس ہنگامہ آرائی سے الگ رہی اور حضرت مصلح موعودؓ نے ۳۰ر اگست ۱۹۳۵ء کے خطبہ جمعہ میں شاہ کے خلاف اِس پروپیگنڈا پر دلی رنج کا اظہار کیا اور فرمایا "اِس سے سلطان ابنِ سعود کی طاقت کمزور ہو گی اور جب اُن کی طاقت کمزور ہو گی تو عرب کی طاقت بھی کمزور ہو جائے گی۔ اب ہمارا کام یہ ہے کہ دعاؤں کے ذریعہ سے سلطان کی مدد کریں اور اسلامی رائے کو ایسا منظم کریں کہ کوئی طاقت سلطان کی کمزوری سے فائدہ اُٹھانے کی جرأت نہ کر سکے"[2]

جلالۃ الملک ابنِ سعود کا یہ کارنامہ ہمیشہ یادرہے گا کہ انہوں نے حج بیت اللہ کے دروازے ہر کلمہ گو مسلمان کے لئے ہمیشہ کھلے رکھے۔ ایک بار "الفضل" کے سیاسی نامہ نگار نے جلالۃ الملک سے مکہ معظمہ میں ملاقات کی تو انہوں نے جماعتِ احمدیہ کی نسبت فرمایا کہ تبلیغِ اسلام میں مدد دینا ہمارا کام ہے اور احمدیوں کی نسبت جب سُورت کے ایک اہلِ حدیث نے شکایت کی کہ یہ ایک اَور نبی کے ماننے والے ہیں تو سلطان نے کہا یہ تو شرک فی النبوۃ کرتے ہوں گے مگر یہاں تو شرک فی التوحید کرنے والے بھی آتے ہیں پھر احمدیوں کو مکہ سے نکالنے کی تجویز پر پُوچھا کیا یہ کعبۃ اللہ کو بیت اللہ سمجھ کر حج کے لئے آتے ہیں؟ جواب میں "ہاں" سُنکر فرمایا "تو کیا یہ عبدالعزیز کے باپ کا گھر ہے جس سے مَیں نکال دوں؟ یہ خدا کا گھر

---

[1] روزنامہ "نوائے وقت" لاہور ۱۲ر نومبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ ۔ [2] "الفضل" قادیان ۳ر ستمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۹-۱۰ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ احمدیت جلد ہشتم" صفحہ ۲۲۸ تا ۲۳۳)۔

ہے۔"[1]

جمعیت العلمائے ہند سے خصوصی رابطہ رکھنے والے ایک صاحبِ علم اور صاحبِ قلم نے ہفت روزہ "صدقِ جدید" لکھنؤ مورخہ ۶ر اگست ۱۹۶۵ء صفحہ ۵ میں شاہ عبدالعزیز ابنِ سعود کے زمانے کا یہ واقعہ بایں الفاظ لکھا کہ "حجرہ نشین مولویوں نے مرحوم سے کہا کہ چونکہ قادیانی مسلمان نہیں ہیں اس لئے انہیں حجازِ مقدّس سے نکال دیا جائے۔ مرحوم نے مولوی صاحبان سے پُوچھا کہ قادیانی حج کو اسلام کا رُکن اور اس کو فرض سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اس پر مرحوم نے فرمایا کہ جو شخص حج کی فرضیّت کا قائل ہے اور اُسے اسلام کا اہم رُکن سمجھتا ہے اُسے حج سے روکنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ یہ واقعہ ہم نے مرحوم کی زندگی میں خود بعض مولویوں کی زبانی سُنا تھا ممکن ہے کہ بعض اخبارات میں بھی شائع ہؤا ہو۔"

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کو دُنیائے اسلام کی اِس عظیم شخصیّت کے المناک اِنتقال پر بہت صدمہ ہؤا اور آپ نے ۱۱ر نومبر ۱۹۵۳ء کو اپنی اور جماعتِ احمدیہ کی طرف سے سعودی عرب کے نئے سلطان ہز میجسٹی شاہ سعود بن عبدالعزیز کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار فرمایا اور دُعا کی اللہ تعالیٰ اُن کی رہنمائی کرے۔ اِس سلسلہ میں حضور نے ربوہ سے جو برقیہ ارسال فرمایا اُس کا ترجمہ درج ذیل ہے:-

"ہز میجسٹی شاہ سعودی عرب — ریاض!

مَیں اپنی اور جماعتِ احمدیہ کی طرف سے آپ کے نامور والد کی وفات پر آپ سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے محبوب و مقدّس ملک عرب کو امن اور ترقّی سے نوازے اور تمام امور میں آپ کی رہنمائی فرمائے اور آپ کے کندھوں پر جو بوجھ ڈالا گیا ہے اُسے برداشت کرنے میں آپ کی مدد کرے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعتِ احمدیہ۔ ربوہ۔ مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۹۵۳ء"[2]

مجلّہ اسلامیہ "البشریٰ" حیفا فلسطین نے اپنی اشاعت ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۳ء

---

[1] روزنامہ "الفضل" قادیان ۲۴ر جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ کالم ۳، ۴۔

[2] روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۸ر نومبر ۱۹۵۳ء/ ۱۸ر نبوّت ۱۳۳۲ ہش صفحہ ۱۔

کے صفحہ ۱۷۹ پر اس برقیہ پیغام کا عربی ترجمہ شائع کیا جو یہ ہے :-

"حَضْرَةُ صَاحِبِ الْجَلَالَةِ مَلِكِ الْعَرَبِيَّةِ السَّعُوْدِيَّةِ ـــ اَلرِّيَاض

بِالْإِصَالَةِ عَنْ نَفْسِيْ وَ بِالنِّيَابَةِ عَنِ الْجَمَاعَةِ الْاَحْمَدِيَّةِ أُعَزِّيْكُمْ بِوَفَاةِ وَالِدِكُمُ الْعَظِيْمِ۔ وَنَسْئَلُ اللّٰهَ أَنْ يَتَغَمَّدَهٗ بِرَحْمَتِهٖ۔ وَنَدْعُوا اللّٰهَ أَنْ يُّشَرِّفَ مُلْكَنَا الْمُقَدَّسَ وَالْمَحْبُوْبَ الْجَزِيْرَةَ الْعَرَبِيَّةَ بِالْاَمْنِ وَالتَّرَقِّيْ۔ وَيُرْشِدَكُمْ فِيْ جَمِيْعِ الْاُمُوْرِ۔ وَيُعِيْنَكُمْ عَلٰى حَمْلِ ذٰلِكَ الْعِبْءِ الثَّقِيْلِ الَّذِيْ قَدْ اُلْقِيَ عَلٰى عَاتِقِكُمْ۔ وَيَكُوْنَ حَافِظَكُمْ وَنَاصِرَكُمْ۔

مِيْرْزَا بَشِيْرُ الدِّيْنِ مَحْمُوْد اَحْمَد إِمَامُ الْجَمَاعَةِ الْاَحْمَدِيَّةِ

ربوة فی ۱۱ نوفمبر سنة ۱۹۵۳"

صاحب الجلالۃ شاہ سعود بن عبد العزیز کی طرف سے حضرت مصلح موعودؓ کو اس تعزیت نامہ کے جواب میں حسب ذیل برقیہ موصول ہوا :-

" جدّة

مرزا بشیر الدین محمود احمد امام الجماعة الاحمدیّة ـــ ربوة

نَشْكُرُكُمْ وَطَائِفَتَكُمْ عَلٰى تَعْزِيَتِكُمْ وَمُشَارَكَتِكُمْ فِيْ مُصَابِنَا الْعَظِيْمِ۔

سعود بن عبد العزیز " [1]

ترجمہ :- آپ کی تعزیت پر اور ہمارے اِس عظیم صدمہ میں آپ کی شرکت پر ہم آپ کا اور آپ کی جماعت کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

---

[1] مجلّہ اسلامیہ " البُشریٰ " حیفا، فلسطین نومبر ۱۹۵۴ء

روزنامہ " المصلح " کراچی ۱۹ دسمبر ۱۹۵۳ء صا

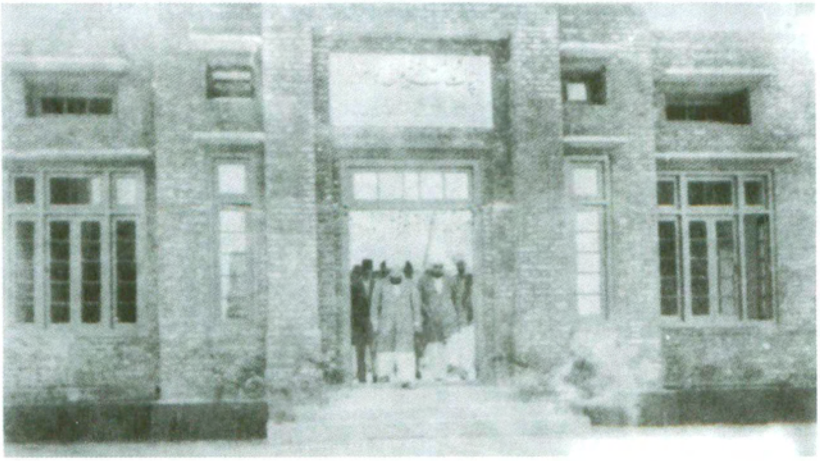

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ تحریک جدید کے دفاتر کا معائنہ فرمارہے ہیں

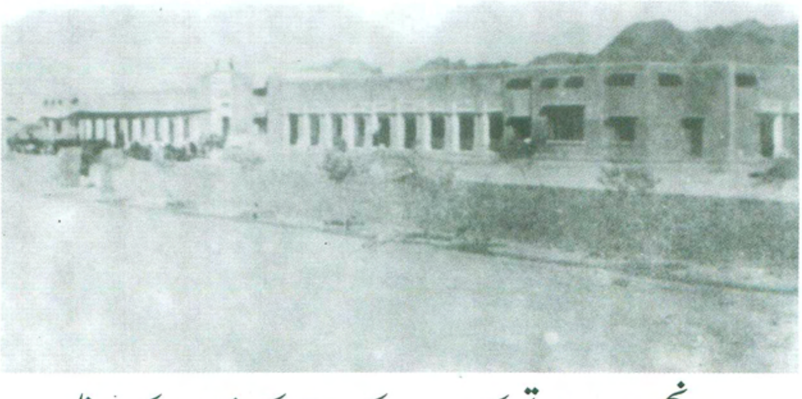

صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے دفاتر کے افتتاح کے مناظر

دوسرا باب

فصل اوّل

مرکزی دفاتر کا افتتاح اور حضرت مصلح موعودؓ کا بصیرت افروز خطاب

ربوہ میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان اور تحریکِ جدید انجمن احمدیہ پاکستان کے مستقل مرکزی دفاتر کی بنیاد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے مقدس ہاتھوں سے ۳۱ ماہِ ہجرت ۱۳۲۹ہش/۳۱ مئی ۱۹۵۰ء کو رکھی گئی تھی۔ اِس کے کچھ عرصہ بعد تعمیر کا کام شروع ہؤا۔ اِس دَوران صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کے کارکنان اپنے عارضی کچّے دفاتر میں ہی کام کرتے رہے[1]۔ مرکزی دفاتر کی عمارات خدا تعالیٰ کے فضل سے پایۂ تکمیل

---

[1] یہ مرکزی دفاتر ابھی زیرِ تعمیر تھے کہ حضرت مصلح موعودؓ نے مشاورت ۱۹۵۲ء کو خطاب کرکے فرمایا:۔

"عمارت کی تاریخ اور ریکارڈ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ربوہ کی تمام عمارات میری ممنونِ احسان ہیں۔ چاہے ناظر یہ کہہ دیں کہ مَیں بڑا ظالم ہوں لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی ایک عمارت بھی نظارت نے بنوائی ہے۔ مَیں نے روزانہ سختیاں کر کر کے اور یہ کہہ کر کہ جب تک فلاں عمارت نہ بنے کارکن دو گھنٹہ زائد وقت دفاتر میں بیٹھیں۔ یہ عمارتیں بنوائی ہیں۔ صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر کا کام مَیں نے سب سے اچھے آدمی کو دیا تھا اور اُدھر تحریکِ جدید کے دفاتر کا کام مَیں نے چوہدری فقیر محمد صاحب مرحوم کے سپرد کیا تھا مگر دونوں دفاتر والوں نے سُستی سے کام لیا ہے۔ اس وقت یہ شکوہ تھا کہ اینٹیں نہیں ملتیں۔ اب اینٹیں ملنے لگ گئی ہیں بلکہ شکایت ہے تو یہ کہ اینٹیں اُٹھائی نہیں جاتیں اینٹیں بہت زیادہ ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

کو پہنچ گئیں اور صدر انجمن احمدیہ و تحریکِ جدید کے دفاتر اپنی مستقل عمارات میں منتقل ہوئے تو ضروری سمجھا گیا کہ سیّدنا حضرت المصلح الموعودؓ کی خدمتِ اقدس میں درخواست کی جائے کہ حضور اِس موقعہ پر تشریف لاکر اجتماعی دعا فرمائیں تا اللہ تعالیٰ اِن نئی عمارات کو سلسلہ کے لئے بابرکت بنائے اور کارکنوں کو اخلاص اور قربانی اور فدائیت کے جذبات کے ساتھ خدمتِ دین کی توفیق بخشے چنانچہ ۱۶ رماہِ نبوت ۱۳۳۲ ہش/ ۱۶ر نومبر ۱۹۵۳ء کو جبکہ صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر نئی عمارت میں منتقل ہو رہے تھے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ناظرِ اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے حضورؓ کی خدمتِ بابرکت میں اطلاع بھجوائی گئی کہ دفاتر صدر انجمن احمدیہ نئی عمارت میں منتقل ہو رہے ہیں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اِس نئی عمارت کو سلسلہ کے اداروں اور کارکنوں کیلئے مبارک اور مثمر ثمراتِ حسنہ کرے نیز لکھا کہ ارادہ ہے کہ جب پورا ٹکاؤ ہو جائے تو اس وقت حضورؓ کی خدمت میں عرض کیا جائے کہ موقعہ پر تشریف لاکر اجتماعی دُعا فرمائیں۔

چنانچہ جب دفاتر کا تمام سامان نئی عمارت میں منتقل ہو چکا تو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے وکالتِ علیا اور انجمن تحریکِ جدید کے مشورہ کے ساتھ حضورؓ کی خدمت میں مشترکہ درخواست ارسال کی کہ اگر حضورؓ پسند فرمائیں تو صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کے دفاتر کی افتتاحی دُعا کے لئے ۱۹ر نومبر ۱۹۵۳ء (مطابق ۱۹ر ماہِ نبوت ۱۳۳۲ ہش) بروز جمعرات صبح دس بجے کا وقت رکھ لیا جائے۔ حضورؓ نے منظوری مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ "ایسے موقعہ پر کچھ غرباء کے لئے اور کچھ خوشی کے لئے بھی خرچ کر لیا جائے تو کچھ حرج نہیں"۔ حضورؓ کی منظوری حاصل ہونے پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب قائم مقام وکیلِ اعلیٰ نے اِس افتتاحی تقریب کا باقاعدہ پروگرام مرتب کیا جو مندرجہ ذیل شقوں پر مشتمل تھا:۔

اوّل۔ ہر دو دفاتر کی درمیانی سڑک پر غربی دروازوں کے سامنے ناظر صاحبان صدر انجمن احمدیہ اور

(**بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ**) بہرحال اگلے سال تک ہال بن جانا چاہیئے۔ روپیہ منظور ہے اور دفاتر کی جگہ پر نشان لگا دیا گیا ہے۔ اِس سال دفاتر مکمل ہو جانے چاہئیں تاکہ اگلے سال مجلسِ شوریٰ کا اجلاس وہاں ہو سکے"۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۱۹)

وکلاء صاحبان تحریکِ جدید حضور ایدہ اللہ کا اِستقبال کریں گے۔

دوم۔ استقبال کے بعد حضورؓ پہلے دفاتر تحریکِ جدید میں تشریف لے جائیں گے اور نئی عمارت کے کمروں کا معائنہ فرمائیں گے۔ معائنہ کے وقت سارا عملہ اپنے اپنے کمروں میں حسبِ دستور کام کرتا رہے گا البتہ وکیل اعلیٰ صاحب تحریکِ جدید حضور کے ساتھ ہوں گے اور ہر صیغہ کا وکیل یا افسر اپنے اپنے کمرے کے دروازہ پر حضور کا استقبال کر کے حضور کو اپنے اپنے کمرہ کا معائنہ کرائے گا۔

سوم۔ معائنہ سے فارغ ہونے کے بعد حضور تحریکِ جدید کے ہال میں تشریف لے جائیں گے اور وہاں افتتاحی دعا فرمائیں گے۔ اِس موقعہ پر تحریکِ جدید کے تمام کارکنان دعا میں شریک ہوں گے۔

چہارم۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ دفاتر تحریکِ جدید میں افتتاحی دعا سے فارغ ہو کر حضور دفاتر صدر انجمن احمدیہ میں تشریف لائیں گے اور دفاتر کے کمروں کا معائنہ فرمائیں گے۔ اس وقت صرف ناظر صاحب اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ کو حضور کی معیّت کا شرف حاصل ہو سکے گا اور انجمن کا باقی عملہ اپنے اپنے کمروں میں حسبِ معمول کام کرتا رہیگا البتہ ہر کمرہ کے دروازہ پر متعلقہ ناظر یا افسر صیغہ حضور کا استقبال کر کے اپنے اپنے کمرہ کا معائنہ کرائے گا۔

پنجم۔ اِس معائنہ سے فارغ ہونے کے بعد تلاوت قرآن مجید اور دُرِّثمین سے کوئی نظم پڑھی جائیگی اور پھر حضور کی خدمت میں صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کی طرف سے ایڈریس پیش کئے جائیں گے جس میں ہر دو انجمنوں کے عملہ کے علاوہ صحابہ اور مہمانان و دیگر حاضرین شریک ہوں گے۔

ششم۔ بالآخر احاطہ دفاتر صدر انجمن احمدیہ میں تحریکِ جدید اور صدر انجمن احمدیہ کی ایک متحدہ پارٹی ہو گی جس میں مختصر سا ناشتہ پیش کیا جائے گا۔

ہفتم۔ حضور کی تشریف آوری پر دو بکرے دفاتر صدر انجمن احمدیہ اور دو بکرے دفاتر تحریکِ جدید کی جانب سے بطور صدقہ ذبح کئے جائیں گے۔ ان میں سے ایک ایک بکرا تو صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کی طرف سے ہو گا اور ایک ایک بکرا ہر دو اداروں کے عملہ کی طرف سے ہو گا۔

ہشتم۔ معائنہ کے وقت ہر دو عمارتوں پر حکومتِ پاکستان کا جھنڈا اور لوائے احمدیت لہرائے جائیں گے۔

نہم۔ مشترکہ جلسہ اور اجتماعی دعا کے لئے احاطہ صدر انجمن احمدیہ میں ایک وسیع شامیانہ لگایا جائے گا اور دوستوں کو اِس تقریب میں شمولیّت کے لئے دعوت نامے جاری کئے جائیں گے جن میں ذیل کے طبقات کو

خصوصیت سے ملحوظ رکھا جائے گا:۔

۱ ۔ وہ صحابہ کرام جو ربوہ میں موجود ہیں۔

۲ ۔ مختلف تعلیمی ادارہ جات کے نمائندے۔

۳ ۔ سلسلہ کے وہ مہمان جو عارضی طور پر باہر سے ربوہ میں آئے ہوئے ہوں۔

۴ ۔ ربوہ کے غرباء اور مساکین میں سے ایک حصّہ۔

اِس پروگرام کے عین مطابق صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کے دفاتر کو مناسب طریق پر سجایا گیا اور ان کی عمارتوں پر حکومتِ پاکستان کا جھنڈا اور لوائے احمدیت لہرایا گیا۔ جگہ جگہ خوشنما قطعات اور بورڈ آویزاں کئے گئے اور جابجا گملے رکھے گئے۔ حضور کے استقبال کے لئے دفاتر کے گیٹ پھولوں اور پتّوں سے مزیّن کئے گئے اور احاطہ دفاترِ صدر انجمن احمدیہ میں ایک شامیانہ نصب کیا گیا جس کے نیچے آنے والے معزّزین کے لئے کئی سَو کُرسیاں اور کوچ قرینہ کے ساتھ لگائے گئے اور لاؤڈ سپیکر کا بھی انتظام کیا گیا۔

افتتاح کے لئے ۹ ارماہِ نبوّت/نومبر کی تاریخ مقرر تھی۔ اس دن ٹھیک دس بجے سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ رضی اللہ عنہ دفاتر کے معائنہ اور افتتاحی دُعا کے لئے کار میں تشریف لائے۔ اِس موقعہ پر پروگرام کے مطابق چار بکرے بطور صدقہ ذبح کئے گئے اور اُن کا گوشت غریبوں میں تقسیم کیا گیا۔ ہر دو دفاتر کی درمیانی سڑک پر غربی گیٹوں کے سامنے تحریکِ جدید کے وکلاء اور صدر انجمن احمدیہ کے ناظر حضورؓ کے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ حضور مطابق پروگرام پہلے دفاتر تحریکِ جدید کے احاطہ میں تشریف لے گئے جہاں تھوڑی دیر کے لئے اطفال الاحمدیہ نے عنایت اللہ صاحب انسٹرکٹر کی سرکردگی میں پی ٹی کا مظاہرہ کیا جو حضورؓ نے ملاحظہ فرمایا اور پھر دفاتر تحریکِ جدید کے اندر تشریف لے گئے اور کمروں کا معائنہ فرمایا معائنہ کے وقت تمام عملہ اپنے اپنے کمروں میں حسبِ ہدایت کام کرتا رہا صرف قائم مقام وکیل اعلیٰ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب اور ناظر صاحب اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ اور بعض دوسرے دوست حضورؓ کے ہمرکاب تھے۔ دفاتر تحریکِ جدید میں سب سے پہلے حضورؓ دفتر وکالتِ تبشیر میں تشریف لے گئے وہاں دفتر کو ملاحظہ فرمانے کے بعد حضور نے ہدایت فرمائی کہ ہر ملک کے علیحدہ علیحدہ بڑے بڑے نقشے دفتر کی دیواروں پر چاروں طرف آویزاں ہونے چاہئیں تا جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں کا ہر وقت صحیح طور پر اندازہ ہوتا رہے۔ اِس معائنہ کے وقت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر و قائم مقام وکیل اعلیٰ موجود تھے۔ اس کے بعد حضور دفتر

تجارت میں تشریف لے گئے جہاں قریشی عبدالرشید صاحب وکیل التجارت نے اپنے دفتر کا معائنہ کروایا۔ پھر حضور وکالتِ تعلیم، وکالتِ صنعت اور دفتر ریویو آف ریلیجنز میں تشریف لے گئے جہاں میاں عبدالرحیم احمد صاحب وکیل التعلیم موجود تھے۔ بعد ازاں حضور نے دفتر سندھ ویجی ٹیبل آئیل، نائب وکالتِ تصنیف، اور وکالتِ قانون کے دفاتر کا معائنہ فرمایا اور کمیٹی رُوم میں تشریف لائے جہاں غیرملکی طلباء اور شاہدین جمع تھے۔ اس کے بعد دفتر سیکرٹری مجلس تحریکِ جدید، دفتر وکیل الدیوان، دفتر وکالتِ عُلیا، دفتر وکالتِ زراعت اور دفتر آڈیٹر تحریکِ جدید کا معائنہ فرمایا۔ دفتر آڈیٹر میں بابو محمد اسمٰعیل صاحب معتبرؓ آڈیٹر تحریکِ جدید موجود تھے۔ پھر حضور نے دفتر امانت جائیداد ملاحظہ فرمایا جہاں ماسٹر فقیر اللہ صاحبؓ افسر امانت موجود تھے۔ پھر حضور نے دفتر وکیل المال ثانی دیکھا جہاں قاضی محمد رشید صاحب وکیل المال موجود تھے۔ پھر دفتر وکیل المال اوّل میں حضور تشریف لے گئے جہاں چوہدری برکت علی خاں صاحبؓ وکیل المال اوّل نے حضور کو اپنے دفتر کا معائنہ کروایا۔ اِس معائنہ سے فارغ ہونے کے بعد حضور پھر دفاتر تحریکِ جدید کے ہال میں تشریف لے گئے۔ اس وقت تمام کارکنان تحریکِ جدید کے ہال میں جمع ہو گئے اور حضور نے دفاتر تحریک جدید کے بابرکت ہونے کے لئے افتتاحی دُعا فرمائی۔ دعا سے فارغ ہو کر حضور ساڑھے دس بجے دفاتر صدر انجمن احمدیہ میں تشریف لائے اور تمام دفاتر کا معائنہ فرمایا اس وقت حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ناظر اعلیٰ اور حضرت مرزا عزیز احمد صاحبؓ ایڈیشنل ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب بھی ساتھ تھے۔ انجمن کا باقی عملہ اپنے اپنے کمروں میں کام کرتا رہا۔

حضور سب سے پہلے عمارت کے غربی جانب نظامت جائیداد کے دفتر میں تشریف لے گئے جہاں چوہدری صلاح الدین صاحب ناظم جائیداد اپنے عملہ کے ساتھ موجود تھے پھر حضور نے نظارت علیا اور حفاظت مرکز کے دفاتر کا معائنہ فرمایا۔ اس کے بعد حضور انگریزی ترجمۃ القرآن کے دفتر میں تشریف لائے جہاں ملک غلام فرید صاحبؓ ایم۔اے موجود تھے۔ پھر دفتر تعلیم و تربیت میں تشریف لے گئے یہاں مولوی محمد دین صاحب ایم۔اے ناظر تعلیم و تربیت اپنے عملہ کے ساتھ موجود تھے۔ اِس کے بعد حضور نے نظارت دعوۃ و تبلیغ کے دفتر کا معائنہ فرمایا جہاں سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ ناظر دعوۃ و تبلیغ تشریف رکھتے تھے۔ پھر دفتر بیت المال میں تشریف لے گئے جہاں خان صاحب مولوی فرزند علی خان صاحبؓ ناظر بیت المال اپنے عملہ کے ساتھ تشریف رکھتے تھے۔ اِس کے بعد حضور خزانہ اور دفتر

محاسب میں تشریف لے گئے جہاں مکرم میاں عبدالباری صاحب محاسب صدر انجمن احمدیہ نے حضور کا استقبال کیا۔ پھر حضور دفتر بہشتی مقبرہ، دفتر تالیف و تصنیف، دفتر آڈیٹر، دارالقضاء اور دفتر امور عامہ میں تشریف لے گئے بہشتی مقبرہ کے دفتر میں مکرم بابو عبدالعزیز صاحب سیکرٹری مجلس کارپرداز، دفتر تالیف و تصنیف میں مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ انچارج صیغہ تالیف و تصنیف، دفتر آڈیٹر میں مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ، دارالقضاء میں مولانا تاج الدین صاحبؓ ناظم دارالقضاء اور امور عامہ میں مکرم کیپٹن ملک خادم حسین صاحب قائمقام ناظر امور عامہ نے حضور کا استقبال کیا اور اپنے اپنے دفاتر کا معائنہ کروایا۔

اِس معائنہ سے فارغ ہونے کے بعد حضور احاطہ دفاتر صدر انجمن احمدیہ میں اس سائبان کے نیچے تشریف لے گئے جہاں صحابہ کرام اور سلسلہ کے مہمانان اور تعلیمی ادارہ جات کے نمائندے اور ربوہ کے مدعو حضرات کرسیوں پر تشریف رکھتے تھے۔ تحریکِ جدید اور صدر انجمن احمدیہ کے تمام کارکنان بھی اس جلسہ اور اجتماعی دُعا میں شرکت کے لئے اپنے اپنے دفاتر سے آکر شریک ہو گئے تھے۔

حضور نے سٹیج پر تشریف فرما ہو کر دفاتر صدر انجمن احمدیہ کا نقشہ ملاحظہ فرمایا اور پھر ایک وسیع ہال کی تعمیر کے متعلق جس کی تجویز قادیان میں ہوئی تھی مکرم جناب ناظر صاحب اعلیٰ سے گفتگو فرماتے رہے۔ یہ ہال دفاتر صدر انجمن احمدیہ کے غربی جانب کے میدان میں بننا تجویز ہوا تھا۔ اِس موقع پر حضور نے صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر کے لئے مزید ۲ بڑے اور ۲ چھوٹے کمروں کی منظوری بھی مرحمت فرمائی کیونکہ دفاتر کی موجودہ عمارت اپنی وسعت کے باوجود صدر انجمن کی وسیع ضروریات اور بڑھتے ہوئے عملہ کے لئے ناکافی ثابت ہو رہی تھی اور باوجود اس کے کہ بعض کمروں میں دو دو دفتر قائم کئے گئے تھے پھر بھی مشکل کا سامنا ہو رہا تھا۔

معائنہ کے بعد اجتماعی دُعا کا پروگرام تلاوت قرآنِ مجید سے شروع ہوا جو جناب ماسٹر فقیر اللہ صاحبؓ نے خوش الحانی سے کی۔ آپ نے اِس موقعہ پر سُورۃ الفتح کے پہلے رکوع کی تلاوت کی جو ایک نہایت ہی موزوں انتخاب تھا۔ اِس کے بعد شیخ رشید احمد صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حسبِ ذیل نظم پڑھ کر سامعین کو محظوظ کیا۔ ؎

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے ❊ کوئی دِیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلائے ❊ یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے

ازاں بعد صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے تحریکِ جدید کی طرف سے ایڈریس پیش کیا جس میں

بیرونی مشنوں کی وسعت کا ذکر کرکے بتایا کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے تحریکِ جدید کو دُنیا کے کثیر التعداد ملکوں میں اسلام کی خدمت کے لئے مشن قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اس ایڈریس کے بعد عبدالشکور صاحب سوز طالبِ علم جامعۃ المبشرین نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل اشعار خوش الحانی کے ساتھ سُنائے ؎

بہار آئی ہے اب وقتِ خزاں میں
لگے ہیں پھول میرے بوستاں میں
ملاحت ہے عجب اِس دلستاں میں
ہوئے بدنام ہم اس سے جہاں میں
عدو جب بڑھ گیا شور و فغاں میں
نہاں ہم ہو گئے یارِ نہاں میں
ہوا مجھ پر وہ ظاہر میرا ہادی
فسبحان الّذی اخزی الاعادی

اِس کے بعد حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے کارکنانِ صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے حضورؓ کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا جس میں ہجرت کے غیر معمولی دھکّے کے باوجود سلسلہ کے کام میں غیر معمولی وسعت کا ذکر کرکے بتایا کہ یہ عظیم الشّان عمارت جس کے بنانے کی ہمیں ربوہ میں توفیق ملی ہے اِس بات کی علامت ہے کہ ہمارے علیم و قدیر خدا کا یہ منشا ہے کہ جماعت کے وسیع اور عالمگیر مقصد کے پیشِ نظر ہمیں ہر حال میں اپنے کاموں اور اپنے سامانوں کو وسیع کرتے چلے جانا چاہیئے حتّٰی کہ وہ الہامی بشارت اپنی تکمیل کو پہنچ جائے کہ

"بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید   و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد"

اِس ابتدائی پروگرام کے بعد حضرت المصلح الموعود (رضی اللہ عنہ) نے ایک پُر معارف تقریر فرمائی جو ایک گھنٹہ تک جاری رہی۔ فرمایا:۔

"مایوسیاں اور ناکامیاں ان لوگوں کو زیادہ شاق گزرتی اور انہیں زیادہ صدمہ پہنچانے والی ہوتی ہیں جو کامیابی کے زمانہ میں یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ انہیں کبھی مایوسی نہیں آئے گی۔ اِس وجہ

سے ہجرت کا جو صدمہ ہماری جماعت کو پہنچ سکتا تھا اور پہنچا اس میں کوئی دوسری جماعت ہندوستان کی ہو یا پاکستان کی شریک نہیں۔ اور شریک نہیں ہو سکتی تھی۔میری توجہ تو اللہ تعالیٰ نے ۱۹۳۴ء سے ہی ادھر پھیر دی تھی کہ ہمارے لئے اِس قسم کا کوئی صدمہ مقدّر ہے۔چنانچہ یہ بات میرے ۱۹۳۴ء کے خطبات میں موجود ہے جن میں یہ مضمون بڑے زور سے بیان کیا گیا ہے اور اِس کے بعد اس کی تکرار بھی ہے لیکن ہماری جماعت نے اِس طرف کوئی توجہ نہ کی۔مَیں یہ نہیں کہتا کہ یہ ان کی کسی غلطی یا کمزوریٔ ایمان کی وجہ سے تھا بلکہ یہ ان کی مضبوطیٔ ایمان کی وجہ سے تھا۔ہاں یہ الٰہی کلاموں کی تشریح میں کوتاہی اور غفلت کا ثبوت ضرور تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے الہاموں میں یہ بات موجود تھی کہ قادیان ترقّی کرے گا، بڑھے گا، پھُولے گا اور پھلے گا اور احمدیت اِس جگہ راسخ ہوگی۔اِس لئے جماعتِ احمدیہ جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہاموں اور پیشگوئیوں پر پورا یقین تھا اِس میں شبہ کرنے کے لئے کبھی بھی تیار نہیں تھی اور یہ ماننے پر آمادہ نہیں تھی کہ قادیان سے انہیں ہجرت کرنا پڑے گی۔پس اِن کا اِس بُنیاد پر یہ یقین رکھنا کہ چاہے کتنے ہی حوادث ہوں یہ جگہ ہمارے ہاتھ سے نہیں جائے گی ان کے ایمان کا ثبوت ہے لیکن ساتھ ہی اِس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ الٰہی کلاموں اور ان کی تشریحوں میں جو کبھی کبھی تعطّل واقع ہو جایا کرتا ہے اور کبھی کبھی ان کی تعبیر وقتی طور پر ٹل بھی جایا کرتی ہے اِس کے سمجھنے میں اِن کی طرف سے کوتاہی واقع ہوئی۔

جن دنوں قادیان پر حملے ہو رہے تھے اور ہم سب دُعاؤں میں مشغول تھے مَیں ایک دن بہت ہی زور سے دُعا کر رہا تھا کہ مجھے الہام ہؤا اینما تکونوا یأت بکم اللہ جمیعًا۔

مَیں نے اس وقت سمجھ لیا کہ ہمارے لئے عارضی طور پر پراگندگی ضروری ہے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی جاؤ مَیں کسی دن برکت اور یُمن کے ساتھ تم سب کو واپس لے آؤں گا۔ یہ آیت قرآن کریم میں ہے اور درحقیقت یہ مسلمانوں کے ہجرت کے بعد مکّہ واپس آنے پر دلالت کرتی ہے اور اِس میں دونوں پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں ہجرت کی بھی اور ہجرت کے بعد مکّہ واپس آنے کی بھی۔یعنے پہلے ہجرت ہوگی اور پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کامیابی کے ساتھ مکّہ واپس لائے گا۔ نادان لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ چونکہ ہم قادیان واپس جانا چاہتے ہیں اِس لئے ہم ہندوستان

کے ساتھ سازش کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ حُبّ الوطنی کے خلاف تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں ان کا یہ اعتراض ایسا ہی بیہودہ اور ناپاک ہے جیسے کوئی کہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ کفّارِ مکّہ سے سازش کر کے مکّہ واپس آنا چاہتے تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خدا نے کہا تھا کہ مَیں تمہیں مکّہ واپس لاؤں گا تو اِس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ تم سازش کے ساتھ یا منت سماجت کر کے اور ذلیل ہو کر جاؤ گے بلکہ یہ کہا تھا کہ تم کامیاب و کامران ہو کر مکّہ واپس جاؤ گے۔ پس اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکّہ واپس جانا آپؐ کی کامیابی و کامرانی اور عزّت کی دلیل ہے تو یہی بات آپؐ کے خادموں کے لئے بھی عزّت اور ان کے مقرّب ہونے کی دلیل ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں اِس طرح قادیان واپس نہیں لے جائے گا کہ ہم دیانت اور امانت اور حُبّ الوطنی کے جذبات کو ترک کر کے وہاں جائیں بلکہ وہ ہمیں اِس طرح وہاں لے جائے گا کہ ہم دین اور وطن اور حکومت کے لئے عزّت کا موجب ہو کر وہاں جائیں گے۔ اِس قسم کے مُعترض محض تنگدلی، عناد اور تعصّب کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں اور ان حقائق کے ماننے سے انکار کرتے ہیں جو ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ الٰہی جماعتوں کے ذریعہ دُنیا میں پیش کئے جا چکے ہیں اور جب یہ حقائق کئی دفعہ الٰہی جماعتوں کے ذریعہ دُنیا میں پیش کئے جا چکے ہیں تو ان کے بارہ میں دھوکا نہیں کھایا جا سکتا۔ پس یہ ایک دھکا تھا جو ہماری جماعت کے لئے پہلے سے مقدر تھا۔ اس وقت جماعت کے بعض لوگ ان لوگوں کو جنہیں مَیں قادیان سے باہر بھجوا رہا تھا ہِل کر یہ کہتے تھے یہ تو چند دن کی بات ہے تھوڑے ہی دِنوں میں یہ حالت دُور ہو جائے گی ورنہ یہ ہو نہیں سکتا کہ قادیان ہمارے ہاتھ سے چلا جائے۔ پھر ان چند دنوں کے لئے اِس قدر پریشانی کی کیا ضرورت ہے۔ قادیان کو چھوڑ کر جانا ایمان کی کمی کی علامت ہے مگر آج یہاں وہ لوگ بھی بیٹھے ہیں جو نظام کے ماتحت قادیان سے باہر آنے والوں پر مُعترض تھے وہ اُس وقت قادیان سے باہر آنا کمیٔ ایمان کی علامت قرار دیتے تھے اور اب وہ خود بھی یہاں موجود ہیں۔ گویا جو بات مَیں نے بتائی تھی وہ صحیح تھی اور جس امر کی طرف اِن کا ذہن جا رہا تھا وہ غلط تھا۔ لازمی طور پر وہ لوگ جو آنے والوں کو کہتے تھے کہ تم کہاں جا رہے ہو یہ تو چند دن کی پریشانی ہے قادیان ہمارے ہاتھ سے نہیں جا سکتا غلطی پر تھے اور ان کی یہ بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہاموں کی تشریح کو نہ سمجھنے اور

ان سے اغماض کرنے کی دلیل تھی۔ اب وہ ان لوگوں کے سامنے یہاں بیٹھے ہیں جنہیں وہ قادیان سے آنے پر ملامت کرتے تھے تو انہیں کس قدر شرم آ رہی ہوگی اور ان کی طبیعت پر یہ بات کس قدر گراں گذر رہی ہوگی کہ وہ لوگ جنہیں وہ کہتے تھے کہ تم بیوقوف ہو کہ قادیان سے باہر جا رہے ہو اب وہ انہیں دیکھ کر کہیں گے کہ آپ کہاں آ گئے۔ بہرحال جس طرح یہ صدمہ جماعتِ احمدیہ کو پہنچا ہندوستان اور پاکستان کی کسی اَور جماعت کو نہیں پہنچا۔ پھر ہم نے یہ تجویز کی کہ ہم ایک نیا مرکز بنائیں۔ مجھے خدا تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ ہمیں نئے مرکز کی ضرورت ہوگی اور ایک رؤیا میں مجھے صاف طور پر نظر آیا تھا کہ ہم ایک نئی جگہ پر اپنا مرکز بنا رہے ہیں۔ اس وقت بھی اِسی اثر کے نیچے یہ پیشگوئیاں شروع ہوئیں کہ ہمیں نئے مرکز کی کیا ضرورت ہے۔ وہ لوگ ہمارے ساتھ قادیان سے نکل تو آئے تھے لیکن ابھی ان کے اندر یہ خیال باقی تھا کہ یہ چار پانچ ماہ یا زیادہ سے زیادہ ایک سال کی بات ہے اِس کے بعد ہم قادیان واپس چلے جائیں گے لیکن میرا نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ چاہے چار ماہ کے لئے ہو یا چار دن کے لئے ہمیں خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لئے ایک مرکز قائم کرنا چاہیئے۔ تم ریل کے تین چار گھنٹے کے سفر میں بھی آرام چاہتے ہو اور سیٹ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہو تو کیا وجہ ہے کہ دین کی اشاعت اور دین کے آرام کا خیال نہ رکھا جائے۔ اِس کے لئے مرکز کی تلاش کیوں نہ کی جائے۔ ایک پراگندہ جماعت اشاعتِ دین کا کام نہیں کر سکتی۔ جو جماعت یہ خیال کرتی ہے کہ دس بارہ ماہ اشاعتِ دین کا کام نہ ہُوا تو کیا ہُوا وہ جماعت جیتنے والی نہیں ہوتی شکست خوردہ ذہنیّت کی مالک ہوتی ہے۔ کام کرنے والی اور اپنے مقصد کو پُورا کرنے والی جماعت وہ ہوتی ہے جو کہے کہ ہمارا ایک دن بھی ضائع نہیں ہونا چاہیئے۔ پھر مَیں نے ان لوگوں کو بتایا کہ دیکھو اتنی بڑی مصیبت ایک دو دن کے لئے نازل نہیں ہُوا کرتی یہ ایک وقت چاہتی ہے۔ جب کبھی خدا تعالیٰ نے کسی مصیبت کو جلدی سے ٹلا دینا ہو تو وہ اسی نسبت سے مصیبت کو نازل کرتا ہے۔ دیکھو جب کسی کا باپ مرتا ہے، ماں مرتی ہے یا کوئی اَور رشتہ دار مرتا ہے، جو خاندان کا نگران ہوتا ہے تو کتنی آفت آ جاتی ہے۔ اب خدا تعالیٰ نے یہ قانون نہیں بنایا کہ کوئی صبح مرے تو شام کو جی اُٹھے بلکہ اس کا یہ قانون ہے کہ وہ اگلے جہان میں زندگی پاتا ہے اور اس کے وہ رشتہ دار جو اس سے ملنے کی تمنّا رکھتے ہیں وہ بھی ایک لمبے عرصہ کے بعد وفات پا کر اس سے ملتے ہیں پہلے نہیں۔ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو سات آٹھ سال کے بعد مکّہ فتح ہوُا اور اس کے بعد بھی خدا تعالےٰ نے ایسے سامان کر دیئے کہ آپؐ مکّہ میں نہیں بسے بلکہ صحابہؓ نے تو نبوّت کے پانچویں سال ہی حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی جس کے معنی یہ تھے کہ وہ ۱۶ سال تک وطن سے الگ رہے پھر کہیں جا کر مکّہ فتح ہوُا۔ مگر جب مکّہ فتح ہوُا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی مدینہ کو ہی اپنا مرکز بنائے رکھا گویا ان کے لئے ہمیشہ کے لئے ہجرت ہو گئی۔ تو مَیں نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ یہ تین چار ماہ کی بات نہیں اور اگر یہ تین چار ماہ کی بات بھی ہو تب بھی جب تم تھوڑی دیر کے لئے بھی اپنے لئے آرام چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ کے دین اور اشاعت کے لئے سالوں انتظار کیوں کیا جائے۔ بہرحال ایک طبقہ کی مخالفت کے باوجود جماعت نے یہی فیصلہ کیا کہ میری رائے ہی ٹھیک ہے اور ہمیں مرکز بنانا چاہیئے۔ چنانچہ یہ جگہ جو میری بعض پُرانی خوابوں سے مطابقت رکھتی تھی مرکز کے لئے تجویز کی گئی۔ جو لوگ یہاں بیٹھے ہیں ان میں سے تھوڑے سے ہی ہیں جنہوں نے اِس جگہ کو ابتدائی حالت میں دیکھا اکثر نے اِسے ابتدائی حالت میں نہیں دیکھا۔

ابتدائی حالت میں یہاں بسنے والے غالباً ۳۵ آدمی تھے ان کے لئے سڑک کے کنارے خیمے لگائے گئے تھے جہاں اب بھی بعض کمرے بنے ہوئے ہیں۔ ان میں ابتدائً لنگر بنا تھا اب وہ سٹور کا کام دیتے ہیں۔ ایک سال کے قریب وہاں گذارا۔ پھر لاکھوں روپے خرچ کر کے ہم نے عارضی مکان بنائے تا ان میں وہ لوگ بسیں جنہوں نے شہر آباد کرنا ہے۔ پھر لاکھوں روپے خرچ کر کے یہ بلڈنگس بنیں جو اَب تمہیں نظر آتی ہیں۔ اِس عظیم الشّان صدمہ کے بعد جماعت نے اتنی جلدی یہ جگہ اِس لئے بنائی تا کہ وہ مل کر رہ سکیں۔ اکٹھے رہ کر مشورے کر سکیں۔ سکول اور کالج بنائیں تا کہ اُن کی اولاد تعلیم حاصل کرے۔ اِس کے مقابلہ میں وہ لوگ جن کو اتنا صدمہ نہیں پہنچا ان میں سے کوئی جماعت بھی اپنا مرکز نہیں بنا سکی۔ بعض مُعترض کہتے ہیں کہ ہمارا یہاں ایک علیحدہ جگہ بس جانا ملک سے بیوفائی کی علامت ہے۔ یہ نہایت ہی احمقانہ خیال ہے کیونکہ ایک قسم کے کام کرنے والوں کے لئے اکٹھا رہنا ضروری ہوتا ہے چاہے وہ حُبّ الوطنی میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے کیوں نہ ہوں۔ دوسرے شہروں میں جاؤ وہاں تم دیکھو گے کہ تمام نیچہ بند اکٹھے رہتے ہیں۔ نائی اکٹھے رہتے ہیں۔ دھوبی اکٹھے رہتے ہیں۔ موچی اکٹھے رہتے ہیں کیونکہ انہیں اپنے کام کے سلسلہ میں ایک دوسرے

کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ لوگ اکٹھے نہ رہیں تو بہت سی مشکلات کا سامنا ہو مثلاً اگر ایک نائی بیمار ہو جائے اور اس کا قائمقام وہاں موجود نہ ہو تو لوگوں کو کتنی دِقت کا سامنا ہو۔ ایک دھوبی کا مسالہ ختم ہو جائے تو وہ اپنے ساتھیوں سے مانگتا ہے۔ اگر اس کے قریب دوسرے دھوبی نہ ہوں تو اس کے کام میں روک پیدا ہو جائے۔ نیچہ بندی کے سلسلہ میں بھی بعض چیزیں ختم ہو جاتی ہیں تو نیچہ بند اپنے ہمسایوں اور اپنے قریب رہنے والوں سے مانگ لیتے ہیں۔ اگر ایک نیچہ بند ایک شہر میں رہتا ہو اور دوسرا دوسرے شہر میں تو وقتی ضرورت کے وقت کیا وہ دوسرے شہروں میں جاکر وہاں کے نیچہ بندوں سے وہ چیزیں مانگے گا۔

غرض ایک ہی کام کرنے والوں یا ایک ہی قسم کے پیشہ وروں کا اکٹھا رہنا ضروری ہے اور یہ معاشرتی اور اقتصادی حالت کا نتیجہ ہے حُبّ الوطنی کی کمی کا نتیجہ نہیں۔ کراچی اور لاہور کے شہروں میں دیکھ لو کیا ایک ہی پیشہ والے لوگ اکٹھے نہیں رہتے۔ ہم تو اب بھی اِس بات کے قائل ہیں کہ جو لوگ مشرقی پنجاب سے آئے ہیں ان میں سے جن کے آپس میں تعلقات تھے انہیں یہاں آکر الگ الگ قصبات بسانے چاہیئے تھے۔ مَیں نے تو ۱۹۴۷ء میں یہاں تک کہا تھا کہ اُردو دانوں کی بھی الگ بستی ہونی چاہیئے تاکہ ان کی زبان خراب نہ ہو۔ اب اگر میری تجویز کے مطابق اُردو دان الگ شہر آباد کر لیں تو کیا یہ لوگ کہیں گے کہ ان کا ایسا کرنا حُبّ الوطنی کی کمی کی وجہ سے ہے حالانکہ انہوں نے الگ شہر اِس لئے آباد کیا ہوگا تاکہ زبان کی سی قیمتی چیز ضائع نہ ہو حقیقت یہ ہے کہ موجودہ صورت میں اُردو زبان زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی۔ اُردو دان پنجابیوں میں بس رہے ہیں اور ان کی اولادیں پنجابی زبان سیکھ رہی ہیں۔ ہمارے اپنے رشتہ داروں کی یہی حالت ہے۔ وہ دہلی میں رہتے تھے تو ان کی زبان ٹکسالی زبان سمجھی جاتی تھی۔ ان میں کثرت سے ادیب پائے جاتے تھے۔ وہ ماہرینِ زبان تھے مگر اب وہ اِدھر آگئے ہیں اور ان میں دس بیس گھرانے لاہور میں بس گئے ہیں۔ بعض جیل روڈ پر آباد ہیں بعض شیرانوالہ گیٹ میں ہیں اور بعض میو روڈ پر ہیں یعنی وہ دس بیس[۲۰] گھرانے بھی لاہور کے مختلف علاقوں میں آباد ہیں۔ پنجابی ماحول کی وجہ سے ان کی اولادیں پنجابی زبان سیکھ رہی ہیں۔ اگر کسی بچے کے پیٹ میں درد ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے "اماں میرے ڈِڈھ وچہ پیڑ ہوندی اے" اور مائیں انہیں پنجابی زبان بولتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوتی ہیں اور ہنس کر کہتی

ہیں کہ دیکھیں یہ بچہ کس طرح آسانی کے ساتھ پنجابی زبان بولتا ہے۔ گویا خواجہ میر درؔد کا نواسہ، مرزا غالب اور مومن خاں کا بھانجا 'میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے' کی بجائے 'میرے ڈِڈھ وچہ پیڑ ہوندی اے' کہتا ہے اور ماں ہنس کر کہتی ہے دیکھیں ہمیں تو پنجابی بولنی نہیں آتی مگر یہ بچہ خوب پنجابی بول سکتا ہے۔

پس مَیں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ گورنمنٹ تھل کا علاقہ آباد کرنا چاہتی ہے تو اسے چاہیئے کہ مظفر گڑھ کے علاقہ میں چالیس میل کا علاقہ صرف اُردو دانوں کے لئے وقف کر دے تاکہ جو لوگ قربانی کر کے وہاں آباد ہو سکیں آباد ہو جائیں اور اِس طرح اُردو زبان محفوظ ہو جائے لیکن شاید وہ اُردو دان مجھ سے زیادہ عقلمند تھے کہ وہ اکٹھے ایک جگہ آباد نہ ہوئے تا کل کوئی معترض یہ نہ کہہ سکے کہ ان کا ایک علاقہ میں آباد ہونا حُبّ الوطنی کے خلاف ہے حالانکہ ایک خاص قسم کی تنظیم اور مقصد کو سامنے رکھنے والے لوگ بالعموم ایک ہی جگہ پر اکٹھے رہتے ہیں اور ان کا ایسا کرنا معاشرتی اور اقتصادی حالت کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔ کوئی جماعت اخلاق کی تعلیم دیتی ہے کوئی جماعت تصوّف کی طرف مائل ہوتی ہے کوئی جماعت احادیث کو رواج دینا چاہتی ہے اور اسے اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے اکٹھا رہنے کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً اہلحدیث کی ایک شاخ نے دیوبند آباد کیا تھا۔ اِسی طرح بعض جگہیں دوسرے اہلِ حدیث نے بنائی ہیں۔ مثلاً حضرت شیخ احمد صاحب سرہندیؒ کے مریدوں نے بعض جگہیں بنائی ہیں کیونکہ ان کا اپنے مقصد کو پُورا کرنے کے لئے اکٹھے رہنا ضروری تھا اگر وہ لوگ الگ الگ جگہوں پر پھیلے ہوئے ہوں تو وہ سکول اور کالج کس طرح چلا سکتے ہیں۔ اگر وہ لاہور، گوجرانوالہ، گجرات اور لائل پور میں پھیلے ہوئے ہوں اور ان کا کالج لاہور میں ہو تو کیا ان کے لڑکے ان تمام ضلعوں سے لاہور جائیں گے تاکہ وہ اپنے کالج میں تعلیم حاصل کر سکیں یا اگر ایک ہی مقصد رکھنے والے لوگ ضلع لاہور کے مختلف شہروں میں آباد ہوں تو کیا ان کے بچے کسی ایک پرائمری سکول میں اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ اور اگر وہ ایک شہر میں رہتے ہوں تو ان کا کالج چل سکتا ہے۔ اگر وہ ایک محلہ میں رہتے ہوں تو ان کا پرائمری سکول چل سکتا ہے لیکن اتنی چھوٹی سی بات بھی ہمارے ملک کے بعض افراد کی سمجھ میں نہیں آتی۔ ہم نے تو اُس وقت شور مچایا تھا کہ امرتسر والوں کو بھی الگ شہر آباد کرنا چاہیئے کیونکہ انہوں نے ایک خاص قسم کا ماحول

بنالیا تھا اور بعض خاص قسم کی تجارتیں اِس شہر میں چل رہی تھیں۔ہم نے اس وقت یہ کہا تھا کہ جالندھر، پانی پت اور لدھیانہ والوں کو بھی الگ الگ قصبات آباد کرنے چاہئیں تاکہ خاص قسم کی تجارتیں اور صنعتیں جو ان شہروں میں چل رہی تھیں دوبارہ جاری کی جاسکیں۔ اگر انہیں الگ الگ جگہوں پر بسایا گیا تو وہ مخصوص تجارتیں اور صنعتیں تباہ ہوجائیں گی۔ہم نے اِس بات پر بھی زور دیا تھا کہ زبانِ اُردو کو زندہ رکھنے کے لئے اس کے بولنے والوں کو ایک علیحدہ علاقہ میں آباد کیا جائے اور پھر جو لوگ قربانی کرکے وہاں آباد ہوسکیں آباد ہوجائیں۔ وہاں وہ اپنے سکول بنائیں، کالج بنائیں تاکہ زبان صاف رہے۔ مَیں نے کہا تھا کہ اِس کے لئے چالیس میل کے رقبہ کی ضرورت ہے اِس لئے کہ قریب کا علاقہ زبان پر اثر ڈالتا ہے اگر بیچ میں شہر آباد ہوا ور اِردگرد بھی اس زبان کے بولنے والے آباد ہوں تو شہر کی زبان محفوظ رہے گی بلکہ ممکن تھا کہ اِردگرد کے علاقہ میں بھی اُردو زبان پھیل جاتی اور آہستہ آہستہ اکتالیسویں میل کے علاقہ کے لوگ بھی اُردو بولنے لگ جاتے۔ پھر بیالیسویں میل کے علاقہ والے بھی اُردو بولنے لگ جاتے۔پھر تینتالیسویں میل کے علاقہ والے بھی اُردو بولنے لگ جاتے کیونکہ اُردو ایک علمی زبان ہے اور علمی زبان جلد پھیل جاتی ہے۔

غرض ہم تو یہ تحریک کر رہے تھے کہ ہر تجارت، صنعت اور پیشہ سے تعلق رکھنے والے لوگ الگ الگ قصبات آباد کریں بلکہ اُردو دان بھی ایک الگ علاقہ میں آباد ہوں مگر اُلٹا ہم پر یہ الزام لگایا گیا کہ ہم حکومت کے خیر خواہ نہیں اور اِس وجہ سے الگ آباد ہونا چاہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شہروں کا بسانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔تغلق بادشاہ نے اپنے نام پر تغلق آباد بسانا چاہا لیکن باوجود اِس کے کہ وہ سارے ہندوستان کا بادشاہ تھا وہ یہ شہر آباد نہ کرسکا۔پس نئی جگہوں پر شہر بسانا اور پھر کسی سکیم کے ماتحت شہر بسانا آسان کام نہیں ہوتا۔بعض شہر اتفاقی طور پر بس جاتے ہیں لیکن ارادہ کے ساتھ شہر بسانا ہو تو وہ نہیں بستا۔لوگوں نے ہزاروں شہر بسائے جن میں سے صرف بیسیوں رہ گئے ہیں باقی سب اُجڑ گئے۔ صرف بغداد ایسا شہر ہے جسے مسلمانوں نے ارادہ کے ساتھ بسایا تھا اور وہ بس گیا لیکن جو رونق اِس کی پہلے زمانہ میں تھی اب نہیں رہی۔کسی زمانہ میں اِس کی آبادی چالیس لاکھ تھی اب دو لاکھ ہے۔اِسی طرح بعض اَور شہر بھی تھے جو بسائے گئے لیکن ان میں سے اکثر اُجڑ گئے اور ان کی جگہ ایسے شہر ترقی کرگئے جو

اقتصادی وجوہ سے یا پبلک میں ایک خاص رَو چل جانے کی وجہ سے خود بخود آباد ہو گئے تھے۔ پس ہمارا کام ایسا تھا کہ حکومت کو پبلک میں اسے بطور نمونہ پیش کرنا چاہیئے تھا اور ہمیں اِس کارنامہ پر شاباش دینی چاہیئے تھی بلکہ چاہیئے تھا کہ وہ فخر کرتی کہ اِس غریب جماعت نے جو اپنا سب کچھ لٹا کر یہاں آئی تھی ایک الگ شہر آباد کر لیا۔ کئی سوسائٹیاں اپنے ارادہ میں ناکام رہیں، اور ہمیں خدا تعالیٰ نے یہ موقعہ دیا کہ ہم نے باوجود کم مائیگی اور سامان اور ذرائع کے محدود ہونے کے شہر بسا لیا۔ یہ کتنی بڑی خدمت تھی مُلک کی کہ اتنی بڑی تعداد انسانوں کی جو لاہور میں بس رہی تھی ہم نے اسے یہاں آباد کر دیا اور لاہور کی CONGESTION کو دُور کر دیا۔ چھ سات ہزار نفوس کو ہم لاہور سے نکال لائے۔ آخر شہری طور پر یہ کتنا بڑا فائدہ ہے جو ہم نے لاہور کو پہنچایا۔ چاہیئے تھا کہ دوسری جماعتیں بھی ہم سے نمونہ لیتیں مگر بجائے اِس کے کہ وہ ہماری نقل میں قصبات تعمیر کرتے چونکہ وہ یہ کام نہ کر سکے اِس لئے انہوں نے ہم پر بغاوت کا الزام لگا دیا اور کہا کہ وہ جو اڑھائی تین میل کا علاقہ ہے اور ہر قسم کے سامانوں سے محروم ہے ملک کے لئے خطرناک قسم کی سرنگ بن گیا ہے۔ یہ غلط اور کمزور ذہنیت کا مظاہرہ تھا جو کیا گیا۔ تعلیم یافتہ طبقہ کو چاہیئے تھا کہ وہ ایسے معترضین کو اِس بات کی وجہ سے ملامت کرتا اور کہتا کہ تم کیوں بلاوجہ شک کرتے ہو اور ہمیں دھوکہ دیتے ہو۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ اس نے ان لوگوں کو ایک ایسے کام کی توفیق دی جو قوم اور ملک کے لئے باعثِ صد فخر ہے۔ ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ کام کرنے والوں سے حوصلہ پکڑتی ہیں اور ان سے نمونہ لیتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ یہ ملک اور قوم کے لئے ترقی کی ایک صورت پیدا کی گئی ہے لیکن ان معترضین نے یہ نمونہ دکھا کر اور یہ کہہ کر کہ اِس قصبہ کی وجہ سے ملک کا امن خطرہ میں پڑ گیا ہے ایک خطرناک کذب سے کام لیا۔ بہرحال ہم سمجھتے ہیں کہ ہم میں زور نہیں تھا، طاقت نہیں تھی۔ ہم بھی ویسے ہی تھے جیسے ہمارے دوسرے مہاجر بھائی ہیں۔ ہمارے سامان بھی کم تھے لیکن اِس کے باوجود خدا تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی کہ ہم اپنے آپکو دُکھ میں ڈالیں اور یہاں آ کر مکان بنائیں اور نہ صرف یہاں مکانات بنائیں بلکہ اپنے چندوں کو بھی قائم رکھیں۔ ناظر صاحب اعلیٰ نے ایڈریس میں کہا ہے کہ ہمارے چندے کم ہو گئے ہیں یہ بات درست نہیں ہمارے چندے کم نہیں ہوئے بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے برابر بڑھ رہے ہیں۔ اگر قادیان کے چندوں کو ملا لیا جائے جہاں دو اڑھائی لاکھ روپیہ کے قریب سالانہ

جمع ہوتا ہے تو چندے پہلے سے زیادہ ہیں اور اگر تحریکِ جدید کے چندوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ اَور بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔

بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس کی دی ہوئی نعمت ہے۔ چاہیئے کہ اِس پر جماعت کے اندر شکریہ کا احساس پیدا ہو۔ ہمیں افسوس ہے کہ دوسرے لوگوں نے ہمارے اِس کام کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ اگر وہ ہماری نقل کرتے اور بیس گاؤں اَور آباد کر لیتے تو ہم خوش ہوتے کہ انہوں نے پاکستان کی مضبوطی کا ثبوت دیا ہے اور فاتحانہ سپرٹ کا اظہار کیا ہے لیکن کام کرنے کی بجائے دوسروں پر دباؤ ڈالنا شکست کی علامت ہوتی ہے۔ یہ ایک قابلِ فخر کارنامہ تھا کہ اُجڑے ہوئے لوگوں نے ایک شہر بسا لیا اور ہمارا ملک اِس کارنامے پر دوسرے ملکوں میں فخر کر سکتا تھا اور کہہ سکتا تھا کہ آؤ دیکھو ہمارے مہاجروں نے کیسا شاندار کارنامہ سرانجام دیا ہے اور ان لوگوں نے مصائب پر ہنسنے کی توفیق پائی ہے۔

بہرحال جماعت کو چاہیئے کہ وہ دعا کرے کہ ہم جس مقصد کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ اسے پُورا کرنے کی توفیق بخشے۔

ہمارا مقصد یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کا نام بلند ہو۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ وسیع ہو۔ دینی تعلیم حاصل کرنے والے لوگ یہاں جمع ہوں اور وہ یہاں رہ کر دینی تعلیم حاصل کریں۔ ذکرِ الٰہی، نماز اور روزہ کا چرچا ہو۔ بُری رسومات سے بچنے کی توفیق ملے۔ خدا تعالیٰ ہمیں ان نیتوں اور ارادوں کو پورا کرنے کی توفیق بخشے اور ہمیں ہر شر سے محفوظ رکھے۔ اِس شر سے بھی جو ماحول کی وجہ سے پیدا ہو سکتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیں نظرِ بد سے بچائے اور اس شر سے بھی جو خود ہمارے نفس کے اندر پیدا ہو سکتا ہے۔ ہمیں بیرونی نظر بھی نہ لگے اور اندرونی طور پر بھی ہماری اِصلاح ہو اور اللہ تعالیٰ ہمیں ان فرائض کو کماحقہٗ پُورا کرنے کی توفیق دے جو ہمارے ذمہ لگائے گئے ہیں اور اسلام اُس وقت ترقّی کرے گا جب ہم ان فرائض کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر عائد کئے گئے ہیں اگر ہم ان کے مطابق زندگی بسر نہیں کریں گے تو اسلام ترقّی نہیں کر سکتا اور اگر ہم نے اشاعتِ دین کی طرف توجّہ نہ کی تب بھی اسلام ترقّی نہیں کر سکتا۔

پس تم دُعائیں کرو۔ ذکرِ الٰہی کرو اور اپنے اعمال کی اِصلاح کرو تا خدا تعالیٰ تمہیں اشاعتِ

دین کی توفیق بخشے جو تمہارے ذمّہ لگائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں حاسدوں کے حسد اور کینہ وروں کے کینے سے محفوظ رکھے۔ وہ تمہارا خود حافظ و ناصر ہو اور تمہیں ان دشمنوں سے بھی بچائے جنہیں تم جانتے ہو اور ان دشمنوں سے بھی بچائے جنہیں تم نہیں جانتے"۔ [۱]

اِس بصیرت افروز تقریر کے بعد حضور نے لمبی دعا فرمائی اور پھر تمام حاضرینِ مجلس اور کارکنان میں شیرینی تقسیم کی گئی اور یہ خوشکن اور رُوح پرور تقریب ختم ہوئی۔ متعدد دوستوں نے اِس تاریخی تقریب کے فوٹو لئے۔

غرض خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ تقریب نہایت خیر و خوبی اور عمدگی اور ظاہری و باطنی شان کے ساتھ سرانجام پائی۔ اِس تقریب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کے جن دوستوں نے سرگرمی سے حصّہ لیا ان میں ہر دو عمارتوں کے نگران حضرت خواجہ عبید اللہ صاحب ایس۔ ڈی۔ او اور چوہدری عبد اللطیف صاحب اوورسیئر اور ان کا عملہ بھی شامل تھا۔ اِس تقریب کی خوشی میں ۱۲ نومبر بروز ہفتہ دفاتر میں عام تعطیل کی گئی۔ [۲]

تحریکِ جدید کے پہلے انیس ۱۹ سالہ دَور کا کامیاب اختتام

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے نومبر ۱۹۳۴ء میں تحریکِ جدید کا آغاز فرمایا۔ ابتداءً یہ تحریک تین سالوں کی تھی پھر وہ دس سال تک ممتد کی گئی اور پھر اس کے لئے انیس سال کی حد لگائی گئی جو اللہ تعالےٰ کے فضل سے اِس سال اکتوبر ۱۹۵۳ء میں بخیر و خوبی اختتام کو پہنچی اور تحریکِ جدید کے دَورِ ثانی کے دفترِ اوّل کے سالِ اوّل کا آغاز ہوا۔ سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۷ نومبر ۱۹۵۳ء کے خطبہ میں جو حضور نے مسجد مبارک ربوہ میں ارشاد فرمایا تحریکِ جدید کے انیس سالہ دَورِ اوّل کے پُورے ہونے اور اس کے دوسرے انیس سالہ دَور کے شروع ہونے کا اِعلان فرمایا اور اس عالمگیر تبلیغی تحریک میں شرکت کرنے والوں کی نسبت ایک مستقل اور دائمی ہدایت بھی جاری فرمائی جو حضور کے الفاظ میں حسبِ ذیل تھی:۔

"مَیں نے سوچا ہے کہ اب تحریکِ جدید کی یہ شکل کر دی جائے کہ ہر دفتر جو بنے گا اس کے دَورِ اوّل اور دَورِ ثانی بنتے چلے جائیں اور ہر ایک ۱۹ سال کا ہو"۔

---

[۱] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۵ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ تا صفحہ ۵

[۲] روزنامہ "المصلح" ۲۷ نبوت ۱۳۳۲ ہش / ۲۷ نومبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳ ، ۵

نیز فرمایا :-

"ہر دَور کے بعد ایک کتاب لکھی جائے جس میں تمام حصہ لینے والوں کے نام محفوظ کئے جائیں اور اس کتاب کو جماعت کی لائبریریوں اور مساجد میں رکھا جائے تا آئندہ آنے والے اسے پڑھیں اپنی قربانیوں کا اس سے مقابلہ کریں اور دیکھیں کہ انہوں نے کس رُوح سے کام کیا ہے۔" ؎

حضرت المصلح الموعودؓ کی ہدایت کے ماتحت تحریکِ جدید انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ نے جون ۱۹۵۹ء میں تحریکِ جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین کی مفصل فہرست شائع کر دی جو ۴۸۶ صفحات پر مشتمل اور حضرت چوہدری برکت علی خان صاحب پنشنر وکیل المال تحریکِ جدید کی اَن تھک محنت اور عرق ریزی کا نتیجہ تھی۔

اِس فہرست کا دیباچہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے تحریر فرمایا اور حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل الاعلیٰ تحریکِ جدید نے اُس کے ابتدائی حصّہ زیرِ عنوان "تحریکِ جدید" کا سارا مسودہ خود پڑھا منظوری دی اور اس کے اخراجات منظور کرائے۔ مکرم چوہدری عبد الرحیم صاحب چیمہ ہیڈ کلرک نے السّابقون الاوّلون کی اِس کتاب کے صحیح اور بروقت حسابات بنانے میں حضرت چوہدری برکت علی خان صاحب کی مدد کی۔ بعد ازاں سیّد منعم الحسن صاحب کلرک وکالتِ مال نے ہر مجاہد کے بقایا جات کا حساب بنا کر اس کی وصولی کے لئے خاص جدّ وجہد کی۔ اِس مطبوعہ فہرست کے مطابق تحریکِ جدید کے انیس سالہ جہاد میں شرکت کرنے والے مجاہدین کی کُل تعداد ۵۴۴۲ بنتی ہے۔

جماعتِ احمدیہ کے مشہور شاعر جناب عبد المنان صاحب ناہید نے تحریکِ جدید کے کامیاب وکامران اور مظفر و منصور انیس سالہ دَورِ اوّل کے اختتام پذیر ہونے پر درج ذیل نظم کہی :-

"دفترِ اوّل کا مجاہد اپنے حضور میں"

خدا کی راہ میں مالی جہاد کی تحریک — ہے تیرے عزم و فراست کی چمکتی دلیل
ہزاروں خشک زمینوں کو کر گیا سیراب — یہ قطرہ قطرہ کہ دریا میں ہو گیا تبدیل
زمیں کے تیرہ کنارے بھی ہو گئے روشن — کہاں کہاں تیری تبلیغ کی گئی قندیل
دیار جن میں تھیں رقصاں جرس کلیسا کی — اذانیں ان کی فضاؤں میں ہو گئیں تحلیل

؎ روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۱ر دسمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳،۴

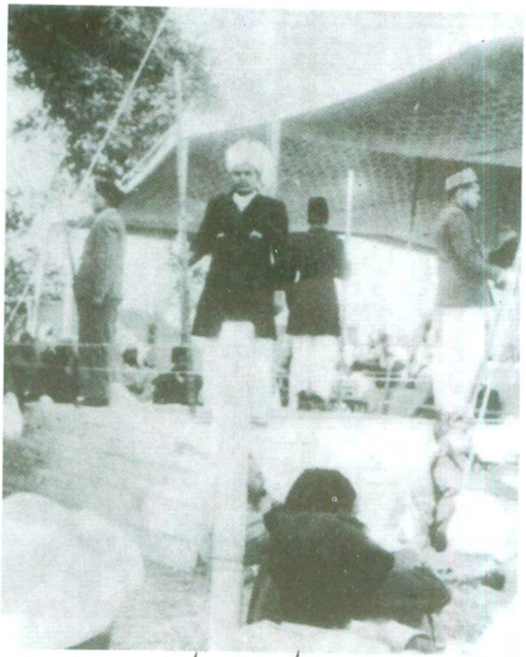

مکرم مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب

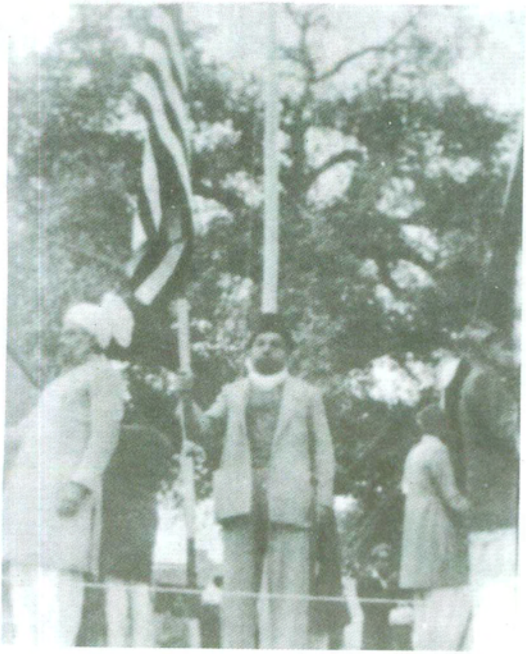

مکرم سیٹھ یوسف الہ دین صاحب و مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی

حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب تقریر فرما رہے ہیں

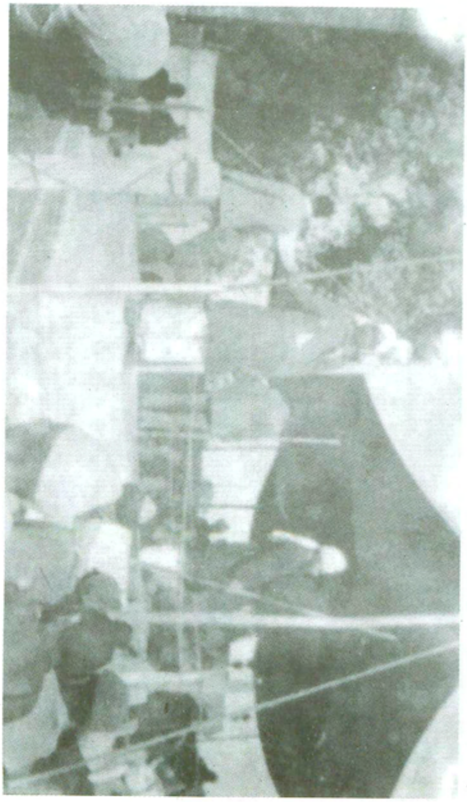

مکرم مولوی شریف احمد صاحب امینی و مکرم مولوی بشیر احمد صاحب

لوائے احمدیت کا پہرا

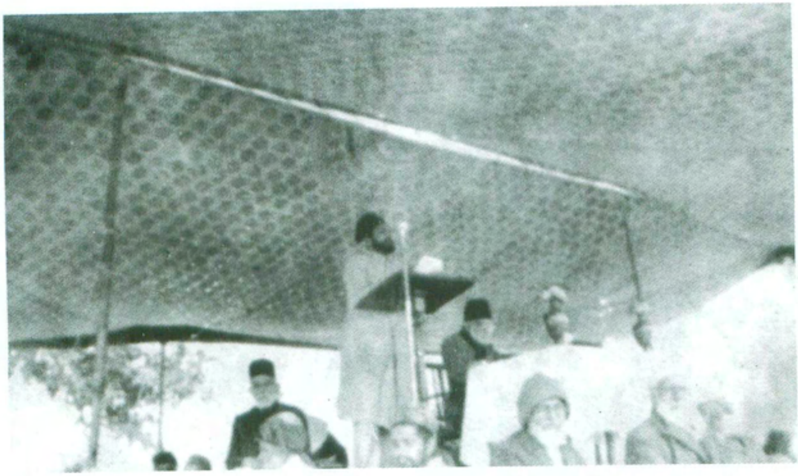

جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۳ء کے چند مناظر

جلسہ سالانہ قادیان میں شرکت کرنے والے پاکستانی قافلہ کا گروپ فوٹو (۲۹دسمبر۱۹۵۳ء بمقام قادیان)

وہاں وہاں ہوئیں آباد مسجدیں اپنی
جہاں خدا کا تصوّر بھی تھا جنوں کی دلیل

یہ ان غریبوں کی قربانیوں کا ثمرہ ہے
سمجھتے ہیں جنہیں اہلِ جہاں حقیر و ذلیل

اگرچہ شاہ بھی آئیں گے فرطِ زر لے کر
گراں ہے اس زرِ گوہر پہ یہ متاعِ قلیل

خدا کی راہ میں انّیس سالہ جدّوجہد
خدا کے فضل سے پہنچی بہ پایۂ تکمیل

وفورِ شکر سے ناہید بھی ہے سربسجود
شریکِ قافلہ تھا یہ بفضلِ ربِّ جلیل

یہ سال منزلِ مقصود کا نشاں ہے فقط
یہ سنگِ میل نئے عزم کر گیا تشکیل

ترے ایاز ہیں محمود منتظر تیرے
اشارہ چاہیئے کچھ اور انہیں پئے تعمیل[1]

فصل دوم

جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۳ء/۱۳۳۲ ہش

تحریکِ احمدیت کے دائمی مرکز قادیان میں اِس سال بھی ۲۶-۲۷-۲۸ دسمبر/ فتح کو جلسہ سالانہ منعقد ہُوا جو تقسیمِ برِّصغیر کے بعد ساتواں جلسہ تھا۔

اِس جلسہ کے لئے سیّدنا حضرت المصلح الموعودؓ نے بذریعہ تار ایک خصوصی پیغام دیا تھا جو پاکستانی قافلہ کے امیر چوہدری محمد اسد اللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء و امیر جماعتِ احمدیہ لاہور نے اجلاسِ اوّل میں پڑھ کر سُنایا۔ چوہدری صاحب نے تار کا اُردو ترجمہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"حضرت اقدس نے جو پیغام ارسال فرمایا ہے وہ اپنے الفاظ کے اعتبار سے بےشک مختصر ہے مگر اپنے معانی اور مفہوم کے لحاظ سے بہت وسیع ہے۔ حضرت مصلح موعود نے تمام حاضرین

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۳ اگست ۱۹۵۳ء/۱۳ ظہور ۱۳۳۲ ہش صٖ ۳ ۔

جلسہ کو سلام کہا ہے اور اس میں کوئی تخصیص نہیں فرمائی بلکہ اس وقت جلسہ کے اندر جو لوگ موجود ہیں چاہے وہ مسلمان ہوں یا ہندو ہوں یا سکھ ہوں یا عیسائی ہوں سب کو سلامتی کا پیغام دیا ہے اور فرمایا ہے کہ سلامتی ہو خدا کی طرف سے تم سب پر۔

حضور نے اپنی جماعت کو یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے ارادوں اور اُمنگوں کو بلند رکھو اور اپنے اخلاق کو ایسے عمدہ نمونہ میں لوگوں کے سامنے پیش کرو کہ وہ تمہارے گرویدہ ہو جائیں۔ پھر فرمایا ہے کہ تم سب اتحاد اور اتفاق کو قائم رکھ کر انسان اور انسانیت کے حقوق کے تحفّظ کے لئے وہ قربانیاں کرتے چلے جاؤ جو اس کے لئے ضروری ہیں اور تم چونکہ دعوٰی کرتے ہو کہ ہم دُنیا میں امن کے لئے کھڑے کئے گئے ہیں اِس لئے ضروری ہے کہ اتنے بڑے اور اہم کام کے لئے اسی نسبت سے قربانیاں بھی کرو اور اپنے اندر خدائی صفات اور خدائی اخلاق پیدا کرو اور اپنے آپ کو اِس رنگ میں ڈھال لو کہ تمہارا چلنا، تمہارا پھرنا، تمہارا بیٹھنا، تمہارا اُٹھنا، تمہاری حرکت بلکہ تمہارا سکون اور تمہاری خوشی بھی اپنے اندر امن اور محبت کا پیغام رکھتی ہو۔"[1]

اِس جلسہ میں مندرجہ ذیل بزرگوں اور فاضل مبلّغین نے تقاریر فرمائیں :-

(۱) حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جٹ امیر جماعتِ احمدیہ قادیان (افتتاحی خطاب)۔ (۲) صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب (ذکرِ حبیبؑ)۔ (۳) مولانا عبدالمالک خاں صاحب فاضل مبلّغ کراچی (خاتم النّبیّین کا مفہوم جماعتِ احمدیہ کے نزدیک)۔ (۴) مولانا محمد اسمٰعیل صاحب دیالگڑھی مبلّغ لائلپور (حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیاں)۔ (۵) مولانا محمد ابراہیم صاحب فاضل قادیانی (ہندوستان میں مسلمانوں کے کارنامے)۔ (۶) حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری ناظر تعلیم و تربیت قادیان (ایک مثالی احمدی کا خاکہ)۔ (۷) مولانا شریف احمد صاحب امینی (امن کا شہزادہ)۔ (۸) گیانی مرزا واحد حسین صاحب مبلّغ سلسلہ (مسلمان اور سکھ)۔ (۹) چوہدری اسداللہ خاں صاحب بیرسٹر ایٹ لاء (۱۰) مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی (اسلامی تاریخ کے ناقابلِ فراموش واقعات)۔ (۱۱) مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری (اسلام میں ایشور بھگتی)۔ (۱۲) مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل وکیل یادگیر حیدرآباد دکن (مودودیّت)۔ (۱۳) مولانا محمد سلیم صاحب سابق مبلّغ بلادِ عربیہ (حضرت

---

[1] ہفت روزہ "بدر" قادیان مورخہ ۷ جنوری ۱۹۵۴ء صفحہ ۷ کالم ۴۔

رسولِ عربیؐ کا پاک نمونہ)

اِس جلسہ کا ایک قابلِ ذکر واقعہ یہ ہے کہ گیانی مرزا واحد حسین صاحب نے اپنی تقریر کے بعد بتایا کہ وہ پاکستان سے شری گورو گرنتھ صاحب کے چار نسخے اور ننکانہ صاحب کی خاک (چرن دھوڑ) اور پوِتر پانی (امرت) لائے ہیں۔ پھر انہوں نے امرت کا ٹین باوا ہرکشن سنگھ صاحب پرنسپل کالج قادیان کو پیش کیا تو معزز سکھ اصحاب نے خوشی سے بے اختیار نعرے بلند کئے اور گیانی لابھ سنگھ صاحب فخرِ جنرل سیکرٹری سنگھ سبھا و وائس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی قادیان نے صدرِ اجلاس (حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری) سے اجازت لے کر اپنے جذباتِ محبّت کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کیا:۔

”مرزا واحد حسین صاحب گیانی نے اپنے ساتھ شری گورو گرنتھ صاحب کے چار نسخے لاکر اور شری ننکانہ صاحب سے امرت (پوِتر پانی) لاکر اور ساتھ ہی شری ننکانہ صاحب کے گوردوارہ کے قدموں کی خاک پاک لاکر ہم پر جو احسان کیا ہے ہم اس کے لئے گیانی صاحب کے ممنون ہیں اور دلی جذبات سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

مرزا واحد حسین صاحب نے رشتۂ محبّت کو استوار کرنے اور رواداری اور تعلقات کو بڑھانے کے لئے جو نیک کوشش کی ہے ہم دل سے اس کی قدر کرتے ہیں اور اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمارا یہ باہمی رواداری کا جذبہ دن بدن ترقّی کرے اور ہمارے تعلّقات بہتر ہوتے چلے جائیں۔

مجھے یہ کہتے ہوئے جھجک محسوس نہیں ہورہی بلکہ مَیں انبساط کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ ہم جبتک جماعتِ احمدیہ سے دور دور رہے اور کبھی بھی ان کے کیریکٹر کا قریب سے مطالعہ کرنے کا موقعہ ہمیں نہ ملا۔ ہمارے دلوں میں احمدی بھائیوں کے خلاف نفرت کے جذبات تھے اور ہم ان لوگوں کے متعلق کئی قسم کی بدگمانیوں میں مبتلا تھے مگر جب ہم نے قریب سے ان کا مطالعہ کیا تو ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے کہ ان لوگوں کے اندر محبّت، پیار اور اپنایت کا بہت بڑا جذبہ موجود ہے اور ہم اس سے پہلے ان کے متعلق جو بدگمانیاں اپنے دلوں میں رکھتے تھے وہ خلافِ حقیقت تھیں۔ مَیں محسوس کرتا ہوں کہ ان کا رویّہ اور یہ عقیدہ کہ یہ دُنیا کے ہر مذہب کے پیشوا اور دُنیا کے ہر حصہ میں وقتاً فوقتاً پیدا ہونے والے نبیوں اور اوتاروں کو عقیدتاً قابلِ احترام سمجھتے ہیں اور اپنے جلسوں میں

اپنی اس عقیدت کا بر ملا اظہار کرتے رہتے ہیں یہ ان کی ایک بہت بڑی خوبی ہے اور یہ ایسی خوبی ہے جو ان کو دوسرے مذاہب سے قریب کر دیتی ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اگر کوئی شخص میرے باپ کو اپنا باپ کہے تو مَیں اسے اپنا بھائی سمجھنے پر مجبور رہوں گا اور کوئی وجہ نہیں کہ کوئی شخص میرے آقا کو بزرگ کہہ رہا ہو تو مَیں اُس کے آقا کی توہین کا خیال کروں۔

پس میرے بھائیو! مَیں مرزا واحد حسین صاحب گیانی کی اِس مہربانی کا جو انہوں نے گاؤں بہ گاؤں پھر کر سری گورو گرنتھ صاحب کے نسخے تلاش کئے اور پھر اپنے سر پر اُٹھا کر ربوہ پہنچائے اور پھر ربوہ سے قادیان لائے اور آج ہمارے حوالہ کر رہے ہیں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سری گرنتھ صاحب پاکستان میں جب لوگوں کے پاس پڑے تھے گو ان لوگوں نے انہیں سنبھال کر رکھا ہؤا تھا مگر ان کی حقیقی عزّت وہاں نہیں ہو سکتی تھی۔ گیانی صاحب نے ان کو حقیقی عزّت کی جگہ پر پہنچانے کے لئے بہت محنت اور محبّت سے کام لیا ہے مَیں اس کے لئے پھر اپنی طرف سے اور قادیان کی سِکھ سنگت کی طرف سے ان کا اور احمدیہ جماعت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

پاکستان سے آنے والے احمدی بھائیوں کے جتھہ کے سالار چوہدری اسد اللہ خاں صاحب سے بھی عرض کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کا رویہ اور ATITUDE نہایت عمدہ ہے۔ آپ بھائیوں نے ہمارے ساتھ محبّت اور رواداری کے رشتہ کو استوار کرنے کے لئے جو اقدامات کئے ہیں مَیں انہیں بنظرِ تحسین دیکھتا ہوں۔

اِس کے بعد مَیں قرآن پاک کے دو نسخے جو اِس وقت میرے پاس ہیں اور جن میں سے ایک میرے چچا سردار کرتار سنگھ صاحب کے پاس اور دوسرا نسخہ سردار سوہن سنگھ بھاٹیہ کے پاس بالکل محفوظ حالت میں پڑے تھے اور یہ دونوں آدمی صوفی قسم کے بزرگ ہیں اور اِسی لئے انہوں نے قرآن پاک کے نسخوں کو اتنے سالوں سے سنبھالے رکھا ہے۔ مَیں یہ دونوں نسخے نہایت عزّت اور احترام کے ساتھ چوہدری اسد اللہ خاں صاحب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اِس کے علاوہ مَیں قادیان کی سِکھ سنگت کی طرف سے مرزا واحد حسین صاحب گیانی کی خدمت میں شکریہ کے ساتھ بطور سروپا ایک دستار اور اکیس ۲۱ دمڑے (روپے) پیش کرتا ہوں" (یہ کہہ کر گیانی لابھ سنگھ صاحب فخر نے قرآن کریم کے دونوں نسخے چوہدری اسد اللہ خاں صاحب کے ہاتھوں میں دیئے اور دستار

اور روپے گیانی واحد حسین صاحب کو دے دیئے)

گیانی فخرؔ صاحب کے محبّت بھرے جذبات کے اظہار کے بعد جناب سردار ہرچرن سنگھ صاحب باجوہ نے بھی اپنے جذباتِ محبّت کا اظہار کیا کہ:-

"مَیں رواداری کے اِس خوشکن منظر اور اقدام سے بہت خوش ہوا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ آج ہم تقسیمِ ملک کی وجہ سے شری گوردوارہ ننکانہ صاحب کے درشنوں سے محروم ہوگئے ہیں حالانکہ ہمارے دِلوں میں ایک تڑپ ہے کہ ہم اس پوِتّر اور مقدس جگہ کو بار بار دیکھیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارے ہی اعمال کی شامت ہے کہ ہم شری ننکانہ صاحب کے درشنوں سے محروم ہوگئے ہیں اِس لئے مَیں شری واہگورو سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ ہم سے جو غلطیاں ہوئیں اور گناہ سرزد ہوئے آپ ہمارے گناہوں کو معاف فرمائیں اور ہمیں شری ننکانہ صاحب کی زیارت اور یاترا کرائیں۔ اِس کے بعد مَیں اپنے ہم وطن بھائیوں کی طرف سے جو اس وقت گویا بے وطن ہیں گیانی واحد حسین صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں"۔

اِس کے بعد جماعتِ احمدیہ کی طرف سے گرنتھ صاحب کے دو نسخے عزّت و احترام کے ساتھ پیش کئے گئے۔[1]

جلسہ کے دیگر کوائف

جلسہ سالانہ کے سب انتظامات تسلّی بخش تھے جو صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب افسر جلسہ سالانہ کی نگرانی میں سرانجام پائے۔ آپ کے نائب مولوی برکت علی صاحب اور افسر ضیافت چوہدری بدر دین صاحب عامل تھے۔

ہندوستانی مہمان جن میں ریاستِ کشمیر کے مہمان بھی شامل تھے جلسہ کے انعقاد سے کئی روز پیشتر آنے شروع ہوگئے تھے۔ پاکستانی قافلہ جس کے امیر جناب چوہدری اسد اللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء لاہور تھے مورخہ ۲۵ر دسمبر کو ساڑھے دس بجے شب قادیان وارد ہوُا درویشانِ قادیان اور ہندوستانی مہمانوں نے اس کا استقبال نعرہ ہائے تکبیر، احمدیت زندہ باد، اسلام زندہ باد اور حضرت امیرالمؤمنین زندہ باد کے پُرزور نعروں سے کیا۔ پاکستانی زائرین جن میں علاوہ درویشوں کے لواحقین کے جماعت ہائے پاکستان کے بعض معزز اراکین اور مرکزی اداروں کے بعض کارکنان بھی شامل تھے کی تعداد ایک سَو اسّی تھی[2]۔ ان کے علاوہ

---

[1] ہفت روزہ "بدر" قادیان ۷ر جنوری ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۰و۹ ‏+ [2] فہرست قافلہ پاکستان روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۹ر دسمبر ۱۹۵۳ء میں شائع شدہ ہے اور ضمیمۂ کتاب میں بھی منسلک ہے ‏+

سات افراد موٹر بسوں کے ڈرائیور و معاون وغیرہ تھے۔ ہندوستانی احباب کی تعداد دو صد کے قریب تھی۔

قادیان پہنچنے پر لالہ لیکھراج صاحب گاندھی ڈی۔ ایس۔ پی بٹالہ نے سرکار کی طرف سے قافلہ کا استقبال کیا اس کے بعد بھی آپ انسپکٹر صاحب پولیس اور مقامی انچارج صاحب پولیس ملک چندربھان صاحب کی امداد سے جلسہ کے ایام میں ہر طرح سے حفاظتی انتظامات کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ جلسہ کی تاریخوں میں جملہ انتظامات کی نگرانی کے لئے بخشی سیتارام صاحب تحصیلدار بٹالہ، مسٹر سوشیل کمار صاحب جینی مجسٹریٹ درجہ اوّل بٹالہ اور مسٹر آر۔ ڈی ملہوترہ صاحب ریذیڈنٹ مجسٹریٹ بٹالہ علی الترتیب ۲۶۔ ۲۷ اور ۲۸ دسمبر کو تشریف لائے اور تقاریر بھی سُنتے رہے۔ ملہوترہ صاحب نے جلسہ سُننے کے بعد قرآن کریم کا ایک مبارک نسخہ بغرض مطالعہ بھی طلب فرمایا جو اُن کو پیش کر دیا گیا۔

مورخہ ۲۸ دسمبر کو جناب سردار گوربچن سنگھ صاحب باجوہ وزیر پبلک ورکس حکومتِ پنجاب جن کی خدمت میں جلسہ میں شمولیت کے لئے نظارت دعوۃ وتبلیغ کی طرف سے دعوت نامہ بھجوایا گیا تھا۔ چندی گڑھ راجدھانی سے تشریف لائے اور پون گھنٹہ تک پہلے اجلاس میں شامل ہو کر تقاریر سُنتے رہے۔ جناب باجوہ صاحب کا استقبال جماعت کی طرف سے جناب مولوی برکات احمد صاحب راجیکی ناظر امور عامہ اور جناب شیخ عبدالحمید صاحب عاجز ناظر بیت المال نے کیا۔ باجوہ صاحب نے پاکستانی قافلہ کے امیر جناب چوہدری اسد اللہ خاں صاحب سے بھی ملاقات کی اور اِس رُوحانی تقریب کے متعلق تبادلہ خیالات کرتے اور حالات سُنتے رہے۔

قادیان اور دوسرے مقامات کے ہندو، سکھ اور عیسائی معززین کثرت کے ساتھ اجلاسات میں شامل ہو کر تقاریر کو شوق اور توجّہ سے سُنتے رہے۔ غیر مسلم سامعین کی تعداد دوسرے اور تیسرے دن ہر اجلاس میں ڈیڑھ ہزار کے قریب رہی جن میں کالج کے طلباء اور پروفیسر صاحبان، سکولوں کے اساتذہ، بعض قومی لیڈران اور ہر طبقہ کے معززین شامل تھے۔ اور کئی غیر مسلم دوست جلسہ میں شمولیت کے لئے دہلی، لکھنؤ اور کلکتہ وغیرہ سے بھی آئے تھے۔ مورخہ ۲۷ دسمبر کو جناب باوا اہر کشن سنگھ صاحب پرنسپل سکھ نیشنل کالج قادیان بھی جلسہ میں شامل ہوئے اور ننکانہ صاحب کا جُبّل حاصل کیا۔

مورخہ ۲۷/۱۲/۵۳ کو جناب پنڈت موہن لال صاحب ایڈووکیٹ بٹالہ ممبر لیجسلیٹو کونسل پنجاب اور جناب چوہدری بشیر الدین صاحب دھاریوال ممبر کونسل نے بھی جلسہ میں شمولیت کی۔ بڑی دلچسپی سے تقاریر کو سُنا اور بعد میں اِس بات کا مسرّت سے اظہار کیا کہ موجودہ مادیّت کے زمانہ میں ایسی تقاریر کی بہت ضرورت ہے

اور احمدیہ جماعت ہی اِس وقت سطحِ زمین پر ایک واحد جماعت ہے جو خدا اور رُوحانیت کی تعلیم کو تازہ رنگ میں پیش کر کے لوگوں کے زنگ صاف کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

جلسہ میں اُردو پریس کے دو نمائندے شامل ہوئے اور ساتھ ساتھ خبریں بھجواتے رہے۔ مورخہ ۲۶ دسمبر کو احمدیہ انٹرنیشنل پریس کراچی کے ڈائرکٹر مسٹر تاثیر احمدی بھی شاملِ جلسہ ہوئے۔

جلسہ گاہ اور اس کے باہر تبلیغی لٹریچر تقسیم کرنے کا کام مکرم میاں اللہ دین صاحب انچارج دفتر زائرین کے سپرد تھا جو اپنے معاونین کی مدد سے یہ کام سرانجام دیتے رہے۔ اِس مبارک موقعہ پر بفضلہٖ تعالیٰ دو ہزار کے قریب ٹریکٹ اُردو، انگریزی، ہندی اور گورمکھی زبان میں تقسیم کئے گئے۔ سب لوگوں نے خوشی سے لٹریچر قبول کیا اور توجہ سے پڑھنے کا وعدہ کیا۔

مورخہ ۲۶ دسمبر کو جناب سردار گوردیال سنگھ صاحب باجوہ نے حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔اے کے اعزاز میں اپنی کوٹھی میں دعوتِ چائے دی۔ اِس موقعہ پر سردار صاحب حضرت صاحبزادہ صاحب کے ساتھ اپنے پُرانے تعلقات کی یاد میں نجی امور کے متعلق محبّت بھری باتیں کرتے رہے۔ اِس دعوت میں جناب ناظر صاحب امورِ عامہ قادیان اور بعض دوسرے احباب بھی شریک ہوئے۔

مورخہ ۲۹ دسمبر کو سردار ست نام سنگھ صاحب باجوہ میونسپل کمشنر قادیان اور سردار آتما سنگھ صاحب نے جناب چوہدری اسد اللہ خاں صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کے اعزاز میں اپنی کوٹھی میں دعوتِ چائے دی۔ اِس موقع پر بہت سے پاکستانی اور ہندوستانی احباب بھی مدعو تھے جن میں جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل امیر جماعت قادیان۔ جناب مولوی برکات احمد صاحب راجیکی ناظر امورِ عامہ قادیان۔ مکرم چوہدری بشیر احمد صاحب امیر جماعت دانہ زید کا۔ مکرم گیانی واحد حسین صاحب مبلّغ سلسلہ اور مکرم چوہدری سعید احمد صاحب بی۔اے محاسب صدر انجمن احمدیہ وغیرھم شامل تھے۔ اِس تقریب میں علاوہ محبّت و پیار کی متفرق باتوں کے مکرم گیانی صاحب نے حضرت بابا نانک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر بہت عمدہ روشنی ڈالی اور حاضرین کو اس خدا یاد بزرگ کا کلام سُنا کر محظوظ کیا۔

دعوت کے اختتام پر چوہدری صاحب نے سردار صاحب کا شکریہ ادا کیا اور اپنے اُن مراسم اور تعلقات کا جو ان کو باجوہ قوم سے ہیں ذکر فرمایا۔ سردار ست نام سنگھ صاحب نے بھی اسی قسم کے خیالات اور جذبات کا اظہار کیا۔ اِس موقعہ پر جناب سردار سنتوک سنگھ صاحب ہیڈ ماسٹر خالصہ ہائی سکول قادیان نے

بہت ہی درد اور رقت سے لبریز تقریر کی جس میں اپنے وطن اور اہالیانِ وطن سے جُدائی پرغم واندوہ اور دکھ اور درد کا اظہار کیا اور دوبارہ تعلقات اور مراسم کے قائم ہونے کے متعلق تمنا ظاہر کی۔

اِس تعلق میں سردار ہربنس سنگھ صاحب ساہی آف ڈسکہ حال مقیم دسوہہ ضلع ہوشیار پور کا ذکر کر دینا ضروری ہے جو دُور سے محض جلسہ سُننے اور جناب چوہدری اسد اللہ خاں صاحب جوان کے ہم قوم اور ہموطن ہیں سے ملاقات کرنے کے لئے قادیان آئے۔ انہوں نے چوہدری صاحب اور ان کے بعض لواحقین کے طعام کے اخراجات امسال بھی اور گذشتہ سال بھی خود ادا کر کے اپنی محبت اور یگانگت کا ثبوت دیا۔

قافلہ کی واپسی

پاکستانی قافلہ کے احباب نے مورخہ ۲۹ ر دسمبر کو قادیان کے بیرونی محلہ جات کی مُجملہ مساجد کی زیارت کی اور مسجد نُور میں جو خاص طور پر تاریخی اور مذہبی تقدّس کی حامل ہے نوافل ادا کئے۔ مورخہ ۳۰ ر دسمبر کو دس بجے قبل دوپہر پاکستانی قافلہ واپس روانہ ہوگیا۔ بوقت روانگی نعرہ ہائے تکبیر اور احمدیت اور اسلام زندہ باد کے نعرے بلند کئے گئے۔

بھارتی پریس میں جلسہ کا ذکر

بھارتی پریس نے اِس جلسہ کی خبریں اور فوٹو شائع کئے اور نوٹ دئے اور احمدیوں کی رواداری اور بلند اخلاقی کی تعریف کی۔ اِس سلسلہ میں بطور نمونہ صرف دو نوٹ درج کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ سکھوں کے مشہور اخبار روزنامہ "اجیت" (جالندھر) نے اپنی ۳۱ ر دسمبر ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں لکھا:

"قادیان ۲۹ ر دسمبر۔ احمدیہ جماعت قادیان کا ۶۲ واں سالانہ جلسہ قادیان میں ہو رہا ہے۔ اِس جلسہ کے دوسرے دن اس میں شمولیت کے لئے علاوہ ہندوستانی احمدیوں کے جو ہندوستان کے مختلف علاقوں اور صوبوں سے اپنے مذہبی مرکز میں جمع ہوئے تقریباً دو صد پاکستانی احمدی بھی چوہدری اسد اللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء برادر چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی قیادت میں جلسہ میں شریک ہوئے۔ آج دوسرے دن کے اجلاس میں مرزا واحد حسین صاحب مبلّغ جماعتِ احمدیہ نے اعلان کیا کہ وہ اپنے ساتھ شری گورو گرنتھ صاحب کی بیڑیں، ننکانہ صاحب کا پوتر جل اور ننکانہ صاحب کی چرن دھوڑ لائے ہیں تاکہ اپنے سکھ بھائیوں کو بھینٹ کریں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تقریر کے بعد سب سے پہلے باوا ہرکشن سنگھ پرنسپل سکھ نیشنل کالج کی خدمت میں جل کا کنستر جس پر سردار ہزارہ سنگھ صاحب گرنتھی ننکانہ صاحب کی چٹھی کا لیبل چسپاں تھا پیش کیا اس کے بعد ننکانہ صاحب

کی چرن دھوڑی پیش کی۔ ازاں بعد قادیان کی گوردوارہ شہید گنج سبھا کی طرف سے قرآن شریف کے دو نسخے چوہدری اسداللہ خاں صاحب کی خدمت میں پیش کئے گئے اور چوہدری اسداللہ خاں صاحب نے دو بیڑیں شری گورو گرنتھ صاحب کی گیانی لابھ سنگھ فخر جنرل سیکرٹری گوردوارہ سنگھ سبھا قادیان کو پیش کیں۔ اِس موقعہ پر سردار ہرچرن سنگھ باجوہ نے مختصر الفاظ میں احمدیوں کی رواداری اور محبت و پریم کا ذکر کیا اور شری ننکانہ صاحب کے متعلق عقیدت اور محبت کے جذبات کا اظہار کیا۔ گیانی لابھ سنگھ فخر نے اِس موقعہ پر اپنی تقریر میں کہا کہ شروع شروع میں ہمیں احمدیہ جماعت کے اخلاق اور عادتوں کا علم نہ تھا بلکہ ہمیں اس جماعت کے متعلق اندھیرے میں رکھا گیا تھا اور غلط فہمی ڈال کر ہمارے درمیان دشمنی ڈالی گئی تھی لیکن اب ہم نے احمدی دوستوں کو قریب سے دیکھ لیا ہے اور ان کی عادات اور اچھے اخلاق سے بخوبی واقف ہوگئے ہیں۔ جو محبت اور پریم اِس جماعت نے قادیان اور دوسرے علاقوں میں سکھ بھائیوں کے ساتھ کی ہے وہ قابلِ قدر ہے اور ہم اس کو کبھی نہیں بُھلا سکتے۔ اس سے پہلے بھی احمدیوں کی طرف سے پچھلے سال دو بیڑیں شری گورو گرنتھ صاحب کی بھیٹ کی جاچکی ہیں اِس سال پھر انہوں نے یہ عمدہ نمونہ پیش کیا ہے۔ مرزا واحد حسین نے یہ بھی بتایا ہے کہ انہوں نے بڑی کوشش اور مشکل سے اَور بھی بہت سی بیڑیں جمع کی ہیں جن کے بھجوانے کا وہ بخوشی انتظام کریں گے اگر جماعتِ احمدیہ کے خلیفہ صاحب سے درخواست کریں۔ ہم احمدیہ جماعت کے بہت ہی شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمارے پوِتر استھان کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے سامان کئے ہیں اور اپنی محبت اور پریم اور رواداری کا ثبوت دیا ہے اور اپنے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ پیش کیا ہے۔ اِس موقعہ پر جماعتِ احمدیہ کی طرف سے تکبیر کے نعرے اور سکھوں کی طرف سے ست سری اکال کے نعرے بلند کئے گئے۔ جلسہ میں مرزا واحد حسین گیانی نے سکھوں اور مسلمانوں کے تعلقات پر بہت دلچسپ تقریر کی جو پنجابی زبان میں تھی۔ اِس تقریر میں جابجا گورو گرنتھ صاحب کے شبد پڑھ کر انہوں نے حاضرین کو خوش کیا۔"[1]

---

[1] روزنامہ "اجیت" جالندھر مورخہ ۳۱؍ دسمبر ۱۹۵۳ء بحوالہ ہفت روزہ "بدر" قادیان ۷؍ جنوری ۱۹۵۴ء صلا

۲۔ اخبار ٹریبیون (انبالہ) نے جنوری ۱۹۵۴ء کے پرچہ میں جلسہ کی مفصل خبر دی جس کا اُردو ترجمہ حسبِ ذیل ہے:۔

"خلیفۃ المسیح کا پیغام"

"خداتعالیٰ نے احمدیوں کو اِس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ بنی نوع انسان کو بدامنی اور فساد وبے اطمینانی سے نجات دیں"

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب جو احمدیہ جماعت کے رُوحانی پیشوا ہیں کا پاکستان سے مرسلہ پیغام جماعتِ احمدیہ قادیان کے باسٹھویں سالانہ جلسہ میں پڑھ کر سُنایا گیا۔ اس میں انہوں نے اپنے ماننے والوں کو نصیحت کی کہ وہ ہر قسم کی تکالیف ومصائب کے باوجود اپنی امنگوں اور حوصلوں کو قائم رکھیں اور اپنی تمام طاقتوں کو انسانیّت کی خدمت اور تحفّظ کے لئے لگائیں۔ اِس پیغام میں یہ کہا گیا کہ خداتعالیٰ نے احمدیہ جماعت کو اِس لئے قائم کیا ہے کہ وہ موجودہ دُنیا کو بدامنی، فساد اور بے اطمینانی سے نجات دلائے اور ایک ایسا نظام قائم کرے جس کی بُنیاد اخوّت اور مساوات پر ہو نیز اِس بات کا بھی اظہار کیا گیا ہے کہ احمدی جماعت پہلے سے ہی اِس غرض کیلئے تمام قوموں کے پیش رَو کی طرح کام کر رہی ہے۔ پیغام کے آخر میں تمام احمدیوں کو توجہ دلائی گئی کہ وہ اپنے آپ کو بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے منظّم کریں۔

ہندوستان کے مختلف علاقوں کے دُوصد سے زائد احمدی جلسہ میں شریک ہوئے جن میں ساٹھ کے قریب ریاست جموں اور کشمیر کے رہنے والے تھے۔ اس کے علاوہ ایک سَو ستاسی زائرین چوہدری اسداللہ خاں صاحب برادر سر محمد ظفراللہ خاں صاحب وزیرِ خارجہ پاکستان کی قیادت میں پاکستان سے آئے۔ ان میں مولوی عبدالمالک خاں صاحب (مولانا محمد علی و مولانا شوکت علی صاحبان کے بھتیجے) صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔ اے حضرت امام جماعتِ احمدیہ کے بھتیجے اور مولوی ابوالعطاء صاحب سابق مبلّغ مصر اور فلسطین شامل تھے۔ احمدیوں کے علاوہ تقریباً ایک ہزار ہندو اور سکھ قادیان اور اِردگرد کے علاقوں سے جلسہ میں شامل ہوئے۔

سرکاری افسران میں سے جنہوں نے جلسہ سُنا اور اِس موقعہ پر ضروری انتظامات کئے

مسٹر ایس۔کے جینی صاحب مجسٹریٹ درجہ اوّل، مسٹر لیکھراج صاحب ڈی۔ایس۔پی بخشی سیتارام صاحب تحصیلدار تھے۔ جلسہ کے آخری دن جناب سردار گوربچن سنگھ صاحب باجوہ وزیر پبلک ورکس حکومتِ پنجاب بہمراہی مسٹر آر۔ڈی ملہوترہ صاحب ریذیڈنٹ مجسٹریٹ بٹالہ جلسہ میں شریک ہوئے اور پاکستانی قافلہ کے امیر چوہدری اسداللہ خاں صاحب سے بھی ملاقات کی۔"[1]

جلسہ سالانہ ربوہ اور حضرت مصلح موعودؓ کی معرکہ آرا تقاریر

۱۹۵۳ء/۱۳۳۲ہش کا آغاز اگرچہ بظاہر پُرسکون ماحول میں ہؤا مگر حضرت مصلح موعودؓ نے اِس سال کے پہلے خطبہ جمعہ میں ہی جماعت کو خبردار کر دیا تھا کہ مخالفت کی پہلی رَو تو کمزور پڑ گئی ہے مگر ابھی اس کی کئی کھڑکیاں کھُلی ہیں۔ دشمن کے کئی حملے ہیں جو باقی ہیں اور آئندہ رُوحانیت میں ترقی اور اِصلاح کے لئے تھپیڑوں کی ضرورت ہے۔ حضور نے نئے سال کے شروع میں سات روزے رکھنے اور یہ دعا کرنے کی تحریک فرمائی کہ "خدا تعالیٰ جماعت کو ان فتنوں کے ضرر سے بچائے رکھے اور اس کی ترقی کے سامان پیدا کرے اور یا ظالموں کے ہاتھ کو روک لے یا ہمیں اس صبر کی توفیق بخشے جو مومن کا حصّہ ہوتا ہے اور ہماری کوششوں کے وہ ثمرات پیدا کرے جو قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں۔"[2]

اِن سب دعاؤں اور مجاہدات کی قبولیت کا اعجازی نشان ۱۹۵۳ء کا جلسہ سالانہ ربوہ تھا جو طوفانِ مخالفت کے زبردست تھپیڑوں کے بعد آیا مگر ایک غیر معمولی ابتلاء کے باوجود شمعِ احمدیت کے پروانے پہلے سے زیادہ جوش و خروش اور ذوق و ولولہ کے ساتھ اِس مقدس اجتماع میں جمع ہوئے جو حسبِ دستور ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر/فتح کو منعقد ہؤا اِس تاریخی جلسہ میں سلسلہ احمدیہ کے نامور بزرگوں اور فاضل علماء کی پُراز معلومات تقاریر کے علاوہ حضرت المصلح الموعودؓ نے تین بار خطاب فرمایا۔

افتتاحی خطاب

حضورؓ نے اپنی ایمان افروز افتتاحی تقریر میں فرمایا:-

"یہ عظیم الشان موقعہ جو اِس وقت ہمیں حاصل ہے اجتماعی رنگ میں دُنیا میں کِسی اَور کو میسّر نہیں۔ اِنفرادی طور پر اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے اور اس کے ذکر کو بلند کرنے کی

---

[1] ہفت روزہ "بدر" قادیان مورخہ ۷ جنوری ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۲۔

[2] روزنامہ "الفضل" لاہور ۲۲ جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۳ کالم ۳۔

مثالیں تو ہر جگہ مل جاتی ہیں مگر اتنی کثرت کے ساتھ جماعتی رنگ میں محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اور اسلام کے نام کو بلند کرنے کے لئے جمع ہونے کی مثال اَور کہیں نہیں مل سکتی پس اس خصوصیت کو قائم رکھو اور اپنے وجودوں کو دُنیا سے قطع تعلق کرکے اتنا ہلکا بنا لو کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے تمہیں آسانی کے ساتھ بلند سے بلند تر مقام تک لے جاسکیں اس موقعہ سے فائدہ اُٹھاؤ۔ اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف راغب کرنے اور اپنے قلوب کو اس کے ذکر کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرو تا اس کا قُرب اور اس کی رضا حاصل ہو۔

نیز فرمایا اسلام کے لئے یہ ایک نازک موقعہ ہے۔ چاروں طرف سے اسلام پر یورش ہو رہی ہے اور اسلام کے مورچے پر سوائے چند احمدی مبلّغین کے اَور کوئی بھی نہیں ہے۔ آپ لوگ جو یہاں جمع ہیں آپ کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے فوج کے لئے اسلحہ کے کارخانے کی ہوتی ہے۔ جس طرح اگر فوج کے لئے اسلحہ مہیا نہ کیا جائے تو وہ بے کار ہو کر رہ جاتی ہے اسی طرح اگر آپ اپنے مبلّغین کی مدد نہ کریں گے تو ان کی زندگیاں بے کار ہو جائیں گی۔ ان میں سے ایک ایک لاکھوں آدمیوں کا کام کر رہا ہے۔ سامان جو ہم نے ان کے لئے بہم پہنچایا ہے وہ پہلے ہی نہایت قلیل ہے۔

آخر میں حضور نے فرمایا۔ اب مَیں دعا کے ساتھ جلسے کا آغاز کرتا ہوں دوست بھی میرے ساتھ مل کر دعا کریں اپنے لئے بھی اور باقی دوستوں کے لئے بھی۔ ان کے لئے بھی جو یہاں آئے ہیں اور ان کے لئے بھی جو یہاں نہیں آئے یا نہیں آسکتے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنا رحم فرمائے، ہمیں اپنی حفاظت میں رکھے۔ ہمارا وارث اور نگران سوائے اللہ تعالیٰ کے اَور کوئی نہیں۔ دُنیا میں کوئی قوم اِتنی لاوارث نہیں ہے جتنی کہ ہم ہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمیں جو پُشت پناہ حاصل ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور مدد) وہ بھی کسی اَور قوم کو حاصل نہیں۔ ہماری مثال اُس بچے کی ہے جسے جنگل میں چھوڑ دیا گیا ہو اور اس کے ہر طرف بھیڑیئے، سانپ، اور دیگر اسی قسم کے جانور ہوں مگر اس بچے کی حفاظت کے لئے شیروں نے اس کے اِردگرد گھیرا ڈال رکھا ہو پس گو ہم کمزور ہیں اور نہایت ہی کمزور ہیں مگر ہمیں زمین و آسمان کے خدا کی حفاظت حاصل ہے بشرطیکہ ہم اپنے تئیں اس کے اہل ثابت کریں۔" [1]

---

[1] ملخص از روزنامہ "المصلح" کراچی یکم جنوری ۱۹۵۴ء / ربیع الثانی ۱۳۳۳ ہش ص۵+

دوسرے دن کی بصیرت افروز تقریر

دوسرے دن (۲۷ر دسمبر/ فتح) کی تقریر کے شروع میں حضور نے احمدی مردوں اور عورتوں دونوں کو ارشاد فرمایا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے کاروبار ملازمت اور روزگار کے کام کے علاوہ اپنے ہاتھ سے کام کرکے کچھ زائد آمد پیدا کرنیکی کوشش کرے اور یہ زائد آمدنی اگر غریب ہو تو اس کا ایک حصہ اور امیر ہونے کی صورت میں ساری کی ساری سلسلہ کو بطور چندہ پیش کردے۔ ازاں بعد حضور نے ربوہ کی زمین اور طریق ملاقات کے بارے میں بعض ہدایات دینے کے بعد عالمِ اسلام کی دردناک صورتِ حال کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا:۔

"اِس وقت عالمِ اسلام نہایت نازک دَور میں سے گزر رہا ہے ــ گزشتہ تین سو سال میں مسلمانوں کی حالت یہ رہی ہے کہ وہ تیزی کے ساتھ نیچے گر رہے تھے لیکن انہیں اپنے اس تنزل کا احساس زیادہ نہیں تھا بلکہ وہ ایک دوسرے کو گرانے میں بھی لذت محسوس کرتے تھے۔ درد اور تکلیف تو ہوتی تھی مگر اس کا احساس کم تھا۔ اس کے بعد یہ دَور آیا کہ مسلمانوں کو اپنے تنزل اور خستہ حالی کا احساس ہوُا اور ترقی کرنے کا جذبہ پیدا ہوُا اس جذبے کے تحت انہوں نے جدّوجہد شروع کی۔ کچھ دشمن طاقتوں کے اختلاف اور کچھ اپنے اس جذبہ کی وجہ سے مختلف ممالک میں وہ آزاد تو ہو گئے لیکن آزاد ہو جانے کے باوجود اب تک ان کے باہمی اختلافات دُور نہیں ہوئے اور یہ نہایت خطرناک امر ہے۔ اِس لحاظ سے یہ دَور پہلے دَور سے بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ پہلے تو انہیں اپنی حالت کا علم نہ تھا اِس لئے وہ اصلاح سے غافل تھے لیکن اب اپنی حالت کو محسوس کرنے کے باوجود وہ اپنی اصلاح پر قادر نہیں ہو رہے۔ پھر ان کی مشکلات کچھ اِس نوعیت کی ہیں کہ ان کو حل کرنے کی جو راہ بھی تجویز کی جائے وہ خطرات سے خالی نہیں۔ مثلاً مصر میں سویز کا جھگڑا ہے۔ انگریز وہاں اِس لئے رہنا چاہتا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں روس کے حملہ کا دفاع کیا جا سکے۔ اگر یہ دفاع کمزور ہو جائے تو روس اپنے ارادہ میں کامیاب ہو جائے تو اس کے نتیجہ میں کمیونزم وہاں پر پھیلے گا اور ایک مسلمان طبعی طور پر چونکہ کمیونزم کا مخالف ہے اِس لئے وہ کبھی اس کو پسند نہیں کرے گا لیکن دوسری طرف اِس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر مسلمان مصر کو آزاد دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر غیر ملکی فوجیں موجود رہیں تو ملکی آزادی کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔ پس سویز کے مسئلہ میں ایک طرف رُوس کا کمیونزم نظر آ رہا ہے دوسری طرف مصر کی آزادی خطرہ میں پڑتی ہوئی نظر

آتی ہے۔ گویا مصر کے لئے دونوں طرف ہی بلائیں ہیں۔

اِسی طرح فلسطین کا جھگڑا ہے۔ یہ سویز سے بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ فلسطین مدفن رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہت قریب ہے اور فلسطین کی بدبخت حکومت کسی وقت بھی اپنی بدنیتی سے ارضِ پاک کے لئے خطرہ پیدا کر سکتی ہے اور یہود چونکہ مالدار قوم ہے اِس لئے بڑی طاقتیں غلاموں کی طرح اس کی تائید کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ یہود مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں لیکن افسوس کہ مسلمان پھر بھی غافل ہیں۔ اِسلامی ممالک میں ان کے مقابلہ کے لئے کوئی یک جہتی موجود نہیں۔ وہ کسی موقعہ پر بھی اکٹھے ہو کر نہیں لڑے۔ اگر ایک عرب حکومت کی سرحد پر یہود نے حملہ کیا تو باقی اسلامی حکومتوں نے محض قرارداد پاس کرنے کو ہی کافی سمجھا حالانکہ چاہیئے یہ تھا کہ وہ اس حملہ کو خود اپنے اُوپر حملہ تصوّر کرتے اور متحد ہو کر ان کا مقابلہ کرتے۔ پس فلسطین کا معاملہ بھی نہایت تکلیف دہ معاملہ بن چکا ہے۔

اِسی طرح لیبیا سے برطانیہ نے جو معاہدہ کیا ہے یا عراق کی مالی حالت کا جس طرح برطانیہ پر انحصار ہے اور ایران میں تیل کے سوال نے جو صورت اختیار کی ہے یہ سب ایسے امور ہیں جو دوگونہ مصیبت نظر آتے ہیں اور بظاہر ان کے حل کی کوئی محفوظ صورت نظر نہیں آتی۔ انڈونیشیا کا ملک اپنی جائے وقوع اور اہمیّت کے لحاظ سے مسلمانوں کا ایک بڑا بھاری مورچہ ہے وہاں پر مذہبی تعصب بھی بہت کم ہے لیکن افسوس کہ یہ ملک بھی خانہ جنگی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اپنی طاقت کو کمزور کر رہا ہے۔

قریباً یہی حالت پاکستان کی ہے یہاں علاوہ دیگر امور کے اقتصادی مسئلہ بھی بہت نازک صورت اختیار کر گیا ہے۔ ہمارے ملک کی اقتصادی حالت اتنی خراب ہے کہ اس کی اصلاح کیلئے بہت بڑی اجتماعی قربانی کی ضرورت ہے۔ جب تک ہم ملکی مصنوعات کو یا نیم ملکی مصنوعات کو تکلیف اُٹھا کر بھی رائج نہ کریں گے اس وقت تک ہماری اقتصادی حالت سُدھر نہیں سکتی۔ دوسرے ملکوں میں جب مصیبت آئے تو سب لوگ اجتماعی طور پر قربانی کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں مگر ہمارے ہاں عوام کو اس مصیبت کا احساس تک نہیں وہ آج بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم وہی کھائیں گے جو پہلے کھایا

کرتے تھے اور وہی پہنیں گے جو پہلے پہنتے تھے۔ ادھر سیاسی پارٹیاں ایک دوسرے کی تذلیل کے لئے ایسے وعدے کر لیا کرتی ہیں جو پورے نہیں کئے جا سکتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام غلط امیدیں قائم کر لیتے ہیں اور کوئی مستحکم حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔

سب سے بڑا سبب کمزوری کا وسیع پیمانے پر بُری باتوں کی اشاعت اور ہر نقص اور کمزوری کا الزام حکومت کو دینے کی عادت ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر زید چوری کرے تو کہو کہ زید نے چوری کی بلکہ سرِعام ایسا کہنے پر بھی اسلام پابندیاں لگاتا ہے مگر ہماری یہ حالت ہے کہ اگر ایک شخص رشوت لیتا ہے تو بدنام پُورے ملک کو کیا جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب نوجوانوں کے کانوں میں بار بار یہ پڑتا ہے کہ فلاں وزیر بھی بے ایمان ہے۔ فلاں افسر بھی بے ایمان ہے تو وہ کہتا ہے کہ اگر باقی سب ایسا کرتے ہیں تو مَیں کیوں نہ ایسا کروں چنانچہ وہ بھی انہی عیوب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اِس طرح قومی اخلاق تباہ ہو رہے ہیں"۔ [۱]

حضور نے یہ تلخ حقائق بیان کرنے کے بعد جماعتِ احمدیہ کو اس کے فرائض کی طرف توجہ دلائی چنانچہ فرمایا:۔

"یہ تمام امور بتاتے ہیں کہ مسلمان اِس وقت ایک نہایت خطرناک دَور میں سے گذر رہے ہیں ایسا خطرناک کہ اس کا احساس کر کے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن ان امور کو حل کرنا بظاہر ہمارے اختیار میں نہیں۔ جن امور کو ہم حل نہیں کر سکتے ان کے لئے دعا کا خانہ موجود ہے اِس لئے ہر احمدی سے مَیں یہ امید کرتا ہوں کہ وہ اسلامی ممالک کے ان پیچیدہ مسائل کے لئے بالعموم اور پاکستان کی مشکلات کے لئے بالخصوص دعائیں کرے تا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان مشکلات کو دُور فرما دے۔

دعا کے علاوہ ان امور کے متعلق ایک اَور چیز بھی ہمارے اختیار میں ہے اور وہ ہے لوگوں کو صحیح مشورہ دینا تا قوم میں ان مسائل کو سمجھنے اور انہیں حل کرنے کی صحیح سپرٹ پیدا ہو۔ تم جہاں کہیں بھی جاؤ اپنے حلقۂ اثر میں لوگوں کو صحیح مشورہ دیا کرو اور انہیں بتایا کرو کہ یہ دن آپس میں لڑنے کے نہیں ہیں بلکہ باہمی اختلافات کو فراموش کر کے متحد ہونے اور ملک کے مفاد کے لئے قربانی کرنے کے ہیں۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کی حفاظت اور خدمت کے لئے مامور کیا ہے اِسلئے

---

[۱] روزنامہ "المصلح" کراچی ۵ صلح ۱۳۳۳ہش / ۵ جنوری ۱۹۵۴ء صفحہ ۳، ۴

تمہارے قلوب اسلام کی محبت اور درد سے معمور ہونے چاہئیں خواہ تم کن حالات میں سے گذرو۔ اس محبت کا ہمیشہ لحاظ رکھا کرو اور مسلمان کی ہمدردی تمہارا طرّۂ امتیاز ہونا چاہیئے۔ اس ہمدردی کا عملی ثبوت تم اِس طرح دے سکتے ہو کہ ایک طرف تو تم دعاؤں سے کام لو اور دوسری طرف لوگوں کو صحیح مشورہ دیا کرو۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰی کہ تم ہمیشہ نصیحت کرتے رہا کرو کیونکہ نصیحت کرنے سے ہمیشہ فائدہ ہوتا ہے خواہ تمہیں محسوس ہو یا نہ ہو۔

دوسرا ذریعہ جو تم ان مشکلات کے ازالہ کے لئے اختیار کر سکتے ہو یہ ہے کہ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تمہیں تیار رہنا چاہیئے۔ ہر احمدی کا یہ عزم ہونا چاہیئے کہ اگر خدانخواستہ ہمارے ملک پر کوئی مصیبت آئی تو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ اپنے مال، اپنی جائیداد، اپنی زمین غرض اپنی کسی چیز کی پرواہ نہ کرے گا اور ملک کی حفاظت و بقا کو مقدم رکھے گا۔ یاد رکھو ارادے اور عزم کو معمولی چیز نہ سمجھو یہ بہت بڑی چیز ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو وقت آنے پر تمہیں عمل کے لئے تیار کرے گی۔ مضبوطی کے ساتھ تیار رہنے اور عین وقت پر تیار ہونے میں بڑا بھاری فرق ہوتا ہے پس ابھی سے تیار ہو جاؤ اور یہ عزم کر لو کہ ہر مصیبت کے وقت تم اپنے ملک کی حفاظت میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لوگے۔

غرض اِس وقت عالمِ اسلام کی حالت ایسی ہی ہے جیسے ۳۲ دانتوں میں زبان۔ اور یہ حالت اِس امر کی متقاضی ہے کہ مسلمان اپنے اختلافات کو ختم کر کے متحد ہو جائیں۔ اَب وقت ایسا ہے کہ مسلمان اگر مریں گے تو اکٹھے مریں گے اور اگر رہیں گے تو اکٹھے رہیں گے۔ دوستوں کو چاہیئے کہ وہ اِس نازک حالت کو محسوس کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری ادا کریں یعنی ایک طرف تو دعاؤں سے کام لیں اور جن لوگوں سے بھی انہیں واسطہ پڑے انہیں صحیح مشورہ دے کر قومی سپرٹ پیدا کرنے کی کوشش کریں اور دوسری طرف حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ابھی سے تیار ہو جائیں۔“ [1]

تقریر کے دوسرے حصہ میں حضور نے جماعت کے اخبارات و رسائل کی اشاعت بڑھانے، الشرکۃ الاسلامیہ اور

---

[1] روزنامہ ”المصلح“ کراچی مورخہ ۵ صلح ۱۳۳۳ہش / ۵ جنوری ۱۹۵۴ء صفحہ ۴

دی اورینٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کمپنی کے حصص خریدنے کے علاوہ نئے نئے مضامین لکھنے پر خاص طور پر زور دیا اور فرمایا:۔

" ابھی اسلامی علوم کے بہت سے ایسے حصّے موجود ہیں جو صدیوں سے تشنۂ تکمیل ہیں۔ پھر ہر پُرانے مسئلہ کے متعلق بھی نئے نئے زاویۂ نگاہ سے نئے نئے دلائل مہیا کئے جا سکتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور عصمتِ انبیاء وغیرہ پر صدیوں سے مضامین لکھے جا رہے ہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے نئے اور اچھوتے انداز سے ان مضامین کو پیش فرمایا کہ گویا رنگ ہی بدل ڈالا۔ پس ہر پُرانے سے پُرانے مضمون کو بھی پیش کرنے میں جدّت سے کام لیا جا سکتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کو ہی لے لو ابھی قرآن کریم سے بیسیوں ایسی آیات نکالی جا سکتی ہیں جو اِس واقعہ پر روشنی ڈال سکتی ہیں پھر واقعۂ صلیب رومی حکومت کے عہد میں ہؤا تھا لیکن اُس عہد کی تاریخوں کی چھان بین کرنے کی طرف آج تک کسی نے توجّہ نہیں کی حالانکہ اگر اس طرف توجّہ کی جائے تو بیسیوں نئے مضامین نکل سکتے ہیں جو اسلام اور سلسلہ کے لئے مفید ہو سکتے ہیں۔

مجھے افسوس ہے کہ خالص جماعتی مسائل کے علاوہ دیگر اِسلامی علوم کی تحقیق و تدفین کے سِلسلہ میں ہماری جماعت ابھی بہت پیچھے ہے اس طرف توجہ کرنے کی خاص ضرورت ہے۔

فرمایا ابھی تین دن کا واقعہ ہے "المصلح" میں مَیں نے ایک مضمون پڑھا جس میں ایک ایسا حوالہ[1]

---

[1] یہ حوالہ علّامہ سراج الدین ابوحفص عمرو بن الوردی (متوفّی ۷۴۹ھ / ۱۳۴۸ء) کی کتاب "خریدۃ العجائب وفریدۃ الغرائب" کا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"وَقَالَتْ فِرْقَةٌ نُزُوْلُ عِيْسٰى خُرُوْجُ رَجُلٍ يُشْبِهُ عِيْسٰى فِي الْفَضْلِ وَالشَّرَفِ كَمَا يُقَالُ لِلرَّجُلِ الْخَيْرِ مَلَكٌ وَلِلشِّرِّيْرِ شَيْطَانٌ تَشْبِيْهًا بِهِمَا وَلَا يُرَادُ الْاَعْيَانُ"

(صفحہ ۲۶۳ مطبع مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر طبع ثانی) مسلمانوں کے ایک گروہ نے نزولِ عیسٰی سے ایک ایسے شخص کا ظہور مراد لیا ہے جو فضل اور شرف میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے مشابہ ہوگا جیسے تشبیہ دینے کے لئے نیک آدمی کو فرشتہ اور شریر کو شیطان کہتے ہیں مگر اس سے مراد فرشتہ یا شیطان کی ذات نہیں ہوتی۔

درج کیا گیا تھا جو غیر معمولی اہمیّت کا حامل ہے وہ اتنا اہم ہے کہ اگر وہ واقعہ میں درست ہے تو اس سے آئندہ کے لئے بحث کے زاویے ہی بدل جاتے ہیں گویا وہ احمدیت کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس مضمون کو لکھنے والے لائل پور کے ایک کلرک شیخ عبدالقادر؁ ہیں۔ بہرحال یہ حوالہ اور یہ مضمون بتاتا ہے کہ پُرانے لٹریچر میں ابھی ہمارے لئے

؁ عیسائیّت کے ممتاز احمدی سکالر مکرم شیخ عبدالقادر صاحب شیخ عبد الرّب صاحب مرحوم نومسلم سابق شِشو رام کے فرزندِ اکبر ہیں۔ وہ اکؤنٹس کلرک سے ترقی کرکے اب ایک مشہور گروپ آف کمپنیز کے "ٹیکسیشن آفیسر" (TAXATION OFFICER) ہیں۔ تیرہ چودہ سال کی عمر سے انہوں نے اِسلام اور عیسائیت پر تحقیق شروع کی جو کہ بعد میں تقابلِ ادیان، صحائفِ قمران اور قرآن حکیم اور تاریخ قدیم پر منتج ہوئی۔ اُن کے کئی سَو مقالات سِلسلہ کے اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی تین کتابیں "فضلِ عمر فاؤنڈیشن" سے اِنعام یافتہ ہیں:-

۱۔ اسماء الانبیاء فی القرآن　　　　۲۔ حضرت مریم صدیقہ

۳۔ قرآنِ مجید اور مستشرقین

یہ تینوں مقالات غیر مطبوعہ ہیں۔

مطبوعہ رسائل میں سے چند ایک کے نام درجِ ذیل ہیں:-

۱۔ اصحابِ کہف کے صحیفے　　　　۲۔ صحائفِ قمران

۳۔ انجیلِ مرقس کا آخری ورق　　　　۴۔ قبطی انجیل

۵۔ بدھ کی تعلیمات اشوک کے کتبوں میں۔

علاوہ ازیں قرآنِ مجید اور انکشافاتِ جدیدہ پر ان کی تحقیق جاری ہے اور پنجاب یونیورسٹی کے اُردو "دائرۃ المعارف" میں آپ کے کئی نوٹ شائع ہو چکے ہیں۔

انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی بعد از صلیب زندگی پر نصف صدی تک تحقیق کی ہے جو کہ بیسیوں مقالات کی صورت میں پھیلی ہوئی ہے۔ اِس موضوع پر انہوں نے لندن کی بین الاقوامی کانفرنس میں مورخہ ۳ر جون ۱۹۷۸ء کو ایک مقالہ پڑھا جو کانفرنس کی مطبوعہ روداد (TRUTH ABOUT THE CRUCIFIXION) کے صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۹ میں شاملِ اشاعت ہے۔

بہت سا ضروری مواد موجود ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہم اپنے لئے مطالعہ کی ایک خاص لائن مقرر کر لیں اور پھر اُسے وسعت دینے اور تحقیق کرنے کی عادت ڈالیں"۔ ؎۱

اِس اہم ہدایت کے بعد حضور نے چودہ زبانوں میں تراجمِ قرآن کی سکیم کا ذکر کر کے مخلصینِ جماعت کو تحریکِ جدید کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"دُنیا کے پاس جو کچھ ہے بے شک وہ بعض جگہ پُر امن بھی ہے لیکن اس امن کے ہوتے ہوئے بھی وہ دنیا اندھیرے میں ہے جب تک اسلام کا نور اُن لوگوں تک نہیں پہنچے گا اُس وقت تک دُنیا کا اندھیرا دُور نہیں ہوسکتا۔ سُورج صرف اِسلام ہے جو شخص اس سورج کے چڑھانے میں مدد نہیں کرتا وہ دُنیا کو ہمیشہ کے لئے تاریکی میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور ایسا انسان کبھی دُنیا کا خیر خواہ یا اپنی نسل کا خیر خواہ نہیں کہلا سکتا۔ اِس وقت تک تحریک (جدید) کے ذریعہ سے جو تبلیغ ہوئی ہے اس کے نتیجہ میں تیس چالیس ہزار آدمی عیسائیوں سے مسلمان ہو چکا ہے اور یہ طاقت روز بڑھ رہی ہے اور اسے مضبوط کرنا ہر احمدی کا فرض ہے بلکہ ہر مسلمان خواہ وہ احمدی نہ ہو اس کا بھی فرض ہے کہ اس کام میں مدد دے"۔ ؎۲

تیسرے دن کی پُرشوکت تقریر

حضرت مصلح موعودؓ نے جلسہ کے تیسرے روز جو پُرشوکت اور پُرجلال تقریر فرمائی وہ سیرِ رُوحانی کے علمی سلسلہ کی اہم ترین کڑی تھی اور "عالَمِ رُوحانی کا نوبت خانہ" کے عہد آفریں عنوان پر تھی۔

اِس تقریر میں حضور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک وجود سے قائم ہونے والی آسمانی بادشاہت پر سیر حاصل روشنی ڈالی اور قرآنی علوم کے گویا دریا بہا دیئے اور سیرتِ نبویؐ، تاریخِ سلف، آئمہ سلف اور حضرت مسیح موعودؑ کے ایمان افروز واقعات نہایت وجد انگیز رنگ میں بیان فرمائے۔ اگرچہ پوری تقریر مسحور کُن تھی مگر اس کے آخری مبارک کلمات تو "صُورِ اسرافیل" کا سا رنگ رکھتے تھے جنہوں نے پژمُردہ رُوحوں کو حیاتِ نَو بخشی اور جماعت کے ہر طبقہ کو علم و عرفان کا تازہ ولولہ عطا کیا اور ان کے جوشِ عمل میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔

؎۱ روزنامہ "المصلح" ۱۳ جنوری ۱۹۵۴ء / ۱۳ صلح ۱۳۳۳ ہش صـ۳ کالم ۲، ۳

؎۲ الفضل ۴ اپریل ۱۹۶۰ء / ۴ شہادت ۱۳۳۹ ہش صـ۴ کالم ۲

گو اِس تقریر کا ذکر تاریخ احمدیت جلد ہشتم ص۵۳۱ پر مختصراً کیا جا چکا ہے لیکن اِس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کا آخری حصّہ یہاں دوبارہ درج کیا جاتا ہے۔

حضور نے فرمایا:۔

" اس نوبت خانہ سے جو یہ نوبت بجی یہ کیا شاندار نوبت ہے پھر کیسی معقول نوبت ہے وہاں ایک طرف بینڈ بج رہے ہیں ٹوں ٹوں ٹوں ٹیں ٹیں ٹیں اور یہ کہتا ہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کیا معقول باتیں ہیں کیسی سمجھدار آدمیوں کی باتیں ہیں بچہ بھی سُنے تو وجد کرنے لگ جائے اور ان کے متعلق کوئی بڑا آدمی سوچے تو شرمانے لگ جائے۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ ٹوں ٹوں ٹوں ٹیں ٹیں ٹیں مگر افسوس کہ اس نوبت خانہ کو آخر مسلمانوں نے خاموش کر دیا۔ یہ نوبت خانہ حکومت کی آواز کی جگہ چند مرثیہ خوانوں کی آواز بن کر رہ گیا اور اس نوبت کے بجنے پر جو سپاہی جمع ہوا کرتے تھے وہ کروڑوں سے دسیوں پر آگئے اور ان میں سے بھی ننانوے فیصد صرف رسماً اُٹھک بیٹھک کر کے چلے جاتے ہیں تب اس نوبت خانہ کی آواز کا رُعب جاتا رہا۔ اِسلام کا سایہ کھچنے لگ گیا۔ خدا کی حکومت پھر آسمان پر چلی گئی اور دُنیا پھر شیطان کے قبضہ میں آگئی۔

اب خدا کی نوبت جوش میں آئی ہے اور تم کو، ہاں تم کو، ہاں تم کو خدا تعالیٰ نے پھر اس نوبت خانہ کی ضرب سپرد کی ہے۔ اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!!! ایک دفعہ پھر اس نوبت کو اِس زور سے بجاؤ کہ دُنیا کے کان پھٹ جائیں۔ ایک دفعہ پھر اپنے دِل کے خون اس قرنا میں بھر دو۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اس قرنا میں بھر دو کہ عرش کے پائے بھی لرز جائیں اور فرشتے بھی کانپ اُٹھیں تاکہ تمہاری دردناک آوازیں اور تمہارے نعرہ ہائے تکبیر اور نعرہ ہائے شہادتِ توحید کی وجہ سے خدا تعالیٰ زمین پر آجائے اور پھر خدا تعالیٰ کی بادشاہت اس زمین پر قائم ہو جائے۔ اِسی غرض کے لئے مَیں نے تحریکِ جدید کو جاری کیا ہے اور اِسی غرض کے لئے مَیں تمہیں وقف کی تعلیم دیتا ہوں۔ سیدھے آؤ اور خدا کے سپاہیوں میں داخل ہو جاؤ۔ محمد رسول اللہؐ کا تخت آج مسیح نے چھینا ہوا ہے تم نے مسیح سے پھر وہ تخت محمد رسول اللہؐ کو دینا ہے اور محمد رسول اللہؐ نے وہ تخت خدا کے آگے پیش

کرنا ہے اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت دُنیا میں قائم ہونی ہے پس میری سُنو اور میری بات کے پیچھے چلو کہ مَیں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ خدا کہہ رہا ہے میری آواز نہیں ہے مَیں خدا کی آواز تم کو پہنچا رہا ہوں تم میری مانو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو اور تم دُنیا میں بھی عزّت پاؤ اور آخرت میں بھی عزّت پاؤ"۔ [1]

رپورٹر "المصلح" کے تاثرات

جناب مسعود احمد خان صاحب دہلوی رپورٹر "المصلح"[2] نے جلسہ سالانہ ۱۹۵۳ء/ ۱۳۳۲ہش کے ان مبارک ایام کی تفصیلی روداد "المصلح" (مورخہ ۱۵ صلح ۱۳۳۳ہش/ ۱۵ جنوری ۱۹۵۴ء) میں شائع کی جس میں حضور کے آخری خطاب سے متعلق تاثرات درج ذیل الفاظ میں سپردِ قلم کئے :-

"مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ حضور ایدہ اللہ کا پُر جلال خطاب جونہی اختتام پذیر ہوا چاروں طرف سے لبّیک یا خلیفۃ المسیح لبّیک!! کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اس وقت حضور کی پُر شوکت آواز سے یوں معلوم ہو رہا تھا کہ دشت و جبل گونج رہے ہیں اور انسان تو انسان آسمان پر فرشتے بھی سربسجود پڑے ہیں۔ سامعین کی کیفیت یہ تھی کہ ان پر ایک وارفتگی کا عالَم طاری تھا اور وہ خدا تعالیٰ کا شکر بجا لا رہے تھے کہ اس نے انہیں اس مبارک اجتماع میں شریک ہونے اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی قوّتِ قدسیہ سے فیضیاب ہونے کی سعادت بخشی۔

اس کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اجتماعی دعا کرائی یہ دعا بھی اپنے اندر ایک خاص رنگ رکھتی تھی۔ مسیح محمدی (علیہ السلام) کے ہزارہا اتباع جذبۂ ایثار و قربانی کی تجدید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا رہے تھے اور ہچکیوں اور سسکیوں کا ایک سیلاب تھا جو ان کے سینوں سے اُمڈا چلا آرہا ہے۔ درد و سوز میں ڈوبی ہوئی یہ آوازیں جلسہ گاہ کی فضا اور اس فضا کے ذرّہ ذرّہ کو مبہوت بنا رہی تھیں کہ خدا اور اس کے مقبول بندوں کا یہ راز و نیاز نہ معلوم کس رُوحانی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہو کیونکہ اس وقت درد و کرب کے ساتھ دعائیں آسمان کی طرف بلند ہو ہو کر دلوں کو اِس یقین سے لبریز کر رہی تھیں کہ آج قبولیت کے دروازے کھلے ہوئے

---

[1] سیرِ رُوحانی جلد سوم الناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ صفحہ ۲۸۵ تا صفحہ ۲۸۷ ۔ [2] حال ایڈیٹر "الفضل" ربوہ

ہیں اپنے مولا سے جو مانگنا ہے مانگ لو۔

وہ سماں اب مادی طور پر آنکھوں کے سامنے نہیں ہے لیکن اس کی نہ محو ہونے والی یاد آج بھی تازہ ہے اور ہمیشہ رہے گی اور انشاء اللہ سال بہ سال ہر جلسہ سالانہ کے بعد اس کے نقوش اُبھرتے چلے آئیں گے اور انہیں ایک ایسی جلاء اور تازگی ملتی چلی جائے گی کہ جو آنے والوں کیلئے بھی حیاتِ نو کی ضمانت دے گی۔ اگرچہ ان تمام سعید رُوحوں میں سے کہ جنہیں مسیحِ پاکؑ کے جھنڈے تلے جلسہ سالانہ کے ایام میں جمع ہونے کا شرف حاصل ہوا اکثر اب وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ کے ربّانی حکم کے تحت دُور و دراز علاقوں میں واپس جا چکی ہیں لیکن یقیناً ان کے دل اس پُر کیف نظارے کی یاد سے معمور رہو ہو کر پکار رہے ہیں

ع زمین وہ ہے کہ جس میں چشمے حیاتِ نو کے اُبل رہے ہیں " [۱]

تقریر کا ریکارڈ

یہ پُر معارف تقریر قریباً ۵ گھنٹے تک جاری رہی جسے ٹیپ ریکارڈر پر ریکارڈ کرنے کا شرف حضرت ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحب آف بورنیو کو حاصل ہوا۔ جیسا کہ محترم قاضی عزیز احمد صاحب فاضل[۲] کا بیان ہے کہ :-

"مکرم سیّد عبد الرحمٰن صاحب امریکہ سے تشریف لائے ان کے ساتھ WIRE RECORDER تھا جس پر انہوں نے حضرت مصلح موعودؓ کی جلسہ کی تقاریر ریکارڈ کیں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے بھی یہ تقاریر سُنیں۔ ربوہ میں مختلف جگہ پر یہ تقاریر سُنائی گئیں۔ اس کے بعد تحریکِ جدید انجمن احمدیہ نے دو WIRE RECORDER امریکہ سے منگوائے جن پر ۱۹۵۲ء کی تقاریر خاکسار نے ریکارڈ کیں۔ ۱۹۵۳ء میں حضور رضی اللہ عنہ کی تقاریر مکرم ڈاکٹر بدرالدین صاحبؓ آف بورنیو نے اپنے ٹیپ ریکارڈر پر ریکارڈ کیں۔ ۱۹۵۳ء میں ربوہ میں بجلی نہ تھی یہ تقاریر جنریٹر کے ذریعہ ریکارڈ ہوئیں۔ تقاریر کی سماعت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنریٹر کی رَو درست نہ تھی اس میں اتار چڑھاؤ تھا۔

---

[۱] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۱۵ صلح ۱۳۳۳ ہش / ۱۵ جنوری ۱۹۵۴ء صـ۳۔

[۲] (ابن مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل ناظر اشاعت لٹریچر و تصنیف ربوہ) حال کارکن نظارت امورِ عامہ ربوہ۔

حضور کو جب علم ہُوا کہ تحریکِ جدید نے تقاریر ریکارڈ نہیں کیں تو حضور نے ڈاکٹر صاحب سے کاپی تیار کروانے کی ہدایت فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب کراچی جا چکے تھے چنانچہ وکالتِ تبشیر کے کارکن چوہدری محمد اشرف صاحب مرحوم کراچی گئے اور وہاں سے ڈاکٹر صاحب سے کاپی کرا کے واپس ربوہ آئے۔ یہ ریکارڈ نظارت اصلاح و ارشاد میں محفوظ ہے اس سے محکمہ زود نویسی نے لفظاً لفظاً تقریر نوٹ کی جو کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہے۔ مجھے مکرم ڈاکٹر بدر الدین صاحبؓ سے معلوم ہُوا تھا کہ انہوں نے بعض دوسرے ممالک میں بھی کاپیاں تیار کرکے بھجوائی تھیں۔ مجھ سے بہت سے احباب یہ تقاریر ریکارڈ کر چکے ہیں۔ انگلستان، جرمنی، امریکہ، ماریشس اور فجی بھی ریکارڈ تیار کر کے بھیجے گئے ہیں۔ قادیان بھی ایک کاپی تیار کرکے بھیجی گئی تھی۔

مکرم ڈاکٹر بدر الدین صاحب مرحوم کی بیٹی مکرمہ امۃ العزیز ادریس صاحبہ[1] سے مجھے ۱۹۵۳ء کی تقاریر کی ٹیپ حاصل ہوئیں۔ ان ٹیپ کا شروع اور آخر ٹوٹا ہوا ہے میرے خیال میں یہ اصل ریکارڈ ہے اِس سے مَیں نے ایک کاپی تیار کی تھی جس سے کئی احباب کو کاپی کرکے دی گئیں"[2]

نظارت دعوۃ و تبلیغ نے اگلے سال مارچ ۱۹۵۴ء سے اِس پُرمعارف تقریر کو مغربی پاکستان کے طُول و عرض میں سُنانے کے وسیع پیمانہ پر انتظامات کئے[3]۔ قریباً ربع صدی سے یہ تقریر ربوہ کے مرکزی اجتماعات کے علاوہ دوسرے بہت سے مقامات میں سُنائی جا رہی ہے مگر اس کی اثر انگیزی اور اِنقلاب آفرینی کا یہ عالم ہے کہ بار بار سُننے کے باوجود اس کی رُوحانی تاثیرات و برکات میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ اب بھی حضرت مصلح موعودؓ کی پُرشکوہ آواز کانوں میں پڑتے ہی ایک خاص وجدانی کیفیت قلوب و اذہان پر طاری ہو جاتی ہے۔

اخبار "تنظیم" پشاور میں جلسہ سالانہ ربوہ کا ذکر

اخبار "تنظیم" (پشاور) نے ۴ جنوری ۱۹۵۴ء کی اشاعت میں اِس جلسہ کی نسبت حسبِ ذیل دو[4] نوٹ شائع کئے:-

---

۱ اہلیہ مرزا احمد ادریس صاحب مبلغ انڈونیشیا حال آفس سیکرٹری لجنہ اماء اللہ مرکزیہ ربوہ۔

۲ مکتوب قاضی عزیز احمد صاحب بنام مؤلف تاریخ احمدیت۔

۳ روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۱؍ مارچ ۱۹۵۴ء / ۱۱؍ امان ۱۳۳۳ ہش۔

"پنتالیس ہزار کے عظیم الشان اجتماع میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود کا معرکۃ الآرا خطاب"

"ہمیں امریکہ، برطانیہ اور کمیونسٹوں سے بے نیاز ہو کر اسلام کی اساس پر پاکستان کی حکومت کی تعمیر کرنی چاہیئے"

ربوہ ۲۷ر دسمبر: بعد از نماز ظہر حضرت مرزا بشیر الدین محمود صاحب امام جماعتِ احمدیہ پاکستان نے خطبۂ مسنونہ محمدیہ علیٰ صاحب الصّلوٰۃ والسلام وتسلیمات وعلیٰ آلِ و اصحابہ الکرام کے بعد ارشاد فرمایا کہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم مسلمان ایک آزاد سرزمین پر اپنے خدا جلّ شانہٗ اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد و ستائش کے لئے ایک جگہ پر جمع ہوئے ہیں۔ یہ خدا کا انتہائی فضل اور اس کے رحم اور اس کے کرم کی دلیل ہے کہ ہم مسلمان باوجود اپنی اختلاف رائے کے بھی مذہب کے معاملے میں ایک ہیں۔ ہم سب مسلمانوں کا ایک خدا کی ذات اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے قرآن پر ایمان ہے۔ ہمارے اختلافات باعثِ رحمت ہیں کیونکہ اس سے علمی تحقیقات کے نکات اور خدمتِ اسلام کی راہیں ہم پر کھلتی ہیں۔ ہمارا اثاث صرف مذہبِ اسلام ہے۔ ہم اسلام کے لئے جئیں اور اسلام کے لئے مریں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپؐ کی شانِ نبوّت کو برقرار رکھنے کے لئے ہم ہر جائز جدّوجہد کو جاری رکھیں۔ آپ نے فرمایا ہمارا مسلک غیر سیاسی ہے لیکن حالات جو مسائل پیش کرتے ہیں اس پر بھی مجھے کچھ کہنا ہے اور وہ ملک میں ہمارا حکمران طبقہ امریکہ، برطانیہ اور کمیونسٹ تین آراء رکھنے والے گروہ ہیں۔

آپ نے فرمایا جب ہم ایک آزاد ملک کے مالک بن چکے ہیں تو ہمارا نصب العین صرف یہ ہونا چاہیئے کہ ملک میں کمیونسٹ نہ بڑھیں۔ آپ نے فرمایا اِس کے ساتھ ہی ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ہم جب برطانیہ سے آزاد ہو چکے ہیں تو ہم اس کی رسّی کو پھر گلے میں نہ ڈالیں اور ہم کو اس کی غلامی پر فخر نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا کہ امریکہ ایک بہت بڑا سرمایہ دار ملک ہے اور اس کے ساتھ گٹھ جوڑ مناسب نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا ہمارے معاہدات کی بُنیاد اِس اصول پر ہو کہ پاکستان آزاد ملک کی حیثیت سے قائم رہے اور وہ آزاد ملک کی حیثیت سے برطانیہ اور امریکہ سے اپنے تعلّقات قائم رکھے۔ آپ نے فرمایا آزادی بہت جدّوجہد کے بعد ملی ہے اور اس کی قدر وہی جانتے ہیں جنہیں آزادی کی ماہیّت کا علم ہو۔

آپ نے فرمایا انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے خدا پرستوں کے لئے آزادی کی جدّوجہد کرتے رہے۔ آپ نے فرمایا مجھے حُسنِ ظن ہے کہ ہماری حکومت نے برطانیہ سے جو معاہدے کئے ہیں وہ درست ہوں گے۔ آپ نے فرمایا جیسا کہ میرے علم میں لایا گیا ہے کہ امریکہ بغیر کسی شرط کے پاکستان کو فوجی امداد دے رہا ہے تو یہ ایک مستحسن فعل ہے جس پر امریکہ اور پاکستان کے تعلقات مضبوط ہوں گے اور اس تعلقات کی مضبوطی پر مجھے سب سے زیادہ خوشی ہے۔ آپ نے فرمایا حکومت کی مشکلات آسان کرنے میں حکومت کی مدد کرو اور کمیونسٹ طبقوں کو افہام وتفہیم سے اِسلام کے صحیح اصولوں پر لاؤ کیونکہ یہ مملکتِ پاکستان اِسلام کی حکومت ہے اور جس کے اندر مسلمانوں کے لئے سوائے اسلام کے کوئی دوسرا رستہ زیب نہیں دیتا۔

آقائے دوجہان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مسلمان کا جزوِ ایمان ہے مسلمان اوّل بھی محمدؐ کا ہے اور اس کا ایمان بھی محمدؐ کا ہے اور اس کا آخر بھی محمدؐ کا ہے کیونکہ وہی شفیع المذنبین وہی ختم المرسلین اور وہی آخر الانبیاء ہے۔ اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی کہ بانیٔ سلسلہ حضرت مرزا صاحب اور حضرت خلیفہ اوّل اور تمام وابستگانِ سلسلہ مرحومین کو اللہ تعالیٰ اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ہم زندوں کو ان کے نقشِ قدم پر اسلام کی خدمت کی توفیق عنایت فرمائے۔

"دوسرا معرکۃ الآرا خطبہ"

ربوہ ۲۸ر دسمبر۔ بعد از نماز ظہر حضرت مرزا بشیر الدین محمود نے آخری عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا جس نے سامعین کے ایمانوں میں ایک ولولہ پیدا کیا۔ آپ نے حمد و نعت کے بعد شاہانِ مغلیہ کا ایک تاریخی واقعہ بیان فرمایا جو لال قلعہ سے بنگال، مدراس، کراچی اور اٹک تک تعلق رکھتا تھا۔ آپ نے اس کے بعد فتح مکہ کا تاریخی واقعہ پیش کیا۔" ؎۱

"جماعتِ احمدیہ کا سالانہ جلسہ"

حسبِ دستور اِس دفعہ بھی جماعتِ احمدیہ پاکستان کا جلسہ سالانہ اپنے مرکزی مقام ربوہ (پنجاب) میں ۲۶ تا ۲۸ر دسمبر ۱۹۵۳ء تین دِن جاری رہا جو پروگرام، مقاصد اور حاضری کے لحاظ

؎۱ اخبار "تنظیم" پشاور مورخہ ۴ر جنوری ۱۹۵۴ء صفحہ ۱

سے کافی کامیاب جلسہ تھا۔

جلسہ کے آخری روز ۲۸ کو بعد از نماز ظہر حضرت مرزا بشیر الدین صاحب محمود نے خطبہ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہمارے نبی کریم، ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکّہ کے دن اہلِ مکّہ سے خطاب فرماتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے ان الفاظِ گرامی کو اپنی زبانِ مبارک سے دہرایا.... لا تثریب علیکم الیوم....

آپ نے فرمایا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دن فتح مکّہ کا شاہانہ دربار منعقد فرمایا آپ جلوس آرائے میمنت لزوم تخت و تاجِ نبوّت ہوئے تو آپ نے بعینہٖ انہی الفاظِ مبارک سے اپنے بھائیوں کو معاف کیا جس طرح مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے جلوس آرائے تختِ مصر ہو کر اپنے بھائیوں کو اپنے الفاظ سے معاف فرمایا۔

آپ نے فرمایا ہمارا آقا و مولیٰ سب نبیوں کا بادشاہ اور حسینانِ جہاں کا ملجا و ماویٰ ہے۔ وہ خلقِ عظیم کا مالک حُسنِ یوسف بھی رکھتا ہے۔ دمِ عیسیٰ بھی رکھتا ہے۔ یدِ بیضا بھی رکھتا ہے۔ وہ پچھلے اور آنے والے تمام بادشاہوں کا بادشاہ اور تمام نبیوں کا سرتاج ہے۔ اللہ نے جو دینا تھا محمدؐ کو دیا اور آئندہ جس نے جو لینا ہے محمدؐ سے لے گا اِس لئے تم پر اللہ کی اطاعت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اس کے اولوالامر کی اطاعت واجب ہے۔

آپ نے فرمایا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت مقامِ ابراہیمؑ پر کھڑے ہو کر اہلِ مکّہ سے خطاب کیا کہ یاد رکھو آج کے دِن دینِ ابراہیم کی فتح ہے۔ کفر و شرک اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ منہ چھپائے ہوئے ہے۔

آپ نے فرمایا جو لوگ براہِ راست میرے پاس پہنچیں دینِ اسلام کا اقرار کریں وہ معاف۔ جو ابوسفیان کے گھر پناہ لیں کیونکہ وہ مسلمان ہو چکا ہے اور امان پا چکا ہے تو وہ بھی معاف۔ جو گھروں میں کواڑ بند کر کے بیٹھ جائیں، فتنہ و فساد میں حصّہ نہ لیں تو وہ بھی معاف۔ اور جو ہمارے مؤذن بلال حبشیؓ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں وہ بھی معاف ہے۔

آپ نے فرمایا یہ تھا خلقِ عظیم سرورِ کون و مکاں۔ اور یہ ہے اُسوۂ حسنہ نبیؐ عربی جس پر چل کر ہم نے اپنے مستقبل کو دینِ اسلام کے سانچے میں ڈھالنا ہے۔ آپ نے فرمایا ہم خدامِ دینِ محمدؐ ہیں

ہماری کوئی حرکت بھی دین کے خلاف نہیں ہونی چاہیئے۔ آپ نے فرمایا سچے اور راستباز بنو، اللہ سے تعلق قائم کرو اور قرآن کو ہاتھ میں لو، خود عاقل بنو، اوروں کو قرآن کی نعمت سے مالامال کرو۔ آپ نے فرمایا جماعت کی طرف سے گیارہ زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ پانچ زبانوں میں ترجمے اور ہونے ہیں جس کے لئے تمہارے مالی ایثار کی ضرورت ہے جس کیلئے تم، تمہاری بیویاں اور بچے بچیاں اپنے دستکاری کاموں سے دو دو پیسے جمع کر کے چندے دو۔ آپ نے فرمایا دین کی خدمت اور اسلام کی اشاعت کے لئے ہر امیر و غریب احمدی مرد عورت کو اپنے ہاتھ سے روزانہ کچھ نہ کچھ کام کر کے اس کی آمد جماعت کو بھیجنی چاہیئے" تاکہ جماعت کو تبلیغی فرائض کی انجام دہی میں مالی مجبوریاں سدِ راہ نہ ہو سکیں۔ آپ نے فرمایا مسلمانو! محمدؐ رسول اللہ کے پروگرام کی اشاعت میں جس قدر زیادہ سے زیادہ مالی حصہ لوگے آپ کی دُنیا اور دین اسی قدر سنورتے جائیں گے۔ جب آپ کا سب کچھ اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے ہوگا تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ اور اس کا رسولؐ آپ کا نہ ہو۔ آخر میں آپ نے دعا پر اپنے خطبے کو ختم کیا۔ اِسلام اور مسلمانوں کی سربلندی اور یک جہتی کے لئے دُعا مانگی۔

"ہمارے اپنے تاثرات"

ہمارے اپنے تاثرات یہ ہیں کہ حضرت مرزا بشیر الدین صاحب محمود ایک سچے محمدی مسلمان ہیں ان کے دِل میں اِسلام کے لئے تڑپ اور محبت ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان خدا کی رسّی قرآن کو مضبوطی سے پکڑیں اور ایک ہو جائیں۔

ہم نے گولڑہ شریف کے عُرسوں میں بھی شرکت کی ہے۔ تقریریں سُنی ہیں۔ قوالیاں سُنی ہیں۔ حسبِ مراتب مہمان نوازیاں دیکھی ہیں لیکن جو عملی تجاویز، عملی کارکردگی، عملی تڑپ، عملی نقل و حرکت، عملی ولولہ ایک چھوٹی سی جماعتِ احمدیہ کے اندر ہے وہ ہم نے گولڑہ شریف کے جمِ غفیر میں بھی نہیں دیکھا۔ ہم اگر یہ تجویز پیش کریں تو کون مانے گا کہ گولڑہ شریف، سیال شریف، خواجہ حسن نظامی اور سب بزرگ مل کر ایک کانفرنس منعقد کریں جس میں جماعتِ احمدیہ کے ساتھ ان باتوں کا تصفیہ کریں جو مابہ الاختلاف ہیں اور پھر ایک متوازی شکل میں خدمتِ قرآن کریں۔ ہم نے خود پانچ منٹ حضرت بشیر الدین صاحب محمود سے ملاقات کی۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ میرا مرید نہیں ہے۔

انہیں معلوم تھا کہ جماعت سے وابستگان کے سلسلے میں اس کا نام نہیں ہے لیکن انہوں نے جن خیالات کا اظہار فرمایا اس میں اسلام اور دینِ محمد علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے لئے سچی تڑپ ، سچی عقیدت اور سچی راہنمائی کے آثار نظر آرہے تھے۔ہم نے "تنظیم" اللہ کے بھروسے پر نکالا ہے اور ہم اس کو اللہ کے بھروسے پر سچائی کے راستوں پر چلانا چاہتے ہیں۔ہم نے جو لکھا خدا شاہد ہے یہ اس غرض سے نہیں لکھا کہ ہمیں جماعتِ احمدیہ سے یا مرزا صاحب سے چنداں مالی خواہشات ہیں بلکہ یہ خالصتاً لِلّٰہ ایک مخبرِ صادق اور ایک سچے رپورٹر کی حیثیت سے ہم نے ان حالات کو لکھا ہے۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود نے خود فرمایا کہ اگر جماعت کے اندر ان کے امراء و رؤسا سچے اخلاق ، سچی عادتوں اور سچی اسلامی محبت سے مسلمانوں کے ساتھ ، دوستوں کے ساتھ اور ہمسائیوں کے ساتھ پیش آئیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے اختلافات اور تنازعات ایک محبت ، اخلاق ، مروّتِ ملکی اور وطنی تعلقات کے سلسلے میں ایک بُنیانِ مرصوص (نہ) ثابت ہوں ۔لیکن آپ نے فرمایا کہ ہماری جماعت میں بھی اہلِ غرض اشخاص کی کمی نہیں ہے اور مَیں چاہتا ہوں جو شخص بھی جماعت کے متعلق کوئی معلومات کرنا چاہے اُسے میرے ساتھ ملاقات کا موقع دیا جائے لیکن مَیں نے اکثر دیکھا ہے کہ ایسا نہیں کیا جاتا مَیں چاہتا ہوں کہ تم میں سلف الصالحین کی تقلید ہو اور تم اپنے اختلافات کو اسلام اور مسلمانوں کی محبت کے راستے میں حائل نہ کرو۔ اگر ہم حضرت مرزا بشیر الدین صاحب کے تمام اوصاف کو جو ساری اُمت کے متعلق ان کے دل میں ہیں بیان کریں تو اس کے لئے ایک بہت بڑے دفتر کی ضرورت ہے۔ ؎

دفتر تمام گشت بپایاں رسید عمر ✦ ہمچناں در اوّل وصفِ تو ماندہ ایم" [1]

۱۹۵۴ء کے خطباتِ جمعہ ایک نظر میں

سفرِ سندھ کے رُوح پرور خطبوں کا مفصل بیان ہو چکا ہے اب ذیل میں اِس سال کے ان خطباتِ ربوہ کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے جو شائع شدہ ہیں۔ ان خطبات کی تعداد ۲۷ بنتی ہے۔

---

[1] اخبار "تنظیم" پشاور مورخہ ۴ جنوری ۱۹۵۴ء صفحہ ۳

۱ - ہمارے سب کام خدا تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ ہر تغیّر میں اُسی کا ہاتھ نمایاں نظر آتا ہے۔ (۲؍جنوری؍صلح)

۲ - وقت کو ضائع نہ کرو اور بار بار انفرادی اور اجتماعی طور پر غور کرو کہ ہمارا کیا پروگرام تھا اور ہم نے اب تک کس حد تک اس پر عمل کیا ہے؟ (۹؍جنوری؍صلح)

۳ - مصائب کے یہ ایّام اور استقامت کے ساتھ خدا تعالیٰ پر توکّل کرتے ہوئے گذارو اور ساتھ ہی اپنی ان طاقتوں کو بھی صحیح طور پر استعمال کرو جو خدا تعالیٰ نے تمہیں دی ہیں۔ (۱۶؍جنوری؍صلح)

۴ - موجودہ وقت کی قدر کرو اور اپنے لئے زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ ہمارے ایمان اور اخلاص کا تقاضا ہے کہ تحریکِ جدید ہمیشہ جاری رہے۔ (۲۳؍جنوری؍صلح)

۵ - روزے انسان کو غلطیوں سے بچانے، مشکلات پر قابو پانے، اور خدا تعالیٰ کے فضل کو حاصل کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ (۳۰؍جنوری؍صلح)

۶ - سچائی کو اختیار کرو کہ اس کے نتیجہ میں تمہیں دوسری بہت سی نیکیوں کی بھی توفیق مل جائے گی۔ (۶؍فروری؍تبلیغ)

۷ - اگر تم نے احمدیت کو سچّا سمجھ کر مانا ہے تو تمہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ بالآخر تم ہی کامیاب ہوگے۔ (۱۳؍فروری؍تبلیغ)

۸ - جماعت اور تنظیم کی غرض یہی ہُوا کرتی ہے کہ جماعت کے تمام حصّے واقعات سے باخبر رہیں۔ (۲۰؍فروری؍تبلیغ)

۹ - تمہارا سب سے بڑا عزیز اور دوست خدا تعالیٰ ہے اِس لئے تم اُسی کے سامنے جُھکو اور اُسی سے مدد طلب کرو۔ اپنی زندگی کو اسی طریق پر چلاؤ جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے۔ (۲۰؍مارچ؍امان)

۱۰ - اگر انسان اپنے ہر کام کے شروع میں سوچ سمجھ کر بسم اللہ پڑھے تو اس کے دل میں خدا تعالیٰ کی محبّت پیدا ہوگی اور غیر معمولی علوم حاصل ہوں گے۔ (۳؍اپریل؍شہادت)

۱۱ - بسم اللہ ہر برکت کی کلید ہے اور اس سے فائدہ اُٹھانا ہر مومن کا فرض ہے۔ (۲۴؍اپریل؍شہادت)

۱۲ - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر مومن اِس بات کا اقرار کرتا ہے کہ ہر کام کا آغاز اور انجام اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت اور رحیمیّت کو مدِّنظر رکھو تو تمہاری زندگی کے سارے اعمال درست ہو جائیں۔ (یکم مئی؍ہجرت)

۱۳۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے مومن پر خدا تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتوں کا انکشاف ہوتا ہے اگر انسان اسے اپنا وِرد بنالے تو یہ اُس کے اندر نُور، معرفت اور روشنی پیدا کرنے کا زبردست ذریعہ ثابت ہوسکتا ہے۔ (۸رمئی/ہجرت)

۱۴۔ رمضان کے مبارک ایّام سے فائدہ اُٹھاؤ اور خدا تعالیٰ کے آگے گریہ وزاری کرو۔ صرف زندہ رہنے کی کوشش نہ کرو بلکہ سچّے مسلمان بن کر زندہ رہنے کی کوشش کرو کہ یہی ہمارا اصل مقصود ہے۔ (۲۲رمئی/ہجرت)

۱۵۔ اللہ تعالیٰ نے جو عبادتیں مقرر فرمائی ہیں ان کے بغیر انسان کی رُوحانی زندگی کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔ اپنے اندر نیکی پیدا کرو اور پھر اپنے ماحول کا جائزہ لے کر قوم کی بھی اصلاح کرنے کی کوشش کرو۔ (۲۹رمئی/ہجرت)

۱۶۔ اپنے اعمال سے دُنیا پر واضح کردو کہ تم دوسروں سے زیادہ اِسلام کی تعلیم پر عمل کرنے اور اعلیٰ اخلاق ظاہر کرنے والے ہو۔ تمہارا فرض ہے کہ بنی نوع انسان کی عموماً اور مسلمانوں کی ہمدردی کے کاموں میں خصوصاً شوق سے حِصّہ لو۔ (۵رجون/احسان)

۱۷۔ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی جب تک کہ اُس کے افراد زیادہ نہ سوچیں اور باتیں کم نہ کریں۔ (۱۲رجون/احسان)

۱۸۔ اگر تم اپنے ان اعمال کو درست کرلو جو دوسروں کو نظر آتے ہیں تو تمہارے باطنی اعمال آپ ہی آپ درست ہوجائیں گے۔ اس ذات کے ساتھ اپنے تعلق کو بہر حال مقدّم رکھو جو ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ (۱۹رجون/احسان)

۱۹۔ مذہب کی اصل غرض اعمال کی اصلاح ہے اور یہ اصلاح کوشش اور محنت کے بغیر کبھی نہیں ہوسکتی۔ اپنے اعمال میں ایسی اصلاح کرو کہ دیکھنے والا یہ کہنے پر مجبور ہوجائے کہ ان کے اور دوسروں کے ایمان میں نمایاں فرق ہے۔ (۲۶رجون/احسان)

۲۰۔ قرآن کریم کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہی اسلام ہے۔ (۲۵رستمبر/تبوک)

۲۱۔ اگر تم قرآن کریم پڑھ کر اس سے فائدہ اُٹھاتے ہو تو تم سے بڑھ کر خوش قسمت اور کوئی نہیں ہے۔ (۲راکتوبر/اخاء)

۲۲۔ دُنیا کی اصلاح اور اسلام کی تعلیم کو پھر سے رائج کرنے کا کام اللہ تعالیٰ نے تمہارے سپرد کیا ہے جب تک تم اس تعلیم کو اپنے نفس میں رائج نہیں کر لیتے تم اسے دُنیا میں بھی رائج نہیں کر سکتے۔ (۹ر اکتوبر/ اخاء)

۲۳۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، ذکر و فکر اور خدمتِ خلق وہ ذرائع ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی اور بنی نوع انسان کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ (۲۳ر اکتوبر/ اخاء)

۲۴۔ ربوہ میں رہنے والوں کا فرض ہے کہ وہ اس مقام کے تقدّس کو ہر لمحہ مدِنظر رکھیں اور اپنے اوقات کو ذکرِ الٰہی، خدمتِ دین اور بنی نوع اِنسان کی بہتری کے لئے وقف کر دیں۔ (۳۰ر اکتوبر/ اخاء)

۲۵۔ تم خوشی اور بشاشت سے آگے بڑھو اور تحریکِ جدید کے چندہ میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لو تا دُنیا میں اشاعتِ اسلام ہو سکے۔ (۲۷ر نومبر/ نبوّت)

۲۶۔ جماعت کے ہر فرد کو محسوس کرنا چاہیئے کہ اس کی زندگی کے تمام کاموں میں سے سب سے اہم کام تبلیغ و اشاعتِ اسلام ہے۔ (۴ر دسمبر/ فتح)

۲۷۔ جلسہ سالانہ پر احباب کثرت کے ساتھ آئیں اور یہاں آکر اپنا سارا وقت دین کے لئے خرچ کریں۔ کارکن خدمت کا اعلیٰ معیار قائم کریں اور اخراجات میں ہر ممکن کفایت کو ملحوظ رکھیں۔ (۱۱ر دسمبر/ فتح) [۱]

---

[۱] "الفضل" (لاہور) ۲۲ر جنوری۔ ۲۶ر جنوری۔ ۳۱ر جنوری۔ ۳ر فروری۔ ۸ر فروری۔ ۱۴ر فروری۔ ۱۵ر فروری۔ ۲۲ر فروری ۱۹۵۳ء/ ۱۳۳۲ ہش (خطبات ۱ تا ۸)

"المصلح" (کراچی) ۹ر اپریل۔ ۲۲ر اپریل۔ ۲ر مئی۔ ۱۳ر مئی۔ ۲۰ر مئی۔ ۳۰ر مئی۔ ۱۷ر جون۔ ۲۶ر جون۔ یکم جولائی۔ ۵ر جولائی۔ ۱۲ر جولائی۔ ۱۳ر نومبر۔ ۱۵ر نومبر۔ ۱۹ر نومبر۔ ۲۵ر نومبر۔ ۱۱ر دسمبر۔ ۱۳ر دسمبر۔ ۱۶ر دسمبر ۱۹۵۳ء/ ۱۳۳۲ ہش۔

(خطبات ۹ تا ۲۷ باستثناء خطبہ ۲۴ کے جو الفضل ربوہ مورخہ ۲۹ر اپریل ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا)

فصل سوم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

اِس سال (۱۳۳۲ ہش مطابق ۱۹۵۳ء) میں مندرجہ ذیل جلیل القدر صحابہ کا انتقال ہوُا:۔

۱۔ **حضرت مرزا کبیر الدین احمد صاحب لکھنوی**رضؓ۔ (وفات ۱۵؍جنوری ۱۹۵۳ء)

محترم سیّد ارشد علی صاحب لکھنوی کا بیان ہے:۔

"مرحوم خاکسار کے ماموں تھے اور احمدیت کی نعمت مجھے مرحوم ہی سے ملی تھی۔ شاید ۱۹۰۱ء سے پہلے مرحوم نے بیعت کی تھی ... مرحوم کے احمدی ہونے کے مختصر حالات جو میں جانتا ہوں یہ ہیں۔ ۱۹۰۱ء سے پہلے مرزا کبیر الدین احمد صاحب مرحوم اور مرحوم کے چھوٹے بھائی مرزا حسام الدین صاحب جھانسی میں پولیس میں ملازم تھے وہاں ایک اوورسیئر مشتاق احمد صاحب تھے انہیں کہیں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصنیف "ازالہ اوہام" مل گئی۔ مشتاق احمد صاحب شاعر اور علم دوست آدمی تھے اور مرحوم کے دوست تھے انہوں نے مرزا صاحب مرحوم کے پاس مولوی رحمت اللہ صاحب اور پادری فنڈر کی کتابیں دیکھی تھیں۔ وہ یہ جانتے تھے کہ مرحوم کو ردِّ عیسائیت کا شوق ہے اِس لئے انہوں نے "ازالہ اوہام" مرزا صاحب مرحوم کو دے دی۔ "ازالہ اوہام" کو پڑھنے کے بعد مرحوم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عریضہ لکھا اور بیعت کر لی۔ مرحوم کے چھوٹے بھائی ایک مدّت تک احمدی نہیں ہوئے تھے لیکن خدا کے فضل سے مرحوم کی تبلیغ سے وہ احمدی ہو گئے۔ مرحوم کو تبلیغ کا جنون تھا۔ مرحوم انجیلی طرزِ تحریر کے موجد تھے اور اِس مخصوص رنگ میں لکھے ہوئے ان کے پُرانے مضامین جو بدر، تشحیذ اور ریویو میں شائع شدہ ہیں انہیں پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے کے احمدیوں نے تبلیغ مبلّغین کے ذریعہ سے نہیں کی بلکہ ان بزرگوں نے خود مبلّغ ہونے کی حیثیت میں کی ہے یہی وجہ ہے

کہ ہم سے جُدا ہونے والی یہ ہستیاں آج بھی ہمارے لئے ایک عملی نمونہ ہیں اور ہم سے جُدا ہونے کے بعد بھی یہ خدا کے بندے ہمارے لئے ایک ایسا عملی نمونہ چھوڑ گئے ہیں جو تبلیغِ اسلام کا ایک بہت بڑا گُر ہے۔

ایک مرتبہ مَیں مکرم جناب چودھری ظفر اللہ خان صاحب کی کوٹھی پر ممدوح سے باتیں کر رہا تھا دَورانِ گفتگو میں چودھری صاحب نے فرمایا مرزا صاحب کیسے ہیں؟ مَیں نے کہا اچھے ہیں لیکن اب بہت بوڑھے ہونے کی وجہ سے سلسلے کے نوعمر کارکنوں کی کم سُنتے ہیں۔ مکرم چودھری صاحب نے گھبرا کر اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "یہ بہت قابلِ قدر لوگ ہیں جس زمانہ میں انہوں نے بیعت کی ہے وہ بڑا عجیب زمانہ تھا"۔ چودھری صاحب کی اس رُوحانی کیفیت کا میرے اُوپر بڑا گہرا اثر ہُوا اور اس دن سے مَیں بالکل محتاط ہوگیا۔

۱۹۱۲ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ لکھنؤ تشریف لائے تھے تو اس زمانہ میں مرزا صاحب مرحوم پر تعلقات کی وجہ سے خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کا اثر تھا لیکن حضرت صاحب کی زیارت کے بعد مرحوم نے حضور کی بیعت کر لی اور پھر کبھی پیغامی دوستوں کا نام نہ لیا۔ مرزا صاحب مرحوم کی عمر ۹۵ سال کے قریب تھی لیکن اِتنی لمبی عمر میں بھی بڑے جواں ہمّت، ہنس مُکھ، زندہ دِل، مخیّر اور ایک خاص رنگ کے مہمان نواز تھے۔ مرحوم کے پاس حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے دستِ مبارک سے تحریر کئے ہوئے کئی خطوط تھے جو اَب شاید ہمیں مل بھی نہ سکیں۔ لکھنؤ کے پُرانے احمدی کسی نہ کسی رنگ میں مرحوم کی تبلیغ ہی سے احمدی ہوئے ہیں اور سچ یہ ہے کہ لکھنؤ میں احمدیت کے باغ کا وہ ایک قابلِ قدر بیج تھے"۔ [1]

حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل نے آپ کی وفات پر لکھا:۔

"جب مَیں "بدر" میں کام کرتا تھا تو مرزا صاحب مرحوم سے تعارف ہُوا۔ اُن دنوں وہ اپنی مخلصانہ، پُرجوش تبلیغی خدمات کی وجہ سے بہت پیش پیش تھے۔ ریلوے گارڈ تھے اِس لئے سفر و حضر میں جہاں موقع پاتے تبلیغ فرماتے اور سب سے اوّل وفاتِ مسیح منواتے۔ تشحیذ الاذہان اور

[1] ہفت روزہ "بدر" قادیان ۲۸ جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۷۔

ریویو آف ریلیجنز کی ایڈیٹری جب میرے سپرد تھی تو شیعہ علماء مجتہدین اور دیگر مشہور و معروف اکابر کی تحریرات سے (جن میں وفاتِ مسیح یا حضرت مسیح موعودؑ و جماعتِ احمدیہ کی اسلامی خدمات تبلیغ و اشاعت کا اعتراف ہوتا) مجھے بہت امداد پہنچاتے رہتے چنانچہ بعض تحریروں کے عکس بھی ان رسالوں میں چھاپے گئے۔ وہ ہمیشہ ایسی ٹوپی پہنتے جس پر احمدی لکھا ہوتا۔ اِس طرح بہت جلد دوسرے لوگوں کی توجہ ان کی طرف ہو جاتی۔ ہر سوال کا جواب نہایت دِلنشین طرز میں دیتے۔ کچھ عرصہ وہ جناب بابا نانک صاحب کی اتباع میں ایک سبز چولہ پہنتے رہے جس میں احدیت کے مخصوص مسائل کے متعلق ثبوت ثبت تھے۔ احمدیہ جلسہ سالانہ میں یہ چولہ پہن کر جب شامل ہوتے تو احباب کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتے۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب سے ان کے بہت تعلقاتِ محبت و اخوت تھے۔ ایک رسالہ انجیل کی طرزِ عبارت پر لکھا جو بہت دلچسپ اور مفید تھا۔

کوئی ڈیڑھ دو ماہ کا عرصہ ہؤا میں نے حالیہ بدؔر قادیان میں ان کی وصیت پڑھی جس میں مرقوم تھا کہ میں اپنی کتب کی لائبریری وصیت میں دیتا ہوں۔ الفضل میں بھی جب چھپی تو میں نے جو کئی سال سے ان کے حالات سے بے خبر ہو رہا تھا ان کو لاہور سے خط لکھا اور پرانے تعلقات کی یاد تازہ کی، ان کا جواب آیا جو بہت پُر درد تھا معلوم نہ تھا کہ ان کا آخری خط ہے۔" [1]

مرحوم کی تصانیف حسبِ ذیل ہیں:-

(۱) حیاتِ صادق کبیر (۲) انجیل کبیر کا پہلا صادق باب (۳) جناب محمد صلعم کا دوبارہ دُنیا میں آنا۔

حضرت مصلح موعود نے ۱۹؍احسان ۱۳۳۲ ہش/ ۱۹؍جون ۱۹۵۳ء کو خطبہ جمعہ کے بعد جو ۱۶ جنازہ ہائے غائب پڑھائے ان میں آپ کا جنازہ بھی تھا۔ حضور نے آپ کی نسبت فرمایا:-

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پُرانے صحابی تھے اور لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔" [2]

۲۔ حضرت میجر سیّد حبیب اللہ شاہ صاحب (وفات ۸؍اپریل ۱۹۵۳ء)

سلسلہ احمدیہ کے نہایت متوکل، زاہد، عابد اور مستجاب الدعوات اور ممتاز بزرگ حضرت ڈاکٹر سیّد

---

[1] روزنامہ "الفضل" ۲۹؍جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۶۔

[2] روزنامہ "المصلح" ۵؍جولائی ۱۹۵۳ء صفحہ ۵۔

عبدالستار شاہ صاحبؓ کے فرزند ارجمند اور احمدیت کا مجسم پاک نمونہ تھے۔ نمازوں اور تہجد میں باقاعدگی رکھتے تھے اور قرآن پاک کے ساتھ خاص عشق تھا آپ پہلے فوج میں میجر آئی۔ ایم۔ ایس تھے پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء) کے بعد جیل خانہ جات پنجاب کے سپرنٹنڈنٹ رہے اور ۱۹۴۴ء کے آخر میں ڈپٹی انسپکٹر جنرل (جیلز) بنا دئے گئے اور اسی عہدہ سے ریٹائر ہوئے اور پھر سیالکوٹ میں جا بسے اور یہیں انتقال کیا۔ [1]

سرکاری ملازمت میں جہاں جہاں رہے اپنے اخلاق، خدمت اور رواداری سے سب کو گرویدہ بنا لیا حتّٰی کہ غیر مسلم تک آپ کی بلند حوصلگی اور شانِ مروّت کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

اخبار" ریاست" دہلی کے ایڈیٹر اور ممتاز سکھ صحافی جناب سردار دیوان سنگھ مفتون نے اپنی کتاب "ناقابلِ فراموش" میں حضرت شاہ صاحب کا ذکر نہایت عقیدت بھرے الفاظ میں کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

(۱) "سوموار کو صبح سپرنٹنڈنٹ میجر شاہ (یہ بزرگ بہت شریف۔ دیانتدار۔ نیک اور مذہبی خیال کے بزرگ تھے قادیان کی احمدی جماعت کے پیشوا کے عزیزوں میں سے تھے۔ قیدیوں کے بہت ہمدرد تھے مگر ان کی دماغی کیفیت کچھ ایسی تھی جسے فزیکل کہا جاسکتا ہے یعنی خیال آجائے تو قیدی کے لئے سب کچھ کر دیں اور خیال نہ آئے تو قیدی کی کسی خواہش کی پرواہ نہ کریں۔ یہ ہمیشہ ہی میرے اِحساس کا خیال کرتے رہے) "پریڈ" میں تشریف لائے تو مَیں نے ان سے کہا پریس کی بجائے میری ڈیوٹی کسی اَور جگہ لگا دی جائے تو اچھا ہو میجر شاہ نے فوراً حکم دیا کہ مَیں اپنی رہائش والی جگہ پر ہی رہوں اور جو کام دینا ہو یہاں ہی دے دیا جائے۔" [2]

(۲) "اس زمانہ میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر ایک بہت ہی نیک دِل اور خدا ترس میجر حبیب اللہ شاہ تھے۔ میجر شاہ پیشہ کے لحاظ سے ڈاکٹر تھے اور مذہبی اعتبار سے قادیان کے احمدی اور احمدیوں کے موجودہ پیشوا کے قریبی رشتہ دار۔ آپ گو ولایت کے تعلیم یافتہ تھے اور ان کے گھر میں بھی یوروپین بیوی تھیں مگر نیکی، پارسائی، نماز، روزہ کے اعتبار سے آپ ایک پکّے مسلمان تھے۔" [3]

---

[1] آپ کے حالات "تاریخ احمدیت" جلد ہشتم صفحہ ۴۳۴ پر درج ہیں۔

[2] "ناقابلِ فراموش" از دیوان سنگھ مفتون طبع اوّل مارچ ۱۹۵۸ء صفحہ ۲۰۵۔ [3] ایضاً صفحہ ۴۶۹، ۴۷۰۔

رسالہ "چٹان" لاہور کے ایڈیٹر شورش کاشمیری صاحب نے اپنی کتاب "پس دیوار زندان" میں اُن کے کئی چشم دید واقعات[1] لکھے ہیں جن سے آپ کے پاکیزہ شمائل پر خوب روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ لاہور سنٹرل جیل کے ضمن میں لکھا ہے :۔

(۱) "سید امیر شاہ جیلر تھے اور میجر حبیب اللہ شاہ سپرنٹنڈنٹ دونو خاص خوبیوں کے مالک تھے۔ کرنل پوری (انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات) نے منٹگمری سے واپسی کے بعد میجر حبیب اللہ شاہ سے ذکر کیا کہ ایک سخت طبیعت کا قیدی آرہا ہے اس پر قابو پا سکو گے؟..... مجھے یہاں تشدد و انتقام کے سبھی مرحلوں سے گزار کر لایا گیا تھا اور اب مجھ پر کوئی سا تجربہ کرنا باقی نہ رہا تھا میجر حبیب اللہ شاہ کا سلوک بہرحال شریفانہ تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وہ پکے قادیانی تھے۔ ان کی ہمشیرہ میرزا بشیر الدین محمود کے عقد میں تھیں۔ قادیان کے ناظر امور عامہ سید زین العابدین ولی اللہ اُن کے بڑے بھائی تھے۔ انہیں یہ بھی علم تھا کہ مَیں آل انڈیا مجلسِ احرار کا جنرل سیکرٹری ہوں اور احرار قادیانیوں کے حریف ہیں بلکہ دونوں میں انتہائی عداوت ہے۔ میجر حبیب اللہ شاہ نے اشارۃً بھی اس کا احساس نہ ہونے دیا انہوں نے اخلاق و شرافت کی انتہا کر دی۔ پہلے دن اپنے دفتر میں اس خوش دلی اور کشادہ قلبی سے ملے گویا مدۃ العمر کے آشنا ہیں۔ انہوں نے مجھے بیماروں میں رکھا اور اچھی سے اچھی غذا دینا شروع کی نتیجۃً میری صحت کے بال و پر پیدا ہوگئے اور مَیں چند ہفتوں ہی میں تندرستی کی راہ پر آگیا۔ وہ بڑے جسور، انتہائی حلیم، بے حد خلیق اور غایت درجہ دیانتدار آفیسر تھے۔ ان کے پہلو میں یقیناً ایک انسان کا دل تھا۔ ان کی بہت سی خوبیوں نے انہیں سیاسی قیدیوں میں مقبول و محترم بنا دیا۔"[2]

(۲) "میجر حبیب اللہ شاہ نے قیمتی سے قیمتی دوا مہیّا کی اور اچھی سے اچھی غذا تاکہ منٹگمری جیل کے ظالمانہ ایّام میں جو کچھ مجھ پر بیت چکی ہے اس کی تلافی ہو اور مَیں گمشدہ صحت حاصل کرسکوں۔ جب ساتھیوں کی اس بیگانہ وشی کا انہیں پتہ چلا تو قلق ہوا۔ سیّد امیر شاہ اور بھی آزردہ ہوئے۔ بعض

---

[1] یہ واقعات اندازاً ۱۹۴۲ء کے ہیں۔

[2] "پسِ دیوار زنداں" از شورش کاشمیری شائع کردہ مکتبہ چٹان لاہور صفحہ ۲۵۶، صفحہ ۲۵۸۔

کانگرسی راہنماؤں سے دبی زبان میں گلہ کیا۔ آخر ایک روز ان کی معاونت سے مجھے ایک کمرہ مل گیا۔ سجن سنگھ اپنی جگہ آگئے۔ سیّد امیر شاہ نے اپنے طور پر مجھے بی کلاس کی مراعات دے دیں یعنی وہ تمام سامان بھجوا دیا جو بی کلاس قیدیوں کے لئے مقرر تھا۔ میجر حبیب اللہ شاہ نے میری صحت کی خرابی کے پیش نظر اعلیٰ خوراک اور پھل مہیا کرنے کا حکم دیا۔" [1]

(۳) "شاہ صاحب (مراد سیّد حبیب شاہ صاحب مدیر "سیاست"۔ ناقل) چاہتے تو لاہور میں رہ سکتے تھے یہاں انہیں بہت زیادہ آرام حاصل تھا خود منوہر لال ان کا خیال رکھتے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل میجر حبیب اللہ شاہ ایک تو خود شریف النفس انسان تھے دوسرے میرزا بشیر الدین محمود نے بھی انہیں کہہ رکھا تھا۔" [2]

ہندو اخبار "پرتاپ" (لاہور) کے آریہ سماجی ایڈیٹر مہاشہ کرشن نے آپ کو ڈپٹی انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات پنجاب ہونے پر ایک خصوصی نوٹ میں مبارکباد دی چنانچہ لکھا:۔

"شاہ صاحب احمدی ہیں اور مَیں آریہ سماجی۔ باوجود اس کے مَیں انہیں اِس ترقّی پر مبارکباد دیتا ہوں کیونکہ وہ ہر لحاظ سے اس کے مستحق ہیں۔ بہت کم سپرنٹنڈنٹ ہیں جو ہردلعزیزی کے میدان میں اُن کا مقابلہ کر سکیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خدا ترس اور فرض شناس ہیں۔ ان کی خدا ترسی انہیں کسی قیدی پر بے جا سختی کی اجازت نہیں دیتی اور ان کی فرض شناسی اِس بات پر تیار کرتی ہے کہ قواعد کی حدود میں رہ کر قیدیوں سے بہترین سلوک کیا جائے۔" [3]

میجر صاحب کے چھوٹے بھائی سیّد عبد الرزاق شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ راولپنڈی میں سنٹرل جیل کے سپرنٹنڈنٹ تھے۔ ایک دن اُن کا داروغہ جیل ان کی کوٹھی میں بے وقت آیا اور شکایت کی کہ ایک کنجنی جو قیدی ہے بڑا شور کر رہی ہے اور سب کو گندی گالیاں دے رہی ہے اور بے قابو ہے۔ آپ نے اُس سے کہا تم چلو مَیں آتا ہوں۔ گھر میں دو نفل پڑھے اور دعا کے بعد جیل خانہ گئے۔ وہ کھڑی تھی جونہی آپ اس کے سامنے ہوئے اس کی زبان

---

[1] "پسِ دیوارِ زنداں" از شورش کاشمیری صفحہ ۲۶۱ ۔ [2] ایضاً صفحہ ۲۷۶، ۲۷۷

[3] "پرتاپ" ۴ دسمبر ۱۹۴۴ء بحوالہ الفضل ۱۴ رفتح ۱۳۲۳ ہش / ۱۴ دسمبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۳، ۴

بند ہوگئی اور کانپنے لگی۔" ؎۱

حضرت سیّد حبیب اللہ شاہ صاحبؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر والہانہ عشق تھا اس کا ذکر شورش صاحب نے درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:۔

"ایک دن میجر حبیب اللہ شاہ نے مجھے یاد کیا اُن کے دفتر میں گیا تو ہوم سیکرٹری کا ایک خط دکھایا جس میں سردار گوپال سنگھ قومی سے جھٹکے کے تنازعہ کا ذکر تھا اور اِس امر کی ہدایت کی گئی تھی کہ اذان دینے سے ٹیررسٹ وارڈ کے قیدیوں میں جو بدمزگی پیدا ہوتی ہے اس پر قابو پایا جائے۔ انگریزی دوغلہ زبان ہے ایک ہی لفظ کے کئی مفہوم ہوتے ہیں۔ مَیں نے اور میجر حبیب اللہ شاہ نے اِس خط سے جو مطلب اخذ کیا یہ تھا کہ اذان دینے کی حوصلہ شکنی کی جائے بہرحال یہ خط داخلِ دفتر ہوگیا۔ میجر حبیب اللہ شاہ نے بھی کوئی توجہ نہ دی نہ ہم نے غور کیا۔ لاہور کا ڈپٹی کمشنر ہینڈرسن تھا اُسنے ایک دن اُس سوال پر کوئی ناگوار بات کہی میجر صاحب کو غصہ آگیا ہینڈرسن کو فوراً ٹوکا "آپ آذان یا قرآن کے بارے میں محتاط رہیں! مَیں نہیں روک سکتا!"

میجر صاحب ہینڈرسن سے اُلجھ پڑے۔ ایک دفعہ پہلے بھی ہینڈرسن نے حضورؐ کا نام بے ادبی سے لیا تو اس سے اُلجھے تھے۔ تمام جیل میں ان کی اس حمیّت کا چرچا تھا۔" ؎۲

اولاد:۔ ۱۔ سیّدہ رضیہ بیگم صاحبہ (حال ربوہ) ۲۔ سیّدہ تقیہ بیگم صاحبہ (حال کراچی)
۳۔ سیّد منصور احمد شاہ صاحب ایئر کموڈور ریٹائرڈ (حال کراچی)

۳۔ حافظ عبدالعزیز صاحب نونؓ ساکن حلال پور ضلع سرگودھا (ولادت ۱۸۷۵ء، بیعت اکتوبر ۱۹۰۷ء، وفات ۱۰ مئی ۱۹۵۳ء) ؎۳

آپ نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۷ء کو اپنے قبولِ احمدیت کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا:۔

"مَیں نے ۱۹۰۷ء میں قادیان آکر دستی بیعت کی ..... حضرت مولوی صاحب خلیفہ اوّل

؎۱ غیر مطبوعہ مکتوب بنام مولّف "تاریخ احمدیت"۔

؎۲ "پس دیوارِ زنداں" از شورش کاشمیری صفحہ ۳۰۹، ۳۱۰۔

؎۳ الفضل ۱۹ مئی ۱۹۵۳ء صفحہ ۵ و مکتوب میاں عبدالسمیع صاحب نون ایڈووکیٹ سرگودھا (بنام مولف کتاب)

میرے واقف تھے چھوٹی مسجد میں بیعت کی تھی۔ میرے لئے حضرت نے دعا کی۔ اُس وقت سے میرا ایمان نہایت مضبوط ہے۔ اُس وقت میں نے آپ کو مسیح موعود اور امام مہدی مانا تھا۔ سُنتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ کی بجائے آپ تشریف لائے ہیں۔" [۱]

۱۰ر مئی ۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے کہ آپ صبح سوا چار بجے اپنے گاؤں حلال پور کی طرف آ رہے تھے کہ آپ کا گھوڑا پھلرواں ریلوے سٹیشن سے دو میل دُور گاڑی سے بدکا اور بے قابو ہو کر انجن کی لپیٹ میں آ گیا۔ گھوڑا اُچھلا گیا اور آپ لائن سے باہر گر پڑے۔ ایک زخم دائیں پنڈلی پر اور دوسرا زخم بائیں کان کے پیچھے آیا گاڑی کھڑی ہو گئی۔ ریلوے گارڈ نے آپ کو بے ہوشی کی حالت میں گاڑی میں رکھ لیا۔ گاڑی ابھی تین میل ہی گئی تھی کہ آپ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی نعش ملکوال ریلوے سٹیشن پر پہنچی۔ آپ کی جیب سے کچھ نقدی اور دفتر بہشتی مقبرہ ربوہ کی ایک چٹھی برآمد ہوئی جس سے ریلوے پولیس نے احمدی قرار دے کر نعش تجہیز و تکفین وغیرہ کے لئے جماعتِ احمدیہ بھیرہ کے سپرد کر دی۔ جماعتِ بھیرہ نے کفن وغیرہ کا انتظام کیا۔ جنازہ پڑھا اور دفن کرنے کے لئے قبرستان کی طرف لے جانے ہی والے تھے کہ راجہ بشیر الدین صاحب سکول ماسٹر مڈھ رانجھا نے جو حُسنِ اتفاق سے وہاں گئے ہوئے تھے نعش کی شناخت کر لی اور جماعت کے دوستوں کو حلال پور نعش پہنچانے کے لئے کہا چنانچہ دوستوں نے لاری کا انتظام کیا اور پندرہ سولہ آدمی نعش کو لاری میں رکھ کر ۱۱ر مئی ½ ۲ بجے رات کو حلالپور آئے۔ جماعتِ احمدیہ بھیرہ کے دوستوں نے کمال ہمدردی اور ایثار کا نمونہ دکھایا۔ آپ کا جنازہ غائب حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۹ر جون ۱۹۵۳ء کو پڑھایا [۲] اور بہشتی مقبرہ ربوہ کے قطعہ صحابہ میں دفن کئے گئے۔

آپ کی وفات پر مولوی عبدالمجید صاحب منیب (معلم اصلاح و ارشاد) نے لکھا:-

"مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ بیعت سے پہلے میں صوم وصلوٰۃ کا تارک تھا لیکن بیعت کے خط میں ہی حضرت اقدس علیہ السلام سے اور امر کی پابندی کے لئے دعا کی درخواست کی چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ خدا کا فضل ہے کہ اس کے بعد سفر اور حضر میں۔ بیماری اور صحت کی حالت میں ایک نماز

---

[۱] رجسٹر روایاتِ صحابہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹۔

[۲] "المصلح" ۲۹ر اگست ۱۹۵۳ء صفحہ ۴ و ۵ر جولائی ۱۹۵۳ء صفحہ ۵ کالم ۱۔

بھی فوت نہیں ہوئی۔

آپ بڑے پُرانے موصی تھے اور اپنی حیات ہی میں اپنا جائداد کا ایک حصّہ صدر انجمن احمدیہ کے نام منتقل کر دیا تھا۔

آپ بڑے شجاع تھے اور دین کے معاملہ میں بڑی غیرت رکھتے تھے شدید سے شدید مخالفت کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔گو دین کے معاملہ میں آپ بہت غیرت دکھاتے تھے مگر دُنیا کے معاملات میں آپ بہت نرم دل،حلیم طبع واقع ہوئے تھے چنانچہ آپ کے کمین اور مزارعان اور دیگر رشتہ دار آپ سے بہت خوش تھے۔

آپ کفایت شعار تھے لیکن سلسلہ کی ہر تحریک میں حصّہ لیتے۔تحریکِ جدید[1] کا چندہ سابقون میں شامل ہونے کے لئے اُدھار بھی لے کر ادا کر دیا کرتے تھے۔

حضرت حافظ صاحب صائب الرائے اور حاضر جواب تھے مشکل سے مشکل موقعہ پر بھی کوئی مناسب تدبیر آپ کو سُوجھ جایا کرتی تھی۔"[2]

؛ میاں عبد السمیع صاحب نون ایڈووکیٹ سرگودھا (خلف الرشید حافظ عبد العزیز صاحب نون) کا تحریری بیان ہے کہ:۔

"حضرت حافظ عبد العزیز صاحب نون... موضع حلال پور تحصیل بھلوال میں... پیدا ہوئے۔ انکے والد صاحب حافظ غلام محمد صاحب اور دادا حافظ غلام مصطفیٰ صاحب تھے۔اِس سے اُوپر بھی جہاں تک شجرہ نسب ملتا ہے سب جدِّ امجد حفّاظِ قرآن کریم تھے بلکہ خواتین بھی قرآن کریم کی حافظہ تھیں چنانچہ والد صاحب کی بہنیں اور پھوپھیاں بھی حفّاظ تھیں...

والد صاحبؓ کے دادا حضرت حافظ غلام مصطفیٰ صاحب مشہور قاری اور علمِ حدیث کے متبحر عالم تھے۔جب حضرت امام مہدی کے ظہور کی علاماتِ کسوف خسوف (۱۸۹۴ء میں) ظاہر ہوئیں تو انھوں نے اعلان کر دیا کہ امام مہدی ظاہر ہو چکے ہیں لیکن ان کی جلد ہی وفات ہو گئی مگر

---

[1] آپ کا نام تحریکِ جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین کی مطبوعہ فہرست کے صفحہ ۳۲۰ پر درج ہے۔

[2] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۲۹ ظہور ۱۳۳۲ ہش/ اگست ۱۹۵۳ء صہ۴۔

حضرت حافظ عبد العزیز صاحب نے اس وصیّت کو یاد رکھا ہؤا تھا جونہی انہیں کسی اشتہار کے ذریعہ سے حضرت اقدس مہدی علیہ السلام کی آمد کی اطلاع ملی۔ انہوں نے قادیان کا عزم کیا اور حضرت اقدس کی زیارت سے مشرف ہوتے ہی بیعت کر لی۔ آپ کے بعد حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل حلالپوری پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت آشکارا ہوگئی اور وہ بھی امام زمان کی بیعت سے مشرّف ہوئے[1]

حضرت مولوی صاحبؓ ایک مشہور عالم خاندان کے چشم و چراغ تھے ان کی بیعت سے گاؤں میں سخت ردِّ عمل پیدا ہؤا۔ انہیں تکلیفیں بھی دی گئیں۔ خود حافظ صاحب کے خلاف بھی کئی قسم کے منصوبے بنائے گئے مگر حضرت حافظ صاحبؓ خود بڑے زمیندار اور رُعب والے انسان تھے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ برملا ان کے روبرو تعصب کا اظہار کر سکے۔ وہ خود ایک ننگی تلوار کی طرح تھے احمدیت کے نُور کو چھپانا معصیت سمجھتے تھے اور تبلیغِ حق کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ حضور اقدس علیہ السلام کی جو کتاب آتی گھوڑے پر سوار ہو کر سُنانے نکل جاتے۔ ان کا برتاؤ غرباء کے ساتھ مشفقانہ تھا۔ ان کی عزّتِ نفس کا بہت خیال رکھتے تھے اور وہ بھی ان پر جان نچھاور کرتے تھے۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ کے زمانہ میں قادیان میں بہت قیام فرماتے تھے اور اکثر حضور سے خط و کتابت کرتے رہتے تھے۔ اِسی طرح حضرت مصلح موعودؓ کے ساتھ بھی عاشقانہ محبّت و عقیدت رکھتے تھے۔ دعاؤں کے لئے خود بھی حضورؓ کو خطوط لکھتے اور دوسرے غیر از جماعت دوستوں کو ان کی مشکلات کا حل حضرت مصلح موعود کی دعائے مستجاب میں بتاتے تھے اور ایسے دِل نشیں اور پُر وثوق طریق پر حضرت اقدسؓ کا قبولیتِ دعا کا نشان بیان فرماتے تھے کہ اکثر لوگ حضور انورؓ کو دُعا کے لئے خطوط لکھتے اور پھر ان سے نتائج معلوم کرتے جو اکثر و بیشتر بلکہ ہمیشہ ہی ازدیادِ ایمان و ایقان کا باعث بنتے۔"[2]

---

[1] تحریری بیعت ۱۷ر فروری ۱۹۰۸ء، دستی ۱۳ر اپریل ۱۹۰۸ء (مرتب)

[2] غیر مطبوعہ خط میاں عبد السمیع صاحب نون ایڈووکیٹ سرگودھا بنام مؤلف "تاریخ احمدیت"

اولاد :- (۱) میاں عبدالسمیع صاحب نون ایڈووکیٹ سرگودھا (۲) محترمہ زینب بیگم صاحبہ (۳) محترمہ سردار بیگم صاحبہ۔

۴ ۔ ماسٹر عبدالعزیز صاحبؓ نوشہرہ ککے زئیاں ضلع سیالکوٹ (ولادت ۱۸۶۲ء قریباً۔ بیعت ۱۹۰۶ء۔ زیارت ۱۹۰۷ء۔ وفات ۲۰ رجون ۱۹۵۳ء) [1]

آپ اپنے خودنوشت حالات میں لکھتے ہیں کہ :-

"بعد امتحان میٹریکولیشن مَیں یکم جولائی ۱۸۸۱ء کو رسالہ ۱۲ بنگال کیولری متعینہ چھاؤنی فیروزپور میں بعہدہ انگلش سکول ماسٹر ملازم ہوگیا۔ میرے اسسٹنٹ منشی خیرالدین صاحب جو ریاست مالیر کوٹلہ کے ایک معزز جاگیردار خاندان سے تھے مقرر ہوئے۔ آپ کو فارسی زبان کا اچھا ملکہ تھا اور آپ پہلے احمدی تھے۔ آپ کو حضرت صاحب کی کتابوں کا بڑا شوق تھا چنانچہ جو بھی کتاب وہ منگواتے مجھے ضرور مطالعہ کے لئے دے دیتے۔ مَیں اس کو بڑے غور اور ٹھنڈے دل سے پڑھتا اور جو بات میری عقل اور فہم سے بالاتر ہوتی مَیں اسے ہمیشہ بحوالہ خدا کرتا رہا اور کبھی دِل میں نہ کسی قسم کا شک پیدا ہُوا اور نہ ہی اعتراض، نکتہ چینی یا عیب جوئی کا خیال آیا۔ قصّہ مختصر یہ کہ ۲۶ راکتوبر ۱۸۹۱ء کو ہمارا رسالہ چھاؤنی فیروزپور سے تبدیل ہوکر چھاؤنی لورالائی ملک بلوچستان کو چلا گیا۔ چونکہ رسالہ سڑک سوار پیدل جا رہا تھا ہم لوگ ماہِ دسمبر میں براستہ منٹگمری، ملتان، ڈیرہ غازی خان وغیرہ میدانی اور پہاڑی علاقہ طے کرتے ہوئے لورالائی پہنچے۔ یہاں رسالہ دو سال رہا۔ یہیں مجھے صوفیائے کرام کی کتابوں اور مثنوی شریف پڑھنے کا شوق پیدا ہُوا۔ حضرت صاحب کی کتاب ازالہ اوہام بھی چھپ کر پہنچ گئی۔ ہم نے کتاب مذکور کو بغور پڑھا اور پھر ایک شخص بنام میر احمد شاہ دفعدار کو دی۔ اُس نے خدا جانے اسے پڑھا یا نہ پڑھا مگر اس نے حضرت صاحب کے الہام اِنَّا اَنْزَلْنَاہُ قَرِیْبًا مِّنَ الْقَادِیَان کے متعلق سخت نکتہ چینی کی اور کچھ ناروا الفاظ بھی اپنی زبان سے کہے۔

چھاؤنی لورالائی سے تبدیل ہوکر اسی طرح پیدل سوار چلتے ہوئے فروری ۱۸۹۴ء کو

---

[1] المصلح ۴ راکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۴ کالم ۱۔

علاقہ منٹگمری سے لگاتار بارشوں میں بھیگتے ہوئے چھاؤنی انبالہ پہنچے ....

چندوں میں تو میں شروع اپریل ۱۹۰۶ء میں شامل ہوگیا تھا مگر ابھی بیعت نہیں کی تھی۔ ایک دن میں قرآن شریف پڑھ رہا تھا جب میں نے یہ آیت "كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ" پڑھی تو مجھے سیاق و سباق سے یقین آگیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام واقعی فوت ہو چکے ہیں اب ان کا دوبارہ آنا ناممکن الوقوع ہے۔ غرضیکہ قرآن شریف کی رہنمائی اور احمدی احباب کے فیض صحبت سے متاثر ہو کر میں نے دستی بیعت کرنے سے پہلے بذریعہ خط ۱۹۰۶ء میں حضرت صاحب سے مع بیوی اور تین بچوں (۲ لڑکے اور ایک لڑکی) بیعت کا شرف حاصل کیا۔ پھر اخیر ماہ ستمبر ۱۹۰۷ء میں اپنے عزیز ملک جلال الدین صاحب سکنہ دھرم کوٹ بگہ کو ہمراہ لے کر قادیان گئے اور نماز ظہر کے بعد مسجد مبارک میں خاص حضرت صاحب کے دستِ مبارک پر ہم دونوں نے بیعت کی اور اسی روز شام کو موضع بہل چک میں آکر جمعدار حسین بخش صاحب پنشنر کے ہاں مہمان ہوئے پھر علی الصباح ہی میں امرتسر چلا آیا۔"[1]

آپ نہایت مخلص، متقی، پابندِ صوم و صلوٰۃ اور صاحبِ رؤیا و کشف بزرگ تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

اندریں وقتِ مصیبت چارۂ ما بیکساں
جز دعائے بامداد و گریۂ اسحار نیست [2]

اِس مصیبت کے وقت ہم غریبوں کا علاج سوائے صبح کی دُعا اور سحری کے رونے کے اَور کچھ نہیں۔ ماسٹر عبد العزیز صاحب نوشہروی اِس شعر کا ایک جیتا جاگتا عملی نمونہ تھے۔ مہمان نوازی، بیمار پُرسی اور غریب پروری آپ کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ نوشہرہ میں گرلز مڈل سکول آپ نے منظور کرایا اور اپنا مکان سکول کے سٹاف کی خاطر دے دیا۔ ہر کام سلیقہ سے انجام دیتے۔ طبیعت میں نہایت سادگی تھی۔ ۱۹۳۴ء میں آپ کی لڑکی اختر بیگم ۱۲ سال کی عمر میں جے وی پاس کرکے گھر آئی۔ اس کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ وہ اچانک بیمار ہو کر اِس جہانِ فانی سے اُٹھ گئی جس کا آپ کو بہت صدمہ ہُوا یہاں تک کہ اِس فانی دُنیا کی کچھ حقیقت اُن کی

---

[1] رجسٹر "روایات صحابہ" نمبر ۳ صفحہ ۲۱۵ تا صفحہ ۲۱۶ ٭ [2] برکات الدّعاء صفحہ ۳۲ ٭

نگاہ میں نہ رہی آپ نے اپنی اِس پیاری بچی کا تمام جہیز نصرت گرلز سکول قادیان کو دے دیا۔

آپ سخت محنت کے عادی تھے اپنی زندگی کے آخری سال میں بھی جبکہ آپ کی عمر نوّے سال کے لگ بھگ تھی پیدل چل کر اپنے کھیتوں کا چکر لگا آتے، باوجود بڑھاپے کے درختوں کو پانی دیتے، نلائی کرتے اور باغ کی نگہداشت میں لگے رہتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ سے بہت گہرے تعلقات تھے اور خاندان مسیح موعود علیہ السلام بالخصوص حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ غایت درجہ محبت وعقیدت تھی۔[۱] حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ۲۵ ستمبر ۱۹۵۳ء کو نماز جمعہ کے بعد آپ کا جنازہ پڑھایا اور فرمایا "صحابی تھے مخلص احمدی تھے"۔[۲]

۵۔ چودھری عمر الدین صاحب رضی اللہ عنہ آف بنگہ ضلع جالندھر[۳] (ولادت: اندازاً ۱۸۶۳ء، بیعت: ۱۹۰۳ء، وفات: ۲۳ جون ۱۹۵۳ء)

چوہدری عمر الدین صاحب رضی اللہ عنہ مبلغِ اسلام مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر مبلغ سپین کے چچا تھے اور انہیں کے ذریعہ سے آپ کے خاندان کو احمدیت کی لازوال نعمت وبرکت نصیب ہوئی۔

فرمایا کرتے تھے کہ مجھے احمدیت حضرت مولوی کریم بخش صاحب رضی اللہ عنہ کے ذریعہ قبول کرنے کی توفیق ملی۔ آپ کو مشرقِ وسطیٰ کے سفر کا بھی موقع ملا اور مصر، شام اور ترکی بھی گئے۔

فرمایا کرتے تھے: اِسی سفر میں اشارہ ہوا کہ پیشوا ظاہر ہو چکا ہے اس کی بیعت کرو چنانچہ سفر سے واپسی پر آتے ہی احمدیت نصیب ہوگئی۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۹۰۵ء میں جب دہلی تشریف لے گئے تو آپ بھی امرتسر سے پھگواڑہ سٹیشن تک حضور کے ہمسفر رہے جونہی کوئی سٹیشن آتا آپ نکل کر حضور کے ڈبہ کے سامنے کھڑے ہو جاتے۔

---

[۱] المصلح ۱۴ ؍اخاء ۱۳۳۲ ہش ؍ ۱۴ ؍اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۴۔ [۲] المصلح ۱۳ ؍نبوت ۱۳۳۲ ہش ؍ ۱۳ ؍نومبر ۱۹۵۳ء

[۳] بیعت سے قبل اہلحدیث تھے احمدیت قبول کرنے کے بعد آپ نے اعلان فرمادیا کہ مَیں نے تحقیق کر کے بیعت کی ہے آپ لوگوں کی جیسی مرضی ہو۔ اکثر اہلحدیث آپ کے خیالات کا ادب کرتے تھے اِس لئے اکثر نے اُن کی بیعت کے بعد بیعت کرلی ۔

حضرت اقدس نے فرمایا۔ میاں عمرالدین! ہر سٹیشن پر ہی آجاتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور پھگواڑہ سے گاڑی بدل جائے گی اِس لئے نامعلوم کب زیارت ہو۔ آپؓ کو اِس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ حضرت اقدسؑ کو میرا نام بھی یاد ہے۔

آپ ایک مثالی احمدی تھے۔ بڑی عمر کو پہنچ جانے کے باوجود صحتِ جسمانی اچھی رہی۔ تہجد باقاعدہ ادا کرتے تھے اور دیگر نوافل بھی۔

حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت مصلح موعودؓ سے غایت درجہ عقیدت و محبت تھی۔ ان کا نام سُنتے ہی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے۔ ایک لمبے عرصہ تک جماعتِ احمدیہ بنگہ ضلع جالندھر کے سیکرٹری مال رہے۔ حسبِ توفیق ہر قسم کے چندوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے۔ نہایت مخلص اور غریب پرور تھے۔[1]

آپ کا اِنتقال جھنگ میں ہوُا جہاں آپ کے فرزند ڈاکٹر فضل حق صاحب پریکٹس کرتے ہیں۔ آپ موصی تھے اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں سپردِ خاک ہوئے۔

۶۔ حضرت شیخ محمد کرم الٰہی صاحبؓ سابق امیر جماعتِ احمدیہ پٹیالہ (ولادت ۱۸۵۶ء

بیعت ۲۸ فروری ۱۸۹۰ء۔ وفات ۹ جون ۱۹۵۳ء)[2]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین سو تیرہ اصحابِ کبار میں سے تھے اور حضرت اقدسؑ نے "ضمیمہ انجامِ آتھم" کی فہرست میں آپ کا نام ۱۴۶ نمبر پر درج فرمایا ہے۔ سلسلہ احمدیہ کی متعدد خدمات بجالانے کا آپ کو شرف حاصل ہوُا۔ منارة المسیح قادیان پر آپ کا نام چندہ دہندگان کی فہرست میں کندہ ہے۔ ۱۹۲۳ء سے مجلس مشاورت کی نمائندگی کے فرائض بھی بجالاتے رہے اور تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین میں شامل ہونے کا بھی شرف حاصل ہوُا۔ ہجرت ۱۹۴۷ء کے بعد کراچی میں آباد ہوگئے اور یہیں وفات پائی۔

۷۔ میاں جان محمد صاحبؓ پنشنر سب اِنسپکٹر پولیس کیملپور (ولادت: اندازاً ۱۸۷۷ء، وفات: ۵ رجولائی ۱۹۵۳ء)

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۹ر وفا ۱۳۳۲ ہش/ ۹ر جولائی ۱۹۵۳ء (مضمون مکرم مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر مبلّغ سپین سے ملخص)

[2] رجسٹر بیعت اولیٰ۔ ریکارڈ بہشتی مقبرہ ربوہ۔ المصلح کراچی۔ ۱۲ جون ۱۹۵۳ صفحہ ۸ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۸ جنوری ۱۹۶۴ء صفحہ ۴)

شیخ محمد صدیق صاحبؓ امیر جماعتِ احمدیہ کیمبلپور نے آپ کی وفات پر لکھا:۔

"مرحوم صحابی تھے۔ شمعِ تبلیغ کے پروانے تھے۔ آپ نہایت ہی متّقی، پرہیزگار، تہجد خواں، پُرجوش اور مخلص احمدی تھے۔ آپ کی وفات سے جماعت ایک قیمتی وجود کی رائے اور دعاؤں سے محروم ہوگئی ہے۔ آپ ۱۹۳۲ء میں ریٹائر ہوئے اور ۱۹۴۷ء تک یعنے پندرہ سال امیر اور سیکرٹری مال جماعتِ احمدیہ کیمبلپور کے اہم عہدوں کو نہایت تندہی اور خوش اسلوبی سے سنبھالے رکھا۔ آپ کی ذاتی لائبریری میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تقریباً جملہ کتب اور اخبار الفضل کے فائل موجود ہیں جن سے جماعت اور پبلک مستفیض ہوتی رہتی ہے۔" [۴]

۸۔ شیخ نیاز محمد صاحبؓ ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس (ولادت: ۱۸۸۶ء بمقام ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ، بیعت وزیارت: ۱۹۰۷ء، وفات ۲۴ جولائی ۱۹۵۳ء بمقام ربوہ)

شیخ صاحب مرحوم میاں محمد بخش صاحب انسپکٹر پولیس بٹالہ کے فرزند تھے جنہوں نے ۸ اپریل ۱۸۹۷ء کو قتلِ لیکھرام کا سُراغ لگانے کے لئے مسٹر لیمارچند سپرنٹنڈنٹ پولیس گورداسپور وغیرہ کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے "اَلدّار" کا محاصرہ کیا اور خانہ تلاشی لی[۵]۔ شیخ نیاز محمد صاحبؓ کی خود نوشت روایات میں ہے کہ:۔

"مجھے یاد پڑتا ہے اور میری والدہ صاحبہ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے کہ والد صاحب نے ذکر کیا تھا کہ لیکھرام کے قتل پر جب حضرت اقدسؑ کے مکان کی تلاشی لی گئی تو والد صاحب کی کسی زیادتی پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ آپ تو اِس طرح مخالفت کرتے ہیں مگر آپ کی اولاد میرے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو جائے گی۔ والد صاحب نے فرمایا کہ مَیں یہ سُن کر چُپ ہوگیا کیونکہ اُن کو یہ شروع سے ہی یقین تھا کہ حضرت صاحب نہایت بزرگ اور عابد انسان ہیں۔" [۶]

---

[۱] حضرت قاضی محمد یوسف صاحب امیر جماعتِ احمدیہ سرحد نے "تاریخ احمدیہ (سرحد)" مطبوعہ ۱۹۵۹ء کے صفحہ ۲۵۸، ۲۵۹ پر آپ کا ذکر فرمایا ہے ۔ [۲] روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۱ جولائی ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ ۔ [۳] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲ ستمبر ۱۹۵۳ء ۔ [۴] روزنامہ "المصلح" کراچی ۲۸ جولائی ۱۹۵۳ء ۔ [۵] اِس واقعہ کی تفصیل تاریخ احمدیت جلد دوم طبع دوم صفحہ ۴۲۸ - ۴۳۰ میں گزر چکی ہے ۔ [۶] رجسٹر روایات صحابہ نمبر ۱۳ صفحہ ۱۲۲ ۔

شیخ نیاز محمد صاحبؓ کے بیان کے مطابق ۱۹۰۱ء کے آخر میں اُن کے والد صاحب کو ہاتھ میں کاربنکل کا پھوڑا نکلا جو مہلک ثابت ہوُا۔ بیماری کے ایّام میں انہوں نے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ تندرست ہونے کے بعد حضرت اقدسؑ کی بیعت میں داخل ہوجائیں گے مگر زندگی نے وفا نہ کی اور وہ ۳۔مارچ ۱۹۰۲ء کو فوت ہو گئے۔ اُن کی وفات کے بعد شیخ نیاز محمد صاحبؓ بٹالہ سے اپنی زمین واقع تحصیل حافظ آباد میں چلے آئے جہاں اُس وقت بندوبست ہو رہا تھا چند سال بعد خدا کے مسیح کے مبارک ہونٹوں سے نکلی ہوئی بات پوری ہوگئی اور شیخ نیاز محمد صاحبؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔

جناب شیخ صاحبؓ اپنے قبولِ احمدیت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"حُسنِ اتفاق سے حضرت مولوی حکیم محمد دین صاحب ۱۹۰۷ء میں ہمارے ایک مکان میں کرایہ دار کی حیثیت سے رہنے لگے اور اس بزرگ کی پاک صحبت کے اثر سے اِس عاجز کو توفیق ملی کہ یہ عاجز اُن کے ہمراہ قادیان آیا۔ اور چونکہ اُن ایّام مجھے دینی واقفیت اچھی طرح سے نہ تھی اس لئے حضرت خلیفہ اوّلؓ سے جو مجھ سے شفقت سے پیش آتے تھے دو تین روز کے بعد ذکر کیا کہ حضرت صاحب کو مسیح اور مہدی مان لینا کوئی آسان کام نہیں۔ پہلے مَیں اہلسنّت والجماعت کی کتب پڑھوں گا اور پھر حضرت اقدس کی کتب کا مطالعہ کرکے کوئی فیصلہ کروں گا۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ زندگی کا کیا اعتبار ہے مَیں آپ کو ایک آسان گُر بتاتا ہوں اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دُعا کریں اگر حضور سچے ہوئے تو آپ پر حقیقت کھُل جائے گی چنانچہ مَیں نے نمازوں میں دعائیں کرنی شروع کر دیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے دوسرے یا تیسرے روز مجھ پر ایک مبشر اور صاف خواب کے ذریعہ حقیقت کھُل گئی اور معاً مجھے اپنے والد صاحب کی آخری نصیحت بھی یاد آگئی تو مَیں نے حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی خدمت میں اپنی رؤیا اور والد صاحب کی آخری نصیحت کا ذکر کیا اور عرض کی کہ مَیں بیعت کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔ اس وقت قریباً ۹ - ۱۰ بجے صبح کا وقت تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور فرمایا اب تو آپ ہمارے بھائی ہوگئے ہیں اور پھر اسی وقت مجھے مع حکیم محمد دین صاحب حضرت اقدسؑ کے دولت خانہ پر لے گئے اور اندر اطلاع کروائی۔ اس پر حضورؑ نے کمال شفقت سے بیت الدعا کے ساتھ والے دالان میں بلوا کر اِس عاجز کی بیعت لی۔ مَیں نے بیعت کرنے سے پہلے حضورؑ کی خدمت میں آبدیدہ ہو کر عرض کی کہ للہ میرے والد صاحب کو معاف فرما دیں حضورؑ نے فرمایا اچھا

ہم نے معاف کر دیا۔ پھر مَیں نے عرض کی کہ للہ ان کے لئے دردِ دل سے دعا فرماویں۔ فرمایا بہت اچھا۔ بیعت کے وقت حضرت اقدسؑ چارپائی پر تشریف رکھتے تھے۔ مَیں نیچے بیٹھ گیا مگر حضرت اقدسؑ نے میرا ہاتھ کھینچ کر اُوپر بٹھا لیا اور بیعت لینے کے بعد لمبی دعا فرمائی۔ اس کے بعد حضرت خلیفہ اوّلؓ۔ حکیم محمد دین صاحبؓ اور مَیں نیچے اُترے تو رستے میں خواجہ کمال الدین حضرت خلیفہ اوّلؓ کو ملے حضرت خلیفہ اوّلؓ نے خواجہ صاحب کو کہا اِس لڑکے کو جانتے ہو؟ اِس نے آج وہ کام کیا ہے کہ مجھے بھی اس پر رشک آرہا ہے اور مَیں چاہتا ہوں کہ کاش میری اولاد بھی میرے بعد میرے لئے اسی طرح نیک نامی کا باعث ہو۔ خواجہ صاحب نے پوچھا کہ کیا ہوا ہے۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ نے فرمایا کہ اِس نے والد صاحب کو حضورؑ سے معاف کروایا ہے اور ان کے لئے دعا کروائی ہے۔" [۱]

جناب شیخ صاحب ۱۹۴۱ء میں ملازمت سے ریٹائر ہو کر قادیان آگئے جہاں کچھ عرصہ تک افسر حفاظت بھی رہے۔ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے اپنے وطن گوجرانوالہ میں رہائش پذیر ہو گئے۔ وفات سے قریباً دو ماہ قبل حضرت مصلح موعودؓ کے ایماء پر ربوہ تشریف لے آئے۔

جناب شیخ صاحبؓ اپنی ملازمت کے دَوران احمدی دوستوں سے نہایت رواداری اور شفقت سے پیش آتے رہے اور مہمان نوازی کا عمدہ نمونہ پیش کرتے رہے۔ نہایت نیک دل اور راستباز انسان تھے۔ شُدھی کی تحریک کے انسداد میں آگرہ کے علاقہ میں نہایت مفید کام کیا۔ تحریکِ جدید کے پانچہزاری مجاہدین میں سے تھے۔ انتظامی قابلیت بھی بہت رکھتے تھے۔ نہایت زیرک اور معاملہ فہم انسان تھے۔ مدّت تک سٹار ہوزری قادیان کے ڈائریکٹر رہے۔ خاندان حضرت مہدیٔ معہودؑ سے بہت محبت رکھتے تھے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کا بہت خیال تھا۔ غرضیکہ دینی اور دُنیاوی دونوں اعتبار سے آپ کی زندگی حیاتِ طیّبہ کا رنگ رکھتی تھی اور ایک کامیاب زندگی تھی۔ [۲]

اولاد:۔ ۱۔ محترمہ فضل بیگم صاحبہ ولادت ۱۹۰۳ء (زوجہ مکرم قریشی ضیاء الدین احمد صاحب مرحوم ایڈووکیٹ ہائیکورٹ لاہور)

۲۔ محترم بریگیڈیر غلام احمد صاحب ایم آر سی پی (ولادت ۱۹۰۵ء ۔ وفات ستمبر ۱۹۷۶ء)

---

[۱] رجسٹر روایات صحابہ ۱۳ ص ۱۲۰-۱۲۲ ؛ [۲] روزنامہ "المصلح" کراچی ۲۰ ستمبر ۱۹۵۳ء

۳۔ محترمہ عنایت بیگم صاحبہ ولادت ۱۹۰۸ء (زوجہ مکرم محمد بشیر صاحب چغتائی)

۴۔ حافظ بشیر احمد مرحوم (ولادت ۱۹۱۰ء۔ وفات اگست ۱۹۷۶ء)

۵۔ محترمہ فرخندہ اختر صاحبہ ولادت اکتوبر ۱۹۱۶ء (بیگم حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ)

۶۔ محترمہ محمودہ ثروت صاحبہ ولادت ۱۹۱۹ء (زوجہ انعام اللہ صاحب راٹھور)

۷۔ خیر احمد صاحب ولادت ۱۹۲۱ء

۸۔ خلیل احمد صاحب ولادت ۱۹۳۰ء [1]

۹۔ چوہدری غلام حسن صاحبؓ نمبردار سیالکوٹی جٹ باجوہ ولد چوہدری صوبے خاں صاحب

(ولادت ۱۸۷۸ء بمقام تلونڈی عنایت خاں ضلع سیالکوٹ، بیعت ۱۹۰۰ء[2]، وفات ۹ ستمبر ۱۹۵۳ء)

حضرت چوہدری صاحبؓ ضلع سیالکوٹ کے ایک معزز زمیندار خاندان اور باجوہ قوم سے تعلق رکھتے تھے، جس نے عہدِ مغلیہ کی ابتداء میں ہندو مذہب ترک کر کے اِسلام قبول کر لیا تھا۔ سیالکوٹ میں بعض بزرگوں کے باعث احمدیت کا چرچا تھا آپ بھی کشاں کشاں پہنچے اور حضرت مسیح موعودؑ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی۔ یہ ۱۹۰۰ء کا واقعہ ہے۔ موصوف اپنے بیان مورخہ ۱۴؍اپریل ۱۹۳۸ء میں فرماتے ہیں:۔

"جس زمانہ میں مَیں نے بیعت کی تھی اُس وقت ایک جائیداد کا مقدمہ ہم کو پڑا ہؤا تھا جس کا فیصلہ ہمارے خلاف ہو چکا تھا اور ہم نے اپیل کی ہوئی تھی۔ تمام مخالفینِ سلسلہ ہم سے کہتے تھے کہ اگر تم اِس مقدمہ میں کامیاب ہو جاؤ گے تو ہم مرزا صاحب کو سچّا سمجھیں گے چنانچہ مَیں نے ایک طویل خط حضرت مسیح موعود (علیہ السّلام) کی خدمت میں لکھا کہ یہ لوگ اِس مقدمہ میں ہماری کامیابی کو آپ کی صداقت کی دلیل سمجھتے ہیں اور سلسلہ حقّہ کا یہ نشان سمجھیں گے حضور دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی دے اور عزّت بچائے کیونکہ یہ مقدمہ طوالت پکڑ چکا ہے اور بہت خرچ اُٹھ چکا ہے جس کا اثر ہماری اولادوں پر پڑے گا۔ چند یوم کے بعد حضور کی طرف سے ایک خط آیا کہ دعا کی گئی تم خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ (حضرت) چودھری نصر اللہ خاں صاحب مرحوم اس وقت .... ہمارے وکیل تھے خدا تعالیٰ نے ایسا معجزہ دکھایا کہ اپیل ہمارا منظور ہو گیا۔ مخالف وکیل پنڈت

---

[1] مکتوب محترمہ فرخندہ اختر صاحبہ سے ماخوذ معلومات۔ [2] رجسٹر بیعت و رجسٹر روایات صحابہ جلد ۲ صفحہ (غیر مطبوعہ)

بیلی رام جموں چلا گیا۔ ہمارے وکیل چودھری نصراللہ خاں صاحب کو جج صاحب نے بتا بھی دیا کہ اپیل تمہارے مخالف ہے۔ ادھر مخالف فریق ہمارے پیچھے لگ گیا کہ آؤ صلح کر لیں چنانچہ وہ جائیداد ہم نے نصف نصفی تقسیم کر لی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا سے ہر ایک نقصان سے بچا لیا۔

ایک دفعہ ہم قادیان گرمی کے موسم میں گئے میری بیوی اس وقت میرے ساتھ تھی ملاقات کے موقع پر میری بیوی سے حضرت مسیح موعودؑ نے دریافت فرمایا کہ لڑکی تم کچھ پڑھی ہوئی ہو۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں حضور میں قرآن شریف باترجمہ پڑھی ہوئی ہوں اور تفسیر محمدی بھی پڑھی (ہوئی) ہوں۔ چنانچہ آپ نے اس سے قرآن شریف ترجمہ کے ساتھ سُنا۔ آپ نے فرمایا "ترجمہ وہی ہے جو تم نے پڑھا ہؤا ہے لیکن سمجھ میں فرق پڑ گیا ہے میری منشاء ہے کہ چند یوم یہاں ٹھہرو اور مجھ سے پڑھ کر جاؤ تو جاکر عورتوں کو تبلیغ کرو کیونکہ عورتیں عورتوں کو اچھی طرح تبلیغ کر سکتی ہیں۔"

اگلے روز صبح کے وقت حضور نے میری بیوی کو سورۃ فاتحہ کا سبق دینا شروع کیا۔ اس وقت میری بیوی کی گود میں ایک چھوٹی لڑکی تھی میمونہ بیگم اس لڑکی کا نام تھا۔ ایک آنکھ اس کی خراب تھی اور پانی بہتا رہتا تھا ہمیں خطرہ تھا کہ آنکھ ضائع ہو جائے گی۔ سبق دیتے وقت لڑکی نے رونا شروع کر دیا اور دونوں آنکھیں خراب ہوگئیں۔ حضور کو سبق دینا دشوار ہو گیا۔ میں خلیفہ اوّلؓ کے شفاخانہ میں بیٹھا ہؤا تھا حضورؑ نے ایک خادم کے ساتھ لڑکی کو شفاخانہ بھیج دیا اور حضرت مولوی صاحب کو لڑکی خادمہ نے کہا کہ مولوی صاحب حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ "اِس لڑکی کی آنکھوں میں کچھ ڈال دیں اچھی ہو جائے گی" چنانچہ مولوی صاحب نے فوراً اس کی آنکھوں میں ایک شیشی سے پانی سا ڈال دیا لڑکی کی آنکھوں کو فوراً آرام آگیا اور ایک آنکھ کا نقصِ خاص بھی جاتا رہا۔ جب تک وہ لڑکی زندہ رہی اُس وقت تک وہ معجزہ کے طور پر ہم لوگوں کو دکھایا کرتے تھے۔ [ل]

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے ضمیمہ رسالہ "تریاق القلوب" کے صفحہ ۲۸ پر آپ کا نام نشان متعلق لیکھرام کے مصدّقین کی فہرست میں بالفاظِ ذیل نمبر ۹۵ پر لکھا ہے:۔

ل رجسٹر روایات صحابہ ۲/۱۲ صفحہ ۹۸ تا ۹ ؎

"غلام حسن صاحب بی۔اے کلاس مشن کالج لاہور (خلاصہ عبارتِ تصدیق) مرزا صاحب کی پیشگوئی ہر طرح سے پُوری ہوئی ہے۔"

آپ ۱۹۲۴ء میں ہجرت کرکے قادیان تشریف لے آئے اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کی کوٹھی کے قریب ایک وسیع عمارت "حسن منزل" تعمیر کروائی جہاں آپ ۱۹۴۷ء کے پُر آشوب زمانہ تک رہائش پذیر رہے اور پھر اپنا سارا اثاثہ چھوڑ کر اپنی بہوؤں کے ساتھ پاکستان میں پناہ گزین ہوئے۔

جناب میجر چوہدری شریف احمد صاحب باجوہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"۱۹۴۷ء میں مَیں حفاظتِ مرکز قادیان کا انچارج تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد پر فوج کی ملازمت چھوڑ کر آیا تھا۔ حفاظتِ مرکز کی تمام کارروائیوں کا مرکز و محور اپنا گھر "حسن منزل" ہی تھا۔ والد صاحب کو بڑھتے ہوئے فسادات کی صورت کا صحیح علم تھا۔ جب مَیں گرفتار[1] ہوکر جیل بند کر دیا گیا تو حضور خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا کہ میرے گھر کے تمام افراد فوراً پاکستان بھجوا دئے جائیں تاکہ حکومت اور پولیس کی سختی سے بچ جائیں۔ والد صاحبؓ نے قادیان چھوڑنے سے انکار کر دیا اور بار بار کہتے کہ مَیں تو یہاں مرنے کے لئے آیا تھا اور یہیں مروں گا۔ آپ کو ہجرت پر آمادہ کرنے کے لئے کوئی دلیل کارگر نہ ہوئی۔ آخر یہی کہہ کر آپ کو رضامند کیا گیا کہ حضورؓ کہتے ہیں کہ چلے جاؤ۔ پاکستان آن کر ہم نے دیکھا کہ آپ کو قطعاً جائیداد کھو جانے کا صدمہ نہ تھا صرف اور صرف یہی رنج تھا کہ قادیان چھوٹ گیا۔ جہاں مرنے گیا تھا وہاں مرنا بھی نصیب نہ ہوا۔ اِس یقین سے پُر تھے کہ ہم ضرور قادیان جائیں گے۔"

آپ پانچ بھائی تھے حضرت نواب محمد دین صاحبؓ، حضرت چوہدری محمد حسین صاحبؓ، حضرت چوہدری غلام حسن صاحبؓ، حضرت چوہدری غلام علی صاحبؓ، حضرت چوہدری غلام سرور صاحبؓ۔

حضرت چوہدری غلام حسن صاحبؓ اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح شب بیدار، متدیّن اور مخیّر بزرگ تھے۔

---

[1] آپ سیفٹی آرڈی نینس کے تحت ۲۳ر اگست ۱۹۴۷ء کو قادیان سے گرفتار کئے گئے تھے اور ۸ر اپریل ۱۹۴۸ء کو دوسرے احمدی اسیرانِ مشرقی پنجاب کے ساتھ آپ کی رہائی سنٹرل جیل لاہور سے عمل میں آئی۔ (تاریخ احمدیت جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۷ جلد ۱۲ صفحہ ۱۲۰)

قرآن سے غایت درجہ محبت تھی اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام بالخصوص حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عاشقِ صادق تھے اور حضور کی خدمت میں ہر سال نذرانہ پیش کرنا آپ کا معمول تھا۔ آپ نے سلسلہ احمدیہ کی ہر مرکزی تحریک میں سرگرم حصہ لیا مگر اپنی زندگی نہایت سادہ رنگ میں بسر کی۔ آپ کو عمر بھر اپنی اولاد کی تربیت کا خاص خیال دامنگیر رہا۔ آپ کی حُسنِ تربیت ہی کا نتیجہ ہے کہ خدا کے فضل سے آپ کے بعض فرزندوں کو یورپ اور امریکہ میں نہایت کامیاب طور پر اعلائے کلمۂ اسلام کی توفیق ملی اور اب تک مل رہی ہے۔

آپ نے میجر چوہدری شریف احمد صاحب باجوہ نائب امیر جماعتِ احمدیہ لائل پور کے بنگلہ میں وفات پائی اور بہشتی مقبرہ ربوہ کے قطعہ خاص صحابہ میں دفن کئے گئے۔

اولاد:- (۱) میمونہ بیگم صاحبہ مرحومہ (۲) رحمت بی بی صاحبہ مرحومہ (۳) عزیزہ بیگم صاحبہ اہلیہ نوابزادہ چوہدری محمد سعید صاحب حیدر آباد سندھ (۴) چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔اے۔ایل ایل بی۔ سابق امام مسجد لندن و انچارج سوئٹزرلینڈ مشن[۱] (۵) چوہدری عزیز اللہ صاحب کراچی (۶) میجر چوہدری شریف احمد صاحب باجوہ بی۔اے۔ایل ایل بی۔ سابق انچارج مشن انگلستان و امریکہ (۷) میجر ابوالخیر صاحب باجوہ ماڈل ٹاؤن لاہور[۲]

۱۰۔ ڈاکٹر منظور احمد صاحب ولد مولوی محمد دلپذیر صاحب بھیروی (ولادت: ۱۸۹۶ء[۳] بیعت و زیارت: ۱۹۰۸ء، وفات: ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۳ء[۴])

---

[۱] آپ مرکز میں تحریکِ جدید کے وکیل التبشیر، وکیل اعلیٰ اور وکیل الزراعت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ہیں۔

[۲] الفضل ۲۷ جون تا یکم جولائی ۱۹۶۱ء (مضمون چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔اے۔ایل ایل بی۔ وکیل الزراعت) و قلمی مسودات رجسٹر نمبر ۱، ۲ مرتبہ میجر شریف احمد صاحب باجوہ قاضی والہ $\frac{105}{\text{ج ب}}$ براستہ برنالہ ضلع لائل پور۔

[۳] "بھیرہ کی تاریخ احمدیت" صفحہ ۱۱۳ (مؤلفہ فضل الرحمٰن صاحب بسمل امیر جماعتِ احمدیہ بھیرہ۔ اشاعت دسمبر ۱۹۷۲ء)۔

[۴] روزنامہ "المصلح" ۱۳ نومبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۵۔

ڈاکٹر منظور احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"۱۹۰۸ء میں جب حضورؑ آخری دفعہ لاہور تشریف لے گئے اُس وقت مجھے زیارت کا شرف حاصل ہوا اور پہلی دفعہ قادیان آیا جب خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم نے حضور کا لیکچر پیغامِ صلح لاہور بریڈلا ہال میں سُنایا وہ سُن کر قادیان آگیا اور پھر دوسری دفعہ ۱۹۰۸ء کے سالانہ جلسہ پر قادیان آیا۔ مجھے یاد ہے کہ وہ جلسہ مدرسہ احمدیہ کے صحن میں ہوا تھا۔ اور یہ بھی یاد ہے کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کے لیکچر کے بعد جب موجودہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز[1] کا لیکچر ختم ہوا تو حضرت خلیفہ اوّلؓ نے حضور کی قرآن دانی کے متعلق چند تعریفی کلمات فرمائے تو میرے پاس ڈاکٹر بشارت احمد صاحب جو آجکل پیغامی ہیں بیٹھے ہوئے جھوم جھوم کر آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے کہ سُبحان اللہ سُبحان اللہ آپ کے بعد یہی خلیفہ ہوں گے۔ مَیں ڈاکٹر صاحب سے اُس وقت اِس لئے واقف تھا کہ وہ اُس وقت بھیرہ میں ہی تعینات تھے۔" [2]

حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السلام نے ۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء کو پنجابی نظم میں سلسلہ احمدیہ کی تبلیغ کو بہت عمدہ کام قرار دیتے ہوئے فرمایا:-

"اِس زمانہ کا یہی جہاد ہے" [3]

ڈاکٹر منظور احمد صاحب مرحوم بھیروی نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ سلانوالی[4] (ضلع سرگودہا) اور قادیان میں گذارا اور آپ دونوں جگہ اس عظیم الشان تبلیغی جہاد میں سرگرمِ عمل رہے۔ آپ کی کتاب "امام المتقین" پنجاب کے حلقوں میں بہت پسند کی گئی۔ اِس مقبولِ عام کتاب کے علاوہ آپ نے اَور بھی کئی پنجابی نظمیں کہیں جو کئی لوگوں کو داخلِ احمدیت کرنے کا موجب بنیں۔ ذیل میں آپ کی تالیفات کی فہرست دی جاتی ہے:-

امام المتقین منظوم پنجابی۔ نجات المؤمنین منظوم پنجابی۔ اسلامی دکان۔ خلافت دا بلاوا۔ ۱۹ مطالبات تحریک جدید۔ سوانح دلپذیر۔ مہدی دی چٹھی۔ مرزا مہدی۔ مہدی قادیان دے وچ آیا۔ گورکھن۔ شُدھی۔ رُوحانی چرخہ۔ گھڑیال احمدیا

---

[1] مراد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۔ [2] رجسٹر روایات صحابہ ۵ صفحہ ۳۶ ۔

[3] "البدر" ۲۱ر نومبر ۱۹۰۲ء ۔

[4] ۱۹۲۲ء کی پہلی مجلسِ شوریٰ میں آپ کو جماعتِ سلانوالی کی نمائندگی کا بھی موقع ملا (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۲ء صفحہ ۲)

مسجد احمدیہ لنڈن، مجرّباتِ دلپذیر، مرزا صاحب[۱]

محترم ڈاکٹر صاحب اُردو زبان کے بھی عمدہ شاعر تھے۔ آپ کی اُردو نظمیں سلسلہ احمدیہ کے اخبارات ورسائل میں شائع شدہ ہیں۔

اولاد:۔ (پہلی بی بی خدیجہ بیگم صاحبہ سے)

۱ ۔ سعیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ چوہدری فضل الرحمٰن صاحب پشاور

۲ ۔ امۃ الحفیظ صاحبہ اہلیہ میجر فتح داد صاحب کھاریاں

۳ ۔ امۃ البشیر صاحبہ اہلیہ ملک بشارت احمد صاحب کراچی

۴ ۔ منصور احمد صاحب پشاور

۵ ۔ محمود احمد صاحب لندن

۶ ۔ بشریٰ بیگم صاحبہ اہلیہ پروفیسر عبدالرحیم صاحب نیرّ کیمبلپور

۷ ۔ بشیر احمد صاحب لندن

۸ ۔ مبشریٰ بیگم اہلیہ نثار احمد صاحب ملتان

۹ ۔ پروفیسر محمد یوسف صاحب پشاور

(دوسری بی بی سے)

۱۰ ۔ انور احمد صاحب

۱۱ ۔ مظفر احمد صاحب

۱۲ ۔ ثمینہ بیگم صاحبہ

۱۱ ۔ حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب بھٹیؓ (ولادت: ۲۳ ر جون ۱۸۸۱ء[۲]، وفات: ۲۹ ر اکتوبر ۱۹۵۳ء بمقام ربوہ)

حضرت قاضی ضیاء الدین صاحبؓ آف قاضی کوٹ ضلع گوجرانوالہ (متوفّٰی ۱۵ ر مئی ۱۹۰۴ء) کے فرزندِ رشید

---

[۱] رسالہ" واذا الصحف نُشرت" ناشر جناب میاں عبدالعظیم صاحب درویش پروپرائٹر احمد بک ڈپو قادیان ص۴۴

[۲] "اصحابِ احمد" جلد ۶ ص۶۲ مولفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے

اور اپنے والدِ بزرگوار کی طرح خود بھی ۳۱۳ اصحابِ کبار میں شامل تھے چنانچہ حضرت اقدس مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "ضمیمہ انجام آتھم" کے صفحہ ۴۳ پر آپ کا نام ۲۵ انمبر پر درج فرمایا ہے۔ آپ نے نقشہ نویسی کا کام اپنے پھوپھی زاد بھائی قاضی نظیر حسین صاحب ہیڈ ڈرافٹسمین جموں سے سیکھا اور وہیں محکمہ پبلک ورکس میں ملازم ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کے چھوٹے بھائی حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب نے اطلاع دی کہ قادیان میں محکمہ تعمیرات جاری ہونے والا ہے جس پر آپ نے اپنی خدمات پیش کیں اور مستقل طور پر ہجرت کرکے قادیان آ گئے جہاں حضرت میر ناصر نواب صاحب ؓ مہتمم تعمیرات کے عہدہ پر فائز تھے[۱] سب سے پہلے محرر تعمیرات کی اسامی آپ کے لئے تجویز ہوئی مگر اپنے خلوص، محنت اور غیر معمولی فرض شناسی کی بدولت آپ کو عظیم الشان تعمیری خدمات بجا لانے کی ایک لمبے عرصہ تک توفیق ملی۔ قادیان میں سلسلہ احمدیہ کی سب عظیم الشان مرکزی عمارتیں بنوانے کا شرف آپ کو ملا چنانچہ مسجد نُور، بورڈنگ تعلیم الاسلام ہائی سکول اور اس کے ملحقہ کوارٹرز، منارۃ المسیح اور قصرِ خلافت قادیان آپ ہی کی زیرِ نگرانی تیار ہوُا۔ علاوہ ازیں مسجد اقصیٰ میں کنوئیں اور پانی کے انتظام کو فرشِ مسجد کے نیچے لے جانے کی صورت آپ ہی کے ہاتھوں ہوئی۔ اِسی طرح بہشتی مقبرہ کے راستہ کا پُل جس کا ذکر "الوصیّت" میں ہے نیز بہشتی مقبرہ کا کنواں آپ ہی کی نگرانی میں بنایا گیا اور پھر حضرت مسیح موعودؑ کے مزار کی تعمیر بوقت تدفین کی سعادت بھی آپ کو نصیب ہوئی۔

آپ کے سوانح نگار جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے نے ان تعمیرات کا ذکر کرکے یہ رائے قائم فرمائی ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہدِ مبارک میں ہی مستقل طور پر ہجرت کرکے آ گئے تھے۔[۲]

قادیان کی ان مرکزی تعمیرات کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ۔ حضرت اُمّ المؤمنین ؓ۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ؓ۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب ؓ اور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اپنے سب عمارتی کام آپ ہی کے سپرد فرماتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کی ڈلہوزی کی کوٹھی "بیت الفضل"، حضرت نواب محمد علی خاں صاحب ؓ کی تعمیرات اور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب

---

[۱] رسالہ "نور احمد" صفحہ ۴۵ (از شیخ نور احمد صاحب مالک ریاض ہند پریس امرتسر) طبع دوم ناشر حکیم عبداللطیف صاحب شاہد گجراتی ۱۹۵۶ء

[۲] "اصحابِ احمد" جلد ششم صفحہ ۲، صفحہ ۳

کی کوٹھی "بیت الظفر" آپ ہی کی زیرِ نگرانی تیار ہوئی تھی۔

آپ کچھ عرصہ تک قادیان میں بلڈنگ کنٹریکٹر کے طور پر دیگر احباب کے مکانات بھی تعمیر کراتے رہے۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے آپ کے کام سے خوش ہو کر تحریر فرمایا:۔

"قاضی صاحب! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

نلکہ، پانی خوب نکلا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر اور اُس کے بعد آپ کی محنت پر جزاك الله احسن الجزاء۔ یہ دل سے دعا ہے اللہ تعالیٰ قبول کرے۔

والسّلام نورالدین

۱۲ر جنوری ۱۴ء" [1]

جناب قاضی عبدالسلام صاحب بھٹی ابن حضرت قاضی عبدالرحیم رضی اللہ عنہ صاحب کا بیان ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر قادیان میں اپنے خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ میری کوٹھی کا جو کام قاضی صاحب نے کروایا ہے وہ روپوں کا کام آنوں میں کرایا ہے اور اسے دیکھ کر میرے دل سے دعا نکلتی ہے۔ [2]

سلسلہ کی جو تاریخی عمارات آپ نے بنوائیں آپ نے ان کی تعمیر کے کسی مرحلے پر ان میں معمولی سے نقص کو بھی برداشت نہ کیا تعلیم الاسلام ہائی سکول کی تعمیر کے دَوران آپ کو معلوم ہوا کہ ایک دیوار میں نیچے کی کچھ اینٹیں معیار کی نہیں لگیں وہ ساری دیوار آپ کے حکم سے گرا کر از سرِ نَو تعمیر کرائی گئی۔ ہجرت ۱۹۴۷ء کے بعد آپ سلسلہ کے نئے مرکز ربوہ میں رہائش پذیر ہو گئے اور بڑھاپے کے باوجود انتہائی جوانمردی سے اس کی تعمیر میں حصّہ لینے لگے جلسہ ربوہ ۱۹۴۹ء کے موقع پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کو الہاماً ربوہ میں میٹھے پانی کے نکلنے کی بشارت ملی تھی جو ان الفاظ میں تھی ؎

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب
پاؤں کے نیچے سے مرے پانی بہا دیا

اِس آسمانی بشارت کے مطابق جب ربوہ میں پہلا کامیاب پمپ لگا تو آپ نے ۸ رمئی ۱۹۵۱ء کو حضور کی خدمت میں لکھا "پمپ لگانے کی تجویز پیش کرنے کے موقع پر حضور نے پانی جمع رکھنے کے لئے ایک ٹینکی بنا کر

---

[1] "اصحابِ احمد" جلد ششم صفحہ ۲۳ (۱۲ر جنوری ۱۹۱۴ء) ؛ [2] روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۵ر دسمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۴

کوٹھیوں اور مسجد میں بذریعہ نالیاں پانی پہنچانے کا خیال ظاہر فرمایا تھا.... پس اگر حضور پسند فرمائیں تو مَیں تخمینہ بنا کر پیش کر دوں گا اور بعد منظوری ایک مہینے کے اندر یہ کام کرا دینے کی اُمید رکھتا ہوں۔ اِنشاء اللہ تعالیٰ۔"

حضرت مصلح موعودؓ نے اس پر اپنے قلمِ مبارک سے تحریر فرمایا "تخمینہ پیش کر دیں مگر انجمن کی عمارات اِس قدر دُور ہیں کہ وہاں تک پانی کس طرح جائے گا!"[۱] اِس جُزوی خدمت کے علاوہ ربوہ میں آپ کا عظیم کارنامہ مسجد مبارک کی تعمیر ہے جو اگست ۱۹۵۱ء میں آپ کے ہاتھوں پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ الغرض قادیان اور ربوہ کے دونوں مراکز کی تعمیرات میں آپ کو شاندار خدمات کی توفیق ملی۔

حضرت قاضی عبد الرحیم صاحبؓ اوّلین موصیوں میں سے تھے آپ کا وصیت نمبر ۳۷ تھا۔ آپ نے علاقہ ملکانہ کی تبلیغی مہم میں سرگرم حصہ لیا اور تین ماہ وقف کر کے خدمتِ اسلام کرتے رہے۔ تحریکِ جدید دفتر اوّل کے مجاہد تھے۔ ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد آپ کو قادیان کی جُدائی کا بہت صدمہ تھا اور قادیان کی واپسی کے انتظار میں آپ کی عمر کی آخری گھڑیاں آن پہنچیں۔ جناب قاضی عبد السلام صاحب بھٹی لکھتے ہیں کہ قادیان کی واپسی کیلئے بیحد بیقرار رہتے تھے مگر جب حضرت اُمّ المؤمنینؓ فوت ہوگئیں تو جنازے کے ہمراہ جاتے ہوئے روتے تھے اور کہتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے اتنی بڑی ہستی کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی تو ہم کون ہیں؟ بعد ازاں جب حضرت اُمّ المؤمنینؓ کے مزار کی تعمیر کا کام آپ کو سونپا گیا تو دردبھرے دل سے کہا کہ آج سے ۴۴ برس قبل قادیان میں خدا کے مسیح علیہ السلام کے وصال پر ان کی آخری آرام گاہ کی تیاری کا کام اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ہی لیا تھا اور آج پھر ویسی ہی خدمت کا شرف مجھے بخشا گیا۔ موت کو بہت یاد رکھتے تھے اور شیخ سعدیؒ کا یہ شعر جسے حضرت مسیح موعودؑ نے رسالہ "الوصیت" میں بھی درج فرمایا ہے بہت پڑھا کرتے تھے ؎

عروسی بود نوبت ماتمت ٭ اگر برنکوئی بود خاتمت

آپ کا انجام نہایت مبارک ہوا ۲۹ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو جمعرات کی شام آپ کی وفات ہوئی اگلے روز حضرت مصلح موعودؓ نے نمازِ جمعہ کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور بہشتی مقبرہ کے قطعہ صحابہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔[۲]

---

[۱] "اصحابِ احمد" جلد ششم ص۱۳۲ ٭ [۲] "المصلح" کراچی ۶ نومبر و ۱۵ دسمبر ۱۹۵۳ء ص۴

حضرت مہدی موعود کو جنابِ الٰہی سے یہ وعدہ دیا گیا ہے:۔

"مَیں تیرے خالص اور دلی محبّوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا۔" لہ

اِس وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی کثرتِ نسل سے نوازا چنانچہ وفات کے وقت آپ کے بیٹوں (قاضی بشیر احمد صاحب، قاضی عبدالسلام صاحب، قاضی مبارک احمد صاحب، قاضی منصور احمد صاحب) اور ایک نواسہ اور پوتوں، پوتیوں اور پڑپوتیوں کو شامل کرکے آپ کے کنبے کی تعداد ۶۲ افراد تک پہنچ چکی تھی۔ ٹہ

۱۲۔ **حکیم محمد عبدالصمد صاحب دہلوی**رضی اللہ عنہ (ولادت: قریباً ۱۸۷۹ء، بیعت و زیارت ۱۹۰۵ء، وفات ۱۰ر دسمبر ۱۹۵۳ء بمقام کراچی)

حضرت حکیم محمد عبدالصمد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تو غیر احمدی علماء نے احمدی بنایا ہے چنانچہ آپ اپنے ایک تحریری بیان میں فرماتے ہیں:۔

"مَیں ۱۸۹۱ء میں ایک مولوی صاحب ؔسے (تفسیر) جلالین پڑھا کرتا تھا اُس میں یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ والی آیت آگئی جس کی تفسیر میں لکھا تھا "رَافِعُکَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا مِنْ غَیْرِ مَوْتٍ" (یعنی مَیں دُنیا سے تیرا رفع بغیر موت کے کروں گا) مَیں حیران ہُوا کہ مِنْ غَیْرِ مَوْتٍ کہاں سے آگیا۔ یہ متن کی تفسیر ہو رہی ہے یا متن کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ رات غور کرتے کرتے دو بج گئے۔ اتفاقاً والد صاحب کی آنکھ کُھلی۔ انہوں نے اتنی دیر جاگنے کا سبب دریافت کیا۔ مَیں نے اصل حقیقت کہہ سُنائی۔ فرمایا میاں اُستاد کس لئے ہوتا ہے؟ تم صُبح جا کر مولوی صاحب سے یہ معاملہ حل کروا لینا چنانچہ مَیں صبح مولوی صاحب کے پاس گیا اور سارا قصّہ کہہ سُنایا۔ مولوی صاحب کہنے لگے کہ میاں متقدّمین سے لے کر متأخرین تک سب کا یہی مذہب چلا آتا ہے۔ اِس میں جھگڑا مت کرو۔ مگر مَیں نے کہا کہ جب تک میری سمجھ میں نہ آئے مَیں آگے ہرگز نہیں چلوں گا۔ اِس پر

لہ اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء ٹہ "المصلح" کراچی ۱۵ر دسمبر ۱۹۵۳ء

سہ آپ کے صاحبزادہ حکیم عبدالواحد صاحب صدیقی حال کراچی کی روایت کے مطابق ان کا نام مولوی محمد بشیر صاحب تھا۔

وہ بہت ناراض ہوئے۔ میرے والد صاحب کو بھی بلوایا مگر انہوں نے کہا کہ آپ استاد ہیں اور یہ شاگرد آپ جانیں اور آپ کا کام مَیں اس میں دخل نہیں دیتا۔ اور یہ کہہ کر وہ چلے گئے اور مولوی صاحب نے پھر مجھے کہنا شروع کیا کہ پڑھو۔ مَیں نے کہا جب تک آپ سمجھائیں نہ مَیں کیسے پڑھ سکتا ہوں۔ اِس پر مولوی صاحب کو غصہ آیا اور انہوں نے مجھے ایک تھپڑ مار کر کہا کہ ایک تجھے جنون ہؤا ہے اور ایک مرزا کو۔ مَیں حیران ہؤا کہ یہ مرزا کون ہے۔ ساتھ ہی میرے دل میں یہ خیال پیدا ہؤا کہ مَیں کسی اصل پر قائم ہوں....

شام کو دوسرے اُستاد[1] کے پاس گیا اُس نے بھی کہا کہ ایک تجھے جنون ہؤا ہے اور ایک مرزا کو۔ اس سے میرا دل اَور مضبوط ہو گیا کہ میری بات کمزور نہیں ہے۔

پھر تیسرے اُستاد مولوی عبدالوہاب صاحب کے پاس گیا اُنہوں نے کہا کہ یہ تو بڑا قصہ ہے اِس کا تو مدعی موجود ہے جو کہتا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ فوت ہو گئے ہیں اور جس عیسٰی کی آمد کا لوگ انتظار کر رہے وہ مَیں ہوں۔ مَیں نے کہا کہ پہلی بات تو میری سمجھ میں آگئی ہے مگر دوسری کا ابھی پتہ نہیں لگا۔ انہوں نے کہا کہ مَیں پنجاب میں گیا تھا بائیس دن وہاں رہا۔ اُن کا ایک مُرید مولانا نورالدین ہے حکمت میں تو اُس کا کوئی ثانی نہیں۔ اور مَیں نے اُس کے دینی درسوں کو بھی سُنا ہے بڑے بڑے مولوی اس کے سامنے دَم نہیں مار سکتے۔ انہوں نے اپنی بیعت کا ذکر نہ کیا کیونکہ وہ مخالفت سے ڈرتے تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ اُونچا مت بولو مولوی عبدالغفور صاحب سُن لیں گے۔ مَیں نے کہا مجھے اِس بات کی کوئی پروا نہیں مَیں صداقت کے اظہار سے کیسے رُک سکتا ہوں۔ خیر اسی طرح پڑھتے پڑھتے ۱۹۰۵ء کا زمانہ آگیا۔ حضرت صاحب دہلی تشریف لے گئے اور الف خاں صاحب سپاہی والے کے وسیع مکان[2] میں فروکش ہوئے۔ ہزارہا لوگ آپ کے دیکھنے کے لئے گئے[3]۔ مَیں بھی گیا۔ مَیں مخالف مولویوں کے ساتھ گیا۔ اُن میں طلباء زیادہ تھے اور ہمارے سرغنہ مولوی مشتاق علی تھے انہوں نے

---

[1] حضرت حکیم صاحبؓ نے ان کا نام مولوی محمد اسحٰق صاحب منطقی بتایا تھا۔ (روایت حکیم عبدالواحد صاحب)

[2] واقع چتلی قبر متصل مسجد سید رفاعی صاحب (اخبار "الحکم" قادیان ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ کالم ۱)

[3] تفصیلی روداد کے لئے ملاحظہ ہو اخبار "بدر" ۳، نومبر و ۱۶ نومبر ۱۹۰۵ء

حضرت صاحب پر کچھ اعتراض کرنے شروع کئے جس پر حضرت صاحب نے فرمایا کہ آپ ٹھہر جائیں اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب سے کاغذ اور قلم دوات لے کر ایک مضمون لکھا[1] اور وہ مولوی مشتاق علی صاحب کو دیا کہ آپ اسے پڑھ لیں اگر کوئی لفظ سمجھ نہ آئے تو مجھ سے دریافت کر لیں اور ساتھ ہی اس کا جواب بھی لکھ لیں۔ پھر پہلے آپ میرا مضمون سُنا دیں اس کے بعد اس کا جواب سُنا دیں۔ مولوی صاحب نے بغیر جواب لکھے حضرت صاحب کا مضمون سُنانا شروع کیا۔ حضرت صاحب نے پھر فرمایا کہ اگر جواب آپ لکھ لیتے تو اچھا تھا مگر انہوں نے کہا کہ نہیں مَیں زبانی جواب دے دوں گا۔ خیر انہوں نے حضرت صاحب کا مضمون پڑھ کر سُنا دیا اور دیر تک خاموش کھڑے رہے جواب نہیں دے سکے۔ ساتھ کے طلباء میں سے بعض نے کہا کہ اگر ہم کو یہ معلوم ہوتا کہ آپ جواب نہیں دے سکیں گے تو ہم کسی اَور کو سرغنہ بنا لیتے آپ نے ہمیں بھی شرمندہ کیا۔ اس پر مولوی صاحب نے ایک طالبِ علم کو تھپڑ مارا اور اس نے مولوی صاحب کو مارا مفتی صاحب نے ان دونوں کو ہٹا دیا۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تقریر شروع ہوگئی اور حضرت صاحب کی تقریر میں لوگوں نے کچھ شور کیا۔ جماعت کے لوگوں نے حضرت صاحب کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اس میں کچھ تھوڑی سی جگہ کُھلی رہ گئی تھی وہاں مَیں کھڑا ہو گیا[2]۔ اکبر خاں ایک احمدی چپڑاسی تھے انہوں نے مجھ کو مخالف سمجھ کر دھکا دے کر وہاں سے ہٹا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر مَیں وہاں کھڑا ہو گیا اور وہ پھر مجھ کو دھکا دینے کے لئے آگے بڑھے تو حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ نے ان کو روکا کہ کیوں دھکا دیتے ہو۔ اکبر خاں نے کہا کہ حضور یہ مخالف ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا ہے؟ جو آتا ہے اس کو آنے دو۔۔۔۔

---

[1] حضورؑ کی یہ تحریر وفاتِ مسیح کے مسئلہ پر مشتمل تھی جو اخبار "بدر" قادیان ۱۶ر نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴ پر شائع شدہ ہے۔

[2] آپ فرمایا کرتے تھے "میری نگاہ جونہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ مبارک پر پڑی تو میری ٹانگیں کانپنے لگیں اور طاقت نے بالکل جواب دے دیا اور میرے دل نے کہا کہ یہ جھوٹوں کی شکل نہیں"۔ (بروایت حکیم عبد الواحد صاحب صدیقی)

حضرت صاحب نے تقریر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مسیح موعود کرکے بھیجا ہے اور فرمایا کہ جو لوگ اپنی کم علمی کی وجہ سے میرے متعلق فیصلہ نہیں کرسکتے وہ اِس دعا کو کثرت سے پڑھیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی پنجوقتہ نمازوں میں بتلائی ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت کثرت سے پڑھیں۔ زیادہ سے زیادہ چالیس روز تک اللہ تعالیٰ ان پر حق ظاہر کردے گا۔ مَیں نے تو اُسی وقت سے شروع کر دیا۔ مجھ پر تو ہفتہ گذرنے سے پہلے ہی حق کُھل گیا۔ مَیں نے دیکھا کہ حامد کے محلہ کی مسجد میں ہوں وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام تشریف لائے ہیں۔ مَیں حضرت صاحب کی طرف مصافحہ کرنے کے لئے بڑھنا چاہتا تھا کہ ایک نابینا مولوی نے مجھ کو روکا۔ دوسری طرف سے مَیں نے بڑھنا چاہا تو اُس نے ادھر سے بھی روک لیا۔ پھر تیسری مرتبہ مَیں نے آگے بڑھ کر مصافحہ کرنا چاہا تو اس نے مجھ کو پھر روکا تب مجھے غصہ آگیا اور مَیں نے اُسے مارنے کے لئے ہاتھ اُٹھایا حضرت صاحبؑ نے فرمایا کہ نہیں غصہ نہ کرو۔ مارو نہیں۔ مَیں نے عرض کیا کہ حضور مَیں تو حضور سے مصافحہ کرنا چاہتا ہوں اور یہ مجھ کو روکتا ہے۔ اتنے میں میری آنکھ کُھل گئی۔ مَیں نے صبح میر قاسم علی صاحبؓ[۱] اور مولوی محبوب احمد اور مستری قادر بخش کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ میر صاحب نے کہا کہ اِسے لکھ دو۔ مَیں نے لکھ دیا۔ انہوں نے کہا کہ اس کے نیچے لکھ دو کہ مَیں اپنے اس خواب کو حضور کی خدمت میں ذریعہ بیعت قرار دیتا ہوں۔ مَیں نے لکھ دیا۔ مولوی محبوب احمد صاحب جو غیر احمدی تھے انہوں نے کہا تم کو اپنے والد کا مزاج بھی معلوم ہے؟ وہ ایک گھڑی بھر بھی تم کو اپنے گھر نہیں رہنے دیں گے۔ مَیں نے کہا مجھے اس کی

---

[۱] حضرت میر صاحبؓ اُن دنوں سیکرٹری انجمن احمدیہ دہلی تھے۔ قبل ازیں آپ دو سال دس ماہ تک یتیم خانہ انجمن مؤیّد الاسلام دہلی کے سپرنٹنڈنٹ رہے اور جیسا کہ مہتمم یتیم خانہ مولوی عبدالاحد صاحب نے اپنے سرٹیفکیٹ میں لکھا "انہوں نے اپنے فرائض نہایت دیانتداری سے ادا کئے"۔ اس کے باوجود آپ کو محض احمدی ہونے کی وجہ سے ملازمت سے جبراً علیحدہ کر دیا گیا اور آپ کا استعفاء ۳۱ جولائی ۱۹۰۵ء کو باضابطہ طور پر منظور کر لیا گیا (بدر ۸ دسمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲) یہ قربانی چونکہ محض خدا کے واسطے تھی اِس لئے آئندہ چل کر آپ کو پہلے دہلی پھر قادیان میں ایک لمبے عرصہ تک خدماتِ دینیہ بجا لانے کی سعادت حاصل ہوئی۔

کوئی پرواہ نہیں خیر حضرت صاحب نے بیعت منظور فرمائی اور مجھے لکھا کہ تمہاری بیعت قبول کی جاتی ہے۔ اگر تم پر کوئی گالیوں کا پہاڑ کیوں نہ توڑ دے۔ نگاہ اٹھا کر مت دیکھنا" ؎۱

دہلی میں بیعت کے بعد آپ پہلی مرتبہ ۱۹۰۷ء کے جلسہ سالانہ پر قادیان حاضر ہوئے اور دوبارہ حضورؑ کی زیارت نصیب ہوئی۔

حضرت حکیم صاحب ۱۹۱۱ء میں دہلی کو ترک کر کے قصبہ اچرلی (ضلع میرٹھ) میں طبابت کرنے لگے۔ ۱۹۲۹ء میں آپ نے اپنے اہل و عیال کو مستقل رہائش کے لئے قادیان بھجوا دیا اور خود جماعتی ضرورت کے پیش نظر اچرلی میں ہی مقیم رہے۔ بعد میں خود بھی ہجرت کر کے ۱۹۳۴ء میں قادیان تشریف لے آئے ؎۲

۱۹۴۷ء کے ملکی فسادات کے دوران آپ قادیان سے پاکستان میں چلے آئے تھے اور کراچی میں قیام پذیر ہوئے اور یہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ بلند پایہ طبیب تھے۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ سے والہانہ اخلاص رکھتے تھے اور اپنا وقت دوسروں کی خدمت اور بھلائی میں صرف کرنے کے عادی تھے۔ اپنے ملنے والوں خصوصاً نوجوانوں کی اخلاقی اور تمدنی اصلاح میں ہمیشہ کوشاں رہتے اور انہیں بہت دلکش انداز میں نصائح فرمایا کرتے تھے۔ آپ نوجوانوں کو خاص طور پر تلقین فرماتے تھے کہ عمدہ اخلاق کے بغیر عمدہ صحت نہیں مل سکتی ؎۳

(۱۳) حضرت شیخ غلام حسنین صاحبؓ

(ولادت ۱۸۹۳ء اندازاً (وفات) ۱۵ دسمبر ۱۹۵۳ء / ۱۵ فتح ۱۳۳۲ ہش بمقام کراچی)

حضرت شیخ غلام حسنین صاحب کے دادا حضرت شیخ محمد ابراہیم صاحب رضی اللہ عنہ اور والد حضرت ماسٹر قمر الدین صاحبؓ لدھیانوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیم صحابہ میں سے تھے۔ اور دونوں کو حضور علیہ السلام کے ۳۱۳ اصحاب کبار میں شمولیت کا شرف حاصل تھا ؎۴

حضرت شیخ صاحب مرحوم نہایت متقی۔ پرہیزگار اور حقوق اللہ و حقوق العباد کی بجاآوری کا خاص

؎۱ رجسٹر روایات صحابہؓ نمبر ۱۲ صفحہ ۱۳ تا ۱۸۔

؎۲ روزنامہ "المصلح" ۱۳ دسمبر ۱۹۵۳ء / ۱۳ فتح ۱۳۳۲ ہش ص۵

؎۳ روزنامہ "المصلح" کراچی۔ ۱۸ فتح ۱۳۳۲ ہش / ۱۸ دسمبر ۱۹۵۳ء ص۴ (اخوند فیاض احمد خان صاحب کے ایک نوٹ کی تلخیص)

؎۴ ضمیمہ انجام آتھم ص۴۲

التزام فرمانے والے بزرگ تھے۔ آپ نے عمر کا ایک بڑا حصّہ بسلسلہ ملازمت دہلی میں گزارا آپ کی سادگی، تقویٰ اور خوش خلقی کا یہ اثر تھا کہ بڑے سے بڑا افسر بھی آپ کو نہایت عزّت و احترام کی نظر سے دیکھتا اور آپ کی بات کو وقعت دیتا۔ آخر دم تک جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے رہے۔ بالخصوص جماعت احمدیہ دہلی میں پینتیس ۳۵ سال تک سیکرٹری مال کے فرائض نہایت محنت، جانفشانی اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے۔ دہلی سے کراچی آنے کے بعد بھی کئی سال تک جماعت مقامی کی مجلس عاملہ کے رُکن رہے۔ اگرچہ کم گو تھے لیکن تبلیغ کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ بڑے بڑے صاحب پوزیشن حضرات تک پہنچتے اور اُن تک پیغام حق پہنچا کر خوش ہوتے دوسروں کی دلداری کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اور یہ امر طبیعت کو کسی صُورت گوارا نہ تھا کہ کسی کو آپ کی وجہ سے کوئی دکھ پہنچے یا وجہ شکایت پیدا ہو۔ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اور نظام سلسلہ سے آپ کی وابستگی عشق کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ سلسلہ کی ترقی کے لئے دُعاؤں میں مصروف رہنا آپ کا خاص شیوہ تھا۔ آپ نے چھ بیٹیاں اور ایک بیٹا بطور یادگار چھوڑے۔[1]

بعض دوسرے مخلصین کی وفات

ان بلند پایہ صحابہ کے علاوہ سلسلہ احمدیہ کے بعض اور مخلصین بھی اس سال داغِ مفارقت دے گئے۔ جن میں سے دو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) سید طفیل محمّد شاہ صاحب[2] (ولد سیّد شاہ نواز صاحب ترمذی رئیس مستیٔ سیّداں وموہاں تحصیل ٹانڈہ ضلع ہوشیار پور)

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۱۰ فتح ۱۳۳۲ ہش / دسمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۸

[2] ولادت ۱۸۹۰ء، وفات ۲۵ مارچ ۱۹۵۳ء۔ خلافتِ ثانیہ کے اوائل میں داخلِ احمدیت ہوئے اور پھر پوری عمر سرکاری ملازمت اور طبابت کے ساتھ ساتھ احمدیت کی پُرجوش علمی خدمت میں گذار دی۔ آپ ایک محقّق اور فاضل بزرگ تھے۔ آپ کی مندرجہ ذیل تالیفات کو جماعت میں بہت مقبولیّت حاصل ہوئی۔ رہنمائے تبلیغ۔ اجرائے نبوّت۔ تحقیقات الادیان حصّہ اوّل۔ اسلام اور ہندو دھرم کا مقابلہ۔ آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ ۱۹۲۲ء کی پہلی مجلس شوریٰ میں جماعتِ احمدیہ گوکھووال (لائل پور) کے نمائندہ کی حیثیّت سے شامل ہوئے آپ گوکھووال اور سالاروالہ کی احمدیہ جماعتوں کے سالہا سال تک پریذیڈنٹ بھی رہے۔ اولاد:۔ سید غلام محمد شاہ صاحب۔ سید محمد احمد شاہ صاحب۔ سیّد لطیف احمد شاہ صاحب۔ سید نعیم احمد شاہ صاحب۔ سید سلیم احمد شاہ صاحب۔ سید مبارک احمد شاہ صاحب۔ سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہ۔ تحریک جدید کے اولین مجاہدین میں سے تھے۔ (مطبوعہ فہرست صفحہ ۲۹۲)

(۲) السیّد رضوان عبداللہ صاحب ابن السیّد عمر ابوبکر آفندی خرطوم (حبشہ کے احمدی نوجوان متعلم مولوی فاضل کلاس جامعہ احمدیہ)[2]

---

[1] "البشریٰ" حیفا دسمبر ۱۹۵۰ء ص ۲۴۳

[2] ولادت ۱۹۳۵ء یہ ہونہار، بااخلاق اور نہایت محنتی احمدی نوجوان تھے جو دسمبر ۱۹۵۰ء میں جو ملک حبشہ سے علم دین سیکھنے کیلئے مرکز احمدیت ربوہ میں آئے تاکہ واپس جاکر اپنے ملک کی عیسائی اور دیگر اقوام کو اسلام کی طرف دعوت دیں۔ مگر افسوس ابھی آپ کو یہاں آئے ساڑھے تین سال ہی ہوئے تھے کہ آپ ۲۶ اگست ۱۹۵۳ء کو جامعہ احمدیہ کے طلبہ کے ساتھ دریائے چناب پر نہانے گئے اور عصر کی نماز کے لئے وضو کر رہے تھے کہ پاؤں پھسل جانے سے دریا میں ڈوب کر عالم غریب الوطنی میں شہید ہو گئے۔ مرحوم اپنے والدین کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ آپ کو پہلے امانتاً عام قبرستان میں دفن کیا گیا۔ بعد ازاں حضرت مصلح موعودؓ کی اجازت سے بہشتی مقبرہ میں سپرد خاک کئے گئے۔ آپ بزم تعلیم البیان جامعہ احمدیہ احمد نگر ربوہ کے بانیوں میں سے تھے۔ (روزنامہ "المصلح" یکم، ۲، ۱۷ ستمبر ۱۹۵۳ء)

آپ کی وفات پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ایک مضمون "رضوان عبداللہ کی المناک وفات" کے عنوان سے سپرد قلم فرمایا جس میں لکھا:۔

"رضوان جو کئی ہزار میل کی مسافت طے کر کے علم دین کی تحصیل کی غرض سے ربوہ آیا تھا۔ اور جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے اپنے والدین کا سب سے بڑا بچہ تھا۔ ایک بہت ہی شریف اور ہونہار اور دیندار لڑکا تھا..... رضوان مرحوم سب سے پہلے لاہور میں مجھے ملا اور عربی زبان میں باتیں کرتا رہا اور پھر ہم نے اُسے ربوہ بھجوانے کا انتظام کر دیا۔ اُس وقت سے میری طبیعت پر رضوان کی شرافت کا خاص اثر تھا۔ کم گو، شریف مزاج، بے شر، مخلص دینی جذبات سے معمور اور ہونہار۔ یہ وہ اثر ہے جو ہر وہ شخص جو رضوان سے ملا اس کے متعلق قائم کرتا رہا ہے۔" ("المصلح" یکم ستمبر ۱۹۵۳ء ص ۳)

(مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ "خالد" ربوہ نومبر ۱۹۵۳ء ص ۲۵ ۔ ۲۷)

فصل چہارم

۱۹۵۳ء (۱۳۳۲ہش) کے متفرق مگر اہم واقعات

خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں اضافہ

خدائے رحیم وکریم بزرگ وبرتر نے حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو بشارت دی تھی کہ "میں تیری ذرّیت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دُوں گا" (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء) اس آسمانی وعدہ کے مطابق اس سال خاندانِ مسیح موعودؑ میں درج ذیل نفوس کا اضافہ ہوا:۔

۱۔ صاحبزادی نزہت صاحبہ (بنت حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب) تاریخ ولادت ۳ جنوری ۱۹۵۳ء[1]

۲۔ مرزا مظفر احمد صاحب (ابن صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مُنوّر احمد صاحب) تاریخ ولادت ۷ راگست ۱۹۵۳ء

۳۔ مرزا لقمان احمد صاحب (ابن حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب) تاریخ ولادت ۸/۷ نومبر ۱۹۵۳ء[2]

۴۔ سلمان احمد خان صاحب (ابن نوابزادہ میاں عباس احمد خان صاحب) تاریخ ولادت ۱۳ر نومبر ۱۹۵۳ء[3]

۵۔ مرزا احسن احمد صاحب (ابن صاحبزادہ مرزا انور احمد صاحب) تاریخ ولادت ۱۸/۱۹ نومبر ۱۹۵۳ء[4]

۶۔ امۃ النصیر صاحبہ (بنت صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب) تاریخ ولادت ۲۲ دسمبر ۱۹۵۳ء

حضرت مصلح موعودؓ کی مبلّغینِ احمدیّت کو نصائح

جنوری ۱۹۵۳ء کو سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے پاکستان کے احمدی مبلّغین کو شرف باریابی بخشا اور انہیں نہایت قیمتی نصائح سے نوازا۔ یہ مُلاقات دس سے بارہ بجے تک جاری رہی۔

اُس زمانہ میں حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب[5] رضی اللہ عنہٗ ناظر دعوۃ و تبلیغ تھے اور

---

[1] الفضل ۴ جنوری ۱۹۵۳ء/۱۳۳۲ہش ص ۱ [2] "المصلح" ۱۲ر نومبر ۱۹۵۳ء [3] "المصلح" ۱۸ر نومبر ۱۹۵۳ء ص ۲

[4] المصلح ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء ص ۲ [5] تاریخ وفات ۱۶ر مئی ۱۹۶۷ء

حسب ذیل سینئر مبلّغین (علاوہ شاہدین و دیہاتی مبلّغین کے) پاکستان میں اعلائے کلمۂ اسلام میں مصروف تھے:۔
حضرت مولٰنا غلام رسُول صاحب راجیکی[۱] ربوہ۔ مولٰنا عبد الغفور صاحب[۲] مبلّغ لاہور۔ مولٰنا احمد خان صاحب نسیم[۳] (مقامی تبلیغ)۔ حضرت مولٰنا رحمت علی صاحب[۴] مبلّغ بنگال۔ مولٰنا غلام حسین صاحب ایاز[۵] مجاہد سنگاپور و بورنیو و مبلّغ میرپور خاص (سندھ)۔ مولٰنا ظل الرحمٰن صاحب بنگالی[۶] مبلّغ برہمن بڑیہ (مشرقی پاکستان)۔ مولٰنا شیخ عبد القادر صاحب[۷] (سابق سوداگر مل) مبلّغ شیخوپورہ۔ مہاشہ محمد عمر صاحب[۸] مبلّغ بنگال۔ سید اعجاز احمد صاحب مبلّغ تیج گاؤں مشرقی پاکستان۔ مولوی مُحِبّ اللہ صاحب مبلّغ چاروکھیہ (مشرقی پاکستان)۔ مولٰنا عبد المالک خان صاحب کراچی۔ مولٰنا چراغ دین صاحب مبلّغ راولپنڈی۔ مولٰنا محمد اسماعیل صاحب دیال گڑھی مبلّغ لائلپور۔ مولٰنا غلام احمد صاحب فرخ مبلّغ سکھر۔ سید احمد علی شاہ صاحب مبلّغ حیدرآباد سندھ۔ مولوی محمد حسین صاحب صحابی مبلّغ سرگودہا و جھنگ۔ مولوی عبد الرحیم صاحب عارف مبلّغ جھنگ مگھیانہ۔ مولوی محمد احمد صاحب نعیم مبلّغ اوکاڑہ

درس القرآن کا آغاز

۲۸ فروری ۱۹۵۳ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے مسجد مُبارک ربوہ میں سورۃ مریم سے درسِ قرآن کے ایک نئے دَور کا آغاز فرمایا۔ اس پُر معارف درس کے مختصر اور ضروری نوٹ مولٰنا ابو العطاء صاحب جالندھری کے قلم سے اُنہیں دنوں رسالہ "الفرقان" روزنامہ "الفضل" ربوہ اور ہفت روزہ "بدر" قادیان میں بھی چھپتے رہے۔ بعدازاں مارچ ۱۹۵۸ء میں یہ درس مکمل طور پر تفسیر کبیر جلد چہارم کی صُورت میں شائع کر دیا گیا۔

روزنامہ "ایوننگ سٹار" کراچی کا چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو خراجِ عقیدت

آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب وزیر خارجہ پاکستان اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کے فرائض انجام دینے کے بعد اس سال ماہِ مارچ کے اوائل میں پاکستان واپس تشریف لائے تو کراچی کے انگریزی روزنامہ "ایوننگ سٹار" (EVENING STAR)

---

[۱] تاریخ وفات ۱۵ر دسمبر ۱۹۶۳ء
[۲] تاریخ وفات ۴ر جنوری ۱۹۶۱ء
[۳] تاریخ وفات ۲۶ر اکتوبر ۱۹۷۶ء
[۴] تاریخ وفات ۳۱ر اگست ۱۹۵۸ء (سابق رئیس التبلیغ انڈونیشیا)
[۵] تاریخ وفات ۱۹ء
[۶] تاریخ وفات ۶ر مارچ ۱۹۶۴ء
[۷] تاریخ وفات ۱۸ر نومبر ۱۹۶۶ء
[۸] تاریخ وفات ۲ر ستمبر ۱۹۶۸ء

نے ۴ مارچ ۱۹۵۲ء کو آپ کو خوش آمدید کہتے ہوئے آپ کی شاندار قومی و ملّی خدمات کو سراہا۔ اور حسب ذیل مقالہ افتتاحیہ لکھا:۔

آج کوئی ایسا متنفّس موجود نہیں ہے جس نے چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے بڑھ کر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت سرانجام دی ہو۔ انہوں نے مسلمانوں کے مفاد کے تحفّظ میں سینہ سپر ہو کر دنیائے اسلام کو اپنا اور پاکستان کا گرویدہ بنا لیا ہے۔ چھ سال کے مختصر عرصہ میں پاکستان کو بین الاقوامی مجالس میں جو اہم اور باعزّت مقام حاصل ہوا ہے۔ اس میں ظفر اللہ خان صاحب کی مساعی کا بے حد دخل ہے۔ ایک تو ذہانت و فراست اور دیگر ذاتی اوصاف کی وجہ سے دوسرے نو آبادیات میں سامراجی طاقتوں کی آمریّت کے خلاف پُر زور آواز اُٹھانے کے باعث آج پاکستان کے ظفر اللہ خان صاحب تمام دُنیا میں عزّت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ پاکستان سے باہر جاتے اور واپس آتے وقت جس جس ہوائی اڈے پر بھی اُن کا طیّارہ اُترتا ہے۔ اُس مملکت کی ممتاز ترین شخصیّتیں اُن کے استقبال اور برادرانہ خیر مقدم کے لئے وہاں موجود ہوتی ہیں ....

ظفر اللہ خان صاحب نے پاکستان اور اسلام کے لئے جو خدمات انجام دی ہیں قوم اُن سے پوری طرح باخبر ہے۔ ہمیں اُن پر فخر ہے۔ اور ہم ہی نہیں پورا ملک اُن کی شخصیّت پر نازاں ہے[1]۔

روزنامہ "المصلح" کا اجراء

مجلس خدام الاحمدیہ کراچی نے ۱۹۴۹ء سے ایک ہفت روزہ "المصلح" کے نام سے جاری کر رکھا تھا جس کے روزنامہ کا ڈیکلریشن حاصل کرنے کی کوشش کی گئی جو ۲۹ مارچ ۱۹۵۳ء کو کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ اور ۳ مارچ ۱۹۵۳ء کو اس اخبار کی باقاعدہ اور روزانہ اشاعت کا آغاز ہو گیا جو عملاً الفضل کا ہی دُوسرا ایڈیشن تھا اور اس کی اشاعت و ادارت کے جملہ انتظامات بھی الفضل کا مستعد اور فرض شناس سٹاف ہی انجام دیتا تھا۔ اس کا دفتر احمدیہ ہال میگزین لین کراچی میں تھا۔ یہ روزنامہ ابتداء میں کلیم پریس لارنس روڈ میں۔ بعد ازاں علمی پرنٹنگ پریس اور پھر آرمی پریس میں چھپتا رہا اور ۳۱ مارچ ۱۹۵۴ء یعنی الفضل کے احیاء تک نہایت باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔

"المصلح" کی یہ عظیم خدمت ہمیشہ یادگار رہے گی کہ اُس نے نہایت کامیابی سے الفضل کی بندش

---

[1] بحوالہ روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۸ اگست ۱۹۵۳ء (۱۸ ظہور ۱۳۳۲ ہش) صـ۳

سے پیدا شدہ خلا کو پُر کیا۔ اور جماعت کی روحانی اور اخلاقی تشنگی کو بجھانے کا موجب ہوا۔ اور یہ سب کچھ حضرت مصلح موعودؓ کی ذاتی توجہ، دلچسپی اور دعاؤں کا نتیجہ تھا۔

کراچی میں صدر انجمن احمدیہ کا قیام سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ۱۲ ماہ شہادت ۱۳۳۲ ہش مطابق ۱۲ اپریل ۱۹۵۳ء کو صدر انجمن احمدیہ کراچی کے قیام کا اعلان فرمایا جس کے الفاظ یہ تھے:۔

"اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

اعلان

میں مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی تمام جماعت ہائے احمدیہ پاکستان کے نام یہ اعلان کرتا ہوں کہ آج سے کراچی میں ایک صدر انجمن احمدیہ قائم کی جاتی ہے میں اس صدر انجمن احمدیہ کو تمام پاکستان کی احمدیہ جماعتوں کے انتظام کا کامل طور پر مساوی حق دیتا ہوں۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں صدر انجمن احمدیہ رجسٹرڈ حال ربوہ کو بھی سلسلہ کے ان کاموں کے کرنے کا اختیار ہوگا جو جماعت نے اس کو سونپے ہیں اور صدر انجمن احمدیہ کراچی کو بھی اختیار ہوگا کہ وہ انہی دائروں میں کام کر سکے۔ میں تمام جماعت ہائے احمدیہ کو جو پاکستان کی کسی جگہ بھی واقع ہوں ہدایت کرتا ہوں کہ وہ آئندہ صدر انجمن احمدیہ کراچی کے ساتھ اسی طرح تعاون کریں جس طرح وہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے ساتھ کر رہی ہیں۔ اور اگر کسی وقت صدر انجمن احمدیہ ربوہ اور صدر انجمن احمدیہ کراچی کی ہدایات میں اختلاف نظر آئے تو وہ صدر انجمن احمدیہ کراچی کی ہدایات کو ترجیح دیں۔ لیکن میرے اس حکم کے یہ معنی نہیں کہ جماعتیں اپنا چندہ بھی کراچی بھجوانا شروع کر دیں۔ چندے وہ حسب دستور سابق ربوہ ہی بھجواتے رہیں۔ سوائے اس کے کہ کسی ضرورت کی وجہ سے صدر انجمن احمدیہ کراچی کچھ حصّہ چندہ کا کراچی بھیجنے کی ہدایت دے۔

مَیں یہ بھی اعلان کرتا ہوں کہ اگر کسی ضرورت کے ماتحت صدر انجمن احمدیہ کراچی میری طرف سے ہدایت جاری کرنا ضروری سمجھے تو میری زندگی میں اسے یہ اختیار بھی ہوگا۔۔۔۔۔

مَیں امید کرتا ہوں کہ جماعت اپنی دینی اصلاح اور چندوں کی ادائیگی اور وقف زندگی اور اشاعت اسلام اور تعلیم قرآن اور غرباء پروری اور ہمدردی اور خدمتِ خلق اور اچھے اخلاق اور نیک نمونے پیش کرنے کے لئے ہمیشہ کوشش کرتی رہے گی۔ اور ان باتوں کو ایسی مضبوطی سے پکڑے گی کہ کوئی روک اسے ان مقاصد سے ہٹا نہ سکے۔

اے عزیزو! گھبرانے کی بات نہیں۔ خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ مَیں نے یہ ہدایات صرف کام کی سہولت کے لئے دی ہیں کیونکہ خدا کا کام ہر انسان کے وجود سے مقدم ہے

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العالمین

خاکسار

مرزا محمود احمد

۱۲-۴-۵۳ [1]

ایک بھارتی احمدی پر افسوسناک تشدّد

مئی ۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے کہ دھنی پور (ضلع کٹک، اڑیسہ) میں ۴۳ گاؤں کا ایک بڑا جلسہ ہوا جس میں سات غیر احمدی عُلماء مدعو تھے۔ جلسہ کے اختتام پر محلّہ والے ایک چھیاسٹھ ۶۶ سالہ مخلص احمدی گوہر علی خان صاحب کو (جو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں داخل احمدیت ہوئے تھے) ایک غیر احمدی مولوی محمد اسماعیل صاحب کے پاس پکڑ کے لئے گئے اور احمدیّت سے تائب ہونے کو کہا۔ گوہر علی خان صاحب نے کہا کہ مَیں اُمّی شخص ہوں۔ اور یہ عالم ہیں۔ مَیں ان سے سوال و جواب نہیں کر سکتا ہاں میں احمدی عالم کو منگا سکتا ہوں بشرطیکہ آپ لوگ اُن کے آنے جانے کا خرچ اپنے ذمّہ لیں۔ یہ شرط مولوی محمد اسماعیل صاحب نے قبول کر لی۔ اور ۲ دو ماہ کے عرصہ میں مباحثہ ہونے کے لئے ایک تحریر اُن سے لکھا لی۔ اگلے دن ایک شادی کی مجلس میں انہیں دوبارہ زبردستی بُلوایا گیا اور اُن پر انتہائی دباؤ ڈالا گیا کہ وہ احمدیّت سے منحرف ہو جائیں۔ جب انہوں نے انکار کیا تو انہیں چاروں طرف

---

[1] المصلح ۱۸ اپریل ۱۹۵۳ء / ۱۸ ماہ شہادت ۱۳۳۲ ہش صہ ۳

سے غنڈوں کے ہجوم نے گھیر لیا۔ اور کہنے لگے کہ صرف ایک بار کہہ دو کہ میں احمدی نہیں ہوں۔ ہم تمہیں اپنا سردار بنالیں گے اور تم کو اگر کوئی تکلیف ہو تو اُس کو دُور کر دیں گے۔ یہ بدقماش لوگ در اصل انہیں حق سے برگشتہ کر کے شہر بھر میں ایک جلوس نکالنا چاہتے تھے۔ اور سواری اور پھولوں کے ہار لیکر کھڑے تھے۔ لیکن جب گوہر علی خان صاحب نے نہایت درجہ استقلال کا نمونہ دکھایا اور ان کی یہ مذبوحی حرکات اُن کے ایمان میں ذرّہ برابر تزلزل پیدا نہ کرسکیں تو یہ لوگ مایوس ہو گئے۔ اور نہایت غیظ و غضب اور گالی اور ہنسی ٹھٹھا کا نشانہ بناتے ہوئے انہیں مکان سے باہر لے گئے اور دھوپ میں کھڑا کر دیا۔ گرمی کی شدّت سے جب اُن کو پیاس لگی تو پانی تک دینے سے انکار کر دیا گیا۔ اور اُن کو دھمکی دی گئی کہ اگر توبہ نہیں کرو گے تو تمہیں زندہ جلا دیا جائے گا۔ بعد ازاں خود ان کی بیوی پر ایک طلاق نامہ لکھا اور اُن سے زبردستی دستخط لے لئے۔ اور پھر اُنہیں گاؤں سے باہر نکال دیا گیا اور دھمکی دی کہ اگر تم دوبارہ اِس گاؤں میں آؤ گے تو تمہاری لاش چیل اور کتّوں کے حوالے کر دی جائے گی۔

گوہر علی خان صاحب نہایت بے سروسامانی کی حالت میں وہاں سے سات میل کے فاصلے پر مصر[۱] تو گاؤں میں آئے جہاں دو گھر احمدیوں کے تھے۔ وہاں سے سونگڑہ ہوتے ہوئے سدانند پور پہنچے اور ایک مخلص احمدی محمد محسن صاحب کے یہاں پناہ گزین ہو گئے جنہوں نے اس دردناک واقع کی تفصیلات قادیان بھجوائیں۔ اور اخبار "بدر" قادیان مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۵۳ء کے صفحہ ۳ پر شائع ہوئیں۔

قادیان کے ماحول میں ایک خوشگوار تبدیلی

ملک کے بٹوارہ پر قریباً چھ برس گذر چکے تھے اس دوران میں قادیان اور اس کے ماحول میں غیر مسلم اور مسلم آبادی میں شدید کھچاؤ، تلخی اور منافرت کی جو خلیج حائل تھی وہ اب آہستہ آہستہ کم سے کم تر ہوتی چلی گئی۔ اور باہمی تعلقات میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ اس خوشگوار تبدیلی کا ایک ثبوت قادیان سے آمدہ وہ رپورٹ بھی تھی جو حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں قادیان سے ناصر آباد موصول ہوئی اور حضور نے ۲ ماہ ظہور/اگست (۱۳۳۲ ہش / ۱۹۵۳ء) کو ملاحظہ فرمائی اور خطبہ جمعہ کے شروع میں اس کا خاص طور پر ذکر کیا چنانچہ فرمایا:۔

"عام طور پر ہماری جماعت کے لوگ ان حالات سے واقف نہیں ہوتے جو جماعت کے خلاف ملک کے مختلف جہات اور اطراف میں یا مختلف ملکوں میں پیدا ہوتے ہیں چونکہ ایسی تمام اطلاعات مرکز میں آتی ہیں اور وہ اطلاعات نہ ساری شائع کی جاسکتی ہیں اور نہ ہی ان سب کا شائع کرنا مناسب ہوتا ہے۔ اس لئے صرف چند لوگ ہی ایسے ہیں جو ان سے واقف ہوتے ہیں اگر مصیبت آتی ہے

[۱] اخبار میں سہواً مرلو چھپ گیا ہے (مکتوب سید شاہد احمد صاحب سونگھڑوی بنام مؤلف ۲ مارچ ۱۹۸۱ء)

تو انہی کے کندھوں پر آتی ہے اور اگر کوئی خوشی کی خبر آتی ہے تو اس سے بھی وہی لذت محسوس کرتے ہیں لیکن ایک چیز ایسی ہے جس کو جماعت کا ہر فرد سمجھ سکتا ہے اور وہ یہ کہ ہماری جماعت کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے بتیس ۳۲ دانتوں میں زبان ہوتی ہے بظاہر اس کی کوئی دنیوی وجہ نہیں پائی جاتی کیونکہ ہماری جماعت کے لوگ دوسروں سے حُسن سلوک کرتے ہیں۔ ان سے نیک معاملہ کرتے ہیں ان سے اچھے تعلقات رکھتے ہیں اور ان سے اچھے تعلقات قائم رکھنا چاہتے ہیں اور ان کے بہی خواہ ہیں لیکن پھر بھی ان کی مخالفت ہوتی ہے۔ آج ہی میں قادیان کی ایک رپورٹ پڑھ رہا تھا جس میں لکھا تھا کہ ہم ایک باغیچہ میں گئے وہاں کچھ مہاجر بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے اور کچھ مقامی لوگ بھی وہاں بیٹھے تھے۔ شروع شروع میں جب پاکستان سے ہندو اور سکھ مہاجر وہاں گئے تو چونکہ وہ بہت چڑے ہوئے تھے اور مُسلمانوں کے سلوک سے تنگ تھے اس لئے وہ پاکستان یا مُسلمانوں کی تعریف کسی مسلمان سے سُن نہیں سکتے تھے اور اگر کوئی تعریف کرتا تو اس سے لڑ پڑتے اور کہتے کہ تو بڑا غدار ہے لیکن آہستہ آہستہ قادیان والوں کے حُسن سلوک کی وجہ سے لوگوں میں تبدیلی پیدا ہوئی چنانچہ اب ان مہاجرین میں سے بھی ایک حصّہ ایسا ہے جو کبھی کبھی جماعت کی تعریف کر دیتا ہے بہرحال اس رپورٹ میں ذکر تھا کہ وہاں جو مہاجرین بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے بعض نے تعریف کی اور کہا کہ احمدی بڑے اچھے ہیں اور یہ اپنے مُعاملات میں دوسرے مُسلمانوں سے مختلف ہیں۔ ان کا اتنا کہنا تھا کہ ایک مقامی سکھ جو اپنے دل میں جوش دبائے بیٹھا تھا کھڑا ہو گیا اور اس نے دس بارہ منٹ تک تقریر کی اور کہا کہ ان لوگوں کے ہم سے ایسے اچھے تعلقات تھے کہ جب سے یہ گئے ہیں ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ قادیان اور اس کے گردونواح کی رونق ہی چلی گئی ہے۔ ان لوگوں کے پاس طاقت تھی اور یہ اگر چاہتے تو ہمیں تباہ کر سکتے تھے۔ مگر اتنی طاقت کے باوجود ان لوگوں نے ہماری حفاظت کی اور ہمیں کسی قسم کا نقصان پہنچنے نہیں دیا چنانچہ واقعہ بھی ہے کہ گو بعد میں ہندوستانی حکومت غالب آگئی مگر سوال تو یہ ہے کہ اس وقت کون سمجھتا تھا کہ گورداسپور کا ضلع اُدھر چلا جائے گا اس وقت اگر ہمارے بھی وہی جذبات ہوتے جو ہندوؤں اور سکھوں کے تھے تو دس دس میل کے حلقہ میں ایک ہندو اور سکھ بھی نہ بچتا مگر ہم نے ان کے مَردوں اور عورتوں اور بچّوں کی اسی طرح حفاظت کی جس طرح ہم اپنے مَردوں اور عورتوں اور بچّوں کی حفاظت کرتے تھے اور نہ ہم نے زبان سے انہیں کوئی لفظ کہا۔ نہ ان کی دل شکنی کی اور نہ گالی

گلو تیج سے کام لیا بلکہ اگر ہمیں کسی احمدی کے متعلق ذرا بھی شکایت پہنچتی تو ہم سختی سے اس کے پیچھے پڑ جاتے"۔ ؎۱

عراق کے نائب سفیر متعینہ پاکستان کی طرف سے چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی خدمات کا اعتراف

عراق کے نائب سفیر متعینہ پاکستان السید عبدالمہدی العشیر نے پاکستان کے یوم آزادی کے موقع پر ۱۴ اگست ۱۹۵۳ء کو ریڈیو پاکستان سے اہل پاکستان کے نام ایک پیغام نشر کرتے ہوئے فرمایا کہ عراق پاکستان کی اس جد وجہد کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا جو اُس نے اقوامِ متحدہ میں متعدد عرب مسائل کی تائید میں کی ہے۔ موصوف نے کہا کہ پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے اس سلسلے میں وہ عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ جس نے اہلِ عراق کے دل موہ لئے ہیں۔ آپ کی شخصیت میں انہیں ایک سچا اور حقیقی دوست ملا ہے۔ آپ نے بے مثال جذبے اور کمال دلیری سے اُن کے قومی مفاد کی حفاظت کی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کا نام عراقیوں کی قومی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ پاکستان اور عراق کے درمیان نہایت گہرے اور مستحکم تعلّقات قائم ہیں۔ دونوں نے بین الاقوامی حلقوں میں عالمی امن کی سلامتی اور غلام ممالک کے باشندوں کی تحریکِ آزادی میں ایک دوسرے سے گہرا تعاون کیا ہے۔ ؎۲ (ترجمہ)

کرنل ڈگلس سے امام مسجد لنڈن کی مُلاقات

کرنل ولیم مانٹیگو ڈگلس کا نام تاریخِ احمدیّت ہی ہمیشہ ہی زرّیں حروف میں لکھا جائے گا۔ آپ ہی وہ قابلِ فخر وجود ہیں جنہوں نے پادری ہنری مارٹن کلارک کے مقدمہ اقدامِ قتل میں باوجود عیسائی ہونے کے حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے حق میں فیصلہ دیا۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے آپ کو نہ صرف اس پیلاطوس سے مشابہت دی ہے جس کی عدالت میں یہودیوں نے حضرت مسیح ابن مریمؑ کے خلاف مقدمہ دائرہ کیا تھا۔ بلکہ حق و انصاف پر مبنی جرأت مندانہ فیصلہ کرنے پر آپ کی تعریف بھی فرمائی ہے چنانچہ حضورؑ "کشتی نوحؑ" میں تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ پیلاطوس مسیح ابن مریمؑ کے پیلاطوس کی نسبت زیادہ بااخلاق ثابت ہوا۔ کیونکہ عدالت کے امر میں وہ دلیری اور استقامت سے عدالت کا پابند رہا۔ اور بالائی سفارشوں کی اُس نے کچھ بھی پرواہ نہ کی۔

؎۱ روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۳۰ تبوک ۱۳۳۲ ہش / ۳۰ ستمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳

؎۲ "مارننگ نیوز" "Morning News" کراچی ۱۷ اگست ۱۹۵۳ء بحوالہ روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۸ اگست ۱۹۵۳ء صفحہ ۳

اور قومی اور مذہبی خیال نے بھی اُس میں کچھ تغیّر پیدا نہ کیا۔ اور اُس نے عدالت پر پُورا قدم مارنے سے ایسا عمدہ نمُونہ دکھایا کہ اگر اُس کے وجود کو قوم کا فخر اور حکّام کیلئے نمونہ سمجھا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ عدالت ایک مُشکل امر ہے۔ جب تک انسان تمام تعلّقات سے علیحدہ ہو کر عدالت کی کُرسی پر نہ بیٹھے تب تک اِس فرض کو عمدہ طور پر ادا نہیں کر سکتا۔ مگر ہم اس سچّی گواہی کو ادا کرتے ہیں کہ اِس پیلاطُوس نے اِس فرض کو پُورے طور پر ادا کیا۔ اگرچہ پہلا پیلاطوس جو رُومی تھا۔ اُس فرض کو اچھے طور پر ادا نہ کر سکا۔ اور اُسکی بزدلی نے مسیح کو بڑی بڑی تکالیف کا نشانہ بنایا۔ یہ فرق ہماری جماعت میں ہمیشہ تذکرہ کے لائق ہے جب تک کہ دُنیا قائم ہے اور جیسے جیسے یہ جماعت لاکھوں کروڑوں افراد تک پہنچے گی۔ ویسی ویسی تعریف کے ساتھ اس نیک نیّت حاکم کا تذکرہ رہے گا۔ اور یہ اُس کی خوش قسمتی ہے کہ خُدا نے اِس کام کے لئے اُسی کو چُنا"۔ [1]

۱۹۵۳ء میں کرنل ڈگلس کی عمر ۹۰ سال کے لگ بھگ تھی اور تالیف و تصنیف کا کام آپ نے اب بھی جاری رکھا ہوا تھا۔ چنانچہ اسی سال آپ کی تیسری کتاب لارڈ آکسفورڈ اینڈ دی شیکسپیئر جامپ

(Lord Oxford and the Shakspeare gomp)

چھپ کر منصۂ شہود میں آئی۔ اِن علمی مصروفیات کے باوجود آپ نے چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ امام مسجد لندن کو نصف گھنٹہ ملاقات کا موقع دیا۔ چوہدری صاحب موصوف کے ساتھ اس مُلاقات میں شیخ مُبارک احمد صاحب بی۔اے (ابن حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب رضؓ) بھی تھے۔

شیخ مبارک احمد صاحب کا بیان ہے کہ مُلاقات کے شروع میں ہی انہوں نے دریافت کیا کہ چودھری ظفر اللہ خان صاحب کا کیا حال ہے؟ اور احمدیت کی مخالفت کا کیا حال ہے؟ چوہدری صاحب موصوف کی ہستی اور ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے انہوں نے اِس امر پر زور دیا کہ چودھری صاحب کے قیمتی وجود کی قدر کرنی چاہیئے۔ احمدیت کے متعلق انہوں نے کہا کہ یہ تحریک مٹے گی نہیں۔ بلکہ آئندہ ترقی ہی کرے گی۔ لیکن مجھے اس کے راستہ میں بہت سی مشکلات حائل نظر آرہی ہیں۔ پھر انہوں نے اپنی زندگی کے ان ایام پر نظر دوڑاتے ہوئے جو انہوں نے ہندوستان میں گذارے تھے کہا کہ ساٹھ سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ مگر میری آنکھوں کے سامنے وہ نظّارہ اَب تک موجود ہے

---

[1] "کشتی نُوح" طبع اول صفحہ ۵۲

جس وقت مرزا غلام احمد صاحب (مسیح موعودؑ) دائیں طرف اور پادری مارٹن کلارک بائیں طرف کھڑے تھے اور میرے سامنے مرزا صاحبؑ کے خلاف جعلی مقدمہ دائر تھا: اور مارٹن کلارک مرزا صاحب (مسیح موعودؑ) کے خلاف گواہی دے رہا تھا۔ اور پستول نکال کر سامنے رکھ رہا تھا کہ یہ مرزا صاحب نے عبدالحمید کو دیا تھا۔ وکیل کا نام تو مجھے یاد نہیں۔ مگر جب اُس نے عبدالحمید سے سوال کیا کہ کیا تمہارے ساتھ اس فعل میں کوئی accomplice (شریکِ جُرم) تھا؟ تو اُسے مرزا صاحب (مسیح موعودؑ) کا نام تو آتا نہ تھا اس لئے اس کے ہاتھ پر اُس کے شریک کاروں نے مرزا صاحب (مسیح موعودؑ) کا نام لکھ دیا تھا اور وہ اپنا ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ اِس پر مجھے شک ہُوا کہ آخر یہ اپنا ہاتھ کیوں دیکھتا ہے جواب کیوں نہیں دیتا۔ معلوم کرنے پر حقیقت آشکارا ہوئی کہ وہ اپنے ہاتھ پر سے نام پڑھ رہا تھا۔ اُس وقت معاً میرے ذہن میں خیال آیا اور مَیں نے دریافت کیا کہ یہ لڑکا کہاں رہتا ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ پادریوں کے پاس رہتا ہے۔ مَیں نے اُسی وقت کہا کہ اس لڑکے کو علیحدہ لے جاؤ اور پولیس کی نگرانی میں رکھو۔ چنانچہ ایسا کرنے سے اُس پر سے پادریوں کا اثر اور رُعب زائل ہوگیا اور اس نے حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ مزید کہا کہ میں چاہتا تھا کہ جعلی مقدمہ کے سرکردہ لوگوں کو سخت سزائیں دُوں۔ مگر مرزا صاحب کے خلاف اس قدر تعصّب تھا اور لوگ برافروختہ ہوئے ہوئے تھے کہ مَیں نے یہی مناسب سمجھا کہ ان پر سختی نہ کی جائے۔ مبادا حالات اور زیادہ کشیدہ ہو جائیں۔ اس لئے انہیں سخت سزائیں دینے سے گریز کیا۔ یہ تمام واقعہ وہ ایسے پیرایہ میں بیان کر رہے تھے کہ سُننے والا محسوس کرتا تھا کہ وہ اس میں ایک لذّت اور فخر سا محسوس کرتے ہیں جو ایک نیک کام کرنیوالے کو نیکی کرکے محسوس ہوتا ہے اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے حقیقت کو پاکر اپنے ہم مذہب لوگوں کا خیال نہ کرتے ہوئے حق اور راستی کا ساتھ دیا۔ اور یہ ایک کارنامہ تھا۔

اگرچہ انہوں نے ربوہ کو دیکھا تو نہیں مگر اُن کا حافظہ انہیں اِس قطعہ اراضی کو Locate[1] کرنے میں اس قدر ممدّ ثابت ہُوا ہے کہ فوراً وہ جگہ پہچان لی۔ اور کہا کہ وہاں سے کئی دفعہ اُنہیں گذرنے کا اتفاق ہُوا تھا یہ بھی ذکر کیا کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام انسان تھے اور خُدا کے رسُول جیسے دوسرے انبیاء کرام۔ میں انہیں خدا نہیں مانتا۔ اور نہ ہی میں تثلیث کا قائل ہوں۔ اور مرزا غلام احمد صاحب (مسیح موعودؑ) کو بھی خُدا کا برگزیدہ انسان اور نبی تصوّر کرتا ہوں۔ مگر اُن پر ایمان لانا اس لئے ضروری نہیں سمجھتا کہ حضرت مسیح کے وجُود اور ان کی پیروی سے میری تسلّی ہو جاتی ہے۔ اِن سب واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنہیں احمدیت کے ساتھ ایک لگاؤ ہے ایسا لگاؤ ہے جو

---

[1] to locate کے معنے ہیں کھوج لگانا۔

سلیم الطبع اور نیک فطرت کو حق اور سچائی کے ساتھ ہوتا ہے۔"[1]

رسالہ "ریاض" میں سیدنا[رض] کا ایک علمی مضمون

پاکستان کے نامور ادیب و مؤرخ اور ماہنامہ "ریاض" کراچی کے ایڈیٹر مولانا رئیس احمد جعفری (۱۹۱۴ء-۱۹۶۸ء) نے حضرت مصلح موعود[رض] کی خدمت میں حسب ذیل مکتوب ۲؍ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو آرام باغ روڈ کراچی سے لکھا:۔

"جناب مستطاب! خدا کرے مزاجِ عالی بہمہ وجوہ بعافیت ہو۔ رسالہ "ریاض" کا سالنامہ مولانا شوکت علی مرحوم کے لئے وقف کیا گیا ہے شوکت علی نمبر کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔ جانتا ہوں آپ بے حد کثیر المشاغل ہیں۔ پھر بھی یہ درخواست کرنے پر اپنے تئیں مجبور پاتا ہوں کہ اس نمبر کیلئے جناب اپنے دستِ مبارک سے ضرور کچھ تحریر فرمائیں خواہ وہ کتنا ہی مختصر ہو۔ جواب کا بے چینی کے ساتھ انتظار ہے۔"

خادم رئیس احمد جعفری ایڈیٹر"[2]

حضرت مصلح موعود[رض] نے اِس درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور ایک علمی مضمون سپرد قلم فرمایا جو رسالہ "ریاض" کے "مولانا شوکت علی نمبر" میں اشاعت پذیر ہوا۔

حضرت مصلح موعود[رض] کی طرف سے بعض اہم خطوط کا جواب

اِس سال علاوہ احمدی احباب کے غیر احمدی اور غیر مسلم معززین کی طرف سے بھی حضرت امیر المومنین[رض] کی خدمت میں متعدد خطوط بغرض جواب موصول ہوئے۔ جن کے جوابات حضور[رض] نے ارسال فرمائے۔ اِن جوابات میں سے بعض اُسی زمانے میں روزنامہ "المصلح" کراچی[3] اور رسالہ ریویو آف ریلیجز (انگریزی) ربوہ میں شائع ہوئے۔[4]

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی ۲۸؍ستمبر ۱۹۵۳ء/۲۸ تبوک ۱۳۳۲ ہش صفحہ ۴۔ [2] اصل مکتوب شعبہ تاریخ احمدیت میں محفوظ ہے۔

[3] ایک ہندو کے دو سوالوں کے جواب ("المصلح" ۲۴؍اپریل ۱۹۵۳ء صفحہ ۳) ایک خط کا جواب کمیونزم کے بارے میں ("المصلح" ۱۵؍جولائی و ۱۷؍جولائی ۱۹۵۳ء صفحہ ۳)، حضور کا خط جنازہ کے تعلق میں ("المصلح" ۲۵؍جون ۱۹۵۳ء صفحہ ۳) دو احمدیوں کے خطوط کا جواب ("المصلح" ۲۲؍نومبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳)

[4] ایک ایرانی کے سوالات متعلقہ کمیونزم اور حضور کا جواب (ریویو آف ریلیجز (انگریزی) ربوہ جنوری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۴) ایک اور صاحب کے سوالات کا جواب (ریویو آف ریلیجز (انگریزی) ربوہ اگست ۱۹۵۳ء صفحہ ۴۳)، برمنگھم (انگلستان) سے مسٹر راجر کا خط اور سیدنا کا جواب (ریویو آف ریلیجز (انگریزی) ربوہ دسمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳۳-۳۹)

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ کا سفرِ پاکستان

سلسلہ احمدیہ کے پہلے صحافی اور مؤرخ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۱ نومبر ۱۹۵۳ء[1] کو بذریعہ ہوائی جہاز بمبئی سے کراچی پہنچے اور چند یوم وہاں قیام کرکے ربوہ تشریف لائے۔ اور پھر جودھامل بلڈنگ لاہور میں مختصر قیام کے بعد دسمبر کے آغاز میں واپس قادیان تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت عرفانی الاسدیؓ نے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ اور مرکز احمدیت کی برکات سے مستفید ہوئے۔ علاوہ ازیں کراچی میں ۱۵ نومبر کی شام کو ذکرِ حبیبؑ کے موضوع پر[2] اور ۲۵ نومبر کو جامعۃ المبشرین ربوہ میں "علم حقیقی کی تعریف اور اس کے حصول کی راہیں" کے موضوع پر نہایت ایمان افروز خطاب فرمایا[3]۔ مؤخر الذکر خطاب اساتذہ و طلبہ جامعۃ المبشرین کی طرف سے پیش کردہ ایڈریس کے جواب میں تھا۔

یہ استقبالیہ تقریب سعید حضرت عرفانی الاسدیؓ، مولوی محمد سعید صاحب انصاری مبلغ بورنیو اور حضرت ڈاکٹر بدرالدین صاحب آنریری مبلغ بورنیو کی ربوہ میں آمد کے سلسلہ میں منعقد ہوئی۔ اور اس میں صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب، حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ، تحریک جدید کے وکلاء، ناظر صاحب تعلیم و تربیت حضرت مولوی محمد الدین صاحبؓ اور دیگر معززین سلسلہ نے شرکت فرمائی۔ تقریب کے اختتام پر مولانا ابوالعطاء صاحب پرنسپل جامعۃ المبشرین نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے دعا کروائی۔ یہ تقریب ساڑھے نو بجے صبح سے ساڑھے گیارہ بجے تک جاری رہی۔ اس موقع پر ایک گروپ فوٹو بھی لیا گیا[4]۔

اسی روز ۴ بجے بعد نماز عصر مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھریؓ ایڈیٹر "الفرقان" نے اپنے مکان پر حضرت عرفانیؓ کے اعزاز میں ایک مختصر پارٹی کا انتظام فرمایا۔ یہ پارٹی ربوہ میں چھپنے والے رسائل "ریویو آف ریلیجز" (انگریزی) "الفرقان"، "مصباح" اور "خالد" کی طرف سے دی گئی تھی۔ اس مجلس میں ربوہ کے مرکزی رسائل کی ترقی اور بہبود زیر غور آئیں۔ اور حضرت عرفانی صاحبؓ نے اس سلسلے میں بہت مفید مشورے دیئے اور مضامین میں تنوع پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ اور اپنے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے جب اکتوبر ۱۸۹۷ء میں "الحکم"

---

۱ روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۲ نومبر ۱۹۵۳ء ص۱ ، ۲ "المصلح" ۱۷ نومبر - ۲۰ نومبر - ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء ص۱۱
۳ "المصلح" ۲۲ دسمبر ۱۹۵۳ء ص۴
۴ روزنامہ "المصلح" کراچی ۸ دسمبر ۱۹۵۳ء ص۴ کالم ۴ (خلاصہ تقریر حضرت عرفانی الاسدیؓ روزنامہ "المصلح" کراچی ۲۲ دسمبر ۱۹۵۳ء ص۴ کالم ۴)

حضرت مصلح موعود جامعۃ المبشرین میں

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی، حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور
دوسرے اکابر صحابہ جامعہ احمدیہ کے اساتذہ وطلبہ اور مبلغین کے ساتھ

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا ایک گروپ فوٹو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی الوداعی تقریب کے موقعہ پر

جاری کیا اُس وقت میرے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ مجھے اخبار نکالنے کا خیال مقدمہ مارٹن کلارک کے باعث پیدا ہُوا۔ میں نے حضرت اقدس علیہ السّلام کی خدمت میں لکھا۔ حضورؑ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ مجھے تو اخبار کا تجربہ نہیں جماعت غریب ہے۔ آپ اپنے تجربہ کی بناء پر جو مناسب سمجھتے ہیں کریں۔ چنانچہ مَیں نے اللہ پر توکل کر کے اخبار "الحکم" جاری کر دیا۔ اُن دنوں کتابت کی اُجرت ۸؍ آنے فی صفحہ ہوتی تھی۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے طالب علمی کے زمانے میں پہلا مضمون جالندھر کے اخبار "آفتابِ ہند" میں لکھا تھا۔ اس مجلس میں چوہدری علی محمد صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی نائب ایڈیٹر "ریویو آف ریلیجنز" (انگریزی) مولوی خورشید احمد صاحب شاد منیجر "مصباح" اور مولوی غلام باری صاحب سیفؔ ایڈیٹر "خالد" نے شرکت کی۔ دُعا پر یہ پُرلطف اور یادگار مجلس ختم ہوئی؎۱

حضرت عرفانی الاسدیؓ کا یہ سفر پاکستان کا پہلا اور آخری سفر ثابت ہُوا کیونکہ اس کے بعد آپ اپنی زندگی میں دوبارہ پاکستان نہیں آسکے۔

ڈاکٹر عبد السّلام صاحب کا نیا اعزاز

گورنمنٹ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر اور شعبۂ ریاضی پنجاب یونیورسٹی کے صدر ڈاکٹر عبد السّلام صاحب کو ۱۹۵۳ء کے آخر میں کیمبرج یونیورسٹی کی طرف سے لیکچرر شپ کی پیشکش کی گئی۔ آپ پہلے پاکستانی ہیں جنہیں یہ نمایاں اعزاز ملا۔ موصوف اس نئے عہدے کا چارج لینے کے لئے ۱۱ دسمبر ۱۹۵۳ء کو بذریعہ ہوائی جہاز کیمبرج تشریف لے گئے۔ پاکستان اور احمدیّت کے اس مایۂ ناز فرزند کی اعلیٰ تعلیمی صلاحیّتوں کا ذکر کرتے نیچرل فلاسفی ایڈنبرگ کے پروفیسر این کیمر ٹیٹ نے اُنہیں دنوں لکھا:۔

"جدید نظریاتی طبیعات کے انتہائی ترقیاتی یافتہ مشکل اور دلچسپ میدان میں ڈاکٹر عبد السّلام کو ایک ریسرچ سکالر کی حیثیّت سے واقعی اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ مجھے یہاں کیمبرج میں دُنیا کے اُن چنیدہ طلبہ کو منتخب کرنے کا موقع ملا ہے جو بلا شبہ اعلیٰ ترین دماغوں کے مالک تھے لیکن سلام نے بڑی آسانی سے ثابت کر دکھایا ہے کہ وہ اِن چنیدہ سکالرز میں سے بھی قابل ترین سکالر ہے۔ یہ تنہا میری ہی رائے نہیں ہے کیونکہ سینٹ جان کالج کی فیلوشپ انسٹی ٹیوٹ فار ایڈوانسڈ سٹڈی پرنسٹن کی رُکنیّت اور کیمبرج کی موجودہ پیشکش یہ سب اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ فی الواقعہ آپ

؎۱ روزنامہ "المصلح" کراچی ۹ دسمبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۵ کالم ۱۔

جملہ سکالرز میں سے بہترین سکالر ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام اپنی عمر کے اس دور میں ہیں کہ جس میں وہ زیادہ سے زیادہ سائنسی کام کر سکتے ہیں۔ اور اگر وہ متعلقہ شعبوں میں کام کرنے والوں سے قریبی تعلقات پیدا کرنے کی طرف راغب ہو گئے تو یقیناً سال بہ سال ان کی شہرت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اور بالآخر وہ اُن چند اشخاص کے زمرے میں شامل ہو جائیں گے کہ جو کہیں بھی ہوں علوم عالیہ کے سکالرز دُنیا کے کونے کونے سے استفادہ کے لئے اُن کے پاس کھنچے چلے آتے ہیں۔ چند سال بعد ڈاکٹر عبدالسّلام لاہور یا جہاں وہ چاہیں واپس جاسکیں گے۔ اور اگر ضروری سرمایہ فراہم ہو گیا تو نظریاتی طبیعات کا وہ خود ایک ادارہ قائم کر سکیں گے۔ جو یقیناً اعلیٰ ترین بین الاقوامی شہرت کا حامل ہوگا''۔ [1]

حضرت مُصلح موعودؓ کا ایک اہم خُطبۂ نکاح

۲۴ دسمبر ۱۹۵۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے مسجد مبارک میں ڈاکٹر بدرالدّین صاحب آف بورنیو کی صاحبزادی امۃ العزیز صاحبہ کے نکاح کا اعلان فرمایا جو مرزا محمد ادریس صاحب[2] مبلغ بورنیو کے ساتھ مبلغ ایک ہزار روپیہ مہر پر قرار پایا۔ حضورؓ نے خطبۂ نکاح میں فرمایا:۔

''جو لوگ مالی تنگی کی وجہ سے دین کے خادموں کی کم قیمت لگاتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں کیا وہ چیز تو قیمتی ہے جس کے امریکن یا سکھ و ہندو خریدار ہوں۔ مگر اُس چیز کی کوئی قیمت نہیں جس کا خدا تعالیٰ خریدار ہے۔ ڈاکٹر بدرالدّین احمد صاحب میں یہ خوبی ہے اور یہ اُن کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں وہ چیز نظر آگئی جو دوسروں کو نظر نہیں آتی۔ انہوں نے اپنی پہلی لڑکی بھی ایک خادمِ دین کو دی تھی یعنی صُوفی مطیع الرّحمان صاحب بنگالی کو۔ اگرچہ وہ ڈاکٹر ہیں اور ہزاروں روپیہ ماہوار کماتے ہیں۔ مگر وہ اپنی لڑکی ایک واقف زندگی کو دے رہے ہیں کیونکہ اس میں انہیں وہ چیز نظر آتی ہے جو انہیں اپنے آپ میں نظر نہیں آتی۔ میں نے خوش قسمتی اس لئے کہا ہے کہ کئی لوگ باوجود خادمِ دین کی قدر و قیمت پہچاننے کے پھر بھی عمل کی توفیق نہیں پاتے''۔ [3]

---

[1] روزنامہ ''المصلح'' کراچی ۱۲ دسمبر ۱۹۵۳ء صا و صث۔

[2] ابن مرزا محمد اسمٰعیل صاحب منیجر برما شیل پٹرول پمپ ایم۔ اے مرزا اینڈ سنز۔ چمن حال وارد دارالصدر شرقی ربوہ

[3] روزنامہ ''المصلح'' کراچی یکم جنوری ۱۹۵۴ء/ یکم صلح ۱۳۳۳ ہش ۵ (خطبہ نویس مولانا نذیر احمد صاحب علی رئیس التبلیغ مغربی افریقہ)

بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں

امریکہ اِس سال امریکہ کی احمدی جماعتوں کی چھٹی سالانہ کامیاب کنونشن شکاگو کے وائی. ایم. سی. اے کے ہال اور مسجد میں ۳۰۔ اور ۳۱ ؍مئی ۱۹۵۳ء کو منعقد ہوئی جس میں ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی جماعتوں کے اڑھائی سو سے زائد نمائندگان نے شرکت کی طعام کا انتظام مسجد شکاگو میں اور قیام کا انتظام دو ہوٹلوں میں کیا گیا۔ کل چار اجلاس ہوئے جن سے مبلغ انچارج جناب چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر، چوہدری غلام یٰسین صاحب مبلغ حلقہ نیو یارک، عبدالقادر صاحب اسلم آف واشنگٹن، مولوی عبدالقادر صاحب ضیغم مبلغ انچارج حلقہ پٹس برگ اور سید عبدالرحمان صاحب آف کلیولینڈ نے خطاب کیا۔ کنونشن میں مرکزی عہدیداروں کے انتخاب اور مالی اور انتظامی فیصلہ جات کے علاوہ آئندہ سال کے لئے نہایت مفصل تبلیغی پروگرام تجویز کیا گیا تا اسلام کو نئی دُنیا کے کونے کونے تک پھیلایا جاسکے۔ کنونشن کے دوران ہی لجنہ اماء اللہ اور خدام الاحمدیہ امریکہ کے اجلاس بھی منعقد ہوئے۔ لجنہ اماء اللہ امریکہ کا اجلاس سسٹر زینب عثمان آف سینٹ لوئیس کی صدارت وائی. ایم. سی. اے ہال میں اور خدام الاحمدیہ کا سالانہ اجتماع مسجد شکاگو میں مولوی عبدالقادر صاحب ضیغم کی صدارت میں ہوا۔ کنونشن کے اختتام پر چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر نے جماعتِ احمدیہ کے سالِ گذشتہ کے اہم واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے اُن امور کا خاص طور پر ذکر کیا جن سے سلسلہ احمدیہ کو نمایاں ترقی حاصل ہوئی۔ آپ نے امریکہ مشن کی سرگرمیوں کے سلسلے میں مسجد ڈیٹن کی تعمیر اور افتتاح، عبدالشکور ریش صاحب کی ربوہ کو روانگی، مختلف ٹریکٹوں کی اشاعت اور ان کی چوٹی کے علمی حلقوں میں تقسیم وغیرہ امور پر روشنی ڈالی۔ اور امریکن احمدیوں کو اس طرف متوجہ کیا کہ اب انہیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ گویا وہی احمدیّت کے ستون ہیں۔ اور اس حیثیّت سے انہیں ہر قسم کی قربانیوں کے لئے تیار رہنا چاہیئے لمبی دُعا کے بعد یہ کنونشن ختم ہوئی۔ احباب کے ایک دوسرے سے جُدا ہونے کا نظّارہ نہایت ہی ایمان پرور تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مُدّت کے بچھڑے ہوئے بھائی ایک مختصر وقفہ کے لئے مل کر پھر اگلے سال مُلاقات کی تمنّاؤں کے ساتھ جدا ہو رہے ہیں [1]

اس کامیاب کنونشن کے چند ماہ بعد امریکہ مشن کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی معرکۃ آرا تالیف

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۵-۱۶-۱۷؍ جولائی ۱۹۵۳ء

"اسلامی اصول کی فلاسفی" کا شاندار امریکی ایڈیشن شائع کیا گیا۔ یہ ایڈیشن طباعت کے اعلیٰ معیار کے ساتھ چھپوایا گیا تھا آیاتِ قرآنیہ کے بلاک بنوا کر اُن کے عکس دیئے گئے۔ اور اس کے آخر پر کتاب کے تمام حوالوں کو فٹ نوٹ کے طور پر درج کیا گیا۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد امریکہ میں تبلیغ اسلام کی جدوجہد پہلے سے زیادہ تیز ہوگئی۔ ؎1

انگلستان ۳۰ جولائی ۱۹۵۳ء کو انگلستان کے مشہور اخبار "ٹائمز" (Times) میں گھوڑوں کی نمائش کی خبر شائع ہوئی جو عرب ہارس سوسائٹی (Arab Horse Society) کے زیرِ اہتمام منعقد ہوئی تھی۔ اس میں مسز سی۔ ای۔ بارلنگ (Mrs. C. E. Barling) کے گھوڑے کا بھی ذکر تھا جس کا نام "صابر محمد" تھا۔ یہ خبر پڑھتے ہی چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ امام مسجد لنڈن نے یکم اگست ۱۹۵۳ء کو عرب ہارس سوسائٹی کے سیکرٹری کے نام خط لکھا جس میں اس امر پر اظہارِ افسوس کیا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اسمِ مبارک سے جنہیں ہم مسلمان فخرِ موجودات اور سرورِ کائنات سمجھتے ہیں ایک گھوڑے کو موسوم کیا جائے۔ بلکہ ہم تو اصولاً اس بات کے بھی مخالف ہیں۔ کہ دُنیا میں اعلیٰ اخلاق اور روحانیّت کو قائم کرنے والے نیک اور پاک وجُودوں کے ساتھ جانوروں کو نسبت دی جائے۔ اِس لئے اگر مسز بارلنگ اپنے گھوڑے کا نام یسوع مسیح رکھتیں تو بھی اس سے ہم کو تکلیف ہوتی۔ امام صاحب نے سیکرٹری صاحب سے درخواست کی کہ باہمی محبّت اور مُسلمانوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات کے پیشِ نظر اس نام کو تبدیل کر دیا جائے اِس پر مسز بارلنگ نے اپنے گھوڑے کا نام تبدیل کر دیا۔ جس کی اطلاع دیتے ہوئے سیکرٹری عرب ہارس سوسائٹی کرنل آر۔ سی۔ ڈی۔ آسکن نے اپنے خط میں لکھا کہ مسز بارلنگ نے بتایا ہے کہ اس گھوڑے کی نمائش ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۱ء میں بھی ہوئی تھی جہاں ریجینٹ آف عراق وغیرہ ممتاز لوگ موجود تھے۔ مگر کسی نے بھی اس طرف توجّہ نہ دلائی۔ امام صاحب لنڈن نے سیکرٹری صاحب اور مسز بارلنگ کو شکریّہ کے خطوط لکھے۔ اور لکھا کہ بہت ممکن ہے کہ ریجینٹ آف عراق یا دوسرے مُسلمانوں کو اس نام کی طرف توجّہ نہ ہوئی ہو۔ ورنہ کوئی مُسلمان بھی کسی جانور کو حضرت نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کا نام دینا ہرگز پسند نہیں کر سکتا۔ ؎2

انڈونیشیا انڈونیشیا مشن کی وسیع اسلامی سرگرمیوں میں سے جو اس سال پورے انڈونیشیا میں

؎1 روزنامہ "المصلح" کراچی ۲۵ نومبر ۱۹۵۳ء صا و ۲۶ نومبر ۱۹۵۳ء ص۴

؎2 روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۳ء/ ۱۸ اخاء ۱۳۳۲ ہش ص۳

جاری رہیں ۲ دو واقعات کا تذکرہ نہایت ضروری ہے:۔

(۱) ہالینڈ کے احمدیہ مشن کی طرف سے بذریعہ ہوائی ڈاک ولندیزی ترجمۂ قرآن کی ایک کاپی یہاں اِس خواہش کے ساتھ موصول ہوئی کہ پریذیڈنٹ جمہوریہ انڈونیشیا جناب ڈاکٹر سوکارنو صاحب کو تحفۃً پیش کی جائے۔ اِس خواہش کی تکمیل ۱۴ اگست ۱۹۵۳ء کو بوقت سوا نو بجے صبح ہوئی جبکہ جماعتِ احمدیہ کے ایک وفد نے جو مولوی عبدالواحد صاحب (رئیس التبلیغ انڈونیشیا) راڈن ہدایت صاحب (نائب صدر جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا) جناب مرتو صاحب (سیکرٹری امورِ خارجہ جماعت احمدیہ انڈونیشیا) اور حافظ قدرت اللہ صاحب (سیکرٹری احمدیہ مُسلم مشن انڈونیشیا) پر مشتمل تھا۔ ڈاکٹر سوکارنو صاحب پریذیڈنٹ انڈونیشیا سے ان کے محل "آستانہ" پر ملاقات کی۔ اور قائدِ وفد مولٰنا عبدالواحد صاحب نے قرآنِ کریم کا یہ نایاب تحفہ جو مخملی جزدان میں لپٹا ہُوا تھا اور لکڑی کے ایک منقّش صندوقچے میں رکھا تھا پریذیڈنٹ صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ جسے انہوں نے نہایت احترام سے قبول فرمایا اور شکریہ کے دلی جذبات کا اظہار کیا جناب مولٰنا عبدالواحد صاحب نے یہ آسمانی تحفہ پیش کرنے سے پہلے عرض کیا کہ اس ترجمہ کی پیشکش کے پیچھے دراصل وہ مخلصانہ جذبات کارفرما ہیں جو ساری دُنیا میں بسنے والے احمدیوں کے دلی جذبات ہیں۔ نیز بتایا کہ ہالینڈ میں اس وقت جماعتِ احمدیہ کی طرف سے اشاعتِ اسلام کی جو کوشش ہو رہی ہے اُس میں ہمارے ایک انڈونیشین بھائی (مولٰنا ابوبکر ایُّوب صاحب) بھی خدمت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اور ہماری اِن حقیر کوششوں کا اور اسلامی تعلیم کی اشاعت کا یہ نتیجہ ہے کہ وہاں "فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا" کا نظّارہ نظر آ رہا ہے۔ وہ ڈچ جو حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے ہیں اپنے انڈونیشین بھائی کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کو باعثِ فخر خیال کرتے ہیں اور یہ اُخوّتِ اسلامی ہی کا کرشمہ ہے کہ آج یہ تحفۂ قرآن ان ڈچ مُسلمان بھائیوں کے خلوص بھرے جذبات کے ساتھ اور ان کی خواہش کے پیشِ نظر جنابِ عالی کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے اور یہ اسلام کی روحانی برتری کا ایک زندہ ثبوت ہے۔

اِس اہم واقعہ کی خبر ملکی پریس نے نہایت تفصیل کے ساتھ مع فوٹو کے شائع کی۔ علاوہ ازیں اسی شام کو انڈونیشیا ریڈیو پر بھی تفصیل سے اس کی خبر نشر کی گئی۔[1]

(۲) جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کی پانچویں سالانہ کامیاب کانفرنس ۲۵-۲۶-۲۷ دسمبر ۱۹۵۳ء / ماہ فتح ۱۳۳۲ ہش

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی ۳۰ جنوری ۱۹۵۴ء / صلح ۱۳۳۳ ہش صد ۳

کو بمقام بوگر انعقاد پذیر ہوئی۔ بوگر جو جاکرتا سے کوئی چالیس میل جنوب کی طرف واقع ہے انڈونیشیا پریس اور ریڈیو اور پوسٹر کے ذریعہ اِس اہم کانفرنس کی خبر پورے ملک میں پھیل چکی تھی۔ نیز شہر کے سینما گھروں میں بذریعہ فلم سلائیڈز اِس کی خبر ایک ہفتہ تک نشر ہوتی رہی۔ ۲۴ دسمبر کی شام کو کانفرنس کی استقبالیہ تقریب نہایت وسیع پیمانے پر منعقد ہوئی جس میں بہت سے سرکاری حکّام، معزّزین اور شہر کی دیگر اعلیٰ شخصیّتوں نے بھی شرکت کی۔ جن میں ڈپٹی کمشنر اور بوگر شہر کے میئر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس موقع پر پریذیڈنٹ انڈونیشیا ڈاکٹر سوکارنو، جناب ڈاکٹر محمد حتّیٰ، جناب وزیرِ اعظم، نائب وزیرِ اعظم، وزیرِ داخلہ، وزیرِ خارجہ، وزیرِ سوشل معاملات، گورنر مغربی جاوا، فضائی فوج کے سربراہ اور انڈونیشیا کی پولیس کے افسرِ اعلیٰ اور دوسرے انڈونیشی زعماء کی طرف سے مبارک بادی کے پیغامات موصول ہوئے۔ استقبالیہ تقریب میں رئیس التبلیغ انڈونیشیا اور پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ انڈونیشیا نے تقاریر کیں۔ اختتام پر حضرت مصلح موعودؓ کا لیکچر "احمدیت کا پیغام" تمام مدعوین میں مفت تقسیم کیا گیا۔

۲۵ دسمبر کو صبح آٹھ بجے کانفرنس کی باقاعدہ کارروائی شروع ہوئی۔ افتتاحی اجلاس میں جناب مولوی عبدالواحد صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا نے حضرت مصلح موعودؓ کا وہ مبارک اور روح پرور پیغام پڑھ کر سنایا جو حضورؓ نے ازراہِ ذرّہ نوازی چند روز قبل ہی بذریعہ تار برقی عنایت فرمایا تھا۔ اِس پیغام کو سن کر تمام دل جذباتِ تشکر سے لبریز تھے۔ اور بہت سی آنکھیں پُرنم۔ جناب رئیس التبلیغ صاحب نے یہ پیغام سنانے کے بعد اسی پیغام کی روشنی میں احمدی احباب کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلائی اور ایک نئے عزم اور نئے ارادے کے ساتھ کام شروع کرنے کی تحریک کی۔ اسی روز مجلس انصار اللہ، لجنہ اماء اللہ اور خدام الاحمدیّہ کے الگ الگ اجلاس بھی ہوئے جن کی رپورٹ شام کو کانفرنس کے اجلاس عام میں پیش کی گئی۔

۲۶ دسمبر کے اجلاس میں جماعت انڈونیشیا کی ترقی کے لئے بعض نئی تجاویز پر غور کیا گیا اور آئندہ سال کے چندۂ عام کا مجوّزہ بجٹ ایک لاکھ نوّے ہزار روپے متفقہ طور پر پاس ہوا۔

۲۷ دسمبر کا اجلاس ایک کھلا تبلیغی اجلاس تھا جس کے لئے دعوتِ عام تھی۔ اِس میں چار اہم مضامین پر تقاریر ہوئیں جنہیں حاضرین نے توجہ سے سنا جہاں کانفرنس کے دوسرے اجلاسوں میں شامل ہونے والے افراد اور نمائندگان کی تعداد پونے تین سو کے قریب تھی اور اڑھائی سو کے قریب دیگر انڈونیشین احمدی بھائی تھے وہاں اس تبلیغی اجلاس کی حاضری سات سو سے بھی زیادہ تھی۔

شام کو کانفرنس کا الوداعی اجلاس ہوا جس میں پہلے مبلغین احمدیت نے تقاریر فرمائیں بعد ازاں جماعتوں

کے نمائندگان نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور بالآخر ایک بجے شب یہ کانفرنس نہایت کامیابی کے ساتھ انجام پذیر ہوئی۔ لے

عدن

۲۸ نومبر ۱۹۵۳ء کو جماعت احمدیہ عدن کا جلسہ سیرت النبی ڈاکٹر میجر محمد خان صاحب کے مکان پر منعقد ہوا۔ جو نہایت کامیاب رہا جلسہ میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے علاوہ الشیخ عبداللہ محمد الشبوطی اور سعید علی جریک نے تقاریر کیں۔ جلسہ کے لئے خاص دعوت نامے بھیجے گئے۔ کل حاضری ۱۳۸ تھی۔ ٢ے

سیرالیون

سیرالیون کی احمدی جماعتوں کی پانچویں کامیاب سالانہ کانفرنس ۵-۶-۷ دسمبر ۱۹۵۳ء کو بو (Bo) میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں سیرالیون کی اہم جماعتوں کے پانچ سو سے زائد نمائندے شامل ہوئے۔

اجلاس اوّل ۵ دسمبر کو ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیل کی زیر صدارت ہوا جن کی افتتاحی تقریر کے بعد چوہدری نذیر احمد صاحب امیر سیرالیون نے حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ کا حسب ذیل روح پرور پیغام پڑھ کر سنایا جو حضور نے خاص اس تقریب کے لئے ارسال فرمایا تھا۔

"Unite and work. God be with you."

ترجمہ:۔ متحد ہو کر کام کرو۔ خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو۔

چوہدری نذیر احمد صاحب نے یہ پیغام پڑھنے کے بعد بتایا۔ اس کے الفاظ اگرچہ نہایت مختصر اور قلیل ہیں مگر ان میں نہایت وسیع مضمون بیان کر دیا گیا ہے اور اس کا ہر لفظ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ تمام حاضرین نے حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ کا یہ پیغام تین بار دُہرایا اور دُعا کی کہ خدا تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ دُعا کے بعد سیرالیون کے ایک نہایت مخلص لوکل احمدی مبلّغ اور ترجمان جناب الفاسوری با صاحب نے تقریر کی کہ یہ احمدیت کا احسانِ عظیم ہے کہ اُس نے ہمیں اسلام کی حقیقی تعلیم سے روشناس کیا۔ ہمارے اقوال، ہمارے اعمال اور ہماری عادات و اطوار کی اصلاح کی۔ ہم مُردہ تھے ہمیں خدا تعالیٰ کے مسیح نے نئی زندگی عطا کی۔ اور ایک نیا دورِ حیات بخشا۔ خدا تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کے شکریہ میں اگر ہم سب اپنا تن من دھن اسلام کے لئے قُربان کر دیں تو بھی کم ہے۔

اس کانفرنس کے اگلے چار اجلاسوں سے مندرجہ ذیل مقررین و مبلّغین نے خطاب فرمایا:۔

لے روزنامہ "المصلح" کراچی ۴ فروری ۱۹۵۳ء صہ ۳

٢ے روزنامہ "المصلح" کراچی ۴ فروری ۱۹۵۴ء / ۴ تبلیغ ۱۳۳۳ ہش صہ ۴

چوہدری نذیر احمد صاحب امیر سیرالیون، مولوی محمد عبدالکریم صاحب، مسٹر مُوسے سوداصاحب لوکل مُبلّغ، مولوی محمد صدیق صاحب شاہد گورداسپوری مبلغ سیرالیون، الفا احمد دوری صاحب۔

چھٹا اور آخری اجلاس مولوی محمد عبدالکریم صاحب کی زیر صدارت ہوا۔ جن کے نئے امیر سیرالیون ہونے کا اعلان اس کانفرنس کے اجلاس دوم میں سابق امیر سیرالیون چوہدری نذیر احمد صاحب نے کیا تھا۔

یہ اختتامی اجلاس شُوریٰ کی حیثیّت رکھتا تھا جس میں نمائندگان اور مُبلّغین نے جماعتِ احمدیّہ سیرالیون کی ترقی اور کامیابی کے لئے اہم تجاویز پر غور کیا اور باتّفاق رائے یہ تجویز پاس کی کہ جلد از جلد ایک پریس خرید کر ایک جماعتی اخبار جاری کیا جائے۔ پریس کے لئے پانچ سو پونڈ کی رقم تجویز ہوئی جس کی ادائیگی کے لئے مخلصین نے اجلاس میں ہی وعدے لکھوانے شروع کر دیئے جن کی تعداد ۱۰۴ (پونڈ) تک پہنچ گئی۔ اور باقی رقم کے لئے جماعتوں کے نام سرکلر جاری کر دیئے گئے۔ دوسرا اہم فیصلہ یہ کیا گیا کہ احمدیّہ سکُول بو کو سیکنڈری سکول بنا دیا جائے۔ تا وہ طلبہ جو احمدیہ سکولوں سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ عیسائیت کی مسموم فضا میں جانے پر مجبور ہوتے ہیں کسی حد تک محفوظ ہو جائیں اور دینی ماحول میں تعلیم حاصل کر کے اسلام کے لئے مفید وجود ثابت ہو سکیں۔ یہ اختتامی اجلاس رات کے دس بجے تک جاری رہا اور محترم امیر صاحب سیرالیون کے مختصر خطاب اور دُعا پر اختتام پذیر ہوا۔[۲]

مبلّغین کی مرکز احمدیّت میں بیرونی ممالک سے واپسی اور رَوانگی

سیّدنا حضرت اقدس المصلح الموعودؓ ربوہ کی بُنیاد (۱۹ ستمبر ۱۹۴۸ء) ہی سے یہ دُعائیں بکثرت کر رہے تھے کہ الٰہی! اس نئی بستی کو مرکزِ توحید بنا دے۔ اِن منضرّعانہ دُعاؤں کی قبُولیّت کے آسمانوں پر قیامت تک کیا کیا اسباب پیدا ہوں گے اِس کی نسبت تو مستقبل کا مؤرخ ہی بتا سکے گا۔ تاہم یہاں اس قدر بتانا ضروری ہے کہ اِن دُعاؤں کے بعد فوری طور پر یہ سامان پیدا ہوا کہ اس مقدس مقام میں بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کا فریضہ بجالانے والے مُجاہدین کی مراجعت و روانگی کا ایک ایسا غیر معمُولی سلسلہ شروع ہو گیا جس کی نظیر متحدہ ہندوستان کی تاریخِ احمدیّت میں نہیں ملتی۔ جیسا کہ خود حضرت مصلح موعودؓ نے

---

[۱] آپ کی نسبت چوہدری نذیر احمد صاحب نے کانفرنس میں اعلان فرمایا کہ مَیں بہت جلد آپ بھائیوں سے جُدا ہونیوالا ہوں، آج سے آپ کے امیر مولوی محمد عبدالکریم صاحب ہوں گے۔ (چنانچہ آپ اس کے بعد جلد ہی پاکستان میں تشریف لے آئے)

[۲] روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۳ فروری ۱۹۵۳ء / ۱۳ تبلیغ ۱۳۳۲ ہش صہ ۳

۱۶ر مئی ۱۹۵۰ء کو مبلّغین کے اعزاز میں دی جانیوالی ایک پارٹی کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"ہم قادیان سے نکل کر بھی کمزور نہیں ہوئے۔ بلکہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہوئے ہیں۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ پہلے ہم ایک ایک دو دو مبلّغوں کی دعوتیں کرتے تھے۔ اب ہم درجنوں کی دعوتیں کرتے ہیں کیونکہ اب مبلّغوں کے رسالے باہر جانے شروع ہوگئے ہیں اور وہ دن دُور نہیں جب ایک ہی دفعہ مبلّغوں کی بٹالین باہر جائیں گی۔ وہ دن دُور نہیں جب مبلّغوں کے بریگیڈ باہر جائیں گے وہ دن دُور نہیں جب مبلّغوں کے ڈویژن تبلیغ اسلام کے لئے باہر جائیں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)"[1]

اِس سال ۱۹۵۳ء / ۱۳۳۲ہش میں جو مبلغینِ احمدیّت ممالکِ غیر میں کامیاب فریضۂ تبلیغ انجام دینے کے بعد ربوہ تشریف لائے۔ اُن کے نام یہ ہیں:۔

(۱) سیّد احمد شاہ صاحب نائیجیریا (آمد ربوہ ۱۱ر اپریل ۱۹۵۳ء / ۱۱ر شہادت ۱۳۳۲ہش)
(۲) مولوی صدرالدین صاحب ایران (آمد ربوہ ۲ر اگست ۱۹۵۳ء / ۲ر ظہور ۱۳۳۲ہش)
(۳) مولوی محمد سعید صاحب انصاری بورنیو (آمد ربوہ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۳ء / ۱۷ر اخاء ۱۳۳۲ہش)
(۴) سیّد شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا (آمد ربوہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۵۳ء / ۱۵ر فتح ۱۳۳۲ہش)[2]

جو مبلّغین اِس سال ربوہ سے بیرونِ پاکستان کے لئے روانہ ہوئے اُن کے اسماء یہ ہیں:۔

(۱) مرزا محمد ادریس صاحب شمالی بورنیو (روانگی ۱۲ر جنوری ۱۹۵۳ء / ۱۲ر صلح ۱۳۳۲ہش)
(۲) قریشی فیروز محی الدین صاحب سنگاپور (" " " ")
(۳) مولوی فضل الٰہی صاحب بشیر مشرقی افریقہ (روانگی ۶ر اپریل ۱۹۵۳ء / ۶ر شہادت ۱۳۳۲ہش)
(۴) مولوی محمد منوّر صاحب " (" " " ")
(۵) سیّد منیر احمد صاحب باہری برما (روانگی ۷ر جون ۱۹۵۳ء / ۷ر احسان ۱۳۳۲ہش)
(۶) مولوی امام الدین صاحب انڈونیشیا (روانگی ۲۳ر جون ۱۹۵۳ء / ۲۳ر احسان ۱۳۳۲ہش)
(۷) قریشی محمد افضل صاحب غانا (روانگی ۶ر جولائی ۱۹۵۳ء / ۶ر وفا ۱۳۳۲ہش

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۱ر اپریل ۱۹۶۱ء ص ۵ کالم ۴

[2] ریکارڈ وکالتِ تبشیر تحریکِ جدید ربوہ۔ ایضاً المصلح ۲۳ر دسمبر ۱۹۵۳ء ص ۴

(۸) مولوی احمد خان صاحب انگلستان (روانگی ۶ جولائی ۱۹۵۳ء / ۶ وفا ۱۳۳۲ ہش)
۹) مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری سیرالیون (روانگی ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۳ء / ۱۵ اخاء ۱۳۳۲ ہش)[1]

نئی مطبوعات

اس سال پاکستان میں سلسلہ احمدیہ کی مندرجہ ذیل نئی کتب شائع ہوئیں[2]:

۱) تعلق باللہ (تقریر سیدنا حضرت مصلح موعودؓ بر موقع جلسہ سالانہ ۲۸ دسمبر ۱۹۵۲ء)
۲) "اشتراکیت اور اسلام" (از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ)
۳) "اچھی مائیں" (" " ")
۴) "رسول پاکؐ کا عدیم المثال مقام" - "ختم نبوت کی حقیقت" (از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ)
۵) "مسلمان عورت کی بلند شان" (تقریر حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب دردؔ)
۶) "حیات الآخرۃ"[3] (تقریر حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ)
۷) "ہندو سامراج اور مسئلہ کشمیر" (از گیانی عباد اللہ صاحب محقق سکھ مذہب)
۸) "یومیہ" (شائع کردہ نظارت دعوۃ و تبلیغ ربوہ)
۹) "احمدیہ تجارڈائرکٹری" (مرتبہ نظارت امور عامہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ)

---

[1] ریکارڈ وکالت تبشیر تحریک جدید ربوہ [2] تحقیقاتی عدالت کی کارروائی کے سلسلہ میں مرکز احمدیت کی طرف سے اس سال جو مفید لٹریچر شائع ہوا وہ ان کتب کے علاوہ ہے۔

[3] حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس دلچسپ اور مفید تصنیف پر تبصرہ فرمایا کہ
"یہ کتاب خدا کے فضل سے بہت دلچسپ اور مؤثر انداز میں لکھی گئی ہے اور ایک ایسے موضوع پر ہے جو نہ صرف اسلام بلکہ جملہ مذاہب میں اوّل درجہ کی اہمیت رکھتا ہے یعنی یہ کہ اس دنیوی زندگی کے بعد کوئی اور زندگی بھی مقدر ہے یا نہیں۔ اور اس دوسری زندگی کا انسان کی موجودہ زندگی سے کیا تعلق ہے اور رابطہ ہے! اور اس اُخروی زندگی کے دلائل اور شواہد کیا ہیں؟ مجھے بہت خوشی ہے کہ محترم شاہ صاحب نے اس مضمون کو بڑی اچھی طرح نبا ہا ہے اور کتاب کا انداز تحریر بھی بڑا دلچسپ اور سبق آموز ہے۔" (روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۵ مئی ۱۹۵۳ء صفحہ ۵)
ایک معزز غیر احمدی دوست نے لکھا:- "یہ تو ایک دہریہ کو بھی خداوندی نظام کا قائل کر دیتی ہے .... اگر کوئی دہریہ بھی ہو تو اس کتاب کے پڑھنے کے بعد خداوند تعالیٰ کی ہستی کا قائل ہو جاتا ہے میرے کئی ایک دوستوں نے بھی یہ کتاب پڑھی ہے۔ ہر ایک نے تعریف کی ہے۔" (المصلح ۱۲ اپریل ۱۹۵۳ء صفحہ ۳)

تیسرا باب

حادثہ جھمپیر اور حضرت مصلح موعودؓ پر قاتلانہ حملہ سے لیکر نوجوانانِ احمدیّت کی ملک گیر خدمتِ خلق تک

(خلافتِ ثانیہ کا اکتالیسواں سال ۱۳۳۳ہش / ۱۹۵۴ء)

فصل اوّل

ریل کا خطرناک حادثہ اور ایک عظیم الشّان

۱۹۵۳ء/۱۳۳۲ہش کے متفرق واقعات پر روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم ۱۹۵۴ء/۱۳۳۳ہش کے سال میں قدم رکھتے ہیں۔ ۲۱ جنوری ۱۹۵۴ء/۲۱ صلح ۱۳۳۳ہش کو صبح پانچ بج کر چالیس منٹ پر کراچی سے ۷۵ میل دور جھمپیر اور بروڈ آباد کے درمیان پاکستان میل کو ہولناک حادثہ پیش آیا۔ پٹرول لے جانے والی گاڑی کے ایک ڈبہ کا پاکستان میل سے ہولناک تصادم ہو گیا اور آگ لگ گئی جس کے شعلوں نے پاکستان میل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس وقت ہوا تیز چل رہی تھی۔ جلتا ہوا پٹرول شعلوں کی بھڑک اُٹھا اور گہرے دھوئیں کے تین سو فٹ بلند اور سیاہ بادل فضا پر چھا گئے۔ پاکستان میل کی پہلی دو بوگیوں کے ساتھ (جن کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا) بعد کے چار ڈبے بھی تباہ ہو گئے۔ انجن کے ساتھ پہلے تین ڈبوں میں سے ایک ڈبہ عورتوں اور بچوں کا تھا جن کے اقربا دوسرے ڈبوں میں سفر کر رہے تھے۔ جو مسافر انجن سے دور ڈبوں میں سوار تھے وہ تو محفوظ رہے لیکن ان میں سے بعض کے بیوی بچے جل کر راکھ ہو گئے۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب وزیر خارجہ پاکستان بھی اس ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ آپ کا سیلون اسی گاڑی کے آخر میں تھا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ معجزانہ طور پر محفوظ رہے۔

قریباً تین ماہ پیشتر حضرت مصلح موعودؓ نے چودھری صاحب کے اس حادثہ سے دوچار ہونے اور اس میں محفوظ رہنے کے متعلق ایک رویا دیکھا تھا جس کی اطلاع حضور نے بذریعہ مکتوب چودھری صاحب موصوف کو بھی بھجوادی تھی۔ چنانچہ اس حادثہ کے دو روز بعد ۲۳ فروری کو حضرت چودھری صاحب نے احمدیہ ہال کراچی میں جو خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اس میں جماعت کے سامنے حضرت مصلح موعودؓ کی رویا اور حادثہ کی تفصیلات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ :-

رویا کی تفصیلات

" غالباً یہ اکتوبر ۱۹۵۳ء کے اواخر کی بات ہے کہ مجھے نیویارک میں جہاں میں جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے گیا ہوا تھا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تار ملا جس میں مجھے یہ ہدایت کی گئی تھی کہ میں تار کے پہنچتے ہی صدقہ دے دوں اور پھر جب سفر شروع کروں تو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ ادا کر دوں۔ اس ہدایت کی میں نے فوراً تعمیل کر دی۔ علاوہ ازیں سفر پر روانہ ہونے سے قبل چوہدری عبداللہ خان صاحب کو کراچی لکھا کہ وہ ۹ دسمبر ۱۹۵۳ء کو ایک جانور میری طرف سے بطور صدقہ ذبح کروا دیں اور اسی طرح ۲۸ دسمبر کو بھی۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس سفر میں میری بچی بھی میرے ساتھ تھی جب ہم امریکہ سے واپس کراچی پہنچے تو اس نے اپنی والدہ سے حضرت صاحب کے برقی پیغام کا ذکر کیا۔ اس پر اس کی والدہ نے بتایا کہ وہ خود بھی اس عرصہ میں ۱۶ جانور بطور صدقہ ذبح کروا چکی ہیں۔

ابھی میں نیویارک ہی میں تھا کہ تار کے چند روز بعد مجھے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا ایک والا نامہ ملا۔ جس میں حضور نے اپنا ایک رؤیا بیان فرمایا تھا اور اس رؤیا کی بناء پر ہی حضور نے مجھے تار دیا تھا۔ رویا کے جو حصے مجھے یاد ہیں۔ وہ میں اپنے الفاظ میں بیان کر دیتا ہوں حضور نے لکھا :-

میں نے خواب میں دیکھا کہ تمہاری طرف سے کوئی خط آیا ہے جس میں کسی ایسے حادثے کا ذکر ہے کہ جس کی زد میں تم خود بھی آگئے ہو۔ میں سوچتا ہوں کہ انہی کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا ہے اور پھر خود ہی یہ خط بھی لکھ رہے ہیں۔ وہاں مرزا بشیر احمد صاحب بھی بیٹھے ہیں۔ میں ان سے بھی تمہارے خط کا ذکر کرتا ہوں اور خط میں سے وہ حصہ نکالتا ہوں جس میں حادثے کا ذکر ہے۔ یوں معلوم ہوتا

ہے کہ خط میں کئی اور کاغذ ہیں۔ جن میں بعض اور باتیں بیان کی گئی ہیں۔ مرزا بشیر احمد صاحب کہتے ہیں تعجب ہے چوہدری صاحب نے اصل بات تو لکھی نہیں۔ کچھ اور ہی باتیں لکھی ہیں۔ آخر وہ کاغذ بھی مل گیا معلوم ہوتا ہے کہ حادثہ ہوائی جہاز کو پیش آیا ہے۔ تم اس میں سوار ہو اور وہ تیزی سے نیچے کی طرف چلا آرہا ہے جب ہوائی جہاز بہت نیچے آجاتا ہے تو کچھ جزیرے سے نظر آتے ہیں اور جہاز ان میں سے ایک جزیرے میں جا گرتا ہے۔

میرے ذہن میں یہ آتا ہے کہ سفر مشرق میں مغرب کی طرف ہے اور کسی شخص غلام محمد نامی کا بھی ذکر آتا ہے۔ اس سے مجھے خیال ہوا کہ ممکن ہے گورنر جنرل صاحب کا بھی کوئی تعلق ہو کیونکہ وہ بھی سفر پر جانے والے ہیں۔ میں نے تار دے دیا ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کا سفر خیریت سے گزار دے۔

خطاب جاری رکھتے ہوئے مکرم چوہدری صاحب موصوف نے فرمایا کہ حضور کو تفہیم ہوئی تھی کہ سفر مشرق سے مغرب کی طرف ہے لیکن میرا امریکہ سے واپسی کا سفر مغرب سے مشرق کی طرف تھا البتہ ۲۹ دسمبر کو مجھے تہران سے واپس دمشق جانا تھا اور میرے سفر کا یہی ایک حصّہ ایسا تھا جو مشرق سے مغرب کی جانب تھا ——— اس لئے میں نے چوہدری عبداللہ خان صاحب کو لکھا تھا کہ ایک جانور ۲۸ دسمبر کو بھی ذبح کروا دیں۔

اب دیکھو ریل کے اس خوفناک حادثے میں جو کل (یعنی ۱۲ جنوری ۱۹۵۴ء) کو پیش آیا ہے وہ سب باتیں پوری ہوگئی ہیں۔ جو خواب میں حضور پر منکشف کی گئی تھیں۔ مجھے کل بھی اس کا خیال تھا کہ حضور کے خواب میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ تھا۔ لیکن آج صبح جب میں اس حادثے کی تفصیلات اخبار ڈان میں پڑھ رہا تھا تو ایک بات میری نگاہ میں ایسی آئی کہ جس سے فوراً میری توجہ حضور کے خواب کی طرف کھینچی گئی وہ یہ ہے کہ پاکستان میل کے ڈرائیور کا نام جو حیرت انگیز طور پر زندہ بچ رہا ہے غلام محمد ہے۔ حضور نے دیکھا تھا کہ یہ سفر مشرق سے مغرب کی طرف ہے چنانچہ لاہور سے کراچی کی جانب عموماً مشرق سے مغرب ہی کی طرف تھا۔ لیکن جہاں حادثہ پیش آیا وہاں سفر عین مشرق سے مغرب ہی کی طرف تھا۔ پھر حضور کے خواب میں جزیرے دکھائے گئے تھے سو یہ حادثہ جس مقام پر ہوا۔ وہ پکی سڑک سے دس گیارہ میل دور تھا کسی سمت سے کوئی

سڑک اس تک نہ آتی تھی اور وہ جزیرے ہی کی طرح باقی آبادیوں سے کٹا ہوا تھا پھر آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ خواب میں کسی شخص غلام محمد کا تعلق معلوم ہوتا ہے سو غلام محمد نامی شخص کے انجن ڈرائیور ہونے سے وہ بات بھی پوری ہو گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بچ بھی گیا۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ یہ محض خیالی یا بناوٹی بات ہے۔ جزوی تفصیلات کو چھوڑ کر اس خواب میں تین بڑی بڑی باتیں تھیں اور وہ تینوں ہی پوری ہو گئیں۔

(۱) کوئی خوفناک حادثہ پیش آنے والا ہے جس کی زد میں آنے کے باوجود میں محفوظ رہوں گا کیونکہ حضور کے خواب کے مطابق حادثہ مجھے پیش آیا ہے اور بعد میں میں خود ہی اس کی اطلاع خط کے ذریعے حضور کو دے رہا ہوں۔

(۲) وہ سفر مشرق سے مغرب کی طرف ہوگا چنانچہ فی الواقعہ یہ سفر مشرق سے مغرب کی طرف ہی تھا۔

(۳) کسی شخص غلام محمد کا اس سے تعلق ہوگا سو یہ غلام محمد پاکستان میل کا ڈرائیور ہی تھا جو بفضلہ زندہ بچ گیا۔" [1]

مصیبت زدہ مسافروں کی خدمت

حضرت چودھری صاحب کا وجود اس موقعہ پر ستم رسیدہ زخمیوں اور مصیبت زدہ مسافروں کے لئے رحمت ثابت ہوا۔ آپ اپنے سیلون میں بہت سے مسافروں کو لیکر واپس جھمپیر اسٹیشن پر پہنچے اور قریباً چھ گھنٹہ تک جائے وقوعہ پر موجود رہے، آپ نے ریلوے حکام کو ہدایات دیں اور اس وقت تک چین نہیں لیا جب تک اپنی نگرانی میں سب سواریوں کو ان کی منزل تک بھجوانے کے انتظامات مکمل نہیں کر لئے۔ دوپہر کے تھوڑی دیر بعد آپ بذریعہ موٹر کراچی کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ کے کراچی پہنچنے سے قبل ہی بہت سے زخمی اور دوسرے مسافر کوٹری، حیدرآباد اور کراچی پہنچ چکے تھے۔[2]

دو روز بعد آپ نے اپنے خطبہ جمعہ (۲۳ جنوری) میں جماعت احمدیہ کراچی کو بھی پر زور نصیحت فرمائی کہ اس

---

[1] روزنامہ "المصلح" کراچی ۲۷ جنوری ۱۹۵۴ء / ۲۶ صلح ۱۳۳۳ ہش صفحہ ۳

[2] روزنامہ "المصلح" کراچی ۲۲ جنوری ۱۹۵۴ء / ۲۲ صلح ۱۳۳۳ ہش، تحدیث نعمت ص ۵۹۸ تا ۶۰۱ از حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب طابع جبارت پرنٹرز ۲۴ سرکلر روڈ لاہور ستمبر ۱۹۷۱ء

حادثہ میں زخمی ہونے والوں کی تیمارداری اور وفات پانے والوں کے پسماندگان کے ساتھ عملی ہمدردی میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں کیونکہ مومن میں ہمدردیٔ خلائق کا جذبہ بدرجہ اتم ہوتا ہے وہ دوسروں کے غم کو اپنا غم سمجھتا ہے اور اسے دور کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا۔ جماعتِ احمدیہ کے مخلص احباب جو ہمیشہ ہی نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے آرہے تھے اس نصیحت پر کما حقّہٗ عمل پیرا ہوئے اور اس موقعہ پر اخوّتِ اسلامی کا بہت عمدہ نمونہ انہوں نے پیش کیا۔

حضرت مصلح موعودؓ کا پُرمعارف خُطبہ

حضرت مصلح موعودؓ کو تین ماہ قبل اس المناک حادثہ کی جناب الٰہی سے اطلاع ملنا، اور حضور کی دُعاؤں سے تقدیر مبرم کا ٹل جانا چونکہ ایک حیرت انگیز نشان تھا اس لئے خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے اگلے خُطبہ جمعہ کے دوران اپنی رویا کی مزید تفصیلات بیان کرنے کے بعد نہایت شرح و بسط سے واضح فرمایا کہ کس طرح قادر و توانا خُدا نے اپنی قادرانہ جلوہ نمائی سے تقدیر مبرم کو بدل ڈالا۔ چنانچہ حضور نے اپنے اس پُرمعارف خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔

"۱۷ یا ۱۸ نومبر ۱۹۵۳ء کی بات ہے کہ مَیں نے رویا دیکھا کہ میں ایک جگہ پر ہوں میاں بشیر احمد صاحب اور درد صاحب میرے ساتھ ہیں۔ کسی شخص نے مجھے ایک لفافہ لاکر دیا اور کہا کہ یہ چودھری ظفر اللہ خان صاحب کا ہے میں نے اس لفافہ کو کھولے بغیر یہ محسوس کیا کہ اس میں کسی عظیم الشان حادثے کی خبر ہے جو چودھری صاحب کی موت کی شکل میں پیش آیا ہے یا کوئی اور بڑا حادثہ ہے۔ مَیں نے درد صاحب سے کہا۔ لفافہ کو جلدی کھولو اور اس میں سے کاغذ نکالو۔ درد صاحب نے لفافہ کھولا۔ اس میں سے بہت سے کاغذ نکلتے آتے تھے لیکن اصل بات جس کی خبر دی گئی تھی نظر نہیں آتی تھی۔ آخر کار لفافہ میں صرف دو کاغذ رہ گئے۔ لیکن اصل خبر کا پتہ نہ لگا۔ میاں بشیر احمد صاحب نے کہا پتہ نہیں۔ چودھری صاحب کے دماغ کو کیا ہوگیا ہے۔ وہ ایک اہم خبر لکھتے ہیں لیکن اسے اچھی طرح بیان نہیں کرتے۔ میں نے کہا گھبراہٹ میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ اس پر لفافہ میں دو کاغذ جو باقی رہ گئے تھے ان میں سے ایک کاغذ کو مَیں نے باہر کھینچا۔ تو وہ ایک فہرست تھی لیکن اصل واقعہ کا اس سے پتہ نہیں لگتا تھا اس فہرست میں ایک نام سے پہلے ملک لکھا تھا اور آخر میں محمد لکھا تھا۔ درمیانی لفظ پڑھا نہیں جاتا تھا اس سے اتنا تو پتہ لگتا تھا کہ واقعہ میں کوئی اہم خبر ہے لیکن اصل واقعہ کا پتہ نہیں لگتا تھا۔ پھر لفافہ میں سے ایک اور شفاف کاغذ نکلا جو Tracing paper تھا۔ میں اسے دیکھنے لگا۔

اور مَیں نے کہا یہ خبر ہے جو چودھری صاحب نے ہم تک پہنچانی چاہی ہے مگر بجائے کوئی واقعہ لکھنے کے اس کاغذ پر ایک لکیر کھچی ہوئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ہوائی جہاز ہے جو مشرق سے مغرب کی طرف جا رہا ہے۔ آگے جا کر وہ لکیر یکدم اریبوی صُورت میں نیچے آجاتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جہاز یکدم نیچے آگیا۔ اس جگہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ رُکا ہے اور معاً Crashed کا لفظ میرے سامنے آتا ہے تو معاً سمندر میرے سامنے آجاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ نیچے کچھ جزیرے ہیں مجھے نیچے کی طرف عملاً سمندر نظر آتا ہے۔ اس میں ہلکی ہلکی لہریں ہیں مَیں خواب میں کہتا ہوں خُدا کرے کہ نہ معلوم چودھری صاحب کو تیرنا آتا ہے خدا کرے اس حادثہ کی خبر معلوم کر کے کسی حکومت نے ہوائی جہاز یا کشتیاں بچانے کے لئے بھیجدی ہوں تاکہ چودھری صاحب اور دوسرے لوگ بچ جائیں جب میں نے یہ رویا دیکھی اس وقت قریباً دو بجے رات کا وقت تھا۔ اس دن میری بیوی مریم صدیقہ کی باری تھی۔ اور وہ میرے پاس ہی دوسری چارپائی پر سوئی ہوئی تھی۔ مَیں نے انہیں جگایا اور کہا جلدی سے ایک خط لکھو چنانچہ مَیں نے اسی وقت چودھری صاحب کو خط لکھوایا اور تحریر کیا کہ وہ کچھ صدقہ دے دیں۔ فوراً بھی، اور آتے ہوئے بھی۔ اور اسی مضمون کی ایک تار بھی دے دی۔ مَیں نے جب یہ رویا دیکھی تو چودھری صاحب امریکہ پہنچ چکے تھے۔ اور مَیں نے رویا میں یہ نظارہ دیکھا تھا کہ چودھری صاحب مشرق سے مغرب کو جا رہے ہیں۔ اگر وہ امریکہ سے پاکستان آرہے ہوتے تو یہ سفر مشرق سے مغرب کو نہ ہوتا بلکہ مغرب سے مشرق کو ہوتا۔ پھر مَیں نے رویا میں یہ دیکھا تھا کہ چودھری صاحب خود ہی اس حادثہ کی خبر دے رہے ہیں اور یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ اگر اس حادثہ میں اُن کی جان کا نقصان ہے تو وہ اس کی خبر کیسے دے رہے ہیں؟ بہرحال میں نے اس خواب کی تین تعبیریں کیں۔ اوّل یہ کہ کوئی حادثہ چودھری صاحب کو سخت مہلک پیش آنے والا ہے اور خُدا تعالیٰ انہیں اس سے بچائے گا۔ کیونکہ وہ خود اس حادثہ کے متعلق تبھی خبر دے سکتے ہیں جب وہ محفوظ ہوں۔ دوسرے مَیں نے یہ تعبیر کی کہ اس دن ملک غلام محمد صاحب گورنر جنرل سفر پر روانہ ہو رہے تھے شاید انہیں کوئی حادثہ پیش آجائے۔ مَیں نے ملک اور محمدؐ کے الفاظ دیکھے تھے بیچ میں ایک لفظ اور بھی تھا جو پڑھا نہیں گیا۔ مَیں نے خیال کیا کہ شاید اس سے ملک غلام محمد صاحب مُراد ہوں کیونکہ ان کے نام سے پہلے بھی ملک اور آخر میں محمدؐ کا لفظ آتا ہے اور وہ چودھری صاحب

کے دوست بھی ہیں اور دوست کا صدمہ خود انسان کا اپنا صدمہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ میں نے صبح انہیں تار دے دی چونکہ وہ احمدی نہیں ہیں اس لئے میں نے یہ نہ لکھا کہ میں نے رویا دیکھی ہے بلکہ صرف یہ لکھا کہ آپ سفر پر جا رہے ہیں میں دُعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس سفر کے دوران میں آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے لیکن میرا تار پہنچنے سے پہلے ملک صاحب سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ وہ تار قائمقام گورنر جنرل کو ملا اور انہوں نے خیال کیا کہ یہ مُبارکبادی کی تار ہے۔ چنانچہ ان کی طرف سے شکریہ کی چٹھی آگئی حالانکہ وہ تار اس رویا کی بنا پر اصل گورنر جنرل کو دی گئی تھی لیکن وہ ملی قائمقام گورنر جنرل کو۔ تیسرے چونکہ چودھری صاحب مغرب میں پہنچ چکے تھے اور پاکستان کی طرف سفر کرتے ہوئے انہوں نے مغرب سے مشرق کو آنا تھا اور پھر اس حادثہ کی خبر بھی انہوں نے خود ہی دی تھی۔ اس لئے مَیں نے خیال کیا کہ شاید اس سے یہ مراد ہو کہ جو خاص کام مراکو وغیرہ کی خدمت کا وہ کر رہے ہیں اس میں انہیں ناکامی ہو۔ بہرحال مَیں نے ایک بکرا بطور صدقہ ذبح کروا دیا اور چودھری صاحب کو بھی خط لکھا کہ وہ خود بھی صدقہ دے دیں چنانچہ انہوں نے بھی صدقہ دے دیا اور ہم نے دعائیں جاری رکھیں۔ میں لاہور گیا تو چودھری صاحب کی بیوی مجھے ملیں۔ مَیں نے انہیں بھی بتایا کہ میں نے اس قسم کی رویا دیکھی ہے چونکہ چودھری صاحب کی لڑکی بھی اس سفر میں ان کے ہمراہ تھی اس لئے ان کے لئے دوہرا صدمہ تھا۔ اس لئے انہوں نے بھی اس عرصہ میں روزانہ ایک ایک کر کے یا بعض دنوں میں دو دو کر کے ۱۶ بکرے صدقہ دیئے۔ چودھری صاحب خیریت سے کراچی پہنچ گئے۔ اور اس قسم کا کوئی حادثہ انہیں پیش نہ آیا کراچی سے پنجاب آئے تو یہ سفر بھی خیریّت سے گذر گیا۔ لیکن جب کراچی واپس گئے تو رستہ میں اس گاڑی کو جس میں چودھری صاحب سفر کر رہے تھے خطرناک حادثہ پیش آیا اور انڈین ریڈیو پر جب یہ خبر نشر ہوئی تو اس کے متعلق Crashed کا لفظ ہی استعمال کیا گیا۔ گاڑی پٹرول کے ڈبوں سے ٹکرا گئی اور ایسا خطرناک حادثہ پیش آیا کہ ایک احمدی دوست نے مجھے لکھا کہ مَیں سمجھتا تھا کہ خدا تعالیٰ کا عذاب آگیا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ اس میں کوئی اور احمدی بھی سفر کر رہا تھا لیکن اس خط سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس ٹرین میں تھا اور اس نے لکھا کہ ہر وہ شخص جس نے اس نظارہ کو دیکھا ہے وہ کہہ نہیں سکتا کہ یہ حادثہ عذاب الٰہی نہیں تھا بہرحال دونوں گاڑیاں ٹکرا گئیں اور جن ڈبوں کو خدا تعالیٰ نے آگ سے بچایا انہیں پیچھے لایا گیا جس جگہ پر یہ واقعہ ہوا چودھری صاحب کے خُطبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے دس دس میل دُور

تک پکّی سڑک نہیں ہے۔ صرف ریل کی پٹڑی گزرتی ہے اس لئے امداد کے لئے اس جگہ تک کوئی موٹر نہیں آسکتی تھی۔ اس طرح وہ جگہ جزیرے کی طرح تھی۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ رؤیا میں ہوائی جہاز کا دکھایا جانا اور واقعہ ریل میں ہونا اور پھر گاڑی بھی مشرق سے مغرب کو جا رہی تھی اسی طرح دوسری باتوں کا ہونا بتاتا ہے کہ یہ ایک تقدیرِ مبرم تھی لیکن خدا تعالیٰ نے ہماری دُعاؤں کو سُنکر اس حادثہ کو بجائے ہوائی جہاز کے ریل میں بدل دیا۔ ہوائی جہاز میں ایسا حادثہ پیش آجائے تو اس سے بچنا مشکل ہوتا ہے شاذ ہی کوئی شخص اس قسم کے حادثے سے بچتا ہے لیکن یہی حادثہ ریل میں پیش آجائے تو اس سے کسی انسان کا بچ جانا ممکن ہے اور پھر وہ ریل مشرق سے مغرب کو جا رہی تھی جب میں نے اخبار میں وہ واقعہ پڑھا تو مَیں نے محسوس کیا کہ میری وہ خواب پوری ہوگئی ہے۔ میں نے میاں بشیر احمد صاحب سے اس کا ذکر کیا جن کو میں یہ خواب اسی وقت بتا چکا تھا جب یہ خواب آئی تھی۔ انہوں نے بھی کہا کہ واقعہ میں وہ خواب پُوری ہوئی ہے لیکن میں نے اخبار میں یہ واقع پڑھ کر چودھری صاحب کو یہ لکھنا پسند نہ کیا کہ میری رؤیا پُوری ہوگئی ہے۔ کیونکہ رؤیا میں انہوں نے پہلے اطلاع دی تھی اس لئے مَیں نے یہی پسند کیا کہ وہ اطلاع دیں گے تو مَیں لکھوں گا چنانچہ دوسرے دن چودھری صاحب کی تار آگئی کہ آپ کی رؤیا پوری ہوگئی ہے اور خدا تعالیٰ نے مجھے اس حادثہ سے بچا لیا ہے۔

یہاں صرف رؤیا کا سوال نہیں کہ وہ پُوری ہوگئی بلکہ یہ ایک تقدیرِ مبرم تھی جو دُعاؤں سے بدل گئی رؤیا میں خدا تعالیٰ نے مجھے ہوائی جہاز دکھایا لیکن وہ واقعہ اسی جہت میں اور اسی شکل میں ریل میں پُورا ہُوا معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہونا تقدیرِ مبرم تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے کہا چلو ان کی بات بھی پُوری ہو جائے اور اپنی بات بھی پُوری ہو جائے یہی واقعہ ہم ریل میں کرا دیتے ہیں۔ اس سے ہماری بات بھی پوری ہو جائے گی اور ان کی دُعا بھی قبُول ہو جائے گی۔ پس یہ واقعہ ہمارے لئے زائد یقین اور ایمان کا موجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری دعاؤں کی وجہ سے اپنی تقدیرِ مبرم کو بدل دیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے وقت میں بھی ایسا ہی ہُوا مثلاً نواب صاحب کا لڑکا عبدالرحیم بیمار ہوگیا۔ اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پتہ لگا کہ وہ اب بچ نہیں سکتا۔ اس پر آپ نے خاص طور پر اس کی صحت کیلئے دُعا شروع فرما دی اور اس دُعا کے نتیجے میں وہ بچ گیا[1]۔ اسی طرح مُبارک احمد کے متعلق بھی آتا ہے کہ جب اُس کی نبضیں چھُٹ گئیں تو آپ نے اُس

---

[1] البدر (قادیان) ۲۹ر اکتوبر - ۸ار نومبر ۱۹۰۳ء ص ۳۲۱

کے لئے دُعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ سانس دے دیا[1]۔ پس ریل کار کا یہ حادثہ خدا تعالیٰ کی تقدیرِ مبرم پر دلالت کرتا ہے۔ اس نے ہماری دُعاؤں اور صدقہ اور قربانی کی وجہ سے ایک ایسی تقدیر کو بدل دیا جس کو عام حالات میں وہ بدلا نہیں کرتا۔

پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے ایمان کو بڑھانے اور اُسے تقویت دینے کے کئی سامان عطا فرمائے ہیں اگر ہم ان کے بعد بھی اپنے فرائض کو ادا نہیں کرتے اور سُستی سے کام لیتے ہیں تو یہ ہماری انتہائی بدقسمتی ہوگی۔ دُنیا تو ابھی اندھیرے میں ہے اور اسے پتہ نہیں کہ خُدا ہے یا نہیں اسے پتہ نہیں کہ خدا تعالیٰ بولتا ہے یا نہیں۔ اسے علم نہیں کہ خدا تعالےٰ سچّا ہے یا نہیں لیکن ہمارے لئے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ پہلے موجود تھا نہ صرف یہ کہ وہ پہلے سُنتا تھا اور بولتا تھا بلکہ وہ ہمیں یہ دکھا رہا ہے کہ میں اب بھی سُنتا ہوں میں اَب بھی بولتا ہوں اور اب بھی اپنے بندوں کی مدد کرتا ہوں"۔

حضور نے خُطبہ کے آخر میں نصیحت فرمائی کہ:۔

"ہم اگر سوچیں اور غور کریں تو ہمیں بھی ہر جگہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ موقع بھی دُعا کا ہے۔ اگر پہلے مواقع سے ہم نے فائدہ نہیں اٹھایا تو اسی موقع سے ہی فائدہ اُٹھالیں کیونکہ جہاں دُعا نشان دکھاتی ہے وہاں نشان کے محسوس کرنے کا رستہ بھی دُعا ہی کھولتی ہے اور ہمارے ایمان کے رستہ میں جو روک ہو اسے بھی دعا ہی دور کرتی ہے۔ پس ہمیں اس مُبارک زمانہ سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ خُدا تعالےٰ نے کھڑکیاں کھول دی ہیں اور اپنے تقرب کے رستہ کو آسان بنا دیا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان ذرائع سے فائدہ اٹھائیں تا ہم جھولیاں بھر کر ان کھڑکیوں سے گذریں اور تا کہ ہم اس کی رحمت اور فضل سے مالا مال ہوجائیں جس سے دوسری دُنیا محروم ہوچکی ہے"۔[2]

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا فاضلانہ خُطبہ اسناد

چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب (وزیرِ خارجہ پاکستان) نے ۲۷ ماہ تبلیغ ۱۳۳۳ہش (فروری ۱۹۵۴ء) کو تعلیم الاسلام کالج لاہور کے جلسۂ اسناد میں ایک فاضلانہ خُطبہ دیا جس میں آپ نے بتایا کہ جو طالب علم

---

[1] حقیقۃ الوحی ص ۳۸۵ طبع اوّل نشان ۱۸۶

[2] روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۸ تبلیغ ۱۳۳۳ہش / فروری ۱۹۵۴ء ص ۳-۴

اسلامی روح کے ساتھ علم کے کسی شعبہ یا کسی شاخ کی تحقیق کر رہا ہو اُس کی نظر وسیع بھی ہوگی اور باریک بھی۔ اور ہر قدم پر اپنے محبوبِ حقیقی کی قدرت نمائی کے جلووں کا مشاہدہ کرے گا۔ آپ کا یہ لطیف مضمون اس طرح قرآنی آیات کیساتھ مرصع تھا جس طرح انگشتری نگینے سے مرصع ہوتی ہے۔

قرونِ اولیٰ کے مُسلمانوں نے مختلف علوم وفنون اور سائنس کے میدان میں جو بے نظیر خدمات انجام دیں اور نئے نئے علوم وحقائق کا انکشاف کیا ان کا آپ نے دلنشیں اور مؤثر پیرایہ میں ذکر کرکے فرمایا:۔

"دمشق اور بغداد قاہرہ اور قیروان، قرطبہ اور اشبیلیہ اور غرناطہ، ہمدان، اصفہان اور شیراز طوس اور نیشاپور، بلخ بخارا اور سمرقند درجہ بدرجہ علوم کے آسمان پر نیّرِ درخشاں بن کے چمکنے لگے اس تمام علمی نور کا اصل منبع اسلام ہی تھا جس نے بنی نوعِ انسان کو مردہ پرستی اور باطل نوازی کی زنجیروں سے آزاد کرکے پھر خالقِ حقیقی سے روشناس کرایا۔ انسانی دماغ کو نئی روشنی بخشی اور اسے نئی اُمنگوں اور نئے عزائم سے معمُور کر دیا۔"

آپ نے خُطبہ کے آخر میں طلبہ کو نصیحت فرمائی کہ

"دُنیا آج دعا کی طاقت سے غافل ہے۔ یہ ہتھیار اور طاقت ہر کسی کو میّسر ہے لیکن اس سے فائدہ وہی اٹھا سکتا ہے جو اس پر ایمان رکھتا ہو اور اسے استعمال کرنا جانتا ہو۔ پس اس نہایت طاقتور ہتھیار کے استعمال کی عادت ڈالو۔" [1]

پاکستان کے رسالہ "قومی زبان" (کراچی) نے اپنی ۱۶؍ مارچ ۱۹۵۴ء کی اشاعت میں اس بصیرت افروز خُطبہ پر حسبِ ذیل تبصرہ شائع کیا:۔

"یونیورسٹیوں میں تقسیم اسناد کے جلسے ہر سال ہوتے ہیں۔ یہ رسم زمانہ دراز سے چلی آرہی ہے۔ ان جلسوں میں خُطبے کے لئے اوّل ایسے اصحاب کو مدعو کیا جاتا تھا جو ذی علم اور اہلِ کمال ہوتے تھے۔ بعد ازاں ایسے لوگوں کا بھی انتخاب ہونے لگا جو کسی وجہ سے نامور یا ذی جاہ یا ملک کے کسی منصب پر فائز ہوتے۔ ان خُطبوں میں ملک کی تعلیمی حالت یا کبھی کبھی علم وفضل اور تحقیق کا ذکر ہوتا۔ اور آخر میں طالب علموں کو مشورے اور پند ونصائح ہوتے۔ یہ حال گذشتہ تیس سال پہلے کا تھا۔ بعد میں جب ملک میں سیاست اور آزادی

---

[1] خُطبہ کا متن رسالہ "المنار" (تعلیم الاسلام کالج لاہور) جون ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا۔

کی ہوا چلی۔ تو یونیورسٹیوں اور کالجوں نے سیاسی لوگوں کو مدعو کرنا شروع کیا۔ کیونکہ اساتذہ اور ان سے زیادہ طلباء نے طلبِ علم اور شوقِ تحقیق کم کر کے عنان توجہ سیاست کی طرف موڑ دی تھی چنانچہ تقسیمِ اسناد کے جلسوں کے خطبوں میں سیاست زیادہ اور علم اور آدم گری کی ترغیب کم ہونے لگی۔ پاکستان جب وجود میں آیا۔ تو یہاں کی یونیورسٹیوں کے خطبے بھی اسی شان اور اسی رنگ کے ہوتے تھے اور ہوتے ہیں۔ جیسے پہلے ہوا کرتے تھے۔ ان خطیبوں میں سے کسی کو کبھی یہ خیال نہ گزرا۔ کہ ہم وہاں نہیں ہیں جہاں پہلے تھے۔ اب ہم پاکستان میں ہیں اور پاکستان کے حصول کیلئے جو بے نظیر قربانیاں کیں۔ وہ کس مقصد کے لئے تھیں؟ پاکستان ملتے ہی یہ سب کچھ بھول گئے۔ ہماری تعلیم، ہماری معاشرت، ہماری سیاست میں کوئی ترقی اور اصلاح نہیں ہوئی۔ تنزّل ہوا ہو تو ہوا ہو۔ ہمارے اکابر، سیاستدان اور لیڈر یہاں تک کہ ہمارے علماء بھی سیدھے رستے سے بھٹک گئے ہیں۔ ہماری تمام صلاحیتیں اب ذاتی اقتدار کے حصول میں مصروف ہیں۔"

" چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا خطبہ پاکستان میں پہلا خطبہ ہے۔ جس کی نسبت ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ خاص طور پر پاکستان کی یونیورسٹیوں اور کالجوں اور پاکستانی طلبہ کے غور و فکر کے لئے ہے اس کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ لکھنے والا سچا مومن ہے۔ اس کے دل میں اسلام کا درد ہے۔ اور قرآن کی تعلیم پر کامل ایمان اور اس پر پورا عبور ہے۔ اس کے ہر لفظ اور فقرے میں اسلامی روح نظر آتی ہے۔ ابتدا میں انہوں نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ "یہ صدی تاریخ انسانی میں ایک نئے اہم اور انقلابی دور کی علمبردار تسلیم کی جائے گی۔ اس صدی کے دوران میں انسانی زندگی کے ہر شعبے پر ایک انقلاب وارد ہو چکا ہے۔ جس نے انسانی طبائع میں ایک ہیجان پیدا کر دیا ہے اور ہر طرف بے اطمینانی کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔ پرانے معیار ناکامی اور غیر تسلّی بخش قرار دیئے جا رہے ہیں۔ اور نئے معیار ان کی جگہ پیش نہیں کئے جا سکتے۔ جو عالمگیر مقبولیت حاصل کر چکے ہوں یا جن کی کامیابی عملی دائرے میں اتنی واضح اور روشن ہو چکی ہو۔ کہ انہیں قبول کئے بغیر حیاتِ انسانی کی تکمیل اور انسانی زندگی کے مقصد کا حصول ناممکن نظر آئے۔"

" اس صورتِ حال پر جناب چودھری صاحب نے ذرا اور وسیع نظر ڈالی ہے اور ترقی یافتہ ممالک میں حیات کے جو نظریے اور منصوبے زیر بحث ہیں۔ ان کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد اسلام کا نظریہ حیات پیش کیا ہے اور اپنے ہر قول کی تائید میں قرآن پاک کی آیات پیش کی ہیں۔ اسی بحث کے دوران میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "علم الادیان کے مطالعہ کی طرف جتنی توجہ بڑھتی جا رہی ہے۔ غیر اسلامی حلقوں میں

اسلامی تعلیم کے تفوّق اور کمال کا اقرار بھی کہیں دبی زبان سے اور کہیں علی الاعلان ہونا شروع ہو گیا ہے۔ یہ کیفیت واضح طور پر دوسری عالمی جنگ کے بعد نمایاں ہونی شروع ہوئی ہے۔ لیکن اس حقیقت کے کھلے طور پر تسلیم کئے جانے اور وسیع پیمانے پر زیرِ عمل لائے جانے کے راستے میں ایک بڑی روک ابھی تک موجود ہے جس کے دور کئے بغیر یہ توقع نہیں کی جا سکتی۔ کہ مختلف اقوام سرعت و مستعدی سے اس راستے پر گامزن ہوں۔ وہ روک یہ ہے۔ کہ علمی طبقہ گو ذہنی طور پر اسلامی تعلیم کی برتری کا قائل ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن اس تعلیم کی ترویج کی تائید پر آمادہ ہونے سے قبل اس کا عملی نمونہ مشاہدہ کرنے کا خواہشمند ہے۔ ہمیں نہایت حسرت واندوہ کے ساتھ یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ انفرادی مثالوں کو چھوڑ کر قومی بلکہ جماعتی پیمانے پر بھی ہم یہ نمونہ ابھی دُنیا کے سامنے پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ علمی طور پر کسی جامع تعلیم کے اصولوں اور اس کی تفاصیل کو سمجھ کر ان کے کمال اور برتری کو تسلیم کر لینا دُنیا کی موجودہ مشکلات کے حل کرنے کے لئے کافی نہیں ...... یہی حال آج اسلامی تعلیم کا ہے۔

اوّل تو خود عامتہ المسلمین اس سے کما حقہٗ آگاہ نہیں ہیں۔ پھر اسے دوسروں کے سامنے مناسب طور پر پیش کرنے کا خاطر خواہ انتظام نہیں۔ باوجود اس کے جس قدر بھی غیر مسلم علمی طبقے کچھ اپنی محنت اور کوشش سے اور کچھ مسلمانوں کی انفرادی اور جماعتی سعی کے اثر سے اس تعلیم سے واقفیت حاصل کرتے جاتے ہیں۔ وہ اس امر کا اعتراف کرنے لگے ہیں۔ کہ یہ تعلیم جامع اور موزوں ہے۔ انسانی مشکلات اور اُلجھنوں کا حل بوجہ احسن مہیا کرتی ہے اور حیاتِ انسانی کے مقصد اور اس کے حصول کے طریقوں کی بے نظیر رہنما ہے لیکن نہیں اسی تعلیم کا عملی نمونہ دیکھنے کی خواہش اور شوق ہے۔ تاکہ وہ یہ فیصلہ کر سکیں کہ آیا موجودہ دَور میں یہ تعلیم قابلِ عمل بھی ہے یا نہیں اور اپنے دعوے کے مطابق حقیقی خوشحالی اور اطمینان اور راحت کا موجب بن سکتی ہے یا نہیں۔" اس کے بعد چودھری صاحب نے کسی قدر تفصیل سے بتایا ہے کہ اسلامی تعلیم سے کیا مُراد ہے؟ اور قرآن کی آیات سے اس کی تشریح کی ہے۔ یہ خطبہ اس قدر مسلسل اور مربوط ہے کہ اس میں سے اِدھر اُدھر کے اقتباسات دینا اس کے حق میں ناانصافی ہوگی۔ اسے شروع سے آخر تک بیک وقت پڑھنا چاہیئے۔ یہ خطبہ اس قابل ہے کہ کثیر تعداد میں چھپوا کر پاکستان کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تقسیم کیا جائے تاکہ طالب علم اور استاد دونوں اسے غور سے پڑھیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔" [1]

---

[1] اخبار "قومی زبان" کراچی مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۵۴ء، بحوالہ الفضل ۱۴ اگست ۱۹۵۴ء ص۵

فصل دوم

سیّدنا حضرت مسیح موعود و مہدیٔ مسعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ۱۸۹۸ء میں ایک رویا دیکھا کہ آپ کے صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدّین محمود احمد صاحبؓ کے کپڑوں پر خون کے دھبّے یا چھینٹے ہیں۔ اُس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی عمر کوئی دس سال ہوگی۔ اِس رویا میں صریح طور پر اس بات کی خبر دی گئی تھی کہ خدا کے اِس پاک اور مُطہّر بندہ پر قاتلانہ حملہ مقدّر ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانیؓ مدیر "الحکم" کا تحریری بیان ہے کہ :۔

"۱۸۹۸ء کے موسم سرما کی بات ہے کہ میں نے حضرت امیر المومنین کے متعلق ایک رویا دیکھی آپ تو اُس وقت بچّے ہی تھے۔ رویا یہ تھی کہ آپ ایک نہایت شاندار شاہانہ لباس پہنے ہوئے ہیں۔ اور آپ کے ساتھ حضرت میر محمد اسحٰقؓ بھی اعلیٰ درجہ کے لباس میں ہیں اُن کے لباس میں ایسا امتیاز تھا کہ وہ گویا سالار ہیں۔ اس کے بعد مجھے ایک کاغذ دکھایا گیا جس پر اُوپر نیچے تک ایک سطر میں یہ الفاظ درج تھے :۔

نظام الملک

پولیٹیکل ایڈوائزر

وہ دن آ گئے۔

اِن الفاظ میں سے آخری "وہ دن آ گئے" کے متعلق میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ اُس الہام کی تشریح ہے جو حضرت اقدس علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا براہین میں درج ہے۔

"The days will come when God will come with His army."

یہ فجر کی نماز کے بعد کا واقعہ ہے اُن دنوں حضرت اقدس اکثر نماز فجر کے بعد تشریف فرما ہوتے۔ کوئی تازہ الہام یا رویا ہوتی تو سُناتے۔ بعض لوگ اپنی خواب سُناتے اور کبھی آپ مناسب وقت پر تقریر فرماتے۔

میں جب یہ رویا سنا چکا تو حضرت اقدس نے معاً (میرے آخری الفاظ ختم ہوتے ہی) بڑے جوش سے فرمایا

دُعا کرو

اور آپ نے لمبی دعا کی اور فرمایا (میں آپ کے بیان کو قریب ترین الفاظ میں بیان کرتا ہوں ممکن ہے کچھ کم و بیش ہو مگر مفہوم بالکل یہی ہے) :-

میں نے بھی محمود کے متعلق بعض خواب دیکھے ہیں اور الہامات بھی ہیں جو اپنے وقت پر پورے ہوں گے۔ میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ اس کا نام مسجد پر لکھا ہؤا ہے اور ایک مرتبہ سُرخی سے اس کا نام لکھا ہؤا دیکھا۔ ایک مرتبہ اس کے کپڑوں پر خون کے دھبے یا چھینٹے دیکھے۔ فرمایا۔ خوابوں کی تعبیر اپنے وقت پر ہوتی ہے جو لوگ بڑے ہوتے ہیں ان کے دشمن بھی بہت ہوتے ہیں اس لئے میں نے دعا کی ہے کہ ہر امر برکات کا موجب ہو۔

یہ کہہ کر آپ تشریف لے گئے۔

مجھے یہ تو یاد نہیں آتا کہ اخبار میں شائع ہؤا یا نہیں مگر میں نے اپنی رویا اپنی نوٹ بک میں درج کی تھی اور حضرت کا ارشاد بھی"۔ [1]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خواب کے بعض پہلو حضرت مصلح موعودؓ پر بھی وقتاً فوقتاً جنابِ الٰہی کی طرف سے کھولے گئے۔ جس کا اظہار حضور کی زبان مبارک سے کئی مواقع پر ہمیں ملتا ہے۔ مثلاً

(۱) حضور نے سالانہ جلسہ ۱۹۱۸ء (منعقدہ مارچ ۱۹۱۹ء) کے دوران فرمایا کہ

"مجھ کو کہتے ہیں کہ عثمان ہے۔ مَیں کہتا ہوں ہاں عثمانؓ ہوں مگر وہ عثمانؓ تو دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہؤا۔ اور مَیں وہ عثمان ہوں کہ میرے مخالف ناکام رہیں گے اور ناکام رہے ہیں"۔ [2]

(۲) ۲۴ و ۲۵ دسمبر ۱۹۳۴ء کی درمیانی شب میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ :-

"لوگ کہتے ہیں کہ جلسہ کے ایام میں مجھ پر حملہ کیا جائے گا اور بعض کہتے ہیں کہ موت انہی دنوں میں ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ ہے جس سے میں یہ بات پُوچھتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ مَیں نے تمہاری عمر کے متعلق لوحِ

---

[1] غیر مطبوعہ مکتوب حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۵۴ء از سکندر آباد دکن بنام پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ (حضرت شیخ صاحب کی مفصل خط و کتابت ضمیمہ میں ہے۔)

[2] الفضل یکم اپریل ۱۹۱۹ء صفحہ ۹ کالم ۱

محفوظ دیکھی ہے ...... جلسہ کی اور بعد کی دو ایک تاریخیں ملا کر اُس نے کہا کہ ان دنوں میں یہ بات یقیناً نہیں ہوگی"۔[1]

(۳) ۷ارجون ۱۹۵۰ء کو حضور کی زبان پر "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي"[2] کی آیت جاری ہوئی جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ کوئی انسان آپ کو قتل کرنے میں کامیاب نہیں ہوگا۔ بلکہ آپ کی وفات طبعی ہوگی۔

(۴) حضرت مصلح موعودؓ اوائل ۱۹۵۴ء میں لاہور میں قیام فرما تھے۔ اس دوران حضور نے ایک مُلاقات میں چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو اپنی عدالتی گواہی کے بعد یہ خواب سنایا کہ کسی شخص نے حضور پر حملہ کر دیا ہے۔ ابتدا میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ غالب آگیا ہے۔ لیکن بالآخر وہ اپنے مقصد میں ناکام رہتا ہے[3] حضور نے فرمایا:۔

"میں نے دیکھا کہ میں انکوائری کمیشن کے ہال میں ہوں ...... اُس وقت مجھ پر پیچھے سے ایک شخص نے حملہ کیا ہے اور میں گر گیا ہوں .... حملہ آور نے یہ دیکھ کر کہ میرے حملہ سے یہ نہیں مرے بھاگ کر کوئی اور ہتھیار لانا چاہا اور مجھے چھوڑ کر پیچھے ہٹا۔ تب میں اُٹھ کر تیزی سے ایک دروازے کی طرف گیا اور اس دروازہ سے باہر آکر دروازہ بند کر کے چند اینٹوں پر جو باہر نکلی ہوئی ہیں میں بیٹھ گیا۔ الخ"[4]

حضرت مصلح موعودؓ کے خلاف پے در پے منصوبے اور انکی ناکامی

مندرجہ بالا الہامات، کشوف اور رویا کا تذکرہ کرنے کے بعد اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ کس طرح ۱۹۲۷ء کے بعد حضرت مصلح موعود پر حملہ کرنے اور آپ کو قتل کرنے کے منصوبے بنائے گئے۔

۱۹۲۷ء کے تلاطم خیز دَور میں جبکہ حضرت مصلح موعودؓ نے کتاب "رنگیلا رسُول" اور رسالہ "ورتمان" کے فتنہ کے خلاف مُسلمانانِ ہند کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ بعض غیر از جماعت معزز مسلمانوں کے خطوط حضور کی خدمت میں پہنچے کہ دشمنانِ اسلام آپ پر حملہ کی تجویزیں کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں بیسیوں اصحاب نے خواب دیکھے جن میں اس خطرے کی نشاندہی کی گئی تھی جس سے تحریک ہوئی کہ حفاظت کا خاص انتظام کیا جانا چاہیئے۔[5] ازاں بعد حضور کو ہر سال صراحتہً قتل کی دھمکیاں بھی

---

[1] الفضل قادیان ۱۷ر جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۸ کالم ۳ [2] الفضل ربوہ ۹ر جولائی ۱۹۵۲ء ص ۵ کالم ۱

[3] روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۶ر امان (مارچ ۱۳۳۳ہش / ۱۹۵۴ء) صفحہ ۳ کالم ۲

[4] مفصل خواب ۲۶ر تبوک ۱۳۳۳ہش / ۱۹۵۴ء ص ۴ میں شائع شدہ ہے۔

[5] "تقریر دلپذیر" (۱۹۲۷ء) صفحہ ۴ مطبوعہ دسمبر ۱۹۲۸ء

دی جانے لگیں اور آپ کو قتل کرنے کے پئے در پے منصوبے بھی ہونے لگے[1]

اِس سلسلہ میں حضور نے ۲۸ر دسمبر ۱۹۴۴ء کی تقریر میں پانچ واقعات بیان فرمائے جو حضور ہی کے الفاظِ مبارک میں درج کئے جاتے ہیں :۔

"پہلا واقعہ:۔ ایک گزشتہ جلسے کا واقعہ ہے۔ مَیں تقریر کر رہا تھا اور تقریر کرتے کرتے میری عادت ہے کہ میں گرم گرم چائے کے ایک دو گھونٹ پی لیا کرتا ہوں تاکہ گلا درست رہے کہ اسی دوران میں جلسہ گاہ میں سے کسی شخص نے ملائی کی ایک پیالی دی اور کہا کہ یہ جلدی حضرت صاحب تک پہنچا دیں کیونکہ حضور کو ضعف ہو رہا ہے۔ چنانچہ ایک نے دوسرے کو اور دوسرے نے تیسرے کو اور تیسرے نے چوتھے کو وہ پیالی ہاتھوں ہاتھ پہنچانی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے وہ سٹیج پر پہنچ گئی۔ سٹیج پر اتفاقاً کسی شخص کو خیال آگیا اور اس نے احتیاط کے طور پر ذرا سی ملائی چکھی تو اُسکی زبان کٹ گئی۔ تب معلوم ہوا کہ اس میں زہر ملی ہوئی ہے۔ اب اگر وہ ملائی مجھ تک پہنچ جاتی اور میں خدانخواستہ اُسے چکھ لیتا تو اور کچھ اثر ہوتا یا نہ ہوتا، اتنا تو ضرور ہوتا کہ تقریر رُک جاتی۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ قادیان میں ایک دفعہ ایک دیسی عیسائی آیا۔ جس کا نام جے۔ میتھیوز تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ وہ مجھے قتل کر دے۔ یہاں سے جب وہ ناکام واپس لوٹا تو اس کا اپنی بیوی سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور اُس نے اُسے قتل کر دیا۔ اس پر عدالت میں مقدمہ چلا۔ اور اس نے سیشن کورٹ میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ میرا ارادہ اپنی بیوی کو ہلاک کرنے کا نہیں تھا۔ بلکہ مَیں مرزا صاحب کو ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ مَیں نے ایک جگہ کسی مولوی کی تقریر سُنی۔ جس نے ذکر کیا کہ قادیان کے مرزا صاحب بہت بُرے آدمی ہیں۔ اور اُن میں یہ یہ برائیاں ہیں۔ مَیں نے اُس کی تقریر کے بعد فیصلہ کیا کہ میں قادیان جاکر مرزا صاحب کو مار ڈالوں گا۔ چنانچہ میں پستول لے کر قادیان گیا۔ اتفاقاً اس روز جُمعہ تھا۔ جُمعہ کے خطبہ میں چونکہ بہت لوگ اکٹھے تھے۔ اس لئے مجھے ان پر حملہ کرنے کی جُرأت نہ ہوئی۔ دوسرے دن میں نے سُنا کہ وہ پھیرو چیچی چلے گئے ہیں۔ مَیں پستول لیکر اُن کے پیچھے پیچھے پھیرو چیچی گیا اور مَیں نے سمجھا کہ وہاں آسانی سے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکوں گا۔ مگر وہاں

---

[1] الفضل ۱۷ر جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۸ کالم ۱

بھی مَیں نے دیکھا کہ ان کے دروازہ پر ہر وقت پہرہ دار بیٹھے رہتے ہیں۔ اس لئے مَیں واپس آگیا۔ گھر آکر میرا اپنی بیوی سے کسی بات پر جھگڑا ہوگیا۔ اور مَیں نے اُسے مار ڈالا۔ یہ سارا واقعہ اُس نے عدالت میں خود بیان کیا۔ حالانکہ ہمیں کچھ علم نہیں تھا کہ کوئی شخص کس نیّت اور ارادہ کے ساتھ ہمارے پاس آیا ہے۔ لیکن ہر موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے حفاظت کی اور اُسے حملہ کرنے میں ناکام رکھا۔

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ احرار کی شورش کے ایّام میں مَیں ایک دن اپنی کوٹھی دارالحمد میں تھا کہ ایک افغان لڑکا آیا اور اس نے کہلا بھیجا کہ مَیں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ میرے چھوٹے بچے اندر آئے اور انہوں نے بتایا کہ ایک لڑکا باہر کھڑا ہے اور وہ ملنا چاہتا ہے۔ مَیں باہر نکلنے ہی والا تھا کہ مَیں نے شور کی آواز سُنی۔ میں حیران ہُوا کہ یہ شور کیسا ہے۔ چنانچہ مَیں نے دریافت کرایا تو مجھے اطلاع دی گئی کہ یہ لڑکا قتل کے ارادہ سے آیا تھا مگر عبدالاحد صاحب نے اُسے پکڑ لیا۔ اور اس سے ایک چھُرا بھی انہوں نے برآمد کرلیا ہے۔ میں نے عبدالاحد صاحب سے پوچھا کہ تمہیں کس طرح پتہ لگ گیا کہ یہ قتل کے ارادہ سے آیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ یہ لڑکا پٹھان تھا اور ہم پٹھانوں کی عادات کو اچھی طرح جانتے ہیں جب یہ باتیں کررہا تھا تو باتیں کرتے کرتے اس نے اپنی ٹانگوں کو اس طرح ہلایا کہ مَیں فوراً سمجھ گیا کہ اُس نے چھُرا چھپایا ہُوا ہے۔ چنانچہ مَیں نے ہاتھ ڈالا تو چھُرا نکل آیا۔ پولیس نے اس پر مقدمہ بھی چلایا تھا اور غالباً اُس نے اقرار کیا تھا کہ میں قتل کی نیّت سے ہی قادیان آیا تھا۔

(اس موقعہ پر حضور نے فرمایا کہ میجر سید حبیب اللہ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ وہ اس جیلخانہ میں قید تھا جہاں میں افسر لگا ہُوا تھا۔ اور وہ کہتا تھا کہ میں پہلے دھرم سالہ تک اُن کو قتل کرنے کے لئے گیا تھا مگر مجھے کامیابی نہ ہوئی۔ آخر میں قادیان گیا اور پکڑا گیا)

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ اُمِّ طاہر کے مکان کی دیوار پھاند کر ایک شخص اندر کُودنا چاہتا تھا کہ لوگوں نے اُسے پکڑ لیا۔ پولیس والے چونکہ ہمارے خلاف تھے اس لئے انہوں نے یہ کہہ کر اُسے چھوڑ دیا کہ یہ پاگل ہے۔

پانچواں واقعہ بالکل تازہ ہے جو کل ہی ہُوا ہے۔ کل ہمارے گھر میں دودھ رکھا ہُوا تھا کہ میری بیوی کو شُبہ پیدا ہُوا کہ کسی نے دُودھ میں کچھ ڈال دیا ہے۔ چنانچہ اس شبہ کی وجہ سے انہوں نے کہہ دیا کہ اس دودھ کو استعمال نہ کیا جائے۔ ایک دوسری عورت جسے اس کا علم نہیں تھا یا اُس نے خیال کیا

کہ یہ محض وہم ہے اُس نے وہ دُودھ پی لیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے اب تک متواتر قیئیں آرہی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شبہ کیا گیا تھا وہ درست تھا۔

لیکن باوجود اس کے کہ لوگوں نے مجھے ہلاک کرنے کی کئی کوششیں کیں اور ہر رنگ میں انہوں نے زور لگایا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ تھا کہ خدا کا سایہ میرے سر پہ ہوگا۔ اس لئے وہ ہمیشہ میری حفاظت کرتا رہا۔ اور اُس وقت تک کرتا رہے گا جب تک وہ کام جو میرے سپرد کیا گیا ہے اپنی تکمیل کو نہ پہنچ جائے[۱]۔

قاتلانہ حملہ اور خارق عادت رنگ میں خُدائی حفاظت

یہ سب واقعات ۱۹۴۷ء سے قبل کے ہیں اور متحدہ ہندوستان کے دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ قیام پاکستان کے ابتدائی چار سال میں اس قسم کا کوئی قابلِ ذکر واقعہ رونما نہیں ہوا۔ مگر خدا کے ازلی علم میں اس کا یہ نشان بھی مخفی تھا کہ کوئی سازشی ہاتھ حضرت مصلح موعودؓ کو شہید کرنے کے لئے بھرپور وار کرے لیکن خُدا کے فرشتے معجزانہ طور پر آپ کو بچالیں۔ خُدا کی یہ تقدیر ۱۰ مارچ ۱۹۵۴ء کو پوری ہوئی جبکہ عبدالحمید[۲] نامی ایک شخص نے حضور پر قاتلانہ حملہ کیا مگر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل، اپنی قدرت اور اپنی صفتِ اِحیا کا غیر معمولی نظّارہ دکھایا اور اس بندۂ درگاہ عالی کو خارق عادت رنگ میں بچالیا۔

اِس دردناک سانحہ کی تفصیل حضرت مولوی ابوالعطا صاحب جالندھریؓ "مدیر الفرقان" کے الفاظ میں یہ ہے:۔

"مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۵۴ء بروز بدھ قریباً پونے چار بجے مسجد مبارک ربوہ میں نماز عصر پڑھا کر ہمارے امام ہمام حضرت امیر المومنین مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ بنصرہ واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ محراب کے دروازہ پر اچانک ایک اجنبی نوجوان نے پیچھے سے جھپٹ کر آپ پر چاقو سے حملہ کر دیا۔

---

[۱] "الموعود" تقریر حضرت مصلح موعودؓ جلسہ سالانہ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۷۸-۱۸۲

[۲] عبدالحمید ولد منصب دار قوم جٹ چک ۲۲۱ ج ب والا تھانہ صدر لائلپور (فیصل آباد) سابقہ وطن موضع جمال پور تھانہ کرتارپور تحصیل و ضلع جالندھر۔ یہ شخص دو روز قبل ربوہ میں آیا تھا۔ یہاں پہنچ کر اُس نے پہلے تو حضور سے مُلاقات کرنے کی کوشش کی لیکن جب اس میں وہ ناکام رہا تو اُس نے احمدی ہونے کا خیال ظاہر کیا بلکہ بیعت فارم بھی پُر کر دیا۔ ازاں بعد وہ اپنے دلی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مسجد مبارک میں جا پہنچا۔

("المصلح" ۱۹ امان ۱۳۳۳ ہش / ۱۹ مارچ ۱۹۵۴ء)

حملہ کے بعد حضرت مصلح موعودؓ کا ایک نایاب فوٹو

حملہ کے بعد سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی ایک نایاب فوٹو
حضور قصر خلافت کے بالائی کمرہ میں آرام فرما رہے ہیں۔
سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی ہے

چاقو کا یہ وار حضور ایدہ اللہ بنصرہ کی گردن پر شہ رگ کے قریب دائیں طرف پڑا جس سے گہرا گھاؤ پڑ گیا حملہ آور نے دوسرا وار بھی کیا مگر محمد اقبال صاحب محافظ کے درمیان میں آجانے کے باعث اس مرتبہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ کی بجائے چاقو اُسے جا لگا اور وہ زخمی ہو گیا۔ نمازیوں نے حملہ آور کو پکڑنے کی کوشش کی اور کافی جدوجہد کے بعد اُسے قابو میں لایا گیا اور اس کوشش میں بعض دوسرے بھی زخمی ہوئے[1]......

حضرت امام جماعت احمدیہ زخم لگنے کے فوراً بعد بہتے خون کے ساتھ چند احباب کے سہارے سے اپنے مکان میں تشریف لے گئے۔ خون کو ہاتھ سے روکنے کی پوری کوشش کے باوجود تمام راستہ میں اور سیڑھیوں پر خون مسلسل بہتا گیا، جس سے حضور کے تمام کپڑے[2]، کوٹ، مفلر، سویٹر، قمیض، دو بنیانیں اور شلوار خون سے تربہ تر ہو گئے۔ حضور کے ساتھ چلنے والے بعض خدام کے کپڑوں پر بھی مظلوم امام کے مقدس خون کے قطرات گرے (خاکسار ابوالعطا کے کوٹ، پاجامہ اور پگڑی پر بھی اس پاک خون کے قطرات پڑے ہیں) مکان پر پہنچ کر ابتدائی مرہم پٹی جناب ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب ایم بی بی ایس اور جناب ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے کی۔ اور زخم کو صاف کر کے اور ٹانکے لگا کر سی دیا۔ ابتداء میں یہ خیال تھا کہ زخم پون اِنچ گہرا اور تین اِنچ چوڑا ہے لیکن جب رات کو لاہور سے مشہور سرجن جناب ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب تشریف لائے اور انہوں نے زخم کی حالت دیکھ کر ضروری سمجھا کہ ٹانکے کھول کر پوری طرح معائنہ کیا جائے تو معلوم ہوا کہ زخم بہت زیادہ خطرناک اور سوا دو اِنچ گہرا اور شاہ رگ کے بالکل قریب تک پہنچا ہوا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنی خداداد مہارت سے کام لیکر تقریباً سوا گھنٹہ لگا کر زخم کا آپریشن کیا اور اندر کی شریانوں کا منہ بند کر کے باہر ٹانکے لگا دیئے[3]...... اس تمام عرصہ میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ

---

[1] مثلاً عبدالعزیز جمن بخش صاحب (مجاہد سرینام، ڈچ گیانا) جن کا دایاں انگوٹھا چاقو سے مجروح ہوا اور مستقل طور پر زخم کا ایک نشان چھوڑ گیا۔ آپ اپنی زندگی میں ہمیشہ یہ نشان دکھایا کرتے اور اپنی اس خوش نصیبی پر فخر کرتے تھے کہ خلیفہ موعود مصلح موعود کی حفاظت میں یہ زخم آیا؛
ہے ع وفی سبیل الله مالقیت

[2] صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب فرماتے ہیں "یہ کپڑے صاحبزادہ مرزا رفیق احمد کے پاس ہیں" اور سید قمر سلیمان احمد صاحب خلف الرشید سید داؤد احمد صاحب مرحوم تحریر کرتے ہیں کہ "جب سیدنا المصلح الموعودؓ پر مسجد مبارک میں حملہ ہوا تو ابا جان وہیں تھے۔ حضور کا مبارک خون ابا جان کی قمیص پر بھی لگ گیا تھا۔ اور ابا جان نے حضور کی خون آلود قمیص اور اپنی یہ قمیص محفوظ کر لی تھیں"۔

("سیرتِ داؤد" ناشر جامعہ احمدیہ ربوہ صفحہ ۱۶۷۔۱۶۸)

[3] جناب صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب چیف میڈیکل آفیسر فضل عمر ہسپتال ربوہ کا بیان ہے کہ "جس وقت حضرت مصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا خاکسار گھر سے باہر نکل رہا تھا کہ قریشی نذیر احمد صاحب ڈرائیور حضور گھبرائے

(باقی اگلے صفحہ پر)

باہوش تھے اور آپ کی زبان پر تسبیح و تحمید جاری تھی۔ آپ نے حملہ ہونے کے فوراً بعد مسجد سے نکلتے ہی ہدایت فرمائی کہ حملہ آور کو صرف قابو کیا جائے لیکن اُسے مارا نہ جائے۔ یہ حملہ ناگہانی اور اچانک تھا اور جونہی نمازیوں کو اس کا پتہ لگا ان میں سے چند دوست لپک کر حضور کے پاس پہنچے اور کچھ احباب نے حملہ آور کو گرفتار کرنیکی سعی کی۔ اس افراتفری اور انتہائی غم و غصّہ کی حالت کے باوجود یہ صرف جماعتِ احمدیہ کی اخلاقی قوّت اور اپنے امام ہمام ایدہ اللہ بنصرہٖ کے ارشادات کی تعمیل کے جذبہ کا ہی نتیجہ تھا کہ حملہ آور محفوظ حالت میں فوراً حوالۂ پولیس کر دیا گیا۔" [1]

مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری حضرت مصلح موعودؓ کا بیان ہے کہ

"۱۰ مارچ ۱۹۵۴ء کو جب مسجد مبارک میں حضرت مصلح موعودؓ پر چاقو سے حملہ کیا گیا۔ خاکسار بھی اس وقت مسجد میں تھا۔ اور حضور کے سلام پھیرنے کے بعد محراب کے شمالی دروازہ سے باہر نکلا۔ اچانک محراب کے باہر کے دروازہ سے حضور کو جھکا ہوا دیکھا کہ حضور گرنے کے قریب ہیں خاکسار محراب کے غربی جانب کے چبوترہ کی طرف آیا اور حضور کو سہارا دیا۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ نماز کے بعد اچانک حضور پر حملہ ہوا ہے جس کا نتیجہ میں دیکھ رہا ہوں اتنے میں دیکھا کہ مکرم مولوی ابوالعطاء صاحب حضور کے قریب گئے ہیں معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ محراب کے سیدھے غربی جانب اندر سے ہی آئے ہیں یا باہر سے آئے۔ چنانچہ انہوں نے حضور کو دائیں جانب سے سہارا دیا اور حضور کی بغلوں کے نیچے بازو دیکر سہارا دیا تاکہ

(بقیہ حاشیہ ص۲۳۱) ہوئے کار لیکر آئے کہ فوراً چلو حضور پر کسی نے قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ خاکسار اُسی وقت قصرِ خلافت پہنچا حضرت مصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گردن کے دائیں طرف تقریباً تین اِنچ لمبا اور بہت گہرا زخم تھا۔ خاکسار نے اُسی وقت ہسپتال سے ضروری سامان منگوایا اور حضور ایدہ اللہ کے زخم کو عارضی ٹانکے لگائے تاکہ خون زیادہ نہ بہے (خون پہلے بہت زیادہ نکل چکا تھا) اس کے بعد خاکسار نے فوری ارجنٹ ٹیلیفون پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کو کیا کہ وہ کسی اچھے سرجن کو لیکر فوری آ جائیں چنانچہ اغلباً رات دس اور بارہ بجے کے درمیان پروفیسر مسعود احمد صاحب اپنے ساتھ ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب سرجن کو لیکر آئے، انہوں نے اور ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے مل کر عارضی ٹانکے نکالے زخم کا اچھی طرح معائنہ کیا اور پھر پختہ ٹانکے لگائے حضور رضی اللہ عنہ کو درد اور بے چینی کی بہت تکلیف تھی جس کیلئے مناسب ادویہ دی گئیں۔"

[1] ماہنامہ "الفرقان" ربوہ بابت فروری و مارچ ۱۹۵۴ء صفحہ ۶و ب

حضور چل سکیں۔ میں نے بائیں جانب سے حضور کو سہارا دیا اس طرح سے حضور کو سہارا دیتے ہوئے ہم دونوں حضور کو قصرِ خلافت کے اندر لے گئے اور حضور کے کمرہ میں جا کر حضور کو بستر پر لٹایا۔ اسی عرصہ میں حضور کے زخم سے چند قطرے حضور کے خون کے چلتے ہوئے میری شلوار پر بھی گرے جس کا اپنے گھر پہنچنے پر میری اہلیہ کے توجہ دلانے پر مجھے علم ہوا۔ میں نے کہا کہ میرے جسم سے تو کوئی خون نہیں نکلا۔ یہ خون کے قطرے حضور کے ہی ہیں جو ساتھ چلتے ہوئے میری شلوار پر گرے ہیں۔ چنانچہ اس وجہ سے میری اس شلوار کو تبرک کے طور پر میری اہلیہ نے محفوظ رکھ لیا اور دھویا نہیں جواب تک میرے پاس موجود ہے۔

پھر اُسی وقت حضور نے میرے ذریعہ یہ پیغام مسجد مبارک میں جمع شدہ احباب کے نام دیا کہ قاتل کو جان سے نہ مارا جائے تاکہ جو تحقیقات اس کے ذریعے ہو سکتی ہو۔ اس کا موقعہ ہاتھ سے نہ نکلے چنانچہ خاکسار نے جو اُن دنوں دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں تھا۔ یہ تعمیلِ ارشاد بھی کی۔"

پولیس کو حادثہ کی اطلاع

چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب بی۔ ٹی ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول نے جو اس حادثہ کے عینی شاہد تھے انچارج صاحب تھانہ لالیاں کو اس حادثہ کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا:۔

"بخدمت افسر انچارج صاحب تھانہ لالیاں۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج مسجد مبارک ربوہ میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ نماز پڑھانے کے بعد جب محراب کے مغربی دروازہ سے نکلنے لگے تو ایک نوجوان لڑکے نے جس نے صف اوّل میں حضور کے پیچھے ہی نماز پڑھی تھی آگے بڑھ کر یا علی کہتے ہوئے حضور پر چاقو سے حملہ کر دیا۔ چاقو حضرت صاحب کی گردن میں دائیں جانب لگا اور حضور زخمی ہو کر گرے۔ اقبال احمد پہرہ دار نے حضرت صاحب کو سنبھالا اور نوجوان کو پکڑنا چاہا تو مذکور نے پھر دوسرا وار حضرت صاحب پر کیا۔ لیکن یہ وار اقبال احمد کے بائیں کان پر لگا۔ اقبال احمد زخمی ہو گیا۔ اس پر میں نے آگے بڑھ کر حملہ آور نوجوان کو پیچھے سے پکڑ لیا۔ حملہ آور اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کشمکش میں میرے ناک کی بائیں جانب آنکھ کے نیچے رخسار پر چاقو کی نوک سے خراشیں آئیں۔ مولوی نور الحق[1]۔ عبد الحکیم جامعہ مبشرین۔ ماسٹر فقیر اللہ۔ قاضی عبد السلام ملک ولایت خان و دیگر مردمان جو نماز پڑھ چکے تھے، نے حملہ آور کو پکڑ لیا۔ اور چاقو بھی چھین لیا حضرت

[1] ابو المنیر نور الحق صاحب

صاحب کو سہارا دیکر قصرِ خلافت میں لے گئے۔ حملہ آور نوجوان یہاں مسجد میں موجود ہے۔ جس نے چُپ سادھ رکھّی ہے۔ اور کوئی پتہ نہیں بتاتا۔ آپ موقع پر پہنچکر فوراً کارروائی فرمائیں۔

خاکسار غلام مرتضیٰ تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ ضلع جھنگ

۱۰-۳-۵۴ بوقت ۴½ بجے شام "

اس اطلاع پر پولیس مسجدِ مبارک میں پہنچ گئی اور حملہ آور کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

حضرت مُصلح موعودؓ کا ایمان افروز پیغام

جماعتِ احمدیہ کے اولوالعزم امام حضرت مصلح موعودؓ نے قاتلانہ حملہ کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ۱۰ مارچ کی رات کو جماعتِ احمدیہ کے نام اپنے قلم مُبارک سے حسب ذیل برقی پیغام بزبان انگریزی تحریر فرمایا جو اخبار "المصلح" کراچی کی ۱۲ مارچ ۱۹۵۴ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔

'Almuslih Karachi'

"Brethren you have heard about the attack made upon me by an ignorant enemy. May God open these peoples' eyes and make them understand their duty towards Islam and Holy Prophet. My brethren pray to God that if my hour has come Allah may give my soul peace and bestow His blessings. Also pray that God through His bounty may give you a leader better suited to the job than I was. I have loved you always better than my wives and children and was always ready to sacrifice every one near and dear to me to the cause of Islam and Ahmadiyyt. I expect from you and your coming generations also to be so for all times God be with you.

Wassalam

Mirza Mahmud Ahmad

every one near & dear to me to the cause

of Islam & Ahmadiyyat

stop I expect from you

& your coming generations

also to be so for all ~~[illegible]~~ times

God be with you

Wassalam

Mirza Mahmud

Ahmad

10/5/59 . . . . .

~~He~~ Allah may give my soul peace
& ~~His~~ bestow His blessings
stop also pray that
God through His bounty
may gives you a leader better
suited to the job than I
was stop I have loved
you always & better than
my wives & children & was
always ready to sacrifice

حضرت مصلح موعودؓ کا حملے کے بعد رقم فرمودہ انگریزی پیغام

Alommalik Karachi

Brotheren you have heard about the attack made upon me by an ignorant enemy stop May God open these peoples eyes & make them understand their duty towards Islam & holy prophet stop My Bbrotheren pray to God that if my hour has come

ترجمہ:۔

"المصلح کراچی۔

برادران! آپ سن چکے ہوں گے کہ مجھ پر ایک نادان دشمن نے حملہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی آنکھیں کھولے اور اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اُن پر جو فرض عائد ہوتا ہے اُسے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

برادران! اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ اگر میرا وقت آن پہنچا ہے تو وہ میری رُوح کو تسکین عطا کرے اور اپنی رحمتیں نازل فرمائے نیز یہ بھی دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آپ لوگوں کو ایسا لیڈر عطا فرمائے جو اس کام کے لئے مجھ سے زیادہ موزوں ہو۔

میں ہمیشہ آپ سے اپنی بیویوں اور بچّوں سے زیادہ محبّت کرتا رہا ہوں اور اسلام اور احمدیّت کی خاطر اپنے ہر قریبی اور ہر عزیز کو قربان کرنے کیلئے ہمیشہ تیار رہا ہوں۔ میں آپ سے اور آپ کی آنیوالی نسلوں سے بھی یہی توقع رکھتا ہوں کہ آپ بھی ہمیشہ اسی طرح عمل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ والسلام

مرزا محمُود احمد"

امامِ مظلوم پر حملہ کی اطلاع بجلی کی طرح پُورے ربوہ میں پھیل گئی۔ ایک حشر تھا جو بپا ہو گیا ایک قیامت تھی جو ٹوٹ پڑی۔ سینکڑوں احباب دیکھتے ہی دیکھتے احاطہ مسجد مبارک میں جمع ہو گئے۔ ہر آنکھ گریاں اور ہر دل بریاں تھا۔ اور سبھی حضور کی حالت معلوم کرنے کے لئے ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ جب اُس روز مغرب کی نماز باجماعت پڑھی گئی تو ہر مسجد گریہ و بُکا اور خشوع و خضوع کا دردناک منظر پیش

لے روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۲ مارچ ۱۹۵۴ء ص ۲۔

کر رہی تھی۔ یہ رات جس درد و کرب اور منتضرّعانہ دُعاؤں کے ساتھ گزری اُس کا صحیح نقشہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مندرجہ ذیل شعر سے ہی کھینچا جا سکتا ہے ؎

اندریں وقتِ مصیبت چارۂ ما بیکساں
جُز دعائے بامداد و گریۂ اسحار نیست

یعنی اس مصیبت کے وقت ہم غریبوں کا علاج سوائے صبح کی دُعا اور سحری رونے کے اور کچھ نہیں [1]

ربوہ سے باہر پاکستان اور بیرونی دُنیا تک اِس ناپاک اور بُزدلانہ حملہ کی خبر پاکستان ریڈیو، بی بی سی لنڈن اور بعض دیگر ممالک کے ریڈیو نے آناً فاناً پہنچا دی جس نے دُنیا بھر کے احمدیوں میں زبردست تشویش و اضطراب کی لہر دوڑا دی۔ جماعتوں میں صدقات اور قُربانیوں کا وسیع سلسلہ جاری ہوگیا اور ہر مُلک کے احمدی نہایت زخم رسیدہ دل کے ساتھ اپنے پیارے امام کی سلامتی اور درازیٔ عمر کے لئے انفرادی اور اجتماعی دُعاؤں میں مصروف ہوگئے۔

اِس موقع پر دُنیائے احمدیّت نے سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی ذاتِ بابرکات سے جس بے نظیر اور والہانہ عقیدت و محبّت کا نمونہ دکھایا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے گوشہ گوشہ سے ٹیلیفون اور تاروں کا تانتا بندھ گیا۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد جوابی تاروں کی تھی جن میں فوری جواب مانگا گیا تھا۔ اور یہ سلسلہ کئی دنوں تک برابر جاری رہا۔ مختلف ممالک سے ارباب کو جو تار موصول ہوئے اُن میں سے چند ایک کا ذکر کرنا مناسب ہوگا:۔

انڈونیشیا:۔ جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا نے اپنے اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے حضور کی صحت کے متعلق دریافت کیا۔

مشرقی پاکستان:۔ جماعتِ احمدیہ بوگرہ نے حضور کی درازیٔ عمر کی دُعا کرتے ہوئے تار دیا۔

جرمنی:۔ چوہدری عبداللطیف صاحب مبلغ جرمنی نے ہمبرگ سے اپنے اضطراب کا اظہار کیا اور حضور کی صحت دریافت کی۔

برما:۔ خواجہ بشیر احمد صاحب نے جماعتِ احمدیہ رنگون کی طرف سے حضور کی صحت کے متعلق دریافت کیا اور لکھا کہ ہم حضور کی صحت کاملہ عاجلہ اور درازیٔ عمر کے لئے دُعائیں کر رہے ہیں۔

سنگاپور:۔ سائق فاروق صاحب نے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ ہم حضور کی جلد شفایابی اور

---

[1] "الفرقان" ربوہ فروری۔ مارچ ۱۹۵۷ء ص ب

لمبی عمر کے لئے دُعائیں کرتے ہیں۔

سیلون۔لنکا:۔ پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ کولمبو نے لکھا کہ ہمیں اس خبر سے سخت صدمہ پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور پر فضل و رحم فرمائے اور صحت کے ساتھ لمبی عمر بخشے۔ نیز درخواست کی کہ حضور کی صحت کے متعلق روزانہ اطلاع دی جایا کرے۔

کینیا کالونی:۔ نیروبی سے مولانا شیخ مبارک احمد صاحب رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ نے تار دیا کہ مشرقی افریقہ کے تمام احمدی اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر بجا لاتے ہیں کہ اُس نے حضور کی حفاظت فرمائی۔ احباب جماعت اجتماعی دُعائیں کر رہے ہیں، صدقات دے رہے ہیں۔ اور حضور کی درازیٔ عمر کے لئے دُعا گو ہیں اس طرح نیروبی سے میر سید احمد صاحب نے بھی اپنے اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے حضور کی صحت کی اطلاع بذریعہ تار مانگی۔

یوگنڈا:۔ کلنڈنی سے جناب صالح محمد صاحب نے اس ظالمانہ فعل پر اظہار نفرت کرتے ہوئے لکھا کہ حضور کی درازیٔ عمر اور صحتِ عاجلہ کے لئے دعائیں جاری ہیں نیز بذریعہ تار حضور کی صحت اور خیریت کے متعلق خیر دریافت کی۔ کمپالا سے ڈاکٹر لعل دین صاحب نے تار دیا کہ یوگنڈا کے احمدی سخت مضطرب ہیں اور دعاؤں میں لگے ہوئے ہیں۔ حضور کی صحت کے متعلق بذریعہ تار اطلاع دی جائے۔

امریکہ:۔ واشنگٹن سے چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر نے لکھا کہ امریکہ کی احمدی جماعتوں کو دلی صدمہ پہنچا ہے۔ ہم دعاؤں میں مشغول ہیں اللہ تعالیٰ حضور کو جلد صحت عطا فرمائے اور حضور کا حافظ و ناصر ہو۔ واشنگٹن ہی سے امۃ الحفیظ صاحبہ اور نفیس حبیبہ صاحبہ کے تار بھی اس سلسلہ میں موصول ہوئے۔ نیویارک کے احمدیوں نے اپنے تار میں لکھا کہ حضور کی ذاتِ گرامی پر بزدلانہ حملہ سے سخت صدمہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ حضور کا حافظ و ناصر ہو۔

۱۱؍مارچ کے بعد بھی دُنیا کے بہت سے ممالک سے بے شمار تار آئے۔ بالخصوص ہندوستان جس کے ہر صُوبہ سے تار موصول ہوئے۔ چنانچہ قادیان، ریاست حیدر آباد دکن، ریاست مالیر کوٹلہ، صُوبہ بمبئی، صُوبہ یوپی، صُوبہ مغربی بنگال، مالابار، ریاست جے پور، صوبہ بہار وغیرہ مقامات سے بہت سے تار مرکز میں پہنچے اور محکمہ تار کے عملہ پر کام کا اس قدر دباؤ پڑ گیا کہ مسلسل چوبیس گھنٹے مصروف کار رہنا پڑا۔[1]

بیرونی ممالک کی مخلص جماعتوں نے صرف تار ہی نہیں دیئے بلکہ پاکستان کی مُسلم لیگی حکومت سے بھی پُر زور مطالبہ

---

[1] "المصلح" کراچی ۲۳؍مارچ ۱۹۵۴ء/۲۳؍امان ۱۳۳۳ہش صا و ۸

کیاکہ اس شرمناک اور گھناؤنے فعل کی، غیر جانبدارانہ تحقیقات کی جائے جس نے دنیا کے لاکھوں احمدیوں کے جذبات بری طرح مجروح کر دیئے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ حملہ یقیناً کسی گہری سازش[1] کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ جرمنی کے احمدیوں نے پاکستان کے گورنر جنرل ملک غلام محمد صاحب، وزیر اعظم پاکستان محمد علی صاحب بوگرہ، گورنر پنجاب میاں امین الدین صاحب اور وزیر اعلیٰ پنجاب ملک فیروز خان نون کے نام حسب ذیل مکتوب لکھا:۔

Your Excellency,

we the Ahmadi Muslims living in Germany heard the heart rending news of an attack made on our most beloved Imam and leader Hazrat Amirul Momineen on the 10th of March. This sad news came to us as a great shock and filled us with feelings of great sorrow and reseutment. We consider the benign personality of Hazrat Amirul-Momineen as a living sign of God. His strenuous efforts in connection with the service and propagation of Islam have won appreciation everywhere.

We are much grateful to the Ahmadiyya Community to whom we have the honour to belong and particularly to our beloved Leader Hazrat Amirul Momineen as they acquainted us with the teachings of Islam.

---

[1] اُن دنوں ایڈیٹر صاحب "المصلح" (کراچی) کے نام جو مراسلے اور برقی پیغام موصول ہوئے اُن سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی تھی اور اس ضمن میں بعض واضح قرائن بھی سامنے آئے۔ (المصلح ۱۷-۲۳ امان ۱۳۳۳ ہش)

It is quite evident from the details of the attack that it is not an act of a single human being. There seems to be a great conspiracy behind this act. We therefore request you that a complete inquiry may be a arranged to go into the depth of this conspiracy We also assert with great emphasis that the Government should not fail in its duty to stop these atrocities being committed against the Ahmadiyya Community.

We Beg to Remain,

Sir,

Ahmadi Muslims in Germany

؎

۵ راپریل ۱۹۵۴ء

محترم عزّت مآب!

ہم جرمنی میں رہنے والے احمدی مسلمانوں نے اپنے نہایت ہی پیارے امام اور پیشوا حضرت امیر المؤمنین پر ۱۰ مارچ کو ہونے والے حملہ کی خبر سُنی جس نے ہمارے دل پارہ پارہ کر دیئے۔

اِس اندوہناک خبر سے ہمیں سخت صدمہ ہُوا۔ ہم حضرت امیر المؤمنین کے شفیق وجود کو اللہ تعالےٰ کا ایک زندہ نشان یقین کرتے ہیں۔

خدمت و اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں جو اَنتھک مَساعی آپ نے سرانجام دی ہیں انہوں نے ہر جگہ خراجِ تحسین حاصل کیا ہے۔

ہمیں جماعت احمدیہ کے ممبر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ہم اس جماعت اور اس کے محبوب رہنما کے ممنون و شکر گزار ہیں جنہوں نے ہمیں اسلام کی تعلیمات سے آگاہ فرمایا۔

حملہ کی تفصیلات سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ یہ کام کسی اکیلے آدمی کا نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے ایک منظّم سازش کارفرما نظر آتی ہے۔ اِس لئے ہم آپ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس سازش کی تہہ تک پہنچنے کے لئے مکمّل تحقیقات

؎ رسالہ "ریویو آف ریلیجز" انگریزی (ربوہ) مئی ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۳-۲۴

کا انتظام فرمایا جاوے۔ نیز ہم اس بات کی بھی توقع رکھتے ہیں کہ جو مظالم اس وقت جماعت احمدیہ پر رَوا رکھے جا رہے ہیں حکومت اُن کا مکمل تدارک کرنے کے سلسلہ میں اپنے فرائض کی بجا آوری میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرے گی۔

ہم ہیں آپ کی سلامتی کے دُعاگو

احمدی مسلمانانِ جرمنی

قاتلانہ حملہ کی خبر قادیان میں

اِس المناک سانحہ کی خبر قادیان میں دوسرے دن ۱۱؍ مارچ ۱۹۵۴ء کو صبح آٹھ بجے بذریعہ ریڈیو پاکستان سُنی گئی۔ یہ خبر کیا تھی، ایک صاعقہ تھی ایک بجلی تھی جو آناً فاناً گری اور اس نے درویشوں کے حلقہ میں کہرام مچا دیا اور اُن کے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا۔ جُوں جُوں یہ خبر اُن کے کانوں میں پہنچی وہ سب یکے بعد دیگرے دیوانہ وار مسجد مُبارک اور دار المسیح کی طرف دوڑے ہر درویش سخت پریشان تھا کہ کیا ہُوا۔ اب کیا کیا جائے، ہر شخص چاہتا تھا کہ کاش اس کو قوّتِ پرواز نصیب ہو تو وہ اُڑ کر اپنے پیارے امام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے اور حضور کے درد و کرب میں شریک ہو کر اپنے آپ کو اپنے پیارے امام پر سے قربان کر سکے۔ بیت الدعا اور دالان حضرت ام المؤمنینؓ میں حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی نے اشکبار آنکھوں اور غمزدہ دل کے ساتھ نہایت سوز و گداز سے اجتماعی دعا کرائی۔ دُعا کے وقت حشر سا بپا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اکثر درویشوں کی آہ و بُکا عرشِ الٰہی تک پہنچ رہی ہے۔

اِس رقت انگیز دعا کے بعد حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی اور صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کے مشورہ سے چوہدری عبد القدیر صاحب[1] واقفِ زندگی (کارکن نظارت امُور عامہ قادیان) کو تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے دس بجے گاڑی سے ربوہ بھجوا گیا۔ چوہدری صاحب اس سانحے سے متعلق تفاصیل معلوم کر کے ۱۳؍ مارچ کو ۱/۲ ۴ بجے سہ پہر قادیان واپس پہنچے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی مندرجہ ذیل اطلاع بھی بذریعہ تار موصول ہوئی کہ

"سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز پر ایک نوجوان نے مسجد میں چاقو سے عین اس وقت حملہ کیا جب کہ حضور بعد نماز عصر مسجد سے باہر تشریف لے جا رہے تھے زخم تین انچ لمبا اور پون انچ گہرا ہے جس پر مرہم پٹی کر دی گئی ہے۔ حضور ہوش میں ہیں۔ حضور اقدس کے علاوہ دو اور احمدی بھی حضور کو بچانے کی کوشش میں زخمی ہو گئے۔ حملہ آور گرفتار کر لیا گیا ہے احباب دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضور کو صحت

---

[1] حال ناظر بیت المال (خرچ) صدر انجمن احمدیہ قادیان

وسلامتی کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے ۔"

مجملہ درویشوں کو ۹½ بجے مسجد مبارک میں جمع ہو کر نماز نوافل پڑھنے اور دُعا کرنے کی ہدایت کی گئی۔ چنانچہ تمام درویش وضو کر کے بروقت مسجد مبارک میں پہنچ گئے اور مستورات بیت الذکر میں جمع ہو گئیں۔ مسجد میں سب سے پہلے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا تار تین بار پڑھ کر سُنایا گیا۔ پھر حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے دو نوافل با جماعت پڑھائے جس میں بہت طویل قیام رکوع اور سجود کئے۔ اجتماعی دُعا کی طرح یہ نوافل بھی رقت اور الحاح اور تضرع کا ایک خاص رنگ لئے ہوئے تھے یہ نماز تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی جس میں نہایت خشوع اور خضوع سے سیدنا المصلح الموعود کی صحت وعافیت، کامل وعاجل شفایابی اور درازیٔ عمر کے لئے دعائیں کی گئیں۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جٹ ناظر اعلیٰ و امیر جماعت قادیان کے الفاظ میں اس وقت درویشوں کے ...... دُکھ درد کی چیخیں اور آہ و بکا کی آوازیں اس طرح ان کے سینہ سے بلند ہو رہی تھیں جس طرح آتش فشاں پہاڑ کے شعلے۔ یہ رقت آمیز نظارہ الفاظ میں قلمبند نہیں کیا جا سکتا صرف دیکھنے سے ہی تعلق رکھتا تھا۔

نماز کے بعد صدقہ کی تحریک کی گئی جس پر قریباً ایک سو روپیہ جمع ہوا دو بکرے بطور صدقہ ذبح کئے گئے اور بقیہ رقم بیوگان اور مساکین میں تقسیم کر دی گئی۔

ہندوستان کی بیرونی احمدی جماعتوں کو اطلاع پہنچانے کے دو ذرائع اختیار کئے گئے۔ ۱۔ نظارت علیا نے بذریعہ تار تمام بڑی بڑی جماعتوں کو اس حادثہ سے مطلع کیا۔ ۲۔ اخبار "بدر" کی طرف سے ۱۷ مارچ ۱۹۵۴ء کو ایک غیر معمولی نمبر شائع کیا گیا جس میں نہ صرف حملہ کی تفصیلات، حضور کا پیغام اور حضور کی صحت سے متعلق تاریخ وار تازہ اطلاعات درج تھیں بلکہ حضرت مصلح موعود کی مثالی شان آپ کی نسبت خدائی وعدے اور آپ کے عظیم الشان کارنامے اور جماعتی فرائض پر مشتمل نہایت پُر اثر مضامین بھی شامل اشاعت کئے گئے تھے [۱]

انڈونیشیا میں حادثہ کی اطلاع

حافظ قدرت اللہ صاحب سیکرٹری احمدیہ مُسلم مشن انڈونیشیا نے لکھا:۔

"جماعت احمدیہ کی تاریخ میں حضور اقدس سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز پر قاتلانہ حملہ ایک ایسا اندوہناک اور دل ہلا دینے والا سانحہ ہے۔ جس کے تصور سے بھی ایک احمدی کا دل لرز جاتا ہے۔ اس واقعہ کی خبر جونہی احباب جماعت کو پہنچی اور اس

---

[۱] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اخبار "بدر" قادیان - ۱۴-۱۶ امان ۱۳۳۳ ہش / مارچ ۱۹۵۴ء

سے جو کیفیت پیدا ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ عقیدت مندوں نے اپنے پیارے اور محبوب آقا کی سلامتی کے لئے دردمندی کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی دُعائیں شروع کر دیں اور صدقات کا سلسلہ جاری کر دیا۔ بہت سے مخلصین نے اس غرض کے لئے روزے بھی رکھے اور اخلاص و محبّت کے جذبات کے ساتھ بارگاہِ الٰہی سے اس کے فضل کے طالب ہوئے۔ اکثر جماعتوں نے انفرادی صدقات کے علاوہ اجتماعی قُربانیاں بھی دیں۔ چنانچہ جماعت کی طرف سے جو جانور صدقہ کے طور پر ذبح کئے گئے۔ ان کی تعداد ۲۰۰ کے قریب ہے آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی حالت زار کو دیکھا اور اپنا فضل نازل فرمایا اور حضور اقدس کو اپنے کرم سے رو بسلامت کیا"۔ [1]

دو لبنانی احمدیوں کا دردانگیز قصیدہ

حضرت مصلح موعود پر قاتلانہ حملہ سے مشرقِ وسطی کے مخلص احمدیوں کے قلوب و اذہان پر کیا بیتی؟ دو لبنانی احمدیوں ابو صالح السّیّد نجم الدّین اور السّیّد توفیق الصفدی کے مندرجہ ذیل دردانگیز قصیدہ سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے اس حادثہ عُظمیٰ سے متاثر ہو کر کہا۔

۱۔ اَمِیْرَالْمُؤْمِنِیْنَ فَدَتْکَ نَفْسِیْ
وَبَعْدَ النَّفْسِ مَا کَان افْتِدَاءُ

۲۔ عَلِمْتُ بِمَا جَرَی مِنْ فِعْلِ وَغْدٍ
اُبَیٍّ فِیْ دَرْبِہٖ اِلَّا الشَّقَاءُ

۳۔ شَفَاکَ اللّٰہُ مِنْ جُرْحٍ بِقَلْبِیْ
لَہٗ اَلَمٌ وَلَیْسَ لَہٗ دَوَاءُ

۴۔ سِوَی اَنْ تَبْقَ یَا مَوْلَایَ دَوْمًا
مُعَافًی رَغْمَ مَا رَادُوْا وَشَاؤُوا

۵۔ وَقَدْ حَمَلَ الْاَثِیْرُ لَهِیْبَ جُرْحٍ
کَوَمْضِ الْبَرْقِ لَیْسَ لَہٗ انْطِفَاءُ

۶۔ فَوَافَاکَ الْبَنُوْنَ سِرَاعَ خَطْوٍ

---

[1] الفضل (لاہور) ۹ تبوک ۱۳۳۳ ہش / ستمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۲

جِهَادٌ دَأْبُهُمْ لَا الْاِنْحِنَاءُ

۷۔ وَقَدْ عَقَدُوا الْيَمِيْنَ بِأَنْ يَثُوْرُوْا

إِذَا لِلْخَصْمِ لَمْ يَطْمِسْ لِوَاءُ

۸۔ نَشُقُّ دُجَى الضَّلَالِ لِتَبْنِيَ صَرْحًا

مَتِيْنُ الْعُمْدِ يَغْمُرُهُ الضِّيَاءُ

۹۔ فَشَرَعَ الْاَحْمَدِيَّةُ فِيْهِ يُعْطٰى

بِوَجْهِ اللّٰهِ مَا وَسَعَ الْعَطَاءُ

۱۰۔ آيَا هَوْ لَاىَ يَا مَنْ شَعَّ قَلْبِيْ

بِذِكْرِكَ وَازْدَهٰى مِنِّيْ الرِّوَاءُ

۱۱۔ رَمَاكَ بِسَهْمِهٖ فَدْمٌ زَنِيْمٌ

أَصَابَ الرُّوْحَ مِنَّا وَالْكِلَاءُ

۱۲۔ وَمَا عَرَفَ الْخَؤُوْنُ بِمَا جَنَاهُ

وَمَا عَرَفَ الْجَحِيْمَ لَهٗ جَزَاءُ

۱۳۔ مَلَا بِيْنُ بِذِى الدُّنْيَا تَمِيْدُ

فَلَا تَعْجَبْ فَقَدْ عَمَّ الْبَلَاءُ

۱۴۔ تَسْأَلُ عَنْكَ مَحْمُوْدَ السَّجَايَا

وَتَبْتَهِلُ الْمَسَرَّةُ وَالشِّفَاءُ

۱۵۔ فَدَتْكَ الْاَحْمَدِيَّةُ يَا إِمَامًا

وَرُوْحِيْ يَا اَمِيْرِ لَكَ الْفِدَاءُ

۱۶۔ وَعَافَاكَ الْمُهَيْمِنُ مِنْ جُرُوْحٍ

جُرُوْحًا اَوْدَعَتْ فِي الصَّدْرِ دَاءُ

۱۷۔ إِذَا مَا كَانَ مَوْلَانَا بِخَيْرٍ

فَنَحْنُ وَمَا لَكَ الدُّنْيَا سَوَاءُ

۱۸۔ ذَکَرْتُ بِجُرْحِكَ الْفَارُوْقَ لَمَّا
رَمَاہُ الْوَفْدُ وَانْقَطَعَ الرَّجَاءُ

۱۹۔ وَعُثْمَانُ التَّقِیُّ قَتِیْلُ بَغْیٍ
کَذٰلِكَ عَلِیٌّ اَتْقَی الْاَتْقِیَاءِ

۲۰۔ تَاَسّیٰ فِیْھِمْ یَا ابْنَ الْمَعَالِیْ
وَلَا تَنْسَ شَھِیْدَ الْکَرْبَلَاءِ

۲۱۔ وَلَا تَجْزَعْ اَیَا کَنْزِیْ وَذُخْرِیْ
فَمَا لِحَوَادِثِ الدُّنْیَا اِنْتِھَاءُ

۲۲۔ عَلَیْكَ سَلَامُ رَبِّیْ کُلَّ حِیْنٍ
سَلَامٌ مَا بِهٖ قَطٌّ رِیَاءُ [1]

ترجمہ:۔

۱۔ اے امیرالمومنین! میری جان آپ پر فدا ہو اور جان سے بڑھ کر کیا فدیہ ہوگا؟

۲۔ ایک شریر، سرکش اور غیر مہذّب شخص نے اپنی حرکت سے آپ کو جو نقصان پہنچایا ہے، مجھے اس کا علم ہوا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس زخم سے شفا بخشے جس کی وجہ سے میرے دل میں ایسا درد ہے، جس کا کوئی علاج نہیں۔

۴۔ بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ ہمیشہ صحت مندانہ زندگی بسر کریں اور دشمن اپنے ارادوں میں ناکام ہو۔

۵۔ "تار کے ذریعہ زخم کا شعلہ، جو قائم رہنے والی بجلی کی چمک کی مانند تھا، ہم افرادِ جماعت تک پہنچا۔

۶۔ آپ کے روحانی فرزند تیز قدموں کے ساتھ فوراً آپ کے پاس پہنچے اور یہ لوگ جہاد کے عادی ہیں اور دشمن کے آگے سرنگوں ہونا ان کا شیوہ نہیں۔

۷۔ انہوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک دشمن کا جھنڈا سرنگوں نہ ہو ان کے جوش و خروش میں کمی نہ ہوگی۔

۸۔ یہ روحانی ہتھیار گمراہی کی تاریکیوں کو پاش پاش کر دیں گے اور آخر کار ان سے ایسا روحانی محل تیار ہوگا جس کے ستون مضبوط ہوں گے اور جو ہمیشہ پُرنور رہے گا۔

---

[1] روزنامہ "الفضل" لاہور مورخہ ۲۷ ہجرت ۱۳۳۳ہش/۲۷ مئی ۱۹۵۴ء صفحہ ۲

۹۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اس کے رحم سے احمدیت کو ہر ممکن ترقی اور پھیلاؤ عطا ہوگا۔

۱۰۔ اے میرے آقا! تیرے ذکر سے میرے دل میں نُورانی شعاع داخل ہوئی اور میرے چہرے پر رونق آگئی۔

۱۱۔ ایک کمینے اور بدبخت نے تجھ پر تیر چلایا جو درحقیقت ہماری رُوح وجگر میں پیوست ہوگیا۔

۱۲۔ اس مجرم کو معلوم نہیں کہ اس نے کتنا بڑا جُرم کیا اور وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ اس جُرم کی سزا جہنم ہے۔

۱۳۔ اس واقعہ سے دُنیا کے لاکھوں انسانوں کو صدمہ ہُوا۔ اے آقا اس واقعہ سے آپ متعجب نہ ہوں کہ بلائیں آتی ہی رہتی ہیں۔

۱۴۔ اے پاکیزہ خصائل امام! تیرے بارے میں کمالات، مجسّم سوال بن رہے ہیں۔ اور مُسرّت و شفا خُود دعاگو ہیں۔

۱۵۔ اے امام! جماعتِ احمدیہ آپ پر قُربان۔ اے امیر! میری جان آپ پر نثار۔

۱۶۔ اے امام! اللہ تعالیٰ آپ کو ان زخموں سے جلد شفا بخشے جنہوں نے میرے سینہ میں مستقل زخم ڈال دیئے ہیں اور مجھے بیمار کر دیا ہے۔

۱۷۔ جب ہمارا آقا خیر و عافیّت سے ہو تو ہمیں ساری دُنیا کی بادشاہت ملنے کے برابر خوشی ہوتی ہے۔

۱۸۔ اے مثیلِ عمرؓ! تیرے زخم سے حضرت عمرؓ کی یاد تازہ ہوگئی جب ایک کمینے نے آپ پر وار کیا اور امید حیات جاتی رہی۔

۱۹۔ اور ایسا ہی حضرت عثمانؓ کی یاد تازہ ہوگئی جو بے گناہ تھے اور گھر کے اندر شہید کئے گئے۔ نیز حضرت علیؓ التقی الانقیاد بھی یاد آگئے۔

۲۰۔ اے جلیل القدر امام! ان بزرگوں کے مصائب ہمارے لئے اسوہ ہیں اور اس سلسلہ میں شہید کربلا حضرت امام حسینؓ کو کون بھلا سکتا ہے۔

۲۱۔ اے آقا! تجھ سے مخفی نہ رہے کہ ہمارے لئے گھبرانے کا کوئی موقع نہیں کیونکہ دُنیا کے حوادث کی کوئی انتہا نہیں۔

۲۲۔ اے سرمایہ حیات! اور اے ذخیرۂ آخرت! تجھ پر ہر گھڑی خدا تعالیٰ کا سلام۔ تجھ پر ہر گھڑی بنی نوع انسان کا مخلصانہ سلام۔

مُسلمان معززین کے قابلِ قدر جذبات

حضرت مصلح موعودؓ پر بزدلانہ حملہ نے نہ صرف احمدیوں کے دلوں کو ہی انتہائی طور پر مجروح کیا بلکہ ہر ملک ہر فرقہ اور ہر مذہب کے شریف النفس مُسلمانوں کو اس سے سخت صدمہ ہُوا۔ بہت سے معزز غیر احمدی احباب ربوہ پہنچے اور انہوں نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا۔ کئی دوستوں نے اختلاف عقیدہ کے باوجود تاروں اور خطوط کے ذریعہ اس سفاکانہ اقدام کے

خلاف احتجاج کیا۔ احتجاج کرنے والوں میں ناموراد با، قانون دان، ممتاز اطبا، تجّار، سیاسی اور مذہبی رہنما، ماہرینِ تعلیم غرضیکہ ہر طبقہ کے اصحاب شامل تھے مثلاً کراچی کے نامور شاعر جناب ادیب سہارنپوری نے چوہدری عبداللہ خان صاحب امیر جماعت احمدیہ کراچی کے نام لکھا:۔

گرامی جناب قبلہ چوہدری صاحب۔ السّلام علیکم

حضرت صاحب پر قاتلانہ حملہ کی اطلاع سے یہاں ہر شخص کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ میں چونکہ مشاعروں کی کثرت کی وجہ سے کئی دن تک ذہنی اور جسمانی طور پر لاپتہ تھا، اس لئے یہ غمناک اطلاع مجھے کافی دیر سے ملی۔ بھائی جان اور گھر کے تمام لوگ رنجیدہ ہیں اور دُعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت صاحب کو جلد صحت یاب فرمائے۔ آمین

سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص کسی بلند مقصد کے لئے خود کو وقف کر چکا ہو، اور جس کا مرنا جینا اپنے لئے نہیں بلکہ پوری قوم یا مُعاشرہ کے لئے ہو، اس کے متعلق کون بدبخت یہ سوچ سکتا ہے کہ وہ اس کی جان لیکر کوئی کارنامہ انجام دے رہا ہے یا اپنے لئے مُسرّت کی گنجائش نکال رہا ہے ؟ مگر کیا کیجئے کہ مُسلمان قوم کی یہ خصوصیّت بھی اس کی دوسری خصوصیات کی طرح اپنی مثال آپ ہے۔ لعنت ہے اُس بدبخت پر اور پھٹکار کور بین پر جو روشنی پر تلوار سے حملہ کر کے خُوش ہو۔ لوگ اسے دیوانہ تو کہہ سکتے ہیں لیکن اس کے لئے دُوسرا کلمۂ خیر ممکن نہیں۔

حضرت صاحب نے عین اس حادثے کے بعد جو بیان دیا ہے وہ حضرت صاحب کی عالی ظرفی، بہادرانہ شان، اور جری روح رکھنے والے انسان کے بالکل شایانِ شان ہے۔ اس بیان میں اپنی تکلیف یا قاتل کی بُرائی کی طرف کوئی اشارہ نہیں، بلکہ رضائے الٰہی پر اپنی ہر چیز قُربان کر دینے کی جھلک ہے۔ میرے جذبات اگر آپ حضرت صاحب تک پہنچا سکیں تو ممنون ہوں گا۔ چوہدری اسداللہ خان صاحب اور چوہدری بشیر احمد صاحب کے حادثہ[1] والی اطلاع بھی کافی رنجیدہ تھی۔ خدا کرے یہ حضرات بھی جلد صحت یاب ہوں۔ آمین

حضرت صاحب کی بیگم صاحبہ اور دیگر متعلقین کی خدمت میں خاص طور پر طاہر[2] صاحب کی خدمت میں ہمارے سب کے جذبات اور صحت کی دُعائیں پہنچا دیجئے۔ فقط

آپ کا ادیب سہارنپوری کراچی ۱۴/۳/۵۴

---

[1] ۱۱ / ۱۲ مارچ ۱۹۵۴ء کی درمیانی شب کو چوہدری اسداللہ خان صاحب امیر جماعتِ احمدیہ لاہور، شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ اور ڈاکٹر محمد یعقوب خان صاحب ربوہ آ رہے تھے کہ چنیوٹ کے قریب کار کے حادثے میں زخمی ہو گئے۔ یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

[2] صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب

جناب ادیب سہارنپوری کے مکتوب کا مکمل متن دینے کے بعد بعض دوسرے معززین کے بکثرت خطوط میں سے بطور نمونہ چند خطوط کے بعض فقرات بھی درج ذیل کئے جاتے ہیں تاکہ آئندہ نسلوں کو بھی اندازہ لگ سکے کہ ۱۹۵۴ء میں انسانی ضمیر اور اسلامی رواداری کی آنکھ کتنی حسّاس اور بیدار تھی اور اس ظالمانہ اور گھناؤنے فعل کو کس طرح انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا۔

۱۔ پنجاب کے ایک مشہور قانون دان اور لیڈر نے لاہور سے لکھا۔

"آج اخبار میں میں نے نہایت رنج اور افسوس کے ساتھ آپ پر قاتلانہ حملہ کی خبر پڑھی، سخت صدمہ ہُوا..... مسلمانانِ پاکستان کو متفقہ طور پر اس کی مذمت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ایسے واقعات امن کو برباد اور اسلامی اخلاق و احکام کے سخت منافی ہیں۔"

۲۔ لاہور سے ایک ماہر معالجات حکیم صاحب نے اپنے خط میں لکھا۔

"یہ کمینہ حرکت دین میں بھی اور دُنیا میں بھی حملہ آور کے لئے نقصان اور ذلّت کا باعث ہوگی خُدا آپ کا حامی و ناصر ہو اور رہے۔"

۳۔ اوکاڑہ کے ایک معزز تاجر نے لکھا۔

"عقیدہ کے اعتبار سے میں آپ کی جماعت کا پیرو نہیں ہوں۔ اس کے باوجود آپ پر کئے گئے اس حملے سے مجھے بہت دُکھ پہنچا ہے۔ خداوند کریم کا احسان ہے کہ اس کی قدرت نے آپ کو اپنی امان میں رکھا۔"

۴۔ آزاد کشمیر کے ایک مذہبی لیڈر نے لکھا۔

"ناہنجار حملہ آور کا یہ فعل نہایت مذموم اور قبیح اور سفاکانہ و ظالمانہ قابل مذمّت و نفرت ہے۔ محض اختلاف عقائد کی بناء پر یہ بیّن بُزدلی و شقاوت و بہیمیت ہے..... ہر شریف و سلیم العقل کی نظر میں ایسی مجنونانہ حرکات غیر واجب و ناپسندیدہ ہیں۔ میں فرقہ جعفریہ اثناعشریہ کا فرد ہوں۔ اور اس مظلوم قوم و مذہب سے تعلق رکھنا اور منسلک رہنا ہی باعثِ نجات سمجھتا ہوں۔ جو تیرہ سو سال سے ہر زمانہ میں ہر قسم کے مظالم صبر و سکوُن سے برداشت کرتا رہا ہے۔"

۵۔ سیالکوٹ سے ایک معزز عہدیدار نے اپنے خط میں لکھا۔

"جناب والا کی قیمتی جان پر کمینہ اور بزدلانہ حملہ کی خبر مجھ پر بجلی کی طرح گری اللہ تعالیٰ آپ کو لمبی عمر عطا فرمائے تاکہ آپ انسانیّت کی رہبری کر سکیں۔"

۶۔ راولپنڈی سے ایک مشہور ایڈووکیٹ نے لکھا:۔

"گو میں خود احمدی نہیں ہوں لیکن میں اس امر کا قائل ہوں کہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ اور ایک ایسی جماعت پیدا کی ہے جو اسلام کے اصولوں پر چلنے کی کوشش اپنے خیال کے مطابق کر رہی ہے آج "کوہستان" اخبار میں آپ پر حملہ کا پڑھ کر بڑا قلق ہوا اس ناپاک حملہ کی مذمت جس قدر کی جائے کم ہے۔"

۷۔ جہلم سے ایک ڈاکٹر صاحب نے لکھا:۔

"جس بدبخت نے یہ مکروہ فعل کیا ہے۔ خدائے قہار و جبّار اس سے انتقام لیگا اور ضرور لیگا۔ شکر ہے پروردگار کا کہ زخم مہلک نہیں ہے۔ خدائے غفور الرّحیم کو ابھی آپ سے دین اسلام کا کام لینا منظور ہے۔ میں آپ کی جماعت سے تعلق نہیں رکھتا اور نہ ہی میں احمدی ہوں۔ مگر جب میں نے یہ جانکاہ خبر پڑھی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ شکر ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو بچا لیا۔"

۸۔ کراچی سے ایک معزز بزرگ نے (جو ایک ملک کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اب پاکستان کی رعایا میں) لکھا:۔

"دیروز در روزنامہ "جنگ" خواندہ دلم را خیلے تکلیف رسید کہ کدام شقی القلب باعث ہلاکتِ جانِ عزیز میخواست شدن مگر ناکام گشت۔ خدا در حفظ و امن خود نگہ دارد و چنیں ابلیسے را بکردارش برساند۔ امیدوارم کہ بزرگوارم از خیریتِ خود مطلع خواہند نمائند تاکہ باعثِ تسلی گردد۔ پروردگار مردانِ کار را در حفظ و امان خود نگاہ دارد۔"

۹۔ ضلع سیالکوٹ سے پاکستان کے ایک مشہور ماہر تعلیم نے لکھا:۔

"افسوس ہے کہ ملک میں مذہبی رواداری بہت کم ہے۔ اور بے خبر نوجوان گمراہ کن پروپیگنڈا کے اثر کے نیچے آجاتے ہیں۔"

۱۰۔ پنجاب کے ایک مشہور مصنّف نے اپنے ایک خط میں لکھا:۔

"یہ پڑھ کر کہ جناب صدر جماعت پر کسی بے دین اور گمراہ شخص نے حملہ کر کے ان کو زخمی کیا نہایت رنج و قلق ہوا۔ یہ یقین کامل ہے کہ ایسے مصائب پر صبر و تحمّل سے کام لیتے ہوئے جماعت کا اپنی تبلیغ دین کی کوششوں کو جاری رکھنا ہر حالت میں جماعت کی ترقی و کامیابی پر منتج ہوگا۔"

۱۱۔ کراچی سے پاکستان کی ایک بہت بڑی تجارتی کمپنی سے تعلق رکھنے والے ایک معزز دوست نے لکھا:۔

"ہمارے بدنصیب ملک میں جہالت کیوجہ سے مذہبی رواداری کا عدم وجود تعصب و تنگ نظری کی فراوانی اور جہاں مذہبی جذبات کی تشنگی صرف انسانی خون سے ہی بجھائی جا سکتی ہو۔ انسانیت کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ ہمارے ملک کے اخبارات کو بالاجماع اس کی مذمّت کرنی چاہیئے تاکہ ایسے حادثاتِ فاجعہ کا اعادہ نہ ہو۔"[1]

۱۲۔ ایک سٹی مسلم لیگ کے صدر نے لکھا:۔

"میں نے اخبارات میں جناب پر ایک سفاکانہ حملہ کی بابت پڑھا کوئی ذی فہم شخص ایسے ذلیل اقدام کی مذمت کئے بغیر نہیں رہ سکتا خدائے بزرگ و برتر کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ وہ عاقبت نااندیش اپنے سفّاک ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکا۔ یہ المناک واقعہ جہاں حملہ آور کی انتہائی شقاوت قلبی اور بدفطرتی پر دلالت کرتا ہے وہاں ہمارے ملک کی بدقسمتی اور تاریک مستقبل کے خطرہ کو نمایاں کرتا ہے۔ کیونکہ ایسے وحشیانہ رجحانات یقیناً سوسائٹی کے لئے مہلک اور تباہ کن ہیں۔"

۱۳۔ پاکستان کے ایک مشہور شیعہ لیڈر نے لکھا:۔

"اُمید ہے کہ خداوند کریم کے فضل و کرم سے آپ کی طبیعت اب ماشاء اللہ بہت اچھی ہو گی۔ خُدا نے بڑا فضل کیا اور جس شخص نے بھی یہ بیہودگی کی اس نے بہت بُرا کیا۔ میں نے اُسی دن ایک تار بھی مزاج پُرسی کا دیا تھا۔ لیکن جواب سے محروم رہا۔ میں تو اُسی وقت ربوہ پہنچتا مگر یہاں کے حالات نے مجھے مجبور کر رکھا تھا۔ انشاء اللہ عنقریب مزاج پُرسی کے لئے حاضر ہوں گا۔"

۱۴۔ حکومت کے ایک گزٹیڈ افسر نے لاہور سے لکھا:۔

"مجھے یہ سُن کر انتہائی صدمہ ہُوا۔ کہ جناب والا کی ذات پر انتہائی کمینہ حملہ کیا گیا۔ لیکن یہ معلوم کر کے تسلی ہوئی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے جناب کو محفوظ رکھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے پیاروں کو ابتلاؤں میں ڈالتا چلا آیا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ بھی ایک ابتلا تھا جس سے آپ کے درجہ کے لوگوں کو گذرنا پڑا۔ سچ کا بول بالا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مقصد میں کامیاب کرے جس کے لئے اس نے آپ کو پیدا کیا اور ہمیشہ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔"

---

[1] الفضل ۲۳ مارچ ۱۹۵۴ء ص ۱

۱۵۔ حکومت پاکستان کے ایک ریٹائرڈ گزیٹڈ آفیسر (جو بڑی ذمہ داری کے عہدہ پر متعین تھے) نے لکھا:۔

" آپ پر قاتلانہ حملہ کی خبر اخبارات میں پڑھ کر جس قدر تشویش ہوئی ہیں اسے الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ بارگاہ عالی میں سر بسجود ہو کر شکریہ ادا کیا۔ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کی جان بچا لی اور بزدل ملزم اپنے ناپاک عزائم میں ناکام رہا۔ الحمد للہ۔ دعا کرتا ہوں کہ شافی مطلق آپ کو شفا کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ آمین

لاہور میں تمام ذمہ دار اخبارات میں اس حملہ کی مذمت کی گئی ہے اور ان دنوں ہزاروں کی تعداد میں خطوط موصول ہو رہے ہوں گے۔ لیکن براہ کرم مجھے بھی اپنی صحت کی نسبت مطلع فرمائیں۔ اخبارات کی خبروں سے تسکین نہیں ہوتی "۔

۱۶۔ لاہور کے ایک معزز تاجر نے لکھا:۔

" معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص نے آپ کے اوپر وار کیا ہے۔ مگر خداوند کریم نے آپ کو محفوظ رکھا ہے۔ اور اب صحت اچھی ہے۔ خداوند کریم فضل کرے۔ میں بیمار ہوں۔ ورنہ خود حاضر ہوتا۔ اس لئے اپنے عزیز کو آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ ان کے آنے پر دل کو تسلّی ہوگی "۔

۱۷۔ ایک ریٹائرڈ سی۔ ایس۔ پی آفسر کراچی نے لکھا:۔

" مجھے یہ خبر پڑھ کر دلی رنج و افسوس ہوا۔ کہ آپ پہ بزدلانہ حملہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ اس نے آپ کو محفوظ رکھا۔ مجھے آپ کے ساتھ دلی ہمدردی ہے اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے "۔

۱۸۔ ایک ایم۔ ایل۔ اے نے اپنے خط میں لکھا:۔

" آپ پہ حملہ سے بے حد پریشانی اور افسوس ہوا۔ باری تعالیٰ نے بے حد فضل و کرم کیا ہے کہ آپ اس بزدلانہ اقدام سے محفوظ رہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوم کی رہنمائی کیلئے زندہ و سلامت رکھا۔ مولیٰ کریم آپ کا سایہ تا دیر سلامت رکھے "۔[1]

پنجاب کے مذہبی لیڈروں کی طرف سے قاتلانہ حملہ کی مذمت | لاہور کے ممتاز مذہبی لیڈروں کی

---

[1] الفضل ۲۶ مارچ ۱۹۵۴ء ص ۲

طرف سے قاتلانہ حملہ کی واضح لفظوں میں مذمت کی گئی چنانچہ لکھا۔

۱۔ خطیب مسجد وزیر خان مولانا ابوالحسنات نے اس سلسلہ میں ایک بیان میں کہا کہ

"اسلام اپنے پیروں سے ایک اثباتی اور عادلانہ نظام کی حتمی ضمانت کا مطالبہ کرتا ہے۔ جو ختم نبوّت کا عملی نفاذ اور دین کی اصلی عظمت کا اہتمام ہے۔ مشرقی بنگال کے افسوس ناک واقعات کے بعد ربوہ کا یہ واقعہ اسلامی احساس ذمہ داری کے مؤثر نفوذ میں جس کمی کا پتہ دیتا ہے۔ وہ بے حد رنجدہ اور تعجّب خیز ہے۔ ایسے اقدامات نہ صرف امن کو برباد کرنے والے ہیں، بلکہ اسلامی اخلاق و احکام کے مخالف ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ حکومت اور عوام اس بارہ میں ذمہ دارانہ عاقبت اندیشی سے کام لیں گے اور سدّ باب کی ایسی مؤثر تدابیر اختیار کریں گے جو ان تمام امکانات کو ختم کرے جو تشدّد و ظلم کا موجب بن سکتے ہیں۔"

۲۔ مولانا داؤد غزنوی نائب صدر جمعیّت العلماء اسلام نے کہا

"میں نے نہایت افسوس کے ساتھ آج کے اخبارات میں مرزا بشیر الدّین محمود پر قاتلانہ حملہ کی خبر پڑھی۔ حملہ آور کے متعلق ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کون شخص ہے۔ اور کس جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ حملہ آور مرزا صاحب کی جماعت کے اس حصّے سے تعلق رکھتا ہو جسے مرزا صاحب کی ذات سے شدید اختلافات ہیں یا یہ حملہ مرزا صاحب کی جماعت اور عام مسلمانوں کی چپقلش کا نتیجہ ہو۔ بہر حال ملک میں کوئی گوشہ فکر ایسا نہ ہوگا۔ جو اس قسم کی متشدّدانہ حرکات کو پسند کرتا ہو۔ میری یہ قطعی رائے ہے۔ کہ مذہبی یا سیاسی اختلافات کی بنا پر قاتلانہ حملوں یا تشدّدانہ کارروائیوں کی اگر اجازت دی گئی یا حوصلہ افزائی کی گئی۔ تو فسادات کا نہ ختم ہونیوالہ سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اور یہ ملک و ملّت کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان کا باعث ہوگا۔ اس لئے غیر مبہم الفاظ میں میں اس افسوسناک واقعہ کی مذمت کرتا ہوں۔ اور یہ قطعی رائے رکھتا ہوں۔ کہ اس قسم کی تشدّدانہ سرگرمیاں مسائل کے حل کرنے میں کسی طرح مدد نہیں دے سکتیں۔ بلکہ سراسر نقصان دہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ تشدّد کو روکنے کے لئے زیادہ سے زیادہ تشدّد کرنا پڑتا ہے۔ اور معمولی تشدد کے مقابلہ میں وسیع پیمانہ پر تشدّد کیا جاتا ہے۔ اس وقت وہ اندھا اور بہرہ ہوتا ہے اور قصور وار اور گنہگار کا امتیاز نہیں کرتا۔ اور قوم بحیثیت مجموعی نقصان عظیم کی متحمل ہوتی ہے۔"

آل مسلم پارٹیز کنونشن کی مجلس عمل کے رکن ماسٹر تاج دین انصاری نے اس واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ

"ہم اس احمقانہ فعل کی سخت مذمت کرتے ہیں کیونکہ عقیدہ ختمِ نبوّت کا ایسی حرکتوں سے کوئی تعلق نہیں۔

آپ نے مزید کہا کہ ہم ہمیشہ تشدّد کی مخالفت کرتے رہے ہیں خواہ وہ کسی طرف سے ہو۔ اور آئندہ بھی ہم تشدّد کی مذمت کرتے رہیں گے۔“ ؎۱

۳۔ سابق سالار جیوش احرارِ اسلام پنجاب جناب الحاج محمد سرور صاحب نے بیان دیا کہ

”مسلمانوں اور قادیانیوں کے اختلافات اور نوعیت کے ہیں ان کی آڑ لے کر کسی جماعت کے سربراہ پر قاتلانہ حملہ کرنا نہ صرف غلط اقدام ہے بلکہ اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی بھی ہے۔“ ؎۲

برصغیر پاک و ہند کے پریس کا زبردست احتجاج

اس سانحہ ہوشربا پر برصغیر پاک و ہند کے پریس نے احتجاجی ادارئیے سپردِ قلم کئے جن میں سے بطور نمونہ بعض کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مغربی پاکستان

۱۔ روزنامہ ”سول اینڈ ملٹری گزٹ“ (لاہور) نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۵۴ء میں لکھا۔

Dangerous Creed

The attack on the life of the Head of the Ahmadiyya Community at Rabwah will be condemned by all right-thinking men as an act of religious fanaticism which has not only no sanction in Islam but is, in fact, a gross libel on this great religion which gave humanity 14 centuries ago the gospel for freedom of conscience, tolerance and respect for honest differences of views which today form the rallying values of the democratic world. A religion which teaches: "there shall be no compulsion in religion", whose Founder had the breadth human sympathies to invite Christians to hold sunday service in his own mosque and who rose to his feet to show respect, to

---

؎۱ نوائے وقت ۱۳ مارچ ۱۹۵۴ء بحوالہ ”الفرقان“ احمد نگر، ربوہ فروری۔ مارچ ۱۹۵۴ء ص ۵

؎۲ نوائے وقت (لاہور) ۱۶ مارچ ۱۹۵۴ء صفحہ

a Jews' funeral, cannot possibly have anything in common with the Mulla creed that apostates must be put to death. Carried to its logical conclusion every Muslim must rush at the throat on a fellow-Muslim for there is no sect which has not been declared Kafir and apostate by some other sect. It is time the Ulema revised this dangerous creed pregnant with the most deadly germs to scatter Pakistan's solidarity to the four winds. As a matter of fact the brotherhoud of all Muslims irrespective of sects or schools should have been the corner-stone of Pakistan's constitution. If it is a fact that Pakistan can stand only on the foundation of unity, it is equally a fact that the Kalima-e-Tayyeba which is common to all Muslims can alone be the corner-stone of the unity.

(Civil & Military Gazette: March 12, 1954)

ترجمہ:۔

مرزا بشیرالدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ کی زندگی پر جو حملہ کیا گیا ہے۔ وہ ملک کے سمجھ دار طبقہ کے نزدیک ایک مجنونانہ فعل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ نہ صرف شریعت اسلامی میں اس کا کوئی جواز نہیں۔ بلکہ یہ اس مذہبی رواداری کی رُوح کے بھی خلاف ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے اس دُنیا کو عطا ہوئی تھی۔ آج بھی وہ آزادی ضمیر کا پیغام جو چودہ سو سال پہلے دُنیا کو دیا گیا تھا جمہوریت کی بُنیاد ہے۔ وہ مذہب جو یہ سکھاتا ہے۔ کہ دین میں کوئی جبر نہیں۔ اور جس کے بانی نے یہاں تک

وُسعتِ قلبی کا ثبوت دیا کہ اس نے عیسائیوں کو اپنی مسجد میں اپنی عبادت ادا کرنے کی اجازت دی۔ اور جو ایک یہودی کے جنازے کے احترام کے طور پر کھڑا بھی ہو گیا۔ وہ یقیناً آج کے ملّا ازم کے شدید خلاف ہے۔ آج کا ملّا ازم یہ چاہتا ہے۔ کہ اس کے ساتھ اختلاف کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اگر اس اصول پر عمل کیا گیا۔ تو غالباً پاکستان میں کسی کا گلا بھی سلامت نہیں رہے گا۔ کیونکہ کوئی ایسا فرقہ نہیں جس نے دوسرے فرقے کو کافر اور مُرتد نہ قرار دیا ہو۔ ابھی وقت ہے کہ ہمارے علماء اس قسم کی خطرناک فرقہ دارانہ ذہنیّت پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ کیونکہ یہ وہ ذہنیّت ہے۔ جو پاکستان کی سالمیّت پر ضرب کاری کی حیثیّت رکھتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تمام پاکستانی مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور انہیں ملک کے نظام میں برابری کا درجہ حاصل ہے۔ اگر ہمارا مقصد یہ ہے کہ تمام پاکستان وحدت کی مضبوط بُنیاد پر کھڑا ہو جائے۔ تو پھر ہمیں یہ ماننا پڑیگا کہ کلمہ طیبّہ ہی ہماری وحدت کی بُنیاد بن سکتا ہے۔

۲۔ روزنامہ "پاکستان ٹائمز" لاہور نے اپنے ۱۲؍ مارچ ۱۹۵۴ء کے ایڈیٹوریل نوٹ میں لکھّا۔

Editorials on the Rabwah Incident

(Excerpts)

The recent attempt on the life of Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad, Head of the Ahmadiyya Community, will undoubtedly be condemned by every section of opinion in Pakistan. It is not yet known whether the assailant was motivated by a personal grudge or prompted by his strong disapproval of the religious or political activities of the Ahmadiyya community. In the former case the Rabwah incident has no more significance than any other similar crime; but if the young man was guided by his political and religious convictions, his action deserves the serious attention of all those who are in a position to influence and mould public opinion. However

strong such differences of opinion may be, the use of the dagger or the bullet to further a particular point of view cannot be tolerated or justified. It should also be realised that individual terrorism usually defeats the very purpose for which it is employed and often produces repercussions contrary to those derived. We fully endorse the statements on the Rabwah incident given by Maulana Abul Hasanat, Maulana Daood Ghaznavi, and Master Taj-ud-Din Ansari and earnestly hope that all Pakistanis will discourage the development of a trend which can do untold harm to the country.

(The Pakistan Times : March 13, 1954)

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعتِ احمدیہ پر جو قاتلانہ حملہ ہُوا ہے۔ بلاشبہ ملک کی رائے عامہ کے ہر گوشے سے اس کی شدید مذمت کی جائے گی۔ ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ قاتل کا کوئی ذاتی عناد اس فعل کا محرک تھا یا جماعت احمدیہ کی مذہبی یا سیاسی مساعی سے شدید اختلاف کی بنا پر اُس نے ایسا کیا ہے۔ اوّل الذکر صُورت میں ربوہ کا یہ حادثہ اسی نوعیت کے دوسرے جرائم سے کوئی زیادہ اہمیّت نہیں رکھتا۔ لیکن اگر اسی نوجوان کے سیاسی یا مذہبی عقائد اس کا باعث بنے ہیں تو یقیناً اِن تمام لوگوں کو جو صاحب اثر ہیں اور رائے عامہ کو سدھار سکتے ہیں۔ اس طرف اپنی پُوری توجہ کرنیکی ضرورت ہے۔

اختلاف رائے کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو، لیکن ایک خاص نقطۂ نظر کی خاطر گولی یا خنجر کا استعمال کبھی بھی مبنی بر انصاف اور دُرست نہیں سمجھا جا سکتا، یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ انفرادی دہشت انگیزی عموماً اس مقصد کو فوت کر دیتی ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے ایسا اقدام کیا گیا ہو، بلکہ اکثر اوقات اس مقصد کے بالکل برعکس نتائج پیدا کرتی ہے۔

ربوہ کے اس حادثہ کے متعلق مولانا ابوالحسنات، مولانا داؤد غزنوی اور ماسٹر تاج الدین انصاری نے جو بیانات دیئے ہیں، ہم اس کی پوری تائید کرتے ہیں اور اس بات کی کلّی اُمید رکھتے ہیں، کہ ہر پاکستانی اس قسم کے رجحانات کو جس سے

ملک کو ناقابل بیان نقصان پہنچ سکتا ہے، ہرگز بڑھنے نہیں دے گا۔

۳۔ اخبار "مغربی پاکستان" (۱۳ مارچ ۱۹۵۴ء) نے اپنے ایڈیٹوریل نوٹ زیر عنوان "افسوسناک حرکت" میں لکھا:۔

"قادیانی عقائد سے شدید اختلاف رکھنے کے باوجود ہمیں یہ خبر پڑھ کر سخت رنج ہُوا کہ مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ قادیان پر کسی نامعلوم نوجوان نے حملہ کر دیا ہے۔ ہمارا یہ سوچا سمجھا ہُوا مؤقف ہے کہ عقائد کا اختلاف سراسر ذاتی مسئلہ ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے عقائد کا اختلاف ذاتیات سے قومی اور اجتماعی مسئلہ بھی بن جائے۔ تب بھی کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ کہ وہ اپنے مخالف کو بالجبر اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے اور خنجر و سنان کو اپنے مؤقف کی دلیل بنانے پر اصرار کرے۔ اس کے علاوہ یہ حرکت انتہائی غیر اسلامی ہے۔ اسلام کا سب سے شاندار اور انتہائی مستحسن اصول یہی ہے کہ دوسرے دین کے کسی بزرگ کے خلاف گستاخی نہ کی جائے اور کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے دوسرے فرقہ والوں کے جذبات کو ٹھیس لگے۔ اور اسلام کی اس واضح اور غیر مبہم تعلیم کے پیشِ نظر بھی مذکورہ نوجوان کی جاہلانہ اور دیوانگی کی حرکت مستحسن نہیں سمجھی جائے گی۔ اور پاکستان کے فہمیدہ طبقے کا کوئی فرد اس حرکت کی تائید نہیں کرے گا"[1]

۴۔ روزنامہ "ملّت" لاہور نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۵۴ء میں قاتلانہ حملہ کے عنوان سے ذیل کا اداریہ لکھا:۔

"قاتلانہ حملہ"

"امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدّین محمود احمد صاحب پر کسی نامعلوم نے قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ لیکن تادمِ تحریر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حملہ آور کس فرقے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور آیا یہ حملہ کسی ذاتی رنجش کا نتیجہ ہے یا اسی فرقہ وارانہ مناقشت کا ایک اور افسوسناک مظاہرہ ہے جس کے شعلوں نے پار سال پنجاب کے اس دامان کو خاکستر کر ڈالا تھا۔ بہرحال آنا ظاہر ہے کہ یہ حملہ کسی اختلاف رائے ہی کی بنا پر ہُوا ہے۔ لیکن اختلاف رائے کا ازالہ قاتلانہ حملوں کے ذریعے سے اول تو ممکن نہیں۔ اگر ہو بھی تو اُسے کسی صورت میں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ کیونکہ "چھرا سیاست" چل نکلے تو جمہوریت انجام کار خود اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا کاٹ لینے پر مجبور ہو جایا کرتی ہے۔

ان حالات میں کوئی ہوشمند انسان اس حملہ کی مذمت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جو بزدلانہ ہی نہیں۔

---

[1] بحوالہ الفرقان۔ فروری۔ مارچ ۱۹۵۴ء صفحہ

غیر مآل اندیشانہ بھی تھا۔ ہمیں یقین ہے کہ اس جمہوریت کُش رجحان کے ہولناک نتائج کو دیکھتے ہوئے پاکستان کے تمام فرقے اور جماعتیں یک زبان ہو کر اس کی مذمت کریں گی۔ تاکہ اس تباہ کن ذہنیت کے جراثیم پروپیگنڈا کی زہر آلود فضا میں پرورش پا کر معاشرے کے رگ و پے میں پوری سُرعت و شدت سے سرایت کرنے کی بجائے اپنی موت آپ ہی مر جائیں۔" ؎۱

۵۔ روزنامہ "تعمیر" راولپنڈی (۱۳ مارچ ۱۹۵۴ء) نے "مرزا بشیر الدین پر حملہ" کے زیر عنوان حسب ذیل شذرہ شائع کیا:۔

" احمدی فرقہ کے راہ نما مرزا بشیر الدین محمود پر حملہ کی خبر پڑھ کر ہر صحیح الخیال مُسلمان کو رنج ہوا ہوگا۔ اگرچہ حملہ آور کے متعلق ابھی تک کوئی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی لیکن وہ جس فرقہ اور عقیدہ سے بھی تعلق رکھتا ہو اس کی حرکت بلا شبہ مذموم ہے۔ اور اگر اس نے یہ کام کسی مذہبی جوش کی بنا پہ کیا ہے تو یقیناً اس نے اپنے مذہب کی تعلیمات کو غلط سمجھا ہے۔ اور ان کے خلاف عمل کر کے اس مذہب کے پیروکاران کو شرمندہ کیا ہے ...... مذہب اور عقائد کے اختلافات اور دوسروں کے نظریات پر ناپسندیدگی کے اظہار کیلئے تشدد کے طریقے اختیار کرنے کو دُنیا کے ہر مذہب نے بُرا ٹھہرایا ہے۔ لیکن اسلام نے جس کا پیغام امن و سلامتی اور رواداری کا پیغام ہے۔ ایسے طریقوں کی خاص طور پر مذمت کی ہے۔ ذاتی خواہشات کی بُنیاد پر اور رنجش کے اظہار کیلئے بھی ایسے طریقوں کا استعمال ہر سوسائٹی اور ہر قانون میں ممنوع رہا ہے۔ لیکن مذہبی یا سیاسی نظریات کی بُنیاد پر ایسے افعال اور بھی زیادہ مکروہ سمجھے گئے ہیں کیونکہ اس سے پُوری سوسائٹی پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ اِسی لئے ہم اس واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے یہ اُمید کرتے ہیں۔ کہ حملہ آور کا یہ اقدام کسی مذہبی جذبہ کا نتیجہ نہیں تھا۔ ہمیں یہ بھی اُمید ہے۔ کہ ہمارے مذہبی رہنما اس قسم کے واقعات کے اعادہ کو روکنے کے لئے عوام کی ذہنی اور اخلاقی اصلاح کی پوری کوشش کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے انفرادی واقعات کا مذہبی تعصبات سے کوئی تعلق نہ ہو۔ لیکن ایک اسلامی ملک کے شہری ہونے کی حیثیت سے مختلف مذہبی عقائد رکھنے والوں اور اقلیتوں کے بارہ میں ہم پر خاص احتیاط ضروری ہے کیونکہ ایسے تمام لوگوں کی حفاظت ہم پر مذہب کی طرف سے بھی واجب ہے۔" ؎۲

؎۱ ص۳ و ص۶

؎۲ بحوالہ الفرقان فروری۔ مارچ ۱۹۵۴ء ص۸

۶۔ اخبار" عوام" لائل پور (۱۳ مارچ ۱۹۵۴ء) نے لکھا:۔

" ہم بغیر کسی تمہید کے سب سے پہلے اپنے ان جذبات کا اظہار کر دینا چاہتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب پر حملہ خد درجہ قابل مذمّت ہے"۔ [1]

۷۔ جناب حمید نظامی صاحب ایڈیٹر روزنامہ" نوائے وقت" نے لکھا۔

" ابھی تک وثوق کیساتھ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ حملہ آور کون ہے؟ اور اس کا مقصد کیا تھا؛ حملہ کا محرک جذبہ ذاتی تھا یا حملہ آور مرزا صاحب ہی کی جماعت سے تعلق رکھتا ہے یا اس کے مذہبی عقائد مرزا صاحب سے مختلف ہیں اور حملہ کی وجہ یہ اختلاف ہے؛ تادم تحریر کسی سوال کا بھی یقینی جواب نہیں ملا۔ بہرحال ہمیں خوشی ہے کہ مولانا داؤد احمد غزنوی، مولانا ابوالحسنات محمد احمد اور ماسٹر تاج الدین نے غیر مبہم الفاظ میں اس حملہ کی مذمّت کی ہے! اور یہ کہا ہے کہ اختلاف عقائد کی بنا پر تشدد کا استعمال ایک نامناسب ناجائز خطرناک اور تعلیمات اسلامی کے منافی فعل ہے۔ کوئی فہمیدہ شخص اس معاملہ میں ان حضرات کے خیالات سے اختلاف نہیں کرے گا۔ کہ عقائد کے اختلاف کی بنا پر تشدد کے استعمال کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ تو ایک ایسا خطرناک اور ناپاک چکر شروع ہو جائے گا کہ کسی کی زندگی محفوظ نہ رہے گی"۔ [2]

۸۔ کوئٹہ کے ہفتہ وار اخبار" ایثار" نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۵۴ء (جلد ۱ نمبر ۱۲) میں" لکھ دینے کم ولی دین" کے زیر عنوان لکھا:۔

" قادیانی فرقہ کے پیشوا مرزا بشیر الدین محمود احمد پر قاتلانہ حملہ کی اطلاع ملی ہے۔ اب تک اس کا پس منظر معلوم نہ ہو سکا اور نہ اس عقدہ کی گرہ کشائی ہوئی ہے کہ یہ ایک فرد واحد کا انفرادی فعل تھا یا کسی منظم سازش کا نتیجہ۔ بہرکیف یہ حادثہ انتہائی اندوہناک ہے۔ اور" قادیانیت" سے اختلاف رکھنے کے باوجود ہم اس قسم کی انتہا پسندی کی مذمت کرتے ہیں۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ نظریہ حیات خواہ کیسا ہی ہو کبھی تشدد و قتل و غارت گری سے ختم نہیں ہوا۔ بلکہ حق و باطل طاغوت و ایمان کے تصادم میں ہمیشہ نظریہ اور نظریہ کی آویزش رہی ہے۔ اور جو بھی نظریہ حیات انسانی کے مطابق اور انسانیت کے موافق رہا ہے۔ وہ دوسرے تمام نظریات پر حاوی ہو گیا ہے۔ خود مذہب اسلام نے تشدّد و بربریّت اور جبر کے خلاف جہاد کی تاکید

---

[1] بحوالہ الفرقان ربوہ۔ فروری۔ مارچ ۱۹۵۴ء صٓ   [2] نوائے وقت ۱۴ مارچ ۱۹۵۴ء ص ۵

کی ہے۔ اور واشگاف الفاظ میں دین میں جبر کرنے کے خلاف فتویٰ دیا ہے سورۃ الکافرون خود رواداری فراخدلی اور بلند حوصلگی کی تعلیم دیتی ہے۔

لکم دینکم ولی دین ان تمام حقائق ومعارف کی روشنی میں موصوف پر حملہ انتہائی شرمناک امر ہے اور ایک مجنونانہ فعل ہے اور اس قسم کے تشدد سے مسائل کا حل تلاش کرنا انتہائی غلط ہے۔" [1]

مشرقی پاکستان ا۔ مشہور بنگلہ اخبار "ملت" نے ۱۳ر مارچ ۱۹۵۴ء کی اشاعت میں اس حملہ کی مذمت کرتے ہوئے لکھا:۔

"ایک خبر سے معلوم ہوا ہے کہ احمدیہ جماعت کے امام جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد کو ایک غیر معروف دشمن نے لاہور کے ربوہ نامی مقام پر چاقو سے زخمی کر دیا ہے۔ جناب مرزا صاحب پر اس وقت حملہ کیا گیا، جبکہ آپ رات کی نماز کے بعد گھر جا رہے تھے۔ ان کو بچاتے ہوئے دو اور آدمی بھی مجروح ہوئے ہیں۔ یہ خبر دردناک ہے۔ لیکن اس مذموم چال کے پیچھے جو مقصد پوشیدہ ہے۔ وہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔ مذہبی امور میں اس قسم کے حاسدانہ طریق کو اختیار کرنا نہایت افسوسناک امر ہے۔ احمدیہ جماعت کے عقائد کے ساتھ ہمارے عقائد کے بہت سے اختلاف رہ سکتے ہیں۔ لیکن اس بنا پر جماعت احمدیہ کے امام پر اس قسم کے مجرمانہ حملہ کی کوئی شخص آزادی ضمیر کے ساتھ تائید نہیں کر سکتا یہ مذموم فعل پاکستان کے لئے بُرے ایام کا آغاز ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ اس حادثہ کے تحت میں جس قسم کا مذموم ارادہ بھی پوشیدہ کیوں نہ ہو گورنمنٹ اس کی پوری تفتیش کر کے مجرم کو پُوری سزا دینے کا طریقہ اختیار کرے گی۔" [2] (ترجمہ)

۲۔ بنگلہ زبان میں شائع ہونے والے مشہور اخبار "آزاد" ڈھاکہ نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۴ر مارچ ۱۹۵۴ء میں حسب ذیل اداریہ تحریر کیا:۔

احمدی جماعت کے امام حضرت میاں بشیر الدین محمود احمد کو ایک شریر النفس نے چاقو سے حملہ کر کے نہایت کاری ضرب لگائی ہے۔ لاہور کی ایک خبر سے ظاہر ہے کہ وہاں امن عامہ میں خلل واقع ہونے کے خوف سے ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ ہم اس قسم کے بزدلانہ حملہ کی مذمت کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہم امید کرتے

---

[1] بحوالہ الفضل یکم اپریل ۱۹۵۴ء صلہ

[2] بحوالہ بدر قادیان ۲۱ر اپریل ۱۹۵۴ء صلہ

کہ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ ہم سب کی خواہش ہے۔ کہ اس کی وجہ سے پنجاب میں کسی اور جگہ بدامنی نہ پھیلنے پائے۔ نیز ہم اُمید کرتے ہیں کہ گورنمنٹ کی فوری احتیاط اور تعاون سے وہاں امن قائم رہیگا۔"[1] (ترجمہ)

۳۔ مشرقی پاکستان کے اُردو اخبار "انگار" نے زیر عنوان "ایک نازیبا حرکت" لکھا:۔

"پاکستان اور بھارت کے ہر سنجیدہ اخبار نے خلیفہ قادیان جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب پر ایک فرد کے حملہ کی سنسنی خیز خبر شائع کی ہے اور مشرقی پاکستان کے بیشتر اخبارات نے اس مذموم حرکت کے خلاف اداریے سپرد قلم کئے ہیں۔ اس لئے عقائد میں اختلاف کے باوجود ہم بھی صحافتی فرائض ادا کرنے پر مائل ہوئے ہیں یوں تو پیشوایانِ مذاہب اور سیاسی قائدین کی جانیں ہمیشہ خطرہ میں رہتی ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ پاکستان جیسی نوزائیدہ مملکت میں جس کی بُنیاد اعلیٰ ترین روحانی قدروں پر رکھی گئی ہے۔ مذہب یا عقیدہ کے اختلاف میں خنجر کو ثالث بنانا بہت مُضر ثابت ہوگا۔ کیونکہ ہر عمل کا ایک ردّ عمل ہوتا ہے۔ اور خراب افعال کی تقلید کرنے والے بہت آسانی کے ساتھ بیدار ہو کر تخریبی سرگرمیوں کی وجہ سے اجتماعی امن کے لئے خطرات کا موجب ہو جاتے ہیں۔ سرزمین پاکستان میں اسلام کے نام پر فرقوں کی کثیر آبادی موجود ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ پھل پھول رہی ہے اور سب کو اپنے اپنے عقائد کی پُرامن تبلیغ و اشاعت کا پورا پورا حق حاصل ہے اور اسی وجہ سے پاکستان کی عظمت میں روزانہ چار چاند لگ رہے ہیں۔ احمدیوں اور دوسرے عقائد کے مُسلمانوں کا مسئلہ خالصتہً ایک اختیاری اور عقیدہ کا مسئلہ ہے۔ اور ان کو اسلام کی اعلیٰ ترین تعلیمات کی روشنی میں خود ہی اپنے اپنے افعال کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی قابل توجہ ہے۔ کہ ایک فرد کی مجنونانہ حرکت سے کسی پُوری قوم کو اس کا ذمہ وار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہم کو اُمید ہے کہ اس حادثہ کو صرف ایک انفرادی حرکت سے تعبیر کیا جائیگا۔ اور احمدی فرقہ کے حضرات اور دوسرے مُسلمانوں کے تعلقات متاثر نہیں ہوں گے۔ ڈان کے نمائندہ مقیم لاہور نے جو رپورٹ روانہ کی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ حکومتِ پنجاب نے اس حملہ کے بعد پُورے صوبہ میں احتیاطی تدابیر اختیار کر لی ہیں۔ تاکہ ایک فرد کے مجنونانہ فعل سے اجتماعی امن کو خطرہ پیدا نہ ہو جائے۔ اور ہم اس کے لئے حکومتِ پنجاب کی انتظامی صلاحیت کی داد دیتے ہوئے تمام

---

[1] بحوالہ "بدر" قادیان ۲۱ اپریل ۱۹۵۴ء صا

پاکستانیوں سے پُر زور اپیل کرتے ہیں کہ وہ عقائد میں اختلاف کو شخصی دُشمنی کا محرک بنانے سے گریز کریں۔ اور اسلام کے اس اٹل نظریہ کو پیشِ نظر رکھیں کہ "تم اپنے دین پر ہو اور ہم اپنے دین پر" لا اکراہ فی الدّین وغیرہ ......

"تازہ ترین اطلاع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے۔ کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد خطرہ کے دور سے گزر چکے ہیں اور پولیس بہت سرگرمی کے ساتھ مصروفِ تفتیش ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ پاکستان میں تمام مذہبی اختلافات کو مباحثوں و مناظروں اور تحقیق سے طے کرنے کی بجائے نفرت اور تشدّد کے ہتھیاروں کو استعمال نہ کیا جائے۔ اس کا نتیجہ مفید ہونے کی بجائے انتہائی مُضر ہو سکتا ہے"۔ [1]

آزاد کشمیر ہفتہ وار اخبار "آوازِ حق" (مظفر آباد) نے ۱۲ مارچ ۱۹۵۴ء کی اشاعت میں زیرِ عنوان "قابلِ صد مذمّت" لکھا:-

"یہ خبر نہایت افسوس کیساتھ سُنی گئی کہ کسی بدکردار شخص نے احمدیہ جماعت کے امام مرزا بشیر الدین محمود احمد پر قاتلانہ حملہ کیا۔ شکر ہے کہ مرزا صاحب بچ گئے ہیں۔ اور حملہ آور کو برموقعہ گرفتار کر لیا گیا ہے۔ یہ حملہ یقیناً بُزدلانہ حرکت ہے۔ جس کی ہر صائب الرائے انسان مذمّت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کون نہیں جانتا کہ مرزا صاحب اور ان کی جماعت کے عقائد کے ساتھ بہت سے لوگ اتفاق نہیں کرتے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اختلافِ رائے کی بنا پر کسی کی جان لی جائے۔ اور وہ بھی بُزدلوں کی طرح چوری چھپے اور گھات میں رہ کر۔ فرانس کے مشہور انقلابی فلاسفر والٹیئر کا قول ہے:-

"I may disagree with all what you say, but I will fight unto death for your right to say so."

یعنی ایک صحیح جمہوریت پرست اپنے مخالف سے کہتا ہے۔ کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ میرا کوئی اتفاق نہیں ہے۔ لیکن آپ کے اس حق کی کہ آپ میرے خلاف بھی کہتے رہیں حفاظت کرنے کے لئے اپنی جان بھی دے دُوں گا۔ جمہوریت اور رواداری اسی کا نام ہے۔ کہ آپ کسی شخص کے خیالات کے ساتھ اتفاق نہ بھی کرتے ہوں تو بھی آپ اس کو اظہارِ خیال کا موقع دیں۔ جب تک وہ پُرامن طور پر اپنے خیالات کا اظہار

---

[1] بحوالہ بدر قادیان ۔ ۱۸ اپریل ۱۹۵۴ء صفحہ ۱-۲

کرتاہے اور لوگوں کو تشدّد کی تلقین نہیں کرتا۔ آپ اسے لکھنے، بولنے، چلنے پھرنے کی مکمل آزادی دیں۔ بلکہ اس کی اس آزادی کی بھی حفاظت کریں۔ لیکن محض اختلاف عقائد کی بنا پر تشدّد اور قتل کی سازش پر اتر آنا اور کسی کے Cold Blooded murder کی کوشش کرنا جمہوریت، انسانیت اور آزادی پر ایک بدترین حملہ ہے۔ جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

اگر اس قسم کی حرکتوں کو کچل کر نہ رکھ دیا گیا۔ تو پاکستان میں کسی بھی شخص کی جان محفوظ نہیں ہے۔ بڑے سے بڑے حکمران سیاسی یا مذہبی لیڈر کاروباری آدمی کو ایک بزدل کرائے کا ٹٹو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔ برما کے آنگ سان وزیر اعظم اور اس کی کابینہ، مرحوم لیاقت علی خان اور مسٹر گاندھی وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ موجودہ واقعہ کی مکمل تحقیقات کر کے ان اشخاص کو جن کا اس سے براہ راست یا بالواسطہ تعلق ہو، کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ اور ملک میں رواداری جمہوریّت اور انسانی آزادی کا تحفّظ کیا جائے"۔[1]

بھارت | ا۔ روزنامہ "ملاپ" (نئی دہلی) نے ۱۵ مارچ ۱۹۵۴ء کے ایشوع میں زیر عنوان "مرزا صاحب پر حملہ" لکھا کہ:۔

(الف) "پاکستان میں ایک بار پھر ہیجان بپا ہے۔ دس مارچ کی شام کو ضلع جھنگ کے ایک گاؤں ربوہ میں جو پاکستان کے اندر احمدیوں کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد نماز ادا کرنے کے بعد مسجد سے باہر آرہے تھے۔ کہ کسی "ایماندار مسلمان" نے ان پر چھرے سے حملہ کر دیا۔ اپنی قسمت سے وہ بچ گئے۔ حملہ آور کی کرپاسے نہیں"۔

(ب) "عملی طور پر قادیانی اتنے ہی اچھے مسلمان ہیں جتنے کہ اور لوگ۔ یورپ اور ایشیا کے اندر زمانہ جدید میں اسلام کی تبلیغ کے لئے بیچارے قادیانیوں نے جو کچھ کیا وہ شاید مسلمانوں کا اور کوئی طبقہ کبھی کر نہیں سکا۔ برلن۔ لنڈن اور واشنگٹن میں ہر جگہ آپ کو قادیانی مسجدیں ملیں گی۔ شکاگو میں میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ وہاں کئی ہزار مسلمان رہتے ہیں۔ نسل کے لحاظ سے وہ سب نیگرو ہیں۔ قادیانیوں نے جب دیکھا۔ کہ امریکہ کے نسلی امتیاز سے وہ تنگ ہیں۔ تو انہیں مسلمان ہو جانے کی ترغیب دی۔ چنانچہ اب وہ باقاعدہ مسلمان ہیں"۔[2]

---

[1] بحوالہ الفضل ۳۰ مارچ ۱۹۵۴ء / ۳۰ امان ۱۳۳۳ ہش صہ ۱ - ۸

[2] بحوالہ الفرقان ماہ فروری۔ مارچ ۱۹۵۴ء ص ۸ - ج

۲۔ اخبار" دلچسپ" (مدراس) نے ۲۰ مارچ ۱۹۵۴ء کے اشاعت میں زیرِ عنوان "مرزا البشیرالدین محمود احمد پر قاتلانہ حملہ" لکھا۔

"یہ نہایت افسوس ناک ذہنیت ہے کہ معمولی سی معمولی چیزوں کو بڑھا چڑھا کر فتنہ وفساد کا مرکز بنا دیتے ہیں۔ اور اس ملک میں جہاں اسلامی قوانین کے لئے رات دن چیخ وپکار ہوتی رہتی ہے۔ اس اسلام ہی کی خلاف ورزی عمل میں آ رہی ہے۔ یہ مُسلم قوم کی بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے۔ کہ ایک طرف تو بُلند بانگ اسلامی دعوے ہوں۔ اور دوسری طرف ان دعوؤں کا ردِّعمل شروع ہو جائے اس سلسلہ میں حال کی افسوسناک اطلاع سے بخوبی ظاہر ہو سکتا ہے۔ کہ لاہور سے سو میل کے فاصلہ پر ربوہ نامی مقام پر مولانا البشیرالدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ پر دن دہاڑے حملہ ہوا۔ اور وہ بھی کسی غیر قوم کے فرد سے نہیں بلکہ ایک مُسلمان کے ہاتھوں۔ یہاں یہ بتانا ضروری نہیں کہ حملہ کس لئے ہوا لیکن ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ حملہ کرنے والا کون ہے؟ اور کس بنا پر اس حملہ کی اس میں جرأت پیدا ہوئی یہ مانی ہوئی بات ہے۔ کہ عام طور پر ذاتی عناد پر ایک دوسرے سے اختلافات رونما ہوتے ہیں۔ اور فساد کی نوعیت اختیار کر جاتے ہیں۔ اگر بنظرِ غور دیکھا جائے تو یہ اختلاف کسی ذاتی عناد و دُشمنی سے نہیں۔ بلکہ عقائد کے اختلاف کی بنا پر عمل میں آیا۔ یوں تو ہم احمدی نہیں۔ اور نہ ہی ہم یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ کہ احمدی اپنے عقائد کے لحاظ سے مُسلمان نہیں۔ کیونکہ ہمارے پاس ہر وہ شخص مسلمان ہے۔ جس کا کلمہ ہمارا کلمہ ہو۔ جس کی کتاب ہماری کتاب ہو۔ اور جس کا قبلہ ہمارا قبلہ ہو۔ اس ضمن میں ہم یہ کہیں گے۔ کہ ہم نے احمدیوں کے ساتھ رہ کر دیکھا ہے۔ وہ تو آٹھوں پہر تبلیغ کا سَودا اپنے سر میں سمائے پھرتے ہیں اور جہاں بھی جاتے ہیں اور جو بات کرتے ہیں اس میں اسلام ہی اسلام ہوتا ہے۔ اس کا تجربہ تو ہم کو ہمارے نوجوان بخت دوست اور صحافی بھائی جناب کریم اللہ صاحب نوجوان ایڈیٹر "آزاد نوجوان" سے ہو گیا ہے۔ ان کی باتوں سے پایا جاتا ہے۔ کہ احمدی سوائے دین کو دُنیا پر مقدّم کرنے کے اور کسی چیز کو اپنا مقصد نہیں بتاتے ہاں یہ سچ ہے کہ وہ حضرت مسیح ناصری کے متعلق اپنے عقائد ہم سے کچھ جداگانہ رکھتے ہیں۔ لیکن اس بنا پر تو کوئی دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اور نہ اس سے اسلام کے بُنیادی اصُولوں میں کوئی اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ اس سے جُدا ہو کر دیکھا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ وہ ہم سے کہیں زیادہ مذہب اور ملّت کے قائل ہیں اور اپنا جینا اور مرنا بھی تو اس کے لئے بتاتے ہیں۔ اور یہ بات ہے بھی کچھ ایسی کہ ان احمدیوں کے اشاعتِ اسلام والے کارنامے بہت شاندار ہیں۔ جن کا ہم اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مغربی ممالک میں اسلام کی احمدیوں نے ایک بھاری خدمت انجام دی ہے۔ ابھی چند دنوں کی بات ہے۔ کہ ہم بنگلور

جا رہے تھے کہ اتفاقاً ایک احمدی بھائی سے ملاقات ہوگئی۔ رات بھر کا سفر تو اسلام کی باتوں میں گذرا، اور وہ صاحب جو احمدی تھے۔ برابر وقت پر نماز پڑھ لیتے تھے۔ احمدی بھائی نے تہجد تک کو سفر میں ملتوی نہ کیا اور پھر جب صبح ہو رہی تھی۔ نماز فجر بھی پڑھ لی۔ یہ ایسی چیز ہے جس کو ایک صالح فطرت انسان دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دراصل بات ہے بھی کچھ ایسی ہی کہ مسلمان اپنی باتوں کا نقشہ اپنے عمل میں کھینچ دیتا ہے اور اس کسوٹی پر ہم نے احمدیوں کو پورے اُترتے دیکھا ہے۔ کتنا افسوس کا مقام ہے۔ کہ عقائد کو اختلاف و عناد کا مرکز بنا کر مولانا موصوف کی جان لینے تک کی ٹھان لی گئی۔ کہا جاتا ہے مولانائے موصوف عصر کی نماز پڑھ کر باہر نکلے ہی تھے۔ کہ کسی شقی القلب شیطان نا انسان نے اُن پر چھرے سے حملہ کر دیا۔ اور یہ وار آپ کی گردن پر پڑا۔ لیکن یہ خدائے عزّ و جل کی قدرت کا کرشمہ تھا۔ کہ مولانائے موصوف اس حملہ سے بال بال بچ گئے۔ اس کے بعد حملہ آور کو فوراً دو آدمیوں نے گرفتار کر لیا اس گرفتاری میں ان کے زخم آئے۔ اس حملہ سے دُنیا کی دوسری قومیں کیا نتیجہ اخذ کریں گی۔ کیا اس سے صاف ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ مسلمان جیسی دُنیا کی سب سے بڑی قوم جو ہمیشہ سے رواداری اور مساوات کا درس دُہراتی آئی ہے۔ وہ خود قبل از اسلام کی وحشیانہ حرکات، کی حامل ہے۔ کیا ایسے حملے کے بعد دُنیا کی قومیں ہماری طرف سے پیش کئے جانے والی قرآنی ہدایات کو اپنا رہنما بنا سکتی ہیں۔ ایسے جارحانہ عمل کو روکنے کے ہی لئے تو اسلام کا دُنیا میں ظہور ہوا۔ اگر مسلمان اب بھی سنبھلنا چاہیں تو ان کے لئے موقع ہے کہ ایسے وحشیانہ خیالات کو دُور کر کے اصلاح عمل کی کوشش کریں۔ ورنہ وہ دن دُور نہیں۔ کہ انہیں اعمال کی وجہ سے دُنیا میں ان کا نام و نشان بھی نہیں رہے گا۔ اور خود بھی تباہ ہو کر رہیں گے۔ اور جب خود مسلمان اپنی تباہی کے سامان پیدا کر لیں گے، تو ارشادِ خداوندی کے بموجب ان کو تباہی سے ذرا بھی نہیں بچا سکے گا۔"[1]

حضرت مصلح موعودؓ کا حقیقت افروز بیان

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے سالانہ جلسہ ۱۹۵۴ء پر اس حادثۂ عظمیٰ کی تفصیل پر بڑی شرح و بسط سے روشنی ڈالی تھی جو حضور ہی کے مبارک الفاظ میں درج ذیل ہے فرمایا:۔

"مارچ (۱۹۵۴ء) کی دس تاریخ کا واقعہ ہے۔ کہ میں عصر کی نماز پڑھنے کے لئے گیا۔ نماز پڑھ کے

---

[1] بحوالہ "بدر" قادیان، ۸ اپریل ۱۹۵۴ء

جس وقت میں باہر نکلنے لگا۔ اور دروازہ کے پاس پہنچا۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ میرا ایک پیر باہر آگیا تھا۔ یا نہیں آیا تھا۔ مگر بہرحال میں دروازہ کی دہلیز کے پاس کھڑا تھا۔ کہ پیچھے سے کسی شخص نے مجھ پر حملہ کیا۔ وہ حملہ اس شدت سے تھا اور ایسا اچانک تھا۔ اور پھر چونکہ وہ حملہ سر کے پاس کیا گیا تھا۔ یک دم میرے حواس پر اس کا اثر پڑا۔ اور مجھے یہ نہیں محسوس ہوا کہ کیا ہوا ہے۔ مجھے یہ معلوم ہوا۔ کہ جیسے کوئی بڑا پتھر یا دیوار آگری ہے اور اس پتھر یا دیوار کی وجہ سے میرے حواس مختل سے ہو گئے ہیں۔ اس وقت میں اپنے ذہن میں یہ نہیں سمجھتا تھا۔ کہ زلزلہ آگیا ہے یا کیا ہوا ہے۔ بس مجھے یہ سمجھ آتی تھی۔ کہ کوئی بڑی سل میری گردن پر آکے پڑی ہے لیکن ایک حس شعوری ہوتی ہے۔ اور ایک غیر شعوری ہوتی ہے۔ غیر شعوری حس کے ماتحت میں نے اُس جگہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ جس جگہ پر چوٹ تھی۔ پھر مجھے اتنا یاد ہے کہ مجھے یہ دھندلکا سا معلوم ہوا۔ کہ میں گر رہا ہوں۔ اور مجھے کوئی شخص سہارا دے رہا ہے۔ چنانچہ جو پہرہ دار تھا۔ اُس نے مجھے گرتے ہوئے دیکھ کر۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ اُس کو پتہ لگ گیا تھا کہ کسی نے حملہ کیا ہے یا اُس کو بھی نہیں پتہ تھا۔ بہرحال اس نے یہ دیکھ کر کہ یہ گر رہے ہیں۔ وہ میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اور اُس نے اپنا سینہ لگا کے ہاتھ سے مجھے سنبھال لیا۔ اُس وقت مجھے یہ یاد ہے کہ مجھے یوں معلوم ہوا جیسے اس کے کان پر کوئی زخم ہے اور میں یہ سمجھنے لگا۔ کہ شاید وہی پتھر یا سل جو گری ہے وہ اس کو بھی لگی ہے۔ اور اس کی وجہ سے اُسے یہاں زخم آیا ہے۔ اس اثر کے بعد اس نے مجھے سہارا دیکر باہر کھینچا یا میں دھکے میں باہر آگیا۔ بہرحال مجھے یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ جو پتھر گرا ہے اس کے دھکے کی رَو میں میں نکل کے باہر آگیا ہوں۔ مسجد کے آگے جو دو تین سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ ان کے اوپر دھکے کے زور میں یا اُس کے کھینچنے سے (شاید اُس نے مجھے بچانا چاہا) میرا ایک پَیر دیوار کے پرے چلا گیا۔ اور ایک ادھر رہ گیا۔ وہ حالت ایسی تھی۔ کہ اگر اس وقت وہ شخص دوبارہ حملہ کرتا۔ تو میں وہاں سے ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اس دھکے میں ایک دیوار میری لاتوں کے درمیان تھی اور ایک ٹانگ نیچے اُتری ہوئی تھی۔ اور ایک ٹانگ سیڑھیوں کے اُوپر تھی۔ خیر اتنے میں کچھ لوگ اندر سے باہر نکل آئے اور انہوں نے کھینچ کر مجھے باہر کیا۔ مگر میں ابھی تک اسی احساس کے نیچے تھا۔ کہ شاید کوئی پتھر گرا ہے۔ یا دیوار گری ہے یا خبر نہیں کیا ہوا ہے مگر یہ مجھے محسوس ہوتا تھا۔ کہ ہاتھ میں نے چوٹ کی جگہ پر رکھا ہوا ہے۔ یہ مجھے نہیں پتہ لگتا تھا۔ کہ میں نے ہاتھ کیوں رکھا ہوا ہے اتنے میں اندر سے دوسرے دروازہ میں سے کچھ نمازی نکل کر باہر آگئے۔ اور وہ میرے سامنے کھڑے ہو گئے ابھی تک کوئی چیز مجھے پوری نظر نہیں آتی تھی۔ ان کے چہرے بھی دھندلکے سے نظر آرہے تھے۔ بہرحال

مولوی ابوالعطاء صاحب مجھے نظر آئے۔ تو مَیں نے کہا مولوی صاحب ہُوا کیا؛ یعنی میں ابھی یہ سمجھ ہی نہیں رہا تھا کہ مجھ پر حملہ ہوا ہے بلکہ میں یہ سمجھتا تھا کہ کوئی پتھر گرا ہے یا زلزلہ آگیا ہے یا معلوم نہیں کیا بات ہوئی ہے اور مَیں یہ پوچھ رہا ہوں کہ کیا ہوا ہے یہ دیوار اتفاقاً گر گئی ہے یا زلزلہ آیا ہے یا کیا ہوا ہے۔ اس پر انہوں نے اور بعض دوسرے ساتھیوں نے کہا کہ آپ پر کسی شخص نے حملہ کیا ہے۔ مَیں نے کہا اچھا مجھ پر حملہ کیا گیا ہے اُس وقت مجھے احساس ہوا کہ شاید مَیں نے اپنا ہاتھ زخم پر رکھا ہُوا ہے چنانچہ میں نے جب ہاتھ دیکھا تو سارا ہاتھ خُون سے بھرا ہُوا تھا۔ اتفاقاً کسی کو گھر میں خیال آیا اور اس نے لاہور میں میرے لڑکے مرزا ناصر احمد کو فون کر دیا کہ اس طرح حملہ ہُوا ہے۔ مرزا ناصر احمد نے مرزا مظفر احمد کو بتایا جو میرا داماد بھی ہے اور بھتیجا بھی ہے۔ انہوں نے اپنے طور پہ (ہم نے تو نہیں کہا تھا اور نہ ہمیں خیال تھا) ایک ڈاکٹر کو کہا کہ تم وہاں چلو اور چل کر دیکھو۔ ڈاکٹر امیرالدّین صاحب جو لاہور کے سرجن ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میڈیکل کالج کے یونیورسٹی کے امتحانات ہو رہے ہیں اور کل میں نے لڑکوں کا امتحان لینا ہے۔ اس لئے میں نہیں جا سکتا۔ پھر انہوں نے ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب سے کہا اور وہ ان کو لے کر آگئے۔ ان کے ساتھ بعض دوسرے ڈاکٹر بھی آگئے مثلاً ڈاکٹر مسعود صاحب پہنچ گئے۔ ڈاکٹر محمود اختر صاحب جو قاضی فیملی میں سے ہیں۔ (مسعود احمد صاحب بھی قاضی فیملی میں سے ہی ہیں) وہ بھی پہنچ گئے۔ یہ میو ہسپتال میں کلوروفارم دینے پر افسر مقرر ہیں۔ ڈاکٹر یعقوب صاحب غالباً ان سے پہلے آچکے تھے اور وہ گر بھی گئے تھے۔ شیخ بشیر احمد صاحب ڈاکٹر صاحب اور چوہدری اسداللہ خان صاحب لاہور سے آرہے تھے۔ گھبراہٹ میں انہوں نے شاید موٹر تیز چلوا دیا۔ تو موٹر گر گیا۔ جس کی وجہ سے یہ سارے زخمی ہوئے اور قریباً ہر ایک کی ہڈیوں کو ضرب پہنچی کسی کی کہنی کی ہڈی ٹوٹی اور کسی کی سینے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ بہر حال ڈاکٹروں نے زخم کو دیکھا اور انہوں نے کہا کہ ہمارے نزدیک تو اس کا پھر اپریشن کرنا پڑے گا۔ مَیں نے کہا مجھے اتنی کوفت ہو چکی ہے۔ اور اب رات کے ایک بجے کا وقت قریب آگیا ہے۔ اگر آپ صبح تک انتظار کر سکیں تو کیا حرج ہے وہ گئے کہ اچھا مشورہ کر کے بتاتے ہیں تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر مسعود صاحب میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب کہتے ہیں کہ گردن پر ورم ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اندر خون جاری ہے اور کوئی رگ پھٹی ہوئی ہے۔ اس لئے صبح تک انتظار کرنا خطرناک ہے۔ اگر اور انتظار کیا گیا تو خُون میں زہر پیدا ہو جائے گا۔ اور انہیں اصرار ہے کہ اپریشن ابھی ہونا چاہیئے چاہے رات کے وقت تکلیف بھی ہوگی۔ لیکن اپریشن ضرور کرنا پڑے گا۔ چنانچہ میں اس پر راضی ہو گیا۔ کہنے لگے بیہوش کیا جائے۔ میں نے کہا مجھے بے ہوش نہ کریں۔ یونہی اپریشن کرو۔ خدا تعالیٰ توفیق دے گا۔ اور میں اس کو

برداشت کروں گا۔ چنانچہ ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب آئے، اور خواب آور ٹیکہ لگوادیا۔ پھر ایک گھنٹہ بارہ منٹ تک انہوں نے اپریشن کیا۔ صفائی کی اور خون کے لوتھڑے نکالے۔ انہوں نے بعد میں بتایا کہ حملہ سے ایک بڑا عصبہ کٹ گیا ہے۔ دو درمیانی سائز کی خون کی رگیں کٹ گئی ہیں۔ اور سوا دو انچ گہرا اور سوا دو انچ لمبا حصّہ عضلات کا کٹ گیا ہے۔ بہرحال کوئی ایک گھنٹہ بارہ منٹ کام کرنے کے بعد وہ فارغ ہوئے اور صبح چلے گئے۔ دوسرے دن گردن وغیرہ کی درد کی تکلیف رہی اور چونکہ مَیں گردن کو ہلا نہیں سکتا تھا۔ اس لئے ایک تکیہ ایسا بنا دیا گیا جس کے بیچ میں شگاف کر دیا گیا تاکہ زخم کی جگہ تکیہ پر نہ لگے۔ بہرحال آج کل حفظانِ صحت کے جو قوانین مقرر ہیں۔ ان کے لحاظ سے ایک عرصہ مقررہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے آرام دے دیا۔ پورا آرام تو کوئی بائیس تیئیس دن میں آیا۔ لیکن زخم کے ٹانکے شاید آٹھویں یا دسویں دن کھول دیئے گئے۔ خون کے متعلق بھی دوستوں نے بتایا کہ جہاں تک آپ آئے ہیں۔ وہاں تمام جگہ پر جیسے خون کے چھپڑ بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اچھے خاصے چھپڑ بنے ہوئے تھے۔

وہ لباس جس پر خون لگا ہوا ہے ہم نے اب تک رکھا ہوا ہے۔ وہ بھی خدا تعالیٰ کے نشانوں کی صداقت کا ایک ثبوت ہے۔ حکومت کی طرف سے ان دنوں بڑی ہمدردی کا اظہار ہوا۔ خود گورنر صاحب کی طرف سے بھی ہمدردی کی گئی۔ وزیر اعظم صاحب کی طرف سے ایک دفعہ دوسرے نے اور پھر انہوں نے خود بھی فون کر کے بات کی۔ اسی طرح کمشنر صاحب بھی آئے۔ ڈی۔ آئی۔ جی بھی آئے۔ ڈپٹی کمشنر بھی آئے سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی آئے لیکن حکومتِ ضلع کی مصلحت یہی معلوم ہوتی تھی۔ کہ اس معاملے کو رفع دفع کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک موقع پر ایک بالا افسر نے اس خیال کا اظہار بھی کیا ایسے مقدمات میں پولیس کی طرف سے عموماً عدالت میں کپڑے بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ بھی ایک شہادت ہوتے ہیں۔ کہ دیکھو یہ خون سے لتھڑے ہوئے ہیں۔ اور ان سے پتہ لگ جاتا ہے کہ زخم کس حد تک تھا۔ مگر ہم سے پولیس نے پہلے خود کپڑے مانگے۔ لیکن جب پیشی کا وقت آیا۔ تو باوجود ان کو کہلا کے بھیجنے کے کہ کپڑے منگوا لیں۔ انہوں نے نہیں منگوائے۔ دگو انہوں نے اب یہ خیال ظاہر کیا ہے۔ کہ کپڑے اس وقت پیش ہوتے ہیں۔ جب ان کے اندر سے زخم لگے۔ میں تو قانون دان نہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ اگر یہ ہے تو پہلے ان کا آدمی کپڑے مانگنے کیوں

ل اس سلسلہ میں ۱۲ر مئی ۱۹۵۴ء کو حضور کا بیان لائلپور عدالت میں ہوا۔

آیا تھا اس طرح وہ چادر جس میں کہا جاتا ہے کہ ملزم چاقو چھپا کر بیٹھا تھا وہ بھی پولیس نے پیش نہیں کی۔ یہ قانون ہے (شاید بعض لوگ نہیں جانتے ہوں گے) کہ ایسے فوجداری مقدمات میں گورنمنٹ مدعی ہوتی ہے۔ خود مضروب کا کوئی حق نہیں ہوتا کہ وہ بیچ میں بولے یا بلوا سکے۔ بہرحال وہ چادر بھی نہیں پیش کی گئی جس کی وجہ سے مجسٹریٹ نے احمدی گواہوں پر شبہ کا اظہار کیا اور لکھا کہ اگر کوئی چادر تھی تو وہ پیش کیوں نہیں کی گئی۔ حالانکہ چادر پیش کرنا نہ کرنا پولیس کا کام تھا۔ ہمارے اختیار میں یہ بات نہ تھی۔ اس دوران میں ڈاکٹر کئی دفعہ آتے رہے۔ انہی دنوں اس حملہ کے اثر کے نیچے یہ بھی ہوا کہ مجھے عارضی طور پر ذیابطیس کی شکایت ہو گئی۔ ڈاکٹر پیشاب ٹیسٹ کرتے رہتے تھے تا کہ کوئی خرابی ہو تو پتہ لگ جائے۔ ایک دن جو پیشاب ٹیسٹ کرایا تو معلوم ہوا کہ اسکے اندر شکر آتی ہے مگر ڈاکٹروں نے کہا ابھی آٹھ دس دن تک آپ نہ گھبرائیں اگر تو یہ تکلیف زخم کی وجہ سے ہوئی ہے اور ایسا ہو جاتا ہے۔ تو آٹھ دس دن کے بعد ہٹ جائے گی۔ اور اگر زخم کی وجہ سے نہ ہوئی تو ہم علاج کا فکر کریں گے۔ اتنی دیر تک علاج کے فکر کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ دس بارہ دن کے بعد یہ تکلیف خدا تعالیٰ کے فضل سے ہٹ گئی اور پتہ لگ گیا کہ یہ صرف زخم کی شدّت کی وجہ سے تھی۔ خود اصل بیماری نہیں تھی۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے کہا کہ یہ زخم کی تکلیف آپ کو چھ مہینے تک چلے گی۔ پہلے تین مہینوں میں تو آپ کو زخم کا آرام معلوم ہونا شروع ہو گا۔ لیکن تین مہینے کے بعد یہ تکلیف بڑھنی شروع ہو جائے گی۔ اور وہ نرو (Nerve) جو کٹ گیا ہے وہ اندر کسی جگہ پر اپنی جگہ بنائے گا۔ اور کسی دوسرے نرو سے جڑنے کی کوشش کرے گا۔ جب وہ اس طرف کو چلے گا۔ تو اس سے آپ کو گھبراہٹ ہو گی! اور یوں معلوم ہو گا کہ اندر کوئی چیز حرکت کرتی ہے غرض مجھے انہوں نے پہلے سے کہہ دیا تھا مگر اتفاق کی بات ہے۔ بعض دفعہ تشویش مقدّر ہوتی ہے قریباً چھ مہینے تک جو انہوں نے وقفہ بتایا تھا۔ اس میں مجھے کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی۔ صرف چھوٹی چھوٹی حرکت ہوتی تھی۔ لیکن چھٹے ماہ کے آخر میں اس قدر شدید تکلیف ہوئی کہ بعض دفعہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مینڈک اندر کود رہا ہے اور چھلانگیں مارتا ہوا آگے جا رہا ہے۔ اور باوجود جاننے کے گھبراہٹ پیدا ہو جاتی۔ ڈاکٹروں سے پوچھا گیا کہ یہ کیا بات ہے تو کراچی کے سرجن نے کہا کہ یہ تکلیف اس سے پہلے ہونی چاہیئے تھی۔ اور اب تک آرام آجانا چاہیئے تھا۔ مگر ممکن ہے بڑی عمر کی وجہ سے اندمال کا وقت پیچھے ہو گیا ہو۔ اس لئے ایک ماہ تک انتظار کریں۔ اگر طبعی عارضہ ہوا تو یہ تکلیف ہٹ جائے

گی۔ ورنہ پھر غور کیا جائے گا کہ اس نئی تکلیف کا نیا سبب کیا ہے پھر لاہور آکر سرجن کو دکھایا گیا۔ اور وہاں کے ڈاکٹر نے بھی پہلی ہی رائے ظاہر کی۔ بہرحال دو مہینے یہ تکلیف جاری رہی۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے دب گئی۔ اب مجھے سر کے اس حصہ میں نسبتاً حس بھی محسوس ہوتی ہے۔ اور گردن کو ٹیڑھا کرنے سے جو پہلے یکدم جھٹکہ سا محسوس ہوتا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے سر میں ہتھوڑا مارا ہے۔ وہ حالت بھی جاتی رہی ہے اور وہ جو اندر کوئی چیز زور سے حرکت کرتی معلوم ہوتی تھی۔ جیسے کوئی جانور کود رہا ہے یا ناچ رہا ہے وہ بھی جاتی رہی ہے۔ بہرحال اب ایسی حالت ہے کہ اکثر اوقات میں سمجھتا ہوں کہ مجھے کوئی بیماری نہیں ہے۔ گو کوئی کوئی وقت ایسا بھی آجاتا ہے۔ جب مجھے احساس ہوتا ہے کہ شاید کوئی بیماری ہو۔

بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ایک بلا آئی۔ بڑی شکل میں آئی۔ بہت بُری شکل میں آئی اور پھر چلی گئی۔ اصل میں تمام امور انجام کے لحاظ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انجام اچھا کر دیا مجھے کئی دفعہ خیال آیا ہے کہ یُوں تو ہم فصدیں کرواتے نہیں۔ ممکن ہے خدا تعالےٰ کے نزدیک خون نکالنا اچھا ہو۔ اس نے یہ ذریعہ پیدا کر دیا۔ کہ چلو انہوں نے فصدیں نہیں نکلوائی۔ ہم اس طرح ہی فاسد خُون نکال دیتے ہیں۔ مگر میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں۔ کہ جو بھی واقعہ ہُوا حملہ کرنے والے کی نیت بہرحال مجھے مارنے کی تھی۔ خود عدالت میں اس نے اقرار کیا ہے کہ میں اسی نیّت سے آیا تھا کہ ان کو ماروں۔ مگر یہ سیدھی بات ہے کہ جس نے بھی مجھے مارنا چاہا تھا اُس نے مجھے نہیں مارنا چاہا تھا۔ بلکہ اپنے خیال میں احمدیت کو مارنا چاہا تھا۔ اور یہ چیز ایسی ہے۔ جس کے متعلق میرا مذہبی فرض ہے کہ میں دُنیا کو بتا دوں کہ احمدیت کا میری زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہوئے تو دنیا نے یہ سمجھا تھا کہ احمدیت ختم ہو گئی۔ مگر پھر احمدیت اس سے بھی آگے نکل گئی۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو انہوں نے سمجھا بس یہ بڈھا ان میں عقلمند تھا۔ اب یہ ختم ہیں۔ پھر جب میں خلیفہ ہُوا۔ تو لوگوں نے کہا ایک بچّے کے ہاتھ میں خلافت آگئی ہے۔ مگر وہ بچّہ آج بوڑھا ہے اور احمدیت آج جوانی کی طرف جا رہی ہے نہ اس کے بچپن نے احمدیت کو نقصان پہنچایا اور نہ اس کا بڑھاپا احمدیت کو کوئی نقصان پہنچاتے گا۔ دُنیا کتنی بھی کوشش کرے احمدیت کا پودا بڑھے گا۔ بڑھتا جائے گا۔ ترقی کرتا جائے گا۔ آسمان تک جا پہنچے گا۔ یہاں تک کہ زمین اور آسمان کو پھر اسی طرح ملا دے گا جس طرح

رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہُوا تھا۔

دیکھو ہمارے ہاں فارسی کی ایک ضرب المثل مشہور ہے کہ ؎

خدا شرے برانگیزد کہ خیرِ ما در آں باشد

یعنی خدا تعالیٰ بعض دفعہ کوئی شر پیدا کرتا ہے لیکن اس میں ہمارے لئے خیر مقصود ہوتی ہے۔ اب دیکھو یہ واقعہ گزرا تو ظاہر میں اس وقت ہم بھی گھبرائے۔ بیمار تو تکلیف پاتا ہی ہے اس کو آخر دکھ پہنچتا ہے۔ باقی جماعت کو بھی ایک صدمہ پہنچا۔ لیکن یہ کتنا بڑا نشان ہے کہ جس وقت میں خلیفہ ہُوا اور لوگوں نے حضرت صاحب کے الہام ٹٹولے تو ان میں سے ایک الہام "فضلِ عمر" بھی انہوں نے پیش کرنا شروع کیا۔ کہ دیکھو یہ دوسرے خلیفہ ہوئے ہیں اور ان کے لئے الہام ہے "فضلِ عمر" پیغامیوں نے اس پر خوب ہنسی اڑائی کہ لوجی یہ "فضلِ عمر" بن گئے ہیں۔ اب یہ جو تمہارا خلیفہ بننے کا سوال تھا۔ یہ تو تمہارے ہاتھ کا ایک فعل تھا۔ بے شک قرآن یہی کہتا ہے کہ میں خلیفہ بناتا ہوں۔ مگر بنوانا تو آدمیوں کے ہاتھ سے ہے اور جو چیز آدمیوں کے ہاتھ سے بنوائی جاتی ہے۔ وہ کوئی دلیل لوگوں کے سامنے نہیں ہوتی تم یہ کہتے کہ دیکھو حضرت صاحب نے کہا تھا "فضلِ عمر" اور یہ دوسرے خلیفہ بن گئے تو بڑی کھینچ تان کے بعد دلیلیں نکالنی پڑتیں کہ اب تک زندہ رہنے کی کونسی صُورت تھی اور کون اس پر یقین رکھ سکتا تھا۔ یہ ذرا پیچیدہ باتیں ہیں۔ دُشمن کا سیدھا جواب یہ تھا کہ تم نے ان کو دُوسرا خلیفہ بنا دیا۔ اب لگے ہو الہام چسپاں کرنے تُم نے آپ خلیفہ بنایا ہے لیکن یہ چیز خُدا تعالیٰ نے ایسی پیدا کی جو تمہارے ہاتھوں سے نہیں ہوئی۔ تمہارے مخالف کے ہاتھوں سے ہوئی۔ (۱) جس دن مجھ پر حملہ کیا گیا۔ اسی دن حضرت عمرؓ پر حملہ کیا گیا تھا یعنی بدھ کے دن۔ (۲) جس طرح ایک غیر عقیدہ[1] شخص نے حضرت عمرؓ پر حملہ کیا تھا۔ اسی طرح ایک غیر عقیدہ شخص نے مجھ پر حملہ کیا۔ (۳) جس طرح مسجد میں حضرت عمرؓ پر حملہ کیا گیا تھا۔ اسی طرح مسجد میں مجھ پر حملہ کیا گیا (۴) جس طرح نماز کے وقت میں حضرت عمرؓ پر حملہ کیا گیا تھا۔ اسی طرح نماز کے وقت میں مجھ پر حملہ کیا گیا۔ (۵) جس طرح پیچھے سے آکر دُشمن نے حضرت عمرؓ پر حملہ کیا تھا۔ اسی طرح پیچھے سے آکر مجھ پر حملہ کیا گیا۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ ان پر صُبح کے وقت حملہ ہُوا اور مجھ پر عصر کے وقت حملہ ہُوا۔ لیکن جو قرآن شریف کی تفسیریں

---

[1] ابولولو غلام

پڑھنے والا ہے ۔ وہ جانتا ہے کہ قرآن شریف میں جو صلوٰۃ الوسطیٰ کا لفظ آتا ہے ۔ اس کے متعلق مفسّرین نے یہی لکھا ہے کہ اس سے یا عصر کی نماز مراد ہے یا صبح کی ۔ گویا صبح اور عصر کو ایک نام میں شریک قرار دیتے ہیں ۔ پس وہ ساری مشابہتیں جو حضرت عمرؓ کے حملہ کے ساتھ تھیں ۔ وہ ساری کی ساری اللہ تعالےٰ نے اس جگہ ملا دیں ۔ اور پھر "فضلِ عمر" کہہ کر یہ بھی بتا دیا ۔ کہ ہم اس کیساتھ حضرت عمرؓ سے بڑھ کر معاملہ کریں گے ۔ یعنی حضرت عمرؓ اس حملہ کے نتیجہ میں شہید ہو گئے تھے ۔ لیکن یہ پیدا ہونیوالا لڑکا اس حملہ کے باوجود بچ جائیگا ۔ اور زندہ رہے گا ۔ اب دیکھو یہ ہمارے اور تمہارے اختیار کی بات نہیں تھی ۔ تم یہ نہیں کر سکتے تھے کہ کسی شخص کو کہو کہ تو جا کر حملہ کر تا کہ عمرؓ کے ساتھ مشابہت پوری ہو جائے؎ ۔ یہ کام صرف دشمن کے ہاتھ سے ہو سکتا تھا ۔ چنانچہ جو واقعات ہوئے ان کو دیکھ کر سمجھ ہی نہیں آتا ۔ کہ ہمارے آدمیوں کو اس وقت ہو کیا گیا تھا ۔ مثلاً وہ آتا ہے تو ہمارے آدمی اس کو پناہ بھی دیتے ہیں ۔ اس کو بٹھاتے بھی ہیں اس کی خاطریں بھی کرتے ہیں ۔ اور کسی کو یہ خیال نہیں آتا کہ ہم تحقیق تو کریں یہ ہے کون ۔ قادیان میں یہ قاعدہ تھا کہ اجنبی آدمی کو نماز کے وقت پہلی دو صفوں میں نہیں بیٹھنے دیتے تھے ۔ اور جماعت کے مختلف محلّوں کے دوست ہر روز آ کے پہرہ دیتے تھے ۔ یہاں آکر ان کو بڑا اطمینان ہو گیا ۔ کہ اب کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ۔ اور پھر وہ شخص اپنے اقرار کے مطابق آ کے پہلی صف میں بیٹھا اور کسی نے نہیں پوچھا ۔ کہ میاں تم اجنبی آدمی ہو ۔ تم پہلی سطر میں کیوں بیٹھے ہو ۔ بلکہ عجیب بات تو یہ ہے ۔ کہ مجھ سے عدالت نے پُوچھا کہ کیا آپ نے اس لڑکے کو دیکھا تھا ۔ میں نے کہا میں نے تو نہیں دیکھا تھا ۔ بات یہ ہے کہ خُدا تعالیٰ کا منشاء تھا کہ وہ نظروں پر پردہ ڈال دے ۔ ورنہ عموماً انسان کی نظر اُٹھ جاتی ہے اور وہ دیکھ لیتا ہے ۔ مگر میں نے یہی کہا کہ میں نے تو دیکھا نہیں ۔ یہ مانتا ہے اور دوسرے لوگ کہتے ہیں ۔ ورنہ میں نے اسکو نہیں دیکھا ۔ تو یہ ساری چیزیں ایسی تھیں جو ہمارے اختیار کی نہیں تھیں یہ کسی غیر کی تدبیر کیساتھ تعلق رکھتی تھیں اور یا پھر خدائی تدبیر تھیں ۔ بہرحال ان ساری تدبیروں کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ نے حضرت عمرؓ سے میری مشابہت اسوقت ثابت کر دی ۔ پھر حضرت

؎ حوالے :۔ طبری جلد ۳ ص ۲۶۴-۲۶۶

الفتوحات الاسلامیہ جلد ۲ ص ۴۹۰ (تالیف السیّد احمد بن ذہنی دحلان مُفتی مکّہ) مطبوعہ مصر

"الفاروق" صہ ۲۸۲-۲۸۳ مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک پیشگوئی بھی پوری ہو گئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے متعلق فرمایا تھا کہ میں نے دیکھا محمود آیا ہے۔ اور اس کے تمام کپڑوں پر۔ کُرتے پر اور صدری وغیرہ پر اور پاجامے پر خون پڑا ہوا ہے۔ یہ خواب کتنے عرصہ کی ہے۔ میں چھوٹا تھا۔ اور میری گیارہ بارہ سال کی عمر تھی۔ جب انہوں نے یہ خواب دیکھی۔ اور میری پینسٹھ سال کی عمر میں آکے یہ خواب پوری ہوئی۔ یہ کتنا بڑا بھاری نشان ہے۔ پھر انہی دنوں میں میں نے رؤیا میں دیکھا۔ کہ میں انکوائری کمیشن کی جگہ پر ہوں۔ وہ جگہ اس لئے دکھائی گئی تھی۔ کہ اس کے نتیجہ میں لوگوں کے جوش کی وجہ سے بعض باتیں پیدا ہوئیں۔ بہرحال میں نے دیکھا۔ کہ میں انکوائری کمیشن کے ہال میں ہوں۔ اور پیچھے سے کسی شخص نے آکر مجھ پر حملہ کیا ہے۔ اور میں گر گیا ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کیساتھ کوئی اور آدمی بھی ہے۔ کہتے ہیں واللہ اعلم کہاں تک ٹھیک ہے۔ کہ کوئی شخص اُس وقت مسجد سے بھاگا تھا۔ جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ کوئی اور شخص بھی اس اُمید میں بیٹھا ہوا تھا۔ بہرحال وہ رؤیا میں نے دوستوں کو سُنا دی تھی۔ اور پھر اسی طرح ہوا۔ کہ پیچھے سے ایک شخص نے حملہ کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔“ [1]

عدالت میں مقدمہ، بیانات اور فیصلہ

حکومتِ پنجاب کی طرف سے چوہدری محمد اسحٰق صاحب ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ کی عدالت میں زیر دفعہ ۳۰۷ تعزیراتِ پاکستان چالان پیش کیا گیا۔ اور مقدمہ کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ ۱۲ رمئی ۱۹۵۴ء کو ڈاک بنگلہ لائلپور میں بالترتیب مندرجہ ذیل بیانات ہوئے۔

۱۔ بیان چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب ابن چوہدری غلام مصطفیٰ صاحب راجپوت بعمر ۳۵ سال پی۔ ٹی۔ آئی تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ

۲۔ بیان ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب سرجن میو ہسپتال۔ لاہور

۳۔ بیان ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منوّر احمد صاحب ایم۔ بی۔ ایس۔ میڈیکل آفیسر آف ہیلتھ۔ نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی ربوہ اسسٹنٹ انچارج نور ہسپتال۔ ربوہ

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ تا ۵

۴۔ بیان ڈاکٹر بشیر احمد صاحب اے۔ایم۔او سول ہسپتال۔ لالیاں

۵۔ بیان اقبال احمد صاحب ولد نور الٰہی صاحب بھٹی بعمر ۳۰ سال پہریدار سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود

۶۔ بیان چوہدری ولایت خان صاحب ولد ملک حسن خان صاحب ریحان بعمر ۴۸ سال اسسٹنٹ آڈیٹر تحریک جدید انجمن احمدیہ پاکستان

۷۔ بیان عبدالحکیم صاحب اکمل ابن مولوی عبدالرحیم صاحب بٹ بعمر ۱۲ سال طالب علم جامعۃ المبشرین۔ ربوہ

۸۔ بیان مولانا عبدالرحمٰن صاحب انور ولد مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی ریحان بعمر ۴۶ سال پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ

۹۔ بیان داؤد احمد صاحب ولد محمد اسماعیل صاحب ارائیں بعمر ۵۲ سال کلرک دفتر پرائیویٹ سیکرٹری ربوہ

۱۰۔ بیان احمد دین صاحب ولد ملک محمد دین صاحب بعمر ۲۲ سال مددگار دفتر پرائیویٹ سیکرٹری

۱۱۔ بیان سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ

۱۲۔ بیان ملزم عبدالحمید ولد منصب داد جٹ بعمر ۱۵۔۱۶ سال طالب علم جماعت نہم بستی مسلم ہائی سکول۔ لائلپور۔ ساکن چک نمبر ۲۲۰ ج ب والا۔ ضلع لائل پور

ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب نے ۲۵ر مئی ۱۹۵۴ء کو ملزم کو پانچ سال قید کی سزا دی اور اپنے فیصلہ میں بعض غیر متعلق ریمارکس بھی دیئے جو بعد کو ہائی کورٹ کے حکم سے حذف کر دیئے گئے[1]

قاتلانہ حملہ کے بعد حضرت مصلح موعود کا پہلا خطبہ جمعہ

قاتلانہ حملہ کے بعد حضرت مصلح موعودؓ کے لئے اپنے سرِ مبارک کو جنبش دینا ممکن نہ تھا حضور ان ایّام میں صرف انگلی کے اشارے سے نماز ادا کر سکتے تھے۔ اس کے بعد آپ بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ پھر رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے توانائی اور قوّت میں اضافہ ہوتا گیا۔ جونہی آپ نے محسوس کیا کہ اگرچہ آپ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھا سکتے مگر خطبہ جمعہ دے سکتے ہیں آپ جمعہ کے لئے بھی تشریف لانے لگے۔ جس سے حضورؓ کی اولوالعزمی اور جماعت سے غیر معمولی محبّت کا پتہ چلتا ہے۔ اس سانحہ کے بعد حضرت مصلح موعود نے پہلا جمعہ ۲۱ ہجرت ۱۳۳۳ ہش بمطابق

---

[1] الفضل ۷ر جولائی ۱۹۵۵ء ص ۱

۱۲ مئی ۱۹۵۴ء کو مسجد مبارک ربوہ میں پڑھایا۔ خطبہ کے شروع میں حضور نے بتایا کہ:۔

"میں نے جماعت سے بہت کچھ کہنا ہے لیکن میری صحت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ لمبا بول سکوں اس لئے ان ضروری باتوں کو میں ابھی ملتوی کرتا ہوں۔ میں نماز پڑھانے آج آیا ہوں لیکن چونکہ ابھی کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھا سکتا۔ اس لئے میں بیٹھ کر نماز پڑھاؤں گا۔ باقی دوست حسب سُنّت کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔

پچھلے دنوں تو میرے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا بھی سوال نہیں تھا کیونکہ میں نہ سر کو ہلا سکتا تھا اور نہ جھکا سکتا تھا۔ بلکہ حملہ کے شروع ایّام میں تو میں صرف اُنگلی سے اشارہ کر سکتا تھا۔ گویا چارپائی پر جسم پڑا ہے۔ اور انگلی کے ساتھ ہی رکوع اور سجدہ ہو رہا ہے۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ سر ہلا سکوں"۔[1]

اس کے بعد حضور نے اہل ربوہ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"ربوہ کی بُنیاد کی غرض یہ تھی کہ یہاں زیادہ سے زیادہ نیکی اختیار کرنے والے اور دیندار لوگ آباد ہوں ..... پس تم یہاں رہ کر نیک نمونہ دکھاؤ اور اپنی اصلاح کی کوشش کرو۔ ہماری جماعت اس وقت کتنی مشکلات میں سے گذر رہی ہے ...... تم ساری دُنیا سے لڑائی مول لے کر یہاں جمع ہوئے اور پھر بھی تقویٰ و طہارت اور عمل و انصاف اپنے اندر پیدا نہیں کر سکے تو تمہاری زندگی ایسی ہوئی کہ اپنوں نے بھی تمہیں ٹھکرا دیا اور غیروں نے بھی تمہیں ٹھکرا دیا۔ حالانکہ دُنیا میں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ اگر کسی کو اپنے ٹھکرا دیتے ہیں تو اسے غیروں کے پاس پناہ مل جاتی ہے اور اگر غیر ٹھکرا دیتے ہیں تو اپنے اسکی امداد کرتے ہیں۔ لیکن تمہیں غیروں نے بھی ٹھکرا دیا اور اپنوں نے بھی ٹھکرا دیا۔ پھر تمہیں یہاں رہنے کا کیا فائدہ حاصل ہوا؟ ایسے حالات میں ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرو ... اگر تم اس کی رضا کو حاصل کر لو تو ساری مصیبتیں اور کوفتیں دُور ہو جائیں اور راحت کے سامان پیدا ہو جائیں"۔[2]

---

[1] الفضل ۱۰ احسان ۱۳۳۳ ہش / ۱۰ جون ۱۹۵۴ء صفحہ ۳-۴

[2] ایضاً صفحہ ۳-۴

فصل سوم

الفضل کا دوبارہ اجرا

۲۷ فروری ۱۹۵۳ء سے روزنامہ "الفضل" ایک سال کے لئے بند کر دیا گیا تھا۔ اس جبری تعطل کا عرصہ ختم ہونے کے بعد ۱۵ مارچ ۱۹۵۴ء کو لاہور سے "الفضل" کا دوبارہ اجراء عمل میں آگیا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے مولوی محمد شفیع صاحب اشرف سابق مدیر "فاروق" (لاہور) کو اس نئے دور کا قائمقام ایڈیٹر نامزد فرمایا جس کے چند روز بعد کراچی سے الفضل کا پورا عملہ اور کاتب حضرات لاہور پہنچ گئے۔ اور ۲۶ مارچ ۱۹۵۴ء سے جماعت کا یہ ترجمان دوبارہ جناب شیخ روشن دین صاحب تنویر کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا۔

جناب مولوی محمد شفیع صاحب اشرف[1] تحریر فرماتے ہیں:-

"جس وقت "فاروق" کا پہلا پرچہ شائع ہوا۔ روزنامہ "الفضل" کا سارا سٹاف اس وقت لاہور ہی میں تھا۔ مین انہی دنوں کراچی کی جماعت اس کوشش میں تھی کہ اُن کا اخبار "المصلح" جو پندرہ روزہ تھا اور جسے وہاں کے خدّام بہت اخلاص کے ساتھ چلایا کرتے تھے اُسے روزنامہ کر دیا جائے۔ ۱۲ مارچ کو جب کہ لاہور میں مارشل لاء لگا ہوا تھا بذریعہ فون ہم سب کو فوری طور پر ربوہ پہنچنے کی ہدایت ہوئی۔ الفضل کا سارا اسٹاف جس میں ادارتی عملہ اور انتظامی کارکنان سب شامل تھے معہ ضروری ریکارڈ کے ربوہ پہنچا۔ ربوہ پہنچ کر یہ ہدایت ملی کہ الفضل کا عملہ فوراً کراچی کے لئے روانہ ہو جائے۔ اور خاکسار حسب سابق لاہور جا کر "فاروق" جاری رکھے۔ نیز یہ کہ اخویم مکرم شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی جو اُس وقت لاہور ہی میں تھے۔ اور ادارہ الفضل کے رُکن تھے میرے ساتھ کام کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

"فاروق" کے دو پرچے شائع ہو چکے تھے۔ دوسرے پرچہ کی اشاعت کے وقت مارشل لاء لگ چکا

---

[1] مبلغ اسلام انڈونیشیا حال مربی سلسلہ احمدیہ اسلام آباد (پاکستان)

ہوا تھا۔ تیسرے پرچہ کی نوبت آئی تو سنسر شپ کی پابندی بھی لگ چکی تھی۔ کاپیاں لیکر خاکسار تعلقات عامہ کے دفتر میں گیا جس کے ناظم اُس وقت جناب یُوسف العزیز صاحب تھے۔ انہوں نے کاپیاں رکھ لیں اور کہا کہ کل آکر لے جائیں۔ دوسرے روز گیا تو انہوں نے پھر ٹال مٹول سے کام لیا اور فرمانے لگے کہ کچھ دیر اور انتظار کریں۔ مجھے صُورتِ حال کا اندازہ ہو چکا تھا چنانچہ اُس وقت لاہور میں محترم حضرت مرزا عزیز احمد صاحبؓ قیام فرما تھے۔ رتن باغ جا کر میں نے اُن کی خدمت میں ساری تفصیل بتائی وہ فوراً تیار ہوئے اور اس وقت کے صُوبائی وزیر اطلاعات جناب عبدالحمید دستی صاحب کے ہاں گئے اور "فاروق" کے سلسلہ میں گفتگو کی۔ دستی صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ اصل حالات معلوم کر کے آپ کو اطلاع دیں گے۔ ان کی طرف سے اطلاع کیا آنی تھی شام کے پانچ بجے کی خبروں میں ریڈیو سے یہ اعلان ہو گیا کہ "فاروق" بند کر دیا گیا ہے۔

اِن سب امور کی اطلاع حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور محترم ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ کی خدمت میں بھجوائی گئی اور آئندہ کے لئے رہنمائی اور ہدایت کا طلبگار ہُوا۔ جس پر خاکسار کو واپس ربوہ آنے کا ارشاد ہُوا۔ ربوہ پہنچ کر محترم ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ کی ہدایت پر خاکسار نے پھر اپنے اصل دفتر یعنی وکالت تبشیر تحریک جدید میں رپورٹ کی۔ وکالت تبشیر نے جب پھر میرے بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے ہدایت طلب کی تو حضُور نے فرمایا اس وقت سلسلہ کو جرنلسٹوں کی ضُرورت ہے۔ اسے کراچی بھجوا دیا جائے وہاں "المصلح" میں کام کا تجربہ حاصل کرے۔ اور مجھے رپورٹ دیا کرے۔ چنانچہ اس کے چند روز بعد ہی حضور سے مل کر خاکسار کراچی چلا گیا جہاں اُس وقت اخبار کے انچارج محترم شیخ روشن دین صاحب تنویر مرحوم تھے۔ اسی دوران "الفضل" کی بندش کا عرصہ ختم ہو گیا۔ ۱۰ مارچ ۱۹۵۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ پر حملہ ہُوا۔ اگلے ہی روز ۱۱ مارچ کو مجھے بذریعہ تار ربوہ بلوایا گیا۔ چنانچہ ۱۲ مارچ کی شام کو خاکسار کراچی سے بذریعہ چناب ایکسپریس ربوہ پہنچا۔ حضُور پُر نور کی زیارت اور مُلاقات کا شرف حاصل کیا۔ زخم کی وجہ سے حضُور لیٹے ہوئے تھے۔ فرمایا ابھی جا کر حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ سے ملو۔ اور اُن سے ہدایات لیکر لاہور جا کر فوراً "الفضل" جاری کر دو۔ اس کی پابندی کا عرصہ ختم ہو گیا ہے۔ چنانچہ اُسی وقت خاکسار میاں صاحب کے دولت کدہ پر حاضر ہُوا۔ اور حضور کے ارشاد سے اطلاع دی حضرت میاں صاحب نے فرمایا تم کل صُبح ہی لاہور چلے جاؤ۔ اور اللہ کا نام لیکر جیسے بھی ہو "الفضل" جاری کر دو۔ خواہ دو صفحہ کا

ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت صاحب کی صحت کی خبریں جماعت کو جلد جلد پہنچنی رہنی چاہئیں۔ وہاں "الفضل" کے خریداروں کے پتہ جات بھی ہوں گے۔ انہیں اور ایجنسیوں کو اخبار بھجوانا شروع کر دیں۔ فرمایا آپ جاکر کام شروع کر دیں۔ پھر کراچی سے دُوسرا عملہ بھی جلد آجائے گا۔ اس پر خاکسار نے عرض کیا کہ حضور کی صحت کے پیش نظر اب حضور سے تو عرض نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آپ ہی ایک مختصر سا پیغام مجھے لکھ دیں تو میں "الفضل" کے نئے دور کے پہلے پرچہ میں اسے شائع کر دوں۔ فرمانے لگے بہت اچھا۔ کل لاہور جاتے وقت صبح صبح مجھ سے لیتے جائیں۔ چنانچہ ۱۴ مارچ کی صبح کو حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت میاں صاحب نے مجھے دُعا سے رُخصت فرمایا اور اپنا تحریری پیغام بھی عطا فرمایا۔ جو "الفضل" کے نئے دور کے پہلے پرچہ میں شائع ہوا تھا۔ یہ پرچہ بھی ۱۴ مارچ کو شائع ہوا۔ تاریخ اس پر ۱۵ مارچ کی تھی اور دوشنبہ کا مُبارک دن۔ صرف دو صفحہ کا پرچہ تھا۔ وہ بھی نہایت جلدی اور افراتفری میں مُرتب کیا گیا۔ نہ کوئی کاتب تھا اور نہ کوئی دوسرا معاون۔ بڑی مشکل سے اخویم شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی کے ذریعہ ایک بزرگ اور معمّر کاتب مکرم سُلطان احمد صاحب کو تلاش کیا گیا۔ وہ بہت کمزور اور ضعیف ہو چکے تھے۔ لیکن بہرحال ہنگامی ضرورت تھی جیسے بھی ہُوا انھوں نے دو صفحے لکھ دیئے۔ اگلے روز ذرا سکُون ہُوا تو ہفت روزہ "لاہور" کے دفتر میں گیا۔ جہاں "لاہور" کے کاتب مکرم منشی لعل دین صاحب سے استعانت کی۔ انہوں نے دو صفحات لکھکر دیئے اور یوں دُوسرا شمارہ نکلا۔[1]

کتابت کا مسئلہ تو کسی نہ کسی طرح حل کر لیا گیا مگر جلد ہی اخبار کو طباعت کی شدید مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ کیونکہ بوجہ مخالفت کوئی پریس الفضل چھاپنے کو تیار نہ تھا۔

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ جو اس وقت ناظر دعوۃ و تبلیغ تھے۔ محترمہ بیگم شفیع[2] [3] رضا ایڈیٹر اخبار "دستکاری" کے پاس ان کے فلیٹ نمبر ۲ میکلیگن روڈ لاہور تشریف لائے۔ اسی فلیٹ کے نیچے محترمہ بیگم شفیع مرحوم کا دستکاری پریس تھا جس میں انگریزی اور اُردو چھپائی کا انتظام تھا۔ الفضل کا دفتر بھی اسی بلڈنگ کے نمبر ۳

۱؎ مکتوب مولوی محمد شفیع صاحب اشرف بنام مؤلف کتاب (غیر مطبوعہ)

۲؎ وفات بیگم شفیع:

۳؎ علامہ حضرت سیّد شفیع احمد ابوالبرکات محقق دہلوی رضی اللہ عنہٗ

فلیٹ میں تھا۔

حضرت سیّد ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے محترمہ بیگم شفیع کو تمام حالات سے آگاہ کیا کہ کوئی پریس اخبار الفضل کو چھاپنے کو تیار نہیں ہے۔ آپ کے پریس کے علاوہ ہماری نظر میں کوئی پریس نہیں ہے جو الفضل کو چھاپ سکے بیگم شفیع نے بلا توقف ایمانی جرأت سے جواب دیا کہ "احمدیّت کے لئے میرا پریس کیا میری جان بھی حاضر ہے۔ میں ضرور ہر قیمت پر الفضل کو چھاپوں گی۔ اور اس خدمت کو عین سعادت سمجھوں گی۔" چنانچہ الفضل ۲۰ مارچ ۱۹۵۴ء سے ۱۵ اپریل ۱۹۵۴ء تک دستکاری پریس میں چھپتا رہا۔ اور ہوتا یہ کہ بیگم شفیع کے صاحبزادے مبشرات احمد صاحب جو پریس کے منیجر تھے۔ اپنی نگرانی میں رات بھر اخبار چھپواتے اور بیگم شفیع اس عرصہ میں الفضل کے خیریت سے چھپنے کے لئے نوافل پڑھتیں اور دُعائیں کرتیں۔

اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے محض احمدیّت کی برکت سے بیگم شفیع کے پریس اور ان کے بچّوں کی حفاظت فرمائی۔ کچھ عرصہ بعد محترمہ بیگم شفیع حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دُعا کے لئے حاضر ہوئیں۔ تو حضور نے بڑے اچھے الفاظ کے ساتھ ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔[1]

اخبار "الفضل" دستکاری پریس کے بعد پہلے انصاف پریس میں پھر پاکستان ٹائمز پریس میں طبع ہوتا رہا۔ بعد ازاں جلسہ سالانہ ۱۹۵۴ء کے ایّام میں لاہور سے ربوہ منتقل کر دیا گیا۔ اور ۳۱ دسمبر ۱۹۵۴ء / ۳۱ فتح ۱۳۳۳ ہش سے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپنے لگا۔ اس طرح سلسلہ احمدیّہ کا یہ قومی ترجمان قریباً سات برس کے بعد دوبارہ مرکز احمدیت سے نکلنا شروع ہوا جس پر احباب جماعت نے بہت خوشی اور مُسرت کا اظہار کیا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے تو اس موقعہ پر جماعت احمدیّہ کے نام خصوصی پیغامات دیئے حضرت مصلح موعودؓ کے پیغام کا متن یہ تھا۔

"اخبار قوم کی زندگی کی علامت ہوتا ہے۔ جو قوم زندہ رہنا چاہتی ہے اسے اخبار کو زندہ رکھنا چاہیئے۔ آج ربوہ سے اخبار شائع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا ربوہ سے نکلنا مبارک کرے اور جب تک یہاں سے نکلنا مقدر ہے۔ اس کو اپنے صحیح فرائض ادا کرنے کی توفیق دے۔ اخبار قوم کی زندگی کی علامت ہوتا ہے۔ جو قوم زندہ رہنا چاہتی ہے۔ اسے اخبار کو زندہ رکھنا چاہیئے اور اپنے اخبار کے

---

[1] ماخوذ از مکتوب سید مبشرات احمد صاحب حال امریکہ (ابن حضرت علامہ سیّد ابوالبرکات محقق دہلویؓ)

مطالعہ کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان امور پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔

خاکسار مرزا محمود احمد "[۱]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے "الفضل کا دور جدید" کے عنوان سے لکھا :۔

"الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ ایک لمبے وقفہ کے بعد الفضل پھر مرکز سلسلہ سے نکلنا شروع ہو گیا ہے غالباً تینتالیس ۴۳ سال کا عرصہ گذرا کہ سلسلہ احمدیہ کے مرکز قادیان سے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے الفضل کا اجراء ہوا۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد ہمارا یہ مرکزی اخبار خدا کے فضل سے مسلسل ترقی کرتا گیا۔ حتّٰی کہ ملکی تقسیم کے دھکے کے نتیجہ میں الفضل کو بھی جماعت کی اکثریت کے ساتھ قادیان سے نکلنا پڑا۔ جس کے بعد حالات کی مجبوری کے ماتحت وہ لاہور سے شائع ہوتا رہا۔ یہ گویا اس کے لئے برزخ کا زمانہ تھا اب سات سال کے درمیانی زمانہ کے بعد الفضل پھر ربوہ یعنی مرکز سلسلہ نمبر ۲ سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ الفضل کے اس نئے دور میں تمام جماعت کی دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔ اور ہر مخلص احمدی کے دل سے یہ صدا اُٹھ رہی ہے کہ مرکز سلسلہ کا یہ پودا جو گویا اب اپنے بلوغ کو پہنچ رہا ہے۔ بیش از بیش سُرعت کے ساتھ بڑھے اور پھیلے اور پھولے اور اس کے پھلوں سے لوگ زیادہ سے زیادہ مستفیض ہوں مگر اس تبدیلی کے نتیجہ میں جہاں جماعت کی یہ ذمّہ داری بڑھ گئی ہے کہ وہ اپنے اس مرکزی اخبار کی اشاعت کی توسیع میں پہلے سے بڑھ چڑھ کر حصّہ لے اور مرکز کی ان صحافتی تاروں کو اور بھی زیادہ وسیع اور مضبوط کر دے جو اسے افراد جماعت کے ساتھ باندھ رہی ہیں۔ وہاں الفضل کے عملہ کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ نہ صرف الفضل کو زیادہ سے زیادہ مفید اور دلکش بنائے بلکہ لاہور سے ربوہ کی طرف منتقل ہونے کے نتیجہ میں جو بعض مادی وسائل (کی) ترقی میں امکانی کمی آسکتی ہے اسے بیش از بیش توجہ اور کوشش کے ذریعہ کم نہ ہونے دے۔ اس زمانہ میں پریس کی اہمیت اور اس کے اثر کی وُسعت ظاہر و عیاں ہے۔ سو اب یہ جماعت اور عملہ الفضل کا مشترکہ فرض ہے کہ الفضل کو ہر جہت سے ترقی دے کر اسے ایک الٰہی جماعت کے شایان شان بنائے۔

وکان اللہ معنا اجمعین (خاکسار مرزا بشیر احمد ربوہ ۳۱/۱۲/۵۴) "[۲]

---

[۱] الفضل ۳۱ رفتح ۱۳۳۳ ہش / ۱۹۵۴ء صفحہ ایک

[۲] الفضل یکم جنوری ۱۹۵۵ء / مطابق یکم صلح ۱۳۳۴ ہش ص۱

۱۹۵۴ء کی مجلس مشاورت

جماعتِ احمدیہ کی پینتیسویں ۳۵ مجلس مشاورت ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸ اپریل ۱۹۵۴ء / (۱۶۔۱۷۔۱۸ شہادت ۱۳۳۳ ہش) کو لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے ہال میں منعقد ہوئی۔ نمائندگان کی تعداد ۳۳۴ تھی۔ ۲۰ کے لگ بھگ صحابہ شریکِ اجلاس ہوئے۔ شوریٰ میں پاکستان اور آزاد کشمیر کے علاوہ بیرونی ممالک کی احمدی جماعتوں کے مندرجہ ذیل بارہ ۱۲ نمائندوں نے بھی شرکت کی۔

۱۔ سلیم جابی صاحب (شام)	۲۔ رشید احمد صاحب (امریکہ)
۳۔ صالح شبیبی صاحب (انڈونیشیا)	۴۔ عبد الشکور صاحب کنزے (جرمنی)
۵۔ قاضی عبدالسلام صاحب بھٹی (نیروبی مشرقی افریقہ)	۶۔ مسٹر ایم جمال دین صاحب (کولمبو سیلون)
۷۔ مسٹر ایس جمال دین صاحب (نگمبو۔ سیلون)	۸۔ حکیم فضل الٰہی صاحب (کولمبو۔ سیلون)
۹۔ مولانا نذیر احمد صاحب مبشر (گولڈکوسٹ)	۱۰۔ جناب سیّد شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ (انڈونیشیا)
۱۱۔ مولانا نذیر احمد صاحب علی (سیرالیون)	۱۲۔ امری عبیدی صاحب (مشرقی افریقہ)

اس مشاورت کی ایک غیر معمولی اہمیت یہ تھی کہ جب سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود پر حملہ ہُوا تھا یہ پہلا موقع تھا کہ حضور قصرِ خلافت سے باہر تشریف لائے اور اپنے خدّام کے درمیان رونق افروز ہوئے۔

مجلس کے افتتاحی اجلاس کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے ہُوا جو السید سلیم الجابی الشامی نے کی۔ بعد ازاں حضور نے ایک مختصر خطاب فرمایا جس میں بجٹ سے متعلق قیمتی ہدایات دیں اور بالخصوص نوجوانان احمدیت کو، ذمہ داری کا احساس کرنے اور محنت کی عادت پیدا کرنے کی تلقین فرمائی۔ اور بتایا کہ اگر ہمارے نوجوان یہ دو ۲ اوصاف اپنے اندر پیدا کرلیں تو وہ زمین سے آسمان تک پہنچ سکتے ہیں۔

حضور نے اپنی ناسازیٔ طبع کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ڈاکٹری مشورہ کی رُو سے ایک لمبے عرصہ تک آرام کی ضرورت ہے۔ اس لئے میں پہلے کی طرح شریکِ مشاورت نہ ہوسکوں گا۔ بعد میں سب کمیٹیاں مقرر ہوں گی جن کی رپورٹوں اور نمائندگان کی آراء مجھے ساتھ کے ساتھ بھجوائی جاتی رہیں گی۔ اور میں ان کے متعلق اپنا فیصلہ دے دیا کروں گا۔ نیز ارشاد فرمایا کہ مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعت ہائے صوبہ پنجاب شوریٰ کے چیئرمین ہوں گے۔ جو میرے بعد شوریٰ کی کارروائی جاری رکھیں گے۔ چنانچہ حضور کی منشاء مبارک کے مطابق پوری باقاعدگی اور وقار کے ساتھ تینوں روز کارروائی جاری رہی۔ اور محترم مرزا عبدالحق صاحب حضور کی نیابت میں چیئرمین کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اسی طرح سب کمیٹیوں کی تجاویز اور نمائندگان شوریٰ کی آراء بھی ساتھ کے ساتھ حضور کی خدمت بابرکت میں پیش ہوتی رہیں۔ اور حضور کے مُبارک

فیصلوں کی اطلاع بھی نمائندگان کو پہنچتی رہی۔

مشاورت کے دوسرے دن حضرت مصلح موعودؓ سے جماعت احمدیہ کی والہانہ عقیدت و محبت اور اسلام و احمدیت کی خاطر ایثار و قربانی کا بہت شاندار مظاہرہ دیکھنے میں آیا تفصیل اس اجمالی کی یہ ہے کہ حضرت مصلح موعود پر حملہ کے بعد ایک حفاظتی کمیٹی مقرر کی گئی تھی جو چوہدری عبداللہ خان صاحب امیر جماعت کراچی، میجر داؤد احمد صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پر مشتمل تھی۔ اس کمیٹی کو تمام حالات پر تفصیلی غور کرنے کا موقعہ ملا۔ مشاورت کے دوسرے روز حفاظتی تدابیر پر جب خصوصی بحث کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے اس کمیٹی کے رکن چوہدری عبداللہ خانصاحب نے مفصل تقریر فرمائی جس کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

"جو حفاظتی امور میں بیان کروں گا۔ ان کے دو حصے ہیں اوّل یہ کہ حفاظتی تدابیر پر کیا خرچ کرنا چاہیئے؟ دوسرے ہمیں حضور کی حفاظت کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں؟ جو واقعات پچھلے دنوں ہوئے ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان پر عام عقلی نظریہ کے تحت غور کیا جائے ہمیں یہ بھُولنا نہیں چاہیئے۔ کہ حضور نے جماعت کی خاطر لاتعداد قربانیاں کی ہیں۔ آپ نے حملہ کے معاً بعد جماعت کے نام جو پیغام دیا۔ اُس میں جماعت کے دوستوں کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ کہ میں تم سے اپنی بیویوں اور بچّوں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہوں۔ آپ نے یہ بات جذبات کو اپیل کرنے کی خاطر بیان نہیں فرمائی۔ بلکہ آپ نے ایک حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ اور واقعہ یہی ہے کہ حضور نے سلسلہ کی خاطر اپنی جان اور مال پیش کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ آپ سے دُشمن کو ذاتی طور پر کوئی عناد نہیں۔ آپ پر قاتلانہ حملہ محض جماعت احمدیّہ کا خلیفہ ہونے کی وجہ سے ہُوا ہے اور پھر یہ خلیفہ ہونے کی وجہ سے ہی نہیں۔ بلکہ اس اعلیٰ راہ نمائی کی وجہ سے ہُوا ہے۔ جو اپنی خلافت کے زمانہ میں آپ جماعت کی کرتے چلے آئے ہیں۔

گذشتہ زمانہ میں آپ نے جماعت سے عملی طور پر کس محبّت کا اظہار فرمایا۔ اس کا علم ہر اس شخص کو ہے جس نے ان دنوں میں حضور کو دیکھا۔ آپ کو ان دنوں کھانے پینے اور آرام کرنے کا کوئی خیال نہیں تھا۔ آپ بیتابی اور بے قراری کے ساتھ اس طرح پھرتے تھے کہ ایک ماں بھی بچّوں کی خاطر اس قدر بے تاب اور بے قرار نہیں ہوتی۔ پھر جب مالی قربانی کا سوال پیدا ہُوا۔ تو آپ نے اپنا مال پیش کر دیا۔ اور اس قربانی میں جماعت کا کوئی فرد آپ سے سبقت نہ لے جا سکا۔ ایک بات یہ بھی یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ سلسلہ نام اِس مجموعہ افراد کا ہے جو یہاں بیٹھے ہیں سلسلہ نام ہے اس جماعت کا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیدا کی اور

جماعت ان افراد کا نام ہے۔ جنہوں نے احمدیّت کو قبول کیا اور حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا سلسلہ کی خاطر اپنی جان پیش کرنا اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ آپ کو جماعت کے افراد سے اپنے بیوی بچّوں سے بھی زیادہ محبّت اور پیار ہے پھر اس وقت جب کہ زخم لگا ہوا ہے حضور کا یہ فرمانا کہ مجھے آپ سے اپنی بیوی بچوں سے بھی زیادہ پیار ہے۔ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ جماعت سے کس قدر محبت کرتے ہیں۔ اِس عظیم محبّت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے جو آپ کو جماعت سے ہے، جو لا پرواہی آپ کی حفاظت کے سلسلہ میں کی گئی۔ میں جب اس بات پر غور کرتا ہوں تو مجھ پر اب بھی رعشہ طاری ہو جاتا ہے۔ میں تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا۔ ہاں جیسا کہ احباب کو معلوم ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس کو معجزانہ طور پر بچا لیا۔ اس مقدّس انسان سے بہت سی پیشگوئیاں وابستہ ہیں۔ اسلئے اللہ تعالےٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔ لیکن جہاں تک ہماری حفاظت کا سوال تھا۔ ہم نے خلیفۂ وقت کو غیروں کے ہاتھوں میں دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ جب کوئی چاہتا۔ آپ پر حملہ آور ہو جاتا۔ جب یہ حالات ہمیں معلوم ہوئے۔ تو ہم نے چند حفاظتی "تدابیر منظور کیں۔ وہ Security measures ہیں۔ انہیں میں آپ کے علم میں نہیں لا سکتا۔ مجلسِ شوریٰ چاہے تو ایک اور کمیٹی مقرّر کر دے جو ان امُور پر غور کرے بہرحال ان میں سے ہر ایک چیز نہایت ضروری ہے۔ ہمیں حضور کی حفاظت کے لئے ذہین، عقل مند اور مضبوُط آدمیوں کی ضرورت ہے۔ ان کے حصوُل کیلئے جس قدر بھی رقم خرچ ہو ہمیں اس سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اگر حضور ان اخراجات کی منظوُری مرحمت نہ فرمائیں۔ تو ہمیں آپ کی خدمت میں بار بار التجا کرنی چاہیئے کہ حضور منظوری عنایت فرمائیں۔ ہم نے خرچ کا جو اندازہ پیش کیا تھا وہ ۳۵،۴۴/- روپے تھا۔ لیکن میرے نزدیک وہ اندازہ بھی کم تھا۔ کیونکہ بعض باتیں اس وقت زیرِ بحث نہیں آئی تھیں۔ ROUND FIGURE کے طور پر میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں پچاس ہزار روپے منظوُر کئے جائیں۔ اور حضور کی خدمت میں نہایت مؤدبانہ درخواست کی جائے کہ حضور ان اخراجات کو منظوُر فرمالیں"۔[1]

چوہدری عبداللہ خان صاحب کے بعد چوہدری اسداللہ خان صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور نے فرمایا کہ:۔

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت منعقدہ ۱۶ تا ۱۸ اپریل ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۵ تا صفحہ ۲۷

"یہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ذات کی حفاظت کا سوال نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کی حفاظت کا سوال پیش ہے جو اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو دیا گیا سب کمیٹی نے جب حضور کی خدمت میں خرچ کے اندازہ کی رپورٹ پیش کی تو حضور نے نہ چاہا کہ اس قدر مالی بوجھ جماعت پر ڈالا جائے لیکن کیا اس سے جماعت کا فرض کم ہو جاتا ہے؟ ..... میں تو سمجھتا ہوں کہ ہم میں سے اگر کسی کے دل میں محبّت ہے، اخلاص ہے، وہ اسلام کی خدمت کرنا چاہتا ہے یا وہ بتانا چاہتا ہے کہ اُسے محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبّت ہے۔ بلکہ اُسے اپنی ذات اور آئندہ نسل سے محبّت ہے تو وہ یہ تو برداشت کرے گا کہ خدا تعالیٰ کے موعود اور اس کی بشارات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے خلیفہ کے جسم کی حفاظت میں لاپرواہی کی جائے اگر حضور اس رقم کو ناپسند بھی فرمادیں تب بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے جذبات کا اظہار کریں اور اپنی جانوں، مالوں اور عزّتوں کو پیش کریں"۔ [1]

چوہدری صاحب کے بعد میاں غلام محمد صاحب اختر نمائندہ لجنہ نے تقریر فرمائی کہ:-

"جب حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز پر حملہ ہوا تو لوگوں نے دیکھ لیا کہ جماعت کو آپ سے کس قدر والہانہ محبت ہے۔ جماعت کا ہر فرد یہ چاہتا تھا کہ کاش یہ چاقو اُس کی گردن پر پھرتا۔ ہم روحانی طور پر ہی حضور کے زیر احسان نہیں بلکہ ہم میں سے اکثر دُنیاوی طور پر بھی حضور کے زیر احسان ہیں۔ حضورؑ کے ان احسانات کو مدّنظر رکھتے ہوئے ہمارا فرض ہے کہ ان حالات میں اپنا سب کچھ پیش کر دیں میں تو کہوں گا اس کے لئے پچاس ہزار روپیہ کی رقم کا مطالبہ کچھ بھی نہیں لاکھوں روپیہ کی بھی ضرورت ہو تو ہم مہیا کریں گے۔ جماعت نے حفاظت مرکز کی خاطر جتنا روپیہ دیا تھا اس سے کم از کم دُگنا روپیہ حضور کی حفاظت کے لئے پیش کرنا چاہیئے۔ میری تجویز یہ ہے کہ یہ پچاس ہزار روپے ابھی جمع کئے جائیں۔ اس رقم کا ۱/۱۰۰ حصّہ یعنی مبلغ پانچ صد روپیہ میں اپنی طرف سے پیش کرتا ہوں"۔ [2]

نمائندگان جماعت جماعت نے اس تحریک کا نہایت پُرجوش خیر مقدم کیا اور فوراً اپنی اور اپنی جماعتوں کی طرف سے نقد یا وعدوں کی صُورت میں اپنا چندہ لکھوانا شروع کر دیا۔ یہ ایک نہایت ایمان افروز منظر تھا جبکہ تمام

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۴ء ص ۲۸-۲۹

[2] رپورٹ " ص ۲۹

احباب فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ کے ارشاد ربانی کے مطابق ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اس دینی تحریک میں حصہ لے رہے تھے چنانچہ مختصر وقت میں نہ صرف یہ کہ چندہ کی مطلوبہ رقم پوری ہو گئی بلکہ نقد اور وعدوں کو ملا کر ساٹھ ہزار سے بھی تجاوز کر گئی۔ مشاورت کے اگلے دن پچھتر ہزار روپے کی رقم جمع ہو چکی تھی جو حضور کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے داخل خزانہ کر دی گئی۔ [۱] [۲]

دراصل نمائندگان شوریٰ کی درخواست یہ تھی کہ حضور بغرض علاج امریکہ تشریف لے جائیں لیکن حضور نے فرمایا کہ "میں صحت کی خرابی کی وجہ سے امریکہ جا تو نہیں سکتا۔ لیکن اگر حالات اس قسم کے پیدا ہو گئے کہ مجھے امریکہ جانا پڑا تو میں کسی کے خرچ پر جانے کو تیار نہیں ہوں۔ تم اپنے آدمیوں کو ہی خرچ دے دو تو کافی ہے"۔

نیز فرمایا:۔

"تم اپنے عملہ کے لئے روپیہ دے دو اور اسے علیحدہ رکھو جب ضرورت پیش آئی میں لے لوں گا۔ اب میری ایسی حالت نہیں کہ میں لمبا سفر کرسکوں۔ امریکہ بحری رستہ سے جاؤں تو دو ماہ جانے میں لگیں گے اور دو ماہ آنے میں لگیں گے اور تین ماہ تک وہاں قیام کرنا ہوگا ہاں ہوائی جہاز پر سفر کیا جائے تو وقت کم لگے گا لیکن ہوائی جہاز پر سفر کرنے کے میں قابل نہیں"۔ [۳]

---

[۱] رپورٹ مشاورت ۱۹۵۴ء / ۱۳۳۳ ہش صفحہ ۶۵-۹۱

الفضل ۲۳ شہادت ۱۳۳۳ ہش / ۲۳ اپریل ۱۹۵۴ء ص ۳

[۲] یہ فنڈ جمع ہو چکا تو سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بعض اُمراء جماعت نے ملاقات کی درخواست کی جو حضور نے منظور نہیں فرمائی جس کی وجہ حضور کے الفاظ میں یہ تھی کہ:۔

"چونکہ شوریٰ میں سے بعض اُمراء کا علیحدہ طور پر ملنا خلافِ قاعدہ تھا اس لئے میں نے اس ملاقات کو پسند نہ کیا۔ ملاقات ایک وقت میں خلافِ قاعدہ ہوتی ہے اور دوسرے وقت میں باقاعدہ ہو جاتی ہے جب مجلس شوریٰ بیٹھی ہو تو سارے افراد شوریٰ کا حصہ ہوتے ہیں اس لئے اس میں سے بعض افراد علیحدہ طور پر ملاقات کرنا چاہیں وہ امراء ہوں یا عام ممبر خلاف قاعدہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر مجلسِ شوریٰ نہ ہو تو پھر امیر اور غریب کا کوئی سوال نہیں ہر شخص کو ملاقات کا حق ہوتا ہے اور وہ ملاقات کرتا ہے"۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۴ء صفحہ ۵۳)

[۳] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۴ء ص ۶۶-۶۷

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی افتتاحی تقریر میں ملک کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر چندہ کی ایک اور تحریک خاص فرمائی تھی۔ اور وہ یہ کہ غیر موصی اصحاب ایک پیسہ فی روپیہ اور موصی احباب کم از کم دو پیسے فی روپیہ اضافہ کر دیں جو ایک مستقل فنڈ کے طور پر رہے۔ یہ تحریک ابتداء میں تین سال کے لئے جاری ہو۔ اور اس میں سے مبلغ چالیس ہزار حفاظتی تدابیر پر ربوہ اور پاکستان کے دوسرے علاقوں میں خرچ ہو۔ اور چالیس ہزار کی رقم ان جھوٹے الزاموں کے رد کرنے میں صرف کی جائے جن کی وجہ سے تشدد انگیز واقعات رونما ہوتے ہیں اور جن کی ایک کڑی قاتلانہ حملہ کا سانحہ بھی ہے۔ اس فنڈ میں سے اٹھارہ ہزار روپیہ ایک جیپ کار کی خرید اور اس کے اخراجات کے لئے مختص ہوگی۔ سب کمیٹی بیت المال کی طرف سے جب شوریٰ کے سامنے یہ مفصل تجویز پیش ہوئی تو نمائندگان نے اس کے حق میں بھی بالاتفاق رائے دی جس کو حضور نے بھی منظور فرمایا۔[1]

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی طبیعت جو حملہ کے باعث پہلے ہی علیل تھی، شوریٰ میں پہلی تقریر کے بعد اور بھی ناساز ہوگئی جس کی ایک ظاہری وجہ یہ ہوئی کہ حضور حملہ کے بعد پہلی بار پگڑی پہن کر آئے تھے۔ پگڑی کا سر پر بوجھ محسوس ہوتا تھا نیز کلاہ عین زخم کی جگہ کے اوپر لگتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شدید درد شروع ہوگیا جس نے دن اور رات حضور کو بے چین کئے رکھا۔ مگر اس ناقابل برداشت تکلیف کے باوجود حضور مجلس شوریٰ کے تیسرے دن صبح ۹ بجے ہال میں تشریف لے آئے۔ اس وقت حضور کے سر مبارک پر پگڑی کی بجائے ایک قسم کی ترکی ٹوپی تھی اور ٹوپی پر ایک رومال بندھا ہوا تھا۔

سب سے پہلے انڈونیشیا کے صالح الشیبی نے تلاوت قرآن مجید کی۔ اس کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے کرسی پر رونق افروز ہو کر خطاب فرمایا کہ:۔

> "احمدیوں کا فرض ہے کہ وہ جو کام بھی کریں ہوشیار ہو کر کریں۔ یہ درست ہے کہ خدا تعالیٰ ہی ہر کام کرتا ہے لیکن یہ بھی درست ہے کہ عملی طور پر یہ نہیں ہوتا۔ کہ خدا تعالیٰ آسمان سے اُتر کر یہ کہے کہ تم لحاف اوڑھ کر چارپائی پر لیٹے رہو۔ میں تمہاری جگہ کام کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا تم اُس باغ میں رہو۔ اور اس کے پھل کھاؤ لیکن فلاں دروازہ سے چوکنا رہیں۔ اگر اس دروازہ سے شیطان تم پر حملہ آور ہوگیا۔ تو میں ذمہ دار نہیں ہوں گا۔ پھر جب شیطان نے حملہ کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ یہ میری غلطی تھی۔ میں نے تمہیں کیوں نہ بچایا بلکہ اُس نے کہا میں نے تمہیں

---

[1] رپورٹ مجلس شوریٰ ۱۹۵۴ء ص ۳۶-۳۷

باغ دیا تھا۔ دُودھ اور شہد کی نہریں عطا کی تھیں اور ہر قسم کی آسائش کا سامان مہیّا کر دیا تھا لیکن تم اتنے سُست نکلے کہ تم نے احتیاط کو بھی نظر انداز کر دیا۔ اور شیطان کو اندر آنے دیا۔ اب تم سے یہ شہد اور دودھ کی نہریں اور دوسرے آسائش کے سامان واپس لے لئے جاتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السّلام کو بھی خدا تعالیٰ نے نعمتیں دیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہیں چیزیں بھی دوں گا۔ اور پھر ان کی حفاظت بھی کروں گا۔ حفاظت تمہیں خود کرنی ہوگی۔ اگر تم نے سُستی اور غفلت سے کام لیا تو میں نے تمہارا ہاتھ نہیں بٹانا۔ ہاں اگر تم کام کروگے اور پُوری محنت سے کام کروگے اور اس کے بعد بھی کوئی کسر رہ جائے گی۔ تو اس کو میں پورا کروں گا یعنی اگر تم خود رخنہ پیدا کروگے تو میں اس کا ذمّہ دار نہیں ہوں گا۔ ہاں اگر تمہارے پوری جدوجہد کرنے کے باوجود کوئی رخنہ باقی رہ گیا۔ تو میں اس کو پُورا کروں گا حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے وقت میں بھی یہی ہُوا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے وقت میں بھی یہی ہُوا۔ محمدؐ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے وقت میں بھی یہی ہُوا۔ آپ کو یہودیوں نے کھانے میں زہر ملا کر دے دیا۔ بعض لوگ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے ان کی دعوت کو منظور کیوں کر لیا۔ لیکن آپ کی شان یہی تھی۔ کہ آپ ان کی دعوت قبول کر لیتے۔ یہ صحابہؓ کا کام تھا کہ وہ کھانے کو چکھ کر دیکھ لیتے اور اطمینان کر لیتے۔ اب مجھ پر قاتلانہ حملہ ہُوا۔ تو بعض دوستوں نے لکھنا شروع کر دیا۔ کہ خلیفۂ وقت کو نماز کیلئے مسجد میں نہیں آنا چاہیئے اسی طرح ملاقات کا سلسلہ بھی بند کر دینا چاہیئے۔ میں نے کہا اس کا مطلب تو یہ ہُوا کہ خلیفۂ وقت کو کسی منارہ پہ باندھ دیا جائے۔ اور جماعت اپنا فرض ادا نہ کرے۔ جب تک خلافت رہے گی۔ خلیفہ مسجد میں نماز پڑھانے ضرور جائے گا۔ وہ مُلاقات کا سلسلہ بھی جاری رکھے گا۔ چاہے دُشمن اس پر حملہ کرے یا نہ کرے اسی طرح وہ اپنے فرائض بھی بجالائے گا۔ آگے جماعت کے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ دیکھیں کہ وہاں کوئی مشکوک آدمی تو موجود نہیں؟

رسُول کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہودیوں کی دعوت کو منظور کر لیا تھا۔ اور آپ کی شان یہی تھی کہ اس دعوت نامے کو منظور فرما لیتے۔ صحابہؓ کا یہ فرض تھا کہ وہ حفاظت کے پیشِ نظر کھانا چکھ لیتے۔ لیکن ان سے یہ غلطی سرزد ہوگئی۔ انہوں نے کھانا چکھا نہیں اور نتیجہ یہ ہُوا کہ رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے کھانا کھا لیا۔ آپ کو الہاماً پتہ لگ گیا۔ کہ اس کھانے میں زہر ملا ہُوا ہے اور

آپ نے لُقمہ منہ سے نکال کر پھینک دیا تھا۔ لیکن غالباً حضرت عائشہ کی یہ روایت ہے۔ کہ وفات کے وقت آپ نے فرمایا کہ یہودیوں نے کھانے میں جو زہر کھلایا تھا۔ اس کا اثر اس وقت تو نہیں ہُوا۔ لیکن اب جسم میں اِس کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اس وقت تو آپ بچ گئے لیکن اس زہر کا اثر اعصاب پر ایسا ہُوا کہ بڑھاپے میں جا کر وہ محسوس ہُوا۔ اسی طرح ایک اور واقعہ آتا ہے۔ آپ ایک جنگ سے واپس آرہے تھے۔ کہ راستہ میں ایک جگہ آرام کرنے کیلئے لشکر ٹھہر گیا۔ صحابہؓ کا خیال تھا کہ چونکہ ہم اب مدینہ کے قریب آگئے ہیں۔ اِس لئے خطرہ باقی نہیں رہا۔ مگر وہ تھکے ہوئے تھے اِس لئے علیٰحدگی میں آرام کرنے کے لئے بکھر گئے۔ اور محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم اکیلے ایک درخت کے نیچے رہ گئے۔ آپ نے اپنی تلوار درخت کے ساتھ لٹکا دی۔ اور خود آرام کی خاطر لیٹ گئے۔ لمبے سفر کی تھکاوٹ تھی۔ اس لئے آپ کو نیند آگئی۔ ایک کافر جس کا بھائی مُسلمانوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے مارا گیا تھا۔ اس نے یہ قسم کھائی تھی۔ کہ چونکہ میرے بھائی کو مارنے والے مُسلمان ہی ہیں۔ اور وہ محمّد رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہیں۔ اس لئے میں اپنے بھائی کا انتقام لینے کی خاطر محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کو ماروں گا۔ چنانچہ وہ اس ارادہ سے چوری چھپے آپ کے ساتھ ساتھ آرہا تھا۔ اس نے اِس موقعہ کو جب صحابہؓ کسی خطرہ کا احساس نہ کرتے ہوئے آرام کی خاطر منتشر ہو گئے تھے۔ اور رسُول کریم صلّی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے سایہ میں اکیلے سوئے ہوئے تھے۔ غنیمت جانا۔ اس نے درخت سے تلوار اُتاری اور آپ کو آواز دے کر کہا۔ اَب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے؟ اس وقت باوجود اس کے کہ آپ بے ہتھیار تھے اور بوجہ لیٹے ہوئے ہونے کے حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ آپ نے نہایت اطمینان اور سکُون سے جواب دیا۔ "اللہ"۔ اب اللہ کا لفظ تو سارے لوگ کہتے ہیں۔ فقیر بھی۔ اللہ۔ اللہ کہتے ہیں۔ لیکن ظاہر میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب "اللہ" کہا۔ تو خدا تعالیٰ کی ذات آپ کے پیچھے موجود تھی۔ آپ کا یہ لفظ زبان سے نکالنا تھا۔ کہ اس دشمن کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ وہ تلوار آپ نے فوراً اٹھائی۔ اب وہ شخص جو آپ کے قتل کرنے کی نیّت سے آیا تھا۔ آپ کے سامنے مجرموں کی طرح کھڑا تھا آپ نے معلوم کرنا چاہا کہ آیا میرے مُنہ سے اللہ کا لفظ سُن کر بھی اِسے سمجھ آئی ہے یا نہیں؟ آپ نے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اب مجھ سے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ تو اس نے کہا۔ آپ ہی رحم کریں

تو مجھے چھوڑ سکتے ہیں چنانچہ آپ نے چھوڑ دیا۔ اور فرمایا کہ تمہیں کہنا چاہیئے تھا کہ اللہ ہی بچا سکتا ہے۔ کیا میرے مُنہ سے سُننے کے باوجود بھی تمہیں اس طرف توجہ نہیں ہوئی۔ اب دیکھ لو۔ خدا تعالیٰ نے اپنے رسُولوں کی ایک نشان کے طور پر حفاظت تو کر دی لیکن دراصل یہ ذمّہ داری صحابہؓ کی تھی۔ خدا تعالیٰ نے کہا میرا کام حفاظت نہیں۔ ہاں موت سے بچانا میرا کام ہے۔ اور موت سے مَیں بچالوں گا۔ لیکن اس نے حملہ میں کوئی روک پیدا نہیں کی پس کچھ کام جماعت کو بھی کرنے پڑتے ہیں۔ خلیفہ پر پابندیاں عائد نہیں کی جاسکتیں۔ خلیفہ اپنا کام کرے گا۔ اور جماعت کو اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ ذہنیت کو بدلا جائے۔“ [1]

پھر فرمایا:۔

”حقیقت یہ ہے کہ مذہب قبول کرنے کے معنے ہی یہ ہوتے ہیں۔ کہ انسان کی حرکات، افکار اور دماغ سب تبدیل ہو جائیں۔ اگر یہ نہیں ہوتا۔ تو کسی مذہب کے قبُول کرنے سے اسے کچھ بھی نہیں ملتا باقی سب چیزیں رسمی ہیں۔ محمدؐ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی وفات کے قریب فرمایا۔ اگر میں کسی انسان کو اپنا خلیل بنانا چاہتا۔ تو ابو بکرؓ کو بناتا۔ یہ تم سب پر فضیلت رکھتا ہے۔ تم کہہ سکتے ہو کہ اسے ہم پر کونسی فضیلت حاصل ہے اسے تم پر جو فضیلت ہے وہ نماز روزہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ان جذبات کی وجہ سے ہے۔ جو اس کے دل میں موجزن ہیں۔ نماز اور روزہ کا ادا کرنا بھی ضروری ہے لیکن ان کے ہوتے ہوئے۔ بعض اوقات خدا تعالیٰ نہیں ملتا۔ خدا تعالیٰ کو پانے کی خاطر اپنی ذہنیّت کو بدلنا ضروری ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے۔ وہ ہر کام کو بغیر سوچنے کے کہ یہ عقل کے معیار پر پُورا اُترتا ہے یا نہیں کرتا چلا جاتا ہے ایک دفعہ رسُول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم مسجد میں وعظ فرما رہے تھے۔ بعض صحابہ مجلس کے کناروں پر کھڑے تھے۔ آپ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ اس وقت حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ پاس کی گلی میں سے گذر رہے تھے۔ آپ کے کان میں یہ آواز پڑی۔ تو آپ وہیں بیٹھ گئے۔ اور بیٹھے بیٹھے مسجد کی طرف انہوں نے گھِسٹتے ہوئے آنا شروع کر دیا۔ کسی شخص نے آپ سے کہا یہ احمقانہ حرکت ہے کہ تم گلی میں اس طرح بیٹھ کر چل رہے

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۴ء ص ۵۴ - ۵۶

ہو۔ آپ نے فرمایا میرے کان میں رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز پڑی تھی کہ بیٹھ جاؤ تو میں بیٹھ گیا اس پر اس شخص نے کہا کیا تمہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے یہ حکم ان لوگوں کو دیا ہے جو مسجد میں آپ کے سامنے کھڑے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ دُرست ہے۔ لیکن موت کا کوئی وقت مقرر نہیں پتہ نہیں۔ میں مسجد میں پہنچنے سے قبل ہی مر جاؤں گا۔ اور اس حکم پر عمل نہ کر سکوں۔ تو خدا تعالےٰ کے سامنے میں کیا جواب دُوں گا۔ کیا خدا تعالےٰ کے سامنے میں یہ کہوں گا کہ رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک حکم میں نے نہیں مانا تھا۔ اس لئے جونہی آواز میرے کان میں پڑی تو بیٹھ گیا۔ چاہے یہ بے وقوفی کا کام قرار دے دیا جائے۔ لیکن اگر مسجد میں جانے سے قبل مجھے موت آگئی تو خدا تعالےٰ کے سامنے میں یہ تو کہہ سکوں گا کہ میں نے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم جو میرے کانوں میں پڑا مانا ہے۔ اس طرح جب رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے شراب کے حرام ہونے کے متعلق اعلان فرمایا تو اُس وقت کچھ صحابہؓ ایک شادی کے موقعہ پر جمع تھے۔ ایک مٹکا باقی تھا جس کو وہ شروع کرنے ہی والے تھے کہ ان کے کانوں میں آواز آئی کہ شراب حرام ہوگئی ہے۔ اس پر اُن میں سے ایک نے کہا سنو! رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے شراب حرام ہوگئی ہے۔ دوسرے نے کہا۔ باہر نکل کر ذرا تصدیق کر لو۔ لیکن جس صحابیؓ کو اس نے یہ بات کہی تھی اُس نے ڈنڈا مٹکے پر مارا۔ اور اُسے پھوڑ کر کہا۔ خدا کی قسم! میں پہلے مٹکا توڑوں گا۔ اور پھر تحقیقات کروں گا۔ جب میرے کان میں آواز پڑگئی۔ تو تحقیقات کا سوال بعد میں پیدا ہوگا۔ عمل پہلے ہوگا۔ پس صحابہؓ میں یہ رُوح تھی۔ کہ وہ احکام پر فوری طور پر عمل کرتے تھے۔ اور یہ نہیں سوچتے تھے کہ آیا وہ عقلی معیار پر پُورا اُترتے ہیں یا نہیں "۔ [1]

اس تسلسل میں مزید فرمایا:۔

" پس تمہیں خدا تعالیٰ کے متعلق اپنی ذہنیت کو بدلنا ہوگا تمہیں کلی طور پر اپنے آپ کو خدا تعالےٰ کے حوالہ کرنا ہوگا۔ جب تم اپنے آپ کو کلّی طور پر خُدا تعالیٰ کے حوالہ کر دو گے۔ تو تم خدا تعالیٰ کی گود میں ہوگے۔ اُس وقت دُشمن تم پر حملہ آور نہیں ہوگا۔ خدا تعالیٰ پر حملہ آور ہوگا۔ باقی رہا تکالیف کا سوال۔ سو تکالیف تو خُدا کی جماعتوں کو بڑھانے والی ہوتی ہیں یہ تو جماعت کے تمغے ہیں۔ سزائیں نہیں۔

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۴ء ص ۵۸ - ۵۹

اور قوم کی تباہی کا موجب خُدا تعالیٰ کی سزا ہوتی ہے۔ جو شخص خُدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اُس کا ہو جاتا ہے تمہیں یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ اس قسم کے حملے انفرادی نہیں ہوتے۔ ایک عرصہ سے مجھے مخالفین کی طرف سے خطوط آ رہے تھے کہ یُوں ہوگا۔ اگر اس حملہ کا جو مجھ پر کیا گیا۔ ایک فرد سے ہی تعلق ہے۔ تو یہ سینکڑوں خطوط کہاں سے آگئے تھے۔ اس قسم کی باتیں لوگوں نے دوسروں سے سُنی ہوئی تھیں۔ تو تبھی انہوں نے تحریر کیں۔ بہر حال کچھ لیڈر اس حملہ کے پیچھے کام کر رہے ہیں۔ عوام کے خلاف تمہارا جوش اور غصّہ بیکار ہے۔ اس حملہ کے اصل ذمّہ دار لیڈر ہیں۔ اس فعل کا تعلق کسی ایک فرد سے نہیں۔ یہ ایک قومی فعل ہے۔ اور اس کی ذمہ داری قوم پر ہے۔ اس کا ایک علاج تو یہ ہے کہ حکومت اس طرف توجہ کرے لیکن حکومت اس طرف توجہ نہیں کرتی۔ دوسرا علاج یہ ہے کہ خدا تعالےٰ اس طرف توجہ کرے۔ اور خُدا تعالیٰ اِس طرف ضرور توجہ کرے گا۔ بشرطیکہ تم اسکی طرف رجُوع کرو۔ خدا تعالیٰ سے کی ہوئی دُعائیں اور اپنے فرائض کو صحیح طور پر ادا کرنا خُدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرتے ہیں اور دُشمن کو ناکام کرتے ہیں۔" [1]

حضرت مصلح موعود نے اپنی تقریر کے آخر میں ازدواجی حقوق کی ادائیگی اور احمدی نوجوانوں کو آگے لانے کی پُرزور تلقین بھی فرمائی اور پھر واپس تشریف لے گئے۔

ازاں بعد ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم اور چوہدری فضل احمد صاحب نائب ناظر تعلیم و تربیّت نے بالترتیب "سب کمیٹی نظارت علیا دعوۃ و تبلیغ" اور "سب کمیٹی نظارت تعلیم و تربیّت" کی رپورٹیں پیش فرمائیں اور نمائندگان نے بھی اسی ترتیب سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور پھر رائے شماری ہوئی۔ [2]

اب چونکہ ایجنڈے پر درج شدہ تمام تجاویز پر شوریٰ میں غور ہو چکا تھا۔ اس لئے حضرت مُصلح موعودؓ کی خدمت میں اطلاع کر دی گئی۔ چنانچہ حضور ناسازئ طبع کے باوجود اختتامی تقریر اور دُعا کے لئے تشریف لائے اور نمائندگان شوریٰ سے ایک پُر معارف خطاب فرمایا جس کا خلاصہ شیخ خورشید احمد صاحب رپورٹر الفضل کے الفاظ میں درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۴ء ص ۶۳

[2] " " " ۱۹۵۴ء ص ۷۵ - ۹۲

فرمایا، اس وقت ہمارے خلاف بہت سی غلط فہمیاں پھیلادی گئی ہیں۔ بہت سے ایسے الزامات ہم پر لگائے جاتے ہیں جو سراسر غلط اور بے بُنیاد ہیں۔ حالانکہ ہم نے اگر حضرت مرزا صاحبؑ کے لائے ہوئے اصُولوں کو مانا ہے تو محض اس لئے کہ ہمیں ان میں اسلام کا فائدہ نظر آتا ہے۔ مثلاً حیات مسیح علیہ السلام کے عقیدے کو حضرت مرزا صاحبؑ نے قرآن مجید کی رو سے باطل قرار دیا۔ اور یہ ایک بڑی واضح اور صاف بات ہے کہ عقیدۂ حیات مسیح اسلام کی اور رسُول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہتک کا اور عیسائیت کو تقویّت دینے کا موجب ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں نسخ آیات کے عقیدہ کی حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے تردید فرمائی اور ایک معمُولی عقل کا انسان بھی یہ سمجھ سکتا ہے۔ کہ اس عقیدہ سے قرآن مجید کی شرعی حیثیّت کو سخت دھکا لگتا ہے۔ اور نسخ کے اصُول کو مان کر قرآن مجید کا کوئی حصّہ بھی قابلِ اعتماد نہیں رہتا۔ اسی طرح اگر ہم نے حضرت مرزا صاحب کے کہنے پر مان لیا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح پہلے بولتا تھا اسی طرح اب بھی اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے اور یہ کہ جہاد کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ تلوار کے زور سے دوسروں کو مٹانے اور اسلام کو پھیلانے کی کوشش کی جائے کیونکہ اس طرح خود مُسلمانوں پر بھی دُشمنانِ اسلام کو ظلم کرنے کا راستہ کھلتا ہے تو بتاؤ آخر اس عقیدہ سے اسلام کی ہتک ہوتی ہے یا عزت قائم ہوتی ہے۔ پس ہمارے خلاف سراسر غلط الزامات لگائے جاتے ہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ ان الزامات کا ازالہ کرو۔ بے شک ہم اس وقت ملکی فضا کے پیشِ نظر پاکستان کے مُسلمانوں میں تبلیغ نہیں کرتے لیکن اگر کوئی اعتراض کرتا ہے اور الزام لگاتا ہے تو اس کا جواب دینے سے دُنیا کا کوئی معقول آدمی ہمیں روک نہیں سکتا۔

حضور نے فرمایا اس وقت تم مظلوم ہو۔ اور دُنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہمیشہ مظلُومیّت ہی جیتا کرتی ہے۔ پس مظلُومیّت سے مت گھبراؤ بلکہ اسے ظاہر کرو۔ انسان کی فطرت اللہ تعالیٰ نے نیک بنائی ہے اگر تم اپنی مظلُومیّت کو لوگوں پر ظاہر کرو گے تو خُود ظلم کرنے والوں کے بھائی بند ان کو ملامت کرنے لگ جائیں گے۔ پس ظلم ہونے دو۔ اگر تمہارے پاس اس ظلم کا ازالہ کرنے کی طاقت نہیں تو نہ سہی۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کر لو۔ جو اعتراض کرے اس کا جواب دے کر اس کی غلط فہمی کو دور کرو۔ مرکز کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ رکھو۔ اپنی اصلاح کرو۔ غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرو۔ خدمتِ خلق میں حصّہ لو۔ اور اتنا نمایاں حصّہ لو کہ دُنیا اپنے لئے تمہیں ایک مفید اور نافع الناس وجُود تسلیم کرے۔ اور ساتھ ہی ساتھ دُعاؤں پر زور دو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں اور کمزوریوں کو دُور فرمائے

اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو استعدادیں عطا فرمائی ہیں اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکّل رکھتے ہوئے انہیں عقل اور فہم و فراست کے ساتھ استعمال کروگے تو پھر یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد تمہیں حاصل ہو جائے گی۔ اور جب اس کی مدد اور تائید تمہیں حاصل ہو تو پھر دُنیا تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔

پونے دو بجے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے تقریر فرمائی اور پھر مجمع سمیت لمبی دُعا فرمائی۔ دُعا کے بعد حضور واپس تشریف لے گئے۔ اور اس طرح جماعت احمدیہ کی مجلس مشاورت کا یہ سالانہ اجلاس بخیر و خوبی اختتام پذیر ہُوا۔"[1]

مذاہب عالم کانفرنس جاپان سے احمدی مبلغ کا خطاب

دوسری جنگ عظیم (یکم ستمبر ۱۹۳۹ء - ۱۰ اگست ۱۹۴۵ء) کی تباہ کاریوں نے جہاں یورپ کا سیاسی نقشہ یکسر بدل ڈالا، وہاں جاپانیوں کے سیاسی مادّی اور مذہبی نظام بھی تہ و بالا ہو گئے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی جیسے مشہور شہر ایٹم بم سے کھنڈر بن گئے۔ اور جاپان کے مصنوعی خُدا یعنی بادشاہ ہیرو ہیٹو (HIROHITO) کی ساری سطوت و حشمت خاک میں مل گئی۔ "شنٹوازم" جاپانیوں کا قومی اور سرکاری مذہب تھا جس میں بادشاہ کی پُوجا کی جاتی تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر امریکی جنرل میکارتھر نے اس مذہب پر پابندی لگا دی اور بادشاہ کی عبادت کا خاتمہ کر دیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد جب اہل جاپان میں آزادی کی رُوح عود کر آئی تو انہوں نے خود ہی نئے دستور میں سے شنٹوازم کو بالکل الگ کر دیا جس سے ملک میں ایک زبردست مذہبی خلا پیدا ہو گیا۔ اور کئی جدید تحریکوں نے جنم لیا جن میں سے ایک کا نام انانائیکیو (ANA NAI-KYO) ہے۔ اس تحریک کے زیر انتظام ۳ اپریل سے لیکر ۱۰ اپریل ۱۹۵۴ء تک جاپان کے شہر شیمیزو (SHIMIZU) میں ایک مذاہب عالم کانفرنس منعقد ہوئی جس میں منتظمین نے مندوبین کو مندرجہ ذیل دس سوالات دیئے کہ وہ ان کے جواب اپنے مذہب کی رُو سے پیش کریں:-

۱۔ مذہبی لوگ موجودہ دُنیا کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

۲۔ مذہبی لوگ انسان کی راہنمائی کیسے کر سکتے ہیں؟

۳۔ مذاہب کی تعلیمات کی بُنیاد کس امر کو بنایا جائے؟

---

[1] روزنامہ "الفضل" لاہور ۲۷ شہادت ۱۳۳۳ ہش / اپریل ۱۹۵۴ء صفحہ ۴

۴۔ آپ کی نظر میں بدروحوں، شیاطین اور جنّات کا عالم روحانی میں کیا کردار ہے؟

۵۔ تمام مذاہب کو ایک کر دینے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

۶۔ عالمی امن کو بروئے کار لانے میں مذہبی لوگوں کا کیا حصّہ ہے؟

۷۔ مذہبی لوگ صحیح ایمان اور توہمات کے درمیان کیا فرق کرتے ہیں؟

۸۔ مذہب اور اخلاقیات کا باہمی رشتہ کیا ہے؟

۹۔ کسی منجی کے ظہور کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے؟

۱۰۔ عالمی امن اور انسانی فلاح و بہبود کے بارے میں آپ کی تعمیری آراء کیا ہیں؟

اس ہفت روزہ کانفرنس میں دُنیا بھر کے تیس کے قریب نمائندے شریک ہوئے۔ بیرونی ممالک کے نمائندوں نے انگریزی میں تقاریر کیں جن کا ترجمہ جاپانی میں سُنایا گیا۔ کانفرنس میں تین مسلمان نمائندوں کے لیکچر ہوئے۔ جن میں سے ایک انڈونیشن پیر صاحب کے مرید تھے جنہوں نے اپنے پیر صاحب سے یوگا کا علم سیکھا تھا اور وہ اسی پر زور دیتے رہے۔ دوسرے حیدر آباد دکن کے تھے جن کی تقریر کا موضوع امن تھا۔ تیسرے نمائندہ چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر انچارج امریکہ مشن تھے جنہوں نے اسلام کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔ [1]

چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر کا بیان ہے کہ:-

"کانفرنس کے پہلے ہی دن مجھے اللہ تعالیٰ نے موقعہ بہم پہنچایا کہ مَیں نے تین سوالوں کے جوابات پیش کئے۔ میں نے اس میں دُنیا کی موجودہ حالت اور جاپان کی جنگِ عظیم میں شرکت اور مصائب کا ذکر کیا اور ان کا اسلامی نقطۂ نگاہ سے حل پیش کیا۔ میری تقریر کے بعد جو انگریزی میں تھی جاپانی میں اس کا ترجمہ سُنایا گیا جس کے اختتام پر دیر تک تالیاں بجتی رہیں۔ بعد میں صدر جلسہ نے مجھے لکھ کر بتلایا کہ مَیں نے اپنے صدارتی ریمارکس میں جو ہر تقریر کے بعد ہوتے تھے یہ کہا ہے کہ میں آپ کی باتیں سُن کر جذبات پر کنٹرول کرنے کی تاب نہ لاسکا اور میری آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈباتی رہیں۔ مَیں اِن آنسوؤں کو آپ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ میرے علاوہ دیگر مقرّرین نے ان سوالات کے جوابات دینے کی کوشش ہی نہ کی اور اگر کی تو مختصراً۔ جب آخری دن آیا اور ابھی کافی

---

[1] ان جوابات کا متن رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی (ربوہ) بابت جولائی۔ اگست ۱۹۵۸ء میں چھپ گیا تھا۔

مقررین کو تقریر کرنے کا موقعہ نہیں ملا تھا تو مجھ سے پوچھا گیا کہ مَیں باقی سات سوالات کا بھی جواب دُوں۔ نیز کہا کہ بہرحال آپ ان سات سوالات کے جوابات مکمل بیان کریں اور وقت کی پروا نہ کریں۔ جتنا چاہیں وقت لیں۔ چنانچہ میں نے تمام سوالات کے جواب پیش کئے اور ان کا لفظ بلفظ جاپانی زبان میں ترجمہ اخبارات میں شائع کیا گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کو اسلام سے ایک خاص شغف پیدا ہُوا۔ یہ پہلا موقعہ جاپان میں تھا کہ اس قدر چنیدہ مجمع میں اسلامی نمائندہ کی طرف سے تقریر کی گئی۔ لوگوں نے قرآن مجید اور اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کیا۔ دسویں سوال کے جواب میں مَیں نے کہا کہ بجائے اس کے کہ ہر مذہب کے لوگ اپنی اپنی الہامی کُتب کی اشاعت کریں کیوں نہ ایک کمیٹی بنادی جائے جو تمام الہامی کتب شائع کرے۔

میرے نزدیک موجودہ حالات میں یہ نہایت بہترین صُورت ہے یا یہ کہ ہر ایک مذہب کے نمائندوں سے ایسی کُتب لی جائیں جو ان کی الہامی کتب سے مستنبط دلائل پر مشتمل ہوں اور کمیٹی مشترکہ طور پر ایسی کتب شائع کرے۔ یہ بھی مَیں نے پیش کیا کہ تمام مذاہب ہستی باری تعالیٰ کے قائل ہیں اور کمیونزم ہی ایک ایسی آرگنائزیشن ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار کرتی ہے۔ اس لئے کیوں نہ سب مذاہب مل کر اس کے خلاف ایک مذہبی محاذ بنائیں اور مقابلہ کریں۔ پھر ایک یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ گو دُنیا تہذیب و تمدّن کا دعویٰ کرتی ہے مگر اس میں مذہبی تعصب ابھی باقی ہے۔ جس کی بنا پر دہ بزورِ طاقت فریق مقابل کو کچلنا چاہتی ہے اس لئے ایسے مذہبی تعصب کے خلاف خواہ یہ کسی کی طرف سے بھی ظہور میں آئے ہمیں مل کر آواز اٹھانی چاہیئے۔ مَیں نے کہا ...... اگر ایسا ہو سکے تو ہمارے لئے یہ تجاویز نہایت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔"[1]

---

[1] چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر ایم اے انچارج امریکہ مشن کی تقریر جامعۃ المبشرین میں بحوالہ روزنامہ الفضل لاہور مورخہ ۲۷ ہجرت ۱۳۳۱ھش / ۲۷ مئی ۱۹۵۲ء صفحہ ۵ کالم ۳ - ۴)

فصل چہارم

حضرت مصلح موعودؓ کا سفر سندھ

حضرت مصلح موعودؓ ۷ احسان/جون کو بذریعہ چناب ایکسپرس ربوہ سے کراچی تشریف لے گئے۔ ریلوے اسٹیشن پر سینکڑوں خدّام نے پُرسوز دعاؤں کے ساتھ اپنے پیارے امام کو الوداع کہا۔ اس سفر میں حضرت سیّدہ اُمّ متین صاحبہ، حضرت سیّدہ بشریٰ بیگم صاحبہ اور بعض دیگر افراد خاندان کے علاوہ عملہ پرائیویٹ سیکرٹری کے کچھ ارکان کو حضور کی معیت کا شرف حاصل ہوا۔ حضور نے اپنے بعد ۱۱ احسان/جون تک مولانا جلال الدّین صاحب شمس کو اور اس تاریخ کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو امیر مقامی مقرر فرمایا۔[1]

حضرت مصلح موعودؓ ۹ ماہ وفا/جولائی تک کراچی میں قیام فرما رہے۔ ازاں بعد ناصر آباد، محمد آباد، محمود آباد و غیرہ احمدی اسٹیٹس میں تشریف لے آئے۔ حضور نے سفر سندھ کے دوران احمدیوں کو تبلیغ اسلام اور محنت کی طرف خاص توجہ دلائی۔ چنانچہ ۶ ماہ ظہور/اگست کو محمد آباد میں خاص اسی موضوع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"گورنمنٹ نے اپنی مصلحتوں کے ماتحت، جن کو میں ٹھیک سمجھتا ہوں سرکاری افسروں اور سرکاری ملازمین کو تبلیغ سے روک دیا ہے۔ لیکن اس کا عوام الناس سے کوئی تعلق نہیں۔ پس تمہیں کوئی قانون اپنے بھائی بندوں کو تبلیغ کرنے سے نہیں روک سکتا بشرطیکہ تم امن سے کام لو اور فتنہ کو ہوا نہ دو۔ تمہیں صرف فساد سے روکا جاتا ہے اور فساد اور تبلیغ کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک شخص دوسرے کو نیکی کی تلقین کرے اور پھر خود ہی فساد کرنے لگ جائے۔ ہاں اگر دوسرا شخص فساد کرتا ہے تو یہ اس کی اپنی غلطی ہے۔ تبلیغ کرنے والے کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ میں

---

[1] الفضل (لاہور) ۸ احسان/جون ۱۳۳۳ہش / ۱۹۵۴ء صفحہ ۱

دیکھتا ہوں کہ یہاں ہماری جماعت کے کثرت سے لوگ موجود ہیں۔ مگر پھر بھی وہ تبلیغ نہیں کرتے۔ نُصرت آباد اور چھبڈ سے چلو اور ناصر آباد تک آؤ تو ایک ہزار کے قریب احمدی مرد مل جائے گا اور عورتیں اور بچے ملاکر چار پانچ ہزار تک اُن کی تعداد ہوگی۔ یہ اتنی ہی تعداد ہے جتنی ابتدا میں قادیان کی ہوا کرتی تھی مگر اس وقت قادیان کی تبلیغ سے ارد گرد کے کئی گاؤں احمدی ہو گئے تھے صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ تم اپنے اندر نیکی پیدا کرو اور لوگوں کو نیک نمونہ دکھاؤ۔ اگر تم زیادہ محنت کرتے ہو تو جب لوگ تمہاری فصلوں کے پاس سے گذریں گے تو ہر دیکھنے والا تمہاری اچھی فصل کو دیکھ کر کہے گا کہ احمدی بڑے محنتی ہوتے ہیں۔ پھر جب دوبارہ گذرے گا۔ تو تم کہو گے کہ کچھ دیر کیلئے ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔ گرمی کا موسم ہے۔ کچھ پانی وغیرہ پی لو اس سے وہ اور زیادہ متاثر ہوگا۔ اور کہے گا احمدی تو فرشتے ہوتے ہیں پھر کسی دن اگر اس کا تمہارے ساتھ معاملہ پڑے گا یا تمہارے پاس وہ کوئی امانت رکھ جائے گا یا تم سے سودا خریدے گا اور تم اسے اچھا سودا دو گے یا امانت میں خیانت سے کام نہیں لو گے تو پھر تو وہ اتنا متاثر ہوگا کہ جس کی حد ہی کوئی نہیں"۔

نیز فرمایا:۔

"خدا تعالیٰ نے اس وقت تمہیں ثواب کا بہت بڑا موقع دیا ہے اگر تم چاہو۔ تو تم ذرا سی محنت اور توجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتے ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا اسلام کی طرف توجہ کر رہی ہے مگر ہمارے پاس لٹریچر نہیں۔ کتابیں نہیں۔ روپیہ نہیں کہ ان ذرائع سے ہم انہیں اسلام کی تعلیم سے آگاہ کر سکیں۔ لیکن تم ان ضرورتوں کو بڑی آسانی سے پُورا کر سکتے ہو۔ کیونکہ تمہاری محنت اور کمائی کے نتیجہ میں ہی روپیہ پیدا ہوگا۔ اور پھر وہی روپیہ تبلیغ اسلام کے کام آئے گا۔ اگر تم دیانتداری کے ساتھ محنت کرو۔ تو نہ صرف تمہاری اس محنت کا تمہیں بدلہ ملے گا بلکہ انجمن تمہارے روپے سے جو تبلیغ بھی کرے گی اس کے ثواب میں تم حصّہ دار ہو گے۔ رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص کسی کے مال کو تقسیم کرتا ہے اور دیانتداری اور انصاف سے کرتا ہے اسے صدقہ دینے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ پس بے شک انجمن کو بھی ثواب ہوگا لیکن تمہیں بھی ثواب ہوگا۔ اس لئے بھی کہ تمہارے روپے سے انجمن نے تبلیغ کی اور اس لئے بھی کہ تم نے اچھی نگرانی کی اور محنت سے کام کیا۔ گویا تمہیں تین ثواب ملیں گے۔ پہلا ثواب انجمن کے ثواب سے ملے گا دوسرا ثواب تمہارے اپنے چندہ

کی وجہ سے ملے گا اور تیسرا ثواب تمہیں اس لئے ملے گا کہ تم نے فصلوں پر محنت کی اور اچھی نگرانی کر کے سلسلہ کے مال کو بڑھایا اور کسی کو تین گنا ثواب مل جانا تو ایک لوٹ ہوتی ہے۔ اگر تمہارے پاس ایک سو روپیہ ہو جو اگلے سال تین سو ہو جائے۔ اس سے اگلے سال نو سو ہو جائے۔ اس سے اگلے سال ستائیس سو ہو جائے تو پچاس سال کے اندر ساری دُنیا کی دولت تمہارے پاس آجاتی ہے پس تین گنا ثواب کوئی معمولی ثواب نہیں۔ یہ ایک لُوٹ ہے جس کا کوئی شاہی خزانہ بھی متحمل نہیں ہو سکتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں موقعہ دیا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ ہمیں بھی جتنے سامان میسّر آتے ان سے ہم تمہیں فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں گے۔" [1]

حضور نے ۲۰؍ظہور/اگست کو ناصر آباد میں جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ اس مضمون پر مشتمل تھا کہ اگر دیندار بننا چاہتے ہو تو ان سارے طریقوں کو اختیار کرو جو دینی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ اور جو شخص پورے طور پر نہ دین کا بنتا ہے نہ دُنیا کا خدا تعالیٰ اس کی مدد نہیں کرتا۔ [2]

۲۷؍ظہور/اگست کا جمعہ حضور کے سفر سندھ کا آخری جمعہ تھا جس میں حضور نے نہایت لطیف اور مؤثر پیرایہ میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی کہ اگر انسان سیکھنے کی نیت رکھے تو زمین کی اینٹیں، پہاڑوں کے درخت اور جنگلوں کی جھاڑیاں بھی اس کے لئے قرآن وحدیث کی تفسیر بن جاتی ہیں۔ نیز بتایا کہ انسانی ترقی کا اصل گُر یہ ہے کہ جو چیز اسے اچھی نظر آئے اسے مضبوطی سے پکڑ لے۔ [3]

اس سفر میں حضور جب ناصر آباد تشریف لے گئے تو شروع شروع میں تو یہ معلوم ہوا کہ آب و ہوا کی وجہ سے پہلے کی نسبت زخم کی تکلیف میں افاقہ ہے۔ لیکن بعد میں ٹھنڈی ہوا چلنے سے گردن کا کھچاؤ بھی بڑھنے لگا اور ورم اور درد بھی زیادہ ہونا شروع ہو گیا۔ اور بعض اوقات معمولی سے جھٹکے کے ساتھ گردن میں پیچ پڑ جاتا تھا۔ اور جیسا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے بعد میں خود بیان فرمایا کہ:

"اس درد کے ساتھ زخم کے اوپر اس قسم کی جلن محسوس ہونے لگی جیسے کوئی شخص لوہا تپا کر ہاتھ میں

---

[1] روزنامہ "الفضل" لاہور ۱۸ ظہور ۱۳۳۳ ہش / ۱۸ اگست ۱۹۵۴ء ص ۴-۵
[2] الفضل ۸ تبوک ۱۳۳۳ ہش / ستمبر ۱۹۵۴ء ص ۳-۴
[3] الفضل ۲۹ تبوک ۱۳۳۳ ہش / ستمبر ۱۹۵۴ء ص ۳-۴

پکڑے۔ اس ہاتھ میں جو کیفیت گرم لوہے کو پکڑنے کے وقت پیدا ہوتی ہے۔ وہی کیفیت اس جلن کی تھی جو زخم کے اُوپر کے حصہ میں درد کے ساتھ ساتھ محسوس ہوتی تھی۔"

بیماری کی اس کیفیت کے باوجود حضرت مصلح موعودؓ نے سندھ میں اپنی دینی، تنظیمی اور اصلاحی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ اسی دَوران کراچی، کوئٹہ، پشاور اور ربوہ سے متعدد خطوط حضور کی خدمت میں موصول ہوئے جن میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ زخم کا ڈاکٹر سے معائنہ کرانا چاہیئے۔ لیکن حضور نے فیصلہ فرمایا کہ "اب آخری ایام ہیں چند دنوں کے بعد لاہور چلے جانا ہے۔ ربوہ جانے کے بعد لاہور جاؤں گا۔"[1] [2] چنانچہ حضور جلد ہی ناصر آباد سے پنجاب روانہ ہوگئے۔ اور یکم تبوک/ستمبر کو ربوہ میں رونق افروز ہوئے۔[3]

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی علالت اور قیام لاہور

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب وسط ۱۹۵۴ء کو شدید طور پر بیمار ہوگئے پہلے نقرس کی تکلیف ہوئی پھر ۲۹ جون ۱۹۵۴ء کو یک دم نقاہت بہت زیادہ ہوگئی اور تنفس بھی بہت زیادہ تیز ہوگیا۔

---

[1] الفضل ۱۴ تبوک ۱۳۳۳ ہش/ستمبر ۱۹۵۴ء ص ۳

[2] حضرت مصلح موعودؓ سفر سندھ سے واپسی کے بعد بغرض علاج تین بار لاہور تشریف لے گئے۔

۱۔ ۱۳ تا ۱۶ تبوک/ستمبر ۲۔ ۳۰ اخاء/اکتوبر تا یکم نبوت/نومبر

۳۔ ۲۰ تا ۲۲ دسمبر/فتح

دوسرے سفر میں حضور نے مولانا عبدالرحیم صاحب درد ناظر امور عامہ کی دُختر نیک اختر رضیہ درد صاحبہ کی تقریب رخصتانہ میں اور تیسرے سفر میں قاضی محمد شریف کے صاحبزادے کیپٹن ارشد محمود جاوید صاحب کی دعوتِ ولیمہ میں شرکت فرمائی۔ حضور نے محترمہ رضیہ درد صاحبہ کا نکاح ۱۲ دسمبر ۱۹۵۳ء کو محترم مسعود احمد صاحب عاطف پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے پڑھا اور کیپٹن ارشد محمود جاوید صاحب کا نکاح محترم کرنل تقی الدین احمد صاحب آئی ایم ایس کی صاحبزادی فرحت سلوبا کے ہمراہ تیسرے سفر لاہور کے دوران پڑھا تھا۔

(رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۵۵-۱۹۵۴ء صفحہ ۸ ،الفضل ۲ نبوت ۱۳۳۳ ہش/ نومبر ص ۱ ۔ الفضل ۲۲ فتح ۱۳۳۳ ہش/دسمبر ۱۹۵۴ء ص ۱ کالم ۲)

[3] الفضل ۲ تبوک ۱۳۳۳ ہش ص ۱

فوری علاج کے لئے آپ یکم جولائی کو لاہور لائے گئے۔ جہاں آپ نے بغرضِ علاج ساڑھے تین ماہ قیام فرمایا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کی طبیعت پہلے سے بہت بہتر ہوگئی۔ اور آپ ۱۷/اکتوبر ۱۹۵۴ء کو لاہور سے ربوہ واپس تشریف لے آئے۔ روانگی سے قبل حضرت میاں صاحب نے جماعت احمدیہ لاہور کے نام حسب ذیل پیغام اشاعت کے لئے عنایت فرمایا:

"میں لاہور سے ربوہ جاتے ہوئے احباب لاہور کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے میرے ساڑھے تین ماہ کے قیامِ لاہور میں نہ صرف میری صحت کیلئے دردِ دل سے دعائیں کیں۔ بلکہ عیادت اور اخلاص اور محبت کے حق کا بھی کامل اسلامی نمونہ دکھایا۔ جزاکم اللہ خیرا۔ احباب دعا جاری رکھیں۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے جلد پوری شفا دیکر خدمتِ دین کی توفیق دے اور ہم سب کو حسناتِ دارین سے نوازے اور حافظ و ناصر ہو۔"[1]

---

[1] الفضل ۲/جولائی و ۱۷/اکتوبر ۱۹۵۴ء مطابق ۲/وفا و ۱۷/اِخاء ۱۳۳۳ ہش

فصل پنجم

سیلاب مشرقی پاکستان اور جماعتِ احمدیہ کی امدادی سرگرمیاں

اگست ۱۹۵۴ء کے شروع میں مشرقی پاکستان ایک تباہ کن سیلاب کی زد میں آگیا۔ یہ سیلاب ایسا خوفناک تھا کہ ڈھاکہ پریس نے اسے "طوفانِ نوح" قرار دیا۔ [1]

بنگال کے احمدی مبلغین [2] کی طرف سے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں یہ رپورٹ پہنچی کہ ایک بستی کے باشندوں نے ہمیں فون کیا کہ کوئی شخص ہماری حالت نہیں پوچھتا آپ کم از کم کوئی آدمی تو ہمارے پاس بھجوائیں۔ تا یہ دیکھ کر کہ ملک میں ہمارے پُرسانِ حال موجود ہیں ہماری ہمّت بندھ جائے۔ چنانچہ مبلّغین کا ایک وفد وہاں پہنچا۔ ہر طرف پانی ہی پانی کھڑا تھا گاؤں کا کوئی شخص ایک کشتی لے آیا اور انہیں اس میں بٹھا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ لوگوں نے پانی میں بانس گاڑ کر ان پر گھاس پھونس ڈال رکھا ہے وہ ان بانسوں کی چھتوں پر ہی سوتے اور انہی پر کھانا پکاتے ہیں۔ مبلّغین کو دیکھ کر گاؤں کے سب لوگ جمع ہو گئے اور

---

[1] اخبار "پاسبان" یکم ستمبر ۱۹۵۴ء۔ پاکستان پوسٹ ۵ ستمبر ۱۹۵۴ء (بحوالہ الفضل ۱۵ ستمبر ۱۹۵۴ء ص ۴)

[2] اُن دنوں مندرجہ ذیل سینئر مبلّغین خدماتِ سلسلہ بجا لا رہے تھے:

مولانا رحمت علی صاحب (رئیس المبلّغین)۔ مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل۔ مولوی محمد اجمل صاحب شاہد (ڈھاکہ) مولوی ظل الرحمٰن صاحب فاضل (برہمن بڑیہ) سیّد اعجاز احمد صاحب (تیج گاؤں)۔ مولوی محب اللہ صاحب (چاروکھیا) علاوہ ازیں مولوی ممتاز احمد صاحب۔ مولوی سلیم اللہ صاحب مولوی منوّر علی صاحب بالترتیب ڈھاکہ، چٹاگانگ اور کومیلا میں دیہاتی مبلغ کی حیثیت سے مصروفِ عمل تھے۔ (رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۵۴-۱۹۵۳ء ص ۵۷)

اس طرح زار وقطار رونے لگے جیسے کوئی گہرا دوست سالہاسال کی جُدائی کے بعد ملا ہو۔ مبلّغین نے انہیں کچھ چاول دئے اور کہا ہم غریب لوگ ہیں لیکن پھر بھی چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی تکلیف میں حصّہ لیں۔ انہوں نے چاول واپس کر دیئے اور کہا ہمیں اس بات کا ڈر نہیں کہ ہم فاقوں مر جائیں گے۔ ہم میں سے جس کے پاس کچھ غلّہ یا روپے ہیں۔ وہ دوسروں کی مدد کرتا ہے۔ ہمیں صرف یہ احساس تھا کہ ملک میں ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اب آپ آگئے ہیں۔ تو ہمیں سب کچھ مل گیا ہے اور ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ ہماری تکلیف کا احساس کرنے والے ملک میں موجود ہیں [۱]

حضرت مصلح موعودؓ نے ۳ستمبر ۱۹۵۴ء کے خُطبہ جمعہ میں یہ دردناک واقعہ بیان کرنے کے بعد احمدیوں سے پُرزور تحریک فرمائی کہ وہ اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی ہر ممکن مدد کریں اور ان کے لئے جلد سے جلد چندہ جمع کر کے حبُّ الوطنی کا ثبوت دیں۔

نیز بتایا کہ:

"اس سلسلہ میں کراچی کی جماعت نے سب سے پہلے قدم اٹھایا ہے۔ انہوں نے پانچ ہزار روپے کا وعدہ کیا تھا جس میں سے تین ہزار سے اُوپر چندہ انہوں نے جمع کر لیا ہے۔ جن جماعتوں نے اس سلسلہ میں ابھی تک کوئی قدم نہیں اُٹھایا میں انہیں نصیحت کرتا ہوں کہ وہ چندہ جمع کریں اور اسے مرکز میں بھیجیں۔ مرکز بھی اپنے پاس سے کچھ رقم دے گا کیونکہ ان لوگوں کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے اخراجات کم کر کے مصیبت زدہ لوگوں کے لئے کچھ رقم نکالیں۔ پھر جو رقم جمع ہو اس میں سے کچھ رقم حکومت کے مقرر کردہ نظام کو بھیج دی جائے۔ اور کچھ رقم جماعت کو بھیج دی جائے تاکہ وہ اپنے ہمسایوں میں خود تقسیم کرے۔" [۲]

اس تحریک کے بعد ڈھاکہ، نرائن گنج اور برہمن گاؤں کے سیلاب زدہ علاقوں میں احمدی نوجوانوں نے امدادی سرگرمیاں پہلے سے زیادہ تیز کر دیں۔ چنانچہ ۷ستمبر کو نذرالاسلام صاحب جنرل سیکرٹری کی زیر قیادت آٹھ خدّام کا ایک وفد نرسندی گیا۔ وفد کے ساتھ ٹیکے اور دیگر ضروری ادویہ تھیں۔ خدّام نے برہمن گاؤں میں بھی مولوی سیّد اعجاز احمد صاحب کے زیر اہتمام کام کیا اور دوسرے سیلاب زدہ علاقوں میں بھی گئے جہاں مفلوک الحال کسانوں میں

---

[۱] الفضل ۱۴ تبوک ۱۳۳۳ہش / ۱۴ستمبر ۱۹۵۴ء ص ۴

[۲] الفضل ۱۴ تبوک ۱۳۳۳ہش / ۱۴ستمبر ۱۹۵۴ء صہ ۵ کالم ۳

ادویہ اور کھانے پینے کی اشیاء کپڑے، برتن، صابن وغیرہ ضروری اشیاء تقسیم کیں اور بہت سے لوگوں کو ٹیکے لگائے۔[1]

۱۰؍تبوک/ستمبر سے ۱۳؍تبوک/ستمبر تک تیج گاؤں کے سیلاب زدہ علاقے میں پانچ صد افراد کو ہیضے کے ٹیکے لگائے گئے۔ اور ڈیڑھ سو افراد کو روزانہ دُودھ اور ادویہ مہیا کی جاتی رہیں۔ علاوہ ازیں ایک امدادی پارٹی نے میرپور یُونین کے پندرہ میل کے علاوہ میں پیدل اور کشتی کے ذریعہ سفر کر کے ۱۸ دیہات میں ہیضے کے ٹیکے لگائے اور ان میں دُودھ، دوائیں اور کپڑے تقسیم کئے۔[2]

۱۵؍تبوک/ستمبر کو مہاشہ محمد عمر صاحب، مولوی محمد اجمل صاحب شاھد اور مولوی احسان اللہ صاحب نے موضع بِگلہ میں کشتی کے ذریعہ دورہ کیا۔ اس گاؤں کی اکثریت اچھوتوں پر مشتمل تھی۔ یہ وفد ان کے لیڈر شری نس کمار کے مکان پر ملے۔ انہیں یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ جماعت احمدیہ کے ممبر ریلیف کا کام کر رہے ہیں۔ وفد گاؤں میں دُودھ اور دوائیں تقسیم کرنے کے بعد نارائن گنج پہنچا اور ان کیمپوں کا مُعائنہ کیا جن میں احمدی نوجوان کام کر رہے تھے۔ ان نوجوانوں نے کیمپوں میں ڈیوٹی دینے کے علاوہ چار دن کے اندر ۱۶ ہزار ٹیکے لگائے۔[3]

۲۵ ماہ تبوک/ستمبر کو مولانا رحمت علی صاحب، مہاشہ محمد عمر صاحب اور مولوی محمد اجمل صاحب شاہد ریلیف کے کام کے لئے دوبارہ موضع بِگلہ میں گئے اور غریب اور مصیبت زدہ لوگوں میں چاول، دُودھ اور ضروری ادویات تقسیم کیں۔[4] جماعت احمدیہ نے برہمن بڑیہ، شال، سہیل پور اور کرڈا میں بھی ریلیف کا کام کیا۔[5]

احمدی نوجوانوں کے علاوہ لجنہ اماء اللہ کی کارکنات بھی بیگم صاحبہ صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب اور بیگم صاحبہ چوہدری انوار احمد صاحب کاہلوں، بیگم صاحبہ شیخ محمود الحسن کی زیر ہدایات عورتوں میں ریلیف کا کام کرتی رہیں۔[6]

مختصر رپورٹ جناب مولوی محمد اجمل صاحب[7] شاہد مُربی سلسلہ مقیم ڈھاکہ نے اپنی مختصر رپورٹ میں لکھا کہ:

---

[1] الفضل ۱۴؍تبوک ۱۳۳۳ہش/ستمبر ۱۹۵۴ء ص ۸ (مکتوب مولوی محمد اجمل صاحب شاھد)

[2] رپورٹ سیّد اعجاز احمد صاحب مبلغ سلسلہ، الفضل یکم اِخاء ۱۳۳۳ہش ص۴

[3] الفضل ۱۹؍تبوک ۱۳۳۳ہش ص ۸

[4] الفضل ۷؍اخاء ۱۳۳۳ہش ص ۸ [5] الفضل ۲۰؍اخاء ۱۳۳۳ہش ص ۷

[6] الفضل ۱۹؍ستمبر ۱۹۵۴ء ص ۸

[7] حال امیر و مشنری انچارج احمدیہ مسلم مشن نائیجیریا۔

"اس سیلاب کے موقعہ پر خدام الاحمدیہ ڈھاکہ۔ نرائن گنج اور تیج گاؤں نے مکرم ڈاکٹر عبدالصمد خان صاحب نائب صدر خدام الاحمدیہ۔ مکرم عبدالجلیل صاحب عشرت قائد ڈھاکہ۔ محمد عمر بشیر احمد خان۔ مکرم مہاشہ محمد عمر صاحب اور مولوی سید اعجاز احمد خان کی قیادت میں اپنے اپنے علاقہ میں ریلیف کا کام کیا۔

حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی اس موقعہ پر جماعت کو یہ ہدایت بھجوائی کہ اکٹھے مل کر کام کیا جائے۔ نیز حضور نے فوری طور پر اپنی طرف سے ایک ہزار روپیہ بھی بھجوایا اور مزید رقم بھجوانے کا وعدہ فرمایا۔

ڈھاکہ انجمن:۔

۱۔ ڈھاکہ سے خدام الاحمدیہ کے وفود امدادی کام کے لئے نرائن گنج۔ دیوبھوگ۔ سومل پاڑہ وغیرہ میں باقاعدہ جاتے رہے۔ ان علاقوں میں تقریباً یکصد روپیہ نقد سے زائد تقسیم کرنے کے علاوہ مصیبت زدہ لوگوں میں چاول۔ دال۔ دودھ۔ ادویات وغیرہ اشیاء تقسیم کی گئیں۔

۲۔ گیارہ خدام نے اپنے آپ کو بطور والنٹیئر پیش کیا۔ جن کے نام ریلیف کمشنر کے پاس بھیج دیئے گئے۔

۳۔ خدام الاحمدیہ کے فنڈ سے کافی مقدار میں انجکشن خریدے گئے تاکہ وہ غریب لوگوں کو لگائے جائیں۔

۴۔ ڈھاکہ میں اپنے علاقہ میں صفائی کا پروگرام بھی خدام الاحمدیہ کی ایک میٹنگ میں طے کیا گیا چنانچہ ڈی۔ڈی۔ٹی خرید کر اس کو چھڑکنے اور صفائی کا کام بھی شروع کیا گیا۔

نرائن گنج:۔

نرائن گنج میں ہمارے خدام باوجود خود سیلاب سے متاثر ہو جانے کے پھر بھی بڑی جانفشانی کے ساتھ ریلیف کے کام میں مصروف رہے اور خدمتِ خلق کا کام سرانجام دیتے رہے۔

۱۔ تقریباً پندرہ خدام نے باقاعدہ تین ریلیف سنٹروں میں ڈیوٹی دی۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ان کے کام کا بہت اچھا اثر ہے۔ تمام خدام نے ڈیوٹی کے دوران اپنے بیج باقاعدہ نمایاں طور پر لگائے رکھے۔

۲۔ خدام کے بعض وفود نرائن گنج کے اردگرد کے گاؤں میں جاتے رہے اور ان کو انجکشن دینے کے علاوہ دوسری ادویات اور کھانے پینے کی چیزیں دیتے رہے۔

۳۔ مکرم نذرالاسلام صاحب جنرل سیکرٹری خدام الاحمدیہ کی زیر قیادت قریباً آٹھ خدام کا ایک وفد سرسندی میں گیا۔ وفد کے ہمراہ چھ ہزار لوگوں کے لئے انجکشن کے علاوہ کافی مقدار میں ضروری

ادویات وغیرہ تقیں۔

تیج گاؤں :-

"تیجگاؤں میں ہمارے خدام روٹری کلب کے ساتھ مل کر ریلیف کے کام میں مصروف ہیں چنانچہ وہ کیمپوں میں کام کرنے کے علاوہ باہر دیہاتوں میں انجکشن دیتے اور ضروری ادویات تقسیم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کھانے پینے کی چیزیں۔ پُرانے کپڑے۔ برتن اور صابن وغیرہ تقسیم کرتے ہیں"۔[1]

بنگلہ پریس میں ذکر

بنگلہ پریس نے جماعت احمدیہ کی اس اسلامی خدمت کا خصوصی ذکر کیا۔ چنانچہ روزنامہ "سنگباد" ڈھاکہ نے اپنی ۱۲ ستمبر ۱۹۵۴ء کی اشاعت میں جماعت احمدیہ کی امدادی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:-

امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے مشرقی پاکستان کے سیلاب زدہ بھائیوں کی مدد کے سلسلہ میں ہر احمدی سے کھانا، کپڑا اور نقدی دینے کی اپیل کی ہے۔ آپ نے اپنی طرف سے بھی انجمن احمدیہ مشرقی پاکستان کی معرفت دو ہزار روپیہ ارسال فرمایا ہے اور مزید روپیہ بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ نیز آپ نے مشرقی پاکستان کے لئے ایک سیلاب کمیٹی بنائی ہے۔ ڈھاکہ، نارائن گنج اور تیج گاؤں کے علاقہ کے دیہات میں انجمن احمدیہ کے والنٹیئرز گھوم گھوم کر امدادی کام سرانجام دے رہے ہیں۔ چاول، دودھ دال اور دوائیاں ان کے ساتھ ہوتی ہیں جنہیں وہ تقسیم کرتے ہیں اس کے علاوہ انہوں نے سیلاب زدگان میں نقدی بھی تقسیم کی ہے۔ نارائن گنج کے علاقہ میں پندرہ والنٹیئرز تین ریلیف کیمپوں میں کام کر رہے ہیں اور سچل پاڑہ اور پنگلہ میں اچھوت اقوام کے سیلاب زدگان کو انہوں نے کھانے کی اشیاء اور دوائیاں بھی پہنچائی ہیں۔ آٹھ نوجوانوں کی ایک پارٹی زرسندی کے علاقہ میں دوائیاں اور ٹیکے وغیرہ دینے کے لئے دورہ کر رہی ہے۔ تیج گاؤں کے والنٹیئرز روٹری کلب والوں کے ساتھ مل کر ریلیف کا کام کر رہے ہیں۔[2] (ترجمہ)

اسی طرح بنگلہ کے مشہور اخبار "ملت" ڈھاکہ نے اپنی ۲۸ ستمبر ۱۹۵۴ء کی اشاعت میں پنگلہ اور زرسندی

---

[1] رسالہ "خالد" ربوہ نومبر ۱۹۵۴ء ص ۳۰ - ۳۱

[2] بحوالہ الفضل ۱۹ تبوک ۱۳۳۳ ہش / ستمبر ۱۹۵۴ء ص ۸

میں جماعتِ احمدیہ کے امدادی کام کا ذکر ان الفاظ میں کیا:۔

گذشتہ ۵ ستمبر کو جماعتِ احمدیہ کے ریلیف ورکرز کا ایک وفد نرائن گنج کے علاقہ بنگلا میں سیلاب زدوں کی امداد کے لئے گیا۔ وفد نے وہاں چاول، دُودھ اور ادویات تقسیم کیں۔ جماعتِ احمدیہ کے ریلیف ورکرز کا جو وفد نرسندی میں گیا اُس نے وہاں تقریباً چالیس ہزار افراد کو ٹیکے لگائے ہیں اور ضروری ادویہ تقسیم کی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ وفد نرسندی بازار کی صفائی کا کام بھی عوام کے ساتھ مل کر کر رہا ہے۔ [1] (ترجمہ)

سیلابِ پنجاب، مجالس خدام الاحمدیہ کی خصوصی خدمات

ملک کو مشرقی پاکستان کے قیامت خیز طوفان کی ہلاکت آفرینیوں سے نجات نہیں ملی تھی کہ ماہ تبوک/ستمبر کے آخری ہفتہ میں پنجاب کے دریاؤں میں زبردست طغیانی آگئی جس نے لاہور، گوجرانوالہ، سیالکوٹ گجرات اور جھنگ کے اضلاع میں زبردست تباہی مچادی۔ شہری آبادی کے اعتبار سے سب سے زیادہ نقصان لاہور کا ہُوا جہاں ہزاروں مہاجرین بے خانماں، سینکڑوں جھونپڑیاں برباد اور ہزاروں مکانات منہدم ہوگئے۔ اور لاکھوں شہری مُصیبتِ عظمیٰ کا شکار ہوگئے۔ صُوبہ پنجاب خصُوصاً لاہور اور ربوہ کی مجالس خدام الاحمدیہ نے اس قومی المیہ کے موقع پر جس وسیع پیمانہ پر امدادی سرگرمیاں انجام دیں وہ اپنی نظیر آپ تھیں۔ ملک کے متعدد حضرات اور با اثر اخبارات نے مجلس کی شاندار مساعی پر خراجِ تحسین ادا کیا۔

ذیل میں صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ کے الفاظ میں ان صُوبہ گیر امدادی سرگرمیوں کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

خدمتِ خلق خدام الاحمدیہ کے فرائض میں سے ایک اہم فرض ہے۔ مجلس خدام الاحمدیہ کے قیام کے وقت اس کی اغراض بیان فرماتے ہوئے سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

"غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرو۔ نہ صرف اپنے مذہب کے غریبوں اور مسکینوں کی بلکہ ہر قوم کے غریبوں اور بے کسوں کی تا دُنیا کو معلوم ہو کہ احمدی اخلاق کتنے بُلند ہوتے ہیں۔"

(الفضل ۱۳ اپریل ۱۹۳۸ء)

---

[1] منقول از الفضل ۷ اخاء ۱۳۳۳ ہش ص ۸

پنجاب میں گذشتہ دنوں جو ہولناک سیلاب آیا اور جس سے قریباً سارا پنجاب ہی متاثر ہوا اس موقعہ پر خدام الاحمدیہ کو حضور کے اس ارشاد کی تعمیل کا ایک بہت بڑا موقع میسر آیا۔ اور خدام الاحمدیہ کی متعلقہ مجالس نے بھی اس طرف پوری توجہ دے کر اپنی زندگی کا بیّن ثبوت دیا۔

پنجاب کے مختلف اضلاع میں جہاں جہاں اس سیلاب نے اپنا زیادہ اثر کیا وہاں مجالس خدام الاحمدیہ کے علاوہ دوسری تنظیمیں بھی تھیں مگر اس طرح منظّم طور پر نیکی کے کام میں کسی کو بھی آگے آنے کی توفیق نہ ملی اور خداتعالیٰ نے یہ توفیق صرف اس جماعت کے نوجوانوں کو عطا فرمائی۔

بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی لائی ہوئی اعلیٰ تعلیم کے پیشِ نظر ؎

گالیاں سُن کر دُعا دو' پا کے دُکھ آرام دو

کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

خدام الاحمدیہ کا کام یہی ہے کہ ہم اپنے مقررہ پروگرام پر عمل کرتے رہیں۔ یہ نہ دیکھیں کہ لوگ ہماری تعریف کرتے ہیں یا مذمّت کرتے ہیں۔ نیکی کے کام اپنا رنگ لائے بغیر نہیں رہ سکتے۔

خدام الاحمدیہ کی خدمتِ خلق کے موجودہ کام کو دیکھ کر ہمارے پیارے امام نے بھی خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے اس اعزاز کو نہ صرف برقرار رکھیں بلکہ اسے اس سے بہتر کام کرکے بڑھائیں۔

"اس موقعہ پر میں خدام الاحمدیہ لاہور کے کام کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میری تعریف ان کے کام کی وجہ سے بھی ہے لیکن سب سے بڑی وجہ اس کی یہ ہے کہ انہوں نے وقت کی نبض کو پہچان کر بر وقت ایک نہایت عمدہ قدم اٹھایا۔ گو ان کے ذرائع کی کمی کی وجہ سے ان کی مساعی بہت ہی محدود تھیں۔ مگر انہوں نے یہ تو ثابت کر دکھایا کہ اگر ان کے ذرائع وسیع ہوتے تو وہ اس سے زیادہ کام کر سکتے تھے۔

اس کے بعد ربوہ کے خدام کا کام بھی بہت نمایاں اور شاندار ہے۔ سیلاب ان کے اپنے علاقہ میں بھی آیا اور جب تک سیلاب رہا انہوں نے رات دن ایک کرکے کام کیا۔ اندھیری راتوں میں جبکہ پانی کا زور تھا اور اس میں سانپوں کے ڈسنے کا ہر وقت خطرہ تھا۔ انہوں نے اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسافروں کی مدد کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اور اس کے بعد ریلوے لائن پر وقارِ عمل منایا۔ اور اب اپنی مساعی کو بڑھا کر لاہور میں جا کر وہ کام کیا جس سے اپنے تو الگ رہے

غیروں نے اس کی تعریف کی اور تمام اخبارات میں شور پڑ گیا۔ اور دُنیا خدام الاحمدیہ کے کام سے روشناس ہو گئی۔"

پس یہ خُدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اس موقعہ پر ہمیں اپنے فرائض ادا کرنے کی توفیق دی۔ اب ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے اس فضل کا شکریہ اس رنگ میں ادا کریں کہ پہلے سے بڑھ کر خدمتِ خلق کے فرائض انجام دیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے۔ آمین۔ ذیل میں چند ایک مجالس کی مساعی کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

مجلس ربوہ

۱۔ سیلاب کی آمد کی اطلاع قبل از وقت مل جانے کی وجہ سے خدام ملحقہ بارہ دیہات میں مختلف پارٹیوں کی صُورت میں پھیل گئے اور سیلاب کی آمد کی اطلاع کے ساتھ ساتھ لوگوں اور ان کے مال مویشی اور سامان خورد و نوش کو محفوظ مقامات پر پہنچانے میں پوری تندہی اور جانفشانی سے مصروف عمل رہے جس کی وجہ سے ۱۹۵۰ء کے سیلاب کے مقابلہ میں باوجود زیادہ شدّت کے بھی نقصان بہت کم ہُوا۔

۲۔ سیلاب آنے پر ربوہ اور احمد نگر کے درمیان سڑک پر ایک جگہ جو تقریباً دو فرلانگ چوڑا ٹکڑا ہے سیلاب کا پانی ایسی تیزی کے ساتھ بہہ رہا تھا جس کی آواز دُور دُور تک سُنائی دیتی تھی اور پانی کے ساتھ بہنے والے خطرناک قسم کے سانپوں نے اس خطرہ کو اور بھی زیادہ خطرناک بنا دیا تھا۔ لیکن ربوہ کے خدّام نے جان ہتھیلی پر رکھ کر مُسافروں کی امداد کی اور انہیں پانی سے پار اتارا۔ اس کی یہ صُورت کی جاتی تھی۔ کہ کچھ خدام آگے موٹے موٹے رسّے پکڑ لیتے اور کچھ خُدّام ان رسّوں کا دُوسرا سرا پکڑ لیتے اور بیچ میں مُسافروں کو لے لیتے۔ اور ان کے ساتھ کچھ خدّام سامان اٹھاتے۔ اور یہ پارٹی مسافروں کو پانی سے پار کرتی۔ اسی طرح چند خُدام بس کے آگے آگے چلتے تاکہ بس کسی گڑھے وغیرہ میں نہ گر پڑے۔ خُدا تعالیٰ کے فضل سے خُدّام نے یہ کام سارا سارا دن کیا۔ اور بیک وقت ۵۰ خُدّام اس ڈیوٹی پر حاضر رہتے اس کے علاوہ کچھ خدّام کی ڈیوٹی مُسافروں کو کھانا کھلانے اور کھانا پکانے پر تھی۔ خدام کھانا پکوا کر سڑک پر لاتے اور پریشان حال مُسافروں کی خدمت میں پیش کرتے۔ ان تمام مساعی کا ذکر سرگودھا کے مشہور سہ روزہ اخبار "شعلہ" نے صفحہ اوّل پر نمایاں سُرخیوں کے ساتھ کیا۔[1]

---

[1] اخبار "شعلہ" نے اپنے ۵ اکتوبر ۱۹۵۴ء کی اشاعت میں صفحہ اوّل پر نمایاں حروف میں لکھا کہ:۔

" بیان کیا جاتا ہے کہ ربوہ اور احمد نگر کے درمیانی حصہ میں احمدیہ جماعت کے رضاکاروں نے عام مُسافروں کی نہایت جانفشانی سے بہترین و قابلِ قدر امداد کی جسے عوام و خواص نے بے حد پسند کیا۔" (بحوالہ الفضل ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۵)

۳۔ ربوہ اور لالیاں کے درمیان ریلوے لائن کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ لائن سیلاب کی شدت کی تاب نہ لا کر بہہ گئی۔ اور اس جگہ پانی کی گہرائی قریباً ۱۸ فٹ تھی۔ اس دقت کو دور کرنے کے لئے ربوہ کے خدام نے مجموعی طور پر وقارِ عمل منایا اور پانچ صد خدام نے صبح سات بجے سے ساڑھے بارہ بجے تک ریلوے حکام کی حسبِ منشا بڑی محنت اور جانفشانی سے کام کیا۔ جوش و خروش اور تعلیمیافتہ خدام کا یہ جذبۂ خدمتِ خلق ریلوے حکام کو متاثر کئے بغیر نہ رہا اور حکام نے خدام کے جذبہ اور کام کو بہت سراہا۔ خدام کے علاوہ بزرگ انصار بھی اپنے خدام کے ساتھ ویسی ہی تندہی سے خدام کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ اور ننھے ننھے اطفال بڑی مستعدی اور محنت سے اپنے خدام کو پانی پلا رہے تھے۔

۴۔ نیز یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ کا شعبہ خدمتِ خلق ابھی تک مصروفِ عمل ہے۔ ارد گرد کے ملیریا زدہ علاقوں میں جا کر خدام ادویہ تقسیم کرنے کے علاوہ دیگر طبی سہولتیں بھی بہم پہنچا رہے ہیں۔ نیز تقریباً یکصد خدام کی پارٹی[1] جس میں شستر کے قریب عمارتی کام کرنے والے خدام ہیں لاہور کے مصیبت زدہ بھائیوں کی امداد کا کام مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کے ساتھ مل کر کر رہے ہیں۔ ربوہ اور لاہور کے خدام نے ۷۵ مکان (غرباء کے گرے ہوئے) نئے سرے سے تعمیر کئے ہیں۔ جن میں ۶۷ مکان بالکل تیار ہو گئے ہیں اور صرف ۸ مکانوں کی چھتیں ڈالی جا رہی ہیں[2]۔ وہ بھی مکمل ہو جاتے مگر سامان کی کمی کی وجہ سے یہ کام مکمل نہ ہوا[3]۔ اس کام میں مقامی پولیس نے خدام کے ساتھ بہت اچھا تعاون کیا خاص کر مکرم جناب سید خادم حسین شاہ صاحب اے ایس آئی اور مکرم جناب بہار علی شاہ صاحب انچارج تھانہ اچھرہ اور مظفر الدین صاحب کانسٹیبل تھانہ لوہاری گیٹ اور مکرم

---

[1] یہ خدام ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۴ء کی شب کو قائد ربوہ صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کی زیرِ قیادت بذریعہ ریل لاہور پہنچے تھے۔ (الفضل ۱۶-۱۷ اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۱)

[2] ربوہ کے خدام اور معمار صاحبان نے تعمیر مکانات کے سلسلہ میں ایسا شاندار کام کیا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے اس پر اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (قائد ربوہ) کے نام حسب ذیل تار ربوہ سے ارسال فرمایا:

"ربوہ کے خدام تک یہ پیغام پہنچا دیں کہ مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ لوگ بہت محنت سے کام کر رہے ہیں مجھے امید ہے کہ آپ آئندہ اور زیادہ جذبہ و جوش کے ساتھ کام کریں گے اور جس قدر کہ انسانی طور پر ممکن ہے آپ مخلوقِ خدا کی بھلائی میں پوری طرح کوشاں رہیں گے۔ خدا آپ لوگوں کے ساتھ ہو۔" (الفضل ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۱)

[3] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کا بیان (مطبوعہ الفضل ۲۱ اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۸)

چوہدری غلام رسول صاحب ہیڈ کانسٹیبل ملتان روڈ نے تو بہت ہی مستعدی اور فرض شناسی سے کام کیا اور پوری کوشش کی کہ خدام کو ہر قسم کا سامان بروقت فراہم ہو۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

خدام کی ان مساعی کا لاہور کے باشندوں پر خاص اثر ہے اور اکثر لوگ خدّام کی اس بے لوث خدمت کو سراہتے ہیں اور قائد صاحب ربوہ مکرم جناب صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب اور قائد صاحب لاہور مکرم جناب سعید احمد صاحب کے گلوں میں لوگوں نے پھولوں کے ہار ڈالے۔ جہاں اکثر لوگ آگے بڑھ بڑھ کر مصافحے کرتے اور نعرہ ہائے تحسین و آفرین بلند کرتے۔

مجلس لاہور

لاہور کی قیامت خیز بارش کے ساتھ ہی ساتھ ملحقہ علاقوں میں سیلاب نے جو تباہی مچائی الامان! الحفیظ!!! اس موقعہ پر مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی امداد بہت سُرعت اور تندہی کے ساتھ سرانجام دی جس کا اعتراف پبلک اور ذی اثر حضرات کے علاوہ لاہور کے ذی اثر اور انگریزی روزناموں نے کیا۔

خدام نے لاہور کے نشیبی علاقہ میں بارہ امدادی مرکز قائم کئے اور یکصد خُدّام کی ان میں ڈیوٹی لگائی گئی۔ جو اپنے اپنے حلقہ میں مصیبت زدہ بھائیوں کی امداد کرتے جن کے رہنے کی کوئی جگہ باقی نہیں رہی تھی اور کھلے میدانوں میں پڑے تھے۔ انہیں محفوظ مقامات پر پہنچایا گیا جن کی تعداد ۷۵ خاندان ہے۔ محمد نگر میں ایک کرسچن لیڈی تیر کر پانی کو عبور کرنا چاہتی تھیں لیکن اس کی ہمّت جواب دے گئی۔ خُدّام نے بروقت امداد کر کے ان کو ڈوبنے سے بچایا۔ اسی طرح سنت نگر میں بھی ایک ڈوبتی ہوئی عورت کو بچایا گیا۔ نیز ان کے بچے اور بوڑھے آدمی کو بھی بچایا گیا۔ گرے ہوئے مکانات کا ملبہ جو گلیوں میں راستہ روکے ہوئے تھا۔ اسے صاف کیا۔ مکانوں اور دوکانوں کی چھتوں پر مٹی ڈالی گئی بیماروں کے لیے دوا فراہم کی گئی۔ کپڑے تقسیم کئے گئے۔ نیز دو صد بے خانماں مہاجرین کو محفوظ مقامات پر پہنچایا گیا۔ خشک اشیاء تقسیم کی گئیں۔ اور کھانا پکوا کر تقریباً دو ہزار آدمی کو کھلایا گیا۔ مستورات جو گھر سے باہر نہ جا سکتی تھیں انہیں سودے سلف لاکر دیئے گئے۔ سیلاب زدہ علاقہ میں وسیع طور پر ادویات، کپڑے، خشک خوراک، پکا ہوا کھانا پہنچایا گیا۔ پٹیالہ گراؤنڈ میں ۴۰۰ افراد کو آٹا تقسیم کیا گیا۔[1]

مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی مساعی کے پیش نظر سیّدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے

---

[1] مساعی کیلئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۷ء۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۳؍ اکتوبر ۱۹۵۴ء

مجلس کو مبلغ پانصد[1] روپیہ مرحمت فرما کر اپنے خدام کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اسی طرح مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے بھی مجلس لاہور کو اپنے تین صد روپے کے عطیہ سے نوازا۔ جس کی بنا پر مجلس نے اپنی مساعی کو اور تیز کر دیا اور مصیبت زدگان کے مکانات اور جھونپڑیوں کی تعمیر کے سلسلہ میں خدّام نے احباب کی نمایاں طور پر خدمت انجام دی۔

سیلاب کی وسعت کے مدنظر قائد صاحب مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے اپنی اور مجلس کے دیگر خدّام کی خدمات حکومت کی خدمت میں پیش کیں جن کو حکومت نے شکریہ کے ساتھ قبول فرمایا اور ریلیف کے کام کو تیزی کے ساتھ جاری رکھنے اور متعلقہ حکام کا تعاون حاصل کرنے کی تلقین کی ہے[2]

سیلاب کے ایّام میں خدام نے خدا تعالیٰ کے فضل سے دُور دُور کے مقامات پر ریلیف کا کام کیا۔ جبکہ راستہ میں میلوں پانی ہی پانی نظر آتا تھا خدام پانی عبور کر کے مصیبت زدگان کے پاس گئے اور مستحقین کی امداد کا کام کیا۔ لوگ خدّام کی اس بے لوث خدمت پر مبارکباد دیتے رہے۔ اس کے علاوہ سیلاب میں زخمی اور سانپوں سے ڈسے جانے والے مریضوں کی خدام نے میو ہسپتال میں جا کر بیمار پُرسی کی اور پھل تقسیم کئے۔ خدام نے ملک دُشمن عناصر کی پھیلائی ہوئی افواہوں کی تردید کی اور لوگوں کو حوصلہ بلند رکھنے کی تلقین کی۔

ریلیف کے کام میں جماعت احمدیہ لاہور کے امیر مکرم جناب چوہدری اسد اللہ خان صاحب نے خدام کو ہر طرح اپنے مفید مشوروں سے نوازا اور علاقہ جات کے دورے بھی کئے۔ اور ازراہِ کرم مبلغ تین سو روپے ریلیف کے کام کے لئے مرحمت فرمائے[3-4]۔ ایک موقعہ پر خدام کے ریلیف کے کام کے معائنہ کی غرض سے عزت مآب گورنر صاحب پنجاب (مکرم حبیب ابراہیم رحمت اللہ صاحب) کی بیگم صاحبہ تشریف لائیں اور خدام کے بے لوث جذبۂ خدمت خلق سے بہت متاثر ہوئیں اور خوشی کا اظہار فرمایا[5]

ربوہ سے آمدہ یکصد خدام کے ساتھ مقامی خدام نے مل کر بہت تندہی سے گرے ہوئے مکانات کی تعمیر میں حصہ لیا۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ۷۶ مکان نئے تعمیر کئے۔ لوگوں کے دلوں پر خدام کی ان بے لوث خدمات کا بہت

---

[1] ملاحظہ ہو الفضل ۵ راکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۱

[2] الفضل ۵ راکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۸

[3-4] الفضل ۲ راکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۱۔ ۳ راکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۸

[5] الفضل ۹ راکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۱

اثر ہے۔ اور لوگ بہت اچھے الفاظ میں خدام کے کام کی تعریف کر رہے ہیں[1]

نیز خدام کی ایک پارٹی جس میں دو ڈاکٹر اور ایک انجنیئر ہیں ریلیف کے کام کے سلسلہ میں ملتان گئے۔ اور وہاں ملتان اور مجلس خانیوال سے مل کر ریلیف کا کام کیا[2]

ملتان و خانیوال

یہاں کے خدام نے کبیر والا کے نزدیک ریلیف کیمپ لگایا ہے۔ اور کافی وسیع علاقہ میں ادویات تقسیم کر رہے ہیں۔ ایک موقعہ پر جناب ایس۔ ڈی۔ او صاحب خانیوال بمعیت ڈی۔ ایس۔ پی صاحب تشریف لائے اور اتفاقاً اس وقت خدام ریلیف کے کام پر باہر جانے کے لئے تیار تھے۔ اور قائد صاحب ہاتھ میں سیلاب سے متاثر علاقہ کا نقشہ لئے ہوئے ان کو کام کی نوعیت اور راستہ وغیرہ سمجھا رہے تھے۔ صاحب موصوف نے سب حالات ملاحظہ کر کے خوشنودی کا اظہار فرمایا اور خدام کے کام کو سراہا۔ قائد صاحب مجلس خدام الاحمدیہ ملتان نے اپنی خدمات جناب ڈپٹی کمشنر صاحب ملتان کی خدمت میں ریلیف کے کام کے لئے پیش کیں۔ اس کے بعد خدام نے باقاعدہ ریلیف کا کام شروع کر دیا[3] جس کا ذکر ملتان کے ایک مشہور اخبار نے اور لاہور کے بعض اخبارات نے بھی نمایاں طور پر کیا ہے۔

لائل پور

حالیہ سیلاب میں چنیوٹ لائل پور روڈ تقریباً ۲½ میل تک زیر آب رہی۔ بعض جگہ چار چار فٹ پانی تھا۔ پون فرلانگ کے قریب ایک جگہ ایسی تھی جس کے دونوں طرف بہت گہرے گڑھے تھے جن میں ۳۰ ستمبر کو ایک راہ گیر ڈوب کر جان بحق ہوا۔ یہ افسوسناک خبر سُن کر قائد مجلس خدام الاحمدیہ لائل پور ملک بشیر احمد صاحب مکرم مولوی عبدالمنان صاحب شاہد و مکرم چوہدری غلام دستگیر صاحب کی سرکردگی میں خدام کی ایک پارٹی گئی۔ وہاں خدام نے کیمپ لگایا اور وہاں رہ کر مسافروں اور ان کے اہل و عیال اور سامان کو اپنے سروں پر اٹھا کر پار اُتارتے رہے۔ وہاں پینے کے پانی کی

---

[1] ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو مجلس کے امدادی کاموں کا شہرہ سُن کر بین الاقوامی امدادی انجمن "SERVICE CIVIL INTERNATIONAL" کے مسٹر ولیفرڈ کورٹ اور اُن کے ایک ساتھی مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کے مرکزی امدادی دفتر میں آئے اور مجلس کی خدمات کو بہت سراہا۔ (الفضل ۵ اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۸) ۱۰، ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۴ء۔ [2] الفضل ۷ اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۳

[3] الفضل ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۲۔ الفضل ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۳

کمیابی کی وجہ سے مسافروں کی پیاس کی تکلیف دور کرنے کے لئے خُدّام کافی فاصلہ سے پانی لاتے اور مسافروں کو پلاتے۔ بھنے ہوئے چنے اور گڑ بھی ضرورت مندوں میں تقسیم کرتے رہے۔ جناب ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر نے خُدّام کے کیمپ کا معائنہ فرمایا اور خدام کے کام سے بہت متاثر ہوئے۔ اور خدام کے جذبۂ خدمت کی بہت تعریف کی۔ جناب تحصیلدار صاحب چنیوٹ نے بھی کیمپ کا معائنہ فرمایا اور خدام کے کام کو سراہا۔ اور فرمایا کہ زندہ قوم کی یہی علامت ہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ خدام کے آنے سے قبل وہاں ٹانگے والے مسافروں کو ایک روپیہ فی سواری لیکر پار اُتارتے تھے۔ لیکن خدام کا کیمپ لگنے کے بعد انہوں نے اپنے کرائے کافی حد تک گرا دیئے۔ پانی کافی اُتر جانے کے بعد خدام وہاں سے واپس آئے۔[1]

سیالکوٹ شہر

۲۵ستمبر کی درمیانی شب جبکہ سب لوگ گہری نیند سو رہے تھے شہر کے شمال کی جانب سے ایک نالہ کا پانی شہر کے دو محلوں پُورن نگر اور محلہ واٹر ورکس میں داخل ہوا۔ خاص کر محلہ پُورن نگر کے حالات بہت زیادہ خراب ہو گئے۔ خدام نے راتوں رات دونوں محلوں کے لوگوں کو مخدوش مکانات سے نکال کر معہ سامان محفوظ جگہ پہنچایا۔ محلہ پُورن نگر میں ایک مکان کی دیوار بنائی اور مخدوش مکانوں کو دُرست کیا گیا۔ محلہ واٹر ورکس میں بھی خُدّام نے بڑی جانفشانی اور محنت سے راتوں رات گری ہوئی دیواروں کو اور مخدوش مکانوں کو درست کیا۔ محلہ جامع مسجد کے خدام نے ریلوے اسٹیشن جاکر خطرے کا اعلان کیا اور اسٹیشن ماسٹر صاحب کی خدمت میں بھی اپنی خدمات پیش کیں۔ اکثر مُسافروں کو ان کی خواہش کے مطابق محفوظ مقامات پر پہنچایا اور کھانے وغیرہ سے بھی ان کی تواضع کی گئی۔ لوگ خُدّام کی اس بے لوث خدمت کو بہت سراہتے تھے۔[2] شہر کے حالات قدرے درست ہونے پر خدام کی مختلف ٹولیاں مواضعات میں پھیل گئیں اور سیلاب زدگان کی امداد میں سرگرم عمل ہوگئیں۔ سُلطان پور روڈ کی حفاظت کے لئے خُدّام کی ایک پارٹی جب اپنے بیلچے اور ٹوکریاں اور کدالیں لیکر شہر میں سے گذری تو لوگ حیرت سے خدام کے جذبۂ خدمت خلق کو دیکھتے اور خراجِ تحسین پیش کرتے۔ سُلطان پور کے قریب ایک سڑک ٹوٹی ہوئی تھی اور لاری تانگہ تو درکنار پیدل آدمی کا گذر بھی مشکل تھا۔ خدام نے تقریباً دو فرلانگ سے پتّھر لاکر اور مٹّی ڈال

---

[1] الفضل ۹ اخاء ۱۳۳۳ ہش / ۹ اکتوبر ۱۹۵۴ء صٓ

[2] الفضل ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۴ء صٓ الفضل ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۴ء صٓ - ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۴ء صٓ

کر سڑک کو ہموار کیا۔ اور پانی جو کھڑا تھا خشک ہوا اور ٹریفک جاری ہو سکی۔ اس کے علاوہ متعدد دیہات میں خدام نے سڑکیں درست کیں اور مکانات کی مرمت کی۔ چیئرمین صاحب ڈسٹرکٹ بورڈ کی خدمت میں خدام نے اپنی خدمات پیش کیں اور جناب ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کی خدمت میں بھی مجلس کی طرف سے اپنی خدمات پیش کیں۔ خدام کی تنظیم اور ضبط و نظم اور جذبۂ ایثار و خدمتِ خلق کو دیکھ کر لوگ مبارک باد پیش کرتے تھے۔

چک ۱۹۵/R-10 ضلع ملتان

سیلاب کی آمد کی خبر سُن کر قائد صاحب مقامی نے خدام کو ساتھ لیکر چک ہذا کے لوگوں کا سامان محفوظ جگہ پر پہنچایا اور نہایت محنت اور کوشش سے چک کو سیلاب کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے دن رات ایک کر دیا بند باندھے گئے۔ پانی کے لئے راستے بنائے۔ یہاں خدام کی تعداد تھوڑی ہے۔ یعنی دس خدام ہیں لیکن ان خدام نے چک کو سیلاب سے محفوظ رکھنے کے لئے تین دن اور تین رات سونا تو درکنار چارپائی پر بیٹھ کر بھی نہ دیکھا۔ خدام کی انتھک کوششوں کا نتیجہ تھا کہ چک ہذا سیلاب کے بداثرات سے بہت حد تک محفوظ رہا۔[1]

پنجاب پریس میں چرچا

پنجاب کے اخبارات نے لاہور، ربوہ اور ملتان کی مجالس خدام کی مساعی کا خاص طور پر تذکرہ کیا۔ بطور نمونہ چند اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ "باران زدہ لوگوں کی امداد

لاہور ۲۶ ستمبر قائد صاحب مجلس خدام الاحمدیہ لاہور مطلع فرماتے ہیں کہ مجلس کے یکصد خدام لاہور کے نشیبی اور دیگر متاثرہ علاقوں میں کام سرانجام دے رہے ہیں۔ ان علاقوں میں بارہ امدادی مرکز قائم کر دیئے گئے ہیں جن میں دس دس خدام ہر وقت حاضر رہتے ہیں اور موقع پر پہنچ کر امداد بہم پہنچاتے ہیں۔ آج مجلس نے پٹیالہ گراؤنڈ اور اردگرد کے علاقوں کے چار سو نیاہ حال مہاجروں میں مُفت آٹا تقسیم کیا۔ علاوہ ازیں گذشتہ دو روز میں ۶۵ گھر کے افراد کو مخدوش جگہوں سے نکال کر محفوظ مقامات پر پہنچایا گیا۔ محمد نگر میں ایک کرسچین لیڈی تیر کر پانی کو عبور کرنے کی کوشش کر رہی تھی اسے بر وقت امداد پہنچا کر ڈوبنے سے بچایا گیا وہ تھک کر ہمت ہار چکی تھی۔ اسی طرح سنت نگر میں

---

[1] ماہنامہ خالد ربوہ نومبر ۱۹۵۴ء ص ۳۴-۳۸۔
مجلس خدام الاحمدیہ ملتان کی مساعی کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۱

بھی ایک ڈوبتی ہوئی عورت، اس کے بچے اور ایک بوڑھے مرد کی جانیں بچائی گئیں۔ مجلس نے مختلف علاقوں میں مکانوں کی چھتوں پر مٹی ڈالنے، گلیوں اور سڑکوں پر گری ہوئی دیواروں کا ملبہ اٹھانے اور کپڑے تقسیم کرنے کے علاوہ بیماروں کے لئے دوا فراہم کی اور پردہ نشین مستورات کو سودا سلف پہنچانے کا انتظام کیا نیز دو سو بے خانماں مہاجرین کو مختلف مکانوں میں پناہ دی گئی اور انہیں کھانا کھلایا گیا۔"[1]

۲۔ "سیلاب زدوں کی امداد

لاہور ۳۰ ستمبر مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی آج کی کارروائی حسب ذیل ہے:۔

۱۔ بعض کوتاہ اندیش، خود فریب اور چالاک افواہ باز مختلف قسم کی افواہیں پھیلا کر سادہ لوح عوام کو ہراساں اور پریشان کرتے ہیں۔ ہمارے خدام کی گشتی پارٹیوں نے مختلف علاقوں میں گھوم پھر کر سیلاب کے متعلق پھیلائی ہوئی افواہوں کی پُر زور تردید کی اور عوام کو حوصلے بلند رکھنے کی تلقین کی۔ ہم لاہور کے سنجیدہ طبقہ سے اپیل کرتے ہیں کہ افواہوں کو دبانے کی کوشش کریں۔

۲۔ آج راوی روڈ اور راوی سے ملحقہ تباہ شدہ بستیوں کے مفلوک الحال افراد میں میٹھے چنے اور کھانے کی خشک چیزیں تقسیم کیں بستی شمشان بھومی میں جب ہمارے خدام پہنچے تو وہاں کے مرد اور عورتیں جمع ہو گئیں۔ انہوں نے اپنی داستانِ غم سناتے ہوئے بتایا کہ ابھی تک وہاں کوئی بھی ریلیف پارٹی نہیں پہنچی۔ ہمارے خدام نے ان میں چنے تقسیم کئے۔

۳۔ میو ہسپتال میں باران زدہ زیر علاج زخمیوں مارگزیدوں اور کس مپرسی کی حالت میں مریضوں کی عیادت کرتے ہوئے ان میں پھل تقسیم کئے۔"[2]

۳۔ "لاہور میں گرے ہوئے مکانات کی صفائی کا کام

لاہور۔ ۴ اکتوبر مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کے امدادی دستے آج بھی دھوبی منڈی اور مہاجر آباد میں گرے ہوئے مکانات کا ملبہ اُٹھانے اور زمین ہموار کرنے میں مصروف رہے دھرم پورہ میں ایک کنوآں بیٹھ گیا ہے اس کی از سر نو مرمت میں بھی خدام نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور نہایت جانفشانی

---

[1] "ملت" ۲۸ ستمبر ۱۹۵۴ء ص ۴ کالم ۵

[2] اخبار "ملت" لاہور یکم اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۲ کالم ۲

سے ملبہ اُٹھانے کا کام کیا۔

خانیوال سے بذریعہ ٹیلی فون اطلاع ملی ہے کہ ڈپٹی کمشنر ملتان کی زیرِ ہدایت مقامی مجلس خدام الاحمدیہ کبیر والا مرکز میں امدادی خدمات انجام دے رہی ہے۔ گذشتہ دو روز میں سولہ دیہی بستیوں کا دورہ کر کے تقریباً ساڑھے چار سو مریضوں میں ادویات تقسیم کی جا چکی ہیں۔" [1]

۴۔ "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی خدمات کا اعتراف"

ریلیف کمشنر پنجاب کی طرف سے سرگرمیاں جاری رکھنے کی ہدایت

لاہور ۴ اکتوبر۔ ریلیف کمشنر پنجاب مسٹر آئی یو خاں نے آج قائد مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کے نام ایک خط میں مجلس کی خدمات پیش کرنے پر خدام الاحمدیہ کا شکریہ ادا کیا ہے اور انہیں ہدایت کی ہے کہ وہ حکام سے رابطہ پیدا کر کے متعلقہ علاقوں میں اپنی سرگرمیاں بدستور جاری رکھیں۔ مجلس نے ۲۹ ستمبر کو قائمقام وزیر اعلیٰ سردار عبدالحمید دستی کے نام تار کے ذریعہ اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے انہیں اپنی امدادی سرگرمیوں سے مطلع کیا تھا۔

آج امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کو ربوہ سے پانچ سو روپے کی رقم ارسال کی ہے تاکہ وہ سیلاب زدہ علاقے میں اپنے امدادی کام کو اور زیادہ وسیع کر سکیں۔

کل مجلس خدام لاہور کی ایک امدادی جمعیت نے مل کر محکمہ شہری دفاع پنجاب کے تعاون سے ضلع لاہور اور شیخوپورہ کے متعدد سرحدی دیہات کا دورہ کر کے سیلاب زدہ لوگوں میں وسیع پیمانے پر کھانے کی خشک اشیاء تقسیم کیں۔ جن دیہاتوں میں نمبرداروں سے مل کر انہوں نے امداد کا کام کیا ان میں شیرے واکوٹ۔ بُستان۔ جیا موسیٰ۔ خاکی۔ ابوالخیر۔ بدو۔ کھرل کے۔ بیگم کوٹ۔ ترگڑ اور ٹانگہ نامی بستیاں بیگم کوٹ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ پارٹی نے شہر میں پٹیالہ گراؤنڈ۔ کشمیر روڈ اور وارث روڈ کے بارش زدہ لوگوں کو بھی کھانے کی خشک اشیاء اور ادویہ تقسیم کیں۔ اس طرح اندازاً انہوں نے تین ہزار افراد کو کھانا کھلایا۔

---

[1] روزنامہ ملت لاہور ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۶ کالم ۳

مجلس کے امدادی کام سے متاثر ہو کر کل "سروس سول انٹرنیشنل" کے مسٹر ولفریڈ کورٹ اور انکے ایک ساتھی مجلس کے مرکزی دفتر میں آئے۔ انہوں نے امدادی (کام) کی تفصیلات سننے کے بعد مجلس کی خدمات کو سراہا اور امید ظاہر کی کہ مجلس اپنی امدادی سرگرمیوں کو اسی جذبہ و جوش کے ساتھ آئندہ بھی جاری رکھے گی"۔ ؎۱

۵۔ "مجلس خدام الاحمدیہ کی طرف سے امدادی کام

لاہور ۱۷ اکتوبر۔ ربوہ سے آئے ہوئے ایک سو سے زائد خدام جن میں ۲۷ معمار بھی شامل ہیں مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کے ساتھ مل کر یہاں گرے ہوئے مکانات کی از سرِ نو تعمیر کر رہے ہیں۔ یہ خدام تعمیر کا ضروری سامان پھاوڑے۔ ٹوکریاں اور کڑاہیں وغیرہ ربوہ سے اپنے ساتھ لائے ہیں۔ کل اور آج انہوں نے پولیس کے زیر انتظام لاہور کے گرد و نواح کی ۱۳ بارش زدہ بستیوں میں غریب اور نادار لوگوں کے ۵۰ گرے ہوئے مکانات کی بنیادیں اٹھا کر پوری پوری دیواریں کھڑی کر دیں اور ان میں سے بہت سے مکانوں کی چھتیں ڈال کر انہیں مکمل بھی کر دیا۔ ان خدام نے جن تیرہ مراکز میں کام کیا ہے ان میں لیاقت پارک۔ احاطہ مکھن سنگھ۔ چوبچہ صاحب۔ گھمار پورہ۔ جھگی باگریاں۔ بدھو آوا وارث روڈ۔ کانگڑا آبادی۔ علاقہ مندر چونی لعل واقع ملتان روڈ۔ دھوبی منڈی۔ علاقہ موری دروازہ۔ تھانہ لوہاری گیٹ اور راوی روڈ کی متعدد بستیاں شامل ہیں"۔ ؎۲

۶۔ "سیلاب زدوں کے لئے ۷۵ مکانات کی تعمیر

لاہور۔ ۱۸ اکتوبر (سٹاف رپورٹر) بہتر معماروں کے ہمراہ ربوہ سے جو رضا کار سیلاب زدگان

؎۱ روزنامہ "ملت" لاہور ۷ اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۶ کالم ۲

اخبار "الفضل" ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۱ میں "حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کا اظہار خوشنودی" کے زیر عنوان حسب ذیل خبر شائع ہوئی: "مکرم پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے ایک خط کے ذریعہ مکرم قائد صاحب مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کو حضور کی خوشنودی کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا ہے"۔ ملت میں شائع شدہ دوران سیلاب میں خدام الاحمدیہ لاہور کی خدمتِ خلق کی رپورٹ ملاحظہ فرما کر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ خدام کو شکریہ نیز فرمایا کہ اس قسم کی خدمات اسلامی روح کو بڑھاتی ہیں۔ جزاکم اللہ واللّٰھم زد فزد

؎۲ روزنامہ "مغربی پاکستان" لاہور ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۴ء صلہ

کی امداد کے لئے لاہور آئے ہوئے تھے، انہوں نے تین دن کے اندر لاہور کی ۱۶ بارش زدہ بستیوں میں غریب و نادار لوگوں کے ۷۵ مکان تعمیر کئے ہیں۔ اس سلسلے میں پولیس نے اینٹیں اور لکڑی وغیرہ فراہم کی اور بڑی محنت سے نگرانی کے فرائض سرانجام دیئے۔ جن نواحی بستیوں اور محلوں میں گرے ہوئے مکان از سرِ نو تعمیر کئے گئے ہیں ان میں ہال روڈ، لیاقت پارک، راوی روڈ، شاہدرہ موری دروازہ، پیسہ اخبار سٹریٹ، دھوبی منڈی۔ وارث روڈ۔ اچھرہ۔ کمہار پورہ اور جھگی باگھڑیاں وغیرہ کے علاقے شامل ہیں۔ آج اخباری نمائندوں کی ایک جماعت نے اکثر مکانات میں تعمیر کا کام دیکھا۔ پولیس کے حکام نے نمائندہ ملّت کو بتایا کہ ان رضاکاروں نے مستعدی اور جانفشانی سے تعمیر کا کام کیا ہے۔" [1]

۷۔ "مکتوب مُلتان

"مجلس خدام الاحمدیہ کے وفد نے آتے ہی سیلاب زدگان کی امداد کیلئے کبیر والا کے علاقہ میں پوری سرگرمی اور گرم جوشی سے کام شروع کر دیا ہے۔ یہ وفد دو ڈاکٹروں، ایک سول انجنیئر اور تین رضاکاروں پر مشتمل ہے جو بیماروں کا علاج پانی میں گھرے ہوئے اشخاص کو نکالنے اور خشک دودھ، چنے، صابن تیل اور گرم کپڑے وغیرہ بہم پہنچانے کا کام کریں گے۔ نمائندہ ملت کو مجلس کے قائد نے کہا کہ اُن کے پاس پچاس رضاکار موجود ہیں جو باری باری کام کریں گے انہوں نے یہ بتایا کہ وہ لاہور اور دیگر علاقوں میں کام کر چکے ہیں اور انہیں اس کام میں خاص مہارت اور تجربہ حاصل ہے۔ مُلتان کا سنجیدہ طبقہ، جماعت کے اس کام کو سنجیدگی کی نظر سے دیکھ رہا ہے۔" [2]

الغرض جماعت احمدیہ کو اپنے محدود ذرائع اور وسائل کے باوجود اپنے پاکستانی بھائیوں کی وسیع پیمانے پر خدمات بجالانے کی توفیق ملی اور اسلامی اُخوّت کا وہ نقشہ ایک بار پھر آنکھوں کے سامنے آگیا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے درج ذیل الفاظ میں کھینچا تھا۔

"مثل المومن فی توادّھم وتعاطفھم وتراحمھم مثل الجسد اذا اشتکی منه شئ تداعی له سائر الجسد بالسّھر والحمّٰی" [3]

---

[1] "ملت" ۲۰ر اکتوبر ۱۹۵۴ء ص۵ [2] "ملت" ۲۰ر اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۶ کالم ۱-۲

[3] مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۷۰

خدمتِ خلق کے اسلامی مطمح نظر پر ایک ایمان افروز خطبہ

مومن کی ہمدردی کا دامن تمام بنی نوع انسان پر وسیع ہوتا ہے اور وہ اپنے فرائض کی بجاآوری میں محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو مدّنظر رکھتا ہے نہ کہ بندوں کی قدرشناسی کو جیسا کہ قرآن عظیم میں ہے۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ٥ (الدھر:۱۱) ہم صرف رضائے الٰہی کے لئے تمہیں کھلاتے ہیں تم سے کسی بدلہ اور شکریّہ کے طلبگار نہیں ہیں۔

ایک ایسے مرحلہ پر جبکہ جماعتِ احمدیہ پاکستان کی بے لوث اور مثالی خدمات کو پورے ملک میں سراہا جا رہا تھا اور مشرقی اور مغربی حصّوں میں اس کی گونج سنائی دے رہی ہے حضرت مصلح موعود نے ضروری سمجھا کہ دُنیا بھر میں پھیلی ہوئی جماعت کو کھول کھول کر بتا دیا جائے کہ خدمتِ خلق کا اسلامی مطمح نظر یہ ہے کہ ہمیں جو کچھ کرنا ہے خدا کی خاطر کرنا ہے چنانچہ حضور نے یکم اخاء/اکتوبر ۱۳۳۳ ہش ۱۹۵۴ء کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ:۔

"کئی احمدی اس بات سے چڑ جاتے ہیں کہ جن لوگوں کی ہم مدد کرتے ہیں وہی کچھ عرصہ کے بعد ہم سے دُشمنی کرنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن یہی چیز تو مزہ دیتی ہے کیونکہ اگر وہ لوگ جن کی خدمت کی جائے مخالفت کرنے لگ جائیں تو ہمارا دل اس بات پر خوش ہوگا کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے انسان کی خاطر نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاطر کیا ہے ابھی اس طوفان میں ایک واقعہ پیش آیا ہے ... ایک بس سروس کمپنی کے متعلق ہمیشہ یہ شکایت آتی ہے کہ وہ اپنی لاریاں ربوہ میں نہیں ٹھہراتی بلکہ ان کی لاریاں یا تو احمد نگر کے قریب ٹھہرتی ہیں یا چنیوٹ کے پاس جاکر ٹھہرتی ہیں تا ربوہ سے احمدی سوار نہ ہوں۔ جب طوفان آیا اور سڑک پانی کے نیچے آگئی تو مسافروں کی امداد کرنے کے لئے ربوہ کے خدّام سڑک پر گئے۔ اس بس سروس کمپنی کی ایک لاری پانی میں پھنس گئی۔ جب خدام مدد کے لئے گئے۔ تو ڈرائیور نے کہا تم لاری کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں چنانچہ ڈرائیور اور مسافر کافی وقت تک زور لگاتے رہے لیکن لاری نہ نکلی۔ بعد میں وہ مجبور ہو کر خدّام کے پاس آئے اور اُن سے کہا کہ لاری نکالنے میں ہماری مدد کی جائے چنانچہ کچھ خدّام گئے اور انہوں نے نہایت محنت سے اس لاری کو باہر نکال دیا ڈرائیور نے شکریّہ ادا کیا اور کہا کہ آپ لوگوں نے ہماری خاطر بہت تکلیف برداشت کی ہے اس دوران میں کسی لڑکے نے یہ کہہ دیا کہ آپ شکریہ تو ادا کرتے ہیں مگر کیا احمدیوں کو کبھی اپنی لاری میں سوار بھی کریں گے؟ اس لڑکے

کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ انہوں نے جو کچھ کیا تھا خُدا تعالیٰ کی خاطر کیا تھا مگر تاہم اُس ڈرائیور نے یہ جواب دیا کہ اب ہم پہلے آپ کو بٹھایا کریں گے پھر اور کسی کو بٹھائیں گے لیکن دل ایک دن میں نہیں بدلا کرتے۔ دِل آہستہ آہستہ بدلتے ہیں اس لئے تم اپنا کام کرتے چلے جاؤ اور اس بات کا خیال نہ آنے دو کہ دوسرے لوگ تمہاری مخالفت کرتے ہیں یا تمہاری خدمت کی قدر کرتے ہیں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ بار بار فی سبیل اللہ کے الفاظ بیان فرماتا ہے کہ تم جو نیکی بھی کرو۔ خدا تعالیٰ کی خاطر کرو۔ اس لئے چاہیے تم سو دفعہ نیکی کرو اور جن سے تم نیکی کرو وہ سو دفعہ تمہاری مخالفت کریں وہ تمہارے دُشمن ہو جائیں مگر تم نیکی ترک نہ کرو۔ تم نے جو کچھ کرنا ہے خدا تعالیٰ کی خاطر کرنا ہے اور وہی تمہاری نیکی کا بدلہ دے گا۔ اس دفعہ لاہور کی جماعت نے قربانی کا اچھا نمونہ پیش کیا ہے اور وہاں کے خدام نے قابل تعریف کام کیا ہے۔ مجھے اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ اس دفعہ اُن میں بیداری پیدا ہوئی ہے اور انہوں نے مصیبت زدگان کی خُوب مدد کی ہے اب فرض کرو کہ کچھ عرصہ کے بعد لوگ جماعت کے احسان کو بھُول جاتے ہیں تب بھی تم اُن سے حُسنِ سلوک کرو کیونکہ تم نے جو کچھ کرنا ہے وہ خدا تعالیٰ کی خاطر کرنا ہے۔ اور خُدا تعالیٰ تمہارے کام کو دیکھ رہا ہے اور وہی اس کا اجر دے گا اگر کوئی شخص کسی پر احسان کرتا ہے اور دوسرا شخص اس احسان کو بھُول جاتا ہے یا اس کے احسان کی قدر نہیں کرتا تو یہ اُس کا قصور ہے تمہارا فائدہ اِسی میں ہے کہ تم احسان کرتے چلے جاؤ اور ہمارا خدا ایسا ہے کہ اُس نے نیکی کرنیوالے کے لئے ثواب کے اتنے رستے کھولے ہیں کہ اُن کی کوئی حد ہی نہیں اس لئے ایسے فعل پر کسی مُسلمان کے دل میں انقباض پیدا ہونا یا نفرت اور حقارت کا جذبہ پیدا ہونا اور دِل میں گرہ پڑنا ناجائز ہے اگر کوئی تمہیں گالی دیتا ہے تو تمہیں چڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی گالی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا۔ رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کو گالی دیتا ہے تو خُدا تعالیٰ کے فرشتے اُسے دُعائیں دیتے ہیں۔ اب دیکھو اُس شخص کی گالیوں نے کیا بنانا تھا۔ اگر کچھ بنانا ہے تو فرشتوں کی دعاؤں نے بنانا ہے۔ میری اپنی یہ حالت ہے کہ مجھے کوئی کتنی گالیاں دے مجھے اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان الفاظ سے میرا کیا بگڑتا ہے۔"

نیز فرمایا۔

"یاد رکھو کہ شریف طبقہ ہر قوم میں ہوتا ہے۔ دہریوں میں بھی شریف ہوتے ہیں پھر مسلمان کے کان میں تو قرآن کریم کے الفاظ رات دن پڑتے رہتے ہیں اس لئے کوئی نہ کوئی درجہ شرافت کا اس میں ضرور موجود ہوتا ہے پس تم کیونکر سمجھتے ہو کہ تمہاری نیکی ان پر اثر نہیں کرے گی۔ ممکن ہے تمہاری نیکی دیکھ کے وہ بھی اس قسم کا کام کرنا شروع کر دیں اور اس طرح ان میں بھی قوم، ملک اور حکومت کی خدمت کا جذبہ پیدا ہو جائے اور اگر ایسا ہو جائے تو تمہیں اس بات کا بھی ثواب ملے گا۔ کہ تم نے نیکی کی اور اس بات کا بھی ثواب ملے گا کہ تمہاری وجہ سے دوسرے کئی لوگوں نے نیکی کی۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے ذریعہ کوئی دوسرا آدمی ہدایت پا لیتا ہے تو اسے دو ثواب ملتے ہیں۔ ایک ثواب تو اس کی اپنی نیکی کا ہوتا ہے اور ایک ثواب اُس شخص کی نیکی کا ملتا ہے جو اس کے ذریعہ ہدایت پاتا ہے۔ فرض کرو تمہاری وجہ سے پاکستان کے لوگ ہدایت پاتے ہیں اور تمہاری تعداد ایک لاکھ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم میں سے ہر ایک کو ۸۰۰ آدمیوں کی نیکی کا ثواب ملے گا ایک آدمی کی نیکی بھی بڑی چیز ہوتی ہے اور وہ آسمان اور زمین کو بھر دیتی ہے پھر اگر کسی کے ذریعہ ۸۰۰ اشخاص ہدایت پا جائیں اور ان ۸۰۰ اشخاص کی نیکیوں کا ثواب بھی اسے ملے تو پھر اس کی نیکیوں کو رکھنے کے لئے خدا تعالےٰ ہی سامان کرے تو کرے ورنہ زمین و آسمان میں اس کی نیکیاں سما نہیں سکیں گی۔

پس دوست اس قسم کے نیکی کے مواقع کو ضائع نہ کریں بلکہ ان مواقع پر زیادہ سے زیادہ لوگوں کی خدمت کریں اگر تمہارے عمل کو دیکھ کر دوسرے لوگوں میں بھی نیکی پیدا ہو جائے تو یقیناً اس سے سارے مُلک کا معیارِ اخلاق بلند ہو جائے گا۔"[1]

---

[1] الفضل ۸ اخاء ۱۳۳۳ہش / اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۴-۵

فصل ششم

عقل و تدبّر اور فہم و ذکاء کے خزانوں سے فائدہ اٹھانے کی تلقین

خلفاء کی آسمانی نگاہیں جو کچھ دیکھتی ہیں وہ دوسروں کو دکھائی نہیں دے سکتا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ اپنے حیرت انگیز نورِ فراست و بصیرت کی بدولت شروع ہی سے جانتے تھے کہ اس وقت جماعتِ احمدیہ کے کندھوں پر جو بوجھ ہے اس سے ہزار گنا بوجھ احمدیت کی آئندہ نسلوں پر ہوگا۔[1] یہی وجہ ہے کہ حضور اوائل خلافت ہی سے جماعت کو توجہ دلاتے آرہے تھے کہ وہ اپنی عقل و ذہانت کو تیز کرے اور اپنی نئی پود کو بھی روشن دماغ بنائے۔ حضور نے خدام الاحمدیہ میں بھی بعض ایسی مشقیں رکھیں جن کی وجہ سے عقل و فکر کی استعدادوں اور قوتوں میں اضافہ ہو اور ہر اگلی نسل اپنے حافظہ اور ذہانت میں پہلی نسل سے آگے ہو۔

اسی مقصد کے پیشِ نظر حضور نے ۱۷؍ستمبر ۱۹۵۴ء / ۱۷؍تبوک ۱۳۳۳ہش کو ایک مفصل خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں جماعت کو اس دائمی ذمہ داری کی طرف خاص طور پر متوجہ کیا اور (محمود غزنوی کے خادم) ایاز اور (نئی دُنیا دریافت کرنے والے) کولمبس کی غیر معمولی ذہانت کے بعض سبق آموز اور دلچسپ واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا:۔

"جتنے لیڈر، بادشاہ اور جرنیل بنے ہیں وہ ظاہری دولت سے نہیں بنے بلکہ خدا داد دولتوں حافظہ عقل، فکر اور تدبّر سے بنے ہیں۔ ہمایوں کے پاس ظاہری دولت نہیں تھی۔ بابر کے پاس ظاہری دولت نہیں تھی، اکبر کے پاس ظاہری دولت نہیں تھی، لیکن ان لوگوں نے عقل، فکر اور تدبّر کی دولت سے فائدہ اٹھایا اور عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے۔ ان کے مقابلے

---

[1] منہاج الطالبین صفحہ ۶۶ طبع اوّل (تقریر ۲۷؍دسمبر ۱۹۲۵ء)

ہیں محمد شاہ اور احمد شاہ کے پاس ظاہری دولت تھی لیکن انہوں نے عقل، فکر اور تدبر کی دولت سے فائدہ اُٹھایا جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ وہ ذلیل ہو گئے۔ ہمایوں، بابر اور اکبر نے خدا کی دی ہوئی دولت سے کام لیا اور وہ جیت گئے۔ لیکن محمد شاہ اور احمد شاہ نے ان سے کام نہ لیا اور وہ ہار گئے۔ پس خُدا کی دی ہوئی دولت، ظاہری دولت سے ہزاروں گنا قیمتی ہے۔ میں نے جماعت کو بار بار اس طرف توجہ دلائی ہے کہ وہ خدا کی دی ہوئی دولت سے کام لے لیکن افسوس کہ ان کے ذہن اس طرف نہیں جاتے۔ میں دیکھتا ہوں کہ عقل، فہم، ذکاء اور تدبر کے خزانے پڑے ہیں لیکن جس طرح قرآن کے خزانوں کو لینے والا کوئی نہیں اسی طرح ان خزانوں کی طرف بھی کسی کی توجہ نہیں۔ مگر جس طرح قرآن کریم کے خزانوں کو لینے کی اگر کوئی کوشش کرتا ہے تو اُسے مل جاتے ہیں۔ اسی طرح عقل، تدبّر اور فہم و ذکاء کے خزانے بھی مل سکتے ہیں بشرطیکہ کوئی کوشش کرے۔"

پھر فرمایا:۔

"پس تم اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی دولت کو استعمال کرو۔ اگر تم خُدا تعالیٰ کی دی ہوئی دولت کو استعمال نہیں کرتے تو تم اس کی دوسری نعمتوں کے اُمیدوار کیوں ہو؟ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا مجھے کوئی معجزہ دکھائیں مجھے یاد ہے آپ اس وقت جوش میں آگئے اور فرمایا میرے دعویٰ پر اتنے سال گذر چکے ہیں اور اس عرصہ میں خُدا تعالیٰ نے ہزاروں نشانات دکھائے ہیں تم نے ان نشانات سے کب فائدہ اٹھایا کہ اب تم نئے نشان سے فائدہ اٹھاؤ گے؟ پس اگر تم خدا تعالیٰ کی دی ہوئی اتنی بڑی دولت سے فائدہ نہیں اٹھاتے تو تمہیں کسی دولت کیسے مِل سکتی ہے؟ ہاں اگر تم خدا تعالیٰ کی دی ہوئی دولت سے فائدہ اٹھاؤ تو تمہیں اتنا کچھ مل جائے گا کہ تمہیں خدا تعالیٰ سے کچھ اور مانگتے ہوئے شرم آئے گی"[1]

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا انتخاب عالمی عدالت کے جج کی حیثیت سے

۷؍اکتوبر ۱۹۵۴ء/۷؍اخاء ۱۳۳۳ ہش

کو بین الاقوامی عدالت کی اس خالی نشست کے لئے انتخاب ہؤا جو ہندوستان کے سر بینیگل نرسنگ راؤ

---

[1] الفضل ۶؍اخاء ۱۳۳۳ ہش/۶؍اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۴-۵

کی وفات کے بعد خالی ہوئی تھی۔ اسمبلی کے اجلاس میں رائے شماری ہونے پر چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وزیر خارجہ پاکستان کے حق میں ۳۳ اور ہندوستان کے امیدوار جسٹس رادھا ونود پال کے حق میں ۲۹ آراء شمار ہوئیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ہندوستان پر برتری عطا فرمائی اور حضرت چوہدری صاحب بین الاقوامی عدالت کے جج منتخب ہو گئے حالانکہ ہندوستان نے اپنے اُمیدوار کو کامیاب کرانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ [1]

اس اعزاز پر اسلامی حلقوں میں بہت خوشی کا اظہار کیا گیا اور مسلم پریس نے اس انتخاب کا پُر جوش خیر مقدم کیا۔ بطور نمونہ چند تاثرات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ اخبار "مسلمان" (کراچی) نے ۹ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو لکھا۔

"بین الاقوامی عدالت کے سابق جج مسٹر بی۔ این۔ راؤ کی وفات سے عدالت مذکور میں جو جگہ خالی ہوئی تھی اس کے لئے پاکستان اور بھارت کے امیدواروں کے درمیان پچھلے چند ہفتوں سے زبردست رسّہ کشی جاری تھی۔ یہاں یہ کہہ دینا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ بھارت اپنے اُمیدواروں کی کامیابی پر بہت زیادہ مطمئن بھی تھا۔ لیکن بھارت کی ساری خوشگوار توقعات اور سیاسی جوڑ توڑ ناکام ہو کر رہ گئی جبکہ سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی میں خفیہ رائے دہی کے ذریعہ زیر بحث جج کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ اور پاکستان کے وزیر خارجہ اپنے حریف کے مقابلہ میں کامیاب ہو گئے۔ اگرچہ پاکستانی نمائندہ چوہدری ظفر اللہ خان کا انتخاب سخت کش مکش کے بعد عمل میں آیا ہے لیکن یہ ایک ایسی کامیابی ہے جس کے پس منظر میں بھارت اور پاکستان کی خارجہ حکمتِ عملی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

آج بین الاقوامی رائے عامہ میں پاکستان نے کافی اہمیت حاصل کر لی ہے۔ اور بتدریج ایک ممتاز مقام کا حامل بھی بن چکا ہے۔ بین الاقوامی عدالت کے لئے پاکستانی نمائندہ چوہدری ظفر اللہ خان کا انتخاب براہِ راست چند اہم سیاسی نتائج کا علمبردار ہے۔ یہ سیاسی نتائج مستقبل قریب میں اہم اور نتیجہ خیز ثابت ہوں گے۔ چوہدری ظفر اللہ خان کی کامیابی بلاشبہ پاکستان کے عالمی وقار اور امن پسند حکمتِ عملی کی کُھلی ہوئی ضمانت ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو اخبار "ملت" لاہور ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۲ کالم ۴-۵

ہمیں خوشی ہے کہ بین الاقوامی انتخاب کے دُشوار گذار مرحلوں میں پاکستان کو شاندار کامیابی حاصل ہو گئی اور اس طرح پاکستان نے عالمی رائے عامہ میں اپنی سیاسی انفرادیت کو زبردست عددی اکثریت کے ساتھ پھر ایک بار منوا لیا۔ بین الاقوامی عدالت کے جج کا انتخاب دراصل ایک اعزاز ہے جس کے پس منظر میں منتخب ہونے والے نمائندے کے عظیم وطن کی سیاسی اہمیت، انسانیت کی رواداری اور امن پسندی کے عناصر جھلکتے ہیں۔ اگرچہ اس انتخاب کی میعاد از روئے قانون دس سال کی ہوتی ہے لیکن یہ ایک عارضی انتخاب ہے جو سر بی این راؤ آنجہانی کی مقررہ میعاد کی تکمیل کے لئے عمل میں لایا گیا ہے۔

جہاں اس انتخاب پر ہمیں خوشی ہے وہیں اس بات کا افسوس بھی ہے کہ پاکستان ایک بہترین سیاست دان اور بین الاقوامی عظیم شخصیت کے تدبّر اور اس کی خدمات جلیلہ سے محروم ہو رہا ہے۔ چوہدری ظفر اللہ خان سے ان کی وزارت کے دوران بعض مسائل کے ضمن میں اختلافات رونما ہوتے رہے ہیں اور بعض انتہا پسند مذہبی جماعتوں نے چوہدری صاحب موصوف کو وزارتِ خارجہ سے ہٹا دینے کا مطالبہ بھی کیا تھا لیکن ہم شخصی اور مذہبی تصورات اور رجحانات کی اساس پر کسی وزیر کی علیحدگی کے قائل نہیں ہیں اگر پاکستان اس حکمتِ عملی پر کاربند ہو جاتا تو بلادِ اسلامیہ اور اقوامِ عالم میں پاکستانی عوام کے اندازِ فکر کی کوتاہی اور پاکستان کی متعصبانہ روش خود اس مُلک کے وقار اور نیک نامی کو تباہ کر دینے کا موجب بن جاتی۔ ایسے نازک مرحلہ پر پاکستان کی قیادتِ اعلیٰ نے حالات کی روک تھام کی اور چوہدری صاحب کو برسرِ اقتدار رکھا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کرنا چاہیئے کہ ایک تجربہ کار عملی سیاست دان کی حیثیت سے چوہدری ظفر اللہ خان نے قابلِ لحاظ کارنامے انجام دیئے ہیں۔ بالخصوص پاکستان کے وزیرِ خارجہ کی حیثیت سے اقوامِ متحدہ کے ایوان میں کشمیر اور فلسطین کے متعلقہ کیس میں چوہدری صاحب نے جو غیر معمولی ذہانت خداداد صلاحیت اور زورِ خطابت دکھایا ہے وہ اقوامِ متحدہ کی تاریخ میں ناقابلِ فراموش باب ہے کہا یہ جا رہا ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خان نے اُمورِ خارجہ اور بین الاقوامی معاملات میں پاکستان کی کوئی خاص خدمت انجام نہیں دی۔ لیکن یہ ایک مبالغہ آمیز جھوٹ ہے۔ آج پاکستان امن پسند اور آزاد دنیا کا ایک اہم اور بنیادی ملک بن چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ پاکستان کا یہ موقف اس خارجی حکمت ہی (کا) رہینِ منت ہے

جس کا ہیولا چوہدری ظفراللہ خاں نے تیار کیا تھا۔

ہم اس موقع پر اپنی خوشگوار تمناؤں کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بھارت کے مقابلہ میں پاکستان کی یہ جیت ایک عظیم کارنامہ سہی لیکن اس کامیابی میں خود بھارت کا وہ اقدام بھی شامل ہے جس کی وجہ سے اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔" [1]

۲۔ اخبار "جنگ" کراچی نے ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۴ء کے ادارتی نوٹ میں لکھا:

"بین الاقوامی عدالت کے ایک جج کی جو جگہ سر بنگل راؤ کے انتقال کی وجہ سے خالی ہوئی تھی اس پر پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری ظفراللہ خان کا انتخاب ہوگیا۔ اور اس طرح بھارت کو ایک زبردست شکست اور پاکستان کو ایک شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ بھارت نے اس نشست کو برقرار رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔ اور اپنے پورے ذرائع سے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی مگر سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی دونوں نے پاکستان کے حق میں فیصلہ کیا اور اس طرح ایک پاکستانی کو وہ اعزاز حاصل ہوسکا جو بلاشبہ قابل ناز ہے۔ اسی کے ساتھ بھارت کو ایک اور شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ سلامتی کونسل کی نشست کے لئے بھی اُمیدوار تھا مگر وہاں بھی اسے ایک سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اور بھارت کو صرف ایک اور ایران۔ پیرو اور بلجیم کو علی الترتیب ۵۶۔ ۵۶۔ اور ۵۲ ووٹ ملے۔ اور یوں بھارت سلامتی کونسل کا رکن بھی منتخب نہ ہوسکا۔ پاکستان کے وزیر خارجہ کا بین الاقوامی عدالت کی رُکنیت پر منتخب ہوجانا اور بھارت کے پے درپے دو اہم انتخابات میں ناکام ہوجانا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہندوستان کا بین الاقوامی وقار تیزی کے ساتھ گر رہا ہے جبکہ پاکستان اور دوسرے اسلامی ملکوں کی مقبولیت برابر بڑھ رہی ہے۔ پچھلے دنوں بھارت نے بالتسلسل ایسی حرکتیں کی ہیں جن سے بین الاقوامی رائے عامہ اس سے ناراض ہوتی چلی گئی ہے۔ اور غیر جانبدار ممالک کو یقین ہوگیا ہے کہ ہندوستان امن کا حامی نہیں بلکہ ایشیا میں بدامنی انتشار اور اختلافات کے بیج بو رہا ہے۔ کشمیر۔ گوا۔ لنکا اور اس سے پہلے حیدرآباد اور جوناگڑھ وغیرہ کے معاملہ میں بھارت نے جو پالیسی اختیار کی ہے اس نے

---

[1] اخبار "مسلمان" کراچی ۹ اکتوبر ۱۹۵۴ء (بحوالہ اخبار رفتار زمانہ لاہور ۳ نومبر ۱۹۵۴ء ص ۲-۳)

بھارت کو ساری دُنیا میں تن تنہا کر کے چھوڑ دیا ہے۔ اسی لئے سلامتی کونسل کے انتخاب میں بھارت کو صرف ایک اور ایران کو ۵۶ ووٹ ملے۔ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ عام دُنیا بھارت سے بدظن متنفّر اور اس کی سرگرمیوں کو بری نظر سے دیکھتی ہے۔

ہر چند پاکستانی وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان کی بین الاقوامی عدالت کی رکنیّت میں کامیابی کسی نہ کسی درجہ میں ان کی ذاتی کامیابی بھی ہے مگر ساتھ ہی یہ پاکستان کی امن دوستی اور بین الاقوامی ساکھ کے اعتراف کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ گو پاکستان نے اس انتخاب کے لئے کوئی بڑی کوشش نہ کی تھی اس پر بھی سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی دونوں نے بالاتفاق ان کو منتخب کر کے یہ ظاہر کر دیا کہ دُنیا کے انصاف پسند عوام پاکستان کو عزت، محبّت اور دوستی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور انہیں پاکستان کی معقولیت پسندانہ پالیسیوں کا پُورا احساس ہے۔ پاکستان کی یہ کامیابی اور بھارت کی یہ ناکامی ان لوگوں کی نکتہ چینی کا واضح جواب ہے جو بھارت کے بین الاقوامی سیاست کے ماہر خصوصی پنڈت نہرو کی غیر معمولی ذہانتوں بین الاقوامی اثر اور مشرق و مغرب کو لڑانے کی پالیسی کو سراہتے کبھی نہیں تھکتے۔ اور پاکستان کی ہوشمندی معاملہ فہمی اور اصُول دوستی کو ہدف تنقید بنایا کرتے ہیں۔ کشمیر میں بھارت جس بدمعاملگی پر چل کر عارضی کامیابی حاصل کر سکا ہے اور سلامتی کونسل کے مسلسل انتباہات کے باوجود بھارت کی امن دُشمنی کو روکنے میں جو ناکامی ہوئی ہے۔ اسے وہ بھارت کی بین الاقوامی سیاست کی کامیابی اور پاکستان کی ناکامی قرار دیتے ہیں۔ یہ تو صحیح ہے کہ عارضی طور پر کشمیر میں بھارت بین الاقوامی رائے عامہ کو ٹھکرانے میں کامیاب ہو گیا ہے لیکن معقولیّت پسندی اور مفاہمت کیشی سے یہ مسلسل انحراف بہرحال اپنے نتائج پیدا کر کے رہے گا۔ چنانچہ آج عملاً ساری دُنیا ہندوستان سے ناراض ہے اور اس کی امن دُشمن حرکات کو ملامت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ سلامتی کونسل کے انتخاب اور بین الاقوامی عدالت کی رُکنیت کے مقابلہ میں یہ شکست اس بات کا ثبوت ہے کہ بھارت کا وقار برابر گر رہا ہے۔ اور اس کے برعکس پاکستان کو عام دُنیا میں محبّت اور عزّت کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔ سچ یہ ہے کہ معاملہ فہمی معقولیّت پسندی اور امن دوستی بہرحال اپنے نتیجے پیدا کر کے رہتی ہے خواہ یہ نتیجے دیر ہی میں کیوں نہ نکلیں۔

بین الاقوامی عدالت کی رُکنیّت کے لئے انتخاب عدلیہ کے دو متضاد تصوّرات کو یکجا کرنے کی

کوشش ہے۔ روس اور چند دوسرے ملکوں میں عدلیہ کے بعض یا سارے ارکان کا انتخاب ہوتا ہے۔ روس میں ججوں کی قانونی لیاقت کو محض ثانوی اہمیت دی جاتی ہے جب کہ دوسرے ملکوں میں انتخاب اور صلاحیت دونوں کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔ اس ثانی الذکر طریقہ کو بین الاقوامی عدالت کی رکنیت کے انتخاب میں پیش نظر رکھا جاتا ہے اور اُمیدوار کی لیاقت اور صلاحیت قانونی کا لحاظ رکھنے کے ساتھ ہی اس کا انتخاب بھی کیا جاتا ہے۔ اور صرف لیاقت ہی فیصلہ کُن چیز نہیں بنتی۔ انہی دونوں پہلوؤں کے پیشِ نظر یہ انتخاب جہاں وزیر خارجہ کی صلاحیت کا اعتراف ہے پاکستان کی بین الاقوامی ساکھ کے اقرار کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ اور اس لئے اس انتخاب کے نتیجہ کو پاکستان بھر میں دلچسپی اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ اور اس کامیابی پر ہر حلقہ میں اظہارِ اطمینان کیا جائے گا۔" [1]

۳۔ اخبار "مغربی پاکستان" لاہور (۱۰ اکتوبر ۱۹۵۴ء) نے حسب ذیل اداریہ سپرد اشاعت کیا:۔

"یہ خبر انتہائی مُسرّت کے ساتھ سُنی جائے گی کہ پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان بین الاقوامی عدالتِ انصاف کے جج منتخب کئے گئے ہیں۔ یہ انتخاب ہر لحاظ سے انتہائی مبارک اور مسعود ہے۔ سب سے پہلی بات یہ کہ اس انتخاب نے ضمناً یہ ثابت کر دیا کہ پاکستان کو بین الاقوامی شہرت۔ عزّت اور مقبولیّت حاصل ہے اور اس چھوٹے رقبہ کی نوزائیدہ سلطنت کو دنیا میں خاصی اہمیّت دی جا رہی ہے۔ حفاظتی کونسل نے پاکستانی مندوب کو ۹ اور بھارت کے مسٹر پال کو ووٹ دے کر یہ ظاہر کر دیا کہ اقوامِ عالم میں بھارتی خارجہ پالیسی کو دُنیا میں قیامِ امن اور قیام انصاف کے لئے زیادہ مؤثر نہیں سمجھا جاتا ہے۔

اب اس بین الاقوامی عہدے پر فائز ہوجانے کے بعد اُمید کی جا سکتی ہے کہ محترم "نمائندگی" کے ان فرائض سے سبکدوش کر دیئے جائیں گے۔ گو یہ امید موہوم سی ہے کیونکہ مرکزی حکومت یہ بھی سوچ سکتی ہے کہ چوہدری صاحب ان دونوں عہدوں کا کام کرسکنے کی پوری اہلیّت رکھتے ہیں"۔ [2]

۴۔ پاکستان مُسلم لیگ کے سرکاری اخبار "پاکستان سٹینڈرڈ" نے اپنی اکتوبر ۱۹۵۴ء کی اشاعت میں یہ

---

[1] اخبار "جنگ" کراچی ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۴ء بحوالہ اخبار رفتارِ زمانہ لاہور ۳ نومبر ۱۹۵۴ء ص ۲

[2] اخبار "مغربی پاکستان" لاہور ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۳ بحوالہ اخبار رفتار زمانہ لاہور ۳ نومبر ۱۹۵۴ء ص ۳-۴)

اداریہ لکھا:۔

" ہیگ کی بین الاقوامی عدالت میں جج کے عہدے کے لئے چوہدری محمد ظفراللہ خاں کا منتخب ہوجانا کوئی ایسی خوش آئند خبر نہیں ہے۔ یہ بات کہ پاکستان نے ایک نہایت مرصّع عہدہ ہندوستان کے مقابلہ میں جیت لیا ہے۔ ہمارے لئے خوشی منانے کی کافی وجہ قرار نہیں دی جاسکتی۔ پاکستان کو ایسے موقعہ پر چوہدری محمد ظفراللہ خان کے جانے سے جو نقصان ہوا ہے۔ بعض مفاد پرست حلقوں کے نزدیک باعث مُسرت ہو سکتا ہے۔ لیکن پُورے ملک اور تمام اسلامی دُنیا میں اسے شدّت سے محسوس کیا جائے گا۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کا انتخاب خود بین الاقوامی عدالت کے لئے بہت بڑے فائدے کا موجب ہے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ چوہدری محمد ظفراللہ خان بھی اپنی شبانہ روز محنت کی بنا پر آرام کے مستحق تھے۔ آپ کے بعد یقیناً کوئی قابل آدمی ہی اس عہدے پر مقرر کیا جائے گا مگر ان کا بدل ایک طویل عرصہ تک میّسر نہیں آسکے گا اور یقیناً اس وقت تک آپ کے بدل کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب تک کہ کوئی ایسا شخص آگے نہ آئے جو اُن کی طرح ہی بیک وقت ایک بڑا سیاستدان، نامور وکیل، عظیم الشان ذہن کا مالک نیز اخلاق کے اعلیٰ اصُولوں اور روحانی طاقت اور سیاسی بصیرت کا حامل ہو۔ آج جبکہ ہم آپ کی خوش قسمتی کے لئے دُعاگو ہیں یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آج کا دن پاکستان کے لئے ایک غمناک دن ہے۔"[1]

۵۔ پاکستان کے مشہور ادیب، نقّاد اور مورّخ مولانا رئیس احمد جعفری نے اپنے رسالہ "ریاض" (نومبر ۱۹۵۴ء) میں لکھا:۔

" بین الاقوامی عدالتِ عالیہ کی ججی"

" چودھری ظفراللہ خان سر بنگل راؤ کی جگہ بین الاقوامی عدالتِ عالیہ کے جج منتخب ہوگئے ہیں۔ یہ انتخاب ہر اعتبار سے مُسرت افزاء ہے ہم چودھری صاحب کو اس اعزاز پر دلی مُبارک باد دیتے ہیں۔ وہ اس منصب پر پہنچ گئے۔ جو ہر اعتبار سے اُن کے شایانِ شان ہے۔

وزیرِ خارجہ کی حیثیّت سے چودھری صاحب نے پاکستان کی گراں بہا خدمات انجام دی ہیں بڑے

---

[1] بحوالہ "الفضل" لاہور ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۴ء / ۱۲ اخاء ۱۳۳۳ ہش صا

کٹھن اور نازک مواقع پر انہوں نے اپنی خطابت، قوتِ استدلال اور قانونی موشگافیوں کو ایسے جوہر دکھائے ہیں کہ مخالفین بھی عش عش کر اٹھے۔ اور داد دینے پر مجبور ہو گئے۔

چودھری صاحب ذاتی اعتبار سے بھی بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔ ہمارے جو ارباب کار اسلامی آئین کا نعرہ بلند کرتے رہتے ہیں وہ ابھی تک وضع اسلامی بھی نہیں اختیار کر سکے ہیں۔ اس کے برعکس چودھری صاحب اس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں جسے عام طور پر گمراہ بلکہ کافر تک کہا جاتا ہے لیکن یہ "گمراہ" اور "کافر" شخص بغیر شرمائے ہوئے داڑھی رکھتا ہے اور اقوامِ متحدہ کے جلسوں میں علی الاعلان نماز پڑھتا ہے۔ جھمپیر کا قیامت خیز ریلوے حادثہ جب رونما ہوا تو یہ شخص اپنے سیلون میں فجر کی نماز پڑھ رہا تھا۔

ہم چودھری صاحب کی کامیابی کے لئے دل سے متمنی ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ وہ اس منصب کی شاندار روایات میں شاندار اضافہ کا موجب ہوں اور ہمیں یقین ہے کہ ضرور ایسا ہی ہو گا۔"[1]

حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب ۷ر اکتوبر ۱۹۵۴ء سے لے کر ۵ر فروری ۱۹۶۱ء تک عالمی عدالت کے جج رہے۔ اور ۱۹۵۸ء کے انتخابات میں آپ اس بین الاقوامی عدالت کے نائب صدر بھی منتخب کئے گئے۔

اس عرصۂ رکنیت میں مندرجہ ذیل تنازعات عدالت کے سامنے آئے۔ ان تنازعات کی سماعت اور فیصلہ میں آپ بھی شامل تھے:-

(۱)۔ جنوب مغربی افریقہ منڈیٹ کے مسائل۔ (تاریخ فیصلہ جات ۷ر جولائی ۱۹۵۵ء — یکم جون ۱۹۵۶ء)

(۲)۔ یونیسکو (UNESCO) کے چار امریکہ افسران کا تنازعہ (تاریخ فیصلہ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۵۶ء)

(۳)۔ حکومت فرانس اور حکومت ناروے کا تنازعہ۔ (تاریخ فیصلہ ۶ر جولائی ۱۹۵۷ء)

(۴)۔ حکومت سوئٹزرلینڈ اور حکومت ریاستہائے متحدہ امریکہ کا تنازعہ (تاریخ فیصلہ جات ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۷ء۔ ۲۱ر مارچ ۱۹۵۹ء)

(۵) حکومت پرتگال اور حکومت ہند کا تنازعہ (تاریخ فیصلہ جات ۲۶ر نومبر ۱۹۵۷ء ۱۲ر اپریل ۱۹۶۰ء)

---

[1] بحوالہ الفضل ۲۵ر نومبر ۱۹۵۴ء صہ ۵۔

(۶) حکومت ہالینڈ اور حکومت سویڈن کا تنازعہ (تاریخ فیصلہ ۲۸ ر نومبر ۱۹۵۸ء)

(۷) حکومت اسرائیل اور حکومت بلغاریہ کا تنازعہ (تاریخ فیصلہ ۲۶ ر مئی ۱۹۵۹ء)

(۸) حکومت بلجیم اور حکومت ہالینڈ کا تنازعہ (تاریخ فیصلہ ۲۰ ر جون ۱۹۵۹ء)

(۹) کی بحری حفاظتی کمیٹی کے اراکین کے انتخاب کا تنازعہ۔ (تاریخ فیصلہ ۸ ر جون ۱۹۶۰ء)

(۱۰) وسطی امریکہ کے دو ممالک ہانڈوراس اور نکارا گوا کی حکومتوں کے مابین تنازعہ۔ (تاریخ فیصلہ ۱۸ ر نومبر ۱۹۶۰ء۔)

ان سب تنازعات کی تفصیل حضرت چودھری صاحب کی معرکہ آرا کتاب "تحدیث نعمت"[1] (ص۶۰۰ تا ص۶۱۸) میں موجود ہے۔ جو بہت دلچسپ اور معلومات افروز ہے۔

وقفِ زندگی کی تحریک

قیامِ پاکستان کے ابتدائی چند سالوں میں جہاں انڈونیشیا، سیلون اور افریقہ وغیرہ ممالک کے احمدی جوانوں میں وقفِ زندگی کی طرف رحجان پہلے سے بڑھ گیا وہاں پاکستان میں اس کی طرف بتدریج توجہ کم ہو گئی اور آہستہ آہستہ اس کا احساس مٹنے لگا حتٰی کہ اس سال ۱۹۵۴ء میں صرف ایک پاکستانی احمدی نوجوان مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوا۔ جس کی ایک وجہ یہ ہوئی کہ تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ کے سابق ہیڈ ماسٹر حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب مرحوم سال بھر کوشش کرتے رہتے تھے اور حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کی خدمت بابرکت میں یہ اطلاع بھی پہنچاتے رہتے تھے کہ میں نے اتنے طلباء سے وقف کا وعدہ لیا ہے۔ مگر اُن کے بعد یہ التزام و اہتمام نہ رہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پورے ملک میں صرف ایک احمدی نوجوان کو وقف کرنے کی توفیق مل سکی۔ اس تشویش انگیز صورت حال کا سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے فوری نوٹس لیا اور ۸ ر اور ۱۵ ر اخاء (اکتوبر ۱۹۵۴ء) کے خطبات وقف زندگی کی تحریک کے لئے وقف کر دیئے۔ جن میں جماعت کے سامنے اصل حقائق رکھے۔ اور تعلیم الاسلام ہائی سکول کے اساتذہ اور تعلیم الاسلام کالج کے احمدی پروفیسروں کو ہدایت فرمائی کہ وہ ہمیشہ ہی طلباء کو دین کی خاطر زندگیاں وقف کرنے کی تحریک کرتے رہیں نیز جماعت کو تلقین

---

[1] ناشر ڈھاکہ بے نو لینٹ ایسوسی ایشن ڈھاکہ۔ محمد احمد اکیڈیمی ۱۸۔ رام گلی نمبر ۳ برانڈرتھ روڈ لاہور۔ اشاعت اوّل دسمبر ۱۹۷۱ء

فرمائی کہ وہ ضرورت وقت کو سمجھیں اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرکے اپنے اپنے خاندان کے نوجوانوں کو وقف کریں اور اتنی کثرت سے کریں کہ اگر دس نوجوانوں کی ضرورت ہو تو جماعت سو نوجوان پیش کرے۔

حضور نے اپنے ۸ر اخاء (اکتوبر) کے خطبہ جمعہ میں خاص طور پر اس حقیقت پر زور دیا کہ دین کی خدمت کا ثواب دائمی ہے اور دنیوی مال ایک عارضی اور فانی چیز ہے نیز فرمایا:۔

"پاکستان یا ہندوستان جس میں پاکستان اور بھارت شامل تھے وہ ملک ہے جسے خدا تعالیٰ نے چن لیا ہے اگر خدا تعالیٰ کسی اور ملک کو زیادہ قابل سمجھتا تو وہ اپنا مسیح اس ملک میں مبعوث کرتا۔ لیکن اس نے اپنے مسیح کی بعثت کے لئے ہمارے ملک کو چن کر ایک تو ہم پر احسان کیا اور دوسرے ہم پر اعتماد کا اظہار کیا جس کا بدلہ دینا ہم پر فرض ہے۔ حضرت ابن عباس سے ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ آپ کسی شخص کے لئے اس قسم کی دعا بھی کرتے ہیں۔ جس قسم کی دعا آپ اپنی ذات کے لئے کرتے ہیں۔ آپ نے کہا ہاں میں اُس شخص کے لئے اس قسم کی دعا کرتا ہوں جو مجھے آکر یہ کہتا ہے کہ مجھے آپ کے سوا اور کوئی دعا کرنے والا نظر نہیں آتا ایسے شخص کے لئے میں اس قسم کی دعا کرتا ہوں جس قسم کی دعا میں اپنی ذات کے لئے کرتا ہوں۔ اس لئے کہ اس نے مجھ پر اعتماد کیا ہے اور چونکہ اُس نے مجھ پر اعتماد کیا ہے اس لئے اب میرا فرض ہے کہ اس کے اعتماد کے مطابق اس سے سلوک کروں۔ اگر حضرت ابن عباسؓ زید بکر کے لئے اپنی جان لڑا دیتے تھے کہ اس نے آپ پر اعتماد کا اظہار کیا تو پھر یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں اس لئے چنا کہ ہم اس کے دین کا جھنڈا بلند کریں اور اسے ہر ملک میں گاڑ دیں۔ لیکن ایک حقیر سی دولت کیلئے ہم اس کے کام کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ آخر پاکستان کتنا بڑا ملک ہے۔ پاکستان کی حکومت چھوٹی سی حکومت ہے اور پھر اس میں جو حصہ تمہارا ہے وہ کتنا ہے۔ اس میں تمہارا حصہ تو بہت ہی کم ہے۔ اس معمولی سی دولت کو خدا تعالیٰ کے انتخاب پر مقدم کر لینا کتنے افسوس کی بات ہے ...... خدا تعالیٰ کا کام بہرحال ہوتا چلا جائے گا لیکن یہ ضرور ہے کہ تم سے برکت چھین لی جائے گی"[1]

۲۰ر اخاء (اکتوبر) کے خطبہ جمعہ میں حضرت مصلح موعودؓ نے پہلے تو اس خیال کا رد کیا کہ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے وہ خود کرے گا اس کے بعد آیت قرآنی وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ

[1] روزنامہ "الفضل" ۳ر اخاء ۱۳۵۳ہش / ۱۹۵۴ء

اِلَى الْخَيْرِ (آل عمران: ۱۰۵) کی روشنی میں واضح کیا کہ دینی جماعتیں وقف کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتیں. چنانچہ حضور نے صحابۃ النبیؐ کی مثال دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

"بغیر وقف کے دین کا کام کرنا مشکل ہے جس جماعت میں وقف کا سلسلہ نہ ہو وہ اپنا کام کبھی مستقل طور پر جاری نہیں رکھ سکتی ہم نے تو وقف کی ایک شکل بنا دی ہے ورنہ زندگی وقف کرنے والے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ میں بھی موجود تھے کیا تم سمجھتے ہو کہ صحابہ نے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. پر عمل نہیں کیا! - حضرت ابو ہریرہؓ کو دیکھ لو انہوں نے آخری زمانہ میں اسلام قبول کیا یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وفات سے صرف اڑھائی سال پہلے مسلمان ہوئے. مسلمان ہونے کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے غور کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اب آخری عمر میں ہیں اور مَیں بہت دیر کے بعد اسلام میں داخل ہُوا ہوں اس لئے اگر مَیں کچھ سیکھنا چاہتا ہوں تو اس کا طریق یہی ہے کہ مَیں اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کر دُوں. چنانچہ وہ مسجد میں ہی رات دن بیٹھے رہتے. شروع شروع میں اُن کا بھائی گھر سے کھانا بھجوا دیتا تھا. لیکن جب اُس نے دیکھا کہ یہ تو مستقل طور پر مسجد میں بیٹھ گئے ہیں تو اُس نے کھانا بھجوانا بند کر دیا اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاس جا کر کہا کہ یا رسول اللہ میرا بھائی تو مستقل طور پر مسجد میں بیٹھ گیا ہے میں عیال دار شخص ہوں مَیں نے بچّوں کا پیٹ بھی پالنا ہے اسے کب تک خرچ دے سکوں گا. رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم دیکھ رہے تھے کہ حضرت ابو ہریرہؓ دین کی خدمت کر رہے ہیں اس لئے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ بعض دفعہ کسی کو دوسرے کی خاطر رزق دے دیتا ہے تم ایسا نہ کرو. ممکن ہے کہ ابو ہریرہؓ کی خاطر ہی اللہ تعالیٰ تمہیں رزق دے رہا ہو. لیکن اس نے آپ کی باتوں کی کوئی پروا نہ کی اور اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ابو ہریرہؓ خود فرماتے ہیں کہ بعض اوقات مجھے سات سات وقت کے فاقے آجاتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ مسجد سے نہ ہلتے. بلکہ سارا دن وہیں بیٹھے رہتے اور اللہ تعالےٰ اُن کے رزق کا سامان کر دیتا، اب تم اللہ تعالیٰ کے رزق کے اور معنیٰ کرتے ہو اور صحابہ اس کے اور معنیٰ سمجھتے تھے وہ بے شک دُنیا کے کام بھی کرتے تھے لیکن دین کو ہمیشہ مقدّم رکھتے تھے یہاں تو گذارہ بھی ملتا ہے چاہے وہ گذارہ کم ہی ہو. لیکن

اُن کو یہ گذارہ بھی نہیں ملتا تھا وہ اپنا اپنا کام کرتے تھے اور پیٹ پالتے تھے لیکن دینی کاموں کو نظر انداز نہیں کرتے تھے بلکہ دینی کام کو اپنے ذاتی کاموں پر ترجیح دیتے تھے۔"

پھر فرمایا:۔

"جب کسی قوم پر خدا تعالیٰ کا فضل نازل ہوتا ہے اور وہ ترقی کر جاتی ہے تو اُس کے علماء کو ایک نمایاں مقام حاصل ہو جاتا ہے اور درحقیقت اُن کے آگے آنے کا حق ہوتا ہے بشرطیکہ وہ ان کاموں میں حصّہ نہ لیں جو اُن سے تعلق نہیں رکھتے جیسے پچھلے دنوں علماء نے سیاسیات میں حصّہ لینا شروع کر دیا تو وہ ملامت کا ہدف بن گئے۔ اسی طرح اب بھی علماء اپنا کام چھوڑ کر سیاسیات میں حصّہ لیں گے تو وہ لوگوں کی ملامت کا ہدف بن جائیں گے۔ لیکن اگر علماء ایسی باتوں میں دخل نہ دیں تو اس میں شبہ ہی کیا ہے کہ جب بھی کوئی قوم ترقی کرے گی تو علماء بہرحال زیادہ عزّت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔ یورپ میں دیکھ لو کنٹربری کا پادری ایڈورڈ ہفتم کے خلاف ہو گیا تو اسے تخت سے دستبردار ہونا پڑا۔ اب یہ کتنی طاقت ہے کہ ایک پادری ناراض ہو جاتا ہے تو بادشاہ بھی اس کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ پس یہ قدرتی بات ہے کہ جب کسی قوم کو عزّت ملے گی تو اس کے علماء کو بھی عزّت ملے گی۔"

حضور نے خطبہ کے آخر میں تحریک فرمائی کہ:۔

"تم ضرورتِ وقت کو سمجھو اور اپنی ذمّہ داریوں کا احساس کر کے اپنے اپنے خاندان کے نوجوانوں کو وقف کرو اور یہ وقف اتنی کثرت سے ہونا چاہیئے کہ اگر دس نوجوانوں کی ضرورت ہو تو جماعت سو نوجوان پیش کرے۔"[1]

حضرت امیر المومنین کی اس تحریک پر کئی مخلص خاندانوں نے لبیک کہا اور متعدد احمدی نوجوانوں نے اپنی جانیں اپنے مقدّس امام کے حضور پیش کر دیں۔

پاکستان کے لئے تحریکِ دُعا اور اس کی فوری قبولیت

اکتوبر ۱۹۵۴ء کے آخری ایام میں پاکستان شدید سیاسی بحران سے دوچار ہو گیا۔ اور دستور ساز اسمبلی ایک کھیل بن کر رہ گئی۔ اور بعض قوانین تو اتنی جلدی جلدی پاس کئے

---

[1] "الفضل" ۲۰ اخاء ۱۳۳۳ ہش/ ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۴-۶۔

گئے کہ ان کا اسمبلی کے اکثر ممبروں اور حکومت کے افسروں کو بھی پتہ نہ لگ سکا۔ اور جو فیصلے کئے گئے وہ پاکستان کی سالمیت اور استحکام کے منافی تھے۔ ان کارروائیوں سے قومی اتحاد کو نقصان پہنچا اور ملک میں ذاتی، طبقاتی اور صوبائی رقابتوں اور شک وشبہ کے جذبات نمایاں طور پر اُبھر آئے اور ملک کا آئینی نظام درہم برہم ہو گیا۔ اور بعض ہمسایہ ممالک کی طرف سے فوجی مداخلت کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

اس پر سیدنا المصلح الموعودؓ نے اپنے ۲۲ر اکتوبر/ ۲۲ر اخاء کے خطبہ جمعہ میں جماعت احمدیہ کو دُعا کی تحریک خاص کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

"ان حالات میں مَیں تمام جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ دُعاؤں سے کام لے۔ آئندہ آٹھ دس دن ہمارے ملک کے لئے نہایت نازک ہیں۔ دوستوں کا فرض ہے کہ وہ ان ایام میں خاص طور پر دُعا کریں کہ جو لوگ برسراقتدار ہیں وہ کوئی ایسا طریق اختیار نہ کریں جو اسلام کی ترقی، اس کی قوت اور اس کے استحکام میں روک پیدا کرنے والا ہو۔ ہمارے خدا میں سب طاقتیں پائی جاتی ہیں۔ اگر ان لوگوں کی اصلاح ہو سکتی ہے تو وہ ان کی اصلاح کر سکتا ہے اور اگر ان کی اصلاح نہیں ہو سکتی تو وہ ان کے شر سے ملک کو بچا سکتا ہے اور وہ اس جتھہ کو بھی توڑ سکتا ہے جو ملک کو تباہ کرنے والا ہو۔ پس خدا تعالیٰ کے سامنے جھکا جائے اور اسی سے دُعائیں کی جائیں کہ الٰہی یہ کام ہماری طاقت سے باہر ہے ہم خود بہت تھوڑے ہیں اور ہماری تعداد بہت ہی تھوڑی ہے ہم ان امور میں دخل نہیں دے سکتے اور نہ مُلک کی حفاظت کے لئے کوئی ذریعہ اختیار کر سکتے ہیں۔ لیکن اکثریت تیرے ہاتھ میں ہے اگر وہ قابل اصلاح ہے تو تُو اس کی اصلاح کر سکتا ہے اور اگر وہ قابلِ اصلاح نہیں تو تُو اُن کے درمیان جھگڑے اور تفرقے بھی پیدا کر سکتا ہے۔ اے خدا اگر وہ قابلِ اصلاح نہیں تو تُو ان میں تفرقہ ڈال دے تاکہ ملک تباہ ہونے سے بچ جائے اور تا مسلمان آئندہ پیدا ہونے والے خطرات سے محفوظ رہیں اگر تم سچے دل سے دُعائیں کرو تو خدا تعالیٰ مسلمانوں کی حفاظت کا سامان پیدا کر دیگا لوگ ان باتوں کو نہیں سمجھتے لیکن تم وہ ہو جنہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، کانوں سے سُنا اور اپنے ہاتھوں سے چھوا۔ غرض تم نے خدا تعالیٰ کی طاقتوں کی ہر رنگ میں تحقیقات کر لی ہے اگر تم دُعاؤں میں لگ جاؤ تو یقیناً یہ بات خدا تعالیٰ کی طاقت سے باہر نہیں وہ مُلک کی حفاظت کا کوئی

نہ کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔"

اس کے بعد حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ نے سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کا یہ واقعہ سُنایا کہ شاہِ دہلی نے ایک مہم سے واپسی کے بعد آپ کی گرفتاری کا فیصلہ کر رکھا تھا مگر وہ شہر میں داخل ہونے سے پہلے ایک حادثہ کا شکار ہو گیا[۱] پھر حضور نے فرمایا:۔

"پس ہمارا خدا ایسی طاقت رکھتا ہے کہ وہ تمام برسراقتدار لوگوں کو جو سمجھتے ہیں کہ ہم جو چاہیں کرلیں راہِ راست پر لے آئے۔ ان کی جانیں ان کی طاقت اور ان کے جتھے سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ پس تم دعائیں کرو کہ وہ خدا جس نے پاکستان بنایا ہے ایسے طاقتور لوگوں کو جو دانستہ یا نادانستہ ملک سے غداری کر رہے ہیں یا اس کی ترقی کی راہوں کو مسدود کر رہے ہیں راہِ راست پر لے آئے۔ اور اگر وہ راہِ راست پر نہ آئیں تو ان کو آپس میں لڑوا دے اور پاکستان کو کمزور ہونے سے بچالے تاکہ مسلمان ہر قسم کے فتنہ سے محفوظ رہیں۔"[۲]

اس خطبہ میں حضور نے یہ بھی فرمایا کہ:۔

" اگر تمہارا خدا چاہے تو تین دن کے اندر اندر ان لوگوں کی طاقت کو توڑ دے اور برسراقتدار لوگ جو اس وقت شرارت کر رہے ہیں ان کے فتنہ سے لوگوں کو بچالے۔"[۳]

خدا کی قدرت!! حضور نے یہ الفاظ جمعہ کو کہے اور ٹھیک تیسرے دن گورنر جنرل پاکستان ہز ایکسی لینسی ملک غلام محمد صاحب نے ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا۔ دستور ساز اسمبلی توڑ دی اور مسٹر محمد علی بوگرا وزیراعظم پاکستان کو دعوت دی کہ وہ ملک کے نظم و نسق کو موثر طریق پر چلانے کیلئے اپنی کابینہ کو از سرِ نو تشکیل دیں چنانچہ انہوں نے ایک نئی کابینہ بنائی جس میں کئی محبِّ وطن شخصیات کو شامل کیا اور بعض ایسے لوگ بھی آگے آ گئے جو اگرچہ (حکمران پارٹی) مسلم لیگ کے ممبر نہیں تھے مگر کسی نہ کسی رنگ میں انہوں نے ملک کی خدمت کی تھی۔ اس طرح ملک کو پیش آمدہ خطرات وقتی طور پر ٹل گئے۔ اور یہ عارضی تغیر سیدنا حضرت مصلح موعود اور جماعت احمدیہ کی دعاؤں کے نتیجہ میں رونما

۱۔ "نیا تذکرۃ الاولیاء" صفحہ ۳۴۲ مؤلفہ سید رئیس احمد صاحب جعفری ندوی ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

۲۔ "الفضل" لاہور ۲۶ اخاء ۱۳۳۳ ہش صفحہ ۴۔

۳۔ روزنامہ "الفضل" (لاہور) ۵ ماہ نبوت ۱۳۳۳ ہش صفحہ ۲ کالم ۱

ہوا۔

یہ ایسا غیر معمولی واقعہ تھا کہ لوگ ششدر رہ گئے۔ مولوی تمیزالدین خان صاحب سپیکر قومی اسمبلی نے عدالتِ عالیہ کے سامنے اس حکم کو چیلنج کیا۔ لیکن عدالت نے کثرت رائے سے گورنر جنرل کے فیصلہ کی توثیق کر دی۔ اگلے سال ایک نئی آئین ساز اسمبلی کا انتخاب عمل میں لایا گیا جس نے چھ ماہ کے اندر آئین مکمل کر دیا۔ جس کا نفاذ ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو ہوا۔ اور یہ ملک "اسلامیہ جمہوریہ پاکستان" بن گیا۔

فصل ہفتم

حضرت مصلح موعود کا لاہور کے متاثرہ علاقوں میں دورہ اور تعمیری سرگرمیوں پر اظہارِ خوشنودی۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ چاہتے تھے کہ لاہور میں خدمت خلق کا جو کام خدام نے کیا ہے اسے خود بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اس منشاء مبارک کی تکمیل ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۴ء (۱۳ اخاء ۱۳۳۳ ہش) کی صبح کو ہوئی جبکہ حضور نے علالتِ طبع کے باوجود دو گھنٹہ تک ان متاثرہ علاقوں کا دورہ فرمایا۔ جن میں مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی امدادی پارٹیاں ایک ماہ سے ریلیف کا کام کر رہی تھیں[1]۔

---

[1] حضور ۳۰ اکتوبر کو صبح دس بجے بذریعہ کار ربوہ سے لاہور تشریف لائے اور یکم نومبر کی شام کو عازمِ ربوہ ہوئے۔ روانگی سے قبل حضور نے مولانا عبدالرحیم صاحب درد ناظر امور عامہ صدر انجمن احمدیہ کی صاحبزادی رضیہ درد صاحبہ کی تقریب شادی میں شرکت فرمائی۔ حضور نے جلسہ سالانہ ۱۹۵۳ء پر موصوفہ کا نکاح مکرم مسعود احمد صاحب عاطف پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے ہمراہ پڑھا تھا۔

(الفضل ۲ نومبر ۱۹۵۴ء صا)

حضور انور ان علاقوں کے دورے پر مکرّم جناب چوہدری اسد اللہ خانصاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور اور مکرم محمد سعید احمد خانصاحب قائد مجلس لاہور اور بعض دیگر احباب کی معیّت میں صبح ۶½ بجے کے بعد رتن باغ سے روانہ ہوئے۔ روانہ ہونے وقت قائد صاحب لاہور نے حضور کی خدمت میں لاہور شہر اور اس کے نواحی علاقوں کا ایک وسیع نقشہ پیش کیا۔ جس میں ان مقامات کی نشاندہی کی گئی تھی جن میں مجلس خدام الاحمدیہ لاہور وہاں کے پریشان حال باشندوں کو گذشتہ ایک ماہ سے ہر ممکن امداد بہم پہنچا رہی تھی۔ نقشے میں وہ مقامات بھی خاص طور پر نمایاں کر کے دکھائے گئے تھے جن میں لاہور اور ربوہ کے دو صد سے زائد خدام نے ۷۵ سے زائد گرے ہوئے مکانوں کو از سر نو تعمیر کر کے قریباً ایک ہزار افراد کی رہائش کا بندوبست کیا تھا۔ نقشے پر حضور نے وہ راستہ بھی ملاحظہ فرمایا جس میں سے گذر کر حضور کو متعدّد علاقوں کا دَورہ فرمانا تھا۔

سب سے پہلے حضور لیاقت پارک تشریف لے گئے۔ حضور نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ مکان سلسلہ وار پلان کے مطابق بنائے گئے ہیں۔ نیز فرمایا لوگوں کو بارش کی وجہ سے تکلیف تو بہت اٹھانی پڑی لیکن انہیں ایک فائدہ بھی پہنچا ہے۔ اور وہ یہ کہ اب جھونپڑیوں کی بجائے پکّے مکان بن گئے ہیں اور ترتیب وغیرہ کا لحاظ رکھنے کے باعث صفائی وغیرہ بھی آگئی ہے۔

لیاقت پارک سے حضور خدام کے ہمراہ کشمیر روڈ پہنچے وہاں چھوٹے چھوٹے مکانوں اور جھونپڑیوں کی ایک بستی تھی جس میں کثرت سے مہاجر آباد تھے۔ یہاں بھی خدام الاحمدیہ لاہور کی امدادی پارٹیاں نہایت مستعدی سے ریلیف کا کام کرتی رہی تھیں۔ یہاں کے لوگوں نے بڑے اشتیاق سے آگے بڑھ کر حضور سے مصافحہ کیا اور اپنے حالات بیان کئے۔ حضور کو بتایا گیا کہ یہاں کے لوگ اکثر مقروض ہیں۔ فرمایا ان لوگوں کو کوآپریٹو طریق کے مطابق کام کرنا چاہیئے۔ اس سے ان کے لئے بہت سہولت پیدا ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد حضور نے وارث روڈ پہنچ کر نئے تعمیر شدہ مکانات دیکھے۔ وہاں بھی لوگ استقبال کے لئے نہایت تپاک سے آگے بڑھے۔ اور خدام کے جذبۂ خدمت کو سراہتے ہوئے ممنونیّت کا اظہار کیا۔ وہاں اردگرد گندہ پانی کھڑا تھا حضور نے فرمایا کہ اس کی صفائی کا بندوبست ہونا چاہیئے۔ قائد مجلس لاہور نے عرض کیا کہ یہاں کارپوریشن کی معرفت ڈی۔ڈی۔ٹی

چھڑکوا دی گئی تھی۔ اس پر حضور نے فرمایا ایک آدھ مرتبہ دوائیں چھڑکنا بے فائدہ ہے۔ جب تک صفائی کا مستقل انتظام نہ ہو۔ اس وقت تک ان کی تکالیف رفع نہیں ہو سکتیں۔

حضور وارث روڈ کی بستی میں تعمیر شدہ مکانات دیکھنے کے بعد فیروز پور روڈ پر ذیلدار پارک کے قریب کانگڑہ آباد میں تشریف لے گئے۔ اس بستی میں ضلع کانگڑہ کے مہاجر آباد تھے۔ یہاں حضور نے وہ آٹھ مکانات معائنہ فرمائے جو خدام نے تعمیر کئے تھے۔ جونہی لوگوں کو پتہ چلا کہ حضور مکانات کے معائنہ کے لئے یہاں تشریف لائے ہیں وہ گھروں میں سے دوڑتے ہوئے نکلے۔ اور ان میں سے ہر ایک نے نہایت تپاک کے ساتھ حضور سے مصافحہ کرتے ہوئے اپنے حالات بتائے۔ یہ لوگ مکانات کی بسرعت تعمیر پر سراپا تشکر بنے ہوئے تھے۔

ملتان روڈ پر کچے مکانوں کی "مہاجر آباد" نامی ایک وسیع بستی ہے جس میں خدام کھانا اور کپڑے اور ادویات وغیرہ تقسیم کرنے کے علاوہ ملبہ اٹھانے کا کام کرتے رہے تھے۔ جب حضور اس بستی میں پہنچے تو وہاں کے لوگ دوڑ کر حضور کے گرد آ جمع ہوئے۔ انہوں نے خدام کی امدادی سرگرمیوں کی تعریف کرتے ہوئے حضور سے نہایت احترام کے ساتھ مصافحے کئے اور اپنی متعدد تکالیف بیان کیں۔ حضور نے ان کی تکالیف کے ازالے کے لئے خدام کو ہدایات دیں۔ چنانچہ مکرم قائد صاحب نے انہیں مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کے ریلیف آفس کا پتہ دیا اور ان سے کہا کہ وہ دفتر میں آکر ملیں۔ اس کے بعد حکام سے رابطہ قائم کر کے یہ تکالیف دور کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔ اس بستی میں بہت سے کچے مکان تا حال گرے پڑے تھے حضور نے امیر جماعت لاہور سے دریافت فرمایا کہ یہاں مکانات کیوں تعمیر نہیں کئے جا سکے؟ انہوں نے عرض کیا کہ امپروومنٹ ٹرسٹ نے ان لوگوں کو مکانات بنانے سے منع کر دیا ہے کیونکہ ٹرسٹ خود سروے کے بعد یہاں اپنی نگرانی میں ایک خاص پلان کے ماتحت تعمیر کرانا چاہتا ہے۔ اگر یہ روک نہ ہوتی تو خدام ان مکانات کو بآسانی تعمیر کر سکتے تھے۔ حضور نے خدام کو توجہ دلائی کہ اس بارہ میں متعلقہ افسران سے مل کر کہنا چاہیئے کہ یا تو وہ یہاں جلد تعمیر کا کام شروع کریں یا پھر ہمیں اجازت دیں کہ ہم مکانات تعمیر کرنے میں لوگوں کا ہاتھ بٹائیں تاکہ وہ سردی وغیرہ سے محفوظ ہو سکیں۔

اس کے بعد حضور ملتان روڈ پر ہی مندر چونی لال سے ملحق ایک نئی بستی میں تشریف لے

گئے۔ یہاں خدام نے ۲۷ مکان تعمیر کئے تھے جو ہر طرح مکمّل حالت میں تھے۔ حضور نے امیر صاحب کو ہدایت فرمائی کہ وہ لوگوں کو تھوڑا بہت سامان فراہم کرنے کیلئے کہیں تاکہ ان کے مکانوں کے آگے پردے کی دیواریں کھینچ دی جائیں۔ اس ضمن میں ایک صاحب مکرم سیّد نیاز علی صاحب نے (جو اسلامیہ کالج لاہور سے تعلق رکھتے تھے) سستے داموں مٹی فراہم کرنے کا ذمہ لیا۔ انہوں نے بتایا کہ مَیں نواں کوٹ میں رہتا ہوں۔ آپ لوگوں کی بروقت اور بے لوث خدمات مجھے سرکار (حضور) کی زیارت کے لئے یہاں کھینچ لائی ہیں۔ آپ کے نوجوانوں نے جس درجہ محنت اور جانفشانی سے کام کیا ہے مَیں اس سے بے حد متاثر ہؤا ہوں۔ مجھے ابھی ابھی پتہ لگا کہ آج سرکار اس علاقہ میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں سُنتے ہی زیارت سے شرف یاب ہونے کے لئے دوڑا چلا آیا ہوں۔

حضور ان مکانوں کا معائنہ کرنے کے بعد واپس تشریف لے جا ہی رہے تھے کہ ایک بڑھیا نے نہایت دردبھرے انداز میں کہا کہ میرے لئے ایک کمرہ تو آپ کے آدمی پہلے ہی بنا چکے ہیں لیکن میری کئی جوان بیٹیاں ہیں اور بچے ہیں۔ جن کے واسطے سر چھپانے کو جگہ نہیں ہے اس لئے میرے واسطے ایک کمرہ اور بنوا دیا جائے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کے پاس نہ اینٹیں ہیں نہ لکڑی اور نہ مٹی وغیرہ۔ حضور نے اسے تسلّی دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کا مکان بنوا دیا جائے گا۔ ساتھ ہی حضور نے مکرم قائد صاحب مجلس کو ہدایت فرمائی کہ وہ اس عورت کے مکان کا تخمینہ .... آج شام تک ہی پیش کرکے اس کی تعمیر کی منظوری لے لیں۔ چنانچہ مکرم قائد صاحب کی طرف سے شام کو خرچ کا اندازہ پیش ہونے پر حضور نے ہدایت فرمائی کہ اس عورت کے لئے باقاعدہ ایک پختہ کمرہ تعمیر کروا دیا جائے۔

اس کے بعد حضور نے دھوبی منڈی واقع پرانی انارکلی کی تنگ گلیوں میں خدام کے ہاتھوں تعمیر شدہ مکانات کا معائنہ فرمایا اور وہاں کے لوگوں کی شکایات سُننے کے بعد رتن باغ واپس تشریف لے آئے۔ اس یادگار اور تاریخی دَورہ میں جن احباب کو حضور کے ہمراہ جانے کا شرف حاصل ہؤا۔ ان کے نام یہ ہیں :-

مکرم چوہدری اسد اللہ خانصاحب امیر جماعت احمدیّہ لاہور۔ مکرم محمد سعید احمد صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیّہ۔ مکرم شیخ محمد شریف صاحب۔ چوہدری فتح محمد صاحب شیخ نصیر الحق صاحب۔ ڈاکٹر عبد اللہ صاحب۔ سیّد بہادل شاہ صاحب۔ شیخ مبارک محمود صاحب پانی پتی۔ مکرم مولوی

محمد اشرف صاحب ناصر مربی سلسلہ ۔ظفر محمود صاحب اور سعید احمد صاحب باجوہ ۔

حضور نے بارش سے متاثرہ علاقوں کا دَورہ کرنے کے بعد" الفضل "کے سٹاف رپورٹر سے ایک ملاقات میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا :۔

"دراصل ان علاقوں میں جا کر میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کام کے متعلق جو رپورٹیں پہنچتی رہی ہیں ان میں مبالغہ تو نہیں کیا گیا ۔ سو مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ معتدبہ کام ہو چکا ہے اور فی الواقعہ جو کام بھی ہوا ہے وہ مفید اور اچھا ہے ۔"[1]

ازاں بعد حضور نے سالانہ جلسہ ۱۹۵۴ء / ۱۳۳۳ہش کے موقع پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا :۔

" اس میں کوئی شک نہیں کہ لاہور کی نیم مُردہ سی جماعت میں اس سال وہاں کی مجلس خدام الاحمدیہ نے زندگی کی رُوح پھونک دی ہے اور اس کا سہرا زیادہ تر اس کے قائد محمد سعید احمد صاحب اور ان کے چار پانچ رفقاء کے سر ہے جنہوں نے بڑی محنت سے کام کیا ۔ گذشتہ سیلاب کے ایام میں نہ صرف یہ کہ غیر معمولی طور پر لاہور کی مجلس نے خدمت خلق کا کام کیا بلکہ اسے غیر معمولی طور پر پبلک سے روشناس بھی کرایا ۔ اور اس لحاظ سے اس کا کام واقعی خاص طور پر تعریف کے قابل ہے .... سیلاب کے ایام میں لاہور کی مجلس نے جو کام کیا اس کی تعریف بھی کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ہر مجلس کام میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتی رہے گی ۔"[2]

---

[1] روزنامہ" الفضل " ۲ ر نومبر ۱۹۵۴ء صا - ۸ (مطابق ۲ ر نبوت ۱۳۳۳ہش)

[2] تقریر فرمودہ ۲۸ ر دسمبر ۱۹۵۴ء مطبوعہ الفضل ۶ ر جنوری ۱۹۵۵ء / صلح ۱۳۳۴ہش صا کالم ۱ ، ۲

چوتھا باب

سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ مرکزیہ ۱۹۵۴ء/۱۳۳۳ہش سے لیکر خدام الاحمدیہ کی تحریک حج تک

فصل اوّل

سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ ۱۹۵۴ء/۱۳۳۳ہش

اس سال خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا چودھواں سالانہ اجتماع ۵-۶-۷ نومبر ۱۹۵۴ء (مطابق ۵-۶-۷ نبوت ۱۳۳۳ہش) کو منعقد ہوا۔ جس میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے خدام کو اپنے ایمان پرور افتتاحی اور اختتامی خطابات سے نوازا۔ حضور کی افتتاحی تقریر سے قبل نائب صدر اوّل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے پاکستان اور خدام الاحمدیہ کے جھنڈے لہرائے۔

یہ اجتماع چونکہ ایک ایسے ماحول میں انعقاد پذیر ہوا، جب کہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان اپنے مُلک میں ایک منفرد خادم خلق تحریک کی حیثیت سے اُبھر رہی تھی اور اس نے ملک کے صحافتی، سماجی اور سرکاری حلقوں میں اپنی خادمانہ سرگرمیوں کے باعث ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا تھا۔ اس لئے حضرت مصلح موعودؓ نے بھی اپنی تقاریر میں سب سے زیادہ زور خدمتِ خلق ہی کی اہمیت و ضرورت پر دیا جو اس بین الاقوامی تنظیم کے قیام کی بنیادی غرض و غایت ہے

افتتاحی خطاب | چنانچہ حضور نے اپنے افتتاحی خطاب میں فرمایا:-

"اس دفعہ خدام نے طوفان وغیرہ کے موقعہ پر نہایت اعلیٰ درجہ کا کام کیا ہے۔ اَب انہیں اپنے اجلاس میں اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ اس جذبہ کو جو نہایت مبارک جذبہ ہے اور زیادہ کس طرح ابھارا جائے؟۔ کوئی ایسی خدمت جو صرف رسمی طور پر کی جائے حقیقی خدمت نہیں کہلا سکتی۔ مثلاً بعض لوگ اپنی رپورٹوں میں لکھ دیتے ہیں کہ ہم نے کسی کا بوجھ اٹھایا۔ اَب اگر تو کسی مجلس کے تمام نوجوان یا بارہ پندرہ خدام سارا دن لوگوں کے بوجھ اٹھانے پھرتے ہوں یا کسی ایک وقت مثلاً عصر کے بعد روزانہ ایسا کرتے ہوں یا گھنٹہ دو گھنٹہ ہر روز اس کام پر خرچ کرتے ہوں تب تو یہ خدمت کہلا سکتی ہے۔ لیکن اس قسم کی رپورٹ کو مَیں کبھی نہیں سمجھا کہ اس مہینہ میں ہمارے نوجوانوں نے کسی کا بوجھ اٹھایا۔ یہ وہ خدمت نہیں جس کا خدام الاحمدیہ کے نظام کے ماتحت تم سے تقاضا کیا جاتا ہے۔ بلکہ یہ وہ خدمت ہے جس کا بجا لانا ہر انسان کے لئے اس کی انسانیت کے لحاظ سے ضروری ہے۔

درحقیقت مختلف خدمات مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے ہوتی ہیں۔ مثلاً جو شخص پاکستان میں رہتا ہے اس پر کچھ فرائض پاکستانی ہونے کے لحاظ سے عائد ہوتے ہیں۔ کچھ فرائض ایک انسان ہونے کے لحاظ سے عائد ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی سرکاری ملازم ہے تو کچھ فرائض اس پر سرکاری ملازم ہونے کے لحاظ سے عائد ہوتے ہیں۔ اگر کوئی ڈاکٹر ہے تو کچھ فرائض اس پر ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتے ہیں۔ اگر کوئی پولیس مین ہے تو کچھ فرائض اس پر پولیس مین ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتے ہیں۔ ایک حیثیت کے کام کو اپنی دوسری حیثیت کے ثبوت میں پیش کرنا محض تمسخر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ڈاکٹر کا یہ لکھنا کہ مَیں نے بیس مریضوں کا علاج کیا۔ تمسخر ہے۔ کیونکہ اس نے جو کام کیا ہے اپنے ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے کیا ہے۔ خدام الاحمدیہ کا ممبر ہونے کی حیثیت سے نہیں کیا۔ یا پاکستان کی تائید میں اگر کوئی جلسہ ہوتا ہے یا جلوس نکلتا ہے اور تم اس میں حصہ لیتے ہو اور پھر اپنی رپورٹ میں اس کا ذکر کرتے ہو تو یہ تمسخر ہے۔ کیونکہ یہ خدمت تم نے ایک پاکستانی ہونے کے لحاظ سے کی ہے۔ برکت تمہیں تبھی حاصل ہوگی جب تم اپنی ساری حیثیتوں کو نمایاں کرکے کام کروگے۔ جب تمہیں ایک پاکستانی ہونے کی حیثیت سے کام کرنا پڑے تو تم پاکستانی حیثیت کو نمایاں کرو۔ جب تمہیں ایک انسان ہونے کی حیثیت سے کام کرنا پڑے تو تم اپنی انسانیت کو نمایاں کرو۔ مثلاً اگر کوئی چلتے ہوئے گر

جاتا ہے تو یہ انسانیت کا حق ہے کہ اسے اُٹھایا جائے۔ اس میں خدام کا کیا سوال ہے؟ ایک ہندوستانی پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے ایک پنجابی پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ ایک چینی اور ایک جاپانی پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ ایک سرحدی پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ پس اگر اتفاقی طور پر کوئی شخص ایسا اتفاقی کام کرتا ہے تو یہ خدام الاحمدیہ والی خدمتِ خلق نہیں کہلا سکتی۔ بلکہ یہ وہ خدمت ہوگی جو ہر انسان پر انسان ہونے کے لحاظ سے عائد ہوتی ہے۔ اگر وہ ان فرائض کو ادا نہیں کرتا تو وہ انسانیت سے بھی گر جاتا ہے۔

پس اپنے پروگراموں پر ایسے رنگ میں عمل کرو جیسے اس دفعہ لاہور کے خدام نے خصوصیت سے نہایت اعلیٰ کام کیا ہے۔ اسی طرح ربوہ کے خدام نے بھی اچھا کام کیا ہے۔ سیالکوٹ کے خدام نے بھی اچھا کام کیا ہے۔ ملتان کے خدام نے بھی اچھا کام کیا ہے اور کراچی کے خدام نے بھی بعض اچھے کام کئے ہیں۔ گو وہ نمایاں نظر آنے والے نہیں۔ پس متواتر اپنے جلسوں اور مجلسوں میں اس امر کو لاؤ کہ تم نے زیادہ سے زیادہ خدمتِ خلق کرنی ہے اور ایک پروگرام کے ماتحت کرنی ہے۔ تاکہ ہر شخص کو تمہاری خدمت محسوس ہو۔

تم میں سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ دکھاوا ہے۔ تم میں سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ نمائش ہے۔ مگر کبھی کبھی نمائش بھی کرنی پڑتی ہے۔ اگر تمہارے دل کی خوبی اور نیکی کا اقرار دُنیا نہیں کرتی تو تم مجبور ہو کہ تم لوگوں کو دکھا کر کام کرو۔ تم نے بہت نیکی کی ہے مگر دُنیا نے تمہاری نیکی کا کبھی اقرار نہیں کیا۔ پہلے بھی لوگوں کی مصیبت کے وقت ہم کام کرتے رہے ہیں مگر مخالف یہی کہتا چلا گیا کہ احمدی، احمدی کا ہی کام کرتا ہے۔ کسی دوسرے کا نہیں کرتا۔ یہ بالکل جھوٹ تھا جو مخالف بولتا تھا۔ ہم خدمتِ خلق کا کام کرتے تھے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے تھے کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے خدا کے لئے کیا ہے ہمیں اس کے اظہار کی کیا ضرورت ہے؟۔ مگر جب تمہاری اس نیکی کا ناجائز فائدہ اُٹھایا گیا اور تم پر یہ الزام لگایا جانے لگا کہ تم مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں۔ جب تم پر یہ الزام لگایا جانے لگا کہ تم اپنی قوم کی خدمت کے لئے تیار نہیں تو پھر وہی نیکی بدی بن جائے گی۔ اگر ہم اس کو چھپائیں۔ پس اس نیکی کا ہم علی الاعلان اظہار کریں گے۔ اس لئے نہیں کہ ہم بدلہ لیں بلکہ اس لئے کہ وہ کذاب اور مفتری جو ہم پر الزام لگاتے ہیں ان کا مُنہ بند ہو۔ پس مجرم کو مجرم ثابت کرنے کے لئے ضروری

تھا کہ ہم اپنے کاموں کا اظہار کرتے۔ ورنہ پہلے بھی ہمارے آدمی ہر مصیبت میں مسلمانوں کا ساتھ دیتے رہے ہیں اور ہر مشکل میں ہم نے ان کی مدد کی ہے۔ یہ کوئی نیا کام نہیں جو ہم نے شروع کیا ہو۔

جب ہم قادیان میں تھے تو اس وقت بھی ہم خدمتِ خلق کرتے تھے۔ ۱۹۱۸ء میں جب انفلوانزا پھیلا ہے تو مجھے خلیفہ ہوئے ابھی چار سال ہی ہوئے تھے۔ اور جماعت بہت تھوڑی تھی۔ مگر اس وقت ہم نے قادیان کے اردگرد سات سات میل کے حلقہ میں ہر گھر تک اپنے آدمی بھیجے اور دوائیاں پہنچائیں۔ اور تمام علاقہ کے لوگوں نے تسلیم کیا کہ اس موقع پر نہ گورنمنٹ نے ان کی خبر لی ہے اور نہ ان کے ہم قوموں نے ان کی خدمت کی ہے۔ اگر خدمت کی ہے تو صرف جماعتِ احمدیہ نے۔ میں نے اس وقت طبیبوں کو بھی بلوایا اور ڈاکٹروں کو بھی بلوالیا۔ دنیا میں عام طور پر ڈاکٹر بلواؤ تو طبیب اُٹھ کر چلا جاتا ہے۔ اور طبیب بلاؤ تو ڈاکٹر اُٹھ کر چلا جاتا ہے۔ مگر ہمارے ہاں یہ بات نہیں ہوئی۔ اور پھر اخلاص کی وجہ سے ہمارا ان پر رُعب بھی ہوتا ہے۔ بغرض میں نے ڈاکٹر بھی بلوائے حکیم بھی بلوائے اور ہومیوپیتھ بھی بلوائے۔ اس وقت مرض نئی نئی پیدا ہوئی تھی۔ ڈاکٹروں نے کہا ہم اس مرض کا علاج تو کریں گے مگر ہماری طبّ میں ابھی اس کی تشخیص نہیں ہوئی۔ اور لٹریچر بہت ناقص ہے۔ اطبّاء کے اصولِ علاج چونکہ کلیّات پر مبنی ہوتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بلغمی بخار ہے اور ہم اس کا علاج کر لیں گے۔ میں نے ڈاکٹروں سے کہا کہ یہ جھوٹ بولیں یا سچ بولیں۔ غلط کہیں یا درست کہیں، بہرحال یہ کہتے ہیں کہ ہماری طبّ میں اس کا علاج موجود ہے۔ اس لئے انہیں بھی علاج کا موقعہ دینا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے ڈاکٹروں اور حکیموں کو اردگرد کے دیہات میں بھجوا دیا۔ ساتھ مدرسہ احمدیہ کے طالبِ علم کر دیئے۔ وہ سات سات میل تک گئے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہزاروں آدمیوں کی جان بچ گئی [1]

---

[1] "تاریخ احمدیت" جلد ۵ صفحہ ۲۳۲۔۲۳۳۔ اخبار "فاروق" قادیان نے ۷ نومبر ۱۹۱۸ء کی اشاعت میں لکھا "حضرت خلیفۃ المسیح کی طرف سے ادویات کا ایک سٹور کھولا گیا ہے جس سے قادیان اور قرب و جوار کے مریضوں کو مفت دوا دی جاتی ہے۔ اس سٹور میں صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے سات سات بجے صبح سے لیکر رات کے دس دس بجے تک کام کیا۔ اس محنت شاقہ کی وجہ سے آپ کی طبیعت بھی ناساز

(باقی اگلے صفحہ پر)

تو ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں اور ہمیشہ سے کرتے چلے آئے ہیں۔ مگر ہم ڈھنڈورا نہیں پیٹتے کہ ہم نے یہ کیا ہے ہم نے وہ کیا ہے۔ مثلاً ملکانوں کی جو ہم نے خدمت کی اس کے متعلق ہم نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن دوسرے لوگوں نے اقرار کیا کہ ہم نے غیر معمولی کام کیا ہے۔ مگر ہمارے ان سارے کاموں کے باوجود دشمن نے پھر بھی یہی کہا کہ یہ شروع سے مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ بلکہ بعض عدالتوں نے بھی اس کو تسلیم کر لیا۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ تمام مصیبتوں کے وقت ہمیشہ احمدیوں نے ہی اپنی گردنیں آگے کی ہیں۔

مَیں جب دلّی میں جایا کرتا تھا تو اکثر یو۔ پی کا کوئی نہ کوئی رئیس مجھے ملتا اور کہتا کہ مَیں تو آپ کا اس دن سے مدّاح ہوں جس دن آپ کے لوگوں نے اپنے ہاتھ سے ایک مسلمان عورت کی کھیتی کاٹ کر اسلام کی لاج رکھ لی تھی۔ اور مسلمانوں کی عظمت قائم کر دی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ الور یا بھرت پور[1] کی ریاست میں ایک عورت تھی جس کے سارے بیٹے آریہ ہو گئے مگر وہ اسلام پر قائم رہی۔ مائی جمیا اس کا نام تھا۔ خان بہادر محمد حسین صاحب سیشن جج اس علاقہ میں تبلیغ کے لئے مقرر تھے۔ ان کا بیٹا نہایت مخلص احمدی ہے ..... بہرحال جب فصل کٹنے کا وقت آیا تو چونکہ سب گاؤں جو

(بقیہ حاشیہ:-) ہو گئی ..... میر محمد اسحاق صاحب ..... مہمان خانہ میں اور دیگر مریضوں کی تیمارداری میں مصروف رہے۔ اور ۱۴؍ اکتوبر کو آپ بیمار ہو گئے .... اس بیماری میں دارالفضل میں حکیم محمد زمان صاحب۔ بھائی محمود صاحب۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل خانصاحب نے اور دارالامان میں جناب مفتی فضل الرحمٰن صاحب، (مولوی) غلام محمد صاحب۔ ڈاکٹر عبداللہ صاحب۔ خواجہ شاہ اعجاز علی صاحب۔ حکیم محبوب الرحمٰن صاحب بنارسی۔ حکیم اسماعیل صاحب۔ مولوی قطب الدین صاحب نے نہ صرف قادیان میں بلکہ اردگرد کے دیہات کے مریضوں کا علاج کماحقہٗ کیا۔ اس کے علاوہ تیمارداری میں بہت سے احباب نے مثلاً صوفی یعقوب صاحب وغیرہ نے حصہ لیا۔ اور دوائیاں تقسیم کرنے میں ماسٹر محمد جان صاحب نے بہت کام کیا۔ فیض محمد صاحب۔ برکت علی صاحب۔ مولوی غلام نبی صاحب۔ محمد دین صاحب مولوی فاضل رحمت علی صاحب نے عرق و شربت بنانے میں مدد دی۔ جناب ڈاکٹر رشید الدین صاحب کا فیضانِ عام (بھی جاری رہا)[2]

۱؎ یہ ریاست بھرت پور ہی کا واقعہ ہے (ناقل) ۲؎ اخبار فاروق قادیان ۷ نومبر ۱۹۱۸ء صفحہ ۲
بریکٹ کے الفاظ فقرہ کی تکمیل کے لئے ناقل نے اضافہ کئے ہیں۔

بڑا بھاری تھا آریہ ہو چکا تھا۔ اور اس کے اپنے بیٹے بھی اسلام چھوڑ چکے تھے۔ اور وہ عورت اکیلی اسلام پر قائم تھی۔ اس لئے کوئی شخص اس کی کھیتی کاٹنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ انہوں نے اسے طعنہ دیا اور کہا کہ مائی تیری کھیتی تو اب مولوی ہی کاٹیں گے۔ احمدیوں کو دیہات میں مولوی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ قرآن اور حدیث کی باتیں کرتے ہیں۔ شروع میں ملکانہ میں بھی ہمارے آدمیوں کو مولوی کہا جاتا تھا جس طرح یہاں ہمیں مرزائی کہتے ہیں اسی طرح وہاں مولوی کہا جاتا تھا۔ سرحد اور یو۔ پی میں عام طور قادیانی کہتے ہیں۔ جب یہ خط مجھے ملا تو مَیں نے کہا اب اسلام کی عزت تقاضا کرتی ہے کہ مولوی ہی اس کی کھیتی کاٹیں۔ چنانچہ جتنے گریجوایٹ اور بیرسٹر اور وکیل اور ڈاکٹر وہاں تھے مَیں نے ان سے کہا کہ وہ سب کے سب جمع ہوں اور اس عورت کی کھیتی اپنے ہاتھ سے جا کر کاٹیں۔ چنانچہ درجن یا دو درجن کے قریب آدمی جمع ہوئے۔ جن میں وکلاء بھی تھے، ڈاکٹر بھی تھے، گریجوایٹس بھی تھے۔ علماء بھی تھے اور انہوں نے کھیتی کاٹنی شروع کر دی۔ لوگ ان کو دیکھنے کے لئے اکٹھے ہو گئے۔ اور تمام علاقہ میں ایک شور مچ گیا کہ یہ ڈاکٹر صاحب ہیں جو کھیتی کاٹ رہے ہیں۔ یہ جج صاحب ہیں جو کھیتی کاٹ رہے ہیں۔ یہ وکیل صاحب ہیں جو کھیتی کاٹ رہے ہیں۔ انہوں نے چونکہ یہ کام کبھی نہیں کیا تھا اس لئے اُن کے ہاتھوں سے خون بہنے لگا۔ مگر وہ اس وقت تک نہیں ہٹے جب تک اس کی تمام کھیتی انہوں نے کاٹ نہ لی۔ یو۔ پی کے اضلاع میں یہ بات خوب پھیلی۔ اور کئی رئیس متواتر مجھے دلّی میں ملے۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم تو اس دن سے احمدیت کی قدر کرتے ہیں جب ہم نے یہ نظّارہ دیکھا تھا۔ اور ایک مسلمان عورت کے لئے آپ کی جماعت نے یہ غیرت دکھائی کہ جب لوگوں نے اسے کہا کہ اب مولوی ہی تیری کھیتی آ کر کاٹیں گے تو آپ نے کہا کہ اب دکھا دے کا مولوی نہیں سچ مچ کا مولوی جائے گا اور اس کی کھیتی کاٹے گا۔

تو ہمیشہ ہی ہم مسلمانوں کی خدمت کرتے رہے ہیں مگر ہمیشہ ہم ان خدمات کو چھپاتے رہے ہیں۔ اور کہتے رہے ہیں کہ ان خدمات کے اظہار کا کیا فائدہ؟ ہم نے جو کچھ کیا ہے خدا کیلئے کیا ہے۔ انسانوں کے لئے نہیں کیا۔ مگر آج کہا جا رہا ہے کہ احمدی مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ یہ مسلمانوں کی کبھی خدمت نہیں کرتے۔ غرض اتنے بڑے جھوٹ اور افتراء سے کام لیا جاتا ہے کہ اب ہم اس بات پر مجبور ہو گئے ہیں کہ جماعت کے دوستوں سے کہیں کہ اچھا تم بھی اپنی خدمات کو ظاہر کرو...

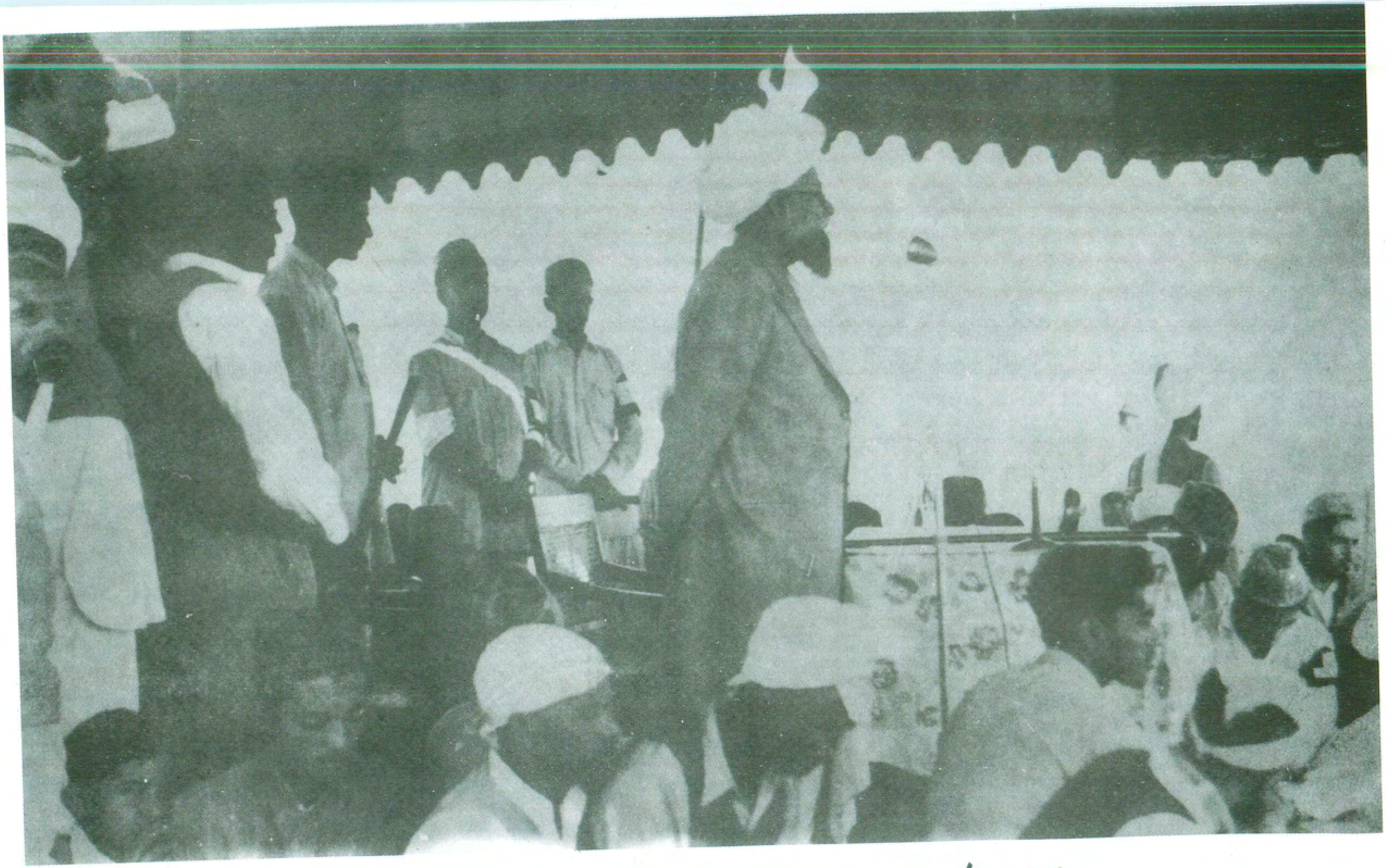

حضرت مصلح موعودؓ سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ ۱۹۵۴ء سے خطاب فرما رہے ہیں

"...... اور دُنیا کو بتادو کہ ہم ملک اور قوم کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ مگر چونکہ ہمیں مجبور کیا جاتا ہے کہ ہم اپنی خدمات کو ظاہر کریں اس لئے ہم ان کو ظاہر کرتے ہیں۔ ورنہ ہمارے دل اس اظہار پر شرماتے ہیں۔

پس اپنے پروگراموں میں زیادہ سے زیادہ ایسے امور پر غور کرو اور ایسی تجاویز سوچو جن کے نتیجہ میں تم ملک اور قوم کی زیادہ سے زیادہ خدمت بجا لاؤ۔"[1]

اختتامی خطاب

حضرت امیر المومنین کی اختتامی تقریر کے ابتدائی حصے بعض اہم انتظامی اور تربیتی نصائح پر مشتمل تھے۔ اسی تسلسل میں حضور نے صاحبزادہ مرزا منوّر احمد صاحب اور سیّد داؤد احمد صاحب کو دو سال کے لئے بالترتیب نائب صدر اوّل اور نائب صدر دوم مقرر فرمایا۔ چونکہ سیّد داؤد احمد صاحب جلد ہی انگلستان[2] تشریف لے جا رہے تھے۔ اس لئے حضور نے یہ بھی فیصلہ فرمایا کہ اُن کے بعد نائب صدر دوم مولوی غلام باری صاحب سیف ہوں گے پھر حضرت صاحبزادہ ناصر احمد صاحب کو آئندہ کے لئے انصار اللہ مرکزیہ کا صدر مقرر کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

"وہ فوراً انصار اللہ کا اجلاس طلب کریں اور عہدہ داروں کا انتخاب کر کے میرے سامنے پیش کریں ...... اور پھر میرا مشورہ لے کر انہیں از سرِ نو منظّم کریں پھر خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع کی طرح انصار اللہ کا بھی سالانہ جلسہ کیا کریں لیکن اُن کا انتظام اور قسم کا ہوگا اس اجتماع میں کھیلوں پر زیادہ زور دیا جاتا ہے کبڈی اور دوسری کھیلیں ہوتی ہیں انصار اللہ کے اجتماع میں درس القرآن کی طرف زیادہ توجہ دی جائے اور زیادہ وقت تعلیم و تدریس پر صرف کیا جائے۔"[3]

اس تاریخی ارشاد مبارک کے بعد حضور نے آئندہ کے لئے پہلے سے زیادہ منظّم رنگ میں

---

[1] روزنامہ "الفضل" لاہور ۷ رفتح ۱۳۳۳ہش / ۷ر دسمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۴-۵۔

[2] سفر انگلستان (اپریل ۱۹۵۵ء تا نومبر ۱۹۵۶ء) کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "سیرت داؤد" صفحہ ۴۸ ناشر "الجمعیۃ العلمیہ" جامعہ احمدیہ ربوہ طبع اوّل مارچ ۱۹۷۴ء۔

[3] اخبار "الفضل" ۹ر فروری ۱۹۵۵ء / ۹ر تبلیغ ۱۳۳۴ہش صفحہ ۶۔ رسالہ "خالد" (ربوہ) فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۳۔

خدمتِ خلق کے وسیع انتظامات کرنے کی ضرورت بیان کی اور فرمایا:۔

"پچھلے دنوں لاہور والوں نے جو کام کیا ہے وہ نہایت قیمتی تھا۔ لیکن اگر لاہور کی مجلس زیادہ منظّم ہوتی تو یقیناً ان کا کام زیادہ مفید ہوسکتا تھا۔ اور اگر لاہور والوں کو منظّم ہونے کا احساس ہوتا تو اس کا قاعدہ یہ تھا کہ لاہور والے مرکز کو لکھتے کہ وہ اپنا ایک نمائندہ یہاں بھیج دیں۔ پھر وہ نمائندہ دوسری مجالس کو تاریں دیتا کہ تم لوگ یہاں آکر کام کرو۔ اس طرح لاہور میں خدمتِ خلق کا کام وسیع ہوسکتا تھا۔ جب میں نے ربوہ سے معمار بھجوائے تو لاہور میں اتنا کام نہیں ہوسکا جس کی ہمیں امید تھی۔ اور اس کی زیادہ وجہ یہی تھی کہ سامان بہت کم تھا۔ معماروں کو وقت پر سامان میسّر نہیں آیا۔ اگر لاہور والے اس کے متعلق پہلے غور کر لیتے اور ہمیں سامان کا اندازہ لگا کر بھیج دیتے تو یہاں سے معمار کام کا اندازہ لگا کر بھیجے جاتے۔ اب انہوں نے خدمت بھی کی لیکن کام زیادہ نہیں ہوا۔ اگر سامان کم تھا تو ہم کچھ معمار اس وقت بھیج دیتے اور باقی معماروں سے کسی اور وقت کام لے لیتے۔ انسان آنریری خدمت ہر وقت نہیں کرسکتا۔ آخر اس نے اپنا اور بیوی بچّوں کا پیٹ بھی پالنا ہوتا ہے۔ بہرحال اس قسم کے تمام کام اسی وقت عمدگی سے سرانجام دیئے جاسکتے ہیں جب مجالس ایک دوسری سے تعاون کریں۔ سیلاب کے دنوں میں باقی جماعتوں نے بھی کام کیا ہے لیکن لاہور کی جماعت نے جس قسم کا کام کیا ہے اس سے انہیں ایک خاص معیار حاصل ہوگیا ہے۔ موجودہ قائد خدام الاحمدیہ کے اندر وقت کا احساس ہے۔ میں جب لاہور گیا اور میں نے ربوہ کے معماروں کے بنائے ہوئے مکانوں کو خود دیکھا تو ایک جگہ ایک کمرہ تعمیر کرنے کے لئے میں نے انہیں اندازہ بھیجنے کی ہدایت کی۔ غور کرنے والے تو شاید اس پر کئی دن لگا دیتے لیکن انہوں نے اندازہ گھنٹوں میں پہنچا دیا۔ اور پھر اس کی تفصیل بھی ساتھ تھی۔

پس تم خدمتِ خلق کے کام کو نمایاں کرو۔ اور اپنے بجٹ کو ایسے طور پر بناؤ کہ وقت آنے پر کچھ حصّہ اس کا خدمتِ خلق کے کاموں میں صرف کیا جاسکے۔ قادیان میں یہ ہوتا تھا کہ زیادہ زور عمارتوں پر رہتا تھا۔ حالانکہ اگر کوئی عمارت بنانی ہی ہے تو پہلے اس کا ایک حصّہ بنا لیا جائے۔ کچھ کچے کمرے بنائے جائیں۔ جماعت بڑھتی جائے گی تو چندہ بھی زیادہ آئے گا

اور اس سے عمارت آہستہ آہستہ مکمّل کی جا سکے گی۔ پس اپنے بجٹ کا ایک حصّہ خدمتِ خلق کے لئے وقف رکھو۔ جیسے ہلالِ احمر اور ریڈ کراس کی سوسائٹیاں کام کر رہی ہیں۔ اگر تم آہستہ آہستہ ایسے فنڈز جمع کرتے رہو تو ہنگامی طور پر یہ رقوم کام آجائیں گی۔ مثلاً بنگال میں سیلاب آیا تو جماعت کی طرف سے نہایت اچھا کام کیا گیا۔ لیکن چونکہ چندہ دیر سے جمع ہوا اس لئے کام ابھی تک جاری ہے۔ چندہ جب مانگا گیا تھا تو صرف مشرقی پاکستان کا نام لیا گیا تھا۔ پنجاب کا نام نہیں لیا گیا تاکہ مزید چندہ مانگنے پر جماعت پر مالی بوجھ نہ پڑے۔ اگر اس قسم کی رقوم پہلے سے جمع ہوتیں تو جمع شدہ چندہ ہم مشرقی پاکستان پر خرچ کر دیتے اور ان رقوم میں سے ایک حصّہ پنجاب میں خرچ کر دیا جاتا۔

پس ہر سال کے بجٹ میں اس کے لئے بھی کچھ مارجن[1] رکھ لیا جائے اور تھوڑی بہت رقم ضرور الگ رکھی جائے۔ وہ رقم ریزرو ہوگی جو قحط اور سیلاب وغیرہ مواقع پر صرف کی جائیگی۔ تم اس کا کوئی نام رکھ لو۔ ہماری غرض صرف یہ ہے کہ اس طرح ہر سال کچھ رقم جمع ہوتی رہے جو کسی حادثہ کے پیش آنے یا کسی بڑی آفت کے وقت خدمتِ خلق کے کاموں پر خرچ کی جا سکے۔ جاپان میں زلزلے کثرت سے آتے ہیں۔ فرض کرو وہاں کوئی ایسا زلزلہ آجائے جس قسم کا زلزلہ پچھلے دنوں آیا تھا اور اس کے نتیجہ میں دو تین ہزار آدمی مر گئے تھے تو ایسے مواقع پر اگر خدام الاحمدیہ کی طرف سے گورنمنٹ کے واسطہ سے کچھ رقم وہاں بھیج دی جائے تو خود بخود خدام الاحمدیہ کا نام لوگوں کے سامنے آجائے گا۔ اس قسم کی مدد سے بین الاقوامی شہرت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور طبائع کے اندر شکریہ کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے۔ اگر اس قسم کے مصائب کے وقت کچھ رقم تار کے ذریعہ بطور مدد بھیج دی جائے تو دوسرے دن ملک کے سب اخبارات میں مجلس کا نام چھپ جائے گا۔ پچھلے طوفان میں ہی اگر خدام کے مختلف وفود بنا دیئے جاتے تو تنظیم کے ذریعہ سے باہر کی مجالس سے آدمی منگوا لئے جاتے تو زیادہ سے زیادہ آدمی سیلاب زدہ لوگوں کی امداد کے لئے بھیجے جا سکتے تھے۔ مثلاً سیلاب کا زیادہ زور ملتان، سیالکوٹ اور لاہور کے اضلاع میں تھا۔ اگر ان ضلعوں کی مجالس کو منظّم کیا جاتا اور باقی مجالس سے مدد کے لئے مزید آدمی آ

---

[1] (گنجائش)

جاتے اور انہیں بھی امدادی کاموں کے لئے مختلف جگہوں پر بھیجا جاتا تو پھر ان کا کام زیادہ نمایاں ہو جاتا۔ پھر یہ بھی چاہیئے کہ حالات کو دیکھ کر غور کیا جائے کہ کس رنگ میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔ لاہور میں میں نے دیکھا ہے کہ بعض جگہ چھپّر ڈال کر لوگوں کو پناہ دی جا سکتی تھی۔ اگر شہر کے اردگرد تالابوں سے تنکے اور گھاس کاٹ کر لایا جاتا تو اس سے بڑی آسانی سے چھپّر بنا کر چھت کا کام لیا جا سکتا تھا۔ اس طرح لکڑی کے مہیا کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی طرح اس قسم کے مواقع پر پکّے مکانات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پھسکے کی عمارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور لکڑی کی بجائے بانس اور تنکوں کا چھت بنا دیا جاتا ہے۔ لاہور میں کئی ایسی جگہیں تھیں جہاں سردی سے بچاؤ کیلئے چھت کی ضرورت تھی۔ یہ سب کام آرگنائزیشن سے ہو سکتے تھے۔ ہمارے محکمہ خدمتِ خلق کا یہ کام ہے کہ نہ صرف مجالس کو وہ آرگنائز کرے بلکہ اس قسم کا انتظام کرے کہ اگر کسی جگہ کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو کس طرح ساری جماعت کا زور اس طرف ڈالا جا سکے۔ آئندہ میرے پاس رپورٹیں آتی رہنی چاہئیں کہ کس طرح خدمتِ خلق کے کام کو آرگنائز کیا گیا ہے؟۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض حلقے بنا دیئے جائیں اور ان کی آپس میں آرگنائزیشن کی جائے جیسے زونل سسٹم ہوتا ہے اس طرح صوبہ کے مختلف زون مقرر کر دیئے جائیں۔ مثلاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملتان کے اردگرد سو سو میل کا ایک زون بنا دیا جائے۔ اس علاقہ میں آبادی کم ہے۔ اس لئے اس سے بڑا زون بھی بنایا جا سکتا ہے۔ پھر ہر زون میں خدمتِ خلق کا ایک آفیسر مقرر کر دیا جائے۔ جو مصیبت آنے پر دوسری مجالس کو تار دے دے کہ فلاں جگہ پر مصیبت آئی ہے۔ امدادی کاموں کے لئے خدام بھیج دیئے جائیں۔ اس طرح یاد رکھو کہ ہمارا ملک ایسے حالات سے گذر رہا ہے کہ اس میں نہ صرف بڑے طوفان آ سکتے ہیں بلکہ طوفان لائے بھی جا سکتے ہیں۔ ہم نچلے علاقہ میں ہیں اور ہندوستان کی حکومت اوپر کے علاقوں پر قابض ہے اور وہ پانی چھوڑ کر طوفان لا سکتی ہے۔ پھر لاہور میں امدادی کاموں کے سلسلہ میں جو دقّت پیش آئی تھی اس کے متعلق دریافت کرنے پر مجھے بتایا گیا کہ اس موقعہ پر بھٹہ والوں نے بد دیانتی کی۔ ان لوگوں نے اس موقعہ پر اینٹ کو مہنگا کر دیا۔ اگر اس قسم کی تحریک کی جاتی کہ جماعتیں مل کر ان کو توجہ دلائیں کہ ایسے موقعہ پر آپ لوگوں کا بھی فرض ہے کہ مصیبت زدگان کی امداد کریں تو یقیناً وہ کم قیمت پر اینٹ سپلائی کرتے۔

میرے نزدیک آئندہ کے لئے ابھی سے لاہور کے بھٹہ والوں سے مل کر انہیں اس بات پر تیار کیا جائے کہ اگر ملک کو آئندہ ایسا حادثہ پیش آیا تو وہ اینٹ کم قیمت پر دیں گے۔ اور دوسرے گاہکوں پر امدادی کاموں کو ترجیح دیں گے۔ بے شک اس میں دقت پیش آئے گی اور پہلے ایک آدمی بھی مشکل سے مانے گا۔ لیکن آہستہ آہستہ کئی لوگ مان لیں گے۔ اور پھر جو لوگ آپ کی بات مان لیں ان کے نام محفوظ رکھے جائیں۔ اس طرح اس کام کو منظم کر لیا جائے "۔[1]

خدام الاحمدیہ عالمگیر کی طرف سے الوداعی ایڈریس

حضرت مصلح موعودؓ کے اس اختتامی خطاب اور دُعا کے بعد خدام کا ایک خصوصی اجلاس ہُوا جس میں خدام الاحمدیہ عالمگیر کی طرف سے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی خدمت میں حسب ذیل الوداعی ایڈریس پیش کیا گیا :۔

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم و محترم نائب صدر صاحب اوّل۔ زادکم اللہ شرفاً و عزاً

السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

۱۹۳۸ء کا سن وہ مبارک سال ہے جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مجلس خدام الاحمدیہ کا قیام فرمایا۔ احمدیت کی تاریخ شاہد ہے کہ اس تحریک کے ذریعہ احمدی نوجوانوں نے تنظیم اور ملّی خدمت کی تربیت حاصل کی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مبارک تحریک کا قیام حضرت فضل عمر ایدہ اللہ تعالیٰ کے مبارک ہاتھوں سے ہُوا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ اس تحریک کو پروان چڑھانے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۹۳۹ء سے لیکر ۱۹۴۹ء تک آپ کے ہاتھوں میں اس تحریک کی زمام قیادت رہی۔ اور پھر وہ مبارک دن بھی جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے یہ اعلان فرمایا

[1] اخبار " الفضل " ۹ فروری ۱۹۵۵ء / ۹ تبلیغ ۱۳۳۴ ہش صفحہ ۶-۷

کہ آئندہ اس تحریک کے صدر خود حضور ہوں گے۔ کتنا اعلیٰ بدل تھا جو اللہ تعالیٰ نے مجلس کو عطا فرمایا۔

اس کے بعد ۱۹۴۹ء سے لیکر ۱۹۵۴ء کا زمانہ ہے جب آپ نے اس تحریک کی قیادت نائب صدر ہونے کی حیثیت سے سنبھالی۔

۱۹۳۸ء کا زمانہ بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے جب اس مجلس کی کوئی تنظیم نہ تھی۔ صرف چند نوجوان اس کے ممبر تھے۔ اور آج کا زمانہ بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے جبکہ مجلس کا سالانہ بجٹ پینتیس ہزار (۳۵،۰۰۰) کے لگ بھگ ہے اور بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں نوجوان اس تنظیم سے تربیت پاکر سلسلہ کی اہم خدمات پر مامور ہیں۔ جب تک بھی احمدی نوجوان اس مبارک تحریک سے بہرہ ور ہوتے ہوئے سلسلہ کی خدمت میں مصروف رہیں گے اللہ تعالیٰ آپ کے نام کو زندہ رکھے گا۔ کیونکہ ارشاد نبوی ہے:۔

"اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ"

محترم نائب صدر صاحب! اب جبکہ آپ ہم سے جدا ہو کر انصار اللہ کی قیادت سنبھال رہے ہیں۔ ہم اراکین مجلس عالمگیر و مجلس عاملہ مرکزیہ رنج اور خوشی کے متضاد جذبات اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔ ہمیں اس امر کا رنج ہے کہ آپ ہم سے جدا ہو رہے ہیں۔ لیکن اس بات کی خوشی ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آپ کی سابقہ خدمات کو سراہتے ہوئے دوسرے اہم قومی کاموں کی سرانجام دہی آپ کے سپرد فرمائی۔

مکرم میاں صاحب!

آج جبکہ ہم اس موقعہ پر آپ کو الوداع کہہ رہے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کا انصار اللہ میں جانا آپ کے لئے اور انصار اللہ کے لئے بابرکت فرمائے۔ آمین۔ اور آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ بھی اپنی دعاؤں اور مشوروں سے ان چھوٹے بھائیوں کو یاد فرماتے رہا کریں گے۔ بہرحال اے حافظ قرآن! خدا حافظ و ناصر

ہم ہیں

اراکین مجلس عالمگیر و اراکین مجلس عاملہ مرکزیہ"[1]

---

[1] ماہنامہ خالد ربوہ دسمبر ۱۹۵۴ء / فتح ۱۳۳۳ہش صفحہ ۲۹ تا ۳۰۔

اس سپاسنامہ کے جواب میں حضرت صاحبزادہ صاحب نے ایک دردانگیز تقریر فرمائی جس نے سننے والوں پر رقّت کی کیفیت طاری کر دی۔

اجتماع کے بعض ضروری کوائف

اس اجتماع میں شامل ہونے والے خدام کی کل تعداد الفضل کے نامہ نگار کی رپورٹ کے مطابق ۱۳۳۲ تھی جن میں مرکزی اداروں میں کام کرنے والے خدام ۲۵۰ اور مقامی مجلس کے خدام ۵۸۹ تھے۔ مجالس مغربی پاکستان کے علاوہ "قادیان" گولڈ کوسٹ (غانا) چین، شمالی لینڈ، انڈونیشیا اور ملایا کے احمدی نوجوان بھی شریک اجتماع ہوئے۔ اجتماع کے نگران اعلیٰ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا منوّر احمد صاحب تھے۔ اجتماع اس سال بھی ربوہ کے جنوبی جانب کھلے میدان میں ہی ہوا جس کا ایک حصّہ خدام الاحمدیہ کے لئے اور ایک حصّہ اطفال الاحمدیہ کے لئے مخصوص تھا۔ خدام الاحمدیہ والا حصّہ پانچ حصّوں پر منقسم تھا۔ ایک حصّہ میں مرکزی دفتر اور انتظام کے دیگر شعبہ جات کے خیمے لگا دیئے گئے اور لنگرخانہ قائم کیا گیا۔ باقی چار حصّے جو اطاعت، صداقت، امانت، اور شجاعت کے نام سے چار بلاکوں کی صورت میں تھے۔ خدّام کی عارضی رہائش کے لئے مخصوص تھے اس سال مقام اجتماع میں ۱۹۴ خیمے نصب کئے گئے۔ جن میں مرکزی شعبوں کے لئے ۲۷ خدام کی رہائش کے لئے ۱۱۸ اور اطفال کی رہائش کے لئے ۴۹ خیمے تھے۔ مقام اجتماع کا کل رقبہ تیس ہزار مربع فٹ تھا۔

اجتماع کے انتظامات کی خاطر متعدد شعبے قائم کئے گئے تھے جن کے حسب ذیل نگران مقرر تھے۔

۱۔ مکرم حفیظ الرحمٰن صاحب ڈرافٹسمین محکمہ تعمیرات صدر انجمن احمدیہ پاکستان۔ (تنصیب خیمہ جات و تیاری سٹیج)

۲۔ چودھری سعید احمد صاحب عالمگیر مہتمم مال مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ۔ (شعبہ سپلائی)

۳۔ سیّد داؤد احمد صاحب۔ مہتمم خدمت خلق۔ (شعبہ خوراک و طبّی امداد)۔

۴۔ چودھری شبیر احمد صاحب مہتمم تبلیغ خدام الاحمدیہ مرکزیہ (شعبہ صفائی و آب رسانی)

۵۔ حسن محمد خان صاحب عارف وکالت تبشیر (شعبہ روشنی)

۶۔ مولوی غلام باری صاحب سیف پروفیسر جامعہ احمدیہ مہتمم تعلیم (علمی مقابلے)۔
۷۔ ملک محمد رفیق صاحب معتمد مرکزیہ (ورزشی مقابلے۔ رابطہ افسر)۔
۸۔ مولوی محمد احمد صاحب ثاقب پروفیسر جامعہ احمدیہ (ناظم اوقات)
۹۔ مولوی محمد صدیق صاحب انچارج خلافت لائبریری (شعبہ پہرہ و دفتر بیرون)
۱۰۔ مولوی ناصر الدین صاحب تحریک جدید (دفتر اندرون)
۱۱۔ سید عبد الباسط صاحب نائب معتمد مرکزیہ (دفتر مرکزیہ)[1]

اس موقع پر پہلی بار رسالہ "خالد" کا ایک باتصویر اور ضخیم "اجتماع نمبر" بھی شائع کیا گیا جس سے احمدی نوجوانوں کے علمی و ادبی و دینی ذوق کی عکاسی ہوتی تھی۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے "خدمت خلق ریزرو فنڈ" کے قیام کی اپنے مبارک خطاب میں ہدایت فرمائی تھی۔ جس کے پیش نظر سالانہ اجتماع کے دوران ہی ریزرو فنڈ کا افتتاح عمل میں آگیا اور فیصلہ شوریٰ کے مطابق "تعمیر دفتر خدام الاحمدیہ" کی مد سے مبلغ ایک ہزار روپیہ اس فنڈ میں منتقل کر دیا گیا اور ساتھ ہی یہ تجویز پاس کی گئی کہ:۔

"ہر خادم سے ریزرو فنڈ خدمت خلق کے لئے ایک سال تک کم از کم ایک آنہ ماہوار کے حساب سے چندہ لیا جائے۔"

شوریٰ خدام الاحمدیہ کی یہ تجویز حضور نے منظور فرمائی[2] اور مجالس کی طرف سے اس پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا۔

اجتماع کے بعد الوداعی تقاریب اور حضرت مصلح موعودؓ کی قیمتی ہدایات

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا خدام الاحمدیہ سے سبکدوش ہو کر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے عہدۂ صدارت پر ممتاز ہونا ۱۹۵۴ء/۱۳۳۳ہش کے اجتماع کا ایک یادگار واقعہ تھا جس نے نوجوانان احمدیت کے قلوب پر بہت گہرے نقوش چھوڑے۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو ۱۹۳۹ء میں مجلس

۱۔ "الفضل" ۷-۱۱ نومبر ۱۹۵۴ء/نبوت ۱۳۳۳ہش۔ رسالہ "خالد" ماہ نومبر ۱۹۵۴ء/نبوت ۱۳۳۳ہش صفحہ ۵۶-۵۸
۲۔ رسالہ "خالد" دسمبر ۱۹۵۴ء/فتح ۱۳۳۳ہش صفحہ ۳۱۔

خدام الاحمدیہ کی قیادت سونپی تھی۔ جب کہ یہ مجلس چند گنتی کے احمدی نوجوانوں تک محدود تھی اور قادیان میں اپنے ابتدائی مراحل طے کر رہی تھی۔ آپ نے مجلس کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے میں اپنی جوانی کا قیمتی حصّہ صرف کر دیا۔ اس میں خدمت دین اور خدمت خلق کے لئے کام کرنے کی امنگ، جوش اور ولولہ پیدا کیا اور پندرہ سال کی انتھک اور اس کوشبا بہ روز کوشش اور دعاؤں سے ایک مثالی قابل رشک اور بلند معیار تک پہنچا دیا۔

ان عظیم الشان خدمات کی بناء پر خدام میں آپ کے لئے جذباتِ تشکر و امتنان کا خود بخود اُبھر آنا ایک قدرتی امر تھا یہی وجہ ہے کہ عشاء کے بعد کیمٹی روم دفاتر تحریک جدید میں ایک الوداعی پارٹی دی گئی جس میں نئے سال کے نائب صدر اوّل و دوم اور نائب صدر صوبہ سرحد کے علاوہ بیس کے قریب قائدین مجالس نے شرکت کی۔ قائد مجلس مقامی صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے سپاسنامہ پیش کیا اور آپ کی سنہری خدمات کو خراج تحسین ادا کیا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے سپاس نامہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جب کوئی شخص خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حقیرسی قربانی بھی پیش کرتا ہے تو وہ اسے خوب نوازتا ہے۔ آپ نے بھی زندگی میں اس بات کا کئی دفعہ تجربہ کیا ہوگا۔ مجھے بھی اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل سے تھوڑی سی خدمت کا موقعہ دیا ہے۔ اور اس دوران میں نے اس بات کا خوب تجربہ کیا۔ اور خدا تعالیٰ کے سلوک کا لطف اٹھایا ہے۔

آپ نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اکتوبر ۱۹۴۱ء میں غالباً محلّہ دارالبرکات قادیان میں خدام کا ایک جلسہ تھا جس میں مَیں نے شریک ہونا تھا۔ میری بڑی بچی[1] جس کی عمر اس وقت چند ماہ کی تھی بہت بیمار تھی۔ اور ہم شہر سے باہر قیام پذیر تھے۔ بچی کی والدہ سخت پریشان اور گھبرائی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے باہر جانے سے روکا۔

لیکن میں نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ میں جلسہ میں شرکت سے محروم رہوں۔ چنانچہ مَیں نے اپنی سمجھ کے مطابق، ہومیو پیتھک کی ایک دوا بچّی کو دی اور خدا تعالےٰ پر توکل کرتے ہوئے جلسہ

---

[1] صاحبزادی امۃ الشکور صاحبہ (ولادت ۲۶؍اپریل ۱۹۴۰ء ملاحظہ ہو روزنامہ" الفضل ۲۸؍اپریل ۱۹۴۰ء صـ۲)

میں شرکت کے لئے چلا گیا۔ واپس آیا تو بچی کی بیماری میں کافی افاقہ تھا۔ اور یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل اور اس پر توکل کرنے کا نتیجہ تھا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے فرمایا اس قسم کے تجربات سے میری زندگی کا کوئی لمحہ خالی نہیں .... انسان نیک نیت ہو کر اپنی زندگی کے چند لمحے قربان کرتا ہے تو اگرچہ یہ قربانی خدائے تعالیٰ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی مگر وہ اسے خوب نوازتا ہے اور اپنے بندہ کی ڈھارس بندھاتا ہے۔ ہم نے پچھلے سال بھی اس کا تجربہ کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنا چہرہ دکھایا اور اپنی قدرت سے ہماری جانوں اور مالوں کو محفوظ رکھا۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی کہے کہ خدا تعالیٰ زندہ موجود نہیں ہے تو اسے پاگل نہیں تو اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ واقعی زندہ موجود نہیں ہے تو مذہب محض خشک فلسفہ ہے۔ تو روح کو ہرگز تسکین نہیں دے سکتا۔ موجودہ حالات میں ہم نے اس ہتھیار کو لے کر دنیا پر حملہ کرنا ہے کہ خدا تعالیٰ زندہ موجود ہے۔ باقی مسائل فروعی حیثیت کے ہیں۔ اور یہ محاذ ایسا ہے کہ اس میں ہمیں جلد اور نمایاں فتح حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن ابھی تک ہم اس سے بے توجہی برت رہے ہیں۔

حضرت صاحبزادہ صاحب نے قائدین کرام کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ جو کام بھی کریں۔ خلوص سے کریں۔ اور جس چیز کو وہ سنجیدگی سے بہتر سمجھیں اس سے پیچھے نہ ہٹیں۔ اگر کسی خادم کو سزا بھی دیتے ہیں تو اس میں بھی خلوص نیت کو پیشِ نظر رکھیں۔ اس کا نتیجہ بہت اچھا نکلتا ہے۔ اس سے نہ صرف نظام کا وقار قائم رہتا ہے بلکہ سزا لینے والا جب اس پر سنجیدگی سے غور کرتا ہے تو وہ اپنی اصلاح کر لیتا ہے۔ دین کے بارہ میں لحاظ بے معنی ہے۔ اس لئے خدام کی اصلاح کرتے ہوئے تم کسی کا لحاظ نہ کرو۔ ہاں خلوص نیت اور ارادہ نیک رکھو۔ میرا اپنا تجربہ ہے کہ جن لوگوں کو میں نے سزائیں دیں ان میں سے اسّی فیصدی سے زیادہ میرے دوست بن گئے۔ اور وہ اب بھی اپنے کاموں میں مجھ سے مشورہ طلب کرتے ہیں۔

اس تقریب کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف نے دعا فرمائی۔ اور قائدین اور مجلس عاملہ مقامی کے ارکان کو شرفِ مصافحہ بخشا اور اس طرح یہ تقریب ختم ہوئی۔[1]

اس اوّلین تقریب کے چند ہفتوں بعد مجلس مرکزیہ نے اپنے دفتر کے وسیع احاطہ میں عصرانہ کا

---

[1] اخبار "الفضل" ۱۲ نومبر ۱۹۵۴ء / نبوت ۱۳۳۳ ہش صفحہ ۳

انتظام کیا جس میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے بھی شمولیت فرمائی۔ تلاوت قرآن کریم کے بعد مولوی محمد صدیق[1] صاحب معتمد خدام الاحمدیہ نے ایڈریس پڑھا جس میں آپ کے عہد صدارت کے زرّیں کارناموں کا تذکرہ تھا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے ایڈریس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی خاص تائید اور نصرت کے سبب سے ہی رونما ہوتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ مِّنَ السَّمَآءِ[2] کا مشاہدہ ہم نے بارہا کیا ہے۔ ہمیشہ ہی اللہ تعالیٰ ایسے افراد بہم پہنچاتا رہا ہے جو عواقب سے بے پروا ہو کر اور اپنے آپ کو جان جوکھوں میں ڈال کر مفوضہ فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں پس حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی ہمارے کام کر رہا ہے ہمیں صرف ہمّت اور ارادہ کی ضرورت ہے آخر میں آپ نے اُن جذبات محبت کا۔ جن کا ایڈریس میں ذکر کیا گیا تھا شکریہ ادا کیا[3]۔

اس کے بعد سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے خطاب فرمایا اور خدام کو بعض اہم ہدایات سے نوازا جن کو حضور ہی کے الفاظ مبارک میں درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"خدام الاحمدیہ کا قیام بھی اسی مقصد کے ماتحت کیا گیا ہے کہ نوجوانوں میں اسلام کی رُوح کو زندہ رکھا جائے اور انہیں گرنے سے بچایا جائے۔ باغوں میں پھل لگتے ہیں تو اس میں انسانوں کا اختیار نہیں ہوتا اور بے تحاشا لگتے ہیں۔ مگر خدا لگاتا ہے۔ انسانوں کا اختیار اس وقت شروع ہوتا ہے جب وہ ان پھلوں کو گرنے سے بچاتا ہے یا اس امر کی نگہداشت کرتا ہے کہ اسے جانور نہ کھا جائیں یا بچے نہ توڑ لیں یا کیڑے اس باغ کو خراب نہ کر دیں۔ اور یہ حفاظت اور نگہداشت اس کی خوبی ہوتی ہے۔ جہاں تک پھلوں کا سوال ہے اس کا لگانا خدا کے اختیار میں ہے۔ لیکن جہاں تک پھلوں کی حفاظت کا سوال ہے وہ انسان کے اختیار میں ہے۔ لیکن بے وقوف اور نادان باغبان پھلوں کی حفاظت نہیں کرتا۔ اور وہ ضائع ہو جاتے ہیں۔ یہاں پاکستان میں ہمیں بھی لائل پور میں ایک باغ الاٹ ہوا ہے۔ لاہور کے ایک تاجر نے اس کا ٹھیکہ لیا تھا وہ مجھے ملے تو کہنے لگے کہ بے شک ہم نے بھی نفع اٹھایا ہے لیکن آپ دیکھیں کہ اس باغ میں اَب کہیں بھی کوئی طوطا نظر نہیں آتا۔ پہلے اس باغ میں ہزارہا طوطے ہوا کرتے تھے مگر اَب ایک طوطا بھی نظر نہیں آتا۔

---

[1] ۔ انچارج خلافت لائبریری ربوہ ۔ [2] (ترجمہ) تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کے دلوں میں ہم اپنی طرف سے الہام کریں گے۔ [3] ۔ اخبار "الفضل" ۱۵ ر فتح ۱۳۳۳ ہش/ ۱۵ ر دسمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۳ کالم ۱

اور اگر کوئی غلطی سے ادھر کا رُخ کرے تو چکر کاٹ کر بھاگ جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے سے کئی گنا زیادہ پھل پیدا ہُوا ہے۔ اور ہم نے بھی فائدہ اٹھایا اور آپ کو بھی زیادہ پیسے دیئے۔
توپھل تو سب باغوں میں آتے ہیں۔ باغبان کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ ان کی حفاظت کرے۔

خدام الاحمدیہ کا قیام بھی اسی لئے کیا گیا ہے کہ بچپن اور نوجوانی میں بعض لوگ بیرونی اثرات کے ماتحت کمزور ہوجاتے ہیں اور ان میں کئی قسم کی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ بعض لوگ دوسری سوسائیٹیوں سے بُرا اثر قبول کرلیتے ہیں اور بعض تربیت کے نقائص کی وجہ سے آوارگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ خدام الاحمدیہ کے قیام کی غرض یہ ہے کہ اس بیرونی تغیّر کو جماعت احمدیہ میں داخل نہ ہونے دیں۔ اور اس مقصد کو ہمیشہ نوجوانوں کے سامنے رکھیں جس کے پورا کرنے کے لئے جماعت احمدیّہ قائم کی گئی ہے۔

اگر نوجوانوں میں یہ روح پیدا کردی جائے تو پھر بے شک شرارت کرنے والے شرارت کرتے رہیں۔ خواہ اپنے ہوں یا غیر سب کے سب ناکام رہیں گے۔ دُنیا میں بسا اوقات اپنے دوست اور عزیز بھی مختلف غلط فہمیوں کی بناء پر مخالفت پر اُتر آتے ہیں........ پس خواہ اپنے لوگ مخالفت کریں یا غیر کریں وہ اپنا کام کئے چلا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میرے کام اعلیٰ ہیں۔ اگر میں اس راستہ سے ہٹ جاؤں گا تو ذلیل ہوجاؤں گا۔ گذشتہ زمانہ میں مسلمان کمزور ہوئے تو اسی وجہ سے کہ اسلام کے باغ میں جو ثمرات اور پھل لگے۔ ان پھلوں کی انہوں نے حفاظت نہ کی اور وہ گرنے شروع ہوگئے۔ انہوں نے اسلام میں حاصل ہونے والی عزت پر دنیوی عزّتوں کو ترجیح دینی شروع کردی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اسلام کی شوکت آہستہ آہستہ مٹ گئی۔ اگر وہ سمجھتے کہ یورپین سوسائٹی میں شامل ہونا یا ان سوسائیٹیوں میں کسی عزّت کے مقام کا مِل جانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی غلامی کے مقابلہ میں بالکل حقیر اور ذلیل چیز ہے تو وہ اُدھر کبھی نہ جاتے۔ پس خدام الاحمدیّہ کو اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ وہ اسلام کے مقصد کو اپنے سامنے رکھیں تا یورپ کے اثرات اور روس کے اثرات اور دوسرے ہزاروں اثرات ان کی نگاہ میں حقیر نظر آنے لگیں۔ اور وہ سمجھیں کہ حقیقی عزت اس کام میں ہے جو خدا نے ان کے سپرد کیا ہے۔

اس کے بعد انصار اللہ مقرر ہیں تاکہ جو خدام میں سے نکل کر ان میں شامل ہو وہ اس کی حفاظت کریں۔ گویا تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کوئی بُور کی حفاظت کرتا ہے۔ اور انصار اللہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بڑے پھل کی نگہداشت کرتا ہے۔ جہاں تک خدام الاحمدیہ کا سوال ہے وہ بہت چھوٹی بنیاد سے اُٹھے اور بڑھ گئے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ انصار اللہ نے اپنی تنظیم نہیں کی۔ حالانکہ ان کی ترقی کے امکانات زیادہ اور ان کے خطرات کم تھے۔ لالچیں اور حرصیں زیادہ تر نوجوانی میں پیدا ہوتی ہیں۔ بڑھاپے میں انسانی کیریکٹر راسخ ہو جاتا ہے اور اس کا قدم آسانی سے ڈگمگا نہیں سکتا۔ بہرحال خدام نے خوش کن ترقی کی ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ خدام الاحمدیہ کا دفتر اپنے پاس ایک چارٹ رکھے جس میں یہ دکھایا جائے کہ مجلس کی اس وقت تک کتنی انجمنیں ہیں کس کس جگہ اس کی شاخیں قائم ہیں اور دورانِ سال ان انجمنوں نے کتنی ترقی کی ہے۔ اگر اس قسم کا ایک چارٹ موجود ہو تو اس کے دیکھتے ہی فوراً پتہ لگ سکتا ہے کہ خدام الاحمدیہ ترقی کر رہے ہیں یا گر رہے ہیں۔

میں نے دیکھا ہے صدر انجمن احمدیہ کی شاخیں ہمیشہ چھ اور سات سو کے درمیان چکر کھاتی رہتی ہیں اور اس تعداد میں کبھی اضافہ نہیں ہوا۔ اس کی وجہ درحقیقت یہی تھی کہ کوئی ایسا محکمہ نہیں تھا جو اس امر کی نگرانی کرتا اور دیکھتا کہ انجمنیں کیوں ترقی نہیں کر رہیں۔ پس ہر سال ایک چارٹ تیار کیا جایا کرے اور پھر اس چارٹ پر شوریٰ میں بحث ہو کہ فلاں جگہ کیوں کمی آگئی ہے۔ یا فلاں جگہ جو زیادتی ہوئی ہے وہ کافی نہیں اس سے زیادہ تعداد ہونی چاہیئے تھی۔ یا اگر پچھلے سال خدام الاحمدیہ کے ایک ہزار ممبر تھے تو اس سال بارہ سو کیوں نہیں ہوئے؟ اس وقت دُنیا کی آبادی بڑھ رہی ہے اور احمدی بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑھ رہے ہیں۔ باہر سے آنے والوں کے ذریعہ سے بھی اور نسل کی ترقی کے ذریعہ سے بھی۔ پس خدام الاحمدیہ کی تعداد ہر سال پچھلے سال سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ اگر یہ چارٹ سالانہ اجتماع پر لگا ہوا ہو تو باہر سے آنے والے خدام کو بھی اس طرف توجہ ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد جب بیرونی مجالس میں توجہ پیدا ہو تو اس قسم کا چارٹ چھپوا دیا جائے۔ اس چارٹ میں مختلف خانے بنے ہوئے ہوں جن میں مجالس کی ابتدار سے لے کر موجودہ وقت تک کے تمام سالوں کی درجہ بدرجہ ترقی یا تنزل کا ذکر ہو۔ اگر تم ایسا کرو تو یقیناً تم کسی جگہ ٹھہرو گے نہیں .... یورپ اور امریکہ کے لوگ ان باتوں میں بڑے محتاط ہوتے ہیں۔

اور وہ بڑی صحت کے ساتھ اعداد و شمار بیان کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں گڑ بڑ کر دیتے ہیں اور بعض لوگ تو شاید گڑ بڑ کرنا ثواب کا موجب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان چیزوں کا نتیجہ الٹ ہوتا ہے۔ اور پھر اس کے نتیجہ میں جھوٹ کی بھی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر تم چارٹ بناؤ گے تو وہ تمہاری ترقی کے لئے بڑا محرک ہوگا۔ اور پھر دوسرے لوگوں کو بھی تمہارے کاموں کے ساتھ دلچسپی پیدا ہو جائے گی۔ اور انہیں بھی احساس ہوگا کہ تم ایک کام کرنے والی جماعت ہو۔"

اس کے بعد حضور نے دعا فرمائی اور یہ تقریب سعید خدا تعالیٰ کے فضل سے بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوئی۔ [1]

تحریک جدید کی نسبت اہم خطبہ

۱۷ ارفتح (۱۷ دسمبر) کو حضرت مصلح موعودؓ نے تحریک جدید کی نسبت ایک اہم خطبہ ارشاد فرمایا جس میں واضح کیا کہ تحریک جدید کوئی معمولی ادارہ نہیں بلکہ اسلام کے احیاء کی زبردست کوشش ہے اس لئے جماعت کے نوجوانوں کو پہلوں سے زیادہ قربانی کرنی چاہیئے اور جماعت میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ہونا چاہیئے جو تحریک جدید میں شامل نہ ہو۔ اس سلسلہ میں حضور نے تحریک جدید کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ:۔

" دُنیا بھر کو اسلام سے روشناس کرانا معمولی امر نہیں۔ ۱۳ سو سال میں مسلمانوں نے اس قدر کامیابی حاصل کی ہے کہ اس وقت ان کی آبادی دُنیا کی آبادی کا ایک چوتھائی ہے۔ بلکہ اب تو اسلام کو آئے قریباً ۱۴۰۰ سال ہو چکے ہیں اور ان چودہ سو سالوں میں ابھی دُنیا کی آبادی کا ¼ حصہ مسلمان ہوا ہے۔ ¾ حصہ ابھی باقی ہے۔ حالات کی تبدیلی اور مسلمانوں کی غفلت اور سستی کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ایک نیا سلسلہ قائم کیا ہے تا پرانے فرقوں سے جو سستی اور غفلت ہوئی ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔ اور ان کی جگہ ایک نیا فرقہ لے لے جو اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کی طرف پہلے فرقوں سے زیادہ توجہ دے۔ تا پہلی سستی اور غفلت کا ازالہ ہو اور دُنیا کی آبادی کا بقیہ ¾ حصہ بھی اسلام کے نور سے حصہ پائے۔ اور یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اس کے لئے جتنی بھی قربانی کی جائے کم ہے۔ خصوصاً ہماری موجودہ

---

[1] ماہنامہ "خالد" ربوہ جنوری ۱۹۵۵ء / صلح ۱۳۳۴ ہش ص۷ تا ۹

تعداد کے لحاظ سے تو یہ کام بہت زیادہ ہے۔ ابھی تک دُنیا میں ایک ارب اسّی کروڑ ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو یا تو اسلام سے متنفر ہیں یا اس کے دشمن ہیں۔ کم ازکم ان میں سے ایک حصّہ ایسا ہے جن تک ابھی تک اسلام کے متعلق کوئی بات نہیں پہنچی .... اس وقت ایک بہت بڑا طوفان آیا ہوا ہے۔ اور محمّد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی روحانیت پر پردے ڈال دیئے گئے ہیں۔ اگر تمہارے سامنے وہ کتابیں رکھی جائیں یا نہیں پڑھ کر سنائی جائیں جو یورپ اور امریکہ میں اسلام کے خلاف لکھی گئی ہیں تو مَیں سمجھتا ہوں کہ ایک سنگدل سے سنگدل مسلمان کی بھی چیخیں نکل جائیں تم جس کی تعریف میں قصائد پڑھتے ہو۔ جس پر تم دن میں کئی بار درود بھیجتے ہو اس کو نہایت حقیر رنگ میں لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اسے اس قسم کی گالیاں دی جاتی ہیں کہ دُنیا کے کسی ذلیل سے ذلیل انسان کو بھی وہ گالیاں نہیں دی جاسکتیں۔ تم ایک معمولی آدمی کو گالیاں دیتے دیکھ کر غصّہ میں آجاتے ہو لیکن تم یہ خیال نہیں کرتے کہ اس شخص کے متعلق جسے تم اپنا ہادی۔ راہنما۔ آقا اور خدا کا فرستادہ سمجھتے ہو لوگوں کو اتنی غلط فہمیاں ہیں کہ حد ہی نہیں۔ آخر سب لوگ پاگل تو نہیں ہوگئے کہ وہ خواہ مخواہ محمّد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو گالیاں دیتے ہیں۔ ان میں سے بھی اکثر میں حیا اور شرافت پائی جاتی ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اصل حالات اور سوانح سے ناواقف ہیں۔ سینکڑوں سال مسلمان غافل رہے اور دشمن آپؐ کی شکل کو لوگوں کے سامنے نہایت بھیانک صورت میں پیش کرتا رہا۔ اور اب ان کے دلوں میں یہ بات جاگزیں ہوگئی ہے کہ محمّد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم انسانیت کے شدید دشمن ہیں ....۔ جو یورپین لوگ مسلمان بھی ہوجاتے ہیں ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈالنے میں کافی عرصہ لگ جاتا ہے کہ محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مسیح علیہ السّلام سے افضل ہیں۔ اور آپؐ کو خدا تعالےٰ نے جو شان عطا فرمائی ہے وہ مسیح علیہ السّلام کو عطا نہیں فرمائی۔ پتھر کی لکیر کا بدلنا آسان ہے لیکن محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی دشمنی کو ان کے ذہنوں سے نکالنا بہت مشکل ہے۔ اس کے لئے جتنی قربانی بھی کی جائے کم ہے۔ پس تم اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو اور اپنی قربانی کو اس کے مطابق بناؤ تا تمہارے کاموں میں برکت ہو۔ جو مدّعا اور مقصد تم نے اپنے سامنے رکھا ہے وہ بہت بڑا ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ کسی ملک میں مبلّغ بھیج دیا تو کام ہوگیا۔ لیکن تم یہ نہیں سمجھتے کہ اس کے پاس تبلیغ کے لئے کتنا وقت

ہے۔ اتنے وسیع ملک میں وہ اکیلا کیا کر سکتا ہے.......

امریکہ کی آبادی ۱۷ کروڑ کی ہے۔ فرض کرو وہاں ایک لاکھ شہر اور قصبات ہیں تو اب اگر ہر شہر اور قصبے میں ہمارا ایک آدمی ہو تب تو کوئی حرکت پیدا ہو سکتی ہے۔ اگرچہ مبلغین کی یہ تعداد بھی کافی نہیں۔ لیکن اگر دو دو ہزار میل پر مبلغ بیٹھا ہو اور اس کے پاس لٹریچر بھی نہ ہو تو لوگوں کی توجہ اس کی طرف کیسے ہو سکتی ہے۔ ہم تو ابھی تک ابتدائی کام بھی نہیں کر سکے۔ لیکن اصل کام یہ ہے کہ ہم لٹریچر کو تمام دنیا میں پھیلا دیں۔ تا کہ مخالفین کے حملوں کا جواب دیا جا سکے۔ لٹریچر کا اس قدر اثر ہوتا ہے کہ ہمارے ایک مبلغ ابھی سوئٹزرلینڈ سے آئے ہیں وہ مجھے ملنے کے لئے آئے۔ تو میں نے ان سے پوچھا کہ ان کی کوششوں کا کیا نتیجہ نکلا ہے؟ انہوں نے کہا آدمی تو بہت تھوڑے ہماری جماعت میں داخل ہوئے ہیں۔ یعنی ابھی تک صرف دس بارہ آدمی اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ مگر ہم اصل کام اس کو نہیں سمجھتے۔ بلکہ اصل کام ہم اس کو سمجھتے ہیں کہ پہلے یورپین لٹریچر میں خلافِ اسلام باتیں شائع ہو جاتی تھیں تو ان کا کوئی جواب دینے والا نہیں ہوتا تھا۔ پھر ایک وقت آیا کہ ہم ان باتوں کی اصلاح کرنے لگے۔ لیکن کوئی اخبار ہمارا مضمون شائع نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس اخبار تک یہ خبر ضرور پہنچ جاتی تھی کہ اس ملک میں اسلام کے حق میں لکھنے والے بھی موجود ہیں۔ لیکن اب اس حد تک کامیابی ہو چکی ہے کہ اخبارات ہمارے جوابات بھی شائع کر دیتے ہیں۔ اور یہ اخبار لاکھوں کی تعداد میں چھپتے ہیں۔ اس طرح ہماری آواز لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔ بلکہ اب اخبارات اسلام سے تعلق رکھنے والے مضامین اشاعت سے پہلے ہمارے پاس بھیج دیتے ہیں کہ آپ اگر کوئی رائے دینا چاہیں تو دے دیں۔ غرض دس بارہ آدمیوں کا مسلمان ہو جانا تو کوئی بڑی کامیابی نہیں۔ اصل کامیابی یہ ہے کہ ملک کے رہنے والوں کو یہ پتہ لگ گیا ہے کہ اگر یہاں اسلام کے مخالف موجود ہیں تو اس کے مؤید بھی چاہے وہ کتنی کم تعداد میں ہیں۔ موجود ہیں۔ لیکن اگر لٹریچر پھیل جائے تو اس سے بھی زیادہ اثر ہو۔

پس تحریک جدید کوئی معمولی ادارہ نہیں بلکہ اسلام کے احیاء کی کوششوں میں سے ایک زبردست کوشش ہے۔"[1]

---

[1] روزنامہ "الفضل" لاہور ۲۲ر دسمبر ۱۹۵۴ء / فتح ۱۳۳۳ ہش صفحہ ۴-۵۔

فصل دوم

جلسہ سالانہ قادیان و جلسہ سالانہ ربوہ ۱۹۵۴ء/۱۳۳۳ہش

اس سال بھی ۲۶ - ۲۷ - ۲۸ دسمبر ۱۹۵۴ء کو قادیان دارالامان اور ربوہ میں سالانہ جلسے منعقد ہوئے جن کے مختصر کوائف درج ذیل ہیں :-

جلسہ قادیان

جلسہ قادیان کے لئے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹر لاہور کو قافلہ پاکستان کا امیر مقرر فرمایا اور ان کے ہاتھ حسب ذیل پیغام ارسال کیا :-

"جماعت احمدیہ ہندوستان - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ -

اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کی مدد کرے اور آپ اپنے پاؤں پر کھڑے ہی اپنے ضرورتوں پر غور کریں اور اپنی مشکلات کے حل سوچیں اور اپنے مستقبل کے لئے پروگرام تجویز کریں یاد رکھیں کہ یہ زمانہ سخت ابتلاؤں کا ہے قوم پر قوم چڑھ رہی ہے اور ملک ملک کے خلاف کھڑا ہے۔ آپ کو امن کے قیام کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔ اس لئے وہ کام کریں جن سے امن پیدا ہو اور وہ جماعت پیدا کریں جس کو خدا تعالیٰ پر اعتقاد ہو اور بندوں کی محبت سے بھی سرشار ہو۔ جو خالق اور مخلوق کے درمیان ایک پل کا کام دے آمین ثم آمین۔ خاکسار

مرزا محمود احمد ۲۳/۱۲/۵۴ء"[1]

حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ ناظر اعلیٰ و امیر مقامی نے جلسہ کا افتتاح دعا سے کیا اور پھر حضور انور کا ولولہ انگیز پیغام پڑھ کر سنایا۔ جلسہ کے کل چھ اجلاس ہوئے جن سے حسب ذیل فاضل مقررین نے خطاب کیا :-

۱- مولوی بشیر احمد صاحب مبلغ دہلی (۱) "ذکر حبیب" ۔ (۲) "اسلامی تمدن"

---

[1] اخبار "بدر" قادیان ۷ جنوری ۱۹۵۵ء (۷ ماہ صلح ۱۳۳۴ہش) صفحہ ۱

۲۔ مولوی محمد سلیم صاحب فاضل سابق مبلغ بلادِ عربیہ۔ (۱۔ "بھارت کی ترقی کس طرح ہوسکتی ہے"
۲۔ "جماعتِ احمدیہ کی بین الاقوامی حیثیت")

۳۔ گیانی مرزا احمد حسین صاحب مبلغ سلسلہ (۱۔ "وہی ہمارا کرشن" ۲۔ "وہی ہمارا نانک")

۴۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل وکیل یادگیر (سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۵۔ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے مؤلف "اصحاب احمد" (جماعت کا غیر مسلموں سے سلوک)

۶۔ حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری ناظر تعلیم و تربیت۔ (جماعت احمدیہ اور دیگر فرقوں میں فرق)

۷۔ مولوی شریف احمد صاحب امینی مبلغ بمبئی۔ ("جماعت اسلامی کے غیر اسلامی مسلک")

۸۔ سید اختر احمد صاحب اورینوی پروفیسر پٹنہ کالج ("دنیا کی اقتصادی مشکلات کا حل")

۹۔ ابوالمنیر مولوی نورالحق صاحب پروفیسر جامعۃ المبشرین ربوہ۔
("حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض و غایت")

تقسیمِ ملک کے بعد یہ سب سے زیادہ پُر رونق جلسہ تھا جس میں ہندوستان سے تقریباً پونے تین سو احباب تشریف لائے اور قافلہ پاکستان کے ۱۵۵ احمدیوں نے شرکت کا اعزاز حاصل کیا علاوہ ازیں سینکڑوں غیر مسلم بھی شامل جلسہ ہوئے۔ خواتین کا جلسہ مردانہ جلسہ گاہ سے متصل مکان میں ہوا جہاں مردانہ پروگرام کا اکثر حصہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سنایا گیا۔ قدوسیوں کی پیاری بستی جس طرح خاص طور پر جلسہ کے ایام میں دعاؤں سے معمور اور معطر ہو جاتی ہے اس کے ایمان افروز مناظر اس مرتبہ بھی دیکھنے میں آئے۔ بیت الدعا، مسجد اقصیٰ، مسجد مبارک اور مزار حضرت مسیح موعودؑ غرضیکہ ہر مقدس مقام پر شمع احمدیت کے پروانوں نے پُرسوز دعائیں کیں اور اپنے قیمتی لمحات کو زیادہ سے زیادہ ذکر الٰہی کے لئے وقف رکھا۔ ایام جلسہ میں نظارت بیت المال قادیان کی طرف سے شوریٰ بھی منعقد ہوئی جس میں چندوں کے اضافہ کے ذرائع پر غور کیا گیا۔ نیز ۲۸ دسمبر کی شب کو مسجد مبارک میں ایک اور خصوصی جلسہ ہوا جس مولوی محمد اسماعیل صاحب وکیل یادگیر اور چودھری اسد اللہ خان صاحب نے سلسلہ احمدیہ کیلئے اموال خرچ کرنے کی پُرجوش تحریک فرمائی۔ اسی دن سردار گوپال سنگھ صاحب باجوہ نے کوٹھی دارالسلام میں بعض پاکستانی اور بھارتی احمدیوں نیز مرکز قادیان کے عہدیداران کو عصرانہ دیا۔ اس تقریب پر ضلع گورداسپور کے ایک پرانے کانگرسی لیڈر

پنڈت گورکھ ناتھ صاحب ایم ایل۔اے اور اکالی لیڈر گیانی لابھ سنگھ صاحب فخرِ "دارالانوار" قادیان) نے اپنی تقریروں میں درویشانِ قادیان کے نیک نمونہ، تعاون اور رواداری سلوک کی بہت تعریف کی۔ بعدازاں چودھری اسداللہ خان، سیّد اختر احمد صاحب پروفیسر پٹنہ کالج اور مولوی محمد سلیم صاحب نے غیر مسلم معززین کے جذبات و خیالات کو سراہا اور سردار گوردیال صاحب باجوہ کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اپنی روایات کے مطابق میل جول کا زریں موقع بہم پہنچایا تھا۔

قافلۂ پاکستان جو ۲۵ دسمبر ½۷ بجے شب پانچ بسوں پر وارد دارالامان ہوا تھا۔ احمدیت کے دائمی مرکز کی برکات سے مستفید ہو کر ۳۰ دسمبر کو بوقت نو بجے صبح قادیان سے روانہ ہوا۔ یہ قافلہ آتے وقت دارالانوار میں واقع کوٹھی ڈاکٹر حاجی خانصاحب کے پاس ٹھہرا تھا اور روانہ بھی یہیں سے ہوا۔ درویشوں نے اس کا استقبال بھی تکبیر اور اسلام و احمدیت زندہ باد کے نعروں کے ساتھ کیا اور الوداع بھی![1]

قافلۂ پاکستان کی واپسی کا نظارہ بڑا رقت انگیز تھا۔

جلسہ ربوہ اور حضرت مصلح موعودؓ کی پُرمعارف تقاریر

ٹھیک انہیں مبارک ایام میں قادیان کے دائمی مرکز کی طرح ربوہ دارالہجرت میں بھی سالانہ جلسہ کا انعقاد ہوا۔ اس جلسہ پر نہ صرف علماء سلسلہ کی ٹھوس علمی تقاریر ہوئیں بلکہ حضرت مصلح موعودؓ نے بھی تین بار خطاب فرمایا۔ (۱) افتتاحی تقریر (۲۶ دسمبر) (۲) مختلف اہم امور سے متعلق تقریر (۲۷ دسمبر)۔ (۳) "عالَمِ روحانی کے دفائن" کے موضوع پر تقریر (۲۸ دسمبر)۔

افتتاحی تقریر

حضور انور نے اپنی افتتاحی تقریر میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کے ماتحت ایک سال کے بعد پھر ہمیں اس لئے جمع ہونے کا موقع ملا ہے کہ خدا تعالیٰ کے حضور اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کا اقرار کریں اور اس کے سامنے اپنی عقیدت کا تحفہ پیش کریں اس نکتہ کی وضاحت کے بعد حضور نے نہایت دلنشیں اور اثر انگیز پیرایہ میں جماعت کو اس کی عظیم ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ جلسہ کے بابرکت ایّام کو خشوع اور خضوع اور ذکرِ الٰہی سے گذارنے کی ہدایت فرمائی اور اپنے لئے اور اسلامی ممالک کے لئے خصوصی دُعا کی تحریک کرتے ہوئے

---

[1] اخبار "بدر" قادیان ۷۔۱۴ جنوری ۱۹۵۵ء (صلح ۱۳۳۴ ہش)

ارشاد فرمایا کہ :-

"یہ وقت اسلام کے لئے نہایت نازک ہے اور مختلف اسلامی ممالک اس وقت خطرہ میں ہیں۔ انڈونیشیا ہے۔ خود پاکستان بھی ہے۔ شام ہے۔ مصر ہے۔ ایران ہے۔ یہ ممالک اس وقت ایک خطرہ کے دَور میں سے گذر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اُن کی حفاظت کرے۔ چار پانچ سو سال کی غلامی کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آزادی کا سانس لینے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ خدا کرے کہ یہ آزادی اُن کے لئے اور دین اسلام کے لئے مبارک ہو اور اُن کی مشکلات دُور ہوں اور وہ پھر دنیا میں اسی عزت کے مقام کو حاصل کریں جس عزت کے مقام کو کسی زمانہ میں انہوں نے حاصل کیا تھا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔"[1]

دوسری تقریر سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے دوسری ایمان افروز تقریر میں حسب دستور سابق سال کے اہم واقعات پر جامع تبصرہ فرمایا اور مختلف ضروری امور پر ضمناً روشنی ڈالی۔ یہ معرکہ آرا تربیتی تقریر جس میں ضمناً کئی بلند پایہ علمی مضامین بھی آگئے تھے انہی دنوں الفضل میں بالاقساط شائع ہوگئی تھی۔[2]

حضور نے تقریر کے شروع میں اپنی بیماری کا ذکر فرمایا جس کے بعد جلسہ سالانہ پر ملاقات رہائش اور لاؤڈ سپیکر کے انتظامات کو بہتر بنانے کی ہدایت فرمائی اور پھر تاکیدی نصیحت کی کہ پولیس رپورٹروں کی سہولت کے لئے ہر ممکن اہتمام کیا جائے اُن کے لئے اچھی جگہ بنائی جائے۔ انہیں ایسا موقعہ دینا چاہیئے کہ وہ تمہارا ایک ایک لفظ لکھیں جو تم نے تبلیغ کے سلسلہ میں کہے ہیں اور تمہیں خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ذریعہ سے تبلیغ کا راستہ کھول دیا ہے۔ پولیس افسر جلسہ میں آپ آتے ہیں اور لکھتے ہیں اور اوپر کے افسر اِن تقریروں کو پڑھتے ہیں۔ بہرحال وہ جتنا تمہارا ریکارڈ اوپر بھیجیں گے اتنا ہی تمہارے لئے مفید ہوگا۔ اور اتنی ہی تمہاری تبلیغ ہوگی۔ مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ اس دفعہ پولیس کی قریباً چالیس پچاس کی نفری آئی ہے اب یہ کتنی اچھی بات ہے کہ تمہارے لئے چالیس پچاس آدمی آگیا جو سننے پر مجبور ہے کیونکہ اس کی ڈیوٹی اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ سُنے اگر تمہاری باتیں

---

[1] اخبار "الفضل" ۷ر جنوری ۱۹۵۵ء / صلح ۱۳۳۴ہش صفحہ ۴۔

[2] "الفضل" ۱۱ تا ۱۵ و ۲۵ ر فروری ۲۷-۲۸ ر اکتوبر۔ ۱ تا ۳ ر نومبر ۱۹۵۵ء / ۱۳۳۴ہش۔

سچی اور اچھی ہیں تو اُن میں سے ہی ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جن کے دلوں پر وہ باتیں اثر کریں گی اور وہ صداقت کو قبول کر لیں گے۔

اس اہم ارشاد کے بعد حضور نے خواتینِ احمدیت کو مسجدِ ہالینڈ کے چندہ اور اسلامی پردہ کی طرف توجہ دلائی۔ بعد ازاں قاتلانہ حملہ کی تفصیلات بیان فرمائیں[۱]۔ تقریر کے دوسرے حصّہ میں حضور نے تحریک جدید کے عالمی نظامِ تبلیغ کی اہمیت و ضرورت واضح فرمائی۔ ستائیس اہم مقامات پر لائبریریاں قائم کرنے کا اعلان فرمایا۔ ہر شہر، ہر قصبہ، اور ہر گاؤں میں مساجد تعمیر کرنے کی تحریک فرمائی اور جماعت احمدیہ کو مؤثر رنگ میں تلقین کی کہ وہ اپنے علمی اور اخلاقی معیار کو بلند سے بلند تر کرے۔ اور محنت اور قربانی اور دیانت کو اپنا شعار بنائے۔

اس پُر زور اور پُر جوش تقریر کا ایک اقتباس جو تحریک جدید سے متعلق تھا بطور نمونہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"تم تھوڑے سے تھے جب تم دُنیا میں نکلے۔ اور تم نے نکل کر دُنیا سے یہ منوا لیا کہ اگر اسلام کی عزت رکھنے والی کوئی قوم ہے تو صرف احمدی ہیں۔ تم نے دُنیا سے منوا لیا کہ اگر عیسائیت کا جھنڈا زیر کرنے والی کوئی چیز ہے تو وہی دلیلیں ہیں جو مرزا صاحبؑ نے پیش کی ہیں۔ جب عیسائیت کانپنے لگی جب وہ تھرتھرانے لگی جب اس نے سمجھا کہ میرا مذہبی تخت مجھ سے چھینا جا رہا ہے اور یہ تخت چھین کے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیا جا رہا ہے تو تم نے کہا ہم اپنی مونچھیں نیچی کرتے ہیں۔ کیسی افسوس کی بات ہے۔ یہی تو وقت ہے تمہارے لئے قربانیوں کا۔ یہی تو وقت ہے تمہارے لئے آگے بڑھنے کا۔ اب جبکہ میدان تمہارے ہاتھ میں آ رہا ہے تم میں سے کئی ہیں جو پیچھے ہٹنا چاہتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو اس قسم کی عزت کا موقع اور اس قسم کی برکت کا موقع اور اس قسم کی رحمت کا موقع اور اس قسم کے خدا تعالےٰ کے قرب کے موقعے ہمیشہ نہیں ملا کرتے۔ سینکڑوں سال میں کبھی یہ موقعے آتے ہیں اور خوش قسمت ہوتی ہیں وہ قومیں جن کو وہ موقعے مل جائیں۔ اور وہ اس میں برکتیں حاصل کر لیں۔

نوجوانوں کو میں خصوصاً توجہ دلاتا ہوں کہ خدام کے ذریعہ سے تم نے بڑے بڑے اچھے کام کرنے شروع کئے ہیں۔ خدمت خلق کا تم نے ایسا عمدہ لاہور میں مظاہرہ کیا ہے کہ اس کے اوپر غیر

---

[۱] پچھلے باب میں یہ تفصیلات آچکی ہیں۔

بھی عش عش کرتا ہے۔ اور میں اُمید کرتا ہوں کہ تم روزانہ اپنی زندگیوں کو اس طرح سنوارتے چلے جاؤ گے کہ تمہارا خدمتِ خلق کا کام بڑھتا چلا جائے۔ لیکن یہ کام سب سے مقدّم ہے کیونکہ اسلام کی خدمت کے لئے تم کھڑے ہوئے ہو۔ اور اسلام کی تبلیغ کا دُنیا میں پھیلانا۔ یہ نا ممکن کام اگر تم کر دو گے تو دیکھو کہ آئندہ آنے والی نسلیں تمہاری اس خدمت کو دیکھ کر کس طرح تم پر اپنی جانیں نچھاور کریں گی۔ کیا آج تم میں سے کوئی شخص یہ خیال کر سکتا ہے؟ کیا آج ایشیا میں سے کوئی شخص خیال کر سکتا ہے؟ کیا آج افریقہ کا کوئی شخص خیال کر سکتا ہے؟ کیا آج امریکہ کا کوئی شخص خیال کر سکتا ہے! کیا آج چین اور جاپان کا کوئی شخص خیال کر سکتا ہے؟ یا شمالی علاقوں کا کوئی شخص خیال کر سکتا ہے کہ اسلام غالب آجائے گا اور عیسائیت شکست کھا جائے گی۔ کیا کوئی شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ ربوہ جو ایک کور دِہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ایک شور زمین والا جس میں اچھی طرح فصل بھی نہیں ہوتی جس میں پانی بھی کوئی نہیں۔ اس ربوہ میں سے وہ لوگ نکلیں گے جو واشنگٹن اور نیو یارک اور لنڈن اور پیرس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ تو یہ تمہاری حیثیت ہے کہ کوئی شخص نہ دشمن نہ دوست، یہ قیاس بھی نہیں کر سکتا کہ تم دُنیا میں یہ کام کر سکتے ہو۔ مگر تمہارے اندر خدا تعالیٰ نے یہ قابلیت پیدا کر دی ہے۔ تمہارے لئے خدا تعالیٰ نے یہ وعدے کر دیئے ہیں، بشرطیکہ تم استقلال کے ساتھ اور ہمت کے ساتھ اسلام کی خدمت کے لئے تیار رہو۔ اگر تم اپنے وعدوں پر پورے رہو۔ اگر تم اپنی بیعت پر قائم رہو تو خدا تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا تاج تم چھین کے لاؤ گے۔ اور تم پھر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے سر پہ رکھو گے۔ تم تو چند پیسوں کے اوپر ہچکچاتے ہو۔ مگر خدا کی قسم اگر اپنے ہاتھوں سے اپنی اولادوں اور اپنی بیویوں کو ذبح کرنا پڑے تو یہ کام پھر بھی سستا ہے۔

پس نوجوانوں کو یہ سوچ لینا چاہیئے کہ ان کے آباء نے قربانیاں کیں اور خدا کے فضل سے وہ اس مقام پر پہنچے۔ کچھ ان میں سے فوت ہو گئے اور کچھ اپنا بوجھ اٹھائے چلے جا رہے ہیں۔ میں نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ اب وہ آگے بڑھیں اور اپنی قربانیوں سے یہ ثابت کر دیں کہ آج کی نسل پہلی نسل سے پیچھے نہیں بلکہ آگے ہے۔ جس قوم کا قدم آگے کی طرف بڑھتا ہے وہ قوم ہمیشہ آگے کی طرف بڑھتی ہے۔ اور جس قوم کی اگلی نسل پیچھے ہٹتی ہے وہ قوم بھی پیچھے ہٹتی

شروع ہو جاتی ہے۔ کچھ عرصہ تک تمہارے بوجھ بڑھتے چلے جائیں گے۔ کچھ عرصہ تک تمہاری مصیبتیں بھیانک ہوتی چلی جائیں گی۔ کچھ عرصہ تک تمہارے لئے ناکامیاں ہر قسم کی شکلیں بنا بنا کر تمہارے سامنے آئیں گی۔ لیکن پھر وہ وقت آئے گا جب آسمان کے فرشتے اُتریں گے۔ اور وہ کہیں گے بس ہم نے ان کا دل جتنا دیکھنا تھا دیکھ لیا جتنا امتحان لینا تھا لے لیا۔ خدا کی مرضی تو پہلے سے یہی تھی کہ ان کو فتح دے دی جائے۔ جاؤ ان کو فتح دے دو اور تم فاتحانہ طور پر اسلام کی خدمت کرنے والے اور اس کے نشان کو پھر دُنیا میں قائم کرنے والے قرار پاؤ گے۔"[1]

تیسری تقریر تیسری تقریر "سیر روحانی" کے اہم علمی موضوع پر تھی جس سے قبل حضور نے حسب ذیل پانچ ضروری امور کا تذکرہ فرمایا:-

۱۔ اس سال مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے یہ سفارش کی تھی کہ مجلس لاہور نے چونکہ اس دفعہ غیر معمولی کام کیا ہے اس لئے اس سال اس کو باوجود دوم رہنے کے علم انعامی دیا جائے اور مجلس کراچی چونکہ پہلے ہی سے اچھا کام کرتی چلی آرہی ہے اس لئے اس کو نہ دیا جائے۔ لیکن حضرت مصلح موعودؓ نے علمِ انعامی کا مستحق مجلس کراچی ہی کو قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ:-

"اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ لاہور کی جماعت خدام الاحمدیہ نے اس سال بہت عمدہ کام کیا ہے اور اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ وہ ایک نیم مردہ سی جماعت تھی جس میں زندگی کی رُوح پھونک دی گئی اور اس خدمت کا سہرا اُن کے قائد محمد سعید اور اُن کے چار پانچ مددگاروں پر ہے جنہوں نے محنت کے ساتھ اُن کا ساتھ دیا اس مجلس کی تنظیم میں ان کا ہاتھ بٹایا۔ پچھلے سیلاب کے موقع پر انہوں نے غیر معمولی طور پر کام کیا اور پھر غیر معمولی طور پر اس کو دُنیا کے سامنے روشناس بھی کر دیا پس اس لحاظ سے وہ خاص طور پر تعریف کے قابل ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہم اگر نمبر بدل ڈالنے کی رسم ڈال دیں گے تو اس سے بجائے حوصلہ بڑھنے کے اعتراض پیدا ہوگا۔ ہمیں اُن کے اچھے کام کی مختلف مواقع پر تعریف کر دینی چاہئیے لیکن ساتھ ہی ہم کو یہ امر بھی مدّ نظر رکھنا چاہئیے کہ جو اوّل نمبر پر ہے اس کو اوّل نمبر ہی دیا جائے تاکہ آئندہ دوسرے کسی موقعہ پر کسی کی جنبہ داری یا کسی کی ناجائز تائید کا سامان پیدا نہ ہو۔ پس میں باوجود مجلس کی سفارش کے یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴-۵

لواءِ حسبِ قاعدہ جماعت کراچی کو دیا جائے۔ لیکن ساتھ اس کے میں لاہور کی جماعت کی تعریف بھی تمام دوستوں کے سامنے کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آئندہ ہر جماعت ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرے گی۔[۱]

(۲)۔ اس موقعہ پر حضور نے اکناف عالم سے آنے والے تہنیت اور دعاؤں کے برقیئے بھی سُنائے اور اس تعلق میں مندرجہ ذیل مخلصین کا بطورِ خاص ذکر کر کے اُن کی مساعی کو سراہا اور اظہار خوشنودی فرمایا:۔

سید شاہ محمد صاحب (سورابایا انڈونیشیا)۔ ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحب (جیسلٹن بورنیو) احمد سربڈو (جوگجاکرتہ انڈونیشیا)۔ سید عبدالرحمٰن صاحب[۲] (کلیولینڈ یونائیٹڈ اسٹیٹس امریکہ)۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب (کیمبرج۔ لنڈن)۔

(۳)۔ حضور نے سلسلہ کے اخبارات و رسائل (الفضل۔ بدر۔ ریویو۔ فرقان۔ خالد) کی اہمیت واضح کر کے ان کی توسیع اشاعت کی تحریک فرمائی۔ نیز کراچی کے "المصلح" اور لاہور کے "سول اینڈ ملٹری گزٹ" اور "ملّت" کی خریداری کی سفارش بھی کی اور بتایا کہ "ہماری پالیسی یہ ہے کہ حکومت کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ ہماری پالیسی یہ ہے کہ حکومت سے افتراق کو دُور کیا جائے اور ان کو ٹکڑے ہونے سے روکا جائے۔ یہی پالیسی ملّت اور سول کی ہے..... اور بھی کئی اخبار ہوں گے جو کہ اس طرح ہمارے ساتھ متفق ہوں۔ ہوسکتا ہے وہ شیعوں کے اخبار ہوں میں نے ایک شیعہ کا اخبار ایک دو دفعہ پڑھا ہے وہ بھی بڑا معقول پالیسی کا تھا اور اس میں بھی اتحاد اور اتفاق اور امن قائم کرنے والے مضمون تھے ...... ہوسکتا ہے کہ تمہارے علم میں کوئی اور اخبار ہو جو کہ ملک کے لئے مفید ہو، ہمارے لئے بھلی مفید ہو۔ مضر نہ ہو اور ہماری خواہ مخواہ مخالفت نہ کرتا ہو۔ پس ایسے اخباروں کو خریدو تاکہ روپیہ ان لوگوں کی جیبوں میں جائے جو تمہارا گلا کاٹنے کی فکر میں نہ ہوں۔"[۳]

۱۔ "الفضل" ۱۱ر جنوری ۱۹۵۵ء (۱۱ر صلح ۱۳۳۴ ہش) صفحہ ۲۔

۲۔ خلف حضرت سید عزیز الرحمٰن صاحبؓ بریلوی (وفات ۱۷ر جولائی ۱۹۳۶ء)

۳۔ اخبار "الفضل" ۱۲ر جنوری ۱۹۵۵ء / ۱۲ر صلح ۱۳۳۴ ہش صفحہ ۳

(۴) صدر انجمن احمدیہ کے چھ ناظر اور تحریک جدید کے دو وکلاء پنشنر تھے حضور نے یہ صورت حال جماعت کے سامنے رکھی اور تحریک فرمائی کہ

" نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ ادھر آنے کی کوشش کریں۔ اور کم سے کم جب تک نئے نہ آئیں اس وقت تک پنشنر ہی آتے رہیں۔ ۵۵ سال پر پنشن مل جاتی ہے وہ چار پانچ سال کی خدمت کر لیں۔"

(۵)۔ حضور نے ۱۹۵۳ء میں تحریک فرمائی تھی کہ لوگ اپنی زائد آمد پیدا کر کے سلسلہ کے لئے دیں تاکہ ان پر بھی بوجھ نہ ہو اور سلسلہ کی تبلیغی مشکلات دُور ہوں۔ حضور نے اس موقعہ پر اس اہم تحریک کی طرف جماعت کو دوبارہ توجہ دلائی اور عبدالعزیز صاحب مغلپورہ گنج لاہور۔ اور محمد خان ولد چوہدری نواب خان صاحب منصور آباد ضلع تھرپارکر کا نام لے کر بتایا کہ انہوں نے اس تحریک کے مطابق زائد کام کر کے آمد پیدا کی جو چندہ کے طور پر پیش کر دی ہے[1]

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ان اہم امور کا تذکرہ کرنے کے بعد "عالمِ روحانی کے دفاتر" کے موضوع پر معرکہ آرا تقریر فرمائی۔ جس میں قرآن مجید کی رُو سے بالخصوص مندرجہ ذیل روحانی حقائق پر سیر حاصل روشنی ڈالی:۔

عالمِ روحانی کے ڈائری نولیس اور ان کا اعلیٰ درجہ کا نظام۔ خدائی ڈکٹو فون، قیامت کے روز کانوں، آنکھوں، زبانوں، ہاتھوں، پاؤں اور جلد کی گواہی، عالمِ روحانی میں مجرموں کے فیصلہ کی نقول، مسلمانوں کے لئے خدا تعالیٰ کی عطا کردہ ایک دائمی مقدس جاگیر (بیت اللہ شریف)۔ ارضِ مقدس کی اسلامی جاگیر سے متعلق شرائط و قیود۔ فلسطین پر یہود کا عارضی قبضہ۔

حضور کی یہ ایمان پرور تقریر مندرجہ ذیل پیشگوئی پر ختم ہوئی:۔

" پھر مسلمان فلسطین میں جائیں گے اور بادشاہ ہوں گے لازماً اس کے یہ معنے ہیں کہ پھر یہودی وہاں سے نکالے جائیں گے اور لازماً اس کے یہ معنے ہیں کہ یہ سارا نظام جس کو یو۔این۔او کی مدد سے اور امریکہ کی مدد سے قائم کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے گا کہ وہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں اور پھر اس جگہ پر لا کر مسلمانوں کو بسائیں۔ دیکھو!! حدیثوں

---

[1] - الفضل ۱۶ ر جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ (۱۶ ر ماہ صلح ۱۳۳۴ہش)

میں بھی یہ پیشگوئی آتی ہے۔ حدیثوں میں یہ ذکر ہے کہ فلسطین کے علاقہ میں اسلامی لشکر آئے گا۔ اور یہودی اس سے بھاگ کر پتھروں کے پیچھے چھپ جائیں گے اور جب ایک مسلمان سپاہی پتھر کے پاس سے گزرے گا تو وہ پتھر کہے گا اے مسلمان خدا کے سپاہی! میرے پیچھے ایک یہودی کافر چھپا ہوا ہے اس کو مار۔ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تھی اس وقت کسی یہودی کا فلسطین میں نام و نشان بھی نہیں تھا۔ پس اس حدیث سے صاف پتہ لگتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیشگوئی فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ میں یہودی اس ملک پر قابض ہوں گے۔ مگر پھر خدا مسلمانوں کو غلبہ دے گا اور اسلامی لشکر اس ملک میں داخل ہوں گے اور یہودیوں کو چُن چُن کر چٹانوں کے پیچھے ماریں گے۔ پس عارضی میں اس لئے کہتا ہوں کہ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ[1] کا حکم موجود ہے مستقل طور پر تو فلسطین عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ کے ہاتھ میں رہنی ہے۔ سو خدا تعالیٰ کے عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْن محمد رسول اللہؐ کی اُمّت کے لوگ لازماً اس ملک میں جائیں گے نہ امریکہ کے ایٹم بم کچھ کر سکتے ہیں نہ ایچ بم کچھ کر سکتے ہیں نہ روس کی مدد کچھ کر سکتی ہے۔ یہ خدا کی تقدیر ہے یہ تو ہو کر رہنی ہے چاہے دُنیا کتنا زور لگا لے[2]

۱۔ الانبیاء : ۱۰۶۔

۲۔ "سیر روحانی" جلد سوم صفحہ ۵۲ – صفحہ ۵۳ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمٹیڈ ربوہ۔

فصل سوم

جلیل القدر صحابہؓ کا انتقال

اس سال کئی جلیل القدر صحابہؓ وفات پا گئے جن کا تذکرہ مع ان کے مختصر حالات کے ذیل میں کیا جاتا ہے :-

۱۔ حضرت خانصاحب ذوالفقار علیخاں صاحبؓ گوہر رامپوری (برادرِ اکبر علی برادران)

(ولادت اگست ۱۸۶۹ء - بیعت دسمبر ۱۹۰۰ء - وفات ۲۶ فروری ۱۹۵۴ء)

تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۱۶۸ میں آپ کے مختصر کوائف درج کئے جا چکے ہیں۔ آپ کے خود نوشت حالاتِ قبول احمدیت اخبار "الحکم" قادیان مورخہ ۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں شائع شدہ ہیں جو بہت روح پرور ہیں۔ ان میں سے کچھ حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے :-

آپ تحریر فرماتے ہیں "میں ۱۸۸۴ء سے اخبارات میں مضامین اور ناولوں کے ترجمے کیا کرتا تھا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بابت پہلی بار علم ہوا .... پہلا اخبار جو ہاتھ میں لیا "ریاض الاخبار" گورکھپور تھا تو حضرت مرزا غلام احمد کا خط بنام الیگزنڈر رسل ویب سفیر امریکہ مقیم فلپائن آئس لینڈ تھا۔ میں نے با آواز بلند خط پڑھنا شروع کیا اور اس کے تسخیر کرنے والے، دل پر چوٹ لگانے والے مضامین نے مبہوت و محو کر لیا۔ ہم تینوں نو عمر، میں ۱۹ سال اور باقی[1] دو ۱۷، ۱۷ سال کے نقشِ حیرت بنے ہوئے تھے۔ مضمون کے ختم ہونے پر کچھ دیر سکون رہا۔ آخر کار میں نے کہا "بھائیو! تم دونوں گواہ رہنا میں تصدیق کرتا ہوں

---

[1] فتحپور سوہ میں جہاں آپ کو پہلی بار حضور کا علم آپ کے کمرہ میں آپ کے چھوٹے بھائی حافظ نوازش علی صاحب اور آپ کے استاد حافظ سخاوت حسین صاحب بی۔ اے سیکنڈ ماسٹر کے چھوٹے بھائی امیر حسین بھی رہتے تھے۔ یہاں انہیں کیطرف اشارہ ہے۔

کہ یہ شخص مُصلح زمانہ آخر ہے۔ اَب نہ کوئی مہدی آنے والا ہے نہ مسیح۔ سید احمد خان بھی مُصلح نہیں ہیں مَیں مَر جاؤں تو تم گواہ رہنا۔"

"علی گڑھ کالج ۱۸۹۱ء[1] میں ایک بار شام کے وقت اپنے وطن کے ایک عربی کے استاد سے جو اسکول میں پڑھاتے تھے اور بورڈنگ میں رہتے تھے۔ مولوی خلیل احمد صاحب نام تھا۔ ملنے گیا وہ اور مولوی اسمٰعیل علی گڑھی کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ مرزا غلام احمد صاحب آئے اور یہ ہوا اور وہ ہوا۔ مَیں نے بات کاٹ کر پوچھا کہ پہلے مجھے بتا دیجئے کہ حضرت مرزا صاحب ہیں؟ کہ تشریف لے گئے؟ مولوی اسمٰعیل مجھے یہ بتا دیجئے متحیر ہو کر میری صورت دیکھنے لگا۔ مَیں نے کہا کہ مولوی صاحب جواب تو دیجئے تاکہ میں اپنے کام میں مصروف ہوں۔ آپ اپنا کام کریں۔ میرے لہجہ میں وہ تحکّم تھا جو کالج کے طلباء اسکول کے استادوں کے ساتھ جائز سمجھتے تھے اور چونکہ اس کی تقریر میں گستاخی تھی حضرت کی شان میں مَیں مشتعل ہو چکا تھا اُس نے گھبرا کر کہا کہ وہ آج چلے گئے۔ مجھے اس قدر صدمہ ہوا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا وائے شومئ تقدیر اور آگے کو چل پڑا اس روز سے میں نے ان سے کبھی بات نہ کی۔ کالج سے نکل کر ملازمت کی فکر دامن گیر ہوئی۔

اٹاوہ گیا اور کالج کا رنگ لے کر گیا۔ لیکچروں، نظموں اور کھیل و تفریح میں ایام گذاری کی۔ مولوی بشیر الدین صاحب مالک و ایڈیٹر "البشیر" اٹاوہ کے مکان میں ایک ضرورتِ خاص سے کچھ دن قیام پذیر رہا۔

ایک سادہ مزاج انسان، لباس صاف مگر سادہ، سانولا رنگ، چھریرہ جسم متبسّم چہرہ تشریف لائے۔ ایڈیٹر صاحب "البشیر" نے مجھ سے ان کا تعارف مستہزانہ لب و لہجہ میں کرایا۔ "آپ قادیانی ہیں تفضّل حسین صاحب شکوہ آباد ضلع مین پوری میں تحصیلدار ہیں" میں پہلے تو معمولی طریق سے کھڑے ہو کر مصافحہ کر کے خاموش بے تعلق سا بیٹھ گیا تھا مگر اس تعارف کے بعد مَیں کھڑا ہوا اور پھر نہایت ادب سے مصافحہ کیا اور عرض کیا۔ "حضرت مرزا صاحب کا احترام میرے دل میں بہت کافی ہے۔ عین سعادت ہے کہ آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔" ایڈیٹر صاحب کا چہرہ حیرت کی تصویر تھا۔ مُنہ کُھلا ہوا اور لب خشک۔ مجھے گھبرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے ان کی حیرت کی وجہ یہ تھی کہ مَیں اس شہر میں بہترین خوش تقریر اور حاضر جواب، شوخ طبیعت مشہور تھا۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ مَیں اس معاملہ میں بہت ستم ظریفی سے کام

---

[1] "فتح اسلام" (مطبوعہ ۱۸۹۱ء) صفحہ ۲۹ تا ۳۴ (حاشیہ) میں درج شدہ واقعہ مولوی صاحب موصوف ہی کا ہے۔

ٹونکا اور حضور اقدس کی شان میں خدا جانے کیا کیا نہ کہوں گا اب جو برعکس معاملہ ہوا تو وہ کھو گئے اور اس قدر ہمت نہ تھی کہ مجھ سے بحث کرتے۔ مولوی تفضل حسین صاحب مرحوم ومغفور رضی اللہ عنہ حضرت کے بہت پرانے صحابی تھے اور ان کا عشق سلسلہ کے ساتھ مجنونانہ رنگ رکھتا تھا حضرت اقدس علی گڑھ ان کی وجہ سے تشریف فرما ہوئے تھے جو اس زمانہ میں کم نظر آتا ہے بہت ہی محبت سے مجھ سے ملے اور فرمایا میرا گھر اسی شہر میں ہے کوئی شئے درکار ہو تو منگوا لیا کرنا۔ وہ وقت گذر گیا۔ پھر اُن سے ملاقات عرصہ تک نہ ہو سکی۔

۱۹۰۰ء میں اکتوبر میں تار پر حکم پہنچنے پر بھون گاؤں تحصیل میں نائب تحصیلدار ہو کر تین ماہ کے لئے گیا۔ تحصیلدار مولوی تفضل حسین صاحب تھے۔ ہم دونوں کو جو خوشی حاصل ہوئی وہ ہر احمدی اندازہ کر سکتا ہے تحصیل بہت بڑی تھی بارہ تحصیلوں سے حدود ملتے تین سال میں چھ ماہ کے لئے دو تحصیلدار دو نائب تحصیلدار رہتے تھے۔ اَب ہم صرف دو تھے ان کے پاس مقدمات کی یہ کثرت تھی کہ ساٹھ ساٹھ فیصلے روزانہ لکھ کر سُنا دیتے تھے۔ تحصیل کا سارا کام مجھ پر چھوڑ دیا تھا میں نے خدا کے فضل سے تین ماہ میں مال گذاری سب بے باق کرادی اور تمام عملے کا معائنہ کر کے ان کو دُرست کر دیا۔ رشوت کا بازار سرد پڑ گیا۔ حاکم پرگنہ ایک ٹھاکر تھے ان کو اس رقبہ کی روزانہ خبریں پہنچتی تھیں کیونکہ بڑا حصہ راجپوتوں کی زمینداری کا تھا۔ میرے بہت مداح تھے۔ میری مدت نومبر کے آخیر میں ختم ہوتی تھی مگر تحصیل میں چارج لیتے ہی بعد وقت کچہری تحصیلدار صاحب مرحوم نے ازالہ اوہام مجھے دیا اور کہا کہ ہمیں پڑھ کر سناؤ میں اُن کے مردانہ نشست میں رہتا تھا کیونکہ تنہا تھا۔ میرے لئے جو مکان تھا۔ اسے میں نے استعمال نہیں کیا۔ ازالہ اوہام دو تین دن میں ختم کر دی۔ یہ پہلی تصنیف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی جو میری نظر سے گذری۔ دعوئے مثیل ابن مریم پر اسی ریاض الاخبار نے ۱۸۹۱ء میں اعتراض کیا تھا میرے دل میں اُلجھن تھی کہ کسی سے پوچھوں مگر زمانہ نوعمری کا تھا۔ طالب علمی کی حیثیت۔ یو۔ پی میں کوئی ذکر و فکر بھی نہ تھا۔ کسی ملاقات میں میں نے ایک مرتبہ مولوی تفضل حسین صاحب رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا۔ انہوں

ا؎ رجسٹر بیعت میں آپ کا یوم بیعت ۱۷ اپریل ۱۸۸۹ء درج ہے۔ مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد ۲ طبع دوم ص۱۸۱۔۱۸۳۔

نے سورۂ مزمل کی آیت کریمہ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلاً ۔ دلیل پیش کی جرح پر کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے بلکہ کچھ چشمکیں ہو گئے۔ مجھے یہ خلش تھی۔ ازالہ اوہام کے مطالعہ نے تسکین کر دی اور بیعت کا سوال دل میں فوراً پیدا ہو گیا۔ میں نے استخارہ کیا۔ میرے دل میں پڑا کہ ان آیات کو خود قرآن پاک میں غور سے پڑھوں۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں نے شاہ عبدالقادرؒ کا مترجم قرآن شریف لے کر بڑی غور وخوض سے پڑھنا شروع کیا اور چند روز میں سورۂ مائدہ کے ختم ہوتے تک پوری تسلی ہو گئی۔ پھر میں نے ایک خط مزید احتیاط کے طور پر نظام الدین حسن صاحب شیخ بریلوی کی خدمت میں پہلی عقیدت خاندان چشتیہ کی بنا پر لکھا اور استدعا کی کہ آپ کو میں صاحب کشف سمجھتا ہوں آپ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کی تصدیق فرما کر اعلان کر دیں اور مجھے مطلع فرماویں کیونکہ حضرت اقدس کے استدلال کے آگے ٹھہرنا تعلیم یافتہ بے تعصب لوگوں کا محال سا نظر آتا ہے۔ اگر دعویٰ صحیح ہے تو ایسی نعمتِ عظمٰی سے محرومی مسلمانانِ عالم کو کیوں نصیب ہو۔ اگر خدانخواستہ دعویٰ غلط ہو تو ہم لوگوں کو بچنا چاہیئے۔ وہ جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی ایسی طاقت نہیں ہے کہ میں مرزا صاحب کے دعاوی لبطلان کروں۔ عند العقل بعض بعض باتیں قرآن کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب میں تکذیب وبطلان نہیں کرسکتا۔ میرے پاس یہ خط محفوظ تھا اور شاید اب بھی ہو۔ یہی الفاظ تقریباً ہیں۔ پس میرے فیصلے پر کوئی اثر نہ پڑا اب میں نے قصبہ بھوگاؤں میں تبلیغ شروع کر دی۔ شرفائے قصبہ کہنے لگے کہ تحصیلدار صاحب کے ماتحت لوگ محض اُن کے خوش رکھنے کے لئے عقیدت بدل لیتے ہیں بعد میں پھر ویسے ہی ہو جاتے ہیں اور ایک حکیم صاحب کی نظیر بھی پیش کی جو اٹاوہ کے تھے اور بعد میں فرخ آباد جاکر سلسلہ کے مخالف ہو گئے۔ میں نے اس کے مناسب جواب دیئے لیکن میں نے ایسے محسوس کیا کہ یہ اثر ان پر غالب ہے۔ استدلال کا جواب وہ کبھی نہ دے سکے۔ بعض لوگ متاثر تھے اس زمانہ کی نماز کی لذتیں آج تک یاد ہیں دل چاہتا تھا کہ اک اک گھنٹہ کا سجدہ کریں نماز کی بابت ہنوز علیحدگی کا حکم نہ تھا۔ اس لئے جلد باز اماموں کے پیچھے نماز پڑھنے سے کوفت ہوتی تھی سوائے جمعہ کے اور کوئی نماز ان کے پیچھے پڑھنا چھوڑ دی تھی ایک دن تحصیلدار صاحب مرحوم ومغفور نے فرمایا کہ بیعت کا خط کیوں نہیں بھیج دیتے ہو؟ میں نے کہا کہ میں تو بیعت کر چکا ہوں مبلغ بنا ہوا ہوں رسمی خط ابھی نہیں بھیجا ہے کسی مصلحت سے۔ فرمایا یہ تو نفاق ہے۔ مجھے اس لفظ سے بہت تکلیف ہوئی۔ میں نے

کہا کہ آپ اپنے اس عہدے سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں میری حالت کو نفاق سے اگر کوئی دوسرا تعبیر کرتا تو بہت سخت جواب پاتا۔ یہ کہہ کر میں اُٹھ کھڑا ہُوا اور اپنا اسباب ان کی مردانہ نشست سے اُٹھا کر اپنے مکان میں رکھ لیا۔ دوسرے دن صبح ہی کو انہوں نے معذرت کا پرچہ لکھا اور معافی کی خواہش کی۔ مَیں نے ان کے محسن ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے ادب و احترام سابق کو پیش کیا۔ وہ میرے پاس فوراً آگئے اور زبانی عذر کرنے لگے میں نے وجہ عدمِ تحریر خط بیعت ہنوز ان سے مخفی رکھی۔ جب آخر نومبر میں مدت قائم مقامی ختم ہو گئی مَیں نے اسی شب میں کہ صبح اس تحصیل کو چھوڑ رہا تھا ایک چو ورقہ خط اپنے مفصّل حال کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو لکھا اور عرض کیا کہ میرا ایمان ہے کہ حضور کا دعویٰ برحق اور صحیح ہے۔ مَیں ایسا ایسا گندہ دل اور بدافعال ہوں اور قوتِ توبۃ النصوح بھی نہیں رکھتا مجھے ڈر ہے کہ سلسلہ میں شامل ہو کر لوگوں کی ٹھوکر کا موجب نہ بنوں حضور مجھے سنبھال لیں تو دل و جان سے حاضر ہوں۔ شرف بیعت بخشا جاوے۔ حضور اقدس علیہ الف الف صلوٰۃ والسّلام نے قبولیتِ بیعت کا اظہار فرمایا اور استغفار، لاحول ولا قوۃ، درود شریف اور الحمد شریف کثرت سے پڑھنے کی ہدایت فرمائی اور لکھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو یہ خط لکھ کر مولوی صاحب مرحوم کو جو سات میل کے فاصلہ پر مصروف تحقیقات سرکاری تھے دے دیا اور عرض کیا کہ اس نے بیعت کو بدنام ہونے سے بچا لیا تھا حضرت کے اس آخری جملے کی بدولت صدہا نشان اس گنہ گار نے معیت ایزدی کے دیکھے ہیں جو خود افسانہ کا حکم رکھتے ہیں اور اب تک دن رات دیکھتا ہوں۔ یہ بیعت کا پروانہ آغاز دسمبر ۱۹۰۳ء میں ملا تھا۔ ۱۹۰۴ء میں گورداسپور دوران مقدمہ کرم دین میں حضور علیہ السلام کی دست بوسی اور زیارت نصیب ہوئی ۴۲ روز حضور کے دربار میں حاضر رہا۔ کئی درخواستوں کے مسترد ہونے پر جون ۱۹۰۴ء کو بہمراہی مولوی سیّد محمد سرور شاہ صاحب بٹالہ ریل کے ذریعہ قادیان شریف دارالامان حقیقی کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ ہے میری بیعت کی ابتداء۔"[1]

---

[1] "الحکم قادیان" ۷/ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۱۔

۲۔ الحاج ممتاز علی خاں صاحب صدیقی درویش قادیان

(ولادت قریباً ۱۸۸۹ء ——— وفات ۱۹ر جولائی ۱۹۵۴ء)

حضرت خانصاحب ذوالفقار علیخاں صاحب گوہر رامپوری کے فرزند ارجمند تھے۔ اپنے والد ماجد کے انتقال کے قریباً چار ماہ بعد قادیان میں رحلت کر گئے۔ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان نے آپ کی وفات پر درج ذیل مضمون سپرد قلم کیا:۔

"حاجی صاحب کو صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو اور آپ کے ایک بھائی ہادی علی خان صاحب مرحوم کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسّلام کے عہد مبارک میں (۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۷ء) میں مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان میں تعلیم کے لئے داخل کرا دیا تھا آپ ان خوش قسمت احباب میں سے ہیں جن کا نام رہتی دُنیا تک کے لئے حضورؑ کی کُتب میں محفوظ ہوگیا ہے۔ ایک نشان کے تعلق میں آپ گواہوں کے زمرہ میں شمار ہوئے چنانچہ اس نشان کے گواہوں میں حضرت مولوی نورالدینؓ (خلیفہ اوّل) حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب (خلیفة المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ۔ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ۔ حضرت قاضی امیر حسین صاحبؓ۔ حضرت سیّد ناصر شاہ صاحبؓ۔ حضرت حکیم فضل الدین صاحبؓ۔ بزرگ صاحب مولوی عبدالستار خانصاحب کابلیؓ اور حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ کے اسماء بھی مرقوم ہیں بعض طلباء کے نام بھی ہیں۔ ان میں "ممتاز علی" آپ ہی کا نام درج ہے۔ حضورؑ "حقیقة الوحی" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"(۷) ساتواں نشان۔ ۲۸ر فروری ۱۹۰۷ء کی صُبح کو یہ الہام ہوا۔ سخت زلزلہ آیا اور آج بارش بھی ہوگی۔ خوش آمدی نیک آمدی۔ چنانچہ یہ پیشگوئی صُبح کو ہی قبل از وقوع تمام جماعت کو سنائی گئی اور جب یہ پیشگوئی سُنائی گئی بارش کا نام و نشان نہ تھا اور آسمان پر ایک ناخن کے برابر بھی بادل نہ تھا اور آفتاب اپنی تیزی دکھلا رہا تھا اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ آج بارش بھی ہوگی۔ اور پھر بارش کے بعد زلزلہ کی خبر دی گئی تھی۔ پھر ظہر کی نماز کے بعد یک دفعہ بادل آیا اور بارش ہوئی اور رات کو بھی کچھ برسا اور اس رات کو جس کی صبح میں ۳ر مارچ ۱۹۰۷ء کی تاریخ تھی زلزلہ آیا جس کی خبریں عام طور پر مجھے پہنچ گئیں۔ پس اس پیشگوئی کے دونوں پہلو تین دن میں

پُورے ہو گئے۔"   (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۵۵)

مرحُوم کو تبرکات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ نُور ہسپتال میں جہاں آپ اپنی علالت کی وجہ سے مستقل طور پر ابتدا میں بطور کارکن اور جنوری ۱۹۴۲ء سے بطور مریض قیام رکھتے تھے اپنے کمرے میں علاوہ تبلیغی چارٹوں کے نہایت احتیاط کے ساتھ قریباً دو درجن مختلف تبرکات رکھے ہوئے تھے۔ لیکن آپ افسوس سے ذکر کرتے تھے کہ تقسیم ملک کے وقت کسی کے سپرد کئے کہ وہ مغربی پنجاب لے جائیں لیکن وہ ضائع ہو گئے۔

حاجی صاحب مرحُوم ابتداءِ زندگی میں بطور ڈسپنسر وغیرہ کام کرتے رہے ہیں۔ بیمار ہونے کے بعد نہایت عُسر کی حالت میں ان کا گذارہ ہوتا تھا۔ آپ نہایت تشکرانہ انداز میں حضرت مُصلح موعودؓ۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب (انچارج نور ہسپتال) اور محترم ڈاکٹر مرزا منوّر احمد صاحب (سب چارج نُور ہسپتال) کی عنایات مشفقانہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ یہ تنگی عرصہ درویشی میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی لیکن پھر بھی مالی خدمات سلسلہ میں گویا کہ اپنا پیٹ نہایت بُری طرح کاٹ کر کرتے تھے پہلے آپ نے ۱/۱۰ کی وصیّت کی ہوئی تھی۔ لیکن مئی ۱۹۵۲ء سے اسے بڑھا کر ۱/۸ کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ تحریک جدید میں بھی حصّہ لیتے تھے۔ اس وقت آپ کو صرف انتیس روپے ماہوار ملتے تھے جس میں سے حِصّہ وصیّت اور چندہ تحریک وضع کر کے اندازاً صرف -/۲۳ روپے کھانے پارچات اور دُودھ۔ نائی۔ دھوبی وغیرہ کے لئے بچتے تھے۔ اس سے ان کی مالی قربانی کی اہمیّت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس مریض کو اپنی مرض کی نوعیت کے باعث اعلیٰ غذا کی ضرورت ہے لیکن اس کے پاس معمُولی اخراجات ہی کے لئے بمشکل رقم ہوتی ہے جب وہ قربانی کرتا ہے تو وہ دوسرے ہزاروں روپیہ چندہ دینے والوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر قربانی کر رہا ہوتا ہے۔ ہزاروں روپیہ دینے والے اپنی بچت میں سے چندہ دیتے ہیں ان کی رہائش۔ پوشاک۔ غذا۔ اہل وعیال کی آسودگی۔ غرضیکہ بالعموم کسی چیز پر بھی ان چندوں کا اثر نہیں پڑتا لیکن ایک شخص کے پاس -/۲۳ روپے ہوتے ہیں کھانے کے لئے پندرہ روپے درکار ہیں اور نائی دھوبی صابن کے لئے تین روپے بقیّہ پانچ روپے میں سے ہی اس نے پارچات بنواتے ہیں۔ اپنی غذا دُودھ وغیرہ کا بھی خیال رکھنا ہے جو بالکل ناممکن ہے۔ ظاہر ہے جو بھی مالی خدمت سلسلہ کی وہ ایسی حالت میں کرتا ہے۔ دراصل بھوکا ننگا رہ کر اور فاقوں مَر کر اور موت سہیڑ کر کرتا ہے اور اسے یقین ہوتا ہے۔

کہ یہ چند روزہ زندگی تو گذر جائے گی دائمی زندگی کے لئے زادِ راہ بنانا ضروری ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر تکلیف سہیڑ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ اُحد کے برابر کی ہوئی قربانی کا وہ ثواب نہ ہوگا جو آج نہایت ہی قلیل قربانی کا ہے اور حضور کے اس ارشاد کی وجہ ایک طرف اس وقت اسلام کی بے انتہاء بے چارگی اور دوسری طرف قربانی کرنے والوں کی انتہائی غربت تھی اور وہ گویا بُری طرح فاقہ اختیار کر کے خدمتِ اسلام کرتے تھے اس لئے ان کی قربانی کا مقام نہایت ہی اعلیٰ وارفع اور قابلِ صد رشک تھا۔

حاجی ممتاز علی خاں صاحب کی قربانی کا بھی یہی رنگ تھا۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے اخلاص کو قبول فرمایا اور انجام بخیر ہوا۔ اور بہشتی مقبرہ ان کا مدفن ہوا۔ اس قربانی کی اور بھی زیادہ اہمیت ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ایک نہایت اعلیٰ خاندان کے فرد تھے آپ کے والد بزرگوار ہندوستان کے مایۂ ناز لیڈروں مولانا محمد علی صاحب اور مولانا شوکت علی صاحب کے برادرِ اکبر تھے۔ ان سب کی ذاتی وجاہت کے علاوہ بھی یہ خاندان رامپور میں ممتاز حیثیت کا مالک تھا۔

آپ کو بھی ۱۹۴۷ء میں مجبوراً ہجرت کرنی پڑی تھی لیکن پھر ۱۹۴۸ء میں واپس قادیان اس نیّت کے ساتھ آگئے تھے کہ قادیان ہی میں ان کو موت نصیب ہو آپ کی وفات ۱۹؍جولائی ۱۹۵۷ء کو ہوئی۔ اس روز تقریباً بارہ گھنٹے متواتر موسلا دھار بارش ہوئی اور پھر اگلے روز بھی قریباً پانچ گھنٹے بارش ہوئی۔ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۵۰ء کی بارشوں سے بھی یہ بارش بڑھ گئی اب تو نہ صرف ریل کی پٹری کی روک بھی تھی کہ اسے کاٹا نہیں گیا تھا اور بوہڑی صاحب کی طرف نہر بھی بن چکی ہے۔ باوجود اس کے شہر قادیان نہ صرف مضافات سے بلکہ باہر کے محلوں سے بھی منقطع ہو گیا تھا ریتی چھلہ سے ریلوے اسٹیشن اور نصرت گرلز اسکول تک پانی ہی پانی تھا اسی طرح بڑے باغ اور بہشتی مقبرہ میں بھی قادیان میں بہت سے مکانات گر پڑے۔ موضع رسول پور متصل قادیان کے باشندگان کو کوٹھوں پر پناہ لینی پڑی وہ چاہتے تھے کہ ریلوے لائن کے نیچے سے پانی گذرنے کے لئے زمین کاٹ دیں لیکن پولیس کی طرف سے اجازت نہیں ملی ایسی حالت میں کہ بہشتی مقبرہ کی قبروں کا ایک حصّہ پانی میں ڈوبا ہوا تھا قبر بنانا بہت مشکل تھا۔ چند جوان ہمّت دوستوں نے بند باندھ کر قطعہ میں سے پانی باہر نکالا اور بصد دقّت قبر کھودی۔ لحد بن نہیں سکتی تھی اس لئے .... پھٹے رکھ کر اسے بند کیا گیا۔ ۲۰؍جولائی کو گیارہ بجے قبل دوپہر محترم مولوی عبدالرحمٰن

صاحب جٹ امیر مقامی نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر پہ بعد تدفین محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے دُعا کرائی۔[۱]

۳۔ حضرت میاں فیروز دین صاحب سیالکوٹی ولد میاں گلاب دین صاحب

(ولادت قریباً ۱۸۷۷ء[۲] ـــــ بیعت ۱۸۹۲ء[۳] ـــــ وفات ۲۸ فروری ۱۹۵۴ء[۴])

آپ کے خاندان میں سب سے پہلے آپ کے دادا میاں نظام الدین صاحبؓ نے احمدیت قبول کی۔ آپ جماعت احمدیہ سیالکوٹ کے اُن خوش قسمت صحابہؓ میں سے تھے جنہیں جنوری ۱۹۰۳ء کے سفر جہلم اور اکتوبر ۱۹۰۴ء کے سفر سیالکوٹ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی معیّت کا شرف حاصل ہؤا۔ سفر سیالکوٹ کے موقع پر آپ حضورؑ کے استقبال کے لئے گوجرانوالہ[۵] آگئے تھے۔

میاں صاحب موصوف نے ۱۵ جون ۱۹۳۹ء کو ایک بیان دیتے ہوئے فرمایا کہ:-

"میرے دادا صاحب کا نام میاں نظام الدین صاحب تھا جس زمانہ میں حضرت اقدس علیہ السلام یہاں ملازمت کے سلسلہ میں تشریف لائے تھے میرے دادا صاحب نے انکو محلہ سالو کھر میں مکان کرایہ پر لے کر دیا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے دادا صاحب سے ایک چھ ماشہ کی انگوٹھی بنوا کر بھی گھر بھیجی تھی میرے دادا صاحب کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گہرے تعلقات تھے۔ دادا صاحب کی وفات ۱۹۰۵ء میں ہوئی۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جس زمانہ حضرت اقدس یہاں ملازم تھے وہ اتوار کے روز بارہ پتھر میں جو عیسائیوں کا مرکز ہے کتابیں لے کر بحث مباحثہ کے لئے تشریف لے جاتے تھے جس مکان میں حضورؑ رہتے تھے صرف اس وقت لوگوں کو پتہ لگتا تھا جب کہ حضور کچہری میں تشریف لے جاتے تھے یا واپس آتے تھے۔ باقی وقت اندر ہی گذارتے تھے یہاں ایک حکیم منصب علی صاحب رہا کرتے تھے وہ حضرت صاحب سے ملاقات کے لئے جایا کرتے تھے ایک دفعہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ میں کیمیاگری جانتا ہوں اگر حضور چاہیں تو میں سکھانے کے لئے تیار ہوں۔ مگر حضورؑ نے فرمایا کہ یہ کیا بَلا ہے مجھے اس

---

[۱] ہفت روزہ "بدر" قادیان ۲۸ جولائی ۱۹۵۴ء صہ ۴ (مـ۱۱) ؛ [۲،۳] روایات صحابہؓ (غیر مطبوعہ) جلد ۱۰ صـ۱۲۷ ؛ [۴] ریکارڈ بہشتی مقبرہ الفضل ۷ نومبر ۱۹۵۴ء صـ۶ ؛
[۵] روایات صحابہ جلد ۱۰ صـ۱۲۸ تا صـ۱۳۱ میں تفصیل ملاحظہ ہو۔

کی ضرورت نہیں۔

جب حضور علیہ السّلام نے مسیحیت کا دعویٰ کیا تو میرے دادا صاحب نے کچھ عرصہ بعد حضور علیہ السّلام کی بیعت کر لی اور سارے خاندان کو کہا کہ میں ان کا اس زمانہ سے واقف ہوں جب کہ حضورؑ یہاں ملازم تھے۔ اس لئے آپ لوگ میرے سامنے بیعت کر لیں۔ یہ مُنہ جھوٹوں کا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ۱۸۹۲ء میں ہمارے سارے خاندان نے بیعت کر لی۔

سب سے پہلے ہمارے چچا میاں میراں بخش صاحب نے ہم تمام کی طرف سے بیعت کا خط لکھا۔ پھر ہم سارے قادیان گئے اور جا کر بیعت کی ۱۸۹۲ء کے جلسہ سالانہ میں جلسہ مسجد اقصیٰ میں ہوا تھا سیالکوٹ کی جماعت کو رہائش کے لئے مسجد مبارک میں جگہ ملی تھی کھانے کی ایک ہی دیگ تمام لوگوں کے لئے تیار کی گئی تھی۔ میٹھا پلاؤ پکایا گیا تھا۔

جس وقت حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے مجھے، میاں فیروزالدین صاحب، میاں میراں بخش صاحب حاجی فضل الدین صاحب اور میاں عبدالعزیز صاحب کو مسجد مبارک کی سیڑھیوں پر چڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ اب میں سمجھتا ہوں کہ سارا سیالکوٹ احمدی ہو گیا ہے جب کہ میاں نظام الدین کے خاندان کے افراد یہاں آ گئے ہیں۔[1]

آپ کے خلف الرشید حضرت بابو فضل الدین صاحبؓ ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ لاہور[2] کی روایت ہے کہ:-

"میرے والد محترم میاں فیروزالدین صاحب رضی اللہ عنہ مدفون بہشتی مقبرہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم جب پہلی مرتبہ ۱۸۹۶ء[3] میں قادیان گئے تو حضور کی دستی بیعت سے بھی مشرف ہوئے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی چونکہ والد محترم کے ہموطن تھے اس لئے اُن کے ساتھ بے تکلفی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہم حضرت مولوی صاحب موصوف کے ساتھ مسجد مبارک کے ساتھ ملحقہ کوٹھری میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد کا وہاں سے گذر ہوا۔ ہم نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ صاحبزادہ کہاں تعلیم

---

[1] روایات صحابہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۷ (غیر مطبوعہ)۔ [2] ولادت ۲۰ فروری ۱۸۹۶ء وفات ۱۲ ستمبر ۱۹۷۳ء۔ تاریخ احمدیت لاہور صفحہ ۲۰۴ ریکارڈ بہشتی مقبرہ۔ [3] یہ واقعہ ۱۸۹۲ء کا ہے۔ (ناقل)۔

حاصل کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ جہاں اس کا باپ تعلیم حاصل کرتا ہے![1]

۴۔ مرزا محمد احسن بیگ صاحبؓ راجستھان

(ولادت قریباً ۱۸۸۹ء ۔ بیعت ۲۰؍اگست ۱۹۰۲ء اندازاً[2] ۔ وفات ۵؍مارچ ۱۹۵۴ء)

مرزا محمد احسن بیگ صاحب مرزا اعظم بیگ صاحب کے پوتے تھے جن کے والد ماجد مرزا محمد بیگ صاحب کو حضرت مسیح موعودؑ کی بڑی بہن حضرت مراد بیگم صاحبہ کے ساتھ شادی کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے آپ کی وفات پر حسب ذیل نوٹ لکھا:۔

"مرحوم صحابی تھے۔ حضرت تائی صاحبہ[3] کی چھوٹی ہمشیرہ کے صاحبزادہ تھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو بہت عزیز تھے۔ بعض سفروں میں حضور اُن کو اپنے ہمراہ رتھ میں بٹھلاتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضور بٹالہ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو بٹالہ قادیان سڑک پر موضع اوآن بالمقابل وڈالہ گرنتھیاں کے قریب حضور کو پیشاب کی حاجت ہوئی اور مَیں نے پانی کا لوٹا بھر کر پیش کر دیا اور دوسری طرف مُنہ کرکے کھڑا ہو گیا۔ حضور ابھی فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ایک آوارہ سانڈھ حضورؑ پر حملہ آور ہونے کے لئے لپکا۔ میرے پاس لاٹھی تھی جو مَیں نے اس پر تڑا تڑ لگائیں اور وہ بھاگ گیا۔ اس سفر میں بھی مرحوم حضورؑ کے ہمراہ رتھ میں سوار تھے اور کوئی دو سال کی بات ہے کہ انہوں نے ایک خط میں اس واقعہ کی طرف اشارہ بھی کیا تھا۔ حضورؑ نے مرحوم کے پاس خاطر مجھے اُن کے پاس کام پہ بھیج دیا تھا جب بھی مَیں واپسی کا ارادہ کرتا مرحوم حضورؑ کی خدمت میں لکھ دیتے اور حضور کا ارشاد مجھے آتا میاں عبدالرحمٰن ہماری خوشی چاہتے ہو تو مرزا احسن بیگ کے پاس رہو۔ اس پر میں ٹھہر جاتا۔ کم و بیش چار سال تک ان کے پاس میرا قیام رہا۔ گو درمیان میں تھوڑے عرصہ کے لئے قادیان آنے کا موقعہ بھی ملتا رہا۔ ۴؍دسمبر ۱۹۰۷ء کو ایک چیتے نے مجھے زخمی کر دیا اور اس وجہ سے

---

[1] تاریخ احمدیت لاہور صفحہ ۲۰۴-۲۰۵ (از مولانا شیخ عبدالقادر صاحبؒ)۔ [2] الحکم ۲۴؍اگست ۱۹۰۲ء۔

[3] محترمہ حرمت بی بی صاحبہ اہلیہ مرزا غلام قادر صاحب مرحوم (برادرِ اکبر حضرت مسیح موعودؑ) حضرت مسیح موعودؑ کو ۱۹۰۰ء میں الہام ہوا۔ "تائی آئی" یہ الہام اس طور پر پُورا ہوا کہ آپ ۱۹۱۶ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرکے جماعت احمدیہ میں داخل ہو گئیں۔

مَیں وہاں سے واپس آگیا۔ مرحُوم کی عمر ۶۵ پینسٹھ برس کی ہوگی۔ مرحُوم کے خاندان کے سوا اس مقام پر کوئی احمدی نہیں ہے[1]۔

آپ کو حضرت مُصلح موعودؓ کی ذات مقدّس کے ساتھ گہرے دوستانہ تعلقات کا شرف حاصل تھا۔ حضورؓ نے ایک بار رؤیا میں دیکھا کہ آپ آئے ہیں۔ یہ خواب غیر معمولی رنگ میں کس طرح بہت جلد پوری ہوگئی؟ اس کا ذکر حضور ہی کے الفاظ میں پڑھیے۔ حضورؓ نے ۴ راپریل ۱۹۴۲ء کو مجلس عرفان کے دوران فرمایا:۔

"بعض دفعہ اللہ تعالےٰ ایمان کی مضبوطی کے سامان بہت جلد پیدا کر دیتا ہے۔ گذشتہ ۲ دو دن چونکہ بارش ہوتی رہی ہے۔ اس لئے مَیں بیٹھ نہ سکا۔ ہفتہ کے دن مغرب کی نماز کے بعد ہم یہاں بیٹھے اور مَیں نے دوستوں کو ایک رؤیا سُنایا تھا۔ مَیں نے کہا تھا کہ مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ مرزا احسن بیگ صاحب آئے ہیں اسی طرح پیر احسن الدین صاحب ڈپٹی کمشنر کے متعلق دیکھا کہ انہوں نے مجھے بُلا بھیجا ہے۔ مَیں نے اس کی تعبیر یہ کی تھی کہ کوئی احسن باتْ ظاہر ہونے والی ہے کہ خواب میں جب کسی شخص کے متعلّق دیکھا جائے کہ وہ آیا ہے تو اس سے مراد بعض دفعہ اس سے تعلق رکھنے والا کوئی واقعہ بھی ہوتا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ مَیں نے پچھلے ۳۰ تیس سال میں ایک دفعہ بھی مرزا احسن بیگ کو خواب میں دیکھا ہو مگر ادھر مَیں نے یہ رؤیا دیکھا اور ادھر دوسری صبح یہ اطلاع آئی کہ مرزا احسن بیگ صاحب کی بیٹی قادیان آتی ہوئی گاڑی میں گم ہوگئی ہیں۔ مرزا افضل بیگ صاحب اپنے لڑکے کے رخصتانہ کے لئے وہاں گئے تھے۔ اور وہ اُن کی لڑکی کو رخصت کرا کے لا رہے تھے کہ راستہ میں گاڑی کا وہ حِصّہ جس میں مستورات سوار تھیں ریلوے والوں نے وہ گاڑی سے کاٹ کر کسی اور گاڑی کے ساتھ لگا دیا اور وہ گاڑی دوسری طرف چلی گئی۔ پس مرزا احسن بیگ صاحب کا رؤیا میں آنا درحقیقت یہی تعبیر رکھتا تھا۔ پھر اُدھر یہ واقعہ ہُوا اور اِدھر آج رات ہی مجھے رؤیا میں یہ تمام نظارہ دکھا دیا گیا۔ اَب تو مرزا افضل بیگ صاحب آچکے ہیں۔ مگر مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ آ رہے ہیں اور نہ مجھے یہ معلوم تھا کہ کہاں یہ واقعہ ہُوا۔ مگر آج رات جب کہ مَیں نے ان کے لئے دُعا کی تو مجھے دکھا دیا گیا کہ اصل واقعہ یہ ہُوا ہے کہ ایک اسٹیشن پر ان کی گاڑی کٹ کر کسی اور طرف لگ گئی

---

[1] ہفت روزہ "بدر" قادیان ۷ راپریل ۱۹۵۴ء صفحہ ۴ کالم ۳۔

ہے اور جدھر وہ آرہے تھے اس کے بجائے مشرق کی طرف چلی گئی ہے۔ چنانچہ آج دوپہر دو بجے کے قریب ان کے محلہ کی ایک عورت ہمارے گھر میں آئی اور اس نے ذکر کیا کہ وہ لوگ رات ۲ بجے آگئے ہیں اور واقعہ یوں ہُوا تھا کہ ریلوے والوں نے گاڑی کا وہ حصّہ کاٹ کر ایک دوسری گاڑی کے ساتھ لگا دیا۔ جو آگرے کو چلی گئی۔ اس طرح مرزا افضل بیگ تو دہلی پہنچ گئے اور اُن کی بہو آگرے جا پہنچیں۔ مَیں نے بھی یہی دیکھا تھا۔ کہ گاڑی کٹ کر مشرق کی طرف چلی گئی ہے۔ اس طرح دونوں خوابیں پوری ہوگئیں۔ گاڑی کا کٹ جانا بھی پُورا ہوگیا اور مرزا احسن بیگ صاحب کا آنا بھی پُورا ہوگیا۔ کیونکہ اُن کی بیٹی آگرے سے مل گئی اور قادیان پہنچ گئی[1]۔

آپ حضرت مرزا ناصر علی صاحب کے داماد تھے۔ اُن کی بڑی بیٹی ممتاز بیگم صاحبہ پیر اکبر علی صاحب سے بیاہی گئیں اور دوسری بیٹی شریف بیگم صاحبہ آپ کے عقد میں آئیں۔

اولاد:۔ (۱)۔ مرزا اشرف بیگ صاحب

(۲)۔ زرینہ بیگم صاحبہ (۳)۔ سلیمہ بیگم صاحبہ[2]

(۴)۔ مرزا اطہر بیگ صاحب (بقیدِ حیات)۔ (۵)۔ ناصرہ بیگم صاحبہ

۵۔ حضرت مولوی مہرالدین صاحبؓ لالہ موسیٰ

(بیعت اگست ۱۸۹۴ء — وفات ۲۹/۳۰ مئی ۱۹۵۴ء[3])

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ۳۱۳ صحابہ کبار میں آپ کا نمبر ۲۰۴ ہے (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴۳)

آپ سلسلہ احمدیہ کے ممتاز بزرگ عالمِ دین حضرت مولانا برہان الدین صاحب جہلمی کے شاگردوں میں سے تھے۔ لالہ موسیٰ میں احمدیت کا بیج آپ ہی کے ہاتھوں بویا گیا۔ لالہ موسیٰ میں آنے والے احمدی مسافر اکثر آپ کے پاس ٹھہرتے تھے۔ اور آپ کمال محبّت اور شوق سے اُن کی خدمت بجا لاتے تھے اور

---

[1] اخبار "الفضل" قادیان ۱۲ راپریل ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔

[2] حضرت مصلح موعودؓ کے مذکورہ بالا بیان میں مرزا احسن بیگ صاحب کی جس بیٹی کی شادی کا ذکر ہے۔ وہ سلیمہ بیگم صاحبہ ہیں جو مرزا افضل بیگ کے فرزند مرزا ارشد بیگ صاحب کے ساتھ بیاہی گئیں۔

[3] الفضل ۱۶ رجون ۱۹۵۴ء صفحہ ۳۔

اپنوں اور بیگانوں میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے[1] آپ اپنے قبول احمدیت کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"میں لالہ موسیٰ میں گارڈ ٹنگ روم میں خانساماں تھا اور وہاں سے جہلم سودا لینے کے لئے جایا کرتا تھا۔ ۱۸۹۴ء میں حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی سے قرآن مجید پڑھا کرتا تھا۔ وہ اس وقت احمدی تھے۔ میں نے ان سے حضور کے دعویٰ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم آپ جاکر حضرت صاحب کو دیکھو اور اُن سے ملو کیونکہ تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی کو کہا جائے کہ یہ روپیہ کھرا ہے تو پھر وہ جاکر پتھر پہ مارتا ہے تاکہ کھرے کھوٹے کی شناخت کرے تو بہتر یہ ہے کہ تم پہلے جاکر آپ دیکھ لو اس کے بعد میں چار یوم کی رخصت لیکر قادیان حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مغرب کا وقت تھا۔ اور حضور مسجد مبارک کی چھت پر تشریف رکھتے تھے۔ اس وقت مسجد میں صرف چھ آدمی ہی بیٹھ سکتے تھے اور دو آدمی اس کی منڈیر پر بیٹھ سکتے تھے۔ مولانا حکیم فضل دین صاحب بھیروی نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ مہر الدین کی بیعت منظور فرمائیں۔ حضور نے فرمایا ابھی نہیں۔ حکیم صاحب نے پھر اصرار کیا کہ شاید پھر حضور کو فرصت نہ ملے مگر حضور اس پر خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ مولوی برہان الدین صاحب جو قادیان میرے آنے سے پہلے ہی آئے ہوئے تھے وہ بھی اس وقت پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا کہ حضور جیسا فرماتے ہیں وہی درست ہے۔ میرے خیال میں میری بیعت اس دن اس لئے نہ لی کہ دوسرے دن عبداللہ آتھم کی پیشگوئی کے پورا ہونے کی تاریخ تھی۔ چنانچہ دوسرے دن حضرت مسیح موعود علیہ السّلام غالباً ظہر کے وقت مسجد میں ایک کاغذ پر ایک مضمون لکھ کر لائے جسے حضور نے مسجد میں پڑھ کر سنایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ آتھم نہیں مرے گا کیونکہ اس نے حق کی طرف رجوع کر لیا ہے اور میں پُرخار جنگلوں میں چلوں گا نازک پاؤں والے جو میرے ساتھ نہیں چل سکتے وہ ابھی سے علیحدہ ہو جائیں[2]....

چار دن کے بعد قادیان سے واپس اپنے وطن چلا گیا۔ وہاں سے پھر میں تین چار ماہ کے بعد غالباً اگست میں قادیان آیا۔ میرے دل میں راستے میں بہت سے شبہات اُٹھتے تھے کہ جس کے پاس تم جاتے ہو وہ شاید ملے یا نہ ملے تو اس صورت میں تمہارے جانے کا کیا فائدہ؟ پھر میں نے

---

[1] الفضل ۲۰ جون ۱۹۵۴ء صفحہ ۵۔ [2] "انوار الاسلام" صفحہ ۲۳

بٹالہ سے پیدل چل کر تہر پہ نمازِ ظہر ادا کی۔ عصر کے وقت میں قادیان پہنچا۔ مجھے خیال آیا کہ میں مسجد مبارک میں جاؤں اور کسی واقف سے بات چیت کروں۔ اس لئے میں سیدھا مسجد مبارک میں آیا جب میں سیڑھیوں کے اوپر پہنچا تو دیکھا کہ حضور کھڑے ہیں۔ میں نے السّلام علیکم عرض کیا اور حضور نے مصافحہ کیا اور پیچھے ہٹ کر حضور اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کہاں سے آئے۔ اس وقت میرے راستے کے سارے شبہات مٹ گئے کیونکہ میں تو یہ خیال کرتا تھا کہ شاید حضور ملیں گے بھی یا نہیں۔ مگر یہاں پر اس کے برخلاف حضور مجھ سے شفقت کی باتیں کرنے لگے۔ حضور نے پوچھا کہ آپ اپنے وطن میں کیا کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ گارڈنگ روم میں خانساماں ہوں۔ حضورؑ نے وہاں کے کھانوں کی تفصیلات دریافت فرمائیں۔ اس کے بعد میں نے بیعت کے لئے عرض کی۔ حضورؑ نے فرمایا کہ آپ نے آگے بیعت نہیں کی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور نہیں۔ آپ نے مجھے واپس کر دیا تھا۔ حضورؑ نے اسی وقت میری بیعت منظور فرمائی.....

اس کے بعد میں پھر ایک دفعہ قادیان آیا یہ غالباً ۱۹۰۶ء کا ذکر ہے۔ قمرالدین صاحب جہلمی گھڑی ساز میرے ساتھ آئے تھے انہوں نے کہا کہ میں بیعت کرنے کے لئے آیا تھا اور اب میرا دل نہیں چاہتا۔ تو ہم نے ڈاکٹر عبداللہ کے ذریعے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ ملاقات کا کچھ وقت مل جائے۔ حضور علیہ السّلام نے عصر کے وقت ہمیں وقت عنایت فرمایا اور اندر مکان کے برآمدے میں بلوالیا۔ گرمی کا موسم تھا حضورؑ نے غرارہ پہنا ہوا تھا۔ ململ کا کرتہ تھا اور رومی ٹوپی تھی۔ حضورؑ نے فرمایا کہ کیا کہتا ہے۔ ڈاکٹر عبداللہ نے کہا کہ حضورؑ یہ قمرالدین کہتا ہے میں بیعت کرنے کے لئے آیا تھا اور میرا اب جی نہیں چاہتا۔ کیونکہ مجھے دل میں قبض ہوگئی ہے۔ حضورؑ نے اس پر فرمایا کہ ہاں ضرور قبض ہونی چاہیئے کیونکہ ایمان بازار سے نہیں ملتا کہ انسان پھر خرید لے گا مگر سوال یہ ہے کہ اگر یہاں سے یہ قبض لے کر جائیں گے تو اس میں اور بھی زیادتی ہوگی آپ کو چاہیئے کہ جب تک یہ کیفیت دُور نہ ہو یہاں سے نہ جائیں کیونکہ جب دُنیا کے کام بگڑ جائیں تو تم چھوڑ نہیں دیتے اس کے سنوارنے کی کوشش کرتے ہو اور یہ ایمان کا معاملہ ہے کیا تم اسے ایسا ہی چھوڑ دو گے یہ تو ٹھیک نہ ہوگا۔ ہم پروا نہیں کرتے کوئی بڑا سے بڑا عالم جب ہم قرآن پیش کرتے ہیں تو یا وہ اس کا جواب دے گا یا مان لے گا۔ دو ہی صورتیں ہیں اگر وہ جواب بھی نہ دے اور مانے بھی نہیں تو شرارت اس کی ثابت ہو جائے گی۔ اس پر مجھے بھی

ایک وہم ہُوا کرتا تھا کہ ہم قرآن کی آیت کسی عیسائی کے سامنے پیش کریں تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میرا قرآن پر ایمان نہیں۔ ہمارے لئے یہ اتمامِ حجت نہیں ہو سکتا اس وقت مرے وہم کا بس حضور نے ازالہ کر دیا حالانکہ شرم کے مارے میں نے سوال پیش نہیں کیا آپ نے اس تقریر کے ضمن میں یہ فرمادیا کہ ہم اس کی پروا نہیں کرتے کہ کوئی یہودی یا نصرانی ہو یا آریہ ہو اور وہ کہہ دے کہ قرآن ہمارے لئے حجت نہیں ہو سکتا کیونکہ ہمارا اس پر ایمان نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ وجہ بیان کرو جس سے تمہارا اس پر ایمان نہیں۔ اگر وجہ بھی بیان نہ کرسکو اور ایمان بھی نہ لاؤ تو اتمامِ حجت تم پر ہوگیا یا تم عذر کرکے اپنی بریت ثابت کرو یا پھر مان لو تو اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو اتمامِ حجت تم پر ہوگیا۔ اس کے بعد حضور اندر تشریف لے گئے اور ہم باہر آگئے۔

اس کے بعد ایک دفعہ عید کے موقع پر قادیان آیا (اس کا سن یاد نہیں) تو حضور نے مسجد اقصیٰ میں عید کے موقع پر فرمایا کہ میرے گاؤں کے جو لوگ ہیں ان کو دعوتِ جسمانی دی جائے اور اس کے بعد روحانی دعوت دی جائے۔ اس پر مولوی محمد احسن امروہوی اور مولوی نورالدین صاحب اُن کو سمجھانے کے لئے لگائے جائیں تو میں نے عرض کیا کہ حضور اس کے لئے مولوی محمد احسن امروہوی موزوں نہیں ہیں۔ مولوی برہان الدین جہلمی موزوں ہیں کہ وہ پنجابی میں تقریر کرتے ہیں۔ حضور علیہ السّلام نے میری اس تجویز کو منظور فرمایا اور مولوی برہان الدین صاحب جہلمی نے پنجابی میں تقریر کی۔ اس روز پچیس ۲۵ آدمی نے بیعت کی اس پر حضور بہت خوش ہوئے[1]

۶۔ حضرت میرزا محمد رمضان علی صاحبؓ پشاوری

(ولادت قریباً ۱۸۶۶ء ـ بیعت ۱۸۹۷ء ـ وفات ۱۸ جون ۱۹۵۴ء)

آپ نسباً فاروقی اور مذہباً شیعہ تھے۔ شروع جوانی میں ہی تکمیلِ دینیات کر کے صوفیاء کی صحبت اختیار کی۔ اصلاحِ نفس اور صفائی قلب کے واسطے مجاہدات کا آغاز کیا۔ کچھ عرصہ علمِ توجہ کی طرف بھی راغب رہے۔ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ اور حضرت مولانا غلام حسن خانؓ کے فیض تربیت اور شاگردی کا اثر تھا کہ آپ جماعت احمدیہ میں داخل ہوئے اور عبادات اور تقویٰ شعاری

---

[1] روایات صحابہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۱ - ۱۴۵۔

ہیں خوب ترقی کی۔ آپ کے اخلاقِ حسنہ، خاموش تبلیغ اور دعاؤں کے نتیجہ میں خدا کے فضل سے کئی سعید روحوں کو صداقت قبول کرنے کی توفیق ملی[۱] چنانچہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب فاروقی قاضی خیل ہوتی ضلع مردان سابق امیر جماعت سرحد تحریر فرماتے ہیں :۔

"آپ کے توسّط، تبلیغ اور صحبت صالح سے آپ کے خالہ زاد بھائی محترم نذر علی خان صاحب میرزا یوسف علی خانصاحب اور میرزا رجب علی خان صاحب پسران مرزا تو روز علی خان صاحب کشمیری محلہ چڑدہ کوہان پشاور ۱۹۰۲ء میں احمدی ہوئے اور محترم میرزا نذر علی مرحوم نے شیعہ مذہب کی تردید میں کثرت سے مضامین اور رسائل شائع کئے۔ آپ کے توسّط سے میرزا شبیر علی خان خلف میرزا رجب علی خان صاحب ساکن کوچہ گل بادشاہ شہر پشاور جو سوات لیوی میں جمعدار تھے۔ اور شیعہ سے احمدی ہوئے۔ میرزا محمد سلطان صاحب اور میرزا محمد شریف خان اور صوفی محمد اسمٰعیل صاحب احمدی ہوئے۔ حضرت میرزا رمضان علی صاحب فطرتاً نہایت حلیم الطبع، بُرد بار، صوفی منش، مرنجان مرنج انسان تھے تہجد خوان، پرہیز گار، خیر خواہ اور ہمدرد تھے۔ قرآن کریم کی تلاوت کا بڑا شوق تھا۔ محترم میرزا نذر علی خان بھی خوش الحان اور ذوق و شوق سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے آپ کی مجلس میں کشوف و رؤیا اور الہام کا تذکرہ رہتا اور خود بھی صاحب کشف و الہام تھے۔ اکثر دعاؤں میں لگے رہتے مستجاب الدعوات تھے ...... آپ نے احمدیت کی وجہ سے .... ہر طرح کی اذیت صبر و تحمل سے برداشت کی آپ کو صوفیت اور صوفیاء سے انس رہا۔"[۲]

آپ کا جنازہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب نے پڑھایا اور آپ کو پشاور کے احمدیہ قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اولاد:۔ (۱) میرزا عبدالواحد صاحب مرحوم۔ (۲) میرزا عبداللہ جان صاحب مرحوم[۳]۔ (۳) میرزا نثار احمد صاحب[۴]

---

[۱] غیر مطبوعہ مکتوب میرزا نثار احمد صاحب فاروقی پشاور (۱۵ اپریل ۱۹۶۳ء)۔ [۲] تاریخ احمدیہ سرحد صفحہ ۲۳۔ ۲۴ (از حضرت قاضی محمد یوسف صاحب امیر جماعت احمدیہ سرحد) مطبوعہ منظور عام پریس پشاور۔ [۳] یہ دونوں غیر شادی شدہ فرزند آپ کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے مگر آپ ہمیشہ راضی بقضا رہے اور نہایت صبر و شکر سے یہ صدمات برداشت کئے۔ [۴] موصوف بقید حیات اور صاحب اولاد ہیں۔ آپ کو جلسہ سالانہ اور بعض مرکزی اجتماعات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فارسی کلام سنانے کے کئی مواقع میسر آئے۔

۷۔ حضرت حکیم محمد حسین صاحبؓ "مرہم عیسیٰ"

(ولادت قریباً ۱۸۶۹ء[۱] ۔ بیعت ۱۸۹۲ء[۲] ۔ وفات ۲۸ / اکتوبر ۱۹۵۴ء[۳])

آپ سلسلہ احمدیہ کے پُرجوش مبلّغ تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے زمانہ مبارک میں آپ کی تبلیغ سے کئی لوگ احمدی ہوئے۔ آپ کو ۳۱۳ اصحاب میں شمولیت کا فخر بھی حاصل تھا حضور اقدس علیہ السّلام نے ضمیمہ "آئینہ کمالاتِ اسلام" اور ضمیمہ "انجام آتھم" کی فہرستوں میں آپ کا نام بالترتیب نمبر ۲۵۰ اور نمبر ۱۷۲ پر درج فرمایا ہے

آپ لاہور کے بہت بڑے رئیس خاندان میں سے تھے۔ آپ کے مورث اعلیٰ شاہان مغلیہ میں سے تھے۔ جن کو ایک زمانہ تک صوبہ پنجاب کی حکومت کا کام سپرد تھا حکیم موصوف کے پردادا نواب الٰہی بخش صاحب تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی نواب محمد سلطان صاحب تھے۔ جن کی لاہور میں سرائے سلطان لنڈا بازار اور کوچہ سلطان وغیرہ مشہور جگہیں ہیں حکیم صاحب موصوف کے والد بزرگوار حضرت میاں چراغ الدین صاحب رضی اللہ عنہ حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے اولین صحابہ میں سے تھے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے والد بزرگوار بھی پنجاب کے نامور رئیسوں میں سے تھے۔ سرکار انگریزی کے عہد حکومت میں جب پنجاب کے بڑے رؤسا کو کسی تقریب کے لئے سرکاری طور پر لاہور بلایا جاتا تھا تو وہ رؤسا نواب محمد سلطان صاحب مرحوم کے رئیس خانہ میں جو لاہور ریلوے سٹیشن کے سامنے واقع تھا (جہاں آجکل برگنزا ہوٹل ہے) رہا کرتے تھے۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے والد بزرگوار کو میاں محمد سلطان صاحب مرحوم سے دوستی اور محبّت کا تعلق تھا۔ جب کبھی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام بچپن میں اپنے والد کے ہمراہ رئیس خانہ میں تشریف لاتے تو وہ ہمیشہ میاں چراغ الدین صاحب (جو میاں محمد سلطان صاحب مرحوم کے بھائی کے پوتے تھے) اور میاں فیروز الدین صاحب (جو میاں محمد سلطان کے متبنّیٰ تھے) کے ساتھ مل کر خدا کی محبّت کے حصول کے ذرائع پر اور دینی امور پر باتیں کرتے۔ اور اکٹھے نمازیں پڑھا کرتے تھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو دونوں سے محبت تھی۔

---

[۱] ، [۲] طبّی مائۃ عامل ص۲ (مرتبہ حضرت حکیم محمد حسین صاحبؓ)

[۳] اخبار الفضل ۳۰ / اکتوبر ۱۹۵۴ء / ۳۰ / اخاء ۱۳۳۳ہش ۔

اور حضور کے دعوے پر حضرت میاں چراغ الدین صاحب مرحوم اور حضرت میاں فیروز الدین صاحب مرحوم نے حضورؑ کی بیعت بھی کر لی تھی۔ حضرت میاں چراغ الدین صاحب کئی بار بیان کیا کرتے تھے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام جب ان کے مکان پر فروکش ہوتے تو اکثر حضور ان سے یوں مخاطب ہُوا کرتے تھے کہ "میاں صاحب تو میرے بچپن کے رفیقوں میں سے نہایت پیارے رفیق ہیں جو خدا نے مجھے دیئے ہیں۔" وغیرہ۔ حضرت میاں چراغ دین صاحب بچپن سے ہی صوفی منش، سادگی پسند، مسکین طبع، نیک دل اور باخدا انسان تھے۔

حضرت حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ، حضرت میاں چراغ الدین صاحب رئیس لاہور کے پہلے اور سب سے بڑے لڑکے تھے۔ میاں چراغ الدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حکیم صاحب موصوف نے پیدائش کے بعد دو سال تک چلنا اور بولنا نہیں سیکھا تھا۔ جس کی وجہ سے میاں چراغ دین صاحب کو سخت تشویش تھی۔ جب حکیم صاحب کی عمر ۲ سال ہو گئی تو اتفاقاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کسی کام کے سلسلہ میں لاہور تشریف لائے اور میاں چراغ دین صاحب سے بھی ملے تو میاں چراغ دین صاحب حضرت اقدس کو گھر لے آئے اور اپنے بیٹے کو اٹھا کر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی گود میں ڈال کر عرض کیا کہ یہ بچہ نہ اب تک بولتا ہے اور نہ چلتا ہے حضورؑ اس کے لئے دُعا فرمائیں۔ چنانچہ حضورؑ نے ان کو گود میں لئے ہوئے لمبی دعا کی۔ اور اس کے بعد میاں چراغ دین صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ فکر نہ کریں انشاء اللہ یہ بچہ بڑا بولنے والا ہو گا۔ اور اپنی کثیر اولاد کی کئی نسلیں دیکھے گا۔ چنانچہ اس کے بعد بہت جلد آپ نے بولنا اور چلنا شروع کر دیا۔ آپ ساری عمر بلند آواز سے بولنے کے عادی تھے اور تبلیغ کرتے ہوئے کبھی تھکتے نہ تھے۔ خدا نے آپ کو اپنی اولاد کی چار نسلیں دکھلائیں جو آپ کی وفات کے وقت سینکڑوں کی تعداد میں تھی اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا فرمان حرف بحرف پورا ہُوا۔[1]

حضرت حکیم صاحب ۱۸۹۲ء میں داخل بیعت ہوئے اور حضرت مسیح موعودؑ کی ہدایت پر "مرہم عیسیٰ" کا اصل نسخہ تیار کر کے بڑی شہرت پائی اور "ملک بھر میں "مرہم عیسیٰ" ہی کے نام سے موسوم ہوئے۔ چنانچہ آپ اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں:۔

---

[1] الفضل ۲۸ دسمبر ۱۹۵۲ء صـ۴ (مضمون ماسٹر نذیر حسین صاحب چغتائی)۔

"اسی زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چرچا ہؤا تو ہم قادیان پہنچے۔ اور وہاں دینی علوم حاصل کرنے کا بہت بڑا موقع ملا۔ اور کئی مسائل میں شرح صدر حاصل ہوئی۔ اور اسی سلسلہ میں حضرت امام زمان کی بیعت میں داخل ہوگیا ۱۸۹۲ء کا ذکر ہے اس زمانے میں حضرت مولوی نورالدین صاحب نہایت ہی بے نظیر عالم اور بہت ہی بڑے ذیشان طبیب تھے۔ اور مجھے ان سے اتنی محبت ہوگئی کہ میں ہر وقت ان کے پاس ہی بیٹھنا پسند کرتا تھا۔ وہ دین اور طب کے علم میں سمندر تھے۔ اور ایک فرشتہ خصلت دلربا نہایت حسین سفید ریش۔ اور بہت ہی بڑے بزرگ تھے۔ وہ قرآن مجید کا درس ہمیشہ عصر کی نماز کے بعد دیا کرتے تھے۔ اور وہ درس اس قسم کا بے نظیر ہوتا تھا کہ میں نے اپنی ساری عمر میں ایسا درس کسی بڑے سے بڑے عالم کا بھی نہ سُنا تھا۔ میں بڑے بڑے دوسرے مولویوں کے درس میں بھی جایا کرتا تھا مگر جو معارف اور حقائق حضرت سیدنا نورالدین اعظم کے درس میں تھے وہ کہیں بھی نہ پائے جاتے تھے۔ میں اپنی عادت کے مطابق زور سے سلام علیکم کہا کرتا تھا۔ اور میرے ہاتھ بڑھانے سے حضرت استاذی بھی نہایت محبت سے ہاتھ بڑھایا کرتے تھے۔ بہرحال ہم نے جو لذت اور جو شرف اور جو لطف علم طب اور علمِ دین کا قادیان میں حاصل کیا تھا۔ اس کا نتیجہ ہے کہ آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں علیٰ وجہ البصیرت قرآن کا ایسا والہ وشیدا ہوگیا ہوں کہ میں قرآن پاک کی ایک آیت سُننے کے ساتھ ہی وجد کی حالت میں آجاتا ہوں۔ میں نے حضرت استاذی حکیم نورالدین صاحب سے باوجود علم طب کے پڑھنے اور خود مطب کرنے کے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ میں طب پڑھنے کے لئے ہی حضورؓ کی خدمت میں حاضر ہؤا ہوں۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں بہرحال اگر تم شوق سے پڑھنا چاہتے ہو تو ضرور پڑھو۔ میری طبیعت ان دنوں میں بہت جوشیلی تھی اور میں ہر ایک بات کے متعلق اعتراض کیا کرتا تھا۔ جس کا وہ نہایت ہی تسلی بخش جواب دیا کرتے تھے۔ اور حق تو یہ ہے کہ یہ خدا کے ہی کام ہوتے ہیں اسی نے ہی ایسے اسباب اپنے فضل سے مہیا فرما دیئے کہ ہمیں ایسے بڑے بزرگوں سے بھی استفادہ اور تعلیم حاصل کرنے کی توفیق ملی۔

حضرت امام سیدنا مسیح موعودؑ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کے بعد میں نے جوش بھرے اور دردمندانہ آواز سے کہا کہ میں گلی گلی اور کوچے کوچے اور شہر بشہر پھر کر بھی اس بات کی تبلیغ کروں گا کہ حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ اسرائیلی نبی فوت ہوچکے ہیں اور آنیوالے

مسیح موعودؑ حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ صلوات من ربہ و رحمتہ ہیں۔ حضرت والد صاحب بزرگوار بھی یہی چاہتے تھے کہ مَیں حضرت سیّدنا حکیم نورالدین صاحب کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہوں۔ ان کے برابر تو کس نے ہونا تھا ان کے شاگردوں میں سے سب سے بڑھ کر نام پاؤں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت والد بزرگوار کی یہ تمنا پوری ہوئی۔

ان دنوں ایک حیرت انگیز انکشاف ہؤا۔ اور حضور مسیح موعودؑ نے مرہم عیسیٰ کے متعلق انکشاف فرمایا کہ یہ حضرت مسیحؑ کے صلیبی زخموں کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس وقت میں نے قرابادین میں اس کے اصل نسخہ کے متعلق تلاش شروع کی۔ کیونکہ اس کے مختلف نسخے تھے کسی نسخہ میں ایک دوائی تھی اور کسی میں دوسری اور کسی میں کسی دوائی کا بدل لکھا ہؤا تھا۔ میری طبیعت میں چونکہ خاص جستجو کا مادّہ ہے اس لئے میں نے لاہور کی پبلک لائبریری کی جو عجائب گھر کے سامنے ہے تمام قرابادینوں کو پڑھنا شروع کیا۔ خدا کی شان ہے کہ مَیں نے جتنے نسخے مرہم عیسیٰ کے دیکھے ایک کتاب کے دوسری کتاب کے ساتھ وہ نسخے نہیں ملتے تھے۔ کہیں اوزان کا اختلاف تھا اور کہیں دواؤں کا۔ آخر تلاش کرتے کرتے لائبریری میں سے ایک انگریزی طبّی ڈکشنری سے یہ اصل نسخہ مل گیا۔ اور اس میں تمام نام جو دوائیں مرہم عیسیٰ میں پڑتی تھیں وہ انگریزی میں لکھے ہوئے تھے۔ جب مَیں نے مرہم بنانے کا ارادہ کیا تو پہلے مَیں نے تمام دیسی عطاروں اور دواخانوں سے مرہم عیسیٰ کی دوائیں تلاش کرنی شروع کیں مگر ان میں جاوشیر۔ سکبینج اور زراوند طویل کہیں سے دستیاب نہ ہوئی۔ آخر میں نے انگریزی نام جو ان دواؤں کے تھے اور وہ یہ تھے:۔

ارسٹو لوچیا لانگا[1] (زراوند طویل)

اوپو پونکسکائی رونم (جاوشیر[2])

سگابینم[3] (سکبینج)

یہ تین دوائیں ہم نے خاص ولایت سے منگوانے کا آرڈر دے دیا۔ ولایت میں

۱؎ ARISTOELCHIA LONGA ۲؎ فارسی نام گاؤشیر۔ انگریزی نام O GALBANUM

"لغات کبیر" حصہ دوم ص۱۲۱ مؤلفہ حکیم محمد کبیرالدین شیخ الجامعہ جامعہ طبیہ دہلی طبع سوم ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء۔

۳؎ SAGABANUM

بیروز ویلکم ایک بہت بڑی کمپنی مشہور دوا فروش کی تھی اس سے یہ دوائیں منگوائیں۔ اور نہ پونڈ، پونڈ بلکہ بیس، بیس پونڈ تک منگوائیں۔ جس پر میرا ایک ہزار روپیہ خرچ ہو گیا۔ اس وقت مَیں نے یہ دوائی اصلی اجزاء کے ساتھ بنانی شروع کی۔ اور خدا کے فضل سے میں اس کے بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اصل دوا مہیا ہو گئی یعنی اصل نسخہ مرہم عیسیٰ کا تیار ہو گیا۔ اور مَیں نے اس دوا کا اشتہار اس رنگ میں دینا شروع کیا کہ ایک تو اس سے تبلیغ کا پہلو نکلے اور دوسرا عیسائیت پر حجت تمام ہو اور خدا کا کلام قرآن مَا قَتَلُوْہُ وَ مَا صَلَبُوْہُ صحیح اور بالکل خدا کا سچا کلام ثابت ہو اور عیسائی دُنیا معلوم کرے کہ قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بالکل حق ہے۔ چنانچہ مَیں نے اشتہار کی یہ صورت بنائی کہ اشتہار کے سرے پر تو مرہم عیسیٰ۔ مرہم حواریین۔ مرہم رُسل موٹے حروف کے ساتھ چھپوایا اور اشتہار کے درمیان میں حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم کی وہ تصویر جو گرجوں میں لٹکی ہوتی ہے اور حواریوں کی وہ تصویر جو حضرت مسیح کے ساتھ دکھائی جاتی ہے اور حضرت مسیح کے ہاتھوں میں وہی صلیب پر میخیں ٹھوکنے کے نشان جو وہ حواریوں کو دکھا رہے ہیں۔ اور ان حواریوں میں سے ایک حواری کا طبیب ہونا جیسا کہ لوقا کے متعلق کے انجیلوں میں لکھا ہے پیارا طبیب۔ وہ بارہ حواری اور بارہ دوائیں اور پرانے وقت کا وہی کھرل اور وٹہ اور دوائیں بنانے کی ترکیب۔ حضرت مسیح کے صلیبی زخموں کے لئے جو یہ مرہم بنائی گئی تھی۔ اس کا رنگ دے کر اس تصویر کے نیچے اس مرہم کے فوائد درج کئے گئے تھے۔ اور مَیں اس وقت بھاٹی دروازہ میں اس مکان میں رہتا تھا جو والد صاحب بزرگوار نے مجھے علیحدہ بنا کر دیا تھا۔ اس تصویر والے اشتہار کے ساتھ ایک بہت بڑا پوسٹر بہت بڑی موٹی جلی قلم سے نہایت خوشخط اس زمانے میں میاں نتھو بہت بڑے خوشنویس تھے، ان کے ہاتھ سے لکھوا کر اور گلاب سنگھ کے پریس میں چھپوا کر اس مرہم کی وجہ تسمیہ یہ لکھی تھی کہ مرہم عیسیٰ اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ جب حضرت مسیح صلیب پر سے زندہ بچ گئے حواریوں نے حضرت مسیح کے صلیبی زخموں پر لگانے کے لئے الہام الٰہی کے ماتحت اس مرہم کو بنایا تھا۔ حضرت مسیح تو بیماروں کو اچھا کرتے تھے مگر اس مرہم نے حضرت مسیح کو چنگا کر دیا۔ اس اشتہار کا نکلنا تھا کہ تمام عیسائی دُنیا کے اندر ایک تہلکہ مچ گیا۔ اس زمانے میں لاہور کے جو ڈپٹی کمشنر تھے وہ سلطان پورہ کیمپ میں گئے ہوئے تھے وہاں انہوں نے ایک

پولیس کے بڑے آفیسر کو میرے پتے پر میرے مکان پر یہ کہلا کر بھیجا کہ اس اشتہار کو جو تم نے شائع کیا ہے اس کو فوراً تمام درو دیوار سے اتار دو ورنہ تمہیں گرفتار کیا جائے گا۔ اس زمانہ میں خواجہ کمال الدین صاحب وکیل اور کالی پرسن ایک بنگالی وکیل۔ ان دونوں کو میں نے اس مقدمہ کی پیروی کے لئے مقرر کر لیا۔ والد صاحب بزرگوار چونکہ نہایت ہی رقیق القلب تھے انہوں نے سمجھا کہ شاید میرے بیٹے کو کہیں قید ہی نہ کر لیا جائے اور کوئی سزا ہی نہ دی جائے۔ رات دن روتے رہتے تھے۔ اور مجھ سے کہتے تھے کہ تم نے ایسا اشتہار کیوں نکالا۔ مگر میرے دل کے اندر اس قدر خوشی اور اس قدر مسرت اور اس قدر جوش تھا کہ میں والد صاحب بزرگوار سے عرض کرتا تھا کہ آپ گھبرائیں نہیں اللہ تعالٰے بہت بڑا فضل کرنے والا ہے۔ اُدھر حضرت امام سیدنا مسیح موعودؑ اس اشتہار کو دیکھ کر بڑے خوش تھے۔ اور ہر تاریخ پر جو اس مقدمہ کی ہوا کرتی تھی میں حضرت صاحب کے پاس جایا کرتا تھا۔ اور وہ بھی اس قدر خوش تھے کہ میں ان کی خوشی کو بیان نہیں کر سکتا۔ صبح کی سیر کے وقت جب حضرت مسیح موعودؑ دوستوں کے ہمراہ جایا کرتے تھے تو ڈاکٹر نور محمدؐ نے جو کہ کوچہ چابک سواراں لاہور لوہاری دروازہ میں رہا کرتے تھے آگے بڑھ کر حضرت سے عرض کیا کہ حضور اگر فرمائیں تو میں بھی اس کا اشتہار دُوں اور محمدؐ حسین کے ساتھ میں بھی ان کے اس مقدّمہ میں شریک ہو جاؤں۔ تو حضرت نے بڑی نفرت سے فرمایا کہ آپ ہرگز یہ اشتہار نہیں نکال سکتے۔ جس کا حصّہ تھا اللہ تعالٰے نے اسی سے یہ کام کرایا ہے۔ اس اشتہار کے واقعات بہت ہی عجیب ہیں۔ سیالکوٹ اور لاہور کی اخباروں میں اس مقدمے کا اتنا چرچا ہوا کہ حد ہی ہو گئی۔ اخباروں نے اس بات پر زور دیا کہ امہات المؤمنین جو عیسائیوں نے شائع کی ہے۔ جس میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات اور حضور کی خانگی زندگی پر نہایت ناپاک اور دُور از صداقت جو حملے کئے گئے ہیں ان کے مقابل پر اشتہار عیسائیوں کے لئے ایک سبق ہے۔ ان کو اس اشتہار سے جو واقعات کے مطابق اور صحیح تاریخ کے ساتھ لکھا گیا ہے اور حق بات بیان کی گئی ہے اس قدر غیظ و غضب کیوں ہوا کہ تمام عیسائی پبلک ہی بغاوت کے لئے تیار ہو گئی۔

غرض ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں ہم پہنچے۔ خواجہ کمال الدین صاحب اور کالی پرسن بنگالی میری طرف سے وکیل تھے۔ انہوں نے ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں یہ بیان کیا کہ اشتہار جو دیواروں پر لگ چکے ہیں وہ اتنی کثرت سے چسپاں ہیں کہ باوجود ساری جماعت احمدیہ کی کوشش کے ہم ان کو ایک دن

کے اندر نہیں اتار سکتے۔ ڈپٹی کمشنر اپنے عملے کو حکم دے کہ وہ اشتہار دیواروں پر سے اتارے۔ اس کے جواب میں ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا کہ میں اپنا حکم نہیں بدل سکتا۔ پھر ہم اوپر کی کچہری میں سیشن جج کے پاس پہنچے اور اس مقدمہ کی اپیل وہاں دائر کر دی۔

چنانچہ جب میں مقدمے کی پیروی کے لئے وکیلوں کو لے کر سیشن جج کی عدالت میں گیا تو اس نے تصویر والا اشتہار دیکھ کر اس قدر غضب کا اظہار کیا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ اور اس نے ہمارے مقدمے کے متعلق کوئی اپیل نہ سُنی اور اس کو خارج کر دیا۔ اور پھر ہم ہائی کورٹ میں پہنچے۔ ہائیکورٹ میں جب یہ مقدمہ پیش ہوا تو عیسائیوں کی طرف سے لاٹ پادری اور دوسرے عیسائی منّاد بھی موجود تھے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے ججوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے ایک عرضداشت اپنی قلم مبارک سے لکھ کر دی تھی گویا عیسائیوں پر حجت تمام کر دی۔ اس میں حضور نے ایک ایسی بے نظیر بات لکھی تھی کہ جس کا کوئی جواب لاٹ پادری بھی نہیں دے سکتا تھا۔ حضور نے اس میں یہ لکھا تھا کہ انجیل سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح نے صلیب کے بعد اپنے صلیبی زخم حواریوں کو دکھائے تھے۔ اور حواریوں میں سے ایک طبیب بھی تھا۔ چنانچہ لوقا کے متعلق انجیلوں میں لکھا ہے پیارا طبیب۔ طب کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ یہ مرہم مسیح کے لئے بنائی گئی تھی۔ اور حضرت مسیحؑ کی زندگی میں سوائے صلیب کے واقعہ کے کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا جس کے لئے حضرت عیسیٰؑ کے لئے مرہم بنائی جاتی۔

پس انجیلیں بتاتی ہیں کہ حضرت مسیح کے ہاتھوں میں صلیبی زخم تھے اور طب کی کتابیں بتاتی ہیں کہ وہ زخم اس مرہم سے اچھے ہوئے تھے۔

ہائیکورٹ میں اس مقدمہ کو سُننے کے لئے بہت بڑی مخلوق جمع تھی۔ اور حضرت والدم بزرگوار میاں چراغ الدین صاحب رضی اللہ عنہ اور میرے بھائی اور میرے چچا اور دوسرے تمام رشتہ دار اس مقدمہ کو سُننے کے لئے ہائیکورٹ میں گئے ہوئے تھے۔ اس وقت جج ایک انگریز تھا جس کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا تھا۔ اس نے حضرت مسیح کی اشتہار میں تصویر دیکھ کر اور مرہم عیسیٰ کے بڑے اشتہار پوسٹر اور انگریزی اشتہار جو میں نے الگ بطور ہینڈبل کے تقسیم کیا ہوا تھا۔ اس کو دیکھ کر وہ ایسا برہم ہوا اور غصہ میں بھر گیا۔ اور اسی غصہ کی حالت میں اس نے کہا

کہ اس اشتہار کے لکھنے والا کون ہے؟۔ میں جج کے سامنے حاضر ہوا مگر اس کو غصے کے اندر کچھ نظر نہ آیا۔ پھر میں بیٹھ گیا۔ پھر اس نے کہا کہ کس نے یہ اشتہار شائع کیا۔ پھر میں اُٹھ کھڑا ہوا اور میں نے کہا کہ یہ اشتہار میں نے شائع کیا ہے۔ وہ اپنے غیظ وغضب میں اس قدر بھرا بیٹھا تھا کہ میں باوجود اس کے سامنے دو۲ دفعہ پیش ہونے کے اس کو پھر بھی نظر نہ آیا کہ اشتہار دینے والا میں ہوں۔ پھر اس نے تیسری دفعہ کہا کہ کون ہے جس نے یہ اشتہار شائع کیا ہے۔ پھر میں اٹھا تو میرے وکیل کالی پرسن نے جج کو مخاطب کیا اور کہا کہ کیا یہ عدالتیں ہیں کہ تین دفعہ میرا موکّل کھڑا ہوا ہے اور اُس نے کہا کہ میں نے اشتہار دیا ہے مگر جج کو نظر تک نہیں آیا۔ اس وقت تمام گیلری کے اندر ایک شور مچ گیا۔ اور اس کے ساتھ ایک دوسرا جج اس مقدمے کو سُننے کے لئے آگیا۔ اس وقت حضرت امام سیدنا مسیح موعودؑ کا لکھا ہوا وہ مضمون پڑھ کر سنایا گیا۔ جس کا ترجمہ خواجہ کمال الدین صاحب نے بنا کر دیا تھا۔ تو سارے پادری اور عیسائی حیران رہ گئے کیونکہ اس میں بتایا گیا تھا کہ انجیل بتاتی ہے کہ حضرت مسیحؑ کے صلیبی زخم تھے جو انہوں نے اپنے حواریوں کو صلیب پر سے زندہ اُتر آنے کے بعد دکھائے تھے۔ اور حواریوں میں سے ایک حواری طبیب بھی تھا جس کا نام لوقا تھا۔ الہام الٰہی کی بنا پر اس مرہم کو بنایا گیا تھا۔ اور حضرت مسیح کے صلیبی زخم بھی اسی سے اچھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد اس بات پر بحث ہوئی کہ مرہم عیسیٰ کا نام کچھ اور رکھ کر اس کو فروخت کیا جائے۔ اس وقت ہم نے اپنے وکیلوں کو سمجھا دیا ہوا تھا کہ اگر کوئی ایسی بات پیش ہو جس سے اس مرہم کو دوسرے نام سے موسوم کرنے کے لئے جج اپنا فیصلہ لکھے تو ان کو بتایا جائے کہ اس طرح تو بہت سی دواؤں کے متعلق ہائیکورٹ کو ایک قانون بنانا پڑے گا۔ آج عیسائی لوگ مرہم عیسیٰ کے نام سے بھی رنجیدہ ہوتے ہیں تو کل ہندو سوسائٹی گاؤ زبان کے نام سے بھی رنجیدہ ہوگی۔ اور حکومت کی لجسلیٹو اسمبلی کو مندرجہ ذیل دواؤں کے نام بدلانے کے لئے ایک قانون نافذ کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ہندو لوگ گاؤ زبان اور گئو دنتی کا لفظ اپنے مذہب کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اسی طرح عیسائی عود صلیب اور پنجہ مریم کے نام سے چڑتے ہیں۔ اور بھی بے شمار نام ہیں جن کے نام مذہبی نقطۂ نظر کے رو سے ہر مذہب والا اس کو سُننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس لئے یہ قانون نیا بنانا پڑے گا۔ کہ یہ یہ دوائیں جو اس نام کی مشہور ہیں ان کا نام بدلنا چاہیئے۔ اگر ہائیکورٹ ایسا کوئی قانون بنائے گا۔ تو ہم بھی اس مرہم کا نام بدل لیں گے۔ طب کی کتابوں میں سے نہ یہ نام محو ہو سکتے ہیں۔ اور نہ دوسرے کوئی

نام ان کے مقرر ہو سکتے ہیں۔

آخری بڑی حیث و بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ نام تو یہی رہے مگر وجہ تسمیہ اس مرہم کی یہ نہ لکھی جائے کہ حضرت مسیح کے صلیبی زخموں کو چنگا کرنے کے لئے حواریوں نے اس کو بنایا تھا حضرت مسیح تو دوسرے بیماروں کو چنگا کرتے تھے۔ اس مرہم نے حضرت عیسیٰ کو چنگا کر دیا۔ بہرحال جب یہ فیصلہ ہو چکا تو ہم نے پوسٹروں میں سے اس کی وجہ تسمیہ نکال دی اور اس کی بجائے یہ لکھا کہ یہ مرہم حواریوں نے حضرت عیسیٰ کے لئے بنائی تھی اور یہ مرہم سرطان۔ خنازیر۔ بواسیر۔ طاعون اور تمام قسم کے زہریلے پھوڑوں کے لئے اکسیر ہے۔ اس کامیابی پر تمام اخباروں نے ہمیں مبارک باد دی۔ اور اسی مرہم کی وجہ سے ہندوستان۔ انگلستان اور تمام دوسرے ممالک میں میرا نام مرہم عیسیٰ مشہور ہو گیا اور مرہم کی اتنی بکری ہوئی کہ ہزاروں روپے ہم نے اس کی وجہ سے کمائے۔

دواخانہ میں اس دوائی کے ذریعے دوسری دواؤں کو بھی بہت شہرت حاصل ہو گئی اور ہم نے اپنے دواخانہ کا نام بھی دواخانہ مرہم عیسیٰ رکھا۔ اور اسی نام سے تمام ہندوستان اور دوسرے تمام ملکوں میں یہ دواخانہ مشہور ہے۔"[1]

آپ کی وفات پر ماسٹر نذیر حسین صاحب چغتائی نے ایک مضمون میں تحریر فرمایا کہ :-

"حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کے طب میں شاگرد بھی تھے اور آپ سے والہانہ محبت بھی رکھتے تھے حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کو بھی آپ سے بے حد درجہ کی محبت تھی حضرت خلیفہ اوّلؓ نے اپنی وفات سے چند دن پہلے جبکہ خاکسار اور والدم بزرگوار اور دادا صاحب حضرت میاں چراغ الدین صاحب ان کے پاس بیٹھے تھے مجھے مخاطب کر کے فرمایا :- مجھے حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ بہت پیارے ہیں مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ میرے بعد مجھے چھوڑ دیں گے۔ میری محبت نے مجھے مجبور کیا کہ میں ان کے لئے دعا کروں کہ خدا اس تقدیر کو بدل دے۔ تو مجھے بتلایا گیا کہ گیارہ کے بعد یہ پھر میرے ہو جائیں گے۔ پھر مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میاں نذیر تم نے گیارہ کا خیال رکھنا ہے۔ اس وقت دادا صاحب حضرت میاں چراغ دین صاحب بھی موجود تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کو خدا

---

[1] کتاب طبی مائۃ عامل مصنفہ حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ ص۸ تا ص۹ ص۹ تا ص۱۱ : (مطبوعہ استقلال پریس لاہور۔ مارچ ۱۹۵۰ء)۔

نے یہ بھی بتا دیا ہوگا کہ وہ والد صاحب کی بیعت خلافت ثانیہ کے وقت زندہ نہ ہوں گے اسلئے حضور نے مجھے فرمایا (اور میاں چراغ دین صاحب کو اس کے لئے مخاطب نہیں کیا) چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ والد صاحب حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد غیر مبایعین جماعت کے لیڈروں میں جا ملے اور گیارہ سال بڑے زور سے مبایعین کی مخالفت کی۔ عین گیارھویں سال میں حضرت خلیفہ ثانی کی آکر بیعت کر لی۔ اور اس طرح حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی وہ بات پوری ہوگئی۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

حضرت میاں چراغ الدین صاحب ۱۹۲۰ء میں فوت ہوئے تھے اور والد صاحب نے ۱۹۲۵ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی بیعت کی تھی۔"[1]

حضرت مصلح موعودؓ کو آپ کی بیعت پر بہت خوشی ہوئی۔ اور حضور نے آپ کی درخواستِ بیعت کے جواب میں حسب ذیل خط ارقام فرمایا:۔

"مکرمی حکیم محمد حسین صاحب!

السّلام علیکم۔ آپ کا بیعت کا خط پڑھ کر مجھے نہایت خوشی ہوئی۔ دو وجہ سے ایک تو اس تعلق کی وجہ سے جو اس فتنہ سے پہلے آپ میں اور مجھ میں تھا۔ آپ کو جو محبت مجھ سے تھی اور جس خلوص سے آپ میرے ساتھ رہتے تھے۔ وہ حالت اور موجودہ حالت اس قدر متبائن تھی کہ دل کو اس پر صدمہ اور افسوس ہوتا تھا گو میں خیال کرتا ہوں کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی۔ اگر بعض نہایت ہی محبت کرنیوالے احباب اس موقع پر الگ ہو کر مقابل پر کھڑے نہ ہوتے تو شاید دشمنوں کا یہ اعتراض کہ میں نے کوئی سازش کی تھی۔ بعض لوگوں کے دلوں میں کھٹکتا رہتا۔ مگر بعض ایسے لوگوں کا فریق مخالف سے جا ملنا جو ہر وقت پاس رہنے والے تھے اور ہر قسم کے کاموں سے واقف تھے۔ اور ان کا اقرار کرنا کہ میں نے کوئی سازش نہیں کی۔ خدا تعالیٰ نے میرے لئے بریت کا ذریعہ بنا دیا۔ بہرحال پہلے تعلق کو مدّنظر رکھتے ہوئے مجھے آپ کے بیعت کرنے سے بہت خوشی ہوئی۔ دوسرا سبب آپ کے والد صاحب کا تعلق ہے۔ ان کا تعلق اور ان کی محبت عدیم المثال ہے وہ ان خاص لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنے آپ کو بے جان کر کے مسیح موعود علیہ السّلام کے سپرد کر دیا رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ۔ ان کے اخلاص اور پھر اس محبت کی وجہ سے جو مجھے ان سے تھی مجھے اس امر کی دُہری خوشی ہوئی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ

---

[1] الفضل ۴ر دسمبر ۱۹۵۴ء صہ ۴۔

آج مرحوم کی رُوح بھی خوش ہو گی۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ عقائد میں جس قدر اختلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو دُور فرما کر ایسی حقیقی صفائی فرمائے جس کے بعد کوئی کدورت باقی نہ رہے۔ اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر کرے اور اپنے عذاب سے پناہ میں رکھے۔ اللھم آمین

خاکسار

مرزا محمود احمد" ؎۱

مولانا شیخ عبدالقادر صاحبؒ (سابق سوداگرمل) "لاہور۔تاریخ احمدیت" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"حضرت حکیم مرہم عیسیٰ صاحب قرآن مجید کے عاشق تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح موعود علیہ السّلام، حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سے ازحد محبّت رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو جب ایک شقی القلب مخالف نے نماز کے بعد مسجد مبارک ربوہ کے محراب میں گردن پر چاقو مارا تو آپ یہ سُن کر بے چین ہو گئے۔ ہسپتال میں بیمار تھے۔ آنکھ کا تازہ تازہ اپریشن ہُوا تھا۔ مگر آپ اُسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور جب تک ربوہ پہنچ کر حضرت خلیفۃ المسیح کی عیادت نہیں کر لی چین نہیں لیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے احسانات سُناتے وقت اکثر آبدیدہ ہو جایا کرتے تھے۔" ؎۲

حضرت حکیم صاحب تہجد گزار اور شب بیدار بزرگ تھے۔ نماز باجماعت کے سختی سے پابند تھے۔ خلوت میں استغفار اور ذکر الٰہی کرنا اُن کا عمر بھر معمول رہا۔ نہایت درجہ مہمان نواز، لین دین کے معاملات میں صاف اور مخلوق خدا کے شفیق و ہمدرد!!۔ صحت آخر دم تک نہایت اعلیٰ تھی اور کوئی اُن کی صحت کو دیکھ کر ان کی اچانک موت کا خیال نہیں کر سکتا تھا۔ ۲۸ ر اکتوبر ۱۹۵۷ء کو اپنی ساری اولاد کو اپنے پاس بُلایا اور سب کو پابندِ دین رہنے کی وصیت فرمائی اور رات کو حرکتِ قلب کے بند ہونے سے انتقال کر گئے۔ اگلے دن جماعتِ احمدیہ لاہور کے کثیر احباب نے مولانا عبدالقادر صاحب مبلغ سلسلہ کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی بعد ازاں آپ کی نعش بذریعہ لاری ربوہ لائی گئی۔

؎۱ "الفضل" قادیان ۱۵ ر ستمبر ۱۹۲۵ء صـ۲ کالم ۳
؎۲ "لاہور۔تاریخ احمدیت" صـ۱۲۴ مطبوعہ ۲۰ ر فروری ۱۹۶۶ء۔

جہاں آپ مقبرہ بہشتی کے قطعہ خاص میں صحابہ کے ساتھ دفن کر دیئے گئے۔[1]

حضرت حکیم صاحب کی طبی خدمات ناقابل فراموش ہیں بہت سے پیچیدہ اور خطرناک امراض میں مبتلا مریض آپ کے زیر علاج رہے اور خدا کے فضل سے شفایاب ہوئے ملک کے کئی طبی اداروں کے صدر رہے۔ مدت دراز تک رسالہ "حکیم حاذق" کی کامیاب ادارت کی اور اکابر طب سے خراج تحسین وصول کیا۔ آپ کے قلم سے مختلف امراض اور جدید تجربات کے متعلق بہت سے مضامین چوٹی کے طبی رسالوں میں شائع ہوئے جن کی ترتیب و تدوین سے ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

آپ کی طبی تالیفات یہ ہیں :-

طبی مأۃ عامل ۔ طبی اربعین ۔ بیاض مرہم عیسیٰ ۔ شاہی طبی فارما کوپیا ۔ افادات مطب نورالدین ۔ مجربات خاندان حکیماں لاہور مجربات خصوصی ۔

اولاد

(۱) ڈاکٹر عبدالحمید صاحب چغتائی۔ (پیدائش ۴ جنوری ۱۸۹۱ء وفات ۶ مئی ۱۹۶۶ء) (۲) مرزا نذیر حسین صاحب (پیدائش ۱۰ اگست ۱۸۹۲ء) ۔ (۳) عبدالرحمٰن صاحب چغتائی انجینئر (پیدائش ۲۵ دسمبر ۱۹۰۹ء وفات ۱۵ اپریل ۱۹۷۴ء) ۔ (۴) حکیم احمد حسین صاحب (پیدائش ۲۶ جون ۱۹۱۲ء) ۔ (۵) ۔ رابعہ بیگم مرحومہ (پیدائش ۲۰ مئی ۱۸۹۹ء ۔ وفات ۲۸ اپریل ۱۹۷۹ء) ۔ (۶) عائشہ بیگم صاحبہ ۔ (پیدائش ۲۵ مارچ ۱۹۰۰ء) ۔ (۷) سعیدہ بیگم صاحبہ (پیدائش اپریل ۱۹۰۳ء) ۔ (۸) ۔ حمیدہ بیگم مرحومہ (پیدائش جنوری ۱۹۰۴ء ، وفات ۵ اکتوبر ۱۹۲۶ء) ۔ (۹) ۔ صغریٰ بیگم صاحبہ (پیدائش ۲۴ جولائی ۱۹۱۴ء) ۔ (۱۰) محمد احمد صاحب (پیدائش ۷ دسمبر ۱۹۱۶ء) ۔ (۱۱) حکیم محمد عیسیٰ صاحب (پیدائش ۲۳ دسمبر ۱۹۲۳ء) ۔ (۱۲) ۔ محمد یحییٰ صاحب ۔ (پیدائش ۴ مارچ ۱۹۲۰ء) ۔ (۱۳) ۔ محمد ذکریا صاحب (پیدائش یکم جولائی ۱۹۲۳ء) ۔ (۱۴) محمد الیاس صاحب (پیدائش ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۶ء) (۱۵) ۔ محمد ادریس صاحب (پیدائش ۲۶ جون ۱۹۲۹ء) ۔ (۱۶) ۔ آدم عبدالواسع صاحب (پیدائش ۱۹ دسمبر ۱۹۳۳ء) ۔

حضرت حکیم صاحب نے تین شادیاں کی تھیں۔ جن میں سے ستائیس ۲۷ بچے پیدا ہوئے ۔ گیارہ بچے ابتدائی عمر میں فوت ہوگئے ۔ جو زندہ موجود ہیں ان کے نام اوپر درج ہو چکے ہیں ۔

---

[1] الفضل ۳۰ اکتوبر و ۴ دسمبر ۱۹۵۴ء ۔

۸۔ حضرت حافظ احمد دین صاحبؓ ڈنگوی ولد حکیم پیر بخش صاحب

(ولادت قریباً ۱۸۶۹ء ۔ بیعت ۱۸۹۸ء ۔ وفات ۱۸-۱۹ ؍نومبر ۱۹۵۴ء)

حضرت حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ :۔

"جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے دعویٰ فرمایا تو میرے بعد میرے استاد کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ خود قادیان جاکر دیکھا جائے ..... اس وقت ہر جگہ یہ مشہور تھا کہ مرزا صاحبؑ کے پاس کوئی جادو ہے۔ جو کوئی بھی قادیان جاتا ہے اسے جادو والی روٹی کھلا دی جاتی ہے۔ اور پھر وہ بغیر بیعت کئے واپس نہیں آتا۔ اس خیال کی بناء پر مَیں نے اور میرے استاد نے تین چار دنوں کی خوراک اپنے ساتھ لے لی تاکہ قادیان کی روٹی کھائیں ہی نہ۔ جب قادیان کی طرف روانہ ہوئے تمام راستے میں یہی سوچتے آئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام سے کیا کیا سوال کریں گے؟ جس وقت ہم قادیان پہنچے اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السّلام مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور تقریر فرما رہے تھے۔ ہم بھی خاموشی سے مجلس میں جاکر بیٹھ گئے۔ مرحوم فرماتے تھے کہ جو جو سوال دل میں سوچ کر گئے تھے۔ انہیں سوالوں کا جواب حضور دے رہے تھے۔ ہم حیرت سے حضور کا چہرہ دیکھنے لگے اور اسی وقت بیعت سے مشرف ہو گئے۔"

حضرت حافظ صاحبؓ شروع ہی سے جماعت احمدیہ ڈنگہ کے امیر اور سیکرٹری مال چلے آتے تھے اور وفات تک ان عہدوں پر فائز رہے۔ نہایت رقیق القلب، بہت نیک، پابندِ صوم وصلوٰۃ بلکہ تہجد گذار تھے۔ اور اُن کا گھر گویا جماعت ڈنگہ کا مرکز تھا جہاں عیدین، جمعہ اور پانچوں وقت کی نمازیں ادا ہوتی تھیں۔ بہت سے احمدی بچوں اور بچیوں نے آپ سے قرآن مجید پڑھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت نیک فطرت عطا کی تھی۔ علم طب میں ماہر تھے گو ان کا روزگار اس علم پر نہ تھا مگر ہر وقت مختلف دوائیاں آپ کے پاس رہتی تھیں اور آپ انہیں حاجتمندوں کو مفت دیا کرتے تھے اور اگر کوئی شخص آدھی رات کے وقت بھی آجاتا تو آپ فوراً اُس کے علاج کے لئے مستعد ہو جاتے تھے۔ آپ حضرت ڈاکٹر بھائی محمود احمد صاحب مہاجر قادیان کے حقیقی بھائی تھے۔[1] حضرت بھائی صاحب نے ۱۹۰۳ء

---

[1] الفضل ۲۱ ؍ستمبر/تبوک ۱۳۳۴ ہش ؍۱۹۵۵ء ۔

میں حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت و بیعت کی۔

مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری نے آپ کی وفات پر لکھا کہ :-

"حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے پرانے صحابہ میں سے ہر ایک کی وفات جماعت کے لئے ایک قومی سانحہ سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ یہی وہ مقدس وجود ہیں جنہوں نے تحریک احمدیت کے آغاز میں خدا کے مامور کو شناخت کیا۔ اس کے انوار و برکات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس کے کلمات طیبات کو اپنے کانوں سے سُنا۔ اللہ تعالیٰ اپنی خاص رضا کے عطر سے ان مقدسوں کو ممسوح فرمائے۔ آمین۔

ڈنگہ ضلع گجرات میں سلسلہ احمدیہ کے اولین خدام میں حضرت حافظ احمد دین صاحب ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ آپ کی زندگی زاہدانہ اور تقویٰ کے بلند مقام پر تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ نے ۱۸۹۸ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس کے بعد ہمیشہ احمدیت کی تبلیغ میں ہمہ تن مصروف رہے۔ قول کی بجائے زیادہ تر اپنے نیک عمل اور صالح اسوہ سے آپ نے اسلام کی تبلیغ کی۔ آپ نے اپنی اولاد کی نہایت اچھی تربیت کی۔ جو ان کے لئے باقیات صالحات میں ہیں۔ آپ کی اولاد میں مکرم جناب محمد الدین صاحب اسسٹنٹ میڈیکل آفیسر عارف والا ضلع منٹگمری اور میاں غلام محمد صاحب ٹیلر ماسٹر سرگودھا کے علاوہ دو صاحبزادیاں ہیں۔ حضرت حافظ صاحب مرحوم کی ایک نواسی برادرم مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب فاضل مبلّغ انڈونیشیا کے نکاح میں ہیں۔ اور اس وقت اپنے خاوند کے ہمراہ خدماتِ دینیہ میں مصروف ہیں۔

مورخہ ۱۸/۱۹ نومبر کی رات کو آپ کا انتقال پچاسی سال کی عمر میں ڈنگہ میں ہوا۔ بیماری کے عرصہ میں حضرت حافظ صاحب کے بچوں اور بچیوں نے ان کی پوری خدمت کی۔ جزاھم اللہ۔ وفات کے وقت مکرم ڈاکٹر صاحب ان کی نعش کو ربوہ لائے اور سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ نے ۲۰ نومبر کو دس بجے صبح حضرت حافظ صاحب کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور حضرت حافظ صاحب مرحوم کو موصیوں کے بہشتی مقبرہ کے قطعۂ صحابہ میں دفن کیا گیا۔[1]"

اولاد :- (۱) ایم غلام محمد صاحب ٹیلر ماسٹر حال حجرہ قادیان۔

(۲)۔ ڈاکٹر محمد دین صاحب (حال امیر جماعت احمدیہ ضلع وہاڑی صوبہ پنجاب۔ پاکستان)

---

[1] الفضل ۲۵ نومبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۶۔

(۳۷)۔ صابرہ بیگم صاحبہ ۔ (اہلیہ بابو عبداللطیف صاحب)۔

(۴۸)۔ ماجدہ بیگم صاحبہ ۔ (اہلیہ ڈاکٹر مبارک احمد صاحب)۔

بعض دیگر مخلصین احمدیّت کی وفات

ان بلند پایہ صحابہؓ کے علاوہ اس سال مندرجہ ذیل مخلصینِ احمدیت بھی وفات پاگئے :-

۱۔ **الحاج السیّد عبدالرؤف الحصنی دمشقی** :- (وفات ۲۴ راپریل ۱۹۵۴ء)۔

آپ جماعت احمدیہ دمشق کے سابق امیر اور السیّد منیر الحصنی (موجودہ امیر دمشق) کے چھوٹے بھائی اور الہام "یُصَلُّوْنَ عَلَیْکَ اَبْدَالُ الشَّامِ" کے مصداق تھے جیسا کہ مکرّم شیخ نور احمد صاحب مُنیر مبشر بلادِ عربیہ کے مندرجہ ذیل مطبوعہ نوٹ سے نمایاں ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-

"الحاج مرحوم جماعت دمشق میں اخلاص اور ایثار کا نمونہ تھے۔ سلسلہ کی تمام مالی تحریکات میں ایک مثال رکھتے تھے۔ ہفتہ واری میٹنگ میں شمولیت، نماز جمعہ میں باقاعدگی، ضیافت، خندہ پیشانی، سنجیدگی اولاد کی تربیت، چغلی سے نفرت ان کی نمایاں خوبیاں تھیں قدرتًا نورانی شکل رکھتے تھے۔ انہی اوصاف کی وجہ سے جماعت دمشق نے ان کو پریذیڈنٹ منتخب کیا۔ مرحوم خدام سلسلہ سے محبت رکھتے تھے سلسلہ کے کئی مبلغین کرام جن کو دمشق سے گذرنے کا اتفاق ہُوا ہے ان کو مشہور اور تاریخی مقامات کی زیارت کرواتے۔ اُن کے ساتھ ہَوا خوری کے لئے نکلتے اور ان کی ملاقات کے لئے بار بار آتے۔ مجھے دمشق میں تین سال رہنے کا اتفاق ہُوا اور مَیں نے مرحوم کو سلسلہ کے لئے قابل قدر اور مفید وجود پایا۔

ایک دفعہ الحاج عبدالرؤف اور عاجز دمشق کے سرسبز مقام "ربوۃ" گئے۔ راستہ میں کہنے لگے۔ کہ احمدیت کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے۔ احمدیّت نے مجھے صحیح راستہ پر چلادیا۔ قرآن کریم سے ان کو عشق تھا۔ تفاسیر سُننے کے ہمیشہ مشتاق تھے۔ کانوں میں نقص کی وجہ سے وہ اونچی سُنتے اس لئے وہ پاس بیٹھ کر اور خاص توجہ سے سُننے کے عادی ہوچکے تھے۔ تجوید اور قرأت سیکھا کرتے۔ حج دوسری مرتبہ کرنے کا ارادہ تھا۔ اور حج سے واپسی پر حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز، اصحاب المسیح الموعود علیہ السّلام اور قادیان کی زیارت کرنے کے خواہش مند تھے افسوس کہ ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔

ان کا ایک نمایاں وصف جو قابل رشک واقتداء ہے وہ اولاد کی تربیت کرنا ہے جمعہ کی نماز میں آپ اپنے تمام بچوں کو ساتھ لاتے۔ الحاج مرحوم نے اپنے گھر میں احمدیت کا ماحول پیدا کر دیا تھا۔ ان کا گھرانہ اس لحاظ سے قابلِ رشک تھا"۔ [1]

۲۔ محترم جناب خان بہادر سعد اللہ خاں صاحب ۔ خٹک احمدی رئیس اعظم موضع امیرو تھانہ نظام پور ضلع پشاور وفات ۳۱ اگست ۱۹۵۷ء ۔ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب امیر صوبہ سرحد تحریر فرماتے ہیں :-

" آپ ملک خوشحال خان خٹک (مشہور خانِ قوم و شاعر زبان پشتو و فارسی بزمانۂ اورنگ زیب عالمگیر گذرے تھے) کی نسل سے تھے۔ اور قوم خٹک میں قد و قامت خوبصورت اندام اور جوان رعنا ہونے کی وجہ سے دلکش انسان تھے۔ نہایت متین سنجیدہ طبع اور حسنِ اخلاق کا مجسمہ تھے ہر شخص سے خواہ امیر ہو یا غریب حُسن سلوک سے پیش آتے گویا وہ اسی کے ہیں۔ سخی طبع۔ فیاض۔ مہمان نواز۔ مسافر نواز۔ خوش طبع۔ سلامت رو انسان تھے۔ اپنی قوم خٹک ضلع پشاور و کوہاٹ میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ اور قوم ان کی دلدادہ اور قدر دان تھی آبا عن جدٍ رئیس قوم تھے۔ روساء ملک میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ موضع خوشحال گڑھ ضلع کوہاٹ آپ کی جاگیر تھی۔ دو شادیاں کیں۔ مگر اولاد نہ تھی۔

آپ سوات میں عرصہ دراز تک صوبیدار میجر رہے مالاکنڈ آپ کا صدر مقام تھا۔ سوات پر انگریزوں کا قبضہ ۱۸۹۵ء میں ہوا۔ غالباً پہلا صوبیدار میجر شہزادہ محمد نادر جان درانی ساکن پشاور تھا اور ان کے بعد غالباً ۱۹۰۱ء میں خان بہادر صاحب دوسرے صوبیدار میجر ہوئے جو ۱۹۲۱ء تک رہے۔ آپ کی پیدائش غالباً ۱۸۶۲ء کے قریب ہوئی۔ آپ نے اپنے زمانہ کے لحاظ سے فارسی اردو میں تعلیم پائی۔ اور سوات میں خدا جانے کب مگر غالباً آغاز جوانی میں ملازم ہوئے۔ ۱۹۰۱ء سے صوبیدار میجر ہوئے۔ خدمات حسنہ کے باعث حکومت وقت نے خان بہادر کا خطاب دیا۔

مالاکنڈ میں آپ کی قیام گاہ حکام ایجنسی و عہدیداران کی تفریح گاہ تھی۔ جہاں مہمان نوازی کے واسطے لنگر خانہ ہر وقت جاری رہتا اور چائے کا دور مسلسل جاری رہتا۔

---

[1] روزنامہ "الفضل" لاہور ۱۶ جون ۱۹۵۷ء صـ۵۔

ان ایام میں میرے محترم حافظ حضرت مظفر احمد صاحب کلانوری سوات بمقام مالاکنڈ پے حوالدار تھے۔ جو پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ تہجد خوان اور حافظ قرآن تھے اور خاکسار کی تحریک سے بمقام کوچہ بہار شاہ پشاور رجہاں انہوں نے مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی نذیر حسین صاحب ساکنانِ کلانور کے گھر شادی کی تھی۔ یہ شادی ان کا نکاحِ ثانی تھی) حضرت احمد قادیانی علیہ السّلام کی بیعت کی تھی۔ محترم حافظ حضرت مظفر احمد صاحب نے موقع پا کر ایک دن ۱۹۱۰ء میں خان بہادر موصوف کو اُن کے روزمرہ زندگی گذارنے کی طرز کی طرف متوجہ کیا اور ان کے اصلاح کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ اور کہا کہ آپ چالیس دن باقاعدہ نماز باجماعت پڑھیں اور تہجد بھی پڑھا کریں اور درس قرآن کریم کم از کم ایک رکوع روزانہ کریں۔ اگر یہ صورت پسند نہ آئے تو پھر موجودہ زندگی کا اختیار کرلینا تو مشکل نہیں۔ چنانچہ خان موصوف جو فطرتاً نیک اور سعید انسان تھے انہوں نے یہ مشورہ قبول کرلیا۔ اور تمام فضولیات اور لغویات جو خلافِ شریعت تھیں ترک کرکے بڑے اخلاص سے پابندی صوم وصلوٰۃ کی طرف مائل ہوئے۔ اور چالیس دن تک بڑے انہماک سے یہ نیا مشغلہ جاری رکھا۔ اپنے سابقہ طرزِ عمل سے توبہ کرکے حضرت مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر داخل احمدیت ہوئے۔ یہ ۱۹۱۱ء تھا۔ الحمدللہ۔ وہ تبدیلی اختیار کی کہ آپ ولی اللہ بن گئے۔ ایک دفعہ مالاکنڈ کے قدیمی دوست قاضی محمد احمد جان صاحب جو احمدیت کے مخالف تھے اور قابل عبرت سزا پاچکے تھے چند اور افسر ساتھ لے کر خان بہادر موصوف کے پاس بطور جرگہ آئے۔ اور کہا کہ خان صاحب ہم کو یہ سُن کر کہ آپ احمدی ہوئے ہیں سخت صدمہ اور افسوس ہوُا ہے۔ کیا اچھا ہوگا۔ اگر آپ پھر توبہ کرلیں۔ خان بہادر صاحب نے جواب دیا کہ جب مَیں آپ کی طرح مسلمان تھا تو آپ کو معلوم ہے کہ آپ صاحبان کی مہربانی سے نہ نماز پڑھتا نہ تہجد نہ قرآن کریم سے کوئی واقفیّت یا تعلق تھا سارا دن تاش اور شطرنج میں گذرتا اور لڑکے آکر ناچتے۔ خدا بھلا کرے ہمارے مولوی مظفر احمد صاحب کا جن کے نیک نصائح اور پاک صحبت نے اس گندی زندگی سے بیزار کراکر پابند نماز و تہجد کیا۔ اور درس قرآن کا شوق دلایا۔ اگر اسلام یہ نہیں جو احمدیت کے ذریعے حاصل ہوُا اور اسلام دراصل وہ تھا جو میں آپ لوگوں کی رفاقت میں اختیار کرچکا تھا۔ تو مجھے یہ کفر اسلام سے پسندیدہ ہے۔ اس پر وہ لوگ شرمندہ ہوئے اور اُٹھ کر چلے گئے۔

بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ کو غصّہ نہ آتا تھا بڑی نرمی اور معقولیّت اور میٹھی زبان میں معترض کو جواب

دیتے ...... امیر وہیں صرف وہی احمدیت کا روشن ستارہ تھا جو قریباً نوّے سال کی عمر میں آسمانِ احمدیت پر چوالیس سال چمک کر مدہم پڑ گیا۔ اللھم اغفرہ وارحمہ وادخلہ فی الجنۃ۔ آمین[1]

۳۔ منشی محمد خالد صاحب صدر جماعت احمدیہ جھانسی یوپی بھارت

(وفات ستمبر ۱۹۵۷ء[2])۔ جناب گیانی عباد اللہ صاحب آپ کی قابل رشک مومنانہ زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"مرحوم نہایت مخلص احمدی تھے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ سے انہیں والہانہ عقیدت تھی۔ خاکسار کو ان سے غالباً ۱۹۴۷ء میں تعارف حاصل ہوا تھا۔ آپ جی۔ آئی۔ پی میں ڈرافٹسمین تھے۔

پاکستان بننے سے قبل نظارت دعوۃ و تبلیغ نے یوپی اور سی پی وغیرہ علاقوں میں تبلیغ اسلام کی غرض سے ایک وفد بھجوایا تھا۔ یہ وفد کئی سال تک اِن علاقوں میں تبلیغ اسلام کا فریضہ حسب توفیق ادا کرتا رہا۔ خاکسار بھی ایک ممبر تھا۔ جب ہم دورہ کرتے ہوئے پہلی مرتبہ جھانسی گئے تو اتفاق سے ان دنوں محمد خالد صاحب مکرم کسی خاص کام کی وجہ سے بمبئی تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ ہم جتنے دن جھانسی میں ٹھہرے مخلص باپ کے مخلص بچوں نے ہمارا ہر طرح خیال رکھا اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہونے دی اِن کا ایک لڑکا تو اپنا تمام کام چھوڑ کر ہمارے ساتھ رہا۔ ہمیں وہاں یہ معلوم ہوا کہ منشی محمد خالد صاحب مکرم نے ۲۰/۲۲ سال سے بیعت کی ہوئی ہے۔ لیکن بعض وجوہات کی بنا پر وہ قادیان کی ایک مرتبہ بھی زیارت نہ کر سکے ہم ان کی غیر حاضری میں تین چار دن جھانسی ٹھہرے اور صداقت اسلام وغیرہ مسائل پر تقریریں کر کے اپنے پروگرام کے مطابق بھوپال چلے گئے جاتے ہوئے ہم ایک مختصر سا رقعہ لکھ کر ان کے لئے رکھ گئے اس میں صرف اتنا ہی مرقوم تھا:۔

"ہم جھانسی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے مگر آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری آپ سے پہلی ملاقات قادیان میں جلسہ سالانہ پر ہو۔"

یہ ہماری طرف سے انہیں اصل میں جلسہ سالانہ پر قادیان آنے کی ایک دعوت تھی جسے انہوں

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ یکم اکتوبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۴۔

[2] "بدر" قادیان ۲۶ ستمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

نے بخوشی قبول کر لیا اور ہمیں جواب دیا کہ خواہ کچھ ہو۔ میں اس دفعہ انشاء اللہ ضرور قادیان آؤں گا اور دیارِ محبوب کی زیارت کروں گا۔ چنانچہ وہ حسب وعدہ جلسہ سالانہ پر تشریف لائے اخلاص تو ان میں پہلے ہی بہت تھا۔ لیکن وہ سب غائبانہ تھا۔ جب انہوں نے دیارِ محبوب اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کی تو انہیں ایسی لذت محسوس ہوئی کہ پھر وہ ہر سال جلسہ سالانہ پر تشریف لاتے رہے چونکہ خدا کے فضل و کرم سے ان کے بال بچے کافی تھے اس لئے وہ باری باری اپنے بچوں کو قادیان ساتھ لاتے رہے اس طرح انہوں نے ایک مرتبہ اپنے تمام بچوں کو قادیان کی زیارت کروا دی۔ اور اس کی بے حد خوشی منائی کہ میرے تمام بچوں نے خدا کے پیارے مسیح کی بستی دیکھ لی ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی زیارت کر لی ہے۔ وہ جب بھی ہمیں ملتے بہت محبت سے ملتے ۔ ہمیں بسلسلۂ تبلیغ متعدد مرتبہ جھانسی جانے کا اتفاق ہوا۔ ہر مرتبہ وہ ہمیں اپنے پاس ٹھہراتے اور ہمارے آنے پر بہت خوشی محسوس کرتے۔ ہم جتنے دن وہاں ٹھہرتے وہ ہمیں اپنے حلقہ احباب سے ملواتے اور تبلیغی مجالس قائم کرواتے ایک دو مرتبہ تو انہوں نے اپنے مکان کے سامنے جلسہ کروا کر ہماری تقریریں بھی کروائی تھیں۔ خدا کے فضل و کرم سے جھانسی میں ان کی نیکی کی اچھی شہرت تھی اور لوگ ان کا کافی احترام کرتے تھے۔

جھانسی میں ان کا مکان کافی کھلی جگہ میں تھا۔ اس کے ایک حصّہ میں انہوں نے ایک اچھی مسجد بھی بنوائی ہوئی تھی۔ اس مسجد میں بیک وقت سو ڈیڑھ سو آدمی نماز پڑھ سکتے تھے۔ اس مسجد کا نام انہوں نے بعض خوابوں کی بنا پر "احمدیہ نورانی مسجد" رکھا ہوا تھا۔ یہ مسجد انہوں نے بغیر کسی اور صاحب سے کوئی امداد لئے خود آپ ہی آہستہ آہستہ بنائی تھی۔ چنانچہ جب ہم پہلی مرتبہ جھانسی گئے تو ان کے بچوں نے ہمیں بتایا کہ ہمارے والد صاحب کا ارادہ یہاں مسجد بنانے کا ہے دوسری مرتبہ ہم گئے تو وہاں چھوٹی چھوٹی دیواریں بنائی ہوئی تھیں جو کہ پتھر اور چونہ سے بہت خوبصورت تعمیر کی ہوئی تھیں۔ تیسری مرتبہ ہم گئے تو وہ دیواریں چھت تک پہونچ چکی تھیں۔ لیکن ابھی ان پر چھت نہیں ڈالی گئی تھی۔ چوتھی مرتبہ ہمارے جانے سے قبل اس مسجد پر چھت بھی ڈالی جا چکی تھی اور خدا کے فضل و کرم سے مسجد مکمل ہو چکی تھی۔ چنانچہ ہم سب نے مل کر وہاں ایک جمعہ بھی پڑھا تھا جو مولانا عبدالمالک خان صاحب نے پڑھایا تھا اس جمعہ کی نماز میں محمد خالد صاحب مکرم کے تمام بال بچے شامل ہوئے تھے۔

اس بات سے انہیں جتنی خوشی ہوئی تھی اسے مَیں پورے طور پر بیان کرنے سے قاصر ہوں باوجود اس کے کہ وہاں مقامی لحاظ سے صرف اُن کا ایک ہی گھر احمدی تھا۔ پھر بھی انہوں نے اچھی بڑی اور خوبصورت مسجد بنائی تھی وہ اکثر ہمیں یہ بتایا کرتے تھے کہ اس مسجد کو میرے سب بیوی بچّوں نے مل کر تعمیر کیا ہے۔ اور اس کی تعمیر کا ہر کام اپنے ہاتھوں سے خوشی خوشی کیا ہے۔ انہوں نے ہمیں یہ بھی بتایا تھا کہ ہم نے صرف ایک معمار باہر سے لگایا ہوا تھا۔ باقی سب کام ہم خود کیا کرتے تھے۔ اور اینٹیں اور گارا اٹھاتے وقت خدا کے حضور یہ دُعائیں کیا کرتے تھے کہ اے اللہ ہم نے تیرا گھر بنانے کا تہیّہ کیا ہے اب تیرا کام یہ ہے کہ اَب اس آبادی کے لئے یہاں ایک ایسی جماعت پیدا کر دے جو تیرے امام کی اطاعت میں تبلیغ اسلام کا فریضہ بجا لانے والی ہو۔

ان کی اہلیہ محترمہ بھی ایک پاکباز اور راستباز خاتون ہیں وہ گھر میں روڑی کوٹتے وقت اور مسجد کی تعمیر کے دوسرے کام کرتے وقت قرآن مجید کی آیات تلاوت کیا کرتی تھیں اور خدا کے حضور دُعائیں کیا کرتی تھیں اس طرح ان سب نے مل کر جھانسی کے محلہ علی غول میں خدا کا گھر تعمیر کیا تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ دُنیا میں اس وقت تک لاکھوں کروڑوں مسجدیں بنائی جا چکی ہیں اور آئندہ بھی لاکھوں اور کروڑوں مسجدیں بنائی جائیں گی لیکن جس رنگ میں منشی محمد خالد مرحوم نے جھانسی میں احمدیہ نورانی مسجد تعمیر کی ہے وہ سنّت ابراہیمی کا ایک عملی نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند کرے۔ آمین ثم آمین[1]

۴۔ خان بہادر نواب احمد نواز جنگ بہادر حیدرآباد دکن (وفات ۲۲ دسمبر ۱۹۵۴ء)

مکرم شیخ محمود الحسن صاحب (۶/۲۹۵ سرور روڈ لاہور چھاؤنی پاکستان) کا بیان ہے:۔

"حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب احمدی ہونے کے بعد اپنے تمام قریبی رشتہ داروں کو احمدیت کی تبلیغ متواتر کیا کرتے تھے چنانچہ ان کی بڑی بہو فیض النساء بیگم کے نانا حضرت ابراہیم بھائی الہ دین نے احمدیت قبول کی اور صاحب کشف و رؤیا کے مدارج پر فیضیاب ہوئے اس طرح اپنے سمدھی حضرت فاضل بھائی ابراہیم کو بھی احمدیت کی قبولیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ مگر اُن کی دلی خواہش تھی کہ اُن کے تین سوتیلے بھائی جو سب اُن سے چھوٹے تھے وہ بھی اس سعادت سے حصّہ

---

[1] روزنامہ "الفضل" لاہور ۲۱ تبوک ۱۳۳۳ہش مطابق ۲۱ ستمبر ۱۹۵۴ء ص۵۔

پادیں ان کے سب سے چھوٹے بھائی سیٹھ قاسم علی صاحب اسماعیلی مذہب ترک کر کے اہل حدیث جماعت میں شامل ہوگئے اور آخر وقت تک اسی مسلک پر قائم رہے اُن سے بڑے بھائی سیٹھ غلام حسین اسماعیلی عقیدے پر قائم رہے۔ اُن کے تیسرے بھائی جو عمر کے لحاظ سے دوئم نمبر پر تھے اور جن کا نام احمد علاؤ الدین تھا۔ کاروباری دنیا میں بہت کامیاب رہے پہلے سرکار انگریزی کی طرف سے خان بہادر اور بعد میں O.B.E کے خطابات عطا ہوئے اور عہدِ عثمانیہ کے آخری دَور میں نواب احمد نواز جنگ کے خطاب سے سرفراز ہوئے ان کی طرف حضرت قبلہ سیٹھ صاحب کی ہمیشہ توجہ رہی چنانچہ ایک طرف تو سر آغا خان کی طرف سے وہ ریاست حیدر آباد کی اسماعیلی جماعت کے وزیر تھے تو دوسری طرف حضرت مصلح موعودؓ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے اور تحریک جدید کے مجاہدین میں آخر وقت تک شامل رہے اور جب کبھی انہیں کاروبار میں منافع ہوتا تو ایک خطیر رقم حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کرتے چنانچہ جب ۱۹۳۸ء میں حضرت مصلح موعودؓ حیدر آباد دکن کی سیاحت پر گئے تو نواب احمد نواز جنگ کو حضور نے میزبانی کا شرف عطا کیا۔ اس عرصے میں وہ سرکار نظام کے ساتھ کئی بڑی سی صنعتوں میں ۴۹ فیصد کے تناسب سے حصّہ دار بن گئے۔ اس کاروبار میں میر لائق علی بھی شامل تھے۔ حضرت قبلہ سیٹھ صاحب کے متواتر اصرار پر انہوں نے ۱۹۴۸ء سے قبل کسی وقت مخفی بیعت بھی کر لی اور اس کے اعلانیہ اظہار کو پردۂ اخفا میں رکھنے کے لئے یہ عذر کیا کہ چونکہ سرکار نظام کاروبار میں سینئر پارٹنر ہیں اور احمدیت سے بغض رکھتے ہیں لہٰذا بیعت کے اعلانیہ اظہار سے اُن کے کاروبار کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔

لیکن جب ستمبر ۱۹۴۸ء میں ہندوستان نے حیدر آباد پر قبضہ کر لیا تو نظام حیدر آباد کی سرکار کے جو ۵۱ بر حصے اُن صنعتوں میں تھے وہ کانگریس گورنمنٹ نے ضبط کر کے برلا اینڈ کو کے ہاتھ فروخت کر دیئے۔ اُدھر میر لائق علی سیاسی وجوہ کی بنا پر پہلے نظر بند ہوئے اور بعد میں فرار ہو کر پاکستان آ گئے۔ ہندوستانی حکومت نے اس شبہ کی بنا پر کہ میر لائق علی کے فرار میں نواب صاحب کا ہاتھ ہے انہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ اور کچھ عرصے بعد رہا کر دیا۔ نواب صاحب اس صدمے سے بہت مضمحل ہوئے اور ۱۹۵۴ء میں انتقال کر گئے مگر ۱۹۴۹ء میں جبکہ نظام حیدر آباد کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

اور نواب صاحب مرحوم کے کاروبار پہ اُن کے یعنی دباؤ کا مزید کوئی اندیشہ نہ تھا حضرت مصلح موعودؓ نے سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کو لکھا" اس رمضان میں خصوصیت سے آپ کے لئے اور احمد بھائی کے لئے دعائیں کرتا رہا ہوں...... احمد بھائی کے لئے اب مناسب تو یہی ہے کہ جب وہ نظام والا بت ٹوٹ گیا ہے تو اب وہ مخفی بیعت کو ترک کر کے ظاہر ہو جائیں آخر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہجولی والے بت کو توڑ دیا ہے اب تو اُن کو خدا کی راہ سے ہی عزت ملے گی اور جس طرح ان کے اندر اخلاص پایا جاتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ یہ قدم اٹھائیں تو گو انہیں مزید قربانیاں کرنی پڑیں گی مگر دین و دُنیا کی برکات بھی بہت ملیں گی مگر چونکہ اُن کے دل پر دُنیا کی محبت کا رنگ ابھی ہے اس لئے میں زور نہیں دیتا کہ رہا سہا تعلق بھی کمزور نہ پڑ جائے اور اللہ تعالےٰ سے ہی دُعا کرتا ہوں کہ وہ اُن کو ہمت بخشے۔

والسّلام۔ خاکسار

مرزا محمود احمد

نواب صاحب کے مخفی بیعت کے بارے میں حال ہی میں چوہدری صاحب (سر محمد ظفر اللہ خان صاحب) سے لاہور میں گفتگو ہوئی تو انہوں نے فرمایا:۔

"مجھے نواب صاحب (یعنی قبلہ سیٹھ صاحب کے بھائی) کی مخفی بیعت کا علم تھا میں نے اُن سے کہا کہ آپ اپنی بیعت کا اعلانیہ اظہار کیوں نہیں کرتے تو نواب صاحب نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ اگر اس کی نگاہ میں میرا ایسا کرنا بہتر ہے تو مجھے ہمت دے اس پر میں نے پوچھا کہ جب آپ فراخیٔ رزق کے بارے میں اللہ تعالےٰ سے دُعا کرتے ہیں تو کیا اس وقت بھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ اے اللہ اگر تو میرے لئے فراخیٔ رزق کو بہتر جانتا ہے تو فراخی عطا کر انہوں نے کہا نہیں اس پر اس موقعہ پر تو میں بلا شرط دُعا کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے"

فصل چہارم

۱۳۳۳ہش / ۱۹۵۴ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ میں اضافہ خدا تعالیٰ کے پاک وعدوں کے مطابق ۱۹۵۴ء کا سال بھی خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ میں ترقی اور اضافے کا موجب ہوا اور بوستانِ احمد میں اس سال دو نئے پھول کھلے۔ یعنی:

(۱) امۃ العلیم صاحبہ بنت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب (ولادت ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۴ء)[1]

(۲) مرزا طیب احمد صاحب ابن صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب (ولادت ۱۶ دسمبر ۱۹۵۴ء)[2]

"حج فنڈ" خدام الاحمدیہ سندھ کے ایک احمدی دوست فضل الٰہی صاحب ارشد نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں تجویز بھجوائی کہ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ایک فنڈ قائم کرے جس میں زیادہ سے زیادہ خدام شامل ہوں جو ایک روپیہ سالانہ چندہ ادا کریں۔ اس طرح جو رقم جمع ہو اس سے ہر سال کم از کم ایک احمدی کو حج بیت اللہ کرایا جائے۔ حضور نے اس تجویز پر اظہارِ خوشنودی کیا اور فرمایا کہ فی الحال یہ تحریک کی جائے کہ جو شخص چھ سو روپیہ خود ادا کرے اسے اس فنڈ سے مزید چھ سو روپے دیئے جائیں گے تاکہ وہ حج کر کے آسکے۔ اس ارشادِ مبارک کی تعمیل میں سال ۱۹۵۴ء کے شروع میں حج فنڈ مجلس خدام الاحمدیہ کی مد امانت کھول دی گئی[3] اس مبارک تحریک کی بدولت متعدد احمدیوں کو فریضۂ حج بجا لانے کی توفیق ملی[4]۔

---

[1] اخبار "بدر" قادیان ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۴ء صا۔ "الفضل" لاہور ۲۹ اکتوبر ۱۹۵۴ء صا

[2] "الفضل" ۱۲ دسمبر ۱۹۵۴ء صا۔ [3] "الفضل" ۸ صلح ۱۳۳۳ہش (۸ جنوری ۱۹۵۴ء) ص۲

[4] مثلاً (۱) ملک عزیز محمد صاحب ریٹائرڈ ڈرافٹمین پورن نگر سیالکوٹ (۱۹۵۵ء)۔

(۲) ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ ننکانہ (۱۹۵۷ء) (باقی اگلے صفحہ پر)

گورنر جنرل پاکستان کو ولندیزی ترجمہ قرآن کا تحفہ

۲۷ صلح ۱۳۳۳ہش / جنوری ۱۹۵۴ء کو سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے جماعت احمدیہ کے ایک وفد نے مکرم مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر کی قیادت میں ولندیزی ترجمۂ قرآن کا ایک نسخہ ہز ایکسی لینسی گورنر جنرل پاکستان جناب غلام محمد صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ وفد صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے علاوہ مکرم ملک غلام فرید صاحب ایم اے ایڈیٹر تفسیر القرآن انگریزی۔ مکرم سید شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا اور مکرم مولوی عبدالمالک خان صاحب مبلغ سلسلہ پر مشتمل تھا[1]۔ یہ ترجمہ قرآن جماعت احمدیہ کی طرف سے ۱۹۵۳ء میں ہالینڈ کے دارالحکومت ہیگ سے شائع ہوا تھا۔ سلسلہ کے ایک مخالف ہفت روزہ "المنبر" نے اس واقعہ پر حسب ذیل نوٹ لکھا:۔

"پہلا ضابطۂ قیام و ارتقاء یہ ہے وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ[2]؛ ہر وہ چیز جو انسانیت کے لئے نفع رساں ہو اسے زمین پر قیام و بقاء عطا ہوتا ہے۔ رحیم و رحمان کی رحمت کا جوش اور دوام متقاضی ہے کہ انسانیت بڑھے پھولے اور ترقی پائے۔ اسی مقصد کیلئے کائنات میں "نفع رسانی" کا عنصر سب پر غالب رکھا گیا ہے۔ اور جس چیز میں یہ جوہر جب تک موجود رہتا ہے۔ اس کی حفاظت عناصر فطرت کے ذمہ بطور فرض عائد ہے۔ درخت کے پتے خواہ کانٹے دار درختوں کے ہوں یا پھل دار اشجار کے۔ جب تک زہریلی گیسوں کو جذب کرتے اور صحت آور ہوا باہر پھینکتے رہتے ہیں۔ درخت کی جڑ انہیں غذا ہم پہنچاتی رہتی ہے لیکن جونہی ان کی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ ٹہنیاں انہیں اپنے جسم سے کاٹ دیتی ہیں اور وہ ایندھن کی شکل

بقیہ حاشیہ:۔ (۳) ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیل سابق مبلغ اٹلی۔ مغربی افریقہ۔

(۴) قریشی محمد مطیع اللہ صاحب آف سیالکوٹ (۱۹۵۵ء)

(۵) نذیر احمد صاحب کلاتھ مرچنٹ گولبازار ربوہ (۱۹۶۴ء)

(۶) چوہدری محمد رمضان صاحب برادر چوہدری محمد حسین صاحب مؤذن مسجد مبارک ربوہ (۱۹۶۶ء)

رسالہ "خالد" فروری ۱۹۵۵ء آخری سرورق۔ مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۴۷۔ جون ۱۹۵۶ء آخری سرورق۔ اکتوبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۱۷۔

[1] "المصلح" کراچی ۲۰ صلح ۱۳۳۳ہش / جنوری ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۔ [2] سورۃ الرعد: ۱۸

میں بھاڑوں اور چولہوں میں ڈال دیئے جاتے ہیں ۔

قادیانیت میں نفع رسانی کے جو جوہر موجود ہیں ان میں اوّلین اہمیت اس جدوجہد کو حاصل ہے جو اسلام کے نام پر وہ غیر مسلم ممالک میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ قرآن مجید کو غیر ملکی زبانوں میں پیش کرتے ہیں۔ تثلیث کو باطل ثابت کرتے ہیں۔ سید المرسلین کی سیرت طیبہ کو پیش کرتے ہیں۔ ان ممالک میں مساجد بنواتے ہیں اور جہاں کہیں ممکن ہو۔ اسلام کو امن وسلامتی کے مذہب کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں ...... یہ امر قابلِ اعتراف ہے کہ " فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ ۔ کا فرض جو اُمّتِ محمدیہ پر عائد کیا گیا تھا اُمّت کی کوتاہی کے باعث معطل یا کم از کم نیم معطّل تھا۔ اس باطل گروہ کے ذریعہ اسلام اور صاحب اسلام کا رسمی تعارف اور بعض حصوں میں تفصیلی تعارف ان کے ذریعہ کرایا جا رہا ہے اور جب تک کوئی صحیح العقیدہ گروہ آگے بڑھ کر کرۂ ارضی کے تمام باشندوں میں اسلام کی دعوت کا بیڑہ نہیں اٹھالیتا۔ عین ممکن ہے کہ صرف اسی کام کے لئے اس جماعت کو نعمتِ زندگی عطا کی جائے ۔

غیر مسلم ممالک میں قرآنی تراجم اور اسلامی تبلیغ کا کام صرف اسی اصول " نفع رسانی " کی وجہ سے قادیانیت کے بقاء اور وجود کا باعث ہی نہیں ہے ظاہری حیثیت سے بھی اس کی وجہ سے قادیانیوں کی ساکھ قائم ہے۔ ایک عبرت انگیز واقعہ خود ہمارے سامنے وقوع پذیر ہوا ۔ ۱۹۵۴ء میں جب جسٹس منیر انکوائری کورٹ میں علم اور اسلامی مسائل سے دل بہلا رہے تھے اور تمام مسلم جماعتیں قادیانیوں کو غیر مسلم ثابت کرنے کی جدّوجہد میں مصروف تھیں۔ قادیانی عین انہی دنوں ڈچ اور بعض دوسری غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ قرآن کو مکمل کر چکے تھے۔ اور انہوں نے انڈونیشیا کے صدر حکومت کے علاوہ گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمدؐ اور جسٹس منیر کی خدمت میں یہ تراجم پیش کئے۔ گویا وہ بزبانِ حال وقال یہ کہہ رہے تھے کہ ہم ہیں وہ غیر مسلم اور خارج از ملّت اسلامیہ جماعت جو اس وقت جبکہ ہمیں آپ لوگ " کافر " قرار دینے کے لئے پَر تول رہے ہیں۔ ہم غیر مسلموں کے سامنے قرآن اُن کی مادری زبان میں پیش کر رہے ہیں ۔

غور فرمایئے ان لوگوں کا تأثر کیا ہوگا ؟ اور قادیانیوں کا یہ کام ان کی زندگی اور ترقی میں کس حد تک ممد و معاون ہے "۔ [1]

---

[1] ۔ ہفت روزہ " المنبر " لائل پور ۲ / مارچ ۱۹۵۶ء ص۱ ۔

مسجد احمدیہ "دارالذکر" لاہور کا سنگ بنیاد

۱۹۴۷ء کے بعد لاہور میں جماعت کی تعداد ترقی کر گئی اور مسجد احمدیہ بیرون دہلی دروازہ بالکل ناکافی ثابت ہوئی تو حضرت مصلح موعودؓ نے تحریک فرمائی کہ اب یہاں کی مسجد ان کی ضرورت کے لئے کافی نہیں۔ انہیں کوئی اور مسجد بنانی چاہیئے۔ اس تحریک پر مخلصین جماعت نے جوش اور اخلاص سے لبیک کہا اور بہت جلد ۲۲ ہزار کے وعدے ہوئے اور وصولی بھی تقریباً ۱۶ - ۱۷ ہزار کی ہوگئی لیکن جماعت زمین نہ خرید سکی اور معاملہ التواء میں پڑتا چلا گیا۔ جس پر حضور نے ۱۵ر جنوری ۱۹۵۴ء کو رتن باغ لاہور میں خاص اسی غرض سے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور لاہور کے دوستوں کو نصیحت فرمائی کہ "وہ جلدی مسجد بنائیں۔ اس کے لئے تم زیادہ انتظار نہ کرو۔ معمولی چاردیواری بناؤ اور نماز پڑھنی شروع کر دو" نیز فرمایا۔ "یہ نئی مسجد بھی کسی وقت تمہارے لئے تنگ ہو جائے گی۔ اس لئے تم جامع مسجد کسی کو نہ کہو۔ .... تمہیں کیا معلوم کہ خدا تعالیٰ یہاں احمدیت کو کتنی ترقی دینا چاہتا ہے؟۔ فرض کرو تم دو یا چار کنال میں جامع مسجد بنا دو اور لاہور کے دس لاکھ آدمیوں میں سے دو لاکھ احمدی ہو جائیں تو اسمیں جمعہ کی نماز کہاں پڑھ سکتے ہیں؟۔ ان کے لئے تو پچاس ایکڑ میں مسجد بنانی پڑے گی۔ پس ابھی کوئی نام نہ رکھو۔ بس اپنی ضروریات کے لئے ایک نئی مسجد بنالو"[1] حضور کے اس اثر انگیز خطبے نے جماعت لاہور کے اندر ایک نئی رُوح پھونک دی اور خدا کے فضل سے گڑھی شاہو میں چھ کنال زمین کا ایک مناسب اور باموقعہ قطعہ بھی خرید لیا گیا۔

سنگِ بنیاد کے لئے حضور نے ۲۲ر فروری ۱۹۵۴ء کا دن مقرر فرمایا۔ مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ لاہور نے بنیاد کھودی اور سڑک سے سٹیج تک اور سٹیج سے جائے بنیاد تک ایک راستہ بنایا جو قریباً پانچ سو فٹ لمبا تھا۔ نیز دریوں۔ شامیانوں اور قناتوں کا انتظام کیا اور سڑک سے جائے بنیاد تک معروف اور مخلص خدام دو رویہ قطار میں کھڑے تھے کہ حضرت مصلح موعودؓ رتن باغ سے دس بجے تشریف لائے۔ حضور نے پہلی زیر تجویز جگہ کی بجائے ایک دوسری جگہ بنیاد کیلئے پسند فرمائی اور وہیں حضور نے اپنے دستِ مبارک سے سنگِ بنیاد رکھا اور حاضرین

---

[1] "بدر" قادیان ۱۴ر مارچ ۱۹۵۴ء صفحہ ۵-۴۔ و "لاہور تاریخ احمدیت" صفحہ ۲۶۸ از مکرم شیخ عبدالقادر صاحب۔

سمیت دُعا فرمائی۔[1]

یہ وہی مسجد ہے جو اب علامہ اقبال روڈ پر "دارالذکر" کے نام سے مشہور ہے۔ مسجد دارالذکر کی بنیاد محترم جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور کے عہدِ امارت میں رکھی گئی مگر اس کی تکمیل چوہدری اسد اللہ خان صاحب کے زمانۂ امارت میں ہوئی۔[2] چوہدری صاحب نے چندہ کی فراہمی کے لئے ایک مسجد کمیٹی بنائی جس نے مختلف حلقوں میں دورے کر کے چندہ فراہم کیا۔ اور نہ صرف مختلف مواقع پر سرکردہ احباب کو براہِ راست تحریک کی بلکہ اپنے خطبات میں متواتر اور مسلسل پُر زور طریقے سے احبابِ جماعت کو اس جماعتی فریضہ کی طرف توجہ دلائی۔ مولانا شیخ عبدالقادر صاحب کی کتاب "لاہور تاریخ احمدیت" سے معلوم ہوتا ہے کہ فروری ۱۹۶۶ء تک تین لاکھ روپے اس عالی شان مسجد کی تعمیر پر خرچ ہوئے۔

جلالۃ الملک شاہ سعود سے جماعتِ احمدیہ کراچی کے ایک وفد کی ملاقات

جماعت احمدیہ کراچی کے ایک وفد نے ۱۵ اپریل ۱۹۵۴ء کو شاہ سعود ابن عبدالعزیز حکمران سعودی عرب سے ملاقات کر کے جماعت کی طرف سے ان کی آمد پر مبارکباد دی۔ شاہ سعود نے جماعت کے وفد سے مل کر اظہارِ خوشنودی فرمایا۔ وفد مولوی عبدالمالک خانصاحب مبلغ کراچی۔ جنرل سیکرٹری صاحب جماعت کراچی۔ مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ و سیکرٹری تبلیغ کراچی اور مولوی نورالحق صاحب انور سابق نائب وکیل التبشیر پر مشتمل تھا۔ جب شاہ موصوف کو بتایا گیا کہ مولوی نورالحق صاحب انور فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کے لئے امریکہ جا رہے ہیں تو شاہ موصوف نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی کامیابی کے لئے دُعا کی۔ جماعتِ احمدیہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلسلہ کی کتب کا ایک سیٹ بھی پیش کیا گیا۔[3]

ربوہ میں بجلی کی رَو کا افتتاح

۹ جون ۱۹۵۴ء کو ربوہ میں نمازِ عشاء کے بعد بجلی کی کرنٹ کا افتتاح ہوا۔ آئی۔سی۔ڈی کمپنی لمیٹڈ ربوہ کے زیرِ انتظام مسجد مبارک

---

[1] ہفت روزہ "بدر" قادیان ۱۴ مئی ۱۹۵۴ء صٖ۲ ۔ [2] آپ مئی ۱۹۵۴ء میں لاہور کے امیر مقرر ہوئے۔
[3] "الفضل" ۲۰ اپریل ۱۹۵۴ء صٖ۱ و "بدر" قادیان ۷ مئی ۱۹۵۴ء صٖ۸ ۔

کی پیشانی اور بڑے دروازہ پر مختلف رنگوں کے بلب لگائے گئے تھے اور شارع صدر پر کھمبوں کے ساتھ ٹیوبیں نصب تھیں۔ جونہی بجلی کی رو آئی، مسجد مبارک اور شارع صدر جگمگا اٹھے اور ربوہ بقعہ نور بن گیا۔ اس موقعہ پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے کثیر احباب سمیت دعا فرمائی۔[1]

ایک احمدی کوہ پیما کی کامیابی

ماؤنٹ ایورسٹ کے بعد کوہ ہمالیہ کی دوسری بلند ترین اور انتہائی دشوار گذار چوٹی ماؤنٹ گاڈون آسٹن MOUNT GODWIN AUSTIN (K.2) ہے۔ اس چوٹی کو ۱۹۰۴ء سے سر کرنے کی کوششیں کی جارہی تھیں جو اس سال بار آور ہوئیں اور ۳۱ جولائی کو اسے سر کر لیا گیا۔[2] اس کامیاب مہم کا سہرا جس اطالوی ٹیم کے سر رہا اس کے ایک اہم ممبر پاکستانی کوہ پیما اور مخلص احمدی جوان کرنل محمد عطاء اللہ صاحب بھی تھے۔[3]

۱؎ روزنامہ "الفضل" لاہور ۱۳، ۱۷ جون ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۔

۲؎ "مغربی پاکستان" لاہور ۵ اگست ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۔

۳؎ کرنل محمد عطاء اللہ صاحب ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے پنجاب میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد مزید تعلیم لاہور میں حاصل کی ۱۹۲۸ء میں ایم بی بی ایس کا امتحان میڈیکل کالج لاہور سے امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور مزید تعلیم انگلینڈ میں حاصل کی جہاں سے دیگر اعلیٰ ڈگریوں کے علاوہ آنکھ کے ماہر بن کر لاہور تشریف لائے۔ ۱۹۳۱ء میں آپ کو فوج میں کمیشن ملا۔

آپ میڈیکل کور کے افسر ہونے کے علاوہ ڈیرہ اسمٰعیل خان ہری پور اور پشاور میں سپرنٹنڈنٹ جیل بھی رہ چکے تھے۔ دوسری جنگ عظیم میں سینکڑوں افسروں میں سے منتخب کرنے کے بعد آپ کو اپنی قابلیت اور حسن انتظام کی وجہ سے بیس فیلڈ ہسپتال کا کمانڈنگ افسر بنا کر ایران کے محاذ پر بھیجا گیا۔ اس محاذ کے اعلیٰ حکام آپ کی غیر معمولی قابلیت اور حسن انتظام سے اس قدر متأثر ہوئے کہ ہر مشکل کام میں آپ کی خدمات جلیلہ سے فائدہ اٹھایا گیا چنانچہ مصیبت زدگان کے انخلاء کا کام آپ کے سپرد کیا گیا جسے آپ نے بطریق احسن انجام دیا۔ زاں بعد جب ایران میں خوراک کے مسئلہ نے نازک صورت اختیار کی تو آپ کو ایرانی محکمۂ خوراک کا انچارج بطور

جامعۃ المبشرین کی پختہ عمارت کی بنیاد

کئی سال سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ دوسری مرکزی درس گاہوں کی طرح مرکز میں جامعۃ المبشرین جیسی اہم درس گاہ کی پختہ عمارت بھی تعمیر ہو۔ اس سال اللہ تعالیٰ نے اس کے اسباب مہیّا فرما دیئے۔ مکرم مولوی ابوالعطاء صاحب پرنسپل جامعۃ المبشرین اور دیگر اساتذہ جامعہ کی تحریک پر جماعت کے کئی مخیّر دوستوں نے اس کے لئے چندہ دیا اور تحریک جدید کی نگرانی میں تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ کے مغربی جانب بنیادوں کی کھدائی کا کام شروع کر دیا گیا۔

سیدنا حضرت مُصلح موعودؓ نے سفر کراچی وسندھ پر جانے سے ایک روز قبل ۵ احسان/جون کو تین بنیادی اینٹوں پر دُعا فرمادی اور ۲۵ ظہور/اگست ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء کو حضرت مولوی غلام رسول صاحب نے یہ تینوں مبارک اینٹیں بطور بنیاد رکھیں۔ پھر ایک ایک اینٹ مندرجہ ذیل بزرگوں کے ہاتھوں رکھی گئی:۔

حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ناظر اعلیٰ۔ حضرت مولوی محمد دین صاحب ناظر تعلیم وتربیت

بقیہ حاشیہ:۔ حکومت کے مشیر اور وزیر کے مقرر کیا گیا ہے۔ آپ نے اپنے حُسنِ انتظام سے ملک کو قحط کے خطرہ سے بچا لیا۔ ان خدمات کے صلہ میں حکومت نے آپ کو او۔ بی۔ ای (O.B.E) کا خطاب دیا۔ تقسیم ہند کے بعد کشمیر کے محاذ پر آپ کو ڈائرکٹر آف میڈیکل سروسز مقرر کیا گیا۔ ۱۹۵۳ء میں ہمالیہ کی دوسرے نمبر کی اونچی چوٹی پر چڑھائی کے لئے جو امریکی مہم گئی تھی۔ آپ اس کے ساتھ بھی تھے۔ مگر یہ مہم ناکام واپس آئی۔ ۱۹۵۴ء میں آپ اطالوی مہم میں شریک ہوئے اور بفضلہٖ تعالیٰ کامیاب و بامراد واپس آئے۔

نئی دہلی کے مشہور اخبار سٹیٹسمن کے سابق ایڈیٹر مسٹر آئین سٹیفنز نے اپنی کتاب HORNED MOON میں موصوف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

آپ ذرا اندازہ کیجئے۔ ایک چھوٹے قد گٹھے ہوئے جسم کے چاق وچوبند انسان کا، جس کے سر سے بال قدرے غائب۔ عُمدہ گیند نما پیشانی۔ دونوں آنکھوں کے درمیان کافی فاصلہ مناسب خدّوخال۔ حاضر الخیالی کا مجسمہ۔ ٹھوڑی پر خشخشی داڑھی۔ یہ لینن کی شکل ہے جیسا کہ اس کی تصاویر سے ظاہر ہے۔ یہی تفصیل کرنل عطاء اللہ پی۔ اے ایم۔ سی کی ہے جن کے ساتھ میں نے آزاد کشمیر کا

حضرت ڈاکٹر غلام غوث صاحب۔ حضرت مولوی علی احمد صاحب بھاگلپوری ایم۔اے پروفیسر جامعۃ المبشرین۔ مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعۃ المبشرین۔

بعد ازاں تمام حاضرین نے دعا کی۔[1]

جامعۃ المبشرین کی یہ پختہ عمارت نہایت تیزی سے مکمل کی گئی اور اس عمارت میں قریباً سات سال تک تعلیم و تعلّم کا سلسلہ جاری رہا۔ ازاں بعد سیّد داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ[2] کی کوشش سے جب جامعہ کی موجودہ شاندار عمارت تیار ہوئی اور ۳؍دسمبر ۱۹۶۱ء کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے دستِ مبارک سے اس کا افتتاح ہوا تو جامعہ کی پہلی عمارت دارالاقامہ (ہوسٹل) کے طور پر استعمال ہونے لگی۔ لیکن یہ عمارت اب ہوسٹل کی ضروریات کے لئے بھی مکتفی نہ رہی تھی اس لئے سیّد داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ نے اس کی جگہ جدید طرز کے ایک نہایت وسیع ہوسٹل کی تعمیر شروع کروا دی جو ان کی وفات (۲۴/۲۵ اپریل ۱۹۷۳ء) کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچی۔[3]

بقیہ حاشیہ: بہت سا سفر کیا ہے۔ وہ حکمانہ دورے پر تھے۔ کشمیر کی جنگ کے دوران میں انہوں نے اپنا بہت سا وقت کشمیر میں صرف کیا تھا۔ ہسپتالوں کا انتظام، ایمبولینس، بمبارڈ سویلین، عوام، زخمی رضا کاروں کے لئے طبی انتظام میں منہمک رہتے۔

کرنل عطاء اللہ صاحب نہایت قوی دل کے مالک اور وسیع النظر جرمن نسل کے انسانوں کی طرح گٹھے ہوئے جسم والے ہیں۔ جہاں تک میں نے دیکھا ان کا اپنے ماتحت افسروں سے برتاؤ ضبط اور انتظام کو قائم رکھتے ہوئے نہایت ہمدردانہ تھا۔ چونکہ وہ کشمیر کے ساتھ بطور ڈاکٹر نہ کہ سیاست دان ابتداء سے ہی وابستہ رہے ہیں اس لئے آزاد کشمیر کے سفر کے دوران میں ان کے ساتھ تبادلہ خیالات کرنے سے مجھے اپنے قائم کردہ تازہ تازہ نقطہ ہائے نگاہ کو پرکھنے کا کافی موقعہ مل گیا۔ (ترجمہ) (روزنامہ "الفضل" لاہور ۱۷؍ظہور ۱۳۳۳ہش / اگست ۱۹۵۴ء صفحہ ۵)

[1] "الفضل" ۲۹؍اگست ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۔

[2] یاد رہے کہ یکم جولائی ۱۹۵۷ء کو سیدنا حضرت مصلح موعود نے فیصلہ صادر فرمایا کہ جامعہ احمدیہ کو جامعۃ المبشرین میں مدغم کرکے ایک ادارہ بنا دیا جائے۔ حضور نے سیّد داؤد احمد صاحب کو اس نئے جامعہ احمدیہ کا پہلا پرنسپل مقرر فرمایا۔

[3] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "سیرت داؤد" صفحہ ۴۷ تا ۶۱۔ ناشر الجمعیۃ العلمیہ بالجامعۃ الاحمدیہ ربوہ۔

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی نئی عمارت کا افتتاح

۶؍دسمبر ۱۹۵۴ء / فتح ۱۳۳۳ہش کو سیدنا المصلح الموعودؓ کے دستِ مبارک سے تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی نئی عمارت کا افتتاح ہوا۔ اس موقعہ پر حضور نے ایک نہایت ہی پُروقار تقریب میں کالج کے طلباء سے ڈیڑھ گھنٹہ تک ایک بصیرت افروز خطاب فرمایا جس میں انہیں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور اس طرح اپنے کالج کی اسلامی روایات برقرار رکھنے کی طرف نہایت مؤثر پیرائے میں توجہ دلائی اور نصیحت فرمائی کہ اگر وہ اسلامی ضابطہ اخلاق کو، جو ہر قسم کے فرقہ وارانہ اختلافات سے بالا ہے، اپنا شعار بنالیں اور اپنی زندگیوں کو اسلامی رنگ میں رنگین کرلیں تو وہ صحیح معنوں میں ملک و قوم کے معمار کہلانے کے مستحق ہو جائیں گے اور اُن کا نفع رساں وجود قومی زندگی میں ایک انقلابِ عظیم برپا کرنے کا موجب بن جائے گا۔ اس ضمن میں حضور نے علم کی تعریف، حصولِ علم کے ذرائع اور پھر قول و فعل میں مطابقت کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور قرآن کریم کے نقطہ نگاہ سے علم کے ہر شعبہ کی اہمیت کو نہایت وضاحت سے بیان فرمایا۔

اس تقریب میں اصحاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علاوہ صدر انجمن احمدیہ کے ناظر اور تحریک جدید کے وکلاء صاحبان، سلسلہ کے سب مرکزی تعلیمی اداروں کے ممبرانِ اسٹاف اور بعض دیگر صیغہ جات کے انچارج بھی تشریف لائے ہوئے تھے علاوہ ازیں گورنمنٹ کالج سرگودھا اور اسلامیہ کالج چنیوٹ کے پرنسپل اور سٹاف کے بعض دیگر ممبران نے بھی شرکت فرمائی۔ خطاب کے بعد حضور نے کالج کے جملہ طلباء، اور باہر سے آئے ہوئے بعض احباب کو شرفِ مصافحہ بخشا پھر تعلیم الاسلام کالج ہوسٹل میں مہمانوں کے ساتھ دوپہر کا کھانا تناول فرمایا اور پھر واپس تشریف لے گئے۔[۱] (اس مبارک تقریب کے مفصّل واقعات "تاریخِ احمدیت" جلد ۱۵ صفحہ ۱۱۴ ـ ۱۱۸ میں آچکے ہیں۔)

بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں

۱۹۵۴ء / ۱۳۳۳ہش میں جماعت احمدیہ کے مشنوں نے اسلام کا نُور ہر جگہ پھیلانے اور مسلمانوں کی خدمات بجا لانے کی کوششیں برابر جاری رکھیں اور اس کے بہت شاندار نتائج پیدا ہوئے۔ اس سلسلہ میں بعض مشنوں کے چند ضروری واقعات اور کوائف کا تذکرہ ضروری ہے۔

---

[۱] "الفضل" ۷، ۸ دسمبر ۱۹۵۴ء / فتح ۱۳۳۳ہش (روداد) "الفضل" ۶، ۷ دسمبر ۱۹۵۵ء / فتح ۱۳۳۴ہش (حضرت امیرالمومنین کی تقریر کا متن)۔

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی افتتاحی تقریب کے موقع پر گروپ فوٹو

حضرت مصلح موعودؓ کالج اسٹاف سے مصافحہ فرما رہے ہیں

انڈونیشیا مشن:۔ مغربی جاوا کا گاؤں مانس لور MANIS LOR چری بون شہر کے قریب واقع ہے۔ اس گاؤں میں تبلیغ کی ابتداء ایک ایسے مخلص احمدی کے ذریعہ ہوئی جو باہر کے علاقہ سے متعین ہو کر وہاں آیا تھا۔ پہلے پہل جب ایک چھوٹی سی جماعت قائم ہوئی تو اسے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر احمدیوں کے استقلال کو دیکھ کر کئی سعید الفطرت احمدی ہو گئے اور بالآخر اس سال چند دنوں میں ہی یہ پورا گاؤں آغوش احمدیت میں آگیا۔ اس وقت گاؤں میں بسنے والے بالغ افراد کی تعداد ۴۰۰ تھی۔ اس گاؤں کی تبلیغ میں جماعت احمدیہ انڈونیشیا کے مقامی مبلّغ جناب حاجی بصری حسن صاحب کی مخلصانہ کوششوں کا بہت دخل تھا۔[1]

مشرقی افریقہ مشن:۔ شیخ مبارک احمد صاحب رئیس التبلیغ و امیر جماعت احمدیہ مشرقی افریقہ نے سلطان زنجبار سید خلیفہ بن ہارود کی خدمت میں اُن کی ۷۵ ویں یوم پیدائش پر مبارکباد اور نیک جذبات کا تار دیا جس کا شکریہ انہوں نے اپنے ایک برقی پیغام میں ادا کیا۔ علاوہ ازیں مبلغ سلسلہ مولوی جلال الدین صاحب قمرؔ اور چوہدری مختار احمد صاحب ایازؔ پر مشتمل ایک وفد نے ان کو "سواحیلی ترجمۃ القرآن" کا تحفہ پیش کیا۔ جسے انہوں نے نہایت مسرت کے ساتھ قبول کیا۔[2]

نائیجیریا مشن:۔ ۱۔ "دی مسلم ویلفیئر ایسوسی ایشن ایسٹ افریقہ (THE MUSLIM WELFARE ASSOCIATION EAST AFRICA) مشرقی افریقہ کے مسلمانوں کی ایک مشہور سوسائٹی کا نام ہے جس کے سرپرست اُن دنوں اسماعیلی فرقہ کے مشہور لیڈر سر آغا خاں تھے۔ اس سوسائٹی کا ایک وفد خیر سگالی ۲۳ احسان/جون کو لیگوس (نائیجیریا) میں پہنچا وفد پانچ ارکان پر مشتمل تھا اور اس کے لیڈر مسٹر عبد الکریم جی میئر آف دارالسلام تھے۔ شام کو لیگوس کے ممتاز مسلمانوں کا ایک نمائندہ اجلاس منعقد ہُوا جس میں مولوی نور محمد صاحب نسیم سیفی امیر جماعت ہائے احمدیہ نائیجیریا نے بھی شرکت کی۔ اجلاس کا افتتاح لیگوس ٹاؤن کونسل کے ایک ممبر نے کیا۔ الحاج اے۔ کے لاگوڈا A.K. LAGUDA

---

[1] الفضل ۹ تبوک ۱۳۳۳ہش / ۹ ستمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۴۔ مضمون حافظ قدرت اللہ صاحب سیکرٹری احمدیہ مسلم مشن انڈونیشیا۔

[2] الفضل ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۴ء / اخاء ۱۳۳۳ہش صفحہ ۲۔

سیکرٹری مُسلم و یلفیئر ایسوسی ایشن لیگوس نائیجیریا نے مسلمانوں کی زبوں حالی کا ذکر کرتے ہوئے وفد کو بتایا کہ :۔

" ہمارے آباء و اجداد تعلیم سے بالکل بے بہرہ تھے وہ صرف نام کے مسلمان تھے۔اسلام کی حقیقت اور فلاسفی کا انہیں ذرہ بھر بھی علم نہ تھا اگر احمدیت ہمارے مُلک میں داخل نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ ہم کبھی کے عیسائی بن چکے ہوتے اور آج نائیجیریا میں اسلام کا نام ونشان نہ ملتا۔لیکن جب سے احمدیت نے ہمارے مُلک میں پاؤں رکھا ہے نہ صرف یہ کہ ہمیں عیسائیت کے پنجہ سے نجات ملی بلکہ ہم نے زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کی اور اسی کے طفیل آج آپ لوگ چند ایک پڑھے لکھے مسلمانوں سے مل سکتے ہیں۔جماعت احمدیہ ہی ایک ایسی جماعت ہے جس نے نائیجیریا میں سب سے پہلا سکول جاری کیا۔"

ایک اور غیر احمدی مقرر نے نائیجیریا پریس کا ذکر کرتے ہوئے وفد کو بتایا کہ اگرچہ نائیجیریا میں مسلمان اکثریت میں ہیں لیکن حال یہ ہے کہ آج تک اُن میں سے کوئی بھی اس قابل نہ ہُوا کہ ایک مسلمان اخبار جاری کرے جس کے ذریعے ہماری اولادیں اسلام کی صحیح رُوح کو سمجھ سکیں اگر کسی کو توفیق ملی ہے تو وہ صرف جماعت احمدیہ ہی ہے جس نے ایک اخبار THE TRUTH جاری کر رکھا ہے۔

اگلے روز یہ وفد مسلم کانگریس آف نائیجیریا کی دعوت پر نائیجیریا کے سب سے بڑے شہر ابادان میں گیا۔کانگریس کے جنرل سیکرٹری نے بذریعہ تار مکرم سیفی صاحب کو شمولیت کی دعوت دی جس پر آپ بھی تشریف لے گئے۔

اسی روز شام کے دس ہزار مسلمانوں کا ایک جلسہ عام منعقد ہُوا جس میں لیگوس کے مسلم زعماء نے خطاب کیا۔مکرم سیفی صاحب کی دوسری تقریر تھی آپ نے وفد کا خیر مقدم کرتے ہوئے فرمایا کہ وفد کی آمد ہمارے لئے ایک سبق ہے اور وہ یہ کہ مسلمان خواہ دُنیا کے کسی خطہ سے تعلق رکھیں خواہ مختلف زبانیں بولنے والے ہوں یا مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہوں جب تک وہ مسلمان ہیں سب کے سب ایک ہیں کیونکہ ہمارا خدا ایک ہمارا رسول ایک اور ہماری کتاب ایک ہے۔آپ کی تقریر از حد پسند کی گئی اور صدر جلسہ نے بھی اسے خوب سراہا اور کم از کم چار دفعہ حاضرین کو بتایا کہ جناب سیفی صاحب چونکہ مشنری ہیں اس لئے اگر دوسرے مقرر ان جیسی عمدہ تقریر نہ بھی کر سکیں تو تعجب کی بات نہیں۔اس یادگار تقریر کے بعد چند اور تقاریر ہوئیں اور سات بجے شب کے قریب جلسہ

اختتام پذیر ہوا اور ممبران وفد نائیجیریا میں سہ روزہ قیام کے بعد گولڈ کوسٹ (غانا) کی طرف روانہ ہو گیا۔[1]

مکرم نسیم سیفی صاحب اس واقعہ پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں[2]:

"احمدیہ جماعت کو مغربی افریقہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسی عظیم الشان کامیابی نصیب ہوئی ہے کہ اس نے دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں بھی ایک امید کی شعاع پیدا کر دی ہے ان کے بعض افراد کے دل میں بھی یہ جذبہ موجزن ہو گیا ہے کہ مغربی افریقہ میں اسلام کی چلتی گاڑی کو ہاتھ لگا ہی دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس جذبہ کے ماتحت مشرقی افریقہ کے پاکستانی اور ہندوستانی مسلمانوں کا ایک وفد سیٹھ کریم جی کی قیادت میں نائیجیریا پہنچا۔ اگرچہ "ٹروتھ" TRUTH جمعہ کے روز شائع ہوتا تھا لیکن ان کی آمد کے پیش نظر اور ان کو خوش آمدید کہنے کے لئے مَیں نے اس ہفتہ پرچہ بدھ ہی کے روز شائع کر دیا۔ کیونکہ وہ اس دن لیگوس پہنچ رہے تھے۔ کثیر تعداد میں مسلمان ہوائی اڈے پر پہنچے ہوئے تھے۔ مَیں بھی اس استقبال میں کسی سے پیچھے نہ تھا۔ مجھے تو ہمیشہ یہ خواہش رہی تھی کہ دوسرے مسلمان بھی آگے آئیں اور جس قدر بھی اور جس رنگ میں بھی ممکن ہو اسلام کی خدمت کر کے احمدیہ جماعت کا ہاتھ بٹائیں۔ چنانچہ مَیں نے اس وفد کے لیگوس پہنچنے پر ان کے استقبال کے لئے اپنا اخبار ٹروتھ جس کے پہلے صفحہ کی سب سے بڑی خبر اس وفد کی آمد تھی پیش کیا۔ وفد ہوائی اڈہ سے سیدھا لیگوس کے مقامی حاکم OBA ADELE II کے محل پہنچا۔ وہاں ایک چھوٹی سی تقریب منعقد کی گئی اور اس کے بعد انہیں ان کی جائے رہائش پر لے جایا گیا۔

شام کے وقت لیگوس کے تمام مقتدر مسلمان ان سے ملاقات کے لئے مدعو تھے۔ حُسنِ اتفاق دیکھئے کہ جب لیگوس کے مسلمانوں کی طرف سے انہیں ایڈریس (غیر رسمی) پیش کیا جانے لگا یا یوں کہیئے کہ جب لیگوس کے مسلمانوں کا تعارف کرایا جانے لگا تو مقرر نے نصف گھنٹہ تک احمدیہ جماعت ہی کی مساعی کو پیش کیا۔ انہوں نے بتایا کہ کس طرح احمدیہ جماعت کے نائیجیریا میں قیام سے قبل عام مسلمانوں کی سماجی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اپنے آپ کو مسلمان کہلانا کارے دارد والا معاملہ تھا کیونکہ

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۳ر اخاء ۱۳۳۳ہش ۳ر اکتوبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۴۔
[2] غیر مطبوعہ سوانح۔

مسلمان کہلا کر پھر کوئی شخص معاشرہ میں عزت کی نگاہ سے نہ دیکھا جاسکتا تھا حتّٰی کہ اگر کوئی شخص رومی ٹوپی پہن کر باہر نکلتا تھا تو سب لوگوں کی کیفیت یہ رہتی تھی کہ وہ اس پر پتھراؤ کرنے کے درپے نظر آتے تھے اس مقرر نے (ان کا نام مسٹر اے کے لاگوڈا تھا) وضاحت کے ساتھ بتایا کہ جب سے احمدیہ جماعت نے کام شروع کیا ہے اور سکولوں کا آغاز کیا ہے نائیجیریا کے مسلمانوں کی حالت بالکل بدل گئی ہے۔ اور اب تو وہ اللہ کے فضل سے گردن اونچی کر کے فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور یہ کہ وہ وقت قریب ہے جب اسلام دنیا میں اپنی جگہ پیدا کر کے رہے گا۔ اس سے اگلے روز اباداں IBADAN میں مسلم کانگریس آف نائیجیریا نے اس وفد کے استقبال کا انتظام کیا ہوا تھا میں بھی وہاں مدعو تھا۔ اباداں لیگوس سے کوئی سوا سو میل کے فاصلہ پر ہے۔ بارش کی وجہ سے سڑک خراب تھی۔ راستے میں کئی جگہوں پر موٹروں کو رک رک کر چلنا پڑتا تھا۔ چنانچہ میں اور میرے ساتھی کسی قدر تاخیر کے ساتھ اباداں پہنچے لیکن یہ تاخیر بھی ایک رنگ میں مفید اور دلچسپ ثابت ہوئی جب میں اباداں کی حدود میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ کچھ فاصلہ پر ایک جلوس جا رہا ہے۔ حاجیوں نے اپنے زرق برق لباسوں سے جلوس کی شان دو بالا کر رکھی ہے ابھی میری موٹر ذرا ہی آگے بڑھی تھی کہ جلوس رک گیا اور مسلم کانگریس کے سیکرٹری حاجی اشولا صاحب دوڑتے ہوئے میری طرف آئے اور مجھے موٹر سے اتار کر جلوس کی طرف لے گئے۔ وفد کے اراکین کچھ متحیر نظر آ رہے تھے غالباً ان کو اس بات کی امید نہ تھی کہ ایک احمدی مبلغ کا اتنا خیال رکھا جاتا ہوگا لیکن اشولا صاحب تو جانتے تھے کہ میں نے ہر ممکن کوشش کر کے مسلم کانگریس کے نام کو آگے بڑھایا تھا اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ مسلم کانگریس میرا خیال نہ رکھے۔ بہرحال جلوس جامع مسجد میں پہنچا اور وہاں استقبالیہ جلسہ منعقد کیا گیا اور ایک لکھا ہوا ایڈریس وفد کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ ایڈریس پیش کرنے والوں نے وہیں ایڈریس پر دستخط کئے اور ان میں سے پہلے مجھ سے دستخط کروائے گئے۔ شام کے وقت لیگوس میں گلوور میموریل ہال میں انہیں استقبالیہ دیا جانے والا تھا چنانچہ اباداں کے استقبالیہ جلسہ میں شرکت کے بعد میں لیگوس پہنچا۔ گلوور ہال میں مقامی حاکم اوبا اڈیلے OBAADELE نے تقریر کی اور اس کے بعد میں نے تقریر کی۔ میں نے اپنی تقریر میں چند ایک باتیں تو وفد سے کہیں اور چند ایک باتیں مقامی مسلمانوں سے۔ اس کے بعد فیڈرل حکومت کے وزیر تعلیم (جو بعد میں شمالی نائیجیریا کے گورنر مقرر

ہوئے) نے تقریر کی اور پھر ایک دو اصحاب کو بھی اظہارِ خیال کا موقعہ دیا گیا۔

۲۔ ۱۹۵۵ء سے نائیجیریا کے مغربی علاقہ میں جبری تعلیم کا سسٹم رائج کیا جا رہا تھا گورنمنٹ کی اس نئی سکیم سے مسلمان سخت پریشان ہوئے وجہ یہ کہ مسلمانوں کے پاس دینیات پڑھانے کے لئے ایسے اساتذہ کا ہونا ضروری تھا جو حکومت کے قانون کے مطابق قابل QUALIFIED ہوں مگر عملاً صورت یہ تھی کہ دینیات پڑھانے والوں میں سے پانچ فیصد لوگ بھی تجربہ کار نہیں تھے جس کے نتیجہ میں یہ خطرہ یقینی نظر آنے لگا کہ مسلمان اسکولوں میں دینیات پڑھانے کا انتظام نہ ہوسکے گا اور نائیجیریا کے مسلمانوں کی نئی نسل اپنے مذہب سے بے گانہ محض رہ جائے گی۔

اس مشکل کو حل کرنے کے لئے مسلمان اسکولوں کے پروپرائٹرز کا ایک خصوصی اجلاس ہوا۔ جس میں مولوی مبارک احمد صاحب ساقی مبلغ نائیجیریا بھی شامل ہوئے اور فیصلہ ہوا کہ حکومت سے پُرزور اپیل کی جائے کہ وہ مسلمان سکولوں میں دینیات پڑھانے کا انتظام کرے۔ کونسل نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ بہت جلد مسلمان اسکولوں کے لئے دینیات کا نصاب مقرر کر کے محکمہ تعلیم میں بھیجا جائے اس بروقت اقدام کا خاطر خواہ اثر ہوا اور حکومت نے بعض ایسے کالج کھولنے کا فیصلہ کر لیا جن میں عربی اور دیگر مشرقی زبانیں پڑھانے کا انتظام کیا گیا تھا اور اُن کے فارغ التحصیل طلباء حکومت کے ہاں بھی مستند سمجھے جانے لگے۔[1]

سیرالیون مشن:۔ اس سال مشن نے مالی تحریکات خصوصاً زکوٰۃ کی وصولی کی طرف خاص توجہ دی جس کے نتیجہ میں بعض دوستوں نے نمایاں قربانی کا نمونہ دکھایا اور ایک گراں قدر رقم چندہ زکوٰۃ کے طور پر ادا کی۔ چنانچہ ایک شامی بھائی سید امین خلیل صاحب اور ایک افریقن بھائی مسٹر سلیمان سیسے نے ۳۰۰ پاؤنڈ پیش کیا۔

دو مقامات پر نئی مساجد قائم ہوئیں اور باما BAMA اور دوسری فالا FALA میں۔ اگرچہ فالا میں پہلے سے ایک مسجد موجود تھی۔ مگر وہ نہایت خستہ حالت میں اور صرف گھاس پھوس کی تھی۔

اس سال خدا تعالےٰ کے فضل سے ۵۳ افراد کا جماعت سیرالیون میں اضافہ ہوا جن میں سے ایک

---

[1] "الفضل" ۲۸ تبوک ۱۳۳۳ ہش صفحہ ۴

شامی مسٹر مصطفےٰ احدرج بھی تھے۔ یہ دوست آٹھ دس سال سے زیر تبلیغ تھے۔ سالانہ کانفرنس کے موقعہ پر انہیں بیعت کرنے کی توفیق ملی اور فارم بیعت پُر کر کے حلقہ بگوشِ احمدیت ہوگئے اِن کے احمدیت قبول کرنے میں شامی احمدی دوست السید حسن محمد ابراہیم صاحب الحسینی کا بھی بہت دخل تھا۔ السید حسن ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے ۱۹۳۹ء میں مکرم نذیر احمد صاحب علی کو دعوت دی کہ ان کے خرچ پر میںنڈے کے علاقے میں تشریف لائیں اور یوں تبلیغ احمدیت کی بنیاد پڑی چنانچہ بعد میں ایک جماعت کے سوا سب جماعتیں اسی علاقہ میں قائم ہوئیں۔

جماعت احمدیہ سیرالیون کی چھٹی سالانہ کانفرنس مورخہ ۱۷ دسمبر ۱۹۵۴ء کو شروع ہو کر ۱۹ دسمبر کو بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوئی۔ کانفرنس حسب معمول جماعت کے مرکز بو میں منعقد ہوئی۔ ملک کے طول و عرض سے احمدی احباب شرکت کے لئے تشریف لائے۔ مختلف مذہب و ملت کے متعدد احباب بھی اس میں شامل ہوئے۔ تین دن کی کانفرنس میں کُل چھ اجلاس ہوئے جس سے مندرجہ ذیل مبلغین اور مخلصین نے خطاب فرمایا۔ مکرم نذیر احمد علی صاحب امیر جماعت ہائے احمدیہ سیرالیون۔ مسٹر ابوبکر معلم مدرسہ احمدیہ۔ بو۔ مسٹر موسیٰ سوری لوکل مبلغ۔ مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری۔ مولوی محمد صدیق صاحب شاہد گورداسپوری۔ بیرسٹر علی روجرز۔ مسٹر الفا شریف صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ بو۔ الفا محمد ادریس۔ الفا شیخو بنگورہ۔ مسٹر محمد بونگے ہیڈ ماسٹر احمدیہ سکول روکوپر۔

کانفرنس کے ایک اجلاس کی صدارت پیرامونٹ چیف الحاج المامی سوری پریذیڈنٹ جماعت ہائے احمدیہ سیرالیون نے کی۔ کانفرنس میں ایک مشاورتی کانفرنس بھی ہوئی۔

اس موقعہ پر ۴۵ احباب نے ڈیڑھ ڈیڑھ ماہ تبلیغ کے لئے وقف کیا اور ایک عربی اور دینی سکول بو میں کھولنے کا فیصلہ ہؤا۔ تحریک جدید دفتر دوم کے نئے سال کے چالیس پونڈ کے وعدے ہوئے جن میں سے ۳۳ پونڈ نقد ادا کئے گئے اسی طرح بو جماعت کے پریذیڈنٹ مسٹر الفا شریف نے لوکل مشن کی مالی حالت کو سدھارنے کے لئے ایک ہنگامی اپیل کی جس پر ایک سو تیس پونڈ کے وعدے ہوئے جن میں سے ساٹھ پونڈ نقد ادا ہوگئے[1] کانفرنس میں ۳۴ جماعتوں کے ۲۰۰ نمائندوں نے شرکت کی اور کانفرنس کے انتظامات اور مہمان نوازی میں جماعت احمدیہ بو

---

[1] الفضل ربوہ۔ ۱۲ جنوری۔ ۳ مارچ ۱۹۵۵ء صٓ۳۔

کی مساعی قابلِ قدر تھیں۔

شام دمشق:۔ ملک شام کے مشہور اخبار" صوت العرب "کی ۲۵ دسمبر ۱۹۵۴ء کی اشاعت میں شام کے ممتاز قانون دان محمد آفندی الشوا کا خیال افروز مضمون شائع ہوا جس کا ترجمہ مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری کے قلم سے درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"دمشق کے مشہور روزنامہ" العلم "نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۵۴ء میں اپنے ایک نامہ نگار کی طرف سے مفتی عام دمشق کا ایک بیان شائع کیا ہے جس میں انہوں نے عام الناس کو احمدیت کے قبول کرنے سے روکا ہے کیونکہ مفتی صاحب کے خیال کے مطابق احمدی عقائد قرآن مجید اور سنت کے خلاف ہیں لیکن جناب مفتی صاحب نے احمدیت کے مخالف قرآن و سنت ہونے کے بارے میں کوئی معین چیز ذکر نہیں فرمائی۔

چونکہ احمدی لوگ ہی تمام براعظموں میں اسلام کو پھیلا رہے ہیں اور سب کو قرآن کریم اور سنت نبوی کی طرف بلاتے ہیں اس لئے میں جناب مفتی صاحب سے التماس کرتا ہوں کہ وہ کم از کم ایک چیز تو ایسی ذکر فرمائیں جو احمدیوں کے عقائد میں داخل ہو۔ اور مفتی صاحب اس کے مخالف قرآن و سنت ہونے پر کوئی دلیل قائم کر سکیں ورنہ ماننا پڑے گا کہ انہوں نے لوگوں کے سامنے ایک ایسا فتویٰ پیش کیا ہے جس پر کوئی دلیل اور برہان قائم نہیں۔

گذشتہ دنوں شاہ فاروق کے علیحدہ کئے جانے سے قبل کی بات ہے کہ مصر کے بہت سے مشہور لوگ احمدیوں کو سچا مسلمان قرار دے چکے ہیں جب مصر کے سابق مفتی نے آنریبل چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے بارے میں ایک فتویٰ دیا تھا تو مصر کے مشاہیر نے چودھری محمد ظفر اللہ خان کی تائید میں اور مصر کے سابق مفتی کے خلاف بیانات شائع کئے۔ ان مشاہیر میں سابق ترین مفتی علامہ علام لضار الاستاذ محمد ابراہیم سالم چیف جسٹس عدالت عالیہ شرعیہ۔ الاستاذ عبدالرحمن عزام سابق جنرل سیکرٹری عرب لیگ اور الاستاذ خالد محمد خالد محترم اور بہت سے دیگر علماء شامل ہیں۔

علاوہ ازیں ملک شام میں احمدیت کے ماننے والوں میں تمام مشہور اور قابل ذکر شاہی خاندانوں کے لوگ موجود ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں میں المالکی العظم۔ المرادی۔ شبیب۔ الحصنی۔ الساعاتی۔ الجبان۔

الارناؤودا ۔ سُوقیہ ۔ القبانی ۔ النوبلاتی ۔ سلطان ۔ الارکشلی ۔ الجابی ۔ المیروان ۔ انرکی ۔ الشریف ۔ باکیر ۔ البسطی ۔ اور الشوا وغیرہ خاندانوں کے لوگ شامل ہیں ۔ اور اِن تمام لوگوں نے احمدیت کو پورے اطمینان ، مکمل تحقیق اور کامل یقین کے ساتھ قبول کیا ہے اور یہ لوگ ہمیشہ حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت الی اللہ کر رہے ہیں اور اِن لوگوں کی گفتگو ہمیشہ بادلیل اور باسلوب احسن ہوتی ہے ۔ یہ لوگ جبر اور تشدّد کے اس دھمکی آمیز طریق کو اس طرح حرام جانتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلّم نے اپنی سنّت میں اسے حرام ٹھہرایا ہے یہ جبر و تشدّد کا طریق وہی ہے جسے اس زمانہ میں اسلام کے نام سے پیش کرنے والے بہت سے فرقے ممالک اسلامیہ میں پائے جاتے ہیں حال ہی میں پاکستان اور مصر میں ان لوگوں نے حکومت کے خلاف اسی طریق پر ناکام کوششیں کی ہیں ۔

احمدی لوگ ہر ملک اور ہر حکومت میں جہاں مذہبی آزادی قائم ہے مُلکی قوانین کی پوری پوری اطاعت کرتے ہیں کیونکہ قرآن مجید کا یہی حکم ہے نیز اسلام کی اشاعت اور امن کا قیام اسی کے ساتھ وابستہ ہے ۔ اسلام رعایا میں سے کسی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی حکومت سے خیانت سے پیش آئے اور اس کے خلاف دل میں منصوبے باندھے اور قانون شکنی کرے درآنحالیکہ وہ حکومت عقیدہ اور خیال کی پوری پوری آزادی دے رہی ہو ۔ پس اس صورت میں جبکہ احمدی لوگ ہر جگہ پر قائم شُدہ حکومت کے نہایت وفادار ہیں مفتی شام کا شامی گورنمنٹ کو احمدیوں کے خلاف اکسانا مفتی صاحب کے لئے مفید ثابت نہیں ہوسکتا اسی طرح جناب کا احمدیوں کے خلاف فتویٰ بھی انہیں اپنے عقیدے سے منحرف نہیں کر سکتا کیونکہ وہ لوگ احمدیت کو حقیقی اسلام یقین کرتے ہیں اور جناب مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ کے سچا ہونے پر ابھی تک کوئی دلیل پیش نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے ہمارے مبلّغ الاستاذ منیر الحصنی کے ان سوالات کا جواب دیا ہے جو انہوں نے روزنامہ "العلم" مؤرخہ ۱۱ر جولائی ۱۹۵۲ء اور بعد ازاں رسالہ جامعہ مورخہ ۲۲ر مئی ۱۹۵۴ء میں شائع کئے تھے اور جنہیں حال ہی میں انہوں نے اپنے ٹریکٹ " الجماعۃ الاحمدیہ والانکلیز " میں چھاپ کر علماء کرام کے سامنے پیش کیا ہے ۔

میں نے بطور ایک حق پرست وکیل کے قسم کھا رکھی ہے کہ میں صرف اس امر کا دفاع کرونگا

جسے مَیں حق سمجھوں گا۔ لہٰذا مَیں جناب مفتی صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ انہوں نے احمدیوں کے خلاف جو فتویٰ دیا ہے اس کے درست ہونے پر کوئی دلیل قائم کریں کیونکہ قرآن مجید جو ہم سب کے نزدیک کامل حکَم کی حیثیت رکھتا ہے۔ فرماتا ہے۔ قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ۔ اگر تم سچے ہو تو اپنے دعویٰ پر دلیل پیش کرو۔[1]

جرمن مشن:۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے ارشادِ مبارک کے پیشِ نظر جماعت احمدیہ کے یورپین مشنز کے مشنری انچارج کئی سال سے ایک مقام پر اکٹھے ہو کر سال بھر کے کام کا جائزہ لینے اور تبلیغ کے کام میں وسعت پیدا کرنے کے ذرائع پر غور و فکر کرنے کے لئے جمع ہوتے آ رہے تھے۔ چنانچہ اس سال یہ سعادت جرمنی مشن کو حاصل ہوئی۔ ہمبرگ میں یورپین مشنز کی یہ کانفرنس ۱۸ سے ۲۰ نومبر ۱۹۵۴ء تک جاری رہی باہمی غور و فکر کے علاوہ اس موقعہ پر تبلیغی رنگ میں بفضلہٖ تعالیٰ وسیع طور پر پراپیگنڈا کرنے کا انتظام کیا گیا۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۸ نومبر کو پریس کانفرنس اور ۱۹ نومبر کو وسیع طور پر تبلیغی میٹنگ کا انتظام کیا گیا۔ مبلغ جرمنی چوہدری عبد اللطیف صاحب کے علاوہ سوئٹزرلینڈ سے شیخ ناصر احمد صاحب، ہالینڈ سے مولوی غلام احمد صاحب بشیر اور سپین سے چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر نے کانفرنس میں شمولیت اختیار کی کانفرنس کے انعقاد سے ایک ہفتہ قبل جرمن نیوز ایجنسی نے اپنے نیوز بلیٹن کے ذریعے کانفرنس کی اطلاع بڑی بڑی اخباروں کو بھجوائی اور کئی ایک اخبارات نے اس خبر کو کانفرنس کے شروع ہونے سے پہلے ہی شائع کر دیا اور شامل ہونے والے مشنری انچارج کے نام بھی شائع کئے۔ اٹھارہ نومبر کو پریس کانفرنس منعقد کی گئی اس کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے گورنمنٹ کے پریس سیکشن والوں سے تعاون حاصل کیا گیا اور ان کی وساطت سے ہمبرگ کی اخبارات اور پریس کو دعوت نامے بھجوائے گئے۔ یہ کانفرنس ہمبرگ کے سب سے بڑے ہوٹل ATLANTIC میں شام ۴½ بجے منعقد ہوئی۔ ہمبرگ کے تمام روزانہ اخبارات اور بعض ہفتہ وار اخبارات کے نمائندوں کے علاوہ چھ معروف نیوز ایجنسیوں کے نمائندے شامل ہوئے بعض دیگر نامور جرنلسٹ اور ہمبرگ کے ایک مشہور مستشرق DR. ABEL بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ یہ دوست جرمن نیوز ایجنسی کے اسلامی ممالک کے

[1] "الفضل" ربوہ ۲۴ فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۳

نمائندے تھے کانفرنس کی کارروائی شروع کرتے ہوئے چوہدری عبداللطیف صاحب نے برادران کا پریس والوں سے تعارف کرایا اور اپنی افتتاحی تقریر میں اسلامی تعلیمات کا مختصر طور پر ذکر کرتے ہوئے یورپ میں مشنوں کے قیام کی غرض وغایت بتائی۔ اس کے بعد شیخ ناصر احمد صاحب نے ایک دلچسپ تقریر میں جماعت احمدیہ کی کامیاب تبلیغی مساعی پر روشنی ڈالی بعد ازاں ڈیڑھ گھنٹہ تک پریس والوں نے مختلف سوالات دریافت کئے جن کے جوابات دیئے گئے۔ گفتگو کے دوران خدا کے فضل وکرم سے اسلامی تعلیمات کے متعدد پہلوؤں پر سیر کن بحث کرنے کا موقعہ ملا۔ اگلے روز ہمبرگ کے تمام اہم روزنامہ اخبارات نے اس پریس کانفرنس کا نمایاں طور پر اپنے اڈیٹوریل کالموں میں ذکر کیا اور چھ اخبارات نے مبلغین کے فوٹو بھی شائع کئے ایک روزنامہ اخبار نے اس پریس کانفرنس کا ذکر "اللہ کے مشنری ہمبرگ میں" کے زیر عنوان حسب ذیل الفاظ میں کیا:۔

"جماعت احمدیہ کے مشنوں کا مقصد اسلامی تعلیمات کی تمام دُنیا میں اشاعت ہے اور اسلامی تعلیمات کے بارہ میں غلط فہمیوں کا ازالہ ہے"

ایک دوسرے اخبار نے فوٹو شائع کرنے کے علاوہ پریس کانفرنس کی خبر پر حسب ذیل عنوانات قائم کئے:۔ "پانچ اسلامی مشنری ہمبرگ میں۔ اسلام کی طرف سے دُنیا کو فتح کرنے کا عزم" آگے چل کر اس اخبار نے لکھا۔ "اسلام پہلا مذہب ہے جس نے عورت کو ورثہ میں حصّہ دار قرار دیا ہے جب ایک مسلمان ایک سے زیادہ شادیاں کرتا ہے تو وہ اسے اپنا فرض سمجھتا ہے کہ وہ اِن سب سے ایک جیسا سلوک کرے اس لئے ایک مسلم غیر معمولی حالات میں تعداد ازدواج پر عمل کر کے قربانی کا ثبوت دیتا ہے"۔[1]

سب سے مؤثر اور دلچسپ تبصرہ ایک عیسائی اخبار کا تھا جس نے لکھا:۔

"عیسائی مشن اور چرچ کے لئے ایک اہم سوال۔ یہ سوال عیسائی دنیا کو اپنے سامنے رکھنا چاہیئے کہ اسلام نہ صرف اپنی اشاعت کے اولین دَور میں عظیم روحانی اہمیت رکھتا ہے بلکہ اس زمانہ میں اپنے تبلیغی مشنوں کے ذریعہ یورپ میں بہت اہمیت اختیار کر رہا ہے۔ انہی دنوں اسلامی مشنوں کے انچارج ہمبرگ میں جمع ہوئے تھے تاکہ وہ اسلام کو کامیاب طور پر یورپ میں پھیلانے کے ذرائع پر غور کر سکیں جرمنی۔ انگلینڈ۔ ہالینڈ۔ سوئٹزرلینڈ اور اسپین میں اسلام کی تبلیغ آئندہ تقاریر اور لٹریچر کے ذریعے زیادہ زور شور

---

[1] اخبار "الفضل" ربوہ ۸ رجنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۱ اور صفحہ ۷

سے کی جائے گی۔ جرمنی میں اسلام کی کامیابی کا میدان زیادہ وسیع ہے۔ چند سال کے اندر اندر ہمبرگ میں مسجد بھی تعمیر کی جائے گی۔ ان واقعات سے ہمیں آنکھیں بند نہیں کرنی چاہئیں۔ ویسے اس بارہ میں احتجاج بلند کرنے کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔ اسلام گذشتہ تیرہ صدیوں میں اتحاد باہمی اور مؤثر اشاعت کے ذریعے اپنے آپ کو ایک عالمی طاقت ثابت کر چکا ہے ان حالات میں عیسائی دنیا کو ایک بہت بڑا اور مشکل ترین مرحلہ درپیش ہے۔[1] (ترجمہ)

امریکہ مشن:۔ اس سال امریکہ کی احمدی جماعتوں کی ساتویں کامیاب سالانہ کنونشن ۴۔۵؍ تبوک/ستمبر کو پٹس برگ میں منعقد ہوئی۔ یہ وہی شہر ہے جہاں احمدی مجاہد مرزا منوّر احمد صاحب مرحوم نے ۱۵؍ستمبر ۱۹۴۸ء کو تبلیغ اسلام کرتے ہوئے راہ مولیٰ میں اپنی جان دی تھی۔ کنونشن کے منتظم مولوی عبدالقادر صاحب ضیغم تھے۔

۴؍ تبوک/ستمبر کو ۱۰ بجے مشن ہاؤس پٹس برگ میں چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر مبلّغ انچارج امریکہ نے کانفرنس کا افتتاح فرمایا جس میں آپ نے بتایا کہ چند روز قبل یہاں کرسچن کونسل آف ورلڈ چرچز THE CHRISTAIN COUNCIL OF WORLD CHURCHES کا اجلاس ہو رہا تھا جس میں عیسائیت کا پیغام دنیا کو پہنچانے کی ترکیبیں سوچی جا رہی تھیں اب ہم اکناف عالم میں اسلام کی اشاعت کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ عیسائیوں کے ذرائع ابلاغ نہایت وسیع اور تعداد بہت زیادہ ہے اس کے مقابل ہم تعداد اور وسائل دونوں اعتبار سے انتہائی کمزور ہیں مگر ہمیں خدا تعالیٰ کی نصرت پر پورا یقین ہے۔ پس آؤ ہم دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحم سے ہمارے ارادوں اور کوششوں میں برکت ڈالے اور ہم سے اسلام کی خدمت کا صحیح طور پر کام لے۔ اس افتتاحی خطاب اور دعا کے بعد پہلا اجلاس منعقد ہوا جس میں چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر، عبدالشکور حسین صاحب (واشنگٹن)، نورالاسلام صاحب (شکاگو) اور بشارت احمد صاحب تنویر[2] ایم اے نے سوالات کے دلچسپ جواب دیئے اور دوسرے اجلاس میں مختلف مرکزی سیکرٹریوں نے اپنے اپنے شعبوں کی سالانہ رپورٹیں پیش کیں۔ نیز مختلف قرار دادیں پاس کی گئیں۔

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۸؍جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

[2] ابن مرزا نذیر حسین صاحب چغتائی لاہور۔

اگلے روز (۵ ستمبر/تبوک) صبح کو بیک وقت تین اجلاس ہوئے۔ فائینس FINANCE کمیٹی کا اجلاس مشن ہاؤس میں۔ خدام الاحمدیہ کا احمدیہ مسجد میں اور لجنہ اماء اللہ امریکہ کا اجلاس وائی۔ این۔ سی۔ اے ہال Y.N.C.A HALL میں۔ ان اجلاسوں کی صدارت کے فرائض بالترتیب چوہدری خلیل احمد ناصر صاحب مبلغ انچارج، محترم چوہدری غلام یٰسین صاحب اور مخترمہ مریم بشیر صاحبہ (شکاگو) نے انجام دیئے۔ کانفرنس کا آخری اجلاس نماز ظہر و عصر کے بعد ہوا جس میں سیدنا حضرت المصلح الموعود کی زبان مبارک سے انگریزی میں ریکارڈ شدہ ایک تقریر سنائی گئی جو "ڈیماکریسی اور کمیونزم" DEMOCRACY AND COMMUNISM کے موضوع پر تھی۔ اس یادگار تقریر کے بعد مولوی نور الحق صاحب انور، چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر اور چوہدری غلام یٰسین صاحب نے خطاب فرمایا۔ کنونیشن کے دوران تین افراد مسلمان ہوئے۔ تقاریر کے بعد دعا کے ساتھ کنونیشن کا اختتام ہوا۔ بعد ازاں رات کے وقت قادیان کے جلسہ سالانہ کی ایک فلم" اصحاب حضرت مسیح موعودؑ کی تصاویر اور قادیان کے بعض تصویری مناظر دکھائے گئے۔

اس کنونیشن کی رپورٹ مکرم بشارت احمد صاحب منیر ایم۔ اے نے مرتب کر کے الفضل کو بھجوائی اور اس کے آخر میں لکھا:-

"ہر پہلو سے یہ ایک کامیاب کنونیشن کہلانے کی مستحق ہے۔ مختلف جگہوں سے آئے ہوئے احمدی بھائیوں میں اکثر اخلاص کا اچھا نمونہ پیش کر رہے تھے۔ امریکہ جیسے دنیادار اور عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے ملک میں یہ اسلام کے مجسمے، یہ داڑھی والے چہرے اور چادر پوش خواتین عام امریکی باشندوں سے بہت مختلف دکھائی دے رہے تھے۔ یہ مٹھی بھر اسلام کے پروانے امریکہ جیسے وسیع ملک میں آٹے میں نمک بھی نہیں مگر انشاء اللہ یہی وہ ستون ثابت ہوں گے جن پر امریکہ میں اسلام کی عظیم الشان عمارت کھڑی ہوگی۔ خدا کرے اسلام کا جھنڈا اب دنیا میں بلند ہو اور ساری دنیا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے گونج اٹھے۔ آمین"[1]

ہاورفورڈ کالج (امریکہ) سے چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا خطاب

بین الاقوامی عدالت انصاف (THE INTERNATIONAL

---

[1] الفضل ۱۹ اخاء ۱۳۳۳ہش صفحہ ۸۔

(COURT OF JUSTICE میں تقریر کے بعد سے محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کو کئی ایک یونیورسٹیوں کی طرف سے خطاب کرنے کی دعوتیں آئیں جن میں سے بعض کو آپ نے اپنی دوسری مصروفیات کے باوجود منظور فرمایا ان میں ایک دعوت کویکرز QUAKERS کے مشہور کالج ہاور فورڈ HAVER FORD کی طرف سے تھی جو اس فرقہ کا ایک مرکزی ادارہ ہے اور مذہبی امور میں خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ حضرت چوہدری صاحب نے اسلام سے متعلق دو روز تک ان کی مختلف میٹنگز اور کلاسز میں شاندار تقاریر کیں۔ اس سلسلے میں اس کالج کے ڈیپارٹمنٹ آف پولیٹیکل سائنس DEPARTMENT OF POLITICAL SCIENCE کے پروفیسر فیلڈ ہیوی لینڈ PROFESSOR FIELD HAVILAND نے آپ کی خدمت میں حسب ذیل مکتوب لکھا:-

"مکرم جناب!

میں اس خط کے ذریعے ایک دفعہ پھر یہ موقع حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کی اس نوازش کا شکریہ ادا کروں جو آپ نے اپنے مصروف پروگرام سے HAVE FORD کالج کے لئے وقت نکال کر ہم پر فرمائی ہے۔

آپ کے تشریف لے جانے کے بعد کالج کے کئی ایک طلباء نے جن کو آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا مجھے بتایا کہ وہ آپ سے گفتگو کے شرف سے کس قدر مفتخر محسوس کرتے ہیں۔ کالج کی تاریخ میں ایسے مواقع کم ہی آئے ہیں جبکہ ایک سپیکر نے اس اتھارٹی کے ساتھ اور پھر اس قدر وضاحت اور صاف گوئی کے ساتھ اسلام اور دوسرے متعلقہ مسائل پر اظہار خیال کیا ہو۔ یہاں پر متفقہ طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ فلپس پروگرام کے ماتحت آپ کی تشریف آوری ہمارے لئے ایک کامیاب ترین تقریب تھی۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ ان مصروفیات سے تھک نہیں گئے ہوں گے۔

ہم میں سے اکثر کو اس لحاظ سے افسوس ہے کہ عالم سیاست میں اب آپ کی اس قدر دانا اور زیرک آواز اتنی سرگرم نہیں رہے گی جتنی کہ ماضی میں رہی ہے۔ مگر ہمیں یہ احساس ہے کہ آپ اس بلند عزت کے واقعی مستحق ہیں جو آپ کو دی گئی ہے۔ ہم آپ کے نئے کام میں آپ کی شاندار کامیابی کے متمنی ہیں۔"[1] (ترجمہ)

---

[1] الفضل لاہور ۱۰ فتح ۱۳۳۳ہش / ۱۰ دسمبر ۱۹۵۴ء صفحہ

مبلغین احمدیت کی مرکز سے روانگی اور واپسی

۱۹۵۴ء / ۱۳۳۳ہش میں جو مجاہدین احمدیت اعلائے کلمہ اسلام کے لئے بیرونی ممالک میں تشریف لے گئے اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں

(۱)۔ ڈاکٹر بدرالدین صاحب مبلغ بورنیو (روانگی برائے بورنیو از کراچی مؤرخہ ۱۱ جنوری ۱۹۵۴ء)[1]

(۲) چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر مبلغ سپین (روانگی از ربوہ مؤرخہ ۱۲ مارچ ۱۹۵۴ء)[2]

(۳)۔ مولوی محمد سعید صاحب انصاری مبلغ بورنیو (روانگی برائے انڈونیشیا مورخہ ۴ اپریل ۱۹۵۴ء)[3]

(۴) مولوی نورالحق صاحب انور۔ (روانگی برائے امریکہ از ربوہ ۱۲ اپریل ۱۹۵۴ء)[4]

(۵) مکرم نذیر احمد صاحب علی امیر و انچارج مبلغ سیرالیون (روانگی برائے سیرالیون از ربوہ ۹ مئی ۱۹۵۴ء)[5]

(۶) صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب (روانگی از ربوہ برائے انڈونیشیا ۶ جون ۱۹۵۴ء)[6]

حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے ایک خط میں مکرم رئیس التبلیغ صاحب انڈونیشیا کے نام تحریر فرمایا کہ "عزیزم مرزا رفیع احمد اور اس کی بیوی انڈونیشیا آرہے ہیں۔ مَیں نے انڈونیشیا کو ان کے لئے اس لئے چنا ہے کہ تا اس مُلک کے لوگوں پر اپنی محبّت کا اظہار کر دوں"[7]

(۷) سیّد شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا۔ (روانگی برائے انڈونیشیا از ربوہ ۹ اکتوبر ۱۹۵۴ء)[8]

(۸) سیّد محمود احمد صاحب ناصر (روانگی از ربوہ برائے انگلستان ۱۲ نومبر ۱۹۵۴ء)[9]۔

(۹) سیّد جواد علی صاحب (روانگی برائے امریکہ از ربوہ مؤرخہ ۱۲ نومبر ۱۹۵۴ء)[10]

(۱۰) مسٹر عبدالشکور کنزے (روانگی برائے امریکہ از ربوہ مؤرخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۵۴ء)[11]

---

۱ "المصلح" کراچی مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۵۴ء ص ۲

۲ ۔ ۳ ۔ ۴ ۔ ۵ ریکارڈ وکالت تبشیر ربوہ۔

۶۔ "الفضل" ۸ جون ۱۹۵۴ء ص ۱

۷ "الفضل" ۷ اگست ۱۹۵۴ء ص ۴۔

۸ "الفضل" ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۴ء ص ۱

۹، ۱۰ "الفضل" ۱۷ نومبر ۱۹۵۴ء ص ۱۔

۱۱ ریکارڈ وکالت تبشیر ربوہ۔

جو مبلغین تبلیغی خدمات بجا لانے کے بعد مرکز میں واپس تشریف لائے۔ وہ یہ تھے:-

(۱) مکرم نذیر احمد صاحب مبشر امیر و مبلغ انچارج گولڈ کوسٹ (آمد کراچی مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۵۴ء)[۱]

(۲) سید ولی اللہ شاہ صاحب مبلغ مشرقی افریقہ۔ (آمد ربوہ ۲۹ مارچ ۱۹۵۴ء)[۲]

(۳) مولوی صالح محمد صاحب مبلغ گولڈ کوسٹ (ربوہ میں آمد مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۵۴ء)[۳]

(۴) چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر انچارج امریکہ مشن (آمد ربوہ ۱۸ مئی ۱۹۵۴ء)[۴]

(۵) چوہدری نذیر احمد صاحب رائے ونڈی مبلغ سیرالیون (آمد ربوہ ۲۲ جولائی ۱۹۵۴ء)[۵]

(۶) شیخ ناصر احمد صاحب مبلغ سوئٹزرلینڈ (آمد ربوہ ۱۱ دسمبر ۱۹۵۴ء)[۶]

(۷) قاضی مبارک احمد صاحب (آمد ربوہ از شام ۱۱ دسمبر ۱۹۵۴ء)[۷]

(۸) مولوی عبدالکریم صاحب مبلغ سیرالیون (آمد ربوہ ۲۹ دسمبر ۱۹۵۴ء)[۸]

نیا لٹریچر

اشاعتی اعتبار سے بھی یہ سال بہت بابرکت سال ثابت ہوا کیونکہ اس کے دوران بہت سی مفید اور پُر از معلومات کتابیں شائع کی گئیں جو یہ ہیں:-

(۱)۔ "شانِ خاتم النبیین" (از مولانا قاضی محمد نذیر صاحبؓ)

(۲)۔ "حیاتِ بقاپوری" حصہ دوم (از حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوریؓ)

(۳)۔ "نبیوں کا سردار" (اردو ترجمہ دیباچہ تفسیر القرآن انگریزی از حضرت مصلح موعودؓ)

(۴)۔ "سیرِ روحانی" جلد اوّل (از حضرت مصلح موعودؓ)

(۵)۔ "مسئلہ وحی و نبوت کے متعلق اسلامی نظریہ" (از افاضات حضرت المصلح الموعودؓ)

(۶)۔ "قادیانی مسئلہ کا جواب" (از سیدنا المصلح الموعود نور اللہ مرقدہٗ)

(۷)۔ "مودودی صاحب کے بیان پر صدر انجمن احمدیہ کا تبصرہ" (از مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ)

(۸)۔ "محاسن کلام محمود" (از جناب اختر گوبند پوری)

(۹)۔ "مسلمان عورت کی بلند شان" (از حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؓ)

۱؎ "المصلح" کراچی مورخہ ۲ مارچ ۱۹۵۴ء صفحہ ۱ ؛ ۲؎ ریکارڈ وکالت تبشیر ربوہ

۳؎ "الفضل" لاہور ۱۲ مئی ۱۹۵۴ء صفحہ ۴ ؛ ۴؎ "الفضل" لاہور ۲۳ مئی ۱۹۵۴ء صفحہ ۵۔

۵؎ "الفضل" ۲۵ جولائی ۱۹۵۴ء صفحہ ۶ ؛ ۶؎، ۷؎، ۸؎ ریکارڈ وکالت تبشیر ربوہ۔

(۱۰) "رسالہ حج" (از حضرت مولانا عبداللطیف صاحب بہاولپوری ؓ)

(۱۱) "رسالہ معیار شناخت انبیاء" (از مولوی غلام باری صاحب سیف پروفیسر جامعۃ المبشرین ربوہ)۔

اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بلند پایہ تقریر "اسلامی اصول کی فلاسفی" کا ایک نیا ایڈیشن بھی الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ کی طرف سے شائع کیا گیا۔

حضرت مصلح موعود ؓ نے سالانہ جلسہ ۱۹۵۴ء کے موقع پر مندرجہ بالا کتب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اس سال کچھ نئی کتابیں اور لٹریچر شائع ہوا ہے۔ جن میں سے ایک کتاب مسئلہ ختم نبوت پر قاضی محمد نذیر صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ نے لکھی ہے[1]۔ میں نے اب تو یہ کتاب نہیں دیکھی لیکن جب انہوں نے یہ مضمون لکھنے کا ارادہ کیا تھا تو وہ اس کے ہیڈنگ بنا کر میرے پاس لائے تھے۔ اور مجھ سے انہوں نے مشورہ کیا تھا۔ میرا اثر یہی ہے کہ یہ کتاب اچھی اور اس زمانہ کے لحاظ سے مفید ہو سکتی ہے۔ میں نے ان کو سمجھایا تھا کہ ہمارے ہاں پہلے جو طریق رہا ہے کہ بعض بے احتیاطیوں کی وجہ سے لوگوں کو خواہ مخواہ ٹھوکر لگی اس سے آپ کو بچنا چاہیئے۔ جب صداقت پہلے بھی آپ لوگ پیش کرتے تھے اور اب بھی پیش کرتے ہیں تو کیوں نہ ایسے الفاظ میں اس کو پیش کیا جائے جو دوسروں کے لئے تکلیف دہ نہ ہوں یا کم سے کم ان کو پیچھے پھرانے والے نہ ہوں۔

دوسری کتاب "حیات بقاپوری" ہے۔ اس میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض فتاوے بھی جمع کئے ہیں۔ نہ معلوم وہ ہیں جن میں وہ بھی اس وقت بیٹھے ہوئے تھے یا ان کو پسند تھے کہ انہوں نے لکھ لئے لیکن اس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض خیالات اور

---

[1] حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اس کتاب پر حسب ذیل تبصرہ لکھا:۔

"حال ہی میں ایک کتاب "شان خاتم النبیین ؐ" مصنفہ محترمی قاضی محمد نذیر صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ شائع ہوئی ہے دراصل یہ کتاب قاضی صاحب موصوف کی ایک تقریر کی توسیع ہے جو انہوں نے جلسہ سالانہ ۱۹۵۲ء کے موقعہ پر کی تھی اور میں نے اس تقریر کے خاتمہ پر محترم قاضی صاحب کو اس کامیاب تقریر پر

آپ کے افکار بعض مسائل کے متعلق نہایت اعلیٰ درجہ کے لکھے گئے ہیں بلکہ ایک حوالہ تو ایسا ہے جس کی ہم کو تلاش رہی اور پہلے ہم کو نہ ملا۔ اس میں ہمیں مل گیا۔ یہ بھی اچھی دلچسپ کتاب ہے۔ اسی طرح مرکز میں کتب کی اشاعت کے لئے دو کمپنیاں بنائی گئی ہیں ...... جو کمپنی انگریزی اور دوسری غیر زبانوں کا لٹریچر تیار کرنے کے لئے قائم کی گئی ہے .... اس وقت تک ان کی طرف سے ڈچ ترجمہ قرآن اور جرمن ترجمۃ القرآن شائع ہوچکا ہے اور انگریزی ترجمۃ القرآن کل مجھے ملا ہے (اس موقعہ پر حضور نے انگریزی ترجمۃ القرآن کی کاپی لوگوں کو دکھائی اور فرمایا) یہ ابھی مکمل نہیں ہے۔ انہوں نے اس کی جلدبندی صرف جلسہ کے لوگوں کو دکھانے کے لئے کردی ہے۔ ورنہ اس میں ابھی دیباچہ شامل ہونا ہے۔ پریس والوں نے کہا ہے کہ ان دنوں ہمیں کرسمس کا کام ہے۔ ہم اس وقت نہیں چھاپ سکتے۔ دو تین مہینہ کے بعد چھاپیں گے۔ اس لئے انہوں نے یہ شکل آپ لوگوں کو دکھانے کے لئے بھیج دی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ کئی لوگ ساری جلدوں میں قرآن شریف نہیں خرید سکتے اور پڑھ بھی نہیں سکتے۔ اس لئے یہ ترجمہ انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا اور انگریزی جاننے والے ملکوں مثلاً انگلینڈ اور امریکہ اور آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ وغیرہ میں خدا تعالےٰ کے فضل سے اس سے اعلیٰ درجہ کی تبلیغ

(**بقیہ حاشیہ:**) مبارک باد دیتے ہوئے تحریک کی تھی کہ اگر اس تقریر کو مناسب نظر ثانی کے بعد کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے تو انشاء اللہ بہت مفید ہوگا۔ اور مجھے دلی خوشی ہوئی کہ بالآخر یہ تقریر ایک مستقل رسالہ کی صورت میں شائع ہوگئی ہے۔

قاضی صاحب نے اس دلچسپ اور علمی تصنیف میں حضور سرور کائنات خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ختم نبوّت کے متعلق بہت سیر کن بحث کی ہے اور دلائل نقلیہ اور عقلیہ کی رو سے یہ بات ثابت کی ہے کہ حضور سرور عالم کا مقام ختم نبوّت ایک ایسا بلند اور ارفع مقام ہے جو نہ صرف تمام دوسرے نبیوں کے لئے گل سرسبد کا حکم رکھتا ہے بلکہ حقیقۃً یہ ایک عدیم المثال قدرتی آبشار ہے جس سے پانی حاصل کر کے تمام پہلی اور پچھلی نہریں روحانی کھیتوں کو سیراب کر رہی ہیں ضمناً اس کتاب میں یہ بحث بھی کافی صورت میں آگئی ہے کہ ختم نبوّت کے مقام کا جو تصور آج کل دوسرے لوگوں کے ذہنوں میں پایا جاتا ہے وہ اس عجیب و غریب مقام کی صحیح اور حقیقی تشریح نہیں ہے اور نہ اس میں اس غیر معمولی بلندی کا نظریہ موجود ہے جو اس عدیم المثال مقام کا مرکزی نقطہ ہے۔" (روزنامہ "الفضل" ربوہ ۶؍ جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۶)

ہو سکے گی۔

.... اسی طرح دوسری کمپنی جو اردو لٹریچر کیلئے قائم ہوئی ہے انہوں نے بھی اس سال بہت سی کتابیں شائع کی ہیں۔ ایک تو "نبیوں کا سردار" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات ہیں۔ دراصل میری کتاب " دیباچہ تفسیر القرآن انگریزی" میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو لائف تھی اس کا یہ اردو ترجمہ ہے اور اس کا نام انہوں نے "نبیوں کا سردار" رکھا ہے۔ یہ ۳۲۰ صفحہ کی کتاب ہے۔

.....اسی طرح اس کمپنی کی طرف سے اس سال " اسلامی اصول کی فلاسفی" " سیر روحانی " "مسئلہ وحی و نبوت کے متعلق اسلامی نظریہ" "رسالہ حج" اور رسالہ "معیارِ شناختِ انبیاء" یہ چھ کتابیں شائع کی ہیں۔" اسلامی اصول کی فلاسفی" مدت سے نہیں مل رہی تھی۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ یہ کتاب بڑی مبارک ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کا لوگوں کے دلوں پر بڑا اچھا اثر پڑتا ہے

" سیرِ روحانی " میری تقریروں کا مجموعہ ہے۔ ایک حصّہ اس کا پہلے شائع ہُوا تھا جس میں میری پہلی تقریر تھی۔ اَب تک گیارہ عنوانات پر تقریریں ہو چکی ہیں۔ بہرحال جو پہلی تقریر تھی وہ تو شائع ہو گئی تھی لیکن اَب میں نے فیصلہ کیا کہ الگ الگ تقریریں شائع کرنا ٹھیک نہیں۔ تین جلدوں میں سب مضمون شائع کر دیا جائے۔ سو اس جلد میں میری پہلی تقریر کو شامل کر کے جو الگ شائع ہو چکی تھی۔ دو سال کی تقریریں مزید برآں شامل کر دی گئی ہیں اور اب یہ جلد ۳۲۷ صفحہ کی ہو گئی ہے۔ اگلے سال انشاء اللہ اس کی دوسری جلد شائع کر دی جائے گی۔ مصالحہ سب موجود ہے۔ پھر جب یہ تقریریں ختم ہو جائیں گی تو تیسری جلد شائع ہو جائے گی۔

"مسئلہ وحی و نبوت کے متعلق اسلامی نظریہ" وہ بیان ہے جو انکوائری کمیشن کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور ان کے کہنے پر سوالات کا جواب لکھا گیا تھا ..... پس یہ کتابیں ہیں جن کی طرف میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں۔ ان کے علاوہ کچھ کتابیں سیّد محمد سعید صاحب سلیم نے شائع کی ہیں۔ ان میں سے بھی بعض ایسی ہیں جو اصل میں سلسلہ کی طرف سے لکھوائی گئی ہیں بہرحال وہ کتابیں یہ ہیں :-

قادیانی مسئلہ کا جواب۔ مودودی صاحب کے بیان پر صدر انجمن احمدیہ کا تبصرہ۔ (یہ بھی ہائیکورٹ کے کہنے پر لکھا گیا)، محاسن کلام محمود اور مسلمان عورت کی بلند شان ......

"...... یہ جو "محاسن کلام محمود" کتاب ہے اس پر مجھے اس لئے خوشی ہے کہ ہماری جماعت کے ایک نوجوان ادیب نے اسے لکھا ہے۔ لوگوں میں عادت ہوتی ہے کہ جب وہ ذرا آگے بڑھنا شروع کرتے ہیں تو ان کو خیال ہوتا ہے کہ کوئی ایسی بات نہ کہیں جس سے اس حلقہ میں ہماری بدنامی ہو جائے مگر اس نوجوان کی ہمت ہے کہ اس نے شاعری کا شوق رکھتے ہوئے یہ کتاب لکھ دی اور وہ نہیں ڈرا کہ دوسرے شاعر جن کی مجلسوں میں مَیں جاتا ہوں وہ مجھے کیا کہیں گے۔ یوں میرے دل میں خود خیال آیا کرتا تھا کہ میرے اکثر شعر درحقیقت کسی آیت کا ترجمہ ہوتے ہیں یا کسی حدیث کا ترجمہ ہوتے ہیں یا کسی فلسفیانہ اعتراض کا جواب ہوتے ہیں۔ لیکن لوگ عام طور پر اگر صرف وزن میں ترنم پایا جاتا ہے اور موسیقی پائی جاتی ہے تو سُن کر ہا ہا کر لیتے ہیں۔ مجھے کئی دفعہ خیال آتا تھا کہ لوگ سمجھنے کی طرف کم توجہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس طرف توجہ کرے تو شاید یہ زیادہ مفید ہو سکے۔ چنانچہ اس نوجوان نے یہ پہلی کوشش کی ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ آئندہ اور کوشش کرنے والے کوشش کریں گے یا انہی کو توفیق مل جائے گی اور یا پھر اور لوگ پیدا ہو جائیں گے۔

درحقیقت اگر دیکھا جائے تو میرے اشعار میں سے ایک کافی حصہ بلکہ میں سمجھتا ہوں ایک چوتھائی یا ایک ثلث حصہ ایسا نکلے گا جو درحقیقت قرآن شریف کی آیتوں کی تفسیر ہے یا حدیثوں کی تفسیر ہے لیکن ان میں بھی لفظ پھر مختصر ہی استعمال ہوئے ہیں ورنہ شعر نہیں بنتا۔ شعر کے چند لفظوں میں ایک بڑے مضمون کو بیان کرنا آسان نہیں ہوتا یا اسی طرح کئی تصوف کی باتیں ہیں جن کو ایک چھوٹے سے نکتہ میں حل کیا گیا ہے۔ مثلاً اس نوجوان نے بھی ایک شعر اس میں درج کیا ہے اور اس کو اس شکل میں پیش کیا ہے کہ دیکھو یہ بڑا ادبی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تصوّف کا یہ ایک پرانا سوال ہے کہ خلقِ عالم کس طرح ہوا۔ اس سوال کا جواب اس شعر میں دیا گیا ہے جو درحقیقت ایک فلسفیانہ بات کا جواب ہے کہ اصل میں ہمارے نزدیک خلقِ عالم کا ذریعہ یہ ہے اگر اس کو کوئی زیادہ غور کے ساتھ دیکھے تو اسے پتہ چل سکتا ہے بے شک انسان جب محبت کی دھن میں ہوتا ہے تو اس میں کئی خیالات عام جذباتی بھی آجاتے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے بھی خیالات ہوتے ہیں جن میں فلسفہ یا حکمت بیان کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔" [1]

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳-۴۔

مندرجہ بالا لٹریچر کے علاوہ جو پاکستان میں شائع ہوا۔ سیٹھ محمد معین الدین صاحب چنت گنٹہ حیدرآباد دکن (بھارت) نے حضرت مولوی غلام رسول صاحب فاضل راجیکی کی خود نوشت اور ایمان افروز سوانح "حیات قدسی" حصہ سوم شائع کرائی۔

یہ کتاب حضرت مولوی صاحب کی تبلیغی مہمات، ایمان کو جلا بخشنے والے حالات اور الٰہی تائیدات کے بہت سے واقعات پر مشتمل تھی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنے ایک خط میں حضرت مولوی صاحب کو لکھا:۔

"آج آپ کا رسالہ حیات قدسی حصہ سوئم مرزا عزیز احمد صاحب نے لاکر دیا ہے اور میں نے پڑھنا شروع کیا ہے۔ مبارک ہو۔ بہت روح پرور مضامین ہیں۔ ایسی کتابوں کی احمدیوں اور غیر احمدیوں میں بکثرت اشاعت ہونی چاہیئے۔ مناظرانہ باتوں کی نسبت اس قسم کے روحانی مذاکرات کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر اور علم میں برکت عطا کرے۔"[1]

الحاج مولوی عزیز الرحمٰن صاحب فاضل منگلا کا قبول احمدیت

اس سال جو خوش نصیب تحریک احمدیت سے وابستہ ہوئے اُن میں ایک ممتاز شخصیت الحاج مولوی حافظ عزیز الرحمٰن صاحب فاضل منگلا کی ہے۔ جو جلسۂ سالانہ کے موقع پر حضرت مصلح موعود کے دست مبارک پر بیعت کرکے داخل احمدیت ہوئے اور ضلع جھنگ میں بہت سی نئی جماعتوں کو قائم کرنے کا موجب ہوئے۔ اور اب اپریل ۱۹۵۷ء سے مربی سلسلہ احمدیہ کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

محترم مولوی صاحب موصوف چک منگلا کے رہنے والے ہیں۔ جو ریلوے اسٹیشن سوبھاگہ ضلع سرگودھا کے عین مشرق میں دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ عرصہ ہوا ایک جید عالم اور دیوبند کے فارغ التحصیل پیر منور الدین صاحب (ساکن بھوچھال کلاں ضلع جہلم) اس گاؤں میں رہائش پذیر ہوگئے۔ اور وہاں ایک مدرسہ جاری کر دیا جس میں ارد گرد کے طلباء نے کافی تعداد میں داخل ہوکر تحصیل علم کیا۔ مکرم مولوی عزیز الرحمٰن صاحب نے آٹھویں جماعت پاس کرنے کے بعد مذکورہ مدرسہ میں داخل ہوکر ابتدائی طور پر عربی علوم کی تحصیل کی۔ بعد ازاں ایک مشہور عالم مولوی نصیر الدین صاحب

---

[1] "بدر" ۲۱ تا ۲۸ نومبر و ۷ دسمبر ۱۹۵۷ء۔

ساکن جکڑالہ پھر مکرم مولوی حبیب الرحمٰن صاحب ساکن کھلانٹ ضلع ہزارہ سے صرف ونحو۔ معانی۔ فقہ اور کتب حدیث پڑھیں۔ مکرم مولوی صاحب موصوف کو احمدیت کا تعارف اس طرح ہؤا کہ اُن کے استاد مکرم پیر منوّر الدین صاحب ایک دفعہ لاہور تشریف لے گئے۔ وہاں انہوں نے علماء کو ملنے کا پروگرام بنایا۔ اس سلسلہ میں وہ مکرم مولوی محمد علی صاحب امیر انجمن احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے پاس بھی احمدیہ بلڈنگس تشریف لے گئے۔ وہاں ان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی کے متعلق بات چیت ہوئی۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے ان کو کافی تعداد میں کتب اپنی گرہ سے خرید کر پیش کیں۔ واپس آکر مکرم پیر صاحب نے ان کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ مکرم مولوی عزیز الرحمٰن صاحب چونکہ اُن کی لائبریری کے منتظم تھے۔ اس لئے ان کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے مطالعہ کا موقعہ ملا۔ آپ نے اپنی مطبوعہ سوانح عمری میں تحریر فرمایا ہے:۔

"عام طور پر میں ایک کتاب پڑھتا جاتا تھا اور پیر صاحب لیٹے لیٹے سُنتے جاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ براہین احمدیہ کے پہلے حصّہ سے لیکر ۱۸۹۹ء تک کی تمام کتابیں ہم نے خوب مطالعہ کر لیں اور چونکہ یہی کتابیں ہمیں لاہور سے ملی تھیں۔ علاوہ ازیں مولوی محمد علی صاحب کی اپنی لکھی ہوئی چند کتابیں مثلاً "النبوۃ فی الاسلام" وغیرہ جن میں جماعت کے اختلافی مسائل پر بحث تھی۔ ان کتابوں کے ذریعہ سے ہمیں علم ہؤا کہ مرزا صاحب کی جماعت کے دو گروہ ہیں۔ اور ان کے درمیان یہ اختلافی مسائل ہیں مسئلہ نبوت۔ مسئلہ خلافت۔ پیشگوئی مصلح موعود وغیرہ۔ لیکن اس زمانہ میں ہم مرزا صاحب کا ترجمان مولوی محمد علی صاحب کو سمجھتے تھے ...... وہی عقائد ہمارے دلوں میں گڑ گئے کہ مرزا صاحب ایک نیک آدمی ہیں نبی نہیں۔ نہ ہی آپ کے بعد خلافت کی ضرورت ہے۔

ہمارے ان عقاید کا علم جب ہمارے دوسرے علماء کو ہؤا تو لاہور۔ گوجرانوالہ۔ راولپنڈی۔ واں بھچراں سے کئی بزرگ علماء چک منگلا آنے شروع ہوئے۔ مثلاً مولوی غلام اللہ خان صاحب۔ قاضی شمس الدین صاحب۔ قاضی نور محمد صاحب۔ مولوی شہاب الدین صاحب اور بے شمار علماء حضرات۔

ہمارے ساتھ ان کا یہ جھگڑا ہوتا کہ تم مرزا صاحب کو کافر کیوں نہیں کہتے۔ ہم کہتے ہم احمدی نہیں صرف مرزا صاحب کو کافر نہیں کہتے۔ وہ کہتے جو مرزا صاحب کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔ ہم کہتے کہ ہمیں سمجھاؤ مرزا صاحب کیوں کافر ہیں۔ وہ دلائل دیتے ہم ان کو جواب دینے کہ

یہ وجوہ کافر بنانے کے لئے کافی نہیں۔

چونکہ پیر صاحب کی طرف سے حوالہ جات وغیرہ پیش کرنے والا میں تھا مجھے اچھی مزاولت ہوتی گئی اور مسائل ذہن نشین ہوتے گئے۔

ہوتے ہوتے پیر صاحب کے تمام مریدوں کے عقاید پختہ ہو گئے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور حضرت مرزا صاحب نیک انسان ہیں لیکن ہمیں ان کی بیعت کی ضرورت نہیں۔ اور مرزا صاحب کو نیک بزرگ مانتے ہوئے ہمیں اپنی پیری مریدی کا سلسلہ قائم رکھنا چاہیئے۔ ایک مرید کی دعوت پر پیر منوّر الدین صاحب سلانوالی تشریف لے گئے۔ اور وہاں تقسیم ملک کے بعد کافی مہاجر آباد ہو چکے تھے اور وہ لوگ ہمارے عقاید سے واقف ہو چکے تھے۔ انہوں نے ہمیں مرزائی مشہور کر دیا اور ہمارے ساتھ مناظرہ کی طرح ڈالی۔ پیر صاحب بھی جوشیلے آدمی تھے انہوں نے لکھ دیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام فوت ہو چکے ہیں۔ اور مرزا صاحب اپنے تمام دعاوی میں سچے ہیں۔ اس پر مناظرہ رکھا گیا۔ انہوں نے راتوں رات مولوی بلوا لئے۔ ہمیں نہ اس قسم کے مناظروں کا پتہ۔ نہ پورے دلائل کا علم۔ بہر حال دوسرے دن عبداللہ معمار امرتسری ان کی طرف سے مناظر مقرر ہوا۔ اور خاکسار عزیز الرحمٰن پیر صاحب کی طرف سے مناظر مقرر ہوا۔ مجھے کہیں سے احمدیہ پاکٹ بک بھی مل گئی۔ ویسے بھی وفاتِ مسیح کے دلائل ایک کاپی پر جمع کر رکھے تھے۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے مناظرہ بہت اچھا رہا۔ اور یہ بھی عجیب قسم کا مناظرہ تھا نہ ہم احمدی نہ لاہوری نہ قادیانی اور وفاتِ مسیح اور صداقت حضرت مرزا صاحب پر مناظرہ کر رہے ہیں۔ لیکن اصل میں خدا تعالیٰ ہمیں ٹریننگ دے رہا تھا۔ کہ تم نے احمدی بن کر تبلیغ کرنی ہے۔ ابھی سے تیاری اور مشق کر لو۔

انہیں ایام میں ربوہ مرکز احمدیت جب ہمارے علاقہ میں آباد ہونا شروع ہوا اور سرگودھا شہر میں بھی کافی احمدی احباب آگئے تو میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تمام تصنیفات اکٹھی کرنی شروع کیں۔ براہین احمدیہ حصّہ پنجم پڑھی۔ حقیقۃ الوحی پڑھی۔ نبوّت کا مسئلہ حل ہو گیا۔ ان دنوں میں نے مسئلہ مصلح موعود، مسئلہ خلافت پر دونوں جماعتوں کا لٹریچر پڑھا۔ خدا تعالیٰ نے مجھ پر حق واضح کر دیا کہ خلافت برحق۔ اور حضرت مرزا صاحب کی تحریرات کی روشنی میں مصلح موعود میرا پیارا محمود ہے۔

اس کے بعد میرا اور میرے استاد پیر صاحب کا اختلاف شروع ہُوا۔ وہ اسی عقیدے پر جم گئے کہ مرزا صاحب نبی نہیں اور نہ ہی خلافت کی ضرورت ہے اور نہ ہی بیعت کی ضرورت ہے۔ اور خاکسار ان مسائل کی تہ تک پہنچ گیا۔

اَب میں اعتقاداً احمدی ہو چکا تھا۔ لیکن پیر صاحب کو چھوڑنا بہت مشکل تھا۔ کیونکہ ان کے ہم پر بہت سے احسانات تھے اور ان کا رعب بھی اتنا تھا کہ ان کو چھوڑنا کارے دارد تھا لیکن لٹریچر کے ذریعہ سے اب حق واضح ہو چکا تھا۔ مَیں ایک دفعہ لاہور گیا وہاں جودھامل بلڈنگ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد رہائش پذیر تھے۔ شام کی نماز میں نے حضور کی اقتداء میں ادا کی اور مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب نے میرا تعارف کرایا۔ نماز کے بعد ان دنوں حضور نفسیات پر کچھ لیکچر دیا کرتے تھے اور کافی دوست جمع ہو جایا کرتے۔ حضور کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر اور حضور کے طرزِ گفتگو نے مجھے کچھ ایسا گرویدہ کیا کہ مَیں رونے لگ گیا۔

حضور نے علاقہ پوچھا تعلیم پوچھی مَیں نے سب کچھ بتایا۔ لیکن اس ملاقات اور حضور کی نگہ نے مجھے اپنا مطیع بنالیا۔ قال الشاعر:-

آں دل کہ رم نمودے از خوبرو جواناں
دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے

اَب مَیں نے علیحدگی میں پیر صاحب سے بات چیت مؤدبانہ انداز میں شروع کی۔ اور اپنے دلائل دینے شروع کئے کہ جناب! جب حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق حضرت مرزا صاحب مسیح موعود ہیں تو پھر خدا کے مامور کے مقابلہ میں آپ کو اپنی گدی چھوڑ دینی چاہیئے اور بیعت میں شامل ہونا چاہیئے۔ لیکن یہ قدم اُٹھانا ان کے لئے بہت مشکل تھا۔ اور ہمیں پیر صاحب کا چھوڑنا بہت مشکل تھا۔ اسی کشمکش میں ۱۹۵۰ء میں مَیں نے حج کا ارادہ کیا۔ اور اس سفر میں میری ایک غرض یہ بھی تھی کہ اس معاملہ کے متعلق مقامات مقدسہ پر دُعا کروں گا۔ مجھے بیس دن کراچی ٹھہرنا پڑا کیونکہ ہمارا جہاز لیٹ ہو گیا تھا۔ میں جمعہ کی نماز احمدیہ ہال میں جا کر پڑھتا اور رات دن سلسلہ کی کتب کا مطالعہ کرتا۔ مجھے یاد ہے کہ دعوۃ الامیر اور ذکرِ الٰہی میں نے وہاں ہی کسی احمدی دکاندار سے خریدیں اور سفرِ حج پر ساتھ لے گیا۔ ہاں مرقاۃ الیقین بھی ہر وقت

اپنے پاس رکھتا تھا۔ اور اس کا بار بار مطالعہ کرتا تھا۔

سن رکھا تھا کہ خانہ کعبہ پر پہلی بار نظر ڈالنے کے وقت جو دُعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔ لہٰذا دو دعائیں مانگیں۔ (۱) خدایا عمر بھر جو دُعا مانگوں قبول فرمانا۔ (۲) جماعت احمدیہ قادیان میں شامل ہونا اگر تیری رضا کا موجب ہے تو مجھے ضرور داخل فرمانا۔

یوں تو بیت اللہ۔ مدینہ منورہ۔ منیٰ۔ عرفات وغیرہ تمام مقاماتِ مقدسہ پر دُعائیں کیں۔ لیکن یوم عرفہ یعنی حج کے دن تو خصوصاً دُعا کا موقعہ ملا۔

عرفات کے میدان میں تقریباً آٹھ نو بجے پہنچ گیا تھا۔ دوپہر کے بعد ظہر و عصر جمع کر کے احرام کی حالت میں ایک مشکیزہ پانی کا کندھے پر ڈالے اور کاپی دعاؤں کی ساتھ لئے ایک چھتری لے کر جبل رحمت پر چڑھ گیا۔ جہاں حضرت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے خطبہ دیا تھا۔

خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے اس مقام پاک پر حج کے دن کھڑے ہو کر قرآنی دُعاؤں اور احادیثی دُعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنے خدا سے یوں مخاطب ہوا۔

مولا کریم میں گنہگار پاکستان سے تیرے اس متبرک مقام پر اس لئے آیا ہوں کہ میرے گناہ بخش اور اگر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تیرا سچا مسیح موعود ہے اور اس کی جماعت میں شامل ہونا ضروری ہے تو مجھے اس جماعت میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرما۔ اے میرے مالک اگر قیامت کے روز تو مجھ سے سوال کرے گا کہ تو نے مسیح موعود کو کیوں نہ مانا۔ تو اس کا ذمہ دار تُو ہوگا۔ میں روتے گرتے پڑتے تیرے در پر پہنچ گیا ہوں اب آئندہ تو راستہ کھول۔ جو حالتِ دُعا اور حالتِ گریہ اس وقت مجھ پر طاری ہوئی مجھے ساری عمر نہیں بھولے گی .... واپس آکر دو سال متواتر مکرم پیر صاحب سے بحث و مکالمہ ہوتا رہا اور اس عرصہ میں مجھے کئی خوابیں بھی آئیں۔ جن کو میں نوٹ کر لیتا۔ اور میری عقیدت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوماً فیوماً بڑھتی گئی۔ آخر میں نے حتمی فیصلہ کر لیا۔ اور خدا تعالیٰ نے میرے اندر قوت بھر دی کہ خواہ پیر صاحب ناراض ہوں اب خدا تعالیٰ نے عقلی، علمی، روحانی طور پر مجھ پر حجت پوری کر دی ہے اب اگر مداہنت سے کام لوں تو شاید سلب ایمان کا معاملہ نہ ہو جائے۔ پس ۱۹۵۴ء کے جلسہ سالانہ پر یہ خاکسار حضور کی دستی بیعت سے مشرف ہوا۔ اور میرے ساتھ رائے اللہ بخش ولد احمد منگلا نے بھی بیعت کی۔ اور بعد میں خاکسار کے ذریعہ سے

پیر منوّر الدین صاحب کے تمام مرید سوائے چند ایک کے اللہ تعالیٰ کے فضل سے داخل سلسلہ حقہ ہو گئے۔ فالحمد للہ ربّ العٰلمین"۔ [1]

حضرت مصلح موعودؓ نے اجتماع انصار اللہ مرکزیہ ۱۹۵۶ء کے دوران فرمایا :-

"آج کل ضلع جھنگ کے بعض نئے احمدی ہوئے ہیں ان میں سے ایک مولوی عزیز الرحمٰن صاحب ہیں جو عربی کے بڑے عالم ہیں"۔ [2]

مولوی عزیز الرحمٰن صاحب کا قبولِ احمدیت اور آپ کے ذریعہ سے پیر منوّر الدین صاحب کے قریباً تمام مریدوں کا نورِ احمدیت سے منوّر ہونا تائیدِ الٰہی کا چمکتا ہوا نشان ہے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں :-

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے زمانہ میں یہ علاقہ جس میں ہمارا مرکز ہے اس میں کوئی احمدی نہیں تھا۔ آپ کی وفات کے قریب عرصہ میں یہاں صرف ایک احمدی تھا۔ لیکن اب ضلع جھنگ میں ہزاروں احمدی موجود ہیں۔ ۱۹۵۲ء میں جبکہ ہم ہجرت کر کے یہاں آگئے تھے۔ اس علاقے کے صرف پانچ چھ احمدی تھے اب دو تین ہزار احمدی ہو چکا ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت میں داخل ہونیوالے ایسے آسودہ حال لوگ ہیں کہ حیرت آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان مالداروں کو احمدیت کی طرف ہدایت دیدی۔ ملاقات کے وقت ہر شخص جو اس علاقہ کا آتا ہے اس سے دریافت کیا جائے کہ تمہاری کتنی زمین ہے تو وہ کہتا ہے ۱۰ مربعے یا ۲۰ مربعے یا ۴۰ مربعے اور اس وقت مربعے کی قیمت ۵۰، ۶۰ ہزار روپیہ ہے بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کے پاس آٹھ مربعے سے کم زمین ہوتی ہے۔ اگر ٹوٹل کیا جائے تو میرے خیال میں یہاں ایک ہزار مربع جماعت کا ہو گیا ہے گویا پانچ کروڑ کی جائیداد صرف اس ضلع میں پیدا ہو گئی ہے اور یہ انقلاب ایک تھوڑے سے عرصہ میں ہوا ہے۔ صرف تین سال کی بات ہے کہ جب یہ انقلاب ہوا۔ اب دیکھ لو۔ یہ معجزہ ہے یا نہیں۔ پہلے اس علاقہ میں جس میں احمدی ہیں ایک پیر منوّر الدین صاحب تھے۔ وہ قادیان بھی گئے تھے۔ واپس آکر انہوں نے اپنے مریدوں کو کہنا شروع کیا کہ مرزا صاحب کی بات سچی معلوم ہوتی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام یقیناً وفات پا گئے ہیں مگر جب اُن

---

[1] "قبولِ احمدیت کی داستان" از الحاج مولوی عزیز الرحمٰن صاحب منگلا صـ۲۲ تا صـ۲۷ ناشر مکتبہ سلطان القلم ربوہ۔

[2] الفضل ربوہ ۲۷ مارچ ۱۹۵۶ء صـ۵۔

کے مُرید جماعت میں داخل ہونے لگے تو انہیں ہماری جماعت سے بغض پیدا ہو گیا کیونکہ ہماری وجہ سے اُن کی آمدن کم ہو گئی۔ کجا تو اُن کی یہ حالت تھی کہ اس علاقہ میں ان کی بڑی عزت اور قدر کی جاتی تھی اور کجا یہ کہ جب اُن کے تمام مرید احمدی ہو گئے تو انہیں رہنے کے لئے کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ آخر ایک دوست صالح محمد صاحب نے انہیں اپنے بنگلہ میں ٹھہرایا اور پھر وہ اپنے وطن واپس چلے گئے۔ غرض اللہ تعالیٰ احمدیت کی تائید میں ہمیشہ نشانات دکھاتا چلا آرہا ہے۔"[1]

فصل پنجم

(خلافت ثانیہ کا بیالیسواں سال ۱۳۳۴ ہش / ۱۹۵۵ء)

۱۹۵۵ء کا پہلا خطبہ جمعہ

اس باب کے ساتھ ہم خلافت ثانیہ کے بیالیسویں سال میں قدم رکھتے ہیں۔

سیدنا حضرت مصلح موعود کا ہمیشہ یہ طریق تھا کہ ہر سال کے شروع میں جماعت کو اس کی بڑھتی ہوئی نئی ذمہ واریوں کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ اس دستور کے مطابق حضور نے سال نو کے پہلے خطبہ جمعہ (فرمودہ ۷ جنوری ۱۹۵۵ء) میں مخلصین کو تحریک فرمائی کہ وہ نئے سال کو اس عزم اور ارادے کے ساتھ شروع کریں کہ ہم نے محنت کرنی ہے اور ہماری محنت ہی سے اعلیٰ نتائج پیدا ہوں گے اور واضح فرمایا کہ محنت اور قربانی کے بغیر خدا تعالیٰ کی مدد نہیں آیا کرتی چنانچہ فرمایا:-

"تم یہ ارادہ کر لو کہ تم اس سال میں ہر جگہ شور مچاؤ گے کہ عمل کرو۔ عمل کرو۔ عمل کرو اور یہ خیال دل سے نکال دو گے کہ تمہارے کاموں کا خراب نتیجہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نکلتا ہے۔ اگر تم سچی محنت کرو گے تو لازمی طور پر اس کا اعلیٰ نتیجہ نکلے گا اگر تمہارے کسی کام کا بُرا نتیجہ نکلتا ہے تو اس کا

---

[1] الازہار لذوات الخمار" حصہ دوم صفحہ ۲۰۱۔ مرتبہ حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ۔

موجب تم خود ہو۔ خدا تعالیٰ بناتا ہے تم ضائع کرتے ہو۔ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (الشعراء: ۸۱) بیماری تم خود لاتے ہو شفا خدا تعالیٰ دیتا ہے۔ پس جب بھی کوئی کام ٹوٹے گا تمہاری طرف سے ٹوٹے گا اور جب بھی کوئی کام بنے گا تو وہ خدا تعالیٰ بنائے گا۔ اگر تم یہ نکتہ سمجھ لو تو تمہاری حالت بدل جائیگی۔

احادیث میں آتا ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ میں تین بُری عادتیں ہیں جن کو ترک کرنے کی مَیں اپنے اندر طاقت نہیں پاتا۔ آپؐ کوئی ایسا طریق بتائیں جس کے اختیار کرنے سے میں اِن بُری عادات سے چھٹکارا حاصل کر سکوں۔ ان تین بُری عادات میں سے ایک جھوٹ بھی تھا۔ آپؐ نے فرمایا تم میری ایک بات مان لو۔ دو کا میں ذمّہ لیتا ہوں تم ایک عیب چھوڑ دو یعنی جھوٹ بولنا۔ اس نے کہا بہت اچھا اور چلا گیا۔ کچھ مدّت کے بعد وہ شخص دوبارہ آیا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا آپ تمہارا کیا حال ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ جھوٹ کے چھوڑنے سے سارے عیب چھوٹ گئے۔ مَیں جب بھی کوئی غلطی کرنے لگتا تو خیال آتا تھا کہ مَیں لوگوں کو کیا جواب دُونگا؟ اگر سچ بولوں گا تو لوگ بُرا بھلا کہیں گے اور اگر جھوٹ بولا تو اپنا عہد توڑدوں گا۔ اس طرح محض جھوٹ نہ بولنے کی برکت سے میں سب عیوب سے نجات پا گیا ہوں۔ اسی طرح اگر تم اس سال محض یہ عہد کر لو۔ کہ ہم نے محنت کرنی ہے اور ہماری محنت سے ہی اعلیٰ نتائج پیدا ہوں گے اور اگر ہمارے کسی کام کے اعلیٰ نتائج پیدا نہ ہوئے تو ہمیں اقرار کرنا ہوگا کہ ہم نے محنت نہیں کی یا کوئی حماقت کی ہے جس کی وجہ سے ہماری محنت کا صحیح نتیجہ نہیں نکلا تو تمہاری کایا پلٹ سکتی ہے پس تم یہ سال اس نئے ارادہ اور عزم سے شروع کرو۔ اس نتیجہ میں تم اگلا سال اس سے بھی نیک اور اعلیٰ ارادہ سے شروع کرو گے اور تم اپنے ایمانوں میں ایسی پختگی دیکھو گے جس کو کوئی شخص توڑ نہیں سکے گا۔"[1]

اس خطبہ کی نسبت حضور نے یہ ہدایت فرمائی کہ ہر جماعت جمعہ میں یہ خطبہ سُنائے اور پھر تمام افراد سے عہد لے کہ وہ صحیح محنت کی عادت ڈالیں گے اور اپنے دعویٰ کو تب سچ سمجھیں گے جب اس کے اعلیٰ نتائج نکلیں۔ اگر اعلیٰ نتائج نہ نکلیں تو اقرار کریں گے کہ انہوں نے صحیح محنت نہیں کی۔"[2]

---

[1]۔ روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۶ر جنوری ۱۹۵۵ء / صلح ۱۳۳۴ہش صـ۵۔
[2]۔ روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۶ر جنوری ۱۹۵۵ء / صلح ۱۳۳۴ہش صـ۳

اسی تسلسل میں حضور نے ۱۲؍جنوری ۱۹۵۵ء کو ایک اور خطبہ ارشاد فرمایا جس میں جماعت کے ہر فرد کو دوبارہ یہ تاکید فرمائی کہ اسے یہ عہد کر لینا چاہیئے کہ وہ محنت سے کام کرے گا عقل سے محنت کرے گا اور اور اپنے آپ کو ہر کام کے نتیجے کا ذمّہ دار قرار دے گا حضور کا یہ خطبہ "الفضل" ۹؍فروری ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں چھپا اور اس کی نسبت بھی حضور کی طرف سے یہ حکم دیا گیا کہ :-

"یہ خطبہ ایک دفعہ ہر مسجد احمدیہ میں سُنایا جائے اسی طرح ایک ایک مرتبہ ہر جگہ کی خدام الاحمدیہ کی مجلس میں بھی سُنایا جائے"۔

حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے جماعتہائے احمدیہ انڈونیشیا کیلئے ایک قیمتی تبرّک

جماعتہائے احمدیہ انڈونیشیا کے نائب صدر مکرم راڈن ہدایت صاحب اوائل ۱۹۵۵ء میں مرکز سلسلہ ربوہ میں ایک ماہ سے زائد عرصہ مقیم رہنے کے بعد جب واپس اپنے وطن تشریف لے جانے لگے تو انہوں نے حضرت اقدس المصلح الموعودؓ سے خواہش کی کہ جماعت ہائے احمدیہ انڈونیشیا کے لئے انہیں کوئی تبرک عنایت فرمایا جائے۔ حضور نے ان کی خواہش کے احترام میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تصنیف حقیقۃ الوحی کے مسودہ کا ایک حصّہ جو آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ اپنے پاس سے عنایت فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ اصل مسودہ[1] کا عکس مرکز میں محفوظ رکھا جائے چنانچہ حضور کی اس ہدایت کی تعمیل میں اس کے عکس کی تین کاپیاں لی گئیں جو خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہیں۔ اور پھر اصل تبرک دو رومالوں میں لپیٹ کر اور ڈبے میں بند کر کے جناب ایکسپریس کی روانگی سے قبل ۳؍فروری ۱۹۵۵ء کو مکرم راڈن صاحب ہدایت کے سپرد کر دیا گیا اس تبرک کے ساتھ حضرت المصلح الموعود نے جماعت احمدیہ انڈونیشیا کو ایک خط بھی لکھا جس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

"جماعت احمدیہ انڈونیشیا! خدا تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ کی جماعت کے اخلاص اور محبتِ احمدیت کو دیکھ کر میں ایک تبرک حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا آپ کو بھجواتا ہوں اور یہ آپ کی ایک تحریر ہے جو

---

[1] یہ مسودہ حقیقۃ الوحی طبع اوّل کے صفحہ ۹۳ تا صفحہ ۱۰۱ سے متعلق ہے جس کے شروع میں الہام "احافظ کل من فی الدار" درج ہے اور آخر میں" وہی مسیح موعود کہلائے گا منہ" کی عبارت ہے۔

آپ کے اپنے دستِ مبارک کی لکھی ہوئی ہے۔ درحقیقت یہ آپ کی کتاب حقیقۃ الوحی کے مسودہ کا ایک حصّہ ہے مگر اس کے بارے میں یاد رہے کہ یہ تحریر قلم برداشتہ ہے۔ حقیقۃ الوحی کے چھپنے وقت اصلی کاپیوں اور مطبوعہ کلام کا مقابلہ کرنے پر، اور ترجموں پر نظر ثانی کرنے پر اصلاح کی گئی اس لئے حقیقۃ الوحی مطبوعہ اور اس مسودہ میں کچھ قلیل سا فرق ہو گیا ہے۔ ایسے اختلاف کے بارہ میں یاد رکھنا چاہیئے کہ جو حقیقۃ الوحی میں چھپا ہے۔ وہ اصل ہے اور جو اس مسودہ میں ہے وہ اس کے تابع ہے۔ یہ مسودہ بطور تبرک زیادہ قدر و قیمت رکھتا ہے اور حقیقۃ الوحی کا مطبوعہ کلام بطور صحت زیادہ قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی قدر سمجھنے اور کرنے کی توفیق بخشے۔ والسلام۔ خاکسار۔

مرزا محمود احمد۔ ۳/۲/۵۵

حضور نے یہ مکتوب مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر مولوی فاضل انچارج شعبہ زود نویسی کو لکھوایا اور اس کے آخر میں حضور انور نے اپنے قلم مبارک سے اس پر دستخط ثبت فرمائے۔[1]

فارغ التحصیل شاہدین کیلئے نئی سکیم

سیّدنا حضرت مصلح موعود نے اس سال کے شروع میں فارغ التحصیل طلبائے جامعہ کے لئے ایک نئی سکیم جاری فرمائی جس کا اعلان ۲۸ جنوری ۱۹۵۵ء کے خطبہ جمعہ میں درج ذیل الفاظ میں فرمایا:۔

"میری تجویز یہ ہے کہ جو طالب علم مبلغین کلاس پاس کر لیں انہیں تبلیغ کے کام پر لگانے سے پہلے تین تین ماہ کے لئے کم سے کم چار دفاتر میں کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ مثلاً تین ماہ وہ بیت المال میں کام کریں، تین ماہ نظارت امور عامہ میں تین ماہ دعوۃ و تبلیغ میں کام کریں، تین ماہ کسی اور دفتر میں کام کریں اور اگر آدمی زیادہ ہو جائیں تو اس ایک سال کے عرصہ کو دو سال تک بڑھا دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ان کا ذہن صرف مولویت تک محدود نہیں رہے گا۔ بلکہ صحابہ کرامؓ کی طرح اُن کے اندر دفتری کاموں، تجارت، صنعت اور زراعت، سیاست، اقتصاد معاشرت پر غور کرنے کی عادت پیدا ہو جائے گی اُن کے اندر مال کے انتظام اور اس میں ترقی دینے، جماعت کی حالت کو سدھارنے اور تعلیم وغیرہ کی قابلیت بھی پیدا ہو جائے گی۔ انہیں مختلف محکموں کے کام کا پتہ لگ جائے گا اور ضرورت پڑنے پر وہ اس کام کے کرنے کی اہلیت رکھنے ہوں گے اگر ہمارے

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۲ دسمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۳۔

پاس اس قسم کے مبلغ تیار ہو جائیں تو جب تک ہم کوئی نیا مشن نہیں کھولتے ہم ان سے دوسرے محکموں میں کام لے سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہم انہیں امور عامہ زراعت، تجارت یا کسی اور محکمہ میں نائب ناظر لگا دیں یا نائب ناظر نہیں تو سپرنٹنڈنٹ ہی لگا دیں اور وقف یہ وکالت اور نظارت ان کے سپرد کر دیں اس سے ہمارا خرچ بہت حد تک کم ہو جائے گا۔ ایک شخص جس نے زراعت کے محکمہ میں کام کیا ہو، وہ اگر کسی ایسے ملک میں بھیجا جاتا ہے جہاں لوگوں کا زیادہ تر گزارہ زراعت پر ہے تو وہ بوجہ اپنے تجربہ کے تبلیغ کے علاوہ جماعت کی زرعی حالت کو بھی درست کرے گا بہت سے ممالک ایسے ہیں جو زراعت، صنعت اور تجارت میں ابھی پاکستان سے بہت پیچھے ہیں۔ یورپ اور امریکہ تو بہت آگے جا چکے ہیں لیکن ایشیا اور افریقہ میں بہت سے ایسے ممالک ہیں جن کی حالت پاکستان کی نسبت بہت خراب ہے۔ اگر ہمارے مبلغ اس قسم کے کام سیکھ کر وہاں جائیں تو دوسرے ممالک میں جا کر نہ صرف وہ جماعت کے لئے مفید وجود ثابت ہوں گے بلکہ گورنمنٹ کی نظر میں بھی اور پبلک کی نظر میں بھی وہ ملک کے لئے مفید ہوں گے اور وہ سمجھے گی کہ یہ لوگ صرف مولوی نہیں بلکہ ایک زمیندار۔ صناع اور تاجر بھی ہیں اور اگر یہ طریق اختیار کر لیا جائے کہ فارغ وقت میں مبلغین کو کسی اور کام پر لگا دیا جائے تو یہ خطرہ نہیں ہو گا کہ زیادہ آدمیوں کو کہاں لگائیں۔ پھر یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ مبلغین کو بی اے کرا کے جرنلسٹ یا استاد بنا دیا جائے ..... میں نے بار ہا اس طرف توجہ دلائی کہ مبلغین کو طب سکھائی جائے۔ اگر ایسا انتظام کیا جائے تو بہت تھوڑی سی توجہ سے وہ طبیب بن جائیں گے[1]

حضور کی اس مفید سکیم کے مطابق جامعۃ المبشرین میں دیسی طب اور ٹیکہ لگانے کا کام سکھایا جانے لگا اور حضور کے ارشاد پر دو شاہد ربوہ کے قریب الاٹ شدہ زمین پر زراعت کے کام پر لگا دیئے گئے جنہوں نے بڑی محنت سے کام کیا۔

یہ خدمت جن شاہدین کو سپرد کی گئی اُن میں سے ایک چوہدری رشید الدین صاحب اور دوسرے چوہدری محمد اشرف صاحب تھے۔ مقدم الذکر بعد میں نائیجیریا اور لائبیریا میں تبلیغی خدمات بجا لاتے رہے اور اب مرکز میں ہیں۔

---

[1] روزنامہ ''الفضل'' ربوہ ۳، فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۴

صدر انجمن احمدیہ کے لئے واقفین کی تحریک

۸ر فروری ۱۹۵۵ء کو حضرت امام ہمام نے مندرجہ ذیل تحریک فرمائی :-

" اب تک صرف تحریک جدید کے لئے واقفین لئے جاتے تھے اب ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ صدر انجمن کے لئے بھی واقفین زندگی کی تحریک کی جائے۔ پس اس بارہ میں مَیں اعلان کرتا ہوں کہ مخلص احباب اپنے آپ کو سلسلہ کے لئے پیش کریں عام رہنمائی کے لئے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل قسم کے احباب کار آمد ہو سکیں گے :-

اوّل :- ایم اے ایل ایل بی۔ ڈاکٹر۔ دوم :- بی اے بی ٹی۔ سوم :- ایسے افراد جن کو انتظامی کاموں کا تجربہ ہو خواہ پنشنر ہوں۔ چہارم :- ایسے احباب جو تجارتی یا صنعتی دلچسپی رکھتے ہوں خواہ مڈل تک کی تعلیم ہو گزارہ کے متعلق ہر ایک واقف کو صدر انجمن احمدیہ اطلاع دے گی کہ کس اصل پر وہ گزارہ دے سکتی ہے۔ (مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی)[1]

ضرورتِ زمانہ کے مطابق لٹریچر تیار کرنے کا ارشاد

حضرت مصلح موعود نے ۴ر فروری ۱۹۵۵ء کو ارشاد فرمایا کہ سلسلہ احمدیہ کے علماء اور مبلغین کا فرض ہے کہ وہ ایسے رنگ میں لٹریچر تیار کریں جو زمانے کی ضرورت کے مطابق ہو چنانچہ حضور نے اس روز خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا :-

" مَیں علماء کو کہتا ہوں کہ وہ نئے طریقِ کلام کو جاری کریں اور سائنس، اقتصادیات اور سیاسی ترقی کے نتیجہ میں جو وساوس لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئے ہیں ان کو مدِّنظر رکھ کر لٹریچر تیار کریں اور پھر اسے شائع کرا کے لائبریریوں میں رکھوائیں۔ اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بعثت کا مقصد پورا ہو سکتا ہے اگر ہم موجودہ وساوس کو دور نہ کریں اور اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے ان کا ازالہ نہ کریں تو ہمارا لٹریچر مفید نہیں ہو سکتا .... رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم مختلف لوگوں سے مختلف طریق سے گفتگو فرماتے تھے۔ عورتوں سے اور رنگ میں کلام فرماتے مردوں سے اور رنگ میں بات کرتے۔ مہاجروں سے اور رنگ میں گفتگو فرماتے اور انصار سے کلام فرماتے تو آپ کا رنگ اور ہوتا۔ ایک ہی بات کو سننے والوں کی نسبت سے چکر دے کر بیان فرماتے اور اس

---

[1] روزنامہ " الفضل " ربوہ ۸ر فروری ۱۹۵۵ء صـ ۳۔

رنگ میں کہتے کہ وہ خوبصورت نظر آتی مہاجروں کا ذکر آتا تو آپ فرماتے ہیں جن لوگوں نے خدا تعالےٰ کی خاطر اپنے وطن چھوڑ دیئے اپنے مال چھوڑ دیئے۔ ان سے اچھا اور کون ہو سکتا ہے۔ اور انصار سے گفتگو فرماتے تو آپ اس رنگ میں گفتگو فرماتے کہ جن لوگوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لئے محض خدا تعالےٰ کی خاطر اپنے مال پیش کر دیئے ان پر اپنے گھروں کے دروازے کھول دیئے ان سے اچھا اور کون ہو سکتا ہے۔ اس طرح دونوں فریق خوش ہوتے اور اپنی اپنی جگہ قربانی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔ پس مبلّغین اور دوسرے علماء کا کام ہے کہ وہ اس قسم کا لٹریچر تیار کریں جس کی اس زمانہ میں ضرورت ہے وہ اس طرز پر تصنیف نہ کریں جس طرز پر پچھلے علماء تصنیف کرتے چلے آئے ہیں۔ اگر تم نماز کی صرف رکعات اور سجدے بیان کرتے ہو تو یورپ والوں کی سمجھ میں تمہاری بات نہیں آسکتی لیکن اگر تم اس طرز سے یہ بات پیش کرو کہ نماز سے تمہارے اخلاق۔ احساسات اور جذبات پر یہ اثر پڑتا ہے تو یورپ والوں کی سمجھ میں یہ بات آجائے گی اور وہ تمہاری بات سننے کے لئے تیار ہو جائیں گے کیونکہ وہ علم النفس کو سمجھتے ہیں۔ کوئی زمانہ تھا جب یہ کہا جاتا تھا کہ خدا تعالےٰ کہتا ہے نماز پڑھو تو لوگ بات مان لیتے تھے لیکن اب اگر کہا جائے کہ خدا کہتا ہے نماز پڑھو تو لوگ کہیں گے خدا تعالےٰ کو نماز کی کیا ضرورت ہے ہر اک زمانہ کی زبان الگ الگ ہوتی ہے اور اپنی بات سمجھانے کے لئے اس زبان میں بات کرنی پڑتی ہے جسے لوگ سمجھتے ہوں۔ ایک بزرگ نے اپنے پاس بیٹھنے والوں سے دریافت کیا کہ جنت کیوں اچھی ہے تو کسی نے کہا اس میں بڑی بڑی نعماء ملیں گی اس لئے وہ اچھی ہے۔ کسی نے کہا جنت میں مومن کو دائمی زندگی ملے گی اس لئے وہ اچھی ہے۔ غرض ہر ایک نے کوئی نہ کوئی وجہ بیان کر دی ہے اس بزرگ نے کہا کہ میرے لئے دوزخ اور جنت دونوں برابر ہیں۔ اگر خدا تعالےٰ مجھے دوزخ میں ڈالتا ہے تو میرے نزدیک دوزخ اچھی ہے۔ اور اگر خدا تعالےٰ مجھے جنت میں ڈالتا ہے تو میرے نزدیک جنت اچھی ہے یہ ایک عشقیہ رنگ تھا جو آج کل نہیں چلتا اب اگر کہیں کہ مومن کو جنت ملے گی تو لوگ کہتے ہیں جنت کہاں ہے کس جگہ ہے۔ خدا تعالےٰ نے جنت کیوں بنائی ہے غرض اس زمانہ میں پرانے جوابات سے لوگ مطمئن نہیں ہوتے صرف یہ کہہ دینا کہ خدا تعالےٰ خوش ہو گا لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے کافی نہیں۔ تصوف آئے گا تو یہ باتیں لوگ مان لیں گے اس سے پہلے نہیں۔ کسی زمانہ میں اگر یہ کہا جاتا تھا کہ خدا تعالےٰ ہمیں دوزخ

میں بھی ڈال دے تو ہم اس پر راضی ہیں تو جسم پر جذبہ ایمان سے کپکپی آجاتی تھی لیکن اب یورپ والے اس بات پر ہنس پڑتے ہیں ہاں وہ مادی زبان اور علم النفس کی بات کو فوراً مان جاتے ہیں۔ باقی باتوں کے ماننے کے لئے وہ تیار نہیں ہوتے اس لئے قرآن کریم نے دونوں قسم کی باتوں کو لیا ہے۔ اس نے عشقیہ رنگ کو بھی لیا ہے۔ جیسے فرمایا اے رسولؐ جس نے تیرے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اس نے گویا میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور علم النفس کو بھی لیا ہے۔ کہ فرمایا ہم جو حکم دیتے ہیں وہ تمہارے فائدے کے لئے دیتے ہیں ہمیں اپنا کوئی فائدہ مدِ نظر نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض جگہوں پر آمرانہ طرزِ عمل بھی اختیار کیا گیا ہے پس ہر زمانہ میں الگ الگ زبان ہوتی ہے آمریت اور جمہوریت دونوں باتیں قرآن کریم میں موجود ہیں لیکن ایک وقت میں اور ایک قوم کے سامنے ایک ہی بات پر زور دیا جا سکتا ہے دونوں پر نہیں۔ پس تم اس رنگ میں لٹریچر تیار کرو پھر جب لٹریچر تیار ہو جائے تو جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس لٹریچر کو پھیلائے۔"[1]

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۷ر فروری ۱۹۵۵ء/ ۱۷ر تبلیغ ۱۳۳۴ ہش صفحہ ۴-۵ ۔

پانچواں باب

◉ حضرت مصلح موعودؓ کی تشویشناک علالت ◉ علاج کیلئے یورپ جانے کا فیصلہ ◉ رُوح پرور پیغامات کا سلسلہ ◉ حضور انور کا دوسرا سفر یورپ ◉ کراچی، دمشق، بیروت، زیورک، نیورنبرگ، ہمبرگ اور ہالینڈ میں شاندار تربیتی اور تبلیغی مساعی ◉ لنڈن میں مبلّغین اسلام کی عالمی کانفرنس ◉ سعید روحوں کا قبول اسلام ◉ لنڈن کے کئی اجتماعات و تقاریب سے ایمان افروز خطاب ◉ جماعت احمدیہ نائیجیریا کے دو رکنی وفد کی حضرت امام ہمام سے ملاقات ◉ پاکستان میں مراجعت ◉ ربوہ میں فقید المثال استقبال ◉ مبارک سفر کا مبارک اختتام

فصل اوّل

حضرت مصلح موعودؓ کی تشویشناک علالت

۲۶؍ فروری ۱۹۵۵ء کا آفتاب غروب ہوتے ہی غم و اندوہ اور کرب و الم کی ایک تاریک رات پوری دُنیائے احمدیت پر چھا گئی۔ احمدی بے چین دل اور مضطرب رُوح کے ساتھ خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گئے اور اپنے محبوب اور مقدس آقا کی شفایابی کے لئے دُعائیں کرتے ہوئے آنکھ کے پانی سے اپنی سجدہ گاہوں کو تر کر دیا۔ واقعہ یہ ہُوا کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود قصرِ خلافت میں نماز مغرب کے بعد لیٹے ہوئے تھے۔ پونے سات بجے کا وقت تھا۔ حضور کی حرم حضرت سیدہ اُمّ متین، حضور کے ساتھ تھیں۔ آپ نے اٹھنا چاہا کہ فوراً گر پڑے اور بے ہوشی طاری ہو گئی۔ حضرت سیدہ نے بڑی مشکل سے حضور کو سہارا دے کر چارپائی پر لٹایا۔ اس وقت حضور کے جسم مبارک کا بایاں حصّہ بے حسّی کی حالت میں تھا۔ آواز لڑکھڑا رہی تھی اور کرب کی حالت تھی۔ حضور کا بلڈ پریشر جو عام طور پر ایک سو بیس ۱۲۰ کے قریب رہتا تھا۔ ایک سو ستر ۱۷۰ تک پہنچ چکا تھا۔ حضور بول سکتے تھے۔ مگر آواز صاف نہیں تھی۔ نو بجے شب کے قریب حضور کی حالت میں کسی قدر افاقہ ہُوا اور حِسّ بتدریج واپس آنے لگی۔ اور گیارہ بجے کے قریب بیماری کے بہت سے اثرات زائل ہو گئے۔ بلڈ پریشر کم ہونے لگا اور زبان پر بھی بیماری کا بہت خفیف سا اثر رہ گیا۔ اور حضور اپنی بائیں ٹانگ اور بازو کو حرکت دینے لگے۔[1]

حضور کی اس متوحّش بیماری کی اطلاع ملتے ہی بے شمار دوست انتہائی بے تابی اور ولولۂ اخلاص کے ساتھ دیوانہ وار دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں پہنچ گئے۔ اور بہت سے اجتماعی طور پر دُعا کرنے کے لئے مسجد مبارک اور دیگر مساجد میں جمع ہو گئے۔ اور ساتھ ہی صدقے کے طور پر بکرے ذبح کئے جانے لگے۔ یہ گویا حشر کی رات تھی جو ربوہ کی تمام آبادی نے نوافل اور دُعاؤں میں

---

[1] ضمیمہ روزنامہ الفضل ربوہ ۲۷؍ فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

گذار دی۔ ابتدائی علاج کے لئے صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منوّر احمد صاحب انچارج فضل عمر ہسپتال حضور کی خدمت میں حاضر رہے۔ اُن کے ساتھ ڈاکٹر کیپٹن محمد رمضان صاحب بھی تھے۔

(۱) جس روز بیماری کا حملہ ہوا سب سے پہلے ڈاکٹر محمد اسلم صاحب پیرزادہ لاہور کو ربوہ چلنے کے لئے کہا گیا باوجودیکہ رات کا وقت تھا اور ربوہ رات کے ایک بجے پہنچنے کا امکان تھا مگر انہوں نے بلا تامل منظور کر لیا اور رات کے ایک بجے پہنچ کر معائنہ کیا اور علاج تجویز کیا۔

(۲) ڈاکٹر پیرزادہ صاحب نے تین دن کے بعد پھر دیکھنے آنا تھا مگر حضرت صاحب نے خانصاحب ڈاکٹر محمد یوسف صاحب کو بھی بایں الفاظ یاد فرماتے ہوئے بُلا بھیجا کہ وہ بھی ہمارے خاندان کے پُرانے معالج ہیں اور تعلق رکھتے ہیں۔

(۳) ڈاکٹر پیرزادہ صاحب اور ڈاکٹر خانصاحب محمد یوسف صاحب کا علاج جاری تھا اور علاج سے فائدہ بھی ہو رہا تھا لیکن حضور نے از خود ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش صاحب کا نام بھی لیا فرمایا انہیں بھی بُلا لیا جائے۔ کرنل صاحب موصوف نے بعد معائنہ نہایت محبت کے لہجے میں پُرزور طریق پر اطمینان دلایا کہ حضرت صاحب! آپ کو کوئی فالج PARALYSIS کا مرض نہیں ہے آپ قطعاً فکر نہ کریں۔ جب دوسری بار دیکھنے کے لئے ربوہ آئے تو اپنے سامنے حضور کو کھڑا کر کے ٹہلوایا۔

(۴) ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش صاحب کی ہدایت کے مطابق دو ہفتے تک علاج جاری رہا اور صحت میں ترقی ہو رہی تھی مگر پھر خانصاحب ڈاکٹر محمد یوسف کی یاد دل میں آئی اور لاہور پہنچنے[1] پر مشورہ کیلئے بلایا مشورہ کیا تھا گویا ملنا مقصود تھا۔

(۵) کرنل الٰہی بخش صاحب اور خانصاحب ڈاکٹر محمد یوسف صاحب سے دوبارہ سہ بارہ مشورہ لیا جا چکا تھا اور مناسب علاج جاری تھا کہ ڈاکٹر پیرزادہ صاحب کی پھر یاد دل میں آئی اور تیسری بار پھر بُلا بھیجا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضور انہیں گویا صرف اپنے علاج کے مشورہ کے لئے نہیں بلا رہے بلکہ خود انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔

(۶) کرنل الٰہی بخش صاحب نے مختلف قسم کے امتحان قارورہ و خون کے تجویز کئے اور ڈاکٹر غلام محمد

---

[1] حضور ۹ ؍مارچ کو ربوہ سے لاہور تشریف لے گئے اور ۱۶ ؍مارچ کو واپس آئے۔ (رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۵۶-۱۹۵۵ء صفحہ ۳)

صاحب انچارج کلینیکل لیبارٹری میوہسپتال سے امتحانات کروانے تجویز کئے حضرت صاحب نے فوراً انہیں ربوہ لانے کے لئے لاہور موٹر بھجوادی اور ساتھ ہی ذکر کیا کہ یہ عموماً ہمارے کنبہ کے لوگوں سے فیس نہیں لیتے جب موٹر ان کو لانے کے لئے لاہور پہنچی تو یہ فوراً ہی تیار ہو کر ربوہ آگئے اور خوشی خوشی امتحان کے لئے خون لیا اور ان کے واپسی کے وقت حضور نے اِن کو ایک معقول رقم دینے کی سخت تاکید کی۔ رقم دینے والے شخص نے باصرار نوٹوں والا لفافہ ان کی جیب میں ڈال دیا مگر وہ بھی رقم واپس کرنے میں عجیب طور سے کامیاب ہوگئے وہ اس طرح کہ موٹر پر سوار ہونے سے قبل لفافہ کو جو بظاہر ایک چٹھی کی شکل میں تھا۔ صاحب زادہ ڈاکٹر مرزا منوّر احمد صاحب کو ہاتھ میں دے کر بھاگ کر موٹر پر سوار ہوگئے اور شیشے بند کر لئے اور موٹر کو چلوا دیا۔[1]

بیماری کی تشخیص کے متعلق ڈاکٹر صاحبان کی رائے

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب بیماری کے ابتدائی لمحات سے حضور کے کوائف سے جماعت کو باقاعدگی کے ساتھ بذریعہ الفضل آگاہ فرما رہے تھے۔ آپ نے ۸ مارچ ۱۹۵۵ء کو بذریعہ مضمون مخلصین جماعت کو یہ اطلاع دی کہ:۔

"خدا کے فضل سے حضرت صاحب کی حالت میں مزید افاقہ کی صورت پیدا ہوئی ہے اور بائیں بازو کے اثر میں تخفیف پیدا ہونے کے علاوہ اعصابی حالت میں بھی افاقہ محسوس ہو رہا ہے چنانچہ کل صبح ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش صاحب نے لاہور سے آکر حضرت صاحب کا معائنہ کرنے کے بعد رفتارِ صحت کے متعلق تسلّی کا اظہار کیا۔ اور اتنے دنوں کے بعد حضور کو بستر سے سہارے کے ساتھ اٹھا کر آرام کرسی پر بٹھایا گیا۔ اور اس کے بعد تین چار قدم سہارے سے چلایا بھی گیا جس کی وجہ سے حضور کی طبیعت میں مزید بشاشت پیدا ہوئی۔ یہ سب ہمارے آسمانی آقا کے فضل و کرم اور دوستوں کی دردمندانہ دعاؤں کا نتیجہ ہے وَاِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔[2]

ڈاکٹروں کی طرف سے بغرض علاج یورپ یا امریکہ جانے کا متفقہ مشورہ

پچھلے سال مخلصین جماعت نے مجلسِ مشاورت ۱۹۵۴ء کے موقع پر حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور بغرضِ علاج امریکہ تشریف لے جائیں اور ساتھ ہی ایک

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۳۰ اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ [2] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۲

خاصی رقم اخراجاتِ سفر کے لئے پیش کر دی جو حضور کے ہمراہ جانے والے خادموں کے لئے تھی. لیکن خلفاء کوئی جماعتی قدم خدا تعالیٰ کے اذن کے بغیر نہیں اٹھا سکتے اور چونکہ مشیّتِ الٰہی میں بیرونی سفر کسی آئندہ وقت کے لئے مقدر تھا. اس لئے نو دس ماہ گذرنے کے باوجود حضور کو اس مشورہ کو قبول کرنے میں سراسر تامل رہا[1] لیکن جب لاہور کے چیدہ ڈاکٹروں نے علاج کے لئے یورپ یا امریکہ جانے کا مشورہ دیا تو حضور کا ذہن بھی خدا تعالیٰ کے تصرّفِ خاص سے اس طرف منتقل ہو گیا اور خود استخارہ کرنے کے علاوہ مندرجہ ذیل احباب سے بھی استخارہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا:۔ (۱) ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب۔ (۲) حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ (۳) حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب۔ (۴) حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی۔ (۵) حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری۔ (۶) صوفی محمد ابراہیم صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول[2]۔

یورپ جانے کا فیصلہ

آخر جب دعاؤں کے بعد جنابِ الٰہی کی طرف سے حضور کو اطمینانِ قلب نصیب ہوا تو حضور نے بھی یہ مشورہ قبول فرما لیا مگر امریکہ جانے کے لئے زرِ مبادلہ کی دقتوں کی وجہ سے حضور نے امریکہ کی بجائے یورپ تشریف لے جانے کا فیصلہ کیا. کیونکہ حضور کو بتایا گیا کہ یورپ میں علاج بہت اعلیٰ ہو گیا ہے خصوصاً سوئٹزرلینڈ کے ڈاکٹر امریکہ جا جا کر سیکھ کر آرہے ہیں. اور اقوامِ متحدہ کی طرف سے یورپ کے ہسپتال بھی اَپ ٹو ڈیٹ (UP TO DATE) ہو گئے ہیں[3]۔

حضرت مصلح موعود نے سفرِ یورپ کا فیصلہ کرنے کے ساتھ یہ بھی فیصلہ فرمایا کہ اپنے اہلِ بیت کو بھی شریکِ سفر رکھیں گے چنانچہ حضور نے انہی دنوں حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کے نام ایک مکتوب میں لکھا:۔

"مَیں نے فیصلہ کیا ہے کہ مَیں یورپ ہو آؤں تاکہ مَیں کام کے قابل ہو جاؤں ایسی حالت میں مَیں بیوی بچوں کو پیچھے نہیں چھوڑ سکتا. اس لئے سب کو ساتھ لئے جا رہا ہوں. انشاء اللہ. لوگوں کی نگاہ میں اتنے بڑے قافلے کو لے جانا عجیب معلوم ہوتا ہے مگر میرا یقین ہے کہ وہ عجیب خدا اِن حالات میں بھی میرے لئے

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۴ [2] الفضل ۳۰ اپریل ۱۹۵۵ء۔
[3] مکتوب حضرت مصلح موعود بنام سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب مطبوعہ ۱۶ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۲

عجائب ہی دکھائے گا انشاء اللہ مشکلات رائی کائی ہو جائیں گی آسمان گرائے گا اور زمین اُگائے گی اور خدا کے فرشتے ہر جگہ پر انتظام کرتے پھریں گے کیونکہ آخر وہ میرے دوست اور ساتھی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے درمیان دوستی اور بھائی چارہ پیدا کیا ہے۔ پس آسمان پر جبرائیل اور زمین پر جبرائیل کے مظہر میرے کام میں لگیں گے پھر مجھے فکر کس بات کی ہو۔ فکریں عارضی آتی ہیں مگر خدا تعالیٰ اِن فکروں کو بھی نرم کر دے گا ولایت میں ہمارا پتہ وہی ہو گا جو ہمارا مشن کا پتہ ہے۔ آپ سہولت سے وہاں خط بھجوا سکتے ہیں۔ اگر کوئی تبدیلی ہوئی تو آپ کو اطلاع دے دُوں گا۔ ان دنوں آپ کا خاندان بھی بہت دُعاؤں کا محتاج ہے انشاء اللہ اس سفر میں آپ کے خاندان کو دُعاؤں میں یاد رکھوں گا۔ آپ میری زندگی کے سفر کے ساتھی ہیں پھر میں آپ کو کس طرح بھول سکتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے پاس اللہ تعالیٰ نے سیٹھ عبدالرحمٰن اللہ رکھا مدراسیؓ کی شکل میں اپنے فرشتے بھجوائے تھے۔ میرے پاس اللہ تعالیٰ نے آپ کی شکل میں فرشتے بھجوائے ہیں۔ اس لئے لازماً جب بھی کوئی فرشتہ آئے گا تو آپ کو یاد کیا جائے گا کیونکہ بھائی بھائی اور دوست دوستوں کو یاد رکھتے ہیں۔ جن کو خدا ملائے ان کا رشتہ کوئی نہیں توڑ سکتا اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اولاد میں بھی آپ جیسا اخلاص پیدا کرے بلکہ آپ سے بھی بڑھ کر جو دنیوی برکات آپ کو اور آپ کے بھائیوں کو نصیب ہوئی تھی وہ اَب آپ کی اولاد کی طرف منتقل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ احمد بھائیؓ مرحوم کی اہلیہ مکرمہ کو بھی صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کی اولاد پر بھی بڑے فضل کرے اور اُن کو اپنی ماں بہنوں کی خدمت کی توفیق بخشے تا ان کے باپ کی رُوح خوش رہے۔

ہندوستان کی جماعت کا خیال رکھیں آپ کی طبیعت میں جو شرم و حیا ہے اس کی وجہ سے میں آپ پر کام کی ذمہ داری نہیں ڈالتا۔ مگر وقت آگیا ہے کہ آپ آگے آکر جماعت کو مضبوط کریں۔ اور مرکز قادیان کو مضبوط کرنے کی سعی فرمائیں۔ میں نے اپنا ایک بیٹا اس وادی غیر ذی زرع میں بسا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو کام کی توفیق دے اور آپ دونوں مل کر اس وسیع ملک کے باوا آدم ثابت ہوں۔ ایک دن آنے والا ہے کہ ان ملکوں میں آپ لوگوں ہی کی روحانی اور جسمانی نسل ہو گی آپ نے ہمیشہ میرے ساتھ وفاداری کا سلوک کیا۔ حالانکہ آپ انسان اور کمزور تھے۔ خدا تعالیٰ جو طاقتور اور مالک ساز و سامان ہے وہ کس طرح آپ سے بے وفائی کر سکتا ہے۔ اگر وہ آپ سے بے وفائی کرے گا۔ تو گویا مجھ سے بے وفائی کرے گا۔ مگر مجھ سے بے وفائی نہ پہلے اس نے کی نہ آئندہ کرے گا۔ وہ میرے دائیں بھی بائیں بھی آگے بھی پیچھے بھی

سر کے اوپر بھی اور دل کے اندر بھی ہے۔ ہر ایک شخص جو میری طرف ہاتھ بڑھاتا ہے اور جو مجھ پر زبان چلاتا ہے خدا کی طرف چلاتا ہے اس کی ماں اسے نہ جنتی تو اچھا تھا۔ اسکی دردناک حالت پر فرشتے رحم کریں۔

دستخط مرزا محمود احمد"[1]

رُوح پرور پیغامات کا جدید سلسلہ

حضرت مصلح موعودؓ کو جماعت احمدیہ کے ہر فرد سے بے مثال محبت تھی جو اپنی ذاتی تکلیف کے ہر موقعہ پر بھی ایک تیز فوارہ کی طرح پھوٹ پڑتی تھی

یہی وجہ ہے کہ اس بیماری کے اثرات جتنی شدت کے ساتھ ظاہر ہوئے اتنے ہی شدید احساسات ایک روحانی باپ کی حیثیت میں آپ کے شفیق و حلیم دل میں جماعت کے لئے پیدا ہو گئے اور آپ نے مخلصین جماعت کو حالات سے برابر مطلع رکھنے کے لئے پیغامات کا ایک نیا سلسلہ جاری فرمادیا۔

پہلا پیغام
مورخہ ۱۱ر مارچ ۱۹۵۵ء

اس تعلق میں حضور کی طرف سے ۱۱ر مارچ ۱۹۵۵ء کو پہلا پیغام جو دیا گیا۔ اس میں آپ نے اپنی بیماری کی نوعیت اور ڈاکٹروں کی رائے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"برادران! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ڈاکٹری مشورہ سے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ میں اہل وعیال اور دفتری عملہ کو لے کر کچھ عرصہ کے لئے یورپ چلا جاؤں تاکہ جلدی اس مرض کی روک تھام ہو جائے پہلے امریکہ کا خیال تھا مگر چونکہ امریکہ کا ایکسچینج نہیں ملتا اس لئے اس ارادہ کو چھوڑنا پڑا لیکن یورپین علاقہ میں انگریزی سکّہ چل جاتا ہے اور برطانوی کامن ویلتھ کے مختلف علاقوں میں ہماری جماعت خدا کے فضل سے کافی تعداد میں موجود ہے مثلاً افریقہ کے کئی علاقے وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے یورپ جانے میں مشکلات بہت کم ہیں۔ مَیں نے عزیزم چودھری ظفراللہ خانصاحب کو مشورہ کے لئے تار دی تو انہوں نے تار میں جواب دیا کہ خدا کے فضل سے یورپ کے بعض ممالک میں علاج کی بہت سی سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں اور کامل سامان مل سکتا ہے اس لئے بیشتر اس کے کہ تکلیف بڑھ جائے میں یورپ چلا جاؤں اور وہاں کے ڈاکٹروں سے علاج کراؤں تاکہ میں اچھا ہو کر خطبہ بھی دے سکوں۔ تفسیر بھی مکمل کر سکوں

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۶ر مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۲

اور جماعتی ترقی کے لئے جس غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے وہ قائم رہے چونکہ سکّہ کی دقتیں یورپ کے سفر میں ہمارے راستے میں اس قدر روک نہیں ہوں گی جس قدر امریکہ کے سفر میں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے اس سفر کے لئے ممکن ہے کہ اگر سلسلہ کے پاس روپیہ ہو تو گورنمنٹ کی طرف سے غیر ملکی سکّہ مل جائے یا اگر ہماری افریقہ کی جماعتیں اخلاص کا ثبوت دیں تو غیر ملکی سکّہ کی بہت سی مشکلات ان کے ذریعہ سے پوری ہو جائیں گی کیونکہ ان کے پاس وہی سکّہ ہے جو یورپ میں چلتا ہے جب میں ۱۹۲۴ء میں انگلینڈ گیا تھا تو ہندوستان کی مالی حالت بہت خراب تھی اور ہندوستانی جماعت اخراجاتِ سفر برداشت نہیں کر سکتی تھی اس وقت زیادہ ایسٹ افریقہ، عراق اور چند اور غیر ممالک کے احمدیوں نے اکثر حصّہ بوجھ کا اٹھایا تھا۔ قادیان کی انجمن ہمارے کھانے پینے کے لئے بھی خرچ نہیں بھجوا سکتی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے افریقہ اور عرب کی جماعتوں کے اندر اس قدر اخلاص اور ایمان پیدا کر دیا کہ سارے قافلہ کے کھانے اور تبلیغ کا خرچ نہیں ادا کرنا تھا یا یوں کہو اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ سے ادا کرتا تھا۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ میں نے مالی مشکلات کو دیکھتے ہوئے ایسٹ افریقہ کے چند دوستوں کو لکھا کہ مجھے سفر کی ضرورتوں اور جماعت کے وفد کے اخراجات کے لئے کچھ انگریزی سکّہ قرض کے طور پر دیدیں۔ وہ آدمی تو تھوڑے سے تھے مجھے یاد ہے کہ اس وقت تک ایسی حیثیت کے آدمی چند تھے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میاں اکبر علی صاحب، سیّد معراج الدین صاحب اور بابو محمد عالم صاحب ممباسوی ایسی حالت میں تھے کہ کچھ قرض دے سکیں لیکن ایمان دنیا کے خزانوں سے بڑا ہوتا ہے ایمان نے ان کی تمام مالی کمزوریوں کو دُور کر دیا مجھے یاد ہے کہ بابو اکبر علی صاحب نے اپنی تجارت کا ایک حصّہ نیلام کر دیا اور روپیہ مجھے قرض بھجوا دیا چونکہ یہ جماعتی حساب میں تھا جماعت نے ادا کر دیا مگر اس وقت ایک عجیب لطیفہ ہوا جو خدا کی قدرت کا نمونہ تھا۔ عراق میں ہمارے صرف ایک احمدی دوست تھے اور اُن کی مالی حالت کچھ اچھی نہیں تھی میں نے اُن کو خط لکھا انہوں نے اپنے کسی اور دوست سے ذکر کر دیا ایک دن لنڈن کے ایک بنک نے مجھے اطلاع دی کہ تمہارے نام اتنے سو پونڈ آیا ہے۔ مَیں نے سمجھا کہ قادیان نے مبلغین کے قافلہ کا خرچ بھجوایا ہے لیکن دریافت کرنے پر بنک نے بتایا کہ قادیان یا ہندوستان سے وہ روپیہ نہیں آیا بلکہ عراق سے آیا ہے میں نے بیت المال قادیان کو اطلاع دی کہ آپ لوگوں نے قرض کی تحریک کی تھی اور مَیں نے بھی اس کی تصدیق کی تھی اس سلسلہ میں روپیہ آنا شروع ہوا ہے آپ نوٹ کر لیں اور چونکہ بعد میں ادا کرنا ہے اور عراق کا پتہ ان کو بتا دیا

کہ یہاں سے اتنے سو پونڈ آیا ہے۔

جب میں ہندوستان واپس آیا تو مَیں نے اس وقت کے ناظر صاحب بیت المال سے کہا کہ کیا اس روپیہ کا پتہ لیا ہے انہوں نے کہا کہ ہم رجسٹریاں لکھ لکھ کر تھک گئے ہیں۔ سارے احمدی انکاری ہیں کہ ہم نے روپیہ نہیں بھیجا۔ مَیں نے اس سعید غیر احمدی کو خط لکھنے شروع کئے کہ اتنا روپیہ آپ کی طرف سے ملا ہے یا غالباً اس قرضہ کی تحریک کے نتیجہ میں ہے جو بیت المال کی طرف سے کی گئی تھی۔ آپ اطلاع دیں تاکہ سلسلہ اس کو اپنے حساب میں درج کرلے لیکن کئی ماہ مسلسل رجسٹری خطوط بھجوانے کے بعد ایک جواب آیا اور وہ جواب یہ آیا کہ آپ کو غلطی لگی ہے کہ میں نے سلسلہ احمدیہ کو کوئی قرض دیا ہے چھ سو یا آٹھ سو پونڈ انہوں نے لکھے کہ مَیں نے لنڈن بنک کے ذریعہ آپ کو بھجوائے تھے مگر وہ بیت المال کو قرض نہیں بھجوائے تھے بلکہ وہ آپ کو نذرانہ تھے۔ اس خط کے وصول ہونے پر میری حیرت کی حد نہ رہی کہ اس غیر احمدی کو اللہ تعالیٰ نے وہ توفیق دی جو کئی احمدیوں کو بھی نہ ملی تھی ممکن ہے کہ غیر احمدیوں میں کوئی مال دار ہو مگر میرے علم میں تو غیر احمدیوں میں بھی کوئی اتنا مال دار نہیں تھا جو اس بشاشت سے چھ سو یا آٹھ سو پونڈ نذرانہ بھجوا دے مگر بہرحال چونکہ وہ سلسلہ کے لئے مدنظر تھا اور وہ بھیجنے والا غیر احمدی تھا اس لئے میں نے نوٹ کرلیا کہ یہ روپیہ سلسلہ کا ہے اور مسجد لنڈن کے حساب میں مَیں نے وہ رقم بنک میں جمع کرادی اور حساب کرکے گذشتہ سال تحریک جدید کو مسجد لنڈن کے حساب میں ۷۳۱ یا ۷۵۰ پونڈ ادا کردیئے۔ جس سے مسجد لنڈن کی مرمّت وغیرہ ہوئی۔ بہرحال اس طرح میں بھی اپنے قرض سے سبکدوش ہؤا۔ اور مرمّت بھی ہوگئی اور خدا تعالیٰ نے مجھے توفیق بخشی کہ میں اس کے احسان کی قدر اس صورت میں ظاہر کروں کہ وہ روپیہ خانۂ خدا کے بنانے پر خرچ ہو جائے۔

اس وقت ہماری جماعت اس وقت سے کئی گنا زیادہ ہے بلکہ شاید بیس گنے زیادہ ہے اور اگر مرکز احمدیت کی تحریک پر وہ لوگ بھی انگریزی سکّہ سے ہماری مدد کریں خواہ قرض کے طور پر ہی ہو تو یہ سفر ہمارا آسانی سے گذر جاتا ہے چونکہ میں بیماری کی وجہ سے جا رہا ہوں اس لئے اُمید ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے بہت سا انگریزی سکّہ خریدنے کی اجازت مل جائے گی لیکن وہ لوگ جن پر پاکستانی قانون نہیں چلتا اگر انگریزی سکّہ ہمیں مہیّا کردیں تو انٹرنیشنل قانون کے ماتحت یہ جرم نہیں اللہ تعالیٰ احباب جماعت کو یہ توفیق دے کہ وہ اپنے فرض کو سمجھ سکیں۔ ادا کرسکیں۔ تاکہ اگر وحی جلی ان پر نازل نہیں ہوئی

تو وحی خفی تو ان پر نازل ہو جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا الہام ہے یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ عنقریب تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن پر ہم وحی کریں گے گویا جو شخص حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی مدد کرتا تھا وہ وحی کے ماتحت کرتا تھا یہی معاملہ خدا کا میرے ساتھ رہا ہے۔ مَیں نے تو ہمیشہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ پکڑا ہے اور اس سے کہا ہے کہ اپنے نوکر کو دوسروں کی ڈیوڑھی سے مانگ کر گذارہ کرنے پر مجبور مت کر۔ اس میں نوکر کی ہتک نہیں۔ آقا کی ہتک ہے۔ اگر میرا نوکر دوسرے کے گھر سے روٹی مانگے تو میری عزت برباد کرتا ہے اس لئے کبھی انسان کے مال پر نہ مَیں نے نظر رکھی ہے اور نہ آئندہ کبھی رکھوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ میری خود ہی مدد کی ہے اور آئندہ بھی وہی مدد کرے گا کسی نے میری مدد نہیں کی کہ خدا تعالیٰ نے اس سے بیسیوں گنے اس کی مدد نہ کی ہو۔ درجنوں مثالیں اس کی موجود ہیں جو چاہے میں اس کا ثبوت دے سکتا ہوں تاکہ کوئی یہ نہ شبہ کرے کہ مَیں لوگوں پر اثر ڈالنے کے لئے یہ بات کر رہا ہوں آخر وہ اس کا کیا جواب دے گا۔ کہ ایک شخص جو بالکل غریب حالت میں تھا اس نے میری مدد کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو دولت دے دی یا اس کی اولاد کو اتنی تعلیم دلا دی کہ وہ صاحبِ اثر و رسوخ بن گیا۔

خیال ہے خدا توفیق دے تو اپریل میں ہوائی جہاز کے ذریعہ سے جاؤں احباب دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ کھول دے اور اگر یہ سفر اللہ تعالیٰ کے منشاء کے بموجب ہے تو اس کو صحت کا موجب بنائے دوستوں نے سفر امریکہ کے لئے گذشتہ شوریٰ پر ایک چندہ کی تحریک کی تھی۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حفاظتِ خاص یعنی جماعت احمدیہ کے امام کی حفاظت کے لئے جو رقوم تجویز کی گئی تھیں گو کافی روپیہ اس میں آیا ہے مگر جتنی ضرورت ہے اتنا نہیں آیا۔ اس لئے میں اپنے محبّوں اور مخلصوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ فیصلہ جو خود ان کا ہے کم سے کم اسے پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ غیروں کے سامنے شرم اور ذلّت محسوس نہ ہو۔

اس موقعہ پر میں یہ کہنے میں بھی فخر محسوس کرتا ہوں کہ مجھے جو شکوہ پیدا ہوا تھا کہ اس سال تحریک جدید کے وعدے پورے نہیں آرہے خدا تعالیٰ نے جماعت کو اس شکوہ کے دُور کرنے کی توفیق بخش دی ہے۔ اور اب خدا تعالیٰ کے فضل سے آج کی تاریخ تک قریباً چھ ہزار کے وعدے زائد آچکے ہیں اور موجودہ رفتار پر قیاس رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ میعاد کے آخر تک اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت

سے چالیس پچاس ہزار روپے کے وعدے بڑھ جائیں گے۔ دُنیا کی نظروں میں یہ بات عجیب ہے مگر خدائے عجیب کی نظر میں یہ بات عجیب نہیں۔ کیونکہ اس کے مخلص بندوں کے ہاتھوں سے ایسے معجزے ہمیشہ ہی ظاہر ہوتے چلے آئے ہیں اور قیامت تک ظاہر ہوتے چلے جائیں گے پہلے بھی خدا تعالیٰ ایسے ہی بندوں کے چہروں سے نظر آتا رہا ہے اور اب ہمارے زمانہ میں بھی ایسے ہی انسانوں کے چہروں سے خدا نظر آئے گا اور ان کے دلوں اور ایمانوں سے ایسے معجزے ظاہر نہیں ہوں گے بلکہ برسیں گے منکر انکار کرتے چلے جائیں گے۔ جبرائیل کا قافلہ بڑھتا جائے گا اور آخر عرش تک پہنچ کر دم لے گا۔ عرش کا راستہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اپنی امت کے لئے کھول دیا ہوا ہے۔ اب کوئی ماں ایسا بیٹا نہیں جنے گی جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کھولا ہوا راستہ بند کر سکے۔ شیطان حسد سے مر جائے گا۔ مگر خدا تعالیٰ کی مدد محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو شیطانی حسد کی آگ سے بچالے گی دوزخ چاہے گندھک کی آگ کی بنی ہوئی ہو یا حسد کی آگ سے صاحب الخلق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے محفوظ کیا گیا ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ دوزخ کے شرارے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے لئے ہیں اس کے دوستوں کے لئے کوثر کا خوش گوار پانی اور جنت کے ٹھنڈے سائے ہیں صرف اتنی ضرورت ہے کہ وہ ہمت کر کے ان سایوں کے نیچے جا بیٹھیں اور آگے بڑھ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے کوثر کا پانی لے لیں۔ لوگ اپنے باپ کی زمینوں اور مکانوں کو نہیں چھوڑتے اور ملک کی اعلیٰ عدالتوں تک جاتے ہیں کہ ہمارا ورثہ ہمیں دلوایا جائے اگر مسلمانوں میں سے کوئی بدبخت اپنے روحانی باپ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ورثہ کو نظر انداز کرتا ہے تو اس پر افسوس ہے اس کو تو فیڈرل کورٹ تک نہیں بلکہ عرش کی عدالت تک اپنے مقدمہ کو لے جانا چاہیئے اور اپنا ورثہ لے کر چھوڑنا چاہیئے۔ اگر وہ ہمت نہ ہارے گا اگر وہ دل نہ چھوڑے گا۔ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ اس کو ملے گا اور ضرور ملے گا۔ صاحب العرش کی عدالت کسی کو اس کے حق سے محروم نہیں کرتی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی باپ دُنیا کے ظالم دادوں کی طرح اپنے پوتوں کو طبعی حق سے محروم نہیں کرتا بلکہ جب وہ اس سے اپیل کرتے ہیں وہ اُن کے روحانی باپ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ورثہ اُن کو دیتا ہے بلکہ ورثہ کے حصّہ سے بھی بڑھ کر دیتا ہے کیونکہ وہ رحیم و کریم ہے اور وہ رحیم کریم یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اُن کی روحانی اولاد اپنے

ورثہ سے محروم ہو جائے ۔ سو دوستو بڑھو کہ تمہیں ترقی دی جائے گی۔ قربانی کرو کہ تمہیں دائمی زندگی عطا کی جائے گی ۔ اپنے فرض کو پہچانو کہ خدا تعالےٰ اس سے بڑھ کر اپنے فرض کو پہچانے گا اور جب وہ وقت آئے گا تو نہ صرف تمہارے گھر برکتوں سے بھر جائیں گے بلکہ ہر وہ گوشت کا لوتھڑا جو تمہارے جسم سے نکلے گا اس کو بھی برکتوں کی چادر میں لپیٹ کر بھیجا جائے گا اور جو تمہارے ہمسائے میں رہے گا اس پر بھی برکتیں نازل ہوں گی جو تم سے محبت کرے گا اس سے خدا تعالےٰ محبت کرے گا اور جو تم سے دشمنی کرے گا اس سے خدا تعالےٰ دشمنی کرے گا۔

مَیں نے آپ کو کبھی نہیں کہا تھا کہ آپ میرے باہر جانے کی سکیم بتائیں۔ یہ سکیم آپ لوگوں کی طرف سے پیش ہوئی آپ نے ہی اسے منظور کیا مَیں نے ایک لفظ بھی اس کے حق میں نہیں کہا اب آپ کا فرض ہے کہ تکلیف اٹھا کر بھی جو ریزولیوشن آپ نے پاس کیا تھا اس کو پورا کریں دوستوں کو مَیں اس طرف بھی توجہ دلاتا ہوں کہ قادیان میں ایک امانت فنڈ کی مَیں نے تجویز کی تھی اور وہ یہ تھی کہ قادیان کی ترقی کے لئے احباب کثرت سے امانتیں قادیان میں جمع کروائیں خاص خاص وقت پر اپنی اغراض کے لئے خلیفۂ وقت اور جماعت بوقت ضرورت کچھ قرض لے لیا کریں گے اس سے احباب کا روپیہ بھی محفوظ رہے گا اور بغیر ایک پیسہ چندہ لئے جماعت کے کام ترقی کرتے رہیں گے۔ قادیان میں اسی تحریک کے مطابق ترقی کرتے کرتے ستائیس لاکھ روپیہ اس امانت میں پہنچ گیا تھا اور بغیر ایک پیسہ کی مدد کے احباب کرام سلسلہ کی خدمت کرنے کی توفیق پا جاتے تھے۔ چنانچہ اس تحریک کا نتیجہ تھا کہ پارٹیشن کے بعد جب سارا پنجاب لُٹ گیا تو جماعت احمدیہ کے افراد محفوظ رہے اور ان کو اس امانت کے ذریعے دوبارہ پاکستان میں پاؤں جمانے کا موقع مل گیا .... اگر اب بھی دوست میری بات کو مانیں گے تو انشاء اللہ بڑی بڑی برکتیں حاصل کریں گے۔ انہیں اغراض کے ماتحت روپیہ جمع کرانا ہوگا۔ جو مَیں نے اوپر بیان کی ہیں تحریک ، صدر انجمن احمدیہ اور مَیں انشاء اللہ ذاتی طور پر ان امانتوں کے واپس کرنے کے ذمہ دار ہوں گے جس طرح پہلے دَور میں ذمہ دار تھے اور ایک ایک پیسہ احباب کو ادا کر دیا تھا۔ روپیہ کا گھر میں پڑا رہنا یا سونے کی صورت میں عورتوں کے پاس رہنا قومی ترقی کے لئے روک ہے اس لئے اپنی اولادوں کی ترقی کی خاطر ان کی تعلیم اور پیشوں کی ترقی کے خاطر اپنی آمد میں سے تھوڑی ہو یا بہت پس انداز کرنے کی عادت ڈالیں اور امانت کے طور پر تحریک جدید یا صدر انجمن

کے خزانہ میں جمع کراتے رہیں۔ اور اس کا نام امانت خاص رکھیں۔ یہ امانت اوپر کے بیان کردہ اغراض کے لئے ہوگی صرف اتنا فرق ہوگا کہ جو شخص اپنی امانت میں سے دس ہزار روپیہ یا اس سے زائد لینا چاہے۔ اسے عام طور پر سات دن کا نوٹس دینا ہوگا۔ مگر یہ ضروری نہیں امانت داروں کی ضرورت کے مطابق فوری روپیہ بھی ادا کر دیا جائے گا۔ مگر جو لوگ چند سو یا ہزار لینا چاہیں گے ان کو بغیر کسی نوٹس کے فوری طور پر روپیہ ادا ہو جائے گا۔ میں اُمید رکھتا ہوں کہ سلسلہ کی تمام خواتین اور مرد میری اس تحریک پر لبیک کہیں گے اور بغیر پیسہ خرچ کرنے کے دین و دُنیا کے لئے ثواب عظیم کمائیں گے اور انشاءاللہ یہ امانت ان کی مالی ترقی کا بھی موجب بنے گی اور اس کے لئے سکیم آئندہ بنائی جائے گی۔ چونکہ یہ ایک مؤقت امانت ہوگی جس کے لئے آٹھ دن کے نوٹس کی شرط ہوگی یہ قرضہ بن جائے گا اور زکوٰۃ سے آزاد ہو جائے گا اور ان کے کام میں کوئی نقص نہیں ہوگا۔ اگر جماعت کے مرد اور عورتیں اس طرف توجہ کریں تو پندرہ بیس لاکھ روپیہ چند روز میں جمع ہونا مشکل نہیں۔ اور یورپ کا سفر اور سلسلہ کے کام بسہولت جاری رہ سکیں گے اور مالی اعتبار سے بھی مجھے بے فکری رہے گی۔

میں اس وقت بالکل بے کار ہوں اور ایک منٹ نہیں سوچ سکتا اس لئے اپنے پرانے حق کی بناء پر جو پچاس برس سے زیادہ عرصہ کا ہے، تمام بہنوں اور بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ مجھے بے عملی کی زندگی سے بچائے کیونکہ اگر یہ زندگی خدانخواستہ لمبی ہوتی ہے تو مجھے اپنی زندگی سے موت بھلی معلوم ہوگی۔ سو میں خدا سے دُعا کرتا ہوں کہ اے میرے خدا جب میرا وجود اس دُنیا کے لئے بے کار ہے تو تُو مجھے اپنے پاس جگہ دے جہاں میں کام کر سکوں۔ سو اگر چاہتے ہو کہ میری نگرانی میں اسلام کی فتح کا دن دیکھو تو دُعاؤں اور قربانیوں میں لگ جاؤ۔ تاکہ خدا تمہاری مدد کرے۔ اور جو کام ہم نے مل کر شروع کیا تھا وہ ہم اپنی آنکھوں سے کامیاب طور پر پورا ہوتا دیکھیں میں اُمید کرتا ہوں کہ اس امانت کی تحریک کے متعلق مجھے بار بار تحریک کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بلکہ احباب جماعت اور خواتین خود ہی یہ تحریک اپنے دوستوں میں کرتے رہیں گے اور اس کو زندہ رکھیں گے۔

جب ۱۹۲۴ء میں مَیں نے لندن کا سفر کیا تھا تو اس قدر مالی تنگی ہو گئی تھی کہ تبلیغ کے لئے جو وفد گیا تھا اس کا خرچ بھی مجھ کو ہی دینا پڑا تھا۔ مگر اب ڈاکٹروں کی ہدایت ہے کہ فکر بالکل نہ کریں۔

اگر یہ تجویز کامیاب ہوجائے تو میری فکر بھی دُور ہوجائے اور اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اس نیکی میں حصّہ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ والسّلام۔ خاکسار

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ۵۵-۳-۱۱"[1]

دوسرا پیغام
(۱۵؍مارچ ۱۹۵۵ء)

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے ۱۵؍مارچ کی شب کو لاہور سے احباب جماعت کے نام ایک انگریزی پیغام موصول ہوا جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اَب میں رُو بصحت ہوں۔ اگرچہ کل شام بہت پریشانی رہی۔ گاہے گاہے دل کا حملہ ہوتا رہا لیکن ڈاکٹروں کی متفقہ رائے یہ تھی کہ یہ صرف دل سے ظاہری فعل سے تعلق رکھنے والے معمولی حملے تھے کسی قسم کی دل کی عضوی اور اندرونی خرابی سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ ان کی وجہ صرف معدے اور ہاضمے کی خرابی تھی۔ ان حملوں کے باوجود انہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ مجھے لارنس گارڈن میں سیر کے لئے جانا چاہیئے۔ چنانچہ میں سیر کے لئے گیا اور اس کا میری صحت پر بہت خوشگوار اثر پڑا۔ جب ہم سیر سے واپس آئے تو عام حالت بہت اچھی تھی۔ لیکن سابقہ حملے کی وجہ سے دماغ میں ایک قسم کا خوف سا بیٹھ گیا تھا۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کئی گھنٹے تک میرے پاس رہے اور نبض دیکھتے رہے اس سے دل میں اعتماد بحال ہوگیا۔ اور مَیں کئی گھنٹے گہری نیند سویا۔ صبح حالت نسبتاً بہتر تھی۔ میں اپنے کمرے میں ٹہلتا رہا۔ دن میں بہت سے ڈاکٹروں کو مشورے کے لئے بلایا گیا۔ ان میں ایک جرمن ڈاکٹر بھی شامل تھا۔ جرمن ڈاکٹر نے برقی مشین کے ذریعہ دل کے فعل کا عکس (کارڈیوگرام) اتارا۔ وہ بھی حتمی طور پر ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کی اس رائے سے متفق تھا کہ حملے کی شدت خواہ کسی بھی نوعیت کی تھی خدا تعالیٰ کے فضل سے اَب دُور ہوچکی ہے اور اس قسم کے بُرے اثرات باقی نہیں ہیں کہ جن سے بیماری کا نشان ملتا ہو اور یہ کہ اَب میرے لئے صرف یہ علاج ہے کہ میں تبدیلیٔ آب و ہوا کے لئے مُلک سے باہر چلا جاؤں اور اپنی بیماری کے متعلق سب کچھ بُھلا دُوں۔ مکمل آرام اور ہر قسم کے تفکرات کو بھلا دینے کے بعد میرا جسم اور دماغ معمول کے مطابق کام شروع کردے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں پوری

---

[1] اخبار روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۳؍مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۱، صفحہ ۲۔
" " " ۱۵؍مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۱-۳۔

طرح صحت مند ہو جاؤں گا۔ مَیں نے اس سے کہا کہ تفکّرات کو بھلا دینے کی تلقین تو آسان ہے لیکن اس پر عمل کرنا مشکل ہے۔ لیکن اس نے اصرار کیا کہ ایسا کرنا ہی پڑے گا۔ اور اس کے آغاز کے طور پر مجھے تمام ملاقاتیں وغیرہ بند کر دینی چاہئیں اور اپنے دوستوں اور احباب سے دُور کہیں باہر چلا جانا چاہیئے۔ مَیں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ مَیں اس کی ہدایت کے مطابق ایسا کرنے کی پوری کوشش کروں گا لیکن اپنے اس وعدے کو پورا کرنے کے لئے احباب کی دُعاؤں اور ان کی مدد کی ضرورت ہے۔ خدا ہمارا حامی و ناصر ہو جس طرح کہ وہ پہلے بھی ہماری نصرت فرماتا رہا ہے بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر اس کی مدد ہمارے شامل حال رہے۔" آمین۔ (خلیفۃ المسیح)[1]

قائم مقام امیر اور ناظر اعلیٰ کا تقرر

حضور نے اپنے پہلے سفر یورپ کے دوران حضرت مولانا شیر علی صاحب بی۔ اے کو امیر مقامی مقرر فرمایا تھا۔ اس سفر میں یہ سعادت حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے حصّہ میں آئی چنانچہ حضور نے روانگی سے قبل اعلان فرمایا کہ مَیں چونکہ بیماری کے علاج کے لئے یورپ جا رہا ہوں اس لئے میری غیر حاضری میں قائمقام امیر مرزا بشیر احمد صاحب اور ناظر اعلیٰ اختر صاحب (میاں غلام محمد صاحب اختر) ہوں گے۔ تحریک اور صدر انجمن کے تعاون اور صحیح کام کے لئے مَیں نے کچھ ہدایات دیدی ہیں۔ میں یہ بھی اُمید کرتا ہوں کہ مَیں نے جو نئے ناظر اعلیٰ اور مقامی امیر مقرر کئے ہیں ان کی بھی تمام افسر اطاعت کریں گے۔ اور اُن سے تعاون کریں گے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ تا احکام ثانی صدر انجمن احمدیہ سے تعلق رکھنے والے تمام کاموں میں صدر انجمن کا حکم آخری ہوگا۔ اور تحریک جدید سے متعلقہ تمام کاموں میں تحریک جدید کا فیصلہ آخری سمجھا جائے گا۔

مَیں اُمید کرتا ہوں کہ ہر ایک افسر اور ہر ایک انجمن بغیر جنبہ داری اور بغیر رعایت کے اور بغیر دوستی کے خیال کے اپنے فرائض کو پوری طرح ادا کرے گی۔ قادیان سے تعلق رکھنے والے سب امور میں صدر انجمن قادیان کا حکم آخری ہوگا مگر اس کی نگرانی کا حق میاں بشیر احمد صاحب کو ہوگا۔ مگر وہ کسی شخص کو وہاں سے آنے کی اجازت نہیں دے سکیں گے۔ یہ فیصلہ بہرحال میری زندگی میں مجھ سے تعلق رکھے گا۔ مرزا محمود احمد۔ خلیفۃ المسیح الثانی ۵۵/۳/۱۸[2]

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۷ مارچ ۱۹۵۵ء صـ۱ ؎ [2] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۴ مارچ ۱۹۵۵ء صـ۳۔

تیسرا پیغام

مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۵۵ء

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ.

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّــــــــاصِرُ

احبابِ جماعت۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کو یہ اطلاع ہو چکی ہے کہ ڈاکٹروں نے مجھے علاج کے لئے یورپ جانے کا مشورہ دیا ہے میرے پہلے اعلان سے ایک غلط فہمی ہوئی ہے۔ پہلے اعلان میں یہ لکھا گیا تھا کہ ڈاکٹروں نے مجھے اپنے خاندان سمیت جانے کا مشورہ دیا ہے۔ اس پر ایک احمدی ڈاکٹر صاحب مجھے ملے اور انہوں نے کہا کہ مشورہ کے وقت میں موجود تھا۔ انہوں نے خاندان کا لفظ نہیں بولا تھا صرف آپ کے لئے کہا تھا۔ یہ بات ان کی ٹھیک تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کا مشورہ یہ تھا کہ میں علاج کے لئے یورپ جاؤں اور ہر قسم کے تفکرات سے بچنے کی کوشش کروں۔ میں اپنی طبیعت کی بناء پر جانتا تھا کہ اس حالت میں میں اگر باہر گیا تو میری بیویوں اور بچوں کے دل میں شدید اضطراب ہوگا۔ کہ نہ معلوم اتنی دُور کیا واقعہ گذر جائے اور اپنی طبیعت کے لحاظ سے میں یہ بھی جانتا تھا کہ بیوی بچوں کے ان تفکرات کو میں برداشت نہیں کر سکوں گا اس لئے مشورہ کے آخری حصہ کی بناء پر میں یہی سمجھتا تھا کہ مجھے اپنی بیوی بچوں کو ساتھ لے جانا چاہیئے تاکہ سفر میں مجھے ان کی تکلیف لاحق نہ ہو چنانچہ اس کے بعد مجھے ایک اور ڈاکٹر ملے وہ احمدی تو نہیں ہیں لیکن بہت ہی محبت رکھتے ہیں۔ انہوں نے میری رائے سُن کر اس سے اتفاق کیا اور کہا کہ آپ میرا نام لے کر بے شک ڈاکٹروں کو بتادیں کہ اگر آپ ان کے بغیر گئے تو آپ کے تفکرات بڑھ جائیں گے کم نہیں ہوں گے۔ بہرحال میں کچھ انجمن اور تحریک کے عملہ کو ساتھ لے کر جو وہاں تعلیم کے لئے جا رہے ہیں یا مبلّغ ہو کر جا رہے ہیں اور اپنی بیویوں اور بعض بچوں کو لے کر جا رہا ہوں۔

میرے پہلے اعلان کے بعد مجھے پے در پے دل کی تکلیف کے حملے ہوئے جن میں بعض اتنے شدید تھے کہ بعض وقتوں میں مَیں سمجھتا تھا کہ میں ایک منٹ یا ڈیڑھ منٹ سے زیادہ کسی صورت میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ جب ڈاکٹروں کو بُلا کے دکھایا گیا تو انہوں نے آلے لگا کر اور نبضیں دیکھ کر یہی رائے قائم کی کہ بیماری دل کی نہیں ہے بلکہ اعصاب اور معدہ کی ہے لیکن تکلیف اور احساس کے لحاظ سے دونوں

بیماریوں میں فرق نہیں۔ اگر اس خیال سے بیماری کو دیکھا جائے کہ بیمار کیا محسوس کر رہا ہے تو پھر ویسی ہی یہ خطرناک ہے جیسی وہ خطرناک ہے چنانچہ ایک اور ڈاکٹر نے جب یہی بات کہی تو میں نے اُن سے کہا کہ بتایئے میں فکر کس طرح نہ کروں جبکہ میرا دل محسوس کر رہا ہے کہ میری حالت خطرے میں ہے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ جب تک آپ سے زیادہ دماغی طاقت والا ڈاکٹر آپ کو ماننے پر مجبور نہ کر دے۔ آپ معذور ہیں میں کیا کہہ سکتا ہوں آپ کو یہ یقین دلا دینا کہ اس وقت آپ خطرے سے باہر ہیں۔ یہ کسی ایسے ڈاکٹر کے اختیار میں نہیں جو اپنی دماغی قوت کے لحاظ سے آپ سے زیادہ نہ ہو۔

بہرحال اس مشورہ کے بعد بعض ربوہ کے ہمارے احمدی ڈاکٹر جو تھے انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ابھی نہیں جانا چاہیئے۔ ابھی سردی ہے اور یہ مرض سردی سے ہی متاثر ہوتی ہے۔ میں نے اس پر سوئٹزرلینڈ اور اٹلی اور ہالینڈ اور انگلینڈ تاریں دیں جن کے جوابات بذریعہ تار آئے کہ ہم نے یہاں کے ڈاکٹروں سے مشورہ کر لیا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ آپ کی بیماری کا علاج یہاں بڑی حد تک ہو سکتا ہے اور یہاں کا موسم ہرگز آپ کی بیماری کے خلاف نہیں آپ فوراً آجائیں یہاں ہر قسم کا انتظام ہسپتال وغیرہ کا موجود ہے۔ یورپ کے ملکوں کے رہنے والے ڈاکٹروں کی ان تاروں سے ربوہ کے ڈاکٹروں کے مُنہ بند ہو گئے کیونکہ سردی میں تو وہ رہ رہے ہیں۔ ربوہ والے تو نہیں رہ رہے۔ ربوہ والے تو اپنے موسم پر قیاس کرتے ہیں پھر وہ لوگ ان بیماریوں کے ماہر بھی ہیں۔

عزیزم شیخ ناصر احمد نے سوئٹزرلینڈ سے تار دی ہے کہ میں نے معین صورت میں یہاں کے ڈاکٹروں سے مشورہ کر لیا ہے اور وہ یہی کہتے ہیں کہ وہ یہاں آجائیں ہم علاج کر سکتے ہیں۔ اور یہاں ہر قسم کی سہولتیں مہیّا ہیں۔ قریباً اسی مفہوم کی تار انگلینڈ سے بھی آئی ہے اس لئے میں نے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

ہر انسان جو پیدا ہُوا ہے اس نے مَرنا ہے اُن گھڑیوں میں جب میں محسوس کرتا تھا کہ میرا دل ڈوبا کہ ڈوبا مجھے یہ غم نہیں تھا کہ میں اس دُنیا کو چھوڑ رہا ہوں۔ مجھے یہ غم تھا کہ میں آپ لوگوں کو چھوڑ رہا ہوں اور مجھے یہ نظر آرہا تھا کہ ابھی ہماری جماعت میں وہ آدمی نہیں پیدا ہُوا جو آپ کی نگرانی ایک باپ کی شکل میں کرے میرا دماغ بوجھ نہیں برداشت کر سکتا تھا مگر اس وقت میں برابر یہ دُعا کرتا رہا کہ اے میرے خدا جو میرا حقیقی باپ اور آسمانی باپ ہے مجھے اپنے بچّوں کی فکر نہیں کہ وہ

یتیم رہ جائیں گے۔ مجھے اس کی فکر ہے کہ وہ جماعت جو سینکڑوں سال کے بعد تیرے مامور نے بنائی تھی وہ یتیم رہ جائے گی اگر تو مجھے یہ تسلّی دلا دے کہ ان کے یتم کا میں انتظام کر دوں گا تو پھر میری یہ تکلیف کی گھڑیاں سہل ہو جائیں مگر تو مجھ سے یہ کس طرح اُمید کر سکتا ہے کہ یہ لاکھوں روحانی بچے جو تُو نے مجھے دیئے ہیں جن کے دشمن چپے چپے پر دُنیا میں موجود ہیں اور جن کو ختم کرنے کے لئے ہر وقت شیطانی نیزے اُٹھ رہے ہیں جب میرے بعد ان نیزوں کو اپنی چھاتی پر کھانے والا کوئی نہیں رہے گا تو تُو ہی بتا کہ میں اس بات کو کس طرح برداشت کر لوں۔ مجھے موت کا ڈر نہیں مجھے اُن لوگوں کے یتیم ہو جانے کا ڈر ہے جنہوں نے تیرے نام کو روشن کرنے کے لئے پچاس سال متواتر قربانیاں کیں ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا دُنیا نے ان کو کمائی سے محروم کر دیا تھا پھر بھی وہ ہر اس آواز پر آگے بڑھے جو تیرے نام کے روشن کرنے کے لئے میں نے اٹھائی تھی۔ اب اے میرے وفادار آقا! میں تجھے تیری ہی وفاداری کی قسم دیتا ہوں ان کمزوروں نے اپنی کمزوریوں کے باوجود تجھ سے وفاداری کی۔ تُو طاقتور ہوتے ہوئے اُن سے بے وفائی نہ کیجیو کہ یہ بات تیری شان کے شایاں نہیں اور تیری پاکیزہ صفات کے مطابق نہیں۔ میں ان لوگوں کو تیری امانت میں دیتا ہوں۔ اے سب امینوں سے بڑے امین، اس امانت میں خیانت نہ کیجیو اور اس امانت کو پوری وفاداری کے ساتھ سنبھال کر رکھیو۔

ڈاکٹر مجھے کہتے ہیں فکر مت کرو۔ لیکن میں اس امانت کا فکر کس طرح نہ کروں جسے میں نے پچاس سال سے زیادہ عرصہ تک اپنے سینہ میں چھپائے رکھا اور ہر عزیز ترین شے سے زیادہ عزیز سمجھا۔

اے میرے عزیزو! تم سے کوتاہیاں بھی صادر ہوئیں تم سے قصور بھی ہوئے مگر میں نے یہ دیکھا کہ ہمیشہ ہی خدا تعالیٰ کی آواز پر تم نے لبیک کہا تم موت کی وادیوں میں سے گذر کر بھی خدا تعالیٰ کی طرف دوڑتے رہے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ خدا تعالیٰ تمہیں نہیں چھوڑے گا خدا تمہیں بے کسی اور بے بسی کی موت نہیں دے گا۔

ڈاکٹروں کی رائے تو یہی ہے کہ میری بیماری صرف عوارض کی بیماری ہے حقیقت کی بیماری نہیں لیکن جو کچھ بھی ہو ہمارا خدا سچا خدا ہے۔ زندہ خدا ہے۔ وفادار خدا ہے۔ تم ہمیشہ اس پر توکّل رکھو اور اپنی اولاد کو بھی اس پر توکّل رکھنے کی تلقین کرو اور اس دُعا کے طریق کو یاد رکھو جو میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ میں نے ساری عمر جب بھی اس رنگ میں اخلاص کے ساتھ دُعا کی ہے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ اس دعا

کے قبول ہونے میں دیر ہوئی ہو۔ اگر تم اس رنگ میں اپنے ربّ سے محبت کرو گے اور اس کی طرف جھکو گے تو وہ ہمیشہ تمہاری مدد کے لئے آسمان سے اترتا رہے گا۔ ایک دولت مَیں تمہیں دیتا ہوں ایسی دولت جو کبھی ختم نہیں ہو گی۔ ایک علاج تمہیں عطا کرتا ہوں وہ علاج جو کسی بیماری میں خطا نہیں کرے گا۔ ایک عصا مَیں تمہارے حوالے کرتا ہوں ایسا عصا جو تمہاری عمر کی انتہائی کمزوری میں بھی تمہیں سہارا دے گا اور تمہاری کمر کو سیدھا کرے گا۔ اے خدا تو اپنے ان بندوں کے ساتھ ہو۔ جب انہوں نے میری آواز پر لبیک کہی تو انہوں نے میری آواز پر لبیک نہیں کہی بلکہ تیری آواز پر لبیک کہی۔ اے وفادار اور صادق الوعد خدا اے وفادار اور سچے وعدے والے خدا تُو ہمیشہ ان کے اور ان کی اولادوں کے ساتھ رہیو اور ان کو کبھی نہ چھوڑیو۔ دشمن ان پر کبھی غالب نہ آئے اور یہ کبھی ایسی مایوسی کا دن نہ دیکھیں جس میں انسان یہ سمجھتا ہے کہ مَیں سب سہاروں سے محروم ہو گیا ہوں۔ یہ ہمیشہ محسوس کریں کہ تُو ان کے دل میں بیٹھا ہے ان کے دماغ میں بیٹھا ہے اور ان کے پہلو میں کھڑا ہے اَللّٰھُمَّ آمین بعض ڈاکٹر جو زیادہ ماہر نہیں ہیں وہ تو میرے جانے پر گھبراتے ہیں مگر ماہر ڈاکٹر یہی کہتے ہیں کہ جلدی جاؤ اور جلدی آؤ۔ بہر حال ہر شخص کے رُتبہ کے مطابق اس کی بات پر یقین کیا جاتا ہے۔ مَیں ان ماہرین کی رائے پر اعتبار کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے جاتا ہوں خدا کرے میرا یہ سفر صرف میرے لئے نہ ہو بلکہ اسلام کے لئے ہو اور خدا کے دین کے لئے ہو اور خدا کرے کہ میری عدم موجودگی میں تم غم نہ دیکھو اور جب مَیں لوٹوں تو خدا تعالیٰ کی مدد اور نصرت میرے بھی ساتھ ہو اور تمہارے بھی ساتھ ہو۔ ہم سب خدا کی گود میں ہوں اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام ہمارے پاس کھڑے ہوں۔

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ۲۱ ۳/۵۵ [1]

چوتھا پیغام
مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۵۵ء

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم   نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِر

احبابِ جماعت احمدیہ — السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

---

[1] ضمیمہ روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۲ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۱-۲۔

کئی دن کی تاروں کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اب مجھے روانہ ہو جانا چاہیئے میں انشاء اللہ کل ۲۳ مارچ کو بدھ کے دن لاہور جا رہا ہوں تا کہ وہاں سے کراچی جاؤں۔ احباب کو چاہیئے کہ دعاؤں میں لگے رہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کا حافظ و ناصر ہو۔ میں بھی انشاء اللہ جس حد تک مجھے توفیق ملی، دعائیں کرتا جاؤں گا۔ مجھے ایک حد تک تشویش تو ہے لیکن مایوسی نہیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کے جواب میں اپنی مدد ضرور بھیجے گا اور معجزانہ رنگ میں مدد بھیجے گا اگر میری دعاؤں کی تائید میں جماعت کی دعائیں بھی شامل رہیں تو انشاء اللہ تاثیر بڑھ جائے گی احباب کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ جب کبھی ذمہ دار افسر اِدھر اُدھر ہوتا ہے تو شریر لوگ فتنہ پیدا کرتے ہیں ہماری جماعت بھی ایسے شریروں سے خالی نہیں بعض لوگ اپنے لئے درجہ چاہتے ہیں۔ بعض لوگ اپنے لئے شہرت چاہتے ہیں ایسا کوئی شخص بھی پیدا ہو یا کوئی بھی آواز اٹھائے خواہ کسی گاؤں میں یا شہر میں یا علاقہ میں تو اس کی بات کو کبھی برداشت نہ کریں۔ کبھی یہ نہ سمجھیں کہ یہ معمولی بات ہے۔ فساد کوئی بھی معمولی نہیں ہوتا حدیثیں اس پر شاہد ہیں جب کوئی شخص اختلافی آواز اُٹھائے فوراً لاحول اور استغفار پڑھیں اور خواہ آپ عمر میں سب سے چھوٹے ہوں اور درجے میں سب سے چھوٹے ہوں اور خواہ آپ کے بزرگ اس فتنہ انداز کی بات کی تائید کر رہے ہوں فوراً مجلس میں کھڑے ہو جائیں اور لاحول پڑھ کر کہدیں کہ ہم نے احمدیت کو خدا کے لئے اختیار کیا تھا۔ ہمارا آسمانی باپ خدا ہے اور ہمارے روحانی باپ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جماعت میں فتنہ پھیلانے والی بات اگر ہمارے عزیز ترین وجود سے بھی ظاہر ہوئی تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔

عبداللہ بن ابی ابن سلول کتنا بڑا منافق تھا قرآن کریم میں متعدد آیات اس کی منافقت کے لئے بیان کی گئی ہیں ایک جنگ میں جب اس نے بعض صحابہؓ کی کمزوری دیکھی اور کہا کہ مدینہ چل لو وہاں پہنچتے ہی جو مدینہ کا سب سے بڑا معزز آدمی ہے یعنی نعوذ باللہ عبداللہ بن ابی ابن سلول وہ مدینہ کے سب سے ذلیل آدمی یعنی نعوذ باللہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے نکال دے گا۔ تو عبداللہ بن ابی ابن سلول کا بیٹا بھی اس جگہ پر موجود تھا۔ وہ دوڑتا ہوا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہؐ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میرے باپ نے آج کیسی خیانت کی ہے۔ پھر اس نے کہا یا رسول اللہؐ میں سمجھتا ہوں میرے باپ کی سزا سوائے قتل کے اور کوئی نہیں اگر آپ یہ

واجب فیصلہ کریں تو اس کے پورا کرنے کا مجھے حکم دیں تا ایسا نہ ہو کہ کوئی اور مسلمان ایسا کر بیٹھے تو میرے دل میں منافقت پیدا ہو اور اس کا بغض میرے دل میں پیدا ہو جائے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا ارادہ یہ نہیں ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو چونکہ عبداللہ بن ابی ابن سلول نے یہ کہا تھا کہ مدینہ پہنچنے دو۔ مدینہ کا سب سے معزز آدمی یعنی عبداللہ بن ابی ابن سلول مدینہ کے سب سے ذلیل آدمی یعنی نعوذ باللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے نکال دے گا عبداللہ بن ابی ابن سلول کے لڑکے نے تلوار نکال لی اور مدینہ کے دروازے کے آگے کھڑا ہو گیا اور اپنے باپ کو مخاطب کر کے کہا اے باپ تو نے یہ فقرہ کہا تھا خدا کی قسم میں وہ وقت ہی نہیں آنے دوں گا کہ تو اس بات کو پورا کرنے کا ارادہ کرے تو ایک قدم بھی آگے بڑھنے کی کوشش کر۔ میں اپنی تلوار سے تیرا سر کاٹ دوں گا۔ صرف ایک صورت تیرے مدینہ میں داخل ہونے کی ہے۔ اپنی سواری سے اُتر آ اور زمین پر کھڑے ہو کر کہہ کہ مدینہ کا سب سے معزز آدمی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اور سب سے ذلیل وجود میں ہوں۔ اگر تو یہ کہے گا تو میں تجھے مدینہ میں داخل ہونے دوں گا ورنہ تجھے قتل کر دوں گا۔ عبداللہ بن ابی ابن سلول اپنے بیٹے کے ایمان کو دیکھ کر ایسا مرعوب ہوا کہ فوراً اپنے اونٹ سے اُتر آیا اور اس نے وہی فقرے کہے جو اس کے بیٹے نے کہے تھے تب اس کے بیٹے نے اسے مدینہ میں داخل ہونے دیا۔ سو دین کے معاملہ میں باپ۔ دادا۔ استاد۔ پیر کی بھی کوئی حیثیت نہیں جو کہتا ہے دین کی حقارت کرو تم اس کا مقابلہ کرو اگر تمہارے ٹکڑے ٹکڑے بھی ہو جائیں تو خوشی سے اس موت کو قبول کرو کیونکہ وہ موت تمہاری نہیں تمہارے دشمن کی ہے۔

حدیثوں میں آتا ہے آخری زمانہ میں دجّال ایک مومن کو قتل کرے گا پھر اس کو زندہ کرے گا۔ پھر اس کو دوبارہ قتل کرنا چاہے گا لیکن خدا اس کو توفیق نہیں دے گا۔ سو یاد رکھو کہ وہ موت جو تم خدا کے لئے قبول کرو گے وہ موت آخری نہیں ہو گی اس کے بعد خدا تمہیں پھر زندہ کریگا اور تمہیں دین کی خدمت کی توفیق دے گا۔

پس اے نوجوانو! اے خدام الاحمدیہ کے ممبرو! میری اس نصیحت کو یاد رکھو عبداللہ بن ابی ابن سلول کے بیٹے کے واقعہ کو یاد رکھو۔ حدیثِ دجّال کو یاد رکھو۔ اگر تم خدا کے لئے موت قبول کرو گے تو خدا تم کو ایسی زندگی دے گا جس کو کوئی ختم نہیں کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ تم کو سچا مومن اور سچا بندہ بننے کی توفیق دے۔ اللّٰھم آمین۔ خاکسار۔ مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ۵۵-۳-۲۲[1]

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ (ضمیمہ) ۲۳؍مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۔

فصل دوم

سیدنا حضرت مصلح موعود قبل ازیں ۱۹۲۴ء[1] میں ویمبلے کانفرنس میں شرکت کے لئے یورپ تشریف لے گئے تھے۔ اس اعتبار سے یہ حضور کے عہد خلافت کا دوسرا اور آخری سفر یورپ تھا جس کا آغاز ۲۳ مارچ ۱۹۵۵ء کو اور اختتام ۲۵ ستمبر ۱۹۵۵ء کو ہوا۔ یہ سفر حضور نے اگرچہ بغرض علاج اختیار فرمایا تاہم اپنی برکات اور تاثیرات کے نتیجہ میں یورپ میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی مضبوط بنیاد ثابت ہوا۔

اکتیس ۳۱ سال پہلے کا ایک رؤیا

ریاست بڑودہ کے ایک غیر احمدی رئیس نواب سید صدرالدین صاحب حسین خان صاحب نے ۱۹۲۴ء میں یہ خواب دیکھا کہ:-

"ایک مکان میں اسباب بندھا رکھا ہے اور اہل خانہ کسی بڑے سفر کی تیاری میں مصروف ہیں۔ اتنے میں دیکھا کہ صاحب خانہ بھی نہایت مصروفیت کی شان سے سامان درست کر رہے ہیں۔ آخر میں انہوں نے فرمایا۔ جہاز تیار کرو اور یہ اسباب ان پر لادو۔ عرض کیا۔ حضور کہاں کا ارادہ ہے فرمایا یورپ جاتا ہوں۔ علاج کرنا ہے۔ یہ دریافت کیا گیا۔ آپ کا اسم شریف؟ فرمایا میرا نام عمر ابن الخطاب ہے"[2]

حضرت فضل عمر کا یہ سفر یورپ ۱۹۲۴ء کے اس رحمانی خواب کی ایک شاندار عملی تعبیر تھا اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کا فیصلہ بھی غیر از جماعت ڈاکٹروں کے پیہم اصرار اور مشورے کی بناء پر کیا گیا۔

سفر یورپ کا آغاز

۲۳ مارچ ۱۹۵۵ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی علاج کے لئے یورپ جانے کے ارادے سے صبح نو بجے بذریعہ کار لاہور تشریف لے گئے۔

---

[1] ۱۲ جولائی ۱۹۲۴ء تا ۲۴ نومبر ۱۹۲۴ء تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۳۹۰ تا صفحہ ۴۳۸۔

[2] رسالہ صوفی بحوالہ روزنامہ "الفضل" قادیان ۹ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵

صدر انجمن اور تحریک جدید کے ناظر و وکلاء صاحبان، دیگر شعبہ جات کے افسران، محلوں کے پریذیڈنٹ صاحبان اور اہالیانِ ربوہ نے کثیر تعداد میں قصرِ خلافت کے باہر جمع ہو کر محبت و ارادت اور اخلاص و عقیدت کے گہرے جذبات اور درد و سوز میں ڈوبی ہوئی دُعاؤں کے ساتھ اپنے محبوب امام کو رخصت کیا۔ تمام احباب اپنے آقا کی اس عارضی جدائی پر بے چین ہوئے جا رہے تھے اور عجیب اضطراب کے عالم میں زیرِ لب نہایت درجہ عاجزی اور الحاح سے رب العزّت کے حضور دعائیں کر رہے تھے کہ اے خدا تو اس مقدس وجود کا جو تیری ہی عنایت اور تیری ہی شفقت سے ہمارے لئے سایۂ رحمت ہے ہر گھڑی اور ہر لمحہ نگہبان ہو اور اُسے اپنے خاص الخاص فضل کے تحت اپنی بارگاہ سے شفائے کامل و عاجل عطا کر تا کہ بہت جلد ہمارے درمیان پھر رونق افروز ہو کر ہمارے دلوں کو شاد کام کرے اور اس کے وجود کی برکت سے ہم میں خدمتِ اسلام کا ایک نیا جوش اور نیا ولولہ پیدا ہو کہ جو دُنیا کی کایا پلٹ دے۔

قصرِ خلافت سے روانگی

حضور نو بجے سے چند منٹ قبل قصرِ خلافت کے اس دروازے سے باہر تشریف لائے جو مسجد مبارک کے عقب کی جانب ہے۔ تمام احبابِ جماعت قصرِ خلافت کے باہر راستے کے دونوں طرف صف بستہ کھڑے زیرِ لب دعاؤں میں مصروف تھے۔ سید داؤد احمد صاحب کے کندھے کا سہارا لے کر حضور موٹر کار میں سوار ہوئے کار کی پچھلی سیٹ پر رونق افروز ہونے کے بعد حضور نے اجتماعی دُعا کرائی درد و سوز میں ڈوبی ہوئی دُعاؤں کا یہ رُوح پرور نظارہ ایک خاص کیفیت کا حامل تھا۔ احباب کرام حضور ایدہ اللہ کی اقتدا میں اللہ تعالیٰ کے حضور سفر کے بابرکت ہونے اور کامل شفایابی کے بعد حضور کے بخیر و عافیت واپس آنے کے لئے اس قدر عاجزی اور الحاح سے دُعائیں کر رہے تھے کہ مسجد مبارک اور قصرِ خلافت سے ملحقہ سارا علاقہ ہچکیوں اور سسکیوں کی دردانگیز آوازوں سے گونج رہا تھا اور ہر دل گواہی دے رہا تھا کہ مولا کریم اور اس کے محبوب بندوں کا یہ رازو نیاز انشاء اللہ العزیز اثر لائے بغیر نہ رہے گا۔ دُعا کے اختتام پر ہر آنکھ سے آنسو رواں تھے اور ہر فرد اپنے محبوب آقا کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بیتاب تھا۔

صدقے کے طور پر بکروں کی قربانی

ٹھیک نو بجے جب حضور کی کار حرکت میں آئی تمام فضا فی امان اللہ تعالیٰ، اور بسلامت روی و باز آئی، کی آوازوں سے گونج اٹھی۔ موٹر کے حرکت میں آتے ہی مسجد مبارک کے عقب میں صدر انجمن احمدیہ اور

تحریک جدید کی طرف سے دو بکرے بطور صدقہ ذبح کئے گئے۔ ایک بکرا صدر انجمن کی طرف سے مکرّم مولوی جلال الدین صاحب شمس نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور دوسرا بکرا تحریک جدید کی طرف سے قائم مقام وکیل اعلیٰ جناب چوہدری غلام مرتضیٰ صاحب نے ذبح کیا۔ حضور کی کار قافلے کی دوسری کاروں کے ہمراہ آہستہ آہستہ روانہ ہوئی۔ احباب جماعت جو قصرِ خلافت کے دروازے سے لے کر چنیوٹ جانے والی پختہ سڑک تک دو رویہ کھڑے ہوئے تھے پُرنم آنکھوں کے ساتھ بلند آواز سے "السّلام علیکم امیرالمؤمنین" اور "فی امان اللہ تعالیٰ" کہتے جاتے تھے۔ حضور کی کار جونہی احاطہ مسجد مبارک کے صدر دروازے سے باہر آئی۔ ربوہ کی مقامی جماعت کی طرف سے دو بکرے بطور صدقہ ذبح کئے گئے۔ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری صاحب سے لے کر چنیوٹ جانے والی پختہ سڑک تک احباب کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔

حضرت سیّدہ نصرت جہاں کے مزارِ مبارک پر دُعا

حضور قصرِ خلافت سے روانہ ہونے کے بعد پہلے موصیوں کے قبرستان میں حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم کے مزار مبارک پر دعا کے لئے تشریف لے گئے۔ مزار مبارک کی چاردیواری کے باہر دروازے کے عین سامنے موٹر میں بیٹھے ہوئے ہی حضور نے دُعا فرمائی جس میں خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ کے اکثر افراد اور بعض خدام شریک ہوئے دُعا سے فارغ ہونے کے بعد حضور لاہور روانہ ہوئے جب حضور کی کار قافلے کی دوسری کاروں کے ساتھ پختہ سڑک پر پہنچی تو ربوہ کے تمام احباب دوڑ دوڑ کر پھر پختہ سڑک کے دو رویہ جمع ہو چکے تھے اور قطاروں کا یہ سلسلہ جانب شرقی قریب قریب پہاڑیوں تک پھیلا ہوا تھا جب تک حضور کی کار سڑک پر دو پہاڑیوں کے درمیان سے گذر کر حدِ نگاہ سے دور نہ چلی گئی۔ احباب جماعت سڑک پر کھڑے کار کی طرف دیکھتے رہے اور پھر سفر کے بابرکت ہونے اور کامل صحت کے ساتھ حضور کے واپس تشریف لانے کے بارے میں دُعائیں کرتے ہوئے ربوہ واپس لوٹے اس وقت دیگر دُعاؤں کے ساتھ اکثر احباب یہ شعر بھی بار بار پڑھ رہے تھے۔

بہ سفر رفتنت مبارک باد
بسلامت روی و باز آئی[1]

---

[1] اخبار روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۴ر مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

لاہور سے کراچی

حضرت مصلح موعود اسی روز بخیریت لاہور پہنچے اور رتن باغ میں قیام فرما ہوئے۔ ۲۶ ؍ مارچ کو صبح ساڑھے چھ بجے حضور رتن باغ سے روانہ ہوئے۔ روانگی سے قبل احباب جماعت کے ساتھ حضور نے پُر سوز دُعا کی اور اسٹیشن پر تشریف لے گئے جہاں عشاق خلافت کا ایک بہت بڑا ہجوم الوداع کہنے کے لئے موجود تھا۔ اسٹیشن پر حضور نے دوبارہ اجتماعی دُعا کروائی۔ ہر شخص اپنے پیارے اور محسن آقا کی بیماری کے باعث سخت غمگین اور پریشان خاطر تھا۔ حضور خیبر میل کے ذریعہ اگلے روز ۲۷ ؍ مارچ کو بخیر و عافیت کراچی پہنچے اور مالیر میں رہائش پذیر ہوئے۔[1]

۱۴ ؍ اپریل کا دن قیام کراچی کے دوران ایک یادگار دن تھا کیونکہ اس روز حضور نے اپنی فرودگاہ میں بیماری کے حملہ کے بعد پہلی بار نماز کی امامت کی اور ظہر و عصر کی نمازیں پڑھائیں۔ اسی خوشی میں قیام جگہ کے جملہ اصحاب نے شکرانے کے طور پر ایک بکرا ذبح کیا اور اس کا گوشت تقسیم کرایا۔[2] اس کے بعد حضور عام طور پر نمازیں پڑھانے لگے۔ نماز کے بعد بعض اوقات حضور خدام کے درمیان بھی تشریف فرما ہوتے اور اپنے کلمات طیبات سے نوازتے۔[3]

ملک میں بے بنیاد اور جھوٹی افواہیں اور حضرت امیر مقامی کے دو زوردار مضامین

جونہی حضرت مصلح موعود ربوہ سے سفر یورپ کے ارادہ سے کراچی تشریف لے گئے بعض مخالفین کی طرف سے حضور کے متعلق بعض جھوٹی اور بے بنیاد افواہیں مشہور کر دی گئیں۔ اور جلد ہی پنجاب اور کراچی کے پریس میں اُن کو خاص اہتمام سے جگہ بھی دی جانے لگی۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب امیر مقامی نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے حسب ذیل دو زوردار اور مسکت و مدلّل مضامین سپرد قلم فرمائے:۔

(۱) "جیسا کہ احباب جماعت کو معلوم ہے کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سفر یورپ کے ارادہ سے کراچی تشریف لے گئے ہوئے ہیں اور وہاں سے انشاء اللہ عنقریب یورپ روانہ ہو جائیں گے۔ جماعت کے دوستوں کو اس موقعہ پر خصوصیت کے ساتھ دُعائیں کرنی چاہئیں کہ

---

[1] "الفضل" ۲۶ ؍ مارچ و ۲۹ ؍ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ [2] "الفضل" ۱۷ ؍ اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۱
[3] "الفضل" ۲۳ ؍ اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

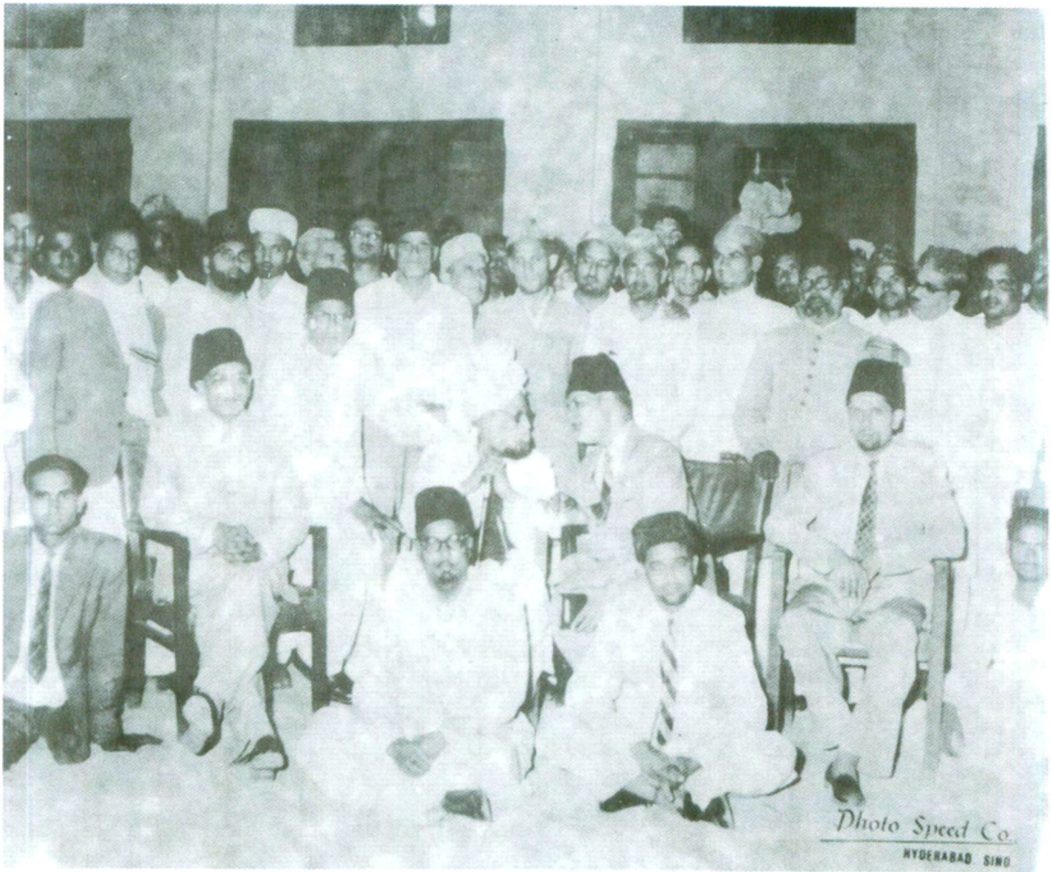

کراچی سے یورپ کے لیے روانگی

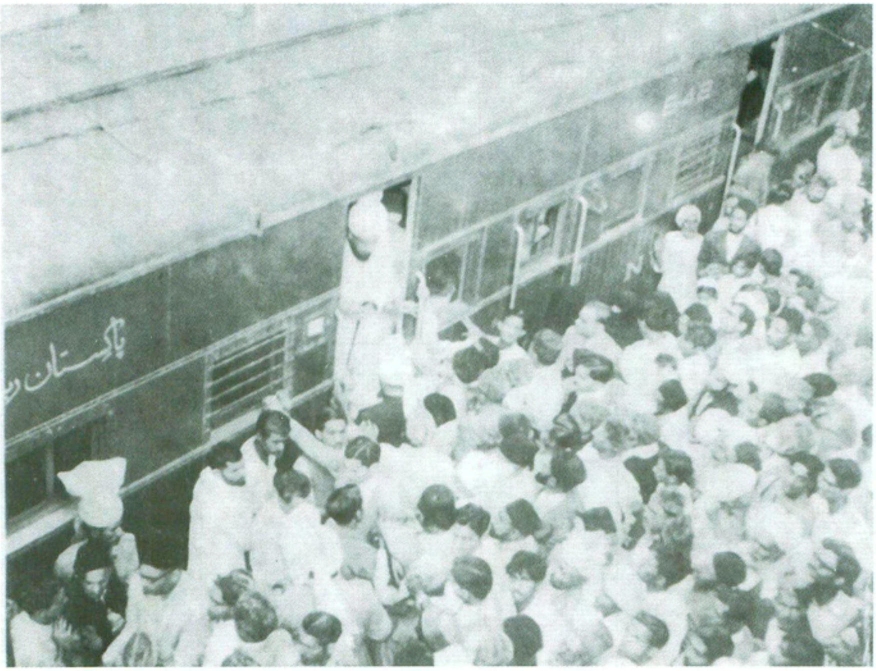

لاہور اسٹیشن سے حضرت مصلح موعودؓ کی سفر یورپ کیلئے روانگی

اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ سفر مقدّر ہے تو وہ اپنے فضل و کرم سے حضور کو خیریت کے ساتھ لے جائے اور پوری طرح صحت یاب کر کے کامیاب اور بامراد واپس لے آئے اور حضور کے اس سفر کو دین و دنیا اور ظاہر و باطن اور حال و مستقبل کے لحاظ سے مفید اور بابرکت اور مثمر ثمراتِ حَسنہ کرے۔ آمین یا ارحم الرّاحمین۔

جیسا کہ میں نے اپنے ایک سابقہ اعلان میں ذکر کیا تھا حضور کی یہ بیماری اعصابی نوعیت کی ہے جو کثرتِ کار اور کثرتِ افکار کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے۔........ اس وقت حضور کو آج کل کامل جسمانی اور دماغی سکون کی ضرورت ہے۔ اس لئے دوستوں کو دعاؤں کے علاوہ یہ بھی احتیاط رکھنی چاہئے کہ ان ایّام میں حضور کی خدمت میں کوئی ایسا خط یا رپورٹ نہ بھجوائی جائے جو کسی جہت سے فکر اور تشویش پیدا کرنے کا موجب ہو کیونکہ موجودہ حالت کا یہ تقاضا ہے کہ ان ایّام میں تمام فکروں اور بوجھوں کو جماعت خود اپنے سر اور کندھوں پر لے لے اور اپنے امام کو ڈاکٹری مشورہ کے مطابق ہر قسم کے فکر اور تشویش سے آزاد رہ کر سکون حاصل کرنے کا موقعہ دے۔ اُمید ہے کہ سب دوست اس پہلو کو خصوصیت کے ساتھ مدّنظر رکھ کر حضرت صاحب کی صحت کی بحالی میں عملاً ہاتھ بٹاتے ہوئے عنداللہ ماجور ہوں گے۔

اس موقعہ پر احباب کی خدمت میں یہ بات بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جیسا کہ تاریخ اور ہمارے آقا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے سوانح سے پتہ چلتا ہے ایسے موقعوں پر جب کہ امام کسی دُور دراز کے سفر پر ہو بیرون از جماعت مخالفین اور اندرون جماعت منافقین امام کی غیر حاضری سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر مختلف قسم کے اندرونی اور بیرونی فتنے برپا کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلعم کے سفر تبوک کے موقعہ پر ہُوا۔ اس لئے احباب جماعت کو عموماً اور امراء جماعت اور صدر صاحبان کو خصوصاً اس امکانی خطرے کی طرف سے بھی ہوشیار رہنا چاہیئے اور اپنے مخصوص اتحاد اور قربانی اور چوکسی اور احساس ذمہ داری اور بیدار مغزی سے ثابت کر دینا چاہیئے کہ کوئی اندرونی یا بیرونی خطرہ انہیں خدا کے فضل سے غفلت کی حالت میں نہیں پا سکتا اور نہ ان کے پائے ثبات میں کسی قسم کی لغزش پیدا کر سکتا ہے۔

بعض مخالفین ابھی سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کے پیش آمدہ سفر کے متعلق بعض جھوٹی اور بے بنیاد افواہیں مشہور کر رہے ہیں بلکہ بعض افواہوں کو تو اخباروں تک میں بھی جگہ دے کر

فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس قسم کی افواہوں کے متعلق بھی جماعت کے ذمہ دار طبقہ بلکہ ہر احمدی کو ہوشیار رہنا چاہیئے جیسا کہ ہر شخص جانتا ہے حضور کا یہ سفر علاج اور صحت کی غرض سے ہے اور ایسے موقعہ پر عزیزوں کی معتدبہ تعداد اور مناسب عملہ کو ساتھ لے جانے کا خیال آنا ایک طبعی امر ہے اور اب تو ابتدائی تجویز شدہ تعداد میں آخری نظر ثانی کے وقت کافی کمی بھی کی جا رہی ہے۔ بہرحال اس قسم کے سفر کو جو خالصتہً علاج اور صحت کی غرض سے اختیار کیا جا رہا ہے۔ بے بنیاد افواہوں کا نشانہ بنانا اس گندی ذہنیت کا مظہر ہے جو بدقسمتی سے ملک کے ایک طبقہ میں ہمارے متعلق پائی جاتی ہے مگر یہ امر خوشی کا موجب ہے کہ خدا کے فضل سے ملک کا شریف اور سمجھدار طبقہ اس قسم کے خلافِ اخلاق رجحانات سے پاک ہے اور بعض عقائد میں اختلاف کے باوجود ہمارے ساتھ انصاف اور ہمدردی کا رویہ رکھتا ہے چنانچہ موجودہ بیماری میں بھی کثیر التعداد غیر احمدی اصحاب نے حضرت صاحب کی عیادت میں حصّہ لیتے ہوئے دلی ہمدردی کا اظہار کیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور ہمارا اور سب بہی خواہاں ملک و ملّت کا حافظ و ناصر ہو ۔ آمین

خاکسار مرزا بشیر احمد ربوہ ۳ / اپریل ۱۹۵۵ء[1]

(۲) "پنجاب اور کراچی کے بعض اخباروں میں اس قسم کے فتنہ انگیز نوٹ شائع ہوئے ہیں کہ امام جماعت احمدیہ کے ربوہ سے تشریف لے جانے کے بعد ربوہ میں نعوذ باللہ پارٹی بازی اور سازشوں کا میدان گرم ہے اور مختلف پارٹیاں اقتدار حاصل کرنے کے لئے کوشش کر رہی ہیں اور نوجوان سروں پر کفن باندھے پھرتے ہیں اور ہر لحظ خون ریزی کا خطرہ ہے وغیرہ وغیرہ

جماعت کے احباب اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ رپورٹیں از سرتا پا افترا اور سو فیصد جھوٹ ہیں۔ جو ہمارے ایسے مخالفین نے جنہیں جھوٹ سے کوئی پرہیز نہیں اپنے قدیم طریق کے مطابق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فتنہ پیدا کرنے کی غرض سے مشہور کرنی شروع کی ہیں تا کہ ایک طرف تو جماعت کمزور ہو رہی ہو اور دوسری طرف خود جماعت کے سادہ لوح اور ناواقف طبقہ کے دلوں میں یہ گھبراہٹ اور بے چینی پیدا کی جائے کہ نہ معلوم جماعت کے مرکز میں کیا ہو رہا ہے جس سے ہم دور افتادہ لوگ بالکل بے خبر ہیں۔

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۵ / اپریل ۱۹۵۵ء صا

اس ذلیل قسم کی فتنہ انگیزی اور افتراء پردازی کے جواب میں جو ایسے وقت میں کی جارہی ہے جبکہ ملکی حالات ہر قسم کے فتنہ پیدا کرنے والے انتشار سے قطعی اجتناب کے متقاضی ہیں۔ ان مخالف حضرات سے تو صرف اس قدر عرض کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ:۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم

"یعنی اے ہمارے مہربانو! تم جس رنگ کا بھی جامہ پہننا چاہو پہن لو ہم تمہیں تمہارے لباس کے رنگ سے نہیں بلکہ تمہارے قد و قامت کے انداز سے پہچانتے ہیں"

اَللّٰھم انا نجعلك فی نحورھم و نعوذبك من شرورھم ونتوکل علیك ولاحول ولا قوۃ الا بك. باقی رہا جماعت کا سوال سو علاقہ دار امراء اور صدر صاحبان کو میری یہ نصیحت ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقہ میں ناواقف اور دُور افتادہ دوستوں کو اس قسم کے فتنوں کے متعلق باخبر اور ہوشیار رکھیں اور انہیں بتا دیں کہ یہ سب جھوٹا اور مفتریانہ پراپیگنڈا ہے جو بعض مخالفین کی طرف سے جماعت اور مرکز کے خلاف کیا جا رہا ہے بلکہ حق یہ ہے کہ یہ پراپیگنڈا ان خدشات کی عملی تصدیق ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے سفر پر جانے سے قبل جماعت پر ظاہر کرکے اسے متنبہ کیا تھا کہ امام کی غیر حاضری میں اس قسم کے فتنے اُٹھ سکتے ہیں۔ جماعت کو اس خطرہ کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ ہماری جماعت خدا کے فضل سے اور حضرت افضل الرسل محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی) کی پیشگوئی کے مطابق ایک ہاتھ پر جمع ہوکر اخوّت اور اتحاد اور راستی اور صداقت کے طریق پر قائم ہے اور ہر قسم کے فتنوں سے الگ رہ کر امن اور آشتی کے رنگ میں اسلام کی خدمت بجا لانا چاہتی ہے اور یہی اس کا واحد مقصد ومنتہا ہے پس ہمیں چاہیئے کہ ہر قسم کی انتشار پیدا کرنے والی باتوں سے الگ رہ کر اپنی پوری توجہ اور پوری کوشش اور پوری طاقت کے ساتھ اس مرکزی نقطہ پر قائم رہیں جو خدائے علیم و قدیر نے ہمارے لئے مقرر فرمایا ہے اور جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے اس مقصد کے حصول کا طریق صبر و صلوٰۃ ہے۔ صبر کے معنے ایک طرف دوسروں کے مظالم پر ضبط نفس سے کام لینا اور دوسری طرف نیکیوں پر مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم رہنا ہے۔ اور صلوٰۃ کے معنی ایک طرف اپنی کوششوں کی کامیابی کے لئے خدا سے دردمندانہ دعائیں کرتے

رہنا اور دوسری طرف محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر آپ کی اُمّت کی اصلاح اور بہبودی کی غرض سے درود بھیجنا ہے اور غور کیا جائے تو یہی دو چار ستون ہیں جن پر ایک مومن کے ایمان اور اس کی سعی وجہد کا انحصار ہے۔ پس دوستوں کو چاہیئے کہ ان ایّام میں خاص طور پر دعاؤں اور صدقہ وخیرات سے کام لیں اپنے اندر تقوٰی اور طہارت نفس پیدا کریں اور اپنے ہمسایوں اور ماحول کے لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک بلکہ غیر معمولی احسان سے پیش آئیں۔ امن اور اتحاد اور تعاون باہمی کا کامل نمونہ دکھائیں اور کوئی ایسی بات نہ کریں جو اسلام اور احمدیت کی تعلیم کے خلاف اور موجودہ ملکی حالات میں حکومت کے لئے کسی جہت سے پریشانی کا باعث ہو۔ وکان اللہ معنا ومعکم اجمعین۔

والسّلام۔ خاکسار مرزا بشیر احمد ربوہ ۱۸ر اپریل ۱۹۵۵ء [1]

پانچواں پیغام
مورخہ ۶ر اپریل ۱۹۵۵ء

۷، ۸، ۹ر اپریل ۱۹۵۵ء بمطابق ۷، ۸، ۹ر شہادت ۱۳۳۴ھش کو ربوہ میں جماعت احمدیہ کی چھتیسویں مجلسِ مشاورت کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس دفعہ کی یہ مجلس بے رونق سی تھی کیونکہ حضور اس وقت سفرِ یورپ سے قبل کراچی میں رونق افروز تھے۔ حضرت مصلح موعود کو اس کا پوری شدت سے احساس تھا اور اسی لئے حضور نے مناسب سمجھا کہ ایک تحریر کے ذریعہ سے نمائندگانِ جماعت کو اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں اس غرض کے لئے حضور نے حسبِ ذیل پیغام لکھوایا جو مشاورت کے اجلاس دوم میں مرزا عبدالحق صاحب (امیر صوبائی پنجاب) صدرِ مجلس مشاورت نے پڑھ کر سنایا۔[2]

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

احبابِ جماعت احمدیہ! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

پہلی بات تو مَیں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ شوریٰ میری غیر حاضری میں آرہی ہے۔ پہلے سال بھی بوجہ زخم کے مَیں شوریٰ میں پورا حصّہ نہیں لے سکا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشق کروا دی مگر میں محسوس

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۱ر اپریل ۱۹۵۵ء صا ٭ [2] رپورٹ مجلسِ مشاورت ۱۹۵۵ء ص۷ تا ۹۔

کرتا ہوں کہ ابھی آپ لوگوں میں اتنی طاقت نہیں پیدا ہوئی کہ میری غیر موجودگی میں اپنی ذمہ داری پر پورا کام کر سکیں اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ایسی طاقت بھی پیدا کر دے اور مجھے بھی ایسی صحت بخشے کہ آپ سے مل کر اسلام کی فتح کی بنیادیں رکھ سکوں جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے پچھلے چند دنوں سے میری طبیعت زیادہ خراب ہونے لگ گئی تھی مگر دو دن سے پھر بحالی کی طرف قدم جلدی جلدی اُٹھ رہا ہے چنانچہ اس وقت بھی کہ میں یہ پیغام لکھوا رہا ہوں مَیں کمرہ میں ٹہل رہا ہوں اور میرے قدم آسانی کے ساتھ چل رہے ہیں پہلے جو بیماری کے حملہ کے بعد دماغ خالی خالی معلوم ہوتا تھا کل سے وقفہ وقفہ کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میں بھی نیک تغیر پیدا ہو رہا ہے اور مَیں بعض اوقات محسوس کرتا ہوں کہ مَیں سوچ سکتا ہوں اور پچھلے واقعات کا تسلسل میرے دماغ میں شروع ہو جاتا ہے بلکہ کراچی آتی دفعہ ریل میں ایک سورۃ میرے دماغ میں آئی جس کے بعض حصے لوگوں سے اَب تک حل نہیں ہو سکے تھے اور باوجود بیماری کے اس سورۃ کی شرح اور بسط مَیں نے کرنی شروع کی اور وہ تفسیر عمدگی کے ساتھ حل ہونی شروع ہو گئی تب مَیں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اے خدا! ابھی دُنیا تک تیرا قرآن صحیح طور پر نہیں پہنچا اور قرآن کے بغیر نہ اسلام ہے نہ مسلمانوں کی زندگی۔ تو مجھے پھر سے توفیق بخش کہ مَیں قرآن کے بقیہ حصہ کی تفسیر کر دوں اور دُنیا پھر ایک لمبے عرصے کے لئے قرآن شریف سے واقف ہو جائے اور اس پر عامل ہو جائے اور اس کی عاشق ہو جائے۔ بہرحال آج میری طبیعت پچھلے چند دن سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ کچھ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ سفر کی پریشانیاں جو پیدا ہو رہی تھیں وہ دُور ہو رہی ہیں۔ پچھلے دنوں اختر صاحب اور مشتاق احمد صاحب باجوہ جو کام کے لئے جاتے تھے تو اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے یہ نہیں سمجھتے تھے کہ فوراً رپورٹ نہ پہنچی تو مجھے صدمہ ہو گا دو چار دن کے تجربہ کے بعد مَیں نے خود اس بات کو محسوس کر لیا اور انہیں ہدایت کر دی کہ جب وہ باہر جایا کریں تو ایک زائد آدمی لے کر جایا کریں اور اسے اس وقت کی رپورٹ دے کر میرے پاس بھجوا دیا کریں تا کہ مجھے پتہ لگتا رہے جب سے اس پر عمل ہوا۔ میری گھبراہٹ اور پریشانی دور ہونی شروع ہو گئی اور اَب خدا تعالیٰ کے فضل سے طبیعت میں سکون ہے خدا نے یہ بھی فضل کیا کہ جہاز کے ٹکٹوں کے ملنے کے غیر معمولی سامان ہو گئے اور ایکسچینج کے ملنے کے سامان بھی پیدا ہو گئے۔ اس موقعہ پر اسلامی مُلکوں کے بعض نمائندوں نے غیر معمولی شرافت کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے ان کے

ملکوں کو عزّت اور ترقی بخشے۔ اس واقعہ سے طبیعت میں اور بھی زیادہ سکون پیدا ہوا اور پریشانی دُور ہوئی۔ خدا کرے۔ کہ مسلمانوں میں پھر سے اتحاد پیدا ہو جائے اور پھر سے وہ گذشتہ عروج کو حاصل کرنے لگ جائیں اور اسلام کے نام میں وہی رُعب پیدا ہو جائے جو آج سے ہزار بارہ سو سال پہلے تھا میں اس دن کے دیکھنے کا متمنی ہوں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں۔ جب سعودی۔ عراقی، شامی اور لبنانی، ترک۔ مصری اور یمنی سو رہے ہوتے ہیں میں ان کے لئے دُعا کر رہا ہوتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ دُعائیں قبول ہوں گی خدا تعالیٰ ان کو پھر ضائع شدہ عروج بخشے گا اور پھر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قوم ہمارے لئے فخر و مباہات کا موجب بن جائے گی خدا کرے جلد ایسا ہو۔

میں شوریٰ میں آنے والے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ سنجیدگی سے بجٹ اور دوسری باتوں پر غور کریں اس سال دس بارہ دن لگا کر میں نے خود بجٹ کو حل کیا ہے اس لئے بجٹ میں دوستوں کو زیادہ تبدیلی نہیں کرنی چاہیئے میرا خیال ہے کہ میری بیماری کا موجب وہ محنت بھی تھی جو تحریک اور انجمن کے بجٹوں کو ٹھیک کرنے کے لئے مجھے کرنی پڑی۔ میں تو بیمار ہو گیا مگر میری وہ محنت کئی سال تک آمد و خرچ کے توازن کو ٹھیک کر دے گی۔

اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو اور آپ کو ان فرائض کے پورا کرنے کی توفیق دے جن کا آپ وعدہ کر چکے ہیں اور جن کے بغیر جماعت کی قریب کی ترقی ناممکن ہے۔

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ۶/۴/۵۵ "[1]

چھٹا پیغام

مورخہ ۱۲ را پریل ۱۹۵۵ء

مجھے مشورہ دیا گیا ہے کہ مجھے ہوائی جہاز کے ذریعہ سفر کرنا چاہیئے۔ سو ہم انشاء اللہ کراچی سے ۳۰ر اپریل کو نصف شب کے قریب روانہ ہو کر یکم مئی کو دمشق پہنچیں گے۔ اس سے قبل ہمارے قافلے کا ایک حصّہ کراچی سے براہِ راست لندن جائے گا اور انشاء اللہ ۲۷ر اپریل کو وہاں پہنچ جائے گا۔

احباب دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس سفر کو بابرکت کرے اور میری صحت بہتر ہو جائے اور میں تفسیر القرآن کا کام مکمل کر سکوں۔ (خلیفۃ المسیح)

نوٹ:۔ یہ تار کراچی سے ۱۲ر اپریل کو صبح ۷ بجے چلی مگر ربوہ میں ۱۴ر اپریل کی شام کو پہنچی۔[2]

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۰ر اپریل ۱۹۵۵ء صا-۲ ◊ [2] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۶ر اپریل ۱۹۵۵ء صا کالم ۱

ساتواں پیغام
مورخہ ۱۳؍ اپریل ۱۹۵۵ء

"برادران! مَیں چند روز میں ہوائی جہاز کے ذریعے سفر یورپ پر جا رہا ہوں۔ چونکہ کچھ دن پیشتر ایک ہوائی جہاز جس میں ایک درجن کے قریب چینی وزراء سفر کر رہے تھے گر کر تباہ ہوگیا ہے اس لئے قدرتی طور پر میرا بیمار ذہن کسی قدر گھبراہٹ محسوس کرتا ہے۔ لیکن سفر اس موسم میں بہتر خیال کیا جاتا ہے۔ اس لئے مَیں اپنے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے ہوائی سفر کو ہی ترجیح دیتا ہوں۔ وہ جو کچھ ہمارے ساتھ کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے اور اگر ہم کسی وقت مایوس ہوتے ہیں تو یہ ہماری اپنی ہی غلطی اور کم نگاہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ خدا اب بھی اور آئندہ بھی ہر حال میں آپ کے ساتھ ہو۔ مَیں آپ کو اپنے خدا کے سپرد کرتا ہوں جس نے آج تک کبھی میرا ساتھ نہیں چھوڑا ہے۔ (مرزا محمود احمدؓ)

نوٹ:۔ یہ تار کراچی سے ۱۳؍ اپریل کو رات پونے بارہ بجے کے قریب چلی مگر ربوہ میں ۱۴؍ اپریل کی شام کو پہنچی[1]

آٹھواں پیغام
مؤرخہ ۱۵؍ اپریل ۱۹۵۵ء

۱۵؍ اپریل کو جمعہ سے قبل حضور نے جماعت احمدیہ کے نام حسب ذیل پیغام جاری فرمایا:۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّاصِرُ

برادران! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج پندرہ تاریخ ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ نے خیریت رکھی تو ہم انشاء اللہ پندرہ دن بعد یعنی ۳۰ اور یکم کی درمیانی رات کو ہوائی جہاز سے روانہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کل مَیں نے ظہر اور عصر کی نماز جمع کر کے جماعت کے ساتھ پڑھائی گو مَیں سجدے اور رکوع کے درمیان بھول جاتا تھا مگر مَیں نے اپنے ساتھ دوستوں کو بٹھا دیا تھا کہ مجھے یاد کراتے جائیں بہرحال چار رکعتیں کھڑے ہو کر مَیں پڑھا سکا۔ آج جمعہ ہے اور انشاء اللہ ارادہ ہے کہ مَیں جمعہ کی نماز بھی پڑھاؤں۔ یہ بات میں

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۶؍ اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

بد پرہیزی سے نہیں کر رہا بلکہ ڈاکٹر نے مجھے حکم دیا ہے کہ جمعہ کی نماز پڑھاؤں اور یہ ڈاکٹر بھی غیر احمدی ڈاکٹر ہے احمدی نہیں گو اس نے تاکید کر دی ہے خطبہ اونچی آواز سے نہ ہو۔ لاؤڈ سپیکر کے ذریعے ہو اور پانچ منٹ سے زیادہ نہ ہو آدمی پاس بیٹھے رہیں جو پانچ منٹ کے بعد روک دیں۔ پچھلے چند دنوں سے خدا کے فضل سے طبیعت اچھی ہوتی چلی گئی گو دل کی کمزوری کے دَورے بعض دنوں میں ہوتے رہے آج پہلی دفعہ ایک خواب چھوٹی سی آئی اور مجھے یاد رہ گئی۔ مَیں نے دیکھا کہ دو نوجوان مجھے ملنے آئے ہیں اور مَیں نے اُن کو ملاقات کا وقت دیا ہے اور اُن کے ساتھ کوئی اُن کے پروفیسر بھی ہیں کچھ دیر کے بعد نیم خوابی کی حالت ہوئی اور مَیں نے محسوس کیا کہ ابھی وہ طالب علم اور اُن کے پروفیسر ملنے نہیں آئے اور مَیں نے اپنی بیوی کو کہا اور وقت پوچھا انہوں نے کہا گیارہ بجے ہیں پھر مَیں نے اُن سے پوچھا کہ دو طالب علم جنہوں نے وقت مقرر کیا تھا وہ نہیں آئے انہوں نے کہا نہیں آئے پھر مَیں نیند کے زور سے دوبارہ سو گیا بہرحال اُس وقت دماغ پر بوجھ کسی قدر کم معلوم ہوتا تھا۔ اور مَیں محسوس کرتا تھا کہ خیالات معطل ہونے کی جو کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ اس میں کمی آ گئی ہے بہرحال اللہ تعالیٰ کا فضل ہے گو بہت آہستہ مگر پھر بھی طبیعت بحالی کی طرف مائل ہے۔ اگر انجمن اور تحریک کے افسروں نے مجھے دق نہ کیا تو شاید صحت اور جلدی ٹھیک ہو جائے گی وہ ضروری ہدایت پر عمل کرنے اور ضروری رپوٹیں بھیجنے میں کوتاہی کرتے ہیں اور بہانہ یہ بناتے ہیں کہ آپ کی صحت کے پیشِ نظر ایسا کرتے ہیں حالانکہ رپورٹ وقت پر آئے تو اس سے طبیعت میں سکون پیدا ہوتا ہے۔ بہرحال احباب دعا کرتے رہیں۔ یورپین ڈاکٹروں کی رائے کا علم تو وہاں جا کر ہی ہوگا۔ فی الحال ہوائی سفر کا طبیعت پر بوجھ ہے کیونکہ مجھے اس کی عادت نہیں تندرست آدمی بھی اس کا بوجھ محسوس کرتا ہے تو اعصابی بیمار تو اور بھی زیادہ کمزور ہوتا ہے لیکن دوسرا کوئی راستہ اس وقت ممکن نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ خیریت سے پہنچائے اور خیریت سے واپس لائے تو علاج اور دوستوں کی ملاقات طبیعت میں اچھی تبدیلی پیدا کر دے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو اور آپ کو اپنے فرائض کے صحیح طور پر ادا کرنے کی توفیق دے اور اسلام سے ایسی وابستگی ہو کہ دنیا کا کوئی ظلم اور تشدّد آپ کو اپنے عہد سے پھرا نہ سکے اور اللہ تعالیٰ ایسی عقل آپ کو عطا فرمائے کہ آپ کو وہ صحیح راستہ ہمیشہ روشن نظر آتا رہے جو خدا تعالیٰ کے کاموں کو چلانے اور اسلام کے قائم کرنے میں ممد ہو سکتا ہے۔ والسّلام

خاکسار مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ۲۹ ۳ ۱۹۵۵ ء[1]

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۰ / اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

پیغام لکھوانے کے بعد حضور نے درج ذیل مختصر خطبہ ارشاد فرمایا جو بیماری کے بعد حضور کا پہلا خطبہ تھا:۔

تشہد اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

پرسوں تک تو مَیں چارپائی پر بیٹھ کر نماز پڑھتا رہا مگر کل جو لیڈی ڈاکٹر علاج کے لئے آئیں (جیں ان کے والد مرحوم سے جو مولانا محمد علی صاحب مرحوم اور ڈاکٹر انصاری صاحب کے واقف اور دوست تھے) واقف تھا انہوں نے اعصابی بیماریوں کے علاج کی تعلیم امریکہ سے کی ہے۔ نہایت سنجیدہ اور توجہ سے علاج کرنے کی عادت ہے اس لئے کرنل سعید صاحب سرجن سندھ نے میری گردن کے علاج کے لئے انہیں بھجوایا تھا وہ گورنر جنرل صاحب کی بھی معالج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں کیا ڈال کہ انہوں نے مجھے کہا کہ آپ باہر جا کر نماز پڑھا کریں مَیں نے کہا کہ مجھے تو باہر جانے میں کمزوری محسوس ہوتی ہے لیکن انہوں نے کہا کہ آپ کو صرف سیڑھیوں سے اترنے کی تکلیف ہوگی لیکن باہر جانے سے آپ کا دل بھی لگے گا اور آپ کی جماعت کے دوست بھی خوشی محسوس کریں گے۔ پھر انہوں نے اصرار کیا کہ کل جمعہ ہے آپ جمعہ کی نماز بھی پڑھائیں۔ مَیں نے کہا مجھے تو گلے کی تکلیف ہے اس لئے میں زیادہ بول بھی نہیں سکوں گا۔ لیکن انہوں نے اصرار کیا کہ آپ تھوڑا بولیں اس سے آپ کی جماعت بھی خوش ہوگی اور آپ کی تفریح بھی ہو جائے گی۔ میں نے بتایا کہ مجھے تو لمبا بولنے کی عادت ہے اور اگر بولنا شروع کردوں تو دیر تک بولتا چلا جاتا ہوں۔ انہوں نے پھر کہا کہ آپ اپنے پاس دونوں طرف دو آدمی بٹھالیں جو تھوڑی دیر کے بعد کرتہ سے پکڑ کر آپ کو کھینچ کر بتا دیں اور آپ تقریر ختم کر دیں مَیں نے کہا یہ کس کو جرأت ہو سکتی ہے تو انہوں نے کہا کہ آپ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو پاس بٹھالیں میں نے کہا کہ میں تو ان کی طرف اگر غضب سے دیکھوں بھی تو وہ پہلے ہی سے بہت دُور بھاگ رہے ہوں گے۔ لیکن چونکہ انہوں نے پھر بھی اصرار کیا اس لئے مَیں نے خیال کیا کہ یہ بھی کوئی الٰہی تحریک ہی ہوگی اس لئے مَیں نے ان کی بات مان لی اور فیصلہ کیا کہ مَیں جمعہ کی نماز پڑھاؤں گا۔ کل ظہر اور عصر کی نماز بھی مَیں نے اس لئے باہر پڑھائی تھی بہر حال اس طرح وہ بھی اس کے ثواب میں شریک ہوگئیں اور آپ لوگوں کی بھی خواہش پوری ہوگئی۔

چند دنوں کے اندر اندر ہم انشاء اللہ چلے جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون ملے گا اور کون نہیں۔ مَیں جاتے ہوئے جماعت کے دوستوں کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے پاس ایک ایسا خزانہ

ہے جو کسی کے پاس نہیں ہے اور وہ خزانہ دُعا کا ہے ہم نے ہمیشہ اس سے پہاڑ اڑتے اور سمندر خشک ہوتے دیکھے ہیں اس خزانہ کو مضبوطی سے پکڑو اور ہاتھ سے جانے نہ دو ورنہ اس کی مثال ایسی ہوگی جیسی کسی کو سونے کی کان ملے اور وہ اسے چھوڑ کر سمندر کے کنارے کوڑیاں چننے کے لئے چلا جائے ...... اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو اور ہر حالت میں اور ہر موقعہ پر اور ہر زمانہ میں آپ لوگوں کے ساتھ ہو۔ؐ

۱۹ر اپریل ۱۹۵۵ء کو حضور نے نہ صرف پیغام دیا بلکہ اپنے قلم مبارک سے اپنی صحت کے متعلق ایک ضروری نوٹ بھی تحریر فرمایا۔ دونوں کا متن درج ذیل ہے:۔

نواں پیغام

مورخہ ۱۹ر اپریل ۱۹۵۵ء

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّــــــاصِرُ

برادران! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ انشاء اللہ چند دن میں ہم یورپ روانہ ہونے والے ہیں اور ممکن ہے کہ جب یہ مضمون شائع ہو تو روانہ ہو چکے ہوں یا روانہ ہونے والے ہوں مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض مفسد اور شر پسند لوگ یہ مشہور کر رہے ہیں کہ گویا میرا بیوی بچوں کو ساتھ لے کر جانا یہ مفہوم رکھتا ہے کہ گویا میرے نزدیک ربوہ خدانخواستہ اب تباہ ہونے والا ہے۔ جو احمدی یا غیر احمدی یہ خیال رکھتا ہے وہ خود تباہ ہونیوالا ہے۔ ربوہ تباہ ہونے والا نہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایسے شرانی لوگوں کو ذلیل اور رسوا کر دے گا۔ اور وہ اس تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے جس تباہی کی انہوں نے ربوہ اور اس کے رہنے والوں کے متعلق خبر دی تھی۔ اس نظارہ کو دیکھنے کے بعد کہ قادیان کی تمام آبادی کو میں بحفاظت نکال کر لے آیا۔ اور کئی سال تک بے سامانی میں ان کے کھانے پینے کا سامان کیا اور سینکڑوں احمدیوں کی لاکھوں روپے کی امانتیں بحفاظت اُن کے گھروں تک پہنچا دیں اور یہ دیکھتے ہوئے کہ باوجود ہر قسم کی مخالفت کے اور کُلّی بے سامانی کے میں نے ہزاروں آدمیوں کو ربوہ میں بسا دیا اور کالج اور اسکول بھی بنوا دیئے اور زنانہ کالج بھی بنوا دیا جو قادیان میں نہیں تھا اور پختہ دفتر بھی بنوا دیئے جو قادیان میں نہیں تھے۔ اور خدا کے

ؐ روزنامہ الفضل ربوہ ۲۰ر اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۲

فضل سے پختہ جامعۃ المبشرین بھی بن رہا ہے ان تمام باتوں کو دیکھنے کے بعد اگر کوئی احمدی یہ خیال کرتا ہے کہ مَیں ربوہ چھوڑ کر بھاگ گیا ہوں۔ اور ربوہ تباہ ہونے والا ہے تو اس بدبخت کو کوئی زمینی طاقت نہیں بچا سکتی کیونکہ جس نے خدا تعالیٰ کو دیکھ کر انکار کیا اس کے دل میں ایمان اور دماغ میں عقل کوئی شخص نہیں پیدا کر سکتا۔

مَیں جب انسان ہوں تو بیماری سے بالا نہیں اور جب مَیں ایسی بیماری میں مبتلا ہوں جس کے متعلق چھ سات چوٹی کے ڈاکٹروں نے کہا ہے جو احمدی نہیں تھے کہ یہ محنت شاقہ کا نتیجہ ہے بلکہ ایک ڈاکٹر نے تو یہ بھی کہا کہ اگر میرا بس چلتا تو میں دو سال پہلے ان کو پکڑ کر نکال دیتا کہ کیوں انہوں نے جبرًا آپ کو کام سے نہیں روکا۔ پس ان منافقین کے اعتراضوں کا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی خلیفہ محنت کرتے کرتے بیمار ہو جائے تو اس کو یہ بھی اجازت نہیں کہ وہ علاج کے لئے باہر جائے۔ اور اگر وہ باہر جائے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ جماعت کو چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ اگر ان خبیثوں کے اعتراض میں کوئی صداقت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خلافت ایک لعنت ہے۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ میرے باہر علاج کرانے سے مجھے کوئی فائدہ ہوگا۔ یا نہیں مگر مجھے اس بات کا یقینی علم ہے کہ جن منافق احمدیوں کے دل میں ایسا خیال گذرا ہے اُن کے گھروں کو خدا تعالیٰ برباد کر کے چھوڑے گا اور ربوہ کی موجودگی اور ترقی میں اپنے گھروں کو برباد ہوتے دیکھیں گے۔

مَیں نے کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا کہ مَیں خواہ کتنی محنت تم لوگوں کے لئے کروں نہ میں بیمار ہونگا نہ مجھے علاج کی ضرورت ہوگی مجھے پہلے تو بیماری کے حملہ کی شدت کی وجہ سے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ بیماری کا حملہ کس طرح ہوا اور کس دن ہوا۔ بعد میں لوگوں سے باتیں کرنے سے مجھے پتہ لگا کہ یہ حملہ ہفتہ کے دن ہوا تھا اور عورتوں میں درس قرآن دینے کے بعد ہوا تھا پس میرا قصور صرف یہ ہے کہ مَیں نے باوجود کمزور اور بیمار ہونے کے تمہاری بیویوں اور لڑکیوں کو خدا کا کلام سُنایا۔ اگر میرا قصور یہی ہے کہ جیسا کہ ظاہر ہے تو سمجھ لو کہ اس اعتراض کے بدلہ میں خدا تعالیٰ کی بے حد نصرت مجھے ملے گی اور خدا تعالیٰ کا بے حد غضب ایسے معترضین پر نازل ہوگا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں سارے کارکن نکال کر اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ دو ڈاکٹر میرے ساتھ جا رہے ہیں لیکن ایک مزید ڈاکٹر کو ربوہ کے کام کے لئے مَیں نے

خدمات وقف کرنے کے لئے آمادہ کیا ہے اور وہ اس وقت ربوہ میں کام کر رہا ہے جو دو ڈاکٹر میں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ ان میں سے ایک میرا بیٹا ہے جس کو مَیں نے اپنے خرچ سے پڑھوا کر احمدیہ جماعت کے لئے وقف کیا جب کہ سینکڑوں دوسرے ڈاکٹر اس خرچ پر دو مہینہ کے لئے بھی آنے کو تیار نہیں تھے۔ اگر ان معترضین کے دل میں دیانت ہے تو آٹھ سال کے لئے نہیں صرف چھ چھ مہینے کے لئے اپنے رشتہ داروں کو خدمت جماعت کے لئے لے آئیں اور منوّر احمد سے دگنا گذارہ لے لیں اب بھی مَیں اسے اپنے خرچ پر لے جا رہا ہوں تاکہ وہاں وہ بڑے بڑے ہسپتالوں میں نئی دریافتیں سیکھ کر آئے اور ربوہ پہنچ کر جماعت کی خدمت کرے پس اس کا لے جانا بھی آپ لوگوں پر احسان ہے کیونکہ اس کا خرچ میں خود دے رہا ہوں اور اس کے علم کا فائدہ آپ کو پہنچے گا۔

جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے دُنیا کے آخر میں جنّت بھی قریب آجائے گی اور دوزخ بھی قریب آجائے گی۔ مَیں نے ساری عمر کوشش کی کہ قریب آئی ہوئی جنت میں تم داخل ہو جاؤ اگر تم میں سے بعض پھر بھی دوزخ ہی میں گھسنے کی کوشش کریں تو مَیں تو حسرت بھرے دل سے اِنَّا لِلّٰہِ ہی پڑھ سکتا ہوں اور کیا کر سکتا ہوں۔ خدا تعالیٰ تمہاری آنکھیں کھولے اور ان دشمنوں کی بھی آنکھیں کھولے جو احمدیت پر جھوٹے اعتراض کرتے ہیں۔ والسّلام

خاکسار مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی از کراچی ۱۹۵۵-۴-۵[1]

اپنی صحت سے متعلق حضور کا رقم فرمودہ نوٹ

مورخہ ۱۹؍ اپریل ۱۹۵۵ء

"یوں طبیعت بہتر ہو رہی ہے۔ مگر عارضی طور پر طبیعت گرتی ہے۔ ویسے مرض کے بعض حصّوں کی زیادتی معلوم ہوتی ہے۔ یعنی بائیں بازو کی حرکت میں جو آسانی پیدا ہو گئی تھی۔ اس میں کمی آگئی ہے۔ مُٹھی بناتے وقت انگلیاں سیدھی ہونے لگ گئی تھیں۔ اب پھر مڑنے لگ گئی ہیں۔ لیکن یہ فرق بھی ہے کہ پہلے میں بائیں ہاتھ کی مدد سے آزار بند باندھ نہیں سکتا تھا۔ اَب میں باندھنے پر قادر ہو گیا ہوں۔ کسی قدر عجیب سا معلوم ہوتا ہے مگر باندھ لیتا ہوں۔ اسی طرح پہلے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں پوری حس نہیں تھی۔ جب انگلیاں میں ملاتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ کچھ حس میں فرق ہے دائیں ہاتھ کی تشہد کی انگلی اور انگوٹھے سے کوئی چیز نہیں پکڑی

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۳؍ اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۔

جاتی تھی۔ پھسل جاتی تھی اَب تشہد کی انگلی اور انگوٹھے سے سوئی پکڑ بھی لیتا ہوں اور اٹھاکر دوسری جگہ رکھ بھی دیتا ہوں۔ مگر انگلیوں کے بند کرنے میں بدنمائی ابھی تک قائم ہے۔

احباب دُعا کرتے رہیں۔ اب ہمارے یورپ کی طرف سفر کرنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ آج یہ مشورہ کر رہے ہیں کہ وہاں کی سردی مضر تو نہیں ہوگی۔ اس وقت ڈاکٹروں کا خیال ہے۔ کہ جنوبی یورپ کی سردی مضر نہیں ہوگی۔ بلکہ اگر گرمی کا خیال رکھا جائے۔ تو مفید ہوگی۔ کچھ دنوں سے بائیں کندھے میں بھی درد ہے۔ جس کو ڈاکٹر محض تھکان قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بیماری کی وجہ سے خون کا دورہ پورا نہیں ہوتا۔ اس لئے جس بازو پر آپ زیادہ لیٹے رہتے ہیں۔ اس میں درد ہونے لگتا ہے۔ ایک نمایاں فرق یہ ہے۔ کہ جب وہ حملہ ہُوا جسے فالج سمجھا گیا تھا۔ تو اس کے بعد میں بائیں ہاتھ میں قینچی نہیں پکڑ سکتا تھا۔ اور انگلیوں میں اتنا ضعف تھا۔ کہ میں قینچی کے سوراخوں میں انگلیاں اور انگوٹھا ڈال کر کھول نہیں سکتا نہ بند کر سکتا تھا۔ اس کے نتیجہ میں مَیں ناخن نہیں کاٹ سکتا تھا۔ مگر اس وقت کہ میں حال لکھوا رہا ہوں۔ مَیں نے قینچی کے سوراخوں میں ہاتھ ڈالا ہُوا ہے۔ اس کو کھول بھی رہا ہوں۔ بند بھی کر رہا ہوں۔ اور بعض دفعہ ناخن کاٹنے میں کامیاب بھی ہو جاتا ہوں۔

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی

۱۹ ــ ۴ ــ ۵۵۔ بوقت ۹ بجے صبح۔ از کراچی"۔[1]

دسواں پیغام

مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۵۵ء

برادران۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آج ۲۰ تاریخ ہے اور انشاء اللہ ۳۰ کو ہم جا رہے ہیں۔ گرمی ان دنوں کراچی میں بڑی شدید پڑ رہی ہے اور اس وجہ سے طبیعت میں کمزوری محسوس ہوتی ہے ...... چونکہ ہوائی سفر قریب آرہا تھا اس لئے خیال کیا گیا کہ ایک دفعہ دل کے ماہر ڈاکٹروں سے پھر مشورہ کر لیا جائے۔ چنانچہ کراچی کے سب سے بڑے ماہرِ قلب ڈاکٹر ایم شاہ صاحب جو اس فن کے سب سے بڑے ماہر سمجھے جاتے ہیں اور امریکہ سے خاص طور پر اس کا مطالعہ کر کے آئے ہیں، سے خواہش کی گئی کہ وہ ایک دفعہ جانے سے پہلے آلہ تحقیق قلب سے دل کا پھر مطالعہ کر لیں چونکہ اس آلہ کا گھر پر لانا ناممکن تھا اس لئے ہسپتال میں دکھانے کا فیصلہ ہُوا چنانچہ مَیں آج صبح دس بجے وہاں گیا۔ ڈاکٹر شاہ

---

[1] الفضل ۲۴ اپریل ۱۹۵۵ء۔

صاحب نے نہایت محبت اور توجہ سے آلہ تحقیق قلب لگا کر دل کی حرکات کا مطالعہ کیا اور آلہ کھولنے کے بعد میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ مبارک ہو دل سو فیصد ٹھیک ہے پھر فرمایا کہ ہوائی سفر کا فیصلہ نہایت مبارک ہے۔ مَیں آپ کو یہی مشورہ دینا چاہتا تھا مگر ڈرتا تھا کہ آپ کسی وجہ سے اس سفر سے گھبراتے نہ ہوں۔ مگر دل یہی چاہتا تھا کہ آپ ہوائی سفر کریں تاکہ سفر کی کوفت نہ ہو اور علاج جلدی ہو جائے بہرحال ماہر ڈاکٹروں کے مشورہ سے ہوائی سفر کا فیصلہ ہوا ہے۔ انشاء اللہ چند روز میں چل پڑیں گے مَیں اُمید کرتا ہوں کہ جماعت نمازوں، دعاؤں میں لگی رہے گی اور ہر فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہے گی اور خدا تعالیٰ سے اتنی محبت کرے گی کہ خدا اس کا ہو جائے گا۔

جہاں تک احساس کا سوال ہے میری طبیعت محسوس کرتی ہے کہ اگر گرمی کچھ کم ہو جائے تو انشاء اللہ طبیعت بہت جلد بحال ہونے لگ جائے گی۔ آج میں نے خدا تعالیٰ کے فضل سے پھر ظہر عصر کی نماز پڑھائی۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے پہلی بار تھی کہ ساری نماز ٹھیک پڑھائی اور کوئی غلطی نہ ہوئی۔ آج مَیں نے یورپ کی تبلیغ پر بھی غور کیا اور مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے یقین ہے کہ میں خیریت سے وہاں پہنچا تو یورپ کی تبلیغ میں نمایاں تبدیلی ہو جائے گی۔ ۱۹۲۴ء میں جب مَیں نے سفر کیا تو گو مَیں نوجوان تھا اور مضبوط تھا مگر اتنا تجربہ کار نہیں تھا۔ لیکن اَب کمزور اور ناتواں ہوں لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک وسیع تجربہ میری پشت پر ہے اور میرا دماغ بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے تھوڑا بہت کام کرنے لگ گیا ہے خدا تعالیٰ مدد فرمائے تو انشاء اللہ برکت رحمت اور فضل کے دروازے کھلیں گے اور اسلام ترقی کی طرف قدم اٹھائے گا انشاء اللہ۔ انشاء اللہ۔ انشاء اللہ۔ اے خدا ایسا ہی ہو تیرا دین پھر اپنی جگہ حاصل کر لے اور کفر پھر غار میں اپنا سر چھپا لے۔ میرا ارادہ ہے کہ میں یورپ اور امریکہ کے تمام مبلغین کو اکٹھا کر کے قضیہ زمین برسرِ زمین طے کرنے کی کوشش کروں گا مگر ابھی منزلِ مقصود کے درمیان ایک بہت بڑا سمندر حائل ہے جس کو پار کروانا محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر مبنی ہے۔ کیا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زندگیوں میں اسلام کی فتح کا دن دیکھنا نصیب کر دے اور ہماری موتیں ہماری پیدائشوں سے زیادہ مبارک ہوں اور کامیابی ہمارے قدم چومے اور ہم رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فاتح جرنیل بن جائیں اور قیامت کے دن تمام دُنیا کی حکومت کی کنجیاں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رکھنے کا فخر حاصل کریں۔ اپنے فرض کو سمجھو اور رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار سپاہیوں کی طرح کفر کے مقابلے کے لئے طیار ہو جاؤ۔ خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو اور تمہارے خاندانوں کی زندگیوں کو بابرکت بنائے آمین اللّٰھم آمین۔

مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی از کراچی ۲۰؍۳؍۵۵ء)[1]

مدیر "صدق جدید" کا خراجِ تحسین

حضور کے اس پیغام کو پڑھ کر برصغیر کے مشہور عالم دین مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی نے اپنے اخبار "صدق جدید" مورخہ ۱۰ ؍جون ۱۹۵۵ء میں آپ کو خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

"جماعتِ احمدیہ (قادیانی) کے امام مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے قلم سے اپنی جماعت کے نام سفر یورپ پر روانہ ہوتے وقت:۔

" آج مَیں نے یورپ کی تبلیغ پر بھی غور کیا۔ اور مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے یقین ہے کہ مَیں خیریت سے وہاں پہونچا تو یورپ کی تبلیغ میں نمایاں تبدیلی ہو جائے گی۔ ۱۹۲۴ء میں جب مَیں نے سفر کیا تو میں نوجوان تھا اور مضبوط تھا مگر اتنا تجربہ کار نہیں تھا۔ اَب گو کمزور اور ناتواں ہوں لیکن خدا کے فضل سے اَب وسیع تجربہ میری پشت پر ہے........ خدا تعالیٰ مدد فرمائے تو انشاء اللہ برکت اور رحمت اور فضل کے دروازے کھلیں گے اور اسلام ترقی کی طرف قدم بڑھائے گا انشاء اللہ تعالیٰ اے خدا ایسا ہی ہو تیرا دین پھر سے اپنی جگہ حاصل کرلے اور کفر پھر غار میں اپنا سر چھپالے۔ میرا ارادہ ہے کہ میں یوروپ اور امریکہ کے تمام مبلغین کو اکٹھا کر کے قضیہ زمین بر سرِ زمین طے کرنے کی کوشش کروں گا۔ مگر ابھی منزلِ مقصود کے درمیان ایک بہت بڑا سمندر حائل ہے جس کو پار کرنا محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر مبنی ہے کیا تعجب ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اپنی زندگیوں میں اسلام کی فتح کا دن دیکھنا نصیب کردے اور ہماری موتیں ہماری پیدائشوں سے زیادہ مبارک ہوں اور کامیابی ہمارے قدم چومے اور ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فاتح جرنیل بن جائیں اور قیامت کے دن تمام دُنیا کی حکومت کی کنجیاں رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا رکھنے کا فخر حاصل ہو۔ اپنے فرض کو سمجھو اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وفادار سپاہیوں کی طرح کفر کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو.........."

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۶ ؍اپریل ۱۹۵۵ء صا

"خدمتِ اسلام کے ولولہ جس کسی کی بھی زبان سے ادا ہوں۔ بہرحال باعثِ مسرت و موجب شکر ہی ہوتے ہیں۔ یہ مسرت بدرجہا زاید ہوتی اگر یہ الفاظ اہلِ سنّت کے کسی عالم کی زبان سے یورپ کی روانگی کے وقت ادا ہوتے۔" "صدق جدید" ۱۰؍جون ۱۹۵۵ء[1]

بنگالی احمدیوں کے نام خصوصی پیغام

انہی دنوں حضور کو بنگال سے بعض نام نہاد احمدیوں کی نسبت افسوسناک اطلاعات پہنچیں جس پر حضور نے جماعت احمدیہ مشرقی پاکستان کے نام حسب ذیل خصوصی پیغام دیا:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ھُوَالنَّـــــــاصِرُ

میرے، بنگال کے احمدی بھائیو! السَّلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

جب کسی قوم کے افراد اختلافات کو ہوا دینا شروع کر دیتے ہیں تو وہ انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں اور اُن کا کردار پست ہو کر رہ جاتا ہے چنانچہ دیکھو جب مسلمانوں کے دل متحد نہ رہے تو دنیا بھر میں اُن کا وقار زائل ہو گیا بالآخر ۱۳۰۰ سال کے ادبار کے بعد خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو بھیجا اور چاہا کہ مسلمان پھر ان کے ذریعے متحد ہو جائیں۔

مجھے حال ہی میں ایک رپورٹ ملی ہے کہ (لوگ) اس خیال کو ہوا دے رہے ہیں کہ چونکہ خلیفہ غلطی کر سکتا ہے اس لئے اس کی اطاعت حکم کا درجہ نہیں رکھتی ...... مذکورہ بالا خیال اگرچہ بظاہر معمولی نظر آتا ہے لیکن یہی خیال تھا جو گذشتہ زمانہ میں بالآخر مسلمانوں کی تباہی کا باعث بنا۔ بظاہر سادہ نظر آنے والے یہی اصول تمہاری جماعت کو بھی تباہ کرنے کا موجب بن سکتے ہیں۔ پس ان حالات میں سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ میں یہ اعلان کروں کہ میں ہر سچے احمدی سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ ان لوگوں کو میرا پیرو نہ سمجھے بلکہ انہیں آزاد اور میرے منصب کا باغی تصوّر کرے۔ اگر یہ لوگ حق پر ہیں تو انہیں اس اعلان پر خوش ہونا چاہیئے اور جو غلطی میں نے کی ہے اور جس چیز کو میں نے تباہ کیا ہے انہیں اس کی اصلاح اور اس کی تعمیر کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہیئے اور اپنے ایمان اور اپنے عمل کی فوقیت ظاہر کرنی چاہیئے ....

---

[1] بحوالہ روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۵؍جون ۱۹۵۵ء صہ ۳۔

پس میں اس اُمید کے ساتھ جماعت احمدیہ بنگال کے نام یہ خط ارسال کر رہا ہوں کہ اگر وہ اپنے مرکز اور اپنے خلیفہ سے محبت رکھتے ہیں تو وہ کسی قسم کا شک کئے بغیر حتمی طور پر ان سے اپنا تعلق منقطع کر لیں گے ان سے کسی قسم کا کوئی واسطہ نہ رکھیں گے اور پورے وثوق کے ساتھ اُن کے خیالات کی تردید کریں گے اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے صحت عطا کر دی تو میں انشاء اللہ بنگال سے اس بدی کو مٹانے کی پوری کوشش کروں گا لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا منشاء کچھ اور ہے تو پھر بھی وہ تم سے ایسا ہی سلوک کرے گا جیسا سلوک تم میرے ساتھ روا رکھو گے یہ میرا کام نہیں ہے کہ میں اپنی عزت کا بدلہ لوں یہ خدا کا کام ہے۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو پھر تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر میں اس دنیا میں خدا کا برحق نمائندہ ہوں تو پھر اس لعنت سے ڈرو جو تمہارا پیچھا کرتی چلی آرہی ہے اپنے قدموں پر نگاہ رکھو ایسا نہ ہو کہ احمدیت پر سے تمہارا لفظی ایمان بھی جاتا رہے اللہ تعالیٰ یقیناً احمدیت کی حفاظت کرے گا وہ قادر و توانا ایسے لوگوں کو آگے لائے گا جو ہوں گے تو تم ہی میں سے لیکن وہ قربانیوں میں تم سے بہت آگے ہوں گے۔ اور اس طرح ان کی قربانیوں کے ذریعہ احمدیت اور زیادہ مضبوطی کے ساتھ قائم ہو گی۔ احمدیت کی ترقی کا انحصار نہ مجسٹریٹوں پر ہے اور نہ سب رجسٹراروں پر اور ان میں سے کوئی بھی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے باہر ہو نہ وہ جو ڈپٹی کے عہدے پر فائز ہوں اور نہ وہ جو سب رجسٹرار ہوں۔

میں نہیں کہتا ہوں کہ تم خدائی سزا کا انتظار کرو۔ میں جانتا ہوں کہ وہ آرہی ہے آسمانوں والا خدا میرے ساتھ ہے اس لئے مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ خدائی فیصلے کا انتظار کرو اور پھر حق کو پہچانو میں تم سے صرف یہ کہتا ہوں کہ خدا میرے ساتھ ہے اور جو کوئی بھی میرے خلاف اٹھتا ہے وہ یقیناً خدا کی طرف سے سزا پائے گا اور اس کا اور اس کی پارٹی کا اثر و رسوخ اسے خدا کے غضب سے نہیں بچا سکے گا۔ تمہارے لئے ابھی غور و فکر سے کام لینے اور خدائی منشاء کو جو قرآن میں مذکور ہے سمجھنے کا موقعہ ہے اگر تم وقت پر ایسا نہیں کرو گے تو پھر تمہاری تباہی تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی و مصلح موعودؑ[1]

مالیر۔ کراچی

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۱؍اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۲

ربوہ میں مقیم بنگالیوں کا اخلاص نامہ

اس پیغام کی اشاعت پر بنگال کے ربوہ میں مقیم احباب کی طرف سے حضور کی خدمت میں حسب ذیل مکتوب پہنچا۔ جس کے لفظ لفظ سے محبت ٹپکتی تھی:۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

امامنا و مطاعنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔

ہم ربوہ میں مقیم بنگالی اہالیان کو جماعت بنگال کے نام حضور پُر نور کے درد بھرے پیغام کو پڑھ کر سخت صدمہ پہنچا۔ زیادہ صدمہ ہمیں اس وجہ سے بھی ہُوا کہ بنگال کے بعض ایسے افراد سے جو جماعت کے لئے اخلاص رکھنے والے سمجھے جاتے تھے ایسی نازیبا حرکت سرزد ہوئی جو سب کے لئے مقامِ عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کو محفوظ رکھے اور اطاعت میں کامل بنائے۔ (آمین یارب العالمین)۔

ہم ان لوگوں سے جو جماعت کے لئے فتنہ کا موجب بنے ہیں خواہ وہ کتنے ہی اثر و رسوخ رکھنے والے ہوں اِن کے اس طرزِ عمل پر اظہار نفرت کرتے ہیں اور حضور کو اپنی وفاداری کا پورا یقین دلاتے ہیں کہ حضور کے ہر ارشاد پر چلتے ہوئے ہر ایسے فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم ہر وقت تیار ہیں حضور پُر نور سے ہماری مؤدبانہ گذارش ہے کہ اس دور افتادہ جماعت پر جس کا اکثر حصّہ مرکز میں آکر حضور کے فیوض سے بذاتِ خود مستفیض نہیں ہو سکتا اور ہمیں یقین ہے کہ ان کے اخلاص اور صدق و وفا میں کوئی کمی نہیں ہے اور باوجود بعض کوتاہ بین افراد سے ایسی فتنہ پرور حرکت سرزد ہونے کے حضور کے ادنیٰ اشارہ پر لبیک کہنے کے لئے تیار ہیں حضور پر نُور پدرانہ رحم فرما کر دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ہمیں ہدایت کی راہ پر چلائے اور خلافت کے حقیقی منصب کو سمجھتے ہوئے اس کی برکات سے ہمیشہ اور پورا پورا مستفیض ہونے کی توفیق بخشے۔

اللہ تعالیٰ حضور کے اس سفر یورپ کو بابرکت فرمائے اور صحت کاملہ کے ساتھ جلد واپس لائے اور حضور نے اپنے پیغام میں بنگال سے جن بدیوں کو دُور کرنے کا ذکر فرمایا ہے اللہ تعالیٰ وہ دن بہت جلد لائے جب حضور واپس تشریف لا کر اپنے اس نیک و بابرکت ارادہ کو پورا فرمائیں اور بنگال بدیوں

سے پاک ہوکر خیر و برکت کا گہوارہ بن جائے۔ آمین ثم آمین
ــــــــ ہم ہیں حضور کے ادنیٰ ترین خادم بنگالی اہالیان مقیم ربوہ ۲۲ ۴ ۵۵"[1]

۲۲ اپریل ۱۹۵۵ء کا خطبہ جمعہ

فرمایا:-
"آج رات مجھے شدید تکلیف تھی۔ ہاتھ کی مٹھی تک بند نہ ہوتی تھی اور سر بھی خالی خالی محسوس ہوتا تھا۔ جس وقت ذرا آرام آیا تو خواہش ہوئی کہ تذکرہ جو حضرت صاحب کے الہامات کا مجموعہ ہے اسے پڑھوں میں نے اسے یونہی کھولا اور کسی خاص اندازے کے بغیر ایک جگہ سے پڑھنا شروع کیا تو میری بیماری اور میرے شام کی طرف سفر کرنے کا بھی اس میں ذکر تھا۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے آخری زمانہ میں انگریزوں کی مدد سے فلسطین میں داخل ہونے کا بھی ذکر تھا۔ ان الہامات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہود کا اس علاقہ میں آنا مسلمانوں اور خصوصاً عربوں کے لئے سخت نقصان دہ ہوگا۔ مگر یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان خطرناک نتائج کو کچھ عرصہ کے لئے ٹلا دیگا اور پھر اللہ تعالیٰ کی فتح اور نصرت آنی شروع ہوگی۔ پھر یہ بھی دیکھا کہ اللہ تعالیٰ احمدیت کے پاؤں عرب ممالک میں جما دے گا۔ گو وہاں مبشرات کے ساتھ منذرات کا بھی ذکر ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ منذرات کے پہلوؤں کو کم کر دے اور مبشرات کو بڑھا دے تو کوئی تعجب نہیں کہ ہمارا وہاں جانا اسلام۔ احمدیت اور عربوں کے لئے مفید ہو مگر چونکہ حضرت صاحب کے الہامات میں منذرات کا بھی ذکر ہے اس لئے دوستوں کو دعائیں بھی کرنی چاہئیں"[2]

گیارھواں پیغام مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۵۵ء

۲۷ اپریل کو حضور نے کراچی سے حسب ذیل پیغام ارسال فرمایا:-

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ　　　　نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھُوَ النَّاصِرُ

برادران! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۴ مئی ۱۹۵۵ء صفحہ ۸

[2] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۷ اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۲

ہمارا پہلا قافلہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوائی جہاز کے ذریعہ قاہرہ پہنچ چکا ہے۔ ۲۹ر کو مَیں انشاء اللہ تعالیٰ رات کے ساڑھے بارہ بجے بقیہ قافلہ کے ساتھ دمشق روانہ ہوں گا۔ وہاں سے انشاء اللہ تعالیٰ دوسری تار دی جائے گی۔ احباب جماعت نے خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے فکر سے بچانے کی کوشش کی ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ بعض اشخاص کے جنہوں نے باوجود سفر اور بیماری کے نیش زنی سے پرہیز نہیں کیا۔ لیکن تھوڑے بہت تو ساری قوم میں ہی مجرم ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے مخلص گروہ ہی جیتے گا اور وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ میری بیماری کی وجہ سے انہیں سر اٹھانے کا موقع مل گیا ہے ناکام و نامراد ہوں گے اور خدا تعالیٰ مخلص حصّہ کا ساتھ دے گا۔ اور دن رات کے کسی حصّہ میں بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے کراچی آنا بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ اور یہاں یوروپ کے علاج کے متعلق نہایت مفید مشورے حاصل ہوئے ہیں اور ڈاکٹروں نے نہایت محبت سے علاج کے مثبت اور منفی پہلو سمجھا دیئے ہیں۔ اب صرف ایک تشخیص باقی ہے۔ ڈاکٹروں کی رائے یہ ہے کہ وہ تشخیص یوروپ میں ہی ہو سکتی ہے۔ اور یہ کہ اگر وہ بھی تسلّی دلانے والی ہو تو انشاء اللہ بیماری کا کوئی حصّہ بھی تشویش ناک باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ جب کل مَیں نے ایک مشہور اعصابی بیماریوں کے ماہر سے مشورہ لیا۔ کہ اگر تشخیص کے بعد ڈاکٹر وہاں علاج تجویز کر دیں اور میں واپس آنا مفید سمجھوں تو کیا ان کے نزدیک باقی علاج کراچی میں ہو سکے گا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ جب مکمل تشخیص کے بعد نسخہ بھی وہ تجویز کر دیں تو ان کی اجازت اور حالات کے مطابق اگر میں کراچی آجاؤں۔ تو بقیہ علاج وہ اُمید کرتے ہیں یہاں ہو سکے گا۔ مگر اس میں انحصار وہاں کے ڈاکٹروں کی رائے پر کرنا چاہیئے۔ اگر جماعت کے احباب کی دعائیں اللہ تعالیٰ سُن لے تو کوئی تعجب نہیں۔ ایسی صورت نکل آئے کہ میں چند دن یا چند ہفتے اس وقت کے قیاس سے پہلے آسکوں۔ والعلم عند اللہ گو زور ان کا یہی ہے کہ وہاں کی آب و ہوا سے فائدہ اٹھانا چاہیئے جو اس مرض کے لئے بہت فائدہ مند ہے۔ بعض علاجوں کے متعلق انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ سخت تکلیف دِہ ہیں۔ اگر وہاں کے ڈاکٹر وہ علاج تشخیص کریں تو اس سے انکار کر دیا جائے۔ اور کہا جائے کہ ہم یہ علاج کراچی میں کروالیں گے۔ جہاں یہ سب سامان موجود ہے۔ مگر ان کی رائے یہی ہے۔ کہ ایسے سخت علاج کی ضرورت پیش نہیں آئے

کراچی ائرپورٹ پر مصافحہ

کراچی سے سفرِ یورپ کے لیے روانگی

گی۔ انشاء اللہ۔

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ۲۷-۵-۵۵ء[1]

کراچی سے دمشق کے لئے روانگی

۲۹ اور ۳۰ اپریل کی درمیانی شب کو سیّدنا حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی سفر یورپ کے ارادہ سے کے ایل ایم کے طیارہ کے ذریعہ کراچی سے دمشق کے لئے روانہ ہوئے۔ حضور کے ساتھ سیّدہ اُمِّ متین صاحبہ، سیّدہ مہر آپا صاحبہ، صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب۔ صاحبزادی امۃ الجمیل صاحبہ اور صاحبزادی امۃ المتین صاحبہ کے علاوہ عزت مآب چوہدری سر محمد ظفر اللہ خانصاحب بھی تھے۔ ڈرگ روڈ کے ہوائی اڈہ سے پونے دو بجے شب حضور کا طیارہ دمشق کے لئے روانہ ہوا اس موقعہ پر کراچی کی جماعت کے کثیر احباب کے علاوہ بیرونجات مثلاً سندھ بلوچستان اور پنجاب کی کئی جماعتوں کے دوست بھی بڑی تعداد میں آئے ہوئے تھے۔ حضور پُر نور کی روانگی کے سلسلہ میں سب سے پہلی اجتماعی دُعا رات کے نو بجے حضور کی قیام گاہ (کوئٹہ والا بلڈنگ مالیر) پر ہوئی اس تقریب کے متعلق مقامی جماعت کے جنرل سیکرٹری میجر شمیم احمد صاحب کی طرف سے مطبوعہ اعلان کے ذریعے احباب جماعت کو قبل از وقت اطلاع کر دی گئی تھی۔ اس طرح جمعہ کی نماز میں بھی بہ تکرار احباب کو آگاہ کر دیا گیا تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے شب تک حضور کے قیام گاہ کے صحن میں مقامی اور بیرونی جماعتوں سے آئے ہوئے احباب جمع ہو چکے تھے ان کے بیٹھنے کے لئے باقاعدہ دریوں اور فرش وغیرہ کا معقول انتظام تھا۔

حضور کی تشریف آوری سے قبل مولانا عبدالمالک خانصاحب مبلغ سلسلہ[2] نے حسب ذیل دُعائیں لاؤڈ سپیکر پر پڑھیں اور احباب کو ان کے دہرانے کی تلقین کی یہ دعائیں سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے خاص اس موقعہ کے لئے خود انہیں لکھوائی تھیں۔

۱۔ اَللّٰهُمَّ اَخْرِجْهُمْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اَدْخِلْهُمْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَاجْعَلْ لَهُمْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيْرًا۔

۲۔ رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْهُمْ وَانْصُرْهُمْ وَارْحَمْهُمْ۔

۳۔ يَا حَفِيْظُ يَا عَزِيْزُ يَا رَفِيْقُ۔

---

[1] الفضل ۲ مئی ۱۹۵۵ء۔

[2] حال ناظر اصلاح وارشاد ربوہ۔

۴۔ فِیْ حِفَاظَۃِ اللّٰہِ وَرَحْمَتِہٖ۔

۵۔ اِرْجِعُوْا سَالِمِیْنَ غَانِمِیْنَ تَحْتَ رَحْمَۃِ اللّٰہِ۔

اسی طرح سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ مشہور نظم بھی خوش الحانی سے پڑھی گئی جس میں حضور نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور دیگر اولاد کے لئے دُعا فرمائی ہے۔

سوا نو بجے تھے کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی خدام میں تشریف لائے اور کرسی پر بیٹھ کر مجمع سمیت لمبی اور پُر سوز دُعا فرمائی دُعا کا یہ نظارہ حد درجہ ایمان افروز اور رقت انگیز تھا اور اس کی کیفیت کا اندازہ کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ نے اس موقعہ پر شریک ہونے کی سعادت عطا فرمائی تھی۔

دُعا کے بعد حضور جب واپس تشریف لے گئے تو احباب جماعت بھی بسوں اور کاروں وغیرہ کے ذریعے ہوائی مستقر کی طرف جانا شروع ہو گئے ساڑھے گیارہ بجے تک ہوائی مستقر میں احباب اور خواتین کی ایک بہت بڑی تعداد اپنے محبوب آقا کو الوداع کہنے کے لئے جمع ہو چکی تھی سوا گیارہ بجے شب حضور پُر نور بذریعہ کار اپنی قیام گاہ سے ہوائی مستقر کے لئے روانہ ہوئے اس موقعہ پر مقامی جماعت اور صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے دو بکرے بطور صدقہ ذبح کئے گئے۔

ائیر پورٹ پر ملاقاتیوں کے احاطہ میں احباب جماعت قطار در قطار اپنے محبوب اور محسن آقا کی انتظار میں چشم براہ تھے کہ حضور تشریف لے آئے حضور کرسی پر بیٹھ گئے اور احباب جماعت نے باری باری مصافحہ اور زیارت کا شرف حاصل کرنا شروع کیا۔ دو تین صفوں کے احباب یہ شرف حاصل کر چکے تھے کہ حضور نے اپنی طبیعت کی کمزوری کی بنا پر مصافحہ سے معذوری کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ باقی دوست ایک ایک کر کے حضور کے سامنے سے گذرتے گئے اور حضور کی خدمت میں ہدیۂ سلام و عقیدت اور درخواستِ دُعا پیش کرتے رہے۔ یہاں سے فراغت کے بعد حضور اور قافلہ کے دیگر اراکین کسٹم کے کمرہ میں تشریف لے گئے جہاں سفر سے متعلقہ بعض ضوابط کی تکمیل ضروری تھی اور اس کے بعد حضور پھر واپس اسی جگہ تشریف لے آئے اور جہاز تک جانے سے پہلے مختلف احباب جماعت سے گفتگو فرماتے رہے چونکہ تھوڑی دیر تک حضور ہوائی جہاز تک جانے والے تھے اس لئے زیادہ تر احباب ائیر پورٹ کی عمارت کی اوپر کی گیلری میں چلے گئے جہاں سے وہ حضور کو طیارہ

میں سوار ہوتے اور پھر طیارہ کو اڑتے ہوئے بآسانی دیکھ سکتے تھے۔

$1\frac{1}{2}$ بجے شب حضور محترم چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحب اور دیگر ساتھیوں کی معیّت میں جہاز پر سوار ہونے کے لئے تشریف لے گئے۔ جہاز کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اور اس سے قبل بھی کئی مواقع پر بعض دوستوں نے تصاویر اتاریں۔ حضور جہاز میں تشریف رکھ چکے تھے کہ حسب پروگرام امیر مقامی جناب چودھری عبداللہ خانصاحب کی قیادت میں اجتماعی دُعا شروع ہوئی۔ ابھی دُعا ختم ہی ہوئی تھی کہ جہاز حرکت میں آیا اور پونے دو بجے شب کراچی کی سرزمین سے دمشق کے لئے روانہ ہوگیا۔ جب تک کالے کالے آسمان پر جہاز کی سُرخ روشنیاں نظر آتی رہیں عاشقانِ محمود دھڑکتے ہوئے دلوں اور پُرنم آنکھوں سے زیرلب دُعا کرتے ہوئے اپنی جگہوں پر کھڑے جہاز کو دیکھتے رہے۔ اس موقعہ پر بھی مقامی جماعت کی طرف سے دو بکرے بطور صدقہ ذبح کئے گئے۔

حضور کی روانگی کے موقعہ پر بیرونجات سے جو احباب شریک ہوئے ان میں سے بعض کے اسماء یہ ہیں:-

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی از قادیان۔ چوہدری انور حسین صاحب شیخوپورہ۔ خواجہ محمد یعقوب صاحب سیالکوٹ۔ صوفی محمد رفیع صاحب سکھر۔ چوہدری شریف احمد صاحب خانیوال۔ میاں عبدالرحیم صاحب پراچہ ملتان۔ چوہدری عزیز اللہ صاحب ظفر آباد۔ بابو عبدالغفار صاحب حیدر آباد سندھ۔ منشی محکم دین صاحب باڑہ۔ بابو سلیم اللہ صاحب میرپور خاص۔ حاجی عبدالرحمٰن صاحب پریذیڈنٹ رئیس باندھی۔ چوہدری فضل احمد صاحب محمود آباد۔ مولوی غلام احمد صاحب فرخ نواب شاہ۔[1]

ربوہ میں اجتماعی دُعائیں

امیر مقامی حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب کی تحریک پر ۲۹ راپریل کی رات کو سفر یورپ کے لئے حضور کی روانگی کے موقعہ پر ربوہ میں مقامی جماعت کی طرف سے صدقہ کا انتظام کیا گیا۔ نیز رات کو ایک بجے جب کہ حضور نے ہوائی جہاز کے ذریعہ کراچی سے دمشق روانہ ہونا تھا اہلِ ربوہ نے مسجدوں میں جمع ہو کر سفر یورپ کے بابرکت ہونے کے متعلق نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کیں۔

ان خصوصی دُعاؤں کو اجتماعی رنگ دینے کے لئے محلہ جات کے پریذیڈنٹ صاحبان کے

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۹ رمئی ۱۹۵۵ء ص ۵

زیرِ انتظام رات کے ساڑھے بارہ بجے ربوہ کے تمام احباب کو جگا کر انہیں مسجدوں میں جمع ہونے کی ہدایت کی گئی اور انہیں بتایا گیا جب مسجد مبارک کے لاؤڈ سپیکر سے دُعا کے شروع ہونے کا اعلان ہو تو محلّوں کی تمام مساجد میں بھی عین اسی وقت دُعا شروع کر دی جائے اور اس وقت تک جاری رہے کہ جب مسجد مبارک کے لاؤڈ سپیکر سے اختتام دُعا کا اعلان ہو۔ ربوہ کے مقامی احباب رات کو ساڑھے بارہ بجے کے قریب ہی مساجد میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔ ایک بجنے میں ابھی پانچ منٹ باقی تھے کہ مسجد مبارک کے لاؤڈ سپیکر سے دُعا کے آغاز کا اعلان ہوا اور اس اعلان کے ساتھ ہی ربوہ کی تمام آبادی اللہ تعالیٰ کے حضور ان دُعاؤں میں مصروف ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کے تحت حضور خیریت کے ساتھ منزلِ مقصود پر پہنچیں اور کامل صحت یابی کے بعد بخیر و عافیت واپس تشریف لائیں درد و سوز میں ڈوبی ہوئی یہ اجتماعی دُعا جو مسجد مبارک میں مکرم قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری پرنسپل جامعہ احمدیہ نے کرائی۔ بیس منٹ تک جاری رہی اور اس طرح شب کو ٹھیک سوا بجے اختتام پذیر ہوئی اس کے بعد احباب کرام اپنے محبوب آقا کی سفر پر بخیریت روانگی اور کامیاب و بامراد واپسی کے لئے دُعائیں کرتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس لوٹے اور اکثر احباب نے سحری کے وقت تک کا عرصہ نوافل پڑھنے اور اپنے اپنے طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور دُعائیں کرنے میں گذارا۔ علاوہ ازیں گذشتہ رات نماز تراویح کے بعد بھی تمام مساجد میں اجتماعی دعا کی گئی۔[1]

دمشق میں ورود اور ہفت روزہ قیام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود بروز ہفتہ بتاریخ ۳۰ را پریل تقریباً سات بجے بذریعہ ڈچ ہوائی جہاز دمشق کے ہوائی اڈہ پر وارد ہوئے۔ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ پرائیویٹ سیکرٹری ۲۸ را پریل سے یہاں موجود تھے۔ احباب جماعت حضور کی آمد کے بے تابی سے منتظر تھے۔ کئی ایک کو اس بارہ میں رؤیا میں بھی بشارات مل چکی تھیں۔ کل جمعہ میں خاصا اجتماع تھا۔ ہمارے محترم دوست استاذ السید منیر الحصنی صاحب نے استقبال کے بارہ میں احباب کو ہدایات دیں احباب جماعت عموماً انتہا درجہ کے مصروف اور اکثر ذمہ داری کے مناصب پر مقرر ہیں۔ لیکن کچھ تو صبح ہی زاویۃ الحصنی میں (جہاں جماعت کا مرکز ہے) پہنچ گئے اور پھر اکٹھے الحاج سید بدرالدین الحصنی صاحب کے مکان پر

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ یکم مئی ۱۹۵۵ء صا

حضرت مصلح موعودؓ لنڈن میں

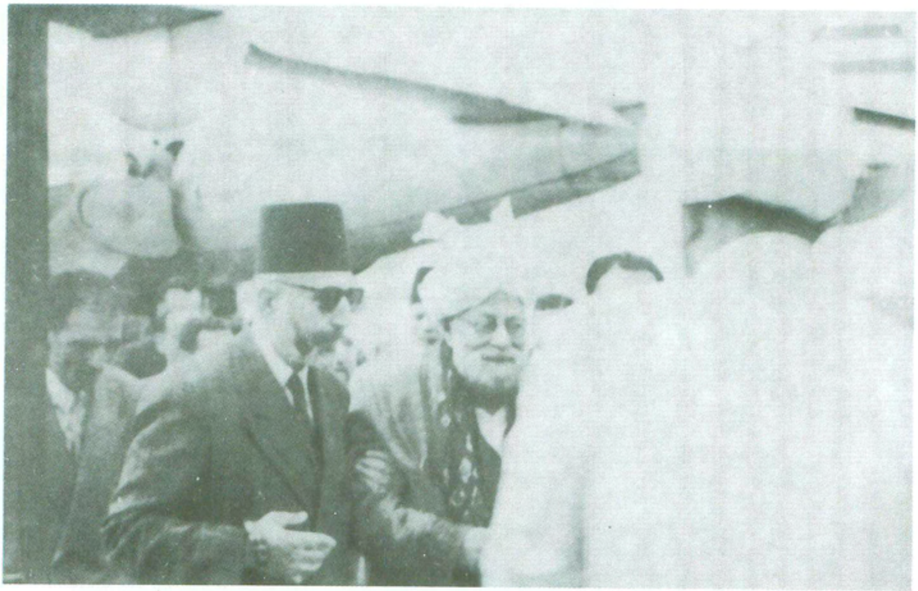

حضرت مصلح موعودؓ کا نزول دمشق ۱۹۵۵ء

بیروت کے فضائی مستقر پر

پہنچے جہاں دوسرے دوست پہلے ہی پہنچ چکے تھے کاروں کا انتظام کیا گیا اور سات بجے سے قبل ہوائی اڈہ پر جا پہنچے۔ سید منیر الحصنی صاحب، چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ اور ایک اور دوست جنہیں طیارہ کی سیڑھی کے دروازے پر جانے کی اجازت تھی آگے بڑھے۔ حضور تشریف لائے اور شرف مصافحہ بخشا۔ پھر حضور اپنے احباب کے اجتماع میں سہارا لئے ہوئے پولیس کے دفتر میں جہاں پاسپورٹ وغیرہ چیک کئے جاتے ہیں تشریف فرما ہو گئے اور استاذ منیر الحصنی پاس ہی کھڑے ہو کر باری باری احباب کا تعارف کرواتے گئے۔ حضرت سیدہ اُمّ امۃ المتین صاحبہ، حضرت سیدہ مہر آپا صاحبہ۔ صاحبزادی امۃ الجمیل اور صاحبزادی امۃ المتین کے استقبال کے لئے الحاج بدرالدین الحصنی کے خاندان کی مستورات تشریف لائی ہوئی تھیں۔ انہوں نے انہیں خوش آمدید کہا اور اپنے قابل احترام مہمانوں کو لے کر بلا تاخیر گھر کو روانہ ہو گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب پاسپورٹ چیک ہو گئے تو حضور بھی اپنے خدام کے ہمراہ الحاج بدرالدین صاحب کے مکان کو روانہ ہو گئے اور چند میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اپنے میزبان کے مکان پر پہنچ گئے۔ حضور کا قیام بالا خانہ پر ہوا جو نہایت صاف ستھرا آرام دہ تھا اور اپنے آقا کے قدموں تلے آنکھیں بچھانے والے حصنی خاندان کو میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ الحاج بدرالدین صاحب کا ریشمی کپڑے کا کارخانہ ہے آپ ہمارے دمشق کے مبلغ انچارج السید منیر الحصنی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ حضور تھوڑی دیر ڈرائنگ روم میں بیٹھے اور پھر اندر آرام فرمانے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضور قریباً سات روز تک دمشق میں رونق افروز رہے۔ دوران قیام کے بعض کوائف بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

۳۰ اپریل ۱۹۵۵ء:۔ حضور نماز ظہر کے لئے تشریف لائے اور سفر کی تکان کے باوجود دمشق کے مخلص احمدیوں کے طبعی اشتیاق کے پیش نظر مجلس میں تقریباً ۲ گھنٹے تشریف فرما رہے اور مختلف امور پر اظہار خیال فرماتے رہے۔

یکم مئی ۱۹۵۵ء:۔ دوپہر کو کھانے سے قبل دمشق سے تین چار میل کے فاصلہ پر ایک باغ "اَلْمُنْشِیَّة" مع اہل بیت تشریف لے گئے۔ صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب۔ سید منیر الحصنی صاحب اور چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ کو بھی شرفِ معیّت حاصل ہوا۔ اس باغ میں بہنے والی نہر کے کنارے کے ساتھ نشست گاہیں بنی ہوئی تھیں۔

حضور کچھ وقت وہاں تشریف فرما رہے اور پھر واپس تشریف لائے ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں اور اس کے بعد مخلصین کو مصافحہ کا موقعہ عطا فرمایا۔ تقریباً ساڑھے پانچ بجے ڈاکٹر یوسف الموصلی صاحب معائنہ کے لئے تشریف لائے انہوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ حضور کو مکمل آرام کی ضرورت ہے اور یہی اصل علاج ہے۔

شیخ نور احمد صاحب منیر جو ان دنوں بیروت (لبنان) میں مبلغ احمدیت کے فرائض انجام دے رہے تھے ایک روز قبل شرفِ ملاقات حاصل کر چکے تھے اس روز بھی لبنان کی جماعت کے ایک اور دوست کے ساتھ آئے تا حضور کی خدمت میں اصرار کے ساتھ یہ درخواست کریں کہ حضور بیروت میں بھی تشریف لاویں اور جماعت کو زیارت کا موقع دیں۔ حضور نے از راہ شفقت بیروت میں قیام منظور فرمالیا۔

۲ رمئی ۱۹۵۵ء:۔ اس روز حضور نے ظہر و عصر کی نماز کے بعد بعض شامی اور فلسطینی احباب سے مسئلہ فلسطین کے بارہ میں عربی میں گفتگو فرمائی۔ نیز مشرق وسطیٰ میں سلسلہ کی ترقی کے بارہ میں بعض سکیموں پر غور کیا اور اصحاب الرائے سے مشورہ فرمایا۔

۳ رمئی ۱۹۵۵ء:۔ اس دن حضور نے امیر مقامی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے نام ایک مکتوب تحریر فرمایا جس میں سفرِ دمشق اور آئندہ پروگرام پر روشنی ڈالنے کے علاوہ السیّد منیر الحصنی اور ان کے مخلص خاندان کی عقیدت و محبت کا نہایت پیارا نقشہ کھینچا گیا تھا۔ مذکورہ مکتوب کے الفاظ یہ تھے:۔

دمشق ۳ — ۵ — ۵۵ء

عزیزم مرزا بشیر احمد صاحب السّلام علیکم ورحمۃ اللہ

آج دمشق آئے تیسرا دن ہے ہوائی جہاز میں تو اس حادثہ کے سوا کہ اس کے کمبل گلوبند کی طرح چھوٹے عرض کے تھے اور کسی طرح بدن کو نہیں ڈھانک سکتے تھے خیریت رہی۔ سردی کے مارے ساری رات جاگا اور پھر وہم ہونے لگا کہ شاید مجھے دوبارہ حملہ ہوا ہے۔ چودھری ظفر اللہ خان صاحب ساری رات مجھے کمبلوں سے ڈھانکتے رہے مگر یہ اُن کے بس کی بات نہ تھی آخر جب میں بہت نڈھال ہو گیا تو میں نے چودھری صاحب کی طرف دیکھا جو ساتھ کی کرسی پر تھے تو اُن کا چہرہ مجھے بہت نڈھال نظر آیا اور مجھے یہ وہم ہو گیا کہ چوہدری صاحب بھی بیمار ہو گئے ہیں۔ آخر میں نے منوّر احمد سے کہہ کر نیند کی دوائی منگوائی چودھری صاحب

نے قہوہ منگوا کر دیا وہ گرم گرم پیا ایک ایسپرین کی پڑیا کھائی تو پھر جا کر نیند آئی اور ایسی گہری نیند آئی کہ جب چودھری صاحب صبح کی نماز پڑھ چکے تو مَیں جاگا۔ چودھری صاحب نے عذر کیا کہ آپ کی بیماری اور بے چینی کی وجہ سے مَیں نے آپ کو نماز کیلئے نہیں جگایا بہرحال قضائے حاجت کے بعد کرسی پر نماز ادا کی اور پھر ناشتہ کیا۔ اتنے میں روشنی ہو چکی تھی۔ دُور دُور سے عرب اور شام کی زمینیں نظر آ رہی تھیں بہرحال بقیہ سفر نہایت عمدگی سے کٹا اور ہم سات بجے دمشق پہنچ گئے ایروڈروم پر دمشق کی جماعت کے احباب تشریف لائے ہوئے تھے جو سب بہت اخلاص سے ملے برادرم منیر الحصنی بھی جماعت کے ساتھ تشریف لائے ہوئے تھے۔ ایروڈروم کے ہال میں جا کر بیٹھ گئے جہاں پاکستان کے منسٹر بھی چوہدری ظفراللہ خانصاحب کے ملنے کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ مستورات کے لئے برادرم سید بدرالدین الحصنی جو منیر الحصنی کے چھوٹے بھائی ہیں، کی مستورات تشریف لائی ہوئی تھیں۔ وہ مستورات کو گھر لے گئیں پیچھے پیچھے ہم بھی پہنچ گئے محبت اور اخلاص کی وجہ سے بدرالدین الحصنی نے سارا گھر ہمارے لئے خالی کر دیا ہے اس وقت ہم اس میں ہیں جس محبت سے یہ سارا خاندان ہماری خدمت کر رہا ہے اس کی مثال پاکستان میں مشکل سے ملتی ہے۔ برادرم سید بدرالدین حصنی شام کے بہت بڑے تاجر ہیں لیکن خدمت میں اتنے بڑھے ہوئے ہیں کہ اپنے اخلاص کی وجہ سے وہ خادم زیادہ نظر آتے ہیں رئیس کم نظر آتے ہیں یہاں چونکہ سردی بہت ہے اور یورپ کی طرح HEATING SYSTEM نہیں ہے۔ مجھے سردی کی وجہ سے زیادہ تکلیف ہو گئی ہے۔ یہاں کے قابل ڈاکٹر کو بلایا گیا جس کے معائنہ کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ وہ واقعی قابل ہے۔ فرانس کا پڑھا ہوا ہے۔ بعض امور جو تجربہ سے بیماری کو بڑھانے والے ہوتے ہیں اس نے اُن کو بہت جلدی اخذ کر لیا۔ منوّر احمد نے بتایا کہ جب ڈاکٹر کو فیس دینے لگے تو سید منیر الحصنی صاحب نے بڑے زور سے روکا یہ ہمارا خاندان کا ڈاکٹر ہے ہم اس کو سالانہ فیس ادا کرتے ہیں اس کو فیس نہ دیں اس سے معلوم ہوا کہ یہاں بھی بڑے خاندان یورپ کی طرح ڈاکٹروں کو ماہانہ یا سالانہ فیس ادا کرتے ہیں اور ہر دفعہ آنے پر الگ فیس نہیں دی جاتی۔ اب یہ پروگرام ہے کہ انشاء اللہ سات تاریخ کو ہم بیروت جائیں گے اور آٹھ کو اٹلی روانہ ہوں گے۔ چودھری صاحب انشاء اللہ ساتھ ہی ہوں گے ان کی ہمراہی بہت تسلّی اور آسائش کا موجب رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے۔ دلوں میں ایسی محبّت کا پیدا کرنا محض اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے۔

انسان کی طاقت نہیں اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کے ہی شاکر ہیں کہ اس نے ہمارے لئے وہ کچھ پیدا کر دیا جو دوسرے انسانوں کو باوجود ہم سے ہزاروں گنے طاقت رکھنے کے حاصل نہیں۔ ایک دن یہاں بھی شدید دَورہ ہُوا تھا مگر خدا کے فضل سے کم ہو گیا اب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے ملک میں پہنچ کر جہاں HEATING SYSTEM ہوتا ہے۔ بیماری کے ایک حصّہ کو کافی فائدہ ہوگا۔ جو حملہ یہاں آکر ہُوا وہ زیادہ تر دماغی تھا۔ یعنی جسم پر حملہ ہونے کی بجائے دماغ پر لگتا تھا بڑی سخت گھبراہٹ تھی۔ اس وقت یہ دل چاہتا تھا کہ اڑ کر اپنے وطن چلا جاؤں مگر مجبوری اور معذوری تھی ادھر علاج کا مقام بھی بہت قریب آگیا تھا اس لئے عقل کہتی تھی اب سفر کی غرض کو پورا کرو شاید اللہ تعالیٰ کُلّی صحت ہی عطا فرما دے اور جسم آئندہ کام کے قابل ہو جائے اِنْشاءَ اللہ ہم اب آٹھ یا نو تاریخ کو تار یا خط کے ذریعہ سوئٹزرلینڈ سے اپنے حالات لکھیں گے۔ احباب دعاؤں میں مشغول رہیں کیونکہ علاج کا مرحلہ تو اب قریب آرہا ہے اس سے پہلے تو سفر ہی سفر تھا۔ سب احباب جماعتِ احمدیہ اور عزیزوں اور رشتہ داروں کو السّلام علیکم۔

مرزا محمود احمد[1]

اس روز حضور نے نماز ظہر سے قبل سیدہ نجمیہ (بنت الحسن الجابی مرحوم) کا نکاح سید سعید القبانی کے ساتھ ایک ہزار لیرہ سوری مہر معجل اور پانچ صد لیرہ سوری مہر مؤجل پر پڑھا اور اس کے بابرکت ہونے کی دُعا فرمائی۔ یہ پہلا نکاح تھا جو حضور نے ایک شامی احمدی کا ایک شامی خاتون کے ساتھ پڑھایا۔

نماز ظہر کے بعد حضور مجلس عرفان میں رونق افروز رہے اور شامی احباب سے بلا تکلّف عربی زبان میں گفتگو فرماتے رہے۔ ایک دوست نے عرض کیا کہ حضور ہمارا جی چاہتا تھا کہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوں اور حضور کی زیارت کریں لیکن اس کی ہمّت نہ تھی ہمارا اللہ خود حضور کو ہمارے پاس لے آیا یہ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی بات تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صرف متکلّم ہی نہیں بلکہ مجلس میں ہر موجود شخص کا یہی احساس تھا حضور نے فرمایا ہاں ایسا ہو جاتا ہے اور پھر ایک حکایت سنائی کہ ایک شہر میں اللہ کا ایک معذور بندہ رہتا تھا اس سے دُور ایک ولی اللہ تھا اس معذور بزرگ کے دل

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۰ رمئی ۱۹۵۵ء صث۲۔

کی خواہش تھی کہ کسی طرح اس ولی اللہ سے ملاقات ہو لیکن وہ جا نہ سکتا تھا۔ اور ولی اللہ کو بلانے کی جرأت نہ تھی آخر ایک دن وہ ولی خود اس کے پاس آگئے وہ بڑا حیران ہوا۔ پوچھا آپ کیسے آئے۔ کہا سلطان کی طرف سے مجھے حاضری کا حکم پہنچا تھا اس لئے آیا ہوں اس بزرگ نے عرض کیا نہیں خدا تعالیٰ مجھ معذور کی زیارت کے لئے آپ کو لایا ہے۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد ایک پیغامبر آیا اس نے بتایا کہ وہ فلاں صاحب کے لئے یہ شاہی حکم لے کر جا رہا ہے کہ ان کو نہیں بلایا گیا بلکہ غلطی سے حکم ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ لہٰذا وہ تکلیف نہ کریں اس بزرگ نے جواب دیا تم فکر نہ کرو وہ یہاں ہی ہیں۔ اور یہ اطلاع ان کو پہنچ گئی۔ پس حضور نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ خود اپنے بندوں کی خواہش کے پورا کرنے کا سامان پیدا کر دیتا ہے حضور مختلف احباب سے حالات دریافت فرماتے رہے اس دوران میں عطروں کا ذکر آیا الف لیلہ میں دمشق کے عطروں کا بڑا ذکر آتا ہے احباب نے عرض کیا کہ یہاں تو فرانسیسی عطر زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں لیکن بعض عطر مثلاً گلاب اور چنبیلی خاصے اچھے ہیں۔ بعض لوگوں کے اخلاص کا بھی عجیب رنگ ہوتا ہے۔ الحاج سید بدرالدین الحصنی نے کسی کو مختلف قسم کے عطر لانے کی ہدایت کر دی اور چند منٹ بعد مختلف عطر وہ حضور کی خدمت میں پیش کر رہے تھے حضور نے مختلف عطروں کو سونگھتے ہی بتا دیا کہ یہ سب کیمیکل ایسنس کے ہیں۔

رات کے کھانا کی سید منیر الحصنی کے مرحوم بھائی سید عبدالرؤف الحصنی کے ہاں دعوت تھی۔ السید عبدالرؤف الحصنی کے بڑے بیٹے سید نادر الحصنی اپنے خاندان کے لئے اخلاص کا ایک عمدہ نمونہ تھے حضور کی طبیعت شگفتہ تھی اور اس شگفتگی سے ساری مجلس باغ و بہار بنی رہی۔ لطائف کا سلسلہ چلتا رہا۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد حضور نے دُعا فرمائی۔ پھر سید نادر الحصنی کے چھوٹے بھائی السید نورالدین الحصنی صاحب نے سورہ والضحیٰ کی نہایت خوش الحانی سے تلاوت کی۔

۴ مئی ۱۹۵۵ء :۔ کو حضور ملک شام میں سلسلہ احمدیہ کی ترقی کی سکیم پر غور فرماتے رہے۔

۵ مئی ۱۹۵۵ء کو حضور نماز ظہر و عصر کے بعد مجلس میں تشریف فرما رہے اور بھائیوں کے متعلق السید رشدی السبطی سے حالات دریافت کئے۔ دعوتِ عشائیہ السید منیر مالکی کے ہاں تھی جس میں حضور نے شرکت فرمائی۔ کئی ایک شامی احباب بھی مدعو تھے۔[1]

---

[1] ۔ روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۵ مئی ۱۹۵۵ء صـ۳۔

۶رمئی ۱۹۵۵ء کو جمعہ کا دن تھا۔ حضور چونکہ ہفتہ کے روز بیروت روانہ ہو رہے تھے اسلئے صبح سے ہی کثرت سے احباب حضور کی فرودگاہ پر تشریف لانے لگے۔ جماعت نے اس تاریخی موقعہ کی یادگار ظاہری طور پر محفوظ کرنے کے لئے فوٹو گرافر کا انتظام کیا جس نے مختلف فوٹو لینے شروع کئے اس اثنا میں نماز جمعہ کا وقت ہو گیا۔ الحاج بدرالدین صاحب کو یہ بھی سعادت حاصل ہوئی کہ حضرت المصلح الموعود ان کے مکان میں ہی جمعہ پڑھائیں۔

حضور نے فصیح و بلیغ عربی زبان میں ایک مختصر خطبہ جمعہ پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آج سے تقریباً نصف صدی قبل جب کہ آپ میں سے اکثر ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے حضرت مسیح موعودؑ کو الہام فرمایا

"یَدْعُوْنَ لَکَ اَبْدَالُ الشَّامِ وَعِبَادُ اللّٰہِ مِنَ الْعَرَبِ"[1]

یعنی تیرے لئے شام کے ابدال اور عرب کے نیک بندے دُعائیں کرتے ہیں آج تمہارے وجود میں یہ نشان پورا ہو رہا ہے۔

نماز جمعہ کے بعد حضور کچھ وقت مجلس میں رونق افروز رہے۔ سید محمد ذکی صاحب نے تلاوت قرآن کریم کی۔ السید محمود الربانی نے حضرت مسیح موعود کا عربی قصیدہ پڑھا اور پھر السید ابراہیم الجبان نے حضرت مصلح موعود کی شانِ مبارک میں ایک شاندار قصیدہ پڑھا جو اُن کی قلبی واردات کا آئینہ دار اور اخلاص کا مرقع تھا۔ اس یادگار تقریب کے کئی فوٹو لئے گئے اور دُعا پر یہ تقریب ختم ہوئی۔[2]

دمشق کی مخلص احمدی جماعت نے زاویۃ الحصنی شاغور میں حضور کے اعزاز میں دعوتِ عشائیہ کا اہتمام کیا تھا۔ مگر شام کے وقت حضور کی طبیعت ناساز تھی۔ اس لئے حضور اس میں شریک نہ ہو سکے۔ احباب کھانے سے فارغ ہو کر حضور کی قیام گاہ پر حاضر ہو گئے حضور تقریباً پون گھنٹہ احباب میں تشریف فرما رہے اور انہیں شرفِ مصافحہ و معانقہ بخشا۔

---

[1] مکتوباتِ احمدیہ جلد اوّل صفحہ ۸۶۔

[2] مکمل قصیدہ "الفضل" ۱۹رمئی ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ پر شائع شدہ ہے۔

۱۹۲۴ء اور ۱۹۵۵ء کے دمشق کا موازنہ

حضرت مصلح موعود ۱۹۲۴ء میں بھی نزیل دمشق ہوئے تھے مگر اکتیس سال قبل کے دمشق اور موجودہ دمشق میں ایک بھاری فرق تھا۔ ۱۹۲۴ء میں یہاں کوئی دمشقی احمدی نہ تھا اور حالات اس درجہ مخالف تھے کہ دمشقی عالم الشیخ عبدالقادر المغربی نے حضور سے کہا آپ یہ اُمید نہ رکھیں کہ ان علاقوں میں کوئی شخص آپ کے خیالات سے متاثر ہوگا۔ کیونکہ ہم لوگ عرب نسل کے ہیں اور عربی ہماری مادری زبان ہے اور کوئی ہندی خواہ وہ کیسا ہی عالم ہو۔ ہم سے زیادہ قرآن وحدیث کے معنیٰ سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اولوالعزم فضل عمر اس چیلنج پر خاموش نہ رہ سکے اور فرمایا" آپ ہندوستان واپس جانے پر میرا پہلا کام یہ ہوگا کہ آپ کے ملک میں مبلّغ روانہ کروں۔ اور دیکھوں خدائی جھنڈے کے علمبرداروں کے سامنے آپ کا کیا دَم خم ہے[1]۔ اللہ اللہ کس توکل علی اللہ اور کس عزم کا اظہار تھا جس نے خدا کے فضلوں کو ایسی تیزی سے جذب کیا کہ اب جو اکتیس سال کے بعد وہی اولوالعزم اور متوکّل اور مسیح محمدی کا لختِ جگر اور پسرِ موعود دمشق میں وارد ہوا تو مخلصینِ احمدیت کی ایک بے مثال جماعت قائم ہو چکی تھی۔ اور حضور کے عاشق خدام اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے اس کے ہاتھ کو بوسہ دینے کے لئے اور اس کے رُوح پرور کلمات سُننے کے لئے اور اس کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کے لئے بے تاب نظر آتے تھے۔ اور اس سے تعارف کا فخر حاصل کرنے اور اس کی دُعاؤں کے حصول کیلئے تڑپتے تھے اور خدا کے اس موعود خلیفہ کے در کی پاسبانی کے لئے فخر و عزت محسوس کر رہے تھے[2]۔

دمشق سے بیروت

سیدنا محمود المصلح الموعود ایک ہفتہ دمشق میں قیام فرمانے اور اس کی فضاؤں کو اپنے انوار و برکات سے معطر کرنے کے بعد ۷ رمئی کو سوا سات بجے صبح دمشق سے بیروت کے لئے روانہ ہو گئے۔ حضور کے ساتھ دمشق کی جماعت کے مخلصین کی ایک تعداد سید منیر الحصنی صاحب کی قیادت میں بیروت آئی ان مخلصین کے اسماء حسب ذیل ہیں :۔

محمد الشواء پلیڈر ۔ سعید القبانی ۔ علاؤالدین توبلانی ۔ ذکریا الشواء ۔ سلیم حسن الجابی

---

[1] ۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم ص۴۱۳، ۴۱۴ ۔

[2] ۔ "الفضل" ۱۵ رمئی ۱۹۵۵ء ص۳ ۔

نادر الحصنی ۔ ابراہیم الجبان ۔ محمد ذکی ۔

حضور شتورہ سے بعلبک دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے وہاں پر ان آثار قدیمہ کو پوری دلچسپی سے دیکھا کچھ دیر پہلے قرآن کریم اور قصیدہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سُنا۔ شتورہ میں کھانا کھایا ۔

لبنان کی مخلص جماعت کے نمائندگان کا ایک وفد حضور کے استقبال کے لئے دمشق بیروت کی سڑک پر عالیہ صحت افزا پہاڑی مقام سے آگے تقریباً بارہ میل کے فاصلہ پر گیا ہوا تھا۔ اس میں مکرم شیخ نور احمد صاحب منیر مبشر اسلامی ۔ محمد توفیق الصفدی صاحب جنرل سیکرٹری جماعت احمدیہ لبنان ۔ الشیخ عبدالرحمٰن البرجاوی صاحب ۔ عدنان الحصنی صاحب ۔ توفیق محمد صفدی صاحب ۔ مرزا اجمال احمد صاحب ۔ ابوالولید شہاب الدین اور چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ شامل تھے حضور کا قافلہ تقریباً ڈیڑھ بجے عالیہ پہنچا ۔ ان کے ہمراہ بیروت میں مکرم محمد درجنانی صاحب کے مکان پر پہنچے جہاں حضور کے ٹھہرانے کا انتظام کیا گیا تھا ۔

حضور کی پیشوائی اور ملاقات کے لئے لبنان کے احمدی دوست طرابلس اور برجا سے مع بچوں کے آئے ہوئے تھے جونہی حضور کی کار دروازہ پر پہنچی دوستوں نے کہنا شروع کردیا جَاءَ مَوْلَانَا الْخَلِیْفَۃ اور دوستوں نے حضور کو اَھْلًا وَّ سَھْلًا وَّ مَرْحَبًا کہا۔ حضور کی آمد ان ممالک میں غیر متوقع تھی اس لئے دوستوں کو حضور کی ملاقات سے انتہائی خوشی تھی اور سب دوست حضور کی صحت عاجلہ اور عمر طویل کے لئے دعا گو تھے ۔

ڈاکٹری ہدایت کے پیش نظر حضور نے آتے ہی آرام فرمایا اور سو گئے ۔ چائے نوشی کے بعد حضور ظہر او عصر کی نمازیں پڑھانے کے لئے تشریف لائے دوستوں نے حضور کی اقتدا میں نماز پڑھی نماز کے بعد حضور نے بعض مقامی امور کے متعلق استفسار فرمایا اور شیخ نور احمد صاحب منیر نے لبنان کے جملہ احباب کا تعارف حضور سے کرایا ۔ تمام دوستوں نے حضور سے مصافحہ کیا ۔ سیکرٹری محمد توفیق الصفدی صاحب نے ایک مختصر ایڈریس[1] حضور کی خدمت مبارک میں پیش کیا ۔ جس میں حضور کی آمد پر جماعت نے اپنے آقا کو مرحبا کہا تھا ۔ اور اپنے جذباتِ عقیدت کا اظہار کیا

---

[1] ۔ یہ ایڈریس "الفضل" ۱۹ مئی ۱۹۵۵ء صفحہ ۲ میں چھپا ہوا ہے ۔

اور حضور کی کامل شفاء کے لئے دُعا کی۔

السیّد محمد توفیق الصفدی کے بعد السیّد نجم الدین نے بھی ایک قصیدہ پیش کیا۔ ازاں بعد حضرت مصلح موعودؓ نے الشیخ عبدالرحمٰن البرجادی کی درخواست پر جماعت احمدیہ برجا کی مرکزی عمارت کے لئے بنیادی پتھر پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرمائی۔

برجا کے علاوہ طرابلس الشام سے بھی محمود ابراہیم عَنتَبلی صاحب اپنے بچوں کے ہمراہ آئے ہوئے تھے۔ حضور اُن کے حالات دریافت فرماتے رہے۔ یہ مختصر مجلس برخاست ہوئی تو دوستوں نے دوبارہ مصافحہ کیا۔ اور پھر حضور ساحلِ سمندر کی طرف تشریف لے گئے اور نئے بیروت کے بعض حصّوں کو دیکھا۔ اس وقت چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ اور مکرّم توفیق محمد صفدی صاحب کو حضور کی کار میں بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضور لبنان میں سلسلہ کی ترقی کے لئے بعض اُمور پر تبصرہ فرماتے رہے۔

مغرب کی آذان ہو چکی تھی۔ حضور سیر سے واپس تشریف لائے۔ نماز مغرب و عشاء پڑھائیں اور بعض نئے دوستوں کو شرفِ ملاقات بخشا۔ ایک زیرِ تبلیغ عیسائی دوست کمیل شلوب نے بھی حضور سے مصافحہ کیا۔ مصافحہ کے بعد اس شخص نے ایک دوست سے کہا وَاللّٰہِ لَقَدِ انْشَرَحَ قَلْبِیْ مِنْ زِیَارَۃِ ھٰذَا الشَّخْصِ۔ بخدا اس شخص کی ملاقات سے میرے دل میں انشراح پیدا ہوا ہے[1]

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ بیروت کے جنرل سیکرٹری محمد توفیق الصفدی صاحب اور محمد درجنانی صاحب ساری رات اخلاص اور مستعدی سے پہرہ کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

بیروت سے زیورک تک

۸ رمئی کو پونے سات بجے مکان سے ایرپورٹ کے لئے روانگی کا وقت مقرر تھا۔ دمشق اور بیروت کی جماعت کے احباب جمع ہونے شروع ہوگئے روانگی کا وقت قریب آگیا۔ لبنانی۔ فلسطینی اور شامی جماعت نے بڑھ بڑھ کر آقا کے ہاتھوں کو عقیدت اور محبت کے بوسے دیئے۔

پروگرام کے مطابق کاروں کا قافلہ ایرپورٹ کو روانہ ہوا جب ایرپورٹ پر حضور کار سے

---

[1] الفضل ۱۹ رمئی ۱۹۵۵ء صفحہ ۳-۴ و الفضل ۱۰ رجون ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔

اترنے لگے ڈرائیور نے تیزی سے اپنا دروازہ کھولا حضور کا ہاتھ اس پر تھا اس نے بے احتیاطی کی اور جلدی سے حضور کا دروازہ کھولنے کے لئے اسے بند کر دیا حضور کی انگلی اس میں آگئی۔ حضور کی بے چینی کے ساتھ جماعت بے چین ہوگئی۔ ڈاکٹر مرزا منوّر احمد صاحب نے پٹی کی۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ زیادہ زخم نہ آیا۔ ڈرائیور گو احمدی نہیں تھا لیکن عقیدت مندوں کے اجتماع سے متاثر تھا اور سخت نادم تھا کہ اس کی بے احتیاطی سے حضور کی انگلی پر زخم آیا۔ حضور ائیر پورٹ کے ہال میں تشریف فرما تھے اور زخمی انگلی والا ہاتھ سلنگ میں تھا اس ڈرائیور نے حضور کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی اور موقعہ پاکر بڑھ کر حضور کے زخمی ہاتھ کو بوسہ دے کر اپنی ندامت کا اظہار کیا۔ سامان دیکھا گیا۔ پاسپورٹ چیک ہوگئے۔ ہوائی جہاز میں سیٹوں کے کارڈ لئے گئے اور حضور اس کمرہ انتظار میں تشریف لے گئے۔ جہاں سے نکل کر ہوائی جہاز کو جانا تھا۔ سوائے سیّد منیر الحصنی صاحب شیخ نور احمد صاحب منیر اور چند اور دوستوں کے باقی کو باہر سے ہی حضرت صاحب کو رخصت کرنا پڑا احباب کی زبانوں پر دعائیں تھیں آنکھوں سے رقت ہویدا تھی۔ ان کا محبوب آقا اُن سے جدا ہو رہا تھا۔ حضور کمرہ انتظار سے باہر ہوائی جہاز کے لئے روانہ ہونے لگے۔ سیّد منیر الحصنی اور دوسرے دوست پھر اس دروازہ کی طرف بڑھے اور دُعاؤں کے ساتھ پھر اپنے آقا کا ہاتھ چوما حضور نے سیّد منیر الحصنی صاحب کو عربی میں فرمایا کہ تمام دوستوں کو میرا سلام پہنچا دیں۔ حضور اور قافلہ بشمول چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحب ہوائی جہاز میں سوار ہوگئے۔

حضور کے ساتھ مکرّم چودھری ظفر اللہ خانصاحب بیٹھے۔ حضور کی طبیعت خدا تعالےٰ کے فضل سے اچھی رہی۔

تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ہوائی جہاز یونان کے دارالخلافہ ایتھنز میں پہونچا۔ حضور نے بمعہ قافلہ ائیر پورٹ کے ریسٹوران میں وقفہ کا وقت گذارا۔ ساڑھے بارہ بجے پھر جہاز پر روم کے لئے سوار ہوئے اور اڑھائی بجے تقریباً روم پہنچے۔ جہاں ایک دوست استقبال کے لئے موجود تھے علیحدہ کمرہ کا نشست کے لئے انتظام تھا۔ مکرم چودھری ظفر اللہ خان صاحب روم سے سیدھے ایک گھنٹہ کے وقفہ کے بعد ایمسٹرڈم کو روانہ ہوگئے۔ اور حضور تقریباً ساڑھے تین گھنٹے بعد شام کے چھ بج کر پانچ منٹ پر T. W. A کے جہاز پر جینوا کے لئے روانہ ہوئے۔ مطلع ابر آلود ہوگیا تھا۔

بجلی کڑک رہی تھی۔ اور دل میں خوف تھا کہ کہیں خرابیٔ موسم کے باعث حضور کو طیارہ میں تکلیف نہ ہو۔ مکرم ڈاکٹر مرزا منوّر احمد صاحب بھی بار بار کہتے کہ دُعا کرو مطلع صاف ہو جائے اور خیریت رہے۔ ہوائی جہاز کے شروع کے سفر میں کچھ ہچکولے محسوس ہوئے لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے پرواز میں کامل سکون رہا۔ طیارہ ایلپس پہاڑ پر سے گذرا تو تقریباً ۱۸ ہزار فٹ کی بلندی سے پرواز کر رہا تھا۔ پائلٹ نے طیارہ کو اس بلند پہاڑ کے پہلو میں سے گذارا تاکہ مسافر پورا نظارہ حاصل کر سکیں۔ حضور اس نظارہ سے محظوظ ہوتے رہے طیارہ کے جنیوا پہنچنے کا وقت ساڑھے آٹھ بجے تھا۔ لیکن مقررہ وقت سے کچھ قبل ہی اُتر آیا۔

طیارہ کے دروازہ پر شیخ ناصر احمد صاحب مبلغ سوئٹزرلینڈ اور چودھری نصیر احمد صاحب استقبال کے لئے موجود تھے۔ مائکرو بس جو جماعت نے چودھری نبی احمد آف ماڈرن موٹرز کی وساطت سے جرمنی سے لی ہے۔ ایئرپورٹ کے دروازے پر موجود تھی۔ قافلہ دولیکیو ہوٹل HOTEL DEL'ECU جنیوا میں پہنچا۔ یہ ہوٹل جنیوا کی مشہور جھیل کے کنارے واقع ہے اور درمیانہ درجہ کے ہوٹلوں میں سے اچھا آرام دہ ہے۔ رات ہوٹل میں گذارنے کے بعد اگلے دن صبح تھوڑے وقت کے لئے جنیوا کی سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ پھر نو بج کر دس منٹ کی گاڑی پر حضور بمعہ اہل و عیال و شیخ ناصر احمد صاحب زیورک کے لئے روانہ ہوئے۔[1]

"۹ رمئی کو حضور تقریباً ایک بجے زیورچ پہنچے اور کاروں میں سوار ہو کر قافلہ اپنی جائے رہائش BEGONIAN STRASSE.2 میں آیا۔

حضور نے زیورچ پہنچنے کے بعد پونے چھ بجے شام امیر مقامی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے نام تار ارسال فرمایا کہ

"ہم خدا کے فضل سے اہل و عیال کے ساتھ بخیریت زیورچ پہنچ گئے ہیں۔ جنیوا سے آگے تمام انتظامات شیخ ناصر احمد (مبلّغ سلسلہ) نے کئے تھے جو کہ بہت عمدہ تھے۔ شروع میں مکان میں تازہ روغن ہونے کی وجہ سے کچھ تکلیف ہوئی لیکن چند گھنٹے کے بعد یہ تکلیف رفع ہو گئی۔ بیروت میں بھی تمام انتظامات اچھے تھے۔ دمشق کے دوست ہمیں رخصت کرنے کے لئے بیروت آئے

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۲ رمئی ۱۹۵۵ء صفحہ ۳-۴۔

ہوئے تھے۔ چودھری ظفر اللہ خانصاحب روم تک ہمارے ساتھ آئے اور پھر وہاں سے ہیگ (ہالینڈ) روانہ ہوگئے۔ ان کا ساتھ خدا کے فضل سے ایک نعمت ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ تمام ان دوستوں پر فضل فرمائے جنہوں نے اس سفر کے تعلق میں مدد کی ہے۔ اب عنقریب یہاں ڈاکٹروں سے مشورہ کیا جائے گا۔ احباب خاص دعائیں جاری رکھیں کیونکہ یہ میرے علاج کی کوششوں کا آخری مرحلہ ہے۔

(خلیفۃ المسیح)"[1]

اگلے دن ۱۰ رمئی کو ۳ بجے ڈاکٹر پروفیسر روسیو PROFESSOR PROSSIER سے جو زیورک ہسپتال KANTONSPITZEL میں کام کر رہے تھے۔ وقت مقرر تھا۔ حضور اور خاندان و خدام کی طبیعت میں فکر تھا اور دعائیں کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ حضور کے مرض کی صحیح تشخیص اور اس کے علاج کا سامان بنائے وقت مقررہ پر حضور ڈاکٹر روسیو کے پاس پہنچے وہ نہایت تپاک سے پیش آیا بڑی توجہ سے حضور کے کیس کے نوٹس لئے اور مختلف معائنوں کی تاریخیں مقرر کیں۔

ڈاکٹر پروفیسر روسیو یہاں کے ایک ماہر طبیب تھے۔ ہز ایکسی لنسی مسٹر غلام محمد سابق گورنر جنرل پاکستان نے بھی ان سے ہی علاج کروایا تھا۔

۱۱ رمئی کو اسی تسلسل میں ہیں سر کے مختلف ایکس ریز لئے گئے۔ حضور اس معائنہ کے بعد تشریف لائے تو بہت تعریف فرمائی فرمایا یہاں بہت ہی اچھا معائنہ کرتے ہیں۔ اس خوبی سے ایکس ریز لئے گئے کہ کوئی حصّہ نہیں چھوڑا۔

۱۲ رمئی کو ڈاکٹر روسیو کے انتظام کے ماتحت کوئی معائنہ نہ تھا لیکن حضور نے ایک ہومیوپیتھک ڈاکٹر گیزل (GISEL) سے ملنے کا وقت مقرر کروایا ہوا تھا۔ حضور صبح نو بجے ان سے ملے یہ بڑا زندہ دل طبیب تھا۔ خود ہنستا اور حضور کو ہنساتا رہا اور توجہ سے حالات سنے اور ادویہ تجویز کیں لیکن یہ معلوم ہونے پر کہ حضور خود بھی ہومیوپیتھی سے واقف ہیں حضور کو اپنی ادویہ کی الماری دکھائی اور حضور نے اسے مختلف ادویہ بتائیں جو حضور استعمال فرما چکے تھے۔

حضور وہاں سے فارغ ہو کر کچھ وقت کے لئے بازار کی طرف تشریف لے گئے اور پھر پچھلے پہر حضور باہر سیر کے لئے گئے ایک خوشنما مقام BELVOIR PARK نامی ایک ریستوران

---

[1] ۔ روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۲ رمئی ۱۹۵۵ء صا

SCHWEIZERISCHE FACHSCHALE FURDAS GOSTGEWERE

تھا۔جس کے ساتھ درسگاہ تھی۔جس میں سروس کے کام کی ٹریننگ دی جاتی تھی اس کے مینیجر نے حضور کو دیکھتے ہی خیال کیا کہ یہ کوئی عظیم شخصیت ہے اور درخواست کی کہ حضور کا فوٹو لینے کی اجازت دی جائے اور ساتھ ہی عرض کیا کہ یہ پریس کے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے ہی حضور کی آمد کی یادگار کے طور پر ہوگا۔حضور نے اجازت دے دی پھر اس نے حضور کے دستخط اپنی کتاب میں لینے چاہے حضور نے وہ بھی فرما دیئے۔

اس عرصہ میں سلسلہ کی ڈاک بھی آئی۔حضور نے ملاحظہ فرمائی اور جواب لکھوائے۔حضور ان ایام میں چونکہ یورپ میں تبلیغ کو کامیاب طور پر وسیع کرنے کے سوال پر غور فرما رہے تھے۔اس لئے حضور نے حکم دیا کہ یورپ کے مبلغین اور امریکہ کے دو پرانے مبلغین اور مکرم ملک محمد شریف صاحب سابق مبلغ اطالیہ کو لکھ دیا جائے کہ وہ تار ملنے پر کانفرنس کے لئے آنے کے واسطے تیار رہیں۔

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب جو کراچی سے سیدھے لنڈن تشریف لے گئے تھے۔حضور کی ہدایت کے ماتحت ۱۰ رمئی کو زیورک پہنچ گئے اور علاج کے متعلق مشوروں میں شامل ہو گئے[1]

بارھواں پیغام
مورخہ ۱۹ رمئی ۱۹۵۵ء

"پاکستان، ہندوستان اور دنیا کے تمام احمدی بھائیوں کو عید مبارک ہو۔میں ان سب کی مشکلات اور تکالیف کے دور ہونے اور روحانی ترقی کے لئے دعا کرتا ہوں ——— خلیفۃ المسیح"[2]

(از زیورچ ۱۹ رمئی ۱۹۵۵ء)

تیرھواں پیغام
مورخہ ۲۰ رمئی ۱۹۵۵ء ۱۱ بجے شب

"خدا کا شکر ہے تمام طبی ٹسٹ مکمل ہو گئے ہیں اور بیماری متعین کر لی گئی ہے مشہور معالج ڈاکٹر بوسیو DR. BOSIO نے رپورٹوں کا مطالعہ کرنے کے بعد آج اپنی تشخیص سے مطلع کر دیا ہے ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے خون اور شریانیں اور باقی ہر چیز معمول کے مطابق پائی گئی ہیں لیکن یہ کہ مجھے بہت زیادہ آرام کرنا چاہیئے اور اگر ممکن ہو سکے تو مجھے یہاں کچھ زیادہ عرصہ قیام کرنا چاہیئے پھر یہ کہ

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۴ رمئی ۱۹۵۵ء صـ۳

[2] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۲ رمئی ۱۹۵۵ء صـ۱

میری تقریریں مختصر ہونی چاہئیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ گذشتہ سال حملے کے نتیجے میں زخم لگا تھا وہ خطرناک تھا اور یہ کہ سرجن کی رائے درست نہیں تھی۔ ایکسرے فوٹو سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ چاقو کی نوک گردن میں ٹوٹ گئی تھی جواب بھی اندر موجود ہے اور ریڑھ کی ہڈی (سپائنل کارڈ (SPINAL CORD) کے قریب ہے خدا کا شکر ہے کہ جن خطرناک معائنوں سے بچنے کی کوشش کی جا رہی تھی اُن کی ضرورت باقی نہیں رہی میرا مکمل آرام دوستوں کے ہاتھ میں ہے اگر دوست میری پوری طرح مدد کریں تو ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق کچھ مزید کام کر سکتا ہوں اگر دوستوں نے تعاون نہ کیا تو خطرہ موجود ہے۔

خلیفۃ المسیح" [1]

سورہ فاتحہ سے متعلق چار پُر معارف خطبات

زیورچ میں حضور نے چار پُر معارف خطباتِ جمعہ اس موضوع پر ارشاد فرمائے کہ سورۃ فاتحہ میں کمیونزم اور کیپٹلزم کے مقابلہ کے لئے کیا گُر بیان کئے گئے ہیں۔ حضور کے ان خطبات کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

۱۔ (خطبہ جمعہ ۲۰ رمئی ۱۹۵۵ء) "چند سال ہوئے کہ مَیں ایک دفعہ برف دیکھنے کے لئے ڈلہوزی گیا وہاں پر میں دوپہر کے وقت تھوڑی دیر کے لئے بیٹھا تو مجھے الہام ہُوا کہ دنیا میں امن کے قیام اور کمیونزم کے مقابلہ کے لئے سارے گُر سورہ فاتحہ میں موجود ہیں۔ مجھے اس کی تفسیر سمجھائی گئی جو عرفانی طور پر تھی نہ تفصیلی طور پر۔ عرفان کے معنے یہ ہیں کہ دل میں ملکہ پیدا کر دیا جاتا ہے لیکن وہ تفصیلی الفاظ میں نہیں نازل ہوتی کچھ دنوں کے بعد دوستوں سے اس کا ذکر آیا اور وہ پوچھتے رہے کہ اس کی کیا تفسیر ہے میں نے کہا کہ میں کبھی اس کے متعلق مفصّل رسالہ لکھوں گا۔ خصوصاً جب مخالف دعویٰ کرے کہ اس کے پاس ان دوتوں کے جواب موجود ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کی مشیّت تھی کہ مجھے اب تک یہ رسالہ لکھنے کا موقعہ نہ ملا۔

اب جب کہ مَیں بیمار ہوگیا ہوں اور بظاہر اس کا موقعہ ملنا مشکل ہے۔ مَیں نے مناسب سمجھا کہ خواہ اشارۃً ہی چند الفاظ میں ہو مَیں اس کا مضمون بیان کرتا رہوں تا وہ علماء کے کام آئے اور وہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۴ رمئی ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

پہلی بات سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ میں بیان کی گئی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں اور اس کی وجہ آیت کے پچھلے حصہ میں بتائی گئی ہے کہ وہ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ہے یعنی تمام کے تمام افراد کے ساتھ اس کا سلوک ربوبیّت کا ہے طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے ربوبیّت اور عالمیّت کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا موٹا مفہوم مختصراً یہ ہے کہ ہر قسم کی مدح کا وہی مستحق ہوتا ہے اور ہر قسم کی مدح لوگ اس کی کرتے ہیں جس کی ربوبیّت کسی خاص قوم اور فرقہ سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ وسیع ہوتی ہے مثلاً امریکہ اور روس کی حکومت ہے۔ امریکہ اپنے آپ کو ڈیماکریسی کا لیڈر سمجھتا ہے اور روس اپنے آپ کو عوامی تحریکوں کا لیڈر سمجھتا ہے لیکن اگر دونوں کو دیکھا جائے تو امریکنوں کی ساری طاقت امریکنوں کی ترقی پر خرچ ہوتی ہے اور روس کی ساری طاقت روسیوں کی ترقی پر خرچ ہوتی ہے روس ان لوگوں کے لئے کچھ نہیں کرتا جو دنیا کے دُور کناروں پر بس رہے ہیں اور دُنیا کی تمام آسائشوں سے محروم ہیں اور نہ امریکہ اس بارہ میں کچھ کرتا ہے روس کرتا ہے تو یہی کہ اپنے خیالات دوسرے لوگوں میں پھیلا دیتا ہے تا وہ لوگ اپنی حکومت کے خلاف کھڑے ہو جائیں اسی طرح اگر امریکن دوسرے لوگوں کو امداد دیتے ہیں تو اس میں بھی اپنے فوائد مدنظر ہوتے ہیں اگر اس امداد سے وہ ملک اپنے حالات کو درست بھی کر لے تو پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکے گا۔ کہ امریکہ نے دوسرے لوگوں کی مدد کی۔ بلکہ وہ بھی ان کی اپنی ہی مدد ہو گی۔ اس طرح روس بھی ہر دوسرے ملک کو مدد دیتے وقت اپنے فوائد کو بھی ملحوظ رکھتا ہے نہ کہ عوام الناس کے فوائد کو۔ حقیقی مدح اس وقت ہوتی ہے جب بغیر غرض کے لوگوں کو اونچا کیا جائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ تمہاری عبادتیں مجھے فائدہ نہیں پہنچاتیں اور تمہاری قربانیوں کا گوشت مجھے نہیں پہنچتا بلکہ تم یا تمہارے ہمسائے کھاتے ہیں۔ مجھے صرف تمہارے دل کی صفائی کی ضرورت ہے حقیقی تعریف کے مستحق وہی حکومت ہو گی جو اس آیت کے ماتحت کام چلائے گی۔ اور وہی ٹھیک امن قائم کر سکے گی۔ مثلاً اگر روس بغیر اپنا رسوخ قائم کرنے کے صرف غرباء کو اٹھانے کے لئے روپیہ خرچ کرے تو یقیناً روس کی سچی محبّت قائم ہو گی لیکن موجودہ حالات میں حقیقی محبّت قائم نہیں ہوتی۔ جس کو امریکہ سے فائدہ پہنچ جاتا ہے وہ اس کی تعریف کرتا ہے جس کو روس سے فائدہ پہنچ جاتا ہے وہ اس کی تعریف کرتا ہے نہ یہ فائدہ مکمل نہ یہ تعریف کامل۔ کامل

تعریف اُسی وقت ہوتی ہے جب اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پر عمل کیا جائے۔ سورہ فاتحہ میں تمام گُر بیان کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلا مُوٹا گُر یہ بیان کیا ہے کہ خدمتِ خلق کرو اور بلاغرض اور بلا ذاتی فائدہ کی خواہش کے خدمت کرو۔ اگر ایسا کروگے تو ہر شخص تمہاری تعریف کرے گا لیکن اگر کوئی صرف ایک طبقہ کو اٹھانے کی کوشش کرتا ہے تو وہی طبقہ اس کی تعریف کرے گا۔ مثلاً کوئی حکومت لیبر کو اٹھاتی ہے .... تو لیبر ہی اس کی تعریف کریں گے بڑے اور درمیانہ درجہ کے نہیں کریں گے اور اگر کوئی حکومت درمیانہ اور بڑے درجہ کو اٹھانے کی کوشش کرے تو یہ طبقے ہی تعریف کریں گے لیبر نہیں کریں گے کیونکہ وہ حکومت رب العالمین نہیں بلکہ فرقہ کی اور جماعت کی رب ہے۔ حقیقی حکومت وہی ہے جو تمام طبقوں کو بلکہ قوم کو بھی بھلا دے کیا اس تعلیم پر عمل کرنے کے بعد دُنیا میں امن کے مٹنے کا شائبہ بھی ہوسکتا ہے؟ اور کیا کوئی ایسی قوم کا دشمن بھی ہوسکتا ہے؟ دوسرے وجوہ سے دشمن ہوجائے تو ممکن ہے لیکن اس فعل کی وجہ سے دشمن نہیں ہوسکتا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا۔ لیکن پھر بھی بعض لوگ آپ کے دشمن ہیں۔ مگر اس وجہ سے نہیں کہ آپ نے غریبوں کو کیوں اونچا کیا بلکہ مذہبی تعصّب کی وجہ سے اس لئے کہ آپ نے نماز روزہ حج اور زکوٰۃ کی کیوں تعلیم دی۔ اسی طرح اگر آج لوگ احمدیت کے دشمن ہیں تو اس وجہ سے نہیں کہ احمدی یتیموں کی پرورش کرتے ہیں غریبوں کی امداد کرتے ہیں اور بیواؤں سے حسن سلوک کرتے ہیں اور خدام الاحمدیہ ہر ایک کی مدد کرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ایسا مخالف شقی القلب ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔"[1]

۲۔ (خطبہ جمعہ ۲۷ مئی ۱۹۵۵ء) "میں نے پچھلے خطبے میں بیان کیا تھا کہ مجھے رؤیا میں بتایا گیا کہ سورۃ فاتحہ میں دُنیا کے امن اور کمیونزم اور کیپٹلزم کے جھگڑے کے استیصال کے گُر بتائے گئے ہیں اور میں نے سب سے پہلے سورہ فاتحہ کی پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے ایک نسخہ بیان کیا تھا اور بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جو اَلْحَمْدُ کہا گیا ہے تو وجہ بھی بیان کی ہے کہ وہ رَبُّ الْعَالَمِیْن ہے جب تک کوئی شخص رَبُّ الْعَالَمِیْن نہ ہو۔ چاہے اپنی پارٹی کے ساتھ وہ کتنا ہی اچھا سلوک کیوں نہ کرتا ہو وہ اَلْحَمْد کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ اَلْحَمْد

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۳۱ مئی ۱۹۵۵ء صہ ۲

کا مستحق وہی ہوسکتا ہے جو پارٹیوں سے بالا ہو اور ہر قوم اور ملّت سے اس کا سلوک انصاف اور رحم والا ہو۔ اس سلسلے میں مَیں نے بتایا تھا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم تو اس صفت کے ظاہر کرنے میں سب سے بالا تھے لیکن آپ پر بھی اعتراض ہوئے لیکن وہ اعتراض اس قسم کے نہیں تھے جو معقول ہوں بلکہ غیر معقول اعتراض تھے جو اپنی ذات میں اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ یہ چسپاں نہیں ہوتے میں آج اس سلسلہ میں ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کا سب سے بڑا دشمن ابوسفیان تھا۔ جب آپؐ نے ہرقل کو خط لکھا تو ہرقل بادشاہ نے کہا۔ دیکھو جس شخص نے خط لکھا ہے اس کی قوم کے کوئی لوگ اس ملک میں ہیں تو معلوم ہوا کہ ابوسفیان ان دنوں اپنے قافلہ سمیت تجارت کے لئے آیا ہوا ہے جب اس کو پتہ لگا تو اس نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو بُلایا اور ابوسفیان کو آگے کھڑا کیا اور اس کے ساتھیوں کو پیچھے اور کہا کہ دیکھو میں بادشاہ ہوں میرے سامنے جھوٹ بولنا بڑا سخت سزا کا مستوجب بنا دیتا ہے۔ میں اس سے سوال کروں گا۔ اگر یہ کسی وقت جھوٹ بولے تو فوراً مجھے بتا دینا کہ جھوٹ بولا ہے۔ ابوسفیان کہتا ہے کہ ہرقل نے پہلے مجھ سے یہ سوال کیا کہ بتاؤ نبوّت کے دعویٰ سے پہلے اس شخص کے اخلاق کیسے تھے تو مَیں نے کہا کہ بڑے اچھے تھے تو اُس نے کہا مَیں نے یہ سوال اس لئے کیا تھا کہ نبوّت کے دعویٰ کے بعد تو تمہاری دشمنی ہوگئی پس دعویٰ سے پہلے کی گواہی ہی سچّی گواہی ہوسکتی ہے بعد کی گواہی تو دشمنی کے ماتحت ہوگی۔ پھر اس نے پوچھا کہ جب اس نے دعویٰ کیا تو اس دعویٰ کرنے کے بعد تم نے اس کا رویّہ کیسا دیکھا؟ کیا اس نے کبھی تم سے جھوٹ بولا تو وہ کہنے لگا کہ نہیں اس کے ساتھ ہمارے کئی معاہدے ہوئے ہیں کبھی اس نے وعدہ شکنی نہیں کی لڑائیوں کے بعد جب بھی معاہدہ ہوا اس نے اسے پورا کیا تو اب گویا یہ ایک شدید ترین دشمن کی گواہی ہے جو درحقیقت انعامات کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ سزا کا مستحق ہوتا ہے اس لئے اس کو شکوہ زیادہ پیدا ہوسکتا ہے اور بہت ممکن تھا کہ وہ اعتراض کرتا بلکہ وہ خود بھی کہتا ہے کہ میرے دل میں خیال آیا کہ مَیں جھوٹ بول کر اعتراض کردوں مگر چونکہ بادشاہ نے میرے پیچھے ساتھی کھڑے کئے ہوئے تھے میں ڈرا کہ اگر میں نے جھوٹ بولا تو انہوں نے بول پڑنا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے۔

اسی طرح آپ نے ایک دفعہ اموال غنیمت تقسیم کئے تو ایک شخص بولا تِلْكَ قِسْمَةٌ مَا

اُرِیْدَ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ یعنی یہ ایسی تقسیم تھی جس میں خدا تعالےٰ کی رضا کو مدِّنظر نہیں رکھا گیا۔ اَب یہ ایک اعتراض ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ تقسیم جس میں خدا تعالےٰ کی رضا کو مدِّنظر نہ رکھا جائے چند قسم کی ہوسکتی ہے مثلاً ایسی تقسیم کہ اپنے آپ انسان مال کھا جائے یا ایسی تقسیم جس میں رشتہ داروں کو مال دیدے یا ایسی تقسیم کہ جس نے اعتراض کیا ہے اس کا حق مارا جائے تبھی وہ غلط ہوسکتی ہے لیکن اس نے ایک مثال بھی پیش نہیں کی اَب بکواس کرنے کو تو ہر شخص بکواس کرسکتا ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ جب اس نے کہا مَا اُرِیْدَ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ تو کیا اس نے کوئی مثال پیش کی؟ کہ میرا حق مجھے نہیں دیا یا کیا اس نے یہ مثال پیش کی کہ آپؐ نے اپنا حصّہ اتنا نکال لیا جو جائز نہیں تھا یا اپنے رشتہ داروں کو اتنا مال دے دیا جو جائز نہیں تھا کوئی ایک مثال پیش نہیں کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے فقرہ نے ہی بتادیا کہ وہ جھوٹا الزام لگا رہا تھا ورنہ ان تینوں مثالوں میں کوئی مثال تو بتاتا جس میں ناجائز سلوک ہوتا ہے یا یہ بتاتا کہ آپ نے مال زیادہ لے لیا یا یہ کہ اپنے رشتہ داروں کو مال دے دیا جس کے وہ مستحق نہیں تھے یا یہ کہ میں مستحق تھا مجھے نہیں دیا تو نہ رشتہ داروں کی مثال پیش کرتا ہے۔ اور نہ اپنی مثال پیش کرتا ہے جس سے ثابت ہو کہ اس کا اعتراض معقول تھا پس پتہ لگا کہ درحقیقت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کی رَبُّ الْعَالَمِیْن والی ظلّی صفت پر اعتراض نہیں کرتا بلکہ محض اپنی حماقت کا اقرار کرتا ہے تو اس قسم کے اعتراضات رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کے ظلّ ربّ العالمین ہونے کو زیادہ ثابت کرتے ہیں اگر واقعہ میں کوئی غلطی ہوئی تھی تو وہ بتاتا کیوں نا۔ کہ یہ غلطی ہوئی ہے اس کا نہ بتانا یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ بھی جانتا تھا کہ آپ رَبُّ الْعَالَمِیْن ہیں اور میں اعتراض کرہی نہیں سکتا نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرا حق نہیں دیا کیونکہ جھوٹا بنوں گا نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اپنے رشتہ داروں کو دے دیا ہے نہ یہ کہ حضور نے خود لے لیا ہے کیونکہ لوگ کہیں گے کہ بتا تو سہی کہاں لے لیا گو اس کا اپنا فقرہ ہی یہ بتاتا ہے کہ وہ حضور کو صفتِ ربّ العالمین کا ظلّ سمجھا ہے اس لئے اعتراض کا ہونا اس بات کی علامت نہیں کہ آپ اَلْحَمْد کے مستحق نہیں وہ اعتراض اتنا غیر معقول تھا کہ اپنی ذات میں ثابت کر رہا تھا کہ آپ رَبُّ الْعَالَمِیْن کے ظلّ ہیں اور اس لئے آپ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے بھی ظلّ ہیں اور ہر قسم کی تعریفوں کے مستحق ہیں"[1]

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۶؍جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔

۳۔ (خطبہ جمعہ ۳ / جون ۱۹۵۵ء) "آج میں دوسری آیت کو لیتا ہوں یعنی الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو۔ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی تعریف اس لئے ہے کہ وہ رَحمان اور رَحِيم ہے۔ جو رَحمان اور رَحِيم ہوگا وہ ساری قوموں کی تعریف کا مستحق ہوگا۔ رَحمٰن کے معنے قرآن کریم کی رو سے یہ معلوم ہوتے ہیں کہ جس نے کوئی نیک کام اور کوئی خدمت نہ کی ہو اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنے والا اور جس کے پاس کچھ نہ ہو اسے وہ ذرائع مہیّا کر کے دینے والا ہو جن ذرائع کی وجہ سے وہ اعلیٰ ترقی حاصل کر سکے اور رحیم کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص جو کام کرتا ہے اس کے کام کا بدلہ متواتر جاری رہے۔ دنیا میں اس کی مثال پنشن میں ملتی ہے یعنی ایک آدمی نوکری کرتا ہے پھر بیس بائیس یا چالیس سال کے بعد وہ گورنمنٹ کا کام چھوڑ دیتا ہے تو اس کو پنشن مل جاتی ہے رحیم کا یہی مطلب ہے کہ جب کوئی شخص نیک کام کرتا ہے تو اس کا بدلہ جاری رکھتا ہے بار بار دیتا ہے تو پنشن ایک ادنیٰ مثال ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے رحیمیت کے معنے پنشن سے بہت زیادہ ہیں کیونکہ پنشن تنخواہ سے آدھی ہوتی ہے بعض دفعہ وہ گذارہ کے لئے کافی نہیں ہوتی یا پھر بڑھاپے میں جو امداد دی جاتی ہے وہ بھی گذارہ کے لئے کافی نہیں ہوتی کہ انسان آرام سے بڑھاپے میں گذارہ کر سکے صرف اتنا ہی ہوتا ہے جو اس کو ملتا ہے مگر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کریں گے یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کریں گے انہیں جنّت ملے گی اور جنت کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاءُوْنَ۔ نیز فرماتا ہے وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ یعنی جو کچھ ان کے دل میں خواہش پیدا ہوگی یا زبان پر آئے گی وہ انہیں مل جائے گی بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دل میں ایک خواہش پیدا ہوتی ہے لیکن انسان اس کو زبان پر لانے کی جرأت نہیں کرتا وہ سمجھتا ہے کہ یہ بہت بڑا مطالبہ ہے تو باوجود دل میں خواہش ہونے کے چونکہ وہ بیان نہیں کرتا اس لئے وہ پوری نہیں ہوتی اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان منہ سے ایک بات کہتا ہے لیکن دل میں جانتا ہے کہ یہ میرا حق نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں معنے بیان فرما دیئے کہ جنت میں لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاءُوْنَ بھی ہوگا اور لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ بھی یعنی جو دل میں خواہش ہوگی وہ بھی پوری ہو جائے گی۔ پھر ہو سکتا ہے کہ جنت کی ضروریات کا علم انسان کو یہاں نہیں ہوتا، انسان وہاں ایسی چیزیں مانگے جو اچھی ہوں اور اس کو مل جائیں گی لیکن وہ ناواقفی

میں یہ نہ سمجھتا ہو کہ وہ اس کے بیوی بچوں کے لئے بھی کافی ہوں گی یا نہیں تو قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو کوئی مومن جس درجہ کا مستحق ہوگا۔ اس کے بیوی بچے اور اولاد اور ساتھی بھی وہیں رکھے جائیں گے گویا نہ صرف اس کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے گا کہ اس کی ضرورتیں پوری کی جائیں بلکہ اس کے ساتھ تعلق رکھنے والے دوست رشتہ داروں کی ضرورتیں پوری کی جائیں گی اب دیکھ لو پنشن کا اس کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں پھر فرماتا ہے کہ جنت ہمیشہ رہنے والی ہے اور پنشن میں تو گورنمنٹ پراویڈنٹ فنڈ کا اندازہ کرتی ہے پھر پنشن مقرر کرتی ہے کہ اگر ہم اس کو پراویڈنٹ فنڈ دیتے تو عام طور پر اتنی عمر میں لوگ مرجایا کرتے ہیں تو اس کا حساب لگا لیا اور اس کا سود لگا کر پیسے دے دیئے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہاں وہ ہمیشہ ہی زندہ رکھے جائیں گے گویا پنشن دائمی ہوگی اوّل پنشن دائمی ہوگی۔ دوم پنشن اس کی سب ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہوگی سوئم وہ پنشن ایسی ہوگی کہ اس کی ضرورتوں کو ہی پورا نہ کرے گی بلکہ سارے اہل وعیال کی ضروریات کو پورا کرے گی اگر اولاد بڑھتی چلی جاتی ہے پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں ہوتی چلی جاتی ہیں تو پنشن والے کہیں گے کہ ہم نے کہاں سے حساب کر کے دینا ہے مگر وہ فرماتا ہے کہ وہ سب بھی اسی مقام پر رکھے جائیں گے اور جو حق اس کو دیئے جائیں گے وہ اُن کو بھی دیئے جائیں گے جنہوں نے خدمت نہیں کی ......

اگر دنیوی حکومتیں ان اصولوں کو قبول کر لیں تو وہ بھی اَلْحَمْد کی مستحق ہوجائیں گی اور ان میں لڑائی جھگڑے اور فساد بند ہوجائیں گے اور ان کے دشمن باقی نہ رہیں گے۔ اگر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ والی حکومت کو کوئی دشمن مٹانا چاہے تو اس کا مطلب ہوا نا کہ آپ بھی مرے، یہ تو ہمیں بتاتی ہے کہ نہ صرف کام کرنے والے زندہ رکھے جائیں بلکہ جو کام نہیں کرتے وہ بھی زندہ رکھے جائیں اب اگر کوئی گورنمنٹ یہ طاقت اختیار کرلے اور پھر اسے وسیع کیا جائے تو صرف اپنے مُلک کے لوگوں کے لئے ہی نہیں بلکہ باقی لوگوں کے لئے بھی۔ لازمی بات ہے کہ اس حکومت کا دُنیا میں کوئی دشمن ایسا پاگل کون مل سکتا ہے جو اپنے گلے پر آپ چھری پھیرنے لگ جائے اگر دُنیا اس اصول پر عمل کرے تو سارے جھگڑے کیپٹلزم اور کمیونزم کے ختم ہوجاتے ہیں۔[1]

---

[1] ۔ روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲ جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۳، ۴۔

۴۔ (خطبہ جمعہ ۱۰؍جون ۱۹۵۵ء) " مَیں کئی جمعوں سے سورۂ فاتحہ کے متعلق یہ بیان کر رہا ہوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے وہ گُر بیان کئے ہیں جن سے کیپٹلزم اور کمیونزم کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے آج بھی اس سلسلہ میں ایک کڑی مَیں نے بیان کرنی تھی لیکن بوجہ اس کے کہ ہم سفر کی تیاری کر رہے ہیں طبیعت میں کچھ پریشانی سی ہے اس لئے وہ سارے پہلو جو میں بیان کرنا چاہتا تھا بیان نہیں کرتا صرف مختصراً کچھ کہہ دیتا ہوں۔

آج مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ والا حصّہ ہے دُنیا میں حکومت کی بڑی غرض یہی سمجھی جاتی ہے کہ وہ ہنگامی حالات EMERGENCIES میں کام آئے عام حالات میں افراد خود اپنا انتظام کر لیتے ہیں حکومت کا کام یہی ہوتا ہے کہ جب ایک جتھہ اور گروہ یا ایک قوم کوئی شرارت کرے تو اس وقت اس کو سنبھال لے لیکن عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ حکومت ایسے کام سے عہدہ برآ نہیں ہوتی.... .... اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بیان کیا ہے کہ الٰہی حکومت جو اَلْحَمْدُ کی مستحق ہوتی ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہوتی ہے۔ اس کے بہت سے پہلو ہیں لیکن میں ایک پہلو کو لیتا ہوں۔ يَوْمِ الدِّيْنِ کے لفظی معنے تو جزا سزا کے وقت کے مالک ہیں لیکن اصل مطلب یہ ہے کہ قومی یا مجموعی خرابی یا مجموعی طور پر اچھے کام کے اجراء اور فیصلہ کے وقت انفرادی واقعات تو ہوتے ہی رہتے ہیں ان کے روکنے یا اِن کے جزا دینے سے نہ گورنمنٹ ڈرتی ہے نہ اس پر ان کا کوئی بوجھ ہوتا ہے اصل میں قومی واقعات ہی ایسے آتے ہیں جنہیں يَوْمِ الدِّيْنِ کہنا چاہئے۔ ایسے وقت میں بعض دفعہ گورنمنٹ ڈر جاتی ہے کہ پبلک ہم سے کل پوچھے گی یا بعض دفعہ وہ جزا دینے سے کوتاہی کر جاتی ہے کیونکہ جزا اس کی طاقت سے بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ جزا سزا کے دن کا مالک ہے۔ دنیوی حکومتیں جزا سزا کے دن کی جج تو ہوتی ہیں مالک نہیں ہوتیں۔ خدا تعالیٰ جب جزا سزا دیتا ہے تو اسے کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔ وہ مجبور نہیں ہوتا کہ کسی کو جزا دے یا سزا دے لیکن ایک جج ایسا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ عام عقل یہ کہتی ہے کہ کوئی قوم جو مجرم ہے وہ کسی وقت پکڑی جاتی ہے تو کل کو وہ پھر شرارت کرے گی جب مکّہ فتح ہوا تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے اپنے دشمنوں کو یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ اب یہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ والا سلوک ایک جج نہیں کر سکتا کیونکہ عام عقل یہ کہتی ہے کہ کوئی قوم جو مجرم ہو جب وہ کسی وقت پکڑی جائے تو

اسے سزا دینی چاہئے ورنہ کل وہ پھر شرارت کرے گی لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تو مالک ہیں دنیوی حکومتیں اس لئے مجبور ہیں کہ اوّل تو وہ مالک نہیں دوسرے انہیں پتہ نہیں ہوتا کہ کل کو کیا ہوجائے گا۔ اگر آج عفو کردیا تو ممکن ہے کل شرارت ہوجائے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم مالک ہیں آج کے دن کے بھی اور جب کل آئے گا تو ہم مالک ہیں کل کے دن کے بھی۔ ہمیں یہ ڈر نہیں کہ کل کو یہ لوگ اپنی شرارت میں کامیاب ہوجائیں گے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب مکہ فتح ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں سے فرمایا کہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ظاہری عقل نے کہا کہ آپ نے بڑی نادانی کی وہ قوم جو تیرہ سال سے تکالیف دے رہی تھی اور جس کی شرارتیں متواتر چلی آرہی تھیں آج وہ اتفاقاً قابو میں آگئی ہے اور یہ اسے معاف کر رہے ہیں کل کو اگر پھر انہوں نے شرارت کی تو پھر کیا ہوگا چنانچہ عملی نمونہ بھی خدا تعالیٰ نے دکھلا دیا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہلانے والا بھی مالک تھا اس لئے جو خرابیاں اس کے نتیجہ میں عقلی طور پر پیدا ہوسکتیں تھیں وہ بھی پیدا نہ ہوئیں .... ۔

تو مالک یوم الدین میں بتایا کہ یہ بھی ایک طریقہ ہے جس سے حمد حاصل ہوتی ہے اگر کوئی حکومت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بن کر رہے جس طرح خدا تعالیٰ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بن کر حکومت کرتا ہے تو پھر عوام الناس ہیں اور پبلک میں اور ارد گرد کے لوگوں میں بغض کبھی پیدا نہیں ہوسکتا بلکہ تعریف ہی ہوتی ہے کہ بڑے اچھے ہیں تو فرماتا ہے کہ اَلْحَمْدُ حاصل ہوتی ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے۔ جو مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ نہیں اُسے اَلْحَمْدُ نہیں ملتی۔ جو رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ نہیں اسے اَلْحَمْدُ نہیں ملتی۔ جو رَحْمٰن نہیں اُسے اَلْحَمْد نہیں ملتی۔ جو رَحِیْم نہیں اُسے اَلْحَمْدُ نہیں ملتی۔ اَلْحَمْدُ تبھی ملتی ہے جب کہ وہ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کی صفت کا مظہر ہو۔ رحمانیت کا مظہر ہو۔ رحیمیت کا مظہر ہو اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا مظہر ہو[1]

چودھواں پیغام
مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۵۵ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ۞ وَعَلٰى عَبْدِهِ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ

هُوَ النَّاصِرُ — خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۳۰ جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ تا ۴۔

زیورچ ۲۲ مئی ۱۹۵۵ء

برادران! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔

سالہا سال کی بات ہے میں نے خواب دیکھی تھی اور وہ اخبار میں کئی دفعہ چھپ بھی چکی ہے میں نے دیکھا کہ میں کرسی پر بیٹھا ہوں اور سامنے ایک بڑا قالین ہے اور اس قالین پر عزیزم چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحب عزیزم چوہدری عبداللہ خانصاحب اور عزیزم چوہدری اسداللہ خانصاحب لیٹے ہوئے ہیں۔ سر ان کے میری طرف ہیں اور پاؤں دوسری طرف ہیں اور سینہ کے بل لیٹے ہوئے ہیں اور میں دل میں کہتا ہوں کہ یہ تینوں میرے بیٹے ہیں۔ عزیزم چوہدری ظفر اللہ خانصاحب نے ساری عمر دین کی خدمت میں لگائی ہے اور اس طرح میرا بیٹا ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ میری بیماری کے موقعہ پر تو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کو اپنے بیٹا ہونے کو ثابت کرنے کا موقعہ دیا بلکہ میرے لئے فرشتہ رحمت بنادیا وہ میری محبت میں یورپ سے چل کر کراچی آئے اور میرے ساتھ چلنے اور میری صحت کا خیال رکھنے کے ارادہ سے آئے چنانچہ ان کی وجہ سے سفر بہت اچھی طرح کٹا اور بہت سی باتوں میں آرام رہا آخر کوئی انسان پندرہ بیس سال پہلے تین نوجوانوں کے متعلق اپنے پاس سے کس طرح ایسی خبر دے سکتا تھا۔ دُنیا کا کون سا ایسا مذہبی انسان ہے جس کے ساتھ محض مذہبی تعلق کی وجہ سے کسی شخص نے جو اتنی بڑی پوزیشن رکھتا ہو جتنی چودھری ظفر اللہ خان صاحب رکھتے ہیں اس اخلاص کا ثبوت دیا ہو کیا یہ نشان نہیں؟ مخالف مولوی اور پیر گالیاں تو مجھے دیتے ہیں مگر کیا وہ اس قسم کے نشان کی مثال بھی پیش کر سکتے ہیں کیا کسی مخالف اور پیر نے ۲۰ سال پہلے کسی نوجوان کے متعلق ایسی خبر دی اور بیس سال تک وہ خبر پوری ہوتی رہی اور کیا کسی ایسے مولوی اور پیر کی خدمت کا موقعہ خدا تعالیٰ نے کسی ایسے شخص کو دیا جو چودھری ظفر اللہ خانصاحب کی پوزیشن رکھتا تھا اللہ تعالیٰ ان کی خدمت کو بغیر معاوضہ کے نہیں چھوڑے گا۔ اور اُن کی محبّت کو قبول کرے گا اور اس دُنیا اور اگلی دُنیا میں اس کا ایسا معاوضہ دے گا کہ پچھلے ہزار سال کے بڑے آدمی اس پر رشک کریں گے کیونکہ وہ خدا شکور ہے اور کسی کا احسان نہیں اٹھاتا اس نے ایک عاجز بندہ کی محبت کا اظہار کیا اور اس کا بوجھ خود اٹھانے کا وعدہ کیا اب یقیناً جو اس کی خدمت کرے گا خدا تعالیٰ اس کی خدمت کو قبول کرے گا۔ اور دین و دُنیا میں اس کو ترقی دے گا۔ وہ صادق الوعد ہے اور رحمان ورحیم ہے۔ اب

دو اڑھائی مہینے میں ہماری واپسی کا وقت قریب آجائے گا۔ احباب دعا کریں خیریت سے ہم پاکستان واپس آئیں اور وہاں بھی اللہ تعالیٰ ہر طرح خیریت کے سامان پیدا کرے۔ اس وقت جب کہ میں یہ پیغام لکھوا رہا ہوں۔ میری طبیعت بہت اچھی معلوم ہو رہی ہے گو یہاں بارش بہت ہے مگر یہاں کی آب و ہوا نے بہت اچھا اثر میری طبیعت پر ڈالا ہے اگر SOUTH میں جگہ مل جاتی تو اس سے بھی اچھا اثر پڑتا ممکن ہے آئندہ مختصر قافلہ کے ساتھ دس بارہ دن کے لئے پھر ڈاکٹری مشورہ کے لئے آنا پڑے کیونکہ ڈاکٹر نے کہا ہے مجھے وقتاً فوقتاً دکھاتے رہو۔

مرزا محمود احمد[۱]

ربوہ کی دردناک اجتماعی دُعا اور اس کا نظارہ عالمِ رؤیا میں

۲۹ مئی ۱۹۵۵ء (مطابق ۲۹ رمضان) کو ربوہ میں حسبِ معمول درس قرآن مجید کے اختتام پر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اجتماعی دُعا کرائی۔ حضور کی غیر حاضری کو اس موقعہ پر اہل ربوہ نے بہت محسوس کیا۔ اور اپنے آقا اور روحانی باپ کی جدائی نے ان پر سوز و رقت کی خاص کیفیت طاری کر دی۔ چند لمحوں میں ہی گریہ وزاری تضرع اور خشوع و خضوع کا ایسا سماں بندھ گیا جس کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے احباب اس قدر تڑپ، الحاح اور گڑگڑاہٹ کے ساتھ دُعا کر رہے تھے کہ بعض غیر احمدی دوستوں نے اس گریہ و بکا کو نصف میل کے لگ بھگ فاصلے سے سُنا اور اس پر حیرت کا اظہار کیا۔ یہ تضرع اور عاجزی اور گریہ وزاری اور تڑپ ان مخصوص دعاؤں کی خصوصیّت کا رنگ رکھتی تھی جو قبولیّت کا درجہ پالیتی ہیں۔ دُعا کرنے والوں کی حالت ایسی تھی جیسے کسی کو ذبح کر دیا گیا اور وہ چلّا رہا ہو اور درحقیقت ایسی دُعائیں ہی عرش الٰہی کو ہلا دیتی اور اللہ تعالیٰ کی محبت و رحمت کو آسمان سے کھینچ لاتی ہیں[۲]۔ یہ متضرعانہ دعائیں خدا کو ایسی مقبول ہوئیں کہ اس نے اپنے پیارے خلیفہ اور امام برحق سیّدنا حضرت مصلح موعود کو زیورچ شہر میں اپنے خدام کی حالت کا نظارہ عالم رؤیا میں دکھا دیا۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:۔

۱۔ روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۹ مئی ۱۹۵۵ء صا۔

۲۔ روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۳ جون ۱۹۵۵ء ص۳۔

"۲۳، اور ۲۴، مئی کی درمیانی رات کو میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ہزاروں ہزار آدمی جماعت کے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہیں اور میرے لئے دُعا کر رہے ہیں وہ اتنا دردناک نظارہ تھا کہ اس سے میرا دل دہل گیا۔ اور میری طبیعت پھر خراب ہوگئی۔ یہی وجہ تھی کہ باوجود ارادہ کے میں عید پڑھانے نہیں جاسکا چونکہ اس رؤیا میں میرے لئے ایک دہشت تھی اور اب بھی اس کا نظارہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے میں سفر میں اس رؤیا کو لکھ کر بھجوانا پسند نہیں کرتا۔ اس عرصہ میں ربوہ سے خطوط آئے ہیں ان میں یہ بھی لکھا ہُوا تھا کہ آخری رمضان کی شام کو جو دعا کی گئی وہ ربوہ میں ایک غیر معمولی دُعا تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا گویا عرش بھی ہل گیا ہوگا۔ ان خطوں میں بھی گویا میری رؤیا کا نقشہ کھینچا گیا تھا۔ جَزَی اللّٰہُ سَاکِنِیْ رَبْوَۃَ خَیْرًا۔"[1]

ربوہ میں بکثرت درخت لگوانے کی تاکید

حضور نے زیورچ سے مئی ۱۹۵۵ء میں ناظر صاحب اعلیٰ کو حسب ذیل مکتوب لکھا جس میں تاکید فرمائی کہ اہل ربوہ کی صحت کے لئے زیادہ سے زیادہ درخت لگوائے جائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ؐ

BEGONIEN STRASSE, 2

ZURICH, 57. SWITZER LAND

مکرمی اختر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ربوہ میں لوگوں کی صحت کے لئے زیادہ سے زیادہ درخت لگانے نہایت ضروری ہیں اور درخت بغیر پانی کے نہیں لگ سکتے آپ فوری طور پر صدر انجمن میں یہ معاملہ رکھ کر پاس کرائیں کہ پہلے ٹیوب ویل کو دُرست کرایا جائے۔ بلکہ بہتر ہو کہ بجلی کا انجن اس کی جگہ فوری لگ جائے تاکہ پانی با افراط مہیا ہو سکے اور پہلے لگے ہوئے درخت سوکھ نہ جائیں اس کے علاوہ مزید ٹیوب ویل بھی جلدی لگائے جانے ضروری ہیں اس بارہ میں کسی واقف سے مشورہ کرکے فوری اپنی رپورٹ بھجوائیں۔ کہ کس کس جگہ ٹیوب ویل لگ سکیں گے جن سے تمام ربوہ کی سڑکوں پر پودوں کے لئے پانی آسانی سے دیا جاسکے۔

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۴ جون ۱۹۵۵ء صـ ۳۔

ضروری ہے موجودہ درختوں سے بھی دس پندرہ گنے بلکہ زیادہ درخت لگائے جائیں بجلی سے اَب کام بہت آسان ہو گیا ہے۔ ——— مرزا محمود احمد

جنیوا کا دوبارہ سفر

۳۰ مئی کو حضور ڈاکٹر شمٹ ہومیو پیتھ سے مشورہ لینے کے لئے زیورک سے جنیوا تشریف لے گئے اور یکم جون کو واپس زیورک آ گئے۔[1]

زیورچ کے احمدی احباب سے خطاب

حضرت مصلح موعود نے ۵ جون ۱۹۵۵ء کو ایک ٹی پارٹی کے موقعہ پر زیورچ کے احمدی احباب سے انگریزی میں خطاب فرمایا جس کا ترجمہ بعد میں شیخ ناصر احمد صاحب مبلغ انچارج سوئٹزرلینڈ نے جرمن زبان میں کیا۔ حضور نے فرمایا :-

"میرے دوستو اور بھائیو ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میں ایک سخت بیماری کے بعد تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہُوا ہوں اس بیماری کے دوران میں بعض اوقات مجھے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ شاید مَیں تمہیں کبھی دیکھنے کے قابل نہ ہو سکوں گا لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے تم سے ملنے کا موقعہ مہیا فرما دیا ہے میری بڑی خواہش تھی کہ مَیں تم سے ملوں بالکل اسی طرح جس طرح ایک باپ کو اپنے بچوں سے ملنے کی خواہش ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے تمہیں میرے روحانی فرزند بنایا ہے اس لئے تم سے میری محبت کا رشتہ طبعًا دنیاوی بیٹوں سے زیادہ مضبوط ہے ——— آج سے تیس سال قبل روم سے براستہ میلان فرانس جاتے ہوئے میں تمہارے ملک سے گذرا تھا لیکن میں یہاں پر قیام نہ کر سکا تھا۔ مَیں نے اس وقت درخت جھیلیں اور ندیاں دیکھی تھیں۔ اور خیال کیا تھا کہ سوئٹزرلینڈ انتہائی خوبصورت ملک ہے جس میں اس قسم کے ہرے بھرے منظر عمدہ جھیلیں اور سرسبز درخت ہیں۔ میں اس وقت یہ نہ جانتا تھا کہ اس ملک میں بھی ایسی وفادار اور مخلص دل رکھنے والی روحیں پیدا ہوں گی۔ جو خدا تعالیٰ کے حضور جھکیں گی۔ اور اس کی ہدایت کو حاصل کریں گی۔ لیکن اَب مَیں اپنی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھ رہا ہوں اور اس پر مَیں بہت ہی خوشی محسوس کر رہا ہوں

مَیں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں صراطِ مستقیم پر چلائے اور تم خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کر

---

[1] "الفضل" ۲۶ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۸

لو اور تم اس کے اس طرح پیارے بن جاؤ جس طرح بچے اپنے باپ کو پیارے ہوتے ہیں اگر تم خدا تعالیٰ کی ہدایات پر عمل کرو گے تو تمہاری تعداد آہستہ آہستہ بڑھ جائے گی۔ اور تم اس دُنیا پر غالب آجاؤ گے (انشاء اللہ تعالیٰ)

تمہارا ملک ایک صنعتی ملک ہے گو یہ بہت اہمیت رکھتا ہے تاہم یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے لیکن اگر تم خدا تعالیٰ کی ہدایات پر عمل کرو گے تو بڑے ملک بھی تم پر رشک کرنے لگیں گے۔ اور خدا تعالیٰ تمہیں ہمیشہ کے لئے زیادہ سے زیادہ شان و شوکت عطا فرمائے گا[1]

ٹیلی ویژن پر انٹرویو اور ایک یوگوسلاوین کا قبولِ اسلام

۸ رجون کا دن ہمیشہ یادگار رہے گا۔ کیونکہ اس روز سوئس ٹیلیویژن کے ذریعہ حضور کا انٹرویو نشر ہوا۔ حضور نے یہ انٹرویو انگریزی زبان میں دیا۔ جس کا ترجمہ شیخ ناصر احمد صاحب مبلغ سوئٹزر لینڈ نے جرمن زبان میں کر کے سُنایا۔ حضور نے سفر یورپ کی غرض، رمضان المبارک کی اہمیت۔ جماعت احمدیہ کی تبلیغی جدوجہد اور اس کی ضرورت سے متعلق سوالات کے جوابات دیئے۔ علاوہ ازیں یوگوسلاویہ کا ایک باشندہ حضور کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوا[2]

زیورک سے جرمنی تک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود سوئٹزر لینڈ میں ایک ماہ تک قیام فرمانے کے بعد زیورچ سے ۱۰ رجون ۱۹۵۵ء کو بذریعہ کار جنوبی سوئٹزر لینڈ کے مقام لوگانو کو روانہ ہو گئے۔ حضور ۱۱ رجون کو اٹلی کے مشہور شہر وینس میں پہنچے اور ۱۴ رجون کو وینس سے انسبروک (آسٹریا) تشریف لے گئے۔ ۱۵ رجون کو حضور آسٹریا سے جرمنی چلے گئے۔ ۶ بجے کے قریب حضور نیورنبرگ پہنچے۔ جہاں چوہدری عبداللطیف صاحب مبلغ جرمنی اور کئی اور مخلصین حضور کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ نیورنبرگ میں پندرہ مرد اور عورتیں احمدی نومسلم تھے اور وہ سب کے سب اخلاص اور محبت سے سرشار تھے۔ اس مقام پر حضور نے نومسلمین کے ساتھ جرمنی میں تبلیغ اسلام کے موضوع پر تبادلہ خیالات بھی فرمایا۔

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۲ رجون ۱۹۵۵ء ص۱

[2] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۱ رجون ۱۹۵۵ء ص۱

۱۷ر جون کو حضور نیورنبرگ سے روانہ ہوئے اور ۱۸ر جون کو پانچ بجے کے قریب ہیگ پہنچے جہاں مقامی مبلغ مولوی غلام احمد صاحب بشیر اور مکرم مولانا محمد ایوب صاحب سماٹری اور کئی نومسلم دوست حضور کے استقبال کے لئے موجود تھے۔

۱۹ر تا ۲۴ر جون حضور ہالینڈ میں قیام فرمارہے[1] اور پھر دوبارہ جرمنی تشریف لے گئے۔

حضور ۲۵ر جون کو شام کے چار بج کر دس منٹ پر سیدہ ام متین صاحبہ، سیدہ مہر آپا، صاحبزادی امۃ الجمیل اور صاحبزادی امۃ المتین۔ صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب، میر داؤد احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ اور محترمی ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کی معیت میں ہمبرگ کے ہوائی مستقر پر ہوائی جہاز سے اُترے چودھری عبداللطیف صاحب کے علاوہ برادرم عبدالکریم صاحب ڈنگر۔ برادرم عبدالحمید صاحب ڈنگر (DANGAR)۔ ایک پاکستانی دوست محمود الہٰی صاحب اور برادرم عبدالکریم صاحب کی اہلیہ محترمہ ہوائی اڈہ کے اندر موجود تھے اور حضور کو ہوائی اڈہ سے اترتے ہی اَھْلًا وَّ سَھْلًا وَّ مَرْحَبًا کہا اور مسٹر اور مسز ڈنگر نے حضور کی خدمت میں پھول پیش کئے کسٹم وغیرہ سے فارغ ہوکر حضور ۵ بجے ہوٹل میں پہنچے جہاں دیگر احباب جماعت موجود تھے۔ حضور نصف گھنٹہ کے بعد ملاقات کے کمرہ میں تشریف لے آئے۔ پہلے ہمبرگ کے ایک مشہور جرنلسٹ مسٹر (PIRATH) نے اپنے فوٹو گرافر کے ساتھ حضور کا انٹرویو لیا اور کئی ایک فوٹو لئے اس کے بعد ایک گھنٹہ تک حضور پُرنور احباب جماعت سے مشن کے استحکام کے متعلق تبادلہ خیالات فرماتے رہے اور دیگر ضروری امور کے علاوہ ہمبرگ میں مسجد کی تعمیر کے متعلق تفصیلی گفتگو فرمائی اور بعد ازاں شام کے کھانے کے لئے تمام قافلہ کے ساتھ چودھری عبداللطیف صاحب کے ہاں تشریف لائے اور محبت اور پیار کے ساتھ بچوں کے ساتھ باتیں فرماتے رہے۔

ایک نامور مستشرق کی بیعت

۲۶ر جون بروز اتوار صبح دس بجے حضور اپنے ڈاکٹری معائنہ کے لئے چوہدری عبداللطیف صاحب کے علاوہ صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کے ہمراہ ہمبرگ یونیورسٹی کے پروفیسر PROF. DR. N. PETHE کے مکان پر تشریف لے گئے۔ پروفیسر مذکور نے حضور کا مکمل

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۶ر ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۸

معائنہ کیا اور حضور کی صحت کی ترقی کی رفتار پر خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا واپس تشریف لاکر حضور نے کچھ آرام فرمایا اور اس کے بعد KIEL سے آئے ہوئے جرمنی کے بہت بڑے مستشرق اور KAMAOUR سے ایسی مؤثر گفتگو فرمائی کہ اُس نے اُسی روز حضور پُرنور کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ بیعت لینے کے بعد حضور نے فرمایا "خدا تعالیٰ نے غالباً مجھ کو ہمبرگ اس لئے لایا تھا کہ آپ میرے ہاتھ پر اسلام قبول کریں حضور نے ان کا اسلامی نام زبیر تجویز فرمایا۔ CONTIPRESS کا ایک نمائندہ حضور سے ملاقات کے لئے آیا اور بہت سے فوٹو لئے ہمبرگ کے ایک نامور جرمن مستشرق ڈاکٹر AHEL حضور سے ملاقات کے لئے آئے اور نصف گھنٹہ تک حضور ان سے عربی میں گفتگو فرماتے رہے بعد میں حضور نے اُن کی زبان دانی کی تعریف فرمائی۔ ان ملاقاتوں سے فارغ ہونے پر حضور نماز کے لئے تشریف لائے۔ لوکل احمدی بھی نماز کے لئے آئے ہوئے تھے حضور نے ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں۔ نماز کے بعد ہوور سے آئے ہوئے احمدی دوست جو پریس فوٹوگرافر ہیں نے کثرت سے فوٹو لئے حضور قریباً ایک گھنٹہ مجلس میں رونق افروز رہے اور لوکل احمدیوں سے مختلف امور کے بارہ میں گفتگو فرماتے رہے حسب ضرورت جرمن میں ترجمہ چوہدری عبداللطیف صاحب کرتے رہے۔ حضور نے دیگر امور کے متعلق علاوہ مسجد تعمیر کرنے کے بارہ میں پھر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور جلد از جلد زمین کے حصول کی تاکید فرمائی۔ شام کے قریب حضور سب کے ساتھ سیر کے لئے تشریف لے گئے اور ہمبرگ کی بندرگاہ دیکھی بعد ازاں حضور ازرہ ذرہ نوازی شام کے کھانے کیلئے پھر معہ قافلہ چوہدری عبداللطیف صاحب کے ہاں تشریف لائے اور انہیں اپنی محبت اور شفقت سے نوازا۔

۲۷ جون بروز سوموار پہلے حضور خرید و فروخت کے لئے تشریف لے گئے اور کئی ایک ضروری اشیاء خرید فرمائیں اس کے بعد ہوٹل تشریف لائے اور CLANEN شہر سے آئے ہوئے ایک احمدی دوست KRETZCHMAR سے ملاقات فرمائی حضور کی بلند پایہ شخصیت کے پیش نظر ہمبرگ گورنمنٹ نے بھی RECEPTION کا انتظام کیا اور حضور ہمبرگ گورنمنٹ کے نمائندگان کو ملنے کے لئے دس بج کر پینتالیس (۱۰ – ۴۵) منٹ پر ٹاؤن ہال تشریف لے گئے اور وزیر تعمیر مسٹر FISENNE اور گورنمنٹ کے سیکرٹری جنرل مسٹر JOSS

نے حضور سے ملاقات کی۔ حضور نے ان سے بیس منٹ تک گفتگو فرمائی اس موقعہ پر (CONTI-
PRESS) کے نمائندہ نے کثرت سے فوٹو لئے جو ہمبرگ کے دو روز نامہ اخبارات میں شائع ہوئے
(ان دونوں تصاویر کو حضور نے بہت پسند فرمایا) اس ملاقات سے فارغ ہونے کے بعد حضور
ہمبرگ کے مشہور سرجن (PROF. DR. JUN PER) سے مشورہ کے لئے تشریف
لے گئے۔ پروفیسر مذکور نے ایکس رے فوٹو دیکھنے کے بعد کہا کہ چاقو کی جو نوک اندر رہ گئی ہے
اس کو نکالنے کی ضرورت نہیں اس سے حضور پُرنور کی تسلی ہو گئی۔ یہ خدا کا خاص فضل ہے کہ
دوبارہ اپریشن کی ضرورت ڈاکٹری رائے میں پیش نہیں آئی۔ دوپہر کے کھانے کا انتظام برادرم
عبدالکریم ڈنگر نے کیا۔

مقامی جماعت کی طرف سے حضور کے اعزاز میں دعوت

اسی روز شام کے ساڑھے سات بجے حضور کے اعزاز میں ہمبرگ کی جماعت نے دعوت
چائے کا انتظام کیا جس میں احمدی احباب کے علاوہ ہمبرگ کے معززین نے بھی شرکت کی۔ پریس کے
نمائندے بھی شامل ہوئے اور انہوں نے فوٹو بھی لئے۔ برادرم عبدالکریم صاحب ڈنگر نے حضور کی
خدمت میں ایڈریس پیش کیا جس کے جواب میں حضور نے کھڑے ہو کر ایک خاص ولولہ اور روحانی
کیفیت کے ساتھ نصف گھنٹہ تک انگریزی زبان میں تقریر فرمائی جس میں احمدی احباب کا شکریہ
ادا کرنے کے بعد ربوہ مرکز احمدیت کی تعمیر کی تفاصیل بیان فرمائیں کہ کس طرح ایک بنجر علاقہ جس
میں صرف تین (TENT) ابتدا میں تھے خدا تعالےٰ نے ایک پُر رونق شہر بسا دیا حضور نے فرمایا
اس جگہ پینے کا پانی نام کو نہ تھا اور وہاں کے پانی کو جب معائنہ کے لئے لاہور بھجوایا گیا تو ڈاکٹروں
نے کہا کہ یہ پانی انسانوں کے لئے مضر ہے حضور نے فرمایا کہ خدا تعالےٰ نے مجھے اس وقت الہاماً بتایا
کہ یہاں میٹھا پینے کا پانی ضرور مہیا ہو گا۔ اور اب وہاں خدائی وعدے کے مطابق پینے کے پانی
کی کمی نہیں اور یہ خدا تعالےٰ کے زندہ ہونے اور احمدیت کی صداقت کا بیّن نشان ہے اس کے بعد
حضور نے فرمایا کہ جرمن قوم کا کیرکٹر بلند ہے اور انہوں نے ہمبرگ شہر کو اتنی جلدی تعمیر کر لیا ہے۔
حضور نے فرمایا کہ جرمن قوم اس زندہ روح کے ساتھ ضرور جلد از جلد اسلام کو جو خود اسی روح
کو بلند کرنے کے لئے تعلیم دیتا ہے قبول کرے گی حضور نے فرمایا کہ میں اس نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

کا پیرو کار ہوں جس نے دنیا میں امن اور روا داری کو قائم کرنے کی پوری کوشش کی اور اپنے مخالفین جنہوں نے مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، کو فاتح ہونے کی حیثیت میں کس طرح معاف کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ اسلام اس روا داری کی تعلیم کا حامل ہے اور اس کی مثال کسی اور مذہب میں نہیں ملتی اسلام قومیت اور رنگ و نسل کی تمیز سے بالا ہے اور دنیا میں عالمگیر برادری اور اخوت کو قائم کرنے کے لئے زریں اصول پیش کرتا ہے حضور کی اس محبت بھری تقریر کا جرمن ترجمہ چوہدری عبداللطیف صاحب نے بعد میں کیا۔ حاضرین نے حضور کی تقریر کو بہت پسند کیا۔

اخبارات میں چرچا ہمبرگ کی ایک روزنامہ اخبار HAMBURGAR ANGEIGER نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۸ جون ۱۹۵۵ء میں حضور کی اس تقریر اور ہمبرگ گورنمنٹ کی طرف سے خوش آمدید کا ذکر ایک نہایت اچھے فوٹو کے ساتھ حسب ذیل الفاظ میں کیا۔

"امیر المومنین ٹاؤن ھال میں"

"احمدیہ جماعت کے امام حضرت مرزا محمود احمد صاحب (تصویر بائیں طرف) لوکل ٹاؤن ہال میں MINISTER VON FUEMNE نے خوش آمدید کہا۔ ۶۶ سال کی عمر کے امیر المومنین نے کل جماعت کی طرف سے دی ہوئی دعوتِ چائے کے موقعہ پر بیان کیا کہ ربوہ کی تعمیر کس طرح ۱۹۵۰ء میں مخالف حالات میں ہوئی ایک بے آب و گیاہ گاؤں سے کس طرح یہ ایک بڑا شہر بنا۔ جس میں اب مختلف کالج اور مشنری کالج تعمیر ہو چکے ہیں۔ اسلام صلح اور امن کا مذہب ہے۔ اور عالمگیر اخوت کو قائم کرنے کے لئے اصول پیش کرتا ہے اس لئے اسلام یورپ کے لئے مناسب حال مذہب ہے۔ اور خاص طور پر جرمنی کے لئے عالمگیر مذہب ہونے کی بناء پر اسلام کا مستقبل جرمن میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی روح جرمنی میں زندہ ہے۔ احمدیہ جماعت کا جرمنی میں مرکز ہمبرگ ہے اور اس کے تبلیغی مشن مختلف ممالک میں موجود ہیں۔

اس روز نامہ کے علاوہ جرمنی کے دیگر بیسیوں اخبارات میں بھی حضور کی آمد کی خبر کم و بیش مندرجہ ذیل الفاظ میں شائع ہوئی :-

اسلامی خلیفہ بطور مہمان ہمبرگ میں حضرت مرزا محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ تین روز کے لئے بطور مہمان تشریف لائے۔ ان کا ایک خطاب امیر المومنین بھی ہے۔ ۶۶ سال کی عمر کے

خلیفہ ربوہ پاکستان سے آئے ہیں۔ اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے بیٹے بھی ہیں۔ ہمبرگ گورنمنٹ کے ایک وزیر MINISTER VON FLSENNE نے انہیں ٹاؤن ہال میں خوش آمدید کہا۔"[1]

اکثر اخبارات نے یہ خبر حضور کے فوٹو کے ساتھ شائع کی۔

۲۸ر جون بروز منگل بھی حضور نے جماعت کے بعض افراد سے گفتگو فرمائی اور ظہر و عصر کی نمازیں پڑھائیں۔ شام کو سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ بعد ازاں حضور مع قافلہ عشائیہ میں شرکت کے لئے چودھری عبداللطیف صاحب مبلغ کے ہاں تشریف لے گئے۔

مبلغ جرمنی کی مخلصانہ خدمات پر اظہار خوشنودی

اسی دن چودھری عبداللطیف صاحب مبلغ جرمنی نے حضور کی خدمتِ اقدس میں مشن کی GUEST BOOK دستخط کے لئے پیش کی اس پر حضور نے اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل ریمارکس درج فرمائے:۔

Dear Abdul Latif,

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

Your success in Germany is wonderful and miraculous. You have won the hearts of German people and this could not be done by your efforts. It is surely God's work. Some converts are wonderfully zealous in Islam and pure hearted. May God give you more and more converts and open the hearts of German people for Islam and your hands and help you to erect a fitting mosque in Humburg and make it a centre for German people and specially German Muslims, Amen !

Europe is certainly going to be muslim as is foretold by Promised Messiah. As this prophecy is going to be fulfilled through you, it will be a great blessings for you and your family. May God bless the German Muslims and increase their number to million and million and millions, untill they become majority in Germany.

Mirza Mahmood Ahmad
28, June, 1955

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۵ر جولائی ۱۹۵۵ء صفحہ ۳-۴۔

(ترجمہ) :- عزیزم عبداللطیف ۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

جرمنی میں تمہاری کامیابی حیرت انگیز ہے اور معجزانہ رنگ رکھتی ہے ۔ تم نے جرمنی کے رہنے والوں کے دلوں کو فتح کیا ہے اور یہ کام صرف تمہاری کوششوں سے نہیں ہو سکتا تھا ۔ یہ یقینی طور پر خدا کا کام ہے ۔ بعض نومسلم نہایت جوشیلے اور مخلص ہیں ۔ خدا تعالیٰ تمہیں زیادہ سے زیادہ نومسلم عطا فرمائے ۔ اور تمہارے ذریعہ جرمنی کے لوگوں کے دل اسلام کے لئے کھول دے اور خدا تعالیٰ تمہیں ہمبرگ میں ایک موزوں مسجد تعمیر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کو جرمنی کے تمام لوگوں کے لئے اور خاص طور پر یہاں کے نومسلموں کے لئے ایک مرکز بنائے ۔ آمین ۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی پیشگوئی کے مطابق یورپ یقینی طور پر اسلام کی طرف رجوع کر رہا ہے ۔ چونکہ یہ پیشگوئی تمہارے ذریعہ سے پوری ہو رہی ہے اس لئے یہ تمہارے لئے تمہارے خاندان کے لئے بہت بڑی برکت کا موجب ہوگی ۔ خدا تعالیٰ جرمنی کے نومسلموں کو اپنی برکات میں سے حصّہ عطا فرمائے اور ان کو لاکھوں لاکھ کی تعداد میں بڑھاتا چلا جائے یہاں تک کہ جرمنی میں ان کی اکثریت ہو جائے ۔ آمین ۔

(دستخط) مرزا بشیر الدین محمود احمد ۔ ۲۸ جون ۱۹۵۵ء[1]

جرمنی سے دوبارہ ہالینڈ میں ورودِ مسعود

حضور ۲۹ جون کو بذریعہ ہوائی جہاز دوبارہ ہیگ (ہالینڈ) میں تشریف فرما ہوئے ۔

ہیگ میں حضور نے اپنے تین روزہ قیام میں علاوہ دیگر دینی مصروفیات کے یکم جولائی کو ایک معرکہ آراء خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا ۔ یہ خطبہ درج ذیل کیا جاتا ہے :-

" برادران ۔ کل صبح مَیں آپ کے ملک سے جا رہا ہوں ۔ طبعی طور پر یہ جدائی مجھ پر شاق گذر رہی ہے ۔ افسوس ہے کہ مَیں یہاں ایسے وقت میں آیا جبکہ میں بیمار تھا اور اس بیماری کی وجہ سے میری نظر کان اور قوّتِ یادداشت کافی حد تک اثر پذیر ہیں ۔ اس لئے میں احباب کے چہروں اور ان کے ناموں کو بہت جلد بھول جاتا ہوں ۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے بھائی یہ محسوس نہ کریں کہ مَیں ان کی طرف توجہ نہیں کرتا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ میں بعض اوقات ان کے چہروں کو بھول جاتا ہوں اور دوسروں سے

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۵ جولائی ۱۹۵۵ء صہ۔

پوچھتا ہوں کہ " وہ صاحب کون ہیں " پس یہ بات صرف میری بیماری کی وجہ سے ہے۔ عدم توجہ کی وجہ سے نہیں ہے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ بیماری خدا تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے حالانکہ درحقیقت بیماری خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ خود ہماری غلطیوں کی وجہ سے آتی ہے ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ میری بیماری اس سخت کام کی وجہ سے آئی ہے جو میں نے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر کیا تھا تقریباً ایک ماہ تک میں ساری ساری رات پڑھتا رہا اور لیکچروں کی تیاری کے لئے نوٹ لیتا رہا۔ اور میری اس عمر کے لحاظ سے یہ بہت زیادہ کام تھا۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ میں اس سے قبل بہت زیادہ کام کرتا رہا ہوں۔ لیکن اب میری صحت ویسی نہیں ہے جیسے جوانی کے ایام میں تھی ایک ڈاکٹر نے مجھے بتلایا کہ اگر چند سال قبل مجھے اس قدر کام نہ کرنے کا مشورہ دیا جاتا تو غالباً اس بیماری کا حملہ نہ ہوتا۔

برادران! خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے پھر کب ہم ایک دوسرے سے ملیں گے لیکن مجھے اُمید ہے کہ ہمارے دل ہمیشہ ایک دوسرے سے قریب رہیں گے۔

میں یہاں تھوڑے عرصہ کے لئے آیا تھا۔ اور جلد ہی آپ لوگوں سے رخصت ہو رہا ہوں اور موجودہ حالات میں میں یہ خیال نہیں کر سکتا کہ دوبارہ جلد آپ کے پاس آسکوں گا اگرچہ میں نے پختہ ارادہ کیا ہے کہ انشاء اللہ سفر سے واپسی پر ایک دن کے لئے یہاں مسجد کی افتتاحی تقریب میں شمولیت کے لئے آؤں گا اگر ایسا ہُوا تو اُمید کرتا ہوں کہ تقریباً ایک ماہ تک میں ایک دو دن کے لئے یہاں آؤں گا اور دوبارہ آپ سے مل کر اپنے دل کو خوش کر سکوں گا۔

برادران۔ چونکہ میں ایک دور دراز کے مقام پر رہتا ہوں اس لئے یہ بات آپ لوگوں کے لئے بہت مشکل ہے کہ آپ کثرت سے میرے پاس آسکیں اسی طرح یہ بات میرے لئے بھی اس عمر میں اور اس بیماری کی حالت میں ناممکن ہے کہ میں تمہارے پاس بار بار آسکوں اس لئے طبعی طور پر میری یہ خواہش ہے کہ جو کچھ میں کہوں وہ آپ اچھی طرح یاد رکھیں۔ اگر میں آپ لوگوں کے پاس بار بار آنے کے قابل ہوتا تو میں خیال کرتا کہ جو کچھ میں اب کہتا ہوں انہیں باتوں کو میں اپنی دوبارہ آمد کے موقع پر دُہراؤں گا لیکن چونکہ دوسرا موقعہ ابھی بہت فاصلہ پر ہے اس لئے طبعی طور پر

میری یہ انتہائی خواہش ہے کہ جو کچھ مَیں آپ سے کہوں آپ اس کو یاد کریں اور اس بلند معیار تک پہنچ جائیں جو اسلام آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ لوگ اس کے لئے کوشش کریں تو آسانی کے ساتھ کر سکتے ہیں ایسی جماعت جس میں مسٹر صادق وانڈر لینڈ اور مسٹر عبداللطیف ڈی لائین جیسے جوشیلے کارکن موجود ہوں وہ ضرور ایسا کر سکتی ہے یہ نوجوان اپنے یقین اور ایمان میں اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ انسان ان کے چہروں سے ہی اس جوش کا اندازہ لگا سکتا ہے جو ان کے دلوں میں اسلام کی تعلیم پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے لئے پایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بھی دُنیا میں سچائی آتی ہے۔ تو وہ ہمیشہ ایک بیج کی طرح آتی ہے۔ جب میں نوجوانی کو پہنچا تو اس وقت مَیں نے اپنا ایک اخبار "الفضل" نامی جاری کیا تھا بلکہ اس سے بھی پہلے جب میں صرف چودہ سال کی عمر کا تھا تو مَیں نے ایک ماہوار رسالہ نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے نکالا تھا۔ اور پہلا مضمون جو مَیں نے اس میں لکھا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ تم یہ نہ دیکھو کہ اس وقت کتنے احمدی ہیں بلکہ تم قدرت کے کام کی طرف دیکھو تم دیکھتے ہو کہ یہ بڑے بڑے جنگلات جو سینکڑوں میل میں پھیلے ہوئے ہیں یہ صرف چھوٹے سے بیج سے شروع ہوئے ہیں اسی طرح ایک چھوٹا سا بیج اس زمین میں بویا گیا۔ اور اس نے اس زمین میں جڑیں پکڑ لی ہیں اور اب اس سے ایک عظیم الشان درخت پیدا ہوا ہے مگر آئندہ اس درخت سے اور بیج پیدا ہوں گے اور وہ زمین پر گریں گے۔ اور ایک درخت کی جگہ کئی درخت اُگیں گے اور اس طرح آہستہ آہستہ ان چھوٹے چھوٹے بیجوں سے بڑے بڑے باغات پیدا ہو جائیں گے یہی حالت سچائی کی ہوتی ہے جب میری عمر انیس سال کی تھی تو احمدیوں کی تعداد صرف چند سو تھی اس وقت میں نے کہا کہ " اگرچہ اس وقت ہم صرف چند سو ہیں لیکن ایک وقت آئے گا جب کہ ہم ہزاروں پھر لاکھوں پھر کروڑوں کی تعداد میں ہو جائیں گے۔"

اَب تم اس زمانہ پر جس وقت مَیں نے یہ مضمون لکھا نظر ڈالو اور جماعت کی موجودہ حالت کو دیکھو تمہیں پتہ لگے گا کہ ہماری جماعت نے کیسی حیرت انگیز ترقی کی ہے۔

ایک جلسہ سالانہ میں جبکہ قادیان میں احمدی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے پاس آئے ان کی تعداد صرف سات سو تھی لیکن اب ہر سال جلسہ سالانہ پر پچاس ہزار لوگ صرف اس کے شاگرد اور خلیفہ کے پاس جمع ہوتے ہیں۔ یہ چیز ظاہر کرتی ہے کہ جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑھ رہی ہے اس

زمانہ میں ان سات سو میں کوئی ایک بھی غیر ملکی نہیں تھا۔ اب اس زمانہ میں سالانہ اجتماع کے موقعہ پر افریقہ۔ امریکہ۔ یورپ اور کئی دوسرے ممالک کے لوگ موجود ہوتے ہیں وہ صرف اس لئے جوق درجوق آتے ہیں تاکہ وہ آقا کو نہیں بلکہ اس کے شاگرد کو دیکھیں اور بانیٔ جماعت کو نہیں بلکہ اس کے خلیفہ کی زیارت کریں۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے ہر قوم کے لوگوں کے دلوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی محبت ڈال دی ہے لیکن ابھی صرف ابتدا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی ایک کتاب ہے جو تھوڑا ہی عرصہ ہوا میں پڑھ رہا تھا لیکن اب میں نہیں پڑھ سکتا۔ کیونکہ اب میری آنکھیں کمزور ہیں اگرچہ صرف چند ماہ گذرے میں نے دیکھا کہ میں نے بعض اوقات پوری پوری رات بیٹھ کر تقریباً ایک سو کتب کا مطالعہ کیا تھا۔ لیکن اب میں ایک صفحہ بھی نہیں پڑھ سکتا۔ بہرحال ایک دن میں حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات کی کتاب (تذکرہ) پڑھ رہا تھا کہ ایک جگہ مجھے آپؑ کی یہ تحریر نظر آئی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ میرے ماننے والے بڑھنے شروع ہوں گے اور وہ تمام دُنیا میں پھیل جائیں گے اور وہ اس قدر ترقی کریں گے کہ دوسرے مذاہب یعنی عیسائیت ہندو مت اور بدھ مت وغیرہ کے ماننے والے میری جماعت کے مقابلہ میں چھوٹے چھوٹے گروہ بن کر رہ جائیں گے۔ پس پچاس ساٹھ ہزار لوگ جو ہر سال میری زیارت اور میری باتیں سُننے کے لئے مرکز میں آتے ہیں ان لوگوں کے مقابلہ میں جو آئندہ ہمارے مرکز میں بانیٔ جماعت احمدیہ سے عقیدت کا اظہار کرنے کے لئے آئیں گے کچھ بھی نہیں۔

پس میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ لوگ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ایک آلہ بن جائیں گے اور اس کی تعلیمات کو اس مُلک میں پھیلائیں گے۔ اور یہ بات اس وقت تک ممکن نہیں جب تک آپ لوگ اپنے آپ کو منظّم نہیں کر لیتے یہ بات یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی تمام برکات اطاعت اور تنظیم سے وابستہ ہیں۔ آپ لوگ ابھی تک اسلام کی تعلیمات سے ناواقف ہیں لیکن یہ ناواقفیّت ان مبلّغین کے ذریعہ سے جو ہم یہاں بھیجیں گے اِنشاءاللہ جلد دُور ہو جائے گی۔

دُنیا نے کوشش کی کہ وہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاء (علیہم السّلام) کو ناکام بنا دے لیکن وہ اپنے مقصد میں ناکام رہی۔ دُنیا نے ہٹلر کو تباہ کرنے کی کوشش کی اور وہ اس میں کامیاب ہو گئی کیونکہ خدا تعالیٰ کی تائید اس کے ساتھ نہ تھی اگر خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا تو

وہ ضرور روس اور امریکہ کی فوجوں کو تباہ کردیتا اور اس کو فتح عطا کرتا لیکن چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے یہ نصرت حاصل نہیں ہوئی اس لئے ثابت ہوگیا کہ ہٹلر موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السّلام) کی طرح خدا تعالیٰ کے برگزیدہ انسانوں میں سے نہ تھا۔ اگر ہٹلر جیسا انسان ان لوگوں کو منظم کر سکتا ہے تو تم جو ایک سچے مذہب کے ماننے والے ہو کیوں منظم نہیں ہو سکتے اگر تم ایسا نہیں کرتے تو یہ تمہاری اپنی غلطی ہے۔ پس اس موقعہ سے فائدہ اٹھاؤ اور اپنے آپ کو منظم کرو تم اپنے میں سے مختلف ممبروں کو مثلاً تبلیغ۔ مال۔ تعلیم۔ استقبال۔ اور غرباء کی خبر گیری کے لئے انتخاب کرو اور یہ نہ خیال کرو کہ تم تھوڑے ہو تم پر بھی ضروری فرائض عائد ہوتے ہیں جو کثیر التعداد افراد پر عائد ہوا کرتے ہیں۔ مرکز میں ہمارے پاس ہر روز کثرت کے ساتھ مہمان آتے رہتے ہیں جن کا کھانا اور رہائش کا انتظام جماعت کرتی ہے اس طرح دو سو سے زائد بیوگان اور یتیم بچے ہیں جن کا تمام خرچ جماعت برداشت کرتی ہے۔

اس وقت تم دُنیا کے سب سے بڑے ملک امریکہ میں بھی یہ نہیں پاؤ گے کہ وہاں غرباء کو مفت تعلیم دی جاتی ہو جیسا کہ ہمارے ہاں دی جاتی ہوتی ہے۔ ابھی مجھے ربوہ سے اطلاع ملی ہے کہ امسال یونیورسٹی کے امتحانات کے نتائج صرف ۲۲ فیصدی نکلے۔ لیکن ہمارے ربوہ کی لڑکیوں کے کالج (جامعہ نصرت) کا نتیجہ ۶۳ فیصدی رہا اور ان پاس ہونے والی طالبات میں سے اکثر وہ ہیں جن کی فیسیں ہر ماہ میں خود ادا کرتا تھا وہ کالج کی فیسیں مہیا نہیں کر سکتی تھیں۔ لیکن ہم نے ان کے اخراجات کو برداشت کیا اور اس طرح عورتوں کی تعلیم کو ترقی دی اس سے پہلے قادیان ایک وقت میں عورتوں کی تعلیم کا ایک بڑا مرکز تھا۔ وہاں پر کل تعلیم کا باسٹھ فیصدی تھا۔ لڑکوں کی تعلیم کا تناسب نوّے فیصدی تھا۔ اور عورتوں کی تعلیم کا تناسب سو فیصدی تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی قوم پردہ میں ترقی نہیں کر سکتی۔ لیکن ہماری طرف دیکھو کہ ہماری بچیوں کو جو عورتیں پڑھاتی ہیں وہ بھی پردہ کی پابند ہیں۔ خود میری اپنی بیوی کالج کی پرنسپل ہے وہ عربی میں ایم اے ہے اور وہ اس کام کا کچھ معاوضہ نہیں لیتی لیکن وہ خود بھی پردہ کرتی ہیں اور لڑکیاں بھی پردہ میں رہتی ہیں۔ اگر ضرورت کے موقعہ پر کالج میں بعض مرد تعلیم کے لئے لگائے جاتے ہیں تو وہ بھی پردہ کے پیچھے بیٹھ کر پڑھاتے ہیں اور لڑکیاں بھی پردہ میں ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود یونیورسٹی کے

۲۲ فیصدی نتائج کے مقابل میں ان کا نتیجہ ۶۳ فیصدی ہے حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی عورتیں پختہ ارادہ اور عزم کر لیں گی وہ علم حاصل کر لیں گی۔ اور دُنیا کو دکھا دیں گی کہ پردہ میں رہ کر بھی ہر چیز حاصل کی جا سکتی ہے۔

بعض بڑے بڑے کالج ہیں جن کی گورنمنٹ مدد کرتی ہے اور جن میں امریکہ اور لنڈن وغیرہ سے آئے ہوئے پروفیسر پڑھاتے ہیں لیکن پھر بھی ان کا نتیجہ صرف ۲۲ فیصدی ہے۔ لیکن ہماری عورتوں کے نتائج تریسٹھ فیصدی ہیں اور یہ چیز صرف عزم اور عملی عروج کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اگر تم بھی مشکلات پر عبور کرنے کے لئے پختہ عزم کر لو تو تم لوگوں کو یہ بتا سکتے ہو کہ اسلامی قوانین ترقی حاصل کرنے میں روک نہیں ہیں۔ تم میں بعض ایسے نوجوان ہیں جن کے چہرے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اسلام سے محبت رکھتے ہیں۔ پس تم پہلے پختہ ارادہ کرو کہ تم اسلامی تعلیم پر عمل کرو گے اور پھر کوئی ایسا آدمی تلاش کرو جو تمہیں سیدھے راستہ کی طرف چلائے اور اگر کوئی شخص تمہاری اور تمہارے بھائیوں کی راہنمائی کرے گا تو تم بھی اسی طرح کامیابی حاصل کر لو گے جس طرح ہماری جماعت کی لڑکیاں کامیاب ہوئی ہیں۔ پس اپنے دلوں میں تبدیلی پیدا کرو تا کہ خدا تعالیٰ تمہارے حالات میں بھی تبدیلی پیدا کرے تمہارے حالات تمہارے ہاتھ میں نہیں بلکہ ان کا انحصار تمہارے دل پر ہے اگر تم اپنے دلوں میں تغیّر پیدا کر لو تو یقیناً خدا تعالیٰ کی مدد تمہارے پاس آئے گی اور تم کامیابی حاصل کر لو گے تم سے جدا ہوتے ہوئے مَیں آخری بار تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دلوں سے سستی کو دور کرو اور عزم کر لو کہ تم سچائی کو دُنیا میں پھیلا دو گے اور اس کو ہر انسان کے دل اور دماغ میں ڈال دو گے اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھو گے جب تک تم اس کام کو سرانجام نہ دو گے۔ خدا تعالیٰ تمہاری بھی مدد کرے اور میری بھی۔ اگرچہ میں کمزور ہوں اور بیماری کی وجہ سے میری قوتِ یادداشت کافی حد تک اثر پذیر ہے۔

تاہم دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں جس قدر میری زندگی باقی ہے اس میں سچائی کی اشاعت کے لئے زیادہ سے زیادہ کام کر سکوں اور میری موت اس گھوڑے کی طرح نہ ہو جو اپنی گاڑی کے آگے گر پڑتا ہے بلکہ اس گھوڑے کی طرح ہو جو آخری وقت تک اپنے کام کو کرتا چلا جاتا اور گاڑی کو اپنی منزل کی طرف کھینچتا چلا جاتا ہے۔

میں دلی طور پر چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ مجھے ایسی بیماری سے محفوظ رکھے جو مجھے ناکارہ کر دے تاکہ میں اپنے آخری سانس تک انسانیت کی خدمت کرتا چلا جاؤں"۔[1]

فصلِ سوم

◉ ہالینڈ سے لنڈن میں تشریف آوری ◉ لنڈن میں حضور کی زیرِ صدارت مبلّغین اسلام کی عالمی کانفرنس ◉ مالٹا کے ایک انجنیئر کا قبولِ اسلام ◉ جماعت احمدیہ نائیجیریا کی عقیدت ◉ سفر یورپ سے مراجعت اور مرکزِ احمدیت ربوہ میں حضور کی آمد اور فقید المثال استقبال

ہالینڈ سے روانگی اور لنڈن میں تشریف آوری

حضور مع اہل بیت و خدام ہیگ سے بخیریت ۳ر جولائی کو لنڈن پہنچے۔ مقامی جماعت کے مخلص احباب امام مسجد لنڈن مولود احمد خان صاحب کی قیادت میں بندرگاہ پر موجود تھے جنہوں نے حضور کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ حضور کے قافلہ نے بندرگاہ سے مسجد احمدیہ لندن تک کا فاصلہ چھ کاروں میں طے کیا۔ مسجد احمدیہ میں بھی احباب حضور کے استقبال کے لئے منتظر تھے جنہیں حضور نے شرف مصافحہ بخشا۔

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۹ اگست ۱۹۵۵ء صـ۳ ،۴

ایڈیٹر صاحب ”الفضل“ کے نام مکتوب

ایک طویل سفر کی وجہ سے حضور کی طبیعت لنڈن کے ابتدائی ایام قیام میں بہت ناساز رہی جس کی تفصیل حضور نے درج ذیل مکتوب میں تحریر فرمائی جو آپ نے شیخ روشن دین صاحب تنویرؔ ایڈیٹر الفضل کے نام تحریر فرمایا تھا

”مکرمی ایڈیٹر صاحب الفضل! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

انگلستان آکر پہلے طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ مگر آہستہ آہستہ اب ٹھیک ہو رہی ہے مگر شدید نزلہ اور کھانسی جو شروع ہوئے تھے ابھی تک جاری ہیں گو کمی کی طرف مائل ہیں۔ شکر ہے کہ کچھ دلیسی دوائیں جن سے مجھے فائدہ ہوتا تھا۔ لنڈن میں مجھے مل گئیں اور کچھ نزلہ اور کھانسی کے جوشاندے خدمت خلق سے لیکر اختر صاحب نے لنڈن بھجوا دیئے ہیں ابھی ملے نہیں۔ ملیں گے تو ان کا استعمال کریں گے۔

آج ۱۳ ؍ اور ۱۴ ؍ جولائی کے درمیان میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک کمرہ گرم کرنے کی انگیٹھی ہے جیسی کہ ہندوستان میں مکانوں میں ہوتی ہے۔ صاف ہے وجہ سے اس میں آگ نہیں جلی اور اس کو صاف کر لیا گیا ہے شاید یہ مطلب ہے کہ ہندوستان میں آج کل سخت گرمی ہے اور جیسے سے وہاں انگیٹھیوں میں آگ نہیں جلتی۔ اس انگیٹھی پر میرا کوئی پوتا یا نواسہ پیٹ کے بل لیٹا ہوا ہے۔ میں نے اپنے کسی بچہ کا بچہ اسے سمجھا۔ اور اسے آواز دی کہ ادھر آؤ پھر مجھے خیال آیا کہ یہ بچہ تو ابھی بہت چھوٹا ہے یہ جواب کس طرح دے گا اور آئے گا۔ پھر معًا خیال آیا کہ یہ میرے لڑکے انور احمد کا بچہ احسن احمد ہے میری آواز سُن کر اُس نے اپنی ٹانگیں ٹیڑھی کرکے زمین پر رکھ لیں اور پھر میرے پاس آگیا اور میں نے اسے اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ شاید اس خواب کی یہ تعبیر ہو کہ میرے کسی اور بچہ کے ہاں لڑکا ہو۔ یا احسن کے لفظ سے یہ تعبیر ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے کامل صحت بخشے اور اس کے فضل سے بعید نہیں ہے۔ والسلام مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی حال لنڈن ۵۵/۷/۱۴“[1]

لنڈن میں مبلغین اسلام کی عالمی کانفرنس

۲۲ تا ۲۴ ؍ جولائی ۱۹۵۵ء

لنڈن میں حضور کا سب سے اہم کارنامہ وہ عظیم الشان تبلیغی کانفرنس ہے جو

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۱ ؍ جولائی ۱۹۵۵ء صا

تاریخ اسلام میں ایک انقلاب انگیز سنگِ میل کی حیثیت سے کبھی فراموش نہیں کی جا سکے گی اور جس کے نتیجے میں غیر اسلامی دُنیا میں تبلیغ کا ایک نیا دَور شروع ہُوا۔

کانفرنس غیر معمولی اہمیت کے باعث حضور نے کانفرنس شروع ہونے سے ایک دن پہلے مندرجہ ذیل برقیہ کے ذریعہ تمام احمدیوں کو دعائے خاص کی تحریک فرمائی۔

"پٹنی - (لنڈن) ۲۱ر جولائی۔

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ کے بعد کل پہلی مرتبہ دُنیا بھر میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی تجاویز پر غور کرنے کے لئے لنڈن میں ایک نہایت اہم اور عظیم الشان کانفرنس شروع ہو رہی ہے ـــ کانفرنس میں امریکہ۔ عرب الہند۔ افریقہ اور یورپ کے قریباً تمام اہم ممالک میں متعین احمدی مبلّغین شامل ہوں گے۔

۲۲ر جولائی سے چودھری محمد ظفر اللہ خان بھی اس کانفرنس میں شامل ہو رہے ہیں دوست کانفرنس کی نمایاں اور اس کے وسیع ترین کامیاب نتائج کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دردِ دل سے دُعا کریں۔ (خلیفۃ المسیح)[1]

اس کانفرنس کا فیصلہ دراصل حضور نے زیورچ میں ہی وسطِ جون کے قریب کر لیا تھا۔ چنانچہ یورپ۔ امریکہ اور نائیجیریا کے مبلّغین کو وہاں سے ایجنڈا بمعہ ایک سوالنامہ کے بھجوا دیا گیا تھا تا سب اپنے اپنے ہاں دوسرے مبلّغوں اور جماعتوں سے مشورہ کر کے پوری تیاری کے ساتھ کانفرنس میں شامل ہوں۔ اس کانفرنس کے پانچ اجلاس ہوئے اور سب میں حضور نے شرکت فرمائی۔ کانفرنس میں ایک ایک مُلک کی رپورٹ کو لے کر بحث و تمحیص کی گئی۔ موجودہ مشنوں کی مضبوطی اور ترقی۔ اسلامی لٹریچر کی تیاری اور اشاعت اور نئی مساجد کی تعمیر کے متعلق اہم فیصلہ جات کئے گئے۔ سیدنا حضرت المصلح الموعود بکمال شفقت ایک ایک تجویز کے متعلق راہنمائی اور ہدایات دیتے رہے۔ کانفرنس کے موقعہ پر آنے والے مبلّغین الگ بھی حضرت اقدس سے ملتے رہے اور اپنی مشکلات پیش کر کے راہ نمائی حاصل کرتے رہے۔"[2]

---

[1] - روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۴ر جولائی ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔
[2] - روزنامہ "الفضل" ربوہ مورخہ ۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ کالم ۱۔

کانفرنس کے کامیاب اختتام پر اخبار الفضل میں مفصل خبر

اخبار الفضل نے اپنی ۲۷ر جولائی ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں کانفرنس کے اختتام پر درج ذیل الفاظ میں مفصل خبر شائع کی :-

" لنڈن میں دُنیا بھر کے برّ اعظموں کے مبلّغین اسلام کی جو تاریخی کانفرنس سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہو رہی تھی وہ ۲۴ر جولائی کو نہایت کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہو گئی۔ کانفرنس میں یورپ، امریکہ اور افریقہ میں تبلیغی مساعی کو تیز کرنے اور اسلامی لٹریچر کی وسیع اشاعت کے متعلق نہایت اہم اور دُور رس فیصلے کئے گئے اس موقعہ پر تمام نمائندگان نے حضور کی ہدایت کے ماتحت اپنی زندگیوں کو اسلام کے لئے وقف کرنے کا از سرِ نو عہد کیا۔ آمدہ برقیوں کا مکمّل ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے :-

" لنڈن ۲۳ر جولائی (آٹھ بج کر اٹھارہ منٹ شب) " دُنیا کے تمام برّاعظموں سے آنے والے مبلّغین اسلام کی کانفرنس کے اجلاس گذشتہ دو روز کامیابی کے ساتھ ہوتے رہے (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے دونوں روز صبح اور شام کے اجلاسوں میں شرکت فرمائی اور ضروری ہدایات سے سرفراز فرمایا — چودھری ظفر اللہ خانصاحب نے بھی یورپ اور افریقہ میں تبلیغ اسلام۔ اسلامی لٹریچر کی اشاعت اور تعلیمی اسکیموں سے متعلق بحث میں حصّہ لیا — کل کے اجلاس میں برّ اعظم امریکہ میں تبلیغی مساعی کو وسعت دینے کے علاوہ دیگر اہم اُمور کے متعلق بھی غور خوض ہوگا۔ مشتاق احمد باجوہ "

لنڈن ۲۴ر جولائی (۱۰ بج کر ۱۸ منٹ شب) " آج بعد دوپہر مبلّغین اسلام کی کانفرنس بخیر وخوبی اختتام پذیر ہو گئی — افریقہ اور مغربی ممالک میں اسلام کی تبلیغ کو تیز سے تیز تر کرنے کے لئے ضروری ذرائع فراہم کرنے کے متعلق آخری رپورٹ کافی بحث وتمحیص کے بعد منظور کر لی گئی — ان تجاویز کو جلد عملی جامہ پہنانے کے لئے نہایت اہم اور دُور رس فیصلے کئے گئے نیز آئندہ کام کرنے کے متعلق بھی اہم تجاویز منظور کی گئیں کانفرنس کے اختتام پر کارکنوں اور نمائندگان نے از سرِ نو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق اسلام کی خدمت کے لئے اپنی زندگیوں کو

وقف کرنے کا عہد کیا۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کانفرنس کے اختتام پر امریکہ روانہ ہو رہے ہیں ۔۔۔ (مشتاق احمد باجوہ)"[۱]

اخبار "المنیر" لائل پور کا تبصرہ

لائل پور (حال فیصل آباد) کے مشہور مخالفِ احمدیت ہفت روزہ "المنیر" نے اس عظیم الشان عالمی کانفرنس پر زوردار تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:۔

"کیا ایسی تحریک کو اشتعال انگیز تقریروں کے ذریعے ختم کیا جا سکتا ہے؟ کیا ایسے منظم ادارے کو خواہ وہ سو فیصدی بد دیانتی پر قائم ہو گدھے اور کتے کے جلوس نکالنے سے ناکام بنایا جا سکتا ہے؟ کیا یورپ و ایشیا میں ایک پلین کے تحت کام کرنے والے باطل کو کہاوتوں کی پھبتیوں اور استہزا کے قہقہوں سے دُنیا بدر کیا جا سکتا ہے؟؟؟

آیئے ہم آپ کو تازہ صورت حال سے آگاہ کریں۔

لنڈن کانفرنس

لنڈن ۲۱ر جولائی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ کے بعد کل پہلی مرتبہ دُنیا بھر میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی تجاویز پر غور کرنے کے لئے لنڈن میں ایک نہایت اہم اور عظیم الشان کانفرنس منعقد ہو رہی ہے کانفرنس میں امریکہ، جزب الہند، افریقہ اور یورپ کے قریباً تمام اہم ممالک میں متعین احمدی مبلّغین شامل ہوں گے۔

۲۲ر جولائی سے چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحب بھی اس کانفرنس میں شامل ہو رہے ہیں"

(الفضل ۲۴ر جولائی ۱۹۵۵ء)

اس کے بعد ۲۶ر جولائی کے الفضل میں حسب ذیل برقیہ شائع ہوتا ہے:۔

"آج برطانیہ میں دُنیا کے تمام براعظموں سے آنے والے مبلّغین اسلام کی کانفرنس کے پہلے دن کی کارروائی کامیاب طور پر اختتام پذیر ہوئی" الحمد للہ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے باوجود اس کے کہ طبّی مشورے کے لئے ڈاکٹر کے ساتھ وقت مقرر ہو چکا تھا صبح اور شام دونوں اجلاسوں میں کئی گھنٹے تک شرکت فرمائی۔ کانفرنس

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۷ر جولائی ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

میں تمام مشنوں کی رپورٹوں پر سیر حاصل بحث کی گئی مغربی ممالک میں اسلام کے پیغام پہنچانے کی تجاویز کے علاوہ کانفرنس میں تمام دُنیا میں وسیع پیمانہ پر اسلامی لٹریچر کی اشاعت۔ بعض نئے مقامات پر مساجد کی تعمیر، نئے مشنوں کا قیام اور موجودہ مشنوں کی توسیع کے متعلق غور و خوض کیا گیا۔

آخری اطلاع

۲۲ر جولائی کے بعد ۲۳ر اور ۲۴ر جولائی کے حسب ذیل دو تار ملاحظہ ہوں۔

(لنڈن ۲۳ر جولائی ۵۵ء آٹھ بجکر اٹھارہ منٹ شب) دُنیا کے تمام برّ اعظموں سے آنے والے مبلغین اسلام کی کانفرنس کے اجلاس گذشتہ دو روز کامیابی کے ساتھ ہوتے رہے۔ الحمد للہ۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے دونوں روز صبح اور شام کے اجلاسوں میں شرکت فرمائی اور ضروری ہدایات سے سرفراز فرمایا۔ چودھری ظفر اللہ خانصاحب نے بھی یورپ اور افریقہ میں تبلیغ اسلام۔ اسلامی لٹریچر کی اشاعت اور تعلیمی اسکیموں سے متعلق بحث میں حصّہ لیا ۔ کل کے اجلاس میں برّ اعظم امریکہ میں تبلیغی مساعی کو وسعت دینے کے علاوہ دو اہم امور کے متعلق بھی غور و خوض ہوگا۔

(لنڈن ۲۴ر جولائی ۱۰ بج کر اٹھارہ منٹ شب) آج بعد دوپہر مبلغین اسلام کی کانفرنس بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوگئی۔ افریقہ اور مغربی ممالک میں اسلام کی تبلیغ کو تیز سے تیز تر کرنے کے لئے ضروری ذرائع فراہم کرنے کے متعلق آخری رپورٹ کافی بحث تمحیص کے بعد منظور کر لی گئی۔ ان تجاویز کو جلد عملی جامہ پہنانے کے لئے نہایت اہم اور دور رس فیصلے کئے گئے۔ نیز آئندہ کام کرنے کے متعلق بھی اہم تجاویز منظور کی گئیں کانفرنس کے اختتام پر کارکنوں اور نمائندگان نے از سرِ نو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق اسلام کی خدمت کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کرنے کا عہد کیا۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کانفرنس کے اختتام پر امریکہ روانہ ہو رہے ہیں "

اس پروگرام کو کن جذبات کے ساتھ اپنانے کا عزم ہے۔ الفضل ۲۷ر جولائی ۵۵ء میں وکیل المال تحریک جدید ربوہ کا ایک اعلان شائع ہوتا ہے جس کی سرخی یہ ہے :-

" احمدیہ جماعت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کا وقت آگیا " خدا تعالیٰ ہمارے لئے وہ دن قریب سے قریب تر لانا چاہتا ہے جب ہم نے اسلام کی لڑائی کو اس کے اختتام اور کامیاب اختتام تک پہنچانا ہے اَب کسی ایک مُلک یا دو ملکوں کا سوال نہیں۔ ایک مبلّغ یا دو مبلّغوں کا سوال نہیں اَب سر دھڑ کی بازی لگانے کا سوال ہے۔ یا کُفر جیتے گا اور ہم مریں گے یا کُفر مرے گا اور ہم جیتیں گے درمیان میں اب بات نہیں رہ سکتی۔"

لمحۂ فکریہ!

خدارا غور کیجئے کتنی دُور رس سکیم ہے" تمام دُنیا میں وسیع پیمانہ پر اسلامی لٹریچر کی اشاعت" ایک ایسی شق کو سامنے رکھئے اور بتلایئے کہ آپ کی یہ شور و غل بپا کرنے والی جماعتیں اس کا توڑ کیا مہیّا کر رہی ہیں؟ اور جیسی معیاری تقاریر ہمارے ہاں قادیانیوں کے خلاف کی جا رہی ہیں کیا وہ اس منصوبہ بندی کا توڑ ہو سکتی ہیں ......

خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کام کا جواب نعروں سے؟ مسلسل جدوجہد کا توڑ اشتعال انگیزی سے۔ علمی سطح پر مساعی کو ناکام بنانے کا داعیہ صرف پھبتیوں، بے ہودہ جلوسوں، اور ناکارہ ہنگاموں سے پورا نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے جب تک وہ انداز اختیار نہ کیا جائے جس سے فکری اور عملی تقاضے پورے ہوں ہنگامہ خیزی کا نتیجہ وہی برآمد ہو گا جس پر مرزا صاحب کا الہام "اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ" صادق آئے گا۔

جو لوگ اس طرز پر مثبت کام نہیں کر سکتے وہ قادیانی تحریک کے صحیح حامی اور مددگار ہیں وہ اس نہج پر جتنا کام کریں گے اس سے یہ تحریک تقویت حاصل کرے گی۔"[1]

حضرت مصلح موعود کا پُرشوکت اعلان

اس جگہ یہ بتانا ضروری ہے کہ اخبار "المنبر" نے اپنے تبصرہ میں وکیل المال کا جو اقتباس درج کیا ہے۔ وہ دراصل حضرت مصلح موعود کے خطبہ جمعہ ۳۰ نومبر ۱۹۵۱ء سے ماخوذ ہے۔ حضور کا یہ خطبہ تحریک جدید سے متعلق تھا جس میں آپ نے اس عالمی تحریک کا پس منظر بیان کر کے نہایت پُرشوکت انداز میں فرمایا تھا:-

"آج میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اٹھارہ یا انیس سال کا کوئی سوال نہیں ہم نے

[1] ہفت روزہ المنبر لائل پور (حال فیصل آباد) ۱۰ اگست ۱۹۵۵ء ص۱ ر ۴ ر ۱۱

تمام دُنیا میں اسلام کی تبلیغ کرنی ہے اور یہ کام ہم سے ہماری دائمی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس وقت مغرب میں بھی ہمارے مبلّغ موجود ہیں اور مشرق میں بھی۔ شمال میں بھی ہمارے مبلّغ موجود ہیں اور جنوب میں بھی۔ آج ہر ملک اور ہر قوم میں اسلام اور احمدیّت کا جھنڈا گاڑا جا رہا ہے۔ ابھی ہمارے مبلّغ تھوڑے ہیں اور ہمیں بار بار ان کو مدد بھجوانی پڑنے گی۔ اسی طرح جس طرح شام اور ایران کے اسلامی لشکروں کو کمک کی ضرورت پڑتی تھی ایران میں جب مسلمانوں کو ایک جنگ میں شکست ہوئی تو اس وقت مدینہ میں مزید فوج بھجوانے کے لئے اعلان کیا گیا۔ مگر مدینہ اور اس کے نواح میں کوئی فوج نہیں تھی۔ جو مسلمانوں کی مدد کے لئے بھجوائی جاتی۔ یہی کیفیّت اس وقت ہماری ہو گی ہمیں بھی اس طرح جس طرح ایک بھٹیارہ پتے اور سوکھی شاخیں اپنی بھٹی میں جھونکتا چلا جاتا ہے اسلام کی اشاعت کے لئے متواتر اور مسلسل اپنا روپیہ بھی جھونکنا پڑے گا اپنے آدمی بھی جھونکنے پڑیں گے۔ اپنی کتابیں بھی جھونکنی پڑیں گی۔ اپنا لٹریچر بھی جھونکنا پڑے گا۔ اور اس راستہ میں ہر کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرنا پڑے گا۔ شیطان اپنی کرسی کو آسانی سے نہیں چھوڑ سکتا اس وقت خدا کے تخت پر شیطان متمکن ہے۔ اس وقت محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے تخت پر شیطان کے ساتھیوں نے قبضہ کیا ہُوا ہے اور وہ اسے آسانی سے نہیں چھوڑ سکتے وہ لڑیں گے اور پورے زور کے ساتھ ہمارا مقابلہ کریں گے اور ہم کو بھی اپنا سب کچھ اس راہ میں قربان کر دینا پڑے گا۔ بہرحال جب یہ چیز واضح ہو جائے اور اس لڑائی کی اہمیّت کو انسان سمجھ لے تو اس کے بعد تین یا دس یا انیس کا سوال کوئی احمق ہی کر سکتا ہے۔ جب ہم نے یہ تحریک شروع کی تھی اس وقت ہم اس کے نتائج سے ایسے ہی ناواقف تھے جیسے مکّہ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم سے معاہدہ کرنے والے انصار اپنے معاہدہ کی حقیقت سے ناواقف تھے۔ جیسے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم پر اسلام کا شاندار مستقبل ابھی پورے طور پر روشن نہیں ہُوا تھا اسی طرح ہم پر بھی اس تحریک کا مستقبل اس وقت روشن نہیں ہُوا۔ پس مَیں نے تم سے اس طرح وعدہ لیا جس طرح انصار سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے وعدہ لیا تھا۔ اور تم نے اس طرح اقرار کیا جس طرح انصار نے معاہدہ کے وقت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم سے اقرار کیا تھا۔ لیکن جب زمانہ نے پردے اُٹھا دیئے۔ قدرت نے انکشاف کر دیا تو نہ محمّد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا وعدہ وعدہ رہا اور

نہ انصار کا معاہدہ رہا۔ اب دُنیا ہی بدل چکی تھی۔ اَب ساری دُنیا کو فتح کرنے کا سوال تھا۔ اَب ساری دُنیا میں اسلام کا جھنڈا گاڑنے کا سوال تھا۔ اَب مدینہ کے اندر یا مدینہ سے باہر کا کوئی سوال نہ تھا۔ اَب ہر جگہ یہ لڑائی لڑی جانے والی تھی۔ اس طرح اب ہمارے لئے یہ امر واضح ہو گیا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے لئے وہ دن قریب سے قریب تر لانا چاہتا ہے۔ جب ہم نے اسلام کی لڑائی کو اس کے اختتام اور کامیاب اختتام تک پہونچانا ہے اَب کسی ایک مُلک یا دو ملکوں کا سوال نہیں۔ اب کسی ایک مبلّغ یا دو مبلّغوں کا سوال نہیں اب سر دھڑ کی بازی لگانے کا سوال ہے یا کفر جیتے گا اور ہم مریں گے یا کفر مرے گا اور ہم جیتیں گے۔"[1]

مالٹا کے ایک انجنیئر کا قبول اسلام

مالٹا کے ایک انجینیر نے جو لنڈن میں مقیم تھے۔ ۲۷؍جولائی کو سیّدنا حضرت مصلح موعود کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا۔ اس طرح مالٹا میں بھی جماعتِ احمدیہ کی بنیاد پڑ گئی۔[2]

پندرھواں پیغام
مورخہ ۲۹؍جولائی ۱۹۵۵ء
۱۰ بج کر ۲۹ منٹ صبح

۲۹؍جولائی کو حضور نے جماعت کے نام عیدالاضحیہ کے موقعہ پر مبارک باد کا پیغام دیا جو اس سفر کے اعتبار سے پندرھواں اور آخری پیغام تھا۔ اور اس کے الفاظ یہ تھے:۔

"تمام بھائیوں کو عیدالاضحیہ مبارک ہو۔ میری صحت بفضلہٖ ترقی کر رہی ہے لیکن قدرے بیماری ابھی باقی ہے۔ احباب دردِ دل کے ساتھ دُعائیں کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ حقیقی عید کا دن بھی دکھائے جبکہ تمام مذاہب پر اسلام کو فتح نصیب ہو گی۔"[3]

خطبہ عیدالاضحیہ

۳۰؍جولائی کو حضور نے لندن میں نمازِ عیدالاضحیہ پڑھائی اور ایک لطیف خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ میں حضور نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی طرف سے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السّلام کو قربان کرنے کے واقعہ کا ذکر فرمایا اور اسلام میں یہ قربانی جو اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی تشریح کی۔ حضور نے مغربی اقوام کو تلقین فرمائی کہ وہ بھی ان برگزیدہ ہستیوں کی طرح خدا تعالےٰ کی خاطر اور دُنیا میں امن قائم کرنے کے لئے اپنے آپ کو

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۴؍دسمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۶۔ ۷۔

[2] "الفضل" ربوہ ۳۱؍جولائی ۱۹۵۵ء صفحہ ۱ [3] "الفضل" ۳؍اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

وقف کردیں۔ حضور نے اسلام کی یقینی اور قطعی فتح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ ایک دن ضرور آئے گا جبکہ آسمان پر صرف ایک خدا اور زمین پر صرف ایک قوم ہوگی۔

عید کی تقریب میں تقریباً پانچ صد اصحاب شامل ہوئے۔ مہمانوں میں ارجنٹائن۔ ہیٹی اور چلّی کے سفراء۔ لندن کے مقامی میئر سر فرینک براؤون اور دیگر بعض اہم شخصیتیں مثلاً سپریچولسٹ ڈسمنڈ شا خاص طور پہ قابلِ ذکر ہیں۔

آخر میں امام مسجد لندن مولود احمد خان صاحب نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور حضور کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضور کے مبارک عظیم اور روح پرور وجود کی وجہ سے اس تقریب کی برکات میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔"[1]

عید کے بعد ڈسمنڈ شا کی ملاقات

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں :۔

"میں جب انگلستان اپنے علاج کے لئے گیا تو عید کی تقریب پر ڈسمنڈ شا بھی آیا۔ جب میں واپس گھر کی طرف آیا۔ اور اندر داخل ہونے لگا۔ تو مجھے اپنے پیچھے کی طرف سے آہٹ آئی۔ میں نے مُڑ کر دیکھا۔ تو ڈسمنڈ شا آرہا تھا۔ میں نے کہا تم تو رخصت ہو گئے تھے کہنے لگا میرے دل میں ایک سوال پیدا ہوا تھا۔ میں نے چاہا کہ آپ سے پوچھ لوں۔ میں نے کہا پوچھو۔ کیا سوال ہے۔ کہنے لگا جب میں یہ تقریر کرتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے امن پسند نبی ہیں۔ تو مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ میری زبان سے خدا بول رہا ہے۔ مگر لوگوں پر اثر نہیں ہوتا۔ میں نے کہا ڈسمنڈ شا خدا جب بولتا ہے تو دل میں بولتا ہے۔ اور تم لوگوں کے کان میں بولتے ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک کان سے سُن کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔ جس دن خدا لوگوں کے دلوں میں بھی بولا ان پر بھی اثر ہو جائے گا۔ وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا معلوم ہوتا ہے بات یہی ہے۔ میں نے کہا تم انتظار کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگو۔ کہ جب تم بولا کرو۔ تو خدا تعالیٰ صرف تمہاری زبان سے نہ بولے۔ بلکہ لوگوں کے دلوں میں بھی بولے۔ جس دن وہ لوگوں کے دلوں میں بھی بولنے لگے گا۔ لمبی چوڑی تقریروں کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ سارا یورپ

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۳ اگست ۱۹۵۵ء صفحہ

تمہاری بات ماننے لگ جائے گا"۔[1]

جماعت احمدیہ نائیجیریا کے نمائندہ وفد کی ملاقات

۴؍اگست کو جماعت احمدیہ نائیجیریا (مغربی افریقہ) کا ایک نمائندہ وفد حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جو مسٹر عبدالغفور ککو (A.G. KUKU) وائس پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ نائیجیریا اور جناب نسیم سیفی صاحب مبلغ مغربی افریقہ و ایڈیٹر اخبار ٹروتھ (TRUTH) پر مشتمل تھا۔ مسٹر ککو نے کھڑے ہو کر نہایت بے تابی کے ساتھ حضور کی خدمت میں اپنے جذباتِ عقیدت پیش کئے اور عرض کیا کہ حضور ہمارے روحانی باپ ہیں اور ہم حضور کے بچے ہیں ہماری شدید خواہش ہے کہ حضور نائیجیریا تشریف لائیں اور اپنے روحانی بچوں کو اپنی شفقت و محبت سے نوازیں۔ حضور کی بیماری ہمارے لئے باعثِ تشویش رہی ہے اور ہم حضور کے لئے دُعا گو رہے ہیں حضور نے فرمایا کہ بے شک آپ سب میرے روحانی بچے ہیں اور میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کے پاس جاؤں میری صحت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ مسٹر ککو نے عرض کیا کہ مَیں الفاظ میں اظہار نہیں کر سکتا کہ میں کس قدر خوش ہوں اور خدا کا شکر گزار ہوں کہ مجھے خود اپنی آنکھوں سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے فرزند ارجمند اور خلیفۃ المسیح کو دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی فالحمد للہ۔

اس کے بعد محترم جناب نسیم سیفی صاحب نے جماعت کا مکتوب حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ اس میں یہ بھی تحریر تھا۔ کہ جماعت نائیجیریا اپنی محبت و عقیدت کی نشانی کے طور پر نائیجیریا کی بنی ہوئی ایک چھڑی حضور کی خدمت میں اپنے نمائندہ کے ذریعہ پیش کرتی ہے۔ نیز درخواست کرتی ہے کہ حضور جماعت نائیجیریا کو اپنی چھڑی تبرکاً مرحمت فرمائیں تا جماعت اس محبت کی نشانی کو محفوظ رکھ سکے۔ حضور نے اس درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا۔ نائیجیریا کی چھڑی قبول فرمائی اور اپنی چھڑی مسٹر ککو کو عطا فرما دی، جو انہوں نے کھڑے ہو کر ہاتھ میں لی اور وفورِ عقیدت کے ساتھ اپنے سینہ سے لگا لی۔ اس وقت اُن پر سرور اور وجد کی ایک عجیب کیفیت طاری تھی اور وہ زبان سے بے ساختگی کے ساتھ بار بار الحمد للہ کہہ رہے تھے۔[2]

---

[1] روزنامہ "الفضل" ۱۸؍اپریل ۱۹۵۵ء۔ خطباتِ محمود جلد اوّل صفحہ ۳۴۶ ناشر فضلِ عمر فاؤنڈیشن ربوہ

[2] اخبار "الفضل" ربوہ ۱۲؍اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

اس ملاقات کی مستقل یادگار ایک فوٹو بھی ہے جو رسالہ "خالد" ربوہ (مئی ۱۹۵۵ء) میں چھپا اور جس میں حضور کے ساتھ مسٹر لکو بھی موجود ہیں۔

یہ متبرک چھڑی لیگوس کے احمدیہ مشن ہاؤس میں اب تک محفوظ ہے اور امیر جماعت نائیجیریا مختلف اہم تقاریب پر اُس سے برکت حاصل کرتے اور جلسوں یا معززین سے ملاقات کے وقت استعمال کرتے ہیں۔

ایڈیٹر ماہنامہ ایسٹرن ورلڈ (EASTERN WORLD) کی ملاقات

۵/ اگست کو برطانیہ کے ایک مؤقر ماہنامہ (EASTERN WORLD) کے ایڈیٹر حضور کی ملاقات کے لئے آئے۔ یہ ملاقات ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی اور حضور نے انہیں جماعت احمدیہ کے حالات بتلائے۔ جن کو سُن کر وہ حد درجہ متاثر ہوئے۔ وہ اس امر سے حیران تھے کہ کس طرح حضور کے ذریعہ قلیل وقت میں ایک مہاجر جماعت کا نیا مرکز قائم ہو گیا اور اس میں درس گاہیں اور دفاتر بھی تعمیر ہو گئے اور جماعت از سرِ نو مستحکم بنیادوں پر کھڑی ہو گئی[1]۔

طلبائے زنجبار کی ملاقات

اسی روز حضور نے زنجبار کے دو طلبا مسٹر سالم اور مسٹر احمد کو شرفِ ملاقات بخشا۔ حضور نے مختصر طور پر اتحاد اسلامی کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا جن کا ان کی طبیعت پر گہرا اثر معلوم ہوتا تھا[2]۔

حضرت اماں جان کے انتقال پر پیغامِ تعزیت

حضور کو لندن میں یہ اطلاع موصول ہوئی کہ حضرت اماں جان حرم حضرت مولانا نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ۶-۷/ اگست ۱۹۵۵ء کی درمیانی شب کو انتقال کر گئی ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اس المناک حادثہ پر حضور نے پیغامِ تعزیت ارسال فرمایا کہ:-

"امّاں جی کی خبر سُن کر بہت افسوس ہوا تمام خاندان تک میری طرف سے تعزیت کا پیغام پہنچا دیں خدا تعالیٰ اُن کی رُوح کو بلند درجات عطا فرمائے ان کو صالحہ بیگم صاحبہ (اہلیہ میر محمد اسحٰق صاحب مرحوم) کی قبر کے ساتھ دفن کیا جائے"[3]۔

---

[1]-[2] "الفضل" ۱۲/ اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۱ ؛ [3] "الفضل" ۱۰/ اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

ایک سوئس کا قبول اسلام

۱۱ر اگست کو ایک سوئس دوست جن کا نام MR STUDER تھا اور جو حضور کے ہمراہ بطور ڈرائیور سوئٹزرلینڈ سے آئے تھے۔ حضور کی بیعت کرتے ہوئے اسلام میں داخل ہوئے۔ جو نو مسلم دوست اپنی جرمنی زبان کے علاوہ اطالوی، فرانسیسی اور انگریزی بھی جانتے تھے[1]

ناظر اعلیٰ ربوہ کے نام مکتوب اور واپسی کے پروگرام سے اطلاع

اسی روز حضور نے مکرم میاں غلام محمد صاحب اختر ناظر اعلیٰ ربوہ کے نام ایک مکتوب رقم فرمایا جس کے آخر میں ان الفاظ میں اپنی واپسی کے پروگرام سے اطلاع دی:۔

"ہم اگست تک لنڈن میں ہیں اور ۳۰ر اگست تک زیورچ میں۔ انشاء اللہ پھر ۳ر ستمبر تک بیروت اور انشاء اللہ ۶ر ستمبر کو بیروت سے کراچی جائیں گے۔

حضرت مصلح موعود کا لنڈن سے ایک ضروری اعلان

لنڈن سے سیدنا حضرت مصلح موعود نے ۱۷ر اگست کو ایک برقیہ پیغام کے ذریعے اعلان فرمایا:۔

"چونکہ ڈاکٹروں نے مجھے مکمل طور پر آرام کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ اس لئے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ جب تک ڈاکٹر مجھے کام شروع کرنے کا مشورہ نہ دیں اس وقت تک کیلئے میں صدر انجمن احمدیہ ربوہ اور صدر انجمن احمدیہ کراچی کو یہ اختیار دیتا ہوں کہ وہ میرے بجائے کام کرتی رہیں۔

خلیفۃ المسیح"[2]

قافلہ کی پہلی پارٹی کراچی میں

۲۴ر اگست ۱۹۵۵ء کو حضور کے مبارک قافلہ کی پہلی پارٹی بخیریت لندن سے کراچی پہنچ گئی۔ اس پارٹی میں حضرت امّ ناصر (حرم اوّل) اور حضرت ام وسیم (حرم ثانی) کے علاوہ آپ کے بعض صاحبزادگان نیز قریشی عبدالرشید صاحب وکیل التجارت بھی شامل تھے[3]

---

[1] "الفضل" ۱۸ر اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۱ ؛ [2] "الفضل" ۲۰ر اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

[3] "الفضل" ۲۸ر اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۱ ، ۳ر ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔

حضرت مصلح موعود کا ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب

۲۵ ر اگست ۱۹۵۵ء کو جماعت احمدیہ انگلستان نے حضور کے اعزاز میں گروونر ہاؤس کے وسیع ہال میں ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ امام مسجد لندن مولود احمد خانصاحب نے حضور کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا جس کے جواب میں حضور نے تمام اراکین جماعت کو نصیحت فرمائی کہ وہ اپنی زندگی اسلامی اصول کے مطابق ڈھالیں۔ پاکستانی افراد کو تلقین فرمائی کہ وہ اپنے آپ کو پورے طور پر پاکستان کی وفادار اور دیانتدار رعایا ثابت کریں اور یورپین باشندوں سے فرمایا کہ وہ مادی اسباب کی بجائے خدا تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ دیں۔ صرف اسی صورت میں ایٹم بم جیسی خطرناک طاقتیں بھی تباہی و بربادی کی بجائے امن قائم کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ اس دعوت میں لنڈن کے میئر سر فرانسس لو۔ پاکستان کے ہائی کمشنر محمد میرخان اور پارلیمنٹ کے ممبر سر ہیول ٹیٹنڈ۔ اور متعدد دیگر ممتاز شخصیتوں نے شرکت کی[1]

لنڈن سے کراچی تک

حضرت مصلح موعود لنڈن میں ایک ماہ چوبیس دن قیام پذیر رہنے کے بعد ۲۶ ر اگست کو لنڈن سے پاکستان کے لئے روانہ ہوئے۔ ۲۷ ر اگست کو زیورچ میں وارد ہوئے ۲۸ ر اگست ایک الوداعی دعوت سے خطاب فرمایا۔ اور پیشگوئی فرمائی کہ عنقریب وہ وقت آئے گا جبکہ مغربی اقوام اسلام کو قبول کر لیں گی[2] ۲۹ ر اگست کو ڈاکٹر روز ہیر نے حضور کا آخری معائنہ کیا اور حضور کی صحت کو مکمل طور پر تسلی بخش قرار دیا[3] ۳۱ ر اگست کو حضور نے زیورچ کے ایک مشہور علمی ادارہ (FREECS OYCEAM) میں "اسلام کی روح اور اس کے بنیادی اصول" کے موضوع پر انگریزی زبان میں ایک بصیرت افروز لیکچر دیا اور پھر ۵ ر ستمبر کو بخیریت وارد کراچی ہوئے[4] جونہی کراچی سے یہ خبر ربوہ پہنچی صدر انجمن احمدیہ اور امیر مقامی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے حضور کی خدمت میں اہل ربوہ کی طرف سے حسب ذیل تار دیا۔

"ہم حضور کا پُرتپاک خیر مقدم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضور کی صحت زندگی اور کام میں

---

[1] الفضل ۲۵ ر اگست ۱۹۵۵ء صا ؛ [2] روزنامہ الفضل ۳۱ ر اگست ۱۹۵۵ء صا

[3] روزنامہ الفضل یکم ستمبر ۱۹۵۵ء صا ؛ [4] روزنامہ الفضل ۷ - ۸ ر ستمبر ۱۹۵۵ء صا

برکت دے۔ اہل ربوہ حضور کی خدمت میں تہہ دل سے مبارک باد عرض کرتے اور دُعا کی درخواست کرتے ہیں۔ ——— مرزا بشیر احمد ۵۵/۹/۶[1]

"دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ"

اصل پروگرام کے مطابق حضور کی کراچی میں واپسی ۶ رستمبر بروز منگل مقرر تھی مگر آخری وقت پر کسی ناگزیر تبدیلی کی وجہ سے حضور کراچی میں مقررہ وقت سے ایک دن پہلے ہی یعنی پیر کے روز پہنچ گئے۔ اس طرح اس سفر پر بھی حضرت مسیح موعود کا پیشگوئی مصلح موعود سے متعلق الہام "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" کمال صفائی کے ساتھ صادق آگیا[2]

قادیان میں جشن مسرّت
۶ - ۷ رستمبر ۱۹۵۵ء

احمدیت کے دائمی مرکز - قادیان - میں بھی سیّدنا حضرت مصلح موعود کی سفر یورپ سے کراچی میں کامیاب اور باعافیت مراجعت کی خبر ۶ رستمبر کو پہنچ گئی جس سے دیار حبیب کے تمام درویشوں میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی اور سب نے خدا کی حمد و ثنا کرتے ہوئے ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق اسی روز عصر کی نماز کے بعد مقبرہ بہشتی میں تمام درویشوں نے لمبی پُرسوز اجتماعی دُعا کی۔ اسی روز رات کے وقت منارۃ المسیح کے آٹھوں بجلی کے بڑے بڑے لیمپ روشن کئے گئے جن کی روشنی سارے قادیان کو بقعہ نُور بنا رہی تھی۔ اور تصویری زبان میں ہر دیکھنے والے کو اس اَمر کی دعوت دے رہی تھی کہ باوجود انقلاب زمانہ کے قادیان کا نور بدستور اکناف عالم میں پھیل رہا ہے اور احمدیت کے دائمی مرکز سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے سامان ہو رہے ہیں۔ منارۃ المسیح پر رنگارنگ کی جھنڈیاں الگ اپنی بہار دکھا رہی تھیں۔ سلسلہ کی مرکزی عمارات کے علاوہ درویشان کرام نے خاص طور پر اپنے اپنے گھروں پر چراغاں کا انتظام کر رکھا تھا۔ کہ احمدیہ محلہ کے بازار گلی کوچے ننھے ننھے چراغوں سے جگمگا رہے تھے۔

اگلے روز یعنی ۷ رستمبر کو اس خوشی میں تمام دفاتر صدر انجمن احمدیہ میں تعطیل تھی اور حسب اعلان ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے صبح مسجد اقصیٰ میں زیر صدارت حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ امیر مقامی جلسہ تشکر و تہنیت منعقد ہوا جس میں تلاوت قرآن کریم کے بعد چوہدری محمود احمد

---

[1] "الفضل" ۷ رستمبر ۱۹۵۵ء صا کالم ۱ + [2] "الفضل" ۲۶ رستمبر ۱۹۵۵ء صث۔

صاحب مبشّر کی تیار کردہ نظم ملک بشیر احمد صاحب ناصر نے خوش الحانی سے سُنائی جس میں مبشّر صاحب نے درویشانِ قادیان کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے حضور کی باصحت وسلامتی کامیاب مراجعت پر مبارکباد پیش کی۔

پہلی تقریر جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم اے نے فرمائی جس میں آپ نے بیان کیا کہ ہم لوگ کیوں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی سے محبت رکھتے ہیں اور کیوں محبت رکھنی چاہیئے۔ اور پھر اس محبت کا کیا تقاضا ہے اور کس طرح پورا کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے درویشان کرام کو مقامات مقدسہ میں قیام کی غرض وغایت کما حقہٗ پورا کرنے اور اپنے تئیں پہلے سے بڑھ چڑھ کر خدماتِ دینیہ میں منہمک کرنے کی تلقین فرمائی کہ یہی اصل ذرائع ہیں۔ جن سے حضور کی خوشنودی اور نتیجۃً حضور کی بحالی صحت موقوف ہے۔

دوسری تقریر حضرت حکیم خلیل احمد صاحب ناظر تعلیم وتربیت نے فرمائی۔ آپ نے اپنی تقریر کے پہلے حصّے میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے سفر یورپ کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اور خود حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے الہامات، ورؤیا وکشوف اور یڈوہ کے بزرگ کی رؤیا جو چالیس سال قبل رسالہ صوفی میں شائع ہوئی تھی کا ذکر کر کے بتایا کہ کس طرح یہ تمام باتیں پوری ہوئیں۔ تقریر کے دوسرے حصّے میں محترم حکیم صاحب نے آیت قرآنی اَمَّا الزَّبَدُ فَیَذۡهَبُ جُفَآءً اور اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ کی لطیف تفسیر فرماتے ہوئے ان مخالفتوں کا ذکر فرمایا جو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد وقتاً فوقتاً اُٹھتی رہیں۔ اور ہر موقعہ پر خدا کا کلام اَمَّا الزَّبَدُ فَیَذۡهَبُ جُفَآءً نہایت شان کے ساتھ پورا ہوتا رہا آپ کی یہ تقریر نہایت مؤثر و مدلّل تھی۔

بعدہٗ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے وہ سپاسنامہ پڑھ کر سنایا جو درویشان قادیان اور جماعتہائے ہندوستان کی طرف سے سفر یورپ سے کامیاب مراجعت پر بطور تہنیت و درخواستِ دُعا تیار کیا گیا تھا۔ حاضرین نے اسے سُن کر اس سے اتفاق کیا۔

اسی قسم کا ایک اور سپاسنامہ مجلس خدام الاحمدیّہ کی طرف سے تیار کردہ مکرّم مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری نے پڑھ کر سُنایا اور اراکین مجلس خدام الاحمدیّہ نے اس سے اتفاق کیا۔

بعدہٗ محترم امیر صاحب مقامی نے صدارتی تقریر میں حضور کے لئے مزید دُعاؤں کی تحریک فرمائی اور بالآخر یونس احمد صاحب اسلم نے درثمین سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنی اولاد کے حق میں دُعائیہ منظوم کلام سُنایا اور بعدہٗ جلسہ برخواست ہوا۔

پروگرام کے مطابق اس روز شام کا کھانا تمام درویشان نے مل کر کھانا تھا۔ چنانچہ نصرت گرلز سکول (یعنی مرزا گل محمد صاحب کے مکان) میں بعد عصر مستورات کے اجتماعی کھانے کا انتظام کیا گیا جس میں حلقہ درویشان کی جملہ مستورات اور چھوٹی عمر کے بچے شریک ہوئے۔ اس موقعہ پر محترمہ سیدہ امۃ القدوس بیگم صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ نے وہ سپاسنامہ بھی پڑھ کر سُنایا جو لجنہ کی طرف سے حضور کی خدمت میں پیش کیا جانے والا تھا۔ بعد میں اجتماعی دُعا ہوئی۔ مغرب کی نماز کے بعد صحن بورڈنگ مدرسہ احمدیہ میں جملہ درویشان بھی اجتماعی کھانے میں شریک ہوئے اس موقعہ پر شہر کے بعض غیر مسلم معززین بھی مدعو تھے۔

کھانے کے بعد اجتماعی دُعا ہوئی اور ۷ ستمبر کو بھی منارۃ المسیح کے آٹھوں بجلی کے لیمپ روشن کئے گئے اور اس طرح جشن مسرت کی یہ تقریب بفضلہ تعالیٰ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوئی[1]

درویشان قادیان کے جذباتِ عقیدت

قادیان دارالامان کے درویشوں کا سپاسنامہ خاص طور پر اُن جذبات عقیدت و فدائیت کی پوری عکاسی کر رہا تھا جو خدا کے مسیح کی بستی کے اُن عشاق محمود کے قلوب و ارواح میں بحرِ بیکراں کی طرح موجزن تھے۔ اس تاریخی سپاسنامہ کا متن یہ تھا:-

بحضور امام ہمام فضل عمر حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

بر موقع واپسی سفر یورپ

سیدنا و امامنا و مرشدنا ایدکم اللہ بنصرہ العزیز۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

ہم درویشان قادیان حضور پُر نور کی خدمت عالیہ میں سفر یورپ سے مع اہل بیت و خدام واپس تشریف آوری پر مبارکباد عرض کرتے ہیں جب حضور علاج اور صحت کی درستی کے لئے عازم یورپ ہوئے اس وقت حضور کے درویش خدام بوجہ حالات کی مجبوری کے خود حاضر خدمت ہو کر حضور کو رخصت نہ کر سکے۔ لیکن حضور

---

[1] ہفت روزہ "بدر" قادیان ۱۴ ستمبر ۱۹۵۵ء صا

کی تشویشناک بیماری اور دُور دراز سفر کی وجہ سے ہمارے سب کے دل غم اور فکر سے بھرے ہوئے تھے اور اس دوران میں ہم محسن حقیقی اور شافی مطلق خدا کے حضور آپ کے لئے دردمندانہ دُعاؤں میں مصروف رہے یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے کہ اس نے جماعت پر جو ابھی کمزور اور ناتوان ہے ۔ بالخصوص اور بنی نوع انسان پر بالعموم رحم فرماتے ہوئے حضور کو صحت عطا فرما کر جلد واپس تشریف لانے کی توفیق بخشی ۔ الحمد للہ۔

سیدنا! حضور کا یہ سفر جہاں اور بہت سے فیوض و برکات کا موجب ہوا ہے وہاں اس سفر میں حضور کے دوبارہ ورود دمشق سے ایک دفعہ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوئی ہے نیز علاوہ اور پیشگوئیوں کے نواب سید صدر الدین رئیس ریاست بڑودہ کا آج سے چالیس بیالیس سال پیشتر کا خواب لفظی طور پر پُورا ہُوا ہے جو رسالہ "صوفی" میں شائع شدہ ہے ۔ جس میں انہوں نے دیکھا تھا کہ ۔

"ایک صاحب سفر جہاز کی تیاری میں مصروف ہیں اور فرماتے ہیں کہ یورپ جاتا ہوں ۔ علاج کرنا ہے ۔ اور میرا نام عمر بن الخطاب ہے ۔"

یہ اللہ تعالےٰ کا خاص فضل ہے کہ اس نے جس طرح حضور کے پہلے سفروں کو بابرکت کیا ۔ اور ان کو اسلام اور احمدیّت کی ترقی کا باعث بنایا اسی طرح باوجود علالت طبع کے حضور کا یہ سفر بھی ہر طرح سے مفید اور بابرکت ثابت ہُوا جس میں حضور کو علاوہ یورپ کے ماہر ڈاکٹروں سے اپنی علالت کے متعلّق طبّی مشورہ حاصل کرنے کے مغرب کے تثلیث کدوں میں اسلامی توحید و رسالت کی تبلیغ کو وسیع کرنے کے لئے انتظام کا موقعہ ملا ۔ اور اہل یورپ کے کانوں میں ایک دفعہ پھر حضور کی آواز گونجی ؎

میری طرف چلے آئیں طبیب روحانی
کہ ان کے دردوں دکھوں کیلئے طبیب ہوں میں

امامنا! حضور نے اس سفر میں روانہ ہونے وقت اعلان فرمایا تھا کہ میں یورپ میں جا کر تبلیغ اسلام کو وسیع کرنے کے لئے بر موقع تجاویز و انتظامات کروں گا ۔ اور "قصّہ زمین بر سر زمین" طے کروں گا ۔ حضور کے اس اعلان کو ہندوستان اور پاکستان کے کئی اخبارات و رسائل نے نقل کیا ۔

اور اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ کاش! آپ کے سوا کسی اور مسلمان لیڈر کو ایسے پاکیزہ خیالات اور ہمدردیٔ اسلام کے جذبہ کے اظہار کا موقع ملتا۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ باوجود ناسازیٔ طبع کے حضور نے لنڈن میں مبلغین اسلام کی کانفرنس اپنی صدارت میں منعقد فرما کر تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے متعلق مفید اور کار آمد مشورے دیئے اور یورپ کے موجودہ حالات کو خود مشاہدہ کر کے یورپ و امریکہ میں اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے اہم فیصلے فرمائے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور کو اپنے نیک ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق بخشی۔

ہم یقین رکھتے ہیں کہ حضور کا جہادِ عظیم عنقریب اپنے شیریں پھل لائے گا۔ اور دُنیا جلد ہی مغرب سے آفتابِ اسلام کو پوری آب و تاب سے طلوع ہوتے دیکھ لے گی وَاللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ۔

سیّدنا! حضور کے سفرِ یورپ سے پاکستان میں بخیر و عافیت واپسی جہاں ہمارے دلوں میں مسرت و شادمانی کے جذبات موجزن کرنے کا باعث بنی ہے وہاں ہم مہجور درویشان کی یہ تمنّا بھی شدّت اختیار کر گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ کا وعدہ جلد پورا کرے اور حضور پرنور اپنی عظمت اور جلالت شان کے ساتھ تختگاہِ رسول میں واپس تشریف لا کر رونق افروز ہوں اور آلِ ذُرّیتِ مسیح موعود علیہ السّلام پھر "امن است در مکان محبت سرائے ما" کا منظر پیش کرے وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

آخر میں ہم خاکساران حضور کی خدمت عالیہ میں مؤدّبانہ عرض کرتے ہیں کہ حضور ہمارے لئے دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کے ماتحت قادیان میں رہنے اور خدمتِ دین و مقاماتِ مقدّسہ بجالانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ایسا بیج بنائے جس کے ذریعہ سے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام دُنیا میں اسلام اور احمدیّت کے شاندار درخت پیدا ہوں اور ہمیں ہر قسم کی سستیوں کوتاہیوں اور گناہوں سے بچائے اور مقامات مقدّسہ کی اور ہماری ہر طرح سے حفاظت فرمائے آمین

حضور کی خدمت اقدس میں یہ بھی گذارش ہے کہ اگرچہ یہ ایڈریس درویشانِ قادیان کی طرف سے ہے اور بوجہ وقت کی قلت کے دوسری ہندوستانی جماعتوں کو اس میں باقاعدہ شمولیت کے لئے اطلاع نہیں دی جا سکی۔ لیکن مرکزِ قادیان سے وابستہ جملہ احبابِ جماعتِ احمدیّہ ہندوستان حضور کے ساتھ اپنی عقیدت و محبّت میں کسی طرح ہم سے کم نہیں اور وہ اِن جذبات

کے اظہار میں ہمارے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ والسّلام

حضور کے ادنیٰ خدام درویشان قادیان مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۵ء[1]

نمائندگان جماعت ہائے احمدیہ پاکستان کا خلوص وفدائیت سے لبریز سپاس نامہ

درویشانِ قادیان کی طرح پاکستان کے احمدیوں کی خوشیوں اور مسرتوں کی کوئی حد نہ رہی تھی اور حضرت مصلح موعود کی سفر یورپ سے مظفر و منصور اور باصحت اور بامراد واپسی سے نہ صرف اُن کے ایمان و عرفان میں زبردست اضافہ ہوا بلکہ وہ نظام خلافت کے پہلے سے بڑھ کر فدائی اور شیدائی بن گئے۔ اس روحانی انقلاب کی ایک نمایاں جھلک اس سپاس نامہ سے عیاں ہوئی جو ستمبر ۱۹۵۵ء کو سوا دس بجے صبح احمدیہ مشن ہاؤس کراچی کی نوتعمیر عمارت میں چوہدری عبداللہ خان صاحب امیر کراچی نے جماعتہائے احمدیہ پاکستان کی طرف سے حضور کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ اس پُر اخلاص و محبت سپاس نامہ کا متن درج ذیل ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سیّدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدکم اللہ تعالیٰ بنصرہ واطلع شموس طالعکم۔

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

(۱) سیّدنا! ہم نمائندگان جماعتہائے احمدیہ پاکستان مغربی ومشرقی حضور کی باخیریت و باصحت واپسی پر اللہ کا ہزار ہزار شکر ادا کرتے ہیں خدائے عزّ وجل کا جماعت احمدیہ پر یہ بے انتہاء احسان ہے کہ اس نے جماعت کو حضور ایدکم اللہ تعالیٰ کی بہترین قیادت میں اکناف عالم میں تبلیغ واشاعت دین کی توفیق بخشی ہے اور وہ اپنے فضل سے اپنے سلسلہ کو دن بدن ترقی عطا فرما رہا ہے الحمد للہ علیٰ ذالک

(۲) سیّدنا! پانچ ماہ کا عرصہ گذرا کہ حضور کو علالت کے باعث پاکستان سے باہر بلاد یورپ میں بغرض علاج تشریف لے جانا پڑا۔ حضور کا یہ سفر تمام احمدی افراد کے لئے نہایت قلق و اضطراب کا موجب تھا حضور کے تمام خدام اپنے دل کی گہرائیوں سے ہر لمحہ حضور کی شفایابی کے لئے بارگاہِ ایزدی میں سراپا دُعا بنے رہے ہیں جس کا ایک نظارہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو دورانِ سفر حالت کشف میں بھی دکھایا۔

---

[1] ہفت روزہ "بدر" قادیان ۱۴ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔

اور آج جب کہ حضور اللہ تعالیٰ کے فضل سے شفایابی حاصل کرکے واپس پاکستان تشریف لائے ہیں ساری جماعت کے دل اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر بجا لا رہے ہیں۔ اور ہم تمام جماعتوں کی نمائندگی کرتے ہوئے حضور کے اس قدوم میمنت لزوم پر خوشی و مسرت کے لئے کراچی میں حاضر ہوئے ہیں۔

(۳) سیدنا! جماعت نے ہر ہر مرحلہ میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار تائیدات کے نشانات مشاہدہ کئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی زبردست نصرت وحمایت کو حضور ایدکم اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے لئے کارفرما دیکھا ہے اب اس بیماری میں بھی اللہ تعالیٰ کے بہت سے نشانات و معجزات مشاہدہ کئے ہیں جس سے جماعت کے دلوں میں ازدیادِ ایمان و یقین کی ایک تازہ لہر دوڑ گئی ہے اللہ تعالیٰ نے عاجز بندوں کی دعاؤں اور ان کی زاری کو سُن کر ایسے سامان پیدا فرمائے کہ حضور کے مرض کی صحیح تشخیص ہو کر صحیح طور پر علاج ہو سکا۔ اور خدائے ارحم الراحمین نے اپنے غیر معمولی فضل سے حضور کو صحت و شفا بخشی وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الشَّافِی الْکَافِی۔

(۴) سیدنا! حضور نے اسلام اور جماعت کے لئے جو ان تھک محنت کی ہے اور جس طرح دن رات اس راہ میں اپنے آپ کو قربان کیا ہے جماعت کو اس کا کچھ کچھ اندازہ ہے اب ڈاکٹری مشورہ کے مطابق حضور کو کافی آرام کرنے کی ضرورت ہے ہم حضور کے خدام نہایت ادب سے درخواست کرتے ہیں کہ حضور ڈاکٹری مشورہ کے مطابق پوری طرح آرام فرمائیں سب جماعتیں حضور کی گراں مایہ صحت کے پیشِ نظر اقرار کرتی ہیں کہ اپنے جذبات کو ایک حد تک دبا کر بھی حضور کے آرام کے لئے ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرتی رہیں گی۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد از جلد حضور کو کامل صحت عطا فرمائے اور صحت و عافیت کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے اور حضور کے عہدِ مبارک میں اسلام کو بیش از بیش ترقی و نفوذ عطا فرمائے اور جماعت کو حضور کی زیرِ ہدایت پورے جوش اور پورے خلوص سے کام کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

(۵) سیدنا! حضور کا یہ سفر اللہ تعالیٰ کی بشارت کے ماتحت ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی تائید و نصرت سے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ اپنے پیارے اور مقرب بندوں کا ہر آن حامی و محافظ ہے۔ احادیثِ نبویہ میں دمشق میں نزولِ مسیح کے ساتھ دو زرد چادروں کا بھی ذکر ہے بے شک حضور کے ۱۹۲۴ء کے سفر دمشق سے یہ پیشگوئی پوری ہو چکی ہے مگر واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی ۱۹۵۵ء کے سفر میں زیادہ نمایاں طور پر اور پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی ہے۔

اس مرتبہ حضور نے پاکستان سے طیارہ میں سفر فرمایا اور پہلی منزل دمشق ہی مقرر ہوئی حضور نے دمشق میں طیارہ سے نزول فرمایا اور اس وقت حضور علالت کی وجہ سے تعبیری زبان میں دو زرد چادروں میں ملبوس تھے۔ سو یہ سفر منجملہ دیگر نشانات کے اس عظیم الشان نشان کے ظہور کا بھی موجب ہُوا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

(۶) سیدنا! یہ درست ہے کہ حضور کا یہ سفر درحقیقت بغرض علاج تھا مگر واقعات سے یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ سفر الٰہی مشیّت کے مطابق بلاد عربیہ اور بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام کے استحکام کے لئے تھا۔ حضور نے علالت طبع کے باوجود بلادِ عربیہ اور یورپ کے تمام مشنوں کے لئے ہدایات دے کر اِن میں ایک نئی رُوح پیدا فرمادی ہے حضور نے یورپ و امریکہ اور افریقہ میں تبلیغ اسلام کے لئے نئی اور مؤثر سکیم بنانے کے لئے جس تاریخی کانفرنس کا انعقاد فرمایا ہے وہ ہمیشہ کے لئے مشعل راہ ثابت ہو گی۔ اور انشاء اللہ حضور کی مقرر کردہ لائنوں پر کام کرنے سے اسلام کی اشاعت اور ترقی کے لئے غیر معمولی سامان پیدا ہوتے جائیں گے اسی طرح سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پیشگوئی دَرْبارہ مصلح موعود کا مزید ظہور اس سفر کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے اللہ تعالیٰ حضور کی اس جدوجہد میں غیر معمولی برکت پیدا فرمائے اور اسلام کے جھنڈے کو ساری دُنیا میں بلند سے بلند تر فرمائے آمین ثم آمین۔

(۷) سیدنا! ہم حضور کے خدام حضور کی اس باصحت واپسی کو اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان احسان یقین کرتے ہیں اور اسے ایک غیر معمولی نشان الٰہی سمجھتے ہیں اس لئے اس موقعہ پر ہم صمیم قلب سے حضور کی اس باصحت واپسی پر حضور کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتے ہیں اور خدائے بزرگ و برتر کے آستانہ پر شکر گزار اور دردمندانہ دلوں کے ساتھ اس نعمت میں مزید اضافہ کے لئے دست بدعا ہیں اللہ تعالیٰ حضور کو کامیاب ترین اور پوری صحت کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے اور ہمارے سروں پر حضور کا سایہ لمبے عرصہ تک قائم رکھے اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنَا بِطُوْلِ حَیَاۃِ اِمَامِ الْھُمَامِ وَ اَیِّدْہُ وَانْصُرْہُ نَصْرًا عَظِیْمًا اَللّٰھُمَّ آمِیْن۔

ہم ہیں حضور کے خدام نمائندگان

جماعت ہائے احمدیہ پاکستان

(۱) ڈاکٹر عبدالصمد خان نمائندہ مشرقی پاکستان۔ (۲) بدیع الزمان نمائندہ مشرقی پاکستان۔ (۳) قاضی محمد یوسف امیر جماعت ہائے صوبہ سرحد۔ (۴) محمد رفیع صوفی امیر جماعتہائے اپر سندھ (۵) احمد الدین امیر جماعت ہائے لوئر سندھ۔ (۶) مرزا عبدالحق امیر جماعت ہائے صوبہ پنجاب۔ (۷) شیخ کریم بخش امیر جماعت ہائے احمدیہ بلوچستان۔ (۸) چودھری عبداللہ خان امیر جماعت احمدیہ کراچی۔ (۹) مرزا عزیز احمد نمائندہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان و تحریک جدید[1]

حضرت مصلح موعودؓ کی بصیرت افروز تقریر

ایڈریس پڑھے جانے کے بعد حضور نے جو بصیرت افروز تقریر فرمائی اس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں ان تمام جماعتوں کے لئے دعا کرتا ہوں جن کے نمائندے اس وقت کراچی میں تشریف لائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کا حافظ و ناصر ہو۔ چونکہ یہ ایک اہم موقعہ ہے اس لئے میں اس وقت کچھ ضروری باتیں کہنا چاہتا ہوں جو ان ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق ہیں جنہوں نے وہاں مجھے دیکھا ہے۔ ڈاکٹر روسی جن کا علاج تھا انہوں نے مجھے ایک بات کہی ہے یوں تو یورپ کے بعض دوسرے ممالک میں اور بھی کئی ڈاکٹروں نے مجھے دیکھا ہے جرمن ڈاکٹروں نے بھی دیکھا ہے۔ لیکن اصل علاج ڈاکٹر روسی کا تھا جو زیورک کے یونیورسٹی ہاسپٹل کے میڈیکل ڈائرکٹر ہیں پہلے بھی انہوں نے مجھے متواتر کہا تھا مگر چلتے وقت انہوں نے خصوصیت سے کہا کہ یہ بات ایک بار پھر بھی آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک معین طاقت رکھی ہے اور وہ اس طاقت کے مطابق کام کر سکتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں آپ نے اپنی گذشتہ عمر نارمل حالت سے ڈیڑھ سو فیصدی زیادہ کام کیا ہے اب میں آپ کی بیماری کی آخری حالت کو دیکھ کر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ نارمل حالت سے ڈیڑھ سو فیصدی زیادہ کام کر چکے ہیں تو اب ایک نارمل آدمی کی صلاحیت کے مطابق کام کریں لیکن اس سے زیادہ کام نہ کریں۔ آپ کو اب آرام کی زیادہ ضرورت ہے۔ آپ آرام کریں۔ اور طبیعت کو ہمیشہ خوش رکھیں ورنہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی صحت میں جو ترقی ہو رہی ہے وہ ضائع ہو جائے۔ دوستوں کو چاہیئے کہ وہ ایک دوسرے کو یہ باتیں اچھی طرح سمجھا دیں تاکہ ڈاکٹری مشورہ کے مطابق وہ میری صحت کے لئے کسی تشویش کا موجب نہ بنیں۔

---

[1] - روزنامہ "الفضل" ربوہ ۔ ۱؍ستمبر ۱۹۵۵ء ۔

اس کے بعد حضور نے مغرب میں تبلیغ اسلام کے موضوع پر اپنے قیمتی خیالات کا اظہار فرمایا اور بتایا کہ کس طرح اِن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام کی سچائی اثر کرتی چلی جا رہی ہے اور وہ قرآنی تعلیم کی افضلیت اور اس کی برتری کے قائل ہوتے جا رہے ہیں حضور نے جماعت کو مسلسل قربانیوں کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اگر کسی سلسلہ کا صرف ایک فرد پر انحصار ہو تو آج نہیں تو کل وہ سلسلہ ختم ہو جائیگا۔ لیکن اگر جماعت کا ہر فرد اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کرے اور وہ اور اس کی اولاد اسلام کی اشاعت کے لئے مسلسل کوشش کرتی چلی جائے تو ایک لمبے عرصے تک یہ سلسلہ ممتد ہو سکتا ہے اور بہت جلد اسلام دُنیا پر غالب آ سکتا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ ابتدا میں ترقی ہمیشہ آہستگی کے ساتھ ہوتی ہے۔ لیکن الٰہی سنّت یہ ہے کہ کچھ وقفہ کے بعد بڑے زور کے ساتھ بند ٹوٹتا ہے اور لاکھوں لاکھ لوگ سچے مذہب میں شامل ہونا شروع ہو جاتے ہیں پس اپنی جد وجہد کو جاری رکھو۔ اور اس دن کا انتظار کرو جب خدائی نصرت اور اس کی مدد کا وقت آ جائے گا۔ اگر ہماری جماعت نے قربانی کی اس سپرٹ کو قائم رکھا تو جب کامیابی کا وقت آئے گا۔ تو وہ لوگ جو ہمّت ہار کر بیٹھ چکے ہوں گے حسرت کریں گے کہ کاش ہم ہمّت نہ ہارتے اور ہم بھی اس فتح میں شریک ہو جاتے۔"[1]

خطباتِ جمعہ میں تبلیغ اسلام کیلئے خصوصی تحریک

قیامِ کراچی کے دوران حضور انور نے احمدیہ ہال میں تین خطبات ارشاد فرمائے اور تینوں میں ہی مغربی ممالک کے اندر تبلیغ اسلام کی مہم کو تیز تر کرنے کی طرف خصوصی توجہ دلائی۔

(۱) پہلا خطبہ (۹ ستمبر) زیادہ تر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اُن پیشگوئیوں سے متعلق تھا جو حضور کے اس سفر یورپ کے تعلق میں اشاعت اسلام کے بارہ میں تھیں حضور نے خطبہ میں فرمایا کہ اب مغربی ممالک میں اسلام کی طرف واضح رجحانات پیدا ہو رہے ہیں فصل تیار ہو رہی ہے اب صرف فصل کاٹنے والوں کی ضرورت ہے۔[2]

(۲)۔ دوسرے خطبہ (۱۶ ستمبر) میں بھی حضور نے مغربی ممالک میں تبلیغ کے لئے وقف کی پرزور تحریک فرمائی اور جماعت کو اس سلسلے میں انتہائی جدوجہد کی تلقین کی اور ان جوانوں کے لئے برکت کی

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۰ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱ ؛ [2] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۱۴ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

دُعا کی جو اس خدمت کے لئے پہل کر کے آگے آئیں۔[1]

(۳) تیسرے خطبہ (۲۳ ستمبر) میں حضور نے احباب جماعت کو مزید قربانیوں اور خدمت اسلام کے لئے زندگیاں وقف کرنے کی ایک بار پھر تحریک فرمائی۔ اور فرمایا یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر ہم اس مقام اور مرتبہ کو حاصل کر سکتے ہیں جو ہمارے آباد اجداد کو ملا۔ نماز جمعہ کے بعد حضور نے مکرم فضل الرحمٰن صاحب مجاہد افریقہ۔ مکرم مولوی عبدالمغنی خان صاحب اور مکرم ماسٹر محمد حسن صاحب آسان دہلوی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔[2] یہ احباب حضور کے سفر یورپ کے دوران وفات پا گئے تھے۔

مسلم فرقوں سے مغربی ممالک میں تبلیغ اسلام کی پُرزور اپیل

۲۱ ستمبر کی سہ پہر کو جماعت احمدیہ کراچی کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کو بیچ لگژری ہوٹل BEACH LUXURY HOTEL میں ایک دعوت دی گئی۔ جس میں کثیر التعداد اصحاب شریک ہوئے احباب کی درخواست پر حضور نے مہمانوں سے خطاب فرمایا جو قریباً ایک گھنٹہ تک نہایت درجہ خاموشی اور توجہ کے ساتھ سنا گیا اپنے سفر یورپ کے تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے تمام مسلمان فرقوں سے پُرزور اپیل کی کہ وہ مغربی ممالک میں غیر مسلموں کو تبلیغ کی تنظیم اور توسیع کے ذریعہ اسلام کی طرف کھینچنے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تعلیم پہنچانے کی طرف توجہ دیں۔ یہ تقریب بہت کامیاب رہی اور تمام معزز مہمان حضور کے ایمان افروز خطاب سے از حد متاثر ہوئے۔[3]

حضرت مصلح موعود کا مرکز احمدیت میں ورود اور شمع خلافت کے پروانوں کا فقید المثال استقبال

اہلِ ربوہ اسی دن ہی سے کہ جب حضور نے ۵ ستمبر کو دوشنبہ کے روز کراچی میں ورود فرمایا تھا حضور کی آمد کا بیتابی سے انتظار کر رہے تھے وہ حضور کو خوش آمدید کہنے کے شوق میں دیدہ و دل فرش راہ کئے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ۲۵ ستمبر کو پانچ بجے سہ پہر کو یہ اطلاع ملنے پر کہ حضور چناب ایکسپریس کے ذریعہ رات کو ربوہ تشریف لا رہے ہیں۔ اہلِ ربوہ ریلوے اسٹیشن سے قصر خلافت تک اس راستے پر جو خوش آمدید

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۰ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ [2] روزنامہ "الفضل" ۲۵ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱
[3] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

کی سجی ہوئی محرابوں اور رنگ برنگ کی جھنڈیوں سے آراستہ تھا جمع ہونے شروع ہوگئے۔

ہرچند کہ وہ اس خبر کو سننے کے ہر آن منتظر تھے تاہم حضور کی تشریف آوری کی خبر انہیں اچانک ملی۔ سوا پانچ بجے سہ پہر کے قریب جب احباب عصر کی نماز پڑھ کر اپنے گھروں کو واپس لوٹے ہی تھے مسجد مبارک کے لاؤڈ سپیکر سے استقبال کمیٹی کے سیکرٹری مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر (حال ناظر دیوان صدر انجمن احمدیہ) نے یہ اعلان کیا کہ سیدنا حضرت المصلح موعود آج شام چناب ایکسپریس سے ربوہ تشریف لا رہے ہیں احباب استقبال کی سعادت حاصل کرنے کے لئے مقررہ راستے پر اپنے اپنے حلقوں میں پہنچ جائیں۔ اس اعلان کا ہونا تھا کہ سارے ربوہ میں خوشی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکل آئے اور ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہوئے دیکھتے ہی دیکھتے اس راستے پر آجمع ہوئے جو استقبال کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہ محلہ وار نظام کے تحت اپنے اپنے صدر صاحبان کی قیادت میں سرو قد ایستادہ اس معیّن لمحے کے منتظر تھے کہ جب حضور ربوہ کی سرزمین میں ورود فرمانے کے بعد اِن کے درمیان سے گذرتے ہوئے قصر خلافت کی طرف روانہ ہوں۔ اور وہ خود شرف دید سے سرفراز ہو کر صمیم قلب سے اَھْلاً و سَھْلاً و مَرحبًا۔ کہنے کی سعادت حاصل کریں۔ راستوں کی سجاوٹ، مشتاقانِ دید کا اجتماع ایک جھلک دیکھنے کی تڑپ میں چہروں پر ایک کیف آور اور اضطراب نیز در و دیوار کے چپے چپے پر چراغاں کا دلکش منظر ربوہ اور اس کے ماحول کو محوِ حیرت کئے دے رہا تھا۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس ماحول کا ذرّہ ذرّہ حضرت نواب مبارکہ بیگم کے الفاظ میں یہ کہہ رہا ہے کہ ؎

صد مبارک آرہے ہیں آج وہ
روز و شب بے چین تھے جن کے لئے
آگیا آخر خدا کے فضل سے
دِن گِنا کرتے تھے جس دن کے لئے[1]

---

[1] یہ قطعہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے خاص اسی تقریب کے لئے کہا تھا۔ جو "الفضل" کے "خیر مقدم نمبر" میں شائع ہوا۔

ربوہ کے ریلوے اسٹیشن پر جو بجلی کے قمقموں سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ امیر مقامی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے علاوہ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے دیگر افراد ربوہ میں مقیم ناظر اور وکلاء صاحبان اور استقبالیہ کمیٹی کے جملہ ارکان حضور کے خیر مقدم کی سعادت حاصل کرنے کے لئے پہلے ہی سے موجود تھے۔ یہ سب حضور کی بخیرو عافیت واپسی، صحت و سلامتی اور درازیٔ عمر کے لئے زیرِ لب دُعائیں کرنے میں مصروف تھے کہ سات بجے شب کے قریب یکایک دُور سے فضا میں گاڑی کی روشنی نمودار ہوئی۔ روشنی کا نمودار ہونا تھا کہ تمام احباب کے چہرے جو پورے نظم و ضبط کے ساتھ کھڑے تھے خوشی اور مسرت سے کِھل گئے۔ ہر چند کہ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوا چاہتی تھیں پھر بھی جذبۂ شوق کے ہجوم سے سب میں ایک پُر کیف اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ آن کی آن میں گاڑی پلیٹ فارم سے آن لگی۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور استقبالیہ کمیٹی کے ارکان آگے بڑھے اور ان کے پیچھے پیچھے سب کے دل قدم اٹھاتے ہوئے ڈبے تک جا پہنچے جس میں حضور رونق افروز تھے۔ تمام فضا اللہ اکبر اور امیر المومنین زندہ باد کے نعروں سے گونج اُٹھی اُدھر مجلس اطفال الاحمدیّہ کے ایک گروپ نے جو پندرہ اطفال پر مشتمل تھا حضرت مسیح موعود کے حسب ذیل اشعار خوش الحانی سے پڑھ کر ایک سماں باندھ دیا۔ ؎

لختِ جگر ہے میرا محمود بندہ تیرا
دے اس کو عمر و دولت کر دُور ہر اندھیرا
دن ہوں مرادوں والے پُر نُور ہو سویرا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

چونکہ ان دنوں ربوہ کے اسٹیشن پر ابھی کرسی دار پختہ پلیٹ فارم نہیں بنا تھا۔ اس لئے ڈبہ کے ساتھ لکڑی کا ایک زینہ لگا دیا گیا۔ حضور نے دروازہ کھولتے ہی اس زینے کو ہٹانے کا حکم دیا اور زینہ ہٹنے کے بعد حضور گاڑی کے پائیدانوں پر قدم رکھتے ہوئے نیچے اُترے جونہی حضور نے ربوہ کی سرزمین پر قدم رکھا مجلس استقبالیہ کی طرف سے ایک بکرا بطور صدقہ ذبح کیا گیا۔ اور غرباء میں نقدی تقسیم کی گئی۔ سب سے پہلے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے حضور کا خیر مقدم کرتے ہوئے آگے بڑھ کر حضور پُر نور سے مصافحہ کیا۔ بعدہٗ استقبالیہ کمیٹی کے صدر (اور نمائندہ خدام الاحمدیہ و

والانصار)۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور کمیٹی کے دیگر ارکان[1] مصافحہ سے مشرف ہوئے پھر حضرت اقدس صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور دیگر احباب کے ہمراہ اس جگہ تشریف لائے جہاں صحابہ کرام اور ناظر و وکلاء صاحبان حضور کے استقبال کے لئے صف ایستادہ تھے۔ حضور کے ساتھ مصافحہ کا شرف حاصل کرتے ہوئے ضعیف العمر صحابہ کی حالت غیر ہوئی جاتی تھی جوشِ مسرّت سے اُن پر رقّت کا عالم طاری تھا۔ ان میں سے بعض بے اختیار ہو کر ہاتھ پھیلاتے ہوئے حضور کی طرف دوڑ پڑے۔ مسیح پاک کے ان حواریوں کا اپنے اس امام کی طرف بے تابانہ بڑھنا جو حسن اور احسان میں خود مسیح پاک کا نظیر تھا ایک ایسے رُوح پرور منظر کا حامل تھا جس کی یاد کبھی بھی نہیں بھول سکتی۔ حضور نے صحابہ کرام کو شرفِ دید اور شرف مصافحہ سے نوازتے ہوئے اُن سے اُن کا احوال پوچھا اور بالخصوص حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری سے جو کافی کمزور ہو رہے تھے ان کی صحت کے متعلق تفصیلی رنگ میں دریافت فرمایا۔

بعدہٗ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے حضور سے صدر انجمن احمدیہ کے ناظر اور تحریک جدید کے وکلاء صاحبان کا تعارف کرایا۔ اور حضور ان سب کو شرف مصافحہ سے نوازنے کے بعد قصرِ خلافت کی طرف روانہ ہونے کے لئے موٹر کار میں سوار ہوئے۔

حضور جونہی موٹر کار میں تشریف فرما ہوئے۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس نے استقبالیہ کمیٹی کی طرف سے حضور کی خدمت میں کمیٹی کی طرف سے تیئیس صفحات پر مشتمل الفضل کا شاندار اور باتصویر "خیر مقدم نمبر" پیش کیا۔ جو مغربی اقوام کو برکت بخشنے کے بعد حضور کی مرکزِ سلسلہ میں باصحت اور کامیاب و بامراد واپسی کے موقع پر مولانا شمس صاحب کی زیرِ نگرانی ادارہ الفضل نے شائع کیا۔

اس کے بعد حضور دیگر اہلِ قافلہ کے ہمراہ موٹر کاروں میں قصرِ خلافت کی طرف روانہ ہوئے۔ سب

---

[1] مولانا جلال الدین صاحب شمس (نمائندہ صدر انجمن احمدیہ) صاحبزادہ میاں عبدالمنان صاحب عمر ایم اے (نمائندہ تحریک جدید)۔ چوہدری محمد عبداللہ صاحب (نمائندہ لوکل انجمن احمدیہ ربوہ)۔ چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر حال ناظر دیوان (نمائندہ صدر انجمن احمدیہ) حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب (نمائندہ میونسپل کمیٹی ربوہ)۔ چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ (نمائندہ تحریک جدید)۔

سے اگلی کار میں عقبی سیٹ پر حضور تشریف فرما تھے اور حضور کے ساتھ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ کار کی اگلی سیٹ پر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا منوّر احمد صاحب تھے۔ اس کے پیچھے بعض خدّام اور عملے کے دیگر افراد کی کار تھی۔ تیسری کار میں حضور کے قدیم طبّی خادم حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب (جنہیں اس سفر یورپ میں بھی حضور کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوًا) کے علاوہ جائنٹ ناظر اعلیٰ میاں غلام محمد صاحب اختر۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس۔ کیپٹن محمد حسین صاحب چیمہ اور مکرم چودھری ظہور احمد صاحب آڈیٹر (حال ناظر دیوان صدر انجمن احمدیہ) سوار تھے۔ پچھلی کار میں سیّدہ حضرت امّ ناصر حرم اوّل حضرت المصلح موعود اور صاحبزادی امۃ الجمیل بیگم تھیں۔ اس کار کے پیچھے سیّدہ امّ متین صاحبہ حضرت سیّدہ مہر آپا صاحبہ اور صاحبزادی امۃ المتین بیگم کی کار تھی۔ اس سے پچھلی کار میں صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب آپ کی بیگم صاحبہ اور بچّے تھے۔ اپنی کار کو صاحبزادہ موصوف خود ڈرائیو کر رہے تھے۔ آخری کار میں ڈاکٹر مرزا منوّر احمد صاحب کی بیگم صاحبہ اور بچّے تھے۔

حضور کی کار دیگر کاروں کے ہمراہ خراماں خراماں قصر خلافت کی جانب روانہ ہوئی۔ سب سے پہلے کار اسٹیشن کے عقب میں استقبالیہ کمیٹی کی طرف سے تعمیر کردہ گیٹ میں سے ہوکر گذری جس پر "السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کا طغریٰ آویزاں تھا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کے بعض الہامات لکھے ہوئے تھے۔ یہاں بھی چند اطفال مکرم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ کی زیر نگرانی حضرت مسیح موعودؑ کے دعائیہ اشعار نہایت خوش الحانی سے پڑھ پڑھ کر حضور کو خوش آمدید کہنے کی سعادت حاصل کر رہے تھے۔

اس گیٹ میں سے گذرنے کے بعد حضور کی کار محلہ دارالرحمت شرقی کی درمیانی سڑک پر پہنچی وہاں کاریں جانب شرق کراسنگ پر آئیں اور پھر گول بازار میں سے ہوتی ہوئیں دفاتر صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کی درمیانی سڑک طے کرنے کے بعد دائیں جانب مڑتے ہوئے احاطہ مسجد مبارک کے صدر دروازے کے راستے قصر خلافت کے قریب آکر رکیں۔ یہ تمام راستہ خوش آمدید کی خوبصورت محرابوں رنگ دار جھنڈیوں اور بجلی کے دلکش قمقموں سے سجا ہوًا تھا نیز مکانوں کی چھتوں پر منڈیروں کے ساتھ ساتھ دُور دُور تک مٹی کے ننھے ننھے چراغوں نے اپنی بے قرار روشنی کے ساتھ ایک عجیب

پُر کیف سماں باندھ رکھا تھا۔ بالخصوص گولبازار کی سج دھج اور روشنی قابل دید تھی۔ صدر انجمن احمدیہ۔ تحریک جدید۔ لجنہ اماء اللہ اور مجلس خدام الاحمدیہ کے مرکزی دفاتر بجلی کے رنگ دار قمقموں اور خوش آمدید کے روشن حروف سے جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ راستے میں صدر انجمن احمدیہ۔ تحریک جدید۔ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری و خلافت لائبریری اور محلہ جات نے اپنی طرف سے علیحدہ علیحدہ خوش آمدید کی نہایت خوش نما محرابیں بنائی ہوئی تھیں جن پر مصلح موعود کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے الہامات اور اشعار کپڑوں پر نہایت دلکش انداز میں لکھے ہوئے تھے۔ کہیں ؎

اے فخرِ رُسل قرب تو معلومم شُد
دیر آمدہٖ زرہ دُور آمدہٖ

کا طغریٰ آویزاں تھا تو کہیں اَھْلاً وَّ سَھْلاً وَّ مَرْحَبًا کے الفاظ لکھ کر دلی جذبات کا اظہار کیا گیا تھا۔ کہیں "آمدنت باعث آبادیٔ ما" کا مصرعہ اپنی طرف متوجہ کرتا تھا۔ کہیں "نُور آتا ہے نُور" کا الہام اپنی روشنی سے نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ دارالصدر شرقی میں مولوی عبداللطیف صاحب ٹھیکیدار اور سردار رحمت اللہ صاحب نے بھی اپنے طور پر خوش نما اور رنگین دروازے لگا کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا اور بالخصوص ڈاکٹر فرزند علی صاحب جنرل پریذیڈنٹ ربوہ نے احاطہ مسجد مبارک کے صدر دروازے پر خاص اپنی طرف سے بڑے اہتمام سے سبز رنگ کا دروازہ نصب کر کے اس طور پر استقبال میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کی۔

ریلوے اسٹیشن سے لے کر احاطہ مسجد مبارک کے صدر دروازے تک مسلسل اہل ربوہ اپنے محبوب آقا کی ایک جھلک دیکھنے اور دل کی گہرائیوں سے اَھْلاً وَّ سَھْلاً وَّ مَرْحَبًا کہنے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے سراپا انتظار بنے کھڑے تھے۔ حضور کی کار دوسری کاروں کے ہمراہ اسٹیشن سے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی جب اس راستے سے گذرنی شروع ہوئی تو احباب پر خوشی و مسرّت کا جو عالم طاری ہُوا اور جس جوش و خروش کے ساتھ نعرے لگا لگا کر انہوں نے حضور کو خوش آمدید کہا وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے قدم قدم پر فضا السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اَھْلاً وَّ سَھْلاً وَّ مَرْحَبًا۔ اللّٰہُ اکبر۔ اسلام زندہ باد۔ احمدیت زندہ باد۔ امیر المومنین زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھتی تھی۔ اور نعرے لگانے والوں کے ساتھ ساتھ ہر شخص کی نگاہیں اس اشتیاق کے ساتھ

استقبال کے لئے آگے بڑھتی تھیں کہ سب سے پہلے وہی شرف زیارت سے مشرف ہوں اس وقت کی کیفیت نہایت ہی عجیب اور ولولہ انگیز تھی۔ جب حضور کی کار احاطۂ مسجد مبارک کے صدر دروازے پر پہنچی تو احباب نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے نعرے لگانے بند کر دیئے اور ۳۰ اطفال کی ایک اور پارٹی نے جو محمد اسحاق صاحب خلیل ابن مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیل مبلغ مغربی افریقہ کی زیر نگرانی وہاں متعین تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر فرمودہ آمین کے دعائیہ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے۔ حضور ایدہ اللہ کی کار احاطہ میں داخل ہو کر مسجد مبارک کے عقب میں قصر خلافت کے مشرقی دروازے پر آ کر رک گئی۔

موٹر کار سے اترنے کے بعد حضور پہلے محراب کے دروازے میں سے مسجد مبارک میں (جس کے در و دیوار بجلی کے قمقموں سے بقعہ نور بنے ہوئے تھے) تشریف لے گئے اس وقت صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب۔ صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب۔ میاں غلام محمد صاحب اختر اور مولانا جلال الدین صاحب شمس بھی حضور کے ہمراہ مسجد میں داخل ہوئے۔ باقی احباب باہر ہی کھڑے رہے حضور نے اس حال میں کہ یہ چاروں اصحاب حضور کے پیچھے کھڑے تھے محراب میں قبلہ رُخ ہو کر نہایت رقت انگیز دعا کرائی۔ جس میں باہر کھڑے ہوئے احباب بھی شریک تھے۔

دعا سے فارغ ہونے کے بعد حضور تمام احباب کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہہ کر ساڑھے سات بجے شب قصر خلافت میں تشریف لے گئے اور احباب اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور حضور کی صحت وسلامتی اور درازیٔ عمر کے لئے دعائیں کرتے ہوئے گھروں کو لوٹے۔

دیر گئے رات تک ربوہ کے گلی کوچوں اور بازاروں میں رونق رہی۔ چراغاں کے باعث ربوہ کی وہ وادی جو آج سے چند سال قبل بالکل بے آب وگیاہ تھی چراغاں کی وجہ سے جگ مگ کر رہی تھی۔ چاند کی چٹکی ہوئی روشنی میں چراغاں کے باعث یوں معلوم ہو رہا تھا کہ آسمان وزمین سے نُور کی متصل بارش ہو رہی ہے اس میں اہل ربوہ کے لئے ایک عظیم الشان نشان تھا اور وہ یہ کہ وہ مسیحی نفس جس کے دم سے مغرب میں اسلام کا سورج طلوع ہوا ہے۔ "نُور آتا ہے نُور" کے الہام کے بموجب مغربی ملکوں کو منور کرنے اور وہاں کے اسیروں کی رستگاری کا سامان مہیا کرنے کے بعد ان کے دلوں کو پھر جلا بخشنے کے لئے ان کے درمیان واپس آیا ہے۔ اس کے آنے پر وہ چراغاں کے منظر ہیں" نور

آتا ہے نُور" کی عملی تفسیر مشاہدہ کر رہے تھے۔

یوں تو تمام محلوں کی گلیوں اور سڑکوں پر بجلی کی روشنی کا اہتمام کیا گیا تھا اور اہلِ ربوہ نے اپنے گھروں کی چھتوں پر بھی دیئے جلا کر چراغاں کی تھی لیکن مسجد مبارک، ملحقہ عمارتوں، دفاتر صدر انجمن احمدیہ، تحریک جدید، دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ، تعلیم الاسلام کالج، فضل عمر ہوسٹل، جامعہ نصرت، تعلیم الاسلام ہائی سکول، فضل عمر ریسرچ انسٹیٹیوٹ، نصرت گرلز ہائی سکول، دارالضیافت، اور دفتر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی روشنی کی بات ہی اور تھی۔ ربوہ کی پُر انوار بستی کا یہ نظّارہ نہایت درجہ رُوح پرور تھا۔ اگرچہ اہلِ ربوہ اس وقت اپنے گھروں اور مسجدوں میں نوافل پڑھنے اور اس طرح اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرنے میں مصروف تھے۔ پھر بھی گھروں کی بلندیوں پر لگے ہوئے بجلی کے بڑے بڑے بلب راستوں کی روشنی اور بعض بڑی بڑی عمارتوں پر بجلی کے قمقموں کی ضیا پاشی آنکھوں کے سامنے ایک بڑے اور ترقی یافتہ شہر کا منظر پیش کر رہی تھی۔ اور بالخصوص ربوہ کی جنوب مشرقی پہاڑی پر تیز روشنی کا جو اہتمام کیا گیا تھا وہ ایک روشن قندیل کی مانند جھلملا رہی تھی اور ایک ایسی کیفیّت پیدا کر رہی تھی کہ گویا آسمان کا کوئی روشن ستارہ نیچے ہو کر زمین کے قریب آگیا ہے۔ اور اس کی بستی میں رہنے والوں کو ایک نئی صبحِ صادق کا مژدہ سُنا رہا ہے[1]۔

مبارک سفر کا مبارک اختتام

الغرض جس طرح الہامی بشارت کے مطابق خداوند رحیم و کریم بزرگ و برتر کا یہ موعود خلیفہ مبارک تھا۔ اسی طرح اس کے سفر یورپ کا اختتام بھی ہر اعتبار سے مبارک ثابت ہُوا جس کے قدم قدم پر آسمانی نصرتوں، برکتوں، تائیدوں کا غیر معمولی اجتماع ہُوا جو حضرت مصلح موعود کی حقانیت کا چمکتا ہُوا اقتداری نشان اور حضور کے مرتبۂ بقا کی بلند رفعتوں کا آئینہ دار تھا کیونکہ سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ صاف طور پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"ان اقتداری خوارق کی اصل وجہ یہی ہوتی ہے کہ یہ شخص شدّت اتصال کی وجہ سے خدائے عزّ وجلّ کے رنگ سے ظلّی طور پر رنگین ہوجاتا ہے اور تجلیات الٰہیہ اس پر دائمی قبضہ کر لیتے ہیں اور محبوب حقیقی حجب حائلہ کو درمیان سے اُٹھا کر نہایت شدید قُرب کی وجہ سے ہم آغوش ہوجاتا

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۷ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲، ۸۔

ہے۔ اور جیسا کہ وہ خود مبارک ہے ایسا ہی اس کے اقوال و افعال و حرکات اور سکنات اور خوراک اور پوشاک اور مکان اور زمان اور اس کے جمیع لوازم میں برکت رکھ دیتا ہے۔ تب ہر یک چیز جو اس سے مَس کرتی ہے بغیر اس کے جو یہ دُعا کرے برکت پاتی ہے۔ اس کے مکان میں برکت ہوتی ہے اس کے دروازوں کے آستانے برکت سے بھرے ہوتے ہیں۔ اس کے گھر کے دروازوں پر برکت برستی ہے جو ہر دم اس کو مشاہدہ ہوتی ہے اور اس کی خوشبو اس کو آتی ہے۔ جب یہ سفر کرے تو خدا تعالیٰ مع اپنی تمام برکتوں کے اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جب یہ گھر میں آوے تو ایک دُنیا نور کی ساتھ لاتا ہے۔ غرض یہ عجیب انسان ہوتا ہے جس کی کُنہ بجز خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا [1]

---

[1] ۔ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۹

ضمیمہ

تاریخِ احمدیت جلد ہفدہم

ا۔ فہرست قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۳ء

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے قافلہ پاکستان کی مندرجہ ذیل فہرست روزنامہ "المصلح" کراچی ۱۹ردسمبر ۱۹۵۳ء / فتح ۱۳۳۲ ہش میں شائع کرائی اور اس کے شروع میں تحریر فرمایا کہ :-

"قادیان جانے والا قافلہ انشاء اللہ زیر فیصلہ حکومت ۲۵ردسمبر ۱۹۵۳ء بروز جمعہ بوقت نو بجے صبح لاہور سے روانہ ہوگا۔ اس کے لیے ذیل کے اصحاب (مرد و زن) کا انتخاب کیا گیا ہے سو مندرجہ ذیل اصحاب کو ۲۴ردسمبر بروز جمعرات کی شام تک یا زیادہ سے زیادہ ۲۵ردسمبر بروز جمعہ کو صبح آٹھ بجے تک لاہور پہنچکر میرے دفتر میں اپنی حاضری کی رپورٹ کرنی چاہیئے جو جودھامل بلڈنگ بالمقابل رتن باغ لاہور میں عارضی طور پر کھولا جا رہا ہے ہر شخص کے پاس گرم بستر اور کرایہ وغیرہ کی رقم مبلغ بیس روپے موجود ہونی چاہیئے جو میرے دفتر میں روانگی سے قبل باخذ رسید جمع کرانی ضروری ہوگی البتہ جو دوست گذشتہ سال بھی قافلہ میں گئے تھے ان سے بیس روپے کی بجائے صرف سولہ روپے وصول کئے جائیں گے۔ اس میں آنے جانے کا کرایہ اور پاسپورٹ کی فیس شامل ہے قافلہ کے امیر چوہدری اسد اللہ خانصاحب

بیرسٹر لاہور ہوں گے۔ قادیان سے قافلہ کی واپسی انشاء اللہ ۳۰؍دسمبر بروز بدھ شام کو ہوگی۔ پس دوستوں کو اس کے مطابق فرصت نکال کر شامل ہونا چاہیئے۔
وَكَانَ اللّٰهُ مَعَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ؎

۱۔ چوہدری اسداللہ خاں صاحب ایڈووکیٹ لاہور
۲۔ سعید احمد صاحب ابن بشیر احمد صاحب ٹھیکیدار درویش ربوہ
۳۔ پیر بشیر احمد صاحب معرفت بدر سلطان صاحب ربوہ
۴۔ مہر دین صاحب دہلوی محلہ الف ربوہ
۵۔ چوہدری غلام حیدر صاحب مانگا ضلع سیالکوٹ
۶۔ ڈاکٹر مشتاق احمد صاحب ریواز باغ لاہور
۷۔ مولوی فضل دین صاحب بنگوی نمک فروش لائل پور
۸۔ ماسٹر محمد یحییٰ صاحب سیدوالا ضلع شیخوپورہ
۹۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ربوہ حال پشاور
۱۰۔ حمید الدین صاحب پسر مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ربوہ حال پشاور
۱۱۔ زینب بیگم صاحبہ اہلیہ ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم جلیانوالہ لائل پور
۱۲ مریم بیگم صاحبہ بنت علیا مرحوم چک نمبر ۲۹۵ گ ب ضلع لائل پور
۱۳۔ بابو فضل دین صاحب ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ ہائی کورٹ لاہور
۱۴۔ فاطمہ بی بی صاحبہ بنت مہر دین صاحب کوٹ مرزا جان گوجرانوالہ
۱۵۔ سکینہ بی بی صاحبہ اہلیہ منشی یعقوب علی صاحب گھنوکے ججہ ضلع سیالکوٹ
۱۶۔ غلام بی بی صاحبہ زوجہ سردار محمد صاحب چک نمبر ۱۸ بھوڑو ضلع شیخوپورہ
۱۷۔ سعیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ بھائی بشیر محمد صاحب درویش اوکاڑا
۱۸۔ سردار بی بی صاحبہ زوجہ چوہدری نور احمد صاحب داتہ زید کا سیالکوٹ
۱۹۔ مریم بیگم صاحبہ زوجہ مستری محمد اسماعیل صاحب درویش ربوہ
۲۰۔ آمنہ بیگم صاحبہ اہلیہ عبدالرحیم صاحب درویش ربوہ

۲۱۔ رحمت بی بی صاحبہ زوجہ چوہدری غلام محمد صاحب چک نمبر ۹۹ شمالی سرگودھا

۲۲۔ اللہ رکھی صاحبہ بیوہ مرزا محمد کریم صاحب ربوہ

۲۳۔ آمنہ بی بی صاحبہ والدہ قاضی عبدالحمید صاحب درویش ربوہ

۲۴۔ مرزا واحد حسین صاحب تلونڈی راہوالی گوجرانوالہ

۲۵۔ ڈاکٹر بھائی محمود احمد صاحب بلاک نمبر ۱۲ سرگودھا

۲۶۔ چوہدری غلام محمد صاحب چک نمبر ۹۹ شمالی سرگودھا

۲۷۔ خان صاحب میاں محمد یوسف خان صاحب نمبر ۲۸۱ فیروز پور روڈ لاہور

۲۸۔ محمد شعیب ضیاء ابن میاں محمد یوسف خانصاحب نمبر ۲۸۱ فیروز پور روڈ لاہور

۲۹۔ مولانا مولوی ابوالعطاء صاحب ربوہ ضلع جھنگ

۳۰۔ نذیرہ بی بی صاحبہ بنت جلال دین صاحب درویش ربوہ

۳۱۔ حمید اللہ صاحب پسر نذیرہ بی بی صاحبہ مذکور ربوہ

۳۲۔ صابرہ بی بی صاحبہ زوجہ نذیر احمد صاحب شاد ربوہ حال ٹھٹری (سندھ)

۳۳۔ رفیق احمد صاحب ابن نذیر احمد صاحب شاد مذکور

۳۴۔ فاطمہ صاحبہ (والدہ عبدالحمید) ابوالخیر شیخوپورہ

۳۵۔ عبدالواحد صاحب پسر فاطمہ صاحبہ مذکور ابوالخیر شیخوپورہ

۳۶۔ رقیہ صادق بیگم صاحبہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ربوہ

۳۷۔ احمد صادق صاحب ابن حضرت " " " "

۳۸۔ حسن بی بی صاحبہ زوجہ فضل دین صاحب چک نمبر ۵۵ گ ب لائل پور

۳۹۔ امۃ الحمید صاحبہ بنت عبدالرحمٰن صاحب درویش " " " " " " "

۴۰۔ حبیبہ بیگم صاحبہ اہلیہ قریشی بشیر احمد صاحب دھرم پورہ لاہور

۴۱۔ نعیم احمد صاحب پسر " " " " " " "

۴۲۔ نیاز بیگم صاحبہ زوجہ مولوی فضل دین صاحب بنگوی کارخانہ بازار لائل پور

۴۳۔ عبدالحمید صاحب ابن فضل دین صاحب درویش موتی والا لائل پور

۴۴۔ خدیجہ بی بی صاحبہ والدہ قریشی عطاء الرحمٰن صاحب درویش راولپنڈی

۴۵۔ علمیہ صاحبہ زوجہ رحیم بخش صاحب شاہدرہ

۴۶۔ استانی عائشہ بیگم صاحبہ زوجہ مولوی غلام مصطفٰے صاحب بدوملہوی ربوہ

۴۷۔ مشیت خاتون صاحبہ اہلیہ مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی ربوہ

۴۸۔ ہاجرہ خاتون صاحبہ بنت غلام ربّانی صاحب مرحوم ربوہ

۴۹۔ خولہ بیگم صاحبہ بنت مولوی عبدالقادر صاحب ایم اے نسبت روڈ لاہور

۵۰۔ امیر بی بی صاحبہ والدہ مولوی برکت علی صاحبہ درویش نصیرہ ضلع گجرات

۵۱۔ رمضان بی بی بنت میاں امام الدین صاحب سیکھوانی مرحوم احمدنگر

۵۲۔ بشیرہ بیگم صاحبہ بنت عبداللہ صاحب درویش محلہ دارالیمن ربوہ

۵۳۔ زینب بی بی صاحبہ زوجہ چوہدری بشیر احمد صاحب داتہ زید کا سیالکوٹ

۵۴۔ صاحب بی بی صاحبہ زوجہ حافظ محمد عبداللہ صاحب پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ

۵۵۔ غلام فاطمہ صاحبہ بیوہ عبداللہ صاحب مالی مرحوم دارالخواتین ربوہ

۵۶۔ ہاجرہ بی بی صاحبہ بنت محمد علی صاحب چک نمبر ۱۸ بھوڑو ضلع شیخوپورہ

۵۷۔ نور بی بی صاحبہ والدہ مستری عبدالغفور صاحب درویش ربوہ

۵۸۔ نذیر احمد صاحب ابن عبدالغفور صاحب مذکور ربوہ

۵۹۔ سیدہ نصرت بانو صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر عطر دین صاحب درویش ربوہ حال کراچی

۶۰۔ نورجہاں بیگم صاحبہ اہلیہ مولوی بشارت احمد صاحب وزیر چوک منٹگمری

۶۱۔ امینہ نعیم صاحبہ بنت مرزا محمد کریم صاحب دارالخواتین ربوہ

۶۲۔ کرم بی بی صاحبہ اہلیہ فتح محمد صاحب بھڈال ضلع سیالکوٹ

۶۳۔ کریم بی بی عرف مائی کیموں محلہ دارالخواتین ربوہ

۶۴۔ امتہ اللہ بیگم صاحبہ اہلیہ چوہدری محمد اسحاق صاحب چک نمبر ۷۶ ۲ گوکھووال ضلع لائلپور

۶۵۔ ہاجرہ بی بی صاحبہ اہلیہ خیر دین صاحب سابق ذیلدار چک نمبر ۲۹۵ لائل پور

۶۶۔ ناصر احمد صاحب ابن چوہدری خیر دین صاحب مذکور

۶۷۔ عائشہ بی بی صاحبہ زوجہ احمد دین صاحب آڑہ ضلع گجرات

۶۸۔ بھاگن صاحبہ بیوہ محمد بخش صاحب مرحوم ربوہ حال چاہ موسیٰ والا بہاولپور

۶۹۔ خدیجہ بی بی صاحبہ بنت الٰہی بخش صاحب ربوہ حال محمود آباد سندھ

۷۰۔ زینب بی بی صاحبہ بنت حکیم اللہ بخش صاحب ربوہ

۷۱۔ سعیدہ بیگم صاحبہ بنت قاضی عبدالرزاق صاحب مرحوم ربوہ

۷۲۔ سعیدہ بیگم صاحبہ بنت چوہدری غلام محمد صاحب چک نمبر ۹۹ شمالی سرگودھا

۷۳۔ سیدہ ممتاز صاحبہ زوجہ سید محمد شریف صاحب درویش سیالکوٹ

۷۴۔ امۃ الرحیم صاحبہ بنت خواجہ عبدالرحمٰن صاحب ہجن ضلع سرگودھا

۷۵۔ امۃ الحفیظ صاحبہ بنت خواجہ محمد عبداللہ صاحب دوکاندار ربوہ

۷۶۔ امۃ الحفیظ صاحبہ بنت قاضی عبدالعزیز صاحب مرحوم ربوہ

۷۷۔ بیگم بی بی صاحبہ والدہ مبارک احمد صاحب دفتر نظارت علیا ربوہ

۷۸۔ اللہ جوائی صاحبہ والدہ فضل حق صاحب دوکاندار ربوہ

۷۹۔ چراغ بی بی صاحبہ بنت بڈھا صاحب چک نمبر ۹۶ گ ب لائل پور

۸۰۔ چراغ بی بی صاحبہ بنت عیسیٰ خان صاحب ربوہ حال کرنڈی سندھ

۸۱۔ محمد حسین صاحب ابن غلام محمد صاحب مدرس شادی وال گجرات

۸۲۔ محمد نواز صاحب ہسپتال ضلع اٹک

۸۳۔ جمال دین صاحب خلیل دواخانہ شیخوپورہ

۸۴۔ مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی لالیاں ضلع جھنگ

۸۵۔ شیخ ذکاء اللہ صاحب فوٹو گرافر منٹگمری

۸۶۔ محمد عبداللہ صاحب دوکاندار ظفر وال سیالکوٹ

۸۷۔ نذیر احمد صاحب حلوائی بدوملہی ضلع سیالکوٹ

۸۸۔ ملک محمد ابراہیم صاحب محلہ کریم پورہ لالہ موسیٰ

۸۹۔ قریشی محمود احمد صاحب ۴۹ ایف ماڈل ٹاؤن لاہور

۹۰۔ مرزا عبدالحق صاحب مدرس ڈی۔جی ہائی سکول اجنالہ گجرات
۹۱۔ ڈاکٹر محمد احمد صاحب ابن خان میر صاحب ربوہ حال ٹل (کوہاٹ)
۹۲۔ مولوی بشارت احمد صاحب ابن مولوی عبدالرحمٰن صاحب امیر جماعت احمدیہ قادیان لیہ ضلع مظفر گڑھ
۹۳۔ خواجہ عبدالکریم صاحب پان فروش ربوہ
۹۴۔ مولوی ابوالمبارک محمد عبداللہ صاحب پسرور ضلع سیالکوٹ
۹۵۔ رحمت خان صاحب ابن علی محمد صاحب ادرحمہ ضلع سرگودھا
۹۶۔ شیخ اللہ بخش صاحب بزاز لائلپور
۹۷۔ محمد صادق صاحب ابن بہاول بخش صاحب چک نمبر ایل ۳/۵ ضلع جھنگ
۹۸۔ سیّد پیر احمد شاہ صاحب ولد حاجی احمد صاحب سیالکوٹ
۹۹۔ چوہدری محمد یوسف صاحب مالو کے بھگت سیالکوٹ
۱۰۰۔ بابا شمشیر خان صاحب محلہ الف ربوہ
۱۰۱ ماسٹر خیرالدین صاحب ریٹائرڈ پی ای ایس سیالکوٹ شہر
۱۰۲۔ زینب بی بی صاحبہ ربوہ
۱۰۳۔ مائی جانو والدہ فتح محمد صاحب درویش ربوہ
۱۰۴۔ بھاگ دین صاحب محلہ دوبرجی پسرور
۱۰۵۔ عبدالمنان صاحب کریانہ فروش ربوہ
۱۰۶۔ منظور احمد صاحب ابن فتح دین صاحب شیخ پور گجرات
۱۰۷۔ حمیدالدین صاحب ابن عزیزالدین صاحب ربوہ حال کرنڈی سندھ
۱۰۸۔ برکت اللہ خاں صاحب ابن نیاز محمد صاحب چک نمبر ۱۱۹ کستووال ضلع منٹگمری
۱۰۹۔ میاں محمد اسماعیل صاحب گھی فروش لائل پور
۱۱۰۔ مستری ناصر احمد صاحب سائیکل ڈیلر احمد نگر جھنگ
۱۱۱۔ میاں اللہ دتہ صاحب سکرٹری مال سیالکوٹ شہر
۱۱۲۔ فضل دین صاحب ابن میاں محمد صاحب چک سکندر گجرات

۱۱۳۔ لال دین صاحب ابن احمد بخش صاحب گورنمنٹ ہائی سکول پسرور

۱۱۴۔ خواجہ محمد عبداللہ صاحب بھیّن ضلع سرگودھا

۱۱۵۔ عبدالحمید صاحب ابن محمد بخش صاحب اورحمہ ضلع سرگودھا

۱۱۶۔ حاجی عبدالکریم صاحب ولد غلام حیدر خاں صاحب ربوہ حال کراچی

۱۱۷۔ مرزا سلام اللہ صاحب ابن مرزا غلام اللہ صاحب ربوہ

۱۱۸۔ حافظ محمد عبداللہ صاحب پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ

۱۱۹۔ شیخ صاحب دین صاحب ڈھینگرہ ہاؤس گوجرانوالہ

۱۲۰۔ شیخ سعید احمد صاحب دواخانہ خدمتِ خلق ربوہ

۱۲۱۔ محمد ارشاد صاحب ابن سردار خاں صاحب میلنکے ضلع گوجرانوالہ

۱۲۲ سید عبدالحمید صاحب پسر ڈاکٹر عطر دین صاحب درویش پریم نگر لاہور

۱۲۳۔ چوہدری قائم دین صاحب ابن وزیر خاں صاحب چک نمبر ۶۹ آر بی لائل پور ۔

۱۲۴۔ سید منظور علی شاہ صاحب کچہری روڈ سیالکوٹ

۱۲۵۔ ماسٹر محمد انور صاحب نواں کوٹ ضلع شیخوپورہ

۱۲۶۔ ماسٹر محمد ابراہیم صاحب بی اے ربوہ

۱۲۷۔ چوہدری عبداللہ صاحب ولد نواب دین صاحب چک نمبر ۲۱۹ گنڈا سنگھ والا لائل پور

۱۲۸۔ محمد صدیق صاحب کمیشن ایجنٹ غلہ منڈی گکھڑ گوجرانوالہ

۱۲۹۔ رحیم بخش صاحب دوکاندار سید والہ ضلع شیخوپورہ

۱۳۰۔ چوہدری غلام مصطفٰے صاحب چک نمبر ۷۸ گ ب لائل پور

۱۳۱۔ فتح محمد صاحب مڑھ بلوچاں شیخوپورہ

۱۳۲۔ محمد ادریس صاحب ابن عبدالحق صاحب نور ربوہ حال کرنڈی سندھ

۱۳۳۔ چوہدری کریم داد صاحب ابن علی اکبر صاحب چک نمبر ۱۶ آر بی لائل پور

۱۳۴۔ فضل احمد صاحب ولد حاجی احمد صاحب بھیرہ ضلع شاہ پور

۱۳۵۔ ڈاکٹر عبدالغنی صاحب معرفت صوفی خدا بخش صاحب ربوہ

۱۳۶۔ چوہدری بشیر احمد صاحب داتا زید کا ضلع سیالکوٹ
۱۳۷۔ ماسٹر رشید احمد صاحب چونڈہ ضلع سیالکوٹ
۱۳۸۔ شیخ نور احمد صاحب ایڈووکیٹ مزنگ روڈ لاہور
۱۳۹ چوہدری نور محمد صاحب ابن عبداللہ صاحب چک نمبر ۴۴۲ اسنیانی ضلع لائل پور
۱۴۰۔ چوہدری نذیر احمد خاں صاحب سپرنٹنڈنٹ ڈسٹرکٹ بورڈ منٹگمری
۱۴۱۔ عبدالرحیم صاحب ورق ساز شام نگر لاہور
۱۴۲ حمید احمد صاحب ابن بھائی شیر محمد صاحب منٹگمری
۱۴۳۔ قریشی قمر احمد صاحب ماڈل ٹاؤن لاہور
۱۴۴۔ قریشی بشیر احمد صاحب اکونٹنٹ فضل عمر ہوسٹل لاہور
۱۴۵۔ سید مسعود مبارک شاہ صاحب ربوہ
۱۴۶۔ رشید احمد صاحب ظفر ابن حکیم خلیل احمد صاحب لاہور حال کراچی
۱۴۷۔ ملک محمد امین صاحب محلہ کریم پورہ لالہ موسیٰ گجرات
۱۴۸۔ حافظ فتح محمد صاحب چک نمبر ۹۸ شمالی سرگودھا
۱۴۹۔ شیخ فضل حسین صاحب بزاز کارخانہ بازار لائل پور
۱۵۰۔ محمد عرفان صاحب اپیل نویس ربوہ حال مانسہرہ (سرحد)
۱۵۱۔ محمد ارشاد صاحب بشیر ربوہ ضلع جھنگ
۱۵۲۔ عبدالباسط صاحب ابن عبدالرحیم صاحب درویش ربوہ
۱۵۳۔ محمد اسحاق صاحب واقفِ زندگی دفتر محاسب ربوہ
۱۵۴۔ مقبول احمد صاحب ذبیح متعلم جامعہ احمدیہ ربوہ
۱۵۵۔ منشی عبدالحق صاحب کاتب ربوہ
۱۵۶۔ محمد اسحاق صاحب ابن منشی عبدالحق صاحب مذکور
۱۵۷۔ مبارک احمد صاحب ظفر ابن سعید احمد صاحب نسبت روڈ لاہور
۱۵۸۔ شیخ محمد اکرم صاحب گول منشی محلہ لائل پور

۱۵۹۔ خدا بخش صاحب حجام ڈسکہ کلاں ضلع سیالکوٹ

۱۶۰۔ حفیظ احمد صاحب ابن خدا بخش صاحب مذکور

۱۶۱۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب دیالگڑھی مسجد احمدیہ لائل پور

۱۶۲۔ غلام نبی صاحب ابن نظام الدین صاحب ٹھیکیدار ربوہ

۱۶۳۔ چوہدری میر احمد صاحب ابن صدر دین صاحب چک نمبر ۱۶ ج ب لائلپور

۱۶۴۔ عباس بن عبد القادر صاحب نسبت روڈ لاہور

۱۶۵۔ کریم الدین صاحب ابن جلال دین صاحب چک نمبر ۱۲۱ ج ب لائل پور

۱۶۶۔ مولوی عبد المالک خاں صاحب ربوہ حال کراچی

۱۶۷۔ ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب ربوہ

۱۶۸۔ محمد اسحٰق صاحب ابن محمد اسمٰعیل صاحب درویش ملازم گورنمنٹ پریس لاہور

۱۶۹۔ محمد بوٹے خاں صاحب معرفت چوہدری محمد انور صاحب ہیرس روڈ سیالکوٹ

۱۷۰۔ فضل کریم صاحب اکمل ابن غلام احمد صاحب مدرس نواں کوٹ شیخوپورہ

۱۷۱۔ چوہدری عطا محمد صاحب ریٹائرڈ تحصیلدار ربوہ

۱۷۲۔ ملک عزیز احمد صاحب پنشنر ایس ڈی او ۲ میکلوڈ روڈ لاہور

۱۷۳۔ میاں عبد الحکیم صاحب والد عبد السلام صاحب درویش درگانوالی سیالکوٹ

۱۷۴۔ شعیب احمد صاحب اسلم جلیانوالہ چک نمبر ۱۶۳ لائلپور

۱۷۵۔ سید شفیق احمد صاحب خاور ابن سید محمد شریف صاحب چنبہ ہاؤس لاہور

۱۷۶۔ حمید اللہ صاحب صابر ابن میاں سراج الدین صاحب درویش ربوہ

۱۷۷۔ عبد الباری صاحب ابن چوہدری عبد الحمید صاحب درویش ربوہ

۱۷۸۔ چوہدری محمد جمیل صاحب ابن محمد بخش صاحب مرحوم ربوہ حال چاہ موسیٰ والا بہاولپور

۱۷۹۔ سردار محمد صاحب چک نمبر ۱۸ بھوڑو ضلع شیخوپورہ

۱۸۰۔ مہتہ عبد الرزاق صاحب ربوہ حال کراچی

۱۸۱۔ عالم خاں صاحب ابن سمندر خاں صاحب ربوہ حال مانسہرہ

۱۸۲۔ مرزا حمید احمد صاحب تحسینؔ ابن مرزا نذیر علی صاحب ربوہ
۱۸۳۔ حاجی اللہ بخش صاحب چندر کے منگولے ضلع سیالکوٹ
۱۸۴۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب اسلم واقف زندگی ربوہ
۱۸۵۔ خدا بخش صاحب ابن چراغ دین صاحب باغبانپورہ لاہور
۱۸۶۔ بشیر احمد صاحب ابن عبدالکریم صاحب درویش ربوہ
۱۸۷۔ سید امین احمد صاحب ابن حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب مرحوم ربوہ
۱۸۸۔ عنایت اللہ صاحب ابن میراں بخش صاحب شیخ پور ضلع گجرات
۱۸۹۔ چوہدری نذیر احمد صاحب ابن اکبر علی صاحب بھلیر الوالہ گجرات
۱۹۰۔ محمد عالم صاحب ابن کریم داد صاحب ربوہ حال این، ڈبلیو، آر ایجنسی مانسہرہ
۱۹۱۔ مبارک احمد صاحب دفتر نظارت علیاء ربوہ
۱۹۲۔ مستری محمد صدیق صاحب ابن احمد دین صاحب ربوہ
۱۹۳۔ مولوی عبدالحق صاحب نور ربوہ حال کرنڈی سندھ
۱۹۴۔ نور دین صاحب واقفِ زندگی وکالتِ قانون ربوہ
۱۹۵۔ سید عبدالحیٔ صاحب ابن عبدالمنان صاحب جامعۃ المبشرین ربوہ
۱۹۶۔ صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ایم اے ربوہ
۱۹۷۔ بشارت احمد صاحب ابن حسن محمد صاحب کوٹ رحمت خان شیخوپورہ
۱۹۸۔ صالحہ بی بی صاحبہ زوجہ مستری عبدالرحمٰن صاحب بٹہ سیداں سیالکوٹ شہر
۱۹۹۔ لعل خاں صاحب ولد احمد خاں صاحب کھاریاں ضلع گجرات
۲۰۰۔ ناصر احمد ولد سراج دین درویش ربوہ حال کوہاٹ [۱]

---

[۱] روزنامہ "المصلح" کراچی مورخہ ۱۹ر دسمبر ۱۹۵۳ء / ۱۹ر فتح ۱۳۳۲ ہش صفحہ ۳ و ۴

۲۔ تصویر قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان

۱۹۵۳ء/۱۳۳۲ ہش

دائیں سے بائیں۔ نیچے سے پہلی قطار میں بیٹھے ہوئے اصحاب

۱۔ ؟

۲۔ خواجہ عبدالکریم صاحب سابق درویش (حال گوجرہ)

۳۔ ناصر احمد صاحب پسر مولوی محمد عبداللہ صاحب درویش۔ ۴۔ ؟

۵۔ بشیر احمد صاحب ابن عبدالکریم صاحب درویش قادیان

۶۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ربوہ حال پشاور

۷۔ مستری ناصر احمد صاحب سائیکل ڈیلر احمد نگر ضلع جھنگ حال چنیوٹ

دوسری قطار میں بیٹھے ہوئے اصحاب

۱۔ ؟ ۔ ۲۔ چوہدری عطا محمد صاحب مرحوم ریٹائرڈ تحصیلدار سیکرٹری تعمیر ربوہ

۳۔ حضرت ڈاکٹر بھائی محمود احمد صاحبؓ بلاک نمبر ۱۲ سرگودھا

۴۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اسلم حال صدر محلہ دارالیمن ربوہ۔ ۵۔ ؟

۶۔ مکرم گیانی مرزا واحد حسین صاحبؓ مبلغ سلسلہ احمدیہ تلونڈی راہوالی

۷۔ ملک عزیز احمد صاحب پنشنر ایس ڈی او، ۲ میکلوڈ روڈ لاہور

۸۔ حضرت ڈاکٹر غلام غوث صاحبؓ

۹۔ مرزا عبدالحق صاحب مدرس ڈی بی ہائی سکول اجنالہ گجرات

۱۰۔ مولانا غلام احمد صاحب فاضل بدوملہوی لالیاں ضلع جھنگ

۱۱۔ ؟ ۔ ۱۲۔ ؟

۱۳۔ حضرت منشی عبدالحق صاحبؓ کاتب (والد ماجد مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب ربوہ)
۱۴۔ مولوی عبدالباسط صاحب (ابن میاں عبدالرحیم صاحب درویش دیانت سوڈا فیکٹری قادیان)
۱۵۔ حاجی اللہ بخش صاحبؓ چندر کے منگولے
۱۶۔ ؟ ۔ ۱۷ ۔ ؟

پہلی قطار میں کھڑے ہوئے اصحاب

۱۔ خواجہ محمد عبداللہ صاحب گول بازار ربوہ حال راولپنڈی
۲۔ شیخ نور احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور
۳۔ جناب ماسٹر محمد ابراہیم صاحب جمونی بی۔اے ربوہ حال مبلغ امریکہ
۴۔ بھاگ دین صاحب محلہ اوبرجی لیپزور ۔ ۵ ۔ ؟
۶۔ حافظ فتح محمد صاحب چک نمبر ۹۸ شمالی سرگودھا (حال لاہور)
۷۔ تا ۱۴ ؟
۱۵۔ صاحب دین صاحبؓ ڈھینگرہ ہاؤس گوجرانوالہ
۱۶۔ محمد عبداللہ صاحب ظفروال
۱۷۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل دیال گڑھی مبلغ سلسلہ لائلپور حال انچارج شعبہ رشتہ ناطہ ربوہ
۱۸۔ تا ۲۰ ؟
۲۱۔ حضرت حاجی عبدالکریم صاحبؓ ولد غلام حیدر خاں صاحب کراچی
۲۲۔ حضرت بابو فضل دین صاحبؓ سیالکوٹی ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ ہائی کورٹ لاہور
۲۳۔ عبدالرحیم صاحبؓ ورق ساز شام نگر لاہور

دوسری قطار میں کھڑے ہوئے اصحاب

۱۔ مولانا عبدالمالک خانصاحب مربی سلسلہ احمدیہ کراچی (حال ناظر اصلاح وارشاد ربوہ)

۲- ؟ - ۳- جناب میاں محمد اسمٰعیل صاحب دارا پوری کارخانہ بازار لائلپور

۴- مکرم محمد یوسف صاحب مالوکے بھگت (والد ماجد محمد عیسٰی صاحب مبلّغ مشرقی افریقہ)

۵- ڈاکٹر میر مشتاق احمد صاحب لاہور

۶- شیخ سعید احمد صاحب آف ڈیرہ دون دواخانہ خدمتِ خلق ربوہ

۷- پیر بشیر احمد صاحب مرحوم ماڈل ٹاؤن آف ڈیرہ دون

۸- حضرت مولانا ابوالعطاء صاحبؓ پرنسپل جامعة المبشرین ربوہ

۹- مولانا کے بالکل سامنے عبدالحمید ڈاہڈھا

۱۰- چوہدری محمد اسد اللہ خاں صاحب بیرسٹر لاہور امیر قافلہ

۱۱- حضرت خانصاحب میاں محمد یوسف صاحبؓ ۲۸۱ فیروز پور روڈ لاہور

۱۲- حضرت سیّد پیر احمد صاحبؓ ہوشیار پوری سیالکوٹ

۱۳- حضرت ماسٹر خیر دین صاحبؓ ریٹائرڈ بی - ای - ایس سیالکوٹ شہر

۱۴- چوہدری قائم خاں صاحب گھسیٹ پورہ - ۱۵ ؟ ۱۶- ؟

۱۷- غلام نبی صاحب پسر ٹھیکیدار نظام دین صاحب

۱۸- محمد اسحاق صاحب مرحوم واقف زندگی دفتر محاسب ربوہ (برادر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب منیر مبلّغ سیرالیون. سیلون و ماریشس)

۱۹- مرزا حمید احمد صاحب تحسین ابن مرزا نذیر علی صاحب ربوہ

۲۰- عبدالباری صاحب ابن چوہدری عبدالحمید صاحبؓ درویش قادیان

تیسری قطار میں کھڑے ہوئے اصحاب

۱- تا ۵ ؟

۶- حافظ محمد عبد اللہ صاحبؓ مرحوم پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ (والد ماجد دوست محمد شاہد)

۷- مولوی محمد عرفان صاحب اپیل نویس مانسہرہ - ۸ - ؟

۹- بابا شمشیر خاں صاحب محلہ دارالیمن ربوہ

۱۰۔ نور دین صاحب باجوہ واقف زندگی وکالت قانون تحریک جدید ربوہ

۱۱۔ مبارک احمد صاحب کارکن نظارت علیا ربوہ - ۱۲ تا ۱۴ ؟

۱۵۔ ماسٹر محمد یحییٰ صاحب سید والا ضلع شیخوپورہ حال دارالیمن ربوہ

چوتھی قطار میں کھڑے ہوئے اصحاب

۱ - ؟ - ۲ - ؟

۳۔ محمد بوٹے خاں صاحب سابق مؤذنِ مسجد اقصیٰ قادیان ہیرس روڈ سیالکوٹ

۴۔ ؟ - ۵ - ؟

۶۔ نذیر احمد صاحب حلوائی مرحوم بدوملہی ضلع سیالکوٹ

۷۔ ؟ - ۸ - شیخ فضل حسین صاحب بزاز مرحوم کارخانہ بازار لائلپور

۹۔ ؟ - ۱۰ - شیخ اللہ بخش صاحب بزاز لائلپور

۱۱۔ مولوی مقبول احمد صاحب ذبیح متعلم جامعہ احمدیہ

۱۲۔ ؟ - ۱۳ عبدالمنان صاحب کریانہ فروش حال بازار ربوہ

۱۴۔ تا ۱۶ ؟

پانچویں (آخری) قطار میں کھڑے ہوئے اصحاب

۱ - ۲ - ؟ - ۳ - محترم جناب سید الحی صاحب کاشمیری جامعۃ المبشرین ربوہ، حال ایڈیٹر ماہنامہ "انصاراللہ"

۴۔ مولوی فضل الدین صاحب بنگوی کارخانہ بازار لائلپور حال ربوہ

۵۔ مرزا اعظم بیگ صاحب آف ننگروال

۶۔ شیخ محمد اکرم صاحب گول منشی محلہ لائلپور

۷۔ ؟ - ۸ - بشارت احمد صاحب مرحوم ابن حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جٹ امیر جماعت احمدیہ قادیان

۹۔ ظہور احمد صاحب ماڈل ٹاؤن لاہور

۱۰۔ عبدالحمید صاحب پسر ڈاکٹر عطر دین صاحب مرحوم درویش قادیان۔

۳۔ حضرت مصلح موعودؓ پر حملہ سے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی رؤیا

اور اس بارے میں

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کی مراسلت

"دفتر محفوظ"

(بقلم حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بعالی خدمت حضور پُر نور حضرت خلیفہ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ:۔ ادباً عرض ہے کہ ۱۹۴۲ء یا ۱۹۴۳ء کا واقعہ ہے کہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے ایک دن مجھے فرمایا کہ مجھے ایک بات کا ہمیشہ فکر رہتا ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ کس بات کا فکر رہتا ہے؟

جناب شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عالم رؤیا میں دیکھا تھا کہ محمود کے کپڑوں پر خون کے چھینٹے (یا دھبّے) پڑے ہوئے ہیں اس کا مجھے ہمیشہ فکر رہتا ہے۔ جب عرفانی صاحب قبلہ یہ الفاظ منہ سے بول رہے تھے ان کا چہرہ غم سے زرد ہوگیا تھا۔

مَیں نے یہ واقعہ اپنے چچازاد بھائی ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے سے بیان کر دیا تھا اور اس واقعہ سے بہت پہلے بیان کیا تھا۔

حضور کا خادم

ملک بشیر علی کنجاہی ۱۳ ۵/۵/۵۴

O/C

DP 12940

17/3/54

شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی

السلام علیکم ! حضرت اقدس امیرالمؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایت کے مطابق تحریر ہے کہ ملک غلام فرید صاحب آپ کی طرف منسوب کرکے ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک رؤیا دیکھی تھی جس میں حضرت مسیح الموعود علیہ السلام نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے کپڑوں پر خون کے دھبے دیکھے تھے"۔

حضور اقدس دریافت فرماتے ہیں کہ آپ اس روایت کے صحیح الفاظ لکھکر فوراً بھجوائیں۔

والسلام

خاکسار محمد شریف اشرف ۱۶/۳/۵۴

اسسٹنٹ پرائیوٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانی"

رجسٹرڈ۔ A.D

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سیدی دامامی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مکرم شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کو حسب استفسار حضور لکھا گیا تھا کہ حضور کے کپڑوں پر خون کے چھینٹوں کے متعلق جو روایت ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے اس کے متعلق مطلع فرماویں۔ چنانچہ اس کے متعلق اُن کی آمدہ چٹھی ارسال خدمت حضور ہے۔

دستخط

خاکسار عبدالرحمان انور ۲۱/۳/۵۴

پرائیوٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانی"

اس پر سُرخ قلم سے یہ ہدایت تحریر ہے:۔

"فرمایا یہ خط محفوظ رکھا جاوے۔ انور ۲۱/۳/۵۴"

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ   نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

الٰہ دین بلڈنگ سکندر آباد دکن (بھارت)

۲۵ر مارچ ۱۹۵۴ء

مخدومی و مکرمی

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ:۔

آپ کا رجسٹرڈ مکتوب محمولہ فوٹو خان قلات ملا۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاء۔

اسی میں میری ایک روایت کے متعلق بھی حضرت نے دریافت فرمایا ہے۔ جواباً عرض ہے ۱۸۹۸ء کے موسم سرما کی بات ہے کہ میں نے حضرت امیرالمؤمنین کے متعلق ایک رؤیا دیکھی۔ آپ تو اُس وقت بچے ہی تھے۔ رؤیا یہ تھی کہ

آپ ایک نہایت شاندار شاہانہ لباس پہنے ہوئے ہیں اور آپ کے ساتھ حضرت میر محمد اسحٰق ؓ بھی اعلیٰ درجہ کے لباس میں ہیں۔ اُن کے لباس میں ایسا امتیاز تھا کہ وہ گویا سپہ سالار ہیں۔ اس کے بعد مجھے ایک کاغذ دکھایا گیا جس پر اُوپر سے نیچے تک ایک ایک سطر میں یہ الفاظ درج تھے:۔

نظام الملک

پولیٹیکل ایڈوائزر

وہ دن آگئے

ان الفاظ میں سے آخری "وہ دن آگئے" کے متعلق میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ اُس الہام کی تشریح ہے جو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا براہین میں درج ہے۔

"THE DAYS WILL COME WHEN GOD WILL COME WITH HIS ARMY."

یہ فجر کی نماز کے بعد کا واقعہ ہے۔ اُن دنوں حضرت اقدس اکثر نماز فجر کے بعد تشریف فرما ہوتے کوئی تازہ الہام یا رؤیا ہوتی تو سناتے۔ بعض لوگ اپنی خواب سناتے اور کبھی آپ مناسب وقت تقریر فرماتے۔

میں جب یہ رؤیا سنا چکا تو حضرت اقدس نے معاً (میرے آخری الفاظ ختم ہوتے ہی) بڑے جوش سے فرمایا

دُعا کرو

اور آپ نے بڑی لمبی دُعا کی۔ اور فرمایا (میں آپ کے بیان کو قریب ترین الفاظ میں بیان کرتا ہوں ممکن ہے کچھ کم و بیش ہو مگر مفہوم بالکل یہی ہے):-

میں نے بھی **محمود** کے متعلق بعض خواب دیکھے ہیں اور الہامات بھی ہیں جو اپنے وقت پر پورے ہونگے۔ میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ اس کا نام مسجد پر لکھا ہوا ہے اور ایک مرتبہ **سرخی** سے اس کا نام لکھا ہوا دیکھا۔ ایک مرتبہ اس کے کپڑوں پر خون کے دھبے یا چھینٹے دیکھے۔

فرمایا خوابوں کی تعبیر اپنے وقت پر ہوتی ہے جو لوگ بڑے ہوتے ہیں۔ ان کے دشمن بھی بہت ہوتے ہیں اس لیے میں نے دعا کی ہے کہ **ہر امر برکات کا موجب ہو۔**

یہ کہکر آپ تشریف لے گئے۔

مجھے یہ تو یاد نہیں آتا کہ اخبار میں شائع ہوا یا نہیں مگر میں نے اپنی رؤیا اپنی نوٹ بک میں درج کی تھی اور حضرت کا ارشاد بھی۔

یہ تو اصل واقعہ ہے۔ مجھ پر اپنی اس رؤیا کی بناء پر یہ یقین تھا کہ یہ کوئی عظیم الشان وجود ہوگا اور اس کی مخالفت ہوگی اور یہ وہم کبھی کم نہ ہوا کہ **آپ پر قاتلانہ حملہ ہوگا** اس خیال کا اظہار عام طور پر میں نے نہیں کیا اس لیے کہ مختلف مذاق کے لوگ ہوتے ہیں اور بعض اوقات غلط نتائج پیدا کرتے ہیں لیکن میں مخفی طور پر آپ کی نگرانی کرتا رہا، چنانچہ جب آپ شکار کو جانے لگے تو تنہا چلے جاتے تھے۔ مجھے محسوس ہوا کہ دیہاتی جاہل ہوتے ہیں ایسا نہ ہو کوئی بلاوجہ حملہ کردے یا آپ کو سخت سُست کہدے میں نے اور مفتی فضل رحمٰن مرحوم نے اس اندیشہ کی بناء پر فیصلہ کیا کہ ہم کو ساتھ جانا چاہیئے تنہا نہ جائیں اور ہم نے عرض کرکے اجازت لے لی۔ یہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت تھا، اس کے بعد جب آپ خلیفہ ہوئے

تو اندر باہر مختلف قسم کے انداز مخالفت نمایاں ہوئے۔ مَیں جب تک قادیان میں رہا اپنے وسائل کے لحاظ سے مخفی طور پر نگرانی کرتا رہا۔

جب مخالفت کی شدت مستریوں کے فتنہ سے شروع ہو کر احراریوں کے ہنگاموں میں تبدیل ہوگئی۔ تو مَیں نے مرحوم محمود احمد اپنے بیٹے کو مامور کیا کہ مخفی دشمنوں کی سازشوں اور حرکات سکنات کا علم کھلی آنکھ رکھ کر کرو۔

اس مقصد کے لیے بعض خاص ذرائع بھی استعمال کئے جاتے رہے۔ قادیان کے بعض آدمیوں سے روزانہ اطلاعات لی جاتی تھیں اور پنڈت سری ناتھ کو خاص طور پر بیرونی حلقہ احرار کی خبروں کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔

غرض مجھے ہمیشہ یہ خطرہ تھا۔ جب میں یہاں آیا اور دشمنوں کی کارستانیوں کا کس قدر علم ہوتا رہا تو مَیں نے مکرم بھائی عبدالرحمٰن قادیانی کو لکھا کہ آپ خاص طور پر حضرت کی نگرانی رکھیں باڈی گارڈ کے بھروسہ پر رہ کر غافل نہ ہوں۔

ہماری سب سے قیمتی متاع یہی ہے

اور ہر قیمت پر اس کی حفاظت جہاں تک اسباب کا تعلق ہے ہم پر فرض ہے۔ یہ خلاصہ ہے اُن بعض خطوط کا جو میں نے بھائی جی کو لکھے اور وہ میرے کہنے کے بغیر ہی احساس شریف رکھتے تھے اور کبھی غافل نہیں رہے۔

پھر جب ملک بشیر علی صاحب ابن عم ملک غلام فرید صاحب ان کا سفارشی خط لیکر میرے پاس آئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے ان کے کاروباری معاملہ میں اخلاقی مدد کی توفیق دی وہ اکثر میرے پاس آتے اور ہم گھنٹوں سلسلہ کے متعلق باتیں کرتے۔ اس سلسلہ میں دشمنوں کی متحدہ کوششوں کا ذکر بھی آتا اور مَیں نے یہ بھی اُن سے صراحتاً کہا کہ ہمارے خلاف وہاں خطرناک شورشیں ہونگی اور اسی سلسلہ میں یہ بھی کہا کرتا کہ بعض باتیں بیان کرنے کی نہیں ہوتیں اس لیے کہ ہر شخص ایسا نہیں ہوتا کہ صحیح رنگ میں اس کا مفہوم سمجھ لے۔ مگر مجھ پر یہ اثر ہمیشہ قائم رہا کہ حضرت اقدس کے بعض کشوف اور

الہامات و مبشرات کی ضمن میں ایسے اشارات ہیں کہ حضرت پر قاتلانہ حملہ ہوئیں اسے صراحتاً نہ کہتا بلکہ خطرات کے رنگ میں ظاہر کرتا اور مجھے یاد نہیں کہ جب میں نے ذکر کیا ہو تو میری حالت خود اس اندیشہ سے غیر نہ ہوگئی ہو۔ یہ خود ملک بشیر ہی بتا سکتے ہیں کہ اس واقعہ کے تصور سے میرا کیا حال ہوتا اور میں نے اکثر دعائیں کیں کہ اللہ تعالیٰ میری زندگی میں ایسا واقعہ نہ ہو اور اگر یہ تقدیر مبرم ہے تو اس کی صورت تبدیل کر دے، میں نے حضرت اقدس کے کشف و الہامات کی بناء پر اور بعض دوسرے حالات کے ماتحت متاثر ہو کر اسے تقدیر مُبرم ہی یقین کیا مگر یہ بھی یقین تھا کہ اس کی صورت کچھ اور ہوگی۔ مثلاً میں سمجھتا تھا کہ شاید خواب میں ایسا ہو جاوے جیسے اس واقعہ کا یقین تھا آپ کی سلامتی کے لیے بھی دل پُر امید تھا۔ ان تاثرات کی بناء بھی بعض الہامات تھے۔

میرا یہ یقین رہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض الہامات جو آپ کی ذات کے متعلق سمجھے جاتے رہے ہیں اُن کا ظہور حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے وجود میں ہونا مقدر تھا جیسے خواتین مبارکہ کا نکاح میں آنا۔ کثرت اولاد کا ہونا وغیرہ۔ اس طرح سلامت بر تو اے مردِ سلامت۔ حضرت اقدس کو تو وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کا الہام ہو چکا تھا۔ بہر حال مقادیر اللہ جس رنگ میں وہ چاہے پوری ہوتی ہیں۔

میں یہ لمبا قصہ آپ کے استفسار کے سلسلہ میں لکھ گیا اللہ تعالیٰ اس پاک وجود کو صحت و سلامتی کے ساتھ لمبی عمر دے اور ہمکو توفیق بخشے کہ اس کی وہ قدر کریں جو حق قدر ہے۔ ویزا کے لیے کوشش کر رہا ہوں، گو مالی مشکلات ہیں تاہم دل بے چین ہے کہ آپ کو ایک مرتبہ دیکھ لوں۔ اللہ تعالیٰ سامان اور مواقع میسر فرمائے۔ میرے تاثرات میں حضرت کی عمر ۷۸ - ۸۰ - یا ۸۲ ہوگی۔ اللہ کرے کہ اس سے بھی زیادہ ہو۔

خاکسار یعقوب علی عرفانی "

۴۔ حملہ کے عینی گواہوں کے عدالت میں بیانات

(انگریزی سے ترجمہ)

سرکار بنام عبدالحمید نمبر ا

زیر دفعہ ۳۰۷ تعزیرات پاکستان

سرکاری گواہ نمبرا ON S. A.

غلام مرتضیٰ ولد غلام مصطفیٰ راجپوت عمر ۳۵ سال فزیکل ٹریننگ انسٹرکٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ

۱۰ر مارچ ۱۹۵۴ء کو چار بجے شام کے قریب میں نے عصر کی نماز (حضرت) مرزا بشیر الدین محمود احمد امام فرقہ احمدیہ کے پیچھے مسجد مبارک ربوہ میں پڑھی۔ میں پہلی صف میں تھا، ملزم نے بھی نماز پہلی صف میں ادا کی اور وہ میری بائیں جانب مجھ سے چوتھے نمبر پر تھا، ملزم اُس شخص کے بائیں طرف کھڑا تھا جو (حضرت) مرزا بشیر الدین محمود کے بالکل پیچھے تھا، نماز پڑھا کر (حضرت) مرزا بشیر الدین محمود احمد مسجد کے اُس دروازہ سے جانے لگے جو محراب میں ہے اور جہاں سے (حضرت) مرزا بشیر الدین محمود کے گھر کو راستہ جاتا ہے، پھر ملزم نے جو کہ اس وقت عدالت میں موجود ہے اور جس کو میں پہچانتا ہوں "یا علی" کا نعرہ لگاتے ہوئے یکدم (حضرت) مرزا بشیر الدین محمود احمد پر حملہ کر دیا۔ میں نے اُسے چاقو سے (حضرت) مرزا بشیر الدین محمود احمد کی گردن کے دائیں طرف پیچھے سے ضرب لگاتے ہوئے دیکھا۔ اس زخم کے لگنے پر (حضرت) مرزا بشیر الدین محمود احمد منہ کے بل گرنے لگے تھے۔ جبکہ پہریدار اقبال احمد نے آپ کو گرنے سے بچا لیا۔ ملک ولایت خان صاحب۔ ماسٹر فقیر اللہ صاحب، عبدالحکیم صاحب۔ قاضی عبدالسلام صاحب ملزم کو پکڑنے کے لیے دوڑے اس اثنا میں ملزم نے دوسری بار (حضرت) مرزا بشیر الدین محمود احمد پر چاقو کی ضرب لگانے کا قصد کیا، لیکن چونکہ اقبال احمد صاحب اس

دوران (حضرت) مرزا صاحب اور حملہ آور کے درمیان حائل ہو چکے تھے۔ اس لیے چاقو کی ضرب اقبال احمد (صاحب) کے بائیں کان پر پڑی اور ضرب سے بائیں کان پر چاقو کا زخم آیا۔ میں نے پھر ملزم کو مضبوطی سے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا، ملزم نے اپنے آپ کو چھڑانے کی مجنونانہ کوشش کی اور اس دوران مجھے بھی چاقو کی تیز نوک کی ضربات سے بائیں آنکھ کے نیچے اور گال پر زخم آئے۔ میں نے ملزم کو اُن اشخاص کی مدد سے جنکے نام اوپر گنوائے گئے ہیں مغلوب کر لیا اور ہم نے اسے جکڑ لیا۔ ولایت خان (صاحب) سرکاری گواہ نے عبدالحمید ملزم کے ہاتھ سے چاقو چھین لیا اور یہ چاقو اب عدالت میں پیش کردہ۔ زیر P-1 موجود ہے۔ عدالت میں پیش کردہ P-1 کی دھار ایک طرف کو مڑ گئی تھی جب اُسے ملزم کے ہاتھ سے چھینا گیا (حضرت) مرزا البشیر الدین محمود احمد کو پکڑ کر آپ کو آپ کے گھر لے جایا گیا، جو کہ محراب کے دروازے سے ۳۰ فٹ کے فاصلہ پر ہے۔ (حضرت) مرزا البشیر الدین محمود احمد ملزم کی طرف مڑے نہیں تھے کہ اس کا چہرہ دیکھتے۔ مرزا صاحب کی عمر ۶۰ اور ۷۰ سال کے درمیان ہے۔ ساڑھے چار بجے شام کے قریب میں نے رقعہ P.A. جو عدالت میں پیشکردہ ہے۔ لالیاں پولیس اسٹیشن کو لکھا۔ جس میں پولیس کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ یہ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور اس کا مضمون درست ہے۔ یہ عبدالعزیز محتسب صاحب کے ذریعہ تھانہ پولیس کو بھجوایا گیا تھا۔ لالیاں سے پولیس چھ بجے شام کے قریب آئی۔ ہم نے ملزم کو ان کے حوالے کر دیا۔ ملک ولایت خان نے چاقو P-1 عدالت میں پیشکردہ پیش کیا۔ میرا معائنہ لالیاں میں ڈاکٹر نے کیا تھا۔

NIL XXN

R.O. & A.C.

M.I.C. SEC 30. JHANG, LALIAN.

12.5.1954

سرکاری گواہ نمبر ۲ ON.S.A.

ڈاکٹر ریاض قدیر[1] سرجن میو ہسپتال لاہور

۱۰ر مارچ ۱۹۵۴ء کو مرزا مظفر احمد صاحب (مرزا بشیر الدین محمود احمد کے بھتیجے) لاہور میں میرے پاس آئے اور وہ مجھے اپنے ہمراہ ربوہ لے گئے۔ تاکہ میں مرزا بشیر الدین محمود احمد کا معائنہ کروں اور اُن کی دیکھ بھال کروں۔

۱۰ر مارچ ۱۹۵۴ء کو گیارہ بجکر پندرہ منٹ رات کے وقت مَیں نے (حضرت) مرزا بشیر الدین محمود احمد کا معائنہ ربوہ میں آپ کی جائے رہائش پر کیا۔ مَیں نے آپ کے بدن پر مندرجہ ذیل زخم پائے۔

نمبر ۱۔ گردن کے پچھلے حصہ پر چوڑے رُخ قطع کرتا ہوا سوا دو انچ لمبا زخم تھا۔ جو سیا جا چکا تھا۔ دائیں کان کے پیچھے دو انگل چوڑا اور گدی کے بیرونی ابھار کے نیچے ساڑھے تین انگل چوڑا (زخم تھا)

نمبر ۲۔ ایک سُوجی ہوئی خراش ساڑھے تین انچ قطر کی اسی زخم کے اردگرد اس کے نچلے حصہ پر خاص طور پر نمایاں تھی۔

مجھے بتایا گیا کہ سُوجن بڑھ گئی ہے۔ زخم کے ٹانکے لگانے کے بعد مجھے شبہ ہوا کہ زخم کے اندر سے خون اب بھی جاری ہو رہا ہوگا۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ زخم کو دوبارہ کھولوں چنانچہ ۵۴/۳/۱۱ کو سوا تین بجے صبح زخم کھولا گیا۔ اس سے پہلے جو تیاری ضروری تھی وہ کر لی گئی تھی۔ زخم کھولنے پر میں نے دیکھا کہ زخم چِرا ہوا تھا اور سیاہ رنگ کے خون کے لوتھڑوں سے پُر تھا اور ایک درمیانے سائز کی شریان کے زخم سے خون تیزی سے بہ رہا تھا۔ اس کے علاوہ زخم کی گہرائی سے اور سٹرنومے ٹائڈ (STERNO-MATOID) عضلات کے قطع شدہ سروں سے بھی عام خون جاری تھا۔ یہ زخم سوا دو انچ گہرا تھا۔ اُن نسوں کو

---

[1] مقدمہ کے ریکارڈ میں فیض قدیر درج ہے۔

جن میں سے خون جاری تھا۔ باندھ دیا گیا اور جو عضلات کٹ گئے تھے۔ اُن کو سی دیا گیا۔ گیس پیک (GAS PACK) ڈریننگ ٹیوب (DRAINING TUBE) زخم کے اندر رکھ دی گئی اور ٹانکے لگا دیئے گئے اور جلد کو سی دیا گیا زخم تازہ تھا اور ہوسکتا ہے کہ چار بجے شام کے قریب اُسی دن زخم لگا ہو۔

P.B. عدالت میں پیشکردہ میری معائنہ رپورٹ ہے جو کہ میں نے پولیس کی درخواست پر ۵۴/۳/۱۱ کو تیار کی تھی۔ یعنی سب انسپکٹر انچارج پولیس سٹیشن لالیاں کے مطالبہ پر یہ P.B-1 عدالت میں پیشکردہ ہے۔

زخم نمبر۱ ہوسکتا ہے۔ چاقو سے لگا ہو۔ P.1 عدالت میں پیشکردہ

زخم نمبر۲ میری رائے میں حملہ آور کے ہاتھ اور اس کی پوری طاقت کے ساتھ ملاپ سے ہوا۔ یا چاقو کے کند حصے کی ضرب سے یا سیئے ہوئے زخم میں خون کے جمع ہوجانے کی وجہ سے ہوا۔ ضروری شہ رگ کی شریان STENO-MASTOID عضلے کے نیچے واقع ہے۔ یہ رگ زخمی ہونے سے بچ گئی اگر یہ رگ کٹ جاتی اور فوری طور پر طبی امداد نہ ملتی تو اس صورت میں زندگی کو خطرہ لاحق ہوسکتا تھا۔ زخم نمبر۱ و نمبر۲ کی نوعیت سادہ تھی۔ میں لاہور سے زخم دیکھنے کے لیے تین دفعہ ربوہ آیا۔ میں نے ٹانکے کھولے۔ زخم تسلی بخش طور سے اچھا ہو رہا تھا۔

XXN - NIL

XXN عدالت سے۔ مرزا بشیرالدین محمود احمد کے جسم پر لگے ہوئے زخم زندگی کے لیے عام حالات میں خطرہ کا موجب نہیں ہوسکتے تھے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ بروقت اور صحیح طبی امداد ملنے کی صورت میں یہ زخم زندگی کے لیے خطرے کا موجب نہیں تھے۔

سرکاری گواہ نمبر ۳   ON S.A

ڈاکٹر مرزا منور احمد ایم ۔بی ۔بی ۔ایس ۔میڈیکل آفیسر آف ہیلتھ نوٹی فائیڈ ایریا کمیٹی بلدیہ ربوہ اور اسسٹنٹ انچارج نور ہسپتال ربوہ

مورخہ دس مارچ ۱۹۵۴ء کو چار بجے شام کے کچھ منٹ بعد میں نے (حضرت) مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ کا قصرِ خلافت میں طبی معائنہ کیا اور مندرجہ ذیل زخم آپ کے جسم پر پائے ۔

۱۔ ایک کٹا ہوا کھلا زخم تقریباً ۲ ½ انچ لمبا گردن کے پچھلی طرف دائیں حصّہ پر دائیں کان کے تقریباً دو انگل پیچھے اور گدّی کے ساڑھے تین انگل نیچے ۔ اس زخم سے خون بہت کثرت سے بہ رہا تھا اور مریض صدمہ یافتہ تھا اس لیے میں نے فوری طور پر خون روکنے کے لیے تین پٹیاں باندھیں ۔ جب میں پٹیاں باندھ رہا تھا ۔ تو میں نے محسوس کیا ۔ کہ زخم کافی گہرا ہے ، لیکن میں زخم کی صحیح گہرائی معلوم نہ کر سکا ۔ کیونکہ اُس وقت پہلا اور فوری مقصد یہ تھا کہ خون کو بند کیا جائے ۔ ورنہ اگر خون بلا روک ٹوک بہتا رہتا تو ایک خطرناک صورت حال پیدا ہو سکتی تھی ۔ یہ زخم کسی تیز دھار والے آلہ سے لگایا گیا تھا اور غالباً زخم لگنے کا وقفہ پندرہ بیس منٹ ہوگا ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ زخم اسی چاقو کا ہو جو P. I عدالت میں پیشکردہ ہے ۔ P.C عدالت میں پیشکردہ معائنہ رپورٹ میری ہے ۔ میری رائے میں یہ زخم جس کا میں نے معائنہ کیا تھا ۔ زندگی کے لیے خطرہ کا موجب تھا ۔ اس دن نصف شب سے تھوڑا عرصہ قبل لاہور سے ڈاکٹر ریاض قدیر ربوہ آئے اور انہوں نے (حضرت) مرزا بشیر الدین محمود احمد کا معائنہ کیا اور زخم کو کھول کر میری موجودگی میں سیا ۔ اُن کے آنے سے پہلے کسی اور شخص نے زخم پر میرے لگائے ہوئے ٹانکوں کو نہیں چھوا ۔

NIL XXN

XXN عدالت میں نے زخم کو ٹانکے لگانے سے پہلے اس کی گہرائی ناپنے کے لیے ٹٹولا نہیں تھا، میں نے کس کر پٹی باندھ دی تھی تاکہ خون بند ہو جائے۔

R.O ط A.C

M.I.C.SEC 30. JHANG

CAMP AT LALIAN, 12.5.54

سرکاری گواہ نمبر ۴ ON S.A

ڈاکٹر بشیر احمد - اے - ایم - او سول ہسپتال لالیاں

مورخہ ۵۴/۳/۱۱ بوقت ۴۰ - ۸ صبح میں نے عبدالحمید ابن منصب دار کا معائنہ کیا۔ ملزم بعمر تقریباً ۱۶/۱۵ سال جو کہ اس وقت عدالت میں موجود ہے۔ جو کہ جگ والا کا باشندہ ہے - اُسے ایف سی نمبر ۱۸ محمد شاہ ۵۴/۳/۱۰ کو بوقت ۹ بجے شام لایا۔ امتحانی رپورٹ میں تحریر کردہ ممیّزہ اشارات (نشانات) ملزم کے جسم پر پورے مطابق آتے تھے۔ میں نے اُس کے جسم پر مندرجہ ذیل زخم پائے۔

نو سطحی بکھری ہوئی خراشیں گردن کے اوپر نصف حصے کے سامنے اور پہلوؤں پر جو ¼" × ⅛" سے لیکر ½" × ⅛" سائز کی ہیں۔

گیارہ سطحی بکھری ہوئی خراشیں پیٹھ کے نچلے ¼ حصہ پر جن میں سے ہر ایک خراش ½" × ۲" سے لیکر ۲" × ¼" تک تھی۔

ایک سیدھی سطحی اُفقی کاٹ ¼" لمبی بائیں انگلی شہادت کی بنیاد سے ۱" نیچے ہتھیلی کی سطح پر مذکورہ زخم معمولی تھے اور چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر لگائے گئے تھے۔

نمبر ۱ اور نمبر ۲ کسی کند ہتھیار سے لگائے گئے تھے اور نمبر ۳ کسی تیز دھار والے آلہ سے لگایا گیا تھا۔ نمبر ۱ انگلیوں کے ناخنوں سے لگائے گئے تھے۔ P.D عدالت میں پیشکردہ میری ڈاکٹری قانونی رپورٹ کی کاربن کاپی ہے۔ نمبر ۱ اور نمبر ۲ زخم فرار ہونیکی خاطر کوشش

کرتے ہوئے آسکتے ہیں ۔زخم نمبر۲ چاقو سے آسکتا ہے ۔ عدالت میں پیشکردہ P-1 ہے۔

مورخہ ۵۴/۳/۱۱ بوقت ۸-۱۰ صبح میں نے اقبال ابن نور ماہی بعمر تقریباً ۳۰ برس کا معائنہ کیا جوکہ ربوہ کا باشندہ ہے جسے کہ ایف سی محمد شاہ لایا تھا اور اُس کے جسم پر مندرجہ ذیل زخم پائے۔

د- ایک ناسُور (کھلا زخم) ½" × ¼" جو بائیں کان کے سوراخ کے اُبھار کو کاٹنے سے بنا تھا

ب- ایک عمودی کاٹ کا زخم بائیں کان کی گولائی میں ¾" × ⅛" × ¼" سائز کا۔

ج- ایک عمودی کاٹ کا زخم ¾ ۲" لمبا اور کھال کی موٹائی جتنا گہرا اور نصف انچ چوڑا اپنی بڑی چوڑائی میں بائیں جبڑے کے پیچھے اور نچلی سطح پر۔

محولہ بالا تینوں زخم د-ب-ج ایک ہی ضرب کا نتیجہ تھے ۔زخم سادہ تھے اور ۲۴ گھنٹوں کے اندر کسی تیز نوکدار آلے سے لگائے گئے تھے ۔

شناختی نشان نمبر۱ چاند کی صورت ایک پرانے زخم کا نشان ½" × ¼" کا دائیں آنکھ کے باہر کے زاویے میں۔

نمبر۲ گردن کے وسط میں بائیں طرف ایک تل یا مسّہ ¼" × ¼"

عدالت میں پیشکردہ P.E میری ڈاکٹری قانونی رپورٹ کی درست کاربن کاپی ہے زیر بحث زخم چاقو کی ضرب کی وجہ سے ہو سکتے ہیں جو عدالت میں پیشکردہ P-1 ہے۔

میں نے غلام مرتضیٰ ابن چوہدری غلام مصطفےٰ بعمر تقریباً ۳۵ برس، جو کہ ربوہ کا مکین ہے کا بتاریخ ۵۴/۳/۱۱ بوقت ۸ بجے صبح جسے کہ ایف سی محمد شاہ لایا تھا۔معائنہ کیا اور مندرجہ ذیل زخم اس کے جسم پر میں نے پائے۔

۱- چار سطحی لکیردار بکھرے ہوئے خراش کے زخم ہر ایک اُن میں سے ¼" × ⅛" سے لے کر ½" × ⅛" تک سائز کا تھا ۔ یہ سب ناک کے بائیں طرف اور بائیں رخسار پر تھے ۔

زخم سادہ تھا اور چوبیس گھنٹے کے دوران کسی کُند نوکدار ہتھیار کے ذریعے لگایا گیا تھا مثلاً انگلیوں کے ناخن اور کسی کشمکش کا نتیجہ بھی ہو سکتے تھے ۔

شناختی نشان ۔ ایک تل ½" × ⅛" ناک کے بائیں طرف درمیان میں۔

۲۔ ایک پرانے زخم کا نشان ۱/۲" × ۱/۴" کا پیشانی کے داہنی جانب ابرو کے نزدیک عدالت میں پیشکردہ P.E میری ڈاکٹری قانونی رپورٹ کی درست کاربن کاپی ہے۔

XXN NIL

R.O. AND

M.I.C. SEE 30 JHANG

AT LALIAN 12.5.79

سرکاری گواہ نمبر ۵ ON S.A.

اقبال احمد ابن نور ماہی بھٹی بعمر ۳۰ برس پہریدار (حضرت) مرزا بشیرالدین محمود احمد

بتاریخ ۱۰/۳/۵۴ میں نے نماز عصر پہلی صف میں ادا کی۔ میں (حضرت) مرزا بشیرالدین محمود احمد کے پیچھے ذرا سی داہنی جانب پہلی صف میں کھڑا تھا۔ ملزم عبدالحمید جو کہ عدالت میں موجود ہے۔ جیسے کہ میں اب پہچانتا ہوں۔ اسی صف میں کھڑا تھا۔ میرے اور اُس کے درمیان تین افراد تھے۔ نماز (حضرت) مرزا بشیرالدین محمود احمد کی امامت میں ادا کی گئی۔ نماز کے بعد میں نے محراب میں دروازہ کھولا۔ میں نے اُن کے جوتے دروازے میں رکھے۔ جب میں جوتے رکھ رہا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ جیسے (حضرت) مرزا بشیرالدین محمود احمد نے کسی قسم کی ضرب کھائی ہے اور آپ چہرے کے بل گرا چاہتے ہیں۔ میں نے فوراً انہیں سنبھالا۔ اُس وقت (حضرت) مرزا بشیرالدین محمود احمد کی گردن کی داہنی جانب پر ایک زخم سے خون بہ رہا تھا۔ میں نے ملزم عبدالحمید کو (حضرت) مرزا صاحب کے پیچھے دیکھا۔ جب میں نے اپنے بائیں کان کے نزدیک گردن کی جانب کسی تیز دھار آلہ کی ضرب محسوس کی۔ اس وقت میں نے مرزا صاحب کو سہارا دیا ہوا تھا۔ اُس وقت غلام مرتضیٰ P.W نے ملزم کو قابو میں کر لیا۔ اس کے بعد میں نے (حضرت) مرزا بشیرالدین محمود احمد کو سہارا

دے کر دروازے کے راستہ دوسرے گواہوں کی مدد سے انہیں اُن کی قیام گاہ پر پہنچا دیا میرا ڈاکٹری معائنہ کیا گیا۔ جب میرے بائیں کان اور گردن کے ایک حصّے پر چوٹ اور زخم لگا تو میں اپنے حملہ آور کو نہ دیکھ سکا۔

XXN NIL

R.O. AND A.C

M.I.C. SEC: 30 JHANG

CAMP LALIAN 12.5.1954

سرکاری گواہ نمبر ۶ ON S.A.

ولایت خان ابن ملک حسن خان ذات ریحان بعمر ۴۸ برس
نائب آڈیٹر۔ تحریک جدید انجمن احمدیہ پاکستان

بتاریخ ۱۰/۳/۱۹۵۴ میں ان بہت سے لوگوں میں شامل تھا، جو نمازِ عصر ادا کرنے کے لیے مسجد مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ نماز (حضرت) مرزا بشیرالدین محمود احمد نے پڑھائی (میں) اُن سے تین یا چار فٹ کے فاصلہ پر تھا۔ ملزم عبدالحمید بھی جو کہ اس وقت عدالت میں موجود ہے اور جسے کہ میں پہچانتا ہوں پہلی صف میں دوران نماز مجھ سے تین یا چار افراد کے فاصلہ پر کھڑا تھا۔ وہ (حضرت) مرزا صاحب کے پیچھے تھا۔ نماز کے بعد جبکہ (حضرت) مرزا صاحب محراب والے راستہ سے مسجد سے جانا چاہتے تھے (تب) ملزم نے جو کہ اس وقت ایک کمبل لپیٹے ہوئے تھا۔ عدالت میں پیشکردہ P-1 چاقو نکال لیا اور "یا علی" کا نعرہ لگا کر اُس نے عدالت میں پیشکردہ P-1 چاقو کی مدد سے (حضرت) مرزا بشیرالدین محمود احمد کی گردن پر ایک زخم لگایا۔ (حضرت) مرزا صاحب آگے کی طرف گر گئے، لیکن اقبال احمد P.W نے اُن کو سہارا دیا۔ تب ملزم نے (حضرت) مرزا بشیرالدین محمود احمد کو عدالت میں پیشکردہ P.1

چاقو کی مدد سے مزید ایک ضرب لگانا چاہی، لیکن یہ ضرب اقبال احمد .P.W کے کان پر لگی۔ جو کہ اُس وقت (حضرت) مرزا صاحب کو سنبھالے ہوئے تھا۔ قبل اس کے کہ ملزم تیسری کوشش کرتا۔ گواہ غلام مرتضیٰ نے ملزم کو کمر سے پکڑ لیا اور مَیں نے عدالت میں پیشکردہ .P.1 چاقو ملزم کے ہاتھ سے چھین لیا۔ عدالت میں پیشکردہ .P.1 چاقو کا پھل ایک طرف کو مُڑ گیا تھا۔ دوسرے لوگ (حضرت) مرزا صاحب کو اُن کے گھر لے گئے، ہم نے ملزم کو گھیرے رکھا اور اُسے مسجد ہی میں رکھا۔ تب گواہ غلام مرتضیٰ نے تحریری طور پر اس بات کی اطلاع لالیاں پولیس سٹیشن کو دی۔ پولیس پہنچ گئی۔ مَیں نے عدالت میں پیشکردہ چاقو P.1 پیش کر دیا۔ پولیس نے عدالت میں پیشکردہ میمو P.G تیار کیا۔ جو کہ درست ہے اور اس پر میرے دستخط ثبت ہیں۔ تب اسے پولیس نے ایک سربمہُر پارسل میں بند کر دیا۔ عدالت میں پیشکردہ P.1 اُس وقت خون آلود تھا۔

XXN NIL

R.O. AND A.C
M.I.C. SEC: 30 JHANG
AT LALIAN 12.5.1954.

سرکاری گواہ نمبر ۷ ON S.A

عبدالحکیم (اکمل) ابن مولوی عبدالرحیم صاحب ذات بٹ بعمر ۱۲ سال طالب علم جامعۃ المبشرین ربوہ

بتاریخ ۱۹۵۴/۳/۱۰ مَیں اُس نماز عصر میں شامل تھا۔ جو (حضرت) مرزا البشیر الدین محمود احمد نے پڑھائی۔ مَیں پہلی صف میں تھا۔ ملزم عبدالحمید جسے کہ میں پہچانتا ہوں۔ میری بائیں طرف دو آدمیوں کے پرے کھڑا تھا۔ نماز کے بعد گواہ اقبال احمد نے محراب میں حضرت مرزا صاحب کے لیے دروازہ کھولا۔ ملزم نے جو اس وقت ایک کمبل لپیٹے ہوئے تھا۔ (حضرت)

مرزا صاحب پر ایک وار کیا۔ اُن کی گردن پر لگنے والے زخم سے خون بہ نکلا۔ آپ لڑکھڑا گئے لیکن اقبال احمد نے اُن کو سہارا دیا۔ تب ملزم نے (حضرت) مرزا صاحب کو مزید ایک ضرب لگانے کا ارادہ کیا۔ اس ضرب سے اقبال احمد کے بائیں کان پر ایک زخم لگا۔ تب گواہ غلام مرتضیٰ نے ملزم کو پکڑ لیا۔ اُس وقت میں نے عدالت میں پیشکردہ P.1. چاقو ملزم کے ہاتھ میں دیکھا۔ اُس وقت یہ خون آلود تھا، ملک ولایت خان نے اُس وقت ملزم کے ہاتھ سے چاقو چھین لیا

XXN NIL

R.O. AND A.C
M.I.C. SEC. 30. JHANG
CAMP AT LALIAN
12.5.1954

سرکاری گواہ نمبر ۸ ON S.A

عبدالرحمان ابن محمد عبداللہ ذات ریحان۔ بعمر ۴۶ سال پرائیوٹ سیکرٹری (حضرت) مرزا بشیرالدین محمود احمد امام فرقہ احمدیہ ربوہ

مَیں نے عدالت میں پیشکردہ P.H اور P.H.1 فارم پولیس کے روبرو پیش کیے۔ ایک میمو دوبارہ تیار کیا گیا۔ مجھے یاد نہیں کہ اس قسم کا کوئی میمو تیار کیا گیا تھا۔

نوٹ: ایسا کوئی میمو فائل میں موجود نہیں۔

XXN NIL

R.O. AND M.C
M.I.C. SEC: 30 JHANG
CAMP LALIAN
12.5.1954

سرکاری گواہ نمبر ۹ ON S.A

داؤد احمد ابن محمد اسمٰعیل ذات ارائیں بعمر ۲۵ سال کلرک پرائیویٹ سیکرٹری مرزا البشیر الدین محمود احمد ربوہ

بتاریخ ۱۰/۳/۱۹۵۴ تقریباً ۱۵-۸ تا ۳۰-۸ بجے صبح عبدالحمید ان افراد میں شامل تھا۔ جنہوں نے (حضرت) مرزا البشیر الدین محمود احمد سے ملاقات کرنی تھی۔ میں نے عبدالحمید ملزم سے اُس کے نام کے بارہ میں دریافت کیا اور اس نے اپنا نام عبدالحمید بتلایا۔ جب میں نے اس سے ملاقات کرنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے مجھے بتلایا کہ وہ ملازمت کی تلاش میں ہے۔ میں نے جواب دیا کہ فی الحال کوئی آسامی موجود نہیں۔ اس پر ملزم نے کہا کہ وہ چاہتا ہے کہ اسے باضابطہ طور پر ربوہ کے سکول میں داخل کر لیا جائے۔ جس پر میں نے اسے بتایا کہ ہم کسی قسم کا کوئی سکول نہیں چلا رہے۔ ملزم نے اصرار کیا اور کہا کہ وہ احمدی جماعت میں شامل ہونے اور بیعت کرنے کے لیے آیا ہے۔

میں نے احمد دین چپڑاسی کو بلایا تا وہ ملزم کو اس مقصد کے لیے ایک طبع شدہ فارم مہیا کرے۔ تب میں اپنے دوسرے کام میں مشغول ہو گیا۔

XXN NIL

R.O. AND A.C

M.I.C. SEE: 30 JHANG

CAMP LALIAN 12-5-1954

سرکاری گواہ نمبر ۱۰ ON S.A

احمد دین ابن محمد دین ذات ملک بعمر ۲۲ سال چپڑاسی پرائیویٹ سیکرٹری (حضرت) مرزا البشیر الدین محمود احمد

وقوعہ کے روز تقریباً ۸ بجے صبح زیر ہدایت گواہ داؤد احمد میں نے ایک طبع شدہ فارم

عدالت میں پیشکردہ P.H ملزم عبدالحمید کو مہیا کیا جو کہ اس وقت عدالت میں موجود ہے اور جسے میں پہچانتا ہوں۔ اُس نے سُرخ پنسل سے میری موجودگی میں اندراجات کئے اس کے بعد اس پر اپنے انگوٹھے کا نشان ثبت کیا۔ میں نے اسے بتایا کہ درست طریق یہ تھا کہ فارم کو سیاہی سے پُر کیا جاتا۔ بعد ازاں میں نے اسے عدالت میں پیش کردہ P.H/1 مہیا کیا۔ ملزم نے یہ فارم سیاہی سے پُر کیا اور میری نگاہوں کے سامنے اُس پر اپنے دستخط ثبت کئے۔ ملزم نے عدالت میں پیشکردہ P.H کو توڑا مروڑا اور پھینک دیا۔ میں نے اسے ایک تختے پر رکھدیا۔ تب میں نے عدالت میں پیشکردہ P.H/1 فارم کو اُس بکس میں جو کہ اس قسم کے فارموں کے لیے مختص ہے۔ رکھدیا۔ ملزم نے دوبارہ کہا کہ اس کو مذکورہ بکس میں رکھدو۔

XXN NIL

بذریعہ کورٹ جس سُرخ پنسل سے ملزم نے عدالت میں پیشکردہ P.H/1 اندراجات کئے تھے وہ پہلے ہی سے ملزم کے پاس تھی۔ اس نے عدالت میں پیشکردہ P.H/1 اُس قلم اور سیاہی سے پُر کیا جو کہ اُس جگہ پر اس قسم کے فارم پُر کرنے کے لیے رکھا رہتا ہے۔

R.O. AND M.C

M.I.C. SEE: 30 JHANG

AT LALIAN 12-5-1954

سرکاری گواہ نمبر ۱۱ ON S.A.

(حضرت) مرزا بشیر الدین محمود احمد (امام) فرقہ احمدیہ ربوہ

میں نے بتاریخ ۱۹۵۴/۳/۱۰ کو عصر کی نماز کی امامت مسجد مبارک ربوہ میں تقریباً ۳ بجے تا ۳۰-۳ بجے سہ پہر کی۔ نماز کے بعد میں محراب میں دروازے کی طرف چلا۔ میں دروازے تک پہنچ گیا۔ مجھے کامل طور سے یاد نہیں کہ آیا میں ایک قدم دروازے سے باہر نکال چکا تھا یا کہ نہیں۔ اغلب قرین قیاس یہی ہے کہ میں ایک قدم دروازے سے باہر نکال

چکا تھا۔ مَیں نے محسوس کیا کہ کوئی چیز طاقت کے ساتھ میری گردن سے ٹکرائی ہے اس سے قبل میں نے کسی قسم کا نعرہ نہیں سنا تھا۔ مَیں نے چوٹ کھانے کے بعد دوران سر محسوس کیا اور جب میں کچھ سنبھلا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص مجھے سہارا دیئے ہوئے تھا۔ اس دوران سر کی حالت میں مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ جو شخص مجھے سہارا دیئے ہوئے تھا اس کے کان پر زخم لگا ہے۔ زخم لگنے کے بعد غیر ارادی طور پر مَیں نے اپنا ہاتھ اُس جگہ پر رکھا جہاں ضرب لگی تھی۔ اُس شخص نے جو کہ مجھے سنبھالے ہوئے تھا غالباً اِس خیال سے کہ شائد میں اپنے جسم پر پورا قابو پا چکا ہوں مجھے چھوڑ دیا لیکن مَیں ضرب کے دھکے سے آگے کو گر گیا۔ تب دوسرے افراد میری مدد کو آئے اور مجھے دروازے کے باہر لائے۔ ضرب کے بعد مَیں نے دوران سر محسوس کیا اور چونکہ مَیں بوجہ دوران سر پوری طرح سمجھ نہیں سکا تھا کہ کیا ہوا ہے اس لیے مَیں نے وہاں موجود لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا واقعہ ہوا ہے۔ تب مجھے دو یا تین افراد نے بتایا کہ مجھ پر چاقو سے حملہ کیا گیا ہے۔ اُس وقت مَیں نے اپنا وہ ہاتھ ہٹا لیا جو مَیں نے اس جگہ پر رکھا ہوا تھا جہاں ضرب لگی تھی۔ جب میں نے ہاتھ کی طرف دیکھا تو وہ خون آلود تھا۔ ان لوگوں نے میری توجہ میرے کپڑوں کی طرف بھی مبذول کرائی۔ مَیں نے دیکھا کہ میرے کپڑے بھی خون میں لت پت تھے۔ مَیں نے لوگوں سے کہا کہ مجھے میرے گھر لے چلیں۔ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ مرزا منور احمد مقامی ایم او آف این اے سی ربوہ نے میرے زخم کا معاینہ کیا۔ انہوں نے میرے زخم کو ٹانکے لگا دیئے تقریباً گیارہ بجے رات ڈاکٹر ریاض قدیر لاہور سے آگئے اور ٹانکہ شدہ زخم کے معاینہ کے بعد انہوں نے ٹانکوں پر اطمینان کا اظہار نہ کیا اور انہوں نے کہا کہ زخم کے اندر سے خون بہ رہا ہے۔ انہوں نے زخم کو کھولا اور اس کو دوبارہ ٹانکے لگائے۔ ٹانکے آٹھ دن بعد کھول دیئے گئے اور ۱۲ یا ۱۳ دن کے بعد ٹیوب کو الگ کر دیا گیا اور زخم قریباً ۱۸ دن کے بعد مندمل ہو گیا۔

XX NiL

XXN

بذریعہ عدالت۔ مجھے یاد نہیں کہ مَیں نے ملزم عبد الحمید کو جو کہ اس وقت عدالت میں موجود

ہے نماز سے قبل یا نماز کے دوران دیکھا ہو۔

جو ضرب مجھے لگی تھی وہ حملہ آور کے ذریعے مجھے پیچھے سے لگائی گئی تھی۔ میں نے ملزم کو چاقو سے زخم لگاتے نہیں دیکھا وقوعہ سے قبل ملزم نے مجھ سے ملاقات نہیں کی تھی۔ مجھے یاد نہیں کہ کسی شخص نے مجھے ملزم کے بارہ میں وقوعہ سے قبل کسی قسم کی کوئی اطلاع دی ہو۔

اس بیان کی سماعت کے دوران گواہ نے عدالت کو بتایا کہ مسجد کے دروازے کے آگے کچھ سیڑھیاں ہیں جن کے ساتھ ڈیڑھ فٹ بلند منڈیر ہے۔ لوگوں نے انہی سیڑھیوں کی منڈیر پر سے ان کی مدد کی تھی۔

R.O. AND A.C

M.i.C. SEC: 30 JHANG

LALiAN 12.5.1954

ملزم پر جرح کی جائے

M.I.C. SEC: 30 JHANG

LALIAN 12.5.1954

بیان عبدالحمید ابن منصب دار ذات جٹ بعمر ۱۵/۱۶ سال

طالب علم کلاس نہم سٹی مسلم ہائی سکول لائلپور۔ سکنہ چک نمبر ۲۲ جگ W.O. الا

سوال | کیا تم بتاریخ ۱۰/۳/۱۹۵۴ تقریباً ۸ بجے صبح داؤد احمد سرکاری گواہ کو (حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد سے ملاقات کے سلسلے میں) ملے تھے۔

جواب | میں ملاقات کے ضمن میں ایک شخص سے ملا تھا، لیکن میں نہیں جانتا کہ آیا اس کا نام داؤد احمد ہے۔

سوال | کیا تم نے اس روز اور اس وقت داؤد احمد کو کہا تھا کہ تم احمدیہ فرقہ میں شامل ہونا چاہتے ہو۔

جواب — ہاں - میں نے اس آدمی کو کہا تھا کہ میں فرقہ احمدیہ میں شامل ہونا چاہتا ہوں اور کہا تھا کہ اس مقصد کی خاطر مجھے فارم دیئے جائیں -

سوال — کیا تم نے متذکرہ بالا تاریخ کو اور تقریباً اسی وقت عدالت میں پیشکردہ .P.H اور P.H/1 سرکاری گواہ احمد دین سے وصول کئے تھے اور عدالت میں پیشکردہ P.H کو پنسل سے پُر کیا تھا اور اُس پر اپنے انگوٹھے کا نشان لگایا تھا اور پھر بعد میں جب تمہیں ایک اور فارم کو پُر کرنے کے لیے کہا گیا تو تم نے عدالت میں پیشکردہ P.H/1 کے اندراجات سیاہی سے پُر کئے تھے -

جواب — ہاں - میں نے عدالت میں پیشکردہ .P.H اور P.H/1 سرکاری گواہ احمد دین سے وصول کئے تھے - میں نے عدالت میں پیشکردہ .P.H سکہ کی پنسل سے پُر کیا تھا اور اپنے انگوٹھے کا نشان P.H/2 عدالت میں پیشکردہ پر ثبت کیا تھا - میں نے عدالت میں پیشکردہ P.H/1 میں اندراجات سیاہی سے لکھے اور یہ میرے ہاتھ کی لکھائی ہے -

سوال — کیا یہ درست ہے کہ تم نے عدالت میں پیشکردہ .P.H میں اپنا نام عبدالکریم ابن عبدالرحیم جٹ لکھا اور عدالت میں پیشکردہ P.H/1 میں عبدالرحیم ابن عبدالکریم جٹ (لکھا) ؟

جواب — ہاں

سوال — کیا یہ درست ہے کہ بتاریخ ۱۰/۳/۱۹۵۴ تقریباً ۴ بجے شام تم نے ایک چاقو عدالت میں پیشکردہ P.1 کے ساتھ (حضرت) مرزا بشیر الدین محمود احمد (امام) فرقہ احمدیہ ربوہ کی گردن پر دائیں طرف جو کہ عضو رئیسہ ہے اس نیت سے اور ان حالات میں زخم لگایا کہ اگر تمہارے اس فعل سے اُن کی وفات ہو جاتی تو تم قتل کے مجرم ہوتے -

جواب — ہاں - میں نے مرزا بشیر الدین محمود احمد کی گردن پر اُن کو قتل کرنے کی نیّت سے چاقو سے زخم لگایا تھا - میں نے اُن پر قاتلانہ حملہ اس لیے کیا کہ میں نے محسوس

کیا۔ کہ انہوں نے میرے محبوب مقدس رسول کی شان میں گستاخی کی ہے اور میں اپنی جان ناموس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاطر قربان کر دینا چاہتا تھا۔

سوال | کیا تم کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟

جواب | میں مزید کچھ نہیں کہنا چاہتا اور میں کوئی دفاعی وکیل نہیں کرونگا۔

CAMP LALIAN

DATED . 12 . 5 . 1954

بدیہی طور پر دفعہ ۳۰۷ پی پی سی کے تحت ملزم کے خلاف مقدمہ بنتا ہے۔ بدیں وجہ فرد جرم لگائی جائے۔

فہرست قافلہ قادیان ۱۹۵۴ء

۱۔ ایمنہ بی بی صاحبہ بنت حسین بخش صاحب چک ۸۸ لائلپور

۲۔ امۃ الحفیظ صاحبہ بنت چوہدری اسد اللہ خاں صاحب ایڈووکیٹ لاہور

۳۔ چوہدری اسد اللہ خاں صاحب ایڈووکیٹ۔ امیر قافلہ۔ ۱ اکنال پارک لاہور

۴۔ آمنہ بیگم صاحبہ بنت شہاب الدین صاحب مرحوم میناپور سیالکوٹ

۵۔ آمنہ بیگم صاحبہ بیوہ ڈاکٹر محمد اشرف صاحب مرحوم معرفت پروفیسر محمد افضل صاحب انصار گلی منٹگمری۔

۶۔ ابوالمنیر مولوی نور الحق صاحب ولد منشی عبدالحق صاحب کاتب محلہ دارالصدر ربوہ

۷۔ میز الحق صاحب پسر مولوی نور الحق صاحب

۸۔ امۃ القیوم صاحبہ بنت ڈاکٹر بشیر احمد صاحب درویش معرفت محمد احمد صاحب تعلیم الاسلام کالج ربوہ

۹۔ امۃ البشیر بیگم صاحبہ زوجہ عبدالمغنی صاحب راولپنڈی

۱۰۔ ڈاکٹر اقبال احمد خان صاحب مظفر گڑھ

۱۱۔ امۃ الرشید صاحبہ بنت عبدالرحیم صاحب درویش۔ دارالرحمت ربوہ

۱۲۔ آمنہ بیگم صاحبہ زوجہ 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۳۔ عبدالسلام صاحب پسر 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۴۔ امۃ السمیع صاحبہ زوجہ مرزا عبداللطیف صاحب درویش محلہ دارالیمن ربوہ

۱۵۔ عبدالحمید صاحب ابن 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۶۔ بشیر احمد صاحب ابن 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۷۔ نصیرہ بیگم صاحبہ بنت 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۸۔ احمد گل پراچہ صاحب ولد میاں فیض بخش صاحب ۵۱/۱۷ ۴ ناظم آباد کراچی

۱۹۔ چوہدری احمد مسعود نصر اللہ خانصاحب ولد چوہدری احمد شکر اللہ خانصاحب مرحوم ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

۲۰۔ مرزا اعظم بیگ صاحب ولد مرزا رسول بیگ صاحب اقبال روڈ ٹنڈو آدم سندھ

۲۱۔ بشیراں بی بی صاحبہ زوجہ محمد حسین صاحب دارالیمن ربوہ

۲۲۔ برکت بی بی زوجہ اللہ رکھا صاحب مرحوم سیمنٹ بلڈنگ لاہور

۲۳۔ بشریٰ بیگم صاحبہ زوجہ چوہدری اسداللہ خان صاحب ایڈووکیٹ لاہور

۲۴۔ چوہدری بشیر احمد صاحب ولد چوہدری محمد عبداللہ خانصاحب مرحوم داتہ زید کا ضلع سیالکوٹ

۲۵۔ پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے تعلیم الاسلام کالج لاہور

۲۶۔ بلقیس اسلم صاحبہ بنت ماسٹر محمد شفیع صاحب جلیانوالہ براستہ گوجرہ ضلع لائلپور

۲۷۔ برکت بی بی صاحبہ بنت منگل صاحب مرحوم مارکیٹ روڈ نواب شاہ سندھ

۲۸۔ بیگم بی بی صاحبہ زوجہ محمد عبداللہ صاحب گلی گوردوارہ آبادی حاکم رائے گوجرانوالہ

۲۹۔ بلقیس بیگم صاحبہ زوجہ ماسٹر محمد انور صاحب محلہ دارالصدر ربوہ

۳۰۔ امۃ المتین صاحبہ بنت " " " " " " "

۳۱۔ بشیراں بی بی صاحبہ بنت عبدالرحیم صاحب درویش کرنڈی سندھ

۳۲۔ سردار بشیر احمد صاحب ایس ڈی او ولد (حضرت) سردار عبدالرحمٰن صاحب مرحوم ۲۶ للٹن روڈ لاہور

۳۳۔ بشیر احمد صاحب پسر عبدالکریم صاحب درویش ربوہ ضلع جھنگ

۳۴۔ ثناءاللہ صاحب ولد عبدالحق نور صاحب کرنڈی سندھ

۳۵۔ جنت بی بی صاحبہ زوجہ سکندر علی صاحب محلہ بھبھرانہ مگھیانہ جھنگ

۳۶۔ عبدالغفور صاحب ولد " " " " " " " "

۳۷۔ حبیبہ بیگم صاحبہ بیوہ محمد اسماعیل صاحب انصار گلی منٹگمری

۳۸۔ ہاجرہ بی بی صاحبہ زوجہ چوہدری غلام محمد صاحب بقاپور ضلع گوجرانوالہ

۳۹۔ حمیدہ بیگم صاحبہ زوجہ پیر شیر عالم صاحب گولیکی ضلع گجرات

۴۰۔ حاکم بی بی صاحبہ زوجہ چوہدری سائیں دتہ صاحب سٹھیالی چک نمبر ۲۵ ضلع شیخوپورہ

۴۱۔ ہاجرہ بی بی صاحبہ زوجہ چوہدری حبیب اللہ صاحب کرنڈی سندھ

۴۲۔ مبشر احمد صاحب ولد " " " " " " "

۴۳۔ حاکم بی بی صاحبہ زوجہ سائیں صاحب سیمنٹ بلڈنگ لاہور

۴۴۔ حفیظہ بی بی صاحبہ زوجہ سائیں صاحب 〃 〃 〃

۴۵۔ حمیدہ بیگم صاحبہ زوجہ مرزا اعظم بیگ صاحب اقبال روڈ ٹنڈو آدم سندھ

۴۶۔ شاہین قیصر صاحبہ بنت 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۴۷۔ بشریٰ نصرت 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۴۸۔ خدیجہ بی بی صاحبہ زوجہ حافظ محمد امین صاحب راولپنڈی

۴۹۔ داؤد احمد صاحب ولد شاہ محمد صاحب نمبر دار دھاروو الی چک ۴۳ ضلع شیخوپورہ

۵۰۔ ملک روشن دین صاحب ولد کرم دین صاحب دارالیمن ربوہ

۵۱۔ ماسٹر رشید احمد صاحب ولد علی بخش صاحب ڈی۔ بی ہائی سکول چونڈہ سیالکوٹ

۵۲۔ رشیدہ بیگم صاحبہ زوجہ محمد امین صاحب انصار گلی منٹگمری

۵۳۔ منور احمد صاحب پسر 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۵۴۔ رضیہ سلطانہ صاحبہ بنت حافظ محمد امین صاحب ڈھوک دتہ راولپنڈی

۵۵۔ ریشم بی بی صاحبہ بیوہ محمد عبداللہ صاحب پورن نگر سیالکوٹ

۵۶۔ رحیم بی بی صاحبہ زوجہ شیخ فضل حسین صاحب کارخانہ بازار لائلپور

۵۷۔ امۃ الباسط صاحبہ بنت 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۵۸۔ رحیم بی بی صاحبہ زوجہ منشی محمد صاحب ریل بازار لائلپور

۵۹۔ غلام نبی صاحب پسر 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۶۰۔ ریشم بی بی صاحبہ زوجہ شاہ محمد صاحب نمبر دار دھاروو الی چک نمبر ۴۳ شیخوپورہ

۶۱۔ زینب بی بی صاحبہ زوجہ بشیر احمد صاحب داتہ زید کا ضلع سیالکوٹ

۶۲۔ زہرہ بی بی صاحبہ زوجہ ثناء اللہ صاحب کرنڈی سندھ

۶۳۔ نصیر احمد صاحب پسر 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۶۴۔ حفیظہ بیگم صاحبہ بنت 〃 〃 〃 〃 〃

۶۵۔ رضیہ بیگم صاحبہ بنت 〃 〃 〃 〃 〃

۶۶۔ رشیداں بی بی صاحبہ بنت عزیز الدین صاحب کرنڈی سندھ
۶۷۔ رقیہ بی بی صاحبہ زوجہ چوہدری غلام قادر صاحب چک نمبر ۸۴ الف بہاولپور
۶۸۔ سکینہ بی بی صاحبہ زوجہ منشی یعقوب علی صاحب گھنوکے ججہ سیالکوٹ
۶۹۔ سلیمہ بیگم صاحبہ بنت چوہدری شریف احمد صاحب ۱۱ کینال پارک لاہور
۷۰۔ سعید احمد صاحب باجوہ ولد " " " " " " " " "
۷۱۔ سلطان صلاح الدین صاحب فاتح ولد ڈاکٹر گوہر دین صاحب ڈھوک رتہ راولپنڈی
۷۲۔ مرزا سعید احمد صاحب سعید ولد مرزا محمد زمان صاحب درویش تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ
۷۳۔ سیف اللہ سیف صاحب ولد سردار خان صاحب مرحوم ملازم دفتر بجلی ربوہ
۷۴۔ سلیمہ بیگم صاحبہ زوجہ ماسٹر غلام رسول صاحب محلہ دارالیمن ربوہ
۷۵۔ سردار بی بی صاحبہ زوجہ شیخ فضل احمد صاحب کارخانہ بازار لائلپور
۷۶۔ کریم احمد صاحب پسر " " " " " " " "
۷۷۔ سلیمہ بی بی بنت نور محمد صاحب سابق درویش محلہ دارالرحمت ربوہ
۷۸۔ سکینہ بیگم صاحبہ زوجہ مرزا فتح دین صاحب دفتر پرائیوٹ سیکرٹری ربوہ
۷۹۔ شمیم صاحبہ زوجہ چوہدری اعجاز نصر اللہ خانصاحب ۱۱ کینال پارک لاہور
۸۰۔ چوہدری شمشیر علی صاحب ولد چوہدری فتح شیر صاحب نائب تحصیلدار سلانوالی ضلع سرگودھا
۸۱۔ چوہدری شیر محمد صاحب ولد چوہدری ابراہیم صاحب چک ۳۸ جنوبی ضلع سرگودہا
۸۲۔ شیر محمد صاحب ولد غلام محمد صاحب زرگر ستید والا ضلع شیخوپورہ
۸۳۔ سکینہ بی بی صاحبہ بنت مولوی برکت علی صاحب درویش نصیرہ ضلع گجرات
۸۴۔ سردار بیگم صاحبہ زوجہ مرزا برکت علی صاحب انند پورہ گوالمنڈی راولپنڈی
۸۵۔ صابرہ بی بی صاحبہ زوجہ نذیر احمد صاحب شادکھری سندھ
۸۶۔ رفیق احمد صاحب پسر " " " " " " "
۸۷۔ صدیقہ عرف صدیقن صاحبہ زوجہ قدرت اللہ صاحب سمندری ضلع لائلپور
۸۸۔ صفیہ بیگم صاحبہ زوجہ چوہدری علی محمد صاحب گھنوکے ججہ ضلع سیالکوٹ

۸۹۔ مبارک علی صاحب پسر چوہدری علی محمد صاحب گھنوکے جچہ ضلع سیالکوٹ
۹۰۔ مرزا عبدالرشید صاحب ولد مرزا محمد عبداللہ صاحب درویش وکالت مال ربوہ
۹۱۔ عبداللطیف صاحب اسلم ولد نور محمد صاحب سابق درویش دارالرحمت ربوہ
۹۲۔ قریشی عبدالغنی صاحب ولد قطب الدین صاحب مرحوم۔ جنرل سٹور ربوہ
۹۳۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب ولد سردار بڈھا سنگھ صاحب کراچی
۹۴۔ عبدالرحمٰن صاحب قریشی ولد قریشی غلام محی الدین صاحب بنگلہ نمبر ۴۳ سکھر سندھ
۹۵۔ چوہدری عبداللہ خان صاحب ولد چوہدری پیر محمد صاحب قلعہ صوبا سنگھ ضلع سیالکوٹ
۹۶۔ عبدالحق صاحب ولد شہاب الدین صاحب محلہ الف ربوہ
۹۷۔ ڈاکٹر عبدالقدوس صاحب ولد رحیم بخش صاحب مرحوم مارکیٹ روڈ سندھ
۹۸۔ ڈاکٹر عبدالمغنی صاحب ولد بابو عبدالغنی صاحب میڈیکل آفیسر سنٹرل جیل راولپنڈی
۹۹۔ عبدالشکور صاحب ولد حافظ محمد امین صاحب ڈھوک رتہ راولپنڈی
۱۰۰۔ شیخ عبدالمجید صاحب ولد شیخ رحمت اللہ صاحب بزاز امین پور بازار لائلپور
۱۰۱۔ عائشہ بی بی صاحبہ زوجہ " " " " " " " " "
۱۰۲۔ عبدالستار صاحب ولد الٰہی بخش صاحب مرحوم کلاتھ مرچنٹ کرنڈی سندھ
۱۰۳۔ عبدالقدیر صاحب ولد چوہدری شبیر محمد صاحب چک ۳۸ جنوبی سرگودھا
۱۰۴۔ ملک عزیز احمد صاحب ولد نور الدین صاحب مرحوم دارالصدر ربوہ
۱۰۵۔ عظیم قادر صاحب زرگر ولد مولوی برکت علی صاحب سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ
۱۰۶۔ مرزا عنائت اللہ صاحب اسلم ولد مرزا اسلام اللہ صاحب ٹیچر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ
۱۰۷۔ عبدالحق صاحب ولد چوہدری دین محمد صاحب پنڈی بھاگو سیالکوٹ
۱۰۸۔ عبدالحق صاحب شاکر ولد حکیم شیر محمد صاحب وکالت مال ربوہ
۱۰۹۔ ملک عبدالرحمٰن صاحب ولد ملک عمر دین صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ بدین ضلع حیدرآباد سندھ
۱۱۰۔ عزیزہ زاہدہ ملک صاحبہ زوجہ ملک محمد شفیع صاحب خالد چک نمبر ۱۱۹ منٹگمری
۱۱۱۔ عالم بی بی صاحبہ زوجہ چنن دین صاحب مرحوم دارالصدر ربوہ

۱۱۲۔ امۃ الحبیب صاحبہ بنت ملک محمد شفیع صاحب خالد چک ۱۱۹ منٹگمری

۱۱۳۔ عائشہ بی بی صاحبہ زوجہ اللہ دتہ صاحب ۱۱ کینال پارک لاہور

۱۱۴۔ غلام محمد صاحب زرگر ولد محمد قاسم صاحب مرحوم بیگیوالہ سیالکوٹ

۱۱۵۔ غلام رسول صاحب ولد محمد خان صاحب متعلّم جامعہ احمدیہ احمدنگر ضلع جھنگ

۱۱۶۔ غلام رسول صاحب ولد خوشی محمد صاحب ٹیچر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ

۱۱۷۔ شیخ غلام احمد صاحب ابن شیخ برکت علی صاحب مرحوم انچارج سول ڈسپنسری بصیرپور منٹگمری

۱۱۸۔ غلام قادر صاحب ولد چوہدری عبدالرحیم صاحب مرحوم چک ۸۴ الف ضلع بہاولپور

۱۱۹۔ فیض احمد اسلم صاحب ولد چوہدری مبارک علی صاحب کوٹ برکت علی ضلع ملتان

۱۲۰۔ ڈاکٹر فرزند علی صاحب ولد میاں حسین بخش صاحب محلہ دارالرحمت ربوہ

۱۲۱۔ شیخ فضل حسین صاحب ولد محمد عبداللہ صاحب بزاز کارخانہ بازار لائل پور

۱۲۲۔ چوہدری فضل احمد صاحب ولد محمد دین صاحب مرحوم نائب ناظر تعلیم و تربیت ربوہ

۱۲۳۔ شیخ فضل احمد صاحب ولد شیخ برکت علی صاحب مرحوم کارخانہ بازار لائل پور

۱۲۴۔ خورشید احمد صاحب ولد شیخ فضل احمد صاحب کارخانہ بازار لائلپور

۱۲۵۔ فضل بی بی صاحبہ زوجہ شیخ اللہ بخش صاحب معرفت مسجد احمدیہ لائل پور

۱۲۶۔ سیدہ فرحت نسیم صاحبہ بنت سید بہادل شاہ صاحب ۴۰ نسبت روڈ لاہور

۱۲۷۔ مولوی فضل دین صاحب بنگوی ولد کالو خان صاحب محلہ مومن پورہ لائلپور

۱۲۸۔ کریم بی بی صاحبہ زوجہ نور محمد صاحب مرحوم محلہ دارالیمن ربوہ

۱۲۹۔ ملک گل محمد صاحب ولد علی محمد صاحب مرحوم دفتر قضاء ربوہ

۱۳۰۔ ماسٹر کمال دین صاحب ولد محمد علی صاحب مرحوم ملّوکے ضلع سیالکوٹ

۱۳۱۔ سید مبارک احمد شاہ صاحب ولد حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحبؓ دفتر بیت المال ربوہ

۱۳۲۔ مہراں بی بی صاحبہ زوجہ محمد ابراہیم صاحب ملہوکے ضلع سیالکوٹ

۱۳۳۔ منظور احمد صاحب پسر " " " " " "

۱۳۴۔ محمد یوسف صاحب ولد منشی نور محمد صاحب کرنڈی سندھ

۱۳۵۔ شیخ محمد نصیب صاحب ولد شیخ قطب دین صاحب مرحوم خانقاہ ڈوگراں ضلع شیخوپورہ

۱۳۶۔ ڈاکٹر ممتاز نبی صاحب ولد چوہدری غلام عباس صاحب مرحوم پنڈ دادنخان ضلع جہلم

۱۳۷۔ محمد یعقوب صاحب ولد میاں الٰہی بخش صاحب ٹھیکیدار بھٹہ سیالکوٹ

۱۳۸۔ مرزا محمد یوسف صاحب ایاز ولد مرزا محمد دین صاحب بدوملہی ضلع سیالکوٹ

۱۳۹۔ چوہدری محمد حسین صاحب ولد چوہدری شاہ محمد صاحب مرحوم کتھو والی چک ۲۱۲ ضلع لائلپور

۱۴۰۔ مریم بی بی صاحبہ بنت اللہ بخش صاحب مرحوم کتھو والی چک ۲۱۲ ضلع لائلپور

۱۴۱۔ مہراں بی بی صاحبہ بیوہ فضل دین صاحب مرحوم درویش محلہ دارالیمن ربوہ

۱۴۲۔ چوہدری محمد لوٹا صاحب ولد چوہدری بدرالدین صاحب مرحوم دوکاندار ربوہ

۱۴۳۔ مریم بی بی صاحبہ زوجہ عنایت اللہ صاحب معرفت مبارک احمد صاحب نظارت علیاء ربوہ

۱۴۴۔ برکت اللہ صاحب پسر " " " " " " " " " " " "

۱۴۵۔ محمد احمد صاحب ولد مہرالدین صاحب تعلیم الاسلام کالج ربوہ

۱۴۶۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب ولد حضرت مولوی قطب الدین صاحب مرحوم راولپنڈی

۱۴۷۔ محمد عبداللہ صاحب ولد کرم دین صاحب پارچہ فروش محلہ الف ربوہ

۱۴۸۔ محمد شریف صاحب ولد چوہدری رحیم بخش صاحب ٹیچر کھوکھروالی ضلع سیالکوٹ

۱۴۹۔ محمد رمضان صاحب ولد چوہدری غلام محمد صاحب بقاپور ضلع گوجرانوالہ

۱۵۰۔ محمد عبداللہ صاحب ولد مہتاب صاحب مرحوم چک نمبر ۱۰۱ بکو والہ جنڈیالہ ضلع لائلپور

۱۵۱۔ مختار احمد صاحب ولد محمد عبداللہ صاحب " " " " " " " "

۱۵۲۔ محمد بی بی صاحبہ بیوہ مولا بخش صاحب مرحوم دارالصدر ربوہ

۱۵۳۔ مولا بخش صاحب ولد فضل دین صاحب مرحوم خانقاہ ڈوگراں ضلع شیخوپورہ

۱۵۴۔ شیخ محمد منشی صاحب ولد محمد بخش صاحب مرحوم ریل بازار لائلپور

۱۵۵۔ مہرالدین صاحب حجام ولد پیراں دتہ صاحب مرحوم معرفت مسجد احمدیہ لائلپور

۱۵۶۔ سید محمد میاں سلیم شاہ صاحب ولد سید محمد علی صاحب نواب شاہ ۔ سندھ

۱۵۷۔ محمد اسمٰعیل صاحب ولد غلام حسین صاحب سمندری ضلع لائلپور

۱۵۸۔ منظور حسین صاحب ولد اللہ رکھا صاحب سانگلا ہل ضلع شیخوپورہ

۱۵۹۔ محمد شریف صاحب ولد محمد عبداللہ صاحب گلی گوردوارہ آبادی حاکم رائے۔ گوجرانوالہ

۱۶۰۔ محمودہ بیگم صاحبہ زوجہ ملک نیاز محمد صاحب چک $\frac{119}{7.0.R}$ منٹگمری

۱۶۱۔ محمد اخلاق قریشی صاحب ولد محمد عمر صاحب پنشنر Q 20 B بنّی راولپنڈی

۱۶۲۔ صوفی محمد رفیع صاحب ولد صوفی محمد علی صاحب ریٹائرڈ۔ ڈی۔ ایس۔ پی سکھر سندھ

۱۶۳۔ چوہدری محمد حسین صاحب ولد چوہدری خیرالدین صاحب چک ۴۴ جنوبی سرگودھا

۱۶۴۔ نذیراں بی بی صاحبہ زوجہ محمد حسین صاحب محلہ الف ربوہ

۱۶۵۔ مشتاق احمد صاحب پسر " " " " " " "

۱۶۶۔ ناصرہ بیگم صاحبہ بنت چوہدری بشیر احمد صاحب ۱۱ کینال پارک لاہور

۱۶۷۔ نصیرہ بیگم صاحبہ زوجہ محمود احمد صاحب چک ۳۱۲ ج ب کنتھو والی ضلع لائلپور

۱۶۸۔ نسیمہ بیگم صاحبہ بنت ڈاکٹر بشیر احمد صاحب درویش معرفت محمد احمد صاحب تعلیم الاسلام کالج ربوہ

۱۶۹۔ نواب دین صاحب ولد محمد عبداللہ صاحب مکان نمبر ۴/۷ محلہ گڑھا چنیوٹ

۱۷۰۔ نذیراں بی بی صاحبہ زوجہ لعل دین صاحب ریل بازار لائل پور

۱۷۱۔ محمد صدیق صاحب پسر " " " " " "

۱۷۲۔ قریشی نورالدین صاحب ولد قریشی حبیب احمد صاحب جھنگی محلہ راولپنڈی

۱۷۳۔ مرزا نذیر علی صاحب ولد مرزا محمد علی صاحب محلہ دارالصدر ربوہ

۱۷۴۔ نورالنساء بیگم صاحبہ زوجہ غلام محمد صاحب باورچی جامعۃ المبشرین ربوہ

۱۷۵۔ نیاز بیگم صاحبہ زوجہ مولوی فضل دین صاحب بنگوی محلہ مومن پورہ لائلپور

۱۷۶۔ محمود احمد صاحب ولد چوہدری محمد دین صاحب کنتھو والی چک ۳۱۲ ضلع لائلپور

۱۷۷۔ مرزا محمد دین صاحب ولد مرزا بدرالدین صاحب گجو چک ضلع گوجرانوالہ

۱۷۸۔ ملک محمد شفیع صاحب ولد ملک مہر علی صاحب نائب مختار عام صدر انجمن احمدیہ ربوہ

۱۷۹۔ محمد سلطان اکبر صاحب ولد چوہدری ہدایت اللہ صاحب تعلیم الاسلام کالج ربوہ

۱۸۰۔ محمود احمد صاحب ولد چوہدری غلام رسول صاحب گکھانوالی ضلع سیالکوٹ

۱۸۱۔ محمد امین صاحب ولد مولوی برکت علی صاحب علی صاحب درویش لاہور چھاؤنی

۱۸۲۔ مبارکہ شوکت صاحبہ بنت قاضی عبدالعزیز صاحب مرحوم ربوہ

۱۸۳۔ ایم سمیع اللہ صاحب ولد گلاب دین صاحب کمیٹی بازار سانگلاہل ضلع شیخوپورہ

۱۸۴۔ ماسٹر محمد شفیع صاحب ولد دین محمد صاحب چک ۲۵ سٹھیالی ضلع شیخوپورہ

۱۸۵۔ شیخ محمد علی صاحب ولد دوست محمد صاحب قلعہ صوبا سنگھ ضلع سیالکوٹ

۱۸۶۔ محمد یار صاحب ولد محمد لقمان خان صاحب سندھ ویجیٹیبل آئل کمپنی گوجرہ ضلع لائلپور

۱۸۷۔ مرزا محمد حکیم صاحب ولد مرزا محمد کریم صاحب محلہ دارالرحمت ربوہ

۱۸۸۔ محمد صادق صاحب ولد بہاول بخش صاحب چک ۵ احمد پور سیال ضلع جھنگ

۱۸۹۔ محمودہ بیگم صاحبہ زوجہ اللہ بخش صاحب مالوکے بھگت ضلع سیالکوٹ

۱۹۰۔ محمد داؤد میاں صاحب ولد خان صاحب میاں محمد یوسف صاحب ۲۸۱ فیروزپور روڈ لاہور

۱۹۱۔ خان صاحب میاں محمد یوسف صاحب ولد میاں ہدایت اللہ صاحب مرحوم " " " " "

۱۹۲۔ محمد شعیب ضیاء صاحب پسر میاں محمد یوسف صاحب ولد میاں ہدایت اللہ صاحب مرحوم " " " " "

۱۹۳۔ مرزا منظور احمد صاحب ولد مرزا غلام اللہ صاحب نسیم آباد کنری سندھ

۱۹۴۔ مقصودہ بیگم صاحبہ زوجہ محمد احمد صاحب حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ

۱۹۵۔ شہناز اختر صاحبہ بنت محمد احمد صاحب " " " "

۱۹۶۔ محمود اے صاحب سید ولد سید مقبول حسین مرحوم ۱۴ - ۱۵ ملکانی محل کراچی

۱۹۷۔ محمد سعید احمد صاحب بی۔اے ولد صوفی محمد رفیق احمد صاحب مکان نمبر ۱۲ دھرم پورہ لاہور

۱۹۸۔ سید منیر احمد خلیل صاحب ولد سید علی احمد صاحب میڈیکل آفیسر بھلر جوگی ضلع کیمبل پور

۱۹۹۔ مرزا واحد حسین صاحب ولد مرزا حسین بیگ صاحب تلونڈی راہوالی ضلع گوجرانوالہ

۲۰۰۔ سید ولایت شاہ صاحب ولد سید محمد رمضان شاہ صاحب انسپکٹر وصایا ربوہ [1]

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۵ر دسمبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۵ - ۶

تاریخ احمدیت

جلد ہشتدہم

(۱۸)

مئی ۱۹۵۵ء — جون ۱۹۵۶ء

مؤلفہ

دوست محمد شاہد

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد ہفت دہم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشرو اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-124-0

TAAREEKHE-AHMADIYYAT
(History of Ahmadiyyat
Vol-17(Urdu)
By: Dost Mohammad Shahid
Present Edition : 2007
Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516
Distt.Gurdaspur (Punjab) INDIA
Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-124-0

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جابجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنّفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۱۸ کو جلد نمبر ۱۷ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد ہفتد ہم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر و اشاعت قادیان)

فہرست مضامین تاریخ احمدیت جلد ہشتدہم

عنوان	صفحہ
پہلا باب	
مجلس مشاورت ۱۳۳۴ھش / ۱۹۵۵ء سے لیکر امریکہ میں نظام "الوصیت" کے نفاذ کی تحریک تک	۱
فصل اوّل	
مجلس مشاورت ۱۹۵۵ء	۴
افتتاح	۵
حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا نوٹ	۵
حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام	۷
شوریٰ کی کارروائی	۹
ارشاد مبارک حضرت مصلح موعودؓ	۱۱
مشرقی پنجاب میں صداقت احمدیت کا ایک نشان	۱۵
فصل دوم	
حضرت اماں جی صغریٰ بیگم صاحبہؓ کی المناک وفات	۱۷
حضرت مصلح موعودؓ کا برقیہ	۱۷
اولاد	۲۲
تأثرات	۲۲
فصل سوم	
اتحاد بین المسلمین کی تحریک	۲۸
مسلمان اپنے داخلی اختلافات کو نظر انداز کر کے اشاعت اسلام کیلئے متحد ہو جائیں	۲۹
فصل چہارم	
برصغیر پاک و ہند میں سیلاب اور امدادی سرگرمیاں	۳۴
ہندوستان	۳۶
قادیان	۳۶
قادیان کے مضافات میں رفاہی خدمات	۳۹
پاکستان میں سیلاب کی تباہ کاریاں اور جماعت احمدیہ کی امدادی خدمات	۴۶
پاکستانی پریس اور جماعت احمدیہ کی امدادی خدمات	۶۷
فصل پنجم	
صنعت و حرفت کی ترویج کیلئے خصوصی تحریک	۱۰۰
نوجوانان احمدیت کو عبادت کی خصوصی تحریک	۱۰۳
صیغہ زود نویسی کو اپنی ذمہ داری پر خطبات امام شائع کرنے کی اجازت	۱۰۳
فصل ششم	
امریکہ میں نظام "الوصیت" کے نفاذ	

عنوان	صفحہ
کی پُرزور تحریک	۱۰۴
دُوسرا باب	
حضرت مُصلح موعودؓ کے افریقن احمدیوں کے نام پیغام سے لیکر لائبیریا مشن کے قیام تک۔	
فصل اوّل	
حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام افریقن احمدیوں کے نام	۱۱۵
خواتین مبارکہ کے اعزاز میں عصرانہ	۱۱۹
بیرونی ممالک کے احمدیوں کے لئے دو اہم ہدایات	۱۲۰
وقفِ زندگی کی پُرجوش تحریک	۱۲۲
فصل دوم	
عقیدہ ختم نبوت سے متعلق ایک نہایت اہم خطبہ	۱۳۳
دُعاؤں کی خصوصی تحریک	۱۳۷
خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع اور حضرت مصلح موعود کے پُرمعارف خطابات	۱۳۸
تلقینِ عمل کا پروگرام	۱۴۵
ہندوستان میں تبلیغی جدوجہد سے متعلق ایک اعلان	۱۴۶
فصل سوم	
مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا پاکستان میں پہلا سالانہ اجتماع	۱۴۷
ایک الوداعی دعوت میں حضرت مُصلح موعودؓ کا خطاب	۱۵۱
صوبہ مدراس اور جنوبی ہند کے احمدیوں کے نام محبت بھرا پیغام	۱۵۲
قادیان دارالامان کی طرف رجوعِ خلائق	۱۵۵
فصل چہارم	
قادیان اور ربوہ میں سالانہ جلسے	۱۵۶
قافلۂ پاکستان دیارِ حبیبؐ میں	۱۵۷
جلسہ کا افتتاح اور حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام	۱۵۹
قادیان کی رُوحانی فضا	۱۶۲
ربوہ کا سالانہ جلسہ اور حضرت مصلح موعودؓ کی ایمان افروز تقریریں	۱۶۳
۲۷ دسمبر کی ایمان افروز تقریر	۱۷۱
۲۸ دسمبر کا ایمان افروز خطاب	۱۷۶
ایک غیر از جماعت مسلمان کے تأثرات	۱۷۸
جماعت احمدیہ کی شاندار تعلیمی جدوجہد پر ایک نظر	۱۸۲
حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی طرف سے دینی اور دُنیوی وقف کی تحریک	۱۹۱
فصل پنجم	
حضرت مسیح موعودؑ کے جلیل القدر اصحاب کا انتقال	۱۹۴

عنوان	صفحہ
حضرت چوہدری محمد عبد اللہ صاحب نمبردار بہلولپوریؓ	۱۹۴
حضرت چوہدری باغ دین صاحبؓ	۱۹۸
حضرت ڈاکٹر فیض علی صابر صاحبؓ اسسٹنٹ سرجن بہاولپور	۲۰۰
حضرت حکیم شیخ فضل حق صاحبؓ	۲۰۴
حضرت سیّد نذیر حسین شاہ صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ گھٹیالیاں	۲۰۶
حضرت ماسٹر محمد حسن آسان صاحب دہلویؓ	۲۰۹
حضرت خان صاحب سیّد غلام حسین شاہ صاحب بھیروی	۲۲۹
حضرت سیّد علی احمد صاحب مہاجر رجادلی ضلع انبالہ	۲۳۶
حضرت مولانا عبد الرحیم درد صاحب	۲۳۹
چوہدری فضل الٰہی صاحب امیر جماعت احمدیہ کھاریاں	۲۵۱
فصل ششم	
بعض دیگر مخلص اور جاں نثار خدامِ احمدیت کی وفات	۲۵۳
حضرت مولوی عبد المغنی خان صاحب	۲۵۴
جناب حکیم فضل الرحمن صاحب مبلغ مغربی افریقہ	۲۶۱
الحاج مولانا نذیر احمد علی صاحب رئیس التبلیغ مغربی افریقہ	۲۶۵
جناب صوفی مطیع الرحمن صاحب بنگالی ایم اے مبلغ امریکہ	۲۷۱
نواب محمد الدین صاحب کی تدفین بہشتی مقبرہ میں	۲۷۴
فصل ہفتم	
۱۹۵۵ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	۲۷۵
خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں پُرمسرت تقاریب	۲۷۵
خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں اضافہ	۲۷۶
مبلغ انڈونیشیا کے اعزاز میں عشائیہ	۲۷۶
قادیان کے بزرگ درویش اور اخبار ریاست	۲۷۶
ایک غیر احمدی صحافی کے تاثرات	۲۷۷
صدر انجمن احمدیہ کے لئے تحریک واقفین	۲۷۸
ربوہ میں ایک مشہور اطالوی پروفیسر کی آمد	۲۷۹
لجنہ اماء اللہ کا عہد	۲۷۹
جماعت احمدیہ کے خلاف بے بنیاد پراپیگنڈہ	۲۸۰
مالابار کے ایک قدیم احمدی کا انتقال	۲۸۱
مولانا ابو العطا صاحب کا سفر قادیان	۲۸۲
امریکن رسالہ لائف میں جماعت احمدیہ کی شاندار تبلیغی جدوجہد کا ذکر	۲۸۳

عنوان	صفحہ
امریکی رسالہ "لائف" کے مضمون پر اخبار نوح و قلم کا تبصرہ	۲۸۸
احمدی طلباء کی نمایاں کامیابی	۲۸۹
جامعہ احمدیہ کی احمد نگر سے ربوہ منتقلی	۲۹۱
قادیان سے رسالہ "اصحاب احمد" کا اجراء	۲۹۱
قادیان کے احمدی اور شرنارتھی	۲۹۲
وفات خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی	۲۹۴
کوئٹہ میں بہائیوں پر اتمام حجت	۲۹۷
آنریری مبلغ احمدیت سوڈان کا انتقال	۲۹۹
ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کا معلومات افزا لیکچر جھنگ مگھیانہ میں	۳۰۰
دفتر لجنہ اماء اللہ کراچی کا افتتاح	۳۰۱
جامعۃ المبشرین میں ایک مبارک تقریب	۳۰۲
لبنان میں جماعت احمدیہ کے کارناموں کا تذکرہ	۳۰۳
یوم تشکر	۳۰۴
تأثرات "ربوہ"	۳۰۶
چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی تقریر روحانیت سے متعلق دوسری قومی کانفرنس میں	۳۰۸
مارشل بلگانن اور مسٹر کروشچیف کو ترجمۃ القرآن انگریزی کا تحفہ	۳۰۹
جلالۃ الملک شاہ سعود کی خدمت میں اسلامی لٹریچر	۳۱۰
مبلغین کی ایک تقریب میں حضرت مصلح موعودؓ کی شرکت	۳۱۰
ایک نہایت اہم تحریک	۳۱۱
بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں	۳۱۲
مجاہدین احمدیت کی روانگی اور کامیاب مراجعت	۳۲۶
نئی مطبوعات	۳۲۸
تیسرا باب	
احمدیہ مشن لائبیریا کا قیام اور اس کی دینی خدمات	
فصل اوّل	
لائبیریا میں احمدیت کا پیغام	۳۲۹
مشن کی بنیاد	۳۳۰
حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایات اور تبلیغی وسعت	۳۳۱
فصل دوم	
مجاہدین احمدیت کی تبلیغی سرگرمیاں	۳۳۴
سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ کو لٹریچر	۳۳۵
ڈاکٹر بلی گراہم پر اتمام حجت	۳۳۶
حبشہ کے شہنشاہ ہیلی سلاسی کو پیغام حق	۳۳۷
جماعت احمدیہ کی غیر معمولی ترقی	۳۳۷
لائبیریا پریس میں اثر و نفوذ	۳۳۸

عنوان	صفحہ
تعطیل جمعہ کی کامیاب کوشش	۳۳۹
مکرم بشیر احمد خان صاحب رفیق کا دورہ لائبیریا	۳۴۰
مشن ہاؤس کے لئے عمارت کی خرید	۳۴۱
سیرت النبیؐ کا کامیاب جلسہ	۳۴۲
دو لبنانی علماء کو تبلیغ	۳۴۵
امام جماعت احمدیہ کا لائبیرین مسلمانوں کو	
عید مبارک کا پیغام	۳۴۷
ہائی سکول کا اجراء	۳۴۸
قائد اعظم کی صد سالہ تقریبات کا انتظام	۳۵۳
آرچ بشپ آف کنٹربری پر اتمام حجت	۳۵۶
امریکی بحریہ کے کمانڈر کو اسلامی لٹریچر	۳۶۰
مشن ہاؤس کی جدید عمارت	۳۶۲
احمدیہ کلینک کا اجراء	۳۶۲
خانۂ خدا کی تعمیر نو	۳۶۵
لائبیریا مشن کا اہم ترین واقعہ حضرت	
خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی تشریف آوری	۳۶۵
فصل سوم	
مشن کی عظیم الشان خدمات سے متعلق تاثرات	۳۶۷
چوتھا باب	
تبلیغ احمدیت کی خصوصی تحریک سے	
لیکر احمدیہ مشن سکنڈے نیویا	
کے قیام تک۔	

عنوان	صفحہ
فصل اوّل	
تبلیغ احمدیت کی خصوصی تحریک	۳۷۴
حضرت مصلح موعودؓ کا جامعۃ المبشرین میں	
پُر معارف خطاب	۳۷۹
احباب جماعت کے لئے ضروری اعلان	۳۸۱
امریکہ سے متعلق ایک پُر شوکت پیشگوئی	۳۸۲
مبلغین کے اعزاز میں ایک خصوصی تقریب	۳۸۴
فصل دوم	
کتب حضرت مسیح موعودؑ کے پڑھنے اور	
حضور کے مقدس تبرکات کی حفاظت	
کے لئے تحریک	۳۸۵
حضرت مصلح موعودؓ کی قیمتی نصائح مسلمان	
طلباء کو	۳۸۶
ایک بہائی بیرسٹر کا بے بنیاد پروپیگنڈا اور	
حضرت مصلح موعودؓ کا حقیقت افروز جواب	۳۹۰
حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام جماعت احمدیہ	
ڈیرہ غازیخان کے نام	۳۹۵
طلباء تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ سے	
حضرت مصلح موعودؓ کا خطاب	۳۹۶
فضل عمر ہسپتال اور دفتر مجلس	
انصار اللہ مرکزیہ کا سنگ بنیاد	۳۹۹
دفتر انصار اللہ مرکزیہ کی عمارت کی تکمیل	۴۰۰

عنوان	صفحہ
فصل سوم	
سپین میں تبلیغ پر پابندی اور حضرت مصلح موعودؓ	۴۰۲
مشرقی پاکستان پریس کی طرف سے زبردست احتجاج	۴۰۵
فصل چہارم	
وقف زندگی سے متعلق تجاویز اور حضرت مصلح موعودؓ کا اظہار رائے	۴۰۸
قادیان کے لئے تحریکِ وقفِ زندگی	۴۱۲
اہم خطبہ شادی بیاہ کے متعلق	۴۱۲
فصل پنجم	
اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قیام پر جماعتِ احمدیہ پاکستان کا جشنِ مسرت	۴۱۵
فصل ششم	
افغانستان میں ایک مخلص احمدی کی شہادت	۴۲۲
اسلامی ممالک کی نسبت حضرت مصلح موعودؓ کے تأثرات	۴۲۴
داؤد جان کی شہادت سے متعلق اخبار "ریاست" کا اداریہ	۴۳۱
فصل ہفتم	
نخلہ کے نام سے ایک نئی بستی کی بنیاد	۴۳۳
اخبار المنبر لائل پور کا اعترافِ حق	۴۳۶
مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء (۱۳۳۵ ہش)	۴۴۷
مالا بار احمدیہ کانفرنس کیلئے برقی پیغام	۴۵۲
حضرت مصلح موعود کا پیغام تعلیم الاسلام ہائی سکول کے سٹاف کے نام	۴۵۴
نور ہسپتال کے نام پر ایک شاخسانہ	۴۵۴
فصل ہشتم	
نوجوانانِ احمدیت میں روحانی انقلاب	۴۶۰
ٹیونس۔ زیکوسلاواکیہ اور مراکش میں اشاعت احمدیت	۴۶۱
فصل نہم	
سیرالیون میں ایک عظیم نشان کا ظہور	۴۶۴
مسلمانوں پر حکومتِ فرانس کے ظلم و تشدد کے خلاف احتجاج	۴۷۷
فصل دہم	
احمدیہ مسلم سکنڈے نیویا مشن کا قیام	۴۷۹
مشن کا پہلا دور (خلافتِ ثانیہ میں)	۴۸۲
سکنڈے نیویا کے بعض دیگر ابتدائی مبایعین	۴۸۳
اوسلو میں مرکز کا قیام	۴۸۳
کوپن ہیگن پریس میں احمدیت کا چرچا	۴۸۴
ملکی لائبریریوں میں اسلامی لٹریچر	۴۸۴
نومسلموں کی تعلیم و تربیت	۴۸۴
فن لینڈ میں پیغام احمدیت	۴۸۶
ماہنامہ ایکٹو اسلام کا اجراء	۴۸۶
ڈنمارک مستقل مشن کی حیثیت سے	۴۸۷

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا		گوٹن برگ میں یورپین مبلغین کی کانفرنس	۵۰۳
دورۂ کوپن ہیگن	۴۸۷	چودہ یوگوسلاوین کا قبول احمدیت	۵۰۳
دوسرے مرکزی مبشرین کی آمد	۴۸۷	مسجد ناصر کی افتتاحی تقریب	۵۰۵
خواتینِ احمدیت کی مالی قربانی	۴۸۹	پریس میں چرچا	۵۰۷
مسجد نصرت جہاں کا سنگِ بنیاد	۴۹۰	حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا سفر ۱۹۷۸ء	۵۱۱
مسجد نصرت جہاں کا افتتاح	۴۹۱	احمدی مبلغ کو وزارتِ انصاف کی خصوصی اجازت	۵۱۶
کوپن ہیگن کی اہم شخصیتوں کی ملاقات اور		مسجد نُور اوسلو کا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ	
حضرت امام جماعت احمدیہ کا عیسائی دُنیا کو چیلنج	۴۹۲	کے ہاتھوں مبارک افتتاح	۵۱۸
تقریبِ افتتاح کا چرچا ڈنمارک پریس میں	۴۹۴	حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کا	
کلیسیا کی طرف سے مخالفت کا آغاز	۴۹۷	پہلا سفر سکنڈے نیویا	۵۲۱
ڈینش ترجمہ قرآن کی اشاعت و مقبولیت	۴۹۹	پریس کانفرنس	۵۲۳
اخبار "خلیج ٹائمز" میں ڈینش ترجمہ قرآن		استقبالیہ تقریب	۵۲۴
کا ذکر	۴۹۹	ربّانی تائید کا ایک خاص نشان	۵۲۵
یوگوسلاوین حلقوں میں احمدیت کا اثر و نفوذ	۵۰۰	خطبہ جمعہ	۵۲۵
گوٹن برگ مشن کی بنیاد	۵۰۲	پہلی مجلس شوریٰ	۵۲۷
حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے دستِ مبارک		سکنڈے نیویا پریس میں چرچا	۵۲۹
سے مسجد ناصر کا سنگِ بنیاد	۵۰۳	مشن کی مطبوعات	۵۳۶

ضمیمہ

۱۔ فہرست قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۶ء — ۱

۲۔ پاکستان فورم آف لائبیریا کے متعلق اخبار لائبیرین سٹار کی خبر — ۱۱

۳۔ پاکستانی سفیر کے خطوط — ۱۳

تصاویر

۱۔ حضرت مصلح موعودؓ جامعۃ المبشرین کی ایک تقریب میں — صا
۲۔ جامعۃ المبشرین میں سیّد ولی اللہ شاہ صاحب کی الوداعی تقریب — ص۱۵۱
۳۔ جلسہ سالانہ ربوہ ۱۹۵۵ء کی بعض یادگار تصاویر — ص۱۶۳
۴۔ ممباسہ مشرقی افریقہ میں حضرت مسیح موعودؑ کے بعض رفقائے خاص — ص۲۰۰
۵۔ سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ کا ایک تاریخی گروپ فوٹو — ص۲۰۰
۶۔ معتکفین مسجد مبارک قادیان ۱۹۵۵ء — ص۲۸۲
۷۔ سنگِ بنیاد فضل عمر ہسپتال حضرت مصلح موعودؓ کے دستِ مبارک سے۔ — ص۳۹۹
۸۔ سنگِ بنیاد دفتر انصار اللہ مرکزیہ ربوہ حضرت مصلح موعودؓ کے دستِ مبارک سے — ص۳۹۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

پہلا باب

مجلس مشاورت ۱۳۳۴ہش سنہ ۱۹۵۵ء سے لے کر امریکہ میں نظام "الوصیّت" کے نفاذ کی تحریک تک

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کے بابرکت عہدِ مبارک بلکہ آپ کی پوری زندگی کا جامع نقشہ اشتہار ۲۰ رفروری ۱۸۸۶ء کی الہامی پیشگوئی میں موجود ہے اور اس کا خلاصہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے درج ذیل اشعار میں بیان فرمایا ہے ؎

بشارت دی کہ اِک بیٹا ہے تیرا جو ہوگا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دُور اُس مہ سے اندھیرا دکھاؤں گا کہ اِک عالم کو پھیرا
بشارت کیا ہے اِک دل کی غذا دی فَسُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَخۡزَی الۡاَعَادِیۡ[1]

اِس الہامی بشارت کے ہر لفظ کا عملی ظہور حضرت مصلح موعودؓ کے مبارک زمانہ میں اِس کثرت اور تواتر سے

---

[1] "مجموعہ آمین" صفحہ ۱۱ مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان ۲۷ رنومبر ۱۹۰۱ء

ہوا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور علمِ تاریخ اور اس کے فلسفہ کا کوئی بڑے سے بڑا ماہر بھی اسے محض اتفاق سے تعبیر نہیں کر سکتا۔ قدرتِ ثانیہ کے اس عظیم الشان مظہر کی راہ میں بار بار اندھیرے آئے مگر نیّرِ صداقت کی کرنوں کی تاب نہ لا کر پاش پاش ہو گئے جس پر ۱۹۱۴ء، ۱۹۲۷ء، ۱۹۳۴ء، ۱۹۳۶ء، ۱۹۴۷ء اور بعد کے سالوں کی تاریخ گواہ ہے۔

اِسی طرح ۱۹۵۵ء کا سال بھی ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس کے شروع میں خدا کے محبوب بندہ اور حضرت مسیح موعودؑ کے لختِ جگر سیّدنا محمود المصلح الموعودؓ کی شدید بیماری سے دُنیائے احمدیت پر ایک تاریک رات چھا گئی جو حضور کے سفرِ مشرقِ وسطیٰ و یورپ اور لندن میں مبشّرینِ اِسلام کی عالمی تبلیغی کانفرنس کے بعد نہ صرف ایک پُرنور سویرے میں بدل گئی بلکہ مغربی ممالک میں قرآنِ مجید کے عالمی رُوحانی اور تبلیغی انقلاب کے لئے ایک زبردست حرکت پیدا کرنے کا موجب بنی اور "مسلم یورپ" کا وہ تصوّر جو حضرت مسیح موعودؑ نے القاءِ ربّانی کے تحت کتاب "ازالہ اوہام"[1] اور "نور الحق"[2] (حصہ اوّل) میں پیش فرمایا تھا جلد جلد حقیقت کا رنگ پکڑنے لگا۔

۱۹۵۵ء کے یادگار سال کے مندرجہ ذیل واقعات کا ذکر تاریخِ احمدیت کی سترھویں جلد میں آچکا ہے:۔

۱۹۵۵ء کا پہلا خطبہ جمعہ۔ جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کے لئے قیمتی تبرّک۔ شاہدین سے متعلق نئی سکیم۔ صدر انجمن احمدیہ کے لئے تحریکِ وقف۔ ضروری لٹریچر تیار کرنے کا ارشاد حضرت مصلح موعودؓ کی تشویشناک علالت (۲۶ فروری) حضور کے رُوح پرور پیغامات۔ دوسرا کامیاب سفرِ یورپ (روانگی از ربوہ ۲۳ مارچ)۔ دمشق، بیروت، زیورک، نیورمبرگ۔ ہمبرگ اور ہالینڈ میں شاندار تبلیغی مساعی۔ لندن میں مبلّغینِ احمدیت کی عالمی کانفرنس (۲۲ تا ۲۴ جولائی)۔ کراچی میں ورُود (۵ ستمبر)۔ ربوہ میں عظیم الشان استقبال (۲۵ ستمبر)۔

اب اِس جلد میں سب سے پہلے ۱۹۵۵ء کے بقیہ واقعات درج ہوں گے بعد ازاں

---

[1] صفحہ ۵۱۵، ۵۱۶ طبع اوّل (۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء) ریاض ہند پریس امرتسر۔

[2] صفحہ ۴۴ طبع اوّل (۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء) مفید عام پریس لاہور۔

تاریخی ترتیب کے مطابق سیکنڈے نیویا مشن کی بنیاد تک کے ضروری کوائف و احوال پر روشنی ڈالی جائے گی جس سے نہ صرف اُس دَور کی عالمگیر جماعتی سرگرمیوں کی تفصیل آنکھوں کے سامنے آجائے گی بلکہ یہ بھی معلوم ہو گا کہ خدا کے آسمانی سِلسلہ کا قدم اپنے پیارے امام ہمام کی بیماری کے ایام میں بھی پیچھے نہیں ہٹا بلکہ الٰہی نوشتوں کے مطابق آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا جیسا کہ خود حضرت مصلح موعودؓ نے دس سال قبل ۹ اپریل ۱۹۳۵ء کی مجلس مشاورت (قادیان) سے خطاب کرتے ہوئے پیشگوئی فرمائی تھی کہ:-

"ہر احمدی کو سمجھ لینا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود ...... نے اللہ تعالیٰ سے اِلہام پاکر میرے متعلق جو یہ خبر دی ہے کہ مَیں جلد جلد بڑھوں گا اِس کے معنے ..... یہ تھے کہ کام کی اہمیّت کے پیشِ نظر میرا فرض ہو گا کہ مَیں تیزی اور سُرعت کے ساتھ اپنے قدم کو بڑھاتا چلا جاؤں اور جب مَیں ..... جلد جلد قدم بڑھاؤں گا تو خدا تعالےٰ ان لوگوں کو بھی جو مجھ پر ایمان لائیں گے اِس بات کی توفیق عطا فرماوے گا کہ وہ جلد جلد اپنے قدم بڑھائیں۔ اِسی طرح جب خدا نے مجھے خبر دی کہ زمین میرے پاؤں کے نیچے سمٹتی چلی جا رہی ہے اور مَیں تیزی سے بھاگتا چلا جا رہا ہوں تو اس کے معنٰی بھی درحقیقت یہی تھے کہ جب مَیں تیزی کے ساتھ بھاگوں گا اور زمین میرے قدموں کے نیچے سمٹنی شروع ہو گی تو اللہ تعالیٰ ان سچّے مخلصوں کو بھی جنہیں میرے ساتھ وابستگی حاصل ہو گی اِس امر کی توفیق عطا فرماوے گا کہ وہ زمین کو جلد جلد طے کریں اور آناً فاناً دُور دراز فاصلوں کو طے کرتے ہوئے دُنیا کے کناروں تک پہنچ جائیں۔" [1]

---

[1] "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۷۸، صفحہ ۱۷۹ مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان ؁

فصل اوّل

مجلسِ مشاورت ۱۹۵۵ء

اِس سال جماعتِ احمدیہ کی چھتیسویں مجلسِ مشاورت کا اِنعقاد ۷، ۸، ۹ اپریل ۱۹۵۵ء (مطابق ۷، ۸، ۹ شہادت ۱۳۳۴ہش) کو عمل میں آیا۔ یہ مشاورت بھی لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے ہال میں ہوئی اور اِس میں ۲۰۷ پاکستانی نمائندگان کے علاوہ بعض بیرونی ممالک کی احمدی جماعتوں کے منڈوب بھی شامل ہوئے۔

حضرت مصلح موعودؓ اُن دنوں سفرِ یورپ کے ارادہ سے کراچی میں قیام فرما تھے۔ حضورؓ کی ہدایت کے مطابق مجلس کی صدارت کے فرائض مکرم جناب مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ صوبہ پنجاب نے انجام دئے۔ یہ پہلا موقع تھا جبکہ یہ مرکزی تقریب حضور کی عدم موجودگی میں منعقد ہوئی اور اس نے ہر نمائندہ کو پوری شدت سے محسوس کرا دیا کہ امامِ وقت کا مبارک اور خدانما وجود کتنی بھاری برکات اپنے اندر رکھتا ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود اکمل و اتم درجہ پر فائز محبوبانِ درگاہِ الٰہی کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"خدا کا نُور اُن کی پیشانی میں اپنا جلوہ ظاہر کرتا ہے۔ ایسا ہی اُن کے ہاتھوں میں اور پیروں میں اور تمام بدن میں ایک برکت دی جاتی ہے جس کی وجہ سے اُن کا پہنا ہؤا کپڑا بھی متبرّک ہو جاتا ہے اور اکثر اَوقات کسی شخص کو چھونا یا اُس کو ہاتھ لگانا اُس کے امراضِ رُوحانی یا جسمانی کے اِزالہ کا موجب ٹھہرتا ہے۔ اِسی طرح اُن کے رہنے کے مکانات میں بھی خدائے عزّ وجلّ ایک برکت رکھ دیتا ہے۔ وہ مکان بَلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ خدا کے فرشتے اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اِسی طرح اُن کے شہر یا گاؤں میں بھی ایک برکت اور خصوصیت دی جاتی ہے۔ اِسی طرح اس خاک کو بھی کچھ برکت دی جاتی ہے جس پر اُن کا قدم پڑتا

ہے"۔ [۱]

شمعِ خلافت کے پروانے جب دیکھتے کہ اُن کا جان سے بھی پیارا آقا اُن کے درمیان موجود نہیں تو اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا جاتیں اور اُن کے قلوب کی گہرائیوں سے یہ دُعا نکلتی کہ خدا کرے وہ دن جلد از جلد آجائے جبکہ حضور صحتِ کاملہ اور عاجلہ کے ساتھ ہم خادموں کے درمیان رونق افروز ہوں اور ہمیں حضور کے رُوح پرور کلمات سُننے اور حضور کی برکات سے مُستفیض ہونے کی سعادت حاصل ہو۔

اِفتتاح بہر کیف افسردگی اور متضرعانہ دعاؤں کے اِس ماحول میں مشاورت کی اِفتتاحی کارروائی حسبِ پروگرام ۷؍ اپریل کو ٹھیک ۲½ بجے بعد دوپہر شروع ہوئی۔ تلاوتِ قرآن کریم جناب صالح شبیبی صاحب انڈونیشین نے کی۔ اِس کے بعد صدرِ مجلس مرزا عبدالحق صاحب نے حاضرین سمیت دُعا کی اور فرمایا افسوس ہے کہ ہم اِس مرتبہ ایسے حالات میں یہاں جمع ہوئے ہیں کہ حضرت مصلح موعودؓ اپنی بیماری کی وجہ سے ہم سے دُور تشریف لے گئے۔ حضور کی عدم موجودگی میں دوستوں کو زیادہ سے زیادہ دعاؤں سے کام لینا چاہیئے تاکہ عملی لحاظ سے ہم پہلے کی نسبت بہتر ہو جائیں اور جس رنگ میں ہم سے قربانی کا مطالبہ کیا جائے اُسی رنگ میں ہم اپنی قربانی پیش کر سکیں اور ہماری طرف سے جو اطلاعات حضور کی خدمت میں پہنچیں وہ حضور کے لئے خوشی کا موجب ہوں۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا نوٹ صدرِ مجلس نے اِس اہم نکتہ کی طرف توجہ دلانے کے بعد حضرت مرزا بشیر احمد صاحب امیرِ مقامی کا رقم فرمودہ مندرجہ ذیل نوٹ پڑھ کر سُنایا:-

"حضرت صاحب کی بیماری میں جماعت پر زیادہ ذمہ داری عائد ہو گئی ہے جماعت کو اس کا احساس ہونا چاہیئے۔ اپنے اندر تقویٰ پیدا کریں اور اندرونی اور بیرونی

---

[۱] حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶، ۱۷ طبع اوّل مطبوعہ مطبع میگزین قادیان۔ تاریخ اشاعت ۱۵؍ مئی ۱۹۰۷ء۔

فتنوں کی طرف سے چوکس رہیں اور مرکز کو باخبر رکھیں۔

۲۔ اِس شوریٰ میں صدر کا کام فیصلہ کرنا نہیں ہوگا بلکہ صرف اِنتظام قائم رکھنا اور شوریٰ کے مشورہ کو ریکارڈ کرنا ہوگا۔

۳۔ اگر کسی امر میں شوریٰ کا مشورہ صدر انجمن احمدیہ کی تجویز کے مطابق ہوگا تو وہی آخری فیصلہ سمجھا جائے گا کیونکہ حضرت صاحب کی موجودہ صحت کی حالت میں حضور کے سامنے زیادہ امور پیش کرنے مناسب نہیں لیکن اگر شوریٰ نے کسی امر میں صدر انجمن احمدیہ سے اِختلاف کیا اور صدر انجمن اپنی رائے پر مُصِر رہی تو پھر حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کرکے آخری فیصلہ کے لئے کوئی بورڈ تجویز کرالیا جائے گا یا اگر حضور کی صحت میں افاقہ ہؤا تو حضور سے مناسب رنگ میں اِستصواب کرلیا جائے گا۔

۴۔ اصلی معاملہ اِس سال کے ایجنڈے میں بجٹ کا ہے باقی امور معمولی ہیں بجٹ پر اچھی طرح غور ہونا چاہیئے اور نیّت خالصتًہ اِصلاح اور جماعت کے کاموں میں بہتری کی رکھنی چاہیئے۔ چونکہ ایک سرسری نظر سے حضرت صاحب بھی انجمن کے بجٹ کو دیکھ چکے ہیں اِس لئے کوشش ہونی چاہیئے کہ موجودہ حالات میں خرچ میں کوئی اضافہ نہ ہو سوائے کسی اشد ضروری امر کے، ایسی اشد ضروری صورت میں بالمقابل تعیّن، اضافہ آمد کا بھی ضرور تجویز ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ اہلِ شوریٰ اور جماعت کا حافظ و ناصر ہو اور انہیں راستی اور رسداد کی طرف رہنمائی فرمائے۔'' [1]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب امیرِ مقامی کے اِس نوٹ کے سُنائے جانے کے بعد ایجنڈا کے مطابق باقاعدہ کارروائی شروع ہوئی اور دو سب کمیٹیوں کا تقرر عمل میں آیا۔ ایک سب کمیٹی بیت المال و تحریک جدید کی تھی اور دوسری دعوۃ و تبلیغ و بہشتی مقبرہ

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت منعقدہ ۷ تا ۹ اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۱-۳

کی ۔پہلی کمیٹی ستائیس ۲۷ نمائندوں پر اور دوسری بیس ۲۰ پر مشتمل تھی ۔

حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام

مجلس مشاورت کا دوسرا اجلاس ۸ ۔اپریل بعد دوپہر دو ۲ بجکر چالیس منٹ پر شروع ہوا ۔تلاوتِ قرآن کریم کے بعد جو حضرت ماسٹر فقیر اللہ صاحب نے کی صدرِ مجلس نے سب سے پہلے لمبی دُعا کرائی اور پھر حضرت مصلح موعودؓ کا وہ تازہ پیغام نمائندگان کو پڑھ کر سُنایا جو حضورؓ نے کراچی سے خاص طور پر اِس موقع کے لئے ارسال فرمایا تھا۔اِس قیمتی پیغام کا متن درج ذیل ہے :-

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ——— نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

احبابِ جماعتِ احمدیہ ! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

پہلی بات تو مَیں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ شوریٰ میری غیر حاضری میں آ رہی ہے ۔پہلے سال مَیں بوجہ زخم کے شوریٰ میں پُورا حصّہ نہیں لے سکا اِس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشق کروا دی مگر مَیں محسوس کرتا ہوں کہ ابھی آپ لوگوں میں اِتنی طاقت نہیں پیدا ہوئی کہ میری غیر موجودگی میں اپنی ذمّہ داری پر پُورا کام کر سکیں۔اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ایسی طاقت بھی پَیدا کر دے اور مجھے بھی ایسی صحت بخشے کہ آپ سے مِل کر اسلام کی فتح کی بنیادیں رکھ سکوں ۔جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے پچھلے چند دنوں سے میری طبیعت زیادہ خراب ہونے لگ گئی تھی مگر دو ۲ دنوں سے پھر بحالی کی طرف قدم جلدی جلدی اُٹھ رہا ہے چنانچہ اِس وقت بھی کہ مَیں یہ پَیغام لکھوا رہا ہوں مَیں کمرہ میں ٹہل رہا ہوں اور میرے قدم آسانی کے ساتھ چل رہے ہیں ۔پہلے جو بیماری کے حملہ کے بعد دماغ خالی خالی معلوم ہوتا تھا کل سے وقفہ وقفہ کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میں بھی نیک تغیّر پیدا ہو رہا ہے اور مَیں بعض اَوقات محسوس کرتا ہوں کہ مَیں سوچ سکتا ہوں اور نہ پچھلے

واقعات کا تسلسل میرے دماغ میں شروع ہو جاتا ہے بلکہ کراچی آتی دفعہ ریل میں ایک سُورۃ میرے دماغ میں آئی جس کے بعض حصّے لوگوں سے اَب تک حل نہیں ہو سکے تھے اور باوجود بیماری کے اس سُورۃ کی شرح وبسط مَیں نے کرنی شروع کی اور وہ تفسیر عمدگی کے ساتھ حل ہونی شروع ہوئی۔ تب مَیں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے خدا! ابھی دُنیا تک تیرا قرآن صحیح طور پر نہیں پہنچا اور قرآن کے بغیر نہ اسلام ہے نہ مسلمانوں کی زندگی۔ تو مجھے پھر سے توفیق بخش کہ مَیں قرآن کے بقیہ حصہ کی تفسیر کر دوں اور دُنیا پھر ایک لمبے عرصے کے لئے قرآن شریف سے واقف ہو جائے اور اس پر عامل ہو جائے اور اس کی عاشق ہو جائے۔ بہرحال آج میری طبیعت پچھلے چند دن سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے کچھ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ سفر کی پریشانیاں جو پیدا ہو رہی تھیں وہ دُور ہو رہی ہیں۔ پچھلے دنوں اختر صاحب اور مشتاق احمد صاحب باجوہ جو کام کے لئے جاتے رہے تو اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے یہ نہیں سمجھتے تھے کہ فوراً رپورٹ نہ پہنچی تو مجھے صدمہ ہوگا۔ دو چار دن کے تجربہ کے بعد مَیں نے خود اس بات کو محسوس کر لیا ہے اور انہیں ہدایت کر دی کہ جب وہ باہر جایا کریں تو ایک زائد آدمی لیکر جایا کریں اور اسے اس وقت کی رپورٹ دے کر میرے پاس بھجوا دیا کریں تاکہ مجھے پتہ لگتا رہے جب سے اس پر عمل ہُوا ہے میری گھبراہٹ اور پریشانی دُور ہونی شروع ہو گئی اور اب خدا تعالیٰ کے فضل سے طبیعت میں سکون ہے۔ خدا نے یہ بھی فضل کیا کہ جہاز کے ٹکٹوں کے ملنے کے غیر معمولی سامان ہو گئے اور ایکسچینج کے ملنے کے سامان بھی پیدا ہو گئے۔ اِس موقع پر اسلامی ممالک[1] کے بعض نمائندوں نے غیر معمولی شرافت کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اِن کے ملکوں کو عزّت اور ترقّی بخشے۔ اِس واقعہ سے طبیعت میں اَور بھی زیادہ سکون پیدا ہُوا

---

[1] سہواً ملک چھپ گیا۔

اور پریشانی دُور ہوئی۔ خدا کرے کہ مسلمانوں میں پھر سے اِتحاد پیدا ہو جائے اور پھر سے وہ گذشتہ عروج کو حاصل کرنے لگ جائیں اور اِسلام کے نام میں وہی رعب پیدا ہو جائے جو آج سے ہزار بارہ سَو سال پہلے تھا میں اس دن کے دیکھنے کا متمنی ہوں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں۔ جب سعودی، عراقی، شامی اور لبنانی، ترک، مصری اور یمنی سو رہے ہوتے ہیں اور مَیں ان کے لئے دعا کر رہا ہوتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ دعائیں قبول ہوں گی خدا تعالیٰ اِن کو پھر ضائع شدہ عروج بخشے گا اور پھر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قوم ہمارے لئے فخر و مباہات کا موجب بن جائے گی۔ خدا کرے جلد ایسا ہو۔

مَیں شوریٰ میں آنے والے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ سنجیدگی سے بجٹ اور دوسری باتوں پر غور کریں۔ اِس سال دس بارہ دن لگا کر مَیں نے خود بجٹ کو حل کیا ہے اِس لئے بجٹ میں دوستوں کو زیادہ تبدیلی نہیں کرنی چاہیئے۔ میرا خیال ہے کہ میری بیماری کا موجب وہ محنت بھی تھی جو تحریک اور انجمن کے بجٹوں کو ٹھیک کرنے کے لئے مجھے کرنی پڑی۔ مَیں تو بیمار ہو گیا مگر میری محنت کئی سال تک آمد و خرچ کے توازن کو ٹھیک کر دے گی۔

اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو اور آپ کو ان فرائض کے پُورا کرنے کی توفیق دے جن کا آپ وعدہ کر چکے ہیں اور جن کے بغیر جماعت کی ترقی ناممکن ہے۔" [1]

شوریٰ کی کارروائی اِس ایمان افروز اور اثر انگیز پیغام کے بعد مکرم مولوی عبدالرحمن صاحب انور سیکرٹری مجلس مشاورت نے حضرت مصلح موعودؓ کی وہ ہدایات پڑھ کر سُنائیں جن کے تحت اِس مشاورت کا اِنعقاد جناب مرزا عبدالحق صاحب کی زیرِ صدارت عمل

---

[1] "رپورٹ مجلس مشاورت" منعقدہ ۷ تا ۹۔ اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۷ - ۹

میں آیا۔ ازاں بعد حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ نے مجلس مشاورت ۱۹۵۴ء کے فیصلوں کی تعمیل پر مشتمل مفصل رپورٹ سُنائی۔ آپ کے بعد سیکرٹری مجلس مشاورت نے رپورٹ اضافہ بجٹ ۵۵-۱۹۵۴ء پڑھ کر سُنائی۔ یہ رپورٹ سُنائی جا چکی تو صدرِ مجلس کی ہدایت پر حضرت مولوی محمد دین صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ سٹیج پر تشریف لائے اور سب کمیٹی نظارت دعوۃ و تبلیغ و بہشتی مقبرہ کی رپورٹ پیش فرمائی جس میں ایجنڈا کی تین تجاویز زیرِ غور آئیں :-

۱۔ اُمراء اور مبلغین کے باہمی تعلقات۔

۲۔ پروگرام جلسہ سالانہ میں تغیّر و تبدّل۔

۳۔ بہشتی مقبرہ میں کسی علیحدہ قطعے کا میاں اور بیوی کے لئے مخصوص کیا جانا۔

اِس اجلاس میں سب کمیٹی اور نمائندگان کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز پہلی تجویز رہی جس کے دَوران صدر انجمن احمدیہ کا قاعدہ ۱۹۳۵ء-۶۸۱-الف اور حضرت مصلح موعودؓ کا ارشادِ مُبارک مطبوعہ اخبار الفضل ۲۶ مارچ ۱۹۴۹ء خاص طور پر پیش کیا گیا۔ اِن ہر دو کی عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے :-

نقل قاعدہ ۶۸۱ الف صَدر انجمن احمدیہ

"جب کسی مبلّغ کو مرکز کی طرف سے کسی جگہ مقرر کیا جاوے یا بھیجا جاوے تو وہ مرکز کا نمائندہ ہوگا اور اس کے فرائض میں یہ بھی شامل ہوگا کہ وہ مقامی کارکنوں کو مرکز کی ہدایات کی طرف توجہ دلائے لیکن اس کا فرض ہوگا کہ حتی الوسع مقامی امیر یا پریذیڈنٹ سے مشورہ کر لیا کرے۔ اگر مبلّغ کسی مقامی عہدیدار کے طریقِ کار کو قابلِ اِصلاح سمجھے تو اسے چاہیئے کہ مقامی امیر یا پریذیڈنٹ کے واسطہ سے اِصلاح کرائے مبلّغ کو حق ہوگا کہ مقامی انجمن یا مجلس میں حاضر ہو کر مشورہ میں شریک ہو مگر وہ ووٹ نہیں دے سکتا۔ اگر مبلّغ اور امیر یا پریذیڈنٹ میں اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ مرکز کی طرف سے ہوگا۔ مبلّغ کو ہر قسم کی مقامی پارٹی بازی سے مجتنب رہنا ہوگا۔ خاص حالات میں کسی بڑی اور اہم جماعت کے متعلق ناظر دعوۃ و تبلیغ کو اختیار ہوگا کہ مبلّغ کو یہ ہدایت دے کہ وہ مقامی امیر یا پریذیڈنٹ کی ہدایات کے

ماتحت کام کرے"۔[1]

ارشادِ مُبارک حضرت مصلح موعودؓ

"سِلسلہ جن کو نمائندہ بنا کر بھیجے مقامی جماعت کے وہ لوگ جن کی آمدنیاں زیادہ ہوں وہ اس کو ملّانوں کی سی حیثیت دے دیں اور وہ ماتحت کی حیثیت میں رہے غلط بات ہے اسے ہم کبھی برداشت نہیں کریں گے۔ جو ہمارا نمائندہ ہو کر جائے گا وہی افسر ہوگا دوسرا خواہ لاکھ روپے کماتا ہو وہ اس کا ماتحت ہوگا۔ کمائی کی وجہ سے اپنے آپکو بڑا سمجھنا ویسی ہی بات ہے جیسے عبداللہ بن ابی سلول نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا تھا کہ مدینہ کا معزز ترین شخص ذلیل ترین شخص کو مدینہ سے نکال دے گا۔ بہر حال سلسلہ کا نمائندہ دُنیوی دولت مندوں سے زیادہ معزز ہے اور مقامی لوگوں کو اس کا ادب اور احترام کرنا ہوگا اگر وہ نہیں کریں گے تو فتنہ کا موجب ہوں گے اور اپنے کئے کی سزا پائیں گے۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ ہمارا نمائندہ غلطی نہیں کر سکتا اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نمائندے سے پُرسش نہیں ہوگی وہ غلطی بھی کر سکتا ہے اور پُرسش بھی ہوگی اور اس کے جُرم کے مطابق اسے سزا دی جائے گی لیکن سب کچھ آئین کے مطابق ہوگا افراد کو کوئی حق نہیں کہ اپنا فیصلہ کر کے حکومت جتانا چاہیں اِسلام ناواجب حکومت کے بھی خلاف ہے اور وہ نشوز کے بھی خلاف ہے ..."[2]

حضرت مولوی محمد دین صاحب نے سب کمیٹی کی رپورٹ میں صدر انجمن احمدیہ کے مندرجہ بالا قاعدہ اور ارشاد حضرت مصلح موعودؓ کا خاص طور پر ذکر کیا۔ اِن ہر دو تحریرات کے سُنائے جانے کے بعد سب کمیٹی میں کُھل کر تبادلۂ خیالات ہوُا جس میں متعدد ممبروں نے حصّہ لیا۔ اِس سلسلہ میں چوہدری انور حسین صاحب بی۔ اے، ایل ایل۔ بی وکیل و امیر شیخوپورہ نے اِس امر کی تائید کی کہ مبلّغین حسبِ دستور مرکز کے ماتحت ہی رہنے چاہئیں کیونکہ اوّل تو تمام جماعتوں کی تعلیمی استعداد

---

[1] "رپورٹ مجلس مشاورت" منعقدہ ۷ تا ۹ اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۴۔

[2] الفضل ۲۶ مارچ ۱۹۴۹ء صفحہ ۲۔

ایک جیسی نہیں ہوتی پھر جماعتوں کے رُجحانات الگ الگ ہوتے ہیں اِس طرح اگر الگ الگ افراد وجماعتوں کے رحم وکرم پر مبلغین چھوڑ دیئے جائیں تو تبلیغ کی پالیسی کی یکسانیت ٹوٹ جاتی ہے بعض جگہوں میں ابھی تک مبلغین کے علمی مقام اور نمائندہ مرکز کی حیثیت کا وہ احساس نہیں جیسا کہ ہونا چاہیئے مبلغ کے اِحترام کے پیشِ نظر اس کا مرکز کے ماتحت ہی براہِ راست رہنا ضروری ہے۔

مولانا جلال الدین صاحب شمس نے فرمایا کہ قاعدہ صدر انجمن ۱۶۸ الف اور ارشاد حضور نہایت واضح ہیں اِن میں تمام مشکلات کا حل موجود ہے اور ہر مبلغ کی حیثیت بمقابلہ امراء وضاحت سے بیان کی گئی ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت نہیں جن مشکلات کا ذکر کیا گیا ہے وہ مرکز کی طرف رجوع کرنے سے حل ہوسکتی ہیں اِس لئے مبلغ کی حیثیت برقرار رکھنی چاہیئے اور وہ مقامی جماعت کا رُوحانی اُستاد ہونے کی وجہ سے یہ حق رکھتا ہے کہ اس کی پوزیشن بالا رہے۔

مولوی احمد خاں صاحب نسیم نے فرمایا کہ جو مبلغ امیرِ مقامی اور جماعت سے تعاون و مشورہ سے کام نہ لے اُن کو وہ مبلغ نہیں سمجھتے۔ اُن کو اِس امر پر زور دینے کی ضرورت اِس وجہ سے بھی محسوس ہوئی کہ بعض ممبروں کا اِن کی طرف بھی اشارہ اِن کو محسوس ہوا مگر انہوں نے وضاحت فرمائی کہ اگر کبھی اِن کے دَورہ میں رکاوٹ پیدا ہوئی تو وہ بجٹ کے ختم ہوجانے کی وجہ سے اور مقامی جماعت کے پاس فنڈز کی قلت کی وجہ سے۔ وَاِلّا وہ ہمیشہ مشورہ اور تعاون سے کام کرنے کے عادی ہیں۔

بالآخر مولانا ابوالعطاء صاحب نے اپنی اِخلاص سے پُر تقریر کے ساتھ تمام احباب کی توجہ اِس طرف مبذول کروائی کہ مبلغ خواہ کیسا ہی نوجوان ہو اس کی پوزیشن ایک رُوحانی اُستاد معلّم اور رہنما کی ہوتی ہے احبابِ جماعت جس قدر اس پوزیشن کو اعلیٰ اور ارفع بنائیں گے اسی قدر اس کے کام میں برکت ہوگی اور دوسروں کی نظروں میں بھی اور اپنوں کی نظروں میں اس کا احترام و اَدب پیدا ہوگا اور اتنی ہی اس کے الفاظ میں برکت ہوگی اور اگر اس کو ایک معمولی کارندہ اور مُلّا کی حیثیت دی جائے گی تو وہ اپنے کام میں ناکام رہے گا۔

اس کے بعد حضرت مولوی محمد دین صاحب نے بتایا کہ انہوں نے سب کمیٹی کے صَدر

حضرت قاضی محمد یُوسف صاحب امیر سرحد کی اجازت سے نظارت اِصلاح و ارشاد کے طریق کار کی وضاحت کی اور مختصر لفظوں میں کہا کہ ابھی تک دستور اور طریق یہ ہے کہ حضور خود مبلّغ کا تقرر و تعین فرماتے ہیں خود مبلّغ کو علیحدہ اور اکٹھے ہدایات دیتے ہیں پروگرام تمام مبلّغوں کے لئے حضور خود مجموعی اور انفرادی طور پر تجویز فرماتے ہیں اور پھر تمام مبلّغوں کی رپورٹوں پر خود تنقید فرماتے ہیں۔ مبلّغوں کا تقرر و تبدّل حضور کے حکم سے ہوتا ہے پھر ان مبلّغین کا اِنتخاب اِن لوگوں میں سے ہوتا ہے جو انٹرنس پاس کر کے چار سال میں مولوی فاضل پاس کرتے ہیں اور دیگر دینی علوم حاصل کرتے ہیں اس کے دو اڑھائی بلکہ اب تو ساڑھے تین سال جامعۃ المبشّرین میں لگاتے ہیں اور جامعۃ المبشّرین کی تعلیم و کورس اور اِمتحان تمام حضور کی نظروں کے ماتحت ہوتے ہیں وقتاً فوقتاً حضور ہدایات جاری فرماتے ہیں۔ اِس طرح سے یہ مبلّغین ۲۰ سال سے اُوپر اور ۲۵ سال تک تعلیم حاصل کرنے پر اور اب اس کے بعد مزید دو سال کی ٹریننگ کے بعد پھر ان کو پہلے بطور ماتحت مبلّغ کے لگایا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اِن مبلّغین کی تعلیم و تربیت پر کس قدر وقت اور روپیہ صَرف ہوتا اور دماغ سوزی کی جاتی ہے باوجود اِن باتوں کے غلطیاں ہوتی ہیں تو اِن کی اِصلاح ہوتی رہتی ہے۔ غلطی پر پُرسش اور پُرسش سے زیادہ تعزیری کارروائی تک کی جاتی ہے۔ مبلّغین کو ہدایات دی جاتی ہیں کہ وہ حتّی الوسع اپنے پروگرام مقامی جماعت کے امیر کے مشورہ سے تیار کر کے مرکز سے منظوری لے لیں نیز صیغہ نے تمام ممبران کو یقین دلایا کہ جس قدر بے قاعدگیاں دفتر کے نوٹس میں آتی رہتی ہیں اِن کا ازالہ کیا جاتا ہے احباب کو چاہیئے کہ مرکز کو وقتاً فوقتاً باخبر رکھتے رہیں۔ اِس پر تمام احباب نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ موجودہ طریقِ کار منظور کردہ صدر انجمن احمدیہ ۶۸۱ الف اور مضمون مندرجہ الفضل ۲۶ مارچ ۱۹۴۹ء ہی صحیح ہے اس میں کسی تغیّر کی ضرورت نہیں ہاں رخصت کا علم اور پروگرام کے تجویز کرنے میں حتّی الوسع مقامی جماعت کے مشورہ اور علم کو ملحوظ رکھا جائے۔"[1]

حضرت مولوی صاحب نے اپنی رپورٹ کے آخری حصہ میں جلسہ سالانہ کے پروگرام کی نسبت

---

[1] "رپورٹ مجلس مشاورت" (منعقدہ ۸ تا ۹ اپریل ۱۹۵۵ء) صفحہ ۲۰، ۲۱

سب کمیٹی کی یہ رائے بتائی کہ جلسہ ۱۹۵۴ء کا پروگرام ہی صحیح ہے۔

جہاں تک میاں بیوی کے لئے بہشتی مقبرہ میں ایک قطعہ کے مخصوص کئے جانے کا معاملہ تھا اُس پر سب کمیٹی کی رائے یہ تھی کہ الگ قطعہ کی ضرورت نہیں۔

سب کمیٹی دعوۃ وتبلیغ و بہشتی مقبرہ کی رپورٹ پر تفصیلی بحث و تمحیص ہوئی جس کی تفصیل مشاورت کی مطبوعہ رپورٹ میں درج ہے۔

مشاورت کا آخری دن

مشاورت کے تیسرے اور آخری روز کی کارروائی ۹ر اپریل کو ساڑھے سات بجے صبح اجتماعی دُعا کے ساتھ شروع ہوئی جس میں بابو محمد عبداللہ صاحب ناظر بیت المال نے سب کمیٹی بجٹ شوریٰ بابت ۵۶-۱۹۵۵ء کی رپورٹ پیش کی۔ اِس سب کمیٹی کا اجلاس ڈاکٹر محمد عبدالحق صاحب لاہور کی زیرِ صدارت منعقد ہوا تھا۔ سب کمیٹی نے میزانیہ صدر انجمن احمدیہ و تحریکِ جدید کا جائزہ لیا اور سٹینڈنگ فنانس کمیٹی کی جملہ سفارشات اور ترمیمات اور دونوں بجٹوں کے منظور کئے جانے کی سفارش کی۔

سب کمیٹی کی اِس رپورٹ کے بعد بجٹ پر عمومی بحث ہوئی اور بالآخر نمائندگانِ شوریٰ نے بالاتفاق سفارش کی کہ صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کے بجٹ جس شکل میں سب کمیٹی کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں اُنہیں منظور کر لیا جائے۔ ازاں بعد سات ممبران پر مشتمل ایک کمیشن کا تقرر کیا گیا جس کے اغراض و مقاصد میں یہ تھا کہ وہ صدر انجمن احمدیہ کے کاموں کا جائزہ لے اور انجمن کے پنشنرز اور کارکنوں کے حقوق اور مفاد کے بارہ میں تحقیقات کر کے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمتِ اقدس میں اپنی رپورٹ پیش کرے۔

نمائندگانِ مجلسِ شوریٰ کے سامنے بالآخر ایجنڈا کی تجاویز میں سے آخری تجویز یہ زیرِ غور آئی کہ مجلسِ شوریٰ میں صدر انجمن احمدیہ کے نمائندوں کی تعداد کو بیس ۲۰ سے بڑھا کر پچیس ۲۵ کر دیا جائے۔ نمائندگان کی اکثریت نے اِس تجویز کے حق میں رائے دی۔

اِختتام

اِس کے بعد صدرِ مجلس مرزا عبدالحق صاحب نے مختصر اِختتامی تقریر کی جس میں فرمایا کہ اِس سال مجلس مشاورت میں نہایت درجہ افسردگی رہی ہے۔ حضور کی تقاریر اور ہدایات سے ہماری رُوحیں جو تازگی حاصل کرتی تھیں اِس دفعہ ہم اُن سے محروم رہے ہیں۔ اِن دردبھرے

الفاظ کے بعد (جو ہر احمدی کے دِلی جذبات کی ترجمانی کر رہے تھے) آپ نے حضرت مصلح موعودؓ کے سفر کے بابرکت ہونے اور حضور کی کامل و عاجل شفایابی کے لئے دُعا کی تحریک کی اور اِس سلسلہ میں جماعت کو مالی قربانی کی طرف بھی توجّہ دلائی اور اجتماعی دُعا کے ساتھ شوریٰ کے اِختتام کا اعلان کیا۔

بالآخر یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ نے مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء میں یہ اعلان فرمایا تھا کہ :-

"اِسلامی اصولِ شریعت کے مطابق کسی امر کے فیصلہ کا حق خلیفہ کو ہی ہے دوسروں کا کام مشورہ دینا ہے۔ پس مجلس مشاورت کوئی فیصلہ نہیں کرتی بلکہ مشورہ دیتی ہے فیصلہ خلیفہ کرتا ہے۔"

اِس ارشاد کی تعمیل میں پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے مجلسِ شوریٰ کی سفارشات حضور کی خدمت میں بغرض منظوری پیش کرنے کے لئے عرض کیا تو حضور نے فرمایا

اِن سب امور کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں جس کے متعلق ناظر صاحب اعلیٰ سمجھیں کہ میرے فیصلہ کے لئے پیش کرنا ضروری ہے اسے پیش کر دیں۔

جہاں تک میزانیہ کا تعلق تھا حضور اُس کی منظوری پہلے ہی عطا فرما چکے تھے۔ [1]

مشرقی پنجاب میں صداقتِ احمدیّت کا ایک نشان

"داغِ ہجرت" کے عظیم سانحہ کے بعد متعدد نشانات احمدیت کی تائید میں قادیان اور اس کے گردونواح میں ظاہر ہوئے جن کی وجہ سے مخالفانہ ماحول بہت حد تک سازگار فضا میں تبدیل ہوُا اور درویشانِ قادیان کی مشکلات میں بھی نمایاں کمی ہوئی۔ اِس سِلسلہ میں ۱۹۵۵ء کے وسط میں ایک ایمان افروز نشان ظاہر ہوُا جس سے پتہ چلتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کِس طرح احمدیت کی تائید و نصرت کے لئے جوش زن ہے۔

ذیل میں اِس نشان کی تفصیل مولوی برکات احمد صاحب راجیکی بی۔ اے ناظر بیت المال قادیان

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۵ء

کے قلم سے درج کی جاتی ہے:۔

"گورداسپور میں ایک معزز ہندو دوست دیوان کیدارناتھ صاحب قیام پذیر ہیں وہ تقسیمِ ملک کے بعد ضلع سیالکوٹ سے آکر بطور پناہ گزین کے گورداسپور میں مقیم ہوئے۔ قادیان کے بعض احمدی دوستوں سے اُن کے اچھے مراسم ہیں۔ ایک عرصہ کی بات ہے کہ اُن کو کسی دوست سے اِتفاقاً حضرت مسیح موعود کا فوٹو مل گیا جو انہوں نے اپنے رہائشی مکان کے ایک کمرہ میں آویزاں کر لیا۔ دو ماہ پیشتر وہ بعارضہ وجع المفاصل GOUT سخت بیمار ہو گئے۔ ان کے گھٹنے اور پاؤں میں ورم ہو گیا اور ہر وقت شدید درد رہنے لگا۔ انہوں نے سول ہسپتال گورداسپور اور بعض اور ماہر ڈاکٹروں سے علاج کروایا ہر قسم کی ادویہ اور ٹیکے استعمال کئے مگر آرام نہ ہُوا۔

ایک دن جب وہ شدّتِ درد سے بہت بے چین تھے تو حضرت اقدس.... کے فوٹو کی طرف مُنہ کر کے انہوں نے نہایت تضرّع سے دعا کی ابھی وہ دُعا کر ہی رہے تھے کہ ان کو زور سے آواز آئی:۔

"تمہارا علاج قادیان میں ہے"

اِس غیبی آواز کے سُننے کے بعد اُن کو یہ یقین ہو گیا کہ قادیان ہی میں جا کر ان کو افاقہ ہو گا چنانچہ وہ اپنے ایک پڑوسی کے سہارے قادیان پہنچے اور اپنی بیماری کی تفصیل اور قادیان آنے کی وجہ بیان کی۔ چنانچہ مکرمی ڈاکٹر بشیر احمد صاحب انچارج احمدیہ شفاخانہ نے ان کا علاج شروع کر دیا ابھی علاج کرتے ہوئے دو دن ہوئے تھے کہ اُن کا درد جاتا رہا اور چند دن میں ورم بھی اُتر گیا اور وہ جلد ہی تقریباً شفایاب ہو کر واپس گورداسپور تشریف لے گئے۔ اِس واقعہ کا ذکر وہ اکثر لوگوں سے کرتے رہتے ہیں کہ کس طرح ان کی شدید بیماری قادیان اور اس کے درویشوں کی برکت سے دُور ہوئی اور کس طرح غیبی آواز نے اُن کو قادیان جا کر علاج کروانے کی طرف رہنمائی کی۔ اِس واقعہ کا بفضلہٖ تعالیٰ عام پبلک پر بہت خوشگوار اثر ہُوا ہے۔" [1]

---

[1] روزنامہ الفضل یکم جولائی ۱۹۵۵ء (یکم وفا ۱۳۳۴ھ ش) صفحہ ۳، ۴

فصلِ دوم

حضرت امّاں جی صغریٰ بیگم صاحبہؓ کی المناک وفات

جماعتِ مومنین کے لئے اپنی رُوحانی والدہ حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم کی رحلت[1] کا المناک اور دردانگیز صدمہ ابھی تازہ ہی تھا کہ حضرت امّاں جی صغریٰ بیگم صاحبہ (حرم حضرت خلیفۃ المسیح اوّل مولانا نورالدینؓ) بھی ۶، ۷۔ اگست ۱۹۵۵ء کی درمیانی شب کو ربوہ میں اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملیں انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

یہ خبر سُنتے ہی امیر مقامی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔ اے، صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب (ناظر اعلیٰ) اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے دیگر معزز ارکان کے علاوہ بزرگانِ سلسلہ اور احباب میاں عبدالمنان صاحب عمر کے کوارٹر پر پہنچ گئے جہاں انہوں نے زندگی کے آخری ایّام گذارے تھے۔ صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کے دفاتر بند کر دئے گئے۔

حضرت مصلح موعودؓ کا برقیہ

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ اُن دنوں لندن میں قیام فرما تھے حضور کی خدمتِ اقدس میں اس حادثہ کی اِطلاع دی گئی تو آپ کی طرف سے تعزیّت کا حسبِ ذیل تار موصول ہوُا:۔

"امّاں جی کی وفات کی خبر سُن کر بہت افسوس ہوُا۔ تمام خاندان تک میری طرف سے تعزیّت کا پیغام پہنچا دیں۔ خدا تعالیٰ ان کی رُوح کو بلند درجات عطا فرمائے۔ ان کو صالحہ بیگم صاحبہ (اہلیہ میر محمد اسحٰق صاحب مرحوم) کی قبر کے ساتھ دفن کیا جائے۔

مرزا محمود احمد"[2]

---

[1] تاریخ وفات ۲۰، ۲۱۔ اپریل ۱۹۵۲ء

[2] (ترجمہ) "الفضل" ۱۰۔ ظہور ۱۳۳۴ہش / ۱۰۔ اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

حضرت اماں جی کو جس پانی سے غسل دیا گیا اس میں آبِ زمزم شامل تھا اور غلافِ کعبہ کے بابرکت کپڑے سے آپ کا کفن تیار کیا گیا۔ ساڑھے پانچ بجے شام آپ کا جنازہ تابوت میں رکھ کر باہر لایا گیا اس وقت تک بیرونی مقامات مثلاً سرگودھا، لائل پور (فیصل آباد)، جھنگ، شیخوپورہ، اور لاہور کی جماعتوں کے احباب خاصی تعداد میں پہنچ چکے تھے۔

پونے چھ بجے شام مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس نے ریلوے لائن کے سامنے کھلے میدان میں نماز جنازہ پڑھائی جس میں ہزارہا افراد نے شرکت کی۔ نماز جنازہ کے بعد تابوت موصیوں کے قبرستان میں لے جانے کے لئے اُٹھایا گیا جس چارپائی پر تابوت رکھا گیا اس کے ساتھ لمبے بانس باندھے گئے تھے۔ سوا چھ بجے جنازہ قبرستان میں پہنچا۔ تابوت کو قبر میں اُتارنے میں جن بزرگوں نے حصہ لیا ان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصحاب کے علاوہ ربوہ میں مقیم بعض بیرونی ممالک مثلاً انڈونیشیا، مشرقی افریقہ اور ٹرینیڈاڈ کے احمدی طلباء بھی شامل تھے۔ پونے سات بجے شام آپ کے جسدِ خاکی کو حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایت کے مطابق بیگم صاحبہ حضرت سید محمد اسحٰق صاحب کے مزارِ مبارک سے متصل جگہ پر سپردِ خاک کر دیا گیا اور مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس ہی نے آخری اجتماعی دعا کرائی۔[۱]

حالات وشمائل

حضرت اماں جی لدھیانہ میں ۱۲۹۱ھ[۲] (۷۵-۱۸۷۴ء) کے دوران پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت صوفی احمد جان صاحب تھے جنہوں نے "براہین احمدیہ" پر شاندار تبصرہ شائع فرمایا۔ سیدنا حضرت مسیح موعود فرمایا کرتے تھے کہ سجادہ نشینوں میں سب سے پہلے انہوں نے مجھے مانا[۳] "ازالہ اوہام" صفحہ ۷۹۱ تا ۷۹۲ میں حضور نے نہایت قابلِ رشک

---

[۱] الفضل ۹ راگست ۱۹۵۵ء / ۹ ظہور ۱۳۳۴ ہش صا۔

[۲] حضرت پیر افتخار احمد صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کی تاریخ پیدائش "والدہ عبدالسلام" ہے یعنی ۱۲۹۱ھ (رسالہ مصباح ربوہ ستمبر ۱۹۵۵ء ص۳)

[۳] اِفتخار الحق ص۲۵۱ از حضرت پیر افتخار احمد صاحب۔ ناشر حکیم عبداللطیف صاحب شاہد تاجر کتب۔ ۱۴۱ بین بازار گوالمنڈی لاہور۔ وفات ۱۷ ربیع الاول ۱۳۰۳ھ لدھیانہ "گورغریباں" میں دفن کئے گئے مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد اوّل و دوم۔

الفاظ میں اُن کا ذکر کیا اور تحریر فرمایا کہ :-

"اگرچہ حضرت موصوف اس عاجز کے شروع سلسلہ بیعت سے پہلے ہی وفات پا چکے لیکن یہ امر اُن کے خوارق میں سے دیکھتا ہوں کہ انہوں نے بیت اللہ کے قصد سے چند روز پہلے اِس عاجز کو ایک خط ایسے اِنکسار سے لکھا جس میں انہوں نے درحقیقت اپنے تئیں اپنے دِل میں سلسلہ بیعت میں داخل کر لیا۔"

حضرت اماں جی صغریٰ بیگم کی شادی اپنے والد بزرگوار کے وصال کے بعد مارچ ۱۸۸۹ء میں ہوئی سیدنا حضرت مسیح موعود نے آپ کو حضرت مولانا نورالدین بھیروی کی زوجیت کے لئے منتخب فرمایا اور جانبین کو تحریک فرمائی اور حضرت مولوی صاحب کی برات کے ساتھ لدھیانہ بھی تشریف لے گئے۔[1] پھر قادیان سے آپ کو بذریعہ مکتوب ارشاد فرمایا کہ :-

"آپ بھی دعا میں مشغول رہیں۔ نئی بیوی کی دِلجوئی نہایت ضروری ہے کہ وہ مہمان کی طرح ہے۔ مناسب ہے کہ آپ کے اَخلاق اس سے اوّل درجہ کے ہوں اور ان سے بے تکلّف مخالطت اور محبت کریں اور اللہ جلّشانہٗ سے چاہیں کہ اپنے فضل و کرم سے ان سے آپ کی صافی محبت تعشق پیدا کر دے کہ یہ سب امور اللہ جلّشانہٗ کے اختیار میں ہیں۔ اَب اس کے نکاح سے گویا آپ کی نئی زندگی شروع ہوئی ہے اور چونکہ اِنسان ہمیشہ کے لئے دُنیا میں نہیں آیا اِس لئے نسلی برکتوں کے ظہور کے لئے اب اِسی پیوند پر اُمیدیں ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے لئے یہ بہت مبارک کرے۔ مَیں نے اِس محلہ میں خاص صاحبِ اسرار واقف لوگوں سے اِس لڑکی کی بہت تعریف سُنی ہے کہ بالطبع صالحہ، عفیفہ وجامع فضائل محمودہ ہے اس کی تربیت تعلیم کے لئے بھی توجہ رکھیں اور آپ پڑھایا کریں کہ اس کی استعدادیں نہایت عمدہ معلوم ہوتی ہیں اور اللہ جلّشانہٗ کا نہایت فضل اور احسان ہے کہ یہ جوڑ بہم پہنچایا ورنہ اس قحط الرجال میں ایسا اِتفاق محالات

---

[1] "رجسٹر روایات" غیر مطبوعہ جلد ۷ صفحہ ۴، ۵ (از حضرت پیر افتخار احمد صاحب)
"حیاتِ احمد" جلد سوم صہ ۱۵ (از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)

کی طرح ہے۔"[1]

مارچ ۱۸۸۹ء کی بیعتِ اولیٰ کے دَوران آپ لدھیانہ میں تھیں اور جیسا کہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے لکھا ہے:۔

"حضرت امّاں جان (مَتَّعَنَا اللّٰہُ بِطُوْلِ حَیَاتِہَا) کے سوا وہ سب سے پہلی خاتون ہیں جن کو شرفِ بیعت حاصل ہوا۔ حضرت کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے رجسٹر میں ان کی تاریخ بیعت ۲۵۔ مارچ ۱۸۸۹ء نمبر ۶۹ پر درج ہے۔"[2]

حضرت مولانا نورالدین (خلیفۃ المسیح الاوّل) اگست ۱۸۹۱ء میں ریاست جموں کی ملازمت ترک کرنے کے بعد اپنے آبائی وطن بھیرہ میں تشریف لے آئے اور ۱۸۹۳ء کی پہلی سہ ماہی میں آپ مستقل طور پر ہجرت کرکے قادیان آگئے تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام نے آپ کو مع اہل و عیال "الدّار" ہی میں جگہ دی اس کے بعد آپ کا مطب تیار ہوا اور پھر وہ مکان بنا جہاں اب مہمان خانہ کی قدیم عمارت ہے۔ حضرت مولانا نورالدین پہلے اس جگہ منتقل ہوگئے بعد ازاں آپ نے مطب[3] کے شمالی جانب ڈھاب کے سامنے ایک وسیع مکان بنوایا اور پھر اسی مکان میں رہائش پذیر ہو گئے۔[4] حضرت امّاں جی اُن خوش قسمت خواتین میں سے تھیں جنہیں حضرت مسیح موعودؑ کے زمانے میں ہی نظامِ الوصیّت سے وابستہ ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ نظارت

---

[1] "مکتوباتِ احمدیہ" جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۶۷، ۶۸

[2] "حیاتِ احمد" جلد سوم صفحہ ۱۵ (از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی) مطبوعہ اسلامی پریس حیدرآباد دکن۔ اگست ۱۹۵۲ء۔

[3] سلسلہ کے ان ابتدائی ایّام میں آپ کا مطب ہی بطور مہمان خانہ استعمال ہوتا تھا جہاں الدّار کے علاوہ آنے والے مہمان بکثرت قیام فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب (سابق مہتہ گوراندتہ مل) پہلی بار وارد قادیان ہوئے تو آپ اسی مطب میں مقیم ہوئے تھے۔ (الحکم ۱۴ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۷)

[4] "ذکرِ حبیب" از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ ۸

بہشتی مقبرہ کے ریکارڈ کے مطابق آپ نے ۲۸۵ نمبر پر ۱۷ فروری ۱۹۰۸ء کو وصیت کی اور حصہ وصیت ⅓ مقرر کیا۔ آپ کا وصیت فارم ریکارڈ میں محفوظ ہے اور اس پر بطور گواہ آپ کے عالی مرتبت خاوند نیز حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم اور حضرت شیخ غلام احمد صاحب واعظ کے دستخط ہیں۔

۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۴ء تک آپ نے قادیان کی احمدی مستورات کی علمی ترقی اور بیداری کے لئے قابلِ قدر مساعی کی جس کا ثبوت اس دَور کے اخبارات و رسائل ہیں جن میں آپ کی بعض تقاریر یا مضامین شائع ہوئے۔[۱]

حضرت مصلح موعود کے مبارک دَور میں آپ جلسہ سالانہ کے دَوران اپنے گھر کی ناظمہ کی حیثیت سے ۱۹۱۶ء سے لے کر ۱۹۴۶ء تک خواتین کی مہمان نوازی کا فریضہ بجالاتی رہیں۔[۲] علاوہ ازیں آپ کا مستورات کے پہلے سالانہ جلسہ پر خطاب کرنا بھی ثابت ہے۔[۳] فروری ۱۹۲۳ء کی تحریک برائے چندہ مسجد برلن میں آپ نے ایک سو روپیہ چندہ پیش کیا جس کا ذکر حضرت مصلح موعود نے اپنے ایک مضمون میں خاص طور پر فرمایا۔[۴]

آپ اُن خوش نصیب خواتین میں سے ہیں جنہیں ۱۹۳۹ء میں لوائے احمدیت کے لئے اپنے ہاتھ سے سُوت کاتنے کی توفیق عطا ہوئی۔[۵]

۱؎ مثلاً بدر ۲۰ رمئی ۱۹۰۹ء صفحہ ۶، ۱۷ رجون ۱۹۰۹ء صفحہ ۹، الحکم ۲۱ رجون ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۵، رسالہ "احمدی خاتون" قادیان جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۳۹، ۴۰۔

۲؎ الفضل ۱۹/۲۲ دسمبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۶، "مصباح" قادیان ۱۵ رجنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۴۔ تاریخ لجنہ اماءِ اللہ جلد اوّل صفحہ ۵۸۸ (مرتبہ حضرت اُمِّ متین سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ صدر لجنہ اماءِ اللہ مرکزیہ)

۳؎ الفضل ۳ رجنوری ۱۹۱۵ء صفحہ ۸۔

۴؎ رسالہ "احمدی خاتون" قادیان فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۶۔

۵؎ تاریخ لجنہ اماءِ اللہ جلد ۱ صفحہ ۴۵۰۔ "روئداد جلسہ جوبلی" صفحہ ج (حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے سیکرٹری خلافت جوبلی) ناشر مینیجر بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان)

حضرت امّاں جی، خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی خواتینِ مبارکہ کے ہمراہ ۲۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو قادیان سے ہجرت کرکے پاکستان میں تشریف لائیں اور پہلے لاہور اور پھر ربوہ میں قیام پذیر ہوگئیں۔

اولاد حضرت امّاں جی کے بطن سے حسبِ ذیل اولاد ہوئی:۔

میاں عبدالحی صاحب	(ولادت ۱۵ر فروری ۱۸۹۹ء ۔ وفات ۱۱ر نومبر ۱۹۱۵ء)
امۃ الحی صاحبہ حرم حضرت مصلح موعود	(ولادت ار اگست ۱۹۰۱ء ۔ وفات ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۴ء)
میاں عبدالقیوم صاحب	(ولادت ۲۲ر ستمبر ۱۹۰۳ء ۔ وفات ۱۲ر اگست ۱۹۰۵ء)
میاں عبدالسلام صاحب عمرؔ	(ولادت ۲۵ر دسمبر ۱۹۰۵ء ۔ وفات ۲۵ر مارچ ۱۹۵۶ء)
میاں عبدالوہاب صاحب عمرؔ	(ولادت ۸ر فروری ۱۹۰۸ء ۔ وفات ۲۰ر جون ۱۹۷۹ء)
میاں عبدالمنان صاحب عمرؔ	(ولادت ۱۹ر اپریل ۱۹۱۰ء)

تاثرات ۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے آپ کے اِنتقال پر صاحبزادہ میاں عبدالمنان صاحب عمرؔ کے نام حسبِ ذیل تعزیتی مکتوب لکھا:۔

"عزیزم مولوی عبدالمنان صاحب عمرؔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ حضرت امّاں جی کا اِنتقال ہوگیا ہے۔ اِس خبر سے بے انتہا صدمہ ہوُا۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ پُرانے بزرگ آہستہ آہستہ گزرتے جاتے ہیں ..... حضرت امّاں جی سے بھی مجھے بہت محبّت اور اُن کا خاص احترام تھا اور پھر جس باپ کی وہ بیٹی تھیں اس کی وجہ سے بھی خاص اثر تھا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو غریقِ رحمت کرے اور آپ سب کا حافظ و ناصر ہو۔"

۲۔ حضرت اُمّ مظفر صاحبہ (حرم حضرت مرزا بشیر احمد صاحب) نے اخبار الفضل[۱] میں لکھا کہ:۔

"حضرت امّاں جی مرحومہ بہت زندہ دل اور مہمان نواز تھیں۔ جب بھی میں اُنکے گھر جاتی تو وہ اِنتہائی محبّت اور شفقت سے پیش آتیں اور چونکہ اُن کی اور میری ہردو کی مادری زبان فارسی تھی اِس لئے ہم دونوں نہایت بے تکلفی کے

---

[۱] الفضل ۹ر ظہور ۱۳۳۴ ہش / ۹ر اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

ساتھ فارسی میں گفتگو کرکے اپنا دِل بہلاتے تھے ..... حضرت امّاں جی کا اندازِ گفتگو بھی بڑا دلچسپ اور بے تکلّفانہ ہوتا تھا۔

..... ہماری امّاں جان مرحومہ (یعنی حضرت سیّدہ نصرت جہاں نوّر اللہ مرقدہا) کے پاس حضرت امّاں جی کا بہت آنا جانا تھا۔ جب بھی وہ حضرت امّاں جان کے پاس آتیں یا حضرت امّاں جان اُن کے گھر جاتیں تو گویا محبّت و شفقت کے جذبات سے مجلس گرما جاتی تھی۔ حضرت امّاں جان کی زندہ دِلی اور مہمان نوازی اور شفقت اور غرباء پروری تو مشہور رہی ہے۔ حضرت امّاں جی بھی ان کے قدم پر بہت مہمان نواز اور شفیق اور غریب پرور تھیں۔" [1]

۳۔ صاحبزادہ میاں عبدالسلام صاحب عمرؔ نے اپنے ایک مضمون میں حضرت امّاں جی کے اَخلاق وعادات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا:۔

"مہمان نوازی، یتیم اور نادار بچّوں کی پرورش، صِلہ رحمی، خلوص اور شکرگزاری، سادگی اور توکّل آپ کی سیرت کے نہایت ممتاز اور نمایاں پہلو تھے۔ آپ کے ان اوصافِ حمیدہ کی شہادت میں بے شمار واقعات آپ کے جاننے اور ملنے والوں کے دِل پر ثبت ہیں جن کی یاد کبھی بھی محو نہیں ہو سکتی۔

..... قادیان کی ساری زندگی میں عموماً آپ کا وسیع مکان ایک مستقل مہمان خانہ بنا رہتا تھا خصوصاً جلسہ سالانہ کے موقع پر سینکڑوں خواتین اور ان کے بچّے آپ کے ہاں بطور مہمان ٹھہرتے اور آپ سب کی مہمان نوازی اور آرام کا خیال ایسی محبّت، انہماک، محنت اور جوش کے ساتھ کرتیں کہ اس کی مثال ملنی محال ہے خصوصاً غرباء، ضعیف العمر، بیمار اور بچّے آپ کی توجّہ کا خاص مرکز بنے رہتے تھے۔ جلسہ کے ایّام میں بمشکل گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کچھ تھوڑا سا آرام فرما لیتی تھیں جس کا نام آرام رکھنا بھی شاید درست نہ ہو۔ ایّامِ جلسہ میں عموماً آپ اپنا بستر وغیرہ تو پہلے ہی کسی

---

[1] الفضل ۱۷ ظہور ۱۳۳۴ہش / ۱۷ اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۲

ضرورت مند کے حوالہ کر دیتی تھیں لیکن جب دوبارہ اور سہ بارہ سخت سردی کی وجہ سے اور آپ کے آرام کے خیال سے بستر آپ کے لئے مہیا کیا جاتا تو وہ بھی کسی نہ کسی ضرورت مند کو اُڑھا دیتیں۔ بارہ ایک بجے رات تک ضعیفوں، بیماروں اور بچّوں کو کھلانے پلانے اور کپڑا اُڑھانے میں مصروف رہتیں۔ خود اکثر اپنے ہاتھ سے چاول وغیرہ تیار کروا کر تقسیم فرماتیں اور پھر تین چار بجے رات سے ہی اسی تیاری میں دوبارہ مصروف ہو جاتیں۔ ہر ایک مہمان سے نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتیں۔ غرض جہاں تک مہمان نوازی کا تعلق ہے آپکی ذات خود ایک مہمان خانہ تھی۔

یہاں ربوہ میں آکر گو مکان وغیرہ میں اِس قدر وسعت نہیں تھی پھر بھی حالات کے مطابق مہمانوں کو اپنے پاس ٹھہرانے اور ان کی خاطر و مدارت کرنے میں بڑی خوشی محسوس کرتیں اور روزانہ آنے جانے والوں کی بھی کچھ نہ کچھ تواضع ضرور کرتی تھیں اور جب تک کچھ کھلا پلا نہ دیتیں تسلّی نہ ہوتی تھی۔

نادار اور یتیم بچوں کی پرورش آپ کی زندگی کا محبوب ترین مشغلہ تھا کئی ایک یتیم اور نادار بچّوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت اپنے بچّوں کی مانند کرتیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے متعدد افراد موجود ہیں جو کامیاب اور مخلصانہ زندگیاں گزار رہے ہیں۔ ایسے بچّوں کی پرورش اپنے بچّوں کی طرح کرتیں یتیموں کی محبّت اور پرورش کا آپ کو اِس قدر خیال تھا کہ اس مرض الموت میں بھی جب مَیں نے دریافت کیا کہ کوئی خاص وصیت یا بات فرمانی ہو تو فرما دیں۔ کہنے لگیں کوئی خاص بات تو نہیں لیکن ہاں یہ یتیم بچی سعیدہ جو اَب میرے پاس ہے اس کو ضرور پڑھا دینا اور اس کی اچھی تربیت کرنا۔

.....تمام رشتہ داروں کا خاص خیال فرماتی تھیں اور ان کی خدمت کا جب موقع ملتا اِس فرض کو بڑی بشاشت اور خوش اسلوبی کے ساتھ ادا فرماتیں اور کہتی تھیں یہ میرے خاوند کے عزیز اور رشتہ دار ہیں۔ خود اپنے بھائیوں

اور بہن کی اولاد سے خاص محبت اور مروّت کا سلوک ہمیشہ فرماتی تھیں۔

جذبۂ خلوص اور شکر گزاری میں ایک منفردانہ شان کی حامل تھیں۔ اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے اگر کسی نے محبت سے پانی کا گھونٹ بھی پلایا ہے تو مجھے یہ بات نہیں بھولتی۔ جب بعض احباب یا خواتین کی خاص خاطر و مدارت فرماتیں تو اپنے بچوں سے بار بار کہتیں تمہیں معلوم نہیں انہوں نے تمہارے ساتھ کیسی کیسی نیکیاں کی ہیں اور ہمیشہ ان کے لئے دعائیں کرتی رہتی تھیں۔

اِس مرض الموت اور اس سے پہلے بھی مَیں اکثر یہ دریافت کرتا تھا کہ امّاں جی کوئی تکلیف یا فِکر تو آپ کو نہیں تو فرماتیں بالکل نہیں اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے۔۔۔۔۔

ہاں بے شک عمل کمزور ہیں مگر جس رحیم اور رحمان ہستی نے اِس دُنیا میں اتنے فضل فرمائے اس کی ذات سے یہ بھی یقین ہے کہ آخرت میں بھی اس کا رحم اور اس کی مہربانیاں میرے شاملِ حال رہیں گی۔

کِسی تکلیف یا گھبراہٹ کے وقت اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل توکّل رکھتیں اور کبھی مایوس نہ ہوتی تھیں اور فی الواقع اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ان کی ہر ضرورت کی تکمیل اپنے خاص فضل سے فرمائی اور اس کے بے شمار واقعات ہم نے اپنی آنکھوں سے روزمرّہ دیکھے کہ کسی خواہش یا ضرورت کا اِدھر اظہار کیا اُدھر اللہ تعالیٰ نے اس کو پُورا کر دیا۔ ساری عمر نہایت وقار، سیر چشمی اور قناعت کے ساتھ بسر کر دی۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ان کو ملتی رہتیں مگر وہ سب کچھ اس کی راہ میں تقسیم کر ڈالتیں اس آخری عمر میں اگر ہم ان کے جسمانی فرزند یا رُوحانی فرزند کوئی خاص مالی خدمت بجالاتے تو وہ رقم بھی فوراً مستحق لوگوں میں تقسیم فرما دیتیں۔ بعض اوقات ہم اپنی کمزوری سے یہ بھی عرض کرتے کہ یہ رقم تو آپ کے آرام، علاج یا لباس کے لئے تھی تو وہ فرماتیں مجھے اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دیا ہے مَیں کسی کی محتاج نہیں۔ اگر تم یہ خدمت میری خوشی کے لئے کرتے ہو تو مَیں بھی اپنی خوشی پوری کر لیتی ہوں۔ اکثر ان کی بعض

رُوحانی بیٹیاں یا ان کی اپنی بہوئیں کوئی اچھا لباس شوق سے ان کی خدمت میں پیش کرتیں تو اکثر بغیر استعمال کے یا تھوڑے استعمال کے بعد کسی نہ کسی کو دے ڈالتیں اور اب وفات کے وقت آپ نے نہ کوئی پیسہ نہ زیور اور نہ ہی کوئی عمدہ لباس چھوڑا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل کے ساتھ ایک نہایت معقول ماہوار مستقل رقم کا اِنتظام آپ کے لئے فرما رکھا تھا۔ صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے بھی آپ کے گزارے کا معقول اِنتظام تھا۔ اِس کے علاوہ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود، جناب چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب، جناب سیٹھ عبداللہ الٰہ دین صاحب اور ملک بشیر احمد صاحب آف کراچی اور بعض دیگر احباب مستقل طور پر ہر ماہ باقاعدگی کے ساتھ خدمت کرتے رہتے تھے اور اہلیہ صاحبہ میاں عبدالرحمٰن صاحب ڈائریکٹر انسپکشن لاہور بڑے اہتمام کے ساتھ ہمیشہ ان کے لئے لباس اور بستر تیار کر کے پیش کرتیں یا بھجوا دیتی تھیں۔ اِسی طور پر ان کے بعض اور بھی روحانی اور جسمانی فرزند ان کی خدمات وقتاً فوقتاً کرتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی جناب سے اجرِ عظیم عطا فرمائے۔“ [1]

۴۔ آپ کی ایک بہو محترمہ امۃ الرحمٰن صاحبہ (بنت حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ) کا بیان ہے کہ

”سترہ نومبر ۱۹۴۰ء سے لے کر جب مَیں اپنی شادی کے بعد حضرت امّاں جیؓ کے پاس آئی مجھے آپ کی زندگی کے آخری سانسوں تک آپ کے ساتھ شب و روز رہنے کی سعادت حاصل رہی۔ اس تمام عرصہ میں مَیں نے آپ کو ایک اعلیٰ درجہ کی محبّت کرنے والی ماں اور مُشفق و مہربان ساس پایا۔ شادی سے قبل میری طبیعت میں بعض اثرات کے ماتحت طبعاً ایک ڈر سا تھا اور بعض اوقات تو طبیعت میں اسی خوف کے ماتحت عجیب سی گھبراہٹ ہوجاتی کہ عام ساس اور بہو کے دُنیاوی رشتوں کی طرح ہمارے تعلقات میں کہیں کوئی کبیدگی پیدا نہ ہوجائے لیکن .....

---

[1] الفضل ۱۳ ظہور ۱۳۳۴ ہش / ۱۳ اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۳، ۴

واقعات کی روشنی میں مَیں نے محسوس کیا کہ آپ عام ماؤں سے مختلف ماں اور عام ساسوں سے مختلف ساس تھیں اور میرے شادی سے قبل کے تمام خدشات بے اصل اور بے بُنیاد تھے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔

بحیثیت آپ کی بہو ہونے کے مَیں نے خاص طور پر اِس چیز کو محسوس کیا کہ آپ میں وہ کوتاہ نظری، تنگ ظرفی اور تنگ دِلی اور بگاڑ کی عمارت سازی نہیں پائی جاتی جو عموماً گھروں میں ساس بہو کے جھگڑوں کی بنیاد بن جاتی ہے۔ آپ کے پاس آکر مَیں نے یہ کبھی محسوس نہیں کیا کہ مَیں کسی غیر اور اجنبی جگہ آگئی ہوں بلکہ آپ کی محبّت اور شفقت نے تو میری اپنی ماں کی وفات کے بعد جو ایک زبردست خلاء میری زندگی میں واقع ہو گیا تھا اس کو بہت حد تک بھر دیا تھا۔ آپ کی مہربانیوں میں مجھے ماں کی سی شفقت اور محبت نظر آتی تھی اور آپ نے مجھے اپنی بیٹیوں کی طرح رکھا۔ نہ اُنہیں مجھ سے غیریت تھی اور نہ ہی مجھے ان سے اجنبیّت۔ ماں اور بیٹی نے پندرہ سال کا عرصہ جو اَب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آنکھ جھپکنے میں گذر گیا راحت و آرام، شفقت ومحبّت، دلداری اور وفا شعاری میں بسر کیا۔ اس عرصہ میں ایک مرتبہ بھی نہ تو کوئی الجھن پیدا ہوئی اور نہ بَدمزگی۔ نہ طعن و تشنیع کا کوئی موقع آیا اور نہ کُڑھنے اور جلنے کی کوئی گھڑی دیکھی۔ غرضیکہ محبّت و شفقت سے اِس دَور کا آغاز ہُوا اور وہی محبّت و شفقت اس وقت بھی آپ کی آنکھوں میں موجود تھی جب اِس دُنیا میں آپ مجھ سے جُدا ہو رہی تھیں۔ آپ میری قابلِ قدر مُحسنہ تھیں۔ جس جس رنگ میں آپ نے میرے جذبات کا خیال اور میرے آرام کو مدّ نظر رکھا اُسے اگر تمام ساسیں اپنا شعار بنا لیں تو مجھے یقین ہے کہ دُنیا میں ساس بہو کے جھگڑوں کی آواز بند ہو جائے اور یہ گھناؤنی چیز جس نے ہزاروں ہزار گھرانوں کے امن و چین کو پامال کر رکھا ہے یک قلم ختم ہو جائے اور تمام گھر سکون و آرام کے نشیمن بن جائیں۔

آپ اپنی بہوؤں کی ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت کی احسان مند ہو جاتیں اور

ان کی ذرا ذرا سی نیکیوں کو اپنے اُوپر خدا تعالیٰ کا بہت بڑا فضل گردانتیں بعض اَوقات تو ہماری جانب سے حقیر ترین خدمت کا بھی اپنے حلقۂ احباب میں اِس طرح تذکرہ کرتیں کہ ہماری گردنیں مارے شرم کے جُھک جاتیں کہ ہم نے کونسی ان کی اِتنی بڑی خدمت کردی ہے جس کا ذکر اِس قدر قدر شناسی اور احسان مندی کے جذبات سے کیا جاتا ہے"۔[۱]

فصل سوم

اِتّحادِ بین المسلمین کی تحریک

حضرت مسیح موعودؑ کے مقاصدِ بعثت میں سے ایک عظیم مقصد وحدتِ اُمّت ہے جیسا کہ آپ پر ۲۰ نومبر ۱۹۰۵ء کو الہام نازل ہؤا کہ :-

"سب مسلمانوں کو جو رُوئے زمین پر ہیں جمع کرو۔ عَلٰی دِیْنٍ وَّاحِدٍ"۔[۲]

حضرت اقدس نے اِس کلامِ ربّانی کی تشریح یہ فرمائی کہ :-

"اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلمانانِ رُوئے زمین عَلٰی دِیْنٍ وَّاحِدٍ جمع ہوں اور وہ ہوکر رہیں گے"۔[۳]

حضرت مصلح موعودؓ چونکہ حُسن و احسان میں مثیلِ مسیح موعود تھے اِس لئے آپ ہمیشہ ہی اتحادِ بین المسلمین کے پُرجوش داعی اور علمبردار رہے مسلم قوم کا تفرقہ آپ سے دیکھا نہیں جاتا تھا اور آپ ہمیشہ

---

[۱] ماہنامہ "مصباح" جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۰ تا ۱۶

[۲] بدر و الحکم ۲۴ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ و صفحہ ۱۔ تذکرہ صفحہ ۵۷۷ طبع سوم ۱۹۶۹ء

[۳] الحکم ۳۰ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲

شدّتِ غم سے بیقرار ہو کر یہ دُعا کرتے کہ ؎

دانۂ سبحہ[1] پراگندہ ہیں چاروں جانب
ہاتھ پر میرے انہیں آپ اکٹھا کر دیں (کلامِ محمود)

مسلمانوں کو متحد کرنے کا یہ جذبہ سفرِ یورپ کے بدلے ہوئے رُجحانات کو دیکھ کر اَور زیادہ اُبھر آیا اور حضور نے پاکستان میں پہنچتے ہی یہ آواز بلند فرمائی کہ یورپ کو مسلمان بنانے کے لئے سب مسلمانوں کو اکٹھا ہو جانا چاہیئے۔ اِتحاد بین المسلمین کی یہ تحریک حضور نے ۲۱ستمبر ۱۹۵۵ء کی ایک تقریب میں فرمائی جس کا اِہتمام جماعتِ احمدیہ کراچی نے کیا تھا۔ چنانچہ اخبار "المصلح" کراچی نے لکھا:۔

"مسلمان اپنے داخلی اختلافات کو نظر انداز کر کے اشاعتِ اسلام کیلئے متحد ہو جائیں

یورپ کے لوگ اِس وقت اسلام کی طرف بڑی تیزی سے آرہے ہیں

بیچ لگژری ہوٹل کے عصرانہ میں امام جماعتِ احمدیہ کی تقریر

کراچی ۲۱ستمبر۔ امام جماعتِ احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے

---

[1] یعنی مسلمان

[2] ہفت روزہ "تنظیم" پشاور نے اپنی ۳۰ستمبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں حضرت مصلح موعودؓ کی دَورۂ یورپ سے کامیاب واپسی پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:۔

"تنظیم بشیر الدین محمود کی اسلامی سرگرمیوں کو قدر کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس سفر سے جو دراصل یورپ میں دینِ اسلام کے متعلق ایک صحیح جائزہ لینے کے لئے اختیار کیا گیا تھا بخیریت واپسی پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ اگرچہ بظاہر انہوں نے اپنی بیماری کے علاج کا بہانہ سامنے رکھا لیکن ہم آپ کی طبیعت کی گہرائیوں سے واقف ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اس بیمار دین اسلام کو اللہ تعالیٰ کامل صحت عطا فرمائے گا۔"

آج بیچ لگژری ہوٹل[ل] میں تقریر کرتے ہوئے تمام مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنے باہمی اختلافات کو نظر انداز کر کے اشاعت و تبلیغ اسلام کے اہم کام کیلئے متّحد و منظّم ہو جائیں اور اُن اعتراضات کا علمی جواب دیں جو یورپ اور دوسرے ممالک کی غیر مسلم دُنیا، اِسلام اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدّس وجود پر کر رہی ہے۔ امام جماعت احمدیہ اُس دعوتِ عصرانہ میں یہ تقریر فرما رہے تھے جو آپ کے یورپ سے تشریف لانے پر آپ کے اعزاز میں آج کراچی کی جماعتِ احمدیہ کی طرف سے بیچ لگژری ہوٹل کے وسیع و شاداب لان میں دی گئی تھی۔ امام جماعتِ احمدیہ نے قرآن مجید کی وہ آیت تلاوت فرمائی جس میں یہود اور عیسائیوں کو نظریۂ توحید کی اشاعت و تبلیغ کے لئے تعاون کی دعوت دی گئی ہے امام جماعتِ احمدیہ نے نہایت دلچسپ طرزِ استدلال کے بعد فرمایا اگر اسلام اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن یہودی اور عیسائیوں کو یہ دعوت دی جا سکتی ہے کہ وہ رسالتِ نبوی کے لئے نہیں بلکہ محض وحدانیتِ خداوندی کے لئے مجتمع ہو جائیں اور باہمی تعاون سے کام لیں تو کیا وجہ ہے کہ آج مسلمان اپنے اپنے باہمی اختلافات کو نظر انداز کر کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور اسلام کی اشاعت کے لئے باہمی تعاون اور اشتراک سے کام نہ لے سکیں؟ سفرِ یورپ کے تاثّرات بیان فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا میرا مشاہدہ ہے کہ اب یورپ اِسلام کی طرف بڑی تیزی سے مائل ہو رہا ہے اور وہاں کے لوگ اِسلام اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اِعتراف کر رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم لوگ اپنی جانی و مالی قربانی سے وہاں اِسلام کے پیغام کو پہنچائیں اور جو لوگ کبھی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے کلمات نکالتے رہے ہیں آج اُنہی کے مُونہوں سے آپ کے لئے درود وسلام کا نذرانہ پیش کریں۔

[ل] BEACH LUXURY HOTEL

امام جماعتِ احمدیہ نے اِس امر پر نہایت افسوس کا اظہار کیا کہ آج مسلمانوں کے مختلف فرقے نہایت معمولی معمولی مسائل پر باہم دست وگریباں ہیں حالانکہ ان سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور اِسلام پر ہونے والے حملوں کا دفاع کس طرح کریں؟ آپ نے کہا کہ مسلمانوں کی مختلف تنظیمیں اور مختلف فرقے یورپ اور دوسرے ممالک میں تبلیغِ اسلام کے لئے مشن کھولیں تو یقیناً چند ہی سالوں کے اندر اندر یورپ کی کثیر آبادی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقۂ غلامی میں آسکتی ہے۔ آپ نے کہا کہ اگر آج مسلمانوں نے بھی اپنی سُستیوں اور غفلتوں کو ترک نہ کیا اور اِسلام کی اصل ضرورت کو سمجھ کر میدان میں نہ آئے تو وہ قیامت کے روز شافع محشر کو اپنا منہ نہ دکھا سکیں گے۔ تقریر کے اختتام پر امام جماعتِ احمدیہ نے اکثر حاضرین کو شرفِ مصافحہ بخشا اور ان سے گفتگو فرمائی۔ اِس تقریب میں کئی سفارتی نمائندے، اعلیٰ سرکاری حکام، ممتاز شہری، اخباری نمائندے اور دیگر معزز افراد شریک تھے۔" [1]

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی یہ اہم تقریر اتحاد بین المسلمین کی عظیم الشّان تحریک تھی جسے پاکستان کے اُردو اور انگریزی اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کیا جن کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ روزنامہ اِنقلاب کراچی	(۲۳ر ستمبر ۱۹۵۵ء)
۲۔ روزنامہ جنگ کراچی	(۲۴ر ستمبر ۱۹۵۵ء)
۳۔ روزنامہ المصلح کراچی	(۲۳ر ستمبر ۱۹۵۵ء)
۴۔ روزنامہ ایوننگ سٹار کراچی	(۲۲ر ستمبر ۱۹۵۵ء)
۵۔ روزنامہ پاکستان سٹینڈرڈ کراچی	(۲۲ر ستمبر ۱۹۵۵ء)
۶۔ روزنامہ امروز کراچی	(ر ستمبر ۱۹۵۵ء)
۷۔ روزنامہ ملّت لاہور	(۲۴ر ستمبر ۱۹۵۵ء)

---

[1] روزنامہ المصلح کراچی ۲۳ر ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳

۸ ۔ روزنامہ "نوائے کشمیر" لاہور (۲۳ر ستمبر ۱۹۵۵ء)

۹ ۔ روزنامہ "پاسبان" ڈھاکہ (۲۴ر ستمبر ۱۹۵۵ء)

بطور نمونہ چند اخبارات کے نوٹ سپردِ قرطاس کئے جاتے ہیں ۔

۱ ۔ روزنامہ "ملت" لاہور ۲۴ر ستمبر ۱۹۵۵ء نے لکھا :۔

"یورپی ممالک میں اسلامی وفود بھیجے جائیں ۔ دورۂ یورپ سے واپسی پر احمدیہ جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود کا بیان ۔

کراچی ۲۲ر ستمبر ۔ احمدیہ جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود نے بیچ لگژری ہوٹل میں ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے یورپی ممالک میں اسلامی وفود بھیجنے کی ضرورت پر زور دیا ہے مرزا صاحب جو حال ہی میں یورپ کے دورہ سے واپس آئے ہیں وہ دورہ کے متعلق اپنے تاثرات بیان کر رہے تھے ۔ انہوں نے کہا کہ یورپ کے لوگ اسلام سے متعلق کافی علم حاصل کرنے کے خواہاں ہیں ۔ جہاں بھی وہ گئے تو لوگوں نے انہیں اسلامی وفود بھیجنے پر اصرار کیا تاکہ انہیں اسلام کے بارے میں کچھ علم ہو سکے ۔ انہوں نے کہا کہ یورپ میں لوگ بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ ان تک اسلامی تعلیمات صحیح طریقے سے پہنچانے کا انتظام ہو سکے ۔ انہوں نے کافی لوگوں کو پردے اور کثرت ازدواج کا حامی دیکھا ۔ آخر میں مرزا صاحب نے اپنی تقریر میں چندہ اکٹھا کرنے کی ضرورت پر زور دیا تاکہ اس سے بیرونی ممالک میں اسلامی وفود بھیجے جا سکیں ۔"

۲ ۔ روزنامہ "جنگ" کراچی نے ۲۴ر ستمبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں لکھا :۔

" کراچی ۲۲ر ستمبر (اپ پ) مرزا بشیر الدین محمود نے کل ایک نجی تقریب میں کہا کہ اشاعتِ اسلام کے لئے آج یورپ کے ممالک میں تبلیغی وفود روانہ کرنے کی ضرورت ہے ۔ آپ نے بتایا کہ یورپ کے عوام اسلام کی بابت واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ وہ جہاں کہیں بھی گئے عوام نے ان سے مل کر اسلام کی بابت باتیں دریافت کیں ۔ یورپ کی ایک بہت بڑی اکثریت اسلام کو قبول کرنے پر آمادہ ہے بشرطیکہ انہیں اسلام کی صحیح واقفیت بہم پہنچائی جائے ۔ آپ نے بتایا کہ لندن کے اکثر لوگ ان سے ملے جو ایک سے زیادہ شادیوں اور پردے کے حامی تھے ۔ آپ نے بیرونی

ممالک میں تبلیغی وفود بھیجنے کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کا بھی مشورہ دیا۔"

۳۔ روزنامہ "انقلاب" کراچی ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء نے لکھا:۔

"جماعتِ احمدیہ کے امام مرزا بشیر الدین محمود نے آج کراچی کی جماعتِ احمدیہ کی طرف سے بیچ لگژری ہوٹل میں دیئے ہوئے ایک عصرانہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ آج یورپ اسلام کے لئے بھوکا بیٹھا ہؤا ہے۔ ان کو کہیں پناہ نصیب نہیں ہوتی ضرورت صرف تبلیغ کی ہے۔ انکے کانوں تک اسلام کا پیغام پہنچانا ہے اور وہ قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن آئے گا جب کہ امریکہ اور یورپ مشرف بہ اسلام ہو جائے گا۔ آپ نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ فروعی مذہبی اختلافات کو چھوڑ کر وحدانیت کی تبلیغ میں متفق ہو جائیں۔ آپ نے بتایا کہ اگر کراچی کا ہر باشندہ پانچ روپے بھی دیدے تو بیس لاکھ افراد سے ایک کروڑ روپے جمع ہو جائیں گے اور اس سرمایہ سے یورپ میں زبردست تبلیغ ہو سکتی ہے۔ آپ نے اپنے یورپ کے دَورے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ یورپ کے ہر ملک میں لوگ میرے پاس آتے رہے اور نہایت دلچسپی کے ساتھ اسلام کے متعلق تحقیقات کرتے رہے۔ سوئٹزرلینڈ کے ایک کالج میں میری تقریر ہوئی تو اس وقت کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہؤا اور ایک طالبِ علم نے کہا کہ جب اسلام کے اندر اِس قدر خوبیاں ہیں تو کیوں نہ عیسائی اور مسلمان مِل کر دُنیا کے ان علاقوں میں وحدانیت کی تبلیغ کریں جو خدا کے منکر ہیں؟ مرزا صاحب نے کہا کہ ضرورت ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ تبلیغی مِشن بھیجیں۔ یہ ضروری نہیں کہ احمدیوں کے مِشن جائیں، سُنّی بھیجیں، شیعہ بھیجیں، اہلحدیث اور آغا خانی بھیجیں...... اگر آپ ہم احمدیوں کو بُرا سمجھتے ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن آپ بھی ہمارے مقابلہ میں تبلیغی مِشن روانہ کیجئے۔ ہماری چھوٹی جماعت ہے اگر ہم دس مِشن کو روانہ کرتے ہیں تو آپ دس ہزار روانہ کیجئے۔ تبلیغ میں مقابلہ کیجئے اِس سے فائدہ ہی ہوگا۔ آخر میں مرزا صاحب نے کراچی کے مسلمانوں سے پھر اپیل کی کہ وہ تبلیغی امداد کی طرف زیادہ توجّہ دیں۔"

۴۔ روزنامہ "پاسبان" ڈھاکہ (۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء) نے لکھا:۔

"یورپ کے لوگ اِسلام سے قریب تر ہو رہے ہیں۔ مرزا بشیر الدین کا بیان۔

کراچی ۲۲ ستمبر (پ پ ی) احمدیہ فرقہ کے امام مرزا بشیر الدین محمود احمد نے کل کراچی

کے ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ یورپ اور خاص کر جرمنی میں اسلام کا پرچار کرنے کے کافی مواقع ہیں جہاں کے عوام اسلام کے متعلق بہت کچھ جاننے کے خواہشمند ہیں۔ انہوں نے مزید یہ بتایا کہ وہاں کے لوگ اسلام سے بہت زیادہ قریب تر ہوتے جا رہے ہیں کیونکہ انہیں حق کی بیحد تلاش و جستجو ہے اور صرف اسلام ہی سے ان کی تشفی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ یہی وقت ہے کہ ہم انہیں اسلام کا سچّا اور صحیح راستہ دکھا سکتے ہیں"۔

فصل چہارم

برِّصغیرِ پاک و ہند میں سیلاب اور امدادی سرگرمیاں

بلاشُبہ احمدیت ایک بین الاقوامی تحریک ہے اور تمام بنی نوعِ انسان اور جُملہ ممالک کے باشندوں کی خدمت، بہبود اور خیر خواہی اس کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے مگر چونکہ قادیان اور ربوہ کے مقدّس مراکزِ احمدیت برِّصغیرِ پاک و ہند میں واقع ہیں اور احمدیوں کی سب سے زیادہ تعداد بھی یہیں آباد ہے اِس لئے جہاں دُنیا بھر کے احمدیوں کی قلبی محبّت اور رُوحانی وابستگی پاکستان اور ہندوستان دونوں ممالک کے ساتھ ہے وہاں اِن ممالک کے احمدیوں کی بھی ہمیشہ یہ روایت رہی ہے کہ وہ بمطابق حدیث "حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ"[1] اِس خطۂ اَرض میں آنے والی ہر آفت و مصیبت سے متاثر ہونے کے باوجود اپنی تکلیفوں اور دُکھوں کو بُھلا دیتے ہیں اور اپنے ہم وطن بھائیوں کی خدمت میں دیوانہ وار مصروف ہو جاتے ہیں۔

برِّصغیر کے مخلص اور ایثار پیشہ احمدیوں نے خدمت اور اُخوّت کی ایک شاندار مثال ۱۹۵۵ء کے وسطِ آخر میں بھی قائم کر دکھائی جبکہ قیامت خیز سیلابوں سے ہر دو ملکوں میں اِس قدر

[1] موضوعاتِ کبیر صفحہ ۳۵ (از حضرت امام علی القاریؒ متوفّٰی ۱۰۱۴ھ)

شدید جانی و مالی نقصان ہوا کہ تباہی اور بربادی کے صدیوں کے ریکارڈ مات ہوگئے اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے نہایت جلالی الفاظ میں پیشگوئی فرمائی تھی کہ :۔

"نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا" [1]

سیلاب کی ہولناکیوں کو دیکھ کر دانشوروں کی زبان پر سچ مچ طوفانِ نوح کے الفاظ جاری ہوگئے۔چنانچہ دِلّی کے اخبار "دعوت" نے لکھا کہ :۔

"طوفانِ نوح کے بعد سے اتنے وسیع و عریض خطّہ پر اِس قدر تباہ کُن سیلاب ہندوستان میں کبھی نہیں آیا۔عام طور پر سادہ لَوح ذہنیتیں اور اِس ملک کے وہ لوگ جو اہلِ مغرب سے بھی زیادہ مادیّت پر یقین کرنے لگے ہیں ان سیلابوں کو ایک اِتّفاقی ہنگامے سے زیادہ اَور کوئی اہمیّت نہیں دیتے۔لیکن بصیرت کی آنکھ رکھنے والا خداترس انسان اور ایک ایسا شخص جس کی نظر واقعاتِ عالَم پر وسیع اور گہری ہو ہندوستان کی معلوم تاریخ کے اِس عظیم ترین سیلاب پر سے سرسری طور سے نہیں گذر سکتا۔سیلابوں کی یہ پے درپے یورش ہر معتدل فہم رکھنے والے آدمی کو جھنجھوڑ کر ایسے مقام پر لاکھڑا کرتی ہے جہاں سے وہ اُن کے دُوررس نتائج و اثرات پر غور کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔" [2]

اِسی طرح ہفت روزہ "چٹان" نے اپنی ۷؍اکتوبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں صفحہ ۴ پر لکھا :۔

"قرآن مجید میں طوفانِ نوح کا ذکر پڑھتے تو عقل کوتاہ اندیش کو حیرت ہوتی لیکن پنجاب کو طغیانی کے جن تھپیڑوں نے ہلاک کیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ طوفان کیا تھا۔لاہور کے طوفانِ نوح کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

برّصغیر کے احمدیوں نے اِس خوفناک سیلاب کے ایّام میں جو امدادی خدمات انجام دیں اُن کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے :۔

---

[1] حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۷(طبع اوّل) اشاعت ۱۵؍مئی ۱۹۰۷ء

[2] اخبار "دعوت" دہلی، ۱؍اکتوبر ۱۹۵۵ء بحوالہ ہفت روزہ "بدر" قادیان ۱۲؍اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

ہندوستان

۱۔ **اڑیسہ:**۔ بکثرت باراں اور سیلاب سے صوبہ اڑیسہ کے ہزاروں دیہات نذر آب ہوگئے۔ قادیان سے بے خانماں لوگوں میں ریلیف کا کام شروع کرنے کے لئے دو سو روپیہ بھجوایا گیا اور سو روپیہ اور کچھ پارچات جماعت ہائے اڑیسہ نے خود جمع کر کے ۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو تین وفود متأثرہ علاقہ میں بھجوا دیئے۔ پہلا وفد مولوی محمد محسن صاحب، مولوی سیّد غلام مہدی صاحب مبلّغ سلسلہ احمدیہ کٹک، مکرم سیّد ضیاء الدین صاحب نائب امیر سونگھڑہ اور میاں رحمت علی صاحب پر مشتمل تھا جو جانب موضع سدانند پورہ پنسودہ بھجوایا گیا۔ دُوسرا وفد مولوی سیّد صمصام علی صاحب، مولوی سیّد فضل عمر صاحب مبلّغ سلسلہ عالیہ احمدیہ و میاں محمود احمد صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ سونگھڑہ پر مشتمل جانب چٹودہ کلاٹ ون بندھا کی طرف بھجوایا گیا۔ تیسرا وفد جو منشی محمد یوسف خانصاحب و مولوی سیّد محمد موسیٰ صاحب مبلّغ سلسلہ عالیہ احمدیہ اور منشی شہاب الدین صاحب پر مشتمل تھا التی کی جانب بھجوایا گیا۔ ان وفود نے سیلاب زدگان میں نقد رقوم اور پارچات تقسیم کئے۔ وفود کو دلدل اور پانی میں سے گزر کر سیلاب زدہ دیہات میں جانا پڑا لیکن انہوں نے محض خدمتِ خلق کے اسلامی جذبہ کے تحت خندہ پیشانی اور تن دہی سے یہ کام سرانجام دیا۔ جماعت احمدیہ کی اس خدمت کو ہندو اور مسلمان معززین کے علاوہ افسران نے بھی سراہا[۱]

۲۔ **قادیان:**۔ ساٹھ گھنٹہ کی مسلسل طوفانی بارش نے قادیان اور اس کے مضافات میں حشر سا بپا کر دیا تھا۔ یہ بارش ۴ر اکتوبر سے شروع ہوئی جس سے علاقہ کے بہت سے مکانات گر گئے۔ قادیان کی آبادی میں سب سے زیادہ نقصان احمدیہ محلہ کا ہُوا جو شہر کے مجموعی نقصان کا نصف تھا۔ پچاس مکانات تو بالکل پیوندِ زمین ہوگئے اور ۴۰ کو سخت نقصان پہنچا اور کئی لاکھ کا نقصان ہُوا۔ وجہ یہ کہ قادیان اور اس کے نواح کا سارا پانی جمع ہو کر اسی جہت میں بہہ نکلا۔ جہاں درویشوں کا محلہ واقع ہے۔ سب سے

---

[۱] ہفت روزہ بدر قادیان ۲۱ر نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ (رپورٹ سیّد محمد احمد صاحب صوبائی امیر اڑیسہ)

زیادہ متأثر حلقہ ناصر آباد ہوا۔ جو نسبتاً نشیبی حصّہ پر تھا بارش اور سیلاب کا پانی جب اس محلہ میں داخل ہونے لگا تو اس کے مکین اندرونی محلہ میں منتقل ہونے لگے۔ پانی کی سطح اتنی بلند ہوگئی تھی کہ ضروری سامان کو اندرونی حصّہ میں لانے کے لئے کشتیاں استعمال کرنا پڑیں اور درویشوں نے بمشکل مساجد میں پناہ لی۔ اسی اثنا میں قریشی عطاء الرحمن صاحب ناظر بیت المال دوسرے بھائیوں کے لئے بھاگ دوڑ کرتے ہوئے گر پڑے اور ان کے بائیں بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس نشیبی حصّہ میں جو درویش مقیم تھے اُن کا غلّہ اور سرمائی سامان سب غارت ہوگیا اور کھیتی باڑی کرکے اپنا بوجھ اُٹھانے والے درویش اپنی فصلوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ بہشتی مقبرہ کی طرف جانے والی سڑک سیلاب میں بہہ گئی اور رستہ پانی کے دباؤ کے باعث ناقابلِ عبور ہو گیا۔ اور اگر بعض درویش اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر مدد کو نہ پہنچتے تو بعض غیر مُسلموں کا ڈوب جانا یقینی تھا۔ قادیان میں ۴ر اکتوبر سے ۸ر اکتوبر تک بجلی اور ریل کی آمد و رفت اور تار اور ٹیلی فون کا سلسلہ بند رہا اور قادیان کی بستی کئی دن تک باقی دُنیا سے منقطع رہی۔

بارش کی اس شدّت کے دوران نہ صرف درویشان قادیان کے حوصلے نہایت بلند رہے بلکہ انہوں نے اپنے غیر مُسلم بھائیوں کی خدمت و اعانت کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا کئی بھائیوں کو اپنے محلّہ کے اندرونی حصّہ میں پناہ دی اور کئی ہمسایہ دوستوں کو فراخدلانہ پیشکش کی کہ جب بھی وہ اپنے یہاں زیادہ خطرہ محسوس کریں احمدیہ محلّہ میں تشریف لے آئیں۔ جب بارش پر مسلسل چالیس گھنٹے گذر چکے تو بعض غیر مُسلم احباب نے خواہش ظاہر کی کہ فوری طور پر حضرت امام جماعت احمدیہ کی خدمت میں بذریعہ تار درخواستِ دُعا کی جائے چنانچہ جب انہیں بتایا گیا کہ جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے تار دی جا چکی ہے تو وہ بھی مطمئن ہوگئے اور درویشوں کے دلوں کو بھی سکینت حاصل ہوئی [۱]

اس مرحلہ پر قادیان کے ایک جوان ہمّت درویش مرزا محمود احمد صاحب کا ذکر کرنا ضروری

---

[۱] ہفت روزہ بدر قادیان ۲۱ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صا

ہے جو ذاتی طور پر حضرت مصلح موعودؓ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر دُعا کی درخواست کرنے کے خیال سے قادیان سے پیدل روانہ ہوگئے۔ چنانچہ ۵ر اکتوبر تک قادیان میں بارش ہوتی رہی اور ذرائع آمدورفت بالکل مسدود ہو چکے تھے مگر یہ نوجوان ۷ر اکتوبر کو اس نیک جذبہ کو لے کر قادیان سے پیدل روانہ ہوگئے۔ یہ ایسا وقت تھا جبکہ قادیان سے واہگہ سرحد تک جس طرف نظر جاتی پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا۔ رستہ میں گاؤں کے گاؤں زیرِ آب تھے خشکی کا نشان نہ ملتا تھا لوگ اونچی جگہوں پر پناہ لئے ہوئے تھے۔ متعدد مقامات سے ریلوے لائن ٹوٹ گئی۔ سڑکیں بہہ گئیں۔ چنانچہ بعض جگہ انہیں تیرنا بھی پڑا۔ اکثر راستہ میں گلے تک پانی بہہ رہا تھا۔ بٹالہ تحصیل اور ذیل گھر کے آس پاس سات سات فٹ پانی بڑی تیز رفتاری سے بہہ رہا تھا۔ الغرض صبح سات بجے چل کر ساڑھے پانچ بجے شام بڑی مشکل سے وہ امرتسر پہنچ گئے۔ اگلی صبح واہگہ کی سرحد سے گزر کر لاہور آئے۔ لیکن آگے راوی کے شدید سیلاب نے رستہ بالکل مسدود کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس نوجوان کو ناچار ۱۱ر اکتوبر تک لاہور ہی میں ٹھہرنا پڑا۔ آخر ۱۲ر اکتوبر کو حالات قدرے سازگار ہوئے تو یہ لاہور سے کالاشاہ کاکو تک پانی میں پیدل چل کر پہنچے۔ یہ رستہ بھی سیلاب کے باعث حد درجہ خستہ اور خراب ہو چکا تھا۔ پھر گوجرانوالہ کے رستہ اسی روز بخیریت ربوہ پہنچ گئے۔ اگلے روز ۱۳ر اکتوبر کو انہیں بعد نمازِ ظہر سیّدنا حضرت المصلح الموعودؓ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور درخواستِ دُعا کا بھی موقعہ ملا۔ حضور نے ان کے حالاتِ سفر سُنکر اظہارِ خوشنودی فرمایا جس کی اطلاع پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کی طرف سے انہیں حسب ذیل الفاظ میں دی گئی :-

آپ جس ہمت اور کوشش سے قادیان سے لاہور اور پھر ربوہ پہنچے ہیں ان حالات کی اطلاع حضور کی خدمت میں دی گئی۔ حضور نے آپ کو جزاکم اللہ احسن الجزا فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ قادیان کے سب درویشوں کو تیرنا سیکھنا چاہیئے کیونکہ خطرے کے وقت آتے ہی رہتے ہیں۔ ایسے موقعہ پر ایک نہیں آنا چاہیئے بلکہ دو تین ہوں اور باہمی رسّہ پکڑا ہوا

ہو، سکھوں اور ہندوؤں کی مدد بھی کرنی چاہیئے"۔[1]

۳۔ قادیان کے مضافات میں رفاہی خدمات:۔ درویشانِ قادیان نے حضرت مُصلح موعودؓ کے اس ارشادِ مبارک پر جس والہانہ انداز میں لبیک کہا اُسے ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ اگرچہ طوفانی بارش اور سیلاب سے پیدا شُدہ تشویشناک صورتِ حال نے سب سے زیادہ انہی کو متأثر کیا تھا۔ اور اپنے مکانوں کی از سرِ نو تعمیر اور مرمّت کے لئے انہیں بھاری اخراجات درکار تھے مگر گذشتہ شاندار جماعتی روایات کے عین مطابق انہوں نے نہ صرف قادیان کے متعدد مستحق اور ضرورت مند غیر مُسلم اصحاب کو نقد امداد دی اور ان میں کپڑے اور اناج تقسیم کیا۔ بلکہ فوری طور پر چوہدری بدر الدین صاحب عامل معتمد مجلس خدام الاحمدیہ کے زیرِ قیادت بیٹ کے علاقہ میں امدادی سرگرمیاں جاری کر دیں۔ یکم نومبر ۱۹۵۵ء کو قادیان سے ایک وفد سیلاب سے متأثرہ علاقہ کے حالات اور فوری ضروریات کا جائزہ لینے کے لئے اس علاقہ کی طرف روانہ ہُوا۔ وفد مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل تھا۔ شیخ عبدالحمید صاحب عاجز ناظر امورِ عامہ، ملک صلاح الدین صاحب ایم اے مولّف "اصحابِ احمد"، مولوی برکت علی صاحب جنرل سیکرٹری لوکل کمیٹی، چوہدری غلام ربّانی صاحب انچارج احمدیہ شفاخانہ، چوہدری منظور احمد صاحب چیمہ اور مرزا محمود احمد صاحب۔

یہ وفد اس علاقہ کے دَورہ سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ سیلاب زدہ علاقہ کی فوری امداد کے لئے باقاعدہ امدادی کیمپ کھولنا ضروری ہے۔ اس فیصلہ پر اگلے روز ۲ر نومبر ۱۹۵۵ء کو پھیرو چیچی کے مقام پر ایک طبّی اور امدادی کیمپ قائم کر دیا گیا جس نے ہر ممکن ذریعہ سے مصیبت زدگان کی خدمت کا فریضہ انجام دیا۔ یہ کیمپ ۱۶ر نومبر ۱۹۵۵ء تک جاری رہا۔ تیس سے زیادہ دیہات کے ہزارہا ضرورت مندوں نے اس سے استفادہ کیا۔ کیمپ کے حلقہ میں جو دیہات تھے اُن میں گھوڑے واہ۔ نینو وال۔ پھیرو چیچی۔ بھینی کھنڈہ۔ راج پورہ۔ راج گڑھ۔ ملاں وال۔ بسوال۔ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس امدادی و طبّی کیمپ سے

---

[1] ہفت روزہ "بدر" قادیان ۲۸ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صلا

امدادی پارٹیاں صبح صبح مختلف دیہات میں کام کرنے کے لئے نکل جاتیں اور خدمتِ خلق کے جذبہ سے سرشار ہوکر سارا دن علاج معالجہ اور امدادی کام میں مصروف رہتیں۔ اس امدادی کیمپ میں پانچ درویش ہمہ وقت مصروفِ کار رہتے اور اُن کا ہاتھ بٹانے کیلئے روزانہ ہی تین چار تازہ دَم نوجوان قادیان سے پہنچ جاتے۔ کیمپ کے انچارج مکرّم بشیر احمد صاحب انچارج احمدیہ ڈسپنسری تھے اور محمود احمد صاحب مبشر، چوہدری بشیر احمد صاحب مہار، چوہدری منظور احمد صاحب چیمہ اور مرزا محمود احمد صاحب اُن کے ساتھ کام میں سرگرمِ عمل رہتے۔ چونکہ گندم اور چنے وغیرہ کی فصلیں بونے کا وقت آچکا تھا اس لئے ایک طرف ضلع اور صوبہ کے حکام کو بیج اور مویشیوں کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی گئی، دُوسری طرف قادیان سے مستری منظور احمد صاحب امدادی کیمپ میں ہل وغیرہ کی مرمّت کے لئے پہنچ گئے۔ اس امدادی کیمپ کو کامیاب اور مؤثر بنانے کے لئے صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ قادیان نے خاص طور پر گہری دلچسپی لی۔ چنانچہ آپ ۳ر نومبر ۱۹۵۵ء کی شام کو (یعنی کیمپ کے قائم ہونے کے اگلے دن) امدادی کاموں میں شرکت اور ریلیف کام کا معائنہ کرنے کے لئے خود تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ چوہدری عبدالقدیر صاحب، چوہدری غلام ربّانی صاحب انچارج احمدیہ شفاخانہ اور یونس احمد صاحب اسلم مصروفِ عمل رہے۔ صاحبزادہ صاحب نے خدام الاحمدیہ کی طرف سے خدام الاحمدیہ کے فنڈ سے مبلغ دو سَو ۲۰۰ روپے اور اپنی طرف سے بہت سے پارچات بھی عنایت فرمائے اسی طرح آپ کی بیگم صاحبہ نے لجنہ اماء اللہ کی طرف سے اور سیّد محمد شریف صاحب نے مجلس انصار اللہ کی طرف سے ایک ایک سو روپیہ اس فنڈ میں دیا۔ اسی طرح صدر انجمن احمدیہ قادیان نے (جس کی نگرانی میں یہ ریلیف کیمپ کھولا گیا تھا) پانچ سو روپے کا عطیہ دیا۔ اُن دنوں درویشوں کے گھر خدمتِ خلق کے مراکز بنے ہوئے تھے۔ جماعت کی طرف سے کپڑوں کے تھان خرید کر بچوں عورتوں اور مَردوں کے لئے کپڑے تیار کروائے گئے۔ سلائی کا کام احمدی درزیوں نے بِلا اُجرت کیا اور رات دن اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کے لئے پارچات تیار کرنے میں

مصروف رہے۔ احمدی مستورات نے پارچات اور غلّہ جمع کیا جو ضرورت مندوں میں تقسیم کیا گیا۔

پھیروچیچی کیمپ کے ذریعہ سے ایسا شاندار امدادی کام ہُوا کہ اکثر دیہات کے سرپنچوں اور پنچایت کے ممبروں نے تحریری طور جماعتِ احمدیہ کی خدمات پر شکرگزاری کے پیغامات نظارت امورعامہ قادیان کو بھجوائے۔ ان معزز غیر مُسلم دوستوں کے نام یہ ہیں :-

۱۔ سردار منگل سنگھ صاحب ایم ایس سی ایل ایل بی نمبردار و پنچ موضع بھینی میاں خان۔
۲۔ ٹھاکر ترلوک سنگھ صاحب سرپنچ و سردار امر سنگھ صاحب نمبردار موضع بھاگڑیاں۔
۳۔ سردار تخزان سنگھ صاحب نمبردار و سردار بہادر سنگھ صاحب سرپنچ موضع ملاں وال۔
۴۔ سردار نرنجن سنگھ صاحب ولد روڑ سنگھ صاحب نمبردار موضع راجپورہ۔
۵۔ سردار رچھو سنگھ صاحب نمبردار موضع کوٹ خان محمد۔
۶۔ پنڈت دیوان صاحب سرپنچ و سردار بلدیو سنگھ صاحب ممبر پنچایت موضع خان محمد کھوجکی پور دکھڑ۔
۷۔ سردار سنت سنگھ صاحب ممبر پنچایت و سردار سنتوک سنگھ صاحب سرپنچ موضع نانووالی۔
۸۔ سردار بلدیو سنگھ صاحب سرپنچ و سردار سنسار سنگھ صاحب ممبر پنچایت موضع عالماں۔
۹۔ سردار دیوان سنگھ صاحب ممبر پنچایت و سردار جگت سنگھ صاحب موضع چھجرا۔
۱۰۔ سردار سنگھ صاحب و لاب سنگھ صاحب ممبر پنچایت و سردار مان سنگھ صاحب سرپنچ پھیروچیچی۔
۱۱۔ سردار کپل سنگھ صاحب ممبر پنچایت بھلوال۔

امدادی کیمپ کی کارکردگی کی اطلاع جب ضلع اور صوبہ کے افسران کو ہوئی تو سرکاری و کانگریسی حلقوں نے بھی ان خدمات پر خراجِ تحسین ادا کیا اور شکریہ کے پیغامات اور خطوط لکھے جن میں سے چند بطور نمونہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :-

(۱)۔ "جو قیمتی خدمات آپ کی جماعت سیلاب سے متأثر مصیبت زدہ لوگوں کی کر

رہی ہے وہ بہت زیادہ تعریف اور قدر کے قابل ہیں۔ ہم ان سرگرمیوں کیلئے آپ کے شکر گزار ہیں۔" (ترجمہ چٹھی مورخہ ۹ر نومبر ۱۹۵۵ء۔ جنرل سیکرٹری صاحب کانگریس صوبہ پنجاب)

(۲)۔ "جناب ہوم منسٹر صاحب کے پاس آپ کی چٹھی اور اخبار بدر مورخہ ۷/۱۱/۵۵ کا پرچہ پہنچا ہے جس میں سیلاب زدگان کی امداد کے متعلق جماعتِ احمدیہ کی سرگرمیوں کا ذکر ہے۔ جناب ہوم منسٹر صاحب نے ان خدمات کے لئے مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنے کی ہدایت کی ہے۔" (ترجمہ مراسلہ مورخہ ۹ر نومبر ۱۹۵۵ء از طرف شری اے۔ ڈی۔ پانڈے، آئی اے ایس پرائیویٹ سیکرٹری آنریبل ہوم منسٹر صاحب نئی دہلی)۔

(۳)۔ "سیلاب کی شکل میں اس قدرتی قہر کا مقابلہ کرتے ہوئے جہاں باقی سیلاب زدہ حلقوں میں مختلف سبھا، سوسائیٹیوں کے ذریعہ ریلیف کا کام ہوا وہاں یہ بات کافی سراہنے کے قابل ہے کہ جماعت احمدیہ نے بھی اپنی گذشتہ روایات کے مطابق علاقہ بیٹ بیاس موضع پھیروچیچی میں اپنا ریلیف کیمپ قائم کرکے گردونواح کے سیلاب زدہ لوگوں کو محنت اور ہمدردی سے امداد بہم پہنچائی ہے۔ جماعت کی طرف سے نیشنل سپرٹ کے ساتھ جہاں دیہات میں آٹا، کپڑے اور ادویہ سے لوگوں کی مدد کی گئی ہے وہاں قادیان خاص میں بھی مستحقین کو نقد مالی امداد دی گئی اور ایک مشنری سپرٹ اور خدمتِ خلق کے جذبہ کے ماتحت بعض بے آسرا اور نحیف سجنوں کے مکانوں کی مرمت اپنے ذمہ لے رہے ہیں۔

جماعتِ احمدیہ کا یہ کام جہاں قابلِ ستائش ہے وہاں میں باقی جماعتوں سے بھی توقع رکھتا ہوں کہ وہ ایسے آڑے وقت میں مصیبت زدگان کی تکالیف کو دُور کرنے میں کوشش کرکے اپنا فرض ادا کریں گی۔" (پنڈت گورکھ ناتھ صاحب شرما ایم ایل اے صدر کانگریس کمیٹی گورداسپور کا تحریری بیان)

(۴)۔ "مجھے اس بات کے علم سے خوشی ہوئی ہے کہ آپ کی جماعت نے علاقہ کے

سیلاب زدگان کی امداد کے لئے ریلیف کیمپ کھول کر مفاد عامہ کا ایک اعلیٰ کام کیا ہے۔" (چٹھی مورخہ ۸، نومبر ۱۹۵۵ء۔ جناب سردار پرتاب سنگھ صاحب کیروں وزیر ترقیات حکومتِ پنجاب)

(۵)۔ "مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے ریلیف کیمپ نے سیلاب زدہ لوگوں کو ریلیف پہنچانے کے لئے بہت عمدہ خدمات سرانجام دی ہیں۔" (چٹھی مورخہ ۱۵، نومبر ۱۹۵۵ء۔ جناب سردار اجل سنگھ صاحب وزیرِ مال حکومتِ پنجاب)۔

(۶)۔ "جناب منسٹر صاحب نے جماعت کے اس قابل قدر خدمت کے کام کی تعریف فرماتے ہوئے مجھے ہدایت دی ہے کہ آپ کو شکریہ کا پیغام پہنچا دوں۔" (شری سرناگت سنگھ صاحب پرائیویٹ سیکرٹری پبلک ورکس منسٹر چنڈی گڑھ مورخہ ۱۸، نومبر ۱۹۵۵ء)

(۷)۔ "ہمارے نزدیک سیلاب زدہ علاقہ میں آپ کی ریلیف کی قیمتی خدمات قدر اور تعریف کے قابل ہیں۔" (جنرل سیکرٹری پنجاب کانگریس کمیٹی جالندھر۔ مؤرخہ ۲۶، نومبر ۱۹۵۵ء)۔

(۸)۔ "مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ جماعت احمدیہ قادیان کے سجن کئی دنوں سے اِن دیہاتیوں میں طبّی اور دیگر امداد کا کام بڑی سرگرمی اور شوق سے کر رہے ہیں۔ جماعت کی طرف سے موضع بھیرو چیچی میں ایک ریلیف کیمپ بھی کھُلا ہے۔ جہاں بیماروں اور مصیبت زدگان کی ہر طرح سے امداد کی جاتی ہے۔ احمدی نوجوانوں کی امدادی پارٹیاں ادویات، پرہیزی راشن اور کپڑے وغیرہ لے کر خود مختلف سیلاب زدہ دیہاتوں میں امداد کر رہی ہیں مجھے اس بات کے اظہار سے خوشی ہے کہ جو پبلک سیوا کا کام قادیان کے احمدی دوست پوری ہمدردی اور خدمت کے جذبہ کے ساتھ سرانجام دے رہے ہیں اس سے علاقہ بیٹ کی مصیبت زدہ جنتا کو بہت آرام پہنچا ہے۔" (سردار لشن سنگھ صاحب نائب تحصیلدار علاقہ بیٹ)

(۹)۔ "خدمت کے بے لوث جذبہ، بے پناہ جوش اور خلوص کے ساتھ جماعت احمدیہ قادیان

کی امدادی پارٹی نے علاقہ بیٹ کے تمام دیہات میں پھر کر مصیبت زدہ افراد کی امداد اور مریضوں کے علاج کا کام کیا، میں جس کا اظہار الفاظ میں مشکل سے کر سکتا ہوں۔ ان لوگوں کی بے غرض خدمت اور سیوا کا کام بے حد شکریہ اور مبارک بادی کا مستحق ہے۔" (شری پیارے لال صاحب نائب تحصیلدار کا مکتوب)

اگرچہ پھیرو چیچی کا امدادی کیمپ شب و روز خدمت بجا لانے کے بعد ۱۶؍ نومبر کی شام کو کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہو گیا لیکن جماعت احمدیہ قادیان کی رفاہی اور طبّی سرگرمیاں کئی دنوں تک زور شور سے بدستور جاری رہیں۔ چنانچہ علاقہ بیٹ کے پریشان حال مریض اور ضرورت مند لوگ متواتر اپنے علاج اور کپڑوں وغیرہ کی امداد کے لئے قادیان پہنچتے رہے اور مرکزِ احمدیت کی طرف سے حسبِ حالات ان کی خدمت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے علاوہ قادیان کے اردگرد کے متأثرہ دیہات تک درویشوں کی طبّی سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں۔ اور سینکڑوں ایسے مریض جو اپنی مجبوریوں کے باعث قادیان کے احمدیہ شفاخانہ میں نہیں آسکتے تھے، اُن کے گھروں تک دوائیں پہنچا دیں۔ دو احمدی ڈسپنسر چوہدری غلام ربّانی صاحب اور ملک بشیر احمد صاحب ناصر باری باری دیہات کا دورہ کرتے رہے۔ اس انتظام کے ماتحت ۲۳ نومبر تک مندرجہ ذیل بارہ دیہات میں قریباً ایک ہزار مریضوں کا تسلّی بخش طور پر علاج کیا گیا:۔

تغل والا ۔ رجادہ ۔ ٹھیکری والا ۔ نت ۔ موکل ۔ لیل کلاں ۔ بوہڑ ۔ کاہلواں ۔ بسرانواں ۔ رام پورہ ۔ کوٹلہ ۔ کاظم پورہ ۔

طبّی امداد کے علاوہ ان دیہات سے کئی افراد بغرض امداد قادیان پہنچے اور باوجود مالی مشکلات کے مرکز کی طرف سے اپنی توفیق اور بساط کے مطابق کسی نہ کسی رنگ میں اُن کی خدمت ضرور کی گئی۔

درویشانِ قادیان نے اس موقع پر بعض منہدم مکانات کی ازسرِنو تعمیر میں بھی حصّہ لیا۔ جیسا کہ شیخ عبدالحمید صاحب عاجزؔ ناظر امورِ عامہ قادیان کے مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہے:۔

"خاص قادیان میں ہمارے دس خدّام نے مکرم مولوی برکت علی صاحب انچارج تعمیرات کی نگرانی میں تین چار روز کی محنت اور ہمّت سے محلّہ دارالرحمت میں سردار جیون سنگھ صاحب کے رہائشی مکان ..... کی تعمیر مکمّل کر دی ہے اور ہماری پیشکش کے مطابق قادیان کی کانگریس کی طرف سے ہمیں کسی اور حقیقی مستحق اور ضرورت مند غیر مسلم کے مکان میں تعمیر کی امداد کے لئے اطلاع دی گئی تو ہم خوشی سے ایسی خدمت کے کام کو سرانجام دینے کو تیار ہوں گے۔"[1]

بالآخر یہ بتانا ضروری ہے کہ درویشانِ قادیان کی ان قابل قدر اور ناقابلِ فراموش مساعی کا چرچا بھارتی پریس میں بھی ہُوا۔ چنانچہ دہلی کے مشہور ہفت روزہ "ریاست" نے لکھا کہ:۔

"اس سال سیلاب کے باعث پنجاب میں جو تباہی نازل ہوئی۔ اس کی مثال پچھلی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ امرتسر اور گورداسپور وغیرہ اضلاع میں گھروں کے اندر چھ چھ فٹ تک پانی پہنچ گیا۔ جس کے باعث نوّے فیصدی مکانات کو نقصان پہنچا۔ اور قادیان ضلع گورداسپور سے جو اطلاعات آئی ہیں۔ ان کے مطابق وہاں کی احمدی جماعت کے ۷۰، ۷۵ فیصدی کے قریب مکانات کو نقصان پہنچا ہے۔ اور مکانات میں جو سامان تھا وہ الگ تباہ ہوُا۔ اور یہ واقعہ دلچسپ ہے کہ قادیان کے احمدی حضرات نے جب قریب کے دیہات کی تباہی کی خبریں سنیں تو یہ اپنی تباہی کو بھول گئے۔ اور انہوں نے دیہات میں جاکر ان لوگوں کو بچایا۔ جو دیہات بالکل ہی تباہ ہو چکے تھے۔ اور اَب بھی یہ لوگ ان دیہات کے لوگوں کے لئے غلّہ اور کپڑے پہنچانے میں مصروف ہیں۔ ایک درویش کا شعار ہے کہ وہ اپنی ذاتی ضرورت کے مقابلہ میں دُوسرے کی ضرورت کو ترجیح دے۔ اگر کوئی دوسرا شخص بھوکا ہو تو خود بھوکا رہتے ہوئے بھی اپنا کھانا دُوسروں کو دے۔ درویشانہ زندگی کے اس اصول کے مطابق

---

[1] ملخصاً از ہفت روزہ "بدر" قادیان ۸ ستمبر ۱۹۵۵ء تا ۲۸ نومبر ۱۹۵۵ء۔

قادیان کے ان احمدی حضرات کو یقیناً درویش قرار دیا جا سکتا ہے۔ جو سیلاب کی تباہی کے دنوں اپنی مصیبت کو بھول گئے۔ اور جنہوں نے اپنے گر چکے یا گر رہے مکانات کی پروا نہ کرتے ہوئے دیہات میں پہنچ کر دیہاتیوں کو سیلاب کی تباہی سے بچانے کی کوشش کی۔ اور خدا تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کو اپنا فرض قرار دیا۔ احمدی جماعت ایک مذہبی جماعت ہے۔ اور ہمارا یہ پچھلا تجربہ ہے کہ اس جماعت میں نیک اور بلند لوگ دوسرے مذاہب کے مقابلہ پر اوسطاً زیادہ ہیں۔ چاہے اس کی وجہ اس جماعت کے حلقہ کا محدود ہونا ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ہر مذہب جب تک محدود رہا۔ اس میں اچھے لوگوں کی کثرت رہی۔ اور جب اس نے وسعت اختیار کی تو اس میں غلاظت بھی بڑھتی چلی گئی چنانچہ فسادات کے زمانہ میں زندگی اور موت کی کشمکش سے بے نیاز ہو کر قادیان کے کئی سو احمدی حضرات کا قادیان میں موجود رہنا اور اپنی مذہبی عبادت گاہوں اور بزرگوں کے مقبروں کو نہ چھوڑنا ان کی بلندی کا بہت بڑا ثبوت تھا۔ اور اب ان لوگوں نے سیلاب کے زمانہ میں ضلع گورداسپور کے دیہاتیوں کی جو خدمت سرانجام دی۔ اسے بھی ان کے مذہبی شعار کی بلندی قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس کی ہر شخص سے توقع نہیں کی جا سکتی۔ ہماری خواہش ہے کہ یہ حضرات آئندہ بھی اس طرح ہی خدا کی مخلوق کی خدمت کو ایک فرض سمجھ کر انجام دیں۔ اور جہاں تک بھی ممکن ہو اس خدمت اور فرض کو پروپگنڈا سے دور رکھا جائے۔ کیونکہ اگر خدمت فرض یا سروس کے ساتھ پروپگنڈا کی آلائش بھی شامل ہو۔ تو اس کا اثر فرض شناسی اور خدمت گذاری پر اچھا نہیں پڑتا[1]۔"

پاکستان میں سیلاب کی تباہ کاریاں

پاکستان کو ۱۹۵۵ء میں دوہری آفات کی تباہ کاریوں سے دوچار ہونا پڑا۔ پہلے ۱۲ر فروری اور ۱۹ر فروری کو زلازل کے پے در پے جھٹکوں نے بلوچستان میں

---

[1] "ریاست" ۱۲ر نومبر ۱۹۵۵ء بحوالہ الفضل ۲۹ر نومبر ۱۹۵۵ء صا

ہیجان برپا کر دیا۔ ازاں بعد وسط اگست سے شدید سیلابوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس نے نہ صرف مشرقی بنگال بلکہ صوبہ پنجاب کے مندرجہ ذیل سات اضلاع کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ڈیرہ غازیخان، لاہور، سیالکوٹ، شیخوپورہ، لائل پور (حال فیصل آباد)، منٹگمری (ساہیوال)، ملتان۔ یہ وسیع علاقہ گویا ایک سمندر بن گیا۔ بہت سی قیمتی جانوں کا ضیاع ہؤا، لاکھوں من غلّہ بہہ گیا اور اربوں کی جائیدادیں اس ہولناک طوفان کی نذر ہو گئیں۔

جماعت احمدیہ ملک بھر کی واحد دینی جماعت تھی جس کے محبِّ وطن، انتھک اور فرض شناس جوانوں نے زلزلہ[1] اور سیلاب سے پیدا شدہ صورتِ حال سے نپٹنے میں حکومتِ پاکستان کا ہر ممکن طریق سے ہاتھ بٹایا اور اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی اعانت کے لئے اپنے اموال اور اوقات کی ہر مطلوبہ قربانی پیش کر دی۔ اس نازک موقع پر احمدی پروفیسر، احمدی طلبہ، احمدی ڈاکٹر، احمدی معمار، احمدی تاجر، احمدی وکیل، احمدی زمیندار، احمدی کارکن غرضیکہ ہر طبقہ کے مخلصین نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ جو جماعتیں اور مجالس براہِ راست زلزلہ اور سیلاب سے متأثر تھیں، انہوں نے بھی ایثار کا نمونہ دکھاتے ہوئے دُوسروں کی خدمت کا حق ادا کر دیا اور جو علاقے بالکل محفوظ رہے تھے ان کی احمدی تنظیموں نے نقدی، خوراک پوشاک اور ادویہ سے گرانقدر امداد کی اور ڈاکٹر اور معمار اور دُوسرے رضا کار

---

[1] اس آفت سے کوئٹہ کے ۱۲ نواحی دیہات یا تو بالکل زمین بوس ہو گئے یا انہیں انتہائی شدید نقصان پہنچا۔ جن میں ایک گاؤں کلی عالموں بھی تھا۔ کوئٹہ کے احمدی نوجوانوں نے اپنے امیر میاں بشیر احمد صاحب اور قائد مجلس شیخ محمد حنیف صاحب (حال امیر جماعت احمدیہ بلوچستان) کی راہنمائی اور سرپرستی میں اس گاؤں کا انتخاب کیا اور اس میں ۲۲ فروری سے ۱۷ اپریل تک وسیع پیمانے پر امدادی خدمات انجام دیں اور زلزلہ سے متأثر لوگوں کو دیگر ضروریاتِ زندگی مہیّا کرنے کے علاوہ اپنے ہاتھوں سے متعدد مکانات تعمیر کئے۔ ("الفضل" ربوہ ۱۶ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۸۔ ماہنامہ "خالد" ربوہ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۴۴-۴۶)

بھجوائے۔ غرضیکہ جس طرح مُلک پر آنے والی یہ آفات اپنی مثال آپ تھیں اسی طرح احمدی جوانوں کا جوشِ عمل اور بے لوث جذبۂ خدمت بھی بے نظیر تھا۔

دراصل حضرت مُصلح موعودؓ مدتوں سے خدمتِ خلق کی جو علمی وعملی ٹریننگ نونہالانِ جماعت کو دیتے آرہے تھے۔ اس کے وسیع اثرات وبرکات اب پبلک میں ایک واضح اور منظّم شکل میں آنے شروع ہوگئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت اور عوام نے ان کی سرفروشانہ سرگرمیوں پر زبردست خراجِ تحسین ادا کیا اور مُلکی پریس اور خبر رساں ایجنسیوں نے بھی ان کی اشاعت میں غیر معمولی دلچسپی لی۔

جماعت احمدیہ پاکستان کی رضاکارانہ خدمات کا عمومی ذکر کرنے کے بعد مناسب ہوگا کہ اُن احمدی جماعتوں اور مجالس خدام کا کسی قدر اجمالی تذکرہ بھی ضرور کردیا جائے جن کو ان دنوں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے قومی اور مُلکی فرائض بجا لانے کی نمایاں توفیق ملی۔

(۱) ڈھاکہ

(امیر مشرقی بنگال[۱] کیپٹن خورشید احمد صاحب)

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ ابھی لنڈن میں تشریف فرما تھے کہ حضور کو مشرقی بنگال کے سیلاب کی اطلاع ہوئی۔ حضور نے تیرہ ہزار روپے بے خانماں لوگوں کے لئے منظور فرمائے اور بذریعہ برقیہ جماعت کو بھی تحریک فرمائی کہ "وہ بھی اپنی استطاعت کے مطابق سیلاب زدگان کی مدد کے لئے چندہ دے کیونکہ اَب کے بھی وہاں سیلاب گذشتہ سال کی طرح خطرناک نوعیت اختیار کرگیا ہے[۲]۔"

حضور کا ارشاد پہنچتے ہی بنگال کی مرکزی انجمن احمدیہ ڈھاکہ نے بلا تاخیر ریلیف کا کام شروع کردیا چنانچہ سب سے پہلے انجمن کے ایک وفد نے وزیرِ اعلیٰ مسٹر ابوحسین سرکار کو اپنی رضاکارانہ خدمات پیش کیں اور پھر افسرانِ حکومت سے مشورہ کے بعد پگلہ، چاشں ہرا، برہمن بڑیہ، میرپور کالونی، نارائن گنج اور پاڑہ میں ریلیف سنٹر کھول

---

[۱] حال بنگلہ دیش۔ [۲] روزنامہ "الفضل" ۱۳؍اگست و ۲۵؍اگست ۱۹۵۵ء صا

دیئے اور ہزاروں سیلاب زدگان میں نقد رقوم کے علاوہ ادویہ، چاول، دودھ اور دیگر اشیاء کی بھاری مقدار تقسیم کی۔ ۲۱ ؍ اگست ۱۹۵۵ء کو مسٹر غلام قادر چوہدری ایم ایل اے و ایم سی نے بشیر احمد صاحب سیکرٹری ریلیف کی معیت میں اچانک دوپہر کے وقت پگلہ ریلیف سنٹر کا معائنہ کیا اور اُس کی امدادی سرگرمیوں کو دیکھ کر بہت خوشنودی کا اظہار کیا اور اپنے قلم سے مندرجہ ذیل الفاظ لکھے کہ :۔

" آج مَیں نے اچانک موضع پگلہ میں جماعتِ احمدیہ کے ریلیف سنٹر کا معائنہ کیا۔ مَیں اس سنٹر کو دیکھ کر بہت خوش ہُوا ہوں۔ جماعت احمدیہ کے کارکن اپنے محدود ذرائع کے باوجود بہت وسیع پیمانہ پر امدادی کام کر رہے ہیں اور اخلاص اور دیانت داری سے عوام کی خدمت کر رہے ہیں۔ کئی ہزار آدمیوں میں چاول، دُودھ اور دوائیاں تقسیم کی جاچکی ہیں۔ کاش کہ یہ رُوح دوسرے اداروں میں بھی پیدا ہو اور وہ اس اخلاص اور محنت سے کام کریں جس اخلاص اور محنت اور ہمدردی سے جماعت احمدیہ کے کارکن کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اجرِ عظیم دے۔ غلام قادر چوہدری ایم ایل اے "

اسی طرح امدادی امور کے صوبائی وزیر مسٹر ہاشم الدین احمد، متعلقہ افسران اور سٹاف کے ہمراہ ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء کو میر پور کالونی کے احمدیہ ریلیف سنٹر میں تشریف لے گئے اور ریلیف کے کام میں گہری دلچسپی کا ثبوت دیا۔

حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایت کے مطابق مولانا رحمت علی صاحب سابق مبلغ انڈونیشیا اور سیّد اعجاز احمد صاحب مربّی سلسلہ برہمن بڑیا پہنچے اور مقامی مجلس خدام الاحمدیہ کے تعاون سے سیلاب زدگان کی امداد کا کام پہلے سے زیادہ اہتمام اور باقاعدگی کے ساتھ شروع کر دیا۔ برہمن بڑیا کے کشتی شفاخانہ اور خیراتی شفاخانہ کے ذریعہ جن افراد کا مفت علاج کیا گیا اُن کی تعداد وسط ستمبر ۱۹۵۵ء تک ۲۴۰۰ تک جا پہنچی۔ سلسلہ کے تیسرے مربّی مہاشہ محمد عمر صاحب بھی دوسرے مربیان کے ساتھ ڈھاکہ اور میر پور کالونی، برہمن بڑیا اور نارائن گنج کے مختلف علاقوں میں امدادی کاموں کے لئے وقف رہے۔

۱۹۵۴ء کی طرح اس سال بھی محترمہ بیگم صاحبہ صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب سیکرٹری

لجنہ اماء اللہ ڈھاکہ نے زیرِ نگرانی بیگم صاحبہ گورنر صاحب مشرقی پاکستان امدادی خدمات انجام دیں۔ اور لجنہ اماء اللہ کی طرف سے پانچ سو روپے کی رقم ریلیف کے لئے پیش کی۔ اور لجنہ اماء اللہ کی بعض ممبرات مختلف مقامات پر ریلیف کے فرائض بجا لاتی رہیں[1]۔

(۲)۔ ڈیرہ غازیخاں

(امیر مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر قائد مجلس خدام الاحمدیہ میاں خیر محمد صاحب)

یہاں ۱۳؍اگست کو زبردست سیلاب آگیا جس نے پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہر طرف پانی ہی پانی نظر آتا تھا اور ہر شخص کی زبان پر نفسی نفسی کی صدا تھی۔ جماعت احمدیہ کے افراد بالخصوص خدامِ احمدیہ نے بلا امتیازِ فرقہ مصیبت زدگان کی فوری اور بروقت امداد کرنے کے سلسلے میں قابلِ قدر مساعی سے کام لیا۔ اور ۱۴؍اگست کو امدادی کیمپ کھول کر ضرورت مند افراد کی خدمت کے لئے ہر ممکن ذرائع بروئے کار لائے، گرتے ہوئے مکانوں میں سے سامان نکالا۔ ملبہ اٹھایا۔ دیواریں بنائیں اور مستحقین کے لئے کھانے کا انتظام کیا۔ علاوہ ازیں ڈیرہ غازیخان اور اُس کے نواح میں نادار اور مستحق خاندانوں میں پارچات تقسیم کئے۔ ایک احمدی غلام حسن خانصاحب (بستی مندرانی) نے جن کا گھر سیلاب کی نذر ہو چکا تھا، دوسرے مصیبت زدگان کو مکان بنانے کے لئے دو سو اسی مرلے زمین مفت دے کر قربانی اور ہمدردیٔ خلق کی ایک اعلیٰ مثال قائم کی[2]۔

(۳)۔ ربوہ

اس ہولناک سیلاب میں پاکستان کے احمدی جوانوں نے جو قابلِ رشک امدادی خدمات انجام دیں۔ اُس میں مجلس خدام الاحمدیہ کی مرکزی قیادت کی فرض شناسی بالغ نظری اور حُبّ الوطنی کا بھاری عمل دخل تھا۔ اُن دنوں صاحبزادہ مرزا منوّر احمد صاحب مجلس خدامِ احمدیہ مرکزیہ کے صدر تھے۔ سیلاب کی خبر سُن کر مجلسِ مرکزیہ

---

[1] روزنامہ "الفضل" ۹ ستمبر و ۲۲ ستمبر ۱۹۵۵ء ص۔ و ماہنامہ "خالد" ربوہ جنوری ۱۹۵۶ء

[2] روزنامہ "الفضل" ۲۱، ۲۶، ۲۷؍اگست و یکم و ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء (رپورٹ مولوی عبدالواحد خانصاحب انچارج کیمپ بستی مندرانی)

نے فوری طور پر صورتِ حال کا جائزہ لیا اور چوہدری انور حسین صاحب امیر شیخوپورہ کے مشورہ اور راہنمائی سے شیخوپورہ کے متأثرہ علاقہ میں متعدد ریلیف کیمپ قائم کر دیئے۔ علاوہ ازیں مرکزی ہدایات کے مطابق لاہور، سیالکوٹ، لائل پور (حال فیصل آباد) اور ملتان کی مجالس خدام الاحمدیہ پوری جانفشانی سے طوفان زدہ لوگوں کو بچانے اور اُن کی رہائش، خوراک اور طبّی ضروریات مہیّا کرنے کے لئے سرگرم عمل ہو گئیں۔ چنانچہ چند دن بعد عزّت مآب چوہدری محمد علی صاحب وزیرِ اعظم پاکستان اور میاں مشتاق احمد صاحب گورمانی گورنر مغربی پاکستان نے عوام سے اپیل کی کہ وہ امدادی کاموں میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں تو خدام الاحمدیہ مرکزیّہ کے معتمد مولوی محمد صدیق صاحب کی طرف سے اُن کی خدمت میں ۱۳ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو مندرجہ ذیل برقیہ ارسال کیا گیا:۔

"آپ کی طرف سے سیلاب کے سلسلہ میں امداد کرنے کی اپیل کی گئی تھی اس کی تعمیل میں سیالکوٹ، لاہور، لائل پور اور ملتان کی مجالس خدام الاحمدیہ پہلے ہی امدادی کام کر رہی ہیں۔ ربوہ کے ۴۰ رضاکاروں پر مشتمل ایک ریلیف پارٹی جس میں ڈاکٹر اور معمار بھی شامل ہیں، شیخوپورہ میں کام کر رہی ہے۔ آپ کی نشری اپیل کے سلسلہ میں تمام مجالس کو ہدایات بھجوا دی گئی ہیں کہ وہ مقامی حکام کے ساتھ رابطہ قائم کریں اور انہیں اپنی خدمات پیش کر دیں۔"

برقیہ کے جواب میں مندرجہ ذیل خطوط موصول ہوئے جن میں مجلس کی سرگرمیوں کو سراہتے ہوئے یہ لکھا گیا تھا:۔

(۱)۔ "کراچی ۱۸ر اکتوبر ۱۹۵۵ء — مجھے عزّت مآب وزیرِ اعظم نے ہدایت فرمائی ہے کہ میں آپ کی تار مورخہ ۱۲ر اکتوبر کا شکریہ ادا کروں۔ احمدی نوجوانوں کے اس جذبہ کو وزیرِ اعظم نے بہت سراہا ہے جس کی وجہ سے انہوں نے سیلاب زدگان کی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے"۔ جائنٹ سیکرٹری کیبنٹ A.A. HAMID"

(۲) "گورنمنٹ ہاؤس لاہور — ۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۵ء — نمبر ۸۵۴۰۵
عزّت مآب گورنر پنجاب نے مجھے ہدایت فرمائی ہے کہ میں آپ کی تار مورخہ ۱۲ر اکتوبر

کا جواب دُوں اور جماعتِ احمدیہ کی اُن محبِّ وطن کوششوں کا شکریہ ادا کروں جو انہوں نے سیلاب زدگان کے دُکھ درد کو دُور کرنے کے لئے شروع کی ہیں۔

(دستخط) رشید احمد۔ پرائیویٹ سیکرٹری ہز ایکسیلینسی گورنر مغربی پاکستان

۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۵ء"

مرکزی قیادت کی براہِ راست نگرانی میں سب سے پہلی مجلس جو میدانِ عمل میں آئی وہ ربوہ کی مقامی مجلس خدام الاحمدیہ تھی جس نے شیخوپورہ کے سیلاب زدہ علاقہ میں مسلسل ایک ماہ تک وسیع پیمانے پر امدادی خدمات انجام دیں۔ ۷ر اکتوبر کو قائد ربوہ مکرم مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب کی پُرزور تحریک پر ربوہ کے مختلف اداروں اور خدام نے جن میں ڈاکٹر اور معمار اور مستری بھی شامل تھے، ذوق وشوق سے اپنی خدمات پیش کیں۔ اگلے روز ۸ر اکتوبر کی شام کو خدام الاحمدیہ ربوہ کا پہلا امدادی وفد مولوی محمد احمد صاحب ثاقبؔ پروفیسر جامعۃ المبشرین (مہتمم خدمتِ خلق) کی زیرِ قیادت ربوہ سے روانہ ہو کر صُبح سات بجے شیخوپورہ پہنچا۔ اس وفد نے اپر چناب، چیچوکی ملیاں اور چک حیدر آباد میں کیمپ قائم کر کے مخلوقِ خدا کی خدمت کا حق ادا کر دیا۔ جس پر اس علاقہ کی کئی مقتدر شخصیات نے اظہارِ خوشنودی کیا۔ مثلاً شیخوپورہ کے لائن پولیس آفیسر نے ۱۳ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو حسب ذیل سرٹیفکیٹ دیا:۔

"امدادی کیمپ خدام الاحمدیہ مقیم ہیڈ خان پور جس کے انچارج مولوی محمد احمد ثاقبؔ ہیں نہایت محنت اور جانفشانی سے کام کر رہے ہیں۔ دِن بھر مریضوں کے علاج اور بھوکوں کو کھانا کھلانے کا کام کرتے ہیں۔ دیہات میں خود جا جا کر ڈوبتوں کو بچاتے ہیں۔ میں ان کے کام سے بہت مسرور ہوں۔ سرکاری افسران کے ساتھ بھی ان کا تعاون قابلِ رشک ہے۔ کیمپ ۲ جو کہ چیچوکی ملیاں میں مقیم ہے وہ بھی اپنے فرائض کی ادائیگی میں کسی سے کم نہیں ہے۔ سب (لوگ) جماعت کی اِن خدمات کے تہ دل سے شکر گزار ہیں۔"

انچارج سیکٹر سیّد والا جناب ڈاکٹر عابد علی صاحب نے خدام کی مساعی پر دِلی مسرّت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:۔

"رضا کارانِ مجلس خدام الاحمدیہ نے سیکٹر سیّد والہ میں ۵ر نومبر سے ۱۴ر نومبر تک

سیلاب زدگان میں دواؤں کا کام نہایت تندہی، جانفشانی اور ایمانداری سے کیا۔ اس دوران میں رضا کاران نے شکایت کا کوئی موقع نہ دیا۔ قوم کی خدمت کا جذبہ رضا کاران میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہؤا ہے۔ اُمید ہے کہ آئندہ بھی نازک حالات میں یہ رضا کاران ملک و ملّت کی خدمت سرانجام دیں گے۔ خدا انہیں جزا دے۔"

ان امدادی مراکز کی سرگرمیاں پُورے زوروں پر تھیں کہ یکے بعد دیگرے تین اور پارٹیاں ربوہ سے ضلع شیخوپورہ کے سیلاب زدہ علاقہ میں پہنچ گئیں۔ جنہوں نے نارنگ شاہ مسکین اور مانگٹانوالہ میں تین اور فعّال ریلیف سنٹر کھول دیئے۔ نوجوانانِ احمدیت نے پُرخطر اور دشوار گزار راستوں سے ہوتے ہوئے رات کی تاریکیوں میں گہرے پانی کو عبور کیا اور مصیبت زدگان کی امداد کو پہنچ گئے۔ ۲ رنومبر ۱۹۵۵ء کو سردار عبدالحمید صاحب دستی وزیر صحت نارنگ تشریف لائے تو اہلِ نارنگ نے سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے احمدی جوانوں کی خدمات کو بہت سراہا جس کے جواب میں دستی صاحب نے فرمایا کہ مَیں خدام الاحمدیہ بلکہ مجموعی طور پر اُن پارٹیوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے سیلاب کے دوران میں بروقت خدمتِ خلق کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اِن نئے ریلیف کیمپوں کی امدادی سرگرمیوں کے متعلق بطور نمونہ چند آراء درج ذیل کی جاتی ہیں:۔

(۱)۔ "خدام الاحمدیہ ربوہ کی ایک امدادی پارٹی نے جو کہ ۱۹۵۵ء کے سیلاب کے سلسلہ میں چوہدری فضل داد صاحب انچارج ریلیف پارٹی کی قیادت میں کام کرتی رہی ہے، علاقہ کلر اور نارنگ کے مضافات میں حد درجہ مفید خدمت سرانجام دی ہے۔ خدام الاحمدیہ کے یہ نوجوان رضا کار سیلاب زدگان کی امداد کی غرض سے ایک ایک بستی میں ہی نہیں بستی کے ایک ایک دروازہ تک پہنچے اور انہوں نے ستم رسیدہ انسانوں کو بچانے کے لئے اپنی جانوں کی بازی لگا دی۔ ان کی خدمات نے علاقہ کو متأثر کیا ہے اور وہ لائق صد تحسین و مبارکباد ہیں کہ وہ حقیقی مجاہد ہیں اور انہوں نے سیلاب زدہ لوگوں کی نہایت مخلصانہ اور بے لوث خدمات کی ہیں۔

مَیں اپنی طرف سے اور ریڈ کراس سوسائٹی (ہلالِ احمر) کی طرف سے خدام الاحمدیہ کے

ناظمین کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کی پُرمسرّت زندگی اور تابندہ مستقبل کے لئے دُعاگو ہوں۔ محمد رفیق ورک

ڈپٹی چیف آرگنائزر ریڈکراس سوسائٹی نارنگ کیمپ"۔ (انگریزی سے ترجمہ)

(۲)۔ "۱۸ 1/55۔ انجمن خدام الاحمدیہ کی ایک رضا کار جماعت جو ۳۲ رضاکاروں پرمشتمل تھی، نارنگ آئی۔ یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب سیلاب کی وجہ سے رسل ورسائل کے تمام ذرائع ختم ہوچکے تھے۔ اس جماعت نے ان تمام دیہات کے ہر تباہ شدہ گاؤں میں جاکر لوگوں کو طبّی امداد پہنچائی۔ اس جماعت میں طلباء، ڈاکٹر اور کمپونڈر شامل تھے۔ خدمتِ خلق کا جذبہ دیکھ کر علاقہ کے لوگ بہت متأثر ہوئے۔ مَیں ماسٹر محمد فضل داد صاحب قائد رضاکاران کا فلڈ ریلیف کمیٹی کی طرف سے و انجمن آڑھتیان کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے رضاکاروں کی کمان بڑی قابلیت سے کی اور ان نوجوان طلباء رضاکاروں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے اپنی تعلیم کا نقصان کرکے نسلِ انسانی کی خدمت کرکے سچے مومنوں کا ساثبوت دیا۔

یہ چند سطور لکھ کر اپنا فرضِ انسانی ادا کیا ہے۔ مَیں دُعا کرتا ہوں کہ ہر مُسلمان خدمتِ خلق کا اپنے اندر جذبہ پیدا کرے۔

نذیر حسین پریذیڈنٹ انجمن رائس مرچنٹ نارنگ منڈی۔ سردار محمد سیکرٹری انجمن آڑھتیان وسیکرٹری فلڈ ریلیف کمیٹی نارنگ منڈی ضلع شیخوپورہ 11/55 ۲۴"۔

(۳)۔ مانگٹانوالہ سیکٹر کے میڈیکل آفیسر جناب غوری صاحب نے اپنے سرٹیفکیٹ میں لکھا:۔

"مَیں شیخ رشید احمد اور ان کی پارٹی کو یہ سرٹیفکیٹ دینے میں مسرت محسوس کرتا ہوں جنہوں نے خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی زیرِ ہدایت میرے ساتھ حلقہ مانگٹانوالہ کے سیکٹر میں کام کیا ہے۔

ان لوگوں نے نہایت تندہی سے خدمت کی اور ان کی خدمات بہت ہی مفید ثابت ہوئیں۔ انہوں نے دُور دراز کے دیہاتی لوگوں کو طبی امداد بہم پہنچائی۔ منزلِ مقصود پہ

پہنچنے کے لئے دشوار گزار راستے اس پارٹی کے لئے کبھی سدِّ راہ نہ بن سکے ۔ میں بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں نے تنظیم، اتحاد اور یقین سے اپنے کام کو سرانجام دیا۔ خدا انہیں ہمیشہ کامیابی عطا فرمائے ۔

(دستخط) میڈیکل آفیسر انچارج مانگٹانوالہ سیکٹر ضلع شیخوپورہ ۸ نومبر ۱۹۵۵ء

ربوہ کے احمدی نوجوانوں اور بزرگوں نے مشرقی بنگال کے سیلاب زدگان کی امداد میں بھی سرگرم حصہ لیا اسی طرح مغربی پاکستان کے مختلف ریلیف سنٹروں کو پارچات بھی روانہ کئے نیز احمدی خواتین کی بین الاقوامی تنظیم لجنہ اماء اللہ کی مقامی شاخ نے اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی اعانت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ کے اُن خوش قسمت رضاکاروں کی تعداد جنہیں مختلف ریلیف سنٹرز میں خدمات سرانجام دینے کی توفیق ملی ۔ قریباً ایک سو چودہ تک پہنچ گئی جن میں دمشق کے احمدی نوجوان السید سلیم الجابی بھی شامل تھے جو اُن دنوں ربوہ آئے ہوئے تھے ۔

مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ کے رضاکاروں نے سیالکوٹ اور خانیوال میں بھی امدادی خدمات انجام دیں۔ ربوہ سے جانے والے چار معمار خدام کو نادار اور غریب لوگوں کے مکانات بنانے کے لئے بدوملہی سیکٹر کمانڈر کے زیر انتظام متعین کیا گیا۔ ان معماروں نے جس برق رفتاری سے مکانات تعمیر کئے ۔ اس سے مقامی لوگ حیرت زدہ رہ گئے ۔ ربوہ کے یہ رضاکار جب مصروف عمل ہوتے تو بہت سے لوگ اُن کو دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ۔ اگرچہ ہر روز چودہ خدام اور انصار ان معماروں کے ساتھ بطور مزدور کام کرتے تھے مگر ان سرفروشوں کے ساتھ بمشکل پُورے اُتر سکتے تھے ۔

خانیوال جانے والی امدادی پارٹی معتمد مجلس ربوہ مولوی عبدالباسط صاحب کی زیر قیادت ۴ دسمبر کو خانیوال پہنچی اور بستی محمود الحق کی منہدم مسجد کو از سرِ نو تعمیر کرنے کے علاوہ متعدد مکانات اور رہائشی جھونپڑیوں کی تعمیر میں حصہ لینے کے بعد ۱۳ دسمبر کو ربوہ پہنچی۔[1]

---

[1] رسالہ "خالد" ربوہ جنوری ۱۹۵۶ء صـ ۹ - ۲۴ ، الفضل ۲۳ اکتوبر و ۷ نومبر ۱۹۵۵ء

(۴) ۔ لاہور (امیر جماعت چوہدری محمد اسداللہ خاں صاحب ۔ قائد مجلس خالد ہدایت صاحب ۔ نگرانِ اعلیٰ میاں محمد یحییٰ صاحب نیلا گنبد)

لاہور اور اس کا نواحی علاقہ ۴ اکتوبر کی صبح کو خطرناک سیلاب کی زد میں آ گیا۔ جس کے فوراً بعد مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے جودھامل بلڈنگ میں اپنا امدادی مرکز قائم کر کے نہایت منظّم رنگ میں امدادی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ مجلس نے پچھلے سال کے سیلاب میں جو مثالی خدمات سرانجام دی تھیں، اُن کے گہرے نقوش ابھی تک عوامی اور سرکاری حلقوں میں قائم تھے یہی وجہ ہے کہ مجلس کے ایک نمائندہ وفد نے جب اپنے نائب امیر ڈاکٹر محمد عبدالحق صاحب کی زیرِ قیادت پولیس، فوج اور سول حکام کو اپنی خدمات پیش کیں تو اُسے بلا تاخیر افسرانِ حکومت کا مخلصانہ تعاون حاصل ہو گیا جس کے نتیجہ میں لاہور کے احمدی رضا کاروں کی امدادی کوششیں لاہور شہر اور اس کے ماحول میں نہایت تیزی سے وسعت پکڑ گئیں۔ چنانچہ پہلے روز ہی تربیت یافتہ احمدی نوجوان فوجی حکام کی کشتی پر مصری شاہ میں پہنچے اور پینتالیس افراد کو موت کی آغوش سے نکال کر محفوظ مقامات میں لے آئے۔ ۵ اکتوبر کو ڈیڑھ صد خدام کی امدادی پارٹیاں متأثرہ علاقوں میں پھیل گئیں اور دو ہزار سے زائد سیلاب زدگان کو ضروری اشیاء بہم پہنچائیں اور ڈھائی سو افراد کو محفوظ مقامات میں منتقل کیا۔ اس روز خدام نے جن علاقوں میں خدمت انجام دی ان میں سنت نگر، کرشن نگر، راج گڑھ، اسلامیہ پارک، سمن آباد، تاج پورہ، وسن پورہ، حبیب گنج، مصری شاہ، بھارت نگر اور نولکھا چرچ کے علاقے شامل ہیں۔ مجلس کی ایک پارٹی بذریعہ کشتی لاہور سے ۱۲ میل دُور تلواڑہ اور ملک پور، سانی وال کے علاقہ میں پہنچی اور ایک ہزار سے زائد مصیبت زدگان کو کھانا کھلایا۔ اس پارٹی نے قریباً ۳۶ گھنٹے متواتر امدادی کام کیا اور ۳۰ بے بس عورتوں اور معصوم بچوں کو جو درختوں پر بیٹھے زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار تھے، محفوظ مقامات تک پہنچایا۔ جب یہ خدام موضع سانی وال پہنچے تو ان کو بتایا گیا کہ ایک فرلانگ دُور ایک نوجوان دو دن سے امداد کے لئے چلّاتا

رہا ہے مگر کوئی اس کی مدد کو نہیں پہنچ سکا کیونکہ پانی کا بہاؤ اس درجہ شدید ہے کہ اس میں جانا موت کو دعوت دینا ہے۔ یہ بات سنتے ہی شیر دل احمدی جوانوں نے اپنی کشتی کا رُخ اس طرف کرلیا اور دو گھنٹہ کی جان توڑ کوشش کے بعد وہاں پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس علاقہ میں بارڈر پولیس کے سینئر سپرنٹنڈنٹ خدام کے کام سے بہت متأثر ہوئے اور کئی جگہ انہوں نے خود اس پارٹی کے ساتھ دَورہ کیا۔ فوجی حکام نے اس پارٹی کی جدوجہد سے متأثر ہو کر اس کشتی میں ایک وائرلیس سیٹ بھی نصب کردیا تھا جس سے وقتاً فوقتاً ان کی خیریت دریافت کی جاتی اور پھر جودھامل بلڈنگ کے مرکزی سینٹر میں بذریعہ ٹیلی فون اطلاع کردی جاتی۔ سول اور فوجی افسروں نے عوام کو بذریعہ ریڈیو ہدایت کی کہ وہ سیلاب میں امدادی کام کے سلسلہ میں جودھامل بلڈنگ کے امدادی مرکز سے رابطہ قائم کریں اور ساتھ ہی اس کا ٹیلی فون نمبر بھی بتا دیا گیا۔ اس انتظام سے لوگوں کو بہت فائدہ ہُوا اور انہیں اپنے عزیزوں کی خیریت کے بارے میں بروقت اور صحیح معلومات حاصل ہوئیں۔ اس مرکز کی فراہم کردہ بعض اطلاعات ریڈیو پر بھی نشر کی گئیں۔

۹ر اکتوبر کو چوہدری محمد اسد اللہ خاں صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور نے قائد مجلس خالد ہدایت صاحب اور شیخ مبارک محمود صاحب پانی پتی (نائب نگران ریلیف سینٹر) کی معیت میں لاہور کے گرد و نواح کی سیلاب زدہ بستیوں کا ایک طیارے کے ذریعہ فضائی جائزہ لیا۔ اس جہاز کا انتظام چوہدری صاحب نے خود کیا تھا۔ واپسی پر انہوں نے خدام کو تفصیلی ہدایات دیں جن کے تحت فوری طور پر امدادی پارٹیاں جلّو اور شاہدرہ کے علاقوں میں روانہ کی گئیں۔ ایک پارٹی چھ خدام پر مشتمل قصور بھیجی گئی جس نے متعدد دیہات میں ریلیف کا کام کیا۔ دو ہزار سے زائد افراد میں کھانے کی خشک اشیا تقسیم کیں اور چھ سو سے زیادہ افراد کو طبّی امداد پہنچائی اور ایک سو پچیس افراد میں کپڑے تقسیم کئے گئے۔ علاوہ ازیں شہر لاہور سے بارہ بارہ میل تک کالا شاہ کاکو کی نواحی بستیوں میں بھی خدام کی امدادی پارٹیوں نے وسیع پیمانے پر ضروری اشیاء تقسیم کیں اور ہزارہا افراد

کو طبی امداد پہنچائی۔ اس علاقے میں ایک کثیر تعداد ایسے دیہات کی تھی جن میں صرف جماعت احمدیہ کو امدادی خدمات بجا لانے کی سعادت نصیب ہوئی۔

شہر میں پانی کے اُترنے کے بعد بے حد غلاظت اور گند گی پھیل گئی تھی مجلس خدام الاحمدیہ نے اپنے چار امدادی سینٹر سلطان پورہ، شاہدرہ، کرشن نگر اور اسلامیہ پارک میں قائم کر دیئے۔ جہاں سے خدام روزانہ دوائیاں، کھانے کی خشک اشیاء، آٹا اور کپڑے وغیرہ لے کر دُور دُور تک سیلاب زدہ علاقوں میں تقسیم کرتے رہے۔ نیز خدام نے بالخصوص کرشن نگر کے علاقہ میں جو سب سے زیادہ متأثر تھا۔ پولیس کے ساتھ مل کر صفائی کا کام کیا اور فضا کو تعفّن اور بدبو سے بچانے کی قابلِ قدر خدمات انجام دیں جن کا اس علاقہ کے لوگوں اور پولیس پر بہت نمایاں اثر تھا۔ چنانچہ وہاں کے سب انسپکٹر پولیس چوہدری محمد اشرف صاحب نے معززینِ علاقہ کا ایک وفد بلایا اور اُس میں برملا کہا کہ درحقیقت جماعتِ احمدیہ ہی خدمتِ خلق کا کام کر رہی ہے اور یہی لوگ ہیں جو سب سے آگے ہیں۔ آنریبل ڈاکٹر خاں صاحب وزیرِ اعلیٰ مغربی پاکستان بھی اس علاقہ میں تشریف لائے اور خدّام الاحمدیہ کے ریلیف کیمپ اور کام کا معائنہ کیا اور سراہا۔ سول ڈیفنس اور اینٹی ملیریا کے محکمہ جات کے ساتھ بھی خدام کام کرتے رہے۔ اور مسٹر آئی یو خان ریلیف کمشنر کو بھی پچاس خدام کی مستقل خدمات پیش کیں۔ یہ محکمے خدا تعالیٰ کے فضل سے ان خدام کے کام کو دیکھ کر بہت متأثر ہوئے اور کئی بار جودھامل بلڈنگ کے مرکز میں پہنچ کر احمدی نوجوانوں کو خراجِ تحسین ادا کیا مجموعی طور پر خدامِ احمدیت نے ساڑھے تین سو سے زائد افراد کو محفوظ مقامات تک پہنچایا۔ اور پندرہ ہزار سات سو افراد میں پکا ہُوا کھانا اور سولہ ہزار چھ سو سیلاب زدگان میں دُوسری ضروری اشیاء تقسیم کیں۔ اور جن افراد کو انہوں نے ٹیکے لگائے یا دَوائیں تقسیم کیں اُن کی مجموعی تعداد ۱۵۰۰۷ تک پہنچتی ہے۔ جن مستحقین میں پارچات یا لحاف تقسیم کئے گئے وہ ان کے علاوہ ہیں۔[1]

---

[1] "خالد" جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۵ تا ۲۸

(۵) مغلپورہ

(پریذیڈنٹ: عبدالحکیم صاحب، قائد مجلس: مرزا محمد اسلم صاحب)

لاہور کی طرح اس مجلس کی امدادی سرگرمیاں سیلاب کی خبر پاتے ہی شروع ہوگئیں۔ چنانچہ قائد مجلس کی معیت میں پہلی ریلیف پارٹی موضع محمود بوٹی میں پہنچی اور سیلاب سے گھرے ہوئے مسلمان باشندوں اور چار عیسائی خاندانوں کو اونچی جگہ پر منتقل کیا۔ ازاں بعد اگلے دن (۷ راکتوبر کو) یہاں ریلیف کیمپ قائم کیا اور پولیس اور حکام کے تعاون سے سیلاب زدگان کو خوراک اور طبی امداد بہم پہنچائی۔

۸ راکتوبر کو مجلس نے اپنے وسیع پروگرام کے تحت ایک ریلیف پارٹی جس میں ایک ڈاکٹر پانچ فرسٹ ایڈرز اور سات مددگار تھے، کشتی کے ذریعہ رٹ گڑھا اور مرل میں پہنچی۔ یہ بدنصیب دیہات پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اُن کے پاس خوراک تھی نہ بیٹھنے کے لئے جگہ۔ دلدل میں پھنسے ہوئے دیہاتی عوام حیران تھے کہ احمدی نوجوان سامانِ خوراک اور ادویہ لے کر کیسے پہنچ گئے۔ ۹ راکتوبر کو مجلس کی دو امدادی پارٹیوں نے محمود بوٹی بند سے آٹھ میل کے رقبہ میں امدادی خدمات سرانجام دیں۔ ۱۱ راکتوبر کو مجلس مغلپورہ کی ایک پارٹی قائد مجلس کی نگرانی میں روانہ ہوئی۔ یہ پارٹی ایک کشتی میں کمبل، سامانِ خوراک، چنے اور ضروری طبّی امداد کا سامان ساتھ لے گئی۔ پانی اُس دن بہت گہرا اور تیز تھا۔ کشتی درختوں کے ایک جھنڈ میں پھنس گئی اور بڑی مشکل سے ایک دوسری کشتی کی راہ نمائی سے اسے نکالا گیا۔ واپسی پر شام ہوچکی تھی۔ ایک مستری کو راہ نمائی کے لئے ساتھ لیا۔ مگر اندھیری رات اور ٹھاٹھیں مارتے ہوئے پانی میں وہ بھی اچھی راہنمائی نہ کر سکا۔ اس موقع پر مجلس کے دو خادم محمد رشید صاحب اور رشید احمد صاحب چوہدری نے کشتی کو نکالنے میں بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ وہ دو میل تک کشتی کو پانی میں اُتر کر کھینچتے چلے گئے اور رات گئے خشکی پر اُترنے میں کامیاب ہوئے۔ نواحی دیہات میں کام کرنے کے بعد مغلپورہ کے احمدی نوجوانوں نے ۱۶ راکتوبر سے اپنی مساعی کا رُخ لاہور شہر کے بعض سیلاب زدہ حصّوں کی طرف موڑ دیا اور اُس کی طبّی پارٹیوں نے کرشن نگر کی جامع مسجد کے قریب ایک طبّی مرکز قائم کرکے مریضوں میں دوائیاں تقسیم کیں۔ اگلے

روز محمود بوٹی کیمپ کے ذریعہ ڈھائی سو اشخاص کو طبّی امداد پہنچائی اور ٹیکے لگوائے۔ اس کیمپ کا معائنہ بھی ڈاکٹر خانصاحب وزیرِ اعلیٰ مغربی پاکستان نے کیا اور مجلس کی خدمات پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔

(۶) شیخوپورہ

(امیر:۔ چوہدری انور حسین صاحب وکیل۔ قائد مجلس خدام الاحمدیہ: مرزا عبد السمیع صاحب)

اس سیلاب میں شیخوپورہ کے احمدی جوانوں نے ربوہ کے رضا کاروں کے دوش بدوش خانپور ہیڈ، منڈھیالی اور قلعہ ستار شاہ کے کیمپوں میں اپنی ہمت سے بڑھ کر کام کیا۔ اس کے علاوہ بسوں اور کاروں میں سفر کرنے والے سینکڑوں افراد کو پینے کے لئے پانی بہم پہنچایا۔ ضلع شیخوپورہ کی احمدی جماعتوں کی طرف سے ۱۲۲ مکمل بستر ڈپٹی کمشنر صاحب شیخوپورہ کو مستحقین میں تقسیم کے لئے بھجوائے گئے

(۷) سیالکوٹ

(امیر:۔ بابو قاسم الدین صاحب۔ قائد خدام الاحمدیہ: محمد احمد قمر صاحب)

خدام الاحمدیہ سیالکوٹ نے اپنی گذشتہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے ضلع بھر میں وسیع پیمانے پر خدمتِ خلق کا کام کیا۔ ابتداء میں یہ کام ساہووال، چپراڑ سیکٹر (تحصیل نارووال و تحصیل سیالکوٹ) میں شروع کیا۔ مگر بعد ازاں اُسے جلد ہی تحصیل شکر گڑھ، بدوملہی اور گدّیاں تک پھیلا دیا گیا۔ ان تمام علاقوں میں قریباً ستّر خدام اور اٹھارہ انصار نے جن میں ڈاکٹر، معمار اور سماجی کارکن بھی شامل تھے پُوری ہمّت سے خدمتِ خلق کا فریضہ انجام دیا اور مشکل اور دشوار گزار راستوں سے گذر کر مصیبت زدگان تک راشن اور ادویات پہنچائیں نیز گرم کپڑے اور لحاف تقسیم کئے۔ ۲۲ راکتوبر ۱۹۵۵ء کو ڈاکٹر خان صاحب وزیرِ اعلیٰ مغربی پاکستان کھمبرانوالہ ضلع سیالکوٹ میں تشریف لائے تو یہاں بھی انہیں احمدی جماعت کی خدمات کا اعتراف کرنا پڑا۔ اسی طرح ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع سیالکوٹ نے بھی جو اُس وقت اُن کے ہمراہ تھے، خدمتِ خلق کی جماعتی مساعی کو سراہا۔ ۲۳ راکتوبر ۱۹۵۵ء کو جماعت احمدیہ نے ایک پُورا ٹرک جس میں کھانے پینے

کا سامان اور گرم اور سرد پارچات تھے، تحصیل شکر گڑھ بھجوایا۔ ٹرک کے ساتھ قائد خدام الاحمدیہ اور آٹھ خدام تھے۔ یہ ٹرک اگرچہ رستے کی خرابی کے باعث منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکا۔ تاہم سامان کو اُونٹوں پر لاد کر بعض قریبی دیہات تک لے جایا گیا جہاں سے سرفروش خدام نے اپنے سروں پر اُٹھا کر راتوں رات دریا کے پار پہنچا دیا اور سیکٹر کمانڈر صاحب اور دیگر حکام کی زیرِ نگرانی تقسیم کیا۔ ضلع سیالکوٹ میں سب سے زیادہ نقصان بدوملہی میں ہؤا۔ یہاں پانی بارہ سے پندرہ فٹ تک بہہ رہا تھا اور کوئی انسانی طاقت بچانے والی نہ تھی۔ کئی لاکھ کی جائیدادیں تباہ اور کئی قیمتی جانیں لُقمۂ اجل ہوگئیں اور غلّہ منڈی زمین میں دب گئی۔ شہر میں اس قدر تعفّن اور بُو پھیلی کہ وبا پھوٹنے کا شدید خطرہ لاحق ہوگیا۔ چنانچہ مقامی حکام کے مشورہ سے جماعتِ احمدیہ سیالکوٹ کی طرف سے پندرہ جوانوں کا ایک دستہ شہر کی گلیوں اور سڑکوں کی صفائی کے لئے بھجوایا گیا جس کے انچارج خواجہ محمد امین صاحب تھے۔ اس دستہ نے بھی مثالی محنت اور جانفشانی اور اخلاص سے کام کیا۔ جس پر سیکٹر کمانڈر صاحب بدوملہی نے یہ تحریری سرٹیفکیٹ دیا کہ:

"جو کچھ جس نے انہیں کہا، انہوں نے بڑی خوشی، محنت اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیا اور لوگ بہت خوش ہوئے۔ شہر میں جو کام ان کی طاقت میں تھا، انہوں نے کر دیا ہے، اَب تو لوگوں کے مکانات وغیرہ بنانے اور مدد کرنے کا کام باقی ہے وہ بھی انہوں نے کافی کیا ہے[۱]"

(۸)۔ لائل پور (فیصل آباد)

(امیر جماعت: شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ
قائد مجلس خدام الاحمدیہ: چوہدری غلام دستگیر صاحب)

سیلاب کی تند و تیز لہریں اس ضلع میں ۷ار اکتوبر کو داخل ہوئیں۔ اور اسی روز احمدیوں نے امیر جماعت اور قیادت مجلس کی زیرِ نگرانی امدادی مساعی شروع کر دیں اور حکامِ ضلع کی راہنمائی، سرپرستی اور ہدایات پر کمالیہ سے ڈھائی میل دُور احمدیہ ریلیف

---

[۱] ماہنامہ "خالد" ربوہ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۱ تا ۳۴

کیمپ کھول دیا۔ یہ کیمپ پہلے خیموں میں تھا۔ پھر اسے ریسٹ ہاؤس میں منتقل کر دیا گیا۔
۱۴؍ اکتوبر کو پرنسپل صاحب نشتر کالج ملتان، ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر صاحب، انسپکٹر صاحب پولیس کمالیہ اور چوہدری محمد نواز صاحب چیمہ مجسٹریٹ علاقہ کے مشورہ سے طے ہوا کہ مضافات کے کنوؤں کو فوری طور پر صاف کیا جائے تا جو لوگ پانی اُترنے کے بعد اپنے گھروں کو واپس ہوں، وبائی امراض کا شکار نہ ہو جائیں۔ صورتِ حال ایسی نازک تھی کہ حکومت کی طرف سے دوا کا فوری انتظام نہ ہو سکتا تھا۔ مگر جذبۂ خدمت سے سرشار احمدی جوانوں کے لئے یہ کوئی مسئلہ ہی نہ تھا۔ انہوں نے از خود بیس[۲] پونڈ پوٹاشیم پرمنگنیٹ خرید لی اور اپنے فلاکت زدہ بھائیوں کی خدمت کے لئے چار چار فٹ گہرے پانی میں پا پیادہ نکل کھڑے ہوئے اور پچیس میل کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ایک سو تیس کنوؤں کو دوائی ڈال کر قابلِ استعمال بنا دیا۔ اس کے علاوہ کمالیہ احمدیہ ریلیف کیمپ نے ہزار مریضوں کو مفت دوا مہیا کی اور پانچ سو افراد کو ٹیکے لگائے۔ یہ واحد کیمپ تھا جس نے اس علاقہ میں اس وقت نمایاں کوششوں کا آغاز کیا جبکہ یہاں کسی اور امدادی مرکز کا نام و نشان نہیں تھا اور اس وقت اپنی سرگرمیاں ختم کیں جبکہ دوسرے کیمپ اکھڑ چکے تھے۔ ۲۵؍ اکتوبر کو احمدیہ کیمپ پیر محل کے چک نمبر ۷۴۶ گ ب میں منتقل کر دیا گیا جہاں خدام کو متاثرہ دیہات کے ۱۲۰۹ بیماروں کو طبی امداد پہنچانے کی توفیق ملی۔ یہ کیمپ ۲۸؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء تک قائم رہا۔[۱]

(۹) منٹگمری (ساہیوال)
(امیر جماعت چوہدری محمد شریف صاحب وکیل۔
قائد مجلس ماسٹر عبدالحق صاحب ناصر)

۱۱؍ اکتوبر کو منٹگمری سے ۱۷ میل دور ہڑپہ کا تاریخی قصبہ خطرناک سیلاب کی زد میں آیا۔ مجلس خدام الاحمدیہ نے پہلے تو اس قصبہ کے کئی بچوں اور عورتوں کو محفوظ مقامات تک پہنچایا پھر سیلاب زدگان کی امداد کے لئے پے در پے چھ پارٹیاں بھیجیں۔ پہلی پارٹی

[۱] رسالہ "خالد" جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۴، ۳۵

نے سائیکلوں پر چالیس میل سفر کر کے مصیبت زدگان تک ضروری اشیاء پہنچائیں۔ دوسری پارٹی نے ہڑپہ کے آٹھ سو سے زائد افراد کو طبّی امداد مہیّا کی جس سے ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر بہت متأثر ہوئے اور خدام کو بصیر پور سیکٹر میں کام کرنے کا مشورہ دیا جہاں اس آفت سے بہت سے دیہات تباہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ خدام الاحمدیہ کی تیسری پارٹی بصیر پور میں پہنچ کر دس روز تک امدادی خدمات بجا لاتی رہی۔ جس کی واپسی کے معًا بعد ۶ نومبر کو چوتھی پارٹی بھی اسی علاقہ میں بھجوائی گئی جس نے شبانہ روز کوشش سے بقیّہ کام تکمیل تک پہنچا دیا۔ خدام کو یہ سیکٹر ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر صاحب کی طرف سے ایک ماہ کے لئے سپرد کیا گیا تھا۔ مگر احمدی جوانوں نے پندرہ دن میں پورے سیکٹر کے دس ہزار مریضوں کو طبّی امداد پہنچا کر اپنا فرض پُورا کر دیا۔ سردی کے اِن ایّام میں خدام نے کُھلے میدانوں میں راتیں بسر کیں اور روزانہ آٹھ دس میل پیدل سفر کر کے نہایت خندہ پیشانی سے مشکلات پر قابو پایا۔ ڈاکٹر محمد اکرم صاحب اسسٹنٹ میڈیکل آفیسر انچارج بصیر پور سیکٹر نے خدام الاحمدیہ کی مساعی کو حسب ذیل الفاظ میں خراجِ تحسین ادا کیا:۔

"رضا کارانِ مجلس خدام الاحمدیہ نے بصیر پور سیکٹر میں $\frac{11}{55}$ ۸ سے $\frac{11}{55}$ ۱۲ تک کام بہت محنت سے سر انجام دیا ہے۔ میں ان سے بہت خوش ہوں۔" (دستخط انگریزی ڈاکٹر محمد اکرم اسسٹنٹ میڈیکل آفیسر بصیر پور)

ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر نے بھی مجلس کے کام پر اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے سرٹیفکیٹ عطا کیا۔ ۱۲ ؍ نومبر کو کمشنر صاحب ملتان بصیر پور تشریف لائے اور احمدی جوانوں کی بہت تعریف کی۔ ۲۷ ؍ نومبر کو مجلس کی دو مزید پارٹیاں میدانِ عمل میں بھیجی گئیں۔ ان پارٹیوں نے بھی تباہ حال اور اُجڑے ہوئے لوگوں کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔[1]

(۱۰)۔ ملتان

(امیر:۔ چوہدری عبدالرحمٰن صاحب ۔ قائد خدام الاحمدیہ: چوہدری عبداللطیف صاحب)۔

۱۸ ؍ اکتوبر کو قیادت ضلع کی ایک پارٹی سیلاب کی تباہ کاریوں کا جائزہ لینے اور

[1] رسالہ "خالد" جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۶ - ۳۸

کام کی نوعیت سے متعلق سروے کرنے کے لئے متاثر علاقہ میں پہنچی۔ اگلے روز پارٹی نے فلڈ ریلیف آفیسر محترم راجہ محمد ایوب صاحب مجسٹریٹ سے ہدایات لیں۔ ہیڈ سندھنائی میں ریلیف سنٹر قائم کر دیا گیا۔ جس نے چوہدری محمد امین صاحب اور ڈاکٹر محمد حسین صاحب ساجد ایم بی بی ایس سول ہسپتال کراچی کی نگرانی میں نمایاں طبی خدمات انجام دیں خدام کی پارٹیاں روزانہ ارد گرد کے دیہات میں ادویہ، خوراک اور ضروریاتِ زندگی کی اشیاء اور پارچات تقسیم کرتی تھیں جلد ہی ڈپٹی کمشنر صاحب ملتان اور فلڈ ریلیف کمیٹی ملتان کے صدر عبدالحمید صاحب پرنسپل ایمرسن کالج ملتان کا مخلصانہ تعاون حاصل ہو گیا جن کی زیرِ ہدایت ان امدادی کاموں میں وسعت پیدا ہو گئی۔ یہ کام بے حد پیچیدہ اور مشکل تھا مگر خدام ہر قسم کے خطرات سے بے پروا ہو کر اور پانی اور دلدل کے پُرخطر راستوں سے گذرتے ہوئے اُن فاقہ زدہ اور نیم عریاں لوگوں کے پاس پہنچے جو اپنی جان بچانے کے لئے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک خادم کو رات سوتے وقت کسی زہریلے جانور نے کاٹ لیا مگر اس کے جذبۂ خدمت میں کوئی کمی نہ آئی۔ ایک نوجوان کے پاؤں دلدل میں چلتے چلتے سُوج گئے اور آگے بڑھنا سخت دشوار ہو گیا لیکن انہوں نے منزلِ مقصود پر پہنچ کر ہی دم لیا۔ ایک اور نوجوان کُتّے کے کاٹنے سے بُری طرح زخمی ہوئے لیکن وہ اپنی مصیبت کو بھُول کر مفوّضہ خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بہرحال ان تمام مشکلات کے باوجود مجلس کے جواں ہمّت رضا کار ہر ضروری اور اہم علاقہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

۱۹ اکتوبر سے ۵ نومبر ۱۹۵۵ء تک مجلس کے نوجوانوں نے تین ہزار ایک سو پینتالیس افراد کو طبی امداد پہنچائی اور ایک ہزار اٹھائیس نفوس کو کھانے کی مختلف اشیاء دیں۔ اس کے علاوہ مستحقین کو گندم، مٹی کا تیل، لیمپ وغیرہ بھی تقسیم کئے اور جب پانی کافی حد تک اُتر چکا تو احمدی رضا کاروں نے مکانات کی تعمیر کی طرف بھی توجہ دی اور بیسیوں مکانوں کا ملبہ صاف کیا اور کئی دیواریں اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیں۔

(۱۱)۔ کراچی

(امیر:۔ چوہدری عبداللہ خان صاحب۔ قائد مجلس:۔ مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب)

مجلس خدّام الاحمدیہ کراچی نے جو ہمیشہ ہی ملّی خدمات میں بہت ممتاز

رہی ہے مشرقی اور مغربی پاکستان کے سیلاب زدہ بھائیوں کی نقدی، پارچات اور ادویہ کی صورت میں بھرپور امداد کی۔ اُس نے پہلے تو مشرقی پاکستان کے ستم رسیدہ بھائیوں کے لئے ایک ہزار روپے کا عطیہ دیا اس کے بعد نہ صرف مغربی پاکستان کے سیلاب زدہ عوام کی امداد کے لئے مجلس مرکزیہ کو بھی ایک ہزار روپیہ پیش کیا بلکہ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو ناظم خدمت خلق مرزا محمد اکرم صاحب اور ایک خادم پر مشتمل وفد کے ذریعہ بڑی مقدار میں پارچات اور قیمتی ادویات مجلس مرکزیہ کے لئے روانہ کیں۔ ۱۶ر نومبر ۱۹۵۵ء کو مجلس کراچی نے مرکز میں کپڑوں کی ایک اور کھیپ روانہ کی۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۵۵ء کو مجلس کراچی کے نوجوان ڈاکٹر محمد حسین صاحب ساجد نے ملتان اور شیخوپورہ میں دس روز تک شاندار طبّی خدمات انجام دیں۔ قائد مجلس نے گورنر جنرل پاکستان میجر جنرل سکندر مرزا، گورنر مغربی پاکستان میاں مشتاق احمد گورمانی، وزیرِ اعلیٰ ڈاکٹر خانصاحب اور صوبہ کے ریلیف کمشنر مسٹر آئی یو خان کو بذریعہ تار کراچی کے محبِّ وطن اور ایثار پیشہ احمدی نوجوانوں کی امدادی خدمات سے مطلع کیا جس پر گورنر جنرل پاکستان، گورنر مغربی پاکستان اور فلڈ ریلیف کمشنر کی طرف سے قائد مجلس کے نام شکریہ کے خطوط موصول ہوئے جن میں مجلس کی مساعی کو سراہا گیا تھا۔ لجنہ اماء اللہ کراچی نے بھی سیلاب زدگان کی امداد کے لئے پارچات کا گراں قدر عطیہ پیش کیا جو مجلس کراچی کی دوسری قسط کے ساتھ بغرضِ تقسیم مرکز میں بھجوا دیا گیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق مجلس کراچی کو تقریباً نو دس ہزار روپے کی رقم بطور اعانت پیش کرنے کی توفیق ملی۔ زلزلہ کوئٹہ کے موقع پر مجلس کی طرف سے دو صد روپے کی جو اعانت دی گئی وہ مزید برآں ہے۔

(۱۲)۔ دیگر مقامات کے احمدیوں کی خدمات

مندرجہ بالا جماعتوں یا مجالسِ خدام کے علاوہ دیگر مقامات کے احمدیوں نے بھی خدمتِ خلق کا ایسا عمدہ مظاہرہ کیا کہ صحابہ نبویؐ کی قدیم روایاتِ اخوّت پھر سے تازہ ہوگئیں۔ مجلس آنبہ ضلع شیخوپورہ نے ایک غریب اور ایک بیوہ کے مکان تعمیر کئے۔ ننکانہ کے احمدی جوان آنبہ کے امدادی کام میں ہاتھ بٹاتے

رہے۔ مجلس خدام الاحمدیہ چوہڑکانہ[1] کے تین جوان شیخوپورہ ریلیف سنٹر میں مصروفِ عمل رہے۔ سانگلہ ہل کے ایک احمدی چوہدری امداد علی صاحب کمپونڈر نے قلعہ ستار شاہ کے امدادی کیمپ میں طبّی خدمات سرانجام دیں۔ جماعت احمدیہ چک چہور ۱۱۷ ضلع شیخوپورہ نے سیلاب زدگان کے لئے چار سو پچپن روپے کا عطیہ دینے کے علاوہ پارچات اور غلّہ بھی جمع کیا اور ڈاکٹر غلام محمد صاحب ریٹائرڈ کیپٹن تقریباً دو ہفتہ تک شیخوپورہ امدادی کیمپ میں طبّی خدمات کے لئے وقف رہے۔ مجلس خدام الاحمدیہ ۵/۳۳ ٹکڑا ضلع فیصل آباد کے احمدی دوست دریا کے کنارے آباد تھے جو براہِ راست سیلاب کی زد میں آگئے مگر انہوں نے اپنے ہمسایہ دوستوں کے اموال، اور مویشی محفوظ مقامات تک پہنچائے اور کئی دنوں تک اُن کے مویشیوں کو چارہ دیتے رہے اور پانی اُترنے کے بعد غربا کے مکانات بنوانے میں امداد دی۔ مجلس خدام الاحمدیہ مانگٹ اونچے اور کھاریاں کی طرف سے قریبی ریلیف سنٹر میں پارچات بھجوائے گئے۔ مجلس خدام الاحمدیہ سرگودہا کے ممتاز رکن اور کوالیفائڈ ڈاکٹر جناب حافظ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے لائل پور اور سیالکوٹ کے ریلیف سنٹروں میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ مجلس جھنگ مگھیانہ کے سترہ خدام نے نہایت محنت اور جانفشانی سے آفت زدہ مکان تعمیر کئے۔ مجلس خدام الاحمدیہ راولپنڈی نے زلزلۂ کوئٹہ سے متأثرین اور سیلاب زدہ بھائیوں کی خدمت نقدی، پارچات اور دیگر ضروری اشیاء کی صورت میں کی۔ علاوہ ازیں مرکز کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ڈاکٹر بشیر احمد صاحب اور ڈاکٹر مہر محمد صاحب قریشی دس دس روز تک نہایت محنت اور جانفشانی سے شیخوپورہ ریلیف سنٹر میں طبّی خدمات بجا لاتے رہے۔ اسی طرح واہ کینٹ کی جماعت نے جس کے پریذیڈنٹ چوہدری جلال الدین صاحب قمر تھے، لاہور اور سیالکوٹ کے ریلیف سنٹروں کے لئے کثیر تعداد میں پارچات بھجوائے۔ ایک نوجوان محمد شفیع صاحب سلیم پوری نارووال تحصیل میں امدادی خدمت بجا لاتے رہے۔ صوبہ سرحد کی مجالس میں سے پشاور اور مردان نے بھی مقدور بھر

---

[1] موجودہ نام فاروق آباد ہے۔

حصّہ لیا۔ چنانچہ مجلس پشاور نے ملتان کے مصیبت زدہ بھائیوں کے لئے پارچات دیئے اور مجلس مردان نے پانچ رضا کاروں کی خدمات پیش کیں۔

الغرض اس ہوش رُبا طوفان اور ہلاکت آفریں سیلاب کے دوران احمدیوں نے خدا تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق اور محض اُس کے فضل و کرم سے اسلامی ایثار اور مخلوقِ خدا کی سچی اور حقیقی ہمدردی کا قابلِ رشک نمونہ دکھا کر ثابت کر دیا کہ وہ اپنے عہدِ بیعت میں صادق ہیں اور خدا اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے سچ مچ اپنی زندگی وقف کئے ہوئے ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ کی راہ میں زندگی کا وقف کرنا جو حقیقتِ اسلام ہے دو قسم پر ہے ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کو ہی اپنا معبود اور مقصود اور محبوب ٹھہرایا جاوے اور اس کی عبادت اور محبّت اور خوف اور رجا میں کوئی دُوسرا شریک باقی نہ رہے اور اس کی تقدیس اور تسبیح اور عبادت اور تمام عبودیت کے آداب اور احکام اور اوامر اور حدود اور آسمانی قضا و قدر کے امور بدل و جان قبول کئے جائیں اور نہایت نیستی اور تذلّل سے ان سب حکموں اور حدّوں اور قانونوں اور تقدیروں کو بارادتِ تامّہ سر پر اُٹھا لیا جائے ...... دُوسری قسم اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کی یہ ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت اور ہمدردی اور چارہ جوئی اور بار برداری اور سچّی غمخواری میں اپنی زندگی وقف کر دی جاوے دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے دُکھ اُٹھاویں اور دوسروں کی راحت کے لئے اپنے پر رنج گوارا کر لیں۔"[1]

پاکستانی پریس اور جماعتِ احمدیہ کی امدادی خدمات

جماعت احمدیہ پاکستان نے اِن ایّام میں نہایت وسیع پیمانے پر جو بے لوث اور بے غرضانہ للّٰہی خدمات انجام دیں، اُس کا ذکر مُلک کے با اثر اور مقتدر اخبارات نے بکثرت اور نمایاں رنگ میں کیا۔ ذیل میں کوئٹہ سے لے کر ڈھاکہ

---

[1] آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۰ (روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۶۰)۔

تک کے بعض مشہور اردو، بنگالی اور انگریزی اخبارات کے ضروری اقتباسات درج کئے جاتے ہیں[۱]

۱۔ اخبار "میزان" کوئٹہ

"کوئٹہ ۲۹ مارچ۔ جماعت احمدیہ کوئٹہ کے مضافات میں زلزلہ زدگان کے لئے امدادی اقدامات شروع کر دیئے ہیں۔ اس جماعت کے ایک شعبے "انصاراللہ" نے اب تک متأثرہ علاقوں میں ایک ڈاکٹر کی زیرِ نگرانی قریباً سات سو اشخاص کو طبّی امداد بہم پہنچائی ہے۔ طبّی امداد کے دوران میں غریب لوگوں میں کھانا تقسیم کیا گیا۔۔۔۔

جماعت کے قریباً پچاس کارکن رضاکارانہ خدمت میں مصروف ہیں۔ اب تک یہ کارکن دس مکان تعمیر کر چکے ہیں۔ کلی عالمو اور کلی کوتوال میں دس مزید مکانوں کے لئے عمارتی سامان بہم پہنچایا جا چکا ہے۔

امیر جماعت احمدیہ میاں بشیر احمد نے متأثرہ علاقوں میں اے پی اے کو بتایا کہ ہمارے کام کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ عوام میں اپنی مدد آپ اور خدمت کا جذبہ پیدا کیا جائے لوگوں میں یہ جذبہ پیدا ہو رہا ہے اور انہوں نے اپنے مکان تعمیر کرنے شروع کر دیئے ہیں"[۲]

۲۔ اخبار "زمانہ" کوئٹہ

"جماعت احمدیہ کا امدادی کام"

کوئٹہ ۲ر اپریل۔ کوئٹہ کے نواحی زلزلہ زدہ علاقہ میں جماعت احمدیہ شاخ کوئٹہ کی طرف سے امدادی کام کے سلسلہ میں تقریباً ۱۲ رہائش گاہوں کی تکمیل ہو چکی ہے۔ اس امدادی کام میں جماعت احمدیہ کے دونوں شعبے انصاراللہ اور خدام الاحمدیہ ہر اتوار کو اپنے امیر کی نگرانی میں مضافاتی دیہات میں امدادی کام کے لئے جاتے ہیں۔

جماعت کے دونوں شعبوں نے رہائش گاہوں کی تعمیر کے علاوہ مصیبت زدہ لوگوں میں خوراک اور ادویات بھی تقسیم کی ہیں"[۳]

---

[۱] ماخوذ از رسالہ "خالد" دسمبر ۱۹۵۵ء و جنوری ۱۹۵۶ء۔ [۲] "میزان" کوئٹہ یکم اپریل ۱۹۵۵ء۔
[۳] اخبار "زمانہ" کوئٹہ یکم اپریل ۱۹۵۵ء

۳۔ اخبار "پاسبان" ڈھاکہ

(۱) "ڈھاکہ ۱۸ ؍ ستمبر۔ گذشتہ ہفتہ میں جماعت احمدیہ ریلیف کمیٹی کی نگرانی میں میرپور۔ بھکہ۔ فتح اللہ۔ علی گنج۔ نارائن گنج۔ منشی گنج۔ نندلال گرام۔ بلکچی۔ برہمن بڑیہ اور کرولا کے علاقہ میں سیلاب زدہ لوگوں میں چاول۔ دوائی اور دودھ تقسیم کیا گیا۔ ریلیف کمیٹی کے ممبران نے سیلاب زدہ علاقہ کا دورہ کیا اور تباہ شدہ مکانات کا جائزہ لیا تاکہ ان کو درست اور مرمت کرانے کی کوشش کی جائے۔ بعض مقامات پر سیلاب سے متاثرہ لوگوں میں نقدی بھی تقسیم کی گئی۔ نیز بیماری سے بچاؤ کے لئے انجکشن بھی دیئے گئے"۔[۱]

(۲)۔ "ریلیف کمیٹی ڈھاکہ کی طرف سے آنریبل ریلیف منسٹر کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آنریبل منسٹر میرپور کالونی میں تشریف لے جاکر احمدیہ ریلیف سنٹر میں چاول تقسیم کریں۔ آنریبل منسٹر نے کمیٹی کی درخواست کو قبول فرمایا اور ۲۴ ؍ ستمبر کو چار بجے جانے کا وعدہ فرمایا۔ جب آنریبل منسٹر میرپور کالونی چلنے کے لئے تیار ہوئے تو شدید بارش شروع ہوگئی۔ آنریبل منسٹر نے فرمایا کہ میں ضرور جاؤں گا۔ چنانچہ آپ سخت بارش میں میرپور کالونی تشریف لے گئے اور ایک ٹوٹی ہوئی جھونپڑی میں قیام فرمایا اور وہیں پر آپ نے اپنے ہاتھ سے سیلاب زدہ لوگوں میں چاول تقسیم کئے۔ نیز مہاجرین کے ایک وفد سے بھی ملاقات فرمائی"۔[۲]

۴۔ اخبار "نوائے پاکستان" لاہور

"جہاں کسی مخالف شخص یا جماعت کے اچھے کام کی تعریف نہ کرنا اخلاقی گراوٹ کی ایک بیّن دلیل ہے وہاں اپنے مخالف فریق کی نقل کرنا اور وہ بھی بھونڈے طریق پر اور ساتھ ہی اسے اپنانا گندی ذہنیت کا مظاہرہ کرنے کے مترادف ہے۔

حال ہی کا واقعہ ہے کہ شہر ڈیرہ غازیخاں میں مورخہ ۳ ؍ اگست کو پہاڑی نالہ بہہ پڑنے سے رودکوہی کا ایک زبردست طوفان لہریں مارتا ہوا شہر میں داخل ہوگیا۔ کمر کمر سے

---

[۱] "پاسبان" ڈھاکہ ۱۹ ؍ ستمبر ۱۹۵۵ء۔ [۲] "پاسبان" ڈھاکہ ۲۷ ؍ ستمبر ۱۹۵۵ء۔

اُوپر پانی ہر گلی میں بہہ رہا تھا۔ عورتیں بچے بوڑھے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھائے ہوئے تھے اس افراتفری اور شور و پکار میں رات سر پر آ گئی۔ جو لوگوں نے جاگتے اور دعائیں مانگتے بسر کی۔ صبح کو سب سے پہلے جماعتِ مرزائیہ کے امیر عبدالرحمٰن مبشر نے اعلان کروا دیا کہ ہماری جماعت کے آدمی رضا کارانہ طور پر غرباء، محتاجوں اور بیکسوں کی ہر ممکن امداد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ۱۵ آدمی مختلف محلّوں میں لوگوں کی امداد کرنے کے لئے بھیج دیئے۔ علاوہ ازیں سیلاب زدگان کی امداد کے لئے جماعتی فنڈ سے قریباً ۲ من آٹا اور کچھ نقدی بھی تقسیم کروائی۔ بلکہ سُنا ہے کہ وہ لوگ مستقل طور پر اس کام کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ متعلقہ حکام بھی بڑی مستعدی سے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ ادھر صالحین کی اسلامی جماعت کو جو لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہونے کا بلدم مروڑ اٹھا تو جھٹ سے آؤ دیکھا نہ تاؤ شہر میں منادی کروا دی کہ ابھی ابھی جماعت اسلامی کا ایک وفد جناب ڈی سی صاحب بہادر اور دُوسرے متعلقہ اعلیٰ حکّام سے مِلا ہے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ لوگ فوراً شکستہ بند پر پہنچ جائیں اور اس کی مسدودی میں امداد دیں۔

واہ رے اسلامی جماعت تیرے پروپیگنڈے کے شاہکار! اسے کہتے ہیں لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہونا اور سستی شہرت حاصل کرنا حالانکہ امرِ واقع یہ ہے کہ حکام بے چارے تو پہلے موقع پر پہنچ چکے تھے اور لوگوں کو جمع کر کے کام کی ابتدا کر چکے تھے۔ لیکن بُرا ہو نام و نمود اور سستی شہرت کا جو کسی مرحلہ پر بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔[1]

۵۔ اخبار "سِول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور

(۱)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے جودھامل بلڈنگ میں ایک ریلیف سنٹر کھول دیا ہے جس کا فون نمبر ۵۲ ۷ ۳ ہے۔ مجلس جو سیلاب زدگان کو ہر ممکن امداد بہم پہنچا رہی ہے اَب تک سیلاب زدہ علاقوں کے پچاس افراد کو محفوظ

---

[1] "نوائے پاکستان ۲۵ ر اگست ۱۹۵۵ء صد ۳، ۵ ۔

مقامات پر پہنچا چکی ہے۔ یہ بھی معلوم ہُوا ہے کہ مجلس نے لوگوں کو گھرے ہوئے مقامات سے نکالنے کے لئے فوج کو پچاس خدّام پیش کئے ہیں[۱]۔"

(۲)۔ "ہفتہ کے روز مجلس خدام الاحمدیہ کی ایک ریلیف پارٹی نے لاہور کے گردونواح میں سیلاب زدہ دیہات کا دَورہ کیا اور مصیبت میں پھنسے ہوئے لوگوں میں دوائیں، گرم کپڑے اور کھانے پینے کی اشیاء تقسیم کیں[۲]۔"

(۳)۔ "احمدیہ ریلیف کمیٹی سیالکوٹ کے پچاس کے قریب رضا کار مختلف سیکٹروں میں سیلاب زدگان کو امداد بہم پہنچانے میں مصروف ہیں۔ ان رضا کاروں میں ڈاکٹر صاحبان مریضوں کی دیکھ بھال کرنے والے افراد اور سماجی خدمت بجا لانے والے دیگر کارکن شامل ہیں۔ ان لوگوں نے ضلع کے دُور دراز علاقوں تک جا جا کر مصیبت زدگان کو ادویہ اور ریلیف کا دوسرا سامان بہم پہنچایا ہے[۳]۔"

(۴)۔ "عین اس وقت جب کہ خطرہ زوروں پر تھا اور تمام سیاسی اور سماجی تنظیموں نے چُپ سادھ رکھی تھی۔ احمدیہ ریلیف کمیٹی معرضِ وجود میں آئی اس نے نہایت بے تابانہ طریق پر ریلیف کا کام شروع کیا۔ ریلیف کمیٹی کے ایک وفد نے ضلع کے ڈپٹی کمشنر شیخ منظور الٰہی صاحب سے ملاقات کی اور سیلاب میں گھرے ہوئے لوگوں کو ہر ممکن امداد پہنچانے کے سلسلہ میں اپنی خدمات پیش کیں۔ اس وقت پولیس اور سول کا دوسرا عملہ ریلیف کے کام میں بے حد مصروف تھا اس کے باوجود کارکنوں کی شدید قلّت تھی۔ ڈپٹی کمشنر کے کہنے پر ریلیف کمیٹی کی طرف سے ڈاکٹر صاحبان کی زیرِ سرگردگی رضا کاروں کے پانچ گروپ سیلاب زدہ علاقوں میں روانہ کئے گئے۔ انہوں نے سیلاب زدگان کے لئے جو کپڑے وغیرہ جمع کئے تھے انہیں متأثرہ دیہات میں تقسیم کیا گیا۔ کپڑے، دوائیں، راشن اور دوسری اشیاء جو انہوں نے تقسیم کیں اس کی مالیت ۲۰ ہزار تھی۔ ان تمام دیہی بستیوں کو جو سیلاب

---

[۱] "سول اینڈ ملٹری گزٹ" ۷ راکتوبر ۱۹۵۵ء (ترجمہ)۔ [۲] "سول اینڈ ملٹری گزٹ" ۲۳ راکتوبر ۱۹۵۵ء (ترجمہ)۔ [۳] "سول اینڈ ملٹری گزٹ" یکم نومبر ۱۹۵۵ء (ترجمہ)۔

کی وجہ سے پانی میں بہہ گئی ہیں۔ احمدیہ ریلیف کمیٹی اور مقامی حکام کی طرف سے فراہم کردہ رضا کاروں کی مدد سے ازسرِ نو تعمیر کیا جا رہا ہے۔ کام کی رفتار بہت تیز ہے اس لئے امید کی جاتی ہے کہ مکانات بہت جلد مکمل ہو جائیں گے۔ لیکن سیلاب زدہ علاقے کے باشندوں میں خوف اب بھی پایا جاتا ہے اور اُن کا احساس یہی ہے کہ وہ تا حال خطرے کی زد میں ہیں۔"[1]

۶۔ اخبار "آفاق" لاہور

(۱)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ نے نواحی دیہات میں کام کرنے کے بعد آج اپنی مساعی کے دھارے کا رُخ لاہور شہر کے سیلاب زدہ حصّوں کی طرف موڑا اور اس مجلس کی طبّی امداد کی پارٹیوں نے کرشن نگر کی جامع مسجد کے متصل طبّی پوسٹ کا قیام کر کے آج ۱۵۵ مریضوں کو دیکھا اور ان میں دوائیاں تقسیم کیں۔ بیشتر اشخاص نے مفید طبّی مشورے حاصل کئے اور ہر شخص کو ٹائیفائڈ اور ہیضے کے ٹیکے لگوانے کی تلقین کی گئی۔"[2]

(۲)۔ "معتمد مجلس خدام الاحمدیہ نے اطلاع دی ہے کہ آج مجلس کے ۱۵۰ کارکنوں نے فوجی افسروں کی زیرِ ہدایت اور اکثر بطورِ خود لاہور کی زیرِ آب بستیوں میں مصیبت زدہ عوام میں کھانے کی خشک اشیاء، پکا ہوا کھانا اور پینے کا پانی تقسیم کیا۔ مجلس کے کارکنوں نے فوجی جوانوں کے ہمراہ ۲۵ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو ڈوبنے سے بچایا اور ۲۵۰ افراد کو محفوظ مقامات پر پہنچایا۔ مجلس خدام الاحمدیہ کی اطلاع کے مطابق جلّو کا علاقہ بھی زیرِ آب آچکا ہے۔ چنانچہ خدام کے ۱۲ کارکنوں کی ایک پارٹی اس علاقے میں تمام رات امدادی کام کرنے کے لئے فوجی نوجوانوں کے ہمراہ روانہ ہوگئی ہے۔"[3]

(۳)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ :- "مجلس کی ایک امدادی پارٹی آج قصور روانہ ہوگئی۔ دوسری آٹھ پارٹیوں نے آج شہر کے سیلاب سے متاثرہ علاقوں کی گلیوں اور سڑکوں کی

---

[1] "سول اینڈ ملٹری گزٹ" ۱۰ نومبر ۱۹۵۵ء (ترجمہ)۔ [2] "آفاق" لاہور ۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴
[3] "آفاق" لاہور ۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔

صفائی کا کام کیا۔ اور شاہدرہ، کھٹھہ، ابوالخیر، بیگم کوٹ و دیگر دیہات میں کونین کے ٹیکے لگائے اور پانچ سو افراد میں ادویات تقسیم کیں کارکنوں نے سلطان پورہ مصری شاہ تاجپورہ، شاد باغ، وسن پورہ، سنت نگر، راج گڑھ میں امدادی کام کیا۔"[1]

(۴)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ کی ایک امدادی پارٹی نے آج کوٹ خواجہ سعید سندر، کالورام مڑھی، شیر سنگھ اور بھگت پورہ میں تین سو افراد کو طبّی امداد بہم پہنچائی اور مصیبت زدگان میں کچّا گوشت تقسیم کیا۔ دُوسری امدادی پارٹی نے ڈھیڑ کرول۔ جادا۔ اور گاہی گل۔ گورنمنٹ رائس فارم کالا شاہ کاکو میں قریباً ڈیڑھ سو افراد کو کونین کے ٹیکے لگائے۔ قصور کے مرکز میں کام کرنے والے کارکنوں نے قصور۔ بنگلہ مان۔ گنڈا سنگھ والا۔ برج نادرا والہ۔ میانوالہ۔ وزیر پور۔ کھر پیڑ۔ اور جوڑا کے دیہات میں مصیبت زدگان کو امداد بہم پہنچائی۔"[2]

(۵)۔ "آج مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی تین پارٹیاں مختلف جگہوں پر امدادی کام میں مصروف رہیں۔ سلطان پورہ ریلیف سنٹر سے شاد باغ۔ مصری شاہ۔ وسن پورہ اور تاج پورہ کے علاقوں کو طبّی امداد بہم پہنچائی گئی۔

احمدی مستورات کے ایک وفد نے شاہدرہ اور اس کے ملحقہ علاقوں میں ۲۶ مستحق افراد میں پارچات اور ایک صد مریضوں میں ادویہ تقسیم کیں۔

ربوہ سے خدام الاحمدیہ کے ۷ افراد پر مشتمل ایک قافلہ آج گیارہ بجے شاہدرہ پہنچ گیا۔ سیلاب زدگان کو ہر قسم کی امداد بہم پہنچانے کے لئے نارنگ، کالا خطائی اور ایچڑ پر کیمپ لگائے جائیں گے۔"[3]

(۶)۔ "امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اپیل کی ہے کہ اُن کی جماعت کے ڈاکٹر سیلاب زدگان کی امداد کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں۔ اپیل میں کہا گیا ہے کہ احمدی ڈاکٹر جہاں کہیں بھی ہوں سیلاب زدوں کی طبّی امداد کے لئے کم از کم دس روز وقف کریں۔

---

[1] "آفاق" لاہور ۱۸؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔ [2] "آفاق" لاہور ۱۹؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵
[3] "آفاق" لاہور ۲۰؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء۔

مقامی مجلس خدام الاحمدیہ نے ڈاکٹروں کی نگرانی میں سلطان پورہ، شاہدرہ، کرشن نگر اور اسلامیہ پارک میں امدادی کیمپ قائم کئے ہوئے ہیں۔ جہاں سے ملحقہ بستیوں کو ادویات، گرم کپڑے اور کھانے کی اشیاء پہنچائی گئیں[1]"۔

(۷)۔ "لاہور سے خدام الاحمدیہ کا ایک دستہ جو چھ رضاکاروں پر مشتمل ہے قصور پہنچا ہے اور اس نے قصور کے نواحی دیہات میں امدادی کام شروع کر دیا ہے مقامی جماعت احمدیہ نے بھی قصور میں کیمپ کھول دیا ہے جس میں سیلاب زدوں کیلئے پکا ہوا کھانا اور آٹا تقسیم کیا جا رہا ہے[2]"۔

(۸)۔ "یہ لوگ موقع کے مطابق گھرے ہوئے لوگوں کی خوراک اور پارچات سے امداد کرنے کے علاوہ بیماروں کو ہر طرح طبی امداد بھی پہنچا رہے ہیں[3]"۔

(۹)۔ "احمدیہ ریلیف کمیٹی سیالکوٹ اس وقت تک کھرانوالہ، چپراڑ، چوڑ منڈا، نارووال، بدوملہی خاص میں راشن، دوائیاں، گرم، سرد کپڑے اور بعض نادار لوگوں میں نقدی تقسیم کر چکی ہے۔ تین مزید مرکز گدیاں، رعیہ اور میانوالی میں کھولے گئے ہیں۔ چوہدری نذیر احمد باجوہ ایڈووکیٹ صدر احمدیہ ریلیف کمیٹی ایک ہزار نئے و پرانے گرم و سرد کپڑے لے کر رعیہ کے علاقے میں تقسیم کرنے کے لئے (نارووال پہنچ گئے ہیں[4]) دس معماروں نے ریلیف کمیٹی کو ایک ہفتہ کے لئے اپنی خدمات مکانات تعمیر کرنے کے لئے پیش کی ہیں[5]"۔

۷۔ اخبار "امروز" لاہور

(۱) "مجلس خدام الاحمدیہ کی سرگرمیاں"۔

"آج مجلس کی ریلیف پارٹیوں نے شہر کے مختلف حصوں سے پچاس کے قریب افراد کو گہرے پانی سے نکالا اور محفوظ مقامات پر پہنچایا۔ مجلس نے اپنا ایک ریلیف سنٹر جودھامل بلڈنگ (فون نمبر ۳۷۵۲) قائم کر دیا ہے جہاں سے سیلاب

---

[1] "آفاق" لاہور ۲۳ر اکتوبر ۱۹۵۵ء ص۵۔ [2] "آفاق ۲۳ر اکتوبر ۱۹۵۵ء ص۵۔

[3] "آفاق" ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۵ء ص۵۔ [4] یہ الفاظ سہواً رہ گئے۔ ملاحظہ ہو "نوائے پاکستان" لاہور مورخہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۵ء۔ [5] "آفاق ۲۳ر اکتوبر ۱۹۵۵ء ص۵۔

کے سلسلہ میں ہر ممکن امداد مہیا کی جا رہی ہے مجلس نے پانی میں گھرے ہوئے لوگوں کو نکالنے کے لئے فوج کو اپنے پچاس تربیت یافتہ خدام پیش کئے ہیں۔ مجلس کی ایک پارٹی نے ملٹری کے ساتھ مل کر گھرے پانی میں ریلیف کا کام کیا اور متعدد ڈوبتے ہوئے بچوں اور عورتوں کو بچایا۔[1]"

"ملتان کے سیلاب زدہ علاقے میں خدام الاحمدیہ نے آج ۲۵۰ پونڈ خوراک تقسیم کی۔ خدام الاحمدیہ نے آج کرشن نگر لاہور میں جامع مسجد کے پاس اپنا طبّی مرکز قائم کر دیا ہے۔ مرکز نے لوگوں کو ٹیکے لگوانے کی ہدایت کی۔"

(۲)۔ "انجمن کی چار پارٹیاں شیخوپورہ کے سیلاب زدہ دیہات میں کام کر رہی ہیں۔ خدام نے ایک ہزار افراد کو کھانا کھلایا۔ دو صد افراد میں خشک اشیاء تقسیم کیں۔ ایک سو اشخاص کو طبّی امداد دی اور پینے کا پانی مہیّا کیا گیا۔[2]"

(۳)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی امدادی پارٹیوں نے کل مختلف سینٹروں میں سیلاب زدگان کی امداد کی۔ ایک پارٹی نے محکمہ سول ڈیفنس کے ریسکیو آفس میں ایمرجنسی سروس کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور سارا دن اُن کے ماتحت کام کرتے رہے مجلس کے سلطان پورہ سنٹر کے خدام کوٹ خواجہ سعید۔ مندر کالو۔ مڑھی شیر سنگھ اور بھگت پورہ میں پانی کو عبور کرتے ہوئے گئے اور تین صد افراد کو طبّی امداد بہم پہنچائی اور اس کے علاوہ کچّا گوشت تقسیم کیا۔

شاہدرہ سنٹر کے خدام ڈھیر، کرول، جادا، دوگاہی گل، گورنمنٹ رائس فارم کالا شاہ کاکو گئے اور تقریباً ڈیڑھ صد افراد کو ٹیکے لگائے گئے۔

قصور کے سنٹر میں کام کرتے والے خدام قصور۔ بنگلہ مال۔ گنڈا سنگھ والا۔ بُرج نامدار والا۔ میانوالہ۔ وزیر پور، کھر پڑ، اور جوڑا میں گئے۔ بعض جگہ ۱۷ میل تک پانی میں سفر کر کے سیلاب زدہ لوگوں تک پہنچے اور انہیں ہر قسم کی امداد بہم پہنچائی گئی۔[3]"

---

[1] "امروز" لاہور ۸ر اکتوبر ۱۹۵۵ء۔ [2] "امروز" لاہور ۱۸ر اکتوبر ۱۹۵۵ء۔
[3] "امروز" لاہور ۲۰ر اکتوبر ۱۹۵۵ء

(۴)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ کوئٹہ نے لاہور کی مجلس کو سیلاب زدگان کی امداد کے لئے دو سو روپے بھیج دیئے ہیں. قصور اور اس کے ملحقہ بستیوں میں خدام الاحمدیہ کی ایک پارٹی مصیبت زدہ لوگوں میں ادویات، پارچات تقسیم کرنے میں مصروف ہے۔ اس کے علاوہ کل سلطان پورہ. مصری شاہ. شاد باغ. تاج پورہ. اسلامیہ پارک. راج گڑھ. کرشن نگر اور شاہدرہ کی ملحقہ بستیوں میں تقریباً تین سو افراد میں ادویات تقسیم کی گئیں. مجلس کے ان علاقوں میں امدادی کیمپ قائم ہیں[۱]"

(۵)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے آج ڈاکٹروں کی نگرانی میں سیلاب زدگان کو طبی امداد بہم پہنچائی. مجلس نے سلطان پورہ. شاہدرہ. کرشن نگر اور اسلامیہ پارک میں اپنے امدادی کیمپ قائم کئے ہیں. جہاں سے ملحقہ بستیوں کو ادویات، گرم کپڑے اور کھانے کی اشیاء بہم پہنچائی گئیں. علاوہ ازیں مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ کی امدادی پارٹیوں نے خانپور ہیڈ منڈھیالی. نارنگ، ایچڑ. کالا خطائی. شاہ مسکین. مانگٹانوالہ اور ملحقہ علاقوں میں مقامی ہیلتھ آفیسر کے ہمراہ ادویات گرم کپڑے اور دیگر ضروریات کی چیزیں سیلاب زدگان میں تقسیم کی ہیں[۲]"

۸۔ اخبار "نوائے وقت" لاہور

(۱)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ مغلپورہ کی ریلیف پارٹی جس میں ایک ڈاکٹر پانچ فرسٹ ایڈرز اور سات مددگار تھے نے کل رات گڑھا اور مرل کے لوگوں میں امدادی کام کیا. عوام میں خوراک تقسیم کی گئی اور تقریباً ڈیڑھ سو اشخاص کو طبی امداد بہم پہنچائی گئی[۳]"

(۲)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کے زیر اہتمام امدادی سرگرمیوں کو اب اور وسیع کر دیا گیا ہے. اور آج سے سلطان پورہ میں نیا امدادی مرکز کام کر رہا ہے جہاں سے

---

[۱] "امروز" لاہور ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۵ء۔ [۲] "امروز" لاہور ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء
[۳] "نوائے وقت" لاہور ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔

مصری شاہ ، کاچھو پورہ ، بھارت نگر ، تاج پورہ ، شاد باغ اور وسن پورہ کے مصیبت زدہ عوام کی مدد کی جائے گی ۔

مجلس کی دو پارٹیوں نے آج حضوری باغ کے کیمپ میں بھی امدادی کام کیا اور سول ڈیفنس کے کارکنوں کے ساتھ مل کر سیلاب زدگان کی مدد کی[۱] ۔"

(۳) ۔ " لاہور ۱۶ ر اکتوبر ۔ ۔ ۔ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ کی ایک پارٹی ضروری سازو سامان ادویہ پارچات وغیرہ لے کر قصور روانہ ہوگئی ہے ۔ لاہور میں اس وقت مجلس کے زیر اہتمام آٹھ امدادی مرکز کام کر رہے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔

مجلس خدام الاحمدیہ مغلپورہ لاہور کے طبّی مرکز نے آج سیلاب زدہ علاقوں میں تقریباً ۲۵۰ اشخاص کو مفت دوائی اور طبّی امداد بہم پہنچائی ۔ مغربی پاکستان کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خانصاحب نے بھی آج کیمپ کا معائنہ کیا اور کارکنوں کی امداد کو سراہا[۲] ۔"

(۴) ۔ " لاہور ۱۷ ر اکتوبر ۔ ۔ ۔ مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے آج محکمہ شہری دفاع کے ارکان کے ساتھ کام کیا اور کوٹ خواجہ سعید ۔ مڑھی شیر سنگھ اور بھگت پورہ کے دیہات میں سیلاب زدگان کو طبّی امداد بہم پہنچائی[۳] ۔"

(۵) ۔ " خدام الاحمدیہ ربوہ کے مقامی ارکان نے سلطان پورہ کے امدادی مرکز سے شاد باغ مصری شاہ ، وسن پورہ اور تاج پورہ کے علاقوں میں عوام کو طبّی امداد دی اور مستورات کے ایک وفد نے شاہدرہ میں گرم کپڑے تقسیم کئے ۔ عنقریب کالا خطائی اور ایچرہ میں بھی امدادی کیمپ کھولے جائیں گے[۴] ۔"

(۶) ۔ " مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ نے آج سیلاب زدگان میں ادویات اور پارچات تقسیم کئے اور سلطان پورہ ، مصری شاہ ، شاد باغ ، تاج پورہ ، اسلامیہ پارک ، راج گڑھ ، کرشن نگر اور شاہدرہ میں اینٹی ملیریا ادویات تقسیم کیں[۵] ۔"

---

[۱] " نوائے وقت " لاہور ۱۴ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶ ۔ [۲] " نوائے وقت " لاہور ۱۸ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶

[۳] " نوائے وقت " لاہور ۱۹ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶ [۴] " نوائے وقت لاہور ۲۰ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶

[۵] ۔ " نوائے وقت " ۲۱ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶

(۷)۔ "ملتان (ڈاک سے) مجلس خدام الاحمدیہ ملتان کے امدادی کارکن غوث پور، کبیر والہ، علی پور، حسن پور اور دوسرے سیلاب زدہ علاقوں میں مصیبت زدگان کی امداد کر رہے ہیں۔ انہوں نے کبیر والا کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا ہے۔ دوسرے علاقوں کی ضروریات کے بارے میں اطلاع ملنے پر مزید کارکن روانہ کئے جائیں گے۔"[1]

(۸)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے آج بھی سلطان پورہ کے مرکز سے امدادی کام جاری رکھا۔ سیلاب سے متأثرہ علاقوں میں ڈی ڈی ٹی کا چھڑکاؤ کیا گیا اور بیماروں میں کونین بانٹی گئی۔ قلعہ لچھمن سنگھ، راوی روڈ اور بڈھا دریا کے کنارے پناہ گزینوں کو لحاف وغیرہ دیئے گئے۔"[2]

(۹)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی طرف سے کالا شاہ کاکو اور دیگر نواحی گاؤں میں ادویات اور دیگر ضروری اشیاء تقسیم کی گئیں اسی علاقہ میں طبی امداد کا سلسلہ بھی جاری ہے۔"[3]

(۱۰) "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کے رضا کاروں نے آج بھی سیلاب زدہ دیہات میں صفائی کا کام جاری رکھا۔"[4]

(۱۱)۔ "سیالکوٹ کے عوام اور سیاسی جماعتوں کی بے حسی حیرت انگیز اور افسوسناک ہے۔ احمدیہ ریلیف کمیٹی اور لنڈا بازار لاہور کے علاوہ کسی دوسری جماعت نے سیلاب زدہ علاقوں میں جا کر عملی کام شروع نہیں کیا۔ جماعت اسلامی، عوامی لیگ، خاکسار جماعت، مسلم کانفرنس اور دوسری اَن گنت جماعتیں ان دنوں نہ جانے کن مصروفیات میں منہمک ہیں کہ سیلاب زدہ علاقوں میں جانا پسند نہیں کرتیں۔"[5]

(۱۲)۔ "لاہور۔ ۳۰ اکتوبر۔۔۔ مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی طرف سے آج تین ہزار سیلاب زدگان میں اجناسِ خوردنی تقسیم کی گئیں، ۱۲۵۰ افراد کو ملیریا کے ٹیکے لگائے

---

[1] "نوائے وقت" ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء صؔ۲ ۔ [2] "نوائے وقت" ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۵ء صؔ۶
[3] "نوائے وقت" ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء صؔ۶ ۔ [4] "نوائے وقت" ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۵ء صؔ۸
[5] "نوائے وقت" ۳ نومبر ۱۹۵۵ء صؔ۲ ۔

گئے۔ اور سلطان پورہ میں شکستہ مسجد اور مکانوں کی مرمت میں لوگوں کی امداد کی گئی۔ علاوہ ازیں خدام کی ایک دوسری پارٹی نے کالا خطائی۔ ہیچڑ۔ پکھیالی۔ قلعہ ستار شاہ۔ دھوکا منڈی اور مانگٹانوالہ کے دیہات میں پارچات اور ادویہ تقسیم کیں۔[۱]

۹۔ اخبار "ملّت" لاہور

(۱) "سیلاب زدگان کی امداد"

"سیلاب کے دوران میں جماعت احمدیہ نے جو کام کیا اس کا مختصر سا ذکر آپ کے اخبار میں کرنا چاہتا ہوں۔

یہ اطلاع موصول ہوئی کہ ڈیرہ غازیخاں سے ۶۰ میل دُور درّہ سنگھڑ کے جنوب مشرقی کنارے سوکڑ۔ مندرانی اور جھوک کھیوے والی بستیاں تباہ ہوگئی ہیں۔ فیصلہ کیا گیا کہ بستی مندرانی میں سیلاب زدگان کا امدادی کام شروع کیا جائے۔ چنانچہ دو خدام اور ان پر ایک نگران کو مقرر کرکے مبلغ دوصد روپیہ نقد اور دو تھان کپڑوں کے دے کر مذکورہ بالا مقام کی طرف روانہ کیا گیا۔ ہم لوگ پہلے روز بارش میں بھیگتے ہوئے ۱۲ میل تک بارش میں چلنے کے بعد پہاڑی نالوں کو جو بڑی تیزی سے تین تین چار چار فٹ گہرائی میں بہہ رہے تھے عبور کرتے ہوئے چار روز پیدل چل کر منزلِ مقصود پر پہنچے۔ وہاں جاکر ہم نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ حالتِ زار بیان سے باہر ہے مکان گر کر پیوندِ خاک ہوچکے تھے۔ سب کچھ پانی کی نذر ہوچکے تھے اور خود مکین ایک اونچے پہاڑی ٹیلہ پہ پناہ گزیں ہوچکے تھے۔ بھوک سے نڈھال بچے بلبلا رہے تھے اور اُن کے والدین نیم وا آنکھوں سے انہیں دیکھ دیکھ کر موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھے ہم نے وہاں جاکر بستی مندرانی کے ڈھائی صد افراد میں پانچ من آٹا گندم۔ تین من غلّہ گندم۔ سات من غلّہ جوار دو تھان کپڑوں کے۔ آدھ من دال، آدھ من گڑ اور ایک صد روپیہ تقسیم کیا جو وہاں کے مصیبت زدہ لوگوں کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئے۔

---

[۱] "نوائے وقت" یکم نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶

اس سلسلہ میں ایک عجیب اور بے مثال قربانی کا نمونہ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ وہاں کے احمدی دوستوں نے بھی جو خود اس بلائے ناگہانی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ ان لوگوں میں غلّہ وغیرہ تقسیم کرنے کے علاوہ ۲۸۰ مرلہ زمین ان لوگوں میں مفت تقسیم کرنی شروع کر دی جن کے مکانات گر کر مستقل طور پر ندی کا طاس بن چکے تھے۔ یہ زمین ایک محفوظ مقام پر ہے اور اس کی بازاری قیمت مبلغ سات صد روپے سے کم نہیں ہے۔ اس قربانی کا سہرا غلام حسن خانصاحب کے سر ہے جنہوں نے محض لوجہ اللہ سیلاب زدگان میں مفت تقسیم کرنی شروع کر دی۔ اسی طرح دیہات میں ایک جگہ ساٹھ کرم لمبے اور تین فٹ گہرے پانی میں خشک مٹی ڈال کر لوگوں کے لئے راستہ بنایا گیا جس سے بچوں، عورتوں کو ایک بڑی تکلیف سے نجات مل گئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مخلوق کی خدمت کرنے کی ہمیشہ توفیق عطا فرماوے کہ یہی انسانیت کا معراج ہے۔ عبدالواحد خاں انچارج کیمپ بستی مندرانی ضلع ڈیرہ غازی خاں[1]"

(۲)۔ "۹ راکتوبر ۱۹۵۵ء کو مجلس خدام الاحمدیہ گنج مغلپورہ کی دو امدادی پارٹیوں نے ڈاکٹر محمد حفیظ صاحب سابق اسسٹنٹ سرجن آزاد کشمیر کی زیر ہدایت محمود بوٹی بند سے ۱۸ میل کے رقبہ میں واقع دیہات موضع بھینی پار، رتت گڑھ، قرل، سنت نگر، آوان سکیاں میں کشتی کے ذریعہ پہنچ کر اپنے امدادی کام کو جاری رکھا۔ مجموعی طور پر ۲۱۶ افراد کو طبّی امداد بہم پہنچائی اور ۶۰ آدمیوں کو مرہم پٹی کی گئی۔

۱۰ راکتوبر ۱۹۵۵ء کو مجلس نے اپنے امدادی کام کو بدستور جاری رکھا اور شیخ اعجاز احمد صاحب مجسٹریٹ متعینہ علاقہ محمود بوٹی کی زیر ہدایات موضع کراول، جھگیاں اور جبّوکے میں کشتی کے ذریعہ پہنچ کر خوراک، ماچس، چائے کے بنڈل اور موم بتیاں وغیرہ تقسیم کیں۔ اس کے علاوہ مجلس نے ان دیہات میں دوائیاں بھی تقسیم کیں اور ۱۲۰ آدمیوں کو طبّی امداد دی گئی[2]"

(۳)۔ "مرکزیہ خدام الاحمدیہ ربوہ سے ۴۰ خدام پر مشتمل ایک پارٹی سیلاب زدگان کی امداد کے لئے بھیجی گئی۔ ان خدام نے ایک کیمپ شیخوپورہ سے ۸ میل دور لاہور کی جانب

---

[1] روزنامہ "ملّت" لاہور ۱۳ رستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۔ [2] "ملّت" لاہور ۱۳ راکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶

نہر اپر چناب کے کنارے لگایا ہے۔ ان خدام میں ڈاکٹر، کشتی ران، تیراک شامل ہیں جن کے پاس طبّی امداد اور دوسری امداد کا ہر قسم کا سامان موجود ہے ان کیمپوں سے قلعہ ستار شاہ مسّن کالہ، خان پور، روک، لہیاں، پنڈالی اور مومن پور میں امدادی پارٹیاں روانہ کی گئیں جنہوں نے پانی میں گھرے ہوئے سینکڑوں افراد میں کھانا تقسیم کیا۔ طبّی امداد بہم پہنچائی۔ پھنسے ہوئے افراد کو محفوظ مقامات پر پہنچایا۔"[1]

(۴)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ کی طرف سے شیخوپورہ میں متعینہ چالیس خدام آج چار پارٹیوں میں تقسیم ہو کر شیخوپورہ کے مختلف مقامات کلّہ، رحمت خان، نبی پور، ڈیرہ بھیال والا ملوکے، منڈھیالی، دین محمد کا ڈیرہ، ٹھٹھہ قریشی اور چنگڑوں کے محلہ میں گئے۔ جہاں ایک ہزار افراد کو کھانا کھلایا گیا۔ دو صد افراد میں خشک اشیاء تقسیم کی گئیں۔ ایک صد افراد کو طبّی امداد بہم پہنچائی گئی اور پچیس سو افراد کو پینے کے لئے پانی مہیا کر دیا گیا۔

عبداللطیف قائد خدام الاحمدیہ ضلع ملتان نے اطلاع دی ہے کہ جماعت احمدیہ ملتان کی طرف سے جماعت کے کارکن سیلاب زدگان کی امداد کے لئے مصروفِ عمل ہیں آج سیلاب زدوں کو کئی پونڈ خوراک بہم پہنچائی گئی۔"[2]

(۵)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے آج بھی مختلف سینٹروں میں سیلاب زدگان کی امداد کا کام جاری رکھا۔ ایک پارٹی نے محکمہ سول ڈیفنس کے ریسکیو آفس میں ایمرجنسی سروس کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور سارا دن اِن کے ماتحت کام کرتے رہے مجلس سلطان پورہ سنٹر کے خدام کوٹ خواجہ سعید، مندر، کالورام، مڑھی شیر سنگھ اور بھگت پورہ میں پانی کو عبور کرتے ہوئے گئے اور تین صد افراد کو امداد پہنچائی۔ اور اس کے علاوہ کچّا گوشت تقسیم کیا گیا۔ شاہدرہ سنٹر کے خدام ڈھیر کردل، جادا، درگاہی گل۔ گورنمنٹ رائس فارم اور کالا شاہ کاکو گئے۔ اور تقریباً ڈیڑھ صد افراد کو کونین کے ٹیکے لگائے گئے۔

قصور کے سنٹر میں کام کرنے والے خدّام قصور، وزیر پور، کھر پڑ اور جوڑا میں

---

[1] "ملّت" لاہور ۱۵ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔ [2] "ملّت" لاہور ۱۷ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲

گئے اور بعض جگہ سترہ سترہ میل تک پیدل پانی میں سفر کیا۔ اور سیلاب زدگان تک پہنچے اور انہیں ہر قسم کی امداد بہم پہنچائی گئی[۱]۔"

(۶)۔ "لاہور ۱۸ ر اکتوبر۔ آج بھی مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی تین پارٹیاں مختلف جگہوں میں امدادی کام میں مصروف رہیں۔ سلطان پورہ ریلیف سنٹر سے شادباغ، مصری شاہ دسن پورہ اور تاج پورہ کے علاقوں کو طبی امداد بہم پہنچائی گئی۔

احمدی مستورات کے ایک وفد نے شاہدرہ اور اس کے ملحقہ علاقوں میں ۲۶ مستحق افراد میں پارچات اور ایک صد مریضوں میں ادویات تقسیم کیں۔ اس علاقہ میں خدام کے ایک وفد نے بھی علاوہ ادویات کے دیا سلائی اور موم بتیاں تقسیم کیں۔

ربوہ سے خدام الاحمدیہ کے سترہ افراد پر مشتمل ایک اور قافلہ آج گیارہ بجے شاہدرہ پہنچ گیا ہے سیلاب زدگان کو ہر قسم کی امداد بہم پہنچانے کے لئے مندرجہ ذیل مقامات پر کیمپ لگائے جائیں گے۔ نارنگ۔ کالاخطائی اور ایچڑ[۲]۔"

(۷)۔ "آج بھی حسب معمول مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کے زیر اہتمام سلطان پورہ، اسلامیہ پارک، کرشن نگر، اور شاہدرہ کے سنٹروں میں بڑی سرگرمی سے ریلیف کا کام جاری رہا۔ خدام اِن علاقوں میں ادویات تقسیم کرنے اور صفائی کے کام میں مدد کرنے میں مصروف رہے۔

اس کے علاوہ قلعہ لچھمن سنگھ۔ شمشان بھومی۔ اور اس کے ملحقہ علاقہ میں ..... مجلس کی چھ افراد پر مشتمل پارٹی جو کہ ۱۶ ر اکتوبر کو قصور کی طرف روانہ کی گئی تھی آج واپس لاہور پہنچ گئی ہے اس پارٹی نے اس دوران میں بنگلہ قیصر گڑھ، مان گنڈا سنگھ والا، میانوالہ، اللوکے حسین خاں والا، جوڑا اور اِن کے علاوہ دیگر چھوٹے چھوٹے دیہات میں پانی میں گزر کر امدادی کام کیا تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد میں ادویات تقسیم کی گئیں[۳]۔"

---

[۱] "ملت" لاہور ۱۹ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶ - [۲] "ملت" لاہور ۲۰ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶

[۳] "ملت" لاہور ۲۲ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔

(۸) ۔" لاہور ۲۴ر اکتوبر۔ آج مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے اپنی امدادی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ محکمہ اینٹی ملیریا سے مل کر ان کے گھروں میں ڈی۔ڈی۔ٹی چھڑکنے کا انتظام کیا گیا۔ جو سیلاب سے بُری طرح متأثر ہوئے تھے۔ سلطان پورہ سنٹر میں بھی حسبِ معمول کام ہوتا رہا۔ مجلس نے آج قلعہ لچھمن سنگھ راوی روڈ اور بڈھا دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے تین صد افراد میں پارچات اور ادویات تقسیم کیں[۱]۔"

(۹) ۔" دیپال پور اوکاڑہ روڈ سیلاب زدگان کے مختلف کیمپوں میں خدام الاحمدیہ اوکاڑہ کی طبّی امداد اس قدر برمحل اور مفید ثابت ہوئی کہ دُور افتادہ سیلاب سے تباہ شُدہ دُوسرے دیہات کے لوگوں نے خدام سے اپیل کی ہے کہ ان کی طرف بھی توجہ کی جائے لیکن ذرائع محدود ہونے کی وجہ سے خدام ان کی خواہش کی تکمیل سے قاصر ہیں۔ سردست میاں محمد شفیع نمبردار چک ۲/۲۲ کی درخواست پر راجباہ ٹو۔ ایل کے چکوک ۳۲، ۳۳، ۳۴ ۳۵ اور دوسرے قرب و جوار میں ڈیرے لگائے ہوئے سیلاب زدگان کی طبّی امداد کے پیشِ نظر طبّی کیمپ کو کلاس بنگلہ نہر پر منتقل کر دیا ہے۔

کاش کہ دیگر جماعتیں بھی وسیع پیمانہ پر سیلابی علاقہ میں ایسی طبّی امداد کا انتظام کریں کہ اب وہاں سیلاب کے بعد ملیریا و دیگر امراض کی وبائی صورت میں پھیلنے کا سخت خطرہ ہے[۲]۔"

(۱۰) ۔" لاہور۔ ۲۶ر اکتوبر۔ آج بھی مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی پارٹیاں سرگرم عمل رہیں۔ انہوں نے سلطان پورہ، کاچھو پورہ، بھارت نگر، مسلم گنج، فیض باغ اور نولکھا پارک میں صفائی کا کام کیا۔ مختلف جگہوں اور گھروں میں فینائل اور ڈی ڈی ٹی کا چھڑکاؤ کیا۔ خدام نے ملحقہ علاقوں میں بھی صفائی کا پروگرام بنایا ہے[۳]۔"

(۱۱) ۔" لاہور ۲۷ر اکتوبر۔ مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے ایک ہنگامی اجلاس

---

[۱] "ملّت" لاہور ۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۵ء۔ [۲] "ملّت" لاہور ۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صہ ۲
[۳] "ملّت" لاہور ۲۸ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صہ ۱۔

میں فیصلہ کیا ہے کہ سیلاب زدگان میں علاوہ ادویات و پارچات تقسیم کرنے کے مکانات کی تعمیر کا کام شروع کیا جائے۔ اس سلسلہ میں مجلس بہت سے معماروں کا انتظام کر رہی ہے جو متاثرہ علاقہ میں مستحق غرباء کے مکانات تعمیر کرنے میں مدد دیں گے۔ مجلس نے آج اپنے امدادی مرکز سے ایک صد پارچات سیلاب زدگان میں تقسیم کئے۔"[1]

۱۰۔ اخبار "مغربی پاکستان" لاہور

(۱)۔ "آج بھی مجلس خدام الاحمدیہ کی امدادی پارٹیاں تمام دن ریلیف کے کام میں مصروف رہیں۔ ایک امدادی پارٹی سائیکلوں پر کالا شاہ کاکو تک گئی اور راستہ میں سڑک پر بیٹھے ہوئے سیلاب زدگان کی امداد کی۔ یہ پارٹی پانچ گھنٹے کے بعد واپس لوٹی۔ ایک اور امدادی پارٹی جو پرسوں لاہور سے ہربکے جانے والی سڑک پر روانہ ہوئی تھی آج سہ پہر کو واپس پہنچ گئی۔ اس پارٹی نے برکی، برکا کلاں۔ برکا خورد، جاہمن، ہڈیارہ میں کام کیا۔ مجلس کے سلطان پورہ کے سنٹر سے بھی لوگوں کو ہر طرح کی امداد بہم پہنچانے کا کام ہوتا رہا۔"[2]

(۲)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ کی طرف سے خدام شیخوپورہ کے مختلف مضافات کلہ رحمت خاں، نبی پورہ، ڈیرہ سہیاں والا، للوکے، منڈھیالی، دین محمد کا ڈیرہ، ٹھٹھہ قریشی اور چنگڑوں کے محلہ میں گئے جہاں ایک ہزار افراد کو کھانا کھلایا گیا۔ دو صد افراد میں خشک اشیاء تقسیم کی گئیں۔ دو صد افراد کو طبّی امداد بہم پہنچائی گئی اور پچیس سو افراد کو پینے کے لئے پانی مہیا کر دیا گیا۔ لاہور، شیخوپورہ روڈ کے کھل جانے اور ٹریفک کے زیادہ ہونے کی وجہ سے دو کاریں پانی میں پھنس گئیں جنہیں خدام نے مل کر بڑی تگ ودو سے باہر نکالا۔

مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے آج بھی محکمہ سول ڈیفنس، اینٹی ملیریا، ریڈکراس اور پولیس کو اپنی خدمات پیش کیں اور شاہدرہ سنٹر میں بھی بڑے جوش وخروش

---

[1] "ملت" لاہور ۲۹ را کتوبر ۱۹۵۵ء صـ ۶ ۔ [2] "مغربی پاکستان" لاہور ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء صـ ۶

سے ریلیف کا کام سرانجام دیا جاتا رہا۔"[۱]

(۳)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ کوئٹہ نے آج مجلس لاہور کو سیلاب زدگان کی امداد کے لئے دو صد روپیہ بھجوایا ہے تاکہ وہ اپنے کام کو اور بھی وسعت دے سکیں۔

قصور اور اس کی ملحقہ بستیوں میں مجلس خدام الاحمدیہ کی ایک امدادی پارٹی مصیبت زدگان میں ادویات اور پارچات تقسیم کرنے میں مصروف ہے۔ اس کے علاوہ خدام نے آج سلطان پورہ، مصری شاہ، شادباغ، تاج پورہ، اسلامیہ پارک، راج گڑھ، کرشن نگر اور شاہدرہ کی ملحقہ بستیوں میں قریباً تین صد افراد کو اینٹی ملیریا ادویات تقسیم کیں۔ مجلس نے سلطان پورہ، اسلامیہ پارک، شاہدرہ اور کرشن نگر کے علاقوں میں اپنے امدادی کیمپ قائم کئے ہوئے ہیں۔"[۲]

۱۱۔ اخبار "پاکستان ٹائمز" لاہور

(1) "FLOOD RELIEF WORK IN SIALKOT"
(From a Correspondent)

"Sialkot; Oct 13: The Ahmadiyya Relief Committee, District Sialkot, distributing rations, medicines and clothes through various centres intend to construct damaged houses of the poor people. The Relief Committee despatched another consignment of clothes, medicines and soap to the chaprar sector for distribution."[1]

(2) "SIALKOT; Oct 18: According to information gathered from reliable sources, the out-break of epidemic in the majority of flood-affected villages, has presented the district authorities with a new problem.

Despite the unstinting efforts of the Deputy Commissioner, Sheikh Manzoor, and the medical authorities, the situation is still said to be out of control for lack of adequate medical staff.

---

[۱] "مغربی پاکستان" لاہور ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔ [۲] "مغربی پاکستان" لاہور ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶

1. Pakistan Times, Lahore, 15 October, 1955 P: 7 - Col. 5

The only local Relief committee formed by the Jamma'at Ahmadia, is working in the flood area with its five Doctors since October 6. Meanwhile two Doctors have reached here from Rabwah, and another two are expected soon. The Jamma'at Ahmadia has already distributed 1,300 articles of clothing, while medicines are being sent across to the marooned persons with the help of all available resources. The Relief Committee's work is distributed in 15 sections. Under instructions from the Deputy Commissioner, it is learnt the Jamma'at Ahmadia has requested its central authorities to send more doctors with auxiliary staff to Sialkot."[1]

(3) "The Majlis Khuddam-ul-Ahmadiyya, Lahore, is running four relief centres in Sultanpura, Islamia Park, Shahdara and Krishen Nagar, where clothes food and medicines are being distributed."[2]

ترجمہ :- (۱) سیالکوٹ ۱۳ر اکتوبر ضلع سیالکوٹ کی احمدیہ ریلیف کمیٹی جو متعدد مراکز کے ذریعہ راشن، دوائیں اور کپڑے وغیرہ تقسیم کر رہی ہے اب اس نے ارادہ کیا ہے کہ غریبوں کے مکانات بھی تعمیر کئے جائیں۔ ریلیف کمیٹی نے کپڑوں، دواؤں اور صابن وغیرہ کی ایک اور کھیپ تقسیم کرنے کے لئے چپراڑ کے علاقے میں روانہ کی ہے۔[لہ]

(۲) سیالکوٹ ۱۸ر اکتوبر۔ موثق ذرائع سے حاصل کی ہوئی اطلاعات کے مطابق سیلاب زدہ علاقوں کے بیشتر دیہات میں وبائیں پھیلنے کے خطرے نے ضلع کے حکام کو ایک نئے مسئلہ سے دوچار کر دیا ہے۔ شیخ منظور احمد ڈپٹی کمشنر اور طبی افسران کی انتھک کوششوں کے باوجود تربیت یافتہ طبی عملے کی کمی کے باعث صورتِ حال اب تک قابو سے باہر بیان کی جاتی ہے۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے قائم کردہ علاقے کی واحد ریلیف کمیٹی اپنے پانچ ڈاکٹروں کی مدد سے سیلاب زدہ علاقے میں ۶ر اکتوبر سے کام کر رہی ہے۔ اس عرصہ میں ربوہ سے

---

1. Pakistan Times, Lahore 19 October, 1955 P: 2 - Col. 7

2. Pakistan Time Lahore, 20 October, 1955 P: 3 - Col. 3

لہ "پاکستان ٹائمز" ۱۵ر اکتوبر ۱۹۵۵ء (ترجمہ)

دو ڈاکٹر یہاں پہنچ چکے ہیں نیز توقع ہے کہ مزید دو ڈاکٹر بھی عنقریب پہنچ جائیں گے۔ جماعت احمدیہ پہلے پہننے کے تیرہ سو کپڑے تقسیم کر چکی ہے اسی طرح جملہ وسائل کو بروئے کار لاکر پانی میں گھرے ہوئے لوگوں کے پاس جا جا کر انہیں دوائی بھی بہم پہنچائی جا رہی ہے۔ ریلیف کمیٹی کا کام پندرہ حصّوں میں منقسم ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کی زیر ہدایت جماعت احمدیہ نے اپنے مرکزی ارباب حل و عقد سے درخواست کی ہے کہ وہ امدادی عملے کے ساتھ مزید ڈاکٹر سیالکوٹ بھجوائیں[1]

(۳)۔ مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے سلطان پورہ، اسلامیہ پارک، شاہدرہ اور کرشن نگر میں ریلیف کے چار مرکز قائم کر رکھے ہیں۔ ان مراکز میں کپڑے، خوراک اور ادویہ تقسیم کی جا رہی ہیں[2]

۱۲۔ ہفت روزہ "چٹان" لاہور

مدیر چٹان آغا شورش کاشمیری نے لکھا:۔

"جماعت احمدیہ نے اپنی ہمت کے مطابق کام میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی اس کا اعتراف نہ کرنا اخلاقی بددیانتی ہوگی۔"[3]

۱۳۔ اخبار "احسان" لاہور

(۱)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ کی طرف سے شیخوپورہ میں متعینہ ۱۰ خدام چار پارٹیوں میں تقسیم ہو کر شیخوپورہ میں مختلف مضافات کلّہ رحمت خاں، نبی پورہ، ڈیرہ سیال والا، للوں کے، منڈھیالی، دین محمد کا ڈیرا، ٹھٹھا قریشی اور چنگڑوں کے محلّہ میں گئے۔ جہاں ایک ہزار افراد کو کھانا کھلایا گیا۔ دو سو افراد میں خشک اشیاء تقسیم کی گئیں ایک سو افراد کو طبّی امداد بہم پہنچائی گئی اور پچیس افراد کو پینے کے لئے پانی مہیّا کیا گیا۔ لاہور شیخوپورہ روڈ

---

[1] "پاکستان ٹائمز" ۱۹ر اکتوبر ۱۹۵۵ء۔ [2] "پاکستان ٹائمز" ۲۰ر اکتوبر ۱۹۵۵ء۔

[3] ہفت روزہ "چٹان" ۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۔

کھل جانے اور ٹریفک زیادہ ہونے کی وجہ سے دو کاریں پانی میں پھنس گئیں جنہیں خدام نے مل کر بڑی تگ و دو سے باہر نکالا[1]۔"

(۲) ۔"مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی امدادی پارٹیوں نے آج مختلف مراکز میں سیلاب زدگان کی امداد کی ایک پارٹی نے محکمہ ڈیفنس شہری کے ریسکیو آفس میں ایمرجنسی سروس کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور سارا دن ان کے ماتحت کام کرتے رہے۔ مجلس کے سلطانپورہ مراکز کے خدام کوٹ خواجہ سعید، مندر کالو رام، مڑھی شیر سنگھ اور بھگت پورہ میں پانی عبور کرتے ہوئے گئے اور تین سو افراد کو امداد بہم پہنچائی اور اس کے علاوہ کچا گوشت بھی تقسیم کیا گیا[2]۔"

۱۴۔ "ہلال پاکستان" لاہور

(۱) ۔ " لاہور ۔ ۱۶ اکتوبر۔ مجلس خدام الاحمدیہ نے اپنی امدادی سرگرمیاں اور بھی وسیع کر دی ہیں۔ آج مجلس کی ایک پارٹی سیلاب زدگان کی امداد کے لئے قصور روانہ ہو گئی۔ یہ پارٹی اپنے ساتھ ادویات، پارچات اور اشیاء خوردنی مصیبت زدگان میں تقسیم کے لئے لے گئی ہے اس کے علاوہ مجلس کی آٹھ پارٹیاں لاہور کے مختلف حصوں میں امدادی کام کرتی رہیں۔ کرشن نگر کے علاقہ میں چودھری محمد اشرف انچارج تھانہ پرانی انارکلی کی نگرانی میں ۲۱ خدام کی ایک پارٹی نے گلیوں اور سڑکوں میں صفائی کا کام کیا۔ ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان نے بھی خدام کے کام کا معائنہ کیا۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب موگا کی زیر قیادت طبّی امدادی پارٹیاں بھی مختلف علاقوں میں ادویات تقسیم کرتی رہیں۔ شاہدرہ ٹھٹھہ ابوالخیر، بیگم کوٹ اور نواحی بستیوں میں ۱۵۰ افراد کو ونین کے ٹیکے اور ۵۰۰ افراد میں ادویات تقسیم کی گئیں۔

علاوہ ازیں محکمہ ڈیفنس اینٹی ملیریا اور پولیس کی نگرانی میں خدام، ادویات کی تقسیم، شہر کی صفائی اور پارچات تقسیم کرنے میں مصروف رہے۔ امیر جماعت احمدیہ لاہور

---

[1] اخبار "احسان" لاہور ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء ۔ [2] اخبار "احسان" لاہور ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء

چودھری اسد اللہ خانصاحب نے متأثرہ علاقوں کا دَورہ کرکے خدام کو مناسب ہدایات دیں جن علاقوں میں خدام نے امدادی کام کیا ہے۔ ان میں سلطانپورہ، شاد باغ، وسن پورہ، اور احاطہ تھانیدار سنت نگر اور راج گڑھ کے علاقے شامل ہیں۔"[1]

(۲)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی امدادی پارٹیوں نے آج بھی مختلف سنٹروں میں سیلاب زدگان کی امداد کا کام جاری رکھا۔ ایک پارٹی نے محکمہ سول ڈیفنس کے ریسکیو آفس میں ایمرجنسی سروس کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور سارا دن اُن کے ماتحت کام کرتے رہے مجلس کے سلطانپورہ سنٹر کے خدام کوٹ خواجہ سعید، مندر کالو رام، مڑھی شیر سنگھ اور بھگت پورہ میں پانی کو عبور کرتے ہوئے گئے اور تین صد افراد کو طبّی امداد بہم پہنچائی اور اس کے علاوہ کچّا گوشت بھی تقسیم کیا گیا۔

شاہدرہ سنٹر کے خدام ڈھیر کروڑ، جاودا، درگاہی گل، گورنمنٹ رائس فارم کالا شاہ کاکو گئے اور تقریباً ڈیڑھ صد افراد کو کونین کے ٹیکے لگائے گئے۔ قصور کے سینٹر میں کام کرنے والے خدام قصور، بنگلہ جات، گنڈا سنگھ والا، برج نامدار والا، بازید پور، کھریپڑ اور جوڑا میں گئے اور بعض جگہ ۱۷میل تک پیدل پانی میں سفر کیا اور سیلاب زدگان تک پہنچے اور انہیں ہر قسم کی امداد پہنچائی گئی۔"[2]

(۳)۔ "لاہور ۱۸ اکتوبر۔ آج بھی مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی تین پارٹیاں مختلف جگہوں پر امدادی کام میں مصروف رہیں۔ سلطان پورہ ریلیف سینٹر سے شاد باغ، مصری شاہ، وسن پورہ، اور تاج پورہ کے علاقوں کو طبّی امداد بہم پہنچائی گئی۔

مستورات کی ایک جماعت نے شاہدرہ اور اس کے ملحقہ علاقے میں ۲۶ مستحق افراد میں پارچات اور ایک سو مریضوں میں دوائیں تقسیم کیں اس علاقہ میں خدّام کے ایک وفد نے بھی دیاسلائی اور موم بتیاں تقسیم کیں۔ ربوہ سے خدام الاحمدیہ کا ۱۷ افراد پر مشتمل ایک قافلہ آج گیارہ بجے شاہدرہ پہنچ گیا ہے۔"[3]

---

[1] "ہلال پاکستان" لاہور ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۵ء [2] "ہلال پاکستان" لاہور ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء
[3] "ہلال پاکستان" ۲۱ اکتوبر ۱۹۵۵ء۔

۱۵۔ اخبار "تسنیم" لاہور "شاہدرہ کے تمام امدادی مراکز میں سیلاب زدگان کے لئے خوراک اور ادویات کا مناسب انتظام کر دیا گیا ہے۔ سرکاری محکموں کے علاوہ متعدد تنظیموں مثلاً صوبائی میڈیکل ایسوسی ایشن کیمسٹ اینڈ ڈسپنسرز یونین، خدام الاحمدیہ نے اپنی امدادی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں۔[1]"

۱۶۔ اخبار "نوائے پاکستان" لاہور "مکرمی! ضلع سیالکوٹ میں اس وقت تک اخبارات میں جو عام اندازے نقصانات کے ظاہر کئے گئے ہیں اب جُوں جُوں شکر گڑھ اور پسرور کے بدترین سیلاب زدہ علاقوں کی آمدورفت بحال ہو رہی ہے۔ وہ اندازے حقیقی جانی و مالی نقصان کے مقابلے میں کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ ان علاقوں کے لوگوں کی ہر چیز پانی کی نذر ہو چکی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر سیاسی، مذہبی، سماجی جماعت اپنے تباہ حال بھائیوں بہنوں کی امداد کے لئے سرگرم عمل ہو۔

آج چودھری نذیر احمد باجوہ ایڈووکیٹ صدر احمدیہ ریلیف کمیٹی ایک ہزار نئے و پرانے گرم و سرد کپڑے لے کر رعیہ کے علاقہ میں تقسیم کرنے کے لئے نارووال پہنچ گئے ہیں اور شکر گڑھ میں جہاں سب سے زیادہ نقصان ہوا ہے ابھی تک کسی جماعت کی طرف سے وہاں کسی قسم کی امداد نہیں پہنچی۔ اس لئے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ شکر گڑھ میں بھاری تعداد میں گرم کپڑے بھجوانے کا فوری انتظام کیا جائے۔ دس معماروں نے ریلیف کمیٹی کو ایک ہفتہ کے لئے اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ خدا کا خوف رکھنے والوں سے اُمید کی جاتی ہے کہ وہ اپنی جانوں اور اپنی اولادوں کی جانوں کو آفات سے بچانے کے لئے اپنے ننگے بھائی بہنوں کے لئے گرم و سرد کپڑے عطا کریں گے تاکہ وہ سر پر آئی ہوئی سردی سے محفوظ رہ سکیں۔ ظہور احمد سیالکوٹ[2]"

۱۷۔ اخبار "نوائے وقت" لائل پور (۱) "لائل پور ۷ر اکتوبر مولوی محمد احمد ثاقب کی قیادت میں خدام الاحمدیہ ربوہ کا پہلا

---

[1] "تسنیم" لاہور ۲۳ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔ [2] نوائے پاکستان ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۔

امدادی وفد جو چالیس رضا کاروں پر مشتمل ہے ضلع شیخوپورہ کے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے لائل پور سے روانہ ہو رہا ہے۔ وفد میں ڈاکٹر، تیراک اور معمار ہیں۔ وفد کے قائد نے مصیبت زدگان سے اپیل کی ہے کہ خدام الاحمدیہ کے شعبہ خدمتِ خلق سے رجوع کریں[1]۔"

(۲)۔" احمدیہ ریلیف کیمپ کمالیہ نے تین سو مریضوں کو کونین کے ٹیکے لگائے اور نواحی دیہات کے کنوئیں صاف کرنے کے لئے بیس پونڈ پوٹاشیم پرمنگنیٹ صرف کی۔ تیرہ کالجئیٹ خدام نے کیمپ آفیسر چودھری محمد نواز چیمہ کو آج کمالیہ میں اپنی خدمات پیش کیں۔ اسی جماعت کے شیخوپورہ گروپ نے پانچ سو افراد کو خوراک اور دواؤں کی امداد بہم پہنچائی۔ چھ من روٹیاں، تین سو روپے کی دوائیں اور دو سو روپے کے کپڑے سیلاب زدگان میں تقسیم کئے گئے[2]۔"

(۳)۔" کمالیہ (ڈاک سے) خدام الاحمدیہ لائل پور نے اپنے مقامی امدادی کیمپ کمالیہ کے ۱۴۹ سیلاب زدگان میں ادویہ اور ۲۰ سیر بھنے ہوئے چنے تقسیم کئے[3]۔"

(۴)۔" احمدیہ ریلیف کیمپ کمالیہ کے خدام نے ۴۵ میل کی مسافت پیدل طے کی اور بوٹ کمالیہ، حمدانہ خورد، چک غلام حسین، ویروانہ، عظمت شاہ، چک قادر بخش، چک جونیاں، چک حکیم عظیم شاہ، باگوانہ، پریم ستی۔ چک ۲۴/۷ گ۔ب، چک ۱۲/۷ گ۔ب، چک ۲۵/۷ گ۔ب، کے ۵۹ کنوؤں میں دوائی ڈالی۔ لوگوں کو طبی امداد پہنچائی۔ ان دیہات میں تقریباً تین سو مکانات منہدم ہو گئے ہیں[4]۔"

(۵)۔" انجمن خدام الاحمدیہ نے کمالیہ کے علاقہ میں چک ۱۶/۷، د ۱۷/۷، ر ۱۸/۷، ر ۱۹/۷ اور ۲۰/۷ میں کنوؤں میں جراثیم کش ادویات ڈالیں۔ مریضوں کو طبی امداد بہم پہنچائی ہے اور خدمتِ خلق کے اس گروپ میں ایک کوالیفائیڈ ڈاکٹر اور سینیٹری انسپکٹر کو

---

[1] نوائے وقت لائل پور ۹ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ ۔ [2] نوائے وقت لائل پور ۱۷ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶
[3] نوائے وقت لائل پور ۱۸ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶ ۔ [4] نوائے وقت لائل پور ۱۹ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶

شامل کر دیا ہے۔ کمالیہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ، شورکوٹ اور جڑانوالہ کے معزز معاونین نے سیلاب زدگان کو خوراک، ادویات اور کپڑوں کی امداد دی۔"[1]

۱۸۔ اخبار "خدمت" منٹگمری

"جماعت احمدیہ کا کیمپ"

"اوکاڑہ اور دیپالپور کے درمیان اوکاڑہ سے ۹ میل کے فاصلے پر جماعت احمدیہ نے چک نمبر ۵ کے مقام پر ایک کیمپ کھولا ہے۔ جس کی افادیت اس لئے بھی اہمیت رکھتی ہے کہ کیمپ سیلاب زدہ علاقے کے بالکل کنارے پر ہے۔ یہاں گذشتہ آٹھ روز میں کافی آدمیوں کو امداد پہنچائی گئی ہے۔ طبی امداد کے سلسلہ میں ڈاکٹروں نے ساڑھے تیرہ سو افراد کا اب تک علاج کیا ہے۔ اُن کو مکمل امداد اور دوائی مہیا کی۔

خدام الاحمدیہ کے رضا کار بھی سید عزیز احمد صاحب اور ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب کی معیت میں مفلوک الحال لوگوں کی ادویات اور دال چاول کے علاوہ پارچات سے بھی امداد میں مصروف ہیں۔"[2]

۱۹۔ اخبار "کوہستان" راولپنڈی

"سیالکوٹ ۱۵ر اکتوبر (نامہ نگار) ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے ضلع میں سیلاب سے نقصانات کا اندازہ لگانے کے لئے ۱۷ امدادی مرکز قائم کئے ہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ اپیل کی ہے کہ لوگ سیلاب زدگان کی امداد کے لئے دوائیاں، گرم اور سرد کپڑے اور لحاف جمع کریں۔ ادھر احمدیہ ریلیف کمیٹی نے تین سو گرم کپڑے اور دوائیاں ڈپٹی کمشنر کے حوالے کی ہیں اور اس بات کی اجازت حاصل کر لی ہے کہ کمیٹی یہ اشیاء خود سیلاب زدہ لوگوں میں تقسیم کرے گی۔"[3]

---

[1] "نوائے وقت" لائل پور ۲۰ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔ [2] اخبار "خدمت" منٹگمری ۲ر نومبر ۱۹۵۵ء و اخبار "نوائے وقت" لاہور ۲ر نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵ و اخبار "نوائے وقت" لاہور ۶ر نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲
[3] اخبار "کوہستان" راولپنڈی ۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔

۲۰۔ اخبار "تعمیر" راولپنڈی

"مجلس خدام الاحمدیہ راولپنڈی کی طرف سے سیلاب زدگان کی امداد۔

"راولپنڈی ۸ ر نومبر۔ مجلس خدام الاحمدیہ راولپنڈی نے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے ایک ڈاکٹر کو دس روزہ دورہ کے لئے ضلع شیخوپورہ میں بھجوایا ہے۔ ان کے ہمراہ ضروری ادویات۔ سوا چار سو کپڑے جن میں کمبل، گرم کوٹ اور لحاف وغیرہ اور دیگر استعمال کی اشیاء ہیں بھجوائی گئی ہیں۔ ان کے دورہ کے اختتام پر دوسرے ڈاکٹر کو مزید سامان کے ساتھ بھجوایا جائے گا۔"[۱]

۲۱۔ اخبار "مارننگ نیوز" کراچی

(۱)۔ مجلس خدام الاحمدیہ کراچی نے اپنی مرکزی تنظیم کو جو سیلاب زدہ علاقوں میں ریلیف کا کام کر رہی ہے۔ ریلیف کا کام جاری رکھنے کے لئے ایک ہزار روپے کی رقم ارسال کی ہے۔ یہ رقم پہلی قسط کے طور پر بھجوائی گئی ہے مزید اقساط دو تین دن کے اندر اندر بھجوائی جائیں گی مصیبت زدگان سیلاب میں تقسیم کرنے کے لئے مجلس نے کپڑے بھی جمع کئے ہیں۔ مجلس کا ایک عہدے دار کل اس علاقے کے دورے پر روانہ ہو گیا ہے جسے سیلاب سے شدید نقصان پہنچا ہے۔ دورے سے واپس آنے کے بعد وہ رپورٹ پیش کرے گا کہ مجلس کو کس قسم کی امداد بہم پہنچانی چاہیئے۔"[۲]

(۲)۔" احمدیہ نوجوانوں کی سماجی تنظیم مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کے قائد مرزا عبدالرحیم بیگ نے گورنر جنرل پاکستان میجر جنرل سکندر مرزا گورنر مغربی پاکستان مسٹر مشتاق احمد گورمانی، مغربی پاکستان کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خانصاحب اور ریلیف کمشنر مسٹر آئی۔ یو۔ خان کی خدمت میں حسب ذیل تار ارسال کیا ہے:۔

"سیلاب کی تباہ کاریوں کے باعث جو نقصان ہوا ہے مجلس خدام الاحمدیہ کراچی اس پر انتہائی افسوس کا اظہار کرتی ہے اور ان لوگوں سے جو سیلاب کا شکار ہوئے

---

[۱] اخبار "تعمیر" راولپنڈی ۱۰ ر نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ [۲] "مارننگ نیوز" کراچی ۲۵ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء

ہیں، پوری ہمدردی رکھتی ہے۔ مجلس کراچی نے اپنی مرکزی تنظیم کو جو سیلاب زدہ علاقوں میں امدادی کام کر رہی ہے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے ایک ہزار روپے کی پہلی قسط روانہ کی ہے۔"[۱] (ترجمہ)

۲۲۔ اخبار "جنگ" کراچی

"کراچی ۔ ۲۵ر اکتوبر (ای پی پی) مجلس خدام احمدیہ کراچی نے مغربی پاکستان کے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے اپنی مرکزی جماعت کو ایک ہزار روپیہ ارسال کیا ہے۔ مجلس نے متأثرہ لوگوں میں تقسیم کے لئے کپڑے بھی جمع کئے ہیں۔ مجلس کا ایک خاص نمائندہ سیلاب زدہ علاقوں کا دورہ کرنے کے لئے روانہ ہوگیا جو واپس آکر اپنی رپورٹ پیش کرے گا۔ بتایا گیا ہے کہ مجلس مذکور کی شاخیں سارے مغربی پاکستان میں سیلاب زدگان کی امداد کا کام کر رہی ہیں۔"[۲]

۲۳۔ اخبار "نئی روشنی" کراچی

"کراچی ۱۴ر اکتوبر۔ مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کا ایک وفد جو دو ممبروں پر مشتمل تھا۔ پرسوں شام ناظم خدمتِ خلق مرزا محمد اکرم کی قیادت میں سیلاب زدہ علاقوں میں کپڑے اور دوائیں تقسیم کرنے کے لئے جناب ایکسپریس کے ذریعہ روانہ ہوگیا۔ وفد اپنے ساتھ ایک ہزار کپڑے جن میں قمیص، کوٹ، پتلون، کمبل اور سوئٹیر وغیرہ شامل ہیں اور دو ہزار پیلوڈرین کی گولیاں اور تین ہزار سلفامیزاتھین کی گولیاں، ایسپرین اور کونین انجکشن لے کر گیا ہے مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کی طرف سے کپڑوں اور دواؤں کی یہ پہلی قسط ہے جو سیلاب زدہ علاقوں کو روانہ کی گئی ہے۔ مجلس کے رضا کار اپنے قائد مرزا عبدالرحیم بیگ کی قیادت میں کپڑے اور دوائیں جمع کرنے کے کام میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ مجلس کراچی نے اپنی مہم مرکزی ہیڈ کوارٹر ربوہ کی اس اپیل کے بعد کہ وہ مجالس جو حالیہ سیلاب سے متأثر نہیں ہوئیں سیلاب زدگان کے لئے زیادہ سے زیادہ امداد روانہ کریں، تیز کردی گئی ہے۔ یہ امر

---

[۱] "مارننگ نیوز" کراچی ۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۵ء ایضاً "امروز" کراچی ۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۵ء

[۲] "جنگ" کراچی ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۵ء ایضاً "ٹائمز آف کراچی" ۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۵ء۔

قابلِ ذکر ہے کہ مجلس خدام الاحمدیہ کراچی اس سے قبل ایک ہزار روپے کی قسط روانہ کر چکی ہے۔ ؎

۲۴۔ اخبار "قلندر" پشاور

"(نامہ نگار) گذشتہ ماہ میں پانچ اکتوبر کو اتفاق سے لاہور چلا گیا اور ۶ ۷ اکتوبر کو سیلاب آگیا۔ میں بھی کئی دِنوں تک وہاں رُکا رہا حتّٰی کہ تمام راستے ریل اور لاریوں کے بالکل بند ہو گئے۔ لاہور سے جو روزنامے اخبار نکلتے ہیں لاہور تک ہی محدود تھے اور سیلاب کی خبریں سرکاری یا کچھ سُنی سُنائی نہیں جو سخت خطرناک تھیں۔ ایک روزنامے کے دفتر میں یہ بھی دیکھا کرتا تھا کہ بعض جماعتوں کے پروپیگنڈا سیکرٹری یا بعض لوگ بذاتِ خود تشریف لائے کہ ہماری جماعت نے سیلاب زدگان لوگوں کے لئے یہ کیا وہ کیا۔ اپنے نام کا مراسلہ بنا کر دے جاتے۔ اگر اخبار میں دوسرے دن اِن کا مراسلہ نہ ہوتا تو وہ صُبح سویرے ہی لڑائی کرنے دفتر تشریف لاتے کہ میں کل فلاں خبر دے گیا تھا وہ نہیں چھپی۔ اور جماعتوں کی طرف سے ٹیلیفون آتے۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہوتا کہ یہ لوگ خدا سے کچھ خوف نہیں کر رہے بلکہ نام اور بعد میں انعام کے لئے سارا دھندا کر رہے ہیں۔

تقریبًا پندرہ دن کے بعد کچھ راستہ بنا تحقیق سے پتہ چلا یہ راستہ بذریعہ لاری لاہور سے شیخوپورہ اور وہاں سے گوجرانوالہ ہے۔ وہاں سے پشاور کے لئے گاڑی ملے گی یا لاہور سے اسی راستہ پر سرگودہا اور وہاں سے چناب ایکسپریس رات کو ملے گی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ سرگودہا کے راستے ہی جاؤں گا۔ مبادا گوجرانوالہ سے پشاور کے لئے سیدھی گاڑی نہ ملے۔ چنانچہ میں سرگودہا کا ٹکٹ لے کر لاری پر کراؤن بس کے اڈے سے سوار ہو گیا۔ ۱۲ بجے شیخوپورہ پہنچا۔ وَن وے ٹریفک تھا۔ اور سڑک پر ہزاروں مخلوقِ خدا بے یار و مددگار پڑی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف پانی ہی پانی میلوں تک نظر آرہا تھا۔ نصف راستہ طے کر لیا تو سڑک کے کنارے ایک رضاکاروں کا کیمپ لگا تھا۔ رضاکار

؎ "نئی روشنی" کراچی ۳۱ اکتوبر ۱۹۵۵ء نیز "پاکستان سٹینڈرڈ" کراچی ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۵ء۔

کیمپ سے نکل کر دیوانہ وار اس سمندر کو چیر کر چار چار پانچ پانچ فٹ پانی میں، سروں پر کھانے کا سامان، دوائیاں، کپڑے لے کر سیلاب سے تہ تیغ دیہاتیوں کی طرف بے خوف وخطر جا رہے تھے۔ کیمپ کا بورڈ میں نے غور سے پڑھا "رضا کارانِ انجمن احمدیہ ربوہ"۔ میرا دل غصّہ سے تلملا اُٹھا یہ کیا غضب ہے کیا اندھیر نگری ہے یہ لوگ ہماری نظر میں خارج از اسلام ہی سہی مگر اس وقت یہ میرے خیال میں سب سے زیادہ خدمت کر رہے ہیں مگر پندرہ دن سے کسی اخبار نے یہ لکھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی مجھے یہ خیال پیدا ہوا تو میں نے ایک فرشتہ صورت باریش سے پوچھا۔ صاحب یہ ربوہ کہاں ہے؟ انہوں نے فرمایا یہ کافروں کی بستی چنیوٹ کے دریا کے اس پار آئے گی مگر میرا ان لوگوں سے اختلاف ہے لیکن مجھے شوق پیدا ہوا یہ کافروں کی بستی ضرور دیکھوں گا۔ میں نے اس باریش کو کریدنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مولوی صاحب ہیں اور کٹّر احماری ہوا کرتے تھے میں نے سوال کیا اجی آجکل وہ جماعتِ احرار کہاں ہے انہوں نے فرمایا خدا کی مرضی وہ آجکل دُنیا میں نہیں اور اس کے لیڈر تحریکِ ختم نبوّت کے بعد جہاں سینگ سمائے موت کے دن پورے کر رہے ہیں۔ میں نے ایک سوال اور کیا اجی مولوی صاحب اگر ربوہ دیکھنا ہو تو۔ انہوں نے فرمایا بابا کیا دیکھوگے۔ ان کا خلیفۃ المسیح جب سے اس پر حملہ ہوا ہے باہر نہیں نکلتا اور اگر وہاں کسی کو پتہ چل جائے کہ تم مسلمان ہو تو مشکل بن جائے گی۔ یہ پُر اسرار باتیں سُن سُن کر میرا ارادہ پکّا ہو گیا خواہ کچھ ہی ہو یہ کافروں کی بستی ضرور دیکھوں گا۔ چنیوٹ کے اڈے سے لاری آگے جو ہوئی دریائے چناب کا پل آگیا وہ راوی والی لہر بہر پانی کی نہ تھی۔ معمولی پانی تھا جیسے ایک ندی ہے دریا نہیں۔ میں نے عنوان اپنے مضمون کے لئے دل میں قائم کر لیا۔ (کافروں کی بستی ندی کنارے) پار کر کے تھوڑی دیر بعد ربوہ کی آبادی آنی شروع ہو گئی۔ میں نے کلینر کو عرض کیا مجھے ربوہ اُترنا ہے گو میرا ٹکٹ سرگودہا کا تھا میرے کہنے پر لاری سے سامان اتارا۔ اس لاری سے میں اکیلا ہی اُترا۔ وہاں دو۲ تین۳ آدمی معزز موجود تھے غالباً دُوسری طرف جانے کے لئے بس کے انتظار میں تھے انہوں نے مجھ

سے دریافت کیا مولوی صاحب کہاں جانا ہے؟ کیا آپ احمدی ہیں؟ مَیں نے برجستہ جواب دیا۔جانا تو بھائی پشاور ہے اور احمدی بھی نہیں یہاں صرف کافروں کی بستی دیکھنے اُتر کھڑا ہُوا ہوں کیا اس بستی میں کوئی دکان ہے جہاں رات بسر کر سکوں اور کیا یہاں سامان اُٹھانے کے لئے مزدور نہیں ہوتے وہ میرے سامان پر جھپٹ پڑے ہم آپ کے مزدور ہیں۔سامان اُٹھا لیا اور چل پڑے تھوڑی دُور جا کر ایک احاطہ کے اندر ایک کمرہ میں میرا سامان رکھ دیا۔ وہاں کے انچارج کو بُلا کر اطلاع دی - یہ مہمان ہیں۔ انہوں نے دو آدمی بلائے جنہوں نے ایک چارپائی پر میرا بستر کھول کر لگا دیا کرسیاں میز درُست کر کے منٹوں کے اندر پُر تکلف چائے لا کر پیش کر دی۔بس سے سامان لانے والے معزز مزدور جا چکے تھے۔ یہ قیافہ درست نکلا انہوں نے دُوسری طرف سے آنے والی بس پر جانا تھا۔پہلی بسم اللہ سے میرے دل پر جانے والوں کی اس حرکت کا گہرا اثر ہُوا چائے کے ساتھ مَیں نے منتظم صاحب کو اپنا کترم کترم شروع کر دیا۔جناب یہ تو فرمایئے سُنا ہے مدّت سے ہیڈ آف دی احمدیہ یعنی حضرت میرزا بشیرالدین صاحب محمود خلیفۃ المسیح الثانی کو کسی نے نہیں دیکھا انہوں نے جواب دیا غلط ہے آپ ابھی ایک منٹ کے اندر اُن کو مل سکتے ہیں۔مَیں چائے آدھی تیتر آدھی بٹیر کر کے ان کے ساتھ ہو لیا۔حضرت مسجد میں تشریف فرما تھے۔سینکڑوں آدمی ارد گرد بیٹھے تھے قابلِ عمل نصیحتیں کی جا رہی تھیں سب سے زیادہ مسئلہ سیلاب کے مصیبت زدوں کو ہر قسم کا آرام، کھانا، سردی سے بچانا، دوائیاں پہنچانا تھا، یہ گفتگو سُن کر مَیں بہت متأثر ہُوا۔ مَیں صرف علیک سلیک کر کے بیٹھ گیا تھا میرا خاص مقصد کوئی تھا ہی نہیں مَیں دُور تھا ایک غیر مُلکی آدمی غالبًا کوئی جرمن تھا زیادہ توجہ اس طرف تھی حق بھی یہی تھا کیونکہ ہزاروں میل سفر کر کے آیا ہُوا تھا۔تھوڑی دیر بعد شام سے کچھ ہی پہلے وہ تشریف لے گئے اور مَیں اپنی قیام گاہ پر آ گیا وہاں ہی نماز ادا کی اور ساتھ لائی ہوئی اخباروں کو پڑھتے پڑھتے نماز عشاء ادا کر کے سو گیا۔صُبح سویرے اُٹھا خود بخود باہر نکل گیا۔ اندھیرا ہی تھا۔بستی سے پہاڑ کے دامن تک پہنچ گیا۔ دامن کے ساتھ چلتے چلتے

اسی ندی کے کنارے پہنچا۔ رفع حاجت کے بعد نماز ادا کی۔ اتنے میں آفتاب نے آنکھ دکھائی واپس آبادی کے بیچ و بیچ معلومات حاصل کرتا یہ مکان کیلئے زمین کون دیتا ہے کس نرخ پر ملتی ہے لب لباب میری تحقیقات کا یہ نکلا کہ ایک پُورے نظام کے ماتحت یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ مَیں اپنی آرام گاہ پر پہنچا وہاں میری انتظار چائے کے لئے تھی۔ چائے سے فارغ ہُوا کپڑے بدلے اور منتظم کو عرض کیا کہ مَیں جماعت کے دفتروں کو دیکھ سکتا ہوں انہوں نے جواب دیا کیوں نہیں ان کے ساتھ ہو لیا دفتر کیا تھے ایک سیکرٹریٹ جیسے چند دن پہلے یہاں صوبہ سرحد کا سیکرٹریٹ تھا۔ مَیں ایک ایک دفتر میں گیا اور دیکھا بابو لوگ اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ اس سارے سیکرٹریٹ کے انچارج مرزا عزیز احمد ہیں جو ڈپٹی کمشنر ریٹائرڈ ہیں۔ پھر پھرا کر مجھے امور عامہ کے دفتر لے جایا گیا۔ مَیں نے دروازہ پر بورڈ پڑھا۔ اندر جاتے پر مجھے کُرسی پیش کر دی گئی۔ مَیں بیٹھ گیا پانچ منٹ کے بعد میرے لئے چائے آ گئی۔ مَیں نے عرض کی چائے سے فارغ ہو کر آیا ہوں۔ دفتر میں بیٹھے ہوئے صاحب بڑی دھیمی آواز میں فرمانے لگے اجی آج کل چائے تو ایک فیشن ہے آجکل چائے تکلیف نہیں دیتی نوش فرمایئے ایک دو بزرگوں کو انہوں نے آواز دی کہ تشریف لا کر میرے ساتھ چائے میں شریک ہو جائیں۔ چائے کے ساتھ ساتھ مَیں نے دریافت کیا۔ کیا آپ اس دفتر کے انچارج ہیں انہوں نے جواب دیا اس دفتر کے انچارج مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم اے ہیں جو سیلاب زدہ لوگوں کی امداد کو بذاتِ خود دیکھنے گئے ہوئے ہیں مَیں اُن کا اسسٹنٹ ہوں میرا نام خادم حسین ہے اور مَیں صوبہ سرحد میں کافی عرصہ گذار کر اَب ملازمت سے فارغ ہو کر یہاں آیا ہوں۔

...... مجھے بعد میں معلوم ہُوا کہ یہاں رسال پور میں کسی اچھے عہدے پر تھے اور یہی وجہ ہے کہ دفتر کا انتظام خاطر خواہ ہے۔ یہ تجربہ کار لوگ ہیں۔ مَیں نے سیلاب کے لئے جو کچھ یہاں ہو رہا ہے پوچھا۔ انہوں نے مجھے سٹال دکھایا کپڑوں اور رضائیوں کے انبار لگے ہوئے تھے جو ہیڈ آف جماعت احمدیہ کی آواز پر ان کے معتقد خود بخود لا رہے

ہیں۔ مَیں اس کام کی رفتار دیکھ کر بہت خوش ہُوا انہوں نے مجھ سے یہاں آنے کی وجہ دریافت فرمائی یا کوئی اور خدمت ہو تو مَیں نے عرض کی کہ میرا کچھ مقصد نہیں صرف سیر اور یہاں کے حالات کا جائزہ لینے۔ مجھ سے بہتیرا دریافت کیا گیا مَیں کیا کام کرتا ہوں مَیں نے صرف اتنا جواب دیا مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتا ہوں۔ پشاور رہتا ہوں اور مَیں بھلا مَیں کب پکڑائی دینے والا تھا۔

یہاں ایک بات ضرور عرض کرنے کے قابل ہے سب لوگ کافر بڑے سے بڑا چھوٹے سے چھوٹا، امیر ہو یا غریب نماز پُوری پابندی سے ادا کرتے تھے۔ حُقّہ یا سگریٹ مجھے وہاں کوئی پیتا نظر نہیں آیا۔ دفتر میں آکر بڑی خندہ پیشانی سے مجھے خود آکر مرزا عزیز احمد صاحب بھی ملے۔ مَیں نے اجازت چاہی خادم حسین صاحب نے فرمایا کب تک ہمیں یہاں آپ کی خدمت کا وقت ملے گا مَیں نے جواب دیا بس صاحب ابھی چند منٹ کے بعد جانے والا ہوں مَیں واپس آرام گاہ پہنچا۔ سامان درست کیا اور آدمیوں نے میرا سامان اٹھایا اور مجھے سرگودہا جانے والی بس پر سوار کر دیا۔ مَیں خاموش بَس کے اندر، اور رات گاڑی پر یہی سوچتا رہا یہ اچھے کافر ہیں نماز کے پابند اچھے اخلاق کے مالک اچھی طرح ایک نظام کے ماتحت خدمتِ خلق کا جذبہ موجود ہے[1]۔"

خلاصہ الغرض ۱۹۵۵ء میں برصغیر پاک و ہند کے احمدیوں نے اپنے اہلِ وطن کی ایسی مثالی رفاہی خدمات انجام دیں کہ مُلکی پریس نے بلا امتیاز مذہب و ملّت وطن عزیز کی اس خادم جماعت کو زبردست خراجِ تحسین ادا کیا۔

---

[1] اخبار "قلندر" پشاور ۲۶ نومبر ۱۹۵۵ء بحوالہ الفضل جلسہ سالانہ ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۹ ۲۰ ۔

فصل پنجم

صنعت و حرفت کی ترویج کیلئے خصوصی تحریک

حضرت مصلح موعودؓ کا یہ عظیم الشان کارنامہ ہمیشہ سُنہری حروف سے لکھا جائے گا کہ حضور مسلمانانِ ہند خصوصاً جماعت احمدیہ میں صنعت و حرفت کے فروغ اور ترقی کے لئے ہمیشہ جدوجہد فرماتے رہے۔ متحدہ ہندوستان کے دَور میں آپ نے قادیان میں تحریکِ جدید کے زیرِ انتظام لوہے، لکڑی اور چمڑے کے کارخانے جاری کرائے۔ اس کے علاوہ مختلف احمدی صنّاعوں کی کوشش سے شیشہ سازی اور دُوسری اشیاء کے متعدد کارخانے شروع ہوئے۔ مثلاً سٹار ہوزری جس کے ذریعہ ایک ہزار کے قریب افراد کو روزگار میسّر آیا اور متعدد گھروں میں مشینیں نصب ہوئیں۔ اس کارخانہ نے مکرم بابو اکبر علی صاحب جیسے لائق اور قابل انسان کے ہاتھ میں بہت ترقی کی۔ قادیان کا مشہور کارخانہ میک ورکس تھا جس کی وجہ سے قادیان کی صنعتی شہرت دُور دُور کے شہروں تک پھیل گئی تھی۔ اس کے علاوہ اکبر علی اینڈ سنز جنرل سروس احمد برادرز، پیر ورکس، مکینیکل انڈسٹریز، آئرن سٹیل میٹل وغیرہ کارخانے لوہے کا کام کرتے تھے۔ جگہ جگہ بھٹیاں چل رہی تھیں۔ لوہا پگھل رہا تھا اور مختلف اشیاء ڈھل رہی تھیں۔ کہیں آٹا پیسنے کی مشینیں نصب تھیں۔ کہیں روئی دُھننے کی کلیں اور کہیں لکڑی چیرنے کی مشینیں چل رہی تھیں۔ موسم گرما میں متعدد سوڈا واٹر فیکٹریاں کام کرتی تھیں۔ عطریات کے لئے پرفیومری کا کارخانہ تھا۔ ایک کارخانہ شیشے کا بھی تھا۔ غرض قادیان کی مقدس بستی رُوحانی اور تعلیمی اعتبار ہی سے نہیں صنعتی طور پر بھی مُلک کا ایک مشہور مرکز بن چکی تھی۔[1]

---

[1] مرکز احمدیت قادیان صفحہ ۱۷۱، ۱۷۲ از شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم۔

اور یہ صنعتی سرگرمیاں حضرت مُصلح موعودؓ کی خصوصی توجہ، شوق اور سرپرستی کی رہینِ منّت تھیں۔ اس سلسلہ میں حضور کے دِلی جذبات کیا تھے؟ اس کا کسی قدر اندازہ حضور کی مندرجہ ذیل تقریر سے بخُوبی عیاں ہے جو حضور نے مجلس مشاورت ۱۹۳۶ء کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

"مَیں نہیں جانتا کہ دُوسرے دوستوں کا کیا حال ہے۔ لیکن مَیں تو جب ریل گاڑی میں بیٹھتا ہوں۔ میرے دل میں حرکت ہوتی ہے کہ کاش یہ ریل گاڑی احمدیوں کی بنائی ہوئی ہو اور اس کی کمپنی کے وہ مالک ہوں۔ اور جب مَیں جہاز میں بیٹھتا ہوں تو کہتا ہوں کاش یہ جہاز احمدیوں کے بنائے ہوئے ہوں۔ اور وہ ان کمپنیوں کے مالک ہوں۔ مَیں پچھلے دنوں کراچی گیا۔ تو اپنے دوستوں سے کہا۔ کاش کوئی دوست جہاز نہیں تو کشتی بنا کر ہی سمندر میں چلانے لگے۔ اور میری یہ حسرت پُوری کر دے۔ اور مَیں اس میں بیٹھ کر کہہ سکوں کہ آزاد سمندر میں یہ احمدیوں کی کشتی پھر رہی ہے۔ دوستوں سے مَیں نے یہ بھی کہا۔ کاش کوئی دس گز کا ہی جزیرہ ہو جس میں احمدی ہی احمدی ہوں اور ہم کہہ سکیں کہ یہ احمدیوں کا مُلک ہے کہ بڑے کاموں کی ابتدا چھوٹی ہی چیزوں سے ہوتی ہے۔

یہ ہیں میرے ارادے۔ اور یہ ہیں میری تمنّائیں۔ ان کو پُورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم کام شروع کریں۔ مگر یہ کام ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ ان جذبات کی لہریں ہر ایک احمدی کے دل میں پیدا نہ ہوں اور اس کے لئے جس قربانی کی ضرورت ہے وہ نہ کی جائے۔ دُنیا چونکہ صنعت و حرفت میں بہت ترقی کر چکی ہے اس لئے احمدی جو اشیاء اَب بنائیں گے وہ شروع میں مہنگی پڑیں گی۔ مگر باوجود اس کے جماعت کا فرض ہے کہ انہیں خریدے[1]"۔

۱۹۴۷ء میں مُلک کے بٹوارا کے بعد یہ کارخانے قادیان میں رہ گئے۔ لیکن اس کے

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت منعقدہ ۱۰، ۱۱، ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۲۹، ۱۳۰۔

باوجود قادیان اور مشرقی پنجاب کے احمدی صنّاعوں نے ہمّت نہیں ہاری اور بدلے ہوئے حالات میں پاکستان میں پہنچ کر ملک و قوم اور جماعت کی خدمت کے لئے پھر سے اپنی صنعتی سرگرمیاں شروع کردیں۔ جہاں تک جماعت کے نئے مرکز ربوہ کا تعلّق ہے اس نئی بستی میں بھی ایک محدود پیمانے پر صنعت و حرفت کے کاموں کی داغ بیل ڈالی گئی۔ مگر ان پر صدر انجمن احمدیہ پاکستان کا کنٹرول تھا۔ لیکن اس سال سیّدنا حضرت مصلح موعود نے سفر یورپ سے واپسی کے بعد مخلص احمدی صنّاعوں کو تحریک فرمائی کہ وہ یہاں اپنے کارخانے جاری کرنے کے لئے صدر انجمن احمدیہ سے رابطہ قائم کریں انہیں مناسب سہولتیں مہیّا کی جائیں گی۔ یہ تحریک حسب ذیل الفاظ میں تھی:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

ھُوَ النّــــــــــاصِرُ

ربوہ میں صنعتوں وغیرہ کے متعلّق پہلے یہ طریق تھا کہ صدر انجمن احمدیہ کوشش کرتی تھی کہ ان کو اپنے ہاتھ میں رکھے۔ لیکن اب اگر مخلص احمدی صنّاع یہاں کوئی صنعت شروع کرنا چاہیں تو ان کو اس کی اجازت دی جائے گی بشرطیکہ وہ اپنی صنعت میں نیک آدمی بطور لیبر لگائیں جو فسادی اور شرارتی نہ ہوں۔

اس سلسلہ میں صدر انجمن احمدیہ مناسب سہولتیں بھی بہم پہنچائے گی مثلاً کارخانہ کی عمارت وغیرہ کے لئے زمین ربوہ کی قیمتوں کے لحاظ سے نسبتاً سستے داموں دے گی۔ خواہش مند احباب جلد درخواستیں بھجوائیں بلکہ مخلص احباب کا فرض ہے کہ وہ اس طرف فوری توجہ کریں تاکہ ربوہ کی آبادی کی صورت پیدا ہو خصوصاً کپڑا بُننے والے لوگ اور مستری جو لیتھوں (LATHE) وغیرہ کا کام کرتے ہیں جلد توجہ کریں یہ ثواب کا ثواب ہے اور فائدہ کا فائدہ۔ قادیان میں جن لوگوں نے کارخانے جاری کئے تھے خدا تعالیٰ کے فضل سے انہوں نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا تھا۔ مرزا محمود احمد

۱۹ - ۱۰ - ۱۹۵۵ء"[1]

---

[1] اصل تحریر "شعبہ تاریخ احمدیت" ربوہ میں محفوظ ہے۔

حضور کی یہ تحریک پہلی بار الفضل مورخہ ۲۱؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء (۲۱؍اخاء ۱۳۳۴ہش) صفحہ ۵ پر شائع ہوئی۔ الفاظ مبارک حضور پُر نُور ہی کے تھے مگر اعلان "قائم مقام ناظر امور عامہ" کی طرف سے تھا۔

نوجوانانِ احمدیت کو عبادت کی خصوصی تحریک

حضرت مصلح موعودؓ نے اوائل نومبر ۱۹۵۵ء میں نوجوانانِ احمدیت کو یہ تحریک فرمائی کہ:-

"وہ تقویٰ اور عبادت پر خاص زور دیں اور اتنی عبادت کریں کہ آسمان کے دروازے ان پر کھل جائیں اور ان پر الہام نازل ہونا شروع ہو جائے"[1]

حضور کی علالت کے باعث مخلصینِ جماعت کے قلوب میں ذکرِ الٰہی سے ایک خاص شغف پیدا ہو چکا تھا۔ دُعاؤں کے اس ماحول میں اس تحریک نے نوجوانوں پر حیرت انگیز اثر ڈالا اور ان پر کشوف و الہام کے دروازے کُھل گئے جس کا ذکر حضور نے یکم جون ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں بھی فرمایا۔ (اس خطبہ کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔)

صیغہ زود نویسی کو اپنی ذمہ داری پر خطباتِ امام شائع کرنے کی اجازت

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے مبارک خطبات ہمیشہ حضور کے ملاحظہ، نظرِ ثانی اور اجازت کے بعد سپردِ اشاعت کئے جاتے تھے۔ مگر اس سال کی آخری سہ ماہی میں حضور نے اپنی ناسازی طبع کے باعث صیغہ زود نویسی کو اپنی ذمّہ داری پر اپنے خطبات و تقاریر کو شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس اجازت کے بعد صیغہ کی طرف سے پہلا خُطبہ جُمعہ الفضل ۱۶؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں شائع ہُوا جو حضور نے ۱۶؍ ستمبر ۱۹۵۵ء کو احمدیہ ہال کراچی میں ارشاد فرمایا جو وقف زندگی کی عظیم الشّان تحریک سے متعلق اور نہایت درجہ اہمیّت کا حامل تھا۔ یہ خُطبہ

---

[1] الفضل ۱۷؍ نومبر ۱۹۵۵ء (۱۷؍ ماہ نبوّت ۱۳۳۴ہش) صفحہ ۲۔ یہ تحریک حضور نے اپنے سفر لاہور (۵ تا ۱۰؍ نومبر ۱۹۵۵ء) کے دوران فرمائی تھی۔

مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر مولوی فاضل انچارج شعبہ زود نویسی نے اپنی گذشتہ روایات کے مطابق پوری احتیاط سے قلم بند کیا تھا۔

فصل ششم

امریکہ میں نظام "الوصیت" کے نفاذ کی پُرزور تحریک

حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۹۵۵ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے احمدیوں کے نام انگریزی میں ایک اہم پیغام ارسال فرمایا جس میں حضور نے نظامِ وصیت کے عظیم الشان مقصد پر روشنی ڈالی اور اسے امریکہ میں بھی جاری کرنے کی پُرزور تحریک فرمائی۔ اس پیغام کا متن معہ ترجمہ درج ذیل ہے:۔

My dear brethern of America!

As you must all be aware the Promised Messiah (on whom be peace) published his testamentary directions in the document which is known as Al-Wasiyyat two years before his death. This is a document of great importance and must be carefully studied by every Ahmadi. I trust all of you have carefully read its English translation. If the English translation is not readily available to you I request Brother Khalil Ahmad Nasir to translate Al-Wasiyyat into English with such assistance from his colleagues as he may need and to distribute it to all of you as soon as may be. I hope that each of you on studying this document will be inspired with the eager desire to participate in the grand scheme set out therein which is so vital for the advancement of Islam and humanity.

When you study this document you will find that the scheme set out in it requires each member of the Movement who wishes to join it to bequeath in favour of the Central Ahmadiyya Association one tenth of his property or an amount in cash corresponding to one tenth of the value of his property or if he owns no substantial

property that he should contribute in his lifetime one tenth of his weekly or monthly income to the Central Ahmadiyya Association for the propagation of Islam and for the promotion of human welfare. It is necessary that the document bequeathing the property or setting out the promise in respect of these contributions should make it clear that the bequest or contributions as the case may be are free from all conditions and limitations and that the donor or his heirs or executors will in no circumstances question the disposal or disbursement of the property or the income by the Central Ahmadiyya Association or by any other authority which may be set up for carrying out the purposes and objectives of the scheme.

Once you have studied the whole document carefully you will fully grasp its grand purpose and objective but I also request Brother Khalil Ahmad Nasir that he should arrange that the purpose and objective of Al-Wasiyyat should be explained to you by representatives of the Movement in detail at your respective centres. In compliance with the spirit of Al-Wasiyyat the Ahmadiyya Association of the United States of America will arrange for the purchase as early as may be of a suitable plot of land in some central locality which may be dedicated as a place of burial for those who make their wills in compliance with the conditions set out in Al-Wasiyyat and the rules promulgated from time to time by the Head of the Movement and the Central Ahmadiyya Association and Tahrik-i-Jadid. I am convinced that once this project is put into effect in the States, it will quickly gather force and thousands of your countrymen may even millions will in due course join this scheme and thus swell the numbers of those who shall continuously devote their efforts and substantial portions of their incomes and properties to the objects mentioned in Al-Wasiyyat.

As the number of such sincere and devoted Ahmadis increases it may become necessary to establish similar burial places in different parts of the country and this shall be done from time to time as necessity shall require.

The income derived from the property so bequeathed or from the sale thereof and from the contributions made in this behalf shall be disbursed as follows:-

(a) One half shall be remitted to the Central Ahmadiyya Association for the maintenance of Central institutions and for the propagation of Islam throughout the world including the United States of America where for a long time to come workers specially trained at the Centre will continue to be needed. The two central institutions responsible for carrying on the work of propagation of Islam are the Central Ahmadiyya Association and the Tahrik-i-Jadid.

The funds to be devoted out of the said income remitted to the Centre for the propagation of Islam in various parts of the world will be divided between these two institutions in accordance with such instructions as may from time to time be laid down by the Head of the Movement.

(b) Of the remaining one half, three quarters will be devoted to the propagation of Islam in the States and one quarter shall be devoted to the promotion of the welfare of the poorer and more backward of our brethren wherever they may be, preference being given to making provision for their Education and training.

As soon as I receive intimation through the representatives of the Movement among you that a substantial number of you are eager to join the scheme set out in Al-Wasiyyat I shall proceed to appoint a committee for the purpose of selecting a site for the first burial ground under the scheme and for carrying out of the preliminary work necessary for putting the scheme into effect in the United States, and for making provision for the scheme and its purposes being effectively carried out in perpetuity. Every person who makes a will or promises to make the minimum contribution under this scheme will, subject to the bequest being carried into effect or the contributions having been duly remitted, as the case may be, be entitled to be buried in one of the bruial places dedicated for this purpose in the States or, in case he dies in India in the burial place at Qadian, or, in case he dies in Pakistan, in the burial place at Rabwah, if his body is transported to the site of one of these burial places at the cost of his estate and there are no legal or other impediments in the way of the fulfilment of this purpose. It shall, however, be made clear in the will or in the document setting out the promise in respect of the said contributions, that failure to comply with this condition shall not operate to invalidate or otherwise affect the bequest or give rise to any claim in respect of the contributions made. Provision shall further be made that the Central Ahmadiyya Association shall take steps to have the names of all persons who have joined the scheme and on whose behalf its conditions have been fulfilled inscribed at suitable places in the burial places at Qadian or Rabwah and also that these names shall be inscribed as a record copies of which shall be made available in principal Ahmadiyya Centres so that future generations of Ahmadis may be prompted to pray for The souls of their departed brethren who had devoted themselves and their substance to the service of Islam and humanity.

It is essential and full care must be taken that the carrying into effect of the whole of this scheme shall be in accordance with the law of the United States of America so that no objection on that

score should at any time operate to defeat or discount the purposes of this scheme.

As stated in Al-Wasiyyat this system will multiply its beneficence and shall prove the means of the uplift of all the weaker sections of humanity and for the spread of general prosperity and the promotion of human welfare. Any system which is based on coercion or compulsion cannot achieve the same result. The scheme set out in Al-Wasiyyat being purely voluntary and a free gift for the service of Islam and humanity will carry with it moral and spiritual benefits which may be lacking in any other system.

In course of time country after country will proceed to adopt this scheme and through this process God's name will be glorified throughout the world more particularly on behalf of those who become the recipients of spiritual, moral and material benefits under its operation.

The scheme is already in operation in Pakistan and India. I hope and pray that the United States of America may prove to be th third country to adopt this scheme and thus lay the foundations for the promotion of the welfare of humanity on an ever expanding scale. Amen.

Brethren: We are weak but our God is strong and Almighty. We can do but little, but He can do everything. Be sure that His help is speeding towards you. Indeed, He Himself stands at your door waiting to enter. Spring up therefore and open wide your doors for Him to enter. When God enters your homes and fills your hearts, life will become radiant for you and you will be glorified on earth as He is glorified in the Heavens. May God be with you. Amen.[1]

(ترجمہ) - میرے عزیز امریکن بھائیو!

جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہو گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اپنی وفات سے دو سال قبل وصیت کے طور پر ضروری ہدایات اس دستاویز کی شکل میں شائع فرمادی تھیں جو "الوصیت" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ دستاویز بہت اہم ہے ہر احمدی کو چاہیئے کہ وہ اس کا ضرور مطالعہ کرے میں سمجھتا ہوں کہ آپ سب نے اس کا انگریزی ترجمہ بغور مطالعہ کر لیا ہو گا۔ اگر اس کا انگریزی ترجمہ آپ لوگوں کو بآسانی دستیاب نہ ہو سکتا ہو تو میں

---

[1] رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۸ تا ۱۲

برادرم خلیل احمد صاحب ناصر کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اپنے ساتھیوں کی مدد سے "الوصیت" کا جلد از جلد ترجمہ کر کے آپ سب میں اسے تقسیم کرا دیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس دستاویز کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ میں سے ہر ایک میں یہ شدید خواہش پیدا ہوگی کہ وہ بھی اس عظیم الشان تحریک میں جو اس میں بیان کی گئی ہے اور جو اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے نہایت درجہ اہمیت کی حامل ہے شامل ہونے کی سعادت حاصل کرے۔

اس دستاویز کا مطالعہ کرنے پر آپ لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اس میں جو سکیم بیان کی گئی ہے۔ اس کے مطابق جماعت کے ہر اس فرد سے جو اس میں حصّہ لینا چاہتا ہے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی جائیداد کے دسویں حصّہ یا جائیداد کی قیمت کے دسویں حصّہ کے برابر نقد رقم بحق صدر انجمن احمدیہ وصیت کرے یا اگر اس کی کوئی قابلِ ذکر جائیداد نہ ہو تو وہ اپنی زندگی میں اپنی ہفتہ وار یا ماہوار آمد کا دسواں حصّہ اشاعتِ اسلام اور انسانی فلاح و بہبود کی خاطر صدر انجمن احمدیہ کو ادا کرتا رہے یہ ضروری ہے کہ اس تحریر میں جو جائیداد کی وصیت کے طور پر لکھی جائے یا جس کے ذریعہ چندہ وصیت کی ادائیگی کا وعدہ کیا جائے۔ یہ امر بالصراحت مذکور ہو کہ جائیداد کی وصیت یا چندہ وصیت کی ادائیگی اِن میں سے جو بھی صورت ہو ہر قسم کی شرائط اور پابندیوں سے آزاد ہوگی۔ اور موصی یا اس کے وارث یا اس کے مقرر کردہ منصرم وصیت کردہ جائیداد یا آمدنی کے مصرف یا خرچ پر کوئی اعتراض نہ کر سکیں گے۔ صدر انجمن احمدیہ یا کوئی اور با اختیار ادارہ جو اس سلسلہ میں قائم کیا جائے اس تحریک کے اغراض و مقاصد کے تحت جائیداد یا وصول شدہ چندہ جات کو خرچ کرنے کا پوری طرح مجاز ہوگا۔

بہ تمام و کمال اور بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس دستاویز کا عظیم الشّان مقصد اور اس کی اغراض آپ لوگوں کو معلوم ہو جائیں گی تاہم مَیں برادرم خلیل احمد صاحب ناصر کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اس بات کا انتظام کریں کہ آپ کے مختلف مراکز میں سلسلہ کے نمائندے "الوصیت" کا مقصد اور اس کی اغراض تفصیل کے ساتھ آپ لوگوں کو سمجھا دیں۔ "الوصیت" کے منشاء کے مطابق ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی جماعت احمدیہ

جتنی جلدی ممکن ہو سکا کسی مرکزی علاقے میں ایک موزوں قطعۂ زمین خریدنے کا انتظام کرے گی۔ یہ قطعۂ زمین قبرستان کے طور پر ان لوگوں کے لئے مخصوص ہو گا جو "الوصیت" میں بیان کردہ شرائط اور ان قواعد کے مطابق جو امام جماعت احمدیہ اور صدر انجمن اور تحریک جدید کی طرف سے نافذ ہوں۔ وصیت کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ریاست ہائے متحدہ میں ایک دفعہ جاری ہونے کے بعد یہ سکیم انشاءاللہ تقویت حاصل کرے گی۔ اور رفتہ رفتہ تمہارے ہزار نہیں بلکہ لاکھوں ہم وطن اس میں شامل ہو جائیں گے اور اس طرح ان لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا جو اپنی مساعی اور آمدنیوں اور جائیدادوں کا ایک معقول حصّہ" الوصیت "کے اغراض و مقاصد کے لئے وقف کریں گے۔

جوں جوں ایسے مخلص اور فدائی احمدیوں کی تعداد بڑھے گی۔ اس امر کی ضرورت محسوس ہو گی کہ مُلک کے مختلف حصّوں میں ایسے ہی قبرستان قائم کئے جائیں۔ چنانچہ حسب ضرورت مختلف اوقات میں ایسے قبرستانوں کا قیام عمل میں آتا رہے گا۔

ایسی وصیت کردہ جائیداد سے اس کی فروخت یا چندہ جات سے جو آمدنی ہو اس کو حسب ذیل طریق پر خرچ کیا جائے۔

(الف)۔ اس آمدنی کا نصف حِصّہ مرکزی اداروں کو چلاتے اور دُنیا بھر میں اشاعتِ اسلام کا کام کرنے کے لئے صدر انجمن احمدیہ کو ارسال کیا جائے گا اس میں امریکہ بھی شامل ہو گا۔ کیونکہ امریکہ میں ابھی لمبے عرصے تک اسلام کے ایسے خادموں کی ضرورت محسوس ہوتی رہے گی جو خاص طور پر مرکز کے تربیت یافتہ ہوں وہ مرکزی ادارے جن کے ذمّہ اشاعتِ اسلام کا کام ہے صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید ہیں۔ دُنیا کے مختلف حصّوں میں تبلیغِ اسلام کی غرض سے مذکورہ بالا آمدنی کا جو حِصّہ مرکز میں ارسال کیا جائے گا اسے امام جماعت احمدیہ کی ان ہدایات کے مطابق جو وقتاً فوقتاً جاری کریں گے ان دونوں اداروں میں تقسیم کیا جائے گا۔

(ب)۔ آمدنی کے باقی نصف حِصّے میں سے تین چوتھائی رقم ریاست ہائے متحدہ میں تبلیغِ اسلام پر خرچ کی جائے گی باقی کی چوتھائی رقم ہمارے غریب اور پسماندہ بھائیوں

کی فلاح و بہبود کے لئے وقف ہوگی۔ جہاں کہیں بھی ایسے بھائی ہوں گے اُن پر یہ رقم خرچ کی جائے گی۔ اور اس ضمن میں ان کی تعلیم و تربیت کے انتظام کو مقدم رکھا جائے گا۔ جونہی جماعت کے نمائندوں کی طرف سے مجھے یہ اطلاع ملے گی کہ آپ لوگوں میں سے ایک خاص تعداد ایسے احباب کی ہے جو "الوصیت" کی بیان کردہ تحریک میں شامل ہونا چاہتے ہیں، مَیں ایک کمیٹی قائم کرنے کا انتظام کروں گا اس کے قیام کا مقصد یہ ہوگا کہ اس سکیم کے تحت اولین قبرستان کے لئے جگہ منتخب کی جائے اور اس سکیم پر عمل درآمد کے لئے ضروری اور ابتدائی انتظامات کئے جائیں اور اس امر کا اہتمام کیا جائے کہ اس سکیم اور اس کے مقاصد کو مؤثر طریق پر ہمیشہ کے لئے جاری رکھا جاسکے۔ ہر وہ شخص جو وصیت کرے گا یا اس سکیم کے قواعد کے بموجب کم سے کم شرح کے مطابق چندہ دینے کا وعدہ کرے گا وہ اس شرط پر کہ اس کی وصیت پُوری ہو جائے یا حسبِ قواعد چندہ جات کی ادائیگی عمل میں آجائے۔ دونوں صورتوں میں اس بات کا حقدار ہوگا کہ ایسے قبرستانوں میں سے کسی ایک قبرستان میں دفن کیا جائے جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اس غرض کے لئے قائم ہو جائیں گے۔ اور اس صورت میں کہ اس کی موت ہندوستان میں واقع ہو تو وہ قادیان کے قبرستان میں یا اگر پاکستان میں ہو تو ربوہ کے قبرستان میں دفن ہو سکے گا۔ لیکن یہ ضروری ہوگا کہ اس کی نعش ان قبرستانوں میں سے کسی ایک قبرستان تک پہنچانے کے اخراجات اس کے اپنے ترکہ یا جائیداد سے پُورے کئے جائیں۔ اور اس کی راہ میں کوئی قانونی یا کوئی اور رکاوٹ حائل نہ ہو۔ وصیت یا چندہ جات کے وعدے کے ضمن میں جو تحریر لکھی جائے گی اس میں یہ صراحت کی جائے گی کہ اس شرط کے پُورا نہ ہو سکنے کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ وصیت کو ناجائز یا خلاف قاعدہ قرار دیا جاسکے گا یا اس کے جائز یا قانونی حیثیت پر کوئی حرف آسکے گا یا ادا کردہ چندوں کے بارے میں کسی مطالبہ یا دعویٰ کا جواز پیدا ہو سکے گا۔

صدر انجمن ایسے تمام اشخاص کے نام جنہوں نے اس سکیم میں شامل ہونے کے بعد اس کی تمام شرائط کو پورا کر دیا ہوگا۔ قادیان یا ربوہ کے قبرستانوں میں مناسب جگہ پر کندہ

کرانے کا انتظام کرے گی۔ نیز ان کے نام ایک ریکارڈ کی شکل میں بھی محفوظ رکھے جائیں گے جن کی نقول بڑے بڑے احمدیہ مراکز میں بھی رکھی جائیں گی۔ تاکہ احمدیوں کی آنے والی نسلوں کو اپنے اِن وفات یافتہ بھائیوں کی رُوحوں کے واسطے دُعا کی تحریک ہوتی رہے جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اموال کو اسلام اور انسانیت کی خدمت کے لئے وقف کیا۔ یہ اَمر بہت ضروری ہے کہ اس بارے میں پُوری احتیاط کی جائے کہ اس تمام سکیم پر عمل در آمد کے وقت ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے رائج الوقت قوانین کو پُوری طرح ملحوظ رکھا جائے۔ تا اس بناء پر کسی وقت بھی کوئی اعتراض پیدا ہو کر اس سکیم یا اس کے مقاصد کو ناکام نہ بنا سکے۔

جیسا کہ " الوصیت" میں بیان کیا گیا ہے وصیت کی اس سکیم کے فوائد اَور رنگ میں بھی ظاہر ہوں گے۔ اور بالآخر یہ انسانیت کے کمزور طبقوں کو اٹھانے اور انسانی فلاح و بہبود اور خوش حالی کو ترقی دینے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ کوئی نظام بھی جس کی بنیاد جبر و اکراہ پر ہو اس مقصد میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ الوصیت میں جو سکیم پیش کی گئی ہے خالصتہً طوعی اور رضا کارانہ ہے اور خدمتِ اسلام کے ایک اجر کا درجہ رکھتی ہے اس لحاظ سے جو اخلاقی اور رُوحانی فوائد اس تحریک کے ساتھ وابستہ ہوں گے۔ تمام دوسرے نظام اِن سے محروم ہیں۔

رفتہ رفتہ ایک ملک کے بعد دُوسرا مُلک اس تحریک کو اپنانے کے لئے آگے آتا رہے گا اور اس طرح ان لوگوں کی طرف سے جو اس سکیم کے ذریعہ روحانی، اخلاقی اور مادّی فوائد سے متمتع ہوں گے۔ دُنیا میں خدا کا نام بلند ہوتا رہے گا۔

اس تحریک پر پاکستان اور ہندوستان میں پہلے سے عمل ہو رہا ہے۔ میری خواہش ہے اور مَیں اس کے لئے دُعا بھی کرتا ہوں کہ تحریک کو اپنانے والے ممالک میں سے امریکہ تیسرا مُلک ثابت ہو۔ اور اس طرح وہ وسیع سے وسیع تر پیمانے پر انسانیت کی فلاح و بہبود اور اس کی ترقی کی بنیادیں استوار کرنے میں حصّہ لے آمین۔

برادران! ہم کمزور اور ناتواں ہیں۔ لیکن ہمارا خدا طاقت ور اور ہمہ قوّت ہے۔

ہمارے بس میں کچھ نہیں لیکن وہ سب کچھ کر سکتا ہے یقین رکھو کہ اس کی مدد تمہاری طرف دوڑی آرہی ہے ۔ بلاشبہ وہ خود تمہارے دروازے پر کھڑا ہے اور اندر داخل ہونا چاہتا ہے ۔ پس اُٹھو اور اپنے دروازے کھول دو تاکہ وہ اندر آجائے ۔ جب وہ تمہارے گھروں میں داخل ہو جائے گا اور تمہارے دلوں میں سما جائے گا تو زندگی تمہارے لئے منوّر ہو جائے گی ۔ اور دُنیا میں تم اسی طرح عزّت دیئے جاؤ گے جس طرح آسمانوں میں اس کو عزّت اور عظمت حاصل ہے ۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔[1]

سیّدنا حضرت مُصلح موعودؓ نے یہ خصوصی پیغام چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر انچارج امریکہ مشن کو ارسال فرمایا اور اس مبارک تحریک کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بذریعہ مکتوب حسب ذیل ہدایات دیں :۔

"RABWAH
10 - 1 - 56

مکرمی خلیل احمد ناصر! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

ایک مضمون ارسال ہے ۔ اس کو فوراً شائع کروائیں ۔ اور پھر اس کے مطابق جو جو لوگ وصیتیں کریں ان کے نام اور جائیداد کی تفصیل مرکز کو بھجوائیں ۔ ایک مقبرہ کمیٹی قائم کریں جو زمین خریدے اور اس مقبرے کو بہت خوبصورت بنایا جائے ۔ باغ وغیرہ لگایا جائے ۔ میرے مضمون "نظامِ نَو" کا انگریزی ترجمہ بھی جلد شائع کیا جائے اس میں تمام تفصیلات اس مضمون کی مَیں نے بیان کی ہیں ۔

وہاں کے لوگوں میں قادیان کی محبت اور قادیان کو واپس لینے کا جذبہ بھی پیدا کریں ۔ جن لوگوں کو خدا توفیق دے وہ ایسا انتظام کریں کہ ان کی وفات کے بعد قادیان ان کی نعش لے جائی جا سکے تو اس کا بہت اچھا اثر ہو گا ۔"[2]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۹ ؍ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ ، ۴ ۔

[2] حضور کا پیغام اور یہ مکتوب شعبہ تاریخ احمدیت کے خصوصی ریکارڈ میں محفوظ ہے ۔ دونوں ہی حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں ۔

حضرت مُصلح موعودؓ نے امریکہ کے بعد اگلے سال انڈونیشیا کی احمدیہ جماعتوں کو بھی نظامِ وصیت کی ترویج کی طرف توجہ دلائی جس کے خوشکن اثرات رُونما ہونے شروع ہوگئے۔ جس پر حضور نے ۲۹ جون ۱۹۵۶ء کے خُطبہ جُمعہ میں ارشاد فرمایا:-

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وصیت کا نظام جاری فرمایا تو اللہ تعالےٰ نے اس میں ایسی برکت رکھ دی کہ باوجود اس کے کہ انجمن کے کام ایسے ہیں جو دلوں میں جوش پیدا کرنے والے نہیں۔ پھر بھی صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ تحریک جدید کے بجٹ سے ہمیشہ بڑھا رہتا ہے۔ کیونکہ وصیت ان کے پاس ہے اس سال کا بجٹ بھی تحریک جدید کے بجٹ سے دو تین لاکھ زیادہ ہے حالانکہ تحریک کے پاس اتنی بڑی جائیداد ہے کہ اگر وہ جرمنی میں ہوتی تو ڈیڑھ دو کروڑ روپیہ سالانہ اُن کی آمد ہوتی مگر اتنی بڑی جائیداد اور بیرونی ممالک میں تبلیغِ اسلام کرنے کی جوش دلانے والی صورت کے باوجود محض وصیت کے طفیل صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ تحریک جدید سے بڑھا رہتا ہے۔ اس لئے اَب وصیت کا نظام مَیں نے امریکہ اور انڈونیشیا میں بھی جاری کر دیا ہے اور وہاں سے اطلاعات آرہی ہیں کہ لوگ بڑے شوق سے اس میں حصّہ لے رہے ہیں۔۔ مَیں نے سمجھا کہ چونکہ یہ خدا تعالیٰ کا قائم کردہ ایک نظام ہے اگر اس نظام کو بیرونی ملکوں میں بھی جاری کر دیا جائے تو وہاں کے مبلّغوں کے لئے اور مسجدوں کی تعمیر کے لئے بہت بڑی سہولت پیدا ہو جائے گی۔"[1]

جیسا کہ حضرت مُصلح موعودؓ کے مندرجہ بالا پیغام سے عیاں ہے کہ آپ کی دلی تمنّا اور خواہش تھی کہ برّصغیر پاک و ہند کے بعد نہ صرف امریکہ اور انڈونیشیا بلکہ ساری دُنیا کے ممالک میں نظامِ وصیت کا قیام عمل میں آجائے سو الحمد للہ حضور نے ۱۹۵۶ء میں جو آواز بلند کی تھی اس کی گونج اَب آہستہ آہستہ ساری دنیا میں سنائی دینے لگی ہے چنانچہ وکالت مال ثانی تحریک جدید ربوہ کے ریکارڈ کے مطابق جنوری ۱۹۸۴ء تک برّصغیر پاک و ہند سے باہر موصیوں کی تعداد

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ جولائی ۱۹۵۶ء صہ ۴ -

۱۵۹۷ تک پہنچ چکی ہے جن میں سے ۲۶۰ موصی شمالی و جنوبی امریکہ میں ہیں بقیّہ ممالک کے موصیان کی تعداد حسب ذیل ہے :-

یورپ ۴۷۰ ۔ افریقہ ۱۰۴ ۔ ممالک بحر ہند و آسٹریلیا ۔ فجی ۔ جاپان ۶۳ انڈونیشیا ۲۲۴ ۔ ممالک شرقِ اوسط ۱۷۰

دُوسرا باب

حضرت مصلح موعودؓ کے افریقن احمدیوں کے نام پیغام سے لیکر لائبیریا مشن کے قیام تک

فصلِ اوّل

حضرت مُصلح موعودؓ کا پیغام افریقن احمدیوں کے نام

خدائے علیم وخبیر کی طرف سے قدرتِ ثانیہ کے مظہرِ ثانی حضرت مصلح موعودؓ کو اوائلِ خلافت میں ہی افریقن اقوام کے شاندار مستقبل کی نسبت یہ خبر دی گئی کہ:۔

"خدا تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ افریقہ جو مسلمانوں سے عیسائیوں کے ذریعہ نکل چکا ہے، اب آپ کے ذریعہ مسلمانوں کو دلائے اور خدا تعالیٰ کی غیرت کا وقت آگیا ہے۔ اب سے پہلے خدا خاموش بیٹھا رہا جس طرح صیّاد جال کے نیچے دانہ ڈال کر بیٹھا رہتا ہے اور جانوروں کو وہ دانہ جس پر اُس کی قیمت لگی ہوتی ہے، چُگنے دیتا ہے۔ مگر اب جب دُنیا نے اپنی غلطی سے سمجھ لیا ہے کہ اسلام مٹنے والا ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ اسے اکنافِ عالم

میں پھیلا دے"۔[1]

اس سلسلہ میں حضور نے قیامِ پاکستان کے بعد براہِ راست افریقن احمدیوں کے نام بھی ایک نہایت اُمید افزا پیغام دیا جو رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" کے ستمبر ۱۹۵۵ء کے ایشوع میں چھپا۔ یہ پیغام جناب حاجی جے۔ بی الحسن عطا صاحب پریذیڈنٹ جماعتِ احمدیہ اشانٹی ریجن (کماسی - غانا) کے توسط سے ارضِ بلال تک پہنچا اور اُس نے افریقی احمدیوں میں زبردست بیداری پیدا کر دی۔ اس انقلاب آفرین پیغام کے الفاظ یہ تھے:۔

'I am reading the writing on the wall that there is a great future for your race.' God does not forsake a race for all the times to come. Sometime, He gives opportunity to one nation and one continent and then He offers the same opportunity to another nation and another continent. Now is your time. You have been oppressed and ruled by others for a very long time. Rest assured that your glorious time is fast approaching. People were made to think that yours is an inferior race. I can say about myself that in my young age, when I used to read books, in English I used to think about your race as inferior one. But when I grew up and read the traditions and the Holy Quran, I came to know that it was all wrong. God has not made an exception of your people. God mentions all races and nations as equals. When He sends any prophet in the world, He gives sufficient intelligence also to the men, who are addressed, to accept that prophet. If you have not sufficient intelligence, or in other words, are an inferior race, then God forbid, it is His fault Who sent a prophet to a people who have no intelligence to accept him. But this is not the case. Islam says that Europeans, Americans, Asiatics, Africans and people in far off islands are equal. All of them have the same power of understanding, learning, memorising and inventing. Americans consider themselves as supper men. They even hate Europeans.

---

[1] "تقدیرِ الٰہی" صفحہ ۲۹-۳۰ (تقریر ۲۶ دسمبر ۱۹۱۹ء) مرتبہ منشی خواجہ غلام نبی صاحب بلانوی ایڈیٹر "الفضل" قادیان دارالامان۔ ناشر صیغہ تالیف و اشاعت قادیان۔

The Europeans hate Asiatics. As far as Ahmadiyyat goes, I assure you that we, (and when I say we, I mean myself and all the Ahmadies who follow me), consider all the people on earth as equal. All of us are equal and have the same powers.

I assure you that during my life time I am not going to allow any Ahmadi to adopt the aforesaid mistaken ideas as prevalent in the world. Just as the Holy Prophet said that he would crush such ideas under his heels, so I assure you that I will also crush such ideas under my heels.

"So, go and prove yourselves true Ahmadies. Tell your brothers that you went to Pakistan and Rabwah and found that in Pakistan also there are brothers who feel for you and consider all Ahmadies as equal, and that you did not see Pakistanees rather Africans in different colours. They are looking towards their African brothers as their own kith and kin. I am expecting the same sacrifice from Africans and ask you to preach and convey the message of Islam to every corner of your country.

" Rabwah will always look forward to you to bring every body in the Gold Coast into the fold of Ahmadiyyat, or the True Islam, the religion of God."

یعنی مَیں یہ نوشتۂ دیوار پڑھ رہا ہوں کہ آپ کی (افریقن) نسل کے لئے ایک عظیم مستقبل مقدر ہے۔ اُس کا شاندار زمانہ قریب تر آرہا ہے۔ خدا نے ماضی میں بھی کسی قوم کو نہیں چھوڑا نہ آئندہ نظر انداز کریگا۔ وہ بعض اوقات کسی ایک قوم اور برّاعظم کو موقع دیتا ہے اور پھر ایک دُوسری قوم اور دوسرے برّاعظم کو منتخب فرماتا ہے۔ ایک لمبے عرصے تک آپ لوگوں پر ظُلم کیا گیا اور دُوسروں کے محکوم رہے۔ اَب آپ کا وقت ہے۔

لوگوں کو یہ سوچنے پر مجبور کیا گیا کہ افریقن ایک کمتر قوم ہیں خود مَیں اپنے متعلق بھی کہہ سکتا ہوں کہ اپنے اُس عہدِ شباب میں جبکہ مَیں انگریزی کتابیں پڑھا کرتا تھا تو میرا بھی یہ خیال تھا۔ لیکن بڑے ہوکر جب مَیں نے قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہؤا کہ یہ سب کچھ غلط تھا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی قوم سے کوئی امتیازی سلوک نہیں برتا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام نسلیں اور قومیں برابر ہیں جب وہ کوئی اپنا فرستادہ دنیا میں بھیجتا ہے تو وہ کافی ذہانت اُن لوگوں کو بھی عطا فرماتا ہے جن کو مخاطب کیا جاتا ہے کہ وہ اس رسول کو قبول کریں۔ اگر آپ کے پاس یہ ذہانت نہیں یا دوسرے الفاظ میں آپ ایک کمتر نسل ہیں تو معاذ اللہ یہ خُدا کا نقص ہے کہ اُس نے ایک ایسی قوم کی طرف اپنا مامور بھیجا جو ذہانت سے خالی تھی کہ اُس کو قبول کرسکے۔ لیکن معاملہ یہ نہیں ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ یورپ، امریکہ، ایشیا، افریقہ اور دور دراز جزیروں کے سب باشندے برابر ہیں۔ تمام کو قوّتِ عقل اور قوّتِ علم و ایجاد عطا کی گئی ہے۔ گو امریکن اپنے تئیں ایک فوق البشر مخلوق سمجھتے ہیں اور یورپین سے بھی نفرت کرتے ہیں اور یورپ کے لوگ ایشیائیوں کو بنظرِ حقارت دیکھتے ہیں مگر جہاں تک تحریک احمدیت کا تعلّق ہے مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ (اور جب مَیں یہ کہتا ہوں تو میری مراد اُن تمام احمدیوں سے ہے جو میرے متبع ہیں،) ہم سمجھتے ہیں کہ زمین پر بسنے والے تمام لوگ برابر ہیں۔ ہم تمام برابر ہیں اور ایک جیسی صلاحیتیں رکھتے ہیں۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مَیں اپنی زندگی میں کبھی کسی احمدی کو یہ اجازت دینے کے لئے تیار نہیں ہوں گا کہ وہ مذکورہ بالا خیالات کو جو دُنیا میں رائج ہیں اختیار کرے۔ بالکل اسی طرح جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ وہ ایسے خیالات کو اپنی ایڑیوں کے نیچے کُچل دیں گے۔ پس مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مَیں بھی ایسے نظریات کو اپنے پاؤں تلے مسل دُونگا۔ پس جائیں اور اپنے آپ کو سچا احمدی ثابت کریں۔ اور اپنے بھائیوں کو بتائیں کہ آپ پاکستان گئے

تھے اور ربوہ میں بھی آپ نے بچشمِ خود دیکھا کہ پاکستان میں بھی آپ کے بھائی ہیں جو آپ کے جذبات کا احساس کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تمام احمدی برابر ہیں۔ اور یہ کہ آپ نے پاکستانیوں اور افریقنوں میں کوئی الگ رنگ نہیں دیکھا۔ پاکستانی اپنے افریقن بھائیوں کو اپنے عزیزو اقارب کی طرح دیکھتے ہیں۔ مَیں افریقنوں سے بھی اسی قربانی کی توقع کرتا ہوں اور آپ سے کہتا ہوں کہ آپ تبلیغ کریں اور پیغام اسلام افریقہ کے کونے کونے تک پہنچا دیں۔

ربوہ ہمیشہ آپ کا انتظار کرے گا کہ آپ گولڈ کوسٹ کے ہر فرد کو احمدیّت کی آغوش میں لے آئیں جو حقیقی اسلام اور خدا کا دین ہے۔

خواتینِ مُبارکہ کے اعزاز میں عصرانہ

لجنہ اماء اللہ مرکزیّہ اور لجنہ ربوہ نے ۶؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء / ۱۶؍ اخاء ۱۳۳۴ھ کو دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ میں خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی اُن خواتینِ مبارکہ کے اعزاز میں ایک عصرانہ دیا جنہیں سفرِ یورپ میں حضور کی معیت کا شرف حاصل ہُوا۔ اس سفر میں حضور کے ہمراہ حضور کے چاروں حرم حضرت سیّدہ اُمّ ناصر صاحبہ، حضرت سیّدہ اُمّ وسیم صاحبہ، حضرت اُمّ متین سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ اور حضرت سیّدہ مہر آپا صاحبہ نیز محترمہ بیگم صاحبہ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب اور صاحبزادی امۃ الباسط صاحبہ بھی تھیں۔ مکرم سیّد داؤد احمد صاحب اور ان کی اہلیہ امۃ الباسط صاحبہ کا قیام قریبًا ڈیڑھ سال تک لندن میں رہا۔

تقریبِ عصرانہ میں لجنہ اماء اللہ مرکزیّہ کی تمام ممبرات، حلقہ جات کی عہدیداران اور لجنہ کی پرانی کارکنات قریبًا ایک سو کی تعداد میں شامل ہوئیں۔ اس تقریب کا انتظام صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ اور مکرمہ طیّبہ صدیقہ صاحبہ بیگم نواب مسعود احمد خان صاحب کی نگرانی میں ہُوا۔ اس موقع پر محترمہ امۃ الرشید شوکت صاحبہ اہلیہ محترم ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ نے لجنہ اماء اللہ مرکزیہ اور لجنہ اماء اللہ ربوہ کی نمائندگی کرتے ہوئے جو ایڈریس پیش کیا اس میں بتایا کہ :-

"حضور کے آرام و آسائش کا خیال رکھنا ہم سب کا مشترکہ فرض ہے لیکن دوسری تمام مشترکہ ذمّہ داریوں کی طرح یہ ذمّہ داری بھی نمائندگی کے ذریعہ پُوری کی جا سکتی ہے۔ اس لحاظ سے آپ گویا ہماری نمائندہ تھیں اور اس کامیاب نمائندگی پر ہم آپ کے تہِ دل سے مشکور ہیں اور آج آپ کی خدمت میں دلی مبارکباد پیش کرنے کے لئے یہاں حاضر ہوئی ہیں۔ ہم دُعا کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو

خدمتِ اسلام کا زیادہ سے زیادہ موقع عطا فرمائے اور اس ذریعہ سے خدمتِ دین کی مختلف راہیں آپ کے لئے آسان کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل آپ کے ساتھ ہو اور اس کی رحمتیں آپ کا دامن تھامیں۔ ہم سب بھی ایسی ہی دُعا کے محتاج ہیں۔ اور آپ سے اس کے لئے درخواست کرتی ہیں۔"

اپنے ایڈریس کو ختم کرنے سے پہلے سیّدہ اُمِّ ناصر احمد صاحب صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ اور سیّدہ اُمِّ متین صاحبہ جنرل سیکرٹری لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتی ہیں کیونکہ آپ دونوں کی سرکردگی میں یہ انجمن ایک مضبوط تنظیم کے ساتھ ترقی کے راستے پر گامزن ہے اور آپ یورپ کے ممالک میں آپ کی مساعی نے عورتوں کی اس انجمن کو اور زیادہ تقویت بہم پہنچائی ہے۔ فجزاکم اللہ احسن الجزا۔ ایدکما بنور من عندہ اللّٰھم اٰمین۔"[1]

اس ایڈریس کے بعد حضرت سیّدہ اُمِّ متین صاحبہ نے حضرت سیّدہ اُمِّ ناصر صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ اور دیگر شریکِ سفر خواتینِ مبارکہ کی طرف سے لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کا شکریہ ادا کیا، سفرِ یورپ کے مختصر حالات بتائے اور بیرونی ممالک کو جانے والی خواتین کو قیمتی نصائح فرمائیں۔[2]

بیرونی ممالک کے احمدیوں کے لئے دو اہم ہدایات

حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء کے خطبہ جمعہ میں بیرونی مشنوں سے متعلق دو نہایت اہم ہدایات جاری فرمائیں۔

۱۔ نومسلموں کو چندہ دینے کی عادت ڈالی جائے۔

۲۔ غیر مُلکی نوجوانوں کو مرکز میں تعلیم کے لئے بھجوایا جائے۔

چنانچہ حضور نے فرمایا:۔

"میں بیرونی ممالک میں کام کرنے والے مبلغین سے کہتا ہوں کہ وہ بھی چندہ بڑھانے کی کوشش کریں۔ غلام احمد بشیر (مبلغ ہالینڈ) کے متعلق چوہدری ظفر اللہ خانصاحب نے بتایا کہ وہ نومسلموں سے چندہ نہیں

---

[1] مصباح ربوہ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۵

[2] تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد دوم صفحہ ۳۸۰ تا صفحہ ۳۹۱ مرتبہ امۃ اللطیف صاحبہ سیکرٹری شعبہ اشاعت لجنہ اماء اللہ مرکزیہ۔ ناشر دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ جنوری ۱۹۷۲ء۔

لینا۔ چوہدری صاحب نے کہا کہ میں نے اس سے کہا ہے کہ میں تو ان نومسلموں کو اسی وقت احمدی سمجھوں گا جب وہ باقاعدہ چندہ دیں گے۔ لیکن وہ ہر دفعہ یہ عذر کر دیتا ہے کہ یہ لوگ مالی لحاظ سے کمزور ہیں اور چندہ دینے کے قابل نہیں۔ میرے نزدیک چوہدری صاحب کی بات بالکل درست ہے۔ ہمارے مبلغین کو نومسلموں سے چندہ لینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ میں نے جرمنوں کو دیکھا ہے کہ وہ چندے دیتے ہیں ایک شخص میری آمد کے متعلق خبر پا کر دوسو میل سے چل کر مجھے ملنے آیا۔ چوہدری عبداللطیف صاحب مبلغ جرمنی نے مجھے بتایا کہ وہ جب سے احمدی ہوا ہے اڑھائی پونڈ ماہوار باقاعدہ چندہ دیتا ہے۔ پس اگر ہمارے مبلغین نومسلموں کو چندہ دینے کی عادت ڈالیں گے تو انہیں عادت پڑ جائے گی چاہے ابتدا میں وہ ایک ایک آنہ ہی چندہ کیوں نہ دیں۔ اگر وہ ایک ایک آنہ بھی چندہ دینا شروع کر دیں گے تو آہستہ آہستہ انہیں اس کی عادت پڑ جائے گی اور پھر زیادہ مقدار میں چندہ دینا انہیں دُوبھر معلوم نہیں ہوگا۔ حضرت مسیح موعود کے اشتہارات اور کتابیں نکال کر دیکھ لو تمہیں ان میں یہ الفاظ دکھائی دیں گے کہ فلاں دوست بڑے مخلص ہیں انہوں نے ایک آنہ یا دو آنہ ماہوار چندہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن پھر وہی لوگ بڑی بڑی مقدار میں چندہ دینے لگ گئے تھے۔ ہمارے مبلغین کو بھی چاہیئے کہ وہ بھی نومسلموں سے چندہ لینے کی کوشش کریں۔ مشرقی افریقہ اور دمشق والے احمدیوں کی حالت نسبتاً اچھی ہے۔ دمشق کی جماعت بڑے اخلاص اور ہمت سے کام کر رہی ہے۔ پھر جماعتوں کو چاہیئے کہ وہ نوجوانوں کو یہاں بھجوائیں جو یہاں رہ کر تعلیم حاصل کریں اور مرکزی اداروں میں کام کریں۔ دیکھ لو بیماری سے پہلے مجھ میں کس قدر ہمت ہوا کرتی تھی میں اکیلا دس آدمیوں سے بھی زیادہ کام کر سکتا تھا لیکن اب ایک آدمی کے چوتھائی کام کے برابر بھی نہیں کر سکتا۔ اس طرح یہ ناظر بھی انسان ہی ہیں۔ ان کو بھی بیماری لگ سکتی ہے اور کام کے ناقابل ہو سکتے ہیں۔ پس باہر سے نوجوانوں کو یہاں آنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ بلکہ بہتر ہوگا کہ مختلف ممالک کے لوگ یہاں آئیں اور انجمن کا کام سنبھالیں تاکہ ہماری مرکزی انجمن) انٹرنیشنل انجمن بن جائے۔ صرف پاکستانی نہ رہے۔ دینی لحاظ سے بے شک پاکستان کے لوگ دوسروں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ لیکن اگر ان کے ساتھ ایک ایک ممبر نائیجیریا، گولڈ کوسٹ، امریکہ، مشرقی افریقہ ہالینڈ، جرمنی اور انگلینڈ وغیرہ ممالک کا بھی ہو تو کام زیادہ بہتر رنگ میں چل سکتا ہے۔ جب یہ لوگ یہاں آکر کام کریں گے تو باہر کی جماعتوں کو اس طرف زیادہ توجہ ہوگی اور وہ سمجھیں گے کہ مرکز میں جو انجمن کام کر رہی ہے وہ صرف پاکستان کی جماعتوں کی انجمن نہیں بلکہ ہماری بھی انجمن ہے۔ پس چندوں کو زیادہ

کرو اور اِن طوفانوں سے مایوس نہ ہو بلکہ پہلوانوں کی طرح کام میں لگ جاؤ اور جہاں جہاں پانی خشک ہوتا ہے۔ وہاں فوراً کھیتوں میں ہل چلا دو تا تمہاری آئندہ آمدنیں پہلے سے بھی بڑھ جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ چندے بھی بڑھ جائیں۔ جب مرکز مضبوط ہوگا اور بیرونی مبلّغین کو بھی خدا تعالیٰ اس بات کی توفیق دے دیگا کہ وہ نومسلموں سے چندے لیں تو سلسلۂ تبلیغ وسیع ہو جائے گا جب بھی دُنیا میں کوئی مذہبی تحریک چلی ہے۔ اس کے ابتدائی مبلغ اسی مُلک کے ہوتے تھے جس میں وہ تحریک ابتداءً شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ اسلام کے پہلے مبلّغ عرب ہی تھے۔ لیکن اس کے بعد ایرانی اور عراقی آگئے اور انہوں نے اسلام کی اشاعت شروع کی۔ حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ۔ شہاب الدین صاحب سہروردیؒ، بہاؤالدین صاحب نقشبندی سب دوسرے ممالک کے تھے جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں اسلام کی بڑی خدمت کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بعد بھی پچاس ساٹھ سال تک عیسائیت کو پھیلانے والے ان کے اپنے علاقے کے ہی مبلغ تھے۔ لیکن بعد میں اور علاقوں میں بھی مبلّغ پیدا ہوگئے اور آپ کے سو سال کے بعد تو سارے مبلّغ اٹلی کے ہی تھے۔ پھر جرمنی اور انگلینڈ سے بھی کئی مبلّغین اشاعتِ عیسائیت کے لئے آگے آگئے پس جب تک مبلّغین نومسلموں کو چندہ دینے کی عادت نہیں ڈالیں گے۔ یہ کام لمبے عرصہ تک نہیں چل سکتا۔" [1]

وقفِ زندگی کی پُرجوش تحریک

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کو اپنے دوسرے سفرِ یورپ کے دوران یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ مغربی دُنیا نہایت تیزی سے اسلام کی طرف مائل ہو رہی ہے اور آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ وقت آگیا ہے کہ وقفِ زندگی کی تحریک کو پہلے سے زیادہ منظم، مؤثر اور دائمی شکل دی جائے کیونکہ جب تک جماعتِ احمدیہ میں دین کی خدمت کرنے والے مسلسل اور متواتر پیدا نہ ہوں غلبۂ اسلام کے اہم مقصد کی تکمیل ہرگز ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نے سفرِ یورپ سے واپسی کے بعد کراچی اور ربوہ میں جو ابتدائی خطبات ارشاد فرمائے۔ ان میں بار بار وقفِ زندگی کی پُرجوش تحریک فرمائی۔ چنانچہ ۱۶ ستمبر ۱۹۵۵ء کے خطبۂ جمعہ میں فرمایا:۔

"جب تک جماعت میں وقف کی تحریک مضبوط نہ ہو اس وقت تک ساری دُنیا میں اسلام کو غالب کرنا ناممکن ہے۔ اس کے لئے اوّل تو جماعت کے ہر فرد کے دل میں یہ احساس پیدا ہونا چاہیئے کہ مَیں نے ایک سے دَو بننا

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔

ہے۔ دو سے چار بنتا ہے۔ چار سے آٹھ بنتا ہے آٹھ سے سولہ بنتا ہے سولہ سے بتیس بنتا ہے بتیس سے چونسٹھ بنتا ہے اور چونسٹھ سے ایک سو اٹھائیس بنتا ہے۔ ہماری جماعت آخر لاکھوں کی جماعت ہے۔ اگر ہر دس سال کے اندر ایک ایک شخص کے ذریعہ دو دو چار احمدی بھی پیدا ہو جائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگلے دس سال میں پندرہ بیس لاکھ ہو جائیں گے اور اس سے اگلے دس سال میں اسی لاکھ ہو جائیں گے اور اس سے اگلے دس سال میں ڈیڑھ کروڑ تک ان کی تعداد پہنچ جائے گی۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم اُمید کر سکتے ہیں کہ یہ ڈیڑھ کروڑ دو ارب تک اسلام کا پیغام پہنچا سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ نہ ہو اور ہر شخص سمجھ لے کہ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ مَیں نے چندہ دے دیا ہے تو یورپ اور امریکہ کو اسلام کون سمجھائے گا؟ اور اگر سمجھانے والا کوئی نہیں ہوگا تو مانے گا کون ...... یورپ کے لوگ اب اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں لیکن بڑی چیز جو ان کے رستہ میں حائل ہے وہ یہی ہے کہ یورپین لوگ ہر چیز کو سیاسی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کے بڑے بڑے لوگ یہ خُوب سمجھتے ہیں کہ اسلام اگر ہم تک پہنچا ہے تو احمدیوں کے ذریعہ سے لیکن مسلمان جن کی اکثریت ہے وہ احمدیوں کے ہی مخالف ہیں۔ ایسی صورت میں اقلیت کے ساتھ ملنا کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا ہاں اگر اکثریت کے ساتھ ملیں گے تو مفید کام کر سکیں گے اس قسم کے وساوس کا بھی تبھی ازالہ ہو سکتا ہے جب ہمارے مبلغ اُن تک پہنچیں اور اُن کے شبہات کو دُور کریں یہ ظاہر ہے کہ ایک آدھ دفعہ ملنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے متواتر اور مسلسل جدّوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ آخر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے بڑا اور کون ہو سکتا ہے مگر آپ نے بھی سال ہا سال تبلیغ کی اور پھر آپ کے صحابہؓ نے تبلیغ کی۔ تب جا کر لاکھوں لوگ اسلام میں شامل ہوئے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد جب انہوں نے اسلام کی اشاعت کی طرف سے توجہ ہٹالی تو وہی لاکھوں خراب ہو گئے۔ اسی طرح اگر ہمارے نمائندے اور ہمارے قائم مقام ان ممالک میں موجود ہوں اور پھر یہ کام صرف انہی تک محدود نہ ہو بلکہ ان کی آئندہ نسل بھی اس کام میں مشغول رہے تو سینکڑوں سال تک دُنیا اسلام کے نُور سے متفیض ہوتی رہے گی۔ پس وقف کی تحریک اسلام کی اشاعت کے لئے ایک عظیم الشان تحریک ہے۔ اگر وقف کی تحریک مضبوط ہو جائے اور نسلاً بعد نسلٍ ہماری جماعت کے نوجوان خدمتِ دین کے لئے آگے بڑھتے رہیں تو سینکڑوں نہیں ہزاروں سال تک تبلیغ اسلام کا سلسلہ قائم رہ سکتا ہے۔ اس غرض کے لئے مَیں نے متواتر جماعت پر وقف کی اہمیت کو ظاہر کیا مگر اب میرا ارادہ ہے کہ جماعت سے خاندانی طور پر وقفِ اولاد کا مطالبہ

کروں یعنی ہر خاندان کے افراد اپنی طرف سے ایک ایک نوجوان کو خدمت کے لئے پیش کرتے ہوئے عہد کریں کہ ہم ہمیشہ اپنے خاندان میں سے کوئی نہ کوئی فرد دین کی خدمت کے لئے وقف رکھیں گے اور اس میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔ جب خاندانی وقف کی تحریک مضبوط ہو جائے تو پھر اس کو وسیع کرکے ہم وقف کرنے والوں کو تحریک کرسکیں گے کہ وہ اپنے اپنے دوستوں اور ساتھیوں میں سے ایک ایک دو دو تین تین چار چار کو وقف کرنے کی کوشش کریں اس طرح یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ممتد ہوتا چلا جائے گا اور قیامت تک جاری رہے گا جیسا کہ مَیں نے پچھلی دفعہ بھی کہا تھا اب فصل تیار ہے صرف اس کے کاٹنے والوں کی ضرورت ہے اور یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے کہ مغربی لوگوں میں اسلام کی طرف زبردست میلان پایا جاتا ہے مَیں تو بیمار تھا اور لمبی بات نہیں کرسکتا تھا مگر مَیں نے دیکھا ہے کہ جب بھی مَیں گفتگو کرتا یورپین لوگ فوراً ہتھیار ڈال دیتے تھے اور وہ سمجھ جاتے تھے کہ حقیقت کیا ہے.... بہرحال یہ تحریک ہے جو مَیں جماعت میں کرتا ہوں اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اس کے بغیر ہم اسلام کی اشاعت میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ آخر اپنے دلوں میں سوچو اور غور کرو کہ اگر وقف کا سلسلہ جاری نہ رہے تو تمہارا یہ دعویٰ کہ اسلام دُنیا پر غالب آجائے گا کس طرح سچا سمجھا جاسکتا ہے یہ تو ہوگا نہیں کہ ایک دن صبح اُٹھ کر تم تسبیح پر تین دفعہ سبحان اللہ سبحان اللہ کہو گے اور امریکہ کا پریذیڈنٹ اور کونسل آف سٹیٹ کے سب ممبر مسلمان ہو جائیں گے اور وہ اعلان کر دیں گے کہ ہم عیسائیت کو ترک کرتے ہیں۔ اگر ہم نے واقعہ میں اسلام پھیلانا ہے تو بہرحال ہمیں جدوجہد کرنی پڑے گی.... تو حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت کے لئے جب تک صحیح رنگ میں کوشش نہ ہو اس وقت تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا اگر ہم اسلام کو پھیلانا چاہتے ہیں تو ہم میں سے ہر احمدی کو یہ عہد کرلینا چاہئے کہ مَیں اپنے کسی عزیز یا رشتہ دار یا ساتھی کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کردوں گا پھر وہ آگے اپنے ساتھیوں کو اسلام کی خدمت کے لئے تیار کریں۔ اور یہ سلسلہ تواتر کے ساتھ جاری رہے۔ رفتہ رفتہ اتنے لوگ ہمارے پاس جمع ہو جائیں گے کہ ہم انہیں آسانی کے ساتھ مختلف ممالک میں پھیلا سکیں گے اور ان سے دین کی اشاعت کا کام لے سکیں گے۔ جب یہ لوگ اسلام کی اشاعت کے لئے ہر شخص تک پہنچیں گے تو چونکہ ان کے دل اسلام کی طرف پہلے ہی مائل ہیں اس لئے اسلام کی فتح کا دروازہ کُھل جائے گا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا دُنیا میں عزت کے ساتھ قائم ہو جائے گا۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ابھی یہ مقام دُور نظر آتا ہے۔ لیکن جب

رَو پیدا ہوئی تو کامیابی اتنی سُرعت کے ساتھ ہوگی کہ ہمیں خود بھی اس پر حیرت ہوگی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو دیکھ لو تیرہ سال آپ مکّہ میں رہے اور تبلیغ کرتے رہے مگر اس تبلیغ کے نتیجہ میں صرف اسّی آدمی آپؐ پر ایمان لائے اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لے گئے تو تھوڑے عرصہ کے بعد ہی ہزاروں لوگ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوگئے جس طرح بند ٹوٹنے کے بعد سیلاب کا پانی رُک نہیں سکتا اسی طرح جب لوگوں میں ایک رَو چل جائے تو پھر گروہ در گروہ لوگ سچائی کو قبول کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور کوئی مخالفت ان کو پیچھے نہیں ہٹا سکتی۔ آج ہمیں اسلام کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ مگر پھر وہ وقت آئے گا کہ وقف کرنے والے اتنی کثرت سے آئیں گے کہ سوال پیدا ہوگا کہ اِن واقفین کو سنبھالے کون۔ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے لکھا ہے کہ مجھے یہ فکر نہیں کہ روپیہ کہاں سے آئے گا مجھے یہ فکر ہے کہ روپیہ کو سنبھالنے والے کہاں سے آئیں گے۔ اسی طرح مجھے بھی یہ فکر نہیں کہ اسلام کی تبلیغ کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنے والے کہاں سے آئیں گے مجھے یہ فکر ہے کہ وقف کرنے والے اس کثرت سے آئیں گے کہ اِن کو سنبھالے گا کون — دل خدا تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ جن دلوں کو وہ آپ صاف کردے گا وہ دین کی خدمت کے لئے آگے آجائیں گے پھر اِن کو دیکھ کر سینکڑوں لوگ پیدا ہوجائیں گے جو اپنے آپ کو وقف کرنے کے لئے پیش کردیں گے اور ان سینکڑوں سے ہزاروں اور ہزاروں سے لاکھوں پیدا ہوجائیں گے۔ ہم بچّے تھے تو ہم کتابوں میں ایک کہانی پڑھا کرتے تھے کہ جب بادل نظر آتا ہے تو قطرے آپس میں جھگڑتے ہیں ایک کہتا ہے کہ مَیں زمین پر گر کر کیوں جان دُوں۔ دُوسرا کہتا ہے مَیں کیوں جان دُوں آخر ایک قطرہ بڑھتا ہے اور زمین پر گرتا ہے۔ اس کے بعد دُوسرا قطرہ گرتا ہے۔ پھر تیسرا گرتا ہے پھر چوتھا گرتا ہے اور پھر موسلا دھار بارش شروع ہوجاتی ہے۔ یہی حال دین کی قربانی کا ہے پہلے قربانی کرنے والے جب قربانی کرتے ہیں تو اُن کو دیکھ کر دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ انہیں تو کچھ بھی نہیں ہُوا ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ تباہ ہوجائیں گے مگر ان کی تو ہم سے بھی زیادہ عزّت ہوئی۔ اور ہم سے بھی زیادہ انہوں نے کامیابی حاصل کی۔ آؤ ہم بھی انہی کے پیچھے چلیں چنانچہ وہ بھی اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کردیتے ہیں اور پھر یہ سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے وہ زمانہ آجاتا ہے کہ انسان کہتا ہے مَیں کس کو رکھوں اور کس کو رَد کروں کس کو چُنوں اور کس کو نہ چُنوں؟ اس زمانے کے آنے سے پہلے پہلے جو لوگ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی دین کی خدمت کے لئے پیش کریں گے

وہ خدا تعالیٰ کے حضور مقبول ہوں گے اور اس کی برکتوں سے اتنا حصّہ پائیں گے کہ بعد میں آنے والے ان برکات کا عُشرِ عشیر بھی نہیں لے سکیں گے۔ کیونکہ اَلْفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّمِ۔ فضیلت انہی کو ملتی ہے جو نیکی اور قربانی کی راہوں میں سبقت اختیار کرتے ہیں۔ [۵]"

اس خُطبہ کے بعد حضور کی خدمتِ اقدس میں ایک احمدی کا خط پہنچا کہ میرے دل میں وقف کی تحریک ہوئی ہے۔ سرِدست میں دُعائیں کر رہا ہوں اور دوستوں سے مشورہ لینے کا بھی ارادہ رکھتا ہوں کہ آیا میں ذاتی طور پر یہ عہد نبھا سکتا ہوں یا نہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اگلے خُطبہ جُمعہ (۲۳ ستمبر) میں اس خط کا خاص طور پر ذکر فرمایا اور پھر نہایت مؤثر رنگ میں فرمایا کہ یہ تو دُرست ہے کہ ہر اچھے سے اچھے کام کے لئے بھی دُعا اور مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے مگر مشورہ صرف انہی سے لیا جا سکتا ہے جو اُس کے اہل ہوں اور وقفِ زندگی کے بارہ میں صحیح مشورہ صرف امامِ وقت کا ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

"وہ دوست جن کے دلوں میں میرے خُطبہ کی وجہ سے وقف کی تحریک ہوئی ہے ان سے مَیں کہتا ہوں کہ تم سوچو اور مشورہ لو مگر صرف انہی لوگوں سے مشورہ لو جو تمہیں مشورہ دینے کے اہل ہوں بلکہ اگر تم صحیح مشورہ لینا چاہتے ہو تو مجھ سے لو۔ دُوسروں کو کیا پتہ ہے کہ سلسلہ کو کس قسم کے واقفین کی ضرورت ہے، کس قسم کا علم رکھنے والوں کی ضرورت ہے، کس قسم کا تجربہ رکھنے والوں کی ضرورت ہے اور پھر ان کے کتنے وقت کی سلسلہ کو ضرورت ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ سلسلہ کے لئے کس قسم کے کام کا تجربہ رکھنے والوں کی ضرورت ہے؟ کس قسم کے علم والوں کی ضرورت ہے؟ اور کتنا وقت دے کر وہ سلسلہ کی خدمت کر سکتے ہیں اس بارہ میں صحیح مشورہ انہیں مجھ سے ہی مل سکتا ہے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر صحیح طریق پر کام کیا جائے تو ایک وکیل وکالت کرتے ہوئے بھی سلسلہ کی خدمت کر سکتا ہے۔ ایک زمیندار زمیندارہ کرتے ہوئے بھی سلسلہ کی خدمت کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ مشورہ صحیح آدمی سے لے۔ جب تک میرے دم میں دم ہے میں تمہیں صحیح مشورہ دینے کے لئے ہر دم تیار ہوں۔ پس مجھ سے مشورہ لو اور کوشش کرو کہ تم اپنے آپ کو ان لوگوں کی صف میں لے آؤ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ

---

[۵] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ تا ۵۔

هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ[1] یعنی وہ لوگ ایمان تو بعد میں لائے اور انہوں نے ہجرت بھی بعد میں کی، اور جہاد بھی بعد میں کیا لیکن پھر بھی وہ صحابہؓ میں شامل ہوں گے۔"[2]

اس قیمتی نصیحت کے بعد حضور نے حضرت مسیح موعود کے الہام "حق اولاد در اولاد"[3] کی یہ لطیف تشریح فرمائی کہ:-

"زمینوں اور جائیدادوں وغیرہ میں حصّہ یہ کوئی زیادہ قیمتی چیز نہیں۔ زیادہ قیمتی یہ چیز ہے کہ مَیں نے تمہاری اولاد کے دماغوں میں وہ قابلیت رکھ دی ہے کہ جب بھی یہ اس قابلیت سے کام لیں گے دُنیا کے لیڈر ہی بنیں گے..... مَیں سمجھتا ہوں کہ ہمیں بعد میں جو کچھ بھی ملا "حق اولاد در اولاد" کی وجہ سے ہی ملا اور مَیں نے جتنے کام کئے اپنی دماغی اور ذہنی قابلیت کی وجہ سے ہی کئے ورنہ مجھ سے زیادہ کتابیں پڑھنے والے دُنیا میں موجود تھے۔ اگر ان کے دماغوں میں بھی وہی قابلیت ہوتی جو مجھ میں ہے تو دُنیا میں دس ہزار محمود اور بھی ہوتا لیکن اگر ساری دُنیا میں صرف ایک ہی محمود ہے تو اس کی وجہ وہی "حق اولاد در اولاد" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارا ورثہ ہمارے دماغوں کے اندر رکھ دیا ہے اور یہ وہ دولت ہے جسے کوئی شخص چُرا نہیں سکتا۔"

حضور نے اس پُر معارف نکتہ کو بیان کرنے کے بعد اپنی زندگی کے بعض ایمان افروز واقعات بیان فرمائے اور پھر چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی دینی خدمت کو بطور مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

"جس طرح وہ کر رہے ہیں اس طرح تم میں سے ہر شخص دین کی خدمت کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ تم کرنا چاہو اور اپنے اپنے کاموں کے ساتھ دین کی خدمت کے لئے بھی وقت نکالو پھر آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اس وقف کو مستقل کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو اپنے تمام کاموں سے الگ ہو کر خالص دینی خدمت میں مشغول رہیں مگر ہر آدمی ایسا نہیں کر سکتا۔ اُن کے لئے یہی طریق ہو سکتا ہے کہ وہ دُنیا کا بھی کام کریں اور اُس کے ساتھ دین کو بھی نظر انداز نہ کریں۔ یاد رکھو جب تک جماعت میں نسلاً بعد نسلٍ ایسے لوگ پیدا نہ ہوتے رہیں گے جو دین کی اشاعت

---

[1] انفال: ۷۶۔ [2] روزنامہ الفضل ۲۲ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵

[3] روزنامہ الفضل ۲۶ر نومبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۴۔

کے لئے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو جائیں اور اسلام کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھانے کے لئے تیار ہوں اُس وقت تک اسلام کو غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا..... بھلا مبلغ سے بڑا اور کون سا مقام ہو سکتا ہے جو تم حاصل کرنا چاہتے ہو۔ جو شخص سچا اور حقیقی مبلغ ہوتا ہے وہ دُنیا میں خُدا تعالیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت کے وزراء ہز ایکسیلینسی نہیں کہلا سکتے لیکن ایمبیسیڈر ہز ایکسیلینسی کہلاتے ہیں۔ اسی سفر میں ایک دن چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کہنے لگے کہ مَیں جب تک وزارتِ خارجہ میں تھا ہز ایکسیلینسی نہیں کہلا سکتا تھا۔ لیکن اب انٹرنیشنل کورٹ کا جج ہونے کی وجہ سے بائی رائٹ (BY RIGHT) اپنے آپ کو ہز ایکسیلینسی لکھ سکتا ہوں۔"

حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ کے آخر میں فرمایا:۔

"خدا نے تمہارے لئے بڑی بڑی عزتیں رکھی ہیں۔ تم خدا پر توکل کرو اور اس کے دین کی اشاعت کے لئے اپنے آپ کو وقف کرو۔ وہ دینے پر آتا ہے تو وہ کچھ دے دیتا ہے کہ انسان اسے دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ ہم نے ساری عُمر میں دُنیوی قابلیتوں کے بغیر وہ کچھ علم حاصل کیا ہے جو بڑی بڑی ڈگریاں رکھنے والوں کو بھی نہیں ملا۔ اسی طرح مالی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ہماری ایسے ایسے راستوں سے مدد کی جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھے۔ پس خدا تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے تم اس کی طرف قدم اٹھاؤ۔ اگر تم اس پر توکّل رکھتے ہوئے اس کی طرف اپنا قدم بڑھاؤ گے تو یقیناً تمہارا خدا تم کو ضائع نہیں کرے گا۔ وہ تمہارا ہاتھ پکڑے گا اور تم محسوس کرو گے کہ تمہارا خدا تمہارے سامنے کھڑا ہے میرے پاس اس سفر میں ایک نو مُسلم انگریز آیا اور اس نے کہا کہ مَیں بڑی کوشش کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل کروں مگر مجھے پتہ نہیں لگتا کہ مَیں اس کے قریب ہو گیا ہوں یا نہیں۔ مَیں نے کہا کہ تمہاری اس خواہش کا انحصار تمہارے اس ایمان اور یقین پر ہے کہ خدا تعالیٰ کے قُرب کا دروازہ تمہارے لئے بند نہیں بلکہ تم بھی اس کے انعامات کو اسی طرح حاصل کر سکتے ہو جس طرح پہلے لوگوں نے حاصل کئے اگر تم سچے دل سے یہ یقین رکھو کہ خدا تعالیٰ کے انعامات کے دروازے تمہارے لئے کھلے ہیں اور ہر ترقی تمہارے لئے ممکن ہے تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ تمہارے قریب نہ آئے وہ یقیناً تمہارے لئے اپنے قرب کے دروازے کھول دے گا اور تم محسوس کرو گے کہ وہ تمہارے قریب آ گیا ہے جیسے تمہارے کمرے میں اگر آگ جل رہی ہو تو یہ ہو نہیں سکتا کہ تم اس آگ کے وجود سے انکار کر سکو۔ کیونکہ اس کی گرمی تمہیں محسوس ہونے لگتی ہے اس طرح اگر تم یقین رکھو کہ

تمہارے لئے لا متناہی ترقیات کے دروازے کھلے ہیں اور تمہارا خدا بخیل نہیں تو یقیناً اس کا قرب تمہیں محسوس ہی نہیں ہو گا بلکہ تم اپنی رُوحانی آنکھوں سے اس کو دیکھنا شروع کر دو گے میرے اس جواب کا اس پر ایسا اثر ہُوا کہ وہ نماز کے بعد کئی گھنٹے تک مسجد میں بیٹھا رہا اور اس نے کہا مجھے اپنی ساری زندگی میں آج پہلی دفعہ یہ محسوس ہُوا ہے کہ میرے لئے بھی ترقی کا راستہ کھلا ہے اور مجھے جو رُوحانی سرور اس سے حاصل ہُوا ہے وہ پہلے کبھی حاصل نہیں ہُوا۔

اسی طرح تم بھی خدا تعالیٰ پر سچا ایمان پیدا کرو اور اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرو۔ یہ مت خیال کرو کہ اس کے تمام انعامات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئے ہیں یا مسیح موعودؑ پر ختم ہو گئے ہیں یا مجھ پر ختم ہو گئے ہیں۔ اس کے انعامات کے دروازے تم سب کے لئے کھلے ہیں۔ اگر تم ان دروازوں میں داخل ہو کر اس کے انعامات کو حاصل نہیں کرتے تو تم میں سے زیادہ بدقسمت اور کوئی نہیں لیکن اگر تم کوشش کرتے رہو اور اس کے انعامات پر یقین رکھو تو تم وہی کچھ حاصل کر سکتے ہو جو سیّد عبدالقادر صاحب جیلانیؒ اور شبلیؒ اور معین الدین صاحب چشتیؒ نے حاصل کیا۔ تمہارا خدا بخیل نہیں اور نہ اس کی جیب میں کمی ہے۔ اس کی جیب میں سارے روپے پڑے ہوئے ہیں اگر تم یقین اور ایمان کے ساتھ اس کی طرف بڑھو تو وہ معین الدین صاحب چشتیؒ والا انعام اپنی جیب سے نکالے گا اور تمہاری جیب میں ڈال دے گا وہ محی الدین صاحب ابنِ عربیؒ والا انعام اپنی جیب سے نکالے گا اور تمہاری جیب میں ڈال دے گا۔ وہ ولی اللہ شاہ صاحب دہلویؒ والا انعام نکالے گا اور تمہاری جیب میں ڈال دے گا۔"[1]

تحریکِ وقفِ زندگی کے سلسلہ میں حضور نے ۱۴؍اکتوبر ۱۹۵۵ء (۱۴؍اخاء ۱۳۳۴ہش) کو بھی ایک نہایت زوردار خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ مندرجہ ذیل الفاظ سے شروع ہُوا:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کام ہمارے سپرد کیا ہے یا یوں کہو کہ جو کام خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ہمارے سپرد کیا ہے وہ اتنا بڑا ہے کہ اس کا تصوّر کر کے بھی دل کانپ جاتا ہے۔ دُنیا میں اس وقت دو ارب غیر مسلم پائے جاتے ہیں۔ اور ہمارے سپرد یہ کام ہے کہ ان دو[2] ارب غیر مسلموں کو مسلمان بنا دیں۔ گذشتہ تیرہ سو سال میں صرف پچاس کروڑ مسلمان ہوئے

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲؍اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳)

ہیں گویا اس وقت چار غیر مسلم ایک مسلمان کے مقابل پر موجود ہیں۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ جو کام تیرہ سو[1300] سال میں ہمارے آبا و اجداد نے کیا ہے اس سے چار گُنا کام کی ہم سے اُمید کی گئی ہے لیکن اس کیلئے وقت کا لحاظ رکھنا بھی ہمارے لئے ضروری ہے۔ ورنہ غیر معیّن عرصہ میں تو بڑے بڑے کٹھن کام بھی ہو جاتے ہیں مثلاً دریاؤں کا پانی ہی جب ایک لمبے عرصہ تک پہاڑوں پر گرتا رہتا ہے تو اس کی وجہ سے بڑی بڑی غاریں بن جاتی ہیں اور جیالوجی والے کہتے ہیں کہ چونکہ دس دس بیس بیس لاکھ سال بلکہ کروڑوں سال سے یہ پانی گرتا رہا ہے اس لئے اَب پہاڑوں میں بڑی بڑی غاریں بن گئی ہیں مگر انسانی زندگی اور انسانی سکیمیں اتنی لمبی نہیں چلتیں۔ یا کم از کم تاریخ ہمیں کسی اتنی لمبی زندگی یا اتنے لمبے عرصہ تک چلنے والی سکیم کا پتہ نہیں دیتی۔ . . . حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تین سو سال میں احمدیت ساری دُنیا میں پھیل جائے گی۔ اگر ایک نسل کے بیس سال بھی فرض کر لئے جائیں تو تم سمجھ سکتے ہو کہ تین سو[300] سال میں پُوری پندرہ نسلیں آجاتی ہیں گویا اگر ہماری پندرہ نسلیں یکے بعد دیگرے اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے وقف کرتی چلی جائیں تب وہ کام پُورا ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے۔ مگر کیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا یہ منشا تھا کہ اور لوگوں کی نسلیں تو اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے وقف کریں اور میری اپنی نسل وقف نہ کرے۔ آخر جو شخص دوسروں سے کوئی مطالبہ کرتا ہے اس کی نسل سب سے پہلے اس مطالبہ کی مخاطب ہوتی ہے لیکن اگر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی اپنی نسل بد عہدی کرے گی تو یقیناً خدا تعالےٰ دوسرے لوگوں میں سے اسلام کے بہادر اور جان نثار سپاہی کھڑے کر دے گا۔ چنانچہ دیکھ لو جب ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی اولاد میں سے ایسے مشرک پیدا ہوئے جنہوں نے کعبہ میں بھی سینکڑوں بُت رکھ دیئے۔ تو دوسری طرف عراق کے علاقہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ جیسے بزرگ پیدا ہوئے جنہوں نے دین کی بڑی خدمت کی اسی طرح ایک دوسرے مُلک سے حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ آگئے اور انہوں نے اسلام پھیلایا۔ پس جہاں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اولاد کو توجہ دلاتا ہوں وہاں میں جماعت سے بھی کہتا ہوں کہ تمہیں یکے بعد دیگرے کم از کم پندرہ نسلوں کو وقف کرنا ہوگا لیکن تم تو ابھی سے گھبرا گئے ہو اور ابھی سے تمہارا یہ حال ہے کہ جو شخص دین کی خدمت کے لئے آتا ہے اس کو یہ خیال آتا ہے کہ گذارہ کیسے ہوگا۔ سیدھی بات ہے کہ روپیہ ہوگا تو گذارہ ملے گا اور روپیہ اس وقت آئے گا جب نئے احمدی بنیں گے۔ تم پچاس لاکھ احمدی لے آؤ تو تمہارے گذارے خود بخود

بڑھ جائیں گے"۔

بہر حال دنیا اِس وقت اسلام کی آواز سُننے کو منتظر ہے اور اس کے لئے ہمیں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو دین کی خدمت کے لئے آئیں اور اپنی زندگیاں اس کام کے لئے وقف کریں[۱]"

حضور نے خُطبہ کے آخر میں خاندانی طور پر وقف کرنے کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:-

"خاندانی طور پر اپنی زندگیاں دین کی خدمت کے لئے وقف کرو۔ اور عہد کرو کہ تم اپنی اولاد در اولاد کو وقف کرتے چلے جاؤ گے۔ پہلے تم خود اپنے کسی بچے کو وقف کرو۔ پھر اپنے سب بچوں سے عہد لو کہ وہ اپنے بچوں میں سے کسی نہ کسی کو خدمتِ دین کے لئے وقف کریں گے۔ اور پھر ان سے یہ عہد بھی لو کہ وہ اپنے بچوں سے عہد لیں گے کہ وہ بھی اپنی آئندہ نسل سے یہی مطالبہ کریں گے۔ چونکہ اگلی نسل کا وقف تمہارے اختیار میں نہیں اس لئے صرف تحریک کرنا تمہارا کام ہوگا۔ اگر وہ نہیں مانیں گے تو یہ ان کا قصور ہوگا۔ تم اپنے فرض سے سبکدوش سمجھے جاؤ گے اگر تم یہ کام کرو گے اور یہ رُوح جماعت میں نسلاً بعد نسلٍ پیدا ہوتی چلی جائے گی اور ہر فرد یہ کوشش کرے گا کہ اس کے خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد دین کی خاطر اپنی زندگی وقف کرے تو خدا تعالیٰ کے فضل سے لاکھوں واقف زندگی دین کی خدمت کے لئے مہیّا ہو جائیں گے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے وصیّت کی تحریک فرمائی ہے۔ تمہیں یہ بھی کوشش کرنی چاہیئے کہ تم میں سے ہر شخص وصیّت کرے اور پھر اپنی اولاد کے متعلق بھی کوشش کرے کہ وہ بھی وصیت کرے اور وہ اولاد اپنی اگلی نسل کو وصیت کی تحریک کرے۔ یہ بھی دین کی خدمت کا ایک بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ اگر ہم ایسا کر لیں تو قیامت تک تبلیغ اور اشاعت کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے[۲]"

اس تحریک کے نتیجہ میں ابتداء میں حضور کی خدمت میں تین درخواستیں موصول ہوئیں جن میں سرِفہرست صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب کی درخواست تھی۔ حضور انور نے اِن درخواستوں کا اپنے خُطبہ میں خاص طور پر تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:-

"مَیں نے جماعت میں جو وقف کی تحریک شروع کی ہے اس کے بعد میرے پاس تین درخواستیں آئی

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲،۳۔ [۲] ایضاً صفحہ ۵۔

ہیں۔ ایک تو میرے پوتے مرزا انس احمد کی ہے جو عزیزم مرزا ناصر احمد کا لڑکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نیت کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ انس احمد نے کہا ہے کہ میرا ارادہ تھا کہ میں قانون پڑھ کر اپنی زندگی وقف کروں لیکن اب آپ جہاں چاہیں مجھے لگا دیں۔ میں ہر طرح تیار ہوں۔ ایک درخواست ماسٹر سعد اللہ صاحب کی آئی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ میں نے ایم اے کا امتحان دیا ہوا ہے اس میں کامیاب ہونے کے بعد آپ جہاں چاہیں مجھے لگا دیں۔ تیسری درخواست باہر کے ایک لڑکے کی ہے جو ابھی چھوٹی جماعت کا طالب علم ہے۔ میں نے اسے کہا کہ وہ میٹرک پاس کر کے جامعہ میں داخلہ لے کیونکہ جب تک جامعہ میں زیادہ طالب علم نہیں آئیں گے اس وقت تک شاید مبلغ بھی زیادہ تعداد میں نہیں نکل سکتے۔ ہمارے اسکول کے اساتذہ کو چاہیئے کہ وہ لڑکوں میں وقف کی تحریک کریں اور انہیں سمجھائیں کہ تمہارا اعلیٰ گذارہ تمہارے اپنے اختیار میں ہے۔ اگر تم باہر جاؤ گے اور تبلیغ کرو گے تو تمہاری تبلیغ کے نتیجے میں جماعت بڑھے گی اور جماعت کے بڑھنے سے چندے زیادہ ہوں گے۔ اور چندے زیادہ آئیں گے تو تمہارے گذارے بھی زیادہ اعلیٰ ہوں گے۔ اگر یورپ کا کوئی حصہ ہی احمدی ہو جائے تو جماعت کے چندے کئی گُنا بڑھ سکتے ہیں۔ پس سکول کے اساتذہ اپنے سکول کے لڑکوں کو سمجھائیں اور پروفیسر کالج کے لڑکوں کو سمجھائیں اور باہر کے مبلغ اپنی اپنی جماعتوں میں چندہ دینے اور زندگی وقف کرنے کی تحریک کریں۔ اس طرح چند مہینوں میں ہی کام کی رفتار تیز ہو سکتی ہے اور یہ صدی ہر قسم کے شیطانی حملوں سے محفوظ ہو سکتی ہے۔ پھر جوں جوں جماعت بڑھے گی خدا تعالیٰ اپنے فضل سے آئندہ بھی اس میں جوش پیدا کرتا چلا جائے گا۔"[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵

فصل دوم

عقیدہ ختمِ نبوّت سے متعلّق ایک نہایت اہم خُطبہ جمعہ

حضرت مصلح موعود کو ہمیشہ یہ فکر دامنگیر رہتا تھا کہ سلسلہ احمدیہ کے افراد صحیح اسلامی عقائد سے باخبر رہیں تا غلط فہمیاں دُور ہوں اور اُمّتِ مُسلمہ ایک مضبوط قلعہ بن کر اپنی پُوری قوّت غیر مُسلم دُنیا کو مسلمان بنانے پر مرکوز کردے۔ یہی وہ رُوح اور پاک جذبہ تھا جس کی بناء پر حضور نے ۴ر نومبر ۱۹۵۵ء کو مسئلہ ختمِ نبوّت پر ایک اچھوتے رنگ میں روشنی ڈالی اور بڑے واضح لفظوں میں یہ حقیقت پیش کی کہ قرآن کریم اور حضرت مسیح موعود و مہدی معہودؑ کے الہامات دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النّبیین قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا کسی احمدی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے خاتم النّبیین ہونے کا انکار کر سکے۔ حضور کے اس پُر از علم و عرفان خُطبہ کے بعض حصّے درج ذیل کئے جاتے ہیں :۔

" قرآن کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے جہاں اور بہت سے نام آئے ہیں وہاں آپؐ کا ایک نام خاتم النبیین بھی آیا ہے۔ اور گو خاتَم النبیین کی مختلف تاویلیں کی جاتی ہیں لیکن لفظ خاتَم النبیین پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اور ہم بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو سچے دل سے خاتَم النبیین تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ جو شخص ختم نبوّت کا مُنکر ہو اس کو میں "بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"۔ (اشتہار ۲۳ر اکتوبر ۱۸۹۱ء) .....

..... ہم نے متواتر اس بات پر زور دیا کہ ہم قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں اور جب قرآن کریم میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النبیین قرار دیا گیا ہے تو ہم آپؐ کے خاتَم النبیین ہونے سے کیسے انکار کر سکتے ہیں؟ اگر یہ بات صرف حدیث میں آتی تو ہم حدیثوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں لیکن کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ چونکہ یہ بات قرآن کریم میں نہیں آئی اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے خاتَم النبیین ہونے پر تم یقین نہیں رکھتے لیکن یہ لفظ تو قرآن کریم میں آیا ہے پس جو شخص رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کو خاتَم النبیین

نہیں مانے گا وہ دوسرے الفاظ میں قرآنِ کریم کو بھی نہیں مانے گا۔ لیکن ہم تو قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النبیین یقین نہ کریں۔ لفظ خاتم النبیین کی تشریح میں تو اختلاف ہوسکتا ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النبیین یقین کرتے ہیں کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا۔ ہر شخص جو قرآن کریم کو مانتا ہے لازماً وہ آپؐ کو خاتم النبیین بھی مانے گا۔ جب ہماری جماعت کے افراد معترضین کو یہ جواب دیتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ تم قرآن کریم کو بھی نہیں مانتے تم تو مرزا صاحب (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کے الہامات کو قرآن کریم سے افضل سمجھتے ہو حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم آپؑ کے الہامات کو قرآنِ کریم کے تابع سمجھتے ہیں اور انہیں قرآن کریم کا خادم قرار دیتے ہیں۔ جیسے مرزا صاحب (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خادم ہیں۔ اسی طرح آپؑ کے الہامات قرآن کریم کے خادم ہیں۔ انہیں کوئی علیحدہ اور مستقل حیثیت حاصل نہیں چنانچہ آپؑ نے اپنی کتابوں میں صاف طور پر لکھا ہے کہ "اگر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت نہ ہوتا اور آپؐ کی پیروی نہ کرتا تو اگر دُنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی میں کبھی یہ شرف مکالمہ و مخاطبہ ہرگز نہ پاتا۔" (تجلیاتِ الٰہیہ صفحہ ۲۴، ۲۵)۔

پس جس طرح یہ بات بھی صحیح ہے کہ اگر کوئی شخص حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے الہامات کو قرآن کریم کا مخالف یا اسے رَدّ کرنے والا سمجھتا ہے تو وہ احمدیّت اور اسلام سے خارج ہے۔ بہرحال گو یہ بات انتہائی غیر معقول تھی لیکن کہا جاتا تھا کہ ہم حضرت مرزا صاحب کے الہامات کو نعوذ باللہ قرآن کریم پر مقدّم خیال کرتے ہیں اور قرآن کریم کو محض دکھاوے کے طور پر مانتے ہیں حالانکہ اگر ان کا یہ اعتراض سچّا ہے تو پھر ہم بیرونی ممالک میں جاکر اسلام کی اشاعت کے لئے کیوں تکلیف اُٹھا رہے ہیں۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور قرآن کریم پر ہم سچّے طور پر ایمان نہیں لاتے تو ہم اسلام کو پھیلانے کے لئے دوسرے ممالک میں کیوں جاتے ہیں؟۔ ہمارا بیرونی ممالک میں اسلام پھیلانا بتاتا ہے کہ ہم اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر سچّا ایمان رکھتے ہیں لیکن بہرحال جب دشمن عداوت میں بڑھ جاتا ہے تو وہ مخالفت میں معقولیّت کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ انہوں نے ہم پر یہ الزام لگایا کہ ہم قرآن کریم کو نہیں مانتے۔ اور مرزا صاحب کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے افضل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اس قسم کے عقیدہ کو کُفر کا موجب سمجھتے ہیں کہ کسی شخص کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے افضل سمجھا جائے یا اس کی وحی کو قرآن کریم سے برتر قرار دیا جائے۔ قرآن کریم تو مضامین کا ایک سمندر ہے۔ ہماری ساری تمدّنی ضرورتیں قرآن کریم سے پُوری ہوتی ہیں۔ ہماری

ساری معاشی ضرورتیں قرآن کریم سے پُوری ہوتی ہیں۔ ہماری ساری عائلی ضرورتیں قرآن کریم سے پُوری ہوتی ہیں۔ ہماری ساری عقلی ضرورتیں قرآن کریم سے پُوری ہوتی ہیں۔ ہماری ساری سیاسی ضرورتیں قرآن کریم سے پُوری ہوتی ہیں۔ ہماری ساری اخلاقی ضرورتیں قرآن کریم سے پُوری ہوتی ہیں۔ ہماری ساری رُوحانی ضرورتیں قرآن کریم سے پُوری ہوتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات قرآن کریم کے قائم مقام نہیں ہوسکتے۔ اگر کوئی شخص نعوذ باللہ من ذالک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کو قرآن کریم سے افضل یا اس کو رَدّ کرنے والا مانے تو وہ قرآن کریم کی ان ساری تعلیموں کو آپؑ کے الہامات سے نہیں نکال سکتا۔ گویا اگر کسی شخص کا فی الواقعہ یہ عقیدہ ہو تو آپ کے الہامات نعوذ باللہ قرآن کریم کے قائم مقام ہیں۔ تو وہ ان ساری برکتوں سے محروم ہوجائے گا جو قرآن کریم سے حاصل ہوتی ہیں۔ آپؑ کے الہامات قرآن کریم کی تشریح تو ہیں۔ اور قرآن کریم کی بعض مغلق باتیں جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ آپؑ کے الہامات کی روشنی میں سمجھ آجاتی ہیں۔ لیکن اگر ہم یہ سمجھیں کہ قرآن کریم کے سارے مضامین ان الہامات سے نکل آئیں گے تو یہ بالکل احمقانہ بات ہوگی۔ قرآن کریم ایک جامع اور کامل اور تمام الہامی کُتب سے افضل کتاب ہے اور مرزا صاحب کے الہامات قرآن کریم کے خادم ہیں۔ اس لئے قرآن کریم میں تو سارے اخلاقی، رُوحانی، عقلی، سیاسی، معاشی، اقتصادی اور ایمانی مضامین آگئے ہیں۔ لیکن حضرت مرزا صاحب کے الہاموں میں یہ تمام مضامین بیان نہیں کئے گئے کیونکہ آپ کو الہام کرنے والا خدا جانتا تھا کہ تمام مضامین قرآن کریم میں آچکے ہیں۔ اس لئے اب انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے الہامات میں بھی کئی اہم باتیں بیان کی گئی ہیں لیکن وہ قرآن کریم سے زائد نہیں بلکہ اس کی تشریح کے طور پر ہیں۔ . . . .

ہم جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم اور غلام سمجھتے ہیں اسی طرح ہم آپ کے الہامات کو بھی قرآن کریم کا خادم یقین کرتے ہیں جس طرح خادم اپنے آقا کی چیزوں کی صفائی کرتا ہے اور ان کی نگرانی کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم پر مسلمانوں نے اپنی غلط تشریحات کی وجہ سے جو گرد وغبار ڈال دی تھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات اس گرد وغبار کو صاف کرتے ہیں۔ لیکن کیا کوئی غلام اپنے آقا کی چیزوں کو اپنی طرف منسوب کرسکتا ہے یا وہ اپنے آپ کو اس سے افضل قرار دے سکتا ہے؟ اس کا کام تو اپنے آقا کے کپڑوں کو صاف کرنا انہیں سنبھال کر رکھنا۔ جوتے پالش کرنا اور دوسری خدمات بجا لانا ہوتا ہے اسی طرح حضرت مرزا صاحب کے الہاموں کا ایک خادم کی

حیثیت میں یہ کام ہے کہ وہ قرآن کریم کے معانی کو محفوظ رکھیں اور وہ گرد و غبار جو قرآن کریم پر پڑ گیا ہے اسے صاف کریں یہ گرد و غبار قرآن کریم کا حصّہ نہیں بلکہ لوگوں نے اپنے غلط خیالات کی وجہ سے قرآن کریم کے معانی پر ڈال دیا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات قرآن کریم کے خادم ہیں اور ان کا کام اس سے گرد و غبار کو دُور کرنا ہے۔ ان کی حیثیت شروع ہی سے قرآن کریم کی خادم کی سی ہے اور آئندہ بھی ہمیشہ ان کی یہی حیثیت رہے گی۔ لیکن چونکہ مخالفین ہم پر یہ الزام لگاتے تھے کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے الہامات کو قرآن کریم پر ترجیح دیتے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النبیین نہیں سمجھتے۔ اس لئے میری توجہ اس طرف پھری کہ میں اس بات کی تحقیق کروں کہ آیا آپ کے الہامات میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النبیین قرار دیا گیا یا نہیں۔

چنانچہ میں نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ "تذکرہ" میں تین دفعہ یہ الہام درج ہے کہ:-

"صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ سَيِّدِ وُلْدِ اٰدَمَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ۔

(ص۷۰، ص۲۴۳، ص۲۷۵)

یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر درود بھیجو جو تمام بنی آدم کے سردار اور خاتم النبیین ہیں۔ اب اگر معترضین کا یہ اعتراض درست ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی وحی کو قرآن کریم پر ترجیح دیتے ہیں تو اگر ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النبیین نہیں مانتے تو اپنے عمل سے ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو جھوٹا قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ ایک طرف تو ہم معترضین کے قول کے مطابق آپ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے بھی بڑا اور افضل قرار دیتے ہیں۔ اور دُوسری آپ کے الہام کو جھوٹا سمجھتے ہیں اور اگر ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی وحی کو قرآن کریم سے افضل قرار نہیں دیتے بلکہ انہیں قرآن کریم کے خادم کے طور پر تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس بات میں بھی کوئی شک نہیں رہتا کہ ہمارے اپنے عقیدے کے رُو سے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خاتم النبیین ہیں کیونکہ مرزا صاحب کے الہامات میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النبیین قرار دیا گیا ہے .... پس یہ ثابت شُدہ حقیقت ہے کہ کوئی ایماندار احمدی یہ گمان تک نہیں کر سکتا کہ محمد رسول اللہ علیہ وآلہ وسلّم خاتم النبیین نہیں تھے۔ اگر ہم قرآن کریم کی طرف جاتے ہیں تو اس میں بھی آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ اور اگر ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کی طرف جاتے ہیں تو ان میں بھی آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے پھر اگر ہم آپ کی تحریروں کی طرف دیکھتے ہیں تو ان میں بھی

بار بار آپؐ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ پھر کوئی سچّا احمدی آپؐ کے خاتَم النبیین ہونے میں کس طرح شُبہ کر سکتا ہے جدھر بھی کوئی جائے اسے یہی آواز آئے گی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خاتَم النبیین ہیں۔ قرآن کریم سے بھی یہی آواز آتی ہے کہ آپؐ خاتَم النبیین ہیں اور حضرت مرزا صاحب کے الہامات اور تحریروں سے بھی یہی آواز آتی ہے کہ آپؐ خاتَم النبیین ہیں۔ پس ایک احمدی کے لئے آپؐ کو خاتَم النبیین ماننے کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ خود اپنی قبر کھود کر اپنی رُوحانی موت کا اعلان کر دے ورنہ اسے اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں آپؐ کو خاتَم النبیین ماننا پڑے گا۔ کیونکہ قرآن کریم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے الہامات دونوں آپؐ کو خاتَم النبیین قرار دیتے ہیں اور وہ قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہوئے بھی آپؐ کے خاتَم النبیین ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے الہامات پر ایمان رکھتے ہوئے بھی آپؐ کے خاتَم النبیین ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔[1]

دعاؤں کی خصوصی تحریک

حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۱ر نومبر ۱۹۵۵ء کو خطبہ جمعہ میں تحریک فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو قریب کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تمام احباب خصوصاً نوجوان دُعاؤں میں لگ جائیں۔ چنانچہ فرمایا:-

"ہماری جماعت بھی ایک نہایت قلیل جماعت ہے اور جو کام اس کے سامنے پڑے ہیں اُن کا ابتدائی مرکز ہندوستان میں ہے جہاں جماعت بہت تھوڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بڑے وعدے ہیں مگر اِن وعدوں کو قریب کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم دُعاؤں میں لگ جائیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو وہاں کے مسلمانوں کے دل بھی احمدیت کی طرف مائل کر سکتا ہے۔ اور وہاں کے سکھّوں اور ہندوؤں کے دل بھی احمدیت کی طرف مائل کر سکتا ہے۔ پس جو کام ہم خود نہیں کر سکتے (ہمارے لئے تو وہاں جانا ہی مشکل ہے) وہ ہم دُعاؤں کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرنی چاہئیں کہ الٰہی تیرے وعدے تو سچّے ہیں لیکن اگر تیرے وعدے اس وقت پُورے ہوئے جب ان مسکین لوگوں کے جو وہاں بیٹھے ہوئے ہیں دل ٹوٹ گئے تو اس کا کیا فائدہ ہوگا تو جلدی اپنے وعدے پُورے کر اور جلدی ان لوگوں کے دلوں کو مضبوط کرنے کی تجویز کر۔

مَیں نے پچھلے جمعہ میں کہا تھا کہ مجھے بھی رؤیا میں یہی پتہ لگا ہے کہ میری مرض بھی دُعا کے ساتھ

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۸ر نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵

تعلق رکھتی ہے سو دوست دُعا کریں۔

اسی طرح دُنیا کے باقی ممالک میں ایک ایک دو دو کر کے مسلمان ہو رہے ہیں لیکن ایک ایک دو دو سے کیا بنتا ہے ضرورت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بند توڑ دے۔ اگر بند ٹوٹ جائیں اور ہزاروں لاکھوں آدمی احمدی ہونے لگیں تو ایک دو سال کے اندر ہر رنگ میں احمدیت اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ پھر قریب ترین زمانہ میں کوئی فکر کی صورت نہیں رہتی۔ جب زیادہ تعداد میں لوگ مختلف ممالک میں احمدی ہو جائیں گے۔ تو پھر کچھ عرصہ میں وہ اپنے آپ کو اور مضبوط کر لیں گے اور اس طرح بعید کا زمانہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔ تو دُعائیں کرو۔ مجھے افسوس ہے کہ نوجوانوں میں جب جلسے ہوتے ہیں تب تو وہ نعرے لگا دیتے ہیں لیکن تہجد پڑھنے اور دُعائیں کرنے کا رواج کم ہے حالانکہ تم سوچو تو سہی ہمارے مُلک کی مثل ہے کہ کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربہ جو کام تمہارے ذمہ ہیں ان کو پُورا کرنے کے لئے تمہارے پاس طاقت ہی کہاں ہے اور دُعا کے سوا تم کر ہی کیا سکتے ہو۔ دُعا ہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام ناممکن باتوں کو ممکن بنا دیتی ہے۔ پس نوجوانوں کو خصوصاً دُعاؤں کی عادت ڈالنی چاہیئے بڑوں کو بھی یہ عادت ڈالنی چاہیئے۔ مگر نوجوانوں کو خصوصاً یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربہ بلکہ تم تو پدّی سے بھی کم ہو تمہاری جان تو تبھی بچ سکتی ہے کہ خدا باز کے دل میں رحم ڈال دے۔ ایک پدّی اگر طاقت کے ساتھ باز سے لڑنا چاہے تو شائد سو میں سے نہیں ہزار میں سے ایک دفعہ ہی اس کا امکان ہے لیکن اگر وہ پدّی خدا کے آگے اپیل کرے تو سو میں سے ۷۰ فیصدی امکان ہو سکتا ہے کہ باز کے پَر ٹوٹ جائیں یا باز کی نیّت بدل جائے۔ یا باز کو کوئی اور زیادہ اچھا جانور نظر آ جائے اور وہ اس پدّی کو چھوڑ کر اُدھر بھاگ جائے تو یہ ساری چیزیں ہو سکتی ہیں۔ پس دُعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبت اور رحم پیدا کرے تمہاری باتوں میں تاثیر دے اور تمہارے کاموں میں برکت دے اور سب سے زیادہ یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اپنی محبت پیدا کرے کہ اس کے بعد وہ تمہاری باتوں کو ردّ نہ کر سکے بلکہ تمہاری دعائیں قبول کرنے لگ جائے یہی گُر ہے تمہاری کامیابی کا۔ اس کے سوا اور کوئی گُر نہیں۔"[1]

۱؎ روزنامہ الفضل ۲۷ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳، ۴۔

۱۹۵۵ء کو ربوہ میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں بیالیس مجالس کے آٹھ سو سات خدام نے شرکت کی۔ مندرجہ ذیل دس بیرونی ممالک کے نمائندوں کو اس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی :-

انڈونیشیا۔ برٹش شمالی لینڈ۔ چین۔ ٹرینیڈاڈ۔ شام۔ ڈچ گی آنا۔ عدن۔ مشرقی افریقہ۔ گولڈ کوسٹ (غانا)۔ قادیان۔

احمدی نوجوانوں نے تین روز تک اپنے خیموں میں مقیم رہ کر اجتماعی عبادات، ورزشی اور علمی مقابلوں تلقینِ عمل اور مجلسِ شوریٰ کے اجلاسوں میں حصّہ لینے کے علاوہ اپنے پیارے امام حضرت مصلح موعودؓ کے دو ولولہ انگیز خطابات سے مستفیض ہونے کا شرف حاصل کیا۔ افتتاحی خطاب میں حضور نے خدام اور انصار دونوں کو نہایت بیش قیمت ہدایات سے نوازتے ہوئے فرمایا :-

"آج انصار اللہ کی پہلی میٹنگ ہے۔ انصار کس جذبہ اور قربانی سے کام کرتے ہیں۔ یہ تو آئندہ سال ہی بتائیں گے مگر اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ جماعت کی دماغی نمائندگی انصار کرتے ہیں اور اس کے دل اور ہاتھوں کی نمائندگی خدام الاحمدیہ کرتے ہیں۔ جب کسی قوم کے دماغ دل اور ہاتھ ٹھیک ہوں تو وہ قوم بھی ٹھیک ہو جاتی ہے۔ پس مَیں پہلے تو انصار اللہ کو توجہ دلاتا ہوں کہ ..... جماعت میں نمازوں، دعاؤں اور تعلق باللہ کو قائم رکھنا ان کا کام ہے۔ ان کو تہجد ذکرِ الٰہی اور مساجد کی آبادی میں اتنا حِصّہ لینا چاہیئے کہ نوجوان ان کو دیکھ کر خود ہی اِن باتوں کی طرف مائل ہو جائیں۔ اصل میں نوجوانی کی عمر ہی وہ زمانہ ہے جس میں تہجد دُعا اور ذکرِ الٰہی کی طاقت بھی ہوتی ہے اور مزہ بھی ہوتا ہے لیکن عام طور پر جوانی کے زمانہ میں موت اور عاقبت کا خیال کم ہوتا ہے۔ اس وجہ سے نوجوان غافل ہو جاتے ہیں لیکن اگر نوجوانی میں کسی کو یہ توفیق مل جائے تو وہ بہت ہی مبارک وجود ہوتا ہے۔ پس ایک طرف تو مَیں انصار اللہ کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے نمونہ سے اپنے بچّوں، اپنے ہمسایہ کے بچّوں اور اپنے دوستوں کے بچّوں کو زندہ کریں اور دوسری طرف مَیں خدام الاحمدیہ کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اتنا اعلیٰ درجہ کا نمونہ قائم کریں کہ نسلاً بعد نسلٍ اسلام کی رُوح زندہ رہے۔ اسلام اپنی ذات میں تو کامل مذہب ہے لیکن اعلیٰ سے اعلیٰ شربت کے لئے بھی کسی گلاس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کی رُوح کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے کسی گلاس کی ضرورت ہے اور ہمارے خدام الاحمدیہ وہ گلاس ہیں جن میں اسلام کی رُوح کو قائم رکھا جائے گا اور ان کے ذریعہ اسے دُوسروں تک پہنچایا جائے گا۔ دیکھو آخر ہم بھی انسان ہیں اور یہودی بھی انسان ہیں۔ ہمارا دین ان کے

دین سے بہتر ہے اور ہمارا رسول ان کے رسول سے افضل ہے۔ مگر یہودیوں کو فلسطین سے نکال دیا گیا تو وہ اسے دو ہزار سال تک نہیں بھولے بلکہ اتنے لمبے عرصے تک انہیں یہ یاد رہا کہ انہوں نے فلسطین میں دوبارہ یہودی اثر کو قائم کرنا ہے اور آخر وہ دن آگیا اَب وہ فلسطین پر قابض ہیں۔ ہمیں اس بات پر غصّہ تو آتا ہے۔ اور ہم حکومتوں کو اس طرف توجہ بھی دلاتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو انہیں توجہ دلاتے رہیں گے کہ اَب یہ اسلامی علاقہ ہے۔ یہودیوں کا نہیں۔ اس لئے یہ مسلمانوں کو ملنا چاہیئے مگر ہم اس بات کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہودیوں نے دو ہزار سال تک اس بات کو یاد رکھا جو دوسری قومیں بعض دفعہ بیس سال یا سو سال تک بھی یاد نہیں رکھ سکتیں۔ پس یاد رکھو کہ اشاعت دین کوئی معمولی چیز نہیں یہ بعض دفعہ جلدی بھی ہو جاتی ہے۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں ۲۳ سال میں ہو گئی اور پھر مزید اشاعت کوئی پچاس سال میں ہوگئی مگر کبھی کبھی یہ سینکڑوں سال بھی لے لیتی ہے جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اس نے ایک سو سال کا عرصہ لیا اور کبھی یہ ہزاروں سال کا عرصہ بھی لے لیتی ہے۔ چنانچہ دیکھ لو یہودیوں کا دنیوی نفوذ تو بہت کم عرصہ میں ہوگیا تھا لیکن دوسری قوموں کی ہمدردی انہیں دو ہزار سال بعد جا کر حاصل ہوئی۔ جب لوگوں کو یہ محسوس ہو جاتا ہے کہ کوئی قوم اپنے آثار اور اپنی تعلیمات کو قائم رکھنے کے لئے ہر وقت تیار ہے اور آئندہ بھی تیار رہے گی تو اس قوم کے دشمن بھی اس کے ہمدرد ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ لطیفہ نہیں کہ عیسائیوں نے ہی یہودیوں کو فلسطین سے باہر نکالا تھا اور اَب عیسائی ہی انہیں فلسطین میں واپس لائے ہیں۔ دیکھو یہ کیسی عجیب بات ہے کہ آج سب سے زیادہ یہودیوں کے خیر خواہ امریکہ اور انگلینڈ ہیں اور یہ دونوں ملک عیسائیوں کے گڑھ ہیں۔ فلسطین سے یہودیوں کو نکالا بھی عیسائیوں نے ہی تھا مگر وہی آج اِن کے زیادہ ہمدرد ہیں۔ گویا ایک لمبی قربانی کے بعد ان کے دل بھی پسیج گئے۔ پس ہمیشہ ہی اسلام کی رُوح کو قائم رکھو اس کی تعلیم کو قائم رکھو اور یاد رکھو کہ قومیں نوجوانوں کی دینی زندگی کے ساتھ ہی قائم رہتی ہیں۔ اگر آنے والے کمزور ہو جائیں تو وہ قوم گر جاتی ہے۔ مگر کوئی انسان یہ کام نہیں کر سکتا۔ صرف اللہ ہی یہ کام کر سکتا ہے انسان کی عمر تو زیادہ سے زیادہ ساٹھ۔ ستّر۔ اسّی سال تک چلی جائے گی مگر قوموں کی زندگی کا عرصہ تو سینکڑوں ہزاروں سال تک جاتا ہے۔ دیکھو مسیح علیہ السّلام کی قوم بھی دو ہزار سال سے زندہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی قوم تیرہ سو سال سے زندہ ہے اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ جب تک دُنیا قائم رہے گی یہ بڑھتی چلی جائے گی

تم بھی ایک عظیم الشان کام کے لئے کھڑے ہوئے ہو۔ پس اس رُوح کو قائم رکھنا۔ اسے زندہ رکھنا اور ایسے نوجوان جو پہلوں سے زیادہ جوشیلے ہوں پیدا کرنا تمہارا کام ہے۔ ایک بہت بڑا کام تمہارے سپرد ہے عیسائی دُنیا کو مسلمان بنانا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے جتنا عیسائی دنیا کو یہودیوں کا ہمدرد بنانا۔ کیونکہ عیسائی دنیا کو ہمدرد بنانے میں تو صرف دماغ کو فتح کیا جاتا ہے لیکن عیسائیوں کو مسلمان بنانے میں دل اور دماغ دونوں کو فتح کرنا پڑے گا۔ اور یہ کام بہت زیادہ مشکل ہے۔

پس دُعاؤں میں لگے رہو اور اپنے کام کو تا قیامت زندہ رکھو محاورہ کے مطابق میرے مُنہ سے "تا قیامت" کے الفاظ نکلتے ہیں لیکن مَیں کہتا ہوں "تا قیامت" بھی دُرست نہیں۔ قیامتیں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ پس مَیں تو کہوں گا کہ تم اسے ابدی زمانہ تک قائم رکھو کیونکہ تم ازلی اور ابدی خدا کے بندے ہو اس لئے ابد تک اس نُور کو جو تمہارے سپرد کیا گیا ہے قائم رکھو اور محمدی نُور کو دُنیا میں پھیلاتے چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ ساری دُنیا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا کلمہ پڑھنے لگ جائے اور یہ دُنیا بدل جائے اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت جو آسمان پر ہے زمین پر بھی آجائے۔

مَیں بیمار ہوں زیادہ لمبی تقریر نہیں کر سکتا۔ اس لئے مَیں مختصر سی دُعا کرکے رخصت ہو جاؤں گا۔ مَیں نے اپنی مختصر تقریر میں خدام کو بھی نصیحت کر دی ہے اور انصار اللہ کو بھی۔ مجھے امید ہے کہ دونوں میری ان مختصر باتوں کو یاد رکھیں گے۔ اپنے اپنے فرائض کو ادا کریں گے اور اپنے اپنے علاقوں میں ایسے اعلیٰ نمونے پیش کریں گے کہ لوگ اِن کے نمونے دیکھ کر ہی احمدیت میں داخل ہونے لگ جائیں ....

پس دُعائیں کرو اور خدا تعالیٰ کے حضور میں اتنا گڑگڑاؤ اور اتنی کوششیں کرو کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے آسمان سے تمہاری مدد کے لئے اُتر آئیں انسانی زندگیاں محدود ہیں مگر ہمارا خدا ازلی ابدی خدا ہے اس لئے اگر وہ یہ بوجھ جو ہم اُٹھا نہیں سکتے آپ اُٹھائے تو فکر کی کوئی بات نہیں جب تک ہم یہ کام انسان کے ذمہ سمجھتے ہیں تب تک فکر رہے گا کیونکہ انسان تو کچھ مدت تک زندہ رہے گا پھر فوت ہو جائے گا۔ مگر خدا تعالیٰ خود اس بوجھ کو اُٹھائے تو فکر کی کوئی بات نہیں یہ اسی کا کام ہے اور اسی کو سجتا ہے اور جب خدا تعالیٰ خود اس بوجھ کو اٹھائے گا تو پھر اس کے لئے زمانہ کا کوئی سوال نہیں رہے گا کیونکہ خدا تعالیٰ کے ساتھ صدیاں تعلق نہیں رکھتیں ان کا تعلق تو ہمارے ساتھ ہے ورنہ خدا تعالیٰ تو ازلی ابدی خدا ہے۔ پس دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی اور مجھے بھی توفیق دے کہ ہم ثواب حاصل کریں۔

لیکن جو اصل چیز ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ یہ بوجھ خود اُٹھالے تا کہ آئندہ ہمارے لئے کوئی فکر کی بات نہ رہے[۱]"

حضرت مصلح موعودؑ اجتماع کے آخری روز بھی تشریف لائے۔ اس موقع پر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے نائب صدر صاحبزادہ مرزا منوّر احمد صاحب نے اُن خدام کو حضور کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا جنہوں نے مغربی پاکستان کے سیلاب زدہ علاقوں میں ریلیف کا کام نہایت محنت اور جانفشانی سے انجام دیا تھا۔ حضور نے سب نوجوانوں کو شرفِ مصافحہ سے نوازا، ہر مجلس کے خدام سے دریافت فرمایا کہ انہوں نے کس کس علاقہ میں ریلیف کا کام کیا۔ اور یہ کہ اُن کے امدادی کام کی نوعیت کیا تھی؟ جب آنبہ ضلع شیخوپورہ کے بعض زمیندار خدّام نے بتایا کہ وہاں خدام نے معماری کے کام سے ناواقف ہونے کے باوجود مصیبت زدہ لوگوں کے مکانات اپنے ہاتھوں سے تعمیر کئے ہیں تو حضور نے خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"خدمتِ خلق کی خاطر ہمارے دوستوں کو دلپسند مشغلے کے طور پر معمار کا کام سیکھنے کی طرف بھی توجہ دینی چاہیئے۔ یہ کام بہت تھوڑی سی کوشش کے بعد بآسانی سیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں وہ بارشوں اور سیلابوں وغیرہ کی ناگہانی مصیبتوں کے وقت وسیع پیمانے پر ایسی خدمت بجا لا سکتے ہیں کہ جس کی ایسے مواقع پر ہمیشہ ہی شدید ضرورت محسوس کی جاتی ہے[۲]"

ان سب خدام کو شرفِ مصافحہ عطا فرمانے کے بعد حضور نائب صدر کی معیت میں اسٹیج پر رونق افروز ہوئے اور خدام کو ایک رُوح پرور خطاب سے نوازا جس میں انہیں دُعاؤں پر زور دینے، اللہ تعالیٰ پر توکّل کرنے اور خدمتِ خلق کا فریضہ اُس بلند معیار کے مطابق ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی جس کا مطالبہ اُن سے احمدیت کرتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

"خدمت کرو اور کرتے چلے جاؤ تمہارا نام خدام الاحمدیہ ہے۔ خدام احمدیہ کے یہ معنے نہیں کہ تم احمدیت کے خادم ہو۔ خدام احمدیہ کے معنے ہیں تم احمدی خادم ہو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے ہیں کہ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے اگر تم واقع میں سچّے احمدی ہو گے اور سچّے خادم بھی ہو گے تو تھوڑے دِنوں میں ہی خدا تم کو سیّد بنا دے گا۔ ہر

---

[۱] روزنامہ الفضل ۱۵؍دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳،۴۔ [۲] روزنامہ الفضل ۲۲؍نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

شخص تمہارا ادب اور احترام کرے گا اور لوگ سمجھیں گے کہ ملک کی نجات اِن کے ساتھ وابستہ ہے دیکھو یہ کس طرح اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر ملک کی خدمت کرتے ہیں۔ سو اپنے اس مقام کو ہمیشہ یاد رکھو اور ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہو کہ تمہارے ذریعے سے دنیا کا ہر غریب اور امیر فائدہ اُٹھائے۔ نہ امیر سمجھے کہ تم اس کے دشمن ہو۔ نہ غریب سمجھے کہ تم اس کے دشمن ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے غریب بھی بندے ہیں اور امیر بھی بندے ہیں۔ ہزاروں باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اِن میں امیر بھی خدمت کے محتاج ہوتے ہیں اور ہزاروں مواقع ایسے آتے ہیں کہ غریب بھی خدمت کے محتاج ہوتے ہیں تم دونوں کی خدمت کرو۔ کیونکہ احمدیت غریب اور امیر میں کوئی فرق نہیں کرتی۔ بالشویک[۱] غریبوں کی خدمت کرتے ہیں اور کیپیٹلسٹ[۲] امیروں کی خدمت کرتے ہیں۔ تم خدام احمدیہ ہو۔ تمہارا کام یہ ہے کہ امیر مصیبت میں ہو تو اس کی خدمت کرو یہاں تک کہ ہر فردِ بشر یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کی نجات کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر قسم کی قومی ترقیات تم حاصل کرو گے اور اللہ تعالیٰ کی برکتیں تم پر نازل ہوں گی اور یاد رکھو کہ جہاں جہاں جاؤ خدام کی تعداد بڑھانے کی کوشش کرو۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ تمام احمدیوں کا چالیس فی صدی خدام ہونے چاہئیں۔ سو اپنی جماعت کو جُمعہ کے دن اور عید کے دن دیکھو کہ کتنی تھی اور پھر دیکھو کہ کیا اس کا چالیس فیصدی خدام ہیں اگر نہیں ہیں تو ہر اک کے پاس جاؤ اور اس کو تحریک کرو کہ وہ بھی آئے اور خدام میں شامل ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ تم کو سچے طور پر خدام احمدیہ بننے کی توفیق دے کیونکہ مُلک کو خدام احمدیہ کی ضرورت ہے جیسے میں نے بتایا ہے خدام احمدیہ جب ہم نے نام رکھا تھا تو اس کے یہ معنے نہیں تھے کہ تم احمدیوں کے خادم ہو اگر تم یہ معنے کرو گے تو بڑی غلطی کرو گے اور ہم پر ظلم کرو گے۔ خدام احمدیہ سے مراد تھا احمدیوں میں سے خدمت کرنے والا گروہ۔ تم خادم تو دُنیا کے ہر انسان کے ہو۔ لیکن ہو احمدیوں میں سے خادم اس لئے اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم احمدیوں کی خدمت کرو بلکہ مطلب یہ تھا کہ احمدی سٹینڈرڈ[۳] کے مطابق خدمت کرو۔ چنانچہ دیکھ لو لاہور میں طوفان آیا مکان گرے تو اس موقع پر جو احمدی معمار ہم نے بھیجے اُن کے متعلق پولیس نے اور محلے والوں نے اقرار کیا کہ یہ آدمی نہیں یہ تو جنّ ہیں۔ یہ تو منٹوں میں مکان تعمیر کر دیتے ہیں تو یہ احمدی سٹینڈرڈ تھا۔ سو اپنا احمدی سٹینڈرڈ

---

۱ BOLSHOVIK

۲ CAPITALIST

۳ AHMADI STANDARD (احمدی معیار)

قائم کرو۔ اور اسے بڑھاتے جاؤ۔ دیکھو آج تو تم خدمت کرتے ہو کل دوسروں کو بھی تحریک ہوگی لیکن اگر احمدی سٹینڈرڈ کے مطابق تم خدمت کرنے والے ہوگے تو دوسرے تمہارا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ وہ ہزار ہوں گے اور تم پچاس ان ہزار سے زیادہ کام کر جاؤ گے کیونکہ سٹینڈرڈ احمدی سٹینڈرڈ ہوگا۔ اوران کا سٹینڈرڈ اوّل تو احمدی سٹینڈرڈ نہیں ہوگا۔ دوسرے وہ فرق کریں گے کہ یہ ہمارا دشمن ہے۔ اور یہ ہمارا دوست ہے۔ تم نے کہنا ہے کہ ہم نے تو خدمت کرنی ہے۔ چاہے مخالف ہو یا دوست۔ اس طرح آپ ہی آپ تمہارا کام دوسروں سے بلند ہوتا چلا جائے گا۔ اور تم ملک کے لئے ایک ضروری وجود بن جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کے تم پر فضل نازل ہوں گے۔ جیسا کہ شروع ہی میں مَیں نے کہا ہے اللہ تعالیٰ پر توکّل کرو۔ دعاؤں پر خاص زور دو اور اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ جوانی میں تہجد پڑھنے والے اور جوانی میں دُعائیں کرنے والے اور جوانی میں سچی خوابیں دیکھنے والے بڑے نادر وجود ہوتے ہیں۔ تم نے ابدال کا ذکر سُنا ہوگا۔ ابدال درحقیقت وہی ہوتے ہیں جو جوانی میں اپنے اندر تغیّر پیدا کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق پیدا کر لیتے ہیں کہ بڈھے بڈھے بھی آکر کہتے کہ حضور ہمارے لئے دُعا کیجئے تمہارے احمدیوں کے بڈھے تو اقطاب ہونے چاہئیں اور احمدیوں کے جوان ابدال ہونے چاہئیں وہ خوب دُعائیں مانگیں اور اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت کریں کہ وہ اپنے فضل سے ان سے بولنے لگ جائے اور وہ جوانی میں ہی صاحب کشف و کرامات ہو جائیں اور محلہ کے لوگوں کو جب مصیبت پیش آئے وہ دوڑے دوڑے ایک خادم احمدیت کے پاس آئیں اور کہیں کہ دُعا کرو ہماری یہ مصیبت ٹل جائے۔ جب تم جذبۂ اخلاص سے اُن کے لئے دُعا کروگے تو پھر خدا تمہاری دُعائیں بھی زیادہ قبول کرنے لگ جائے گا اور لوگوں کو ماننا پڑے گا کہ تمہاری دُعا ایک بڑی قیمتی چیز ہے۔ بہرحال ان نصیحتوں کے بعد مَیں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ مصافحہ تو مَیں کر چکا ہوں اب آپ لوگوں کے لئے دعا کر کے آپ کو رخصت کرتا ہوں۔ باقی کام آپ کے منتظمین سرانجام دیں گے مَیں آپ کو السلام علیکم کہہ کر آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو اور قیامت تک آپ لوگ اور آپ کی نسلیں دین کی خادم رہیں خدا کی محبّ رہیں۔ خدا تم سے محبت کرنے والا ہو کبھی تمہارا دشمن تم پر غالب نہ آئے۔ بلکہ تم خدا کی مدد اور اس کی نصرت سے نیکی اور تقویٰ کے ساتھ لوگوں پر غالب آؤ۔ شرارت اور فساد کے ساتھ نہیں بلکہ نیکی اور تقویٰ کے ساتھ تاکہ اسلام تمہاری ترقی سے فائدہ اٹھائے اور کسی کو تمہاری ترقی سے نقصان نہ پہنچے اَللّٰھُمَّ اٰمین۔

دیکھو مَیں نے کہا تھا کہ توکّل کرو۔ سو توکّل کے معنے ہیں احمدیت کا صحیح مقام اس لحاظ سے مَیں کہتا

ہوں کہ احمدیت زندہ باد (احمدیت زندہ باد کے نعرے) اور میں نے کہا تھا کہ خدمت احمدیت کے سٹینڈرڈ پر کرو۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ انسانیت کو زندہ رکھنے کی کوشش کرو۔ سو اس کے مطابق میں کہتا ہوں کہ تمہارا نعرہ یہ ہونا چاہیئے انسانیت زندہ باد۔"[1]

تلقینِ عمل کا پروگرام

اجتماع کے دوسرے روز سوا نو بجے سے سوا دس بجے شب تک تلقینِ عمل کا پروگرام مقرر تھا۔ اس پروگرام کی یہ خصوصیت تھی کہ اس میں ایک تو حضرت المصلح الموعود کی رُوح پرور افتتاحی تقریر کا ریکارڈ سُنایا گیا۔ دوسرے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔ اے (آکسن) نائب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ نے خدام سے ایک اثر انگیز خطاب فرمایا۔ آپ کی تقریر کا عنوان تھا۔" موجودہ حالات میں خدام الاحمدیہ کو کس طرح کام کرنا چاہیئے"۔ اس تقریر کا خلاصہ اخبار الفضل کے نامہ نگار کے قلم سے درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"مذہبی نقطۂ نگاہ سے دُنیا کے حالات وہی ہیں جو پہلے تھے۔ موجودہ حالات گذشتہ حالات سے چنداں مختلف نہیں۔ دُنیا میں نفس اور رُوح کی کشمکش بدستور جاری ہے۔ نفس آج بھی انسان کو بھٹکا کر اسے مادی زندگی اور اس کی دلفریبیوں میں الجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان حالات میں خدام الاحمدیہ کا فرض یہی ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود کی تعلیم کے مطابق اپنے نفس کو مار کر صفائی قلب کی راہ پر گامزن ہوں تا خدائی انوار کو جذب کر کے دُنیا میں اسلام کے نور کو پھیلا سکیں۔

تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ آپ میں سے بعض کہہ سکتے ہیں کہ عمر کے لحاظ سے ابھی ہم میں اتنی پختہ کاری نہیں ہے کہ ہم نفس کو مارنے میں کامیاب ہو سکیں۔ لیکن یہ محض ایک واہمہ ہے۔ حضرت علیؓ آپ سے بھی چھوٹی عمر کے تھے جب انہوں نے نفس پر غلبہ حاصل کر کے اپنے دل کو انوارِ الٰہی کی تجلّی گاہ بنایا انہوں نے جب اسلام قبول کیا تو ان کی عمر ۱۲ سال تھی۔ سو نفس کو بارہ سال کی عمر میں بھی مارا جا سکتا ہے۔ آج خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرما کر نفس پر غلبہ پانے کی راہیں آپ کے لئے آسان کر دی ہیں۔ پہلے لوگ چالیس چالیس پچاس پچاس سال تک مجاہدہ کرتے تھے تو انہیں خدائی انوار کی کچھ جھلک نظر آتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں اپنے ایک مامور کو مبعوث کرنے کے بعد مجاہدات کے اس عرصہ کو کم کر دیا ہے اور وہ آپ کی تھوڑی سی کوشش کو بھی قبولیت کے شرف سے نوازنے کے لئے

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۴ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۵

تیار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتا ہے جب وہ آپ کی تھوڑی سی قربانی کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے تو سوال یہ ہے کہ آپ بھی وہ تھوڑی سی قربانی کرنے پر آمادہ ہیں یا نہیں اس کا سلوک آپ سب پر عیاں ہے۔ قدم قدم پر اس کی تائید و نصرت کے ایمان افروز نظارے آپ برابر دیکھتے چلے آرہے ہیں۔ پس خدا کا جلوہ دیکھنے کا دروازہ کھلا ہے یہ اب آپ کی ہمت اور ارادے پر منحصر ہے کہ آپ یہ جلوہ دیکھتے ہیں یا نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے اس دروازے تک پہنچنا آپ کے لئے آسان کر دیا گیا ہے اور "خدام الاحمدیہ" کی غرض یہی ہے کہ نوجوانوں کو نفس کی قربانی کے لئے تیار کیا جائے۔ تا دنیا میں اسلام دوبارہ زندہ ہو۔ یہ مقصد اس پروگرام پر عمل کرنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے جو آپ کے لئے پہلے ہی مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس بارے میں مشعل کا کام دینے والی وہ ہدایات ہیں جو آپ نے مختلف اوقات میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ سے حاصل کی ہیں۔ جو "مشعل راہ" کے نام سے ایک کتابچہ کی صورت میں پہلے سے طبع شدہ موجود ہیں۔ "مشعل راہ" کو بار بار پڑھیں اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔ اگر آپ ان میں سے ایک ہدایت کو بھی ترک کرتے ہیں تو آپ خدام الاحمدیہ کے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے"[1]

ہندوستان میں تبلیغی جدوجہد سے متعلق ایک اعلان

نظارت دعوت و تبلیغ قادیان کی طرف سے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں ہندوستانی کی احمدی جماعتوں اور اس کے مبلغین کی تبلیغی رپورٹیں باقاعدہ آیا کرتی تھیں مگر حضور کی بیماری کے باعث یہ سلسلہ بالکل بند کر دیا گیا اور جس پر حضور کو بہت فکر و تشویش پیدا ہوئی اور آپ نے ۱۷ر نومبر ۱۹۵۵ء (۱۷ر نبوت ۱۳۳۴ہش) کو اعلان فرمایا کہ:-

"ہر جماعت اپنی تبلیغی جدوجہد کے متعلق باقاعدہ رپورٹ بھجوایا کرے۔ اسی طرح ہر مبلغ بھی۔ تا کہ مجھے حالات سے بھی خبر رہے۔ دعا کی بھی تحریک ہو اور یہ بھی تسلی رہے کہ جماعت میں بیداری قائم ہے بلکہ بڑھ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو اور جماعت کو ہر لحظہ زیادہ کرتا جائے اور آپ کے اندر اخلاص بھی بڑھاتا چلا جائے اور قربانی کی روح بڑھاتا جائے۔ تاکہ ہندوستان میں احمدیت اپنے پاؤں پر کھڑی رہے"۔

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۴ر نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔

اس اعلامیہ میں حضور نے ہندوستان میں احمدیت کی رفتارِ ترقی کو تیز تر کرنے کے لئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ :-

"کسی زمانہ میں ایک ایک احمدی کے ذریعہ سے ہزاروں احمدی ہوتے تھے یہ .... مبلغ اگر اپنا فرض ادا کرتے تو آج تک ہندوستان میں جماعت دُگنی ہو چکی ہوتی"[1]

فصل سوم

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا پاکستان میں پہلا سالانہ اجتماع

مجلس انصار اللہ مرکزیہ تقسیم مُلک کے بعد انتہائی خطرناک حد تک جمود اور تعطل کا شکار ہوگئی تھی۔ ۷ نومبر ۱۹۵۴ء کو حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے حضرت مصلح موعود کے حکم پر اُس کی قیادت سنبھالی جس کے بعد چند ماہ کے اندر ہی اس میں زندگی کے نمایاں آثار پیدا ہوگئے اور اس سال کے آخر میں اپنے پہلے کامیاب سالانہ اجتماع کے نتیجہ میں ایک زندہ اور فعال مرکزی تنظیم شمار ہونے لگی۔

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا یہ پہلا سالانہ اجتماع (جو حضور کی دعاؤں، خصوصی توجہ اور اپنے جواں ہمت نائب صدر کی شب و روز مساعی کا پہلا شیریں پھل تھا) ۱۸، ۱۹ نومبر ۱۹۵۵ء کو تعلیم الاسلام کالج کے فضلِ عمر ہوسٹل میں منعقد ہوا۔ حضرت امام عالی مقام کی (انصار و خدام کے مشترکہ اجلاس میں) افتتاحی تقریر ہو چکی تو انصار اللہ مرکزیہ کے اس پہلے سالانہ اجتماع کی بقیہ کارروائی کا آغاز مولانا قمرالدین صاحب نائب قائد تعلیم و تربیت کی تلاوتِ قرآنِ مجید سے ہوا۔ جس کے بعد حضرت حافظ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔اے نائب صدر مجلس انصار اللہ نے تقریر فرمائی۔ آپ نے انصار سے اپیل کی کہ وہ جلد سے جلد اپنا دفتر قائم کریں تا

---

[1] بدر ۲۸ نومبر ۱۹۵۵ء صہ ۲۔

اگلے سال اپنا سالانہ اجتماع اپنے دفتر کی عمارت میں کرنے کے قابل ہو سکیں. نیز فرمایا چالیس سال کی عمر ہی ایسی ہوتی ہے جبکہ انسان کے جسمانی، ذہنی اور رُوحانی قوٰی پایہ تکمیل تک پہنچتے ہیں۔ کوئی نبی ایسا مبعوث نہیں ہُوا جسے چالیس سال کی عمر سے پہلے نبوّت کے فرائض اللہ تعالیٰ نے تفویض کئے ہوں۔ پس انصاراللہ جوانوں کی جماعت ہے۔ انصار کو چاہیئے کہ وہ جوانوں کی طرح ہی کام کریں اور ایسا کام کریں کہ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ کے آسمانی حکم کے تحت نیک کاموں میں خدام الاحمدیہ سے بھی سبقت لے جائیں۔ دُنیا اس وقت جہاں مذہبی صداقت کی محتاج ہے وہاں دنیوی صداقت کی بھی متلاشی ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور اس کے غیر معمولی نشانوں کے نظارے دیکھے ہیں۔ اس لئے ہم پر یہ ذمّہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم دُنیا کو اسلام کی دعوت دیں۔ اور وہ اخلاق ہم دُنیا میں پھر پیدا کریں جو دُنیا سے ناپید ہو چکے ہیں۔ اس رُوح پرور خطاب کے بعد مندرجہ ذیل بزرگوں نے تقاریر فرمائیں:۔

۱۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم اے قائد عمومی ("انصاراللہ کا مطلب")۔
۲۔ مولانا ظہور حسین صاحب مبلغ بخارا نائب قائد مال ("درسِ حدیث")
۳۔ حضرت ابوالبرکات مولانا غلام رسول صاحب راجیکی ("محبتِ الٰہی")

ان تقاریر کے بعد یہ اجلاس نماز مغرب و عشاء اور کھانے کے لئے ملتوی ہو گیا اور پھر مجلسِ شوریٰ کا انعقاد ہُوا۔ جس کی بقیّہ کارروائی اگلے روز بھی ہوئی۔ یہ شوریٰ قریباً چار گھنٹے تک جاری رہی جس میں مجلس کے لائحہ عمل، اُس کی تنظیم اور پروگرام سے متعلق نہایت دُور رس اور اہم فیصلے کئے گئے۔ مثلاً مجلس انصاراللہ کا سالانہ اجتماع دس اکتوبر کے بعد کسی جمعہ اور ہفتہ کو منعقد کیا جائے اور یہ تاریخیں مجلس خدام الاحمدیہ کے اجتماع کے ایام میں نہ ہوں۔ انصاراللہ کا ضلعوار نظام قائم کیا جائے۔ انصاراللہ کے لئے بھی کتب حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ششماہی امتحان کا انتظام کیا جائے۔ دفتر انصاراللہ کی تعمیر کے لئے تین سال میں بیس ہزار روپیہ بطور چندہ اس طریق سے جمع کیا جائے کہ ہر رکن کم از کم ایک روپیہ سالانہ چندہ دے۔ ہر مجلس کے ذمّہ اُس کی تعداد کے لحاظ سے ایک رقم مقرر کر دی جائے جسے پُورا کرنے کی وہ ذمّہ دار ہو۔ شوریٰ میں مجلس کے قواعد و ضوابط اور لائحہ عمل پر نظرِ ثانی کرنے کے لئے ایک بورڈ بھی مقرر کیا گیا۔ اگلے دن ۱۹ر نومبر کو اجتماع کی کارروائی حسبِ معمول تلاوتِ قرآن مجید سے شروع ہوئی۔ جس کے بعد مندرجہ ذیل بزرگوں نے اجتماع سے خطاب فرمایا:۔

۱۔ مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل پرنسپل جامعۃ المبشرین۔ (قائد تبلیغ)
۲۔ مکرم مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائل پوری پرنسپل جامعہ احمدیہ۔
۳۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے (قائد عمومی)
۴۔ مکرم مولانا قمرالدین صاحب (نائب قائد تعلیم وتربیت)
۵۔ حضرت زین العابدین سید ولی اللہ شاہ صاحب (قائد مال)
۶۔ مکرم مولانا غلام احمد صاحب بدوملہی (زعیم مجلس لالیاں)
۷۔ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال (رکن خصوصی مجلس انصاراللہ مرکزیہ)

سالانہ اجتماع کا آخری اجلاس ڈیڑھ بجے بعد دوپہر حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔اے رکن خصوصی انصاراللہ مرکزیہ و ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں تلاوت قرآن مجید کے بعد تقاریر کا انعامی مقابلہ ہوا۔ جس میں مکرم مولانا عبدالغفور صاحب مبلغ سلسلہ اوّل۔ حاجی محمد فاضل صاحب ربوہ دوم اور قریشی محمد حنیف صاحب قمر سوم آئے۔ ساڑھے تین بجے کے قریب سیدنا حضرت مصلح موعودؓ باوجود علالتِ طبع کے تشریف لائے۔ حضور نے سٹیج پر تشریف رکھنے سے قبل مجلس مرکزیہ کے عہدیداروں[1] بیرونی اور مقامی نمائندگان اور آخر میں بیرونی اور مقامی زائرین کو مصافحہ کا شرف بخشا۔ حضور کی طبیعت ناساز تھی۔ اس لئے حضور شرفِ مصافحہ عطا کرنے کے بعد واپس تشریف لے گئے جس کے بعد حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے بعض علمی اور انتظامی سوالات کے جوابات دیئے اور پھر اختتامی تقریر میں فرمایا کہ اَب ہمارا یہ پہلا سالانہ اجتماع ختم ہو رہا ہے اس میں شامل ہونے والے دوستوں نے بہت سے سبق حاصل کئے ہوں گے۔ سب سے پہلا اور نمایاں بنیادی سبق وہی ہے جس کی خاطر انبیاء علیہم السّلام مبعوث ہوتے رہے اور جس کے لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کامل نبی کامل شریعت لے کر مبعوث ہوئے یعنی محبتِ الٰہی کا سبق۔ درحقیقت باقی سب چیزیں محبتِ الٰہی کے اس بنیادی سبق کے گرد ہی گھومتی ہیں حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس بنیادی سبق پر اثر انگیز پیرائے میں روشنی ڈالی۔ اور بالآخر انصاراللہ کو تزکیۂ روح کی تحریک کرنے کے بعد اجتماعی دُعا کرائی۔

---

[1] اس یادگار موقع کی ایک تصویر "تاریخ احمدیت" جلد ۹ صفحہ ۹۹ پر شائع شدہ ہے۔

انصاراللہ کا یہ پہلا سالانہ اجتماع اس لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا تھا کہ انصاراللہ نے یہ ایام غیر معمولی طور پر دُعاؤں اور عبادت میں گذارے جن کی غیر معمولی قبولیت کا ذکر خود حضرت مصلح موعود نے ۲۰ر نومبر کو خدام الاحمدیہ کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ اجتماع میں پہلے دن نماز مغرب وعشاء حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری نے پڑھائی اور دوسرے دن نمازِ ظہر وعصر میں امامت کے فرائض حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم اے نے ادا کئے۔ مختلف اجلاسوں میں تلاوتِ قرآن مجید کی سعادت مکرم مولوی تاج الدین صاحب، مولوی احمد خان صاحب نسیم (نائب قائد تبلیغ) اور مکرم مولوی قمر الدین صاحب (نائب قائد تعلیم وتربیت) کے حصّہ میں آئی۔ قرآن مجید، احادیثِ نبویہ اور درسِ کتبِ حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ قرآنی حقائق ومعارف اسلام کی برتری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا عدیم المثال مقام نمایاں طور پر سامنے آجاتا اور رُوح پر سچ مچ وجد کی سی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ تقاریر کے موضوع بھی زیادہ تر ایسے مقرر کئے گئے تھے جن سے نفس کی اصلاح اور قلوب کا تزکیہ ہو۔ دورانِ اجتماع سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ کا جب اردو اور فارسی منظوم کلام پڑھا جاتا تو قلوب واذہان کے اندر ایک نئی روحانی تبدیلی پیدا ہوجاتی۔ اجتماع کے پہلے اجلاس میں حضرت مصلح موعودؓ کے ارشادِ مبارک کے تحت نمازِ تہجد پڑھنے اور کثرت سے دُعائیں اور استخارہ کرنے والے انصار کے اعداد وشمار جمع کئے گئے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے شاملِ اجتماع ہونے والے انصار کی نمایاں اکثریت ان امور کی پابند اور التزام کرنے والی پائی گئی۔

الغرض مجلس انصاراللہ مرکزیہ کے اس تاریخی پہلے سالانہ اجتماع کے پروگرام میں تزکیہ نفس اور تربیتِ نفس کے پہلوؤں کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا تھا اور انصار کی پُرسوز دُعاؤں اور عبادتوں نے ایک خاص رُوحانی ماحول اجتماع میں پیدا کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اجتماع میں اوّل سے آخر تک ایک پُرکیف رُوحانی فضا چھائی رہی اور انصار یہ عزم لے کر اُٹھے کہ وہ مجلس میں ایک نئی رُوح پیدا کرکے دم لیں گے۔ اور حضرت مصلح موعود جس بلند روحانی مقام پر انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ خدا کی دی ہوئی توفیق پر وہاں تک پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ [1] [2]

---

[1] یہ اجتماع سادگی اور حسنِ انتظام کا بھی عمدہ نمونہ تھا۔ انصاراللہ مرکزیہ کے ریکارڈ کے مطابق اس کے کل اخراجات پانچسو چھپن روپے دس آنے چھ پائی تھے۔ جن میں سے دوسو چھیالیس روپے چھ آنے چھ پائی کھانے اور بقیہ رقم سائبان وغیرہ پر خرچ ہوئی۔

[2] ملخص از الفضل ربوہ ۲۲، ۲۳، ۲۴ر نبوت ۱۳۳۴ہش مطابق ۲۲، ۲۳، ۲۴ر نومبر ۱۹۵۵ء۔

ایک الوداعی دعوت میں حضرت مصلح موعودؓ کا خطاب

حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب مبلغِ اسلام کی حیثیت سے دمشق روانہ ہو رہے تھے۔ آپ کے اعزاز میں جامعۃ المبشرین کے اساتذہ اور طلبہ کی طرف سے ۴ر دسمبر ۱۹۵۵ء کو ایک الوداعی تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں مولانا ابو العطاء صاحب پرنسپل جامعۃ المبشرین نے تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ دمشق کو احمدیت کے ساتھ کتنا گہرا تعلق ہے۔ اس موقع پر حضرت زین العابدین سید ولی اللہ شاہ صاحب نے حضرت مصلح موعودؓ کے لُطف واحسان کے بہت سے ایمان افروز واقعات بیان کئے کہ حضور نے ابتدا سے ہی کس قدر محنت اور دلچسپی کے ساتھ آپ کی زندگی میں دینی شغف کی رُوح پھونک دی۔ آخر میں سیدنا حضرت مصلح موعود نے خطاب فرمایا جس میں اُن حالات پر اختصار سے روشنی ڈالی۔ جن کے تحت ابتدا میں محترم شاہ صاحب کو تبلیغ کی غرض سے بلادِ عربیہ بھیجا گیا تھا اور فرمایا کہ:-

"اس مرتبہ بھی جب مَیں دمشق گیا تو مَیں نے دیکھا کہ اَب بھی وہاں لوگوں کے دلوں میں شاہ صاحب کا بہت احترام ہے۔ اور وہ اُن کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ اگرچہ وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک مضبوط جماعت قائم ہے جو نہایت مخلص احباب پر مشتمل ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود کے اس الہام کے پیشِ نظر یَدْعُوْنَ لَکَ اَبْدَالُ الشَّامِ وَعِبَادُ اللّٰہِ مِنَ الْعَرَبِ[1]۔ وہاں جماعت اور زیادہ ترقی کرے۔ اس لئے مَیں نے شاہ صاحب کو ایک مرتبہ پھر وہاں بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ گو اَب شاہ صاحب کی عمر بڑی ہے اور مَیں بھی بیمار ہوں۔ لیکن مَیں نے سوچا کہ انسانوں کا کام تو چلتا ہی رہتا ہے۔ خدا اور اس کے دین کا کام بہرحال مقدّم رہنا چاہیئے۔ چنانچہ میرے کہنے پر اس جذبہ کے ماتحت شاہ صاحب تیار ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود کے اس الہام میں اہلِ شام کا ایک بہت بڑا مقصد بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی دعاؤں کے ساتھ احمدیّت کو ترقی دینی ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ دُعاؤں اور قربانیوں کا یہ سلسلہ اور بڑھے اور وسیع ہو تا اس کے بڑھنے کے ساتھ دُنیا میں احمدیت کی ترقی اور اسلام کے غلبہ کے سامان پیدا ہوں۔ اگر وہاں خاطر خواہ کامیابی نصیب ہو جائے تو اس کا نفسیاتی طور پر یہاں بھی خوشگوار

---

[1] مکتوب ۷ر اپریل ۱۸۸۵ء مشمولہ مکتوباتِ احمدیہ جلد ۱ صفحہ ۸۶۔ مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم (۲۹ر دسمبر ۱۹۰۸ء)

اثر ظاہر ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ شاہ صاحب کے موجودہ سفر کو ان کے پہلے سفر سے بھی زیادہ کامیاب کرے اور وہ پہلے سے بھی کئی گُنا زیادہ جماعت وہاں چھوڑ کر کامیابی و کامرانی کے ساتھ واپس آئیں۔"

اس کے بعد حضور نے اجتماعی دعا کرائی۔ اور تشریف لے جانے سے قبل جامعۃ المبشرین کے طلبہ کو شرفِ مصافحہ عطا فرمایا۔ اور اس طرح یہ بابرکت تقریب اللہ تعالیٰ کے حضور دُنیا میں غلبۂ اسلام کی دُعاؤں کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی[1]

حضرت شاہ صاحب دمشق میں تین ماہ تک قیام فرما رہے اور جیسا کہ آپ نے اپنی خود نوشت سوانح عمری[2] میں لکھا ہے۔ دمشق میں ایک مضبوط جماعت دیکھ کر آپ پر رقّت طاری ہو گئی اور آپ کے آنسوؤں سے سجدہ گاہ تر ہو گئی۔ دورانِ قیام آپ نے نہ صرف یہ کہ جمعہ کے خطبات اور ہفتہ وار اجلاسوں میں ابدال الشام سے خطاب فرمایا بلکہ اسلامی اور اشتراکی اصولوں کے موازنہ پر ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی جو دمشق کے ایک مخلص احمدی سید ابو الفرج نے ٹائپ کی۔ اس طرح خدا کے فضل و کرم سے آپ کو اس سفر میں کئی اہم تربیتی و تبلیغی خدماتِ دینیہ بجا لانے کی توفیق ملی۔

صُوبہ مدراس اور جنوبی ہند کے احمدیوں کے نام محبّت بھرا پیغام

قریباً ۱۹۲۶ء[3] سے مدراس میں ایک اردو ہفت روزہ "آزاد نوجوان" کے نام سے جاری ہے۔ اس اخبار کے مدیر محمد کریم اللہ صاحب کی درخواست پر حضرت مصلح موعودؓ نے صوبہ مدراس اور جنوبی ہند کے احمدیوں کے لئے حسب ذیل پیغام عطا فرمایا جو دسمبر ۱۹۵۵ء کے آخر میں اس رسالہ کے پُر از معلومات "سلطان القلم نمبر" کی زینت بنا اور حضور کے ارشاد پر اخبار "بدر" (۲۸ نومبر ۱۹۵۵ء) میں بھی اشاعت پذیر ہوا۔

"اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھو النّاصر

برادران صوبہ مدراس و جنوبی ہند! اللہ تعالیٰ نے اسلام ایسے وقت میں بھیجا کہ جب کہ

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۷ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۸۔ [2] (غیر مطبوعہ) اس کا مسوّدہ شعبہ تاریخ احمدیت ربوہ میں محفوظ ہے۔ [3] "بدر" قادیان ۱۴ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۱ (۱۴ صلح ۱۳۳۵ ہش)۔

اس سے پہلے مختلف مذاہب موجود تھے. گویا دُنیا کی مختلف کھیتیاں مختلف مالکوں میں تقسیم ہو چکی تھیں۔ اور سوائے عرب کے کوئی خالی زمین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے باقی نہیں تھی مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حکم دیا کہ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيرًا. قرآن کریم کو ہاتھ میں لے کر قرآنی دلائل کے ساتھ اپنے مخاطبین سے جہاد کرو۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہؓ نے اس پر عمل کیا۔ کسی دشمن پر خود حملہ نہیں کیا۔ بلکہ اگر اُس نے حملہ کیا اور آپ اس کے دفاع کے لئے پہونچے تو بھی پَو پھٹنے سے پہلے کبھی اس پر حملہ نہیں کیا تاکہ وہ ہوشیار ہو جائے اور جنگ کے لئے تیار ہو جائے اور جب ایسی دفاعی جنگوں سے بھی آپ واپس آئے تو آپ نے فرمایا رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ۔ ہم چھوٹے جہاد سے واپس آئے ہیں اور اَب بڑے جہاد کے لئے فارغ ہوئے ہیں۔ یعنی تبلیغ کے لئے۔ پھر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ[1] یعنی تم کو جب خدا تعالیٰ غلبہ بھی دے تب بھی تبلیغ سے غافل نہ ہونا بلکہ اسلام کی تبلیغ لوگوں کے کانوں میں ڈالتے رہنا اور جہاں تم غالب اور زیادہ ہو وہاں ان لوگوں کے لئے امن پیدا کرنا تاکہ وہاں آکر اسلام کی تعلیم سُن اور سیکھ سکیں اور جب وہ واپس اپنے وطن جانا چاہیں تو آرام سے اُن کو وطن پہنچا دو۔ آپ لوگ اَب ایسے حالات میں سے گذر رہے ہیں کہ منکرینِ اسلام زیادہ ہیں اور آپ کم ہیں۔ پس آپ کا فرضِ تبلیغ تو اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ اگر آپ لوگ اچھا نمونہ دکھائیں اور اسلام کی تبلیغ کا جوش جنون کی حد تک بڑھا دیں تو اسلام کی اعلیٰ تعلیم آج بھی دلوں کو موہ لے گی اور آپ کے خیر خواہ اور آپ کے محبّ کثرت سے پیدا ہو جائیں گے مگر ضرورت یہ ہے کہ اسلام کو معقول صورت میں اُن کے سامنے پیش کیا جائے۔ ایسی تمام باتیں جو قرآن کے خلاف ہیں اور غیر مسلموں کو اسلام سے ناراض کرنے والی ہیں قرآن کی روشنی میں اُن کا ازالہ کیا جائے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حُسنِ سلوک سے اس کا دفاع کیا جائے۔ پھر دیکھو کہ لوگ فوراً اسلام کی طرف مائل ہونا شروع ہو جائیں گے۔ اور آپ کا وطن حقیقی معنوں میں آپ کا

---

[1] توبہ ع۱

وطن ہو جائے گا۔ مگر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ۔ انسان اور اس کے دل کے درمیان خدا تعالیٰ حائل ہوتا ہے۔ دل تک وہی بات پہنچ سکتی ہے جو خدا پہنچائے۔ دوسرا کوئی نہیں پہونچا سکتا اس لئے پہلے تو اسی نسخہ پر عمل کریں کہ نمازوں اور دُعاؤں پر زور دیں اور اپنے مُلک کے لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے خدا سے اپیل کریں۔ پھر جب لوگوں کے دل نرم ہو جائیں اور خدا کا فضل ان پر نازل ہونے لگ جائے تو عُمدہ اور لطیف لٹریچر جو اسی زبان میں لکھا گیا ہو جس زبان کو آپ کے اہلِ مُلک سمجھتے ہیں ان میں پھیلائیں۔

اس زمانہ میں اخبار بھی بڑا اہم کام کرتے ہیں۔ اگر آپ ایسے اخباروں کی اشاعت کریں جو اسلام کی روشنی پھیلانے کی خدمت کر رہے ہیں۔ تو یقیناً ایک پنتھ دو کاج ہو جائیں گے۔ اور آپ کے خیالات بھی لوگوں تک پہونچیں گے اور آپ کا ایک اپنا اخبار بھی لوگوں میں مقبول ہو جائے گا۔ اور آپ کی اندرونی اصلاح کا کام بھی ترقی کرے گا۔ اس کے علاوہ اگر چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ جو چار چار صفحے یا آٹھ آٹھ صفحے کے ہوں خصوصاً جو تامل اور کنڑی وغیرہ میں لکھے ہوئے ہوں اگر غیر مسلموں میں پھیلائے جائیں تو اِن کے قلوب میں اسلام کی طرف رغبت پیدا ہونی شروع ہو جائے گی۔ مگر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلام کی سب سے بڑی نعمت دُعا اور اس کی قبولیت کی اشاعت کریں۔ دُعاؤں کی عادت ڈالیں اور غیر مسلموں سے کہیں کہ اپنی مشکلات میں ہم سے دُعا کروایا کرو خدا تمہاری مشکلات دُور کرے گا۔ میرا تجربہ ہے کہ جنوبی ہند کے ہندو بہت سمجھدار اور غیر متعصّب ہیں۔ اگر محبت سے ان تک بات پہنچائی جائے گی تو یقیناً وہ اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔ جب خدا تعالیٰ چند آدمی اُن میں سے آپ کو دے تو آپ ان کو منظّم کریں اور انہی کو ان کی قوم میں تبلیغ کے لئے بھجوائیں جو اسلام کے ابتدائی زمانہ کی طرح یا بُدھ کے ابتدائی زمانہ کے بھکشوؤں کی طرح اپنی قوم میں تبلیغ کریں اور یاد رکھیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ [1]۔ ہمیشہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔ مگر نیکی اور تقویٰ کے متعلق۔ گناہ اور ظلم میں کبھی اس کی مدد نہ کرو۔ اپنی

---

[1] المائدہ : ۳۔

طبیعتوں میں سے درشتی نکال دو۔ نرمی اور دُعا پر زور دو۔ پھر اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا۔ اور زیادہ سے زیادہ آپ کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈالے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کا مددگار ہو۔

مرزا محمود احمد
(خلیفۃ المسیح الثانیؓ)"[1]

قادیان دارالامان کی طرف رجوع خلائق

قادیان، اس کے نواحی دیہات بلکہ پنجاب کے ہر علاقہ میں امن وامان کی صورتِ حال چونکہ نہایت تیزی سے خوشگوار ہو رہی تھی اس لئے قادیان کے درویشوں کیلئے مشرقی پنجاب میں کسی حد تک آمد و رفت کا دروازہ کھل گیا اور ملک کے ہر مذہب و ملّت کے افراد قادیان کی طرف اس کثرت سے آنے لگے کہ باقاعدہ طور پر ایک دفتر زائرین کھولنا پڑا جس کا کام مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کرانا اور جماعتِ احمدیہ سے متعلق معلومات بہم پہنچانا تھا۔ مکرم سیّد محمد شریف صاحب دفتر زائرین کے انچارج مقرر ہوئے۔ اُن کے علاوہ چند اور درویش اس کام کی انجام دہی کے لئے متعین کئے گئے۔ دفتر کی دیواروں پر بعض موزوں تبلیغی قطعات آویزاں کئے گئے جن میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ مسیح موعودؑ کی صداقت میں مختلف مذاہب کی پیشگوئیاں درج تھیں۔ زائرین انہیں پڑھتے اور بعض اوقات نوٹ بھی کر لیتے۔ اور اُن کی روشنی میں تبادلۂ خیالات بھی کرتے۔ بعض زائرین دُعا کی درخواست کرتے ہوئے نذرانہ کے طور پر رقوم بھی پیش کرتے، بعض مساجد کی صندقچیوں میں رقم ڈال دیتے۔ دفتر زائرین کی طرف سے زبانی معلومات بہم پہنچانے کے علاوہ ہندو، سکھ، عیسائی، مسلمان اور دیگر اقوام کے زائرین کو حسبِ موقع اردو، انگریزی، ہندی اور گورمکھی میں لٹریچر دینے کا بھی انتظام کیا گیا۔ ۱۹۵۵ء میں آٹھ ہزار دو سو انچاس زائرین قادیان آئے۔ جن میں سے تعلیم یافتہ طبقہ کو اٹھارہ سو پینتیس (۱۸۳۵) ٹریکٹ اور کتابیں تقسیم کی گئیں۔

رجوع خلائق کا یہ غیر معمولی سلسلہ خدا کی نصرت اور فرشتوں کی آسمانی تحریکات کے نتیجہ میں تھا۔ کیونکہ علاقہ میں امن وامان کی معتدل صورت حال کے باوجود درویشانِ قادیان کے لئے مشرقی پنجاب اور بعض دوسرے

---

[1] ہفت روزہ "بدر" قادیان ۲۸ ؍ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

علاقوں میں کھلے بندوں تبلیغ کے مواقع ابھی تک میسر نہیں تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہر مذہب و ملّت کی سعید رُوحوں کو قادیان میں کھینچ کر لا رہا تھا تا وہ اسلام اور احمدیت کی خوبیوں سے آگاہ ہوں اور اس مُلک میں حق و صداقت کی آواز بھی گونجنے لگے[۱]

فصل چہارم

قادیان اور ربوہ میں سالانہ جلسے

تحریکِ احمدیت میں جماعت احمدیہ کے مرکزی سالانہ جلسہ کو ہمیشہ ایک آسمانی نشان اور شعائر اللہ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے خدا سے علم پاکر ۷ ر دسمبر ۱۸۹۲ء کو پیشگوئی فرمائی کہ:۔

"اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں یہ وہ اَمر ہے جس کی خالص تائیدِ حق اور اعلائے کلمہ اسلام پر بنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی۔ کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں"[۲]

خدائے قادر کی ان پاک بشارتوں اور وَعدوں کے عین مطابق ۱۹۵۵ء کے سالانہ جلسے ہر اعتبار سے کامیاب رہے۔ چنانچہ قادیان کے مبارک اجتماع میں قریباً ایک ہزار نفوس نے شرکت کی سعادت حاصل کی جن میں سے دو سو بیس بیرونی ہندوستانی احمدی اور ایک سو بیس پاکستانی احمدی تھے۔ اور جلسہ ربوہ میں پاکستان کے طول و عرض سے شامل ہونے والے احمدیوں کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ علاوہ ازیں چین، انڈونیشیا، عدن، شام، فلسطین، مشرقی افریقہ، مغربی افریقہ، ماریشس، امریکہ، ڈچ گیانا اور ٹرینیڈاڈ کے مخلص احمدی بھی تشریف لائے۔ اسی طرح عالمی عدالتِ انصاف کے جج چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحب اور حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین کو بھی اس میں شرکت

---

[۱] اخبار "بدر" ۲۸ ر دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۴۔

[۲] مجموعہ اشتہارات حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد اوّل صفحہ ۳۴۱۔

کا موقع نصیب ہوا۔ نیز اقوام متحدہ کے ادارہ خوراک وزراعت کے جرمن ماہر ڈاکٹر فرز کورسٹلر DR. FRITZ KORE STILLER بھی نجی طور پر جلسہ کے دوران ربوہ پہنچے اور گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ موصوف اُن دنوں حکومتِ پاکستان کو امدادِ باہمی سے متعلق مشورہ دینے کے لئے لاہور آئے ہوئے تھے۔[1]

یہ پہلا جلسہ تھا جو حضرت مصلح موعود کی سفر یورپ سے باصحت واپسی کے بعد منعقد ہوا جس میں اکنافِ عالم کے رُوحانی پرندے مقدس امام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جمع ہوئے اور ربوہ کی مقدس بستی ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا کی عملی تفسیر کا رُوح پرور نظارہ پیش کر رہی تھی۔

قادیان اور ربوہ کے جلسوں کا یکجائی ذکر کرنے کے بعد ان کے ضروری کوائف کا الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے قبل قافلۂ پاکستان کے سفرِ قادیان کی تفصیلات بیان ہوں گی۔

قافلۂ پاکستان دیارِ حبیبؑ میں

اس سال جلسہ سالانہ قادیان میں شمولیت کے لئے جانے والا قافلۂ پاکستان اکتالیس احمدیوں پر مشتمل تھا جو ۲۵ر دسمبر ۱۹۵۵ء کو صبح سوا نو بجے جودھامل بلڈنگ سے روانہ ہوا۔ قافلہ کے لئے پنجاب بس ریزرو کرائی گئی تھی۔ تمام احباب بس میں بیٹھ گئے تو امیرِ قافلہ جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ نے فرمایا کہ اس سال سلسلہ کی کتنی مقتدر ہستیاں اپنے مولیٰ حقیقی کے پاس سدھاری ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی طرف کھینچنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا بنانا چاہتا ہے اور ہم ایک مقدس مقصد کی خاطر یہ سفر کر رہے ہیں۔ اس سفر میں ہمیں خصوصیت کے ساتھ اللہ کی طرف جھکنا چاہیئے۔ آؤ ہم اس سے استمداد کریں۔ چنانچہ دُعا کے بعد قافلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درُود اور تسبیحات پڑھتا ہُوا روانہ ہوا۔ پاکستان کی کسٹم پوسٹ اور پولیس پوسٹ کی چیکنگ سے فارغ ہو کر قافلہ ہندوستانی علاقہ میں داخل ہُوا۔ یہاں کسٹم کی پوسٹ پر قافلہ کا استقبال سردار بھگت سنگھ صاحب انسپکٹر پولیس نے کیا۔ سردار صاحب موصوف نہایت شریف اور ہمدرد افسر تھے جاتے اور آتے وقت وہ قافلہ کے ساتھ رہے اور قادیان میں بھی وقتاً فوقتاً زائرین سے رابطہ قائم رکھا اور اُن سے پُرسشِ احوال کرتے رہے۔ پولیس پوسٹ پر آکر سردار صاحب موصوف نے جلدی قافلہ کو فارغ

---

[1] روزنامہ الفضل ۳۱ر دسمبر ۱۹۵۵ء / ۳۱ر فتح ۱۳۳۴ہش صا

کرا دیا۔ اَب قافلہ پُوری رفتار سے روانہ ہُوا۔ پولیس کی موٹر کبھی قافلہ کی بس سے آگے ہوتی اور کبھی پیچھے۔ راستہ میں بارش کی تباہ کاریاں نمایاں تھیں۔ ابھی تک زمین کا اکثر حصّہ ناقابل کاشت معلوم ہوتا تھا۔ کوئی کھڑی فصل نظر نہ آتی تھی۔ زمین ابھی پُورے طور پر خشک نہ ہوئی تھی۔ امرتسر سے گذر کر تھانہ کتھونگل کے پاس قافلہ رُکا۔ معلوم ہُوا بس کا ایک ٹائر پنکچر ہو چکا ہے۔ ڈرائیور اس کو درست کرنے لگا۔ امیر قافلہ نے فیصلہ کیا کہ ظہر و عصر کی نمازیں یہیں ادا کر لی جائیں۔ وہاں تھانہ کے اندر واٹر پمپ پر وضو سے فارغ ہونے کے بعد اذان دی گئی۔ غیر مُسلم اصحاب کو اچنبھا معلوم ہُوا ہو گا۔ لیکن اس وقت اہلِ قافلہ پر رقّت طاری تھی۔ ارد گرد سے غیر مُسلم بچّے اور نوجوان اذان کی آواز سُنکر جمع ہو گئے۔ احمدیوں کو امیر قافلہ نے نہایت رقّت سے نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد قافلہ پھر روانہ ہُوا۔ بٹالہ پہنچ کر موٹریں رُکیں۔ جہاں متعدد غیر مسلم احباب مسلمانوں کو دیکھنے کے لئے بس کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔

بٹالہ سے روانہ ہو کر جونہی قادیان کے قریب پہنچے اور منارۃ المسیح نظر آیا تو ارکانِ قافلہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے اور سب کے ہاتھ دُعا کے لئے آسمان کی طرف بلند ہو گئے۔ قافلہ کی وہی کیفیّت تھی جو جلسہ سالانہ ربوہ کے آخری روز دُعا کے وقت ہوتی ہے[1]

ڈلہ کے قریب آکر سڑک ابھی زیرِ تعمیر تھی۔ لہٰذا باوجود اس کے کہ سامنے قادیان نظر آرہا تھا۔ لیکن سڑک کی خرابی کی وجہ سے موٹر موڑ کاٹ کر قادر آباد کے پاس سے دارالانوار کی سڑک پر سے ہوتی ہوئی حضرت مولوی عبدالمغنی خانصاحب اور نیک محمد خانصاحب کے گھر کے درمیان سڑک کے ایک جانب رُکی جہاں صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب، حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب، جناب ملک صلاح الدین صاحب ناظر امور عامہ، جناب عبدالحمید عاجز صاحب ناظر بیت المال، چوہدری سعید احمد صاحب محاسب اور دیگر بزرگانِ سلسلہ اور درویش تشریف فرما تھے۔ ایک درویش نے بلند آواز سے تین دفعہ اَھْلاً وَّ سَھْلاً وَّ مَرْحَبًا کہا۔ سب سے پہلے مکرم شیخ بشیر احمد صاحب امیر قافلہ، اس کے بعد جناب سردار بشیر احمد صاحب نائب امیر اور پھر باری باری تمام افرادِ قافلہ موٹر سے اُترے۔ مدرسہ احمدیہ کے طالب علموں نے سامان اتارا اور مدرسہ احمدیہ میں پہنچا دیا۔ ساڑھے چھ بجے ہندوستانی ٹائم کے مطابق جو پاکستان سے نصف گھنٹہ آگے ہے،

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ جنوری ۱۹۵۶ء صہ۴۔

مسجد مبارک میں مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر کے ادا کی گئیں۔ پھر بیت الدعا میں نوافل ادا کئے گئے۔ آٹھ بجے مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل کی مسجد مبارک میں تقریر تھی جس کا عنوان تھا "قبول احمدیت کے واقعات"۔ یہ تقریر مولوی بشیر احمد صاحب[1] مبلغ و امیر جماعت ہائے احمدیہ دہلی کی صدارت میں ہوئی۔

جلسہ کا افتتاح اور حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام

۲۶ ردسمبر ۱۹۵۵ء کو صبح دس بجے سالقہ زنانہ جلسہ گاہ میں جلسہ شروع ہوا۔ سٹیج کے دائیں جانب کرسیاں بچھائی گئی تھیں۔ بائیں طرف لوائے احمدیت لہرا رہا تھا۔ پہلا اجلاس امیر قافلہ محترم جناب شیخ بشیر احمد صاحب کی صدارت میں شروع ہوا۔ تلاوت و نظم کے بعد جلسہ کا افتتاح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے رُوح پرور پیغام سے ہوا جو صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر دعوت و تبلیغ و افسر جلسہ سالانہ نے پڑھ کر سُنایا۔ حضور کے اس اثر انگیز پیغام کا متن یہ تھا :۔

"اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھُوَ النَّاصِرُ

برادرانِ جماعت احمدیہ ہندوستان!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

پارٹیشن کے بعد اکثر حصّہ جماعت کا پاکستان آگیا اور ادھر جماعت بہت کم رہ گئی۔ مگر بڑا نقص یہ ہوا ہے کہ جماعت کے اکثر حصّہ اور خود میرے ادھر آجانے کی وجہ سے وہ جوش اور اخلاص ہندوستانی جماعت میں نہیں رہا جو پہلے ہوتا تھا۔

اے عزیزو! مذہب کا تعلق کسی شخص یا چند افراد سے نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص کا تعلق خدا تعالیٰ سے براہِ راست ہے۔ پس ہمّت کرو اور دلوں کو مضبوط کرو اور تبلیغ کو وسیع کرو اور اپنے اردگرد کے ہر مذہب اور ملّت کے آدمیوں تک پیغام حق پہنچاؤ۔

---

[1] حال ناظر دعوت و تبلیغ قادیان۔

خصوصاً قادیان کی جماعت کو چاہیئے کہ اپنے اردگرد کے ہندوؤں اور سکھوں سے ایسے گھُل مل کر رہیں اور ایسے پریم ومحبت سے رہیں کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ احمدی ان کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ ان کے بدخواہ نہیں۔ حضرت باوا نانک کو دیکھو کہ کس طرح اکیلے اُٹھے اور خالص اسلامی علاقوں ملتان اور ہزارہ (میں) چلے گئے وہاں دعائیں کیں۔ اور چلّہ کشیاں کیں اور اپنے سے محبت پیدا کرنے والے لوگ پیدا کر لیے۔ تم بھی اگر خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو گے اور تہجد اور ذکرِ الٰہی پر زور دو گے تو تمہارے اردگرد کے رہنے والے لوگ تم سے دُعائیں کروائیں گے تم سے محبت کریں گے اور تمہاری بزرگی کا اثر ان کے دلوں پر ہوگا۔ اَب تم میں سے ہر شخص یہ بھُول جائے کہ وہ زید یا بکر ہے۔ بلکہ یہ یقین کرے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خلیفہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مُلک میں نمائندہ ہے۔ پس اپنے مقام کو سمجھو اور مجھے یہ خوش خبریاں بھجواؤ کہ خدا تعالیٰ نے تمہاری زبانوں میں اثر دیا ہے اور جوق در جوق لوگ احمدیت میں داخل ہو رہے ہیں اور تمہارے ایمانوں میں اتنی طاقت دی ہے کہ قادیان کی مالی حالت روز بروز درست ہوتی جا رہی ہے۔ اور تبلیغ کا سلسلہ وسیع ہو رہا ہے۔

والسّلام

مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی)[1]

حضور کا یہ پیغام بھارتی احمدیوں بالخصوص درویشانِ قادیان کے جوشِ عمل، تبلیغی ولولہ اور ذوقِ دُعا میں غیر معمُولی اضافہ کا موجب ہُوا۔ اور اس نے ان کے اندر ایک نئی رُوح پھونک دی۔ بھارت کے احمدی جو تقسیم مُلک سے قبل اپنے محبوب آقا کی زیارت اور زندگی بخش کلمات سُننے کے لئے دیوانہ وار آتے تھے۔ اَب اس بے تابی اور بیقراری کے ساتھ حضور کا یہ پیغام سُن رہے تھے۔ اور پھر اس کا حضور ہی کے لختِ جگر کے مُنہ سے سُننا قندِ مکرّر کا سا رنگ رکھتا تھا۔

اس پیغام کے بعد پروگرام کے مطابق پہلا مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے خادمِ خاص حضرت

---

[1] روزنامہ "بدر" قادیان ۷ جنوری ۱۹۵۶ء/ ۷ صلح ۱۳۳۵ہش صفحہ ۱۔

بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیان کا "ذکرِ حبیب" کے موضوع پر تھا، جو صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ہی نے پڑھ کر سُنایا۔ جو نہایت ایمان افروز چشم دید واقعات پر مشتمل تھا۔ آپ کے بعد حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری نے "زندہ خدا" کے عنوان پر تقریر فرمائی۔

نمازِ ظہر و عصر کی ادائیگی کے بعد دُوسرا اجلاس صاحبزادہ میاں عبدالسّلام صاحب عمر کی صدارت میں ہُوا جس میں مولوی محمد حفیظ صاحب بقا پوری نے "اسلام کا نظریہ حیات" کے عنوان پر اور مولانا محمد سلیم صاحب نے "اسلامی اصولوں کی برتری" کے موضوع پر تقریر کی۔ ان تقاریر کے درمیان مشہور احمدی شاعر جناب قیس مینائی صاحب نے اپنا کلام سُنایا۔

جلسہ کا دُوسرا دِن

پروگرام کے مطابق جلسہ کی کارروائی سیٹھ معین الدین صاحب چنتہ کنٹہ حیدر آباد دکن کی صدارت میں ہوئی۔ پہلے اجلاس میں جن فاضل مقررین نے خطاب فرمایا اُن کے نام یہ ہیں۔ جناب مولوی بشیر احمد صاحب مبلغ کلکتہ۔ جناب مولوی شریف احمد صاحب امینی۔ حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری۔

دوسرے اجلاس میں جو حضرت حکیم صاحب کی صدارت میں منعقد ہُوا۔ میاں عبدالسلام صاحب عمر اور مہاشہ محمد عمر صاحب مربی سلسلہ کی تقاریر ہوئیں۔

جلسہ کا تیسرا دن ۲۸ دسمبر

تیسرے دن کا پہلا اجلاس محترم جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی صدارت میں ہُوا جس میں مولوی غلام باری صاحب سیف پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ۔ مولوی بشیر احمد صاحب مبلغ کلکتہ اور محمد کریم اللہ صاحب ایڈیٹر ہفت روزہ "آزاد نوجوان" نے تقاریر کیں۔ صدارتی تقریر میں محترم شیخ صاحب نے تعلق باللہ کی طرف توجہ دلائی جو مذہب کا اصل مقصد ہے۔ آخری اجلاس میں جو حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل جٹ کی زیرِ صدارت ہُوا۔ بالترتیب مولوی بشیر احمد صاحب فاضل اور مولوی محمد سلیم صاحب نے سکھ مُسلم ہندو اتحاد اور جماعت احمدیہ کے مستقبل پر تقاریر کیں۔ آخر میں صاحبِ صدر نے بھارت اور دیگر ممالک سے آمدہ تاریں سُنائیں۔ نیز وزیرِ اعلیٰ پنجاب جناب بھیم سین سچر اور دیگر وزراء کے علاوہ سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون ایڈیٹر

لہ یہ مضمون اخبار "بدر" ۱۴ تا ۲۸ مارچ ۱۹۵۶ء میں چھپ گیا۔

ہفت روزہ "ریاست" دہلی کے خطوط بھی سُنائے اور انتظامات جلسہ کے لئے حکام کا شکریہ ادا کیا اور پھر حاضرین سمیت ایک پُر سوز لمبی دُعا کرائی۔[1]

جلسہ کے سامعین اس جلسہ میں پاکستانی قافلہ اکتالیس افراد پر مشتمل تھا جن کے علاوہ کم و بیش مزید اسّی پاکستانی احمدی شامل جلسہ ہوئے۔ بھارت سے جن دو سو بیس احباب نے شرکت کی اُن کا تعلق مندرجہ ذیل مقامات سے تھا:۔

(۱) کشمیر (آسنور۔ رشی نگر)۔ (۲) جموں (جموں شہر۔ بھدرواہ)۔ (۳)۔ ریاست چنبہ۔ (۴)۔ یوپی (بریلی و لکھنو وغیرہ)۔ (۵) بمبئی (بمبئی شہر۔ ہبلی)۔ (۶) بہار و بھاگلپور وغیرہ۔ (۷)۔ اڑیسہ (سونگھڑہ۔ کیرنگ)۔ (۸) دکن (حیدرآباد۔ سکندرآباد۔ تیماپور چنتہ کنٹہ۔ یادگیر)۔ (۹) بنگال (کلکتہ۔ بھرت پور)۔ (۱۰) جنوبی ہند (شموگہ وغیرہ)[2]

جلسہ مستورات جلسہ مستورات حضرت مولوی عبدالمغنی صاحب کے مکان سے ملحقہ چار دیواری کے اندر منعقد ہوا۔ جہاں سات سو سے اوپر خواتین کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ ۲۶ر اور ۲۸ر دسمبر کا مردانہ پروگرام یہاں بذریعہ لاؤڈ سپیکر سنایا گیا اور ۲۷ر دسمبر کو احمدی مستورات کی تقاریر ہوئیں۔

قادیان کی رُوحانی فضا قادیان کی رُوحانی فضا ہمیشہ دُعاؤں سے معمور رہتی ہے۔ مگر جلسہ کے ان مبارک ایام کا رنگ ہی جدا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ زمانہ چودہ صدیاں پیچھے کی طرف ہٹ گیا ہے۔ ؎

وہی مے ان کو ساقی نے پلا دی ﴿ فَسُبْحَانَ الَّذِی اَخْزَی الْاَعَادِی

مکرم سید عبدالسلام صاحب سیالکوٹی کا معمول تھا کہ آپ ان دنوں تہجد کے لئے خاص التزام سے جگاتے اور اس غرض سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ اشعار نہایت بلند آواز سے پڑھتے تھے کہ:۔

کون روتا ہے کہ جس سے آسماں بھی رو پڑا ﴿ مہرومہ کی آنکھ غم سے ہوگئی تاریک و تار

مَیں وہ پانی ہوں جو آیا آسماں سے وقت پر ﴿ مَیں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہُوا دن آشکار

---

[1] "بدر" قادیان ۷ر جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۴-۷ [2] ایضاً۔

سونے والو جلد جاگو یہ نہ وقتِ خواب ہے ٭ جو خبر دی وحیِ حق نے اس سے دل بیتاب ہے

کچھ احباب پہلے ہی جاگے ہوتے اور کچھ ان پُر درد اشعار کو سُن کر جاگ اُٹھتے۔ بہت سے نوجوان بیت الدعا کے باہر انتظار میں کھڑے نظر آتے۔ بعض اس مبارک کمرہ میں سربسجود دکھائی دیتے۔ نماز تہجد مولوی شریف احمد صاحب امینی پڑھاتے اور نماز فجر حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب امیر جماعت کی اقتدا میں ادا کی جاتی۔ بعد ازاں درس ہوتا اور پھر بہشتی مقبرہ کی سڑک پر احمدیت کے پروانوں کا تانتا بندھ جاتا[1] اور حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السلام کا مزارِ مبارک حضور کا شہ نشین اور مقامِ بیعتِ خلافت اُولیٰ اُن کی دُعاؤں کے خصوصی مراکز بن جاتے تھے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم فرزندِ جلیل کی اس پیشگوئی کا حیرت انگیز ظہور تھا کہ ؎

اِنِّیْ اَمُوْتُ وَلَا یَمُوْتُ مُحَبَّتِیْ ٭ یُدْرٰی بِذِکْرِکَ فِی التُّرَابِ نِدَائِیْ[2]

مَیں تو مَر جاؤں گا۔ مگر میری محبت نہ مرے گی۔ بلکہ قبر میں سے بھی تیری یاد کی ندا پائی جائے گی۔

قافلہ کی واپسی

۳۰ دسمبر کو قافلہ کی واپسی کا دن تھا۔ جلسہ گاہ کے دروازہ کے سامنے بس پر سامان لادا گیا۔ زائرین نے درویشوں کے ساتھ مل کر دُعا کی جس کے بعد قافلہ پولیس کی معیت میں نعرہ ہائے تکبیر اور اسلام زندہ باد کے درمیان واپس روانہ ہُوا۔ اور اُسی دن بخیریت پاکستان پہنچ گیا[3]۔

ربوہ کا سالانہ جلسہ اور حضرت مصلح موعودؓ کی ایمان افروز تقریریں

جلسہ سالانہ قادیان کے کوائف کے بعد اب جلسہ سالانہ ربوہ کی تفصیلات دی جاتی ہیں۔

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے علالتِ طبع کے باوجود حسبِ معمول سالانہ جلسہ کے اس مبارک اجتماع سے بھی تین بار خطاب فرمایا۔

۱۔ افتتاحی تقریر (۲۶ دسمبر ۱۹۵۵ء) میں حضور نے سب سے پہلے اپنی بیماری کا بالتفصیل ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ :-

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۱ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔ (مضمون مولوی غلام باری صاحب سیف بعنوان "کوائف قادیان"۔

[2] "منن الرحمٰن" صفحہ ۱۲ تالیف ۱۸۹۵ء۔ [3] روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۴ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔

"کتنا عظیم الشان فرق بارہ مہینے میں پڑا ہے۔ بارہ مہینے پہلے میں بالکل تندرست تھا مگر اس کے بعد میں ایک سخت بیماری میں مبتلا ہوا جس کے اثرات اَب تک باقی ہیں اس بیماری کا جو ظاہری جسمانی حصّہ پر اثر تھا۔ اس میں تو کمی ہے۔ ہاتھ پیر ہلاتا ہوں، چل لیتا ہوں۔ لیکن ابھی کئی قسم کے اثرات باقی ہیں مثلاً نظر بہت کم کام کرتی ہے۔ گو ڈاکٹر کہتے ہیں موتیا بند نہیں ہے لیکن کوئی اعصابی مرض ہے تھوڑا سا بھی پڑھوں تو سر چکرا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے سارا دن گھبراہٹ میں گذرتا ہے۔ جب تک میری بیوی مجھے ڈاک وغیرہ سُناتی رہے یا قرآن شریف کے نوٹ لکھتی رہے طبیعت ٹھیک رہتی ہے۔ بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ کئی ڈاکٹروں نے حتّٰی کہ یوروپین ڈاکٹروں نے بھی جو دین کے اتنے قائل نہیں کہا کہ آپ کی صحت معجزانہ ہے۔ حالانکہ وہ دین کے قائل نہیں ہیں مگر اُن کے مُنہ سے بھی ایسا فقرہ نکل گیا۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ جرمنی میں ایک ڈاکٹر مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ

YOUR CURE WAS MIRACULOUS

اسی طرح یہاں کے بھی کئی ڈاکٹروں نے کہا کہ یہ ایک معجزانہ بات تھی۔ اَب اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اس معجزہ کو کامل کر دے اور وہ جو اَب تک میرے دماغ پر بوجھ ہے اس کو دُور کر دے.....

میری بیماری زیادہ تر اعصابی رَہ گئی ہے جہاں تک اصل بیماری کا سوال تھا۔ ڈاکٹروں کا بھی خیال ہے کہ وہ جا چکی ہے۔ صرف اعصابی تکلیف باقی ہے چنانچہ سوئٹزرلینڈ کا ایک مشہور ڈاکٹر جسے بوسٹن میڈیکل کالج امریکہ والے بھی (جو وہاں کا بڑا بھاری کالج ہے) تقریر کے لئے بُلایا کرتے ہیں۔ اور جس کے متعلق ہمارے دوستوں نے بھی وہاں سے مشورہ کر کے تار کے ذریعہ ہمیں لکھا تھا کہ اسے ضرور دکھاؤ اس کا فقرہ یہ تھا کہ اَب یہ بیماری آپ کے اختیار میں ہے آپ زور لگائیں اور بھول جائیں۔ میں نے کہا کہ مَیں بھولوں کس طرح اس کا بھی علاج بتاؤ کہنے لگا اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی صحت بیماری کے حملہ سے پہلے بہت اچھی تھی اب یک دم اس چیز میں جو کمی آئی ہے وہ آپ کو بہت محسوس ہوتی ہے اور آپ اس کو بُھلا نہیں سکتے پھر جب مَیں اُٹھا تو یوروپین لوگوں کے طرز کے مطابق میرے سینے کی طرف اپنا ہاتھ کر کے اور اُنگلی ہلا کر کہنے لگا کہ میری نصیحت آپ کو یہ ہے کہ

BE OPTIMISTIC —— BE OPTIMISTIC

اپنی امید مضبوط کر و۔ پھر یہ بیماری جاتی رہے گی۔ وہ کہنے لگا جہاں تک طبّی سوال ہے میرے نزدیک

بیماری چلی گئی ہے. لیکن آپ اپنے نفس پر قابو کرکے اسے بھلا دیں. گو آپ کے لئے یہ مشکل ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی صحت پہلے بہت اچھی تھی یک دم جو آپ آکے ناکارہ ہوگئے تو جو صدمہ آپ کے دماغ کو پہنچا ہے اس کی وجہ سے آپ بیماری کو بھلا نہیں سکتے مگر کوشش کریں کیونکہ علاج یہی ہے جس دن آپ اپنی طبیعت پر غالب آجائیں گے. جہاں تک جسمانی مرض کا سوال ہے وہ ختم ہوجائیگی. یہ بہت بڑا فرق ہے جو میری صحت میں واقعہ ہوا. کجا بارہ مہینے پہلے کی حالت اور کجا آج کی حالت. سوائے اس کے کہ جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے بعض دفعہ ایسا وقت بھی آتا ہے کہ مَیں اپنے آپ کو بالکل تندرست محسوس کرتا ہوں. پچھلے مہینے میں نومبر کے آخر میں یا دسمبر کے شروع میں پندرہ دن ایسے رہے کہ مَیں کمرہ میں ٹہلتا تھا آخر ٹہلنا پڑتا ہے کیونکہ گھبراہٹ ہوتی ہے اور یہ بھی غالباً اس بیماری کے نتیجہ میں ہے کہ چونکہ پہلے چلنا پھرنا بند ہوگیا تھا. طبیعت اندرونی طور پر محسوس کرتی ہے کہ مَیں چل کے دیکھوں کہ چل سکتا ہوں یا نہیں تو ٹہلتا ہوں اور ٹہلتا چلا جاتا ہوں یہاں تک کہ پیر تھک جاتے ہیں غرض پندرہ دن ایسے رہے کہ میرا دماغ بالکل یوں محسوس کرتا تھا کہ اس پر کوئی بوجھ نہیں اور نماز میں مجھے بھولنا بھی بند ہوگیا تھا. شروع شروع میں جب مَیں کراچی گیا ہوں تب تو یہ حال تھا کہ پاس آدمی بیٹھتے تھے جو بتاتے جاتے تھے کہ اَب سجدہ کریں اَب سجدہ سے اُٹھیں. یہاں بھی آکر کچھ بھولا مگر پھر ٹھیک ہوگیا مگر اس کے بعد پھر یہی کیفیّت ہوگئی جس پر مَیں نے اپنے ساتھ ایک آدمی کھڑا رکھنا شروع کیا کہ تم کھڑے ہوجاؤ گے تو مجھے پتہ لگ جائے گا کہ کھڑا ہونا ہے بیٹھ جاؤ گے تو مجھے پتہ لگ جائے گا کہ مجھے بیٹھنا ہے. مگر آہستہ آہستہ خدا تعالیٰ نے طبیعت پر ایسا قابو دے دیا کہ بغیر اس کے بیٹھنے یا قطع نظر اس کے کھڑا ہونے کے مَیں آپ ہی آپ کھڑا ہوجاتا تھا اور رکوع کرتا تھا اور تشہّد پڑھتا تھا اسی طرح گھر میں نماز پڑھتا ہوں تو بیوی کو بٹھا لیتا ہوں کہ دیکھتے جانا میں غلطی تو نہیں کرتا. مگر کئی دفعہ ایسے وقت بھی آتے ہیں کہ نماز بالکل ٹھیک پڑھتا ہوں اور کوئی بات نہیں بھولتی. مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ محض دُعاؤں کا نتیجہ ہے اور دُعاؤں کے ساتھ ہی اس کا تعلق ہے. مجھے خدا تعالیٰ نے خواب میں بھی یہی بتایا ہے[۱]"

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ر فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۴.

اسی تسلسل میں حضور نے اگلے روز مزید بتایا کہ :۔

"بڑی مشکل یہ ہے کہ سب سے زیادہ اثر اس بیماری کا میری آنکھوں پر پڑا ہے۔ شروع میں تو اس کا پتہ بھی نہیں لگا لیکن آہستہ آہستہ پتہ لگا۔ اب میں پڑھ نہیں سکتا۔ یہ مطلب نہیں کہ حرف نظر نہیں آتے۔ حرف تو نظر آتے ہیں بلکہ اب بھی اگر پڑھنے والی عینک لگاؤں تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ بغیر عینک کے مجھے زیادہ آرام رہتا ہے لیکن طبیعت میں پریشانی شروع ہو جاتی ہے۔ لائل پور میں ایک بڑے لائق ڈاکٹر ہیں۔ میں نے ان کو یہاں بلوایا اور میں نے کہا کہ دیکھئے میں نے قرآن شریف کا ایک سیپارہ ہی پڑھا تھا کہ میری طبیعت گھبرا گئی۔ اس بے چارے کو تو قرآن شریف پڑھنے کی عادت نہیں تھی کہنے لگا ایک سیپارہ یہ تو بڑی چیز ہے۔ میں نے کہا آپ میرا حال تو نہیں جانتے میں نے تو تندرستی میں بعض دفعہ رمضان شریف میں پندرہ پندرہ سولہ سولہ سیپارے ایک سانس میں پڑھے ہیں۔ پس میری تو ایک سیپارہ پر گھبراہٹ سے جان نکلتی ہے کہ مجھے ہو کیا گیا ہے کہ یا تو پندرہ سولہ سیپارہ پڑھنے اور ساتھ ہی زبان سے بھی پڑھتے جانا اور آنکھوں سے بھی دیکھتے جانا اور کجا یہ کہ ایک سیپارے کے ساتھ ہی گھبراہٹ شروع ہو جاتی ہے۔ وہ بے چارہ اس پر کہنے لگا کہ یہ تو بہت بڑا کام ہے۔"[۱]

اس تفصیل کے بعد حضور نے نہایت زور دار اور پُرشوکت الفاظ میں وقفِ زندگی کی تحریک کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ فرمایا :۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ مجھ سے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تین سو سال تک تمہاری جماعت بڑی طاقتور اور مضبوط ہو جائے گی۔ تین سو سال کا عرصہ بڑا لمبا عرصہ ہے یوں تو مومن کو قیامت تک کے لئے عزم کرنا چاہیئے لیکن کم سے کم تین سو سال تک تو ہماری آئندہ نسلوں کو یہ عزم کرنا چاہیئے کہ یکے بعد دیگرے ہم سلسلہ کا بوجھ اُٹھاتے چلے جائیں گے اور اسلام کی اشاعت میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔

اس وقت میں دیکھتا ہوں کہ نئے خاندانوں میں سے تو لوگ وقف کی طرف آ رہے ہیں مگر پرانے

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۴ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳-۴)

خاندانوں میں سے کم آ رہے ہیں. پس سلسلہ کے لئے بھی دُعا کرو اور ان لوگوں کے لئے بھی دُعا کرو جن کو خدا تعالیٰ نے پہلے احمدیت کی خدمت کی توفیق دی تھی. کہ اللہ تعالیٰ ان کے خاندانوں کو بھی اس کی توفیق دیتا رہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعد میں آنے والے مومن ہمیشہ دُعا کرتے رہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں بھی بخش اور ان کو بھی بخش جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں تو ان لوگوں کا بھی حق ہے کیونکہ ان کے ذریعہ سے ہی ایمان آپ تک پہونچا ہے اس طرح آپ لوگ کوشش کریں کہ خدا تعالیٰ آپ میں ایمان قائم رکھے اور ایسا ایمان قائم رکھے کہ وقف کے ذریعہ سے جماعت کی ترقی کے لئے آپ لوگ ہمیشہ کوشاں رہیں۔ بے شک خدمات کے کئی ذرائع ہیں. قومی طور پر تو یہی ذریعہ ہے کہ اپنے ایمانوں کو مضبوط رکھا جائے۔ جیسے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سارے لوگ وقف نہیں کر سکتے کچھ لوگ کر سکتے ہیں. سارے لوگوں کا وقف یہی ہے کہ تمام لوگ ایمانوں کو پختہ رکھیں اور اپنی قربانی کو بڑھاتے چلے جائیں۔ اگر سارے لوگ اپنے ایمانوں کو پختہ نہ رکھیں اور قربانی نہ بڑھاتے چلے جائیں تو وقف کرنے والے کھائیں گے کہاں سے اُن کے کھانے پینے کا تبھی سامان ہو سکتا ہے. جب اللہ تعالیٰ جماعت کو توفیق دیتا چلا جائے اور اس کے چندے بڑھتے چلے جائیں آخر یہ سلسلہ بڑھے تو ہمیں دس پندرہ ہزار واقفین چاہئیں۔ مُلک کا معیارِ زندگی اتنا بڑھتا چلا جاتا ہے کہ جو اچھی دینی یا دنیوی تعلیم والے ہوں گے ان کو اپنے ہمسایوں کے حالات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے کم سے کم چار پانچ سو روپیہ ماہوار کی ضرورت ہوگی اس کے معنی یہ بنتے ہیں کہ اگر دس ہزار واقفین ہوں تو چالیس پچاس لاکھ روپیہ ماہوار کی آمدن ہونی چاہئیے۔ یعنی چھ کروڑ روپیہ سالانہ. تب جا کے اتنے واقفین مل سکتے ہیں جو سلسلہ کی ساری ضرورتوں کو پورا کر سکیں۔ اگر آپ لوگ اپنی نسلوں میں یہ احساس پیدا کریں کہ تم میں سے جو وقف کرے دوسرے لوگ اس کی خدمت کیا کریں تو یہ کام بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے اس کے علاوہ اپنے چندے بڑھاؤ اپنے دوستوں کے بھی بڑھواؤ اور جو غیر احمدی دوست ہیں ان سے بھی چندے لو ان میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں. جن کے اندر دین کا درد ہے۔ مجھے یاد ہے میر محمد اسحٰق صاحب مرحوم جب بچے تھے حضرت خلیفہ اوّلؓ نے میر ناصر نواب صاحب مرحوم کو جو ہمارے نانا تھے فرمایا کہ اسحٰق کو میرے پاس بھیجا کریں. میں اس کو قرآن حدیث پڑھاؤں گا. وہ تھے تو اہلِ حدیث مگر طبیعت بڑی جوشیلی تھی کہنے

لگے اسماعیل ڈاکٹری میں پڑھتا ہے۔ اسحٰق اگر آپ کے پاس قرآن حدیث پڑھے گا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہمیشہ میرا ایک بیٹا میرے دوسرے بیٹے کے آگے ہاتھ پھیلائے گا کہ میرے لئے کچھ کھانے کا سامان کرو۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ فرمانے لگے کہ میر صاحب آپ یہ کیوں کہتے ہیں کہ میرا ایک بیٹا دوسرے بیٹے کے آگے ہاتھ پھیلائے گا۔ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ میرے اس بیٹے کے طفیل خدا دوسرے بیٹے کو رزق دے گا۔ تو اپنی اولاد کو آپ لوگ یہ احساس پیدا کرائیں کہ جو تم میں سے واقف زندگی ہو تمہارا فرض ہے کہ اپنی آمدنوں میں سے ایک معقول حصّہ اس کی خدمت کے لئے دیا کرو تا کہ اس کی فکرِ معیشت دُور ہو جائے۔ سو ایک طرف جو دنیوی تعلیم حاصل کرنے والے لڑکے ہیں ان کو یہ تعلیم دیں اور جو دوسرے ہیں اُن کو دینی تعلیم دلائیں اور اصل چیز تو یہ ہے کہ قرآن شریف اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی کتابیں پڑھ پڑھ کے آپ لوگ خود اپنی تعلیم اتنی مکمل کریں کہ اپنے گھروں میں ہی ہر شخص واقف ہو جائے۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے جو صحابہؓ تھے وہ کون سے شاہد پاس تھے ؟ بس اک آگ ان کے دلوں میں لگی ہوئی تھی۔ وہ آگ لگ جائے تو سب کام آپ ہی آپ ہو جاتے ہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی کتابوں کو غور سے پڑھتے ہیں سلسلہ کا لٹریچر غور سے پڑھتے ہیں قرآن شریف و حدیث غور سے پڑھتے ہیں بغیر اس کے کہ اُن کو کوئی بڑا علم آتا ہو وہ دُنیا کے بڑے سے بڑے عالم پر غالب آجاتے ہیں اور کوئی شخص ان کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ مجھے یاد ہے لنڈن میں ہمارے مبلغ ہوتے تھے چودھری ظہور احمد باجوہ وہ آجکل ناظر رشد و اصلاح[1] ہیں اُن کے ساتھ بعض دفعہ لوگوں کی گفتگو ہوتی تھی بعض دفعہ انگریزوں کی اور بعض دفعہ جو بڑے بڑے ہوشیار اور جہاندیدہ پیغامی مبلّغ وہاں ہیں اُن کی جب وہ سوال و جواب آتا تو ہمیشہ اُن کا خط پڑھ کر میرا دل کانپتا تھا کہ یہ کوئی غلطی نہ کر بیٹھیں مگر ہمیشہ ہی مَیں نے دیکھا کہ جب مَیں ان کا جواب پڑھتا تھا تو دل خوش ہو جاتا تھا وہ ایسا مکمل اور اعلیٰ جواب ہوتا تھا کہ میرا دل مانتا تھا کہ اس شخص کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی ہے۔[2]"

---

[1] بعد ازاں ناظر امور عامہ بنے اب ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد (تعلیم القرآن) ہیں۔

[2] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ ر فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۴-۵۔

اس سلسلہ میں حضور نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت علیؓ کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:۔

"ابراہیمؑ کی نسل میں بھی ان کے ایک بیٹے سے بارہ امام بنے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ سے بھی بارہ امام پیدا ہوئے۔ مگر کتنا افسوس ہے کہ بعض مخلص لوگ فوت ہوتے ہیں تو ان کے بیٹے ہی خراب ہو جاتے ہیں اور بعض کا پوتا خراب ہو جاتا ہے۔ مگر علیؓ کے اندر کیسا ابراہیمی ایمان تھا اور ابراہیمؑ کے اندر کیسا ایمان تھا کہ بارہ نسلوں تک برابر اُن میں یہ ذمہ داری کا احساس چلتا چلا گیا کہ ہم نے دین کی خدمت کرنی ہے۔ اگر تمہارے بچے بھی یہ ارادہ کر لیں تو پھر کوئی فکر نہیں بڈھوں نے تو آخر مرنا ہے۔ خدا تعالیٰ نے آدمؑ کے زمانہ سے لیکر آج تک ہر ایک کے لئے موت مقرر کی ہوئی ہے مگر جب یہی بچے بڈھے بن جائیں گے تو پھر کوئی فکر نہیں ہوگی کہ دین کا کیا بنے گا۔ یہی نو دس سال کے بچے ایسے طاقتور پہاڑ بنیں گے کہ اگر دُنیا ان سے ٹکرائے گی تو دُنیا کا سر پاش پاش ہو جائے گا مگر یہ اپنے مقام سے نہیں ہٹیں گے۔ اور احمدیت کو دُنیا کے کناروں تک پہنچا کے رہیں گے۔ لیکن یہ سارے کام دعاؤں سے ہو سکتے ہیں ہمارے اختیار میں تو خود اپنا دل بھی نہیں ہوتا لیکن خدا کے اختیار میں ہمارا بھی دل ہے اور ہماری اولادوں کا بھی دل ہے اور اولادوں کی اولادوں کا بھی دل ہے۔ ہمیں تو دس بارہ نسلیں کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کیونکہ نظر تو یہ آتا ہے کہ بارہ تک پہنچنا بھی ہمارے اختیار میں نہیں۔ اگر یہ دریا کی لہر ہمارے دہانے میں سے گذرے تو خبر نہیں بارہ نسلوں تک پہنچے گی بھی یا نہیں مگر خدا کی یہ طاقت ہے کہ وہ بارہ ہزار نسلوں تک پہنچا دے اس لئے آؤ ہم خدا سے دُعا کریں کہ وہ اس جلسہ کو بابرکت کرے اور اللہ تعالیٰ ہماری اولادوں کو ہزاروں پشتوں تک دین کا بوجھ اٹھانے کی توفیق دے اور ہمیشہ ان میں ایسے کامل انسان پیدا ہوں جو اللہ تعالیٰ سے براہ راست تعلق رکھنے والے ہوں اور اس کے دین کی اشاعت کرنے والے ہوں تاکہ احمدیت اور اسلام کا پیغام دُنیا میں پھیل جائے اور ہم خدا تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہو جائیں۔ اپنی طاقت سے نہیں، اپنی قوت سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے۔ کیونکہ یہ طاقت خدا میں ہے ہم میں نہیں۔[1]"

حضورؓ نے خطاب کے آخر میں خاص طور پر دو امور کا ذکر فرمایا۔ ایک تو یہ کہ دوست دُعا

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ر فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔

کریں کہ اللہ تعالیٰ ہندوستان اور پاکستان کے رہنے والوں کو اسلام میں بھی متحد کر دے اور سارے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہو جائیں ۔ دوسرا امر یہ تھا کہ حضورؓ سے ملاقاتوں کے اوقات طبّی مشورہ کے مطابق کم کر دیئے گئے ہیں احباب کو اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے ۔ یہ دونوں امور ذیل میں حضورؓ ہی کے مبارک الفاظ میں درج کئے جاتے ہیں :-

" ہندوستان میں چالیس کروڑ کی آبادی ہے ۔ اگر اللہ تعالیٰ فضل کرے اور ہمیں ایک کروڑ بھی ان میں سے مل جائے تو قادیان کی آبادی کے لئے یہ بڑا کافی ہو جاتا ہے مگر ہم تو اپنی کمزوری کی وجہ سے ایک کروڑ کہتے ہیں ۔ ورنہ چالیس میں سے اکتالیس ملنے چاہئیں ۔ چالیس تو وہ جواب ہے اور ایک وہ جو اس وقت تک پیدا ہو جائے گا ۔ سو اللہ تعالیٰ فضل کرے اگر اب احمدیت اور اسلام کو اس ملک میں پھیلا دے تو یہ جو سیاسی روکیں ہیں یہ آپ ہی آپ دُور ہو جاتی ہیں ۔ اگر سارے دل اکٹھے ہو جائیں ، سارا ہندوستان مسلمان ہو جائے تو پاکستان اور ہندوستان کا دل ایک ہو جائے گا ۔ آج تو لوگ کہتے ہیں ہندوستان میں یہ تقریر پاکستان کے خلاف ہوئی اور ہندوستان والے کہتے ہیں پاکستان میں یہ تقریر ہندوستان کے خلاف ہوئی ۔ لیکن اگر دونوں کے دلوں میں ایمان پیدا ہو جائے اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں تو ایک دوسرے کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے ۔ پس دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس طرح دلوں کو آپس میں صاف کر دے کہ ایک دوسرے کے حق بھی مل جائیں اور پھر ایمان میں بھی متحد ہو جائیں اور سارے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہو جائیں اور سب ہی ہم کو پیارے ہو جائیں کیونکہ اصل حکومت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے ۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ہندوستان میں قائم ہو جائے تو پاکستان اور ہندوستان کے اختلافات آپ ہی ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت میں کوئی بارڈر نہیں وہ ساری ایک ہے ہم تو کسی زمانہ میں ایک وطنی تھے ۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ میرے مذہب میں کالے گورے کی کوئی تمیز نہیں ۔ ایرانی اور رومی اور عرب میں کوئی تمیز نہیں ۔ پس اگر خدا تعالیٰ ان سب کو مسلمان بنا دے اور خدا تعالیٰ سے یہ کوئی بعید بات نہیں تو سارے جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں اور ہمارے دونوں ملک اتحاد اور اتفاق کے ساتھ بہت سی ترقیات حاصل کر سکتے ہیں جو اس اختلاف کے ساتھ نہیں حاصل کر سکتے "[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۔ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۶ ۔

پھر فرمایا:۔

"ملاقاتیں مختصر کی گئی ہیں۔ اُمید ہے کہ دوست اس کی پرواہ نہیں کریں گے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں تو ملاقاتیں ہُوا ہی نہیں کرتی تھیں۔ آپ سیر کو جاتے تھے تو دوست دیکھ لیتے تھے اور اگر بعض کو موقع ملتا تو مصافحہ بھی کر لیتے تھے۔ تقریریں بھی مختصر ہوتی تھیں۔ ۔ ۔ ۔ حضرت مسیح موعودؑ کی آخری جلسہ کی تقریر مجھے یاد ہے پچاس یا پچپن منٹ کی ہوئی تھی۔ اور ہم بڑی باتیں کرتے تھے کہ آج بڑی لمبی تقریر ہوئی ہے۔ اور جماعت میں بڑا شور پڑا کہ آج حضور نے بڑی تقریر کی ہے۔ آپ لوگوں کو چھ چھ گھنٹے سُننے کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ اب بیس بچیس یا تیس منٹ کی تقریر ہو تو بڑے مایوس ہو جاتے ہیں کہ بہت چھوٹی تقریر ہوئی ہے لیکن اصل تقریر تو وہی ہے جس کو آپ اپنے دل میں رکھ لیں۔ جو میرے مُنہ سے نکل کر ہَوا میں اُڑ جائے وہ کوئی تقریر نہیں چاہے، وہ آٹھ گھنٹے کی ہو یا بیس گھنٹے کی ہو اور جو آپ اپنے دل میں رکھ لیں وہ پانچ منٹ کی بھی بڑی ہے[1]۔"

پریس نوٹ لاہور کے روزنامہ "نوائے وقت" نے اس تقریر کا خلاصہ درج ذیل الفاظ میں شائع کیا:۔

"مرزا بشیر الدین محمود کی تقریر"

لاہور۔ ۲۷ر دسمبر۔ فرقہ احمدیہ کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے آج بین الاقوامی احمدی کانگرس کے نویں سالانہ اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے نوجوانوں کو تلقین کی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیروی کو اپنا شعار بنائیں[2]۔"

۲۷ر دسمبر کی ایمان افروز تقریر دوسرے دن کی ایمان افروز تقریر میں حضور نے جماعت کو ہدایت فرمائی کہ خدمتِ خلق کے کام کو پُوری توجہ سے جاری رکھیں۔ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" کی اشاعت دس ہزار تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ سکنڈے نیویا میں مشن کھولا جا رہا ہے اس کے لئے مالی قربانیاں پیش کریں۔ زمیندار محنت سے کام کرنے کی عادت ڈالیں اور فصل کے لئے ہمیشہ اچھا بیج اور عمدہ کھاد استعمال کریں۔

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ر فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۶۔ [2] روزنامہ "نوائے وقت" ۲۹ر دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔

تمام احمدی ملازم، تاجر، صنّاع اور طالب علم اپنے فرائض پوری تندہی کے ساتھ ادا کریں۔ وقفِ زندگی کی تحریک ہمیشہ قائم رہے۔ اشاعتِ اسلام کے لئے غیر احمدی معززین سے بھی چندہ حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اپنی ذمّہ داری کا احساس کرتے ہوئے صدر انجمن اور تحریک جدید کا بجٹ پچیس پچیس لاکھ تک پہنچا دیں۔ بیرونی ممالک میں بھی نظامِ الوصیت جاری کیا جائے اور مختلف ممالک میں مقبرہ بہشتی کی نیابت کے طور پر بہشتی مقبرے تیار کئے جائیں۔ تقریر کے آخر میں حضور نے بیرونی ممالک میں خدا کے گھروں کی تعمیر، ربوہ میں انڈسٹریاں قائم کر کے جلد جلد آباد کرنے اور قرآن کے روسی ترجمہ کی جلد اشاعت کی طرف خصوصی توجہ دلائی۔ اس پُر معارف تقریر کے چند اقتباسات بطور نمونہ ذیل میں سپردِ قلم کئے جاتے ہیں:۔

(۱) "خدمتِ خلق مومن کا ایک خاصہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرمایا کرتے تھے کہ اسلام کا خلاصہ ہے تعلق باللہ اور شفقت علی خلق اللہ یعنی انسان خدا سے محبت کرے اور اس کے بندوں کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرے۔ پچھلے سیلابوں کے وقت میں پاکستان کے خدام نے نہایت اعلیٰ درجہ کا نمونہ دکھایا ہے۔ اسی طرح قادیان کے خدام نے بھی اچھا نمونہ دکھایا ہے اور اس کا لوگوں کی طبیعتوں پر بڑا اثر ہوا ہے یاد رکھو کہ اس وقت تک یورپ کے لوگ مسلمانوں کو یہی طعنہ دیتے چلے آئے ہیں کہ یہ مُنہ سے تو بڑی اچھی تعلیمیں بیان کرتے ہیں۔ لیکن عملاً ان لوگوں کا یہ حال ہے یہ کبھی بھی بنی نوع انسان کے لئے کوئی قربانی نہیں کر سکتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعلیم محض زبانی ہے عملی نہیں وہ تو حکومت کے متعلق کہتے ہیں کہ کہنے کو تو حکومت کے متعلق بہت اچھے قانون ہیں مگر کون سی اسلامی حکومت ہے جس نے اسلام پر عمل کیا ہے۔ مگر وہ تو ہمارے بس کی بات نہیں۔ نہ ہمارے پاس حکومت ہے نہ ہم وہ نمونہ دکھا سکتے ہیں۔ اگر کسی مُلک میں اللہ تعالیٰ نے حکومت دی اور وہاں کے احمدیوں کے اندر اخلاص قائم رہا اور انہوں نے نمونہ دکھایا تو پھر اُن کا مُنہ بند ہو گا۔ مگر کم سے کم جو ہمارے اندر خدمتِ خلق کی طاقت ہے اس کا تو ہم نمونہ دکھائیں۔ پس ہمیں ہر موقع پر خدمتِ خلق کو پیشِ نظر کرنا چاہیئے۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ انتظار کرنا کہ کوئی طوفان آئے تو پھر خدمتِ خلق کریں۔ یہ بُری بات ہے۔ یہ دُعا کرنی چاہیئے کہ خدا طوفان نہ لائے۔ خدمت کے ہر وقت مواقع ہوتے ہیں۔ مثلاً بیوائیں دُنیا میں ہوتی رہتی ہیں یتامیٰ ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ان کے لئے بیماریوں میں نسخے لا دینا۔ دوائیاں لا دینی۔ گھر کا سامان خرید کے لا دینا۔ یہ چیز ہر وقت ہو سکتی ہے۔ پس خدام الاحمدیّہ کو طوفانوں کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ دوسرے

دِنوں کے لئے بھی کام نکالنے چاہئیں جن میں خدمتِ خلق ہو سکے اور لوگوں کی تکلیفوں کو وہ دُور کر سکیں۔ پس اس کو ہمیشہ یاد رکھو جیسا کہ میں نے بتایا ہے آج تک یورپ اور امریکہ اس خدمت خلق کی رُوح کو اسلام کے خلاف اپنی عظمت میں پیش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ عیسائی بڑی خدمت کرتے ہیں مسلمان نہیں کرتے اور شرم کی بات ہے کہ ہم ان کا جواب نہیں دے سکتے۔ اگر ہماری جماعت کے خدام الاحمدیہ اور انصاراللہ خدمتِ خلق کا اعلیٰ درجہ کا نمونہ پیش کریں تو ہم یورپ اور امریکہ کے مُنہ بند کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ جو تم خدمت کرتے ہو اس سے بڑھ کر خدمت کرنے والے ہم ہیں۔ یہ مت خیال کرو کہ لوگ قدر نہیں کرتے۔ قدر کرنے والے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں مثلاً ڈاکٹر خانصاحب جو ہمارے وزیرِ اعلیٰ ہیں وہ سیالکوٹ گئے تو خدام نے ان کی طرف لکھا کہ ہم اس طرح کام کر رہے ہیں انہوں نے جیسا کہ افسروں کا قاعدہ ہوتا ہے وہ رُقعہ ڈپٹی کمشنر کو دے دیا۔ ڈپٹی کمشنر نے کہا ہاں واقعہ میں یہ بہت خدمت کر رہے ہیں۔ اس پر ڈاکٹر خان صاحب نے کہا افسوس ہے یہ لوگ خدمتِ خلق کرتے ہیں لیکن لوگ ان کو آگے نہیں آنے دیتے۔ تو دیکھو وزیرِ اعلیٰ کو تسلیم کرنا پڑا کہ تم خدمت خلق کر رہے ہو۔[1]"

(ب)" قادیان میں ہمارے کُل تین سو آدمی ہیں۔ یہاں ایک ضلع میں ہمارا آٹھ آٹھ سو آدمی گیا ہے۔ مگر وہاں ہے ہی ساری آبادی تین سو۔ تین سو میں سے پچاس ساٹھ آدمی طوفان کے موقع پر باہر گئے تھے لیکن دو وزراء نے تحریراً شکریہ کے خطوط بھجوائے کہ آپ لوگوں نے بڑی خدمت کی ہے۔ اس طرح انسپکٹر جنرل پولیس نے شکریہ ادا کیا اور بعض اخبارات نے اس پر نوٹ لکھے۔ اخبارات نے تو یہاں بھی شرافت سے کام لیا اور وہ جماعت کی خدمت کو پیش کرتے رہے گو ڈرتے بھی رہے۔ وہ ساتھ ساتھ دُوسری جماعتوں کا نام بھی لکھ دیتے تھے جن کے بعض دفعہ کچھ بھی آدمی نہیں ہوتے تھے۔ پس خدمت کی اس رُوح کو قیامت تک جاری رکھو۔ یاد رکھو زندگی کا مقصد بھی یہی ہے کہ اللہ سے محبت کی جائے اور بنی نوع انسان کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ اگر اس رُوح کو قائم رکھوگے تو تمہاری کامیابی اور تمہاری ترقی میں کوئی شُبہ نہیں۔[2]"

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۴ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۴۔ [2] ایضاً۔

(ج) "مَیں نے دیکھا ہے کہ طبیعت پر ذرا بھی اثر ہو تو لوگ دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں کراچی میں میرا ریسپشن (RECEPTION) ہُوا تو اس کے بعد ایک ڈیپارٹمنٹ کے انڈر سیکرٹری نے اپنے ایک احمدی کلرک کو بُلایا اور اس کو بچاس روپے دیئے کہ یہ اپنے حضرت صاحب کو بھجوا دو کہ میری طرف سے کہیں دے دیں۔ مَیں نے کہا غیر احمدی کا چندہ ہے کہیں دینے کا کیا مطلب ہے اشاعتِ اسلام میں ہی جانا چاہیئے اور یہی اس کا حق ہے چنانچہ مَیں نے وہ روپیہ اشاعتِ اسلام کے لئے تحریک جدید میں بھجوا دیا اسے بھی اطلاع دی گئی وہ بڑا خوش ہُوا اور کہنے لگا کہ بڑی اچھی جگہ چندہ بھجوایا ہے۔ اس طرح مَیں نے سکنڈے نیوین مشن کی تحریک کی اور اس کے بعد مَیں لاہور گیا تو چوہدری اسد اللہ خان صاحب نے اڑھائی ہزار یا نہ معلوم کتنی رقم میرے ہاتھ میں دی اور کہنے لگے کہ اس میں سے ساڑھے پانچ سو روپیہ چندہ ایک غیر احمدی کا ہے وہ کہنے لگے کہ جب اس کو پتہ لگا کہ یہ تحریک اشاعتِ اسلام کے لئے ہے۔ تو اس نے خود آ کر چندہ دیا اور کہا کہ یہ میری طرف سے بھی دے دیں۔ تو اگر ان لوگوں کو تحریک کی جائے تو وہ تو کروڑوں کروڑ ہیں۔ ان کروڑوں کروڑ میں سے اگر صرف ایک کروڑ میں سے نہیں پچاس پچاس بھی ملیں تو پچاس کروڑ تو تمہارا مانگا ہُوا چندہ ہو سکتا ہے خواجہ کمال الدین صاحب کو مَیں نے دیکھا وہ غیر احمدیوں سے چندہ لیتے تھے اور دو دو لاکھ روپیہ سال کا چندہ ہو جاتا تھا۔ ان کے ساتھی تو بہت کم تھے۔ ہمارے ساتھی تو خدا تعالیٰ کے فضل سے سارے پاکستان اور ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں اگر ہر احمدی یہ عادت ڈال لے کہ اپنے دوست کو کہے کہ یہ اشاعتِ اسلام کا کام ہے۔ اگر اسلام تمہارا بھی ہے اور تم کو اس سے محبت ہے تو تمہیں کون روکتا ہے۔ تم بھی یہ عزّت حاصل کرو اور اس ثواب میں شامل ہو جاؤ تو مَیں سمجھتا ہوں کہ تھوڑی سی تحریک سے بھی چندہ آ سکتا ہے اور پھر جو ایک دفعہ دے گا اس کو چاٹ پڑ جائے گی اور پھر وہ ہر سال دے گا۔ پہلی دفعہ تو آپ کو پندرہ منٹ اس سے بحث کرنی پڑے گی کہ دیکھو یہ خدا اور رسول کا کام ہے۔ دین کی اشاعت کا کام ہے اس میں حِصّہ لو۔ لیکن اگلے سال وہ خود تمہاری تلاش کرے گا اور تمہیں آ کے ڈھونڈے گا اور کہے گا کہ میرا چندہ لو"[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۵؍فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۵،۴ ۔

(د) "میرا خیال ہے کہ اَب وقت آگیا ہے کہ "الوصیت" کا وہ حکم بھی پُورا کیا جائے کہ بیرونی ملکوں میں لوگ وصیتیں کریں تو اس مقبرہ بہشتی کے قائم مقام وہاں بھی مقبرے بنائے جائیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو امریکہ میں لوگ اس کے خواہش مند ہیں بلکہ مجھے وہاں سے اس کے متعلق درخواست بھی آچکی ہے۔ افریقہ کے لوگ بھی اس معاملہ میں بڑے جوشیلے ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک وہاں لوگ بڑی بڑی جائدادیں وقف کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے اور اس طرح سلسلہ کے فنڈز بہت مضبوط ہو جائیں گے۔ پس مختلف ملکوں میں جہاں جماعتوں کی تعداد کافی ہو جائے مقبرہ بہشتی کی نیابت میں اور اس کے قائم مقام مقبرۂ بہشتی قائم کرنے چاہئیں اور وہاں کے لوگوں کی وصیت میں یہ رکھا جائے کہ وہ اس جگہ دفن کئے جایا کریں اور یہ بھی رکھا جائے کہ جو اس جگہ وصیت کرے گا اس کا حق ہو گا کہ جب کبھی اس کے ورثاء مالدار ہوں (ابھی تو ہمارے آدمی غریب ہیں لیکن کروڑ پتیوں کا زمانہ بھی تو آنے والا ہے) تو وہاں سے اس کی لاش لا کر ہمارے یہاں مقبرہ میں دفن کی جائے۔ اس طرح اُن میں اور بھی جوش پیدا ہو جائے گا۔ اس طرح وہ قادیان میں بھی دفن ہو سکیں گے۔ اس طرح ممکن ہے امریکہ سے لوگ اپنی لاشوں کو لے کر قادیان میں کثرت سے جانے لگ جائیں اور اس طرح قادیان والوں کی مضبوطی کا بھی سامان ہو جائے اور ربوہ کی مضبوطی کا بھی سامان ہو جائے۔"[1]

(ر)۔" ایک اہم کام یہ ہے کہ روسی ترجمۂ قرآن جلد شائع کیا جائے۔ روس میں آٹھ کروڑ مسلمان ہیں مگر وہ لوگ اسلام سے دُور جا چکے ہیں۔ ہمارے ایک دوست تھے جو امریکہ کی طرف سے کسی عہدہ پر مقرر تھے انہیں ایک روسی کرنیل ملا انہوں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے نام سے تو پتہ لگتا ہے کہ تم مسلمان ہو کیا تم قرآن پڑھا کرتے ہو کہنے لگا میری دادی تو پڑھا کرتی تھی لیکن مجھے کچھ نہیں پتہ۔ کیونکہ ہمیں اب یہ زبان نہیں آتی۔ اس لئے اب ہم قرآن نہیں پڑھتے ابھی کچھ لوگ امریکہ اور مصر سے وہاں گئے تھے۔ انہوں نے بھی بتایا کہ وہاں نوجوانوں کو قرآن کا بالکل پتہ ہی نہیں۔ صرف بڈھے پڑھتے ہیں۔ اور مسجدوں میں نمازوں کے لئے آتے ہیں۔ اب وہاں عربی کا رواج نہیں رہا۔ اب اگر قرآن کا روسی ترجمہ وہاں چلا جائے تو یہ آٹھ کروڑ مسلمان بچ سکتا ہے۔ پس آٹھ کروڑ مسلمانوں کے بچانے کے لئے روسی ترجمہ قرآن

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲ر فروری ۱۹۵۶ء صٓ۳ ۔

بڑی جلدی شائع ہو جانا چاہیئے۔ مَیں نے اس کے لئے ہدایتیں دیدی ہیں اور چودھری صاحب کو بھی کہا ہے کہ وہ امریکہ جاتے رہتے ہیں وہ کوشش کریں کہ کوئی اچھا لائق آدمی روسی زبان کا ماہر مل جائے مبلغوں کو بھی مَیں نے لکھوایا ہے یہ خرچ بہت بڑا ہے۔ میرا خیال ہے شاید آٹھ دس لاکھ روپیہ میں یہ ترجمہ چھپے گا۔ مگر بہرحال اپنی اپنی جگہ پر اس کے متعلق تحریک کرو۔ اگر ترجمہ قرآن کرنے والے احتیاط سے ترجمہ کریں اور خواہ مخواہ رستہ چھوڑ کر روسی نظام پر حملہ نہ کریں۔ صرف اس اخلاقی اور رُوحانی تعلیم پر زور دیں جو قرآن کریم میں ہے تو اس اخلاقی اور رُوحانی تعلیم میں وہ لوگ خود بخود سموئے جائیں گے اور دُنیا کو فائدہ پہنچ جائے گا۔ خواہ مخواہ اٹیک ATTACK سے ایک قسم کا بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر اس طرح کام کیا جائے تو میرے نزدیک بہت مفید ہو سکتا ہے اور بلاواسطہ اس سے یورپین لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کی دشمنی روسیوں سے کم ہو جائے گی اور روس بھی فائدہ اُٹھا سکتا ہے کیونکہ اس سے دوسرے ملکوں میں محبت پیدا ہو جائے گی۔ پس روسی ترجمۂ قرآن کی طرف بہت جلد توجہ چاہیئے۔"[1]

۲۸ر دسمبر کا ایمان افروز خطاب

۲۸ر دسمبر کے خطاب کے دو حصّے تھے۔ پہلے حصّہ[2] میں حضورؓ نے عورتوں کے جلسہ گاہ اور احمدی بچّوں اور نوجوانوں کی تعلیم پر خاص زور دینے کے علاوہ زمینداروں کی اصلاح اور ترقی و بہبود کے لئے صدر انجمن احمدیہ میں ایک نئی نظارتِ زراعت کے قیام کا اعلان فرمایا۔ اس سلسلے میں حضورؓ نے صدر انجمن احمدیہ کو نہایت قیمتی ہدایات دیں چنانچہ فرمایا :-

"میرے خیال میں صدر انجمن احمدیہ جس کی زیادہ تر ذمّہ داری ہے۔ اس کو چاہیئے کہ اپنی ایک نظارت زراعت بنائے اور وہ زراعت کے ماہرین کا دَورہ مقرر کرے۔ پہلے جماعتوں میں سکرٹری زراعت مقرر کرائے اور وہ تمام احمدیوں سے اقرار لیں کہ ہم کو جو ہدایات دی جائیں گی ہم اس کے مطابق فصلیں پیدا کریں گے پھر یہ نظارت زراعت کا کوئی ماہر مقرر کرے جو دَورہ کرے اور جا کر دیکھے کہ

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲ر فروری ۱۹۵۶ء صہ۔

[2] اس حصّے کا مکمل متن اخبار "الفضل" ۸ر اپریل تا ۱۷ر اپریل ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔

کس کس علاقہ میں کون کون سی فصل ہو سکتی ہے اور اس فصل کے بڑھانے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ پھر اس کے اُوپر ایک افسر ہو جو اس کی نگرانی کرے اور دیکھے کہ اس پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں۔ گویا جیسے کوآپریٹو سوسائٹیاں ہوتی ہیں۔ اسی طرح ایگریکلچرل سوسائٹیاں بنائی جائیں اور سارے احمدی ممبر وعدہ کریں کہ ہمیں جو ہدایتیں دی جائیں گی ہم اُن کی تعمیل کریں گے۔ انہیں بتایا جائے کہ اتنے ہل دینے ضروری ہیں۔ فلاں فلاں موقع پر اتنے ہل دینے ہیں۔ فلاں موقع پر پانی دینا ہے۔ اتنے پانی دینے ہیں۔ فلاں بیج بونا ہے۔ اور فلاں فلاں فصل بونی ہے پھر جس طرح چندے کی وصولی ہوتی ہے۔ اسی طرح باقاعدگی سے یہ کام کروائیں۔ ہمارے سب سے زیادہ احمدی سیالکوٹ میں ہیں اور اس وقت تو جو وکیل الزراعت ہیں وہ بھی سیالکوٹ کے ہی رہنے والے ہیں۔ یعنی چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ اور اسی طرح سیّد عبدالرزاق شاہ صاحب جو نائب وکیل ہیں نہایت ذہین اور ہوشیار نوجوان ہیں وہ سیالکوٹ کے باشندے تو نہیں لیکن اُن کے والد[1] ساری عمر سیالکوٹ میں نوکر رہے ہیں۔ وہ بدوملہی کے پاس رعیّہ میں ہوتے تھے۔ وہیں یہ پیدا ہوئے تھے۔ اگر سیّد عبدالرزاق شاہ صاحب اور چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ کے ہوتے ہوئے سیالکوٹ کے زمینداروں کی طرف توجہ نہ کی جائے تو کتنی افسوس کی بات ہے لیکن اس کے بعد پھر لائل پور اور سرگودھا وغیرہ میں کوشش کی جائے...

.... غرض زمینداروں کی حالت کو سُدھارنا انجمن کا کام ہے۔ اُن کا فرض ہے کہ وہ فوراً ایک نظارت زراعت بنائیں اور تحریک والے بھی انجمن کے ساتھ ہی جائیں[2] بے شک وہ وکیل الزراعت ہیں۔ لیکن اگر بعض صیغوں کو ملا دیا جائے تو اس سے فائدہ ہو سکتا ہے اور وہ بڑا اچھا کام کرنا جانتے ہیں خود اچھے بڑے زمیندار ہیں نواب محمد دین صاحب کے بھتیجے ہیں اب ان کے لائل پور میں مربعے ہیں اور ولایت میں بھی رہے ہیں۔ میرے نزدیک وہ ان باتوں کو سمجھتے ہیں۔ اور سیّد عبدالرزاق شاہ صاحب کو بھی میں نے دیکھا ہے ان معاملات میں بہت ہی سمجھدار ہیں ان کو میں نے سندھ میں زراعت پر لگایا ہوا تھا۔ وہ ان باتوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ پھر وکالت کے پاس زراعت کا ایک گریجوایٹ بھی ہے۔ اس نے لائل پور کالج میں زراعت کی تعلیم حاصل کی ہے۔ اس نے زندگی وقف کی ہوئی ہے۔ بے شک

---

[1] حضرت سیّد عبدالستار شاہ صاحب۔ [2] نقل مطابق اصل۔

ابھی وہ ناتجربہ کار ہے بچہ ہے لیکن شروع میں بچے ایسے کام کر لیتے ہیں آہستہ آہستہ تجربہ کار ہو جاتے ہیں تو سکیم بنائی جائے کہ کس کس علاقہ میں کیا کیا فصل ہو سکتی ہے اور اس فصل کے اعلیٰ پھل پیدا کرنے کا کیا طریقہ ہے پھر اس زمین والوں کو کہدیا جائے کہ تم نے یہی فصل بونی ہے جو اچھی ہو سکتی ہے۔ دیکھو روس نے اس طریق سے اپنے مُلک میں سوگنے زیادہ پیداوار کر لی ہے وہ ڈنڈے کے زور سے کرتے ہیں تم ایمان کے زور سے کرو گے"[1]

تقریر کا دُوسرا حِصّہ" سیرِ رُوحانی "کے اہم علمی موضوع پر تھا۔ جس میں حضور نے عالمِ رُوحانی کی نہروں کا نقشہ ایسے رُوح پرور انداز میں کھینچا کہ سامعین پر وجد کی سی کیفیّت طاری ہو گئی۔ حضرت مصلح موعود نے ۱۹۳۸ء کے تاریخی سفر حیدر آباد اور دہلی میں جو سولہ[۱۶] چیزیں دیکھی تھیں۔ اُن میں نہریں بھی تھیں۔ حضور نے اپنی اس تقریر میں نہایت تفصیل سے بتایا کہ قرآن مجید کے ذریعے کس طرح علمِ کائنات، علمِ جغرافیہ، علمِ طبّ، علمِ ہندسہ، علمِ ادب، علمِ معانی، علمِ نفس، علمِ کیمیا، علمِ منطق، علمِ موازنۂ مذاہب، علمِ توافق بین المخلوقات، علمِ حیوانات، علمِ معیشت و اقتصاد، علمِ شہریت، علمِ تاریخ، علمِ بدءِ عالم، علمِ موسمیات اور بے شمار علومِ دینیہ کی ہزارہا علمی نہریں جاری ہوئیں۔ پرانے زمانہ کے بادشاہوں نے جتنی نہریں بنائی تھیں وہ سب کی سب ختم ہو گئیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جو عالمِ رُوحانی کے سب سے بڑے سمندر تھے۔ آپ نے شریعت، تصوّف، سیاست، اخلاقِ فاضلہ کی جو رُوحانی نہریں جاری کی تھیں وہ برابر چلتی چلی جا رہی ہیں۔ تقریر کے آخر میں نہایت پُر قوّت و شوکت الفاظ میں پیشگوئی فرمائی کہ اگرچہ اسلام اور کُفر کی نہریں متوازی چلتی چلی جا رہی ہیں۔ مگر کُفر اور ایمان کی آخری ٹکر میں آخر اسلام ہی دُنیا پر غالب آئے گا اور آخری فتح اسلام کی ہی ہوگی۔ اسلام کی نہر غالب آجائے گی اور کُفر کی نہر اُس میں مدغم ہو کر اپنا نام کھو بیٹھے گی۔ اور یہ نتیجہ نکلے گا کہ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ اے کالی اور گوری نسلوں کے لوگو! تم خدا کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ فسبحان اللّٰہِ وَبحمدہ وسبحان اللّٰہِ العظیم"[2]

ایک غیر از جماعت مسلمان کے تاثرات

لاہور کے ایک غیر از جماعت مسلمان اقبال شاہ صاحب نے اس عظیم الشان جلسہ سے متعلق درج ذیل تاثرات

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۷ اپریل ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۴ ۔ [2] "سیرِ رُوحانی" جلد سوم صفحہ ۵۴ تا صفحہ ۸۲ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ

قلمبند کر کے اخبار "الفضل" ربوہ کو بھجوائے :-

" ایک عرصہ سے میری یہ دلی تمنّا اور خواہش تھی کہ میں ربوہ جا کر خود اپنی آنکھوں سے ان چیزوں کا بغور مشاہدہ کروں جن کی بابت ہر طبقہ میں طرح طرح کی روایتیں مشہور ہیں۔ مثلاً یہ کہ احمدیوں نے قادیان اور ربوہ میں جنّت اور دوزخ بنائی ہوئی ہیں۔ اور وہاں پریاں اور حوریں رہتی ہیں۔ احمدی مرزا صاحب کے نہ ماننے والوں کو کافر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اور اُن کا خدا ربوہ میں رہتا ہے وغیرہ وغیرہ اس قسم کی اور بہت سی روایتیں مشہور ہیں اور میں نے خود بہت سے غیر احمدی حضرات سے اس قسم کی بے بنیاد باتیں سُنی ہیں جن کو کہ عقل تسلیم نہیں کرتی جب میں اِن باتوں کو سُنتا تو میرا اشتیاق اور بڑھتا تھا چنانچہ میں نے مصمّم ارادہ کر لیا کہ جب کبھی موقع ملا میں ان کی اصلیت معلوم کروں گا۔

ہر سال دسمبر کے آخری ہفتے میں ربوہ میں جلسہ سالانہ ہوتا ہے جس میں ہزاروں کی تعداد میں احمدی اور غیر احمدی شرکت کرتے ہیں۔

اس دفعہ مجھے بھی اس جلسے میں شرکت کا موقع ملا۔ میں اپنے ایک احمدی دوست کے ہمراہ ربوہ گیا تھا۔ میں ایک غیر جانب دار مسلمان کی حیثیت سے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ میں نے جو کچھ بھی وہاں دیکھا خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس کو صحیح صحیح عوام کے سامنے رکھوں تاکہ وہ غلط فہمیاں دُور ہو سکیں جو ان میں اس جماعت کے متعلق پیدا ہو چکی ہیں۔

ہمارا مذہب اسلام ہمیں اجازت دیتا ہے کہ ہم ہر مذہب اور طبقہ کا صحیح طور سے مطالعہ کریں۔ اور پھر اپنی عقل اور دماغ سے اس کے اچّھا اور بُرا ہونے کا فیصلہ کریں نہ کہ تعصّب سے یونہی بُرا بھلا کہیں۔ اَب میں اپنے مشاہدات کا ذکر کرتا ہوں۔

جلسہ کے ایّام میں ربوہ میں اہالیانِ ربوہ کی طرف سے ہر خاص و عام کے لئے (خواہ وہ احمدی ہوں یا غیر احمدی) قیام اور طعام کا مفت انتظام ہوتا ہے اور اس مقصد کے لئے ربوہ کے اکثر مکانات کالج سکول اور دفاتر کی عمارات خالی کروا دی جاتی ہیں۔ ربوہ میں آنے والے کا استقبال کرنے کے لئے جماعت کی طرف سے اسٹیشن اور بس کے اڈہ پر مجلسِ استقبال کے کارکن موجود ہوتے ہیں۔ جو اُن کو مہمانخانوں میں یا جہاں انہوں نے جانا ہوتا ہے پہنچاتے ہیں۔

میں چونکہ اپنے دوست کے ہمراہ گیا تھا اس لئے انہیں کے ساتھ اُن کے ایک مقامی عزیز کے ہاں

ٹھہرا۔ گو مکان مختصر تھا اور مہمان زیادہ لیکن اس کے باوجود بھی ان لوگوں نے میری رہائش کا نہایت معقول انتظام کیا اور اس بات کا ثبوت دیا کہ "مسلمان کے دل میں جگہ ہوتی ہے۔" جس کے لئے میں ان کا نہایت ممنون ہوں۔

۲۶ر دسمبر ۱۹۵۵ء کو جلسہ کا پہلا دن تھا اور لوگ صبح سے ہی جلسہ گاہ میں جمع ہو رہے تھے جلسہ تقریباً سوا نو بجے تلاوت قرآن پاک سے شروع ہوا۔ افتتاحی تقریر حضرت مرزا بشیرالدین محمود صاحب کی تھی آپ کی تقریر کے بعد دیگر حضرات نے تقاریر کیں اور اس طرح یہ جلسہ تقریباً پونے ایک بجے تک ہوتا رہا۔ یہ پہلی نشست تھی ظہر کی نماز کے بعد دوسری نشست ہوئی جو تقریباً چار بجے تک رہی خود خلیفہ صاحب اور دیگر حضرات کی تقریریں نہایت شائستہ اور قرآن و سنّت کے دائرہ میں تھیں۔ اسی طرح مختلف عنوانات پر یہ سلسلہ ہائے تقاریر ۲۸ر دسمبر تک رہا۔

تقاریر کے دوران بھی ان لوگوں نے نہایت ادب خلوص اور محبت کا ثبوت دیا۔ کسی تقریر یا برتاؤ سے یہ ظاہر نہیں ہوا کہ احمدی غیر احمدیوں کو کافر کہتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے بارہا اور صاف الفاظ میں یہ ظاہر کیا کہ خدا رسول اور قرآن کو ماننے والے سب بھائی ہیں۔ غیر احمدی مسلمان بھی تمہارے بھائی ہیں فرق تھوڑا سا عقائد میں ہے بنیادی عقائد اور اُصول ایک ہی ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں نیز انہوں نے مرزا غلام احمد صاحب کی کُتب سے حوالہ جات دیتے ہوئے ثبوت دیا کہ مرزا صاحب نے خود بھی کبھی کسی غیر احمدی کو کافر کے نام سے نہیں پکارا انہوں نے بتایا کہ ہم پر الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو کافر کہتے ہیں یہ محض بہتان ہے۔

شروع سے آخر تک ان سب حضرات کی تقریروں کا لب لباب حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعریف، فوقیت اور بڑائی رہا۔ ان حضرات نے خود اپنی تقاریر میں اس بات کا اعتراف کیا کہ مرزا غلام احمد صاحب حضور رسول مقبولؐ کی شریعت کے تابع اور آپ کے غلام تھے۔

گویا ان لوگوں کے قول و فعل، کسی سے بھی یہ پتہ نہیں چلا۔ جس سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان مبارک میں کوئی گستاخی واقع ہوتی ہو یا یہ کہ مرزا غلام احمد صاحب کوئی نیا دین یا اصول پیش کرتے ہوں۔ ہم اگر تعصّب کے جامہ کو اُتار کر بغور مشاہدہ و مطالعہ کریں تو ہم کو کہنا پڑے گا کہ صحیح اسلام کی جھلک ربوہ میں ملتی ہے مثلاً ربوہ میں نماز کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔ آج کل کے مسکرات و سینما وغیرہ

نہایت سختی سے منع کئے گئے ہیں حتیٰ کہ سگریٹ نوشی کو بھی بُری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اکثر لوگ کھانا مہمان خانوں کی بجائے ہوٹلوں میں کھاتے تھے۔ مَیں نے ایک چیز کا بغور مشاہدہ کیا کہ ہوٹل والے گاہکوں کے پیسوں کا حساب نہیں رکھتے تھے اُن کا کہنا تھا کہ یہاں کوئی بے ایمانی نہیں کر سکتا۔ جس قدر کھاؤ خود اپنا حساب کر دو۔ چنانچہ مَیں نے دیکھا کہ کوئی گاہک بھی ایک پیسہ کی بے ایمانی نہیں کرتا تھا اور سب اپنی اپنی جگہ مطمئن تھے۔

اس موقع پر ہزاروں کی تعداد میں مستورات بھی شرکت کرتی ہیں پردہ میں رہتے ہوئے آزادی کے ساتھ اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتی ہیں۔ اور مَردوں کے دوش بدوش چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ مستورات کا احترام کیا جاتا ہے مستورات کے جلسہ کا الگ انتظام اور پروگرام ہوتا ہے۔

موجودہ خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نہایت ہی نیک کردار کے مالک ہیں۔ جماعت کے ہر کام میں آپ کو دخل ہے۔ اور آپ کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اُٹھایا جاتا اور یہ نہایت اچھی بات ہے کہ کسی ایک کو اپنا امیر اور سرپرست مان کر اس کی قیادت میں ہر کام کیا جائے۔

جماعت کے افراد میں سے اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو خلیفہ کی طرف سے اسے باقاعدہ سزا ملتی ہے جو کہ اصلاحی سزا ہوتی ہے۔ چھوٹی موٹی غلطی پر مقاطعہ کی سزا دی جاتی ہے۔ ہاں مجھے یاد آیا میرے عزیز دوست نے مجھے بتایا کہ ان کے عزیز (جن کے ہاں مَیں قیام پذیر تھا) جو کہ نظارت میں کام کرتے ہیں ان کو ایک دفعہ سات دن کے مقاطعہ کی سزا ملی تھی۔ چنانچہ ایک ہفتہ تک ان سے کسی نے بھی بات تک نہ کی۔ دوست احباب تو الگ اِن کے بیوی بچوں نے بھی اِن سے گفتگو نہ کی۔ میرے خیال میں یہ اصلاح کا ایک اچھا طریقہ ہے کیونکہ انسان اس طرح اپنی خطا پر جو کہ اس سے سرزد ہوتی ہے پشیمان ہوتا ہے اور آئندہ کے لئے محتاط ہو جاتا ہے۔

جہاں تک جنّت و دوزخ کا سوال ہے تو اس میں ذرّہ بھر بھی حقیقت نہیں محض لوگوں کو دھوکہ دینے اور بدظن کرنے کے لئے ایسی بات مشہور کی گئی ہے۔ مَیں نے اس کے متعلق اپنے دوست سے کہا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ جنّت و دوزخ تو کوئی نہیں۔ البتہ ایک قبرستان ہے (قادیان میں) جس کا نام بہشتی مقبرہ ہے یہ قبرستان ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے۔ جو "وصیت" کرتے ہیں۔ وصیت کی بڑی سخت شرائط ہیں جو ان شرائط کو پُورا کرے۔ صرف وہی اس میں دفن کیا جاتا ہے۔ اہم شرائط یہ ہیں کہ

وہ نماز روزہ کا پابند ہو۔ جماعت کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو۔ جماعتی احکام کی پابندی کرتا ہو۔ وصیت کرنے والا اپنی آمد اور جائیداد کا کچھ حصّہ جماعت کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ آمد کا جو حصّہ وقف کیا ہو اسے باقاعدگی سے ادا کرتا رہا ہو تب جاکر وہ اس بات کا حقدار ٹھہرتا ہے کہ وہ اس میں دفنایا جائے۔ مندرجہ بالا شرائط کو پورا نہ کرنے والے کی وصیّت منسوخ کر دی جاتی ہے یعنی وصیت کرنے والا اسلام کے اصولوں کا ایک چلتا پھرتا نمونہ ہونا چاہئیے۔ یہ ہے وہ جنّت جس کے متعلق طرح طرح کی روایات مشہور ہیں۔

اعمال و اخلاق، قول و فعل کے اعتبار سے مَیں نے ربوہ میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو اسلامی اصولوں اور احکامات کے خلاف ہو۔ بغرض تمام غلط اور بے بنیاد روایات مشہور ہیں جن کا مقصد صرف اور صرف ان کے جذبات کو ٹھیس لگانا ہے اور کچھ نہیں"[1]

جماعتِ احمدیہ کی شاندار تعلیمی جدوجہد پر ایک نظر

جماعتِ احمدیہ کے قیام پر قریباً چھیاسٹھ[66] سال ہو رہے تھے اس عرصہ میں خدا کی اس کمزور اور ضعیف جماعت نے جو ابتداء میں صرف چالیس نفوس پر مشتمل تھی اور جو جنوری ۱۸۹۸ء تک بمشکل ایک پرائمری مدرسہ کھول سکی تھی۔ اَب کس طرح ایک بین الاقوامی سطح پر اشاعتِ علوم کا فریضہ بجا لا رہی تھی، اس کی ایمان افروز تفصیل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم اے (آکسن) کے الفاظ میں سپردِ قلم کی جاتی ہے۔ آپ نے جلسہ سالانہ ۱۹۵۵ء کے موقع پر تحریکِ احمدیّت کے تعلیمی پس منظر اور حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی علمی یونیورسٹی اور دُنیائے احمدیت کے تعلیمی اداروں کی علمی خدمات پر نہایت پُر تاثیر انداز میں روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:۔

"جماعت احمدیہ کے زیرِ انتظام اور زیرِ نگرانی اس وقت تک اتنے تعلیمی ادارے قائم ہو چکے ہیں۔ کہ اس مضمون کے لئے نوٹ لیتے ہوئے مجھے بھی حیرت ہوئی کہ باوجود عزبت اور مفلوک الحالی کے ہماری جماعت کس جوان ہمتی سے ان اداروں کو کامیابی کے ساتھ چلا رہی ہے۔ اگر ان اداروں کے اخراجات کو الگ الگ کرکے دیکھا جائے تو طبائع پر ان کا زیادہ اثر نہیں ہوتا لیکن ان سب کے مجموعی اخراجات کو دیکھا جائے

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۷ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۵

تو یقیناً سنجیدگی سے دیکھنے والوں کی نگاہوں میں یہ جماعت کا ایک عظیم الشان اور حیرت انگیز کارنامہ ہے۔
جماعت کے تعلیمی اداروں کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) دینی ادارے (۲) دنیوی ادارے۔
پہلی قسم کے اداروں میں سے مدرسہ احمدیہ، جامعہ احمدیہ اور جامعۃ المبشرین کے ادارے ہیں۔ یہ ادارے خالص مذہبی اور دینی نقطۂ نگاہ سے جاری کئے گئے ہیں۔ جامعۃ المبشرین میں پاکستان اور دوسرے ممالک کے لئے مبلغین تیار کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح بیرونی ممالک سے آنے والے طلباء کی تعلیم و تربیت کا کام بھی اسی ادارہ کے سپرد ہے۔ مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیّہ کے سپرد جامعۃ المبشرین میں داخلہ کے لئے طلباء کو تیار کرنا ہے۔

اِن کے مقابل پر دنیوی تعلیم کے ادارے ہیں۔ پاکستان میں جماعت کے ان اداروں کو چھوڑ کر جو احباب جماعت یا انجمنیں چلا رہی ہیں۔ جماعت کی براہ راست نگرانی اور انتظام میں چلنے والی دنیوی تعلیم کے ادارے یہ ہیں :۔

۱۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ۔ ۲۔ تعلیم الاسلام کالج ربوہ
۳۔ نصرت گرلز ہائی سکول ربوہ ۴۔ جامعہ نصرت ربوہ
۵۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ۔ ۶۔ نصرت گرلز ہائی سکول سیالکوٹ شہر

پاکستان کے علاوہ دوسرے سات ممالک میں بھی بعض تعلیمی ادارے جاری کئے گئے ہیں۔ جو نہایت کامیابی سے چل رہے ہیں۔ اس وقت تک اُن کی تعداد تیس[۳۰] تک پہنچ چکی ہے ان کی تفصیل یہ ہے :۔

۱۔ گولڈ کوسٹ مغربی افریقہ :۔	انٹرمیڈیٹ کالج	۱	اسکول	۱۱
۲۔ نائیجیریا			اسکول	۱۰
۳۔ سیرالیون			”	۴
۴۔ مشرقی افریقہ			”	۱
۵۔ سنگاپور ملایا			”	۱
۶۔ فلسطین			”	۱
۷۔ انڈونیشیا			”	۱

ان تمام اداروں کے اخراجات کا ایک عام خاکہ پیش کرنے کے لئے گذشتہ سات سال کی ایک

یونٹ مقرر کرتا ہوں کیونکہ پارٹیشن کے بعد ۱۹۴۸ء تو قریباً انتقال مکانی میں ہی گذرا۔ باقی سات سال کے عرصہ میں جماعت احمدیہ نے جامعۃ المبشرین کے علاوہ پاکستان کے تعلیمی اداروں پر سولہ لاکھ پچاس ہزار دوسو بیالیس روپے ایک آنہ خرچ کیا ہے۔ جامعۃ المبشرین کے صحیح اعداد وشمار مجھے نہیں مل سکے۔ (یہ ادارہ تحریک جدید کے ماتحت ہے۔) لیکن ایک عام اندازہ کے مطابق اس پر دو لاکھ اسّی ہزار روپیہ خرچ کیا جا چکا ہے۔ گویا مجموعی طور پر پاکستان میں قائم شدہ جماعت کے تعلیمی اداروں پر گذشتہ سات سال کے قلیل عرصہ میں انیس ۱۹ لاکھ روپیہ سے زائد رقم خرچ کی جا چکی ہے۔

بیرونی ممالک میں قائم شدہ تعلیمی اداروں پر جماعت سات لاکھ روپیہ سالانہ سے زیادہ خرچ کر رہی ہے۔ اِن سب اخراجات کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ان کی میزان ۷۰ (ستّر) لاکھ روپیہ سے زیادہ بن جاتی ہے۔ اور یہ کوئی معمولی رقم نہیں۔ خصوصاً اس جماعت کے لئے جس کو ۱۹۴۷ء میں اپنا مرکز چھوڑنا پڑا۔ دُنیا داروں کی نگاہ میں اس کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ اور مرکزی چندوں کی آمد لاکھوں روپے سالانہ سے گر کر چند سو روپے سالانہ پر آرہی تھی۔ مقامی لوگ جنہیں ہجرت کی تکالیف برداشت نہیں کرنی پڑیں۔ انہیں ان مصائب اور تکالیف کا اندازہ نہیں ہو سکتا جو اس جماعت کو پیش آئیں۔ ہاں وہ لاکھوں لوگ جنہیں مشرقی پنجاب چھوڑ کر پاکستان آنا پڑا، خُوب جانتے ہیں کہ یہ سات سال کا عرصہ مہاجروں نے کس طرح گذارا ہے لیکن کہاں وہ دُنیا داروں کی نظر میں پٹی ہوئی اور تباہ شدہ جماعت اور کہاں خدا تعالیٰ کا یہ فضل کہ اس جماعت نے خدا تعالیٰ کی ہی دی ہوئی توفیق سے صرف تعلیمی اداروں پر ۷۰ (ستّر) لاکھ روپیہ کے قریب رقم صرف گذشتہ سات سال کے عرصہ میں خرچ کی۔

تعمیر کا خرچ اُوپر دیئے ہوئے اندازہ کے علاوہ ہے۔ صرف تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی عمارت پر اس وقت تک پانچ لاکھ روپیہ کے قریب رقم خرچ کی جا چکی ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں عمارت تیار کی گئی ہے۔ سرکاری عمارات سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو وہ گورنمنٹ کے شیڈول کے مطابق چودہ پندرہ لاکھ روپے سے کم مالیت کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جماعت کے روپیہ میں اس قدر برکت دی ہے کہ گورنمنٹ جس عمارت پر چودہ پندرہ لاکھ روپے خرچ کرتی ہے۔ اسی قسم کی عمارت ہم چار پانچ لاکھ روپیہ کی لاگت میں تیار کر لیتے ہیں۔

قادیان سے پاکستان میں ہجرت کر کے آنے کے بعد ہمارا کالج عارضی طور پر ڈی۔ اے۔ وی۔ کالج لاہور کی عمارت میں کھُلا۔ وہاں ایک دفعہ یہ شور اُٹھا کہ ہمیں یہ عمارت چھوڑ دینی چاہیئے۔ مَیں ان دنوں

وزیر تعلیم مغربی پنجاب کے پاس گیا اور اُن سے کہا کہ گورنمنٹ نے سرگودہا اور منٹگمری میں دو کالج بنائے ہیں اور اُن پر ۳۵ لاکھ روپیہ کے قریب رقم خرچ کی ہے آپ ہمیں اس رقم کا ۲۵ فیصدی دیدیں تو نہ صرف ہمارا کالج بن جائے گا بلکہ گورنمنٹ کو پتہ لگ جائے گا کہ اس کا روپیہ کہاں جاتا ہے تو وہ کہنے لگے آپ کو کالج بنانے کے لئے روپیہ نہیں دیا جا سکتا۔ پس ہر دیکھنے والے کے لئے یہ یقیناً معجزہ سے کم نہیں کہ گذشتہ سات سال کے عرصہ میں جماعت احمدیہ نے نہ صرف تعلیمی اداروں کو جاری رکھنے پر ۷۰ لاکھ روپیہ سے زائد رقم خرچ کی بلکہ ان اداروں کی تعمیر پر جو اخراجات آئے وہ بھی برداشت کئے اور خدا تعالیٰ کا جو فضل اس جماعت کے شامل حال رہا وہ بھی کسی معجزے سے کم نہیں کہ اس نے کم سے کم لاگت میں بڑی لاگت کی عمارات تیار کر لیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

اَب مَیں اس سوال کو لیتا ہوں کہ ایک غریب جماعت اس قدر توجہ اور اس قدر روپیہ ان تعلیمی اداروں پر کیوں خرچ کر رہی ہے۔ اس "کیوں" کا جواب ہر احمدی کو ملنا چاہیئے۔ اس کا ایک جواب حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی کتاب "فتح اسلام" کے مندرجہ ذیل اقتباس میں دیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"اے حق کے طالبو! اور اسلام کے سچے محبّو! آپ لوگوں پر واضح ہے کہ یہ زمانہ جس میں ہم لوگ زندگی بسر کر رہے ہیں یہ ایک ایسا تاریک زمانہ ہے کہ کیا ایمانی اور کیا عملی جس قدر امور ہیں سب میں سخت فساد واقع ہو گیا ہے۔ اور ایک تیز آندھی ضلالت اور گمراہی کی ہر طرف سے چل رہی ہے وہ چیز جس کو ایمان کہتے ہیں اس کی جگہ چند لفظوں نے لے لی ہے جس کا محض زبان سے اقرار کیا جاتا ہے اور وہ امور جن کا نام اعمالِ صالحہ ہے اُن کا مصداق چند رسوم یا اسراف اور ریاکاری کے کام سمجھے گئے ہیں اور جو حقیقی نیکی ہے اس سے بکلّی بےخبری ہے۔ اس زمانہ کا فلسفہ اور طبیعی بھی رُوحانی صلاحیت کا سخت مخالف پڑا ہے۔ اس کے جذبات اس کے جاننے والوں پر نہایت بد اثر کرنے والے اور ظلمت کی طرف کھینچنے والے ثابت ہوتے ہیں وہ زہریلے مواد کو حرکت دیتے اور سوئے ہوئے شیطان کو جگا دیتے ہیں۔ ان علوم میں دخل رکھنے والے دینی امور میں اکثر ایسی بدعقیدگی پیدا کر لیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ اصولوں اور صوم وصلوٰۃ وغیرہ عبادت کے طریقوں کو تحقیر اور

استہزاء کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ اُن کے دلوں میں خدا تعالیٰ کے وجود کی بھی کچھ وقعت اور عظمت نہیں۔ بلکہ اکثر اُن میں سے الحاد کے رنگ سے رنگین اور دہریت کے رگ و ریشہ سے پُر اور مسلمانوں کی اولاد کہلا کر پھر دشمن دین ہیں۔ جو لوگ کالجوں میں پڑھتے ہیں۔ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہنوز وہ اپنے علوم ضروریہ کی تحصیل سے فارغ نہیں ہوتے کہ دین اور دین کی ہمدردی سے پہلے ہی فارغ اور مستعفی ہو چکتے ہیں۔ یہ میں نے صرف ایک شاخ کا ذکر کیا ہے جو حال کے زمانہ میں ضلالت کے پھلوں سے لدی ہوئی ہے۔ مگر اس کے سوا صدہا اور شاخیں بھی ہیں جو اس سے کم نہیں...... یہ کہ مسیحین قوموں اور تثلیث کے حامیوں کی جانب سے وہ ساحرانہ کارروائیاں ہیں کہ جب تک اِن کے اس سحر کے مقابل پر خدا تعالیٰ وہ پُرزور ہاتھ نہ دکھاوے۔ جو معجزہ کی قدرت اپنے اندر رکھتا ہو اور اس معجزہ سے اس سحر کو پاش پاش نہ کرے۔ تب تک اس جادوئے فرنگ سے سادہ لوح دلوں کو مخلصی حاصل ہونا بالکل قیاس اور گمان سے باہر ہے۔ سو خدا تعالیٰ نے اس جادو کے باطل کرنے کے لئے اس زمانہ کے سچے مسلمانوں کو یہ معجزہ دیا کہ اپنے اس بندہ کو اپنے الہام اور کلام اور اپنی برکاتِ خاصہ سے مشرّف کر کے اور اپنی راہ کے باریک علوم سے بہرۂ کامل بخش کر مخالفین کے مقابل پر بھیجا اور بہت سے آسمانی تحائف اور علوی عجائبات اور رُوحانی معارف و دقائق ساتھ دئے تا اس آسمانی پتھر کے ذریعہ سے وہ موم کا بُت توڑ دیا جائے جو سحرِ فرنگ نے تیار کیا ہے۔

سو اَے مسلمانو! اس عاجز کا ظہور ساحرانہ تاریکیوں کے اٹھانے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے۔ کیا ضرور نہیں تھا کہ سحر کے مقابل پر معجزہ بھی دُنیا میں آتا۔ کیا تمہاری نظروں میں یہ بات عجیب اور انہونی ہے کہ خدا تعالیٰ نہایت درجہ کے مکروں کے مقابلہ پر جو سحر کی حقیقت تک پہنچ گئے ہیں ایک ایسی حقانی چمکار دکھاوے جو معجزہ کا اثر رکھتی ہو۔

اَے دانشمندو! تم اس سے تعجب مت کرو کہ خدا تعالیٰ نے اس ضرورت کے وقت میں اور اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی اور ایک بندہ کو مصلحتِ عام

کے لئے خاص کر کے بغرض اعلاء کلمۂ اسلام و اشاعتِ نورِ حضرت خیر الانام اور تائید مسلمانوں کے لئے اور نیز اُن کی اندرونی حالت کے صاف کرنے کے ارادہ سے دُنیا میں بھیجا۔"[1]

اس کے علاوہ تذکرہ (یعنی حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات کے مجموعہ) پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کے اداروں کو بعض اصولوں پر قائم کیا ہے۔ مثلاً آپ کا ایک الہام ہے :-

"اَنْتَ مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ طَیِّبٌ مَقْبُوْلُ الرَّحْمٰنِ"۔[2]

یعنی تو علم کا شہر ہے پاک اور خدا تعالیٰ کا مقبول ہے ۔

قرآنی محاورہ کے مطابق اس الہام کی متعدد تشریحات ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ کلامِ الٰہی میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ وہ ہر موقع کے مطابق ایک نیا مفہوم پیدا کرتا ہے۔ مثلاً قرآنی محاورہ کے مطابق اس کے ایک معنی یہ ہو سکتے ہیں۔ کہ اَنْتَ صَاحِبُ مَدِیْنَۃِ الْعِلْمِ کہ آپ علوم کے دارالخلافہ کے شہنشاہ اور ان علوم کے منبع اور مبداء ہیں جنہیں جماعت احمدیہ جاری کرنا چاہتی ہے۔ ان علوم میں (جو حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ قائم کی گئی یونیورسٹی اور دارالعلوم میں سکھائے جائیں گے)، یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ شعرا اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتے۔ جیسے آپ کا الہام ہے کہ "درکلامِ تو چیزے است کہ شعرا را دراں دخلے نیست"۔ اسی طرح آپ کا ایک الہام ہے رَبِّ عَلِّمْنِیْ مَا ھُوَ خَیْرٌ عِنْدَكَ کہ اے اللہ تو مجھے وہ کچھ سکھا جو تیرے نزدیک میرے لئے بہتر ہے۔

دنیا میں بعض علوم ایسے بھی ہیں جو انسان کے لئے بابرکت نہیں ہوتے یا اُسے اُن کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثلاً بعض علوم محض فلسفیانہ مباحث ہیں یا ایسے نظریات ہیں جو ہر وقت بدلتے رہتے ہیں۔ اگر کسی علم کے چند ماہرین پائے جاتے ہیں تو اُن میں سے نہ صرف ہر ایک کے نظریات مختلف ہوں گے بلکہ وہ ہر وقت بدلتے رہیں گے۔ آج بھی مختلف سائنسدانوں نے مختلف نظریات دُنیا کے سامنے پیش کئے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اگر آج ایک سائنسدان نے ایک نظریہ پیش کیا ہے تو دس بیس سال کے بعد دوسرا سائنسدان

---

[1] فتح اسلام صٓ۷ ۔ [2] : تذکرہ صٓ۳۶۵ ۔

اس سے مختلف بلکہ بعض اوقات اس کے بالکل متضاد نظریہ پیش کر دے گا۔ یہ سب چیزیں شاعرانہ نظریات ہیں، حقائق پر مشتمل نہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قائم کردہ یونیورسٹی میں جو علوم پڑھائے جائیں گے اُن میں شعراء کو کوئی دخل نہ ہوگا۔ پھر یہ علوم حقائق الاشیاء پر مشتمل ہوں گے جیسا کہ آپ کے ایک الہام " رَبِّ اَرِنِیْ حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ " میں بتایا گیا ہے۔ یعنی اے اللہ تو مجھے ہر چیز کی کنہ اور حقیقت دکھا دے۔

مَیں یہاں پر ایک لطیف نکتہ بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو الہام فرمایا کہ رَبِّ اَرِنِیْ حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کسی یونیورسٹی کے فارغ التحصیل نہیں تھے۔ نہ آپ کوئی عظیم فلاسفر تھے۔ آپ ایک معمولی سے گاؤں کے رہنے والے تھے جو ریل اور پختہ سڑک سے بہت دور واقع تھا اور ذاتی طور پر آپ کو اپنے محدود حلقہ کے سوا کوئی نہ جانتا تھا۔ پس ہم آپ نے اپنی کتابوں میں بعض ایسے نکات بیان کئے ہیں کہ آج سالہا سال کی تحقیقات کے بعد بڑے بڑے سکالر ان کے خلاف کوئی اور نظریہ قائم نہیں کر سکتے۔ مثلاً ۱۸۹۶ء میں آپ ضمنی طور پر ایک تقریر میں فرماتے ہیں:۔

" غرض جسمانی صدمات بھی عجیب نظارہ دکھاتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رُوح اور جسم کا ایک ایسا تعلق ہے کہ اس راز کو کھولنا انسان کا کام نہیں۔[1] "

دوسری بات آپ نے یہ بیان فرمائی کہ:۔

" اس سے زیادہ اس تعلق کے ثبوت پر دلیل ہے کہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ رُوح کی ماں جسم ہی ہے۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ میں رُوح کبھی اوپر سے نہیں گرتی بلکہ وہ ایک نُور ہے جو نطفہ میں ہی پوشیدہ طور پر مخفی ہوتا ہے اور جسم کے نشوونما کے ساتھ چمکتا جاتا ہے۔[2] "

۱۹۵۵ء میں آکر امریکہ کے ایک عظیم بیالوجسٹ EDMOND W. SINNOT DEAN OF YALE'S GRADUATE SCHOOL نے رُوح اور مادّہ کے تعلق کے بارے میں ریسرچ کی اور اس کے بعد کتاب " دی بیالوجی آف دی سپرٹ " تحریر کی۔ اس کتاب کا خلاصہ " ویکلی ٹائم آف امریکہ " مجریہ ۱۰؍اکتوبر ۱۹۵۵ء میں چھپا ہے۔ اس خلاصہ کے دو اقتباسات قریباً ان دو اقتباسات کا ترجمہ ہیں۔ مثلاً

---

[1]، [2] رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صـ۸۵ ۔

وہاں لکھا ہے۔

" اس وقت سائنس اس کی وضاحت نہیں کر سکی" یعنی یہ ایسا راز ہے جس کے متعلق بیالوجسٹ مذکور نے تسلیم کیا ہے کہ اب تک سائنسدان اسے پا نہیں سکے۔ یاد رہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا ہے کہ انسان اسے قیامت تک بھی نہیں پا سکے گا۔ لیکن بہرحال سائنسدانوں نے اس حد تک تسلیم کر لیا ہے کہ سائنس اب تک اس راز کو نہیں پا سکی۔ آگے جا کر خلاصہ لکھنے والا بیان کرتا ہے کہ:۔

" تنظیم کا یہ اصول نہ صرف انسان کا ارتفاع کرتا ہے بلکہ اس کے مذاہب کے لئے تین بنیادی چیزیں مہیّا کرتا ہے۔ یعنی بے ترتیب ہیولیٰ میں ترتیب پیدا ہو جاتی ہے۔ مادّہ میں رُوح پیدا ہو جاتی ہے اور بے اثر اور غیر جانبدار عناصر میں شخصیت اُبھر آتی ہے۔ تنظیم کا یہ اصل جس کو کسی طور پر بھی الفاظ میں بعینہٖ نہیں ڈھالا جا سکتا۔ مَیں بلا خوفِ تردید اسے خدا تعالیٰ کی ایک صفت سمجھتا ہوں"

گویا میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ قائم کئے گئے دارالعلوم کے بیت الفکر کی ایک مثال دی ہے کہ آپ نے ۱۸۹۶ء میں یہ بتایا کہ رُوح جسم سے نکلتی ہے اس کے قریباً ساٹھ سال بعد سائنسدانوں نے جو معرکہ مارا اس کا نتیجہ وہی تھا جو آپ نے ۱۸۹۶ء میں بیان فرما دیا تھا۔

پھر دنیوی اداروں میں یہ ہوتا ہے کہ کوئی علم طالبِ علم کے دماغ کے مطابق ہوتا ہے اور کوئی نہیں ہوتا۔ اس لئے بعض اوقات طالب علم اس سے وہ فائدہ نہیں اُٹھا سکتا جو اسے اُٹھانا چاہیئے۔ مثلاً ایک لڑکے کا رحجان ڈاکٹری کی طرف ہے۔ لیکن باپ اسے انجنیئرنگ کی تعلیم دلانا چاہتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ باوجود اپنی پُوری محنت کے اس علم کو پوری طرح حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ قائم کی ہوئی یونیورسٹی کے علوم میں یہ نقص نہیں ہوگا۔ یہاں یہ صورت نہیں ہوگی کہ آپ کا رحجان تو ڈاکٹری کی طرف ہو لیکن رستہ آپ کو فلسفہ کا دکھایا جائے۔ بلکہ ان علوم میں طالبعلم کے لئے بھلائی ہی بھلائی ہوگی۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام رَبِّ عَلِّمْنِیْ مَاھُوَ خَیْرٌ عِنْدَکَ " یعنی اے اللہ! مجھے وہی کچھ دکھا جو تیرے نزدیک بہتر ہے، میں بتایا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر اک شخص کی علمی استعداد اور اس کے دماغی رحجان کو جانتا ہے۔ اس لئے یہاں ایسے علم کی تعلیم دی جائے گی جو طالب علم کے ذہن کے عین مطابق ہو اور اس میں اس کے لئے بھلائی ہی بھلائی ہوگی۔ اس تعلیم میں یہ نقصان نہیں پایا جائے گا کہ وہ دماغ کے غیر مناسب ہونے کی

وجہ سے کسی پر بُرا اثر ڈالتی ہو۔

پھر تذکرہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مدینۃ العلم کے دو علاقے یا دو محلّے ہیں۔ ایک علاقہ یا محلہ کا نام بیت الفکر ہے اور دوسرے کا نام بیت الذکر ہے۔ ان دونوں کا لطیف امتزاج اس شہر کی آبادی کا موجب ہے۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ایک الہام میں بتایا گیا ہے:۔

"ذُوْ عَقْلٍ مَّتِيْنٍ ....بَيْتُ الْفِكْرِ وَ بَيْتُ الذِّكْرِ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۔"

تُو آج ہمارے نزدیک ... قوی العقل ہے.... تجھ کو بیت الفکر اور بیت الذکر عطا کیا اور جو شخص بیت الذکر میں باخلاص و قصد تعبد و صحت نیت و حسنِ ایمان داخل ہوگا وہ سوئے خاتمہ سے امن میں آجائے گا۔"[1]

گویا یہ یونیورسٹی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ذریعہ سے اس زمانہ میں قائم کی گئی ہے۔ اس کے دو حصّے ہیں۔ ایک بیت الفکر کہلاتا ہے۔ یعنی یہ حصّہ ان علوم پر مشتمل ہے۔ جو کوئی اپنی عقل و تدبّر، غور و فکر، اور دنیوی جدوجہد سے نکالتا ہے اور اس کے ذریعہ حقائق الاشیاء معلوم کرتا ہے۔ دوسرا حصّہ بیت الذکر کہلاتا ہے، اور یہ حصّہ ان علوم پر مشتمل ہے جو ذاتی کاوش اور جدوجہد کے نتیجہ میں حاصل نہیں ہوتے بلکہ دُعا، انابت الی اللہ اور خشیت اللہ کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے الہامات کی روشنی میں اس مدینۃ العلم میں تعلیم حاصل کرنے والوں کو ان خرابیوں اور نقائص کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جو دنیوی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے والوں کو پیش آتے ہیں بلکہ جو طالب علم اس یونیورسٹی میں داخل ہوگا وہ بدامنی، فساد، ظلم اور ہلاکت سے محفوظ رکھا جائے گا۔ دنیوی سائنسدانوں نے ایٹم بم ایجاد کیا اور وہ اس کامیاب ایجاد پر نازاں تھے۔ لیکن اَب وہ خود اس ایجاد پر پشیمانی کا اظہار کر رہے ہیں لیکن اس قسم کا خطرہ اس مدینۃ العلم میں نہیں کیونکہ عقل تو خود اندھی ہے جب تک اسے دین کی روشنی نہ دی جائے۔ یہ انسان کو ہلاکت کے

---

[1] براہین احمدیہ حصّہ چہارم ص۵۵۹ حاشیہ در حاشیہ ۴

گڑھے میں گرا دیتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مدینۃ العلم میں بیت الفکر کے محلے کے ساتھ ساتھ بیت الذکر کا محلہ بھی آباد کر دیا تاکہ محض عقل کے استعمال کے نتیجہ میں جو خطرات انسان کو پیش آسکتے تھے وہ بیت الذکر یعنی دینی حصّہ کے ساتھ دُور ہو جائیں۔

پھر جس طرح دنیوی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل طلباء کو جبّۂ فضیلت پہنایا جاتا ہے اسی طرح اس مدینۃ العلم کے رہنے والوں کا بھی ایک جُبّۂ فضیلت ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"رؤیا دیکھا کہ مَیں ایک فراخ اور خوبصورت اور چمکدار جُبّہ پہنے ہوئے چند آدمیوں کے ساتھ ایک طرف جا رہا ہوں اور وہ چوغہ میرے پاؤں تک لٹک رہا ہے اور چمک کی شعاعیں اس میں سے نکل رہی ہیں۔"[1]

گویا دنیوی تعلیمی اداروں نے جو اپنا جُبّۂ فضیلت تیار کیا ہے وہ تو کالے رنگ کا ہے لیکن اس مدینۃ العلم کے رہنے والوں کو جو جُبّۂ فضیلت دیا جائے گا وہ نہایت خوبصورت اور چمک دار ہوگا اس سے نورانی شعاعیں نکلیں گی وہ نہ صرف پہننے والے کی شان کو ظاہر کرے گا بلکہ اپنی چمک اور نُور سے دوسروں کی ہدایت کا بھی موجب ہوگا۔[2]

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی طرف سے دینی اور دنیوی وقف کی تحریک

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ نے اپنے اس معلومات افروز لیکچر کے آخر میں احبابِ جماعت کو بہ پُر زور تحریک بھی فرمائی کہ وہ دینی اور دُنیوی دونوں اعتبار سے اپنی زندگی وقف کریں اور سلسلہ احمدیہ کی خدمت میں سرگرم عمل ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا:۔

"یاد رکھنا چاہیئے کہ وقف محض دینی ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ دینی بھی اور دنیوی بھی۔ آپ کسی ترقی یافتہ قوم یا ملک کو دیکھ لیں۔ اس میں آپ کو کثرت سے واقفِ زندگی ملیں گے۔ چند ماہ ہوئے مشہور انگریزی رسالہ "ریڈرز ڈائجسٹ" میں ایک کتاب کا خلاصہ چھپا ہے۔ اس میں ایک عورت کا ذکر کیا گیا ہے جو ۱۹۱۶ء میں بیمار ہوئی۔ ڈاکٹروں نے اسے مشورہ دیا کہ اس کا شہری فضا میں

---

[1] تذکرہ طبع اوّل ص۶۱۷ - [2] رسالہ الفرقان ربوہ تعلیمی نمبر جنوری ۱۹۵۶ء ص۱۱۰تا۱۱۱۔

رہنا اس کی صحت کے لئے مضر ہے۔ اسے اپنی صحت کو بحال کرنے کے لئے ایسے علاقہ میں چلا جانا چاہیئے جو میدانی بھی نہ ہو اور پہاڑی بھی نہ ہو بلکہ درمیانی قسم کا علاقہ ہو۔ پھر وہ شہر سے دُور ہو۔ یہی ایک صورت ہے جس کی وجہ سے اس کی زندگی محفوظ رہ سکتی ہے اور اس کی صحت بحال ہو سکتی ہے چنانچہ اس نے ڈاکٹروں کی اس نصیحت پر عمل کرنے کے لئے اپنے خاوند کو بھی چھوڑا، اپنے دوسرے عزیزوں اور وطن کو خیر باد کہا اور قریب کے علاقہ میں جس میں ڈاکٹروں کی بتائی ہوئی خوبیاں پائی جاتی تھیں چلی گئی یہ علاقہ تعلیمی لحاظ سے بہت پیچھے تھا۔ ۱۹۱۶ء میں اس علاقہ کے ارد گرد پچاس میل میں صرف ایک شخص تھا جو دستخط کرنا جانتا تھا۔ باقی لوگ دستخط بھی نہیں کر سکتے تھے اور وحشت کا یہ حال تھا کہ روزانہ سینکڑوں لوگ قتل ہوتے تھے وہ عورت بے کار بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ اس لئے اپنا وقت گذارنے کے لئے اس نے وہاں ایک اسکول جاری کیا۔ اس نے دوسرے علاقوں کے بعض لوگوں کو خطوط لکھ کر عطایا اکٹھے کئے اور اس اسکول کے اخراجات چلانے کا انتظام کیا۔ اَب تو وہاں اور اسکول بھی جاری کئے گئے ہیں۔ لیکن ۱۹۱۶ء میں پہلا اسکول یہی تھا جو وہاں جاری کیا گیا۔

اس عورت کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ہر بچے سے جس کو وہ پڑھاتی تھی۔ زبانی طور پر یہ وعدہ لیتی تھی کہ اگر اس کے ادارے قوم یا علاقہ کو اس کی ضرورت پڑے تو وہ وہیں آئے گا۔ کسی اور جگہ نہیں جائے گا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک طالب علم طبّ میں نہایت ذہین اور ہوشیار تھا اسے طبّ میں اتنا ملکہ حاصل تھا کہ جب اس عورت نے وظیفہ دے کر اس کی اعلیٰ پڑھائی کا انتظام کیا اور اس نے طبّ کی اعلیٰ ڈگری حاصل کر لی تو بعض فرموں نے اسے اغلباً دس لاکھ ڈالر سالانہ تنخواہ کی پیشکش کی۔ جو ہمارے مُلک کے لحاظ سے پینتالیس[۴۵] لاکھ روپیہ سالانہ بنتا ہے۔ مگر اس عورت نے اسے لکھا کہ تم اپنے علاقے میں آجاؤ کیونکہ یہاں اور ڈاکٹر موجود نہیں چنانچہ وہ اس پیشکش کو ٹھکرا کر وہاں آگیا۔ پھر وہ کوئی بھاری فیس بھی نہیں لیتا تھا وہ چھکڑوں پر رات کے بارہ بجے برف سے ڈھکے ہوئے رستوں پر سفر کر کے مریض کو دیکھنے جاتا اور اس کا علاج کرتا۔ جب واپس آتا تو وہ لوگ پانچ سیر گندم یا مکّی اس کے چھکڑے میں رکھ دیتے۔ یہ وہ فیس تھی جو وہ اپنے علاقہ کے مریضوں سے لیتا اور جس کے مقابلہ پر اُس نے لاکھوں روپیہ سالانہ کی تنخواہ کی پیشکش ٹھکرا دی۔ یہ وانف زندگی نہیں تھا تو اور کیا تھا اس طرح کی اور مثالیں بھی مل سکتی ہیں۔

پس وقف محض مذہبی ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ مذہبی اور دنیوی دونوں قسم کا ہوتا ہے اور واقفین ہر قوم، ہر ملک اور ہر زمانہ میں پائے جاتے ہیں۔ اصل میں وقفِ زندگی اور حیات کے کامل مظاہرہ کا نام ہے۔ جب کسی کی دینی رُوح عروج اور کمال کو پہنچ جاتی ہے تو وہ دین کا واقف زندگی بن جاتا ہے اور جب اس کی دنیوی رُوح عروج اور کمال کو پہنچ جاتی ہے تو وہ دُنیا کا واقف زندگی بن جاتا ہے۔ جب ایک شخص کی قوتوں اور اس کے روپیہ کی اس کی قوم اور ملک کو ضرورت ہو اور وہ اس کی خاطر اپنا ذاتی مفاد ترک کر دے اور اس کی خدمت میں لگ جائے تو یہ اس کی دنیوی رُوح کے کمال اور عروج کا مظاہرہ ہوتا ہے اور وہ واقف زندگی کہلاتا ہے اور جب اس میں دین کی رُوح اپنے کمال اور عروج کو پہنچ جاتی ہے اور وہ دین کی خاطر اپنا ذاتی مفاد ترک کر دیتا ہے تو وہ رُوحانی واقفِ زندگی بن جاتا ہے۔

وقف کی رُوح اور زندگی کو جماعت میں قائم رکھنے کے لئے جماعت کے افراد کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے پیش کرنا چاہیئے۔ چاہے وہ مرکزی ہدایات کے ماتحت کام کرنے کے اہل نہ بھی ہوں اور وہ یہاں رہ کر کام بھی نہ کر سکیں لیکن جماعت میں اس قسم کا ذہنی رجحان پایا جانا چاہیئے۔ اور اس کے نوجوانوں کی ایسے رنگ میں تربیت ہونی چاہیئے کہ جب بھی قوم انہیں بلائے وہ اپنا سب مفاد ترک کر کے آجائیں"۔[1]

---

[1] رسالہ "الفرقان" ربوہ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۴، ۱۵۔

فصل پنجم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جلیل القدر اصحاب کا انتقال

اس سال حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السّلام کے متعدد جلیل القدر اصحاب رحلت فرما گئے جن کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے ؛۔

۱۔ حضرت چوہدری محمد عبد اللہ صاحب نمبردار بہلولپوریؓ

(ولادت[1] اندازاً ۱۸۷۰ء ۔ بیعت[2] ۱۹۰۲ء ۔ زیارت ۱۹۰۳ء ۔ وفات ۱۰ر جنوری ۱۹۵۹ء)

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۴ پر آپ کا نام ۳۱ر مارچ ۱۹۰۷ء کے دو آتشی گولے کے نشانِ آسمانی کے عینی شاہدوں میں درج فرمایا ہے۔

آپ کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی خدمت میں درج ذیل الفاظ میں تار پہنچا :۔

" YOUR PROPHECY 17TH MARCH FIVE FLAMES SEEN EVERY WHERE FALLING FROM SKY 5 P.M. 31ST MARCH.

ABDULLAH"

چوہدری صاحب نے ۳۱ر مارچ کو تار دینے کے بعد یکم اور ۲ اپریل کو دو کارڈ[3] بھی حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں لکھے جن کا متن درج ذیل ہے :۔

---

[1] ریکارڈ دفتر بہشتی مقبرہ ربوہ ۔

[2] رجسٹر روایات غیر مطبوعہ جلد ۱۳ صفحہ ۹۵ ۔

[3] تار اور کارڈ دونوں "شعبہ تاریخ احمدیت" کے خاص ریکارڈ میں محفوظ ہیں ۔

(پہلا کارڈ)

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؁ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

کل ۳۱ مارچ ۰۷ء کو ۴ بجے شام کے قریب آسمان سے آگ کے شعلہ عجیب طور پر گرتے جا بجا دیکھے گئے۔ چالیس چالیس کوس تک سے خبریں آئی ہیں۔ گویا آپ کا الہام پچیس ۲۵ دن تک والا عجیب وغریب طور پر عین ۲۵ دن کے گذرنے کے سر پر بطریقہ ماجرہ ظہور میں آیا۔ میں نے اس وقت ایک تار بھی حضور کے نام اس نشان کے پورا ہونے پر آپ کو دی ہے۔ اور مدرکہ عریضہ بھی اطلاعًا اور مبارکاً ارسال خدمت ہے۔

والسلام ۔ یکم اپریل ۰۷ء

نیاز مند۔ عبداللہ خان احمدی نمبردار بہلول پور ۱۲۷ رکھ برانچ۔ ضلع لائل پور از سالار والا۔"

(دوسرا کارڈ)

"میرے آقا ومولا ہادی ومہدی مجدد ومسیح! تجھے مبارک ہو کہ تیری پیشگوئی مؤرخہ ۷ مارچ ۰۷ء پچیس دن (پچیس دن تک) والی اس علاقہ میں بڑے زور وشور سے اس طرح پوری ہوئی کہ ۳۱ مارچ ۰۷ء کو بوقت ۴ بجے کے آسمان سے آگ کے شعلہ جا بجا گرتے ہوئے دکھائی دیئے ... میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ خدا کی درگاہ میں سجدات شکر بجالاتا ہوا اسٹیشن کو دوڑا جو یہاں سے دو میل ہے۔ وہاں اس علاقہ کے تین چار معزز زمیندار اور سٹیشن ماسٹر وغیرہ موجود تھے۔ ان کو رسالہ ریویو دکھایا گیا جس میں یہ پیشگوئی درج تھی۔ سٹیشن ماسٹر اور دوسروں نے بھی کہا کہ ہم نے بھی بچشم خود ایسا دیکھا ہے۔ اسی وقت حضور کی خدمت میں تار اور ایک کارڈ عرض کیا گیا۔ چونکہ وہ مختصر تھی اب مفصّل عرض ہے۔ اخبار بدر اور الحکم اور ریویو کے ذریعہ میں نے اس پیشگوئی کو مشہور کیا ہوا تھا۔ اب اس واقعہ پر پھر اخبارات لوگوں کو سنائی گئی ہیں۔ لوگ خود بخود اقرار کرتے ہیں کہ یہ پیشگوئی پوری ہو چکی ہے۔ بہت سعید فائدہ اٹھائیں گے اور شقی کہتے ہیں کہ مرزا صاحب

نجومی ہیں اور ان کے پاس کوئی دلیل اس کو جھوٹا کہنے کی نہیں رہی۔

عبداللہ خان احمدی نمبردار بہلولپور ۱۲۷ رکھ برانچ ضلع لائل پور

سالار والا اسٹیشن ۔۔۔۔۔۔ ۲ر اپریل ۱۹۰۸ء"

چوہدری صاحب صاحبِ الہام بزرگ تھے۔ انہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری سے پڑھا تھا۔ چنانچہ آپ کا بیان ہے کہ :۔

"۱۹۰۶ء میں ایک بار قادیان گیا تو چوہدری عبداللہ خانصاحب بہلولپوری بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ انہیں الہام ہُوا۔ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ اس وقت ان کی عربی تعلیم اس قدر کم تھی کہ انہوں نے اس فقرے کے معنے مجھ سے دریافت کئے۔ مَیں نے اس الہام میں جو بشارت تھی اُسے بیان کیا۔ اور اس وقت اُن کے ساتھ یہ بھی طے پایا کہ مَیں اُن کے گاؤں میں اُن کے ساتھ چلوں اور وہاں رہ کر اُن کو قرآنِ کریم کا ترجمہ پڑھاؤں۔ مَیں نے اُن کو چھ ماہ تک قرآن کریم پڑھایا اور ساتھ ہی تبلیغِ اسلام کی خدمت بھی سرانجام دیتا رہا۔ اس عرصہ میں انہوں نے قرآن کریم ترجمہ کے ساتھ ختم کر لیا۔ اور اتنی لیاقت پیدا کر لی کہ وہ دوسروں کو بھی ترجمہ پڑھا سکتے تھے"[۱]

حضرت چوہدری صاحب ۱۹۲۲ء کی پہلی مجلس مشاورت میں بہلولپور کے نمائندہ کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ آپ کا نام ۱۹۲۲ء کی رپورٹ میں فہرست نمائندگانِ بیرونی میں نمبر ۱۳ پر درج ہے۔

چوہدری ناصر الدین صاحب واقفِ زندگی بی۔ اے مرحوم (سابق آڈیٹر تحریک جدید صدر انجمن احمدیہ) نے آپ کی وفات پر ایک مضمون شائع کیا جس میں لکھا کہ :۔

"قبولِ احمدیت کے ساتھ ہی آپ کی زندگی میں زبردست رُوحانی انقلاب آگیا۔ اور آپ کی ساری توجہ اصلاحِ نفس اور تبلیغِ اسلام کی طرف پھر گئی۔ آپ کو کثرت سے قادیان جانے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب مَیں دین کی طرف راغب ہو کر حضرت اقدس کے دیدار سے مشرف ہُوا تو حضرت کے چہرہ مبارک کو دیکھتے ہی یہ بات میرے دل میں میخ کی طرح گڑ گئی کہ یہ پاک نُور کسی کاذب کے چہرہ پر ہرگز جلوہ گر نہیں ہو سکتا۔۔۔۔

---

[۱] "حیاتِ بقاپوری" حصہ اوّل صفحہ ۱۶۔۱۸ (طبع سوم)

حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پاک باتوں کا ذکر اکثر آپ کی مجلس میں رہتا اور سلسلہ تبلیغ و تربیت ہمیشہ جاری رہا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کا مطالعہ اس کثرت سے آپ نے کیا ہوا تھا کہ خاص خاص مسائل کے بارہ میں حضورؑ کی تحریرات اور حوالے زبانی یاد تھے ___ آپ الہامات اور رویائے صادقہ کی نعمت سے بھی مشرف تھے .... دُعا پر آپ کو بہت یقین تھا۔ کثرت سے لمبی لمبی دُعائیں کیا کرتے تھے۔ تہجد التزام کے ساتھ آخیر وقت تک ادا کرتے رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ میری تمام ضرورتیں پُوری کرتا ہے۔ اور نہایت تنگی اور عُسرت کے وقت بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل اُس نے مجھے سہارا دیا ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میرا بال بال مقروض تھا۔ اور اس سے نجات حاصل کرنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ سیالکوٹ تشریف لے گئے تو نارووال کے اسٹیشن پر (جہاں اس وقت چوہدری صاحب سب رجسٹرار تھے) حضورؓ سے دُعا کی درخواست کی۔ حضورؓ نے فرمایا کہ اپنے گناہوں کو خدا کے حضور پیش کر کے استغفار کریں۔ چنانچہ اس نسخہ پر عمل کرنے سے خدا نے تمام قرضہ سے باعزّت نجات دی۔ اور فراخی کی راہیں کھول دیں۔ آپ اپنے گاؤں اور علاقہ میں عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ گاؤں میں برادریوں کے جھگڑوں میں بھی آپ کی کوشش یہی ہوتی کہ گاؤں کا امن برباد نہ ہو اور لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل جُل کر رہیں۔ آپ ذہانت اور تدبّر سے معاملات کو سوچنے اور حل کرنے کی کوشش کرتے۔ سوشل اور تمدنی زندگی کو بہتر بنانے اور گاؤں میں تعلیم کی اشاعت میں خاص دلچسپی لیا کرتے تھے۔ گاؤں میں طلباء اور طالبات کے علیحدہ علیحدہ مڈل سکول بنوانے میں بھی آپ کی مساعی اور ترغیب کا کافی دخل تھا۔ سکول کے اساتذہ سے ملنے اور تعلیمی کارروائیوں سے باخبر رہنے کا شوق تھا۔ حالاتِ حاضرہ سے باخبر رہنے کا شوق تھا۔ حالاتِ حاضرہ سے باخبر رہنے کے لئے باقاعدہ اخبار بینی اور مُلک کے سیاسی تغیرات پر بحث و تمحیص کرنے کے علاوہ قرآن کریم اور تفسیر پڑھنا اور سُننا آپ کے محبوب مشاغل تھے[۱]

اولاد

۱۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب تحصیلدار

۲۔ مولوی عصمت اللہ خانصاحب[۲]

---

[۱] الفضل ۲۵ر جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۳

[۲] والد ماجد چوہدری صلاح الدین صاحب واقف زندگی سابق مشیر قانونی صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ

۳- چوہدری بشیر احمد صاحب انسپکٹر پولیس ریٹائرڈ۔
۴- چوہدری عبدالرحمٰن صاحب سابق انسپکٹر پولیس۔

۲- حضرت چوہدری باغ دین صاحبؓ (بیعت ۱۸۹۵ء[1] - وفات ۱۰ جنوری ۱۹۵۵ء)

آپ کا آبائی وطن کنتھو والی ضلع سیالکوٹ تھا۔ گاؤں میں ہندو اور سکھ آبادی تھی جو کئی قسم کی رسومات میں مبتلا تھی جن میں مسلمان بھی ان میں شریک ہو جاتے تھے۔ لیکن آپ اپنی نیک فطرت کی وجہ سے بچپن سے ہی اِن رسوم کے خلاف تھے۔ اور ان کے انسداد اور تدارک کی کوشش کیا کرتے تھے۔ خلیفہ سراج الدین صاحب آف کلاسیوالہ ضلع سیالکوٹ آپ کے حالات زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ہم چند دوست جن میں مرحوم بھی شامل تھے مولوی ابو محمد عبداللہ صاحب آف کھیوہ کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے اور اُن سے کچھ پڑھتے بھی تھے۔ مولوی صاحب کی مجلس میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے دعوے کا ذکر اکثر ہوتا تھا۔ آپ کے دلائل کو پرکھا جاتا اور پیشگوئیوں پر بحث ہوتی۔ ان دنوں پنڈت لیکھرام والی پیشگوئی کا عام چرچا تھا اور مولوی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر مرزا صاحب کی یہ پیشگوئی پُوری ہوگئی تو میں ایمان لے آؤں گا۔ خلیفہ سراج الدین صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۸۹۵ء میں مجھے کسی ذاتی کام کے سلسلہ میں امرتسر جانا پڑا۔ کام کے بعد مجھے خیال آیا چلو قادیان بھی دیکھ چلیں۔ چنانچہ میں قادیان گیا اور دل کی تسلی ہونے پر میں نے حضورؑ کی بیعت کر لی اور کھیوہ واپس آکر مولوی صاحب کی مجلس میں اپنی بیعت سے متعلق تمام باتیں سُنائیں۔ چند دن خُوب بحث ہوئی اور اس کے بعد محترم مولوی صاحب اور دیگر تمام احباب بیعت کے لئے رضامند ہوگئے اور حضورؑ کو خط لکھ دیا۔ اس طرح محترم چوہدری صاحب مرحوم نے ۱۸۹۵ء میں خط کے ذریعے بیعت کر لی۔ بعد ازاں ۱۸۹۸ء میں قادیان تشریف لے گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر عہدِ اطاعت باندھا۔ آپ نے اپنے خاندان اور رشتہ داروں میں تبلیغ شروع کی اور بہت کوشش اور محنت سے اس کام کو سرانجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی کوششوں کو شرفِ باریابی بخشا اور رشتہ داروں کی کثیر تعداد احمدیت میں داخل ہوگئی۔ آپ اپنے

---

[1] الفضل ۳۰ رجنوری ۱۹۵۵ء صہ ۵۔

گاؤں میں نمبردار تھے اور اپنے فرائض کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا کرتے تھے۔ اسی طرح خدمتِ سلسلہ کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ سلسلہ کے مبلغ اور کارکن جب مرکز سے تشریف لاتے اُن کے ساتھ نہایت محبت اور اُلفت سے پیش آتے اور ہر ممکن خدمت کرتے۔ اپنی جماعت کے پریذیڈنٹ تھے۔ اس سے قبل عرصہ تک سیکرٹری مال بھی رہے۔

ایک دوست کا بیان ہے کہ ہماری جماعت کے ذمہ خاصہ بقایا ہو گیا تھا تو مرحوم کو سیکرٹری مال بنا دیا گیا۔ آپ نے اس خوش اسلوبی اور محنت سے کام کیا کہ جماعت میں ایک شخص بھی بقایادار نہ رہا۔ پُرجوش داعی الی اللہ تھے۔ کسی مجلس میں بھی تبلیغ کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان سے آپ کو بہت اُلفت تھی۔ قدرتِ ثانیہ کے مظاہر کی قبولیتِ دعا کے کئی واقعات بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ دفترِ اوّل تحریک جدید کے مجاہدوں میں شامل تھے۔[1]

شیخ نور احمد صاحب ایڈووکیٹ (مزنگ روڈ لاہور) کا بیان ہے کہ "حضرت چوہدری صاحب موصوف کو مَیں نے بچپن سے دیکھا اور مطالعہ کیا۔ یہ امر واقعی حیرت انگیز ہے کہ آپ کو قدرتِ ایزدی نے غیر معمولی استعدادوں سے اور خاص صلاحیتوں سے حصّہ وافر عطا یا تھا وہ اپنے اندر ایسی قابلیتیں اور خصائل رکھتے تھے کہ ان کو بلا مبالغہ ایک مثالی انسان کہا جا سکتا ہے۔ حیرت آتی ہے کہ ایک گاؤں میں پیدا ہونے والا اور صرف پرائمری تک تعلیم رکھنے والا زمیندار کس قدر معاملہ فہم، مدبّر اور متانت کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ آپ کی طبیعت میں انتہائی انکسار اور عجز تھا۔ نہایت رقیق القلب تھے اور امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے عظیم الشان رُوحانی فیض سے صحیح معنوں میں تربیت یافتہ ہونے کا زندگی بھر عملی نمونہ پیش کرنے والے افراد میں شمار کئے جانے کے قابل تھے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس پر کامل یقین کا بہترین نمونہ آپ نے پیش کیا۔ بعض دفعہ انتہائی پریشانیوں سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ لیکن خداداد وقار اور وجاہت کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ دشمنوں سے بھی باوقار اور مدبّرانہ برتاؤ رکھتے تھے۔ اور غریبوں کی دستگیری محض رضائے الٰہی کے لئے اپنی قلبی کیفیت کے ماتحت کرتے تھے۔ ..... بعض

---

[1] الفضل ۸؍ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۵

"چوہدریوں" کی طرح جاہ طلبی تکمار اور نخوت آپ کی طبیعت میں بالکل نہیں تھا۔ اور چودھراہٹ کا خمار کبھی اس نیک فطرت اور باکمال انسان پر اثر انداز نہ ہُوا۔ آپ نے انسانی مساوات کا عملی سبق زندگی بھر پیش کیا۔ اور تبلیغ احمدیّت کا والہانہ جوش ہمیشہ ان کے دل میں موجزن تھا۔ الفضل اور کتب سلسلہ پڑھنے کا عشق اپنے اندر رکھتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ آپ ادبی اعتبار سے بہت اچھی اُردو لکھ سکتے تھے۔ اور خوش نویس تھے۔ غرض ہر بات ہر کردار اور ہر شعبہ زندگی میں صفائی نظافت اور نجیبانہ کمال حاصل تھا..... محترم چوہدری صاحب کو حضرت مولوی عبد اللہ صاحب مرحوم و مغفور آف کھیوہ باجوہ ضلع سیالکوٹ کی پاکیزہ صحبت کا کافی شرف حاصل تھا۔ جو تبحرِ علمی کے لحاظ سے عظیم الشان فاضل تھے۔ کچھ اس کا نتیجہ تھا اور کچھ ذاتی استعداد کے باعث محترم چوہدری صاحب جدید علوم اور فلسفیانہ نظریات کو بخوبی سمجھتے اور سمجھا سکتے تھے۔ آپ نے احمدیّت کو علیٰ وجہ البصیرت سمجھا اور قبول کیا تھا۔ آپ کو حضرت مصلح موعودؓ سے بے مثال اور قابل رشک محبت بلکہ عشق تھا[1]"

۳۔ حضرت ڈاکٹر فیض علی صاحبؓ صابر پنشنر اسسٹنٹ سرجن بہاول پور

(ولادت ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء بیعت مارچ ۱۹۰۰ء[2]۔ وفات ۱۱ر جنوری ۱۹۵۵ء)۔

حضرت ڈاکٹر فیض علی صاحبؓ صابر کے والد مولوی عبد الغنی صاحب کا اصل وطن حجرہ شاہ مقیم تحصیل قصور تھا۔ مولوی صاحب موصوف بچپن میں یتیم اور تنہا رہ گئے اور امرتسر میں اپنے رشتہ کے ایک چچا کے ہاں (جو ایک متمول سکھ سردار تھے) پرورش پائی۔ آپ کا پہلا نام سردار رُوپ سنگھ تھا۔ آپ نے دس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ آپ مشہور اہلِ حدیث عالم مولوی غلام علی صاحب قصوری کے ممتاز شاگرد اور جید عالم تھے۔ انبالہ میں عربی اور فارسی کے معلّم رہے۔ اور پچاسی سال سے کچھ اُوپر عمر پائی۔ اہلیہ کا نام محصنہ جان بی بی تھا[3]

مولوی عبد الغنی صاحب کی اولاد چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ جو سب اُن کی وفات کے بعد نہایت

---

[1] الفضل ۴ر مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ [2] الحکم ۳۱ر مارچ ۱۹۰۰ء صفحہ ۲
[3] بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔

اخلاص کے ساتھ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئی۔ انہوں نے اپنے تمام بچوں کے نام تاریخی رکھے جو یہ ہیں:۔

۱۔ (ڈاکٹر) علی اظفر صاحب (وفات ۱۲۹۱ھ) آپ کا نام منارۃ المسیح پر کندہ ہے مشرقی افریقہ میں ملازم تھے اور وہیں وفات پائی۔

۲۔ (ڈاکٹر) فیض علی صاحب صابر (ولادت ۱۲۹۳ھ)

۳۔ (بابو) مظہر علی طالب صاحب (ولادت ۱۲۹۷ھ) مشرقی افریقہ میں پوسٹ ماسٹر تھے اور وہیں دفن کئے گئے۔

۴۔ (مستری) منظر علی صاحب (ولادت ۱۳۰۰ھ پہلی جنگِ عظیم کے دوران ایران کی طرف فوت ہوئے۔

۵۔ حضرت مراد خاتون صاحبہ (ولادت ۱۳۰۲ھ) اہلیہ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب (خسر حضرت سیّدنا مصلح موعودؓ)

۶۔ (ڈاکٹر) اقبال علی غنی صاحب (ولادت ۱۳۰۴ھ) اسسٹنٹ سرجن انچارج کیمپ گورنر یو پی۔ آپ حکیم مفتی فضل الرحمٰن صاحبؓ بھیروی (داماد حضرت مولانا نور الدین صاحبؓ خلیفۃ المسیح الاوّل) کے داماد تھے۔

۷۔ (شیخ) منظور علی شاکر صاحب (ولادت ۱۳۰۶ھ) سابق کوتوال میرٹھ شہر۔

ڈاکٹر علی اظفر صاحب اور ڈاکٹر فیض علی صابر صاحب کی جائے ولادت امرتسر ہے۔ باقی سب انبالہ چھاؤنی میں پیدا ہوئے[1]

اپنے والد صاحب کی وفات کے بعد ڈاکٹر علی اظفر صاحب اور ڈاکٹر فیض علی صاحب صابر کم عمری میں ہی بغرض ملازمت مشرقی افریقہ تشریف لے گئے۔ جہاں حضرت ڈاکٹر رحمت علی صاحب (جو حضرت علامہ حافظ روشن علی صاحب کے سگے بھائی اور حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی کے بہنوئی تھے) پہلے سے ملازم تھے[2]۔ آپ کو بہت عزت و احترام کی نگہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور پبلک میں نیک اور پاک اور عابد یقین کئے جاتے تھے۔ ڈاکٹر علی اظفر صاحب چند یوم میں ہی اُن سے ایسے مانوس اور متاثر

---

[1] الحکم ۲۸ اپریل ۱۹۳۵ء صٰ۔ [2] آپ ۱۰ جنوری ۱۹۰۴ء کو لڑائی کے دوران ایک زخمی کی مرہم پٹی کر رہے تھے کہ بھالے سے شہید کر دیئے گئے (الحکم ۱۰ فروری ۱۹۰۴ء صٰ)

ہوئے کہ احمدیت کی صداقت پر یقین ہو گیا۔ مکرم ڈاکٹر فیض علی صاحب بتایا کرتے تھے کہ "ہم دونوں بھائی ایک دُوسرے سے کچھ فاصلہ پر کام کرتے تھے۔ مَیں اِن دنوں خُوب فیشن ایبل تھا اور دین کی طرف کم ہی دھیان تھا۔ رخصت لے کر بڑے بھائی صاحب کو ملنے آیا۔ تو انہیں دیکھ کر مَیں حیران رہ گیا۔ ان کے اندر نمایاں تبدیلی پیدا ہو چکی تھی۔ خوبصورت چہرہ پر ایک چھوٹی سی ڈاڑھی عجب بہار دکھا رہی تھی اور نماز و عبادت سے شغف بڑھ گیا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ آپ مکرم ڈاکٹر رحمت علی صاحب کی تبلیغ سے احمدی ہو چکے ہیں۔ مَیں چونکہ اپنے بھائی کا بہت احترام کرتا تھا اس لئے ان میں یہ تغیّر دیکھ کر مَیں نے بھی بیعت کا خط لکھ دیا۔ پھر قادیان آکر دستی بیعت بھی کی"[1]

الحکم ۱۳ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۷ پر دونوں بھائیوں کا نام فہرست نو مبائعین میں درج ہے۔ بیعت کے بعد سرکاری محکمہ کی طرف سے حضرت ڈاکٹر رحمت علی صاحب اور آپ کو ایک ڈیوٹی پر بمبئی بھیجا گیا۔ بمبئی سے یہ دونوں بزرگ تیسرے روز جمعہ سے کچھ پہلے قادیان پہنچے۔ نماز میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام بھی تشریف لائے۔ مگر خطبہ جمعہ حضرت مولانا نورالدین صاحب بھیروی نے دیا جس میں سورۃ قلم کی نہایت پُر معارف اور رُوح پرور تفسیر بیان فرمائی۔ قادیان میں مختصر قیام کے دوران آپ نے حضور کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ "جب مَیں نے بیعت کی تو عجیب خوف آمیز سنسناہٹ کی لہریں میرے تمام رگ و ریشہ میں پیدا ہوئیں اور تمام جسم گویا ڈھل کر نئے سانچے میں ڈھل گیا تھا۔ افسوس مَیں اس رُوحانی لذّت کی کیفیّت کو بیان نہیں کر سکتا۔"[2] یہ اپریل ۱۹۰۱ء کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ اوائل ۱۹۰۲ء میں آپ ہجرت کرکے قادیان تشریف لے آئے۔ ستمبر ۱۹۰۲ء میں آپ نے حضرت بابو محمد افضل صاحب کی رفاقت میں سلسلہ احمدیّہ کا دُوسرا مرکزی اخبار "البدر" جاری کیا۔ جو سلسلہ کے اس ابتدائی دَور کی تاریخ کا ایک اہم ماخذ ہے۔ اور جس کی خدمات کبھی فراموش نہیں کی جا سکتیں۔ آپ "البدر" کے مہتمم تھے اور حضرت بابو صاحب اس کے ایڈیٹر۔ شروع شروع میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی ڈائریاں آپ خود لکھتے تھے۔ بعد میں آپ نے اُنہیں بھی اِس خدمت میں شامل کر لیا۔[3]

---

[1] "لاہور تاریخ احمدیت" ص ۲۸۰ تا ۲۸۱ مصنفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحب مرحوم (سابق سوداگرمل)۔ [2] الحکم ۲۸ اپریل ۱۹۳۵ء ص ۸۔

[3] گو "بدر" خلافتِ اولیٰ میں بھی جاری رہا۔ مگر حضرت ڈاکٹر صاحب کا اس زمانہ میں اخبار سے کوئی تعلق نہ رہا۔ آپ قادیان سے باہر ملازم رہے۔

حضرت اقدسؑ نے اس اخبار کی منظوری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

"ہماری طرف سے اجازت ہے خواہ آپ ایک سو پرچہ جاری کریں۔ شاید اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے دیوے"۔

کچھ عرصہ تک لنگرخانہ کا انتظام بھی آپ کے سپرد رہا۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی مرض الموت میں آپ ہی صدقہ کے دو بکرے خرید کر لائے۔ اور آپ ہی نے ان کو ذبح کیا۔ واپسی پر جو خوش نصیب بزرگ حضور کا جسدِ اطہر لاہور سے قادیان لائے ان میں آپ بھی شامل تھے۔

۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۴ء تک آپ بہاولپور کے فوجی ہسپتال میں اور بعد ازاں کئی اور سول ہسپتالوں میں طبّی خدمات بجا لاتے رہے۔ بہاولپور میں کئی سالوں تک جماعت کے سیکرٹری رہے۔ جمعہ اکثر آپ ہی کے مکان پر پڑھا جاتا تھا۔ امامت بھی آپ خود کراتے رہے۔ آپ کی شہرت ایک دیانتدار اور پارسا شخص کی حیثیت سے ایسی نمایاں تھی کہ آپ ہزہائی نس نواب بہادر نواب صادق محمد خان خامس عباسی والئی ریاست بہاولپور کے محل کے میڈیکل آفیسر مقرر کر دیئے گئے۔ مگر احمدیت کی وجہ سے آپ کی سخت مخالفت ہوئی اور آپ کو اس عہدہ سے برخاست کر دیا گیا۔ آپ پیغامِ احمدیت پہنچاتے رہے۔ اور سچی بات کہنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ آپ حد درجہ مہمان نواز تھے۔ ایک احمدی ڈاکٹر کی حیثیت سے آپ میں یہ وصف بھی بہت نمایاں تھا کہ نہ صرف مریضوں کا ہمدردی سے علاج کرتے بلکہ نقدی، کپڑوں اور غذا سے بھی مدد فرماتے۔ بڑے متوکل انسان تھے۔ "اللہ مالک ہے" تکیہ کلام تھا۔ قرآن مجید کا ایک خاصا حصّہ حفظ تھا۔ درثمین اردو و فارسی کے بہت سے اشعار یاد تھے۔ اور اس کا ذوق اپنے بچوں میں پیدا کرنے کے لئے اکثر بیت بازی کراتے اور ان کی ذہانت پر خوش ہو کر انعام بھی دیتے تھے۔ شعر و سخن کا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی بعض نظمیں الفضل اور مصباح میں شائع شدہ ہیں۔

۱۹۳۶ء میں آپ پنشن لے کر مستقل طور پر قادیان آگئے اور پھر تقسیمِ ملک کے بعد ماڈل ٹاؤن لاہور میں قیام پذیر ہوگئے۔[۱] ۱۴ جنوری ۱۹۵۵ء کو انتقال کیا۔ اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن کئے گئے۔

اولاد ڈاکٹر احسان علی صاحب۔ سردار رحمت اللہ صاحب۔ سردار عبدالرحمٰن صاحب۔ حمیدہ صابرہ بیگم صاحبہ۔ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ۔ سردار عبدالمنان صاحب۔ سردار عبدالسلام صاحب۔ سردار عبدالحمید صاحب۔ سردار عبدالرشید صاحب۔

---

[۱] "تاریخ احمدیت لاہور" صفحہ ۲۸۲ (مؤلفہ مولانا عبدالقادر صاحبؓ۔ نومسلم)

۴۔ حضرت حکیم شیخ فضل حق صاحب[۲] بٹالوی

(ولادت[۱] ۱۸ر جون ۱۸۸۱ء تقریباً۔ بیعت اندازاً ۱۸۹۲ء۔ وفات[۲] ۳ر جولائی ۱۹۵۵ء)۔

آپ کے والد شیخ نور احمد خانصاحب ذکاء رئیس بٹالہ "براہینِ احمدیہ" کی تصنیف و اشاعت کے دوران حضرت مسیح موعود و مہدی معہودؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور شروع سے ہی حضور کے عقیدت مند تھے۔ اگرچہ شیخ نور احمد صاحب نے بیعت نہیں کی۔ مگر مخالفت بھی کبھی نہیں کی۔ اور مردم شماری میں اپنا نام احمدی ہی لکھوایا۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۷ر دسمبر ۱۸۹۲ء کے جلسہ سالانہ میں شریک ہونے والے اصحاب کی فہرست میں ان کا نام ۱۲۶ نمبر پر اور اُن کے بیٹے حضرت حکیم شیخ فضل حق صاحب کا نام ۱۴۷ نمبر پر درج فرمایا[۳]۔ شیخ نور احمد صاحب ۲۲ر ستمبر ۱۹۱۷ء کو فوت ہوئے۔ اور اپنے بھائی مکرم ظفر الحق خانصاحب اور بہنوں کی پرورش اور تعلیم نیز سارے خاندان کی ذمہ داریاں حضرت شیخ فضل حق صاحب پر آگئیں[۴]۔ آپ کی ایک بہن کی نسبت بٹالہ کے ایک معزز غیر احمدی خاندان میں ہو چکی تھی۔ والد ماجد کی وفات کے بعد حضرت حکیم صاحب نے ان لوگوں سے کہہ دیا کہ اب میں اپنی بہن کا ولی ہوں۔ میں اس کا رشتہ احمدیوں میں ہی کروں گا۔ چنانچہ آپ کی یہ بہن حضرت ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے کے ساتھ بیاہی گئیں۔ اسی طرح آپ کی بڑی بیٹی کے رشتہ کے لئے اُس کے غیر احمدی نانا نے ایک بڑے معزز خاندان میں سلسلہ جنبانی شروع کر رکھی تھی۔ حضرت حکیم شیخ فضل حق صاحب نے اس کا رشتہ بھی حضرت مصلح موعودؓ کے ایماء سے حکیم فضل الرحمٰن صاحب (مبلغ افریقہ) کے ساتھ کر دیا اور اس طرح دین کا ایک معیاری نمونہ پیش کیا۔

مکرم عبد الجلیل خانصاحب عشرت بی اے آنرز نے حضرت شیخ فضل حق صاحب بٹالوی کے حالاتِ زندگی پر الفضل ۱۹ر مئی ۱۹۵۶ء کے صفحہ ۴ پر ایک معلوماتی مضمون لکھا۔ جس میں خاص طور پر ان کے دین کو دُنیا پر مقدّم کرنے کے اس مثالی نمونہ کا تذکرہ کیا۔ نیز لکھا کہ "مرحوم کی جوانی کے ایام

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۸ر جولائی ۱۹۵۵ء ص۵۔ [۲] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۹ر مئی ۱۹۵۵ء ص۴۔
[۳] "آئینہ کمالاتِ اسلام" ضمیمہ [۴] روزنامہ الفضل ربوہ ۸ر جولائی ۱۹۵۵ء ص۵۔

میں ممبرانِ ینگ مین کے زئی ایسوسی ایشن بٹالہ نے متفقہ رائے سے اِن کو اپنی ایسوسی ایشن کا صدر منتخب کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد کے زئی برادری نے محض احمدیّت کی وجہ سے انہیں صدارت سے الگ کر دیا۔ حکیم صاحب نے اطلاع بھجوائی کہ میں پریذیڈنسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ بلکہ ممبری بھی چھوڑتا ہوں۔ حکیم صاحب کی طبیعت میں اپنے عقائد میں از حد پختگی تھی۔ وہ بلا خوف لومۃ لائم اپنے اصول کے مطابق عمل کرتے تھے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ بٹالہ میں حکیم صاحب مرحوم کی ذات مرجعِ خواص و عام تھی۔ خاندانی عزّت کے علاوہ ذاتی وجاہت، حسنِ اخلاق، مہمان نوازی اور پھر ان کی حذاقتِ طبّ کی وجہ سے لوگ کھنچے چلے آتے تھے۔ بٹالہ میں ان کے مکان پر اکابر سلسلہ اکثر آتے جاتے رہتے تھے۔ . . . حکیم صاحب متقی اور پرہیز گار بزرگ تھے۔ تہجد کی نماز وفات تک باقاعدہ ادا کرتے رہے۔ دعاؤں پر مداومت کرتے تھے . . . . . ہمیشہ خطوں میں لکھتے رہتے کہ میرے لئے دعا کرو کہ خدا میرا انجام بخیر کرے۔ اور سچ یہ ہے کہ یہ سب سے جامع دُعا ہے خود بڑے مستجاب الدعوات تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ایسا کبھی نہیں ہُوا کہ خدا نے میری دُعا قبول نہ کی ہو . . . . . طبیعت میں انکساری اور عاجزی بے حد تھی۔ رقیق القلب تھے۔ لیکن صابر و شاکر بھی انتہا درجے کے تھے۔ حکیم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم مجاہد افریقہ کوئی ۱۶ سال مسلسل بحیثیت مبلغ افریقہ باہر رہے۔ ان کی عدم موجودگی میں حکیم فضل الحق صاحب کی بیٹی (زوجہ حکیم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم) اپنے والد کے پاس رہیں۔ خاوند سے علیحدگی جہاں بیوی بچّوں کے لئے ایک مسلسل امتحان تھا۔ وہاں لڑکی کی حالت بوڑھے باپ کے لئے بھی بہت تکلیف کا موجب تھی۔ لیکن مرحوم صبر سے برداشت کرتے رہے۔ اور دُعاؤں پر ہی تکیہ کیا۔ پھر تقسیم ملک پر اپنی لاکھوں روپے کی جائیداد چھوڑ کر جب پاکستان آئے تو کوئی مکان یا دکان الاٹ نہ ہوئی اور نہ وظیفہ ملا۔ ایک رشتہ دار نے از خود کچھ زمین الاٹ کرا دی۔ لیکن مرحوم کے استغناء کا یہ عالم تھا کہ کبھی جاکر اتنا بھی پتہ نہ کیا کہ زمین کہاں ہے؟ اور اس کی کیا آمدنی ہے؟

مرحوم نے فنِ طبّ محض ایک شغل کے طور پر سیکھا، خود ہی مطالعہ سے طبّ میں اتنی دستگاہ حاصل کر لی کہ دُور دُور سے مریض آتے تھے۔ ہاتھ میں شفا تھی۔ علاج کے ساتھ دُعا بھی کرتے تھے۔ طبّ کی کُتب کا مطالعہ اِس دقّتِ نظر سے کیا کہ کتابوں پر ان کے ہاتھ سے لکھے ہوئے بے شمار نوٹ موجود ہیں۔ ہر کتاب کے ہر صفحہ میں خالی کاغذ لگوائے ہوئے تھے جن پر اپنے تجربہ اور مطالعہ کے نتائج نوٹ کی صورت میں

محفوظ کرلئے تھے ....[1]"

حضرت حکیم صاحب بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن کئے گئے. آپ کی وفات پر بعض معزز ہندو صاحبان کی طرف سے بھی تعزیت کے خطوط موصول ہوئے. آپ نے اپنے پسماندگان میں اپنی بیوی کے علاوہ ایک بیٹا (افتخار الحق صاحب بیرسٹر) اور چار بیٹیاں بطور یادگار چھوڑیں[2]۔

۵۔ حضرت سیّد نذیر حسین شاہ صاحبؓ پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ

(ولادت قریباً ۱۸۸۴ء۔ بیعت ۲۸ر اکتوبر ۱۹۰۲ء برمقام سیالکوٹ۔ وفات ۲۸ر جولائی ۱۹۵۵ء)

حضرت سیّد نذیر حسین شاہ صاحب بہت نیک، متقی، سلسلہ عالیہ احمدیہ کے جاں نثار، آنریری مبلغ اور مناظر تھے. آپ کی وجہ سے گھٹیالیاں اور اس کے ماحول میں احمدیت کا نور پھیلا[3]۔

آپ کو کس طرح امام الزمان کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی؟ اس کی تفصیل حضرت شاہ صاحب کے قلم سے درج ذیل کی جاتی ہے. فرماتے ہیں:-

میرے والد صاحب[4] خود بیعت لیا کرتے تھے. مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے اِن کو اس قدر محبت تھی کہ اپنے مریدوں اور شاگردوں کو کہا کرتے تھے کہ جاؤ اور مرزا صاحب کی بیعت کرو. ہم مسجد میں تھے کہ ایک شخص سیّد شبیر شاہ نام چند اشتہار لایا اور میرے والد صاحب کو دیئے. ان اشتہارات میں مباحثہ امرتسر کا ذکر تھا. اور وہ شخص امرتسر سے ہی آرہا تھا. مَیں نے وہ پڑھے اور ان کا مجھ پر گہرا اثر ہوا. پھر جب سورج اور چاند کو گرہن[5] لگا. تو اس وقت مَیں اپنے گھر ہی تھا. میرے والد صاحب یہ کہہ رہے تھے کہ یہ حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا نشان ہے. اس بات کا بھی مجھ پر اثر ہوا. پھر مولوی قطب الدین صاحب ایک موقع پر یہاں تشریف لائے. اور کوٹلی لوہاراں کا ایک مولوی عبد الصمد اِن کے ساتھ بحث کے لئے آیا. پہلے بحث نکے پنڈ مسجد میں شروع ہوئی. مولوی عبد الصمد حُبّ للہ. بغض للہ بار بار کہتا

---

[1] الفضل ۱۹ر مئی ۱۹۵۶ء صٓ۴ . [2] ایضاً.

[3] الفضل ۴ر اگست ۱۹۵۵ء و ۱۰ر ستمبر ۱۹۵۵ء ص۵. "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۷ء ص۲۰۲ .

[4] نام سیّد نیاز علی شاہ صاحب . [5] مارچ۔ اپریل ۱۸۹۴ء کا واقعہ ہے.

تھا۔ مولوی قطب الدین صاحب معاویہؓ اور علیؓ کی باتیں کر رہے تھے۔ کہ والد صاحب نے دونوں کو روک دیا۔ اور فرمایا کہ آج جمعہ ہے۔ تمام لوگوں کے سامنے باتیں کرو۔ چنانچہ جمعہ کے لئے لوگ جمع ہوئے۔ اور مولوی عبدالصمد صاحب نے خطبہ جمعہ شروع کیا۔ اس خُطبہ میں بھی وہ حُبّ للہ اور بغض للہ کے الفاظ بار بار کہتا تھا۔ اور حضرت صاحب کے خلاف بھی کچھ اُس نے کہا . . . . . مولوی قطب الدین صاحب میرے والد صاحب کے پاس آئے اور کچھ کان میں کہہ کر پھر واپس اپنی جگہ چلے گئے۔ جب وہ نماز کے لئے آگے مصلی پر کھڑا ہونے لگے تو مولوی صاحب نے کہا کہ اِن مولوی صاحب کے پیچھے میری نماز نہیں ہو سکتی۔ اس پر میرے والد صاحب نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد مُتَوَفِّيكَ پر بحث ہوئی۔ مولوی عبدالصمد صاحب نے دورانِ بحث پانی مانگا اور بدحواس سے ہو گئے۔ اِس پر گاؤں والوں کو محسوس ہُوا کہ وہ جھُوٹے ہیں۔ اور احمدیّت کی طرف اِن کا رجوع ہُوا۔ اس وقت تک گاؤں میں کوئی احمدی نہیں تھا۔ اس گفتگو کا بھی مجھ پر خاص اثر ہُوا۔ میرے والد صاحب کی وفات ۱۹۰۳ء میں ہوئی۔ ان کی وفات کے معاً بعد حضرت اقدس کی طرف سے ان کے نام رسالہ دافع البلاء آیا جو میں نے وصول کیا۔ مرض الموت میں والد صاحب نے مجھے وصیت کی تھی کہ مخالفت نہ کرنا اور مان لینا اس وقت تک ہمارے گاؤں میں کوئی احمدی نہ تھا۔ جب حضرت اقدسؑ سیالکوٹ[1] تشریف لے گئے۔ تو گھٹیالیاں میں چونکہ احمدیّت کے متعلق ایک رَو پیدا ہو چکی تھی۔ اس لئے یہاں سے سترہ اٹھارہ آدمی گئے تھے۔ اور قریباً سب نے بیعت کر لی تھی۔ بیعت کا واقعہ یوں ہے کہ جس روز حضرت اقدسؑ نے سیالکوٹ جانا تھا۔ اس سے ایک روز پہلے ہم گئے تھے۔ . . . حضرت صاحب کی آمد آمد تھی۔ اس لئے عصر کے وقت ہی تمام شہر کے معزّزین اور مضافات کے لوگ جوق در جوق سٹیشن پر جانے لگے۔ ہم بھی پہنچ گئے۔ حضورؑ کی گاڑی شام کے وقت اسٹیشن پر پہنچی۔ اور جس ڈبہ میں حضورؑ تھے۔ اسے کاٹ کر راجہ کی سرائے کے پاس لے جایا گیا۔ حضورؑ ایک فٹن پر سوار ہوئے۔ دو رویہ قطاروں میں لوگ کھڑے تھے اور پولیس گشت کر رہی تھی۔ حضرت صاحبؑ کے پاس ایک شخص لیمپ لے کر کھڑا تھا اور کہتا تھا کہ یہ مرزا صاحب ہیں۔ بعد میں وہ شخص مجھے ملا اور احمدی ہونے کی وجہ سے اُس سے واقفیت ہو گئی۔ وہ حکیم عطا محمد صاحب گودھ پور والے تھے۔

---

[1] یہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء کا واقعہ ہے۔

وہاں مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے جمعہ[۱] کی نماز پڑھائی میں بالکل حضرت صاحبؑ کے پاس کھڑا تھا اور حضورؑ ہی کی طرف میری توجہ تھی۔ جمعہ کے بعد حضور کے لئے ایک کرسی بچھائی گئی۔ حضورؑ تشریف فرما ہوئے اور سورۃ فاتحہ کی تفسیر کی۔ جس وقت حضورؑ سورۃ فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ مَیں نے دل میں خیال کیا کہ یہ بالکل بھولی بھالی شکل کا انسان ہے جو تقریریں ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں وہ اِن کی ہرگز نہیں ہو سکتیں۔ مگر حضورؑ نے تقریر فرمائی تو میرا سارا شک رفع ہوگیا۔ اس تقریر میں حضورؑ نے فرمایا کہ لوگ خدا تعالیٰ سے دُعائیں کرتے ہیں کہ وہ ربّ العالمین ہے۔ مالکِ یوم الدین ہے اور چاہتے ہیں کہ گمراہی کے ازالہ کا اللہ کوئی علاج کرے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے علاج کا سامان کیا ہے تو لوگ منکر ہو رہے ہیں۔ کیا خدا تعالیٰ ظالم ہے کہ ایک تو اُمت گمراہ ہو رہی ہے اور دوسرے ان میں ایک دجّال کو بھیج کر انہیں اور گمراہ کرے۔ یہ سوچتے نہیں۔[۲] اس تقریر کا لوگوں پر اس قدر اثر ہُوا کہ بے شمار مخلوق نے بیعت کی۔ مجھے چوہدری اللہ دتّا صاحب (خاناں والی میانوالی والے) نے کہا کہ بیعت کرو۔ کیا دیکھتے ہو؟ ان کی تحریک سے مَیں نے دستی بیعت کر لی۔ اس سے پہلے میں حضرت اقدسؑ کی ہر مجمع میں تائید کیا کرتا تھا۔ مگر ابھی تک بیعت نہیں کی تھی۔ ہاں ایک بات یاد آئی جب حضرت صاحب فٹن پر سوار ہوئے تو ایک شخص جو میرے پاس کھڑا تھا اُس نے کہا کہ "یہ مُنہ جھوٹے کا نہیں"[۳]

آپ کی تعلیم صرف پرائمری تک محدود تھی۔ مگر بچپن سے ہی تعلیم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ چودہ پندرہ برس کی عمر میں جہاں بھی کسی علم دوست کا پتہ چلتا وہاں پیدل چل کر اس سے استفادہ کرتے۔ حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السلام کی کُتب پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اور اہلِ قلم[۴] تھے۔ قرآن مجید پڑھنے اور اس پر غور کرنے کا خاص شوق تھا۔ علمِ طبّ میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ اور دَوا کی نسبت دُعاؤں کے زیادہ قائل تھے۔ مریضوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بڑی گریہ وزاری سے دُعا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی۔ آپ ہمیشہ مرض کی تشخیص کے بعد معمولی سی قیمت کی دوا تجویز کرتے۔ اپنے علاقے میں ہر دل عزیز اور مقبول تھے۔ صبح سے لے کر شام تک آپ کا ہر کام گھڑی کی سوئی کی طرح اپنے

---

[۱] ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء۔ [۲] الحکم ۱۰۔۱۷ نومبر ۱۹۰۴ء میں یہ تقریر چھپ چکی ہے۔
[۳] روایات غیر مطبوعہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۷ تا صفحہ ۲۴۱۔ [۴] اخبار بدر ۲۷ جون ۱۹۰۷ء۔

وقت پر ہوتا۔ طبیعت کی شگفتگی اور لطیفہ گوئی سے سب کو محظوظ فرماتے۔ کفایت شعاری آپ کی عادت تھی۔ ہمیشہ سادہ کھانا کھایا اور سادہ لباس پہنا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت سعید فطرت عطا کی تھی اور ہمیشہ یہی کوشش کرتے تھے کہ ہر ایک سے بھلائی ہو۔ اور دُوسروں کو بھی یہی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی کوشش سے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے دو پرائمری سکول جاری ہوئے[1]۔

۱۹۲۷ء سے لیکر جب کہ آپ پہلی بار مجلسِ شوریٰ کے ممبر منتخب ہوئے۔ سالہا سال تک آپ کو اپنے حلقہ کی نمائندگی کرنے کا موقع ملا۔ صدر انجمن احمدیہ قادیان کی رپورٹ سالانہ ۳۵-۱۹۳۴ء سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ ضلع سیالکوٹ کے حلقہ خاناں والی میانوالی اور چندر کے منگولے میں انسپکٹر بیت المال کے اعزازی فرائض بھی بجا لاتے رہے۔ آپ تحریکِ جدید کے پانچہزاری مجاہدین میں سے تھے۔ اور موصی تھے۔ مگر اپنے گاؤں میں ہی اماناً سپردِ خاک کئے گئے[2]۔

۶۔ حضرت ماسٹر محمد حسن صاحبؓ آسان دہلوی

(ولادت جنوری ۱۸۸۹ء بمقام پٹیالہ[3]۔ بیعت اپریل ۱۹۰۰ء[4]۔ وفات ۲۵ اگست ۱۹۵۵ء[5])

خاندانی حالات سلسلہ چشتیہ کے مشہور مشائخ اور گدی نشینوں میں حضرت شاہ فخر الدین دہلوی (ولادت ۱۱۲۶ھ / ۱۷۱۴ء وفات ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۵ء) کے ممتاز مرید، خلیفہ مجاز اور سجادہ نشین حضرت خواجہ حافظ وزیر محمد خاں شاہ محب اللہ صاحبؒ بہت مشہور بزرگ گزرے ہیں جناب خواجہ حسن نظامی دہلوی نے اپنی کتاب "نظامی بنسری" میں اور محمد عمر خانصاحب ساکن بستی عمر خان ضلع ہوشیارپور نے اپنی کتاب "یادِ پیر"[6] کے صفحہ ۹۴، ۹۵ پر اور جناب پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی ایم اے استاد شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے "تاریخ مشائخ چشت"[7] کے صفحہ ۵۲۹ پر ان کا

---

[1] الفضل ۱۰ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵ (مضمون محمد احمد یحییٰ صاحب)۔ [2] الفضل ۱۰ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔

[3] الفضل ۲۸ اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۔ [4] الحکم ۱۷ اپریل ۱۹۰۰ء صفحہ ۱۱۔ [5] الفضل ۲۷ اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۲

[6] طبع اوّل ۱۹۳۱ء ناشر رسالہ "ارمغانِ دہلی" دِلّی پرنٹنگ ورکس دہلی۔

[7] ناشر ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی طبع اوّل مئی ۱۹۵۳ء مطبوعہ اشوکہ پریس دہلی۔

خصوصی تذکرہ کیا ہے۔ کراچی سے شائع شدہ "شجرہ شریف پیران نظام خاندانِ عالیہ چشتیہ نظامیہ فخریہ" کے مطابق حضرت شاہ محبّ اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ ارجمند حضرت مولوی محمود الحسن خاں صاحبؒ کو اوائل میں ہی مہدیٔ دوراں و مسیح الزمان کے دامن سے وابستگی کا شرف نصیب ہؤا۔ چنانچہ قدیم رجسٹر بیعت میں آپ کی بیعت کا نمبر ۲۲۴ اور تاریخ بیعت ۶ مئی ۱۸۹۱ء درج ہے۔ اور آپ کا پتہ ان الفاظ میں دیا گیا۔ "مولوی محمود حسن خان صاحب ولد وزیر محمد خان ساکن کھدیالی علاقہ دہلی حال مدرّس موضع جھنانوالی علاقہ پٹیالہ۔"

واقعہ بیعت حضرت مولوی محمود الحسن خانصاحب

حضرت ماسٹر محمد حسن صاحب آسان دہلوی (خلف الصدق حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ)

آپ کے واقعہ بیعت کی تفصیل پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"والد صاحب فرماتے تھے کہ اگرچہ مجھ کو ایّامِ جوانی میں صوفیاء کے گروہ سے کوئی خاص عقیدت حاصل نہ تھی لیکن اُن کے والد صاحب کو اس قدر عشق الٰہی تھا کہ ہر وقت و ہر لحظہ روتے رہتے تھے۔ یہ اسی عشق الٰہی کی برکت ہے کہ مجھ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خدام میں شامل ہونے کا شرف نصیب ہؤا۔ ورنہ جوانی میں نیچریانہ خیال رکھتا تھا۔ نماز روزے کی طرف کوئی رغبت نہ تھی۔ ایسی حالت میں بغیر ذاتی نیک اعمال کے کسی مخفی تصرّف الٰہی کے ذریعہ صحابہ کی جماعت میں شامل ہونا خدائے ذوالجلال

لہ آپ مشہور عالم دین مولوی محمد جعفر تھانیسری کے سمدھی تھے۔ آپ کی ایک بیٹی ہاجرہ خانم مولوی تھانیسری صاحب کے چھوٹے بیٹے مولوی محمد عثمان سے بیاہی ہوئی تھیں۔ اسی طرح مشہور مصنف اور نعت نویس مولوی سید احمد صاحب دہلوی (مؤلف فرہنگ آصفیہ) سے بھی آپ کی عزیزداری تھی۔ آپ کے ایک بھتیجے ان کے نہایت قریبی عزیزوں میں بیاہے ہوئے تھے۔

ٹہ مولوی سیّد اقبال علی صاحب قائم مقام سب جج اودھ اپنی کتاب "سیّد احمد خان کا سفرنامہ پنجاب" کے صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں۔ "حضرت مولوی محمود حسن خانصاحب ایک بہت بڑے عالم اور فاضل بزرگ پٹیالہ کے ایک مدرسہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ باوجود مولوی ہونے کے نہایت روشن خیال شخص تھے۔ اُس وقت جبکہ سرسیّد پر ہر طرف سے کفر کے فتوؤں کی بھرمار ہو رہی تھی وہ سرسیّد کی تعلیمی تحریک کے نہایت مؤید اور حامی تھے۔ الخ" (مطبوعہ ۱۸۸۴ء علی گڑھ انسٹیٹیوٹ پریس)۔

کا خاص فضل و اکرام اور اس موہبت الٰہی کے نزول کی وجہ صرف والد صاحب کا وہ عشقِ الٰہی ہی معلوم ہوتا ہے۔

ایک دفعہ والد صاحب اپنی سُسرال میں والدہ صاحبہ کو پہنچانے پٹیالہ آئے۔ نانا شیخ فخر الدین صاحب اس وقت مجسٹریٹ تھے۔ نانا صاحب نے براہینِ احمدیہ کا ایک نسخہ یہ کہہ کر دیا کہ مولوی صاحب! پنجاب میں ایک بزرگ دہریوں اور بالخصوص سرسیّد صاحب جیسوں کے سَر کچلنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ والد صاحب نے بہت بے رغبتی سے کتاب لے لی لیکن جب جلی قلم میں اشتہار دیکھا اور پڑھا۔ والد صاحب فرماتے تھے کہ میرا سانس سینہ میں اچھلنے لگا۔ بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ واقعی یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور معلوم ہوتا ہے۔ والد صاحب کتاب کو ساتھ لے گئے۔ اور کئی دفعہ کتاب کو مطالعہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد پھر پٹیالہ آئے اور نانا صاحب کو کتاب واپس کرنی چاہی لیکن نانا صاحب نے کہا کہ (نعوذ باللہ) یہ شخص بے دین ہو گیا ہے کیونکہ نبوّت کا مدعی ہے۔ اَب اس کتاب کو آپ ہی رکھیں۔ اس وقت والد صاحب کے دل میں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہونے کا بےحد اشتیاق ہُوا۔ خدا تعالیٰ سے دُعا کی کہ اگر تیرے مقدرات میں قریب ہی میری موت مقدر ہے تو اپنے فضل سے اُس وقت تک زندہ رکھ کہ اس مہینہ کی تنخواہ مل جائے۔ اور مَیں اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ تنخواہ ملنے پر آپ لدھیانہ روانہ ہو گئے اور خدمتِ اقدس میں باریابی حاصل کی۔ اس وقت دو چار احباب حاضرِ خدمت تھے جن میں ایک بزرگ حضرت پیر سراج الحق صاحب بھی تھے...... وہاں آپ نے جری اللہ فی حلل الانبیاء سیّدنا حضرت بروزِ اتم محمدؐ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بیعت میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ[1]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء کو ایک ضروری اشتہار[2] مطبع دبدبہ اقبال ربّی لدھیانہ سے شائع فرمایا جس میں علمائے وقت کو اپنے عقائد کی حقانیت پر تحریری مباحثہ کی دعوت دی تھی۔ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی جمالی ہانسوی سرساویؓ کا بیان ہے کہ جب حضرت

---

[1] "الحکم" قادیان ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۵ (مضمون حضرت ماسٹر محمد حسنؓ آسان)

[2] مجموعہ اشتہارات حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد اوّل صفحہ ۲۰۲ تا صفحہ ۲۰۴

اقدس نے قیامِ لدھیانہ کے دوران یہ اشتہار دیا تو "میں سب کام چھوڑ کر لودھیانہ حاضر ہوا تو مخالفت کا بہت زور تھا۔ مولوی محمود الحسن خانصاحب احمدی بھی جو دہلی کے قرب و جوار کے رہنے والے اور پٹیالہ میں مدرس ہیں آئے ہوئے تھے عرض کیا کہ حضور اب ہم ہر جگہ اعلان کریں کہ جو عیسیٰ علیہ السلام آنے والے تھے آگئے اور علیہ السلام بھی ساتھ میں لکھیں۔ حضور نے فرمایا کہ بے شک یہی کہو اور علیہ السلام بلکہ صلوٰۃ بھی کہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نام کے ساتھ صلوٰۃ کا لفظ فرمایا ہے[۵]۔"

حضرت مولوی محمود الحسن خانصاحب کا نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مخلصین میں نہ صرف اپنی مشہور کتاب ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ۸۲۲ پر بلکہ ضمیمہ انجام آتھم ۳۱۳ اصحابِ خاص کی فہرست میں ۳۰۱ نمبر پر درج فرمایا۔

اخلاص و فدائیت

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحب نے آپ کے اخلاص اور دینی اور تبلیغی جوش کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"آپ سادہ مزاج مگر باوقار احمدی تھے باوجودیکہ قلیل آمدنی رکھتے تھے مگر چندہ کی ادائیگی باقاعدہ کیا کرتے تھے۔ جب ۱۹۰۶ء میں میں سیکرٹری مال جماعت پٹیالہ بنا اور چندہ وغیرہ کی وصولی کا کام میرے سپرد ہوا۔ تو میں نے آپ کا یہ نیک کردار دیکھا کہ جس روز آپ کو تنخواہ ملتی تو گھر جانے سے پہلے اکثر چندہ ادا کرتے تھے۔ اس ڈر سے کہ گھر جانے پر رقم خرچ نہ ہو جائے۔ اگرچہ ہماری جماعت پٹیالہ کے پریذیڈنٹ حضرت مولوی عبداللہ صاحب عربی پروفیسر تھے اور وہی نمازِ جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ لیکن میری دلی خواہش یہ ہوتی تھی کہ حضرت مولوی محمود الحسن صاحب پڑھائیں کیونکہ آپ کے خطبہ میں اخلاص اور جوش پایا جاتا تھا۔ چنانچہ متعدد بار آپ کے پیچھے نمازِ جمعہ پڑھنے کا موقع ملا۔ آپ کا پُرجوش خطبہ صرف اور صرف اس مضمون پر مشتمل ہوتا تھا کہ نوجوانوں کو یورپ میں جا کر تبلیغِ اسلام کی تحریک کی جائے۔ المختصر سلسلہ کے حد درجہ فدائی اور جوشیلے بزرگ تھے۔ چونسٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ سنور اور پٹیالہ کی جماعت تجہیز و تکفین میں شریک تھی۔ اسٹیشن پٹیالہ کے قریب قبرستان میں دفن ہوئے[۶]۔"

---

[۵] تذکرۃ المہدی حصہ اوّل مؤلفہ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی مطبوعہ جون ۱۹۱۵ء۔

[۶] غیر مطبوعہ تحریر ۱۳ دسمبر ۱۹۶۰ء۔ حضرت محمد حسن آسان کا بیان ہے: "مرتے وقت وصیت کی کہ حضرت بایزید بسطامی روزمرّہ کے کپڑوں میں دفن ہوئے تھے مجھے بھی ایک جوڑا جو پہلے سے دھلا ہوا موجود تھا، پہنا کر ایک چادر میں لپیٹ دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (الحکم ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۵)

حضرت ماسٹر محمد حسن صاحب آسان کا تبلیغی جوش اور ایثار و خلوص

حضرت ماسٹر محمد حسن صاحب آسان دہلوی کو تبلیغی جوش اور ایثار و خلوص اپنے والد ماجد سے ورثہ میں ملا تھا۔ چنانچہ آپ کے فرزند جناب مسعود احمد خان صاحب دہلوی ایڈیٹر روزنامہ الفضل تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"یہی جوش اور خدمت اپنی دُعاؤں نمونہ اور محنت کے ساتھ اپنی پوری اولاد میں منتقل کیا۔ وَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

آپ کو بچپن میں ہی حضور علیہ السّلام کی مجلس میں شریک ہونے اور حضور کے رُوح پرور ارشادات سُننے اور انہیں ذہن نشین کرنے کا شرف حاصل ہؤا تھا۔ بچپن کے زمانہ میں میسّر آنے والے فیضِ صحبت کا ہی اثر تھا کہ آپ میں دین کے لئے غیر معمولی جوش اور غیرت کا مادّہ بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ نہایت خوش گو اور قادر الکلام واقع ہوئے تھے۔ تبلیغ کا کوئی موقع آپ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ نہ صرف نمازیں نہایت التزام سے ادا کرتے بلکہ تہجد بھی باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔ ان اوصاف کے علاوہ آپ کی جس نمایاں خصوصیت کا ذکر کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں ہمیشہ دین کو دُنیا پر مقدّم رکھنے کی کوشش کی۔ اور جب بھی آپ کی زندگی میں ایسے مواقع پیدا ہوئے کہ جن میں دین اور دُنیا ایک دُوسرے کے مقابل ہو کر باقاعدہ ایک معیّن مسئلے کی صورت میں سامنے آئے آپ نے ہمیشہ دین کو ترجیح دی اور دُنیاوی فائدے، شہرت یا ناموری کو اس طرح ٹھکرا دیا کہ گویا دین کے مقابلے میں ان کی پرِکاہ کے برابر بھی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہے۔ حضرت ماسٹر صاحب رضی اللہ عنہ ایک خوش بیان مقرر و مناظر ہی نہیں تھے بلکہ ایک جادُو بیان داستان گو اور پایہ کے ادیب بھی تھے۔ جب کوئی دردناک قِصّہ بیان کرتے تو پتھر سے پتھر دل بھی موم ہو کر پگھل جاتے اور دردناک واقعات پر آنسو بہائے بغیر نہ رہتے۔ اُس پر حاضر دماغی اور بذلہ سنجی کا یہ عالم تھا کہ آپ کی لطیفہ گوئی پر محفل کشتِ زعفران بن جاتی۔ سامعین کو رُلانا اور ہنسانا آپ کے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ جہانتک تحریر کا تعلّق ہے قلعہ مُعلّٰی کی زبان لکھنے میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ اوّل تو لکھتے ہی بہت کم تھے۔ اگر کبھی قلم اُٹھاتے تو باغ و بہار کھلا دیتے۔ الفاظ موتیوں کی طرح جڑے ہوئے دلّی کی ٹکسالی زبان میں چھوٹے چھوٹے سادہ جُملے اور اُس پر بات بات میں موقع اور محل کے مطابق محاوروں کا استعمال عبارت میں ایک عجیب رنگینی

اور لطافت پیدا کر دیتا۔ ایک صاحبِ کمال ادیب اور نامور داستان گو ہونے کے باوجود آپ نے اپنی ان ادبی صلاحیتوں کو کبھی اس قدر اُجاگر ہونے نہیں دیا کہ وہ آپ کے دینی مشاغل اور بالخصوص تربیت و تبلیغ کے فریضے میں حائل ہوسکیں۔ آپ کو یہ اَمر بھی گوارا نہ تھا کہ آپ اپنے حلقہ احباب میں ادیب کی حیثیت سے مشہور ہوں۔ آپ نے اپنی ادبی شہرت کو ایک مبلغ اور خادم دین کی حیثیت پر قربان کئے رکھا اور یہی کوشش کی کہ دُنیا مجھے احمدیّت کے ایک خادم اور مبلغ کی حیثیت سے جانے۔ نہ کہ ایک ادیب یا قصّہ گو کی حیثیت سے۔ آپ نے ادبی صلاحیتوں کو اس طور پر استعمال کیا کہ وہ تبلیغ کے کام میں ممد ثابت ہوسکیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ از خود ادبی مجلسوں میں کبھی شریک نہیں ہوتے تھے۔ اگر کوئی قدر دان ادیب مجبور کرکے لے بھی جاتا تو محض ایک آدھ دفعہ جاکر پھر اُس مجلس کا رُخ نہ کرتے۔ برخلاف اس کے اگر آپ یہ دیکھتے کہ ادیبوں کی کسی محفل میں جانے سے تبلیغ کا راستہ کُھلتا ہے۔ تو پھر آپ ایسی محفل میں ضرور جاتے اور ادب میں اپنا سکّہ منوانے اور وہاں اپنی اُستادانہ حیثیت تسلیم کرانے کے بعد رفتہ رفتہ پیغامِ حق پہنچانے کا راستہ اس درجہ ہموار کر دیتے کہ بالآخر ادبی محفل مجلسِ مذاکرہ علمیہ میں تبدیل ہو جاتی اور بڑے بڑے نامور ادیب گھنٹوں آپ کی تبلیغی گفتگو کو اس محویت کے ساتھ سُنتے چلے جاتے کہ گویا اس میں انہیں ایک سُرور حاصل ہو رہا ہے۔ دہلی میں جامع مسجد کے قریب مٹیا محل کے علاقہ میں ایک مشہور رئیس نواب خواجہ عبدالمجید صاحب رہتے تھے۔ اُن کے صاحبزادے خواجہ محمد شفیع دہلوی پائیہ کے ادیب تھے۔ انہوں نے اردو مجلس کے نام سے ایک ادبی محفل قائم کی۔ اس کے اجلاس اُن کے مکان پر ہر ہفتہ منعقد ہوتے تھے۔ دہلی کے شعراء اور ادیب حضرات اُس میں بکثرت شریک ہوتے۔ حتّٰی کہ خواجہ حسن نظامی[1] صاحب مرحوم بھی اُس میں گاہے گاہے تشریف لا کر اس کی سرپرستی فرماتے۔ تھوڑے عرصہ میں ہی یہ مجلس اس قدر مشہور ہوگئی کہ بچے بچے کی زبان پر اس کا تذکرہ سُننے میں

---

[1] خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے اپنے اخبار "منادی" کے روزنامچوں میں بھی حضرت ماسٹر محمد حسن صاحب آسان اور آپ کے بیٹوں کا نہایت محبت بھرے الفاظ میں ذکر فرمایا (روزنامچہ مورخہ ۱، ۸، ۱۳، ۱۴ اگست و یکم اکتوبر ۱۹۴۱ء) اخبار "منادی" کے وہ فائل جن میں روزنامچے شائع ہوئے۔ پاکستان نیشنل سنٹر راولپنڈی فیروز سنز بلڈنگ کی لائبریری کے ریفرنس سیکشن میں موجود ہیں۔

آنے لگا۔ اور عرفِ عام میں یہ خواجہ شفیع کی مجلس کہلانے لگی بعرصہ سے یہ مجلس منعقد ہو رہی تھی محترم ماسٹر صاحب نے اس کی طرف کبھی توجہ نہ دی۔ اگر کسی واقف کار ادیب نے اصرار بھی کیا تو بھی شرکت سے محترز رہے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ۱۹۴۱ء میں "یوم التبلیغ" کے موقع پر جماعت کا جو وفد جامع مسجد اور مٹیا محل کے علاقے میں بھیجا گیا حضرت ماسٹر آسان صاحب کو اس کا امیر مقرر کیا گیا تھا۔ اس سے قبل کسی تبلیغی وفد کے ہمراہ آپ اس علاقہ میں نہ گئے تھے۔ بلکہ سالہا سال سے فیض بازار اور دریا گنج کا علاقہ آپ کے لئے مقرر کیا جاتا تھا۔ آپ وفد لے کر گئے اور علاقے کے شرفاء سے مل کر ان تک پیغامِ حق پہنچایا۔ اتفاق سے مَیں بھی اس وفد میں شامل تھا۔ جب نواب خواجہ عبدالمجید صاحب کے مکان کے آگے سے گذرے تو مَیں نے بتایا کہ یہاں خواجہ شفیع صاحب کی اُردو مجلس منعقد ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ چلو اُن کے والد خواجہ عبدالمجید صاحب سے بھی ملاقات کرتے جائیں۔ دروازے پر نوکر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس سے کہا۔ نواب صاحب سے کہو چند لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ نوکر واپس آیا اور کہا "نواب صاحب نے آپ کو اُوپر دیوان خانے میں طلب کیا ہے۔ ہم سب اُوپر پہنچے۔ نواب صاحب دیوان خانے میں بیٹھے اپنے کسی دوست سے باتیں کر رہے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی کھڑے ہوگئے اور بڑے تپاک سے ملے اور ہمیں صوفوں پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ اس کے بعد ہم لوگوں سے مخاطب ہوئے اور کہا کہئے آپ لوگ کس لئے تشریف لائے ہیں؟۔ محترم ماسٹر صاحب نے فرمایا۔" ہم جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آج ہمارا یوم التبلیغ ہے"۔ محترم ماسٹر صاحب نے اتنا ہی کہا تھا کہ نواب صاحب کے ماتھے پر بَل پڑ گئے اور انہوں نے نہایت دُرشت لہجے میں کہا۔" مَیں آپ لوگوں کی کوئی بات سُننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں"۔ ماسٹر صاحب نے نہایت نرمی اور لطافت سے انہیں پھر مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔" آپ ذرا توقف فرمائیں۔ صرف دو منٹ مجھے بولنے دیں اگر پھر بھی آپ سمجھیں کہ میرا بولنا آپ کے ذوق سماعت پر بار ہے۔ تو ہم لوگ فوراً یہاں سے چلے جائیں گے"۔ محترم ماسٹر صاحب کو یہ خیال تھا۔ کہ دو منٹ میں مَیں انہیں رام کر لوں گا۔ اور یہ مزید بات سُننے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ مگر یہ سُنتے ہی نواب صاحب کھڑے ہوگئے اور پان چباتے ہوئے نہایت غضب ناک لہجے میں دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔ "آپ فوراً میرا دیوان خانہ خالی کر دیں۔ اور میرا وقت ضائع نہ کریں۔ اُن کے کھڑے ہونے پر ہم لوگوں کو بھی کھڑا ہونا پڑا۔ اور ہم نواب صاحب کے مزید تحکم پر دیوان خانہ سے چُپ چاپ باہر آگئے۔ نواب صاحب کے لہجے کی دُرشتی

بڑھتی جا رہی تھی۔ محترم ماسٹر صاحب نے دیوان خانہ سے نکلتے ہوئے نہایت پُرشوکت آواز میں فارسی کا ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ "دولت کے گھمنڈ میں حق سے مُنہ موڑنا فرزانگی کے خلاف ہے۔ اصل مالدار وہ ہے جو حق و صداقت کی دولت سے مالا مال ہے۔" اس شعر کو سُنتے ہی نواب صاحب کا غصّہ دھیما ہو گیا۔ اور اُنہوں نے مزید کوئی فقرہ اپنی زبان سے نہ نکالا۔ اور ہم لوگ وہاں سے چلے آئے۔

اس واقعہ کے بعد مَیں نے دیکھا کہ محترم ماسٹر صاحب نے اس بات کی شدید خواہش ظاہر کی۔ کہ وہ بھی اُردو مجلس میں شریک ہوں۔ ماسٹر صاحب کے ادیب دوست تو پہلے ہی وہاں جانے پر اصرار کر رہے تھے۔ اَب کے جو ایک دوست نے اصرار کیا۔ تو آپ فوراً چلنے پر آمادہ ہو گئے۔ لباس انتہا سے زیادہ سادہ ہوتا تھا۔ اس لئے اکثر لوگ تاوقتیکہ آپ گویا نہ ہوں۔ خاطر ہی نہیں لاتے تھے۔ چنانچہ خواجہ شفیع صاحب نے بھی اوّلاً کوئی توجہ نہ دی۔ لیکن جب والد صاحب نے قلعہ معلّٰی کی زبان میں ایک کہانی پڑھ کر سنائی۔ تو ٹکسالی زبان اور اندازِ بیان پر ساری محفل پھڑک اُٹھی۔ اس قدر داد ملی جس کا شمار نہیں۔ تعریف کرتے خواجہ شفیع صاحب کی زبان خشک ہو گئی۔ محفل کے اختتام پر خواجہ صاحب نے بڑے اصرار سے درخواست کی۔ کہ اگلے ہفتہ بھی ضرور تشریف لادیں۔ چنانچہ مجلس میں جانا شروع کر دیا۔ جب بھی جاتے خود خواجہ شفیع اور تمام دوسرے ادیب سر آنکھوں پر بٹھاتے۔ اور بہت احترام کے ساتھ پیش آتے۔ رفتہ رفتہ لطیفہ گوئی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ ایک مجلس میں اتفاق سے خواجہ حسن نظامی بھی تشریف لے آئے۔ ماسٹر صاحب نے لطیفہ بیان کیا۔ خواجہ صاحب لوٹ پوٹ ہو گئے۔ بہت داد ملی۔ اگلی مجلس میں پھر وہی لطیفہ بیان کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ ماسٹر صاحب نے پھر لطیفہ بیان کیا۔ لیکن اور ہی انداز سے۔ خواجہ صاحب نے کہا اَب کے اور زیادہ لُطف آیا۔ خواجہ صاحب ہر مجلس میں وہی لطیفہ بیان کرنے کی فرمائش کرتے۔ حتّٰی کہ چھ سات دفعہ سُنا۔ اور کہا کہ اتنی دفعہ سُن چکا ہوں لیکن طبیعت سیر نہیں ہوئی۔ جی یہی چاہتا ہے کہ پھر سنوں۔ ان مجلسوں میں خواجہ حسن نظامی صاحب کی بعض تحریر کردہ کہانیاں ہی سُنیں۔۔۔۔ ایک موقع پر خواجہ صاحب نے فرمایا مَیں ان کو بیس بائیس سال سے جانتا ہوں۔ لیکن قادیانی جماعت کے ایک مبلغ کی حیثیت سے بار بار یہ میرے پاس آتے ہیں۔ اور ہمیشہ تبلیغ کرتے ہوئے بھی آئے ہیں انہوں نے یہ کبھی ظاہر ہوتے نہیں دیا۔ کہ یہ پایہ کے ادیب بھی ہیں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ شخص گدڑی میں لعل ہے۔ اس کے بعد انہیں "بلبل ہزار داستان" کا لقب دیا۔ اور بعد میں جب بھی یاد کرتے۔ اسی لقب سے یاد کرتے۔ اور اسی طرح رفتہ رفتہ

خواجہ شفیع صاحب کو معلوم ہوگیا کہ ماسٹر آسان صاحب تو احمدی ہیں ۔لیکن جادُو چل چکا تھا ۔اعزاز و اکرام میں فرق نہ آیا ۔ ایک دن ماسٹر صاحب مجلس سے کچھ وقت قبل خواجہ شفیع صاحب کے پاس چلے گئے ۔ وہاں باتوں ہی باتوں میں والد صاحب سے احمدیت کے بارے میں ذکر آگیا ۔ کہ آپ احمدی کیسے ہوگئے ۔ بس پھر کیا تھا ۔تبلیغی گفتگو چل نکلی ۔خواجہ صاحب غور سے سُنتے رہے ۔اور بالآخر کہا کہ اتوار کے روز صبح تشریف لائیے ۔ ہم بھی اپنے مولوی صاحب کو بلوا لیں گے ۔پھر دو تین گھنٹے کھل کر گفتگو ہوگی ۔اب تک تو ہم سُنی سنائی باتوں پر ہی تکیہ کئے بیٹھے ہیں ۔محترم ماسٹر صاحب تو پہلے ہی اس موقع کی تاک میں ۔چنانچہ اتوار کو جا پہنچے اور دس بجے صبح سے لیکر ایک بجے بعد دوپہر تک اُسی دیوان خانے میں کہ جہاں سے خواجہ شفیع صاحب کے والد نے انہیں نکالا تھا ۔خوب تبلیغ کی ۔اور مناظرہ کی طرح ہی نہ پڑی ۔ اور ساری مجلس جس میں خواجہ شفیع صاحب نے چیدہ چیدہ حضرات کو بُلایا ہُوا تھا ، محوِ حیرت محترم ماسٹر صاحب کی باتوں کو سُنتی رہی ۔ بعض حضرات سوالات بھی کرتے رہے ۔جس سے سلسلۂ کلام طول پکڑتا گیا ۔محترم خواجہ عبدالمجید صاحب بھی اس وقت برابر والے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے ۔اس طرح آپ کو کھُل کر تبلیغ کرنے کا موقع مل گیا ۔ اُس روز جب آپ گھر واپس آئے تو بہت خوش تھے ۔اور کہتے تھے کہ آج اُس ذلّت کی تلافی ہوئی ہے کہ جب نواب خواجہ عبدالمجید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے بعض غلاموں کو اپنے دیوان خانے سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا تھا ۔ آج خدا نے اُسی دیوان خانہ میں تین گھنٹے تک تبلیغ کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے ۔یہ خدا ہی کا فضل ہے کہ اُس نے مجھ جیسے حقیر آدمی کے لئے یہ کچھ کر دکھایا ۔کہاں نواب صاحب احمدیت کے بارے میں ایک لفظ سُننے کے لئے تیار نہ تھے ۔اور کہاں آج اُسی دیوان خانہ کے در و دیوار تین گھنٹے تک احمدیت اور سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے اذکارِ مقدس سے گونجتے رہے ہیں ۔اس کے بعد مجلس میں جانا ترک کر دیا ۔ اگر کسی نے اصرار بھی کیا ۔تو اُسے کہہ دیا کہ اب ہمیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں ۔ نہ ہمیں پہلے وہاں جانے کی فرصت تھی ۔ہم اگر گئے تھے تو ایک مقصد کے تحت گئے تھے وہ مقصد بفضلہٖ پُورا ہوگیا ہے ۔ اب ہمارے واسطے اُردو مجلس کی وساطت کے بغیر ہی نواب صاحب کا دیوان خانہ تبلیغ احمدیت کے لئے کھُلا ہے ۔ ہم جب چاہیں وہاں جا کر تبلیغ کر سکتے ہیں ۔جب وہاں جانا ترک کر دیا تو خواجہ حسن نظامی صاحب اور خواجہ شفیع صاحب ایک مرتبہ بارہ دری خواجہ میر درد میں جہاں محترم ماسٹر صاحب رہتے تھے ۔فوراً اُن کے مکان پر آئے اور مجلس میں باقاعدگی سے آنے کی خواہش

ظاہر کی۔ اُن کے کہنے سے کبھی کبھار چلے جاتے تھے لیکن دلی ذوق کے ساتھ نہیں بعد میں وہاں جانا عملاً متروک ہو گیا۔ لیکن خواجہ شفیع صاحب نے بعد میں بھی احترام میں کمی نہیں کی۔ اور اکثر گھر پر آکر ملتے رہے۔ حتیٰ کہ پاکستان بننے کے بعد بھی ۱۹۵۲ء میں محترم ماسٹر صاحب کی علالت کی خبر سُنکر لاہور میں گھر پر ملنے آئے اور بڑی دیر باتیں کرتے رہے۔

اسی طرح آپ نے ہندو کائستھوں کے "سُنتر کلب" اور دہلی کے مشہور ادارے "ندوۃ المصنفین" کے ساتھ جو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی اور مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی وغیرہم جیسے نامور علماء دیوبند پر مشتمل تھا۔ ایک ادیب کی حیثیت سے راہ و رسم پیدا کی۔ اور بعد میں وہاں تبلیغ کی ایسی طرح ڈالی کہ گھنٹوں بحث و مباحثہ کا سلسلہ جاری رہتا۔ اور آپ خود انہی کی لائبریریوں میں سے اُن کے مسلّمہ قائدین کی کُتب نکلوا کر انہی کے حوالوں سے انہیں جواب دیتے۔ یہ چند ایک واقعات مثال کے طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ ورنہ آپ کی زندگی اس قسم کے بے شمار واقعات سے بھری پڑی ہے۔ جو اس بات پر گواہ ہیں کہ آپ نے ایک بلند پایہ ادیب ہونے کے باوجود ادبی شہرت کو ہرگز مطمعِ نظر نہ بنایا۔ اور اس میدان میں بھی دین کو دُنیا پر مقدّم رکھا۔ آپ زندگی بھر میں اپنی ادبی صلاحیتوں کو صرف اس حد تک ہی بروئے کار لائے۔ کہ جس حد تک پیغامِ حق پہنچاتے میں اُن سے مدد ملتی ورنہ آپ محض قصّہ گوئی یا افسانہ نویسی سے کوئی علاقہ رکھنے کے لئے تیار نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کوئی مخرّب اخلاق قصّہ آپ کی قلم سے نہ نکلا۔ جو تھوڑا بہت لکھا بھی۔ لازمی طور پر اصلاحی اور سبق آموز رنگ میں ہی لکھا۔ آپ نے اپنے عمل سے احمدی ادیبوں کے لئے ایک مثال قائم کر دکھائی کہ وہ اِن صلاحیتوں کو کس طور پر صحیح رنگ میں استعمال کرکے اس میدان میں بھی دین کو دُنیا پر مقدّم کر سکتے ہیں۔ فی زمانہ احمدی ادیبوں کے لئے اس میں ایک بہت بڑا سبق مضمر ہے۔ کیونکہ ماضی میں جن احمدی نوجوانوں نے ادب میں ضرورت سے زیادہ شغف اختیار کیا۔ اُن کی ادبیت احمدیت پر غالب آگئی۔ اور شہرت کی خواہش نے اُن کو راہِ اعتدال پر قائم نہ رہنے دیا بلکہ اُن میں سے بعض تو ہمیں اب مخالفین کی صف میں نظر آتے ہیں۔

آپ کی یہ ایک بہت بڑی خوبی تھی کہ آپ صرف اور صرف احمدیت کو ہی اپنے لئے وجہِ شہرت بنانا چاہتے تھے۔ اور کسی دنیوی امتیاز کو خواہ وہ دوسروں کی نگاہ میں کتنا ہی وقیع کیوں نہ ہو۔ کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ خادمِ احمدیت ہونا آپ کے نزدیک دُنیا میں سب سے بڑا اعزاز تھا۔ باقی ہر اعزاز

اس قابل تھا کہ اُسے اس "عظیم شرف" پر بلا توقف قربان کر دیا جائے۔ آپ کا ایک شعر جو اکثر و بیشتر آپ کی تربیتی تقریروں کا نقطۂ مرکزی ہوتا تھا۔ وہ شعر یہ ہے اور اسی پر میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

"کیا کم شرف ہے احمدِ مرسل کا ہوں غلام ؛ آسان دنیا لاکھ کہے تم غریب ہو"

جناب پروفیسر مسعود احمد خان صاحب دہلوی نے آپ کی تبلیغی و ادبی خدمات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"بچوں کے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لئے دفتر کی تنخواہ کافی نہ تھی۔ اس لئے کئی کئی ٹیوشنیں روزانہ پڑھاتے۔ چنانچہ اس سبب سے ماسٹر مشہور ہو گئے۔ اُن کی اس محنت نے اُن کو بوڑھا کر دیا۔ اور جب اس محنت کے دنیوی پھل کھانے کا وقت آیا تو بچوں کو وقف کر دیا۔ اور ہم کو یہی تلقین کی ......

اُن کی خود اپنی زندگی احمدیت کی فدائیت میں گذری۔ اتوار چھٹی کا دن ہوتا ہے۔ اس کی صبح تبلیغ میں گذارتے۔ اور پھر تین بجے کام پر چلے جاتے۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کُتب کا مطالعہ اس انہماک سے کیا تھا۔ کہ عیسائیوں، آریوں اور دہریوں کے عمیق مسائل پر نہایت دلیری سے مباحثہ کیا کرتے۔ لیکن کج بحث نہ تھے۔ کبھی مناظرہ کا چیلنج نہ کیا۔ اور ضرورت پر ہمیشہ کوشش کی کہ مرکز سے کوئی بزرگ عالم تشریف لائیں۔ اور کسی بزرگ کے نہ آنے پر کہا کرتے اچھا جہاں اور "روپ نہ سہی ارنڈ روپ سہی" یعنی جیسے صحرا میں کسی کو اَور درخت نہ ملے اور پپینہ کے درخت کے چار پانچ پتوں کا ہی سایہ میسر آجائے تو غنیمت ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عالم نہ سہی۔ تو پھر خود مناظرہ کیا کرتے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے نہایت کامیاب مناظرے کئے۔ اور کبھی کوئی مناظرہ فساد یا لڑائی پر ختم نہ ہُوا۔ دُوسرے مذاہب کے زبردست مناظرین بھی والد صاحب کی قوتِ استدلال کے قائل تھے۔ اور آپ کی عزت کیا کرتے تھے۔ عیسائیوں میں پادری جوالا سنگھ، پادری سلطان پال۔ پادری عبدالحق۔ پادری احمد مسیح اور آریوں میں مہاشہ دھرم بھکشو مہاشہ رام چندر اور دلی کے غیر احمدی علماء سے معرکۃ الآرا اور کامیاب مناظرے ہوئے۔

مجھے یاد ہے میں تعلیمی زمانہ میں ایک دفعہ مفتی کفایت اللہ صاحب کے پاس گیا۔ اور ختمِ نبوت پر اُن سے استفسار کئے۔ وہ جواب دیتے رہے۔ میں نے مزید سوال کئے۔ آخر وہ کچھ سمجھ گئے۔ قطع کلام کر کے کہا۔ کہ تم کون ہو کس کے بیٹے ہو۔ میں نے کہا آسان صاحب کا۔ کہنے لگے میں تم سے بات نہیں کرتا۔ وہ بڑے زبردست مناظر ہیں.... پھر انہوں نے میرے والد صاحب کا عزت سے ذکر کیا۔

دہلی کے ستنتر کلب میں جس کے تمام ممبر اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نئی روشنی کے دلدادہ تھے۔ اور دہریت کے زیر اثر تھے۔ مہینوں ہر اتوار خدا کی ہستی پر تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ کلب کے تمام ممبر ایک طرف اور والد صاحب دوسری طرف اکیلے تھے۔ آخر اُن کا سالانہ جلسہ آیا۔ سیکرٹری نے رپورٹ میں صاف اقرار کیا کہ "خدا کی ہستی کے انکار پر اب اُن کے پاس کوئی دلیل باقی نہ رہی تھی ...." ہر موضوع پر فی البدیہہ تقریر کر لیا کرتے تھے ...... سکولوں اور کالجوں کے لئے ہم بھائی کسی ڈی بیٹ کے لئے مواد مانگتے تو موافق اور مخالف دلائل اس طرح بتاتے کہ حیرت ہوتی۔ اور ہمارے سکول اور کالج کے اساتذہ جو ایم اے سابق ہُوا کرتے۔ حیران رہ جاتے کہ یہ بھائی کس طرح اپنی تقاریر دُوسرے لڑکوں سے پہلے تیار کر لیتے ہیں۔ . . . مجھے یاد ہے کہ جب برادرم مکرم جناب مولود احمد خانصاحب بی اے امام مسجد لنڈن اور یہ عاجز پانی پت سے معیّنہ اور فی البدیہہ مقابلوں میں انعامات جیت کر اور ریکارڈ توڑ کر آئے۔ تو سکول کے سیکنڈ ماسٹر استاذی المکرم جناب محمد ہاشم خان صاحب ایم اے بی ٹی نے جو کہ غیر احمدی ہیں۔ تمام اسکول کے سامنے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے کہا۔" یہ دونوں بھائی اُس باپ کے بیٹے ہیں۔ جو نہایت قادر الکلام مقرر ہے۔ اور اُن کے باپ کے اس فن کو جماعت احمدیہ نے چار چاند لگا دیئے ہیں"۔

جس طرح وہ بولنے پر قادر تھے۔ اسی طرح وہ تحریر کے بھی دھنی تھے۔ خاص دلّی کی ٹکسالی زبان میں لکھا کرتے تھے۔ اُن کے افسانے اور کہانیاں اور ڈرامے آل انڈیا ریڈیو پر نشر ہوئے۔ افسانے اور کہانیاں انہوں نے خود بھی ریڈیو پر براڈ کاسٹ کیں۔ لیکن اُن کی ہر تحریر میں احمدیّت کا رنگ جھلکتا تھا۔ افسانوں میں بھی پاکیزہ خیالات کا اظہار کرتے تھے اور مضامین میں تو بعض اوقات خالص تبلیغی ہو جاتے .....

خواجہ محمد شفیع دہلوی کی مجلس میں ایک دفعہ بہائی مقررہ مسز فوجدار نے بہائی تحریک کی تاریخ پر تقریر کی۔ خواجہ حسن نظامی اور سر رضا علی بھی شامل تھے۔ مسز فوجدار نے دوران تقریر کہا کہ قرآن کا اثر زائل ہو گیا۔ اس لئے نئی شریعت کی ضرورت ہے۔ تقریر کے بعد دُوسرے حاضرین بہائیت سے متعلق احکام پوچھتے رہے کہ نمازیں کتنی ہیں۔ روزے کتنے وغیرہ وغیرہ۔ والد صاحب کو غصّہ آیا کہ ہمارے اسلام پر اعتراض ہُوا ہے اور کوئی نہیں جو اُس کا جواب دے۔ لایعنی باتیں پوچھ رہے ہیں۔ آخر والد صاحب نے وقت مانگا۔ اور اس اعتراض کا جواب دیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا نام لے کر بتایا کہ کس طرح قرآن کا اثر آج تک قائم ہے۔ اور خدائی نشان آج بھی اسلام کے ذریعہ ظاہر ہوتے ہیں۔ تمہید میں والد صاحب نے بتایا کہ یہ اثر ہر زمانہ

میں کام کرتا رہا۔ اور کوئی زمانہ خالی نہیں رہا۔ جبکہ اس کے دعوے دار نہ ہوں۔ مثال کے طور پر ائمہ سلف اور صوفیاء کبار کے حوالے پیش کئے۔ جیسے حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

دمبدم رُوح القدس اندر معینے مے دمد ؛ من نمے گویم مگر عیسیٰ ثانی شدُم

اس پر خواجہ حسن نظامی صاحب مرحوم بھی داد دینے لگے۔ چونکہ اُن کے پیر و مرشد کا بھی ذکر ہو گیا تھا۔ والد صاحب کی تقریر کے بعد انہوں نے کہا کہ بہائیوں کو اس کا جواب دینا چاہیئے۔ اگر اُن کے پاس صداقت ہے۔ ورنہ قرآن اور اسلام کا اثر زائل نہیں ہُوا۔ تعلق باللہ کا دعویٰ کرنے والے اسلام میں موجود ہیں۔ مسز فوجدار بڑی سراسیمہ ہوئیں۔ اور کہنے لگیں۔ میں مناظر نہیں۔ البتہ ہمارے عالم محفوظ الحق صاحب علمی اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ والد صاحب نے اُسی وقت للکارا۔ یہی میدان، وہی چوگان وہی گوئے محفوظ الحق صاحب علمی بولے کہ ہم تو تحریک بہائیت کی تاریخ بیان کرنے آئے تھے۔ مناظرے کے لئے نہیں۔ والد صاحب نے کہا۔ تو پھر اسلام اور قرآن پر کیوں حملہ کیا تھا۔ تاریخ بہائیت تک ہی تقریر کو محدود رکھا جاتا۔ اسلام پر حملہ کرو گے تو جواب بھی سُننا پڑے گا.....''

اپنی نظموں میں احمدی عقائد نہایت سادگی کے ساتھ بیان کر جاتے تھے۔ مثلاً :-

مکان فلک کو ہیں سمجھے مکین عیسےٰ کو ؛ مکین کا رہنا کجا۔ وہ مکان مکاں ہی نہیں

ہے آج کون تم میں جو جرأت سے یہ کہے ؛ اسلام زندہ ہوتا ہے عیسیٰ کی موت سے

تغزل کے انداز میں کہا :-

جس پہ ہم شیدا ہوئے ہیں وہ تو دلبر اَور ہے ؛ جس کے ہم مارے ہوئے ہیں۔ وہ ستمگر اَور ہے

تیغ اَب بے کار تیری ہوگئی اے مولوی ؛ جس سے کٹتا کفر ہے اَب وہ تو خنجر اَور ہے

ایک غیر احمدی شاعر نے دلّی میں احمدیّت کے خلاف ایک نظم شائع کی۔ اُس کا جواب طویل مسدّس میں دیا۔ اُس کے کل ۴۸ بند تھے۔ اور ٹیپ کا بند تھا :-

اَے مسیح قادیاں جان و دلم بَر تُو فدا ؛ تُو نے پھر اسلام کو دُنیا میں زندہ کر دیا

تمام نظم میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی اور آپ کے نشانات کو بڑے زور کے ساتھ پیش کیا۔ اور مخالفین کی ہر رنگ میں ہزیمت کی مثالیں نظم کیں۔ اَور پھر اُس کو اپنے خرچ پر کتابی صورت میں شائع کیا۔ اُن کو اپنے اشعار، افسانے اور مضامین جمع کرنے کا شوق نہ تھا۔ بڑی مشکل سے برادرم معظم جناب

مسعود احمد صاحب بی اے واقف زندگی نے کچھ کلام اور مضامین جمع کئے۔ لیکن وہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ کی نذر ہوئے۔ جو بچا وہ اس وقت ہزاروں میل دور میرے پاس نہیں۔ ورنہ بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ساتھ آپ کا عشق مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے:۔

شرف ہے سر کو میرے بھی مسیح کی چوکھٹ کا ÷ اکیلا ایک تو اے سنگ آستاں ہی نہیں
ہیں آستانِ مبارک کے اَن گنت خادم ÷ اکیلا دلّی کا آسان خستہ جاں ہی نہیں
کیا کم شرف ہے احمد مرسل کا ہوں غلام ÷ آسان لاکھ دُنیا کہے "تم غریب ہو"

حضرت ماسٹر محمد حسن صاحب آسان نہ صرف نظام الوصیت سے وابستگی کا شرف رکھتے تھے۔ بلکہ انہیں ۱۹۲۳ء[1] سے بحیثیت نمائندہ دہلی مجلس مشاورت میں سال ہا سال تک شمولیت کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ حضرت مصلح موعودؓ یکم مارچ ۱۹۳۲ء کو دہلی تشریف لے گئے۔ ۶ مارچ ۱۹۳۲ء کو رتال کٹوڑہ پارک میں جماعت دہلی و شملہ کی ایک مشترکہ تقریب میں حضور نے تقریر بھی فرمائی اور حضور کی بابرکت معیت میں دہلی اور شملہ کے مخلص احمدیوں کا فوٹو بھی لیا گیا۔ جس میں آپ بھی شامل تھے۔ یہ تاریخی فوٹو تاریخ احمدیت جلد ہفتم صفحہ ۲۵ پر شائع شدہ ہے۔

حضرت آسان دہلوی صاحب ۱۹۴۷ء میں دہلی سے ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے تھے اور لاہور میں مقیم تھے مگر اپنی وفات سے پانچ ماہ قبل اپنے بڑے بیٹے میاں محمود احمد خانصاحب نائب امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی کے پاس آئے ہوئے تھے اور یہیں آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

۲۶ راگست ۱۹۵۵ء کو مولانا جلال الدین صاحب شمس نے نمازِ جمعہ کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ موصیوں کے قبرستان میں صحابہؓ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے قطعہ میں سپردِ خاک کئے گئے اور دیگر بزرگانِ سلسلہ و احباب کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب امیر مقامی اور مولانا جلال الدین صاحب شمس نے جنازے کو کندھا دیا اور قبر تیار ہونے پر اجتماعی دُعا میں شریک ہوئے۔ دُعا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے کرائی۔ آپ کے وصال پر جماعت کے مختلف حلقوں میں گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۳ء صـ۳

حضرت مصلح موعودؓ کے خطبہ جمعہ میں ذکر

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ اُن دنوں یورپ میں تشریف فرما تھے۔ یورپ سے واپسی پر حضور نے ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء کو کراچی میں خطبۂ جمعہ کے دوران آپ کا ذکر نہایت شاندار الفاظ میں کیا۔ اور آپ کے اِس جذبہ کو کہ آپ نے اپنے بیٹوں کو خدمتِ دین کے لئے وقف کیا، بہت سراہا اور اس پر اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مَیں نے جب وقف کی تحریک کی تو گو سینکڑوں مالدار ہماری جماعت میں موجود تھے۔ مگر ان کو یہ توفیق نہ ملی کہ وہ اپنی اولاد کو خدمتِ دین کے لئے وقف کریں لیکن ماسٹر محمد حسن صاحب آسان نے اپنے چار لڑکے اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیئے جن میں دو بیٹے ان کی وفات کے وقت پاکستان سے باہر تھے۔ ان میں سے ایک ویسٹ افریقہ میں وائس پرنسپل ہے اور ایک لندن مشن کا انچارج اور انگلستان میں ہمارا مبلّغ ہے۔ ان کے سات بچّے تھے اور وہ غریب آدمی تھے۔ انہوں نے اپنے خرچ پر انہیں گریجوایٹ کرایا اور پھر سات میں سے چار کو وقف کر دیا۔ ان میں سے ایک الفضل کا ایڈیٹر ہے۔ ایک لنڈن مشن کا انچارج ہے۔ ایک ویسٹ افریقہ میں وائس پرنسپل ہے۔ اور ایک کراچی میں تحریک جدید کی تجارت کا انچارج ہے۔ ان سارے لڑکوں کو انہوں نے بی۔ اے یا ایم اے اپنے خرچ پر کرایا۔ سلسلہ سے انہوں نے کوئی رقم نہیں لی۔ انہیں یہ کبھی خیال نہ آیا کہ مَیں ایک غریب آدمی ہوں۔ اگر میرے بیٹے پڑھ کر اعلیٰ ملازمتیں حاصل کرلیں تو ہمارے خاندان کا نام روشن ہو جائے گا۔ انہوں نے روشنی صرف اسلام میں دیکھی اور اپنے لڑکوں کو دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ غرض ہماری جماعت میں ایسی مثالیں تو موجود ہیں جو جماعت کی عزّت کو قائم رکھنے والی ہیں۔ لیکن اَب یہ حالت ہے کہ سوائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کے اور یا پھر میری اولاد کے اور کسی جگہ سے ہمیں واقف زندگی نہیں مل رہے۔ کبھی کبھی تو جب مَیں اس حالت کو دیکھتا ہوں اور مجھے ڈر آتا ہے۔ کہ کہیں میری اولاد بھی کسی وقت دوسروں کو دیکھ کر دین کی خدمت سے مُنہ نہ پھیرلے۔ تو میرے دل میں جوش آتا ہے کہ مَیں اللہ تعالیٰ سے دُعا کروں کہ الٰہی مجھے صرف ایسی اولاد کی ضرورت ہے جو تیرے دین کی خدمت گذار ہو۔ تو مجھے ایسا دن نہ دکھائیو کہ تیرے دین کو قربانی کی ضرورت ہو اور میرے بیٹے اس کے لئے تیار نہ ہوں۔ اور اگر کوئی ایسا دن آنے والا ہو تو تُو بڑی خوشی سے

مجھے بے اولاد کر دے۔ کیونکہ میرا نام تُو نے روشن کرنا ہے۔ میری اولاد نے نہیں۔ مَیں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ میری ساری اولاد دین کی خدمت کرنے والی ہو۔ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ مگر کیا دُنیا میں کوئی شخص ہے جو آپ کا نام عزّت سے نہیں لیتا۔ آپؐ کا خدا سے تعلق ہو گیا اور خدا نے آپؐ کے نام کو ابدی طور پر زندہ کر دیا۔ پس جس کا خدا سے تعلق ہو جائے اُسے ڈر ہی کس بات کا ہو سکتا ہے۔ حضرت مسیح ناصریؑ کو دیکھ لو۔ آپ کی کوئی جسمانی اولاد نہ تھی جو آپ کے نام کو زندہ رکھتی۔ مگر آج ساری دُنیا کے عیسائی گو اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے انہیں خدائی کا رُتبہ دیتے ہیں۔ مگر وہ آپ پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ وہ کام خود اچھا کرتے ہیں مگر ہر اچھا کام کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ کرسچن سویلزیشن ہے۔ چونکہ ان کی قوم میں رحم کا جذبہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس لئے اگر وہ کسی موقع پر رحم سے کام لیتے ہیں تو ساتھ ہی کہہ دیتے ہیں کہ یہ کرسچن سویلزیشن ہے۔ یہ مسیح کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ اگر مسیحؑ کے اپنے بیٹے ہوتے تو کیا بن جاتا۔ اور ان کا نام کتنے عرصہ تک باقی رہتا۔ لیکن چونکہ انہوں نے اپنی زندگی خدا تعالےٰ کے لئے وقف کر دی۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے ان کو وہ عظمت دی کہ آج سارا یورپ اور امریکہ ان کی عزّت کر رہا ہے۔ بلکہ یورپ کے ایک چھوٹے سے چھوٹے ملک کے عیسائی جس طرح حضرت مسیحؑ کو یاد رکھتے ہیں۔ اگر اُن کے اپنے بیٹے بھی موجود ہوتے تو اس طرح اُن کو یاد نہیں رکھ سکتے تھے۔ اسی طرح مَیں سمجھتا ہوں ماسٹر محمد حسن صاحب آسانؔ نے بھی ایسا نمونہ دکھایا ہے جو قابلِ تعریف ہے۔ وہ ایک معمُولی مدرّس تھے۔ اور غریب آدمی تھے۔ انہوں نے فاقے کر کر کے اپنی اولاد کو پڑھایا اور اسے گریجوایٹ کرایا۔ اور پھر سات لڑکوں میں سے چار کو سلسلہ کے سپُرد کر دیا۔ اَب وہ چاروں خدمتِ دین کر رہے ہیں اور قریباً سارے ہی ایسے اخلاص سے خدمت کر رہے ہیں جو وقف کا حق ہوتا ہے۔ اگر یہ بچّے وقف نہ ہوتے تو ساتوں مل کر شاید دس بیس سال تک اپنے باپ کا نام روشن رکھتے اور کہتے کہ ہمارے ابّا جان بڑے اچھے آدمی تھے۔ مگر جب میرا یہ خطبہ چھپے گا تو لاکھوں احمدی محمد حسن صاحب آسانؔ کا نام لے کر ان کی تعریف کریں گے اور کہیں گے کہ دیکھو یہ کیسا باہمت احمدی تھا کہ اُس نے غریب ہوتے ہوئے اپنے سات بچّوں کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ اور پھر ان میں سے چار کو سلسلہ کے سپُرد کر دیا۔ اور پھر وہ بچّے بھی ایسے نیک ثابت ہوئے کہ انہوں نے خوشی سے اپنے باپ کی قربانی کو قبول کیا اور اپنی طرف سے بھی ان کے

فیصلہ پر صاد کر دیا۔"[1]

دوسرے بزرگان اور مخلصینِ سلسلہ کے تاثرات

(۱) قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے آپ کی وفات پر حسب ذیل مختصر نوٹ سپردِ قلم فرمایا:-

"آسان صاحب مرحوم کو میں ایک عرصہ سے جانتا تھا۔ نہایت مخلص اور زندہ دل بزرگ تھے۔ اور مجلس میں گفتگو کا خاص دلکش انداز رکھتے تھے جس کی وجہ سے ان کی حاضر جوابی کے سامنے اکثر ذوعلم اصحاب کو بھی لاجواب ہونا پڑتا تھا۔ شگفتہ مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت نیک اور سلسلہ احمدیہ کے لئے خاص اخلاص اور قربانی کا جذبہ رکھتے تھے۔ ان کے بہت سے بچے اسلام اور احمدیت کی خدمت کے لئے وقف ہیں جو انشاء اللہ ان کے لئے قیامت کے دن ایک تاج بن کر زینت کا موجب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل اور رحمت کے سایہ میں جگہ دے اور ان کی اولاد کا دین و دُنیا میں حافظ و ناصر ہو۔ آمین۔ آسان صاحب مرحوم ہمارے خاندان کے بھی بہت سے بچوں کے استاد تھے۔ جن میں میری چھوٹی لڑکی امۃ اللطیف سلمہا بھی شامل تھی۔"[2]

(۲) حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے آپ کی وفات کی خبر پر کلب روڈ ۸ کوہاٹ سے ۱۵ ستمبر ۱۹۵۵ء کو حسب ذیل تعزیتی خط تحریر فرمایا[3]:-

"جناب ماسٹر صاحب مرحوم کی وفات کی خبر سے دل کو قلق ہوا...... میری لڑکی آصفہ (بیگم مرزا مبشر احمد) کو جس ہمدردی اور محبت و پیار سے انہوں نے پڑھایا ان کا وہ سلوک میرے پیشِ نظر اور دل پر نقش ہے۔ آصفہ کو ان کی وفات کا بہت صدمہ ہوا ہے۔ بہت نیک نیّت اور نیک طبع ہستی تھی۔ خدا تعالیٰ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کی نسلوں کو ان کے لئے ذکرِ خیر اور زیادہ سے زیادہ بلندئ درجات کا موجب بناتا رہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر بڑھتی ہوئی رحمت کا سایہ رکھے اور ان کے پسماندگان کا خدا حافظ و ناصر ہو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (مبارکہ) ۱۵ ستمبر ۱۹۵۵ء"[4]

---

[1] الفضل ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳، ۴۔ [2] الفضل ۳ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔

[3] یہ مکتوب آپ نے مکرم مسعود احمد صاحب دہلوی کے نام رقم فرمایا تھا۔ [4] الفضل ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴

(۳)۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضؓ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا :۔

" ماسٹر آسان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میرے بھی تعلقات تھے۔ وہ مجھ سے محبت رکھتے اور ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملا کرتے۔ ان کے کلام میں شگفتگی اور عجیب ملاحت تھی۔ جب مجھے مرکز سے عزیز مکرم مولوی محمد نذیر صاحب قریشی ملتانی کی معیت میں ایک وفد کی صورت میں تبلیغی خدمات کے لئے دہلی بھیجا گیا اور میں نے ایک عربی رسالہ مع دو عربی نظموں کے لکھ کر شائع کیا تو جناب ماسٹر آسان صاحب ان تبلیغی مہمات میں اور رسائل و اشتہارات کی اشاعت کے کام میں بہت ہی ممد و معاون ثابت ہوئے اور انہیں ویسے بھی تبلیغ کا بے حد شغف تھا۔ غالباً ان کا اکثر وقت انہی مشاغل میں گذرتا کہ کہیں احمدیت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اور کہیں مخالفین اور معترضین کے اعتراضات کے جواب دینے میں مصروف ہیں۔ اللّٰھمّ اغفرلہ وارحمہ۔ رفعہ اللّٰہ فی الجنّات العلیۃ الرفیعۃ وحفظ اولادہ و بارک فیھم وعلیھم ببرکاتہ البدیعۃ۔ اٰمین۔

خاکسار غلام رسول راجیکی ربوہ[1]"

(۴)۔ حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل نے اپنے مکتوب میں لکھا :۔

" موصوف مجھ سے جب میں قادیان میں تھا بہت محبت رکھتے۔ جلسہ سالانہ پر نہایت پرسوز لہجے میں جذبات انگیز نظم پڑھتے تو سامعین پر ایک کیف طاری ہو جاتا۔ ایک دفعہ تو ہجوم جذبۂ شوق سے خود غش کھا کر گر پڑے۔ مسجد اقصیٰ سے آتے ہوئے راستہ میں ملے تو ... میں نے سر پر پگڑی دیکھکر ان کی نزاکت طبع کا ایک قصہ یاد دلاتے ہوئے پوچھا یہ کیا؟ کہنے لگے بھئی ہر ملکے در رسمے۔ اب تو ہم پنجابی، ہمارے مرشد و آقا بھی پنجابی ـــــ ماقبلہ راست کردیم آنسوئے کجکلاہے۔

قادیان میں اپنے بیٹوں کو ساتھ لے کر میرے مکان پر آئے اور ایک ایک کا تعارف کراتے ہوئے ان سب کے لئے حسنات دین و دنیا کی دعا کرنے کے لئے التجا کی[2]"

(۵)۔ محترم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ۔ رشعبہ سائیکالوجی کراچی یونیورسٹی نے اپنے مکتوب میں تحریر کیا :۔

---

[1] الفضل ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء صہ ۔ [2] الفضل ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء صہ ۵ ۔

"مَیں مرحوم ماسٹر صاحب کو قادیان کی مجلس مشاورت میں دُور سے دیکھا کرتا تھا۔ آپ کی میٹھی زبان اور نکتہ رس تقریریں سُنکر دل میں خواہش پیدا ہُوا کرتی کہ ان کو قریب سے دیکھوں اور ان کی باتیں سنوں۔ اس کے بعد مجھے علی گڑھ اور دہلی جانے کا اتفاق ہونے لگا۔ ایک دفعہ ماسٹر صاحب نے خود ہی مجھے دعوت دے کر اپنے پاس بلوایا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا۔ شائد ہی مجھے دہلی جانے کا اتفاق ہُوا ہو اور انہیں اس کا علم ہوگیا ہو اور پھر انہوں نے مجھے اپنے ہاں دعوت نہ دی ہو۔ میرے لئے یہ مجالس ازدیادِ علم اور ازدیادِ ایمان کا باعث ہونے کے علاوہ نہایت درجہ دلچسپ اور لذیذ ہوتیں۔

آپ کی عام گفتگو میں ایسی بے ساختہ ادبی خوبیاں ہوتیں کہ جی چاہتا کہ اسے لکھ لیا جائے۔ مَیں نے ان کے کئی مختصر افسانے ان کی اپنی زبان سے سُنے۔ مَیں نے علی گڑھ کے زمانے میں دہلی کے مشہور داستان گو سے (جن کا نام اَب مجھے یاد نہیں) داستانیں سُنی ہیں۔ یہ لوگ ایک شاندار ماضی کی یادگار تھے۔ ماسٹر صاحب مرحوم میرے علم میں اس ادبی دَور کی آخری شمع تھے۔ مَیں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مَیں ماسٹر صاحب مرحوم کی مجلس میں شامل ہو کر ان کے علم و فن سے محظوظ ہوتا رہا ہوں۔

آپ کی ملاقات کا حلقہ وسیع تھا۔ تقسیمِ ملک کے بعد بھی آپ نے اپنے دوستانہ تعلقات قائم رکھے اور اپنی خاص مجالس کا سلسلہ جاری رکھا۔ سلسلہ احمدیہ اور سلسلہ کی شخصیتوں سے جو محبت اور عقیدت تھی۔ اس میں ایک کمال درجے کی سادگی تھی۔ اس کے اظہار کے لئے کسی تحریک کے منتظر نہ رہتے۔ بلکہ جب بھی سلسلہ کلام شروع ہوتا تو یہ محبت آپ ہی اُبل پڑتی۔"[1]

(۶)۔ مکرم نسیم سیفی صاحب رئیس التبلیغ لیگوس[2] (نائیجیریا) نے اپنے مکتوب میں لکھا:-

"مجھے حضرت ماسٹر صاحب کو کسی قدر قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ جماعت میں بھی اور جماعت کے علاوہ بعض دیگر تقاریب میں بھی۔ مجھے ان کے قریب بیٹھ کر ان کی مخصوص انداز میں گفتگو سُننے کا بھی موقع ملا۔ اور ان کے دلچسپ مناظرے سُننے کا بھی۔ مَیں نے ان کو جماعتی کاموں میں منہمک بھی دیکھا اور انفرادی طور پر لوگوں کی مدد کرتے ہوئے بھی دیکھا۔ مَیں نے ان کے مذہبی مضامین بھی پڑھے اور ان کی زبان سے خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی کی مجالس میں ان کے ادبی مقالے بھی سُنے۔ اس قُرب اور عقیدت

---

[1] الفضل ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء صہ۴۔ [2] حال وکیل التصنیف تحریک جدید ربوہ۔

نے میرے غم کو زیادہ گہرا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مرحوم کو اپنی رحمت کی چادر میں لپیٹ لے اور ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین؎۱

(۷)۔ پاکستان ریڈ کراس کے سیکرٹری جنرل محترم صفدر علی خانصاحب نے اپنے مکتوب میں لکھا:۔

"مرحوم کا وہ پُرجوش زمانہ جو دہلی میں ہم نے دیکھا تھا۔ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ وہ نمازوں کا باجماعت اہتمام، پھر فجر کی نماز کے بعد درس قرآن مجید جو مرحوم اپنے گھر میں ہی ہم لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ ہر اتوار کو بلاناغہ سائیکلوں پر صبح سے شام تک دہلی کے ملحقہ دیہات میں تبلیغ، خدام الاحمدیّہ کے اجلاسوں میں ان کی یادگار تقریریں۔ یہ سب اور اسی قسم کے دیگر بے شمار دینی مشاغل جن میں مرحُوم مستغرق رہا کرتے تھے۔ ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے پھر رہے ہیں۔ مجھ سے مرحوم خاص شفقت سے ملا کرتے تھے۔ جب خاکسار جاپان میں تھا تو ایک فوجی افسر جو میرے دوست تھے رخصت پر ہندوستان جانے لگے۔ مجھ سے گھر والوں کے لئے کوئی پیغام وغیرہ پوچھا۔ میں نے جواب دیا۔ گھر میں تو سب خیریت ہے۔ البتہ اگر دہلی جاؤ تو میرے ایک محترم بزرگ وہاں رہتے ہیں، ماسٹر محمد حسن صاحب آسآن ان کا نام ہے۔ ان کو میرا سلام پہنچا دینا چنانچہ وہ دہلی گئے میرا سلام ماسٹر صاحب مرحوم کو پہنچایا۔ جب واپس جاپان آئے تو کہنے لگے کہ اپنی مخصوص صفات اور مذہبی جذبہ کے لحاظ سے ماسٹر صاحب منفرد انسان ہیں۔ غرضیکہ مرحوم جس سے بھی ایک دفعہ ملتے اپنے مخصوص انداز میں اس پر بہت گہرا اثر ڈالتے۔ مجھے ان کی وفات پر بے حد صدمہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"؎۲

اَولاد! حضرت آسآن دہلوی رضؓ کی اولاد کی تفصیل یہ ہے:۔

(اولاد پہلی اہلیہ امۃ المغنی شمیم صاحبہ)۔

۱۔ سائرہ خاتون ۲۔ مریم خاتون

۳۔ محمود احمد خانصاحب مرحوم سابق نائب امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی و زعیم اعلیٰ مجلس انصار اللہ

؎۱ الفضل ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ ؎۲ ایضاً۔

راولپنڈی و امیر جماعت احمدیہ پشاور۔

۴۔ مسعود احمد خانصاحب دہلوی ربوہ حال ایڈیٹر "الفضل" سابق مدیر رسالہ "انصار اللہ"

۵۔ مقصود احمد خانصاحب مرحوم امیر جماعت احمدیہ کُنڑی ضلع تھرپارکر۔

۶۔ مولود احمد خانصاحب سابق مبلغ انگلستان و امام مسجد احمدیہ لنڈن۔

۷۔ سعود احمد خانصاحب ایم۔اے سابق ٹیچر احمدیہ سیکنڈری سکول کماسی غانا مغربی افریقہ۔ حال پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ۔

۸۔ صالحہ خاتون صاحبہ اہلیہ مکرم مختار احمد صاحب ابن بابو نذیر احمد صاحب مرحوم سابق امیر جماعت احمدیہ دہلی۔

۹۔ مرغوب احمد خانصاحب حال لنڈن۔

۱۰۔ محبوب احمد خانصاحب اسسٹنٹ انجنیئر پی۔ ڈبلیو۔ ڈی سینٹر۔

۱۱۔ ناصرہ خاتون صاحبہ۔ ۱۲۔ صادقہ خاتون صاحبہ۔

(اولاد دوسری اہلیہ حمیدہ بیگم صاحبہ)۔

۱۳۔ مشہود احمد خانصاحب راولپنڈی۔ ۱۴۔ داؤد احمد خانصاحب واہ کینٹ۔

۱۵۔ حفصہ خاتون صاحبہ ۱۶۔ مودود احمد خانصاحب جرمنی

۱۷۔ ودود احمد خانصاحب کراچی۔ ۱۸۔ بشریٰ خاتون آسمان صاحبہ مظفر آباد۔

۷۔ حضرت خانصاحب سیّد غلام حسین شاہ صاحب رضؓ بھیروی

ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پنجاب سول وٹرنری ڈیپارٹمنٹ و سابق اینمیل ہزبینڈری آفیسر ریاست بھوپال

ولادت اندازاً ۱۸۸۳ء۔ بیعت ۱۸۹۷ء۔ وفات ۱۵ ماخاء ۱۳۳۴ھ (۱۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء)

آپ حضرت قاضی امیر حسین صاحب رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ چودہ [۱۴] سال کی عمر میں دامنِ مسیح موعودؑ کے ساتھ وابستہ ہوئے۔ حضرت اقدسؑ کے عشاق میں سے تھے۔ آپ کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہدِ مبارک کے "البدر" یکم فروری ۱۹۰۵ء کے صفحہ ۲ پر بھی آتا ہے[۱]

---

[۱] لکھا ہے:۔ "۴ ار جنوری ۱۹۰۵ء عصر کے وقت محبی قاضی غلام حسین صاحب وٹیرنری اسسٹنٹ حصار نے عرض کی کہ

آپ کی زندگی کا ایک یادگار واقعہ آپ کا سفرِ بٹالہ ہے جو آپ نے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ارشاد کی تعمیل میں کیا اور جس پر حضور نے اظہارِ خوشنودی فرمایا۔ ذیل میں آپ ہی کے قلم سے اُسے درج کیا جاتا ہے:۔

"عاجز کو خدا کے محض فضل سے چودہ سال کی عمر میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی بیعت نصیب ہوئی۔ مجھے اس بات کا از حد شوق تھا کہ حضرت اپنی زبانِ مبارک سے مجھے کسی قسم کا بھی کام کرنے کا ارشاد فرمائیں۔ تاکہ مَیں اس کی تعمیل کر کے اپنی خواہش پوری کروں۔ غالباً ۱۸۹۹ء تھا جبکہ ہم درجن بھر آدمی حضرت کے ساتھ گول کمرہ میں کھانا کھانے اور چھوٹی مسجد میں جو کہ اَب مسجد مبارک کہلاتی ہے، نماز پڑھا کرتے تھے۔ مجھے اکثر حضرت کے پاؤں دبانے اور حضور کو پنکھا جھلنے کا شرف حاصل ہُوا ہے۔ ظہر کی نماز کے بعد حضرت مسجد میں ہی ڈاک پڑھا کرتے تھے جو کہ ان ایّام میں دوپہر کو آیا کرتی تھی۔

ایک دن میرے دل میں بڑا جوش اور شوق پیدا ہُوا کہ آج اگر حضرت مجھے کسی کام کا ارشاد فرمائیں تو دل کی تمنّا پُوری ہو۔ حضرت تو ڈاک پڑھ رہے تھے اور میرا دل تڑپ رہا تھا کسی کام کے کرنے کیلئے کہ اتنے میں حضرت صاحب نے خط پڑھتے پڑھتے گردن مبارک کو اُوپر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ یہ ایک بلٹی ہے آپ بٹالہ سے جا کر لے آئیں۔ بس پھر کیا تھا۔ میرا دل تو باغ باغ ہو گیا۔ بلٹی میرے ہاتھ میں دے کر فرمایا۔ ابھی ٹھہریئے اور حضور اندر تشریف لے گئے۔ چند منٹ میں باہر تشریف لا کر میرے ہاتھ میں پانچ روپے دے کر فرمایا کہ یہ اس کے اخراجات کے واسطے ہیں۔

روپے اور بلٹی لے کر خوشی سے اچھلتا ہُوا مَیں مسجد سے نیچے اُترا۔ یکّے کے اڈے سے پتہ لگا کہ اس وقت یہاں کوئی یکّہ نہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں ایک یا دو یکّے ہوتے تھے۔ اگر وہ بٹالہ چلے جاتے پھر قادیان سے بٹالہ تک جانے کے واسطے کوئی سواری نہ ہوتی۔ خیر مَیں پیدل چل پڑا۔ اور شام کو بٹالہ پہنچ گیا۔ اسٹیشن پر بابو جی کو بلٹی دکھائی۔ اُس نے کہا پارسل آیا ہُوا ہے تم صُبح چھڑا لینا۔ اَب رات کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میری تنخواہ میں عہ روپیہ اضافہ ہُوا ہے اور بنگال سے ایک درخواست آئی ہے کہ انسپکٹری کی پوسٹ خالی ہے۔ عہ روپیہ ماہوار ملیں گے۔ اس لئے مشورۃً استفسار ہے کہ کونسی جگہ منظوری کی جاوے۔ آپؑ نے فرمایا کہ استخارہ مسنونہ کے بعد جس طرف طبیعت کا میلان ہو۔ وہ منظور کر لو۔"

کہاں رکھوگے۔ رات سرائے میں ٹھہرا۔ صبح کو مَیں باؤجی کے پاس گیا۔ اُس نے ایک چھوٹی سی ٹوکری جس میں کہ پانچ سیر کے قریب وزن ہوگا۔ میرے سپرد کر دی۔ اور کہا کہ فرستندہ نے اس کا محصول ادا کیا ہُوا ہے۔ یعنی PAID پارسل ہے۔

جب مَیں ٹوکری لے کر سٹیشن سے باہر نکلا تو پتہ لگا کہ جو یکّہ رات کو قادیان سے بٹالہ آیا تھا وہ سواریاں لے کر واپس قادیان چلا گیا ہے۔ چونکہ بٹالہ سے قادیان کی سڑک کچّی اور بہت خراب اور ریتلی تھی۔ اس واسطے بٹالہ کے یکّہ والے قادیان جانا پسند نہ کرتے تھے۔ اگر کوئی جاتا بھی تو بہت کرایہ چارج کرتا۔ مَیں سوچ ہی رہا تھا کہ ایک شخص نے کہا کہ آپ بہنگی والا کہار لے جاؤ۔ چنانچہ مَیں نے ایک کہار کو وہ ٹوکری دے دی۔ اس نے بہنگی کے ایک پلڑا میں یہ ٹوکری رکھ دی اور دوسرے پلڑا میں اتنا ہی پتھّر کا وزن رکھ کر کندھے پر اُٹھا کر میرے ساتھ ہولیا۔ اور چار آنہ مزدوری قادیان تک طے ہوئی۔ ہم جلدی ہی قادیان پہنچ گئے۔ حضرت کے عطا کردہ پانچ روپیہ میں سے چار آنہ مَیں نے کہار کو مزدوری دے دی۔ اور پونے پانچ روپے جیب میں رکھ کر ٹوکری ہاتھوں میں لے لی مسجد مبارک کی پرانی تنگ سیڑھیوں میں چڑھ کر سیڑھیوں کے خاتمہ سے قبل ہی جو دروازہ حضرت کے زنانخانہ میں جاتا ہے وہاں ٹھہر کر حضرت صاحب کی خدمت میں اپنی آمد کی اطلاع کرائی۔ حضرت فوراً ہی باہر تشریف لائے اور مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ آپ آگئے۔ مَیں نے عرض کی حضرت آگیا۔ ٹوکری کو دیکھتے ہی یہ فرماتے ہوئے اندر تشریف لے گئے کہ آپ ٹھہریں۔ چند منٹ میں حضرت ہاتھ میں ایک بڑا چاقو لئے ہوئے تشریف لائے۔ اور اس ٹوکری کے اُوپر جو ٹاٹ سِلا ہُوا تھا۔ اس کو چاقو سے ایک طرف سے کاٹ کر اپنے دونوں ہاتھ اس ٹاٹ کے اندر داخل کر کے باہر نکالتے ہی فرمایا کہ یہ آپ کا حِصّہ ہے۔ مَیں نے جلدی میں اپنے کرتے میں ڈلوالئے۔ (قبل ازیں مجھے علم نہ تھا کہ پارسل میں کیا ہے) مَیں نے دیکھا کہ وہ سبزی مائل انگور ہیں۔ اتنے میں مَیں نے وہ پونے پانچ روپیہ جیب سے نکال کر پیش کئے۔ اور عرض کیا کہ حضور یہ بقایا رقم ہے۔ صرف چار آنہ خرچ ہوئے ہیں۔ اس پر حضرت نے بڑی شفقت سے فرمایا کہ "ہم اپنے دوستوں سے حساب نہیں رکھا کرتے۔" اتنا فرمایا اور ٹوکری اُٹھا کر اندر تشریف لے گئے۔ انگور میرے کُرتے میں اور پونے پانچ روپیہ میرے ہاتھ میں رہ گئے۔۔۔ سبحان اللہ! کیا اعلیٰ فقرہ فرمایا کہ ہم اپنے دوستوں سے حساب نہیں رکھا کرتے۔ مَیں اس وقت ۱۴، ۱۵ سال کا بچہ تھا۔ یہ حضرت کی شفقت مہربانی

اور عنایت تھی کہ اپنے خدام کی عزّت، قدر اور حوصلہ افزائی فرماتے۔

اَے خدا کے پیارے مسیح موعود! اللہ کی ہزاروں اور کروڑوں برکتیں اور رحمتیں ہوں تجھ پر اور تیری آل اولاد پر۔[۱]"

آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی دُعاؤں کی برکت سے وٹرنری کالج لاہور کے طلبہ میں نہ صرف اوّل پوزیشن حاصل کی اور انعام اور وظیفہ حاصل کیا۔ بلکہ کم وبیش نصف صدی تک امتیازی رنگ میں حصار۔ فیروزپور چھاؤنی۔ لائل پور۔ منٹگمری۔ رہتک اور بھوپال میں طبّی خدمات بجالاتے رہے۔ آپ ابتدائی موصی بھی تھے۔ اور تحریکِ جدید کے انیس سالہ مجاہد بھی۔

آپ کے بیٹے سیّد محمود احمد شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت والد صاحب کا اسمِ گرامی سیّد غلام حسین شاہ تھا۔ ان کے والد ماجد کا نام سیّد غلام شاہ تھا۔ آپ بھیرہ ضلع شاہ پور کے رہنے والے تھے۔ دادا جان نے ایک خواب میں دیکھا تھا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور دو روپے بطور نذر پیش کئے ہیں۔ چنانچہ اس خواب کو پُورا کرنے کی غرض سے حضرت دادا جان حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور کی بیعت کی اور دو روپیہ کی رقم بطور نذر بھی پیش کی۔ لیکن اس خواب کی حقیقی تعبیر یہ تھی کہ بجائے دو روپیہ کے دو بیٹے آپ کے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی بیعت کر کے خدمتِ دین کی توفیق حاصل کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا کہ آپ کے گیارہ بیٹوں میں سے دو بیٹوں یعنی حضرت قاضی امیر حسین صاحب اور حضرت سیّد غلام حسین نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی بیعت کی اور خدمتِ احمدیت حسبِ توفیق کرتے رہے۔

حضرت والد صاحب نے تقریباً چودہ یا پندرہ سال کی عمر میں ۱۸۹۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ۱۸۹۸ء میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کے مشورہ پر وٹرنری کالج لاہور میں داخل ہوئے اور اپریل ۱۹۰۰ء کے امتحان میں محض حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی دُعاؤں کے طفیل معجزانہ طور پر وٹرنری کالج کے تمام طلباء میں آپ نہ صرف اوّل آئے۔ بلکہ جنرل پروفیشن میں پرنسپل کے گولڈ میڈل کا انعام اور وٹرنری

---

[۱] الحکم ۲۸ مئی و ۷ جون ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۲، ۲۳

سائنس میں کوٹلے ویل میموریل سلور میڈل کا انعام اور لارڈ لارنس سکالرشپ بھی حاصل کئے علاوہ ازیں وٹرنری سرجری و میڈیسن اور اینا ٹمی و فزیالوجی اور بود ائن پتھالوجی کے ہر سہ مضامین میں بھی آپ نے علیحدہ علیحدہ فرسٹ پرائز حاصل کئے۔ ان سب انعامات کو جب آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور پیش کیا تو حضرت اقدسؑ ملاحظہ فرما کر بہت خوش ہوئے۔ خلاف توقع آپ کے شاندار طور پر کالج میں کامیاب ہونے اور اوّل آنے کے معجزہ کو دیکھ کر آپ کے ایک ہم جماعت راجہ فضل دین صاحب بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر کے داخلِ احمدیت ہوئے۔ وٹرنری کالج سے کامیاب ہو کر جنگِ یوگنڈا کے سلسلہ میں آپ افریقہ چلے گئے۔ اور افریقہ سے واپسی پر ۱۹۰۲ء میں گورنمنٹ کیٹل فارم حصار میں آپ کی تعیناتی وٹرنری اسسٹنٹ کے طور پر ہو گئی۔ پھر آپ ترقی کر کے فارم اوورسیئر ہو گئے۔ اور بعد ازاں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہو گئے۔ حصار میں آپ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۲۶ء یعنی پچیس سال تعینات رہے۔ حصار سے تبدیل ہو کر فیروزپور چھاؤنی۔ پھر لائل پور ساڑھے تین سال منٹگمری اور پھر پانچ سال رہتک میں بہ عہدہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تعینات رہے۔ جہاں سے جنوری ۱۹۳۷ء میں آپ پنجاب وٹرنری سروس سے ریٹائر ہوئے۔ اسی سال آپ کو حسنِ کارکردگی کے نتیجہ میں گورنمنٹ کی طرف سے "خانصاحب" کا خطاب دیا گیا۔ چونکہ آپ کا کنبہ بڑا تھا اور ابھی کافی بال بچے کمسن تھے۔ اس لئے مزید ملازمت کی اشد ضرورت آپ کو محسوس ہوئی۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد غالباً ۱۹۳۷ء کے آخر میں آپ ریاست بھوپال میں اینیمل ہزبینڈری اور وٹرنری آفیسر مقرر ہو گئے۔ جہاں سے گیارہ سال کی ملازمت کے بعد ۱۹۴۸ء میں بعد تقسیم برصغیر آپ ریٹائر ہوئے۔ ریاست بھوپال سے ریٹائر ہو کر آپ ۱۹۴۸ء میں پاکستان آگئے اور موضع بھلوال ضلع سرگودھا میں بغرض آبادکاری چلے گئے۔ بھلوال میں جانے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے ایک بڑے بھائی سید احمد شاہ صاحب نے آپ کو وہاں بلایا تھا اور زمین وغیرہ کی الاٹمنٹ کے حصول میں آپ کو تقریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ لگا۔ بحیثیت ریفیوجی آپ نے جو عرصہ بھلوال میں گذارا اس میں آپ کی صحت دن بدن گرتی چلی گئی۔ اپریل ۱۹۴۹ء میں بمقام ربوہ جو پہلا جلسہ سالانہ منعقد ہوا تھا۔ اس میں شامل ہوئے تھے۔ لیکن اس کے بعد صحت اس قابل نہ رہی تھی۔ کہ موسم سرما کے جلسوں میں شرکت کر سکتے۔ بھلوال کا قیام آپ کا ضعیفی اور کمزوری کا دَور تھا۔ تاہم آپ اپنے سوانح حیات مرتّب کرتے رہتے تھے۔ ۱۹۴۹ء کے موسم گرما میں آپ ایک مرتبہ میرے ہمراہ لائل پور سے ربوہ تشریف لے گئے تھے ۱۹۴۹ء

کے بعد بھی ایک مرتبہ آپ ربوہ تشریف لے گئے تھے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے۔

لڑکپن میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی بیعت کرنے اور اوائل عمر میں بار بار حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حاضر ہونے کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی سیرت کا گہرا اثر آپ کے دل و دماغ پر نقش تھا۔ بعیت کرنے کے بعد وٹرنری کالج سے کامیاب ہو کر آپ نے بھیرہ سے سکونت ترک کرنے کا ارادہ کر لیا تھا اور افریقہ سے واپسی پر حصار کی ملازمت کے دوران میں قادیان میں اپنے بڑے بھائی حضرت قاضی سیّد امیر حسین کی معرفت کچھ زرعی زمین خرید کر لی تھی۔ اور ۱۹۲۰ء تک ایک مختصر پختہ رہائشی مکان بھی اپنے بھائی صاحب کے مکان کے عقب میں تعمیر کر لیا تھا۔ جس میں جلسہ سالانہ کے مواقع پر آپ بال بچوں سمیت قیام کرتے تھے۔ چنانچہ آپ بھیرہ سے قطع تعلق کر کے قادیان میں ہجرت کر گئے تھے۔ اگرچہ بوجہ سرکاری ملازمت قادیان میں مستقل طور پر قیام پذیر نہ ہوئے تھے۔ لیکن ملازمت سے فارغ ہو کر مستقل سکونت قادیان میں اختیار کرنے کا مصمم ارادہ رکھتے تھے.....

تحریک جدید میں انیس سالہ مجاہد ہونے کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پانچ ہزاری فوج کے سپاہی تھے۔ بہت پرانے موصی تھے۔ باقاعدہ چندہ ادا کرتے تھے۔ اپنی تنخواہ وصول کرنے پر سب سے پہلے چندہ ادا کیا کرتے تھے۔ اور بعد ازاں باقی ماندہ تنخواہ خرچ کرتے تھے۔ اگر کوئی ذاتی خرچ اشد ضروری ہوتا تو پہلے چندہ کی رقم علیحدہ نکال کر رکھ لیتے تھے۔ خرچ کا حساب کتاب نوٹ کرتے وقت چندہ کی رقم سب سے اوّل اور اوپر تحریر کرتے تھے۔ آپ نہایت محنتی، جفاکش، فرض شناس، منتظم اور نڈر تھے۔ جوشیلی طبیعت اور ہمت مردانہ کے مالک تھے۔ اسلام اور احمدیت کے لئے بہت غیرت رکھتے تھے۔ اولاد کو تعلیم دلانے اور تربیت کرنے میں بے حد دلچسپی لیتے تھے۔ پنج وقت نماز کے پابند اور تہجد گزار تھے۔ ہر تکلیف اور پریشانی میں دُعا کرتے اور حضرت اقدسؑ کی خدمت میں عریضہ برائے دُعا ارسال کرتے۔ آپ ملازمت کے فرائض اتنی محنت اور تن دہی سے ادا کرتے تھے کہ ایک نہایت محنتی انگریز آفسر مسٹر برینفورڈ MR. BRANFORD نے کئی بار آپ کو جا کر کہا "خدا کے لئے اپنے آپ کو ہلاک مت کرو۔" فرمایا کرتے تھے کہ تقریباً پچاس سالہ دورِ ملازمت میں کبھی مَیں نے اپنے افسر سے ترقی نہیں مانگی۔ بلکہ خود بخود افسر میری ترقی کے لئے لکھتے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ ترقی دیتا رہا۔

گھر میں اردو زبان مروّج ہونے کے باعث خود بھی اُردو بولتے تھے اور پنجابی زبان بھول گئے تھے. فرمایا کرتے تھے. کہ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو کبھی پنجابی بولتے نہیں سُنا بلکہ ہمیشہ اردو ہی بولتے سُنا ہے۔"[1]

اولاد حضرت شاہ صاحب نے چھ[2] شادیاں کیں۔ آپ کے ہاں حسب ذیل اولاد ہوئی:۔

۱۔ سیّدہ امۃ الرحمٰن صاحبہ

۲۔ سیّد ظہور حسین صاحب

۳۔ سیّدہ رقیہ بیگم صاحبہ

۴۔ ڈاکٹر سیّد ظہور احمد شاہ صاحب ریٹائرڈ اسسٹنٹ پروفیسر پنجاب وٹرنری کالج سابق مبلغ احمدیت جزائر فجی۔

۵۔ سیّدہ صفیہ بیگم صاحبہ (مدفون بہشتی مقبرہ قادیان)

۶۔ سیّدہ آمنہ بیگم صاحبہ مانسہرہ (بیوہ سیّد مقصود علی شاہ صاحب مرحوم)

۷۔ سیّد منظور احمد صاحب۔

۸۔ سیّدہ کنیز فاطمہ صاحبہ

۹۔ سیّدہ احمدی خاتون صاحبہ

۱۰۔ میجر سیّد محمود احمد شاہ صاحب بی اے (ریٹائرڈ) سابق ایڈمنسٹریٹو آفیسر کراچی۔

۱۱۔ سیّدہ محمودہ خاتون صاحبہ اہلیہ ملک سعید احمد صاحب. شکاگو امریکہ۔

۱۲۔ سیّدہ مبارکہ بیگم صاحبہ جہلم۔

۱۳۔ سیّد مسعود احمد شاہ صاحب بی اے کراچی۔

۱۴۔ لفٹیننٹ سیّد منصور احمد شاہ صاحب شہید مصر. (وفات ۱۵ رجولائی ۱۹۴۲ء)

۱۵۔ بریگیڈیئر ریٹائرڈ سیّد ممتاز احمد شاہ صاحب، ممبر رائل کالج آف وٹرنری سرجنز. سابق ڈائریکٹر ریماؤنٹ وٹرنری فارمز G.H.Q. حال ڈیفنس سوسائٹی کراچی۔

---

[1] الفضل ۱۳ر نومبر ۱۹۵۵ء صہ ۵۔

۱۶۔ سیّدہ ممتاز جہاں صاحبہ بی اے۔ بی ٹی (علیگ) لاہور

۱۷۔ سیّد مقصود احمد شاہ صاحب کراچی۔

۱۸۔ میجر ریٹائرڈ سیّد منوّر احمد شاہ صاحب لاہور۔

۱۹۔ ڈاکٹر سیّد رفیق احمد شاہ صاحب ایم بی بی ایس لاہور

۲۰۔ سیّدہ نصیرہ بیگم صاحبہ

۲۱۔ سیّدہ بشریٰ بیگم صاحبہ

۲۲۔ سیّد سعید احمد صاحب۔

۲۳۔ سیّد ناصر احمد شاہ صاحب۔

۲۴۔ سیّدہ زہرہ خاتون صاحبہ۔

۲۵۔ سیّد ظفر احمد شاہ صاحب

۲۶۔ سیّد جمیل احمد شاہ صاحب[۱]

۸۔ حضرت سیّد علی احمد صاحبؓ مہاجر رجاولی ضلع انبالہ

(ولادت اندازاً ۱۸۹۲ء[۲]۔ بیعت و زیارت ستمبر ۱۹۰۷ء۔ ہجرت قادیان ۱۹۲۴ء۔ وفات یکم نومبر ۱۹۵۵ء۔)

آپ کی خود نوشت روایات میں لکھا ہے:۔

"سن بیعت ۱۹۰۷ء۔ سن زیارت حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۱۹۰۷ء۔ سیّد عبدالحی عرب کا نکاح سنور میں ہوا۔ رخصتانہ کے ساتھ مَیں قادیان دارالامان وارد ہوا۔ اور یہاں مدرسہ میں پڑھنے لگا اور تیسری کا امتحان دے کر چوتھی میں آیا۔ مَیں اپنی خالہ زوجہ عبدالحی عرب کی وجہ سے اندرونِ خانہ جایا کرتا تھا۔ اور کئی بار حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کا رُقعہ لے کر تازہ وحی لکھانے لے گیا جو مَیں کچھ پڑھ بھی لیتا تھا اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی وفات و دفن کا منظر مجھے خوب یاد ہے۔ اور حضور کا

۱۔ شجرہ نسب مطبوعہ (مرتبہ میجر سیّد محمود احمد شاہ صاحب کراچی ۱۹۵۲ء)

۲۔ "الفضل" ۱۵؍اکتوبر ۱۹۵۶ء صہ۳۔ (مضمون سیّد اعجاز احمد شاہ صاحب ابن حضرت سیّد علی احمد صاحب)

جا۔نماز پر مسجد مبارک میں ایک جانب کھڑے ہونا بھی یاد ہے۔ سیر کے لئے جانا بھی یاد ہے۔ حضورؑ کے چہرۂ مبارک کو میں ٹکٹکی لگائے دیکھا کرتا تھا اور اسی میں محو رہا۔ اور حضور کا میری طرف دیکھنا بھی یاد ہے۔ خاکسار علی احمد عفا اللہ عنہ ۴۸-۲-۴۔

میرا نکاح اوّل حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے قادیان میں پڑھا۔[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سیّدنا امیر المومنین کی ولایت سے واپسی پر میں ہجرت کر کے دارالامان میں آگیا۔ علی احمد عفا اللہ عنہ ۴۸-۲-۴ ۔[2]

حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل نے آپ کی وفات پر لکھا کہ :-

"وہ میرے رفیق قدیم تھے ان سے پہلے پہل مجھے ۱۹۰۶ء میں تعارف ہوا۔ جب میں اخبار "بدر" قادیان میں کام کرتا تھا اور وہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے پاس ایک پرچہ پر تازہ وحی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلم مبارک رقم سے حسبِ معمول لکھی ہوئی بدر میں شائع ہونے کے لئے لائے پھر جب کاتب لکھ چکا اور کاپی پریس میں لے جائی گئی اور پروف نکلا تو حضور علیہ السلام کے ملاحظہ کے لئے انہی کے ہاتھ بھیجا گیا۔ دریافت کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ ان کی قریبی رشتہ دار اندرونِ خانہ سیّدہ اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں رہتی ہے۔ اس لئے ان کو یہ سہولت اور یہ فخر حاصل ہے۔ اور ابھی بچے ہیں۔ بستی کے مشہور و معروف افغان خاندان کے افراد مہاراجہ پٹیالہ کی مختلف خدمات پر مقرر تھے انہی میں سے ایک مخلص احمدی امام علی صاحب کی بیٹی ان کے رشتۂ مناکحت میں آئی۔ ان کے والد براڑہ سے دو تین میل دُور ایک بستی رجاڈلی نام ایک خانقاہ کے متولی تھے۔ جس کے ساتھ بیسیوں بیگھہ زمین معافی کی ان کے نام تھی اور وہ گدّی نشین تھے اور ہزاروں مریدوں اور معتقدین کے مرجع تھے والد کی وفات پر یہی (سیّد علی احمد صاحب) جانشین ہوئے۔ چونکہ یہ احمدی تھے اور نہایت مخلص اور والہ و شیدائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ انہوں نے اعلان کر دیا کہ میں یہاں کوئی خلافِ شریعت اسلامیہ اَمر نہ خود کروں گا نہ ہونے دوں گا۔ رقص و سرود اور دیگر بدعات یکسر موقوف۔ آپ آئیں ہیں علماء فضلاء منگوا کر ان کا وعظ کراؤں گا۔ آپ لوگوں کی دعوت بدستور ہو گی۔ مگر کوئی غیر شرع کارروائی روا نہ رکھی

---

[1] ۱۹۱۲ء (الفضل ۱۰ نومبر ۱۹۵۵ء ص۶)۔ [2] "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۵ ص۱۰۹

جائے۔ اس پر وہ لوگ مایوس ہوگئے اور کئی مخالفت پر آمادہ۔ یہ خود بھی اس صورتِ حال سے بیزار تھے۔ اور دل سے چاہتے تھے کہ قادیان دارالامان ہجرت کر جاؤں۔ چنانچہ یہ سجادہ نشینی اور پیری مریدی کا قضیہ نامرضیہ اور سینکڑوں بیگھہ زمین معافی والی اور دوسری جائیداد منقولہ و غیر منقولہ چھوڑ کر قادیان آگئے۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا۔ یہاں چند سال تو رجاؤلی جاکر مزارعین سے بٹائی وغیرہ لے آتے۔ اور اس پر کشائش سے گذارہ کرتے۔ مگر پھر یہ صورت نہ رہی تو درویشانہ زندگی اختیار کر لی۔ تنہا نہیں تھے۔ بیوی بچے بھی ساتھ تھے۔ تنگ دستی بڑھی تو دفتر میں مددگار کارکن ہونا اختیار کر لیا۔ جس کی تنخواہ اس وقت دس گیارہ روپے سے زیادہ نہ تھی۔ زیادہ تر مقبرہ بہشتی کے دفتر کی ملازمت پسند کرتے۔ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں بھی برسوں خدمت بجا لاتے رہے[۱]۔ وہاں زیادہ خوش تھے اور ہر قسم کی مشقت و محنت برداشت کرتے۔ کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرے سامنے ان پر کئی مشکل وقت آئے۔ مگر وہ ہمیشہ صابر و شاکر رہے۔ اور کبھی شکوہ شکایت زبان پر نہیں لائے۔ فسادات ۱۹۴۷ء کے زمانے میں ان کے اہل و عیال تو لاہور آگئے۔ ایسے ہی میرے بھی۔ وہ میرے مکان پر آگئے اور کہا الحمد للہ آپ کی خدمت کا مجھے موقع ملے گا جس کی میں دیر سے خواہش رکھتا ہوں۔ میں نے معلوم کیا کہ وہ رات کو ۱۲ بجے تک تو برآمدے میں ٹہلتے رہتے اور درود و استغفار، ذکر و اذکار میں اور پھر حسبِ معمول تین بجے سے کچھ پہلے اُٹھ کر نمازِ تہجد پڑھتے رہتے۔ اذانِ فجر تک۔ اور یہ ان کی پرانی عادت تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جب ربوہ کی بنیاد پڑی تو سید علی احمد صاحب بغیر اپنی معیشت و جائے رہائش کا خیال کئے من یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا و سعۃ پڑھتے ہوئے ربوہ پہنچ گئے اور اپنی بقیہ عمر عُسر کی حالت میں بطیبِ خاطر گذار دی۔ غفر اللہ لہ[۲]۔

آپ کو خلافت اور مرکز سے والہانہ محبت تھی اور باوجود تنگی ترشی کے مرکزِ سلسلہ سے باہر جانا گوارا نہیں تھا۔ آخری بیماری میں کئی دوستوں نے ربوہ چھوڑنے کا مشورہ دیا۔ مگر آپ کا ایک ہی جواب تھا اور وہ یہ کہ ساری عمر تو خلیفۂ وقت کے قدموں میں گذار دی۔ اب آخری عمر میں دُنیا کی

---

[۱] ۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۵ء۔ الفضل ۱۰ نومبر ۱۹۵۵ء ص۶ ۔ [۲] الفضل ۲۷ نومبر ۱۹۵۵ء ص۵ ۔

خاک چھاننے کے لئے کس طرح باہر چلا جاؤں۔ حضرت مصلح موعودؓ بھی آپ پر ہمیشہ نظرِ شفقت رکھتے تھے۔ چنانچہ اپنی جیبِ خاص سے حضور نے تجہیز و تکفین کا بندوبست فرمایا اور پھر خود ہی وصیت کے بقایاجات ادا کرکے انہیں موصیوں کے قبرستان میں دفن کرنے کا ارشاد فرمایا۔[1]

اولاد آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری چھ پشتوں میں ہر ایک کا ایک ہی لڑکا ہوتا رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے احمدیت کی برکت سے آپ کو سات لڑکے اور آٹھ بیٹیاں عطا کیں جن کی تفصیل یہ ہے :۔

(از اہلیہ اوّل لطیف النساء بیگم صاحبہ)

سیّدہ آمنہ بیگم صاحبہ۔ سیّدہ محمودہ بیگم صاحبہ۔ سیّدہ مبارکہ بیگم صاحبہ۔ سیّد اعجاز احمد صاحب[2]۔ سیّدہ عارفہ بیگم صاحبہ۔ سیّد امتیاز احمد صاحب۔ سیّدہ رضیہ بیگم صاحبہ (مرحومہ)۔

(از اہلیہ ثانی غفور النساء بیگم صاحبہ)

سیّدہ میمونہ اوّل (مرحومہ)۔ سیّد سجاد احمد صاحب۔ سیّدہ میمونہ صاحبہ (ثانی)۔ سیّد منیر احمد خلیل صاحب۔ سیّدہ ساجدہ بیگم صاحبہ۔ سیّد تنویر احمد صاحب۔ سیّد شاہ میر احمد صاحب۔ سیّد تبشیر احمد صاحب

۹۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؓ درد

(ولادت ۱۹ر جون ۱۸۹۴ء بمقام لدھیانہ۔ وفات ۷ر دسمبر ۱۹۵۵ء)۔

آپ کے والد ماجد حضرت ماسٹر قادر بخش صاحبؓ[3] (ولادت ۱۶ر اگست ۱۸۶۸ء۔ بیعت ۱۸۹۲ء۔ وفات ۱۰ر جولائی ۱۹۲۳ء)۔ سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ کے نہایت مخلص یکرنگ اور قدیم عشّاق میں سے تھے جنہیں حضور کے ۳۱۳ اصحابِ کبار میں شمولیت کا شرف حاصل تھا۔ حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری جنہیں اپنے اخلاص، خصوصی خدمات اور سرخی آسمانی نشان کے عینی شاہد کی حیثیت سے تاریخ احمدیت میں ایک خاص مقام حاصل ہے، آپ کے پھوپھا تھے۔ آپ نے احمدیت کی آغوش میں تربیت پائی۔ بچپن

---

[1] الفضل ۱۰ر نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔ [2] انسپکٹر بیت المال ربوہ

[3] تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۷ر ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۳ ، ۴ (از قلم مولانا عبدالرحیم صاحبؓ درد۔ آپ کا پہلا نام رحیم بخش تھا)

میں ہی آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کرنے اور حضور کے ارشادات سُننے اور ذہن نشین کرنے کا موقع مِلا۔ اِس طرح آپ کو مسیح محمدیؐ کے صحابہ میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی اور پھر بڑے ہوکر آپ نے اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی تمام زندگی خدمتِ اسلام میں بسر کی۔

آپ اُن ممتاز اور نامور مخلصین میں سے تھے جنہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد خلافتِ ثانیہ کے ابتدائی ایّام میں اپنی زندگی خدمتِ اسلام کے لئے وقف کی اور پھر وفات کے وقت تک اپنے اس عہد کو نہایت درجہ اخلاص، ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ اس شان اور خوبی سے نبھایا کہ جس پر آنے والی نسلیں فخر کریں گی۔ آپ نے آٹھ سال تک انگلستان میں تبلیغِ حق کا فریضہ ادا کرکے سرزمین مغرب میں اسلام کا بول بالا کیا اور اس طرح خدمتِ اسلام کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ مسجد فضل لندن جس کا سنگِ بنیاد سیّدنا حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ۱۹ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو اپنے دستِ مبارک سے رکھا تھا۔ آپ کے ہی دورانِ قیام میں تعمیر کے مراحل میں سے گذر کر پایۂ تکمیل کو پہنچی اور پھر آپ کے ہی زمانۂ قیام میں ۳ر اکتوبر ۱۹۲۶ء کو اس کا افتتاح ہؤا۔ انگلستان میں پہلی مسجد اپنی زیرِ نگرانی تعمیر کرانے اور پھر اہلِ مغرب کی سعید روحوں کو حلقہ بگوشِ اسلام کرکے اس مسجد کو آباد رکھنے کی سعادت آپ کے حصّہ میں آنی پہلے سے مقدّر تھی۔ ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست ٭ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جب ۱۹۲۴ء میں سیّدنا حضرت مصلح موعود تبلیغی اغراض کے تحت انگلستان تشریف لے گئے تو آپ کو وہاں حضور کی معیت میں جانے کا شرف حاصل ہؤا۔ حضور کے واپس تشریف لے آنے کے بعد آپ انگلستان مشن کے مبلغ انچارج اور امام مسجد لندن کی حیثیت سے وہیں مقیم رہے۔ اور نہایت کامیابی کے ساتھ فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کے بعد ۲۲ر اکتوبر ۱۹۲۸ء کو واپس تشریف لائے۔ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں آپ ۲ر فروری ۱۹۳۳ء میں دوبارہ انگلستان تشریف لے گئے۔ اور وہاں پانچ سال تک تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کرنے کے بعد ۹ر نومبر ۱۹۳۸ء کو قادیان تشریف لائے۔ آپ نے وہاں اپنے دورانِ قیام میں اس خوش اسلوبی سے تبلیغ کا فریضہ ادا کیا کہ انگلستان کے علمی طبقے میں اسلام کا خوب چرچا ہؤا۔ اور بالخصوص وہاں کا پریس اسلام اور ہادیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلّم کے اذکارِ مقدس سے گونج اُٹھا۔ انگلستان سے واپس آنے کے بعد آپ صدر انجمن میں مختلف عہدوں پر فائز رہ کر خدماتِ سلسلہ بجا لاتے رہے۔ ایک لمبا عرصہ آپ کو حضور کے پرائیویٹ سیکرٹری

کے طور پر کام کرنے کی سعادت میسر آئی۔ علاوہ ازیں تعلیم و تربیت، امور عامہ اور امور خارجہ کے شعبوں میں آپ نے ناظر کی حیثیت سے نہایت گرانقدر خدمات سرانجام دیں نیز کچھ عرصہ آپ نے انگریزی ترجمۃ القرآن کا کام بھی کیا۔ اور ایڈیشنل ناظر اعلیٰ کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔ عرصۂ دراز سے آپ ناظر امور خارجہ کے طور پر خدمات بجا لا رہے تھے۔ حتیٰ کہ وفات سے کچھ دیر قبل تک آپ دفتر میں مفوّضہ فرائض کی سرانجام دہی میں مصروف تھے۔ اور کام کے دوران میں آپ کو ضعف کا شدید دَورہ ہوا جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔ اور دو گھنٹے کی مختصر علالت کے بعد جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ نوّر اللّٰہُ مَرْقَدہٗ۔

حضرت دردؔ صاحب مرحوم نے اپنی زندگی جہاں خدمتِ اسلام کے لئے وقف کئے رکھی۔ وہاں آپ نے مسلمانانِ ہند کی بھی کچھ کم خدمات سرانجام نہیں دیں۔ جب سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۱۹۳۱ء میں کشمیر کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے اور کشمیر میں آزادی کی مہم کا پوری شدّت سے آغاز ہوا۔ تو اسی زمانے میں محترم دردؔ صاحب مرحوم نے کشمیر کمیٹی کے سیکرٹری کی حیثیت سے مسلمانانِ کشمیر کی بیش بہا خدمات سرانجام دیں۔ ایک زمانے میں آپ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رکن کے طور پر بھی خدمات بجا لاتے رہے۔ پھر ۱۹۳۴ء میں جبکہ آپ انگلستان میں تھے۔ آپ نے وہاں قائدِ اعظم مسٹر محمد علی جناح مرحوم سے متعدد ملاقاتیں کیں اور انہیں ہندوستان واپس جا کر مسلمانوں کی سیاسی قیادت سنبھالنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ قائدِ اعظم مرحوم نے واپس آنے سے قبل جب ۶ اپریل ۱۹۳۳ء کو مسجد احمدیہ لندن میں عید الاضحیٰ کے موقع پر ہندوستان کے مستقبل کے متعلق تقریر فرمائی تو اس کے ابتداء میں محترم دردؔ صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

"امام مسجد نے مجھے ترغیب دی اور اس ترغیب میں ان کی فصاحت و بلاغت نے میرے لئے کوئی راہِ فرار نہیں چھوڑی۔ ان کی پُرزور تحریک کی وجہ سے مَیں سیاسی سٹیج پر کھڑا ہونے کے لئے مجبور ہوا ہوں۔ ان کے انگریزی الفاظ یہ تھے :۔

"THE ELOQUENT PERSUATION OF THE IMAM LEFT ME NO ESCAPE."[1]

---

[1] انقلابِ عظیم کے متعلق انذار و بشارات ص ۱۹ از حضرت سیّد ولی اللہ شاہ صاحب۔

یعنی امام صاحب کی فصیح و بلیغ تحریک نے میرے لئے کوئی راہ بچاؤ کی نہیں چھوڑی۔

آپ کا بلند پایہ لٹریچر

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمی ریسرچ کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا چنانچہ دیگر تبلیغی اور دینی مصروفیات کے ساتھ ساتھ علمی ریسرچ کا سلسلہ آخر دَم تک جاری رہا اور آپ نے متعدد کُتب انگریزی اور اردو زبان میں تصنیف فرمائیں۔ ان میں "لائف آف احمد" ۔ "اسلامی خلافت"۔ "مسلمان عورت کی بلند شان"۔ "بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ اور انگریز" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ "لائف آف احمد" جلد ۱ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سوانح حیات پر مشتمل ہے، ایک ضخیم کتاب ہے اور سلسلہ کی تاریخ کے اعتبار سے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ آپ اس کی مزید دو۲ جلدیں تیار کرنے اور ان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ پیش کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

اس بلند پایہ لٹریچر کے علاوہ آپ کے قلم سے مندرجہ ذیل کُتب بھی شائع ہوئیں :۔

"اسلامی البم"

"الہدیٰ"[1]۔ "تاریخ اندلس"

"روئیداد جلسہ جوبلی"۔

وفات میں شہادت کا رنگ

آپ کی وفات شہادت کا رنگ رکھتی ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ ۷ر دسمبر ۱۹۵۵ء کا واقعہ ہے۔ آپ دفتر میں تشریف لائے۔ طبیعت پوری طرح ہشاش بشاش تھی۔ ناظر اعلیٰ حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔ اے کے کمرے میں اُن کی میز کے ہی ایک طرف بیٹھ کر آپ کام کرتے رہے۔ سوا بارہ بجے دوپہر کے قریب آپ نے کچھ تکان محسوس فرمائی اور یک لخت ضعف کا شدید دَورہ ہُوا۔ اور حالت غیر ہونے لگی۔ گرم دودھ وغیرہ پلانے اور ہاتھ پاؤں دبانے سے طبیعت سنبھل گئی۔ اس اثناء میں حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحب بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے دوائی بھجوائی اور پھر اس حال میں کہ آپ مسکراتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ آپ کو گھر پہنچا

---

[1] اس کا عربی ایڈیشن بھی "مؤسس الجماعۃ الاحمدیہ و انکلیز" کے نام سے چھپ چکا ہے۔

دیا گیا۔ سوا ۵ بجے کے قریب آپ کو ضعف کا پھر شدید دَورہ ہؤا اور آپ نصف صدی سے زائد عرصہ تک اسلام اور احمدیت کی اَن تھک خدمات بجا لانے کے بعد عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔

آپ کی وفات کی خبر تمام ربوہ میں آناً فاناً پھیل گئی۔ اور لوگ کثرت کے ساتھ آپ کی رہائش گاہ کی طرف آنے شروع ہو گئے۔ وفات کی خبر موصول ہوتے ہی صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے دفاتر میں باقی وقت کے لئے فوراً تعطیل کا اعلان کر دیا گیا۔[1]

اگلے روز ۸؍ دسمبر ۱۹۵۵ء کو نمازِ ظہر کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے احاطۂ بہشتی مقبرہ میں آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جس میں اہلِ ربوہ ہزاروں کی تعداد میں شریک ہوئے۔ نمازِ ظہر کے بعد آپ کا جنازہ بہشتی مقبرہ لے جایا گیا۔ جہاں سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اور کافی دُور تک کندھا دیا۔ چارپائی کے ساتھ بڑے بڑے بانس باندھ دیئے گئے تھے۔ تاکہ احباب آسانی کے ساتھ کندھا دے سکیں۔ سپردِ خاک کرنے سے قبل احباب جماعت کو چہرہ دیکھنے کا موقعہ دیا گیا۔ لوگ احمدیت کے فدائی اور دیرینہ مخلص خادمِ سلسلہ کے چہرے کی آخری جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔ اور ایک دُوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ چنانچہ اس بات کا انتظام بھی کیا گیا کہ سب احباب قطار میں باری باری گذر کر چہرے پر آخری نظر ڈال لیں۔ یہ منظر نہایت دَردناک تھا۔ ضبط کے باوجود اکثر احباب کی آنکھوں سے آنسو رَواں تھے۔ جب سب احباب چہرہ دیکھ چکے تو آپ کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ قبر تیار ہوتے پر حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی نے دُعا کرائی۔[2]

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دَرد نے جس ایثار و اخلاص سے سلسلہ کی خدمت کی وہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ نے ایک نوٹ میں اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے لکھا:۔

"مکرم دَرد صاحب سلسلہ عالیہ احمدیہ کے درخشندہ گوہر۔ اُن صادق وفاداروں اور سچّے خدام میں سے تھے جنہوں نے اپنی زندگی سلسلہ کے لئے وقف کر دی۔ اور آخر دَم تک اس پر قائم رہے۔ دین کو دُنیا پر عملی طور پر مقدّم کیا۔ آج اُن کے کالج فیلو بڑے بڑے مناصب پر فائز ہیں۔ اور ہزاروں روپیہ تنخواہ

---

[1] الفضل ۹؍ دسمبر ۱۹۵۵ء صٰ۸۔ [2] الفضل ۱۰؍ دسمبر ۱۹۵۵ء صٰ۱۔

لے رہے ہیں. لیکن درد صاحب مرحوم و مغفور نے سلسلہ کی خاطر درویشانہ زندگی کو امیرانہ زندگی پر ترجیح دی۔"[1]

مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری نے اپنے قلبی تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:۔

"عربی مقولہ ہے "موت العالِم موت العالَم" کہ عالم کی موت جہان کی موت ہوتی ہے. کیونکہ حقیقی عالم کا وجود دُنیا کے لئے نفع رساں وجود ہوتا ہے. اس کی زندگی خالق کی مرضی کو پُورا کرتے ہوئے مخلوق کے فائدہ میں صرف ہوتی ہے. ایسے وجُودوں کے اُٹھ جانے سے واقعی دُنیا میں ایک موت طاری ہو جاتی ہے. حضرت مولوی عبدالرحیم درد رضی اللہ عنہ ان اہلِ علم انسانوں میں سے تھے جو ممّا رزقنٰھم ینفقون کے مطابق اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے انعامات و مواہب سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے میں زندگی گذارتے ہیں. وہ اپنے علم، اپنی عقل، اپنی فراست اور اپنے اثر و رسوخ سے دوسروں کا بھلا کرنے میں کبھی کمی نہ کرتے تھے. روپے کی انہیں خود بہت تنگی تھی. تاہم بقدر امکان اس پہلو میں بھی کوتاہی نہ کرتے تھے. سال ہا سال تک اُن کے ساتھ رہنے اور تعاون دیکھنے کے نتیجہ میں مجھے معلوم ہے کہ حضرت درد صاحب رضی اللہ عنہ سلسلہ احمدیہ کے ان سچے اور وفادار خادموں میں ایک نمایاں وجود تھے. جو عُسر و یُسر اور حالت آرام و تنگی میں خدا کے دین کی خدمت کا قطعی فیصلہ کر چکے تھے. انہوں نے عملاً پوری وفاداری اور کامل اخلاص و محبت کے ساتھ اس فیصلہ کو نافذ کیا ہے. بہت سے مراحل ان کی زندگی میں ایسے آئے ہیں جب کھوکھلے انسان ثابت قدم نہیں رہ سکتے. لیکن حضرت درد صاحب نے ان تمام منزلوں کو نہایت خُوبی اور خوبصورتی سے طے کیا ہے. احمدیت اور اسلام کے لئے اُن کی بے انتہا عقیدت کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ وہ دن رات خدمتِ دین کرتے تھے. اور پھر ہمیشہ یہی کہتے تھے اور اسی احساس سے معمُور رہتے تھے کہ میں اپنا فرض پُورا نہیں کر رہا. وہ نہ صرف خود علمی اور ٹھوس کام کرنے کے عادی تھے بلکہ ہمیشہ ہی اپنے ملنے والوں اور دوستوں کو ہر روز نصیحت کرتے تھے کہ گہری تحقیق اور پُوری ریسرچ سے کتابیں اور مضامین لکھے جائیں. انہیں دینی علوم سے خاص شغف تھا اور جدت اور تحقیق ان کی طبیعت کا خاصہ تھا. اپنے احباب اور دوستوں کے ساتھ پوری وفاداری اور کامل خلوص کے ساتھ پیش آتے

---

[1] الفضل ۱۰ر دسمبر ۱۹۵۵ء صہ۸

تھے۔ دوستی نبھانے میں بھی حضرت درؔد صاحب منفرد تھے۔ مگر بایں ہمہ جب جماعت اور دین کا سوال آجاتا تھا تو حضرت درؔد صاحبؓ کو ہر قسم کی دوستی اور محبت کو قربان کر دینے میں ذرا بھی دریغ نہ ہوتا تھا۔ وہ جماعت کے نظام کے قیام کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پر آمادہ تھے۔ مَیں نے سفر و حضر اور جلوت و خلوت میں انہیں احمدیت کا نہایت غیور اور اپنے امام ہمام کا سچّا عاشق صادق پایا تھا۔[۱]"

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے تاثرات

قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے نے حضرت مولانا درؔد صاحب کے حادثۂ انتقال پر حسب ذیل مضمون رقم فرمایا:۔

"محترمی درؔد صاحب ایک نہایت مخلص خاندان کے فرد تھے۔ ان کے والد مرحوم ماسٹر قادر بخش صاحب لدھیانوی قدیم اور مخلص صحابہ میں سے تھے اور ان کے پھوپھا حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوریؓ کو تو جماعت کا ہر فرد جانتا ہے۔ منشی محمد عبداللہ صاحب سنوریؓ کا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اپنی کتاب "ازالہ اوہام" میں نہایت درجہ محبت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور ان کے اخلاص اور تقویٰ شعاری کی بہت تعریف کی ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اپنا وہ قمیص عنایت فرمایا جس پر خدائی روشنائی کے چھینٹے پڑے تھے۔ اور جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ارشاد کے مطابق حضرت منشی صاحب مرحوم کے ساتھ ہی مقبرہ بہشتی قادیان میں دفن کر دیا گیا۔ بلکہ جیسا کہ میری تصنیف "سیرت المہدی" میں مذکور ہے، درؔد صاحب مرحوم کی پھوپھی مرحومہ کی شادی بھی حضرت منشی محمد عبداللہ صاحب مرحوم کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ارشاد پر ہی ہوئی تھی۔ اس طرح درؔد صاحب ایک ایسے مبارک خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو احمدیت کی تاریخ میں ایک خاص شان رکھتا ہے۔ درؔد صاحب خود بھی صحابی تھے اور ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی بعض باتیں بھی یاد تھیں۔ جن میں سے بعض کا ذکر "سیرت المہدی" میں آچکا ہے۔ مگر درؔد صاحب کی ذاتی خدمات کا سلسلہ خلافت ثانیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ درد صاحب اور مَیں نے ایم اے کا امتحان اکٹھا پاس کیا تھا جس کے بعد وہ کچھ عرصہ ضلع ہوشیارپور کے ایک ہائی سکول میں ملازم رہے۔ مگر بہت جلد ہی وہاں سے فراغت حاصل کر کے سلسلہ حقّہ کی خدمت

---

[۱] الفضل ۱۰ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳

میں آگئے اور جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۲۱-۱۹۲۰ء میں نظارتیں قائم کیں تو ابتدائی ناظروں میں سے درد صاحب بھی ایک صیغہ کے ناظر مقرر ہوئے اور اس وقت سے لے کر آج تک جو بینتیس سال کا عرصہ بنتا ہے۔ درد صاحب نے اس وفاداری اور جاں نثاری کے ساتھ اس خدمت کو نبھایا جو انہی کا حصّہ تھی۔ کبھی اپنی تنخواہ میں ترقی کا مطالبہ نہیں کیا۔ کبھی کوئی حق نہیں مانگا۔ بلکہ جو کچھ بھی سلسلہ کی طرف سے ملا اسے کامل رضا اور پُورے صبر و شکر کے ساتھ قبول کیا۔ مجھے یاد ہے کہ جب ہم شروع میں خدا کے ساتھ عہد باندھ کر سلسلہ کی خدمت میں آئے تو میری ہی تجویز پر ہم دونوں نے یہ عہد کیا تھا کہ خدا کی توفیق سے ہم ہمیشہ سلسلہ کی خدمت میں زندگی گزاریں گے۔ اور کبھی کسی معاوضہ یا ترقی یا حق کا مطالبہ نہیں کریں گے اور میرے لئے انتہائی خوشی اور درد صاحب کے خاندان کے لئے انتہائی فخر کا مقام ہے کہ درد صاحب نے اس عہد کو کامل وفاداری کے ساتھ نبھایا اور مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کے مقام پر فائز ہو گئے اور میرا انجام خدا کو معلوم ہے۔ گو مَیں بھی اپنی کمزوریوں کے باوجود خدا کی رحمت کا امیدوار ہوں۔ درد صاحب کا خاص وصف یہ تھا جس میں مجھے بھی اکثر اوقات ان پر رشک آتا تھا کہ اگر کبھی حضرت صاحب کی طرف سے یا انجمن وغیرہ کی طرف سے ان کی کسی بات پر گرفت ہوتی تھی۔ (اور گرفت سے کون انسان بالا ہے) تو وہ اسے انتہائی صبر اور ضبط کے ساتھ برداشت کرتے تھے اور اپنی بریت کا معاملہ بھی صرف خدا پر چھوڑتے تھے۔

غالباً ۱۹۲۴ء میں درد صاحب کو لندن مشن میں پہلی دفعہ مبلغ بنا کر بھجوایا گیا۔ جہاں انہوں نے ۱۹۲۸ء تک کام کیا۔ اور اسی زمانہ میں لندن مسجد کی بنیاد رکھی گئی اور اسی زمانہ میں وہ تعمیر ہوئی۔ اس کے بعد وہ دوبارہ ۱۹۳۳ء میں لندن گئے اور ۱۹۳۸ء میں واپس آئے۔ یہ وہی زمانہ ہے جس میں ہمارے خاندان کے چار بچوں نے ولایت میں تعلیم پائی اور درد صاحب کمال محبت سے ان کی سرپرستی فرماتے رہے۔ اس کے بعد درد صاحب نے ولایت سے واپس آکر اکثر زمانہ نظارت تعلیم و تربیت اور نظارت دعوت و تبلیغ میں گذارا مگر ان کا خاص کام نظارت امور خارجہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جہاں وہ غیر معمولی طور پر کامیاب رہے۔ درد صاحب کو حکومت کے افسروں اور غیر از جماعت اصحاب کے ساتھ ملنے کا خاص ڈھنگ آتا تھا۔ اور وہ ان ملاقاتوں میں غیر معمولی طور پر کامیاب رہتے تھے۔ مزاج کی سادگی اور کچھ مالی تنگی کی وجہ سے ان کا لباس بہت ہی سادہ بلکہ بعض اوقات درویشانہ رنگ کا ہوتا تھا۔ مگر لوگوں سے اس قابلیت اور

وقار کے ساتھ ملتے تھے کہ وہ بہت جلد ان کے زیرِ اثر آجاتے تھے اور درد صاحب اکثر اپنی بات منوا کر ہی اُٹھتے تھے۔ بظاہر حالات مجھے امید نہیں کہ جماعت کو قریب کے زمانہ میں درد صاحب جیسا کامیاب ناظر امورِ خارجہ میسر آئے۔ ولعل اللّٰہ یحدث بعد ذالک امراً۔

کچھ عرصہ درد صاحب نے انگریزی ترجمۂ قرآن کریم کے بورڈ میں بھی کام کیا جس میں حضرت مولوی شیر علی صاحب مرحوم اور ملک غلام فرید صاحب ایم اے اور چودھری ابوالہاشم خان صاحب مرحوم اور یہ خاکسار کام کرتے تھے اور درد صاحب کی قابلیت بورڈ کے لئے بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوتی تھی۔

جیسا کہ مَیں نے اُوپر عرض کیا ہے۔ میرے ساتھ ذاتی تعلّقات درد صاحب کے ۱۹۱۶ء میں یعنی آج سے چالیس سال قبل شروع ہوئے اور ہم نے نہایت درجہ محبت اور اخلاص کے ساتھ یہ زمانہ گذارا۔ اور نظارتوں میں آنے کے بعد تو ہم گویا مسلسل رفیقِ کار ہی رہے۔ درد صاحب اکثر میری رائے پر اعتماد کرتے تھے اور مجھے بھی اکثر ان کے مشورہ پر اعتماد ہوتا تھا۔ اور گو بعض اوقات ہماری رائے میں اختلاف بھی ہو جاتا تھا۔ (واختلاف امّتی رحمۃ)۔ مگر درد صاحب کی محبت کا یہ انداز تھا کہ وہ اکثر میری رائے پر اعتماد کرکے اپنی رائے ترک کر دیتے تھے۔ گو بعض اوقات مجھے بعد میں محسوس ہوتا تھا کہ حالات کے لحاظ سے درد صاحب کی رائے ہی زیادہ مناسب تھی۔ مجھے وہ آخری دفعہ چند دن ہوئے لاہور میں عزیز مظفر احمد کے مکان پر آکر ملے۔ دراصل وہ میری اور اُمّ مظفر احمد کی عیادت کے لئے وہاں آئے تھے۔ اور اس سے قبل بھی کئی دفعہ آچکے تھے۔ لیکن اس دفعہ ایسا خدائی تصرّف ہُوا کہ جب مَیں انہیں رخصت کرنے کے لئے مکان سے باہر گیا تو انہیں رخصت کرتے ہوئے ان سے غیر معمولی طور پر بغل گیر ہو کر ملا۔ غالباً اس میں تقدیر کا یہ اشارہ تھا کہ اب یہ تم دونوں کی آخری ملاقات ہے۔ میرے علاوہ درد صاحب کے زیادہ تعلقات عزیزم مرزا عزیز احمد صاحب ایم اے ناظر اعلیٰ اور عزیزم میاں ناصر احمد صاحب اور عزیزم مرزا ظفر احمد اور عزیزم مرزا مظفر احمد اور مکرمی ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور مکرمی چودھری فتح محمد صاحب سیال (جن کے ساتھ بعد میں ان کا رشتہ بھی ہو گیا) اور مکرمی شیخ بشیر احمد صاحب اور مکرمی چودھری اسداللہ خانصاحب اور مکرمی راجہ علی محمد صاحب کے ساتھ تھے۔ مگر حقیقتہً ان کا حلقہ ملاقات بہت وسیع تھا۔ اور بہت سے غیر از جماعت معزز اصحاب ان کے دوستوں میں شامل تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ تو درد صاحب کو خاص محبت اور

عقیدت تھی اور ان کے دل میں حضرت صاحب کا خاص اکرام تھا اور حضور کو بھی ان پر بہت اعتماد تھا۔ جب ہوشیار پور مصلح موعود والا جلسہ فروری ۱۹۴۴ء میں ہوا تھا تو اس میں اور بعض بعد کے جلسوں میں بھی درد صاحب نے ہی مصلح موعود والی پیشگوئی حاضرین کو سنائی تھی۔ اس موقع پر درد صاحب کو اس وجہ سے چنا گیا تھا کہ ان کے پھوپھا صاحب یعنی حضرت منشی عبداللہ صاحب مرحوم ان ایام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ جب حضور نے ہوشیار پور میں چلّہ کشی کی اور انہی ایام میں مصلح موعود والے الہامات ہوئے۔۔۔۔" [1]

حضرت مصلح موعودؓ کی زبانِ مبارک سے حضرت مولانا عبدالرحیم درد کا ذکرِ خیر

حضرت مصلح موعودؓ نے ۹؍دسمبر ۱۹۵۵ء کے خطبہ جمعہ میں آپ کی شاندار علمی، تبلیغی اور سیاسی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

"اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے ماتحت پرسوں درد صاحب اچانک حرکتِ قلب بند ہو جانے کی وجہ سے فوت ہو گئے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک نے فوت ہونا ہے۔ درد صاحب تو اتنے بڑے پایہ کے آدمی نہیں تھے۔ ان سے بڑے بڑے پایہ کے لوگ بھی وفات پا گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ آپ کے چاروں خلفاء وفات پا گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام وفات پا گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ وفات پا گئے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے صحابہؓ ایک ایک کر کے وفات پا گئے۔ خود ان کے والد ماسٹر قادر بخش صاحب اور ان کے خسر میاں عبداللہ صاحب سنوری جو پرانے صحابہؓ میں سے تھے، فوت ہو گئے۔ پس فوت تو سب نے ہونا ہے۔ لیکن یہ طبعی بات ہے کہ پرانا تعلق ہونے کی وجہ سے صدمہ زیادہ ہوتا ہے۔ ۱۹۱۲ء سے درد صاحب کا میرے ساتھ تعلق تھا۔ ۱۹۱۴ء میں وہ قادیان سلسلہ کی خدمت کے لئے آ گئے تھے۔ ۱۹۲۴ء میں وہ انگلستان مبلّغ بن کر گئے تھے۔ پھر دوبارہ ۱۹۳۳ء میں انگلستان گئے۔ اور قریباً ۷ سال وہاں رہے۔ غرض وہ دو دفعہ مبلّغ بن کر انگلستان گئے۔ پہلی دفعہ ۱۲؍جولائی ۱۹۲۴ء کو قادیان سے روانہ ہوئے اور ۲۲؍اکتوبر ۱۹۲۸ء کو واپس آئے۔ اور دوسری دفعہ ۲؍فروری ۱۹۳۳ء کو قادیان سے روانہ ہوئے۔ اور ۹؍نومبر ۱۹۳۸ء کو واپس آئے۔ قادیان میں وہ سالہا سال تک صدر انجمن احمدیہ کے

---

[1] روزنامہ "الفضل" ۱۴؍دسمبر ۱۹۵۵ء صہ ۳ و ۲۔

ناظر رہے۔ اور سلسلہ کے اہم عہدوں پر کام کرتے رہے۔ اتنے لمبے عرصہ تک جس شخص کے ساتھ تعلق رہا ہو۔ اس سے طبعاً محبت ہو جاتی ہے۔ ایک انسان کسی مکان میں لمبے عرصہ تک رہے تو اس سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔ پھر ایک انسان جس کے ساتھ روزانہ واسطہ پڑتا ہو۔ اس سے تو لازماً محبت ہو جاتی ہے۔ اس لئے گو دردؔ صاحب کی وفات کوئی عجیب چیز نہیں۔ لیکن ان سے دیرینہ تعلق کی بنا پر ان کی وفات سے میرے دل کو اور دوسرے دوستوں کے دلوں کو بھی صدمہ پہنچنا ایک طبعی بات تھی حضرت مسیح علیہ السلام کو جب صلیب پر چڑھانے کا وقت قریب آیا تو آپ نے دُعا کی۔ کہ اے اللہ میری رُوح تو تیرا حکم ماننے کے لئے تیار ہے۔ مگر میرا جسم کمزور ہے۔ پس جسمانی طور پر ایسی چیزوں کا صدمہ ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ دردؔ صاحب کی اچانک وفات سے مجھے بھی صدمہ ہُوا........ مجھے یاد ہے جب ہم نے دردؔ صاحب کو ولایت بھیجا ہے۔ ان کی تنخواہ سو روپے ماہوار تھی۔ چندہ اور دوسری کٹوتیوں کے بعد انہیں ساٹھ روپے ماہوار ملتے تھے۔ جس میں سے بڑا حِصّہ وہ اپنی والدہ کو بھیج دیتے تھے۔ ان کی دوؔ بیویاں تھیں اور ان میں سے ہر ایک کے چار چار پانچ پانچ بچے تھے۔ وہ ہمارے مکان کے ہی ایک حِصّہ میں جو کچّا تھا اور جس میں رہنا آج کل کے کلرک بھی پسند نہیں کرتے رہتی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ مجھے یہ معلوم کر کے سخت صدمہ ہُوا کہ ان کی بیویوں کے حِصّہ میں چار چار پانچ پانچ بچّوں سمیت صرف چودہ چودہ روپے ماہوار آتے تھے۔ اَب تو چودہ روپے وظیفہ پر بھی لڑکے شور مچا دیتے ہیں۔ کہ یہ رقم بہت کم ہے۔ لیکن ان دنوں ان کی بیویوں کے حِصّہ میں بچّوں سمیت صرف چودہ چودہ روپے آتے تھے۔ ان کی ایک بیوی کے بھائی جلد ساز تھے۔ جن کے پاس فرمہ شکنی کے لئے جب کوئی کتاب آتی۔ تو وہ اس سے فرمے منگوا لیتی تھیں اور وہ خود اور دوسری بیوی فرمے توڑ توڑ کر کچھ رقم پیدا کر لیتیں جس سے ان کا گزارہ چلتا۔ اَب دیکھو ایک شخص ایم اے ہے اور سب ججی کے لئے اسے آفر OFFER آچکی ہے۔ وہ تبلیغ کے لئے ملک سے باہر جاتا ہے۔ سلسلہ کو اتنی توفیق نہیں ہوتی۔ کہ وہ اس کے بیوی بچّوں کو مناسب گزارہ دے سکے۔ اس کی بیویوں کو اپنے گزارہ کے لئے فرمے توڑنے پڑتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس نے نہایت ثابت قدمی سے سلسلہ کی خدمت میں چالیس سال کا عرصہ گزار دیا ..... دردؔ صاحب جب سلسلہ کی خدمت کے لئے آئے تو ان کی عمر زیادہ نہ تھی۔ لیکن اس عمر میں بھی ان کے وقار کا یہ حال تھا۔ کہ ہم انہیں بڑے سے بڑے افسر سے بھی ملنے کے لئے بھیج دیتے تو وہ نہایت کامیابی کے ساتھ

جماعت کی نمائندگی کر کے آجاتے تھے۔ اگر ہم انہیں کہتے کہ وائسرائے سے ملاقات کے لئے جاؤ۔ تو وہ فوراً اس کی ملاقات کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ اور کامیاب طور پر اسے مل کر آتے تھے۔ کونسل کے ممبروں کے پاس انہیں بھیجا جاتا تو وہ بغیر کسی جھجک کے چلے جاتے۔ اور نہایت کامیابی کے ساتھ سلسلہ کے کام بجالاتے۔ ان کے دل میں کبھی بھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا تھا کہ وہ لوگ بڑے درجہ کے ہیں اور مَیں کمزور انسان ہوں۔ اس وقت مَیں کالج کے پروفیسروں کے متعلق بھی یہ خیال نہیں کرتا کہ باوجودیکہ اس وقت ملک کی حکومت اپنی ہے۔ انہیں اگر گورنر کے پاس بھی بھیجا جائے تو وہ کامیابی کے ساتھ کوئی کام کر سکیں۔ لیکن درد صاحب کے اندر یہ یقین پایا جاتا تھا کہ گو مَیں کمزور انسان ہوں لیکن یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے۔ پھر مَیں اسے کیوں نہیں کر سکتا۔ اور مَیں سمجھتا ہوں ہر شخص کے اندر یہ مادہ پایا جانا ضروری ہے۔ اگر کسی انسان میں یہ مادہ پیدا ہو جائے تو اس کی زبان میں برکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور لوگ اس کی بات سُننے لگ جاتے ہیں۔ چودھری فتح محمد صاحب۔ میاں بشیر احمد صاحب۔ درد صاحب اور سیّد ولی اللہ شاہ صاحب سب اکٹھے آئے تھے اور ان میں سے ہر ایک کو خدا تعالیٰ نے چالیس چالیس سال تک سلسلہ کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو ان میں سے زندہ افراد کو لمبی زندگی عطا کر کے اور زیادہ خدمت کی توفیق بھی دے سکتا ہے حضرت مسیح علیہ السّلام کو ہی لے لو۔ ہمارے نزدیک وہ ۱۲۰ سال تک زندہ رہے۔ پس گو ان کی عمریں زیادہ ہو چکی ہیں۔ کوئی ۶۲ سال کا ہے کوئی ۶۴ سال کا ہے اور کوئی ۶۵ سال کا ہے۔ اور میری عمر تو اس وقت ۶۷ سال کی ہو چکی ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ میں یہ طاقت ہے کہ وہ ہم میں سے بعض کو صحت والی عمر دے کہ ان سے اس وقت تک کام لے لے جب تک جماعت کے نوجوانوں کے اندر بیداری نہ پیدا ہو جائے۔ اور وہ سمجھنے نہ لگ جائیں کہ ہمیں سلسلہ کا بوجھ اُٹھانے کے لئے آگے آنا چاہیئے۔

پس مَیں نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ وہ دین کی خدمت کے لئے آگے آئیں۔ اور صرف آگے ہی نہ آئیں بلکہ اس ارادہ سے آگے آئیں کہ انہوں نے کام کرنا ہے"۔[1]

---

[1] الفضل ۱۸؍دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ تا ۶۔

اولاد حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد کو ہر دو بیویوں سے اولاد عطا ہوئی اس کی تفصیل یہ ہے:۔
(پہلی بیوی محترمہ سارہ درد صاحبہ بنت میاں محمد اسماعیل صاحبؓ تاجر کتب آف مالیر کوٹلہ مہاجر قادیان سے)

۱۔ عطاء الرحمٰن درد صاحب۔
۲۔ عطیہ درد صاحبہ مرحومہ (اہلیہ چوہدری محمد سلیم احمد صاحب)
۳۔ رضیہ درد صاحبہ (اہلیہ پروفیسر مسعود احمد صاحب عاطف)
۴۔ خاتم النساء درد صاحبہ (اہلیہ مولوی محمد شفیع صاحب اشرف سابق مبلغ انڈونیشیا حال ناظر امور عامہ)۔
۵۔ لطف الرحمٰن درد مرحوم۔
۶۔ حبیب الرحمٰن درد صاحب۔
۷۔ مجیب الرحمٰن درد صاحب (سابق قائد مجلس خدام الاحمدیہ ضلع لاہور)
۸۔ صفیہ درد صاحبہ (اہلیہ عبدالرزاق احمد صاحب)
۹۔ نعیم الرحمٰن درد صاحب۔
۱۰۔ نعیمہ درد صاحبہ (اہلیہ ملک رب نواز صاحب) بیعت مئی ۱۹۰۱ء[1]

(محترمہ مریم درد صاحبہ بنت حضرت مولوی عبداللہ سنوری صاحبؓ سے)

۱۔ ہاجرہ درد صاحبہ (اہلیہ چوہدری محمد اسلم صاحب)
۲۔ صالحہ درد صاحبہ
۳۔ فائزہ درد صاحبہ (اہلیہ حمید حسن منور صاحب)
۴۔ محمد عیسیٰ درد صاحب۔

۱۰۔ چوہدری فضل الٰہی صاحب امیر جماعت احمدیہ کھاریاں (ولادت ۱۸۸۲ء بیعت ۱۹۰۱ء)

چوہدری فضل الٰہی صاحب کے بیٹے عطاء الٰہی صاحب سلیم تحریر فرماتے ہیں:۔
"محترم والد صاحب مرحوم کی پیدائش قریباً ۱۸۸۱ء میں کھاریاں ضلع گجرات میں ہوئی۔ مروجہ طریق کے مطابق آپ نے مڈل تک تعلیم حاصل کی اور تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ پٹواری کے عہدہ

[1] الحکم ۱۷؍مئی ۱۹۰۱ صفحہ ۱۴

پر ملازم ہو گئے۔

آپ نے ۱۹۰۱ء

میں قادیان جا کر حضرت مسیح پاک کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ قادیان سے واپس گاؤں پہنچ کر آپ نے اپنے خاندان کے دیگر افراد کو تبلیغ کرنا شروع کی۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تھوڑے عرصہ میں کئی افرادِ خاندان احمدیت میں داخل ہو گئے۔ آپ کی تبلیغ سے ہی آپ کے والدین نے احمدیت قبول کی۔ احمدیت نے آپ کے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ باوجود جوانی کی عمر کے آپ نے ایسا نیک نمونہ ظاہر کیا کہ اپنے تو اپنے ہی تھے بیگانے بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ان دنوں آپ پٹواری تھے۔ لیکن احمدیت قبول کرتے ہی آپ نے اس ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ کیونکہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ اس ملازمت میں حلال رزق کی کمائی دشوار ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس قربانی کا بدلہ یوں دیا کہ عمر بھر آپ کو کسی ملازمت کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ اور نہایت عزت اور آرام سے زندگی بسر کی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک ...... قبلہ والد صاحب نے سلسلہ کی طرف سے ہر تحریک پر عمل کر کے نہ صرف السابقون الاوّلون کا مقام حاصل کیا۔ بلکہ مقامی امیر ہونے کی حیثیت سے دوسروں کے لئے بھی اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ چنانچہ کھاریاں کی جماعت میں آپ نے سب سے پہلے وصیت کی۔ اور آپ کے اخلاص ہی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے خاندان میں اکثر افراد موصی ہیں۔ تحریک جدید میں آپ بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے رہے اور تا دمِ آخر آپ باقاعدگی کے ساتھ چندہ تحریک جدید ادا کرتے رہے۔ جماعت احمدیہ کھاریاں کے امیر ہونے کی حیثیت سے آپ نے قریباً تیس سال تک سلسلہ کی خدمت کی۔

امارت کے علاوہ آپ میونسپل کمیٹی کے قریباً پندرہ سال تک پریذیڈنٹ رہے ہیں۔ اس فریضہ کو بھی آپ نے نہایت دیانت داری اور عمدگی سے نبھایا۔ آپ کی صفات میں سے آپ کی سادگی بہت نمایاں تھی۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی مالی حالت بہت اچھی تھی اور دینی و دُنیاوی لحاظ سے آپ کو اچھا مقام حاصل تھا۔ لیکن ظاہرداری اور تکلّف آپ کے اندر نام کو نہ تھا۔ انتہائی سادگی سے آپ نے اپنی زندگی بسر کی۔ آپ کی دیانت داری کے نہ صرف اپنے بلکہ بیگانے بھی معترف تھے۔ آپ کے پاس لوگ اکثر اپنے زیورات اور نقدی وغیرہ بطور امانت رکھ جاتے۔

سلسلہ کے اموال میں تو آپ حد درجہ احتیاط برتتے اور کیا مجال تھی کہ ایک پائی کی بھی کمی بیشی ہونے پاتی۔ آپ کی ذاتی صفات میں ایک نمایاں صفت آپ کا حلیم الطبع ہونا تھا۔۔۔ آپ ہمیشہ حلم اور صبر سے کام لیتے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ دین کے معاملہ میں حد درجہ غیور بھی تھے۔ سلسلہ کے معاملات میں تو آپ بہت زیادہ غیور تھے اور اگر کسی سے آپ نے کبھی ناراضگی کا اظہار بھی کیا تو صرف ایسے مواقع پر جہاں سلسلہ کی عزّت اور وقار کا سوال ہوتا۔ آپ نے اپنی زندگی میں متعدد مناظرے اور جلسے بایں غرض کروائے تاکہ سلسلہ کے متعلق غلط فہمیاں دُور ہوں۔ آپ خود سلسلہ کے احکامات اور شرعی امور کے سختی سے پابند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اگر سلسلہ یا شریعت کے خلاف عمل کا مظاہرہ دیکھتے تو آپ کو بہت ناگوار گذرتا اور باحسن طریق اس کی اصلاح کی کوشش کرتے۔ احکام شریعت اور کُتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آپ کو خاصا عبور حاصل تھا۔ غرباء کے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے اور حتّی الامکان ہر غریب اور محتاج کی مدد کرتے۔ یہی وجہ ہے حضرت والد صاحب کی وفات کے موقع پر ہر طبقہ کے افراد نے بہت ہمدردی کا اظہار کیا"[1]

فصل ششم

بعض دیگر مخلص اور جاں نثار خدام احمدیت کی وفات

یہ سال حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کے الفاظ میں "عام الحزن" تھا جس میں سلسلہ احمدیہ کے بہت سے جلیل القدر اصحاب کے علاوہ کئی اور مخلص بزرگ اور سلسلہ کے متعدد جاں نثار خادم انتقال کر گئے۔ مثلاً

۱۔ حضرت مولوی عبد المغنی خانصاحبؓ سابق ناظر دعوت و تبلیغ

۲۔ حضرت حکیم فضل الرحمٰن صاحبؓ سابق مبلغ افریقہ و افسر لنگر خانہ۔

---

[1] الفضل ۱۷ / نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ (مضمون از عطاء الٰہی صاحب سلیم)

۳۔ حضرت مولوی نذیر احمد علی صاحبؓ مبلغ افریقہ۔

۴۔ حضرت صوفی مطیع الرحمٰن صاحبؓ بنگالی سابق مبلغ امریکہ۔

۱۔ حضرت مولوی عبدالمغنی خانصاحبؓ

حضرت مولوی صاحب قوم کے پٹھان تھے۔ آپ کی ولادت اپنے آبائی وطن قائم گنج ضلع فرخ آباد (صوبہ یو۔پی بھارت) میں ہوئی۔ صدر انجمن احمدیہ کے ریکارڈ کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش اکتوبر ۱۸۸۵ء ہے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی نامدار خان اور دادا کا نام کامدار خان تھا۔ نامدار خان ریاست حیدر آباد کے پولیس فورس میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر فائز تھے۔ مولوی صاحبؓ کی پرائمری تک تعلیم قائم گنج کے مقامی سکول میں ہوئی۔ اس کے بعد اٹاوہ چلے گئے جہاں بورڈنگ ہاؤس میں رہائش اختیار کرکے ہائی سکول کی تعلیم حاصل کی۔ کالج کی تعلیم بی۔ ایس۔ سی تک علی گڑھ میں حاصل کی۔

آپ کا واقعہ قبولِ احمدیت بہت ایمان افروز ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "جب مَیں اٹاوہ میں بورڈنگ ہاؤس میں تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل سے عبادت کی خاص الخاص لذت سے روشناس کیا۔ ان ایام میں اللہ تعالیٰ رات کی تنہائی میں ایسے میٹھے سبق پڑھاتا کہ ان کی لذت میرے دل اور رُوح کے ایک ایک گوشے میں سما جاتی۔ فرمایا یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک جاری رہا۔ لیکن پھر اچانک ایک دن بند ہوگیا اور اس کے بعد باوجود میری انتہائی بے تابی اور بے قراری اور گریہ وزاری کے پھر جاری نہ ہُوا۔ جب میری بے قراری انتہا کو پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ کچھ عرصہ بعد تم ایک شخص سے ملوگے۔ اب اس کے ذریعہ ہی یہ سلسلہ تمہارے لئے دوبارہ جاری ہوگا۔"

مندرجہ بالا واقعہ اٹاوہ کا ہے۔ جبکہ آپ ابھی ہائی سکول کے طالب علم تھے۔ چند سال بعد جب آپ علیگڑھ کالج میں داخل ہوئے تو وہاں طلباء کی مجلسوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اور احمدیت کا ذکر مخالفانہ رنگ میں آپ کے کانوں میں پڑنے لگا۔ ایک روز کسی ایسی ہی مجلس میں کسی شخص نے حضرت اقدس علیہ السّلام کے متعلق کہا کہ مرزا صاحب تو (نعوذ باللہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ فرمایا مَیں نے جب یہ سُنا تو مَیں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبت کی وجہ سے چاہا کہ اس شخص کے خلاف جس کی طرف یہ گستاخی منسوب کی جارہی ہے۔ (یعنی حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف) کچھ کہوں لیکن وہ الفاظ جو میرے دل میں تھے ابھی حلق تک نہیں پہنچے تھے کہ فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوا کہ خبردار اس شخص کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نہ نکلے یہ وہی برگزیدہ ہے جس کے ذریعے وہ سلسلہ تمہارے لئے دوبارہ جاری ہوگا جو اٹاوہ میں منقطع ہوا تھا۔

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے کچھ ہی عرصہ بعد میں قادیان گیا اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرکے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی سے مشرف ہوا[۱]"۔ یہ ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۰ء کا واقعہ ہے[۲]۔

۱۹۱۴ء میں آپ بی۔ ایس۔ سی کا امتحان دے کر سیدھے قادیان آئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی آخری بیماری کے ایام میں تیمارداری میں ہمہ تن حصّہ لیا اور حضور کی وفات کے بعد اپنی خدمات حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے حضور پیش کردیں۔ حضور نے آپ کی پیشکش منظور فرماتے ہوئے آپ کا پہلا تقرر تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں بطور سائنس ٹیچر کیا۔ جس کی تصدیق صدر انجمن احمدیہ قادیان کے کاغذات میں باقاعدہ طور پر ۱۵ ۔ نومبر ۱۹۱۶ء سے ہوتی ہے[۳]۔ ۱۹۱۹ء میں جب پہلی بار حضرت اقدس مصلح موعود نے نظارتوں کی تشکیل فرمائی تو آپ پہلے ناظر بیت المال مقرر ہوئے۔ ۱۵ ۔ ۱۶ ر اپریل ۱۹۲۲ء کی اوّلین مجلس مشاورت[۴] سے لے کر جب تک ناظر رہے مرکزی نمائندہ کی حیثیت سے شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

جولائی ۱۹۲۴ء میں حضرت مصلح موعودؓ نے سفر یورپ کے لئے روانگی سے قبل ایک مشاورتی کمیٹی تجویز فرمائی تھی جس کے بارہ ممبروں میں سے چوتھا ممبر آپ کو نامزد کیا اور فرمایا " ماسٹر عبدالمغنی صاحب کی بھی میں قدر کرتا ہوں۔ سلسلہ کے کاموں کے تفکرات کی وجہ سے وہ بوڑھے ہوگئے ہیں۔ ان کی عمر اتنی نہیں جتنی عمر کے وہ نظر آتے ہیں۔ لیکن مالی معاملات میں اعتراضوں اور تنبیہوں کی وجہ سے وہ جوانی

---

۱ الفضل ۱۲ر جنوری ۱۹۶۰ء صـ۳ ۔ ۲ خصوصی ریکارڈ "شعبہ تاریخ احمدیت" ربوہ۔

۳ الفضل ۱۰ر جنوری ۱۹۶۰ء صـ۳ (مضمون جناب محمد رفیع الزمان خانصاحب ریٹائرڈ بریگیڈیئر)

۴ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۲ء صـ۳ زیر نمبر ۲۷۔

ہیں ہی بوڑھے ہو گئے ہیں۔"[۱]

۲۶ر مارچ ۱۹۳۹ء کو جلسہ خلافت جوبلی کے پروگرام کی تکمیل کے لئے ایک سب کمیٹی مقرر ہوئی جس کے ایک ممبر آپ بھی تھے۔ اس سب کمیٹی کی تجاویز مشاورت ۱۹۳۹ء میں پیش کی گئیں جن پر حضرت مصلح موعودؓ نے فیصلہ جات فرمائے۔ اور انتظامات کی سرانجام دہی کے لئے پانچ رُکنی کمیٹی مقرر فرمائی۔ جس کے صدر چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب تھے اور ایک ممبر آپ بھی تھے۔[۲]

نظارت بیت المال میں ۱۷ سال کام کرنے کے بعد ۱۹۳۶ء میں آپ کا تبادلہ ہوا اور آپ ناظر دعوت و تبلیغ مقرر ہوئے۔ یکم نومبر ۱۹۴۵ء کو ۶۰ سال کی عمر ہو جانے پر حسب قواعد صدر انجمن احمدیہ آپ ریٹائر ہوئے۔ لیکن چارج دینے کے دوسرے ہی روز حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو تحریک جدید میں وکیل التبشیر مقرر فرمایا۔ تقسیم مُلک پر جب صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر پاکستان آئے تو اوّل لاہور میں اور بعد ازاں ربوہ میں آپ بیک وقت ناظر دعوت و تبلیغ اور وکیل التبشیر کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ جن سے ۱۹۵۱ء میں آخری مرتبہ سبکدوش ہوئے۔[۳]

مئی ۱۹۵۵ء میں آپ شدید بیمار ہوئے اور ۱۹ر اگست ۱۹۵۵ء کو آپ میو ہسپتال لاہور کے امرتسر وارڈ (مغربی سرجیکل) میں داخل کئے گئے۔[۴]

اسی دوران آپ نے مولوی عبدالکریم صاحب (پسر حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب حلال پوری) کے ذریعہ یہ پیغام بھجوایا کہ "میرے تمام بھائیوں کو کہہ دیں کہ ممکن ہے کہ اَب یہ میرا آخری سفر ہو۔ اور مَیں آپ لوگوں سے اَب نہ مل سکوں اس لئے اگر مجھ سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو مجھے معاف کر دیں اور میرے لئے دُعائیں کرتے رہیں۔"[۵]

آپ ۴ر ستمبر ۱۹۵۵ء کو انتقال کر گئے۔ ۵ر ستمبر ۱۹۵۵ء کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب امیر مقامی نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ کو بہشتی مقبرہ ربوہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔[۶]

۱؎ الفضل ۲۲ر جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۵، ۶۔ ۲؎ روئیداد جلسہ خلافت جوبلی از حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ ناشر مینجر بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان۔ ۳؎ الفضل ۱۰ر جنوری ۱۹۶۱ء صفحہ ۳۔ ۴؎ الفضل ۹ر ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ ۵؎ الفضل ۳۰ر اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۸۔ ۶؎ الفضل ۶ر ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

حضرت مصلح موعودؓ کا خراج تحسین

حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء خطبہ جمعہ میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مولوی عبد المغنی خانصاحب بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے ابتدائی زمانہ میں اپنی زندگی وقف کی۔ وہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قادیان میں ہجرت کر کے آگئے۔ اور پھر وفات تک مرکز میں ہی رہے۔ اور سلسلہ کے مختلف عہدوں پر نہایت اخلاص اور محبت کے ساتھ کام کرتے رہے[۱]۔"

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا نوٹ

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے آپ کی وفات پر تحریر فرمایا:۔

"مولوی صاحب مرحوم غالباً حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۱۹۱۲ء میں اپنے وطن قائم گنج ضلع فرخ آباد یو پی سے قادیان ہجرت کر کے آئے تھے۔ اور پھر ملکی تقسیم کے بعد تک مسلسل خدمتِ سلسلہ میں مصروف رہے۔ نہایت مخلص اور صابر اور شاکر بزرگ تھے۔ نمازوں کے انتہا درجہ پابند اور نماز باجماعت کے دلی شائق تھے۔ صاحبِ کشف و رؤیا بھی تھے۔ مگر اس کا ذکر کم کرتے تھے۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ساتھ نہایت درجہ اخلاص رکھتے تھے۔ اور سلسلہ کی ہر چھوٹی بڑی خدمت کو بڑی توجہ اور سرگرمی سے ادا کرتے تھے۔ ملکی تقسیم کے بعد انہیں اوپر تلے دو جوان بچّوں (ایک لڑکی اور ایک لڑکے) کی وفات کا صدمہ پہنچا۔ مگر اس بندۂ خدا نے اس صدمہ پر انتہے صبر سے کام لیا جو اسی کا حصّہ تھا۔ ان کے جواں سالہ لڑکے کی وفات اُن ایام میں ہوئی۔ جب حضرت صاحب پر قاتلانہ حملہ ہُوا تھا۔ وہ اس کا جنازہ لاہور سے ربوہ لا رہے تھے کہ ایک عزیز نے جسے اس کی وفات کا علم نہیں تھا۔ ان سے بچّہ کی خیریت پوچھی۔ مولوی صاحب نے جواب میں کہا پہلے حضرت صاحب کی خیریت بتاؤ اور جب یہ معلوم ہُوا کہ حضور خیریت سے ہیں تو بلند آواز سے الحمد للہ کہا۔ اور اس کے بعد پوچھنے والے کو بتایا کہ بچّہ کا جنازہ لا رہا ہوں۔

مولوی صاحب مرحوم شروع میں تعلیم الاسلام ہائی سکول میں ٹیچر رہے اور کچھ عرصہ بعد جب نظارتیں

---

[۱] روزنامہ الفضل ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ ۔

بنیں تو حضرت صاحب نے انہیں ناظر بیت المال مقرر فرما دیا جس کام کو انہوں نے بڑی سرگرمی اور توجہ کے ساتھ نبھایا اور اس کے بعد کئی سال تک ناظر دعوۃ و تبلیغ بھی رہے۔ اور انجمن کی طرف سے ریٹائر ہونے پر کچھ عرصہ تحریک جدید میں بھی کام کیا۔ طبیعت بہت نرم پائی تھی اور کسی کی دُکھ کی داستان سُن کر دل فوراً پسیج جاتا تھا۔ اور ایسے موقعوں پر بعض اوقات اتنی نرمی کر بیٹھتے تھے جو نظم و ضبط کے لحاظ سے درست نہیں سمجھی جاتی تھی۔ مگر یہ کمزوری بھی ان کی شرافت اور رحم دلی کا نتیجہ تھی۔ مزاج میں تصوف کا رنگ تھا اور اردو اور فارسی ادب کے ساتھ بھی اچھا شغف تھا۔ اور اردو کے بہت سے شعراء کا کلام یاد تھا۔ مزاج میں بہت سادگی تھی اور دوست نواز بھی بہت تھے۔ مَیں جب بھی اُن کے مکان پر جاتا تو بڑی محبت سے مہمان نوازی کا حق ادا کرتے۔"[1]

جناب گیانی عباد اللہ صاحب کا بیان

جناب گیانی عباد اللہ صاحب سکالر سکھ لٹریچر نے چشم دید واقعات کی بناء پر بتایا کہ :-

" مجھے حضرت مولوی صاحب مکرم سے ۱۹۳۷ء سے جب کہ آپ نظارت بیت المال سے تبدیل ہو کر ناظر دعوۃ و تبلیغ مقرر ہوئے۔ اَب تک تعلق رہا ہے۔ اور اس لمبے عرصہ میں مجھے آپ کو قریب سے دیکھنے کے بھی کئی مواقع میسّر آئے۔ آپ کی گفتار اور کردار سے ہمیشہ نیکی اور تقویٰ ہی ظاہر ہُوا۔

آپ کے دل میں غیر مُسلم قوموں میں تبلیغ اسلام کا بہت جوش تھا۔ آپ کی یہ تڑپ تھی کہ ہندوستان کی ہندو اور سکھ وغیرہ غیر مُسلم قومیں جلد سے جلد حلقہ بگوشِ اسلام ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان پیشگوئیوں کو پُورا کرنے والی بنیں جو حضور نے غیر مُسلم قوموں خصوصًا ہندوؤں اور سکھوں کے اسلام قبول کرنے کے بارہ میں فرمائی ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمیشہ آپ کی یہ کوشش رہی تھی کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی طرف سے اچھے سے اچھا، اعلیٰ سے اعلیٰ ہندی اور گورمکھی لٹریچر شائع ہو تاکہ زبان کی غیریت کی بناء پر ہندو اور سکھ اسلام ایسی نعمت سے محروم نہ رہیں۔ آپ جتنا عرصہ نظارت دعوۃ و تبلیغ میں ناظر رہے آپ کی اس طرف خاص توجہ رہی آپ کو جہاں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے پہلے ناظر بیت المال تھے وہاں آپ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ آپ کے زمانہ میں نظارت دعوۃ و تبلیغ کی طرف سے

---

[1] الفضل ۱۶ ستمبر ۱۹۵۵ء صـ ۳ ۔

سکھوں اور ہندوؤں میں تبلیغ کے لئے ہندی اور گورمکھی کا معیاری لٹریچر کثرت سے شائع ہوا چنانچہ آپ کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لیکچر پیغام صلح کا ہندی اور گورمکھی ترجمہ ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوا۔ جسے ہندوؤں اور سکھوں نے بہت پسند کیا۔ اس کے علاوہ آپ کے زمانہ میں ہی قادیان سے ہندی کا ماہوار رسالہ "ہندوؤں میں تبلیغ کے لئے" اور گورمکھی ماہوار رسالہ "سکھوں میں تبلیغ کے لئے" شائع ہوا۔ اُن کے زمانہ میں نظارت دعوۃ و تبلیغ کی طرف سے جتنے بھی گورمکھی میں یا اُردو میں سکھوں کے لئے تبلیغی ٹریکٹ یا مضامین شائع ہوئے۔ ان کا بیشتر حصہ آپ کی ہی ہدایات اور نگرانی میں تیار ہوا۔ آپ کا یہ طریق تھا ایک ایک مضمون کو کئی کئی مرتبہ سُنتے۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ میں اس مضمون میں درج شدہ کوئی شبد سُناتا تو آپ اس کے معنی دریافت کرنے کے بعد اس مضمون کی قرآن شریف کی آیت یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شعر سُنا دیتے جسے اس مضمون میں شامل کر لیا جاتا۔

آپ جب کبھی احمدی مبلغین کو تبلیغی دَوروں پر بھجواتے تو انہیں موقع اور محل کے مطابق کچھ نہ کچھ نصائح اور ہدایات بھی فرماتے۔ جب مجھے پہلی مرتبہ یو۔پی اور سی۔پی کے تبلیغی دَورہ پر جانے کا موقع میسر آیا تو آپ نے بہت محبت اور شفقت سے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور فرمانے لگے کہ:۔

"آپ ایک احمدی مبلغ ہیں اور احمدی مبلغ کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ جہاں بھی جائے احمدیت کے متعلق پیدا شدہ غلط فہمیوں کو دُور کرے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو احمدی بنائے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے آپ لوگوں کو احمدی بنانے میں کامیاب نہیں ہوتے۔ تو پھر آپ کا رویّہ ایسا ہونا چاہئیے کہ لوگ احمدیت کے دوست ضرور بن جائیں"[1]

ایک تحریر آخر میں حضرت مولوی عبدالمغنی خانصاحب کی تحریر کا ایک نمونہ (جو مستقبل کی احمدی نسلوں کے لئے ایک قابلِ قدر پیغام کی حیثیت رکھتا ہے) ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ آپ نے نظارت بیت المال کی سالانہ رپورٹ (۳۳-۱۹۳۲ء) کے ابتداء میں بطور تمہید لکھا:۔

خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم نے اُس مسیح پاک کے زمانہ کو پایا جس کے لئے پیشتر کی اُمتیں آرزومند

---

[1] الفضل ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ (حضرت مولوی صاحب کی سیرت و شمائل پر جناب وقیع الزمان صاحب نے ایک مقالہ سپردِ قلم کیا تھا جو اخبار الفضل ۱۰ جنوری تا ۱۵ جنوری ۱۹۶۰ء میں بالاقساط شائع ہوا۔

تھیں اور حسرت کرتے ہوئے دُنیا سے چلی گئیں۔ کیسا فضل و احسان ہے اس ذاتِ باری کا کہ ہمیں یہ زمانہ میسّر ہُوا۔ اور ہمیں اُس جہاد میں شامل کیا گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بروز حضرت مسیح موعود والمہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا شیطان کے مقابلہ میں ہونا مقدر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ذریعہ اور پہلے نبیوں کے نوشتوں میں بتلایا گیا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے متبعین کے مقابلہ میں شیطان اپنی تمام طاقت کے ساتھ برسرِ پیکار ہوگا۔ اور یہ شیطان کی آخری جنگ ہوگی جس میں حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے متبعین غالب آئیں گے اور شیطان کا زور توڑ دیا جائے گا۔

پس اَے احمدی جماعت! اس مبارک جنگ کے لئے اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کی مصداق ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بروز حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے جھنڈے کے نیچے لانے کے لئے تیرا انتخاب مبارک ہو۔ اس پر جس قدر فخر کیا جائے بجا ہے۔ لیکن جس قدر کسی پر کوئی انعام ہوتا ہے۔ اسی قدر اس پر ذمہ داری بھی عائد ہو جاتی ہے۔ گو یہ ذمّہ داری اس انعام کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ جو انعام کہ ابدالآباد کے لئے اس صلہ میں حاصل ہوتا ہے۔

یہ جہاد تیر و تفنگ کے ساتھ نہیں بلکہ یہ ثابت کرنے کے لئے ہے کہ اسلام کی ترقی کا راز اس کا ذاتی حُسن و کمال اور اس کے پاک تاثیرات ہیں۔ جس نے دُنیا کی حالت کا نقشہ بدل دیا تھا اور اسی طرح اَب بھی اسلام ترقی کرے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ثابت کر دیا کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ بُرہانِ نیّرہ اور دلائل قاطعہ اور اپنے ذاتی حسن و کمال سے بڑھا اور پھیلا ہے کیونکہ جس نے اس کی خوبیوں کو دیکھا اور اس کا پھل کھایا۔ اُس کی نظر میں دُنیا و مافیہا ایک نہایت حقیر چیز نظر آئی۔ اس کے لئے دُنیا کی کوئی طاقت یا خوبصورتی ایسی نہ تھی جو اُس کے مقابلہ میں مرعوب اور گرویدہ بنا سکے۔ اور دکھلا دیا کہ اس کی ذاتی کشش ہی تھی جو پہلے اور اب دُنیا کو اپنا حلقہ بگوش بنائے چلی جا رہی ہے۔ پس یہ خدا کا برگزیدہ دُنیا میں آیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں حیرت انگیز تبدیلی کر کے دُنیا سے رخصت ہُوا۔ اور اپنے بقیّہ کام کی تکمیل سنّت اللہ کے ماتحت متبعین کے لئے چھوڑ گیا۔

اَب اے احمدی جماعت! ہاں وہ جماعت جسے تیرہ سو سال پیشتر سے خُدا تعالیٰ نے اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کے وعدے کے مطابق صحابہ کے ساتھ شامل فرمایا ہے۔ تیرا فرض ہے کہ تو غور کرے کہ کس قدر انعام و احسان ہے کہ خدا نے اپنے وعدے کے مطابق اپنے کام کے لئے تجھے چُنا ہے تا دیکھے کہ تو بھی صحابہ کی

پہلی جماعت کی طرح کس حدتک اپنی ذمہ داریوں کو پُورا کرتی ہے۔

جن کے ہمدوش ہونے کا تجھے دعویٰ ہے اور جن کے کارہائے نمایاں مخفی نہیں انہوں نے خدا کی راہ میں اسلام کی خاطر اپنی عزیز سے عزیز چیز، جان و مال، عزیز و اقارب قربان کر دینے میں کوئی دریغ نہیں کیا۔ اور جو کام اُن کے سپرد ہُوا۔ کماحقہٗ انجام دیکر رضی اللہ عنہم کی تاقیامت دُعائیں لیتے ہوئے دُنیا سے رخصت ہوئے۔

اَب اِس جماعت کے کام کرنے کا وقت آیا ہے۔ اِس نے بھی خدا کے مُرسل اور آپ کے خلفاء کے ذریعہ دین کو دُنیا پر مقدّم کرنے کا عہد باندھا ہے۔ آؤ دیکھیں اس عہد کو پُورا کرنے کے لئے ہم نے کیا کچھ کوشش کی ہے۔

اس وقت ہم سے جانوں کا مطالبہ نہیں ہے۔ اس جہاد میں صرف مالی قربانی کا مطالبہ ہے۔ وہ بھی تمام مال نہیں اس میں سے کچھ حصّہ بقدر سولہویں حصّے کے۔ اگر دیکھا جائے تو اس مالی قربانی کے مطالبہ کو پہلے نظائر کے پیشِ نظر قربانی کہنا ہی قربانی کی ہتک ہے۔ لیکن یہ خدا تعالیٰ کا مزید احسان ہے کہ ہماری اس حقیر سی مالی پیشکش کو قربانی قرار دے دیا گیا ہے[۱]۔"

اولاد

۱۔ سیّدہ بیگم صاحبہ (دو سال کی عمر میں فوت ہوئیں)۔

۲۔ تائنہ بیگم صاحبہ زوجہ محترمہ مکرم محمد وقیع الزّمان خانصاحب ریٹائرڈ بریگیڈیئر (وفات ستمبر ۱۹۴۸ء بعمر ۲۸ سال)

۳۔ عبدالشکور خانصاحب (وفات مارچ ۱۹۵۴ء بعمر ۴۲ سال)۔

۴۔ عبدالمنان خان صاحب۔

۲۔ جناب حکیم فضل الرّحمٰن صاحب مبلّغ مغربی افریقہ

الحاج حکیم فضل الرّحمٰن صاحب جماعت احمدیہ کی طرف سے افریقہ بھیجے جانے والے دوسرے خوش قسمت مجاہد احمدیت تھے جن کو ارضِ بلال میں کم و بیش اکیس سال تک خدمت دین کی توفیق ملی۔ آپ حضرت

---

[۱] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ۱۹۳۲-۳۳ء صفحہ ۸۴

[۲] الفضل ۱۰ ؍جنوری ۱۹۶۰ء صفحہ ۳۔

مسیح موعودؑ کے اصحاب میں سے ایک ممتاز بزرگ حضرت حافظ نبی بخش صاحب ساکن فیض اللہ چک (ضلع گورداسپور) کے فرزندِ ارجمند تھے۔ آپ پہلی مرتبہ حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر ۲۳ فروری ۱۹۲۲ء کو گولڈ کوسٹ (غانا) تشریف لے گئے اور سات سال تک تبلیغی جہاد میں سرگرم عمل رہنے کے بعد ۱۹۲۹ء میں واپس قادیان تشریف لائے۔ قیامِ افریقہ کے دوران ہی آپ کی والدہ فوت ہوگئیں۔ واپسی پر آپ کی شادی ہوئی جس کے چند سال بعد فروری ۱۹۳۳ء میں آپ کو دوبارہ مغربی افریقہ بھیجا گیا جہاں آپ چودہ سال تک تبلیغ دین کے مقدس فریضہ کی ادائیگی میں مصروف رہے۔ یہ زمانہ آپ کے لئے مسلسل جہاد کی حیثیت رکھتا تھا جس میں آپ نے اسلام کے کئی اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی یلغار کا نہایت بہادری اور جرأت سے مقابلہ کر کے انہیں شکست فاش دی جس کے بعد ان علاقوں میں احمدیت کی بنیادیں پہلے سے بہت زیادہ مضبوط ہوگئیں۔ اگرچہ اُسی زمانہ میں آپ کو اپنے والد ماجد کی وفات کا صدمہ بھی سہنا پڑا مگر اس نڈر اور جانباز سپاہی نے میدانِ جہاد کو چھوڑ کر واپس آنا گوارا نہ کیا۔ چنانچہ آپ کے بھائی محترم ملک حبیب الرحمٰن صاحب (سابق ڈپٹی انسپکٹر آف سکولز سرگودھا ڈویژن) نے ایک مرتبہ جناب مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری مرحوم کو بتایا کہ جہاں تک انہیں علم ہے حکیم صاحب نے کبھی حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں یا دفتر تبشیر کو اپنی وطن واپسی کی استدعا نہیں کی اور ۱۹۴۷ء کے آواخر میں جب آپ واپس تشریف لائے تو آپ بڑھاپے میں قدم رکھ چکے تھے اور آپ کی اہلیہ محترمہ بھی اوھیڑ عمر کو پہنچ چکی تھیں اور بچے جوان ہو چکے تھے۔ بایں ہمہ افریقہ سے مراجعت کے بعد بھی آپ زندگی کے آخری سانس تک نہایت اخلاص سے سلسلہ احمدیہ کی خدمات بجا لاتے رہے۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء کی ابتدا سے کچھ عرصہ تک آپ نے وکالت تبشیر اور نظارت دعوۃ و تبلیغ[1] میں خدمات انجام دیں جس کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو افسر لنگر خانہ و مہمان خانہ مقرر فرمایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کی خدمت میں آپ نے اپنے سارے اوقات وقف کر دیئے اور اپنے فرائض کی بجا آوری میں اس درجہ محنت سے کام لیا کہ آپ ہائی بلڈ پریشر اور یرقان کی خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہوگئے۔ بایں ہمہ کئی ماہ تک آپ مسلسل کام کرتے رہے اور بڑی مشکل سے بعض بزرگوں کے

---

[1] حال نظارت اصلاح و ارشاد۔

متواتر اصرار اور مشورہ پر جولائی ۱۹۵۵ء میں باقاعدہ علاج کے لئے لاہور گئے مگر بیماری آخری درجہ تک پہنچ چکی تھی۔ کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔ آخر ۲۸ راگست ۱۹۵۵ء[1] کو بعمر ۵۹ سال خالق حقیقی کا بلاوا آگیا۔ اور آپ ہمیشہ کے لئے مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کے ایمانی گروہ میں شامل ہو گئے۔

اخبار الفضل نے آپ کی وفات پر حسب ذیل خبر شائع کی :-

"ربوہ ۲۹ راگست۔ گہرے رنج و افسوس کے ساتھ یہ اطلاع احباب تک پہنچائی جاتی ہے کہ مکرم و محترم جناب حکیم فضل الرحمٰن صاحب کل دوپہر کو لاہور میں انتقال فرما گئے اور اس طرح تبلیغ ..... کے میدان کا ایک نہایت کامیاب اور بہادر سپاہی اور احمدیت کا ایک سچا اور مخلص فرزند ہم سے جدا ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔

محترم حکیم صاحب نے ۲۳ برس کے طویل عرصہ تک مغربی افریقہ میں جس کامیابی کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کیا اور محض تبلیغ اسلام کی خاطر، اپنے وطن، اپنے اہل و عیال اور اپنے دیگر عزیزوں سے قریباً ایک ربع صدی تک جدائی برداشت کرتے ہوئے جس غیر معمولی قربانی اور ایثار کا ثبوت دیا اس کی بناء پر آپ کا نام یقیناً ..... سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گا۔ اور آنے والی نسلوں کے لئے راہنمائی کا کام دے گا۔"[2]

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے خطبہ جمعہ ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء میں آپ کی خدمات جلیلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا :-

"خدا تعالیٰ نے اسلام کی اس عظیم الشان عمارت کی مرمت کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور آپ کو اس قلعہ کا پاسبان مقرر فرمایا تاکہ اسلام کی یہ گرتی ہوئی عمارت پھر اپنی بنیادوں پر استوار ہو جائے اور دشمن کے حملے ناکام ہو جائیں۔ چنانچہ آپ آئے اور آپ نے نئے سرے سے اس عمارت کے فرش اور دیواروں پر سیمنٹ کر دیا۔ اس کے اندر دوبارہ سفیدی کر دی۔ اس کے تمام سوراخ بند کر دیئے۔ اور اسے پھر ایک مضبوط قلعہ کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اب کسی کی طاقت نہیں کہ

---

[1] الفضل ۳۰ راگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۱، الفضل ۱۴ راکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ (مضمون مولانا نذیر احمد صاحب مبشر انچارج مشنری گولڈ کوسٹ (غانا)۔ [2] الفضل ۲۹ راگست ۱۹۵۵ء

وہ اسلام کی دیوار کو گرا سکے۔ پھر خدا نے اس عمارت کی صرف مرمّت ہی نہیں کی بلکہ ایک نئی فوج بھی تیار کر دی جو قلعہ کی حفاظت کے لئے اس کے سامنے کھڑی ہے۔ اَب دشمن کی مجال نہیں کہ وہ اس قلعہ کی طرف بڑھے اور اس پر حملہ کر سکے کیونکہ اس قلعہ کے محافظین کے دلوں میں خدا اور اس کے رسول کی محبت ہے وہ اس کی رضا کے لئے اپنے وطنوں کو چھوڑتے ہیں۔ اور غیر ملکوں میں سالہا سال تک رہ کر دین کی اشاعت کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ ہمارے مبلّغین میں ایسی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ انہوں نے اسلام کی اشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف کی اور شادی کے چند ہفتوں بعد ہی غیر ممالک میں چلے گئے۔ چونکہ میاں بیوی اگر ایک رات بھی اکٹھے رہیں تو بعض دفعہ حمل ہو جاتا ہے۔ اس لئے ان کے پیچھے ہی بچے پیدا ہوئے اور وہ سالہا سال تک اپنے باپ کی شکل تک دیکھنے کو ترستے رہے۔ ایک مبلّغ جو شادی کے معًا بعد تبلیغ اسلام کے لئے چلے گئے تھے۔ ان کا بچّہ ان کے جانے کے بعد پیدا ہُوا اور پھر بڑے ہو کر سکول میں تعلیم حاصل کرنے لگا۔ جب وہ دس سال کا تھا تو ایک دن وہ سکول سے اپنے گھر آیا اور اپنی ماں سے کہنے لگا کہ اماں لڑکے جب سکول میں آتے ہیں تو کہتے ہیں ہمارا ابّا یہ لایا۔ ہمارا ابّا وہ لایا میرا بھی کوئی ابّا ہے یا نہیں[1]"۔

اسی طرح حکیم فضل الرحمٰن صاحب جو حال ہی میں میرے پیچھے فوت ہوئے ہیں وہ شادی کے تھوڑا عرصہ بعد ہی مغربی افریقہ میں تبلیغ اسلام کے لئے چلے گئے اور تیرہ چودہ سال تک باہر رہے۔ جب وہ واپس آئے تو اُن کی بیوی کے بال سفید ہو چکے تھے اور ان کے بچے جوان ہو چکے تھے[2]"۔

اسی طرح حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے تحریر فرمایا کہ:۔

"حکیم فضل الرحمٰن صاحب ایک نہایت مخلص کارکن تھے جنھوں نے اپنے آپ کو عین نوجوانی میں سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف کیا اور پھر تقریبًا تئیس سال مغربی افریقہ کے مختلف علاقوں میں فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہے اور مُلکی تقسیم کے بعد واپس آ کر افسر لنگر خانہ کے اہم عہدہ پر مقرر ہوئے۔

---

[1] خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کی طرف اشارہ ہے (" الازہار لذوات الخمار" حصّہ دوم صفحہ ۱۷۴ طبع دوم ناشر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ ربوہ۔ تقاریر حضرت مصلح موعود)

[2] روزنامہ الفضل ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔

حکیم صاحب مرحوم ایک باہمت اور نہایت مخلص اور صابر و شاکر اور خدمت سلسلہ میں بشاشت اور خوشی کے ساتھ حصّہ لینے والے کارکن تھے۔ ان کی اہلیہ بھی ایک صابرہ اور شاکرہ خاتون ہیں[۱]"

۳۔ الحاج مولانا نذیر احمد علی صاحب رئیس التبلیغ مغربی افریقہ

الحاج مولوی نذیر احمد علی صاحب حضرت بابو فقیر علی صاحبؓ کے فرزند تھے۔ ۱۰ رفروری ۱۹۰۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ پہلی مرتبہ ۲۲ رفروری ۱۹۲۹ء کو گولڈ کوسٹ (مغربی افریقہ) تبلیغ اسلام کے لئے بھجوائے گئے جہاں مسلسل پانچ سال تک تبلیغی جہاد میں مصروف رہے اور ۱۵ رمئی ۱۹۳۳ء کو قادیان تشریف لائے۔ ازاں بعد یکم فروری ۱۹۳۶ء کو دوبارہ گولڈ کوسٹ تشریف لے گئے۔ ڈیڑھ سال بعد حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایات کے مطابق آپ سیرالیون میں نئے مشن کی بنیاد کے لئے ۱۰ راکتوبر ۱۹۳۷ء کو گولڈ کوسٹ سے روانہ ہو کر ۱۳ راکتوبر ۱۹۳۷ء کو سیرالیون کے دارالحکومت فری ٹاؤن پہنچے۔ سیرالیون میں آپ نے مسلسل آٹھ سال تک شاندار تبلیغی خدمات سرانجام دیں۔ اور باوجود شدید مخالفت کے احمدی جماعتوں میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۲ رفروری ۱۹۴۵ء کو آپ قادیان تشریف لائے تو حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کی سرفروشانہ اور مجاہدانہ خدمات پر خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے آپ کو ایک مجلس عرفان میں "کامیاب جرنیل" کے خطاب سے نوازا[۲]۔ اور جب آپ ۲۶ رنومبر ۱۹۴۵ء کو عازم مغربی افریقہ ہوئے تو حضور نے آپ کو مغربی افریقہ کا رئیس التبلیغ نامزد کیا اور اعلان فرمایا کہ آئندہ آپ کا نام مولوی نذیر احمد علی ہوگا۔

آپ نے قادیان سے روانگی سے قبل ایک الوداعی تقریب میں فرمایا۔ "آج ہم خدا تعالیٰ کے لئے جہاد کرنے اور اسلام کو مغربی افریقہ میں پھیلانے کے لئے جا رہے ہیں۔ موت فوت انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ ہم میں سے اگر کوئی فوت ہو جائے۔ تو آپ لوگ یہ سمجھیں کہ دُنیا کا کوئی دُور دراز حصّہ ہے۔ جہاں تھوڑی سی زمین احمدیت کی ملکیت ہے۔ احمدی نوجوانوں کا فرض ہے کہ اس تک پہنچیں اور اس مقصد کو پُورا کریں جس کی خاطر اس زمین پر ہم نے قبروں کی شکل میں قبضہ کیا ہوگا۔ پس ہماری قبروں کی

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹ راگست ۱۹۵۵ء۔ [۲] روزنامہ الفضل ۲۲ رفروری ۱۹۵۵ء صا

طرف سے یہی مطالبہ ہوگا کہ اپنے بچوں کو ایسے رنگ میں ٹریننگ دیں کہ جس مقصد کے لئے ہماری جانیں صرف ہوئیں اُسے وہ پُورا کریں[1]"

اس دفعہ آپ کے ہمراہ تین اور مجاہد بھی تھے۔ یہ وفد ۲۶ر فروری ۱۹۴۶ء کو فری ٹاؤن پہنچ گیا۔ مولانا نذیر احمد علی صاحب دوسرے مبلغینِ احمدیت کو سیرالیون میں متعین کرکے خود پُورے مغربی افریقہ کی تبلیغی مہمات کا جائزہ لینے کے لئے ۱۹ر ستمبر ۱۹۴۶ء کو گولڈ کوسٹ تشریف لے گئے۔ اور اہم خدمات بجالانے کے بعد اپریل ۱۹۵۱ء میں ربوہ واپس تشریف لائے۔ اور کچھ عرصہ نہایت محنت، فرض شناسی اور عرق ریزی کے ساتھ جامعۃ المبشرین ربوہ میں پروفیسر کے فرائض سرانجام دینے کے بعد آخری بار ۱۱ر اپریل ۱۹۵۴ء کو ربوہ سے سیرالیون پہنچے اور ایک لمبی علالت کے بعد سیرالیون کے شہر "بو" میں ۱۹ر مئی ۱۹۵۵ء کو انتقال کر گئے۔[2]

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن ٭ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آپ سلسلہ احمدیہ کے چھٹے جانثار مجاہد اور مبلغ تھے جنہوں نے (بعہد خلافتِ ثانیہ) ممالکِ غیر میں فریضۂ تبلیغ بجالاتے ہوئے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ پہلے پانچ جانثار مبلغ یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت حافظ عبیداللہ صاحب ماریشس (۷ر دسمبر ۱۹۲۳ء)

۲۔ حضرت شاہزادہ عبدالمجید صاحب ایران (۲۲ر فروری ۱۹۲۸ء)۔

۳۔ مولوی محمد دین صاحب سابق مبلغ البانیہ آپ بذریعہ بحری جہاز مشرقی افریقہ تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ کا جہاز ڈوب گیا۔ (۲۲ر نومبر ۱۹۴۲ء)

۴۔ مرزا منوّر احمد صاحب مبلغ امریکہ (۱۵ر ستمبر ۱۹۴۸ء)۔

۵۔ حافظ جمال احمد صاحب روزہل ماریشس (۲۷ر ستمبر ۱۹۴۹ء)

مولانا نذیر احمد علی صاحب کا مزار سیرالیون کے شہر "بو" کے ایک نہایت پُرفضا جگہ پر واقع ہے۔[3]

---

[1] الفضل ۲۷ر نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۲ (قادیان)۔ [2] الفضل ۲۵ر دسمبر ۱۹۵۵ء سرورق صفحہ ۲

[3] مزید تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد ۵، ۸ (حالات غانا و سیرالیون مشن) تابعین اصحاب احمد جلد چہارم مؤلفہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے ناشر احمدیہ بکڈپو ربوہ پاکستان۔ طبع اوّل دسمبر ۱۹۶۶ء الفضل ۷ر جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ (تجہیز و تکفین کی تفصیل از قلم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری انچارج سیرالیون مشن)

اس جانثار مجاہد کی یہ امتیازی شان ہے کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمۃ اللہ تعالیٰ پہلے سفرِ مغربی افریقہ کے دوران ۱۱ر مئی ۱۹۷۰ء کو آپ کے مزار پر دُعا کے لئے تشریف لے گئے۔ حضور کے ہمراہ حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہؓ۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر۔ مولوی محمد صدیق صاحب گورداسپوری امیر جماعت ہائے احمدیہ سیرالیون اور دیگر احبابِ جماعت بھی تھے۔ دُعا کے وقت کا منظر نہایت ہی رقت آمیز تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی[1]

مولوی نذیر احمد علی صاحب احمدیت کے ایک ایثار پیشہ، جانفروش اور مثالی مبلغ تھے اور آپ نے جس والہانہ انداز، جذبہ فدائیت اور رُوحِ اخلاص کے ساتھ مجاہدانہ خدمات سرانجام دیں اُس کے نقوش اہلِ افریقہ اور مبلغینِ افریقہ کے قلوب پر ہمیشہ قائم رہیں گے۔ بالخصوص وہ مجاہدینِ احمدیت جنہیں آپ کی قیادت و رفاقت میں افریقہ میں اعلائے کلمہ اسلام کی سعادت نصیب ہوئی۔ مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کو سالہا سال تک آپ کی معیت میں کام کرنے کا موقع ملا۔ آپ اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"مَیں مارچ ۱۹۴۰ء میں سیرالیون بھجوایا گیا اور ۱۹۴۴ء کے آخر تک مَیں آپ کے ساتھ رہا۔ اس قریباً چار سال کی مدت میں سفر و حضر میں آپ کو نہایت قریب سے دیکھنے اور آپ کی سیرۃ کا گہرا مطالعہ کرنے کا مَیں نے موقع پایا۔ آپ کا سلوک مربیانہ اور برادرانہ پایا۔ اور مجھے کبھی کوئی شکوہ پیدا نہیں ہوا۔ آپ جو بھی کام سپرد کرتے اس میں خود بھی حصہ لیتے تھے۔ ابتداء میں آپ میری پوری رہنمائی اور تربیت و اصلاح فرماتے رہے تاکہ آزادانہ طور پر کام سنبھالنے کے قابل ہو سکوں۔ تبلیغی جوش، سلسلہ کے لئے قربانی، ایثار، صبر و استقلال، غیرتِ دینی، خدا پرستی، توکل اور تقویٰ و طہارت کے لحاظ سے آپ اُسوہ تھے۔ باقاعدہ تہجد گزار تھے۔ کبھی نمازِ اشراق بھی ادا کرتے تھے۔ سفر و حضر میں صبح کے وقت بلاناغہ تلاوتِ قرآن مجید کرتے تھے۔ تلاوت نہایت بلند آواز سے خوش الحانی سے کرتے تھے۔ فرماتے تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) الفضل ۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ (مضمون مولانا نذیر احمد صاحب مبشر) ۱۸ر ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵ (مضمون شیخ نور احمد صاحب منیر مبشر بلادِ اسلامیہ مقیم بیروت)

[1] الفضل ۱۵ر جون ۱۹۷۰ء صفحہ ۵ کالم ۲ .

کہ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا کے مطابق صبح کی تلاوت زیادہ باعثِ ثواب ہے، کھلی ہوا میں بہ آوازِ بلند تلاوت کرنے سے دوسروں کو بھی تحریک ہوتی ہے۔ نیز صُبح کی تازہ ہوا گلے اور پھیپھڑوں اور عام صحت کے لئے مفید ہے۔ سینکڑوں میل کے دَورے ہم نے اکٹھے کئے۔ آپ ہر بستی میں داخل ہوتے وقت مسنون دُعائیں پڑھتے اور بوقتِ ضرورت مسنون طریق پر استخارہ بھی کرتے تھے۔ اور آپ مبلّغین کو بھی تلقین کرتے تھے کہ کوئی اہم معاملہ بغیر استخارہ کے طے نہ کریں۔ آپ ماتحتوں سے نرمی کا سلوک کرتے اور عموماً اُن کے کام کی تعریف کرکے اُن کی ہمّت افزائی کرتے تھے۔ لیکن مفادِ سلسلہ کے پیشِ نظر بعض دفعہ آپ سختی ضروری سمجھتے۔ لیکن بعد میں نادم ہو کر اظہارِ معذرت کرتے اور استغفار کرتے تھے۔ آپ نے علوم دینیہ بچپن میں سبقاً سبقاً نہیں پڑھے تھے تاہم آپ قرآن مجید، حدیث شریف اور فقہ میں بہت دسترس رکھتے تھے۔ اور عربی بخوبی بول سکتے تھے۔ اور عربی سیکھنے کے بہت شائق تھے۔ آپ علم دوست تھے۔ مطالعہ کا شغف رکھتے تھے۔ کسی چھوٹے سے بھی حصولِ علم میں کوئی تردّد نہیں کرتے تھے۔ آپ نے مجھ سے عربی ادب اور صرف و نحو پڑھی۔ آپ تفاسیر کا مطالعہ کرکے مشکل آیات کا حل تلاش کرتے اور نوٹ لیتے رہتے۔ اور زیادتیٔ علم کی خاطر احباب سے تبادلہ خیالات بھی فرماتے۔ رمضان شریف میں درس قرآن کریم سُن کر مستفید ہوتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جملہ تصانیف آپ کے پاس تھیں۔ آپ طبع اوّل کی کتب رکھنے کی کوشش کرتے اور کوئی نہ کوئی کتاب آپ کے زیرِ مطالعہ رہتی تھی۔ آپ نے اپنی کتابوں کے صندوق کے ڈھکنے کے اندرونی طرف حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی نظم " نونہالانِ جماعت " لگا رکھی تھی۔ اور جب بھی ٹرنک کھولتے اُسے پڑھ کر گنگنانے لگتے۔ اس طرح حضور کی ہدایات ہمیشہ مستحضر رہتی تھیں۔ تبلیغی سفروں میں سامان کا قریباً ⅔ حصہ کتب پر مشتمل ہوتا تھا۔ خصوصاً ان کتب پر جن کی ضرورت تبلیغی گفتگو اور تقریروں میں ہوتی ہے۔ آپ کے فرزند مبارک احمد صاحب نذیر نے ایک بار توجہ دلائی کہ اس قدر زیادہ کتب ساتھ لے جا کر آپ بلا وجہ سفری مشکلات میں اضافہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی ضرورت کبھی کبھار پڑتی ہے۔ آپ نے کہا کہ میرے عزیز کو ان کتُب کی قدر و قیمت کیا معلوم ہیں خدائی فوج کا سپاہی ہوں، اور یہ کتُب سفر و حضر میں میرا بہترین اسلحہ اور مونس ہیں۔[1]

---

[1] تابعین اصحاب احمد جلد چہارم مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے طبع اوّل ۱۹۶۶ء صفحہ ۲۳۷ تا ۲۳۹۔

جناب مولوی نور محمد نسیم سیفی صاحب سابق رئیس التبلیغ مغربی افریقہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"آپ اَن تھک کام کرنے والوں میں سے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ اپنے ارد گرد کے تمام احباب کو ہر وقت کام ہی کرتے دیکھیں۔ ایک دفعہ ایک مبلّغ کی ڈائری پڑھ کر آپ کو احساس ہُوا کہ ضرورت سے کم کام کیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک پروگرام بنا کر واپسی ڈاک سے مجھے ارسال کر دیا کہ ان مبلّغ صاحب سے اس پر عمل کروایا جائے۔ یہ پروگرام تہجد سے لے کر رات کے نو دس بجے تک کے لئے تھا۔ اور اس دوران میں ورزش، نمازیں، تلاوت قرآن کریم، ناشتہ اور کھانا، تبلیغ اور آرام وغیرہا ہر قسم کی باتیں درج تھیں۔ اس پروگرام کو دیکھ کر مجھے اس بات کا شدید احساس ہُوا۔ کہ آپ کو نہ صرف کام کی فکر تھی بلکہ کام کرنے والوں کی صحت کا بھی ازحد خیال تھا۔ اپنے ماتحتوں کی عزت افزائی اور ان کے کام کو زیادہ سے زیادہ اچھا رنگ دے کر اُجاگر کرنے کی آپ کو ہمیشہ فکر رہتی تھی۔ اس سلسلہ میں آپ نے مجھے بھی اس بات کی طرف توجہ دلائی تھی کہ مَیں اپنے ساتھیوں سے مضامین لکھوا کر ان کی درستی کر کے اخبارات میں شائع کروایا کروں۔ آپ کی اس خواہش کے پیچھے یہ جذبہ کارفرما تھا کہ ہمیشہ اپنے جانشین پیدا کرنے کی فکر میں رہنا چاہیئے۔ آخر انسانی زندگی کا کیا بھروسہ ہے ؟ کون جانے اُسے کب پیغامِ اجل آجائے۔ لیکن ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ کسی ایک آدمی کے چلے جانے سے کام کے میدان میں خلا پیدا ہو جائے۔ جب مَیں نے حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیّر کی وفات پر ایک پمفلٹ شائع کیا تو آپ نے ایک نہایت ہی پیارا دیباچہ لکھا جس میں حضرت نیّر صاحب کی بعض نمایاں خوبیوں کا ذکر کر کے اس بات کی خواہش کی کہ ہمیں بھی وہ خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں اور ان خوبیوں کو ایک دائمی تسلسل حاصل ہو جانا چاہیئے۔

آپ کی خاص خاص خوبیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ آپ تبلیغ کے سلسلہ میں جماعت پر کم سے کم بوجھ ڈالنا چاہتے تھے اور اپنے ساتھ کام کرنے والے مبلّغین کو ہمیشہ اس بات کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ نائیجیریا مشن کو کچھ مالی مشکلات پیش آئیں تو آپ نے جو اس وقت ہمارے رئیس التبلیغ تھے۔ مجھے لکھا کہ مَیں اپنے ساتھ کام کرنے والے مبلّغین سے کہوں کہ وہ پھیری لگا کر کپڑا بیچ لیا کریں اور مَیں خود لیگوس میں ایک دو ٹیوشنیں لے لوں تاکہ اس آمد سے ہم اپنا خرچ بھی برداشت کر سکیں اور مشن کی مزید مدد بھی کر سکیں۔ اگرچہ حالات جلد ہی بدل گئے اور مشن کو مالی آسانی میسر آگئی۔

لیکن آپ کی یہ نصیحت دل پر ایک نقش چھوڑ گئی"۔[1]

جناب مولوی عطاء اللہ صاحب کلیم (سابق مبلغ غانا و انچارج احمدیہ مشن امریکہ) کا بیان ہے:۔

"میں نے مولوی نذیر احمد علی صاحب کو غانا میں کام کرتے نہیں دیکھا۔ غانا میں فروری ۱۹۵۱ء میں میری آمد سے چند ماہ قبل آپ پاکستان جا چکے تھے۔ لیکن جن مبلغین اور احبابِ جماعت سے آپ کے متعلق تذکرہ ہوا۔ ہر ایک کو آپ کے تبلیغی جنون کی تعریف میں رطب اللّسان پایا۔ آپ عالمِ شباب میں ان ممالک میں تشریف لائے اور اعلائے کلمۃ اللہ میں اپنا شباب اور اپنی صحت قربان کر دی اور اسی فریضہ کی ادائیگی میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

جنونِ تبلیغ کے لحاظ سے یقیناً آپ حضرت مصلح موعود کے اس شعر کے مطلوب دیوانہ تھے۔ ؎

عاقل کا یہاں پر کام نہیں وہ لاکھوں بھی بے فائدہ ہیں
مقصود مرا پورا ہو اگر مل جائیں مجھے دیوانے دو

جہادِ کبیر میں آپ کو نہ بخار کی پرواہ تھی نہ کسی بیماری کی۔ چونکہ تبلیغ کا خود جنون تھا۔ اس لئے وہ ماتحت کام کرنے والے مبلغین اور دیگر افراد کو بھی اسی رنگ میں رنگین دیکھنا اور کرنا چاہتے تھے۔ اور خواہاں تھے کہ سالوں کا کام مہینوں بلکہ ہفتوں میں تکمیل پذیر ہو سکے۔ اور اس تیز رفتاری پر کسی کو شکوہ ہو تو اس کی چنداں پرواہ نہیں کرتے تھے۔ متعدد بار ایسا ہوتا کہ شدتِ مرض کے باعث آپ تقریر نہیں کر سکتے تھے تو آپ تبلیغی جلسہ میں محض شرکت کر لیتے تا ثواب حاصل کر سکیں۔

میں نے وڈلٹا ریجن کے سوا قریباً ہر ریجن (علاقہ) میں کام کیا ہے۔ اور مختلف مقامات میں جانے کی کوشش کی ہے۔ وہ علاقے جہاں اب سڑکیں بن چکی ہیں۔ پہلے گھنے جنگل اور دشوار گزار راستوں سے وہاں جانا پڑتا تھا۔ آپ اُس عہد میں بھی وہاں پہنچے۔ دوسری بار آپ تشریف لائے تو اسی تبلیغی جنون کے صدقے اپنے ساتھ الحاج مولوی نذیر احمد صاحب مبشر فاضل کو لائے تاکہ ان کے ذریعہ مقامی یعنی افریقن مبلغین تیار کر کے تبلیغ کی توسیع کی جائے اور بفضلہٖ تعالیٰ آپ کی یہ سکیم بہت کامیاب ہوئی اور آج کل

---

[1] "تابعین اصحاب احمد" جلد چہارم مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے صفحہ ۲۶۴، ۲۶۵۔

کے افریقن مبلّغین میں سے سوائے چند کے دیگر تمام ہی مبشّر صاحب کے ذریعہ تربیت یافتہ ہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب اور ان افریقن مبلّغین کی مساعی سے اس ملک کے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں احمدیت کا بیج بویا گیا اور متعدد جماعتیں قائم ہوئیں۔"[1]

۴۔ جناب صوفی مطیع الرحمٰن صاحبؓ بنگالی ایم۔اے مبلّغ امریکہ

مبلّغ امریکہ جناب صوفی مطیع الرحمٰن صاحبؓ کا آبائی گاؤں "کامائیٹ" ہے۔ یہ گاؤں احمدیت کے قدیم بنگالی مرکز برہمن بڑیا شہر سے تقریباً تین چار میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ وہی تاریخی شہر ہے جہاں حضرت مولوی سیّد عبدالواحد صاحب (ولادت ۱۸۵۳ء وفات ۱۹۲۶ء) نے ۱۹۱۲ء میں داخلِ احمدیت ہونے کے بعد احمدیت کی اس زور شور سے تبلیغ کی کہ ۱۹۲۱ء تک ڈیڑھ ہزار سے بھی زیادہ نفوس حلقہ بگوشِ احمدیت ہوئے۔

صوفی صاحب اس علاقہ کے ایک ممتاز علم دوست خاندان سے تعلّق رکھتے تھے اور آپ کے والد ماجد قاری نعیم الدین صاحب بھی ایک بلند پایہ عالم، ہر دلعزیز واعظ اور خوش الحان قاری تھے جن کے چار بیٹے تھے۔ (۱) مولوی بذل الرحمٰن صاحب۔ (۲) مولوی ظل الرحمٰن صاحبؓ[2]۔ (۳) مولوی مطیع الرحمٰن صاحب۔ (۴) مولوی محب الرحمٰن صاحب۔

یہ چاروں بھائی سلسلہ احمدیہ کے فدائی اور شیدائی تھے۔ اور انہوں نے اپنی پوری زندگی سلسلہ احمدیہ کی خدمت میں گزاری۔ صوفی مطیع الرحمٰن صاحب ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ آپ اگرچہ اپنے بھائیوں میں سے تیسرے نمبر پر تھے مگر جہاں تک قبول احمدیت کا تعلّق ہے پورے خاندان میں یہ نعمت اوّل نمبر پر آپ ہی نے حاصل کی۔ اس وقت آپ کی عمر قریباً پندرہ سال کی ہوگی۔ یہ زمانہ جماعت احمدیہ کے لئے اپنوں اور بیگانوں کی مزاحمت کے اعتبار سے بڑی پریشانی کا زمانہ تھا اور خلافتِ ثانیہ کا ابتدائی دَور تھا اور آپ ابھی طالب علم تھے۔ احمدیت کی پاداش میں آپ کو گھر سے نکال دیا گیا۔ آپ قادیان تشریف لے آئے۔ اس وقت

---

[1] "تابعین اصحاب احمد" جلد چہارم مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے صفحہ ۲۵۱، ۲۵۲

[2] والد ماجد مکرم جناب مجیب الرحمٰن صاحب ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان و امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی۔

آپ راجشاہی کالج سے انٹرمیڈیٹ کر چکے تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر آپ نے اسلامیہ کالج لاہور سے بی اے کیا۔ آپ کو احمدیت سے والہانہ عشق تھا۔ آپ اور آپ کے بھائی مولانا ظل الرحمن نے قبولِ احمدیت کے بعد ایسا نیک نمونہ دکھایا کہ اُن کے والد بھی احمدی ہو گئے اور قادیان آنے کی خواہش ظاہر کی جس سے آپ کو اس قدر خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنی چند ضروری اور پسندیدہ اشیاء بیچ کر انہیں روپیہ بھیجا اور وہ قادیان تشریف لے آئے۔

بی۔ اے پاس کر لینے کے بعد آپ نے اپنی زندگی اسلام کے لئے وقف کر دی جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ کے تعلیم الاسلام ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر مقرر فرمایا جہاں آپ نے انتھک محنت اور خلوص سے کام کیا۔ شروع شروع میں آپ کو یہ ماحول کچھ اجنبی سا محسوس ہُوا مگر آپ جلد ہی لوگوں میں گھُل مل گئے۔ گھٹیالیاں میں ہی آپ نے ایم اے کی تیاری کی اور کامیاب ہو گئے۔ جس دن آپ کا ایم اے کا نتیجہ نکلا اُسی روز آپ کا نام امریکہ مشن کے لئے تجویز ہُوا۔ اور آپ ۲۰ مئی ۱۹۲۸ء کو احمدیہ مُسلم مشن امریکہ کے انچارج کی حیثیت سے بھیجے گئے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے بوقتِ روانگی آپ کو صُوفی کے قابلِ قدر خطاب سے نواز اور ارشاد فرمایا کہ اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ بنگالی کا لفظ استعمال کریں۔ آپ ۱۸ اگست ۱۹۲۸ء کو شکاگو پہنچے۔ آپ کو شروع میں بہت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت جلد آپ نے اس پر قابو پالیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں نہ صرف امریکن مشن کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے میں کامیاب ہو گئے بلکہ ہزاروں میل کے تبلیغی دوروں، نجی ملاقاتوں، لیکچروں اور امریکن پریس میں مضامین اور خبروں کی اشاعت اور رسالہ "مسلم سن رائز" کی وسیع پبلسٹی کے ذریعہ امریکہ میں اسلام اور احمدیت کی دھاک بٹھا دی۔ آپ نے قریباً سات سال کے عرصہ میں نہ صرف نئی جماعتیں قائم کیں بلکہ بے شمار ٹریکٹوں کے علاوہ "دی لائف آف محمد" اور "دی ٹومب آف جیزز" جیسی معرکۃ الآراء کتابیں شائع کیں جن کا مُلکی پریس میں بھی خوب چرچا ہُوا۔ شمالی امریکہ میں جو عرب مقیم ہو گئے تھے یا عارضی طور پر آتے تھے انہیں رسالہ "البشریٰ" کے ذریعہ سے تحریکِ احمدیت سے روشناس کرایا۔ بہت سی سعید رُوحیں آپ کی تبلیغ سے اسلام و احمدیت میں داخل ہُوئیں۔ آپ کو امریکہ میں ایسی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی کہ مُلکی پریس آپ کے فاضلانہ لیکچروں سے گونجنے لگا۔ جناب صوفی صاحب ۱۳ دسمبر ۱۹۳۵ء کو واپس قادیان تشریف لائے۔ اور دوبارہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو امریکہ بھیجے گئے۔

چوہدری مظفر الدین صاحب بنگالی مرحوم کا بیان ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو الوداع کہتے ہوئے یہ خاص اعزاز بخشا کہ وہ امریکہ میں حضور کی طرف سے بعیت بھی لے سکتے ہیں۔ صوفی صاحب اس دفعہ مسلسل بارہ سال تک امریکہ کی سرزمین کو نورِ اسلام سے منوّر کرنے کے بعد ۱۹۴۸ء میں واپس مرکز میں پہنچے۔ ۱۹۴۹ء میں آپ کی ٹانگ پر ایک پھوڑا نمودار ہوا جس نے خطرناک صورت اختیار کر لی جس کے نتیجہ میں آپ کی ایک ٹانگ کاٹنا پڑی اور آپ کئی ماہ ہسپتال میں رہے۔ جونہی آپ کی طبیعت قدرے سنبھلی آپ نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ سے کام لیا جائے اور بار بار خطوط کے ذریعہ درخواست کی کہ حضور دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مرتے دم تک مجھے خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کی اس درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور دسمبر ۱۹۵۱ء سے آپ کو رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی کا ایڈیٹر مقرر فرما دیا۔ ربوہ میں جب آپ نے ریویو آف ریلیجنز کی ادارت کا کام شروع کیا تو سامان بہت کم تھا۔ ربوہ ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں سے گذر رہا تھا۔ لیکن آپ نے اپنے علمی اور انتظامی قابلیت، ذوق و شوق اور محنت و عرق ریزی سے بہت جلد ایسے اعلیٰ معیار پر پہنچا دیا کہ یورپ اور امریکہ کے متعدد نامور مستشرقین نے رسالہ کی تعریف کی اور اس کے علمی مضامین کو سراہا۔ جس کا ذکر خود حضرت مصلح موعودؓ نے ایک جلسہ سالانہ کے موقع پر فرمایا۔ رسالہ کی افادیت میں اضافہ کے لئے آپ بڑی کثرت سے کتب و رسائل زیرِ مطالعہ رکھتے، امریکہ کے تقریباً تمام مشہور رسالے آپ منگواتے تھے۔ اور بستر پہ تمام دن لیٹے ہوئے انہیں پڑھتے رہا کرتے تھے۔ جب تک ہر چیز کو خود دیکھ کر اطمینان نہ کر لیتے چین نہیں آتا تھا۔ جس سے آپ کی محققانہ بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ اپنی علالت کے باوجود رسالہ چھپوانے کے لئے اکثر و بیشتر خود لاہور تشریف لے جاتے۔ آپ نہایت جانفشانی کے ساتھ قریباً پانچ سال تک جماعت کے اہم رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی ادارت کے فرائض سرانجام دیتے رہے حتیٰ کہ وفات کے دن (۳۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو) بھی اسی خدمت میں مصروف تھے کہ حرکتِ قلب بند ہونے سے رحلت فرما گئے اور اس طرح نئی دُنیا میں اسلام کا نہایت کامیابی سے جھنڈا گاڑنے والا ایک بہادر سپاہی اور ایک کامیاب مبلغ اور سلسلہ احمدیہ کا ایک قدیم اور انتھک خادم ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ وفات کے وقت آپ کی عمرِ مبارک ۵۶ سال تھی۔[1]

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۳۰ء تا ۱۹۴۲ء، الفضل یکم نومبر ۱۹۵۵ء۔ "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی ربوہ

۵۔ نواب محمد الدین صاحب کی تدفین بہشتی مقبرہ میں

۲۷؍دسمبر ۱۹۵۵ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے جلسہ گاہ میں نمازِ ظہر و عصر پڑھانے کے بعد سلسلہ احمدیہ کے ایک نہایت مخلص بزرگ حضرت نواب محمد الدین صاحبؓ کی نماز جنازہ بھی پڑھائی۔ حضرت نواب صاحب مرحوم ۱۹۴۹ء میں فوت ہوئے تھے۔ اور آپ کو آپ کے آبائی گاؤں تلونڈی عنایت خاں میں ہی امانتاً دفن کیا گیا تھا۔ جہاں سے آپ کا تابوت مقبرہ بہشتی ربوہ میں دفن کرنے کے لئے لایا گیا۔ چنانچہ جلسہ سالانہ پر تشریف لانے والے ہزارہا احمدی احباب نے حضورؓ کی اقتدا میں آپ کا جنازہ پڑھا اور بلندیٔ درجات کے لئے دُعائیں کیں بعد ازاں آپ کا تابوت مقبرہ بہشتی میں سپردِ خاک کیا گیا۔

حضورؓ نے نمازِ ظہر و عصر سے قبل محترم نواب صاحب مرحوم کا جنازہ پڑھانے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:۔

"نواب محمد الدین صاحب سلسلہ کے ساتھ نہایت گہرا اخلاص رکھنے والے انسان تھے۔ ان کے بیٹے چوہدری محمد شریف صاحب (جو منٹگمری جماعت کے امیر ہیں) بھی بڑے مخلص احمدی ہیں۔ نواب صاحب مرحوم اس لحاظ سے بھی سلسلہ کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتے ہیں کہ ربوہ کی زمین خریدنے یہاں پر مکانوں کی تعمیر کی اجازت لینے اور اس طرح ربوہ بسانے کا سارا کام آپ نے ہی کیا تھا۔ اس لئے نواب صاحب کا ہم پر حق ہے کہ ہم ربوہ کی ہر گلی اور ہر عمارت کو دیکھ کر ان کے لئے دُعا کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کے مدارج کو بلند فرمائے۔ اور ان کی اولاد میں بھی ان جیسا بلکہ اس سے بڑھ کر سلسلہ کے لئے اخلاص پیدا کرے"[1]

حضرت نواب صاحب کے ساتھ مولوی غلام رسول صاحب آف بدوملہی کا جنازہ بھی پڑھایا گیا مولوی صاحب مرحوم اصحاب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام میں سے تھے اور مربی سلسلہ مولوی چراغ الدین صاحب کے خسر تھے۔ آپ ۱۹۵۴ء میں فوت ہوئے[2]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۶ تا ۵۹ (مضمون چوہدری مظفر الدین صاحب بنگالی)۔ الفضل یکم نومبر، ۱۶؍نومبر ۱۹۵۵ء (مضمون جناب مجیب الرحمن صاحب بنگالی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان)۔

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۴؍جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۔ [2] ایضاً۔

فصل ہفتم

۱۹۵۵ء / ۱۳۳۴ہش کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں پُرمسرت تقاریب

(۱)۔ ۶/ مارچ ۱۹۵۵ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی صاحبزادی امۃ المجید بیگم صاحبہ اور میجر[1] وقیع الزمان خانصاحب (خلف الرشید جناب رفیع الزمان خانصاحب آف قائم گنج یوپی) کی تقریب شادی عمل میں آئی۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے قصر خلافت میں دس ہزار روپے حق مہر پر نکاح کا اعلان فرمایا اور دعا کی[2]۔

(۲)۔ ۱۲/ مارچ ۱۹۵۵ء بروز ہفتہ چار بجے سہ پہر کو حضرت مصلح موعودؓ کی صاحبزادی امۃ الجمیل بیگم صاحبہ اور جناب چوہدری ناصر محمد صاحب سیال واقف زندگی (ابن حضرت چوہدری فتح محمد سیال) کی تقریب نکاح کا انعقاد ہوا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اعلانِ نکاح فرمایا۔ دوران تقریب حضور پر ایک خاص کیفیت طاری رہی اور دیگر احباب کی آنکھیں بھی پُرنم تھیں[3]۔ رخصتانہ اگلے سال ۵/ جنوری ۱۹۵۶ء کو ہوا[4]۔

(۳)۔ ۲۶/ دسمبر ۱۹۵۵ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے جلسہ سالانہ کی افتتاحی تقریر سے قبل اپنی صاحبزادی محترمہ امۃ المتین صاحبہ کا نکاح سید محمود احمد صاحب (خلف الرشید حضرت سید محمد اسحٰق صاحبؓ) سے اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی صاحبزادی محترمہ امۃ الوحید بیگم صاحبہ کا نکاح محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب (ابن حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ) سے پڑھا[5]۔

---

[1] بعد ازاں بریگیڈیئر۔ [2] الفضل ۸/ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ [3] الفضل ۱۵/ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔

[4] الفضل ۶/ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۔ [5] الفضل ۴/ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۔

خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں اضافہ

اس سال خدا تعالیٰ کے پاک وعدوں کے مطابق خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں چھ بابرکت وجودوں کا اضافہ ہوا:-

۱۔ صاحبزادی امۃ العلی صاحبہ زبدہ (روبی) بنت ڈاکٹر کرنل مرزا مبشر احمد صاحب (ولادت[۱] ۲۵ مئی ۱۹۵۵ء)

۲۔ صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب ابن صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب ایم۔اے لیکچرار تعلیم الاسلام کالج ربوہ (ولادت[۲] ۳ اکتوبر ۱۹۵۵ء)۔

مبلغ انڈونیشیا کے اعزاز میں عشائیہ

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۷ جنوری ۱۹۵۵ء کو مولانا عبدالواحد صاحب مولوی فاضل مجاہد انڈونیشیا کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ جس میں غیر ملکی طلباء اور بعض دوسرے احباب بھی شامل ہوئے۔ اس موقع پر حضور مختلف ممالک کے تعلیمی و تبلیغی حالات پر دلچسپ گفتگو فرماتے رہے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ شفیق باپ اپنے گھر میں اپنے بچوں سے نہایت بے تکلفی کے ساتھ محبت بھری گفتگو کر رہا ہے۔[۳]

قادیان کے بزرگ درویش اور اخبار "ریاست"

لاہور میں ۲۹-۳۰ جنوری ۱۹۵۵ء کو ایک کرکٹ میچ ہوا جس میں بھارت کے ہزاروں غیر مسلم عارضی پرمٹ لے کر پاکستان آئے۔ اس موقع پر قادیان کے بعض بزرگ درویشوں نے بھی لاہور آنے کی اجازت چاہی لیکن سرکاری حکام نے کسی مصلحت کے پیشِ نظر اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ جس پر دہلی کے مشہور و معروف اخبار "ریاست" نے "قادیان کے احمدی شرفاء گیارہ نمبریوں میں" کے زیرِ عنوان حسب ذیل نوٹ شائع کیا:-

"پچھلے کرکٹ میچ کے موقع پر ہندوستان سے بیس[۲] ہزار کے قریب ہندوستانی مختلف صوبہ جات سے لاہور گئے۔ دونوں حکومتوں کے فیصلہ کے مطابق کوئی شخص بھی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے دفتر سے فارم لیکر

---

[۱] الفضل ۳۱ مئی ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ [۲] ڈائری نوشتہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب انور سابق پرائیویٹ سیکرٹری حضرت مصلح موعودؓ بحوالہ روزنامہ الفضل ۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۸۔ [۳] الفضل ۱۳ جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۔

اور اس کو بھر کر بغیر کسی دقت کے لاہور جا سکتا تھا۔ اور کسی شخص کے مستحق یا غیر مستحق ہونے کے متعلق سوال نہ کیا گیا۔ چنانچہ اس موقع پر وہ لوگ بھی ہندوستان سے پاکستان جاکر لاہور کی سیر کر آئے جو پولیس کے رجسٹر نمبر دس میں بطور بدمعاش درج تھے یا جن کو کرکٹ سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور جو صرف اپنے دوستوں سے ملنے کے لئے وہاں گئے۔ مگر یہ واقعہ بے حد دلچسپ ہے کہ قادیان کے ذیل کے معزز اصحاب کو (جو احمدی جماعت میں انتہائی عزت و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں اور جو مذہبی اعتبار سے بہت ہی بلند ہیں) کرکٹ کا میچ دیکھنے کے لئے بھی عارضی پرمٹ نہ دیا گیا۔

۱۔ حضرت مولوی عبدالرحمٰن امیر جماعت احمدیہ قادیان۔ ۲۔ حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد (حضرت امام جماعت احمدیہ کے صاحبزادہ)۔ ۳۔ ملک صلاح الدین ایم اے ایڈیٹر اخبار "بدر" قادیان۔

گویا کہ جس صورت میں دس نمبری بدمعاشوں کو بھی کرکٹ میچ دیکھنے کا عارضی پرمٹ دیا گیا۔ ان تین نیک دل اور بلند مذہبی بزرگوں کو حکومت نے گیارہ نمبریئے سمجھ کر پرمٹ دینے سے انکار کر دیا۔ اور حکومت کی کتابوں میں دس نمبر کے بعد ایک گیارہ نمبر رجسٹر بھی موجود ہے۔ جس میں کہ صرف مذہبی لوگوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ اور پرمٹ دینے والے افسروں کے خیال میں یہ گیارہ نمبریئے دس نمبریوں سے بھی بُرے اور خطرناک بدمعاش ہیں

قادیان کی احمدی جماعت کے ممبروں کے متعلق ہمارا پرانا تجربہ یہ ہے کہ یہ لوگ اخلاق اور کیریکٹر کے لحاظ سے بہت بلند ہیں۔ اور ایڈیٹر "ریاست" نے آج تک کسی احمدی کو بھی نہیں دیکھا جو کہ دیانت دار نہ ہو۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اگر دوسرے نیک لوگ گناہ کرتے ہوئے خدا سے ڈرتے ہیں تو احمدی گناہ کرتے ہوئے خدا سے اس طرح ہی بدکتے ہیں جیسے گھوڑا صرف سایہ سے بدکتا ہے۔ یعنی یہ گناہ کے خیال سے ہی خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ احمدیوں کی اس پوزیشن میں ان کو قادیان سے لاہور جانے کا عارضی پرمٹ نہ دیا جانا ایسا واقعہ نہیں جس کو نظر انداز کیا جا سکے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مرکزی گورنمنٹ کا ایکسٹرنل ڈیپارٹمنٹ ان افسروں سے باز پُرس کرے جو افسران بزرگوں کو پرمٹ نہ دینے کی حماقت کے ذمہ دار ہیں۔"[1]

ایک غیر احمدی صحافی کے تاثرات

ایک روشن خیال غیر احمدی صحافی جو ہفت روزہ "نگہبان" کراچی کے مدیر تھے، ۲۳ جنوری ۱۹۵۵ء کو مسجد احمدیہ

---

[1] "ریاست" ۱۴ فروری ۱۹۵۵ء بحوالہ روزنامہ الفضل ۲۲ فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔

کراچی میں تشریف لائے۔ لطیف احمد صاحب تاثیر چیف ایڈیٹر "المصلح" نے انہیں سلسلہ احمدیہ کی دینی خدمات کے بارے میں معلومات بہم پہنچائیں جن سے متاثر ہو کر انہوں نے اخبار "نگہبان" میں حسب ذیل شذرہ سپردِ قلم فرمایا:۔

"مَیں نے احمدیہ مسجد کراچی میں کیا دیکھا"

"کراچی میں یہ پہلا موقع تھا کہ مَیں ۲۳ رجنوری کو روزنامہ "المصلح" کراچی کے چیف ایڈیٹر جناب لطیف صاحب تاثیر سے اُن کے دفتر واقع احمدیہ مسجد میں ملنے گیا۔ صاحب موصوف بڑے تپاک سے ملے اور دیر تک گفتگو کرنے کے بعد انہوں نے مجھے قرآن پاک کے ۳ ترجمے دکھائے ایک انگریزی دُوسرا جرمنی اور تیسرا ڈچ زبان میں تھا۔ اور جب مجھے یہ معلوم ہُوا کہ احمدیہ جماعت نے یوروپ کی ۱۲ زبانوں میں قرآن پاک کے ترجمے کر کے اقوامِ یورپ کے سامنے پیش کئے ہیں تو بے انتہا مسرّت ہوئی اور سچ تو یہ ہے کہ اسلامی فرقوں میں..... صرف یہی جماعت ہے جو یورپین ممالک میں تبلیغ اسلام کا کام کر رہی ہے۔ ایڈیٹر صاحب سے ملنے کے بعد جب میں احمدیہ مسجد گیا۔ تو یہ دیکھ کر دلی مسرت ہوئی کہ بڑے بڑے احمدی افسران و عمائدین احمدیہ مسجد کے فرش دیواریں اور چھت پانی سے دھو کر صاف کر رہے ہیں اور اس خدمت کو ہر ہفتہ بلا تکلّف انجام دیتے ہیں۔ دراصل اس مسجد میں اخوّت و مساواتِ اسلامی کا جو مظاہرہ ہوتا ہے وہ دوسرے فرقوں کے لئے قابلِ تقلید ہے۔"[1]

صدر انجمن احمدیہ کے لئے تحریک واقفین

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اس سال کے شروع میں تحریک فرمائی کہ مخلص احباب تحریک جدید کے علاوہ صدر انجمن احمدیہ کے لئے بھی اپنی زندگیاں وقف کریں۔ فرمایا:۔

"احباب کی اطلاع کے لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ اَب تک صرف تحریک جدید کے لئے واقفین لئے جاتے تھے۔ اَب ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ صدر انجمن کے لئے بھی واقفینِ زندگی کی تحریک کی جائے۔ پس اس بارہ میں مَیں اعلان کرتا ہوں کہ مخلص احباب اپنے آپ کو سلسلہ کی خدمت کے لئے پیش کریں۔ عام راہنمائی کے لئے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل قسم کے احباب کارآمد ہو سکیں گے:۔

---

[1] ہفت روزہ نگہبان کراچی ۲۵ رجنوری ۱۹۵۵ء۔

اوّل: ایم۔ اے۔ ایل ایل بی۔ ڈاکٹر۔ دوم: بی۔ اے بی ٹی۔ سوم: ایسے افراد جن کو انتظامی کاموں کا تجربہ ہو خواہ پنشنر ہوں۔ چہارم: ایسے احباب جو تجارتی یا صنعتی دلچسپی رکھتے ہوں خواہ مڈل تک کی تعلیم ہو۔ گزارہ کے متعلق ہر ایک واقف کو صدر انجمن احمدیہ اطلاع دے گی کہ کس اصل پر وہ گزارہ دے سکتی ہے[1]۔"

اس تحریک پر کئی مخلصین جماعت نے اپنی زندگی اپنے پیارے امام کے حضور پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

ربوہ میں ایک مشہور اطالوی پروفیسر کی آمد

مشہور اطالوی پروفیسر ڈاکٹر الیسانڈرو بوزانی جو اپنی مادری زبان کے علاوہ دُنیا کی مشہور پانچ زبانوں کے ماہر اور قرآن مجید کے اطالوی زبان میں مترجم نیز روم یونیورسٹی میں شعبۂ فارسی کے صدر بھی تھے ان دنوں پاکستانی یونیورسٹیوں کے دَورہ پر تھے۔ آپ وکالت تبشیر کی دعوت پر مرکز احمدیت دیکھنے کے لئے ۱۳؍ فروری ۱۹۵۵ء کو لاہور سے ربوہ آئے۔ اور سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ علاوہ ازیں مرکزی دفاتر اور اداروں کو بھی دیکھا اور تعلیم الاسلام کالج میں "اٹلی میں اسلامی علوم کی ترویج" کے موضوع پر لیکچر دیا[2]۔

لجنہ اماء اللہ کا عہد

مجلس عاملہ لجنہ اماء اللہ مرکزیہ نے اپنے خصوصی اجلاس منعقدہ ۱۴؍ فروری ۱۹۵۵ء میں زیر صدارت حضرت اُمّ ناصرؓ لجنہ کا درج ذیل عہدنامہ منظور کیا:۔

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔ مَیں اقرار کرتی ہوں کہ اپنے مذہب اور قوم کی خاطر اپنی جان و مال، وقت اور اولاد کو قربان کرنے کے لئے تیار رہوں گی۔ نیز سچائی پر ہمیشہ قائم رہوں گی۔"

۱۹۵۶ء میں اس عہد نامہ میں مندرجہ ذیل فقرہ کا اضافہ کیا گیا کہ:۔

"اور خلافتِ احمدیہ کے قائم رکھنے کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار رہوں گی[3]۔"

---

[1] الفضل ۸؍ فروری ۱۹۵۵ء ص۳۔ [2] الفضل ۱۵؍ فروری ۱۹۵۵ء ص۱۔

[3] رسالہ "مصباح" فروری ۱۹۵۵ء ص۲ تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد دوم صفحہ ۱۰۱ مرتبہ امۃ اللطیف صاحبہ سیکرٹری شعبہ اشاعت لجنہ اماء اللہ مرکزیہ طبع اوّل جنوری ۱۹۷۲ء۔

جماعت احمدیہ کے خلاف بے بنیاد پراپیگنڈہ

اس سال جماعتِ احمدیہ کے خلاف جس رنگ میں بے بنیاد اور جھوٹا پراپیگنڈہ کیا گیا اور مفروضہ خبریں شائع کی گئیں اس کا ایک نمونہ ریکارڈ کرنا ضروری ہے۔ اخبار "تعمیر" راولپنڈی نے لکھا۔

"لاہور۔ ۱۸ مارچ (نمائندہ خصوصی) معلوم ہُوا ہے کہ جماعت احمدیہ نے اپنا ہیڈ کوارٹر ربوہ سے انڈونیشیا منتقل کر دینے کا منصوبہ تیار کر لیا ہے۔ مزید معلوم ہُوا ہے کہ اس سلسلہ میں جماعت احمدیہ کے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کے بیٹے مرزا ناصر احمد تھوڑا ہی عرصہ ہُوا۔ انڈونیشیا کا دَورہ کر کے لوٹے ہیں۔ یاد رہے کہ قیام پاکستان سے پہلے جماعت احمدیہ کا ہیڈ کوارٹر قادیان (مشرقی پنجاب) میں تھا جہاں اَب بھی اس جماعت کے تین سو تیرہ ارکان مقیم ہیں۔

ہمارے نمائندہ خصوصی مقیم لاہور ملک ممتاز کو جماعت احمدیہ کے قریبی حلقوں نے بتایا ہے کہ جن دنوں مجلس تحفّظ ختم نبوّت کا پاکستان میں زور تھا اور اس قسم کا پروپیگنڈا زوروں پر کیا جا رہا تھا کہ جُملہ احمدیوں کو ایک اقلیتی فرقہ قرار دے دیا جائے اور چوہدری ظفر اللہ کو وزارتِ خارجہ سے ہٹا دیا جائے۔ انہی دنوں اس اَمر پر غور وخوض شروع ہو گیا تھا کہ جماعت کا ہیڈ کوارٹر ربوہ سے منتقل کر دیا جائے چنانچہ مارشل لاء اور اُس کے بعد چوہدری ظفر اللہ خان کے استعفوں اور چوہدری صاحب کے بین الاقوامی عدالت میں چلے جانے کی خبروں کے پیشِ نظر ہیڈ کوارٹر کی تبدیلی کے منصوبہ پر سنجیدگی سے غور شروع ہو گیا اور جس روز چوہدری صاحب پاکستان سے ہیگ چلے گئے ہمارے لئے اَب کوئی چارہ نہ رہا کہ ہم ربوہ سے باہر چلے جائیں۔ اس حلقے نے بتایا کہ چوہدری ظفر اللہ کے بحیثیت وزیرِ خارجہ پاکستان میں رہنے سے اگرچہ تبلیغی لحاظ سے جماعت احمدیہ کو کوئی خاص فائدہ نہیں تھا۔ مگر اس قسم کی ڈھارس سی تھی کہ حکومت میں ہمارا بھی نمائندہ ہے۔ اَب اگرچہ حکومت کی طرف سے ہمارے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی جا رہی لیکن اپنے تبلیغی ذرائع کو محدود اور ایک عدم تعاون کے نظریہ کو پاتے ہوئے ہم مجبور ہیں کہ ربوہ کو چھوڑ دیں جس کیلئے انڈونیشیا کو منتخب کر لیا گیا ہے۔ جہاں بیٹھ کر ہم اپنا عالمی مشن چلائیں گے۔ اس حلقے نے ابھی یہ انکشاف نہیں کیا کہ کب ان کا ہیڈ کوارٹر منتقل ہو جائے گا"۔[1]

---

[1] روزنامہ "تعمیر" راولپنڈی مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔

مندرجہ بالا بے بنیاد اور جھوٹی خبر اگلے دن بالکل انہی الفاظ میں اخبار "زمیندار" لاہور نے بھی شائع کی۔[1] پھر تین ماہ کے بعد لکھا:۔

"کراچی۔ ۲۹ جون۔ کراچی کے ایک اُردو روزنامہ نے اپنی ۲۷ جون کی اشاعت میں لکھا ہے کہ قادیانیوں کے سربراہ اپنی باقی ماندہ زندگی انڈونیشیا میں بسر کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں انڈونیشیا کے سفارت خانے نے وضاحت کی ہے اور کہا ہے کہ قادیانی سربراہ کی طرف سے انہیں باقاعدہ کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی کہ آیا وہ ربوہ سے اپنا ہیڈ کوارٹر انڈونیشیا میں منتقل کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ سفارت خانے نے کہا ہے کہ جاکرتہ سے وزارتِ مذہب کی طرف سے بھی اس ہجرت کے متعلق نہیں کوئی خبر موصول نہیں ہوئی۔"[2]

مالابار کے ایک قدیم احمدی کا انتقال

کالی کٹ کے اوّلین احمدیوں میں سے ایک بزرگ ایم۔ احمد تھے جو اس سال ۲ اپریل ۱۹۵۵ء کو فوت ہوگئے۔ اے پی عبدالرحیم صاحب آف کلکتہ کے بیان کے مطابق آپ کو احمدیت کا پیغام رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" کے ذریعہ پہنچا اور آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں ہی شاملِ احمدیت ہوگئے مگر بیعت کے ایک سال بعد حضرت اقدس کا وصال ہوگیا اس لئے حضور کی زیارت نصیب نہ ہو سکی۔ جماعت احمدیہ مالابار کی تاریخ میں آپ کی مالی قربانیاں ہمیشہ یاد رہیں گی۔ ابتدائے زمانہ میں جبکہ مالابار کے مذہبی راہنما اور اُن کے حاشیہ نشین احمدیوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے مرحوم نے نہایت فراخدلی کے ساتھ خدا کے مظلوم بندوں کی مالی اعانت اور تکالیف کو کم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا آپ کو حضرت مُصلح موعودؓ کے ساتھ بے انداز عقیدت و محبت تھی۔ ہر ضرورت کے وقت حضور کی خدمت میں دُعا کے لئے خط لکھتے اور خدا کے فضل و کرم سے حصّہ وافر پاتے۔

احمدی اور غیر احمدی کیا غیر مُسلم تک آپ کے دلدادہ تھے۔ آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ کالی کٹ شہر میں گذارا۔ وفات کے وقت جماعت احمدیہ پینگاڈی کے پریذیڈنٹ تھے۔[3]

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۲۱ مارچ ۱۹۵۵ء صٓ۔ [2] روزنامہ "زمیندار" لاہور یکم جولائی ۱۹۵۵ء صٓ
[3] اخبار "بدر" ۱۴ اگست ۱۹۵۵ء ص ۱۲،۶۔

جناب شیخ محمود احمد صاحب عرفانی نے "تاریخ مالا بار"[1] کے صفحہ ۷۰ پر ان کا بطور خاص ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلافت ثانیہ کے اوائل میں مالا باری احمدیوں کے نمائندے کی حیثیت سے سالانہ جلسہ قادیان پر قادیان بھیجے گئے تھے اور حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے آپ کا تمام حاضرین جلسہ سے تعارف بھی کرایا تھا۔ اس کتاب میں اس واقعہ کا سن دسمبر ۱۹۱۷ء بتایا گیا ہے مگر یہ سہو ہے کیونکہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ان دنوں لندن میں تھے۔ پھر یہ کونسا سال ہے؟ الفضل کے پرانے اور مستند مطبوعہ ریکارڈ سے اس پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

مولانا ابوالعطا صاحب کا سفرِ قادیان

اس سال مولانا ابوالعطا صاحب جالندھری مدیر ماہنامہ "الفرقان" اپریل کے دوسرے ہفتہ میں ہندوستان تشریف لے گئے۔ دورانِ سفر آپ کو قادیان دارالامان کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔

واپسی پر آپ نے سفرِ قادیان کے رُوح پرور تاثرات قلم بند فرمائے جو روزنامہ الفضل ۵ رمئی ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئے جن سے ۱۹۵۵ء کے قادیان کی ایک جلتی جاگتی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور تحریکِ احمدیت کی صداقت پر ایک زندہ ایمان نصیب ہوتا ہے۔ آپ نے لکھا:-

"... بیت الدعا میں چند منٹ گذارنے کے بعد اپنی قیام گاہ پر آیا۔ تلاوت قرآن مجید کی اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دوسرے بزرگوں کے مزاروں پر دُعا کرنے کے لئے بہشتی مقبرہ کی طرف روانہ ہُوا سارا راستہ وہی سکون محسوس ہُوا جو ہمیشہ ہُوا کرتا تھا۔ مَیں بعض پیشگوئیوں پر غور کرتا ہُوا بہشتی مقبرے کی سڑک پر جا رہا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ کچھ نوجوان بوڑھے بچے اور خواتین دُعا کر کے واپس آرہے ہیں اور کچھ دُعا کے لئے جا رہے ہیں۔ روضۂ مبارک پر بھی چند دوست سوز و گداز سے دُعا کر رہے تھے۔ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے روضہ پر دُعا کے بعد اپنے طریق کے مطابق پہلے اپنے اساتذہ حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحبؓ۔ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ۔ حضرت قاضی امیر حسین صاحبؓ اور حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ کی قبروں پر ان کی بلندی درجات کیلئے دُعا کی پھر اپنے پیارے اور محسن والد حضرت میاں امام الدین صاحبؓ کی قبر پر گیا۔

---

[1] مطبوعہ انوار احمدیہ پریس قادیان شیخ صاحب ۱۹۱۹ء میں مالا بار میں مبلغ تھے اور یہ کتاب آپ نے انہی دنوں تالیف فرمائی تھی۔

اور دُعا کی۔ پھر اپنی مرحومہ بیوی والدہ عزیزم عطاء الرحمٰن طاہر کی قبر پر دُعا کی۔ پھر اپنے نانا جان شیخ نظام الدین صاحب آف سٹروعہ کی قبر پر دُعا کے لئے گیا۔ آخر میں اپنی پیاری والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر دُعا کی۔ یہ قبریں بہشتی مقبرہ کے مختلف قطعات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس لئے دُعا کے لئے سارے قبرستان کا چکر لگانا ضروری ہوتا ہے اور ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد جب بھی مجھے قادیان آنے کا موقع ملا ہے مَیں نے قریباً ہر روز سارے بہشتی مقبرے میں دُعائیں کی ہیں حدیثِ نبویؐ کے مطابق زیارت قبور موت کو یاد دلاتی ہے جب مَیں بہشتی مقبرے سے واپس آرہا تھا تو مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظیم الشان قوّتِ قدسیہ کا تصوّر کر رہا تھا۔ اس زمانہ میں جب کہ آپ کے خلاف فتویٰ کُفر کا زور شور مچا اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور دوسرے معاند علماء سلسلہ احمدیہ کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی محمد حسین بٹالوی کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:۔

هُمْ يَذْكُرُوْنَكَ لَاعِنِيْنَ وَذِكْرُنَا ؛ فِي الصَّالِحَاتِ يُعَدُّ بَعْدَ فَنَاءٍ

کہ ان کو تو لوگ بُرے طور پر یاد کیا کریں گے مگر ہمارا ذکرِ خیر اور ہمارے لئے دُعاؤں کا سلسلہ ہماری موت کے بعد بھی جاری رہے گا۔ ۱۹۴۷ء کے عظیم الشان انقلاب کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار پر زائرین کا اس طرح مسلسل دُعائیں کرتے رہنا آپ کی پیشگوئی کی صداقت کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے اور ادھر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا یہ حال ہے کہ ان کی قبر کا بھی کسی کو پتہ نہیں۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے ایک دفعہ بڑی مشکل سے اُن کی نشاندہی ہوسکی تھی اور اَب تو اس کا اَتا پتہ ہی نہیں ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ان واقعات سے اپنی ہستی اور قدرت کا ثبوت دیا ہے۔"

امریکن رسالہ "لائف" میں جماعت احمدیہ کی شاندار تبلیغی جدوجہد کا ذکر

اس سال بین الاقوامی شہرت کے حامل ہفتہ وار امریکی رسالہ "لائف" (LIFE) نے دُنیا کے مشہور مذاہب پر درج ذیل اشاعتوں میں چھ تفصیلی مضامین شائع کئے۔ ہندو مذہب (۷ر فروری)۔ بُدھ مت (۷ر مارچ) چینی مذاہب (۱۱ر اپریل) اسلام (۹ر مئی)۔ یہودیت (۱۳ر جون)۔ عیسائیت (۲۰ر دسمبر)۔

۹ر مئی ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں رسالہ لائف نے اسلام پر جو مبسوط مضمون سپرد اشاعت کیا۔ اس کے آخر میں اس نے خصوصیت کے ساتھ جماعت احمدیہ کی ان مساعی کا تذکرہ کیا جو جماعت کی طرف سے ان

دنوں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے عمل میں آرہی تھیں۔ رسالہ لائف نے اس امر کا بھی اعتراف کیا کہ مبلّغینِ احمدیت جس جوش ذوق وشوق اور جان فروشی کے ساتھ افریقہ میں تبلیغِ اسلام کر رہے ہیں اس کے نتیجہ میں عیسائی پادری بے بس نظر آتے ہیں اور جہاں ان کی کوششوں کی بدولت ایک شخص عیسائیت میں داخل ہوتا ہے وہاں احمدی مبلّغوں کی مساعی سے دس افراد حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے ہیں۔

اس مفید مضمون کا ایک اہم حصّہ (مع ترجمہ) درج ذیل کیا جاتا ہے :-

MISSIONS A NEW SECT SEEKS TO WIN CONVERTS TO ISLAM

Though no faith in history spread with such fabulous speed as Islam, it was no – contrary to Western opinion propagated exclusively with fire and sword. While it is true that the Koran sanctions holy war and that many Pagan chose Islam in preference to oblivion the Moslems were generally tolerant of Christians and Jews and granted religious freedom to those who paid tribute. Numerous converts adopted Islam because of its doctrinal appeal. And in the centuries that followed its first swift florescence, it continued to spread quietly in the wake of Arab traders who carried its precepts to India, China and eventually Indonesia.

Until recently Islam had no organized missionary movement. For just as the orthodox Moslem abhorrence of mediation between man and God has obviated a priesthood, so individual faith makes every Moslem a missionary. But Islam has also been a victim of its own pride; contemptuous of other doctrines, it long denied itself the refreshing impact of new and outside ideas. Today, however, there are signs that it has begun to interest itself in the technique of Christian missions. Even the ancient Al Azhar University at Cairo, Intellectual center of Islam, which has resisted Western influences, now trains a few students annually for missionary work in the field. And certain off shoot sects are exhibiting symptoms of religious energy. Of these the most vocal is a modern sect called the Ahmadiyya, with headquarters in Pakistan and missionary centres throughout Eruope, Africa, America and the Far East.

The Ahmadiyya movement evolved in India during the last half century. Its origin, as with many other Islamic sects, was eccentric. In 1890 a performer named Mirza Ghulam Ahmad, of Qadian in the Punjab, announced that he was the bearer of a new evelation, a new interpretation of Islam for the modern era, and that his coming was foretold both in the Bible and the Koran. He claimed to be both the Messiah and the Mahdi, a Moslem version of the Messiah, and cited in evidence the similarity of his character to that of Christ (though he afterward asserted his superiority to him). A few years later he insisted that he was also an avatar, or incarnation, of the

HIndu Krishna (Life, Feb. 7). He also boasted of his ability to foretell the deaths of his opponents, which accurred so consistently in accordance with his forecasts that the government finally forbade him to exercise his prophetic power. But his teachings were liberal and pacifistic; Islam was to be propagated by precept, not by holy war, by missionaries, not by the sword.

After the death of Ahmad in 1908, his followers separated into two groups: the original Qadianis who supported Ahmad's claim to be a prophet, and the seceders, with headquarters at Lahore, who discarded this idea and formed a society for the propagation of Islam. Today both branches engage in mission work around the world. The Qadianis claim 60,000 converts in Africa, which they have made a special target.

For obvious reasons Islam is spreading wherever in the world the white man's prejudices about race and color seem to deny Christ's teachings of the fellowship of man. Like Christianity and judaism, Islam began among the predominantly Semitic peoples at the south-eastern corner of the Mediterranean basin. To day of the world's variegated Moslem populations. The vast majority are enlisted from other ethnic groups. About three quarters of them live in Asia and most of the remainder in Africa where millions of Negroes, representing roughly one fifth of the native inhabitants, have already embraced Islam. In some arears where Christian and Moslem missionaries are in competition Islam gains 10 converts for every one who accepts the rival faith. It is significant that in West Africa, Islam has come now to be regarded as the religion of the blacks as opposed to Christianity the religion of the whites.

(ترجمہ) دُنیا میں جس برق رفتاری سے اسلام پھیلا ہے تاریخ عالم میں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی، بایں ہمہ اہلِ مغرب کے نظریات کے برعکس اس کی اشاعت محض اسلحۂ جنگ اور تلوار کی مرہون نہ تھی. یہ درست ہے کہ قرآن نے جہاد کی اجازت دی اور بہت سے بے دین مشرکوں نے اس حال میں اسلام قبول کیا کہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو انہیں اپنی ہستی سے ہی ہاتھ دھونا پڑتا۔[1] لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، کہ مسلمانوں نے بالعموم عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا اور ان لوگوں کو مذہبی آزادی عطا کی جنہوں نے خراج یا جزیہ دینا قبول کر لیا. پھر ایسے لوگوں کی بھی کمی نہ تھی جو اس لئے نئے دین میں داخل ہوئے کہ اسلامی عقائد کی صداقت ان کے دلوں میں گھر کر گئی تھی۔

---

[1] فاضل مضمون نگار نے اپنے ذاتی خیالات کے ماتحت ایسا لکھا ہے ورنہ اسلامی نظریۂ جہاد کے مطابق یقیناً ایسا نہ ہوا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ کی زندگی میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس سے یہ پتہ لگتا ہو کہ کسی بھی شخص کو محض اس لئے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا، کہ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

اسلام اپنے ابتدائی زمانۂ عروج کے بعد صدیوں تک عرب تاجروں کے ذریعہ دنیا میں خاموشی کے ساتھ پھیلتا رہا، یہ عرب تاجر ہی تھے جنہوں نے اسلامی تعلیم کو ہندوستان، چین اور بالآخر انڈونیشیا تک پہنچایا۔

حال ہی میں کچھ عرصہ قبل دنیا میں تبلیغِ اسلام کی کوئی منظم تحریک موجود نہ تھی۔ مسلمانوں میں خدا اور بندے کے درمیان کسی اور کو واسطہ تسلیم نہ کرنے کے شدید جذبہ کی وجہ سے اسلام میں پاپائیت کبھی سر نہ اٹھا سکی۔ ہر مسلمان اپنے انفرادی ایمان کی بدولت اپنی ذات میں اسلام کے ایک مبلغ کی حیثیت رکھتا تھا۔ تاہم اسلام خود اپنے جذبۂ تفاخر کا اس رنگ میں شکار ہوتا رہا، کہ اس نے دوسرے معتقدات کی تحقیر میں نئے اور عجمی افکار و نظریات کے ساتھ علاقہ پیدا کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی طرف کوئی توجہ نہ دی[۱]۔ لیکن موجودہ زمانے میں اب مسلمانوں کے اندر ایسے آثار ظاہر ہو رہے ہیں کہ جن سے ایک خاص رجحان کی نشاندہی ہوتی ہے اور وہ رجحان یہ ہے، کہ مسلمانوں نے بھی اب عیسائیوں کی تبلیغی تنظیم اور اس کے فنکارانہ اسلوب میں دلچسپی لینی شروع کر دی ہے۔ حتّٰی کہ قاہرہ کی الازہر یونیورسٹی بھی جسے اسلام کے ایک علمی مرکز کی حیثیت حاصل ہے اور جو مغربی اثرات کا شدّت سے مقابلہ کرتی رہی ہے اب ہر سال بعض طلبہ کو اس غرض سے تیار کرتی ہے کہ وہ اسلام کی تبلیغ کا فریضہ ادا کر سکیں[۲]۔ مزید برآں اسلام کے بعض دوسرے فرقوں میں بھی زندگی اور قوّت کے آثار دن بدن نمایاں ہو رہے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ پیش پیش ایک نیا فرقہ ہے جو جماعتِ احمدیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا صدر مقام پاکستان میں ہے اور یورپ، افریقہ، امریکہ اور مشرقِ بعید کے ممالک میں اس کے باقاعدہ تبلیغی مشن قائم ہیں۔

احمدیت کی تحریک گذشتہ نصف صدی کے اندر اندر ہندوستان میں معرضِ وجود میں آئی بعض دوسرے اسلامی فرقوں کی طرح اس کی ابتدا بھی غیر معمولی حالات میں ہوئی۔ ۱۸۹۰ء میں (حضرت) مرزا غلام احمد نامی ایک ریفارمر نے پنجاب میں قادیان کے مقام پر صاحبِ الہام ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ نے

---

[۱] یہ بھی مضمون نگار کا ذاتی تاثر ہے ورنہ اسلام نے کسی مذہب کے معتقدات کی تحقیر نہیں کی، بلکہ صداقت کے پیش کرنے میں بھی ان کے احساسات کا خیال رکھا ہے اور بعض امور مثلاً مسئلہ توحید وغیرہ میں تو تعاون و اشتراک کی پیشکش تک کی ہے۔ (آل عمران: ۶۵)۔ [۲] الازہر یونیورسٹی کی طرف سے ابھی تک کوئی اسلامی مشن جاری نہیں ہوا۔

نئے زمانے کی ضرورت کے مطابق اسلامی تعلیمات کے نئے نئے معارف ان پر کھولے ہیں۔ انہوں نے اس امر پر بھی زور دیا کہ ان کی بعثت کی خبر بائبل اور قرآن دونوں میں موجود ہے۔ انہوں نے مسیح اور مہدی ہونے کا بھی اعلان کیا۔ اور اس کے ثبوت میں اس امر کو خاص طور پر دُنیا کے سامنے رکھا کہ خود ان میں اور مسیحؑ میں خُو بُو اور اوصاف کے لحاظ سے مماثلت پائی جاتی ہے گو بعد میں انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ بلحاظ مرتبہ مسیحؑ سے افضل ہیں۔ چند سال بعد انہوں نے اس دعویٰ کا بھی اعلان کیا کہ وہ ہندوؤں کے لئے کرشن ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو اس رنگ میں بھی ظاہر کیا کہ وہ (اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر) اپنے مخالفین کی موت کی پیشگوئی کرنے اور اُن کے انجام کے متعلق قبل از وقت اطلاع دینے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ بعد میں ان کی یہ پیشگوئیاں اس طریق پر حرف بحرف پُوری ہونے لگیں کہ حکومت نے بالآخر انہیں اس قسم کی پیشگوئیاں کرنے سے منع کر دیا[1]۔ ان کی تعلیم نرمی اور آزادخیالی پر مبنی تھی۔ انہوں نے تعلیم دی کہ اسلام جہاد کے ذریعہ نہیں بلکہ اپنی باطنی خوبیوں کے ذریعہ دُنیا میں پھیلے گا۔ اور تلوار نہیں بلکہ خالصۃً تبلیغی جدوجہد اس کی اشاعت کا ذریعہ بنے گا۔

۱۹۰۸ء میں مرزا غلام احمدؑ کی وفات کے بعد ان کے ماننے والے دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ان میں سے اصل گروہ جو ابتداءً معرضِ وجود میں آیا تھا قادیانی کہلاتا ہے اور ان کے دعویٰ ماموریت پر ایمان رکھتا ہے، علیحدہ ہونے والے گروہ نے جو اس خیال کا حامی نہیں تھا لاہور میں اشاعت اسلام کے نام سے ایک انجمن قائم کر لی ہے[2]۔ آجکل دونوں جماعتیں دُنیا بھر میں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرنے میں مصروف ہیں۔ قادیانی جماعت کا جس نے افریقہ کو خاص طور پر اپنی توجہ اور جدوجہد کا مرکز بنا رکھا ہے، دعویٰ ہے کہ وہ اب تک وہاں ساٹھ ہزار حبشی باشندوں کو اسلام میں داخل کر چکی ہے۔

---

[1] یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہمیشہ سے یہ مسلک تھا کہ کسی شخص سے متعلق انذاری پیشگوئی کا اعلان نہیں کیا جاتا تھا جب تک اس سے اجازت حاصل نہ کر لی جائے اور گورنمنٹ کا بھی یہی منشا تھا۔

[2] مضمون نگار نے غالباً یہ غلط فہمی سے لکھا ہے۔ یہ اختلاف حضرت مسیح موعودؑ کی وفات (۲۶ مئی ۱۹۰۸ء) کے معاً بعد نہیں ہوا بلکہ جماعت کے پہلے خلیفہ حضرت مولانا نورالدین بھیروی کی وفات (۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء) کے بعد ہوا ہے۔ نیز جماعت احمدیہ کی لاہوری شاخ بھی حضرت اقدس کے دعویٰ ماموریت کی ہرگز منکر نہیں۔

دُنیا میں جہاں کہیں بھی رنگ اور نسل کے بارے میں سفید فام اقوام کے تعصبات انسانی برادری سے متعلق مسیح کی تعلیم کو پسِ پُشت ڈال کر اس کی تردید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہاں اب (عیسائیت کی جگہ) اسلام پھیل رہا ہے۔ ایسا کیوں ہے۔ اس کے اسباب ظاہر و باہر ہیں۔

دینِ عیسوی اور دینِ موسوی کی طرح اسلام کا آغاز بھی بحیرۂ روم کے جنوب مشرقی کونے میں سامی النسل لوگوں کے درمیان ہی ہُوا تھا۔ چنانچہ یوروشلم کی قدیم پہاڑی جو ساتویں صدی عیسوی کے زمانہ سے مسلمانوں کے لئے ایک متبرک عبادت گاہ کا درجہ رکھتی ہے عیسائیت کے نمودار ہونے سے قبل یہودیوں کے لئے بھی اسی طرح متبرک تھی، اور وہ وہاں اپنے جانوروں کی قربانی دیتے تھے۔ اگرچہ مسلمانوں نے خود اس غرض کے لئے اس جگہ کو کبھی استعمال نہیں کیا۔ لیکن آج دُنیا میں مسلمانوں کی آبادی مختلف رنگ اور نسل کے لوگوں پر مشتمل ہے اور اس کی ایک بھاری اکثریت سامی نسل کے علاوہ کلیۃً دوسرے نسلی گروہوں سے تعلق رکھتی ہے۔ ان میں سے تین چوتھائی کے قریب ایشیا میں آباد ہے اور باقی کا اکثر حصّہ افریقہ میں پھیلا ہُوا ہے جہاں لاکھوں لاکھ حبشی باشندے جن کی تعداد وہاں کی اصل آبادی کے پانچویں حصّے کے برابر ہوگی اسلام قبول کرچکے ہیں۔ بعض علاقوں میں جہاں آجکل عیسائی مشنری اور مسلمان مبلّغ ایک دوسرے کے بالمقابل اپنے اپنے مذہب کی اشاعت میں مصروف ہیں حالت یہ ہے کہ عیسائیت قبول کرنے والے ایک شخص کے مقابلے میں دس حبشی اسلام قبول کرتے ہیں۔

یہ اَمر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ مغربی افریقہ میں اب اسلام کو واضح طور پر حبشیوں کا مذہب قرار دیا جاتا ہے جبکہ عیسائیت وہاں صرف سفید فام لوگوں کا مذہب بن کر رہ گئی ہے۔"

رسالہ کی اشاعت کے بعد نیو یارک کے ادارہ TIME INCORPORATED نے ۱۹۵۷ء میں یہ مضامین کتابی شکل میں شائع کر دیئے اور اس کا نام رکھا۔ THE WORLD'S GREAT RELIGIONS افسوس ادارہ نے کتاب میں سے جماعت احمدیہ کی تاریخ اور تبلیغِ اسلام کی مساعی کا تفصیلی ذکر خارج کر دیا اور اس کی بجائے صرف چند سطریں بطور خلاصہ لکھ دیں۔

امریکی رسالہ "لائف" کے مضمون پر اخبار "لوح و قلم" کا تبصرہ

رسالہ "لائف" کے مندرجہ بالا مضمون پر پشاور کے اخبار "لوح و قلم" نے حسب ذیل تبصرہ سپردِ اشاعت کیا:۔

"تمام عالمِ اسلام کے علماء کرام اور ساری تبلیغی جماعتیں آجکل مساجد کے ممبروں پر اخبارات اور ریڈیو پر اسلام کی تبلیغ کا فریضہ ادا کرنے میں نہایت سرگرمی سے مشغول ہیں لیکن ان کے مواعظِ حسنہ اور ان کی وعظ و نصیحت زیادہ تر بلکہ تمام تر اسلام کے حلقہ بگوش دیندار مسلمانوں کے لئے وقف ہے یورپ اور امریکہ کے غیر مسلموں تک پہنچ کر ان کو اسلام کی خوبیوں سے واقف کرنے کی سعادت ابھی انہیں نصیب نہیں ہوئی۔ بین الاقوامی تبلیغ کا حق ادا کرنے میں جماعت احمدیہ تمام اسلامی تبلیغی جماعتوں سے بازی لے گئی ہے اور اس کی نصف صدی کی کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ مغربی ممالک کے لوگ اسلامی تعلیم سے قدرے آشنا ہوگئے ہیں۔ اور یورپ اور امریکہ کے اخبار بین طبقہ نے اپنے ممالک کے اخبارات و رسالہ جات میں اسلامی واقفیت سے لبریز مضامین کو برداشت اور گوارا کر لیا ہے"[1]۔

احمدی طلباء کی نمایاں کامیابی

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۱۹۵۵ء کا سال تعلیمی اعتبار سے جماعتِ احمدیہ پاکستان کے لئے بہت مبارک ثابت ہوا۔ کیونکہ اس میں بعض احمدی طلبا اور طالبات نے امتحانات میں نمایاں پوزیشن حاصل کی۔

۱۔ عزیزہ سیدہ نعیمہ صادقہ صاحبہ (بنت سید مقصود علی شاہ صاحب مرحوم) میٹرک میں ۶۱۴ نمبر حاصل کر کے صوبہ سرحد کی لڑکیوں میں اوّل آئیں[2]۔

۲۔ بشیر احمد صاحب گورنمنٹ کوارٹرز ۳۶۔ ڈی لاہور کی صاحبزادی بشریٰ خورشید صاحبہ نے میٹرک کے امتحان میں ۶۵۱ نمبر حاصل کئے اور پنجاب بھر کی طالبات میں دوم رہیں[3]۔

۳۔ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے اعجاز الرحمٰن صاحب بی ایس سی کے امتحان میں پنجاب یونیورسٹی میں سوم رہے[4]۔

۴۔ مکرم منیر احمد صاحب رشید ابن مکرم میاں محمد اسحٰق صاحب سنوری سٹوڈنٹ گورنمنٹ کالج لاہور ۳۹۲/۵۰۰ نمبر لے کر بی ایس سی کے امتحان میں پنجاب بھر میں اوّل آئے اور ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ آپ میٹرک میں یونیورسٹی میں دوم اور ایف ایس سی میں چھٹے نمبر پر آئے تھے[5]۔

---

[1] نوح و قلم پشاور ۲۸ / اکتوبر ۱۹۵۵ء، الفضل ۱۱ / نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ [2] الفضل ۲۲ / مئی ۱۹۵۵ء صفحہ ۱
[3] الفضل ۵ / جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ [4] الفضل ۱۸ / جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۔ [5] الفضل ۲۲ / جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۷

۵۔ مکرمہ نسیم نصرت صاحبہ (بنت مکرم شیخ عبدالقیوم خان صاحب) ایس وی کے امتحان میں ۸۱۲ نمبر لے کر صوبہ بھر میں اوّل آئیں۔[1]

۶۔ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے مکرم منور احمد صاحب سعید ایف اے آرٹس کے امتحان میں یونیورسٹی بھر میں اوّل آئے۔ آپ نے ۴۶۷ نمبر حاصل کئے۔[2]

۷۔ مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب[3] (ابن محترم بابو محمد بخش صاحب سگنیلر) نے ایم اے حساب کے امتحان میں یونیورسٹی بھر میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔[4]

۸۔ محترم ڈاکٹر میجر شاہنواز خانصاحب کی بڑی صاحبزادی نصیرہ بیگم صاحبہ نے بی اے آنرز فلاسفی کے امتحان میں پنجاب یونیورسٹی میں چوتھی پوزیشن حاصل کی۔[5]

۹۔ محترمہ زبیدہ نظام صاحبہ (بنت کرنل چوہدری نظام الدین صاحب امیر جماعت احمدیہ حلقہ پنج گرائیں) اور ممتاز جمیل صاحبہ آف لاہور ایم۔اے جغرافیہ کے امتحان میں پنجاب یونیورسٹی میں بالترتیب اوّل اور دوم آئیں۔[6]

۱۰۔ مکرم محمد عباس صاحب (فرزند میاں عطاء اللہ صاحب امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی) بی ایس سی الیکٹریکل انجنیئرنگ کے آخری امتحان میں پنجاب یونیورسٹی میں دوم رہے اور ۸۹۲ نمبر حاصل کئے۔[7]

۱۱۔ محترم قاضی محمد اسلم صاحب صدر شعبہ سائیکالوجی کراچی یونیورسٹی کے صاحبزادے مکرم منصور احمد صاحب ایم اے فلاسفی کے امتحان میں یونیورسٹی بھر میں اوّل آئے نیز پاکستان کی اعلیٰ سروسز (فارن سول وغیرہ) کے امتحان میں پانچویں پوزیشن حاصل کی۔[8]

۱۲۔ مکرم بشارت احمد صاحب بیٹی آفیسر امریکہ (ابن مکرم غلام احمد خان صاحب بصیر پور، منٹگمری) اپنے امتحان میں ۹۸٫۰۸ فیصد نمبر لے کر اوّل آئے اور نیا ریکارڈ قائم کیا۔[9]

---

[1] الفضل ۹ر جولائی ۱۹۵۵ء صا۔ [2] الفضل ۱۳ر جولائی ۱۹۵۵ء صا۔ [3] حال وکیل اعلیٰ تحریک جدید و صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ۔ [4] الفضل ۵ر اگست ۱۹۵۵ء صا۔ [5] الفضل ۱۸ر اگست ۱۹۵۵ء ص۳

[6] الفضل ۲۶، ۲۷ر اگست ۱۹۵۵ء صا۔ [7] الفضل ۲ر ستمبر ۱۹۵۵ء صا

[8] الفضل ۷ر ستمبر ۱۹۵۵ء صا۔ [9] الفضل ۶ر جنوری ۱۹۵۶ء ص۶

۱۳۔ محترمہ سیّدہ ناصرہ خاتون صاحبہ (بنت محترم ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب انچارج فاطمہ جناح سینی ٹوریم کوئٹہ) پنجاب یونیورسٹی ایم اے اُردو یونیورسٹی میں اوّل آئیں۔ ان کو طلائی تمغہ دیا گیا[1]

جامعہ احمدیہ کی احمد نگر سے ربوہ منتقلی

جامعہ احمدیہ سات سال تک احمد نگر میں جاری رہنے کے بعد ۲۲ ر فروری ۱۹۵۵ء کو ربوہ میں منتقل ہوا۔ اس موقع پر احمد نگر کے سربراہ، نمبردار، اور مسلم لیگ احمد نگر کے نائب صدر نے جامعہ کے اساتذہ اور طلباء کے اعزاز میں ایک وسیع پارٹی دی اور ان کے حسن سلوک اور ہمدردانہ رویّہ کو سراہا اور سیلابوں میں ان کی ناقابلِ فراموش خدمات کو خراجِ تحسین ادا کیا۔ مکرم مولانا قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری نے احمد نگر کے معززین کا شکریہ ادا کیا اور دین و دُنیا کی کامیابی کے لئے دُعا کی۔ مولانا ابوالعطاء صاحب پرنسپل جامعۃ المبشرین قبل ازیں جامعہ احمدیہ کے پرنسپل تھے اور آپ ہی کے زیرِ انتظام فروری ۱۹۴۸ء میں یہ مرکزی ادارہ لاہور سے احمد نگر منتقل ہُوا تھا۔ مولانا صاحب بھی اس تقریب میں مدعو تھے اور آپ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ سات سالہ عرصہ میں مقامی باشندوں کے ساتھ ہمارے ایسے گہرے تعلقات رہے ہیں کہ فنانشل کمشنر صاحب پنجاب اور صوبائی وزیرِ بحالیات جب یہاں تشریف لائے تو وہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔[2]

قادیان سے رسالہ "اصحاب احمد" کا اجراء

۲۶ ر مئی ۱۹۵۵ء کو جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے نے قادیان سے ایک دو ماہی رسالہ "اصحاب احمد" کے نام سے جاری کیا جو جولائی ۱۹۵۶ء تک شائع ہوتا رہا۔ اس رسالہ میں نہ صرف متعدد اصحاب مسیح موعود کے ایمان افروز حالات شائع ہوئے بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مولانا نور الدینؓ، حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کی مبارک تحریرات کے عکس اور چربے اور تاریخ سلسلہ سے متعلق نہایت قیمتی اور نایاب تصاویر محفوظ ہوگئیں۔ علاوہ ازیں حضرت مصلح موعودؓ کے سفرِ یورپ ۱۹۲۴ء کے ابتدائی کوائف بھی ریکارڈ ہوئے۔ یہ رسالہ سیّدی حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب سے دُعا کے بعد جاری کیا گیا۔ آپ ۱۰ر اپریل ۱۹۵۵ء کو ربوہ سے دارالامان وارد ہوئے تھے۔[3]

---

[1] الفضل ۲۰ر جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۔ [2] الفضل ۲۴ر فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ [3] اخبار بدر ۱۴ر اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ کالم ۴

قادیان کے احمدی اور شرنارتھی

حکومت ہندوستان نے ایک طویل کشمکش کے بعد بالآخر یہ فیصلہ دیا کہ صدر انجمن احمدیہ[1] قادیان کی جائیداد کو واپس کیا جائے۔ اس فیصلہ پر قادیان کی شرنارتھی سیوک سبھا نے احتجاج کیا اور ہندوستان کی مرکزی حکومت کو ایک میموریل بھیجا۔ جس کی ایک نقل دہلی کے ایک مشہور اخبار "ریاست" کو بھی ارسال کی۔ یہ اخبار سردار دیوان سنگھ مفتون کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ اخبار "ریاست" نے اس میموریل پر "قادیان کے احمدی اور شرنارتھی" کے عنوان پر حسب ذیل شذرہ لکھا:۔

"پرشارتھی سیوک سبھا قادیان (گورداسپور) نے اس میموریل کی ایک نقل اشاعت کے لئے دفتر

---

[1] "صدر انجمن احمدیہ قادیان" ایک مذہبی ادارہ ہے جو سائیسٹیز ایکٹ آف ۱۸۶۰ء کے تحت ۱۹۰۶ء سے رجسٹرڈ شدہ ہے اور اپنے بائی لاز کے مطابق مسلسل کام کر رہا ہے۔ بعض لوگوں نے یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی کہ انجمن احمدیہ کے صدر احمدیوں کے خلیفہ ہیں جن کے پاکستان چلے جانے کے بعد یہ انجمن خود بخود EVACUEE ہو جاتی ہے۔ حالانکہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کے الفاظ میں صدر کا لفظ پریذیڈنٹ کے مفہوم کے لئے کبھی استعمال نہیں ہوا بلکہ اس کے معنے ہمیشہ مرکزی انجمن احمدیہ قادیان کے لئے گئے ہیں۔ اس نوع کی بے بنیاد باتوں اور مغالطہ انگیزیوں کے نتیجہ میں محکمہ کسٹوڈین نے شروع ۱۹۵۱ء میں انجمن کے خلاف نوٹس جاری کر دیا۔ یہ مقدمہ دو سال تک جاری رہا اور ضلع گورداسپور کے اسسٹنٹ کسٹوڈین سے لے کر ہندوستان کے کسٹوڈین جنرل تک پہنچا اور بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ صدر انجمن احمدیہ قادیان پناہ گزین EVACUEE نہیں ہے۔ اس لئے اس کے خلاف مقدمہ خارج کیا جاتا ہے۔ اور بنکوں میں رکی ہوئی رقم واپس کی گئی۔ اس فیصلے پر صدر انجمن احمدیہ قادیان کی طرف سے کسٹوڈین صاحب کی خدمت میں انجمن کی جائیدادوں کی فہرست پیش کی گئی۔ اس فہرست میں قادیان کے قریباً چالیس مکانات بشمول تعلیم الاسلام کالج دو سکول اور ہسپتال بھی تھے۔ اور سفید زمین کے چند پلاٹ بھی۔ چونکہ اس جائیداد پر تقسیم کے بعد بعض ادارے یا شرنارتھی قابض ہو گئے تھے۔ اس لئے ان میں تشویش پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ شیخ عبد الحمید صاحب عاجز ناظر امور عامہ و خارجہ قادیان نے بدر ۱۴ر اپریل ۱۹۵۵ء میں یہ ساری تفصیلات بیان فرمانے کے بعد قادیان کی پرشارتھی سیوک سبھا کو توجہ دلائی کہ وہ اس سلسلہ میں معقول آئینی اور پُرامن طریق اختیار کرے۔

"ریاست" میں بھیجی ہے جو اس سبھا نے ہندوستان کی مرکزی گورنمنٹ کو بھیجی۔ اس میموریل میں خواہش کی گئی ہے کہ قادیان کی احمدی جماعت کو وہ جائیداد واپس نہ کی جائے جس پر شرنارتھی ۱۹۴۷ء سے قابض ہیں اور جس کو خالی کرنے کے لئے حکومت نے ابھی حال ہی میں حکم دیا ہے۔

قادیان کے احمدیوں کی پوزیشن یہ ہے کہ جب ۱۹۴۷ء میں فسادات ہوئے تو ان کا زیادہ حصّہ قتل، خون ریزی اور غنڈہ پن سے خوف زدہ ہو کر پاکستان چلا گیا۔ مگر دو سو کے قریب احمدیوں نے جن کو اب جاں نثار درویش کہا جاتا ہے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اور بڑے بڑے خطرہ سے بے نیاز ہوتے ہوئے فیصلہ کیا کہ یہ اپنے اس مذہبی ہیڈ کوارٹر کو نہ چھوڑیں گے کیونکہ یہاں ان کے بانیٔ مذہب حضرت مرزا غلام احمد اور دوسرے مذہبی لیڈروں اور مشاہیر کے مقبرے اور تاریخی یادگاریں ہیں چنانچہ دو سو جاں نثار درویش پاکستان نہ گئے اور انہوں نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہر خطرہ کو لبیک کہا حالانکہ اس زمانہ میں مشرقی پنجاب میں مسلمان ہونا یا مسلمان کہلانا ایک سنگین جُرم تھا جس کی سزا غنڈوں کے ہاتھوں سے قتل اور خون ریزی سے کم نہ تھی۔ یہ واقعات ۱۹۴۷ء کے ہیں۔ اس کے بعد جب اس صوبہ میں کچھ سکون اور امن ہوا تو یہاں کی احمدی جماعت نے حکومت سے درخواست کی کہ ان کی جائیداد (جس پر شرنارتھی قابض ہیں) اور روپیہ (جو بنکوں میں جمع تھا) ان کو واپس کیا جائے۔ چنانچہ احمدیوں کی بہت بڑی جد و جہد کے بعد مرکزی گورنمنٹ نے حکم دیا کہ چونکہ یہ روپیہ اور جائیداد ایک مذہبی ٹرسٹ کی ملکیت ہے یہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں۔ اس جائیداد کو کسٹوڈین کے قبضے میں رہنا خلافِ انصاف ہے۔ گورنمنٹ کے حُکم سے بنکوں نے تو روپیہ ادا کر دیا مگر وہ شرنارتھی جو اس جائیداد پر قابض ہیں اس مقبوضہ جائیداد کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں اور یہ میموریل بھی اس غرض کے لئے ہی گورنمنٹ کو بھیجا گیا ہے کہ یہ جائیداد کسٹوڈین پراپرٹی قرار دی جائے اور جائیداد کو شرنارتھیوں سے خالی نہ کرایا جائے۔ احمدیوں کی اس جائیداد کے متعلق بہت بڑا سوال اصول کا ہے۔ مثلاً ایک مسلمان کرنال کا رہنے والا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات سے خوف زدہ ہو کر یہ بمبئی چلا گیا۔ یہ کبھی بھی پاکستان نہیں گیا اور ہمیشہ ہی ہندوستان میں رہا۔ تو اگر یہ مسلمان آج اپنے وطن کرنال جا کر وہاں اپنی جائیداد میں آباد ہونا چاہتا ہو تو کیا اس شخص کو صرف مسلمان ہونے کے جُرم اور اس کے اپنی جان بچا کر بمبئی چلے جانے کے گناہ کی یہ سزا دی جا سکتی ہے کہ اس کی جائیداد واپس نہ کی جائے اور اسے کہا جائے کہ

کرنال میں قدم نہ رکھو یا اگر ۱۹۴۷ء کے فسادات سے خوف زدہ ہو کر درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے تمام سجادہ نشین، مجاور اور جاروب کش دہلی سے بھاگ جاتے اور کوئی شخص بھی اس درگاہ میں نہ رہتا تو کیا اس درگاہ یعنی ایک مذہبی معابد کو کسٹوڈین کی ملکیت میں دیا جا سکتا تھا۔ یعنی اگر ان دونوں صورتوں میں کسٹوڈین کو جائیداد پر قبضہ کرنے کا حق حاصل نہیں تو پھر قادیان کی احمدی جماعت جو خالص مذہبی جماعت ہے، کی جائیداد کیونکر کسٹوڈین کے قبضہ میں رہ سکتی ہے اور کیوں اسے واپس نہ کیا جائے۔ جبکہ احمدی جماعت کے لئے قادیان کی وہی پوزیشن ہے جو سنّیوں کے لئے درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی اور قادیان میں تو دو سو کے قریب احمدی اپنی جان کو ہتھیلی میں رکھ کر ثابت قدم اور موجود رہے۔ قادیان کے شرنارتھیوں کے ساتھ ہر شریف انسان کو ہمدردی ہونی چاہیئے کیونکہ یہ لوگ صاحب جائیداد تھے اور تباہ ہو کر پاکستان سے ہندوستان آئے اور ان کو ناقابلِ برداشت اور ناقابلِ بیان مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر ان شرنارتھیوں کی امداد کی صورت یہ ہے کہ ہندوستان سے پاکستان جاچکے مسلمانوں کی جائیداد میں سے ان کو جائیداد دی جائے اور ان کی کسٹوڈین کے فنڈ میں سے نقد روپیہ کی امداد کی جائے۔ ہم چاہتے ہیں کہ حکومت اور قادیان کے شرنارتھی دونوں اس مسئلے پر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں۔ اور احمدی جماعت کی جائیداد ان کو واپس کی جائے کیونکہ احمدی جماعت مذہبًا ہر اس حکومت کی وفاشعار ہے جو حکومت برسر اقتدار ہو۔ یعنی یہ لوگ حکومت کے خلاف کسی سیاسی تحریک میں حصّہ نہیں لے سکتے یہ خالص مذہبی جماعت ہے اور ان کے ساتھ کینہ اور بغض کا سلوک کرنا انصاف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (ریاست دہلی)[1]

وفات خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی

شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب سجادہ نشین حضرت نظام الدین اولیاء (ولادت ۲۵ دسمبر ۱۸۷۸ء، وفات ۳۱ جولائی ۱۹۵۵ء) جو برصغیر ہند و پاک کے مشہور مذہبی راہنما اور اردو کے قدیم اور صاحبِ طرز ادیب تھے اس سال انتقال کر گئے۔ خواجہ صاحب عربی، فارسی، اردو اور ہندی کے بہت بڑے سکالر تھے۔ ۱۹۱۱ء میں انہوں نے مصر اور شام اور حجاز کا سفر کیا۔ یہ سفر نامہ ضخیم ہونے کے باوجود ہاتھوں ہاتھ بکا۔ اس کے بعد آپ نے غدر ۱۸۵۷ء کے متعلق متعدد کتابیں لکھیں جو اس پُر آشوب زمانہ کی تاریخ کا

---

[1] ہفت روزہ "بدر" قادیان ۱۴ جولائی ۱۹۵۵ء صفحہ ۲

مستند مأخذ سمجھی جاتی ہیں۔ آپ نے قرآن مجید کا اردو اور ہندی میں بھی ترجمہ کیا جو مقبولِ عام ہوا۔ آپ نے اپنی زندگی میں بیسیوں اخبار و رسائل کی ادارت کی۔ اخبار "منادی" آخر وقت تک مرتب کرتے رہے۔ آپ کا روزنامچہ انتہائی دلچسپی سے پڑھا جاتا تھا[1]۔ آپ کے مریدوں کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ نہایت مرنجان مرنج اور ہر قسم کے تعصب سے پاک طبیعت رکھتے تھے۔ جس امر کو حق سمجھتے اُس کا برملا اظہار کر دیتے تھے۔ باوجود اختلافِ مسلک کے عمر بھر جماعت احمدیہ سے آپ کے مراسم و روابط نہایت درجہ گہرے رہے۔ ان تعلقات کا آغاز ۱۸۹۱ء سے ہوا جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو اپنے قلمِ مبارک سے ایک خط لکھا کہ :-

ہم نے آپ کی صحت کے لئے خدا سے دُعا مانگی اور ہم کو الہام ہوا کہ "خواجہ حسن نظامی ابھی بہت دن زندہ رہیں گے اور مسلمانوں کے بڑے بڑے کام کریں گے۔"

آپ نے یہ خط اپنے اخبار منادی بابت ماہ ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۴ میں شائع کر دیا تھا[2]۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اکتوبر ۱۹۰۵ء میں آخری بار دلی تشریف لے گئے اور دوسرے اکابرِ اُمت کے علاوہ حضرت نظام الدین اولیاء کے مزارِ مبارک پر بھی دُعا کی۔ اس موقع پر خواجہ حسن نظامی صاحب نے نہایت محبت و خلوص کا ثبوت دیا۔ حضرت اقدس اور آپ کے خدام کو اپنے خاص حجرے میں لے گئے۔ ایک کتاب "شواہدِ نظامی" ہدیۃً پیش کی۔ اور پہلے زبانی اور بعد کو تحریری درخواست کی کہ حضور اُنہیں کوئی تحریر عطا فرمائیں۔ حضرت اقدس نے واپسی پر ۱۲ نومبر ۱۹۰۵ء کو تبرکاً ایک مبارک تحریر بھجوائی جو اخبار بدر قادیان ۲۴ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳[3]

---

[1] اخبار "نوائے وقت" ۳ اگست ۱۹۵۵ء

[2] روزنامہ الفضل ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ میاں عبدالوہاب صاحب عمر کا بیان ہے کہ :-

سکول کی طالب علمی کے زمانہ میں میں نے آپ کو ایک خط لکھا۔ بواپسی جواب آیا "مجھے ایک دفعہ دِق ہوگئی تھی تو حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو میں نے دُعا کے لئے لکھا۔ آپ نے مجھے جواب دیا کہ آپ اس مرض سے فوت نہیں ہوں گے۔ اور ساتھ ہی مولانا حکیم نورالدین کو لکھا کہ حسن نظامی کے لئے دوا تیار کر کے بھیجو۔ چنانچہ مجھے اس مرض سے شفا حاصل ہوگئی۔" (روزنامہ الفضل ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳)

[3] متن کے لئے دیکھیں "تاریخ احمدیت" جلد سوم صفحہ ۳۹۴ حاشیہ

کالم ۱ میں بھی چھپ گئی۔ خواجہ صاحب نے ۱۹۰۹ء میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّل سے بھی اس قسم کی درخواست کی تھی۔ جس پر حضور نے حضرت نظام الدّین اولیاء کی شان وعظمت کے بارہ میں ایک ایمان افروز مکتوب لکھا[1]۔ حضرت مصلح موعودؓ سے حضرت خواجہ صاحب موصوف کو عمر بھر نہایت مخلصانہ تعلق رہا۔ ۱۹۳۱ء کی تحریک آزادئ کشمیر میں آپ حضرت مصلح موعودؓ کی قیادت میں جو بے لوث انتھک اور شاندار خدمات بجالائے اُن کی تفصیل تاریخ احمدیت جلد ششم حصّہ دوم میں گزر چکی ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ اپنے مشہور سفرِ حیدرآباد دکن سے واپسی پر دہلی تشریف لائے تو ۲۸ ر اکتوبر ۱۹۳۸ء کو خواجہ حسن نظامی صاحب نے حضور کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ خواجہ صاحب نے اس موقع پر حضور کی اقتداء میں نماز بھی ادا کی اور حضور کا ایک گروپ فوٹو مسجد نواب خان دوراں میں لیا گیا جس میں خواجہ صاحب کے علاوہ چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب اور دیگر عمائدین ومعززین بھی تھے۔ یہ یادگار فوٹو شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنے اخبار "منادی" (مورخہ ۲۴ ر دسمبر ۱۹۳۹ء) میں سپردِ اشاعت کیا اور اُس کے نیچے ایک مفصّل نوٹ دیا جس میں لکھا:۔

"مَیں اپنے تعلقات کی یادگار میں جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب سے میرے تھے اور اُن کے فرزند اور خلیفہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب سے ہیں۔ اور مرزا صاحب نے اپنی خلافت کے پچیس سالہ ایّام میں اسلام کی اور مسلمانوں کی بڑی بڑی خدمات انجام دی ہیں اور سر محمد ظفر اللہ خان جیسے خادمِ اسلام اور مسلمین افراد تیار کئے ہیں۔ اس لئے میں یہ تصویر اپنی جماعت اور ناظرینِ منادی کی معلومات کے لئے اور جوبلی کی خوشی میں دل سے شریک ہونے کے لئے شائع کرتا ہوں۔ حسن نظامی[2]"۔

خواجہ صاحب اتحاد بین المسلمین کے پُرجوش حامی اور علمبردار تھے اور آپ کو اُمّت میں انتشار و تشتّت پر بہت دُکھ ہوتا تھا اسی جذبہ اتحاد اور رُوحِ وحدت کی بناء پر آپ نے ۱۹۵۰ء میں فرمایا کہ:۔

"جو لوگ اس وقت مسلمانوں کے فرقوں اور خصوصاً قادیانیوں کے خلاف تقریریں کرتے پھرتے ہیں پاکستان کے دشمن اور بھارت کے ایجنٹ ہیں[3]"۔

---

[1] الحکم ۲۸ ر فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۳ کالم ۱، تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۳۰۳ ر ۳۰۴۔ [2] مفصل نوٹ "تاریخ احمدیت" جلد ہشتم صفحہ ۶۱۳، ۶۱۴ میں ملاحظہ ہو۔ [3] اخبار "آزاد" لاہور ۲۸ ر جون ۱۹۵۰ء صفحہ ۶۔

نیز دردمند دل کے ساتھ تحریر فرمایا :-

" اگر سچ مچ علماء مذکور (مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی) نے ایسا جلسہ کیا تھا تو مجھے خدا کے سامنے سجدہ میں گر کر رو رو کر دُعا کرنی چاہیئے کہ وہ علماء مذکور کو اس غلط طرزِ عمل سے بچائے اور یا مجھکو اس دُنیا سے جلدی اُٹھائے تاکہ مَیں اپنی مسلمان قوم کی تباہی اور پاکستان کی تباہی نہ دیکھوں جو ایسے غلط کاموں سے ہونی ضروری ہے[1]"

چنانچہ آپ کی دُعا قبول ہوئی اور آپ ۳۱ جولائی ۱۹۵۵ء کو انتقال کر گئے۔ آپ کی المناک رحلت پر برّصغیر پاک و ہند کے پریس نے خصوصی نوٹ لکھے اور گہرے رنج والم کا اظہار کیا۔ چنانچہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم اے ایڈیٹر بدر (قادیان) نے خاص طور پر لکھا کہ :-

" ہمیں یہ افسوس ہے کہ اس وقت جبکہ ایسے محبّ وطن صلح ذی وجاہت اور با اثر شخصیتوں کی نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ بھارت کو ازحد ضرورت ہے آپ کے مفید وجود سے ہم محروم ہو گئے ہیں[2]"

ملک صاحب نے اپنے اس نوٹ میں اپنی نجی ملاقاتوں کا ذکر بھی کیا اور لکھا :-

" ۱۹۵۲ء میں آپ بواسیر کے باعث فریش تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں کراچی وغیرہ سے ہو کر آیا ہوں۔ احمدی احباب نے ربوہ لے جانے کے لئے بہت اصرار کیا۔ لیکن بعض روکاٹیں تھیں۔ اب نہ معلوم مَیں زندہ رہوں کہ نہ رہوں اس لئے بار بار افسوس ہوتا ہے کہ (حضرت) مرزا صاحب (امام جماعت احمدیہ) سے کیوں ملاقات نہ کر آیا۔ ۱۹۵۳ء میں ...... جناب خواجہ صاحب سے پھر ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس صورتِ حالات سے سخت دُکھ ہوا ہے۔ اور پاکستان سے عُرس پر آنے والے معززین سے علیحدگی میں مَیں نے حالات دریافت کئے اور خواجہ ناظم الدین کو (جو اس وقت گورنر جنرل تھے) اور بعض دیگر سرکردہ لیڈروں کو پیغام بھیجے ہیں[3]"

کوئٹہ میں بہائیوں پر اتمامِ حُجّت مولانا ابوالعطا صاحب اس سال موسم گرما میں تین ہفتے کے لئے کوئٹہ تشریف لے گئے۔ عرصہ قیام میں مولانا صاحب نے

---

[1] "منادی" جون ۱۹۵۲ء بحوالہ رسالہ "چند معروضات" صفحہ ۱ از اصغر بھٹی صاحب بی اے علیگ۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ سرگودھا ممبر پنجاب پراونشل مُسلم لیگ کونسل مطبوعہ پاکستان پرنٹنگ ورکس ایبٹ آباد روڈ لاہور۔

[2] اخبار بدر ۷ راگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۵ ۔ [3] ہفت روزہ بدر قادیان ۷ راگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۵

اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے سرکردہ بہائیوں سے گفتگو کے بعد بہائیوں پر اتمامِ حجت کے لئے پانچ مقالے سپردِ قلم فرمائے۔ یہ پُر مغز مقالے ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰ اور ۲۲ ر اگست ۱۹۵۵ء کو آپ نے عام اجلاسوں میں پڑھے اور ہر مقالے کے بعد بہائی صاحبان کو سوالات کا موقع بھی دیا۔ اس اہم واقعہ کی تفصیل مولانا ابو العطا صاحب کے قلم سے درج ذیل کی جاتی ہے فرماتے ہیں :۔

" امسال موسمِ گرما میں مجھے تین مہینے کے لئے کوئٹہ جانے کا اتفاق ہُوا۔ کوئٹہ میں بہائیوں کی ایک مختصر سی جمعیت ہے۔ مگر یہ لوگ اپنے پروپیگنڈے اور وسوسہ اندازی میں بہت ہوشیار ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ بہائی صاحبان نے مشہور کر رکھا ہے کہ کوئی عالم ہمارا جواب نہیں دے سکتا۔ مَیں نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اس عرصۂ قیام میں احباب کو بہائیت کے متعلق معقول واقفیت بہم پہنچائی جائے اور بہائیوں کے تمام اعتراضات کا قلع قمع کیا جائے۔ بعض احباب جماعت کی معیت میں مَیں بہائی ہال اور بہائی لائبریری میں گیا۔ ہم نے اس ہال میں جو ایک غیر معمولی کمرہ ہے تین چار سرکردہ بہائیوں سے گفتگو کی اور مَیں نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم بہائیت کے متعلق چند تحریری مقالے یہاں پڑھیں گے۔ بہائی اور دوسر احباب سُنیں اور مقالہ ختم ہونے پر مناسب وقت سوال و جواب کے لئے رکھ لیا جائے۔ اس طرح سے فریقین کے دلائل سامنے آجائیں گے اور اعتراضات کے جواب ہو جائیں گے۔ بہائی سیکرٹری صاحب نے کہا کہ تحریری طور پر یہ تجویز آجائے تو اپنی محفل میں پیش کر کے جواب دے سکیں گے۔ چنانچہ ہماری جماعت کی طرف سے یہ تجویز لکھ کر بھیجی گئی مگر بہائیوں کی طرف سے انکار میں جواب آگیا۔

آخر ہم نے فیصلہ کیا کہ بہائیوں کو عام دعوت دے کر یہ مقالے احمدیہ مسجد کوئٹہ کے احاطہ میں پڑھے جائیں۔ چنانچہ بذریعہ تحریری اعلان انہیں اطلاع دی گئی اور پُورا پروگرام بھیج دیا گیا۔ یہ پانچ مقالے ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰ اور ۲۲ر اگست ۱۹۵۵ء کو پڑھے گئے۔ اس میں احمدی احباب کے علاوہ سُنّی اور دوسرے مسلمان احباب نے بھی شرکت فرمائی۔ مستورات کے لئے پردے کا انتظام تھا۔ چند بہائی صاحبان بھی آتے رہے۔ ہر مقالہ کے بعد انہیں سوالات کا موقع دیا جاتا رہا۔ اچھے ماحول میں سلسلۂ سوال و جواب جاری رہا اور حاضرین پر حق واضح ہو گیا۔ بہائیوں کی طرف سے بعض اوقات تین تین اصحاب یکے بعد دیگرے سوالات کرتے رہے سب کے تفصیلی جواب حاضرین کے گوش گزار کئے گئے۔ ان پبلک اجتماعات کے علاوہ جناب شیخ محمد اقبال صاحب تاجر کی طرف سے بہائی سیکرٹری کو محدود اصحاب کی موجودگی میں چائے پر بلایا

گیا۔ اس موقع پر ان پر اتمامِ حُجّت کی گئی انہوں نے سوچنے کا وعدہ کیا۔[1]

مولانا صاحب نے یہ یادگار مقالے ۳۰؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو "بہائیت کے متعلق پانچ مقالے" کے عنوان سے شائع کر دیئے اور ان مقالات کے بعد بطور نمونہ ایک اور باب کا بھی اضافہ کیا جس میں قرآنی آیات سے متعلق بہائی صاحبان کی مغالطہ انگیزیوں کا مُسکت و مدلّل جواب تھا۔

مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی ایڈیٹر "صدق جدید" لکھنو نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:۔

"کتاب کے مصنف "احمدی" ہیں اور کتاب احمدیت ہی کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے۔ اس لئے اس میں مناظرانہ رنگ جھلکنا قدرتی ہے۔ تاہم بہت سی پُرمغز باتیں بھی بہائی مذہب و شریعت سے متعلق ان صفحات میں مل جاتی ہیں۔"[2]

آنریری مبلغ احمدیت سوڈان کا انتقال

السیّد ابراہیم عباس فضل اللہ جو سوڈان کے دارالسلطنت خرطوم کے باشندہ تھے اور سوڈان میں آنریری طور پر تبلیغ احمدیّت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اس سال ۲۸؍ اگست ۱۹۵۵ء کو وفات پا گئے۔ مرحُوم نے ۲۲ سال کی عمر میں ۲۴؍ نومبر ۱۹۴۱ء کو احمدیت قبول کی اور پھر حضرت مصلح موعودؓ کی تحریک پر لبّیک کہتے ہوئے بغرض تعلیم ۳؍ مارچ ۱۹۵۲ء کو پاکستان آئے اور ربوہ میں تعلیم پانے کے بعد ۱۴؍ مئی ۱۹۵۳ء کو اپنے وطن کو لوٹے اور پہلے خرطوم میں ایک کمپنی میں کام شروع کیا اور ساتھ ہی سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر کی تقسیم اور زبانی تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری کیا۔ ازاں بعد اپنی الگ تجارت قائم کر لی اور چوہدری محمد شریف صاحب مبلغ احمدیت مقیم حیفہ کو لکھا کہ اب میں بہت آزادی سے پیغام احمدیت پہنچا سکتا ہوں۔ لیکن افسوس زندگی نے وفا نہ کی اور آپ ۳۷ سال کی عمر میں اپنے مولیٰ کریم سے جا ملے۔

السیّد ابراہیم عباس کا اپنے بیوی بچّوں کو چھوڑ کر محض دینی تعلیم کی خاطر پاکستان میں آنا اور پھر آنریری طور پر تبلیغ احمدیت کرنا اخلاص کا بہترین نمونہ ہے جو بلادِ عربیہ کے احمدی نوجوانوں کے لئے ہی نہیں

---

[1] بہائیت کے متعلق پانچ مقالے از مولانا ابوالعطاءؓ صاحب صفحہ ۲، ۳

[2] "صدق جدید" لکھنو مؤرخہ ۳۱؍ اگست ۱۹۵۶ء۔ بحوالہ "بدر" ۱۲/۷ اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۵۔

تمام دُنیا کے احمدیوں کے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے[1]۔

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کا معلومات افزا لیکچر جھنگ مگھیانہ میں

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی (کنٹیب) فیلو سینٹ جان کیمبرج کالج اس سال پاکستان تشریف لائے۔ آپ اُن دنوں اقوامِ متحدہ کی ایٹمی توانائی برائے پُرامن مقاصد کانفرنس جینوا کے سائنٹفک سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات بجا لا رہے تھے۔ ۹ ستمبر ۱۹۵۵ء کو آپ کے اعزاز میں جھنگ ڈسٹرکٹ بورڈ ہال میں وسیع پیمانہ پر عصرانہ دیا گیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے معلومات افروز انگریزی لیکچر میں، ایٹم کی تاریخ اور اس کی طاقت پر نہایت دلچسپ انداز میں روشنی ڈالی اور آخر میں سوالوں کے جوابات بھی دیئے[2]۔

جماعت اسلامی کے ترجمان "تسنیم" نے اس علمی تقریر کی مفصّل کارروائی درج ذیل الفاظ میں شائع کی:۔

"جھنگ مگھیانہ (ڈاک سے) دُنیا کے مشہور سائنسدان مسٹر آئن سٹائن کے واحد ایشیائی ساتھی جناب ڈاکٹر عبدالسلام ایم اے پی ایچ ڈی کینٹیب نے امین الدین ہال جھنگ میں مقامی حکام ضلع، وکلاء اور شہر کے صاحبِ علم و فکر معززین کے ایک بہت بڑے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایٹمی طاقت صرف جنگ ہی میں نہیں بلکہ پُرامن مقاصد کے لئے بھی ایک نعمت ثابت ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام جو سینٹ جان کالج کیمبرج کے فیلو ہیں اور جو جینوا کی حالیہ بین الاقوامی ایٹم برائے امن کانفرنس کے سائنٹیفک سیکرٹری بھی تھے۔ شیخ ایم بشیر احمد ایجنٹ برما شیل جھنگ کی طرف سے دی گئی ٹی پارٹی میں تقریر کر رہے تھے۔

آپ نے کہا کہ امریکہ نے قریباً چھ سیر صاف شدہ یورینیم ایٹمی تجربات کے لئے پاکستان کو دی ہے۔ اس کے علاوہ بہت جلد پاکستان میں ایک ایٹمی ری ایکٹر بھی تعمیر کیا جائے گا۔ اس طرح طاقت کی فاضل پیداوار سے عوام کے معیارِ زندگی پر کافی خوشگوار اثر پڑے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ آئندہ قریباً ساٹھ سال تک دُنیا میں طاقت کے وسائل از قسم پٹرول، کوئلہ گیس وغیرہ میں بہت حد تک کمی واقع ہو جائے گی تو اس وقت طاقت کی تمام ضروریات ایٹمی قوت سے

---

[1] الفضل ۱۱ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱، ہفت روزہ "بدر" ۲۱ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۰

[2] الفضل ۱۵ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔

ہی پوری کی جائے گی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر کے دوران میں تختہ سیاہ پر سامعین کو مختلف اشکال کے ذریعہ یہ سمجھایا کہ ایٹمی فارمولا سے کس طرح حسب ضرورت کام لیا جا سکتا ہے۔ کس طرح ایٹم کو توڑا جا سکتا ہے اور کس طرح اس سے طاقت حاصل کر کے کارخانے، فیکٹریاں اور دوسری روزمرّہ کی ضروریات میں کام لایا جا سکتا ہے۔ آپ نے بعض اصحاب کے سوالات کے جوابات میں فارمولا کی تفصیل کے ساتھ وضاحت کی۔ آپ نے کہا برطانیہ میں ۱½ سو یونٹ فی کس طاقت استعمال کرنے پر ۲۲ سو ڈالر آمدنی۔ شام و لبنان اور ترکی میں ۳۰ یونٹ پر ½ ۱ سو ڈالر آمدنی اور پاکستان میں ۴ یونٹ پر ۵۰ ڈالر فی کس آمدنی کا تخمینہ ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ہائیڈروجن ایٹم کے سلسلے میں بھی وضاحت کے ساتھ اپنے تجربات کا نچوڑ بتایا۔ آپ نے انگریزی زبان میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ روس میں ہائیڈروجن ایٹم سے متعلق بہت زیادہ کوشش سے تحقیقات جاری ہے کیونکہ جہاں یورینیم کے حصول میں مختلف قسم کی دقتیں پیش آتی ہیں وہاں ہائیڈروجن ایٹم کی تیاری میں صرف پانی سے کام لیا جائے گا۔

ڈاکٹر عبدالسلام کا تعارف کراتے ہوئے صدر جلسہ شیخ یوسف شاہ بیرسٹرایٹ لاء[1] نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب جھنگ کے ایک متوسط و معزز گھرانہ کے ہونہار فرزند ہیں۔ آپ نے میٹرک، بی اے اور ایم اے میں پنجاب یونیورسٹی اور پی ایچ ڈی میں کیمبرج یونیورسٹی کے سابقہ ریکارڈ کو مات کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب پہلے اور واحد ایشیائی ماہر ریاضی دان ہیں جنہوں نے مغرب کے شہرہ آفاق سائنس دان مسٹر آئن سٹائن کے ساتھ کام کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی عمر تقریباً ۳۳، ۳۴ سال ہے اور آپ جھنگ کے ایک ریٹائرڈ ہیڈ کلرک محکمہ تعلیم کے صاحبزادے ہیں۔ آج کل آپ کیمبرج یونیورسٹی میں سائنس کے لیکچرار اور بین الاقوامی ایٹم برائے امن کانفرنس جنیوا کے سیکرٹری ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ دُنیا کے چیدہ دماغوں میں سے ایک بہترین دماغ کے مالک ہیں۔ یہ تقریب آپ کے اعزاز میں شیخ ایم بشیر احمد تاجرؒ و ایجنٹ برماشیل و مسٹر نُور سلطان ایڈووکیٹ جھنگ کی طرف سے منعقد کی گئی تھی جو قریباً ½ ۲ گھنٹے جاری رہی۔"[2]

دفتر لجنہ اماء اللہ کراچی کا افتتاح

۱۹ ستمبر ۱۹۵۵ء کو حضرت سیدہ اُمّ ناصر صاحبہؓ کے مبارک ہاتھوں سے لجنہ اماء اللہ کراچی کے دفتر کا باقاعدہ افتتاح عمل میں آیا۔ اس تقریب پر لجنہ کراچی کی ویزیٹرز بُک VISITORS BOOK پر حضرت

---

[1] امیر جماعت احمدیہ ضلع جھنگ۔ [2] روزنامہ "تسنیم" لاہور ۱۴ ستمبر ۱۹۵۵ء صہ ۲۔

اُمّ امۃ المتین سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ مدّظلہا العالی صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ نے اپنے دستِ مبارک سے حسب ذیل تحریر رقم فرمائی :-

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ   نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

خُدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النّــــــــــــاصِرُ

الحمدللہ آج ۱۹ ستمبر ۱۹۵۵ء کو لجنہ اماء اللہ کراچی کے مرکزی دفتر کا افتتاح ہُوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ لجنہ اماء اللہ کراچی کی عہدہ داروں اور تمام ممبرات کو صحیح رنگ میں کام کرنے کی توفیق ملے اور دفتر کا قیام ان کے لئے مزید ترقیات کا موجب ہو۔ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کریں۔ اور لجنہ اماء اللہ کے قیام کا جو صحیح مقصد ہے کہ نظام احمدیت کی عمارت کی ہر عورت ایک مضبوط اینٹ بنے۔ وہ مقصد ان کے ذریعہ پُورا ہو۔ آمین اللّٰھم آمین۔

(دستخط) مریم صدیقہ۔ امّ مرزا ناصر احمد۔ آمنہ طیبہ۔ امۃ الجمیل۔ محمودہ بیگم۔ امۃ المتین

جنرل سیکرٹری لجنہ اماء اللہ (۱۹ - ۹ - ۵۵ء)"

جامعۃ المبشرین میں ایک مبارک تقریب

اس سے پہلے ربوہ کا مرکزی ادارہ جامعۃ المبشرین کرایہ کے ایک مکان میں جاری تھا۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۵۵ء کو جامعہ کے طلباء کی دقّت کے پیشِ نظر اسے اپنی زیر تعمیر عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔ اس موقع پر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج نے مولانا ابو العطا صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ کی درخواست پر ایک پُر اثر خطاب فرمایا جو نہایت مفید نصائح پر مشتمل تھا۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنے دستِ مبارک سے جامعۃ المبشرین کے رجسٹر میں حسب ذیل الفاظ سپردِ قلم فرمائے :-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہٗ ونصلّی علی رسولہ الکریم   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود۔

دُنیا میں فلسفہ بھی موجود ہے اور فلسفی بھی۔ مگر دُنیا میں عملاً مذہبی لوگوں کا فقدان ہے قریباً۔ پس

---

[1] مصباح دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۵۔ تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد دوم صفحہ ۴۰۰ مرتبہ اُمۃ اللطیف سیکرٹری شعبہ اشاعت لجنہ اماء اللہ مرکزیہ طبع اوّل تاریخ اشاعت جنوری ۱۹۷۲ء۔

جامعۃ المبشرین کے قیام کی غرض فلسفہ یا علم کلام سکھلانا نہیں۔ اس کے لئے ایک علیحدہ ادارہ کے قیام کی ضرورت ہی کیا تھی۔ پس عملی رنگ میں ایک مذہبی انسان بننا اور بنانا آپ کی زندگیوں کا مقصد ہونا چاہیئے۔ اگر ہم اسلام کا عملی نمونہ دُنیا کے سامنے پیش کر سکیں تو دُنیا بہت سی مشکلات سے نجات حاصل کرلے گی۔ اور اسلام کو کروڑوں فرزند مل جائیں گے۔ اس تربیت کے لئے ایک مفید ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا منظوم کلام ہے۔ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے ساتھ ہو۔[1] فقط

مرزا ناصر احمد ۲۲ - ۹ - ۵۵ء"

لبنان میں جماعت احمدیہ کے کارناموں کا تذکرہ

اسلامی دُنیا کے ایک علمی مرکز کی حیثیت سے لبنان کو ہمیشہ ہی بہت اہمیت رہی ہے۔ اس سال لبنان پریس میں جماعت احمدیہ کے دینی کارناموں کا خصوصی تذکرہ ہُوا۔

چنانچہ روزنامہ "بیروت" نے حسب ذیل الفاظ میں جماعتِ احمدیہ کے انگریزی ترجمہ قرآن کو خراجِ تحسین ادا کیا:۔

"مَعَانِي الْقُرْاٰن الْكَرِيْم باللغةِ الانكليزيّةِ

ظَهَرَ فِيْ مَكَاتِبِ اُوْرُوْبَّا بِطَبْعَةٍ ثَانِيَةٍ وَبِصُوْرَةٍ اَنِيْقَةٍ لِتَرْجَمَةِ مَعَانِي الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ بِاللُّغَةِ الْاِنْكِلِيْزِيَّةِ مِنْ قِبَلِ الْجَمَاعَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ الْاَحْمَدِيَّةِ، وَقَرَّرَتِ الْجَمَاعَةُ فِيْ مُؤْتَمَرِ التَّبْشِيْرِ بِالْاِسْلَامِ اَنَّهَا سَتُؤَسِّسُ الْجَوَامِعَ بِهَا نَبُوْرِغْ وَزُوْرِيْغَ وَتَرِيْنِدَاد..... وَالْمَعْهَدَ الْاِسْلَامِيَّ بِلَيْغُوْس"[2]

ترجمہ:۔ قرآنِ کریم کا انگریزی زبان میں ترجمہ

جماعتِ اسلامیہ احمدیہ کی طرف سے یورپ میں قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کا دُوسرا ایڈیشن بڑی خوبصورت شکل میں شائع ہُوا ہے۔ جماعت نے اسلام کے بارہ میں ایک تبلیغی مجلس میں یہ بھی فیصلہ

---

[1] الفضل ۳۰ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴۔ [2] روزنامہ "بیروت" (لبنان) ۲۲ ستمبر ۱۹۵۵ء۔

کیا ہے کہ ہمبرگ ، زیورچ ، ٹرینیڈاڈ میں مساجد اور لیگوس میں تعلیمی ادارہ قائم کرے گی ۔

اسی طرح روزنامہ " الہدف " نے حسب ذیل نوٹ شائع کیا :-

" ترجمة معاني القرآن

تَقُوْمُ الْجَمَاعَةُ الْأَحْمَدِيَّةُ فِي الْبَاكِسْتَان بِنَشَاطٍ دِيْنِيٍّ وَّاِجْتِمَاعِيٍّ وَّثَقَافِيٍّ مَلْحُوْظٍ.

وَقَدْ عَلِمْنَا اَنَّ فَرِيْقًا مِّنْ اَعْلَامِ الْجَمَاعَةِ يَقُوْمُ الْآنَ بِتَرْجَمَةِ مَعَانِي الْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ اِلٰى عَدَدٍ مِّنَ اللُّغَاتِ الْعَالَمِيَّةِ

وَقَدْ تَلَقَّيْنَا مِنَ الْجَمَاعَةِ كُرَّاسًا بِاللُّغَةِ الْاِنْكِلِيْزِيَّةِ وَضَعَهٗ رَئِيْسُ الْجَمَاعَةِ مِيْرْزَا بَشِيْر اَحْمَد بِالْمُقَارَنَةِ بَيْنَ الْاِسْلَامِ وَالشُّيُوْعِيَّةِ "[1]

(ترجمہ) :- قرآن مجید کا ترجمہ

جماعتِ احمدیّہ پاکستان میں دینی ، قومی اور ثقافتی کام سرانجام دے رہی ہے ۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ جماعت اَب متعدد عالمی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کا اہتمام کر رہی ہے ۔

ہمیں انگریزی زبان میں ایک کتابچہ بھی موصول ہوا ہے جو جماعت کے امام مرزا بشیر احمد نے لکھا ہے ۔ جس میں اسلام اور اشتراکیت کا موازنہ کیا گیا ہے ۔

یومِ تشکر حضرت مصلح موعودؓ کی سفرِ یورپ سے کامیاب مراجعت پر اہلِ ربوہ نے ۲۶ ستمبر ۱۹۵۵ء کا دن یومِ تشکر کے طور پر منایا ۔ اس روز صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کے دفاتر اور ربوہ کے جملہ تعلیمی اداروں میں عام تعطیل رہی ۔ مقامی احباب نے حضور کے اُن صاحبزادگان اور خدام اور دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے ارکان کو مبارکباد دی جنہیں اس یادگار سفر میں حضور کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا تھا ۔ دوپہر کو مجلسِ استقبالیہ نے پانچ سو سے زائد ضعفاء اور مستحقین کی پُرتکلف ضیافت کا اہتمام کیا ۔ اسی طرح غلہ منڈی کے تاجروں اور دوکانداروں نے چاولوں کی دو دیگیں پکا کر مسافروں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کیں ۔ شام کو مقامی انجمن کے صدر عمومی ڈاکٹر فرزند علی صاحب کے زیرِ انتظام

---

[1] روزنامہ " الھدف " بیروت لبنان ۶ ؍ نومبر ۱۹۵۵ء ۔

ہاکی، فٹ بال، والی بال اور کبڈی کے میچ ہوئے جن میں ربوہ کے اطفال اور خدام نے شرکت کی۔

اس مبارک سفر کے مبارک قافلہ کی مکمل فہرست درج ذیل کی جاتی ہے:۔

(۱)۔ حضرت سیّدہ اُمّ ناصر صاحبہ۔ (۲) حضرت سیّدہ اُمّ وسیم صاحبہ۔ (۳) حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ۔ (۴) حضرت سیّدہ مہر آپا صاحبہ۔ (۵)۔ صاحبزادی امۃ الجمیل بیگم صاحبہ۔ (۶) صاحبزادی امۃ المتین بیگم صاحبہ۔ (۷)۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر۔ (۸) صاحبزادی طیبہ آمنہ بیگم صاحبہ اہلیہ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب۔ (۹)۔ امۃ الباقی عائشہ صاحبہ بنت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب۔

(۱۰) صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منوّر احمد صاحب۔ (۱۱) صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب۔ (۱۲) صاحبزادہ مرزا نعیم احمد صاحب۔ (۱۳) صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب۔ (۱۴) صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب۔

(۱۵) حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب[۱] (۱۶) سیّد داؤد احمد صاحب[۲]۔ (۱۷) صاحبزادی امۃ الباسط بیگم صاحبہ (بیگم سیّد داؤد احمد صاحب)۔ (۱۸) صاحبزادی امۃ المصوّر صاحبہ (بنت سیّد داؤد احمد صاحب)۔

(۱۹) حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحب (معالج خاص)۔ (۲۰) چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔ اے ایل ایل بی (پرائیویٹ سیکرٹری)۔ (۲۱) ملک مبارک احمد صاحب (سکالر عربی زبان)۔ (۲۲) قریشی عبدالرشید صاحب (وکیل التجارت تحریک جدید)۔ (۲۳) میاں محمد شریف صاحب اشرف بی اے (اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری)۔ (۲۴) عبداللطیف خانصاحب (کارکن دفتر پرائیویٹ سیکرٹری)۔ (۲۵) کیپٹن محمد حسین صاحب چیمہ (افسر حفاظت) (۲۶) میاں رحم دین صاحب باورچی۔

خط کشیدہ نام اُن خوش نصیبوں کے ہیں جو حضور کی معیّت میں ۲۵ ستمبر ۱۹۵۵ء کی شب کو وارد ربوہ ہوئے۔ باقی شرکائے سفر حضور کی ربوہ میں تشریف آوری سے قبل ۱۳ ستمبر ۱۹۵۵ء کو[۳] یا بعض دوسرے ایام میں پہلے ہی ربوہ پہنچ گئے تھے[۴]۔

---

[۱] آپ اس سفر میں حضور کے ہمراہ تھے مگر تعلیم کی غرض سے انگلستان میں ٹھہر گئے اور سیّد محمود احمد صاحب ناصر کے ہمراہ ۴ راکتوبر ۱۹۵۷ء کو واپس تشریف لائے۔ [۲] آپ بھی مع اہل بیت اعلیٰ تعلیم کے حصول اور لندن میں دینی خدمات بجا لانے کے بعد ۲۸ رنومبر ۱۹۵۷ء کو واپس ربوہ تشریف لائے۔ [۳] مثلاً حضرت سیّدہ اُمّ وسیم صاحبہ۔ صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب۔ صاحبزادہ مرزا نعیم احمد صاحب۔ صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب۔ صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب۔

[۴] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۳۰ ستمبر ۱۹۵۵ء صا۔

تاثرات "ربوہ"

اس سال ماہ ستمبر میں ہفت روزہ اخبار "چوٹ" (راولپنڈی) کے ایڈیٹر جناب نسیم سیّد صاحب ربوہ تشریف لائے۔ واپسی پر انہوں نے الفضل کو درج ذیل الفاظ میں اپنے تاثرات قلم بند کر کے بھجوائے :-

"اس سے قطع نظر کہ ایک قوم، فرقے یا گروہ کے عقیدوں میں سچائی کا عنصر کس حد تک ہے یا وہ ناقد کے ذاتی عقائد سے کس حد تک مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ امر قابلِ توجہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا جو اس مخصوص گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ عملی رویہ کیا ہے۔ کیوں کہ بے عمل حقیقت سے باعمل کم علمی بہتر ہوتی ہے۔ اور ایک مشہور حدیث (بقول بعض قول علیؓ) ہے کہ یہ نہ دیکھو کہ کون کہتا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ کیا کہتا ہے۔ جب اس نظریہ سے تحریکِ احمدیت سے وابستہ لوگوں کا کردار جانچا جائے تو بلاشُبہ ان کے لئے سرِ عقیدت سے جُھک جاتا ہے۔

پچھلے دنوں آل پاکستان جرنلسٹ ایسوسی ایشن کی مرکزی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے مجھے سرگودہا جانے کا اتفاق ہُوا۔ واپسی پر جب ربوہ اُترا تو اجنبی ہونے کی وجہ سے مَیں پیش آئندہ دقتوں کے تصوّر سے مانوس ہو چکا تھا۔ اسٹیشن سے متصل ایک چھوٹی سی مسجد سے باہر نکلتے ہوئے ایک ضعیف شخص سے مَیں نے "الفضل" کے دفتر کا پتہ پوچھا۔ جس شفقت اور نرمی سے اس بزرگ نے میرا احوال پوچھا اور مجھے خود دفتر تک پہونچایا۔ اس سے خلوص اور محبت کا وہ بین القومی جذبہ جھلک رہا تھا جو کسی بھی حساس دل کو مرعُوب کرنے کے لئے کافی ہے۔ انسانی اخوّت کے اس چھوٹے سے مظاہرے نے مجھے بے حد متأثر کیا۔ میرا ارادہ ربوہ کے کچھ مقامی اخبار نویسوں سے ملنے کا تھا۔ الفضل کے دفتر سے تھوڑا آگے نکل کر نظر اٹھائی تو قصرِ خلافت کی عمارت کو احاطے میں لئے طویل چار دیواری دکھائی دی۔ میرا ربوہ آنے کا چونکہ یہ پہلا موقع تھا۔ اس لئے محض سیر گشت کے خیال سے چل پڑا۔ ایک چیز جس نے میرے ذہن پر گہرا اثر چھوڑا۔ ربوہ کے مختصر قصبہ میں صفائی کا بندوبست تھا۔ بازاروں اور کوچوں کی صفائی کسی اور شہر میں صفائی کا ہفتہ منانے کے دنوں میں بھی نہیں دیکھی جا سکتی۔ چھوٹی چھوٹی عمارات جنہیں ماڈرن طرز پر بنانے کی کوشش کی گئی تھی اور صاف سُتھرا ماحول قابلِ رشک منظر پیش کرتا تھا۔ وہاں سے رسالہ مصباح کے دفتر پہونچا تو ایک عزیز نے مجھے خوش آمدید کہا۔ چائے کے کپ پر جو گفتگو چھڑی تو اُٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ مسٹر عطاء الکریم کی باتوں میں سادگی اور شیرینی کا حسین امتزاج تھا۔ انہوں نے مجھے تحریکِ احمدیہ

کی تبلیغی سرگرمیوں سے روشناس کرایا اور مختصر سے عرصہ میں جو ترقی کی تھی اس پر روشنی ڈالی۔ اپنائیت اور بے ساختہ پن کا احساس اس ماحول میں ایسی نعمت معلوم ہوتا تھا جس سے جدا ہونے پہ رنج ہوتا تھا مجھے پتہ چلا کہ بڑے بڑے شہروں سے دُور یہ جگہ علم و ادب کا ایک چھپا ہُوا مرکز ہے۔ وہ جگہ جہاں تعلیم کا ذکر بھی نہ ہوتا تھا۔ اب ایک سے زائد کالجوں جن میں سے ڈگری کالج برائے طالبات بھی ہے، کا مستقر ہے۔ مفت طبّی امداد بلا امتیاز ہر شخص کو حاصل ہو سکتی ہے۔ الفضل، مصباح اور الفرقان اور رسالہ ریویو آف ریلیجنز (مذہبی جائزہ) اور دیگر رسائل کا مرکز ہونے کی وجہ سے اس کی صحافتی اہمیت بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے بیشتر بلکہ تمام رسالے مذہبی قسم کا لٹریچر شائع کرتے ہیں لیکن یہ بعید نہیں کہ جلد ہی ادبی معیار کے لحاظ سے ان میں سے کسی دن کوئی جریدہ مُلک گیر شہرت حاصل کرے۔

آج اگر یہ پوچھا جائے کہ مسلمان جو ہمیشہ سے یہ دعویٰ کرتے آئے ہیں کہ انہوں نے اسلام تبلیغ کے زور سے پھیلایا۔ کس حد تک اس مقصد کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں تو ہم خاموشی کے علاوہ کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔ اگر احمدیوں کی ان کوششوں کو نظر انداز کر دیا جائے جو وہ اپنے نظریات پھیلانے کے لئے کر رہے ہیں۔ دُنیا کے دُور افتادہ علاقوں اور سمندر پار کے ملکوں میں ان کے مضبوط ادارے قائم ہیں۔ جن کا رشتہ مرکز سے اتنا مستحکم ہے کہ اس پر رشک کیا جا سکے۔ اس محدود سی تنظیم کی نگرانی میں برطانیہ، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا، مراکش اور دوسرے ملکوں میں تبلیغ کا کام پُوری تندہی سے جاری ہے۔ گلوب کے کونے کونے سے مبلغ ربوہ میں آتے ہیں اور ہدایات لے کر اپنے اپنے مقاموں کو لوٹ جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں نے زندگی اس مقصد کے لئے وقف کر رکھی ہے اور خیالات کی اشاعت کے لئے ہر طرح کی تکالیف بصد خوشی برداشت کرتے ہیں۔ اس جذبہ کی قدر نہ کرنی حد درجہ ناانصافی ہوگی۔

کہا جاتا ہے کہ ہر تحریک جب تک وہ محدود دائروں میں رہتی ہے مضبوط اور پُرخلوص ہاتھوں میں رہتی ہے۔ لیکن جونہی اس کا دائرۂ اثر وسیع ہو جاتا ہے اس میں ہر قسم کی بدعنوانیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کسوٹی پر متذکرہ تحریک کس حد تک پرکھی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر اس کے عقیدت مندوں کی تعداد پر بحث نہ کی جائے تو معلوم ہو گا کہ ان میں وہ تمام خُوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ جن کے لئے معاشرہ میں اصلاح کی جاتی ہے۔ معدودے چند افراد کو چھوڑ کر یہ لوگ اپنے عقیدہ میں راسخ، مخلص،

راست گو اور دیانت دار ہوں گے۔ اپنے ساتھیوں کی مدد کے لئے ایک احمدی ذاتی نقصان کی پرواہ نہیں کرے گا۔ اور جہاں مجموعی مفاد کا سوال ہوگا وہاں کسی بھی شخص کی بہبودی اس کی سدِّ راہ نہیں ہوسکتی۔ یہی وہ صفات ہیں جو کسی قوم کی تعمیر میں خشتِ اوّل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

احمدیوں کے خلاف بے شمار شکایات بیان کی جاتی ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر سنجیدگی سے ان پر غور کیا جائے تو اس میں بے شمار غلط فہمی کی بناء پر مبنی ہوں گی ..... اگر ہم کسی سے اختلاف رکھتے ہوں تو اس پر ٹھنڈے دل سے سمجھنے اور سمجھانے کی پالیسی پر عمل کرنا چاہیئے نہ کہ تلوار بازی پر۔

شام کو جب میں ربوہ سے لائل پور کے لئے روانہ ہوا تو میں اپنے دل میں ایسا خوشگوار تأثر لئے ہوئے تھا جو کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔"[1]

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی تقریر روحانیت سے متعلق دوسری قومی کانفرنس میں

بین الاقوامی عدالتِ انصاف کے جج حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب نے ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو واشنگٹن (امریکہ) میں روحانیت سے متعلق دوسری قومی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ایک ہمہ گیر اخلاقی اور روحانی انقلاب کی ضرورت پر زور دیا۔ جماعتِ اسلامی کے آرگن روزنامہ "تسنیم" لاہور نے اس اہم تقریر کا خلاصہ حسب ذیل الفاظ میں شائع کیا:-

"واشنگٹن ۲۶ر اکتوبر۔ بین الاقوامی عدالت کے جج سر محمد ظفر اللہ خاں نے اعلان کیا ہے کہ اگرچہ دنیا کا نیا سائنٹیفک علم اور اس کے نتیجے میں ہونے والی ترقی ایک عطیۂ ربانی ہے۔ لیکن ایک روحانی اور اخلاقی انقلاب جو اس سائنٹیفک ترقی کے لئے نہ صرف ہم پلہ ہو بلکہ اس سے زیادہ ہو۔ انسانیت کی عظیم ترین ضرورت ہے۔ روحانیت سے متعلق دوسری قومی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے سابق وزیر خارجہ نے کہا کہ ہم میں سے اکثر کے لئے یہ انقلاب موجودہ طرز ہائے زندگی، رسوم و عادات اور اقدار میں مکمل کایا پلٹ کردے گا۔ امریکہ کے نائب صدر مسٹر رچرڈ نکسن نے اس سے پہلے کانفرنس کو خطاب کیا اور کانفرنس کے اعلان کردہ مقصد کو سراہا۔ کانفرنس کی غرض و غایت یہ ہے کہ دنیا کے ہر ملک اور قوم میں

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۵ر اکتوبر ۱۹۵۵ء ص۵۔

تنظیمِ آزادی اور مشترکہ بھلائی کو فروغ دینے کے لئے مذہبی صداقت کو ایک مؤثر طاقت بنایا جائے۔
سرظفراللہ خاں نے کہا کہ موجودہ سائنٹیفک ترقیوں اور ایٹمی ہتھیاروں نے خیر و شر کی درمیانی خواب کو جو ممکن بنادیا ہے۔ اس کی وجہ سے یہ ضروری ہوگیا ہے کہ انسان اپنے طرزِ فکر کو تیر و کمان اور گولہ بارود کی سطح سے بلند کرے۔ ہمیں اپنے آپ کو انسانیت اور آفاقیت کی اصطلاحات میں فکر کرنے کی تربیت دینی چاہیئے۔
آپ نے کہا کہ ایسی طرزِ فکر خدا کی ذات سے اپنا تعلق قائم کرتے سے پیدا کی جاسکتی ہے۔ ہم جب ایک مرتبہ خدائے تعالیٰ کی ذات سے اپنا تعلق قائم کریں گے اور اس کے ہم آہنگ ہوجائیں گے تو انسانیت کی اصطلاحات میں سوچنا آسان ہوجائے گا۔ ہم صرف خدائے تعالیٰ کی ذات ہی کے توسط سے مختلف رنگ، نسل، مذہب اور طبقات کے انسانوں سے اپنے رشتوں کو استوار کرسکتے ہیں۔ دُوسرا کوئی بھی طریقہ کار جزوی نوعیت کا ہوگا۔ اور کسی نہ کسی لحاظ سے اس میں کوئی نہ کوئی نقص رہ جائیگا۔
سرظفراللہ خان نے مزید کہا کہ ایک ایسی صورتِ حال میں جس میں کہ ہماری تہذیب اپنے آپ کو گرفتار پاتی ہے۔ ایک تہذیب و ثقافت کی بنیادوں کے لئے بڑی کٹھن آزمائش کا وقت ہوتا ہے۔ اگر یہ بنیادیں ہل گئیں تو ہر چیز تباہ و برباد ہوکر کھنڈر بن جائے گی۔ یہ بنیادیں اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتیں۔ جب تک وہ صداقت اور سچائی پر قائم نہ ہوں اور جو حق اور صداقت پر بنیاد قائم کرتے ہیں تو یقین کیجئے کہ وہ ایک مضبوط چٹان پر عمارت تعمیر کر رہے ہیں۔ اور جو لوگ جھوٹ اور برائی یا جھوٹ اور سچائی کے کسی امتزاج پر یہ بنیاد قائم کرتے ہیں وہ ریت پر محل کی تعمیر کر رہے ہیں؎"

مارشل بلگانن اور مسٹر کروشچیف کو ترجمۃ القرآن انگریزی کا تحفہ

روس کے وزیرِاعظم مارشل بلگانن اور کمیونسٹ پارٹی کے فسٹ سیکرٹری کروشچیف نومبر ۱۹۵۵ء کے آخر میں دورہ خیرسگالی پر ہندوستان آئے۔ جماعت احمدیہ کلکتہ نے ان روسی لیڈروں کی کلکتہ میں آمد کی اطلاع پر میئر آف کلکتہ اور جناب وزیرِاعلیٰ مغربی بنگال

؎ روزنامہ "تسنیم" لاہور ۲۸ ۱ اکتوبر ۱۹۵۵ء ص۵۔ ایضاً "نوائے وقت" لاہور ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۵ء نیز اخبار "الفضل" ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۵ء ص۱

سے درخواست کی کہ ہم معزز مہمانوں کی خدمت میں قرآن کریم انگریزی بطور تحفہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ وزیرِ اعلیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ جماعتِ احمدیہ کے وفد کی ملاقات تو وقت کی کمی کی وجہ سے مشکل ہے۔ البتہ اپنا تحفہ ڈائرکیٹر آف پبلسٹی کو پہنچا دیں۔ چنانچہ ۲۸ ر نومبر کو جماعت کلکتہ نے مولوی محمد سلیم صاحب فاضل کے ذریعہ ترجمۃ القرآن انگریزی حصہ اوّل و دوئم اور دیباچہ کے دو سیٹ ڈائرکیٹر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیئے[1]

جلالۃ الملک شاہ سعود کی خدمت میں اسلامی لٹریچر

سعودی عرب کے بادشاہ جلالۃ الملک شاہ سعود بن عبدالعزیز ہندوستان کے سرکاری دورہ پر ۲۷ ر نومبر ۱۹۵۵ء کو دہلی تشریف لائے۔ اور سترہ روزہ قیام کے بعد ۱۳ ر دسمبر کو بمبئی سے سعودی عرب روانہ ہوئے۔ آپ اپنے دورہ کے دوران ۵ ر دسمبر کو حیدر آباد دکن میں اور ۹ ر دسمبر کو بمبئی میں پہنچے۔ حیدر آباد دکن میں حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب امیر جماعت احمدیہ سکندر آباد نے آپ کی خدمت میں مندرجہ ذیل کتب پر مشتمل اسلامی لٹریچر خوبصورت مجلد کروا کر اور کلمہ طیبہ لکھوا کر پیش کیا۔ ایکسٹریکٹ فرام دی ہولی قرآن

اسلامی اصول کی فلاسفی EXTRECT FROM THE HOLY QURAN

(عربی)۔ جلالۃ الملک شاہ سعود نے یہ ہدیہ خوشی سے قبول فرمایا۔ اسی طرح مولانا شریف احمد صاحب امینی مبلغ بمبئی نے جماعت احمدیہ بمبئی کی طرف سے بذریعہ مکتوب نہایت مخلصانہ جذبات کے ساتھ آپ کا خیر مقدم کیا اور امید ظاہر کی کہ آپ کی آمد سے دونوں ممالک کے تعلقات پہلے سے زیادہ خوشگوار ہو جائیں گے[2]

مبلغین کی ایک تقریب میں حضرت مصلح موعودؓ کی شرکت

۳ ر دسمبر ۱۹۵۵ء کو وکالتِ تبشیر کی طرف سے بیرونی ممالک میں جانے والے مبلغین اور ماریشس سے آئے ہوئے مخلص احمدیوں کے اعزاز میں ایک خصوصی تقریب منعقد کی گئی۔ جس میں حضرت مصلح موعود نے بھی شرکت فرمائی۔ بیرونی ممالک میں جانے والے مجاہدین احمدیت حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، شیخ نصیر الدین احمد صاحب اور مکرم مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری تھے اور جماعت احمدیہ ماریشس کے مکرم محمد عظیم سلطان غوث صاحب۔ احمد یدُاللہ صاحب اور

---

[1] ہفت روزہ "بدر" ۷ ر دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲ ۔ [2] ہفت روزہ "بدر" ۱۴ ر دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

عبدالرحیم صاحب سوکیہ جو حضور کی زیارت اور جلسۂ سالانہ میں شمولیت کی غرض سے مرکزِ احمدیت میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ یہ تقریب بعد نمازِ عصر ہوئی۔ نمازِ مغرب کے بعد انہی اصحاب کے اعزاز میں جامعۃ المبشرین کی طرف سے ایک عشائیہ کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد کی زیرِ صدارت ان اصحاب نے مختصر تقاریر فرمائیں۔ اور بالآخر حضرت مولانا درد صاحب نے صدارتی خطاب فرمایا جو اُن کی زندگی کا آخری خطاب ثابت ہوا[1]

ایک نہایت اہم تحریک

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۷ دسمبر ۱۹۵۵ء کو جلسہ سالانہ کے موقع پر تحریک فرمائی کہ اصحابِ مسیح موعود کے حالات جلد سے جلد محفوظ ہو جانے چاہئیں اور جس کو کوئی روایت پتہ لگے وہ اخبارات اور کتابوں میں چھپوا دے اور ملک صلاح الدین صاحب کو پہنچا دے تا یہ خزانہ محفوظ ہو جائے۔ چنانچہ فرمایا:۔

"ہمارے ہاں بھی صحابہؓ کے حالات محفوظ ہونے چاہئیں ملک صلاح الدین صاحب لکھ رہے ہیں ....جس وقت یورپ اور امریکہ احمدی ہوا۔ تو انہوں نے آپ کو بُرا بھلا کہنا ہے کہ حضرت صاحب کے صحابہؓ اور اِن کے ساتھ رہنے والوں کے حالات بھی ہمیں معلوم نہیں وہ بڑی بڑی کتابیں لکھیں گے جیسے یورپ میں بعض کتابوں کی بیس بیس چالیس چالیس پونڈ قیمت ہوتی ہے اور بڑی بڑی قیمتوں پر لوگ اِن کو خریدیں گے مگر ان کا مصالحہ ان کو نہیں ملے گا اور وہ غصہ میں آکر تم کو بددُعائیں دیں گے کہ ایسے قریبی لوگوں نے کتنی قیمتی چیز ضائع کر دی۔ ہم نے تو اَب تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت بھی مکمل نہیں کی۔ بہرحال صحابہؓ کے سوانح محفوظ رکھنے ضروری ہیں۔ جس جس کو کوئی روایت پتہ لگے اس کو چاہئے کہ لکھ کر اخباروں میں چھپوائے۔ کتابوں میں چھپوائے اور جن کو شوق ہے ان کو دے تاکہ وہ جمع کریں اور پھر وہ جو کتابیں چھاپیں ان کو ضرور خریدے اور اپنے بچوں کو پڑھائے۔ صحابہؓ میں جو رنگ تھا اور ان لوگوں میں جو قربانی تھی وہ ہمارے اندر نہیں ہے مگر ہمارے اندر بھی وہ طبقہ جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت پائی تھی۔ بڑا مخلص تھا اور ان میں بڑی قربانی تھی اگر وہی اخلاص آج کل نوجوانوں میں پیدا ہو جائے تو جماعت ایک سال میں کہیں سے کہیں نکل جائے[2]

---

[1] الفضل ۶ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱ و ۲۱ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴-۵۔ [2] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۶ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۴

بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں

اس سال بھی مجاہدینِ احمدیت یورپ، امریکہ، افریقہ اور مشرقِ بعید وغیرہ میں سرگرمِ عمل رہے۔ اس سلسلہ میں بیرونی مشنوں کے بعض اہم واقعات کا تذکرہ ضروری ہے۔

لنڈن مشن

(۱) جماعت احمدیہ انگلستان کے ایک وفد نے ۱۱ر فروری ۱۹۵۵ء کو وزیر اعظم سیلون کو انگریزی ترجمہ قرآن پیش کیا نیز بتایا کہ قرآن مجید عالمگیر شریعت ہے۔ اور اس کے ذریعہ اقوام عالم میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ یہ وفد مکرم مولود احمد خاں صاحب امام مسجد لنڈن، مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ، مکرم سید محمود احمد ناصر، مکرم عبدالعزیز صاحب، مسٹر بشیر الدین پلیرنس پر مشتمل تھا۔

وزیرِ اعظم سیلون نے نہایت توجہ سے اسلامی تعلیم کو سنا اور اس کی خوبیوں کا اعتراف کیا۔ موصوف نے اسلام، بدھ مذہب اور عیسائیت کے بارہ میں تبادلہ خیالات کیا۔ اس تقریب کی خبر لنڈن کے مشہور اخبار "ڈیلی ٹیلیگراف" DAILY TELEGRAPH میں بھی شائع ہوئی[1]

(۲)۔ ۲۱ر فروری ۱۹۵۵ء کو ایرانی سفارت خانہ میں جماعت احمدیہ کے ایک وفد نے عزت مآب شاہِ ایران (رضا شاہ پہلوی) کو انگریزی ترجمہ قرآن کا تحفہ پیش کیا۔ اس وفد کے ممبران یہ حضرات تھے۔ مکرم مولود احمد خانصاحب امام مسجد لنڈن، مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ۔ مکرم مولوی نذیر احمد صاحب مبشر، مکرم سید محمود احمد صاحب ناصر اور مکرم عبدالشکور صاحب کنزے۔

شاہِ ایران نے عزت و احترام سے یہ تحفہ قبول کیا نیز جماعتِ احمدیہ کی اسلامی خدمات کو سراہتے ہوئے جرمنی، ڈچ اور انگریزی تراجم قرآن پر بہت مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا انگریزی ترجمہ قرآن کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہونی چاہیئے[2]

(۳)۔ ۷ر اپریل ۱۹۵۵ء کو "انگلستان نیشنل انشورنس ایڈوائزری کمیٹی" کا اجلاس ہوا جس میں جناب مولود احمد خاں صاحب امام مسجد لندن نے قانونِ وقف کی پابندی اور تعدد ازدواج وغیرہ مسائل پر اسلامی نقطہ نگاہ سے روشنی ڈالی۔ اجلاس میں انگلستان کی نامور شخصیتیں موجود تھیں[3]

---

[1] الفضل ۲۵ر فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ [2] ایضاً صفحہ ۱۔ [3] الفضل ۹ر اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

ہالینڈ مشن مشن کی طرف سے اس سال ۲ نئی کُتب شائع ہوئیں :-

(۱) پہلی کتاب حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کی کتاب "مسیح کہاں فوت ہوئے" کا ترجمہ ہے ۔ (۲) دوسری کتاب "قرآن مجید اور اس کی اخلاقی تعلیم" کے زیرِ عنوان مکرم مولوی غلام احمد صاحب بشیر مبلغ ہالینڈ نے لکھی ۔

حضرت مولانا شمس صاحب کی کتاب کے بارہ میں اخبار HETVADER LAND نے ۲۶ مارچ ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں لکھا :-

" احمدیہ مُسلم مشن ہالینڈ کی طرف سے "مسیح کہاں فوت ہوئے" کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کے مصنف مسٹر شمس ہیں اور جس کا ترجمہ مسز زمرمان نے کیا ہے ۔ اس کتاب کا لب لباب یہ ہے کہ یسوع مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے ۔ بلکہ بے ہوشی کی حالت میں قبر میں اُتارے گئے ۔ جہاں سے ہوش آنے پر آپ باہر نکال لئے گئے ۔ چونکہ فلسطین میں اُن کے لئے خطرہ تھا اس لئے وہاں سے مشرقی ممالک کو چلے گئے جہاں جاکر انہوں نے اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کو انجیل کی خوشخبری سنائی ۔ انجیل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسیح تمام گمشدہ بنی اسرائیلیوں کو جمع کرنے آئے تھے ۔ جو کہ ساری دُنیا میں پھیلے ہوئے تھے اور پھر کشمیر میں وفات پائی ۔ (ترجمہ) ۔

اسی نوعیت کا تبصرہ مُلک کے ایک دوسرے اخبار HET PANOOL نے ۳۰ مارچ ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں بھی کیا۔[1]

امریکہ مشن حضرت مُصلح موعودؓ کی علالتِ طبع کے باعث اس سال دُنیا بھر کے احمدیوں نے نہ صرف دُعائیں کیں بلکہ حضور سے عقیدت کا بے مثال ثبوت دیا اس سلسلہ میں امریکی احمدیوں نے حضور کی خدمت میں تین ہزار ڈالر کی رقم پیش کی اور درخواست کی کہ حضور اسے اپنی صحت کو بحال کرنے کے لئے خرچ فرمائیں ۔ پاکستان اور لندن سے حضور کی صحت سے متعلق جو تازہ خبریں موصول ہوتیں واشنگٹن کا مرکز ان کو باقاعدگی سے تمام مشنوں تک پہنچاتا رہا ۔

امریکہ کے ایک ہفتہ وار جریدہ NEWS WEEK نے اسلام پر یہ الزام لگایا کہ وہ جبر و تشدد

---

[1] الفضل ۱۹ نومبر ۱۹۵۵ء (خلاصہ رپورٹ مکرم مولوی غلام احمد بشیر مبلغ ہالینڈ)

کا علمبردار ہے۔ امریکہ مشن کی طرف سے اس کی پُرزور تردید میں نیوزویک کو ایک مفصّل مکتوب لکھا گیا۔ اخبار کے ادارہ نے خط کے جواب میں اپنی غلطی پر برملا افسوس کا اظہار کیا اور آئندہ محتاط رہنے کا یقین دلایا۔ امریکہ کے ایک مشہور غیر مسلم ادیب مسٹر جیمز نے "ریڈرز ڈائجسٹ" (مئی ۱۹۵۵ء) میں اسلام کی تائید میں ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا ISLAM MISUNDER STOOD RELIGION امریکہ مشن نے اس اہم مضمون کو دس ہزار کی تعداد میں چھاپ کر مُلک کے کونہ کونہ تک پہنچا دیا جس کے نتیجہ میں امریکی عوام میں اسلام کی تحقیق کا نیا شوق پیدا ہُوا۔ اس مضمون کے علاوہ لاس انجلز مشن نے پانچ ہزار کی تعداد میں تبلیغی اشتہارات بھی تقسیم کئے اور اس سال مشن کی طرف سے مجموعی طور پر سات ہزار اشتہارات شائع کئے گئے۔

اسی طرح ایک پمفلٹ BIBLICAL BACK GROUND OF ISLAM پانچ ہزار کی تعداد میں فلسطین بھیجا۔ جناب چوہدری خلیل احمد ناصر نے امریکن یونیورسٹی میں اور مولوی نورالحق صاحب انور نے نیو یارک یونیورسٹی میں لیکچر دیئے۔ نیو یارک کے ایک چوک میں رات کے وقت مختلف خیالات کے لوگ جمع ہو کر پبلک لیکچر دیتے تھے۔ نیو یارک کے احمدیوں نے بھی اس سے فائدہ اُٹھایا۔ اُن کے لیکچر سُن کر سینکڑوں غیر مُسلم احباب دار التبلیغ آئے اور معلومات حاصل کیں۔ مبلغین احمدیت نے لیکچروں کے ذریعہ پیغامِ حق پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ریڈیو پر بھی پانچ تقاریر کیں[1]

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں احمدی جماعتوں کی آٹھویں سالانہ کنونشن اس سال ۳، ۴ ستمبر ۱۹۵۵ء کو سینٹ لوئیس SAINT LOUISE میں ہوئی جس میں مُلک کے اطراف و جوانب سے شمع احمدیّت کے پروانوں نے شرکت کی۔ اس کنونشن میں جن شہروں کے نمائندے خاص طور پر شاملِ اجتماع ہوئے ان کے نام یہ ہیں:۔

نیو یارک۔ واشنگٹن۔ پٹس برگ۔ کلیو لینڈ۔ شکاگو۔ ڈیٹرائٹ۔ ملواکی۔ ڈیٹن۔ انڈیانیپلس۔ سنز سینٹی۔ بالٹی مور۔ باسٹن۔ ینگسٹاؤن۔

---

[1] الفضل ۳ جولائی ۱۹۵۵ء صہ۳

مکرم سیّد عبدالرحمٰن صاحب کلیو لینڈ سے اپنے بھتیجے طاہر احمد صاحب کے ہمراہ شامل ہوئے اور انتظامات میں ہر قسم کی امداد کی۔ کنونشن کا افتتاح مولوی نورالحق صاحب انور مبلغ انچارج امریکہ نے فرمایا۔ کنونشن سے مبلغین کے علاوہ مختلف جماعتوں کے پریذیڈنٹوں نے بھی مؤثر خطاب کیا۔ اس موقع پر عہدیداروں کے انتخاب کے علاوہ خدّام الاحمدیہ اور لجنہ اماء اللہ کے اجلاس بھی ہوئے۔

کنونشن میں مکرم سیّد جواد علی صاحب بی اے سیکرٹری امریکہ مشن نے امریکہ مشن کی آمد و خرچ کے بجٹ اور اس میں اضافہ کرنے کی تجاویز پیش کرنے سے پہلے سیّدنا حضرت مصلح موعود کا درج ذیل رُوح پرور پیغام پڑھ کر سُنایا جس کو سُنکر حاضرین کے دل فرحت و مسرّت سے بھر گئے۔ حضور کا یہ پیغام سوئٹزرلینڈ سے مکرم چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر نے بھجوایا تھا۔

"کانفرنس میں شرکت کرنے والے تمام بھائیوں اور بہنوں کو سیّدنا حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ کا سلام پہنچا دیں نیز انہیں حضور ایدہ اللہ کی اس خواہش کی بھی یاد دہانی کرائیں کہ انہیں ہر سال اپنی تعداد کو دُگنا کرنے کا عزم کرنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ آپ لوگوں کی مساعی میں برکت ڈالے اور آپ کے کام میں آپ کی راہنمائی فرمائے"[۲]

شکاگو ٹریبیون (۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء) میں مکرم عبدالشکور صاحب کنزے کا انٹرویو شائع ہُوا جس میں جماعتِ احمدیہ کے قیام، اغراض و مقاصد، احمدیوں کی تعداد کا ذکر تھا۔

اس سال جو سعید روحیں داخل احمدیت ہوئیں۔ ان میں کینیڈا کے ایک نوجوان بھی شامل تھے جن کا اسلامی نام ناصر احمد رکھا گیا۔ آپ کینیڈا میں پہلے مقامی مسلمان ہیں[۳]

کینیڈا کے ایک ہفت روزہ اخبار "دی سٹار" THE STAR نے مکرم بشیر احمد صاحب آرچرڈ اور جماعتِ احمدیہ کی تبلیغی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:۔

رومن کیتھولک چرچ کے بعض پیروؤں نے اب ایک ہندوستانی مذہب اسلام قبول کر لیا ہے۔ ہندو تو پہلے ہی تبدیلیٔ مذہب کے قائل نہیں۔ البتہ مسلمان اس سلسلہ میں کوشش کر رہے ہیں۔

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "الفضل" ۲۲ تا ۲۴ نومبر ۱۹۵۵ء۔

[۲] الفضل ۲۰، ۲۱ دسمبر ۱۹۵۵ء (خلاصہ رپورٹ مکرم سیّد جواد علی صاحب)۔

ہندوستان اپنے قدیم مذہب کو قائم رکھنے کے لئے پروہت بھجواتا رہتا ہے۔ پاکستان جو کسی زمانہ میں ہندوستان کا حصّہ تھا۔ لیکن اَب ایک آزاد ملک ہے۔ اشاعتِ اسلام کے لئے اسلامی مبلغین بھجوا رہا ہے۔ یہ بات قارئین کے لئے اور بھی حیران کُن ہوگی کہ یہاں ان کا کامیاب مبلغ کوئی ہندوستانی یا پاکستانی نہیں بلکہ ایک انگریز ہے جو اپنے آپ کو بشیر احمد آرچرڈ کہتا ہے[1] (ترجمہ)

مشرقی افریقہ مشن مبلغ مشرقی افریقہ مولوی محمد منوّر صاحب نے نو ماہ کسموں اور تین ماہ نیروبی میں گزارے۔ اس عرصہ میں دو ہزار تین سو میل کا سفر کیا۔ تین سو افراد کو زبانی تبلیغ کی۔ دو ہزار پمفلٹ، دو سو کتب اور چار سو رسائل تقسیم کئے۔ ۲۷۰ خطوط لکھے۔ چار تقاریر کیں۔ اسّی مضامین لکھے۔ آپ کی مساعی کے نتیجہ میں ۳۲ افراد داخلِ سلسلہ ہوئے۔ آپ نے اس سال خصوصیت سے مُلک کے مختلف مذہبی حلقوں میں عربی، انگریزی، گجراتی اور سواحیلی لٹریچر تقسیم کیا۔ اور عرب بھائیوں کو جماعتِ دمشق کا عربی لٹریچر پیش کیا۔ اخبار ٹروتھ TRUTH نائیجیریا۔ البشریٰ (فلسطین)، کی اشاعت کی۔ کینیا کالونی کے پچاس پادریوں کو WHY ISLAM (کیوں اسلام؟) اور دیگر لٹریچر بھیج کر اتمامِ حجت کی۔ نیروبی کے ایک یورپین پادری صاحب سے تین گھنٹے تک آپ کی مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی۔ دوسری ملاقات میں وہ ایک اور پادری صاحب کو ساتھ لائے جو جنوبی افریقہ سے آئے تھے۔ آپ نے انہیں بھی پیغامِ حق پہنچایا اور انگریزی لٹریچر دیا۔ آپ کی تبلیغی مساعی سے افریقنوں کو متأثر دیکھ کر پادری صاحبان جماعت کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے مگر اس کا اُلٹا اثر ہُوا۔ افریقنوں کو تحریکِ احمدیت سے متعلّق مزید دلچسپی پیدا ہوگئی۔

کرسمس کی چھٹیوں میں بہت سے عیسائی کسوموٹانگانیکا اور کینیا سے آئے۔ جن سے آپ نے کفّارہ، تثلیث، معجزاتِ مسیح اور آمدِ ثانی کے بارہ میں تبادلۂ خیالات کیا۔ عیسائیوں کے علاوہ آپ نے ہندوؤں کو بھی ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السّلام، احمدیت کا پیغام اور اسلامی اصول کی فلاسفی (بزبان گجراتی) دی۔ مکرم مولوی عنایت اللہ صاحب خلیلؔ نے اپنے حلقہ میں دسمبر کے وسط میں دَورہ کیا۔ وہاں ۲۱ افراد داخلِ سلسلہ ہوئے[2]۔

---

[1] بحوالہ روزنامہ الفضل ۱۲ر جولائی ۱۹۵۵ء صہ ۲

[2] روزنامہ الفضل ۶ر مارچ، ۱۵، ۱۸ر جولائی ۱۹۵۶ء (رپورٹ مکرم مولانا محمد منوّر صاحب مبلغ مشرقی افریقہ)

مبلغ یوگنڈا مکرم حکیم محمد ابراہیم صاحب نے اس سال ملک کے ممتاز شیوخ کو پیغام احمدیت پہنچایا۔ فرقہ بکوٹو کے شیخ اور ڈیڑھ صد مساجد کے نگران شیخ زید بھی زیر تبلیغ رہے۔ انہوں نے احمدیہ لٹریچر کا شوق سے مطالعہ کیا۔ اسی طرح شیخ ابراہیم نے مخالفت کے باوجود جماعت کے لٹریچر کا مطالعہ کیا۔ شیخ علی کولمبا بھی احمدیت سے متاثر ہوئے۔ شیخ شعبان کرونڈے نے جماعت احمدیہ کی دینی خدمات کو سراہتے ہوئے یہاں تک کہا کہ ہمارے شیوخ نے ہمیں تباہ کر دیا ہے۔ آؤ ہم سب احمدیوں کے ساتھ مل جائیں۔ ایک مخلص احمدی شیخ عبداللطیف صاحب کی بہت شدید مخالفت ہوئی مگر وہ احمدیت پر ڈٹے رہے۔ کمپالہ سے دس میل دُور جینجہ روڈ پر ایک نئی جماعت کا قیام عمل میں آیا۔ یہاں ایک پلاٹ مقامی جماعت کے ذریعہ تین ہزار شلنگ میں حاصل کیا گیا۔ یہ رقم یوگنڈا کی جماعت نے دی۔ یوگنڈا کے شاہی خاندان کے فرد پرنس بدرو اور امریکی رسالہ لائف LIFE کے نمائندہ کو قرآن مجید کے سواحیلی ترجمہ کا تحفہ دیا گیا۔

یوگنڈا کے سالانہ اجتماع میں غیر احمدی معززین بھی دُور دُور سے تشریف لائے۔ اس سال یوگنڈا میں ۲۹ افراد داخل سلسلہ ہوئے[1]

پچھلے سال دارالسلام میں جماعت کی مخالفت تیز تھی۔ جس میں اس سال نمایاں کمی آگئی۔ تعلیم یافتہ طبقہ مداح رہا۔ بعض شیوخ کے رویہ میں بھی خوشگوار تبدیلی ہوئی۔ شیخ عجمی اپنے پوتے کو مکرم مولوی عبدالکریم صاحب شرما مبلغ سلسلہ کی خدمت میں لائے اور کہنے لگے میرا اپنا بیٹا بے علم رہا ہے۔ اسے مَیں آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ آپ اس کو پڑھائیں۔ شیخ علی مُرسے MZE جو جماعت کی مخالفت میں پیش پیش تھے ایک روز کہنے لگے کہ مَیں سمجھتا ہوں کہ اَب ہمیں عیسائیت کے خلاف متحد ہو جانا چاہیئے۔

دورانِ سال مولوی صاحب موصوف نے چار ہزار میل کا تبلیغی سفر کر کے پیغام حق پہنچایا اور دوسرے کئی سفروں کے دوران لٹریچر کی اشاعت بھی ہوئی۔ تین ہزار پمفلٹ مفت تقسیم کئے گئے۔ دو ہزار سے زائد کا لٹریچر فروخت ہوا۔ سواحیلی اخبار مانیر یا مونگر اور دوسری جگہوں کے چیدہ چیدہ افراد کو بھجوایا جاتا رہا، سات سو افراد داخل سلسلہ ہوئے۔

دارالسلام میں جماعت نے خانہ خدا اور مشن ہاؤس کے لئے ایک موزوں پلاٹ لے رکھا تھا۔ ۱۹۵۴ء

---

[1] الفضل ۱۳ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴،۳ (خلاصہ رپورٹ مکرم مولوی نورالدین صاحب منیر سیکرٹری احمدیہ مشن مشرقی افریقہ)۔

میں اس پر عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ ۱۹۵۵ء میں تعمیر کا کام جاری رہا اور تکمیل ۱۹۵۶ء میں ہوئی۔ مشرقی افریقہ کے مخلص احمدیوں کے علاوہ غیر احمدی معززین نے بھی عطیہ جات دیئے۔ جن کی وصولی میں مکرم مولوی عبدالکریم صاحب شرما۔ مکرم ڈاکٹر طفیل احمد صاحب ڈار۔ مکرم شفیع صاحب۔ مکرم نذیر احمد صاحب ڈار۔ اور مکرم عطاء الرحمٰن صاحب سٹیشن ماسٹر، مکرم عبدالعزیز صاحب اور اُن کے بھائیوں کی مخلصانہ کوششوں کا نمایاں دخل تھا۔[1]

گولڈ کوسٹ مشن

اس سال جماعت احمدیہ گولڈ کوسٹ کا تیسواں سالانہ جلسہ ۷، ۸، ۹ جنوری ۱۹۵۵ء کو سالٹ پانڈ میں منعقد ہوا جس میں ملک کے کونہ کونہ سے ۱۵۰۰ افراد شامل ہوئے۔ مسٹر بشیر الدین صاحب "منتظم مکانات" تھے۔ جلسہ گاہ ملک کی بڑی شاہراہ کے عین کنارے پر اور تعلیم الاسلام سکول کے سامنے تھی۔ مکرم قریشی محمد افضل صاحب قائم مقام امیر گولڈ کوسٹ نے اپنے افتتاحی خطاب میں احباب جماعت کی مخلصانہ مساعی پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ جماعتوں نے ۳۷۰ پونڈ کی رقم حضور کے مجوزہ سفر امریکہ کے لئے داخل خزانہ کر دی ہے۔ اسی طرح عیدین کے موقع پر ایک ہزار پونڈ کی رقم جمع ہوئی۔ سلسلہ کی عمارتوں کے لئے پانچ سو پونڈ جمع ہوئے۔ یہ امر باعثِ مسرّت ہے کہ گولڈ کوسٹ کی آل افریقین اسمبلی میں دو مخلص احمدی مسٹر آرم امنڈے اور بی کے آدم منتخب ہوئے۔ جلسہ میں آپ کے علاوہ درج ذیل اصحاب نے تقاریر کیں:۔

۱۔ مسٹر جمال الدین صاحب جنرل سیکرٹری جماعت احمدیہ گولڈ کوسٹ۔
۲۔ مسٹر بشیر الدین صاحب۔
۳۔ محترم پروفیسر سعود احمد خانصاحب وائس پرنسپل احمدیہ کالج کماسی۔
۴۔ مکرم حاجی حسن عطا صاحب۔
۵۔ محترم ڈاکٹر سید سفیر الدین صاحب۔
۶۔ مکرم مولوی عبدالقدیر صاحب شاہد مبلغ انچارج اکرہ۔

اس کے علاوہ بعض چیف اور دیگر مبلغین نے بھی تقاریر کیں۔ تیسرے دن شوریٰ کا اجلاس

---

[1] الفضل ۲۴ جولائی ۱۹۵۶ء (خلاصہ رپورٹ مکرم مولوی عبدالکریم صاحب شرما)

ہوا جس میں تبلیغ کا اہم مسئلہ خاص طور پر زیر بحث آیا اور اس کی طرف پُر زور توجہ دلائی گئی۔[1]

(۱) اکرا (دارالحکومت غانا) کے کثیر الاشاعت اخبار "ڈیلی گرافک" میں UAC کمپنی کی ایک شاخ نے ایک اعلان شائع کروایا جس کے بعض فقرات سے سرورِ کائنات حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان ہوتی تھی۔ جس پر محترم مولانا نذیر احمد صاحب مبشر انچارج گولڈ کوسٹ (غانا) نے اخبار کے ایڈیٹر کو بطور احتجاج پہلے ایک تار دیا اور پھر ایک لمبی تحریر بھیجی اور اس کی ایک کاپی مینیجر کمپنی کو بھی ارسال کی جس پر مینیجر کمپنی نے اظہارِ افسوس کیا اور اخبار نے آپ کے احتجاج کا ذکر بھی کیا اور آپ کے مراسلہ کے بعض فقرات شائع کر کے معذرت بھی کی۔

(۲) اس سال فینٹی زبان میں قرآن مجید کے ترجمے کا کام بھی شروع کیا گیا۔[2]

(۳) جولائی تا ستمبر ۱۹۵۵ء کے دوران مجاہدینِ گولڈ کوسٹ نے ۳۷۸۹ میل کا سفر طے کیا۔ ۱۰۷ گاؤں میں تبلیغ کی۔ ۵۴ تقاریر کیں۔ اور اس دوران ۴۷ افراد اسلام قبول کر کے داخلِ احمدیت ہوئے۔[3]

انچارج مشن مکرم مولانا نذیر احمد صاحب مبشر نے اس سال ملک بھر کے طویل دورے کئے اور متعدد مقامات پر تقاریر کرنے کے علاوہ مشہور شخصیات سے ملاقاتیں کیں اور سالٹ پانڈ۔ اکرافل اور ٹیچیا کے سکولوں کا معائنہ کیا اور سالٹ پانڈ کی فلڈ ریلیف کمیٹی میں شرکت کی۔ مولوی عبدالقدیر صاحب نے بھی تبلیغی اور تربیتی جلسوں میں شرکت کی اور مختلف شخصیات تک پیغامِ حق پہنچایا۔ اکرہ میں نوجوانوں کی ایک عالمی کانفرنس منعقد ہوئی جو آٹھ روز تک جاری رہی۔ مولوی عبدالقدیر صاحب شاہد کے سپرد پاکستانی نمائندہ (مسٹر انعام اللہ خانصاحب سیکرٹری مؤتمر عالم اسلامی اور ورلڈ فیڈریشن آف یونائیٹڈ نیشنز ایسوسی ایشن کے وائس چیئرمین) کی رہائش کا انتظام کیا گیا۔ جسے آپ نے احسن طریق پر انجام دیا۔ مولوی صاحب موصوف نے پاکستانی نمائندہ کی ملاقات مسلمان لیڈروں، شامی تاجروں اور گولڈ کوسٹ کے سرکاری افسروں اور اخباری نمائندوں کے ساتھ کرائی۔ کانفرنس کے مندوبین میں سلسلہ احمدیہ کا لٹریچر بھی تقسیم

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۰ / مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۳-۸ (خلاصہ رپورٹ مکرم قریشی محمد افضل صاحب)۔

[2] روزنامہ الفضل ۹، ۱۰ / ستمبر ۱۹۵۵ء۔ [3] روزنامہ الفضل ۹ / نومبر ۱۹۵۵ء۔

کیا گیا۔ اس سال کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ یکم جنوری ۱۹۵۵ء سے جماعت احمدیہ نے "سن رائز" کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ جو اس ملک کا پہلا مسلم اخبار تھا۔ اس اخبار کے مدیر مکرم مسعود احمد خانصاحب دہلوی بی۔ اے آنرز بی۔ ٹی وائس پرنسپل احمدیہ کالج کماسی تھے۔ جو کالج کی مصروفیات کے باوجود ادارت کے فرائض نہایت تندہی سے کرتے رہے۔ علاوہ ازیں مکرم مولوی عطاء اللہ صاحب کلیم اور دیگر مبلغین کرام بھی اُن کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔ یہ ماہنامہ اخبار ملک کی نامور شخصیتوں مثلاً وزراء ممبرانِ اسمبلی پیرامونٹ چیفس اور افسرانِ حکومت کو بذریعہ ڈاک بھجوایا جاتا رہا[1]

نائیجیریا مشن

برٹش پارلیمنٹ کے ممبر مسٹر LONNEX BOYED نائیجیریا کے دورہ پر آئے۔ آپ نے محکمہ تعلقات عامہ کے زیر اہتمام ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ کانفرنس کے اختتام پر احمدیہ مشن نائیجیریا کی طرف سے موصوف کو دیباچہ قرآن مجید انگریزی کا تحفہ دیا گیا۔

GIWA نامی گاؤں کے سکول میں احمدی ٹیچر نے طلبا کو اسلامی روایات سے آگاہ کیا۔ جس پر اس بستی کے لوگوں میں احمدیت کا چرچا شروع ہوگیا۔ بعد ازاں مکرم مولوی مبارک احمد صاحب ساقی وہاں تشریف لے گئے اور احمدیت سے متعلق مزید معلومات بہم پہنچائیں۔

عرصہ زیر رپورٹ میں ساٹھ افراد نے بیعت کی[2]

ویسٹرن ریجن کے ایک مسلمان حاکم AL-AFIN کو بعض سیاسی وجوہات کی بناء پر اپنے علاقہ سے جلاوطن کر دیا گیا۔ آپ کی واپسی کے لئے مکرم مولانا نسیم سیفی صاحب اور مکرم مبارک احمد صاحب ساقی نے وزیر اعلیٰ سے دو دفعہ ملاقات کی اور انہیں الافین کے معاملہ میں نرمی کرنے کے لئے کہا گیا جس پر وزیر اعلیٰ نے انہیں یقین دلایا کہ وہ اُن کے مطالبہ پر غور کریں گے۔

اس سال کی پہلی سہ ماہی میں پندرہ افراد داخلِ سلسلہ ہوئے[3]

اس سال نائیجیریا میں سیکنڈری سکولوں کے مسلمان طلباء کی سالانہ کانفرنس منعقد ہوئی جس کا

---

[1] الفضل ۹ر نومبر ۱۹۵۵ء ص۵، ۱۹ر مارچ ۱۹۵۵ء ص۳۔ [2] الفضل ۱۸ر مارچ ۱۹۵۵ء۔
[3] الفضل ۲۳ر اپریل ۱۹۵۵ء ص۳ (رپورٹ مکرم مبارک احمد صاحب ساقی)۔

افتتاح مولانا نسیم سیفی صاحب کی تقریر (فلسفہ دُعا) سے ہُوا۔ مقامی حاکم ادبا OBA نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا "جن دنوں ہم تمہاری عمر کے تھے۔ ہمارے ہاں عیسائیت کا اس قدر زور تھا کہ ہمارے لئے مسلمان کہلانا مشکل تھا۔ یہ ۱۹۱۵ء کا ذکر ہے جب ہم نے قادیان میں جماعتِ احمدیہ کو لکھا اور انہوں نے وہاں سے ۱۹۳۲ء میں ایک مشنری بھیجا اور ہم اس قابل ہوئے کہ نائیجیریا میں سب سے پہلا مسلمان سکول جاری کر سکیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس مُلک میں مسلمان قوم کی ترقی کا آغاز احمدیت کے داخل ہونے سے ہُوا۔ لیگس میں ایک نیا احمدیہ سکول جاری کیا گیا جس سے جماعت کے تعلیمی اداروں کی تعداد دس ہو گئی۔[1]

۴ راکتوبر ۱۹۵۵ء کو آل پاکستان مسلم آرگنائزیشن اور ورلڈ اسمبلی آف یوتھ کی ایگزیکٹو کے ممبر جناب انعام اللہ خانصاحب نائیجیریا پہنچے۔ مکرم مولانا نسیم سیفی صاحب، مکرم مولوی مبارک احمد صاحب ساقی۔ اور پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ نائیجیریا نے ہوائی مستقر پر ان کا استقبال کیا۔ آپ احمدیہ مشن ہاؤس میں بھی تشریف لائے اور قرآن مجید کے ڈچ، جرمن، سواحیلی اور انگریزی تراجم کو دیکھ کر بہت متأثر ہوئے۔[2]

سیرالیون مشن

مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیل مبلّغ فری ٹاؤن نے اس سال اخبار "ڈیلی میل" کے یہودی رپورٹر سے کئی بار مذہبی گفتگو کی۔ اخبار نے ۱۴ رمارچ کو آپ کا مضمون شائع کیا جس میں اس امر کا ذکر تھا کہ مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ یہ مضمون لاکھوں مسیحیوں کی نظر سے گزرا مگر کسی سے کوئی معقول جواب نہ بن پڑا۔ بعض عیسائی اصحاب نے غیر متعلق باتیں چھپوا کر پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ جو کاسر صلیب کے علمِ کلام کی برتری کا بیّن ثبوت تھا۔ ایک مسیحی نے ایڈیٹر "ڈیلی میل" کے نام ایک خط میں مسیحیوں کی اس روش پر تنقید کی۔ ایڈیٹر صاحب "ڈیلی میل" پر اس کا ایسا نمایاں اثر ہُوا کہ انہوں نے ۱۲ رمارچ ۱۹۵۵ء کے جلسہ کے دوران واضح لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اسلام مسیحیت سے بدرجہا بہتر ہے۔[3]

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۷ ستمبر ۱۹۵۵ء۔ [2] روزنامہ الفضل ۱۷ نومبر ۱۹۵۵ء

[3] روزنامہ الفضل ۱۵ اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ (خلاصہ رپورٹ مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیل)۔

مارچ ۱۹۵۵ء میں مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیل نے ایک جلسہ میں تمام مسیحیوں کو حضرت مسیح کی صلیب سے نجات اور سفر کشمیر کے موضوع پر دعوتِ مذاکرہ دی جو اخبار "ڈیلی میل" مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۵۵ء میں ایک مختصر مضمون کی صورت میں بھی شائع ہوئی۔ یہ مضمون لاکھوں مسیحیوں کی نظر سے گزرا لیکن کسی کو مقابل پر آنے کی جرأت نہ ہوئی حتیٰ کہ اخبار "ڈیلی میل" میں ایک عیسائی نے اپنے طویل خط میں اعتراف کیا کہ مبلغِ اسلام کے چیلنج کا کوئی معقول اور تسلی بخش جواب نہیں دیا گیا۔ مولوی صاحب موصوف نے ایک رپورٹر سے (جو امریکہ اور لائبیریا میں دس سال تک رہے اور ان دنوں فری ٹاؤن میں تھے)۔ اس سلسلہ میں گفتگو کی وہ بہت متأثر ہوئے اور انہیں بھی تسلیم کرنا پڑا کہ بشپ اور دوسرے مسیحی اصل موضوع سے گریز کر گئے ہیں[1]۔

مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کی کوشش سے ریاست نے فیصلہ کیا کہ روکوپر احمدیہ سکول کی نئی عمارت سرکاری خرچ پر تیار کی جائے۔ اس کے لئے سولہ سو (۱۶۰۰) پونڈ کی منظوری دی۔ روکوپر میں پندرہ سال سے خانہ خدا قائم کرنے کی کوشش ہو رہی تھی۔ مگر چیفس اور دیگر مخالفین جماعت کے عدم تعاون کی وجہ سے معاملہ تعطل میں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں بھی کامیابی بخشی۔ چنانچہ آپ کی تحریک پر ۱۳۰ پونڈ میں ایک مکان برلبِ سڑک خرید لیا گیا۔

حضرت مصلح موعودؓ کی دیرینہ خواہش تھی کہ سیرالیون سے ایک جماعتی اخبار جاری کیا جائے۔ یہ خواہش اس سال پوری ہوئی اور ماہ مئی سے "بو" احمدیہ دارالتبلیغ سے ایک پندرہ روزہ اخبار "افریقن کریسنٹ" کے نام سے جاری کیا گیا[2] اور مشن کے ہیڈ کوارٹر "بو" میں نذیر مسلم پریس سے طبع ہونے لگا۔ یہ نیا پریس حضرت مصلح موعودؓ کی خواہش کے مطابق مولانا نذیر احمد علی صاحب کی یاد میں قائم کیا گیا تھا[3]۔

ریاست ٹونکیا سیرالیون سے جنوب مشرق میں واقع ہے جہاں عرصہ سے پانچ مختلف مقامات پر دو سو افراد پر مشتمل جماعتیں قائم تھیں اور تین مقامات پر احمدیہ بیوت الذکر بھی تعمیر ہو چکے تھے۔

---

[1] الفضل ۵ راگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ [2] الفضل ۵ راگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۳

[3] الفضل ۵ رنومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔

اس سال شروع مارچ ۱۹۵۵ء میں وہاں کے پیرا ماؤنٹ چیف ماما داسما نے احمدیوں پر جور و ستم ڈھانے شروع کئے۔ ۳۵ پونڈ جرمانہ کیا، بعض کو زد و کوب کیا۔ اور قید میں ڈالا۔ اور بعض کو تپتی دھوپ میں دو تین گھنٹے کھڑے رہنے پر مجبور کیا۔ حالانکہ اُن کا سوائے اس کے اور کوئی جرم نہ تھا کہ انہوں نے مالک ریاست سے مشورہ کئے بغیر احمدیت کو کیوں قبول کیا اور خدا کے گھر کیوں تعمیر کئے۔ اس تشویشناک صورت حال کی اطلاع ملنے پر مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری اور مکرم مولوی محمود احمد صاحب شاہد اور بو جماعت کے بعض ممبران چیف صاحب سے ملے۔ بعد ازاں ہنگامی میٹنگ کر کے حکامِ ضلع اور سیرالیون کے اخباروں کو ان احمدیوں پر کئے جانے والے مظالم کی تفصیلات بھجوائیں جس پر سیرالیون پریس نے ان مظالم کے خلاف آواز بلند کی اور احمدیوں کی تائید میں مؤثر اداریئے سپردِ قلم کئے جس کے نتیجہ میں گورنمنٹ کی طرف سے پولیس افسروں کو تحقیقات کے لئے بھجوایا گیا اور یہ تکلیف دہ سلسلہ خدا کے فضل سے ختم ہو گیا۔[1]

سیرالیون گورنمنٹ کے وزیر مواصلات و رسل و رسائل آنریبل ایم۔ ایس مصطفےٰ سنوسی نے احمدیہ اخبار "افریقن کریسنٹ" پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کے ایڈیٹر کو لکھا:-

"مَیں آپ کو اور آپ کے احمدیہ مشن کو اس شاندار اور عظیم القدر کام پر جس کا بیڑا آپ نے سارے مغربی افریقہ میں عموماً اور سیرالیون میں خصوصاً اٹھایا ہے ہدیہ مبارکباد پیش کرتے ہوئے دلی خوشی محسوس کرتا ہوں۔ "افریقن کریسنٹ" کا اجرا آپ کے کام میں جو آپ تعلیمی اور مذہبی میدان میں سرانجام دے رہے ہیں ایک گرانقدر اضافہ کا موجب ہوا ہے اور سیرالیون کے ایک گروہِ عظیم کی دیرینہ خواہش اور ضرورت کی تکمیل کا پیش خیمہ ہے۔ اس اخبار کا مقصد چونکہ محض اشاعتِ اسلام اور اس کی صحیح اور اصلی تعلیم سے لوگوں کو آشنا کرنا اور مُلک کی عام خدمت ہے۔ لہذا مجھے امیدِ واثق ہے کہ یہ اخبار خواص اور عوام کی نظروں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

خدا تعالیٰ آپ کے اس نئے فریضہ میں جس کی ذمہ داری آپ نے اٹھائی ہے برکت ڈالے اور متلاشئ حق لوگوں کے دل آپ کی اخلاقی اور مالی امداد کے لئے کھول دے۔ خدا تعالیٰ آپ کو

---

[1] روزنامہ الفضل ۷ راگست ۱۹۵۵ء صٓ ۳۔

توفیق عطا فرمائے کہ آپ اسے استقلال اور مداومت سے جاری رکھ سکیں"۔

مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری انچارج سیرالیون مشن ماہ اگست میں فری ٹاؤن تشریف لے گئے اور برٹش کونسل کے ایک لیکچر میں شرکت کی۔ جہاں ملک کے تمام اخبار نویس، سیرالیون کے چیف منسٹر اور معزز شہری موجود تھے۔ آپ کو ان سے ملنے اور تعلقات پیدا کرنے کا موقع میسر آیا۔ آپ نے سلسلہ کا کچھ لٹریچر مفت تقسیم کیا اور کچھ فروخت کیا۔ اور پریس کے لئے مزید سامان خریدا۔

مکرم قاضی مبارک احمد صاحب۔ مکرم مولوی محمود احمد صاحب شاد اور مکرم مولوی محمد صدیق صاحب شاہد گورداسپوری اور لوکل مبلغ پافوڈے صاحب نے مختلف جگہوں کے دورے کئے جن میں پیغام حق پہنچایا گیا۔ سال کے شروع میں بو جماعت کے ایک مخلص دوست پا علی رو جس نے ایک مکان مشن کے نام ہبہ کیا۔

جملہ مبلغین کی مساعی کے نتیجہ میں ماہِ اگست میں اکیس ۲۱ افراد داخل احمدیت ہوئے[۱]

جماعت احمدیہ سیرالیون کی ساتویں سالانہ کانفرنس ۱۶ ، ۱۷ دسمبر ۱۹۵۵ء کو نہایت کامیابی سے اختتام پذیر ہوئی۔ یہ کانفرنس احمدیہ سکول بو کے کھلے احاطے میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس کے پانچ اجلاس ہوئے۔ کانفرنس کا افتتاح مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری مبلغ انچارج سیرالیون نے کیا جس میں بتایا کہ اس سال خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمیں غیر معمولی کامیابی ہوئی ہے مثلاً بو شہر میں نہ صرف احمدیہ سکول کی عمارت جو عرصہ سے زیر تکمیل تھی مکمل ہوئی ہے بلکہ ایک شاندار مشن ہاؤس بھی تعمیر کیا گیا ہے۔

دوران سال پانچ نئی جماعتیں قائم ہوئیں اور اڑھائی سو افراد شامل احمدیت ہوئے۔ علاوہ ازیں ایک اخبار اور پریس کا قیام عمل میں آیا[۲]

انڈونیشیا مشن اپریل ۱۹۵۵ء کے دوران بانڈونگ میں وزراء کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ۲۹ ممالک کے سینکڑوں نمائندے اور بعض کے وزرائے عظام اور سینکڑوں اخباری نمائندے شامل ہوئے۔ مکرم سید شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا، ملک

---

[۱] الفضل ۱۶ نومبر ۱۹۵۵ء (خلاصہ رپورٹ مکرم مولوی محمد صدیق صاحب شاہد گورداسپوری)۔ [۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۳ تا ۱۰ فروری ۱۹۵۶ء و سالانہ رپورٹ ۱۳ مارچ تا ۱۵ مارچ ۱۹۵۶ء (مرتبہ مولوی محمد صدیق صاحب شاہد)۔

عزیز احمد صاحب اور مولوی محمد زہدی صاحب نے ایک ہزار سے زائد کتب نمائندگان میں تقسیم کیں. نیز فلسطین، انڈونیشیا، ترکی، عراق، برما، سیلون، انڈیا اور یمن کے ممالک کے نمائندگان سے تبادلہ خیال بھی کیا۔[1]

شمالی بورنیو مشن

مشن کی طرف سے اس سال انگریزی و ملائی زبان کا ایک سہ ماہی رسالہ PEACE جاری کیا گیا۔ اب تک مغربی ساحلی علاقہ میں احمدیت قائم تھی۔ اس سال کے ابتداء میں بعض دوسرے علاقوں کی طرف توجہ دی گئی۔ چنانچہ مبلغ سلسلہ مکرم مرزا محمد ادریس صاحب مشرقی ساحل کے دورے پر تشریف لے گئے۔ جس کے دوران ایک تو رسالہ کی توسیع و اشاعت کا موقع ملا۔ دوسرے دیہاتی لوگوں نے ذوق وشوق سے تبلیغ حق سُنی۔ آپ کے بعد مکرم مولوی محمد سعید صاحب انصاری بھی اس علاقہ میں تشریف لے گئے۔ ایک زیر تبلیغ نوجوان وِنتلمورا یوسف صاحب نے بیعت کی۔ جس پر اُن کی بہت سخت مخالفت ہوئی. مگر وہ ثابت قدم رہے اسی طرح مکرم مرزا محمد ادریس صاحب کی کوششوں میں بھی خدا نے برکت بخشی اور راناؤ کی بستی کا ایک ہیڈ ماسٹر احمدی ہو گیا جس کے چند روز بعد ایک ریٹائرڈ ٹیچر نے بھی مع اپنی بیوی کے بعیت کر لی۔[2]

اس سال بورنیو مشن کے اثرات نمایاں طور پر ظاہر ہونے شروع ہوئے۔ اور خوشکن اطلاعات مرکز میں پہنچیں جن کی تفصیل حضرت مصلح موعودؓ کی زبانِ مبارک سے درج ذیل کی جاتی ہے:۔

" بورنیو میں اس وقت ہمارے دو مبلغ ہیں۔ پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس علاقہ میں احمدیت کا پھیلنا مشکل ہے۔ اس لئے یہاں دو مبلغوں کو بٹھانے کی کیا ضرورت ہے اور اس علاقہ میں پہلے بہت ہی تھوڑے احمدی تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہاں صرف ایک ہی احمدی تھے اور وہ ڈاکٹر بدرالدین صاحب تھے۔ مَیں وہاں کے مبلغین کو بار بار کہہ رہا تھا کہ اپنے کام کو بڑھاؤ۔ آخر خدا تعالیٰ کا فضل ہُوا اور اس علاقہ میں احمدیت کے پھیلنے کے سامان پیدا ہو گئے۔ ہمارا ایک مبلغ بورنیو کے ایک حصّہ میں تبلیغ کے لئے گیا اور خدا تعالیٰ کا یہ فضل ہُوا کہ وہاں احمدیت کی ایک رَو پیدا ہو گئی۔ انگریزوں کو

---

[1] الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۵۵ء صٓ۳ ۔ [2] الفضل ۴ ستمبر ۱۹۵۵ء (خلاصہ رپورٹ مکرم ڈاکٹر حافظ بدرالدین صاحب مقیم بورنیو)۔

جب اس رَد کا احساس ہُوا تو حکام نے اس کو دبانا چاہا اور جو شخص بھی احمدی ہونے لگتا اس پر دباؤ ڈالا جاتا کہ اگر وہ احمدی ہو گیا تو اسے ملازمت سے برخواست کر دیا جائے گا یا اسے جائداد سے محروم کر دیا جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے مبلغ کو خدا تعالیٰ نے اس علاقہ میں کامیابی عطا فرمائی۔ آج وہاں سے ایک اور خط آیا ہے کہ دوسرے مبلغ کو بھی ایک دوسرے علاقہ میں بھیجا جارہا ہے۔ اور خیال ہے کہ اگر یہ مبلغ اس علاقہ میں گیا تو وہ سارے کا سارا علاقہ احمدیت میں داخل ہو جائے گا۔ بورنیو میں آبادی کم ہے۔ لیکن علاقہ بہت وسیع ہے۔ اگر انگریزی یا انڈونیشین بورنیو دونوں کو ملا لیا جائے تو اس کا رقبہ ہندوستان کے نصف کے برابر ہے اور پاکستان سے وہ تین چار گنا زیادہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس علاقہ میں احمدیت پھیلا دی تو یہ ہمارے لئے بڑی برکت کا باعث ہوگا۔[1]

مجاہدینِ احمدیت کی روانگی اور کامیاب مراجعت

۱۹۵۵ء میں مندرجہ ذیل مجاہدینِ احمدیت بلادِ غیر میں بغرضِ تبلیغِ اسلام تشریف لے گئے:۔

۱۔ مکرم مولوی نذیر احمد صاحب مبشر۔ آپ مع اہل و عیال تیسری بار گولڈ کوسٹ (غانا) تشریف لے گئے۔

۲۔ مکرم صوفی محمد اسحٰق صاحب (۲۸ر جنوری ۱۹۵۵ء) برائے گولڈ کوسٹ۔

۳۔ مکرم خلیل احمد صاحب اختر برائے لائبیریا (۲۸ر جنوری ۱۹۵۵ء)

۴۔ مکرم چوہدری محمود احمد صاحب چیمہ برائے سیرالیون (۲۸ر جنوری ۱۹۵۵ء)

۵۔ مکرم قاضی مبارک احمد صاحب برائے سیرالیون (۲۸ر جنوری ۱۹۵۵ء)[2]

۶۔ مکرم شیخ ناصر احمد صاحب برائے سوئٹزرلینڈ (۲۷ر فروری ۱۹۵۵ء)[3]

۷۔ مکرم مولوی صالح محمد صاحب برائے لنڈن (۲۴ر مارچ ۱۹۵۵ء)[4]

۸۔ مکرم مولوی نور الدین صاحب منیر برائے مشرقی افریقہ (۲۱ر جولائی ۱۹۵۵ء)[5]

---

[1] الفضل ۱۸ر جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۴ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰ر دسمبر ۱۹۵۵ء)

[2] الفضل ۲۹ر جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۱ (ریکارڈ تحریک جدید کے مطابق روانگی کی تاریخ ۲۷ر جنوری ۱۹۵۵ء)۔

[3] الفضل یکم مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۸۔ [4] الفضل ۲۷ر مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۸۔ [5] الفضل ۲۲ر جولائی ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

۹۔ مکرم حافظ بشیر الدین صاحب برائے مشرقی افریقہ (۴؍ اگست ۱۹۵۵ء)[1]

۱۰۔ مکرم رحیم بخش صاحب برائے برٹش گی آنا (یکم نومبر ۱۹۵۵ء)[2]

۱۱۔ مکرم شیخ نصیر الدین صاحب برائے نائیجیریا (۳؍ دسمبر ۱۹۵۵ء)[3]

۱۲۔ مکرم مولانا عبدالواحد صاحب سماٹری برائے انڈونیشیا (۸؍ دسمبر ۱۹۵۵ء)[4]

اس سال مندرجہ ذیل مبلغینِ اسلام بیرونی ممالک میں اعلائے کلمۂ حق کا فریضہ کامیابی سے ادا کرنے کے بعد مرکزِ احمدیت واپس تشریف لائے۔

۱۔ مبلغ انڈونیشیا مکرم حکیم عبدالرشید صاحب ارشد (۲۸؍ فروری ۱۹۵۵ء)[5]

۲۔ مبلغ امریکہ مکرم مولوی عبدالقادر صاحب ضیغم (۱۴؍ اپریل ۱۹۵۵ء)[6]

۳۔ مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ مبلغ انگلستان (۱۶؍ اپریل ۱۹۵۵ء)[7]

۴۔ مبلغ امریکہ مکرم چوہدری غلام یٰسین صاحب (۱۲؍ مئی ۱۹۵۵ء)[8]

۵۔ مبلغ گولڈ کوسٹ مکرم مولوی عطاء اللہ صاحب کلیم (۶؍ جون ۱۹۵۵ء)[9]

۶۔ مبلغ انڈونیشیا مکرم میاں عبدالحیٔ صاحب (۲۵؍ ستمبر ۱۹۵۵ء)[10]

۷۔ مبلغ انچارج امریکہ مکرم چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر (۲۸؍ ستمبر ۱۹۵۵ء)[11]

۸۔ مکرم چوہدری محمد شریف صاحب مبلغ فلسطین (۱۴؍ دسمبر ۱۹۵۵ء)[12]

ان مبلغین کے علاوہ ۳؍ فروری ۱۹۵۵ء کو انگلستان سے شیخ مبارک احمد صاحب (ابن خانصاحب فرزند علی صاحبؓ) کی مراجعت بھی ہوئی۔ آپ ۱۱؍ اگست ۱۹۵۱ء کو ربوہ سے بغرض تعلیم روانہ ہوئے تھے۔ اس عرصہ میں آپ شام، جرمنی اور انگلستان میں مختلف علوم کی تحصیل میں مصروف رہے۔[13]

---

[1] الفضل ۵؍ اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۱ (اخبار میں سہواً ۴؍ جولائی لکھا ہے)۔ [2] الفضل ۳؍ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱
[3] ریکارڈ تحریک جدید۔ [4] الفضل ۹؍ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ [5] الفضل ۶؍ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۱
[6] الفضل ۱۶؍ اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ [7] الفضل ۱۷؍ اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ [8] الفضل ۱۶؍ مئی ۱۹۵۵ء صفحہ ۱
[9] الفضل ۸؍ جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ [10] الفضل ۳۰؍ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ [11] الفضل ۳۰؍ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۸
[12] الفضل ۱۶؍ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ [13] الفضل ۵؍ فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

نئی مطبوعات

اس سال کی چند قابلِ ذکر اور مشہور مطبوعاتِ سلسلہ یہ ہیں:۔

۱۔ "حیاتِ قدسی" حصہ چہارم (از حضرت مولانا غلام رسول صاحب قدسی راجیکی مبلغ سلسلہ احمدیہ)۔

۲۔ "تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر ایک نظر" (از خالد احمدیت مولانا جلال الدین صاحب شمس انچارج تالیف و تصنیف صدر انجمن احمدیہ)۔

۳۔ "شمع حرم[1] مع قندیل حرم" ہر دو[2] حصہ (مؤلف حکیم عبداللطیف صاحب شاہد منشی فاضل، ادیب فاضل نمبر ۱۴ مین بازار گوالمنڈی لاہور)

۴۔ سیرت حضرت مولانا شیر علی رضی اللہ عنہ (مرتبہ ملک نذیر احمد ریاض لیکچرار جامعۃ المبشرین ربوہ)۔ اس کتاب کا پیش لفظ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے رقم فرمایا۔

۵۔ حیاتِ فیض (مرتبہ مولانا عبدالمالک خانصاحب مربی سلسلہ احمدیہ کراچی)۔

۶۔ رسالہ حج (مصنفہ مولوی عبداللطیف صاحب فاضل بہاولپوری۔ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ)

۷۔ علامات شناخت انبیاء (از مکرم مولوی غلام باری صاحب سیف پروفیسر جامعۃ المبشرین۔ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ)۔

۸۔ عبرت ناک انجام (از مکرم چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر۔ انچارج احمدیہ مشن امریکہ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ)۔

۹۔ آزاد بھارت۔ (مکرم گیانی عباد اللہ صاحب۔ ریسرچ سکالر سکھ ازم ناشر الشرکۃ الاسلامیہ[3])

ان کُتب کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کی زیر نگرانی بڑے سائز پر ربوہ کا ایک نقشہ بھی شائع ہوا[4]۔ جس میں شہر کی سڑکوں، گلیوں اور دیگر مشہور پبلک مقامات کو نمایاں کیا گیا تھا۔ نقشہ کی ایک بڑی غرض جلسہ سالانہ پر آنے والے دوستوں کی راہنمائی اور ان کی جائے رہائش سے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچانا تھا۔

---

[1] مسلمان خواتین کے لئے فقہی مسائل اور اسلامی ہدایات کا مجموعہ (فقہ احمدیہ کا دوسرا ایڈیشن مفید اضافوں کے ساتھ)۔

[2] مولانا عبدالمجید صاحب سالک نے اس کتاب پر یہ تبصرہ کیا کہ "مجھے یہ کتاب بے حد پسند آئی۔ اس کی سادگی سلاست، اور اثر انگیزی قابلِ قدر ہے۔" (الفضل ۲۸ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۶)

[3] الفضل ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ ۔ [4] الفضل ۱۰ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۴۔

تیسرا باب

احمدیہ مشن لائبیریا کا قیام اور اس کی شاندار دینی خدمات

فصل اوّل

لائبیریا کا ملک، افریقہ کے مغربی ساحل پر گنی کے جنوب، سیرالیون کے جنوب مشرق اور ایوری کوسٹ کے مغرب میں واقع ہے۔ یہ افریقہ کی سب سے پرانی جمہوری ریاست ہے۔ جس کی بنیاد ۱۸۲۲ء میں اُن افریقنوں کے ذریعہ سے رکھی گئی جو امریکن کالونائزیشن سوسائٹی AMERICAN COLONIZATiON SOCIETY کے زیرِ انتظام یہاں آباد کئے گئے تھے۔ لائبیریا ۱۸۴۷ء میں جمہوری ملک بنا۔ اس ملک کے مقبول ترین صدر ولیم وی ایس ٹب مین WILLIAM V.S TUBMAN تھے جو ۱۹۴۴ء سے بار بار منتخب ہوتے رہے اور اپنی وفات (۱۹۷۱ء) تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ ملک کا دارالسلطنت منروویا MONROVIA ہے۔ جس کے باشندوں کی غالب اکثریت عیسائی ہے۔

لائبیریا میں احمدیت کا پیغام اس ملک میں احمدیت کا پیغام سب سے پہلے ۱۹۱۷ء میں پہنچا جبکہ کالج کے ایک پروفیسر نے احمدیہ مشن لندن[1] سے لٹریچر منگوایا۔ اس واقعہ کے قریباً چونتیس سال بعد ۱۹۵۲ء کے اوائل میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر مکرم مولوی محمد صدیق

[1] الفضل ۲۴ نومبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۲ (خط حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب بی۔ اے بی ٹی مبلغ لندن)

صاحب امرتسری مبلغ سیرالیون نے بذریعہ ڈاک نیز سیرالیون کے بعض مخلص احمدیوں کے ذریعہ سے لائبیریا میں بہت سا انگریزی اور عربی لٹریچر بھجوایا۔ پھر مئی ۱۹۵۲ء میں خود بھی ایک ماہ کے دَورے پر یہاں آئے۔ آپ پہلے احمدی مبلغ تھے جو اس مُلک میں تشریف لائے۔ اس دوران آپ نے صدر مملکت ولیم ٹب مین سے ملاقات کی اور انہیں قرآن مجید کی انگریزی تفسیر اور دوسرا اسلامی لٹریچر تحفۃً پیش کیا۔ صدر ٹب مین نے اس آسمانی تحفے کا دلی شکریہ ادا کیا اور وعدہ کیا کہ لائبیریا کے مُسلم عوام کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں جماعت احمدیہ جو بھی قدم اٹھائے گی حکومت اس کا خیر مقدم کرے گی۔ لائبیریا کے اخبار لسنر LISTNER نے اس ملاقات کی نمایاں خبر شائع کی۔[۱]

مشن کی بنیاد لائبیریا مشن کی بنیاد رکھنے کی سعادت صوفی محمد اسحٰق صاحب کے حصے میں آئی جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے حکم پر ۳ر جنوری ۱۹۵۶ء[۲] کی صبح کو بذریعہ بحری جہاز منروویا پہنچے۔ صدرِ جمہوریہ کے انتخاب کے باعث آپ کے جہاز کو چند روز تک کھلے سمندر میں بندرگاہ کے باہر ٹھہرنا پڑا۔ ۶ر جنوری کو جہاز بندرگاہ میں داخل ہوا۔ آپ قریباً اٹھارہ روز تک ایک لبنانی تاجر یحیٰی علی[۳] کے ہاں قیام فرما رہے اور خاصی تگ و دو کے بعد نمبر ۱۱۶ اکبری سٹریٹ میں تیس ڈالر پر ایک کمرہ کرائے پرلے کر اشاعت احمدیت کا فریضہ انجام دینا شروع کر دیا۔ یہ ۲۴ر جنوری ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے۔ جس کے بعد آپ نے ایک قرآن کلاس کھول دی۔ جس سے لوگوں میں آہستہ آہستہ چرچا شروع ہو گیا۔ ایک جمعہ کے موقع پر آپ کو امام کی اجازت سے نماز جمعہ کے بعد غیر احمدی مسلمانوں میں لیکچر دینے کا موقع ملا بعد میں چند صحرائی عربوں نے وفاتِ مسیح کے متعلق سوالات کئے جس پر آپ نے شیخ الجامع الازہر الاستاذ محمود شلتوت[۴] کا فتویٰ پیش کیا جو قاہرہ کے ہفت روزہ "الرسالہ" (۱۱ر مئی ۱۹۴۲ء) میں رفع عیسیٰ کے نام سے شائع ہوا[۵] اس طرح عام مسلمانوں میں بحیثیت مبلغ احمدیت آپ کا ابتدائی تعارف ہوا۔ شروع فروری ۱۹۵۶ء میں آپ نے اندرونِ ملک دَوروں کا آغاز کیا

---

[۱] الفضل ۵ر جون ۱۹۵۲ء صفحہ ۵۔ [۲] ڈائری ۲۸ر جنوری تا ۳ر فروری ۱۹۵۶ء مرسلہ صوفی محمد اسحٰق صاحب از لائبیریا (ریکارڈ تحریک جدید)۔ [۳] آپ مکرم مولوی مبارک احمد صاحب ساقی کے زمانہ میں احمدی ہوئے اور لائبیریا میں ہی انتقال کیا۔
[۴] ولادت ۱۸۹۳ء وفات ۱۹۶۳ء۔ [۵] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد ۹ صفحہ ۲۹۷ - ۳۱۳۔

اور پہلی بار ابینہ گاؤں میں پہنچے۔ آپ نے ایسے مؤثر رنگ میں پیغامِ حق پہنچایا کہ ایک عالمِ دین اسمٰعیل مالک داخلِ احمدیت ہوگئے۔ یہ آپ کی تبلیغ کا پہلا شیریں ثمر تھا۔[1] جس کے بعد آہستہ آہستہ سعید روحیں احمدیت سے وابستہ ہونے لگیں اور جلد ہی ایک مختصر مگر فعّال جماعت کا قیام عمل میں آگیا۔

حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایات اور تبلیغی وسعت

صوفی صاحب نے دارالسلطنت کے مختلف مسلمان محلّوں میں لیکچر دینے شروع کئے جس سے شہر میں بھی حرکت پیدا ہوگئی اس پر حضرت مُصلح موعودؓ نے ہدایت بھجوائی کہ:۔

"ابھی موقع ہے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات بڑھاؤ ان کو تحفے وغیرہ دیتے رہو اور جلدی کوشش کرو کہ لائبیریا سارا احمدی ہو جائے۔"

ازاں بعد صوفی صاحب کی تبلیغی رپورٹ (مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۵۶ء) پر ہدایت فرمائی کہ "آپ احمدی بنائیں اور چندہ لیں پھر خرچ بھجوانے میں آسانی رہے گی"۔ چنانچہ آپ نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔ اپریل ۱۹۵۶ء میں افواج کے کمانڈنگ آفیسر سے ملاقات کی اور انہیں احمدیت کا پیغام پہنچایا۔ جون ۱۹۵۶ء میں چیف کمشنر سے ملے اور انہیں تحریکِ احمدیت سے متعارف کرایا۔ جولائی ۱۹۵۶ء میں لائبیریا یونیورسٹی کے پریذیڈنٹ کو یونیورسٹی میں عربی کلاسز جاری کرنے کی تحریک کی۔ اگرچہ پوری یونیورسٹی میں کوئی مسلمان پروفیسر اور طالب علم نہیں تھا۔ تاہم انہوں نے یہ تجویز منظور کر لی اور یونیورسٹی کی طرف سے اس کا اعلان بھی پریس میں شائع کروا دیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ محکمہ تعلیم نے مسلمانانِ لائبیریا کو اجازت دے دی کہ اُن کے علاقوں میں جو سرکاری سکول ہیں اور اُن کو کوئی عربی معلّم مل سکتا ہے تو وہ اپنے طلبا کو عربی کی بھی تعلیم دیں۔ صوفی صاحب کو مُسلم حقوق کی جدوجہد میں دوسری کامیابی یہ ہوئی کہ وزیرِ دفاع نے فوجیوں میں تبلیغِ اسلام کی منظوری دے دی۔

اگست ۱۹۵۶ء سے آپ نے تحریری رنگ میں بھی اشاعتِ اسلام کی طرف توجہ شروع کر دی۔ اس سلسلہ میں آپ کا ایک مضمون اخبار "لائبیرین ایج" LIBERIAN AGE میں ۱۴ اگست ۱۹۵۶ء کو شائع ہوا۔ یہ مضمون امریکی رسالہ "ریڈرز ڈائجسٹ" (مئی ۱۹۵۵ء) کے ایک مخالفِ اسلام

---

[1] رپورٹ جناب صوفی محمد اسحٰق صاحب مورخہ ۵ فروری ۱۹۵۶ء ریکارڈ تحریک جدید وکالت تبشیر و الفضل ۱۰ / ۱۱ اپریل ۱۹۵۶ء ص ۳

مضمون کے جواب میں تھا۔

انہی ایّام میں آپ نے ایک شبینہ تعلیمی کلاس جاری کی جس میں کئی افراد نے داخلہ لیا۔ یہ کلاس بھی تبلیغ کا ایک عمدہ ذریعہ ثابت ہوئی۔ ستمبر ۱۹۵۶ء میں آپ نے بہائیوں سے تبادلہ خیالات کرکے اُن پر اتمام حجّت کی۔ آپ شروع ہی سے باقاعدگی کے ساتھ منروویا کے محلہ وائی ٹاؤن کے مسلمانوں کو بھی تبلیغ کرتے آرہے تھے جس کا مخالفانہ ردِّ عمل بھی ظاہر ہونا شروع ہوگیا۔ مگر آپ نے صبر و تحمّل کے ساتھ اپنا مشن جاری رکھا۔ جس کا خوشگوار اثر چیف پر ہُوا۔ اور اس نے آپ کی ایک تقریر کے بعد آپ کے رویے کی بہت تعریف کی۔ آپ نے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں یہ خوشکن اطلاع بھجوائی تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ :-

"آپ گالیاں سُن کر دُعا دیں۔ اتنی نرمی کریں کہ اُن کے دل شرمندگی سے بھر جائیں۔ بلکہ اظہار بھی کریں کہ اگر آپ جوتیاں بھی ماریں تو مَیں آپ کی ہدایت کے لئے کوشش کرتا رہوں گا۔ آپ بہائی عورت کے پیچھے پڑے رہیں۔ اور دُعا کرتے رہیں میں بھی دُعا کروں گا۔ اور کہیں کہ آپ اُنیس سال کے بعد بہائیت نہیں چھوڑ سکتیں تو ہم ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد کس طرح اسلام چھوڑ سکتے ہیں"[1]

صوفی صاحب نے ایک خاص تبلیغی مہم جاری کی۔ جس کے تحت سرکاری حکام اور دیگر معززین سے خاص طور پر رابطہ قائم کیا۔ آپ نے حلقہ تبلیغ کو وسیع کرنے کے لئے سلسلہ کے انگریزی لٹریچر کو پھیلانے کا بھی انتظام کیا جس کے نتائج بہت جلد ظاہر ہونا شروع ہوگئے۔[2] اس کامیاب تجربہ کے بعد آپ نے اگلے سال ایک بُک شاپ قائم کر دی جس سے مشن کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں بہت مدد ملی۔

۱۲؍جون ۱۹۵۷ء کو آپ نے پریذیڈنٹ ہاؤس میں سربراہِ مملکت کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا جس میں درخواست کی کہ اس ملک کے مسلمان آپ کی وفادار رعیت ہیں۔ ان کی ترقی کے لئے مناسب اقدام فرمایا جائے۔ نیز تجویز پیش کی کہ یونیورسٹی میں عربی زبان کی تعلیم کا انتظام کیا جائے اور اس کے لئے آپ نے اپنی رضاکارانہ خدمات پیش کیں۔ پریذیڈنٹ صاحب نے ان امور پر غور کا وعدہ کیا۔[3]

---

[1] فائل لائبیریا مشن تحریک جدید وکالت تبشیر و الفضل ۱۳؍جنوری ۱۹۵۷ء۔

[2] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۳، ۱۶؍اکتوبر ۱۹۵۶ء۔ [3] الفضل ۱۱؍ستمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۲ (تبوک ۱۳۳۶ہش)۔

دوسرے احمدی مشنوں کی طرح لائبیریا مشن میں بھی صداقتِ احمدیت کے کئی نشان ظاہر ہوئے. چنانچہ صوفی محمد اسحٰق صاحب اپنی ایک رپورٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"لائبیریا میں قیام کے شروع میں وہاں ایک لبنانی تاجر مسلمان منصور عطر نامی نے مخالفت شروع کر دی. حتیٰ کہ ایک اخبار میں میرے خلاف کچھ نازیبا ریمارکس بھی شائع کرائے جس پر میں اس سے ملا مگر اس کا رویہ معاندانہ اور متکبرانہ تھا. اللہ تعالیٰ نے اپنے مسیح موعودؑ کو الہام کیا تھا کہ "اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ وَاِنِّیْ مُعِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِعَانَتَکَ" چنانچہ اس الٰہی وعدہ کے مطابق چند ماہ کے اندر اندر اس شخص کی رسوائی اور مُلک بدری کا انتظام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح ہُوا کہ اس مُلک میں بسیں چلانے کی کسی غیر ملکی کو اجازت نہ تھی. لیکن یہ اس میں ملوّث پایا گیا جس پر اسے فوراً مُلک بدر ہونے کا نوٹس مل گیا. اور اسے اپنا سارا تجارتی کاروبار اونے پونے فروخت کر کے مُلک سے نکلنا پڑا.

اسی طرح ایک دفعہ منروویا کے بعض سرکردہ مسلمان جو دَرپردہ جماعت کے دشمن تھے صدر مملکت ٹب مین کو ملے اور اُن سے درخواست کی کہ وہ اس عاجز کو ملک بدر کر دیں لیکن صدر صاحب نے ان مسلمانوں کو جواب دیا کہ احمدیہ مشن ایک بین الاقوامی تنظیم ہے. پس جب تک جماعت احمدیہ کا مبلغ لائبیریا کے مُلکی قوانین کی خلاف ورزی نہیں کرتا وہ اسے مُلک سے نکل جانے کا حکم نہیں دے سکتے. جس پر یہ سب ناکام ہو کر واپس آگئے"[1]

صوفی صاحب موصوف لائبیریا میں تقریباً سوا تین سال مصروفِ جہاد رہے. اس قلیل عرصہ میں نہ صرف یہ کہ مُلک میں اسلام اور احمدیت کا چرچا مُلک کے ہر طبقہ میں شروع ہو گیا. بلکہ مشن مالی اعتبار سے بھی بہت حد تک خود کفیل ہو گیا اور علمی طبقے کا ایک اہم مرکز بن گیا.

---

[1] ملخص رپورٹ مرتبہ جناب صوفی محمد اسحٰق صاحب

فصل دوم

دوسرے مجاہدینِ احمدیت کی تبلیغی سرگرمیاں

صوفی محمد اسحٰق صاحب سوا تین سال کے بعد ۲۹؍مارچ ۱۹۵۹ء کو مرکزِ احمدیت ربوہ میں واپس تشریف لائے[1]

آپ کے بعد بالترتیب مندرجہ ذیل مجاہدینِ احمدیت نے انچارج مشن کے فرائض سرانجام دیئے اور تبلیغی سرگرمیوں کو وسیع سے وسیع تر کر دیا:۔

۱۔ مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری (از ۲۷؍اپریل ۱۹۵۹ء/شہادت ۱۳۳۸ہش تا ۲۶؍دسمبر ۱۹۶۰ء فتح ۱۳۳۹ہش)۔

۲۔ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی (از ۶؍اکتوبر ۱۹۶۰ء/اخاء ۱۳۳۹ہش تا ۱۵؍دسمبر ۱۹۶۹ء فتح ۱۳۴۸ہش)۔

۳۔ مولوی امین اللہ صاحب سالک (از ۴؍اکتوبر ۱۹۶۹ء/اخاء ۱۳۴۸ہش تا ۱۱؍فروری ۱۹۷۴ء/تبلیغ ۱۳۵۳ہش)۔

۴۔ چوہدری رشید الدین صاحب (از ۲۱؍نومبر ۱۹۷۳ء/نبوت ۱۳۵۲ہش تا ۳۰؍مارچ ۱۹۷۷ء/امان ۱۳۵۶ہش)۔

۵۔ مولوی عطاء الکریم صاحب شاہد (از ۵؍نومبر ۱۹۷۶ء/نبوت ۱۳۵۵ہش تا ۷؍جولائی ۱۹۸۰ء/وفا ۱۳۵۹ہش)[2]

۶۔ مولوی عبدالشکور صاحب۔ آپ ۱۶؍فروری ۱۹۸۰ء[3] (تبلیغ ۱۳۵۹ہش) کی شب کو منروویا پہنچے۔ ۱۹؍جون ۱۹۸۰ء/احسان ۱۳۵۹ہش کو اس مشن کا چارج سنبھالا۔ اور اب تک لائبیریا میں تبلیغی خدمات بجا لا رہے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۸۱ء میں دو مقامی مبلغین غانا کے مشنری کالج سے کورس مکمل کر کے آئے تو دو نئی شاخیں کھول دی گئیں اور وہاں ان کو متعین کر دیا گیا۔ ان میں سے ایک مبلغ ۱۹۸۴ء کے شروع میں فارغ ہو گئے۔ تاہم دوسرے مبلغ مکرم علی ساما صاحب بدستور نہایت دلجمعی سے خدمتِ دین میں

---

[1] الفضل ۲۹؍مارچ ۱۹۵۹ء صفحہ ۱ ۔ [2]، [3] ریکارڈ وکالت تبشیر لائبیریا مشن

مصروف ہیں۔[1]

ان مبلغین نے اپنے عرصہ تبلیغ میں اشاعتِ حق کے لئے قابلِ قدر خدمات انجام دیں اور کئی اہم واقعات رونما ہوئے۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ کو لٹریچر

۱۔ دسمبر ۱۹۵۹ء میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل ڈیگ ہیمر شولڈ لائبیریا تشریف لائے۔ اس موقع پر مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری نے ۲۳؍دسمبر ۱۹۵۹ء کو ان سے ملاقات کر کے ان کی خدمت میں بیش قیمت اسلامی لٹریچر کے علاوہ ایک ایڈریس بھی پیش کیا جس میں اسلام اور تحریکِ احمدیت کے متعلق تعارف کرانے کے بعد ان کی توجہ قرآن کریم کی سورہ حجرات کی دسویں آیت کی طرف مبذول کرائی جس میں اسلامی لیگ آف نیشنز کا نقشہ پیش کیا گیا ہے اور جسے حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۹۲۴ء میں ویمبلے کانفرنس کے موقع پر اپنے مشہور لیکچر "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" میں پیش فرمایا تھا۔

اس میمورنڈم کے جواب میں سیکرٹری جنرل کے پرسنل سیکرٹری ڈبلیو وچیسٹر نے نیو یارک سے حسب ذیل مراسلہ مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کو بھیجا:۔

" اقوامِ متحدہ ایگزیکٹو آفس آف دی سیکرٹری جنرل

۱۶؍فروری ۱۹۶۰ء

محترم الحاج صدیق صاحب۔ مجھے یونائیٹڈ نیشنز کے سیکرٹری جنرل صاحب کی طرف سے ہدایت کی گئی ہے کہ میں آپ کی چٹھیوں مورخہ ۲۳؍دسمبر اور ۸؍جنوری ۱۹۶۰ء کا شکریہ ادا کروں۔ نیز آپ کی اس مہربانی پر بھی ان کی طرف سے شکریہ ادا کروں جو کہ آپ نے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کا ایک نسخہ اور دیگر مفید اسلامی لٹریچر ارسال کر کے، سیکرٹری جنرل صاحب پر کی ہے۔

سیکرٹری جنرل آپ کے ان تحائف اور نیک جذبات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

آپ کا خیر اندیش ــــ ڈبلیو وچیسٹر پرسنل سیکرٹری"[2] (ترجمہ)

---

[1] مکتوب مولوی عبدالشکور صاحب مبلغ انچارج لائبیریا (۱۵؍اکتوبر ۱۹۸۴ء)۔

[2] الفضل ۲۴؍اپریل ۱۹۶۰ء صفحہ ۴۔

ڈاکٹر بلی گراہم پر اتمامِ حجّت

۲- جنوری ۱۹۶۰ء کے آخر میں مشہور امریکن پادری ڈاکٹر بلی گراہم آٹھ امریکن پادریوں کے ہمراہ افریقن ممالک کے دَورہ پر سب سے پہلے مغربی افریقہ کے ملک لائبیریا آئے۔ وہاں انہوں نے اپنے تین روزہ قیام کے دوران عیسائیت پر تین پبلک لیکچر دیئے۔ لوگوں کو یہ لیکچر سُننے پر آمادہ کرنے کیلئے منروویا MONROVIA دارالحکومت میں بے شمار ہینڈ بل تقسیم کئے گئے۔ حتّٰی کہ ہوائی جہازوں کے ذریعہ بھی یہ اشتہار شہر پر پھینکے جاتے رہے۔ لوکل اخبارات میں بھی ایک ہفتہ تک خُوب پراپیگنڈہ ہوتا رہا۔ اور یہ سب پراپیگنڈہ امریکن کونسل کی طرف سے کیا جاتا رہا۔

ہوائی اڈہ پر اور پھر شہر میں ڈاکٹر گراہم کا عیسائیوں کی طرف سے شاندار استقبال کیا گیا۔ جس میں لائبیریا کے پریذیڈنٹ جناب ولیم ٹب مین خود شریک ہوئے اور ڈاکٹر گراہم کے تینوں لیکچروں کے موقع پر صدارت کے فرائض بھی انہوں نے خود انجام دیئے۔ ڈاکٹر گراہم ایک نہایت ہوشیار اور مشاق لیکچرار اور بین الاقوامی شہرت کے مالک پادری ہیں۔ بقول ان کے اس وقت ان کا ہفتہ واری لیکچر "فیصلہ کا وقت" ایک ہزار ریڈیو اسٹیشنوں سے براڈ کاسٹ کیا جاتا تھا۔

ڈاکٹر گراہم نے اپنے لیکچروں کے دوران قرآن مجید پر زبردست تنقید کی کہ اس میں نسلِ انسانی کی نجات اور دُنیا کے مستقبل کا کوئی ذکر نہیں۔ نہ کوئی پیشگوئی موجود ہے۔ اس پر مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری نے ان کی آخری تقریر میں پبلک مناظرہ کا چیلنج دیا اور جمہوریہ متحدہ عربیہ (مصر) کے سفیر مقیم لائبیریا استاذ انور فرید اور ایک امریکن پریس رپورٹر نے آپ کی تائید کی اور اُن سے کہا کہ اوّل تو آپ کو قرآن مجید کا اس رنگ میں ذکر ہی نہیں کرنا چاہیئے تھا اور اگر کیا ہے تو اب احمدی مبلغ کو اپنے جلسے میں جواب دینے کا موقع دیں۔ مگر ڈاکٹر گراہم کاسرِ صلیب کے شاگرد کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ کرسکے۔

ڈاکٹر بلی گراہم صاحب کے نائیجیریا اور مشرقی افریقہ پہنچنے پر ہمارے وہاں کے مبلغین کرام نے بھی انہیں اس قسم کے کھلے چیلنج دیئے بلکہ مقابلۃً دعا کا نشان دکھانے اور دیکھنے کی بھی دعوت دی مگر افسوس وہاں بھی وہ گریز کرتے رہے اور پبلک کے آمادہ کرنے کے باوجود مجاہدینِ احمدیت سے ایسا روحانی مقابلہ نہ کرسکے اور دَورے سے واپسی پر امریکہ پہنچ کر بیان دیا کہ "میری حالیہ تحقیق

کے مطابق افریقہ میں اسلام کی ترقی اور رفتار عیسائیت کی نسبت بہت زیادہ تیز ہے اور باوجود عیسائی مبلغین کی انتھک کوششوں کے اور ہر قسم کے طریقے استعمال کرنے کے اب تک تیز ہے بلکہ جہاں تین افراد عیسائیت میں داخل ہوتے ہیں وہاں اس کے مقابل سات افراد اسلام قبول کرتے ہیں گویا سات اور تین کی نسبت ہے بلکہ بعض عیسائی لیڈروں کے نزدیک دس اور ایک کی نسبت ہے۔[۱]

حبشہ کے شہنشاہ ہیل سلاسی کو پیغامِ حق

۳- دسمبر ۱۹۶۰ء میں حبشہ کے شہنشاہ ہیل سلاسی اوّل لائبیریا تشریف لائے۔ ۶ر دسمبر ۱۹۶۰ء کو مولانا محمد صدیق صاحب نے ان کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا جس میں تاریخِ اسلام کے ابتدائی واقعات کی روشنی میں واضح کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ شاہِ حبشہ اور اس کے مُلک کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ایڈریس کے بعد آپ نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ اور تفسیر کا ہدیہ پیش کیا جسے شہنشاہ نے کھڑے ہو کر وصول کیا اور بتایا کہ میں عربی جانتا ہوں اور نجاشی شاہِ حبشہ کی نسل میں تریسٹھواں بادشاہ ہوں۔

جماعتِ احمدیہ کی غیر معمولی ترقی

۴- مولوی مبارک احمد صاحب ساقی کے زمانہ میں ۱۹۶۳ء کے شروع میں ماؤنٹ برکلے MOUNT BARCLAY اور پیگ وے PAG WAY گاؤں[۲] کے اکثر لوگ احمدی ہو گئے۔

آپ نے اُن دنوں ایک جگہ پیغامِ احمدیت پہنچایا جس پر ایک مُعمّر خاتون نے (جو صاحب کرامات سمجھی جاتی تھی فریضہ حج بھی ادا کر چکی تھی اور اس نے ایک پختہ مسجد بھی بنوائی تھی) حاضرین سے کہا کہ میں نے آج سے بیس برس قبل آپ کو بتایا تھا کہ مجھے خواب میں ایک شخص نے کہا ہے کہ امام الزمان آ چکا ہے اور عنقریب اس کا نام یہاں پہنچنے والا ہے۔ دیکھو میری بات سچّی ہو گئی اس لئے میں بغیر کسی حیل و حُجّت کے احمدی ہونے کا اعلان کرتی ہوں۔

---

[۱] رسالہ "ٹائمز" ۱۵ر فروری ۱۹۶۰ء (ترجمہ) [۲] رپورٹ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی ۲۵ر جنوری ۱۲ر فروری ۱۹۶۳ء ریکارڈ وکالتِ تبشیر تحریک جدید ربوہ تبلیغ ۱۳۴۲ھ۔

قبل ازیں آپ تنہا تبلیغی فرائض انجام دے رہے تھے۔ لیکن شروع ۱۹۶۳ء میں مکرم مولوی بشارت احمد صاحب بشیر انچارج احمدیہ مشن سیرالیون نے ایک لوکل مبلغ بھی لائبیریا بھیج دیا۔ جن کے ذریعہ تبلیغ کا سلسلہ دیہات تک وسیع ہو گیا۔ بعد ازاں گیمبیا کے ایک لوکل مبلغ بھی کچھ عرصہ کے لئے پہنچ گئے اور منڈنگو زبان بولنے والوں میں بھی سُرعت سے حق کا نُور پھیلنے لگا۔ یہاں تک کہ اکتوبر ۱۹۶۴ء میں لائبیریا کی احمدیہ جماعت کی مجموعی تعداد ایک سو سے اُوپر ہو گئی۔[1]

لائبیریا پریس میں اثر و نفوذ

۵۔ محترم ساقی صاحب کے ذریعہ لائبیریا پریس میں اسلام اور احمدیت کی آواز کا خاصا اثر و نفوذ ہُوا۔ موصوف لائبیریا کے صحافیوں کی انجمن LIBERIAN UNION OF JOURNALISTS کے ممبر تھے اور اکثر صحافیوں سے گہرا رابطہ رکھتے تھے۔ آپ کی تجویز پر منروویا کے کثیر الاشاعت اخبار دی لائبیرین ایج THE LIBERIAN AGE نے جمعہ کے روز مسلمانوں کے لئے نیا کالم جاری کیا جس میں آپ کے دینی مضامین باقاعدگی کے ساتھ چھپتے رہے۔ مسلمانانِ لائبیریا کے پڑھے لکھے طبقہ نے اعتراف کیا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ اس عیسائی ملک میں اسلام کا نام برملا لیا جا رہا ہے۔ ان مضامین کے نتیجہ میں ہی مسٹر کوامی یاتر حلقہ بگوشِ احمدیت ہوئے جو بعد میں جماعت کے جنرل سیکرٹری بنے۔[2]

ریڈیو اور ٹیلیویژن پر دینِ حق کا چرچا

۶۔ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی اور اُن کے بعد تشریف لے جانے والے مبلغین کے دَور میں اسلام کا چرچا پریس کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلیویژن میں بھی شروع ہو گیا۔ اور مبلغین ہر جُمعہ کو لائبیریا ریڈیو پر کسی نہ کسی اسلامی موضوع پر تقریریں نشر کرنے لگے۔

جنوری ۱۹۶۴ء کے آغاز میں لائبیریا میں ٹیلیویژن جاری ہُوا اور اسی ماہ ٹب مین کے پانچویں دفعہ صدر منتخب ہونے کا جشن منایا گیا۔ ٹیلیویژن کے مینجر نے یہ انتظام کیا کہ جب پروگرام کا اختتام ہو تو مختلف فرقوں کے رہنما ٹیلیویژن پر دُعائیہ کلمات کہیں اور پبلک کو مختلف مذہبی امور کی طرف توجہ

---

[1] ۱۹۶۳ء کی مرسلہ رپورٹیں (فائل نائیجیریا مشن وکالتِ تبشیر تحریک جدید)

[2] غیر مطبوعہ یادداشتیں (تحریر کردہ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی)

دلایا کریں اور اس غرض کے لئے مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن تجویز ہُوا۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں کے جو دو نمائندگان چُنے گئے اُن میں مولوی مبارک احمد صاحب ساقی انچارج مشن لائبیریا بھی تھے۔ دُوسرے مسلمان نمائندہ تو ایک ماہ کے بعد ہی تنگ پڑ گئے۔ مگر احمدی مبلغ سارا سال بغیر کسی ناغہ کے ہر جمعہ کو ٹیلیویژن پر قرآن مجید کی آیات تلاوت کر کے ان کا ترجمہ اور تفسیر بیان فرماتے رہے۔ یہ اسلامی پروگرام مسلمان حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔ حتّٰی کہ بعض عیسائی دوستوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ انہیں اَب معلوم ہُوا ہے کہ قرآن مجید میں ایسی جامع اور عُمدہ تعلیمات پائی جاتی ہیں اسی طرح شہر کے اکثر لبنانی اور شامی اور عرب دوستوں میں بھی اس پروگرام کے تذکرے ہوئے[1]

اگست ۱۹۶۳ء میں لائبیریا کے چھ سات گاؤں کے لوگوں کا مشترکہ خط ساقی صاحب کے پاس پہنچا کہ ان کے پاس مبلغ بھیجا جائے۔ ان خوشکن نتائج کی بناء پر آپ کی ہر تقریر کے آخر میں یہ اعلان بھی کیا جانے لگا۔ کہ اگر لٹریچر کی ضرورت ہو تو احمدیہ مشن کو پوسٹ بکس نمبر ۶۱۸ کے پتہ پر لکھیں[2]

تعطیل جمعہ کی کامیاب کوشش

۷۔ حکومتِ لائبیریا نے حکم دیا کہ اتوار کے روز ہر قسم کا کاروبار بند رکھا جائے۔ اور اس دن کے تقدس کا خاص خیال رہے۔ اس پر مولوی مبارک احمد صاحب ساقی نے صدر مملکت کی ہفتہ وار پریس کانفرنس میں یہ سوال اٹھایا کہ جمعہ کا دن مسلمانوں کی نگاہ میں بہت مقدس ہے۔ مگر مسلمان ملازمین نماز جمعہ میں دفاتر چھوڑ کر مسجد میں جا ہی نہیں سکتے۔ اس لئے انہیں نماز جمعہ کے لئے ایک گھنٹہ کی رخصت دی جائے۔ پریذیڈنٹ صاحب نے اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے مسلمان ملازمین کو جُمعہ کے روز ایک گھنٹہ کی رخصت دیئے جانے کی منظوری دے دی اور شام کو ریڈیو نے بھی یہ خبر نشر کی کہ مولوی مبارک احمد صاحب کے مطالبہ پر پریذیڈنٹ نے یہ رخصت دی ہے اس اعلان پر تمام مسلمان حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے آپ کا شکریہ ادا کیا[3]

---

[1] الفضل ۲؍جنوری ۱۹۶۴ء صفحہ ۳ و الفضل ۲۷؍مارچ ۱۹۶۵ء صفحہ ۳

[2] رپورٹ مبارک احمد صاحب ساقی ۸؍اگست، ۲؍ستمبر ۱۹۶۳ء ریکارڈ وکالتِ تبشیر تحریک جدید۔

[3] الفضل ۲۸؍جنوری ۱۹۶۴ء صفحہ ۳۔

منرو ویا کالج میں لیکچر

۸۔ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی نے منرو ویا کالج کی ہائی وائی کلب کے زیرِ اہتمام لیکچر دیا جس میں بائبل کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشگوئیاں بتلائیں اور صلیب سے حضرت مسیح کے زندہ اتارے جانے کا ذکر کیا اور بائبل اور قرآن کا موازنہ کیا۔ اس لیکچر کے بعد طلباء میں بحث ہوئی اور بالآخر سب نے مل کر عیسائیت پر عدم اعتماد کا ووٹ پاس کر دیا۔ جب کالج کے ارباب حل و عقد کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے کلب ہی بند کر دی اور فیصلہ کیا کہ طلبا کو آئندہ کسی میٹنگ کی اجازت نہ ہو گی۔ کلب کے پریذیڈنٹ نے کالج کی اتھارٹی سے معافی مانگی اور بڑی مشکل سے چھ ماہ کے بعد کلب جاری کرنے کی اجازت دی گئی۔[1]

محترم بشیر احمد خان رفیق کا دورہ لائبیریا

۹۔ ۱۹۶۷ء میں لائبیریا کے صدر ٹب مین انگلستان کے سرکاری دورے پر تشریف لے گئے۔ جہاں محترم بشیر احمد خان صاحب رفیق امام مسجد لنڈن نے اُن کے اعزاز میں مع ۳۵ ممبرانِ وفد کے مسجد فضل میں عشائیہ دیا۔ دورانِ تقریر انہوں نے لائبیریا مشن اور اس کے انچارج مشنری جناب مبارک احمد صاحب ساقی کی دینی اور علمی خدمات کو بہت سراہا نیز امام صاحب کو لائبیریا کی تقریب آزادی پر مع اہل و عیال مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے لائبیریا آنے کی دعوت دی جس پر مکرم بشیر احمد خان صاحب رفیق اگلے سال ۲۴ جولائی ۱۹۶۸ء کو لائبیریا تشریف لے گئے۔ منرو ویا کے ہوائی مستقر پر مُلک کی مشہور شخصیات نے آپ کا پرجوش استقبال کیا۔ ان میں مسلمان گورنر صوصو مومو، پریذیڈنٹ مُسلم کانگریس آف لائبیریا، وائس پریذیڈنٹ مُسلم کمیونٹی آف لائبیریا، وائی چیف اور دیگر سرکردہ مسلمان شامل تھے۔ آپ کو ڈوکر انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں ٹھہرایا گیا اور ایک ایئر کنڈیشنڈ کار آپ کے عرصہ قیام میں استعمال کے لئے مہیا کی گئی۔ اور روزانہ صدر مملکت کی ملاقات کے لئے وقت مقرر کیا گیا۔

امام رفیق صاحب کا یہ دَورہ لائبیریا مشن کی ابتدائی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ جس سے جماعت احمدیہ لائبیریا کو بہت فائدہ ہُوا اور اس نے ملک کے عوام کو محسوس کرا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] رپورٹ ۱۷ جولائی ۱۹۶۴ء

احمدیت کو اتنی شوکت عطا کر دی ہے کہ ملک کے پریذیڈنٹ نے ایک احمدی مبلغ کو خصوصی مہمان کی حیثیت سے مدعو کیا ہے۔

محترم امام صاحب نے اپنے ہفت روزہ دَورہ میں ۲۶ جولائی کی تقریبِ آزادی میں شرکت کرنے کے علاوہ (جس میں صدر ٹب مین نے آپ کی آمد کا خاص طور پر ذکر کیا) متعدد اہم دینی و قومی اجتماعات میں بھی شمولیت کی۔ چنانچہ ۲۴ جولائی کی شام کو جبکہ حج فلم دکھلانے کا انتظام تھا۔ آپ نے فلسفہ حج پر مختصر تقریر کی۔ ۲۵ جولائی کی شام کو جماعت احمدیہ کی مجلس عاملہ سے خطاب کیا۔ ۲۶ جولائی کو خطبہ جمعہ دیا۔ شام کو ٹیلیویژن کے نمائندے نے آپ کا ایک انٹرویو ٹیلی کاسٹ کیا۔ جس میں آپ نے اسلام کے متعلق برجستہ اور برموقع جواب دیئے۔ جو دلچسپی سے سُنے گئے۔ ۲۷ جولائی کو مسلمانانِ لائبیریا نے آپ کے اعزاز میں پُرتکلف عصرانہ دیا۔ مُسلم کانگرس آف لائبیریا نے آپ کو ایڈریس پیش کیا جس کا آپ نے مؤثر رنگ میں جواب دیا بعد ازاں صدر ٹب مین نے تقریر فرمائی جس میں باوجود عیسائی ہونے کے واضح الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق قرار دیا۔ جس پر مسلمانوں میں خوشی کی زبردست لہر دوڑ گئی۔[1]

اس موقع پر مولوی مبارک احمد صاحب ساقی کے علاوہ مختلف ممالک کے سفراء بھی موجود تھے۔ ہماری تقریب ٹیلیویژن پر دکھائی گئی۔ ریڈیو اور اخبارات میں بھی اس کا خُوب چرچا ہُوا۔ خود پریذیڈنٹ صاحب نے مسلمان گورنر کو اس کی کامیابی پر مبارک باد دی۔ ۲۹ جولائی آپ کے قیام کا آخری دن تھا۔ اس روز آپ نے شام کو منرودیا کے گورنمنٹ ہائی سکول کے ہال میں "یورپ میں اسلام کا مستقبل" کے موضوع پر لیکچر دیا جس کے بعد آپ ساڑھے سات بجے شام بذریعہ طیارہ عازم اکرا ہوگئے۔ آپ کو الوداع کہنے والے معززین میں ڈیپارٹمنٹ آف سٹیٹ کا نمائندہ بھی تھا۔[2]

مشن ہاؤس کیلئے عمارت کی خرید

۱۰۔ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی کا بیان ہے کہ :-

" ہماری بک شاپ بفضلِ خدا اس قدر ترقی کر چکی تھی کہ ہمارا مشن خود کفیل ہو گیا اور مرکز

---

[1] غیر مطبوعہ تحریر جناب بشیر احمد خان صاحب رفیق سابق امام مسجد لنڈن۔

[2] الفضل ۲۴ ستمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳، ۴ (مضمون مولوی مبارک احمد صاحب ساقی)۔

سے کسی قسم کی گرانٹ نہیں لی جاتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ ہم نے کچھ رقم جمع کرنی بھی شروع کردی۔ تقریباً تین سال بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی کہ ہم اس قابل ہوگئے کہ مشن ہاؤس خرید سکیں۔ منروویا شہر کے اندر کافی تلاش جاری رہی کہ کوئی مناسب پلاٹ مل جائے جہاں مشن ہاؤس تعمیر کیا جائے۔ لیکن کافی تگ و دَو اور حکومت سے بار بار درخواستوں کے باوجود کوئی خاص قطعہ دستیاب نہ ہوسکا۔ بہت پریشانی تھی۔ شہر سے باہر خالی زمین مل سکتی تھی لیکن خیال تھا کہ غریب جماعت ہے کسی کے پاس بھی سواری موجود نہیں اگر شہر سے باہر مشن ہاؤس بنا لیا گیا۔ تو عام نمازوں کا کیا ذکر جمعہ کے لئے بھی احباب نہیں پہنچ سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہؤا کہ ایک روز ایک دوست بک شاپ پر آئے اور چند کتب خریدیں۔ جاتے وقت کہنے لگے کہ میرا ایک مکان ہے جو فروخت کرنا چاہتا ہوں اگر تمہاری نظر میں کوئی گاہک ہو تو بتائیں۔ مَیں نے کہا الحمدللہ ہم تو خود اس تلاش میں ہیں۔ چنانچہ شہر کے عین وسط میں فوجی توپ خانہ کے بالکل سامنے یہ مکان دیکھا اور پانچ ہزار ڈالر میں سودا ہوگیا۔ بلڈنگ ہماری ضرورت کے لئے مناسب تھی چنانچہ یہ مکان خرید لیا گیا۔ اس کے پیچھے کچھ جگہ خالی پڑی تھی۔ خاکسار نے ایک لبنانی مسلمان سے بات کی اور وہ اس بات پر رضامند ہوگیا کہ ہم اس کو یکصد ڈالر ماہوار ادا کرتے رہیں اور وہ چھ کمروں پر مشتمل دو منزلہ مکان تیار کردے گا۔

الحمدللہ خاکسار کی روانگی سے قبل اس مکان کے اُوپر کا حصّہ مکمّل ہوگیا اور اس لبنانی دوست کو تمام تر ادائیگی بھی کردی گئی[1]۔

سیرت النبیؐ کا پہلا کامیاب جلسہ

۱۱۔ لائبیریا میں سیرت النبیؐ کا سب سے پہلا کامیاب جلسہ چوہدری رشید الدین صاحب مبلغ انچارج لائبیریا کی نگرانی اور انتظام کے تحت ۱۴؍جون ۱۹۷۵ء کو منعقد ہؤا۔ جس میں احمدی احباب کے علاوہ دیگر دوستوں نیز لائبیریا کی بعض سربرآوردہ شخصیتوں نے شرکت کی۔ صدارت کے فرائض لائبیریا کے سابق وزیر خارجہ جناب مومولو ڈوکلی MOMOLU-DUKULY نے انجام دیئے۔ موصوف پریذیڈنٹ ٹب مین مرحوم کے زمانہ میں لمبے عرصہ تک ملک کے وزیر خارجہ رہ چکے ہیں آپ کا تعلق ایک ایسے خاندان سے

---

[1] غیر مطبوعہ تحریر مولوی مبارک احمد صاحب ساقی۔

ہے جو کسی زمانہ میں سوڈان سے ہجرت کرکے لائبیریا آیا اور یہاں اسلام کی اشاعت کا موجب بنا۔

محترم جناب ڈوکلی صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں اس امر پر خوشی کا اظہار کیا کہ احمدیہ مشن نے اس مبارک جلسہ کا اہتمام کرکے محسنِ انسانیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے اذکارِ مقدس سننے کا موقع بہم پہنچایا۔ نیز انہوں نے جماعتِ احمدیہ کی اسلامی خدمات کو سراہتے ہوئے فرمایا۔ ایک وقت تھا کہ جب یہاں اسلام اور مسلمانوں کی کسمپرسی کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے میں شرم محسوس کرتے تھے۔ جماعت احمدیہ کا یہاں تبلیغی مشن قائم ہونے کے بعد صورتِ حال نمایاں طور پر تبدیل ہوتی چلی گئی۔ احمدیہ مشن کی مساعی اور سرگرمیوں کے نتیجہ میں تقاریر، اخبارات، ٹی وی اور لٹریچر کی اشاعت کے ذریعہ اسلام کی صحیح تصویر لوگوں تک پہنچنی شروع ہوئی اور لوگوں کے خیالات میں تبدیلی آنے لگی۔ بعد ازاں مشن کی طرف سے تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں آیا اور اس طرح مسلمانوں کے زیورِ علم سے آراستہ ہونے کی راہیں کھلیں۔ اب بحمد اللہ تعالیٰ یہ حال ہے کہ لوگ مسلمان کہلانے میں فخر محسوس کرنے لگے ہیں اور سرکاری حلقوں میں بھی مسلمانوں کو عزت ملنے لگی ہے۔

منروویہ کے سب سے با اثر اخبار "لائبیرین سٹار" نے اپنی ۱۷؍ جون کی اشاعت میں "احمدیہ مشن تعریف و توصیف کا مستحق ہے۔" کے جلی عنوان کے تحت اس مبارک جلسہ کی تفصیلی خبر شائع کی۔ اخبار مذکور نے لکھا:۔

AHMADIYYA MISSION EXTOLLED

FORMER Secretary of State Hon. Momolu Dukuly has extolled the Ahmadiyya Muslim Mission in Liberia as a progressive educational and religious establishment.

He underlined the essential role Ahmadiyya has played in the spiritual enhancement of the Liberian Society more especially in upgrading Islam in this country.

Hon. Dukuly made these remarks while add ressing the convention of Seerae-tun-Nabi (reviewing the life of Prophet Muhammad) held last Saturday at the mosque of the Ahmadiyya Mission on Lynch Street Monrovia.

A prominent, Lawyer who has contributed to the development of Ahmadiyya in Liberia. Hon. Dukuly reaffirmed his continual assistance to the mission.

Earlier the head of the Mission. Maulvi Rashid Uddin, admonished participants of the convention to effectively emulate the examplary life of Muhammad the Holy Prophet of Islam.

The Ahmadiyya Missionary depicted the life of Muhammad as "an open chapter" and he retraced the old days of Islam when Holy Prophet Muhammad and his minority followers were rejected and prosecuted by their majority oponents who were mostly immoral idol worshipers.

Maulvi Rashid reminded the participants that the time is very close for Islam to dominate the world asking them to strictly adhere to the Islamic doctrine.

Also speaking at the occasion was Mr. G.S. Gill. proprietor of GITCO enterprise in Liberia. He hailed the Ahmadiyya Movement in the world as a successful religious organization.

Mr. Gill a learned religious philosopher who belings to the Sikh sect of India, described Islam as a source of transformation for mankind which has impressed us.

(ترجمہ) "سابق وزیرِ خارجہ آنربیل مومولوڈوکلی نے ایک ترقی یافتہ تعلیمی اور دینی تنظیم کی حیثیت سے احمدیہ مشن لائبیریا کو بہت تعریف و توصیف کا مستحق گردانا۔ انہوں نے لائبیریا کے معاشرہ میں روحانی اقدار کو فروغ دینے اور خاص طور پر اس ملک میں اسلام کو سربلند کرنے کے سلسلے میں جماعتِ احمدیہ نے جو اہم کردار ادا کیا ہے اس پر روشنی ڈالی اور اس کی خدمات کو سراہا۔ آنربیل ڈوکلی نے ان خیالات کا اظہار گذشتہ ہفتہ (۱۴، جون ۱۹۷۵ء) کے روز احمدیہ مسجد منروویہ میں منعقدہ جلسۂ سیرۃ النبیؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ آنربیل ڈوکلی نے جو ملک کے نامور قانون دان ہیں، احمدیہ مشن کو اپنی مسلسل تائید و حمایت کا یقین دلایا۔

قبل ازیں احمدیہ مشن کے انچارج مولوی رشید الدین نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسوۂ حسنہ پر روشنی ڈالی اور حاضرین کو اپنی زندگیاں آپؐ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ڈھالنے کی تلقین کی۔ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ ایک کھلی ہوئی کتاب

کی مانند ہے۔ ہم ہر ہر قدم پر آپؐ کی حیاتِ طیّبہ سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ انہوں نے خاص طور پر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی زندگی کے اُس حصّہ کا ذکر کیا جبکہ آپؐ کے قلیل التعداد ساتھیوں کو کثیر التعداد مخالفین کی طرف سے شدید مخالفت اور مظالم کا سامنا کرنا پڑا اور مشکلات و مصائب کے ان ایّام میں آپؐ نے صبر کا جو بینظیر نمونہ دکھایا، اس پر روشنی ڈالی۔ مولوی رشید نے حاضرین کو آگاہ کیا کہ وہ وقت بہت قریب ہے جب اسلام ساری دنیا میں غالب آجائے گا۔ انہوں نے اسلامی تعلیم پر عمل پیرا ہونے کی پُرزور انداز میں تلقین فرمائی۔

اس موقع پر جناب گورچرن سنگھ گل (جو لائبیریا میں GITCO فرم کے مالک ہیں) نے بھی تقریر کی۔ آپ نے جماعت احمدیّہ کو دُنیا بھر میں ایک کامیاب اور قابلِ تعریف مذہبی تحریک قرار دیا۔ مسٹر گل نے جو مذہبی علوم کی گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ اور جن کا تعلق ہندوستان کے سکھ مذہب سے ہے، مزید کہا کہ اسلام انسانیت میں اصلاحی انقلاب لانے کا سرچشمہ ثابت ہوا ہے۔ اور اس نے ہماری زندگیوں کو بہت متاثر کیا ہے۔

دو لبنانی علماء کو تبلیغ

۱۲- ۱۹۷۵ء کے وسط میں لبنان کے دو عالم الشیخ عدرہ رئیس الجمعیۃ الخیریۃ للتعلیم والاسعاف بیروت اور مشہور قاری اور واعظ الشیخ لطفی عامر افریقہ کا دَورہ کرتے ہوئے لائبیریا پہنچے۔ اُن کا مشن مسلمانوں کو وعظ و تلقین کرنا تھا۔ احمدیہ مشن لائبیریا کے انچارج جناب چوہدری رشید الدین صاحب کی دعوت پر ۱۲؍ جون کو پانچ بجے شام وہ ایک سرکردہ اور با اثر لبنانی ڈاکٹر جناب عارف قصاص کی معیت میں تشریف لائے۔ مبلغ لائبیریا نے اس موقع پر انہیں جماعت احمدیہ کے عقائد اور تعلیمی و تبلیغی خدمات سے متعارف کرایا نیز قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ اور دوسرا لٹریچر پیش کیا۔ جسے دیکھ کر وہ کہنے لگے یہی اصل کام ہے جو سب مسلمانوں کو کرنا چاہیئے۔

اس پہلی تقریب کے بعد بھی وہ مبلّغ لائبیریا سے ملتے رہے اور تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ ہر جمعہ کو مبلغ لائبیریا یہاں ٹی وی پر تقریر کرتے تھے یہ پروگرام بھی وہ دلچسپی سے دیکھتے رہے۔ نیز احمدیہ مشن کے تبلیغی کاموں کے بارہ میں معلومات حاصل کیں۔ بعض ایسے لوگوں سے بھی اُن کی ملاقات ہوئی۔ جو مکرم چوہدری رشید الدین صاحب کی تبلیغ کے ذریعہ عیسائیت کے چنگل سے نکل کر آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلّم کے حلقہ غلامی میں داخل ہوئے تھے۔ اس وفد کے امیر اور " الجمعیۃ الخیریۃ للتعلیم والاسعاف بیروت " کے پرنسپل جناب الشیخ محمد عدرہ کا حال یہ تھا کہ جب پہلے دن وہ مشن ہاؤس میں آئے اور مبلغ لائبیریا نے انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ مسیحیت و مہدویت کے بارہ میں بتایا تو وہ لاحول پڑھنے لگے اور کہا کہ یہ بات کیسے ممکن ہو سکتی ہے لیکن رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُن میں نمایاں تبدیلی آگئی اور انہوں نے بالآخر تسلیم کیا کہ جماعت احمدیہ کے عقائد میں کوئی خلافِ قرآن بات نہیں۔

الشیخ لطفی عامر صاحب نے اسلامی اصول کی فلاسفی کے اقتباسات پر مشتمل بارہ صفحات کا ایک مضمون بھی مرتب کیا اور کہا کہ وہ اسے اپنی تقریروں میں بیان کریں گے اور جرائد میں بھی شائع کرائیں گے۔[1]

ان علماء نے احمدیہ مشن کی دینی خدمات پر مبلغ لائبیریا کو اپنے ادارہ کی فیلوشپ کی سند بھی دی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رضی اللہ عنہ کو عقیدت بھرے الفاظ میں مکتوب لکھا جس کا متن اس باب کے آخر میں دیا جا رہا ہے۔

اس لبنانی وفد کی لائبیریا میں آمد، صدر مملکتِ لائبیریا سے ملاقات، اور احمدیہ مشن ہاؤس میں آمد کا مفصل ذکر پریس نے کیا۔ چنانچہ اخبار نے لکھا:-

"The two Arabian Muslim Preachers: Sheik Loutfi Amer and Sheik Mohamed Adra are currently nere on a spiritual visit;

Last week; they visited the Ahmadiyya Muslim Mission; on Lynch Street where they were welcomed by the head of the Mission; Maulvi Rashid Uddin; in a spiritual mood preceded by a grand reception.

At the Mission they were presented copies of the English translation of the Holy Quran and other Islamic Literature which they examined and lauded as work of great men.

The Sheiks are sheduled to leave early next week for the second leg of their tour in Senegal. They have already visited Ghana."

---

[1] ماخوذ از رپورٹ چوہدری رشید الدین صاحب مبلغ لائبیریا بخدمت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث مورخہ ۱۶؍جولائی ۱۹۷۵ء

ترجمہ:۔

یعنی دو عرب مسلمان مبلغین ۔ شیخ لُطفی عامر اور شیخ محمد عدرا جو کہ یہاں ایک مذہبی پروگرام کے تحت آئے ہوئے ہیں نے پچھلے ہفتہ لنچ سٹریٹ میں واقع احمدیہ مُسلم مشن دیکھا۔ جہاں اُن کا استقبال مشن کے سربراہ چوہدری رشید الدین نے ایک خاص جذبۂ اخوت کے ساتھ کیا۔ یہاں ایک استقبالیہ تقریب بھی منعقد ہوئی۔

مشن ہاؤس میں اُن کو مقدس قرآن کے انگریزی ترجمہ کی کاپیاں اور دوسرا اسلامی لٹریچر بطور تحفہ پیش کیا گیا۔ جس کا انہوں نے جائزہ لیا اور یہ کہہ کر بڑی تعریف کی کہ یہ عظیم انسانوں کا کام ہے۔ دونوں بزرگ اگلے ہفتہ کے شروع میں یہاں سے سینیگال کے لئے روانہ ہو جائیں گے، جو اُن کے سفر کا دوسرا مرحلہ ہے۔ اس سے پہلے وہ گھانا سے ہو آئے ہیں۔

امام جماعت احمدیہ کی طرف سے لائبیرین مسلمانوں کیلئے عید مبارک کا پیغام

۱۳۔ دسمبر ۱۹۷۵ء کو عید الاضحیہ کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ امام جماعت احمدیہ نے لائبیرین مسلمانوں سے اپنی محبت اور شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے عید مبارک کا ایک پیغام بھجوایا۔ اس بارہ میں روزنامہ ”لائبیرین سٹار“ میں درج ذیل رپورٹ شائع ہوئی:۔

Ahmadiyya Head Sends Special Eid Greetings

The head of the world wide Ahmadiyya Movement in Islam, Mirza Nasir Ahmad, has sent a special Eid greetings to Liberian Muslims urging them to be steadfast in their religious undertakings.

Mirza Ahmad, who is the Khalifatul Mesih III of the Movement, called on Liberians to dilligently strive for success of Islam and assured them of the victory of Islam at the predicted time.

The radiogramed message was received last week when hundreds of Muslims gathered at the Lynch Street Mosque of the Mission to observe the Islams annual prayer of Eidul Azhiya.

While giving the Eid sermon, the Ahmadiyya Muslim Missionary in Liberia, Maulvi Rashid Uddin, called on Muslims in the community to sacrifice for the cause of Allah so that they may obtain eternal divine blessings.

He underscored the essence of sacrifice which he described n fundamental aspect of every success, adding that it will bring mankind closer to his creator.

(Page 2, Liberian Star Wednesday Dec. 24, 1975)

ترجمہ :۔ "دُنیا بھر میں پھیلی ہوئی احمدیہ جماعت کے امام حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے لائبیرین مسلمانوں کے نام عید مبارک کے تہنیتی پیغام میں فرمایا ہے کہ انہیں اپنے مذہبی فرائض پوری مستعدی اور تندہی سے سرانجام دینے چاہئیں۔

حضرت مرزا ناصر احمد صاحب جو جماعت احمدیہ کے تیسرے خلیفہ ہیں نے لائبیرین مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ چوکس اور ہوشیار ہو کر پُوری سرگرمی سے اسلام کی ترقی اور سرفرازی کے لئے جدوجہد میں لگ جائیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ اپنے موعود وقت پر اسلام کو ضرور فتح اور غلبہ حاصل ہو جائے گا۔

یہ برقی پیغام گذشتہ ہفتہ اُس وقت وصول ہُوا جبکہ ربیچ سٹریٹ پر واقع احمدیہ مشن کی مسجد میں سینکڑوں مسلمان عیدالاضحیہ کی نماز ادا کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ اس موقع پر عید کا خطبہ دیتے ہوئے لائبیریا میں مقیم احمدی مبلغ رشید الدین نے سامعین پر زور دیا کہ وہ خدا کی راہ میں بشاشت سے قربانیاں پیش کریں تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور دائمی برکات حاصل ہوں۔ انہوں نے قربانی کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہر کامیابی کے لئے قربانی ایک بنیادی امر ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ قربانی سے ہی انسان خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل کر سکتا ہے۔"

ہائی سکول کا اجراء

۱۴۔ لائبیریا میں سب سے پہلے "مسلم ہائی سکول" کا اجراء "نصرت جہاں آگے بڑھو" سکیم کے تحت سانوے SANOYEA کے مقام پر ۱۹۷۴ء میں عمل میں آیا۔ ابتداء میں یہ سکول ایک عارضی عمارت میں جاری کیا گیا۔ مستقل عمارت کی تعمیر کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے ۱۹۷۵ء میں ایک خطیر رقم منظور فرمائی اور سردار رفیق احمد صاحب

ایم اے پرنسپل مُسلم ہائی سکول سانوئے نے چوہدری رشید الدین صاحب انچارج احمدیہ مُسلم مشن لائبیریا کی نگرانی میں عمارت کی تعمیر کے تمام مراحل نہایت محنت اور اخلاص سے ادا کئے۔ اس شاندار عمارت کا افتتاح حکومتِ لائبیریا کے وزیرِ تعلیم نے ۳ ستمبر ۱۹۷۶ء کو کیا۔ اس تقریب میں علاقہ کے چیفس اور دیگر متعدد نامور شخصیتوں نے شرکت کی اور جماعتِ احمدیہ کی تعلیمی خدمات کو سراہا۔[1]

وزیرِ تعلیم نے کہا کہ صدرِ مملکت[2] کی حکومت تعلیمی اداروں کی وسعت کو بہت اہمیت دیتی ہے اور جماعتِ احمدیہ کا اس علاقہ میں ہائی سکول کا جاری کرنا ان کی پالیسی کے عین مطابق ہے۔ حکومت احمدیہ مشن کے اس قابلِ ستائش کام پر بہت شکرگزار ہے۔ افتتاح کی اس تقریب کو ریڈیو اور ٹیلیویژن نے اپنی خبروں میں نمایاں جگہ دی۔ یہ خبر مختلف وقتوں میں کئی بار نشر ہوئی۔ لائبیریا کے سب سے اہم اخبار لائبیرین سٹار LIBERIAN STAR نے اسے نمایاں خبر کے طور پر نشر کیا۔ اخبار کی رپورٹ کا متن یہ تھا:۔

AHMADIYYA OPEN 25,000 SCHOOL

"EDUCATION Minister Advertus A. Hoff has commonded the Ahmadiyya Muslim Mission in Liberia for its pragmatic and whole some contribution towards the development of the Liberian educational system.

Making this remark over the weekend after dedicating the $25,000:00 high school complex established by the Mission in Sanoyea Bong County Minister Hoff noted that the Ahmadiyya sect is gallantly fighting in the battle – front against ignorance in this country.

He said that the laudable efforts of the Mission towards the enhancement of our educational standard is a clear manifestation of its genuine interest in the over-all development of the Liberian people.

---

[1] الفضل ۱۰ ستمبر ۱۹۷۶ء ۔ [2] یعنی ولیم ٹالبرٹ WILLIAM TOLBERT جو صدر ٹب مین کی وفات کے بعد اس عہدہ پر فائز ہوئے ۔

The Education Minister expressed profound gratitude to the Ahmadiyya Mission on behalf of the Liberian Government and assured the Mission of Government's continual support.

Earlier the Head of the Ahmadiyya Muslim Mission in Liberia Maulvi Rashid Uddin declared the Sanoyea school project as a humble start of an elabotule plan to be implemented by the Mission for the benefit of the Liberian people.

In addition to the school complex the Missionary disclosed that his Mission will provide a modern hospital in Sanoyea District thereby fighting against disease another are – enemy of the country.

Maulvi Rashid added that the Sanoyea school project symbolizes his Mission's unreserved support for the educational policy of President Tolbert.

He expressed gratitude to the people and Government of Liberia for recieving Ahmadiyya in Liberia with open hands and hearts which he said iniciates the cordial relationship that has long existed between Christians and Muslims in Liberia.

The first high academic institution ever built by any Islamic organization in Liberia the Sanoyea Ahmadiyya High School is fully equiped with indespensible educational facilities according to Mr. Sardar Rafiqqùe Principal of the School.

Minister Hoff was accompanied to the dedication ceremonies by top officials of the Education Ministry including the Supervisor of Schools for Montserrado and Bong Counties Mr. Raulston G. Dennis and Mrs. Maria Mason.

The Superintendent and other top officials of Bong County including the Commissioner of Sanoyea District Mr. Blyden Rennie were also present at the dedication ceremony".

(ترجمہ) ،، وزیرِ تعلیم جناب ADVERTUS A. HOFF نے لائبیریا کے تعلیمی نظام کی ترقی میں مفید اور عملی تعاون پر احمدیہ مسلم مشن لائبیریا کو قابلِ تحسین قرار دیا۔ انہوں نے اس خیال کا اظہار گذشتہ ہفتہ SANOYEA مقام پر مشن کی طرف سے قائم کردہ ہائی سکول کا افتتاح کرتے ہوئے کیا نیز کہا کہ احمدیہ جماعت اس ملک میں جہالت کے خلاف جہاد میں مصروف ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے سلسلہ میں جماعت لائبیرین عوام کی عمومی ترقی میں گہری دلچسپی لے رہی ہے۔ جناب وزیرِ تعلیم نے لائبیرین حکومت کی طرف سے احمدیہ مشن کا شکریہ ادا کیا اور مشن کو حکومت کے مسلسل تعاون کا یقین دلایا۔

قبل ازیں احمدیہ مشن لائبیریا کے انچارج رشید الدین نے کہا کہ سانوئے میں سکول کا قیام اس سکیم کی ابتدا ہے جو مشن کی طرف سے لائبیرین عوام کے فائدہ کے لئے عمل میں لائی جائے گی۔ مبلغ اسلام نے نے کہا کہ سکول کے علاوہ ان کا مشن ضلع سانوئے میں ایک ہسپتال بھی تعمیر کرے گا تا کہ بیماریوں کا مقابلہ کیا جا سکے جو ملک کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔

رشید الدین نے مزید کہا کہ اس سکول کی تعمیر مشن کی طرف سے جناب پریذیڈنٹ ٹالبرٹ TOLBERT کی تعلیمی پالیسی کی مکمل حمایت کا عملی اظہار ہے۔ احمدیہ مشن کا جس کشادہ دل سے لائبیریا میں استقبال کیا گیا ہے۔ آپ نے اس پر لائبیریا کے عوام اور حکومت کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ یہ امر اس ملک میں رہنے والے مسلمانوں اور عیسائیوں کی باہمی رواداری اور اچھے تعلقات کی دلیل ہے۔

احمدیہ ہائی سکول جو لائبیریا میں کسی مسلمان تنظیم کی طرف سے بنایا جانے والا پہلا ہائی سکول ہے کے بارہ میں سکول کے پرنسپل سردار رفیق احمد نے بتایا کہ اس میں ضروری تعلیمی سہولتیں پورے طور پر میسر ہوں گی۔

وزیرِ تعلیم ڈاکٹر HOFF کے ساتھ وزارتِ تعلیم کے اعلیٰ افسران نے افتتاح کی تقریب میں شرکت کی ان میں MONTSERADO اور BONG کاؤنٹی کے سپروائزر آف سکولز مسٹر C. DENNIS اور مسز MARIA MASON شامل تھے۔ ضلع سانوئے کے کمشنر مسٹر BLYOTON کے علاوہ بانگ کونٹی کے سپرنٹنڈنٹ اور دوسرے افسران بھی

افتتاح کے موقع پر موجود تھے۔[1]

۱۹۸۰ء میں اس سکول کی سائنس لیبارٹری کے لئے عالمی شہرت کے حامل سائنسدان جناب ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے تحفۂ اپریٹس APPORATUS عنایت فرمایا۔[2]

"پاکستان فورم آف لائبیریا" کی صدارت

۱۵- بیرونی ممالک میں احمدی مبلغین تبلیغ و تربیت کا فریضہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے محبوب وطن پاکستان کی خدمت میں بھی سرگرم رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں لائبیریا احمدیہ مشن کی خدمات بھی ناقابلِ فراموش ہیں۔

۱۹۷۳ء میں سفیرِ پاکستان مقیم غانا جناب ایس اے معید صاحب نے لائبیریا میں رہائش رکھنے والے پاکستانی شہریوں پر مشتمل ایک تنظیم "پاکستان فورم آف لائبیریا PAKISTAN FORUM OF LIBERIA" کے نام سے قائم کی جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ لائبیرین لوگوں کو پاکستان سے متعارف کرایا جائے اور وہ پاکستان اور اس کے شہریوں کے بارہ میں صحیح معلومات حاصل کرسکیں اور اس طرح دونوں ممالک کے باشندوں میں رابطہ اور تعارف کی راہیں کھلیں اور یہاں کے لوگوں میں پاکستان کی نیک نامی اور وقار بڑھایا جائے۔ لائبیریا میں مقیم پاکستانی احمدی اس تنظیم میں بڑی گرمجوشی سے شامل ہوئے اور انہوں نے اس کے مقاصد کو کامیاب بنانے میں بھرپور حصّہ لیا اور ہر موقع پر دوسرے پاکستانی بھائیوں کے دوش بدوش رہے اور پاکستان کی شہرت کا موجب بنے۔ چوہدری رشید الدین صاحب مبلغ لائبیریا دو سال تک اس تنظیم کے منتخب صدر رہے اور غانا میں واقع پاکستانی سفارت خانہ سے بھی رابطہ قائم رکھا اور لائبیریا میں پاکستان کا وقار بڑھانے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

اس تنظیم کے زیرِ انتظام ہر سال یومِ پاکستان، یومِ آزادی اور دیگر تہوار شایانِ شان طریق پر منائے جاتے۔ ان مواقع پر اخبارات میں مضامین لکھے جاتے اور اجلاسوں کی رپورٹیں شائع کرائی جاتیں۔ فورم کے ان اجلاسوں میں کئی مواقع پر پریذیڈنٹ ٹالبرٹ کی کابینہ کے وزراء بھی شریک

---

[1] "لائبیرین سٹار" ۸ ستمبر ۱۹۷۶ء بحوالہ الفضل ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء صفحہ ۴ ۔ [2] الفضل ۳ مارچ ۱۹۸۰ء صفحہ ۵

ہوتے تھے۔ ان میں صدارتی امور کے وزیر جناب ڈوچہ DUE CHEH اور نائب وزیر محنت جناب ڈینس خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔[1]

قائدِ اعظم کی صد سالہ تقریبات کا انتظام

۱۶۔ جماعت احمدیہ کا مرکز چونکہ پاکستان میں ہے۔ اس لئے دُنیا بھر میں پھیلے ہوئے احمدی مشن شروع سے ہی اس کی ترقی و استحکام اور شہرت و مقبولیت کے لئے کوشاں ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کی خدمات سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔ ان قومی روایات کے مطابق احمدیہ مشن لائبیریا نے نومبر ۱۹۷۶ء میں بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح کی صد سالہ تقریبات کا خصوصی اہتمام کیا۔

ایک تقریب احمدیہ مشن کے زیرِ اہتمام سانوئے SANOYEA کے مقام پر احمدیہ ہائی سکول کی نئی عمارت میں مبلغ انچارج رشید الدین کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں لائبیرین شہری کثیر تعداد میں شریک ہوئے اور بڑے شوق سے پروگرام میں حصّہ لیا۔ دوسرے مقامی لوگوں کے علاوہ مکرم جناب MOMO KAINE ممبر قومی اسمبلی نے بھی حضرت بانیٔ پاکستان کے بارہ میں ایک پُرجوش تقریر فرمائی۔ اس تقریب کی جو رپورٹ روزنامہ لائبیرین سٹار میں شائع ہوئی وہ درج ذیل ہے:۔

AHMADIYYAS REMEMBER PAKISTAN'S FOUNDER

MEMBERS of the Ahmadiyya Mission of Liberia; joined by Liberian friends, recently held an impressive programme in Sonoyea. Bong County, to mark the Birth Centennary of the Founder of the State of Pakistan, Quaid Azam Mohammad Ali Jinnah.

In his message to the Mission, the Pakistan Ambassador to Liberia resident in Accra, Ghana, S.A.H. Ahsani, expressed his happiness for the special programme and wished the function success.

Missionary In Charge Rashid Uddin spoke about the great achievements of the Quaid at the ceremony saying that he lived a life according to the principles of Islam.

Other speakers were Hon. Momo Kaine, member of the House

---

[1] اس سلسلہ میں بطور نمونہ سفارتخانہ پاکستان کے مراسلات اور بعض اخبارات کے تراشے ضمیمہ میں ملاحظہ ہوں۔

of Representatives, Bong County; Bong Ahmadiyya High School principal Sardar Rafiq Ahmad.

ترجمہ :۔ بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح کی صد سالہ تقریبات کے سلسلہ میں ممبران جماعت احمدیہ لائبیریا نے اپنے لائبیرین دوستوں کے تعاون سے بانگ کونٹی میں سانوے SANOYEA کے مقام پر ایک شاندار پروگرام ترتیب دیا۔ اس موقع پر سفیرِ پاکستان مقیم گھانا جناب ایس اے ایچ احسانی نے احمدیہ مشن کے نام اپنے پیغام میں اس اہم تقریب پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور پروگرام کی کامیابی کے لئے دُعا کی۔

اس موقع پر مشنری انچارج جناب رشید الدین صاحب نے اپنی تقریر میں قائدِ اعظم کی عظیم کامیابیوں کا ذکر کیا اور کہا کہ اُن کے اعمال اسلامی اُصولوں کے مطابق ہوتے تھے۔

اس تقریب کے دُوسرے مقررین میں عزّت مآب MOMOKAINE ممبر قومی اسمبلی اور مکرم سردار رفیق احمد صاحب پرنسپل احمدیہ ہائی سکول شامل تھے[1]۔

اس سلسلہ میں دوسری تقریب مانرو ویا شہر میں منعقد ہوئی۔ اس میں بھی احمدی احباب نے پُورے جوش و خروش سے حصّہ لیا۔ جس کی تفصیل مکرم مولوی عطاء الکریم صاحب شاہد مبلغ لائبیریا کے الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے:۔

"لائبیریا میں بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح کی صد سالہ تقریبات ۲۸، ۲۹ نومبر کو بڑے اہتمام کے ساتھ منائی گئیں۔ اس موقع پر سفیرِ پاکستان برائے لائبیریا مقیم اکرا جناب احسانی صاحب خود بھی تشریف لائے اور ان کی تحریک پر حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ کے عین مطابق پاکستانی احمدی احباب نے بھی دُوسرے لوگوں کے شانہ بشانہ پُورے جوش و خروش کے ساتھ اس موقع پر منعقد ہونے والی نمائش اور فٹ بال کے میچ میں حصّہ لیا۔ اس تقریب پر جو سیمینار منعقد ہُوا اس کا آغاز خاکسار (عطاء الکریم شاہد) نے تلاوتِ قرآن پاک کے ساتھ کیا۔ جس کا بعد میں انگریزی میں ترجمہ بھی سُنایا گیا۔ بعدہٗ ایک پاکستانی احمدی دوست نے تقریر کی اور بانیٔ پاکستان کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔

---

[1] لائبیرین سٹار۔ ۱۵؍ دسمبر ۱۹۷۶ء۔

غرض قائدِ اعظم کی صد سالہ مقامی تقریبات میں مقامی احمدی احباب بھی دیگر پاکستانیوں کے شانہ بشانہ شریک ہوئے اور یہ تقریب خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر لحاظ سے بہت کامیاب رہی۔ الحمد للہ۔[1]

صدر جمہوریہ لائبیریا کو تحفہ قرآن

۱۷۔ ڈاکٹر ڈبلیو آر ٹالبرٹ صدر جمہوریہ لائبیریا کو مکرم مولوی عطاء الکریم صاحب شاہد نے جماعت احمدیہ کے سات رکنی وفد کے ہمراہ قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ و مختصر تفسیر مع ایک تبلیغی خط ۲۳ رجنوری ۱۹۷۸ء کو پیش کیا۔ اس بارہ میں حکومت لائبیریا کی وزارت اطلاعات نے اپنے سرکاری خبرنامہ میں مندرجہ ذیل اطلاع شائع کی:۔

"MONROVIA: The Ahmadiyya Muslim Mission in Monrovia presented the translation and commentary of the Holy Koran to President Tolbert.

Making the presentation to Dr. Tolbert at the Executive Mansion A.K. Shahid, missionary in charge of the Muslim Mission, extolled the President for the religious tolerance they are enjoying in Liberia under his able leadership.

He expressed the hope that Dr. Tolbert will appreciate the greatness of the Holy Koran which, he said, provides man with spiritual, moral and political guidance.

Mr. Shahid thanked the President for granting him and members of his delegation audience. He wished for Dr. Tolbert a prosperous New Year and prayed for God's choicest blessings upon the Liberian leader."

ترجمہ:۔ منروویا۔ احمدیہ مسلم مشن منروویا نے صدر ٹالبرٹ کو قرآنِ پاک کا ترجمہ و تفسیر پیش کی ہے۔ قصرِ صدارت میں ڈاکٹر ٹالبرٹ کو یہ تحفہ پیش کرتے ہوئے اے کے شاہد امیر و مشنری انچارج احمدیہ مسلم مشن نے صدرِ مملکت کو اُس مذہبی رواداری کے لئے سراہا جس سے وہ سب لائبیریا میں اُن کی با صلاحیت قیادت میں فیضیاب ہو رہے ہیں۔

آپ نے اس توقع کا اظہار کیا کہ ڈاکٹر ٹالبرٹ قرآنِ پاک کی قدردانی کرتے ہوئے اس کی عظمت سے محظوظ ہوں گے جو انسان کی رُوحانی اخلاقی اور سیاسی رہنمائی کرتا ہے۔

شاہد نے وفد کو ملاقات کا موقع دینے پر صدرِ مملکت کا شکریہ ادا کیا۔ آپ نے ڈاکٹر ٹالبرٹ

[1] الفضل ۵ رجنوری ۱۹۷۸ء صفحہ ۱

کو نئے سال کے دوران خوشحالی نصیب ہونے اور عنایاتِ الٰہی کا مورد بننے کے لئے دُعا کی۔

قومی ذرائع ابلاغ نے صدر لائبیریا کو قرآن کریم کی پیشکش کی خبر کی وسیع پیمانہ پر تشہیر کی ریڈیو لائبیریا دو روز تک یہ خبر اپنے خبرناموں میں نشر کرتا رہا اور قومی ٹیلیویژن نے دو مرتبہ اس تقریب کو ٹیلی کاسٹ کیا۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے اس دُور دراز علاقہ میں خدام احمدیت کو عظمتِ قرآن کی اشاعت کا موقع عطا فرمایا۔ فالحمد للہ۔

آرچ بشپ آف کنٹربری پر اتمام حجّت

۱۸۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے کسرِ صلیب کانفرنس لندن (منعقدہ ۱۹۷۸ء) میں برٹش کونسل آف چرچز کے دعوت نامہ کے جواب میں عیسائیت کے مذہبی رہنماؤں کو تبادلہ خیالات کی عالمی تحریک فرمائی تھی۔

۱۹۷۹ء میں برٹش کونسل آف چرچز کے سربراہ آرچ بشپ آف کنٹربری مغربی افریقہ کا دَورہ کرتے ہوئے لائبیریا آئے تو مولوی عطاء الکریم صاحب شاہد نے ۱۳؍ مارچ ۱۹۷۹ء کو اُن سے ملاقات کرکے ایک تحریری یادداشت کے ذریعہ انہیں حضرت امام جماعت احمدیہ کی اس پیشکش کی طرف توجہ دلائی گو بالمشافہ گفتگو کے دوران مذکورہ یادداشت کی زبانی وضاحت سُن کر انہوں نے اس معاملہ کو ٹال دیا مگر انگلستان واپسی پر اُن کے ایماء پر برٹش کونسل آف چرچز کے ترجمان مسٹر کینتھ آر کریکنیل KENNETH R. CRACK NELL نے آپ کو اپنے خط محررہ ۱۱؍ اپریل ۱۹۷۹ء میں لکھا:۔

"The Archbishop of Canterbury has asked me to reply to your letter of March 13th 1979. The position in brief is this. We have indeed, from the British Council of Churches, responded to the Ahmadiyya Muslim Mission in London. I am thoroughly engaged in correspondence with Mr. Rafiq, the Imam here in London. He has nominated three Ahmadi gentlemen to take part in some prelimary conversations in an unpublicised, but friendly and open-spirited way about how our conversations could proceed with you.

Mr. Rafiq is at this moment not in Britain, but I have written to tell him that on our side we have nominated three of our scholars, Canon Wootton, Dr. Kerr, and Canon Schneider to meet with the Ahmadiyya Mission group.

We on our side have great hope that we may promote both understanding and goodwill.

Many thanks for your concern in this matter."

ترجمہ :۔ آرچ بشپ آف کنٹربری نے مجھے ہدایت کی ہے کہ مَیں آپ کے خط محرّرہ ۱۲/ مارچ ۱۹۷۹ء کا جواب دُوں۔ اختصاراً حقیقتِ حال یہ ہے کہ برٹش کونسل آف چرچز نے "احمدیہ مُسلم مشن لندن" کی مراسلت کا جواب دے دیا ہے۔ مَیں پُوری طرح امام لندن جناب بشیر احمد صاحب رفیق سے خط و کتابت میں مصروف ہوں۔ آپ نے تین احمدی حضرات کو اسی غرض کے لئے نامزد کیا ہے کہ وہ غیر مشتہرہ ابتدائی مگر دوستانہ اور فراخدلانہ گفتگو میں حصّہ لیں کہ ہماری باہمی گفتگو کا سلسلہ کس طرح آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔

جناب رفیق صاحب ان دنوں برطانیہ میں موجود نہیں۔ تاہم مَیں نے انہیں لکھ دیا ہے کہ ہم نے اپنی طرف سے تین فضلاء یعنی جناب کینن ووڈٹن، ڈاکٹر کیر اور ڈاکٹر شیڈر کو مقرر کر دیا ہے کہ وہ احمدیہ مشن کے وفد سے ملیں۔

ہم پُر امید ہیں کہ باہمی افہام و تفہیم اور خیر سگالی میں اضافہ کر سکیں گے۔ اس سلسلہ میں آپ کی دلچسپی کے لئے شکریہ۔"

اگرچہ اس خط سے ظاہر ہوتا تھا کہ "مسیح کی صلیب سے رہائی" کے موضوع پر گفتگو کے لئے برٹش کونسل آف چرچز آمادہ ہے مگر عملاً ہُوا یوں کہ جلد ہی بی بی سی نے یہ خبر نشر کی کہ

"آرچ بشپ آف کنٹربری نے اچانک ریٹائر ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔"

لائبیریا میں عیسائی حکومت اور چرچ کا غلبہ بڑا نمایاں ہے مگر الٰہی تصرّف سے آرچ بشپ آف کنٹربری کی لائبیریا میں آمد اور انہیں احمدیہ مُسلم مشن کی یادداشت پر مبنی مفصّل خبر اور تصاویر مقامی پریس نے نمایاں طور پر شائع کیں۔

اخبار سکوپ نے یادداشت کی پیشکش کو ایک عجیب و غریب تحفے کا نام دیا۔[1]

---

[1] رسالہ "تحریک جدید" دسمبر ۱۹۷۹ء صد ۱۲، ۱۵۔

اخبار "نیو لائبیریا"[1] نے اسی خبر اور تصویر کو اس عنوان سے شائع کیا۔

AHMAPIYYA MISSIONARY MEETS ANGLICAN ARCHBISHOP

یعنی مبلغ احمدیت کی آرچ بشپ سے ملاقات۔

لائبیریا کے سب سے قدیم اور وقیع اخبار "لائبیرین ایج"[2] نے اسی خبر کو نمایاں ترین رنگ میں آرچ بشپ کی تصویر کے ہمراہ شائع کرتے ہوئے لکھا کہ آپ کے حالیہ دورہ کے دوران احمدیہ مسلم مشن کے نمائندے آپ کا استقبال کر رہے ہیں۔ خبر کا مکمل انگریزی متن اور ترجمہ درج ذیل ہے :-

ARCHBISHOP TO HOLD MUSLIM CHRISTIAN DIALOGUE

IT was indeed a memorable occasion in the history of Liberia when the Most Reverend Rt. Honourable Frederic Donald Coggan D.D. Archbishop of Canterbury set his foot, for the first time on the soil of this oldest African Republic. He was welcomed by all and particularly by the members and officials of the Protestant Episcopal Church. This is not all.

He was as well heartily welcomed by A. K. Shahid, Amir and Missionary Incharge of the Ahmadiyya Muslim Mission, Liberia who presented him a letter declaring his visit and auspicious, and appropriate occasion to remind him about the British Council of Churches letter to the Ahmadiyya Muslim Mission London, dated May 25, 1978, inviting them to a dialogue on: "THE DELIVERANCE OF JESUS FROM THE CROSS".

This invitation was duly accepted by the Supreme Head of the Ahmadiyya Movement in Islam, during the concluding session of the international conference on the above subject in London, on June 4, 1978.

He further suggested that those conversations should be held in an atmosphere of love and courtesy in London, Rome a West African capital, an Asian capital, and in the United States of America adding that the Roman Catholic Church should also be included in the proposed dialogue. It is noteworthy that the Ahmadiyya Movement does not believe in the accursed death of Jesus (Peace be on him) at the hands of the Jews. Under a Divine scheme to save him, he was taken down from the cross alive while he was in a deep

---

[1] ۲۹ مارچ ۱۹۷۹ء ۔ [2] ۲۳ مارچ ۱۹۷۹ء ۔

swoon. After miraculous treatment of his wounds according to his own saying the journeyed a long way to Kashmir (India) to convey the Divine message to the "Lost sheep of Israel" where he was revered, followed and lived unto a ripe old age of 120 years, died a natural and honourable death and was buried in Srinagar the capital of Kashmir, where his tomb is a centre of historical attraction, even today.

The Ahmadiyya Missionary requested the Most Rev. Archbishop to hold the dialogue by virtue of his being the President of the British Council of Churches, so that the invitations acceptance should reach its logical conclusion, praying for the Archbishop that his fair name might go down in the annals of history for this great achievement promoting religious amity between two great religions of the world – Islam and Christianity. Amen.

ترجمہ :۔ " آرچ بشپ اسلام اور عیسائیت میں تبادلۂ خیال کی مجلس منعقد کرائیں ۔

لائبیریا کی تاریخ میں یہ یقیناً ایک یادگار موقع تھا جب محترم رائٹ آنریبل فریڈرک ڈونلڈ کوگن ڈی ۔ ڈی آرچ بشپ آف کنٹربری نے پہلی بار اپنا قدم افریقہ کی اس قدیم ترین جمہوریہ کی سرزمین پر رکھا ۔ ہر کسی نے اور خصوصاً پراٹسٹنٹ ایپی سکوپل چرچ کے عمائدین اور ممبران نے آپ کو خوش آمدید کہا ۔

صرف یہی نہیں بلکہ عطاء الکریم صاحب شاہد امیر و مشنری انچارج احمدیہ مسلم مشن لائبیریا نے بھی خوش دلی سے آپ کا استقبال کیا جنہوں نے آرچ بشپ کو ایک خط پیش کرتے ہوئے آپ کے دورہ کو ایک مسعود اور موزوں موقع قرار دیا تاکہ آپ کو برٹش کونسل آف چرچز کے خط بنام احمدیہ مسلم مشن لندن محررہ ۲۵ رمئی ۱۹۷۸ء کے سلسلہ میں یاد دہانی کرائی جا سکے جس میں کونسل مذکورہ نے "مسیح کی صلیب سے رہائی کے موضوع پر باہمی تبادلہ خیالات کی دعوت دی ہے ۔

یہ دعوت حضرت امام جماعت احمدیہ نے مذکورہ موضوع پر لندن میں ہونے والی عالمی کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں ۴ رجون ۱۹۷۸ء کو باضابطہ طور پر منظور فرمالی تھی اور آپ نے مزید تجویز فرمایا کہ تبادلہ خیالات کی یہ مجالس محبت اور شائستگی کی فضا میں لندن ، روم ، مغربی افریقہ اور ایشیا کے ایک ایک دارالحکومت نیز ریاستہائے متحدہ امریکہ میں منعقد کی جائیں ۔ مزید برآں رومن کیتھولک چرچ کو بھی تبادلۂ خیالات کی ان مجالس میں شریک کیا جائے ۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جماعتِ احمدیہ حضرت مسیح علیہ السلام کی یہود کے ہاتھوں لعنتی موت پر ایمان نہیں رکھتی۔ آپ کی حفاظت کی الٰہی تدبیر کے تحت آپ کو صلیب سے زندہ اتارا گیا جبکہ آپ پر گہری بیہوشی طاری تھی۔ آپ کے زخموں کے معجزانہ علاج کے بعد خود آپ کی اپنی پیشگوئی کے مطابق آپ کشمیر (انڈیا) تک طویل سفر کر کے پہنچے تاکہ "اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو پیامِ الٰہی دے سکیں جہاں آپ کو عزت و احترام اور قبولیت نصیب ہوئی۔ اسی جگہ آپ نے ایک سو بیس برس کی طویل عمر کے بعد طبعی اور آبرومندانہ وفات پائی اور کشمیر کے دارالحکومت سرینگر میں دفن ہوئے جہاں آج بھی آپ کا مقبرہ تاریخی کشش کا مرکز ہے۔

مبلغ جماعت احمدیہ نے جناب آرچ بشپ سے درخواست کی کہ وہ برٹش کونسل آف چرچز کے صدر کی حیثیت سے تبادلہ خیالات کی مجلس کا انعقاد کرائیں تاکہ ان کی طرف سے دی گئی دعوت کی قبولیت اپنے منطقی انجام تک پہنچ سکے۔ آپ نے آرچ بشپ کے لئے دُعا کی کہ دُنیا کے دو عظیم مذاہب یعنی اسلام اور عیسائیت کے درمیان مذہبی ارتباط بڑھانے کی عظیم کاوش کی بناء پر آپ کا نیک نام تاریخ میں ہمیشہ محفوظ رہے۔ آمین"۔

امریکی بحریہ کے کمانڈر کو اسلامی لٹریچر

۱۹۔ نومبر ۱۹۷۹ء میں دو امریکی بحری جنگی جہازوں کے لفٹیننٹ کمانڈر ڈینس سی مارویل خیر سگالی کے دورہ پر لائبیریا آئے۔ مولوی عطاء الکریم صاحب شاہد نے مکرم محمود احمد صاحب بھٹی اور مکرم محمد کوامے صاحب یاتر کے ہمراہ ان کو قرآن کریم انگریزی اور دوسرے اسلامی لٹریچر کے دو سیٹ ہر دو جہازوں کی لائبریریوں کے لئے پیش کئے۔

اس خبر کو لائبیریا کے تین اخبارات نے نمایاں طور پر تفصیل کے ساتھ شائع کیا۔ اخبار "نیو لائبیرین NEW LIBERIAN نے ۱۰، دسمبر ۱۹۷۹ء کو اس عنوان کے ساتھ خبر شائع کی:-

"QURAN FOR WAR SHIPS"

یعنی جنگی جہازوں کے لئے قرآنِ کریم"

ؔ اخبار "لائبیرین ایج" ۲۳، مارچ ۱۹۷۹ء۔

اخبار ویک اینڈ نیوز WEEK END NEWS نے یکم دسمبر ۱۹۷۹ء کو یہ خبر دی
اور اخبار لائبیرین اِن آگرل LIBERIAN INAUGURAL نے اپنی ۲۸ر نومبر ۱۹۷۹ء کی
اشاعت میں تفصیلی خبر پر یہ عنوان دیا:۔

**"VISITING US ATLANTIC NAVAL
FLEET PRESENTED WITH HOLY QURAN"**

یعنی خیرسگالی کے دورہ پر آنے والے بحرِاوقیانوس میں متعین امریکی بحری بیڑے کو قرآن کریم کی پیشکش۔

اخبار ہٰذا نے لکھا:۔

"Making the presentation, the Ahmadiyya Muslim Missionary emphasised that true Quranic and Islamic teachings have been in fact meant to bring about an unprecedented era of peace and prosperity, good-will and amity between nations and continents. The Lt. Commander Dennis C. Marvel accepted the precious gift, expressing his heartfelt gratitude and hoped that it would prove to be an inspiring reading for the crews of both the U.S. naval ships."

ترجمہ:۔ احمدیہ مُسلم مشنری نے تحفہ پیش کرتے ہوئے اس اَمر پر زور دیا کہ حقیقی قرآنی اور اسلامی تعلیمات کا اصل مقصد قوموں اور برّ اعظموں کے درمیان بے مثال دَورِ امن و خوشحالی، خیرسگالی اور باہمی مفاہمت پیدا کرتا ہے۔ لیفٹیننٹ کمانڈر ڈینس سی ماروِیل نے اس گرانقدر تحفہ کو قبول کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ اس کا مطالعہ امریکی بحریہ کے دو جنگی جہازوں کے عملہ کے لئے ایمان افروز

لہ اخبار لائبیرین اِن آگرل منرو ویا THE LIBERIAN INAUGURAL. ۲۸ر نومبر ۱۹۷۹ء۔

ثابت ہو گا۔"

۲۰۔ مولوی عطاء الکریم صاحب شاہد کے عہدِ امارت میں سانوے سے تین میل جنوب میں بمقام نخلہ غدا کے ایک نئے گھر کی تعمیر ہوئی۔ جس کا سنگِ بنیاد سردار رفیق احمد صاحب ایم اے نے رکھا اور اس کا افتتاح ۹، مارچ ۱۹۸۰ء کو مولوی عطاء الکریم صاحب شاہد کے ہاتھوں عمل میں آیا۔[1]

تبلیغ کا ایک وسیع پروگرام

۲۱۔ ستمبر ۱۹۸۰ء میں مولوی عبدالشکور صاحب انچارج مشن نے منرو ویا شہر میں تبلیغ کا ایک وسیع پروگرام بنایا۔ ایک لاؤڈ سپیکر خریدا۔ حکومت سے شہر کے معروف مقامات میں تبلیغ کے لئے تحریری اجازت لی اور ایک سال تک ہر ہفتہ باقاعدگی سے ان مقامات پر پیغامِ حق پہنچاتے رہے۔

مشن ہاؤس کی جدید عمارت

۲۲۔ نومبر ۱۹۸۱ء میں مشن ہاؤس کی جدید عمارت کی بنیاد رکھی گئی جو فروری ۱۹۸۲ء میں پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ اس دو منزلہ خوبصورت عمارت کے نچلے حصّہ میں بُک شاپ اور اُوپر والے حصّہ میں گیسٹ ہاؤس بنایا گیا۔

احمدیہ کلینک کا اجراء

۲۳۔ ۱۹۸۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ جب دوبارہ افریقن ممالک میں تشریف لائے تو مولوی عبدالشکور صاحب مبلغ کو نائیجیریا اور غانا میں حضور کی رفاقت کا شرف حاصل ہُوا۔ حضور نے ۱۹۷۰ء کے سفرِ افریقہ کی طرح اس سفر کو بھی لائبیریا میں ہسپتال کے اجراء کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خواہش کو بہت جلد پُورا کرنے کے سامان کر دیئے اور اگست ۱۹۸۳ء میں حکومت کی طرف سے اس کی منظوری بھی مل گئی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے ہسپتال کے لئے ڈاکٹر نصیر احمد صاحب مبشر ایم بی بی ایس۔ ایم ٹی کو نامزد فرمایا اور سولہ ہزار ڈالر کی خطیر رقم اس کے اجراء کے لئے منظور فرمائی۔

۳۰، نومبر ۱۹۸۲ء کو اس کا اجراء منرو ویا شہر میں عمل میں آیا۔ کلینک کی افتتاحی رسم لاسانہ کروما نائب وزیرِ تعلیم نے ادا کی۔ مقامی ریڈیو اور ٹیلیویژن پر کئی بار یہ خبر نشر کی گئی اور پریس میں بھی اس کی

---

[1] الفضل ۱۲ ؍ مئی ۱۹۸۰ء صفحہ ۵

خوب اشاعت ہوئی۔ چنانچہ اخبار "ڈیلی آبزرور" DAILY OBSERVER نے یکم دسمبر ۱۹۸۳ء
کی اشاعت میں کلینک کی تصویر دیتے ہوئے لکھا:۔

AHMADIYYA MUSLIM MISSION OPENS CLILIC

The Ahmadiyya Muslim in Liberia has opened a modern clinic in Monrovia as part of its contribution towards the expansion of health delivery services to the Liberian people.

The clinic, dedicated on Tuesday, is being operated by Dr. Naseer A. Mobashar, Dr. Mobashar worked at various medical centres in Pakistan, Ghana and the United States of America.

Assistant Minister of Education for Administration, Mr. Lasanah V. Kromah who officiated at the dedicatory ceremony, extolled the efforts of the Ahmadiyya Muslim Mission in bringing spiritual, intellectual and physical upliftment to the people of Liberia.

During the dedication ceremony, the Head of the Ahmadiyya Muslim Mission in Liberia, Maulvi Abdul Shakoor, said the establishment of the clinic is a humble start of a scheme designed by the Worldwide Ahmadiyya Muslim Movement to provide health care and quality education for the people of West Africa.

He disclosed that the Mission presently operate a junior high school in Sanoyea, Bong County, and an elementary school in Largo, Grand Cape Mount County.

Maulvi Shakoor Further disclosed that the Mission has established and operates about 150 institutions of learning in West Africa, including a Teacher's Training College and a Missionary Training College in Ghana.

In the field of health care, he said, the Mission operates 19 well-equipped hospitals now functioning in Ghana, Sierra Leone, the Gambia and Nigeria.

He thanked the Liberian Government for the high level of cooperation it has accorded the Mission since it was established here 25 years ago. He also expressed gratitude to the Government for granting the permission to open and operate a clinic in the country.

The dedication ceremony was attended by some distinguished religious and community elders, including the President of the Ahmadiyya Muslim Mission in Liberia, Alhaji Fatai Akani Odutola and the President of the Indian Association in Liberia, Mr. G.S. Gill.

ترجمہ :۔ "احمدیہ مشن کے کلینک کا افتتاح ۔

احمدیہ مشن لائبیریا نے منزوویا میں ایک جدید کلینک کھولا ہے ۔ جو لائبیرین عوام کے لئے صحت کے میدان میں اس کی خدمات میں ایک اور اضافہ ہے ۔

اس کلینک کا منگل کے دن افتتاح کیا گیا ۔ اس میں ڈاکٹر نصیر اے مبشر کام کر رہے ہیں ۔ ڈاکٹر مبشّر پاکستان ، گھانا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مختلف میڈیکل سینٹرز میں کام کر چکے ہیں ۔

انتظامیہ کے نائب وزیرِ تعلیم جناب لاسانا ۔ وی ۔ کرومانے ، نے اس تقریب کی صدارت کی اور احمدیہ مُسلم مشن کی اُن کوششوں کی بہت تعریف کی ، جو وہ لائبیرین قوم کی رُوحانی ، ذہنی اور جسمانی سربلندی کے لئے سرانجام دے رہا ہے ۔

احمدیہ مُسلم مشن لائبیریا کے سربراہ مولوی عبدالشکور صاحب نے افتتاح کی اس تقریب کے دوران کہا کہ کلینک کی تعمیر ایک معمولی سا آغاز ہے ، اُس اسکیم کا جو احمدیہ مُسلم عالمی تحریک نے مغربی افریقہ کے لوگوں کو حفظانِ صحت اور عُمدہ تعلیم مہیّا کرنے کے لئے تیار کی ہے ۔

انہوں نے بتایا کہ اِس وقت مشن بونگ کاؤنٹی کے مقام سانوے میں ایک جونیئر ہائی سکول اور گرینڈ کیپ ماؤنٹ کاؤنٹی کے مقام لارگو میں ایک ابتدائی سکول چلا رہا ہے ۔

مولوی عبدالشکور صاحب نے مزید بتایا کہ مشن نے مغربی افریقہ میں ۱۵۰ کے قریب تعلیمی ادارے قائم کئے ہیں ۔ اور چلا رہا ہے ۔ اِن اداروں میں اساتذہ کی تربیت کا ایک کالج اور گھانا میں مبلّغین کی تربیت کا ایک کالج بھی شامل ہیں ۔

انہوں نے کہا کہ حفظانِ صحت کے میدان میں یہ مشن جُملہ سہولتیں فراہم کرنے والے ۱۹ ہسپتال بھی چلا رہا ہے جو اس وقت گھانا ، سیرالیون گیمبیا اور نائجیریا میں بطورِ وقف کام کر رہے ہیں ۔

انہوں نے اُس اعلیٰ سطح کے تعاون کے لئے لائبیرین حکومت کا شکریہ ادا کیا، جو وہ مشن کے ساتھ اس وقت سے کر رہی ہے جبکہ ۲۵ برس قبل یہ مشن یہاں بنایا گیا تھا۔ انہوں نے حکومت کا اس بنا پر بھی شکریہ ادا کیا کہ اُس نے ملک میں ایک کلینک کھولنے اور اسے چلانے کی اجازت دی۔

اس تقریب میں بعض نمایاں مذہبی و سماجی شخصیتوں نے شرکت کی۔ جن میں احمدیہ مُسلم مشن لائبیریا کے صدر الحاجی فطاڈ آکانی اُدو دو تولا اور لائبیریا کی انڈین ایسوسی ایشن کے صدر جناب جی۔ ایس۔ گِل شامل ہیں۔

خانہ خدا کی تعمیرِ نَو

۲۴۔ جنوری ۱۹۸۴ء میں منرودیا میں خانہ خدا کی تعمیرِ نَو کا کام شروع کیا گیا جو مئی ۱۹۸۴ء کے آخر میں مکمّل ہُوا اور اس کا افتتاح یکم جون کو رمضان المبارک کی پہلی نمازِ تراویح سے کیا گیا۔ اس مبارک گھر پر تیس ہزار ڈالر سے زیادہ رقم خرچ ہوئی جو مقامی طور پر مہیّا کی گئی[1]

لائبیریا مشن کا اہم ترین واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی تشریف آوری

۲۵۔ لائبیریا مشن کی تاریخ میں سب سے اہم واقعہ جسے سنگِ میل کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہو گا۔ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس مُلک میں تشریف آوری ہے۔ حضور اپنے مشہورِ عالم دورۂ افریقہ ۱۹۷۰ء کے دوران ۲۹ اپریل ۱۹۷۰ء کو ۲ بجے بعد دوپہر منرودیا میں ورود فرما ہوئے۔ رابرٹس فیلڈ کے فضائی مستقر پر جماعتِ احمدیہ لائبیریا کے مخلص اور فدائی احباب کے علاوہ حکومت کے اعلیٰ افسران۔ لائبیریا کے مُسلم زعماء اور دیگر معززین کے علاوہ خود صدر مملکت ٹب مین کے ذاتی نمائندہ نے بھی حضور کا نہایت پُرخلوص اور پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ جس کے رُوح پَرور مناظر ٹیلیویژن پر بھی دکھائے گئے۔ اس طرح اہلِ لائبیریا کو حضور کی زیارت کا بھی موقع ملا اور ملک کے کونے کونے میں اسلام کا بھی غیر معمولی چرچا ہُوا۔ ان ایّام میں جبکہ حضور نے اس سرزمین کو برکت بخشی جناب امین اللہ خانصاحب سالک مبلغ لائبیریا

---

[1] مکتوب مولوی عبدالشکور صاحب مبلغ لائبیریا بنام مؤلف مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۴ء۔

کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

حضور یکم مئی ۱۹۷۰ء کو لائبیریا سے بذریعہ طیارہ گیمبیا کے لئے روانہ ہوئے۔ حضور نے اپنے مختصر قیام کے دوران پہلے ہی روز مملکت کے صدر ولیم ایس وی ٹب مین سے ملاقات فرمائی اور جماعت احمدیہ لائبیریا کی طرف سے حضور کے اعزاز میں وسیع پیمانے پر عشائیہ کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں شہر کے معززین خاصی تعداد میں شامل ہوئے اور حضور سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ اگلے دن ۳۰ اپریل کو بوقت سہ پہر ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا۔ جس میں اسلام اور احمدیت کے درخشندہ مستقبل پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ ازاں بعد حضور کے اعزاز میں صدر مملکت مسٹر ولیم ٹب مین کی طرف سے "ایگزیکیوٹو مینشن" میں وسیع پیمانے پر پُرتکلف عشائیے کا اہتمام ہوا۔ جس میں وزرائے مملکت، کلیسیا کے بشپ، بیرونی ممالک کے سفارتی نمائندوں اور دیگر نامور معززین نے شرکت کی۔ اس موقع پر صدر ٹب مین نے استقبالیہ ایڈریس پیش کرتے ہوئے اس امر کا خاص طور پر ذکر فرمایا کہ حضرت امام جماعت احمدیہ کا لائبیریا میں ورودِ مسعود ہمارے لئے بہت عزّت افزائی کا موجب ہے۔ حضور نے جواباً صدرِ مملکت اور اہلِ لائبیریا کو دعاؤں سے نوازا کہ اللہ تعالیٰ انہیں خوشیوں اور مسرتوں سے سدا مالا مال رکھے اور اہلِ ملک کی خوشحالی میں اضافہ ہوتا رہے۔[1]

پریذیڈنٹ ٹب مین نے اس سرکاری ضیافت کے موقع پر یہ اعلان بھی کیا کہ وہ احمدیہ مسلم مشن لائبیریا کو ایک سو پچاس ایکڑ زمین دے رہے ہیں تا حضرت امام جماعت احمدیہ کے ارشاد کے مطابق جماعتِ احمدیہ سکول اور ہسپتال تعمیر کر سکے۔ یہ زمین منروویا سے سو میل دُور ساتوئے SANOYEA میں حاصل ہوئی۔ جس پر پہلے مسلم ہائی سکول کی عمارت تعمیر کی گئی جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔

---

[1] الفضل ۳، ۵ مئی ۱۹۷۰ء

فصل سوم

لائبیریا مشن کی عظیم الشان خدمات سے متعلق تاثرات

(۱) شروع ۱۹۶۴ء میں مشرقی افریقہ کے ایک مسلمان لیڈر حاجی علی سینڈا ALI SENADA چند روز کے دورہ پر منروویا آئے۔ انہوں نے وہاں پہنچنے کے ساتھ ہی ایک پریس کانفرنس بلائی۔ پریس کانفرنس میں انہوں نے بتایا کہ ان کی پارٹی مشرقی افریقہ میں مسلمانوں کی بہبودی کی خاطر قائم ہوئی ہے۔ انہوں نے اس وقت تک مختلف ممالک سے ساٹھ سے زیادہ وظائف حاصل کئے ہیں۔ اور اب مسلمان طلباء کو ان ممالک میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے بھیجا جا رہا ہے مشرقی افریقہ میں مسلمانوں کی حالت بہت پست ہے۔ اسمبلی میں ان کی کوئی نمائندگی نہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ لائبیریا کی حکومت نے ان کو پانچ وظائف دیئے ہیں۔ پریس کانفرنس کے دوران ایک صحافی نے پوچھا کہ آپ کے ملک میں احمدیہ مشن موجود ہے۔ اس کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے۔ حاجی سینڈا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ "میں احمدیت کے شدید ترین مخالفین میں سے تھا۔ لیکن جب سے میں نے دنیا کے مختلف ممالک کا دورہ کیا ہے۔ اور متعدد مقامات پر احمدیہ جماعت کے کام کو دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ صرف یہی ایک جماعت ہے جو صحیح معنوں میں اسلام کی خدمت کر رہی ہے"۔[۱]

(۲) مسلم کانگرس آف لائبیریا کے پریذیڈنٹ اپریل ۱۹۶۶ء کو عیدالاضحیہ کے روز ایک دوست حاجی سانکو بابو صاحب کے ہاں ایک عشائیہ میں دوسرے معززین کے ساتھ مدعو تھے۔ اس موقع پر آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا "احمدیہ مشن عرصہ سے ہمارے ہاں موجود ہے۔ ہم نے ان کے مبلغین کی مساعی کا بغور مطالعہ کیا ہے اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ احمدی حقیقی مسلمان ہیں اور ان کے دلوں میں اسلام کی خدمت کا بے پناہ جذبہ موجود ہے.... احمدی مبلغین کی آمد سے قبل لائبیریا میں مسلمانوں

۱؎ الفضل ۲ ستمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۳۔

کی کوئی آواز نہ تھی لیکن اب حکومت میں مسلمانوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ان کے حقوق کی نگہبانی کی جاتی ہے[1]۔"

(۳)۔ لبنان کے نامور عالم رئیس الجمعیۃ الخیریہ الشیخ محمد عدرہ نے احمدیہ مسلم مشن لائبیریا کی اسلامی سرگرمیوں سے متأثر ہو کر مبلغ لائبیریا چوہدری رشید الدین صاحب کو حسب ذیل سند خوشنودی عطا کی :۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ ۔

اِنَّ الْجَمْعِيَّةَ الْخَيْرِيَّةَ لِلتَّعْلِيْمِ وَالْاِسْعَافِ بِبَيْرُوْتَ قَرَّرَتِ الْهَيْئَةُ الْاِدَارِيَّةُ اِسْنَادَ مَنْصَبِ مُسْتَشَارٍ شَرَفٍ لِلْجَمْعِيَّةِ لِلسَّيِّدِ رَشِيْدِ الدِّيْنِ نَظَرًا لِدَعْوَتِكُمُ الْاِسْلَامِيَّةِ فِيْ بِلَادِ اِفْرِيْقِيَا وَغَيْرِهَا مِنَ الْبِلَادِ الْاِسْلَامِيَّةِ وَالْعَرَبِيَّةِ وَتَفَضَّلُوْا بِقَبُوْلِ الْاِحْتِرَامِ   اَلرَّئِيْسُ

اَلشَّيْخُ مُحَمَّدُ عَدْرَه ـــ فِیْ ۲۳/۶/۱۹۷۵ء

ترجمہ :۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

الجمعیۃ الخیریۃ للتعلیم والاسعاف، بیروت کی مجلس عاملہ نے اس بات کا ریزولیشن پاس کیا ہے کہ مکرم رشید الدین صاحب کو اُن کی افریقہ اور دیگر ممالکِ اسلامیہ اور عربیہ میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں خدمات کی بناء پر جمعیت کے اعزازی مشیر کا عہدہ پیش کیا جائے۔ براہ مہربانی قبول فرمائیں ۔   الرئیس ۔ الشیخ محمد عدرہ

(۴)۔ لبنان کے مشہور قاری اور واعظ الشیخ لطفی عامر عثمان صاحب نے حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی خدمت میں حسب ذیل مکتوب لکھا :۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْاَخُ الْكَرِيْمُ السَّيِّدُ نَاصِر اَحْمَد رَئِيْسُ الْحَرَكَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ الْاَحْمَدِيَّةِ

---

[1] الفضل ۳ ستمبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۳

ربوہ۔ پاکستان۔ اُحَیِّیکُمْ بِتَحِیَّةِ الْإِسْلاَمِ۔ سَلاَمُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ وَبَرَکَاتُہٗ۔ وَبَعْدُ لَقَدْ سَنَحَتْ لِیَ الْفُرْصَةُ وَزُرْتُ دَوْلَةً مِنْ دُوَلِ غَرْبِ إِفْرِیْقِیَا وَھِیَ لَائِبِیْرِیَا۔ وَاَثْنَاءَ زِیَارَتِیْ اِلْتَقَیْتُ بِجَمَاعَةِ الْاَحْمَدِیَّةِ وَتَکَرَّرَ اللِّقَاءُ وَوَقَفْتُ عَلٰی مُدَی تَعَلُّقِھِمْ بِالْإِسْلاَمِ وَتَعَالِیْمِہٖ مِنْ حَیْثُ الْھَیْئَةِ وَالتَّطْبِیْقِ مِمَّا بَعَثَ فِیْ نَفْسِی الْاَمْنَ وَالطُّمَانِیَّةَ بِمَوْقِفِنَا اَنَّ اللّٰہَ حَافِظٌ دِیْنِہٖ فِیْ کُلِّ زَمَانٍ وَمَکَانٍ وَکَیْفَ لَا وَھُوَ یَقُوْلُ فِیْ مُحْکَمِ التَّنْزِیْلِ ” اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ “۔

ھٰذَا وَقَدْ مَنَحَنِیْ رَئِیْسُ الْجَمَاعَةِ الْاَخُ رَشِیْدُ الدِّیْنِ بَعْضَ کُتُبِ وَرِسَالَاتِ الْجَمَاعَةِ فَقَرَأْتُھَا مَرَّةً وَمَرَّةً وَکُلَّمَا اِنْتَھَیْتُ مِنْ قِرَاءَةِ الْکِتَابِ اَعُوْدُ وَاُعَاوِدُ قِرَاءَتَہٗ مَرَّةً اُخْرٰی حَتّٰی اَشْبَعَ وَھِیَ مِنْ ھٰذَا النَّبْعِ الصَّافِی الَّذِیْ یَبْعَثُ فِی النَّفْسِ الطُّمَانِیَّةَ وَیَشِعُّ النُّوْرَ فِیْ رُوْحِی الَّتِیْ اَظْلَمَھَا تَیَّارُ التَّخَبُّطِ وَالتَّشَاحُنِ وَالتَّبَاغُضِ وَالتَّفْرِقَةِ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ خَلَا جَمَاعَتِکُمْ وَزَادَ اِعْجَابِیْ اَکْثَرَ وَاَکْثَرَ کِتَابُ ” فَلْسَفَةِ الْاُصُوْلِ الْإِسْلَامِیَّةِ “ لِخَاتَمِ الْخُلَفَاءِ وَالْمُجَدِّدِیْنَ حَضْرَةِ اَحْمَدَ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ۔ وَھٰذَا الْکِتَابُ عَلٰی حَدَاثَةِ حُجَّةٍ وَقِلَّةِ صَفْحَاتِہٖ لَھُوَ مَجْمَعٌ عِلْمِیٌّ کُلُّ کَلِمَةٍ مِنْہُ تَزِنُ اَلْفَ کَلِمَةٍ مِنْ کَلِمَاتِ غَیْرِہٖ۔

وَاِنَّہٗ یُسْعِدُنِیْ کَمَا وَیُشَرِّفُنِیْ اَنْ اَکْتُبَ لَکُمْ لِاُعَبِّرَ لَکُمْ عَنْ شُعُوْرِیْ نَحْوَ جَمَاعَتِکُمْ وَنَشَرَاتِ جَمَاعَتِکُمْ وَکُتُبِ جَمَاعَتِکُمْ شُعُوْرًا بِالْفَخْرِ وَالْاِرْتِیَاحِ.... کَمَا وَیُشَرِّفُنِیْ اَنْ تَحِیْنَ لِیَ الْفُرْصَةُ لِاَزُوْرَ جَمَاعَتَکُمْ فِیْ بَاکِسْتَانَ خَاصَّةً وَکُلَّ اَرْجَاءِ الدُّنْیَا عَامَّةً اَضْرَعُ اِلَی اللّٰہِ الْعَلِیِّ الْقَدِیْرِ اَنْ یَمُدَّ فِیْ عُمْرِکُمْ وَیُوَفِّقَکُمْ لِلْمَسِیْرَةِ عَلٰی طَرِیْقَةِ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالنُّقٰی وَیَجْعَلَ صَلَاحَ ھٰذِہِ الْاُمَّةِ عَلٰی یَدَیْکُمْ۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ

اخوكم — محمد لطفي عامر عثمان

شارع محي الدين الخياط. بناية ابراهيم عيناني

المـلا - بيروت لبنان.

ترجمہ :- بخدمت برادر محترم جناب ناصر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ اسلامیہ ربوہ پاکستان۔
مَیں آپ کی خدمت میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کا اسلامی تحفہ پیش کرتا ہوں۔ بعد ازاں گذارش ہے کہ مجھے مغربی افریقہ کے مُلک لائبیریا جانے کا موقع ملا۔ یہاں قیام کے دوران جماعت احمدیہ کے احباب سے ملنے کا اتفاق ہُوا۔ پھر بار بار اُن سے ملاقات ہوتی رہی۔ اس طرح مجھے اسلام کے ساتھ اُن کی وابستگی اور تعلق کی پختگی کا علم ہُوا اور بحیثیت جماعت اسلام کی تعلیم پر اُن کے عمل کا اندازہ ہُوا۔ اس بات نے میرے دل میں ہمارے اس موقف کے بارہ میں امن و اطمینان پیدا کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے اور ہر مُلک میں اپنے دین کا خود محافظ ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔

اس بات کے سمجھ لینے کے بعد احمدیہ مشن کے انچارج برادرم رشید الدین صاحب نے مجھے جماعت کی بعض کُتب اور لٹریچر دیا جنہیں مَیں نے بار بار پڑھا۔ جب بھی مَیں کسی کتاب کے مطالعہ سے فارغ ہوتا تو دوبارہ اور سہ بارہ اُسے پڑھتا حتّٰی کہ مَیں اُس کے مطالعہ سے خوب سیر ہو جاتا۔ یہ کُتب و رسائل اُسی چشمۂ صافی سے صادر ہوئے ہیں جو دل میں ٹھنڈک و اطمینان پیدا کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے باہمی تفرقہ، دشمنی، کینہ، بُغض اور گمراہی کی لہروں نے میری رُوح کو تاریک کر دیا تھا۔ ان کُتب نے اپنی نورانی شعاعوں سے اُسے روشن اور منوّر کر دیا ہے۔ مَیں نے یہ بھی دیکھا کہ آپ کی جماعت ان خرابیوں سے پاک ہے۔ خاتم الخلفاء والمجددین حضرت احمد مسیح موعود کی کتاب اسلامی اصول کی فلاسفی نے میری پسندیدگی کے جذبات کو عروج پر پہنچا دیا۔ یہ کتاب اپنے دلائل کی جدّت کے ساتھ ساتھ بہت کم صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ایک علمی خزانہ ہے جس کا ہر ایک لفظ دوسرے لوگوں کے ہزار لفظ کے برابر ہے۔

اس اَمر کو مَیں اپنی خوش قسمتی اور عزّت و شرف کا موجب سمجھتا ہوں کہ مَیں آپ کی خدمت میں اس غرض سے خط لکھ رہا ہوں کہ مَیں جماعت احمدیہ اور اس کے لٹریچر کے متعلق اپنے اِن جذبات کا اظہار

کر سکوں جن پر مجھے پورا فخر اور کلی اطمینان ہے۔ ایسے ہی یہ امر بھی میری خوش بختی اور عزت افزائی کا باعث ہوگا کہ مجھے خاص طور پر پاکستان اور عام طور پر دیگر ممالک میں آپ کی جماعت کو دیکھنے کا موقع ملے۔

مَیں اللہ تعالیٰ کی مقتدر ہستی کے حضور عاجزانہ دُعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کی عمر میں برکت دے اور آپ کو ہدایت، تقویٰ اور طہارت کے راستوں پر بڑھاتا چلا جائے۔ اور اس اُمت کی ہدایت اور بھلائی کا سامان آپ کے ہاتھوں سرانجام پائے۔ والسلام

محمد لُطفی عامر عثمان

(۵)۔ لائبیریا میں اپنا عرصہ قیام پُورا کرنے کے بعد جب چوہدری رشید الدین صاحب واپس پاکستان آرہے تھے تو لائبیریا کے سب سے بڑے اخبار THE LIBERIAN STAR نے آپ کی روانگی کا ذکر کیا اور آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھا:۔

RASHID UDDIN SAYS GOODBYE

After an unflinching and dedicated service to the upliftment of the Ahmadiyya Mission in Liberia Mr. Rashid Uddin the amiable and indefatigable head of the Mission is saying goodbye.

Maulvi Uddin is recalled to Pakistan for another assignment in continuation of his sacred duty to Allah.

Speaking to the STAR the Ahmadiyya Bishop whose beautiful contributions to the achievement of the aims and objectives of the Mission include the establishment of schools in Sonoyea Bong County and Monrovia said that eventhough he had to answer to the call of duty he would miss his mumerous friends and the warm hospitality of the people of Liberia not leaving out the concrete co-operation he enjoyed from them to make his mission to Liberia a successful one.

Mr. Uddin's efforts in the spreading the word of Islam through the local news media would also not be forgotten; and his contributions towards the educational development of Liberia were so excellent that they won him a commendation from the Minister of Education Dr. Advertus A. Hoff Jr.

In collaboration with his conviction that religion best be taught to our ammoral generation of to day through classroom lectures, the Pakistani Missionary targeted his period of assignment on the provision of educational facilities for the Liberian people, who are ardently in need of Islamic religious education.

Therefore, under the directive of the Supreme Head of the Ahmadiyya Movement, Hazrat Mirza Nasir Ahmad of Pakistan; he wasted no time in establishing a modern high school in Sanoyea Bong County; updating two elementary schools in Largo Cape Mount County and Monrovia.

In community service he spearheaded the Pakistani Forum of Liberia for two years during the encubency of Ambassador S.A. Moid during which time he again used his brilliant officiating ideas to make the Forum an organization of high repute.

He will be severaly missed but his contributions a living Testimony of dedication and devotion will remain.

ترجمہ:۔ احمدیہ مسلم مشن کی ترقی اور بہبودی کے لئے مخلصانہ خدمات بجا لانے کے بعد انتھک اور دلکش شخصیت کے مالک مبلغ انچارج مولوی رشیدالدین صاحب اب ہمیں الوداع کہنے والے ہیں۔ انہیں پاکستان واپس بلایا گیا ہے اور وہ خدمتِ دین کے تسلسل میں وہاں اپنی نئی ذمہ داری سرانجام دیں گے۔ یہاں قیام کے دوران احمدیہ مبلغ نے مشن کے اغراض و مقاصد کے حصول میں دیگر کامیابیوں کے علاوہ سانوئے اور منروویا میں سکولوں کے قیام کا شاندار کارنامہ بھی سرانجام دیا۔ تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں مولوی رشیدالدین صاحب کی وہ جدوجہد جو وہ قومی ذرائع ابلاغ کے واسطے کرتے رہے فراموش نہیں کی جا سکے گی۔ اور لائبیریا کی تعلیمی ترقی میں تو آپ کی خدمات ایسی عمدہ ہیں کہ خود وزیرِ تعلیم جناب ڈاکٹر ADVERTUS A. HOFF نے آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

اپنے اس یقین کی بنا پر کہ ہمارے آج کے بگڑے ہوئے بچوں کو مذہبی تعلیم سکول کے کمروں میں

([1] The Liberian Star Friday, January 21, 1977)

بٹھا کر بہتر طور پر دی جا سکتی ہے۔ پاکستانی مبلغ نے اپنے عرصہ قیام میں لائبیرین لوگوں کے لئے جنہیں اسلامی تعلیم حاصل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ تعلیمی سہولتیں مہیا کرنے پر توجہ مرکوز رکھی۔ اور امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا ناصر احمد کے ارشادات کے مطابق بہت جلد سانوئے SANOYEA کے مقام پر جدید طرز کا ایک ہائی سکول تعمیر کرنے کے علاوہ منرووِیا اور لاگو LARGO میں واقع دو پرائمری سکولوں کی حالت بہتر بنا دی

ملّی خدمات کے سلسلہ میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ سفیرِ پاکستان جناب ایس اے معید کے وقت میں آپ نے دو سال تک "پاکستان فورم آف لائبیریا" کی قیادت کی۔ اس عرصہ میں آپ کی تنظیمی صلاحیتوں کی وجہ سے فورم کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔

ان شاندار خدمات کی وجہ سے جو آپ کے اخلاص اور وفا کی زندہ شہادت ہیں، آپ کی یاد ہمیشہ قائم رہے گی۔

(۶)۔ عزّت مآب ڈاکٹر ولیم آر ٹالبرٹ (صدر جمہوریہ لائبیریا و تنظیم اتحاد افریقہ) نے ۲۸ جنوری ۱۹۸۰ء کو مولوی عطاء الکریم صاحب شاہد مع جماعت لائبیریا کے چھ رکنی وفد سے ملاقات کی۔

مولوی صاحب موصوف نے بتایا کہ وہ تین سالہ قیام کے بعد واپس مرکز میں جا رہے ہیں۔ اس پر صدر مملکت نے اپنے قلبی تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے نئے مشن کے امیر و مبلغ انچارج کے لئے یہ پیغام دیا کہ:۔

"احمدیہ مشن خدمتِ دین اور خدمتِ عوام کو حسبِ معمول جاری اور اپنی روایات کے پرچم کو سربلند رکھے۔" [1]

---

[1] الفضل ۳ر مارچ ۱۹۸۰ء صفحہ ۳۔

چوتھا باب

تبلیغ احمدیت کی خصوصی تحریک سے لیکر احمدیہ مشن سکنڈے نیویا کے قیام تک

خلافتِ ثانیہ کا بیالیسواں سال (۱۹۵۶ء)

فصل اوّل

تبلیغ احمدیت کی خصوصی تحریک

۱۹۵۶ء کے تاریخی واقعات کا آغاز سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کے سفرِ لاہور سے ہوتا ہے۔ حضور ۵ جنوری کو لاہور تشریف لے گئے اور آٹھ جنوری کو واپس مرکزِ احمدیت میں تشریف لائے۔ لاہور میں تین روز قیام کے دوران حضور نے ۶ جنوری ۱۹۵۶ء کو رتن باغ میں ایک اہم خطبہ ارشاد فرمایا جس میں جماعت احمدیہ لاہور کو لاہور کی خصوصی اہمیت کے پیشِ نظر فریضۂ تبلیغ کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی چنانچہ ارشاد فرمایا:۔

"دنیا میں رہنے کے لئے ایک دوسرے سے بھائی چارہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ بھائی چارہ سنجیدگی سے ہونا چاہیئے۔ اگر کسی سے صرف ہنسی مذاق کر لیا جائے اور جب وہ جُدا ہو تو اس کا خیال دل سے نکال دیا جائے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اگر اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں سے سنجیدہ باتیں کی جائیں اور اُن کے اندر صداقت معلوم کرنے اور اس کے غور اور فکر کرنے کی

لگن پیدا کی جائے تو خود بخود ان کے اندر یہ خواہش پیدا ہوگی کہ وہ تمہاری باتیں سُنیں اور جب کبھی تمہارا مبلغ یا امام یہاں آئے تو اس سے بھی ملاقات کریں اور اس کی باتیں سُنیں۔ پس یہاں کے احباب کو اپنی اس ذمہ داری کو نہیں بھلانا چاہیئے۔ لاہور ایک اہم جگہ ہے اور اب اسے اور بھی زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ کیونکہ مغربی پاکستان کے ایک یونٹ بن جانے پر یہ اس کا دارالخلافہ ہو گیا ہے۔ اس وقت پاکستان میں کراچی سے اُتر کر لاہور اور ڈھاکہ کو جو پوزیشن حاصل ہے وہ کسی اور شہر کو حاصل نہیں۔ اس لئے یہاں کی جماعت کے جو ذمہ دار لوگ ہیں۔ انہیں خصوصیت سے ان امور کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ دُنیا میں انسان کی زندگی محدود ایام کی ہے۔ اگر اس کو بھی ضائع کر دیا جائے تو دُنیا میں انسان نے دوبارہ تو نہیں آنا۔ موت کے آنے تک اس نے جو کچھ کر لیا سو کر لیا۔ اس کے بعد اعمال کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے اس لئے انسان زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے اور اس مختصر وقت کو کسی صورت میں ضائع نہ کرے۔ پس یہاں کے تمام احباب کو چاہیئے کہ وہ اس امر کی طرف توجہ کریں اور اپنے دوستوں کے ساتھ سنجیدگی کے ساتھ باتیں کیا کریں اور اس طرز سے باتیں کیا کریں کہ اُن میں سچائی معلوم کرنے کی لگن پیدا ہو جائے جب ان میں سچائی معلوم کرنے کی لگن پیدا ہو جائے گی تو جہاں بھی انہیں سچائی نظر آئے گی وہ اسے قبول کر لیں گے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ انسان کے اندر لگن پیدا ہو جائے کیونکہ جب کسی کے اندر لگن پیدا ہو جاتی ہے تو وہ کسی کے روکنے کی وجہ سے رُکتا نہیں بلکہ وہ تحقیقِ حق کے لئے دوڑتا ہے اور خود اس کے متعلق سوالات کرتا ہے۔ دیکھو مدینہ کے لوگ مکّہ آتے تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم بعض دفعہ انہیں ملنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے اُن میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن پر آپ کی باتوں کا اثر ہوا اور انہوں نے واپس جاکر اپنے شہر والوں سے ان باتوں کا ذکر کیا۔ چنانچہ اگلے سال اور زیادہ تعداد میں مدینہ کے لوگ مکّہ آئے وہ مکّہ کی گلیوں میں پھرتے رہے۔ مکّہ والوں نے انہیں دھوکا میں ڈالنا چاہا اور حقیقت پر کئی پردے ڈالے لیکن آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو تلاش کر ہی لیا۔ آپ نے ان سے باتیں کیں اور ان باتوں کے نتیجہ میں مدینہ والوں نے دین کو قبول کر لیا لیکن پہلی دفعہ یہی فیصلہ ہوا تھا کہ شہر سے باہر نکل کر کسی علیحدہ جگہ ملاقات کی جائے کیونکہ وہ لوگ ڈرتے تھے کہ کہیں مکّہ والے ان کی مخالفت نہ کریں لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے باتیں کیں اور ان پر حق کھل گیا تو انہوں نے بلند آواز سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تم نے اتنی بلند آواز سے نعرۂ تکبیر کہا ہے کہ ممکن ہے مکّہ والوں کو پتہ لگ جائے کہ تم کس نیت سے یہاں آئے ہو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ جب تک ہمیں حقیقت کا صحیح طور پر پتہ نہیں تھا۔ اس وقت تک ہم بھی اسے چھپانے کی کوشش کرتے تھے لیکن اب جب کہ حقیقت ہم پر واضح ہوگئی ہے ہم اُسے چھپا نہیں سکتے۔

پس جب انسان کے اندر صداقت کے معلوم کرنے کی لگن پیدا ہوجاتی ہے تو وہ آپ ہی آپ صداقت معلوم کرتا رہتا ہے مجھے یاد ہے کہ نواب محمد دین صاحب مرحوم نے جب بیعت کی تو اس وقت وہ ریاست مالیر کوٹلہ میں ملازم تھے اور کونسل آف سٹیٹ کے ممبر تھے۔ بیعت کے وقت آپ نے کہا مَیں یہاں سے ریٹائر ہوجاؤں تو مجھے ملازمت کے لئے کسی اور ریاست میں جانا پڑے گا۔ اس لئے آپ مجھے ابھی اپنی بیعت مخفی رکھنے کی اجازت دیں۔ چنانچہ مَیں نے انہیں بیعت کو مخفی رکھنے کی اجازت دے دی۔ بیعت کے بعد وہ شملہ چلے گئے۔ مجھے بھی ان دنوں چند دنوں کے لئے تبدیلیٔ آب و ہوا کی خاطر شملہ جانے کا موقع ملا نواب صاحب نے مجھ سے کہا آپ روز روز کہاں شملہ آتے ہیں۔ مَیں اور تو کوئی خدمت نہیں کرسکتا۔ ہاں اتنا کرسکتا ہوں کہ بڑے بڑے لوگوں کو چائے پر بُلا کر آپ کا ان سے تعارف کرا دوں۔ چنانچہ انہوں نے ایک دعوت کا انتظام کیا مَیں بھی وہاں چلا گیا۔ انہوں نے بڑے بڑے آدمی وہاں بلائے ہوئے تھے۔ مَیں اس انتظار میں تھا کہ کوئی اعتراض کرے تو مَیں اس کا جواب دُوں کہ نواب صاحب کھڑے ہوگئے اور انہوں نے حاضرین کا شکریہ ادا کرنے کے بعد اس طرح بات شروع کی کہ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ امام جماعت احمدیہ یہاں تشریف لائے ہیں جو شخص کسی قوم کا لیڈر ہوتا ہے ہمیں اس کا احترام کرنا چاہیئے وہ ہمیں دین کی باتیں سنائیں گے خواہ ہم مانیں یا نہ مانیں۔ ان سے ہمیں فائدہ پہنچے گا۔ اس کے بعد وہ تقریر کرتے ہوئے یکدم جوش میں آگئے اور کہنے لگے اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو مبعوث کیا ہے اور اس نے دعویٰ کیا ہے کہ مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں۔ یہ دعویٰ کوئی معمولی دعویٰ نہیں۔ اگر وہ اپنے اس دعویٰ میں سچّا ہے اور ہم نے اسے قبول نہ کیا تو لازماً ہم خدا تعالیٰ کے مجرم ہوں گے اور اس کا عذاب ہم پر آئے گا۔ اس لئے آپ لوگوں کو سنجیدگی سے اس کے دعویٰ پر غور کرنا چاہیئے۔ جب نواب صاحب اپنی تقریر ختم کرکے بیٹھ گئے تو مَیں نے ان سے کہا کہ آپ نے تو اپنی بیعت کو مخفی رکھنے کی اجازت

لی تھی اور مَیں نے آپ کو اجازت دے دی تھی لیکن اس وقت آپ نے خود ہی اسے ظاہر کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا مجھے تقریر کرتے کرتے جوش آگیا تھا۔ اس لئے مَیں ضبط نہیں کر سکا۔ غرض دوستوں کو چاہیئے کہ وہ تبلیغ کی طرف توجہ کریں۔ اور دوسروں تک سنجیدگی سے اپنے خیالات پہنچائیں۔ مجھے یاد ہے کہ پہلے پہلے جب مَیں لاہور آیا کرتا تھا تو گمٹی والی مسجد میں نماز ہوتی تھی۔ اس وقت اگلی صف میں جتنے دوست بیٹھتے ہیں اس وقت لاہور میں قریباً اتنے ہی احمدی ہوتے تھے۔ لیکن اب جمعہ کی نماز میں بعض دفعہ یہاں پندرہ پندرہ سو دوست جمع ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ان کی تعداد اس سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ ممکن ہے آج بھی اس قدر لوگ موجود ہوں لیکن کھلی جگہ ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ معلوم نہ ہوتے ہوں۔ بہر حال جمعہ کی نماز میں اڑھائی اڑھائی سو کی تعداد میں سائیکل ہی ہوتے ہیں۔ ابھی مجھے کسی نے بتایا ہے کہ پچھلے جمعہ کے موقع پر بارہ موٹریں اور ایک بڑی تعداد میں سائیکلیں ہی سائیکلیں جمع ہو گئی تھیں۔ غرض جب گمٹی والی مسجد میں نماز ہوتی تھی اس وقت جماعت کی تعداد بہت تھوڑی تھی لیکن اب اللہ تعالیٰ نے اس کی تعداد بہت بڑھا دی ہے۔ اب موجودہ جماعت کو خیال کرنا چاہیئے کہ اس وقت پچاس ساٹھ احمدیوں نے اپنی زندگیوں کو سدھارا اور دوسروں تک اپنے خیالات کو سنجیدگی سے پہنچایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صرف جمعہ کی نماز میں آنے والے احمدیوں کی تعداد ۵۰ سے بڑھ کر ۱۵۰۰ تک پہنچ گئی۔ اگر تم بھی ان لوگوں کی طرح اپنی زندگیوں کو سدھارتے اور اپنے خیالات سنجیدگی سے دوسروں تک پہنچاتے تو تم پندرہ سو سے پینتالیس ہزار (۴۵،۰۰۰) بن جاتے۔ لاہور کے شہر کو اللہ تعالیٰ نے احمدیت کے ابتدائی زمانہ سے ہی تبلیغ کا مرکز بنایا ہے۔ مَیں ابھی بچہ ہی تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لاہور تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ یہاں تشریف لائے۔ مَیں بھی ساتھ تھا۔ مسجد وزیر خاں کے قریب ایک دوست کے ہاں آپ کی دعوت تھی۔ میری عمر اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ صرف سیر کی وجہ سے مَیں ساتھ آگیا تھا۔ دعوت سے فارغ ہو کر جب ہم باہر نکلے تو دہلی دروازہ سے نکلتے وقت اس زمانہ میں دائیں طرف ایک پیپل کا درخت تھا اس درخت کے پاس ہجوم بہت زیادہ تھا۔ ہمیں دیکھ کر لوگوں نے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اور بہت شور بلند کیا۔ جب ہم پیپل کے پاس سے گذرے تو اس وقت جو لوگ جمع تھے اُن میں سے کسی نے کہا کہ تم یہ کہو کہ ہائے ہائے گویا مرزا صاحب فوت ہو گئے ہیں۔

مَیں بہت حیران تھا کہ لوگ اتنا شور کیوں کرتے ہیں اور ہمیں کیوں گالیاں دیتے ہیں۔ مجھے یہ نظارہ خوب یاد ہے کہ اس وقت ایک شخص جو مولوی طرز کا معلوم ہوتا تھا اور ٹُنڈا تھا اور اپنا دُوسرا ہاتھ ٹنڈ پر مار کر ہائے ہائے کی آواز بلند کر رہا تھا۔ بچپن کی وجہ سے مجھے یہ عجیب تماشا معلوم ہوتا تھا۔ اور مَیں اسے شوق سے دیکھتا تھا۔ لیکن بعد میں کسی نے بتایا کہ یہ ہجوم حضرت صاحب کی مخالفت کی وجہ سے جمع ہو گیا تھا۔ اور اپنی اس مخالفت کی وجہ سے آپ کو گالیاں دے رہا تھا گویا کسی وقت وہ زمانہ تھا کہ یہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لایا کرتے تو آپ کو گالیاں دینے کے لئے لوگ راستوں پر جمع ہو جاتے تھے لیکن اس وقت احمدیوں کا ایمان تازہ تھا۔ ان میں اخلاص اور جوش پایا جاتا تھا وہ سچے دل سے باہر نکلے اور انہوں نے تبلیغ کے رستہ میں سچّا جذبہ دکھایا اور خدا تعالیٰ نے بھی ان کی کوششوں میں برکت دی اور ان کی تعداد کو ہزاروں تک پہنچا دیا۔ نیلا گنبد کو ہی لے لو۔ اس وقت اس علاقہ میں بہت سے احمدی آباد ہیں لیکن کسی زمانہ میں مستری محمد موسیٰ صاحب اکیلے آئے تھے۔ اَب اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں ہی اتنی برکت دی ہے کہ ان کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے اور پھر انہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر لی ہے۔ اس طرح منشی محبوب عالم اُن کے کلرک تھے ان کا خاندان بھی احمدی ہو گیا۔ اَب خدا تعالیٰ کے فضل سے اِن دونوں کی اولاد اتنی ہے کہ اس کی تعداد لاہور کی پُرانی جماعت کی تعداد سے زیادہ ہے تو یاد رکھو کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ مومنوں کی کوششوں کو ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ان کی اولادوں کو بھی بڑھاتا ہے۔ پس تم اپنے آپ کو سلسلہ کے لئے مفید وجود بناؤ اور ایسا مفید وجود بناؤ کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دوستوں رشتہ داروں اور ملنے والوں کو ایک سے ہزار کر دے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دُعا فرمائی تھی۔ " اِک سے ہزار ہو ویں "۔ یہ دُعا آپ کی صرف جسمانی اولاد کے متعلق نہیں ہو سکتی کیونکہ جسمانی اولاد ایک سے ہزار بہت کم ہوتی ہے ایک سے ہزار روحانی اولاد ہوتی ہے۔ سو یہ دُعا تمہارے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے کہ تم ایک سے ہزار ہو جاؤ لیکن جس طرح لاہور کی جماعت کے سرکردہ احباب کام کر رہے ہیں اس کے نتیجہ میں تو وہ ایک سے دو بھی نہیں ہو سکتے اگر تم ایک سے ہزار ہوتے تو اس وقت لاہور میں جماعت احمدیہ کی تعداد پندرہ لاکھ ہوتی۔ الخ "[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۸، جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ تا ۵۔

حضرت مصلح موعودؓ کا جامعۃ المبشرین میں پُرمعارف خطاب

۱۴ر جنوری ۱۹۵۶ء کو جامعۃ المبشرین کی طرف سے مجاہد بلادِ عربیہ مولانا محمد شریف صاحب کے اعزاز میں ایک استقبالیہ تقریب منعقد ہوئی۔

اس بابرکت تقریب میں چودھری محمد ظفراللہ خانصاحب اور بعض دیگر بزرگانِ سلسلہ کے علاوہ سیّدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے بھی شرکت فرمائی۔ اور نہایت پُرمعارف خطاب سے نوازا اور دورانِ خطاب مولانا محمد شریف صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"انہوں نے اپنے وطن گھربار اور عزیز و اقارب سے یہ طویل جدائی خدمتِ دین کیلئے برداشت کی جو حالات اُن کو پیش آئے ہیں اُن میں سے گذرنے کے لئے ہر ایک کو تیار رہنا چاہیئے۔ کیونکہ ان چیزوں سے جدائی اختیار کئے بغیر دُنیا میں دین کی اشاعت نہیں ہوسکتی۔ اس موقع پر حضور نے اپنا ایک رؤیا بیان کرتے ہوئے بتایا کہ جو قوم دُنیا میں باہر نکلنے اور نو آبادیاں قائم کرنے کا شدید اشتیاق رکھتی ہیں وہ کبھی تباہ نہیں ہوتی۔ حضور نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ہم میں یہ سپرٹ قائم رہے گی کہ ہم خدمتِ دین کی اپنے وطنوں کو خیرباد کہنے میں رضا بالقضا کا نمونہ دکھائیں اور تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرکے دُنیا میں رُوحانی نوآبادیاں قائم کرتے چلے جائیں اس وقت تک خدا کی تائید و نصرت اور اس کی حفاظت ہمارے شاملِ حال رہے گی اور ہم دُنیا میں ترقی کرتے چلے جائیں گے۔

حضور نے خطاب جاری رکھتے ہوئے فرمایا دُنیا میں جتنی بھی فاتح قومیں گذری ہیں انہوں نے پہلے اپنے وطنوں کو چھوڑا اس کے بعد ہی انہیں فتوحات نصیب ہوئیں۔ عربوں نے اپنے وطن کو چھوڑا۔ ترکوں نے چھوڑا۔ یہودیوں نے چھوڑا۔ آرین نسل کے لوگوں نے چھوڑا اور وہ دور دور ملکوں میں پھیل گئے۔ اگر وہ اپنے وطنوں کو نہ چھوڑتے تو انہیں فتوحات نصیب نہ ہوتیں اور وہ نئے نئے ملکوں کے وارث نہ بنتے۔ پس اگر ہمیں بھی خدا کے دین کی اشاعت کے لئے اپنے وطن چھوڑنے پڑیں تو اس میں کوئی بڑی بات نہیں۔

اس موقع پر حضور نے جامعۃ المبشرین کے طلبہ کو خصوصیت سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ایک ہجرت قومی ہوتی ہے اور ایک ہجرت فردی ہوتی ہے۔ حکیم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم، مولوی محمد شریف صاحب

مولوی جلال الدین شمس صاحب اور اسی طرح ہمارے دُوسرے مبلغوں نے اپنے وطن سے دس دس پندرہ سال مہجوری اختیار کر کے دوسرے ممالک میں دین کی خدمت کا جو فریضہ ادا کیا وہ فردی ہجرت کا ہی ایک نمونہ ہے۔ اِن سب کی مثالیں تمہارے سامنے ہیں اِن قربانیوں کے تسلسل کو قائم رکھنا تمہارا کام ہے۔ اگر قربانیوں کا یہ تسلسل جاری رہے تو پھر فکر کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ایسی قوم کبھی ضائع نہیں ہو سکتی جو قوم قربانیوں کے تسلسل کو جاری رکھتی ہے یعنی اس میں قربانیوں کا سلسلہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتا چلا جاتا ہے تو پھر اس قوم کا ہر فرد بجائے خود ایک اُمّت کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور اس کو ایک طرح سے دائمی زندگی حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ افراد مر سکتے ہیں۔ اُمتیں نہیں مرتیں۔ انہیں معنوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا ہے اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً کہ ابراہیم ایک اُمّت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابراہیمؑ کا نام آج تک زندہ ہے اور ہم ان کے نام پر درود بھیجتے چلے آرہے ہیں۔ اس لئے مَیں نے وقف کی تحریک کے متعلق تمہیں کہا تھا کہ تم خدمتِ دین کے لئے زندگیاں وقف کرنے کی تحریک کو اپنی نسلوں میں جاری رکھو اور اس بات کا عزم کرو کہ تمہارے خاندانوں میں یہ تحریک چلتی چلی جائے گی۔ اور ہر نسل میں ہر خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد خدمتِ دین کے لئے ضرور آگے آتا رہے گا۔ اس طرح تم میں سے ہر شخص ایک اُمّت کی شکل اختیار کرے گا۔ اور اس کا نام چلتا چلا جائے گا۔ کیونکہ اُمّت کی عمر کو دائمی قسم کی زندگی کہتے ہیں۔ پس یہ عہد کر لو کہ تم اپنے اندر ہی نہیں بلکہ اپنی نسلوں میں بھی اس رُوح کو زندہ رکھو گے اللہ تعالیٰ نے جہاں حضرت ابراہیمؑ کو ان کی قربانی کی وجہ سے اُمّت قرار دیا ہے۔ وہاں ساتھ ہی ہم کو ان کی پیروی کرتے ہوئے اسی اسوہ پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے جیسا کہ فرمایا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى۔

تقریر کے آخر میں حضور نے فرمایا اسی طرح جہاں تم خود اپنے وطنوں کو خیرباد کہو وہاں باہر جا کر رُوحانی نو آبادی قائم کرنے کے اشتیاق کا پُورا پُورا مظاہرہ کرو جہاں تمہارا اپنا وجود ایک اُمّت کی طرح ہو وہاں تم ایک دو کو نہیں بلکہ اُمّت کی اُمّت کو اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل کرو۔ باہر جا کر ایک یا دو کو احمدی بنانا کافی نہیں ہے۔ بلکہ چاہیئے کہ کروڑوں کروڑ انسان اور مُلک کے مُلک تمہارے ذریعہ قبولِ حق کی سعادت حاصل کریں۔

حضور نے فرمایا پس تم میں سے ہر شخص کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ وہ ایک اُمت بن جائے وہ خود بھی خدمتِ دین کی رُوح کو زندہ رکھے اور اپنی نسلوں کو بھی اس کے لئے تیار کرے تا دین کے ایسے خادموں کی ایک اُمّت کے بعد دوسری اُمّت پیدا ہوتی چلی جائے یہاں تک کہ وہ زمانہ آجائے کہ دُنیا میں ہر طرف اسلام ہی اسلام ہو اگر اس عزم کے ساتھ تم دین کی خدمت کرو گے اور کرتے چلے جاؤ گے تو خدا یقیناً تمہاری مدد کرے گا اور کامیابی ضرور تمہارے قدم چومے گی۔ اس پُر اثر خطاب کے بعد حضور نے اجتماعی دُعا کرائی اور یہ بابرکت تقریب اختتام پذیر ہوئی[1]۔

احباب جماعت کے لئے ضروری اعلان

سیّدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے سلسلہ احمدیہ کے مرکزی اداروں کو پہلے سے زیادہ فعّال بنانے کے لئے جنوری ۱۹۵۶ء میں ایک اہم اصلاحی قدم یہ اٹھایا کہ احباب جماعت کو ہدایت فرمائی کہ وہ اِن اداروں کی عملی نگرانی کے لئے خطوط کا سلسلہ جاری کریں۔ اس تعلق میں الفضل ۲۰ جنوری ۱۹۵۶ء کے صفحہ ۱ پر حضور کے قلمِ مبارک سے حسبِ ذیل اعلان شائع ہُوا جس سے ان اداروں اور جماعت دونوں میں ایک نئی حرکت اور بیداری پیدا ہوگئی:۔

"صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے اداروں کے کام کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے فیصلہ کیا جاتا ہے کہ احباب جماعت اِن اداروں کی عملی نگرانی کے لئے خطوط کا سلسلہ جاری کریں۔

ایسے تمام خطوط میں نظارتوں اور وکالتوں کو اِن کے فرائض کی طرف توجہ دلائی جائے اور اگر وہ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں سُستی کرتی ہوں یا خلیفہ وقت اور مجلس شوریٰ کے فیصلہ جات پر عمل نہ کرتی ہوں تو انہیں اس طرف توجہ دلائی جائے۔ تاہم ایسے تمام خطوط پرائیویٹ سیکرٹری کے نام بھجوائے جایا کریں جو وقتاً فوقتاً الفضل میں بھی چھپتے رہیں گے۔ لیکن چونکہ ایسی کوئی چیز شائع نہیں کی جاسکتی جس سے فتنہ پیدا ہو اس لئے دفتر کو اختیار ہوگا کہ جس حصّہ کو چاہے کاٹ دے۔

اگر اس مضمون کے متعلق پھر بھی کارروائی نہ ہو تو صحیح طریق یہ ہوگا کہ مجلس شوریٰ میں اس جماعت کا جو نمائندہ ہو وہ اسے توجہ دلائے کہ وہ مجلس شوریٰ میں مناسب رنگ میں سوال کرے۔ بہر حال

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۷ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۸

اصلاح تو کی جائے مگر فساد کا وہ عام طریقہ جو دوسری مجالس میں سوال و جواب کے رنگ میں اختیار کیا جاتا ہے۔ اس کی اجازت نہ ہوگی"۔[۱]

امریکن قوم سے متعلق ایک پُرشوکت بیان

شروع جنوری ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے کہ حضور کی خدمت میں یہ اطلاع پہنچی کہ سندھ کے بعض احمدیوں کو ریل میں سفر کرتے ہوئے بعض آدمی جنہوں نے اُن پر متعدد سوالات کئے۔ جن کی وجہ سے انہیں وہم ہؤا کہ وہ سی آئی ڈی کے آدمی ہیں۔ حضورؓ نے ۲۰ر جنوری ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ :-

"جہاں تک گورنمنٹ کی مدد کا سوال ہے اخبارات میں پاکستان کے بعض وزراء کی تقریریں چھپی ہیں کہ حکومت امریکہ نے حکومتِ پاکستان کو اتنی مدد دی ہے۔ ہمیں مدد دینے کے متعلق نہ تو کبھی گورنمنٹ نے اعلان کیا ہے اور نہ گورنمنٹ کے رسل و رسائل کے ذرائع نے کبھی اعلان کیا ہے کہ گورنمنٹ نے اس قدر مدد احمدیوں کو دی ہے۔ لیکن جہاں تک پاکستان کو مدد ملنے کا سوال ہے۔ اس کے متعلق خود پاکستان کے وزراء نے اعلانات کئے ہیں جو اخبارات میں بھی چھپ چکے ہیں بلکہ گورنر جنرل نے بھی کہا ہے کہ حکومتِ امریکہ نے حکومتِ پاکستان کو اس قدر مدد دی ہے۔ پس جہاں تک گورنمنٹ امریکہ کا تعلق ہے وہ ہم سے ایسی ہی جدا ہے جیسے دوسرے ممالک کی غیر مسلم حکومتیں جدا ہیں اور جہاں تک امریکن لوگوں کا سوال ہے اُن کی اکثریت اب بھی عیسائی ہے مگر اَب خدا تعالیٰ کے فضل سے ان میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو چکی ہے جو اسلام لے آئی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس کے اندر اسلام کی خدمت کا بڑا جوش پایا جاتا ہے اور ہم اُمید رکھتے ہیں کہ ترقی کرتے کرتے جب اس کی تعداد ایک خاص حد تک پہنچ جائے گی تو ہزاروں اور لاکھوں ڈالر کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا بلکہ ان کا چندہ اربوں تک پہنچ جائے گا جیساکہ مَیں نے ابھی بتایا ہے امریکہ کے انچارج مبلغ خلیل احمد صاحب ناصر نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ہماری جماعت کا چندہ چالیس ہزار ڈالر سالانہ تک پہنچ گیا ہے۔ یہ رقم بہت بڑی ہے لیکن ہم

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۲۰ر جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱

اسے کچھ بھی نہیں سمجھتے بلکہ ہم تو امید رکھتے ہیں کہ وہاں کے مبلغ ہمیں یہ اطلاع دیں گے کہ امریکہ کی جماعت کا چندہ چالیس ہزار ڈالر سالانہ نہیں چالیس لاکھ ڈالر سالانہ نہیں، چالیس کروڑ ڈالر سالانہ نہیں، چالیس ارب ڈالر سالانہ نہیں بلکہ چالیس کھرب سالانہ ہے۔ یعنی پاکستان کی موجودہ سالانہ آمد سے بھی دس ہزار گُنا زیادہ ہے۔ اس وقت ہم سمجھیں گے امریکہ آج اسلام کے قریب ہُوا ہے۔ جب امریکہ اپنا کلیجہ نکال کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دے گا۔ تب ہم سمجھیں گے کہ امریکہ آج اسلام لایا ہے تھوڑے بہت روپے کو ہم کچھ نہیں سمجھتے۔ یہ روپیہ کیا ہے۔ امریکہ کے لحاظ سے تو یہ اس کے ہاتھ کی میل ہے بلکہ اس کے ہاتھ کی میل بھی نہیں۔ جس دن امریکہ اربوں ارب روپیہ بطور چندہ اسلام کی اشاعت کے لئے دے گا۔ جس دن امریکہ میں لاکھوں مسجدیں بن جائیں گی۔ جس دن امریکہ میں لاکھوں میناروں پر اذان دی جائے گی۔ جس دن امریکہ میں لاکھوں امام مساجد میں پانچ وقت کی نماز پڑھایا کریں گے۔ اس دن ہم سمجھیں گے کہ آج امریکہ اپنی جگہ سے ہلا ہے۔

پس دوستوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ان پر کوئی شخص اس قسم کا سوال کرے تو اسے ہنس کر یہ جواب دیا کریں کہ میاں تم کون ہو پوچھنے والے یہ تو ایسی بات ہے جس کا گورنمنٹ کو بھی علم ہے۔ سارے منی آڈر اس کی معرفت آتے ہیں اور بینکوں پر اس کا تسلّط ہے۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں کوئی دھوکا لگ گیا ہے یا تم سے کسی افسر نے مذاق کیا ہے کہ احمدیوں کو امریکہ سے امداد ملتی ہے ورنہ اسے کیا ضرورت تھی کہ وہ یہ بات تمہارے ذریعہ دریافت کرتا۔ وہ تو بڑی آسانی سے ڈاک خانوں سے اس بات کے متعلق معلومات حاصل کر سکتا تھا یا بینکوں سے اس بات کا علم لے سکتا تھا۔ بھلا گورنمنٹ سے یہ باتیں چھُپ سکتی ہیں۔ ڈاک کا محکمہ گورنمنٹ کے ماتحت ہے اس لئے ڈاک خانوں کی معرفت جو روپیہ ملتا ہے گورنمنٹ کے افسران کو اس کا علم ہوتا ہے۔ ہاں بعض اوقات گورنمنٹیں مصلحتاً کہہ دیا کرتی ہیں کہ ہمیں فلاں بات کے متعلق پتہ نہیں۔ حالانکہ انہیں اس کا علم ہوتا ہے۔ پس ایسی باتیں بعض لوگ برسبیل تذکرہ کر دیا کرتے ہیں۔ اس لئے یہ خیال کر لینا کہ ایسی باتیں کرنے والا ضرور گورنمنٹ کا جاسوس ہے فضول بات ہے۔ اگر کوئی شخص اس قسم کی باتیں کرتا ہے تو مومن کو چاہیئے کہ بجائے اس کے وہ وہم کرے وہ گورنمنٹ کا آدمی ہے وہ خدا تعالیٰ سے استغفار کرے۔ ہاں اگر وہ مرکز کو خبر دے دیتا

ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ دراصل یہ باتیں ایسی ہیں کہ ان کے لئے گورنمنٹ کو سی۔آئی۔ڈی مقرر کرنے کی ضرورت نہیں اگر کسی کو کسی بیرونی مُلک کی معرفت روپیہ آتا ہے تو حکومت کو اس کا علم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ روپیہ اسی کے محکمہ کے ذریعہ آتا ہے پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اس وقت دُنیا کی سب سے زیادہ عقلمند قوم امریکہ ہے اور اس کا حکومتی مذہب عیسائیت ہے اب وہ کون پاگل حکومت ہوگی جو اپنے مذہب کے خلاف دوسروں کو روپیہ دے۔ ہم تو حکومتِ امریکہ کے مذہب عیسائیت کے خلاف لڑتے ہیں اور ان کے عقائد کو باطل قرار دیتے ہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام کو یہود نے کہا تمہیں "بعل" سکھاتا ہے۔ (بعل ایک بُت کا نام تھا جس سے یہودی لوگ عقیدت رکھتے تھے۔) تو مسیح علیہ السلام نے جواب دیا کہ اے نادانو! مَیں بعل کے خلاف تعلیم دیتا ہوں پھر وہ مجھے اپنے خلاف باتیں کیوں سکھاتا ہے کیا کوئی دوسرے کو اپنے مذہب کے خلاف باتیں سکھاتا ہے پھر تم میرے متعلق یہ خیال کیسے کر سکتے ہو کہ بعل مجھے سکھاتا ہے جب کہ مَیں اس کے خلاف تعلیم دیتا ہوں اب دیکھو یہ کتنی موٹی دلیل ہے۔ اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں مگر کیا امریکہ کی عقل ماری گئی ہے کہ وہ ہمیں روپیہ دے حالانکہ ہم اس کے مذہب کے خلاف تبلیغ کر رہے ہیں اور وہ دن دُور نہیں جب ہم اس کے مذہب کو توڑ کر رکھ دیں گے وہ دن دُور نہیں جب احمدیت کے ذریعہ امریکہ میں عیسائیت پاش پاش ہو جائے گی اور اسلام قائم ہو جائے گا۔ وہ دن دُور نہیں جب مسیح کو امریکہ کے تخت سے اتار دیا جائے گا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تخت پر بٹھا دیا جائے گا۔ جب وہ زمانہ آجائے گا حکومتِ امریکہ بے شک ہمیں امداد دے گی اور نہ صرف ہمیں حکومتِ امریکہ امداد دے گی بلکہ وہ ہمارے آگے ہاتھ جوڑے گی کہ خدا کے لئے ہم سے مدد لو اور ہمیں ثواب سے محروم نہ رکھو مگر آج وہ ہمیں مدد نہیں دے سکتی"۔[1]

مبلغینِ اسلام کے اعزاز میں ایک خصوصی تقریب

۲۳ر جنوری ۱۹۵۶ء کو وکالت تبشیر کی طرف سے ایک خصوصی تقریب منعقد کی گئی جس میں مبلغ فلسطین مکرم مولانا محمد شریف صاحب اور مبلغ انڈونیشیا مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۸ر فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۴۔

کو اُن کی مراجعت پر خوش آمدید کہا گیا اور مکرم سیّد کمال یوسف صاحب کو جو اعلائے کلمۃ الحق کے سلسلہ میں سکنڈے نیویا جا رہے تھے ، الوداعی ایڈریس پیش کیا گیا۔ اس تقریب میں دیگر بزرگانِ سلسلہ کے علاوہ حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی شرکت فرمائی۔ استقبال و الوداع کے مشترکہ ایڈریس کے بعد جو مکرم نائب وکیل التبشیر بشارت احمد بشیر صاحب نے پڑھا۔ حضور نے مبلغینِ اسلام کو نہایت قیمتی ہدایات سے نوازا۔ اس ضمن میں حضور نے قرآن مجید کے روسی اور فرانسیسی تراجم جلد شائع کرنے کی اہمیت پر زور دینے کے علاوہ یورپ کے نومسلموں کی صحیح معنوں میں تربیت کرنے اور ان میں قربانی کی رُوح اور خدمتِ دین کا جذبہ ابھارنے کی طرف توجہ دلائی نیز فرمایا کہ ہمارے مبلغین کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ بیرونی ممالک میں ان کے ذریعہ جو لوگ اسلام قبول کریں وہ محض نام کے ہی مسلمان نہ ہوں بلکہ وہ اسلام کا دَرد رکھنے والے اور جماعتی چندوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے والے ہوں۔ جب تک اُن میں بھی قربانی کی رُوح ترقی نہیں کرے گی اس وقت تک نہ خود ان کی اپنی زندگیوں میں حقیقی رُوحانی انقلاب رُونما ہو گا۔ اور نہ وہ تبلیغِ اسلام کو وسیع سے وسیع تر کرنے میں ممد ثابت ہوسکیں گے[1]

فصل دوم

کتب حضرت مسیح موعودؑ کے پڑھنے اور حضورؑ کے مقدس تبرکات کی حفاظت کے لئے تحریک

حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰ جنوری ۱۹۵۶ء کے ذریعہ پُرزور تحریک فرمائی کہ احمدیوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں بغور پڑھنی چاہئیں۔ نیز صدر انجمن احمدیہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ حضورؑ کے کپڑوں کو آئندہ

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱، ۸۔

نسلوں کیلئے محفوظ کرنے کا اہتمام کرے۔ اس کے علاوہ اس خیال کا بھی اظہار فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخی انگوٹھی جماعت کو دے دُوں۔ اس کے لئے حضورؓ نے یہ تجویز بھی فرمائی کہ "اس انگوٹھی کا کاغذ پر عکس لے لیا جائے اور اسے زیادہ تعداد میں چھپوالیا جائے پھر نگینہ والی انگوٹھیاں تیار کی جائیں۔ لیکن نگینہ لگانے سے پہلے گڑھے میں اس عکس کو دبا دیا جائے۔ اس طرح ان انگوٹھیوں کا حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی انگوٹھی سے براہِ راست تعلق ہو جائے گا۔ گویا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ نگ بھی ہوگا اور وہ عکس بھی نگ کے نیچے دبایا ہُوا ہوگا۔ پھر اس قسم کی انگوٹھیاں مختلف ممالک میں بھیج دی جائیں۔ مثلاً ایک انگوٹھی امریکہ میں رہے۔ ایک انگلینڈ میں رہے۔ ایک سوئٹزرلینڈ میں رہے۔ اسی طرح ایک ایک انگوٹھی دوسرے ممالک میں بھیج دی جائے تا اس طرح ہر مُلک میں حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا تبرک محفوظ رہے۔"[1]

حضرت مصلح موعودؓ کی قیمتی نصائح مُسلمان طلباء کو

۲۹ر جنوری ۱۹۵۶ء کو گورنمنٹ کالج لائل پور (فیصل آباد) کے بعض طلباء (مرکزِ احمدیت دیکھنے کے لئے) ربوہ میں آئے۔ طلباء نے مرکزی دفاتر، خلافت لائبریری اور تعلیمی ادارے بھی دیکھے اور حضرت مصلح موعودؓ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا۔ حضورؓ نے تمام طلباء کو شرفِ مصافحہ بخشا اور ان کی درخواست پر انہیں اپنے قیمتی نصائح سے بھی مستفید فرمایا۔ اس موقع پر حضورؓ نے جو تقریر فرمائی اس کا ایک اہم حصّہ درج ذیل ہے:۔

"اس زمانہ میں ایک مسلمان کے لئے سب سے بڑی نصیحت یہی ہوسکتی ہے کہ وہ دین کو دُنیا پر مقدّم کرے۔ اس وقت ہر شخص اپنے اپنے کام میں لگا ہُوا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے لائے ہوئے دین کی طرف بہت کم لوگوں کو توجہ ہے۔ سلسلہ احمدیہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ ع

ہر کسے در کارِ خود با دینِ احمد کار نیست

یعنی دنیا میں ہر شخص اپنے اپنے کام میں مصروف ہے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے لائے ہوئے دین

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۷ر فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔

کی طرف کسی کو توجہ نہیں۔ اس دُنیا میں دُنیا کی محبت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ دُنیا میں سوائے اس کے اور کوئی چیز ہی نظر نہیں آتی۔ اگر انسان کی طبیعت ترقی کی طرف مائل ہوتی ہے تو وہ صرف یہی سوچتا ہے کہ وہ کوئی نوکری کرلے، اپنی تجارت کو بڑھالے، یا زراعت میں ترقی کرلے، لیکن وہ کبھی نہیں سوچتا کہ وہ کوشش کرے کہ اس کے دل میں خدا تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ترقی کر جائے۔

اس وقت ہمارے مُلک میں محض رسم کے طور پر یہ جوش پیدا ہو چکا ہے کہ مُلک میں اسلامی حکومت قائم ہونی چاہئے۔ حالانکہ سب سے بڑا مُلک انسان کا اپنا قلب اور اس کا دماغ ہے۔ مگر ان میں اسلامی حکومت قائم نہیں کی جاتی۔ گویا باہر تو ہم اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر دل اور دماغ میں اسلامی حکومت قائم کرنے کی طرف ہماری توجہ نہیں۔ ہم یہ تو چاہتے ہیں کہ کراچی میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔ ہم یہ تو چاہتے ہیں کہ سابق پنجاب میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔ ہم یہ تو چاہتے ہیں کہ سابق سرحد میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔ ہم یہ تو چاہتے ہیں کہ سابق بلوچستان میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔ ہم یہ تو چاہتے ہیں کہ ایسٹ پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے دل و دماغ میں بھی کہ جس پر ہمارا اپنا قبضہ ہے۔ اسلامی حکومت قائم ہو کیونکہ اگر ہم یہ کہیں کہ ہمیں اپنے دل و دماغ میں اسلامی حکومت قائم کرنی چاہیئے۔ اور پھر باوجود اس کے کہ ایسا کرنا ہمارے امکان میں بھی ہے۔ ہم اس میں کامیاب نہ ہوں تو دوسرا شخص اعتراض کرے گا کہ اسے مُلک میں تو اسلامی حکومت قائم کرنے کا فکر ہے۔ لیکن ابھی تک یہ اپنے دل اور دماغ میں بھی اسلامی حکومت قائم نہیں کر سکا۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے اپنے دل و دماغ کو چھوڑ کر مُلک میں اسلامی حکومت کے قیام کا شور مچایا جا رہا ہے۔ اگر ہم باہر نکل کر دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ کوئی شخص تاجر ہے، کوئی زمیندار، کوئی صنعت کار ہے، کوئی پروفیسر ہے، کوئی طالب علم ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ" یعنی تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور جو شخص بھی اس کے تابع ہے اس کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا کہ آیا اُس نے اُسے اسلام کی تعلیم پر چلایا ہے یا نہیں؟ مثلاً باپ ہے۔ قیامت کے دن اس سے سوال کیا

جائے گا کہ آیا اُس نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو اسلام کی تعلیم پر چلایا ہے یا نہیں۔ خاوند ہے اس سے بیوی کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ افسر ہے اس سے ماتحتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ دوست ہے اس سے اس کے دوستوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں جوں جوں تعلیم کا رواج بڑھ رہا ہے دین کی طرف رغبت کم ہو رہی ہے۔ تعلیم کو رواج دینا تو ضروری امر تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس امر کو مسلمانوں پر واجب قرار دیا ہے مثلاً آپؐ نے فرمایا ہے کہ اگر تمہیں چین میں بھی علم سیکھنے کے لئے جانا پڑے تو جاؤ۔

اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کے لئے تعلیم کو اس قدر ضروری قرار دیا ہے تو ہمیں چاہیئے تھا کہ اس قدر ضروری چیز کو اس طرح ضبط میں لاتے کہ ہمارے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ دین کے بھی خادم ہوتے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ جب بچے ہوش سنبھالتے ہیں تو وہ فلمی گانے تو یاد کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر انہیں کہا جائے کہ قرآن کی کوئی سورۃ سناؤ تو وہ انہیں یاد نہیں ہوگی۔ مگر اس کے باوجود لوگ اسلامی حکومت کا قیام چاہتے ہیں۔ گویا وہ زور تو اس بات پر لگاتے ہیں کہ کسی طرح شیطانی حکومت کا قیام ہو۔ لیکن مُنہ سے اسلامی حکومت کے قیام کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ دُنیا میں جو کچھ کسی کے پاس ہوتا ہے۔ وہی دوسرے کو دیتا ہے۔ میرے پاس فلمی گانے تو ہیں نہیں۔ مَیں ایک مذہبی آدمی ہوں میرے پاس صرف قرآن اور حدیث ہے۔ اس لئے میری نصیحت یہی ہے کہ اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال کر قرآن کریم اور حدیث کے مطالعہ میں بھی صرف کرو۔ اگر میری اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے آپ روزانہ کچھ وقت قرآن کریم اور احادیث کے مطالعہ میں لگائیں گے اور اس کے احکام پر عمل کریں گے تو آپ لوگوں کے گھروں میں خود بخود اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ اور جب آپ لوگوں کے گھروں میں اسلامی حکومت کا قیام ہو جائے گا تو ملک میں اسلامی حکومت کے قیام کے لئے آپ کو زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ایک دفعہ مَیں کراچی گیا تو وہاں ایک موقع پر مجھ سے کہا گیا کہ مَیں اسلامی حکومت کے قیام کے متعلق اپنا نظریہ بیان کروں۔ اس وقت مَیں نے یہی کہا تھا کہ جب مَیں مسلمان ہوں تو مَیں اسلامی حکومت کیوں نہ مانگوں گا۔ اگر مَیں اسلامی حکومت نہ چاہتا تو ہجرت کر کے پاکستان کیوں آتا۔ میرا پاکستان میں آنا ہی بتاتا ہے کہ مَیں اسلامی حکومت کے قیام کا خواہش مند تھا۔ لیکن کیا اسلامی حکومت میرے بنانے سے بنتی ہے دُنیا میں ہم کوئی عمارت بناتے ہیں۔

تو اس کے کمرے آسمان سے گھڑے گھڑائے نہیں آجاتے بلکہ ہم اینٹیں لیتے ہیں۔ اور انہیں خاص طریق سے نیچے اُوپر رکھ دیتے ہیں۔ جس سے ایک شکل بن جاتی ہے۔ اور ہم کہتے ہیں یہ برآمدہ ہے۔ پھر ہم اینٹوں کو ایک اور طریق سے نیچے اُوپر رکھتے ہیں۔ جس سے ایک اور شکل بن جاتی ہے اور ہم کہتے ہیں یہ کمرہ ہے۔ اسی طرح ہم کونے پر ایک کمرہ بناتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ یہ بیٹھک ہے۔ ایک کمرہ بناتے ہیں اس میں کچھ طاقچے لگا دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ غسل خانہ ہے۔ پھر اگر ہم عمارت پر کچّی اینٹیں لگاتے ہیں تو مکان کچّا بنتا ہے۔ اگر پکّی اینٹیں لگاتے ہیں تو مکان پکّا بنتا ہے۔ حکومت بھی ایک عمارت ہے۔ جس کی اینٹیں افراد ہیں۔ حکومت کی عمارت افراد کے ساتھ ہی بنتی ہے۔ کیا تم نے کبھی جنگلوں اور صحراؤں میں بھی کوئی حکومت دیکھی ہے۔ حکومت شہروں میں ہوتی ہے۔ اس لئے حکومت نام ہے مجموعہ افراد کا۔ جب افراد مل جُل کر کام کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں یہاں حکومت قائم ہے۔ اور اگر تمام افراد مسلمان ہوں تو ان سے بنی ہوئی حکومت غیر مُسلم کیسے ہو سکتی ہے۔ مسلمان افراد سے جو حکومت بنے گی کوئی اسے غیر مسلم بنانے کے لئے کتنا زور لگائے کہ اس عمارت کو کچّی عمارت ثابت کرے وہ پکّی عمارت ہی کہلائے گی۔ اسی طرح کچّی اینٹوں سے جو عمارت بنے گی کوئی کتنا زور لگائے کہ اسے پکّی عمارت ثابت کرے وہ کچّی عمارت ہی کہلائے گی۔ اسی طرح اگر افراد مسلمان ہوں گے تو ان سے جو حکومت بنے گی چاہے اس کا نام کچھ رکھ لو وہ بہرحال اسلامی حکومت ہی ہوگی۔ جب حکومت کے بنانے والے لا الہ الاّ اللہ کہنے والے ہوں گے تو وہ حکومت غیر اسلامی کس طرح ہو سکتی ہے۔ پس اسلامی حکومت کا قائم کرنا ہمارے اپنے اختیار میں ہے۔ اسلامی حکومت کسی اور کے بنانے سے نہیں بنتی۔ اگر ہم خود مسلمان بن جائیں گے تو حکومت بھی اسلامی بن جائے گی۔ ہندوستان میں دیکھ لو وہ مونہہ سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے غیر دینی حکومت بنائی ہے۔ لیکن ہے وہ ہندو حکومت۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ اگر ان کے کہنے کے مطابق واقعی لادینی حکومت ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہندوستان کے کسی حصّہ میں جب بھی مارے جاتے ہیں تو مسلمان ہی مارے جاتے ہیں۔ کیا تم نے کبھی پڑھا ہے کہ بہار اور بنگال میں فسادات ہوئے اور اتنے ہندو اور سکھ مارے گئے۔ تم جب بھی پڑھو گے کہ ہندوستان میں فلاں جگہ فسادات کے نتیجہ میں کچھ لوگ مارے گئے۔ تو وہ لازماً مسلمان ہی ہوں گے۔ غرض چاہے وہ اُسے لادینی حکومت ہی کہیں لیکن چونکہ وہاں ہندوؤں کی کثرت ہے۔ اس لئے

ان کی وجہ سے جو حکومت بنی ہے وہ ہندو حکومت ہی ہے۔ اسی طرح اگر ہم بھی حقیقی مسلمان بن جائیں تو چونکہ یہاں ہماری اکثریت ہے۔ اس لئے چاہے کوئی کتنا زور لگالے یہاں اسلامی حکومت ہی بنے گی۔ پس اگر سب افراد صحیح معنوں میں مسلمان ہوں تو ان سے بنی ہوئی حکومت بہرحال اسلامی ہوگی چاہے اس کا کوئی نام رکھ لیا جائے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اسلامی کہلانے سے ہندو چڑتے ہیں۔ حالانکہ چاہے وہ اپنی حکومت کو لادینی کہتے ہیں۔ لیکن ہے وہ بھی دینی۔ اگر وہ لادینی حکومت ہوتی تو جیسا کہ میں نے بتایا ہے، ہر دفعہ فسادات میں مسلمان ہی کیوں مارے جاتے؟ کبھی نہ کبھی یہ خبر بھی آتی کہ فلاں جگہ اتنے ہندو مارے گئے ہیں۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔ لیکن وہ کہتے یہی ہیں کہ ہماری حکومت لادینی ہے۔ لیکن چونکہ وہاں ہندوؤں کی اکثریت پائی جاتی ہے۔ اس لئے اس اکثریت کی وجہ سے ملک میں جو حکومت قائم ہوئی ہے وہ ہندو حکومت ہی ہے۔ اس لئے جو ابتلا بھی آتا ہے مسلمان پر ہی آتا ہے۔

بہرحال اسلامی حکومت کے قیام کا اصل طریق یہ ہے کہ پاکستانی مسلمان دل سے مسلمان ہو جائیں۔ اس کے نتیجہ میں جو حکومت قائم ہوگی اسے آپ کوئی نام دے دیں وہ یقیناً اسلامی حکومت ہوگی کیونکہ اس کے بنانے والے مسلمان ہوں گے۔ اور مسلمان جس حکومت کو بنائیں گے وہ کسی صورت میں غیر اسلامی نہیں ہو سکتی۔[۱]

ایک بہائی بیرسٹر کا بے بنیاد پراپیگنڈا اور حضرت مصلح موعودؓ کا حقیقت افروز جواب

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں کراچی سے ایک دوست نے رپورٹ بھجوائی کہ یہاں بہائیوں کا ایک جلسہ ہوا ہے جس میں ایک بہائی بیرسٹر نے چودھری محمد علی صاحب وزیراعظم پاکستان سے اپنی ایک ملاقات کا ذکر کیا اور کہا کہ میں نے ان سے کہا کہ آپ نے جو کانسٹی ٹیوشن[۲] CONSTITUTION بنائی وہ اسلامی نہیں کیونکہ اسلام تو فیل ہو چکا ہے۔ ہاں آپ نے بہائی تعلیم کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ اس پر چودھری محمد علی صاحب نے کہا کہ

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۳، ۴ مسلمان طلباء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی قیمتی نصائح۔ فرمودہ ۲۹ جنوری ۱۹۵۶ء۔ [۲] آئین۔

ہم نے تو اسلامی دستور بنانے کی کوشش کی تھی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہم اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۰ر فروری ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں اس واقعہ کا ذکر فرمایا اور نہایت پُرشوکت انداز میں بہائی پروپیگنڈا کی تردید کی اور ثابت کیا کہ قرآن مجید کبھی فیل نہیں ہو سکتا اور بہائیوں کو چیلنج کیا کہ وہ چند ایسے احکام پیش کر دکھائیں جو ناقابلِ عمل ہوں۔ اور بہائیت کی کوئی مفید اور اعلیٰ تعلیم بتائیں جو پہلے سے کمال جامعیت کے ساتھ قرآنِ مجید میں موجود نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا:۔

"چونکہ مَیں چوہدری محمد علی صاحب وزیر اعظم پاکستان کو بچپن سے جانتا ہوں اور ان کے کیرکٹر سے پوری طرح واقف ہوں اس لئے مَیں یہ اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جہاں تک قرآن کریم اور اسلام کا سوال ہے وہ ایک نہایت پُرجوش اور اخلاص رکھنے والے شخص ہیں۔ اس لئے مَیں ان کے متعلق یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں کہ قرآن کریم فیل ہو چکا ہے۔ اس لئے ہمیں اسلامی دستور بنانے کے سلسلے میں اس سے راہ نمائی حاصل نہیں ہوئی اور ہم نے بہائیت کی تعلیم کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ اگر کوئی ان کے متعلق یہ بات کہتا ہے۔ تو مَیں اس سے کہوں گا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ قرآنِ کریم کہتا ہے کہ اگر تم سے کوئی شخص کسی کے ذاتی کیرکٹر کے خلاف کوئی بات کہے تو تم اس کا فوراً انکار کر دو۔ اور یہ بات چونکہ چوہدری محمد علی صاحب کے کیرکٹر کے خلاف ہے اس لئے مَیں کہوں گا کہ یہ بالکل جھوٹ ہے جہاں تک قرآن کریم کے فیل ہو جانے کا سوال ہے۔ اگر قرآن کریم فیل ہو گیا ہوتا تو پاکستانی لیڈر اسلامی دستور بنانے کی کیوں کوشش کرتے۔ ہاں جواب کا آخری حصّہ ایسا ہے کہ اس کے متعلق خیال کیا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے چوہدری محمد علی صاحب نے بات ٹالنے کے لئے کہہ دیا ہو کہ ہم جس حد تک کام کر سکے ہیں اسے قوم کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ ہم کیا کر سکتے تھے۔ پھر یہ کہنا بھی بالکل غلط ہے کہ اسلامی دستور کا جو خاکہ پیش کیا گیا ہے وہ بہائیت کی تعلیم کا نچوڑ ہے۔ بہائیت کی ایک تعلیم یہ ہے کہ ساری دُنیا کی ایک زبان ہونی چاہیئے مگر عجیب بات یہ ہے کہ بہاء اللہ کے دعویٰ سے پہلے ایک زبان جاری کرنے کی تحریک پیدا ہو چکی تھی۔ اور اس وقت اسپرانٹو SPRANTO زبان بنائی گئی تھی جس کے متعلق تجویز کیا گیا تھا کہ اسے ہر ملک میں پھیلایا جائے۔ بہاء اللہ نے اس تحریک سے متأثر ہو کر اپنی کتابوں میں یہ لکھ دیا ہے کہ ساری دُنیا میں ایک ہی زبان ہونی چاہیئے

اور بہائی اس پر بڑا فخر کرتے ہیں کہ دیکھو بہاء اللہ نے ساری دُنیا میں ایک زبان جاری کرنے کی تحریک کی تھی۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ ایک زبان کے رواج کا خیال بہاء اللہ سے پہلے ہی موجود تھا۔ اور اسی خیال سے متاثر ہو کر بہاء اللہ نے اپنی کتابوں میں شامل کر لیا۔ مگر اَب پاکستان کے دستور کو دیکھو تو اس میں بنگالی اور اردو دونوں کو سرکاری زبانیں قرار دے دیا گیا ہے۔ پھر یہ بہائیت کا نچوڑ کیسے ہوگیا۔ بہائیت تو یہ کہتی ہے کہ ساری دُنیا میں ایک ہی زبان ہونی چاہیئے اور یہاں صرف پاکستان کے مُلک میں دو سرکاری زبانیں قرار دے دی گئی ہیں۔ اَب جس دستور میں دو زبانیں سرکاری قرار دے دی گئی ہوں وہ بہائیت کی تعلیم کا نچوڑ کیسے ہُوا۔ اس طرح اور بہت سی باتیں ہیں جو بہائیت کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ پس اسلام فیل کہاں ہُوا۔ ہم تو بہائیوں سے آج تک یہ پوچھتے رہے ہیں کہ وہ بتائیں اسلام کہاں فیل ہُوا ہے۔ مگر وہ اَب تک اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے ۱۹۲۴ء میں جب مَیں انگلستان گیا تو وہاں میرے پاس ایک امریکن بنکر آیا جو بہائی تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی کے علاوہ دو عورتیں اور بھی تھیں۔ جن میں ایک انگریز تھی۔ اور دوسری ایرانی۔ انگریز بہائی عورت بہت متعصّب تھی۔ اس نے مجھے کہا کہ آپ بہائی کیوں نہیں ہو جاتے۔ مَیں نے اسے جواب دیا کہ جب کوئی انسان کسی خاص منزل پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے لئے اس منزل سے آگے جانے کے لئے کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔ مَیں نے قرآن کریم کا بغور مطالعہ کیا ہے اور مَیں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ سچّا ہے اور جب مجھ پر یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ قرآن کریم سچّا ہے اور قیامت تک اس کی تعلیم جاری رہے گی تو مجھے اسے چھوڑ کر کسی اور طرف جانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ کہنے لگی جب پہلی تمام تعلیمیں بدل چکی ہیں تو قرآن کریم کیوں نہیں بدل سکتا۔ مَیں نے اسے کہا کہ محض اس خیال سے کہ پہلی تمام تعلیمیں بدل چکی ہیں، قرآن کریم کے متعلق بھی یہ بات مان لینا کہ وہ بدل سکتا ہے درست نہیں۔ ہمیں حقیقت پر بحث کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد اگر ہم کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں تو اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ آپ اسلام کی پندرہ بیس باتیں مجھے ایسی بتا دیں جن پر اَب عمل کرنا ناممکن ہو یا بہائیت کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم میں سے پندرہ بیس باتیں ایسی پیش کریں جو قرآن کریم میں موجود نہ ہوں۔ اگر آپ ایسا کریں تو مَیں بہائیت کی تعلیم کو مان لُوں گا۔ ورنہ اسے چھوڑ کر کسی اور تعلیم کے ماننے کی ضرورت ہی کیا ہے وہ کہنے لگی بہائیت کہتی ہے جھوٹ نہ بولو۔ مَیں نے کہا دُنیا کا کون سا مذہب ہے جو کہتا

ہے جھوٹ بولو. ہر مذہب یہی کہتا ہے کہ سچ بولو اور یہی قرآنِ کریم نے کہا ہے. پھر اس نے کہا بہاء اللہ نے کہا ہے کہ عورتوں کے لئے تعلیم ضروری ہے. مَیں نے کہا یہ تعلیم بھی قرآن کریم میں موجود ہے مثلاً قرآن کریم کہتا ہے کہ عورتیں بھی جنت میں جائیں گی اور جنت میں وہ اس وقت جا سکتی ہیں جب وہ نمازیں پڑھیں گی، روزے رکھیں گی، زکوٰۃ دیں گی، حج کریں گی اور یہ کام بغیر تعلیم کے کیسے ہو سکتے ہیں. اگر انہیں یہ پتہ ہی نہیں ہوگا کہ قرآن کریم کیا کہتا ہے. عبادات کیا ہیں. اخلاقِ فاضلہ کیا ہیں تو وہ جنّت میں کیسے جائیں گی. اور یہ تمام باتیں تعلیم کے ساتھ وابستہ ہیں. اس پر اس عورت نے کہا دیکھئے بہائیت کہتی ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں نہیں کرنی چاہئیں. لیکن قرآن کریم تعدد ازدواج کی تعلیم دیتا ہے جو بہت بڑا ظلم ہے. مَیں نے کہا کہ یہ بحث کہ ایک بیوی پر کفایت کرنا بہتر ہے یا ضرورت کے وقت ایک سے زیادہ بیویاں کرنا مناسب ہے بہت لمبی ہے. میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر ایک سے زیادہ شادیاں کرنا ظلم ہے تو خود بہاء اللہ نے ایک سے زائد بیویاں کیوں رکھیں. اس عورت نے کہا کہ قرآنِ کریم تو چار بیویوں کی اجازت دیتا ہے. میں نے کہا اصل اعتراض ایک سے زائد بیویاں کرنے پر ہے. تین یا چار بیویاں کرنے پر نہیں. اگر اصل اعتراض ایک سے زائد بیویاں کرنے پر ہے تو جس طرح یہ اعتراض چار بیویوں پر وارد ہوتا ہے اسی طرح دو اور تین پر بھی وارد ہوتا ہے. اس پر اس انگریز عورت نے ایرانی عورت سے دریافت کیا کہ بہاء اللہ کی کتب میں اس کے متعلق کیا لکھا ہے؟. پہلے تو اُس نے حقیقت بیان کرنے سے گریز کیا لیکن بعد میں اصرار کرنے پر بتایا کہ یہ درست ہے کہ بہاء اللہ کی ایک سے زائد بیویاں تھیں مگر ساتھ ہی کہنے لگی کہ بہاء اللہ نے کہا تھا کہ میری تعلیم کی تشریح عباس کرے گا وہی درست ہوگی. اور عباس نے یہی کہا ہے کہ مَرد ایک سے زائد بیویاں نہ کرے. مَیں نے کہا جب بہاء اللہ نے عملی طور پر تعدد ازدواج کو تسلیم کیا ہے. اور اس نے خود ایک سے زیادہ بیویاں کی ہیں تو اَب کون شخص یہ بات مان سکتا ہے کہ بہائیت کی تعلیم یہ ہے کہ مَرد ایک سے زیادہ بیویاں نہ کرے آخر وہ کہنے لگی اصل بات یہ ہے کہ اس نے دوسری شادی دعویٰ سے پہلے کی تھی. دعویٰ کے بعد اس نے کوئی شادی نہیں کی. مَیں نے کہا بہائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ امام کو بچپن سے ہی غیب کا علم حاصل ہوتا ہے اس عقیدہ کے ماتحت جب بہاء اللہ کو بچپن ہی سے پتہ تھا کہ تعدد ازدواج ناجائز ہو جائے گا تو اس نے ایک سے زائد بیویاں کیوں کیں. اس پر وہ پھر گھبرا گئی اور مختلف بہانے

بنا کر اس نے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی لیکن جب مَیں نے مجبور کیا تو اُس نے کہا دعویٰ کے بعد بہاء اللہ نے اپنی ایک بیوی کو بہن قرار دے دیا تھا۔ مَیں نے کہا کہ جب اسے بچپن سے غیب کا علم تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ چیز ناجائز ہونے والی ہے تو اُس نے یہ کھیل کھیلا کیوں۔ آخر اس تماشا کی ضرورت کیا تھی۔ پھر تمہارا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اس نے اپنی ایک بیوی کو بہن قرار دے دیا تھا کیونکہ اگر اس نے اپنی ایک بیوی کو بہن قرار دے دیا تھا تو اس بہن کے ہاں بہاء اللہ سے اولاد کیوں ہوئی۔ محمد علی جو بہاء اللہ کا دوسرا نائب تھا، اس کی دوسری بیوی ہی سے تھا۔ مَیں نے کہا تم محمد علی ہی سے پوچھ لو کیا وہ دوسری بیوی سے نہیں۔ اس وقت وہ زندہ تھا۔ اور مَیں نے اس عورت کو بتایا تھا کہ مَیں انگلستان آتا ہؤا اسے مل کر آیا ہوں۔ اس پر اس عورت نے کہا ہاں آپ کی بات درست ہے کہ محمد علی دوسری بیوی سے ہی پیدا ہؤا تھا۔ اور دعویٰ کے بعد پیدا ہؤا تھا لیکن پھر بھی یہ بات قابلِ اعتراض نہیں کیونکہ وہ دُوسری بیوی سے شادی دعویٰ سے قبل کر چکے تھے۔ مَیں نے کہا اگر دعویٰ کے بعد بھی اس کے ہاں اولاد ہوئی ہے تو وہ بہن تو نہ ہوئی۔ امریکن عورت زیادہ معقول تھی میری اس گفتگو پر وہ کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی کہ اگر یہ بات ہے تو پھر مَیں مسلمان ہوں۔ بہائی نہیں ہوں۔ غرض قرآن کریم کے متعلق یہ کہنا کہ وہ فیل ہوگیا ہے ایک بالکل جھوٹا دعویٰ ہے۔ ان کا یہ دعویٰ تب سچا سمجھا جاسکتا تھا جب بہائی لوگ اس میں سے پندرہ بیس باتیں ایسی نکال کر پیش کرتے جن پر عمل نہ ہو سکتا یا بہائیت کی تعلیم میں سے پندرہ بیس باتیں ایسی دکھاتے جو قرآن کریم میں موجود نہ ہوتیں۔ اور اس کی تعلیم سے بہتر ہوتیں۔ یا بہاء اللہ کے دعویٰ کے بعد کوئی حکومت ایسی قائم ہوتی جو بہائیت کی تعلیم پر عمل کرتی مگر حالت یہ ہے کہ جس قرآن کے متعلق بہائی لوگ کہتے ہیں کہ وہ فیل ہو چکا ہے اس کی تعلیم پر عمل کرنے والوں کو تو چند سال کے بعد ہی حکومت مل گئی تھی اور پھر انہوں نے سینکڑوں سال تک دنیا پر حکمرانی کی اور بہائیوں کو ابھی تک اتنی توفیق بھی نہیں ملی کہ وہ اپنا بیت العدل ہی بنا سکیں۔ جس طرح ہمارے ہاں بیت المال ہے۔ بہائیوں کے ہاں بیت العدل ہوتا ہے۔ انہوں نے مقامی طور پر تو بیت العدل بنایا ہے لیکن وہ ابھی تک عالمی بیت العدل کا قیام عمل میں نہیں لا سکے اور اب وہ علی الاعلان اس بات کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ ان کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ ابھی تک عالمی بیت العدل نہیں بنا سکے۔ پھر قرآن کریم کہاں فیل ہؤا۔ قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرنے والوں

نے نہ تو صرف ماضی میں سینکڑوں سال تک حکومت کی ہے بلکہ اب بھی پاکستان نے اسلامی دستور مرتب کرلیا ہے۔ پس قرآن کریم نہ فیل ہوا ہے نہ آئندہ کبھی فیل ہو گا۔ بلکہ یہ قیامت تک فیل نہیں ہوگا۔ زمین بدل سکتی ہے آسمان بدل سکتا ہے۔ ایک قوم کی جگہ دوسری قوم آسکتی ہے۔ ایک حکومت مٹے تو اس کی جگہ دوسری حکومت آسکتی ہے۔ زبانیں مٹ سکتی ہیں لیکن قرآن کریم کبھی فیل نہیں ہو سکتا۔ یہ خدا تعالیٰ کا نازل کردہ قانون ہے جو ہمیشہ قائم رہے گا اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ فیل ہوگیا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے اور ہم اب بھی اسے چیلنج کرتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کے چند ایسے احکام پیش کرے جو ناقابلِ عمل ہوں یا وہ کچھ باتیں ایسی پیش کرے جو نہایت مفید اور اعلیٰ درجہ کی تعلیمات پر مشتمل ہوں اور بہائیت میں ہوں، قرآن کریم میں نہ ہوں۔"[1]

حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام جماعت احمدیہ ڈیرہ غازیخان کے نام

جماعت احمدیہ ضلع ڈیرہ غازیخان کا سالانہ جلسہ ۱۶-۱۷-۱۸ر فروری ۱۹۵۶ء کو منعقد ہوا۔ اس موقع پر سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا حسبِ ذیل رُوح پرور پیغام مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر امیر جماعت نے افتتاحی اجلاس میں بھی پڑھ کر سنایا اور جلسے کے دوسرے ایام میں بھی ہر روز یہ مبارک پیغام تقاریر شروع ہونے سے قبل پڑھا جاتا رہا۔ یہ پیغام حضور انور نے فیض محمد خانصاحب گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازیخان کی درخواست پر رقم فرمایا تھا۔ جس نے سامعین کے قلب و دماغ پر نہایت گہرا اثر ڈالا اور ان کے اندر اخلاص اور ایمان کی ایک نئی رُوح پھونکنے کا موجب بنا:-

"ایک طالب علم نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں ڈیرہ غازیخان کے جلسہ کے لئے کوئی پیغام بھیجوں۔ کیونکہ اس نیک خواہش کو ٹھکرانا تقویٰ کے خلاف ہے۔ میں مندرجہ ذیل پیغام اس جلسہ کے لئے بھجواتا ہوں۔"

"اے حاضرینِ جلسہ! سب سے پہلے تو میں آپ کو وہ پیغام پہنچاتا ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم کے ساتھ پہنچایا اور ہمیں پہنچانے کا حکم

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۶ر فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۴، ۵۔

دیا یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ اللہ تعالیٰ کی سلامتیاں آپ پر نازل ہوں اور اس کی رحمتوں اور برکتوں کی آپ پر بارش ہو۔ آپ لوگ ڈیرہ غازیخان کے رہنے والے ہیں یعنی ایسے شہر کے جس کے رہنے والا غازی بھی ہے اور خان بھی۔ یعنی ایک طرف تو بڑا بہادر بھی ہے اور دوسری طرف اس کی بہادری اس کے اپنے نفس کے لئے خرچ نہیں ہوتی۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے لئے خرچ ہوتی ہے اور وہ غازی ہے۔ سو سب سے بہترین پیغام وہی ہے جو آپ کا ضلع یا آپ کا شہر دے رہا ہے۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ میں سے ہر شخص خان بھی بنے اور غازی بھی بنے مگر دنیوی غازی نہ بنے۔ لٹھ لے کر اپنے ہمسایوں کے گرد نہ پھرتا رہے۔ بلکہ قرآنی حکم کے مطابق کہ جَاھِدْھُمْ بِہٖ جِھَادًا کَبِیْرًا (الفرقان: ۵۳) قرآن کے ذریعہ ساری دُنیا سے عمل کروائے تاکہ آپ کا ضلع سچے معنوں میں ڈیرہ غازیخان ہو جائے آمین[۱]"

طلباء تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ سے حضرت مصلح موعود کا خطاب

۱۸ ؍ فروری ۱۹۵۶ء کو تعلیم الاسلام ہائی سکول میں طلباء جماعت دہم کے لئے ایک الوداعی دعوتِ عصرانہ کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس تقریب میں حضرت مصلح موعودؓ نے بھی شرکت فرمائی اور طلباء اور اساتذہ کو اپنی زرّیں ہدایات سے بھی نوازا۔ چنانچہ فرمایا:۔

"اگر ہمارے تعلیمی اداروں میں درسِ تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف دستکاریوں کے سکھانے کا بھی انتظام ہو تو اس سے یقیناً یہ رجحان ترقی کر سکتا ہے۔ مثلاً ہمارے اس اسکول میں لوہارا ترکھانا کام سکھایا جائے تو ہمارے بہت سے بچے سکول سے فارغ ہو کر ان لائنوں میں ترقی کر سکیں گے۔ اسی طرح اگر ایک زمیندارہ کلاس اس میں ہو جس میں بتایا جائے کہ کون سے وقت کونسی فصل اچھی ہوتی ہے۔ مختلف فصلوں کے ہل چلانے اور پانی دینے کا کیا طریق ہے

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ ۲ ؍ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۔

اچھا بیج استعمال کرنے اور مناسب موقع پر کھاد دینے سے پیداوار میں کتنا اضافہ ہو جاتا ہے اس طرح کی ابتدائی باتیں اگر زمیندار بچوں کو سکول میں ہی بتا دی جائیں تو اس سے یقیناً وہ بڑے ہو کر بہت فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور جماعت کے زمینداروں کی پیداوار کہیں سے کہیں پہنچ سکتی ہے۔

زرعی ترقی کی اہمیت

حضورؓ نے یورپ کے مختلف ممالک کی فی ایکڑ پیداوار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہمارے احمدی زمیندار محنت سے کام کریں اور زرعی ترقی کے لئے نئے نئے تجربات سے فائدہ اُٹھائیں تو ان کی آمدنیاں کئی گُنا بڑھ سکتی ہیں اور اگر وہ اپنی پیداوار کا معیار یورپ کی کم سے کم پیداوار تک بھی لے جائیں تو جماعت کا چندہ بآسانی ساڑھے تین کروڑ تک پہنچ سکتا ہے اور ہم ایک اسکول چھوڑ کئی مزید اسکول اور کالج قائم کر سکتے ہیں۔

حضور نے فرمایا ہماری جماعت کے کام دو حصّوں میں منقسم ہیں۔ ایک کام ہے اپنی آمدنیوں کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا۔ یہ کام ہماری ذاتی ہمّت اور سعی سے تعلق رکھتا ہے اور موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ جماعت نے پوری ہمّت سے یہ کام نہیں کیا اور اس میں ترقی کی ابھی کافی گنجائش ہے دوسرا کام ہے دین کی خدمت کے لئے چندہ دینا۔ یہ کام دل سے تعلّق رکھتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور اس کام میں اللہ تعالےٰ نے ہمیں نمایاں کامیابی عطا فرمائی ہے۔ پس جو کام ہمارے اختیار میں تھا اس کے کرنے میں ہم نے کوتاہی کی ہے لیکن جو کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں تھا وہ اُس نے کر دیا ہے اور ایسے رنگ میں کر دیا ہے کہ دنیا ہماری جماعت کی مالی قربانی کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ ہمارے پاکستان کے احمدی جس طرح پیٹ کاٹ کاٹ کر دین کے لئے چندہ دیتے ہیں اس کی فی الواقع کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ حالانکہ یورپ کے مقابلے میں ان کی آمدنیاں بہت محدود ہیں۔ اگر پاکستان کا معیارِ زندگی بھی یورپ اور امریکہ جتنا بلند ہو اور پاکستانی احمدی اپنی موجودہ شرح کے مطابق ہی چندہ دیں۔ تو بھی ہمارا چندہ اللہ تعالےٰ کے فضل سے پورے پاکستان کی موجودہ سالانہ آمدنی کے لگ بھگ پہنچ سکتا ہے اور ہم تعلیمی اور رفاہی کاموں میں بیسیوں گُنا زیادہ حصّہ لے سکتے ہیں۔

حضور نے فرمایا ہمارے نوجوانوں میں بی اے۔ ایم اے کرنے کا بہت شوق ہے وہ خواہ فیل ہی ہوتے رہیں پھر بھی کالج میں جانے کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں ٹیکنیکل لائنوں کی طرف جانے کو پسند نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ ان لائنوں میں ملازمتوں کی نسبت ترقی کرنے اور روپیہ کمانے کے بہت زیادہ امکانات ہیں۔ حضور نے کئی ایک مثالیں دیتے ہوئے واضح فرمایا کہ کس طرح بعض دستکاروں نے نہایت معمولی اور محدود پیمانے پر کام شروع کیا اور پھر ترقی کرتے ہوئے کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔

حضور نے فرمایا پس دو باتیں ایسی ہیں جنہیں اگر ہمارے سکولوں میں رائج کیا جائے تو ہماری آئندہ نسلوں میں ملازمتوں کی طرف جانے اور دستکاریوں سے نفرت کا رحجان بدلا جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ دستکاری کا کوئی کام ضرور سکھایا جائے مثلاً لوہار کا کام ہے یا زمیندارہ کا کام ہے۔ جس کے لئے سکول سے ملحق ایک چھوٹا سا قطعہ زرعی فارم کے طور پر مخصوص کیا جاسکتا ہے جس میں عملی طور پر زراعتی ترقی کی ابتدائی باتیں سکھائی جائینگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسکول کے ہر بچے کو کمپونڈری کا کچھ کام سکھایا جائے۔ اس کے لئے اگر ہفتے میں صرف دو گھنٹے بھی مخصوص کر دیئے جائیں تو بھی بچے اپنی تعلیم میں حرج کئے بغیر معمولی علاج معالجہ کرنے پر قادر ہو جائیں گے اور یہ چیز ایسی ہے کہ جس کی از حد ضرورت ہے۔ ملک میں ڈاکٹروں کی بہت کمی ہے اس لئے کمپونڈری کا کام کرنے والے ملک کی بڑی خدمت کر سکتے ہیں۔ اور ہزاروں بلکہ لاکھوں کما سکتے ہیں۔ اور عملاً کما بھی رہے ہیں۔ پس میرے نزدیک یہ دو باتیں ایسی ہیں جو اگر ہمارے سکولوں میں رائج ہو جائیں تو ان سے موجودہ ذہنیت کو بدلا جا سکتا ہے۔ اور نوجوانوں کے قلوب میں مختلف ہنروں اور پیشوں کو سیکھنے کا شوق اور ولولہ پیدا کیا جاسکتا ہے جس کی بدولت عملی زندگی میں ان کے لئے آمدنی پیدا کرنے اور معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے لئے نئے نئے راستے کھلیں گے اور اس طرح جماعت کی مالی حالت بھی زیادہ مستحکم ہو سکے گی اور جماعت اسلام کی ترقی اور دین کی خدمت کے سلسلے میں اپنی سعی کو تیز سے تیز تر کر سکے گی۔[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۳ر فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۴۔

فضلِ عمر ہسپتال اور دفتر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا سنگِ بنیاد

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۰؍ فروری ۱۹۵۶ء کو یومِ مصلح موعود کی مبارک تقریب کے موقع پر فضلِ عمر ہسپتال اور دفتر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا سنگِ بنیاد اپنے دستِ مبارک سے رکھا۔ حضور انور نمازِ عصر کے بعد ۴½ بجے کے قریب ہسپتال کی مجوّزہ عمارت کے مقام پر بذریعہ کار تشریف لے گئے۔ صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منوّر احمد صاحب اور عملہ ہسپتال کے دیگر ارکان نے استقبال کیا۔ حضورؓ نے تین اینٹیں بنیاد میں رکھیں۔ درمیانی اینٹ جو قادیان دارالامان سے آئی تھی۔ سب سے پہلے اُسی کو حضورؓ نے بنیاد میں رکھا۔ جونہی حضورؓ نے یہ پہلی مبارک اینٹ سنگِ بنیاد کے طور پر رکھی، ایک بکرا بطور صدقہ ذبح کیا گیا۔ جس کے بعد حضورؓ نے ایک پُرسوز اجتماعی دُعا کرائی۔ بعد ازاں حضورؓ اُس جگہ تشریف لے گئے جو مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے صدر دفتر کی تعمیر کے لئے مخصوص کی گئی تھی۔ یہاں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ نائب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ۔ خالدِ احمدیت مولانا ابو العطاء صاحب قائد عمومی اور مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب قائد مال نے حضور کا استقبال کیا۔ موٹر کار سے اُترنے کے بعد حضور نائب صدر اور قائد عمومی کے ہمراہ اُس جگہ تشریف لائے جہاں سنگِ بنیاد رکھنا مقصود تھا۔ حضور نے اپنے دستِ مبارک سے پانچ اینٹیں رکھیں اور پھر ایک کرسی پر رونق افروز ہوگئے۔ تاکہ وہ تمام احباب بھی پہنچ جائیں جو فضلِ عمر ہسپتال کا سنگِ بنیاد رکھنے کی تقریب میں شریک ہوئے تھے۔ یہ مخلصین اگرچہ اس دُوسری تقریب میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے دیوانہ وار دوڑے چلے آرہے تھے۔ تاہم حضور نے اجتماعی دُعا کرانے سے پہلے کچھ دیر انتظار فرمایا۔ اس دوران میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے دفتر کا نقشہ حضور انور کی خدمت میں پیش کیا۔ حضورؓ نے نقشہ ملاحظہ فرمایا اور ضروری ہدایات دینے کے بعد دوبارہ سنگِ بنیاد کی جگہ پر تشریف لائے اور پُرسوز اجتماعی دُعا کرائی۔

ان ہر دو مبارک تقاریب میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، ربوہ میں مقیم اصحاب حضرت مسیح موعودؑ، صدر انجمن احمدیہ کے ناظر صاحبان، تحریک جدید کے وکلاء حضرات اور اہلِ ربوہ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۳؍ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱، ۵۔

دفتر انصار اللہ مرکزیہ کی عمارت کی تکمیل

ان افتتاحی تقاریب کے چند روز بعد حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نائب صدر انصار اللہ مرکزیہ نے روزنامہ الفضل ۲ مارچ ۱۹۵۶ء کے پرچہ میں دفتر مرکزیہ انصار اللہ مرکزیہ کی تکمیل کے لئے مخلصین جماعت کو پُرزور تحریک فرمائی کہ لاکھوں کی جماعت میں سے ہمیں صرف دو سو ایسے مخیّر دوستوں کی ضرورت ہے جو ایک ایک سو روپیہ بطور عطیہ دینے کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ آپ نے تحریر فرمایا کہ :-

"مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے دفتر کا سنگِ بنیاد ۲۰ فروری کو یوم مصلح موعود کی مبارک تقریب پر سیّدنا حضرت مصلح موعود کے مقدس ہاتھوں سے ربوہ کی سرزمین میں رکھ دیا گیا۔ یہ پہلا مبارک قدم ہے جو انصار اللہ کے سرگرم اراکین نے اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی نصرت و تائید پر کامل یقین رکھتے ہوئے اس کے حضور عاجزانہ دعاؤں اور التجاؤں کے ساتھ اٹھایا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ انصار اللہ جو اپنے عزائم کی پختگی اور اپنے ارادوں کی بلندی میں نوجوانوں کے راہنما اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک آدم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اپنی پوری توجہ کے ساتھ اس عمارت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہر قسم کی قربانی سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھیں گے اور اپنی فعّال حیثیت کا ایک نمایاں ثبوت لوگوں کے سامنے پیش کر دیں گے۔ مجلس انصار اللہ کے گذشتہ سالانہ اجتماع میں تمام نمائندگان نے متفقہ مشورہ کے ساتھ دفتر کی عمارت کو مکمّل کرنے کے لئے ایک روپیہ چندہ ہر ممبر کے لئے لازمی قرار دیا تھا۔ تمام مجالس ہائے انصار اللہ کا اوّلین فرض ہے کہ وہ اس چندہ کی ادائیگی میں بغیر کسی پس و پیش کے فوری طور پر حصّہ لیں اور ایک مہینہ کے اندر اندر اپنے ہر فرد سے اس چندہ کو وصول کر کے دفتر مرکزیہ کو اطلاع دیں مگر ظاہر ہے کہ ایک روپیہ سے اس عمارت کے اخراجات پُورے نہیں ہو سکتے۔ اور اگر اس قلیل رقم پر اکتفا کی جائے تو یہ عمارت کہیں برسوں میں پایۂ تکمیل تک پہنچے گی اور اتنی مدّت تک انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ سو اس کے لئے مَیں دو سو ایسے مخلصین کو پکارتا ہوں جو اس عمارت کی تکمیل کے لئے صرف ایک ایک سو روپیہ بطور عطیہ پیش کریں اور بغیر کسی التواء کے فوری طور پر پیش کریں۔ مغربی پاکستان میں اس وقت دس ڈویژن ہیں اور ہر ڈویژن متعدد اضلاع

پرمشتمل ہے۔ اگر ہر ڈویژن میں سے بیس ایسے فدائی کھڑے ہو جائیں جو ایک ایک سو روپیہ دینے کے لئے تیار ہوں تو چند دنوں میں ہی یہ رقم بڑی آسانی کے ساتھ پوری ہو سکتی ہے۔ مَیں پشاور، راولپنڈی، جہلم، گجرات، لاہور، سیالکوٹ، ملتان، منٹگمری[1]، لائل پور[2]، حیدرآباد کوئٹہ اور کراچی کے انصار کو خصوصیت کے ساتھ مخاطب کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ وہ میری اس آواز پر اپنی شاندار روایات کے مطابق لبیک کہیں گے اور اس عمارت کو اتنی سُرعت کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچا دیں گے کہ دوسروں کے لئے ان کا یہ نمونہ مشعل راہ کی حیثیت رکھے گا۔

یاد رکھیں کہ زمانہ بڑی سُرعت کے ساتھ ترقی کی طرف گامزن ہے۔ اس دَور میں سُست گام کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ زندہ جماعتوں کے افراد اپنی قومی خصوصیات کو برقرار رکھنے کے لئے انتہائی جدّوجہد سے کام لیا کرتے ہیں۔ آخر اپنے منتہیٰ کو حاصل کر کے رہتے ہیں۔ انصاراللہ کا مرکزی دفتر تمام انصاراللہ کے لئے ایک دماغ کی حیثیت رکھتا ہے جس طرح انسانی جسم اسی وقت تک مفید اور کار آمد..... کام کر سکتا ہے۔ جب تک اس کا دماغ کے ساتھ اتصال رہتا ہے۔ اس طرح انصاراللہ بھی عملی رنگ میں اس وقت تک ایک زندہ اور کارآمد وجود رہیں گے۔ جب تک ان کا اپنے مرکز کے ساتھ تعلق رہے گا۔

پس مرکزی دفتر کی عمارت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا خود انصاراللہ کے قیام کے لئے بھی ضروری ہے۔ یہ درست ہے کہ ہم نے گذشتہ عرصہ میں اپنے وقت کا کچھ ضیاع بھی کیا ہے۔ اور ہم نے اپنے قیمتی اوقات سے صحیح رنگ میں فائدہ نہیں اُٹھایا مگر بیداری کا تقاضا ہے کہ اَب ہم اپنے قدم کو ایسا تیز تر کر دیں کہ نہ صرف گذشتہ کوتاہیوں کا پُورے طور پر ازالہ ہو جائے۔ بلکہ آئندہ قومی دوڑ میں انصاراللہ کی جد وجہد ایک امتیازی حق حاصل کرے۔

مَیں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ وہ کون سے مخلص دوست ہیں جو اس غرض کے لئے صرف ایک ایک سو روپیہ دینے کے لئے تیار ہوں۔ مَیں ایسے مخلصین کو آواز دیتا ہوں مَیں ہی نہیں

---

[1] ساہیوال۔ [2] فیصل آباد۔

انصار اللہ کا دفتر مرکزیہ ربوہ سے انہیں آواز دے رہا ہے کہ آؤ اور میری بنیادوں کو اونچا کرو۔ آؤ اور مجھے اپنے ہمعصروں میں سرخرو ہونے کا موقع دو۔ اے ابراہیم ثانی کے پرندو! تمہارا نشیمن تیار ہو رہا ہے۔ اس نشیمن کے لئے تنکے مہیّا کرنا تمہارا کام ہے۔ تمہیں خدا نے قربانی اور ایثار کی دولت سے نوازا ہے۔ تمہیں اس نے اپنے لازوال حسن سے حصّہ دیا ہے۔ تمہیں اُس نے رُوحانی جلال اور جمال عطا کیا ہے۔ تم دنیا کی نگاہوں میں حقیر ہو لیکن خدائے قادر و برتر کی نگاہ میں تم بادشاہوں سے بھی زیادہ معزز ہو۔ میں تم سے ایک حقیر قربانی کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ میں تمہارے جواب کا منتظر ہوں کہ تم میری اس آواز کا کب جواب دو گے۔[1]

مخلصینِ جماعت نے اس اپیل کا بھی نہایت مخلصانہ جواب دیا۔ جس کے نتیجہ میں خدا کے فضل سے نہ صرف دفاتر اور ہال کی تکمیل ہوگئی بلکہ کارکنوں کے لئے دو کوارٹر بھی تعمیر ہوگئے۔ اور بعد ازاں ایک ٹیوب ویل بھی نصب کر دیا گیا۔ یہ مرکزِ احمدیت ربوہ کی خوبصورت اور یادگار عمارت جو حضرت خواجہ عبید اللہ صاحب اوورسیر[2] کی نگرانی میں تکمیل کو پہنچی۔ قبلہ رُخ اور پانچ کمروں اور ایک ہال پر مشتمل ہے۔ دفتر کا صدر دروازہ مغربی ہے۔ جس کے دونوں جانب اُن مخلصینِ جماعت اور مجالس انصار اللہ کے نام کندہ ہیں جنہوں نے خلوص و ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے دفتر کی تعمیر کے لئے سو سو روپے یا اس سے زائد رقم عطیۃً پیش کی۔

فصل سوم

سپین میں تبلیغ پر پابندی اور حضرت مصلح موعودؓ

مجاہد سپین مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر دس سال سے نہایت پُرامن طریق پر سپین میں تبلیغ دینِ حق کا فریضہ بجا لا رہے تھے کہ اچانک اس سال کے شروع میں پادریوں کی

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲ / مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔

[2] تاریخ انصار اللہ صفحہ ۱۰۴ از پروفیسر حبیب اللہ خاں صاحب قائد تعلیم ناشر مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ اکتوبر ۱۹۷۸ء۔

انگیخت پر ہسپانوی حکومت نے اس پر پابندی نافذ کر دی اور سفارت خانہ پاکستان کے ذریعہ سے انہیں ۲۶؍مارچ ۱۹۵۶ء کو حسب ذیل مراسلہ بھی بھجوا دیا :-

EMBASSY OF PAKISTAN
MADRID

No. EPM/S-33/56.

6th March 1956.

Dear Mr. Zafar,

Reference our conversation on the morning of Monday the 5th March 1956, I am desired to state that the Government of Spain have represented to this Embassy that they take strong exception to your proselytising activities which, we have been told, are a violation of the Constitution of Spain. You are requested, therefore, not to do anything which may give cause to the Government of Spain to charge you with a violation of their Constitution.

Yours sincerely,

Sd/-
(Afzal Iqbal)
Charge d' Affairs.

Karam Elahi Zafar Esq.,
Lista 58, 40
MADRID.

(ترجمہ) سفات خانہ پاکستان

۶؍مارچ ۱۹۵۶ء

نمبر ای پی ایم / ایس ۵۶/۳۳

ڈیر مسٹر ظفر

۵؍مارچ ۱۹۵۶ء بروز پیر کی صبح کو ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو کے حوالے سے میں آپ سے یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ حکومت سپین نے سفارت خانہ پاکستان کو مطلع کیا ہے کہ اس نے آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا سختی سے نوٹس لیا ہے اور جیسا کہ ہمیں بتایا گیا ہے یہ سپین کے آئین کی خلاف ورزی کے مترادف ہے ۔

اس لئے آپ سے درخواست کی جاتی ہے کہ آپ ایسی کسی کارروائی سے احتراز کریں کہ حکومتِ سپین اپنے آئین کی خلاف ورزی کا الزام آپ پر لگائے۔ آپ کا مخلص

افضل اقبال ۔ ناظم الامور

مکرم ظفر صاحب نے ہسپانوی وزیرِ خارجہ کو ایک خط لکھا کہ میں دس سال سے سپین میں مقیم ہوں۔ اب تک میرے خلاف کوئی شکایت نہیں پیدا ہوئی۔ اب حکومت میری سرگرمیوں کو کیوں ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے؟ ہسپانوی حکومت سرکاری طور پر کیتھولک گورنمنٹ ہے اس کا دعویٰ ہے کہ یہ مذہب سچّا ہے جو خدا تعالیٰ سے قائم کرنے کا ذریعہ اور اعلیٰ اخلاق کا حامل ہے۔ میری تبلیغ کا مقصد بھی محض اعلیٰ اخلاق کا قیام اور بنی نوع انسان کا خدا تعالیٰ سے حقیقی تعلق قائم کرنا ہے۔ نیز آپ نے اس بات پر زور دیا کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز ملک سپین کے لئے کسی قسم کا خطرہ نہیں بلکہ اس سرزمین کی حقیقی فلاح و بہبود کا خواہش مند ہے۔ خط کا جواب ملا کہ وزیرِ خارجہ صاحب نے آپ کے خط کا اچھا اثر لیا ہے۔ دراصل ساری شرارت پادریوں کی ہے کہ انہوں نے پولیس والوں اور حکام کو انگیخت کی ہے۔[1]

حضرت مصلح موعودؓ اس اطلاع پر بہت مشوش ہوئے اور حضورؓ نے ۲۰ر اپریل ۱۹۵۶ء کو حکومت پاکستان اور دوسری مسلم حکومتوں کو توجہ دلائی کہ وہ اس افسوسناک اقدام کے خلاف احتجاج کریں۔ نیز فرمایا:۔

"ایک دفعہ پہلے بھی پانچ سات نوجوان ہمارے مبلغ کے پاس بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ سی آئی ڈی کے کچھ آدمی وہاں آگئے اور انہوں نے کہا کہ تم حکومت کے باغی ہو۔ کیونکہ حکومت کا مذہب رومن کیتھولک ہے۔ اور ہم نے سُنا ہے تم مسلمان ہو گئے ہو۔ ان نوجوانوں نے کہا کہ ہم حکومت کے تم سے بھی زیادہ وفادار ہیں لیکن اس امر کا مذہب کے ساتھ کیا تعلق ہے انہوں نے کہا دراصل پادریوں نے حکومت کے پاس ایک شکایت کی ہے۔ کہ یہاں اسلام کی تبلیغ کی جاتی ہے اور گورنمنٹ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم تمہاری نگرانی کریں۔ انہوں نے کہا کہ تم ہمیں دوسرے

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۸ر جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۔

کی باتیں سُننے سے نہیں روک سکتے۔ اگر ہمارا دل چاہا تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ لیکن تمہیں کوئی اختیار نہیں کہ تم دوسروں پر جبر سے کام لو۔ اس وقت سے یہ مخالفت کا سلسلہ جاری تھا جو آخر اس نوٹس کی شکل میں ظاہر ہُوا۔ بہرحال یہ ایک نہایت ہی افسوسناک امر ہے کہ بعض عیسائی ممالک میں اب اسلام کی تبلیغ پر پابندیاں عائد کی جا رہی ہیں۔ پہلے عیسائی ممالک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے خلاف رات اور دن جھُوٹ بولتے رہتے تھے۔ ہم نے ان افتراؤں کا جواب دینے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حقیقی شان دُنیا پر ظاہر کرنے کے لئے اپنے مبلغ بھیجے تو اب اِن مبلغوں کی آواز کو قانون کے زور سے دبانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ... دیکھو سویز کے معاملہ میں مصر کی حکومت ڈٹ گئی اور آخر اس نے روس کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اگر سویز کے معاملہ میں مصر ڈٹ سکتا ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے نام کی بلندی کے لئے اگر پاکستان کی حکومت ڈٹ جائے تو کیا وہ دوسری اسلامی حکومتوں کو اپنے ساتھ نہیں ملا سکتی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے اتنی غیرت بھی نہیں دکھا سکتیں ...... اگر مسلمان حکومتیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے سویز جتنی غیرت بھی دکھائیں تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں اور اسلام کی تبلیغ کے لئے راستے کھُل جائیں اور جب اسلام کی تبلیغ کے رستے کھُل گئے تو یقیناً سارا یورپ اور امریکہ ایک دن مسلمان ہو جائے گا۔"[1]

مشرقی پاکستان پریس کی طرف سے زبردست احتجاج

حضورؓ کے اس خطبہ پر مشرقی پاکستان کے پریس نے زبردست احتجاج کیا۔

(۱)۔ چنانچہ ڈھاکہ کے اخبار "آزاد" نے ۲۶ جون ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں حسب ذیل ادارتی نوٹ سپردِ قلم کیا:-

"ہر ایک مُلک میں ہر ایک مذہب کو اپنی اشاعت کا کم و بیش موقع ملتا ہے اور یہی بین الاقوامی مسلّم اصول ہے۔ لہٰذا اسپین کی حکومت کا اس بنیادی حق کو چھیننا ایک ایسا امر ہے کہ جس پر جماعتِ احمدیہ کے ممبران بے چین ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور اس معاملہ میں دوسرے

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۵ مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۲، ۳۔

مذاہب کے مشنری اور تمام روا داری برتنے والے اور بین الاقوامی انسانی حقوق کی حفاظت کے خواہاں اصحاب بھی جماعت احمدیہ کی ہمنوائی کریں گے۔

حکومت سپین کا قابلِ نفرت حکم ہمارے سامنے پرانے زمانہ کے ایسابیلا ISABELA اور فرڈیننڈ FERDINAND کی حکومت کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ نیز ہمیں سپین میں عرب تمدن کے سنہری زمانہ اور طارق و موسیٰ بن نصیر کی بے نظیر جرأت بھی یاد دلاتا ہے۔ درحقیقت عربوں نے ہی سپین کی تاریخ کو بنایا تھا۔ انہوں نے اپنے زمانہ میں عمارت سازی، انڈسٹری۔ علم موسیقی۔ ادب اور علوم و فنون کو ترقی دی تھی۔ مگر وقتی طور پر عربوں کی یہ جلائی ہوئی شمعیں ناموافق حالات کی وجہ سے بجھا دی گئیں مگر کچھ عرصہ بعد وہی یورپ کے ظلمت کدوں میں روشن ہو گئیں۔ اسی کو تاریخ میں یورپ کی نئی زندگی RENAISSANCE کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایک وقت تھا کہ سپین سے عرب حکومت کو اور مسلمانوں کو بزورِ شمشیر نکال دیا گیا۔ مگر ایسا کرنے والوں نے اسلام کو سپین سے نکال کر عربوں سے زیادہ خود یورپ کے تمدن کو نقصان پہنچایا۔ اسی وجہ سے مشہور عیسائی مورخ لین پول لکھتا ہے کہ :-

"اس طرح سے سپین والوں نے اس عرب ہنس کو قتل کر دیا جو روزانہ ایک سنہری انڈا دیا کرتا تھا۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کا تمدن پانچ سو سال پیچھے پڑ گیا۔"

مندرجہ بالا تمام حقائق سپین کے موجودہ مدبرین تسلیم کرتے ہیں اور آج کل جنرل فرانکو سپین کی اس پرانی غلطی کا ازالہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ حقیقت اِن کی مساعی سے آشکار ہو رہی ہے چنانچہ انہوں نے مسلم ممالک میں اپنے تمدنی مشنری بھجوا کر اور افریقہ میں اپنے مقبوضہ مسلم علاقہ کی آزادی کا اعلان کرکے اس بات کا واضح ثبوت فراہم کیا ہے۔ آجکل سپین میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ پیرانیز پہاڑ سے ہی افریقہ شروع ہو جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سپین اور افریقہ میں گہرا تمدنی تعلق ہے۔

ماضی اور حال کے ان مختلف حقائق و واقعات کو مدِنظر رکھتے ہوئے آج سپین گورنمنٹ کا یہ حکم خاص طور پر اسلامی دنیا کے لئے حیران کن اور انتہائی تکلیف دہ ہے۔ اور طبعًا دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ سپین اور اسلامی دنیا کی دوستی اور تعلقات کیا صرف

ایک کھوکھلی نمائش ہے۔ اور کیا آج بھی سپین میں پرانے زمانے کی طرح اسلام کے متعلق بغض موجود ہے۔

اگر اِن حقائق کو نظر انداز کر دیا جائے تو پھر بھی مذہب کی تبلیغ ہر ایک انسان کا بنیادی حق ہے جس کو حکومت سپین نے اپنے حکم کے ذریعہ سے ختم کرنا چاہا ہے۔ اس کے متعلق حکومتِ پاکستان کو غور و فکر کرنا چاہیئے اور اس کے جواب میں اسے سفارتی کارروائی اور حکومتی خط و کتابت کے علاوہ حکومت کو اپنے ملک میں دوسرے مذاہب کے مبلغین کے بارے میں بھی نئے سرے سے اصول وضع کرنے چاہئیں۔ اس ضمن میں ہماری ہمسایہ حکومت بھارت کا رویّہ بھی قابل غور ہے۔ نہ معلوم اس سلسلہ میں ہماری حکومت نے کچھ غور و غوض کیا ہے یا نہیں[1]

(۲) مشہور اخبار "اتفاق" نے ۲۹ رجون ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"حکومت فرانکو نے حال ہی میں سپین میں صرف عیسائیت کے STATE RELIGION ہونے کا اعلان کیا ہے۔ اور دوسرے ہر مذہب کی تبلیغ پر پابندی عائد کر دی ہے۔ اسی وجہ سے میڈرڈ میں مقیم مبلغِ اسلام کو سپین سے چلے جانے کا حکم جاری کیا گیا ہے۔

حکومتِ سپین کا یہ فعل بین الاقوامی حقوقِ انسانیت پر ایک کاری ضرب ہے اور تمام عالمِ اسلام کے لئے خصوصاً انتہائی طور پر تکلیف دِہ ہے۔ سپین ایک زمانہ میں یورپ میں اسلامی تمدّن کا مرکز تھا۔ اور یہاں پر فلسفہ ادب، علوم و فنون، اور علم صنعت و حرفت نے اس حد تک ترقی کر لی تھی کہ بعد میں یہی چیز یورپ کی نئی زندگی کا باعث بنی۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دراصل سپین میں عربوں کے ذہنی ارتقا نے ہی موجودہ ماڈرن یورپ کو جنم دیا۔ پھر بین الاقوامی اصول کے رُو سے مذہبی آزادی کا حق ہر اک کے لئے تسلیم کیا گیا ہے۔ سپین کی موجودہ حکومت عالمِ اسلام کے ساتھ گہرے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی خواہاں ہے۔ لیکن اگر اس نے ایسا رویہ اختیار کیا جو کہ عالمِ اسلام کو تکلیف دینے والا ہو تو اس سے یہ نتیجہ اخذ ہو گا کہ یہ محض ایک نمائشی خواہش ہے۔ حکومت کا یہ حکم پرانے زمانے کے ایسابیلا ISABELA اور فرڈی نینڈ

---

[1] (ترجمہ از بنگلہ) روزنامہ الفضل ربوہ ۴ رجولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳

FERDINAND کے بغض و تعصب سے کم نہیں ہے۔ حکومت فرانکو نے مذہبی آزادی کو ختم کرنے کے لئے جو حکم جاری کیا ہے اس پر حکومتِ پاکستان کو بیدار ہونا چاہئیے اور ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ فوری طور پر سیاسی گفت و شنید سے اس اہم معاملہ کو طے کرے۔ (اتفاق ڈھاکہ ۲۹ر جون ۱۹۵۶ء)[1]

(۳)۔ جریدہ "ملّت" نے لکھا:۔

"ایک خبر سے معلوم ہوا ہے کہ حکومتِ سپین نے اپنے ملک سے مبلغ اسلام کو نکل جانے کا حکم دیا ہے کہا جاتا ہے کہ یہ حکم پاکستانی سفارت خانہ کے ذریعہ دیا گیا ہے۔ یہ امر انتہائی تکلیف دہ ہے۔ مذہبی تبلیغ کی آزادی کا ہر ملک میں ہونا نہایت ضروری ہے۔ پاکستان میں عیسائی مبلغین عیسائیت کی تبلیغ آزادی کے ساتھ بلا روک ٹوک کر رہے ہیں۔ ہمیں یہ امید ہے کہ ہماری حکومت اس حکم کے ازالہ کے لئے مناسب کارروائی فرمائے گی۔" (ملّت ڈھاکہ ۲۹ر جون ۱۹۵۶ء)[2]

فصل چہارم

وقفِ زندگی سے متعلق تجاویز اور حضرت مصلح موعودؓ کا اظہار رائے

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے سفر یورپ ۱۹۵۵ء سے واپسی کے بعد اپنے متعدد خطبات میں تحریک وقفِ زندگی پر زور دیا اور ۱۰ر فروری ۱۹۵۶ء کو یہاں تک فرمایا کہ:۔

"اگر دنیاوی حکومتوں نے اپنی ضروریات کے وقت جبری بھرتی کا قانون جائز رکھا ہے تو ہم اپنے نوجوانوں کو وقف کے لئے کیوں مجبور نہیں کر سکتے۔"[3]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۶ر جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔ [2] ایضاً

[3] روزنامہ الفضل ۲۶ر فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۴۔

اس خطبہ پر بعض احمدیوں کی طرف سے تجاویز موصول ہوئیں۔ حضور نے ۹ مارچ ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں ان تجاویز کا ذکر کر کے ہدایت فرمائی کہ والدین خصوصاً عورتیں بچپن ہی سے اولاد کی صحیح تربیت کریں۔ جماعت میں واقفین کا اعزاز قائم کیا جائے اور واقفین انتظامی قابلیت پیدا کرنے کے علاوہ کوئی ایک فن بھی سیکھیں۔ اس سلسلہ میں حضور نے مزید ارشاد فرمایا:۔

''اصل بات یہ ہے کہ جس شخص کی قسمت میں یہ لکھا ہو کہ وہ دین کی خدمت کرے گا اسے اس کی توفیق مل جاتی ہے اور اگر اس خدمت میں اس کی جان بھی چلی جائے تو وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ اسلامی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگِ حنین کے موقع پر جب ہزاروں تیراندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی تو مسلمانوں کی سواریاں بدک کر میدانِ جنگ میں سے بھاگ پڑیں۔ درحقیقت اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب اسلامی لشکر روانہ ہوا تو مکہ والوں نے خواہش کی کہ چونکہ ہم حدیث العہد ہیں اور اس سے قبل کسی لڑائی میں شامل نہیں ہوئے۔ اس لئے اس موقعہ پر ہمیں بھی قربانی پیش کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی اور دو ہزار نومُسلم بھی اسلامی لشکر کے ساتھ چل پڑے یہ لوگ کفار کے اچانک اور دو طرفہ حملہ کی برداشت نہ کر سکے اور واپس مکہ کی طرف بھاگے صحابہؓ گو اس قسم کی تکلیف اُٹھانے کے عادی تھے۔ مگر جب دو ہزار گھوڑے اور اُونٹ ان کی صفوں میں سے بے تحاشا بھاگتے ہوئے نکلے تو ان کے گھوڑے اور اُونٹ بھی ڈر گئے۔ اور سارے کا سارا لشکر بے تحاشا پیچھے کی طرف دوڑ پڑا یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد صرف بارہ صحابی رہ گئے اور تین اطراف سے قریباً چار ہزار تیرانداز تیر برسا رہے تھے۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ ہماری سواریاں اس قدر ڈر گئی تھیں کہ ہمارے ہاتھ باگیں موڑتے موڑتے زخمی ہو گئے۔ لیکن اونٹ اور گھوڑے واپس مڑنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ بعض دفعہ ہم باگیں اس زور سے کھینچتے تھے کہ اونٹ یا گھوڑے کا سر اس کی پیٹھ کو لگ جاتا۔ مگر جب ہم اسے پیچھے کی طرف موڑتے تو وہ بجائے پیچھے مُڑنے کے اور بھی تیزی کے ساتھ آگے کی طرف بھاگ پڑتا اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو بُلایا اور اُن سے فرمایا عباس بلند آواز

سے کہو کہ اے وہ لوگو جنہوں نے حدیبیہ کے موقع پر بیعتِ رضوان کی تھی اور اے وہ لوگو جو سورۃ بقرہ کے زمانہ کے مسلمان ہو، خدا تعالیٰ کا رسول تمہیں بُلاتا ہے حضرت عباسؓ نے جب یہ آواز دی تو وہ صحابی کہتے ہیں کہ ہمیں یوں محسوس ہُوا کہ گویا ہم مر چکے ہیں قیامت کا دن آگیا ہے اور اسرافیل بگل بجا کر ہمیں بُلا رہا ہے۔ تب ہم میں سے جو اپنی سواریاں موڑ سکے انہوں نے اپنی سواریاں موڑ لیں اور جو سواریاں موڑ نہ سکے انہوں نے تلواروں سے اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کی گردنیں کاٹ دیں۔ اور خود دوڑتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف یہ کہتے ہوئے چل پڑے کہ لبّیک یا رسول اللہ لبّیک یا رسول اللہ۔ اے رسول اللہ ہم حاضر ہیں۔ اے رسول اللہ ہم حاضر ہیں اور چند منٹ میں ہزاروں کا لشکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارد گرد جمع ہو گیا۔ دیکھو صحابہؓ میں کس قدر جوش اور ایمان پایا جاتا تھا کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی اس آواز پر کہ خدا تعالیٰ کا رسولؐ تمہیں بلاتا ہے۔ اپنی سواریوں کی گردنیں کاٹ دیں اور دوڑتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس جمع ہو گئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم اسلام کی خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ پس جن لوگوں کی قسمت میں دین کی خدمت کرنا ہوتا ہے وہ خود بخود اس کے لئے آگے آجاتے ہیں لیکن جن لوگوں کی قسمت میں نیکی نہیں انہیں نہ میرے خطبات کام دے سکتے ہیں نہ دوسروں کی مثالیں انہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی باتیں انہیں دین کی خدمت کے لئے آگے لا سکتی ہیں اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی باتیں انہیں اس طرف کوئی توجہ دلا سکتی ہیں وہ ازلی محروم ہیں۔ ان کو برکت کون دے۔ برکت اسی کو ملے گی جس کی قسمت میں وہ پہلے سے لکھی ہوئی ہے۔ ایک لطیفہ مشہور ہے کہ مرزا غالب کو آم بہت پسند تھے۔ ایک دن وہ بادشاہ کو ملنے گئے وہ انہیں اپنے باغ میں لے گیا۔ پرانے زمانے میں درباریوں کو یہ ادب سکھایا جاتا تھا کہ وہ ہمیشہ بادشاہ کی طرف اپنا منہ رکھا کریں لیکن مرزا غالب بار بار آموں کی طرف دیکھتے بادشاہ نے کہا مرزا غالب یہ کیا بات ہے کہ تم بار بار ادھر کیوں دیکھتے ہو۔ انہوں نے کہا حضور میں نے سُنا ہُوا ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی بندے کو اس دُنیا میں بھیجتا ہے تو رزق پر اس کا نام لکھ دیتا ہے۔ مَیں دیکھ رہا ہوں شائد کسی آم پر میرا یا میرے باپ دادا کا بھی نام لکھا ہُوا ہو۔ بادشاہ ہنس پڑا اور اُس نے اپنے نوکر کو حکم دیا کہ وہ مرزا غالب کے گھر

آموجود ہے۔ پس جس کی قسمت میں خدا تعالیٰ نے دین کی خدمت لکھی ہے اس کے رستہ میں خواہ دس میل تک زہریلے سانپ ہوں وہ انہیں کچلتا ہوا آگے آ جائے گا اور خواہ ننگی تلواریں کھڑی ہوں اور اس بات کا خوف ہو کہ اگر وہ آگے بڑھا تو اس کی گردن کٹ جائے گی۔ تب بھی وہ دین کی خدمت کے لئے آ جائے گا بلکہ دین کی خدمت تو بڑی چیز ہے ہم دیکھتے ہیں کہ باطل کے ساتھ محبت رکھنے والے بھی کسی مصیبت کی پرواہ نہیں کرتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی بات ہے کہ ایک مراثی کا لڑکا سل کی مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اس کی ماں اسے علاج کے لئے قادیان لائی وہ لڑکا عیسائی ہو چکا تھا اور اس کی والدہ کی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح دوبارہ اسلام قبول کرے۔ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی کہ آپ نہ صرف اس کا علاج کریں بلکہ اسے تبلیغ بھی کریں تاکہ یہ دوبارہ اسلام میں داخل ہو جائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے بہت سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھا۔ آخر ایک رات بیماری کی حالت میں ہی وہ بٹالہ کی طرف بھاگ نکلا تاکہ وہاں عیسائیوں کے مرکز میں چلا جائے۔ اس کی ماں کی آنکھ کھل گئی۔ اور اس نے چارپائی خالی دیکھی تو وہ رات کے اندھیرے میں اکیلی بٹالہ کی طرف دوڑ پڑی اور کئی میل کے فاصلے سے اسے پکڑ کر لے آئی۔ پھر وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی وہ روتی ہوئی کہنے لگی حضور میرا یہ اکلوتا بیٹا ہے اگر یہ مر جائے تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں لیکن میری صرف اتنی خواہش ہے جس طرح بھی ہو یہ مرنے سے پہلے دوبارہ کلمہ پڑھ لے اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے اخلاص کو دیکھ کر یہ فضل کیا کہ دو تین دن کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا اور پھر وہ فوت ہو گیا۔ پس اگر باطل کے ساتھ محبت کرنے والے بھی بڑی بڑی قربانیاں کر سکتے ہیں تو دین کے ساتھ سچی محبت رکھنے والے کسی قسم کی قربانی سے کس طرح دریغ کر سکتے ہیں۔ بہرحال دوستوں نے جو باتیں لکھی ہیں ان میں سے بعض بہت اچھی ہیں مثلاً یہ کہ واقفین کو کوئی نہ کوئی پیشہ سکھانا چاہیئے اور پھر یہ کہ جماعت کے دوستوں کو چاہیئے کہ وہ واقفین کا اعزاز کریں جیسا کہ میں نے بتایا ہے خود واقفین کے اندر انتظامی قابلیت ہونی چاہیئے۔ اگر ان میں انتظامی قابلیت ہو گی تو انہیں مرکز میں ذمہ داری کے عہدے مل سکیں گے۔ انگریزی دانوں سے ہماری کوئی دوستی نہیں اور نہ عربی دانوں سے کوئی دشمنی ہے اگر واقفین انتظامی قابلیت پیدا کر لیں تو درحقیقت مرکز کے سارے اہم عہدے انہی کے لئے ہیں

اور وہی اس کے اصل حقدار ہیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ لوگ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ آپ کو سچا ایمان بخشے۔ آپ کے اندر دین کی خدمت کی خواہش پیدا کرے تا آپ اپنی جان اور مال سب کچھ اپنے خدا کے سامنے پیش کر دیں اور جب مریں تو ایسی حالت میں مریں کہ آپ کے دلوں میں یہ حسرت نہ ہو۔ کاش ہم دین کی خدمت کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں کو دُور فرمائے اور ہماری خدمات کو قبول کرے اور حضرت ابوبکرؓ کی طرح ہمیں اس بات کی توفیق دے کہ تھوڑا یا بہت جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے وہ ہم اس کی راہ میں قربان کر دیں۱؎ "

قادیان کے لئے تحریکِ وقفِ زندگی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے پچھلے سال (۱۹۵۵ء) میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان اور تحریکِ جدید کے کام سنبھالنے کے لئے نوجوانانِ پاکستان کو زندگی وقف کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اَب اس سال حضورؓ نے اسی نوعیت کی تحریک بھارتی احمدیوں کے لئے بھی کی اور ۱۰؍ مارچ ۱۹۵۶ء کو "ضروری اعلان" کے نام سے حسب ذیل فرمان جاری فرمایا جو روزنامہ الفضل ۱۰؍ مارچ ۱۹۵۶ء کے صفحہ اوّل پر اشاعت پذیر ہوا:۔

" قادیان میں کارکنان کی سخت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہندوستان میں پیدا کیا۔ اس لئے یہ ہندوستانیوں کا حق ہے کہ وہ سلسلہ کے کاموں کے لئے قربانیاں کریں۔ اس لئے تمام جماعتوں کی اطلاع کے لئے لکھا جاتا ہے کہ اوّل ڈاکٹر۔ دوم گریجوایٹ، سوم میٹرک پاس اگر اپنی زندگیاں ساری عمر کے لئے نہیں تو دس دس سال کے لئے وقف کریں تاکہ ان کو قادیان میں رکھ کر دینی تعلیم دلائی جائے اور پھر سلسلہ کے کاموں پر لگایا جائے۔ خاکسار مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ۵۶/۳/۱۰ "

اہم خطبہ شادی و بیاہ کے متعلق

حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۶؍ مارچ ۱۹۵۶ء کو ایک رؤیا کی بناء پر لاہور میں دینِ حق کے عائلی نظام کے بارے میں ایک اہم خطبہ ارشاد فرمایا جس میں نہایت مؤثر پیرایہ میں تلقین فرمائی کہ

۱؎ روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵؍ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۶، ۷۔

شادی کی بنیاد اخلاق، نیکی اور تقویٰ پر قائم ہونی چاہیئے۔ تا جو اولاد پیدا ہو وہ بھی نیک، متقی اور اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے والی ہو۔ چنانچہ فرمایا :۔

"درحقیقت شادی بیاہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہتے ہیں کہ کوئی بڈھا ایک ایسا درخت لگا رہا تھا جو کئی سال کے بعد پھل دیتا تھا۔ اتفاقاً وہاں سے اس مُلک کا بادشاہ گذرا اس نے جب بڈھے کو ایک ایسا درخت لگاتے دیکھا جس کا پھل کئی سال کے بعد پیدا ہوتا تھا۔ تو وہ اسے کہنے لگا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو۔ تمہاری عمر اسّی نوّے سال کی ہو گئی ہے اور تم ایسا درخت لگا رہے ہو جو کئی سال کے بعد پھل دیتا ہے کیا تمہیں یہ اُمید ہے کہ اس کا پھل کھاؤ گے وہ کہنے لگا بادشاہ سلامت اگر ہمارے باپ دادا بھی یہی خیال کرتے اور وہ اپنی زندگیوں میں پھلدار درخت لگا کر نہ جاتے تو آج ہم کہاں سے پھل کھاتے۔ انہوں نے درخت لگائے اور ہم نے ان کا پھل کھایا۔ آج ہم درخت لگائیں گے تو ہمارے پوتے پڑپوتے ان کا پھل کھائیں گے۔ بادشاہ کو اس کی بات بڑی پسند آئی اور اس نے کہا زہ یعنی تُو نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے اور بادشاہ کا یہ حکم تھا کہ جب میں کسی بات سے خوش ہو کر زہ کہہ دُوں تو فوراً اسے تین ہزار روپیہ انعام دے دیا جایا کرے۔ بادشاہ نے خوش ہو کر زہ کہا تو وزیر نے فوراً تین ہزار روپے کی تھیلی اس بڈھے کے سامنے رکھ دی۔ وہ روپوں کی تھیلی اپنے ہاتھ میں لے کر کہنے لگا بادشاہ سلامت لوگ درخت لگاتے ہیں تو کئی سال کے بعد انہیں اس کا پھل کھانا نصیب ہوتا ہے مگر مجھے دیکھئے کہ میں نے درخت لگاتے لگاتے اس کا پھل کھا لیا۔ بادشاہ پھر اس کی بات سے خوش ہوا اور کہنے لگا زہ۔ اس پر وزیر نے جھٹ ایک دُوسری تھیلی اس کے سامنے رکھ دی۔ یہ دیکھ کر بڈھا کہنے لگا حضور آپ تو کہہ رہے تھے کہ تُو مر جائے گا۔ اور اس درخت کا پھل نہیں کھا سکے گا۔ مگر دیکھئے لوگ تو کہیں سال میں ایک دفعہ درخت کا پھل کھاتے ہیں اور میں نے اس درخت کے لگاتے لگاتے دو دفعہ اس کا پھل کھا لیا۔ بادشاہ پھر اس کی بات سے خوش ہوا اور کہنے لگا زہ۔ اس پر وزیر نے فوراً ایک تیسری تھیلی اس کے سامنے رکھ دی۔ اس کے بعد وزیر کہنے لگا بادشاہ سلامت یہاں سے چلئے ورنہ اس بڈھے نے تو ہمیں لُوٹ لینا ہے۔ یہی مثال شادی بیاہ کی ہے جو شخص شادی بیاہ کرتا اور پھر اپنی اولاد کی اعلیٰ تربیت کرتا ہے وہ دنیا میں

نیکی اور تقویٰ کی بنیاد رکھتا ہے۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس نے بہیمیت اور بداخلاقی کی بناء پر ان تعلقات کو قائم کیا ہے۔ بہت بڑی نادانی اور حماقت ہے دُنیا میں جتنے اولیاء اللہ گذرے ہیں انہی تعلقات کے نتیجہ میں پیدا ہوئے جتنے موجد اور سائنسدان گذرے ہیں سب انہی تعلقات کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ مثلاً نیوٹن کو ہی لے لو۔ اگر اس کے ماں باپ آپس میں نہ ملتے تو نیوٹن کس طرح پیدا ہوتا۔ پھر جب ان کے تعلقات کے نتیجہ میں نیوٹن جیسا انسان پیدا ہو گیا تو ان تعلقات کی بناء بہیمیت پر کس طرح ہوئی۔ اسی طرح دُنیا میں جتنے بڑے بڑے جرنیل گذرے ہیں سب انہی تعلقات کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ نپولین کو لے لو ہٹلر کو لے لو۔ اگر ان کے ماں باپ بھی یہی کہتے کہ ہم ان تعلقات کو اختیار نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی بنیاد بہیمیت پر ہے تو نپولین اور ہٹلر کہاں سے پیدا ہوتے۔ اس طرح جتنے بڑے بڑے ائمہ گذرے ہیں سب انہی تعلقات کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ۔ حضرت امام شافعیؒ۔ حضرت امام مالکؒ۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور صوفیاء میں سے سید عبد القادر صاحب جیلانی، شہاب الدین صاحب سہروردی۔ بہاء الدین صاحب نقشبندی، معین الدین صاحب چشتی۔ محی الدین صاحب ابن عربی۔ حضرت جنید بغدادی۔ ان تمام بزرگوں کے ماں باپ بھی اگر یہی خیال کر لیتے تو یہ پاک لوگ جنہوں نے دُنیا میں ایک رُوحانی انقلاب پیدا کیا ہے۔ کس طرح ظاہر ہوتے۔ درحقیقت تمام مدار نیت پر ہوتا ہے۔ اگر بہیمیت کی نیت سے کوئی شخص ان تعلقات کو قائم کرتا ہے تو وہ انسانیت کی توہین کرتا ہے اور اگر اخلاق اور تقویٰ اللہ پر بنیاد رکھتا ہے تو وہ اخلاق اور تقویٰ اللہ کو قائم کرنے والا ہوتا ہے۔[1]"

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ یکم اپریل ۱۹۵۶ء صفحہ ۴۔

فصل پنجم

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قیام پر جماعتِ احمدیہ پاکستان کا جشنِ مسرت

۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کا دن پاکستان کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس روز "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کا وجود عمل میں آیا اور نئے دستور کے تحت میجر جنرل سکندر مرزا نے پہلے صدر جمہوریہ کی حیثیت سے حلف اُٹھا کر اپنے عہدے کا چارج سنبھالا۔ اس تقریب پر پُورے مُلک میں خوشی و مسرت کی لہر دَوڑ گئی تھی۔ اور جماعت احمدیہ پاکستان نے بھی جوش و خروش کے ساتھ جشنِ مسرت منایا۔ اس روز ربوہ میں جماعت کے مرکزی دفاتر پر پاکستانی پرچم لہرائے گئے۔ متعدد کھیلوں، ضیافتوں اور جلسہ عام کے انعقاد کے علاوہ استحکامِ پاکستان کے لئے دُعائیں کی گئیں۔ غرباء کو کھانا کھلایا گیا۔ بچوں میں مٹھائی تقسیم کی گئی اور رات کو چراغاں کیا گیا۔ ربوہ میں رات گئے تک خوب چہل پہل اور رونق رہی۔ ناظر صاحب امورِ خارجہ نے جماعت احمدیہ کی طرف سے صدر مملکت میجر جنرل سکندر مرزا، عزّت مآب وزیرِ اعظم جناب چوہدری محمد علی صاحب۔ وزیرِ داخلہ جناب عبدالستار صاحب گورنر مغربی پاکستان جناب مشتاق احمد صاحب گورمانی اور وزیرِ اعلیٰ پنجاب ڈاکٹر خانصاحب کی خدمت میں مبارک باد کے برقی پیغام ارسال کئے۔ جماعتِ احمدیہ انگلستان کی طرف سے بھی صدر مملکت اور وزیرِ اعظم کے نام مبارکباد کے تار ارسال کئے گئے۔[1]

یہ دن ملک اور جماعت احمدیہ پاکستان کے لئے دوہری خوشی کا دن تھا۔ کیونکہ اس دن جمعہ کا مبارک دن تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس دن کی خصوصیت کے پیشِ نظر اپنے یادگار خطبہ جمعہ میں خاص طور پر دستورِ پاکستان کے نفاذ پر دِلی مسرت کا اظہار کیا اور اہلِ پاکستان اور

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۵، ۲۶ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۔

خصوصاً جماعتِ احمدیہ کو انکی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:۔

"آج کا دن حکومتِ پاکستان نے ملک کی کانسٹی ٹیوشن بننے پر خوشی منانے کے لئے مقرر کیا ہے اور اس میں کیا شبہ ہے کہ یہ خوشی کا دن ہے۔ ۱۹۴۷ء میں مَیں نے جو لیکچر دیئے تھے۔ اُن میں مَیں نے یہ بیان کیا تھا کہ مسلمان جو بھی آئین بنائیں وہ اسلامی ہی ہوگا۔ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک سچا مسلمان کوئی آئین بنائے اور وہ غیر اسلامی ہو۔ مسلم کے معنے فرمانبردار کے ہیں۔ مُسلم کے معنے ہی خدا اور اس کے رسول کے ماننے والے کے ہیں۔ اگر کوئی شخص خدا اور اس کے رسول کو ماننے والا ہے اور سچے طور پر ان کا فرمانبردار ہے تو وہ ایسا قانون بنائے گا ہی کیوں جو غیر اسلامی ہوگا۔ پس ایسی اسمبلی جو سچے مسلمانوں پر مشتمل ہو غیر اسلامی دستور بنا ہی نہیں سکتی۔ ہماری کانسٹی ٹیوشن تو پہلے سے ہی قرآن کریم میں موجود ہے اور اس کی توضیح اور تشریح کے لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی احادیث موجود ہیں لیکن اس پر غیر مسلموں کو تسلّی نہیں تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ قرآن کریم میں کانسٹی ٹیوشن کے لئے پُورا مسالہ موجود نہیں۔ دوسرے ہر قاضی اور ہر افسر قرآن کریم سے صحیح بات نہیں نکال سکتا۔ اس لئے ضروری تھا کہ پورے طور پر غور کر کے قانون کو ایک معین شکل دے دی جاتی تاکہ جو لوگ قرآن کریم پر غور نہیں کر سکتے وہ اس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ پھر دوسرے ممالک کے مقابل پر بھی پاکستان کا آئین تیار ہونا نہایت ضروری تھا سو خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ قریباً نو سال میں ہمارا دستور تیار ہوگیا۔ اگر دستور کے بننے میں مزید دیر ہوتی تو بہت سی خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ مُلک میں عام طور پر مایوسی پیدا ہوگئی تھی۔ اور لوگ سمجھتے تھے کہ ہمارے لیڈر اس اہم مسئلے پر بھی سر جوڑ کر بیٹھنے اور غور و فکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے سو آج جب کہ دستور بن کر قوم کے سامنے آگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیڈروں کو پبلک کے عائد کردہ الزامات سے بچا لیا ہے۔ باقی لوگ اس آئین پر اعتراضات کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس میں فلاں غلطی ہے فلاں نقص ہے۔ انہیں بھی یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ دستور بہر حال انسانوں کا بنایا ہوا ہے اور انسانوں کے بنائے ہوئے دستور میں غلطیوں کا احتمال ہو سکتا ہے۔ اس لئے دستور میں کوئی غلطیاں رہ بھی گئی ہوں تو ان کی بعد میں اصلاح ہوتی رہے گی ہمیں ان چند غلطیوں کی وجہ سے سارے دستور پر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔ قرآن کریم ہمارے سامنے ہے

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی احادیث ہمارے پاس موجود ہیں۔ اگر کسی معاملہ میں ہمیں محسوس ہو کہ ہم نے اس بارہ میں صحیح قدم نہیں اٹھایا تو اسے ہر وقت بدلا جا سکتا ہے۔ حضرت علیؓ کو دیکھ لو۔ آپ فرماتے تھے کہ جب مسح کے احکام نازل ہوئے تو مَیں تردّد میں پڑ گیا۔ مَیں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے پاؤں کے اوپر مسح کرنے کا حکم دیا ہے حالانکہ مٹی تو پاؤں کے نچلے حصّے کو لگتی ہے۔ لیکن پھر مَیں نے سمجھا کہ جب خدا تعالیٰ نے اوپر مسح کرنے کا حُکم دیا ہے تو یہی درست ہے۔ میرا خیال درست نہیں۔

پس خدا تعالیٰ کے مقابلے میں انسانی عقل کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ بڑے بڑے برگزیدہ لوگوں کی عقلیں بھی اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے۔ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم دی ہے کہ ہر وقت یہی دُعا کرو کہ اے اللہ میرے علم کو بڑھا گویا ایک ایسا شخص جو علم کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ جسے فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔ کا مقام حاصل تھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم نے اسے وہ علم دیا ہے جو کسی اور کو نہیں دیا۔ اسے بھی رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا کی دُعا سکھائی گئی۔ پس خدا خدا ہی ہے اور بندہ بندہ ہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم باوجود اس کے کہ افضل الرسل اور خاتم النبیّین تھے پھر بھی علم حاصل کرنے کے محتاج نہ ہوتے تو خدا تعالیٰ آپؐ پر قرآن کریم کیوں نازل کرتا۔ یہی فرما دیتا کہ تم خود ہی غور کر کے انسانوں کے لئے ایک لائحہ عمل بنا دو۔ لیکن خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ خود قرآن کریم نازل کیا اور بسم اللہ کی ب سے لے کر والناس کی س تک ایک مفصّل کتاب نازل کر دی۔ پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جیسا انسان بھی یہ دُعا کرتا رہتا تھا کہ الٰہی میرا علم بڑھا تو پاکستان کی کانسٹی ٹیوشن پر یہ شور مچانا کہ چونکہ اس میں بعض غلطیاں رہ گئی ہیں اس لئے یہ قابلِ قبول نہیں۔ کونسی معقول بات ہے۔ یہ کانسٹی ٹیوشن خدا تعالیٰ کی تیار کردہ نہیں بلکہ انسانوں کی بنائی ہوئی ہے اور انسانوں کے کاموں میں بہرحال غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ اس لئے اس پر جھگڑنا اور شور مچانا بے معنیٰ بات ہے۔

مَیں اس موقع پر ایک بات اپنی جماعت سے بھی کہنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ التّین میں فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو اعلیٰ درجہ کی قوّتیں دے کر دُنیا میں بھیجا ہے لیکن بعض دفعہ اس میں

ایسا بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے حصّہ میں گر جاتا ہے۔ یہی حال قوموں کا ہوتا ہے۔ بعض اوقات جب قوموں پر غلامی کا دَور ہوتا ہے تو وہ کہتی ہیں کہ کاش ہمیں آزادی حاصل ہوتی تو ہم ملک کی خاطر کوئی اہم کام کرتیں۔ لیکن جب انہیں آزادی ملتی ہے اور انہیں طاقت اور دولت میسّر آجاتی ہے تو اُن کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں وہ اپنوں اور ہمسایہ قوموں کا جانی اور مالی نقصان کرنے لگ جاتی ہیں۔ اور قتل و غارت کو اپنا شیوہ بنا لیتی ہیں۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ ایک دوسری جگہ فرماتا ہے کہ بعض لوگوں کو جب ملک میں کوئی اقتدار حاصل ہوتا ہے تو وہ مظالم پر اُتر آتے ہیں اور اقتصادی اور نسلی طور پر دوسروں کو کچلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پس جہاں اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزادی دی ہے وہاں ہمارے لئے یہ خطرہ بھی ہے کہ ہم کہیں اس آزادی کا غلط استعمال نہ کرنے لگ جائیں اور بنی نوع انسان کو چاہے وہ ہمارے ملک کے ہوں یا دوسرے ممالک کے کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں بھی صحابہؓ سے بعض غلطیاں ہوئیں۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب بھی ان کا علم ہُوا۔ آپؐ نے فوراً ان کا تدارک کر دیا مثلاً ایک دفعہ آپؐ نے کچھ صحابہؓ کو باہر خبر رسانی کے لئے بھجوایا۔ دشمن کے کچھ آدمی ان کو حرم کی حد میں مل گئے صحابہؓ نے اس خیال سے کہ اگر ہم نے ان کو زندہ چھوڑ دیا تو یہ جا کر مکہ والوں کو خبر دیں گے اور ہم مارے جائیں گے ان پر حملہ کر دیا اور ان میں سے ایک شخص لڑائی میں مارا گیا۔ جب یہ خبریں دریافت کرنے والا قافلہ مدینہ واپس آیا تو پیچھے پیچھے مکّہ والوں کی طرف سے بھی ایک وفد شکایت لے کر آگیا کہ انہوں نے حرم کے اندر ایک آدمی مار دیا ہے۔ جو لوگ حرم کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر ظلم کرتے رہتے تھے۔ ان کو جواب تو یہ ملنا چاہیئے کہ تم نے کب حرم کا احترام کیا ہے کہ تم ہم سے حرم کے احترام کا مطالبہ کرتے ہو۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ جواب نہ دیا بلکہ فرمایا کہ ہاں بے انصافی ہوئی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اس خیال سے کہ حرم میں وہ محفوظ ہیں انہوں نے اپنے بچاؤ کی پوری کوشش نہ کی ہو۔ اس لئے آپ لوگوں کو خون بہا دیا جائے گا۔ چنانچہ آپ نے قتل کا وہ فدیہ جس کا عربوں میں رواج تھا۔ ان کے ورثاء کو ادا کیا۔ اس طرح ایک دفعہ میدانِ جنگ میں آپؐ نے ایک عورت کی لاش دیکھی تو آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور آپؐ نے

فرمایا یہ بہت بُری بات ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اس وقت ایسی ناراضگی کی حالت میں تھے کہ مَیں نے کبھی آپؐ کو ایسی حالت میں نہ دیکھا۔ اس طرح ایک اور واقعہ ہُوا۔ لڑائی ہو رہی تھی کہ کفّار میں سے ایک شخص نے بلند آواز سے کہہ دیا کہ مَیں صابی بنتا ہوں اس زمانہ میں مسلمانوں کو عام طور پر صابی کہا جاتا تھا جیسے بعض لوگ ہمیں قادیانی کہتے ہیں۔ اَب اگر کوئی ناواقف شخص وفاتِ مسیح کا مسئلہ سمجھ کر احمدیت اختیار کرلے اور کہے کہ مَیں قادیانی ہوگیا ہوں تو ہم اسے یہ نہیں کہہ سکتے کہ تو ہماری جماعت میں سے نہیں۔ مگر ایک صحابی نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور اسے قتل کردیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ اس صحابی پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا جب اس نے توبہ کرلی تھی تو تم نے اسے کیوں قتل کیا۔ اس صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ شخص ڈر کے مارے اسلام کا اظہار کر رہا تھا ورنہ حقیقتاً وہ مسلمان نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تُو نے اس کا سینہ پھاڑ کر دیکھ لیا تھا کہ وہ ڈر کے مارے اسلام کا اظہار کر رہا ہے۔ وہ صحابیؓ کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ناراضگی کا مجھ پر اس قدر اثر ہُوا کہ مَیں نے خواہش کی کہ کاش مَیں آج مسلمان ہوتا تا میرے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے۔ پس قومیں بعض اوقات دولت اور طاقت کے نشے میں دوسروں پر ظلم بھی کرنے لگ جاتی ہیں۔ اس لئے بے شک تم خوشیاں مناؤ اور خوشیاں منانا تمہارا حق ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ وطن سے محبت کرنا بھی ایمان میں داخل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں نصیحت کروں گا کہ تم اپنے لئے اور دوسروں کے لئے استغفار بھی کرو۔ اور دُعا کرو کہ تم میں سے کسی سے کوئی ایسی غلطی سرزد نہ ہو کہ اس کی وجہ سے اسلام پر اعتراض عائد ہوجائے۔ لوگ مانیں یا نہ مانیں خدا تعالےٰ تمہیں ایک دن دُنیا پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ اس نے خود حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو الہاماً فرمایا ہے "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"۔ اور جب وہ وقت آئے گا کہ بادشاہ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے تو وہ کون سے احمق ہوں گے جو تم سے برکت حاصل نہیں کریں گے۔ کپڑے تو بے جان چیز ہیں اور تم جاندار ہو۔ جب وہ وقت آئے گا کہ بادشاہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے تو آپ کے صحابہؓ اور

تابعین اور پھر تبع تابعین سے بھی اُن کے درجات کے مطابق برکت حاصل کی جائے گی۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے کتنے فاصلے پر تھے۔ لیکن بغداد کے بادشاہ اُن سے برکت ڈھونڈتے تھے۔ بلکہ صرف انہیں سے برکت نہیں ڈھونڈتے تھے بلکہ ان کے شاگردوں سے بھی برکت ڈھونڈتے تھے۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرتے رہو کہ طاقت مل جانے کے بعد کہیں ظُلم نہ کرنے لگ جاؤ۔ اور تمہاری امن پسندی عصمت بی بی از بے چادری والی نہ ہو۔ اگر تم طاقت ملنے پر ظالم بن جاؤ گے تو تمہاری آج کی نرمی بھی ضائع ہو جائے گی اور خدا تعالےٰ کہے گا کہ اپنے تو تمہارے ناخن ہی نہیں تھے اس لئے تم نے سر کھجلانا کیسے تھا۔ اَب مَیں نے تمہیں ناخن دیئے ہیں تو تم نے سر کھجلانا بھی شروع کر دیا ہے۔ پس تم خوشی منانے کے ساتھ ساتھ استغفار بھی کرتے رہو اور اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی دُعائیں کرو کہ وہ اس آزادی کو سب کے لئے مبارک کرے پھر جن لوگوں کے ہاتھ میں اس وقت ملک کی باگ ڈور ہے ان کے لئے بھی دُعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ انہیں سچی نیکی اور تقویٰ اور انکسار عطا کرے جو ایک مومن کا خاصہ ہے۔ صحابہ کرام کو دیکھ لو باوجود اس کے کہ انہیں ہر قسم کی بڑائی حاصل تھی۔ اِن میں حد درجہ کا انکسار پایا جاتا تھا اور غرور سے وہ کوسوں دُور رہتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید ہی کو دیکھ لو۔ انہوں نے چند آدمیوں کے ساتھ رومی حکومت سے ٹکر لے لی تھی حالانکہ اس وقت کی رومی سلطنت اس وقت ہندوستانی حکومت سے بھی بہت زیادہ طاقت ور تھی اور خالدؓ کے ساتھی خواہ اس وقت کتنے بھی زیادہ ہوں۔ بہرحال پاکستان کی طاقت سے کم طاقت رکھتے تھے۔ لیکن انہوں نے رومی حکومت سے ٹکر لی اور پھر اس جنگ میں فتح حاصل کی۔ اسی خالدؓ کو بعض وجوہات کی بناء پر حضرت عمرؓ نے کمانڈر ان چیف کے عہدے سے برطرف کر دیا۔ ان کی برطرفی کا آرڈر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے ذریعہ بھیجا گیا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ نے حضرت خالد کے ماتحت کام کیا تھا اور وہ جانتے تھے کہ اسلامی فتوحات میں ان کا بہت بڑا دخل ہے۔ انہیں خیال گذرا کہ شاید خالدؓ کو برطرفی کا حکم بُرا لگے۔ اس لئے انہوں نے فوری طور پر اس کا اعلان نہ کیا۔ لیکن بعض لوگوں کو اس کا پتہ لگ گیا اور انہوں نے خالدؓ کو بھی بتا دیا۔ یہ سُنکر خالدؓ حضرت ابوعبیدہ کے پاس آئے اور کہنے لگے مجھے معلوم ہوا ہے کہ میری برطرفی کے احکام آچکے ہیں۔

لیکن آپ نے مجھے نہیں بتایا جس دن آپ کے پاس میری برطرفی کے احکام آئے تھے آپ کو چاہئے تھا کہ اس دن مجھے اطلاع دے دیتے تاکہ میں فوری طور پر خلیفہ وقت کے احکام کی تعمیل کر دیتا۔ یہ میرا استعفیٰ ہے۔ اسے حضرت عمرؓ کے پاس بھجوا دیں اور فوج کا کام سنبھال لیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا کہ میں حضرت عمرؓ کو بھی لکھوں گا مگر آپ سے بھی کہتا ہوں کہ میں سپہ سالاری کا عہدہ اس وقت قبول کروں گا جب آپ وعدہ کریں کہ آپ حسبِ سابق میرے ساتھ مل کر کام کرتے رہیں گے۔ حضرت خالدؓ نے کہا کہ میں آپ کی ایک سپاہی سے بھی بڑھ کر اطاعت کروں گا۔ میں نے جو خدمت کی ہے وہ کسی مرتبہ اور عزت کے لئے نہیں کی بلکہ میری ساری خدمت خدا تعالیٰ کی خاطر تھی۔ تو دیکھو خالدؓ کی بڑائی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ لیکن پھر بھی ان میں کس قدر انکسار پایا جاتا تھا۔ لیکن آج کل ایک وزیر کسی وجہ سے وزارت سے ہٹتا ہے تو وہ اپنی علیحدہ پارٹی بنا لیتا ہے پس تم دعائیں کرو کہ آزادی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ ایسی روح پیدا کرے کہ جوں جوں ملک و قوم کو طاقت اور قوت ملتی جائے۔ تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور خدا تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب قرآن کریم کو قائم کرنے کی کوشش کرتے چلے جاؤ ایسا نمونہ دکھاؤ کہ ہندو خود تمہارے پاس آئیں اور کہیں کہ ہم مسلمان بننا چاہتے ہیں اور یہ کوئی بعید بات نہیں۔ آخر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو کس تلوار نے جیتا تھا پھر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو کس تلوار نے جیتا تھا۔ یہ سب لوگ قرآن کریم کی تعلیم سے متاثر ہو کر ایمان لائے تھے۔ اسی طرح اب بھی قرآن کریم کی تعلیم ہندوؤں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کر سکتی ہے۔

ایک مشہور عیسائی مصنف کارلائل نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اُس نے دُنیا کے مشہور آدمیوں کا ذکر کیا ہے۔ جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی شامل ہے۔ اس کتاب میں وہ ایک جگہ لکھتا ہے۔ عیسائی مصنف اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعویٰ کیا تو اس وقت آپ اکیلے تھے اور پھر آہستہ آہستہ لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ پس سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے بغداد میں اسلام کے لئے تلوار چلائی۔ انہیں کس تلوار سے اسلام کی طرف کھینچا گیا۔ ان لوگوں کو صرف دلائل اور براہین سے ہی اسلام کی طرف مائل کیا گیا تھا پھر جب بڑے بڑے لوگوں کو

دلائل اور براہین سے اسلام میں داخل کیا گیا تھا۔ تو کمزور اور ادنیٰ لوگوں کو دلائل اور براہین سے کیوں داخل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

پس ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کی تعلیم کو ہم زیادہ سے زیادہ بہتر رنگ میں پھیلائیں اور اپنے اخلاق فاضلہ سے انہیں متأثر کریں۔ اگر پاکستان اس ذمہ داری کو احسن طریق پر ادا کرے تو انگلستان، امریکہ، جرمنی، فرانس، سپین، آسٹریا، سوئٹزرلینڈ، روس اور جاپان بلکہ ساری دنیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ کر آپ کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو جائے گی اور وہ آپ کی غلامی میں فخر کرے گی.....“[1]

فصل ششم

افغانستان میں ایک مخلص احمدی کی شہادت

افغانستان کے مخلص احمدی ۱۹۰۱ء سے حق و صداقت کے لئے جانی قربانی پیش کرتے آ رہے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت مولوی عبدالرحمن صاحبؓ[2] کو وسط ۱۹۰۱ء میں اور حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہیدؓ[3] کو بتاریخ ۱۴ جولائی ۱۹۰۳ء میں جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ خلافتِ ثانیہ کے عہد میں تیسری شہادت حضرت مولوی نعمت اللہ صاحبؓ[4] کو ۱۹۲۴ء میں نصیب ہوئی۔ ۱۹۳۹ء میں ولیداد خانصاحب اور آپ کا ڈیڑھ ماہ کا ننھا بچہ شہید کیا گیا۔ آپ[5] کے بعد بھی بعض افغانستانی احمدی شہید کئے گئے۔ جن میں داؤد جان صاحب خاص طور پر

---

۱ روزنامہ الفضل

۲ تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۱۸۵۔ ۳ تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۳۲۷ تا ۳۵۵۔

۴ تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۴۴۷ تا ۴۶۱۔ ۵ تاریخ احمدیت جلد ۸ صفحہ ۵۵۸۔

قابلِ ذکر ہیں۔ آپ موضع جاجی ضلع پختیمہ صوبہ کابل کے رہنے والے تھے اور علاقہ کے معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے خاندان میں اکیلے اور نہایت مخلص احمدی تھے۔ جو تھوڑا ہی عرصہ قبل ربوہ میں آکر حضرت مصلح موعودؓ کے ہاتھ پر بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔ آپ دسمبر ۱۹۵۵ء کے جلسہ سالانہ ربوہ میں شامل ہوئے اور ربوہ میں مجاہدِ بورنیو ڈاکٹر بدرالدین صاحب مرحوم کی کوٹھی واقع دارالصدر شمالی ربوہ میں ایک ماہ تک قیام کیا۔

واپسی پر لوگوں کو جب اس بات کا علم ہوا کہ آپ ربوہ گئے تھے۔ انہیں پکڑ لیا گیا اور علاقہ کے حاکم نے مطالبہ کیا کہ اسے موت کی سزا دو۔ مگر حاکم علاقہ تو شریف انسان تھے۔ اُن کے دل میں رحم تھا انہوں نے کہا کہ میں اس کے قتل کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ ہمارے مُلک میں مذہبی آزادی ہے۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ حاکم اسے مارنے کے لئے تیار نہیں تو انہوں نے قید خانہ پر حملہ کر دیا۔ اس کے دروازے توڑ دیئے اور داؤد جان کو قید خانہ سے نکال باہر کیا اور دریافت کیا کہ وہ گذشتہ جلسہ سالانہ کے موقع پر ربوہ پاکستان گیا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں مَیں گیا تھا۔ اس پر انہیں کھُلے میدان میں کھڑا کر کے گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔[1]

یہ دردناک واقعہ کس تاریخ کو پیش آیا۔ اس کے بارے میں کوئی قطعی رائے نہیں دی جاسکتی۔ البتہ بعض قرائن کی رُو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ فروری ۱۹۵۶ء کے آخری ایام تھے۔

مرحوم کی عمر بوقت شہادت قریباً تیس سال تھی۔ مرحوم نے اپنے پیچھے ایک بیوہ (محترمہ گل بی بی صاحبہ)۔ ایک بیٹی (امینہ خانم) اور تین بیٹے (غازی جان۔ ابراہیم جان۔ گل جان) یادگار چھوڑے۔ حادثۂ شہادت کے بعد پسماندگان کو بھی بہت سے آلام و مصائب میں سے گذرنا پڑا۔ جس کی تفصیل بہت دردانگیز ہے۔ یہ مظلوم خاندان بڑی مشکل سے ہجرت کر کے پاکستان پہنچا۔[2]

---

[1] الفضل ۱۳ر اپریل ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ و الفضل ۱۴ر جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۔

[2] اس دردناک سانحہ کے چند ماہ بعد وسط ماہ جون ۱۹۵۶ء میں افغانستان میں ایک ہلاکت آفرین زلزلہ آیا جو اتنی شدید نوعیت کا تھا کہ دریاؤں نے اپنا رُخ بدل لیا کئی نالے ناپید ہو گئے۔ کابل اور نواحی علاقوں کے ہزاروں مکانات گر گئے۔ چھ سو افراد ہلاک ہوئے۔ مجروحین کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ الغرض یہ زلزلہ قیامتِ صغریٰ کا نمونہ تھا جو کوئٹہ کے ۱۹۳۵ء کے زلزلہ سے بھی شدید اور ہولناک تھا۔

حضرت مصلح موعودؓ نے شہید مرحوم کا جنازہ غائب ۲۳ ؍ مارچ ۱۹۵۶ء کو نمازِ جمعہ کے بعد پڑھایا اور مرحوم کا یوں ذکر کیا :-

"یہ مخلص دوست جلسہ پر ربوہ آئے تھے۔ واپس گئے تو بعض لوگوں نے اُن کی شکایت حکام میں کر دی۔ انہوں نے بلا کر دریافت کیا کہ کیا تم ربوہ گئے تھے تو انہوں نے کہا ہاں مَیں ربوہ گیا تھا۔ اس پر انہیں قید کر دیا گیا۔ مگر ان کی قوم کی اس سے تسلّی نہ ہوئی۔ چنانچہ ایک بڑے زبردست ہجوم نے قید خانہ پر حملہ کر دیا اور اس کے دروازے اور کھڑکیاں توڑ دیں اور پھر انہیں نکال کر لے گئے اور کھلے میدان میں کھڑا کر کے شہید کر دیا۔ مرنا تو سب نے ہے لیکن اس قسم کی موت بہت دُکھ اور تکلیف کا موجب ہوتی ہے اور مارنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق بناتی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا کہ تُو اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آگئی ہے لیکن ظالم کی مدد کیسے کی جائے۔ آپ نے فرمایا ظالم کو ظلم سے روکو یہی اس کی مدد ہے۔ پس تم دُعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کی حفاظت فرمائے اور جن لوگوں نے یہ غلطی کی ہے انہیں بھی ہدایت دے۔ تا بجائے اس کے کہ وہ احمدیوں کے خلاف تلوار اٹھائیں اُن کے دل احمدیت کے نُور سے منوّر ہو جائیں اور انہیں نیکی کی راہوں پر چلنے کی توفیق نصیب ہو۔"[1]

اسلامی ممالک کی نسبت حضرت مصلح موعودؓ کے تأثرات

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ ہمیشہ ہی مسلمان ملکوں کی ترقی و بہبود کے لئے کوشاں رہتے تھے اور ان کی نیک شہرت کے خواہاں بھی تھے۔ داؤد جان کے بہیمانہ قتل کے واقعہ سے چونکہ بیرونی دُنیا میں حکومت افغانستان کی بدنامی کا خدشہ تھا۔ اس لئے حضور نے ۹ ؍ مارچ ۱۹۵۶ء کو شہید مرحوم کی نمازِ جنازہ پڑھاتے ہوئے وضاحت فرمائی کہ ان کی شہادت میں افغانستان کا ہرگز کوئی دخل نہیں۔ ازاں بعد ۳۰ ؍ مارچ ۱۹۵۶ء کو ایک مفصّل خطبہ ارشاد

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۳ ؍ اپریل ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ تا ۵۔

فرمایا جس میں افغانستان سمیت تمام اسلامی ممالک کی نسبت اپنا یہ تجربہ بتایا کہ ان میں اسلام کے اثر کے ماتحت خدا ترسی کا زیادہ بہتر نمونہ پایا جاتا ہے. چنانچہ آپ نے پہلے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اس میں حکومت افغانستان پر کوئی حرف نہیں آتا۔ ازاں بعد فرمایا :۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ میں جب صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کو شہید کیا گیا اور ملک میں احمدیوں کے خلاف جوش پیدا ہو گیا تو کچھ احمدی وہاں سے بھاگ کر ہندوستان آگئے مجھے یاد ہے امان اللہ خاں سابق شاہ افغانستان تخت پر بیٹھا تو اس نے انگریزوں سے لڑائی کی اور اتفاق ایسا ہُوا کہ اس لڑائی میں پٹھانوں کا پلّہ بھاری رہا. عام طور پر سمجھا جاتا تھا کہ انگریزوں کے مقابلہ میں پٹھانوں کی طاقت کچھ بھی نہیں. لیکن مَیں نے ان دنوں رؤیا میں دیکھا کہ اگر انگریزوں نے اس محاذِ جنگ پر اپنے چوٹی کے افسر نہ بھیجے تو انہیں شکست ہو گی ۔نادر شاہ جو موجودہ شاہ افغانستان کے والد تھے، وہ افغان فوج کے جرنیل تھے. انہیں خدا تعالےٰ نے توفیق دی اور انہوں نے کامیابی کے ساتھ انگریزوں کو پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا. اتفاق کی بات ہے کہ اس لڑائی کے کچھ عرصہ بعد شملہ گیا تو وہاں گورنمنٹ آف انڈیا کے ہوم سیکرٹری نے مجھے چائے پر بُلایا۔ اس وقت کے چیف آف دی جنرل سٹاف بھی ان کے ساتھ تھے۔ باتوں باتوں میں مَیں نے انہیں اپنی رؤیا سُنائی۔ اس پر چیف آف دی جنرل سٹاف بے اختیار بول اُٹھے کہ آپ کی رؤیا بالکل درست ہے اور مَیں اس کا گواہ ہوں. مَیں ان دنوں فوج کا کمانڈر تھا جو پٹھانوں سے لڑ رہی تھی۔ ایک دن پٹھان فوج ہمیں دھکیل کر اتنا پیچھے لے گئی کہ ہماری شکست میں کوئی شُبہ باقی نہ رہا تھا. اور ہمیں مرکز کی طرف سے یہ احکام موصول ہو گئے تھے کہ فوجیں واپس لے آؤ. چنانچہ ہم نے اپنا سامان ایک حد تک واپس بھجوا دیا تھا. لیکن اتفاق ایسا ہُوا کہ پٹھان فوج کو ہماری فوجی طاقت کے متعلق غلطی لگ گئی اور وہ آگے نہ بڑھی اگر وہ آگے بڑھ آتی تو افغان فوج ڈیرہ اسمٰعیل خان تک ہمیں دھکیل کر لے آتی۔ اور ہمارے ہاتھ سے پنجاب بھی نکل جاتا۔

اس لڑائی کے بعد افغانستان کا ایک وفد منصوری آیا. مَیں نے اپنا ایک وفد منصوری بھیجا تاکہ وہ افغان نمائندوں سے گفتگو کر سکے. انہوں نے کہا کہ آخر ہمارا کیا قصور ہے کہ آپ کے مُلک میں ہمارے آدمی مارے جاتے ہیں۔ نیک محمد خاں صاحب جو غزنی کے گورنر میر احمد خانصاحب کے

بیٹے ہیں۔ اس وفد کے ممبر تھے۔ جو ہم نے منصوری بھیجا۔ افغان وفد میں محمود طرزی صاحب بھی تھے جو امان اللہ خاں کے خسر تھے۔ اور حکومت افغانستان کی طرف سے پیرس میں سفیر بھی رہ چکے تھے۔ اور ایک ہندو وزیر تھے۔ جو اس وقت حکومت افغانستان کے وزیر خزانہ تھے۔ ہندو وزیر نے نیک محمد خاں کو دیکھتے ہی کہا تم تو پٹھان ہو تم یہاں کیسے آئے ہو۔ انہوں نے کہا میں احمدی ہوں۔ آپ کے ملک میں امن نہیں تھا اس لئے میں یہاں آ گیا۔ وزیر نے کہا تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ انہوں نے کہا۔ میں غزنی کا رہنے والا ہوں اور وہاں کے گورنر میر احمد خاں صاحب کا بیٹا ہوں۔ ہندو وزیر روتے ہوئے نیک محمد خاں صاحب سے بغل گیر ہو گیا اور کہنے لگا تم میر احمد خان کے بیٹے ہو اور یہاں پھر رہے ہو۔ میر احمد خاں تو میرا بھائی تھا تمہیں افغانستان میں کون کچھ کہہ سکتا ہے تم اپنے وطن میں واپس آ جاؤ۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ محمود طرزی صاحب نے بھی کہا کہ اگر تم افغانستان آ جاؤ تو تم پر کوئی سختی نہیں ہوگی۔ میں خود نگرانی کروں گا تم ایک درخواست بھیج دو تو میں تمہاری واپسی کا انتظام کروں گا۔ چنانچہ ہم نے مولوی نعمت اللہ خانصاحب کو جو پہلے سے افغانستان میں موجود تھے۔ محمود طرزی صاحب سے ملنے کے لئے کہا۔ اور انہوں نے حسبِ وعدہ احمدیوں کی بعض تکالیف کا ازالہ کر دیا۔ اس موقع پر ہمارے مبلغ نے اپنے آپ کو جس طرح گورنمنٹ کے سامنے ظاہر کر دیا تھا پبلک پر بھی ظاہر کر دیا۔ شروع میں تو امان اللہ خانصاحب نے دلیری دکھائی اور جہاں کہیں احمدیوں پر سختی ہوتی تھی۔ وہ خود فون کے ذریعے اسے روکتا اور کہتا کہ ہمارے ملک میں ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ لیکن بعد میں مولویوں سے ڈر گیا۔ اور مولوی نعمت اللہ خاں کو سنگسار کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا۔ لیکن خدا تعالےٰ نے امان اللہ خان کو بغیر سزا کے نہ چھوڑا جب نادر شاہ نے برسرِ اقتدار آنا چاہا تو لازماً اس سے ہمیں ہمدردی تھی مگر نادر شاہ کو فوج نہیں ملتی تھی۔ اس نے خیال کیا۔ اگر وزیری اس کے ساتھ مل جائیں تو اسے فتح کی امید ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ سرحد پر آیا اور اس نے وزیریوں کو ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ وہاں ایک احمدی حکیم تھے۔ جن کا وزیریوں پر اثر تھا۔ انہوں نے نادر شاہ کے حق میں وزیریوں میں پروپیگنڈا کیا۔ چنانچہ آہستہ آہستہ وزیری اس کے ساتھ شامل ہونے لگے اور تھوڑے عرصہ میں ہی ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا۔ ایک اور احمدی نوجوان بھی وہاں

بھے جو خوست کے رہنے والے تھے۔انہوں نے بھی اس کی مدد کی۔ چنانچہ نادر شاہ نے ان دونوں کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور وزیریوں کے اس لشکر کے ذریعے شاہی فوج کو شکست دی اور افغانستان کے تخت پر قابض ہوگیا۔ فتح کے بعد اس نے احمدیوں سے کہا کہ تم افغانستان واپس چلو میں تمہیں آزادی دُوں گا۔ لیکن جب کچھ مدّت تک انتظار کرنے کے باوجود احکام جاری نہ ہوئے تو احمدی دوست نادر شاہ سے ملے اور اسے اس کا وَعدہ یاد دلایا۔ نادر شاہ نے کہا مجھے اپنا وَعدہ خوب یاد ہے۔ لیکن اگر موجودہ مخالفت کے دَور میں مَیں نے احکام جاری کر دیئے تو مجھے خوف ہے کہ افغان کہیں مجھے ہی نہ مار ڈالیں۔ آپ کچھ دیر صبر کریں مناسب موقع ملنے پر میں احکام جاری کر دُوں گا۔ پھر چند ماہ اور گذر گئے۔ لیکن پھر بھی حکومت کی طرف سے کوئی احکام جاری نہ ہوئے۔ اس پر ہمارے احمدی دوست پھر نادر شاہ سے ملے۔ اور کہا کہ اب تو ہم تنگ آچکے ہیں آخر آپ کب احکام جاری فرمائیں گے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد نادر شاہ نے کہا کہ مجھے ایک ترکیب سوجھی ہے۔ مَیں تمہارے خلاف حکومت کے پرانے حکم کی تائید کر دیتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی مَیں یہ حکم بھی دے دیتا ہوں کہ اگر کسی نے دوسرے شخص پر کوئی ایسا الزام لگایا جس کی سزا موت ہوئی اور وہ تحقیقات کے بعد جھُوٹا ثابت ہُوا تو الزام لگانے والے کو بھی موت کی سزا دی جائے گی۔ اس نے عام لوگوں پر قیاس کرتے ہوئے خیال کیا کہ جب کسی شخص کو یہ پتہ لگ جائے گا کہ اَب اسے موت کی سزا ملنے والی ہے تو وہ احمدی ہونے سے انکار کر دے گا اور دوسری طرف الزام لگانے والا ڈرے گا کہ اگر تحقیقات پر اس نے احمدی ہونے سے انکار کر دیا تو مجھے موت کی سزا ملے گی۔ چنانچہ واقعہ میں ایسا ہی ہُوا۔ اس اعلان کے نتیجہ میں لوگ ڈر گئے کہ اگر ہم کسی کو قادیانی کہیں گے اور وہ موقعہ پر قادیانی ہونے سے انکار کر دے تو ہمیں موت کی سزا ملے گی۔ اس کے نتیجہ میں احمدی بے دھڑک وہاں رہنے لگ گئے انہیں کوئی کچھ نہیں کہتا تھا۔ ظاہر شاہ کے وقت میں بھی ایسا ہُوا کہ اگر کسی والی نے احمدیوں کو پکڑ لیا اور اُن سے رشوت طلب کی تو بادشاہ نے نہ صرف انہیں آزاد کروا دیا بلکہ والی نے اگر کچھ روپیہ لے لیا تھا تو وہ بھی واپس دلوا دیا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ سب کچھ اسلام کے اثر کی وجہ سے ہے۔ چاہے اُن کے ملک میں کتنی غیر آئینی ہے مگر چونکہ وہ مسلمانوں کی نسل سے ہیں اس لئے ان میں کسی حد تک نیکی کا مادّہ موجود

ہے۔ اَب بھی یہ خبر ملی ہے کہ تیرہ احمدی جو گرفتار کئے گئے تھے، حکومت نے انہیں رہا کر دیا ہے۔ یہ چیز بتاتی ہے کہ چاہے مسلمانوں میں کتنی خرابیاں ہوں۔ اسلامی تعلیم کا ان پر اس قدر اثر ضرور ہے کہ انہیں نیکی کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے ہم خوشی اور افسوس کے مواقع پر حکومتوں کو تاریں دیتے ہیں تو غیر احمدی اسلامی حکومتیں ہماری تعداد کم ہونے کی وجہ سے ہماری تاروں اور پیغامات کی پرواہ بھی نہیں کرتیں لیکن اسلامی حکومتیں ان کی قدر کرتی ہیں۔ مجھے یاد ہے ابنِ سعود کو ایک دفعہ کسی موقع پر تار دی گئی تو انہوں نے فوراً اپنے نام سے جماعت کا شکریہ ادا کیا۔ پھر ایک دفعہ اُردن کے شاہ عبداللہ کو مَیں نے خط لکھا تو انہوں نے اس کے جواب میں اپنے دستخطوں سے ایک مفصّل خط بھجوایا۔ شاہ ایران کو ایک دفعہ ہمدردی کی تار دی تو انہوں نے حسین اعلیٰ کے ذریعہ جو اس وقت وزیرِ دربار تھے شکریہ کی تار بھیجی۔
غرض مَیں نے دیکھا ہے کہ اسلامی حکومتوں میں بہت سے اسلامی اخلاق ابھی باقی ہیں مثلاً مصر میں ہماری جماعت کے امیر فوت ہوئے تو خود جنرل نجیب اور کرنل ناصر نے ہمدردی کی تاریں ان کے خاندان کو دیں بلکہ ان میں سے ایک نے دو تاریں دیں۔ ایک تار ان کے اپنے خاندان کے رئیس ہونے کی وجہ سے اور ایک تار ان کے جماعت کے امیر ہونے کی حیثیت سے لیکن یہ باتیں ان علاقوں میں نہیں پائی جاتیں جو ہندو اثر کے نیچے ہیں مثلاً یہی دیکھ لو جب مَیں لاہور جاتا ہوں تو وہاں بڑی جماعت ہے اور اسمبلی کے ۲۵ - ۳۰ ممبر ایسے ہوتے ہیں جو ہمارے ووٹوں سے ممبر بنے ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ہندو اثر کے نیچے رہے ہیں اس لئے وہ ملنے سے گھبراتے ہیں۔ لیکن جب میں پشاور گیا تو اس وقت جو پارٹی بھی مجھے دی گئی اس میں صوبائی وزیرِ اعظم خان عبدالقیوم خانصاحب اور دو تین اور وزیر اور جوڈیشیل کورٹ کے جج بھی شریک ہوئے۔ اس کے مقابلہ میں لاہور میں بعض چھوٹے چھوٹے رئیس بھی ہماری پارٹیوں میں آنے سے گھبراتے ہیں حالانکہ ان پر ہمارے احسانات بھی ہوتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ لاہور کا علاقہ ہندو اثر کے نیچے رہا ہے اور پشاور اسلامی اثر کے نیچے ہے۔ اس لئے وہاں ابھی تک اسلام کا اثر پایا جاتا ہے۔
افغانستان میں جو تیرہ احمدیوں کو رہا کیا گیا ہے اس کو بھی اسلام کے اثر کا ہی نتیجہ سمجھتا ہوں۔ بلکہ داؤد جان صاحب کو بھی جو شہید کر دیئے گئے ہیں۔ علاقہ کے گورنر نے بچانے کی پوری کوشش

کی لیکن ہجوم نے حملہ کر کے انہیں باہر نکال لیا۔ اور گولی مار کر شہید کر دیا۔ وہاں ہر شخص کے پاس ہتھیار ہوتے ہیں اور جب لوگ جوش میں آجاتے ہیں تو حاکم بھی ڈر جاتے ہیں۔ بہرحال میرا تجربہ یہی ہے کہ جن ممالک میں اسلامی اثر پایا جاتا ہے وہاں کے رہنے والوں میں زیادہ اچھے اخلاق پائے جاتے ہیں۔ ان میں زیادہ تواضع ہوتی ہے۔ اور ان میں زیادہ انکسار پایا جاتا ہے لیکن جن لوگوں پر اسلامی اثر نہیں یا وہ غیر قوموں کے ساتھ رہ رہ کر اپنی اسلامی روایات کو بھول گئے ہیں۔ ان میں اب اسلام والی باتیں نہیں پائی جاتیں بلکہ ان میں غرور زیادہ پایا جاتا ہے۔ ورنہ اسلام کی برکت سے اسلامی ممالک میں بھی اگرچہ ہماری جماعت کی مخالفت کی جاتی ہے مگر تعلقات کے بارہ میں ان کی حالت دوسروں کی نسبت بہت زیادہ اچھی ہے۔ ابھی پچھلے دنوں مجھے ایران کے ایک مذہبی لیڈر کا خط آیا جس میں اُس نے لکھا کہ آئیں ہم مل کر اسلام کی خدمت کریں۔ مَیں نے اسے یہی لکھا ہے کہ ہم تو اس کے لئے تیار ہیں مگر تم خود غور کر لو۔ کہیں بعد میں لوگوں کی مخالفت پر پیچھے نہ ہٹ جانا۔ ہمارے مُلک میں تو لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ جب مسلم لیگ قائم ہوئی تو اس کی مالی حالت اتنی کمزور تھی کہ انہیں اپنے جلسے منعقد کرنے کے لئے بھی روپیہ نہیں ملتا تھا اور ہمیشہ میں انہیں مدد دیا کرتا تھا لیکن اب یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ ہمارا مُسلم لیگ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہا۔

مجھے لاہور میں ایک دفعہ لکھنؤ کے ایک وکیل ملے۔ انہوں نے کہا کہ مَیں قریباً نو سال مولانا محمد علی صاحب کا سیکرٹری رہا ہوں اور مجھے خوب یاد ہے کہ جب کبھی مسلم لیگ کا جلسہ ہوتا تھا آپ کو اس میں بلایا جاتا تھا۔ اور آپ سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ مَیں نے کہا دوسرے مسلمان تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارا مُسلم لیگ سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ وہ کہنے لگے کہ کوئی شخص جو حالات سے واقف ہو ایسا نہیں کہہ سکتا۔ میں خود مسلم لیگ کے جلسوں میں شریک ہوتا رہا ہوں اور مجھے خوب یاد ہے کہ آپ کو ان جلسوں میں بُلایا جاتا تھا اور جب روپیہ کی وجہ سے جلسہ نہ ہو سکتا تھا تو آپ سے مالی امداد لی جاتی تھی۔ ہم لوگ جو ابھی تک زندہ موجود ہیں اس بات کے گواہ ہیں۔ مَیں نے کہا کمرہ میں بیٹھ کر آپ کے گواہی دینے سے کیا بنتا ہے۔ اگر آپ میں جرأت ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ آپ حق بات کہہ رہے ہیں تو اخباروں میں بھی اپنا بیان شائع کروائیں۔ پس حقیقت یہی ہے کہ

جن ممالک میں اسلامی اثر پایا جاتا ہے ان میں ہمیں اخلاق، تواضع اور انکسار نظر آتا ہے۔ اور انہیں خدا تعالیٰ سے بھی محبت ہوتی ہے اس طرح سکھوں میں مَیں نے دیکھا ہے کہ ان میں بھی خدا تعالیٰ کی محبت پائی جاتی ہے۔ مَیں نے عام طور پر دیکھا ہے کہ سکھ ملنے آتے تھے تو وہ ہاتھ جوڑ کر رونے لگ جاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ دُعا کریں ہمیں خدا مل جائے۔ اسی طرح ہندوؤں میں بھی ایک طبقہ ایسا ہے جس میں خدا تعالیٰ سے ملنے کی تڑپ پائی جاتی ہے۔ بدقسمتی ہماری ہے کہ ہم نے ان میں تبلیغ بند کر دی ہے اور خدا تعالیٰ کی نعمت کو تالے لگا دیئے ہیں۔ اگر ہم انہیں تبلیغ کریں تو وہ ضرور اثر قبول کر لیں مجھے ایک دعوت کے موقع پر کراچی کے ایک انڈین ہائی کمشنر ملے انہوں نے باتوں باتوں میں بتایا کہ مجھے اسلام کی کتابیں پڑھنے کا بڑا شوق ہے اور آپ کا لٹریچر بھی مَیں نے پڑھا ہے۔ اس طرح تصوّف کی طرف مجھے رغبت ہے۔ اور فارسی اور عربی کی قابلیت جس قدر مَیں پیدا کر سکا ہوں اس کے مطابق تصوّف کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔

غرض بڑے بڑے ہندوؤں میں بھی خدا تعالیٰ کا خوف پایا جاتا ہے مدراس کے مشہور کانگرسی لیڈر شری راجگوپال اچاریہ کے متعلّق مَیں نے دیکھا ہے کہ ان میں بھی خدا تعالیٰ کا خوف پایا جاتا ہے اور ان کا دل چاہتا ہے کہ ہندوستان میں عدل و انصاف قائم رہے اور مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے لیکن ہم ان لوگوں تک اسلام کی تعلیم مناسب طریق سے نہیں پہنچاتے۔ بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ حکومت افغانستان نے ہمارے تیرہ احمدیوں کو چھوڑ دیا جو دوست شہید کر دیئے گئے ہیں اُن کی شہادت میں بھی گورنمنٹ کو کوئی دخل نہیں لوگ انہیں زبردستی قید خانہ سے نکال کر لے گئے اور شہید کر دیا۔ بہرحال دوست دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس ملک میں احمدیوں کے لئے امن کی صورت پیدا کر دے اور جن لوگوں نے وحشیانہ نمونہ دکھایا ہے انہیں ہدایت دے آخر وہ بھی ہمارے بھائی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ چاہے تو وہ انہیں ہدایت دے سکتا ہے۔"[۲]

---

[۲] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۴؍جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۲ تا ۴۔

داؤد جان کی شہادت سے متعلق اخبار "ریاست" کا اداریہ

دہلی کے ہفت روزہ "ریاست" نے داؤد جان صاحب مرحوم کی شہادت سے متعلق حسب ذیل اداریٰ نوٹ سپردِ اشاعت کیا :-

" افغانستان میں مذہبی آزادی —— احمدیوں کی سنگساری
قابلِ توجہ کنگ ظاہر شاہ ۔

چند روز ہوئے افغانستان کے ملاؤں اور مذہبی دیوانوں نے کابل کے جیل خانہ پر حملہ کر کے ایک افغان داؤد جان کو جیل سے نکال کر اس کو ہلاک کر دیا۔ جس کے حالات یہ ہیں۔

داؤد جان احمدی خیالات کے تھے اور وہ پچھلے سال احمدیوں کے سالانہ جلسہ میں شامل ہونے کے لئے ربوہ (ضلع جھنگ پاکستان) گئے۔ اس جلسہ میں شامل ہونے کے بعد یہ جب واپس کابل پہنچے تو وہاں کے مذہبی ملّاؤں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ احمدیوں کے سالانہ جلسے میں شامل ہونے کے لئے ربوہ گئے تھے۔ داؤد جان ایک نیک اور مذہبی شخصیت تھے۔ جو جھوٹ بولنا گناہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں آپ ربوہ گئے تھے۔ اُن کے ربوہ جانے کے جُرم میں ان ملاؤں نے افغان گورنمنٹ سے مطالبہ کیا کہ داؤد جان کو گرفتار کر کے ان کو سزا دی جائے۔ چنانچہ افغانستان کی گورنمنٹ کے حکم سے آپ گرفتار کئے گئے۔ اور ابھی آپ پر مقدمہ نہ چلایا گیا تھا کہ مذہبی ملّا بے صبر ہو گئے اور انہوں نے مذہبی غنڈوں کو ساتھ لیکر کابل جیل پر حملہ کیا۔ داؤد جان کو جیل سے نکالا اور جیل سے باہر لے جا کر ان کو ہلاک کر دیا۔ یہ واقعہ نہ صرف افغانستان میں مذہبی آزادی کے جنازہ کا ثبوت تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ افغان گورنمنٹ لا اینڈ آرڈر کے اعتبار سے کس طرح مفلوج ہے جہاں کہ لوگ قیدیوں کو جیل سے بھی جبراً لے جا سکتے ہیں۔ افغانستان کے اس واقعہ ہائلہ کے متعلق اب کابل کی تازہ اطلاع ہے کہ افغان گورنمنٹ نے ان تمام لوگوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا ہے جو جیل پر حملہ کر کے داؤد جان کو ہلاک کرنے کا باعث تھے۔

افغانستان میں مذہبی آزادی کا عدم وجود نیا واقعہ نہیں۔ جو کچھ آج کابل میں ہُوا آج سے بہت برس پہلے کنگ امان اللہ کے زمانہ میں بھی ہو چکا ہے۔ جہاں احمدیوں کو اختلافِ مذہب کے

جرم میں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا گیا اور وہاں کے کئی احمدی جو افغانستان کے باشندے تھے۔ افغانستان سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ افغانوں اور انگریزوں کی جنگ (اس وقت کے کمانڈر انچیف افغانستان کے موجودہ بادشاہ ظاہر شاہ کے والد نادر خان تھے) کے بعد صلح کے سلسلے میں افغان لیڈروں کا ایک ڈیپوٹیشن ہندوستان آیا جس میں افغانستان کے وزیر اعظم محمود طرزی اور ایک ہندو وزیر بھی شامل تھے تو احمدیوں کا ایک وفد اس ڈیپوٹیشن سے ملا اور اس وفد کی قیادت افغانستان کے ایک احمدی نیک محمد خان کر رہے تھے جو غزنی کے گورنر میر احمد خان کے بیٹے تھے۔ یہ وفد جب افغان لیڈروں اور وزراء سے ملا تو ہندو وزیر نے نیک محمد خان سے پوچھا کہ تم تو افغانستان کے باشندے معلوم ہوتے ہو۔ تم احمدیوں کے وفد میں کیونکر شامل ہوئے۔ تو نیک محمد خان نے جواب دیا کہ آپ غزنی کے گورنر میر احمد خان کے بیٹے ہیں اور احمدی ہونے کے جرم میں ہجرت کر کے ہندوستان آ چکے ہیں۔ اس ہندو وزیر نے جب یہ سنا کہ یہ گورنر میر احمد خاں کے لڑکے ہیں تو آپ ضبط نہ کر سکے اور آپ روتے ہوئے نیک محمد خاں سے بغل گیر ہو گئے کیونکہ گورنر میر احمد خاں اس ہندو وزیر کے گہرے دوستوں میں سے تھے اور کہا کہ تم واپس افغانستان آ جاؤ۔ تمہیں افغانستان میں کوئی کچھ نہ کہہ سکے گا اور افغان گورنمنٹ تمہاری حفاظت کرے گی۔ چنانچہ اس ہندو وزیر اور افغانستان کے وزیر اعظم محمود طرزی (جو ایشیا کے ممالک میں ایک بہت بڑے سیاست دان اور کنگ امان اللہ کے خسر تھے) نے احمدیوں کو حفاظت کا یقین دلایا اور یہ واقعہ ہے کہ حفاظت کے اس یقین دلانے کے بعد افغانستان کی گورنمنٹ نے افغانستان کے احمدیوں کی حفاظت بھی کی۔ مگر اس کے بعد احمدیوں کے خلاف افغانستان کے ملاؤں نے جب یہ شور پیدا کیا تو کنگ امان اللہ نے بغاوت سے خوفزدہ ہو کر ایک احمدی مولوی نعمت اللہ کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور یہ پبلک میں سنگسار کئے گئے۔

سوال یہ ہے کہ حالات کے بدلنے کے بعد جب کہ یہ قرار دے لیا گیا ہے کہ دنیا میں ہر شخص کو مذہبی اور سیاسی خیالات رکھنے کا حق حاصل ہے۔ امریکہ جیسے سرمایہ پرست میں کمیونسٹ رہ سکتے ہیں۔ مصر میں عیسائیوں کو مسلمانوں جیسے حقوق حاصل ہیں۔ جاپان، چین اور برما جیسے بدھ مذہب رکھنے والے ممالک میں عیسائی اور مسلمان رہ سکتے ہیں۔ روس میں بھی مساجد اور

مذہبی معابد موجود ہیں اور ہندوستان میں ہر مذہب کے انسان کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہے۔ تو کیا افغانستان میں احمدیوں کا مذہبی غنڈوں کے ہاتھوں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جانا انصاف پسند دُنیا کی نظروں میں قابلِ درگزر قرار دیا جاسکتا ہے جس پر افغانستان کے موجودہ بادشاہ کنگ ظاہر شاہ اور ان کی گورنمنٹ کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیئے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کنگ ظاہر شاہ اور ان کی گورنمنٹ احمدیوں کی حفاظت کا ذمہ لے تاکہ وہاں آئندہ کسی شخص کو بھی اس ننگِ انسانیت فعل کی جرأت نہ ہو اور وہاں ہر مذہب کے لوگ دوسرے ممالک کی طرح آزادی اور اطمینان کے ساتھ زندہ رہ سکیں۔"[1]

فصلِ ہفتم

نخلہ کے نام سے ایک نئی بستی کی بنیاد

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ تقسیمِ ہند سے قبل تبدیلیٔ آب و ہوا کے لئے اکثر پالم پور اور ڈلہوزی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ پہاڑی مقامات ایک تو زیادہ بلندی پر واقع نہیں ہیں۔ دوسرے ان کی آب و ہوا معتدل ہونے کے باعث حضور انور کے مزاج مبارک کے موافق تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد اس مقصد کے لئے مری میں خیبر لاج حاصل کی گئی مگر مری موزوں جگہ ثابت نہ ہوئی۔ اس لئے حضور کی ہدایت پر جابہ ضلع سرگودہا (حال ضلع خوشاب) کے قریب اس سال کے شروع میں نخلہ کے نام سے ایک اضافی بستی کی بنیاد رکھی گئی۔ نخلہ کی زمین نواب مسعود احمد خاں صاحب کی ملکیت تھی۔ تعمیرات سے پہلے اس جگہ دو چھولداریاں نصب کی گئیں جو سرگودہا سے کرائے پر حاصل کی گئی تھیں۔ سب سے پہلے حضرت مصلح موعودؓ کی کوٹھی کی

---

[1] ہفتہ وار ریاست دہلی ۲۵ رجون ۱۹۵۶ء۔

بنیاد رکھی گئی جس کی ابتدا میں بعض مقامی لوگوں نے مخالفت کی۔ مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ روک غیر احمدی شرفاء کی مداخلت سے بہت جلد دُور ہو گئی۔ یہ کوٹھی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب چیئرمین صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی نگرانی میں ۱۹۵۶ء کے وسطِ آخر میں نہایت تیزی سے پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ کوٹھی کا نقشہ سید سردار حسین شاہ صاحب نے تیار کیا۔ اور اس کے حسابات کی خدمت مکرم ملک فضل عمر صاحب مولوی فاضل نے سرانجام دی۔

نخلہ میں حضورؓ کی کوٹھی کے علاوہ مندرجہ ذیل عمارات بھی تعمیر کی گئیں:۔

(۱) مسجد۔ (۲) دفتر پرائیویٹ سیکرٹری۔ (۳) بیرکس برائے پہریداران۔ (۴) کوارٹرز برائے صاحبزادگان حضرت مصلح موعودؓ۔ (۵) کوارٹرز برائے ناظر صاحبان و وکلاء حضرات تحریک جدید (۶) بیرکس برائے غیر ملکی طلباء۔ (۷) کوارٹر برائے ڈسپنسری و ڈسپنسر۔ (۸) کوارٹر برائے معلم نخلہ۔ (۹) گیسٹ ہاؤس برائے جامعہ نصرت ربوہ۔[۱]

نخلہ کے ماحول کو خوشگوار اور پُر فضا بنانے کے لئے ایک باغ بھی لگایا گیا جس میں ولایتی شریفہ، یوکلپٹس، مالٹا، آلوچہ، آڑو، امرود، انگور، انجیر اور فالسہ کے پودے لگائے گئے۔

نخلہ کی قیام گاہوں میں روشنی اور پنکھوں کے لئے جنریٹر نصب کیا گیا جو محمد اکرام اللہ صاحب ملتان چھاؤنی کے ذریعہ مہیا ہُوا۔ وائرنگ کے لئے نصرت کمپنی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ جس کے نگران صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب اور مینجر چوہدری غلام حسین صاحب تھے۔

نخلہ کے پرانے ریکارڈ کے مطابق سیدنا حضرت مصلح موعودؓ تعمیرات کا معائنہ کرنے کے لئے نخلہ میں پہلی بار ۲۵ رجون ۱۹۵۶ء (احسان ۱۳۳۵ ہش) کو رونق افروز ہوئے۔ اور ایک رات کے قیام کے بعد مری تشریف لے گئے۔ اس ابتدائی سفر کے بعد حضورؓ ہر سال جابہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ آخری بار حضورؓ نے ۹ رجولائی ۱۹۶۲ء (وفا ۱۳۴۱ ہش) کو سفر نخلہ اختیار فرمایا اور قریباً اڑھائی ماہ تک قیام فرما رہنے کے بعد ۲۶ ستمبر

---

[۱] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ ۵۸-۱۹۵۷ء صفحہ ۱۲۱

نقشہ تعمیرات نخلہ ضلع سرگودہا (حال خوشاب)

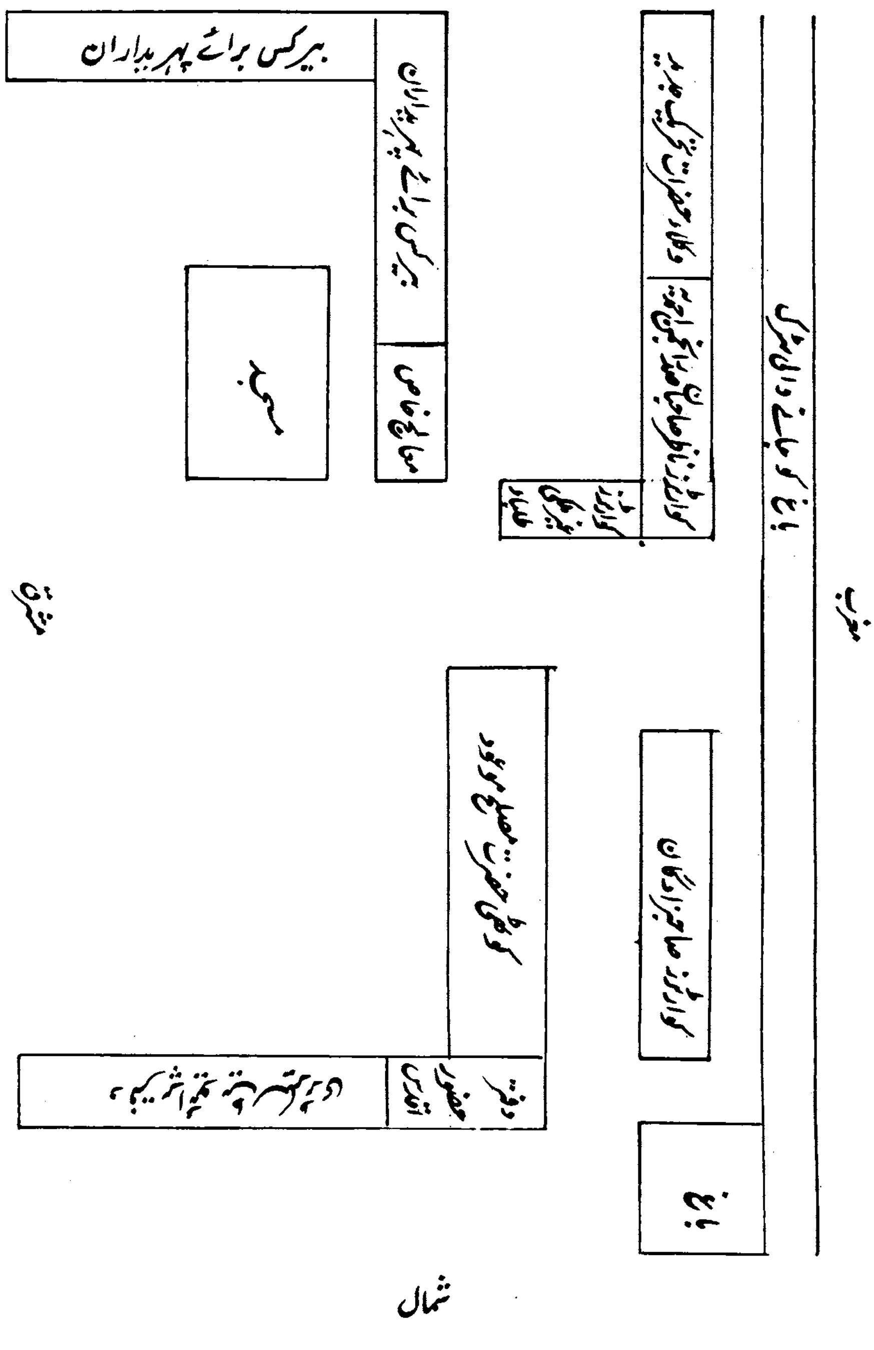

۱۹۶۲ء (تبوک ۱۳۴۱ ہش) کو ربوہ تشریف لائے[1]۔

نخلہ میں سلسلہ احمدیہ کے بہت سے اہم دینی کام سرانجام پائے۔ حضورؓ نے یہاں متعدد ایمان افروز خطبات جمعہ ارشاد فرمائے۔ تفسیر صغیر جیسی عظیم الشان تفسیر یہیں پایۂ تکمیل تک پہنچی (جس کا ذکر آگے آرہا ہے)۔ بہت سے خوش قسمت افراد اور جماعتوں کو اپنے پیارے امام سے شرف باریابی کے قیمتی مواقع میسر آئے۔

حضرت مصلح موعودؓ کے وصال (۸ نومبر ۱۹۶۵ء) کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رضی اللہ عنہ بھی اپنے مبارک عہدِ خلافت کے اوائل میں نخلہ تشریف لے گئے[2]۔

افسوس مئی/جون ۱۹۷۴ء کے ملکی ہنگاموں کے دوران نخلہ کی بستی نہایت بے دردی سے تاخت و تاراج کر دی گئی۔

اخبار المنیر لائل پور[3] کا اعتراف حق

سال ۱۹۵۶ء (۱۳۳۵ ہش) کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اندرونی اور بیرونی مخالفتوں کے باوجود سلسلہ احمدیہ کے مخالف پریس نے نہ صرف جماعت احمدیہ کی خارق عادت ترقی کا واضح لفظوں میں

---

[1] صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی مطبوعہ رپورٹوں کے مطابق سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے قیام نخلہ کی تفصیلی تاریخیں درج ذیل ہیں:۔

(۱۹۵۶ء/۱۳۳۵ ہش) از ۳ ستمبر تا ۵ ستمبر، از ۷ نومبر تا ۹ نومبر، از ۲ دسمبر تا ۵ دسمبر

(۱۹۵۷ء/۱۳۳۶ ہش) از ۲۲ جنوری تا ۲۵ جنوری، از ۲۶ مارچ تا ۲۹ مارچ، از ۸ مئی تا ۱۶ ستمبر۔ (۱۱ جولائی سے ۲۷ جولائی تک مری میں قیام رہا)۔ از ۲۳ ستمبر تا ۱۰ اکتوبر، ۱۴ اکتوبر تا ۲۴ اکتوبر۔

(۱۹۵۸ء/۱۳۳۷ ہش) از ۲۲ اپریل تا ۳۰ اپریل۔

(۱۹۵۹ء/۱۳۳۸ ہش) از ۷ مئی تا ۱۰ مئی، ۷ جون تا ۳ اگست۔

(۱۹۶۰ء/۱۳۳۹ ہش) از ۱۹ جون تا ۲۸ جون۔ (۱۹۶۱ء/۱۳۴۰ ہش) از ۱۲ جون تا ۱۵ جون۔ ۲۱ جون تا ۱۲ اکتوبر

(۱۹۶۲ء/۱۳۴۱ ہش) از ۹ جولائی تا ۲۶ ستمبر۔

[2] سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۱۹۶۵-۶۶ء صفحہ ۱۔ [3] حال فیصل آباد۔

اقرار و اعتراف کیا بلکہ اس کے خلاف اُٹھنے والی بعض مخالف تحریکات کے مذہبی اور سیاسی خدوخال بھی پوری طرح بے نقاب کر ڈالے جو صداقتِ احمدیت کا مُنہ بولتا نشان تھا۔ اس سلسلہ میں اخبار المنبر (لائل پور) کے چند ادارتی نوٹ درج کئے جاتے ہیں:۔

(۱)۔ "ہمارے بعض واجب الاحترام بزرگوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں سے قادیانیت کا مقابلہ کیا۔ لیکن یہ حقیقت سب کے سامنے ہے کہ قادیانی جماعت پہلے سے زیادہ مستحکم اور وسیع ہوتی گئی۔

مرزا صاحب کے بالمقابل جن لوگوں نے کام کیا ان میں سے اکثر تقویٰ، تعلق باللہ، دیانت خلوص، علم اور اثر کے اعتبار سے پہاڑوں جیسی شخصیتیں رکھتے تھے۔ سید نذیر حسین صاحب دہلوی۔ مولانا انور شاہ صاحب دیوبندی، مولانا قاضی سید سلیمان منصور پوری۔ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی۔ مولانا عبدالجبار غزنوی۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ وغفر لہم کے بارے میں ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ یہ بزرگ قادیانیت کی مخالفت میں مخلص تھے اور ان کا اثر و رسوخ اتنا زیادہ تھا کہ مسلمانوں میں بہت کم ایسے اشخاص ہوئے ہیں جو ان کے ہم پایہ ہوں۔

اگرچہ یہ الفاظ سُننے اور پڑھنے والوں کے لئے تکلیف دِہ ہوں گے اور قادیانی اخبارات و رسائل بھی چند دن اپنی تائید میں پیش کرکے خوش ہوتے رہیں گے لیکن ہم اس کے باوجود اس تلخ نوائی پر مجبور ہیں کہ ان اکابر (نوّر اللہ مرقدھم وبرّد مضاجعھم) کی تمام کاوشوں کے باوجود قادیانی جماعت میں اضافہ ہُوا ہے متحدہ ہندوستان میں قادیانی بڑھتے رہے تقسیم کے بعد اس گروہ نے پاکستان میں نہ صرف پاؤں جمائے۔ بلکہ جہاں ان کی تعداد میں اضافہ ہوُا۔ وہاں ان کے کام کا یہ حال ہے کہ ایک طرف تو روس اور امریکہ سے سرکاری سطح پر آنے والے سائنسدان ربوہ آتے ہیں۔ (گذشتہ ہفتہ روس اور امریکہ کے دو سائنس دان ربوہ وارد ہوئے) اور دوسری جانب ۱۹۵۳ء کے عظیم تر ہنگامہ کے باوجود

• قادیانی جماعت اس کوشش میں ہے کہ اس کا ۵۷-۱۹۵۶ء کا بجٹ پچیس لاکھ (۲۵,۰۰,۰۰۰) کا ہو۔

- ربوہ کے کالج، ہائی سکول اور پرائمری مدارس میں سینکڑوں مسلمانوں کے بچّے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جن کا مستقبل اعتقادی اعتبار سے خطرناک ترین ہے۔
- قادیانی شعبہ خدمتِ خلق (خدام الاحمدیہ) کی بوگس رپورٹوں اور سطحی قسم کے پروپیگنڈا کی حقیقت سے باخبر ہونے کے باوجود ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ سینکڑوں مسلمانوں نے ان کے کام سے اثر قبول کیا۔
- حکومت میں ان کا اثر علیٰ حالہٖ قائم اور موجود ہے۔
- ملازمتوں میں ان کی ترقی حسبِ سابق ہے۔
- تجارت میں اگرچہ ان کی وہ ہمہ گیر اسکیم جو ۵۲-۱۹۵۱ء میں مرزا محمود احمد صاحب کے حسبِ ایما پنجاب کی منڈیوں پر چھا جانے کی غرض سے بنائی گئی تھی، ناکام رہی ہے۔ لیکن یہ اَمرِ واقعہ ہے ان کا تجارتی رسُوخ ترقی پذیر اور مالی حالت مستحکم ہے۔
- ربوہ بسُرعت ایسا شہر بن رہا ہے جو تعلیم، تجارت، کارخانوں اور دوسرے مادّی وسائل کے اعتبار سے پاکستان کا متوسط شہر ہوگا اور امتیاز یہ کہ دُنیا میں واحد ایسا شہر ہوگا جس میں کوئی شخص مرزا غلام احمد صاحب کا منکر نہیں ہوگا۔
- ۱۹۵۳ء کے وسیع ترین فسادات کے بعد جن لوگوں کو یہ وہم لاحق ہوگیا ہے کہ قادیانیت ختم ہو گئی یا اس کی ترقی رُک گئی۔ انہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ پاکستان میں پہلی مرتبہ بلدیاتی اداروں میں بلکہ (بعض اطلاعات کی بناء پر) مغربی پاکستان اسمبلی میں قادیانی ممبر منتخب کئے گئے ہیں۔
- پاکستان سے باہر دُنیا کے کم و بیش تیس ممالک میں سے اکثر ایسے ملک ہیں جن کے قادیانی عقیدہ رکھنے والوں نے "صدر انجمن احمدیہ ربوہ" اور "صدر انجمن احمدیہ قادیان" کے نام لاکھوں کی جائیدادیں وقف کر رکھی ہیں[۱]۔"

(۲)۔ "قادیانی باطل ان تمام مخالفتوں کے علی الرغم کیوں قائم و موجود ہے اور خواہ چیونٹی کی رفتار سے چلے کیوں وسیع ہوتا جا رہا ہے؟ —— اس سوال کا جواب ہمارے نزدیک یہ

---

[۱] ہفت روزہ "المنبر" لائل پور ۱۳ ؍فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۰۔

ہے کہ اس کائنات میں سنّت اللہ (الٰہی قانون نافذ) یہ ہے کہ فاطرِ کائنات نے چند ایسے ضوابط قائم کر رکھے ہیں کہ جو گروہ (خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر) انہیں اپنا لے وہ قائم بھی رہے گا اور مادّی و ظاہری اعتبار سے ارتقاء و عروج بھی حاصل کرتا رہے گا۔

(۱) پہلا ضابطۂ قیام و ارتقاء یہ ہے وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ۔

ہر وہ چیز جو انسانیت کے لئے نفع رساں ہو اسے زمین پر قیام و بقا عطا ہوتا ہے۔

رحیم و رحمان کی رحمت کا جوش اور دوام متقاضی ہے کہ انسانیت بڑھے، پھولے اور ترقی پائے۔اسی مقصد کے لئے کائنات میں "نفع رسانی" کا عنصر سب پر غالب رکھا گیا ہے۔اور جس چیز میں یہ جوہر جب تک موجود رہتا ہے اس کی حفاظت عناصر فطرت کے ذمّہ بطور فرض عائد ہے۔ درخت کے پتّے خواہ کانٹے دار درختوں کے ہوں یا پھلدار اشجار کے، جب تک زہریلے گیسوں کو جذب کرتے اور صحت آور ہَوا باہر پھینکتے رہتے ہیں۔درخت کی جڑ انہیں غذا بہم پہنچاتی رہتی ہے۔لیکن جونہی ان کی افادیت ختم ہو جاتی ہے ٹہنیاں انہیں اپنے جسم سے کاٹ دیتی ہیں اور وہ ایندھن کی شکل میں بھاڑوں اور چُولہوں میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔

قادیانیت میں نفع رسانی کے جو جوہر موجود ہیں ان میں اوّلین اہمیت اس جدوجہد کو حاصل ہے جو اسلام کے نام پر وہ غیر مُسلم ممالک میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ قرآن مجید کو غیر ملکی زبانوں میں پیش کرتے ہیں، تثلیث کو باطل ثابت کرتے ہیں۔ سیّد المرسلینؐ کی سیرتِ طیّبہ کو پیش کرتے ہیں۔ ان ممالک میں مساجد بنواتے ہیں۔ اور جہاں کہیں ممکن ہو اسلام کو امن و سلامتی کے مذہب کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

کہا جا سکتا ہے اور ہم خود اسے زیادہ شدّت کے ساتھ کہتے ہیں کہ قادیانی حضرات دین کی تحریف کرتے ہیں۔ وہ اس سیرتِ رسولؐ کے تصوّر سے ہی محروم ہیں۔ جو انبیاء علیہم السّلام نے پیش کی تھی۔یہ بھی بجا ہے کہ وہ اس دُودھ میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی مسیحیت کے زہر کو ملا کر پیش کرتے ہیں۔لیکن بایں ہمہ یہ امر قابلِ اعتراف ہے کہ " فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ " کا فرض جو اُمّتِ محمدیّہ پر عائد کیا گیا تھا۔ اُمّت کی کوتاہی کے باعث معطّل یا کم از کم نیم معطّل تھا۔ اس باطل گروہ کے ذریعہ اسلام اور صاحبِ اسلام کا رسمی تعارف اور بعض حِصّوں میں تفصیلی

تعارف ان کے ذریعہ کرایا جا رہا ہے۔ اور جب تک کوئی صحیح العقیدہ گروہ آگے بڑھ کر کرّہ ارض کے تمام باشندوں میں اسلام کی دعوت کا بیڑہ نہیں اُٹھا لیتا۔ عین ممکن ہے کہ صرف اسی کام کے لئے اس جماعت کو نعمتِ زندگی عطا کی جائے۔

غیر مُسلم ممالک میں قرآنی تراجم اور اسلامی تبلیغ کا صرف اسی اصول "نفع رسانی" کی وجہ سے قادیانیت کے بقا اور وجود کا باعث ہی نہیں ہے۔ ظاہری حیثیت سے بھی اس کی وجہ سے قادیانیوں کی ساکھ قائم ہے ایک عبرت انگیز واقعہ خود ہمارے سامنے وقوع پذیر ہُوا۔ ۱۹۵۴ء میں جب جسٹس منیر انکوائری کورٹ میں علم اور اسلامی مسائل سے دل بہلا رہے تھے اور تمام مسلم جماعتیں قادیانیوں کو غیر مسلم ثابت کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھیں۔ قادیانی عین انہی دنوں ڈچ اور بعض دوسری غیر مُلکی زبانوں میں ترجمہ قرآن مکمّل کر چکے تھے۔ اور انہوں نے انڈونیشیا کے صدر حکومت کے علاوہ گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمد اور جسٹس منیر کی خدمت میں یہ تراجم پیش کئے گویا وہ زبان حال و قال یہ کہہ رہے تھے کہ ہم ہیں وہ غیر مُسلم اور خارج از ملّتِ اسلامیہ جماعت جو اس وقت جب کہ ہمیں آپ لوگ "کافر" قرار دینے کے لئے پَر تول رہے ہیں۔ ہم غیر مسلموں کے سامنے قرآن اُن کی مادری زبان میں پیش کر رہے ہیں۔

غور فرمائیے ان لوگوں کا تأثر کیا ہوگا؟ اور قادیانیوں کا یہ کام ان کی زندگی اور ترقی میں کس حد تک ممدو معاون ہے؟

مقصد کی لگن اور ایثار، یہ جوہر بھی جس گروہ یا فرد میں پایا جائے گا وہ بڑھے پھُولے گا۔ اور اس میں قدرت کفر و اسلام کے امتیاز کے بغیر ایثار کرنے والے کو نتائج سے بہرہ ور کرتی ہے۔

قادیانیوں نے گذشتہ پچاس سال میں اندرون اور بیرون مُلک اپنی اسلامی زندگی کو قائم رکھنے اور قادیانی تحریک کو عام کرنے کے سلسلے میں جدوجہد کی ہے۔ اس کا یہ پہلو نمایاں ہے کہ انہوں نے اس کے لئے ایثار و قربانی سے کام لیا ہے۔ مُلک میں ہزاروں اشخاص ایسے ہیں جنہوں نے اس نئے مذہب کی خاطر اپنی برادریوں سے علیحدگی اختیار کی۔ دنیوی نقصانات برداشت کئے اور جان و مال کی قربانیاں پیش کیں۔

بلاشُبہ ہم ان لوگوں کو غیر مخلص سمجھتے ہیں۔ جو اپنے متعلق یہ جاننے کے باوجود کہ ان کی

زندگیاں کھلے فاحش سے آسودہ ہیں۔ اور اپنے آپ کو الہامِ الٰہی کا مورد قرار دیتے ہیں اور اس حقیقت سے کماحقہٗ آگاہ ہونے کے باوصف کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور اس کے قانونِ جزا و سزا پر یقین نہیں رکھتے بایں ہمہ وہ محبت الٰہی اور احساس آخرت پر مواعظ اور خطبے دے کر اپنے مریدوں کو دام تزویر میں پھنسائے ہوئے ہیں۔ لیکن ہم کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ قادیانی عوام میں ایک معقول تعداد ایسے لوگوں کی ہے۔ جو اخلاص کے ساتھ اس سراب کو حقیقت سمجھ کر اس کے لئے مال و جان اور دنیوی وسائل و علائق کی قربانی پیش کرتی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بعض افراد نے کابل میں سزائے موت کو لبیک کہا۔ بیرونِ ملک دُور دراز علاقوں میں غربت و افلاس کی زندگی اختیار کی۔ اور عین اُس وقت کہ جب قادیانی خلافت سے متعلق حضرات بیش قیمت مقوی ادویات کو آب و دانہ کی طرح استعمال کرتے اور بیک وقت چار چار بیویوں کے جلو میں اپنے عشرت کدوں میں مسرت و عیش کے شب و روز گذارتے تھے۔ یہ مخلص لوگ نائیجیریا، جرمنی اور اسرائیل میں ایسے لوگوں کے ماتحت افلاس کے باوجود کام کر رہے تھے جو بین الاقوامی سازشوں کے کرتا دھرتا تھے۔ بہر نوع قادیانی باطل کے قیام و ثبات میں "مقصد کی لگن اور اس کے ایثار" کا جزوِ حق ایک ایسا جوہر ہے جس نے اس گروہ کو معتدبہ فائدہ پہنچایا ہے۔

تیسرا پایہ جس پر قادیانی قصر قائم ہے۔ وہ تنظیم ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابتداءً انگریز کا مفاد قادیانی جماعت کے معرضِ وجود میں لانے کا محرّک تھا۔ لیکن یہ حقیقت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ حکیم نورالدین صاحب اور ان کے بعد مرزا محمود احمد صاحب کی انتظامی صلاحیتوں نے قادیانی جماعت کو بہت بڑی اولاد بہم پہنچائی ہے۔ قادیانی خلیفہ ایک چالاک قسم کے سیاسی راہ نما ہیں۔ جو خود تو آمریّت مطلقہ کے مدعی ہیں۔ اور اُن کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ ان کا تقرر بھی خدا کی جانب سے ہُوا ہے۔ اور معزول بھی انہیں خدا ہی کر سکتا ہے۔ لیکن انہوں نے اس کے باوجود اپنی جماعت کو جس طریق پر منظم کیا ہے چاہے وہ مستقبل میں ایک خطرناک غبارہ ہی ثابت کیوں نہ ہو۔ ہم اس کی وضاحت آئندہ کے مباحث میں کریں گے مگر اس وقت تک اس نظم کے تین پہلو ہم اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

تقسیمِ ملک کے وقت مشرقی پنجاب کی یہ واحد جماعت تھی جس کے سرکاری خزانہ میں اپنے

معتقدین کے لاکھوں روپے جمع تھے۔ اور جب یہاں مہاجرین کی اکثریت بے سہارا ہوکر آئی تو قادیانیوں کا یہ سرمایہ جُوں کا توں محفوظ پہنچ چکا تھا۔ اور اس سے ہزاروں قادیانی بغیر کسی کاوش کے از سرِ نو بحال ہوگئے۔ پھر یہ موضوع بھی مستحق توجہ ہے کہ یہ وہ واحد جماعت ہے جس کے ۳۱۳ افراد تقسیم کے لمحہ سے آج تک قادیان میں موجود ہیں۔ اور وہاں اپنے مشن کے لئے کوشاں بھی ہیں اور منظم بھی۔

دوسرا پہلو تعمیر ربوہ کے سلسلہ میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ سابق (حکومت) کے ایک انگریز گورنر نے بہت سستے داموں ربوہ کی زمین قادیانیوں کو دیدی تھی لیکن کیا اس حقیقت کا انکار ممکن ہے کہ اس زمین سے لاکھوں روپیہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے کمایا اور اس سے شاندار بلڈنگیں اور جماعتی ضروریات کے لئے عمارات تعمیر کیں اور آج یہ بات پُورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ

دُنیا میں ربوہ وہ واحد شہر ہے جس میں مرزا غلام احمد صاحب کو نبی اللہ تسلیم کرنے والوں کی اپنی حکومت ہے۔ ان کا اپنا نظامِ عدالت ہے۔ اس کا اپنا خلیفہ ہے جس کا ہر حکم واجب التعمیل ہے۔ اس کا اپنا سرکاری بینک ہے۔ جس میں قادیانیوں کا لاکھوں روپیہ تجارت، صنعت اور حرفت کے کاموں پر لگا ہُوا ہے۔ اس ربوہ میں:۔

• فوجی ٹریننگ • تبلیغی تربیت • سائنس و فلسفہ کی اعلیٰ تعلیم • صنعت و حرفت کی تعلیم کا اہتمام اسی طرح موجود ہے۔ جس طرح کا انتظام منظّم حکومتیں کیا کرتی ہیں۔

قادیانی تنظیم کا تیسرا پہلو وہ تبلیغی نظام ہے جس نے اس جماعت کو بین الاقوامی جماعت بنا دیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ:۔

• بھارت • کشمیر • انڈونیشیا • اسرائیل • جرمنی • ہالینڈ • سوئٹزرلینڈ • امریکہ • برطانیہ • دمشق • نائیجیریا • افریقی علاقے اور پاکستان کی تمام قادیانی جماعتیں مرزا محمود احمد صاحب کو اپنا امیر اور خلیفہ تسلیم کرتی ہیں اور ان کے بعض دوسرے ممالک کی جماعتوں اور افراد نے کروڑوں روپوں کی جائیدادیں "صدر انجمن احمدیہ ربوہ" اور "صدر انجمن احمدیہ قادیان" کے نام وقف کر رکھی ہیں۔

تیسرا پہلو قابلِ توجہ یہ ہے کہ قادیانیوں کا منصوبہ آئندہ سال ۵۷-۱۹۵۶ء کے لئے یہ ہے۔

اس سال کا بجٹ پچاس لاکھ روپے کا ہو۔

یہ ہے وہ جماعت جسے ہم باطل سمجھتے ہیں۔ اور باطل سمجھنا کسی تعصّب، ضد یا عناد وحسد پر مبنی نہیں بلکہ ہم خلوص کے ساتھ قرآن وسنّت کے بیّنات کی روشنی میں مرزا صاحب کے دعاوی کو سراسر غلط سمجھتے ہیں اور ان کی نبوّت کا تسلیم کرنا ہمارے نزدیک امّتِ محمدیہ سے خروج وانداد ہے۔

اَب غور فرمایئے کہ اس جماعت کی مخالفت میں جو کام آج تک کئے گئے ہیں وہ اپنی جگہ اہمیت مقصدیت اور خلوص کے باوصف حصولِ مدّعا کے لئے کیوں کامیاب نہیں ہو سکے؟[1]

(۳)۔ متعدد اخبارات (جن میں احرار کے حامی اخبارات خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں) کی متفقہ روایت یہ ہے کہ:۔

"جھنگ ۲۲ فروری (۱۹۵۶ء۔ ناقل) گذشتہ شب نمازِ عشاء کے بعد "مجلس تحفظِ ختم نبوت" کے زیرِ اہتمام ایک اجلاسِ عام منعقد ہُوا جس میں مولانا غلام قادر خطیب جامع مسجد قاضیاں، مولوی محمد لقمان مظفر گڑھی، اور سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے تقاریر کیں۔ مولوی محمد لقمان (مظفر گڑھی) نے اچھوتے انداز میں چندہ جمع کیا۔ انہوں نے کہا کہ مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت کا خرچ بہت بڑھ گیا ہے۔ آئندہ سال کا بجٹ ایک لاکھ ہوگا۔ (ایک اخبار نے اس "اچھوتے انداز" کی وضاحت یوں کی ہے۔ جلسہ گاہ میں کپڑے کی جھولیاں بنا کر تمام حاضرینِ جلسہ سے فرداً فرداً چندہ دینے کے لئے کہا گیا۔ اس اثناء میں اسٹیج سے مقرر صاحب سامعین کو چندہ دے کر جنّت کا ٹکٹ کٹوانے پر عجیب وغریب طریقوں سے اکساتے رہے ...... ماشاء اللہ سوسو کے نوٹ دو اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب تک آپ لوگ دو[2] ہزار روپیہ نہیں دیں گے حضرت شاہ صاحب اسٹیج پر نہیں آئیں گے۔ جلدی کیجئے۔ مولوی محمد لقمان صاحب بار بار کہہ رہے تھے۔ بابُو! جینٹلمینو! دین کی حفاظت کے لئے چندہ دو ماشاء اللہ دس دس اور سَو سَو کے نوٹ جلدی کرو۔ رات جا رہی ہے۔ جنّت کے ٹکٹ کٹوالو وغیرہ وغیرہ) انہوں نے اپنی خالہ کا ایک خواب بیان کیا جس

---

[1] ہفت روزہ المنیر لائل پور ۲ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۷، ۸۔ [2] صاف پڑھا نہیں جاتا۔

میں حضورؐ کی زیارت کا ذکر تھا۔

اس جلسہ میں "شاہ صاحب" کے بارے میں متعدد اخبارات کی رپورٹ یہ ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ "مولانا محمد عبداللہ درخواستی کو ایک خواب آیا۔ ان سے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری نبوت پر کتے بھونک رہے ہیں اور انہیں بند کرنا مولوی محمد عبداللہ درخواستی اور عطاء اللہ شاہ بخاری کا کام ہے۔" شاہ صاحب نے کہا کہ "حضور خاتم النبیینؐ نے میرے نام پیغام دیا ہے کہ میں ختم نبوت کے مسئلہ کو کامیابی سے چلاؤں۔" ہم نے ان رپورٹوں کو سخت ذہنی اذیت اور دلی کوفت کے ساتھ کے پڑھا اور یہاں نقل کیا ہے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اب اپنی عمر کے اس دور میں ہیں۔ جس کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کتنے روز کے مہمان ہیں۔ انہیں خود بھی اس کا احساس ہے اور ان کے مفلوج اعصاب شہادت دے رہے ہیں کہ بہرحال اب آخری مرحلہ آیا چاہتا ہے ـــ ظاہر ہے کہ ہر وہ شخص جو خدا پر ایمان رکھتا ہے جس کو قیامت اور جزا و سزا پر یقین ہے۔ اس کی آخری خواہش بھی یہی ہوتی ہے۔ اور اُس کے ساتھ ہمدردی رکھنے والے ہر شخص کی آرزو بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ عُمر کے اس آخری لمحہ میں ایسے اعمال و افعال سے کنارہ کش رہے جو کل اُس کے لئے اذیت اور بازپُرس کا باعث ہوں ـــ بلاشُبہ ہم سب گناہوں میں غرق ہیں۔ اور خصوصیت سے ہمیں اپنی معصیتوں کا شدید احساس ہے اور ان پر اپنے رحیم و رحمان سے آقا بالحاح عفو طلب ہیں ـــ اور یہ بات بھی کسی صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں کہ دُنیا میں جتنے گناہ پائے جاتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت تین قسم کے گناہوں کو حاصل ہے۔

اوّل۔ خدائے ذوالجلال کے بارے میں گستاخی، ان کے سامنے کبر اور ان پر افتراء پردازی۔

دوم۔ سیّد المرسلین کے ادب و احترام میں کمی، آپ کے ناموس پر حملہ۔ آپ کی ذاتِ اقدس پر خود غرضی کے لئے افتراء پردازی۔

سوم۔ کسی مسلمان کی جان، اس کے مال، اس کی عزّت اور اس کے ایمان پر حملہ۔

شاہ صاحب کی جانب منسوب کردہ الفاظ اگر صحیح ہیں۔ یا انہوں نے اس مفہوم کو بیان کیا ہے کہ حضور سرورِ کائنات رُوحی و نفسی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منتخب فرمایا کہ وہ ختمِ نبوّت کی حفاظت

کریں اور اب شاہ صاحب اسی ارشادِ رسالت کی تعمیل کے لئے شہر شہر گھوم پھر رہے ہیں تو ہم دُکھ بھرے دل سے کہتے ہیں کہ شاہ صاحب نے حضور اقدس کی شان میں (نادانستہ) ایسی گستاخی کی ہے جس سے وہ جتنی جلدی توبہ کرلیں ان کے لئے بہتر ہے

شاہ صاحب کی اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے شاہ صاحب کی ان تقریروں کو جو وہ تحفظِ ختمِ نبوّت کے نام پر آج تک کرتے رہے اور اب کر رہے ہیں، منظوری اور پسندیدگی حاصل ہے اور اسی وجہ سے انہیں دربارِ رسالت سے یہ امتیاز عطا ہُوا ہے کہ آٹھ کروڑ مسلمانوں میں سے انہیں اس عظیم کام کے لئے منتخب فرمایا گیا ہے۔ اور ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب کی یہ تقریریں جو وہ قادیانیت کے خلاف کر رہے ہیں۔ (جن میں سے آیات کی تلاوت اور اُن کے بعض مطالب کی تبلیغ کا حصّہ جو فی الحقیقت ان کی تقریروں کا ۱/۱۰۰ ہوگا مستثنیٰ کرلیا جائے) اگر انہیں دربارِ رسالت کی پسندیدگی حاصل ہے تو ہم اس اسلام کو جو کتاب وسنّت میں پیش کیا گیا ہے اور جس میں ذہن، قلب، زبان اور اعضاء کو مسئولیت سے ڈرایا گیا ہے۔ خیرباد کہنے کو تیار ہیں۔

ہمارے نزدیک شاہ صاحب نے نہایت غلط سہارا لیا ہے اور مسلمانوں میں جو عقیدت رحمۃ اللعالمین بأبی ھو و اُمّی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ موجود ہے اس سے نہایت غلط قسم کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے ـــ اور پھر اس میں جب ہم مزید دیکھتے ہیں کہ وہ اس خواب سے مراد یہ لیتے ہیں۔ کہ "تحفظِ ختمِ نبوّت" کے نام پر جو نظم (؟) انہوں نے قائم کر رکھا ہے۔ حضور خاتم النبییّن روحی ونفسی فداہ اس نظم کی تائید فرما رہے ہیں تو ہماری رُوح لرز جاتی ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ نظم اور اس کے تحت متعین کردہ مبلّغین کا کام اور اس کے نام پر حاصل کئے گئے، صدقات، زکوٰتیں اور چندے اس بُری طرح صَرف ہونے کے باوجود انہیں پیغمبر امین کی پسندیدگی حاصل ہے تو ناگزیر ہے کہ ان تمام احادیثِ رسالت مآب کو خیرباد کہہ دیا جائے جن میں آپ نے مسلمانوں کے مال کے احترام کی اہمیّت بیان فرمائی ہے۔ اور جن میں اموال المسلمین میں خیانت کو حرام اور موجب سزا بتلایا گیا ہے۔"[۱]

---

[۱] ہفت روزہ المنیر لائل پور ۹ر مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۴.

(۴) "ختمِ نبوّت کا ایک لازمی تقاضا یہ تھا کہ اُمتِ محمدیہ بنیان مرصوص کی حیثیت سے قائم علی الحق رہتی۔ اس کے جملہ مکاتیبِ فکر اور تمام فرقوں کے مابین دین کے اساسات پر اس نوع کا اتحاد ہوتا جس نوع کا اتحاد ایک صحیح الذہن امّت میں ہونا ناگزیر تھا لیکن غور کیجئے کیا ایسا ہُوا؟۔

بلاشبہ ہم نے متعدد مراحل پر اتحادِ امّت کے تصوّر کو پیش کیا اور سب سے زیادہ قادیانیوں کے خلاف مناظرہ کے سٹیج سے ڈائرکٹ ایکشن کے دیراتے تک ہم نے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام کے تمام فرقے "یک جان" ہیں۔ لیکن کیا حقیقتاً ایسا تھا۔ کیا حالات کی شدید سے شدید تر نامساعدت کے باوجود ہماری تلوارِ تکفیر نیام میں داخل ہوئی؟ کیا ہولناک سے ہولناک تر واقعات نے ہمارے فتاوٰی کی جنگ کو ٹھنڈا کیا؟ کیا کسی مرحلہ پر بھی "ہمارا فرقہ حق پر ہے اور باقی تمام جہنّم کا ایندھن ہیں۔" کے نعرہ سے کان نامانوس ہوئے؟

اگر ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی تو بتائیے اس سوال کا کیا جواب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھنے والی امّت کے اگر تمام فرقے "کافر" ہیں اور ہر ایک دوسرے کو جہنمی کہتا ہے تو لامحالہ ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو سب کو اس کفر اور جہنّم سے نکال کر اسلام اور جنّت کا یقین دلا سکے۔

اگر ایک سطحی ذہن اس سوال کا جواب نہ پاکر ہماری تمام علمی کاوشوں، مناظروں اور خطابات کے علی الرغم قادیانیت کی اندھی غار میں گر جائے تو اس میں قصور کس کا ہے[1]"۔

(۵) "اس وقت جو کوشش "تحفظِ ختمِ نبوّت" کے نام سے قادیانیت کے خلاف جاری ہے۔ قطع نظر اس سے کہ کوشش کا اصل محرّک خلوص، خدا کے دین کی حفاظت کا جذبہ ہے یا حقیقی وجہ معاشی اور منفی ذہن کے رجحانات کا مظاہرہ ہے۔ ہماری رائے میں یہ کوشش نہ صرف یہ کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مفید نہیں ہے بلکہ ہم علی وجہ البصیرت کامل یقین و اذعان کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ جدوجہد قادیانی شجرہ کے بارآور ہونے کے لئے مفید کھاد کی حیثیت

---

[1] ہفت روزہ "المنیر" لائل پور ۹ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔

رکھتی ہے۔

تحفظِ ختمِ نبوّت ہو یا مجلسِ احرار۔ ان دونوں کے نام سے آج تک قادیانیت کے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے اس نے قادیانی مسئلہ کو اُلجھایا ہے۔ ان حضرات کے اختیار کردہ طرزِ عمل نے راہِ حق سے بھٹکنے والے قادیانیوں کو اپنے عقائد میں پختگی کا مواد فراہم کیا ہے۔ اور جو لوگ مذبذب تھے انہیں بدعقیدگی کی جانب مزید دھکیلا ہے۔

استہزاء، اشتعال انگیزی، یاوہ گوئی، بے سروپا لفّاظی اس مقدّس نام کے ذریعہ مالی غبن، لادینی سیاست کے داؤ پھیر، خلوص سے محروم اظہارِ جذبات، مثبت اخلاقِ فاضلہ سے تہی کردار، ناخدا ترسی سے بھرپور مخالفت کسی بھی غلط تحریک کو ختم نہیں کر سکتی اور ملّتِ اسلامیہ پاکستان کی ایک اہم محرومی یہ ہے کہ "مجلسِ احرار" اور "تحفظِ ختمِ نبوّت" کے نام سے جو کچھ کیا گیا ہے۔ اس کا اکثر و بیشتر حصّہ انہی عنوانات کی تفصیل ہے[1]۔

مجلسِ مشاورت ۱۹۵۶ء (۱۳۳۵ہش)

اس سال جماعتِ احمدیہ پاکستان کی سالانہ مشاورت ۲۹، ۳۰، ۳۱ مارچ ۱۹۵۶ء (امان ۱۳۳۵ہش) کو حسبِ سابق لجنہ اماء اللہ مرکزیہ ربوہ کے ہال میں منعقد ہوئی۔ ۱۹۵۵ء / ۱۳۳۴ہش کی مشاورت کے دوران تو حضرت مصلح موعودؓ کراچی میں سفرِ یورپ کے لئے قیام فرما تھے۔ مگر اس مشاورت میں حضور رونق افروز ہوئے اور اپنے خدام کو بیش قیمت ہدایات اور رُوح پرور کلمات سے نوازا۔ مشاورت میں ۳۹۲ نمائندے شامل ہوئے جن میں پاکستان اور آزاد کشمیر کے علاوہ مندرجہ ذیل ممالک کے نمائندگان بھی تھے۔ انڈونیشیا۔ مشرقی افریقہ۔ چین۔ گولڈ کوسٹ (غانا) شام۔ ڈچ گی آنا۔ ٹرینیڈاڈ۔ عدن۔ بھارت (قادیان)۔ مشاورت میں عالمی عدالتِ انصاف کے جج چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحب نے بھی شرکت کی۔ اور کارروائی میں مدد کے لئے حضور کے ساتھ سٹیج پر تشریف فرما رہے۔ اور ایسے وقت میں جب کہ حضور رونق افروز نہ ہوتے آپ کو حضورؓ کی نیابت میں شوریٰ کی صدارت کے فرائض بھی انجام دینے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت مصلح موعودؓ

---

[1] ہفت روزہ "المنبر" لائل پور ۶ جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۷۔

نے صدر انجمن احمدیہ کے بجٹ (بارہ لاکھ اکتالیس ہزار آٹھ سو دس ۱۲،۴۱،۸۱۰) روپے) اور تحریک جدید کے مجموعی بجٹ (تیرہ لاکھ تیس ہزار چار سو اسّی ۱۳،۳۰،۴۸۰) روپے کی منظوری عطا فرمائی [۱]

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے نمائندگان کو متعدد بار خطاب فرمایا جس میں جماعت کی راہنمائی کیلئے متعدد قیمتی نصائح فرمائیں۔ حضورؓ کے بعض اہم ارشادات بطور نمونہ درج ذیل کئے جاتے ہیں :۔

(۱) "ہمیں دُعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری اولادوں کو ہمیشہ ہمیش کے لئے اسلام کا کام جاری رکھنے کی توفیق دے۔ اگر ہماری اولادوں میں ایمان کا سلسلہ قائم رہے۔ تو تھوڑے روپے سے بھی قیامت تک کام ہوتا چلا جائے گا۔ کیونکہ روپے کی مقدار کو دوام حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اخلاص اور ایمان کا جوش دوام اختیار کرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء اور صحابہ کو جو ملا وہ انہوں نے اسلام کی خدمت میں لگا دیا۔ لیکن اس کے بعد اسلام لاوارث ہو گیا۔ روپیہ تو مسلمانوں کے پاس بہت آیا لیکن اُن میں اخلاص اور ایمان کا سلسلہ باقی نہ رہا۔ اَب اسلام کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو مبعوث کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں اپنے دین کی محبت کی چنگاری سلگا دی تھی۔ اس لئے جو کام آپ سے پہلے بڑی بڑی اسلامی حکومتیں بھی نہ کر سکیں وہ ایک گمنام اور معمولی گاؤں کا رہنے والا کر گیا۔ جس کا شدید سے شدید دشمنوں کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے۔ پس ہمیں دُعا کرنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ یہ ایمان ہم میں اور ہماری آئندہ نسلوں میں قائم رکھے۔ اور ہماری اولاد نہ صرف اس جوش کی وارث ہو جو ہمارے دلوں میں خدمتِ دین کے لئے پایا جاتا ہے بلکہ اس کا جوش ہم سے بڑھ کر ہو۔ تا اسلام کا جھنڈا اُن کے ہاتھ میں رہے اور وہ کبھی سرنگوں نہ ہو۔"[۲]

(۲) "سب سے بڑی چیز جس کی کسی دینی سلسلہ کو ضرورت ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ اس میں خلافت اور تنظیم ہمیشہ کے لئے قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت قائم رہے۔ اگر یہ سب باتیں قائم رہیں تو

---

[۱] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء مطبوعہ الفضل ۲ اپریل ۱۹۵۶ء (شہادت ۱۳۳۵ہش) صفحہ ۱

[۲] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء صفحہ ۲، ۳ (تلخیص) ناشر مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور سیکرٹری مجلس مشاورت۔

دُنیا کی فتح میں کوئی شُبہ باقی نہیں رہتا۔ مَیں تو بیمار ہوں اور مجھے بعض دفعہ اپنی زندگی کا ایک ایک دن دُوبھر معلوم ہوتا ہے لیکن مجھے یہ بات نظر آ رہی ہے۔ اور ہم میں سے جو لوگ زندہ رہیں گے وہ دیکھیں گے کہ چند سالوں کے اندر اندر دُنیا میں ایک عظیم الشان تغیّر پیدا ہوگا اور احمدیّت ایک نمایاں حیثیت اختیار کرلے گی۔ بلکہ اب بھی احمدیت نے اتنی اہمیت حاصل کرلی ہے کہ امریکہ کے ایک رسالہ نے جس کی اشاعت دو کروڑ کے قریب ہے، ایک زبردست مضمون لکھا ہے کہ مشرقی افریقہ میں احمدیوں نے اسلام کی اس طرح تبلیغ کی ہے کہ اس کے مقابلہ میں عیسائیت شکست کھاکر رہ گئی ہے۔ اور انگلستان کے ایک اور مشہور شخص نے بھی لکھا ہے کہ مشرقی افریقہ میں اب عیسائیت کی اشاعت کے لئے کوئی موقع نہیں رہا اور احمدیوں نے اس کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ یہ احمدیت کی صداقت کا ایک بڑا نشان ہے۔[۱]"

(۳)۔ "جس قدر عشق قرآن کریم سے حضرت خلیفہ اوّل کو تھا۔ اس کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہ کوئی بعید اَمر نہیں تھا کہ تراجم قرآن کریم کا کام انہی کے زمانہ میں شروع ہوجاتا۔ لیکن چونکہ یہ سعادت خدا تعالیٰ نے میرے لئے مقدّر کر رکھی تھی۔ اس لئے اس زمانہ میں یہ کام شروع نہ ہُوا تا قرآن کریم کے انوار کا ظہور میرے زمانۂ خلافت میں ہو اور حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ الہام پورا ہُوا کہ "نور آتا ہے نور"۔

اس الہام کا ایک مفہوم یہ بھی تھا کہ میرے زمانۂ خلافت میں قرآنِ کریم کی اشاعت ہوگی اور اس کے تراجم مختلف زبانوں میں کئے جائیں گے کیونکہ قرآن کریم کا ایک نام "نور" بھی رکھا گیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اَب تک جو کام ہُوا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہُوا ہے۔ اور اُسی نے مختلف زبانیں جاننے والے آدمی ہمیں مہیّا کئے ورنہ ہمارے پاس مختلف زبانیں جاننے والے لوگ موجود نہیں تھے...... پس یہ برکتیں اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے لئے رکھی تھیں۔ درحقیقت ان تراجم کا کام کسی فرد کا کام نہیں تھا۔ بلکہ خلافت، تنظیم اور جتھے کا کام تھا ورنہ جماعت میں سے کون ہے جو ان تراجم میں سے ایک ترجمہ بھی شائع کروا سکتا۔ لیکن ہم سب نے مل کر وہ کام کر لیا جو بڑے

---

[۱] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء / ۱۳۳۵ھش صفحہ ۱۶

بڑے بادشاہ بھی نہیں کر سکے تھے۔

کہتے ہیں ایک شخص نے موت کے وقت اپنے سب بیٹوں کو بلایا اور جھاڑو منگوا کر کہا اس جھاڑو میں سے ایک تنکا نکال کر توڑو۔ انہوں نے اس تنکے کو بڑی آسانی سے توڑ دیا۔ اس کے بعد اُس نے اُنہیں جھاڑو دیا اور کہا کہ اُسے توڑو مگر اُن سے نہ ٹوٹا۔ اس پر اُس نے کہا میرے بیٹو! تم نے دیکھا کہ ایک ایک تنکا ذاتی طور پر کوئی قوّت نہیں رکھتا۔ تم نے اسے ایک انگلی کے دباؤ سے ہی توڑ دیا۔ لیکن جھاڑو کو توڑنا تمہارے لئے مشکل ہوگیا۔ اسی طرح اگر تم متفرق ہوگئے تو دُنیا کی ہر طاقت تمہیں تباہ کر سکتی ہے لیکن اگر تم اکٹھے اور متفق رہے تو تم محفوظ اور مطمئن رہوگے۔

اسی طرح یہ خلافت اور تنظیم کی ہی برکت ہے کہ جماعت نے متعدد زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم شائع کر دیئے۔ ورنہ جماعت میں کوئی ایک فرد بھی ایسا مالدار نہیں جو ان تراجم میں سے ایک ترجمہ بھی شائع کروا سکتا۔[1]

(۴)۔ "تم جو چاہو۔ کرلو۔ لیکن یاد رکھو وہ دن آنے والا ہے جب احمدیت کے کاموں میں حصّہ لینے والے بڑی بڑی عزّتیں پائیں گے لیکن ان لوگوں کی اولادوں کو جو اس وقت جماعتی کاموں میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ دھتکار دیا جائے گا۔ جب انگلستان اور امریکہ ایسی بڑی بڑی حکومتیں مشورہ کے لئے اپنے نمائندے بھیجیں گی اور وہ اُسے اپنے لئے موجبِ عزّت خیال کریں گے اس وقت ان لوگوں کی اولاد کہے گی کہ ہمیں بھی مشورہ میں شریک کرو۔ لیکن کہنے والا انہیں کہے گا کہ جاؤ تمہارے باپ دادوں نے اس مشورہ کو اپنے وقت میں ردّ کر دیا تھا اور جماعتی کاموں کی انہوں نے پرواہ نہیں کی تھی۔ اس لئے تمہیں بھی اس مشورہ میں شریک نہیں کیا جا سکتا۔

پس اس غفلت کو دُور کرو۔ اور اپنے اندر یہ احساس پیدا کرو کہ جو شخص سلسلہ کی کسی میٹنگ میں شامل ہوتا ہے۔ اس پر اس قدر انعام ہوتا ہے کہ امریکہ کی کونسل کی ممبری بھی اُس کے سامنے ہیچ ہے۔ اور اُسے سو حرج کرکے بھی اس میٹنگ میں شامل ہونا چاہیئے۔ اگر وہ اس میٹنگ میں

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء/۱۳۳۵ہش صفحہ ۲۰

شامل نہیں ہوتا تو اس کی غیر حاضری کی وجہ سے سلسلہ کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لیکن وہ خود الٰہی انعامات سے محروم ہو جائے گا۔

جب شوریٰ نہیں تھی تب بھی کام چلتا تھا۔ اور اب شوریٰ بلائی جاتی ہے۔ تب بھی کام چل رہا ہے۔ پس تم حصّہ لو یا نہ لو سلسلہ کا کام چلتا رہے گا۔ ہاں اگر تم اس وقت جماعتی کاموں میں حصّہ نہیں لیتے اور انہیں اپنے لئے موجبِ عزّت خیال نہیں کرتے تو تمہاری اولادیں آئندہ انعامات سے محروم ہو جائیں گی۔ لوگ اپنی زندگیوں میں اپنی اولادوں کے لئے ہزاروں ہزار روپیہ کی جائیدادیں بنا جاتے ہیں تا اُن کے کام آئیں۔ تم بھی اگر سلسلہ کے کاموں میں حصّہ لیتے رہو گے تو تمہارا ایسا کرنا تمہاری اولاد کے لئے ایک بڑی بھاری جائیداد ثابت ہوگا۔

یاد رکھو۔ اگر تم میں سے کسی کو سلسلہ کے کسی کام کے لئے مقرر کیا جائے تو اس کا اس سے بھاگنا سخت غلطی ہے۔ تم سلسلہ کے کام کی سرانجام دہی میں ہرگز کوتاہی نہ کرو بلکہ اُسے اپنی عزّت کا موجب سمجھو۔ اگر تم سلسلہ کے کاموں کو عزّت والا قرار دو گے تو خدا تعالیٰ بھی تمہیں عزّت والا بنا دے گا۔ گو اس وقت جماعت کے پاس دولت نہیں، اسے دُنیا میں کوئی اہمیت حاصل نہیں لیکن تھوڑے عرصہ میں ہی احمدیت دُنیا پر غالب آنے والی ہے اور اس کے آثار خدا تعالیٰ کے فضل سے نظر آرہے ہیں۔ بڑے بڑے لوگوں کی توجہ احمدیت کی طرف ہو رہی ہے۔ یہ بڑے بڑے لوگ جس علاقہ سے بھی آئیں گے وہ احمدیت کو زیادہ معزز سمجھیں گے اور احمدیت کی وجہ سے انہیں اور عزّت حاصل ہوگی لیکن جو لوگ سلسلہ کے کاموں میں شریک ہونے کو ذلّت اور وقت کا ضیاع سمجھیں گے اُن کے علاقہ میں عزّت دیر سے آئے گی اور اگر وہ عزّت آگئی تو جن لوگوں نے اپنے وقت میں سلسلہ کی خدمت میں کوتاہی کی ہوگی ان کی اولادیں اس عزّت سے محروم کر دی جائیں گی۔ پس آئندہ کے لئے احتیاط کرو اور ہمیشہ سلسلہ کے کاموں کو عزّت کی نگاہ سے دیکھو۔ تم میں سے کسی کو سلسلہ کے کسی کام کے لئے مقرر کیا جائے تو وہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ نے اُسے بہت بڑے خطاب سے نوازا ہے۔"[1]

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۴، ۲۵۔

(۵)۔ " دَورے تبھی مفید ہو سکتے ہیں۔ جب حکومت کے افسروں کی طرح ان کا پروگرام بنایا جائے۔ اور پہلے سے اُن کا وقت مقرر کر کے متعلقہ جماعت کو اطلاع دے دی جائے تاکہ وہ ارد گرد کے پچاس ساٹھ جماعتوں کے لوگوں کو وہاں بلا لے۔ اور پھر وہاں کانفرنس کی جائے ورنہ جس قسم کے دَورے سال کے دوران میں کئے گئے ہیں۔ انہیں ہرگز دَورہ نہیں کہا جا سکتا۔ دَورہ اس چیز کا نام ہے کہ کسی جماعت میں ارد گرد کے پچاس ساٹھ میل تک کے رہنے والے احمدیوں کو اکٹھا کیا جائے اور ان سے جماعتی امور پر تبادلۂ خیال کیا جائے اور پھر جو مشورہ طے پائے اس پر عمل کیا جائے پھر مَیں نے یہ ہدایت بھی دی تھی کہ ناظر صرف اپنے صیغہ ہی کا خیال نہ رکھے بلکہ جب دَورہ پر جائے تو صدر انجمن احمدیہ کے ہر ناظر سے ہدایات لے کر جائے اور جو دقتیں انہیں پیش ہوں۔ اُن کو دُور کرے مثلاً اگر بعض جماعتوں میں جھگڑے طے نہ ہو رہے ہوں یا تعلیم کا اچھا انتظام نہ ہو تو چاہیے دَورہ کرنے والے ناظر کا ان اُمور سے کوئی تعلق نہ ہو اُس کا فرض ہے کہ وہ ان اُمور کو بھی اپنے پروگرام میں شامل کرے[1]"

مالا بار احمدیہ کانفرنس کیلئے برقی پیغام

۷، ۸ اپریل ۱۹۵۶ء کو پینگاڈی علاقہ شمالی مالا بار میں آل کیرالہ[2] احمدیہ کانفرنس منعقد ہوئی جو نہایت درجہ کامیاب رہی۔ اس کانفرنس میں حضرت مصلح موعود کا برقی پیغام عبدالرحیم صاحب (ابن مولانا عبداللہ صاحب مالا باری) نے پڑھ کر سنایا۔ اصل پیغام انگریزی میں تھا جسے پڑھنے کے بعد انہوں نے اس کا ملیالم زبان میں بھی ترجمہ کیا۔ حضورؓ کے انگریزی پیغام کا ذیل میں اُردو ترجمہ دیا جاتا ہے:۔

" مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ احمدیہ جماعت الکھلا کیرالہ (علاقہ مالا بار) نے ایک کانفرنس میں اجتماع کر کے برادران کو احمدیت کی تعلیم سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے مجھے اس بات سے بھی مسرت ہے کہ اس وقت حق و صداقت کے بیج بونے کے لئے جنوبی ہندوستان بہترین کھیت ثابت ہو رہا ہے۔ مَیں اس بات سے بھی خوش ہوں کہ آپ لوگوں نے اپنی فرض شناسی کا ثبوت

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۳، ۵۴۔ [2] KERALA

دیا ہے۔ اس قسم کے بہت سے اجتماع ہر سال ہونے چاہئیں اور ہمارے مبلغین کو طوفانی دورے کر کے لوگوں کو سچائی کے سرچشمہ کی طرف لانا چاہیئے۔ ہمارے رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں مسلمانوں کو اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ صرف ایک حضرت شیخ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ لاکھوں ہندو اسلام کی طرف آئے اور اب بھارت میں چار کروڑ مسلمان ہیں وہ چالیس کروڑ غیر مسلموں کو اسلام میں لا سکتے ہیں۔

پس حالات کے تقاضا کو سمجھو اور اس کے مطابق اعمال بجا لاؤ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اور مخلص سپاہی بنو۔ دُنیا میں امن کو قائم کرنے والے بنو۔ اور جلدی اور مستقل مزاجی سے کام کرو۔ خدا تعالیٰ یقیناً تمہاری مدد کرے گا۔ اور تم لوگوں کے دلوں کو حق و صداقت کے لئے فتح کرنے کے قابل ہو جاؤ گے۔

پس مایوس نہ ہوں اور خدا تعالیٰ پر یقین اور بھروسہ رکھیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے۔ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی مایوسی بھی کُفر کے برابر ہے۔ مسلمان بہادر ہوتے ہیں۔ پس سچے اور بہادر بنو۔ اور ہمیشہ بذریعہ خط و کتابت میرے ساتھ تعلقات رکھو۔

بھارت میں امن کے قیام کا باعث بنو۔ ہر مسلمان تمہارے کاموں کو سمجھتا ہے اور تمہارے خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ یقیناً خدا تعالیٰ کے لئے اور مُلک کی بہتری کے لئے تمہاری تقلید کرے گا۔

اَے میرے خدا! اپنے فرشتوں کو حُکم دے کہ بھارت کے حالات اسلام کے لئے ایسے موافق ہو جائیں جیسے مَیں چاہتا ہوں۔" خلیفۃ المسیح [1] (ترجمہ از انگریزی)

مولانا محمد اسماعیل صاحب فاضل وکیل ہائی کورٹ یادگیر کانفرنس کی تفصیلی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ:۔

(اس پیغام نے) "نفخ روح کا کام دیا اور احمدی بھائی، بہنوں اور بچوں کے ازدیادِ ایمان کا موجب ہُوا۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہر فردِ بشر میں ایک خاص جوش، ولولہ اور اُمنگ اُبھر

---

[1] بدر ۱۴ ؍ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۲

آئی ہے[۱]۔"

حضرت مصلح موعود کا پیغام تعلیم الاسلام ہائی سکول کے سٹاف کے نام

تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر صوفی محمد ابراہیم صاحب بی۔ ایس سی۔ بی ٹی[۲] محترم ماسٹر نذیر احمد صاحب رحمانی، صوفی غلام محمد صاحب اور ماسٹر اللہ بخش صاحب (زراعتی ماسٹر) شاندار تعلیمی خدمات بجا لانے کے بعد یکم جون ۱۹۵۶ء میں ریٹائر ہوئے اس موقع پر حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل پیغام عطا فرمایا جو روزنامہ الفضل ۵؍ جون ۱۹۵۶ء کے صفحہ اوّل پر اشاعت پذیر ہوا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ ٹی۔ آئی۔ ہائی سکول ربوہ سے مندرجہ ذیل مدرسین ریٹائر ہو رہے ہیں۔ صوفی محمد ابراہیم صاحب ہیڈ ماسٹر۔ صوفی غلام محمد صاحب۔ ماسٹر نذیر احمد صاحب رحمانی اور ماسٹر اللہ بخش صاحب۔ ان لوگوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنے کام کو نہایت جانفشانی سے پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی حسنِ خدمت کو قبول فرمائے اور ان کی ریٹائر ہونے کی بعد کی زندگی بھی نہایت خوشگوار اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور احسانوں کے نیچے گذرے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کو اور ان کی اولادوں کو اسلام کی خدمت کی توفیق بخشتا رہے[۳]۔"

"نور ہسپتال" کے نام پر ایک شاخسانہ

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے نوٹس میں یہ بات آئی کہ مختلف حلقوں میں یہ وسوسہ پیدا کیا جا رہا ہے کہ ربوہ کے نئے ہسپتال کا نام "فضلِ عمر ہسپتال" کی بجائے "نور ہسپتال" ہونا چاہیئے۔

بعد ازاں ایک معترض کا خط بھی حضور کی خدمت میں پہنچا جس نے اس اطلاع کی تصدیق کر دی۔ حضور نے الفضل ۲۴؍ مئی ۱۹۵۶ء میں اپنے وضاحتی نوٹ کے ساتھ یہ خط شائع کرا دیا مگر اس کے باوجود یہ صاحب بذریعہ مکتوب اپنی اس رائے پر مصر رہے کہ بہرحال "نور ہسپتال" ہی نام

---

۱ اخبار "بدر" قادیان ۱۴؍ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ کالم ۳۔ ۲ آپ کے بعد جناب ماسٹر محمد ابراہیم صاحب جمونی ہیڈ ماسٹر ہوئے۔ ۳ روزنامہ الفضل ربوہ ۵؍ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۔

رکھا جائے۔ جس پر حضورؓ نے یہ دوسرا مکتوب اور اس کا جواب الجواب بھی شائع فرما دیا۔ تا مخلصینِ جماعت ہوشیار ہوجائیں کہ بعض لوگ اخلاص وعقیدت کا لبادہ اوڑھ کر کس طرح جماعت کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے میں مصروف ہیں؟۔

(پہلا مکتوب)

"میرے پیارے آقا سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔

جب سے مَیں نے "الفضل" اخبار میں پڑھا ہے کہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے فیصلہ کیا کہ نُور ہسپتال کا نام فضلِ عمر ہسپتال کے نام پر بدل دیا جائے مجھے سخت تکلیف ہوئی ہے۔ اس لئے نہیں کہ حضور کے نام کی طرف کیوں منسوب کیا جارہا ہے۔ بلکہ اس خیال سے کہ "نور" کا نام کیوں اُڑا دیا گیا ہے۔

حضور آپ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے محسن زادے ہیں اور حضرت مولوی صاحب آپ کے محسن۔ طبّ میں جو کمال اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کو عطا فرمایا تھا، ایک دُنیا کو قادیان کھینچ کر لایا۔ اور اس طرح ان کا وجود طبابت کے اعتبار سے بھی ایک وسیع تبلیغ کا ذریعہ بنا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں خلیفہ اوّل منتخب کرکے نوازا۔ جہاں تک حضور کی ذات کا تعلق ہے وہ اتنی عظیم الشان ہے۔ اور دُنیا کے کونے کونے تک جس خوبصورتی سے حضور نے احمدیت کا پیغام پہنچایا ہے وہ اتنا بے نظیر کارنامہ ہے کہ زمانہ اس نام کو مٹا نہیں سکتا اور آنے والی نسلیں قیامت تک حضور کو یاد رکھیں گی اور ان کی دُعائیں آپ کے ساتھ رہیں گی۔ اس لئے "فضلِ عمر" کا نام بجائے "نُور" کے رکھ دیا جائے تو اس سے حضور کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ لیکن "نور" کا نام حذف کرنے سے جماعت الزام کے نیچے آجاتی ہے کہ اتنی جلدی ایک محسن کو بھول گئی۔ اس لئے میری درخواست ہے کہ حضور انجمن کے فیصلہ کو اپنے حکم سے منسوخ فرمائیں۔

البتہ یہ ضرور ہو کہ "نُور ہسپتال" کے نیچے یہ لکھا جائے کہ اس کی بنیاد اور تعمیر فضلِ عمر کے ہاتھوں سے ہوئی"[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۴ مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳

(حضرت مُصلح موعودؓ کا جواب)

"ایک صاحب کا خط مجھے نُور ہسپتال کے نام کے متعلق ملا ہے۔ (مَیں اس کا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتا لیکن خط بھجوا رہا ہوں۔ کہ اس کو بغیر نام کے شائع کر دیا جائے) اس مضمون کا خط مجھے ربوہ میں بھی ملا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی لوگوں کے دلوں میں شُبہ ایک ہی وقت میں پیدا ہؤا ہے۔ سو یاد رہے کہ نُور ہسپتال قادیان میں تھا۔ اس کا نام نہیں بدلا گیا۔ بلکہ وہ قادیان میں موجود ہے۔ اس کو قادیان سے اُٹھا کر لانے کی ہمیں توفیق نہیں۔ جب بھی خدا تعالےٰ ہمیں قادیان دلائے گا۔ نُور ہسپتال نُور ہسپتال ہی رہے گا۔ فضلِ عمر ہسپتال ایک نئی عمارت ہے جو نئے لوگوں کے چندوں سے بنی ہے۔ ہر چندہ دینے والی جماعت یا منتظم جماعت کا حق ہوتا ہے کہ وہ جو چاہے اپنی عمارت کا نام رکھ دے۔ اگر اس قانون کو تسلیم کر لیا جائے کہ جو عمارت کسی بزرگ کے نام سے موسوم کی جائے تو جہاں کہیں بھی اس فن کی نئی عمارت بنائی جائے وہی نام اس کو دینا چاہیئے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ آئندہ جماعت احمدیہ جہاں کہیں ہسپتال بنائے اس کا نام نور ہسپتال رکھے۔ کیا کوئی معقول آدمی ایک منٹ کے لئے اس خیال کی صحت کو تسلیم کر سکتا ہے۔ جب مختلف ممالک میں جماعتیں ہسپتال بنائیں گی تو کسی جگہ پر وہ اس ملک کے کسی وزیر کے نام پر اس ہسپتال کا نام رکھیں گی کسی جگہ کسی بڑے مبلّغ کے نام پر اس کا نام رکھیں گی۔ غرض ہر مُلک اور ہر علاقہ میں نئے نئے ناموں پر ہسپتال بنتے جائیں گے۔ ربوہ میں جو ہسپتال بنا ہے۔ ان لوگوں نے جنہوں نے وہ ہسپتال بنایا ہے مجھ سے خواہش کی کہ اس کا نام فضلِ عمر ہسپتال رکھ دیں اور مَیں نے اجازت دے دی۔ کیا یہ ہسپتال قادیان سے اُٹھا کر لایا گیا ہے۔ کہ یہ خیال کیا گیا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل کا نام اس سے الگ کر دیا گیا ہے۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ کی زندگی میں تو اس ہسپتال کی ایک اینٹ بھی نہیں رکھی گئی تھی۔ اگر اس خیال کو وسیع کیا جائے تو جس طرح قادیان میں غُربا کے لئے جو مختلف مکان بنائے گئے تھے۔ اس جگہ کا نام ناصر آباد رکھا گیا تھا کیونکہ میر ناصر نواب صاحب نے وہ مکان چندہ کر کے بنوائے تھے۔ اب ربوہ میں محلہ الف میں غُربا کے لئے مکان بنائے گئے ہیں تو یہ اعتراض بھی ہونا چاہیئے کہ اس کا نام محلہ دارالیمن کیوں رکھا گیا۔ پھر جماعت کو قانون بنا دینا چاہیئے کہ جہاں جہاں بھی کوئی ہسپتال بنایا جائے۔ اس کا نام

نُورہسپتال رکھا جائے۔ اور جہاں جہاں بھی غربا کے لئے مکان بنائے جائیں، ان کا نام ناصر آباد رکھا جائے ۔ پس یہ ایک محض جذباتی اور عقل سے عاری خیال ہے۔ نُورہسپتال قادیان میں موجود ہے۔ وہ اَب بھی نُورہسپتال ہے ۔ اور جب کبھی خدا تعالیٰ ہمیں قادیان دے گا تو ہم کوشش کریں گے کہ وہ ہمیشہ نُورہسپتال رہے۔ ممکن ہے اس وقت کی مالی حالت کے لحاظ سے ایک نیا ہسپتال جو اس سے بیسیوں گنے بڑا ہو بنائیں اور اس کا کوئی اور نام رکھ دیں۔ لیکن نورہسپتال نُور ہسپتال ہی رہے گا۔ اور نورہسپتال ہے۔ قادیان میں رہنے والے اَب بھی جب خط لکھتے ہیں تو نُورہسپتال کا نام نورہسپتال ہی لکھتے ہیں۔ پس قادیان میں بننے والے ہسپتال کا نام نور ہسپتال رکھنے کی وجہ سے قیامت تک کے لئے احمدی اس بات پر مجبور نہیں کہ جہاں کہیں وہ کوئی ہسپتال بنائیں اس کا نام نُورہسپتال رکھیں۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اس نئے ہسپتال کے بنانے والوں نے اپنے اعلان میں بیوقوفی کی ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ اجازت دی جائے کہ نُور ہسپتال کی بجائے اس کا نام فضلِ عمرہسپتال رکھا جائے۔ حالانکہ یہ نیا ہسپتال ہے۔ قادیان والا نہیں۔ لیکن ہسپتال کے منتظمین کی بیوقوفی کی وجہ سے جماعت کے نام کے تمام افراد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بھی بیوقوف بن جائیں۔ فقط والسّلام مرزا محمود احمد"[1]

(دُوسرا مکتوب)

"پیارے حضرت صاحب ۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

حضور کا مضمون برائے نُورہسپتال ربوہ خاکسار نے پڑھا۔ حضور والا! جہاں تک ہسپتال کی مکانیت کا تعلق ہے قادیان والا ہسپتال نُورہسپتال ہی رہے گا۔ اور قیامت تک اس کے نام کو کوئی مٹا نہیں سکتا اور ربوہ والا ہسپتال یقیناً وہ ہسپتال نہیں جس کی بنیاد حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے رکھی۔ مگر پیارے آقا جہاں تک تبرک کا تعلق ہے ہمیں یقینی طور پر ربوہ والے ہسپتال کا نام بھی نُورہسپتال ہی رکھنا چاہیئے۔ ربوہ کی بیشتر عمارات کے نام بھی وہی رکھے گئے ہیں جو ان کے نام قادیان میں تھے۔ مثلاً تعلیم الاسلام ہائی سکول کی بنیاد

---

[1] الفضل ۲۴ مئی ۱۹۵۶ء صـ ۳ ۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے رکھی اور اس کا نام تعلیم الاسلام ہائی سکول تجویز فرمایا۔ اب ربوہ کے سکول کا نام بھی وہی ہے۔ حالانکہ وہ سکول جس کی بنیاد حضور نے اپنے دستِ مبارک سے رکھی تھی وہیں رہ گیا ہے۔ اس طرح اور بھی کئی عمارات ہیں جن کا تبرکاً ظلّی طور پر وہی نام رکھا گیا ہے۔ جو ان عمارات کا قادیان میں تھا اس لئے حضور والا میری عقلِ ناقص کے مطابق تبرک اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کا نام بھی نور ہسپتال ہی رکھا جائے۔ بے شک اس کی مکانیت اور اس کی بنیاد کے لحاظ سے اس کا نام بدل سکتے ہیں مگر جب باقی اکثر عمارتیں جو تعمیر کی گئی ہیں اُن کا بھی وہی نام رکھا گیا ہے تو پھر خاص کر نورؔ ہسپتال کے نام کے بدلنے کی خاص ضرورت کیوں پیش آ گئی۔

اس کے علاوہ عرصہ پانچ سال سے جو شروع میں کچّا ہسپتال تھا اس کا نام بھی نور ہسپتال ہی رکھا گیا حالانکہ اس کی بنیاد بھی حضور نے ہی رکھی تھی۔ تو اب اس نئے ہسپتال کے لئے صدر انجمن کا نیا نام تجویز کرنا ایک عجیب سی بات نظر آتی ہے۔

حضور والا چونکہ تمام عمارتوں اور محلوں وغیرہ کے نام تبرکاً قادیان کے ہی ناموں جیسے رکھے گئے ہیں۔ اس لئے وہی تبرکاً اس بات کا شدید مقتضی ہے کہ اس ہسپتال کا نام بھی نُور ہسپتال ہی رہنے دیا جائے۔ خاکسار کو اُمید ہے کہ حضور صدر انجمن احمدیہ کو ارشاد فرمائیں گے کہ وہ اپنا فیصلہ منسوخ کر دے۔"

(حضرت مصلح موعودؓ کا جواب الجواب)

"سکول اور کالج کے نام تبدیل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کسی آدمی کے نام پر نہیں تعلیم الاسلام ان کا نام ہے اور وہ حضرت مسیح موعودؑ کے رکھے ہوئے نام ہیں۔ کیا تعلیم الاسلام نام کی بجائے آپ کے خیال میں تعلیم عیسائیت یا تعلیم ہندویت رکھا جاتا۔

جن کے چندوں سے یہ ہسپتال بنا ہے وہ شوریٰ میں مل کر یہ فیصلہ کر دیں کہ اس کا نام نُور ہسپتال رکھ دیا جائے تو فوراً بدل دیا جائے گا۔ درحقیقت یہ ہسپتال چندوں سے بن بھی نہیں رہا ہے بلکہ ہماری تجارتی کمائی سے بن رہا ہے۔ دس ہزار میں ربوہ کی زمین خریدی گئی جس میں سے پانچ ہزار روپیہ مَیں نے دیا۔ اس فروخت سے جو نفع ہُوا اس سے کالج سکول اور ہسپتال بن

رہے ہیں۔

آپ شوریٰ میں یہ معاملہ پیش کر دیں۔ اگر شوریٰ برہان الدین ہسپتال نام رکھ دے تو وہ رکھ دیا جائے گا۔ کالج کا نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رکھا تھا اور ہسپتال کا نام میر ناصر نواب صاحبؓ نے۔ کیا آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور میر ناصر نواب صاحب کو ایک دھبہ دینا چاہتے ہیں؟۔

مَیں آخر آپ لوگوں کا غلام تو نہیں کہ ہر احمدی مجھے جو حکم دے وہ مَیں مان لُوں۔ جماعت کی اکثریت کا فیصلہ مَیں ماننے کو تیار ہوں۔ جو زید یا بکر یہ سمجھتا ہے کہ اس کا کہنا ماننا مجھ پر واجب ہے وہ بے شک میری بیعت چھوڑ دے۔" (پرائیویٹ سیکرٹری)[1]

افسوس حضرت مصلح موعودؓ کے اس حقیقت افروز جواب پر بھی بعض لوگوں کی تسلی نہ ہوئی جس پر حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے الفضل ۲۰ ؍جون ۱۹۵۶ء میں ایک دَرد بھرا نوٹ سپردِ قلم فرمایا جس میں اعتراض اُٹھانے والے عناصر کو مقامِ خلافت کی عظمت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے واضح فرمایا کہ ؎

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

چنانچہ آپ نے لکھا کہ۔" اداروں کے نام ایک رسمی سی بات ہے ربوہ کے ہسپتال کا نام نورِ ہسپتال ہو یا فضلِ عمر ہسپتال اس سے جماعت کی تنظیم اور ترقی پر کیا خاص اثر پڑ گیا ہے؟ پس خدا کے لئے دوست خاموش ہو جائیں اور حضرت صاحب کو مزید پریشان نہ کریں۔ کیا ہمارے دوست بنی اسرائیل کے طریق پر قدم مارنا چاہتے ہیں؟ جو ہر بات پر سوالوں اور اعتراضوں کی بھرمار کر کے حضرت موسیٰ کو تنگ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب ایک دفعہ کسی مسلمان کہلانے والے نے اسی قسم کا اعتراض کر کے ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کیا تو آپ نے اس پر یہ الفاظ فرمائے کہ "قَدْ اُوْذِیَ مُوْسٰی اَکْثَرَ مِنْ ھٰذَا فَصَبَرَ۔" یعنی حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل نے اپنے ناواجب سوالوں اور اعتراضوں کے ذریعہ

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۵ ؍جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۳

اس سے بڑھ کر تنگ کیا۔ مگر موسیٰؑ نے صبر سے کام لیا۔ بہرحال حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز دونوں ہی ہمارے امام ہیں۔ ایک سابق امام اور ایک موجودہ امام۔ اگر ربوہ میں قائم ہونے والے ایک ادارہ کا نام خواہ وہ فنِ طبّ سے ہی تعلق رکھتا ہو۔ عملہ ہسپتال کی تجویز پر فضل عمر ہسپتال نام رکھ دیا گیا تو اس سے اندھیر کونسا ہو گیا"۔[1]

فصل ہشتم

نوجوانانِ احمدیت میں رُوحانی انقلاب

حضرت مصلح موعودؓ کی علالت کے نتیجہ میں نوجوانانِ احمدیت کے اندر ایسی زبردست رُوحانی تبدیلی پیدا ہو گئی کہ دُعاؤں اور درُود شریف کے بکثرت ورد سے اُن پر جنابِ الٰہی کی طرف سے رؤیا اور کشوف کے دروازے کھُل گئے جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ یکم جون ۱۹۵۶ء میں نہایت خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"کہنے کو تو مسلمان کہتا ہی رہتا ہے کہ اس کو صراطِ مستقیم کی خواہش ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ صراطِ مستقیم اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ملتا ہے اور اس فضل کو کھینچنے کے لئے خدا کوئی نہ کوئی ذریعہ بنا دیتا ہے۔ مَیں سوچا کرتا ہوں کہ کسی شاعر نے کیا سچ کہا ہے کہ ؎

خدا شرّے برانگیزد کہ خیرے ما دراں باشد

یعنی خدا تعالیٰ بعض وقت شرّ میں سے بھی ہمارے لئے خیر اور بھلائی اور برکت کے سامان پیدا کر دیتا ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ میری بیماری سے پہلے جماعت کے نوجوان وہی تھے جو

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۰ ؍ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۵، ۶۔

اَب ہیں اور اُن کے تعلقات بھی ویسے ہی تھے جیسے اَب ہیں لیکن دُعاؤں اور درود کی طرف اُن کی زیادہ توجہ نہیں تھی لیکن جب میری بیماری کی خبریں شائع ہوئیں تو انہوں نے اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ دُعائیں کر رہے ہیں تو انہوں نے بھی دُعائیں کرنی شروع کر دیں پھر انہوں نے سُنا کہ درود سے دُعائیں زیادہ سُنی جاتی ہیں۔ اس پر انہوں نے بھی درود پڑھنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ تھے تو پچیس پچیس چھبیس چھبیس سال کے لیکن پہلے انہیں رؤیا وکشوف نہیں ہوتے تھے۔ لیکن ان دُعاؤں اور درود کی کثرت کی وجہ سے مَیں دیکھتا ہوں کہ درجنوں احمدیوں کو بڑی اعلیٰ درجہ کی خوابیں آنی شروع ہو گئیں ہیں۔ اور ہر ڈاک میں ایسے کئی خطوط نکل آتے ہیں جن میں خوابیں درج ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ روزانہ پانچ پانچ چھ چھ خط اکٹھے آ جاتے ہیں۔ جن میں خوابیں درج ہوتی ہیں۔ اور ان میں سے بعض اتنی شاندار ہوتی ہیں کہ اُن کے پڑھنے سے صاف پتہ لگتا ہے کہ یہ خدائی رؤیا ہیں۔ یہ اسی بات کا نتیجہ ہے کہ چاہے میری بیماری کی وجہ سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے لیکن بہرحال ان کو خدا تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا ہوئی اور چاہے انہوں نے دُعا کی قبولیت کے لئے ہی دُرود پڑھا۔ مگر درود کی برکات سے انہیں حصّہ مل گیا۔ چنانچہ ان دُعاؤں اور درود اور خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کے نتیجہ میں ایسی ایسی خوابیں دوستوں کو آ رہی ہیں کہ انہیں پڑھ کر حیرت آتی ہے اور ان کا لفظ لفظ بتا رہا ہوتا ہے کہ سچّی ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اگر یہ تحفہ جو ان کو خدا تعالےٰ کی طرف سے مِلا ہے اس سے ان کے اندر حقیقی لذّتِ ایمان پیدا ہو گئی اور انہوں نے دُعاؤں اور ذکرِ الٰہی کی عادت کو ترک نہ کیا تو یہ رؤیا وکشوف کا سلسلہ ان کے لئے مستقل طور پر جاری ہو جائے گا اور اللہ تعالےٰ کے فضل اِن پر متواتر نازل ہونے شروع ہو جائیں گے۔"[1]

ٹیونس، زیکوسلاواکیہ اور مراکش میں اشاعت احمدیت

یہ سال تبلیغِ اسلام اور اشاعتِ احمدیت کے اعتبار سے بہت اہم سال تھا جس میں ایک طرف اگر حکومتِ سپین نے تبلیغِ دین کی بندش کا فیصلہ

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲ رجون ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ (ایضاً ۲۹ رمئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۲)

کیا تو دُوسری طرف دُنیا کے متعدد ممالک مثلاً ٹیونس، زیکوسلاواکیہ اور مراکش تک احمدیت کی آواز پہنچانے کا سامان کر دیا۔ چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ ۱۵؍جون ۱۹۵۶ء میں خدا تعالیٰ کے ان تازہ افضال اور تصرفات پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"دُنیا اس وقت اسلام کی پیاسی ہے اور وہ ہم سے مبلغین اور لٹریچر کا مطالبہ کر رہی ہے کل ہی ایک ایسے ملک سے چٹھی آئی ہے کہ جہاں مسلمانوں کی بڑی بھاری تعداد ہے۔ وہاں ایک شخص نے قرآن کریم کا دیباچہ جو میرا لکھا ہؤا ہے جرمنی میں پڑھا اور پھر اس نے لکھا کہ میں نے آپ کا دیباچہ پڑھا ہے اور مَیں اس سے بڑا متأثر ہؤا ہوں۔ اگر ہماری زبان میں آپ اسے شائع کر دیں تو ہمارے مُلک میں بیس لاکھ مسلمان ہیں ان کے متعلق آپ سمجھ لیں کہ وہ فوراً آپ کی جماعت میں شامل ہو جائیں گے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جو کام شروع ہیں اگر وہی پورے نہ ہوسکے ہوں تو ہم نئے کام کس طرح شروع کر سکتے ہیں ورنہ دُنیا میں ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں جن سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کئی ممالک جن میں اس وقت عیسائیت کو غلبہ حاصل ہے اگر ان میں تبلیغ کی جائے اور لٹریچر پھیلایا جائے تو وہ بہت جلد احمدی ہو جائیں گے ..... محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی کرسی بلند سے بلند تر ہوتی چلی جائے گی۔ خواہ ساری عیسائی دُنیا زور لگالے۔ ساری ہندو دُنیا زور لگالے۔ ساری یہودی دُنیا زور لگالے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی کرسی کو کھینچنے والا کوئی انسان پیدا نہیں ہؤا۔ وہ آسمان کی بلندیوں کی طرف اڑتی چلی جائے گی اور اگر زمین کے لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اس کرسی پر نہیں بیٹھنے دیں گے تو آسمان سے خدا اُترے گا اور وہ خود آپ کو اس کرسی پر بٹھائے گا یہ خدائی قضا ہے جو بہر حال پوری ہو کر رہے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شعر ہے کہ ؎

قضائے آسماں است ایں بہر حالت شود پیدا

یہ آسمان کی قضا ہے اور اس نے ہو کر رہنا ہے نہ امریکہ کی طاقت ہے۔ نہ اسرائیل کی طاقت ہے، نہ روس کی طاقت ہے، نہ انگلستان کی طاقت ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اس کرسی سے اتار سکے۔ سپین کی بھلا حیثیت ہی کیا ہے۔ پچھلے دس پندرہ سال میں وہاں تین حکومتیں بدل چکی ہیں۔ لیکن پھر بھی اگر بعض حکومتیں فرض شناسی سے کام نہیں

لیں گی اور ظلم کرنا شروع کر دیں گی تو اللہ تعالیٰ اس ظلم کو برداشت نہیں کرے گا اور خدا خود انہیں مجبور کرے گا کہ وہ اسلام کے راستہ سے روکیں دُور کریں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہمارے مبلغوں کو اگر عقل دے تو اب بھی وہ ایسے سامان پیدا کر رہا ہے جن سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے پچھلے دنوں ٹیونس کا ایک شہزادہ جو تخت کا وارث تھا مصر میں آیا اور احمدی ہو کر چلا گیا۔ مگر ہمارے مبلغوں نے یہ غلطی کی کہ اس سے تعلق نہیں رکھا اسی طرح الجزائر کا ایک نمائندہ پچھلے دنوں آیا اور مجھے ملا اور کہنے لگا کہ مولوی آپ کی مخالفت کیوں کرتے ہیں مَیں نے خود احمدیت کا مطالعہ کیا ہے اور مجھے اس کی تعلیم بڑی اچھی نظر آتی ہے مَیں نے کہا یہ اُن سے پوچھو کہ وہ کیوں مخالفت کرتے ہیں۔ کہنے لگا میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ وہ ایسی اچھّی باتوں کی کیوں مخالفت کرتے ہیں۔ اسی طرح زیکوسلویکیا کا ایک نمائندہ مجھے زیورک میں ملا اور کہنے لگا کہ مَیں احمدی ہونا چاہتا ہوں۔ مَیں نے کہا جلدی نہ کرو۔ پہلے مولویوں کی باتیں سُن لو۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں ان کی باتیں سُنکر کہنے لگ جاؤ کہ اَب مَیں مرتد ہونا چاہتا ہوں۔ پھر مَیں نے اسے اختلافات بتائے اور کہا کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی وفات کے قائل ہیں اور وہ انہیں آسمان پر زندہ سمجھتے ہیں۔ ہم قرآن کی کسی آیت کو منسوخ نہیں سمجھتے مگر وہ کئی آیات کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اس طرح ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت کے لئے تلوار کی ضرورت نہیں مگر وہ جہاد کا یہی مفہوم سمجھتے ہیں کہ تلوار کے ساتھ غیر مسلموں کی گردنیں کاٹ دی جائیں۔ وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ آپ کیا باتیں کر رہے ہیں۔ ہمارے مُلک کے لوگ پہلے ہی ان باتوں کو مانتے ہیں ہمارے مُلک میں تعلیم زیادہ ہے اس لئے کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو آسمان پر زندہ سمجھتا ہو پھر ہمارے ملک میں ٹیٹو کی حکومت ہے۔ اگر ہم لوگوں کو یہ مسئلہ بتائیں گے کہ غیر مسلموں کو قتل کرنا جائز ہے تو ٹیٹو پہلے ہماری گردنیں کاٹے گا اور کہے گا کہ تمہیں تو جب تلوار ملے گی دیکھا جائے گا پہلے مَیں تمہاری گردنیں اڑاتا ہوں۔ ہماری عقل ماری ہوئی ہے کہ ہم اس مسئلہ کو تسلیم کریں۔ باقی رہا قرآن میں منسوخی کا سوال۔ سو یہ بات بھی بالکل واضح ہے اگر مان لیا جائے کہ قرآن میں بعض منسوخ آیات ہیں تو اس کے معنے یہ ہیں کہ سارا قرآن ہی قابلِ اعتبار نہیں۔ ہم ایسے بے وقوف نہیں کہ ان باتوں کو مان لیں۔ آپ بے شک تسلّی رکھیں۔ مولویوں کا نہ ہم پر اثر ہو سکتا ہے اور نہ میرے مُلک کے دوسرے

لوگوں پر۔ آپ بے شک لٹریچر بھیجیں۔ ہمارے نوجوان ان مسائل کو خوش آمدید کہیں گے اور وہ خوش ہوں گے کہ آپ نے ان کو گمراہی سے بچا لیا۔ غرض اللہ تعالیٰ کے فضل سے غیر ملکوں میں اسلام کے پھیلنے کے سامان پیدا ہو رہے ہیں اور چند ممالک تو ایسے نظر آ رہے ہیں کہ اگر ان میں صحیح طور پر تبلیغ کی جائے تو وہ لوگ عیسائیت کو چھوڑ کر بہت جلد اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان کے دلوں میں خواہش پیدا ہو رہی ہے کہ اسلام کی تعلیم ان تک پہنچے اور وہ اسے قبول کریں۔ بے شک سپین کی گورنمنٹ ہمارے مبلغ کو نکال دے اور مولوی اس پر خوشیاں منا لیں۔ مگر الٰہی تدبیر کا وہ کہاں مقابلہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ادھر سپین کی گورنمنٹ نے ہمارے مبلغ کو نوٹس دیا اور ادھر مراکش کے مسلمانوں نے خط و کتابت شروع کر دی کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں گویا اگر ایک ملک ٹانگ کھینچتا ہے تو دوسرا کرسی بچھانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ اسلام کے پھیلنے کے خود سامان کر رہا ہے۔ شروع میں جب اسلام پھیلا تھا تو خدا نے ہی پھیلایا تھا۔"[1]

فصل نہم

سیرالیون میں ایک عظیم نشان کا ظہور

سیرالیون احمدیہ مشن کا اخبار افریقن کریسنٹ THE AFRICAN CRESCENT ایک عیسائی پریس میں چھپتا تھا۔ مگر اس سال کے وسط اوّل میں پریس کے عیسائی پرنٹر نے پادریوں کے اکسانے پر نہ صرف پرچہ چھاپنے سے انکار کر دیا اور مسودات واپس کر دیئے بلکہ ایڈیٹر کریسنٹ کو یہاں تک لکھا کہ ہمارا مسیح تو مُردے زندہ کیا کرتا تھا اور مختلف قسم کے معجزے دکھایا کرتا تھا اگر آپ کا مسیح بھی اپنے دعویٰ میں صادق ہے تو اس سے کہو کہ کم از کم تمہارا اخبار ہی چھاپ دیا

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۰ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۴

کرے۔ اس طنزیہ جواب سے مخلصینِ سیرالیون کو سخت تکلیف ہوئی مگر وہ خدائے عزّ و جل کے حضور فریاد کرنے اور حضرت مصلح موعود کی خدمتِ اقدس میں درخواستِ دُعا بھیجنے کے سوا اور کیا کر سکتے تھے۔ سو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسیح محمدی کے لئے ایسی غیرت دکھلائی کہ سخت مخالف حالات کے باوجود بہت جلد اس نے ایک نئے اور اعلیٰ درجہ کے پریس کا سامان کر دیا۔ انگلستان سے چار مشینیں منگوائی گئیں اور ان کو علی روجرز صاحب کے وقف شدہ مکانوں میں نصب کر دیا گیا۔

ہُوا یہ کہ مولانا محمد صدیق صاحب امیر و انچارج مشن سیرالیون نے پریس کے لئے ایسی پرجوش تحریک کی کہ سیرالیون جیسی غریب اور نسبتاً چھوٹی جماعت نے اپنے پریس کے لئے چودہ سو پونڈ کی خطیر رقم جمع کر لی۔ اس شاندار مالی جہاد میں جماعت کے دوسرے مخلصین کے علاوہ سیّد علی روجرز، احمدی پیرامونٹ چیف آنریبل ناصرالدین گامانگا صاحب اور مسٹر قاسم صاحب سیکشن چیف غالا نے نمایاں حصّہ لیا۔[1]

حضرت مصلح موعودؓ کو اس رُوح پرور واقعہ کی اطلاع پر بے انداز مسرت ہوئی اور آپ نے ۲۹؍جون ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں اس تازہ نشان کی تفصیلات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:۔

"اس ہفتہ میں مجھے ایک مبلغ کی طرف سے ایک چٹھی آئی ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ کس طرح ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے۔ اس کے بعد اپنا ایک ذاتی واقعہ اس کے ثبوت کے طور پر بیان کروں گا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہم نے یہاں اخبار جاری کیا اور چونکہ ہمارے پاس کوئی پریس نہیں تھا۔ اس لئے عیسائیوں کے پریس میں وہ اخبار چھپنا شروع ہؤا۔ دو چار پرچوں تک تو وہ برداشت کرتے چلے گئے لیکن جب یہ سلسلہ آگے بڑھا تو پادریوں کا ایک وفد اس پریس کے مالک کے پاس گیا اور انہوں نے کہا تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم اپنے پریس میں ایک احمدی اخبار شائع کر رہے ہو۔

---

[1] الفضل ۲۴، ۲۵؍جولائی ۱۹۵۶ء صـ۳ (وفا ۱۳۳۵ھش) و مخلص خط مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری ۱۵؍جولائی ۱۹۵۶ء

جس نے عیسائیوں کی جڑوں پر تبر رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اسے غیرت آئی اور اس نے کہہ دیا کہ آئندہ یہ تمہارا اخبار اپنے پریس میں نہیں چھاپوں گا۔ کیونکہ پادری اس پر بُرا مناتے ہیں جب اپنا اخبار چھپنا بند ہو گیا تو عیسائیوں کو اس سے بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے ہمیں جواب دینے کے علاوہ اپنے میں بھی ایک نوٹ لکھا۔ کہ ہم نے تو احمدیوں کا اخبار چھاپنا بند کر دیا ہے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ اسلام کا خدا اُن کے لئے کیا سامان پیدا کرتا ہے۔ یعنی پہلے ان کا اخبار ہمارے پریس میں چھپ جایا کرتا تھا۔ اب چونکہ ہم نے انکار کر دیا ہے۔ اور ان کے پاس اپنا پریس کوئی نہیں اس لئے اب ہم دیکھیں گے کہ یہ جو مسیح کے مقابلے میں اپنا خدا پیش کیا کرتے ہیں اس کی کیا طاقت ہے۔ اگر اس میں کوئی قدرت ہے تو وہ ان کے لئے خود سامان پیدا کر دے وہ مبلغ لکھتے ہیں کہ جب میں نے یہ پڑھا تو میرے دل کو سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ اور میں نے سمجھا کہ گو ہماری یہاں تھوڑی سی جماعت ہے لیکن بہرحال میں انہیں کے پاس جا سکتا ہوں اور کہہ سکتا ہوں کہ اس موقع پر وہ ہماری مدد کریں تاکہ ہم اپنا پریس خرید سکیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے لاری کا ٹکٹ لیا اور پونے تین سو میل کے فاصلہ پر ایک احمدی کے پاس گیا تاکہ اسے تحریک کروں کہ وہ اس کام میں حصّہ لے۔ یہ شخص جس کے پاس ہمارا مبلّغ گیا کسی زمانہ میں احمدیت کا شدید مخالف ہوا کرتا تھا۔ اتنا سخت مخالف کہ ایک دفعہ کوئی احمدی اس کے ساتھ دریا کے کنارے جا رہا تھا کہ اس احمدی نے تبلیغ شروع کر دی وہ دریا کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ دیکھو یہ دریا اُدھر سے اِدھر بہہ رہا ہے اگر یہ دریا یک دم اپنا رُخ بدل لے اور نیچے سے اوپر کی طرف الٹا بہنا شروع کر دے تو یہ ممکن ہے۔ لیکن میرا احمدی ہونا ناممکن ہے مگر کچھ دنوں کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ کوئی بڑا عالم فاضل نہیں بلکہ ایک لوکل افریقن احمدی اس سے ملا اور چند دن اس سے باتیں کیں تو وہ احمدی ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی مدد کی اور اس کی مالی حالت پہلے سے بہت اچھی ہو گئی وہ افریقن اپنے گاؤں کا چیف یعنی رئیس ہے مگر ہمارے ملک کے رئیسوں اور اُن کے رئیسوں میں فرق ہوتا ہے۔ اُن کے رئیس اور چیف عموماً ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے ہمارے ہاں نمبردار اور سفید پوش ہوتے ہیں۔ گو بعض چیف بڑے بڑے بھی ہوتے ہیں مثلاً لنڈن میں میری ریسپشن RECEPTION کے موقعہ پر جو افریقن چیف آیا اس کے ماتحت تین لاکھ آدمی تھا۔ گویا ریاست پٹیالہ سے بھی

بڑی ریاست اس کے ماتحت تھی۔ پس بے شک بعض بڑے بڑے چیف بھی ہوتے ہیں۔ جب ہم اُن کے متعلق چیف کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو بعض احمدی اس سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے بہت بڑا رئیس مراد ہے۔ حالانکہ اس کے معنے صرف ایک چھوٹے نمبردار کے ہوتے ہیں۔ وہاں قاعدہ یہ ہے کہ لوگ اپنے چیف کا خود انتخاب کرتے ہیں۔ گاؤں والے اپنے چیف کا انتخاب کرتے ہیں اور شہر والے اپنے چیف کا انتخاب کرتے ہیں۔ گاؤں کا چیف چھوٹا چیف ہوتا ہے۔ قصبہ کا چیف اس سے بڑا چیف ہوتا ہے اور شہروں کے چیف ان سے بڑے ہوتے ہیں پھر اس ضلع کے الگ الگ چیف ہوتے ہیں۔ جنہیں پیرامونٹ چیف PARAMOUNT CHIEF کہتے ہیں۔ یعنی راجوں کا راجہ۔ بہرحال وہ مبلغ لکھتے ہیں کہ مَیں اس چیف کے پاس گیا جو ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہُوا احمدیت میں داخل ہُوا تھا اور جو کسی زمانہ میں احمدیت کا اتنا مخالف ہُوا کرتا تھا کہ اس نے یہ کہا تھا کہ دریا اپنا رُخ بدل سکتا ہے اور وہ نیچے سے اوپر کی طرف بہہ سکتا ہے۔ لیکن مَیں احمدی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھو کہ جونہی وہ احمدی ہُوا اس کی زمین میں سے ہیروں کی کان نکل آئی اور گو قانون کے مطابق گورنمنٹ نے اس پر قبضہ کر لیا مگر اسے کچھ رائلٹی دینی پڑی جس سے یکدم اس کی مالی حالت اچھی ہوتی شروع ہوگئی۔ اور جماعتی کاموں میں بھی اس نے شوق سے حصّہ لینا شروع کر دیا۔ بہرحال وہ لکھتے ہیں کہ مَیں اس کی طرف جا رہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ ابھی اس کا گاؤں آٹھ میل پرے تھا کہ وہ مجھے ایک دوسری لاری میں بیٹھا ہُوا نظر آ گیا اور اس نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ اس وقت وہ اپنے کسی کام کے سلسلہ میں کہیں جا رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی لاری سے اُتر پڑا اور کہنے لگا کہ آپ کس طرح تشریف لائے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ اس اس طرح ایک عیسائی اخبار نے لکھا ہے کہ ہم نے تو ان کا اخبار چھاپنا بند کر دیا ہے۔ اگر مسیح کے مقابلہ میں ان کے خدا میں بھی کوئی طاقت ہے تو وہ کوئی معجزہ دکھا دے وہ کہنے لگا آپ یہیں بیٹھیں۔ مَیں ابھی گاؤں سے ہو کر آتا ہوں۔ چنانچہ وہ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہی اس نے پانچ سو پونڈ لا کر ہمارے مبلغ کو دے دیا۔ پانچ سو پونڈ اس سے پہلے دے چکا تھا گویا تیرہ ہزار کے قریب روپیہ اس نے دے دیا اور کہا کہ میری خواہش ہے آپ پریس کا جلدی انتظام کریں تاکہ عیسائیوں کو جواب دے سکیں۔ کہ اگر تم نے ہمارا اخبار چھاپنے

سے انکار کر دیا تھا تو اَب ہمارے خدا نے بھی ہمیں اپنا پریس دے دیا ہے۔ ایک ہزار پونڈ ہمارے ملک کی قیمت کے لحاظ سے تیرہ ہزار روپیہ کا بنتا ہے۔ اور یہ اتنی بڑی رقم ہے کہ بڑے بڑے تاجر بھی اتنا روپیہ دینے کی اپنے اندر توفیق نہیں پاتے۔ وہ بڑے مالدار ہوتے ہیں مگر اتنا چندہ دینے کی ان میں ہمّت نہیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ اس سے پہلے جب اس چیف نے پانچ سو پونڈ چندہ دیا تھا تو مَیں ایک شامی تاجر سے بھی ملا تھا۔ مَیں نے اسے تحریک کی کہ وہ بھی اس کام میں حصّہ لے اور مَیں نے اسے کہا فلاں گاؤں کا جو رئیس ہے اس نے پانچ سو پونڈ چندہ دیا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ میری طرف سے بھی آپ پانچ سو پونڈ لکھ لیں اور پھر کہا کہ مَیں اس وقت پانچ سو پونڈ لکھواتا ہوں مگر مَیں دُوں گا اس چیف سے زیادہ۔ یہ کتنا بڑا ثبوت ہے اس بات کا کہ ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے۔ ایک معمولی گاؤں کا چیف ہے اور پھر احمدیت کا اتنا مخالف ہے کہ کہتا ہے اگر دریا اُلٹا چلنے لگے تو یہ ممکن ہے لیکن یہ ممکن ہی نہیں کہ مَیں احمدی ہو سکوں۔ مگر پھر خدا تعالیٰ اسے احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور نہ صرف احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرماتا ہے بلکہ یکدم اسے ہزاروں روپیہ سلسلہ کو پیش کرنے کی توفیق مل جاتی ہے۔" [1] [2]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰؍جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۲، ۳۔

[2] مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری فرماتے ہیں:-

"مذکورہ بالا پریس کے لئے جب مالی تحریکیں کی جارہی تھیں تو مجھے دن رات یہ فکر رہنے لگا کہ اَب ہم احمدیہ پریس کہاں اور کس عمارت میں فٹ کریں گے کیونکہ ہمارے پاس اس وقت "بو" میں سوائے ایک احمدیہ دارالتبلیغ کی عمارت کے اور کوئی عمارت نہ تھی۔ اسی فکر میں ایک شب بے چینی کے عالم میں بار بار بستر پر پہلو بدلتے ہوئے خاکسار اللہ تعالیٰ کے حضور ملتجی تھا کہ الٰہی اس پریس کے لئے عمارت کا کیا انتظام کیا جائے کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا کہ محترم الحاج علی روجرز صاحب کو تحریک کروں کہ وہ اپنے دو مکان اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر جماعت کے نام ہبہ کر دیں۔ چنانچہ اگلے روز خاکسار نے مکرم الحاج علی روجرز صاحب کے پاس جاکر انہیں کہا کہ جماعت کی

حضورؓ نے مزید فرمایا :-

"مَیں نے پچھلے دنوں تحریک جدید کے بیرونی مشنوں کے متعلق ایک خطبہ پڑھا تھا جس میں مَیں نے ذکر کیا تھا کہ تحریک جدید کے پاس بیرونی مشنوں کے لئے اتنا کم روپیہ رہ گیا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فوری ضروریات کے پیش نظر آپ یہ دونوں مکان مع ساتھ والی زمین کے اللہ تعالیٰ کی خاطر احمدیہ مشن کو ہبہ کر دیں کیونکہ ان کی اس وقت اشد ضرورت ہے۔ مَیں قربان جاؤں اس پیارے بزرگ بھائی کے وہ کسی تردد اور عذر کے بغیر فی الفور سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے وہ دونوں مکان ہبہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور کہنے لگے کہ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے بالکل درست ہے۔ لائیں کاغذ اور قلم اور مجھ سے ابھی ابھی لکھوائیں۔ چنانچہ اسی وقت ہم مشن کے دفتر میں پہنچے اور مَیں نے لوکل قانون کے مطابق انگریزی میں معاہدے کا ڈرافٹ تیار کر کے اس کی تین نقول کیں اور بطور گواہ جماعت کے دوسرے سرکردہ ممبران کو بلا کر اُن کے سامنے الحاج علی روجرز صاحب سے دستخط کروائے۔ چنانچہ اس کے بعد سے شہر کے وسط میں دونوں عمارتیں اور خالی زمین قانونی طور پر احمدیہ مشن سیرالیون کی ملکیت ہو گئیں۔ اُن کی قیمت مع زمین اُس وقت تین ہزار پونڈ سے کم نہ تھی۔ ان میں سے ایک عمارت میں پریس قائم کیا گیا اور دوسری عمارت جماعت کی سنٹرل لائبریری اور پبلک ریڈنگ رُوم کے طور پر استعمال ہونے لگی جس کا افتتاح ملک کے سینکڑوں باشندوں کی موجودگی میں "بو" کے ڈسٹرکٹ کمشنر صاحب نے کیا اور پھر پبلک کا ہر طبقہ اس لائبریری اور ریڈنگ روم سے فائدہ اٹھانے لگا۔ اس ریڈنگ روم میں لوکل اخبارات کے علاوہ دُنیا بھر سے ہر قسم کے کم و بیش تیس روزانہ ہفتہ وار اور ماہوار اخبار اور رسالے وغیرہ باقاعدہ آیا کرتے تھے جن میں سے اکثر احمدیہ لائبریری کے نام پر مفت آتے تھے۔ یہاں اظہار تشکر کے طور پر ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ مجوزہ پریس کی مشینیں خریدنے کے لئے محترم الحاج علی روجرز صاحب نے اپنے دونوں مکانوں کے علاوہ اپنے اور اپنے خاندان کی طرف سے بطور چندہ پریس ۵۰۰ پونڈ نقد بھی ادا فرمایا فجزاہ اللہ تعالیٰ۔

پریس کے لئے انگلستان سے آمدہ چار مشینیں سالہا سال تک مشن کی ضروریات پُورا کرنے کے علاوہ تجارتی لحاظ سے بھی سُود مند ثابت ہوئیں۔

شائد اَب ہمیں اپنے مشن بند کرنے پڑیں مگر ادھر مَیں نے خطبہ پڑھا اور اُدھر اللہ تعالیٰ کا فضل دیکھو کہ ایک دن مَیں نے ڈاک کھولی تو اس میں ہمارے ایک مبلغ کا خط نکلا جس میں اس نے لکھا کہ ایک جرمن ڈاکٹر نے احمدیت کے متعلق کچھ لٹریچر پڑھا تو اس نے ہمیں لکھا کہ مجھے اور لٹریچر بھجواؤ۔ چنانچہ اس پر مَیں نے آپ کا لکھا ہُوا دیباچہ قرآن اسے بھجوا دیا۔ دیباچہ پڑھ کر اس نے لکھا کہ مَیں چاہتا ہوں کہ اس کو اپنے مُلک میں چھاپا جائے اور بڑی کثرت سے یہاں پھیلایا جائے اور مَیں اس بارے میں آپ کی ہر طرح مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ پھر اُس نے لکھا کہ یہاں بیس لاکھ جرمن نسل کے مسلمان پائے جاتے ہیں۔ اگر دیباچہ کا یہاں کی زبان میں ترجمہ ہو جائے تو بیس لاکھ مسلمان عیسائیوں کے ہاتھ میں جانے سے بچ جائے گا۔ اور وہ احمدیت کو قبول کرلے گا۔ گویا ہم تو یہ ڈر رہے تھے کہ کہیں خدانخواستہ ہمارے پہلے مشن بھی بند نہ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ نے ہماری تبلیغ کے لئے راستے کھول دیئے۔ پھر جب خطبہ شائع ہُوا تو باہر سے بھی اور اندر سے بھی ہمارے خدا کے زندہ ہونے کی کثرت سے مثالیں ملنی شروع ہوگئیں۔ ایک غیر احمدی کا خط آیا کہ مَیں نے آپ کا خطبہ پڑھا تو میرا دل کانپ گیا کہ آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی تکلیف کی وجہ سے کس قدر دُکھ ہُوا ہے۔ مَیں سو روپیہ کا چیک آپ کو بھجوا رہا ہوں آپ اس روپیہ کو جس طرح چاہیں خرچ کریں پھر ایک اور خط کھولا تو وہ ایک احمدی کا تھا اور اس میں لکھا تھا کہ مَیں سو روپیہ بھجوا رہا ہوں تاکہ بیرونی مشنوں کے اخراجات میں جو کمی آئی ہے وہ اس سے پُوری ہوسکے۔ پھر ایک عورت کا خط آیا کہ مَیں پچاس روپے بھجوا رہی ہوں تاکہ جو نقصان ہُوا ہے اس کا ازالہ ہو سکے۔ پھر چوتھا خط مَیں نے کھولا تو اس میں ایک ترکی پروفیسر کا ذکر تھا۔ ہمارا ایک احمدی ان دنوں ایک ترکی پروفیسر سے ترکی زبان سیکھ رہا ہے اور ایک سو بیس روپے ماہوار اسے ٹیوشن دیتا ہے وہ ترکی پروفیسر اسلام کا دشمن تھا اور رات دن اسلام اور ہستیٔ باری تعالیٰ پر اعتراض کرتا رہتا تھا وہ احمدی لکھتا ہے کہ مَیں نے ایک دن فیصلہ کیا کہ چاہے میری پڑھائی ضائع ہو جائے مَیں نے آج اس سے مذہبی بحث کرنی ہے۔ چنانچہ مَیں اس سے بحث کرتا رہا۔ اور پھر مَیں نے اسے آپ کا لکھا ہُوا دیباچہ قرآن دیا کہ وہ اسے پڑھے وہ دیباچہ لے گیا اور پڑھنے کے بعد مجھے کہنے لگا کہ مَیں آج سے پھر مسلمان ہوگیا ہوں۔ پھر جب مہینہ ختم ہُوا اور مَیں اسے روپیہ دینے کے

لئے گیا تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھ پر یہ مہربانی کرو کہ یہ روپیہ میری طرف سے اپنے امام کو بھجوا دو۔ اور انہیں کہو کہ وہ جس طرح چاہیں اس روپیہ کو خرچ کریں اب دیکھو ایک دہریہ انسان ہے خدا تعالیٰ پر رات دن ہنسی اڑاتا ہے۔ اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ لیکن اس پر ایسا اثر ہوا ہے کہ جب اسے ٹیوشن کی فیس پیش کی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ روپیہ مجھے نہ دو۔ بلکہ اپنے امام کے پاس بھیج دو اور انہیں کہو کہ وہ اسے جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ اس کے بعد میں نے جو پانچواں خط کھولا وہ ایک احمدی دوست کا تھا جو انڈونیشیا سے بھی پرے رہتے ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ یہ اطلاع ملتے ہی کہ بیرونی مشنوں کو جو روپیہ بھجوایا جاتا تھا۔ اس میں کمی آگئی ہے میں نے اڑھائی سو پونڈ لنڈن بنک میں تحریک جدید کے حساب سے جمع کروا دیا ہے میری خواہش تھی کہ میں چھ سو پونڈ جمع کراؤں۔ مگر سردست فوری طور پر میں نے اڑھائی سو پونڈ بنک میں جمع کرا دیا ہے۔ پھر چھٹا خط میں نے کھولا تو وہ ایک ایسے دوست کی طرف سے تھا جو پاکستان کے باہر کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے لکھا آپ اس فکر میں اپنی صحت کیوں برباد کر رہے ہیں۔ ہماری جائیدادیں اور ہمارے بیوی بچے کس غرض کے لئے ہیں۔ ہم اِن سب کو قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ پونڈوں کا فکر نہ کریں آپ جتنے پونڈ چاہیں گے ہم جمع کر دیں گے اور اس بارہ میں آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے دیں گے۔ غرض اس طرح متواتر خطوط آنے شروع ہو گئے ہیں کہ صاف معلوم ہوتا ہے اس خطبہ کے پہنچتے ہی تمام جماعتوں میں اک آگ سی لگ گئی ہے اور لوگ انتہائی بے تابی کے ساتھ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح پشاور سے ایک دوست کا خط آیا جس میں انہوں نے لکھا کہ یہ خطبہ پڑھ کر مجھے سخت تکلیف ہوئی ہے۔ اگر تمام احمدی کوشش کریں تو کیا وہ سات ہزار دو سو پونڈ بھی جمع نہیں کر سکتے۔ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کام کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔ اور ہم خود اس روپیہ کو جمع کریں گے۔ آپ اس بارے میں کسی قسم کی تشویش سے کام نہ لیں۔ یہ تو کل اور پرسوں کی ڈاک کا ذکر تھا۔ آج ڈاک آئی اور میں نے اسے کھولا تو اس میں سے ایک شہر کی خدام الاحمدیہ کی مجلس کی طرف سے خط نکلا جس میں یہ ذکر تھا کہ ہم نے آپ کا خطبہ تمام خدام کو پڑھ کر سنایا۔ جس پر فوراً مقامی خدام نے دو سو روپیہ چندہ کے وعدے لکھوا دیئے اور ہم کوشش کر رہے ہیں کہ یہ روپیہ وصول کر کے بہت جلد مرکز میں بھجوا دیں۔

.....غرض دیکھو ہمارا خدا کیسا زندہ خدا ہے کہ جو کام ہم نہیں کر سکتے تھے اس کے لئے وہ آپ سامان مہیّا کر رہا اور خود لوگوں کے دلوں میں تحریک کر رہا ہے۔ چنانچہ ایک طرف ایک ٹرکی پروفیسر کے دل میں تحریک پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنی کمائی کا روپیہ اپنی ذات پر خرچ کرنے کی بجائے تبلیغ اسلام کے لئے بھجوا دے تو دوسری طرف ایک جرمن ڈاکٹر کے دل میں تحریک پیدا ہوتی ہے کہ ہم خود اسلام کی اشاعت میں حصّہ لینے کے لئے تیار ہیں۔ آپ دیباچہ کا ترجمہ ہماری ملکی زبان میں کروا دیں تو لاکھوں لوگ احمدی ہونے کے لئے تیار ہیں۔ اسی طرح جو پاکستان کے باہر احمدی رہتے ہیں۔ اُن کے دل میں تحریک پیدا ہوئی ہے اور وہ لکھتے ہیں کہ آپ کیوں فکر کرتے ہیں۔ آپ ہمیں حکم دیں تو ہم اپنے۔ بیوی بچّے بھی اس راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اور جتنے پونڈ چاہیں گے ہم جمع کر دیں گے۔ مگر ہم سے یہ تکلیف نہیں دیکھی جاتی کہ آپ فکر اور تشویش سے اپنی صحت کو برباد کر لیں۔ غرض اللہ تعالےٰ نے اپنے زندہ اور قادر ہونے کا ایک نمایاں ثبوت ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ وہ کتنی بڑی طاقتیں رکھنے والا خدا ہے[1]"

اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ :۔

"ہماری مثال حضرت عائشہؓ والی ہو گئی ہے۔ جب مدینہ میں پہلی دفعہ ہوائی چکیاں آئیں اور باریک آٹا پسنے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ آٹا تحفۃً پیش کیا جائے۔ چنانچہ مدینہ میں سب سے پہلے یہ آٹا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر بھجوا دیا گیا۔ اور اس کے پھلکے تیار کئے گئے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ اس سے پہلے پتھر پر دانہ کوٹ کر دلیہ سا بنا لیا جاتا تھا اور اس کی روٹی تیار کی جاتی تھی جب پہلی دفعہ نرم اور ملائم آٹے کی روٹی پکا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے اس میں سے ایک لقمہ توڑ کر اپنے مُنہ میں ڈالا اور پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ گئے۔ ایک عورت جو پاس بیٹھی ہوئی تھی وہ کہنے لگی۔ بی بی آپ روتی کیوں ہیں۔ روٹی تو بڑی ملائم اور نرم ہے اور ہم نے اس آٹے کی بڑی تعریف سُنی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰؍جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۴۔

میں اس لئے نہیں روتی کہ آٹا خراب ہے بلکہ مجھے اس روٹی کو دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد آگیا ہے ہم اس زمانہ میں دانوں کو پتھروں سے کُچل کر دلیہ سا بنا لیتی تھیں اور اس کی روٹیاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلایا کرتی تھیں۔ آخری عمر میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضعیف ہوگئے تو آپ کے لئے روٹی چبانا بڑا مشکل ہوگیا تھا۔ پس مجھے اس روٹی کو دیکھ کر رونا آگیا اور مجھے خیال آیا کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی یہ چکیاں ہوتیں تو میں آپؐ کو اس آٹے کی روٹی پکا کر کھلاتی۔ ہمارا بھی یہی حال ہے۔ اَب تو ہمارا صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ چودہ پندرہ لاکھ کا ہے۔ اور تحریک جدید کا بجٹ بھی بارہ تیرہ لاکھ کا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے زمانہ میں یہ کیفیت تھی کہ کئی مقامات پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے یہ لکھا ہے کہ اَب تو ہم پر اتنا بوجھ ہے کہ پندرہ پندرہ سو روپیہ ایک مہینے کا خرچ ہے۔ گویا اس زمانہ میں اٹھارہ ہزار روپیہ کا سالانہ خرچ تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام اسے بڑا بوجھ قرار دیتے تھے لیکن اس زمانہ میں بعض ایسے احمدی ہیں کہ اُن میں سے ایک ایک اس بوجھ کو آسانی سے اُٹھا سکتا ہے۔ اس وقت بعض دفعہ ایسی حالت ہوتی تھی کہ لنگر میں آٹا نہیں ہوتا تھا اور منتظمین کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں روپیہ کے لئے درخواست کرنی پڑتی تھی۔ ۱۹۰۵ء میں جو زلزلہ آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کچھ عرصہ کے لئے باغ میں تشریف لے گئے تو مجھے خوب یاد ہے ایک دن آپ باہر سے آئے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی حمد و ثنا کر رہے تھے اس وقت آپ نے حضرت امّاں جان کو بُلایا اور فرمایا یہ گٹھڑی لے لو اور دیکھو اس میں کتنی رقم ہے۔ حضرت امّ المومنین رضی اللہ عنہا نے کمرہ سے باہر نکل کر بتایا کہ اس کپڑے میں چار سو یا پانچ سو کی رقم ہے۔ آپ نے فرمایا آج ہی لنگر والے آٹے کے لئے روپیہ مانگ رہے تھے اور میرے پاس کوئی روپیہ نہیں تھا اور میں حیران تھا کہ اس کا کیا انتظام ہوگا۔ اتنے میں مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک غریب آدمی جس نے میلے کپڑے پہنے ہوئے تھے آیا اور اس نے یہ گٹھڑی مجھے دے دی۔ مَیں نے سمجھا کہ اس میں پیسے ہی ہوں گے لیکن اب معلوم ہوا کہ روپے تھے اس پر آپ دیر تک اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے رہے کہ اس نے کیسا فضل نازل فرمایا ہے۔ بے شک ہماری نگاہ میں چار سو روپیہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا لیکن اس وقت ہم ان

چیزوں کو دیکھتے تو ہمارا ایمان تازہ ہوتا تھا اور اب ہمیں اس سے سینکڑوں گنے زیادہ روپیہ ملتا ہے اور وہ روپیہ ہمارے ایمان کو بڑھاتا ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے۔ مجھے اپنی عمر میں بعض غیر احمدیوں نے دو دو تین تین چار چار ہزار روپیہ نذرانہ کے طور پر دیا ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے زمانہ میں یہ حالت تھی کہ آپ کو چار سو روپیہ ملا تو آپ نے سمجھا شائد اس میں پیسے ہی ہوں گے ورنہ اتنا روپیہ کون دے سکتا ہے آج اگر وہی زمانہ ہوتا تو وہ لوگ جو اس وقت افسوس کر رہے ہیں ان کو بھی قربانی کا موقع مل جاتا اور ہر شخص قربانی کرکے سمجھتا کہ مجھے خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی خدمت کا موقع عطا فرما کر مجھ پر احسان فرمایا ہے۔ لیکن وہ زمانہ تو گذر گیا اب پھر ایک دوسرا زمانہ آگیا ہے۔ جس میں خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے دین کی خدمت کے لئے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کر رہا ہے۔ بہرحال ہر زمانہ کے لحاظ سے خدا اپنی زندگی کا ثبوت دیتا چلا آیا ہے اس زمانہ میں چار سو روپیہ کا مل جانا خدا تعالیٰ کے زندہ ہونے کا ایک ثبوت تھا اس زمانہ میں کبھی کبھی چالیس پچاس ہزار دے کر اس نے اپنی زندگی کا ثبوت دیا ہے اور آج خدا تعالیٰ کے زندہ ہونے کا ثبوت وہ اڑھائی سو پونڈ ہیں جو ایک دوست نے اطلاع ملتے ہی لنڈن بنک میں جمع کروا دیئے۔ اسی طرح اس ترکی پروفیسر کا وہ روپیہ بھی زندہ خدا کا ایک نشان ہے جو اس نے اپنے اوپر خرچ کرنے کی بجائے مجھے دین پر خرچ کرنے کے لئے بھجوا دیا۔ یا پھر خدا تعالیٰ کے زندہ ہونے کا ثبوت اس حبشی چیف کا واقعہ ہے جس نے احمدیہ پریس کے لئے ایک ہزار پونڈ دو قسطوں میں دے دیا اور یا پھر خدا تعالیٰ کے زندہ ہونے کا ثبوت افریقہ کے اس دوست کا خط ہے جنہوں نے یہ لکھا کہ آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ آپ روپیہ کے متعلق کسی قسم کا فکر نہ کریں۔ بیرونی مشنوں کیلئے جتنے پونڈوں کی ضرورت ہو ہمیں لکھیں ہم کسی نہ کسی طرح جمع کر دیں گے۔ غرض خدا تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے زندہ ہونے کا ثبوت مہیّا کرتا ہے اور اس طرح وہ اپنے مومن بندوں کے ایمانوں کو بڑھاتا رہتا ہے۔ مجھے وہ زمانہ خوب یاد ہے جب اشتہار چھپوانے کے لئے بھی ہمارے پاس کوئی روپیہ نہ ہوتا تھا۔ مَیں جب خلیفہ ہوا اور غیر مبایعین کے مقابلہ میں مَیں نے پہلا اشتہار لکھا تو اس وقت ہماری مالی حالت اتنی کمزور تھی کہ اس اشتہار کے چھپوانے کے لئے بھی ہمارے پاس

کوئی روپیہ نہیں تھا۔ ہمارے نانا جان میر ناصر نواب صاحب مرحوم کو اس کا علم ہوا تو اس وقت ہسپتال کے لئے چندہ جمع کر رہے تھے۔ انہوں نے ڈھائی سو روپے کی پوٹلی لا کر میرے سامنے رکھ دی اور کہا کہ آپ اس روپیہ کو استعمال کریں جب آپ کے پاس روپیہ آئے گا تو وہ مجھے دے دیں۔ چنانچہ سب سے پہلا اشتہار ہم نے انہیں کے روپیہ سے شائع کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وہ دن دکھایا کہ یا تو دوسو اور اڑھائی سو کے لئے ہمارے کام رُکے ہوئے تھے یا اب ایک ایک شخص ہی بیس بیس ہزار دینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ مثلاً پچھلے سال مَیں بیمار ہوا تو ڈاکٹروں نے مجھے ولایت جانے کا مشورہ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ اس نے ایک لاکھ سے زیادہ روپیہ اس غرض کے لئے جمع کر دیا۔ غرض زمانے ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اور بدلتے چلے جائیں گے ایک زمانہ میں لوگ اربوں ارب روپیہ دیں گے اور انہیں پتہ بھی نہیں لگے گا کہ اُن کے مال میں سے کچھ کم ہوا ہے کیونکہ دینے والے کھرب پتی ہونگے اور جب وہ بیس بائیس یا پچاس ارب روپیہ دیں گے تو انہیں پتہ بھی نہیں لگے گا کہ ان کے خزانے میں کوئی کمی آئی ہے۔ اس وقت انہیں یاد بھی نہیں رہے گا کہ کسی زمانہ میں پچاس روپیہ کی بھی ضرورت ہوتی تھی تو اس کے لئے بھی دُعائیں کرنی پڑتی تھیں۔ تم تذکرہ پڑھو تو تمہیں اس میں یہ لکھا ہوا دکھائی دے گا کہ ایک دفعہ ہمیں پچاس روپیہ کی ضرورت پیش آئی اور جیسا کہ اہل اللہ پر کبھی کبھی ایسی حالت گذرتی ہے اس وقت ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا تب ہم نے وضو کیا اور جنگل میں جا کر دُعا کی اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام نازل ہوا کہ

"دیکھو مَیں تیری دُعاؤں کو کیسے جلد قبول کرتا ہوں"۔ اس کے بعد ہم واپس آئے تو بازار سے گذرے اور ڈاک خانہ والوں سے پوچھا کہ کیا ہمارے نام کوئی منی آڈر آیا ہے یا نہیں۔ انہوں نے ایک خط دیا جس میں لکھا تھا کہ پچاس روپے آپ کے نام بھجوا دیئے گئے ہیں چنانچہ اسی دن یا دوسرے دن وہ روپیہ ہمیں مل گیا۔ (تذکرہ صفحہ ۱۵۲)

غرض ایک زمانہ ایسا گذرا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پچاس روپوں کے لئے بھی فکر ہوتا تھا کہ وہ کہاں سے آئیں گے اور یا اب یہ حالت ہے کہ سندھ میں جو میری اور سلسلہ کی زمینیں ہیں اُن پر تین ہزار روپیہ ماہوار تنخواہوں کا ہی دینا پڑتا ہے۔ گویا کجا تو

یہ حالت تھی کہ پندرہ سو روپیہ ماہوار کا خرچ ساری جماعت کے لئے بوجھ سمجھا جاتا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے لئے خاص طور پر علیحدگی میں دعا کرنا ضروری سمجھا اور کجا یہ حالت کہ اسی شخص کا بیٹا سینکڑوں روپیہ ماہوار اپنے کارکنوں کو تنخواہیں دیتا ہے اور انجمن کے افسروں کو ملا کر وہ رقم ہزاروں روپیہ کی بن جاتی ہے۔ اور ربوہ کے دفتروں کو ملا کر کوئی نوّے ہزار ماہوار کی رقم بن جاتی ہے۔ یہ کتنا عظیم الشان فرق ہے جو ہر شخص کو دکھائی دے سکتا ہے[1]۔

خطبہ کے آخر میں حضور نے یہ پیشگوئی فرمائی:-

"مگر ابھی کیا ہے۔ ابھی تو صرف ہزاروں روپیہ خرچ ہو رہا ہے پھر کوئی وقت ایسا آئے گا کہ صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کا تین تین ارب کا بجٹ ہوگا پھر ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کا تین تین کھرب کا بجٹ ہوگا یعنی صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کا سالانہ بجٹ ۶ کھرب کا ہوگا۔ پھر یہ بجٹ پدم پر جا پہنچے گا کیونکہ دنیا کی ساری دولت احمدیت کے قدموں میں جمع ہو جائے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف طور پر لکھا ہے کہ مجھے یہ فکر نہیں کہ روپیہ کہاں سے آئے گا مجھے یہ فکر ہے کہ اس روپیہ کو دیانت داری کے ساتھ خرچ کرنے والے کہاں سے آئیں گے۔ چنانچہ دیکھ لو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وصیت کا نظام جاری فرمایا تو اللہ تعالےٰ نے اس میں ایسی برکت دکھ دی کہ باوجود اس کے کہ انجمن کے کام ایسے ہیں جو دلوں میں جوش پیدا کرنے والے نہیں پھر بھی صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ تحریک جدید کے بجٹ سے ہمیشہ بڑھا رہتا ہے کیونکہ وصیت اُن کے پاس ہے۔ اس سال کا بجٹ بھی تحریک جدید کے بجٹ سے دو تین لاکھ روپیہ زیادہ ہے حالانکہ تحریک کے پاس اتنی بڑی جائیداد ہے کہ اگر وہ جرمنی میں ہوتی یا یورپ کے کسی اور ملک میں ہوتی تو ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو کروڑ روپیہ سالانہ اُن کی آمد ہوتی۔ مگر اتنی بڑی جائیداد اور بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کرنے کی جوش دلانے والی صورت کے باوجود محض وصیت کے طفیل صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ تحریک جدید سے بڑھا رہتا ہے۔ اسی لئے اب وصیت کا نظام میں نے امریکہ اور انڈونیشیا میں بھی جاری کر دیا ہے اور وہاں سے اطلاعات آرہی ہیں کہ لوگ بڑے شوق سے

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۵، ۶۔

اس میں حصہ لے رہے ہیں۔ گو امریکہ کے مبلغ اس معاملہ میں بہت سستی سے کام لے رہے ہیں میں نے سمجھا کہ چونکہ یہ خدا تعالیٰ کا قائم کردہ نظام ہے۔ اگر اس نظام کو بیرونی ملکوں میں بھی جاری کر دیا جائے تو وہاں کے مبلغوں کے لئے اور مشنوں کے لئے اور مسجدوں کی تعمیر کے لئے بہت بڑی سہولت پیدا ہو جائے گی غرض یہ کہ خدا تعالیٰ کا ایک بہت بڑا نشان ہے جو اس نے اپنے زندہ ہونے کے ثبوت کے طور پر تمہارے سامنے ظاہر کیا ہے۔ اب تمہارا کام ہے کہ تم ان نشانات سے فائدہ اٹھاؤ اور خدا تعالیٰ کے دامن کو ایسی مضبوطی سے پکڑ لو کہ وہ تم سے کبھی جدا نہ ہو۔ تمہیں اگر ایک چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی مل جائے تو تم اسے ضائع کرنا کبھی پسند نہیں کرتے۔ اگر تمہیں دو آنے مل جائیں تو تم ان دو آنوں کا ضائع ہونا بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں کہیں سے ایک روپیہ مل جائے تو تم اس ایک روپیہ کا ضیاع بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر تمہارے پاس ایک ذلیل اور مریل گھوڑا ہو تو تم اس مریل گھوڑے کو بھی ضائع کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ تمہارے پاس ایک زندہ خدا ہو اور تم اس سے غافل ہو جب تم اس کا ہاتھ پکڑ لو گے تو وہ تمہیں کبھی بھی نہیں چھوڑے گا۔ بلکہ ہر موقع پر تمہاری غیر معمولی نشانات سے تائید فرمائے گا۔ اگر تمہارے جاہل باپ دادا نے یہ ضرب المثل بنائی ہوئی تھی کہ "ہتھ پھڑے دی لاج رکھنا" اور وہ جس کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے اسے کبھی نہیں چھوڑتے تھے تو کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر تم نے مضبوطی کے ساتھ اپنے خدا کے دامن کو پکڑ لیا تو وہ تمہاری لاج نہیں رکھے گا۔ وہ ایسی لاج رکھے گا کہ دُنیا میں کسی نے ایسی لاج نہیں رکھی ہوگی اور وہ تمہارا اس طرح ساتھ دے گا کہ تمہارے ماں باپ نے بھی تمہارا اس طرح کبھی ساتھ نہیں دیا ہوگا۔[1]

مسلمانوں پر حکومتِ فرانس کے ظلم و تشدّد کے خلاف احتجاج

حکومتِ فرانس ایک عرصہ سے الجزائر کے حریت پسند مسلمانوں پر بے پناہ مظالم توڑ رہی تھی۔ یہ سلسلہ اس سال کے وسط میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ جب کہ فرانسیسی فوج نے الجزائر شہر کے پرانے عرب محلوں سے کم و بیش دو ہزار عربوں کو گرفتار کر کے اُن پر مظالم

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ر جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۶، ۷۔

کا پہاڑ گرا دیا جس سے پوری دُنیائے اسلام میں شدید قلق اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ مؤتمر عالمِ اسلامی پاکستان کی طرف سے پاکستان میں ۲۹ جون ۱۹۵۶ء کو یوم الجزائر منایا گیا جماعتہائے احمدیہ پاکستان نے بھی اس روز احتجاجی جلسے کئے اور حکومتِ فرانس کے سفیر متعینہ کراچی کو تار اور خطوں کے ذریعہ اپنے دلی جذبات سے آگاہ کیا اور حکومتِ فرانس پر زور دیا کہ وہ مسلمانوں پر اپنے مظالم کا سلسلہ ختم کر دے اور الجزائر کو آزادی کا پورا پورا حق دے۔

اس سلسلہ میں ۲۹ جون ۱۹۵۶ء کو نمازِ جمعہ کے بعد اہلِ ربوہ کا ایک غیر معمولی اجلاس زیرِ صدارت الحاج حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال منعقد ہوا جس میں صاحبِ صدر کے علاوہ مولانا ابوالعطاء صاحب، قاضی محمد نذیر صاحب فاضل، چوہدری محمد شریف صاحب اور حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے الجزائر میں مسلمانوں پر حکومتِ فرانس کے ظلم و تشدّد کے خلاف پُر زور احتجاج کیا۔ اجلاس میں حسب ذیل قرار دادیں پیش ہو کر بالاتفاق منظور ہوئیں:۔

۱۔ اہالیانِ ربوہ کا یہ اجلاسِ عام حکومتِ فرانس کے ظُلم و استبداد پر انتہائی رنج و قلق کا اظہار کرتا ہے جو اس نے الجزائر کے نہتے مسلمانوں کو کچلنے کے لئے شروع کر رکھا ہے۔ حکومتِ فرانس کو چاہیئے کہ اس ظلم کو فوراً بند کرے۔ ہمیں یقین ہے کہ الجزائر کے مظلوم مسلمانوں کا یہ خونِ ناحق رنگ لائے بغیر نہیں رہے گا اور کوئی مادّی طاقت ان کو حصولِ آزادی کے مقصد سے نہیں روک سکے گی۔

۲۔ اہالیانِ ربوہ کا یہ اجلاسِ عام سلامتی کونسل کے صدر کے اس بیان پر کہ "الجزائر کے متعلق پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک کی طرف سے پیش کردہ قرار داد اقوامِ متحدہ کے منشور کی سپرٹ کے منافی ہے۔" سخت افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ اس کا یہ بیان اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ الجزائر میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہنے پر بڑی طاقتیں رضامند ہیں ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ الجزائر کے مسئلہ کو سلامتی کونسل میں زیرِ بحث لانے کے لئے ان طاقتوں کے نمائندے اس کی تائید نہ کرتے۔

۳۔ اہالیانِ ربوہ کا یہ اجلاس الجزائر میں مظلوم مسلمانوں سے اظہارِ ہمدردی کرتا ہے اور انہیں

اپنا ہر قسم کا تعاون پیش کرتا ہے اور دُعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔

۴۔ اِن قراردادوں کی نقول حکومت ہائے فرانس، امریکہ، برطانیہ کے نمائندگان مقیم کراچی۔ صدر جمہوریہ پاکستان۔ وزیر اعظم پاکستان سیکرٹری موتمر عالم اسلامی سیکرٹری جنرل یو۔ این او اور پریس کو بھجوائی گئیں[1]

الجزائری محبّانِ وطن نے ایسی بہادری اور صبر و استقلال سے تحریکِ آزادی کو چلایا کہ ساری دُنیا دنگ رہ گئی۔ آخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے سامان ہوئے کہ فرانس ایک نئے انقلاب سے دوچار ہوگیا اور جنرل ڈیگال برسرِ اقتدار آئے جنہوں نے الجزائر کے مظلوم ملک کو آزادی دلادی۔ اور الجزائری مسلمان غلامی کی زنجیروں کو کاٹ کر آزادی کی فضا میں سانس لینے لگے۔

فصل دہم

احمدیہ مُسلم سکنڈے نیویا مشن کا قیام

۱۹۳۲ء میں حضرت مُصلح موعودؓ کو عالم رُویا میں دکھایا گیا کہ "ناروے۔ سویڈن۔ فن لینڈ اور ہنگری کے لوگ احمدیت کا انتظار کر رہے ہیں"[2]

اس خواب کی عملی تعبیر وسط ۱۹۵۶ء میں رونما ہوئی۔ جبکہ سکنڈے نیویا میں احمدیہ مُسلم مشن کی بنیاد پڑی جو خلافتِ ثانیہ کے عہدِ مبارک کا آخری یورپین مشن تھا۔ یہ علاقہ شمالی یورپ کا حصّہ ہے۔ جو ڈنمارک، سویڈن اور ناروے کے ممالک اور مغربی جانب واقع جزیرہ آئس لینڈ پر مشتمل ہے۔ اس مشن کے محرّک ایک سویڈش نوجوان مسٹر گنار ایرکسن (GUNNAR ERIKSON) تھے جو

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۳؍جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ و ۸۔

[2] کتاب "مجاہد ہنگری" صفحہ ۱۳۱ از حاجی احمد خانصاحب ایاز طبع اول ۱۹۳۶ء گجرات۔

سولہ سترہ سال کی عمر میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں ۱۹۵۵ء کے قیام لنڈن کے دوران حاضر ہوئے اور مشن کھولنے کی درخواست کی[1] جس کی منظوری حضورؓ نے لنڈن کانفرنس (منعقدہ ۲۲ تا ۲۴ جولائی ۱۹۵۵ء) میں عطا فرمائی۔[2] اس نئے مشن کے افتتاح کے لئے حضرت مصلح موعودؓ کے حکم سے کمال یوسف صاحب مرکزِ احمدیت سے ۱۲ اپریل ۱۹۵۶ء کو روانہ ہوئے۔ حضورؓ نے چوہدری عبداللطیف صاحب بی۔ اے انچارج جرمنی مشن کو ہدایت فرمائی کہ وہ بھی مشن کے افتتاح کے لئے اُن کے ساتھ سویڈن کے شہر گوٹن برگ (GOTEN BORG) پہنچیں چنانچہ یہ دونوں مجاہد ۱۴ جون ۱۹۵۶ء کو گوٹن برگ پہنچے[3] اور شہر میں مشن ہاؤس کا انتظام کرنے کے بعد اشاعتِ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ چوہدری عبداللطیف صاحب بی اے نے اس نئے اسلامی مشن کے قیام کی تفصیلی خبر حسب ذیل الفاظ میں سپردِ اشاعت کی :-

"خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کے بھروسہ پر عاجزانہ دُعاؤں کے ساتھ اپنے محبوب آقا سیدنا حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل میں برادرم کمال یوسف صاحب کے ہمراہ ۱۴ جون ۱۹۵۶ء گوٹن برگ (GOTEN BORG) شہر میں خاکسار وارد ہوا..... نئے مشن کے قیام کے لئے پہلا ضروری کام مناسب کمرہ کی تلاش ہوتا ہے۔ اس بارے میں خاص تگ و دَو اور کوشش کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ گوٹن برگ شہر میں ایک کمرہ مناسب کرایہ پر مل گیا ہے جس میں برادرم کمال یوسف صاحب منتقل ہو چکے ہیں۔ ایک ہفتہ قیام کے دوران مختلف سوسائٹیز سے تعلقات پیدا کئے۔ گورنمنٹ کے محکمہ متعلقہ کے افسر انچارج کو ملنے کا موقع ملا۔ اس نے ہمارے تبلیغی کام میں خاص دلچسپی کا اظہار کیا اور ہر ممکن امداد کا پورا پورا یقین دلایا بلکہ برادرم کمال یوسف صاحب کو زبان سیکھنے کے بارہ میں بھی امداد کا وعدہ کیا۔ تبلیغی ملاقاتوں کے سلسلہ میں سب سے اہم ملاقات ایک ایرانی دوست سے ہوئی ان سے خاکسار نے ہمبرگ سے خط و کتابت کے ذریعہ تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ ان سے تفصیلی گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ اور انہوں نے خدا کے فضل سے مشن کے قیام کے سلسلہ میں

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۶ اکتوبر ۱۹۷۹ء صفحہ ۵۔ [2] الفضل ربوہ ۱۴ اپریل ۱۹۵۷ء صفحہ ۳
[3] الفضل ۱۷ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۔

خاصی دلچسپی کا اظہار کیا اور ہر ممکن امداد کا یقین دلایا۔ یہ دوست جرمن زبان بھی جانتے ہیں اس لئے انہیں جرمن لٹریچر مطالعہ کے لئے دیا۔ جرمن کونسل جرنل اور دانش کونسل جنرل سے بھی برادرم کمال یوسف صاحب کی ملاقات کروائی۔ اور انہوں نے مشن کے کاموں کے سلسلہ میں امداد کا وعدہ کیا۔ اور یونیورسٹی کے جرمن زبان کے ایک پروفیسر کے ذریعہ مختلف علمی اداروں سے تعارف کروانے کا یقین دلایا۔ گوٹن برگ کے سب سے بڑے اخبار GOTE BORGS POSTE نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۲؍جون میں ہم دونوں کے فوٹو کے ساتھ خاکسار کا انٹرویو نہایت اچھے الفاظ میں شائع کیا۔ اس میں مضمون نگار نے اسلام کو امن، صُلح اور رواداری کا مذہب قرار دیتے ہوئے اہالیانِ سویڈن کی توجہ ہمارے مشن کی طرف مبذول کرائی ہے مضمون نگار لکھتا ہے کہ مسٹر لطیف نے بتایا کہ لفظ اسلام کا مطلب امن ہے۔ اس لئے اسلام امن کے قیام پر خاص زور دیتا ہے۔ اسلام صرف (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو نبی قرار نہیں دیتا بلکہ حضرت مسیح کو بھی نبی قرار دیتا ہے۔ اسلام عالمگیر اخوّت کا حامی ہے۔ گوٹن برگ میں بھی مناسب وقت پر مسجد تعمیر کی جائے گی۔ جماعت ہمبرگ (جرمنی) میں عنقریب مسجد تعمیر کروا رہی ہے۔ ایک مسلمان دن میں پانچ دفعہ اپنے ربّ کے حضور سربسجود ہوتا ہے۔ مسٹر لطیف نے اس بات پر زور دیا کہ اسلامی نماز میں ایک خاص رُوحانی قوّت ہے اور اللہ اپنے عاجز بندوں کی مخلصانہ دُعاؤں کو پایۂ قبولیت بھی بخشتا ہے۔ آخر میں برادرم کمال یوسف صاحب کا ذکر کرتے ہوئے مضمون نگار لکھتا ہے کہ گفتگو کے دوران وہ اپنے آئندہ مشن کے قیام کی تجاویز سوچنے میں منہمک نظر آتے تھے۔ مضمون نگار نے یہ بھی ذکر کیا کہ جماعت احمدیہ کا مرکز پاکستان میں ہے جہاں مبلغین دُنیا بھر میں تبلیغ کے کام کو سرانجام دینے کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی تائید و نصرت کے بھروسہ پر سویڈن میں مشن کی داغ بیل ڈال دی گئی ہے۔ اس اہم نئے مشن کا قیام حضرت امیر المومنین کی اولوالعزمی، بلند ہمتی اور دین حق کی اشاعت کے دَرد کا مظہر ہے۔"[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۲؍جولائی ۱۹۵۶ء صہ۳

اس مشن کی تبلیغی خدمات کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

۱۔ دورِ خلافتِ ثانیہ (از جون ۱۹۵۶ء تا نومبر ۱۹۶۵ء)

۲۔ دورِ خلافتِ ثالثہ (از نومبر ۱۹۶۵ء تا جون ۱۹۸۲ء)

۳۔ دورِ خلافتِ رابعہ (از جون ۱۹۸۲ء تا تاحال)

مشن کا پہلا دَور (خلافتِ ثانیہ میں)

چوہدری عبداللطیف صاحب اگرچہ مشن کھولنے کے بعد واپس جرمنی تشریف لے گئے تاہم حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد مبارک کی تعمیل میں ۸ر نومبر ۱۹۶۱ء تک (جبکہ اس مشن کو مستقل حیثیت دے دی گئی) آپ جرمنی میں ہی رہ کر اس کی نگرانی کے فرائض انجام دیتے رہے مگر براہ راست ذمہ داری چونکہ کمال یوسف صاحب پر عائد ہوتی تھی اس لئے انہوں نے تبلیغِ اسلام کے لئے ہر ممکن ذرائع کو بروئے کار لانے کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ محترم کمال یوسف صاحب کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک کمرہ کرائے پر لیا۔ کھانا باہر سے کھانا پڑتا تھا کیونکہ اس ملک میں PAYING GUEST بنانے کا رواج نہیں۔ پریس سے رابطہ کیا اور لوگ آنے شروع ہو گئے۔ مگر کسی مالک مکان نے مجھے اپنے گھر میں ٹکنے نہیں دیا۔ زیادہ سے زیادہ دو تین ماہ کسی گھر میں رہ سکا۔ اس کے بعد جواب مل جاتا۔ اور اس طرح بیسیوں مکان بدلے۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ لوگ اسلام کے مخالف تھے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے پاس کثرت سے لوگ آتے تھے اور بار بار گھنٹی بجتی تھی۔ جس پر اہلِ خانہ تنگ پڑتے تھے اور بعض اوقات اتنے تنگ آتے کہ مجھے مکان چھوڑنے کے لئے کہہ دیتے۔[1]

پہلا پھل

آپ کی تبلیغی مساعی کا پہلا پھل مسٹر ایرکسن تھا جو ۷ر اگست ۱۹۵۶ء کو داخلِ احمدیت ہو گئے جن کا اسلامی نام سیف الاسلام محمود رکھا گیا۔ چنانچہ وہ مشن کے لئے بہت مفید وجود ثابت ہوئے اور سویڈن کے اعزازی مبلغ بنائے گئے اور انہی کی ادارت میں فروری ۱۹۵۹ء میں ماہنامہ ایکٹو اسلام تین زبانوں میں جاری ہوا۔[2]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۶ر اکتوبر ۱۹۷۹ء صفحہ ۵

[2] روزنامہ الفضل ربوہ ۶ر اکتوبر ۱۹۷۹ء صفحہ ۳

سکنڈے نیویا کے بعض دیگر ابتدائی مبایعین

سیف الاسلام محمود (سٹاک ہالم) کے بعد ابتدا میں جو خوش نصیب اسلام و احمدیت میں داخل ہوئے اُن کے نام یہ ہیں :۔

۱. عبدالسلام میڈسن صاحب ڈنمارک (اعزازی مبلغ ڈنمارک)۔
۲۔ الاستاذ نُور احمد صاحب بولستاد (اعزازی مبلغ ناروے)۔
۳۔ بے مورتکدی تولسن۔ کوبنہاجن تاریخ بیعت ۱۸ر اپریل ۱۹۵۹ء۔
حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۱ر مئی ۱۹۵۹ء کو عربی مکتوب کے ذریعہ بیعت کی منظوری عطا فرمائی اور انہیں تلقین کی کہ تعلیماتِ اسلامی پر گامزن رہیں۔
۴۔ بدحت ابراہیم بیگوروچ (مالمو سویڈن کی جماعت کے قائد خدام الاحمدیہ)
۵۔ عبدالوہاب ہانسن (ڈنمارک)۔
۶۔ عبدالواحد رولسن (ڈنمارک)۔
۷۔ نوح سوینڈ ہانسن (ڈنمارک)۔

اوسلو میں مرکز کا قیام

جناب کمال یوسف صاحب کچھ عرصہ گوٹن برگ میں مقیم رہنے کے بعد سٹاک ہالم میں منتقل ہو گئے۔ جہاں قریباً ۱½ سال تک اشاعت اسلام میں مصروف رہے۔ بعد ازاں ۲۸ر اگست ۱۹۵۸ء کو آپ نے اوسلو میں اپنا مشن قائم کر لیا اور جلد ہی پریس اور عوام سے مضبوط رابطہ قائم کر لیا۔ ازاں بعد ذاتی دعوت نامے اور اخبار میں اعلان کے بعد ایک تبلیغی جلسہ منعقد کیا جو بہت کامیاب رہا۔ اور پھر آپ نے ڈنمارک میں ایک عام اجلاس بلایا جس میں کالجوں اور سکولوں کے طلباء اور پادری خاصی تعداد میں شامل ہوئے۔ آپ کی تقریر کے بعد بہت سے سوالات کئے گئے جن کے تسلی بخش جوابات دیئے گئے۔ اس موقع پر مسٹر میڈسن (محمد عبدالسلام صاحب) نے بھی عمدہ پیرائے میں معجزات قرآنی پر روشنی ڈالی علاوہ ازیں ڈنمارک کے ایک اور کثیر الاشاعت اخبار نے مبلغ احمدیت کا مفصل انٹرویو لیا اور نمایاں جگہ پر اسے شائع کیا جس کے نتیجہ میں مُلک بھر سے بہت سے تبلیغی خطوط آنے شروع ہو گئے اور مزید اخباروں نے بھی آپ کے انٹرویو شائع کئے اور جب اخبارات کو علم ہوا کہ ڈنمارک کے بعض

مقامی لوگوں نے احمدیت کو قبول کر لیا ہے اور وہ باقاعدہ نماز اور روزہ کی پابندی کرتے ہیں تو انہوں نے مسٹر محمد عبدالسلام (سابق میڈسن) کا ایک مفصّل انٹرویو اپنے خاص ایڈیشن میں سپردِ اشاعت کیا۔ جس میں تفصیل کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ ازاں بعد سٹیٹ ریڈیو کی درخواست پر ہمارے اس نومُسلم بھائی نے سٹیٹ پادری کے ساتھ ریڈیو پر مذہبی مذاکرہ میں حصّہ لیا۔ مذاکرہ کا موضوع نجات تھا۔ اس مذاکرہ کے بعد مُلک کے تعلیمیافتہ طبقہ میں اسلام کے متعلق عام چرچا شروع ہو گیا اور سویڈن کے حلقوں میں بھی اسلام کے بارے میں دلچسپی اور بیداری کی ایک نئی لہر پیدا ہو گئی۔ چنانچہ سویڈن میں بھی ایک نومُسلم کا انٹرویو شائع ہُوا۔ جس کے معًا بعد ریڈیو نے اُن کا ایک مذہبی مذاکرہ بھی نشر کیا جو بہت اثر انگیز ثابت ہُوا۔

کوپن ہیگن پریس میں احمدیت کا چرچا

کوپن ہیگن کے ایک اخبار KRiSTELIGHT DAGBLAD OF COPEN HAGEN نے اپنی اشاعت ۱۵ ر دسمبر ۱۹۵۵ء میں ایک عیسائی مشنری ALFRED NEILSEN کا ایک مضمون شائع کیا جس میں لکھا "ہمیں اس سے دلچسپی ہے کہ اسلامی حملہ کا سکنڈے نیویا میں کیا نتیجہ پیدا ہو گا؟ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ ان لوگوں کو کامیابی ہو گی۔ یہ احمدی عام مسلمانوں سے زیادہ سنجیدہ ہیں۔"[1]

مُلکی لائبریریوں میں اسلامی لٹریچر

محترم کمال یوسف صاحب نے انہی ایّام میں ناروے ڈنمارک۔ سویڈن۔ فن لینڈ کی تمام مشہور لائبریریوں میں کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی"۔ "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" اور "لائف آف محمدؐ" کے سیٹ رکھوائے۔ علاوہ ازیں سویڈن کے ایک مشہور مستشرق کو اسلامی لٹریچر پیش کیا۔

نومُسلموں کی تعلیم و تربیت

اس مُلک میں تبلیغی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ کی تعمیر کے لئے نومُسلموں کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دینا بھی ضروری تھا محترم کمال یوسف صاحب نے اس پہلو کو شروع سے ہی خاص اہمیت دی۔

---

[1] "مغرب کے افق پر" صفحہ ۲۷ از محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب۔

نومسلموں کو بڑی محنت اور توجہ سے نماز کے اسباق دیئے۔ قرآن مجید ناظرہ پڑھایا اور نماز روزہ کی پابندی کا ایک غیر معمولی شوق اور ولولہ پیدا کر دیا۔ جس کا ملکی پریس نے بھی خاص طور پر چرچا کیا۔ ایک اور سویڈش نومسلم محمود ارکسن کے متعلق پریس نوٹ شائع ہوا کہ جب اُسے واجبی فوجی تعلیم کے لئے فوج میں داخل ہونا پڑا تو اس نے براہِ راست بادشاہ سے نماز کو صحیح اوقات پر ادا کرنے کے لئے رخصت کی درخواست کی جسے منظور کر لیا گیا جو سویڈن کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا سب سے پہلا موقع تھا۔ نماز روزہ کی پابندی کے علاوہ ابتدا ہی سے سلسلہ کی مالی قربانیوں میں بھی اس ملک کے نومسلم سرگرم حصّہ لینے لگے تھے اور سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعودؓ کے لئے غیر معمولی اخلاص اور غیرت کا جذبہ بھی اُن میں پیدا ہو چکا تھا۔ اس حقیقت کا اندازہ لگانے کے لئے اُن ابتدائی ایّام کا صرف یہ واقعہ بیان کرنا کافی ہو گا کہ کمال صاحب نے ایک بار ایک نومسلم نوجوان سے ووکنگ کے رسالہ اسلامک ریویو کا تازہ پرچہ طلب کیا تو اس نے جواب دیا کہ عرصہ ہوا میں نے اُسے بند کرا دیا اور بتایا کہ میں نے اس کا پیشگی چندہ دیا ہوا تھا۔ لیکن جب اس میں میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان کے خلاف ایک مضمون دیکھا تو میں نے ووکنگ کو اطلاع دی کہ اسے میرے نام بھیجنا فوراً بند کر دیں[1]۔ جناب کمال یوسف صاحب کا بیان ہے کہ " ایک مسلمان ڈینش انجنیئر SVEND HANSAN احمدی ہونے سے قبل حضورؓ کی ملاقات کے لئے ربوہ حاضر ہوئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ملاقات کے بعد انہوں نے ایک دوست کو لکھا کہ " یہ چیز مجھ پر واضح ہو چکی ہے۔ کہ یہ شخص (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح) ہی حقیقی اسلام پیش کرتے ہیں۔ یہ یقیناً خلیفہ راشد ہیں۔ انسانی مسائل کا انہیں گہرا ادراک ہے اور اس قدر منکسر المزاج ہیں کہ اسی وجہ سے ہم سب کے لئے بہت اعلیٰ نمونہ ہیں۔" جماعت کے وائس پریذیڈنٹ کے متعلق مشہور تھا کہ انہیں ایک خاص ملک جانے میں بہت انقباض ہے۔ ایک دن حضرت خلیفۃ المسیح کی ہدایت آئی کہ وہ اس علاقہ میں تبلیغی دورہ کے لئے جائیں۔ انہوں نے بغیر کسی تردّد کے اسی وقت جانا قبول کر لیا[2]۔

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۷ دسمبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۳، ۴۔ [2] الفضل ۱۸ اپریل ۱۹۷۰ء صفحہ ۳

فن لینڈ میں پیغامِ احمدیت

فن لینڈ میں حقیقی اسلام کی پہلی آواز وسط ۱۹۱۳ء میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کے ذریعہ پہنچی جو ان دنوں موسمی تعطیلات کے دوران لنڈن سے سویڈن، فن لینڈ اور روس تشریف لے گئے اور فن لینڈ کی ایک معزز تعلیم یافتہ خاتون تک پیغامِ اسلام ایسے مؤثر انداز میں پہنچایا کہ وہ اسلام کی گرویدہ ہوگئی۔ اس ایمان افروز واقعہ کی تفصیل آپ نے انہی دنوں بذریعہ مکتوب ۱۸ ستمبر ۱۹۱۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی خدمت میں ارسال کر دی تھی جو اخبار "بدر" قادیان ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۳ء کے صفحہ ۱۳، ۱۴ پر شائع ہوئی۔ اس واقعہ کے قریباً پنتالیس سال بعد جناب کمال یوسف صاحب نے ۲۶ مارچ ۱۹۵۸ء سے یکم مئی ۱۹۵۸ء تک فن لینڈ کا دورہ کیا اور اس علاقے میں مقیم ترکی مسلمانوں اور اُن کے امام سے رابطہ پیدا کر کے ان تک احمدیت کی آواز پہنچائی۔ اس سلسلہ میں آپ فن لینڈ کے دارالسلطنت ہلسنکی (HEL SINKI) اور ٹمپرے (TAMPERE) بھی تشریف لے گئے۔ امام ہلسنکی ولی احمد حکیم نے بڑے اخلاص اور جوش کے ساتھ بار بار کہا کہ جماعت قادیان کا لٹریچر میں نے پڑھا ہے اور اس میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔ ٹمپرے کے امام حبیب الرحمٰن صاحب شاکر نے دورانِ گفتگو بتایا کہ ضیاء الدین ابن فخرالدین مرحوم مفتی روس نے اعتراف کیا تھا کہ دُنیا کے میں اگر کوئی قرآن کا صحیح ترجمہ اور تفسیرِ قرآن جاننے والے لوگ ہیں تو وہ قادیانی ہیں۔ امام ٹمپرے جماعت احمدیہ کی خدمات کے بہت مداح تھے۔[1]

ماہنامہ ایکٹو اسلام کا اجراء

جنوری ۱۹۵۹ء سے سکنڈے نیویا مشن کی طرف سے الحاج سیف الاسلام محمود کی ادارت میں "ایکٹو اسلام" (ACTIVE ISLAM) ایک ماہنامہ جاری کیا گیا جو سویڈش، نارویجن اور ڈینش تین زبانوں میں چھپتا تھا۔[2] ڈینش کلیسا کے مشہور پادری BERTIL WIBERG نے چرچ کے سالنامہ کی رپورٹ میں اس رسالہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا۔ "ایکٹو اسلام سکنڈے نیویا کی جماعت احمدیہ کا

---

[1] تلخیص رپورٹ دورہ فن لینڈ بشمولہ جنرل فائل سکنڈے نیویا۔

[2] روزنامہ الفضل ربوہ یکم اپریل ۱۹۵۹ء صفحہ ۳

شائع کردہ رسالہ ہے جب اُس نے مشن کے قیام کا اعلان چند سال ہوئے کیا تو بہتوں کے لئے حیرانی کا موجب ہوا۔[1]"

ڈنمارک ایک مستقل مشن کی حیثیت سے

مرکزِ سلسلہ کی طرف سے ۲۵ر مارچ ۱۹۵۹ء کو ڈنمارک مشن براہِ راست جرمنی مشن کی نگرانی میں دے دیا گیا اور سویڈن میں تبلیغی ذمہ داری جناب کمال یوسف صاحب کو سونپی گئی۔ دو سال بعد اکتوبر ۱۹۶۱ء میں ڈنمارک کو ایک مستقل مشن کی حیثیت دے دی گئی۔ اور پورے سکنڈے نیویا مشن کے انچارج کمال یوسف صاحب مقرر کئے گئے۔

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا دورہ کوپن ہیگن

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر اکتوبر ۱۹۶۱ء کے دوسرے ہفتے میں کوپن ہیگن کے مختصر دَورہ پر تشریف لائے اور سکنڈے نیویا مشن کا براہِ راست انچارج کمال یوسف صاحب کو تجویز فرمایا اور فوری طور پر خانہ خدا کی زمین خرید کر اُس کی تعمیر کرنے کی ہدایت فرمائی اور ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا جس میں کثرت سے پریس رپورٹرز اور نیوز ایجنسیز شامل ہوئیں۔ کم و بیش پچاس اخبارات نے آپ کے فوٹو کے ساتھ جلی حروف اور بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ اس کی رپورٹ شائع کی جن کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک مسجد گنبد اور مینار کے ساتھ کوپن ہیگن کے وسط میں تعمیر کی جائے گی۔ یہ فیصلہ اس بنیاد پر کیا گیا ہے کہ سکنڈے نیویا اور خصوصاً ڈنمارک میں اسلام جلد جلد ترقی کر رہا ہے۔ اس مختصر دورہ کے دوران مکرم بشیر احمد صاحب رفیق بطور سیکرٹری آپ کے ساتھ رہے۔[2]

دوسرے مرکزی مبشرینِ اسلام کی آمد

جناب کمال یوسف صاحب ۷ سال تک تنہا اشاعتِ حق کے جہاد میں مصروف رہے۔ جس کے بعد مشن کی سرگرمیوں میں ایسی وسعت پیدا ہوئی کہ سکنڈے نیویا کے تینوں ممالک یعنی ڈنمارک، سویڈن اور ناروے میں تین مستقل مشن قائم کر دیئے گئے۔ ان مشنوں کا چارج سنبھالنے کے لئے اور تبلیغی کوششوں کو تیز تر

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۱۹ر اپریل ۱۹۷۰ء صفحہ ۱۹۔ [2] فائل تبشیر ۱۹۶۱ء نمبر ۱۱

کرنے کے لئے مرکزِ احمدیت سے جو مبشرینِ اسلام خلافتِ ثانیہ و ثالثہ کے عہدِ مبارک میں تشریف لائے اُن کے نام یہ ہیں۔

(ڈنمارک)۔ (۱) سیّد مسعود احمد صاحب۔ (۲) سیّد جواد علی صاحب۔ (۳) حیدر علی صاحب ظفؔر۔
(۴) منصور احمد صاحب مبشؔر۔

(سویڈن)۔ (۱) سمیع اللہ صاحب زاہؔد۔ (۲) منیر الدین احمد صاحب۔ (۳) عبد القدیر صاحب۔
(۴) حامد کریم محمود صاحب۔

(ناروے)۔ ناروے میں جناب کمال یوسف صاحب ہی متعین کئے گئے۔

ذیل میں سکنڈے نیوین ممالک کے مبلغینِ کرام کی تاریخ روانگی اور واپسی پر مشتمل خاکہ دیا جاتا ہے:۔

نام مبلغ	تاریخ روانگی	واپسی	دوبارہ روانگی	واپسی
(ڈنمارک)				
۱۔ کمال یوسف صاحب	۱۲ اپریل ۱۹۵۶ء	۱۸ اکتوبر ۱۹۶۲ء	۲۸ مارچ ۱۹۶۵ء	۲۶ اگست ۱۹۶۹ء
۲۔ سیّد مسعود احمد صاحب	۷ مئی ۱۹۶۲ء	۱۰ جون ۱۹۶۵ء	۱۲ جون ۱۹۶۹ء	(آپ ۱۶ اپریل ۱۹۷۳ء کو ڈنمارک سے ہالینڈ آگئے۔ اور ۲۹ دسمبر ۱۹۷۴ء کو وہاں سے سوئٹزرلینڈ تشریف لے گئے اور وہاں سے ۱۲ فروری ۱۹۷۷ء کو ڈنمارک واپس آگئے اور ۳ دسمبر ۱۹۸۲ء کو واپس مرکز تشریف لائے)۔
۳۔ سیّد جواد علی صاحب	۱۸ مارچ ۱۹۷۳ء	۱۰ نومبر ۱۹۷۴ء		
۴۔ حیدر علی ظفر صاحب	۲۱ جنوری ۱۹۷۴ء	۲۵ مارچ ۱۹۷۸ء	۶ مارچ ۱۹۸۲ء	۲۶ فروری ۱۹۸۴ء
۵۔ منصور احمد صاحب مبشر	۷ جنوری ۱۹۸۱ء	۱۴ جولائی ۱۹۸۴ء	۶ ستمبر ۱۹۸۴ء	
(سویڈن)				
۱۔ کمال یوسف صاحب	۳ ستمبر ۱۹۷۰ء	۱۰ دسمبر ۱۹۷۳ء	۱۲ جنوری ۱۹۷۵ء	۶ ستمبر ۱۹۷۹ء
۲۔ سمیع اللہ صاحب زاہد	۳۱ جولائی ۱۹۷۶ء	۱۸ ستمبر ۱۹۷۹ء		

نام مبلغ	روانگی	واپسی	دوبارہ روانگی	واپسی
۳۔ منیر الدین احمد صاحب	۷ر اگست ۱۹۷۳ء	۹ر اکتوبر ۱۹۷۶ء	۲۳ر مارچ ۱۹۷۹ء	۲۴ر دسمبر ۱۹۸۰ء
۴۔ میر عبدالقدیر صاحب	۱۵ر اپریل ۱۹۸۱ء	تاحال		
۵۔ حامد کریم محمود صاحب (ناروے)	۳۰ر جنوری ۱۹۷۹ء	۲۳ر نومبر ۱۹۸۱ء	۲ر اپریل ۱۹۸۲ء	۱۹ر نومبر ۱۹۸۳ء
۱۔ کمال یوسف صاحب				

خلاصہ: المختصر یہ کہ حضرت مصلح موعود کے زمانۂ خلافت میں اوسلو (ناروے) سٹاک ہالم اور مالمو (سویڈن) اور کوپن ہیگن (ڈنمارک) میں نئی جماعتیں بنیں۔ بعض اور شہروں میں بھی بیعتیں ہوئیں۔ ڈینش ترجمہ و تفسیر قرآن کے کام کا آغاز ہوا۔ مشن کو اتنی وسعت ہوئی کہ ایک مرکزی مبلّغ کے علاوہ تین یورپین نو احمدی، عبدالسلام صاحب میڈسن ڈنمارک میں، الحاج سیف الاسلام محمود ایرکسن صاحب سویڈن میں اور الاستاذ نور احمد صاحب بولستاد ناروے میں اعزازی مبلغ بنائے گئے۔

خواتینِ احمدیت کی مالی قربانی

حضرت سیّدہ اُمّ متین صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ نے ۲۷ر دسمبر ۱۹۶۴ء کو احمدی خواتین کے جلسہ سالانہ پر تحریک فرمائی کہ حضرت مصلح موعودؓ کے عہدِ خلافت پر پُورے پچاس برس گزر چکے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے اس عظیم فضل و احسان کا عملی شکریہ ادا کرنے کے لئے انہیں یورپ کے کسی ایک مُلک میں خانہ خدا تعمیر کرنا چاہیئے[1] اور اس کے لئے ڈنمارک کے دارالحکومت کوپن ہیگن کو تجویز کیا جہاں سیّد مسعود احمد صاحب مبلغ اسلام کی شبانہ روز کوشش سے خانہ خدا کے لئے زمین خریدی جا چکی تھی۔ مسجد فضل لندن اور مسجد مبارک ہیگ کی طرح مسجد کوپن ہیگن کی تحریک پر بھی خواتینِ احمدیت نے نہایت شاندار طور پر لبیک کہا[2]

---

[1] روزنامہ الفضل ۲ر جنوری ۱۹۶۵ء صفحہ ۴۔ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۲۲۸ تا ۲۳۴ از حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ صدر لجنہ مرکزیہ ربوہ طبع اوّل ۲۵ر دسمبر ۱۹۷۳ء۔

"مسجد نصرت جہاں" کا سنگِ بنیاد اس مسجد کی بنیاد صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل اعلیٰ تحریک جدید نے جمعۃ المبارک ۶ رمئی ۱۹۶۶ء کو ٹھیک ایک بجے دوپہر کوپن ہیگن میں رکھی۔

کئی روز قبل ہی اخبارات میں اس کے سنگِ بنیاد کا چرچا شروع ہو چکا تھا۔ ایک روز قبل ڈینش ریڈیو نے اہم خبروں میں یہ خبر بار بار نشر کی۔ محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب، امام مسجد لنڈن بشیر احمد صاحب رفیق، مسز احسان اللہ ڈینشن نومسلمہ لنڈن سے، مکرم چوہدری عبداللطیف صاحب امام مسجد ہمبرگ جرمنی سے، مکرم برادرم نور احمد صاحب بولستاد اوسلو، ناروے سے اور متعدد احمدی بھائی سویڈن سے اس تقریب میں شمولیت کے لئے تشریف لائے۔ سنگِ بنیاد کی کارروائی ساڑھے بارہ بجے شروع ہونی تھی۔ اس سے قبل ہی سفیر ایران اور ان کے سیکرٹری ترکی، انڈونیشیا، اور سنی گال ایمبیسی کے فرسٹ سیکرٹری، لارڈ میئر کے سٹاف کے اکثر ممبر اور ڈپٹی میئر عرب اور ایران کے تجار اور ڈینش مسلمان ایک گیند نما خیمہ میں جمع تھے۔ کارروائی کے دوران پاکستان کے وزیرِ قانون اور پاکستانی ایمبیسی کے فرسٹ سیکرٹری بھی تشریف لائے۔ ٹھیک ½ ۱۲ بجے تلاوتِ قرآن مجید ہوئی۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۲۵ تا ۱۳۰ (ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی تعمیرِ کعبہ کے وقت کی دعائیں ہیں) کے بعد ان کا ترجمہ احباب کو سنایا گیا۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے عمدہ انداز میں یورپ میں جماعتِ احمدیہ کے ذریعہ مساجد کی تعمیر، ان کی تاریخ مسجد کی اہمیت اور مقام پر روشنی ڈالی اور پھر احمدی مستورات کی ان مالی قربانیوں کا بڑے مؤثر رنگ میں ذکر فرمایا جو انہوں نے ڈنمارک، ہیگ (ہالینڈ) اور لنڈن کی مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں کیں۔ حاضرین اور بیشتر اخبارات نے بھی لجنہ کی قربانیوں کو بہت سراہا۔ آپ کے خطاب کا ڈینش ترجمہ مکرم برادرم عبدالسلام صاحب میڈسن نے احباب کو سنایا[1]۔ جس کے بعد محترم صاحبزادہ صاحب محراب کی سمت بڑھے۔ جہاں سنگِ بنیاد رکھنے کا پروگرام تھا۔ بنیاد کے لئے مسجد مبارک قادیان کی ایک اینٹ حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے دعا کے بعد اپنی زندگی

---

[1] اس خطاب کا مکمل متن الفضل ۱۶ رجون ۱۹۶۶ء میں شائع شدہ ہے۔

ہی ہیں بھجوا دی تھی۔ اس اینٹ کو برادرم عبدالرؤف خانصاحب نے احرام کے کپڑے کے ایک ٹکڑے پر (جو آبِ زمزم سے دُھلا ہوا تھا) رکھا۔ مبلغ انچارج مکرم عبدالسلام میڈسن صاحب نُوراحمد بوستاد صاحب اور زکریا سن آرکیٹیکٹ نے اس کو چاروں کونوں سے پکڑا اور صاحبزادہ صاحب نے یہ اینٹ عاجزانہ دُعاؤں کے ساتھ مسجد کے مجوّزہ محراب میں کعبۃ اللہ کی سمت میں نصب کر دی اور پھر رقّت آمیز دُعا کرائی۔ سنگِ بنیاد رکھنے کے بعد معزز مہمانوں کو کھانا پیش کیا گیا اور فرداً فرداً تمام احباب سے ملاقات کی گئی۔ عربوں کے ایک نمائندہ کی طرف سے جماعت کا شکریہ ادا کیا اور عربی میں سب احباب کو خوش آمدید کہا۔ پھر ڈپٹی لارڈ میئر نے جماعت کو خوش آمدید کہا اور اس علاقہ میں مسجد تعمیر ہونے پر خوشی کا اظہار کیا۔ کھانے کی تیاری میں لجنہ کی سیکرٹری صاحبہ مسز مریم ملر اور مسز مبارکہ میڈسن اور مسز جمال نے بہت محنت اُٹھائی۔ کھانے کے بعد مکرم برادرم عبدالسّلام صاحب میڈسن نے جمعہ کی اذان دی اور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے خطبہ جمعہ دیا جس میں مسجد کے مقام کی وضاحت کی اور فرمایا کہ موجودہ سائنسی دَور میں رُوحانیت اور مادّی ترقی صرف اس صورت میں ہم آہنگ ہوسکتی ہے کہ ہر انسان اپنے تئیں اعمال کے لئے خدا کے سامنے جواب دِہ تصوّر کرے۔

اکثر اخبارات نے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی سنگِ بنیاد کے وقت موجودگی اور پہلا جمعہ پڑھانے کو بہت اہمیت دی اور مشن کی شہرت میں بہت اضافہ ہُوا۔ سنگِ بنیاد کا پروگرام ڈینش اور سویس ٹیلیویژن پر دکھایا گیا۔ ڈینش پریس نے سنگ بنیاد کی بکثرت خبریں شائع کیں اور چار اخبارات نے اس پر اداریے بھی سپردِ قلم کئے۔[1]

مسجد ”نصرت جہاں“ کا افتتاح

سکنڈے نیویا کی اس پہلی اور تاریخی مسجد کا مبارک افتتاح حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقدس ہاتھوں سے ۲۱ر جولائی ۱۹۶۷ء کو ہُوا۔ حضورؒ نے پہلے اس مسجد میں پہلی نمازِ جمعہ پڑھائی اور اس کے بعد ایک مختصر مگر پُرمعارف انگریزی خطاب فرمایا جس کے پہلے حصّہ

---

[1] الفضل ربوہ ۱۶ر جون ۱۹۶۶ء۔ ایضاً الفضل ۲۲ر ستمبر ۱۹۶۶ء صٓ۳ مضمون جناب عبدالسّلام میڈسن صاحب۔

میں اسلام کی اس بے مثال تعلیم کو نمایاں طور پر پیش کیا کہ مسجد خانہ خدا ہے۔ کسی کی ملکیت نہیں لہٰذا اسلامی مساجد کے دروازے ہر ایسے فرد اور ہر ایسی مذہبی جماعت کے لئے کھلے ہیں جو خدائے واحد کی پرستش کرنا چاہے۔ خطاب کے دوسرے حصّہ میں حضور نے پنج بنائے اسلام کی تشریح فرمائی اور بتایا کہ یہ پانچ ستون ہیں جن پر مسجد استوار ہوتی ہے[1]۔ اس تقریر کے بعد حضور نے اجتماعی دعا کرائی۔

اس یادگار افتتاحی تقریب میں یورپ کے مبلغینِ اسلام، احمدی احباب، غیر ملکی سفراء ڈنمارک کی سربرآوردہ شخصیتیں اور کوپن ہیگن کے معزز شہری کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ اس موقع پر حضور نے پریس کانفرنس سے بھی خطاب فرمایا جس میں عالمی اخبارات کے نمائندوں نے بھاری تعداد میں شرکت کی۔ نیز ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے حضور کا خصوصی انٹرویو بھی ریکارڈ کیا۔

کوپن ہیگن کی اہم شخصیتوں کی ملاقات اور حضرت امام جماعتِ احمدیہ کا عیسائی دنیا کو چیلنج

کوپن ہیگن میں حضور ایک ہفتہ قیام فرما رہے اور پھر ۲۷ ؍ جولائی ۱۹۶۷ء کو انگلستان میں تشریف لے آئے[2]۔ اس دوران افتتاح مسجد کے بعد بھی حضورؓ کی اہم دینی مصروفیات نقطۂ عروج پر رہیں مثلاً ۲۲ ؍ جولائی کی شام کو حضور کی خدمت میں ڈینش مشنری سوسائٹی کے بعض نامور منّاد، کوپن ہیگن یونیورسٹی کے مستشرق اور کوپن ہیگن میوزیم کے ایتھنالوجی ڈیپارٹمنٹ کے ڈائریکٹر اور ان کے مشیر کے علاوہ عیسائی منّادوں کے ایک بورڈ کے دو ممبر حاضر ہوئے جو اُن دنوں احمدیت پر ریسرچ کر رہے تھے[3]۔ سب سے پہلے سیکرٹری ڈینش مشنری سوسائٹی نے ارکان وفد کا تعارف کرایا۔ پھر سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ ملاقات کے آخر میں حضور نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسب ذیل چیلنج کا انگریزی ترجمہ پڑھ کر فرمایا کہ یہ دعوت اَب بھی کھلی ہے۔ ہمیں خوشی ہوگی اگر عیسائیت کی سچائی اور صداقت کا فیصلہ کرنے کے لئے عیسائی حضرات یہ دعوت قبول کر لیں۔ چیلنج یہ تھا کہ:-

---

[1] مفصّل تقریر ملاحظہ ہو روزنامہ الفضل ربوہ ۱۱ ؍ اگست ۱۹۶۷ء صفحہ ۳ و صفحہ ۵۔
[2] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹ ؍ جولائی ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۔ [3] روزنامہ الفضل ربوہ ۲ ؍ اگست ۱۹۶۷ء صفحہ ۳

"توریت اور انجیل قرآن کا کیا مقابلہ کریں گی۔ اگر صرف قرآن شریف کی پہلی سورۃ کے ساتھ ہی مقابلہ کرنا چاہیں یعنی سورۃ فاتحہ کے ساتھ جو فقط سات آیتیں ہیں اور جس ترتیب انسب اور ترکیبِ محکم اور نظامِ فطرتی سے اس سورۃ میں صدہا حقائق اور معارف دینیہ اور روحانی حکمتیں درج ہیں ان کو موسیٰ کی کتاب یا یسوع کے چند ورق انجیل سے نکالنا چاہیں تو گو ساری عمر کوشش کریں تب بھی یہ کوشش لاحاصل ہوگی اور یہ بات لاف و گزاف نہیں بلکہ واقعی اور حقیقی یہی بات ہے کہ توریت اور انجیل کو علوم حکمیہ میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ بھی مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہم کیا کریں اور کیونکر فیصلہ ہو۔ پادری صاحبان ہماری کوئی بات بھی نہیں مانتے۔ بھلا اگر وہ اپنی توریت یا انجیل کو معارف اور حقائق کے بیان کرنے اور خواص کلام الوہیت ظاہر کرنے میں کامل سمجھتے ہیں تو ہم بطور انعام پانسو روپیہ نقد ان کو دینے کے لئے تیار ہیں۔"[۱]

اس کے علاوہ حضور نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حسب ذیل چیلنج بھی دُہرایا:

"جس قدر اصول اور تعلیمیں قرآن شریف کی ہیں وہ سراسر حکمت اور معرفت اور سچائی سے بھری ہوئی ہیں اور کوئی بات اُن میں ایک ذرّہ مواخذہ کے لائق نہیں اور چونکہ ہر ایک مذہب کے اصولوں اور تعلیموں میں صدہا جزئیات ہوتی ہیں اور اُن سب کی کیفیّت کا معرضِ بحث میں لانا ایک بڑی مہلت کو چاہتا ہے۔ اس لئے ہم اس بارہ میں قرآن شریف کے اصولوں کے منکرین کو ایک نیک صلاح دیتے ہیں کہ اگر ان کو اصول اور تعلیماتِ قرآنی پر اعتراض ہو تو مناسب ہے کہ وہ اوّل بطور خود خوب سوچ کر دو تین ایسے بڑے سے بڑے اعتراض بحوالہ آیاتِ قرآنی پیش کریں جو اُن کی دانست میں سب اعتراضات سے ایسی نسبت رکھتے ہوں جو ایک پہاڑ کو ذرّہ سے نسبت ہوتی ہے۔ یعنی اُن کے سب اعتراضوں سے اُن کی نظر میں اقویٰ و اشد اور انتہائی درجہ کے ہوں۔ جن پر اُن کی نکتہ چینی کی پُرزور نگاہیں ختم ہوگئی ہوں اور نہایت شدّت سے دوڑ دوڑ کر انہی پر جا ٹھہری ہوں سو ایسے دو یا تین اعتراض بطور نمونہ پیش کرکے حقیقتِ حال کو آزما لینا چاہیئے کہ اس سے تمام اعتراضات کا بآسانی فیصلہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر بڑے اعتراض

---

[۱] کتاب سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب صفحہ ۳۴ طبع اوّل ۲۲ جون ۱۸۹۷ء

بعد تحقیق ناچیز نکلے تو پھر چھوٹے اعتراض ساتھ ہی نابود ہو جائیں گے اور اگر ہم ان کا کافی و شافی جواب دینے سے قاصر رہے اور کم سے کم یہ ثابت نہ کر دکھایا کہ جن اصولوں اور تعلیموں کو فریقِ مخالف نے بمقابلہ ان اصولوں اور تعلیموں کے اختیار کر رکھا ہے وہ ان کے مقابل پر نہایت درجہ رذیل اور ناقص اور دُور از صداقت خیالات ہیں تو ایسی حالت میں فریقِ مخالف کو در حالت مغلوب ہونے کے فی اعتراض پچاس روپیہ بطور تاوان دیا جائے گا۔[1]

تقریبِ افتتاح کا چرچا ڈنمارک پریس میں

ڈنمارک پریس نے مسجد کوپن ہیگن کے افتتاح کا وسیع پیمانہ پر چرچا کیا۔ اس سلسلہ میں چند اخبارات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) ڈنمارک کے ایک ہفت روزہ اخبار VALBY BLADET نے اپنی ۲۷ جولائی ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں زیرِ عنوان " سکنڈے نیویا میں سب سے پہلی مسجد کا افتتاح اور خلیفہ صاحب کی مجلس " لکھا:

اس مجلس میں رُوحانی آزادی سے ہمکنار کرنے والی ایک عجیب و غریب فضا چھائی ہوئی تھی۔ اس عجیب و غریب اور حریّت نواز ماحول میں مغربی پاکستان سے تشریف لائے ہوئے خلیفہ مرزا ناصر احمد صاحب کی عظیم اور واجب الاحترام شخصیت سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ آپ کا چہرہ گہری بھوؤں اور سفید ریش سے مزیّن تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا اُن بزرگ اور مقدس ہستیوں میں سے جن کا ذکر کتاب موسیٰ میں آتا ہے۔ ایک بزرگ اور مقدس ہستی ہمارے درمیان تشریف فرما ہے۔ فی الواقعہ ہر شخص نے اُس عظمت اور تقدّس کو محسوس کیا جو آپ کے وجود میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہ احساس اور یہ تأثر اس وقت اور بھی زیادہ اُجاگر ہو گیا جب آپ نے ان الفاظ کے ساتھ پریس کانفرنس کا آغاز فرمایا۔ " میں جنگ کا نہیں، امن کا حامی ہوں اور امن کے ایک پیرو کی حیثیت سے خدا کے اس گھر کے دروازے لوگوں پر کھولنے آیا ہوں۔"

افتتاحی تقریر کے بعد گہری خاموشی کے عالم میں تین منٹ کی دعا ہوئی۔ ٹیلی ویژن والوں،

---

[1] اشتہار مفید الاخیار مشمولہ سُرمہ چشم آریہ ص ۳

اُن کی سیلاب کی طرح امنڈی چلی آنے والی روشنیوں، اخبار نویسوں اور ان کے کیمروں سے پھوٹ نکلنے والی فلیش لائٹوں کے باوجود مسجد کے گول کمرے میں ہر طرف وجد آفرین اور پُر کیف خاموشی طاری تھی۔ دُعا کے ختم ہونے پر بھی یہ کیفیت دیر تک طاری رہی اور آہستہ آہستہ پہلی حالت واپس آئی۔"

"افتتاح کا اصل آغاز خلیفہ صاحب کی اقتداء میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی سے ہؤا۔ وہ تمام لوگ جو نماز میں شریک ہونے کے خواہش مند تھے، انہیں نماز میں شریک ہونے کی عام اجازت تھی۔ لیکن اُن کے لئے ضروری تھا کہ وہ جوتے اُتار کر اور انہیں باہر ہی چھوڑ کر مسجد میں داخل ہوں۔ مسجد کے مقدس کمرہ میں داخل ہونے کے لئے بس یہی ایک شرط تھی۔ بہت سے لوگوں کے لئے جنہیں مسجد کی افتتاحی تقریب میں شرکت کا موقع ملا۔ اس نوع کی عبادت میں حصّہ لینا ایک دل موہ لینے والے عظیم تجربہ کی حیثیت رکھتا تھا۔[1]"

(۲)۔ اخبار KRISTELIG DAG BLAD نے جو کلیسائے ڈنمارک کا ترجمان ہے، اپنی ۲۱ جولائی ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں مسجد کی تعمیر کو اسلام کی قوّت و عظمت کا درخشندہ نشان قرار دیتے ہوئے لکھا:۔

"ڈنمارک میں مسجد! آج سے بیس تیس سال قبل یہ تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ڈنمارک میں بھی کوئی مسجد تعمیر ہو سکتی ہے۔ اس وقت ایسا خیال مضحکہ خیز شمار ہوتا اور اس پر قہقہے بلند کئے جاتے۔ بہر حال یہ ماننا پڑے گا کہ اسلام کی اس شاخ[2] نے فی زمانہ تبلیغی جدوجہد کا حیران کن مظاہرہ کیا ہے اور اس میدان میں اس نے بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔ بالخصوص افریقہ میں اس نے جو کامیابی حاصل کی ہے وہ کسی لحاظ سے کم نہیں ہے ..... ہم آج کی خبر کا نوٹس لینا ضروری سمجھتے ہیں اور ہم تو ان لوگوں کی ہمّت اور حوصلہ کی داد دینے کے لئے بھی تیار ہیں جس کے بل پر انہوں نے نسبتاً بہت تھوڑی مدّت میں یہ کچھ کر دکھایا۔ اس امر کا احساس ہمارے لئے چنداں

---

[1] VALBY BLADET ۲۷ جولائی ۱۹۶۷ء، روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵ اگست ۱۹۶۷ء۔

[2] شاخ سے مراد جماعت احمدیہ ہے (ناقل)۔

دُکھ اور تکلیف کا موجب نہیں ہو سکتا خصوصاً عین ایسے وقت میں جبکہ اسرائیل اور دُنیائے عرب کے درمیان کشیدگی زوروں پر ہے۔ اسلام حقیقتاً ہم سے اتنا دُور اور اتنا متروک نہیں ہے جیسا کہ ہمارے آباء و اجداد عام طور پر یقین کرتے تھے۔ اسلام کی قوّت اور عظمت کا یہ ایک درخشندہ نشان ہے جس کی تعمیر مکمّل ہونے کے بعد آج افتتاح ہُوا ہے۔[1]

(۳)۔ ڈنمارک کے ایک اور روزنامہ AKULET نے اپنے ۲۲ر جولائی کے طویل ادارتی مقالہ میں لکھا :۔

"وی ڈورا کی مسجد اُس مذہب کی جو عرب کی پسماندہ وخستہ حال سرزمین میں اب بھی زندہ ہے۔ بہت بعد میں پھوٹنے والی ایک چھوٹی سی شاخ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس موجودہ وقت میں اللہ اور اس کے رسول کو یہاں حاصل کرنے میں بہت دقّت اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"[2]

(۴)۔ ڈنمارک کے ایک اخبار LOLLANDSTIDENDE نے اپنے ۲۵ر جولائی ۱۹۶۷ء کے پرچہ میں لکھا :۔

"آج مسلمانوں کا مذہب یعنی دینِ اسلام ڈنمارک میں پھیلایا جا رہا ہے۔ کوپن ہیگن کے علاقہ وی ڈورا (HVIDOVRE) میں پہلی مسجد تعمیر ہوگئی ہے اور اس کا افتتاح بھی عمل میں آ چکا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ خود ڈنمارک کے کلیسا نے اپنے داخلی حالات کا جائزہ لینے اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل تیار کرنے کی غرض سے باقاعدہ ایک کمیشن مقرر کر رکھا ہے۔ اس مسجد کا نوٹس لینا اور اسے قابلِ اعتنا سمجھنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

عیسائیت ڈنمارک میں ایک ہزار سال سے بھی زائد عرصہ سے قائم چلی آرہی ہے اور یہاں ایسے مناد (مَرد بھی اور عورتیں بھی) موجود ہیں جنہوں نے ایسے ممالک میں عیسائیت کا پیغام پہنچایا ہے جہاں اسلام ایک مذہب کی حیثیت سے بہت مقبول ہے۔ لیکن آج صورتِ حال مختلف ہے۔ اب خود ڈنمارک میں اسلام اور عیسائیت کے درمیان مقابلہ کی طرح پڑ چکی ہے۔ کلیسا کی اصلاحی تنظیم کو

---

[1] بحوالہ روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵ر اگست ۱۹۶۷ء ۔ [2] روزنامہ الفضل ۲۵ر اگست ۱۹۶۷ء صفحہ ۵

جسے " داخلی مشن" کو خود اپنے ہی گھر میں کلیسا اور مسجد کی باہمی مخالفت کی شکل میں نئی سرگرمی اور جدوجہد کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ وہ ممالک جن میں ہم اپنے مناد بھیجا کرتے تھے اب جواباً ہمارے ہاں مناد بھیج رہے ہیں اور ہمارا قرض چکانے پر تُل گئے ہیں۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ اب حالات بدلے ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس غیر ملکی مذہب اور اس کی تعلیم کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا جو دیگر مذاہب کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ ڈنمارک میں مکمل مذہبی آزادی ہے۔ البتہ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس غیر ملکی مذہب کے بارہ میں عوام کا ردِّ عمل کیا ہوگا؟ یہ امر محتاجِ بیان نہیں کہ ڈنمارک میں بڑی تیزی سے مسلمانوں کی ایک جماعت معرضِ وجود میں آچکی ہے اور جس رفتار سے مسجد کی تعمیر عمل میں آئی ہے وہ اس امر کی آئینہ دار ہے کہ ڈنمارک کی مُسلم تحریک کے پیچھے پُرعزم اور فعال دماغ کار فرما ہیں۔ اس بات کو تو کوئی بھی تسلیم نہیں کرے گا کہ سارا ڈنمارک حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائے گا۔ لیکن کوپن ہیگن کے علاقہ وی ڈورا میں جس سرگرمی کا ثبوت منظرِ عام پر آیا ہے۔ وہ اپنی وسعت کے لحاظ سے اس نوعیت کی ہے کہ کلیسا اس مؤقف کا سہارا نہیں لے سکتا کہ گویا کچھ ہُوا ہی نہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ڈنمارک جو پہلے بیرونی دُنیا میں عیسائی مناد بھیجا کرتا تھا۔ اب خود تبلیغی سرگرمیوں کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ یہ صورتِ حال ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے اور اس چیلنج کو بہر حال قبول کرنا ہوگا"۔[له]

کلیسیا کی طرف سے مخالفت کا آغاز

تقریب افتتاح مسجد کا پہلا ردّ یہ ہُوا کہ عیسائی حلقے مسجد کی مقبولیت کو دیکھ کر کھُلم کھُلا مخالفت پر اُتر آئے اور اخبارات میں مخالف مضامین کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایک پادری نے واضح طور پر اخبار میں لکھا کہ ڈنمارک کی تاریخ کا بدترین دن وہ تھا جس دن " نصرت جہاں" مسجد کا افتتاح کیا گیا۔ اور مَیں ایک عیسائی پادری کی حیثیت سے اس مسجد کا ہرگز روادار نہیں ہو سکتا۔ یہ سلسلہ اتنا وسیع تھا کہ بعض اخبارات نے لکھا کہ پادریوں نے مسجد کے خلاف "جہاد" کا اعلان

له روزنامہ الفضل ۲۵ راگست ۱۹۶۷ء صفحہ ۹

کر دیا ہے۔ بہت سے لوگوں نے احمدیہ مشن کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ اس سے تو بجائے نفرت کے لوگوں کے دلوں میں اسلام کے حق میں ہمدردی پیدا ہو رہی ہے تو انہوں نے مسجد کے ساتھ ایک چرچ میں ڈنمارک کے مشہور پادری کی (جو مشرقِ وسطیٰ میں مبلغ رہ چکے تھے) تقریر کرائی۔ پادری صاحب نے کہا میں اسلام کا خیر مقدم تو کرتا ہوں مگر ایسے اسلام کا جو جمہور کا اسلام ہے۔ جن کے نزدیک اسلام یہ سکھاتا ہے کہ منکرین جب تک اسلام قبول نہیں کرتے ان کے خلاف عَلَم جہاد بلند کرو۔ اور ان کی گردنیں کاٹ دو۔ یہ بھی کوئی اسلام ہے جو نصرت جہاں مسجد والے پھیلا رہے ہیں[1]۔ پادری ہنرک پیڈرسن نے لکھا:۔

"جب ہم تبلیغی مشن کا لفظ بولتے ہیں تو از خود ہمارے ذہن میں انجیل کی تبلیغ کا تصور آتا ہے۔ جو ہم اور دینوں یہودیوں اور مسلمانوں کو کرتے ہیں۔ ہم عیسائی صدیوں سے اس تصوّر کے عادی ہیں۔ لیکن کوپن ہیگن میں مسجد نصرت جہاں کی تعمیر ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ اسلام ایک لمبے جمود کے بعد دوبارہ فعال تبلیغی مشن بن گیا ہے۔ اور اب جماعت احمدیہ نے بڑے منظم طریق سے پروگرام بنا کر عالمی سطح پر تبلیغ شروع کر دی ...... اور یہ ایک ایسی عالمی تحریک ہے جو عیسائیت کا جواب ہے"[2]

جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی کو دیکھ کر پادریوں نے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جس نے ایک کتاب "شمالی یورپ میں اسلام اور جماعت احمدیہ پر ایک نظر" کے عنوان سے لکھی جس میں بتایا کہ "۱۹۶۷ء میں کوپن ہیگن کے ایک محلہ میں مسجد کا افتتاح کیا گیا، یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ تبلیغ پر عیسائیوں کی اجارہ داری نہیں ...... بلکہ اب ایک غیر ملکی مذہب اسلام جاگ رہا ہے اور عیسائیوں کی صدیوں کی تبلیغ کا منہ توڑ جواب دینے لگا ہے۔ اور یہ بات ہمیں دو[3] چیلنج دیتی ہے۔ ایک یہ کہ نصرت جہاں مسجد کی تعمیر پر ہمارا کیا ردِّ عمل ہے؟ دوسرا شمالی یورپ میں اسلام کی موجودگی۔

یہ دو زبردست چیلنج ہیں جو شمالی یورپ میں جماعت احمدیہ کی تبلیغی جدوجہد پیش کرتی ہے"[4]

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۸ / اپریل ۱۹۷۰ء صـ۳ ۔ [2]، [3]، [4] روزنامہ الفضل مورخہ ۱۹ / اپریل ۱۹۷۰ء صـ۳ ۔

ڈینش ترجمہ قرآن کی اشاعت و مقبولیت

ڈینش زبان میں ترجمہ قرآن حضرت مصلح موعودؓ کی اجازت اور سرپرستی سے ڈنمارک کے پہلے احمدی عبدالسلام میڈسن صاحب نے ۱۹۶۰ء میں شروع کیا تھا، مکرمی کمال یوسف صاحب اور میر مسعود احمد صاحب کو اس کی نظرِ ثانی کا موقع ملا۔ ترجمہ کے دس پارے حضرت مصلح موعودؓ کی زندگی میں طبع ہوئے مگر مکمّل ترجمہ شروع ۱۹۶۷ء میں ڈنمارک کے مشہور پبلشر BORGEN نے شائع کیا۔ یہ ڈینش زبان کا پہلا ترجمہ قرآن تھا جو میڈسن صاحب نے چھ سال کی محنتِ شاقہ سے تیار کیا جس میں انہوں نے جماعت احمدیہ کی انگریزی تفسیر قرآن اور جرمنی ترجمہ قرآن کے علاوہ تفسیرِ صغیر اور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کے ترجمہ قرآن سے بھی استفادہ فرمایا۔ ترجمہ پر ڈنمارک کے ایک مستشرق مسٹر وائس برگ نے نظرِ ثانی کی۔ قرآن مجید کے عربی بلاک کے متن کی تیاری کے اخراجات تحریکِ جدید نے مہیّا کئے۔ یہ ترجمہ مساوی صفحات کی تین جلدوں پر مشتمل تھا اور اس کے کل صفحات ۱۳۰۰ کے قریب تھے۔ ۱۸؍ جنوری ۱۹۶۷ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں اس ترجمہ کا پہلا نسخہ بذریعہ ہوائی ڈاک بھجوایا گیا جس پر حضور نے مبارکباد کا حسب ذیل تار ارسال فرمایا:۔

" مجھے ڈینش ترجمہ حاصل کرکے بہت خوشی ہوئی۔ آپ کو اسی طرح سب احمدی احباب کو مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ خدا کا یہ پیغام جلد از جلد ڈینش لوگوں کے دل منوّر کرے "

شاہ فیصل سعودی عرب شاہ حسین اُردن، شاہِ ایران اور صدر جمال عبدالناصر صدر مصر نے بھی مبارکباد کے خطوط بھیجے۔ غیر مسلم حلقوں نے تبصرے کئے اور ڈنمارک کے مشہور پادری کارل ایرک این برگ نے لکھا:۔

" عبدالسلام میڈسن تعریف کے مستحق ہیں۔ اکثر ممالک میں ترجمہ قرآن مل جاتا ہے۔ مگر ڈینش لوگ لمبا عرصہ تک اس سے غافل رہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ کتاب اور اس کا پیغام عوام و خواص سب پڑھیں کیونکہ یہ کتاب عیسائی کلیسیا کو سب سے بڑا چیلنج ہے۔"

خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ ترجمہ بہت مقبول ہوا۔

اخبار "خلیج ٹائمز" میں ڈینش ترجمہ قرآن کا ذکر

اخبار خلیج ٹائمز KHALEJ TIMES نے ۱۶؍ اپریل ۱۹۸۰ء کی اشاعت

میں میڈسن کے ڈینش ترجمہ قرآن کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:۔

"In 1956, after five years of the political studies including intensive study of the Arabic language and the Holy Quran and extensive study of Hadith and other Islamic literature, Mr. Madsen embraced Islam and took the Muslim name of Abdul Salaam. He invited a Pakistani missionary from Holland to give lecture on Islam at the Teachers Training College in Ribe. In the following years, small communities were established in Stockholm and Oslo.

In 1967 the Glorious Quran was published by the Borgen Publishing House with the Arabic text and with Danish translation and notes made by Abdul Salaam Madsen. "Muhammad – his Life and Teachings;" by the same author, was published at the same time."

(ترجمہ)۔ پانچ سال تک عربی زبان، قرآن حکیم، حدیث اور دیگر اسلامی لٹریچر کا گہرا مطالعہ کرکے ۱۹۵۶ء میں مسٹر میڈسن نے اسلام قبول کیا اور عبدالسلام اسلامی نام اختیار کر لیا۔ انہوں نے ہالینڈ سے مبلغ اسلام کو دعوت دی کہ ٹیچرز ٹریننگ کالج واقع ریبے میں اسلام کے متعلق لیکچر دیں۔ چند سالوں میں سٹاک ہالم اور اوسلو میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں قائم کی گئیں۔

۱۹۶۷ء میں بورگن پبلشنگ ہاؤس نے عبدالسلام میڈسن کا ڈینش زبان میں کیا ہوا قرآن کریم کا ترجمہ مع نوٹس اور عربی متن کے شائع کیا۔ اسی زمانہ میں اسی مصنف کی کتاب "محمدؐ کی زندگی اور آپ کی تعلیم" شائع ہوئی۔"

یوگوسلاوین حلقوں میں احمدیت کا اثر و نفوذ

اپریل ۱۹۶۹ء کی بات ہے۔ مکرم کمال یوسف صاحب آئس لینڈ کے دورہ پر تشریف لے گئے۔ اور مشن کو عارضی طور پر سنبھالنے کے لئے مولوی بشیر احمد صاحب شمس جرمنی سے ڈنمارک پہنچے۔ اس دوران ایک عجیب ایمان افروز واقعہ رونما ہوا۔ جس کی تفصیل جناب مولوی بشیر احمد صاحب شمس کے الفاظ میں درج ذیل ہے:۔

"ایک روز جب خاکسار مشن ہاؤس میں دفتری کام میں مصروف تھا تو ایک ٹیلیفون آیا۔ ایک نوجوان جرمن زبان میں کچھ استفسار کر رہا تھا۔ اس نے کہا مجھے علم ہوا ہے کہ آپ

جرمن زبان جانتے ہیں۔ لیکن آپ سے کچھ راہنمائی حاصل کرنی چاہتا ہوں۔ گفتگو لمبی تھی لہٰذا خاکسار نے اُسے تجویز کیا کہ ہم آپس میں کسی جگہ مل لیں تو بہتر ہے چونکہ وہ ڈنمارک کے ایک قصبہ میں ایک لوہے کے کارخانہ میں ملازم تھا اور یوگوسلاویہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے کہا کہ مَیں بہت مصروف ہوں۔ چھٹی نہیں مل سکتی۔ اگر آپ میرے پاس وقت نکال کر آجائیں تو مَیں آپ کا بہت ممنون ہونگا۔ کوپن ہیگن سے قریباً ساٹھ کلومیٹر دُور رہتا تھا۔ اگلے روز مَیں ٹرین پر اُس کے پاس پہنچا۔ وہ اسٹیشن پر موجود تھا۔ مجھے مل کر بہت خوش ہُوا۔ گھر پہنچے۔ رات وہیں ٹھہرا۔ رات کو اس نے مجھے سارا واقعہ سُنایا کہ خواب میں اس کے سامنے ایک سفید پگڑی پہنے گھنی لمبی سفید داڑھی والا شخص ظاہر ہُوا۔ جس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جسے بیعت کاغذ کہا گیا۔ اسے خواب میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ جنّت میں داخل ہونے کا کاغذ ہے جب اس شخص نے اپنی اس خواب کا ذکر کیا تو مَیں نے اُسے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رضی اللہ عنہ کی فوٹو دکھائی تو فوراً پکار اُٹھا کہ یہی وہ شخص ہے جسے اُس نے خواب میں دیکھا ہے۔ آخر میں خاکسار نے بیعت فارم کا ذکر کیا تو کہنے لگا کہ میری تسلّی ہوگئی ہے۔ چنانچہ اُس نے بلا توقف جماعت میں شمولیت اختیار کر لی۔"[1]

ایک ماہ کا دَورہ مکمّل کرنے کے بعد مکرم کمال یوسف صاحب واپس ڈنمارک تشریف لائے تو اس یوگوسلاوین نوجوان کی تحریک پر ہم نے سویڈن جانے کا پروگرام بنایا کیونکہ گوتھن برگ میں بہت سے یوگوسلاوین دوست رہائش رکھتے تھے۔ مکرم محمود ارکسن صاحب لوکل مبلغ سویڈن مقیم سٹاک ہالم کو اطلاع دی۔ گوتھن برگ میں مکرم بشیر الدین احمد صاحب ابن کرنل تقی الدین احمد صاحب کی مدد سے (جو اس وقت وہاں اپنے کاروبار کے سلسلہ میں مقیم تھے) ایک میٹنگ کا اہتمام کیا۔ اور سلسلہ احمدیہ سے متعلق ایک پمفلٹ یوگوسلاوین زبان میں شائع کروالیا۔ اس میٹنگ میں چالیس کے قریب یوگوسلاوین دوست تشریف لائے۔ احمدیت کا تعارف کروایا گیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسی میٹنگ میں ہی پانچ افراد نے باقاعدہ طور پر بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں

---

[1] رسالہ "تحریک جدید" جولائی ۱۹۶۹ء صفحہ ۲۱۔

شمولیت اختیار کر لی۔ الحمدللہ۔ اس سارے واقعہ کی اطلاع مکرم کمال یوسف صاحب نے حضور کی خدمت میں بھجوائی۔ حضور نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ نیز بذریعہ تار حکم دیا کہ آئندہ تین ماہ کے لئے بشیر شمس صاحب گوتھن برگ میں ٹھہریں۔ چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل میں خاکسار مزید تین ماہ کے لئے وہاں ٹھہر گیا اور کام کو جاری رکھا۔ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے اس عرصہ میں مزید پچیس افراد سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے الحمدللہ۔

ہمبرگ جرمنی سے گئے ہوئے مجھے چار ماہ کا عرصہ ہو گیا تھا۔ اس پر مکرم چوہدری عبداللطیف صاحب مبلغ جرمنی نے مرکز کو لکھا کہ وہ اکیلے کام نہیں کر سکتے۔ یا انہیں کوئی اور مبلغ دیا جائے یا بشیر شمس صاحب کو واپس ہمبرگ بھجوا دیا جائے۔ اس پر مرکز کے حکم پر خاکسار ہمبرگ پہنچ گیا۔ ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے کہ دوبارہ مجھے حکم ملا کہ میں گوتھن برگ (سویڈن) پہنچ کر کام شروع کروں۔ یہ اکتوبر ۱۹۶۹ء کا مہینہ تھا۔ دوبارہ جا کر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے کام شروع کیا جس کے بہت اچھے نتائج برآمد ہوئے۔ اس دوران مکرم کمال یوسف صاحب واپس ربوہ آ گئے۔ اور مکرم سید مسعود احمد صاحب نے ڈنمارک مشن کا چارج سنبھال لیا۔

گوتھن برگ مشن کی بنیاد

گوتھن برگ میں جماعت احمدیہ کا قیام سٹاک ہالم کے محمود الحسن صاحب اور محترم کمال یوسف صاحب کی کوشش سے ہوا جنہوں نے گوتھن برگ میں یوگوسلاو احباب کے ایک اجتماع کا انتظام کیا۔ جس میں سب سے پہلے یوگوسلاوین مسلمان HAIRULLAH باقاعدہ بیعت کر کے داخلِ احمدیت ہوئے پھر ان کی تبلیغ سے ایک اور شخص حسن نامی نے بیعت کی ..... اب ان دونوں احمدی احباب نے ۱۱ رمئی ۱۹۶۹ء کو ایک اور مجلس منعقد کی جس میں مکرم کمال یوسف صاحب مولوی بشیر احمد صاحب شمس نے بھی شرکت کی۔ اس میٹنگ اور اس کے بعد کی کوششوں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مزید گیارہ اشخاص احمدی ہو گئے۔ ازاں بعد ۳۱ رمئی ۱۹۶۹ء کو سیرت النبیؐ کا ایک کامیاب جلسہ منعقد کیا جلسہ کے بعد انفرادی ملاقاتوں کے دوران مزید پانچ افراد سلسلہ سے منسلک ہو گئے۔ پھر مزید تین خاندان جو بارہ افراد پر مشتمل تھے داخلِ جماعت ہوئے۔ اسی طرح جون ۱۹۶۹ء تک یوگوسلاو احمدی احباب کی تعداد ۳۳ تک پہنچ گئی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دستِ مبارک سے مسجد ناصر کا سنگِ بنیاد

۲۷ ستمبر ۱۹۷۵ء کا دن گوٹھن برگ (سویڈن) کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا کیونکہ اس دن حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے گوٹھن برگ شہر میں سویڈن کی پہلی مسجد کی بنیادی اینٹ اپنے دستِ مبارک سے نصب فرمائی۔ اس مسجد کی زمین مولوی منیر الدین احمد صاحب نے خریدی تھی۔ خدا کے گھر کا سنگِ بنیاد رکھنے اور اس کی زمین کا معائنہ فرمانے کے بعد حضور نے متعدد افراد کو شرفِ مصافحہ بخشا اور انہیں حقائق و معارف سے سرفراز فرمایا۔[1]

گوٹھن برگ میں یورپین مبلغین کی کانفرنس

اگلے روز ۲۸ ستمبر ۱۹۷۵ء کو ہوٹل سکنڈے نیویا میں جہاں حضور قیام فرما تھے یورپ کے جملہ احمدیہ مشنوں کے مبلغین کی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں مندرجہ ذیل مبلغین کو شرکت کرنے اور حضور کے ارشادات سے مستفید ہونے کی سعادت نصیب ہوئی:-

۱۔ مکرم بشیر احمد خان صاحب رفیق (امام مسجد لنڈن)۔
۲۔ مکرم چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر (مبلغ سپین)۔
۳۔ مکرم مولوی فضل الٰہی صاحب انوری (امام مسجد نور فرنکفورٹ مغربی جرمنی)۔
۴۔ مکرم حیدر علی صاحب ظفر (امام مسجد فضلِ عمر ہمبرگ)
۵۔ مکرم سید مسعود احمد صاحب (امام مسجد محمود زیورک سوئٹزرلینڈ)۔
۶۔ مکرم جناب کمال یوسف صاحب (امام مسجد نصرت جہاں کوپن ہیگن ڈنمارک)۔
۷۔ مکرم منیر الدین احمد صاحب (مبلغ سویڈن)۔[2]

چودہ (۱۴) یوگوسلاوین کا قبولِ احمدیت

اس تاریخی کانفرنس کے علاوہ نمازِ عصر کے بعد ایک مبارک مجلس بھی منعقد ہوئی جس میں حضور نے یوگوسلاوین دوستوں کو شرفِ زیارت بخشا اور ان کی درخواست پر ہر ایک کے ساتھ

---

[1] الفضل ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء۔ [2] ایضاً صہ ۲

باری باری فوٹو کھنچوائے۔ یہ سلسلہ تقریباً نصف گھنٹہ تک جاری رہا۔ الفضل کے نامہ نگار خصوصی جناب مسعود احمد خانصاحب دہلوی کا بیان ہے کہ

"اس تمام عرصہ میں ان یوگوسلاوین دوستوں پر ایک ایسا کیف کا عالم طاری رہا کہ یُوں محسوس ہوتا تھا کہ اس عالم میں نہیں ایک اور ہی عالم میں ہیں اور ان کی جانب سے ذوق و شوق اور ولولۂ عشق کا اظہار خدائی تصرف کے ماتحت ہو رہا ہے"[1]

نماز مغرب وعشا کے بعد عشائیہ کی بابرکت تقریب تھی۔ حضور اس کے دوران اور بعد میں غلبۂ اسلام کے سلسلہ میں احمدی احباب کو ان کی ذمّہ داریوں سے آگاہ فرماتے رہے۔

ایک یوگوسلاوین مخلص احمدی برادرم شعیب موسیٰ صاحب اپنی اہلیہ کو بیعت کرانے میں صرف اس لئے متامل تھے کہ وہ پہلے پُوری صحت کے ساتھ قرآن شریف پڑھنا سیکھیں۔ مگر حضور نے فرمایا کہ حق کھُل جانے پر اسے قبول کرنے اور فارم پُر کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ دینی تربیت اس کے بعد ہی ہوسکتی ہے۔ اس پر شعیب موسیٰ صاحب زنانہ کمرہ کے دروازہ پر اپنی اہلیہ سے ملے اور حضور کے منشاء سے آگاہ کیا تو انہوں نے بخوشی بیعت فارم پُر کر دیا۔ فارم پُر کرنے کی دیر تھی کہ بہت سے دیگر یوگوسلاوین دوستوں اور بہنوں کی طرف بیعت فارم دیئے جانے کا مطالبہ ہونے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے چودہ یوگوسلاوین باشندوں نے جن میں چھ مَرد اور آٹھ خواتین تھیں۔ بیعت فارم پُر کر کے قبول احمدیت کا اعلان کر دیا۔ اس خدائی تصرّف ونصرت کے رُوح پرور نظارہ سے تمام مجلس میں خوشی اور مسرّت کی زبردست لہر دوڑ گئی۔ حضور نے بیعت کرنے والے احباب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "بیعت میرے ساتھ نہیں بلکہ خدائے قادر و قدوس کے ساتھ ایک عہد ہے جو آپ نے اس وقت باندھا ہے۔ ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ مہدی علیہ السّلام کے زمانہ میں اسلام دُنیا بھر میں غالب آئے گا۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی بشارت کے مطابق وہ زمانہ آگیا۔ ظہورِ مہدی علیہ السّلام کی دوسری صدی جس کے شروع ہونے میں پندرہ سال رہ گئے ہیں، غلبۂ اسلام کی صدی ہوگی۔ آپ نے غلبۂ اسلام کے لئے جدوجہد کرنے اور قربانیاں پیش

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء صہ ۵

کرنے کے لئے آج اپنے خدا سے عہد کیا ہے۔ اس ارشاد کے بعد حضور نے نہایت مخلص یوگوسلاوین احمدی برادرم جناب عزت اولی وِچ کو جو ترجمانی کے فرائض انجام دے رہے تھے، ہدایت فرمائی کہ وہ یہ بات نو مبایعین تک پہنچا دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے نو مبائع احمدی بھائیوں کو مخاطب کر کے اُن تک یوگوسلاوین زبان میں حضور کا یہ ارشاد پہنچایا۔ سب نے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے حضور سے استقامت کے لئے دُعا کی درخواست کی۔ اس کے بعد حضور ایّدہ اللہ کے ارشاد کی تعمیل میں جناب عزت اولی وِچ صاحب نے زنانہ کمرہ کے دروازے پر جا کر ان بہنوں کے سامنے بھی جنہوں نے بیعت فارم پُر کئے تھے۔ یوگوسلاوین زبان میں حضور کے مذکورہ بالا ارشاد کو دہرایا۔ اس کے بعد حضور نے ہاتھ اُٹھا کر لمبی پُرسوز دُعا کرائی۔ جس میں جُملہ حاضرین شریک ہوئے۔ یہ ایک خاص دُعا تھی جو دلوں کو سکینت و طمانیت سے بھرنے کا موجب بنی۔ دُعا کے بعد بھی قلبی مسرّت کے زیرِ اثر سب کی آنکھیں نمناک تھیں۔ اور لب مالکِ حقیقی کی ستائش میں جنبش کر رہے تھے۔ بلاشبہ خوش قسمت ہیں وہ احباب جنہیں اس مجلس اور اس کے اختتام پر ہونے والی دُعا میں شرکت کی توفیق ملی۔

دُعا سے فارغ ہونے کے بعد حضور نے یوگوسلاوین احباب سمیت جُملہ حاضر احباب کو ایک دفعہ پھر شرفِ مصافحہ بخشا اور حضور ۹ بجے رات کے بعد مشن ہاؤس سے ہوٹل سکنڈے نیویا واپس تشریف لے آئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے سویڈن میں پہلی مسجد کا سنگِ بنیاد رکھے جانے کے سب سے پہلے طیّب و شیریں ثمر سے نواز کر دلوں کو خوشی و مسرّت سے بھر دیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔"

مسجد ناصر کی افتتاحی تقریب

۲۰ اگست ۱۹۷۶ء کو سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے مسجد ناصر کا افتتاح فرمایا۔ اس تقریب میں شرکت کرنے کے لئے سویڈن، ناروے، ڈنمارک، انگلستان، ہالینڈ، مغربی جرمنی، سوئٹزرلینڈ، امریکہ، مشرق وسطیٰ اور پاکستان کے ایک ہزار احباب تشریف لائے۔ شرکت کرنے والوں میں یورپ کے مختلف ممالک میں جماعتِ احمدیہ کی تعمیر کردہ سات مساجد کے درج ذیل امام اور دیگر مبلغین کرام بھی شامل تھے۔ مکرم بشیر احمد خان صاحب رفیق (امام مسجد فضل لندن)۔ مکرم عبدالحکیم صاحب اکمل (امام مسجد مبارک دی ہیگ ہالینڈ)۔ مکرم مولوی فضل الٰہی صاحب انوری (امام مسجد نور فرینکفورٹ)۔ مکرم حیدر علی صاحب ظفر (امام مسجد فضل عمر ہمبرگ مغربی جرمنی)۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب

باجوہ (امام مسجد محمود زیورک سوئٹزرلینڈ) ۔ مکرم سید مسعود احمد صاحب (امام مسجد نصرت جہاں کوپن ہیگن ڈنمارک)۔ مکرم کمال یوسف صاحب (امام مسجد ناصر گوٹن برگ۔ سویڈن) مکرم کرم الٰہی صاحب ظفر (مبلغ سپین)۔ مکرم منیر الدین احمد صاحب (مبلغ سویڈن) ۔ مکرم سمیع اللہ صاحب زاہد (مبلغ سویڈن)۔ مکرم نور احمد بوستاد صاحب (آنریری مبلغ ناروے)۔ مکرم عبدالسلام صاحب میڈسن آنریری مبلغ ڈنمارک)۔ مکرم منیر الدین شمس صاحب (مبلغ انگلستان)۔ مکرم مولوی محمد اسمٰعیل منیر صاحب (سابق مبلغ سیرالیون)۔

سکنڈے نیوین ممالک اور مغربی جرمنی کے نومسلم احمدی احباب و خواتین بھی بڑی تعداد میں آئے ہوئے تھے۔ سویڈن کے مقامی احباب و خواتین اس کے علاوہ تھیں۔ مسجد کے احاطہ کو خوبصورت قطعات سے سجایا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں سویڈن کے مبلغین کرام کے علاوہ سویڈن اور اوسلو کے احباب نے بھی محنت سے کام کیا۔ بالخصوص یوگوسلاوین احمدی بھائی مکرم شعیب موسیٰ صاحب اس خدمت میں پیش پیش تھے۔ ساڑھے دس بجے صبح حضور نے مشن ہاؤس میں ایک پرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا اور مؤثر انداز میں صحافیوں کے سوالات کے جوابات دیئے۔ پریس کانفرنس کے دوران اور اس کے بعد بھی یورپ کے مختلف ممالک سے احباب کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ پریس کانفرنس ختم ہوتے ہی نمازِ جمعہ کی تیاری شروع ہوئی۔ گوٹن برگ کے سب سے پہلے یوگوسلاوین احمدی مکرم شعیب موسیٰ صاحب نے حضورؒ کے ارشاد پر اذان دی جس کے بعد حضورؒ نے انگریزی زبان میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔

حضورؒ نے سورۃ توبہ کی مندرجہ ذیل آیت نمبر ۱۰۹ تلاوت فرمائی اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۔

ترجمہ: کیا وہ شخص جو اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقویٰ اور رضامندی پر رکھتا ہے زیادہ اچھا ہے یا وہ جو اس کی بنیاد ایک پھسلنے والے کنارے پر رکھتا ہے جو گر رہا ہوتا ہے پھر وہ کنارہ اس عمارت سمیت جہنم کی آگ میں گر جاتا ہے اور اللہ ظالم قوم کو کامیابی کا راستہ نہیں دکھاتا۔

اس آیت کی روشنی میں حضورؒ نے مسجد کے کسٹوڈینز کی یہ ذمہ داریاں بیان کیں۔ اوّل یہ کہ

وہ اسے پاک صاف اور مطہّر رکھیں۔ اس میں پانی مہیّا کریں اور ایسی تمام دیگر ضروریات بہم پہنچائیں جن کا موجود ہونا عبادت بجا لانے کے لئے ضروری ہو۔ دوّم یہ کہ وہ مساجد میں ایسا ماحول پیدا کریں کہ جو لوگ ان میں عبادت کے لئے آئیں۔ ان کا زندہ تعلّق خدا تعالیٰ کے ساتھ قائم ہونے میں مدد ملے۔

حضورؒ نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو قسم کی مساجد کا ذکر کرکے ان کے درمیان پائے جانے والے امتیاز کو واضح فرمایا ہے۔ چنانچہ اس آیت کی رُو سے جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر ہو اور وہ لوگوں کا خدا تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلّق پیدا کرنے والی ہو وہ حقیقی مسجد ہے۔ برخلاف اس کے وہ مسجد جس کی بنیاد ظُلم کی راہ سے لوگوں کو EXPLOIT کرنے پر ہو۔ اور بناء بریں تقویٰ اللہ سے یکسر خالی ہو۔ وہ حقیقی مسجد نہیں ہے۔ حقیقی مسجد ایک عظیم نشان SYMBOL کی حیثیت رکھتی ہے اور ایک پیغام کی حامل ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ سب لوگ خدا کی نگاہ میں برابر ہیں اور سب اس کے فرمانبردار اور عبادت گزار بندے بن کر اس سے زندہ تعلق قائم کر سکتے ہیں اور اس کے افضال و انعامات کے مورد بن سکتے ہیں۔ اور یہ کہ انہیں ایک دوسرے سے محبّت کرنی چاہیئے۔ خُطبہ کے بعد حضور نے جُمعہ کی نماز پڑھائی۔ اس طرح سویڈن کی سب سے پہلی مسجد کا مبارک افتتاح عمل میں آگیا۔ اس کا افتتاح عمل میں آنے کی دیر تھی کہ گوٹن برگ ریڈیو نے حضورؒ کے خُطبہ جمعہ، نماز جمعہ اور مسجد کے افتتاح کی خبر نشر کرنے کے علاوہ اس میں دی جانے والی اذان نشر کی۔ یہ خبر وقفہ وقفہ سے بار بار نشر ہوتی رہی۔ اور اذان کی آواز بھی ریڈیو کے ذریعہ پُورے شہر میں بار بار گونجتی رہی۔ اس طرح بفضل اللہ تعالیٰ پُورے شہر میں مسجد کے افتتاح کا چرچا ہونے لگا۔ اور لوگ بڑی تعداد میں اسے دیکھنے کی غرض سے آنے لگے۔ رات گئے تک لوگوں کا تانتا بندھا رہا[1]۔

پریس میں چرچا

سویڈن کے چالیس سے زیادہ اخباروں نے مسجد کے افتتاح کے متعلّق بڑی بڑی تصاویر اور بہت تفصیلی خبریں شائع کیں۔ نیز عیسائی حلقوں نے تبصروں کی شکل میں ردِّ عمل کا اظہار بھی کیا۔ چند اخباروں کے اقتباسات کا آزاد

---

[1] تلخیص روزنامہ الفضل ۳۰ اکتوبر تا ۸ نومبر ۱۹۷۶ء۔

ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے :۔

(۱)۔ گوٹن برگ سے شائع ہونے والے اخبار VASTRA FRULUNDA POSTEN نے اپنے ۲۶/ اگست کے شمارہ میں "پیغمبر اسلام محمدؐ کے نام کی عظمت کے قیام کی خاطر پُروقار افتتاح" کے جلی عنوان اور حضور ایدہ اللہ کے پریس کانفرنس سے خطاب کی نہایت نمایاں تصویر کے تحت پانچ کالموں میں پھیلی ہوئی جو بہت تفصیلی خبر شائع کی اس میں اُس نے افتتاح کے دیگر کوائف کے علاوہ یہ بھی لکھا کہ ...... خلیفہ مرزا ناصر احمد نے اپنی دلکش اور سُریلی آواز میں حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ اس خوبصورت مسجد میں جمع ہونے اور اس سے دلی طور پر وابستہ رہنے کا یہ مقصد ہے کہ ہم خدا کے ساتھ زندہ تعلق قائم کر کے اس دُنیا میں کامیاب زندگی گزار سکیں۔ ہم یہاں اپنے آپ کو اس قابل بنائیں گے کہ ہمیں اپنے پیدا کرنے والے کی رضا حاصل ہو۔ جب ہم ایک نیک مقصد کی خاطر دلی اخلاص کے ساتھ مجاہدہ کرتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کا پیار ہمیں حاصل ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا جب ہمیں خدا تعالیٰ کا پیار حاصل ہو جائے اور ہم اس میں ہو کر زندگی بسر کرنے لگیں تو اس کا پیار ہمیں نوعِ انسان کے ساتھ بھی محبت کا سلوک روا رکھنے پر ابھارتا ہے اور ہم نوعِ انسان کو محبت کا پیغام پہنچائے بغیر رہ ہی نہیں سکتے[1]"۔

(۲)۔ گوٹن برگ سے شائع ہونے والے لوتھرن چرچ کے مذہبی آرگن KYRKOCH FOLK نے اپنے ۳/ ستمبر ۱۹۷۶ء کے شمارہ میں لکھا :۔

"پچھلے دنوں گوٹن برگ میں سویڈن کی سب سے پہلی مسجد کا افتتاح عمل میں آیا ہے۔ مسجد کے منصوبہ کو بروئے کار لانے کا سہرا اسلام کی ایک تبلیغی تحریک یعنی جماعت احمدیہ کے سر ہے۔ مسجد کا افتتاح اس جماعت کے سربراہ خلیفۃ المسیح نے فرمایا اور اس میں بہت سے مسلمانوں نے شرکت کی۔ اگلے سال قرآن کا سویڈش زبان میں ترجمہ شائع کیا جائے گا۔ پروگرام یہ ہے کہ آئندہ سولہ سال میں دُنیا کی تمام زبانوں میں قرآن کے تراجم دستیاب ہو سکیں۔ پہلے جس بات کو کوئی بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اب وہ وقوع پذیر ہو رہی ہے۔ اسلام وہ پہلا مذہب نہیں ہے جس نے اپنی تعلیم کو

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۰/ دسمبر ۱۹۷۶ء جلسہ سالانہ نمبر صفحہ ۷

پھیلانے کے لئے میدانِ تبلیغ کے طور پر ہمارے مُلک کو منتخب کیا ہے۔
اَب سوال یہ ہے کہ سویڈن میں جبکہ مذہبی لحاظ سے ایک نئی صبح کا جھٹ پٹا نمودار ہُوا چاہتا ہے۔ یہاں کے عیسائی اس نئی صورت حال کا کس طرح مقابلہ کرتے ہیں؟ اس سنجیدہ سوال کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟" [1]

(۳)۔ گوٹن برگ کے ایک اور اخبار "گوٹن برگ پوسٹ" GOTEN BORG POSTEN نے اپنی ۱۲ر اگست کی اشاعت میں مسجد کے افتتاح کی تفصیلی خبر شائع کرتے ہوئے اسے مسلمانوں کیلئے خوشی کا ایک خاص موقع قرار دیا۔ تاہم اُس نے اس خبر میں اپنی طرف سے ایک سراسر غلط بات بھی شائع کردی اور وہ یہ کہ (نعوذ باللہ) مسجد میں عورتوں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی تاکہ مسجد کی جگہ ناپاک نہ ہو جائے۔ اگرچہ اخبار نے یہ سراسر غلط اور خلاف واقعہ بات اسلام کے بارہ میں غلط فہمی پھیلانے کی غرض سے شائع کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں سے ہی ایک خیر کا پہلو پیدا کر دیا اور وہ یہ کہ ہر طبقہ کے لوگ (خصوصاً خواتین) بڑی کثرت سے اس کی زیارت کرنے آئے تھے۔ صفحہ ۱۲ پر اخبار نے تین کالمی عنوان کے تحت جو خبر شائع کی اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔ سہ کالمی عنوان:۔

"خلیفۃ المسیح نے ہیگس بو کی پہاڑی پر پہلی مسجد کا افتتاح فرمایا۔"

خبر کا متن:۔ سویڈن کی پہلی مسجد جسے جماعت احمدیہ نے تعمیر کیا ہے۔ اس کا افتتاح جمعہ کے روز عمل میں آیا۔ تمام مسلمانوں کے لئے یہ ایک خوشی کا موقع تھا۔ تاہم اس میں ایک حذناک جذبیت پائی جاتی تھی۔ کیونکہ عورتوں نے چہروں پر نقاب ڈالے ہوئے تھے۔ وہ بھی نماز میں شریک تھیں۔ لیکن ایک علیحدہ احاطہ میں...... پاکستانی مسلمانوں کے ایک سو خاندانوں نے دس لاکھ کرونے کی لاگت سے اسے تعمیر کیا ہے۔ اور اس کے لئے انگلستان اور امریکہ میں رہنے والے احمدیوں) سے چندہ جمع کیا ہے۔ ہیگس۔ بو کی پہاڑی پر تعمیر شدہ مسجد کے مینارے (جو اذان دینے کے لئے بنائے جاتے ہیں) محض علامتی مینارے ہیں۔ علی الصبح سے سورج غروب ہونے کے دو گھنٹہ بعد تک دن میں

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۶ء جلسہ سالانہ نمبر صفحہ ۔

پانچ مرتبہ بلند آواز سے لوگوں کو نماز کے لئے پکار پکار کر بلانا کار دارد ہے۔ اس لئے جدید تکنیکی آلات سے استفادہ کرتے ہوئے اذان مسجد کے اندر ہی لاؤڈ سپیکر کی مدد سے دی جاتی ہے۔۔۔۔۔ مسجد کا افتتاح فرقہ احمدیہ کے سربراہ اعلیٰ حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح نے فرمایا۔ تمام دُنیا سے بالعموم اور انگلستان جرمنی اور پاکستان سے خصوصاً آنے والے مہمانوں کے علاوہ ایسٹونین آرتھوڈوکس چرچ کے پادری صاحب بھی اس موقع پر آئے ہوئے تھے۔

حضرت مرزا ناصر احمد (حضرت) احمد (علیہ السلام) کے تیسرے خلیفہ ہیں۔ اس فرقہ کی بنیاد اس غرض سے رکھی گئی تھی تاکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے سب سے آخری اور مکمل دین کی حیثیت سے اصلی اور حقیقی اسلام کا از سرِ نو احیاء کیا جائے۔ اس فرقے کے دعوے کے بموجب بانیٔ سلسلہ احمدیہ (آخری زمانہ میں آنے والے) موعود مسیح تھے۔ وہ اس لئے آئے تھے تاکہ قرآن کی کامل تعلیم کی جو موجودہ زمانہ کے لئے بھی موزوں ترین تعلیم ہے : نئی تعبیر اور نئی تشریح سے دُنیا کو آگاہ کر سکیں۔ خلیفۃ المسیح نے خطبہ جُمعہ میں اس امر پر روشنی ڈالی کہ رضاءِ الٰہی کی خاطر اللہ کے گھر کو پاک صاف رکھنا از حد ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا یہ (یعنی مسجد) ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہمیں خدا تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق قائم کر کے اس دُنیا میں زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ جو شخص نیک اور دیندار نہ ہو خدا تعالیٰ اس کی راہنمائی نہیں فرماتا۔ خدا تعالیٰ کی راہنمائی اور ہدایت اسے ہی نصیب ہوتی ہے جو عدل۔ امن و عافیت اور آزادی کا درس دیتا اور اس کے قیام کے لئے کوشاں رہتا ہو۔ خدا تعالیٰ ایسے شخص کو محبت یک رنگی اور حقیقی راہنمائی سے نوازتا ہے۔ تاکہ وہ حیاتِ نو اور خدمتِ نوعِ انسان کے پیغام کو پھیلا سکے۔

وہ جماعت جس نے گوٹن برگ میں مسجد بنائی ہے تبلیغِ اسلام کا فریضہ بجا لانے والی ایک مضبوط تنظیم کی حامل ہے۔ سکولوں کے قیام کی وہ زبردست حامی ہے تاکہ مسلمان بچّوں کو دینی تعلیم بھی دی جا سکے۔ یہ جماعت کوپن ہیگن۔ لندن۔ دی ہیگ۔ ہمبرگ۔ فرینکفورٹ اور زیورک میں مساجد پہلے ہی تعمیر کر چکی ہے۔ اگلے سال قرآن کا سویڈش زبان میں ترجمہ شائع کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اور منصوبہ یہ ہے کہ آئندہ سولہ سال میں تمام یورپی زبانوں میں قرآن کے تراجم شائع ہو جانے چاہئیں۔

ہیگسں بو پر جس مسجد کا افتتاح عمل میں آیا ہے وہ دوسری مساجد کی طرح گنبد سے مزین ہے...... اس جماعت کے (سویڈن میں) دو مبلغ ہیں۔ جماعت سویڈن نہ صرف بیرونی ملکوں سے آکر یہاں آباد ہونے والے مسلمانوں پر مشتمل ہے بلکہ وہ سویڈش باشندے بھی اس میں شامل ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے...... اپنی تقویم کی رو سے یہ جماعت چودھویں صدی میں سے گزر رہی ہے۔ کیونکہ ہجری اسلامی کیلنڈر کی رو سے موجودہ سال ۱۳۵۵ھ واں سال ہے۔[1]

GOTEN BORG POSTEN ATTED PAGE 21, 1976

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا سفر ۱۹۷۸ء

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ ۱۹۷۸ء کی "کسرِ صلیب کانفرنس" سے خطاب کے بعد لندن سے ۲۴ رجولائی کو روانہ ہو کر ۲۵ رجولائی کی رات کو اوسلو (ناروے) میں رونق افروز ہوئے اور ۲۶ رجولائی کو حضورؒ نے یہاں ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا۔ ۲۸ رجولائی کو اوسلو سے روانہ ہو کر سویڈن کے دارالحکومت سٹاک ہالم میں پہنچے اور چند روز قیام فرمانے، پریس کانفرنس اور انفرادی اور اجتماعی ملاقاتوں میں انوار اسلام پھیلانے کے بعد ۳۱ رجولائی کو سویڈن کے شہر گوٹن برگ تشریف لائے اور یکم اگست کی صبح کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا جس میں حضورؒ نے موجودہ زمانہ کے مسائل کا حل اسلام سے پیش فرمایا اور قرآن مجید جیسی عظیم کتاب کی طرف نہایت پُر شوکت انداز میں توجہ دلانے کے بعد اشاعتِ قرآن کے سلسلہ میں جماعت احمدیہ کی مساعی پر روشنی ڈالی۔ ریڈیو گوٹن برگ نے اس روز سوا پانچ بجے پریس کانفرنس کی یہ خبر نشر کی :۔

"حضرت مرزا ناصر احمدؒ (جو ۱۹۶۵ء میں جماعت احمدیہ کے تیسرے خلیفہ منتخب ہوئے تھے) نے اپنے پہلے دورہ میں فرمایا تھا کہ گوٹن برگ کو ایک مسجد کی ضرورت ہے۔ اس کے تقریباً ایک سال بعد ہی ایک بڑی مسجد تعمیر ہو چکی ہے۔ اس مرتبہ آپ نے یہ اعلان فرمایا ہے کہ آئندہ ایک سو سال کے اندر یورپ کی اکثریت مسلمان ہو جائے گی۔ جماعت احمدیہ ایک اسلامی فرقہ ہے اس کی بنیاد انیسویں صدی کے آخر میں رکھی گئی۔ اس جماعت کے قیام کا مقصد تبلیغ کے ذریعہ اسلام کی عظمت کو دوبارہ

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۱ر نومبر ۱۹۷۶ء صـ۲۔

قائم کرتا اور دنیا میں امن پیدا کرتا ہے۔ جماعت احمدیہ کا آغاز شمالی ہندوستان کے ایک چھوٹے سے قصبہ سے ہوا۔ اور اب یہ جماعت بڑھ کر ایک عالمی جماعت بن چکی ہے۔ اس وقت تمام دنیا میں ان کی تعداد ایک کروڑ ہے۔ سویڈن میں دو صد کے قریب احمدی ہیں۔ حضرت امام جماعت احمدیہ کئی مرتبہ سویڈن کا دورہ کر چکے ہیں۔ پچھلی مرتبہ ۱۹۷۶ء میں آپ یہاں تشریف لائے تو آپ نے جماعت احمدیہ کی مسجد ناصر کا افتتاح کیا جو سویڈن کی پہلی مسجد ہے۔ آپ کی یہاں دوبارہ آمد کی غرض یہ ہے کہ قرآن مجید کی اشاعت و تفہیم کی عالمی مہم کو آخری شکل دی جائے۔ قرآن مجید مسلمانوں کی مقدس کتاب ہے۔ یہ نشریہ آخر میں اس فقرہ پر ختم ہوا کہ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ اہلِ سویڈن اگلے سو سال میں واقعہ میں مسلمان ہو جائیں گے۔[1]

گوٹن برگ میں دو روزہ قیام کے بعد حضور ۳ راگست کو کوپن ہیگن میں رونق افروز ہوئے۔ راستہ میں حضورؒ نے سویڈن کے شہر مالمو میں بھی کچھ وقت کے لئے قیام فرمایا۔ جہاں مقامی اخبارات کے نمائندوں نے حضورؒ سے انٹرویو لیا۔ ۴ راگست کو حضورؒ نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور اسی روز شام کو ایک جلسہ سے خطاب فرمایا۔ ۶ راگست کو حضور نے ایک مقامی اخبار کے نمائندہ کو شرفِ ملاقات بخشا اور انٹرویو دیا۔ اور ۸ راگست کو سکنڈے نیویا کا یادگار دورہ مکمل کرنے کے بعد کوپن ہیگن سے ہمبرگ تشریف لے گئے۔[2] یہ سفر بھی گذشتہ سفروں کی طرح بہت کامیاب اور مبارک ثابت ہوا۔ اور ملکی پریس کے ذریعہ اسلام و احمدیت کی تبلیغ ملک کے کونہ کونہ تک پہنچ گئی۔ بطور نمونہ چند اخبارات کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:۔

(۱)۔ روزنامہ ARBEIDER BLADET (۲۱ر جولائی ۱۹۷۸ء) نے زیرِ عنوان "اسلامی خلیفہ نے ناروے کو عیسائیت سے لاتعلق کر چھوڑا" لکھا..... اسلام تمام بنی نوع انسان کی ہدایت و راہنمائی کے لئے آیا ہے۔ (یعنی اس کی مخاطب ہر قوم اور اس کا ہر فرد ہے) اسلام میں روئے زمین کا ہر انسان جب چاہے داخل ہو سکتا ہے۔ جہاں تک قبولِ اسلام کا تعلق ہے اس میں دیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جس کسی کو جب بھی قبولِ حق کی سعادت ملے اس کے لئے

---

[1] الفضل ۱۰ ستمبر ۱۹۷۸ء صٓ ۔ [2] الفضل ۱۳ر جولائی ۱۹۷۸ء تا ۱۲ راگست ۱۹۷۸ء ۔

بساغنیمت ہے۔ یہ خلاصہ ہے مسلمان فرقہ احمدیہ کے خلیفہ حضرت حافظ مرزا ناصر احمد کی اس گفتگو کا جو انہوں نے گذشتہ بدھ (۲۶، جولائی ۱۹۷۸ء) کو اوسلو میں اخباری نمائندوں سے ملاقات کے دوران فرمائی ..... خلیفۃ المسیح اس خالص مذہبی جماعت کے روحانی سربراہِ اعلیٰ ہیں۔ دُنیا بھر میں اس جماعت کے افراد کی تعداد ایک کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ اِن میں سے ۱۲۰۰ افراد ناروے میں رہائش پذیر ہیں۔ خلیفۃ المسیح کے متبعین ان سے اُسی عقیدت و احترام سے ملتے ہیں جو کیتھولک عیسائی پوپ کے ساتھ رَوا رکھتے ہیں۔

.... اس جماعت کا قیام ہندوستان میں ۱۸۸۹ء میں عمل میں آیا تھا۔ موجودہ خلیفہ بانیٔ سلسلہ کے تیسرے جانشین یا خلیفہ ہیں۔ ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ حقیقی اسلام کے علمبردار ہیں اور اسی کی دُنیا میں تبلیغ کرتے ہیں۔ ان کا یہ حقیقی اسلام دُنیا کے دوسرے ساٹھ کروڑ مسلمانوں کے اسلام سے قدرے مختلف اور ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ خلیفۃ المسیح لندن میں منعقدہ ایک کانفرنس میں شرکت کرنے کے بعد یہاں آئے تھے۔ اس کانفرنس میں مسیح کی صلیبی موت سے نجات کا موضوع زیرِ غور آیا تھا۔ اس فرقے کا دعویٰ ہے کہ ایسے شواہد اور ثبوت موجود ہیں جن سے اس بارہ میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ مسیح واقعہ صلیب کے بعد نوّے سال تک زندہ رہے۔ وہ مشرق کی جانب پیدل سفر کرتے ہوئے اُن علاقوں میں گئے جہاں بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل آباد تھے۔ وہ ایران، افغانستان اور کشمیر آئے۔ یہاں انہوں نے اِن گمشدہ قبائل میں شریعتِ موسوی کی تبلیغ کی اور انہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کے لئے تیار کر لیا....

خلیفۃ المسیح نے بحیثیت نبی مسیح کے مرتبہ و مقام کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا وہ خدا کا بیٹا ہرگز نہ تھے۔ وہ (تمام دوسرے انسانوں کی طرح) ایک عورت کے بطن سے پیدا ہوئے تھے..... جماعتِ احمدیہ ایک پُرجوش تبلیغی جماعت ہے۔ اور خلیفۃ المسیح سال کا ایک بڑا حِصّہ اپنی جماعت کا دَورہ کرنے اور اس طرح ان کی نگرانی و راہ نمائی کرنے میں گزارتے ہیں..... خلیفۃ المسیح نے پریس کانفرنس میں الوداعی کلمات کہتے ہوئے فرمایا۔ اسلام بڑا ہی پیارا اور حسین مذہب ہے۔ اگر ایک دفعہ تم اس کے حُسن کے گرویدہ ہو گئے تو اس سے جدائی تمہیں ہرگز گوارا نہ ہوگی۔ [1]

---

[1] بحوالہ الفضل ۶، اگست ۱۹۷۸ء صفحہ ۲۔

(۲)۔ سویڈن کے روزنامہ "آربے تت" نے لکھا:۔

"گوٹن برگ۔ صرف خدا تعالیٰ ہی انسانیت کے درپیش مسائل حل کر سکتا ہے۔ اس ضمن میں تمام انسانی کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔ یہ ہیں وہ الفاظ جو جماعت احمدیہ کے رُوحانی سربراہ اعلیٰ حضرت مرزا ناصر احمد نے منگل (یکم اگست) کے روز مسجد ناصر گوٹن برگ میں اخباری نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرمائے۔ قرآن مجید کی اشاعت کے لئے حضرت مرزا ناصر احمدؒ نے عالمی سطح پر ایک مؤثر مہم چلا رکھی ہے۔ اس مہم کے تحت قرآن کا دُنیا کی تمام زبانوں میں ترجمہ کر کے ہر مُلک اور ہر قوم میں پھیلایا جائے گا۔ حضرت مرزا ناصر احمد نے اپنے بیان میں یہ بھی فرمایا کہ انسانیت کی ہر نسل کے مسائل کا حل قرآن میں موجود ہے۔"

اخبار نے ان عنوانات کے تحت لکھا:۔

"مسلمان خلیفہ گوٹن برگ میں" ۔ "اہلِ سویڈن کی رُوحانی اقدار میں تنزل کے آثار"۔

خبر کا متن۔ گوٹن برگ۔ سویڈش لوگ اگرچہ سخت محنتی انسان ہیں۔ تاہم ان کی رُوحانی اور اخلاقی اقدار دن بدن انحطاط پذیر ہوتی جا رہی ہیں۔ یہ بات گذشتہ منگل یکم اگست ۱۹۷۸ء کے روز ایک کروڑ احمدی مسلمانوں کے رُوحانی پیشوا حضرت مرزا ناصر احمد نے مسجد ناصر گوٹن برگ میں کہی آپ کی تشریف آوری کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن مجید کی عالمی پیمانہ پر اشاعت کی مہم کو تیز سے تیز تر کیا جائے۔ اس جماعت نے قرآن مجید کا دُنیا بھر میں بولی جانے والی تمام زبانوں میں تراجم شائع کرنے اور انہیں دُنیا میں پھیلانے کا عزم کر رکھا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا میرا پیغام یہی ہے کہ اس وقت انسانیت کو جو مسائل درپیش ہیں ان کا اصل اور حقیقی حل صرف اللہ تعالیٰ ہی عطا کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مسائل کو حل کرنے کی آج تک جتنی انسانی کوششیں بھی کی گئیں وہ ایک ایک کر کے سب ناکام ثابت ہو چکی ہیں۔ آپ نے فرمایا اس زمانہ میں انسانیت کو دو بڑے مسائل درپیش ہیں۔ ان میں سے ایک مسئلہ کا تعلق دُنیا کی بڑی اور چھوٹی قوموں کے مابین تعلقات کی نہج متعین کرنا ہے۔ دوسرا مسئلہ انسانی حقوق کی تعیین سے تعلق رکھتا ہے۔

آپ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر نسل کے مسائل کا حل بیان کر دیا ہے۔ مزید برآں

وہ نئے پیدا ہونے والے مسائل کے حل کو قرآنی تعلیم کی نئی الہامی توجیہات کے ذریعہ اپنے خاص بندوں پر منکشف فرماتا رہتا ہے۔ اس ضمن میں آپ نے واضح فرمایا کہ قرآنی ہدایات کی پرانی تعبیریں اور تفسیریں اس زمانہ کے نئے مسائل حل کرنے کے سلسلہ میں کافی نہیں ہیں۔ اس کے لئے نئی روشنی اور نئی راہنمائی کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ (انسانوں سے) کلام کرتا ہے۔ اور ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق قرآنی تعلیمات کی نئی تشریحات و توضیحات منکشف فرماتا ہے۔ حضرت مرزا ناصر احمدؒ نے پورے وثوق اور یقین کے ساتھ اعلان فرمایا کہ ایک دن دُنیا کے تمام لوگ اسلام قبول کرلیں گے۔ آپ نے اس خیال کا اظہار فرمایا کہ ایسا آئندہ ۱۱۵ سال کے اندر اندر ہو جائے گا۔

اس ضمن میں آپ نے واضح فرمایا کہ سوال یہ نہیں ہے کہ لوگوں سے عیسائیت ترک کروا کے انہیں مسلمان بنا لیا جائے گا بلکہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک دن ساری دُنیا مسلمان ہو جائے گی تو اس سے ہماری مُراد یہ ہے کہ اسلام کی پیاری اور حسین تعلیم اپنے باطنی حُسن کی وجہ سے ایک دن ساری دُنیا کے لوگوں کے دل جیت لے گی۔ اُس وقت رُوئے زمین پر بسنے والے انسانوں کے نظریات میں انقلاب آئے بغیر نہ رہے گا۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آپ نے مزید فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ مغرب میں اسلام کو غلط سمجھا گیا ہے۔ اسی لئے اس بارہ میں یہاں بہت سی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ اسلام ہرگز جبر و تشدّد کا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو پیار و محبت اور امن و آزادی کا علمبردار مذہب ہے۔ آپ نے خبردار فرمایا کہ اگر ہم اُس عالمگیر تباہی سے بچنا چاہتے ہیں جو کرّہ ارض پر منڈلا رہی ہے تو ہمیں انسانوں اور قوموں کے مابین حقیقی مساوات کے قیام کے لئے جد و جُہد کرنی چاہئیے[1]....“

(۳)۔ جنوبی سویڈن کے سب سے اہم اور با اثر اخبار روزنامہ سکو نسکا ڈاگ بلادت SKANS KA DAG BLADET نے اس عنوان کے تحت لکھا:۔

”خلیفۃ المسیح کی مالمو میں تشریف آوری کے موقع پر مسلمان خواتین بھی آئی ہوئی تھیں“

جماعت احمدیہ ایک تبلیغی جماعت ہے۔ (اور ساری دُنیا میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کرنے میں منہمک

---

[1] آربے تت گوٹن برگ ۲؍ اگست ۱۹۷۶ء بحوالہ الفضل ۲۲؍ اگست ۱۹۷۶ء ص۳–۵

ہے) اس جماعت کی تبلیغی مساعی کا اصل محور تبلیغِ اسلام ہے۔ اس سوال کے جواب میں کہ آپ لوگ تبلیغ کس طرح کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہم سڑکوں پر نکل کر تبلیغ نہیں کرتے۔ ہم براہِ راست لوگوں کے دلوں تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خلیفۃ المسیح نے خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق اپنے عقیدہ اور از روئے اسلام انسانی حقوق کی بھی وضاحت فرمائی۔ آپ نے بتایا کہ انسانیت کے چار علیحدہ شعبے ہیں۔ جسمانی، ذہنی، ثقافتی اور رُوحانی۔ ان چاروں شعبوں میں انسانی ترقی کو نقطہ عروج پر پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ انسان ان سے متعلق اپنے حقوق پہچانے۔ کیونکہ کوئی شخص بھی ہمہ جہتی حقوق کا علم حاصل کئے بغیر حقیقی رنگ میں حقوقِ انسانی کے لئے سعی نہیں کر سکتا۔ ان حقوق کا صحیح علم حاصل کرنے کا واحد ذریعہ اسلام ہی ہے کیونکہ اس نے جملہ حقوق انسانی کو واضح طور پر متعین کیا ہے۔ نہ اشتراکیت ہی نے انسانی حقوق کو واضح کیا ہے اور نہ سرمایہ داری نظام نے ہی ان کی تعیین کی ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ کوئی دنیوی نظام بھی ہمہ جہتی حقوق انسانی کی نشاندہی نہیں کر سکتا۔ حقوق انسانی کا صحیح علم خدا تعالیٰ ہی کو ہے جو ہر شئے کا خالق و مالک ہے۔ اور وہی اُن کی تعیین بھی کر سکتا ہے۔ اسی لئے حقوقِ انسانی کی تعیین اور نشاندہی کا واحد ذریعہ اسلام ہی ہے۔

مالمو میں چالیس ممبروں کے علاوہ گوٹن برگ، سٹاک ہالم، لنڈ اور رین شوپنگ میں اس جماعت کے ممبر موجود ہیں۔ اپنے حالیہ دَورہ میں خلیفۃ المسیح نے ان سب سے ملاقات کی۔[1]

احمدی مبلغ کو وزارتِ انصاف کی خصوصی اجازت

ڈنمارک میں بچوں کے نام رکھنے نیز شادی اور نکاح کے سلسلہ میں مروجہ دستور کے مطابق صرف پبلک چرچ۔ لوتھرن چرچ۔ کیتھولک چرچ۔ اہلِ یہود اور میتھوڈسٹ چرچ کو قانونی حق حاصل تھا۔ باقی تمام چرچوں اور مذہبی جماعتوں کو خواہ وہ عیسائی ہوں یا غیر عیسائی۔ یہ حق حاصل نہیں تھا۔ یا تو انہیں انہی چرچوں میں سے کسی ایک چرچ میں اس غرض کے لئے جانا ضروری تھا یا پھر ٹاؤن ہال میں بچوں کے نام اور نکاح وغیرہ کی روایات چرچ سے مختلف

---

[1] روزنامہ سکونسکا ڈاگ بلادت ۱۴ راگست ۱۹۷۵ء صفحہ ۱۵ کالم ۵ تا ۷۔ بحوالہ الفضل ۲۳ راگست ۱۹۷۵ء

نہیں تھیں۔ صرف خدا کے نام کی بجائے ریاست کا نام استعمال کیا جاتا تھا۔ رسم نکاح کا ٹاؤن ہال میں ادا کرنا کسی مذہبی آدمی کے بھی شایانِ شان نہیں۔ نام کے لئے ہر صورت میں پادری سے سند حاصل کرکے چرچ منسٹری سے منظوری نہیں لینی پڑتی تھی جو نہایت غیر مناسب طریق تھا۔ اس صورت حال کے پیش نظر جماعتِ احمدیہ ڈنمارک نے وزارتِ انصاف میں دو دفعہ درخواست کی کہ ہمیں مستقل آزادانہ طور پر اسلامی طریق کے مطابق بچوں کے نام رکھنے اور نکاح وغیرہ کا حق دیا جائے۔ دونوں مرتبہ درخواست نامنظور ہوگئی۔ اس پر احمدیہ مشن نے سب سے پہلے OMBUDSMANDEN (ملکی قانون کے سلسلہ میں اتھارٹی) ادارہ کو اپنی شکایت پہنچائی۔ ازاں بعد مختلف ممالک کے سفراء سے ملاقات کرکے اور خط وکتابت کے ذریعہ یہ درخواست کی گئی کہ اپنی حکومت کے ذریعہ احتجاج کریں۔ جو اکثر اخبارات میں شائع ہوا۔ علاوہ ازیں مکرم کمال یوسف صاحب اور دوسرے احمدیوں نے اخبارات کے ایڈیٹروں سے ملاقات کی جس کے نتیجہ میں اکثر اخبارات نے متواتر احمدیہ مشن کو حق دلانے کیلئے متعدد مضامین اور اداریے سپرد قلم کئے۔ اس سلسلہ میں ۱۲۰ اخبارات کے تراشے احمدیہ مشنوں نے ریکارڈ کئے۔ ایک اور قدم یہ اُٹھایا گیا کہ ان چرچوں اور مذہبی جماعتوں کو جن کو یہ حقوق حاصل نہیں تھے میمورنڈم لکھ کر ان سے دستخط کرنے کی درخواست کی گئی تاکہ اجتماعی رنگ میں حکومت سے درخواست کرسکیں۔ وجہ یہ کہ چرچ منسٹری کے سیکرٹری نے بیان دیا تھا کہ اگر اس قسم کی درخواست پارلیمنٹ میں سب کے دستخطوں سے پیش ہو تو ہم قانونِ مروّجہ کو بدلنے اور ترمیم کی سفارش پر غور کریں گے۔ چنانچہ مارمن، یونی ٹیرین، لبرل کیتھولک APOSTDIC چرچ اور دو جماعتوں PINSE چرچ نے پورا پورا اتفاق کیا۔ مگر مؤخر الذکر دو چرچوں نے اتفاق کے باوجود دستخط نہ کئے اور یہ مجبوری ظاہر کی کہ انہیں دستخط کرنے سے قبل جنرل اسمبلی کے اجلاس کی منظوری لینی ضروری ہے جو فروری ۱۹۶۲ء میں بلایا جارہا ہے۔ مگر باقی چرچوں نے دستخط کرکے احمدیہ مسلم مشن ہی کو کاغذات بھجوا دیئے۔ اس کے بعد احمدیہ مشن کے تمام ممبروں کی جنہوں نے اتفاق کیا تھا مشن ہاؤس میں میٹنگ بلائی جس میں مزید نئے اقدام تجویز کئے اور پارلیمنٹ کو درخواست بھجوانے پر اتفاق کیا۔ درخواست کو اگلے دن پارلیمنٹ اور پریس میں بھجوا دیا گیا۔ پورے پریس نے اس کو شائع کیا اور پارلیمنٹ میں ہماری درخواست ایجنڈا کے لئے پڑھ کر سُنائی گئی۔ مگر مُلک کی مضبوط اور

منظم چرچ مشن سوسائٹی نے کوشش کی کہ وہ تمام چرچ جو ہماری میٹنگ میں شمولیت کے لئے آئے یا جنہوں نے اتفاق کا اظہار کیا ان سے بائیکاٹ کرکے بانی چرچوں سے ان کو علیحدہ کر دیا جائے نیز یہودیوں کے نمائندہ نے پریس میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہم ہر ممکن کوشش کریں گے کہ مسلمانوں کو یہ حق حاصل نہ ہو۔ اور مخصوص طور پر صرف ہمیں ہی ملے۔ علاوہ ازیں تمام مخالفین اسلام نے جن میں تاریخ مذاہب کے پروفیسر، فضلاء اور پادری شامل تھے متفق طور پر کہا کہ یہ غلط بات ہے کہ مسلمان صرف یہ حقوق لیکر خاموش ہو جائیں گے بلکہ وہ اس وقت تک خاموش نہیں ہوں گے جب تک تمام کا تمام ڈنمارک مسلمان نہیں ہو جاتا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مسلمانوں سے تو ہمیں کوئی خطرہ نہیں اصل خطرہ ہمیں صرف مسلمانوں کے فرقے احمدیہ جماعت سے ہے۔ نیز یہ کہ باوجود احمدیوں کی قلیل تعداد کے بہت جلد ڈنمارک کے کلچر پر اسلام کا اثر نمایاں اور واضح ہو گا۔" (پروفیسر GROSS HOLT)[1]

مگر ان تمام مخالفتوں کے باوجود خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا فرمائے کہ بالآخر ۲۷ر اگست ۱۹۸۱ء کو وزارت انصاف کی طرف سے باقاعدہ تحریری اجازت نامہ موصول ہو گیا۔ اس طرح چرچ کی طرح جماعت احمدیہ کے مبلغ کو بھی نام رکھنے اور نکاح پڑھانے کا اختیار مل گیا۔[2]

مسجد نور اوسلو کا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ہاتھوں مبارک افتتاح

دسمبر ۱۹۷۹ء میں خدا تعالیٰ نے ایسا سامان فرمایا کہ ناروے کے شہر اوسلو کے وسط میں چار کنال پر مشتمل ایک وسیع و عریض عمارت جماعت احمدیہ نے خرید لی اور اس طرح جہاں ڈنمارک اور سویڈن میں مساجد تعمیر کرنا پڑیں وہاں ناروے میں مسجد اور مشن ہاؤس کے لئے ایک تیار شدہ تین منزلہ عمارت مل گئی اور اس طرح اوسلو میں مسجد نور اور مشن ہاؤس کا قیام عمل میں آگیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ۲۷ر دسمبر ۱۹۷۹ء کو جلسہ سالانہ کے موقع پر اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ "پچھلے ہفتے ایک بہت بڑی عمارت چار کنال ناروے کے

---

[1] رپورٹ کمال یوسف صاحب مبلغ انچارج ڈنمارک فائل تبشیر جنرل سکنڈے نیویا ۵۲۳۔

[2] فائل سویڈن مشن تحریک جدید ربوہ ۸۱-۱۹۸۰ء ۱۳

شہر اوسلو کے وسط میں بہت عمدہ علاقے میں تین منزلہ عمارت ہے (اور انہوں نے لکھا ہے کہ ہماری جماعت کی ضرورتیں پُوری کرکے دو خاندانوں کے رہنے کی گنجائش یعنی دو کوارٹر بھی نکل آئیں گے) وہ خریدی گئی۔ ۱۵ لاکھ کرونے[1] میں۔ یہ بہت اچھی جگہ ہے عین اُس کے سامنے وہاں کے بادشاہ کا ایک پارک ہے، بادشاہ کے نام پر موسوم۔ اس کے دوسری طرف بادشاہ کا محل بھی ہے لیکن بہرحال سامنے کھُلا پارک ہے۔ اس کے سامنے سڑک ہے۔ سڑک کے اس طرف وہ بڑا اچھا بنا ہوا مکان۔ بڑی موٹی پتھر کی دیواریں۔ بہروے وغیرہ کرواکے انجنیئر سے پھر وہ خرید اگیا۔ یہ نئی جگہ مل گئی"[2] حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ مسجد نُور اوسلو کے افتتاح کے لئے ۳۱ر جولائی کو گوٹن برگ سے بذریعہ کار روانہ ہوئے۔ احباب نے آپ کو دلی دُعاؤں سے رخصت کیا۔ شام ساڑھے سات بجے حضور مسجد نُور پہنچے۔ احباب جماعت نے پُرتپاک نعروں سے حضورؒ کا استقبال کیا۔ حضورؒ نے سب سے پہلے احباب سے مصافحہ فرمایا۔ پھر مسجد میں دو نفل ادا کئے۔ اس کے بعد حضورؒ نے مبلغ ناروے مکرم کمال یوسف صاحب اور مبلغ سویڈن مکرم منیر الدین احمد صاحب کی معیت میں پہلی منزل اور اس کے تہہ خانہ کا تفصیلی معائنہ فرمایا۔ اس موقع پر سویڈن ڈنمارک، مغربی جرمنی، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ اور انگلستان کے متعدد احمدیوں کے علاوہ مکرم کمال یوسف صاحب (مبلغ ناروے)، مکرم منیر الدین احمد صاحب۔ مکرم حامد کریم صاحب (مبلغین سویڈن)، مکرم سیّد مسعود احمد صاحب (مبلغ ڈنمارک)۔ مکرم نواب زادہ منصور احمد خان صاحب (مبلغ جرمنی)۔ مکرم نسیم مہدی صاحب (مبلغ سوئٹزرلینڈ)۔ مکرم منیر الدین شمس صاحب (مبلغ انگلستان)۔ اور مکرم کرم الٰہی صاحب ظفر (مبلغ سپین)، اس موقع پر موجود تھے۔ حضورؒ نے پونے تین بجے ناروے کی سب سے پہلی مسجد میں نماز جمعہ پڑھائی اور اس کا باضابطہ افتتاح فرمایا۔ حضورؒ نے مساجد کا تقدس اور ان کی اہمیت پر انگریزی زبان میں ایک مختصر مگر پُر معارف خطبہ دیا۔ جس میں واضح فرمایا کہ تمام عبادت گاہیں اللہ ہی کی ملکیت ہیں۔ مسجد کے دروازے تمام اُن احباب کے لئے کھُلے ہیں۔ جو خدائے واحد کی پرستش کرنا چاہیں۔ اس تاریخ ساز افتتاحی تقریب کے موقع

---

[1] یہ اس مُلک کا سکّہ ہے۔ [2] روزنامہ الفضل ۲۶ر فروری ۱۹۸۰ء صفحہ ۴۔

پر موجود آسٹریا، بنگلہ دیش، ترکی، چین اور فرانس کے قونصل جنرل اور کئی دوسرے ملکوں کے سفارتی نمائندے اور اخبار نویس شامل تھے جن میں سے اکثر نے احمدیہ مشن ہاؤس کے لائبریری رُوم میں بیٹھ کر حضورؒ کا خطبہ جمعہ بہت توجہ اور نہایت انہماک سے سُنا۔ جمعہ اور عصر کی نمازوں کے بعد حضور مسجد سے ملحق لائبریری روم میں تشریف فرما ہوئے اور سفارتی نمائندوں سے تبادلہ خیال فرمایا۔ نمائندوں نے مسجد کی تقریب افتتاح پر حضورؒ کی خدمت میں مبارکباد پیش کی۔ سوا چار بجے سہ پہر حضورؒ نے مسجد نُور کے احاطہ میں نصب شُدہ بلند و بالا پول پر لوائے احمدیت لہرایا جس کے ساتھ ہی احباب نے نعرے بلند کئے۔ ناروے کی فضاؤں میں لوائے احمدیت لہلہاتا اپنی ذات میں اس حقیقت کا بر ملا اعلان تھا کہ :- ؎

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود ٭ نشانِ فتح نمایاں بنام ما باشد

اس موقع پر اخبارات اور ٹیلیویژن کے فوٹو گرافر اور فلم ساز بھی بڑی تعداد میں موجود تھے انہوں نے حضورؒ کے بہت سے فوٹو لئے اور مختلف نظارے فلمائے۔ ایک فوٹو انہوں نے خود حضورؒ کی خدمت میں درخواست کر کے خاص اہتمام سے اتارا یہ فوٹو مکرم نُور احمد صاحب بوستاد کے ساتھ کھنچوایا گیا۔ مسجد کے افتتاح کی خبر ناروے کے اخباروں میں بہت وسیع پیمانے پر شائع ہوئی۔ نہ صرف اوسلو سے شائع ہونے والے تمام قومی اخباروں نے خبر اور فوٹو نمایاں طور پر شائع کئے بلکہ مُلک کے دوسرے حصّوں سے شائع ہونے والے اخبارات و رسائل نے بھی اس خبر کو پورے اہتمام سے چھاپا اور بعض نے اس پر ادارتی نوٹ لکھے۔ اوسلو کے میئر نے ۲ر اگست کو حضورؒ کے اعزاز میں اپنے آفس میں ایک استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا جس میں حضورؒ کو اہلِ شہر کی طرف سے افتتاح کی مبارکباد پیش کی۔ اس افتتاح کو ایک تاریخی واقعہ قرار دیا اور شہر ناروے کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور اُن کی دینی و دنیوی ترقی قرار دیا اور خوشحالی کے ضمن میں اپنے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ حضورؒ نے اسلامی تعلیم کے محاسن و فضائل کو واضح کر کے بتایا کہ دُنیا کے موجودہ مسائل اسلام کی بے مثال و لازوال تعلیم پر عمل پیرا ہونے سے ہی حل ہوں گے۔ میئر موصوف نے حضورؒ کے ارشادات کو دلچسپی، توجہ اور انہماک سے سُنا۔ ۳ر اگست کو حضورؒ نے احباب سے ملاقات کی اور انہیں دردانگیز پیرایہ میں ۲ گھنٹے تک خطاب فرما کر ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ ۴ر اگست کو

حضورؒ نے مبلغین کی کانفرنس طلب فرمائی۔ جس میں یورپ میں اسلام کی تبلیغی سرگرمیوں کا جائزہ لیا۔ غلبۂ اسلام کی مہم کو تیز سے تیز تر کرنے کے سلسلہ میں انہیں ہدایات دیں۔ نیز تبلیغِ اسلام کی راہ میں حائل بعض مشکلات پر قابو پانے کے طریقوں پر بھی روشنی ڈالی۔ کانفرنس میں غلبۂ اسلام کی نئی صدی کے استقبال کی تیاریوں کا بھی جائزہ لیا گیا۔ یہ کانفرنس حضورؒ کی صدارت میں صبح ساڑھے گیارہ بجے سے ساڑھے بارہ بجے تک جاری رہی۔ اس طرح جملہ تقریبات کے کامیاب افتتاح کے بعد حضورؒ اسی روز اوسلو سے بذریعہ ہوائی جہاز ایمسٹرڈم روانہ ہوگئے۔ سکنڈے نیویا میں حضورؒ کی زندگی کا یہ آخری یادگار سفر تھا جس سے اسلام کا پیغام ایک نئی شان و شوکت کے ساتھ مُلک کے کونے کونے تک پہنچ گیا۔[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کا پہلا سفر سکنڈے نیویا

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جولائی اگست ۱۹۸۲ء میں سکنڈے نیویا کا پہلا سفر اختیار فرمایا۔ حضور ۲۸ر جولائی ۱۹۸۲ء کو ربوہ سے روانہ ہوئے اور ۳۱ر جولائی ۱۹۸۲ء کو قریباً ایک بجے دوپہر اوسلو کے فضائی مستقر پر ورود فرما ہوئے۔ حضور کے استقبال کے لئے محترم کمال یوسف صاحب (مبلغ انچارج ناروے)، محترم حامد کریم صاحب (مبلغ انچارج سویڈن) اور محترم نور احمد بولستاد صاحب (نیشنل پریذیڈنٹ ناروے) اور سکنڈے نیویا کے دوسرے مخلصین نے حضور کا اور احمدی خواتین نے حضرت بیگم صاحبہ کا پُرتپاک استقبال کیا۔ حضور اوسلو کے احمدیہ مشن ہاؤس میں قیام فرما ہوئے۔ یکم اگست کو حضور نے عصر کی نماز کے بعد تجدید بیعت کے طور پر دستی بیعت لی۔ بیعت سے قبل حضور نے بیعت کی حقیقت، اس کی اہمیت اور رُوحِ بیعت پر بہت بصیرت افروز انداز میں روشنی ڈالی۔ حضور نے فرمایا ایک مومن کی زندگی میں سب سے اہم موقع وہ ہوتا ہے جب وہ خلیفۂ وقت کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے کیونکہ اس موقع پر وہ جو عہد کرتا ہے وہ کسی انسان سے نہیں بلکہ اپنے خدا سے عہد کرتا ہے۔ خدا سے کئے ہوئے عہد کے نتیجہ میں انسان پر بہت اہم ذمہ داریاں عائد

---

[1] تلخیص کتاب "دورۂ مغرب ۱۴۰۰ھ" ص۱۵۸ تا ص۲۴۲۔

ہوتی ہیں۔ خدا ہی توفیق دے تو یہ ذمہ داریاں ادا ہو سکتی ہیں۔ اس لئے ہر بیعت کنندہ پر ایک یہ ذمہ داری بھی ہوتی ہے کہ وہ جہاں بیعت کے عہد کو نبھانے میں کوشاں رہے۔ وہاں بیعت کے نتیجہ میں عائد ہونے والی ذمّہ داریوں کی ادائیگی کی خدا تعالیٰ سے توفیق مانگتا رہے۔ بیعت کی حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا۔ جہاں تک بیعت کی حقیقت کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ۔ (توبہ: ۱۱۱)

ترجمہ:۔ اللہ نے مومنوں سے ان کے جانوں اور ان کے مالوں کو (اس وعدہ کے ساتھ) خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔

بیعت میں دراصل ایک مومن اللہ کے ساتھ سودا کرتا ہے۔ وہ اپنی جان اور اپنا مال اللہ کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس سودے کی قیمت اگر بیچنے والا اپنے عہد پر پُوری طرح قائم رہے اور اس کا عملی ثبوت دیتا رہے جنّت کی شکل میں ادا کرتا ہے یعنی وہ اُس کے لئے جنّت مقدّر کر دیتا ہے..... اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے وجود باجود میں ایک مرکز قائم فرمایا۔ اصل خلیفۃ اللہ آپ ہی ہیں۔ یہ مرکز ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ لیکن اس کے مظہر بدلتے رہتے ہیں اور بدلتے رہیں گے۔ جب بھی مظہر بدلے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی تجدید ضروری ہوگی تاکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اُس مرکز کے ساتھ وابستگی قائم رہے۔ آیت استخلاف کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد یہ مرکز خلافتِ راشدہ کی شکل میں قائم رہا اور خدا تعالیٰ مومنوں کے ہر خوف کو امن میں تبدیل کرتا رہا۔ جب تک مومن شکر گزار بنے رہے خلافت بھی قائم رہی۔ جب مسلمان ناشکری کے مرتکب ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیشگوئی کے بموجب یہ نعمت اُن سے چھن گئی۔ پھر آپ ہی کی پیشگوئی کے موجب اس کا دوبارہ اجراء سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے ذریعہ ہوا ہے اور آپ کے بعد یکے بعد دیگرے مظہر ظاہر ہوئے۔ اور ہو رہے ہیں۔ جب بھی مظہر بدلے گا بیعت کی تجدید ضروری ہوگی۔ اس کے بغیر وحدت قائم نہیں رہ سکتی اور گناہوں سے توبہ کا تسلسل برقرار نہیں رہ سکتا۔ رُوحِ بیعت یہ ہے کہ بیعت کرنے والا نفس سے خالی ہو کر کامل اطاعت کی رُوح اپنے

اندر پیدا کرے اور اگر اس راہ میں اسے اپنی جان، اپنی عزیز سے عزیز شئے اور مال کو چھوڑنا پڑے تو دل میں میل نہ آنے دے۔ خلیفہ جب کوئی فیصلہ کرے وہ صحیح ہو یا غلط بیعت کنندہ کا یہ فرض ہے کہ وہ دل میں میل لائے بغیر انشراح قلب کے ساتھ اسے قبول کرے۔ اس پر عمل پیرا ہو اور اطاعت کا نہایت اعلیٰ نمونہ دکھائے۔ اس کے لئے اخلاص کا ہونا ضروری ہے۔ اخلاص کے باوجود انسان سے کمزوری ظاہر ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر انسان کی نیت صاف، سیدھی اور کھری ہو تو خدا تعالیٰ اس کے بداثر سے اسے محفوظ رکھتا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ جب مَیں بیعت لیتا ہوں تو ساتھ ساتھ مَیں خود بھی بیعت کر رہا ہوتا ہوں اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے حضور جواب دہ سمجھ رہا ہوتا ہوں۔

اِن بصیرت افروز ارشادات کے بعد حضور نے اجتماعی بیعت لی۔ اس تاریخی موقع پر الفاظ بیعت دہراتے ہوئے عجیب ربودگی طاری تھی۔ دُعا بھی ایک خاص شان کی حامل تھی۔ خشوع و خضوع اور درد و الحاح کا یہ عالم تھا کہ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ رُوحیں آستانۂ الٰہی پر پانی کی طرح بہہ نکلی ہیں [1]

پریس کانفرنس

۵ راگست کو حضور نے گیارہ بجے قبل دوپہر احمدیہ مشن ہاؤس اوسلو کی لائبریری میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا اور جماعت احمدیہ کے اغراض و مقاصد۔ عالمی سطح پر اس کی مذہبی اور فلاحی سرگرمیوں۔ نیز اسلام اور نوعِ انسانی کے مستقبل سے متعلق اخبار نویسوں کے سوالات کے نہایت تسلّی بخش جواب دیئے۔ پریس کانفرنس میں گفتگو زیادہ تر انگریزی زبان میں ہوئی اور نارویجین زبان میں ترجمانی کے فرائض مکرم کمال یوسف صاحب اور نُور احمد صاحب بولستاد نے انجام دیئے۔ اخبار نویسوں نے ایک سوال یہ کیا کہ یورپ میں اب تک کتنے لوگ احمدی ہوئے ہیں۔ حضور نے فرمایا یہ صحیح ہے کہ دوسرے مُلکوں کے مقابلہ میں یورپ میں بہت کم لوگ احمدی ہوتے ہیں اور ابھی اُن کی تعداد چنداں قابل لحاظ نہیں ہے لیکن ہم اپنی طاقت کا مدار تعداد پر نہیں رکھتے۔ بلکہ ایمان اور اخلاص پر رکھتے ہیں۔ ایسے صاحبِ ایمان مخلص و وفا شعار

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۳ ستمبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۳، ۴۔

اور سراپا ایثار خواہ چند ہی ہوں وہ طاقت کا نہایت مؤثر ذریعہ ہوتے ہیں اور بالآخر غالب آ کر رہتے ہیں۔ ایک سوال یہ ہؤا کہ یورپ کے ملکوں نے تو ویلفیئر سٹیٹ کی شکل میں اپنے عوام کی معاشی ضروریات پُوری کرنے میں بہت کچھ کیا ہے۔ اسلامی معاشی نظام کی رُو سے اس بارہ میں آپ کے کیا نظریات ہیں۔ اور اس میدان میں آپ کی جماعت کیا کر رہی ہے؟ حضور نے فرمایا ہر قوم کا معاشرتی ڈھانچہ (SOCIAL SETUP) اس کے معاشرتی فلسفہ (SOCIAL PHILOSOPHY) پر مبنی ہوتا ہے۔ اسلام کا اپنا ایک معاشرتی فلسفہ ہے جس میں جسم اور رُوح دونوں کی ضروریات کو یکساں اہمیت دی گئی ہے اس کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے کافی وقت درکار ہوگا۔ سردست میں ان تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ویلفیئر سٹیٹ کا نظریہ جسمانی ضروریات تک محدود ہوتے ہوئے ہمہ گیر نہیں ہے۔ ہر چند کہ جماعتِ احمدیہ تمام دُنیا میں پھیلی ہوئی ہے تاہم اوّل تو یہ خالصتاً ایک مذہبی جماعت ہے دوسرے کہیں بھی اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اسلام کی سوشل فلاسفی کو پُوری جامعیت کے ساتھ نافذ کر سکے۔ اس لئے اس میدان میں اس کی کوششیں خدمتِ انسانیت تک محدود ہیں۔ ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہم اپنے محدود وسائل کے مطابق لوگوں کی معاشی مشکلات اس رنگ میں دُور کریں کہ اُن کی عزّتِ نفس مجروح نہ ہو اور انسانی شرف پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ کیونکہ اسلام نے عزّتِ نفس اور انسانی شرف پر بہت زور دیا ہے۔ ہم حتّی المقدور خدمت کرتے وقت انسان، انسان میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ نامہ نگار نے سوال کیا کہ آپ کی نگاہ میں انسانیت کا مستقبل روشن ہے یا تاریک؟ حضور نے فرمایا انسانیت کا مستقبل میرے نزدیک ایک حد تک تاریک اور بڑی حد تک تابناک ہے۔ تاریک ان معنوں میں ہے کہ انسانیت اپنے پیدا کرنے والے سے دُور ہو کر تباہی کے قریب جا پہنچی ہے۔ تباہی تو آئے گی اور وہ ہوگی بھی بہت ہولناک لیکن انتہائی ہولناک تباہی کے باوجود انسانیت بچے گی ضرور مکمّل تباہی کا شکار نہیں ہوگی۔ پریس کانفرنس مسلسل ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی اور ساڑھے بارہ بجے کے بعد اختتام پذیر ہوئی۔

استقبالیہ تقریب

۵ راگست کو ساڑھے تین بجے بعد دوپہر مسجد نُور سے ملحق احمدیہ مشن ہاؤس میں حضور کے اعزاز میں ایک استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں

زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ناروپجین معززین کے علاوہ اوسلو کے میئر محترم البرٹ نُورڈینگن (ALBERT NOR DENGEN) بھی شامل ہوئے۔ حضور نے موصوف کو قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کا ایک نسخہ اور بعض دیگر تحائف دیئے۔ معززین کے ساتھ بہت خوشگوار ماحول میں تبادلۂ خیالات کا دلچسپ سلسلہ ایک گھنٹہ سے زائد عرصہ تک جاری رہا۔ الوداعی مصافحہ کے وقت اوسلو یونیورسٹی کے دو نوجوان طلباء کی درخواست پر حضور نے ایک گھنٹہ تک حضرت مسیح علیہ السّلام کے واقعہ صلیب اور ان کی ہجرت کے بارہ میں جماعت احمدیہ کا نقطہ نظر پیش فرمایا۔

ربّانی تائید کا ایک خاص نشان

حضور کی گفتگو کے معًا بعد یونیورسٹی کے دو طالب علم مشن ہاؤس کے صحن میں ہی اپنے پادری سے اُلجھ گئے اور اسلام کی تائید میں اس کے ساتھ زور شور سے بحث کرنے لگے۔ دونوں طالب علم اتنے پُرجوش تھے کہ پادری صاحب گھبرا گئے۔ اور اس خیال سے کہ یہاں اور لوگوں کو پتہ نہ لگ جائے۔ ان طالب علموں کو لے کر فوراً مشن ہاؤس سے باہر نکلنا چاہا۔ لیکن وہ طالب علم چند قدم چل کر پھر پادری صاحب کو روک لیتے اور پھر ان سے بحث کرنے لگ جاتے۔ اس طرح سے بار بار بحث کر کے طالب علموں نے پادری صاحب کا ناطقہ بند کر دیا اور ان کو اپنی جان چھڑانی مشکل ہوگئی۔ سب دوست دلچسپی سے یہ منظر دیکھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت کا یہ ایک خاص علمی نشان تھا جو حضور کے دَورے کے آغاز میں ناروے کی سرزمین میں ظاہر ہوا۔[1]

خطبہ جمعہ

۶ ؍ اگست ۱۹۸۲ء کو حضور نے مسجد نُور میں نمازِ جمعہ پڑھائی۔ اس روز اوسلو ہی نہیں بلکہ ناروے کے دوسرے شہروں سے احباب مع مستورات بہت کثیر تعداد میں آئے ہوئے تھے۔ حضور نے درج ذیل آیاتِ قرآنی تلاوت فرمائیں:۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ
الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۞ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ

---

[1] تلخیص روزنامہ الفضل ۱۵ ؍ ستمبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۳ - ۶ ۔

رَبِّكُمْ ج فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ط وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ۔ (الانعام آیت ۱۰۳ تا ۱۰۵)

(ترجمہ) - یہ ہے تمہارا اللہ جو تمہارا رب (بھی) ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ہر ایک چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ پس اُس کی عبادت کرو اور وہ ہر ایک (چیز) پر نگران ہے۔ نظریں اس تک نہیں پہنچ سکتیں۔ لیکن وہ نظروں تک پہنچتا ہے اور وہ مہربانی کرنے والا اور حقیقت پر آگاہ ہے۔ تمہارے رب کی طرف سے بظاہر (دلائل) آچکے ہیں۔ پس جس نے انہیں جان لیا۔ (اس کا یہ فعل) اس کے اپنے (فائدہ کے) لئے ہوگا۔ اور جس نے کجروی اختیار کی (اس کا یہ فعل) اسی پر پڑے گا اور مَیں تمہارا محافظ نہیں ہوں۔

اس کے بعد حضور نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حیرت انگیز تصریفِ آیات ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے جیسا کہ اُس نے اگلی ہی آیت میں فرمایا وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ۔ یعنی ہم اسی طرح آیات کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ اسلوبِ بیان کے اچانک بدلنے کو تصریف کہتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلوبِ بیان بدلا ہے اور یہ بے حکمت نہیں ہے۔ یہاں طبعًا یہ الجھن پیدا ہوتی تھی کہ اتنے حسین قدرتی نظارے دیکھ کر بھی لوگ خدا تعالیٰ سے کیوں غافل ہوتے ہیں اور اُس کے منکر ہو بیٹھتے ہیں۔ برخلاف اس کے صحراؤں اور ویرانوں میں رہنے والوں کو وہ کیسے نظر آجاتا ہے۔ یہاں کے لوگوں کو دیکھ کر یہ الجھن میرے دل میں بھی پیدا ہوئی۔ اور مَیں پریشان ہُوا کہ اللہ تعالےٰ نے اس سرزمین (یعنی ناروے کی سرزمین) کو قدرتی حُسن سے مالا مال کرنے میں بڑی فیاضی سے کام لیا ہے۔ اس کے باوجود یہاں کے لوگ جنہیں سب سے زیادہ اس کا شکر گزار ہونا چاہئیے تھا خود اس کی ہستی ہی کے منکر ہوئے بیٹھے ہیں۔ اور اس سے غافل ہیں۔ تصریفِ آیات کے طور پر یکدم اسلوبِ بیان بدل کر اللہ تعالیٰ نے یہ الجھن دُور کر دی۔ جب میری نظر اس سے اگلی آیت کی طرف گئی۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔ تو تمام الجھنیں دُور ہو گئیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے تصریفِ آیات

کے ذریعہ یہ امر ذہن نشین کرایا ہے کہ بصائر حق کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر پختہ ایمان پیدا ہوتا ہے۔ انسانوں کو نبیوں کی وساطت سے عطا کئے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہو کر یہ اعلان فرمایا کہ مَیں بصیرتوں کا منبع اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہرِ اتم بن کر تمہارے پاس آگیا ہوں۔ مَیں تمہارا خدا تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلّق قائم کروں گا۔ اور تمہارے لئے خدا کی ہستی کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ دراصل یہ بتا رہا ہے کہ حُسنِ قدرت کے ذریعہ شرک پیدا نہیں ہوتا۔ نبی آتا ہے اور خدا تعالیٰ سے انسانوں کا رشتہ جوڑتا ہے۔ جب وہ چلا جاتا ہے تو رفتہ رفتہ شرک پھر سر اٹھاتا ہے اور مناظر قدرت شرک کی جگہ لے لیتے ہیں۔ جب ان آیات کی طرف توجہ مبذول ہوئی تو سب اُلجھنیں دُور ہوگئیں۔

پہلی مجلسِ شوریٰ

نمازِ جمعہ کے معًا بعد جماعت احمدیہ ناروے کی سب سے پہلی مجلسِ شوریٰ منعقد ہوئی۔ جس میں جماعت احمدیہ ناروے اور اس کی ذیلی تنظیموں کی مجلسِ عاملہ کے اراکین اور دیگر صائب الرائے افراد نے شرکت کی۔ حضور کی منظوری سے محترم صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب نائب ناظر اصلاح و ارشاد اور محترم چوہدری حمید اللہ صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ نے صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی، محترم چوہدری محمد انور حسین صاحب امیر جماعت ضلع شیخوپورہ اور محترم محمود احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کی اور محترم صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے خدام الاحمدیہ کی نمائندگی کی۔ انجمن احمدیہ وقف جدید کی نمائندگی خود حضور نے فرمائی۔ محترم صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب نے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے سیکرٹری مجلس شوریٰ کے فرائض سرانجام دیئے۔ مقامی جماعت کے ایک صاحب نے لجنہ اماء اللہ ناروے کے نمائندہ کی حیثیت سے مجلس شوریٰ میں شرکت کی۔

کارروائی کا آغاز تلاوتِ قرآن سے ہوا جو بشارت احمد صاحب صابر نے کی۔ بعدازاں حضور نے دُعا کرائی۔ پھر حضور انور نے اراکینِ شوریٰ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ جماعت احمدیہ ناروے کے لئے آج کا دن (۶ راگست ۱۹۸۲ء بروز جمعۃ المبارک) ایک تاریخی دن ہے کیونکہ آج بفضل اللہ تعالیٰ اس کی پہلی مجلس شوریٰ منعقد ہو رہی ہے۔ جب قومیں پھیلتی ہیں اور قومی و جماعتی کاموں میں وسعت پیدا ہوتی ہے تو شوریٰ کے نظام کو بھی وسیع کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اب چونکہ جماعت

اللہ تعالیٰ کے فضل سے قریباً دُنیا کے ہر مُلک میں پھیل چکی ہے اور اس میں روز بروز وسعت پیدا ہو رہی ہے۔ اس لئے مَیں نے فیصلہ کیا ہے کہ مرکزی مجلس شوریٰ کی طرز پر مُلک میں بھی سال میں ایک بار شوریٰ کا اجلاس ہُوا کرے اور وہ اہم مقامی امور پر غور کر کے خلیفۂ وقت کو مشورہ دیا کرے۔ نیز ارشاد فرمایا۔ اَب چونکہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے ساری دُنیا میں پھیل چکی ہے اور ایسے جماعتی مسائل پیدا ہو چکے ہیں جو عالمی نوعیت کے ہیں۔ اس لئے ضروری ہو گیا ہے کہ مختلف ملکوں کی جماعتوں کو شوریٰ کی تربیت دی جائے۔ اگر انہیں شوریٰ کی تربیت نہ دی گئی تو خطرہ ہے کہ کہیں بعض ملکوں کی سوچ غلط راہ پر نہ چلی جائے اور وہ ڈیمو کریسی (جمہوریت) کو ہی شورائی نظام نہ سمجھ لیں۔ اس لئے مَیں آج تمام ملکوں میں شوریٰ کا نظام رائج کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ شوریٰ کے ضمن میں حضور نے فرمایا ایک بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اس میں خلیفۂ وقت خود تو لمبی بات کرتا ہے۔ لیکن دوسروں کو لمبی بات نہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے خلیفۂ وقت کو بصیرت عطا کی ہوتی ہے اور چونکہ اراکین نے مشورہ اسے دینا ہوتا ہے اس لئے وہ خدا داد بصیرت کی وجہ سے مختصر اشارہ بھی سمجھ جاتا ہے۔ مشورہ کی پوری ماہیت اس پر از خود واضح ہو جاتی ہے۔ خلیفۂ وقت خود اس لئے بھی لمبی بات کرتا ہے کہ اسے سب کو سمجھانا ہوتا ہے اور معاملہ کی اہمیت کے مختلف پہلوؤں کو سب کے ذہن نشین کرانا ہوتا ہے احباب کو مشورہ پیش کرتے وقت اس امر کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ شوریٰ کے اراکین کی بحث کے اختتام پر فرمایا۔ یوں تو تربیت کے مختلف ذرائع پر احباب نے روشنی ڈالی ہے اور اس بارہ میں مشورے پیش کئے ہیں لیکن دُعا کا کسی نے ذکر نہیں کیا حالانکہ دُعا کے بغیر تربیت نہیں ہو سکتی۔ شوریٰ کے اجلاس کے معًا بعد حضور نے ناروے کی مجالس خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کے اجلاسات کی صدارت فرما کر ان کی کارگزاری کا جائزہ لیا۔

مجلس ارشاد

۷ راگست حضور کے قیام اوسلو کا آخری دن تھا۔ اس روز پونے آٹھ بجے سہ پہر حضور مجلسِ ارشاد میں رونق افروز ہوئے اور احباب جماعت کو نہایت بصیرت افروز ارشادات سے نوازا۔ اور ایک گھنٹہ تک احباب کے سوالات کے جوابات دیئے۔ اس دوران حضور نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ ولادت میں پوشیدہ حکمت اور

نظامِ زکوٰۃ کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

روانگی ۸ر اگست ۱۹۸۲ء کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ اوسلو سے گوٹن برگ تشریف لے گئے۔

سکنڈے نیویا پریس میں چرچا خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کے اوسلو میں آٹھ روزہ قیام کا سکنڈے نیویا پریس میں غیر معمولی چرچا ہُوا۔

(۱)۔ مُلک کے ہفتہ وار وسیع الاشاعت اخبار روزنامہ گوٹن برگ پوسٹن GOTEN BORG POSTEN نے ۱۰ر اگست ۱۹۸۲ء کے شمارہ میں لکھا "سوموار کا دن گوٹن برگ میں احمدی مسلمانوں کے لئے ایک بہت اہم دن تھا کیونکہ اُس روز اُن کے رُوحانی پیشوا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب نے احبابِ جماعت سے ملاقات کی۔ آپ سفید پگڑی اور شیروانی میں ملبوس تھے۔ آپ نے اپنے پَیرووں سے گلابی رنگ کی خوبصورت مسجد میں جو HOGS BOHOJO میں واقع ہے ملاقات کی۔ خلیفہ بننے کے بعد یہ آپ کا پہلا غیر ملکی دَورہ ہے۔ "خلیفہ" کا مطلب ہے بانیٔ جماعتِ احمدیہ کے جانشین۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ اٹھارھویں[1] صدی کے آواخر میں ہندوستان میں مبعوث ہوئے۔

خلیفۃ المسیح جو پاکستان سے تشریف لائے ہیں آجکل پُورے یورپ کا دَورہ فرما رہے ہیں۔ تاکہ قرآنِ کریم کی تعلیم کو دُنیا بھر میں پھیلانے کی مہم کو تیز کر سکیں۔ پروگرام کے آخری مرحلہ میں آپ نے سپین میں نو تعمیر شدہ مسجد کا افتتاح فرمانا ہے۔ یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو (سپین کے شہر کے قریب) سات سو سال سے زائد عرصہ کے بعد تعمیر کی گئی ہے۔

احمدی مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح موعودؑ دُنیا میں آچکے ہیں اور وہی جماعتِ احمدیہ کے بانی تھے۔ احمدی مسلمانوں اور دوسرے مسلمانوں میں بُنیادی فرق یہ ہے کہ دوسرے مسلمان ابھی تک مسیح موعود کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب نے بتایا کہ مسیح موعودؑ

---

[1] انیسویں صدی چاہیئے (ناقل)

عین وقت پر دُنیا میں تشریف لائے اور انہوں نے خطرناک عالمی جنگوں سے خبردار کیا۔(ان میں سے دو نہایت خطرناک عالمی جنگیں لڑی جا چکی ہیں)۔

(حضرت) خلیفۃ المسیح نے یہ بھی بیان کیا کہ گوٹن برگ میں جماعت احمدیہ زیادہ بڑی تعداد میں نہیں ہے۔ مگر پھر بھی ایک سو پچاس افراد پر مشتمل ہے جن میں پاکستانی۔ سویڈش اور یوگوسلاوین افراد شامل ہیں۔ پوری دُنیا میں اس جماعت کے افراد کی صحیح اور معین تعداد بتانا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ہر روز نئے افراد اس جماعت میں شامل ہو رہے ہیں۔[1] (ترجمہ)

(۲)۔ اخبار ایکچوالٹ ACTUELT (۱۲ راگست ۱۹۸۲ء) کے اشاعت نے لکھا:۔

خلیفۃ المسیح بلاشبہ پُر اثر شخصیت کے مالک ہیں۔ یہی نہیں بلکہ آپ اسلامی فرقہ جماعت احمدیہ کے عالمی سربراہ بھی ہیں جس کے ممبران کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ ہے۔

حضرت مرزا طاہر احمد حال ہی میں مسیح موعود کے بعد چوتھے خلیفہ کی حیثیت سے منصب خلافت پر فائز ہوئے ہیں۔ آپ آجکل یورپ کے دَورہ پر ہیں اور کل آپ نے کوپن ہیگن کو اپنی تشریف آوری سے عزّت بخشی ہے۔

آپ نے کل وی ڈورے (HVIDOVRE) کی مسجد میں اسلامی فرقہ کے عقائد اور اس کے مشن پر روشنی ڈالی۔ ڈنمارک میں اس جماعت کے ممبران کی تعداد ۲۰۰ ہے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر پاکستانی ہیں۔ تاہم ڈینش باشندے بھی اس میں روز بروز شمولیت اختیار کر رہے ہیں...... جماعت احمدیہ کے نزدیک قرآنِ مجید کی رُو سے عورت کو وہی حقوق حاصل ہیں جو مَرد کو حاصل ہیں۔ اس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ عورت کو شادی کی کسی تجویز کو قبول کرنے یا ردّ کرنے کا پُورا پُورا اختیار حاصل ہے۔ اسی طرح مہر یا وراثت کی شکل میں جو رقم یا جائیداد عورت کو ملے اسے اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرنے یا اپنے مصرف میں لانے کی بھی وہ پُورے طور پر مجاز ہے (یعنی وہ کُلّی طور پر آزاد ہے کہ وہ جس طرح چاہے اسے خرچ کرے)۔ اس کے باوجود مَرد کو عورت پر ایک گُونہ نسبتی فضیلت حاصل ہے۔

---

[1] بحوالہ روزنامہ الفضل ۱۱ر اکتوبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۶

"ودوور" کی خوبصورت مسجد کے تمام اخراجات احمدی مستورات نے برداشت کئے تھے۔ انہوں نے اس کی تعمیر کے لئے خود رقوم بطور چندہ ادا کیں[1]۔

(۴)۔ اخبار "بی۔ ٹی" نے اپنے ۱۳؍ اگست ۱۹۸۲ء کے شمارہ میں لکھا:۔

"اس ہفتہ اپنے سربراہ اعلیٰ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے "جماعت احمدیہ" نامی اسلامی فرقے کے پچیس تیس ہزار[2] افراد ودوور میں واقع اپنی مسجد کی طرف کھنچے چلے آئے۔ یہ سربراہِ اعلیٰ مسیح موعود کے چوتھے خلیفہ ہیں۔ آپ گذشتہ منگل سے مسجد کے پہلو میں پیلی اینٹوں سے تعمیر شدہ مکان میں مسجد کے امام صاحب کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ امام مسجد نصرت جہاں کوپن ہیگن میں مقیم احمدی مسلمانوں کے امیر ہیں۔

خلیفۃ المسیح سے روز روز ملاقات کا موقع نہیں ملا کرتا۔ خاص طور پر ایک ایسے شخص کو جو جماعت کا رُکن نہ ہو یا بے دلی سے جماعت میں آ شامل ہُوا ہو۔ لیکن گذشتہ شام ہمیں پندرہ منٹ کی ملاقات کا موقع ملا۔ اعلیٰ صلاحیتوں کی مالک اس پُرکشش شخصیت کے ساتھ جسے قدرت نے مزاح کی حِس سے بھی حصّہ وافر عطا کیا ہے۔ ہماری ملاقات طول پکڑتی گئی اور پندرہ منٹ کی بجائے ۴۵ منٹ تک جاری رہی۔

فی الاصل تو یہ ملاقات مشن کے تہ خانہ میں ملاقات کے لئے مخصوص کمرے میں ہونا تھی اور بہت سے مقامی مسلمانوں نے خلیفۃ المسیح کے ارشادات کو ریکارڈ کرنے کے لئے متعدد ٹیپ ریکارڈرز بھی وہاں لا جمع کئے تھے۔ لیکن خلیفۃ المسیح نے اپنے قافلہ کے ۱۳ ممبران میں سے چند ممبران کی ہمراہی میں ایک لان (گھاس کے ایک قطعہ میں) ملاقات کرنا پسند فرمایا۔ حضرت مرزا طاہر احمد کی عمر ۵۳ سال ہے۔ دو ماہ قبل بطور خلیفۃ المسیح آپ کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ اس منصب پر آپ اپنی وفات تک فائز رہیں گے۔ آپ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے پوتے ہیں۔ ایک کروڑ مسلمانوں کے سربراہ اعلیٰ کی حیثیت میں خلیفہ منتخب ہونے کے بعد یہ آپ کا پہلا غیر ملکی دورہ ہے۔

---

[1] روزنامہ الفضل ۳؍ دسمبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۲۶ ۔ [2] اصل تعداد چند ہزار ہوگی (ناقل)

آپ اوسلو اور گوٹن برگ میں مساجد کا دَورہ کرنے کے بعد یہاں تشریف لائے ہیں۔ آج آپ یورپ کے جنوبی علاقوں کی مسجدوں کے دَورہ پر روانہ ہوجائیں گے۔ آپ کا یہ دَورہ ستمبر میں اٹلی اور سپین میں دو مسجدوں کا سنگِ بنیاد رکھنے کے بعد اپنے اختتام کو پہنچے گا۔ (یاد رہے اٹلی میں مسجد کی تعمیر کے انتظامات ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچے ہیں۔ سپین میں حضور نے مسجد کا افتتاح فرمایا تھا جو بفضل اللہ تعالیٰ ۱۰ ستمبر کو عمل میں آیا فالحمد للہ۔ ناقل)۔ خلیفۃ المسیح کے ہمراہ آپ کی بیگم اور ۲ دو چھوٹی صاحبزادیاں بھی کوپن ہیگن آئی ہیں۔ آپ ۱۹۷۶ء میں بھی اپنی دو بڑی صاحبزادیوں کے ہمراہ یہاں تشریف لائے تھے۔ ان دونوں صاحبزادیوں کی اَب شادی ہوچکی ہے۔ آپ اپنے خاندان کے ہمراہ ربوہ میں رہتے ہیں جو پاکستان کا ایک شہر ہے۔ یہ شہر جماعت احمدیہ کا مرکز ہے جو ۱۹۴۷ء میں بھارت اور پاکستان کی تقسیم کے بعد ایک بنجر علاقہ میں تعمیر کیا گیا ہے۔

گفتگو کے دوران خلیفۃ المسیح نے فرمایا خلافت کا بوجھ بہت بھاری بوجھ ہے اور بہت عظیم ہے یہ ذمّہ داری۔ ہمارا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے لوگوں کی اس طرح تربیت کریں کہ وہ اسلام کے دائرہ میں رہیں بلکہ ہماری کوشش یہ ہے کہ دُنیا کا ہر شخص اس میں داخل ہوتا کہ وہ آنے والی تباہی سے بچ سکے۔ اسلام تمام بنی نوع انسان کی آخری پناہ گاہ ہے۔ انہیں اس دینِ واحد پر جمع ہو جانا چاہیئے۔ خلیفۃ المسیح نے بڑے فخر سے بتایا کہ اُن کی جماعت کا کوئی رُکن بھی ناخواندہ نہیں ہے اور جماعت میں تعلیم کا معیار بہت بلند ہے اور یہ کہ تعلیم حاصل کرنے میں عورتیں بھی مَردوں سے پیچھے نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا میری اہلیہ کالج میں زیرِ تعلیم رہی ہیں لیکن اس دوران ہماری شادی ہوگئی۔ اور وہ گھر اور بچّوں کی دیکھ بھال میں ہمہ وقت مصروف رہنے لگیں۔ جب سے مَیں خلیفہ بنا ہوں ان کی ذمّہ داریوں میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ اور ان پر بھی کام کا بوجھ بہت بڑھ گیا ہے۔

خلیفۃ المسیح نے بتایا کہ پاکستان میں واقع جماعت کے مرکز میں کام کرنے والے سٹاف کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہے۔ وہ تین بجے صبح بیدار ہوتے ہیں۔ ساڑھے چار بجے وہ پہلی نماز (نمازِ فجر) ادا کرتے ہیں۔ گھنٹہ دو گھنٹہ کی نیند کے بعد وہ سات بجے پھر بیدار ہوتے ہیں۔

روزانہ انہیں سات سو خطوط موصول ہوتے ہیں وہ سب خطوط کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کا جواب ارسال کیا جاتا ہے۔ اوقاتِ کار کا سلسلہ نصف شب تک جاری رہتا ہے اور وہ ہفتہ کے ساتوں دن کام میں رہتے ہیں۔[1]

(۵) مسیحی اخبار کرائسٹ لائٹ ڈیگ (۱۴؍اگست ۱۹۸۲ء) نے لکھا:۔

مسیح (علیہ السلام) صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے۔ کوئی سچا نبی کبھی صلیب پر فوت نہیں ہو سکتا۔ مسیح علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے صلیب پر جان دینے سے محفوظ رکھا۔ زخموں کے مندمل ہونے پر جب آپ صحتیاب ہو گئے تو آپ نے بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل کی تلاش میں افغانستان اور کشمیر کی طرف ہجرت کی۔ بائبل کی رُو سے آپ نے پیشگوئی کی تھی کہ آپ بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل کی طرف ہجرت کریں گے۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو (نعوذ باللہ) جھوٹے ثابت ہوتے۔ یہ ہے وہ عقیدہ جس کا اظہار گذشتہ جمعرات کے روز کوپن ہیگن کے علاقہ "ودوور" میں واقع مسجد نصرت جہاں میں اسلامی فرقہ احمدیہ کے نئے خلیفہ نے اپنے متبعین کے ایک اجتماع کے رُوبرو کمال سنجیدگی اور اعتماد کے ساتھ کیا۔ دُنیا بھر میں پھیلی ہوئی جماعت احمدیہ کے سربراہ کے عُہدہ پر نئے خلیفہ حضرت مرزا طاہر احمد کا باضابطہ تقرر ابھی حال ہی میں عمل میں آیا ہے۔ اس جماعت کے ممبران کی تعداد ایک کروڑ بتائی جاتی ہے۔ جماعت احمدیہ کی بنیاد آج سے ۹۰ سال قبل حضرت مرزا غلام احمد نے رکھی تھی۔ ۱۸۸۹ء میں (حضرت) احمد نے دعویٰ کیا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ الہام یہ بتایا ہے کہ آپ وہی مسیح موعود اور مہدی ہیں جس نے احیائے اسلام کا فریضہ انجام دینا ہے اور جس کے آنے کی بشارت (حضرت) محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دی تھی اور بائبل میں بھی مسیح کی آمد ثانی کی شکل میں جس کی پیشگوئی موجود ہے۔ اور مزید برآں ہندوؤں کی مذہبی کُتب میں بھی جس کے ظہور کی خبر دی گئی ہے۔ نئے خلیفہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے پوتے ہیں اور ان کے چوتھے خلیفہ (یعنی جانشین) ہیں۔ آپ آجکل اپنی جماعت کے افراد سے ملنے کی غرض سے یورپ کے وسیع دَورہ کے سلسلہ میں یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اس دَورہ میں آپ اٹلی میں ایک

---

[1] الفضل ۱۳؍اکتوبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۵۔

نئی مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے علاوہ سپین میں قرطبہ کے قریب ایک مسجد کا افتتاح کریں گے۔ جو حال ہی میں تعمیر کی گئی ہے۔

کوپن ہیگن میں اجتماع کے رُوبرو نئے خلیفہ نے فرمایا۔ بہت سے ایسے قرائن ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح (علیہ السلام) صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے۔ مثلاً یہ کہ وہ صلیب پر صرف تین گھنٹے کے قریب رہے۔ ان کے جسم پر ایسا محلول مَلا گیا جس میں زخموں کو مندمل کرنے والی ادویہ شامل تھیں۔ اس وقت ارض مقدس میں تدفین سے قبل مُردہ جسموں پر ایسا محلول یا مرہم ملنے کا کوئی رواج نہ تھا۔ پھر یہ کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کے پہلو میں نیزہ مارا گیا تو پانی اور خون اس سے بہہ نکلا۔ حالانکہ مُردہ جسم سے پانی اور خون نہیں نکل سکتا۔

آپ نے مزید فرمایا اس تعلق میں بائبل میں جو کچھ لکھا ہے وہ غلط نہیں ہے بلکہ غلط توجیہات کی وجہ سے حقیقت کو کچھ اور ہی رنگ دے دیا گیا ہے۔ نئے خلیفہ ربوہ میں رہتے ہیں جو پاکستان میں واقع ہے۔

آپ نے بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کی مانند خدا تعالیٰ کے نبی تھے۔ دونوں اپنے اپنے زمانہ میں نئی شریعت لے کر آئے تھے۔ دونوں کو شریعت کی حفاظت کے لئے دفاعی جنگیں لڑنا پڑیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح (حضرت مرزا) غلام احمد مسیح موعود کی حیثیت سے مبعوث ہوئے تھے۔ یعنی دین کو از سرِ نَو زندہ کرنے والے کی حیثیت سے۔ جب مذہب زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ مذہب کے از سرِ نَو احیاء کی غرض سے ایسے وجودوں کو مبعوث کیا کرتا ہے سو احمدیت حقیقی اسلام ہی کو دُنیا میں آشکار کرنے کی غرض سے آئی ہے۔ یہ حقیقی اسلام ہی نوعِ انسان کا خدا سے تعلق بحال کر کے دُنیا کو تباہی سے بچائے گا۔

جماعت احمدیہ، مسیح علیہ السلام اور آپ کے ابتدائی پیروؤں کی طرح اپنے مشن کی تکمیل کے لئے کبھی تشدّد کا سہارا نہیں لے گی۔ قرآن میں جس جہاد کا ذکر ہے اس سے فی زمانہ رُوحانی جہاد مراد لیا جائے گا۔

حضرت مرزا طاہر احمد نے جو یہاں سے ہمبرگ جانے والے ہیں مزید فرمایا جس طرح عیسائیت صدیوں گمنام رہنے کے باوجود صداقت کے بل پر بالآخر فتحیاب ہوئی۔ اسی طرح احمدیت بھی

ضرور غالب آئے گی۔ انہوں نے کہا ایک مہذّب قوم کی حیثیت سے اہلِ ڈنمارک کی خوبی اور تہذیب و انسانیت کے فروغ میں ان کے کردار کی اہمیت اس بات میں نہیں ہے کہ وہ احمدیت کو خاطر میں نہ لاکر اس کے خلاف تشدّد رَوا نہیں رکھتے بلکہ ان کے کردار کی عظمت اس اَمر میں مضمر ہے کہ وہ اپنے دلوں کے دروازے کھول کر احمدیت کے پیغام کی طرف متوجہ ہوں، اس پر غور کریں۔ اور قائل ہونے کی صورت میں اسے قبول کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں۔[1]

(۶)۔ روزنامہ آربیتیت (ARBETET) نے اپنی ۱۱ر اگست ۱۹۸۲ء کی اشاعت میں لکھا :-

"گوٹن برگ میں خلیفۃ المسیح کی تشریف آوری"۔ پرسوں گوٹن برگ میں پاکستان سے خلیفۃ المسیح (حضرت) مرزا طاہر احمد تشریف لائے۔ خلیفۃ المسیح ہونے کی حیثیت میں آپ احمدی مسلمانوں کے مذہبی رہنما ہیں۔ آپ آجکل سارے یورپ کا دَورہ کر رہے ہیں۔ تاکہ اپنی جماعت کے افراد سے ملاقات فرما سکیں۔

آپ نے مسجد ناصر میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا مَیں اس سال جُون میں خلیفہ منتخب ہُوا ہوں اور اس حیثیت میں میرا یہ پہلا غیر مُلکی دَورہ ہے۔ بعد ازاں میں سپین جاؤں گا جہاں ہماری جماعت نے ایک مسجد تعمیر کی ہے جس کا افتتاح ستمبر میں ہوگا۔ قبل اس کے مَیں سویڈن سے جاؤں مالمو میں اپنی جماعت کے ممبران سے بھی ملاقات کروں گا۔ وہاں جماعت کے پچیس افراد رہتے ہیں۔

احمدی مسلمان اسلام کا ایک فرقہ ہیں اور گوٹن برگ میں ان کی تعداد ایک سو پچاس افراد پر مشتمل ہے جن میں اکثریت پاکستانی اور یوگوسلاوین افراد کی ہے۔

مسجد ناصر سویڈن کی واحد مسجد ہے اس کا افتتاح ۱۹۷۶ء میں ہُوا تھا خلیفۃ المسیح مرزا طاہر احمد صاحب نے احمدی مسلمانوں کی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ ہمارے اکثر کام

---

[1] بحوالہ روزنامہ الفضل ۳۰ر دسمبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۳۱ - ۳۸ ۔

تبلیغی نوعیت کے ہیں۔ تاہم اُن کے علاوہ ہم اسپتال اور سکول بھی قائم کرتے ہیں۔ ہماری جماعت کا آغاز ہندوستان کے ایک چھوٹے سے گاؤں سے اٹھارھویں (انیسویں صدی ہونا چاہیئے ناقل) کے اواخر میں ہوا۔ تمام دُنیا میں ہمارے ممبران کی تعداد دس ملین (ایک کروڑ) سے زائد ہے۔ پاکستان میں احمدیوں کی تعداد ۳.۵ (۳۵ لاکھ) کے لگ بھگ ہوگی۔

آپ نے اس امر کی وضاحت کی کہ تمام دوسرے مسلمانوں کی طرح ہم بھی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔ آپ نے واضح فرمایا ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم دُنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔

حضرت مرزا طاہر احمد ترتیب کے لحاظ سے چوتھے خلیفہ ہیں۔ خلیفۃ المسیح کا گوٹن برگ کا دَورہ اپنے ممبران سے ملاقات کی شکل میں سوموار کی رات کو دیر تک جاری رہا[1]

مشن کی مطبوعات

۱۔ ڈینش ترجمہ قرآن۔ (عبدالسلام صاحب میڈیسن[2])
۲۔ اسلام کی بنیادی تعلیم پمفلٹ (نارویجن)
۳۔ نماز مترجم (سویڈش)
۴۔ اسلامی تعلیم کا خاکہ (جناب نسیم سیفی صاحب کی کتاب کا سویڈش ایڈیشن)
۵۔ سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السّلام (مصنّفہ حضرت مصلح موعودؓ)
۶۔ حقوقِ نسواں (مصنّفہ چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب)
۷۔ حرفِ انتباہ (حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ)۔ (سویڈش اور ڈینش ترجمہ)
۸۔ سیرت النبیؐ (عبدالسّلام میڈیسن)

---

[1] بحوالہ روزنامہ الفضل ۱۱ر اکتوبر ۱۹۸۲ء صہ ۶

[2]۔ ایک پاکستانی اہلِ قلم "ڈنمارک میں اسلام" کے زیرِ عنوان تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ عبدالسلام میڈیسن ہیں جن کی راہنمائی اوّل اوّل کسی پرانے مسلمان نے نہیں کی بلکہ اسلام نے خود انہیں راستہ دکھا دیا ہے۔ اور آج یہ خود پرانے مسلمانوں کی راہنمائی کا فریضہ بھی انجام

اس کتاب پر ملک میں بہت تبصرے شائع ہوئے۔ چنانچہ عیسائیوں کے واحد روز نامہ KRICTELIQ BAG BLADOT نے اپنی ۲۷ رمئی ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں بنیٹ آسٹر گارڈ (BENT OSTER GARD) کے قلم سے اس پر حسب ذیل تبصرہ چھپا :۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دے رہے ہیں۔ ایک اسکول میں استاد ہیں۔ جب ان سے قبولِ اسلام کا تذکرہ چھیڑا تو کہنے لگے۔ میں نے جب یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو عربی کو بطور مضمونِ زبان لیا تھا عربی پڑھی تو قرآن کا مطالعہ بھی کیا اور پھر اس قدر متاثر ہوا کہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔" جناب عبدالسلام میڈیسن نے قرآن پاک کا ترجمہ ڈینش زبان میں پہلی مرتبہ کیا ہے۔ وہ یہاں کوپن ہیگن کی بستی رودور (RAHDHOVER) میں تعمیر کی گئی مسجد میں ہر ہفتے ڈینش زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر بیان کرتے ہیں۔ سننے والے ڈینش مسلمان بھی ہوتے ہیں اور دوسرے مسلمان بھی۔ قرآنِ پاک کے ترجمہ کے علاوہ بھی انہوں نے اسلام پر کئی مختصر کتابیں لکھی ہیں۔ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ پر بھی تقریباً سو صفحات کی ایک کتاب لکھی ہے۔ اب وہ بچوں کے لئے اسلامی تعلیمات پر مبنی مختصر کتابیں لکھ رہے ہیں۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں اس کی ضرورت اور اہمیت پر یوں روشنی ڈالی۔ اس سلسلے میں دو باتیں پیش نظر ہیں۔ پہلی تو یہ کہ نئے ڈینش مسلمانوں کے بچوں کو اسلام سے واقف کرانا ہے کیونکہ خود یہ نئے مسلمان فی الوقت نہ اتنا علم رکھتے ہیں اور نہ ہی اتنا وقت کہ اپنے بچوں کو اسلام کی صحیح تعلیم دے سکیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں اور یورپ بھر کے اسکولوں میں عام معلومات کے طور پر اسلام کے بارے میں بچوں کو جو کچھ پڑھایا جاتا ہے۔ وہ زیادہ تر گمراہ کُن مواد پر مشتمل ہے۔ اس لئے اگر بچوں کو اس موضوع پر پڑھنے کی کچھ صحیح کتابیں مل جائیں تو وہ مستقبل میں اسلام سے راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔' حقیقت یہ ہے کہ بچوں کے لئے لکھنا کچھ آسان کام نہیں اور وہ بھی مذہب کے موضوع پر۔ لیکن عبدالسلام میڈیسن چونکہ خود اُستاد ہیں۔ اس لئے توقع ہے کہ وہ اس کام کو بھی خوش اسلوبی سے سرانجام دے لیں گے۔ جناب عبدالسلام کوپن ہیگن سے کافی دُور ایک دوسرے شہر میں اقامت پذیر ہیں۔ لیکن دین کی خدمت کا جذبہ انہیں ہر ہفتے باقاعدگی سے اتنی دُور آنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ ہر ہفتے اپنے مقررہ وقت پر آتے ہیں اور حق کے متلاشی لوگوں کی پیاس بُجھا کر جاتے ہیں۔ میں نے چند بار ان محفلوں میں شرکت کی اور دیکھا کہ نشست کے دوران ان سے نئے نئے سوالات بھی کئے جاتے ہیں اور وہ خندہ پیشانی سے سب کے جوابات دیتے ہیں۔ اللہ ان کی مدد فرمائے اور انہیں اس کا اجر عطا فرمائے۔" (اخبار "جسارت" کراچی ۲۲ جنوری ۱۹۷۳ء صفحہ ۵ کالم ۲)

اس ماہ مَیں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی زندگی پر چار کُتب پڑھی ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور مصنف TORANDRU کی کتاب کا بھی مطالعہ کیا تا عبدالسّلام میڈلسین کی کتاب کا موازنہ کرسکوں۔ مَیں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میڈلسین کی تصنیف بہت عُمدہ ہے اور انہوں نے سنجیدگی سے مستند اور غیر مستند روایات میں تمیز کی ہے۔ (ترجمہ)[1]

---

[1] بحوالہ روزنامہ الفضل ۱۴؍اپریل ۱۹۷۰ء صلا۔

ضمیمہ

تاریخ احمدیت جلد ہشتدہم ۱۸

فہرست قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان (۱۹۵۶ء)

۱۔ بابو اللہ بخش صاحب ولد میاں غلام رسول صاحب راولپنڈی۔
۲۔ احمد دین صاحب ولد ماسٹر عبدالرحمن صاحب ہیڈ سٹور کیپر کھیوڑہ ضلع جہلم۔
۳۔ اللہ رکھی صاحبہ بیوہ مولوی محمد عارف صاحب سرگودہا۔
۴۔ ڈاکٹر امتیاز حسین صاحب ولد حافظ نذیر حسین صاحب پاکپتن، ضلع منٹگمری (حال ساہیوال)۔
۵۔ احمد دین صاحب ولد رحیم بخش صاحب بھاگووال ضلع سیالکوٹ۔
۶۔ اللہ دتہ صاحب ولد میاں نظام الدین صاحب جراح تھانیوال ضلع ملتان۔
۷۔ اللہ بخش صاحب ولد چوہدری خزانہ صاحب دکاندار برتن فروش سیالکوٹ۔
۸۔ احمد علی صاحب ولد جان محمد صاحب ملیانوالہ ضلع سیالکوٹ۔
۹۔ حاجی اللہ دتہ صاحب ولد حاجی احمد دین صاحب لالہ موسیٰ ضلع گجرات۔
۱۰۔ ابراہیم صاحب ولد حاجی جان محمد صاحب مرحوم ننگل شاہو ضلع سیالکوٹ۔
۱۱۔ شیخ اقبال دین صاحب ولد شیخ چراغ دین صاحب جنرل مرچنٹ بہاولنگر۔
۱۲۔ پیر انوار الدین صاحب ولد پیر اکبر علی صاحب مرحوم مری روڈ راولپنڈی۔

۱۳۔ اشرف علی صاحب ولد چودھری محمد بخش صاحب مرحوم مرالی والا ضلع گوجرانوالہ۔
۱۴۔ بشیراں بیگم صاحبہ زوجہ مولوی تاج دین صاحب لائل پوری ربوہ۔
۱۵۔ بشیر احمد صاحب مراد پوری ولد محمد علی صاحب چک نمبر ۹۶ گ ب لائل پور۔
۱۶۔ برکت اللہ صاحب ولد مولا بخش صاحب گکھڑ ضلع گوجرانوالہ۔
۱۷۔ چودھری بشیر احمد صاحب کاٹھ گڑھی ولد عبدالرحیم خان صاحب سیکرٹری بصیرہ بس سرگودہا۔
۱۸۔ ملک بشارت احمد صاحب ولد ملک مولا بخش صاحب مرحوم دفتر آبادی ربوہ
۱۹۔ حاجی بلند بخش صاحب ولد ودھاوا صاحب راؤکے ضلع سیالکوٹ۔
۲۰۔ بشیر احمد صاحب قادیانی ولد امام دین صاحب احمد نگر نزد ربوہ۔
۲۱۔ مولوی تاج دین صاحب لائل پوری ولد علی گوہر صاحب ربوہ۔
۲۲۔ جمال یوسف صاحب ولد سیٹھ محمد سعید یوسف صاحب ربوہ۔
۲۳۔ جمال الدین صاحب ولد غلام محمد صاحب چک سکندر ضلع گجرات۔
۲۴۔ جان محمد صاحب ولد چودھری رحمان صاحب رلیو کے ضلع سیالکوٹ۔
۲۵۔ چراغ بی بی صاحبہ والدہ مولوی محمد صدیق صاحب لائبریرین ربوہ۔
۲۶۔ حمیدہ بیگم صاحبہ زوجہ پیر شبیر عالم صاحب گو لیکی ضلع گجرات۔
۲۷۔ حمیدہ صابرہ صاحبہ بنت ڈاکٹر فیض علی صاحب صابر مرحوم ربوہ۔
۲۸۔ سید حسین شاہ صاحب ولد سید فضل شاہ صاحب لکھیانہ جھنگ۔
۲۹۔ خیر الدین صاحب ولد ملک بڈھا صاحب راہوالی ضلع گوجرانوالہ۔
۳۰۔ حیات بیگم صاحبہ زوجہ مولوی محمد ابراہیم صاحب بقا پوری ربوہ۔
۳۱۔ حاجی خدا بخش صاحب ولد چودھری جیون صاحب میانوالی ضلع سیالکوٹ۔
۳۲۔ حمید احمد صاحب ولد علم دین صاحب دوکاندار احمد نگر نزد ربوہ۔
۳۳۔ خضر حیات صاحب نمبردار ولد امیر صاحب چک منگلا ضلع سرگودہا۔
۳۴۔ رضا محمود صاحب پسر ملک محمد رفیق صاحب ربوہ۔
۳۵۔ مستری روشن دین صاحب ولد مستری محمد دین صاحب دیالگڑھی ربوہ۔

۳۶۔ زینت بی بی صاحبہ زوجہ مستری چراغ الدین صاحب احمد نگر نزد ربوہ ۔
۳۷۔ سردار رحمت اللہ صاحب ولد ڈاکٹر فیض علی صاحب صابر ربوہ ۔
۳۸۔ رحیم بخش صاحب ولد چودھری مولا داد صاحب چک چہور ۱۱۷ ضلع شیخوپورہ ۔
۳۹۔ زینب بی بی صاحبہ زوجہ شیخ مراد بخش صاحب مراد کلاتھ ہاؤس لائل پور
۴۰۔ شیخ رحمت اللہ صاحب ولد شیخ جھنڈا صاحب مرحوم لائل پور ۔
۴۱۔ دوست محمد صاحب ولد رائے اللہ یار صاحب ٹھٹھہ جوئیہ ضلع سرگودہا ۔
۴۲۔ زینت بی بی صاحبہ زوجہ پیر محمد صاحب مانگٹ اونچے ضلع گوجرانوالہ ۔
۴۳۔ رشید احمد صاحب ولد خدا بخش صاحب کوٹ مومن ضلع سرگودہا ۔
۴۴۔ رحمت اللہ صاحب ولد حاجی فضل محمد صاحب درویش چک ۶۶ ج ب لائل پور ۔
۴۵۔ مسماۃ روڑی صاحبہ زوجہ علی بخش صاحب بدوملہی ضلع سیالکوٹ ۔
۴۶۔ رحیم داد صاحب ولد محمد خاں صاحب ربوہ ۔
۴۷۔ رشید الدین صاحب ولد عزیز الدین صاحب کرونڈی ریاست خیرپور میرس ۔
۴۸۔ سمیع اللہ صاحب ریاض ولد سراج الدین صاحب درویش دارالصدر ربوہ ۔
۴۹۔ سکینہ بیگم صاحبہ زوجہ محمد ظہور خاں صاحب احمد نگر نزد ربوہ ۔
۵۰۔ سردار بیگم صاحبہ زوجہ شیخ محمد دین صاحب سابق مختار عام ربوہ ۔
۵۱۔ سید سردار حسین شاہ صاحب ولد سید عارف حسین شاہ صاحب ربوہ ۔
۵۲۔ سردار احمد صاحب نابینائی ولد علم دین صاحب دارالرحمت ربوہ
۵۳۔ شیخاں بیگم صاحبہ زوجہ محمد بشیر صاحب صراف سیالکوٹ ۔
۵۴۔ ملک شادی خاں ولد امیر بخش صاحب مرحوم سیالکوٹ شہر ۔
۵۵۔ سلطان علی خاں صاحب ولد نعمت علی خاں صاحب چاہ بھاگووالہ ملتان شہر ۔
۵۶۔ سلطان احمد صاحب ولد چودھری نور علی صاحب مرحوم انسپکٹر بیت المال ربوہ ۔
۵۷۔ شریف احمد صاحب ولد میاں محمد مراد صاحب حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ ۔
۵۸۔ سردار احمد صاحب ولد میاں چودھری غلام علی صاحب مرحوم چک ۲۰۸ ج ب لائل پور ۔

۵۹۔ ڈاکٹر سعید احمد صاحب ولد میاں فیروز الدین صاحب انچارج سول ہسپتال کھاریاں۔
۶۰۔ صادقہ خانم صاحبہ زوجہ ملک محمد رفیق صاحب دارالصدر ربوہ۔
۶۱۔ صدیق احمد صاحب پسر عطا محی الدین صاحب جنڈانوالہ ۱۹۵ لائل پور۔
۶۲۔ صالحہ درد بیگم صاحبہ بنت مولانا عبدالرحیم صاحب درد مرحوم لاہور۔
۶۳۔ گیانی عباد اللہ صاحب مینیجر روزنامہ الفضل ربوہ۔
۶۴۔ چودھری عبدالحق صاحب ولد چودھری اللہ دتہ صاحب نواں کوٹ ۹ شیخو
۶۵۔ حافظ عبدالسلام صاحب ولد میاں حیات علی صاحب مرحوم وکیل الاعلیٰ ربوہ۔
۶۶۔ عبدالرشید صاحب انباوی ولد بابو عبدالغنی صاحب مرحوم دارالرحمت ربوہ۔
۶۷۔ مستری عبدالمجید صاحب ولد مستری عبدالغفور صاحب درویش محلہ الف ربوہ۔
۶۸۔ عبدالمجید خانصاحب ولد محمد ظہور خان صاحب احمد نگر نزد ربوہ۔
۶۹۔ عبدالمنان صاحب ولد ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب دہلوی دارالصدر غربی ربوہ۔
۷۰۔ عبدالمجید خان صاحب آف ویرووال حال محلہ دارالنصر ربوہ۔
۷۱۔ چودھری عطاء اللہ صاحب ولد نبی بخش صاحب چک ۳۸ سرگودہا
۷۲۔ عنایت اللہ صاحب ولد محمد عبداللہ صاحب فاروق کٹلری ورکس نظام آباد گوجرانوالہ۔
۷۳۔ چودھری عبدالکریم صاحب کاٹھگڑھی ولد عبدالعزیز خان صاحب محلہ واٹر ورکس سیالکوٹ۔
۷۴۔ ڈاکٹر عبدالکریم صاحب ولد مولا بخش صاحب مرحوم چک ۹۶ گ ب لائل پور۔
۷۵۔ مولوی عبدالعزیز صاحب بھامڑی ولد چودھری عبدالکریم صاحب دارالصدر شرقی ربوہ۔
۷۶۔ عبدالرحمٰن صاحب زرگر ولد حاجی میاں محمد یوسف صاحب مرحوم پنڈی چیری ضلع شیخوپورہ۔
۷۷۔ مرزا عبدالحق صاحب ولد قادر بخش صاحب مرحوم ایڈووکیٹ سرگودہا۔
۷۸۔ حکیم عبدالعزیز صاحب ولد محمد اسماعیل صاحب چک چٹھہ ضلع گوجرانوالہ۔
۷۹۔ عبدالرحمٰن صاحب ولد خواجہ عبدالصمد صاحب پنساری گوجر خان ضلع راولپنڈی۔
۸۰۔ عبدالخالق صاحب ولد عبدالماجد صاحب چک ۱۶۸/۱۷۱ شمالی ضلع سرگودہا۔
۸۱۔ عبدالرحیم صاحب ولد حکیم محمد الدین صاحب کچہری بازار اوکاڑہ۔

۸۲۔ عبداللطیف خانصاحب ولد چودھری جلال خاں صاحب محلہ کشمیری سیالکوٹ۔
۸۳۔ ڈاکٹر عبدالغنی صاحب کڑک ولد محمد بخش صاحب سول لائن گوجرانوالہ۔
۸۴۔ عبدالرحمٰن صاحب ولد امام الدین صاحب مرحوم ڈسکہ ضلع سیالکوٹ۔
۸۵۔ عبدالمالک صاحب ولد حافظ احمد دین صاحب مرحوم چک سکندر ضلع گجرات۔
۸۶۔ صوفی عبدالغفور صاحب ولد بابو غلام محمد صاحب مرحوم داؤد خاص ضلع سیالکوٹ۔
۸۷۔ عبدالحق صاحب ولد محمد جمال صاحب ساکن نوگڑی ضلع گوجرانوالہ۔
۸۸۔ عبدالغنی صاحب زرگر ولد اللہ رکھا صاحب پیر محل ضلع لائل پور۔
۸۹۔ شیخ عبدالواحد صاحب ولد منشی ننھو شاہ صاحب دھرم پورہ لاہور۔
۹۰۔ مولوی عزیز الرحمٰن صاحب ولد غلام محمد صاحب چک منگلا ضلع سرگودھا۔
۹۱۔ عبدالرحمٰن صاحب ولد محمد مقیم صاحب باندھی نواب شاہ سندھ۔
۹۲۔ علی احمد صاحب ولد چودھری علی محمد صاحب مرحوم چک ۲۹۷ ج ب لائل پور۔
۹۳۔ نور احمد صاحب ولد نبی بخش صاحب دفتری خزانہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ۔
۹۴۔ مستری عبدالرحمٰن صاحب ولد علیم اللہ صاحب مرحوم حافظ آباد گوجرانوالہ۔
۹۵۔ علی احمد صاحب ولد رحیم بخش صاحب ٹھیکیدار لکڑی ربوہ۔
۹۶۔ قاضی عبدالرحمٰن صاحب امیر جماعت احمدیہ دوالمیال ضلع جہلم۔
۹۷۔ عبدالقادر خاں صاحب ولد عبدالعزیز خاں صاحب ڈی۔سی آفس بہاولنگر۔
۹۸۔ عبدالعلی صاحب ولد غلام نبی صاحب دھرم پورہ لاہور۔
۹۹۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر امیر جماعت ہائے احمدیہ ڈیرہ غازیخاں۔
۱۰۰۔ حافظ عنایت اللہ صاحب شبنم ولد اللہ رحم صاحب پیرس روڈ سیالکوٹ۔
۱۰۱۔ قریشی عبدالقادر صاحب ولد غلام قادر صاحب ڈیپنسٹ کلاتھ ہاؤس اوکاڑہ۔
۱۰۲۔ عبدالغنی صاحب ولد چودھری لال دین صاحب پٹواری مال ڈوگری گھمناں سیالکوٹ۔
۱۰۳۔ چودھری عنایت اللہ صاحب ولد چودھری ثناء اللہ صاحب بہلول پور سیالکوٹ۔
۱۰۴۔ عطا محمد صاحب ولد منشی اللہ دتہ صاحب جامکے چیمہ ضلع سیالکوٹ۔

۱۰۵۔ بابو غلام حسین صاحب اورسیر مینیجر نصرت سروس کمپنی ربوہ۔
۱۰۶۔ غلام رسول صاحب ولد عبد الرزاق صاحب ٹھیکیدار ربوہ۔
۱۰۷۔ غلام فاطمہ صاحبہ زوجہ احمد دین صاحب مرحوم سمبڑیال ضلع سیالکوٹ۔
۱۰۸۔ مولوی غلام باری صاحب سیف ولد حکیم چراغ الدین صاحب کوارٹر تحریک جدید ربوہ۔
۱۰۹۔ غلام احمد صاحب ولد کرم بخش صاحب گکھڑ ضلع گوجرانوالہ۔
۱۱۰۔ غلام محمد صاحب ٹیچر ولد محمد بوٹا صاحب مرحوم محلہ صرافاں شاہدرہ۔
۱۱۱۔ غلام رسول صاحب ولد شیر محمد صاحب مرحوم $\frac{146}{E.B}$ نور ایگریکلچرل فارم ملتان۔
۱۱۲۔ چودھری غلام احمد خاں صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ پاکپتن ضلع منٹگمری
۱۱۳۔ مولوی غلام احمد صاحب فرخ مربّی سلسلہ احمدیہ سکھر۔
۱۱۴۔ غلام محمد صاحب ولد چودھری نبی بخش صاحب علی پور چک ۶ ضلع لاہور۔
۱۱۵۔ چودھری غلام محمد صاحب ولد چودھری ولایت خاں صاحب پولا مہاراں ضلع سیالکوٹ۔
۱۱۶۔ غلام احمد صاحب ولد اللہ دتہ صاحب کلاتھ مرچنٹ بدوملہی سیالکوٹ۔
۱۱۷۔ سیّدہ فاطمہ بانو صاحبہ زوجہ محمد یحییٰ خانصاحب مرحوم دارالصدر ربوہ
۱۱۸۔ میاں فضل الٰہی صاحب ولد عبد العزیز صاحب خانیوال ضلع ملتان۔
۱۱۹۔ کرم بی بی صاحبہ والدہ مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری ربوہ۔
۱۲۰۔ فضل حسین صاحب ولد اللہ جوایا صاحب چھبور کوٹلی ضلع سیالکوٹ۔
۱۲۱۔ قائم الدین صاحب ولد اللہ وسایا صاحب ریلوے کوارٹرز قصور۔
۱۲۲۔ سیّد فیاض حیدر صاحب ولد سیّد نذیر حیدر صاحب سیالکوٹ شہر۔
۱۲۳۔ فیروز الدین صاحب ولد فقیر محمد صاحب انسپکٹر تحریک جدید وکیل المال ربوہ۔
۱۲۴۔ فضل الدین صاحب ولد عمر دین صاحب منڈی چوہڑ کانہ۔
۱۲۵۔ فتح محمد صاحب ولد عمر الدین صاحب مرحوم رام گڑھ لاہور۔
۱۲۶۔ فضل کریم صاحب ولد چودھری عمر الدین صاحب ٹیلر مسجد احمدیہ لائل پور۔
۱۲۷۔ قمر الدین صاحب ولد جیون خاں صاحب گوٹھ قمر الدین مورو سندھ۔

۱۲۸۔ شیخ فضل الرحمٰن صاحب پراچہ ولد میاں محمد امین صاحب سرگودہا۔
۱۲۹۔ لطیف احمد صاحب ولد محمد حسین صاحب درویش دارالرحمت غربی ربوہ۔
۱۳۰۔ مسماۃ لال پری صاحبہ والدہ شیر احمد خاں صاحب افغان درویش ربوہ۔
۱۳۱۔ لال دین صاحب ولد علی بخش صاحب مرحوم بدوملہی سیالکوٹ۔
۱۳۲۔ سید محمد اقبال حسین شاہ صاحب بی اے بی ٹی طارق منزل دارالصدر ربوہ۔
۱۳۳۔ مستری محمد اسمٰعیل صاحب ولد مستری نواب دین صاحب دارالصدر ربوہ۔
۱۳۴۔ شیخ محمد عمر وہرہ صاحب ولد شیخ فضل کریم صاحب وہرہ کراچی حال ربوہ۔
۱۳۵۔ شیخ محمد اسمٰعیل صاحب ولد میاں شاہ دین صاحب لالہ موسیٰ گجرات۔
۱۳۶۔ محمد سلیم صاحب ولد ملک محمد ابراہیم صاحب لالہ موسیٰ گجرات۔
۱۳۷۔ محمد عیسیٰ ظفر صاحب ولد چودھری محمد یوسف صاحب احمد نگر نزد ربوہ۔
۱۳۸۔ مودود احمد صاحب ولد نواب زادہ مسعود احمد خاں صاحب دارالصدر ربوہ۔
۱۳۹۔ نذیر بیگم صاحبہ بنت فضل الدین صاحب مرحوم ربوہ۔
۱۴۰۔ مستری ناظر دین صاحب ولد جھنڈا صاحب مرحوم احمد نگر نزد ربوہ۔
۱۴۱۔ نواب دین صاحب ولد عبداللہ صاحب ٹرنک ساز چنیوٹ۔
۱۴۲۔ نذیر احمد صاحب ولد حبیب اللہ صاحب بزاز لاہور۔
۱۴۳۔ نصیر احمد بشیر صاحب ولد چودھری بشیر احمد صاحب لیکچرار تعلیم الاسلام کالج ربوہ۔
۱۴۴۔ چودھری عبدالقادر صاحب ولد چودھری ملّھن صاحب مرحوم ماہنی شاں ضلع ملتان۔
۱۴۵۔ نثار احمد صاحب ولد قریشی فقیر محمد صاحب مرحوم کوٹھی موراں والی ڈسکہ۔
۱۴۶۔ نورالحق صاحب بٹ ولد خواجہ عبدالحق صاحب دکان دار گوجرہ لائل پور۔
۱۴۷۔ محمد ابراہیم صاحب ناصر لیکچرار تعلیم الاسلام کالج ربوہ۔
۱۴۸۔ صوفی محمد ابراہیم صاحب ولد بابو عطاء اللہ صاحب مرحوم سابق ہیڈ ماسٹر ربوہ۔
۱۴۹۔ محمد عبداللہ صاحب ولد عمر الدین صاحب مرحوم حجام ربوہ۔
۱۵۰۔ سید مسعود احمد صاحب ولد حضرت میر محمد اسحٰق صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ ربوہ۔

۱۵۱۔ محمد ابراہیم صاحب شاؔد ولد اللہ دتہ صاحب ٹیچر چک چہور ۱۱۷ ضلع شیخو پورہ۔
۱۵۲۔ مرزا محمد صادق صاحب ولد مرزا حسین بیگ صاحب گوجرہ حال ربوہ۔
۱۵۳۔ قریشی محمد صادق صاحب ولد امام الدین صاحب۔
۱۵۴۔ شیخ محمد عبداللہ صاحب ولد ڈاکٹر شیخ محمد یوسف صاحب ہاگورا ورکس وزیر آباد۔
۱۵۵۔ محمد ابراہیم صاحب ولد بھگو المعروف علم دین صاحب وزیر آباد۔
۱۵۶۔ محمد احمد حاؔمی صاحب ایم ایس سی مینجر اسٹار فروٹ پراڈکٹس ربوہ۔
۱۵۷۔ محمد اسحٰق خلیؔل صاحب ولد ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیؔل ربوہ۔
۱۵۸۔ محمد یامین صاحب ولد محمد اسمٰعیل صاحب کلرک دارالرحمت وسطی ربوہ۔
۱۵۹۔ چودھری محمد شفیع صاحب ولد محمد اسمٰعیل صاحب کلرک ڈی سی آفس گوجرانوالہ۔
۱۶۰۔ محمد عبداللہ صاحب ولد خیرالدین صاحب مسجد احمدیہ گوجرانوالہ۔
۱۶۱۔ مبارک احمد صاحب ولد شیخ عنایت اللہ صاحب دکاندار محلہ اسلام آباد سیالکوٹ۔
۱۶۲۔ محمد علی طاہر صاحب ولد حکیم مہر دین صاحب ملازم محکمہ بجلی لائل پور۔
۱۶۳۔ محمد نصیر باجوہ صاحب ولد حیات محمد صاحب مرحوم انسپکٹر تحریک جدید ربوہ۔
۱۶۴۔ محمد اسلم صاحب ولد فیض احمد صاحب قصاب پوتا بابا صدرالدین صاحب درویش گولبازار ربوہ۔
۱۶۵۔ منیرالدین صاحب ولد میاں قمرالدین صاحب مرحوم گوجرانوالہ حال ربوہ۔
۱۶۶۔ شیخ محمد الدین صاحب ولد شیخ قطب الدین صاحب مرحوم گوجرانوالہ حال ربوہ۔
۱۶۷۔ محمد عطاء ربی صاحب ولد فضل احمد صاحب گول بھوانہ بازار لائل پور۔
۱۶۸۔ محمد بشیر صاحب ولد میاں اللہ دتہ صاحب صراف سیالکوٹ۔
۱۶۹۔ قریشی محمد سعید صاحب ولد قریشی محمد حنیف صاحب ربوہ۔
۱۷۰۔ محمد عمر صاحب سندھی شاہدؔ بی اے آنرز ربوہ۔
۱۷۱۔ محمد عبداللہ صاحب ولد صالح محمد صاحب چک منگلا ضلع سرگودہا۔
۱۷۲۔ محمد صادق صاحب ولد چودھری نور محمد صاحب چک ۵۵/۲۔ایل اوکاڑہ۔
۱۷۳۔ ڈاکٹر محمد حفیظ خاں صاحب ولد ڈاکٹر حبیب اللہ خاں صاحب مغل پورہ لاہور۔

۱۷۴۔ محمود احمد صاحب ولد محمد حسین صاحب قلعہ صوبا سنگھ ضلع سیالکوٹ۔

۱۷۵۔ منشی محکم دین صاحب ولد دریام خاں صاحب باڈہ ضلع لاڑکانہ سندھ۔

۱۷۶۔ محمد حسین صاحب ولد میراں بخش صاحب مرحوم صراف ڈسکہ سیالکوٹ۔

۱۷۷۔ ملک محمد شفیع صاحب ولد ملک خدا بخش صاحب مرحوم ریل بازار لائل پور۔

۱۷۸۔ محمد عیسیٰ صاحب ولد ماہی صاحب مرحوم راجہ جنگ لاہور۔

۱۷۹۔ محمد صدیق صاحب ولد حبیب اللہ زرگر صاحب بیرمحل لائل پور۔

۱۸۰۔ منظور احمد صاحب ولد احمد دین صاحب داتہ زید کا ضلع سیالکوٹ۔

۱۸۱۔ محمد فیروز صاحب ولد نور محمد صاحب درزی مانگٹ اُونچے گوجرانوالہ۔

۱۸۲۔ شیخ محمد شریف صاحب ولد نبی بخش صاحب نمک ڈیلر بدوملہی سیالکوٹ۔

۱۸۳۔ عبدالحلیم صاحب ولد چودھری مرادعلی صاحب انگلش ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول جہلم۔

۱۸۴۔ محمد صدیق صاحب ولد میاں کرم الٰہی صاحب پریذیڈنٹ دھرم پورہ لاہور۔

۱۸۵۔ محمد رشید صاحب ولد محمد صاحب مرحوم چک ۳۶۶ آئی بی ضلع ملتان۔

۱۸۶۔ محمد رفیق صاحب ولد میاں کرم الٰہی صاحب پریذیڈنٹ دھرم پور لاہور۔

۱۸۷۔ منوّر احمد صاحب ولد مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی درویش دھرم پورہ۔

۱۸۸۔ ایم عبدالرحمٰن صاحب ولد میاں محمد بخش صاحب ڈیرہ غازیخاں۔

۱۸۹۔ محمد حسین صاحب ولد امام الدین صاحب محلّہ اراضی یعقوب سیالکوٹ۔

۱۹۰۔ ملک محمد عاشق صاحب ولد ملک محمد شریف صاحب بھینی شرقپور شیخوپورہ۔

۱۹۱۔ محمد یعقوب صاحب ولد ابراہیم صاحب اندرون بوہڑ گیٹ ملتان۔

۱۹۲۔ مولوی محمد احمد صاحب جلیلؔ ولد مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم ربوہ۔

۱۹۳۔ شیخ محمد اقبال صاحب پراچہ ولد میاں محمد امین صاحب پراچہ مینیجر یونائٹیڈ ٹرانسپورٹ سرگودہا۔

۱۹۴۔ میاں نواب دین صاحب ولد فوج دار خاں صاحب کچا گولبازار ربوہ۔

۱۹۵۔ مستری نُور محمد صاحب ولد گلاب دین صاحب مرحوم مغل پورہ لاہور۔

۱۹۶۔ نذیر احمد صاحب ولد محمد عالم صاحب مرحوم منڈی بہاؤالدین گجرات
۱۹۷۔ دین محمد صاحب ولد امیر بخش صاحب عینو والی سیالکوٹ۔
۱۹۸۔ زینب بیگم صاحبہ بیوہ ڈاکٹر غلام علی صاحب مرحوم زراعتی کالج لائل پور۔
۱۹۹۔ مرزا واحد حسین صاحب ولد مرزا حسین بیگ صاحب راہوالی ضلع گوجرانوالہ۔
۲۰۰۔ بابو محمد بخش صاحب ولد چودھری فضل دین صاحب مرحوم دارالنصر ربوہ۔

زائد

۱۔ مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعۃ المبشرین ربوہ۔
۲۔ عطاء الکریم صاحب شاہد پسر مولانا ابوالعطاء صاحب ربوہ۔
۳۔ سردار بشیر احمد صاحب ایس ڈی او لاہور۔
۴۔ چودھری ظہور احمد صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ ربوہ۔
۵۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب ربوہ[۱]

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ تا ۸۔

پاکستان فورم آف لائبیریا کے انتخابات کے سلسلہ میں اخبار لائبیرین سٹار کی خبر کا متن

PAKISTANI FORUM ELECTS OFFICERS

The Pakistan Forum of Liberia has elected officers for the year 1974-75.

They are Mr. Ch. Rashid-Ud-din, president; Mr. Raffique Ahmed Butt, secretary-general, re-elect; Mr. Sh. Z.M. Shakeel, treasurer; and Mr. Idrees Ahmed Bashir.

The new officers pledged to continue the good works of their predecessors in maintaining the existing relationship between the Forum and Liberia.

They also assured that they would work cooperatively toward the upliftment of the Forum and continue to participate in worthy programmes in the Forum's contribution toward the social and economic progress of Liberia.

The Forum was formed through the inspiration of the Pakistan Ambassador to Liberia and Ghana, His Excellency S.A. Moid in 1973. His motive was to bring all Pakistani residents in Liberia under one umbrella to contribute their quota toward the social economic development of their country of residence.

It is a non-political and non-profit making organization whose objectives are to create mutual understanding, friendship and unity between Pakistani residents here and the people of Liberia.

With this new line-up of hardworking gentlemen as its officers, it is hoped the Forum will intensify its untiring contributions toward worthy causes.

پاکستانی سفیر جناب ایس اے معید کے خطوط:۔

EMBASSY OF PAKISTAN
P. O BOX 1114
ACCRA
9th December 1974

No. Amb-28/74

Mr. Rashiduddin,
President,
Pakistan Forum of Liberia,
P.O. Box 618,
Monrovia
(Liberia)

SUB:– PUBLICITY ON THE OCCASION OF "THREE YEARS OF PEOPLE'S RULE"

Dear Sir,

I thank you for your letter of 24th October and for your thoughtfulness to keep me informed of the progress of Forum's activities. It is indeed gratifying to learn of the succes of the meeting you organised on 20th October and I have every hope that all Pakistan nationals will continue to emulate the lead given by you in supporting the Forum not only for propogating the right image of Pakistan but also for better understanding of the local people for the people of Pakistan.

I have separately informed you of my plans to visit Monrovia from January 2 to 5 next.

I am writing this to say that this month the People's Regime is completing three years of democratic rule in Pakistan. On this occasion we should try to project the achievements of the People's Rule. I am therefore, enclosing an article on "Minorities in Pakistan" which you may kindly try to be covered in one of your local dailies within this month. As and when the article may appear, please let us have 15 copies of the newspaper.

Thanking you,

Yours faithfully,

Sd/-
(S.A. MOID)
AMBASSADOR

EMBASSY OF PAKISTAN
P.O. BOX 1114
ACCRA

REGISTERED
BY AIR MAIL

No. Amb-13/75

September 4, 1975

My dear Choudhry Rashid Sahib,

This is to acknowledge with thanks the receipt of two packets of the Liberian Star of August 16 & 18, 1975 containing the articles on Pakistan giving an adequate coverage to the function held to celebrate the twenty eight anniversary of the Independance Day on August 14, 1975. We very much appreciate your efforts in mobilising the press and hope that you will continue the good job you are doing for Pakistan.

2. The Ambassador of Pakistan His Excellency Mr. S.A.H. Ahsani, will be arriving Monrovia from Freetown by Nigeria Airways Flight at 1345 hours (1.45 p.m.) on September 22, 1975. I am taking this opportunity to inform you about his programme of visit and hope that you will make appropriate arrangements for His Excellency's reception, Hotel reservation at Monrovia and make his stay as confortable as possible. His Excellency Mr. Ahsani will be staying at Monrovia for a week and is scheduled to leave for Accra on the 4th October, 1975 by Nigeria Airways Flight at 1455 (2.55 p.m.). Our letter of even number dated September 3, 1975 may be replaced by this letter.

With best wishes and kind regards,

Yours sincerely,

Sd/-
(S. Hyderul Hason)
First Secretary.

Mr. Ch. Rashiduddin,
President,
Pakistan Forum of Libena,
P.O. Box 618,
MONROVIA (LIBERIA).

جلسہ سالانہ ربوہ ۱۹۵۵ء کے روح پرور مناظر (متعلقہ صفحہ ۱۶۳)

۱۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ افتتاحی خطاب سے قبل (السید محمد سلیم الجابی الشامی تلاوت کر رہے ہیں)

۲ - حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحبؓ کی زیر صدارت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر تقریر فرما رہے ہیں - (۲۷ دسمبر اجلاس اوّل)

۳ - خالدِ احمدیت ملک عبدالرحمٰن صاحبؒ خادم گجراتی تقریر فرما رہے ہیں۔ زیرِ عنوان "عقائدِ احمدیت پر اعتراضات اور اس کا جواب"۔ (۲۷ دسمبر اجلاس اوّل)

حضرت اقدس سیدنا حضرت مسیح موعود کا ایک یادگار فوٹو (متعلقہ صفحہ ۱۹۸)

کھڑے دائیں سے بائیں :- ۱ - ؟ ۲ - حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی مدیر الحکم - ۳ - ؟ ۴ - حضرت چوہدری مولا بخش صاحب سیالکوٹی (والد ڈاکٹر شاہنواز خاں صاحب) ۵ - ؟ - ۶ - حضرت ڈاکٹر فیض علی صاحب صابر - مینجر بدر -

کرسیوں پر دائیں سے بائیں :- ۱ - حضرت منشی عبدالعزیز صاحب دہلوی مصنف "مرزا حیرت کی حیرانی" - ۲ - حضرت ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب گوڑیانی - ۳ - حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام - ۴ - ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحبؓ - ۵ - حضرت مرزا نیاز بیگ صاحبؓ کلانوری (والد ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب)

نیچے فرش پر :- ۱ - ؟ - ۲ - حضرت چوہدری رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر مدار ضلع جالندھر - ۳ - حضرت منشی محمد اروڑے خاں صاحب کپورتھلوی - ۴ - حضرت منشی کرم علی صاحب کاتب - ۵ - چوہدری فضل دین صاحب -

معتکفین بیتِ مُبارک قادیان ۔ ۲۰ مئی ۱۹۵۵ء (متعلقہ صفحہ ۲۸۲)

کھڑے (دائیں سے بائیں) ۔ ۱۔ جناب محمد احمد صاحب نسیم مالاباری درویش قادیان ۔ ۲۔ حضرت حاجی محمد الدین صاحبؒ تہالوی درویش قادیان ۔ ۳۔ خالد احمدیت حضرت مولانا ابوالعطاء صاحبؒ جالندھری امیر المعتکفین ۔ ۴۔ جناب صدیق امیر علی صاحب منگلوری ۔ ۵۔ یونس احمد صاحب اسلم قریشی واقفِ زندگی (ابن ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم مرحوم امیر المجاہدین) درویش قادیان

بیٹھے ہوئے (دائیں سے بائیں) ۱۔ مولوی فضل الدین صاحب بنگوی مرحوم ۔ ۲۔ مکرم محمد علوی صاحب مالاباری قادیان ۳۔ بابا جان محمد صاحب سیالکوٹی درویش قادیان ۔

قصرِ خلافت ربوہ میں ایک مُبارک تقریب (متعلقہ صفحہ ۳۱)

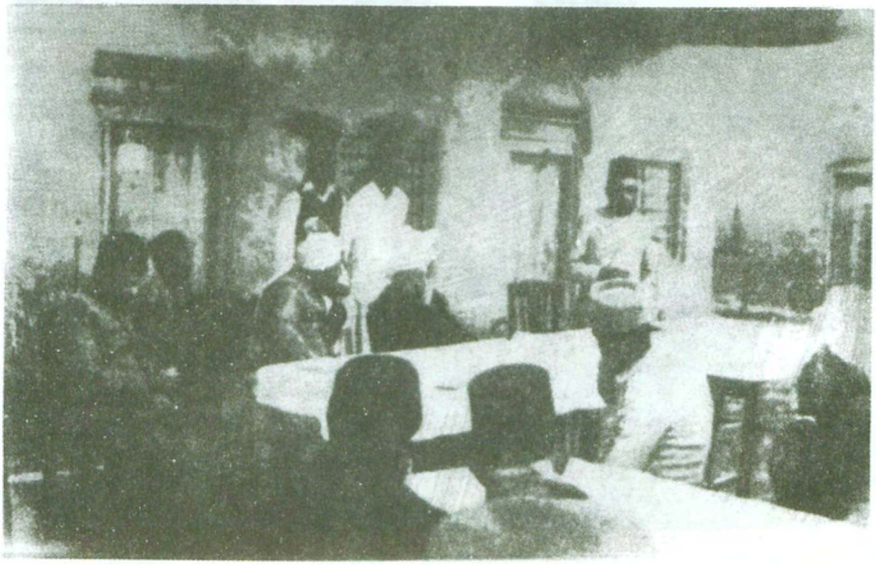

حضرت مصلح موعود کے بائیں طرف حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب تقریر کر رہے ہیں۔ حضور کے دائیں جانب۔ ۱۔ مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعہ احمدیہ و مدیر الفرقان۔ ۲۔ ؟ ۳۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر۔

بیت الفضل لندن میں نماز کا ایک نظارہ (متعلقہ صفحہ ۳۱۲)

۱ - ؟ - ۲ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی۔ ۳۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب
(ایدہ اللہ تعالیٰ) ۴۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب واقف زندگی لندن۔ ۵۔ سید محمود احمد
صاحب ناصر (خلف حضرت سید میر محمد اسحٰق صاحب) ۶ تا ۹ ؟

مسٹر ٹب مین صدر لائبیریا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ (متعلقہ صفحہ ۳۶۵)

گورنمنٹ ہاؤس منرویا

دائیں سے بائیں :- ۱۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر۔ ۲۔ ٹب مین صدر لائبیریا۔ ۳۔ چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ سابق امام بیت الفضل لنڈن۔ ۴۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ
۵۔ چوہدری محمد علی صاحب مضطر ایم۔اے سابق پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ۔

جامعۃ المبشرین ربوہ میں ایک اہم استقبالیہ تقریب (متعلقہ صفحہ ۳۸۴)

(نیچے دائیں سے بائیں) ۱۔مسٹر محمد یعقوب صاحب آف ٹرینیڈاڈ مرحوم (مبلغ ٹرینیڈاڈ) ۲۔عبدالعزیز جمن بخش صاحب آف ڈچ گیانا (مبلغ ڈچ گیانا) ۳۔شیخ عمری عبیدی صاحب مرحوم (مبلغ ٹانگانیکا) ۴۔مسٹر علی صالح صاحب ٹبورا۔ ۵۔مولوی یوسف عثمان صاحب کمبولایا۔ ۶۔مولوی محمد عثمان صاحب چینی (مبلغ سنگاپور) ۷۔مولوی عبدالوہاب بن آدم صاحب (امیر و مشنری انچارج غانا)۔

(کرسیوں پر دائیں سے بائیں) ۱۔حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ۔ ۲۔مولوی محمد شریف صاحب سابق مبلغ بلاد عربیہ۔ ۳۔حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب۔ ۴۔حضرت مصلح موعودؓ۔ ۵۔میاں عبدالرحیم احمد صاحب (وکیل التعلیم) ۶۔مولانا ابو العطاء صاحب پرنسپل جامعۃ المبشرین۔ ۷۔مولوی محمد احمد صاحب جلیل پروفیسر جامعۃ المبشرین (حال ناظم دارالقضاء)

(پیچھے پہلی قطار میں کھڑے۔ دائیں سے بائیں) ۔صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب (ابن حضرت مصلح موعود) مرحوم۔ ۲۔مولوی محمد عمر صاحب سندھی ۳۔شیخ اشتیاق علی صاحب لاہور۔ ۴۔مرزا لطف الرحمٰن صاحب انور (مبلغ جرمنی۔ٹوگولینڈ۔غانا) ۔۵۔عبدالرشید شریف صاحب ابن مولوی محمد شریف صاحب (حال ڈپٹی سیکرٹری فائینینس پنجاب) ۶۔حضرت مولوی عطا محمد صاحب مرحوم استاذ الجامعہ۔ ۷۔ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ریاضی مرحوم۔ ۸۔مولوی

محمد احمد صاحب ثاقب استاذ الجامعہ۔ ۹۔ مولوی ابو المنیر نور الحق صاحب استاذ الجامعہ۔ ۱۰۔ مولوی غلام باری صاحب سیف استاذ الجامعہ۔ ۱۱۔ مولوی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم استاذ الجامعہ۔ ۱۲۔ قریشی مقبول احمد صاحب (سابق مبلغ لنڈن و ایوری کوسٹ) ۱۳۔ مولوی سلطان محمود صاحب انور (حال ناظر اصلاح و ارشاد)۔ ۱۴۔ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے (سابق بانی احمدیہ مشن انگلستان و ناظر اعلیٰ) ۱۵۔ کیپٹن محمد حسین صاحب چیمہ محافظ خاص حضرت مصلح موعودؓ (حال لنڈن)

(دوسری قطار) ۱۔ چوہدری عبد الرحیم صاحب برادر اکبر مولوی محمد صدیق صاحب انچارج خلافت لائبریری ربوہ۔ ۲۔ مولوی مقبول حسین صاحب ضیاء مربی سلسلہ احمدیہ۔ ۳۔ خان بشیر احمد خان صاحب رفیق (سابق امام بیت الفضل لنڈن حال ایڈیشنل وکیل التصنیف لنڈن)۔ ۴۔ مولوی بشیر احمد صاحب شمس (سابق مبلغ نائیجیریا۔ جرمن)۔ ۵۔ مولوی محمد اشرف ممتاز صاحب (حال مربی سلسلہ فیصل آباد) ۶۔ آغا سیف اللہ صاحب مربی سلسلہ (حال مینجر روزنامہ الفضل ربوہ) ۷۔ مولوی بشیر احمد صاحب قمر (سابق مبلغ غانا) ۸۔ مولوی احمد صادق صاحب بنگالی (مربی سلسلہ بنگلا دیش) ۹۔ مولوی منیر الدین احمد صاحب (سابق مبلغ کینیا، مشرقی افریقہ۔ سویڈن) ۱۰۔ ملک غلام نبی صاحب (سابق مبلغ سیرالیون۔ غانا) ۱۱۔ مولوی عبد الرشید صاحب رازی (سابق مبلغ غانا۔ تنزانیہ۔ فجی) ۱۲۔ مولوی عبد الحکیم صاحب اکمل (مبلغ ہالینڈ) ۱۳۔ مولوی فضل الٰہی صاحب انوری (سابق مبلغ غانا، جرمنی)۔

(تیسری قطار) ۱۔ حکیم مولوی نذیر احمد صاحب ریحان (حال مربی سلسلہ ملتان) ۲۔ سید رفیق احمد صاحب گجراتی۔ (عربی ٹیچر) ۳۔ چوہدری رشید الدین صاحب (سابق مبلغ نائیجیریا۔ لائبیریا) ۴۔ مولوی محمد بشیر صاحب شاد (سابق مبلغ سیرالیون) ۵۔ مولوی اقبال احمد صاحب غضنفر (سابق مبلغ سیرالیون) ۶۔ سید کمال یوسف صاحب (مبلغ سکنڈے نیویا) ۷۔ مولوی منیر احمد صاحب عارف (سابق مبلغ برما، نائیجیریا) ۸۔ قریشی عبد الرحمٰن صاحب سیلونی (سابق مبلغ سیلون) ۹۔ شیخ نذیر احمد صاحب بشیر حیدر آبادی سابق مبلغ انگلستان۔ ۱۰۔ محمود احمد صاحب میرپوری مرحوم۔

(چوتھی قطار) ۱۔ شیخ رشید احمد اسحٰق صاحب (سابق مبلغ ڈچ گی آنا) ۲۔ حافظ محمد سلیمان صاحب (سابق مبلغ مشرقی افریقہ) ۳۔ امین اللہ خاں صاحب سالک (سابق مبلغ امریکہ و لنڈن) ۴۔ مولوی محمد اکبر افضل صاحب (سابق مربی سلسلہ حال راولپنڈی) ۵۔ میر غلام احمد صاحب نسیم (سابق مبلغ سیرالیون۔ گیانا۔ زیمبیا) ۶۔ مولوی فاروق احمد صاحب حال مربی سلسلہ بنگلہ دیش) ۷۔ مولوی رشید احمد صاحب سرور (سابق مبلغ ٹانگا نیکا)۔

آخری قطار:۔ ۱۔ سردار مقبول احمد صاحب ذبیح (مبلغ مشرقی افریقہ) ۲۔ مولوی نظام الدین صاحب مہمان (سابق مبلغ سیرالیون) ۳۔ مولوی محمد طفیل صاحب منیر (سابق مربی سلسلہ احمدیہ) ۴۔ صلاح الدین خان صاحب بنگالی (سابق مبلغ ہالینڈ)

حضرت فضلِ عمر المصلح الموعود کے دستِ مبارک سے فضلِ عمر ہسپتال
اور
دفتر مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا سنگِ بنیاد۔ (متعلقہ صفحہ ۳۹۹)

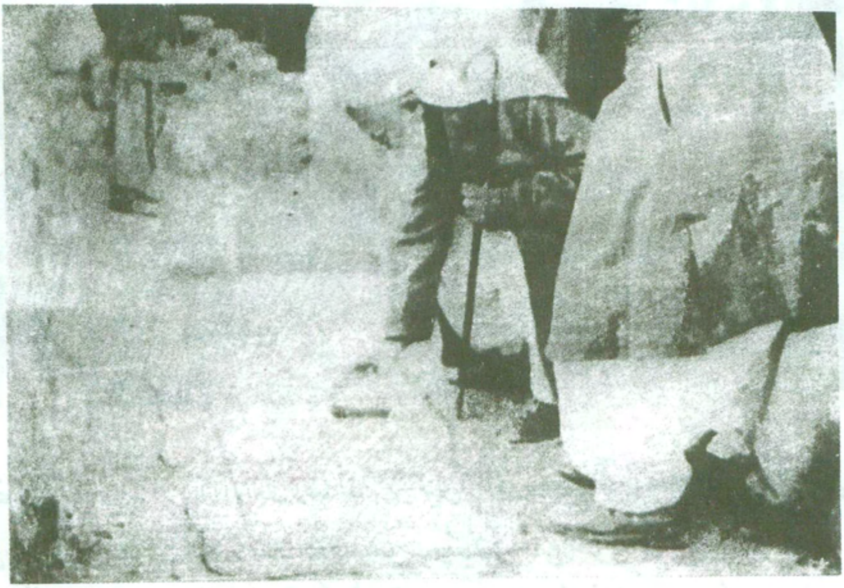

سنگِ بنیاد دفتر مجلس انصار اللہ مرکزیہ

سامنے پہلی قطار :- ۱۔ مولانا ابوالعطاء صاحب - ۲ - میاں غلام محمد صاحب اختر ناظر اعلیٰ ثانی - ۳- سیدنا حضرت مصلح موعودؓ - ۴ - حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب پٹیالوی معالج خصوصی -
دوسری قطار : - حضور انور کے بالکل پیچھے کیپٹن محمد حسین صاحب چیمہ افسر حفاظت - ۲ - (بائیں طرف) مولانا جلال الدین صاحب شمس (خالد احمدیت) - ۳ - حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب - ۴ - مولوی بشارت احمد صاحب بشیر سندھی (سابق مبلغ غانا) -

افتتاح بیت نصرت جہاں - کوپن ہیگن (متعلقہ صفحہ ۴۹۱)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے ہیں۔

تاریخ احمدیّت

جلد ۱۹

تفسیر صغیر کی اشاعت سے لے کر
۱۹۵۷ء میں جماعت کی عالمی سرگرمیوں تک

✿

مؤلفہ
دوست محمد شاہد

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد ہشتدہم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-125-9

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-18(Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt.Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-125-9

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

تاریخ احمدیت کی تدوین کا آغاز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی خصوصی تحریک پر ۱۹۵۳ء میں ہوا۔ پہلی جلد ۱۹۵۸ء میں منظر عام پر آئی تھی اس کے بعد سے اب تک اس کی اٹھارہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں جو ۱۹۵۵ء تک کے حالات پر مشتمل ہیں۔

موجودہ جلد نمبر ۱۹ ہے جو ۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۷ء کے حالات پر مشتمل ہے۔ یہ جلد فتنہ منافقین ۱۹۵۶ء کی تفصیل اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح موعود کی معرکۃ الآراء تصنیف تفسیر صغیر کی تدوین و اشاعت کے علاوہ دیگر جماعتی حالات پر مشتمل ہے۔

احباب جماعت کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ نظارت اشاعت تاریخ احمدیت کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن عنقریب شائع کرنے والی ہے۔ نیا ایڈیشن کمپیوٹر پر کمپوز کروایا گیا ہے قارئین کی سہولت کے لئے اس کی ہر جلد کا تفصیلی انڈیکس (اشاریہ) بھی شامل اشاعت ہوگا۔ احباب دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ شعبہ تاریخ کے جملہ کارکنان کی محنت کو قبول فرمائے۔

والسلام

ناظر اشاعت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جا بجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گزشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنّفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۱۹ کو جلد نمبر ۱۸ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد ہشتد ہم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر و اشاعت قادیان)

فہرست

تاریخ احمدیت جلد ۱۹

عنوان	صفحہ
پہلا باب	
فتنہ منافقین، حضرت مصلح موعودؓ کی حیرت انگیز راہنمائی اور نظام آسمانی کا استحکام	۱
فصل اوّل	
پس منظر	۲
عکس مکتوب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور	۷
شیخ نصیر الحق صاحب آف لاہور کا حقیقت افروز بیان۔	۱۴
حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوُا ایک خط	۱۵
فصل دوم	
حضرت مصلح موعودؓ کا انقلاب آفرین پیغام اور اس کا زبردست ردّ عمل	۲۸
پہلا ردّ عمل	۳۰
ممبران جماعتِ احمدیہ مصر کا اخلاص نامہ	۳۱
ممبران جماعتِ احمدیہ شام کا اخلاص نامہ	۳۲
جماعتِ احمدیہ عدن کا اخلاص نامہ	۳۴
دوسرا ردّ عمل	۳۵
حضرت مصلح موعودؓ کے دوسرے بصیرت افروز پیغامات	۳۶، ۴۸
فتنہ کے متعلق ۱۹۵۰ء کا ایک اہم رؤیا	۵۳
سبائی تحریک اور اس کے ہولناک نتائج سے سبق حاصل کرنے کی تحریک	۵۶
میاں عبدالوہاب عمر صاحب کا خط اور اس کا حقیقت افروز جواب	۶۰
جناب صاحبزادہ عبدالواسع عمر صاحب کی بزرگانِ سلسلہ سے خط و کتابت اور ملاقات	۶۶
بزرگانِ سلسلہ کو فتنہ میں ملوّث کرنے کی ناپاک کوشش	۷۰
حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کا مکتوب گرامی	۷۰
حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا تار اور مکتوب	۷۱
چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحبؓ کا پہلا اخلاص نامہ اور حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام	۷۲
عکس مکتوب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحبؓ	۷۵
دوسرا اخلاص نامہ اور حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام	۷۷
ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم ایڈووکیٹ کا پُرخلوص مکتوب	۸۰
حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کا تار اور مکتوب	۸۳

عنوان	صفحہ

مسئلہ خلافت کے ایک اہم پہلو کی وضاحت ۸۴
قرآن مجید کی رُو سے فتنوں پر تدبر کرنے کی تحریک ۸۵

فصل سوم

مخالفینِ احمدیت کا متحدہ محاذ ۹۲
ہفت روزہ "لاہور" کا حقیقت افروز اداریہ ۹۳
اخبار "ریاست" دہلی کی دلچسپ تجویز ۹۷
مفتریانہ پراپیگنڈا اور جھوٹی اور دلآزار خبریں ۹۸
حضرت مصلح موعودؓ پر آسمانی انکشاف ۱۰۲
غیر مبائعین کی طرف سے فتنہ پردازوں کو سٹیج کی پیشکش اور حضرت مصلح موعودؓ ۱۰۲
دو ممتاز صحافیوں کے سفارشی خطوط اور حضرت مصلح موعودؓ ۱۰۸

فصل چہارم

مولوی عبدالمنان صاحب عمر کا افسوسناک رویہ ۱۱۱
اتمام حجت ۱۱۸
دنیا بھر کی احمدی جماعتوں اور صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی قراردادیں ۱۲۰
میاں عبدالمنان صاحب عمر کا مکتوب "کوہستان" میں ۱۲۱
مولوی عبدالمنان صاحب عمر کے کیس کی اجمالی تفصیلات ۱۲۲
مولوی عبدالمنان صاحب عمر کے متعلق اخراج از جماعت احمدیہ کا اعلان ۱۳۰
ناظر صاحب امور عامہ کا مکتوب مفتوح ۱۳۲
اصلاح احوال کی آخری کوشش ۱۳۵

فصل پنجم

مسئلہ خلافت پر اہم خطاب، یوم خلافت منانے کا ارشاد۔ انتخاب خلافت کے نظام عمل کا اعلان،
فتنہ پردازوں کی عبرتناک ناکامی ۱۴۸
یوم خلافت منانے کا ارشاد ۱۵۲
ایک احمدی نوجوان کے تأثرات ۱۵۵
قلمی جہاد اور علمی لٹریچر کی اشاعت ۱۵۶
انتخاب خلافت سے متعلق تاریخی ریزولیوشن ۱۶۱
جناب چوہدری عبداللہ خاں صاحب امیر جماعتِ احمدیہ کراچی کی شہادت ۱۶۳
انتخاب خلافت کے متعلق ایک ضروری ریزولیوشن ۱۶۸
مجلسِ انتخاب خلافت کے اراکین میں اضافہ ۱۶۹
مجلسِ انتخاب خلافت کا دستورالعمل ۱۷۰
بنیادی قانون ۱۷۲
فیصلہ ۱۷۶
فہرست اراکین مجلسِ انتخاب خلافت جماعت احمدیہ ۱۷۹
نفوس واموال میں برکت کا چمکتا ہوا نشان ۱۹۹
نظامِ خلافت کے باغیوں کا انجام ۲۰۰
اظہارِ حقیقت ۲۰۲
غیر مبائعین کی عبرتناک ناکامی ۲۰۴

دُوسرا باب

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے سفر ایبٹ آباد و بالاکوٹ سے لے کر تفسیر صغیر کی اشاعت تک ۲۰۶

فصل اوّل

سفر ایبٹ آباد و بالاکوٹ ۲۰۷

عنوان	صفحہ
کتاب "مذہبی راہنماؤں کی سوانح عمریاں" کی اشاعت اور حضرت مصلح موعودؓ کی بروقت رہنمائی	۲۱۳
امریکی فرم کی طرف سے معذرت نامہ	۲۱۷
مسئلہ ارتداد پر ایک لطیف خطبہ	۲۲۱
سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام جنوبی ہند کے احمدیوں کے نام	۲۲۸
جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۶ء	۲۳۱
احمدیہ انٹرنیشنل پریس ایسوسی ایشن کی ایک اہم تقریب	۲۳۶
انصار اللہ کو حضرت مصلح موعودؓ کی قیمتی نصائح	۲۳۸
نائب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی ایمان افروز تقریر	۲۴۴
مصر پر حملہ اور جماعت احمدیہ کا جمال عبدالناصر کے نام برقی پیغام	۲۵۰
احمدیہ انٹرنیشنل پریس ایسوسی ایشن کی قرارداد مذمت۔	۲۵۴
جماعت احمدیہ انڈونیشیا کا پیغام ہمدردی اور صدر جمال عبدالناصر کی طرف سے پُرخلوص شکریہ۔	۲۵۵
حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں ترکی کے ایک فاضل محقق کا مکتوب عقیدت اور قبولِ احمدیت	۲۵۶
ترک احمدی بزرگ مکرم شناسی حسن سی بر صاحب	۲۵۹
احمدی نوجوانوں کیلئے اشاعتِ حق کی خصوصی تحریک	۲۶۶
ایک الہامی دعا پڑھنے کی تحریک	۲۶۷
حضرت مصلح موعودؓ کا رقم فرمودہ پیش لفظ	۲۶۹
جلسہ سالانہ ربوہ اور حضرت مصلح موعودؓ کے روح پرور خطابات	۲۷۰
حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے خالد کا خطاب	۲۷۹
بھارتی احمدیوں کی دینی سرگرمیاں	۲۸۰
ملکی کانفرنسوں میں تقاریر	۲۸۱
کانگرس کا اجلاس امرتسر	۲۸۱
احمدی مبلغین کا دورہ جنوبی ہند	۲۸۲
کالی کٹ اور قادیان کا جلسہ پیشوایان مذاہب	۲۸۴
کیرنگ تبلیغی کانفرنس	۲۸۵
اشاعتِ لٹریچر کی مہم	۲۸۵
اہم شخصیات کو لٹریچر کا تحفہ	۲۸۶
فصل دوم	
حضرت مسیح موعودؑ کے جلیل القدر رفقاء کا انتقال	۲۸۷
حضرت حاجی محمد صدیق صاحب پٹیالویؓ۔	۲۸۷
چوہدری اللہ بخش صاحب والد مولانا کرم الٰہی ظفر مبلغ سپین)	۲۸۸
حضرت ڈاکٹر پیر بخش صاحبؓ متوطن ڈیرہ دین پناہ ضلع مظفر گڑھ	۲۸۹
حضرت مولوی غلام نبی صاحبؓ (مصری)	۲۹۰
حضرت منشی میر محمد اکرم صاحبؓ داتوی	۲۹۸
بابا بھاگ صاحبؓ امرتسری درویش قادیان	۲۹۹
خان بہادر حضرت مولوی غلام محمد صاحبؓ آف گلگت	۲۹۹
حضرت منشی قاضی محبوب عالم صاحبؓ راجپوت سائیکل ورکس نیلہ گنبد لاہور	۳۰۰
حضرت مستری نظام الدین صاحبؓ آف سیالکوٹ	۳۰۹
حضرت مہر غلام حسن صاحبؓ محلہ ارائیں یعقوب سیالکوٹ	۳۱۲
چوہدری نعمت خان صاحبؓ آف کریام	۳۱۴

عنوان	صفحہ
نوابزادہ میاں عبدالرحمٰن خانصاحبؓ مالیر کوٹلہ	۳۱۵
حضرت میاں فضل محمد صاحبؓ ہرسیاں والے	۳۱۶
" نعمت خاں صاحبؓ آف کریام	۳۲۰
" شیخ اللہ بخش صاحبؓ	۳۲۱
سردار شیر بہادر صاحبؓ قیصرانی	۳۲۱
فصل سوم	
دیگر مخلصین جماعت کی وفات	
بابو محمد عمر صاحب بریلوی	۳۲۲
بابو عبدالغنی صاحب انباوی	۳۲۲
صاحبزادہ میاں عبدالسلام صاحب عمر	۳۲۲
ملک بہادر خانصاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر خوشاب	۳۲۸
خواجہ غلام نبی صاحب بلانوی سابق ایڈیٹر "الفضل"	۳۲۸
میاں عبدالکریم صاحب سابق سیکرٹری مال لاہور	۳۳۳
سیٹھ محمد علی صاحب صدر جماعت احمدیہ اڈکور (دکن)	۳۳۳
شاہ جی محمد اکرم خانصاحب رئیس ترنگ زئی پشاور	۳۳۳
محمد یٰسین خاں صاحب آف فیروز پور چھاؤنی	۳۳۳
مولوی محمد علی صاحب مبلغ فیروز پوری	۳۳۳
دوست محمد خاں صاحب حجانہ	۳۳۴
راجہ غلام حیدر صاحب ہجکہ ضلع سرگودھا	۳۳۶
۱۹۵۶ء کے متفرق مگر اہم واقعات	۳۳۸
خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں اضافہ اور تقریب نکاح	۳۳۸
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا پیغام	۳۳۹
پروفیسر سید عبدالقادر صاحب کی وفات	۳۴۰
احمدی طلباء کی شاندار کامیابیاں	۳۴۱
روسی اور امریکی سائنسدان ربوہ میں	۳۴۳
مولانا عبدالمجید سالک کا لیکچر	۳۴۷
ایک دعوت مباہلہ اور "المنیر" کا حیرت انگیز ردعمل	۳۴۷
سیٹو کانفرنس کے مندوبین کو دعوت اسلام	۳۴۹
نصرت انڈسٹریل سکول ربوہ کا قیام	۳۵۰
حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کا مکتوب لنڈن	۳۵۰
حضرت مصلح موعودؓ کے ایک قدیم دوست الشیخ عبدالقادر المغربی کی وفات	۳۵۲
ایک انڈونیشین وفد کا ربوہ میں ورود	۳۵۴
احمدیہ وفد کی الجزائری لیڈروں سے ملاقات	۳۵۵
رؤیا و کشوف کے ذریعہ صداقت احمدیت کا انکشاف	۳۵۵
ایک احمدی نوجوان کا شاندار کارنامۂ شجاعت	۳۵۹
ربوہ میں انڈونیشیا کے سول حکام کے وفد کی آمد	۳۶۱
الامان پریس کی غیر مشروط معافی	۳۶۱
حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا پیغام اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے نام	۳۶۲
مولوی ظفر علی خاں صاحب کی عبرتناک وفات	۳۶۴
اخبار "ریاست" دہلی کا ایک قابل قدر نوٹ درویشان قادیان کے متعلق	۳۶۶
مقدمہ کنج بہاری لال	۳۶۹
حضرت مصلح موعودؓ کی اہم نصائح	۳۷۰
ایک دردناک حادثہ	۳۷۲
ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کا نیا اعزاز	۳۷۲
ربوہ میں ٹیلی فون ایکسچینج کا قیام	۳۷۴
وزیراعظم چین کو قرآن مجید کا تحفہ	۳۷۴

عنوان	صفحہ
۱۹۵۶ء میں بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں	۳۷۵
لنڈن مشن	۳۷۵
ہالینڈ مشن	۳۷۷
سپین مشن	۳۸۰
امریکہ مشن	۳۸۱
(مشرقی افریقہ مشن) کینیا	۳۸۳
ٹانگانیکا	۳۸۵
یوگنڈا	۳۸۶
(مغربی افریقہ) نائیجیریا مشن	۳۸۹
گولڈکوسٹ مشن	۳۹۸
سیرالیون مشن	۳۹۹
احمدیت - غیروں کی نظر میں	۴۰۶
جزائر غرب الہند	۴۰۷
سیلون مشن	۴۰۷
سنگاپور و ملایا مشن	۴۰۹
انڈونیشیا مشن	۴۱۴
مبلغین احمدیت کی مرکز سے روانگی اور واپسی	۴۱۸
نئی مطبوعات	۴۱۹
فصل چہارم	
خلافتِ ثانیہ کا تینتالیسواں سال	۴۲۱
صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کا دورہ جنوبی ہند	۴۲۲
قادیان میں جلسہ سیرت پیشوایان مذاہب	۴۲۴
طلباء سے حضرت مصلح موعودؓ کا خطاب	۴۲۶
سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا سفر سندھ	۴۲۷
بیلاطوس ثانی ڈگلس کی وفات	۴۳۸

عنوان	صفحہ
گورنر صاحب کیرالہ سٹیٹ جنوبی ہند کا جماعت احمدیہ کو خراج تحسین۔	۴۴۷
گولڈکوسٹ کی آزادی اور حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام	۴۴۷
مجلس مشاورت ۱۹۵۷ء	۴۵۰
اختتامی تقریر	۴۵۷
پہلا یوم جمہوریہ پاکستان اور احمدی نمائندوں کی قرارداد	۴۵۸
مہتہ عبدالخالق صاحب پاکستان کے مشیرِ معدنیات کے عہدہ پر	۴۶۲
عید الفطر کا پُر معارف خطبہ	۴۶۴
ربوہ میں پہلا یوم خلافت	۴۶۵
ایک مکتوب اور حضرت مصلح موعودؓ کا مختصر جواب	۴۶۶
بیت الذکر ہمبرگ کا افتتاح اور حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام	۴۶۷
مولوی محمد احمد صاحب کی دردناک شہادت	۴۶۸
فصل پنجم	
تاریخی خطبہ عید الاضحیٰ اور "وقف جدید" کی نئی سکیم کا ذکر	۴۷۱
حضرت مصلح موعودؓ کی تاریخی تقاریر کا اجتماعی امتحان	۴۷۶
حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام جماعتِ احمدیہ امریکہ کے نام	۴۷۷
صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی زیارت حرمین شریفین	۴۷۸
ربوہ میں سفیر انڈونیشیا کی آمد	۴۸۶
مرکز میں ہجوم خلائق کا شاندار منظر	۴۹۶
خدام احمدیت سے روح پرور خطاب	۴۹۶

عنوان	صفحہ
لجنات سے ایمان افروز خطاب	۵۰۳
انصار اللہ سے اثر انگیز خطاب	۵۰۴
میجر جنرل محمد اکبر خاں کی تصانیف پر تبصرہ	۵۰۵
ایک جعلی خط اور عدالتی فیصلہ	۵۰۷
حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کا سفر سیالکوٹ	۵۰۹
انصار اللہ سے خطاب	۵۱۱
پوہلا مہاراں میں آمد	۵۱۲
ادارۃ المصنفین کا قیام	۵۱۳
ادارۃ المصنفین کا پہلا بجٹ	۵۱۴
پہلا اجلاس	۵۱۵
ادارۃ المصنفین کا شائع کردہ لٹریچر	۵۱۷
تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام	۵۱۹
تیسرا باب	
فصل اوّل	۵۲۲
تفسیر صغیر کی تکمیل واشاعت اور حیرت انگیز مقبولیت	۵۲۲
پہلا نوٹ	۵۲۳
دوسرا نوٹ	۵۲۴
ترجمہ پر نظر ثانی	۵۲۷
ترجمہ پر نظر ثالث	۵۲۷
تفسیر صغیر کی کتابت اور طباعت	۵۲۸
کاپی ریڈنگ اور پروف ریڈنگ وطباعت	۵۲۹
تفسیر صغیر اور مضامین قرآنی کا انڈیکس	۵۳۱
تفسیر صغیر کی فروخت	۵۳۳

عنوان	صفحہ
سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے کارکنان کو تفسیر صغیر کے انعامات اور اظہار خوشنودی۔	۵۳۳
تفسیر صغیر کی طباعت کا دور ثانی	۵۳۴
تفسیر صغیر عکسی کی طباعت پر کارکنوں کے لئے اظہار خوشنودی	۵۳۹
تفسیر صغیر کی غیر معمولی مقبولیت	۵۴۱
تفسیر صغیر دوسروں کی نظر میں	۵۴۱
فصل دوم	
قادیان اور ربوہ کے بابرکت سالانہ جلسے	۵۴۵
جلسہ سالانہ قادیان	۵۴۵
جلسہ سالانہ ربوہ	۵۴۸
فصل سوم	
رفقاء حضرت مسیح موعودؑ کا انتقال	۵۵۶
میاں غلام رسول صاحبؓ آف ڈیرہ غازی خاں	۵۵۶
حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ بھیروی بانی احمدیہ مشن امریکہ	۵۵۷
حضرت سید سیف اللہ شاہ صاحبؓ	۵۷۴
حضرت ڈاکٹر سید غلام غوث صاحبؓ ویٹرنری اسسٹنٹ	۵۷۵
ڈاکٹر محمد عمر صاحبؓ لکھنوی پی ایم ایس مقیم جے پور	۵۸۳
حضرت ماسٹر خیر الدین صاحبؓ ریٹائرڈ پی۔ای۔ایس	۵۸۴
حضرت چوہدری احمد دین صاحبؓ وکیل گجرات	۵۸۶
” مرزا مولا بخش صاحبؓ	۵۹۲

عنوان	صفحہ
حضرت مولوی رحمت علی صاحبؓ آف پھیرو چیچی ضلع گورداسپور	۵۹۲
حضرت پروفیسر علی احمد صاحبؓ ایم۔اے بھاگلپوری	۵۹۴
حضرت مولوی غلام رسول صاحبؓ چانگریاں ضلع سیالکوٹ	۵۹۵
حضرت چوہدری بھائی عبدالرحیم صاحبؓ نومسلم سابق جگت سنگھ	۵۹۸
حضرت مولوی فضل الٰہی صاحبؓ بھیروی	۶۰۹
حضرت چوہدری اللہ بخش صاحبؓ مالک اللہ بخش سٹیم پریس قادیان	۶۱۷
میاں عبدالرحیم صاحبؓ عرف پولا	۶۲۶
حضرت ملک عطاء اللہ صاحبؓ گجرات	۶۲۷
حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی ایڈیٹر الحکم	۶۳۱
حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحبؓ آف بمبئی	۶۶۴
حضرت شیخ عبدالحق صاحبؓ سابق معاون ناظر ضیافت قادیان	۶۷۰
دوسرے مخلصین سلسلہ کا ذکر خیر	
صاحبزادہ عبداللطیف صاحب آف ٹوپی مردان	۶۷۲
حضرت نواب اکبر یار جنگ صاحب سابق جج ہائیکورٹ حیدرآباد دکن	۶۷۳
مولوی سید عبدالسلام صاحب مرحوم (اڑیسہ)	۶۷۵
خالد احمدیت ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم گجراتی کی وفات	۶۷۷
فصل چہارم	
۱۹۵۵ء / ۱۳۳۴ہش کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	۷۱۷

عنوان	صفحہ
خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں تقاریب مسرت	۷۱۷
نمایاں کامیابی	۷۱۸
اسلام لاء کالج کولمبو کے طلباء قادیان اور ربوہ میں	۷۲۰
صدر شام شکری القوتلی کو تحفہ قرآن	۷۲۲
ربوہ میں ایک احتجاجی جلسہ	۷۲۴
انڈونیشین قونصل قادیان میں	۷۲۴
گورنر مغربی بنگال کو تحفہ قرآن کریم	۷۲۵
کلکتہ میں جلسہ پیشوایان مذاہب	۷۲۵
دو نئی احمدی بستیاں	۷۲۶
قادسیہ	۷۲۷
انور آباد	۷۲۷
رسالہ تشحیذ الاذہان کا احیاء	۷۲۷
جامعہ احمدیہ کے نئے پرنسپل	۷۲۷
حضرت مصلح موعودؓ کا خصوصی پیغام	۷۲۸
امام سلطان محمد شاہ آغا خان ثالث کا انتقال	۷۲۹
بہائیوں سے کامیاب مناظرہ	۷۳۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضی تصویر پر احتجاج	۷۳۳
اہل ربوہ کا مثالی وقار عمل	۷۳۴
رانچی میں جلسہ سیرت النبیؐ	۷۳۵
ربوہ سے رسالہ "البشریٰ" کا اجراء	۷۳۶
انگلستان سے واپسی	۷۳۷
حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحبؓ کے اعزاز میں استقبالیہ	۷۳۷
بیرونی مشنوں کی سرگرمیاں	۷۳۸

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
انگلستان مشن	۴۳۹	سیرالیون مشن	۴۵۶
ہالینڈ مشن	۴۴۰	مبلغینِ احمدیت کی آمد و روانگی	۴۶۵
سوئٹزرلینڈ مشن	۴۴۱	نئی مطبوعات	۴۶۵
سپین مشن	۴۴۲	**ضمیمہ**	
امریکہ مشن	۴۴۴		
مشرقی افریقہ مشن	۴۴۶	حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی الاسدی	
گولڈکوسٹ (غانا) مشن	۴۵۱	کی تصانیف اور آپ کا کام	
نائیجیریا مشن	۴۵۵	(مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل یادگیر)	۴۶۸

فہرست تصاویر

۱۔ جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء کا ایک منظر

۲۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی چوہدری عبدالجلیل خاں صاحب ایبٹ آباد کے مکان پر ۲۱ ستمبر ۱۹۵۶ء بعد از نماز جمعہ سنتیں ادا فرما رہے ہیں۔

۳۔ حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی ستمبر ۱۹۵۶ء ایبٹ آباد میں ڈاکٹر غلام اللہ صاحب سے محو گفتگو۔

۴۔ حضرت مصلح موعود ایبٹ آباد میں ایک مجلس سے محو گفتگو۔

۵۔ سالانہ اجتماع انصار اللہ ۱۹۵۶ء۔

۶۔ اراکین مجلس انصار اللہ ۱۹۵۶ء۔

۷۔ جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ حضرت مصلح موعود خطاب فرما رہے ہیں۔

۸۔ جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ حضرت مصلح موعود سٹیج پر تشریف فرما ہیں۔

۹۔ جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ حضرت مصلح موعود دعا کر رہے ہیں۔

۱۰۔ جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب خطاب فرما رہے ہیں۔

۱۱۔ جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خطاب فرما رہے ہیں۔

۱۲۔ جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب خطاب فرما رہے ہیں۔

۱۳۔ جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب خطاب فرما رہے ہیں۔

۱۴۔ جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس خطاب فرما رہے ہیں۔

۱۵۔ جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ قاضی محمد اسلم صاحب خطاب فرما رہے ہیں۔

۱۶۔ سفیرانڈونیشیا الحاج محمد رشیدی صاحب کی حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی سے ملاقات

۱۷۔ سفیر انڈونیشیا الحاج محمد رشیدی صاحب کی حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی سے ملاقات۔

۱۸۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل اعلیٰ تحریک جدید سفیرانڈونیشیا الحاج محمد رشیدی صاحب سے محو گفتگو۔

۱۹۔ الحاج محمد رشیدی صاحب سفیرانڈونیشیا کاورود ربوہ۔ مؤرخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۵۷ء کو دفاتر صدر انجمن احمدیہ کا معائنہ۔

۲۰۔ لوکل انجمن احمدیہ ربوہ کی تقریب میں سفیرانڈونیشیا الحاج محمد رشیدی صاحب تقریر فرما رہے ہیں۔

۲۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب روسی سائنسدانوں کے ساتھ۔

۲۲۔ حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی قصر خلافت کے دروازہ پر میاں غلام محمد اختر صاحب سے گفتگو فرما رہے ہیں۔

۲۳۔ مکرم ملک عبدالرحمٰن خادم صاحب ایڈووکیٹ گجرات۔

۲۴۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی محترم میر محمود احمد صاحب ناصر کے ہمراہ بر موقع شادی۔

۲۵۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی محترم میر محمود احمد صاحب ناصر کے ہمراہ بر موقع شادی۔

۲۶۔ حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری پرنسپل جامعہ احمدیہ ۱۹۵۷ء میں طلباء جامعہ احمدیہ کے ساتھ۔

پہلا باب

فتنہ منافقین، حضرت مصلح موعودؓ کی حیرت انگیز رہنمائی اور نظام آسمانی کا استحکام

فصلِ اوّل

پس منظر

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی عظیم اور موعود شخصیت کے بارے میں حضرت اقدس مسیح موعود ومہدی معہود علیہ السلام کے بعد جماعت میں سب سے زیادہ بصیرت اور فراست جس مبارک اور مقدس وجود کو حاصل تھی۔ وہ حاجی الحرمین سیّدنا حضرت مولانا حکیم نور الدین بھیروی خلیفۃ المسیح الاوّل تھے ۔چنانچہ جناب میاں عبدالوہاب صاحب عمرؔ ابن حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا بیان ہے کہ:۔

"ایک دفعہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے پاس حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی کوئی شکایت کی گئی ۔ والدہ صاحبہ کہتی ہیں کہ حضرت خلیفۂ اوّل نے فرمایا:

کہ محمود کی کوئی کتنی شکایتیں ہمارے پاس کرے ہمیں اس کی پروا نہیں ۔ ہمیں تو اس میں وہ چیز نظر آتی ہے ۔جو ان کو نظر نہیں آتی۔ یہ لڑکا بہت بڑا بنے گا۔ اور اس سے خدا تعالےٰ عظیم الشان کام لے گا۔

ہمارے ہاں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی ایک کاپی ہے۔ مکرم منشی غلام نبی صاحب ایڈیٹر الفضل کے پاس اس کی نقل بھی موجود ہے ۔ یہ کاپی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے لیے بنائی تھی۔ اس میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو نصیحتیں فرمائی ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ موعود لڑکے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام اشتہارات مع سبز اشتہار کے آپ نے اس کاپی کے ساتھ لگا کر جلد کروائے ہوئے ہیں۔ کیا اس سے صاف پتہ

نہیں لگتا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل پسر موعود والی تمام پیشگوئیوں کا مصداق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو ہی جانتے تھے۔"[۱]

افسوس منکرین خلافت نے ۱۹۱۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ہی کے گھر کو حضرت مصلح موعود کی مخالفت کا مرکز بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ جناب میاں عبدالوہاب صاحب[۲] نے بروایت مولوی عبدالباقی صاحب بہاری ایم۔ اے یہ حقیقت افروز بیان شائع کیا:۔

"حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات کے بعد خلافت ثانیہ کے زمانہ میں خلافت کے چند دشمن حضرت مولوی عبدالحیٔ صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ اگر آپ خلیفہ بن جاتے تو ہم آپ کی اطاعت کرتے۔ مولوی عبدالحیٔ صاحب نے باوجود بچپن کے ان کو جو جواب دیا وہ اس قابل ہے کہ سلسلہ کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے۔ انہوں نے فرمایا یا تو آپ کو آپ کے نفس دھوکہ دے رہے ہیں یا آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ اگر میں خلیفہ بنتا تب بھی آپ میری اطاعت نہ کرتے۔ اطاعت کرنا آسان کام نہیں۔ مَیں اب بھی تمہیں حکم دوں تو تم ہرگز نہ مانو۔ اس پر ان میں سے ایک نے کہا کہ آپ ہمیں حکم دیں۔ پھر دیکھیں کہ ہم آپ کی فرمانبرداری کرتے ہیں یا نہیں۔ مولوی عبدالحیٔ صاحب نے کہا۔ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ تو میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جاؤ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بیعت کر لو یہ بات سنکر وہ لوگ بغلیں جھانکنے لگے اور کہنے لگے یہ تو نہیں ہو سکتا۔"[۳]

یہ لوگ اگرچہ حضرت مولوی عبدالحیٔ صاحب کی زندگی میں بُری طرح ناکام رہے۔ مگر انہوں نے ان کی وفات (نومبر ۱۹۱۵ء) کے بعد اپنے مذموم ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنی سرگرمیاں تیز سے تیز تر کر دیں۔ حتّٰی کہ دو سال کے بعد حضرت مصلح موعود کو اماں جی (حرم محترم سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل) کے گھر میں حضور کی دعوت کر کے زہر دینے کی

۱۔ الفضل ۴ اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۶

۲۔ حضرت خلیفہ اوّل کے صاحبزادے

۳۔ الفضل ۴ اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۴

بھی ناکام کوشش کی[1] اسی دَور کا واقعہ ہے کہ جناب میاں عبدالسلام صاحب[2] عمرؔ شملہ میں مولوی محمد علی صاحب امیر غیر مبائعین سے ملے۔ ان کی گود میں بیٹھے اور اُن سے نذرانہ وصول کیا۔ جماعت احمدیہ شملہ کے سیکرٹری حضرت خان برکت علی خان صاحب کو علم ہوا تو آپ نے اُن کو تنبیہہ کی۔ جس پر وہ غضبناک ہو گئے۔ اور کہا کہ آپ کو ہمارے کسی قسم کے ذاتی تعلقات پر گرفت کرنے کا حق نہیں۔ نیز مولوی مولوی عمردین صاحب شملوی کے سامنے تسلیم کیا کہ مَیں نے خلیفۃ المسیح الثانی کے بعض دستی خطوط اُڑا لیے ہیں[3]۔

اسی نوعیت کی افسوسناک حرکت جناب میاں عبدالوہاب صاحب نے احمدیہ ہوسٹل لاہور کے زمانۂ قیام میں کی۔ اس زمانے میں ہوسٹل نواب صاحب بہاولپور کی کوٹھی میں تھا۔ اور میاں فضل کریم صاحب پراچہ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سپرنٹنڈنٹ ہوسٹل تھے۔ حضور لاہور تشریف لے گئے تو اسی ہوسٹل میں قیام فرمایا۔ اسی اثناء میں ایک دن حضور باہر تشریف لے گئے۔ جناب مولوی عبدالوہاب صاحب کمرے کو خالی پاکر اندر گئے۔ اور حضور کے ذاتی کاغذات دیکھنے لگ گئے۔ میاں فضل کریم صاحب کے بھائی شیخ عبدالرحیم پراچہ بھی اس وقت ہوسٹل میں تھے میاں فضل کریم صاحب کو پتہ چلا تو انہوں نے عبدالوہاب صاحب کی سخت بے عزّتی کی۔ اور بتایا کہ ان کا پیغامیوں سے تعلق ہے۔ اور وہ اسی ضمن میں تلاشی لے رہے تھے[4]۔

دسمبر ۱۹۲۹ء میں حضرت خلیفۂ اوّل کے بیٹوں نے اپنے بھانجے مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی امرتسری[5] کے ساتھ مل کر **"عزلِ خلافت"** کا ایک شرمناک خفیہ منصوبہ باندھا۔ مگر خلیفہ صلاح الدین صاحب (ابن مکرم ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب) کے ذریعہ حضرت مصلح موعود کو اس کی بروقت رپورٹ پہنچ گئی۔ حضور نے فوری طور پر حضرت شیخ

۱؎ شہادت مولوی برکت علی صاحب لائق لدھیانوی منقولہ "نظام آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر صفحہ ۴۲، ۴۳ تقریر سیدنا حضرت مصلح موعود ۲۷ ؍دسمبر ۱۹۵۶ء الناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ؛ ۲؎ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے صاحبزادے؛ ۳؎ گواہی فضل محمد خان صاحب شملوی (نظامِ آسمانی کی مخالفت اور اسکا پس منظر صفحہ ۴۴

(بقیہ صفحہ ۵ پر)

یعقوب علی صاحب عرفانی (مدیر الحکم) اور مولوی عبدالرحیم صاحب دردؔ کو مزید تحقیق کے لیے مقرر فرمایا دیا۔ جنہوں نے مخبر کے ساتھ مل کر خفیہ طور پر اُن کی سکیم کی تفصیلات تک کا پتہ چلا لیا۔ اور اس طرح یہ سازش بھی پیوندِ خاک ہوگئی۔[1]

کوئی اور ہوتا تو اس ناپاک اور ظالمانہ کارروائی کی تشہیر کر کے ان کی رسوائی اور بے آبروئی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا لیکن سیدنا حضرت مصلح موعود کو خدائے ذوالعرش نے "یوسف" اور "دل کا حلیم" قرار دیا تھا۔ اس لیے آپ نے **لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ** کا شاندار نمونہ دکھاتے ہوئے ان لوگوں کو صمیم قلب سے معاف فرما دیا اور اپنے لوحِ قلب سے اُن کے اس رویّہ کے نقوش و اثرات تک محو کر دیئے۔ لیکن خدا کے محبوب و موعود خلیفہ کی اس شانِ یوسفی اور دل کی حلیمی کے اس عظیم جلوہ کا ان ظالموں پر الٹا اثر ہوا۔ وہ غیر مبائعین کے آلہ کار تو تھے ہی، اب انہوں نے احمدیت کو مٹانے کے لیے احرار جیسے دشمنوں سے بھی سانہ باز کر لی۔ جس کا ایک واضح دستاویزی ثبوت شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور کا مندرجہ ذیل مکتوب ہے۔ جو انہوں نے سات اپریل ۱۹۳۶ء کو لاہور سے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بھجوایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

SH. BASHIR AHMAD

ADVOCATE

12 TEMPLE ROAD
LAHORE
DATED 7 TH april 1936

سیدی و آقائی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

حضور کا مکرمت نامہ ملا۔ اس سے پہلے مجھے بھی ایک اطلاع موصول ہوئی تھی لیکن مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون سا لڑکا ہے۔ اطلاع یہ تھی کہ مولوی عبدالوہاب صاحب عمر

بقیہ حاشیہ:۔ ؎ الفضل ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۶ء ص ؎ مولوی عبدالواحد صاحب غزنوی کے بیٹے جو سیدنا حضرت خلیفہ اوّل کی پہلی صاحبزادی امامہ کے بطن سے تھے۔ [1] "نظام آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر" ص ۵

دفتر احرار میں تشریف لے گئے۔ خان کابلی سے باتیں ہوتی رہیں۔ چوہدری افضل حق بھی وہیں موجود تھے اور خان کابلی سے کافی عرصہ اُن کی ملاقات رہی۔

دوسری بات جو مجھے معلوم ہوئی یہ تھی کہ خان کابلی کوئی مسودہ لے کر گیا اور چوہدری افضل حق کو کہا کہ وہ لڑکا تو یہ کہتا ہے، یا یہ کہ اس کا بیان تو یہ ہے لیکن سُننے والے نے دلچسپی نہ لی اور تفاصیل کا اُسے علم نہ ہو سکا۔

مَیں آج ہی شفیع کو بلوانے کی کوشش کروں گا۔ اور تادیب بھی کر دوں گا لیکن کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ سردست میں اسے نوکر رکھ لوں، اور پھر یہ معلوم ہو سکے گا کہ دشمن نے کیا کچھ سکھایا ہے اور کس طرح اسے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ بہرکیف حضور کے حکم کے مطابق عملدرآمد کروں گا۔ انشاء اللہ۔ حضور کی دعاؤں کا اشد محتاج ہوں۔ اپنی دعاؤں سے میری مدد فرمائیں۔

والسلام

خاکسار۔ حضور کا غلام شیخ بشیر احمد [1]

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا بیان ہے کہ:۔

"مَیں نے ایک بار بہت سی باتیں سُن کر مجبور ہو کر لکھا کہ اب تو یہ (ایک دو صاحبزادگان حضرت خلیفۃ المسیح اوّل) بہت حد سے بڑھ چلے۔ باتیں سُن سُن کر کان پک گئے، دل جل اٹھا، اب تو کچھ کرنا چاہیئے آپ کو، اس کا جواب مجھے دیا کہ اکبر نے اپنے کوکا [2] کی شکایت سُن کر کہا تھا کہ اس کے اور میرے درمیان دودھ کا دریا بہتا ہے تو ان کے اور میرے درمیان سات دودھ کے دریا بہتے ہیں۔ جب تک مجھ میں طاقت ہے صبر ہی کرتا جاؤں گا۔ یہانتک کہ حالات مجھے مجبور نہ کر دیں کوئی قدم اُن کے خلاف نہ اٹھاؤں گا۔" [3]

---

[1] (غیر مطبوعہ) ریکارڈ شعبہ تاریخ احمدیت

[2] دودھ پلانے والی عورت کا لڑکا (ہندی)؛ [3] رسالہ خالد دسمبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۲۵

عکس مکتوب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Sh. BASHIR AHMAD,
ADVOCATE.

12, TEMPLE ROAD:
LAHORE

Dated 7th April 1936

سیدی و آقائی۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

حضور کا محبت نامہ ملا۔ اس سے پہلے بھی میں ایک اطلاع مرسل ہونے کی تیاری میں تھا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون سا لڑکا ہے۔ اطلاعاً یہ ہے کہ ان کے [illegible] صاحب بھی دفتر [illegible] میں تشریف لائے تھے۔ خان کابلی سے باتیں ہوتی رہیں۔ چوہدری افضل حق بھی وہیں موجود تھے، ~~[illegible]~~ اور خان کابلی سے کافی عرصہ ان کی ملاقات رہی۔

دوسری بات جو مجھے معلوم ہوئی ہے یہ ہے کہ خان کابلی کوئی مسودہ لے کر گیا اور چوہدری افضل حق کو کہتا ہے کہ وہ لڑکا قدر یہ کہتا ہے، یا یہ کہ اس کا بیان [illegible] سننے والے دل چسپی نہ لیں اور تفاصیل کا اس کو علم نہ ہو سکا۔

میں آج ہی شیخ کو ملوانے کی کوشش کروں گا اور مناسب بھی کر دوں گا۔ لیکن کیا یہ بہتر ہوگا کہ سر دست میں اس کو نوکر رکھ لوں، اور پھر یہ معلوم ہو سکے گا کہ دشمن نے کیا کچھ سکھایا ہے اور کس طرح اس کو استعمال کرنا چاہتا ہے۔ بہرحال حضور کے حکم کے مطابق عمل درآمد کروں گا۔ انشاء اللہ۔

حضور کی دعاؤں کا امیدوار ہوں۔ اپنی دعاؤں سے میری مدد فرمائیں

والسلام

خاکسار
حضور کا خادم
بشیر احمد

۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۹ء کے دوران شیخ فضل کریم صاحب پراچہ کے چھوٹے بھائی شیخ عبدالرحیم صاحب پراچہ قالین کا کاروبار کرتے تھے۔ اس سلسلے میں انہیں شملہ میں مسلم ہوٹل میں بھی قیام کرنا پڑا جہاں قالین کے ایرانی بیوپاری ٹھہرتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ پراچہ صاحب ہوٹل کے کھانے کے کمرے میں بیٹھے تھے کہ وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ جناب مولوی عبدالوہاب صاحب احراری لیڈر مولوی حبیب الرحمان لدھیانوی کے والد مولوی محمد ذکریا سے محوِ گفتگو ہیں اور ملاقات کر رہے ہیں۔ مولوی عبدالوہاب صاحب فارغ ہو کر چلے گئے تو مولوی محمد ذکریا نے پراچہ صاحب کی موجودگی میں ہوٹل کے مینجر[1] کو بتایا کہ یہ قادیان کے مولوی عبدالوہاب صاحب ہیں۔ جو ہمارے جاسوس ہیں۔ اور ہمیں خبریں دیتے ہیں۔ انہی لوگوں سے مرزائیوں کے راز ہمیں معلوم ہو رہے ہیں۔ اور آج یا کل وہ شملہ میں چوہدری افضل (مفکرِ احرار) کے پاس آئے تھے[2]

مولوی عبدالوہاب صاحب کی خفیہ ریشہ دوانیوں کی تصدیق شیخ محمد اقبال صاحب آف کوئٹہ کے چشمدید واقعہ سے ہوتی ہے۔ غالباً ۱۹۴۳ء کی گرمیوں کا ذکر ہے۔ کہ مجلسِ احرار کے ایک سرگرم رُکن اور مکتبۂ اُردو اور ماہنامہ ادبِ لطیف لاہور کے مالک چوہدری برکت علی صاحب گرمیاں گزارنے کوئٹہ میں محکمہ ریلوے کے ایک غیر احمدی افسر کے ہاں مقیم تھے۔ یہیں شیخ محمد اقبال صاحب سے اُن کی مذہبی گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اُن کے لہجے میں ہمیشہ طنز کا پہلو نمایاں ہوتا اور بار بار کہتے۔ ہمیں کیا بتاتے ہو ہم تو آپ کی جماعت کے اندرون سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اِس ضمن میں انہوں نے دورانِ گفتگو طنزاً کہا کہ تم ابھی بچے ہو۔ تمہیں ابھی اپنی جماعت کے مخفی حالات کا علم نہیں۔ تمہاری جماعت کے سرکردہ لوگ ہم سے پوشیدہ ملتے رہتے ہیں۔ اور اہلِ قادیان کے اندرونی حالات ہم کو بتاتے رہتے ہیں جس سے "مرزائیت کی سچائی" ہم پر خوب واضح ہو چکی ہے۔ شیخ محمد اقبال صاحب نے

---

[1] منظور حسین یا منظور احمد۔ [2] حلفیہ بیان شیخ عبدالرحیم صاحب پراچہ روزنامہ الفضل ۲؍ اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ کالم ۱؍۲

اُن سے مطالبہ کیا کہ وہ اُن سرکردہ احمدیوں کے نام بتائیں۔ جو اُن کو پوشیدہ ملتے ہیں۔ لیکن انہوں نے اس سوال سے کتراتے ہوئے صرف یہ کہا کہ وہ لوگ تمہاری جماعت میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ لیکن اُن سے بہت بے انصافی کا برتاؤ ہوا ہے۔ وہ قادیان میں بہت تنگ ہیں اُن کے حقوق کو پامال کیا گیا ہے۔ اور اپنی تنگدستی اور پریشانیوں کی ہم سے شکایت کرتے ہیں اور ہم سے مالی امداد بھی طلب کرتے رہتے ہیں پھر کچھ توقف کے بعد کہنے لگے کہ وہی ہمیں بتاتے ہیں کہ قادیان بھر میں دو شخص بھی ایسے نہیں ملیں گے۔ جو دل سے موجودہ خلیفہ سے خوش ہوں۔ ڈر کے مارے گو ظاہر طور پر اب تک مخالفت نہیں ہوئی۔ لیکن جہاں بھی موقع ملتا ہے۔ لوگ خفیہ مجالس کر کے موجودہ خلیفہ صاحب کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اور اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ حال ہی میں قادیان میں ایک جلسۂ عام ہوا ہے جس میں اہلِ قادیان نے متفقہ طور پر خلیفہ صاحب کی اتنزاع کے خلاف نکتہ چینی کی ہے۔ اور صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ اس کے بعد کہا کہ تمہاری جماعت کے بزرگوں کے ذاتی کریکٹر کے متعلق بھی ہمیں اطلاعات ملتی رہتی ہیں اور پھر سلسلہ کے بزرگوں کے خلاف بعض الزامات بھی لگائے۔ اس مرحلہ پر شیخ محمد اقبال صاحب کی ایمانی غیرت نے خاموش رہنا گوارا نہ کیا۔ اور نہایت پُرجوش لب و لہجہ میں اُن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا اپنا مکان قادیان میں ہے۔ اور میں اور میرا خاندان ایک لمبے عرصہ تک وہاں مقیم رہے ہیں۔ ہم بھی وہاں کے تمام حالات سے واقف ہیں۔ لیکن میں عینی شاہد ہونے کی حیثیت سے ان تمام الزامات اور غلط واقعات کی تردید کرتا ہوں۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین اور کہتا ہوں کہ اگر چوہدری صاحب ان نام نہاد سرکردہ احمدیوں کا نام نہیں بتائیں گے جو نہ صرف منافق ہیں۔ اور خفیہ طور پر احرار سے ملتے ہیں بلکہ اپنے کذب اور جھوٹ کو راز کی باتیں بنا کر اُن کے عوض جماعت کے شدید دشمنوں کے سامنے کاسۂ گدائی لئے پھرتے ہیں تو میں یہ کہنے پر مجبور ہوں گا کہ یہ سب کذب و افتراء چوہدری صاحب اور ان جیسے دیگر دشمنانِ احمدیت کی اختراع ہے۔ اس پر چوہدری برکت علی صاحب نے احرار کے گماشتوں اور مخبروں کے چہرہ سے نقاب اٹھاتے ہوئے صاف صاف بتا دیا کہ وہ آپ

کے خلیفہ اوّل کے صاحبزادے مولوی عبدالوہاب ہیں۔[1]

یہ تو مولوی عبدالوہاب صاحب کا حال تھا۔ جہاں تک ان کے چھوٹے بھائی مولوی عبدالمنان صاحب عمرؔ کا تعلق ہے۔ وہ حضرت مصلح موعود کے خلاف معاندانہ پراپیگنڈا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ محمد عبداللہ صاحب ظفروال کو ان کے ایک غیر احمدی دوست نے (جو علاقہ مجسٹریٹ کے ریڈر تھے) بتایا کہ مولوی عبدالمنان صاحب عمرؔ کے پاس میں پارٹیشن سے پہلے جب کبھی جاتا تھا۔ وہ حضور کے خلاف سخت غیظ و غضب کا اظہار کرتے اور کہا کرتے تھے " دیکھو جی کمائی ہمارے باپ کی اور کھا یہ رہے ہیں۔ ہمیں کوئی پوچھتا بھی نہیں اور اُن کے محل بن رہے ہیں"[2] حالانکہ یہ سراسر خلافِ واقعہ اور خلافِ تقویٰ بات تھی۔ سیدنا حضرت مصلح موعود کو حضرت خلیفہ اوّل اور آپ کے خاندان کے ساتھ ایک مثالی محبت تھی۔ حضور نے اراضیٔ سندھ میں حضرت خلیفہ اوّل کی یادگار کے طور پر " نور نگر" کے نام سے ایک بستی آباد کی۔ حضرت خلیفہ اوّل اور آپ کے اہلِ خانہ اور صاحبزادوں خصوصاً میاں عبدالوہاب صاحب اور مولوی عبدالمنان صاحب پر تو حضرت مصلح موعود کے ان گنت احسانات تھے اُن کی تعلیم اور دنیاوی ترقی سیدنا حضرت مُصلح موعود اور جماعت کے رہینِ منّت تھی۔ اور اُن کی سازشوں منصوبوں اور مخالفانہ اور بغض و عناد سے بھری ہوئی کارروائیوں کے باوجود بھی حضور ہمیشہ ایک مشفق باپ کی طرح ان کی سرپرستی فرماتے آرہے تھے۔ اور اُن کا ہر دکھ درد حضور کو بے قرار اور مضطرب کر دیا کرتا تھا۔

۱۹۴۴ء میں حضور حضرت سیدہ اُمّ طاہر صاحبہ کی بیماری کے دوران شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور کے ہاں قیام فرما تھے۔ انہی ایام میں حضور نے پانچ ہزار کا چیک میاں عبدالمنان صاحب کو دیا اور ارشاد فرمایا کہ اس سے کوئی کام کریں۔ خود بھی فائدہ اٹھائیں اور والدہ کی بھی مدد کریں۔ چنانچہ انہوں نے اسی رقم سے قادیان میں اپنا ذاتی پریس لگایا۔[3]

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۲ کالم ۱ تا ۳ (حلفیہ شہادت شیخ محمد اقبال صاحب ابن حضرت شیخ کریم بخش صاحب آف کوئٹہ)۔ [2] "نظامِ آسمانی کی مخالفت" صفحہ ۶۷، صفحہ ۶۸ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱ پر)

حضرت مصلح موعود کی ان مسلسل نوازشات اور عنایات کے باوجود ان لوگوں کے سینے بغض وعناد کی آگ سے بھرے رہتے تھے۔ چنانچہ قبل از تقسیم قادیان کے دور ہی کا واقعہ ہے کہ محمد عیسیٰ صاحب جہانگیر کی اہلیہ صاحبہ ایک شادی کے سلسلے میں حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بغرضِ ملاقات جانے لگیں تو خیال آیا کہ میاں عبدالوہاب صاحب اور میاں عبدالمنان صاحب سے بھی ملتی چلوں۔ چنانچہ وہ ملاقات سے پہلے انہیں سلام کرنے کے لیے اُن کے پاس گئیں۔ اس پر میاں عبدالوہاب صاحب یا میاں عبدالمنان صاحب نے فرمایا جب ہم خلیفہ ہوں گے تو سلام کرنا[1]

قیامِ پاکستان کے بعد مولوی عبدالوہاب صاحب صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کے ہمراہ خاندانِ مسیح موعودؑ کے نمائندے کے طور پر قادیان بھجوائے گئے لیکن تھوڑے ہی عرصے میں اُن سے ایسی حرکات سرزد ہونی شروع ہوئیں۔ جو سلسلہ احمدیہ اور درویشوں کے مفاد کے منافی تھیں۔ وہ غیر مسلموں سے ایسی ناگفتنی باتیں کہہ جاتے کہ اگر ان کا ساتھ ساتھ فوری تدارک نہ کیا جاتا تو خدا معلوم غریب درویشوں پر مصائب کے کیا کیا پہاڑ ٹوٹ جاتے۔ وہ عہدِ درویشی کا ابتدائی دور تھا۔ اور بڑا نازک اور خطرناک دور تھا۔ یہ ایسے متمرد اور سرکش تھے کہ باوجود بار بار منع کرنے کے شام کو ضرور غیر مسلموں کے محلّے میں دُور تک نکل جاتے اور کبھی کسی سے اور کبھی کسی سے اُوٹ پٹانگ اور مفادِ سلسلہ کے خلاف باتیں کرتے رہتے تھے۔

ایک دن حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ امیر جماعت قادیان کو یہ شکایت پہنچی کہ ایک شخص نے درویشوں سے کہا ہے کہ تم یہاں مفت کی روٹیاں کھا رہے ہو جاؤ جا کر کوئی کام کرو یہاں پہ کیا رکھا ہے۔ حضرت مولوی صاحب نے بیتِ المبارک میں نمازِ مغرب کے وقت ایک تقریر فرمائی۔ جس میں اس قابلِ اعتراض اور اخلاق سوز حرکت کا ذکر کیا اور جواب طلبی کرتے ہوئے

بقیہ حاشیہ ۳ے مکتوب حضرت مصلح موعود بنام مرزا عبدالقدیر صاحب مورخہ ۱۹ راگست ۱۹۵۶ء (ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ) [1] اصل بیان جو ۲ر نومبر ۱۹۵۶ء کا ہے۔ شعبہ تاریخ احمدیت کے قدیم ریکارڈ میں موجود ہے اور اس پر مندرجہ ذیل گواہوں کے دستخط ہیں شکیل احمد منیر صاحب۔ محمد اختر صاحب۔ سردر سلطانہ صاحبہ ربیگم مولانا عبدالمالک خان صاحب مربی سلسلہ کراچی)

پوچھا کہ یہ کس شخص کی کارروائی ہے؟ حضرت مولوی صاحب اپنی تقریر ختم کرکے بیٹھ گئے تو میاں عبدالوہاب صاحب نے جھٹ اٹھ کر معافی مانگ لی۔ اور اعتراف کر لیا۔ کہ جس شخص نے یہ بات کی ہے وہ میں ہی ہوں۔ میاں عبدالوہاب صاحب نے درویشی کے اس دور میں سلسلہ کے اموال کو خورد بُرد کرتے ہوئے ہندوؤں کے پاس جماعتی سٹور کے برتن بھی بیچنے شروع کر دیئے۔ امیرالدین صاحب سٹور کیپر نے تین بار انہیں برتن بیچتے پکڑا اور انہوں نے تینوں بار بیت المبارک میں ہی حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ کے سامنے معافی مانگی۔ حضرت مولوی صاحب نے اُن سے کہا کہ اگر یہاں برتن ہی بیچنے ہیں تو آپ پاکستان ہی تشریف لے جائیں۔ اس پر میاں صاحب امیردین صاحب کو اپنے گھر لے گئے اور کہا کہ تو نے بُرا کیا۔ اگر میری شکایات نہ کرتا تو کیا ہوتا۔ یاد رکھو قادیان حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وجہ سے آباد تھا۔ ہم تو پاکستان چلے جائیں گے اور برتن بھی بک کر رہیں گے لیکن قادیان اب آباد نہ ہو سکے گا۔

اِن مذبوحی حرکات کی بناء پر قادیان کی مقامی تنظیم نے مشورہ کیا کہ ان کو جلد از جلد واپس پاکستان بھیج دیا جائے۔ چنانچہ اس بارہ میں شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کو قادیان سے فون کیا گیا اور اُن کے ذریعہ ربوہ سے اجازت حاصل کر کے اُن کو پاکستان واپس بھیج دیا گیا۔[1]

میاں عبدالوہاب صاحب کے پاکستان میں پہنچنے کے بعد حضرت خلیفہ اوّل کے صاحبزادوں نے مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی کے ساتھ مل کر دوبارہ نظامِ خلافت کے خلاف محاذ قائم کر لیا۔ اور عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھیوں کی طرح جنہوں نے خلیفۂ رسول حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف پورے عالمِ اسلام میں ایجی ٹیشن برپا کر دیا اور انہیں شہید کر دیا۔ ایسے آوارہ مزاج نوجوانوں سے اپنے خصوصی مراسم و روابط تیزی سے بڑھانے شروع کر دیئے جو نام نہاد احمدی تھے۔ اور نظامِ جماعت کی مخالفت و تضحیک اُن کا شیوہ تھا۔ ان میں خاص

---

[1] خط ڈاکٹر بشیر احمد صاحب درویش قادیان مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۵۶ء، بیان احمد دین صاحب آف کوئٹہ سابق درویش قادیان، بیان امیرالدین صاحب سیمنٹ بلڈنگ رتن باغ لاہور سابق درویش قادیان۔ بیان مرقومہ ۱۴ اگست ۱۹۵۶ء (ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

طور پر ایسے عناصر شامل تھے جن سے سلسلہ کے مرکزی نظام کو پہلے ہی شکایات تھیں۔ اور جو یا تو وقفِ زندگی کے عہد کو توڑ کر غدّاری کے مرتکب ہو چکے تھے یا وقفِ زندگی ہونے کے باوجود وقف سے بھاگنا چاہتے تھے۔ اور جماعتی نظام سے تنخواہیں اور بھاری بل وصول کرنے کے باوجود مرکزِ احمدیت میں بیٹھ کر تحریک وقفِ زندگی کے خلاف پراپیگنڈا کیا کرتے تھے۔ اور ربوہ کی ابتدائی اور خام تعمیرات کا نہایت بے شرمی سے مذاق اڑایا کرتے تھے۔ سلسلہ احمدیہ کے مرکزی ریکارڈ[1] ۱۹۵۶ء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۹۵۱ء کے آخر کا واقعہ ہے۔ ربوہ میں بعض ایسے فتنہ پردازوں کی باقاعدہ بازپرس کی گئی تو وقیع اور چشمدید گواہوں سے اُن کا جرم ثابت ہو گیا۔ جب یہ معاملہ تحقیقات کے بعد حضرت مصلح موعود کی خدمت پیش کیا گیا تو حضورِ انور نے فرمایا کہ میں اپنی ذات کے بارے میں تو معاف کر سکتا ہوں۔ سلسلہ کے معاملے میں معاف نہیں کروں گا۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے ربوہ سے چلے جانے کے بعد ۳۴ نسبت روڈ[2] لاہور میں اپنا اڈا قائم کر لیا۔

اب ابنائے حضرت خلیفہ اوّل جو آئندہ خلافت کے خواب دیکھ رہے تھے، اپنی سکیم کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی اور ان نام نہاد احمدیوں کے ذریعہ جماعت میں شدّ و مد کے ساتھ باغیانہ خیالات پھیلانے لگے۔ جس کے ثبوت میں دو واقعات کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

اوّل:- ۱۹۵۰-۵۱ء میں سیّد منوّر شاہ صاحب ولد سیّد فضل شاہ صاحب (ساکن نواں پنڈ احمد آباد متصل قادیان) حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی بندوقوں کی دکان واقع لاہور میں ملازم تھے۔ وہ ربوہ میں اپنی خالہ زاد بہن عزیزہ بیگم صاحبہ اہلیہ مولوی محمد صادق صاحب مربی سلسلہ سیرالیون کے پاس ملنے کو آئے اور ایک دن باتوں باتوں میں یہ ذکر کیا۔ کہ ایک گروہ نوجوانوں کا ایسا ہے جو کہتا ہے کہ موجودہ خلیفہ کے بعد اگر خلافت پر مرزا ناصر احمد صاحب کو جماعت نے بٹھایا تو ہماری پارٹی میں سے کوئی بھی

---

[1] ریکارڈ خلافت لائبریری ۱۹۵۶ء [2] یہ کوٹھی میجر نصر اللہ صاحب پسر چوہدری نعمت اللہ خان صاحب بیگم پوری کے نام الاٹ تھی۔

اسے نہیں مانے گا۔ ہم تو میاں عبد المنان عمر کو خلیفہ تسلیم کریں گے۔ عزیزہ بیگم صاحبہ نے جھڑک کر کہا کہ وہ خبیث کون ہیں۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ دیکھنا اس وقت تم لوگوں کا ایمان بھی قائم نہیں رہے گا۔ اور یہ کہہ کر وہ اسی وقت گھر سے باہر چل دیئے[1]

دوم:۔ ۱۹۵۴ء کا واقعہ ہے کہ ڈاکٹر محمد شفیع صاحب نثار پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ طالب آباد کے سامنے کوٹھ رحمت علی متصل براہنچ میں مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی کے ایک پروردہ شخص بشیر احمد نے کہا کہ جماعت احمدیہ کی خلافت کا حق مولوی نورالدین صاحب کے بعد اُن کی اولاد کا تھا۔ لیکن میاں محمود احمد صاحب نے (نعوذ باللہ) ظلم سے ان کا حق غصب کر کے خلافت پر قبضہ کر لیا ہے۔ اب ہم لوگ (یعنی خاندان حضرت خلیفہ اوّل اور ان کے غیر احمدی رشتہ دار) اس کوشش میں ہیں کہ خلافت کی گدی مولوی صاحب کی اولاد کو ملے۔ اور اب "حق بحقدار رسید" کے مطابق جلد ہی یہ معاملہ طے ہو کر رہیگا[2]

حضرت خلیفہ اوّل کے بیٹے اپنے خاندان میں خلافت کو منتقل کرنے کے لیے کسی خاص موقعے کی تلاش میں تھے۔ یہ موقع انہیں حضرت مصلح موعودؓ کی بیماری اور سفر یورپ ۱۹۵۵ء کے دوران میسّر آگیا۔ اس زمانے میں انکی سرگرمیاں یکایک بڑھ گئیں۔ اور میاں عبدالوہاب نے کھلے لفظوں میں یہ ناپاک پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ خلیفہ وقت بوڑھا ہو چکا ہے۔ کسی اور کو خلیفہ منتخب کر لینا چاہیئے[3]

شیخ نصیر الحق صاحب آف لاہور کا حقیقت افروز بیان

شیخ نصیر الحق صاحب آف لاہور کا بیان ہے کہ سفر یورپ کے سلسلہ میں جب حضور لاہور سے بخیریت کراچی پہنچ گئے تو جودھامل بلڈنگ لاہور میں نماز مغرب کے بعد مجھے سید بہاول شاہ صاحب نے تار کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ الحمد للہ حضور بخیریت کراچی پہنچ گئے ہیں۔ جب

[1] الفضل ۲۲ اگست ۱۹۵۶ء صہ ۳ (بیان عزیزہ بیگم صاحبہ دختر محبوب علی مرحوم آف مالیر کوٹلہ)

[2] الفضل ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۶ء صہ ۵ [3] مکتوب چوہدری اسد اللہ خانصاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور ۲۴، ۲۵ جولائی ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ۔ ایضاً الفضل ۱۹۵۶ء صہ ۲ر۳

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا ایک خط

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے اپنے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے ایک خط کا چربہ جو آپ نے ۲۴ اپریل ۱۹۱۳ء کو مردان کے ایک معزز رئیس خان محمد اسلم خانصاحب آفریدی کے نام تحریر فرمایا تھا۔
اس خط میں حضرت خلیفۃ اوّل نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"میں اب ضعیف ۔ بیمار اور بہت بڈھا ہوں موت قریب ہے"

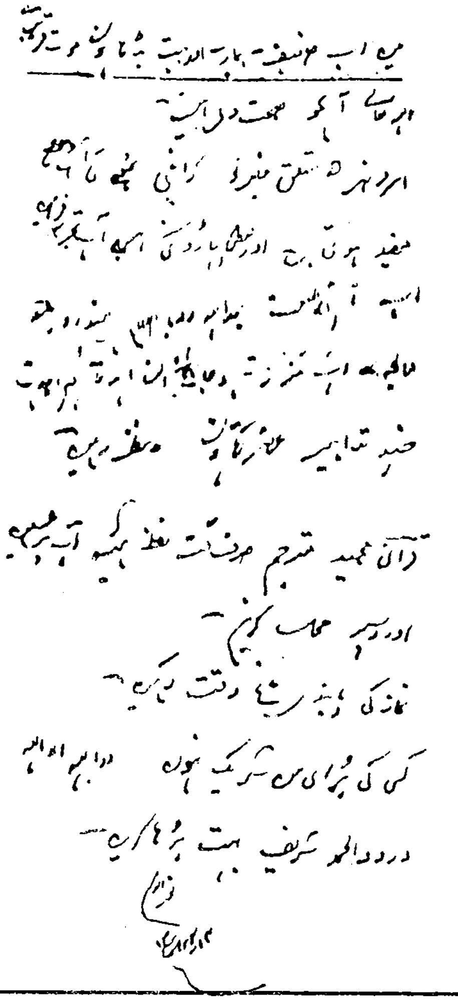
میں اب ضعیف ۔ بیمار اور بہت بڈھا ہوں موت قریب ہے

؎ روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۲

مَیں واپس رتن باغ کو لوٹنے لگا تا اپنی بیوی کو ساتھ لے کر گھر سمن آباد چلا جاؤں ۔ تو مولوی عبدالوہاب صاحب نے مجھے آواز دی ۔ کہ حاجی صاحب ! ٹھہر جایئے ۔ مَیں بھی چلتا ہوں ۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ حاجی صاحب آپ نے دیکھا کہ قوم کا کتنا روپیہ خرچ ہو رہا ہے ۔ مَیں نے عرض کیا ۔ مولوی صاحب! حضرت صاحب تو فرما چکے ہیں کہ مَیں اپنا خرچ خود برداشت کروں گا ۔ پھر اعتراض کیسا ؟ فرمانے لگے آگے تو سنو ۔ مَیں نے کہا فرمایئے کہنے لگے کہ دیکھو اب خلیفہ تو (نعوذ باللہ من ذالک) اپنا دماغ کھو چکا ہے ۔ وہ اس قابل نہیں کہ خلیفہ رکھا جا سکے ۔ مَیں بجبر خاموش رہا تا سارا ماجرا سن سکوں ۔ اور جو گفتگو یہ کرنا چاہتے ہیں ۔ وہ رہ نہ جائے ۔ مَیں نے کہا مولوی صاحب بھلا یہ تو بتایئے کہ اب اور کون خلیفہ ہو سکتا ہے ؟ کہنے لگے کہ میاں بشیر احمد صاحب اور چوہدری ظفراللہ خان صاحب کیا کم ہیں ۔ اب میں نہیں رہ سکا ۔ تو میں نے کہا مولوی صاحب آپ تو ایک بزرگ ہستی کے فرزند ہیں ۔ آپ کو اتنا بھی علم نہیں ۔ کہ ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرا خلیفہ بنانا تو کجا خیال کرنا بھی گناہ ہے ۔ چہ جائیکہ آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں ۔ اور میرے لیے یہ نہایت تکلیف دہ ہو گیا ہے .... پھر فرمانے لگے ۔ سنو! سنو! مَیں نے عرض کیا کہ چونکہ مَیں نے سمن آباد جانا ہے اور نیلا گنبد سے بس لینی ہے ۔ اس لیے کچھ اور کہنا ہے تو چلتے چلتے بات کیجیئے ۔ کہنے لگے دیکھو یہ جو مضامین آجکل چھپ رہے ہیں ۔ انہیں میاں بشیر احمد صاحب درست کر کے پریس کو بھیجتے ہیں ۔ وہ خود تو لکھ نہیں سکتے ۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ انہی میاں صاحب کو حضرت صاحب اپنے کمرہ میں سُلاتے ہیں ۔ مَیں اس معمّہ کو نہیں سمجھ سکا ۔ اس کے علاوہ بھی اور کئی باتیں کیں جو مَیں بھول گیا .... مَیں نے اگلے دن سارا واقعہ چوہدری اسداللہ خان صاحب کو ہائیکورٹ میں جا کر سنایا انہوں نے فرمایا لکھ دو ۔ مَیں نے وہیں بیٹھ کر لکھ دیا ۔ جو مجھے اس وقت یاد تھا ۔

چوہدری صاحب نے فرمایا کہ آپ مولوی صاحب کے سامنے بھی یہی بیان دیں گے ۔ مَیں نے عرض کیا کہ مَیں نے آپ کو لکھ دیا ہے آپ میرے ساتھ جودھامل بلڈنگ چلیں اور انہیں میری موجودگی میں پڑھا دیں ۔ چنانچہ ہم دونوں گئے ۔ مولوی صاحب اپنی دکان میں موجود نہ تھے ۔ ہم انتظار کرتے رہے ۔ کچھ دیر کے بعد مولوی صاحب تشریف لے آئے ۔ میرا خط

چوہدری صاحب نے مولوی صاحب کو پڑھایا۔ مولوی صاحب کا رنگ زرد ہوگیا۔ کچھ سکتے کے بعد فرمانے لگے۔ نہیں میں نے نہیں کہا۔ چوہدری صاحب نے فرمایا لکھ دیجیئے کہنے لگے۔ اچھا لکھ دیتا ہوں۔ چنانچہ ان کے دفتر کا کاغذ لے کر مولوی صاحب نے لکھا کہ میں نے ہرگز کوئی ایسی بات نہیں کی۔ جس کے متعلق حاجی صاحب نے لکھا ہے۔ چوہدری صاحب فرمانے لگے۔ کیا آپ اب بھی مصر ہیں۔ میں نے کہا۔ ہاں! اور مجھے یہ کاغذات دیجیئے میں اس پر مزید لکھتا ہوں۔ چنانچہ میں نے یہ الفاظ لکھے کہ مجھے سخت صدمہ ہوا کہ مولوی صاحب ایک بزرگ ہستی کی اولاد ہیں جو ہمارے خلیفہ اوّل رہ چکے ہیں۔ انہوں نے صریح جھوٹ بول کر مجھے ہی نہیں بلکہ حضرت خلیفہ اوّل کی روح کو بھی تکلیف پہنچائی ہے مجھے ان سے یہ توقع نہ تھی۔ کہ انکار کریں گے۔ مجھے معاً خیال ہوا کہ اگر احمدیت کا یہی نمونہ ہے۔ تو غیر از جماعت لوگوں پر اس کا کیا اثر ہوگا۔ چنانچہ یہ دونوں تحریریں جناب چوہدری اسداللہ خان صاحب اپنے ساتھ لے گئے[1]

سیّدنا حضرت مصلح موعود ابھی کراچی میں ہی تھے کہ میاں عبدالمنان عمر صاحب اور اُن کے ساتھیوں نے پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ خلیفہ کس کو بنایا جائے[2]۔ اسی زمانہ میں مولوی عبدالوہاب صاحب نے حضرت مصلح موعود کی تفسیرِ کبیر کے درس کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے کہا کہ تفسیرِ کبیر کا درس نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ ایک فرد کی رائے ہے۔ خلیفہ غلطی کرسکتا ہے۔ بنیادی مسائل میں خلیفہ سے اختلاف رکھنا جائز ہے۔ اور اس اختلاف کے رکھتے ہوئے خلیفہ کی بیعت کر لینا بھی جائز ہے[3]۔

حضرت مصلح موعودؓ کی سفرِ یورپ سے کامیاب و کامران اور بخیریت واپسی کے بعد اگلے سال ۱۹۵۶ء کے شروع میں میاں عبدالمنان صاحب کی ہمنوا پارٹی کے ایک ممبر نے یہ شاخسانہ کھڑا کر دیا۔ کہ ربوہ کا مرکزی ہسپتال حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کے نام سے منسوب کیا جانا

---

[1] نظامِ آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر صـ۱۱۲ ؛ [2] ریکارڈ خلافت لائبریری بیان مولوی خورشید احمد شاد صاحب ؛ [3] ایضاً

چاہیئے یہ وہی شخص تھا۔ جو قبل ازیں برملا کہہ چکا تھا کہ "ہم تو آئندہ مولوی عبد المنان صاحب عمرؔ کی بیعت کریں گے۔ تم دیکھو گے کہ آج سے ۲ دو سال بعد میں ربوہ جاؤں گا۔ اور اس وقت میرے ہاتھ میں اتنی طاقت ہوگی۔ کہ میں مرزا ناصر احمد (صاحب) کو بازو سے پکڑ کر ربوہ سے نکال دوں گا"[1]

یہ بنا شورشِ فتنہ و فساد کی گویا پہلی چنگاری تھی۔ جس کا مقصد پوری جماعت میں بے چینی پیدا کر کے سیدنا حضرت خلیفۃ اوّل کے خاندان کی مظلومیت جتلانا اور حضرت مصلح موعود سے بدظنی کرنا تھا۔

اِن ایام میں میاں عبد المنّان صاحب کے غیظ و غضب کا پارہ عروج پر پہنچ چکا تھا۔ اور وہ امیدوارِ خلافت کی حیثیت سے پوری جماعت کو ڈنڈے سے سیدھا کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ میاں غلام غوث صاحب سابق ہیڈ کلرک میونسپل کمیٹی ربوہ کی چشمدید شہادت ہے:۔

"حضرت ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب آنریری سیکرٹری میونسپل کمیٹی ربوہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں مکرم مولوی عبد المنان صاحب انچارج صیغہ تالیف و تصنیف تحریک جدید ربوہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت میاں منور احمد صاحب کے دستخطوں کی شناخت کر دوں۔ جو انہوں نے کسی غلط تعبیر کے سلسلہ میں کمیٹی کے قواعد کے تحت مولوی عبد المنان صاحب کو دیئے تھے۔ چنانچہ فدوی وہاں گیا۔ اور مولوی عبد المنان صاحب نے فرمایا کہ دیکھو۔ یہ دونوں نوٹس موجود ہیں۔ اور دستخط میاں منور احمد صاحب کے ہیں۔ ان دونوں میں کتنا تفاوت ہے۔ ان میں سے کون سا صحیح ہے۔ اور کون سا غلط ہے۔ اس وقت میرے سامنے والی کرسی پر چوہدری شبیر احمد صاحب نائب وکیل المال تحریکِ جدید بھی تشریف فرما تھے۔ اور ہم دونوں مولوی عبد المنان صاحب

---

[1] بیان بشارت احمد صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ چک نمبر ۹۸ شمالی ضلع سرگودہا مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۵۶ء (ریکارڈ ۱۹۵۶ء خلافت لائبریری ربوہ)

کے سامنے بیٹھے تھے) بندہ نے عرض کیا کہ چونکہ میں شروع سے کمیٹی میں حضرت میاں منور احمد صاحب کے ماتحت کام کر رہا ہوں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ دونوں دستخط حضرت میاں منور احمد صاحب کے ہیں۔ گو ایک چھوٹا ہے اور ایک بڑا۔ لیکن دستخط انہی کے ہیں۔ چونکہ اس کا مضمون ذرا مطابق قواعد مقررہ الفاظ میں تھا۔ اور زیادہ زیر بحث مولوی عبدالمنان صاحب کے مضمون پر بھی غصہ سے بھرے ہوئے الفاظ میں آپ تقریر فرماتے رہے۔ آخر میں اُن کے مُنہ سے حسب ذیل الفاظ ظاہر ہوئے:۔

"میاں منور احمد وغیرہ اس لئے سختی کرتے ہیں۔ اور ناجائز کرتے ہیں کہ وہ حضرت صاحب کے لڑکے ہیں۔ یعنی خلیفہ صاحب کے۔ جس وقت ڈنڈا میرے ہاتھ میں آیا، مَیں سب کو سیدھا کر دوں گا۔ یا دیکھونگا"

اس وقت بندہ خاموش ہو کر واپس چلا آیا۔ کیونکہ میاں صاحب بہت غصے میں تھے بندہ نے اسے SERIOUS نہیں لیا۔ البتہ جب دفتر کمیٹی میں پہنچا تو وہاں چوہدری عبداللطیف صاحب اوورسیر اور چوہدری عنایت احمد صاحب اکونٹنٹ و محمد الیاس چپڑاسی موجود تھے۔ مَیں نے ہنسی کے طور پر چوہدری عبداللطیف صاحب اوورسیر سے کہا کہ آپ نے میاں عبدالمنان صاحب سے ٹکر لی ہے۔ اب خبردار ہو جاؤ۔ وہ آپ سب کو سیدھا کر دیں گے۔ کیونکہ وہ خلافت کا خواب دیکھ رہے ہیں۔"[1]

یہ تعلّی اور دھونس بے وجہ نہ تھی۔ کیونکہ جیسا کہ چند ماہ بعد ہی یہ سازش پوری طرح بے نقاب ہو گئی کہ یہ ناخدا ترس لوگ ۱۹۵۶ء کے شروع میں ہی نظامِ خلافت کے خلاف بغاوت پھیلانے اور اس کا تختہ اُلٹنے کی تیاریاں مکمل کر چکے تھے۔ اور میاں عبدالمنان صاحب کی "خلافت" کی

---

[1] "نظامِ آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر" صفحہ ۱۱۲ - ۱۱۵ - الفضل ۱۷؍ اکتوبر ۱۹۵۶ء

راہ ہموار کرنے کی خاطر ایک غیر مبائع ایجنٹ خفیہ طور پر ملک بھر کی احمدی جماعتوں کے طوفانی دورے کے لئے مقرر کیا جا چکا تھا۔ یہ ایجنٹ اللہ رکھا نامی تھا۔ جو گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ کا باشندہ تھا۔ اور ۱۹۵۰ء سے احمدیہ بلڈنگس لاہور میں ملازم تھا۔ جیسا کہ روزنامہ امروز ۲۱ مئی ۱۹۷۴ء کے صفحہ ۴ پر اُس کے شائع شدہ مکتوب کے درج ذیل الفاظ سے واضح ہے۔

"میں ۱۹۵۰ء سے امیر مرحوم (مولانا محمد علی) کے ارشاد کے مطابق احمدیہ بلڈنگس لاہور میں مُقیم ہوا۔ اور لٹریچر تقسیم کرنے کا کام شروع کیا۔ کھانا اور رہائش کا انتظام لنگر خانے سے تھا۔"

اللہ رکھا قیامِ پاکستان سے قبل لنگر خانہ قادیان میں ملازمت کر چکا تھا۔ وہ دارالشیوخ کے لیے آٹا اکٹھا کیا کرتا تھا۔ اور ساتھ ہی نظامِ سلسلہ کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈا کرنے کا بھی خُوگر تھا۔ جس پر حضرت مصلح موعود کی طرف سے الفضل ۳۰ مئی ۱۹۴۵ء صفحہ ۵ پر یہ اعلان شائع کیا گیا۔

"یہ صاحب ہر شخص پر الزام لگاتے ہیں۔ ان کے نزدیک ناظر اگر دورہ پر جاتے ہیں تو کسی کے ہاں جا کر ان کے حق میں رپورٹ کر دیتے ہیں چندہ یہ دیتے ہیں۔ تو دفتر کے لوگ کھا جاتے ہیں۔ سیکرٹری اُن کے دشمن ہیں۔ "الفضل" ان صاحب کا دشمن ہے۔ اور ہمارے نزدیک یہ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔ یا ان کے دماغ میں نقص ہے۔ چونکہ یہ پراپیگنڈا بھی کرتے ہیں۔ اس لیے اس بارہ میں اعلان کیا جاتا ہے کہ میں جہاں تک انسانی علم ہے ان کو غلطی پر سمجھتا ہوں۔"

اللہ رکھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کے ساتھ گستاخی سے پیش آتا تھا۔ ایک بار پٹنہ سے ایک مہمان تشریف لائے۔ یہ ظالم اُن کے ساتھ نہ صرف گستاخی سے پیش آیا۔ بلکہ اُنہیں زدو کوب کر کے زخمی کر دیا۔ تحقیق ہوئی تو الزام ثابت ہو گیا جس پر مخدوم محمد ایوب صاحب معاون ناظر امور عامہ قادیان نے اُسے بید زنی کی سزا دی۔ اور پھر اسے ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔[1]

---

[1] مراسلہ مخدوم محمد ایوب صاحب مورخہ ۲۸ اگست ۱۹۴۹ء و مراسلہ نظارت امور عامہ قادیان مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۹۴۹ء

تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۸ء کے ابتداء میں یہ شخص کسی نہ کسی طرح قادیان پہنچ گیا۔ اور میاں عبدالوہاب صاحب کا دستِ راست بن گیا۔ چنانچہ عبدالکریم صاحب خالد[1] سابق درویش قادیان فرماتے ہیں۔

"صدر انجمن احمدیہ کے سٹور سے میاں عبدالوہاب صاحب نے سامان نکلوایا اور انہیں ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھ فروخت کیا۔ اس وقت بھی اللہ رکھا ہی تھا۔ جو اس معاملے میں اُن کا معاون تھا[2]"

یہ شخص دو سال تک درویشانِ قادیان کے لئے فتنہ بنا رہا۔ ایک طرف اس نے حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ اور صدر انجمن احمدیہ قادیان کے ناظر صاحبان سے جنگ شروع کر دی اور دوسری طرف غیر مسلموں سے رابطہ پیدا کر کے درویشوں کا قافیۂ حیات تنگ کر دیا۔ اور ان کا سارا آرام اور چین حرام کر دیا۔ ساری ساری رات یہ درویشوں کو گالیاں دیتا۔ اور بالکل نہ تھکتا تھا۔ نہ اس کو نیند آتی تھی۔ ڈاکٹر میجر بشیر احمد صاحب نے اس کو کچھ دن کے لیے ایک کمرے میں بند کر کے اس پر پہرا لگا دیا۔ لیکن پہریداروں کی غفلت سے یہ بھاگ نکلا اور پولیس اور غیر مسلموں کے پاس پہنچ گیا۔ اور بہت سے درویشوں پر مقدمہ دائر کر دیا۔ جس میں بے گناہ اور معصوم درویشوں کو سزا ہوئی اور بمشکل ضمانتیں ہوئیں۔ اللہ رکھا کو قادیان میں غیر مبائعین کی چٹھیاں برابر پہنچتی تھیں[3] خصوصاً مولوی محمد علی صاحب سے اس کی باقاعدہ خط و کتابت جاری رہی۔ اور غیر مبائعین کے جوائنٹ سیکرٹری شیخ محمد طفیل صاحب نے مولوی صاحب کا فوٹو بھی بھجوایا۔ اور اُن کے رسالے بھی۔ جن کا ریکارڈ دفتر نظارت امور عامہ قادیان میں محفوظ کر دیا گیا۔

---

[1] آپ ۱۹۴۷ء سے جون ۱۹۵۲ء تک بحیثیت درویش قادیان میں مقیم رہے۔

[2] مکتوب عبدالکریم صاحب خالد ۷ جولائی ۱۹۵۶ء از راولپنڈی۔ حضرت مصلح موعود کی خدمت میں یہ خط پہنچا تو حضور نے اس پر اپنے قلم سے تحریر فرمایا کہ یہ خط میاں عبدالوہاب اور اللہ رکھا کے متعلق نہایت ضروری ہے۔ محفوظ رہے۔ (ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

[3] مکتوب ڈاکٹر بشیر احمد صاحب مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۵۶ء (ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

اللہ رکھا نے جن درویشوں کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ ان میں عبدالکریم صاحب خالدؔ بھی تھے آپ اپنے مکتوب جولائی ۱۹۵۶ء میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”قادیان میں اللہ رکھا نے جو فتنہ برپا کیا۔ اور جس کے باعث وہاں کی جماعت کو جن تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا حضور کو بخوبی علم ہے۔ قادیان میں اللہ رکھا نے جن لوگوں کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ ان میں سے ایک خاکسار بھی تھا۔ اس دوران میں جہاں جماعت کو کافی اخراجات کرنے پڑے۔ وہاں جماعت کو کافی پریشانیاں بھی اٹھانی پڑیں۔

مقدمہ کے دوران میں اللہ رکھا لگاتار اس مکان کی چھت پر چڑھ کر عشاء کی نماز کے بعد تقریریں کرتا رہا۔ جو انجمن نے اسے رہنے کے لیے دیا تھا۔ یہ مکان قاری غلام حسنؔ صاحب مرحوم کا تھا۔ جو ڈھاب کے نزدیک اور سڑک کے کنارے پر تھا۔ وہ عام گزرگاہ تھی۔ جہاں سے ہر ہندو سکھ گزرنے والا اس کی خرافات سنتا رہا۔ اور اس تقریر میں گالیوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اس کے علاوہ جب وہ بیت مبارک اور بیتِ اقصیٰ میں نماز کے وقت آتا تو وہاں بھی وہ گالیاں نکالتا رہتا۔ اور ہمیں سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ پھر جب متعصّب مجسٹریٹ نے ہم ۳۵ آدمیوں کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ اور ہم سے ایک ایک سال کیلئے نیک چلنی کی ضمانتیں لے لیں۔ تو اس کی شرارتیں بڑھ گئیں۔ آخر حضور نے بھی اسے وہاں سے منگوانے کا انتظام فرما کر ہمیں اس کے فتنہ سے نجات دی۔“

اللہ رکھا ابھی قادیان میں ہی تھا۔ کہ اس کے باغیانہ طرزِ عمل پر حضرت مصلح موعودؔ نے اُسے ۴ر اگست ۱۹۴۹ء کو جماعت سے خارج کر دیا۔ نیز اُسی کی ایک چٹھی مرقومہ ۱۱ر اگست ۱۹۴۹ء کے لفافے پر تحریر فرمایا۔

”یہ شخص جھوٹا اور کذّاب ہے۔ اور اس کے اخراج کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے۔ جماعت کے دوستوں کو اس سے ملنے سے روکا جائے۔“

الغرض یہ شخص دو سال تک قادیان میں امن کو تباہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اور بڑی مشکل سے

قادیان سے نکالا گیا۔ اور پاکستان پہنچ کر اپنے باغیانہ مشن کو جاری رکھنے کے لئے احمدیہ بلڈنگس لاہور میں پہنچ گیا۔

ع پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

اللہ رکھا کی ان احمدیت دشمن سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے کے بعد دوبارہ ہم اصل مضمون کی طرف آتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ابنائے حضرت خلیفہ اوّل اور منکرین خلافت کا یہ پروردہ اور ایجنٹ مارچ ۱۹۵۶ء میں ایک سوچی سمجھی سکیم اور سازش کے تحت احمدی جماعتوں میں فتنہ پھیلانے اور میاں عبدالمنان صاحب کی نام نہاد خلافت کی راہ ہموار کرنے کے لئے صوبہ پنجاب، صوبہ سرحد اور آزاد کشمیر کے طوفانی دورے پر نکل کھڑا ہوا۔ اور سرگودہا، بھیرہ، بھلوال، ملکوال، پنڈدادنخاں، چکوال، جہلم، کھیوڑہ، چوہا سیدن شاہ، بہاولپور، ڈیرہ غازیخان اور مری میں منافرت انگیز پراپیگنڈا کرنے میں سرگرم عمل رہا پانچ ماہ کے اس دورہ کے دوران یہ شخص خدا کی پیاری جماعت میں زہریلے خیالات پھیلاتا رہا[1]

مظفر آباد میں اس نے کہا کہ حضرت صاحب کی صحت خراب ہے۔ جماعت بہت بڑھ گئی ہے اور وہ اب خلافت کے قابل نہیں ہیں[2]

سرگودہا کی بیت احمدیہ میں امیر صوبائی مرزا عبدالحق صاحب کے خلاف اس نے سخت بدزبانی کا مظاہرہ کیا۔ اور کہا کہ احمدیوں کا بیڑہ غرق ہو گیا ہے[3]

کوہاٹ میں اس نے مربی سلسلہ مولوی عبدالمالک صاحب سے کہا کہ ایک بہت بڑا انقلاب اور عذاب آنے والا ہے۔ اور اگر اس کے بعد میاں ناصر احمد صاحب خلیفہ بن گئے۔ تو میں قطعاً اُن کی بیعت نہیں کروں گا۔ نیز غیر مبائعین کے صدر میاں محمد لائلپوری کی بہت تعریف کی[4]

---

[1] ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ ؛ [2] بیان مختار احمد صاحب بٹ کشمیری مظفر آباد آزاد کشمیر مورخہ ۱۶ر اگست ۱۹۵۶ء ؛ [3] بیان میاں عطا محمد صاحب ننگلی مقیم سرگودہا
[4] بیان مولوی عبدالمالک صاحب شاہد مربی جماعت احمدیہ کوہاٹ ۲۶ر جولائی ۱۹۵۶ء

راولپنڈی میں اس نے واضح لفظوں میں یہ پروپیگنڈا کیا کہ اگر اس وقت خلیفہ عبدالمنان صاحب خلافت کا اعلان کر دیں تو سینکڑوں ہزاروں احمدی ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں۔ اور تلواریں چل سکتی ہیں۔ میاں ناصر احمد کے بہت دشمن ہیں۔ اور موت تو ہر ایک کو آنی ہے۔

آخر خلیفہ صاحب نے بھی مرنا ہے۔ اس لئے دیکھنا دو سال کے اندر اندر کیا ہوتا ہے۔ خلیفہ صاحب، عبدالوہاب صاحب عمر اور خلیفہ عبدالمنان صاحب یعنی خلیفہ اوّل کی اولاد کے سخت دشمن ہیں۔ کیونکہ ان کو ڈر ہے کہ کسی وقت یہ لوگ برسرِ اقتدار آ سکتے ہیں۔ نیز کہا میں نے تمام پاکستان کا دورہ کیا ہے۔ اس لئے میرے ساتھ ٹکر لینا آسان کام نہیں ہے[۱]

اُدھر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے بیٹے اور اُن کے ہمنوا درپردہ پراپیگنڈا کر رہے تھے۔ اور اِدھر لطف و کرم کا ایک دریا موجزن تھا اور حضرت مصلح موعود ان کے اُمیدوارِ خلافت یعنی میاں عبدالمنان عمر صاحب کو اپنی عنایات سے مسلسل نوازتے رہے تھے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود نے انہیں نائب وکیل التصنیف کے عہدے پر فائز فرما دیا جو ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ ۱۹۵۶ء کی مجلس شوریٰ میں وہ اس کے نمائندہ کی حیثیت سے شامل ہوئے۔

۱۵ رجون ۱۹۵۶ء کو انہیں ربوہ سے انٹرنیشنل سیمینار ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ میں لیکچر کے لیے روانہ ہونا تھا۔ اس لیکچر کی دعوت حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی خصوصی سفارش پر ہارورڈ یونیورسٹی نے دی تھی۔ پروگرام کے مطابق یہ بین الاقوامی مذاکرۂ علمیہ ۲ رجولائی سے ۲۲ ر اگست ۱۹۵۶ء تک مقرر تھا[۲] میاں عبدالمنان صاحب روانگی سے قبل مری میں حضور کی خدمت میں بغرضِ اجازت و دُعا حاضر ہوئے۔ تو حضرت مصلح موعودؓ نے انہیں کمال شفقت سے اجازت دی اور دعاؤں سے رُخصت کیا۔ نیز زبانی ہدایات دینے کے علاوہ تحریری طور پر یہ ارشاد فرمایا

---

[۱] حلفیہ بیان چوہدری بشیر احمد ولد چوہدری شاہ محمد صاحب ساکن اے۔۱۰ اے ۱۴۸۶ اکال گڑھ راولپنڈی مؤرخہ ۲۸ رجولائی ۱۹۵۶ء [۲] الفضل ۱۶ رجون ۱۹۵۶ء صا

"جزاکم اللہ۔ اجازت ہے۔ بہت اچھی بات ہے۔ اپنے پیچھے کوئی قائمقام تحریک سے مشورہ کرکے (مقرر کر جائیں) ایسا نہ ہو کہ کام کو نقصان پہنچ جائے میرے خیال میں تحریک سے یہ اختیار بھی لے جائیں۔ کہ واشنگٹن مشن کا جائزہ لے سکیں"

چنانچہ مجلس تحریکِ جدید نے اس ارشادِ مبارک کی تعمیل میں ۱۱ رجون ۱۹۵۶ء کو باقاعدہ ایک ریزولیوشن زیر نمبر ۵۸۔ الف اس غرض کے لئے پاس کیا۔ وکالتِ تبشیر اور وکالتِ مال کیطرف سے اُن کو مشن کے جائزہ کے لئے تفصیلی مواد مہیا کر دیا گیا اور امریکہ مشن کے مبلغ انچارج کو اس کی اطلاع بذریعہ نقل دے دی گئی۔ ازاں بعد ۱۴ رجون ۱۹۵۶ء کو تحریک جدید نے اُن کے اعزاز میں نہایت وسیع پیمانے پر الوداعی تقریب منعقد کی۔ جس کے بعد وہ سفرِ امریکہ پر روانہ ہو گئے[1]

میاں عبدالمنان صاحب عمر امریکہ پہنچے۔ اور یہاں پاکستان میں اللہ رکھا زور شور سے مختلف جماعتوں میں اشتعال پھیلاتے اور بغاوت کا بیج بوتے ہوئے جولائی ۱۹۵۶ء کے تیسرے ہفتے کے شروع میں مری پہنچ گیا۔ اور غیر مبائعین کی عبادت گاہ میں مقیم ہوگیا۔ اور میاں محمد صاحب لائلپوری کے ہاں کھانا کھاتا رہا۔ اس نے لوگوں کو بتایا کہ میاں صاحب نے مجھے اجازت دے رکھی ہے کہ جب چاہو میرے ہاں آجایا کرو۔ مَیں رات کے گیارہ بجے تک اپنا دروازہ تمہارے لئے کھلا رکھوں گا۔

چند روز بعد جبکہ اپنی سکیم کو بروئے کار لانے کے انتظامات اس نے مکمل کر لئے۔ تو وہ احمدیہ بیت الذکر کلڈنہ میں آگیا۔ جہاں اس نے مولوی محمد صدیق صاحب ننگلی مبلغ راولپنڈی سے ملاقات کی۔ اور ان کی اجازت سے وہیں ٹھہر گیا۔ سیدنا حضرت مصلح موعود ان دنوں خیبر لاج مری میں رونق افروز تھے۔ لیکن عیدالاضحیہ کی تقریب پر چند روز کے لئے ربوہ تشریف لا چکے تھے۔ اس لئے ۱۸ رجولائی کو بیت الذکر کلڈنہ میں اعلان کیا گیا کہ نمازِ عید کل ساڑھے آٹھ بجے خیبر لاج مری میں ہوگی۔ اور صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پڑھائیں گے۔ اللہ رکھا

---

[1] الفضل ۱۶ رجون ۱۹۵۶ء

نے کہا کہ "مَیں میاں ناصر صاحب کے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا۔ کیونکہ رتن باغ میں ایک دفعہ مَیں اُن سے لڑ چکا ہوں۔ اس لئے مَیں تو پیغامیوں کی مسجد میں نماز پڑھوں گا۔ جس پر مولوی محمد صدیق صاحب مربی سلسلہ نے کہا کہ اگر تم نے حضرت میاں صاحب کے پیچھے نمازِ عید نہیں پڑھنی تو آج سے تمہارا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوگا۔ یہ سُن کر وہ خیبر لاج میں عید پڑھنے کے لئے تیار ہوگیا۔ دوسرے روز مولوی محمد صدیق صاحب اُسے خیبر لاج لائے اور اپنے ہمراہ نمازِ کی ادائیگی کے لئے کہا۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ وہ لاہوریوں کی مسجد میں نماز پڑھے گا۔ ایک روز اس نے خیبر لاج میں اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری کیساتھ حضور سے ملاقات کے لئے سخت جھگڑا کیا۔ مگر اُسے خیبر لاج سے نکال دیا گیا۔ جس کے بعد رات کو وہ بیت الذکر گلڈنہ میں واپس آگیا۔ اور اس نے کہا کہ یہ میری پیشگوئی ہے کہ جس طرح پہلے خلافت کا جھگڑا ہوا تھا۔ اب پھر ہونے والا ہے۔ اور آپ لوگ ایک ڈیڑھ سال دیکھ لیں گے۔ نیز کہا ڈیڑھ سال کے عرصہ میں مجھے دھتکارنے والوں پر عذاب دنیا ہی آجائے گی۔ جس طرح ۱۹۵۳ء میں ہوا تھا۔ اسی طرح ہوگا۔

اللہ رکھا ۲۳ جولائی ۱۹۵۶ء کو مری سے راولپنڈی چلا آیا۔ اور مری سے جاتے ہوئے بعض احمدیوں کو یہ بھی کہہ گیا کہ اب تو لاہوریوں کی نظر خلیفہ اوّل کی اولاد پر زیادہ پڑتی ہے۔ اور وہ میاں عبدالمنان صاحب کی بہت تعریف کر رہے تھے۔ اور ان کے نزدیک وہ زیادہ قابل ہیں[1]

مری میں اس شخص کی فتنہ انگیزیاں پورے جوبن پر تھیں کہ ۲۱ جولائی ۱۹۵۶ء کو حضرت مصلح موعود بھی ربوہ میں تین روزہ قیام کے بعد واپس مری تشریف لے آئے اور حسبِ دستور خیبر لاج میں قیام فرما ہوئے۔ حضور کو اللہ رکھا کے بیت الذکر گلڈنہ میں ٹھہرنے کی اطلاع ملی۔

---

[1] بیان مولوی محمد صدیق صاحب ننگلی مربی سلسلہ مورخہ ۲۳، ۲۶ جولائی ۱۹۵۶ء وبیان ظہور القمر صاحب ابن ہری داس صاحب متعلم جامعۃ المبشرین ربوہ مقیم بیت احمدیہ گلڈنہ مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۵۶ء (الفضل ۲۸، ۲۹ جولائی ۱۹۵۶ء)

حضور نے ۲۳؍جولائی ۱۹۵۶ء کو مولوی محمد صدیق صاحب شاہد سے رپورٹ طلب فرمائی۔ مولوی صاحب نے اللہ رکھا کے متعلق بعض اہم معلومات بذریعہ خط عرض کیں۔ جس میں اس کے وسیع دوروں کے ذکر کے علاوہ یہ انکشاف بھی کیا۔ کہ اس نے ایک خط میاں عبدالوہاب صاحب عمر کا مجھے دکھایا ہے۔ جس میں محبت بھرے الفاظ میں اللہ رکھا سے تعلقات کا اظہار کیا گیا تھا۔ کہ ہم تو بھائیوں کی طرح ہیں۔ اور امی جان تم کو بیٹوں کی طرح سمجھتی تھیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ خط میں نے خود پڑھا تھا۔ اور اس سے میری تسلی ہو گئی تھی۔ اور میں نے اس کو احمدی خیال کر کے مہمانخانہ میں رہنے کی اجازت دے دی تھی[1]

---

[1] الفضل ۲۵؍جولائی ۱۹۵۶ء صدا

فصلِ دوم

حضرت مصلح موعودؓ کا انقلاب آفریں پیغام اور اسکا زبردست ردِ عمل

سیدنا حضرت مصلح موعود نے مولوی محمد صدیق صاحب کا خط موصول ہوتے ہی جماعت احمدیہ کے نام ایک فوری پیغام لکھوایا۔ جو الفضل ۲۵ جولائی ۱۹۵۶ء کے صفحہ اوّل و صفحہ ۸ پر مع مولوی صاحب موصوف کے خط کے شائع کیا گیا۔ یہ پیغام ایک صُورِ اسرافیل تھا۔ جس نے دنیا بھر کی احمدی جماعتوں میں ایک حشر بپا کر دیا۔ اور دوسری طرف یکایک فتنۂ منافقین کے چہرہ سے نقاب سرک گیا۔ اور منکرین خلافت کی منافقانہ اور باغیانہ سرگرمیوں کے اثرات کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھر کر رہ گئیں۔ حضور کے اس حقیقت افروز اور انقلاب آفریں پیغام کا متن یہ تھا۔

"اللہ رکھا وہ شخص ہے جس نے قادیان کی جماعت کے بیان کے مطابق قادیان میں فساد مچایا تھا۔ اور بقول ان کے قادیان کے درویشوں کو تباہ کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی اور جب قادیان کی انجمن نے اس کو وہاں سے نکالا تو ان کے بیان کے مطابق اس نے بھارتی پولیس اور سکھوں اور ہندوؤں سے جوڑ ملایا اور قادیان کے درویشوں کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ جتنا وہ اس کو قادیان سے نکالنے کے لئے کوشش کرتے رہے اتنا ہی یہ بھارتی پولیس کی مدد سے قادیان میں رہنے کی کوشش کرتا رہا۔ کوہاٹ کی جماعت کے نمائندوں نے ابھی دو دن ہوئے مجھے بتایا کہ یہ شخص کوہاٹ آیا تھا۔ اور وہاں اس نے ہم سے کہا تھا کہ جب خلیفۃ المسیح الثانی مر جائیں گے تو اگر جماعت نے مرزا ناصر احمد کو خلیفہ بنایا۔ تو میں ان کی بیعت نہیں کروں گا۔ ہم نے جواباً کہا کہ مرزا ناصر احمد کی خلافت کا سوال نہیں۔ تُو ہمارے زندہ خلیفہ کی موت کا متمنی ہے۔ اس لئے تو ہمارے نزدیک خبیث آدمی ہے یہاں سے چلا جا ہم تجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا

چاہتے۔ مولوی محمد صدیق صاحب نے جو اس کا بتایا ہوا پتہ لکھا ہے۔ کوہاٹ کی جماعت نے دفتر کو بتایا کہ اسی جگہ کے رہنے والے چند نام نہاد احمدیوں کا اس نے نام لیا اور کہا کہ انہوں نے مجھے کرایہ دے کر جماعتوں کے دورے کے لئے بھجوایا ہے۔ مولوی محمد صدیق صاحب کے بیان سے ظاہر ہے کہ وہ مزید دوروں کے لئے پھر رہا ہے۔ چوہدری فضل احمد صاحب جو نواب محمد دین صاحب مرحوم کے رشتہ کے بھائی ہیں اور نہایت مخلص اور نیک آدمی ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے بھی ایک دن روک کر کھڑا ہو گیا تھا اور کہتا تھا میں ملک بھر میں پھر رہا ہوں۔ مربی راولپنڈی کے بیان کے مطابق میاں عبدالوہاب صاحب نے اس کو ایک خط دیا تھا جس میں لکھا تھا کہ تم ہمارے بھائیوں کی طرح ہو اور ہماری والدہ بھی تم سے بہت محبت کرتی تھیں۔ اگر ایسا کوئی خط تھا تو یہ بیان بالکل جھوٹ اور افتراء ہے۔ کیونکہ میاں عبدالوہاب کی والدہ اس شخص کو جانتی بھی نہ تھیں۔ کیونکہ وہ ربوہ میں رہتی تھیں اور یہ شخص قادیان میں تھا اور جماعت کی پریشانی کا موجب بن رہا تھا۔ نیز وہ تو وفات سے قبل ذیابیطس کے شدید حملہ کی وجہ سے نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑی رہتی تھیں۔ اور ان کی اولاد ان کو پوچھتی تک نہ تھی۔ اور میں ان کو ماہوار رقم محاسب کے ذریعہ سے علاوہ انجمن کے حضرت خلیفہ اوّل کی محبت اور ادب کی وجہ سے دیا کرتا تھا۔ بلکہ جب میں بیمار ہوا۔ اور یورپ گیا تو ان کی نواسیوں کو تاکید کر گیا تھا۔ کہ ان کی خدمت کے لئے نوکر رکھو جو خرچ ہو گا میں ادا کر دوں گا۔ بہر حال ایک طرف تو جماعت مجھے یہ خط لکھتی ہے کہ ہم آپ کی زندگی کے لئے رات دن دعائیں کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کا خط مجھے آج ملا کہ میں تیس سال سے آپ کی زندگی کے لئے دعا کر رہا ہوں۔ دوسری طرف جماعت اس شخص کو سر آنکھوں پر بٹھاتی ہے جو میری موت کا متمنی ہے آخر یہ منافقت کیوں ہے۔ کیا میاں عبدالوہاب کا بھائی ہونا محض اس وجہ سے ہے کہ۔ وہ شخص میری موت کا متمنی ہے ؟ کوئی تعجب نہیں کہ وہ مری میں صرف اس نیت سے آیا ہو کہ مجھ پر حملہ کرے۔ جماعت کے دوستوں نے مجھے بتایا ہے کہ جب ہم نے اس کو گھر سے نکالا کہ یہ پرائیویٹ گھر ہے تمہیں اس میں آنے کا کوئی حق نہیں۔ تو اس نے باہر سڑک پر کھڑے ہو کر شور مچانا شروع کر دیا۔ تاکہ ارد گرد کے غیر احمدیوں کی ہمدردی حاصل کرے۔ اب جماعت خود ہی فیصلہ کرے کہ میری موت

کا متمنی آپ کا بھائی ہے یا آپ کا دشمن ۔ آپ کو دو ٹوک فیصلہ کرنا ہوگا ۔ اور یہ بھی فیصلہ کرنا ہوگا کہ جو اس کے دوست ہیں وہ بھی آپ کے دوست ہیں یا دشمن ۔ اگر آپ نے فوراً دو ٹوک فیصلہ نہ کیا تو مجھے آپ کی بیعت کے متعلق دو ٹوک فیصلہ کرنا پڑے گا ۔ اس مضمون کے شائع ہونے کے بعد جس جماعت اور جماعت کے افراد کی طرف سے اس دشمن احمدیت اور اس کے ساتھیوں کے متعلق برأت کی چٹھیاں مجھے نہ ملیں تو میں ان کے خط پھاڑ کر پھینک دیا کروں گا ۔ اور ان کی درخواستِ دعا پر توجہ نہ کروں گا ۔ یہ کتنی بے شرمی ہے کہ ایک طرف میری موت کے متمنی اور اس کے ساتھیوں کو اپنا دوست سمجھنا اور دوسری طرف مجھ سے دعاؤں کی درخواست کرنا ...... جماعت کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ تذکرہ میں پسرِ موعود کے متعلق جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات شائع ہوئے ہیں ان الہامات کے خاص خاص حصے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پرائیویٹ طور پر حضرت خلیفہ اوّل کو کیوں لکھے ؟ آخر مستقبل سے کچھ تو اس کا تعلق تھا ۔ کیوں نہ حضرت صاحب نے سب باتیں سبز اشتہار میں لکھ دیں اور کیا وجہ ہے کہ پیر منظور محمد صاحب موجد قاعدہ یسرنا القرآن نے جو حضرت خلیفہ اوّل کے سالے بھی تھے ۔ جب حضرت خلیفہ اوّل کی زندگی میں پسرِ موعود پر ایک رسالہ لکھا تو اس پر حضرت خلیفہ اوّل نے یوں ریویو کیا کہ میں اس مضمون سے متفق ہوں ۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ میں مرزا محمود احمد کا بچپن سے کتنا ادب کرتا ہوں ۔ اس تبصرہ کی بھی کوئی حکمت تھی ۔ اس کی کاپیاں اب تک موجود ہیں اور غالباً حضرت خلیفہ اوّل کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ریویو کا چربہ بھی اب تک موجود ہے ۔[1]

خدا کے برحق اور موعود خلیفہ کے اس پیغام نے پوری جماعت کو تڑپا دیا ۔ جس کے نتیجہ میں عشاقِ خلافت کی طرف سے واضح طور پر دو زبردست ردِّ عمل رونما ہوئے ۔

پہلا ردِّ عمل

پہلا ردِّ عمل یہ ہوا کہ جماعت کے ہر فرد میں نظامِ خلافت سے محبت والفت اور منافقین سے بیزاری کے شدید جذبات اُبھر آئے ۔ اور پوری دُنیائے

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۵ جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۸

احمدیت حضرت مصلح موعود سے عقیدت و فدائیت اور وفاداری اور وابستگی کے روح پرور نعروں سے گونج اٹھی۔ اور نہ صرف پاکستان بلکہ بیرونی ممالک کی احمدی جماعتوں نے بھی منافقین سے مکمل طور پر براءت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے پیارے امام کے ساتھ بے مثال محبت و اخلاص کا ثبوت دیا۔ اور اپنے عہد بیعت کی شاندار رنگ میں تجدید کی۔ ذیل میں بطور نمونہ مصر، شام اور عدن کی جماعتوں کے اخلاص ناموں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ ممبران جماعت احمدیہ مصر کا اخلاص نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

سیدنا و مولانا! امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کچھ عرصہ ہوا ہمیں اس فتنہ کے بارہ میں خبر ملی جسے بعض جماعت کی طرف منسوب ہونے والے اشخاص نے اٹھایا ہے۔ حالانکہ ان لوگوں نے اپنے ان بدارادوں کی وجہ سے جن کا انہوں نے اظہار کیا ہے خود بخود ہی اپنے آپ کو جماعت سے الگ کر لیا ہے۔

ہم ممبران جماعت احمدیہ مصر اس موقعہ پر جبکہ منافقین حضور کی ذات بابرکات پر اتہام لگا رہے ہیں۔ اور حضور کے بلند مقام کو گرانا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے اس عہد بیعت کو دوبارہ پختہ کرتے ہیں۔ جسے ہم قبل ازیں اپنے اوپر فرض کر چکے ہیں۔ اور ہم پورے شرح صدر کے ساتھ اس محبت اور اخلاص کا اعلان کرتے ہیں جو ہمیں حضور کی ذات سے حاصل ہے اور ہم اس مضبوط روحانی تعلق کی مزید برکات کو حاصل کرنے کا عزم کیے ہوئے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ان منافقین نے ماضی کے واقعات سے سبق حاصل نہیں کیا اگر وہ ایسا کرتے تو بغیر کسی مزید غور و فکر کے انہیں اس خلافت کی اہمیت معلوم ہوتی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کے مسلمانوں کے مفاد کے لئے قائم کیا ہے۔

اس فتنہ کے بارے میں مرکز کے قریب رہنے والے اور باہر کے احمدیوں نے جس نفرت

کا اظہار کیا ہے۔ وہ ہر معمولی عقل والے انسان کو بھی اس بات کا یقین کروانے کے لئے کافی ہے۔ کہ ان منافقین نے جو طریقے استعمال کئے ہیں۔ وہ خوارج کے طریقوں سے ذرہ بھر بھی مختلف نہیں۔ ہر زمانہ میں منافق اسی طریق پر چلتے رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم بغیر کسی دقت کے اُس بہت بڑے نقصان کا اندازہ کر سکتے ہیں جو منافقین جماعت کو پہنچانا چاہتے ہیں:۔

منافقین کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ جماعت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ ہمیں اس کے پورا ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ اس نصرت و مدد کو روکنے کی کوئی بھی کوشش خواہ وہ سازش اور فتنہ ہی کیوں نہ ہو — کبھی کامیاب نہیں ہوگی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول کہ "میری جماعت میں بھی یزیدی پیدا ہوں گے۔" بالکل حق ہے اور اس کی سچائی بالکل واضح ہو چکی ہے۔

پس حضور اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد سے اپنا کام کرتے چلے جائیں اللہ تعالیٰ ہی حضور کا بہترین محافظ ہے۔ اور وہ سب رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

آخر میں ہم حضور سے دعا کی درخواست کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس دنیا میں اور آخرت میں بھی اپنی رضا حاصل کرنے کا موقعہ بہم پہنچائے آمین

خاکسار:۔ محمد بسیونی جنرل سیکرٹری جماعت احمدیہ مصر[1]

۲۔ ممبران جماعتِ احمدیہ شام کا اخلاص نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

سیدنا و مولانا و امامنا! حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خلیفہ ثانی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

---

[1] الفضل ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ (ترجمہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

ہم ممبران جماعتِ احمدیہ شام اپنے محبوب امام وآقا مصلح موعود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے اپنے عہدِ وفاداری کی تجدید کرتے ہیں۔ اور ہم ہر فتنہ سے جسے کمزور ایمان اور کم عقل اشخاص خلافت اور منصب خلافتِ عالیہ کے خلاف برپا کرتے ہیں۔ نفرت کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ خلافت ہی وہ نعمت ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کو دنیا میں استحکام بخشنے اور اسلام کی عزت وعظمت وکرامت قائم کرنے کا ذریعہ بنایا ہے اور ساری دنیا میں امن وسلامتی پھیلانے کے لئے قائم فرمایا ہے۔

ہمیں یہ اچھی طرح یاد ہے کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوسرے سفر یورپ پر روانہ ہونے سے پہلے اور اپنی بیماری کے ایام میں بھی جماعت کو منافقوں کے فتنہ سے خبردار اور ہوشیار کردیا تھا۔ اور فرمایا کہ سچا مومن تو اگر اسے اپنے عقائد حقہ کی حفاظت کے لئے اپنے باپ سے بھی لڑنا پڑے تو اس کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اور اس کا بھی مقابلہ کرتا ہے۔ اور آپ نے ابی ابن ابی سلول کی مثال بیان فرمائی تھی کہ دیکھو اس کے بیٹے نے اپنے باپ سے کیسا سلوک کیا اور اسے مجبور کردیا کہ وہ خود اپنی زبان سے اقرار کرے کہ وہ خود ہی ذلیل ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ معزز ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ منافقوں کی تدابیر اور سکیمیں حضور ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کے اپنے مرکز سے باہر ہونے اور سفر یورپ کے ایام میں کارگر نہیں ہوسکیں۔ اور نہ ہی حضور کے سفر یورپ سے واپس آجانے کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکے بلکہ وہ بُری طرح اپنے مقصد میں ناکام ونامراد ہوئے۔ جیسے ان سے پہلے آج تک جو شخص بھی خلافت کے خلاف اُٹھا ناکام رہا۔

مکرر اعرض ہے کہ ہم ہر ایک فتنہ کو جو حضور کی خلافت مقدسہ اور منصب خلافت کیخلاف اُٹھایا جائے سخت نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اور اپنے امام اور آقا حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے اپنے عہدِ وفاداری اور اطاعت کی تجدید کرتے ہیں اور حضور سے اپنے لئے دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں اللہ تعالےٰ حضور کو عزت پر عزت عطا فرمائے اور مدد پر مدد فرمائے اور کامل شفا بخشے اور ہر شخص جو حضور کا دشمن ہو اسے بے یار و

مددگار بنائے ۔ اور اسے اس کے مقصد میں ناکام رکھے ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہم ہیں حضور کے خادم

دستخط جملہ ممبران جماعت احمدیہ شام[1]

جماعت احمدیہ عدن کا اخلاص نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

ہمارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الموعود بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جماعت احمدیہ عدن منافقین کے اس فتنے پر جس میں وہ اپنی بدقسمتی سے مبتلا ہو گئے ہیں افسوس کا اظہار کرتی ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرتی ہے کہ اس نے ان کے بدارادوں کو بروقت ظاہر کر دیا ۔ اور اس طرح انہیں ناکام کیا اور حضور کو نہ صرف اس فتنے سے محفوظ رکھا ۔ بلکہ حضور کو اپنی نصرت ومدد سے خاص طور پر نوازا ۔

اللہ تعالیٰ نے حضور کو مصلح موعودؓ کا شرف عطا فرمایا ہے ۔ سو ضروری تھا کہ حضور کے عہد میں بھی فتنے پیدا ہوں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں ۔ کہ وہ حضور کو ان فتنوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت عطا فرمائے ۔ اور حضور کو لمبی عمر بخشے اور اللہ تعالیٰ اپنا جلال حضور کے ذریعہ ظاہر فرمائے ۔ تاکہ جاہل اور منافقین یہ جان لیں ۔ کہ اللہ تعالےٰ نے جس طرح پہلے حضور کی مدد ونصرت فرمائی ۔ اسی طرح اب بھی حضور کو اپنی تائید ونصرت سے نوازے گا ۔ یہ منافق روحانی بصیرت سے عاری ہیں ۔ اور اس وجہ سے وہ حضور کے بلند مقام اور خارق عادت علوم کو نہیں دیکھ سکتے ۔ اسلام کی خدمت کے لحاظ سے اس وقت دنیا میں حضور کا کوئی نظیر نہیں ۔ ہم حضور کے ساتھ اپنے عہد بیعت کی تجدید کرتے ہیں ۔ اور ہم دوبارہ حضور سے اسلام کی خدمت کا پختہ عہد کرتے ہیں ۔

---

[1] الفضل ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۶ء صـ۲ ترجمہ :

کیونکہ حضور ہی ہمارے سچے امام اور خلیفہ ہیں ۔ اللہ تعالیٰ منافقین کے شر سے جماعت کو محفوظ رکھے ۔ اور حضور اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد سے اپنے بلند مقاصد کی طرف بڑھتے چلے جائیں ۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

ممبران جماعت احمدیہ عدن[1]

دوسرا ردِ عمل

دوسرا ردِّ عمل اس پیغام کا یہ ہوا ۔ کہ مخلصین نے اس فتنہ سے متعلق بعض ضروری شہادتیں اور معلومات حضور کی خدمتِ اقدس میں بھجوائیں ۔ جن سے فتنہ کے بہت سے پُر اسرار پہلو نمایاں ہو کر سامنے آ گئے ۔ اس سلسلہ میں ربوہ ، راولپنڈی اور لاہور کی جماعتوں نے غیر معمولی طور پر فرض شناسی کا ثبوت دیا ۔ جس پر حضور نے اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے اعلان فرمایا ۔

"منافقوں کے متعلق بعض نہایت ہی اہم راز اور ظاہر ہوئے ہیں جن میں سے بعض راولپنڈی کی جماعت نے مہیا کئے ہیں بعض ربوہ کی جماعت نے ۔ بعض لاہور کی جماعت نے ۔ جزاہم اللہ خیراً ۔ تھوڑے دنوں میں ترتیب دے کر شائع کئے جائیں گے ۔

پیغامیوں کے متعلق نہایت معتبر رپورٹ ملی ہے کہ مقابلہ کی تیاریاں کر رہے ہیں جن کا نام وہ حضرت خلیفۂ اوّل کی اولاد کی محبت رکھیں گے مگر ان کے پاس ہمارا پُرانا لٹریچر موجود ہے ۔ وہ اس طرح صرف ہمیں یہ موقع مہیا کر دیں گے کہ حضرت خلیفۂ اوّل کو گالیاں دینے والے ان کی اولاد کے دوست ہیں ۔ پس وہ حملہ کریں ہم خوشی سے اس کا خوش آمدید کریں گے وہ صرف اپنا گند ظاہر کرنے کا ایک اور موقعہ ہم کو دیں گے اور کچھ نہیں ۔ آخر دنیا اس بات سے ناواقف نہیں کہ مولوی محمد علی صاحب مرحوم جن کے ذریعہ یہ جماعت بنی ہے یہ وصیت کی تھی کہ ایک خاص شخص ان کے جنازہ میں شامل نہ ہو پس وہ بے شک آئیں اور حملہ کریں اور سو دفعہ حملہ کریں ۔ ہمارے پاس بھی وہ سامان موجود ہے جس سے انشاء اللہ ان کے پول کھل جائیں گے ۔

اس عرصہ میں مختلف جماعتوں کے پاس جو معلومات ہوں وہ ہمیں مہیا کر دیں "

والسلام خاکسار ۔ مرزا محمود احمد ۳۰/۷/۵۶ "[2]

---

[1] الفضل ۸ ، نومبر ۱۹۵۶ء صـ۳ ترجمہ مـ۳ روزنامہ الفضل ربوہ یکم اگست ۱۹۵۶ء صـ۱

اس اعلان پر احباب جماعت نے نہایت کثرت اور تواتر سے اپنی بیش قیمت معلومات حضور کی خدمت میں بھجوائیں جنکو حضور کے حکم سے انہی دنوں الفضل میں ہمیشہ کے لئے ریکارڈ کر دیا گیا۔

حضرت مصلح موعود کے دوسرے بصیرت افروز پیغامات

حضرت مصلح موعود نے مخلصین جماعت کے پیغامات و شہادات ہی کو آنے والی نسلوں کے لئے ریکارڈ نہیں کرایا بلکہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ولولہ انگیز پیغامات بھی دیئے جو اس دور کی تاریخ احمدیت کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ حضور بیماری اور پیرانہ سالی کے باوجود خدا کے شیروں کی طرح میدان میں آ گئے اور شمشیر بے نیام بن کر منکرین خلافت کے منصوبوں کا وسیع جال پاش پاش کر دیا اور خدا کی مظلوم جماعت قیامت تک ایک نہایت خطرناک اور ہلاکت آفرین فتنہ سے محفوظ ہو گئی جو حضور کے عہد خلافت کا ایک ایسا زندہ و تابندہ کارنامہ ہے جو ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔

ذیل میں ان تاریخی پیغامات میں سے بعض نہایت اہم اور ضروری پیغامات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اوّل الفضل ۲۸ جولائی ۱۹۵۶ء میں امیر جماعت لاہور چوہدری اسد اللہ خان نیز لاہور کے بعض دوسرے اصحاب شیخ نصیر الحق صاحب، عبدالحی صاحب، لطف الرحمن صاحب درد اور مسعود احمد صاحب خورشید اور سید بہاول شاہ صاحب کی نہایت اہم شہادتیں اشاعت پذیر ہوئیں جن سے مولوی عبدالوہاب صاحب عمر کی منافقت اور باغیانہ خیالات پر واضح روشنی پڑتی تھی۔ ان شہادتوں پر حضرت مصلح موعود نے جو پیغام دیا اس میں علاوہ دوسرے امور کے یہ بھی تحریر فرمایا کہ "میں جماعت کو یہ بھی اطلاع دیتا ہوں کہ امیر جماعت لاہور کی تحقیقاتوں کے نتیجہ میں دشمن کے کیمپ میں کھلبلی مچ گئی ہے اور انہوں نے چاروں طرف دوڑ دھوپ شروع کر دی ہے .... پس جماعت سمجھ لے کہ مفسدوں نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ اب مومنوں کو بھی اپنے دفاع اور دشمن کے فتنہ کو مٹانے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے تاکہ وہ عمارت جو پچاس سال میں اپنا خون بہا کر ہم نے کھڑی کی تھی اس میں کوئی رخنہ پیدا نہ ہو"

دوم اسی پرچہ میں ظہور القمر صاحب ولد ہری داس متعلم جامعۃ المبشرین ربوہ مقیم بیت احمدیہ کلڈنہ مری کی مفصل شہادت شائع کی گئی جس میں اللہ رکھا کا صاحبزادہ مرزا ناصر احمد

صاحب کے پیچھے نماز پڑھنے کی بجائے غیر مبایعین کی مسجد میں نماز پڑھنے کا ذکر تھا۔ حضرت مصلح موعود نے اس پر حسب ذیل الفاظ میں تبصرہ فرمایا:-

"اس شہادت کو پڑھ کر دوستوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب سازش پیغامیوں کی ہے اور اللہ رکھا انہیں کا آدمی ہے وہ مولوی صدرالدین غیر مبائع منکر نبوت مسیح موعود کے پیچھے نماز جائز سمجھتا ہے لیکن مرزا ناصر احمد جو حضرت مسیح موعود کا پوتا ہے اور ان کی نبوت کا قائل ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتا اور پیشگوئی کرتا ہے کہ ایک دو سال میں پھر خلافت کا جھگڑا شروع ہو جائے گا۔

موت تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے مگر یہ فقرہ بتاتا ہے کہ یہ جماعت ایک دو سال میں مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تبھی اسے یقین ہے کہ ایک دو سال میں تیسری خلافت کا سوال پیدا ہو جائے گا اور ہم لوگ خلافت کے مٹانے کو کھڑے ہو جائیں گے۔ اور جماعت کو خلافت قائم کرنے سے روک دیں گے۔ خلافت نہ خلیفۂ اوّل کی تھی نہ پیغامیوں کی۔ نہ وہ پہلی دفعہ خلافت کے مٹانے میں کامیاب ہو سکے نہ اب کامیاب ہوں گے۔ اس وقت بھی حضرت خلیفۂ اوّل کے خاندان کے چند افراد پیغامیوں کے ساتھ مل کر خلافت کو مٹانے کے لئے کوشاں تھے۔ مجھے خود ایک دفعہ میاں عبدالوہاب کی والدہ نے کہا تھا۔ ہمیں قادیان میں رہنے سے کیا فائدہ میرے پاس لاہور سے وفد آیا تھا اور وہ کہتے تھے کہ اگر حضرت خلیفۂ اوّل کے بیٹے عبدالحیٔ کو خلیفہ بنا دیا جاتا تو ہم اس کی بیعت کر لیتے۔ مگر یہ مرزا محمود کہاں سے آگیا ہم اس کی بیعت نہیں کر سکتے وہی جوش پھر پیدا ہوا۔

عبدالحیٔ تو فوت ہو چکا ہے اب شاید کوئی اور لڑکا ذہن میں ہو گا جس کو خلیفہ بنانے کی تجویز ہو گی۔ خلیفہ خدا تعالیٰ بنایا کرتا ہے اگر ساری دنیا مل کر خلافت کو توڑنا چاہے اور کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہے جس پر خدا راضی نہیں تو وہ ہزار خلیفہ اوّل کی اولاد ہو اس سے نوح کے بیٹوں کا سا سلوک ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کے سارے خاندان کو اس طرح پیس ڈالے گا جس طرح چکی میں دانے پیس ڈالے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے نوحؑ جیسے نبی کی اولاد کی پرواہ نہیں کی۔ نہ معلوم یہ لوگ خلیفہ اوّل کو کیا سمجھے

بیٹھے ہیں آخر وہ حضرت مسیح موعودؑ کے غلام اور ان کے طفیل خلیفہ اوّل بنے تھے۔ ان کی عزت قیامت تک محض مسیح موعودؑ کی غلامی میں ہے بے شک وہ بہت بڑے آدمی تھے مگر مسیح موعودؑ کے غلام ہو کر نہ اُن کے مقابل میں کھڑے ہو کر۔ قیامت تک اگر ان کو حضرت مسیح موعود کا غلام قرار دیا جائے گا تو اُن کا نام روشن رہے گا لیکن اگر اسکے خلاف کسی نے کرنے کی جرأت کی تو وہ دیکھے گا کہ خدا تعالیٰ کا غضب اس پر بھڑکے گا اور اس کو ملیا میٹ کر دیا جائے گا یہ خدا کی بات ہے جو پوری ہو کر رہے گی۔ یہ لوگ تو سال ڈیڑھ سال میں مجھے مارنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن آسمانوں کا خدا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ فرماتا ہے "سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا .... جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہو گا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح (یعنی کلام) ڈالیں گے (میرے الہاموں کا زبردست طور پر پورا ہونا جماعت پچاس سال سے دیکھ رہی ہے اور جس کو شبہ ہو اب بھی اس کے سامنے مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں اخباروں میں چھپی ہوئی کشوف اور رویاء کے ذریعہ سے بھی اور چوہدری ظفراللہ خاں صاحب جیسے آدمیوں کی شہادت سے بھی"

پھر خدا نے آپ سے فرمایا۔" وہ زمین کے کناروں تک شہرت پائیگا (یہ شہرت کس نے پائی؟) اور قومیں اس سے برکت پائیں گے (قوموں نے برکت کس سے پائی؟) پھر فرمایا "تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا وکان امراً مقضیا" پس میری موت کو خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور فرماتا ہے کہ جب وہ اپنا کام کرلے گا اور اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا لے گا تب میں اس کو دعوت دوں گا۔ پس اس قسم کے جو ہے محض لاف زنی کر رہے ہیں۔ ایک شخص نے مجھ پر چاقو سے حملہ کیا تھا مگر اس وقت بھی خدا نے مجھے بچایا۔ پھر جماعت کی خدمت کرتے کرتے مجھ پر فالج کا حملہ ہوا اور یورپ کے سب ڈاکٹروں نے یک زبان کہا کہ آپ کا اس طرح جلدی سے اچھا ہو جانا معجزہ تھا۔ پھر فرمایا تیری نسل بہت ہو گی (جس پیشگوئی کے مطابق ناصر احمد پیدا ہوا) پھر فرمایا" اور میں تیری ذریت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا مگر عبدالوہاب کے اس پیارے بھائی کے نزدیک اس

پیشگوئی کے مصداق ناصر احمد کے پیچھے نماز پڑھنی ناجائز ہے۔ مگر مولوی صدرالدین کے پیچھے پڑھنی جائز ہے۔ پس خود ہی سمجھ لو کہ اس فتنہ کے پیچھے کون لوگ ہیں؟ اور آیا یہ فتنہ میرے خلاف ہے یا مسیح موعودؑ کے خلاف۔ مسیح موعود فوت ہو چکے ہیں جب وہ زندہ تھے تب بھی ان کو تم پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ قرآن مجید میں خدا تعالے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی فرماتا ہے کہ تو داروغہ نہیں۔ اب بھی تم آزاد ہو۔ چاہو تو لاکھوں کی تعداد میں مرتد ہو جاؤ خدا تعالیٰ مٹی کے نیچے دبے ہوئے مسیح موعود کی پھر بھی مدد کرے گا اور ان لوگوں کو جو آپ کے خادموں کی طرف منسوب ہو کر آپ کے مشن کو تباہ کرنا چاہتے ہیں ذلیل وخوار کریگا تمہارا اختیار ہے خواہ مسیح موعودؑ اور ان کی وحی کو قبول کرو یا مرتد اور منافقوں کو قبول کرو۔ میں اس اختیار کو تم سے نہیں چھین سکتا۔ مگر خدا کی تلوار کو بھی اس کے ہاتھ سے نہیں چھین سکتا۔[1]

سوم ۲۹ جولائی ۱۹۵۶ء کو مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کے پہلے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر حضرت مصلح موعود کا حسب ذیل روح پرور پیغام پڑھ کر سنایا گیا۔

خیبر لاج مری ۲۴/۷/۵۶

خدام الاحمدیہ کراچی

عزیزان! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے افسران نے خدام الاحمدیہ کراچی کے جلسہ کے لئے پیغام مانگا ہے۔ میں اس کے سوا پیغام کیا دے سکتا ہوں کہ ۱۹۱۴ء میں جب میں خلیفہ ہوا اور جب میری صرف ۲۶ سال کی عمر تھی خدام الاحمدیہ کی بنیاد ابھی نہیں پڑی تھی۔ مگر ہر احمدی نوجوان اپنے آپ کو خادم احمدیت سمجھتا تھا مجھے یاد ہے کہ جس دن انتخاب خلافت ہونا تھا مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے ایک ٹریکٹ شائع ہوا کہ خلیفہ نہیں ہونا چاہیئے۔ صدر انجمن احمدیہ ہی حاکم ہونی چاہیئے۔ اس وقت چند نوجوانوں نے مل کر ایک مضمون لکھا اور اس کی دستی کاپیاں کیں۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ ہم سب احمدی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے وقت فیصلہ

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۸ جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۵، ۶

کر چکے ہیں کہ جماعت کا ایک خلیفہ ہونا چاہیئے اس فیصلہ پر ہم قائم ہیں اور تا زندگی قائم رہیں گے اور خلیفہ کا انتخاب ضرور کرا کے چھوڑیں گے۔ سکول کے درجنوں طالب علم پیدل اور سائیکلوں پر چڑھ کے بٹالہ کی سڑک پر چلے گئے اور ہر نووارد مہمان کو دکھا کر اس سے درخواست کی کہ اگر آپ اس سے متفق ہیں تو اس پر دستخط کر دیں۔ جماعت احمدیہ میں خلافت کی بنیاد کا وہ پہلا دن تھا اور اس بنیاد کی اینٹیں رکھنے والے سکول کے لڑکے تھے۔

مولوی صدر دین صاحب اس وقت ہیڈ ماسٹر تھے ان کو پتہ لگا تو وہ بھی بٹالہ کی سڑک پر چلے گئے وہاں انہوں نے دیکھا کہ سکول کا ایک لڑکا نووارد مہمانوں کو وہ مضمون پڑھوا کر دستخط کروا رہا ہے انہوں نے وہ کاغذ اس سے چھین کر پھاڑ دیا اور کہا چلے جاؤ وہ لڑکا مومن تھا اس نے کہا مولوی صاحب! آپ ہیڈ ماسٹر ہیں اور مجھے مار بھی سکتے مگر یہ مذہبی سوال ہے۔ میں اپنے عقیدے کو آپ کی خاطر نہیں چھوڑ سکتا۔ فوراً جھک کر وہ کاغذ اٹھایا اور اسی وقت پنسل سے اس کی نقل کرنی شروع کر دی اور مولوی صاحب کے سامنے ہی دوسرے مہمانوں سے اس پر دستخط کروانے شروع کر دیئے۔ اس پر ۴۲ سال گزر گئے میں اس وقت جوان تھا اور اب ۷۰ سال کی عمر کا ہوں اور فالج کی بیماری کا شکار ہوں اس وقت آپ لوگوں کی گردنیں پیغامیوں کے ہاتھ میں تھیں اور خزانہ میں صرف ۱۸ آنے کے پیسے تھے میں نے خالی خزانہ کو لے کر احمدیت کی خاطر ان لوگوں سے لڑائی کی جو کہ اس وقت جماعت کے حاکم تھے اور جن کے پاس روپیہ تھا لیکن خدا تعالیٰ نے میری مدد کی اور جماعت کے نوجوانوں کو خدمت کرنے کی توفیق دی۔ ہم کمزور جیت گئے اور طاقت ور دشمن ہار گیا آج ہم ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن لوگوں کو ایک تفسیر پر ناز تھا اُنکے مقابلہ میں اتنی بڑی تفسیر ہمارے پاس ہے کہ ان کی تفسیر اس کا تیسرا حصہ بھی نہیں۔ جو ایک انگریزی ترجمہ پیش کرتے تھے اس کے مقابلہ میں ہم چھ زبانوں کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں لیکن ناشکری کا بُرا حال ہو کہ وہی شخص[1] جس کو پیغامی سترّا بہترّا قرار دے کر معزول کرنے کا فتویٰ دیتے تھے اور جس کے آگے اور دائیں اور بائیں لڑ کر میں نے

---

[1] مراد حضرت خلیفہ اوّل

اس کی خلافت کو مضبوط کیا اس سے تعلق رکھنے والے چند بے دین نوجوان جماعتوں میں آدمی بھجوا رہے ہیں کہ خلیفہ بڈھا ہوگیا ہے اسے معزول کرنا چاہیئے۔

اگر واقع میں مَیں کام کے قابل نہیں ہوں تو آپ لوگ آسانی کے ساتھ ایک دوسرے قابل آدمی کو خلیفہ مقرر کر سکتے ہیں اور اس سے تفسیر قرآن لکھوا سکتے ہیں میری تفسیریں مجھے واپس کر دیجیئے اور اپنے روپے لے لیجیئے اور مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر یا اور جس تفسیر کو آپ پسند کریں اسے پڑھا کریں اور جو نئی تفسیر میری چھپ رہی ہے اس کو بھی نہ چھوئیں۔ یہ اوّل درجہ کی بے حیائی ہے کہ ایک شخص کی تفسیروں اور قرآن کو دنیا کے سامنے پیش کر کے تعریفیں اور شہرت حاصل کرنی۔ اور اسی کو نکمّا اور ناکارہ قرار دینا۔ مجھے آج ہی اللہ تعالیٰ نے الہام سے سمجھایا "کہ آؤ ہم مدینہ والا معاہدہ کریں" یعنے جماعت سے پھر کہو کہ یا تم مجھے چھوڑ دو اور میری تصنیفات سے فائدہ نہ اٹھاؤ نہیں تو میرے ساتھ وفاداری کا ویسا ہی معاہدہ کرو جیسا کہ مدینہ کے لوگوں نے مکّہ کی عقبیٰ جگہ پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم سے معاہدہ کیا تھا اور پھر بدر کی جنگ میں کہا تھا کہ یا رسول اللہ! یہ نہ سمجھیں کہ خطرہ کے وقت ہم موسیٰ کی قوم کی طرح آپ سے کہیں گے کہ جا تو اور تیرا خدا لڑتے پھرو ہم یہیں بیٹھے ہیں۔ یا رسول اللہ! ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن اس وقت تک آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک ہماری لاشوں کو روندتا ہوا آگے نہ آئے۔ سو گو میرا حافظ خدا ہے اور اس کے دیئے ہوئے علم سے آج بھی میں ساری دنیا پر غالب ہوں۔ لیکن چونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنی جماعت کا امتحان لے اور اس سے کہدے کہ "آؤ ہم مدینہ والا معاہدہ کریں"۔ سو تم میں سے جو شخص خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر قسم کھا کر معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اپنے آخری سانس تک وفاداری دکھائے گا۔ وہ آگے بڑھے وہ میرے ساتھ ہے۔ اور مَیں اور میرا خدا اس کے ساتھ ہے۔ لیکن جو شخص دنیوی خیالات کی وجہ سے اور منافقوں کے پروپیگنڈا کی وجہ سے بزدلی دکھانا چاہتا ہے اس کو میرا آخری سلام۔ میں کمزور اور بوڑھا ہوں۔ لیکن میرا خدا کمزور اور بوڑھا نہیں وہ اپنی قہری تلوار سے ان لوگوں کو تباہ کر دے گا جو کہ اس منافقانہ پروپیگنڈا کا شکار رہوں گے۔ اس پروپیگنڈا کا کچھ

ذکر الفضل میں چھاپ دیا گیا ہے چاہیئے کہ قائد خدام اس مضمون کو بھی پڑھ کر سُنا دیں اللہ تعالیٰ جماعت کا حافظ و ناصر ہو پہلے بھی اس کی مدد مجھے حاصل تھی۔ اب بھی اس کی مدد مجھے حاصل رہے گی۔ مَیں یہ پیغام صرف اس لئے آپ کو بھجوا رہا ہوں تاکہ آپ لوگ تباہی سے بچ جائیں ورنہ حقیقتاً مَیں آپ کی مدد کا محتاج نہیں۔ ایک ایک مرتد کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ ہزاروں آدمی مجھے دے گا۔ اور مجھے توفیق بخشے گا کہ میرے ذریعے سے پھر سے جماعت جواں سال ہو جائے آپ میں سے ہر مخلص کے لئے دعا اور کمزور کے لئے رخصتی سلام۔

خاکسار

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی۔ ۵۶/۷/۲۴[1]

چہارم حضرت مصلح موعود کا درج ذیل پیغام روزنامہ الفضل ۳۰ رجولائی ۱۹۵۶ء کے صفحہ اوّل پر شائع ہوا۔

تم میں سے ہر ایک ہوشیار ہونا چاہیئے

"تحقیق سے ثابت ہو گیا ہے کہ اللہ رکھا نے میاں بشیر احمد صاحب پر جھوٹ بولا وہ چھٹی جو یہ میاں بشیر احمد صاحب کی بتاتا ہے وہ ہمیں مل گئی ہے اور اس میں اپنے کسی ماتحت کو یہ حکم دیا گیا کہ سفارشی خط دینا بالکل غلط ہے۔ یہ تمہارا اپنا کام ہے کہ احمدیوں پر اپنا اچھا اثر پیدا کرو خلیفۃ المسیح کو اس بارے میں تنگ کرنا درست نہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ حسب دستور اس کذّاب نے ہر معاملہ میں جھوٹ بولا ہے اسی طرح اس معاملہ میں بھی جھوٹ بولا ہے نہ میاں بشیر احمد صاحب کو یہ اختیار تھا کہ بغیر میرے پوچھے پوری معافی دیتے نہ انہوں نے ایسا کیا۔ بلکہ اس شخص نے ایسے ہی دجل سے کام لیا ہے جیسا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کے مرتکب مسلمانوں کو دھوکا دیا کرتے تھے۔ کبھی کہتے تھے علیؓ ہمارے ساتھ ہیں کبھی دوسرے صحابہؓ کا نام لیتے تھے کہ وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ کم از کم اتنا تو ثابت ہو گیا کہ اس فتنہ کے بانی اچھی طرح حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کی سکیم کا مطالعہ کر رہے ہیں اور ان کی سکیم پر چلنا چاہتے ہیں۔ اس

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۴ راگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۴

کے بعد بھی اگر کوئی احمدی اِن لوگوں سے دھوکا کھاتا ہے تو وہ یقیناً احمدی نہیں ۔ اگر شیطان جبرئیلؑ کے بھیس میں بھی آئے تو مومن اس سے دھوکہ نہیں کھا سکتا۔ پس تم میں سے ہر شخص کو ایسا ہی ہوشیار رہنا چاہیئے کہ کوئی شخص اپنی نسل کے سلسلے کو خواہ کہیں تک پہنچاتا ہو اور کوئی شخص خواہ کتنے ہی بڑے آدمی کو اپنا مؤید قرار دیتا ہو آپ اس پر لعنت ڈالیں ۔ اور اپنے گھر سے نکال دیں۔ اور ساری جماعت کو اس سے ہوشیار کر دیں۔ ایک دفعہ جماعت پیغامی فتنہ کا مقابلہ کر چکی ہے ۔ کوئی وجہ نہیں کہ اب اس سے دوسو گنے زیادہ ہو کر پیغامی فتنہ کا مقابلہ نہ کیا جا سکے“

مرزا محمود احمدؓ

پنجم ضمیمہ روزنامہ الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۵۶ء کے صا الف پر حضور کا درج ذیل پیغام سپردِ اشاعت ہوا۔

حضرت عثمانؓ کے وقت میں ذرا سی غفلت نے اتحادِ اسلام کو برباد کر دیا تھا

”بعض کمزور طبع احمدی کہتے ہیں کہ کیا چھوٹی سی بات کو بڑھا دیا گیا ہے ۔ لاہور کا ہر شخص جانتا ہے ۔ کہ عبدالوہاب فاتر العقل ہے ۔ پھر ایسے شخص کی بات پر اتنے مضامین اور اتنے شور کی ضرورت کیا تھی ؟ حضرت عثمانؓ کے وقت میں جن لوگوں نے شور کیا تھا۔ ان کے متعلق بھی صحابہؓ یہی کہتے تھے ۔ کہ ایسے ذلیل آدمیوں کی بات کی پرواہ کیوں کی جاتی ہے ؟ حال میں ہی مری پر عیسائیوں نے حملہ کیا تھا اور ایک یہ اعتراض کیا تھا۔ کہ تبوک کے موقعہ پر تمہارے رسول ہزاروں آدمیوں کو لے کر جلتی دھوپ میں اور بغیر سامان کے سینکڑوں میل چلے گئے جب وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ معاملہ کچھ بھی نہیں کوئی رومی لشکر وہاں جمع نہیں تھے ۔ اگر وہ رسول تھے تو اتنی بڑی غلطی انہوں نے کیوں کی۔ کیوں نہ خدا تعالیٰ نے ان کو بتایا کہ یہ خبر جو رومی لشکر کے جمع ہونے کی آئی ہے غلط ہے ۔ تبوک کا واقعہ یوں ہے کہ پہلے ایک عیسائی پادری مکہ میں آیا۔ اور مکہ سے اس نے مدینہ کے منافقوں سے سازباز کیا۔ اور ان کو تجویز بتائی کہ اس کے رہنے اور تبلیغ کرنے کے لئے وہاں ایک نئی مسجد بنائیں چنانچہ انہوں نے قبا نامی گاؤں میں ایک نئی مسجد بنا دی۔ وہ شخص چھپ کر وہاں آیا۔ اور ان کو یہ کہہ کے روم

لے روزنامہ الفضل ربوہ ۳۰ جولائی ۱۹۵۶ء صا

کی طرف چلا گیا۔ کہ مَیں رومی حکومت کو اکساتا ہوں۔ تم اُدھر یہ مشہور کر دو کہ رومی لشکر سرحدوں پر جمع ہو گیا ہے جب محمد رسول اللہؐ اسلامی لشکر سمیت اس طرف جائیں گے۔ تو وہاں کسی کو نہ پائیں گے اور سخت مایوس ہو کر لوٹیں گے۔ تو تم مدینہ میں مشہور کر دینا کہ یہ دیکھو مسلمانوں کا رسول۔ بات کچھ بھی نہ تھی۔ مگر اس نے اس کو اتنی اہمیت دے دی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے فعل کی تائید کی۔ اور صرف تین آدمی جو سینکڑوں کے لشکر میں سے پیچھے رہ گئے تھے ان کو سخت ملامت کی۔ اور ان میں سے ایک کا بائیکاٹ کر دیا۔ حالانکہ جب رومی لشکر تھا ہی نہیں تو تین چھوڑ کے تین ہزار آدمی بھی نہ جاتا تو اسلام کا کیا نقصان تھا۔ قرآن کو تو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ یہ پیچھے رہنے والے بڑے عقلمند تھے۔ اور جو لوگ اپنی فصلیں تباہ کر کے گرمی میں محمد رسول اللہ صلعم کے ساتھ گئے وہ بڑے احمق تھے۔ اس واقعہ میں ہم کو یہ بتایا گیا ہے۔ کہ واقعہ خواہ کچھ بھی نہ ہو۔ اگر مسلمانوں کو پتہ لگ جائے کہ منافق دین کے لئے کوئی خطرہ ظاہر کر رہے ہیں۔ تو ساری اُمتِ مسلمہ کو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کھڑا ہو جانا چاہیئے۔ اور جو کوئی اس میں سُستی کرے گا۔ وہ مسلمانوں میں سے نہیں سمجھا جائے گا۔ اور مسلمانوں کو اس سے مقاطعہ کرنا ہوگا۔ اب تبوک کے واقعہ کو دیکھو جو قرآن میں تفصیل کے ساتھ بیان ہے اور دیکھو کہ احمدیوں میں سے جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ اتنی چھوٹی سی بات کو اتنا کیوں بڑھایا جا رہا ہے اور ان کیساتھ بولنا چالنا احمدیوں کیلئے جائز ہے اگر وہ احمدی کہلا سکتے ہیں اور ان کے ساتھ بولنا چالنا جائز ہے تو پھر قرآن اور محمد رسول اللہؐ نے تبوک کے موقعہ پر غلطی کی ہے جس وقت کہ معاملہ چھوٹا ہی نہیں تھا بلکہ تھا ہی نہیں اور پھر وہ لوگ بتائیں کہ حضرت عثمانؓ کے وقت میں شرارت کرنیوالے لوگوں کو حقیر قرار دینے والے۔ لوگ کیا بعد میں اسلام کو جوڑ سکے اگر وہ اس وقت منافقوں کا مقابلہ کرتے تو نہ ان کا کوئی نقصان تھا۔ اور نہ اسلام کا کوئی نقصان تھا۔ مگر اس وقت کی غفلت نے اسلام کو بھی تباہ کر دیا۔ اور اتحادِ اسلام کو بھی برباد کر دیا۔

والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد ۲۶/۷/۵۶"

ششم چوہدری بشارت احمد صاحب ولد چوہدری محمد شریف صاحب چک نمبر ۸ ۹ شمالی سرگودھا نے یہ تحریری اطلاع دی کہ اللہ رکھا نے کہا ہے کہ مَیں نے میاں بشیر احمد صاحب کو یہ لکھا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی وفات ہو گئی تو ہم آپ کی بیعت کریں گے۔ مرزا ناصر احمد صاحب

کی بیعت کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ حضرت مصلح موعود کی طرف سے الفضل کے اسی پرچہ میں.
یہ نئی شہادت بھی چھپی اور حضور کا مندرجہ ذیل پیغام بھی کہ :۔

"ناصر احمد کے خلیفہ ہونے کا کوئی سوال نہیں خلیفے خدا بنایا کرتا ہے جب اس نے مجھے خلیفہ بنایا تھا تو جماعت کے بڑے بڑے آدمیوں کی گردنیں پکڑوا کر میری بیعت کروادی تھی جن میں ایک میرے نانا۔ دو میرے ماموں ایک میری والدہ ایک میری نانی ایک میری تائی اور ایک میرے بڑے بھائی بھی شامل تھے۔ اگر خدا تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا کہ ناصر احمد خلیفہ ہو تو ایک میاں بشیر کیا ہزار میاں بشیر کو بھی اس کی بیعت کرنی پڑے گی۔ اور غلام رسول جیسے ہزاروں آدمیوں کے سروں پر جوتیاں مار کر خدا ان سے بیعت کروائیگا لیکن ایک خلیفہ کی زندگی میں کسی دوسرے خلیفہ کا خواہ وہ پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ نام لینا خلافِ اسلام یا بے شرمی ہے صرف خلیفہ ہی اپنی زندگی میں دوسرے خلیفہ کو خلافت کے لیے نامزد کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت خلیفہ اوّل نے ۱۹۱۰ء میں مجھے نامزد کیا تھا مگر خدا تعالیٰ نے فضل کیا اور وہ بیماری سے بچ گئے اور خدا تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کے فیصلہ سے مجھے خلیفہ بنوایا اگر خدانخواستہ اس وقت خلیفہ اوّل فوت ہو جاتے تو ان کی اولاد بڑ مارتی کہ یہ خلافت ہمارے باپ کی دی ہوئی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لعنت سے بچا لیا اور سورۃ نور کے حکم کے مطابق مجھے خود خلیفہ چنا اور بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ میں خدا تعالیٰ کا بنایا ہوا خلیفہ ہوں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق کہ میرے خلیفوں میں سے کوئی خلیفہ دمشق جائے گا میں ایک دفعہ نہیں دو دفعہ اپنی خلافت کے زمانہ میں دمشق گیا ہوں اور اب میں دلیری سے کہہ سکتا ہوں کہ میں کسی انسان کی دی ہوئی خلافت پر خواہ وہ کتنا بڑا انسان کیوں نہ ہو لعنت بھیجتا ہوں یا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی تردید کرنی ہوگی جنہوں نے کہا کہ مسیح دمشق جائے گا یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تردید کرنی ہوگی۔ جنہوں نے یہ لکھا ہے کہ اس حدیث کے یہ معنے ہیں کہ میرے خلیفوں میں سے کوئی خلیفہ دمشق جائے گا۔"

(بقیہ بیان) اللہ رکھا کی اس بات کو سن کر کہ میں نے میاں بشیر احمد صاحب کو لکھا ہے کہ ہم تو موجودہ خلیفہ کے مرنے پر آپ کی بیعت کریں گے۔ غلام رسول نمبر ۳۵ نے کہا۔ نہیں ہم تو میاں

عبدالمنان صاحب عمر کی بیعت کریں گے۔

(اگر عبدالمنان بھی اس سازش میں شریک ہے تو تم یاد رکھو کہ عبدالمنان اور اس کی اولاد قیامت تک خلافت کو حاصل نہیں کرے گی خواہ کروڑوں غلام رسول ان کے لئے کوششیں کرتے ہوئے اور ان کے لئے دعائیں کرتے ہوئے مر جائیں اور اپنے پیر گھسا دیں اور اپنے ناک رگڑ دیں) پھر غلام رسول نے کہا کہ وہ دو سال کے بعد اتنی طاقت پکڑ جائے گا کہ ربوہ آکر ناصر احمد کو بازو سے پکڑ کر ربوہ سے نکال دے گا۔ (دو سال کے بعد کی بات تو خدا ہی جانتا ہے۔ یہی بات عبداللہ ابن ابی ابن سلول نے رسول اللہ ؐ کے خلاف ماری تھی اور جب اس کا ہی بیٹا اس کے سامنے تلوار لے کر کھڑا ہو گیا۔ تو اس نے کہا کہ میں مدینہ کا سب سے ذلیل انسان ہوں اور محمد رسول اللہ ؐ مدینہ کے سب سے معزز انسان ہیں اس کا دعویٰ کرنا تو کذاب ہونے کی علامت ہے وہ اب ربوہ آکر دکھا دے بلکہ اپنے گاؤں جا کر دکھا دے۔ مگر ایسی باتیں تو حیادار لوگوں سے کہی جاتی ہیں۔ بے حیا لوگوں پر ایسی باتوں کا کیا اثر ہوتا ہے۔ وہ پھر بھی کہہ دے گا کہ یہ طاقت تو مجھے دو سال کے بعد حاصل ہو گی۔ جیسا کہ مسیلمہ نے کہا تھا کہ اگر محمد رسول اللہ ؐ نے مجھے اپنے بعد وارث نہ بنایا تو میری فوج حملہ کر کے مدینہ کو تباہ کر دے گی۔ اب وہ مسیلمہ خبیث کہاں ہے کہ ہم اس سے پوچھیں اور یا دو سال کے بعد غلام رسول بے دین کہاں ہو گا جو ہم اس سے پوچھیں گے) چوھدری بشارت احمد صاحب کہتے ہیں کہ اس کے بعد حیات تاثیر نے جو اپنے آپ کو مرزا کہتا ہے یہ بھی کہا کہ اگر حمید ڈاڈھے سے خطوط کا جواب چاہتے ہو تو اس کو اس قسم کے خطوط لکھا کرو کہ میاں ناصر احمد کو مارنے اور میاں بشیر احمد کے متعلق جو سکیم تھی وہ کہاں تک کامیاب ہے۔ اس پر وہ فوراً تڑپ کر جواب دے گا (دیکھئے ان خبیثوں کو جو ایک طرف تو اپنے خیال میں اپنی طاقت کے بڑھانے کے لئے میاں بشیر احمد کو خلافت کا لالچ دے رہے ہیں۔ دوسری طرف ان کے قتل کرنے کے منصوبے بھی کر رہے ہیں۔ کیا ایسے لوگ ایماندار یا انسان کہلا سکتے ہیں؟ یہ خبیث اور ان کے ساتھی منافقوں کی طرح تمنائیں کرتے رہیں گے۔ لیکن سوائے ناکامی اور نامرادی کے ان کو کچھ نصیب نہیں ہو گا۔ آسمان پر خدا تعالیٰ کی تلوار کھچ چکی ہے۔ اب ان لوگوں سے دوستی کا اظہار کرنے والے لوگ خواہ کسی خاندان سے تعلق رکھتے ہوں اپنے آپ کو بچا کر دیکھیں۔ خدا تعالےٰ

ان کو دنیا کے ہر گوشہ میں پکڑے گا اور ان کو ان کی بے ایمانی کی سزا دے گا)

مرزا محمود احمد

ہفتم ڈاکٹر شاہ نواز خان صاحب نے ۲۵ جولائی ۱۹۵۶ء کو حضور کی خدمت اقدس میں ایک خط لکھا جس پر حضور نے تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"...... میں صرف خلیفہ ہی نہیں بلکہ پسر موعود بھی ہوں۔ میرے ساتھ معاملات الہام کے مطابق ہوں گے نہ کہ تاریخ کے مطابق۔ گو ممکن ہے آپس میں تھوڑی بہت مشابہت باقی رہے۔ میرے دل میں بھی کبھی کبھی یہ خیال آتا رہا ہے کہ میری خلافت کے لمبا ہونے کی وجہ سے بعض بے دین نوجوان یہ خیال کریں کہ ہمیں اور ہمارے خاندانوں کو اس شخص کی عمر کی لمبائی نے اس عہدہ سے محروم کر دیا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ ان لوگوں کو آسمانی لعنت تو ملے گی لیکن خدائی عزت نہیں ملے گی۔"

مرزا محمود احمد[1]

ہشتم الفضل ۳۱ جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ اول پر حضرت مصلح موعود کے قلم مبارک سے حسب ذیل پیغام سپرد اشاعت ہوا جس سے منافقوں کی مزید پردہ دری ہوئی۔

احباب جماعت احمدیہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آج ایک خط میری بیوی اُمّ متین کے نام آیا ہے جس کا لکھنے والا اپنے آپ کو عورت ظاہر کرتا ہے لیکن ربوہ کے لوگوں سے واقف ضرور ہے۔ کیوں کہ اس نے پتہ پر "آپا مریم صدیقہ و مہر آپا" لکھا ہے۔ اس اپنے آپ کو عورت ظاہر کرنے والے مرد نے جولائی ۱۹۲۹ء کے "مباہلہ" کے پرچہ کا ایک کٹنگ بھی بھیجا ہے خط لکھنے والے کا خط اتنا خراب ہے اور اس نے بگاڑ کر پنسل سے اس طرح لکھا ہے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے مباہلہ اخبار وہی ہے جو کسی زمانہ میں جھوٹے خط بنا کر اپنے اخبار میں شائع کرتا رہتا

---

[1] الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ

تھا اور ان خطوں پر لکھا ہوتا تھا کہ ایک معصوم عورت کا خط لیکن ہر خط گمنام ہوتا تھا اور اوپر لکھا ہوتا تھا نقل مطابق اصل کہ میں مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں ہر عقلمند انسان سمجھ سکتا ہے کہ گمنام شخص سے مباہلہ کون کر سکتا ہے یہ فقرہ صرف اس لئے بڑھایا جاتا تھا کہ احمق لوگ اس سے متاثر ہو جائیں اس بات کو بھی ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ دنیا کی وہ کون سی عورت ہے جو ۲۷ سال پہلے مباہلہ کے کٹنگ کو محفوظ رکھے گی۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ بدبخت جو مباہلہ والوں کی پارٹی میں شامل تھے یا تو انہوں نے یہ کٹنگ چھپا رکھے تھے کہ کسی وقت ان کو شائع کریں گے یا آج پھر مباہلہ والوں کے دوست مباہلہ والوں سے ان کے پرانے اخباروں کے کٹنگ لے کر جماعت میں پھیلا رہے ہیں اس سے جماعت سمجھ سکتی ہے کہ موجودہ فتنہ کے پیچھے وہی پرانے سانپ ہیں۔ جنہوں نے ایک وقت احمدیت پر حملہ کیا تھا۔ ہمارے ایک دوست نے عراق سے لکھا تھا کہ مباہلہ کے پرچے پیغام بلڈنگ سے اشاعت کے لئے عراق بھیجے جاتے ہیں پس یہ ایک مزید ثبوت پیغامیوں کی شراکت کا ہے۔ ہمارے ایک دوست جو اس وقت آبادان کمپنی میں نوکر تھے اور بھیرہ کے رہنے والے ہیں۔ ان کا ایک لڑکا ایسٹ پاکستان میں نوکر ہوتا تھا۔ اُن سے یہ اطلاع ہم کو ملی تھی۔ ان کے نام میں گُل کا لفظ بھی آتا ہے۔[1] اس وقت مجھے یہ نام بھول گیا۔ اگر اُن کو یہ واقعہ یاد ہو تو ایک دفعہ مجھے پھر لکھیں جب ایک پیغامی لیڈر نے مجھے یہ کہا تھا کہ ہم نے کوئی ایسا پروپیگنڈا عراق میں نہیں کیا۔ تو ان کے ایک رشتہ دار نے یہ کہا تھا کہ یہ جھوٹ ہے میرے پاس اس پیغامی لیڈر نے ان الزامات کی تصدیق لکھ کر بھیجی ہے۔ یہ صاحب کسی وقت کراچی میں رہتے تھے۔"

مرزا محمود احمد ۵۶/۷/۲۹[2]

نہم | ڈاکٹر عبدالقدوس صاحب[3] نے نواب شاہ سندھ سے ۳۰ جولائی ۱۹۵۶ء کو حسب ذیل مکتوب حضرت مصلح موعود کی خدمت میں ارسال کیا۔

سیدی عرض ہے کہ عاجز دسمبر ۱۹۵۴ء کے قافلہ کے ساتھ جو کہ جلسہ سالانہ قادیان جانیوالا

---

[1] یہ احمد گل صاحب پراچہ تھے۔ [2] روزنامہ الفضل ۳۱ جولائی ۱۹۵۶ء صا
[3] آپ ۲۸ ستمبر ۱۹۸۹ء کو شہید کر دیئے گئے (الفضل یکم اکتوبر ۱۹۸۹ء صا)

تھا بندہ لاہور جودھامل بلڈنگ گیا۔ رات جودھامل میں گزاری صبح نماز فجر باجماعت پڑھنے کے بعد بیٹھے تھے کہ مولوی عبدالوہاب صاحب آ گئے اور پوچھا کہ جماعت ہوگئی ہے؟ بتانے پر کہ جماعت ہو چکی ہے انہوں نے خود اکیلے ہی نماز پڑھ لی اور وہیں بیٹھ گئے اس جگہ مختلف علاقہ جات سے آئے ہوئے دوسرے احمدی احباب بھی بیٹھے تھے۔ مولوی عبدالوہاب صاحب کہنے لگے۔ (جیسے کہ درس دیا جاتا ہے) کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اپنی اولاد کے لئے دنیاوی ترقیات کے لئے دعا فرمائی۔ جیسے " دے اُن کو عمر و دولت " لیکن حضرت خلیفہ اوّل نے اپنی اولاد کے لئے دنیا کے لئے دعا نہیں فرمائی بلکہ خدا کے سپرد کر دیا۔ اب دیکھیں کہ حضور کی اولاد دنیا کے پیچھے لگ گئی کہ پریشانیوں تکلیفوں میں مبتلا ہے۔ کیوں کہ دنیا کے پیچھے لگ کر انسان سکونِ قلب حاصل نہیں کر سکتا (غالباً اس میں حضرت صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحب کا بھی نام لیا تھا)۔

اسی قسم کی اور باتیں بھی انہوں نے کہی تھیں جو کہ مشکوک ہونے کی وجہ سے درج کرنے سے قاصر ہوں لیکن تمام گفتگو کا جو مفہوم تھا وہ وہی تھا جو کہ خاکسار نے اوپر درج کر دیا۔ مندرجہ بالا مفہوم کے متعلق میں اپنے پالنے والے خدا کو حاضر ناظر جان کر حلف اٹھاتا ہوں کہ وہ بالکل درست ہے اور اس سے ذرہ بھر شک نہیں الفاظ کم و زیادہ ہو سکتے ہیں لیکن مفہوم وہی نکلتا ہے جو عاجز نے اوپر تحریر کر دیا ہے "۔[۱]

سیدنا حضرت مصلح موعود نے اس خط پر مندرجہ ذیل پیغام احباب جماعت کے نام دیا۔

" برادران۔

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت خلیفہ اوّل کی ناخلف اولاد اب حضرت خلیفہ اوّل کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بڑائی دینے کے لئے سازش پکڑ رہی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالقدوس صاحب نواب شاہ سندھ جو میاں عبدالسلام صاحب مرحوم کے ساتھ زمین کے ٹھیکہ میں شریک رہے ہیں لکھتے ہیں کہ

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ ۹ راگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۴

۱۹۵۴ء میں جو قافلہ قادیان گیا میں بھی اس میں شامل ہونے کے لئے لاہور آیا وہاں صبح کی نماز کے بعد جس میں میاں عبدالوہاب صاحب شریک نہیں ہوئے وہ مختلف جگہوں سے آئے ہوئے لوگوں کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے اس طرح بولے جیسے درس دیتے ہیں اور کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے دنیا ملنے کی دعا کی تھی جس سے سکونِ قلب حاصل نہیں ہوتا لیکن حضرت خلیفہ اوّل نے اپنی اولاد کو خدا کے سپرد کیا (لعنت اللہ علی الکاذبین)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک الہامی دعا ہے جو وفات کے قریب ہوئی جس میں خدا تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را[1]

یعنی اے خدا میں اپنی ساری پونجی تیرے سپرد کرتا ہوں تو آگے اس میں کمی بیشی کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ حضرت خلیفۂ اوّل کے متعلق تو کہیں ثابت نہیں کہ انہوں نے اپنی اولاد کو خدا کے سپرد کیا تھا ان کی وصیت میں تو یہ لکھا ہے کہ میری اولاد کی تعلیم کا انتظام جماعت کرے اور میری لائبریری بیچ کر ان کا خرچ پورا کیا جائے اس کے مقابل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد پر ایک پیسہ خرچ کرنے کی جماعت کو نصیحت نہیں کی اور عملاً بھی حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان پر جماعت کو اس سے بہت زیادہ خرچ کرنا پڑا ہے جتنا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد پر کرنا پڑا علاوہ ازیں میں ایک لاکھ چالیس ہزار کی زمین صدر انجمن احمدیہ کو اس وقت تک دے چکا ہوں اور اس کے علاوہ بیس تیس ہزار پچھلے سالوں میں چندہ کے طور پر دیا ہے اور ایک لاکھ تیس ہزار تحریک جدید میں دے چکا ہوں۔ ان رقوں کو ملا لیا جائے تو جماعت نے جو رقم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان پر خرچ کی ہے یہ رقم اس سے چالیس پچاس گنے زیادہ ہے اور پھر حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد جب کہ دنیوی کاموں میں مشغول تھی اس وقت میں قرآن کریم کی تفسیریں لکھ لکھ جماعت کو دے رہا تھا۔ اور

---

[1] منصب خلافت طبع اوّل صـ۳۰ برکات خلافت صـ۲۴۔ تذکرہ طبع چہارم صـ۷۹۱

اکثر حصوں کی طباعت کا خرچ بھی اپنے پاس سے دے رہا تھا یہ وہ دنیا ہے جو اس ناخلف بیٹے کے قول کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے لئے مانگی تھی اور اولاد کو خدا کے سپرد کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ حضرت خلیفہ اوّل کا خاندان جماعت کے روپے پر پلتا رہا اور دنیا کے کاموں میں مشغول رہا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بڑا بیٹا جماعت سے ایک پیسہ لئے بغیر اس کے اندر قرآن کریم کے خزانے لٹاتا رہا۔ یہ فرق ہے آقا کی دعا کا اور غلام کی دعا کا۔ جس کو خدا تعالیٰ نے کہا کہ "دنیا میں بہت سے تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اونچا رہا"[1] اور جس کو خدا تعالیٰ نے کہا۔ "کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بروز اور آپ کا شاگرد ہے"۔ اور جس کے متعلق خدا تعالیٰ نے کہا جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ[2] اللہ کا بہادر تمام نبیوں کے لباس میں۔ اور جس کے متعلق خدا تعالیٰ نے کہا "دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا مگر خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا"[3] اور جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم سے لے کر آخر تک تمام انبیاء اس کی خبر دیتے آئے ہیں اس کی نظر تو اتنی کوتاہ تھی کہ اس نے اپنی اولاد کے لئے صرف دنیا کی دعا کی جس سے تسکین قلب حاصل نہیں ہوتی لیکن اس کا شاگرد جس کا منہ غلامی کا دعویٰ کرتے کرتے خشک ہوتا تھا اس بلند پایہ کا تھا اور خدا تعالیٰ کا ایسا مقرب تھا کہ اس نے اپنی اولاد کو خدا کے سپرد کیا یہی وہ سازش ہے جو حضرت خلیفہ اوّل کی وفات سے پیغامیوں نے شروع کی تھی چنانچہ مرزا خدا بخش صاحب نے اپنی کتاب "عسل مصفّٰی" میں لکھا تھا کہ بے مثل تھا وہ شاگرد (یعنی خلیفہ اوّل) جو تقویٰ اور طہارت میں اپنے استاد (یعنی مسیح موعود علیہ السلام) سے بڑھ گیا (لعنۃ اللہ علی الکاذبین) چنانچہ اس کے انعام میں پیغامیوں نے اسکو نوکر رکھ لیا اور اس کی کتاب عسل مصفّٰی خوب بکوائی اور گو اس نے عبدالوہاب کی طرح فوراً معافی مانگنی شروع کر دی مگر نفاق کا

---

[1] الہام کے اصل الفاظ "آسمان سے کئی تخت اترے پر تیرا تخت سب اوپر بچھایا گیا"۔ "حقیقۃ الوحی" ص۸۹ طبع اوّل۔ تذکرہ طبع چہارم ص۶۴۳ [2] تذکرہ طبع چہارم ص۷۹ الہام ۱۸۸۳ء
[3] اشتہار ایک غلطی کا ازالہ۔ تذکرہ طبع چہارم ص۱۰۴ (بقیہ حاشیہ ص۵۲ پر)

کا معاف کرنا ایک خطرناک غلطی ہوتی ہے چنانچہ باوجود اس کے کہ اس نے کتاب میں کچھ اصلاح کی میں نے اس کو معاف نہیں کیا۔ اور جماعت نے اس کی کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا۔

باقی رہا یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کے متعلق کہا ؏

دے اس کو عمر و دولت کر دور ہر اندھیرا

اس حضرت خلیفہ اوّل کے جاہل بیٹے کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آیا کہ کر دور ہر اندھیرا ایک بڑی دینی دعا ہے اور سورۃ والنّاس کا خلاصہ ہے اور چاہیئے تھا کہ اس دعا کی وجہ سے میاں عبدالوہاب اور ان کے ساتھی اپنے انجام سے ڈر جاتے جس کی خبر اس دعا میں دی گئی تھی۔ ذیل میں کچھ اور دعائیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شائع کی جاتی ہیں۔ ان کو پڑھ کر دوست دیکھ لیں کہ آیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے دنیا مانگی ہے یا دین مانگا ہے اور میاں عبدالوہاب صاحب اپنے دعویٰ میں راستباز ہیں یا کذّاب؟ ۔ ؎

کر ان کو نیک قسمت دے انکو دین و دولت — کر ان کی خود حفاظت ہو ان پہ تیری رحمت
دے رشد اور ہدایت اور عمر اور عزّت — یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
تو ہے ہمارا رہبر تیرا نہیں ہے ہمسر — یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
شیطاں سے دور رکھیو۔ اپنے حضور رکھیو — جاں پُر ز نور رکھیو۔ دل پر سرور رکھیو
ان پر میں تیرے قرباں رحمت ضرور رکھیو — یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
کر فضل سب پہ یکسر رحمت سے کر معطر — یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
یہ تینوں تیرے بندے رکھیو نہ ان کو گندے — کر دور ان سے یارب دنیا کے سارے پھندے
چنگے رہیں ہمیشہ کریو نہ ان کو مندے — یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
یہ فضل کر کہ ہوویں نیکو گہر یہ سارے — یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱ سے آگے)

ل اصل عبارت "تاریخ دنیا میں ایسی نظیریں بہت کم ہی ملتی ہیں کہ کوئی جانشین اپنے پیش رو متبوع کے برابر یا اُس سے بڑھ کر ہوا ہو۔ مگر جس انسان کا ہم ذکر کرنے لگے ہیں وہ اپنی شخصیت میں ایسی خصوصیت رکھتا ہے کہ بلا مبالغہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے پیشوا اپنے مقتدا سے بہت سی باتوں میں سبقت رکھتا ہے

(عمل مصفّٰی جلد دوم ۶۶۳ مطبوعہ ۱۹۱۴ء قادیان)

اے میرے جاں کے جانی اے شاہِ دوجہانی | کر ایسی مہربانی ان کا نہ ہووے ثانی
دے بخت جاودانی اور فیضِ آسمانی | یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
اے واحدِ یگانہ اے خالقِ زمانہ | میری دعائیں سن لے اور عرض چاکرانہ
تیرے سپرد تینوں دیں کے قمر بنانا | یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

(میاں عبدالوہاب صاحب کے نزدیک یہ دنیا کی دعا ہے اور حضرت خلیفہ اوّل نے اپنی اولاد کے متعلق اس سے بالا دعا مانگی ہے ۔)

والسلام خاکسار مرزا محمود احمد ۵/۸/۵۶ئ[1]

فتنہ ۱۹۵۰ء کے متعلق ایک اہم رؤیا

اس فتنہ کا ظہور بھی خلافتِ ثانیہ کی حقانیت کا ایک چمکتا نشان تھا۔ وجہ یہ کہ اس کے ظہور سے ساڑھے چھ سال قبل حضرت مصلح موعود کو بذریعہ رؤیا اس کی قبل از وقت خبر دے دی گئی تھی اور ۲۷ر جون ۱۹۵۰ء کو حضور نے احبابِ جماعت کے سامنے حسبِ ذیل الفاظ میں اسے پوری شرح و بسط سے بیان بھی فرما دیا تھا کہ :-

"میں نے دیکھا کہ ایک اشتہار ہے جو کسی شخص نے لکھا ہے جو شخص مجھے خواب کے بعد یاد رہا ہے مگر میں اس کا نام نہیں لینا چاہتا صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ اشتہار ہمارے کسی رشتہ دار نے دیا ہے ۔ مگر اس کی رشتہ داری میری بیویوں کے ذریعہ سے ہے۔ اس اشتہار میں میرے بعض بچوں کے متعلق تعریفی الفاظ ہیں ۔ اور ان کی بڑائی کا اس میں ذکر کیا گیا ہے میں رؤیا میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض ایک چالاکی ہے ۔ درحقیقت اس کی غرض جماعت میں فتنہ پیدا کرنا ہے اگر کوئی غیر کی تعریف کرے تو مخاطب سمجھتا ہے کہ جماعت میں فتنہ پیدا کیا جا رہا ہے۔ اور اس میں

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۹ر اگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ ر ۴

اس کو رد کرنے کی کوشش کرونگا۔ لیکن اگر میرے بعض بچوں کا نام لے کر ان کی تعریف کی جائے تو تعریف کرنے والا یہ سمجھتا کہ اس طرح میری توجہ اس کے فتنہ کی طرف نہیں پھرے گی۔ اور میں یہ کہوں گا کہ اس میں تو میرے بیٹوں کی تعریف کی گئی ہے اس میں فتنہ کی کونسی بات ہے اسی نقطۂ نگاہ سے اس نے اشتہار میں میرے بعض بیٹوں کی تعریف کی ہے لیکن رؤیا میں میں کہتا ہوں کہ مَیں اس بات کو پسند نہیں کرتا۔ چاہے تم کتنے ہی چکر دے کر بات کرو۔ ظاہر ہے کہ تم جماعت میں اس سے فتنہ پیدا کرنا چاہتے ہو اور تمہاری غرض یہ ہے کہ میں بھی دنیا داروں کی طرح اپنے بیٹوں کی تعریف سن کر خوش ہو جاؤں گا اور اصل بات کی طرف میری توجہ نہیں پھرے گی۔ پس رؤیا میں مَیں نے اس اشتہار پر اظہارِ نفرت کیا۔ اور مَیں نے کہا کہ مَیں اس قسم کی باتوں کو پسند نہیں کرتا۔ مجھے وہ بیٹے بھی معلوم ہیں جن کا نام لے کر اس نے تعریف کی ہے اور مجھے لکھنے والا بھی معلوم ہے۔ لیکن مَیں کسی کا نام نہیں لیتا۔

اس رؤیا سے کچھ عرصہ پہلے مجھے اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ ایک طبقہ جماعت میں اس قسم کی حرکات کر رہا ہے۔ گو خواب کے دنوں میں اس طرف کبھی خیال نہ گیا تھا لیکن بعض واقعات سے قریباً سال بھر سے میرے اندر یہ احساس تھا کہ جوں جوں میری عمر زیادہ ہوتی جارہی ہے جماعت کا منافق طبقہ یہ سمجھنے لگا ہے۔ کہ اب تو ان کی زندگی کے تھوڑے ہی دن رہ گئے ہیں۔ آئندہ کے لئے ابھی سے اپنے قدم جمانے کی کوشش کرو۔ گویا وہی پیغامیوں والا فتنہ جو ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوا۔ اسی کو ایک اور رنگ میں پیدا کرنا چاہتے ہیں اور قرآن کریم سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی بادشاہت بدلتی ہے نچلے طبقہ کے لئے ابھرنے کا موقعہ نکل آتا ہے۔ پس بعض لوگ جن کے اندر اخلاص نہیں اور جو سمجھتے ہیں کہ پتہ نہیں اس پر کس وقت موت آجائے انہوں نے ابھی سے اپنے قدم جمانے کی کوشش شروع کر دی ہے اور قریباً سال بھر سے مجھے یہ بات نظر آرہی تھی۔ مگر وہ تو قیاسی بات تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے رؤیا میں بھی مجھے بتایا ہے کہ بعض لوگ اس قسم کی کوشش کر رہے ہیں اور وہ اپنا تعلق جتا کر اور اپنی محبت کا اظہار کر کے مختلف ناموں سے اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں جو جماعت میں فتنہ پیدا کرنیوالی ہیں۔ لیکن یہ ظاہر بات ہے کہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہوسکتے اس لیے کہ اول تو خدا تعالیٰ کی طرف سے جب ...

دنیا میں آتی ہے وہ جب تک پوری طرح قائم نہ ہو جائے اس وقت تک اسے کوئی مٹا نہیں سکتا۔ یہ ایک موٹا اصول ہے۔ جس کے خلاف دنیا میں کبھی نہیں ہوا۔ دوسرے خدا تعالیٰ نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی غرض میں شامل کیا ہے۔ اور گزشتہ انبیاء کی پیشگوئیاں اس بات کا ثبوت ہیں بلکہ خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ آپ نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَنَالَهُ رَجُلٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ جمعہ) وہاں آپ نے رجال کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے۔ جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ درحقیقت ایک سے زیادہ آدمی ہوں گے جن کے ہاتھ سے یہ پیشگوئی پوری ہوگی۔ اس لئے وہ میرے نام کو تبھی مٹا سکتے ہیں جب اس کے ساتھ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام بھی مٹا دیں۔ ایک غیر احمدی کے لئے تو یہ یکساں بات ہے وہ کہے گا ان کا نام بھی مٹ جائے۔ مگر کم سے کم جو ہماری جماعت میں داخل ہو۔ اسے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام مٹ نہیں سکتا۔ اور جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام مٹ نہیں سکتا۔ تو اس قسم کا فتنہ میرے نام کے متعلق بھی پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال یہ ایک اہم رؤیا ہے جو جماعت سے بہت زیادہ تعلق رکھتی ہے۔"[1]

یہ ایک نہایت پُر اسرار اور حقیقت افروز خواب تھی جس کے لفظ لفظ پر ۱۹۵۶ء کے واقعات نے مہر تصدیق ثبت کر دی۔ میاں عبدالوہاب صاحب نے اللہ رکھا کے ذریعہ پروپیگنڈا کی جو مہم چلائی اسے علم تعبیر کے مطابق اشتہار دینا ہی کہا جائے گا۔ اس مہم میں کہا گیا کہ چوہدری ظفر اللہ خانصاحب یا مرزا بشیر احمد صاحب کو خلیفہ بنا دیا جائے۔ اور حضور کے ایک خواب مطبوعہ الفضل ۲۲ رمئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ میں حضرت چوہدری ظفر اللہ خانصاحب کے متعلق بتایا گیا کہ وہ روحانی طور پر آپ کے بیٹے ہیں اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب حضرت مصلح موعود کے چھوٹے بھائی تھے اور چھوٹا بھائی بھی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ خواب کے اس فقرہ کی تشریح میں کہ اس کی رشتہ داری میری بیویوں کے ذریعہ سے ہے مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور پرائیویٹ سیکرٹری نے پروفیسر مرزا منظور احمد صاحب ایم۔ ایس۔ سی۔ لیکچرار گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد کا ایک اہم بیان شائع کیا جو پڑھنے کے لائق ہے یہ بیان ۲۷ رجولائی ۱۹۵۶ء کو مرزا عبداللہ جان

---

[1] الفضل ۲۱ر جولائی ۱۹۵۰ء صفحہ ۴

صاحب سینئر سب جج ایبٹ آباد کا مصدقہ مقالہ[1]

سبائی تحریک اور اس کے ہولناک نتائج سے سبق حاصل کرنے کی تحریک

سیدنا حضرت مصلح موعود نے جماعت کو فتنہ منافقین سے آگاہ کرنے کے بعد ۲۷ رجولائی ۱۹۵۶ء کو تحریک فرمائی۔ کہ وہ حضرت عثمان کے خلاف اٹھنے والی عبد اللہ بن سبا کی تحریک، اس کی شورشوں اور اس کے ہولناک نتائج سے سبق حاصل کریں۔ چنانچہ حضور نے خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا:۔

"تاریخ بتاتی ہے کہ پہلے بھی ایسے واقعات ہوتے رہے ہیں لیکن پھر بھی ان واقعات کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں سے یہی غلطی ہوئی کہ بعض صحابہؓ نے سمجھ لیا کہ یونہی ایک معمولی سا فتنہ ہے اس کا کیا مقابلہ کرنا ہے جب حضرت عثمان پر تلوار اٹھائی گئی تو آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ کمبختو۔ میں تو اسی سال کا بڈھا ہوں میں نے ایک دن مرنا ہی تھا لیکن اب جو تم مجھ پر تلوار اٹھا رہے ہو تو یاد رکھو میرے قتل کے بعد قیامت تک مسلمان ان دو انگلیوں کی طرح پھٹے رہیں گے۔ اور وہ کبھی اکٹھے نہیں ہوں گے تمہارے اتحاد کا واحد ذریعہ یہ تھا کہ تم خلافت کو مضبوطی کیساتھ پکڑے رہتے۔ میں نے تو مرجانا تھا اسی سال میری عمر ہو چکی تھی اب میں اور کتنا زندہ رہتا۔ مگر میرے قتل کے بعد تم کبھی اتحاد سے نہیں رہو گے چنانچہ دیکھ لو حضرت عثمانؓ کو قتل کرنے والے زیادہ تو حضرت علیؓ سے اپنا تعلق جتاتے تھے مگر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ نے ان سے کیا سکھ پایا پہلے جنگ جمل ہوئی جس میں ہزاروں مسلمان مارے گئے۔ پھر معاویہؓ نے حملہ کر دیا اور پھر وہی لوگ جو حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد حضرت علیؓ کے ساتھ جا ملے تھے انہی میں سے ایک جماعت حضرت علیؓ سے الگ ہو گئی اور اس نے حضرت علیؓ کو کافر کہنا شروع کر دیا۔ آخر حضرت علیؓ نے ان پر تلوار اٹھائی اور ایک ہی دن میں دس ہزار خارجی قتل کر کے رکھ دیا وہ لوگ جنہوں نے عثمانؓ کو علیؓ کے نام سے مارا تھا انہوں نے پھر علیؓ کے خلاف بغاوت کر دی اور آخر

---

[1] الفضل ۱۳ ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۴، ۵

حضرت علیؓ بھی انہی کے ہاتھوں شہید ہو گئے اس کے بعد یہ اختلاف بڑھتا گیا اور مسلمان کبھی ایک ہاتھ پر جمع نہ ہوئے۔ اب تیرہ سو سال کے بعد خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا ہے۔ کہ مسلمانوں کو پھر ایک ہاتھ پر جمع کیا جائے اور ان کے اندر اتحاد اور یکجہتی پیدا کی جائے مگر اب پھر بعض خبیث اور بد باطن چاہتے ہیں کہ اس اتحاد کو توڑ دیں اور جماعت میں افتراق اور انتشار پیدا کر دیں۔ مگر ان کی ان کارروائیوں کا سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ان پر برسے گی خدا تعالیٰ کے نزدیک سلسلہ کا اتحاد دس ہزار نور الدین سے بھی زیادہ قیمتی ہے اور گدھے ہیں وہ جو ان کا نام لے کر فتنہ پھیلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ خلیفۂ اوّل تھے۔ اگر وہ خلیفۂ اوّل تھے تو نظام سلسلہ کے قائم کرنے کے لئے۔ نہ کہ اس کو تباہ و برباد کرنے کے لئے اگر کوئی شخص ان کا نام لے کر اس نظام کو توڑتا ہے تو وہ خود نور الدین پر قاتلانہ حملہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے عذاب سے اسے نور الدین ہرگز بچا نہیں سکے گا۔ خدا تعالیٰ ان سے کہے گا کہ میں نے تجھے اس لئے عزت نہیں دی کہ تیرا نام لے کر یہ لوگ میرے سلسلہ اور نظام پر حملہ کریں۔ ....
بے شک بہانے بنانے والے ہزاروں بہانے بنائیں گے مگر جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے۔ ولات حین مناص اب ان کے بہانے ختم ہو چکے ہیں اور ان کے لئے بھاگنے کا کوئی رستہ باقی نہیں رہا۔ سلسلہ کی خدمت کا اب ایک ہی طریق ہے کہ وہ خلافت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھیں اگر وہ اپنی فتنہ پردازیوں سے باز نہیں آئیں گے تو ایک نور الدین کیا نوحؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بھی مل کر انہیں خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے بلکہ دیکھ لو خود سادات میں ایسے لوگ موجود ہیں جو دین میں تفرقہ اندازی کرتے اور خدا تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں۔ مگر کیا اس لئے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں سے ہیں ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب مخالفین کو مباہلہ کے لئے چیلنج دیئے تو ان میں کئی سادات سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی شامل تھے پس محض کسی بڑے آدمی کی نسل میں سے ہونا اسے خدا تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ میں نے دیکھا ہے کہ کئی احمقوں

لے ص: ۳۹

نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد کو ایسا کیوں کہا جاتا ہے میں ان سے کہتا ہوں کہ کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ادھر تو لکھتے ہیں کہ مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور ادھر آپ کی اولاد کو مباہلہ کا چیلنج دیتے ہیں یہ مباہلہ کا چیلنج آپ نے اس لئے دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام اور مسلمانوں کی تنظیم اور ان کی تقویت کے لئے کھڑے ہوئے تھے اگر آپ کی اولاد میں سے کوئی شخص اس تنظیم کو توڑنا چاہتا ہے تو وہ ہرگز کسی ہمدردی کا مستحق نہیں اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کے دوبارہ احیاء اور مسلمانوں کی تنظیم اور اُن کے اتحاد کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور یہی ایک قیمتی یادگار ہے جو ہمارے پاس محفوظ ہے اگر تم اس اتحاد کو توڑنے لگے تو تمہاری خدا تعالیٰ کو کیا پرواہ ہو سکتی ہے احمدیت نے دنیا میں پھیل کر رہنا ہے اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے تین سو سال میں احمدیت ساری دنیا میں پھیل جائے گی۔ لیکن اگر احمدیت کی تنظیم ٹوٹ جائے تو تین سو سال چھوڑ کیا تین ہزار سال میں بھی احمدیت غالب آ سکتی ہے ؟ کیا تین لاکھ سال میں بھی احمدیت غالب آ سکتی ہے ؟ احمدیت کی تنظیم ٹوٹ جائے تو چند دنوں میں ہی احمدیت ختم ہو جائے گی اور عیسائی مصنف اپنی کتابوں میں لکھیں گے کہ قادیان میں (نعوذ باللہ) ایک کذّاب پیدا ہوا تھا جو بڑے بڑے دعوے لے کر کھڑا ہوا مگر تھوڑے دنوں میں ہی اس کا بیڑا غرق ہو گیا۔ اور اس کی جماعت کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا یہ بدبخت

ؔ ایسے ہی لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور نے انہیں دنوں بتایا کہ:۔

"جب قادیان پر ہندوؤں نے حملہ کیا تھا یہ اس وقت چیخیں مار رہے تھے اور پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ خلیفہ کی دُہائی ہے ہمیں یہاں سے جلد نکالو اب یہاں امن سے بس گئے تو وہی لوگ اس خلیفہ کے خلاف ہو گئے وہ یہ بھول گئے کہ مَیں ان میں سے ایک ایک آدمی کو لاریوں میں بٹھا کر ہندوؤں سے بچا لایا تھا اور ان میں سے کسی کو میں نے پیدل نہیں چلنے دیا تھا۔ بلکہ مَیں نے حکم دے دیا تھا کہ کوئی شخص پیدل چل کر نہ آئے چنانچہ جن لوگوں نے میری بات مان لی وہ لاریوں میں بیٹھ کر لاہور پہنچ گئے اور جنہوں نے میری بات

(بقیہ حاشیہ)

چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب کو ناکام و نامراد کیا جائے کیا ایسے خبیثوں کا ہم ادب کریں گے یا ان کا مقابلہ کریں گے ہم نے ان کے باپ کو اس لئے مانا تھا کہ وہ مسیح موعود کا غلام تھا اگر وہ مرزا صاحب کے غلام نہ ہوتے اور اگر مرزا صاحب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام نہ ہوتے تو ہم نہ نورالدین کو مانتے اور نہ مسیح موعود کو مانتے۔ نورالدین کو ہم نے اس لئے مانا کہ وہ مسیح موعودؑ کا غلام تھا اور مسیح موعود کو ہم نے اس لئے مانا کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام تھا اگر اس زنجیر کو توڑ دو تو پھر ایمان لانے کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ اگر میری وحی قرآن کے خلاف ہو تو میں اسے تھوک کی طرح پھینک دوں گا۔

(" آئینہ کمالاتِ اسلام" صفحہ ۲۱)

پس آپ نے جب اپنی وحی کے متعلق یہ الفاظ لکھ دیئے تو اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ محض کسی بڑے آدمی کی طرف منسوب ہونا کوئی حقیقت نہیں رکھتا اصل بات جو دیکھنے والی ہوتی ہے وہ یہ ہوتی ہے کہ بڑا آدمی جس راستہ پر چلا تھا آیا وہی راستہ چھوٹے نے بھی اختیار کیا ہے یا نہیں کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہی دیکھ لو آپ ایک طرف تو یہ لکھتے ہیں کہ خدا کی قسم مجھے اپنی وحی کی صداقت اور اس کے منجانب اللہ ہونے پر ویسا ہی یقین ہے جیسے قرآن کی صداقت پر یقین ہے مگر دوسری طرف آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر میری وحی قرآن کے خلاف ہو تو اسے تھوک کی طرح پھینک دوں اسی طرح اگر کسی بڑے آدمی کی اولاد مسیح موعودؑ کے مشن کو توڑنا چاہے یا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸ سے آگے) نہیں مانی ان میں سے اکثر فتح گڑھ چوڑیاں اور بٹالہ کے پاس قتل کر دیئے گئے پھر لاہور میں میں نے اُن کے کھانے اور رہنے کا انتظام کیا اس کے بعد ربوہ کی زمین خریدی اور انہیں یہاں لے آیا پہلے انہیں کچھ مکانات بنا کر دیئے گئے پھر پختہ مکانات بنائے گئے۔ اور ربوہ کو شہر کی حیثیت حاصل ہوگئی جب یہ سب کچھ ہو گیا اور انہیں امن میسر آگیا تو ان میں سے بعض منافق میرے خلاف کھڑے ہو گئے ہیں۔ (روزنامہ الفضل ربوہ، ۲۲ جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳)

مسیح موعودؑ کی اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مشن کو توڑنا چاہے تو ہم بغیر ڈر کے اس پر لعنت کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ یہ بدبخت جس درخت کے سائے میں بیٹھا ہوا ہے اسی درخت کی جڑ پر تبر رکھنا چاہتا ہے اور اسے کاٹ کر پھینک دینا چاہتا ہے میں سمجھتا ہوں اگر یہ خبیث کامیاب ہو جائیں تو کسی کو کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو مرزا صاحب نعوذ باللہ ضرور کذاب ثابت اور دنیا کہے گی کہ جس مشن کے لئے وہ کھڑے ہوئے تھے اس میں وہ ناکام ہو گئے پس ہمیں کم از کم تین سو سال تک تو اکٹھا رہنا چاہیئے تاکہ ہم عیسائیت کا مقابلہ کر سکیں اور اسلام کو دنیا کے کونہ کونہ میں پھیلا سکیں۔ ہم حضرت خلیفہ اوّل کا بڑا ادب کرتے ہیں مگر یہ لوگ بتائیں تو سہی کہ وہ کون سے ملک ہیں جن میں مولوی نورالدین صاحب نے اسلام کی تبلیغ کی یورپ۔ امریکہ۔ افریقہ اور ایشیا میں وہ کوئی ایک ملک ہی دکھا دیں جس میں انہوں نے اسلام پھیلایا ہو ہر ملک میں مَیں نے مبلغ بھجوائے یورپ کی ہر مسجد مَیں نے بنوائی اور بیرونی ممالک میں ہر مشن میں نے قائم کیا۔ اگر اس کو ہٹا دیا جائے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے دعویٰ میں بالکل ناکام ثابت ہوتے ہیں پس میری موت اور میری ناکامی میری موت اور میری ناکامی نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشن کی موت اور ناکامی ہے[۱]۔"

میاں عبدالوہاب صاحب کا خط اور اس کا حقیقت افروز جواب

حضرت مصلح موعود کے باطل شکن پیغام کے منظرِ عام پر آنے سے اگرچہ میاں عبدالوہاب صاحب کے ساتھیوں میں زبردست کھلبلی مچ گئی۔ مگر وہ خود اسی خوش فہمی میں مُبتلا رہے۔ کہ انہیں اب بھی سیدنا حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد ہونے کے باعث کھلی چھٹی دے دی جائے گی۔ اور ان کی باغیانہ سرگرمیوں پر بدستور پردہ پڑا رہے گا۔ اسی خیال کے ماتحت اُنہوں نے حضرت مصلح موعود کے حضور یہ عرضداشت پیش کی۔ کہ:۔

"نہایت ہی پیارے آقا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الفضل میں اللہ رکھا کے متعلق ایک مضمون پڑھا۔ اس سلسلہ میں بدقسمتی سے میرا نام بھی آگیا ہے

---

[۱] روزنامہ الفضل ۷ اگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۵

اور حضور نے عاجز پر اظہارِ ناراضگی بھی فرمایا ہے۔ جس سے صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اس سلسلہ میں ایک چٹھی بذریعہ عام ڈاک خدمتِ عالی میں بھیج چکا ہوں معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر اس کی نقل بذریعہ رجسٹری بھیج رہا ہوں۔

اس سلسلہ میں ایک صورت یہ بھی ہوسکتی تھی کہ مَیں خاموش ہوجاتا اور اس معاملہ کو خدا تعالےٰ کے سپرد کر دیتا۔ مگر چونکہ آپ میرے پیارے امام اور آقا ہیں اور مجھے آپ سے بچپن سے دلی اُنس رہا ہے یقین رکھتا ہوں کہ آپ بھی اس تعلق کو جانتے ہیں۔ اس لئے اللہ رکھا کے نام اس خط کی حقیقت خدمتِ عالی میں لکھتا ہوں۔

اللہ رکھا کے نام یہ خط غالباً حضرت اماں جی کی تعزیت کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اللہ رکھا حضرت میر محمد اسحاق صاحب کی زندگی میں قادیان آیا تھا اور دارالشیوخ میں ملازم تھا بعض دفعہ اماں جی کے گھر کا کام بھی کرتا اور اماں جی اس کو روٹی بھی دیا کرتی تھیں۔ جس طرح سب احمدیوں کے ساتھ ان کا بیٹوں جیسا سلوک تھا، اللہ رکھا کے ساتھ بھی تھا۔ یہ کبھی بیمار ہوتا تو مَیں اس کا علاج بھی کرتا۔ اگر آپ الفضل میں مضمون لکھنے سے پہلے اور میرا ذکر کرنے سے پہلے مجھ سے دریافت کر لیتے تو شاید اس قدر غلط فہمی پیدا نہ ہوتی۔ میرے علم میں اللہ رکھا کو قادیان میں حماقتوں کی معافی مل چکی تھی۔ اس لئے تعزیت کے خط کا جواب دیتے وقت قطعاً میرے ذہن میں نہیں آسکتا تھا کہ اس کو خط کا جواب نہ لکھنا چاہیئے حاشا وکلا میرے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ نہیں آیا کہ مَیں کسی ایسے شخص کو خط لکھ رہا ہوں جو حضور کا بدخواہ ہے۔ اللہ رکھا کے متعلق کوہاٹ کی جماعت نے جو بات کہی ہے وہ تو بہت بعد کی ہے نہ مَیں نے یہ بات اس سے سُنی نہ مجھے علم تھا کہ آپ کے خیالات اس کے متعلق یہ ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں اللہ رکھا نے میرے خط کا ناجائز استعمال کیا ہے۔

ہمارا تو فرض ہے کہ آپ کو خوش رکھیں خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ آپ بیمار بھی ہیں۔ ایسے حالات میں نادانستہ میرا ایک خط آپ کے لئے تکلیف کا باعث بنا جس سے طبعاً مجھے بھی اذیت پہنچی۔ مَیں نے بچپن میں فیصلہ کیا تھا کہ اپنی قسمت آپ کے ساتھ وابستہ رکھوں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے علاوہ حضرت خلیفہ اوّل کا منشاء بھی یہ تھا کہ ان کے بعد آپ جماعت کے امام ہوں۔

میں ان سے زیادہ عالم ہوں نہ عارف ۔ دینی نہ دنیوی نقطۂ نگاہ سے کوئی بات میرے ذہن میں آہی نہیں سکتی۔ آپ کے ہاتھ سے ساری عمر میٹھی قاشیں کھائیں ہیں کوئی وجہ نہیں کہ ایک کڑوی قاش کھانے سے انکار کروں آپ کی پہلی مہربانیوں کو بھی انعام ہی سمجھتا رہا ہوں اور آپ کی اس تحریر کو بھی انعام ہی سمجھوں گا شائد اس سے نفس کے گناہوں کی تلافی ہو جائے ۔

شکر گزار ہوں گا اگر حضور میری یہ تحریر شائع کر دیں ۔ دعا بھی کریں اللہ تعالیٰ مجھے تاموت خلافت کے دامن سے وابستہ رہنے کی توفیق دے ۔ آپ کا عبدالوہاب عمر" [1]

حضرت مصلح موعود نے یہ پورا خط الفضل ۳۰ رجولائی ۱۹۵۶ء کے صفحہ اوّل پر شائع کرا دیا اور پھر حسب ذیل جواب رقم فرمایا :۔

"میاں عبدالوہاب صاحب !

آپ کا خط ملا۔ ساری بحثیں الفضل میں آرہی ہیں ۔ مجھے آپ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی ۔ بیسیوں احمدیوں کی حلفیہ شہادتیں جو عنقریب شائع ہو جائیں گی ان کے بعد پوچھنے کا سوال نہیں رہتا۔ خصوصاً جب کہ ۱۹۲۶ء ۱۹۲۷ء میں مدرسہ احمدیہ کے لڑکوں نے آپ کا اور آپ کے ایک مولوی دوست کا خط پکڑ کر مجھے بھجوا دیا تھا۔ جو زاہد کے نام تھا اور جس میں لکھا ہوا تھا۔ کہ تمہاری مخالفت مرزا محمود سے ہے ۔ ان کے متعلق جو چاہو مقابلہ میں لکھو۔ مگر ہمارے اور ہمارے دوستوں کے متعلق کچھ نہ لکھو۔ اور اس خط کے ساتھ ایک اور شخص کا خط بھی تھا۔ جو آپ کے ایک دوست نے ایک عورت کے نام لکھا تھا۔ اور جس کے واپس لینے کے لئے آپ اور وہ مولوی صاحب مقبرہ بہشتی جانے والی سڑک پر پیپل کے درخت کے نیچے کھڑے ہوئے ایک لڑکے کے ذریعے سے زاہد سے خط و کتابت کر رہے تھے اور یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ لڑکا مخلص احمدی ہے ۔ وہ لڑکا وہ خط لے کر سیدھا میرے پاس پہنچا۔ جس میں آپ دونوں اور تیسرے دوست کے خطوط بھی تھے اور زاہد کا وعدہ بھی تھا کہ اس دوست کو ہم بدنام نہیں کریں گے ۔

اب ان واقعات کے بعد جب کہ میں نے حضرت خلیفہ اوّل کی محبت کی وجہ سے اتنی مدت چھپائے

---

[1] الفضل ۳۰ رجولائی ۱۹۵۶ء صا کالم ۲

رکھا مجھے تحقیق کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی ثبوت ہیں جو منصہ ظہور پر آجائیں گے قادیان کی باتیں قادیان کے ساتھ ختم نہیں ہوگئیں۔ کچھ اُوپر آ پہنچی ہیں۔ کچھ پہنچ جائیں گی لاہور کی باتیں تو مزید برآں ہیں۔

آپ جو کام کر رہے ہیں۔ اگر خلیفہ اوّل زندہ ہوتے۔ تو اس سے بھی بڑھ کر آپ سے سلوک کرتے جو میں کر رہا ہوں۔ ان کی تو یہ کہتے ہوئے وہ زبان خشک ہوتی تھی۔ کہ میاں میں تمہارا عاشق ہوں ... اور میں مرزا صاحب کا ادنیٰ خادم ہوں"۔ جب وہ آپ لوگوں کی یہ کاروائیاں دیکھتے تو اس کے سوا کیا کر سکتے تھے۔ کہ آپ پر ابدی لعنت ڈالتے۔ آخر وہ ایک نیک انسان تھے۔ کیا ان کو نظر نہیں آتا تھا۔ اور اب پرانے ریکارڈ دیکھ کر جماعت کو نظر نہیں آئے گا۔ کہ جب ان کے لئے غیرت دکھانے والے اپنی ماؤں کے گھٹنوں کے ساتھ لگے ہوئے ریں ریں کر رہے تھے۔ اس وقت میں ہی تھا۔ جو تن من دھن کے ساتھ غیر مبائعین کے ساتھ انکی خاطر لڑ رہا تھا۔ جنہوں نے ان کی زندگی میں ہی ظاہر اور پوشیدہ ان کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ اور جیسا کہ حوالوں سے ثابت ہے۔ کہ کہتے تھے کہ مولوی صاحب سترے بہترے ہوگئے ہیں۔ اب ان کی عقل ماری گئی ہے۔ اب ان کو معزول کر دینا چاہیئے یہ سب باتیں نیر صاحب مرحوم نے سُنیں جب کہ پیغامی مقبرہ بہشتی میں گئے ہوئے تھے۔ نیر صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ لیکن اور کئی لوگ زندہ ہیں۔ اور اس زمانے کے لٹریچر میں بھی کہیں کہیں یہ حوالے مل جاتے ہیں مجھے تو خدا تعالیٰ نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ جیسا کہ الفضل میں وہ خواب چھپ چکی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی حفاظت کے لئے میرے بچوں کو اپنی جانیں دینی پڑیں گی۔ میرے لئے اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں ہو سکتی۔ خواہ یہ جانیں دینا لفظی ہو یا معنوی مجھے حضرت مسیح موعودؑ کے الہام نے اسمٰعیل قرار دیا ہے۔ اور بائیبل میں لکھا ہے کہ اس کے بھائیوں کی تلوار اس کے مقابلہ میں کھینچی رہے گی۔ پہلے اسمٰعیل کا تو مجھے معلوم نہیں لیکن میں اپنے متعلق جانتا ہوں۔ کہ جب بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت کا سوال پیدا ہوا۔ جیسا کہ لاہوریوں کے کیس میں ہوا تھا۔ تو میری تلوار بھی تمام دنیا کے مقابلہ میں کھینچی رہے گی۔ اور عزیز ترین وجودوں کو بھی معنوی طور پر ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں دریغ نہیں کروں گا۔ کیونکہ ظاہری تلوار چلانے سے ہم کو اور حضرت مسیح موعودؑ کو روکا گیا ہے اور ہمیں بشدت تعلیم دے گئی ہے خواہ ہمیں کتنی ہی تکلیف دی جائے۔ کسی دشمن کا جسمانی مقابلہ نہ کرنا۔ ہاں دعاؤں اور تدبیروں سے

ان کے گند ظاہر کرنے کی جتنی کوشش کر سکتے" ہو کرو۔ مجھے تو خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ کارروائیاں کروائیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام تھا جس کو حضرت اماں جان نہیں سمجھی تھیں اور گھبرا گئی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھ کر ان کے ہاتھ حضرت خلیفہ اوّل کے پاس بھجوایا تھا۔ اور حضرت خلیفہ اوّل نے ان کو تسلی دی تھی کہ یہ الہام آپ کے لئے بُرا نہیں ہے۔ اس الہام کا مضمون یہ تھا۔ کہ جب تک حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اور ان کی بیوی زندہ رہیں گے۔ ان کی اولاد سے نیک سلوک کیا جاتا رہے گا۔

لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ ان کو ایسا پکڑے گا۔ کہ ان سے پہلے کسی کو نہیں پکڑا ہوگا۔ کیا یہ تعجّب کی بات نہیں کہ پچھلے ۴۲ سال میں ہزاروں موقعے آپ کو مخالفت کے ملے لیکن اماں جی کی وفات تک کبھی بھی ننگے ہو کر آپ کو مقابلہ کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ لیکن جونہی وہ فوت ہوئیں خدائی الہام پورا ہونے لگ گیا۔ اور اگر خدا کی مشیت ہوئی تو اور بھی پورا ہوگا۔ آپ نے لکھا ہے۔ کہ آپ کے ہاتھوں سے ساری میٹھی میٹھی قاشیں کھائی ہیں۔ ایک کڑوی بھی سہی۔ مگر اب چونکہ مسیح موعودؑ کے کلام اور سلسلہ احمدیہ کی حفاظت اور وقار کا سوال تھا۔ مجھے بھی جواب دینا پڑا اگر وہ کڑوا لگتا ہے۔ تو اپنے آپ کو ملامت کریں یا موت کے بعد حضرت خلیفہ اوّل کی زبان سے ملامت سُن لیں۔"

میاں عبدالوہاب صاحب کا خط جو انہوں نے اللہ رکھا کے نام لکھا تھا شائع کیا جاتا ہے

برادرم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گرامی نامہ مشتمل بر تعزیت ملا۔ جزاکم اللہ واحسن الجزاء۔ آپ کے ساتھ تو ہم لوگوں کا بھائیوں کا تعلق ہے۔ اس لئے آپ کو صدمہ لازمی تھا۔ اس قسم کے حادثات زندگی کی بنیادوں کو ہلا دینے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی خاص مدد کرے آپ کا خط بہت تسلی آمیز ہے۔ آپ بعافیت ہوں گے کوہ مری ضرور دیکھئے۔ آپ کا بھائی عبدالوہاب ۱۲/۴/۵۶

اس خط کی عبارت سے ظاہر ہے کہ اصل غرض کو چھپانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ خط ۱۳ اپریل ۱۹۵۶ء کا ہے اور اماں جی جولائی یا آخر اگست[1] کے شروع میں فوت ہوئیں۔ اس بات کو

[1] اماں جی ۶ اور ۷ اگست ۱۹۵۵ء کی درمیانی رات کو فوت ہوئی تھیں۔ (ادارہ)

کون مان سکتا ہے کہ اللہ رکھا جیسا ذلیل آدمی جس کے سپرد کوئی اہم کام نہیں سوائے اس کے کہ بعض گھرانوں میں چپڑاسی یا باورچی کا کام کرتا ہے اس نے باوجود اس عشق و محبت کے جو اسے حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان سے تھی اماں جی جو جولائی یا اگست میں فوت ہوئی تھیں ان کی تعزیت کا خط مولوی عبدالوہاب کو مارچ کے آخر یا اپریل کے شروع میں لکھا اور مولوی عبدالوہاب صاحب نے اس کا جواب ۱۳ر اپریل کو دیا اور تعزیت کے مضمون سے بالکل بے تعلق خط کے آخر میں یہ بھی لکھ گئے کہ کوہ مری ضرور دیکھئے۔

احباب کو معلوم ہے کہ ۲۴ر اپریل کو مَیں مری آیا تھا لیکن اس سے پہلے دس یا گیارہ اپریل کو مَیں نے ...... کو کوٹھی تلاش کرنے کے لئے مری بھیجا تھا اور اس نے بارہ اپریل کے قریب ربوہ پہنچ کر کوٹھی اطلاع دی تھی جسے ہم نے پسند کر لیا تھا اور ...... میاں عبدالمنان کا یار غار ہے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس سے سُن کر اپنے بھائی کو اطلاع دے دی کہ خلیفۃ المسیح مری جانے والے ہیں اور عبدالوہاب کو فوراً یاد آ گیا کہ نو مہینے پہلے آئے ہوئے تعزیت کے خط کا جواب اللہ رکھا کو فوراً دینا چاہیئے اور یہ بات بھی اُن کے دماغ میں آگئی کہ یہ بھی لکھ دیا جائے کہ کوہ مری ضرور دیکھئے کیونکہ اس وقت میرے مری آنے کا فیصلہ ہو گیا تھا اور پہاڑوں پر چونکہ عام طور پر صحت کے لئے لوگ باہر جاتے ہیں اور پہرہ کا انتظام پورا نہیں ہو سکتا اس لئے اللہ رکھا کو تعزیت کے خط کے جواب میں تاکید کر دی کہ کوہ مری ضرور دیکھئے اتنے مہینوں کے بعد تعزیت کا جواب دینا اور اس وقت دینا جب کہ میرے مری جانے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ خط کے آخر میں یہ بے جوڑ فقرہ لکھ دینا ایک عجیب اتفاق ہے جس کے معنے ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ اوّل تو تعزیت کے جواب میں مری دیکھنے کا ذکر ہی عجیب ہے پھر "ضرور" اور بھی عجیب ہے اور پھر اس وقت یہ تحریک جب مَیں مری آرہا تھا اور بھی زیادہ عجیب ہے۔

مرزا محمود احمد[1]"

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۳۰ر جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳

جناب صاحبزادہ عبدالواسع عمرؓ صاحب کی بزرگانِ سلسلہ سے خط و کتابت اور ملاقات

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے پوتے اور مولوی عبدالسلام صاحب عمرؓ مرحوم کے بڑے صاحبزادے میاں عبدالواسع صاحب عمر اپنے سب بھائیوں سے زیادہ تعلیم یافتہ اور اچھی گہری طبیعت کے مالک تھے۔ آپ نے حضرت مصلح موعود کے ابتدائی پیغامات پڑھ کر ۲۰ر جولائی ۱۹۵۶ء کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کو الگ الگ مکتوبات لکھے جن میں اپنے چچا میاں عبدالوہاب صاحب عمرؓ کی بریّت پر زور دیا۔ بعد ازاں ۳ر اگست ۱۹۵۶ء کو خود ربوہ تشریف لائے اور صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کے ساتھ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں پہنچے۔ صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب نے کہا کہ انہیں مَیں نے بھی سمجھایا ہے۔ آپ بھی سمجھائیے تا شاید مولوی عبدالسلام صاحب عمر کی اولاد ہی بچ جائے حضرت میاں صاحب نے انہیں کس پیار اور محبت سے سمجھانے کی کوشش فرمائی اس کی تفصیل آپ کے ہی قلم سے درج کی جاتی ہے۔

"جب مَیں نے عبدالواسع سے بات کی (مَیں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ اس کا خط میرے پاس پہنچ چکا ہے) تو اس نے اپنے چچا عبدالوہاب کی طرف سے بریّت شروع کر دی۔ مَیں نے اسے کہا کہ پورے علم کے بغیر تمہارا اپنے چچاؤں کی طرف سے از خود بریّت کا اظہار کرنا ایک غلط طریق اور ناواجب پاسداری ہے۔ عبدالواسع نے کہا میرے سامنے چچا عبدالوہاب نے کوئی بات حضرت صاحب کے خلاف نہیں کی۔ مَیں نے کہا یہ کوئی دلیل نہیں۔ کیا تمہارے چچا کے سارے اقوال اور سارے افعال تمہارے سامنے ہیں کہ تم اس کی بریّت کرنے لگے ہو؟ تم اپنے چچا کے معاملہ کو چھوڑو اور خود اپنی بات لو۔ اگر تمہارا اپنا دل صاف ہے اور تم سچے دل سے خلافت پر ایمان لاتے ہو اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بیعت میں نیک نیتی سے شامل ہو تو تم اپنی بریّت پیش کرو۔ یا زیادہ سے زیادہ تم اپنے چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کی طرف سے بول سکتے ہو۔ اس کے بعد عبدالواسع نے حضور سے ملنے کی غرض سے حضور کی خدمت میں کوئی خط لکھا اور جب مَیں نے اس سے پوچھا کہ تم نے کیا لکھا ہے تو اس نے پھر اپنے چچا کی بریّت کا ذکر شروع کر دیا۔ مَیں نے اسے پھر سمجھایا کہ یہ طریق بالکل غلط اور ناواجب ہے۔ تمہارے چچاؤں کا

معاملہ ان کے ساتھ ہے۔ تم صرف اپنی طرف سے بات کر سکتے ہو۔ اگر تمہارا دل صاف ہے اور تم نیک نیتی سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو خلیفہ برحق سمجھتے اور ان کی بیعت میں شامل ہو تو تمہیں اپنی بریت کا حق حاصل ہے۔ چچا کی طرف سے بولنے کا کوئی حق نہیں۔ اور میں نے ہر رنگ میں اسے سمجھانے اور نصیحت کرنے کی کوشش کی اس پر وہ کچھ آبدیدہ بھی ہو گیا۔ مگر کچھ وقت خاموش رہنے کے بعد کہا کہ سچی بات یہ ہے کہ پہلے مجھے حضرت صاحب سے بہت پیار اور اخلاص تھا۔ مگر اب مجھے ان سے عقیدت نہیں رہی۔ اور ساتھ ہی کہا کہ میں نے اپنے ابا جان مرحوم (مولوی عبدالسلام صاحب عمرؔ) کے سامنے بھی اپنا یہ خیال ظاہر کر دیا تھا۔ میں نے پوچھا کہ پھر تمہارے ابا نے کیا جواب دیا تھا عبدالوسع نے کہا کہ ابا جان نے یہ جواب دیا تھا کہ اگر تم نے کوئی ایسی بات کی یا کوئی ایسا قدم اٹھایا تو پھر میرے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ میں نے کہا جب تم نے اپنے ابا کی نصیحت نہیں مانی تو پھر بات ہی ختم ہے۔ اور عقیدت نہ رہنے کے بعد کوئی سوال باقی نہیں رہتا اس صورت میں تم غور کرو کہ تمہارے ابا اور دادا کی روحیں تمہیں کیا کہتی ہوں گی اس کے بعد وہ کچھ افسردگی کی حالت میں رخصت ہو گیا۔"[1]

میاں عبدالوسع عمرؔ صاحب حضرت صاحبزادہ صاحب سے رخصت ہو کر دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں آئے اور حضرت مصلح موعود کی خدمت میں عریضہ بھیجا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میرے علم کے مطابق خاندان حضرت خلیفہ اوّل کا کوئی فرد موجودہ فتنہ و سازش میں شریک نہیں۔ حضرت مصلح موعود کی طرف سے اس کے جواب میں انہیں حسب ذیل مکتوب موصول ہوا۔

عزیزم عبدالوسع صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط ملا۔ کوئی فیصلہ آپ کے بیان پر نہیں کیا گیا۔ اس لئے یہ کہنا کہ ہم نے کوئی ایسی بات نہیں سنی اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ آپ کی گواہی NEGATIVE ہے اور NEGATIVE گواہی کوئی گواہی نہیں ہوتی۔ میرے پاس حلفیہ گواہیاں چند لوگوں کی موجود ہیں

---

[1] خط حضرت مرزا بشیر احمد ۲۷؍۴؍۱۹۵۶ء ۔ ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ

جن کو عنقریب شائع کیا جائے گا۔ جن میں یہ بیان گیا گیا ہے کہ مولوی عبدالمنان صاحب نے ان کو کہا کہ خلافت کا ڈنڈا میرے ہاتھ میں آنے دو پھر میں اس خاندان کو سیدھا کر دوں گا۔ پھر میں خود حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ آپ کی دادی نے مجھ سے کہا تھا کہ پیغامی وفد میرے پاس آیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ اگر عبدالحی کو خلیفہ بنا دیا جاتا تو ہم مان لیتے یہ محمود کہاں سے آیا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ کو کوئی عزت ملتی ہے تو شوق سے لے لیں میں نے آپ کو یہاں قید کر کے تو نہیں رکھا ہوا۔ آپ کے نانا نے مجھے چھٹی لکھی اور آپ کی والدہ کی بنگالی چھٹی اس میں ڈال کر مجھے بھیجی جس کا خلاصہ انہوں نے یہ لکھا کہ آپ نے تو اپنی طرف سے میرے ساتھ نیکی کی تھی مگر آپ نے میرا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ اس گھر میں ہر وقت خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برائیاں اور خلافت سے بغاوت کی باتیں ہوتی ہیں۔ خان بہادر ابوالہاشم خان نے لکھا کہ میں نے تو دین میں ترقی کے لئے یہ رشتہ کیا تھا مگر افسوس کہ اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ میری اور دوسرے دوستوں کی گواہیاں POSITIVE ہیں اور آپ کی گواہی NEGATIVE اب بتایئے کہ میں آپ کی دادی کی گواہی کو مانوں آپ کے نانا کی گواہی کو مانوں جو POSITIVE تھیں یا NEGATIVE گواہی مانوں۔ آپ تعلیم یافتہ ہیں اور سمجھ سکتے ہیں کہ POSITIVE کے مقابلہ میں NEGATIVE مانی نہیں جاتی۔

کل ہی ایک پروفیسر کی گواہی ملی ہے کہ چند لوگوں کی مجلس میں مجھے جانے کا موقع ملا وہ یہ باتیں کرتے تھے کہ مسیح موعودؑ کا تو ذکر الفضل میں بار بار ہوتا ہے خلیفہ اول کا نہیں ہوتا اور خلیفہ ثانی کا فوٹو چھپا اور خلیفہ اول کا فوٹو نہیں چھپا۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کے مامور تھے اور حضرت خلیفہ اول ان کے ادنیٰ خادم تھے دونوں میں مقابلہ کا کوئی سوال ہی نہیں۔ سارے یورپ اور امریکہ میں یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ یا ان کی تعلیم کا ذکر ہوتا ہے نہ کسی جگہ پر خلیفہ اول کے دعویٰ کا ذکر ہوتا ہے نہ ان کی تعلیم کا۔ پس الفضل جو کچھ کر رہا ہے وہی کر رہا ہے جس کا خدا تعالیٰ نے فیصلہ کیا ہے اور مخالف دنیا بھی جس طرف متوجہ ہے۔ باقی رہی میری تصویر تو اس کی دلیل موجود تھی میں خطرناک بیماری کے بعد یورپ سے واپس آیا تھا اگر حضرت خلیفہ اول بھی دوبارہ زندہ ہو کر آجاتے تو ان کی تصویر مجھ سے اونچی شائع کی جاتی۔ دوسرے یہ کہ الفضل میرے ذاتی روپے سے جاری ہوا اور ۱۹۲۰ء تک میں نے اس کو چلا کے اس کی خریداری بڑھائی

جب چل گیا اور ایک بڑا اخبار بن گیا تو میں نے مفت بغیر معاوضہ کے وہ انجمن کو تحفہ دیدیا پس چونکہ وہ میری ملکیت تھا لازماً یورپ سے واپسی پر اس کے عملہ کو میری تصویر شائع کرنے کا خیال پیدا ہوا اور حضرت خلیفہ اوّل کی تصویر شائع کرنے کا خیال پیدا نہ ہوا۔ کیونکہ حضرت خلیفہ اوّل نے اس پر ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کیا تھا۔

آپ سے ملنے میں مجھے کوئی عذر نہیں آپ کے دادا اور نانا دونوں سے میرے تعلقات تھے لیکن اس جواب کو پڑھ کر اگر آپ سمجھیں کہ آپ کا ملنا مفید ہوسکتا ہے تو بے شک ملیں۔

مرزا محمود احمد ۳/۸/۵۶

اس مکتوب پر انہوں نے حضور کی خدمت میں نہایت ادب و عقیدت کے ساتھ شکریہ کا خط لکھا اور عرض کیا " اس وقت میں خود ایک جذباتی ہیجان میں مبتلا ہوں اور ایک کرب اور اضطرار میں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ آپ سے مل کر میں آپ کو کیا کہوں۔ میں گھبراہٹ اور بے چینی میں ربوہ آیا تھا اور اسی اضطرار میں واپس جا رہا ہوں "[1] چنانچہ اس کے بعد وہ لاہور واپس چلے گئے۔

۵ اگست کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے بذریعہ خط انہیں یہ نصیحت فرمائی کہ آپ حضرت خلیفہ اوّل کے پوتے ہیں جن کے ساتھ ساری جماعت کو طبعاً عقیدت اور محبت ہے آپ ان کے مسلک کو نہ چھوڑیں اور خلافت کی رسّی کے ساتھ خلوصِ نیت کے ساتھ چمٹے رہیں اور خدا کے حضور پاک دل سے دعا بھی کریں تا وہ آپ کی ہدایت کے لئے روشنی پیدا کر دے[2]

میاں عبدالواسع صاحب نے اس نصیحت آمیز چٹھی سے متاثر ہو کر حضرت مصلح موعود کی خدمت میں جو اخلاص نامہ ارسال کیا اس میں لکھا کہ:-

"میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام دعاوی پر ایمان رکھتا ہوں۔ خلافت کی INSTITUTION پر یقین رکھتا ہوں اور (دیانتداری کے ساتھ) آپ کی بیعت میں شامل ہوں"

"بیعت پر اس لئے شرح صدر ہے کہ "جو نیک کام آپ بتلائیں گے" انہیں بجا لانے پر شرح صدر ہے"[3]

۱-۲-۳ ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ۔

اس طرح خاندانِ حضرت خلیفہ اوّل کی ایک شاخ دوبارہ شجرِ خلافت سے وابستہ ہوکر پھر سے ہری بھری ہوگئی۔ فالحمد للہ علیٰ احسانہٖ

بزرگانِ سلسلہ کو فتنہ میں ملوث کرنے کی ناپاک کوشش

اس معرکہ حق و باطل میں منافقین نظامِ خلافت کو تہ و بالا کرنے کے لئے اخلاق و انسانیت کے منافی نہایت گھٹیا ہتھکنڈوں پہ اُتر آئے۔ ملک میں جھوٹی خبریں اور افواہیں پھیلانا ان کا عام معمول اور دورخی پالیسی اختیار کرنا ان کا شیوہ تھا۔ ایک طرف وہ حضرت مصلح موعود کو خطوط کے ذریعہ وفاداری کا یقین دلاتے۔ دوسری طرف خلافت کے بدترین دشمنوں سے مل کر منصوبے باندھتے تھے۔ اللہ رکھا اور اس کے ساتھیوں نے بزرگانِ سلسلہ میں سے بعض نہایت اہم شخصیات سے اپنی ہمدردیاں ظاہر کرتے ہوئے انہیں بھی اس فتنہ میں ملوث کرنے کی ناپاک کوشش کی جس میں انہیں پہلے قدم پر ہی ناکامی اور نامرادی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور ان کی کذب بیانیوں کا پردہ چاک ہوگیا۔ ان خدا ناترس لوگوں نے جن عشاقِ خلافت کا نام استعمال کیا ان میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری اور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب جیسے بزرگ صحابہ اور حضرت ملک عبدالرحمن صاحب خادم جیسے ممتاز عالمِ دین بھی شامل تھے۔ ان چاروں بزرگوں نے عدیم النظیر غیرتِ ایمانی کا ثبوت دیتے ہوئے اوّلین فرصت میں حضرت مصلح موعود کی خدمتِ اقدس میں خلافت سے والہانہ تعلق سے لبریز اخلاص نامے بھیجے۔

حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کا مکتوب گرامی

چنانچہ حضرت سید حافظ مختار احمد شاہ صاحب شاہجہانپوری نے ۲۶ جولائی ۱۹۵۶ء کو حسبِ ذیل مکتوب حضرت خلیفہ ثانی کے حضور لکھا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم — نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

جودھامل بلڈنگ لاہور ۲۶/۷/۵۶

سیدی و مطاعی مرشدی و مولائی۔ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضور عالی۔ ہاتھ کی انگلی ماؤف ہونے کی وجہ سے فی الحال جلد لکھنا میرے لئے ممکن نہیں۔ اس لئے اس استفسار کے متعلق کہ اللہ رکھا سے میرا تعلق تھا انشاء اللہ تعالیٰ اس معروضہ کے بعد ہی ملاحظہ سے گزرے گا۔

اس وقت صرف اتنا ہی عرض کرتا ہوں کہ مَیں حضرت (۔۔۔۔۔) کے خلاف کسی قسم کا وسوسہ رکھنے والوں اور ان کے ساتھیوں سے قطعاً بیزار ہوں۔ اور ہمیشہ سے اسی پر کاربند بھی۔ میرا عقیدہ ہے کہ حضورِ عالی خلیفۃ المسیح بھی ہیں اور مثیل مسیح بھی اور مصلح موعود بھی۔ اور اسلام کی ترقیاں الہاماً حضورِ عالی سے وابستہ ہیں۔ دل وجان حضور کے قدموں پر نثار۔ مَیں اسی عقیدہ پر ہوں اور اسی پر ختم ہو جانے کا متمنی۔ اللہ تعالیٰ حضور کو صحت و عافیت کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے اور ہم سب احمدی حضور کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری کی توفیق پائیں۔ والسلام مع الاکرام

خادم قدیم خاکسار مختار احمد عفا اللہ شاہ جہان پوری[1]

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا تار اور مکتوب

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں مری کے پتہ پر حسب ذیل تار بھجوایا:۔

"الفضل کی اشاعت مورخہ ۳۰ جولائی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ رکھا یا اس کے بعض ساتھیوں نے مجھے اس مضمون کے خطوط لکھے تھے۔ جس میں مجھے آئندہ خلافت کی پیش کش کی گئی تھی۔ یہ ایک خطرناک افترا اور گندہ بہتان ہے۔ مجھے کبھی ایسا کوئی خط نہیں ملا۔ اگر کوئی شخص مجھے ایسا کوئی خط لکھتا تو اسے میری طرف سے منہ توڑ جواب ملتا۔ میرا ہمیشہ سے یہ ایمان رہا ہے جیسا کہ مَیں نے اپنے رسالہ "اسلامی خلافت کا صحیح نظریہ" میں دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ خلیفہ کا تقرر کلیتہً خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اور صرف وہی شخص خلیفہ بن سکتا ہے جسے خدا اس منصب کیلئے پسند فرمائے۔ میں اس ناپاک اتہام سے ہاتھ دھوتا ہوں۔ خاکسار مرزا بشیر احمد[2]"

---

[1] الفضل ۸ اگست ۱۹۵۶ء صہ ۱ ۔ [2] الفضل ۸ اگست ۱۹۵۶ء صہ ۱

اس تار کے بعد حضرت میاں صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں عرض کیا:۔

"حضور ایک لمبے عرصہ سے حضرت خلیفہ اوّل کے اہل و عیال کے بعض افراد کی طرف سے ناگوار باتیں سُننے آئے ہیں۔ اور پھر بھی حضور نے حضرت خلیفہ اوّل کی اعلیٰ درجہ کی نیکی اور اُن کے روحانی مقام کے پیشِ نظر ہمیشہ ان کے اہل و عیال سے چشم پوشی اور نرمی اور عفو کا سلوک کیا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی ابن سلول رأس المنافقین اور اشدّ المعاندین اور خطرناک سازشی دشمن کے ساتھ اس کے نیک اور صالح بیٹے کی وجہ سے نرمی اور عفو کا سلوک فرماتے تھے"[1]

چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کا پہلا اخلاص نامہ اور حضرت مصلح موعود کا پیغام

حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب اُن دنوں ہیگ (ہالینڈ) میں فروکش تھے اور بین الاقوامی عدالتِ انصاف میں جج کے فرائض انجام دے رہے تھے جہاں الفضل کے پرچے فضائی ڈاک سے ہفتہ میں ایک بار پہنچتے تھے اسی طرح ہیگ سے خطوط پاکستان میں آنے پر بھی خاصہ وقت صرف ہوتا تھا۔ اس مجبوری سے منافقین نے خوب فائدہ اٹھایا اور ان کے نام پر جھوٹ بولنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی دشمن کی طرف سے دھوکہ دہی کی مہم پورے جوش و خروش سے جاری تھی کہ حضرت مصلح موعود کی خدمت میں چوہدری صاحب موصوف کا اپنے قلم سے لکھا ہوا اخلاص نامہ پہنچ گیا جس نے ان لوگوں کی ساری خوشیاں خاک میں ملا دیں۔ حضرت مصلح موعود نے اس مکتوب کی نقل مندرجہ ذیل پیغام کی صورت میں شائع فرمائی۔

برادران!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

فتنہ پرواز لوگ عزیزم چوہدری ظفراللہ خاں صاحب پر اور ان کے خاندان پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر چوہدری صاحب کی خصوصاً اور ان کے خاندان کی عموماً خدمات ایسی شاندار ہیں کہ مجھے یا کسی اور کو اس بارے میں لکھنے کی ضرورت نہ تھی لیکن ہر احمدی چونکہ نہ چودھری صاحب

---

[1] مکتوب ۲۸؍ اگست ۱۹۵۶ء (ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

سے پوری طرح واقف ہے نہ ان کے خاندان سے اور چونکہ ایک مخلص دوست نے کراچی سے لکھا ہے کہ چوہدری صاحب کے بارے میں جلدی اعلان ہونا چاہیئے تھا۔ دیر ہو جانے کی وجہ سے بعض لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہو رہے ہیں۔ اس لئے میں عزیزم چوہدری صاحب کا خط بادلِ نخواستہ اس لئے کہ چوہدری صاحب اور ان کے والد صاحب مرحوم کی قربانیاں خلافت کے بارے میں ایسی ہیں کہ ان کی برأت کا اعلان خواہ انہی کی قلم سے ہی ہو مجھ پر گراں گزرتا تھا لیکن دشمن چونکہ اوچھے ہتھیاروں پر اتر آیا ہے اور جھوٹ اور سچ میں تمیز کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں اس لئے میں چودھری صاحب کا خط الفضل میں شائع کرواتا ہوں جن لوگوں کے دل میں منافقوں کے جھوٹے پروپیگنڈے کی وجہ سے چوہدری صاحب کے بارے میں کوئی شک یا تردّد پیدا ہوا تھا وہ استغفار کریں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگیں چودھری صاحب کا یہ شکوہ بجا ہے کہ کیوں نہ میں نے عہدِ وفاداری کے طلب کرتے ہی خود اپنی طرف سے لکھ دیا کہ میں چوہدری صاحب کے پوچھے بغیر ہی ان کی وفاداری کا اعلان کرتا ہوں بے شک ان کا حق یہی تھا کہ میں ان کی طرف سے ایسا اعلان کر دیتا لیکن منافق دشمن اس پر پروپیگنڈا کرتا کہ دیکھو چوہدری صاحب اتنی دور بیٹھے ہیں پھر بھی یہ شخص جھوٹ بول کر انکے منہ میں الفاظ ڈال رہا ہے اور ہم لوگ اس جھوٹ کا جواب دینے کی مشکل میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چوہدری صاحب دور بیٹھے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ اس وقت جس دشمن سے ہمارا واسطہ پڑا ہے وہ کتنا جھوٹا ہے ہزاروں ہزار آدمیوں کی طرف سے وفاداری کا اعلان ہو رہا ہے مگر "اخبار نوائے پاکستان" لاہور یہی لکھے جا رہا ہے کہ ہمیں معتبر ذرائع سے خبر ملی ہے کہ مرزا محمود کی جماعت زیادہ زیادہ متحد ہوتی جا رہی ہے کہ ان کے خلاف عدمِ اعتماد کا ووٹ پیش کرے۔ پس چوہدری صاحب کا اپنا خط چھپنا ہی مناسب تھا۔ اس خط سے جتنے دشمن کے دانت کھٹے ہوں گے میرے اعلان سے اتنے کھٹے نہ ہوتے۔ بلکہ وہ یہ شور مچاتا کہ اپنے پاس سے بنا کر جھوٹے اعلان کر رہے ہیں۔

خاکسار مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی

۲۲/۸/۵۶[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲ اگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۱

نقل خط چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہیگ ۱۱راگست ۱۹۵۶ء

سیدنا واما منا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

یہاں الفضل کے پرچے ہوائی ڈاک سے ہفتہ میں ایک بار پہنچتے ہیں۔ابھی ابھی ۳۱ جولائی لغایت ۵راگست کے پرچے ملے۔ ۴راگست کے پرچہ میں حضور کا اعلان پڑھا۔اسکے پڑھنے پر خاکسار گزارش کرتا ہے ۔

اندریں دیں آمدہ از مادریم وا ندریں از دار دنیا بگذریم انشاء اللہ

باون سال ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک چہرہ پر نظر پڑنے کی خوش نصیبی کیساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل ورحم اور ذرہ نوازی سے یہ حقیقت ایک بچے کے دل میں راسخ کردی کہ یہ چہرہ راستباز پہلوان کا چہرہ ہے ۔پھر جذبات کے ساتھ دلائل۔براہین بینات کا سلسلہ شامل ہوگیا اور جاری ہے ۔

حضور کا وجود یوم پیدائش بلکہ اس سے بھی قبل سے اس سلسلہ کا ایک اہم جزو ہے ۔ خاکسار کو یاد ہے کہ ۱۹۱۴ء میں لنڈن میں جس دن وہ ڈاک ملی جس میں اختلاف کے متعلق مواد آیا تھا تو وہی دن ڈاک کے واپس جانے کا تھا پس اتنا معلوم ہونے پر کہ اختلاف کیا ہے خاکسار نے بیعت کا خط لکھ کر ڈاک میں ڈال دیا اور باقی حصہ ڈاک بعد میں پڑھا جاتا رہا۔اس دن سے آج تک پھر محض اللہ تعالیٰ کے فضل ورحم اور ذرہ نوازی سے باوجود اپنی کوتاہیوں۔کمزوریوں اور غفلتوں کے وہ عہد جو اس دن باندھا تھا مضبوط سے مضبوط تر ہوگیا آیات اور بینات انعامات اور نوازشات نے اس تعلق کو وہ رنگ دے دیا ہے کہ خود دل جو اس کی لذات سے تو متواتر بہرہ ور ہوتا ہے اس کی حقیقت کی تہ نہیں پہنچ پاتا چہ جائیکہ قلم اسے احاطہ تحریر میں لاسکے۔

اب جو عہد حضور نے طلب فرمایا ہے دل وجان اس کے مصدق ہیں۔جو کچھ پہلے حوالہ کر چکے ہیں وہ اب بھی حوالہ ہے ظاہری فاصلہ ہونے کی وجہ سے خاکسار یہ التجا کرنے پر مجبور ہے کہ ایسے اعلان کے ساتھ حضور یہ اعلان فرمادیا کریں کہ ہم اپنے فلاں دور افتادہ غلام کی طرف سے

اس پر لبیک کا اعلان کرتے ہیں تا یہ خاکسار کسی موقعہ پہ ثواب میں پیچھے نہ رہ جائے حضور کو اس وجہ حسنِ ظن رہے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی کمال ستاری اور ذرہ نوازی سے خاتمہ بالخیر کی ہوس کو جو ہر مومن کی آخری ہوس ہوتی ہے پورا کرتے ہوئے فادخلی فی عبادی کی بشارت کے ساتھ اپنے ہاں طلب فرمائے گا۔ بابی انت و امی طالب دعا حضور کا غلام ظفر اللہ خاں ۱؎

عکس مکتوب چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب

ہیگ ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۱ اگست ۱۹۵۶ء ۔

سیدنا و امامنا ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔

یہاں الفضل کے پرچے ہوائی ڈاک سے ہفتہ میں ایک بار پہنچتے ہیں ۔ ابھی ابھی ۳۱ جولائی تا ۵ اگست کے پرچے ملے ۔ ۴ اگست کے پرچے میں حضور کا اعلان پڑھا ۔ اس کے پڑھنے پر یہ خاکسار گذارش کرتا ہے "اندریں دین آمدہ از مادریم و اندریں از دارِ دنیا بگذریم" ۔ انشاء اللہ ۔ باون سال ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک چہرہ پر نظر پڑنے کی خوش نصیبی کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و رحم اور ذرہ نوازی سے یہ حقیقت ایک بچے کے دل میں راسخ کر دی کہ یہ چہرہ اس کے استباز پہلوان کا چہرہ ہے ۔ پھر خدا کے ساتھ دستور مل رہے ہیں ۔ بینات کا سلسلہ شامل ہوگا ۔ اور جاری ہے ۔ حضور کا وجود یوم پیدائش بلکہ اس سے بھی قبل سے اس سلسلہ کا ایک اہم

۱؎ روزنامہ الفضل ربوہ ۲۶ اگست ۱۹۵۶ء ص ۱ و ۱۲

جزو ہے ۔ خاکسار کو یاد ہے کہ ۱۹۱۴ء میں لندن میں جس دن وہ ڈاک
ملی جس میں اختلاف کے متعلق مواد آیا تھا تو وہی دن ڈاک کے واپس
جانے کا تھا ۔ بس اتنا معلوم ہونے پر کہ اختلاف کیا ہے خاکسار نے بیعت کا
خط لکھ کر ڈاک میں ڈال دیا اور باقی حصہ ڈاک بعد میں پڑھا جاتا رہا
اس دن سے آج تک پھر محض اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم اور ذرہ نوازی سے
باوجود اپنی کوتاہیوں ۔ کمزوریوں اور غفلتوں کے وہ عہد جو اس دن باندھا
تھا مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا ۔ آیات اور بینات ۔ انعامات اور نوازشات
نے اس تعلق کو وہ رنگ دے دیا ہے کہ گو خود دل جو اس کی لذات سے متواتر بہرہ
ور ہوتا ہے اس کی حقیقت کی تہ کو نہیں پہنچ پاتا چہ جائیکہ قلم اسے احاطۂ تحریر
میں لا سکے ۔ اب جو عہد حضور نے طلب فرمایا ہے دل و جان اس کے مصدق
ہیں ۔ جو کچھ پہلے حوالہ کر چکے ہیں وہ اب بھی حوالہ ہے ۔ ظاہری سلسلہ
ہونے کی وجہ سے خاکسار یہ التجا کرنے پر مجبور ہے کہ ایسے اعلان کے ساتھ حضور
یہ اعلان بھی فرما دیا کریں کہ ہم اپنے فلاں دور افتادہ غلام کی طرف
سے اس پر لبیک کا اعلان کرتے ہیں تا یہ خاکسار کسی موقعہ پر ثواب میں
پیچھے نہ رہ جائے ۔ حضور کو اس [illegible] دیکھا تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی کمال
ستاری اور ذرہ نوازی سے خاتمہ بالخیر کی ہوس کو جو ہر مومن کی آخری ہوس ہوتی
ہے پورا کرتے ہوئے فادخلی فی عبادی کی بشارت کے ساتھ اپنے جوار طلب فرمائیگا
بابی انت و امی ۔

والسلام
حضور کا غلام
طالب دعا خاکسار
ظفر اللہ خان

دوسرا اخلاص نامہ اور حضرت مصلح موعود کا پیغام

چوہدری محمد ظفراللہ خانصاحب کی طرف سے چند ہفتہ بعد حضرت امام ہمام کی خدمت اقدس میں ایک اور مکتوب پہنچا جسے اپنی غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر حضور انور نے مندرجہ ذیل ارشادات کے ساتھ سپرد اشاعت فرما دیا۔

"چوہدری ظفراللہ خان صاحب کا ایک ضروری خط ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس خط سے دو اہم امور کا فیصلہ ہو جاتا ہے ایک امر وہ پروپیگنڈا ہے جو مولوی عبدالمنان صاحب کے ساتھی جماعت میں کر رہے ہیں کہ گویا مولوی عبدالمنان کی علمی تحقیقاتوں اور کارروائیوں کا شہرہ امریکہ تک پہنچا جس پر امریکہ نے ان کو اپنے ملک میں تقریر کی دعوت دی اور پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ دعوت چودھری ظفراللہ خان صاحب کی سفارش پر ہوئی تھی۔ نہ ان کی عالمی شہرت کی وجہ سے جیسا کہ تھوڑے دنوں میں تحقیقی طور پر ثابت ہو جائے گا مولوی عبدالمنان صاحب کی مسند احمد کی تبویب نہ کوئی نیا کارنامہ ہے نہ کوئی علمی تحقیق ہے۔ یہ کام کوئی چالیس سال سے مسلمانوں میں ہو رہا ہے اور مصر اور ہندوستان کے علماء اس میں لگے ہوئے ہیں۔ بلکہ بعض کتابوں سے پتہ لگتا ہے کہ بعض لوگ اس کو مکمل بھی کر چکے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ محنت کا کام ہے۔ جیسے ڈکشنری میں سے لفظ نکالنے کا کام محنت کا کام ہوتا ہے۔ مگر علمی وسعت نظر کا کام نہیں۔ مدرسہ احمدیہ کے بعض پرانے اساتذہ کہتے ہیں کہ جب مولوی عبدالمنان صاحب اسکول میں انجمن کے تنخواہ دار ملازم تھے تو خود بھی اپنا وقت اس کام پر صرف کرتے تھے۔ اور بعض طلباء سے بھی مدد لیتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب بہرحال کوئی نہ کوئی دوست کچھ دنوں تک اس مسئلہ پر تفصیل اور مکمل روشنی ڈال دیں گے۔ مصر کے ایک عالم نے اس کتاب کی تبویب کی چودہ جلدیں شائع کی ہیں جو کہتے ہیں کراچی اور لاہور میں مل سکتی ہیں۔ گو شبہ ہے کہ ابھی کچھ جلدیں شائع ہونی باقی ہیں۔ ان جلدوں میں سے بہت سی ہماری جامعۃ المبشرین کی لائبریری میں موجود ہیں۔ اور کچھ جلدیں قادیان کے زمانہ سے میری لائبریری میں موجود تھیں جو اب یہاں آگئی ہیں۔ [1] بے شک حضرت خلیفۂ اول کے زمانہ میں ایسی کوئی کتاب شائع

---

[1] یہ کتاب "الفتح الربانی" کے نام سے ۲۱ جلدوں میں مکمل طور پر چھپ چکی ہے۔ (بقیہ صفحہ ۷۸ پر)

نہیں ہوئی تھی۔ یہ جلدیں غالباً مرزا ناصر احمد کی ولایت سے واپسی پر مَیں نے اس کے ذریعہ سے مصر سے منگوائی تھیں۔

؎ اس خط سے اس شبہ کا بھی ازالہ ہوجاتا ہے جو بعض دوستوں نے اپنے خطوں میں ظاہر کیا ہے جو یہ ہے کہ مولوی عبدالمنان کو امریکہ بھجوا کر چوہدری ظفراللہ خاں صاحب نے فتنہ کا دروازہ کھولا۔ اور ان کے دوستوں کو جھوٹے پروپیگنڈا کا موقعہ دیا۔ مگر جیسا کہ چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کے خط سے ظاہر ہے انہوں نے موجودہ حالات کے علم سے پہلے یہ کوشش کی تھی اور اس خیال سے کی تھی کہ حضرت خلیفہ اوّل کے بیٹوں میں سے ایک ہی بیٹے کو کچھ علمی شغف ہے اور وہ علمی مجالس میں آجائے تو اس طرح شاید سلسلہ کو کچھ فائدہ پہنچ جائے گا۔ چونکہ عبدالمنان صاحب تحریک جدید کے ایک عہدہ پر مقرر تھے اس لئے چوہدری صاحب کا یہ سمجھنا مشکل تھا کہ وہ یا ان کے گہرے دوست کوئی بات سلسلہ کے خلاف کریں گے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ چوہدری غلام رسول ۳۵ قسم کے لوگ اخباروں میں ان کو حضرت مولانا عبدالمنان کر کے لکھیں گے چوہدری صاحب نے مولوی عبدالمنان وکیل التصنیف کی سفارش کی۔ انہوں نے حضرت مولانا عبدالمنان کی سفارش نہیں کی تھی۔ اس لئے ان پر الزام لگانا درست نہیں اور جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے الاعمال بالنیات ان کی نیت کو دیکھنا چاہیئے جو ظاہر ہے عمل کو نہیں دیکھنا چاہیئے۔ ہاں لوگ واقعات کے ظاہر ہوجانے کے بعد بھی ایسے لوگوں میں گھستے ہیں وہ اپنے عمل سے اس بات کا ثبوت دے دیتے ہیں کہ ان کا ہم سے کوئی تعلق نہیں وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ[1]

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ[2]

(بقیہ حاشیہ ص۷۷ سے آگے) اور خلافت لائبریری ربوہ میں موجود ہے اس کے مرتب نامور مصری عالم احمد عبدالرحمٰن البنا الساعاتی۔ دناشر مطبعۃ الاخوان المسلمین سن اشاعت جلد ۲۱ ۱۳۷۷ھ مطابق ۵۸-۱۹۵۷ء ؛ [1] الشعراء ۲۲۸

[2] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱

محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا خط

ہیگ ۱۰ ستمبر ۱۹۵۶ء

سیدنا و امامنا ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

حضور کے ارشاد کے ماتحت پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے خاکسار کو محترمہ عائشہ صاحبہ (جنہیں خاکسار تو ذاتی طور پر نہیں جانتا) کے خط کی نقل ارسال کی ہے جو محترمہ مذکورہ نے حضور کی خدمتِ اقدس میں لکھا ہے۔ ان بچوں نے اگر ایسی کوئی بات بھی کہی ہے تو بہت دکھ دینے والی بات ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ خاکسار نے مکرمی مولوی عبدالمنان عمر صاحب کے امریکہ جانے کے متعلق جو کوشش کی اس میں خاکسار کی نیت اپنے علم کے مطابق سلسلہ کے ایک عالم اور مخلص خادم کے لئے ایک موقع بہم پہنچانا تھا جس سے وہ خود بھی فائدہ اٹھا سکیں اور سلسلہ کی خدمت کا اس کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ موقع فراہم کرسکیں۔ خاکسار کا ان کے متعلق بوجہ ان کے سلسلہ میں وکیل کے عہدہ پر فائز ہونے، بوجہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کا فرزند ہونے اور بوجہ اس کے کہ اپنے بھائیوں میں صرف اکیلے وہی علمی مذاق رکھتے ہیں اور علم کا اکتساب کر سکتے ہیں۔ یہی اندازہ اور یہی حسنِ ظن تھا جو خاکسار نے لکھا ہے ان امور کا جو ان کے چھوٹے بھائی کے متعلق جو بعد میں ظاہر ہوئے ہیں یا جن کا ذکر محترمہ عائشہ صاحبہ کے خط میں ہے خاکسار کو نہ علم تھا نہ اندازہ۔ ممکن ہے کہ مکرمی مولوی عبدالمنان عمر صاحب بھی ان امور میں ملوث ہوں خاکسار کو اس کا بھی کوئی علم اس سے زائد نہیں۔ جو اشارہ حضور نے کوہ مری سے ارسال کردہ اپنے والا نامے میں فرمایا تھا بوجہ مرکز سے باہر ہونے کے موجودہ فتنہ کے متعلق خاکسار کا علم انہیں امور تک محدود ہے جو الفضل میں شائع ہوئے ہیں ان امور کی تفتیش حضور کے ہاتھ میں اور حضور کے ارشاد کے ماتحت اور حضور کی ہدایات کے مطابق حضور کے خدام کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحم سے حضور کی ذاتِ مبارک اور سلسلہ عالیہ کو ہر قسم کے خطرہ پریشانی اور ابتلا سے محفوظ رکھے آمین۔

جو امر حضور کے نزدیک پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے اس کے مطابق حضور کے خدام کا عمل پیرا ہونا بھی عین سعادت اور تقاضائے عہد و اطاعت و فرماں برداری ہے لیکن جب تک کسی امر کا انکشاف نہیں ہوا تھا اور کوئی ایسی بات ظہور میں نہیں آئی تھی اس وقت جن خدام کا عمل

حسن ظن کے مطابق رہا وہ الاعمال بالنیات کے حکم کے تابع تھا۔ والا صدق و اخلاص اور اطاعت و وفا کا عہد وہیں ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اور اس کی عطا کردہ توفیق سے انشاء اللہ پورا ہوتا چلا جائے گا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحم سے حضور کو جلد صحت کاملہ عطا فرمائے۔ اور اپنے مبارک ارادوں کی تکمیل کی توفیق عطا فرماتا جائے اور ہم سب خدام کو اِن برکات سے زیادہ سے زیادہ متمتع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ جن کے نزول کا حضور کا وجود باجود ذریعہ ہے اور جو حضور کی ذات مبارک کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور حضور کو ہر پریشانی اور حزن سے محفوظ رکھے آمین۔ والسلام

حضور کا غلام

طالب دعا خاکسار ظفر اللہ خان[1]

ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم ایڈووکیٹ کا پُر خلوص مکتوب

ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم امیر جماعت احمدیہ گجرات نے ۶ اگست ۱۹۵۶ء کو حضور کی خدمت میں حسب ذیل مکتوب لکھا:۔

گجرات ۵۶/۸/۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جان سے پیارے آقا۔ ایدکم اللہ بنصرہ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضور!

آج کی ڈاک میں مجھے اخبار "سفینہ" لاہور کا پرچہ مورخہ ۵۶/۹/۵ موصول ہوا ہے۔ جو میرے نہایت ہی پیارے دوست ملک مبارک احمد صاحب[2] ایمن آبادی نے مجھے بھیجا ہے اس کے پہلے صفحہ کے کالم نمبر ۷ پر فتنہ پردازوں کی فہرست میں خاکسار کا نام بھی ازراہِ شرارت درج کیا گیا ہے۔

---

[1] روزنامہ الفضل ۳ر اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ و ۸   [2]:۔ مدیر "رفتار زمانہ"

جس وقت یہ اخبار مجھے ملا۔ اس وقت میرے پاس الحاج مرزا اللہ دتہ اور الحاج میاں برکت علی صاحب مینجنگ ڈائریکٹر گجرات پنجاب بس سروس (غیر احمدیاں) اور برادرم ملک عزیز احمد صاحب مبلغ جاوا کے والد محترم ملک محمد شفیع صاحب تشریف فرما تھے اور اخبار موصول ہونے سے ایک منٹ پہلے مرزا اللہ دتہ صاحب نے برسبیل تذکرہ مجھ سے پوچھا کہ آجکل اخبارات میں آپ کی جماعت کے کسی اندرونی انتشار کا ذکر آرہا ہے یہ کیا معاملہ ہے تو میں نے ان سے کہا کہ اخبارات خواہ مخواہ اس بارے میں جھوٹی خبریں شائع کر رہے ہیں اور یہی ان کا ہمارے خلاف پرانا شیوہ ہے اتنے میں اخبار سفینہ آگیا تو میں نے اسی وقت مرزا صاحب موصوف کو یہ اخبار دکھا کر کہا کہ یہ تازہ بتازہ اور زندہ مثال دیکھ لیجئے دیں آپ کے سامنے بیٹھا ہوں اور ان تمام آدمیوں پر جو اس فتنہ میں شریک ہیں لعنت بھیجتا ہوں اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز پہ دل و جان سے فدا ہوں اور حضور کی اطاعت اور فرمانبرداری میں ہی اپنی نجات سمجھتا ہوں لیکن اخبار مذکور کی خباثت ملاحظہ ہو کہ میرا نام بھی اس نے ان لعنتیوں کی فہرست میں شامل کر دیا ہے اس سے بڑھ کر اور ثبوت آپ کیا چاہتے ہیں

حضور! میں یہ سطور حضور کی خدمت میں اس لئے نہیں لکھ رہا کہ مجھے یہ وہم ہے کہ شاید حضور اخبار مذکور کی اس شرارت آمیز خبر کی وجہ سے میرے بارے میں کوئی گمان فرمائیں۔ کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ میرے بارے میں حضور کو کبھی کوئی شبہ نہیں ہو سکتا بلکہ اس غرض سے لکھ رہا ہوں کہ خاکسار کا یہ عریضہ "الفضل" میں شائع کر دیا جائے تاکہ مخالف اخبارات اور فتنہ پردازوں کی کذب آفرینی تعلیم یافتہ اور انصاف پسند غیر احمدی شرفاء پہ اچھی طرح واضح ہو جائے اور وہ ان کے جھوٹے پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں۔

حضور کے بارے میں میرا ایمان علی وجہ البصیرت ہے اور حضور کی ذات سے مجھے عقیدت نہیں بلکہ عشق ہے اور میں حضور کو اس وقت سے "مصلح موعود" کی پیشگوئی کا مصداق یقین کرتا ہوں جبکہ ابھی تک حضور نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر مصلح موعود ہونے کا دعویٰ بھی نہیں فرمایا تھا۔ اس بارے میں سلسلہ کا لٹریچر اور میری تحریرات گواہ ہیں پھر جب حضور نے علم الٰہی کی بنا پر مصلح موعود ہونے کا دعویٰ فرمایا تو وہ ایمان جو علم الیقین کے رنگ میں تھا حق الیقین بن گیا۔ اور اب تک خدا

کے فضل سے قائم ہے اور انشاء اللہ العزیز قبر میں ساتھ جائے گا۔

تَبْلیٰ عِظَامِی وَفِیْهَا مِنْ مَوَدَّتِکُمْ ۔ هَوًی مُقِیْمٌ وَشَوْقٌ غَیْرُ مُنْصَرِمٍ[۱]

مجھے ان معترضین کی جہالت پر تعجب آتا ہے کہ ان لوگوں کو کچھ بھی علم نہیں مگر اخبارات کے کالم کے کالم سیاہ کر رہے ہیں۔ .... اس طرح ایک دو دن ہوئے "پاکستان ٹائمز" میں ایک صاحب کا خط چھپا تھا جس میں محترمی چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کے مطبوعہ خط کے اس فقرہ پر اعتراض کیا گیا تھا کہ حضور تو حضور کی ولادت باسعادت سے بھی پہلے احمدیت کا ایک مرکزی جزء تھے۔ ظاہر ہے کہ محترم چوہدری صاحب کا اشارہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی دربارہ مصلح موعود کی طرف تھا۔ جو حضور کی ولادت سے تین برس پہلے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں شائع کی گئی تھی۔ اور جس کے عین مطابق حضور ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے۔ پھر چوہدری صاحب محترم کا اشارہ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس پیشگوئی کی طرف تھا کہ مسیح موعود جب دنیا میں آئے گا تو اس کے ہاں ایک عظیم الشان بیٹا پیدا ہوگا۔ پھر چوہدری صاحب محترم کا اشارہ حضرت نعمت اللہ ولی کی اس مشہور و معروف پیشگوئی کی طرف تھا ؎

پسرش یادگاری بینم

یعنی امام مہدی کے بعد اس کا ایک بیٹا اس کا جانشین اور خلیفہ ہوگا۔ ان تینوں پیشگوئیوں میں حضور کے وجود باجود کی واضح طور پر خبر دی گئی تھی۔ اور بتایا گیا تھا کہ اسلام کی جو فتح آخری زمانہ میں مسیح موعودؑ کی بعثت کے ساتھ مقدر ہے اس کی تکمیل میں حضور کی ذات کا بھی بہت بڑا حصہ ہے اس پیشگوئی کو ہم گزشتہ ۴۲ سال سے پورا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں پس جو کچھ چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے لکھا وہ بالکل درست تھا۔ لیکن پاکستان ٹائمز کے مکتوب نگار نے اپنی ناواقفیت اور جہالت کے باعث اس پر مذاق اڑا کر اہل علم کی نظروں میں خود اپنے آپ کو مضحکہ خیز بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عقل سلیم عطا کرے اور حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین والسلام۔

---

[۱] (ترجمہ) میری ہڈیاں بوسیدہ ہوگئیں مگر تمہاری محبت کے باعث ان میں بھی محبت قائم و دائم ہے جو کبھی اُن سے جدا نہیں ہوگی۔

حضور کا ادنیٰ ترین غلام ملک عبدالرحمٰن خادم ایڈووکیٹ امیر جماعت ہائے احمدیہ
ضلع گجرات ۵۶/۹/۶ [1]

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کا تار اور مکتوب

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب ان دنوں بغرض تعلیم لنڈن میں قیام فرما تھے آپ نے اس فتنے کی اطلاع پاتے ہی حسب ذیل تار دیا۔

L.T. London
Khalifatul Masih Rabwah.
I assure you all my unstinting loyalty to you till death Inshallah.
Tahir Ahmad

یعنی میں اپنی غیر متزلزل وفاداری کا دمِ مرگ آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ طاہر احمد

اس تار کے بعد آپ نے ۶ راگست ۱۹۵۶ء کو یہ مکتوب لکھا:۔

میرے پیارے ابا جان۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

پاکستان میں جو مولوی عبدالوہاب اور ان کے ساتھیوں نے فتنہ برپا کیا ہوا ہے۔ اس سے بہت تشویش ہوئی۔ ہم سب دعا کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فتنہ پردازوں کا منہ کالا کرے۔ جیسا کہ ہمیشہ کرتا رہا ہے۔ دو تین ہفتے ہوئے کہ مَیں نے خواب میں دیکھا تھا۔ کہ مَیں ربوہ میں کچی سڑک کی طرف سے داخل ہو رہا ہوں۔ سامنے عین ربوہ کے مرکز میں منارۃ المسیحؑ نظر آتا ہے۔ جو نہایت اونچا اور شاندار ہے اور مجھے یہ وہم بھی نہیں آتا۔ کہ یہ پہلے قادیان میں تھا۔ اچانک میری نظر محلہ دارالصدر شرقی کے کوارٹرز کے حصہ کی طرف پڑتی ہے۔ وہاں مجھے ایک نیا مکان نظر آتا ہے۔ جس کی چھت پر ایک چھوٹا سا منارہ بنا ہوا ہے۔ جس کی شکل منارۃ المسیح کی سی ہے۔ اس کو دیکھ کر میری طبیعت میں سخت کراہت پیدا ہوتی ہے اور میں کہتا ہوں کہ اس سے لوگوں کو دھوکہ ہوگا۔ مَیں اس گھر کی طرف جا کر اس کے رہنے والوں سے بات کرتا ہوں۔ جو جہلم یا چکوال کی طرف کے مستری ٹائپ لوگ ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم نے تو محض سجاوٹ

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۱ر ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۲

کے لئے بنایا ہے۔ دھوکہ دہی یا فتنہ کی نیّت سے نہیں۔ میں قریب سے جب اس منارہ کو دیکھتا ہوں۔ تو اصل منارہ پر جہاں منارۃ المسیحؑ لکھا ہوا ہے۔ اس کی وہ جگہ خالی پڑی ہے اس پر مجھے یہ تو تسلی ہوتی ہے کہ احمدیوں کو دھوکا نہیں ہوگا۔ مگر پھر میں سمجھتا ہوں۔ کہ سڑک پر سے گزرنے والے ناواقف غیر احمدی دھوکے میں پڑ جائیں گے۔ باجی، داؤد کو میں نے صبح اٹھتے ہی یہ خواب سنا دی تھی۔ اور ہم سب کا یہ خیال تھا۔ کہ خدانخواستہ کوئی فتنہ اٹھنے والا ہے۔ والسلام مرزا طاہر احمد"[1]

مسئلہ خلافت کے ایک اہم پہلو کی وضاحت

مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری نے شروع اگست ۱۹۵۶ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی خدمت میں کتاب "برکاتِ خلافت" کے مندرجہ ذیل فقرات بغرض تشریح پیش کئے۔

"وہ ناوان جو کہتا ہے کہ گدی بن گئی ہے۔ اسکو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تو یہ جائز ہی نہیں سمجھتا کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ ہو۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ چاہے مامور کر دے تو یہ الگ بات ہے۔ اور حضرت عمرؓ کی طرح میرا بھی یہی عقیدہ ہے۔ کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ نہیں ہونا چاہیئے۔" (برکاتِ خلافت ص۲۲ تقریر ۱۹۱۴ء)

۸ اگست ۱۹۵۶ء کو حضور نے اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل الفاظ میں اس کی تشریح فرمائی:۔

"یعنی باپ کو بیٹے کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں کرنا چاہیئے۔ جس طرح حضرت عمرؓ نے منع فرمایا کیونکہ جو پانچ آدمی انہوں نے خود نامزد کئے تھے نہ کہ جماعت نے ان میں ان کا بیٹا بھی تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا اسے مشورہ میں شامل کرو خلیفہ مت بنانا پس معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک باپ اپنے بعد بیٹے کو خلیفہ نامزد نہیں کر سکتا۔ مگر حضرت علیؓ نے اس کے خلاف کیا اور اپنے بعد حضرت حسنؓ کو خلیفہ نامزد کیا۔ میرا رجحان حضرت علیؓ کی بجائے حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی طرف ہے خود حضرت حسنؓ بھی مجھ سے متفق نظر آتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے بعد میں حضرت معاویہؓ کے حق میں دست برداری دے دی۔ اگر وہ یہ سمجھتے کہ باپ بیٹے کو اپنے بعد خلیفہ بنا

---

[1] الفضل ۱۳ ستمبر ۱۹۵۶ء ص۴ و ۵

سکتا ہے تو کبھی دست بردار نہ ہوتے کیونکہ خلافتِ حقہ کا چھوڑنا ارشاد نبویؐ کے مطابق منع ہے۔ مگر حضرت علی نے بھی غلطی نہیں کی۔ اس وقت حالات نہایت نازک تھے۔ کیونکہ خوارج نے بغاوت کی ہوئی تھی۔ اور دوسری طرف معاویہؓ اپنے لشکروں سمیت کھڑے تھے۔ انہوں نے ایک چھوٹی سی تبدیلی کو بڑے فساد پر ترجیح دی کیونکہ حضرت حسنؓ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئیاں موجود تھیں ممکن ہے کہ حضرت علیؓ نے اور احتیاطیں بھی کی ہوں جن سے جمہور مسلمانوں کے حق محفوظ کر دیا ہو۔ گو وہ مجھے اس وقت یاد نہیں۔ مرزا محمود احمد۔ ۸/۹/۵۶ء[1]

قرآن مجید کی رُو سے فتنوں پر تدبّر کرنے کی تحریک

۳؍ اگست ۱۹۵۶ء کو حضور نے جماعت کو تحریک فرمائی کہ قرآن کریم پر غور اور تدبّر کرتے رہو کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی چالوں کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ حضور نے اس روز جو خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اس کے ابتدائی حصہ میں بتایا کہ:-

"آجکل ہماری جماعت میں منافقین کا فتنہ شروع ہے۔ چونکہ قرآن کریم میں بھی فتنوں کا ذکر آتا ہے اور اُن کی ساری چالیں بیان ہوئی ہیں۔ اس لئے جماعت کے دوست علاوہ صحابہؓ کے حالات کے، اگر قرآن کریم کی ان آیات کو بھی غور سے پڑھیں تو انہیں ان کی ساری باتوں کا پتہ لگ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ جب منافقوں کو ان کی باتیں سنائی جاتی ہیں۔ تو وہ قسمیں کھاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ ہم نے تو کوئی ایسی بات نہیں کہی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان کی قسمیں کھانا ہی ان کی منافقت کا ثبوت ہے۔ کیونکہ قسم ضرورت کے وقت کھائی جاتی ہے۔ اور جو شخص بلا ضرورت قسمیں کھاتا ہے۔ وہ منافق ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ[2] کہ تو ہر قسم کھانے والے ذلیل انسان کی اطاعت نہ کر یعنی اگر کوئی شخص تمہارے پاس آکر قسمیں کھاتا ہے تو تو اُس کی قسموں پر اعتبار کرتے ہوئے اس بات کو نہ مان

---

[1] الفضل ۵؍ ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۔ [2] سورہ قلم: ۱۱

ہے بلکہ تو اس کے اعمال کی طرف دیکھ اگر اس کے اعمال ذلیل نظر آئیں تو اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص تمہارے پاس آکر قسمیں کھاتا ہے اور اس کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے اعمال ناقص ہیں وہ نماز روزہ میں سُست ہے نیکی اور تقویٰ سے عاری ہے تو تمہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا قسمیں کھانا اس کی منافقت کی دلیل ہے .... اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ[1] ان کے منہ سے بعض بُغض کی باتیں نکلی ہیں جن سے ان کی دشمنی ظاہر ہو گئی ہے وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اگر کسی کی منافقت کی بعض باتیں معلوم ہو جائیں تو اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس کی دوسری باتیں ثابت نہیں ہوئیں درست نہیں ہوتا۔ اگر اس کی بعض منافقانہ باتیں ثابت ہو چکی ہیں تو ماننا پڑے گا کہ باقی باتیں بھی اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ پھر ہر چیز کا میلان ہوتا ہے ایمان کا بھی میلان ہوتا ہے نفاق کا بھی میلان ہوتا ہے اور کفر کا بھی میلان ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ایک نبی کی کسی پیشگوئی کے متعلق یہ کہتا ہے کہ جھوٹی نکلی ہے تو اگر اس کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ اگلی باقی پیشگوئیوں کو بھی درست تسلیم نہیں کرتا تو ہمیں اس کے ماننے میں کوئی دریغ نہیں ہوگا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ[2] کہ دعویٰ نبوت سے پہلے میں تم میں ایک لمبی عمر گزار چکا ہوں کیا تم میں عقل نہیں کہ میری اس زندگی پر غور کرو۔ اب اگر کوئی شخص کہہ دے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نعوذ باللہ فلاں برائی تھی۔ تو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے صرف یہ کہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں فلاں برائی ہے۔ باقی

---

[1] آلِ عمران: آیت ۱۱۹ ؛ [2] یونس : ۱۷

بُرائیوں کا تو اس نے ذکر نہیں کیا ۔ بلکہ اگر وہ آپ کی طرف ایک جھوٹ منسوب کرتا ہے ۔ تو وہ آپ کی طرف لاکھوں اور کروڑوں جھوٹ بھی منسوب کر سکتا ہے بہرحال جو بات اس کے متعلق معلوم ہو چکی ہے وہ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ [1] میں آ جائے گی اور جو بات معلوم نہیں لیکن اس کے متعلق کہی جاتی ہے وہ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَکْبَرُ [2] میں آ جائے گی یعنی اگر کسی کے اندر تھوڑا سا گند پایا جانا ثابت ہو جائے تو اس کے اندر زیادہ گند کا پایا جانا بھی ماننا پڑے گا ۔ پس دوستوں کو صرف ان باتوں کی طرف ہی نہیں دیکھنا چاہیئے جو منافق کہتا ہے بلکہ انہیں ان باتوں کا بھی خیال رکھنا چاہیئے جو اس کے اندر مخفی ہوتی ہیں ۔ کیونکہ وہ ان سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہیں انہی منافقوں کو دیکھ لو جنہوں نے اب فتنہ برپا کیا ہے ان کے جھوٹ ثابت ہو رہے ہیں ۔ ایک منافق نے میاں بشیر احمد صاحب کے متعلق ایک بات بیان کی تھی ۔ جب ہم نے راولپنڈی کے مربی سے دریافت کیا کہ اس نے فلاں شخص کو اپنے ہاں کیوں ٹھہرایا تو اس نے بیان کیا کہ اس منافق نے میاں بشیر احمد صاحب کے متعلق فلاں بات بیان کی تھی جس کی وجہ سے میں نے اسے اپنے پاس ٹھہرنے کی اجازت دے دی ۔ لیکن میاں بشیر احمد صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ سب جھوٹ ہے بہرحال جب کوئی شخص ایک جھوٹ بولتا ہے تو وہ ہزار جھوٹ بھی بول سکتا ہے ۔ صرف ایک جھوٹ ثابت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اگر ایک جھوٹ ثابت ہو جائے تو باقی سارے جھوٹ خود بخود ثابت ہو جاتے ہیں .... بہرحال اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَکْبَرُ [3] جو کچھ ان کے دلوں میں ہے وہ بہت بڑا ہے اور چونکہ دلوں کی صفائی خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اس لئے صرف ریزولیوشن پاس کر کے بھجوا دینے سے کچھ نہیں بنتا ۔ کیونکہ منافق جو منصوبہ سوچتا ہے وہ دل میں سوچتا ہے ۔ میں نے سفر

---

[1] ۔ [2] ۔ [3] آل عمران : ۱۱۹

سے واپس آتے ہی دوستوں کو اپنی ایک رؤیا سنائی تھی ۔ اس رؤیا میں بھی بعض لوگوں کی منافقت کی طرف ہی اشارہ تھا ۔ مَیں نے خواب میں ایک عورت کے متعلق دیکھا کہ اس نے مجھ پر مسمریزم کا عمل کیا ہے اور اس کا اثر مجھ پر ہو گیا ہے ۔ لیکن جب مَیں اس کی اس حرکت سے واقف ہو جاتا ہوں ۔ تو مَیں اسے کہتا ہوں کہ تُو نے میری بے خبری کے عالم میں مجھ پر مسمریزم کا عمل کیا تھا ۔ اب مجھے خبر ہو چکی ہے ۔ اور اب مَیں تیرا مقابلہ کروں گا ۔ اب تو مجھ پر عمل کر کے دیکھ لے ۔ پھر مَیں اسے خواب میں ہی کہتا ہوں ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ۔ آپؐ کھانا کھاتے اور بھول جاتے کہ آپؐ نے کھانا کھایا ہے یا نماز پڑھتے تو بھول جاتے کہ آپؐ نے نماز پڑھی ہے ۔ یا نہیں پڑھی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس جادو کا اثر تھا جو یہودیوں نے آپ پر کیا تھا ۔ ہم جادو کے تو قائل نہیں ہاں یہ ایک تدبیر تھی جو کی گئی اور مکرالسیئۃ بھی ایک قسم کا جادو ہی ہوتا ہے ۔ خواب میں مَیں نے اس عورت سے یہی کہا کہ تو مجھ پر اب جادو کرے تو جانوں ۔ چنانچہ اس نے مجھ پر توجہ کی تو اس کا کوئی اثر نہ ہوا ۔ اس کے بعد مَیں نے اس کی انگلی پر توجہ کی ۔ تو وہ اکڑ گئی ۔ پھر ایک مرد آیا اور اس نے اس کی اس انگلی کو ٹھیک کرنا چاہا ۔ لیکن وہ ٹھیک نہ ہوئی ۔ مَیں نے اس مرد سے خواب میں کہا کہ اب یہ انگلی ٹھیک نہیں ہوگی ۔ اس عورت نے بے خبری کے عالم میں مجھ پر توجہ کرلی تھی ۔ اب مجھے علم ہو گیا ہے ۔ اب میں نے بھی اس پر توجہ کی ہے اور تم میں یہ طاقت نہیں کہ میری توجہ کے اثر کو زائل کر سکو سو ان لوگوں نے بھی میرے ولایت جانے کو غنیمت جانا اور خیال کیا کہ اب خلیفہ باہر ہے ۔ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں لیکن ان بے وقوفوں نے یہ نہ جانا کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے یہ لوگ باوجود ارادہ کے میری غیر حاضری میں کچھ نہ کر سکے بلکہ ان کی شرارت کا وقت کھسکتے کھسکتے میری واپسی تک آ گیا چنانچہ جو گواہیاں ملی ہیں وہ بتاتی ہیں کہ بات دراصل اس وقت شروع ہو گئی تھی جب مَیں ولایت گیا تھا لیکن وہ نکلی اس وقت جب مَیں واپس آ گیا تا اگر کوئی کارروائی کی جائے تو میرا وجود اور میری دعائیں بھی اس کے ساتھ شامل ہوں ۔

اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت ہے کہ جتنی گواہیاں ملی ہیں وہ بتاتی ہیں کہ یہ فتنہ اس وقت اٹھایا گیا تھا۔ جب مجھ پر بیماری کا حملہ ہوا تھا ۲۶ فروری ۱۹۵۵ء کو مجھ پر بیماری کا حملہ ہوا تھا اور یہ باتیں مارچ ۱۹۵۵ء کی ہیں۔ لیکن ظاہر ہوئیں ۱۹۵۶ء میں آکر اور اب میں ان کا ہر طرح مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ گویا وہی رؤیا والی بات ہوئی۔ جو میں نے اس عورت سے کہی تھی کہ تم نے بے خبری میں مجھ پر حملہ کر لیا تھا۔ اب میں باخبر ہو چکا ہوں۔ اگر اب تم مجھ پر حملہ کرو تو جانوں۔ یہ کتنا بڑا نشان ہے جو ظاہر ہوا۔[1]

حضور نے خطبہ کے دوسرے حصہ میں احباب جماعت کو دعاؤں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ:۔

"انہیں اس موقعہ پر ہوشیار رہنا چاہیئے اور چونکہ یہ معاملہ آسمانی ہے اس لئے انہیں دعاؤں میں لگے رہنا چاہیئے کیونکہ منافق کا علاج سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ تمہارے ریزولیشن صرف اس کو ہوشیار کر دیتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ جو دلوں کا واقف ہے۔ جانتا ہے کہ اس کی اصلاح کیسے کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ دیکھ لو۔ جماعت کے منتقی لوگ اب قسمیں کھا کھا کر منافقوں کے متعلق شہادتیں دے رہے ہیں۔ لیکن ان سے کوئی پوچھے کہ وہ سال یا چھ ماہ تک کیوں خاموش رہے تھے۔؟ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ کوئی لکھتا ہے سال ہوا میں نے یہ بات دیکھی تھی اب میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اسے ظاہر کر دوں۔ کوئی لکھتا ہے چھ ماہ ہوئے میں نے یہ واقعہ دیکھا تھا۔ اب میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اسے ظاہر کر دوں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس وقت تک خدا تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ یہ معاملہ مخفی رہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ اسے ظاہر کر دیا جائے۔ گویا جب خدا تعالیٰ نے چاہا کہ پردے

---

[1] "الفضل" ۸ اگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۳

پھاڑ دیئے جائیں ۔ اور ان منافقوں کو ننگا کر دیا جائے ۔ تو وہی لوگ جو ایک ایک سال تک بزدلی دکھاتے رہے تھے دلیر ہو گئے اور جو چھ ماہ تک ان باتوں کو چھپاتے رہے ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کہا اب بزدلی دور کر دو اور بھید ظاہر کر دو ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے گزشتہ جلسہ کے موقعہ پر یہ بات سُنی تھی ۔ بعض نے کہا ہے کہ شوریٰ کے دنوں میں یہ بات ہوئی تھی اور ایک شخص نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ۱۹۵۴ء میں یہ بات ہوئی ۔ اب دیکھ لو ۱۹۵۴ء والے نے دو سال یا اس سے زائد عرصہ تک ایک بات کو چھپائے رکھا ۔ ۱۹۵۵ء والے نے ایک سال تک بات کو مخفی رکھا جلسہ سالانہ والے نے سات ماہ تک بزدلی دکھائی شوریٰ والا پانچ ماہ تک چپ رہا اب آکر یہ سب لوگ بہادر بن گئے اور انہوں نے سمجھا کہ حقیقت ظاہر کر دینی چاہیئے یہ چیز بتاتی ہے کہ اس کے پیچھے خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہے جب اس نے کہا منہ بند رکھو تو منہ بند رہے اور جب اس نے منہ کھولنے کے لئے کہا تو وہ کھل گئے اسلیئے تم اس فتنہ کو دور کرنے کے لیے خدا تعالیٰ سے ہی کہو ۔ پھر دیکھو گے کہ منافقت کی یہ سب باتیں ھَبَاءً مَّنْثُوْرًا ہو جائیں گی اور اللہ تعالےٰ اپنی رحمت تم پر نازل کر دے گا بشرطیکہ تم اپنے دلوں میں نیکی قائم کرو ۔ میں تمہیں ایک چھوٹی سی بات کہتا ہوں کہ تم ایک ایک دو دو کر کے غور کرو اور سوچو کہ اگر خلافت مٹ جائے تو کیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا کوئی بھی امکان ہو سکتا ہے کہ تین سو سال میں احمدیت ساری دنیا میں غالب آجائے گی ۔ چاہے کوئی شخص کتنا ہی بے وقوف ہو ۔ اگر وہ پندرہ منٹ کے لئے بھی اس بات پر غور کرے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اگر تین سو سال میں احمدیت ساری دنیا پر غالب نہ آئی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حکومت دنیا میں ہرگز قائم نہیں ہو سکتی ۔ سیدھی بات ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تو دیس نکالا ابھی سے مل جائے گا ۔ کیونکہ یہ خدا تعالےٰ کا آخری حربہ تھا کہ اس نے موجودہ زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ایک نئی جماعت کو قائم کیا تا کہ وہ اسلام کو دنیا میں غالب کرے ۔ اگر ان منافقین

کی شرارتوں اور منصوبوں کے ذریعہ اس جماعت کو ناکام کر دیا گیا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت ختم ہو جائے گی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام اپنے دعویٰ میں یقیناً ناکام ہو جائیں گے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اور مامور بھیجے تو بھیجے۔ احمدیت کے ذریعہ اسلام دنیا میں غالب نہیں آسکتا اب جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن ہے اور ان کی ناکامی کا متمنی ہے وہ تو اس بات کو برداشت کرے گا لیکن جو سچا مومن ہے وہ اپنی موت تک دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت قائم کرنے کے لئے تیار رہے گا۔ اور اس کے لئے وہ کسی بڑی سے بڑی قربانی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔[1]

---

[1] "الفضل" ۸ راگست ۱۹۵۶ء صہ

فصلِ سوم

مخالفینِ احمدیت کا متّحدہ محاذ

اس فتنہ کی آگ اگرچہ اہلِ پیغام نے بھڑکائی تھی مگر اس کو ہوا دینے کے لیے پاکستان کی احمدیت دشمن طاقتیں دیکھتے ہی دیکھتے متحد ہو گئیں اور پاکستانی اخبارات میں سے پیغام صلح کے علاوہ "آفاق" "تسنیم"۔ "سفینہ"۔ "کوہستان"۔ "احسان"۔ "نوائے وقت"۔ "امروز"۔ "چٹان"۔ "دی ٹائمز آف کراچی"۔ اور "پاکستان ٹائمز" نے منافقین کی خبروں کو خوب پبلسٹی دی۔ ڈھاکہ کے اخبار "پاسبان" نے ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء کے پرچہ میں یہ خبر شائع کی جس کا عنوان تھا "جانشینی کے سوال پر جماعت احمدیہ میں پھوٹ پڑ گئی" نیز لکھا "جماعت احمدیہ نے امام مرزا بشیر الدین محمود احمد کی زندگی ہی میں ان کی جانشینی کا مسئلہ قادیانیوں میں زبردست جنگ کا موضوع بن گیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد اپنے جانشین کو نامزد کرنا چاہتے ہیں"۔

اخبار کوہستان لاہور (۲۹ راگست ۱۹۵۶ء) نے "مرزائی جماعت کا انتشار" کے زیر عنوان لکھا:

"موجودہ مرزا صاحب کے خلاف یہ بغاوت ایک تاریخی عمل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے خلاف زمانے کے انکار اور سائنس نے علمِ بغاوت بلند کیا ہے۔ وقت کی دانش اور خدا کی غیرت نے انہیں للکارا ہے .... ہمارے نزدیک قادیانی جماعت کا یہ انتشار ..... وقت اور تاریخ کی قوتوں کا طبعی تقاضا ہے اس کے محرکات سائنٹفک ہیں۔ نفسیاتی ہیں، ارتقائی ہیں۔ ذہنی غلاموں پر سے پارسائی اور آقائی کا طلسم اتر رہا ہے .... عصری تقاضے خود اس فراڈ کے تانے بانے اُدھیڑ کر رکھ دیں گے۔ جس فراڈ کو تاریخ بے نقاب کرنے پر تُلی ہوئی ہے اس کو اب رسوا ہونے سے روکا نہیں جا سکتا"۔

اخبار المنیر (لائلپور) نے اس رائے کا اظہار کیا کہ اب اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ جماعت اندرونِ

مُلک اور بیرونِ پاکستان اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکے گی۔ چنانچہ اس نے لکھا:۔

"ہم قادیانی جماعت کے حالات سے جتنی بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ اس کی بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ:

قادیانی جماعت پوری کی پوری سازش اور نفاق کا مرکز ہے مرزا محمود احمد صاحب کی گوناگوں شخصیت اور ان کی ناقابلِ تصور آمریت کا آہنی جال جب تک مضبوط تنا ہوا موجود ہے اس وقت تک یہ سازش کامیاب تو شاید نہ ہو سکے لیکن اس کا دائرہ اثر وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے گا اور مرزا محمود جب تک ذہنی اعتبار سے بالکل مفلوج اور جسمانی حیثیت سے معطل نہ ہو جائیں یا وہ بتقاضائے عمر طبعی اپنے پیش رو کے ساتھ عالم برزخ محاسبِ حقیقی کے روبرو پیش نہ ہو جائیں اس وقت تک یہ سازش پوری طرح دنیا کو اپنے حلقے میں نہیں لے سکتی۔ البتہ بظاہر اس امر کا کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ ان کے جانشین خواہ مرزا ناصر ہوں یا ظفر اللہ، عبدالمنان ہوں یا کوئی دوسری شخصیت قادیانی جماعت کا اس پر متحد ہونا اور منظم رہ کر جوں کا توں پاکستان میں ربوہ کی ریاست قائم رکھنا اور بیرون پاکستان اپنے کام کو وسیع کرتے چلے جانے کا سلسلہ حسبِ سابق باقی رہے گا الّا کہ:

قادیانیوں کی مخالفت کرنے والی بعض جماعتیں حسبِ سابق اسی حماقتوں اور غلط کاریوں کو نہ اپنا لیں جو قادیانیوں کو منظم ہونے پر مجبور کر دیں۔"[1]

ہفت روزہ "لاہور" کا حقیقت افروز اداریہ

احمدیت کی مخالف قوتوں کا اس طرح یکایک منافقین کی پُشت پناہی میں جمع ہو جانا بے مقصد نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے وہی خطرناک عوامل کارفرما تھے جو ۱۹۵۳ء میں ملک میں فسادات کے شعلے بلند کرنے کا موجب و محرک بنے تھے۔ چنانچہ ہفت روزہ "لاہور" نے ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"گزشتہ چند ہفتوں سے خلافتِ احمدیہ سے متعلق جماعت کے دو حصوں کے جرائد الفضل اور پیغام صلح میں ایک خالصۃً داخلی نوعیت کی بحث چل رہی تھی۔ جس میں دخل اندازی ہم نے "لاہور" کی بنیادی پالیسی

---

[1] ہفت روزہ "المنیر" لائلپور ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳

کے منافی جانا۔ ویسے بھی اگر دیانتدارانہ غیر جانبداریت کے ساتھ فکر کیا جائے تو جماعت احمدیہ میں نظامِ خلافت کے سلسلہ میں کسی قسم کی بحث وتمحیص کا حق صرف انہی لوگوں کو پہنچتا ہے جنہیں احمدیت کی تعلیم مرغوب ہوئی جو اس پر ایمان لائے اور اس کے حلقہ بگوش ہوئے ۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ دو ایک ہفتوں سے بعض سیاسی ڈاکوؤں ۔ صحافیوں ابن الوقتوں اور نیم مذہبی طالع آزماؤں نے بھی جماعت مذکور کی اس داخلی کش مکش کو خواہ مخواہ مجرمانہ سیاسی رنگ دے کر امن عامہ کو از سرِ نو خاکستر بنا دینے کی مہم شروع کر دی ہے ۔ جس سے ہمارے بعض اچھے بھلے غیر جانبدار صحافی احباب بھی کسی قدر غلط طور پر متاثر ہوئے نظر آتے ہیں ۔

۱۹۵۳ء کے فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں متذکرہ "احراری بچہ" کے ان نئے سر پرستوں نے اپنی اس تازہ دخل در معقولات کی بعض عجیب وغریب اور مضحکہ خیز وناقابلِ اعتبار توجیہیں کی ہیں :۔

اوّل :۔ امام جماعت احمدیہ اپنے مخالفین کو قتل کی دھمکیاں دے رہے ہیں ۔

دوم :۔ جماعت کے ہیڈ کوارٹر میں ان کے مخالفین کا قافیہ تنگ ہے ۔

سوم :۔ جماعت کے ہیڈ کوارٹر کا نظم ونسق "ریاست در ریاست" نوعیت کا ہے ۔!

چہارم :۔ مظلوم احمدیوں نے اکابر جماعت سے رجوع کرنے کی بجائے خفیہ خطوط کے ذریعہ ہم سے درخواست اعانت کی ہے ۔!! وعلیٰ ہذا القیاس!

وہ لوگ جو ۱۹۵۳ء کے مذہبی نما سیاسی فسادات کے حقیقی پس منظر سے آگاہ ہیں ۔ انہیں خوب یاد ہوگا ۔ کہ انہی سیاسی طالع آزماؤں نے (جو اب نہ جانے اقتدار کے کس مہرے سے ساجھے کی شہ پاکر پھر میدان فتنہ انگیزی میں در آئے ہیں) ۱۹۵۳ء کے آخر میں کس کس طرح جعلی خطوں فرضی بیانوں اور خود ساختہ مکاتیب کو ہوا دی تھی ۔ کس کس طرح اپنی مذموم خواہشات کو خبروں کا رنگ دے کر نہ صرف شائع کیا ۔ بلکہ بے بنیاد اور موہوم حادثات پر چسپاں کیا گیا ۔ کس طرح سابق وزیر خارجہ کے گھریلو خطوط کے عکس چھاپ کر اُن میں من مانے سیاسی ۔ معانی ٹھونس کر فتنہ آرائی کی گئی ۔ الغرض سیاق وسباق سے بے نیاز فقروں کی غیر دیانتدارانہ زاش خراش کر کے معصوم اور سادہ لوح عوام کو اس قدر برانگیختہ کیا گیا ۔ کہ یہ آگ شعلوں میں بھڑک اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے آدھا ملک

ملک اس کی لپیٹ میں آ گیا ۔ سول نظم ونسق عملاً معطل ہو گیا ۔ مرکزی حکومت کو طوعاً یا کرہاً مارشل لاء نافذ کرنا پڑا ۔ سیاسی ڈاکو چندوں کے رجسٹر خرد برد کر کے پھر اپنے اپنے حجروں اور قبتوں میں جا گھسے اور بے لوث مسلمانوں کے سینے گولیوں سے چھلنی ہو گئے ۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ بعینہٖ اُسی قسم کی افترا پردازیوں کی مہم اور فتنہ آرائی کی انگیختیں اب پھر جاری ہیں ۔ چنانچہ

- کہیں گمنام و بے حیثیت آدمیوں کی طرف سے امام جماعتِ احمدیہ پر مقدمات کی جعلی خبریں چھاپی جا رہی ہیں ۔
- کہیں سابق وزیر خارجہ پاکستان کو (ان کے واشگاف اظہار والہیت کے باوجود) اپنے امام کے مدمقابل دکھا کر ان کی طرف سے جعلی پراپیگنڈے کے تیر چھوڑے جا رہے ہیں ۔
- اور کہیں بعض لوگوں کی طرف سے (جماعت اسلامی کی خط و کتابتی مہموں کی طرح) اپنے نام جعلی خطوط لکھوا کر اور انہیں نظام ربوہ کا مقہور جتا کر اُن سے ہمدردی کے طور پر پولیس اور حکومت کو تلقینِ کارروائی کی جا رہی ہے ۔

حالانکہ مذہب سے اُنس رکھنے والے دل اور دماغ خوب جانتے ہیں ۔ کہ آقا اور مرید کا تعلق درحقیقت باپ اور بیٹے سے بھی کہیں گہرا ہوتا ہے اور ایک باپ اپنے بیٹوں کی تربیت و اصلاح کے لئے (جب تک وہ اس کے بیٹے کہلائیں) ہر طریق اختیار کرنے کا مجاز و مختار ہوتا ہے پیار کا ۔ محبت کا ۔ تلقین کا ۔ خوف یا مقاطعہ کا ۔ لیکن کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ ایک باپ نے اپنے بیٹے کو اس کی کسی لغزش پر ڈانٹ پلائی ہو ۔ اور وہ بیٹا بھاگ کر اپنے باپ اور خاندان کے جانی دشمنوں کے قدموں میں جا پڑا ہو کہ ——— میری امداد کیجیئے ۔ میرا باپ میرے خلاف ہو گیا ہے ۔ اور اگر کوئی بیٹا ایسا کرتا ہے تو ہمیں کوئی باپ دیانتداری سے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائے کہ وہ ——— اپنے اُس بیٹے کو کس نام سے یاد کرے گا ۔ ہم صدقِ دل سے اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں کہ کوئی ایسا مذہبی بیٹا جس کی شریانوں میں خالص خون دوڑ رہا ہو (ہماری مراد اپنے آقا سے عقیدت و والہیت کے سچے خون سے ہے) کبھی اپنے باپ کی سرزنش سے اس قدر غلط طور پر متاثر نہیں ہو سکتا کہ ——— اپنے باپ اور اپنے خاندان کے جانی دشمنوں ہی کی پناہ میں چلا جائے ———

ہاں وہ اس گھریلو مقاطعہ سے متاثر ہو کر (اس وقت تک کے لئے جب تک کہ غلط فہمیوں کے تمام بادل چھٹ نہ جائیں اور گھر والے اُسے دوبارہ خندہ پیشانی سے قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو جائیں) بے تعلقی نما خاموشی تو اختیار کر سکتا ہے لیکن یہ کہ وہ اپنے باپ اور اپنے کنبہ کے خون کے پیاسوں ہی سے ساجھا کر لے۔ ہم تو اس بے غیرتی کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔

یاد رہے ہم نے جانی دشمنوں اور خون کے پیاسوں کا لفظ تکرار کے ساتھ دانستہ استعمال کیا ہے۔ اس لئے کہ جس جماعت کے داخلی نظام کو ہمارے بعض دوستوں نے "ریاست در ریاست" کے خطرناک الزام سے موسوم کیا ہے۔ ہم پر اس کی بے بسی اور الزام دینے والوں کی خوب آشامی خوب آشکارا ہے — اور اس لئے بھی کہ اس قدر جابر و قاہر نظام کی تہمت کے باوجود ہم نے

— اکابر نظام کی زبان بندیاں بھی ہوتی دیکھی ہیں۔

— اُن کی معاشی ناکہ بندیوں کا نظارہ بھی کیا ہے۔

— معمولی معمولی چاقو اور نشتر رکھنے کی پاداش میں دس دس سال کے لئے قید ہوتے بھی دیکھا ہے اور تو اور — ہم نے تو یہ بھی دیکھا ہے۔ کہ ایک دن انہی سیاسی طالع آزماؤں کا ایک نمائندہ لائلپور کے مضافات سے چل کر اسی "ریاست در ریاست" کے ہیڈ کوارٹر پر پہنچا۔ اور دن دہاڑے اس مبینہ ریاست کے سب سے بڑے رئیس کی گردن میں خنجر گھونپ کر چلتا ہوا — آپ ہی بتائیے کہ اس واشگاف بے بسی پر مذکورۃ الصّدر تشدّد کی تہمت لگانا — اگر — حقائق سے غیر دیانتدارانہ پہلوتہی اور جانبدارانہ چشم پوشی نہیں تو اور کیا ہے — ستم بالائے ستم یہ — ہے کہ — بے بسی کی انتہا پر بھی امن عامہ کے جن دعویداروں کو اس وقت اُس سفّاک کے مذموم فعل کی مذمت کی توفیق نہیں ملی تھی۔ اور جس غیر جانبدار صحافت کو رسمی طور پر بھی ان سیاسی ڈاکوؤں پر قدغن بٹھانے کی تلقین و تحریک کی سعادت نصیب نہیں ہو سکی تھی — ان کا نام نہاد جذبۂ اخوت اور جوشِ حریت آج چند بے نام خطوں اور بے عنوان افواہوں پر خواہ مخواہ کھولا ہوا ہے بتائیے — اسے ایک غیر جانبدار مبصر جذبۂ ہمدردی سے تعبیر کرے گا یا نیتوں کے فتور سے! — ۱۹۵۳ء کے فسادات کی تحقیقاتی عدالت نے اپنی رپورٹ میں ایک جگہ احراریوں کی اس سیاسی فتنہ انگیزی کا

کماحقہٗ تجزیہ کرتے ہوئے یہ فقرہ لکھا تھا کہ ــــــ "یہ بچہ ابھی زندہ ہے اور راہ دیکھ رہا ہے کہ کوئی آئے۔ اور اُسے اٹھا کر گود میں لے لے ــــ اور ہم آج متذکرہ بالا حقائق و شواہد کی بناء پر امن عامہ کے تحفظ کے داعیوں اور ذمّہ داروں کو خبردار کرتے ہیں کہ ــــ اُس بچے کو پھر گود میں لے لیا گیا ہے۔ چنانچہ حسب سابق اس کی نشوونما اور تشہیر کے لئے ایک طرف علماء نے فتنہ انگیزی سے بھرے ہوئے حلقہ اور قصبہ وار لیکچروں کی اور دوسری طرف بعض نامراد اخباروں نے انگارے اُگلتے ہوئے صحافتی کالموں کی مہم پھر تیز کر دی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے ــ کہ حکومت ذمہ دارانہ فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے اسے ابھی سے کچلنے کا اہتمام کرتی ہے یا مہلک قسم کی بے پروائی اور بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پانی کے سروں سے گزرنے کا انتظار کرتی ہے ــــ ذہن نشین رہے کہ بھڑک کر بے قابو اور اپنے پرائے کی تمیز سے بے گانہ ہو جانا آگ کی خصلتِ اوّلین ہے۔ ذمّہ داریت کا تقاضا یہی ہے کہ اسے بھڑکنے ہی نہ دیا جائے۔"

اخبار "ریاست" دہلی کی دلچسپ تجویز

بھارت کے مشہور صحافی سردار دیوان سنگھ مفتوںؔ نے اپنے اخبار "ریاست" میں فتنہ منافقین کو "احمدیوں کی خلافت کے متعلق خانہ جنگی" سے تعبیر کیا اور اپنے سکھّ مذہب کی تاریخ کے پیشِ نظر یہ دلچسپ تجویز پیش کی کہ جماعت کے موجودہ امام و خلیفہ یا تو اپنی زندگی میں آئندہ خلیفہ کا اعلان کر دیں یا ایک خفیہ وصیت کے ذریعہ نامزد کر دیں جس پر انتقال کے بعد عمل ہو چنانچہ لکھا:۔

"احمدیوں کی خلافت کے متعلق خانہ جنگی۔ ایک عرصہ سے احمدی حضرات کے آئندہ خلیفہ کے مسئلہ کو بعض اخبارات میں زیر بحث لایا جا رہا ہے جسے یقیناً جماعتِ احمدیہ کی خانہ جنگی قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد تھے جنہوں نے نبوّت کا دعویٰ کیا۔ ان کے بعد اس جماعت کے خلیفہ اوّل کی پوزیشن مرحوم حکیم نور الدین کو حاصل ہوئی جو نہ صرف مذہبی حیثیت سے بلکہ طبی لحاظ سے بھی ملک کی ایک اہم ترین شخصیت تھے اور آپ کے انتقال کے بعد موجودہ خلیفہ حضرت بشیر الدین محمود مقرر ہوئے جو اس جماعت

کے پیشوا ہیں اور اب چونکہ آپ کی صحت اچھی نہیں بعض اصحاب اس کوشش میں ہیں کہ احمدی جماعت کے آئندہ خلیفہ ان کی پسندیدہ شخصیت ہوں۔

احمدی جماعت میں آئندہ کے خلیفہ کے متعلق یہ خانہ جنگی خلافِ توقع نہیں کیونکہ شاید ہی کوئی مذہب ایسا ہوگا جو جانشین کے متعلق خانہ جنگی کا شکار نہ ہوا۔ چنانچہ سکھوں میں گورو نانک کے انتقال کے بعد آپ کے ایک صاحبزادہ نے گورو ہونے کا دعویٰ کیا اور وہ ناکام رہے اور پھر اس کے بعد ایک دوسرے گرو صاحب کے صاحبزادے رام رائے نے گورو ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور آپ نے حکومتِ وقت کی امداد سے ڈیرہ دون میں اپنا مذہب چلانا چاہا مگر آپ کو بھی کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ اور سکھوں کے بعد رادھا سوامی فرقہ میں بھی ان کے گورو صاحب جی مہاراج کے بعد ایک نوان کے بڑے صاحبزادے نے گورو ہونے کا اعلان کیا اور ان کے ٹائپسٹ نے بھی گورو ہونے کا اڈہ جمانا چاہا مگر ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ احمدی جماعت کی اس خانہ جنگی کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ آئندہ کی خلافت کا مسئلہ موجودہ خلیفہ حضرت بشیر الدین محمود پر چھوڑ دیا جانا چاہیئے کیونکہ اس مسئلہ میں وہی سب سے بڑی اتھارٹی ہیں جن کے خلیفہ ہونے کا دنیا کے تمام احمدی اقرار کر چکے اور اس کی صورت یہ ہے کہ یا تو موجودہ خلیفہ اپنی حیات میں ہی آئندہ کے خلیفہ کا اعلان کر دیں اور یا ایک وصیت کے ذریعہ آپ اس کا فیصلہ کر دیں اور اس وصیت کو راز میں محفوظ رکھا جائے جس پر آپ کے انتقال کے بعد عمل ہو تاکہ یہ جماعت خانہ جنگی کا شکار نہ ہو اور تمام احمدی اس وصیت پر عمل کرنا اپنا ایمان اور فرض سمجھیں۔"[۱]

مفتریانہ پراپیگنڈا اور جھوٹی اور دلآزار خبریں

اس دور میں پاکستانی اخبارات نے جس طرح مفتریانہ پراپیگنڈہ کیا اور جھوٹی خبریں پھیلائیں اُن کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ "مرزا محمود کے قریبی حلقے اس بات پر مصر ہیں کہ مرزا محمود کے بعد ان کے صاحبزادے مرزا ناصر یا کسی دوسرے کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے کچھ لوگ اس پر مصر ہیں کہ چودھری ظفر اللہ

---

[۱] ہفتہ وار "ریاست" دہلی ۱۰ استمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۲ کالم ۳ ، ۴

خاں کو خلیفہ منتخب کیا جائے۔ مرزائیوں کے اس باہمی خلفشار سے تنگ آکر بہت سے قادیانی ترکِ مرزائیت کر کے اسلام (؟) قبول کر رہے ہیں"

("نوائے پاکستان" لاہور ۲؍اگست ۱۹۵۶ء، صا)

۲۔ "قادیانی خلافت کشمکش سے تنگ آکر اکثر قادیانی اب ربوہ چھوڑ رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ربوہ کی کوٹھیوں، مکانات وغیرہ کی فروختگی کے سلسلہ میں چنیوٹ کے مشہور و معروف سوداگروں سے بات چیت شروع کر دی ہے...... مرزا محمود نے انجمن احمدیہ کی گرانقدر رقوم ڈرامائی انداز میں اپنے نام پر منتقل کر دی ہیں اور بیت المال کا کافی سرمایہ خورد برد کیا جا رہا ہے"

(نوائے پاکستان ۲۸؍اگست ۱۹۵۶ء، صا)

۳۔ "مرزا صاحب کے باغیوں میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے ایک لاکھ افراد کی اس قوم میں باغیوں کی تعداد کافی بتائی جاتی ہے"

(کوہستان ۲؍ستمبر ۱۹۵۶ء زیر عنوان "نشیب و فراز")

۴۔ لاہور کے ایک اخبار نے ۷؍اکتوبر ۱۹۵۶ء کو یہ بے بنیاد خبر شائع کی کہ "مشرقی پاکستان کے قادیانیوں نے بھی مرزا محمود کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا"

اخبار "الفضل" (۱۴؍اکتوبر ۱۹۵۶ء) نے اس کے جواب میں حسبِ ذیل نوٹ شائع کیا۔

"لاہور کے ایک اخبار نے اِن دنوں جماعت احمدیہ کے خلاف جھوٹی خبروں کی ایک مہم جاری کر رکھی ہے۔ اصولاً ہم اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے اس کا جواب تو وہی عالم الغیب ہستی ہی دے گی جس کے سامنے بعض مذہب کا لبادہ اوڑھنے والے ان اخلاقی اور روحانی اقدار کی بیخ کنی کر رہے ہیں جن کو اس نے حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ دنیا میں قائم فرمایا تھا۔ لہٰذا ہمارا طرزِ عمل ابتداء ہی سے قرآن مجید کی اس ہدایت و رہنمائی کے مطابق رہا ہے کہ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (سورۃ فرقان)[1] ہمارا خیال تھا کہ ہمارا یہ قطعی مؤقف بھی خبر سازی کی اس مہم کو ٹھنڈا کر دے گا۔ اور کذب اور

---

[1] آیت: ۶۴

افترا کا یہ کھیل آپ ہی ختم ہو جائے گا۔ مگر افسوس حق و صداقت کے اس خاموش احتجاج کا نتیجہ یہ برآمد ہو رہا ہے کہ نہایت دلیری کے ساتھ اب مزید غلط بیانیوں کا سہارا لیا جانے لگا ہے۔ جس کی تازہ ترین مثال وہ خبر ہے جو اس نے جماعتِ احمدیہ میں بنگالی اور پنجابی کشمکش پیدا کرنے اور منافرت پھیلانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے ۷ر اکتوبر ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں وضع کی ہے۔ ”مشرقی پاکستان کے قادیانیوں نے بھی مرزا محمود کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا“ یہ مضحکہ خیز سرخی جمانے کے بعد اس اخبار نے خبر تراشی کے کمالات دکھاتے ہوئے یہ انکشاف کیا ہے کہ

”برہمن بڑیہ کے قادیانی مبلغ مولوی ظل الرحمٰن کو ان کی تیس سالہ ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا ہے۔ مرزا محمود نے وہاں عام بغاوت کے پیشِ نظر اپنے خاص نمائندے مولوی جلال الدین شمسؔ اور مولوی عبدالرحیم دردؔ کو وہاں حالات معلوم کرنے کی غرض سے ایک وسیع دورے پر بھجوایا تھا۔ اور ان کی واپسی پر اب اپنے ربوہ کے خاص مبلغین مولوی محمد اجمل شاہد اور مہاشہ محمد عمر اور مولوی رحمت علی کو اپنے خاص مشن کے لیے تقرر کیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ یہ تینوں آدمی مشرقی پاکستان کی اہم زبان ”بنگلہ“ بولنے تک کی بھی استعداد نہیں رکھتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ صرف معاملہ کی نزاکت کے پیشِ نظر کامل نگرانی کے لئے وہاں مامور کئے گئے ہیں۔ یہ تینوں اصحاب پورے مشرقی پاکستان میں وسیع پیمانے پر دورے کر کے حالات پر قابو پانے کی پوری پوری کوشش کر رہے ہیں۔“

مذکورہ خبر میں ”حقیقت پسندی“ کا جو نیا ریکارڈ قائم کیا ہے اس پر گوئبلز کی روح بھی پھڑک اٹھی ہوگی۔ کیونکہ ایک مختصر سی عبارت میں نہایت خوبصورتی سے متعدد جھوٹ اور افترا جمع کر دینے کا سلیقہ ایسا ہے جس میں ان کا آج تک کوئی حریف پیدا نہیں ہو سکا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ:۔

اوّل:۔ مولوی ظلّ الرحمٰن صاحب ۶۰ سال کی عمر پا لینے پر صدر انجمن احمدیہ کے قواعد کے مطابق یکم دسمبر ۱۹۵۴ء سے ریٹائرڈ ہیں اور آج تک انہیں باقاعدہ پنشن مل رہی ہے۔ سلسلہ کے اس دیرینہ اور مخلص خادم کو پیشکش کی گئی ہے کہ اگر وہ کام کر سکتے ہیں تو انہیں دوبارہ کام پر لگایا جا سکتا ہے مگر انہوں نے اپنی بیماری اور عمر کے پیشِ نظر معذوری کا اظہار فرمایا ہے۔ کیا معطل ہونا اسی کو کہتے ہیں۔

دوم :- جناب مولانا مولوی جلال الدین صاحب شمسؔ مہینوں صاحب فراش رہے ہیں آپ کافی عرصہ میو ہسپتال میں زیر علاج رہنے کے بعد تبدیلیٔ آب وہوا کی غرض سے گزشتہ چار ماہ کوئٹہ میں فروکش رہے اور اب دو ہفتے ہوئے ہیں کہ کوئٹہ سے واپس ربوہ تشریف لائے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس اخبار کے "نامہ نگار" کو یہ بھی علم نہیں کہ کوئٹہ اور برہمن بڑیہ دو الگ الگ علاقوں کے شہر ہیں۔ ایک مغربی پاکستان میں ہے تو دوسرا مشرقی پاکستان میں۔ یعنی ایک مشرق میں ہے تو دوسرا مغرب میں۔

سوم :- حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ جنہیں مفروضہ وفد کا دوسرا ممبر دکھایا گیا ہے۔ دس ماہ قبل (دسمبر ۱۹۵۵ء) میں انتقال فرما چکے ہیں۔ خدا جانے وہ کون سے "مولوی عبدالرحیم دردؔ" ہیں جن کی "زیارت حال ہی میں اس اخبار کے نامہ نگار" نے کی ہے۔

چہارم :- "خاص مبلغین" میں سے ایک مبلّغ مکرم جناب مولوی رحمت علی صاحب ہیں جو دسمبر ۱۹۵۵ء سے میو ہسپتال میں زیر علاج ہیں اور دوسرے (مولوی محمد اجمل شاہدؔ) تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ میں پڑھاتے ہیں مگر اس اخبار کی فنِ خبر سازی کا کمال ملاحظہ ہو۔ کس طمطراق سے منادی کر رہے ہیں کہ :-

"تینوں اصحاب پورے مشرقی پاکستان میں وسیع پیمانہ پر دورے کر کے حالات پر قابو پانے کی پوری پوری کوشش کر رہے ہیں"

پنجم :- خدا کے فضل سے اس وقت مشرقی پاکستان میں سلسلہ احمدیہ کے چھ مربّی فریضہ اصلاح وارشاد سرانجام دے رہے ہیں۔ جن میں پانچ مشرقی پاکستان کے باشندے اور صرف ایک مغربی پاکستان کے رہنے والے ہیں اور ان سب کے انچارج اور نگران ایک بنگلہ جاننے والے بنگالی ہیں۔ ان واضح حقائق کی موجودگی میں "بنگلہ" نہ جاننے والوں کو نگرانی کے لیے مقرر کرنے کا تاریک خیال اسی اخبار کے ظلمت خانوں کی پیداوار نہیں تو اور کیا ہے"[1]۔

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۴ راکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۲

حضرت مصلح موعود پر آسمانی انکشاف

حضرت مصلح موعود پر بذریعہ رؤیاء یہ آسمانی انکشاف ہوا کہ غیر مبائعین اگرچہ آج اس فتنہ سے علیحدگی کا ادّعا کر رہے ہیں مگر وہ عنقریب ان کی پُشت پناہی کا کھُلم کھُلا اعلان کر دیں گے چنانچہ فرمایا:۔

"میں نے دیکھا کہ اماں جی بھی اس دنیا میں آئی ہوئی ہیں اور فرشتے سارے جوّ میں وہ آیتیں پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں جو قرآن شریف میں یہودیوں اور منافقوں کے لیے آئی ہیں۔ اور جن میں یہ ذکر ہے کہ اگر تم کو مدینہ سے نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ہی مدینہ سے نکل جائیں گے۔ اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم بھی تمہارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑائی کریں گے۔ لیکن قرآن کریم منافقوں سے فرماتا ہے کہ نہ تم یہودیوں کیساتھ مل کر مدینہ سے نکلو گے اور نہ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑو گے یہ دونوں جھوٹے وعدے ہیں اور صرف یہودیوں کو انگیخت کرنے کے لیے اور فساد پر آمادہ کرنے کے لیے ہیں۔ اس آخری حصہ پر فرشتے زیادہ زور دیتے ہیں"

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ۱/۹/۵۶[1]"

غیر مبائعین کی طرف سے فتنہ پردازوں کو سٹیج کی پیشکش اور حضرت مصلح موعود

یہ خواب اگلے ہی ماہ حیرت انگیز طور پر پوری ہوگئی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ شروع میں تو غیر مبائع اخبار اور اُن کے صدر میاں محمد صاحب لائلپوری اس فتنہ کے بارہ میں اظہار بے تعلقی کرتے رہے مگر جلد ہی حقیقت بے نقاب ہوگئی اور وہ لوگ جو دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنے اور اپنا دامن پاک ثابت کرنے کے لئے اس کو "ناپاک سازش"[2] کہہ رہے تھے اب دعائیں کرنے لگے کہ "اللہ تعالیٰ ان منافقین کو ہمت اور طاقت دے"[3] پھر چند ماہ بعد انہوں نے خلافتِ احمدیہ کے باغیوں اور فتنہ پردازوں کو اپنے سٹیج اور تنظیم

---

[1] روزنامہ الفضل ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء [2] "پیغام صلح" لاہور یکم اگست ۱۹۵۶ء صلہ [3] ایضاً ۸ اگست ۱۹۵۶ء صلہ

تک کی پیشکش کر دی چنانچہ ایک غیر مبائع لیڈر حافظ محمد حسن صاحب چیمہ نے لکھا:۔

"محمودیت نے اپنے پیروؤں سے آزادی رائے مسلوب کر رکھی ہے استبدادیت کی زنجیریں دن بدن محکم سے محکم تر کی جا رہی ہیں۔ جب جور وستم حد سے زیادہ بڑھ جائیں تو اس کا ایک زبردست ردعمل ہوتا ہے۔ اب خود ربوہ میں ایک زبردست تحریک آزادی اٹھی ہے جس کا علمبردار نوجوانوں کا ایک ترقی پسند طبقہ ہے جو شاید اس طلسم کو توڑ کر رکھ دے۔ اس تحریک سے خلیفہ بوکھلا اٹھا ہے اس کا دماغی توازن قائم نہیں رہا۔ وہ اپنوں اور بیگانوں سے بدظن ہو گیا ہے وہ سب کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کی بدظنی کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس کی لپیٹ میں خود اس کے بھائی تک آ گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ظفر اللہ خاں کو بھی اپنی صفائی میں ایک بیان دینا پڑا۔ یہ حالات آنے والے واقعات کے نشان ہیں۔ ہماری جماعت کا رویہ فسادات پنجاب سے لے کر اب تک اہل ربوہ کے متعلق نہایت دوستانہ و مربیانہ رہا ہے۔ مگر یکایک ہمیں ناملائم الفاظ سے مخاطب کرنا شروع کر دیا گیا اور ایک قسم کی دعوت مبارزت دے دی گئی ہے ہمیں خطبوں میں "پیغامی" کہہ کہہ اشتعال دلایا گیا ہے۔ ہم پر یہ گھناؤنا الزام لگایا گیا ہے کہ ہم محمود کی جماعت میں گھس کر سازشوں کے جال بچھا رہے ہیں جو سراسر کذب افتراء ہے اور دیدہ دانستہ خدا کے خوف سے بے پروا ہو کر جماعت کی اجتماعی توجہ کو اپنی استبدادی کارروائیوں سے ہٹانے کے لیے اور اپنے پیروؤں کو ہمارے خلاف بھڑکانے کے لیے یہ جھوٹا پروپیگنڈا کیا گیا کہ ہم خلافت محمود کے خلاف خفیہ منصوبے کر رہے ہیں۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم **خفیہ طور پر نہیں بلکہ کھلا کھلا خلافت محمودیہ کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ اس کی استبدادی زنجیروں سے قادیانی حضرات کو آزاد کرانا چاہتے ہیں جن مفاسد نے طوق سلاسل میں قوم کو جکڑا ہوا ہے انہیں ہم ریزہ ریزہ کر دینا چاہتے ہیں۔** ہم ربوہ میں نئی تحریک آزادی کے علمبرداروں کو علی الاعلان یہ تلقین کرتے ہیں کہ وہ اصلاح کے اس کام کو جاری رکھیں اور استقلال عزم۔ اخلاص اور جوش ایمانی سے باطل کے اژدہا کو کچلنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ ختم نبوت کے تم قائل ہو۔ تکفیر سے تم باز آ چکے ہو۔ تمہارے اور ہمارے درمیان اب صرف محمودیت ہی کا پردہ ہے اس کو بھی چاک چاک کر دو۔ ہم ربوہ کے آزادی پسند عناصر کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اس تحریک آزادی

ہیں جو علماء مبلغین حصہ لے رہے ہیں۔ وہ جونہی محمودیت کے حصار سے آزاد ہوں وہ ہمارے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں ان کے لیے عزت کی جگہ ہے۔ تبلیغ کے لیے مواقع ہیں تقریر کے لیے اسٹیج ہے۔ تبلیغ کے لیے تنظیم ہے"[1]

اس اعلان پر حضرت مصلح موعود نے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:۔

"پیغامی جماعت پہلے تو یہ کہا کرتی تھی کہ ہمارا اس فتنہ سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اب انگریزی کی یہ مثل کہ "بلی تھیلے سے باہر آگئی ہے" ان پر پوری طرح صادق آگئی ہے۔ چنانچہ پیغام صلح کے ایک تازہ پرچہ میں گجرات کے ایک پیغامی وکیل کا ایک مضمون چھپا ہے جس میں انہوں نے لکھا کہ ہم ربوہ میں نئی تحریک آزادی کے علمبرداروں کو علی الاعلان یہ تلقین کرتے ہیں۔ کہ وہ اصلاح کے اس کام کو جاری رکھیں اور استقلال، عزم۔ اخلاص اور جوشِ ایمان سے باطل کے اژدھا کو کچلنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ ختمِ نبوت کے تم قائل ہو تکفیر سے تم باز آچکے ہو۔ تمہارے اور ہمارے درمیان اب صرف محمودیت کا پردہ ہے اس کو بھی چاک چاک کر دو۔ ہم ربوہ کے آزادی پسند عناصر کا خیر مقدم کرتے ہیں اس تحریک آزادی میں جو علماء و مبلغین ہیں۔ وہ جونہی محمودیت کے حصار سے آزاد ہوں ہمارے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں ہمارے ہاں ان کے لیے عزت کی جگہ ہے۔ تبلیغ کے لیے مواقع ہیں۔ تقریر کے لیے اسٹیج ہے تبلیغ کے لیے تنظیم ہے۔ آؤ ہم سب تفرقہ کو مٹا کر ایک ہو جائیں"

(پیغام صلح ۳۱ اکتوبر ۱۹۵۶ء)

اس مضمون نے بتا دیا ہے کہ پیغامیوں کی پہلی بات کہ ہمارا اس فتنہ سے کوئی تعلق نہیں بالکل جھوٹ تھی۔ کیونکہ اب انہوں نے صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ ہم ربوہ کے باغیوں کو پوری طرح مدد دینے کے لیے تیار ہیں ہمارا نظام ان کے لیے حاضر ہے ہمارا روپیہ اُن کے لیے حاضر ہے اور ہم اپنا اسٹیج انہیں تقریریں کرنے کے لیے دیں گے۔ لیکن میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اسے بہادرو تمہارے مولوی محمد علی صاحب بڑے تھے یا عبدالمنان بڑا ہے۔ تم نے مولوی محمد علی صاحب کی کتنی مدد کی تھی۔ تمہاری تنظیم اور تمہارا روپیہ ان کے کس کام آیا تھا

---

[1] پیغام صلح ۳۱ اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ کالم نمبر ۳، ۴

تمہاری تنظیم اور روپیہ ان کے اتنا ہی کام آیا کہ انہوں نے مرتے وقت وصیت کی کہ تمہارے اکابر اُن کے جنازہ کو بھی ہاتھ نہ لگائیں اور آج تم ان باغیوں سے کہہ رہے ہو کہ تم ہمارے نظام میں شامل ہو جاؤ۔ ہماری تنظیم ہمارا روپیہ اور ہمارا اسٹیج تمہارے لیے وقف ہے اگر تم اتنے بہادر تھے تو تم نے خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کی کیوں مدد نہیں کی تھی ؟

مولوی محمد علی صاحب نے خود لکھا ہے کہ مَیں نے ساری عمر جماعت کی خدمت کی ہے لیکن اب جبکہ مَیں بوڑھا ہو گیا ہوں مجھ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ مَیں جماعت کا ۱۶ ہزار روپیہ کھا گیا ہوں اور مرتد ہو گیا ہوں کیا یہی مدد تھی جو تم نے اپنی تنظیم اور روپیہ سے اپنے امام کی کی۔ کہ اب تم منّان اور اور اس کی پارٹی کی اس سے بھی زیادہ مدد کرو گے جس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ اس سے زیادہ گندے الزام ان پر لگاؤ گے۔ اگر مولوی محمد علی صاحب سے تم نے یہ کہا تھا کہ وہ سولہ ہزار روپیہ کھا گئے ہیں تو تھوڑے دنوں ہی میں مولوی صدر الدین صاحب مولوی عبدالمنّان اور مولوی عبدالوہاب کے متعلق یہ کہو گے کہ یہ بتیس تیتیس ہزار روپیہ کھا گئے ہیں ان کے احسانات خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب سے زیادہ نہیں۔ پھر ان کی قابلیت بھی اِن جیسی نہیں وہ دونوں غلام رسول ۳۵ اور عبدالمنان سے زیادہ عالم تھے اور تم پر ان کے احسانات تھے اِن میں ایک نے انگلینڈ میں مشن قائم کیا اور دوسرے نے قرآن کریم کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا۔ لیکن تمہاری تنظیم اور تمہارا روپیہ ان کے کسی کام نہ آیا تم نے ان کی زندگی ہی میں ان کی مخالفت کی۔ انہیں مرتد قرار دیا ان میں سے ایک پر یہ الزام لگایا کہ اس نے جماعت کا سولہ ہزار روپیہ کھا لیا ہے اور تم نے اسے اتنا دکھ دیا کہ اس نے مجبور ہو کر مرتے وقت وصیت کی کہ فلاں فلاں شخص میرے جنازہ کو ہاتھ نہ لگائیں۔ پس تمہاری تو یہ حالت ہے کہ تم نے اپنے محسن اور جماعت کے بانی مولوی محمد علی صاحب کو بھی دُکھ دیا۔ اور انہیں مرتد قرار دیا۔ تم نے خواجہ کمال الدین صاحب کی بھی مخالفت کی اور انہیں مرتد قرار دیا۔ اور اب مولوی صدر الدین صاحب، مولوی عبدالمنان صاحب مولوی عبدالوہاب صاحب اور ان کے ساتھیوں کی بھی کسی دن باری آجائے گی اور تھوڑے دنوں میں تم دیکھ لوگے کہ انہیں بھی مرتد قرار دیا جا رہا ہے فرق صرف یہ ہے کہ مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب

کی باری پہلے آگئی تھی۔ اور ان کی باری بعد میں آئے گی۔ بہر حال اس مضمون نے بتا دیا کہ یہ لوگ جب کہتے تھے کہ ہمارا اس فتنہ سے کوئی تعلق نہیں تو جھوٹ بولتے تھے۔ کیونکہ اگر ان کا اس فتنہ سے کوئی تعلق نہیں تھا تو اب انہوں نے اپنا نظام اور اپنا روپیہ اور اپنا اسٹیج ان لوگوں کے لیے کیوں وقف کرنے کا اعلان کیا ہے۔ یہ بات بتاتی ہے کہ پہلے جھوٹ بول کر انہوں نے اپنے فعل پر پردہ ڈالنا چاہا مگر آخر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس پردہ کو چاک کر دیا۔ اور بتا دیا کہ ان کے اندرونی عزائم کیا ہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ :۔ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ اَكْبَرُ[1] ان کا غصہ ان کے مونہوں سے نکل آیا ہے۔ لیکن جو غصہ ان کے دلوں میں چھپا ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہے مگر اس کے علاوہ ان کا یہ مضمون میری سچائی کی بھی ایک واضح دلیل ہے۔ کیونکہ تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں اس کے متعلق ایک رؤیا الفضل میں شائع کروا چکا ہوں جو ان کے اس اعلان سے لفظاً لفظاً پورا ہو گیا ہے۔ انہوں نے اپنے مضمون میں مجھے یہ طعنہ بھی دیا ہے کہ میں اپنے رؤیا و کشوف اور الہامات کو وحیٔ نبوت کا درجہ دے رہا ہوں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اگر کسی رؤیا کے پورا ہونے پر کوئی اعتراض ہو تو اُن کا حق ہے کہ وہ اسے پیش کریں لیکن اگر کوئی رؤیا پوری ہو جائے تو اس کے متعلق یہ کہنا کہ اُسے وحیٔ نبوت کا مقام دیا جا رہا ہے۔ اس بزدل فوجی کی سی حماقت ہے جو بھاگا جا رہا تھا اور اپنے زخم پر ہاتھ لگا کر کہتا جاتا تھا کہ یا اللہ یہ خواب ہی ہو یہ لوگ بھی دیکھتے ہیں کہ فلاں رؤیا یا کشف پورا ہو گیا ہے لیکن چونکہ ان کا دل اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا اس لئے کہہ دیتے ہیں کہ یا اللہ یہ جھوٹ ہی ہو۔ حالانکہ جو بات پوری جائے اسے جھوٹا کون کہہ سکتا ہے جو بات واقعہ میں پوری ہو جائے اسے جھوٹا کہنے والا پاگل ہی ہو سکتا ہے اگر ہم ایک خواب کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ پوری ہو گئی تو تم اس کے متعلق یہ تو کہہ سکتے ہو کہ تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے وہ خواب پوری نہیں ہوئی۔ لیکن جو خواب پوری ہو گئی ہے اس کے متعلق یہ کیوں کہتے ہو کہ اسے وحیٔ نبوت کا مقام دیا جا رہا ہے۔ یہ تو ویسی ہی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ تم سورج کو سورج کیوں کہتے ہو۔ تم زمین کو زمین کیوں کہتے ہو۔

---

[1] آل عمران آیت : ۱۱۹

تم دریا کو دریا کیوں کہتے ہو تم لوگ بے شک سورج کو چھچھوندر کہدو۔ دریا کو پیشاب کہدو پہاڑ کو کنکر کہدو یہ تمہاری مرضی ہے۔ ہم لوگ سچ کو سچ کہیں گے۔ سورج کو سورج کہیں گے دریا کو دریا کہیں گے اور پہاڑ کو پہاڑ کہیں گے۔ مَیں نے بتایا ہے کہ مَیں نے ایک رؤیا دیکھی تھی اور وہ رؤیا الفضل میں بھی چھپ چکی ہے اس سے پتہ لگتا ہے کہ "پیغام صلح" کا یہ لکھنا کہ اے ربوہ کے باغیوں ہمارا نظام ہمارا روپیہ اور ہمارا اسٹیج تمہارے لیے حاضر ہے ہم تمہاری پوری پوری مدد کرینگے اس رؤیا کی صداقت کو ظاہر کر رہا ہے۔ مَیں نے خواب میں دیکھا تھا کہ خدا تعالیٰ کے ملائکہ ربوہ کے اوپر سارے جو مَیں وہ آیتیں پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں جو قرآن شریف میں یہودیوں اور منافقوں کے لیے آئی ہیں اور جن میں یہ ذکر ہے کہ اگر تم کو مدینہ سے نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ہی مدینہ سے نکل جائیں گے اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم بھی تمہارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑائی کریں گے۔ لیکن قرآن کریم منافقوں سے فرماتا ہے کہ نہ تم یہودیوں کے ساتھ مل کر مدینہ سے نکلو گے اور نہ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑو گے یہ دونوں جھوٹے وعدے ہیں اور صرف یہودیوں کو انگیخت کرنے کے لیے ہیں چنانچہ دیکھ لو پہلے تو پیغامیوں نے کہا کہ ہمارا اس فتنہ سے کوئی تعلق نہیں لیکن اب وہ منافقوں کو ہر ممکن مدد دینے کا اعلان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا روپیہ اور ہماری تنظیم اور ہمارا اسٹیج سب کچھ تمہارے لیے وقف ہے وہی کچھ کر رہے ہیں جو خواب میں بتایا گیا تھا۔ لیکن ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرے گا کہ وہ اس مدد کے اعلان سے پیچھے ہٹ جائیں گے اور ان لوگوں سے بے تعلق ہو جائیں گے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہی منشاء ہے کسی بڑے آدمی کی طرف منسوب ہونا۔ ان باغیوں کو کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اور "پیغام صلح" والے اپنے وعدے جھوٹے ثابت کرینگے۔ اور کبھی وقت پر ان کی مدد نہیں کریں گے غرض "پیغام صلح" کا یہ مضمون اس بات کی شہادت ہے کہ میری یہ رؤیا پوری ہو گئی ہے اور اس کا یہ کہنا کہ مَیں اپنی خوابوں کو وحی نبوت کا مقام دیتا ہوں جھوٹ ہے صرف ایک سچی بات کو سچی کہا گیا ہے اور اگر کوئی شخص کسی سچی بات کو جھوٹ کہتا ہے تو وہ خود کذاب ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کو بھی دنیا جھوٹا کہتی تھی۔ لیکن دیکھ لو کس طرح خدا تعالیٰ ایک جماعت کو آپ کے پاس کھینچ لایا۔ اور دنیا نے مان لیا کہ آپ کے الہامات کو جھوٹا کہنے والے خود جھوٹے تھے۔

ابھی مجھے ایک انگریز نومسلم نے لکھا ہے کہ آپ کے وہ رؤیا کشوف جواب تک پورے ہو چکے ہیں انہیں ایک رسالہ کی صورت میں شائع کرائیں تاکہ ہم دنیا کو بتا سکیں کہ خدا تعالیٰ اب بھی کلام کرتا ہے اور اپنے بندوں کو غیب پر آگاہ کرتا ہے۔ چنانچہ میں نے مولوی دوست محمد صاحب کو کہا ہے کہ وہ ایسی خوابوں اور الہامات کو جمع کریں[1] تاکہ انہیں شائع کیا جا سکے اور دنیا کو بتایا جائے کہ وحی و کشوف کا سلسلہ بند نہیں ہو گیا بلکہ وہ اب بھی جاری ہے اور خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو غیب پر اطلاع دیتا ہے اب دیکھو یہ کتنی عجیب بات ہے کہ غیر مبائعین تو کہتے ہیں کہ میں اپنے الہامات اور خوابوں کو وحی نبوت کا درجہ دے رہا ہوں۔ لیکن وہ ہزار میل سے ایک انگریز نومسلم مجھے لکھتا ہے کہ آپ اپنی خوابوں اور الہامات کو جلد شائع کرائیں۔ تاکہ ہم دنیا کے سامنے انہیں حجت کے طور پر پیش کر سکیں اور اسے بتا سکیں کہ خدا تعالیٰ اب بھی اپنے بندوں کو غیب پر اطلاع دیتا ہے[2]

دو ممتاز صحافیوں کے سفارشی خطوط اور حضرت مصلح موعود

پاکستان کے ممتاز صحافیوں میں سے جناب میاں محمد شفیع صاحب مدیر "اقدام" اور مولانا عبدالمجید سالک سابق ایڈیٹر "انقلاب" نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں سفارشی خطوط لکھے کہ میاں عبدالوہاب صاحب عمر کو معاف کر دیا جائے۔ ان حضرات کے حضرت مصلح موعود کیساتھ دیرینہ ذاتی تعلقات تھے۔ مگر معاملہ چونکہ جماعتی نظام کا تھا۔ اس لیے حضور نے اپنے ذاتی روابط و مراسم پر خدا کے سلسلہ کو مقدم رکھا اور حضور کی ہدایت پر مندرجہ ذیل مکتوبات پرائیویٹ سیکرٹری عبدالرحمٰن صاحب انور کی طرف سے بھجوائے گئے۔

میاں محمد شفیع صاحب۔ مالک رسالہ "اقدام" لاہور۔

---

[1] یہ مجموعہ "المبشرات" کے نام سے شائع ہو چکا ہے (ناقل)

[2] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۶ نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۴

آپ کی چھٹی جو آپ نے مولوی عبدالوہاب صاحب کے متعلق لکھی تھی بحضور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز پیش کر دی گئی۔

محاورہ ہے کہ "اھلُ البَیْتِ اَدْرٰی بِمَا فِی البَیْتِ"۔ یعنی گھر والے لوگ، دوسروں سے اپنے گھر کا حال زیادہ جانتے ہیں اس لیے آپ کی ناپسندیدگی۔ اور ان کی پسندیدگی کو ہم زیادہ جانتے ہیں۔ بہرحال آپ کے خط کا شکریہ مگر آپ کا خط ہمارے خیالات کو بدل نہیں سکتا کیونکہ جس طرح آپ جماعت سے متعلق نہیں اور آپ کو جماعت کی باتوں سے دلچسپی نہیں اسی طرح ہم کو آپ کے مذہبی خیالات سے اتفاق نہیں۔ اس وجہ سے ہمیں بھی آپ کے تاثرات سے کوئی زیادہ دلچسپی نہیں۔

خاکسار عبدالرحمٰن انور ۵۶/۸/۹

محترم عبدالمجید صاحب سالک

آپ کی چھٹی محررہ یکم اکتوبر ۵۶ء حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کے ملاحظہ میں آئی۔ حضور نے فرمایا۔ عبدالوہاب کو پتہ ہے آپ تیسرے آدمی ہیں۔ عبدالوہاب کے متعلق ثابت شدہ ہے کہ وہ احراریوں سے ملتے رہے ہیں۔ ابھی تازہ رپورٹ بھی کوئٹہ سے آئی ہے کہ وہ احراریوں سے بھی ملتے رہے ہیں۔ احراریوں سے ملنے والی خبر اخبار میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ اور یہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ کسی طرح اس وقت پردہ پڑ جائے اور پھر فساد اٹھائیں میرے پاس باقاعدہ اطلاعیں آرہی ہیں کہ عبدالوہاب کے پاس غیر مبائع، غلام رسول نمبر ۳۵ اور بہت سے مخالف لوگ آتے ہیں مشکل یہ ہے کہ میں بیمار رہوں اور کام بھی بہت ہے اس لیے ہر رپورٹ کی نقل آپ کو نہیں بھجوا سکتا۔ آپ کو صرف اتنا ہی پتہ لگتا ہے جو الفضل میں چھپتا ہے اور اپنی کم فرصتی کی وجہ سے آپ الفضل بھی سارا نہیں پڑھتے۔ اگر پڑھتے تو آپ کو بہت ساری باتیں پتہ لگ جاتیں۔ ابھی کوئی بیس خط میں نے دبا کر رکھے ہوئے ہیں ان میں سے ایک خط کویت کے ڈائریکٹر آف امپورٹ ایکسپورٹ کا ہے۔ جو اپنی تائید میں ڈاکٹر ریاض قدیر اور پروفیسر اقبال صاحب کا نام بھی لکھتا ہے۔ اسی طرح ایک شہادت مسلم کانفرنس کشمیر کی ورکنگ کمیٹی کے ایک ممبر کی بھی ہے۔ پھر آپ تو اخبار نویس بھی ہیں۔ کبھی کبھی پیغام صلح بھی پڑھتے ہو نگے۔ کیا اس میں نہیں آپ دیکھتے کہ کس طرح متواتر جھوٹ عبدالوہاب صاحب کے والد مرحوم مغفور

کے متعلق بولا جاتا ہے ۔ گر وہاب صاحب کو اس کی تردید کی توفیق نہیں ملی ۔ جو شخص اپنے باپ پر افتراء کی تردید نہیں کر سکتا ۔ اس پر اور کوئی شخص کس طرح اعتبار کر سکتا ہے ۔ پھر سفینہ میں چھپا ہے ہمارے پاس امۃ الحی مرحومہ کے خط ہیں جو اپنے خاوند کے خلاف ہیں امۃ الحی مرحومہ وہاب کی بہن تھی جس شخص نے اپنی وفات یافتہ بہن کی ذلّت کو اس لیے برداشت کیا ہے تاکہ میں بدنام ہو جاؤں ۔ آپ کہتے ہیں میں اس پر اعتبار کروں یہ کیسی عجیب بات ہے ۔ یقیناً "سفینہ" کا وہ بیان وہاب یا وہاب کے دوستوں کی طرف سے ہے ورنہ ایک بتیس سالہ وفات یافتہ عورت کے متعلق بہتان طرازی کی جرأت کوئی اخبار کر ہی کس طرح سکتا ہے ؟ ۔ اگر رشتہ دار ساتھ ملے ہوئے ہوں اور وعدہ کرتے ہوں کہ وہ خط شناخت کے متعلق تائید کریں گے تب اور صرف تب کسی اخبار کو جرأت ہو سکتی ہے ۔

والسلام

فصل چہارم

مولوی عبدالمنان صاحب عمرؔ کا افسوس ناک رویّہ

فتنہ منافقین سے متعلق حضرت مصلح موعود کے ابتدائی پیغامات پرمشتمل اخبار الفضل کے پرچے بذریعہ ڈاک امریکہ پہنچے تو چوہدری خلیل احمد صاحب ناصرؔ انچارج احمدیہ مسلم مشن امریکہ نے مبلغ نیویارک مکرم مولوی نورالحق صاحب انورؔ کو ہدایت کی وہ فوراً بوسٹن پہنچیں جہاں مولوی عبدالمنان صاحب عمرؔ ۲۱ راگست ۱۹۵۶ء تک ٹھہرے تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف نیویارک سے ، راگست ۱۹۵۶ء کی شام کو بوسٹن پہنچے اور انہیں اخبار الفضل کے تازہ پرچے پڑھنے کے لیے دیئے۔ مولوی نورالحق صاحب انورؔ کا بیان ہے کہ :-

”پڑھ کر انہوں نے بجائے اظہارِ ندامت کے کچھ اظہارِ ناراضگی سا کیا اُن کی باتوں کا خلاصہ یہ تھا کہ بات دراصل کچھ بھی نہیں چوہدری اسداللہ خانصاحب کی مولوی عبدالوہاب صاحب عمرؔ سے ناراضگی ہے جس کا بدلہ چوہدری صاحب نے اس صورت میں لیا ہے۔ مَیں نے انہیں کہا کہ یہاں تو چوہدری صاحب کا سوال نہیں اصل گواہی تو حاجی نصیرالحق صاحب کی ہے۔ کہنے لگے ہوسکتا ہے کہ مولوی عبدالوہاب صاحب نے بات بے احتیاطی سے کی ہو بہرحال وہ میرے بھائی ہیں۔ مَیں انہیں جانتا ہوں وہ بے احتیاطی سے بات تو کرسکتے ہیں لیکن پیغامیوں[1] یا منافقوں کے آلۂ کار نہیں ہوسکتے۔ ان کی کسی چھوٹی سی بات

[1] مولوی نورالحق صاحب انورؔ نے ۲۵ راگست ۱۹۵۶ء کے مراسلہ میں حضرت مصلح موعود کی خدمت میں جولائی ۱۹۵۶ء کے اس واقعہ کی اطلاع دی کہ بالٹن میں باتوں باتوں میں مولوی صاحب نے مجھے کہا کہ پیغامی اکابرین ان کے ساتھ خاص تعلق رکھتے ہیں ایسا تعلق جماعت کے لوگ بھی نہیں رکھتے اور یہ کہ ربوہ میں بھی پیغامیوں نے یہ تعلق نہیں توڑا اور بعض اوقات پشاور سے ربوہ تک کا سفر پیغامی محض میری ملاقات کی خاطر کرتے تھے (ریکارڈ خلافت لائبریری)

کو لے کر بننگر بنالیا گیا ہے ۔

ان کی باتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ رکھا کے تعلقات ان سے اور مولوی عبدالوہاب سے دیرینہ ہیں چنانچہ قادیان سے آکر ربوہ میں اللہ رکھا مولوی عبدالمنان صاحب کو ملا اور انہیں کہا کہ وہ اسے کوئی نوکری تلاش کر دیں ۔

نیز ان کی باتوں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مولوی عبدالوہاب صاحب عمر ان کے ساتھ بھی اس قسم کی گفتگو کرتے رہے ہیں لیکن مولوی عبدالمنان صاحب کہنے لگے کہ میرے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ حضور بیمار ہیں اور حضور پر کام کا بوجھ بہت زیادہ ہے اس لیے حضور کسی کو اپنا قائم مقام بنا دیں جو کام سنبھالے اسی طرح تفسیر کبیر کے درس کے متعلق کہنے لگے کہ مولوی عبدالوہاب صاحب عمر کہا کرتے تھے کہ بہت سے لوگ اسے سمجھ نہیں سکتے کیونکہ یہ بہت گہری علمی باتوں پر مشتمل ہے اس کی بجائے عام درس ہونا چاہیئے بہر حال مولوی عبدالمنان صاحب عمر کی گفتگو سے ظاہر تھا کہ وہ بجائے اپنے بھائی کے فعل پر اظہار ندامت کرنے کے ان کی طرف سے رہے ہیں"[1]

مولوی عبدالمنان صاحب امریکہ سے ستمبر ۱۹۵۶ء کے پہلے ہفتہ میں ربوہ پہنچے ۔ حضرت مصلح موعود نے ۱۴ ستمبر ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں نہایت واضح لفظوں میں ان کی راہ نمائی فرمائی کہ فتنہ میں ملوث افراد کے لیے معافی اور توبہ کا رستہ کھلا تھا وہ کھلم کھلا لکھتے کہ میں ایک خلیفہ کی موجودگی میں خلافت کے امیدوار پر لعنت بھیجتا ہوں اور اس کو اسلام اور احمدیت کی تعلیم کے بالکل خلاف سمجھتا ہوں اسی طرح اور باتیں جو سلسلہ کے خلاف لکھی ہیں ان کی تردید کرتے اور اگر دوسرے اخبار نہ چھاپتے تو اخبار الفضل میں بھجواتے اور اگر الفضل نہ چھاپتا تو میرے پاس شکایت کرتے کہ اب ہمارے لیے کون سا رستہ کھلا ہے "[2]

یہ خطبہ الفضل میں چھپا تو چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ہیگ سے حضور کی خدمت میں لکھا کہ :-

---

[1] مکتوب مولوی نور الحق صاحب انور - از نیویارک ۱۰ اگست ۱۹۵۶ء (ریکارڈ خلافت لائبریری) [2] الفضل ۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۵، ۶

"مولوی عبدالمنان صاحب کا دوسرا خط خاکسار کے نام آیا ہے اس خط میں انہوں نے اس عریضہ کی نقل بھیجی ہے جو انہوں نے حضور کی خدمت اقدس میں ربوہ پہنچنے کے بعد گزارش کیا۔ حضور کے اعلان سے جو الفضل میں چھپا تھا خاکسار نے اخذ کیا کہ اس میں ان کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر مولوی عبدالمنان صاحب کو خاکسار نے لکھا ہے کہ حضور کے اعلان نے ایک بہت صاف اور سیدھی راہ دکھا دی ہے اور امید ظاہر کی ہے کہ انہوں نے فوراً اس اعلان کے مطابق اُن سب امور کی تردید شائع کرا دی ہوگی جو ان کے یا ان کے عزیزوں کے متعلق کہے گئے ہیں یا جن کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ خاکسار نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل نے خلافت کے بنیادی مسائل مثلاً خلیفہ خدا بناتا ہے۔ انجمن یا افراد نہیں بناتے۔ خلیفہ معزول نہیں ہو سکتا۔ ایک خلیفہ کی زندگی میں اُسی کے جانشین کے متعلق بحث یا تذکرہ موجب فساد اور بغاوت کی راہ ہے وغیرہ اس قدر وضاحت سے بیان فرما دیئے تھے کہ اس وضاحت کے ہوتے ہوئے انہیں پھر زیر بحث لانا موجب حیرت اور افسوس ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اگر انہوں نے امریکہ میں کہا کہ مولوی عبدالوہاب صاحب کی مراد فقط یہ تھی کہ حضور کو دو معاون دیدیئے جائیں تو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کہنا پڑتا ہے جماعت کے تمام مخلصین حضور کے خادم ہیں۔ پھر انجمن۔ تحریک۔ مختلف ادارات نظارتیں۔ وکالتیں۔ مفتی قاضی۔ امیر۔ کارکن سب حضور نے کام لینے کے لیے جاری فرمائی ہوئی ہیں تو "معاون دیدیئے جائیں" لغو اور بے معنی ہے پھر کون معاون دیدے؟ اور کیا دیدے؟۔ جب سب ہی حضور کے فرمان کے تابع ہیں تو دینے والا کون اور جو چیز پہلے ہی حضور کے تابع فرمان ہے اُسے دینا کیا معنی؟۔ خاکسار نے ان کے دونوں خطوں کا جواب پہلے تو نہیں دیا تھا لیکن حضور کا اعلان پڑھنے کے بعد اور پھر حضور کا والا نامہ پہنچنے پر خیال ہوا کہ ممکن ہے انہیں فائدہ پہنچ سکے اس لیے خاکسار نے انہیں لکھ دیا۔ اطلاعاً گزارش خدمتِ اقدس ہے۔ والسلام

حضور کا غلام

طالب دعا خاکسار ظفر اللہ خان"

جناب میاں عبدالمنان صاحب عمر نے پاکستان پہنچنے کے بعد اوّلین قدم یہ اٹھایا کہ بجائے منافقین اور غیر مبائعین سے اظہار بیزاری کے اخبار "پیغام صلح" ۲۷ / اکتوبر ۱۹۵۶ء میں ایک مضمون شائع

کرادیا جو خالصۃً انگیزی کا شاہکار تھا۔ جس میں حضرت مصلح موعود کی خلافتِ حقّہ سے واضح طور پر اظہارِ وفاداری کرنے کی بجائے اپنا عقیدہ ایسے پُرپیچ الفاظ میں لکھا جس پر ہر غیر مبائع اور ہر غیر احمدی بآسانی دستخط کر سکتا ہے چنانچہ لکھا :۔

"میرا یہ عقیدہ ہے کہ ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے کے متعلق تجویز خواہ وہ اس کی وفات کے بعد کے لیے ہی کیوں نہ ہو حتماً ناجائز ہے۔ خلافت حقہ اپنے ساتھ بے انتہا برکتیں رکھتی ہے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اس کے اوپر ہوتا ہے وہ جماعتی اتحاد وائتلاف کے قیام اور الٰہی نور کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ لیکن جو خلافت منصوبوں، سازشوں، چالبازیوں اور ظاہر یا مخفی تدبیروں سے قائم کی جائے وہ اپنی ساری برکتیں کھو دیتی ہے۔ اسے اقتدار اور حکومت کا نام تو دیا جا سکتا ہے۔ اسے یزیدی خلافت تو کہا جا سکتا ہے لیکن وہ خلافتِ راشدہ نہیں ہو سکتی نہ اس کی برکات سے اسے حصہ ملتا ہے۔" (پیغام صلح ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۶ء صـ۳)

اس مضمون کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے :۔

ربوہ ۔ مؤرخہ ۱۲ صفر ۱۳۷۶ھ

مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۵۶ء بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب "پیغام صلح"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مہربانی فرما کر منسلکہ بیان اپنے اخبار کی قریبی اشاعت میں درج کر کے ممنون فرمائیں۔ والسلام

خاکسار عبدالمنان عمر

انٹرنیشنل سیمینار ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ، میں شرکت کے بعد یہ عاجز ابھی حال ہی میں واپس آیا ہے۔ اخبار الفضل کے کچھ پرچے کیمبرج میں ملے تھے۔ بقیہ میں نے یہاں آکر دیکھے اسی طرح مجھے یہاں آکر ہی "ٹائمز آف کراچی"، "پاکستان ٹائمز" "پیغام صلح" "نوائے پاکستان"، اور "چٹان" وغیرہ اخبارات دیکھنے کا موقع ملا۔

مجھے یہ معلوم کر کے بہت ہی دُکھ ہوا کہ جماعت احمدیہ میں مسئلہ خلافت کے متعلق کچھ فتنہ اور خلفشار پیدا ہوا ہے۔ یہ امر بھی میرے رنج والم کا موجب ہوا کہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا میرا بھی اس فتنہ میں کچھ ہاتھ ہے۔ بعض لوگوں کی بدظنیوں۔ قیاس آرائیوں مفروضات اور غلط بیانیوں

کے علاوہ اس سراسر افتراء اور جھوٹ کو ہوا دینے کا موجب یہ امر بھی ہوا ہے کہ کہا گیا ہے کہ آئندہ خلافت کے لیے ایک اُمیدوار اور مستحق میں بھی ہوں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ جن لوگوں نے میرا نام لیا۔ وہ ہرگز میرے حقیقی واقف اور دوست نہیں۔ اگر وہ مجھ سے پُورے طور پہ آگاہ ہوتے اور میری کمزوریوں، کوتاہیوں، غلطیوں، بے عملیوں، بے خبریوں، غفلتوں اور جہالتوں پہ ان کی نظر ہوتی تو وہ ہرگز میرا نام نہ لیتے۔ مَیں تو ایک حقیر اور کمزور انسان ہوں۔

میرا یہ عقیدہ ہے کہ ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے کے متعلق تجویز خواہ وہ اس کی وفات کے بعد کے لیے ہی کیوں نہ ہو حتماً ناجائز ہے۔ خلافتِ حقّہ اپنے ساتھ بے انتہا برکتیں رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُس کے اُوپر ہوتا ہے وہ جماعتی اتحاد و ائتلاف کے قیام اور الٰہی نور کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ لیکن جو خلافت منصوبوں، سازشوں، چالبازیوں اور ظاہر یا مخفی تدبیروں سے قائم کی جائے وہ اپنی ساری برکتیں کھو دیتی ہے۔ اسے اقتدار اور حکومت کا نام تو دیا جا سکتا ہے اسے یزیدی خلافت تو کہا جا سکتا ہے لیکن وہ خلافتِ راشدہ نہیں ہو سکتی۔ نہ اس کی برکات سے اسے حصّہ ملتا ہے۔

پس مَیں صاف صاف اور واشگاف الفاظ میں اس حقیقت کو بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ایسی کسی سازش اور منصوبہ بندی سے میرا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ نہ مَیں خلافت کا متمنّی ہوں اور نہ اس کے لیے مَیں نے کسی فرد، پارٹی یا جماعت کے ساتھ کوئی سازش اور منصوبہ بنایا۔ نہ اس غرض کے لیے کسی پارٹی کو تشکیل دی اور نہ ایسی باتوں کو جائز سمجھتا ہوں۔

مجھے اُمید ہے کہ اس صاف اور واضح بیان کے بعد اب کسی خدا ترس انسان کے دل میں جس کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں جس کا دل انصاف کر سکتا اور جس کی عقل سوچ سکتی ہے یہ غلط فہمی نہیں رہے گی کہ موجودہ جھگڑے کیساتھ میرا بھی کوئی تعلق ہے۔

مَیں اپنے اس یقین کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعودؑ کے نام کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزّت کے ساتھ قائم رکھے گا اور آپ کی دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا۔ اور یہ کہ آپ اپنے تمام دعاوی میں سچّے تھے۔

آخر میں مَیں اپنے مولیٰ ہی کو پکارتا ہوں کہ وہ ہم پہ اپنا رحم نازل کرے۔ ہمارے گناہوں کو

بخش دے۔ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائے، آلودگیوں اور آلائشوں کے ہر دھبہ کو ہم سے دُور کر دے۔ اپنے قرب کی راہیں عطا کرے ہر طرح ہمارا حافظ و ناصر ہو، اور ہر قسم کے فتنوں اور ابتلاؤں کے بُرے انجام سے بچائے۔ وہ ہم سے اور ہم اُس سے راضی ہوں۔ وہ اپنی رحمت کا ہاتھ بڑھا کر ہماری جان میں اپنی گہری طلب پیدا کر دے۔ علم و عمل کی طاقتیں بخشے اور ایسا پانی نازل کرے جو دلوں کی کدورتوں کو دھو دے۔ اور اسلام۔ قرآن مجید اور پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم (جو اپنی قوتِ قدسیہ اور تکمیل خُلق میں اکمل و اتم ہیں ہمارا جان و مال اس وجودِ اقدس پر قربان) کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ کہ ہم اسی راہ کی خاک ہیں۔

خاکسار عبدالمنان عمر

مؤرخہ ۱۲ صفر ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۷ ستمبر ۱۹۵۶ء"[1]

اس پہلو دار اور مبہم بیان نے جماعت کے تمام حلقوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اور ان پر روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت خلیفہ اوّل کے اس صاحبزادے کی تمام تر ہمدردیاں بھی غیر مبائع اصحاب سے ہیں جو ساری عمر اُن کے مقدس والد اور اُن کی خلافت کے خلاف نبرد آزما رہے۔ یہ سوال بھی پیدا ہوا۔ کہ جو لوگ عداوتِ محمود میں یہاں تک بڑھ چکے ہیں کہ حضرت مصلح موعود کی ذات والاصفات کے بارے میں کوئی کلمۂ خیر لکھنا برداشت نہیں کر سکتے تھے، مولوی عبدالمنّان صاحب کے بیان کو نہایت طمطراق کے ساتھ جلی حروف میں شائع کرنے پر آمادہ کیسے ہو گئے جبکہ مولوی صاحب کا عقیدہ اُن کے ذاتی نظریات سے ہم آہنگ نہیں تھا۔

حضرت مصلح موعود نے مولوی صاحب کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"عبدالمنان کو ہی دیکھ لو جب وہ امریکہ سے واپس آیا تو مَیں نے مری میں خطبہ پڑھا اور اس میں مَیں نے وضاحت کر دی کہ اتنے امور ہیں وہ ان کی صفائی کر دے تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ وہ یہاں تین ہفتے بیٹھا رہا لیکن اس کو اپنی صفائی پیش کرنے کی توفیق نہ ملی صرف اتنا لکھ دیا کہ مَیں تو آپ کا وفادار ہوں۔ ہم نے کہا ہم نے تجھ سے وفاداری کا عہد

---

[1] پیغام صلح ۳ اکتوبر ۱۹۵۶ء صہ۲

کرنے کا مطالبہ نہیں کیا ۔ ہمیں معلوم ہے کہ پیغامی تمہارے باپ کو غاصب کا خطاب دیتے تھے وہ انہیں جماعت کا مال کھانے والا اور حرام خور قرار دیتے تھے تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ میں ان پیغامیوں کو جانتا ہوں یہ میرے باپ کو گالیاں دیتے تھے یہ آپ کو غاصب اور منافق کہتے تھے میں ان کو قطعی اور یقینی طور پر باطل پر سمجھتا ہوں ۔ مگر اس بات کا اعلان کرنے کی اسے توفیق نہ ملی پھر اُس نے لکھا کہ میں خلافتِ حقہ" کا قائل ہوں اسے یہ جواب دیا گیا کہ اس کے تو پیغامی بھی قائل ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ ہم خلافت حقہ کے قائل ہیں لیکن ان کے نزدیک خلافت حقہ اس نبی کے بعد ہوتی ہے جو بادشاہ ہو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بادشاہ بھی تھے اسلیے ان کے نزدیک آپ کے بعد خلافتِ حقہ جاری ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے لیکن مرزا صاحب چونکہ بادشاہ نہیں تھے اس لیے آپ کے بعد وہ خلافت تسلیم نہیں کرتے ۔ پس یہ بات تو پیغامی بھی کہتے ہیں کہ وہ خلافتِ حقہ" کے قائل ہیں تم اگر واقعی جماعت احمدیہ میں خلافتِ حقہ" کے قائل ہو تو پھر یہ کیوں نہیں لکھتے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے بعد خلافت کو تسلیم کرتا ہوں اور جو آپ کے بعد خلافت کے قائل نہیں انہیں لعنتی سمجھتا ہوں، پھر تم یہ کیوں نہیں لکھتے کہ خلافتِ حقہ" صرف اُسی نبی کے بعد نہیں ہے جسے نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی مل جائے بلکہ اگر کوئی نبی غیر بادشاہ بھی ہو تب بھی اس کے بعد خلافتِ حقہ" قائم ہوتی ہے تمہارا صرف یہ لکھنا کہ میں خلافت حقہ" کا قائل ہوں ہمارے مطالبہ کو پورا نہیں کرتا ۔ ممکن ہے تمہاری مراد خلافتِ حقہ" سے یہ ہو کہ جب میں خلیفہ بنوں گا تو میری خلافت خلافتِ حقہ" ہوگی یا خلافتِ حقہ" سے تمہاری یہ مراد ہو کہ میں تو اپنے باپ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کی خلافت کا قائل ہوں، یا تمہاری یہ مُراد ہو کہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کا قائل ہوں ۔

بہر حال عبدالمنان کو امریکہ سے واپس آنے کے بعد ان امور کی صفائی پیش کرنے کی توفیق نہ ملی اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر وہ لکھدیتا کہ پیغامی لوگ میرے باپ کو غاصب، منافق اور جماعت کا مال کھانے والے کہتے ہیں میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں تو پیغامی اس سے ناراض ہو جاتے اور اس نے یہ امیدیں لگائی ہوئی تھیں کہ وہ اُن کی مدد سے خلیفہ بن جائے گا اور اگر وہ لکھدیتا کہ جن لوگوں نے خلافتِ ثانیہ کا انکار کیا ہے میں انہیں لعنتی سمجھتا ہوں تو اس کے وہ

دوست جو اس کی خلافت کا پراپیگنڈا کرتے رہے ہیں اس سے قطع تعلق کرتے اور وہ ان سے قطع تعلق پسند نہیں کرتا تھا اس لیے اُس نے ایسا جواب دیا جسے پیغام صلح نے بڑے شوق سے شائع کر دیا اگر وہ بیان خلافت ثانیہ کی تائید میں ہوتا تو پیغام صلح اسے کیوں شائع کرتا؟ اُس نے بھلا گزشتہ ۴۲ سال میں کبھی میری تائید کی ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ اُس نے جو مضمون لکھا ہے وہ ہمارے ہی خیالات کا آئینہ دار ہے اس لیے اسے شائع کرنے میں کیا حرج ہے؟ چنانچہ جماعت کے بڑے لوگ جو سمجھدار ہیں وہ تو الگ رہے مجھے کالج کے ایک سٹوڈنٹ نے لکھا کہ پہلے تو ہم سمجھتے تھے کہ شاید کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے۔ لیکن ایک دن میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ مجھے پتہ لگا کہ پیغام صلح میں میاں عبدالمنان کا کوئی پیغام چھپا ہے تو میں نے ایک دوست سے کہا میاں ذرا ایک پرچہ لانا وہ ایک پرچہ لے آیا میں نے وہ بیان پڑھا اور اسے پڑھتے ہی کہا کہ کوئی پیغامی ایسا نہیں جو یہ بات نہ کہہ دے یہ تردید تو نہیں اور نہ ہی میاں عبدالمنان نے یہ بیان شائع کرکے اپنی بریت کی ہے اس پر ہر ایک پیغامی دستخط کر سکتا ہے کیونکہ اس کا ہر فقرہ پیچیدہ طور پر لکھا ہوا ہے اور اسے پڑھ کر ہر پیغامی اور خلافت کا مخالف یہ کہے گا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔[1]

اتمام حجت

حضرت مصلح موعود چونکہ دل سے چاہتے تھے کہ مولوی عبدالمنان صاحب کسی طرح اس فتنہ سے بچ جائیں اس لیے آپ نے اتمام حجت کی کوئی کسر نہیں چھوڑی حضور نے نظارت امور عامہ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے ذریعہ ان کو بار بار اُن امور کی طرف متوجہ کیا جن کی واضح تردید ہونی ضروری ہے ایک صورت حضور نے یہ اختیار فرمائی کہ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور کو اجازت دی کہ ان سے ملاقات کرکے اصلاح احوال کی کوشش کریں اس سلسلہ میں حضور کا ایک اہم مکتوب درج ذیل کیا جاتا ہے۔

---

[1] الفضل ۲۴ اپریل ۱۹۵۷ء صـ۳

مکرمی شیخ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کو میرا خط مل گیا ہو گا کہ آپ کو منان سے ملنے کی اجازت ہے۔ اب میں ایک غلط فہمی دور کر دینا چاہتا ہوں۔ چونکہ منان صاحب ایک مہینہ سے زائد ہوا کہ امریکہ سے واپس آ چکے ہیں اور اس عرصہ میں میاں بشیر احمد صاحب کیونکہ ان کو لکھ چکے ہیں کہ کون کونسے امور کی صفائی انکے ذمہ ہے مگر باوجود اس کے انہوں نے صفائی نہیں کی اور انجمن کے رجسٹرات اس پر گواہ ہیں کہ وہ سلسلہ کے جس جس کام پر مقرر ہوئے ہیں اس کی بہت سی رقوم ابھی تک قابلِ تشریح ہیں اور بہت سی رقوم پر میاں عبدالمنان کے دستخط اب تک موجود ہیں اور میاں غلام غوث صاحب جموں نی اور چوہدری انور حسین صاحب شیخوپورہ کی معیّن گواہیاں موجود ہیں کہ انہوں نے خلافت کی امیدواری کا اظہار کر دیا اور یہ کہا کہ خلیفہ ثانی ناصر احمد کو اپنا ولی عہد بنا رہے ہیں۔ ان حالات کے بعد وہ توبہ بھی کریں اور ہمیں ان کی توبہ کے الفاظ سے اتفاق بھی ہو تو بھی انہیں اس طرح ہرگز نہیں معاف کیا جا سکتا کہ آئندہ وہ کسی جماعت کے ممبر ہو سکیں یا جماعت کے کسی عہدہ پر فائز ہو سکیں اس وقت کہ عشاء کے بعد کا وقت ہے میجر عارف الزمان لاہور سے آئے ہیں اور وہ بتاتے ہیں کہ میاں منان باقاعدہ مولوی صدر دین سے مل رہے ہیں اور ایک دن تو ملاقات رات کے دو بجے تک رہی اور لاہور کے کسی وکیل فضل علی غنی اور امیر احمد قدوائی سے قانونی مشورے لے رہے ہیں غالباً یہ امیر احمد قدوائی وہی ہے جس کی آپ نے ایک دفعہ میرے سامنے دعوت کی تھی کیونکہ وہ بھی وکیل اور قدوائی کہلاتا تھا۔ یہ حالات میری اوپر کی رائے کو اور بھی پکا کرتے ہیں۔ رجسٹرات اور میاں عبدالمنان کے دستخط ہمارے پاس موجود ہیں۔ شیخ محمد احمد صاحب گو آپ کے پائے کے وکیل تو نہیں مگر بڑے پائے کے وکیل ہیں انہوں نے سب کاغذات دیکھے ہیں اور یہ قطعی رائے دی ہے کہ گو بعض معاملات میں انجمن کے بعض افسروں کی سہل انگاری کی وجہ سے وہ فوجداری مقدمہ سے تو بچ گئے ہیں مگر رجسٹرات میں ان کے اپنے دستخطوں سے اتنا مواد موجود ہے کہ دنیا کے سامنے ان کی امانت کو مخدوش کرنے کے لیے کافی سے زیادہ ہے بعض واقعات میں کل کے خط میں لکھ چکا ہوں۔ بہر حال میں نے آپ کو اس لیے

وقت پر اطلاع دے دی ہے تاکہ آپ غلطی سے کوئی PROPOSAL بنا کر نہ بھجوا دیں اور پھر اس کے ردّ کرنے کی وجہ سے آپ کی دل شکنی نہ ہو بہر حال سلسلہ کے مفاد اور امانت اور دیانت کو حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد پر مقدم رکھا جائے گا اور صرف اتنی رعایت ان کے ساتھ ہو سکتی ہے کہ وہ دلیری کے ساتھ پیغامِ صلح کے افتراء کو ظاہر کریں اور اسی طرح اپنے دوستوں اور غیر احمدی اخباروں کے افترا کو۔ تو جماعت سے اخراج میں نرمی کر دی جائے۔ منان میں تو اتنا بھی ایمان نہیں پایا جاتا کہ وہ اجمیری کے اس جھوٹ کی تردید کرتا کہ مَیں نے کبھی وکلاء کے کمیشن مقرر کرنے کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ اس نے اس بات کا اظہار کیا کہ غلام رسول ۳۵ جو میری خلافت کا پروپیگنڈا کر رہا ہے اس کو مَیں نے ۵۱-۱۹۵۰ء میں سلسلہ کے روپے میں سے پچاس روپے دیئے تھے اور اس طرح کچھ رقم اجمیری کو دی تھی اور اس کے لیے ناصر احمد کی دشمنی کی یہ وجہ ہے کہ ناصر احمد نے یہ ساری بے ضابطگیاں انجمن کے سامنے رکھی تھیں۔

مرزا محمود احمد ۱۰/۵۶/ ۱۹ء

دنیا بھر کی احمدی جماعتوں اور صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی قرار دادیں

دنیائے احمدیت کی بہت سی جماعتوں مثلاً جماعتِ ربوہ، لاہور، راولپنڈی، منٹگمری (ساہیوال) کراچی۔ لائلپور (فیصل آباد) سرگودہا قادیان، حیدر آباد دکن، مصر، وغیرہ نے فتنہ منافقین میں ملوث افراد کے متعلق قرار دادیں پاس کیں کہ انہیں جماعت احمدیہ کا فرد تسلیم نہ کیا جائے۔ یہ قرار دادیں جب بغرض منظوری حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں ارسال کی گئیں تو حضور نے ان کو منظور فرما لیا۔ جس پر صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے بھی اپنے خصوصی اجلاس مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں یہ قرار داد پاس کی کہ فتنہ میں ملوث [1] افراد کو تسلیم نہ کیا جائے اور اگر کوئی جماعت اس کو اپنا ممبر سمجھے تو اس انجمن کا الحاق صدر انجمن احمدیہ ربوہ سے ٹوٹا ہوا سمجھا جائے اور اگر کوئی شخص نئی جماعت ایسی بنائے جو ان افراد کو اپنا ممبر تسلیم کرے

---

[1] فہرست: (۱) میاں عبد المنان صاحب عمرؔ (۲) میاں عبد الوہاب صاحب عمرؔ (۳) چوہدری غلام رسول صاحب ۳۵ (۴) ملک فیض الرحمٰن صاحب فیضی (۵) ملک عزیز الرحمٰن صاحب (۶) ملک عطاء الرحمٰن صاحب راحت (۷) چوہدری عبد الحمید صاحب ڈوہڈا (۸) راجہ بشیر احمد صاحب رازیؔ (۹) اللہ رکھا صاحب (باقی صـ۱۲۱)

یا جو افراد ایسے نکل آئیں جن کا تعلق مذکورہ بالا لوگوں میں سے کسی کے ساتھ ثابت ہو۔ اور وہ بھی فتنہ میں ملوّث پائے جائیں تو صدر انجمن احمدیہ کے اس فیصلہ کے مطابق ایسی انجمن بھی صدر انجمن احمدیہ کی شاخ نہیں بن سکے گی۔ اور جو حقوق صدر انجمن نے اپنی شاخوں کو دیئے ہیں۔ وہ ان سے محروم رہے گی۔ اور ایسے افراد بھی کسی ایسی جماعت کے ممبر نہیں سمجھے جائیں گے جس کا الحاق صدر انجمن احمدیہ کے ساتھ ہو۔

نیز فیصلہ ہوا کہ صیغہ نظارت علیا اس معاملے کی سختی سے نگرانی کرے کہ صدر انجمن احمدیہ کی کوئی شاخ یا مقامی جماعت کا کوئی فرد فیصلہ ہذا کی خلاف ورزی نہ کرے۔ اور اس فیصلہ میں رخنہ اندازی کا موجب نہ بنے۔

یہ بھی فیصلہ ہوا کہ مندرجہ بالا فیصلہ جات آخری منظوری کے لیے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں پیش کیے جاویں۔ اور حضور کی منظوری حاصل کرنے کے بعد مجلس شوریٰ میں بھی پیش کیا جائے۔ تاکہ ساری جماعت کی رائے براہ راست معلوم ہو سکے۔"

خاکساران

مرزا عزیز احمد (ناظر اعلیٰ) غلام محمد اختر (ناظر اعلیٰ ثانی) عبدالحق رامہ (ناظر بیت المال) فتح محمد سیال (ناظر اصلاح وارشاد) محمد الدین (ناظر تعلیم) خادم حسین (ناظر امور عامہ وخارجہ) مرزا داؤد احمد (ناظر حفاظت) جلال الدین شمس (ممبر) اسد اللہ خان (بیرسٹر ایٹ لاء ممبر) مرزا منور احمد (ناظر ضیافت) سیف الرحمٰن (ممبر) عبد السلام (وکیل الاعلیٰ تحریک جدید ممبر)

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا قرار داد ملاحظہ فرمانے کے بعد فرمایا: "منظور ہے"[1]

میاں عبدالمنان صاحب عمر کا مکتوب "کوہستان" میں

"پیغام صلح" کے بعد اخبار کوہستان (راولپنڈی) کی ۴ اور ۱۲ نومبر کی اشاعتوں میں بھی مولوی عبدالمنان صاحب عمر کا ایک خط چھپا جس کا عنوان تھا "قادیانی خلافت سے دستبرداری"

(بقیہ حاشیہ) (۱۰) محمد یونس صاحب مولوی فاضل (۱۱) چوہدری عبداللطیف صاحب بیگم پوری (۱۲) مولوی محمد حیات صاحب تاثیر (۱۳) مولوی علی محمد صاحب اجمیری

[1] روزنامہ الفضل ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱

اس خط میں بھی انہوں نے اگرچہ بظاہر حضرت مصلح موعود سے عقیدت و اخلاص کا اظہار کیا مگر نہ اپنے پر عائد شدہ الزامات کی وضاحت تھی نہ غیر مبائعین کے اعتراضات کا جواب تھا اور نہ ان منافقوں سے بیزاری کا اظہار تھا جو ان کو ساتھی قرار دیکر اُن کی "خلافت" کے حق میں پراپیگنڈا کر رہے تھے

امیر صوبائی پنجاب کے قلم سے اجمالی تفصیلات

اس مکتوب کا مقصد چونکہ محض اپنی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹنا اور احمدیوں کو مغالطہ دے کر ان کی ہمدردیاں حاصل کرنا تھا اس لیے مرزا عبد الحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودہا امیر صوبائی پنجاب کی طرف "مولوی عبد المنان صاحب کے کیس کی اجمالی تفصیلات" کے عنوان سے حسب ذیل مضمون بصورت ٹریکٹ شائع کیا گیا تا احباب جماعت پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے کہ مولوی عبد المنان صاحب عمر اب تک معافی کے اس صحیح اور مومنانہ طریق معافی سے گریزاں ہیں جن کی نشاندہی حضرت مصلح موعود اپنے خطبہ جمعہ ۱۴ ستمبر ۱۹۵۶ء میں فرما چکے تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مولوی عبد المنان صاحب نے آجتک اپنی صفائی کیلئے صحیح راہ اختیار نہیں کی

(احباب جماعت کی آگاہی کیلئے)

مولوی عبد المنان صاحب کے کیس کی اجمالی تفصیلات

مولوی عبد المنان صاحب عمر کا ایک خط بعنوان "قادیانی خلافت سے دستبرداری" حال ہی میں ایک مخالف اخبار "کوہستان راولپنڈی" اور "کوہستان لاہور" میں شائع ہوا ہے۔ اس خط میں مولوی صاحب نے بظاہر اپنے پہلے رویہ کے برعکس سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالے بنصرہ العزیز سے عقیدت کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ میں حضور کو مصلح موعود اور خلیفہ برحق یقین کرتا ہوں۔ چونکہ یہ خط محض ایک مخالف اخبار میں ہی شائع ہوا ہے اور حضور کی خدمت میں یا کم از کم نظارت امور عامہ میں انہوں نے نہیں لکھا۔ اس لیے مرکز کی طرف سے ایک سرکلر لیٹر کے ذریعہ

احباب جماعت پر اس خط کی حقیقت واضح کر دی گئی تھی۔ لیکن چونکہ پھر بھی جماعت کا کوئی ایسا فرد جسے حالات کی پوری واقفیت نہ ہو مولوی عبدالمنان صاحب کے اس خط سے کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے اس لیے میں نے بحیثیت صوبائی امیر خالصتاً اس نقطۂ نگاہ سے مولوی عبدالمنان صاحب کے کیس کو پڑھا ہے کہ تا میں اجمالی رنگ میں تمام واقعات احباب جماعت کی خدمت میں پیش کر سکوں اور انہیں صحیح صورتِ حال سے آگاہ کروں۔ سو ذیل میں چند امور بالترتیب لکھ رہا ہوں:۔

۱۔ فتنہ منافقین کا انکشاف جولائی کے آخری ہفتہ میں ہوا۔ ان دنوں مولوی عبدالمنان صاحب پاکستان سے باہر تھے۔

۲۔ ان کی عدم موجودگی میں کئی ایسی شہادتیں مل چکی تھیں اور بعض اخبار میں بھی شائع ہو چکی تھیں کہ

ا۔ اُن کے بھائی عبدالوہاب صاحب کہتے ہیں کہ اب خلیفہ بوڑھا اور کمزور ہو چکا ہے۔ اس لیے انہیں معزول کر کے کسی اور کو خلیفہ مقرر کرنا چاہیئے۔

ب۔ بعض منافقین نے علی الاعلان کہا کہ وہ مولوی عبدالمنان صاحب کے سوا آئندہ کسی اور کو خلیفہ ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں گے۔

ج۔ بعض منافقین نے کہا کہ نعوذ باللہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی خلافت کے لیے رستہ صاف کر رہے ہیں۔ اور اس غرض سے مولوی عبدالمنان صاحب کو جو خلافت کے مستحق اور امیدوار ہیں نظر انداز کیا جا رہا ہے اور جماعت میں اُن کو آگے آنے نہیں دیا جاتا۔ وغیرہ وغیرہ

یہ امور ایسے ہیں جو صرف شہادتوں کے ذریعہ "الفضل" میں ہی نہیں بلکہ اس سے پہلے اور اس کے بعد خود منافقین کی طرف سے بھی مخالف اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

۳۔ مولوی عبدالمنان صاحب ستمبر کے پہلے ہفتہ میں ربوہ میں واپس آ گئے۔ انہوں نے آ کر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں معافی کی درخواست کی اور کہا کہ اُن کا کسی سازش یا پارٹی سے تعلق نہیں ہے۔

۴۔ حضور ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے ان کو جواب دیا گیا کہ چونکہ وہ اتنا عرصہ

باہر رہے ہیں۔ انہیں یہاں کے حالات کا پورا علم نہیں ہے آئندہ پہلے وہ تمام اخبارات دیکھ لیں جن میں انکا بھی نام لیا گیا ہے۔ اور منافقین نے ان کو اپنا ساتھی ظاہر کر کے سلسلہ کے خلاف پروپیگنڈا کیا ہے۔ پہلے ان امور کی تردید کریں اور پھر معافی کی درخواست کریں۔ اب اگر انہیں معافی دے دی گئی تو منافقین جو اُن کو اپنا ساتھی ظاہر کر رہے ہیں حسب سابق کذب بیانی اور بہتان طرازی کرتے رہیں گے۔

۵۔ اسی دوران میں ۱۴ ستمبر کو سیدنا حضرت...... خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مری میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہوئے اور زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ایسے لوگوں کو جو فتنہ میں ملوث تھے معافی اور صفائی کا طریق بتایا۔ اور فرمایا کہ اگر وہ دیانت داری سے سمجھتے ہیں کہ اخبارات میں ان کے متعلق جھوٹ لکھا گیا ہے تو اُن کا فرض ہے کہ وہ ان اخباروں کی تردید کریں۔ نیز جو لوگ ان کو اپنا ساتھی ظاہر کر رہے ہیں اُن سے بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان کریں۔ یہ خطبہ "الفضل" مورخہ ۲۲ ستمبر میں شائع ہو چکا ہے۔

۶۔ اس عرصہ میں مولوی عبدالمنان صاحب قریباً تین ہفتہ تک بالکل خاموش رہے۔ انہوں نے نہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں کوئی خط لکھا اور نہ ہی نظارت امور عامہ سے کسی قسم کی مراسلت کی۔

۷۔ آخر انہوں نے ۲۴ ستمبر کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں خط لکھا۔ کہ میرا کسی سازش سے کوئی تعلق نہیں ہے
اخبارات کے متعلق انہوں نے لکھا کہ گویا انہوں نے کوشش بھی کی تھی۔ لیکن انہیں یہاں سے اخبارات نہیں ملے۔ باہر سے بھی منگوائے گئے لیکن ابھی تک نہیں پہنچے۔ وہ دوبارہ کوشش کریں گے۔

۸۔ مولوی عبدالمنان صاحب نے ۲۷ ستمبر کو ایک اور مضمون لکھا جو بعد میں "پیغام صلح" مورخہ ۳ اکتوبر میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کی ایک نقل انہوں نے "الفضل" کو بھی بھجوائی۔ لیکن چونکہ یہ مضمون ان کی بریت کے متعلق تھا۔ اس لیے "الفضل" والوں نے کہا کہ یہ مضمون نظارت امور عامہ کی معرفت آنا چاہیئے۔ چنانچہ بعد میں یہ مضمون مولوی عبدالمنان صاحب نے نظارت امور عامہ کو

بھجوا دیا۔

۹۔ اس مضمون میں مولوی عبدالمنان صاحب نے خلافت ثانیہ کے ساتھ کہیں عقیدت اور وابستگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ نہ ہی ان الزامات کا جواب دیا تھا جو اخبار میں اُن کے خلاف آچکے تھے بلکہ اس مضمون سے جیسا کہ کئی دوستوں نے محسوس کیا، مولوی صاحب کی پوزیشن اور زیادہ مشتبہ ہوگئی۔

۱۰۔ نظارتِ امور عامہ نے ۲۹ ستمبر کو مولوی عبدالمنان صاحب کو خط لکھا۔ جس کے بعض اقتباسات ذیل میں درج ہیں۔

"آپ کا خط محررہ ۲۴/۹/۵۶ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پہنچا۔ اس کے جواب میں لکھتا ہوں کہ افسوس ہے کہ آپ نے اس اہم اور سنگین نوعیت کے معاملہ میں اس ایمانی غیرت اور اخلاص کا اظہار نہیں کیا جو ایک سچے اور بے لوث مومن سے متوقع ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آپ اٹھارہ (۱۸) دنوں سے امریکہ وغیرہ کے سفر سے واپس آچکے ہیں۔ اور آپ کو واپس آنے کے دوسرے دن ہی کہہ دیا گیا تھا کہ آپ کو وہ اخبارات پڑھنے چاہئیں جن میں منافقین اور غیر مبائعین اور دیگر غیر احمدیوں نے موجودہ فتنہ میں آپ کو آڑ بنا کر مختلف قسم کی شر انگیز باتیں کی ہیں۔ مگر آپ کا اپنا اقرار ہے کہ آپ نے اس وقت تک ان اخبارات کا مطالعہ نہیں کیا۔ حالانکہ یہ ایک سچے مومن کے لیے گویا زندگی اور موت کا سوال تھا۔

آپ کا یہ عذر کہ آپ کو ابھی تک اخبارات نہیں مل سکے ایک بالکل بہانہ جوئی کا عذر ہے۔ کیا اگر آپ کے گھر کو آگ لگی ہوئی ہو تو آپ اس قسم کے عذراتِ لنگ اختیار کر کے اس آگ کے بجھانے سے غفلت برتیں گے؟ اگر آپ میں اپنی بریت کی سچی تڑپ ہوتی تو آپ ایک دفعہ نہیں دس دفعہ لاہور کا سفر اختیار کر کے یا اپنے کسی آدمی کو لاہور بھجوا کر یہ اخبارات حاصل کر سکتے تھے۔ یا اتنے دنوں کی بجائے اس وقت خاکسار کو لکھ دیتے۔ مگر آپ اس طرح سوئے رہے کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ حالانکہ آپ کو اخبارات کے حوالہ جات کی فہرست بھی بنا کر دے دی گئی تھی۔

کیا آپ کا دل اس بات پر تسلی پاتا ہے کہ آپ کا یہ رویہ کہ سترہ دن سے اخبارات کی تلاش کر رہا ہوں سچے ایمان کی علامت ہے۔

آپ کا ایک نوٹ مؤرخہ ۲۷/۹/۵۶ ایڈیٹر صاحب "الفضل" کے نام لکھا ہوا خاکسار کو بذریعہ رجسٹری ملا۔ اس خط میں آپ نے عام اصول کے رنگ میں تو لکھا کہ مَیں خلافت حقہ کو مانتا ہوں۔ مگر اس بات کی صراحت نہیں کی کہ مَیں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی کی خلافت پر ایمان لاتا اور اُسے خلافتِ حقہ یقین کرتا ہوں۔ معلوم نہیں کہ آپ نے جہاں خلافتِ حقہ لکھا ہے۔ اس سے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خلافت مُراد لی ہے یا کہ اپنی متوقع خلافت کے متعلق اشارہ کر دیا ہے۔"

۱۱۔ یکم اکتوبر کو مولوی عبد المنان صاحب نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں ایک اور خط لکھا کہ حضور کے ارشاد کے مطابق اب تک باہر کے مندرجہ ذیل اخبارات دیکھ چکا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے مختلف اخبارات کی فہرست دیدی ہے اور بس۔

میرے نزدیک یہ خط محض ایک مذاق نظر آتا ہے۔ کیونکہ ان اخبارات میں بھی جو کچھ تھا۔ اس کی تردید نہ بذریعہ اخبارات اور نہ بذریعہ خط انہوں نے کی۔

۱۲۔ ۲؍ اکتوبر کو مولوی صاحب نے ناظر صاحب امور عامہ کے خط محررہ ۲۹؍ستمبر کا جواب لکھا۔ لیکن اس میں بھی معین اور واضح رنگ میں کسی اہم پہلو کا جواب انہوں نے نہیں دیا بلکہ الزامی اور منطقیانہ رنگ میں بات کو ٹالنے کی کوشش کی ہے۔ اور اصل مقصد یعنی الزامات کی تردید وغیرہ کی طرف نہیں آئے۔

چنانچہ اس کے جواب میں ۳؍ اکتوبر کو ناظر صاحب امور عامہ نے مولوی صاحب کے نام ایک اور خط لکھا۔ جس کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں:۔

"میرے رجسٹرڈ خط محررہ ۲۹/۹/۵۶ کے جواب میں آپ کا خط محررہ ۲/۱۰/۵۶ دستی موصول ہوا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے صاف اور سیدھے مؤمنانہ طریق کو چھوڑ کر ایسا دفع الوقتی کا رنگ اختیار کیا ہے جو معاملہ کو سلجھانے اور آپ

کے ایمان و اخلاص کی پوزیشن کو صاف کرنے کی بجائے مزید پیچیدگی پیدا کرتا ہے اور بدگمانی کا راستہ کھولتا ہے۔ مَیں نے اپنے خط محررہ ۲۹/۹/۵۶ میں آپ کی جملہ سابقہ تحریرات کو سامنے رکھ کر چند معیّن باتیں پیش کی تھیں۔ اور آپ کو بتایا تھا کہ آپ پر اِن امور میں واضح تردیدی اعلان کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ مگر آپ نے اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی بجائے دفع الوقتی کے رنگ میں مجمل باتیں لکھ دی ہیں۔ اور نہ تو کسی بات کا معیّن صورت میں جواب دیا ہے۔ اور نہ حسبِ تحریر کوئی تردیدی اعلان شائع کیا ہے۔"

علاوہ ازیں اس خط میں پھر اُن تمام امُور کو دوہرایا گیا کہ اب بھی اگر مولوی صاحب ان کی تردید کر دیں تو کافی ہو جائے۔ چنانچہ خط کے آخری الفاظ حسبِ ذیل ہیں۔

"مَیں اِس بات کے لکھنے سے بھی رُک نہیں سکتا۔ کیونکہ جماعتی مفاد اس کا متقاضی ہے کہ ہم آپ کے معاملہ میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتے۔ اگر آپ نے فوری طور پر صحیح جواب نہ دیا۔ اور ایمان اور اخلاص کے طریق پر مطلوبہ تردیدی اعلانات نہ کیے تو ہمیں مجبوراً یہ تحریر "الفضل" میں شائع کرنی پڑے گی۔ اور جو مشورے جماعت کی طرف سے آرہے ہیں اُن کو قبول کر کے آپ کے متعلق کوئی اعلان کرنا پڑے گا۔ کیونکہ آپ کے موجودہ رویّہ کو دیکھتے ہوئے جماعت کو تسلّی دلانے کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس باقی نہیں رہا۔"

۱۳۔ اس دوران میں پھر مولوی صاحب اور نظارت امورِ عامہ کے درمیان خط و کتابت ہوتی رہی۔ جس سے مولوی صاحب کے حق میں کوئی مفید بات نہیں نکلتی۔ اس ساری خط و کتابت سے یہ اثر ہے کہ مولوی صاحب نے بحث کے رنگ میں خطوط کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ اور معیّن اور واضح رنگ میں عائد شدہ الزامات کی تردید کی طرف توجہ بھی نہیں دی۔

۱۴۔ "کوہستان" راولپنڈی مؤرخہ ۴ر نومبر اور "کوہستان" لاہور مؤرخہ ۱۲ر نومبر میں "قادیانی خلافت سے دستبرداری" کے عنوان سے مولوی عبدالمنان صاحب کا ایک خط شائع ہوا ہے۔ جس کا ذکر مَیں اوپر کر چکا ہوں۔ اور جس پر مرکز کی طرف سے ایک سرکلر لیٹر بھی جماعتوں کو بھیجا گیا ہے۔

اس خط میں مولوی عبدالمنان صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے عقیدت اور اخلاص کا اظہار کیا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ حیرانگی کی بات ہے کہ یہ خط انہوں نے نہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بھیجا ہے اور نہ ہی نظارت امور عامہ میں۔ بلکہ سلسلہ کے ایک شدید معاند اخبار میں انہوں نے اسے شائع کروایا ہے۔ "الفضل" جو سلسلہ کا اخبار ہے اور اس غرض کے لیے باقی تمام اخبارات سے زیادہ موزوں اور اہم تھا "سے بھی "کوہستان" میں شائع ہونے کے دو ہفتے بعد ۱۹ر نومبر کو یہ مضمون بھجوایا گیا۔

۱۵۔ "الفضل" کے نام مولوی صاحب کا جو خط وصول ہوا وہ "الفضل" نے نظارت امور عامہ کو بھجوایا۔ نظارت امور عامہ نے اس کے جواب میں مولوی صاحب کو جو خط لکھا اُس کے چند اقتباسات یہ ہیں:-

"آپ اس امر کو بخوبی سمجھتے ہوں گے۔ کہ اگر آپ اپنی عقیدت اور اخلاص کے اظہار کے لیے ایسے خطوط لکھ رہے ہیں تو اس کے اولین مخاطب خود سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ذات ہونی چاہیئے۔ لیکن یہ امر میرے لیے حیرانگی کا موجب ہے کہ آپ نے تادم تحریر یہ خط یا اس کی کوئی نقل حضور کی خدمت میں نہیں بھجوائی۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر اس خط کے نتیجے میں آپ نظام سلسلہ کی طرف سے کسی کارروائی کی توقع رکھتے ہیں تو تب بھی ایسا کرنا ضروری تھا کہ حضور کو سب سے پہلے یہ خط لکھا جاتا یا کم ازکم نظارت امور عامہ کو لکھا جاتا۔ لیکن اس کے برعکس آپ نے سلسلہ کے ایک شدید دشمن اخبار میں یہ خط شائع کروایا۔ اور ایک دفعہ نہیں دو دفعہ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نیت اپنی برأت کرنا نہیں۔ بلکہ خلیفۃ المسیح کے خلاف پروپیگنڈا کرنا ہے۔

اب بھی آپ نے جو خط لکھا ہے وہ "الفضل" کو لکھا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آپ کے ایسے .... مظاہرہ کے بعد "الفضل" آپ کا خط شائع نہیں کر سکتا جب تک آپ یہ نہ بتائیں۔ کہ آپ نے کیوں حضرت خلیفۃ المسیح کو خط نہیں لکھا۔ اور کیوں سلسلہ کے شدید دشمن اخبار میں دو دفعہ اس خط کو شائع

کرایا۔ جب تک آپ کا مضمون آپ کے دستخط سے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں۔ یا امور عامہ میں نہیں آتا سلسلہ اس کی طرف توجہ دینے کے لیے تیار نہیں اور نہ ہی "الفضل" اُسے چھاپے گا۔"

۱۶۔ آج کی تاریخ (۵۶/۱۱/۲۵) تک مولوی عبدالمنان صاحب کے کیس کی یہ پروگریس رہی ہے جس کا اجمالی نقشہ میں نے احباب کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ مولوی عبدالمنان صاحب کا آخری خط جو بظاہر عقیدت کا خط ہے اُن کے پہلے خط کی طرح اُن کی پوزیشن کو صاف نہیں کرتا۔ اس میں بھی انہوں نے نہ اپنے اوپر عائد شدہ الزامات کی کوئی وضاحت کی ہے۔ نہ پیغامیوں کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ نہ اُن لوگوں سے واضح رنگ میں بیزاری کا اظہار کیا ہے جنہوں نے ان کو اپنا ساتھی ظاہر کر کے حضور اور جماعت کے خلاف اسقدر پروپیگنڈا کیا ہے۔ بلکہ جہاں تک مرکز کی اطلاعات کا تعلق ہے وہ اب بھی ان لوگوں سے باقاعدہ رابطہ رکھ رہے ہیں اور تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں۔

ان حالات میں جماعت کے دوست سمجھ سکتے ہیں کہ مولوی عبدالمنان صاحب کا یہ خط بھی کوئی معنے نہیں رکھتا۔ بلکہ اگر کوئی شخص یہ قیاس کرے کہ انہوں نے یہ بھی ایک چال چلی ہے اور اسطرح حالات سے ناواقف افراد کے دلوں میں یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ تو معافی مانگ رہے ہیں لیکن خلیفۃ المسیح ان کو معاف نہیں کرتے۔ اور اس طرح سے حضور کے خلاف بھی پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ تو اُسے بھی غلط نہیں کیا جا سکتا۔

جماعت کے دوستوں کو ان کوائف کی روشنی میں سمجھ لینا چاہیئے کہ مولوی عبدالمنان صاحب نے آج تک اپنی صفائی اور بریت کے لیے صحیح راہ اختیار نہیں کی اور خصوصاً اس طریق کے مطابق ایک دفعہ بھی حضور سے معافی کی درخواست نہیں کی جس کا ذکر آج سے بہت پہلے حضور اپنے خطبہ میں فرما چکے ہیں۔ والسلام

خاکسار

عبدالحق صوبائی امیر

۵۶/۱۱/۲۵

اخراج از جماعت کا مفصل اعلان

حضرت مصلح موعود کی دلی تمنا تھی کہ کسی طرح میاں عبدالمنان صاحب صحیح رنگ میں معافی نامہ بھیجیں تو اس پہ غور کیا جائے مگر ڈھائی تین ماہ کی مہلت کے باوجود جب اُن کی روش میں ذرہ برابر کوئی تبدیلی نہ ہوئی تو حضور نے احمدی جماعتوں اور صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی اُن قرار دادوں کو منظور فرما لیا جو فتنہ میں ملوث افراد کو جماعت میں شامل تصور نہ کرنے سے متعلق تھیں بعد ازاں ۲۹ نومبر ۱۹۵۶ء کے الفضل میں مندرجہ ذیل مفصل اعلان جاری فرمایا :-

مولوی عبدالمنان کے متعلق اخراج از جماعت احمدیہ کا اعلان

"مولوی عبدالمنان جب امریکہ میں تھے تو اُن کے بعض ساتھیوں نے یہ کہا تھا خلیفہ ثانی کی وفات کے بعد وہ خلیفہ ہوں گے۔ اور پھر "پیغام صلح" نے ان کی اور ان کے ساتھیوں کی تائید شروع کر دی تھی۔ جس سے پتہ لگتا تھا کہ پیغامیوں کے ساتھ ان کی پارٹی کا جوڑ ہے۔ اور "پیغام صلح" نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا تھا کہ مَیں نے نعوذ باللہ حضرت خلیفۂ اوّل ... ... کی ہتک کی ہے مَیں نے مولوی عبدالمنان کے متعلق کوئی قدم اس لیے نہ اٹھایا کہ وہ باہر ہیں جب واپس آئیں اور ان کو ان باتوں کی تردید کا موقعہ ملے۔ تو پھر ان کے خلاف کارروائی کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ جب وہ واپس آئے۔ تو انہوں نے ایک مبہم سا معافی نامہ لکھ کر بھجوا دیا۔ مَیں نے وہ میاں بشیر احمد صاحب کو دیا کہ وہ اس پہ جرح کریں مگر میاں بشیر احمد صاحب کے خطوں کے جواب سے انہوں نے گریز کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد ایک مضمون جو ظاہراً معافی نامہ تھا لیکن اس میں "پیغام صلح" کے اس الزام کی کوئی تردید نہیں تھی کہ خلیفہ ثانی یا جماعت احمدیہ نے حضرت خلیفۂ اوّل ... کی گستاخی کی ہے۔ انہوں نے "پیغام صلح" میں شائع کرایا۔ یہ بیان ایسا تھا کہ جماعت کے بہت سے آدمیوں نے لکھا کہ اس بیان کا ہر فقرہ وہ ہے جس کے نیچے ہر پیغامی دستخط کر سکتا ہے۔ اس لیے اس بیان کو جماعت نے قبول نہ کیا۔

اس دوران میں چوہدری محمد حسین چیمہ ایڈووکیٹ نے ایک مضمون "پیغام صلح" میں لکھا جس میں یہ بھی لکھا گیا۔ کہ مرزا محمود کی خلافت کی مخالفت کرنے والوں کو دلیری اور استقلال سے

ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے ۔ اور ڈرنا نہیں چاہیئے ۔ ہمارا روپیہ اور ہماری تنظیم اور ہماری سٹیج ان کی تائید میں ہے ۔ مولوی عبد المنان اور مولوی عبد الوہاب نے اس مضمون کی بھی جو جماعت احمدیہ کی سخت ہتک کرنے والا تھا کوئی تردید نہ کی اس کے بعد مولوی عبد المنان نے بجائے اس کے کہ تمام ضروری تردیدوں کے ساتھ معافی نامہ میرے پاس بھیجتے ایک بظاہر معافی نامہ لیکن درحقیقت اقرارِ جرم سلسلہ احمدیہ کے شدید مخالف روزنامہ "کوہستان" میں چھپوا دیا جس کا ہیڈنگ یہ تھا کہ "قادیانی خلافت سے دستبرداری" یہ دوسرے لفظوں میں اقرار تھا اس بات کا کہ عبد المنان صاحب "قادیانی خلافت" کے اُمیدوار ہیں کیونکہ جو شخص اُمیدوار نہیں وہ دستبردار کس طرح ہو سکتا ہے مگر بہر حال یہ مضمون جیسا بھی تھا میرے پاس نہیں بھیجا گیا ۔ بلکہ "کوہستان" میں چھپوایا گیا ۔ اور ایک دفعہ نہیں دو دفعہ ۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ جماعت احمدیہ کو بدنام کرنے کے لیے ایک تدبیر نکالی جا رہی ہے ۔ پس میں مولوی عبد المنان کو اس وجہ سے کہ وجہِ شکوہ مجھے پیدا ہوئی تھی لیکن انہوں نے اس کے جواب میں ایک ملمع سازی کا مضمون "کوہستان" میں چھپوا دیا ۔ جو احمدیت کا دشمن ہے اور میرے پاس صحیح طور پر کوئی معافی نامہ نہیں بھجوایا ۔ پس میں مولوی عبد المنان کو جو یا تو اپنا مضمون "پیغامِ صلح" میں چھپواتے ہیں ۔ جو جماعتِ مبائعین کا سخت دشمن اخبار ہے یا "کوہستان" میں چھپواتے ہیں جو سلسلہ احمدیہ کا شدید دشمن ہے ۔ اور پھر چوہدری محمد حسین چیمہ کے شدید دلآزار مضمون کی تردید نہیں کرتے اور اپنی خاموشی سے اس کی اس دعوت کو منظور کرتے ہیں کہ شاباش خلافتِ ثانیہ کی مخالفت کرتے رہو اور ہمارا روپیہ اور ہمارا پلیٹ فارم اور ہماری تنظیم تمہارے ساتھ ہے تم خلافتِ محمودیہ کی مخالفت کرتے رہو اور اس کے پرخچے چاک کر دو ۔ جماعتِ احمدیہ سے خارج کرتا ہوں اسی طرح مذکورہ بالا الزامات کی بناء پر میاں عبد الوہاب کو بھی ۔ پس آج سے وہ جماعتِ احمدیہ کا حصہ نہیں ہیں اور اس سے خارج ہیں ۔ مجھے کچھ عرصہ سے برابر جماعت کے خطوط موصول ہو رہے تھے کہ یہ لوگ جب جماعت سے عملاً خارج ہو رہے ہیں ۔ تو ان کو جماعت سے خارج کرنے کا اعلان کیوں نہیں کیا جاتا ۔ مگر میں پہلے اس لیے رکا رہا کہ شاید وہ صحیح طور پر معافی مانگ لیں اور الزاموں کا ازالہ کر دیں ۔ مگر ان لوگوں نے نہ مجھ سے معافی مانگی نہ ان الزامات کا ازالہ کیا جو ان پر لگائے گئے تھے پس اب میں زیادہ

انتظار کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اور مولوی عبدالمنان اور میاں عبدالوہاب دونوں کو جماعت احمدیہ سے خارج کرتا ہوں۔ تمام جماعتیں اس بات کو نوٹ کرلیں۔ اگر وہ صحیح طور پر براہ راست مجھ سے رجسٹری باخذ رسید معافی طلب کریں گے نہ کہ کسی پیغامی یا غیر احمدی اخبار میں مضمون چھپوا کر تو اس پر غور کیا جائے گا۔ سردست ان کو جماعت سے خارج کیا جاتا ہے۔ بعض اور لوگ بھی انکے ہمنوا ہیں مگر ان کے متعلق مجھے اعلان کرنے کی ضرورت نہیں۔ امور عامہ ان کے متعلق ساری باتوں پر غور کر رہا ہے۔ وہ جب کسی نتیجہ پر پہنچے گا خود اعلان کر دے گا۔

خاکسار

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ۲۷/۱۱/۵۶

ناظر صاحب امور عامہ کا مکتوب مفتوح

میاں عبدالمنان صاحب حضرت مصلح موعود کے اس مفصل بیان کی اشاعت کے بعد بھی اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہا ہے اور صحیح راہ سے کھلم کھلا گریز کر کے ناظر صاحب امور عامہ کی خدمت میں ایک مراسلہ بھیجا جس کے جواب میں ناظر صاحب کی طرف سے حسب ذیل مکتوب مفتوح الفضل ۴ر دسمبر ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

میاں عبدالمنان صاحب! السلام علیکم

آپ کا ایک خط حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حضور پہنچا جس میں آپ نے کوہستان میں چھپنے والے خط کی نقل بھجوائی ہے اور یہ شکایت کی ہے کہ الفضل کو بھی میں نے یہ مضمون بھجوایا تھا۔ مگر الفضل نے شائع نہیں کیا۔ آپ کا یہ خط حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ہمارے دفتر میں جواب کے لیے بھجوایا ہے سو آپ کو جواباً تحریر ہے۔ کہ اس خط میں بھی بہت ــــ دجل سے کام لیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے خطوں میں لیا گیا تھا۔ مثلاً اس خط کے اوپر تاریخ ۲۷/۱۱/۵۶ لکھی ہے۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کے اخراج از جماعت کا جو اعلان الفضل میں چھپا تھا اس میں حضرت خلیفۃ

المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مضمون کی تحریر کی تاریخ ۲۷/۱۱/۵۶ لکھی تھی۔ لیکن مضمون چھپا ۲۹/۱۱/۵۶ کے الفضل میں تھا۔ اور لاہور بھی ۲۹/۱۱/۵۶ کو پہنچ گیا تھا۔ آپ نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ گویا معافی نامہ اس مضمون کے چھپنے سے پہلے کا ہے۔ اپنے خط پر بھی ۲۷/۱۱/۵۶ کی تاریخ ڈال دی اور یہ بھول گئے کہ جس وقت آپ اس خط کو ڈاک خانہ میں رجسٹری کروائیں گے تو ڈاکخانہ بھی کوئی تاریخ ڈالے گا۔ چنانچہ آپ کے رجسٹری خط کا لفافہ ہمارے پاس موجود ہے۔ اور اس پر ڈاکخانہ نے لکھا ہے کہ ۳۰ر نومبر کو یہ خط ربوہ سے ڈالا گیا۔ ہمارے آدمیوں کی رپورٹ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ۲۹ر نومبر کو لاہور سے ربوہ آگئے تھے۔ اور ۳۰ کی صبح کو لاری کے ذریعہ کہیں باہر گئے تھے پس آپ نے یہ خط ۳۰ تاریخ کو ربوہ سے روانہ کیا۔ اور ۲۷ تاریخ اس پر محض اس لیے ڈالی ہے۔ تاکہ جماعت احمدیہ یہ دھوکہ کھائے۔ کہ اخراج از جماعت سے پہلے ہی آپ نے معافی مانگ لی تھی۔ مگر پھر بھی آپ کو معاف نہیں کیا گیا۔ تعجب ہے کہ ایک راستباز انسان کا بیٹا ہوتے ہوئے آپ عبداللہ بن سبا کے طریق پر چل رہے ہیں۔" ؎۱

یہ شکایت بھی کہ الفضل نے آپ کا مضمون نہیں چھاپا تھا۔ حالانکہ کوہستان نے چھاپ دیا اپنی ذات میں ایک دجل ہے۔ آپ کا یہ مضمون پہلے چار نومبر کے کوہستان میں چھپا تھا پھر ۱۲ر نومبر کے کوہستان میں۔ اور الفضل کو آپ کا مضمون ۱۹ر نومبر کو پہنچا تھا۔ الفضل کو کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ کہ وہ مضمون جو پہلی دفعہ پندرہ دن پہلے اور دوسری دفعہ سات دن پہلے آپ سلسلہ کے ایک شدید دشمن اخبار میں چھپوا چکے تھے اس کو چھاپتا جبکہ الفضل کا اس معاملہ سے تعلق بھی کوئی نہیں۔ یہ معاملہ یا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے تعلق رکھتا تھا یا ہمارے دفتر سے۔ مگر آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو یہ مضمون نہیں بھجوایا بلکہ کوہستان کو بھجوایا اور تیسری دفعہ الفضل کو بھجوایا پھر بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو نہیں بھجوایا۔ جس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ آپ کی نیت صرف پروپیگنڈا تھی۔ خلافت کے حصول کی خواہش نے آپ کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ آپ نے موجودہ خط میں لکھا ہے کہ کوہستان میں جو ہیڈنگ چھپا ہے وہ میرا نہیں اور آپ ایسی حرکات کر رہے ہیں۔ جو کوئی بے وقوف سے بے وقوف انسان بھی نہیں کر سکتا تھا وہ ہیڈنگ یہ تھا "قادیانی خلافت سے دستبرداری" اس ہیڈنگ کو کوہستان کے ایڈیٹر

کے سر تھوپنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ جماعت ربوہ نے آج سے قریباً پندرہ دن پہلے آپ کا یہ بھانڈا پھوڑ دیا تھا کہ خلافت سے دستبرداری کے یہ معنے ہیں کہ پہلے کبھی خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔ پس یہ ہیڈنگ خود آپ کے گزشتہ اعلانات کی تردید کرتا ہے۔ آپ نے سمجھا کہ چلو لگے ہاتھوں اس ہیڈنگ کی بھی صفائی کر دو۔ حالانکہ اگر آپ کا یہ دعویٰ صحیح ہے۔ کہ یہ ہیڈنگ کوہستان کے ایڈیٹر نے بد دیانتی سے خود دیا تھا۔ تو سوال یہ ہے کہ کوہستان کو یہ مضمون بھیجنے کیلئے مشورہ آپ کو کیا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے دیا تھا۔ یا جماعت احمدیہ نے۔ آپ نے یہ مضمون براہ راست حضرت خلیفۃ المسیح الثانی یا امور عامہ کو کیوں نہ بھیجا۔ تاکہ اسی وقت اس کی حقیقت کھل جاتی۔ پھر جب ۴ نومبر کے پرچہ میں آپ کے قول کے مطابق کوہستان نے آپ پر جھوٹ بولتے ہوئے ایک غلط ہیڈنگ اس مضمون پر لگا دیا تھا۔ تو آپ نے بارہ نومبر کو یہی مضمون اس کو دوبارہ چھاپنے کے لیے کیوں بھیجا۔ اور کیوں ۴ نومبر کے پرچے کے فوراً بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی یا امور عامہ کو نہ لکھا کہ یہ ہیڈنگ میں نے نہیں دیا سلسلہ کے دشمن ایڈیٹر نے اپنے پاس سے لکھ دیا ہے۔ اور کیوں اس بات کا انتظار کرتے رہے کہ پہلے ربوہ کا ریزولیوشن الفضل میں چھپ جائے۔ تو پھر اس کی تردید کریں۔ یہ بات بھی آپ کی دیانت کے خلاف دلیل ہے۔ کہ آپ نے یہ مضمون چار تاریخ کے کوہستان میں چھپوایا۔ پھر بارہ تاریخ کے کوہستان میں چھپوایا۔ پھر تیرہ تاریخ کو یہ مضمون پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب کو کراچی بھجوایا۔ اور ان پر یہ اثر ڈالنے کی کوشش کی کہ مجھ پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ اور لکھا کہ آپ کو غلط واقعات سے مسموم کیا جا رہا ہے۔ آپ کے بھائی قاضی عطاء اللہ صاحب ایم اے نے واقعات کی چھان بین کی اور وہ اصل بات سمجھ گئے۔ چنانچہ مجھ سے ملاقات کے وقت انہوں نے نفرت کا اظہار نہیں کیا قاضی صاحب نے اپنا بیان اور آپ کا خط ہمیں بھجوا دیا ہے اور ہمارے پاس موجود ہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ کوشش کر رہے ہیں کہ جماعت پر ظاہر کریں کہ آپ پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ یہ کوشش خود اپنی ذات میں آپ کی سلسلہ سے دوری کا ثبوت ہے اور ہم خدا تعالےٰ کا شکر کرتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے وقت پر آپ کو جماعت سے خارج کر دیا۔ گو آپ کے طریق عمل کے مطابق یہ کافی تھا کہ ہم یہ جواب الفضل میں چھپوا دیتے۔ لیکن ہم براہ راست

آپ کے نام بھی یہ جواب رجسٹری کر رہے ہیں۔ تاکہ پہلے واقعات کی طرح آپ کو یہ بہانہ نہ ملے کہ آپ نے اخبار نہیں پڑھا تھا۔

(ناظر امور عامہ ۵۶/۱۲/۳)

اصلاح احوال کی آخری کوشش

جناب مولوی عبدالمنان صاحب کو نظام خلافت سے وابستہ کرنے کی ایک آخری مگر ذاتی کوشش گوجرانوالہ کے ایک مخلص بزرگ حضرت شیخ صاحب دین صاحب کی جانب سے ہوئی مگر افسوس صد افسوس اُن کی مخلصانہ مساعی صدا بصحرا ثابت ہوئیں۔ اور اُن کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ حضرت مصلح موعود نے اُن کے ذریعہ بھی مولوی صاحب کو واضح رہنمائی فرمائی کہ امام وقت سے معافی حاصل کرنے کا صحیح طریق کیا ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ صاحب موصوف کو دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے حسب ذیل دو خطوط لکھے گئے۔

۱۔ "بخدمت مکرم شیخ صاحب دین صاحب گوجرانوالہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا رجسٹری خط سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں پہنچا حضور نے بعد ملاحظہ فرمایا کہ مولوی عبدالمنان صاحب کی معافی کا سوال تب ہی پیدا ہو سکتا ہے جبکہ وہ صحیح طریق پر فتنہ پردازوں منافقین اور غیر مبائعین سے بیزاری اور لاتعلقی کا اظہار کریں۔ مگر ابھی تک انہوں نے باوجود مطالبہ کے ایسا نہیں کیا۔ اس لیے یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اگر وہ حقیقی رنگ میں ایسا کر دیں تو ان کی معافی کے بارے میں غور کیا جا سکتا ہے۔ مولوی عبدالمنان سے صاف طور پر کہا گیا تھا کہ بعض فتنہ پردازوں نے آئندہ خلافت کے امیدواروں میں آپ کا نام لیا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہا ہے کہ ہم مولوی عبدالمنان عمر کے سوا کسی کی خلافت پر راضی نہ ہوں گے۔ ان فتنہ پردازوں کا یہ طریق اسلامی شریعت کے صریح خلاف اور جماعت میں سخت فتنہ پیدا کرنے والا تھا۔ مولوی عبدالمنان سے کہا گیا کہ وہ واضح اور معیّن طور پر ان فتنہ پردازوں سے بیزاری اور لاتعلقی کا اظہار کریں اور ان کے اس فتنہ پردازانہ طریق پر لعنت بھیجیں مگر انہوں نے اب تک ایسا نہیں کیا۔

پھر مولوی عبدالمنان صاحب سے کہا گیا کہ آپ کے بھائی مولوی عبدالوہاب کے متعلق بار بار شائع ہو چکا ہے کہ وہ منافقین اور مخالفینِ سلسلہ سے ملتا ہے اور ان کی طرفداری کرتا ہے۔ آپ مولوی عبدالوہاب سے بیزاری کا اعلان کریں اور لکھیں کہ مَیں ان سے تعلق نہیں رکھوں گا مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ پھر غیر مبایعین کے متعلق مولوی عبدالمنان سے کہا گیا تھا کہ یہ لوگ حضرت خلیفہ اوّل ...... کی خلافت کے زمانہ میں آپ کے باغی اور مخالف تھے اور آپ کے عزل کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن اب اس فتنہ کے موقعہ پر وہ منافقانہ رنگ میں اپنی مطلب براری کے لیے اور حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے حضرت خلیفہ اوّل کی تعریفیں کر رہے ہیں۔ مولوی عبدالمنان سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ اعلان کریں کہ غیر مبائعین کا یہ رویہ منافقانہ ہے۔ اور ان کی یہ تعریفیں جھوٹی ہیں یہ لوگ حضرت خلیفہ اوّل کی زندگی میں برابر ان کے خلاف لکھتے رہے ہیں۔ اور حضرت خلیفہ اوّل ان لوگوں کے خلاف اعلان فرماتے رہے ہیں۔

اس مطالبہ کے باوجود آج تک مولوی عبدالمنان نے غیر مبائعین کے اس طریق سے بھی بیزاری کا اعلان نہیں کیا۔ ان امور کے متعلق جب تک واضح اعلان نہ کریں۔ ان کا محض لفظی طور پر معافی مانگنا فضول ہے۔ اگر وہ صاف طور پر ایسے اعلانات کر دیں تو پھر اس کے بعد ان کی معافی کے بارہ میں غور کیا جا سکتا ہے۔

خاکسار خادم حسین

۵۷/۱۹ — پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانی

۲۔ "شیخ صاحب دین صاحب گوجرانوالہ

آپ کا خط مورخہ ۱۲/۵/۵۷ مولوی عبدالمنان صاحب کی معافی کے متعلق حضور کے ملاحظہ میں آیا۔ فرمایا۔" آپ کا خط ملا آپ نے لکھا ہے کہ منان کی معافی کی اشاعت نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ اصل غرض اصلاح سے ہے۔ اور رسول اللہؐ نے بھی لا تثریب علیکم الیوم کہا تھا تو کوئی اعلان نہیں کروایا تھا۔ آپ کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اعلان بھی اصلاح کی غرض سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی واقعہ میں توبہ کرتا ہے تو پھر اس کو اعلان سے کیا ڈر۔ جب پیغامیوں نے حضرت

خلیفہ اوّل پر بدظنیاں کی تھیں تو انہوں نے بیت مبارک میں سب کو جمع کر کے تقریر کی تھی اور مولوی محمد علی سے دوبارہ بیعت لی تھی۔ کیا یہ اعلان ہے یا نہیں۔ سو جس چیز کو منان کے باپ نے جائز سمجھا تھا۔ جو اس سے ہزاروں گنا بڑا تھا اس پر منان کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟

والسلام

۵/۲/۵۸ پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانی

O

فصل پنجم

مسئلہ خلافت پر اہم خطاب، یوم خلافت منانے کا ارشاد انتخاب خلافت کے نظام عمل کا اعلان، فتنہ پردازوں کی عبرتناک ناکامی

حضرت مصلح موعود نے فتنۂ منافقین کی کچلیاں توڑنے کے لیے خدام وانصار کے مرکزی اجتماعات (منعقدہ اکتوبر ۱۹۵۶ء) میں بھی مسئلہ خلافت ہی کو اپنے خطاب کا نقطۂ مرکزیہ بنایا۔ اور منافقین کی ایسی قلعی کھولی کہ سننے والے حیران و ششدر رہ گئے۔

حضور نے اس موقع پر جو بصیرت افروز تقاریر فرمائی۔ ان کے بعض ایمان پرور اقتباسات درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ "یہ خلافت کی ہی برکت ہے کہ تبلیغ اسلام کا وہ کام جو اس وقت دنیا میں اور کوئی جماعت نہیں کر رہی صرف جماعت احمدیہ کر رہی ہے۔ مصر کا ایک اخبار "الفتح" ہے[۱] وہ ہماری جماعت کا سخت مخالف ہے۔ مگر اس نے ایک دفعہ لکھا کہ جماعت احمدیہ کو بے شک ہم اسلام کا دشمن خیال کرتے ہیں۔ لیکن اس وقت وہ تبلیغ اسلام کا جو کام کر رہی ہے گزشتہ تیرہ سو سال میں وہ کام بڑے بڑے اسلامی بادشاہوں کو بھی کرنے کی توفیق نہیں ملی۔ جماعت کا یہ کارنامہ محض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اور تمہارے ایمانوں کی وجہ سے ہے۔ آپ کی پیشگوئیاں تھیں اور تمہارا ایمان تھا۔ جب یہ دونوں مل گئے تو خدا تعالےٰ کی برکتیں نازل ہونی شروع ہوئیں۔ اور

۱؎ "الفتح" قاہرہ ۲۰ رجمادی الآخر مطابق ۲۲ راکتوبر ۱۹۳۲ء (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد ۲ صفحہ ۶)

جماعت نے وہ کام کیا جس کی توفیق مخالف ترین اخبار الفتح کے قول کے مطابق کسی بڑے سے بڑے اسلامی بادشاہ کو بھی آج تک نہیں مل سکی۔ اب تم روزانہ پڑھتے ہو۔ کہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم اور بھی ترقی کرو گے۔ اور اس وقت تمہار چندہ ۲۰، ۲۵ لاکھ سالانہ نہیں ہوگا۔ بلکہ کروڑ دو کروڑ پانچ کروڑ دس کروڑ۔ بیس کروڑ پچاس کروڑ۔ ارب۔ کھرب۔ پدم بلکہ اس سے بھی بڑھ جائے گا۔ اور پھر تم دنیا کے چپہ چپہ میں اپنے مبلغ رکھ سکو گے۔ انفرادی لحاظ سے تم اس وقت بھی غریب ہو گے لیکن اپنے فرض ادا کرنے کی وجہ سے ایک قوم ہونے کے لحاظ سے تم امریکہ سے بھی زیادہ مالدار ہو گے۔ دنیا میں ہر جگہ تمہارے مبلغ ہوں گے۔ اور جتنے تمہارے مبلغ ہوں گے۔ اتنے افسر دنیا کی کسی بڑی سے بڑی قوم کے بھی نہیں ہوں گے۔ امریکہ کی فوج کے بھی اتنے افسر نہیں ہوں گے۔ جتنے تمہارے مبلغ ہوں گے۔ اور یہ محض تمہارے ایمان اور اخلاص کی وجہ سے ہوگا۔ اگر تم اپنے ایمان کو قائم رکھو گے تو تم اس دن کو دیکھ لو گے"۔ [1]

۲- "پچھلے مہینہ میں ہی میں نے ایک رؤیا دیکھا تھا کہ کوئی غیر مرئی وجود مجھے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو وقفہ وقفہ کے بعد جماعت میں فتنہ پیدا ہونے دیتا ہے تو اس سے اس کی غرض یہ ہے کہ وہ ظاہر کرے کہ جماعت کس طرح آپ کے پیچھے پیچھے چلتی ہے یا جب آپ کسی خاص طرف مڑیں تو کس سرعت کے ساتھ آپ کے ساتھ مڑتی ہے یا جب آپ اپنی منزلِ مقصود کی طرف جائیں تو وہ کس طرح اسی منزلِ مقصود کو اختیار کر لیتی ہے"۔

(الفضل ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء صلہ)

اب دیکھو یہ فتنہ بھی جماعت کے لیے ایک آزمائش تھی لیکن بعض لوگ یہ دیکھ کر ڈر گئے کہ اس میں حصہ لینے والے حضرت خلیفہ اوّل کے لڑکے ہیں۔ انہوں نے اس بات پر غور نہ کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بھی آپ کا انکار کیا تھا اور اس انکار کی وجہ سے وہ عذابِ الٰہی سے بچ نہیں سکا۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کی اولاد کے اس فتنہ میں ملوث ہونے

---

[1] الفضل ۲۴ر اپریل ۱۹۵۷ء صفحہ ۵ کالم ۱، ۲ (اجتماع خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

کی وجہ سے ہمیں کس بات کا خوف ہے۔ اگر وہ فتنہ میں ملوث ہیں تو خدا تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کریگا۔ شروع شروع میں جب فتنہ اٹھا تو چند دنوں تک بعض دوستوں کے گھبراہٹ کے خطوط آئے اور انہوں نے لکھا کہ ایک چھوٹی سی بات کو بڑا بنا دیا گیا ہے۔ اللہ رکھا کی بھلا حیثیت ہی کیا ہے۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ساری جماعت اپنے ایمان اور اخلاص کی وجہ سے ان لوگوں سے نفرت کرنے لگ گئی۔ اور مجھے خطوط آنے شروع ہوئے کہ آپ کے اور بھی بہت سے کارنامے ہیں۔ مگر اس بڑھاپے کی عمر میں اور ضعف کی حالت میں جو یہ کارنامہ آپ نے انجام دیا ہے۔ یہ اپنی شان میں دوسرے کارناموں سے بڑھ گیا ہے۔ آپ نے بڑی جرأت اور ہمت کے ساتھ ان لوگوں کو ننگا کر دیا ہے جو بڑے بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور سلسلہ کو نقصان پہنچانے کے درپے تھے اس طرح آپ نے جماعت کو تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا ہے۔ مری میں مجھے ایک غیر احمدی کرنیل ملے۔ انہوں نے کہا کہ جو واقعات ۱۹۵۳ء میں احمدیوں پر گزرے تھے وہ اب پھر ان پر گزرنے والے ہیں اس لیے آپ ابھی سے تیاری کرلیں اور میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ ۱۹۵۳ء میں تو پولیس اور ملٹری نے آپ کی حفاظت کی تھی لیکن اب وہ آپ کی حفاظت نہیں کرے گی کیونکہ اس وقت جو واقعات پیش آئے تھے ان کی وجہ سے وہ ڈر گئی ہے۔ جب وہ خاموش ہوئے تو میں نے کہا۔ کرنل صاحب پچھلی دفعہ میں نے کونسا تیر مارا تھا جو اب ماروں گا۔ پچھلی دفعہ بھی خدا تعالیٰ نے ہی جماعت کی حفاظت کے سامان کیے تھے اور اب بھی وہی اس کی حفاظت کرے گا۔ جب میرا خدا زندہ ہے تو مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میری اس بات کا کرنل صاحب پر گہرا اثر ہوا۔ چنانچہ جب میں ان کے پاس سے اٹھا اور دہلیز سے باہر نکلنے لگا تو وہ کہنے لگے فیتھ از بلائنڈ (FAITH IS BLIND) یعنی یقین اور ایمان اندھا ہوتا ہے وہ خطرات کی پرواہ نہیں کرتا جب کسی شخص میں ایمان پایا جاتا ہو تو اسے آڑے آنے والے مصائب کا کوئی فکر نہیں ہوتا۔ جب منافقین کا فتنہ اٹھا تو انہی کرنل صاحب نے ایک احمدی افسر کو جو ان کے قریب ہی رہتے تھے بلایا اور کہا کہ میری طرف سے مرزا صاحب کو کہہ دینا کہ آپ نے یہ کیا کیا ہے۔ اللہ رکھا کی بھلا حیثیت ہی کیا تھی۔ اس مضمون سے اسے بلا ضرورت شہرت مل جائے

گی - میں نے اس احمدی دوست کو خط لکھا کہ میری طرف سے کرنل صاحب کو کہہ دینا کہ آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ جماعت پر ۱۹۵۳ء والے واقعات دوبارہ آنے والے ہیں۔ آپ ابھی سے تیاری کرلیں اب جبکہ میں نے اس بارہ میں کارروائی کی ہے تو آپ نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ آپ خواہ مخواہ فتنہ کو ہوا دے رہے ہیں - جب میں دوبارہ مری گیا تو میں نے اس احمدی دوست سے پوچھا کہ کیا میرا خط آپ کو مل گیا تھا اور آپ نے کرنل صاحب کو میرا پیغام پہنچا دیا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں میں نے پیغام دے دیا تھا اور انہوں نے بتایا تھا کہ اب میری تسلی ہو گئی ہے شروع میں میں یہی سمجھتا تھا کہ یہ معمولی بات ہے - لیکن اب جبکہ پیغامی اور غیر احمدی دونوں فتنہ پردازوں کے ساتھ مل گئے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سے زیادہ عقلمندی اور کوئی نہیں تھی کہ آپ نے وقت پر اس فتنہ کو بھانپ لیا اور شرارت کو بے نقاب کر دیا ۔

غرض خدا تعالیٰ ہر فتنہ اور مصیبت کے وقت جماعت کی خود حفاظت فرماتا ہے۔ چنانچہ فتنہ تو اب کھڑا کیا گیا ہے لیکن خدا تعالیٰ نے ۱۹۵۰ء میں ہی کوئٹہ کے مقام پر مجھے بتا دیا تھا کہ بعض ایسے لوگوں کی طرف سے فتنہ اُٹھایا جانے والا ہے جنکی رشتہ داری میری بیویوں کی طرف سے ہے چنانچہ دیکھ لو عبدالوہاب میری ایک بیوی کی طرف سے رشتہ دار ہے - میری اس سے جدّی رشتہ داری نہیں - پھر میری ایک خواب جنوری ۱۹۳۵ء میں الفضل میں شائع ہو چکی ہے - اس میں بتایا گیا تھا کہ میں کسی پہاڑ پر ہوں کہ خلافت کے خلاف جماعت میں ایک فتنہ ظاہر ہوا۔ اس وقت میں مری میں ہی تھا پھر اس خواب میں میں نے سیالکوٹ کے لوگوں کو دیکھا جو موقع کی نزاکت سمجھ کر جمع ہو گئے تھے - اور ان کے ساتھ کچھ ان لوگوں کو بھی دیکھا جو باغی تھے - یہ خواب بھی بڑے شاندار طور پر پوری ہوئی - چنانچہ اللہ رکھا سیالکوٹ کا ہی رہنے والا ہے - جب میں نے اس کے متعلق الفضل میں مضمون لکھا تو خود اس کے حقیقی بھائیوں نے مجھے لکھا کہ پہلے تو ہمارا یہ خیال تھا کہ شاید اس پر ظلم ہو رہا ہے لیکن اب ہمیں پتہ لگ گیا ہے کہ وہ پیغامی ہے - اس نے ہمیں جو خطوط لکھے ہیں وہ پیغامیوں کے پتہ سے لکھے ہیں پس ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہم خلافت سے وفاداری کا عہد کرتے ہیں - اب دیکھو ۱۹۳۴ء میں مجھے اس فتنہ کا خیال کیسے آسکتا تھا - پھر ۱۹۵۰ء والی خواب بھی مجھے یاد نہیں تھی بلکہ ۱۹۵۰ء میں جب

سندھ سے کوئٹہ گیا تو اپنی ایک لڑکی کو جو بیمار تھی ساتھ لے گیا۔ اس نے اب مجھے یاد کرایا کہ ۱۹۵۰ء میں آپ نے ایک خواب دیکھی تھی جس میں یہ ذکر تھا کہ آپ کے رشتہ داروں میں سے کسی نے خلافت کے خلاف فتنہ اٹھایا ہے میں نے مولوی محمد یعقوب[1] صاحب کو وہ خواب تلاش کرنے پر مقرر کیا۔ چنانچہ وہ الفضل سے خواب تلاش کر کے لے آئے۔ اب دیکھو خدا تعالیٰ نے کتنی دیر پہلے مجھے اس فتنہ سے آگاہ کر دیا تھا اور پھر کس طرح یہ خواب حیرت انگیز رنگ میں پورا ہوا۔

ہماری جماعت کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ منافقت کی جڑ کو کاٹنا نہایت ضروری ہوتا ہے اگر اس کی جڑ کو نہ کاٹا جائے تو وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ[2] میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جماعت سے جو وعدہ فرمایا ہے اس کے پورا ہونے میں شیطان کئی قسم کی روکاوٹیں حائل کرسکتا ہے۔ دیکھو خدا تعالیٰ کا یہ کتنا شاندار وعدہ تھا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پورا ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت صرف اڑھائی سال کی تھی لیکن اس عرصہ میں خدا تعالیٰ نے جو تائید و نصرت کے نظارے دکھائے وہ کتنے ایمان افزا تھے حضرت ابوبکرؓ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ غلام تھے لیکن انہوں نے اپنے زمانہ خلافت میں رومی فوجوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ آخر اڑھائی سال کے عرصہ میں لاکھوں مسلمان تو نہیں ہو گئے تھے۔ اس وقت قریباً وہی مسلمان تھے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے تھے لیکن خلافت کی برکات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں وہ شان اور امنگ اور جرأت پیدا کی کہ انہوں نے اپنے مقابل پر بعض اوقات دو دو ہزار گنا تعداد کے لشکر کو بری طرح شکست کھانے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو آپ نے ایک طرف رومی سلطنت کو شکست دی تو دوسری طرف ایران کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے رکھ دیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت کا دور آیا۔ اس دور میں اسلامی فوج نے آذر بائیجان تک کا

---

[1] مراد مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر مرحوم انچارج شعبہ زود نویسی۔

[2] سورۃ النور: ۵۶

علاقہ فتح کرلیا۔ اور پھر بعض مسلمان افغانستان اور ہندوستان آئے۔ اور بعض افریقہ چلے گئے اور ان ممالک میں انہوں نے اسلام کی اشاعت کی یہ سب خلافت کی ہی برکات تھیں۔ [1]

۴۔" حضرت مسیح ناصریؑ کے انصار کی وہ شان نہیں تھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انصار کی تھی لیکن پھر بھی وہ اس وقت تک آپ کی خلافت کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور ان کی ایک وقت تک آپ کی خلافت کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور یہ ان کی ایک بہت بڑی خوبی ہے مگر تم پیغامیوں کی مدد کے لالچ میں آگئے اور انہوں نے خلافت کو مٹانے کی کوششیں شروع کر دیں اور زیادہ تر افسوس یہ ہے کہ ان لوگوں میں اس عظیم الشان باپ کی اولاد بھی شامل ہے جس کو ہم بڑی بڑی قدر اور عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کی وفات پر ۴۲ سال کا عرصہ گزر چکا ہے مگر میں ہر قربانی کے موقع پر آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ تحریک جدید ۱۹۳۴ء سے شروع ہے اور اب ۱۹۵۶ء ہے گویا اس پر ۲۲ سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ شاید حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کی اولاد خود بھی اس میں حصہ نہ لیتی ہو۔ لیکن میں ہر سال آپ کی طرف سے اس میں چندہ دیتا ہوں تاکہ آپ کی روح کو بھی ثواب پہنچے۔ پھر جب میں حج پر گیا تو اس وقت بھی میں نے آپ کی طرف سے قربانی کی تھی۔ اور اب تک ہر عید کے موقع پر آپ کی طرف سے قربانی کرتا چلا آیا ہوں۔ غرض ہمارے دل میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کی بڑی قدر اور عظمت ہے لیکن آپ کی اولاد نے جو نمونہ دکھایا وہ تمہارے سامنے ہے اس کے مقابلہ میں تم حضرت مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں کو دیکھو کہ وہ آج تک آپ کی خلافت کو سنبھالتے چلے آتے ہیں ہم تو اس مسیح کے صحابہ اور انصار ہیں جس کو مسیح ناصری پر فضیلت دی گئی ہے۔ مگر ہم جو افضل باپ کے روحانی بیٹے ہیں ہم میں بعض لوگ چندروپوں کے لالچ میں آگئے شاید اس طرح حضرت مسیح علیہ السلام سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ مماثلت بھی پوری ہونی تھی کہ جیسے آپ کے ایک حواری یہوداہ اسکریوطی نے رومیوں سے تیس روپے لے کر آپ کو بیچ دیا تھا اور اس طرح اس

---

[1] الفضل ۲۸؍اپریل ۱۹۵۰ء صفحہ ۵ کالم ۲ تا ۴۔ صفحہ ۶ کالم ۱۔ الفضل یکم مئی ۱۹۵۷ء صفحہ ۳ کالم ۱، ۲ (اجتماع خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

مسیح کی جماعت میں بھی بعض ایسے لوگ پیدا ہوئے تھے جنہوں نے پیغامیوں سے مدد لے کر جماعت میں فتنہ کھڑا کرنا تھا۔ لیکن ہمیں عیسائیوں کے صرف عیب ہی نہیں دیکھنی چاہئیں جہاں ان میں ہمیں یہ عیب نظر آتا ہے کہ ان میں سے ایک نے تیس روپے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام کو بیچ دیا وہاں اُن میں یہ خوبی بھی پائی جاتی ہے کہ آجتک جب کہ حضرت مسیح علیہ السلام پر دو ہزار سال کے قریب عرصہ گزر چکا ہے وہ آپ کی خلافت کو قائم رکھے ہوئے ہیں چنانچہ آج جب مَیں نے اس بات پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس چیز کا وعدہ بھی حواریوں نے کیا تھا چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام نے جب کہا مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ کہ خدا تعالیٰ کے رستہ میں میری کون مدد کرے گا تو حواریوں نے کہا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ ہم خدا تعالیٰ کے رستہ میں آپ کی مدد کریں گے۔ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ پس اس کے معنے یہ ہیں کہ ہم وہ انصار ہیں جن کو خدا تعالیٰ کی طرف نسبت دی گئی ہے اس لیے جب تک خدا تعالیٰ زندہ ہے اس وقت تک ہم بھی اس کی مدد کرتے رہیں گے چنانچہ دیکھ لو حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات پر قریباً دو ہزار سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن عیسائی لوگ برابر عیسائیت کی تبلیغ کرتے چلے جا رہے ہیں اور اب تک ان میں خلافت قائم چلی آتی ہے اب بھی ہماری زیادہ تر ٹکر عیسائیوں سے ہو رہی ہے جو مسیح علیہ السلام کے متبع اور ان کے ماننے والے ہیں اور جن کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجّال رکھتے ہوئے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے سارے نبی اس فتنہ کی خبر دیتے چلے آئے ہیں غرض وہ مسیح ناصری جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے ان پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ ان کے انصار نے اتنا جذبۂ اخلاص دکھایا کہ انہوں نے دو ہزار سال تک آپ کی خلافت کو مٹنے نہیں دیا کیونکہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اگر مسیح علیہ السلام کی خلافت مٹی تو مسیح علیہ السلام کا خود اپنا نام بھی دنیا سے مٹ جائے گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شروع عیسائیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک حواری نے آپ کو تیس روپے کے بدلہ میں دشمنوں کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ لیکن اب عیسائیت میں وہ لوگ پائے جاتے ہیں جو مسیحیت کی اشاعت اور حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا منوانے کے لئے کروڑوں کروڑ روپیہ دیتے ہیں اس طرح اس بات میں بھی

کوئی شبہ نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ نے اپنے زمانے میں بڑی قربانی کی ہے لیکن آپ کی وفات پر ابھی صرف ۴۸ سال ہی ہوئے کہ جماعت میں سے بعض ڈانوا ڈول ہونے لگے ہیں اور پیغامیوں سے چند روپے لے کر ایمان کو بیچنے لگے ہیں حالانکہ ان میں سے بعض پر سلسلہ نے ہزار ہا روپے خرچ کئے ہیں میں پچھلے حسابات نکلوا رہا ہوں اور میں نے دفتر والوں سے کہا ہے کہ وہ بتائیں کہ صدر انجمن احمدیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کی کتنی خدمت کی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فوت ہوئے ۴۸ سال ہو چکے ہیں۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کی وفات پر ۴۲ سال کا عرصہ گزر چکا ہے گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فاصلہ زیادہ ہے اور پھر آپ کی اولاد بھی زیادہ ہے لیکن اس کے باوجود میں نے حسابات نکلوائے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر انجمن احمدیہ نے حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کے خاندان کی نسبت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان پر کم خرچ کیا ہے لیکن پھر بھی حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کی اولاد میں یہ لالچ پیدا ہوئی کہ خلافت کو سنبھالو یہ ہمارے باپ کا حق تھا جو ہمیں ملنا چاہیئے تھا چنانچہ سندھ سے ایک آدمی نے مجھے لکھا کہ میاں عبدالمنان کے بھانجے مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی کا ایک پروردہ شخص بشیر احمد آیا اور اس نے کہا کہ خلافت تو حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کا مال تھا اور ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد کو ملنا چاہیئے تھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد نے اسے غصب کر لیا اب ہم سب نے مل کر یہ کوشش کرنی ہے کہ اس حق کو دوبارہ حاصل کریں پھر میں نے میاں عبدالسلام صاحب کی پہلی بیوی کے سوتیلے بھائی کا ایک خط پڑھا جس میں اس نے اپنے سوتیلے ماموں کو لکھا کہ مجھے افسوس ہے کہ مشرقی بنگال کی جماعت نے ایک ریزولیوشن پاس کر کے اس فتنہ سے نفرت کا اظہار کیا ہے ہمیں تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے تھا۔ ہمارے لیے تو موقعہ تھا کہ ہم کوشش کر کے اپنے خاندان کی وجاہت کو دوبارہ قائم کرتے یہ ویسی ہی نامعقول حرکت ہے جیسی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر لاہور کے بعض مخالفین نے کی تھی۔ انہوں نے آپ کے نقلی جنازے نکالے اور آپ کی وفات پر خوشی کے شادیانے بجائے وہ تو دشمن تھے لیکن یہ لوگ احمدی کہلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اس موقع

سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اور اپنے خاندان کی وجاہت کو قائم کرنا چاہیئے حالانکہ حضرت خلیفہ اوّل کو جو عزت اور درجہ ملا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے طفیل ملا ہے اب جو چیز آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طفیل مل تھی وہ ان لوگوں کے نزدیک ان کے خاندان کی جائیداد بن گئی"۔[1]

۴۔ "اب آپ لوگوں کا کام ہے۔ کہ اپنی ساری زندگی آپ کے لائے ہوئے پیغام کی خدمت میں لگا دیں۔ اور کوشش کریں کہ آپ کے بعد آپ کی اولاد پھر اس کی اولاد اور پھر اس کی اولاد بلکہ آپ کی آئندہ ہزاروں سال کی نسلیں اس کی خدمت میں لگی رہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خلافت کو قائم رکھیں۔ مجھ پر یہ بہتان لگایا گیا ہے کہ۔

گویا میں اپنے بعد اپنے کسی بیٹے کو خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر میرا کوئی بیٹا ایسا خیال بھی دل میں لائے گا تو وہ اسی وقت احمدیت سے نکل جائے گا۔ بلکہ میں جماعت سے کہتا ہوں۔ کہ وہ دعائیں کریں کہ خدا تعالیٰ میری اولاد کو اس قسم کے وسوسوں سے پاک رکھے ایسا نہ ہو کہ اس پروپیگنڈا کی وجہ سے میرے کسی کمزور بچے کے دل میں خلافت کا خیال پیدا ہو جائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے غلام تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو آقا تھے اگر ان کی اولاد میں بھی کسی وقت یہ خیال پیدا ہو۔ کہ وہ خلافت کو حاصل کریں۔ تو وہ بھی تباہ ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ چیز خدا تعالیٰ نے اپنے قبضہ میں رکھی ہوئی ہے۔ اور جو خدا تعالیٰ کے مال کو اپنے قبضہ میں لینا چاہتا ہے۔ وہ چاہے کسی نبی کی اولاد ہو یا کسی خلیفہ کی۔ وہ تباہ و برباد ہو جائیگا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے گھر میں چوری نہیں ہو سکتی۔ چوری ادنیٰ لوگوں کے گھروں میں ہوتی ہے۔ اور قرآن کریم کہتا ہے:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (سورۃ النور آیت: ۵۶)

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۲ مارچ ۱۹۵۶ء صہ ۴تا۵ (اجتماع مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

کہ مومنوں سے خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔کہ وہ انہیں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جیسے اس نے اس سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔گویا خلافت خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور اس نے خود دینی ہے۔جو اسے لینا چاہتا ہے۔ چاہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیٹا ہو یا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا وہ یقیناً سزا پائے گا۔پس یہ مت سمجھو کہ یہ فتنہ جماعت کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔لیکن پھر بھی تمہارا یہ فرض ہے کہ تم اس کا مقابلہ کرو اور سلسلہ احمدیہ کو اس سے بچاؤ۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے رسول کریمؐ سے وعدہ کیا تھا کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ[1]۔ وہ آپ کو لوگوں کے حملوں سے بچائے گا اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ سے زیادہ سچا اور کس کا وعدہ ہو سکتا ہے۔مگر کیا صحابہ نے کبھی آپ کی حفاظت کا خیال چھوڑا۔بلکہ صحابہؓ نے ہر موقعہ پر آپ کی حفاظت کی۔ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر سے باہر ہتھیاروں کی آواز سُنی تو آپ باہر نکلے۔اور دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ہم انصار ہیں۔چونکہ اردگرد دشمن جمع ہے اس لیے ہم ہتھیار لگا کر آپ کا پہرہ دینے آئے ہیں۔اس طرح جنگِ احزاب میں جب دشمن حملہ کرتا تھا۔تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طرف جاتا تھا۔آپ کے ساتھ اس وقت صرف سات سو صحابہؓ تھے۔کیونکہ پانچ سو صحابہؓ کو آپؐ نے عورتوں کی حفاظت کے لیے مقرر کر دیا تھا۔اور دشمن کی تعداد اس وقت سولہ ہزار سے زیادہ تھی۔لیکن اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔اور دشمن ناکام ونامراد رہا۔میور جیسا دشمنِ اسلام لکھتا ہے ،کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی فتح اور کفار کے شکست کھانے کی یہ وجہ تھی کہ کفار نے مسلمانوں کی اس محبت کا جو انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تھی۔ غلط اندازہ لگایا تھا۔وہ خندق سے گزر کر سیدھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کا رُخ کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے مسلمان مرد عورتیں اور بچے سب مل کر ان پر حملہ کرتے اور ایسا دیوانہ وار مقابلہ کرتے کہ کفار کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیتے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر کفار یہ غلطی نہ کرتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی بجائے کسی اور جہت میں حملہ کرتے تو وہ کامیاب ہوتے۔لیکن وہ سیدھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کا رُخ کرتے تھے۔اور مسلمانوں کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت

---

[1] المائدہ : ۶۸

محبت تھی۔ وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ کہ دشمن آپ کی ذات پر حملہ آور ہو۔ اس لیے وہ بے جگری سے حملہ کرتے۔ اور کفار کا منہ توڑ دیتے۔ ان کے اندر شیر کی سی طاقت پیدا ہو جاتی تھی اور وہ اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ یہ وہ سچی محبت تھی۔ جو صحابہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی آپ لوگ بھی ان جیسی محبت اپنے اندر پیدا کریں۔ جب آپ نے انصار کا نام قبول کیا ہے، تو ان جیسی محبت بھی پیدا کریں۔ آپ کے نام کی نسبت خدا تعالیٰ سے ہم اور خدا تعالیٰ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اس لیے تمہیں بھی چاہیئے کہ خلافت کے ساتھ ساتھ انصار کے نام کو ہمیشہ کے لیے قائم رکھو۔ اور ہمیشہ دین کی خدمت میں لگے رہو۔ کیونکہ اگر خلافت قائم رہیئے گی، تو اس کو انصار کی بھی ضرورت ہو گی۔ خدام کی بھی ضرورت ہوگی۔ اور اطفال کی بھی ضرورت ہو گی۔ ورنہ اکیلا آدمی کوئی کام نہیں کر سکتا۔ دیکھو حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حواری دیئے ہوئے تھے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کی جماعت دی۔ اسی طرح اگر خلافت قائم رہے گی۔ تو ضروری ہے کہ اطفال الاحمدیہ۔ خدام الاحمدیہ۔ انصار اللہ بھی قائم رہیں۔ اور جب یہ ساری تنظیمیں جاری اور قائم رہیں گی۔ تو خلافت بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے قائم رہے گی۔ کیونکہ جب دنیا دیکھے گی کہ جماعت کے لاکھوں لاکھ آدمی خلافت کے لیے جان دینے پر تیار ہیں تو جیسا کہ میور کے قول کے مطابق جنگِ احزاب کے موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ پر حملہ کرنے کی وجہ سے حملہ آور بھاگ جانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اسی طرح دشمن اُدھر رُخ کرنے کی جراُت نہیں کرے گا وہ سمجھے گا کہ اس کے لیے لاکھوں اطفال الاحمدیہ۔ خدام الاحمدیہ اور انصار جانیں دینے کے تیار ہیں اس لیے اگر اس نے حملہ کیا۔ تو وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

غرض دشمن کسی رنگ میں بھی آئے جماعت اس سے دھوکا نہیں کھائے گی۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش ۔ من انداز قدت را مے شناسم

تُو کسی رنگ کا کپڑا پہن کر آجائے۔ تُو کوئی بھیس بدل لے۔ میں تیرے دھوکہ میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ میں تیرا قد پہچانتا ہوں۔ اسی طرح چاہے خلافت کا دشمن حضرت خلیفۂ اوّل کی اولاد کی شکل میں آئے۔ اور چاہے وہ کسی بڑے اور مقرب صحابی کی اولاد کی شکل میں آئے ایک مخلص آدمی

اسے دیکھ کر یہی کہے گا۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش   من انداز قدت را مے شناسم

تو کسی رنگ میں بھی آ اور کسی بھیس میں بھی آ۔ میں تیرے دھوکہ میں نہیں آسکتا کیونکہ میں تیری چال اور قد کو پہچانتا ہوں۔ تو چاہے مولوی محمد علی کا جبہ پہن لے چاہے انجمن احمدیہ اشاعت اسلام کا جبہ پہن لے یا حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد کا جبہ پہن لے میں تمہیں پہچان لونگا اور تیرے دھوکہ میں نہیں آؤں گا۔ مجھے راولپنڈی کے ایک خادم نے ایک دفعہ لکھا تھا کہ شروع شروع میں اللہ رکھا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مری کے امیر کے نام مجھے ایک تعارفی خط لکھدو میں نے کہا کہ میں کیا لکھوں مری جاکر پوچھ لو کہ وہاں کی جماعت کا کون امیر ہے۔ مجھے اس وقت فوراً خیال آیا کہ یہ کوئی منافق ہے۔ چنانچہ میں لاحول پڑھنا شروع کر دیا۔ اور آدھ گھنٹہ تک پڑھتا رہا۔ اور سمجھا کہ شاید مجھ میں بھی کوئی نقص ہے۔ جس کی وجہ سے یہ منافق میرے پاس آیا ہے۔ تو احمدی عقلمند ہوتے ہیں۔ وہ منافقوں کے فریب میں نہیں آتے۔ کوئی کمزور احمدی ان کے فریب میں آجائے تو اور بات ہے۔ ورنہ اکثر احمدی انہیں خوب جانتے ہیں۔ اب انہوں نے لاہور میں اشتہارات چھاپنے شروع کیے ہیں جب مجھے بعض لوگوں نے یہ اطلاع دی۔ تو میں نے کہا گھبراؤ نہیں۔ پیسے ختم ہو جائیں گے تو خود بخود اشتہارات بند ہو جائیں گے۔ مجھے لاہور سے ایک دوست نے لکھا۔ کہ اب ان لوگوں نے یہ سکیم بنائی ہے کہ وہ اخباروں میں شور مچائیں۔ اور اشتہارات شائع کریں۔ وہ دوست نہایت مخلص ہیں۔ اور منافقوں کا بڑے جوش سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ مگر منافق اسے کذّاب کا خطاب دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ شخص یونہی ہمارے متعلق خبریں اڑاتا رہتا ہے۔ لیکن ہم اِسے جھوٹا کیونکر کہیں۔ ادہر ہمارے پاس یہ خبریں پہنچیں کہ ان لوگوں نے یہ سکیم بنائی ہے کہ اشتہارات شائع کیے جائیں۔ اور ادہر لاہور کی جماعت نے ہمیں ایک اشتہار بھیج دیا۔ جو ان منافقین نے شائع کیا تھا۔ اور جب بات پوری ہو گئی۔ تو ہم نے سمجھ لیا۔ کہ اس دوست نے جو خبر بھیجی تھی وہ سچی ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو حقیقی انصار بنائے۔ چونکہ تمہاری نسبت اس کے نام سے ہے۔ اس لیے جس طرح وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس طرح وہ آپ لوگوں کی تنظیم کو بھی تا قیامت زندہ رکھے۔ اور جماعت میں خلافت بھی قائم رہے۔ اور

کی سپاہ بھی قائم رہے ۔ لیکن ہماری فوج تلواروں والی نہیں۔ ان انصار میں تو بعض ایسے ضعیف ہیں کہ ان سے ایک ڈنڈا بھی نہیں اٹھایا جا سکتا ۔ لیکن پھر بھی یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فوج ہیں اور ان کی وجہ سے احمدیت پھیلی ہے ۔"[1]

۵ ۔ "آج ہی مجھے میرے نائی نے ایک لطیفہ سنایا کہ اس نے بتایا کہ میں میاں عبدالمنان صاحب کی حجامت بنانے گیا ۔ تو انہوں نے کہا کیا تم ڈر گئے تھے کہ حجامت بنانے نہ آئے یا تمہیں کسی نے روکا تھا میں نے کہا مجھے تو کوئی ڈر نہیں اور نہ کسی نے مجھے روکا ہے حجامت بنانا تو انسانی حق ہے اس سے مجھے کوئی نہیں روکتا اس لیے میں آگیا ہوں پھر میں نے کہا میاں صاحب میں آپ کو ایک قصہ سناتا ہوں ۔ کہ پشاور سے ایک احمدی قادیان آیا اور وہ میاں شریف احمد صاحب سے ملنے کے لیے اُن کے مکان پر گیا ۔ اتفاقاً میں بھی اس وقت حجامت بنانے کے لیے ان کے دروازہ پر کھڑا تھا ہمیں معلوم ہوا کہ میاں صاحب اس وقت سو رہے ہیں اس پر میں نے کہا میں تو حجامت بنانے کے لیے آیا ہوں انہیں اطلاع دے دی جائے لیکن وہ دوست مجھے بڑے اصرار سے کہنے لگے کہ ان کی نیند خراب نہ کریں لیکن میں نے نہ مانا اور میاں صاحب کو بھجوا دی ۔ جس پر انہوں نے مجھے بھی اور اس دوست کو بھی اندر بلا لیا ۔ وہاں ایک چارپائی پڑی ہوئی تھی ۔ میں نے انہیں کہا کہ اس پر بیٹھ جائیے ۔ کہنے لگے ۔ میں نہیں بیٹھتا میں نے سمجھا شاید یہ چارپائی پر بیٹھنا پسند نہیں کرتے اس لیے میں ان کے لیے کرسی اٹھا لایا ۔ لیکن وہ کرسی پر بھی نہ بیٹھے اور دروازہ کے سامنے جہاں جوتیاں رکھی جاتی ہیں وہاں پائیدان پر جا کر بیٹھ گئے ۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ نے کیا کیا میں نے چارپائی دی لیکن آپ نہ بیٹھے پھر کرسی دی تب بھی آپ نہ بیٹھے اور ایک ایسی جگہ جا کر بیٹھ گئے جہاں بوٹ وغیرہ رکھے جاتے ہیں کہنے لگے میں تمہیں ایک قصہ سناؤں ۔ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رفیق ہوں میں ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملنے کے لیے آیا آپ مسجد مبارک میں بیٹھے تھے ۔ اور دروازہ کے پاس جوتیاں پڑی تھیں ایک آدمی سید تھے ۔ ساد ھے کپڑوں والا آ گیا ۔ اور آ کر جوتیوں میں بیٹھ گیا ۔ میں نے سمجھا یہ کوئی

---

[1] الفضل ۲۴ مارچ ۱۹۵۷ء ص ۵ ۔ ۶ (اجتماع مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

جوتی چور ہے چنانچہ میں نے اپنی جوتیوں کی نگرانی شروع کر دی کہ کہیں وہ لے کر بھاگ نہ جائے کہنے لگے اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہو گئے اور میں نے سُنا کہ آپ کی جگہ کوئی اور شخص خلیفہ بن گیا ہے اس پر میں بیعت کرنے کے لیے آیا۔ جب میں نے بیعت کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ وہی شخص صاحب کو میں نے اپنی بے وقوفی سے جوتی چور سمجھا تھا یعنی حضرت خلیفۂ اوّل۔ اور میں اپنے دل میں سخت شرمندہ ہوا آپ کی عادت تھی کہ آپ جوتیوں میں آ کر بیٹھ جاتے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آواز دیتے تو آپ ذرا آگے آ جاتے۔ پھر جب کہتے مولوی نورالدین صاحب نہیں آئے تو پھر کچھ اور آگے آ جاتے۔ اس طرح بار بار کہنے کے بعد کہیں وہ آگے آتے تھے۔ یہ قصہ سُنا کر میں نے انہیں کہا میاں آپ کے باپ نے جوتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر خلافت لی تھی۔ لیکن تم زور سے لینا چاہتے ہو۔ اس طرح کام نہیں بنے گا۔ تم اپنے باپ کی طرح جوتیوں میں بیٹھو اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو اس پر وہ چپ کر گیا۔ اور میری اس بات کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہم نے خود حضرت خلیفۂ اوّل کو دیکھا ہے آپ ...... بڑی مسکنت سے بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مجلس میں شادیوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ ڈپٹی محمد شریف صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفیق ہیں سناتے ہیں کہ حضرت خلیفۂ اوّل اُکڑوں بیٹھے ہوئے تھے یعنی آپ نے اپنے گھٹنے اٹھائے ہوئے تھے اور سر جھکا کر گھٹنوں میں رکھا ہوا تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مولوی صاحب جماعت کے بڑھنے کا ایک ذریعہ کثرتِ اولاد بھی ہے اس لیے میرا خیال ہے کہ اگر جماعت کے دوست ایک سے زیادہ شادیاں کریں تو اس سے بھی جماعت بڑھ سکتی ہے۔ حضرت خلیفۂ اوّل نے گھٹنوں پر سے سر اٹھایا۔ اور فرمایا حضور میں تو آپ کا حکم ماننے کے لیے تیار ہوں لیکن اس عمر میں مجھے کوئی شخص اپنی لڑکی دینے کے لیے تیار نہیں ہوگا اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنس پڑے تو دیکھو یہ انکسار اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب تھا جس کی وجہ سے انہیں یہ رتبہ ملا اب باوجود اس کے کہ آپ کی جماعت میں فتنہ پیدا کیا ہے لیکن اب بھی جماعت آپ کا احترام کرنے پر مجبور ہے اور آپ کے لیے دعائیں کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں میں اس انکسار اور محبت

کی جو آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی وہ عظمت ڈالی ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ کے بیٹوں نے مخالفت کی ہے پھر بھی ان کے باپ کی محبت ہمارے دلوں سے نہیں جاتی۔ پھر بھی ہم انہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند کرے کیونکہ انہوں نے اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مانا جب ساری دنیا آپ کی مخالف تھی۔ اسی طرح آجکل ضلع جھنگ کے بعض نئے احمدی ہوئے ہیں اُن میں ایک مولوی عزیز الرحمٰن صاحب ہیں جو عربی کے بڑے عالم ہیں اور ان کا ایک عربی قصیدہ الفضل میں بھی چھپ چکا ہے۔ ان کے والد جو اپنے بیٹے کیطرح عالم نہیں وہ یہاں آئے وہ کہیں جارہے تھے تو کسی نے میاں عبدالمنان کو آتا دیکھ کر انہیں بتایا کہ وہ میاں عبدالمنان ہیں۔ اس پر وہ دوڑتے ہوئے اس کے پاس پہنچے اور کہنے لگے میاں تیرے باپ کو اس در سے خلافت ملی تھی اب تجھے کیا ہوگیا ہے کہ تو بھاگ رہا ہے پھر پنجابی میں کہا کہ جا اور جاکر معافی مانگ۔ عبدالمنان نے کہا باباجی! میں نے تو معافی مانگی تھی وہ کہنے لگے اس طرح نہیں تو جاکر ان کی دہلیز پر بیٹھ جا اور وہاں سے ہل نہیں تجھے دھکے مار کر بھی وہاں سے نکالنا چاہیں تو اس وقت تک نہ اٹھ جب تک کہ تجھے معافی نہ مل جائے۔ مگر عبدالمنان نے اس نو احمدی کی بات بھی نہ مانی پھر میں نے بھی مری میں خطبہ دیا اور معافی کا طریق بتایا لیکن اس نے نہ تو اس طریق پر عمل کیا جو میں نے خطبہ میں بیان کیا تھا نہ اس طریق پر عمل کیا جو اس نئے احمدی نے اسے بتایا تھا اور اخباروں میں شور مچایا جارہا ہے بے شک وہ اور اس کے ساتھی اخباروں میں جتنا چاہیں شور مچالیں وہ اتنا شور تو نہیں مچا سکتے جتنا ۱۹۵۳ء میں جماعت کے خلاف مچایا گیا تھا مگر جو خدا ۱۹۵۳ء میں میری مدد کے لیے دوڑا ہوا آیا تھا وہ خدا اب بڈھا نہیں ہوگیا کہ وہ ۱۹۵۳ء میں دوڑ سکتا تھا اور اب نہیں دوڑ سکتا۔ بلکہ وہ اُس وقت بھی دوڑ سکتا تھا اور اب بھی دوڑ سکتا ہے۔ اور قیامت تک دوڑ سکے گا۔ جب بھی کوئی شخص احمدیت کو کچلنے کے لیے آگے آئے گا میرا خدا دوڑتا ہوا آجائے گا اور جو شخص احمدیت کو مٹانے کے لیے نیزہ مارنے کی کوشش کرے گا۔ میرا خدا اپنی چھاتی اس کے سامنے کر دے گا۔ اور تم یہ جانتے ہی ہو کہ میرے خدا کو نیزہ نہیں لگتا۔ جو شخص میرے خدا کے سینہ میں نیزہ مارنے

کی کوشش کرے گا وہ نیزہ اُلٹ کر خود اس کے اپنے سینہ میں جا لگے گا۔ اور جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اپنے ایمان کی وجہ سے محفوظ رہتی چلی جائے گی۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ آپ لوگ اپنے ایمان کو قائم رکھیں حضرت خلیفۃ المسیح اوّل سنایا کرتے تھے جب میں بھوپال میں پڑھا کرتا تھا تو وہاں ایک بزرگ تھے جنہیں میں اکثر ملنے جایا کرتا تھا۔ نیک آدمی تھے اور مجھ پر انہیں اعتماد تھا ایک دن کچھ وقفہ کے بعد میں انہیں ملنے کے لیے گیا تو کہنے لگے میاں تم سے ہم محبت کرتے ہیں جانتے ہو کیوں محبت کرتے ہیں ہم اس لیے تم سے محبت کرتے ہیں کہ کبھی کبھی تم آ جاتے ہو تو خدا تعالیٰ کی باتیں کر لیتے ہیں اس کے بعد پھر دنیا کی باتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ لیکن تم بھی کچھ عرصہ سے میرے پاس نہیں آئے تم نے کبھی قصاب کی دکان دیکھی ہے؟ مَیں نے کہا ہاں دیکھی ہے اس بزرگ نے کہا تم نے دیکھا نہیں کہ قصاب کچھ دیر گوشت کاٹنے کے بعد دو چھریوں کو آپس میں رگڑ لیتا ہے پتہ ہے وہ کیوں اس طرح کرتا ہے وہ اس لیے ایسا کرتا ہے کہ گوشت کاٹتے کاٹتے چھری پر چربی جم جاتی ہے اور وہ کند ہو جاتی ہے جب وہ اسے دوسری چھری سے رگڑتا ہے تو چربی صاف ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تم بھی مجھ سے خدا تعالیٰ کی باتیں کرتے ہو اس طرح وہ چربی جو دنیوی باتوں کی وجہ سے جم جاتی ہے دور ہو جاتی ہے اس لیے ناغہ نہ کیا کرو یہاں آتے رہا کرو آپ لوگ بھی اپنے بیوی بچوں کو خدا تعالیٰ کی باتیں سُناتے رہا کریں اور اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتے رہا کریں تاکہ خدا تعالیٰ ہمارے دلوں میں ہمیشہ ہمیش رہے۔ اور اس کی محبت ہمارے دل میں اتنی تیز ہو جائے کہ نہ صرف ہم اس کے عاشق ہوں بلکہ وہ بھی ہمارا عاشق ہو۔ اور یاد رکھو کہ کوئی شخص اپنے محبوب کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا اگر تم خدا تعالیٰ کے محبوب ہو جاؤ گے تو خدا تعالیٰ بھی تمہیں کبھی نہیں چھوڑے گا۔ بلکہ ابھی دشمن اپنے گھر سے نہیں نکلا ہو گا کہ تم دیکھو گے کہ خدا تعالیٰ عرش سے بھی نیچے اتر آیا ہے اور وہ خود تمہارے گھروں کا پہرہ دے گا۔"[1]

یومِ خلافت منانے کا ارشاد

۲۱ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو حضرت مصلح موعود نے ہدایت فرمائی کہ جماعتِ احمدیہ نظامِ خلافت کی اہمیت اور برکات کو

---

[1] الفضل ۲ مارچ ۱۹۵۷ء ص ۴-۶ (اجتماع انصار اللہ مرکزیہ)

تازہ رکھنے کے لیے ہمیشہ "یومِ خلافت" منایا جائے ۔ چنانچہ حضور نے اجتماع مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے موقع پر ارشاد فرمایا :-

"خلافت کی برکات کو یاد رکھیں اور کسی چیز کو یاد رکھنے کے لیے پرانی قوموں کا یہ دستور ہے کہ وہ سال میں اس کے لیے خاص طور پر ایک دن مناتی ہیں ۔ مثلاً شیعوں کو دیکھ لو وہ سال میں ایک دفعہ تعزیہ نکال لیتے ہیں تا قوم کو شہادتِ حسینؑ کا واقعہ یاد رہے ۔ اسی طرح میں بھی خدام کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ سال میں ایک دن خلافت ڈے کے طور پر منایا کریں ۔ اس میں وہ خلافت کے قیام پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور پرانی تاریخ کو دہرایا کریں ۔ پرانے اخبارات کا ملنا تو مشکل ہے ۔ لیکن الفضل نے پچھلے دنوں ساری تاریخ کو از سرِ نو بیان کر دیا ہے ۔ اس میں وہ گالیاں بھی آگئی ہیں ۔ جو پیغامی لوگ حضرت خلیفہ اوّل کو دیا کرتے تھے ۔ اور خلافت کی تائید میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے جو دعوے کیے ہیں وہ بھی نقل کر دیئے گئے ہیں ۔ تم اس موقعہ پر اخبارات سے یہ حوالے پڑھ کر سناؤ اگر سال میں ایک دفعہ خلافت ڈے منا لیا جایا کرے تو ہر سال چھوٹی عمر کے بچوں کو پرانے واقعات یاد ہو جایا کریں گے ۔ پھر تم یہ جلسے قیامت تک کرتے چلے جاؤ تا جماعت میں خلافت کا ادب اور اس کی اہمیت قائم رہے ۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی خلافت ۱۹۰۰ سال سے برابر قائم ہے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو درجہ میں ان سے بڑے ہیں ۔ خدا کرے ان کی خلافت دس ہزار سال تک قائم رہے ۔ مگر یہ اسی طرح ہو سکتا ہے ۔ کہ تم سال میں ایک دن اس غرض کے لیے خاص طور پر منانے کی کوشش کرو ۔ میں مرکز کو بھی ہدایت کرتا ہوں ۔ کہ وہ بھی ہر سال سیرت النبیؐ کے جلسوں کی طرح خلافت ڈے منایا کرے اور ہر سال یہ بتایا کرے ۔ کہ جلسہ میں ان مضامین پر تقاریر کی جائیں الفضل سے مضامین پڑھ کر نوجوانوں کو بتایا جائے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے خلافت احمدیہ کی تائید میں کیا کچھ فرمایا ہے اور پیغامیوں نے اس کے رد میں کیا کچھ لکھا ہے ۔ اسی طرح وہ رؤیا و کشوف بیان کیے جایا کریں جو وقت سے پہلے خدا تعالیٰ نے مجھے دکھائے اور جن کو پورا کر کے خدا تعالیٰ نے

ثابت کر دیا کہ اس کی برکات اب بھی خلافت سے وابستہ ہیں[1]

حضور کے اس ارشاد پر نظارت اصلاح و ارشاد نے احباب جماعت کے مشورہ سے الفضل سے الفضل ۹ نومبر ۱۹۵۶ء میں یہ اعلان کیا کہ ۲۷ مئی کو "یوم خلافت" مقرر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۵۷ء سے دنیا بھر کی احمدی جماعتیں اس تاریخ کو نہایت جوش و خروش اور باقاعدگی سے یوم خلافت منا رہی ہیں۔

ایک احمدی نوجوان کے تاثرات

ان اجتماعات نے احمدیوں کے قلبی خیالات و جذبات کی کایا پلٹ دی۔ خصوصاً وہ نوجوان جو ہنوز اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ معمولی بات کو خواہ مخواہ طول دے دیا گیا ہے کھلے بندوں اپنی کم فکری اور حضرت مصلح موعود کی اولوالعزمی کا اقرار کرنے لگے۔ مثلاً اُن دنوں چوہدری صلاح الدین صاحب کے ساتھ لاء کالج لاہور میں چک ۹، ضلع سرگودہا کے ایک احمدی نوجوان پڑھا کرتے تھے۔ یہ نوجوان جذباتی قسم کے تھے اور ان اجتماعات سے قبل اسی نہج پر چوہدری صاحب سے بحث کیا کرتے تھے[2] مگر اجتماع خدام الاحمدیہ نے ان کے دل و دماغ پر ایک انقلابی اثر ڈالا چنانچہ انہوں نے چوہدری صلاح الدین صاحب کو بذریعہ مکتوب لکھا کہ:۔

"جہاں تک جلسہ (اجتماع خدام الاحمدیہ۔ ناقل) سے استفادہ کا تعلق ہے میرے ذہن میں موجودہ فتنہ کے متعلق مکمل تبدیلی ہو چکی ہے۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ اگر حضور کو غلط فہمی (نعوذ باللہ) بھی لاحق ہو گئی ہے تو بھی قیام و استحکام نظام کے لیے خواہ آدھی جماعت بھی کٹ جائے تو بہرحال شجر تو قائم رہیگا اس لیے نئی کونپلیں پھوٹ پڑیں گی اور بالآخر فائدہ ہی ہوگا کیونکہ اصل اور جڑھ تو نظام ہے جن سے جماعت کی زندگی اور ترقی وابستہ ہے۔ لیکن اب میں نے حضور کی تقریر سُنی علمائے سلسلہ کے خیالات سُنے۔ اُن سے ملا۔ ایک ماہ سابقہ کی اخبارات پڑھیں خالد پڑھا اور غور کیا تو خود کو تاریکی میں پایا۔ اور کامل یقین ہو گیا کہ یہ احمدیت میں "وہابیت" "احراریت" کا مضبوط اور مؤثر حملہ تھا جس کو اس فضل عمر نے .... بلکہ جماعت کو آئندہ کے لیے ایک مستحکم بنیاد

---

[1] الفضل یکم مئی ۱۹۵۷ء صفحہ ۵ [2] یہ نوجوان انتقال کر چکے ہیں۔

پر کھڑا کر دیا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں سابقہ جملہ کام سے یہ کارنامہ اعلیٰ شان رکھتا ہے۔ .... مَیں سمجھتا ہوں اگر یہ کام نہ ہوتا تو اس شخص کی زندگی میں تو شاید عیاں طور پر فتنہ نہ اٹھتا۔ لیکن بعد ازاں عثمانی دور اور علوی دور بیک وقت آکر بربریت کی فضاء میں تحریک کو ختم کر دیتے۔ اندھے اور احمق ہیں وہ جو اس شخص کی پیروی نہیں کرتے۔ اس کی اندھی تقلید یقیناً دور اندیشی اور عقل کی انتہا ہے آپ لوگ ہی خوش قسمت ہیں[1]

قلمی جہاد اور علمی لٹریچر کی اشاعت

جماعتِ احمدیہ کا مرکزی پریس ان دنوں فتنہ منافقین کے اثرات کو زائل کرنے اور ان کے ہمنواؤں کے زہریلے پراپیگنڈہ کا جواب دینے کے لیے وقف رہا۔ جماعت کے جن ممتاز اہلِ قلم اصحاب نے اس قلمی جہاد میں بھرپور حصّہ لیا ان میں چوہدری فتح محمد صاحب سیال (ناظر اصلاح و ارشاد) ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؔ امیر جماعت احمدیہ گجرات۔ مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جن کی سعی وجدوجہد سے مندرجہ ذیل رسائل یا کتابیں چھپ کر سلسلہ کے لٹریچر میں مفید اضافہ کا موجب بنیں:۔

۱۔ "میاں محمد صاحب مل اونر لائلپور کی کھُلی چِٹھی[2] بنام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ امام جماعت احمدیہ کا جواب" (از حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ناظر اصلاح و ارشاد

۲۔ میاں محمد صاحب کی کھُلی چِٹھی کے جواب کا تتمہ (؍؍ ایضاً ؍؍)

۳۔ چوہدری محمد حسن چیمہ کی افتراء پردازیوں کا جواب (از قلم جناب ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم ایڈووکیٹ گجرات)

۴۔ اے منکرین خلافت کی مغالطہ انگیزیوں کا جواب (از قلم حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ)

خلافت کی تائید اور فتنہ منافقین کی تردید میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب۔ ڈاکٹر حضرت حشمت اللہ خاں صاحب۔ مولانا ابوالعطاء صاحب، شیخ خورشید احمد صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل، شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی، مولانا شیخ عبدالقادر صاحب مربی

---

[1] ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ :: [2] مطبوعہ "پیغام صلح" ۲۲؍ اگست ۱۹۵۶ء ص ۷-۹

سلسلہ، سیّد احمد علی صاحب مربی سلسلہ۔ مولوی عبد المالک خاں صاحب مربی سلسلہ، ڈاکٹر شاہنواز خانصاحب چوہدری عبد اللہ خاں صاحب امیر جماعت کراچی، مولوی محمد احمد صاحب ثاقبؔ پروفیسر جامعۃ المبشرین اور دوسرے مخلصینِ سلسلہ کے معلوماتِ افروز مضامین الفضل میں سپردِ اشاعت ہوئے۔

فتنۂ منافقین کے انسداد و استیصال کے لیے حضرت مصلح موعود کا مندرجہ ذیل لٹریچر بھی دوبارہ شائع کیا گیا جس کے مطالعہ سے احمدیوں کو علم و معرفت کی نئی روشنی حاصل ہوئی۔

۱۔ لیکچر "اسلام میں اختلافات کا آغاز"

۲۔ "اختلافاتِ سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات" (کتاب آئینہ صداقت کا ابتدائی حصہ)

۳۔ خلافتِ احمدیہ کے مخالفین کی تحریک (خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل ۱۲ راپریل ۱۹۴۰ء)

انتخابِ خلافت کے نظامِ عمل کا اعلان

امام ہمام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء کے موقع پر ۲۷ دسمبر کو اپنی معرکہ آرا تقریر[1] میں متعدد مستند اور وقیع شہادتوں کی رُو سے ابنائے حضرت خلیفہ اوّل کے دیرینہ اور مخفی منصوبوں اور خلافِ احمدیت سرگرمیوں پر ایسے بلیغ رنگ میں روشنی ڈالی۔ کہ سلسلہ احمدیہ کی بیالیس ۴۲ سالہ تاریخ کے بہت سے مخفی گوشے بے نقاب ہو گئے نیز اگلے روز (۲۸ دسمبر) کو آئندہ کے لیے انتخابِ خلافت کے نظامِ عمل کا درج ذیل الفاظ میں اعلان فرمایا :-

"چونکہ اس وقت حضرت خلیفہ اوّل .... کے خاندان میں سے بعض نے اور ان کے دوستوں نے خلافت احمدیہ کا سوال پھر اٹھایا ہے اس لیے مَیں نے ضروری سمجھا کہ اس مضمون کے متعلق پھر کچھ روشنی ڈالوں اور جماعت کے سامنے ایسی تجاویز پیش کروں جن سے خلافت احمدیہ شرارتوں سے محفوظ ہو جائے۔

مَیں نے اس سے پہلے جماعت کے دوستوں کے مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ خلیفہ وقت

---

[1] یہ تقریر ۱۹۵۷ء میں "نظامِ آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر" کے نام سے شائع کر دی گئی۔

کی وفات کے بعد جماعت احمدیہ کی مجلس شوریٰ دوسرا خلیفہ چنے مگر موجودہ فتنہ نے بتادیا ہے کہ یہ طریق درست نہیں کیونکہ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ ہم خلیفہ ثانی کے مرنے کے بعد بیعت میاں عبدالمنان کی کریں گے اور کسی کی نہیں کریں گے اس سے پتہ لگا کہ ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ صرف دو تین آدمی ہی اگر کسی کی بیعت کرلیں تو وہ خلیفہ ہو جاتا ہے اور پھر اس سے یہ بھی پتہ لگا کہ جماعت میں خلفشار پیدا ہو سکتا ہے چاہے وہ خلفشار پیدا کرنے والا غلام رسول نمبر ۳۵ جیسا آدمی ہی ہو اور خواہ وہ ڈاہڈا جیسا گمنام آدمی ہی ہو وہ دعویٰ تو یہی کریں گے کہ خلیفہ چنا گیا ہے سو جماعت احمدیہ میں پریشانی پیدا ہوگی اس لیے وہ پرانا طریق جو طول عمل والا ہے میں اس کو منسوخ کرتا ہوں اور اس کی بجائے اس سے زیادہ قریبی طریقہ پیش کرتا ہوں بیشک ہمارا دعویٰ ہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے مگر اس کے باوجود تاریخ کی اس شہادت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خلیفے شہید بھی ہو سکتے ہیں جس طرح حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ شہید ہوئے اور خلافت ختم بھی کی جاسکتی ہے۔ جس طرح حضرت حسنؓ کے بعد خلافت ختم ہوگئی جو آیت میں نے اس وقت پڑھی ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں خلافت قائم رکھنے کا اللہ تعالیٰ کا وعدہ مشروط ہے کیونکہ مندرجہ بالا آیت میں یہی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلافت پر ایمان لانے والوں اور اس کے قیام کے لیے مناسب حال عمل کرنے والے لوگوں سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ ان میں خلافت کو قائم رکھے گا پس خلافت کا ہونا ایک انعام ہے پیشگوئی نہیں اگر پیشگوئی ہوتا تو حضرت امام حسنؓ کے بعد خلافت کا ختم ہونا نعوذ باللہ قرآن کریم کو جھوٹا قرار دیتا لیکن چونکہ قرآن کریم نے اس کو ایک مشروط انعام قرار دیا ہے اس لیے اب ہم یہ کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت امام حسنؓ کے زمانہ میں عام مسلمان کامل مومن نہیں رہے تھے اور خلافت کے قائم رکھنے کے لیے صحیح کوشش انہوں نے چھوڑ دی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس انعام کو واپس لے لیا اور باوجود خلافت کے ختم ہو جانے کے قرآن سچا رہا جھوٹا نہیں ہوا وہی صورت اب بھی ہوگی۔ اگر جماعت احمدیہ خلافت کے ایمان پر قائم رہی اور اس کے قیام کے لیے صحیح جدوجہد کرتی رہی تو اس میں بھی خلافت قیامت تک قائم رہے گی جس طرح عیسائیوں میں پوپ کی شکل میں اب تک قائم ہے گو وہ بگڑ گئی ہے میں نے بتا دیا ہے کہ اس کے بگڑنے کا احمدیت پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا مگر بہرحال اس فساد سے اتنا پتہ لگ جاتا ہے کہ شیطان ابھی مایوس نہیں ہوا پہلے تو شیطان کے پیغامیوں

کی جماعت بنائی لیکن بیالیس۴۲ سال کے انتظار کے بعد اسی باسی کڑھی میں پھر اُبال آیا اور وہ بھی لگے مولوی عبدالمنان اور عبدالوہاب کی تائید میں مضمون لکھنے اور ان میں سے ایک شخص محمد حسن چیمہ نے بھی ایک مضمون شائع کیا کہ ہمارا نظام اور ہمارا اسٹیج اور ہماری جماعت تمہاری مدد کے لیے تیار ہے شاباش ہمت کر کے کھڑے رہو مرزا محمود سے دبنا نہیں اس کی خلافت کے پردے چاک کر کے رکھ دو ہماری مدد تمہارے سامنے ہے کوئی اس سے پوچھے کہ تم نے مولوی محمد علی صاحب کو کیا مدد دے لی تھی آخر مولوی محمد علی صاحب بھی تو تمہارے لیڈر تھے خواجہ کمال الدین صاحب بھی لیڈر تھے ان کی تم نے کیا مدد کر لی تھی جو آج عبدالمنان اور عبدالوہاب کی کرو گے پس یہ باتیں محض ڈھکوسلے ہیں ان سے صرف ہم کو ہوشیار کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے مطمئن نہ ہو جانا اور یہ نہ سمجھنا خدا تعالیٰ چونکہ خلافت قائم کیا کرتا ہے اس لیے کوئی ڈر کی بات نہیں ہے۔ تمہارے زمانہ میں بھی فتنے کھڑے ہو رہے ہیں اور اسلام کے ابتدائی زمانہ میں بھی فتنے کھڑے ہوئے تھے اس لیے خلافت کو ایسی طرز پر چلاؤ جو زیادہ آسان ہو اور کوئی ایک دو لفنگے اٹھ کر اور کسی کے ہاتھ پر بیعت کر کے یہ نہ کہدیں کہ چلو خلیفہ مقرر ہو گیا ہے پس اسلامی طریق پر جو کہ میں آگے بیان کروں گا آئندہ خلافت کے لیے میں یہ قاعدہ منسوخ کرتا ہوں کہ شوریٰ انتخاب کرے بلکہ میں یہ قاعدہ مقرر کرتا ہوں کہ آئندہ جب بھی خلافت کے انتخاب کا وقت آئے تو صدر انجمن احمدیہ کے ناظر اور ممبر اور تحریک جدید کے وکلاء اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کے زندہ افراد اور اب نظر ثانی کرتے وقت میں یہ بات بھی بعض دوستوں کے مشورہ سے زائد کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفقاء بھی جن کو فوراً بعد تحقیقات صدر انجمن احمدیہ کو چاہیئے کہ صحابیت کا سرٹیفکیٹ دیدے اور جامعۃ المبشرین کے پرنسپل اور جامعہ احمدیہ کا پرنسپل اور مفتی سلسلہ احمدیہ اور تمام جماعتہائے پنجاب اور سندھ کے ضلعوں کے امیر اور مغربی پاکستان اور کراچی کا امیر اور مشرقی پاکستان کا امیر مل کر اس کا انتخاب کریں۔

اسی طرح نظر ثانی کرتے وقت میں یہ امر بھی بڑھاتا ہوں کہ ایسے سابق امراء جو دو دفعہ کسی ضلع کے امیر رہے ہوں گو انتخاب کے وقت بوجہ معذوری امیر نہ رہے ہوں وہ بھی لسٹ میں شامل کیے جائیں اسی طرح ایسے تمام مبلغ جو ایک سال تک غیر ملک میں کام کر آئے ہیں اور

بعد میں سلسلہ کی طرف سے اُن پر کوئی الزام نہ آیا ہوا ایسے مبلغوں کی لسٹ شائع کرنا مجلس تحریک کا کام ہوگا اسی طرح ایسے مبلغ جنہوں نے پاکستان کے کسی ضلع یا صوبہ میں رئیس التبلیغ کے طور پر کم از کم ایک سال کام کیا ہو ان کی فہرست بنانا صدر انجمن احمدیہ کے ذمہ ہوگا۔

مگر شرط یہ ہوگی کہ اگر وہ موقعہ پر پہنچ جائیں۔ سیکرٹری شوریٰ تمام ملک میں اطلاع دیدے کہ فوراً پہنچ جاؤ۔ اس کے بعد جو نہ پہنچے اس کا اپنا قصور ہوگا اور اس کی غیر حاضری خلافت کے انتخاب پہ اثر انداز نہیں ہوگی نہ یہ عذر سُنا جائے گا کہ وقت پر اطلاع شائع نہیں ہوئی یہ ان کا اپنا کام ہے کہ وہ پہنچیں سیکرٹری شوریٰ کا کام ان کو لانا نہیں اس کا کام صرف یہ ہوگا کہ وہ ایک اعلان کر دے اور اگر سیکرٹری شوریٰ کہے کہ میں نے اعلان کر دیا تھا تو وہ انتخاب جائز سمجھا جائے گا ان لوگوں کا یہ کہہ دینا یا ان میں سے کسی کا یہ کہہ دینا کہ مجھے اطلاع نہیں پہنچ سکی اس کی کوئی وقعت نہیں ہوگی نہ قانوناً نہ شرعاً۔ یہ سب لوگ مل کر جو فیصلہ کریں گے وہ تمام جماعت کے لیے قابل قبول ہوگا۔ اور جماعت میں سے جو شخص اس کی مخالفت کرے گا وہ باغی ہوگا۔ اور جب بھی انتخاب خلافت کا وقت آئے اور مقررہ طریق کے مطابق جو بھی خلیفہ چُنا جائے میں اس کو ابھی سے یہ بشارت دیتا ہوں کہ اگر اس قانون کے ماتحت وہ چنا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوگا۔ اور جو بھی اس کے مقابل میں کھڑا ہوگا وہ بڑا ہو یا چھوٹا ہو ذلیل کیا جائے گا اور تباہ کیا جائے گا۔ کیونکہ ایسا خلیفہ صرف اس لیے کھڑا ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کو پورا کرے کہ خلافتِ اسلامیہ ہمیشہ قائم رہے پس چونکہ وہ قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی باتوں کو پورا کرنے کے لیے کھڑا ہوگا اس لیے اُسے ڈرنا نہیں چاہیئے۔

جب مجھے خلیفہ چنا گیا تھا تو سلسلہ کے بڑے بڑے لیڈر سارے مخالف ہو گئے تھے اور خزانہ میں کُل اٹھارہ آنے تھے اب تم بناؤ اٹھارہ آنے میں ہم تم کو ایک ناشتہ بھی دے سکتے ہیں؟ پھر خدا تعالیٰ نے تم کو کھینچ کر لے آیا اور یا تو یہ حالت تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر صرف بارہ سو آدمی جمع ہوئے تھے اور یا آج کی رپورٹ یہ ہے کہ ربوہ کے آدمیوں کو ملا کر اس وقت جلسہ مردانہ اور زنانہ میں پچپن ہزار تعداد ہے۔ آج رات ۳۴ ہزار مہمانوں کو

کھانا کھلایا گیا ہے بارہ ہزار ربوہ والے ملائے جائیں تو پچپن ہزار ہو جاتا ہے۔ پس عورتوں اور مردوں کو ملا کر اس وقت ہماری تعداد ۵۵ ہزار ہے اس وقت بارہ سوچتی یہ پچپن ہزار کہاں سے آئے؟ خدا ہی لایا۔ پس میں ایسے شخص کو جس کو خدا تعالےٰ خلیفۂ ثالث بنائے ابھی بشارت دیتا ہوں کہ اگر وہ خدا تعالےٰ پر ایمان لا کر کھڑا ہو جائے گا تو منان وہاب اور پیغامی کیا چیز ہیں اگر دنیا کی حکومتیں بھی اس سے ٹکر لیں گی تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔ (نعرہائے تکبیر)

جماعت احمدیہ کو حضرت خلیفۂ اوّل کی اولاد سے ہرگز کوئی تعلق نہیں جماعت احمدیہ کو خدا کی خلافت سے تعلق ہے اور وہ خدا کی خلافت کے آگے اور پیچھے لڑے گی اور دنیا میں کسی شریر کو جو کہ خلافت کے خلاف ہے خلافت کے قریب بھی نہیں آنے دے گی۔[1]

انتخاب خلافت سے متعلّق تاریخی ریزولیوشن

حضرت مصلح موعود نے اپنی خدا داد بصیرت و فراست سے جس نظام عمل کا اعلان جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء کے موقع پر فرمایا تھا۔ اس کو حضور ہی کی اجازت سے مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری نے ۲۱ مارچ ۱۹۵۷ء کو مجلسِ مشاورت کے پہلے اجلاس میں ایک قرار داد کی صورت میں پیش کیا۔ جسے مُلک کے گوشے گوشے سے آنے والے تین سو اکتالیس (۳۴۱) نمائندگانِ جماعت نے دل کی گہرائیوں سے قبول کیا اور اس کے منظور کیے جانے کی سفارش کی۔ اور حضور نے بھی اسی نشست میں اس سفارش کی منظوری کا اعلان فرمایا۔ اِس طرح یہ نیا فتنہ جو قریباً آٹھ ماہ قبل ایک مہیب اور خوفناک طوفان بن کر ظاہر ہوا تھا۔ خدا کے موعود خلیفہ کے بروقت اور فیصلہ کُن اقدام کی برکت سے خلافت کے روحانی مینار کو پہلے سے بھی زیادہ مضبوط اور بلند کرنے کا موجب ہوا۔ ذیل میں مجلسِ مشاورت ۱۹۵۷ء کے اس پہلے اجلاس کی مکمل کارروائی درج کی جاتی ہے:۔

---

[1] "خلافت حقہ اسلامیہ" تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ناشر الشرکۃ الاسلامیہ۔ طبع اوّل ۱۹۵۷ء

حضرت مصلح موعود نے سب سے پہلے حاضرین سمیت لمبی دعا کرائی۔ اور پھر ارشاد فرمایا:۔

"اب میں باقی ایجنڈا شروع کرنے سے پہلے مولوی ابوالعطاء صاحب کو ہدایت دیتا ہوں کہ وہ ریزولیوشن جو میری ہدایت کے مطابق بنایا گیا ہے اور جلسہ سالانہ پر انتخابِ خلافت کے سلسلہ میں میں نے اس کا ذکر کیا تھا پڑھ کر سنائیں۔ اس پر مولوی ابوالعطاء صاحب سٹیج پر تشریف لائے اور آپ نے مندرجہ ذیل تقریر کی:۔

مسئلہ خلافت اسلام کا ایک اہم مسئلہ ہے اور جماعت احمدیہ نصف صدی سے پوری وضاحت اور یقین کے ساتھ اس پر قائم ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کا انتخاب ہوا تو جماعت نے بالاتفاق اس بات کا اظہار کیا کہ یہ مسئلہ جماعت کے لیے نیز اسلام کی حفاظت اور ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل...... کی وفات کے بعد خلافت ثانیہ کا دور شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر یہ امر ثابت کر دیا کہ جماعت کے انتظام اس کی ترقی اور اشاعت کے لیے خلافت کا وجود نہایت ضروری ہے پچھلے ۴۵ سال کا دور ہماری نظر کے سامنے سے گزرا ہے اور ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ کس طرح خلافت کے افضال اور برکات جماعت پر نازل ہوئی ہیں۔

حی و قیوم صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ ہر انسان جو اس دنیا میں پیدا ہوا ہے اُس نے ایک نہ ایک دن اس دنیا سے رخصت ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے امام کو لمبی اور صحت والی زندگی عطا فرمائے۔ لیکن یہ مسئلہ جماعت کے لیے انتہائی قابل توجہ ہے تا آئندہ جماعت میں تشتّت اور تفرقہ کی کوئی صورت پیدا نہ ہو۔

جماعت کے احباب کو علم ہے کہ بعض فتنہ پردازوں نے ایک گروہ بنا کر فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اُس نے ۱۹۵۶ء میں حضرت .... خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز پر منکشف فرمایا کہ بعض لوگ جاہ طلبی کی وجہ سے جماعت کے انتظام کو توڑنے اور اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حضور نے بیماری کے باوجود نہایت ہمت اور محنت سے اس فتنہ کی سرکوبی فرمائی۔ اور آپ سب لوگ اس بات کے گواہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے کس قدر آپ کی مدد اور نصرت فرمائی۔ حضور نے واضح فرمایا ہے کہ خلیفہ خدا

ہی مقرر فرماتا ہے۔اس کے لیے کوشش کرنا ناجائز ہے۔ خلافت ایک مقدس امانت ہے اور جماعت کا فرض ہے کہ وقت آنے پر نئے خلیفہ کا انتخاب کرے۔ لیکن ان جاہ طلب اور فتنہ پرداز لوگوں کو مایوس کرنے اور جماعت میں اتحاد کو مستحکم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ابھی سے خلافت کے انتخاب کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کرے ۔

مکرم مولوی صاحب نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا :۔

تازہ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین خلافتِ احمدیہ ابھی تک اپنی کوششوں میں سرگرم ہیں اور ہر رنگ میں جماعت میں تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس لیے جماعت کے ہر فرد کو چاہیئے کہ وہ ہر وقت بیدار رہے۔ تاکہ دشمن اپنے منصوبہ اور سازش میں کامیاب نہ ہوں۔ اب میں اس بات کے ثبوت میں کہ خلافت کے مخالف ابھی تک اپنی کوششوں میں سرگرم عمل ہیں بعض شہادتیں پیش کرتا ہوں ۔

مکرم جناب چوہدری عبداللہ خان صاحب امیر جماعت احمدیہ کراچی کی شہادت

مکرم چوہدری عبداللہ خانصاحب امیر جماعت احمدیہ کراچی فرماتے ہیں :۔

" غالباً فروری یا مارچ ۱۹۵۶ء کی بات ہے کہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی مجھ سے کراچی میں دو تین دفعہ ملنے کے لیے آئے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ میں انہیں مل نہ سکا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے پیغام بھجوایا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے کچھ وقت دیا جائے۔ میں نے یہ محسوس کر کے کہ وہ دو تین دفعہ مجھ سے پہلے بھی ملنے کی کوشش کر چکے ہیں مگر میں انہیں ملا نہیں حسنِ اخلاق کے ماتحت مناسب سمجھا کہ انہیں خود جا کر مل لوں کیونکہ وہ میری بیوی کے رشتہ دار ہیں۔ چنانچہ میں نے پیغامبر سے کہا کہ میں آج شام خود اس جگہ حاضر ہو جاؤں گا جہاں وہ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ان کا قیام اس وقت احمد غزنوی صاحب سپیشل جج کے ہاں تھا۔ شام کو میں حسب وعدہ اُن کے ہاں گیا۔ دوران گفتگو میں انہوں نے حضرت ...... ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ذکر شروع کر دیا۔ اور مجھے کہا کہ میں نے حضور کی بیعت کر لی ہے.....اور کہا میں صحیح کہہ رہا ہوں کہ میں نے بیعت کر لی ہے۔ اور اس کے بیان کرنے میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں۔ دوسرے

دن میں اور ملک اُن کے پاس گئے ۔ مَیں منصور ملک کو اُن کے پاس چھوڑ کر چلا گیا ۔ بعد میں منصور ملک صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ نے تو مجھے بتایا نہیں ۔ یہ بزرگ تو احمدی ہیں ۔ مَیں نے کہا ۔ یہ مجھ سے بھی یہی بات کہتے تھے ۔ لیکن اس بزرگ کا اعتبار نہیں ۔ یونہی منافقت کر رہے ہیں ۔ احمدی نہیں ہیں ۔"

۲۔ "دسمبر ۱۹۵۶ء کے تیسرے ہفتہ کا واقعہ ہے کہ عبدالرحمٰن غزنوی جو مولوی محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی کا بھانجا ہے ایک شادی کے سلسلہ میں مجھے میٹروپول ہوٹل میں ملا اور اُس نے کوئی گفتگو چھیڑ کر مجھے کہا کہ آپ لوگوں نے ہمارے ماموؤں کو جماعت سے نکال دیا ہے لیکن ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ہمارے نانا کی خلافت ہمارے ماموؤں کو مل جائے ۔ آپ بھی ہمارے ماموؤں کے ساتھ مل جائیں ۔ مَیں نے کہا ۔ مجھ سے تو مار کھائے گا ۔ کہنے لگا ۔ اگر آپ نہیں تو آپ کی اولاد ہمارے قابو آجائے گی ۔ مَیں نے کہا اس اولاد کی پیدائش سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ سے دعائیں شروع کر دی تھیں کہ اللہ تعالیٰ اسے شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھے ۔ اس لیے میری اولاد آپ لوگوں کے قابو نہیں آسکتی ۔ دوسرے خلافت خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ۔ وہ جس کو چاہے دے ۔ آپ کو ہماری خلافت کی اتنی فکر کیوں ہے ۔ پھر اپنے ماموؤں کے متعلق تو آپ کو اتنی گھبراہٹ ہے کم سے کم آپ نے اپنے نانا کی بیعت تو کر لی ہوتی کہنے لگا آپ لوگوں نے ہمارے ماموؤں کو جماعت سے نکال دیا ہے وہ خلیفہ ہوں یا نہ ہوں آپ لوگوں میں ہم نے اختلاف ضرور پیدا کر دیا ہے ۔ مَیں نے کہا ۔ شیطان کی جانشینی بھی تو کسی نے کرنی تھی ۔ دورانِ گفتگو میں اُس نے یہ بھی کہا کہ مَیں اللہ رکھا کو پچاس روپے ماہوار دیتا رہا ہوں ۔ یا یہ کہا کہ اب بھی بھی دے رہا ہوں ۔ بہرحال اس کا مفہوم یہی تھا ۔ مَیں نے اُسے کہا کہ میرے گھر آکر ذرا اپنی بہن کو بھی مل لو ۔ کہنے لگا ۔ مَیں گیا تو اُس نے بات تو سُنی نہیں جوتیاں مارنی شروع کر دینی ہیں ۔ مَیں نے کہا ۔ تمہارا علاج یہی ہے ۔

خاکسار عبداللہ خان امیر جماعت احمدیہ کراچی"

اس شہادت سے جو دسمبر ۱۹۵۶ء کے واقعات پر مشتمل ہے ثابت ہے کہ معترضین کا خاص مقصد خلافت کا حصول یا کم از کم جماعت احمدیہ میں تفرقہ پیدا کرنا ہے ۔ جس کا میاں

عبدالمنان صاحب کے رشتہ دار برملا اظہار کرتے ہیں۔ اس ناپاک سکیم کے لیے یہ لوگ اللہ رکھا جیسے انسان کو رقمیں دے کر بھی کام لے رہے ہیں۔

پس احباب جماعت کا فرض ہے کہ وہ محرضین کے فتنہ سے ہوشیار رہیں اور انہیں جماعت میں تفرقہ پیدا کرنے کے منصوبہ میں کامیاب نہ ہونے دیں۔

مکرم مولوی صاحب نے مزید فرمایا کہ:۔

"۷ر مارچ ۱۹۵۷ء کی بات ہے کہ عزیزم عطاءالرحیم حامد کو گولبازار میں سے گزرتے ہوئے ایک خط کا ایک ورق ملا۔ جو وہ اٹھا کر گھرلے آیا۔ وہ ورق میں آپ کو سناتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیارے ماموں صاحب: خدا تعالےٰ آپ کو عمر دراز دے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

صبح کا ایک بجنے کو ہے۔ میں ابھی ابھی منہ لپیٹ کر رضائی اوڑھے پڑا تھا۔ خیال آیا کہ ماموں جان نے کوئی خبر اپنے ہاتھ سے نہیں بھیجی۔ دل یا دماغ دونوں میں سے کسی ایک نے کچھ گلا شکوہ بھی تجویز کیا۔ پھر معاً خیال آیا کہ آپ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ بھلے مانس تم نے کیا ہماری خبر لی جو ہم پر دوش دیتے ہو۔ ماموں جان! جس بات نے مجھے اس وقت چراغ جلا کر لکھنے کو مجبور کیا ہے وہ یہ ہے کہ جناب کو جو صدمہ جماعت کی ناراضگی سے پہنچا ہے وہ غم وغصہ میں تبدیل ہو کر اللہ تعالیٰ نہ کرے کہ آپ کے ایمان کو ضائع کردے۔ پیارے ماموں! اگرچہ ظاہر میں آپ کی ربوہ سے ہجرت بُری نظر آتی ہے مگر اس سے خوبی جنم لیتی ہے۔ یہ موقعہ آپ کے ایمان کو اجاگر کرنے کے لیے بڑا ہی مبارک ہوسکتا ہے۔ اگر آپ زیادہ تبلیغ اسلام کی اپنے قلم سے کرسکیں۔ پیارے ماموں! خدا تعالیٰ وہ دن جلد لائے کہ لاہور کے ہر اخبار میں آپ کے ہدایت سے بھرپور مضمون نظر آنے لگیں اور احباب مجبور ہو کر یہ کہہ اٹھیں کہ یہ صاحب احمدی ہیں۔ آپ صرف کمربستہ ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا۔ پیارے ماموں یہی ایک طریقہ ہے جو آپ کو پریشانیوں سے نجات دلا سکتا ہے"

یہ خط ظاہر کرتا ہے کہ یہ میاں عبدالمنان صاحب کے نام لکھا گیا ہے۔ اور ان کی جیب سے

گرا ہے۔ وہ ان دنوں ربوہ آئے ہوئے تھے۔ اس خط میں انہیں یہ مشورہ دیا جا رہا ہے۔ کہ وہ اخبارات میں مضامین شائع کر کے یہ اثر قائم کریں کہ وہ احمدی ہیں تاکہ اپنی سکیم کو بروئے کار لا سکیں۔ ان منصوبوں کے ہوتے ہوئے جماعت کے لیے ضروری ہے کہ وہ انتخاب خلافت کے لیے کوئی مبین طریق تجویز کرے۔

جماعت پر یہ امر واضح ہے کہ انتخاب کے وقت جماعت کے ہر فرد کا حاضر ہونا ضروری نہیں۔ ارباب حل وعقد کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے میں سے ایک نہایت موزوں اور متقی شخص کو خلیفہ منتخب کرلیں اور باقی جماعتوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اس کی وفاداری کا حلف اٹھائیں۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:۔

(ترجمہ) "جب یہ طے ہوگیا کہ امام کا مقرر کرنا اجتماعی طور پر واجب ہے تو یہ امر فرض کفایہ قرار پایا۔ اب ارباب حل وعقد کے ذمہ ہوگا کہ وہ خلیفہ کا تقرر کریں اور باقی جماعت پر واجب ہوگا کہ سب کے سب خلیفہ کی اطاعت کریں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔"

(مقدمہ ابن خلدون صـ۱۶۱ مطبوعہ مصر)

شیخ رشید رضا صاحب ایڈیٹر "المنار" مصر نے اپنی کتاب "الخلافۃ" میں اس بات پر بحث کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

(ترجمہ) "اہلِ سنت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ خلیفہ مقرر کرنا فرض کفایہ ہے اور امت کے اربابِ حل وعقد اس تقرر کے ذمہ وار ہیں۔ معتزلہ اور خوارج بھی اس پر متفق ہیں کہ اربابِ حل وعقد کی بیعت کے ساتھ خلافت قائم ہو جاتی ہے۔ ہاں بعض علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ ارباب حل وعقد کون ہیں؟ آیا ان سب کی بیعت ضروری ہے یا معین تعداد کی بیعت سے خلافت قائم ہو جاتی ہے یا یہ کہ اس بارے میں تعداد کی کوئی شرط نہیں۔ حالانکہ چاہیئے تھا کہ اُن کا ارباب حل وعقد قرار دیا جانا ہر قسم کے اختلاف سے خالی ہو۔ کیونکہ اس لفظ کے ظاہری معنے یہ ہیں کہ وہ امت کے لیڈر ہیں اور امت کی اکثریت ان پر اعتماد رکھتی ہے اور ان کے مقام کو ایسے طور پر مانتی ہے کہ جس کو وہ خلیفہ مقرر کریں گے امت اس کی

اطاعت کرنے میں اُن کی پیروی کرے گی تاکہ امت کا نظام قائم رہے اور مقرر ہونے والے خلیفہ کی نافرمانی اور بغاوت کا سوال پیدا ہی نہ ہو۔ علامہ سعد الدین تفتازانی شرح المقاصد میں دوسرے متکلمین اور فقہاء کے ہم نوا ہو کر لکھتے ہیں کہ ارباب حل و عقد سے مراد علماء اور قوم کے سردار اور بڑے لوگ ہیں۔ امام نوویؒ المنہاج میں فرماتے ہیں کہ اُن میں سے جن کا حاضر ہونا وقت پر ممکن ہو وہ منتخب کریں گے۔" (صلا)

امام ابوالحسن الماوردی جنہیں سب سے بڑا قاضی سمجھا جاتا تھا اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں لکھتے ہیں:۔

(ترجمہ) "امامت دو طرح سے منعقد ہوتی ہے۔ اولؔ یہ کہ جماعت مسلمین کے ارباب بسط وکشاد کسی شخص کو منتخب کریں۔ دوئم اس طرح کہ سابق خلیفہ کسی کو نامزد کرے۔ علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہوا ہے کہ ارباب بسط وکشاد کی کتنی تعداد انتخاب کرنے والی ہونی چاہیئے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ ہر ملک کے عمومی ارباب حل و عقد کا اجتماع ہونا چاہیئے تاکہ سب کی رضا مندی ہو۔ اور سب منتخب ہونے والے خلیفہ کی خلافت کو اجتماعی طور پر تسلیم کرلیں۔ مگر یہ رائے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے مسئلہ سے نادرست قرار پاتی ہے کیونکہ وہاں پر جو لوگ اس موقعہ پر حاضر تھے ان کے انتخاب سے خلیفہ کا انتخاب کیا گیا تھا۔ اور غیر حاضر لوگوں کے آنے کے انتظار میں بیعت کو ملتوی نہیں کیا گیا تھا علماء کی ایک دوسری جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ خلیفہ کا انتخاب ارباب حل و عقد میں سے کم ازکم پانچ افراد کے انتخاب سے صحیح ہو جاتا ہے خواہ وہ پانچوں ہی اس خلافت کے بارے میں اجتماعی طور پر انتخاب کرنے والے ہوں۔ یا ان میں سے ایک مقرر کرے اور باقی چار رضا مندی کا اظہار کرنے والے ہوں۔ علماء کی اس جماعت کا استدلال دو باتوں پر ہے۔ (۱) حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پانچ اصحاب کے اجتماع سے ہوئی تھی۔ باقی لوگوں نے ان پانچ کی اس بارے میں اتباع کی تھی۔ وہ پانچ حضرات عمر ابن الخطاب۔ ابوعبیدہ بن الجراح۔ اسید بن حضیر۔ بشیر بن سعد اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہم تھے

(۲) حضرت عمرؓ نے اپنے بعد خلافت کے انتخاب کے لیے چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ مقرر کیا تھا اور فرمایا تھا کہ پانچ کی رضامندی سے ان میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔ خلافت

کے انتخاب کے لیے ارب حل وعقد کی مقدار پانچ ہونے کے متعلق ہی اہلِ بصرہ کے اکثر فقہاء اور متکلمین کا مذہب ہے۔" (الاحکام السلطانیہ ص۴)

جناب ڈاکٹر سید محمد یوسف صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی لیکچرار عربی علی گڑھ یونیورسٹی لکھتے ہیں:

الف "تاریخ میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس بنا پر کافی تشویش رہتی تھی کہ امتِ مسلمہ کے باقی ماندہ اعیانِ ملت میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کو جانشینی کے لیے تجویز کیا جاسکے .... حضرت عمرؓ نے انتخاب (اور یہ حقیقی معنوں میں انتخاب تھا) کا معاملہ چھ اشخاص کی ایک مجلس کے سپرد کر دیا۔ فیصلہ کثرت رائے سے ہونا تھا۔ اور آراء کی مساوات کی حالت میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حکم بنایا جانا تھا بشرطیکہ مجلس کے اراکین اس پر متفق ہوں۔ بصورتِ دیگر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو اختیار دیا گیا۔ کہ اپنی فیصلہ کن رائے (CASTING VOTE) سے کسی اور امیدوار کے حق میں فیصلہ کر دیں۔ اس میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ اعیان ملت کا فیصلہ ہمیشہ قطعی سمجھا جائے گا اور عامۃ المسلمین اس فیصلہ کی تصدیق حلف وفاداری سے کریں گے ...... الماوردی کا بیان اس بارے میں نہایت واضح ہے کہ اعیانِ ملت کا انتخاب عامۃ الناس کے لیے قبول کرنا لازمی ہے۔"

(رسالہ "اسلام میں خلیفہ کا انتخاب" ص۲۳ و ص۲۴)

مولوی ابوالعطاء صاحب نے اس تقریر کے بعد فرمایا۔ اب میں وہ قرارداد پڑھتا ہوں جو شریعت اسلامیہ اور پرانے علماء کی تحقیقات کی روشنی میں مجلس علماء سلسلہ احمدیہ نے مرتب کی ہے۔ قرارداد کا متن یہ ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　نحمدہٗ ونصلّی علی رسولہ الکریم

انتخاب خلافت کے متعلق ایک ضروری ریزولیوشن

تمہید

سیدنا حضرت .... خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جلسہ سالانہ

۱۹۵۶ء کے موقعہ پر آئندہ خلافت کے انتخاب کے متعلق یہ بیان فرمایا تھا کہ پہلے یہ قانون تھا کہ مجلس شوریٰ کے ممبران جمع ہو کر خلافت کا انتخاب کریں۔ لیکن آجکل کے فتنہ کے حالات نے ادھر توجہ دلائی ہے کہ تمام ممبران شوریٰ کا جمع ہونا بڑا لمبا کام ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھا کر منافق کوئی فتنہ کھڑا کر دیں۔ اس لیے اب میں یہ تجویز کرتا ہوں جو اسلامی شریعت کے عین مطابق ہے کہ آئندہ خلافت کے انتخاب میں مجلس شوریٰ کے جملہ ممبران کی بجائے صرف ناظران صدر انجمن احمدیہ ممبران صدر انجمن احمدیہ۔ وکلاء تحریک جدید۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زندہ افراد (جن کی تعداد اس غرض کے لیے اس وقت تین ہے۔ یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت نواب میاں عبداللہ خان صاحب) جامعۃ المبشرین کا پرنسپل۔ جامعہ احمدیہ کا پرنسپل اور مفتیٔ سلسلہ احمدیہ مل کر فیصلہ کیا کریں۔

مجلس انتخاب خلافت کے اراکین میں اضافہ

جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے علماء سلسلہ اور دیگر بعض صاحبان کے مشورہ کے مطابق مجلسِ انتخاب خلافت میں مندرجہ ذیل اراکین کا اضافہ فرمایا۔

۱۔ مغربی پاکستان کا امیر۔ اور اگر مغربی پاکستان کا ایک امیر مقرر نہ ہو تو علاقہ جات مغربی پاکستان کے امراء جو اس وقت چار ہیں۔

۲۔ مشرقی پاکستان کا امیر۔ ۳۔ کراچی کا امیر۔ ۴۔ تمام اضلاع کے امراء۔ ۵۔ تمام سابق امراء جو دو دفعہ کسی ضلع کے امیر رہ چکے ہوں۔ گو انتخاب خلافت کے وقت امیر نہ ہوں۔ (ان کے اسماء کا اعلان صدر انجمن احمدیہ کرے گی)

۶۔ امیر جماعت احمدیہ قادیان۔ ۷۔ ممبران صدر انجمن احمدیہ قادیان۔ ۸۔ تمام زندہ رفقاء کرام کو بھی انتخاب خلافت میں رائے دینے کا حق ہوگا۔ (اس غرض کے لیے رفیق وہ ہوگا جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا ہو اور حضورؑ کی باتیں سنی ہوں اور ۱۹۰۸ء میں حضور علیہ السلام کی وفات کے وقت اس کی عمر کم از کم بارہ سال کی ہو۔ صدر

انجمن احمدیہ تحقیقات کے بعد رفقاء کرام کے لیے سرٹیفیکیٹ جاری کرے گی اور ان کے ناموں کا اعلان کرے گی)۔

۹۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اوّلین رفقاء میں سے ہر ایک کا بڑا لڑکا انتخاب میں رائے دینے کا حقدار ہوگا بشرطیکہ وہ مبایعین میں شامل ہو۔ اس جگہ رفقاء اوّلین سے مُراد وہ احمدی ہیں جن کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۹۰۱ء سے پہلے کی کتب میں فرمایا ہے (ان کے ناموں کا اعلان بھی صدر انجمن احمدیہ کرے گی)۔

۱۰۔ ایسے تمام مبلغین سلسلہ احمدیہ جنہوں نے کم از کم ایک سال بیرونی ممالک میں تبلیغ کا کام کیا ہو اور بعد میں تحریک جدید نے کسی الزام کے ماتحت انہیں فارغ نہ کر دیا ہو۔ (ان کو تحریک جدید سرٹیفیکیٹ دے گی اور اُن کے ناموں کا اعلان کرے گی)۔

۱۱۔ ایسے تمام مبلغین سلسلہ احمدیہ جنہوں نے پاکستان کے کسی صوبہ یا ضلع میں رئیس التبلیغ کے طور پر کم از کم ایک سال کام کیا ہو اور بعد میں ان کو صدر انجمن احمدیہ نے کسی الزام کے ماتحت فارغ نہ کر دیا ہو۔ (انہیں صدر انجمن احمدیہ سرٹیفیکیٹ دے گی اور اُن کے ناموں کا اعلان کرے گی)۔

مجلسِ انتخاب خلافت کا دستور العمل

سیّدنا حضرت .... خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مندرجہ بالا جملہ اراکین مجلسِ انتخاب خلافت کے کام کے لیے حسبِ ذیل دستور العمل منظور فرمایا ہے :۔

ا۔ مجلس انتخاب خلافت کے جو اراکین مقرر کیے گئے ہیں۔ اُن میں سے بوقت انتخاب حاضر افراد انتخاب کرنے کے مجاز ہوں گے۔ غیر حاضر افراد کی غیر حاضری اثر انداز نہ ہوگی اور انتخاب جائز ہوگا۔

ب:۔ انتخاب خلافت کے وقت اور مقام کا اعلان کرنا مجلس شوریٰ کے سیکرٹری اور ناظر اعلیٰ کے ذمہ ہوگا۔ اُن کا فرض ہوگا کہ موقع پیش آنے پر فوراً مقامی اراکین مجلس انتخاب کو اطلاع دیں بیرونی جماعتوں کو تاروں کے ذریعہ اطلاع دی جائے۔ اخبار الفضل میں بھی اعلان

کر دیا جائے۔

ج۔ نئے خلیفہ کا انتخاب مناسب انتظار کے بعد چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ہونا چاہیئے مجبوری کی صورت میں زیادہ سے زیادہ تین دن کے اندر انتخاب ہونا لازمی ہے۔ اس درمیانی عرصہ میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان جماعت کے جملہ کاموں کو سرانجام دینے کی ذمہ دار ہوگی۔

د۔ اگر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی زندگی میں نئے خلیفہ کے انتخاب کا سوال اٹھے تو مجلس انتخابِ خلافت کے اجلاس کے وہ پریذیڈنٹ ہوں گے۔ ورنہ صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے اس وقت کے سینئیر ناظر یا وکیل اجلاس کے پریذیڈنٹ ہوں گے۔ (ضروری ہے کہ صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید فوری طور پر مشترکہ اجلاس کر کے ناظروں اور وکلاء کی سینیارٹی فہرست مرتب کر لے)۔

ھ۔ مجلس انتخاب خلافت کا ہر رکن انتخاب سے پہلے یہ حلف اٹھائے گا کہ:۔

"مَیں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اعلان کرتا ہوں کہ مَیں خلافتِ احمدیہ کا قائل ہوں اور کسی ایسے شخص کو ووٹ نہیں دونگا جو جماعت مبائعین میں سے خارج کیا گیا ہو یا اس کا تعلق احمدیت یا خلافت احمدیہ کے مخالفین سے ثابت ہو۔"

جب خلافت کا انتخاب عمل میں آجائے تو منتخب شدہ خلیفہ کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ لوگوں سے بیعت لینے سے پہلے کھڑے ہو کر قسم کھائے کہ:۔

"مَیں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ مَیں خلافت احمدیہ پر ایمان رکھتا ہوں اور مَیں ان لوگوں کو جو خلافت احمدیہ کے خلاف ہیں باطل پر سمجھتا ہوں اور مَیں خلافت احمدیہ کو قیامت تک جاری رکھنے کے لیے پوری کوشش کرونگا اور اسلام کی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لیے انتہائی کوشش کرتا رہوں گا۔ اور مَیں ہر غریب اور امیر احمدی کے حقوق کا خیال رکھوں گا اور قرآنِ شریف اور حدیث کے علوم کی ترویج کے لیے جماعت کے مردوں اور عورتوں میں ذاتی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی کوشاں رہوں گا۔"

ز۔ اوپر کے قواعد کے مطابق رفقاء اور نمائندگان جماعت جن میں امراء اضلاع سابق و حال

بھی شامل ہیں کی تعداد ڈیڑھ صد سے زیادہ ہو جائے گی۔ ان میں خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے افراد کی تعداد اتنی قلیل رہ جاتی ہے کہ منتخب شدہ ممبروں کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت ہی باقی نہیں رہتی۔ ہاں خلیفۂ وقت کا انتخاب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کے افراد اور جماعت کے ایسے مخلصین میں سے ہو سکے گا جو مبایعین ہوں اور جن کا کوئی تعلق غیر مبایعین یا احرار وغیرہ دشمنانِ سلسلہ احمدیہ سے نہ ہو (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس وقت تک ایسے مخلصین کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہے)

بنیادی قانون

ضروری نوٹ:۔ سیدنا حضرت ...... خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آئندہ کے لیے انتخاب خلافت کے لیے مذکورہ بالا اراکین اور قواعد کی منظوری کے ساتھ بطور بنیادی قانون کے فیصلہ فرمایا کہ:۔

"آئندہ خلافت کے انتخاب کے لیے یہی قانون جاری رہے گا سوائے اس کے کہ خلیفۂ وقت کی منظوری سے شوریٰ میں یہ مسئلہ پیش کیا جائے اور شوریٰ کے مشورہ کے بعد خلیفۂ وقت کوئی اور تجویز منظور کرے"

مجلس علماء کی یہ تجویز درست ہے

(دستخط) مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی	مجلس علماء سلسلہ احمدیہ
۵۷ / ۳ / ۲۰	۵۷ / ۳ / ۱۸

اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے نمائندگانِ مجلس شوریٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

شاید مولوی صاحب کو یہ بات یاد نہیں رہی یا پھر انہیں بتائی نہیں گئی کہ یہ خط جو انہوں نے پڑھا ہے اور اس میں عبدالمنان سے کہا گیا ہے کہ بعض ایسے مضامین لکھو جو اسلام کی تائید میں ہوں تا اس سے جماعت احمدیہ کو جو تم سے نفرت ہے دُور ہو جائے۔ اس کے اوپر لکھا ہے "ماموں جان" اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ "ماموں جان" کے الفاظ سے کیسے پتہ لگا کہ یہ

خط عبدالمنان کو لکھا گیا ہے ۔ سو اس کا پتہ اس طرح لگتا ہے کہ جس دن یہ خط ملا اور مولوی صاحب نے مجھے بھیجا اور کہا کہ یہ میرے بیٹے کو بازار سے ملا ہے تو اُس دن نائی میری حجامت بنانے آیا ہوا تھا۔ پہلے جب بھی وہ آیا کرتا تھا مجھے بتایا کرتا تھا کہ آج میاں عبدالمنان نے مجھے حجامت بنوانے کے لیے بلوایا۔ اور وہاں مجھ سے یہ یہ باتیں کیں لیکن اُس دن اُس نے کوئی بات نہ کی۔ مَیں نے اس سے دریافت کیا کہ آج تُو نے میاں عبدالمنان کی کوئی بات نہیں بتائی۔ اس پر اس نے کہا کہ میاں عبدالمنان تو بڑی مدت سے میری دکان پر نہیں آئے اور نہ ہی انہوں نے مجھے اپنے گھر بلایا ہے۔ آج اتفاقاً گول بازار میں (جہاں سے یہ خط ملا ہے) وہ خود اور اُن کے بیٹے پھر رہے تھے۔ وہاں مَیں نے دیکھا کہ ایک دکاندار جو ان کا کرایہ دار تھا آگے آیا اور کہنے لگا۔ میاں صاحب مَیں بڑی دیر سے آپ کو تلاش کر رہا ہوں۔ دفتروں میں مَیں کہاں کہاں جاتا۔ مَیں نے آپ کو کرایہ دینا تھا آپ ملتے ہی نہیں۔ مَیں نے اس دکاندار کو کہا کہ تم کیوں تکلیف کرتے ہو۔ میاں صاحب کو ضرورت ہو گی تو وہ آ کر کرایہ مانگ لیں گے۔ تو یہ واقعہ اور اس خط کا وہاں سے ملنا بتاتا ہے۔ کہ ممکن ہے جیب سے رومال نکالتے ہوئے یہ خط میاں عبدالمنان سے نیچے گر گیا ہو۔ پھر مَیں نے گھر میں بات کی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ شائد آپ کو معلوم نہیں۔ حضرت خلیفہ اوّل .... کے خاندان کے ساتھ جو تعلق رکھنے والے لوگ ہیں وہ سارے کے سارے میاں عبدالمنان کو "ماموں جان" ہی کہتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے کہا۔ "ماموں جان" کے الفاظ کی وجہ سے آپ ان کے کسی بھانجے یا بھانجی کو تلاش نہ کریں کیونکہ بیسیوں ایسے آدمی ہیں جن کے ساتھ اُن کے تعلقات ہیں اور وہ سب اُن کو عادتاً ماموں کہتے ہیں۔ بہر حال میاں عبداللہ صاحب حجام کی گواہی سے پتہ لگ گیا کہ یہ خط فی الواقعہ عبدالمنان کا ہے کیونکہ اُس نے اُسی جگہ جہاں سے یہ خط ملا ہے اور اسی دن جس دن خط ملا ربوہ میں انہیں دیکھا تھا۔

اس کے بعد ریزولیوشن کے متعلق ووٹ لینے سے پہلے مَیں یہ بات کہنی چاہتا ہوں کہ اس ریزولیوشن کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے۔ بعض جماعتوں نے اپنے نمائندوں سے قسمیں لی ہیں کہ وہ شوریٰ میں اس ریزولیوشن کی تائید کریں۔ اور اس کے خلاف ووٹ نہ دیں۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا ہے اور وہ اعتراض یہ ہے کہ ہم نے تو اپنے ایمان کی بنا پر اور یہ بتانے کے لیے کہ ہمیں

خلافت کے ساتھ وابستگی ہے اور ہم خلافت احمدیہ کو کسی صورت میں بھی تباہ نہیں ہونے دیں گے کہ ہم ضرور اس ریزولیوشن کی تائید کرنی تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ جماعتوں نے ہم سے اس بات کے متعلق حلف لی ہے کہ ہم ضرور اس ریزولیوشن کی تائید کریں۔ اس طرح جو بات ہم نے اپنے ایمان کے ثابت کرنے کے لیے کرنی تھی وہ حلف کے ذریعہ سے کروائی جائے گی۔ اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس شخص میں ایمان تو کوئی نہیں صرف جماعت سے وعدہ کی بناء پر یہ ایسا کر رہا ہے۔ اس طرح گویا ہمارے ثواب کا راستہ بند ہوتا ہے اور ہم اپنے اخلاص کا اظہار نہیں کر سکتے۔ ان کی یہ بات چونکہ معقول ہے اس لیے جو دوست باہر سے جماعت کے نمائندہ بن کے آئے ہیں اور ان سے جماعتوں نے اس بات کے لیے حلف لیا ہے کہ وہ ضرور اس ریزولیوشن کی تائید کریں۔ میں انہیں اس حلف سے آزاد کرتا ہوں۔ خلافت احمدیہ کو خدا تعالیٰ نے قائم کرنا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے ایمان میں کمزور ہے اور وہ کوئی ایسا راستہ کھولتا ہے جس کی وجہ سے خلافت احمدیہ خطرہ میں پڑ جاتی ہے یا دشمنوں کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے تو اس کے ووٹ کی نہ خلافتِ احمدیہ کو ضرورت ہے اور نہ خدا کو ضرورت ہے۔ یہاں جماعتیں کچھ نہیں کر سکتیں۔ اگلے جہان میں خدا تعالیٰ خود اس کو سیدھا کر سکتا ہے۔ اس لیے مجھے اس بات کی کوئی ضرورت نہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسے نمائندگان کو تائید کا پابند کرنے کی مجھے ضرورت نہیں۔ وہ ووٹ دیں تو اپنے ایمان کی بناء پر دیں۔ یہ سمجھ کر نہ دیں کہ وہ کسی جماعت کے حلف کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں بلکہ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ریزولیوشن جماعت احمدیہ کی خلافت کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے آئندہ فتنوں کا سدّباب ہوتا ہے تو وہ اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے ووٹ دیں نہ کہ اپنی جماعت کو خوش کرنے کے لیے۔ اور اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ اس ریزولیوشن سے شرارت بڑھتی ہے اور فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے تو وہ ووٹ نہ دے۔ ہمیں اس کے ووٹ کی ضرورت نہیں۔ اور نہ خدا تعالیٰ کو اس کے ووٹ کی ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ نے جب مجھے خلیفہ بنایا تھا اس وقت اس قسم کا کوئی قانون نہیں تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فتنہ پردازوں کی کوششوں کو ناکام کر دیا۔ پس ہم خدا تعالےٰ پر توکّل کرتے ہیں۔ جو شخص ووٹ دے وہ اس بات کو سمجھ کر دے کہ اس ریزولیوشن کی وجہ سے جماعت میں شرارت کا سدّباب ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ سمجھتا ہے کہ اس ریزولیوشن سے شرارت کا سدّباب نہیں ہوتا بلکہ اس سے

شرارت کا دروازہ کھلتا ہے تو وہ ووٹ نہ دے۔ آگے اس کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے خدا تعالیٰ جس طرح چاہے گا اُس کے ساتھ برتاؤ کرے گا۔ وہ اپنی جماعت سے نہ ڈرے کراچی کا نمائندہ کراچی کی جماعت سے نہ ڈرے۔ لاہور کا نمائندہ لاہور کی جماعت سے نہ ڈرے۔ سرگودہا کا نمائندہ سرگودہا کی جماعت سے نہ ڈرے۔ وہ ووٹ دے تو خدا تعالیٰ سے ڈر کر دے اور پھر اس کے بعد ہمارا اور اس کا جو معاملہ ہے وہ خدا تعالیٰ خود طے کرے گا۔ ہمیں اس کے ووٹ کی ضرورت نہیں۔ ہمیں صرف اس شخص کے ووٹ کی ضرورت ہے جو خدا تعالیٰ سے محبت رکھنے والا ہے۔ اسلام سے محبت رکھنے والا ہے اور خلافت سے محبت رکھنے والا ہے۔ پس اگر وہ خدا تعالیٰ اسلام اور خلافت کی خاطر ووٹ دیتا ہے تو دے اور اگر وہ اپنی جماعت کی خاطر ووٹ دیتا ہے تو ہمیں اس کے ووٹ کی ضرورت نہیں۔

یہ تحریک کرنے کے بعد میں جماعت کے دوستوں کی رائے اس بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ مگر مَیں یہ کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس ریزولیوشن کے بعض حصّے ایسے ہیں جن پر آئندہ زمانوں میں دوبارہ غور کرنے کی ضرورت ہوگی۔ لیکن بہر حال جب تک کوئی دوسرا ریزولیوشن پاس نہ ہوگا اس وقت تک یہ ریزولیوشن قائم رہے گا جیسا کہ خود اس ریزولیوشن میں بھی یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ آئندہ خلافت کے انتخاب کیلئے یہی قانون جاری رہیگا سوائے اس کے کہ خلیفۂ وقت کی منظوری سے شوریٰ میں یہ مسئلہ پیش کیا جائے۔ اور شوریٰ کے مشورہ کے بعد خلیفۂ وقت کوئی اور تجویز منظور کرے۔ پس یہ ریزولیوشن دوبارہ بھی مزید غور کے لیے پیش ہو سکتا ہے اور آئندہ پیدا ہونے والی مشکلات کو دُور کیا جا سکتا ہے۔

مجھے خود اس میں بعض ایسی باتیں نظر آتی ہیں جن میں بعد میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوگی مثلاً کچھ عرصہ کے بعد رفقاء نہیں رہیں گے۔ پھر ہمیں یہ کرنا پڑے گا کہ انتخاب کی مجلس میں تابعی لیے جائیں یا وہ لوگ لیے جائیں جنہوں نے ۱۹۱۴ء سے پہلے بیعت کی ہے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ قانون بنانا پڑے گا کہ وہ لوگ لیے جائیں جنہوں نے ۱۹۴۰ء سے پہلے بیعت کی ہے پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ قانون بنانا پڑے گا کہ وہ لوگ لیے جائیں جنہوں نے ۱۹۵۶ء سے پہلے

بیعت کی ہوئی ہے۔ بہر حال یہ درستیاں حالات کے بدلنے کے ساتھ ہوتی رہیں گی اور ریزولیوشن بار بار مجلس شوریٰ کے سامنے آتا رہے گا۔ سر دست یہ ریزولیوشن شرارت کے فوری سدِ باب کے لیے ہے۔ ورنہ آئندہ زمانہ کے لحاظ سے دوبارہ ریزولیوشن ہوتے رہیں گے اور پھر دوبارہ غور کرنے کا لوگوں کو موقع ملتا رہے گا۔

اس کے بعد میں دوستوں سے کہتا ہوں کہ وہ اپنی رائے دیں۔ جو دوست اس بات کی تائید میں ہوں اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور اسلام سے محبت رکھتے ہوئے یہ رائے رکھتے ہوں کہ اس ریزولیوشن کو پاس کیا جائے وہ کھڑے ہو جائیں۔ جماعتوں کی طرف سے جو پابندی عائد کی گئی تھی اور نمائندگان سے وعدے لیے گئے تھے اُن کو میں نے ختم کر دیا ہے۔ اب صرف اس وعدہ کو پورا کرو جو تمہارا خدا کے ساتھ تھا۔

(حضور کے اس ارشاد پر تمام نمائندگان کھڑے ہو گئے)

رائے شماری کے بعد حضور نے فرمایا۔ ۳۴۱[1] دوستوں کی رائے ہے کہ اس ریزولیوشن کو منظور کر لیا جائے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ اگر کوئی نمائندہ اس تجویز کے مخالف ہو اور اس کی رائے یہ ہو کہ اس ریزولیوشن کو منظور نہ کیا جائے تو وہ بھی کھڑا ہو جائے لیکن یہ یاد رہے کہ جن دوستوں نے اس ریزولیوشن کے موافق رائے دی ہے ان کو دوبارہ کھڑا ہونے کی ضرورت نہیں ہاں اگر کوئی نمائندہ ایسا ہو جو اس کے مخالف رائے رکھتا ہو تو وہ کھڑا ہو جائے۔

(اس پر کوئی دوست کھڑے نہ ہوئے)

فیصلہ

گنتی میں سہولت کے لیے اس وقت آٹھ حلقے بنائے گئے ہیں۔ ان آٹھ حلقوں میں کوئی نمائندہ بھی اس ریزولیوشن کے خلاف کھڑا نہیں ہوا اور اس کے بالمقابل ۳۴۱ ووٹ اس ریزولیوشن

---

[1] سیکرٹری مجلس مشاورت کی طرف سے ۳۴۴ ٹکٹ تقسیم کیے گئے تھے مگر رائے شماری کے موقع پر تین نمائندے ہال میں موجود نہیں تھے۔

کی تائید میں ہے۔ اس طرح دوستوں نے واضح کر دیا ہے کہ انہوں نے اس وقت اپنی مرضی سے ریزولیوشن کے حق میں رائے دی ہے۔ جماعتوں کے دباؤ کی وجہ سے انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ سو میں اس ریزولیوشن کے حق میں فیصلہ کرتا ہوں۔ اور اسے منظور کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ اس کو مبارک کرے۔

میں جانتا ہوں کہ اس ریزولیوشن کے بعض حصے ایسے ہیں جن پر دوبارہ غور کرنے کی ضرورت ہو گی جیسا کہ مولوی ابوالعطاء صاحب نے کہا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کو رسالہ الوصیت میں اٹھایا ہے کہ جو بھی اس دنیا میں پیدا ہوا ہے اس نے ضرور مرنا ہے چاہے وہ آج مریں یا کل مریں اس لیے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کوئی خلیفہ قیامت تک زندہ رہے یا اس کا کوئی ماننے والا قیامت تک زندگی پائے۔ پس ہم نے جو کچھ کرنا ہے اس دنیا کی زندگی کے متعلق کرتا ہے۔ اگلی دنیا کا خدا خود ذمہ وار ہے۔ اس جہان میں خدا تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور بدی کا اختیار دیا ہے۔ اگلے جہان کا کام وہ خود کرے گا۔ پس چونکہ صرف اس دنیا کا کام چلانا انسان کے اختیار میں ہے اس لیے ہماری کوشش اس حد تک ہونی چاہیئے کہ ہم اس دنیا کے نظام کو اچھا کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اگلے جہان کا نظام خدا تعالیٰ نے خود اپنے اختیار میں رکھا ہے۔ اور وہ اسے آپ ہی ٹھیک کر دے گا۔

ہماری اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ وہ نظام خلافت حقہ کو احمدیت میں ہمیشہ کے لیے قائم رکھے اور اس نظام کے ذریعہ سے جماعت ہمیشہ ہمیش منظم صورت میں اپنے مال وجان کی قربانی اسلام اور احمدیت کے لیے کرتی رہے۔ اور اس طرح خدا تعالیٰ ان کی مدد اور نصرت کرتا رہے کہ آہستہ آہستہ دنیا کے چپہ چپہ پر مسجدیں بن جائیں اور دنیا کے چپہ چپہ پر مبلغ ہو جائیں اور وہ دن آجائے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ دنیا کے دیگر مذاہب اسلام اور احمدیت کے مقابلہ میں ایسے رہ جائیں جیسے ادنیٰ اقوام کے لوگ ہیں۔ دنیا میں ہر کہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے پڑھنے والے نظر آئیں اور روس امریکہ برطانیہ اور فرانس کے لوگ جو آج اسلام پر ہنسی اڑا رہے ہیں وہ سب کے سب احمدی ہو جائیں۔ وہ اسلام کو قبول کر لیں اور انہیں اپنی ترقی کے لیے اسلام اور مسلمانوں کا دست نگر

ہونا پڑے۔ ہم ان ممالک کے دشمن نہیں۔ ہماری دُعا ہے کہ یہ ملک ترقی کریں اسلام اور مسلمانوں کی مدد سے۔ آج تو دمشق اور مصر بھی روس کے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہا ہے کہ کسی طرح اس سے کچھ مدد مل جائے۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دمشق اور مصر کے مسلمانوں کو پکا مسلمان بھی بنائے اور پھر دنیوی طاقت بھی اتنی دے کہ دمشق اور مصر روس سے مدد نہ مانگے بلکہ روس دمشق اور مصر کو تاریں دے کہ ہمیں سامانِ جنگ بھیجو۔ اسی طرح امریکہ ان سے یہ نہ کہے کہ ہم تمہیں مدد دیں گے۔ بلکہ امریکہ شام مصر عراق ایران پاکستان اور دوسری اسلامی سلطنتوں سے کہے کہ ہمیں اتنے ڈالر بھیجو ہمیں ضرورت ہے ورنہ ہم تو خالص دین کے بندے ہیں اور دُنیا سے ہمیں کوئی غرض نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جو چیز ہے وہی ہمیں پیاری ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اسلام کے غلبہ کی کوئی صورت پیدا کرے۔ اور خلافت کی اصل غرض بھی یہی ہے کہ مسلمان نیک رہیں۔ اور اسلام کی اشاعت میں لگے رہیں یہاں تک کہ اسلام کی اشاعت دنیا کے چپہ چپہ پر ہو جائے۔ اور کوئی غیر مسلم باقی نہ رہے۔ اگر یہ ہو جائے تو ہماری غرض پوری ہو گئی۔ اور اگر یہ نہ ہو تو محض نام کی خلافت نہ ہمارے کسی کام کی ہے اور نہ اس خلافت کے ماننے والے ہمارے کسی کام کے ہیں۔ ہمارا دوست وہی ہے جو اللہ کے نام کو دُنیا کے کناروں تک پھیلائے۔ وہ خلیفہ ہمارے سر آنکھوں پر جو خدا تعالیٰ کے نام کو دنیا کے کناروں تک پھیلاتا ہے وہ مبلغ ہمارے سر آنکھوں پر جو خدائے واحد کے نام کو دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی صداقت کو دنیا پر ظاہر کرتے ہیں۔ ہمارے دل اُن کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ چاہے وہ ہزار سال بعد آئیں۔ اور ہمارے دماغ بھی اُن کے لیے دُعا کرتے ہیں چاہے وہ سینکڑوں نہیں ہزاروں سال ہم سے بعد آئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا حافظ و ناصر ہو۔ اور ان کی مدد کرے اور ہمیشہ ان کو راہِ راست پر قائم رکھے۔ اور اسلام کی ترقی کے سامان پیدا کرتا رہے“[1]

○

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت "۱۹۵۷ء" ص ۳ - ۱۸

فہرست اراکین مجلس انتخاب خلافت کی اشاعت

حضرت مصلح موعود کے فیصلہ کی تعمیل حضرت مرزا صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ناظر اعلیٰ نے جلد ہی اراکین مجلسِ انتخابِ خلافت کی مفصّل فہرست مرتب کرا کے جاری کر دی ۔ اس اہم دستاویز کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

فہرست اراکین مجلس انتخابِ خلافتِ جماعت احمدیہ

مجلس شوریٰ کے متفقہ مشورہ کے ماتحت جس کی منظوری سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی فرما دی تھی ۔ اراکین مجلس انتخاب خلافت کے متعلق فیصلے ہوئے تھے بعض شقوں کے ماتحت جو اراکین آتے تھے اُن کے متعلق حضور کا فیصلہ تھا کہ اسماء کا اعلان صدر انجمن احمدیہ کرے ۔ سو یہ مکمل فہرست شائع کی جاتی ہے ۔ ضلع وار نظام کے امراء کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے ضلع میں رہنے والے اراکین کے نام ریکارڈ میں درج فرمالیں یہ فہرست آپ کے پاس ہر وقت محفوظ رہے گی ۔

شق نمبر ا یہ تھی ” ناظران صدر انجمن احمدیہ ۔ ممبران صدر انجمن احمدیہ ، وکلاء تحریک جدید .....

.....اور جامعۃ المبشرین کا پرنسپل ۔ جامعہ احمدیہ کا پرنسپل اور مفتیٔ سلسلہ احمدیہ مل کر فیصلہ کیا کریں “

نمبر شمار فہرست	نمبر شمار شق	ناظران صدر انجمن احمدیہ
۱	۱	صدر، صدر انجمن احمدیہ و ناظر خدمت درویشاں
۲	۲	ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ
۳	۳	ناظر تعلیم

۴	۴	ناظر دیوان و تجارت و صنعت
۵	۵	ناظر بیت المال (آمد)
۶	۶	ناظر امور خارجہ
۷	۷	ناظر زراعت
۸	۸	ناظر اصلاح و ارشاد
۹	۹	ناظر امور عامہ
۱۰	۱۰	ناظر بیت المال خرچ
۱۱	۱۱	ناظر شبان
		ممبران صدر انجمن احمدیہ۔ ربوہ
۱۲	۱	وکیل اعلیٰ۔ تحریک جدید
۱۳	۲	مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا
۱۴	۳	چوہدری اسد اللہ خاں صاحب بار۔ ایٹ۔ لاء۔ لاہور
۱۵	۴	شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ
۱۶	۵	ملک سیف الرحمٰن صاحب ربوہ
		وکلاء تحریک جدید
۱۷	۱	وکیل اعلیٰ
۱۸	۲	وکیل الدیوان
۱۹	۳	وکیل التبشیر
۲۰	۴	وکیل الزراعت
۲۱	۵	وکیل القانون
۲۲	۶	وکیل الصنعت

۲۳	۷	وکیل التعلیم
۲۴	۸	وکیل المال اوّل
۲۵	۹	وکیل المال ثانی
۲۶،۲۷	۱-۲	جامعۃ المبشرین کا پرنسپل۔ جامعہ احمدیہ کا پرنسپل اور مفتی سلسلہ عالیہ

نوٹ:۔ جامعۃ المبشرین جامعہ احمدیہ میں مدغم ہوچکا ہے

شق ۱ الف یہ تھی۔ "مغربی پاکستان کا امیر اور اگر مغربی پاکستان کا ایک امیر مقرر نہ ہو تو علاقہ جات مغربی پاکستان کے امراء جو اس وقت چار ہیں"۔ موجودہ صورت میں یہ تعداد چھ ہے۔

۲۸	۱	مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودہا۔ امیر علاقائی سابق پنجاب و بہاولپور
۲۹	۲	صوفی محمد رفیع صاحب سکھر امیر علاقائی خیرپور ڈویژن
۳۰	۳	ڈاکٹر عبدالرحمٰن صدیقی میرپور امیر علاقائی حیدرآباد ڈویژن
۳۱	۴	خان شمس الدین خان صاحب پشاور امیر علاقائی پشاور ڈویژن
۳۲	۵	شیخ محمد حنیف صاحب کوئٹہ امیر علاقائی کوئٹہ و قلات ڈویژن
۳۳	۶	حاجی امیر عالم صاحب کوٹلی امیر علاقائی آزاد کشمیر

شق ۲ یہ تھی "مشرقی پاکستان کا امیر"

۳۴	۱	مولوی محمد صاحب ڈھاکہ امیر صوبائی مشرقی پاکستان

شق ۳ یہ تھی "کراچی کا امیر

۳۵	۱	چوہدری احمد مختار صاحب کراچی ۳

شق ۴ یہ تھی "تمام اضلاع کے امراء"

۳۶	۱	چوہدری بشیر احمد صاحب گجرات امیر ضلع گجرات
۳۷	۲	چوہدری اسداللہ خان صاحب بار ایٹ لاء لاہور امیر ضلع لاہور

۳۸	۳	شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور امیر ضلع لائلپور
۳۹	۴	چوہدری فضل احمد صاحب رحیم یار خاں امیر ضلع رحیم یار خاں
۴۰	۵	حاجی عبدالرحمٰن صاحب رحمٰن آباد امیر ضلع نواب شاہ
۴۱	۶	میر محمد بخش صاحب ایڈووکیٹ گوجرانوالہ امیر ضلع گوجرانوالہ
۴۲	۷	چوہدری محمد شریف صاحب ایڈووکیٹ منٹگمری امیر ضلع منٹگمری
۴۳	۸	چوہدری محمد انور حسین صاحب ایڈووکیٹ شیخوپورہ امیر ضلع شیخوپورہ
۴۴	۹	چوہدری عطاء اللہ صاحب چک T.D.A ۳۷۵/ ضلع مظفر گڑھ امیر ضلع مظفر گڑھ
۴۵	۱۰	الحاج محمد بشیر احمد صاحب جھنگ صدر امیر ضلع جھنگ
۴۶	۱۱	ڈاکٹر مرزا عبدالرؤف صاحب کیمبل پور۔ امیر ضلع کیمبل پور
۴۷	۱۲	مولوی عبدالمغنی خاں صاحب جہلم۔ امیر ضلع جہلم
۴۸	۱۳	ڈاکٹر عبدالکریم صاحب ملتان شہر امیر ضلع ملتان
۴۹	۱۴	منشی آدم خاں صاحب مردان۔ امیر ضلع مردان
۵۰	۱۵	بابو قاسم الدین صاحب سیالکوٹ امیر ضلع سیالکوٹ
۵۱	۱۶	رانا محمد خاں صاحب ایڈووکیٹ بہاولنگر امیر ضلع بہاولنگر
۵۲	۱۷	مولوی محمد عرفان صاحب مانسہرہ ضلع ہزارہ امیر ضلع ہزارہ
۵۳	۱۸	قریشی عبدالرحمٰن صاحب میانوالی امیر ضلع میانوالی
۵۴	۱۹	چوہدری عزیز احمد صاحب ظفر آباد دلدینی امیر ضلع حیدر آباد
۵۵	۲۰	مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودہا امیر ضلع سرگودہا
۵۵/۸	۲۱	چوہدری احمد جان صاحب امیر ضلع راولپنڈی

شق ۵ یہ تھی "تمام سابق امراء جو دو دفعہ کسی ضلع کے امیر رہ چکے ہوں گو انتخاب کے وقت امیر نہ ہوں" صدر انجمن احمدیہ کے ریکارڈ کے مطابق یہ فہرست درج ذیل ہے:۔

۵۶		میاں عطاء اللہ صاحب ایڈووکیٹ (سابق امیر ضلع راولپنڈی) حال کینیڈا
۵۷	۲	شیخ بشیر احمد صاحب سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ سابق ضلع امیر لاہور ۔ لاہور
۵۸	۳	چوہدری عبدالرحمٰن صاحب (سابق امیر ضلع ملتان) ملتان
۵۹	۴	کیپٹن ڈاکٹر اقبال احمد خاں صاحب (سابق امیر ضلع مظفر گڑھ) مظفر گڑھ
۶۰	۵	مولوی عبدالرحمٰن صاحب بشر (سابق امیر ضلع ڈیرہ غازیخاں) ڈیرہ غازیخاں
۶۱	۶	شیخ اقبال الدین صاحب (سابق امیر ضلع بہاولنگر) بہاولنگر
۶۲	۷	چوہدری خورشید احمد صاحب (سابق امیر ضلع بہاولنگر) گوجرانوالہ
۶۳	۸	مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ (سابق امیر ضلع سرگودہا) سرگودہا

شق نمبر ۶ یہ تھی "امیر جماعت احمدیہ ۔ قادیان"

۶۴	۱	مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل ۔ قادیان

شق نمبر ۷ یہ تھی "ممبران صدر انجمن احمدیہ ۔ قادیان"

۶۵	۱	ناظر اعلیٰ ۔ قادیان
۶۶	۲	ناظر دعوت و تبلیغ و ناظر تعلیم
۶۷	۳	ناظر بیت المال
۶۸	۴	ایڈیشنل ناظر امور عامہ
۶۹	۵	ملک صلاح الدین صاحب ایم اے قادیان ۔ ممبر
۷۰	۶	مولوی محمد ابراہیم صاحب فاضل قادیان ۔ ممبر
۷۱	۷	سید وزارت حسین صاحب ادرین ضلع مونگھیر ۔ ممبر
۷۲	۸	سید محی الدین صاحب ایڈووکیٹ رانچی ۔ ممبر
۷۳	۹	سیٹھ محمد معین الدین صاحب چنتہ کنٹہ ضلع محبوب نگر ۔ ممبر
۷۴	۱۰	قریشی عطاء الرحمٰن صاحب فاضل قادیان ۔ ممبر

۷۵	۱۱	مولوی بی۔ عبد اللہ صاحب فاضل پنگاڈی ضلع کنانور۔ ممبر
۷۶	۱۲	سیٹھ محمد صدیق صاحب بانی کلکتہ ۱۲ ممبر
۷۷	۱۳	سیٹھ محمد عمر صاحب سہگل ۔ کلکتہ ۱۳ ممبر

شق نمبر ۸ یہ بھی " تمام زندہ رفقاء کرام کو بھی انتخاب خلافت میں رائے دینے کا حق ہوگا۔ اس غرض کے لیے رفیق وہ ہوگا جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا ہو اور حضور کی باتیں سنی ہوں اور ۱۹۰۸ء میں حضور کی وفات کے اس کی عمر کم از کم بارہ سال کی ہو۔ صدر انجمن احمدیہ تحقیقات کے بعد رفقاء کرام کے لیے سرٹیفکیٹ جاری کرے گی اور ان ناموں کا اعلان کرے گی " یہ فہرست ذیل میں درج ہے

۷۸	۱	ڈاکٹر عبد السمیع صاحب کپور تھلوی۔ ربوہ
۷۹	۲	حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری۔ ربوہ
۸۰	۳	پیر مظہر الحق صاحب۔ ربوہ
۸۱	۴	حافظ ملک محمد صاحب۔ ربوہ
۸۲	۵	مہر قطب الدین صاحب ۔ ربوہ
۸۳	۶	محمد بخش صاحب ۔ ربوہ
۸۴	۷	میاں محمد شریف صاحب ۔ ربوہ
۸۵	۸	حافظ عبد السمیع صاحب امروہی ۔ ربوہ
۸۶	۹	قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل ۔ ربوہ
۸۷	۱۰	مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری ۔ ربوہ
۸۸	۱۱	شیخ محب الرحمٰن صاحب ربوہ
۸۹	۱۲	منشی عبد الحق صاحب خوشنویس ربوہ
۹۰	۱۳	ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب ربوہ

٩١	١٤	ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب دہلوی۔ ربوہ
٩٢	١٥	قاضی عبداللہ صاحب بی اے بی ٹی۔ ربوہ
٩٣	١٦	مرزا برکت علی صاحب۔ ربوہ
٩٤	١٧	میاں حبیب الدین صاحب۔ ربوہ
٩٥	١٨	مولوی فضل دین صاحب۔ ربوہ
٩٦	١٩	خدا بخش صاحب عرف مومن جی۔ ربوہ
٩٧	٢٠	چوہدری محمد شفیع صاحب انجینئر۔ ربوہ
٩٨	٢١	مرزا محمد حسین صاحب۔ ربوہ
٩٩	٢٢	محمد الہ داد صاحب۔ ربوہ
١٠٠	٢٣	مولوی محمد دین صاحب ناظر تعلیم۔ ربوہ
١٠١	٢٤	ٹھیکیدار علی احمد صاحب۔ ربوہ
١٠٢	٢٥	ماسٹر عطاء محمد صاحب۔ ربوہ
١٠٣	٢٦	مولوی محمد جی صاحب۔ ربوہ
١٠٤	٢٧	محمد عبداللہ صاحب جلد ساز۔ ربوہ
١٠٥	٢٨	مولوی محمد حسین صاحب مبلغ۔ ربوہ
١٠٦	٢٩	حاجی محمد فاضل صاحب فیروز پوری۔ ربوہ
١٠٧	٣٠	ڈاکٹر حکیم دین محمد صاحب۔ ربوہ
١٠٨	٣١	سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب۔ ربوہ
١٠٩	٣٢	بابو عبدالحمید ریٹائرڈ ریلوے آڈیٹر۔ ربوہ
١١٠	٣٣	دین محمد صاحب مالی۔ ربوہ
١١١	٣٤	شیخ کظیم الرحمٰن صاحب۔ ربوہ

۱۱۲	۳۵	خواجہ عبیداللہ صاحب ۔ ربوہ
۱۱۳	۳۶	شیخ فضل احمد صاحب ۔ ربوہ
۱۱۴	۳۷	خواجہ عبدالقیوم صاحب ۔بی۔اے۔ ربوہ
۱۱۵	۳۸	چوہدری اسمٰعیل صاحب کاٹھگڑھی ۔ ربوہ
۱۱۶	۳۹	علی گوہر صاحب ۔ ربوہ
۱۱۷	۴۰	سید محمود عالم صاحب ۔ ربوہ
۱۱۸	۴۱	محمد فقیر اللہ صاحب ۔ ربوہ
۱۱۹	۴۲	ماسٹر علی محمد صاحب بی اے بی ٹی ربوہ
۱۲۰	۴۳	حکیم عبیداللہ صاحب رانجھا ۔ ربوہ
۱۲۱	۴۴	صاحبزادہ مرزا عزیز احمد ربوہ
۱۲۲	۴۵	مستری عبدالعزیز صاحب ربوہ
۱۲۳	۴۶	حکیم رحمت اللہ صاحب ۔ ربوہ
۱۲۴	۴۷	مستری علم دین صاحب ٹال والے ربوہ
۱۲۵	۴۸	محمد بوٹے خاں صاحب سابق مؤذن بیت الاقصیٰ ربوہ
۱۲۶	۴۹	حکیم قریشی عبدالرحمٰن صاحب لدھیانوی ۔ ربوہ
۱۲۷	۵۰	مرزا اسلام اللہ صاحب ربوہ
۱۲۸	۵۱	شیخ محمد حسین صاحب چنیوٹ
۱۲۹	۵۲	محمد ظہور خاں صاحب پٹیالوی ۔ احمد نگر
۱۳۰	۵۳	شیخ مہر دین صاحب ۔ سیالکوٹ
۱۳۱	۵۴	غلام محمد صاحب زرگر ۔ سیالکوٹ
۱۳۲	۵۵	چوہدری رحیم بخش صاحب چونڈہ ضلع سیالکوٹ

۱۳۳	۵۶	خیر دین صاحب زرگر سیالکوٹ
۱۳۴	۵۷	میاں کریم بخش صاحب چونڈہ سیالکوٹ
۱۳۵	۵۸	سید امجد علی شاہ صاحب سیالکوٹ
۱۳۶	۵۹	منشی محمد عبداللہ صاحب سیالکوٹ
۱۳۷	۶۰	مولوی عبدالحق صاحب قلعہ صوبہ سنگھ سیالکوٹ
۱۳۸	۶۱	ڈاکٹر فضل کریم صاحب بڈھن شکر گڑھ ضلع سیالکوٹ
۱۳۹	۶۲	چوہدری محمد علی صاحب چونڈہ سیالکوٹ
۱۴۰	۶۳	چوہدری فتح علی صاحب چونڈہ سیالکوٹ
۱۴۱	۶۴	لال دین صاحب چونڈہ سیالکوٹ
۱۴۲	۶۵	بابو قاسم الدین صاحب سیالکوٹ
۱۴۳	۶۶	ملک شادی خاں صاحب سیالکوٹ
۱۴۴	۶۷	میاں اللہ دتا صاحب نقیب سیالکوٹ
۱۴۵	۶۸	قریشی نورالحسن صاحب کوٹلی ہرنرائن سیالکوٹ
۱۴۶	۶۹	حکیم سیّد پیر احمد شاہ صاحب سیالکوٹ
۱۴۷	۷۰	محمد دین صاحب ادھرکرم سنگھ سیالکوٹ
۱۴۸	۷۱	ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب قلعہ صوبہ سنگھ ۔ سیالکوٹ
۱۴۹	۷۲	چوہدری عنایت اللہ صاحب بہلولپور سیالکوٹ
۱۵۰	۷۳	چوہدری محمد منیر صاحب گھٹیالیاں ۔ سیالکوٹ
۱۵۱	۷۴	میاں محمد حسین صاحب کوٹ ڈسکہ سیالکوٹ
۱۵۲	۷۵	میر مسعود احمد صاحب سیالکوٹ
۱۵۳	۷۶	مولوی برکت علی صاحب سیالکوٹ

۱۵۴	۷۷	چوہدری ولی داد صاحب مراڑہ سیالکوٹ
۱۵۵	۷۸	دولت خاں صاحب کالا کے ناگرے سیالکوٹ
۱۵۶	۷۹	مستری رحمت علی صاحب داتا زید کا سیالکوٹ
۱۵۷	۸۰	مستری محمد عبداللہ صاحب داتا زید کا سیالکوٹ
۱۵۸	۸۱	میاں محمد حسین صاحب مابلہ کے بھگت سیالکوٹ
۱۵۹	۸۲	مرزا نذیر حسین صاحب لاہور
۱۶۰	۸۳	ماسٹر فقیر اللہ صاحب لاہور
۱۶۱	۸۴	شیخ عبدالکریم صاحب گنج مغلپورہ لاہور
۱۶۲	۸۵	میاں عبدالرشید صاحب لاہور
۱۶۳	۸۶	خان صاحب میاں محمد یوسف صاحب لاہور
۱۶۴	۸۷	چوہدری سربلند خاں صاحب لاہور
۱۶۵	۸۸	ڈاکٹر عبدالحمید چغتائی لاہور
۱۶۶	۸۹	منشی محمد ابراہیم صاحب لاہور
۱۶۷	۹۰	چوہدری مختار احمد صاحب گنج مغلپورہ لاہور
۱۶۸	۹۱	لیفٹیننٹ ملک مظفر خاں صاحب لاہور
۱۶۹	۹۲	شیخ محمد حسین صاحب سمن آباد لاہور
۱۷۰	۹۳	شیخ محمد حسین صاحب عزیز روڈ لاہور
۱۷۱	۹۴	شیخ نصیر الحق صاحب سمن آباد لاہور
۱۷۲	۹۵	میاں احمد دین صاحب لاہور
۱۷۳	۹۶	حافظ ڈاکٹر عبدالجلیل صاحب لاہور
۱۷۴	۹۷	عزیز الدین صاحب زرگر لاہور

۱۷۵	۹۸	محمد صادق صاحب فاروقی قصور لاہور
۱۷۶	۹۹	نور محمد مستری صاحب گنج مغلپورہ لاہور
۱۷۷	۱۰۰	محمد افضل صاحب ادجلوی دھرمپورہ لاہور
۱۷۸	۱۰۱	میاں دین محمد صاحب گنج مغلپورہ لاہور
۱۷۹	۱۰۲	شیخ غلام حسین صاحب لاہور
۱۸۰	۱۰۳	شیخ محمد حسین صاحب لاہور
۱۸۱	۱۰۴	چوہدری عمر الدین صاحب لاہور
۱۸۲	۱۰۵	بابو عبد الحمید صاحب شملوی۔ لاہور
۱۸۳	۱۰۶	مستری عباس محمد صاحب گنج مغلپورہ لاہور
۱۸۴	۱۰۷	ملک محمد شفیع صاحب محمد نگر لاہور
۱۸۵	۱۰۸	چوہدری بشیر الدین حقانی صاحب لاہور
۱۸۶	۱۰۹	غلام قادر صاحب لاہور
۱۸۷	۱۱۰	مولوی عبد الواحد خاں صاحب میرٹھی کراچی
۱۸۸	۱۱۱	حکیم شیخ رحمت اللہ صاحب کاٹھگڑھی کراچی
۱۸۹	۱۱۲	شیخ جلال الدین صاحب کراچی نمبر ۳
۱۹۰	۱۱۳	مولوی عبد المغنی صاحب جہلم
۱۹۱	۱۱۴	منشی احمد علی صاحب دوالمیال جہلم
۱۹۲	۱۱۵	ملک علی حیدر صاحب دوالمیال جہلم
۱۹۳	۱۱۶	چوہدری غلام قادر صاحب نمبردار اوکاڑہ
۱۹۴	۱۱۷	مرزا احمد بیگ صاحب منٹگمری
۱۹۵	۱۱۸	ملک نیاز محمد صاحب چک نمبر 119/7 B R منٹگمری

۱۹۶	۱۱۹	غلام محمد صاحب کاٹھگڑھی ہڑپہ منٹگمری
۱۹۷	۱۲۰	چوہدری محمد شریف صاحب ایڈووکیٹ منٹگمری
۱۹۸	۱۲۱	فقیر اللہ صاحب منٹگمری
۱۹۹	۱۲۲	چوہدری عبدالقادر صاحب پنشنر ملتان
۲۰۰	۱۲۳	چوہدری ولی محمد صاحب خانیوال ضلع ملتان
۲۰۱	۱۲۴	حکیم محمد اسماعیل صاحب پیرکوٹ گوجرانوالہ
۲۰۲	۱۲۵	پیر محمد صاحب پیرکوٹ ثانی گوجرانوالہ
۲۰۳	۱۲۶	چوہدری اللہ دتہ صاحب زگڑی گوجرانوالہ
۲۰۴	۱۲۷	خواجہ محمد شریف صاحب گوجرانوالہ
۲۰۵	۱۲۸	محمد یعقوب خاں صاحب قندھاری گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
۲۰۶	۱۲۹	حکیم نور محمد صاحب ٹنڈو غلام علی حیدرآباد
۲۰۷	۱۳۰	محمد ابراہیم صاحب بشیر آباد اسٹیٹ حیدرآباد
۲۰۸	۱۳۱	حکیم نور محمد صاحب ٹنڈو غلام علی حیدآباد
۲۰۹	۱۳۲	محمد ابراہیم صاحب بشیر آباد اسٹیٹ حیدرآباد
۲۱۰	۱۳۳	قریشی غلام محی الدین صاحب آدم شاہ کالونی
۲۱۱	۱۳۴	صوفی محمد رفیع صاحب سکھر
۲۱۲	۱۳۵	بابو عبدالرزاق صاحب لائلپور
۲۱۳	۱۳۶	نبی بخش صاحب چک ۸۹ ج ب لائلپور
۲۱۴	۱۳۷	سردار علیخاں صاحب چک ۶۸ ج ب لائلپور
۲۱۵	۱۳۸	عمر علی صاحب چک ۶۸ ج ب لائلپور
۲۱۶	۱۳۹	رحمت خاں صاحب چک ۶۸ ج ب لائلپور

۲۱۷	۱۴۰	غلام محمد صاحب چک نمبر ۱۹۵ ج ب لائلپور
۲۱۸	۱۴۱	سید فخر الاسلام صاحب پنشنر اورسیر تاندلیانوالہ
۲۱۹	۱۴۲	میاں احمد دین صاحب چک نمبر ۸۹ ج ب لائلپور
۲۲۰	۱۴۳	عبدالعزیز صاحب آڑھتی منڈی گوجرہ لائلپور
۲۲۱	۱۴۴	عطاء محمد صاحب بنگوی جڑانوالہ ضلع لائلپور
۲۲۲	۱۴۵	ڈاکٹر عطر دین صاحب درویش قادیان
۲۲۳	۱۴۶	مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل قادیان
۲۲۴	۱۴۷	بھائی شیر محمد صاحب قادیان
۲۲۵	۱۴۸	بابا غلام محمد صاحب قادیان
۲۲۶	۱۴۹	الہ دین صاحب قادیان
۲۲۷	۱۵۰	ڈاکٹر عبدالمجید خاں صاحب قلات
۲۲۸	۱۵۱	سید سردار علیشاہ صاحب شاہ مسکین شیخوپورہ
۲۲۹	۱۵۲	حکیم مولوی نظام الدین صاحب بیگم کوٹ ضلع شیخوپورہ
۲۳۰	۱۵۳	سید علی ہاشمی صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر چک نمبر ۱۱۷ چہور ضلع شیخوپورہ
۲۳۱	۱۵۴	مولوی کرم الٰہی صاحب شاہدرہ شیخوپورہ
۲۳۲	۱۵۵	حکیم عبدالعزیز صاحب شرق پور ضلع شیخوپورہ
۲۳۳	۱۵۶	شیخ مسعود الرحمٰن صاحب نارنگ منڈی شیخوپورہ
۲۳۴	۱۵۷	پیر فیض احمد صاحب کیمبل پور
۲۳۵	۱۵۸	ڈاکٹر مرزا عبدالکریم صاحب کیمبل پور
۲۳۶	۱۵۹	بھائی محمود احمد صاحب سرگودہا
۲۳۷	۱۶۰	چوہدری علی محمد صاحب گوندل چک ۹۹ .... سرگودہا

۲۳۸	۱۶۱	ڈاکٹر محمد دین صاحب کریم منڈی بھلوال سرگودہا
۲۳۹	۱۶۲	حکیم حشمت اللہ خاں صاحب میانی ضلع سرگودہا
۲۴۰	۱۶۳	چوہدری غلام حسین صاحب چک ۹۸ ضلع سرگودہا
۲۴۱	۱۶۴	میاں خدا بخش صاحب ...... بھیرہ ضلع سرگودہا
۲۴۲	۱۶۵	چوہدری عبدالحق صاحب چک ۲/ T.D.A ضلع سرگودہا
۲۴۳	۱۶۶	غلام محمد صاحب راجپوت چک ۳۹/D.B ضلع سرگودہا
۲۴۴	۱۶۷	ملک غلام نبی صاحب گھو گھیاٹ " "
۲۴۵	۱۶۸	حکیم محمد صدیق صاحب " " "
۲۴۶	۱۶۹	چوہدری عبدالحمید خاں صاحب کاٹھگڑھی چک ۲/T.D.A ضلع سرگودہا
۲۴۷	۱۷۰	چوہدری فتح دین صاحب پکٹ ضلع خیرپور
۲۴۸	۱۷۱	منشی احمد دین چوکنانوالی ضلع گجرات
۲۴۹	۱۷۲	چوہدری محمد افضل پٹیالوی علی پور ضلع مظفرگڑھ
۲۵۰	۱۷۳	حافظ مراد بخش صاحب واہ کینٹ
۲۵۱	۱۷۴	چوہدری عبدالمنان صاحب کاٹھگڑھی چک ۷، ۹۴ ضلع جھنگ
۲۵۲	۱۷۵	سید حسن شاہ صاحب مگھیانہ ضلع جھنگ
۲۵۳	۱۷۶	ملک رسول بخش صاحب ریٹائرڈ اوورسیئر ڈیرہ غازی خاں
۲۵۴	۱۷۷	محمد مسعود خاں صاحب بستی مندرانی ضلع ڈیرہ غازی خاں
۲۵۵	۱۷۸	مولوی عطاء محمد صاحب جمال پور نواب شاہ سندھ
۲۵۶	۱۷۹	محمد پریل صاحب کنڈیارو ضلع نواب شاہ سندھ
۲۵۷	۱۷۹	مولوی عطا محمد صاحب راولپنڈی
۲۵۸	۱۸۰	اکبر علی صاحب محمود آباد اسٹیٹ ضلع تھرپارکر

۲۵۹	۱۸۱	احمد دین صاحب کنری ضلع تھرپارکر
۲۶۰	۱۸۲	رسالدار ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب بگٹ گنج مرداں
۲۶۱	۱۸۳	مولوی عبدالحق صاحب اپیل نویس ایبٹ آباد ضلع ہزارہ
۲۶۲	۱۸۴	چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب جج عالمی عدالت ہیگ ہالینڈ
۲۶۳	۱۸۵	سید محمد علی شاہ صاحب ۹/TDA ضلع میانوالی
۲۶۴	۱۸۶	مستری مہر دین صاحب جڑانوالہ ضلع لائلپور
۲۶۵	۱۸۷	مہر عطاء اللہ صاحب قلعہ صوبا سنگھ ضلع سیالکوٹ
۲۶۶	۱۸۸	چوہدری عبداللہ خاں صاحب قلعہ صوبا سنگھ ضلع سیالکوٹ

شق نمبر ۹ یہ تھی "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اوّلین رفقاء میں سے ہر ایک کا بڑا لڑکا شامل ہو (اس جگہ رفقاء اوّلین سے مراد وہ احمدی ہیں جن کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۹۰۱ء سے پہلے کی کتب میں فرمایا ہے)" ان کے ناموں کی فہرست یہ ہے:۔

۲۶۷	۱	صوفی غلام محمد صاحب بی ایس سی ربوہ پسر منشی محمد دین صاحب
۲۶۸	۲	مولوی قمرالدین صاحب سیکھوانی پسر میاں خیر دین صاحب سیکھوانی
۲۶۹	۳	قریشی عطاء الرحمٰن صاحب قادیان پسر محمد امین بزاز چکوال ضلع راولپنڈی
۲۷۰	۴	مخدوم محمد ایوب صاحب گھوگھیاٹ سرگودہا پسر مخدوم محمد صدیق صاحب
۲۷۱	۵	حکیم محمد اسماعیل صاحب سرگودہا پسر میاں جمال الدین صاحب سیکھوانی
۲۷۲	۶	چوہدری نثار احمد صاحب سرگودہا پسر منشی امام الدین صاحب
۲۷۳	۷	چوہدری مبارک احمد صاحب چک نمبر ۳۸ جنوبی ضلع سرگودہا پسر چوہدری عطاء الٰہی صاحب غوث گڑھی
۲۷۴	۸	قاضی بشیر احمد صاحب بھٹی راولپنڈی پسر قاضی عبدالرحیم صاحب
۲۷۵	۹	شیخ اعجاز احمد صاحب کراچی نمبر ۴ پسر شیخ عطاء محمد صاحب

۲۷۶	۱۰	حافظ مبارک احمد صاحب مولوی فاضل پسر مولوی عبدالرحمن صاحب کھیوال
۲۷۷	۱۱	چوہدری ہارون رشید صاحب حافظ آباد پسر چوہدری محمد حیات صاحب حکیم
۲۷۸	۱۲	چوہدری عزیز الدین صاحب گجرات پسر چوہدری کریم الدین صاحب
۲۷۹	۱۳	بابو محمد عبداللہ صاحب سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ پسر شیخ برکت علی صاحب
۲۸۰	۱۴	میاں محمد لطیف صاحب نمبردار چک ۱۴۱/۹L ضلع منٹگمری پسر میاں فضل الٰہی صاحب
۲۸۱	۱۵	چوہدری عبدالمالک صاحب لاہور پسر حافظ عبدالعلی صاحب فیض اللہ چک
۲۸۲	۱۶	سردار بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ پسر شیخ کرم الٰہی صاحب پٹیالوی
۲۸۳	۱۷	ڈاکٹر شریف احمد صاحب پسر میاں عبدالعزیز صاحب لاہور
۲۸۴	۱۸	ڈاکٹر سید نذیر حسین صاحب پسر قاضی سید احمد حسین صاحب ہنگریہ ضلع ضلع حیدرآباد سندھ
۲۸۵	۱۹	مولوی عبدالکریم صاحب جہلمی پسر علی محمد صاحب جہلم
۲۸۶	۲۰	عبدالحیٔ صاحب پسر مولوی عبدالمغنی صاحب جہلم
۲۸۷	۲۱	سیٹھی خلیل الرحمن صاحب پسر میاں محمد ابراہیم صاحب جہلم
۲۸۸	۲۲	ملک محمد سلیم صاحب جہلم پسر حافظ محمد امین صاحب
۲۸۹	۲۳	مرزا صالح محمد پسر مرزا صفدر علی صاحب
۲۹۰	۲۴	سید محمد احمد صاحب پسر حضرت میر محمد اسماعیل صاحب
۲۹۱	۲۵	ماسٹر محمد مبارک اسماعیل لائلپور پسر شیخ مولا بخش صاحب
۲۹۲	۲۶	نعمت اللہ صاحب پسر ماسٹر فقیر اللہ صاحب کراچی

شق نمبر ۱۰ یہ تھی "ایسے تمام مبلغین سلسلہ احمدیہ جنہوں نے کم از کم ایک سال بیرونی ممالک میں کام کیا ہو اور بعد میں تحریک جدید نے کسی الزام کے ماتحت انہیں فارغ نہ کر دیا ہو ان کو تحریک جدید سرٹیفکیٹ دے گی اور ان کے ناموں کا اعلان کرے گی۔"

۲۹۳	۱	ملک احسان اللہ صاحب
۲۹۴	۲	مولوی امام الدین صاحب
۲۹۵	۳	سید احمد شاہ صاحب
۲۹۶	۴	اقبال احمد شاہد صاحب
۲۹۷	۵	بشارت احمد صاحب بشیر
۲۹۸	۶	حافظ بشیر الدین صاحب
۲۹۹	۷	بشارت احمد صاحب نسیم
۳۰۰	۸	بشیر احمد خاں صاحب
۳۰۱	۹	بشیر احمد صاحب شمس
۳۰۲	۱۰	جلال الدین صاحب قمر
۳۰۳	۱۱	سید جواد علی صاحب
۳۰۴	۱۲	جمیل الرحمن صاحب رفیق
۳۰۵	۱۳	سید داؤد احمد انور صاحب
۳۰۶	۱۴	روشن الدین صاحب
۳۰۷	۱۵	صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب
۳۰۸	۱۶	چوہدری رشید الدین صاحب
۳۰۹	۱۷	رشید احمد صاحب سرور
۳۱۰	۱۸	صلاح الدین خاں صاحب
۳۱۱	۱۹	چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ
۳۱۲	۲۰	چوہدری عبد اللطیف صاحب
۳۱۳	۲۰	عنایت اللہ صاحب خلیل

۳۱۴	۲۱	عبد الخالق صاحب
۳۱۵	۲۲	عطاء اللہ صاحب کلیمؔ
۳۱۶	۲۳	چوہدری عنایت اللہ صاحب
۳۱۷	۲۴	عبدالرشید رازی صاحب
۳۱۸	۲۵	عبدالحکیم صاحب اکملؔ
۳۱۹	۲۶	میاں عبد الحیٔ صاحب
۳۲۰	۲۷	عبدالکریم صاحب شرما
۳۲۱	۲۸	چوہدری غلام یاسین صاحب
۳۲۲	۲۹	ملک غلام نبی صاحب
۳۲۳	۳۰	غلام احمد صاحب نسیمؔ
۳۲۴	۳۱	فضل الٰہی صاحب بشیرؔ
۳۲۵	۳۲	قریشی فیروز محی الدین صاحب
۳۲۶	۳۳	فضل الٰہی صاحب انوریؔ
۳۲۷	۳۴	حافظ قدرت اللہ صاحب
۳۲۸	۳۵	کرم الٰہی صاحب ظفرؔ
۳۲۹	۳۶	کمال یوسف صاحب
۳۳۰	۳۷	مرزا لطف الرحمٰن صاحب
۳۳۱	۳۸	محمد صدیق صاحب امرتسری
۳۳۲	۳۹	صوفی محمد اسحاق صاحب
۳۳۳	۴۰	قریشی محمد افضل صاحب
۳۳۴	۴۱	مولوی محمد منورؔ صاحب

۳۳۵	۴۲	حکیم محمد ابراہیم صاحب
۳۳۶	۴۳	قریشی مقبول احمد صاحب
۳۳۷	۴۴	چوہدری محمد شریف صاحب
۳۳۸	۴۵	محمد سعید صاحب انصاری
۳۳۹	۴۶	محمد اسماعیل صاحب منیرؔ
۳۴۰	۴۷	محمد صدیق صاحب شاہدؔ
۳۴۱	۴۸	مبارک احمد صاحب ساقیؔ
۳۴۲	۴۹	مرزا محمد ادریس صاحب
۳۴۳	۵۰	محمود احمد صاحب سرگودھی چیمہ
۳۴۴	۵۱	مبارک احمد صاحب قاضی
۳۴۵	۵۲	چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ
۳۴۶	۵۳	منیر احمد صاحب عارفؔ
۳۴۷	۵۴	محمد بشیر صاحب شادؔ
۳۴۸	۵۵	حافظ محمد سلیمان صاحب
۳۴۹	۵۶	منیر الدین صاحب
۳۵۰	۵۷	مسعود احمد صاحب جہلمی
۳۵۱	۵۸	سید مسعود احمد صاحب
۳۵۲	۵۹	مقبول احمد صاحب ذبیحؔ
۳۵۳	۶۰	نور محمد صاحب سیفیؔ
۳۵۴	۶۱	شیخ نور احمد صاحب منیرؔ
۳۵۵	۶۲	نور الحق انور صاحب

۳۵۶	۶۳	مولوی نذیر احمد صاحب مبشر
۳۵۷	۶۴	نورالدین صاحب منیر
۳۵۸	۶۵	شیخ نصیرالدین صاحب
۳۵۹	۶۶	نصیر احمد خاں صاحب
۳۶۰	۶۷	قاضی مغیم الدین صاحب
۳۶۱	۶۸	چوہدری رحمت خاں صاحب
۳۶۲	۶۹	راجہ عبدالحمید صاحب
۳۶۳	۷۰	مولوی عبدالمجید صاحب کراچی
۳۶۴	۷۱	مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی
۳۶۵	۷۲	صوفی عبدالغفور صاحب
۳۶۶	۷۳	خاں عبدالرحمٰن خاں صاحب
۳۶۷	۷۴	مولوی عبدالمالک خاں صاحب
۳۶۸	۷۵	سید محمود احمد صاحب
۳۶۹	۷۶	مولوی احمد خاں صاحب نسیم
۳۷۰	۷۷	مولوی جلال الدین صاحب شمس
۳۷۱	۷۸	مولوی ابوالعطاء صاحب
۳۷۲	۷۹	محمد ابراہیم صاحب ناصر
۳۷۳	۸۰	سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب
۳۷۴	۸۱	ملک غلام فرید صاحب
۳۷۵	۸۲	حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب
۳۷۶	۸۳	محمد یار صاحب عارف

۳۷۷	۸۴	شیخ مبارک احمد صاحب
۳۷۸	۸۵	مولوی محمد صادق صاحب منگاپوری
		دستخط (حضرت مرزا عزیز احمد صاحب)
		(مہر) ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ۔ پاکستان ربوہ
		نقل درست ہے ۶/۲۳

نفوس و اموال میں برکت کا چمکتا ہوا نشان

خدائے ذوالعرش نے سورۂ نور میں تمکنتِ دین کو خلافت کے مبارک نظام سے وابستہ فرمایا ہے۔ یہ الٰہی وعدہ فتنۂ منافقین کے دوران بھی نہایت شان و شوکت سے پورا ہوا۔ اور جماعتِ احمدیہ کے نفوس و اموال میں برکت بخشی گئی۔ مرکزی اجتماعات اور سالانہ جلسہ پر شمعِ خلافت کے پروانے کثیر تعداد میں اپنے آقا کے حضور جمع ہوئے۔ نیز پاکستان اور بیرونی ممالک میں کئی سعید رُوحیں داخلِ احمدیت ہوئیں۔

جس وقت اس فتنہ نے سر اٹھایا اس وقت صدر انجمن احمدیہ کا سال ۱۹۵۶-۵۷ء کا بجٹ منظور ہو چکا تھا۔ چونکہ آمد کا بجٹ ہمیشہ بڑھا چڑھا کر بنایا جاتا ہے۔ تا جماعت کو قربانی کی طرف زیادہ رغبت ہو اس لیے بے شک آمد میں زیادتی تو ہر سال ہوتی ہے لیکن بعض دفعہ وہ زیادتی متوقع آمد یعنی منظور شدہ بجٹ کو نہیں پہنچتی۔ لیکن اس سال جب یہ فتنہ زوروں پر تھا۔ حضور نے جماعت کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"چاہے سال کے آخر میں چندے کی مقدار میں ایک پیسہ کی بھی کمی ہو۔ دشمن کو شور مچانے کا موقعہ ملے گا اور وہ ثابت کرنے کی کوشش کرے گا کہ اس نے جو کہا تھا کہ جماعت میں بغاوت پیدا ہو رہی ہے وہ ٹھیک ثابت ہوا ہے لیکن بات وہی ٹھیک نکلے گی جو مَیں نے قرآن کریم سے بیان کی تھی کہ جب واقعی طور پہ سچی جماعتوں میں سے کوئی شخص نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ اور بہت سے آدمی دیتا ہے"۔ (خطبۂ جمعہ فرمودہ ۲۳ نومبر ۱۹۵۶ء) مطبوعہ الفضل یکم دسمبر ۱۹۵۶ء صلا

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب خلیفہ کے مبارک مُنہ سے نکلی ہوئی باتوں کو غیر معمولی طور پر سچ کر دکھلایا۔ اور نہ صرف اس سال کا بجٹ پورا ہو گیا۔ بلکہ مجوزہ بجٹ سے بھی بہتر ہزار پانچ سو بتیس روپے زیادہ وصول ہوئے۔ حالانکہ یہ مجوزہ بجٹ بھی پچھلے سال کی بجٹ آمد سے بقدر ایک لاکھ چودہ ہزار چھ سو تیس روپے زیادہ تھا۔[1]

خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت کے اس چمکتے ہوئے نشان کی عظمت و اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ حضرت مصلح موعود نے فتنۂ منافقین کے خروج سے بھی پہلے ایک خطبہ جمعہ میں یہ پیشگوئی فرما دی تھی کہ :۔

"اب مَیں بیمار ہو گیا ہوں تو چوہے اپنے بلوں سے باہر نکل آئے ہیں اور انہوں نے خیال کر لیا ہے کہ بیماری کی وجہ سے مَیں ان کا مقابلہ نہیں کر سکوں گا اور وہ میری ٹانگیں آسانی سے کھینچ سکیں گے لیکن وہ بے وقوف یہ نہیں جانتے کہ مَیں آج سے نہیں ۱۹۰۸ء سے خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوں۔ اور خدا تعالیٰ نے اس وقت سے لے کر اب تک ہر جگہ میری مدد کی ہے۔

تم جانتے ہو کہ مَیں جب خلیفہ ہوا تو مولوی محمد علی صاحب کا جماعت میں بہت زیادہ اثر تھا اور مالدار طبقہ ان کے ساتھ تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل جب فوت ہوئے اور مولوی محمد علی صاحب اور ان کے ساتھی لاہور چلے گئے تو جماعت کے خزانہ میں صرف ۱۸ روپے تھے۔ اور اب خدا کے فضل سے ہمارا سالانہ بجٹ اٹھارہ لاکھ کے قریب ہے اگر مَیں خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں نہ ہوتا تو تم مجھے ۱۹۰۸ء میں مار دیتے اور اگر اس وقت مَیں کسی وجہ سے بچ گیا تھا تو تم مجھے ۱۹۱۴ء میں مار دیتے جب جماعت کا با اثر اور مالدار طبقہ اِک طرف تھا اور مَیں دوسری طرف تھا خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہمیشہ رہا ہے۔ اس نے اس وقت بھی میری مدد کی جب میں جوان تھا اور طاقتور اور تندرست تھا اور اب بھی میری مدد کرے گا جبکہ مَیں بوڑھا اور بیمار ہوں۔"[2]

نظامِ خلافت کے باغیوں کا انجام

خدا تعالیٰ کی جماعت تو اپنے مقدّس آقا اور موعود امام کی بابرکت قیادت میں نئے ولولے، نئے

---

[1] الفضل ۱۲ رمئی ۱۹۵۷ء صـ۳ :: [2] الفضل ۲۷ رجولائی ۱۹۵۶ء صـ۲

قوت اور نئے جوش کے ساتھ جلد جلد فتوحات و ترقیات کی منازل طے کرنے لگی۔ مگر نظام خلافت کے باغی جو مخالفینِ احمدیت کی آغوش میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ اور اپنی کامیابی کے خواب دیکھ رہے تھے بہت جلد اپنے انجام کو پہنچ گئے

چنانچہ لاہور کے احراری اخبار "نوائے پاکستان" (۱۷ر جنوری ۱۹۵۷ء) نے لکھا:۔

ا۔ "حزبِ مخالف نے اگرچہ حقیقت پسند پارٹی کے نام سے اپنی جماعت الگ بنانے کا اعلان کر دیا ہے مگر ہیں وہ بڑے پریشان کیونکہ قادیانی خلافت نے تو منافق غدار۔ ملحد۔ اور دونوں جہان میں خائب و خاسر کا الزام دے کر اپنے سے ان کو عضوِ فاسد کی طرح کاٹ دیا ہے"۔

ب:۔ "لاہوری حضرات ان کو دوسرے قادیانیوں ہی کی طرح سمجھتے ہیں ان میں باہمی عقیدہ و خیال کا کوئی فرق نہیں ہے صرف تھوڑا سا خلافتی اختلاف ہے اس بنا پر وہ ان کو اپنے قریب تک نہیں پھٹکنے دیتے"۔

ج:۔ "مرزائیت کی حالت میں مسلمانوں کا ان سے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ اسلام کے ایک بنیادی و اساسی عقیدہ کے منکر ہیں اور اسلام کے نزدیک یہ مرتد ہیں۔ مسلمان کافر کی ذمی ہونے کی حیثیت سے حفاظت و صیانت تو کر سکتا ہے مگر مرتد کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے بلکہ مرتد کی سزا اسلام میں نہایت ہی سنگین ہے اس اعتبار سے یہ معاشرہ سے بالکل کٹ چکے ہیں"۔

د:۔ "ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ کا سا ان کا حال ہے سرزمین پاکستان، باوجود اپنے وسعت و فراخی کے ان پر تنگ ہو گئی ہے۔ کیا وہ ملک بدر ہو جائیں آخر جائیں تو کہاں جائیں فرض کر لیجیے کہ ان میں سے ایک آدمی کسی مکان پر صرف اکیلا ہی رہتا ہے زندگی میں ہزاروں حادثات رونما ہوتے رہتے ہیں اگر وہ بھی کسی حادثہ کا شکار ہو جائے تو ان سے کون انس و مروت کرے گا۔ کیا وہ سسک سسک کر نہیں مر جائے گا بالفرض وہ فوت بھی ہو جاتا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی تجہیز و تکفین کون کرے گا۔ اس کا جنازہ کون پڑھائے گا۔ اور کس کے قبرستان میں وہ دفن کیا جائے

گا۔ یا اس کی لاش کو چیلوں اور درندوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ حقیقت پسند پارٹی کو اِن بھیانک اور خوفناک نتائج پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے اس پارٹی کے ایک رکن نے کچھ اس قسم کا اپنا دکھڑا گزشتہ دنوں مدیر الاعتصام مولانا محمد اسحٰق صاحب کو سنایا اور یہی واقعہ اِن سطور کے لکھنے کا محرک اور باعث بنا ان خوفناک اور مہلک نتائج سے محفوظ ہونے کی خاطر ہم اس پارٹی کے تمام حضرات کو مخلصانہ مشورہ دیں گے۔ کہ یوں اپنے کو ذلیل وخوار نہ کرو۔ اور نہ ہی اپنے جنازوں کو خراب کرو۔ بلکہ حقیقی حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے اسلام کی آغوش میں آ جاؤ۔ اسلام کے دروازے آپ کے لیے ہر وقت کھلے ہیں۔ ہم آپ کا پُرتپاک خیر مقدم کریں گے۔ نیز مجلس "تحفظ ختم نبوت" کے پلیٹ فارم سے آپ اپنے مخالفین کو بھی شکست دے سکتے ہیں[1]"

پیغامی ایجنٹ کا حشر غیر مبائعین اور ابنائے حضرت خلیفہ اول کے ایجنٹ کی بے آبروئی اور رسوائی کا سامان کس طرح خدا تعالیٰ نے غیر مبائعین ہی کے ہاتھوں کیا؟ اُس کی تفصیل اللہ رکھا کے مندرجہ ذیل مکتوب سے ملتی ہے جو اُس نے ایڈیٹر اخبار "امروز" کے نام لکھا۔

"اظہارِ حقیقت

مکرمی تسلیم! میں ۱۹۵۰ء سے امیر مرحوم کے ارشاد کے مطابق احمدیہ بلڈنگس لاہور میں مقیم ہوا اور لٹریچر تقسیم کرنے کا کام شروع کیا۔ کھانا اور رہائش کا انتظام لنگر خانہ سے تھا ان کی وفات کے بعد کام جاری رکھا۔

۱۴ر اپریل ۱۹۵۷ء کو مجلس منتظمہ نے فیصلہ کیا کہ مجھے ۳۵ روپے مہنگائی الاؤنس دیا جائے لیکن ساتھ ہی رہائش، کھانا اور دیگر سہولتوں سے محروم کر دیا جائے۔ یہ فیصلہ ایک سازش اور

---

[1] نوائے پاکستان لاہور ۷ر جنوری ۱۹۵۷ء بحوالہ روزنامہ الفضل ربوہ ۲۷ر جنوری ۱۹۵۷ء ص۳

منصوبہ کے مطابق کیا گیا۔ جو قرآن و سنّت کے بھی منافی ہے۔ اگر احمدیہ انجمن، احمدیہ بلڈنگس رفاہی ادارے ہیں تو یہ فیصلہ ایک مظلوم احمدی کے لیے بالکل ناروا، کھُلم کھُلا بربیت اور ظلم کے برابر ہے میں نے ۴۲ سال احمدیہ بلڈنگس میں مقیم ہو کر اشاعتِ اسلام اور اسلامؑ کی غرض سے زندگی وقف کر دی جوانی گزار دی۔ اس عرصہ میں مجھ پر طرح طرح کے ظلم کیے گئے حقوقِ انسانیت سلب کیے گئے مجھے خواہ مخواہ ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ سوائے زخموں، آہوں کے مجھے احمدیت کی خدمت کر کے اور کیا ملا ہے۔ احمدیہ بلڈنگس میری پناہ گاہ ہے۔ اس کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ آپ کو بخوبی علم ہے کہ فریق ثانی نے مجھ پر صرف اس لیے ظلم و ستم کیے کیونکہ میں احمدیہ بلڈنگس میں مقیم تھا اور احمدیہ انجمن لاہور کا لٹریچر تقسیم کرتا تھا۔ انہوں نے عام اخباروں، الفضل میں میرے خلاف پراپیگنڈا کر کے مجھے ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش کی اور جان سے مار دینے کی دھمکی دی گئی غریب اور امیر کے چندہ سے بیت المال جاری کیا گیا۔ اس بیت المال سے امیر، جنرل سیکرٹری، کارکنان، ایڈیٹران سب ڈبل تنخواہیں لیتے ہیں۔ مگر میں نے ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۱ء تک محض اعزازی کام کیا ہے۔ ۱۹۶۱ء میں حج بیت اللہ کی واپسی کے بعد معمولی وظیفہ لینا شروع کیا کھانا تو ڈاکٹر مرحوم صاحب سابقہ صدر کے زمانہ سے ملتا تھا اور اب تک جاری ہے اور وظیفہ بھی۔ ایک سال سے حکومت نے مہنگائی الاؤنس کا عام اعلان کیا ہے میں نے بھی اپنی چند مجبوریوں کی بناء پر مطالبہ کیا کہ مجھے بھی ۳۵ روپے ملنے چاہئیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جن لوگوں کو آپ نے مہنگائی الاؤنس دیا، کیا ان لوگوں کو گھروں سے نکال دیا گیا۔ پھر میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں؟۔ یہ انسانیت کے خلاف فیصلہ ہے اگر آپ نے اس فیصلہ پر نظر ثانی نہ کی تو میں راست اقدام کروں گا۔ ظالموں کو بے نقاب کروں گا اور انصاف کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ پھر نہ کہنا خبر نہ ہوئی"۔[۲]

---

[۱] اس اصطلاح سے یہاں مراد عملاً عداوت محمود ہے۔ (ناقل)

[۲] روزنامہ امروز (لاہور) ۲۱ رمئی ۱۹۷۴ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴

غیر مبایعین کی عبرت ناک ناکامی

جہاں تک غیر مبایعین کا تعلق ہے فتنہ منافقین کی پشت پناہی کے بعد نہ صرف یہ کہ ان کی سب سازشیں دھری کی دھری رہ گئیں بلکہ وہ ہر محاذ پر بڑی طرح ناکام رہے حتیٰ کہ انہیں یقین ہوگیا کہ ان کی حیثیت لاشہ بے جان سے زیادہ نہیں چنانچہ اخبار "پیغام صلح" (۹ رمئی ۱۹۷۳ء) نے اپنے اداریہ میں نہایت افسوس کے ساتھ یہ اعتراف کیا :-

"ہماری اس جماعت احمدیہ لاہور کا وجود پاکستان میں نہ ہونے کے برابر ہے"

اسی اخبار نے دوبارہ ۲۵ رمئی ۱۹۷۷ء کے ادارتی نوٹ میں انجمن اشاعت اسلام لاہور کی حالت زار کا نقشہ درج ذیل الفاظ میں کھینچا :-

"ہمیں اپنے ہر شعبۂ زندگی میں یہی نظر آتا ہے کہ ہم نے دین کو دنیا پر نہیں دنیا کو دین پر مقدم رکھا ہے .... ماموروقت نے اپنے نور بصیرت سے انجمن کے اراکین کی نسبت اسی لیے فرمایا تھا کہ جب انجمن کے اراکین یہ دیکھیں کہ اسکے کسی رکن کے دل میں دُنیا کی ملونی ہے تو انجمن کا فرض ہوگا کہ اُسے نکال دے کیونکہ ایسا شخص دُنیا کا ذلیل ترین کیڑا ہوتا ہے جو اندر ہی اندر سے جماعت کو کھوکھلا کر دیتا ہے .... ہمارے سارے مسائل اور الجھنوں کی وجہ یہی ہے کہ ہم اپنے اس راستہ سے بھٹک گئے ہیں جس پر حضرت مسیح موعودؑ ہمیں ڈال گئے ہم نے حضرت مسیح موعودؑ کو پس پُشت ڈال کر اپنے لیے نئے راستے تلاش کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ بیرونی سیاست گری نے ہمارے معاملات میں مداخلت شروع کر دی ہے۔ ہم سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا دیکھ کر بھی اسے روکنے کی جرأت سے محروم ہیں۔ جو مصلحتیں پہلے بگاڑ پیدا کر چکی ہیں وہ اب بھی ہمارے مدِنظر ہیں۔ ہم شرافت کے پردے میں بزدلی کا شکار ہیں۔ قولِ سدید سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں اگر ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں حضرت مسیح موعودؑ سے کیے گئے اس عہد کی طرف کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا" واپس لوٹنا ہوگا اور آپ کی وصیت کو سینے سے لگا کر دنیا کی ملونی کو باہر نکال پھینکنا ہوگا"[1]

---

[1] پیغام صلح لاہور ۲۵ مئی ۱۹۷۷ء صفحہ ۲ (اداریہ)

۱۹۵۳ء میں ایک غیر مبائع خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب ممبر مجلس معتمدین سیکرٹری جماعت راولپنڈی نے ایک ٹریکٹ میں اپنے موجودہ امیر کی خفیہ پالیسی پر زبردست تنقید کرتے ہوئے لکھا :۔

"ہم حیران و ششدر رہیں کہ خدا وندا یہ جماعت کب سے فرقہ باطنیہ بن گئی ہے جس کی عقیدہ سے لے کر سیادت و سیاست تک ہر چیز پُر اسرار ہوتی تھی"۔ نیز لکھا

"ہم علمی سطح پر دوسری جماعتوں سے مار کھا چکے ہیں۔ ہمارے ہاں علمائے دین کا فقدان ہے۔ اہلِ قلم ناپید ہیں۔ فصاحت و بلاغت اور حسنِ خطاب کی رمق تک باقی نہیں رہی زمانہ تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے اور نئے سے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں اُن پر کوئی بولنے والا اور لکھنے والا ہمارے ہاں کوئی دکھائی نہیں دیتا وہی آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے کی باتیں بے ڈھنگے پن سے بار بار بیان کی جاتی ہیں اور سمجھا جاتا ہے کہ ہم نے قلعے سر کر لیے ہیں پھر انفرادی اور اجتماعی صورت میں جماعت کی عملی حالت ہمارے تنزل اور انحطاط کی دُھائی دے رہی ہے"[۱]

---

[۱] "مجلس معتمدین سے جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب کے خطاب پر ایک نظر" صفحہ ۱ و صفحہ ۱۳

دوسرا باب

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کے سفر ایبٹ آباد و بالاکوٹ سے لیکر تفسیر صغیر کی اشاعت تک۔

فصل اوّل

۱۹۵۵ء کے فتنۂ منافقین، اس کی عبرتناک ناکامی اور کارنامۂ استحکام خلافت کا تفصیلی تذکرہ کرنے کے بعد اب ۱۹۵۶ء کے بقیہ واقعات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

سفر ایبٹ آباد و بالاکوٹ

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ وسط ۱۹۵۶ء میں مری میں تشریف فرما تھے کہ ڈاکٹر چوہدری غلام اللہ صاحب پی ایچ۔ ڈی۔ پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ ایبٹ آباد کی طرف سے حضور کی خدمتِ اقدس میں یہ درخواست پہنچی کہ ہمیں عرصہ سے شوق ہے کہ حضور ایبٹ آباد تشریف لاویں تاکہ اس خطہ اور اس کے باشندوں کے لیے خیر و برکت کا موجب ہو۔ یہ درخواست حویلیاں کے دو مخلص احمدیوں صوبیدار غلام رسول صاحب اور چوہدری غلام حسین صاحب نے پیش کی۔ حضور نے ازراہِ کرم اسے شرفِ قبولیت بخشا اور ۱۰ ستمبر ۱۹۵۶ء کو مع بیگمات و خدام کے مری سے ایبٹ آباد تشریف لے گئے اور اس علاقہ کو اپنے انفاسِ قدسیہ، ایمان افروز خطابات اور پُرسوز دعاؤں سے برکت عطا کرنے کے بعد ۲۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کی صبح کو ایبٹ آباد سے روانہ ہو کر جابہ آ گئے[1]

اس علاقہ میں حضور نے قریباً ایک ہفتہ قیام فرمایا اور اس کے دوران تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد صاحب شہید بریلویؒ کے مزارِ مقدس (واقع بالاکوٹ) پر دعا کے لیے بھی تشریف لے گئے۔

ایبٹ آباد میں مختصر سی جماعت تھی۔ جس نے مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا حضور کی رہائش چوہدری عبدالجلیل خاں صاحب ایگزیکٹو انجینئر کی وسیع، باموقعہ اور خوشنما کوٹھی میں تھی ماحول ہر طرح پُرامن رہا اور کئی سعید اور نیک فطرت غیر از جماعت معززین حضور کی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے اور انہیں حضور کی زبانِ مبارک سے مبارک کلمات سننے اور زیادہ سے زیادہ

---

[1] الفضل ۲۳ ستمبر ۱۹۵۶ء صلہ و الفضل ۲۲ اگست ۱۹۶۵ء ص۵

فیض حاصل کرنے کا قیمتی موقع میسر آیا ۔ ۱۹ ستمبر کو حضور سیر کے لیے مانسہرہ تشریف لے گئے جہاں پیر زمان شاہ صاحب نے حضور کے اعزاز میں دعوت کا انتظام کیا جس میں گردو نواح کی جماعتوں کے دوست بھی مدعو تھے۔ بھگلہ کے ایک احمدی بزرگ سید عبدالرحیم شاہ صاحب[1] بھی اس تقریب میں چند غیر احمدی معززین کے ساتھ حاضر تھے ۔ انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے حضرت مصلح موعود کی خدمتِ اقدس میں عرض کی کہ حضور بالاکوٹ تشریف لے جاتے ہوئے ہمارے گاؤں بھگلہ[2] کو بھی برکت بخشیں اور ہماری طرف سے چائے قبول فرمائیں ۔ حضور نے ازراہِ شفقت یہ دعوت منظور فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ بالاکوٹ سے واپسی پر بھگلہ بھی آئیں گے اس پر انہوں نے واپس آتے ہی مع اپنے صاحبزادوں کے حضور کے استقبال کی زور شور سے تیاری شروع کر دی۔ پکی سڑک سے گاؤں تک دو تین فرلانگ کی کچی سڑک کو مرمت کرایا۔ جگہ جگہ چونے کا چھڑکاؤ کیا ۔ اور مختلف مقامات پر اَھْلاً وَّ سَھْلاً وَّ مَرْحَبًا کے قطعات آویزاں کیے اور مختلف جگہوں کو عمدہ طریق پر آراستہ کر کے ایک ہی دن میں تمام تیاری مکمل کر لی ۔

اگلے روز ۲۰ ستمبر بروز جمعرات حضور معہ قافلہ کے بالاکوٹ تشریف لے گئے حضور کے ساتھ کار میں ڈاکٹر چوہدری غلام اللہ صاحب سے اور مرزا عبداللہ جان صاحب کو بھی رفاقت کا شرف حاصل ہوا حضور کے اہل و عیال دوسری گاڑی میں سوار تھے ۔ راستے میں ایک اور کار بھی شامل ہو گئی جس میں حضرت

---

[1] ولادت ۱۹۰۱ء ۔ آپ اور حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری دونوں حضرت پیر بابا صاحب بنیر سوات کی اولاد میں سے تھے ۲۲-۱۹۲۴ء میں احمدیت قبول کی اور اس علاقہ تک پیغام حق پہنچانے میں آخری دم تک سرگرم عمل رہے ۔ ۱۲ جولائی ۱۹۷۴ء کو انتقال کیا۔ اولاد ۔ سید محمد بشیر شاہ صاحب ۔ سید محمد صادق صاحب ۔ سید عبدالرزاق شاہ صاحب ۔ سید لقمان شاہ صاحب ۔ سید اقبال شاہ صاحب ۔ سید نذیر شاہ صاحب ۔ خورشید بیگم صاحبہ اہلیہ سخاوت شاہ صاحب کراچی (برہانِ ہدایت جلد دوم صہ ۱۲۴ مؤلفہ مولوی عبدالرحمن صاحب مبشر طبع اول دسمبر ۱۹۷۹ء)

[2] یہ گاؤں اس علاقہ میں احمدیت کا ایک مرکز سمجھا جاتا رہا ہے اور مانسہرہ سے کشمیر کاغان روڈ پر قریباً گیارہ میل کے فاصلہ پر بڑا سی جنگل کے دامن میں واقع ہے اور ایبٹ آباد سے قریباً ۲۵ میل دور ہے ۔

قاضی محمد یوسف صاحب فاروقی امیر صوبہ سرحد تھے، جن کو دیکھ کر حضور بہت خوش ہوئے۔ حضرت سید احمد صاحب شہید بریلوی کے مزار پر حضور نے ایک لمبی اور سوز وگداز میں ڈوبی ہوئی دعا کرائی۔ دعا کے موقع پر ڈاکٹر غلام اللہ صاحب نے چند ایک فوٹو کھینچے۔ دعا کے بعد حضور نے اپنا دستِ مبارک کتبہ پر رکھا ڈاکٹر صاحب نے اس موقع کا فوٹو بھی لے لیا۔ یہ کتبہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب فاروقی نے کئی سال قبل تیار کرا کے نصب کرایا تھا[1]

اس تاریخی سفر کے مفصل حالات مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر انچارج شعبہ زودنویسی کے قلم سے درج ذیل کیے جاتے ہیں۔ آپ نے "سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے مزار مقدس پر" کے عنوان سے الفضل میں لکھا:۔

"ستمبر ۱۹۵۶ء میں جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے مری سے ایبٹ آباد تشریف لے گئے۔ تو حضور نے ایک روز حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے مزار اقدس پر دعا کرنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ اور اس غرض کے لیے ہمسفر اصحاب کو تیاری کا حکم دے دیا۔ چنانچہ انتظامات کی تکمیل کے بعد حضور ۲۰ ستمبر بروز جمعرات بالاکوٹ تشریف لے گئے۔ جو ایبٹ آباد سے ۵۰ میل کے فاصلہ پر ہے حضور ۷ بجے صبح ایبٹ آباد سے روانہ ہوئے اور سیدھے بالاکوٹ پہنچے۔ چونکہ حضرت سید محمد اسمٰعیل صاحب شہید کا مزار بھی قریب ہی ہے اس لیے حضور نے پہلے ان کے مزار پر دعا کرنے کا ارادہ فرمایا لیکن ابھی تھوڑا فاصلہ ہی حضور نے طے فرمایا تھا کہ بعض دوستوں نے عرض کیا کہ اگلا راستہ پہاڑی اور کٹھن ہے اور حضور کے لیے وہاں تک چل کر جانا مشکل ہوگا۔ اس لیے مناسب ہے کہ ان کے مزار پر کسی اور وقت تشریف لے جائیں حضور نے اس مشورہ کو قبول فرماتے ہوئے وہاں جانے کا ارادہ ترک فرما دیا۔ اور راستہ بدل کر حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے مزار پر تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچنے پر خادم قبرستان نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ چونکہ حضرت سید صاحب کی قبر کے گرد قرآن خوانی کے لیے جگہ صاف کی گئی ہے اس لیے احباب جوتے اتار کر اندر تشریف لائیں۔ چنانچہ قبر کے قریب پہنچکر تمام احباب نے جوتے

---

[1] الفضل ۲۲ اگست ۱۹۶۵ء صفحہ ۵

اتار دیئے اور پھر حضور نے ان کے مزار پر کھڑے ہو کر لمبی دعا فرمائی۔ یہ دعا دس بجکر ۵۴ منٹ سے لے کر گیارہ بجکر بیس منٹ تک جاری رہی۔ دعا سے فارغ ہونے کے بعد ایک دوست کی خواہش پر حضور نے حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے کتبہ کے پاس کھڑے ہو کر فوٹو کھچوایا۔ یہ قبر بعض دوسری قبروں کے ساتھ درختوں کے ایک جھنڈ میں واقع ہے اس موقع پر حضور کی طرف سے مجاور کو کچھ ہدیہ بھی دیا گیا۔ واپسی پر بالاکوٹ کے دوستوں نے حضور کی خدمت میں چائے پیش کی۔ اور حضور چند منٹ وہاں تشریف فرما رہے۔ راستہ میں پھگلہ میں مقامی جماعت نے بشیر احمد صاحب کے مکان پر حضور کی خدمت میں دوپہر کا کھانا پیش کیا۔ نصف گھنٹہ کے قریب حضور وہاں پر تشریف فرما رہے اس کے بعد حضور موٹر کے ذریعہ پانچ بجے ایبٹ آباد تشریف لے آئے۔

اس سفر میں حضور کے ساتھ جانے کی مندرجہ ذیل احباب کو سعادت حاصل ہوئی۔

۱۔ حضرت سیدہ اُمّ ناصر احمد صاحبہ ...... (۲) حضرت سیدہ اُمّ متین صاحبہ
(۳) حضرت سیدہ مہر آپا صاحبہ (۴) امۃ المتین صاحبہ بیگم مکرم میر محمود احمد صاحب
(۵) مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب (۶) مکرم میاں غلام محمد صاحب اختر ناظر اعلیٰ ثانی
(۷) مکرم مولوی عبدالرحمن صاحب انور (۸) مکرم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب
(۹) خاکسار محمد یعقوب انچارج شعبہ زود نویسی (۱۰) مکرم کیپٹن محمد حسین صاحب چیمہ
(۱۱) مکرم کیپٹن شیر ولی خان صاحب (۱۲) مکرم عبداللطیف خان صاحب،
(۱۳) مکرم ڈاکٹر غلام اللہ صاحب (۱۴) مکرم قاضی محمد یوسف صاحب امیر جماعت احمدیہ سرحد
(۱۵) مکرم مرزا عبداللہ جان صاحب سینئر سب جج

ان کے علاوہ حسب ذیل اصحاب راستہ میں شامل ہو گئے تھے۔

(۱) مکرم غلام سرور خان صاحب دُرّانی ساکن مردان (۲) مکرم مولوی محمد عرفان صاحب مانسہرہ
(۳) مکرم سید بشیر[1] احمد صاحب پھگلہ (۴) مکرم مرزا عبدالمجید صاحب پشاور ریٹائرڈ ڈی ایس پی
(۵) مکرم صوبیدار غلام رسول صاحب (۶) مکرم صوبیدار عبدالقیوم صاحب
(۷) مکرم محمد زمان خان صاحب بالاکوٹ (۸) مکرم غلام سرور خان صاحب بالاکوٹ
(۹) مکرم بدر سلطان صاحب اختر انسپکٹر خدام الاحمدیہ مرکزیہ۔

---

[1] صحیح نام سید محمد بشیر شاہ ہے (ناقل)

اس سفر میں حضور کے ڈرائیوروں میں سے مکرم نذیر احمد صاحب ۔ مکرم مرزا انور بیگ صاحب مکرم شیخ عبدالحق صاحب اور باڈی گارڈوں میں سے مکرم غلام محمد صاحب اور مکرم حسن محمد صاحب اور نوکروں میں سے داؤد احمد صاحب حضور کے ہمرکاب تھے اسی طرح خادمات میں سے ساجدہ صاحبہ اس قافلہ میں شامل تھیں ۔

الحمدللہ کہ اس سفر میں حضور کی طبیعت بہت اچھی رہی ۔ اور پختہ سڑک کی وجہ سے راستہ بہت آسانی سے کٹا صرف گڑھی حبیب اللہ سے دریائے کنہار کے ساتھ ساتھ کچی سڑک تھی یہ بہت اونچی نیچی اور گرد و غبار سے اٹی ہوئی تھی ۔

چونکہ حضور کے اس تاریخی سفر کا سلسلہ کے کسی اخبار میں اس سے پہلے ذکر نہیں ہوا اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ احباب کے ازدیادِ معلومات اور سلسلہ کی تاریخ میں محفوظ رکھنے کی غرض سے اسے شائع کر دیا جائے[1] ۔

جماعت احمدیہ بالاکوٹ نے اپنے آقا کے آرام اور چائے وغیرہ کا نہایت عمدہ بندوبست کر رکھا تھا ۔

سیدنا حضرت المصلح الموعود مزار پر دعا کے بعد محمد زمان خاں صاحب آف پوڑھی (شہید ۱۹۴۷ء) کی درخواست پر اُن کے گھر بھی تشریف لے گئے اُن کا مکان بالاکوٹ سے ایک میل پیچھے پکی سڑک سے ذرا بلندی پر واقع تھا ۔ حضور کار سے اُتر کر مکان کی طرف روانہ ہوئے ۔ تو میاں غلام محمد صاحب اختر ناظر ثانی نے آواز دی کہ کوئی پہاڑی دوست آگے آ جائیں جس پر سید محمد بشیر شاہ صاحب[2] فوراً آگے بڑھے حضور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اور سہارا لیے ہوئے ، محمد زمان خاں کے مکان تک پہنچے اور چند منٹ کے لیے تشریف فرما رہے ۔ انہوں نے حضور کی خدمت بابرکت میں شہد ، اخروٹ اور پنیر پیش کیے ۔ اس کے بعد حضور بھگہ کے لیے روانہ ہوئے ۔ اور گیارہ بجے مع قافلہ اس

---

[1] الفضل جلسہ سالانہ نمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۱

[2] فرزندِ اکبر سید عبدالرحیم شاہ صاحب موڑے کر مانسہرہ گئے اور وہاں سے حضور کے ساتھ بطور خادم سارے سفر میں ساتھ رہے ۔

خوش قسمت گاؤں میں پہنچے۔ یہاں ایک وسیع و عریض بیٹھک میں دعوت کا انتظام تھا اور بہت سے معززین علاقہ بھی موجود تھے۔ جنہوں نے پُر تپاک طریق پر استقبال کیا۔ یہاں حضور ایک گھنٹہ رونق افروز رہے اور مختلف موضوعات پر انتہائی دلچسپ اور روح پرور گفتگو فرمائی۔ حضور نے مکئی کی روٹی بہت پسند فرمائی اور بھگلہ کے محلِ وقوع اور خوبصورتی سے بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ یہ جگہ تو کلّو وادی کی طرح ہے۔

یہاں سے فارغ ہو کر حضور قافلہ سمیت واپس ایبٹ آباد تشریف لائے۔ اور شام کو ایک ٹی پارٹی میں شرکت فرمائی۔ جو جماعتِ ایبٹ آباد کی طرف سے حضور کی قیام گاہ پر دی گئی تھی اور جس میں علاقہ کے احمدی احباب اور مقامی منتظمین کے علاوہ ایبٹ آباد کے غیر از جماعت معززین بھی شامل تھے۔ اس موقع پر حضور نے لاؤڈ اسپیکر پر ایک مختصر خطاب بھی فرمایا جو بہت مؤثر تھا۔

۲۱ر ستمبر کو جمعہ تھا۔ صبح کے وقت چند صحابی حضور کی ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ جمعہ کے لیے مضافات اور پشاور سے کئی مخلصین جماعت تشریف لائے۔ نماز کے بعد ڈاکٹر غلام اللہ صاحب نے حضور کی خدمت میں معذرت کی کہ ہماری مقامی جماعت چھوٹی سی ہے۔ سب نے مہمان نوازی کے لیے حتی المقدر کوشش کی ہے مگر اس میں بہت ہی کمی اور کوتاہی رہ گئی ہوگی۔ اگر حضور کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو معاف فرمادیں۔ حضور نے نہایت پیار بھرے الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ مومن کی نگاہ ہمیشہ اچھی باتوں پر ہوتی ہے۔ مَیں اپنے اس سفر سے بہت خوش ہوں۔

۲۲ر ستمبر ۱۹۵۰ء کو حضور کی روانگی کا دن تھا۔ حضور نے علی الصبح اجتماعی دعا کرائی اور سب موجود احباب کو شرفِ مصافحہ بخشا اور پھر ایبٹ آباد سے جابہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ رستہ میں تھوڑی دیر کے لیے حضور چوہدری غلام حسین صاحب کے اصرار پر حویلیاں میں بھی ٹھہرے۔[1]

---

[1] الفضل ۲۲ر اگست ۱۹۶۵ء صفحہ ۵ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو کتاب "سوانح حیات حضرت چوہدری غلام محمد خاں صاحب" ص ۸۹ - ۹۱ مؤلفہ ڈاکٹر غلام اللہ صاحب تمغہ قائد اعظم تاریخ اشاعت مارچ ۱۹۸۶ء ۶ - ای - ماڈل ٹاؤن لاہور صفحہ ۱۴

کتاب "مذہبی راہنماؤں کی سوانح عمریاں" کی اشاعت اور حضرت مصلح موعودؓ کی بروقت رہنمائی

نیویارک کی ایک فرم نے "مذہبی راہنماؤں کی سوانح عمریاں" کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ ہندوستان میں اس کا اردو ترجمہ بھارت کے ایک صوبہ کے گورنر مسٹر منشی بمبئی نے کیا۔ ترجمہ کی اشاعت پر معلوم ہوا۔ کہ اس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کی گئی ہے۔ جس پر بھارت میں زبردست شورش ہوئی۔ اور سخت فساد برپا ہوا۔ سینکڑوں مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ اور ہزاروں کو جیل خانوں میں ڈال دیا گیا۔ جن کے خلاف عرصہ تک مقدمے چلتے رہے اور ان کو گرفتاریوں کی سزا بھگتنا پڑی۔ یہ شورش دیکھ کر پہلے پاکستانی گورنمنٹ نے اور بعد ازاں ہندوستانی گورنمنٹ نے بھی یہ کتاب ضبط کر لی۔ اس پر حضرت مصلح موعودؓ نے ۵ راکتوبر ۱۹۵۶ء کو ایک پُر جلال خطبہ دیا۔ اور فرمایا کہ یہ ضبط کرنے والا طریقہ ٹھیک نہیں۔ تب تو ان لوگوں کے دلوں میں شبہ پیدا ہوگا۔ کہ ہماری باتوں کا جواب کوئی نہیں۔ واقعہ میں معاذاللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی ہوں گے۔ تبھی تو کتاب ضبط کرتے ہیں۔ اس کا جواب نہیں دیتے، اصل طریق یہ تھا کہ اس کا جواب امریکہ میں اور اس کا ترجمہ ہندوستان میں شائع کیا جاتا۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:۔

"کہا جاتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے احتجاج کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب تو ۲۹ سال ہوئے امریکہ میں چھپی تھی۔ گویا اس کتاب کا لکھنے والا کوئی عیسائی ہے۔ ہندو نہیں۔ اگر یہ درست ہے۔ تو اس صورت میں زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کتاب کا جواب امریکہ میں شائع کیا جائے اور اس کا ترجمہ ہندوستان میں پھیلایا جائے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم کوئی ایسی بات دیکھو جو ناپسندیدہ ہو تو اگر تمہارے ہاتھ میں طاقت ہو تو تم اسے ہاتھ سے مٹا دو اور اگر تمہارے ہاتھ میں طاقت نہ ہو لیکن تم زبان سے اس کی بُرائی کا اظہار کر سکتے ہو تو زبان سے اس کی بُرائی ظاہر کرو اور اگر تم میں زبان سے اظہار کرنے کی بھی طاقت نہ ہو تو تم دل ہی میں اسے بُرا سمجھو۔ یہ نکتہ بہت لطیف ہے اس کو مدِّنظر رکھتے ہوئے پاکستان گورنمنٹ چونکہ پروٹسٹ کر سکتی ہے اس لئے اس کا فرض ہے کہ وہ ہندوستان کی حکومت پر سے پروٹسٹ کرے کہ اس نے ہمارے آقاؐ کی ہتک کروائی ہے اور ہندوستانی مسلمان جو مظلوم ہیں۔ اور وہ اس کے متعلق کوئی آزادانہ

کارروائی نہیں کر سکتے اُن کے متعلق یہ حکم ہے کہ وہ دل میں ہی اس پر بُرا منائیں اور چونکہ پاکستانی گورنمنٹ نے اس کتاب کو ضبط کر لیا ہے۔ اس لیے پاکستان سے باہر کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس کتاب کا جواب لکھیں اور اسے امریکہ اور ہندوستان میں شائع کروائیں اگر یہ جواب امریکہ میں شائع کیا جائے تو وہاں کے رہنے والے لوگوں کے سامنے بھی کتاب کے مصنف کا جھوٹ ظاہر ہو جائے گا پھر اس کا ترجمہ ہندوستان میں شائع کیا جائے تو ہندو بھی ڈر جائیں گے اور وہ آئندہ مسلمانوں پر حملہ نہیں کریں گے اور سمجھ لیں گے کہ اگر انہوں نے مسلمانوں کی طرف کنکر پھینکا تو اس کے جواب میں پتھر پڑے گا اس سے نہ صرف ہندوستانی مسلمان خوش ہو جائیں گے بلکہ قرآنی آیت " وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ [1] " کی صداقت بھی واضح ہو جائے گی۔ اخبارات سے پتہ لگتا ہے کہ جب سعودی عرب کے بادشاہ سے پنڈت نہرو ملنے گئے اور اس کتاب کے متعلق باتیں ہوئیں تو انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ایسا اقدام کریں گے کہ اس قسم کی کوئی دلآزار کتاب شائع نہ ہو لیکن مجھے یقین نہیں کہ پنڈت نہرو اپنے وعدہ پر عمل کریں وہ صرف سعودی عرب کے بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے یہ باتیں کہہ آئے ہیں کیونکہ خواہ پنڈت نہرو کے دل میں نیکی ہو ان کے اردگرد جو لوگ ہیں وہ کٹر ہندو ہیں انہوں نے اپنے وعدے کے مطابق کوئی عمل کیا تو ان کے ساتھیوں نے شور مچا دینا ہے کہ تم کون ہو جو ہمیں اس بات سے روکتے ہو پس میرے نزدیک اصل طریق یہ ہے کہ چونکہ اس کتاب کا مصنف عیسائی ہے اور امریکہ کا رہنے والا ہے اس لیے اس کے جواب میں جو کتاب لکھی جائے اس کا ایک ایڈیشن انگریزی میں ہو جو امریکہ میں شائع کیا جائے اس میں ایک طرف تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع ہو۔ یعنی ان اعتراضات کا جواب ہو جو اس کتاب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیے گئے ہیں اور دوسری طرف عیسائیوں کو الزامی جواب دیا جائے اور پھر اس کا دوسرا ایڈیشن ہندوستان میں شائع کیا جائے اس میں ایک طرف تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع ہو یعنی ان اعتراضات کا جواب ہو جو آپ کی ذات پر اس کتاب میں کیے گئے ہیں اور دوسری طرف ہندو مذہب کو مدنظر رکھتے ہوئے الزامی

---

[1] المآئدۃ : ۶۸

جواب ہوتا ہندوؤں کو بھی ہوش آجائے اور آئندہ وہ مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے میں احتیاط سے کام لیں پھر اگر اس کتاب کا مصنف زندہ ہو (ممکن ہے وہ مرگیا ہو کیونکہ اس کتاب کو شائع ہوئے ۲۹ سال کا عرصہ گزر چکا ہے) تو ہمارے مبلغ اسے مباہلہ کا چیلنج دیں اور کہیں کہ اگر وہ سچا ہے اور عیسائی اس کے ساتھ ہیں تو وہ پچاس عیسائی اپنے ساتھ لے آئے ہم بھی اپنے ساتھ پچاس نومسلم لے آتے ہیں اور پھر وہ ہم سے مباہلہ کرے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں طاقت ہوئی تو وہ انہیں بچالیں گے اور اگر ہمارے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجنے والے خدا میں طاقت ہوئی تو وہ انہیں تباہ کر دے گا۔ اس مباہلہ کے بعد جب عیسائیوں پر خدائی عذاب نازل ہوا تو ثابت ہو جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں کوئی خدائی طاقت نہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجنے والا خدا اب بھی زندہ ہے گو آپ کی وفات پر ۱۳۰۰ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے مگر وہ اب بھی آپؐ کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اگر وہ لوگ مباہلہ کیلئے نہ آئیں تو جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ڈوئی کے متعلق پروپیگنڈا کیا تھا۔ اس کے متعلق بھی ملک بھر میں پروپیگنڈا کیا جائے اسلام کی عظمت ظاہر ہوگی اور لوگوں پر واضح ہو جائے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر حملہ کرنے والے جھوٹے ہیں مباہلہ کا ہتھیار عیسائیت میں موجود نہیں لیکن اسلام میں موجود ہے اور اس موقعہ پر اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ڈوئی کے اعلان کیوجہ سے امریکہ بھر میں شور پڑ گیا تھا اور بیسیوں اخباروں اور رسالوں نے ان خبروں کو شائع کیا تھا اب بھی اس طرح اس کتاب کے مصنف کو مباہلہ کا چیلنج دیا جائے تو ملک میں پھر زندگی پیدا ہو جائے گی اور وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کی صداقت کا ایک اور ثبوت مل جائے گا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حفاظت کا وعدہ کیا ہوا ہے اس لیے عیسائیوں سے کہو کہ ہم قرآن کریم کا یہ دعویٰ تمہارے سامنے پیش کرتے ہیں تم پہلے ہم سے مباحثہ کر لو اور اپنے اعتراضات پیش کرو ہم ان باتوں کا رد کریں گے اور بتائیں گے کہ ان سے بھی بدتر باتیں تمہارے ہاں موجود ہیں پھر تم ان کا جواب دے لینا اور اگر مباحثہ کے بعد بھی تم اپنے دعویٰ پر قائم رہو تو ہم سے مباہلہ کر لو خدا تعالیٰ خود جھوٹے کو تباہ کر دے گا اور دوسرے فریق کی

سچائی کو ظاہر کر دے گا یہ طریق ایسا ہے کہ اس سے امریکہ اور ہندوؤں دونوں پر اسلام کا رعب قائم ہو جائے گا ہندوؤں کو اس الزامی جواب دینے کے لیے میں نے اس لیے کہا ہے کہ انہوں نے اس امریکن کی کتاب کو شائع کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو تیر مارے اور وہ تیر اسے زخمی نہ کرے لیکن ایک دوسرا آدمی جو تیر اٹھا لائے اور اسے دوسرے کے سینہ میں پیوست کر دے تو زیادہ ظالم وہ ہے جس نے گرا ہوا تیر اٹھایا اور دوسرے کے سینہ میں چبھو دیا۔ یہ کتاب بھی امریکہ کے کسی عیسائی نے شائع کی تھی مگر امریکہ کی کتاب تو امریکہ میں رہ گئی ہندوؤں نے اس کا ترجمہ کر کے مسلمانوں تک پہنچایا اور اس طرح اُن کی تکلیف کا موجب ہوئے پس یہ گالیاں ہندوؤں نے مسلمانوں تک پہنچا کر اپنے ذمہ لے لی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کتاب کے ایک ایڈیشن میں جو ہندوستان میں شائع ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے ساتھ ساتھ ہندو مذہب کے پول بھی کھولے جائیں اور دوسرے ایڈیشن میں دفاع کے ساتھ ساتھ عیسائیت کے پول کھولے جائیں کیونکہ اس کتاب کا اصل مصنف عیسائی ہے۔ اس کے بعد اس کتاب کے لکھنے والوں اور شائع کرنے والوں کو چیلنج کیا جائے کہ وہ ہمارے ساتھ بحث کر لیں اور اس کے بعد اگر ان میں طاقت ہو تو ہم سے مباہلہ کر لیں تاکہ خدا تعالیٰ کی طاقت انہیں نظر آ جائے اگر یہ طریق اختیار کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یورپ، امریکہ اور ہندوستان تینوں کے لیے یہ طریق ہدایت کا موجب ہو گا۔ ہندوستان بے شک آزاد ہو گیا ہے مگر اب بھی وہ یورپ کی طرف میلان رکھتا ہے اگر یورپ اور امریکہ میں شور مچ گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے والوں کو احمدیوں نے خوب لتاڑا ہے اور انہیں مباحثہ اور مباہلہ کا چیلنج دیا ہے تو ہندوستان کے اخبارات بھی شور مچانے لگ جائیں گے اور وہ بھی وہی باتیں شائع کرنے لگ جائیں گے جو یورپ اور امریکہ کے اخبارات میں شائع ہو رہی ہوں گی۔ اور اس سے ہندوؤں کے کان کھڑے ہو جائیں گے اور وہ سمجھ لیں گے کہ احمدی پیچھا نہیں چھوڑا کرتے اگر ان کے رسول پر حملہ کیا گیا تو اس وقت تک حملہ کرنے والوں کو نہیں چھوڑتے جب تک انہیں گھر نہ پہنچا لیں۔ اس طرح آئندہ کے لیے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرنے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے میں احتیاط سے کام لیں گے[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲ نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۵، ۶

امریکی فرم کی طرف سے معذرت نامہ

اس خطبہ جمعہ کے بعد حضور کی ہدایت کیمطابق ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر معزب کے اس نئے حملے کا علمی جواب لکھا گیا۔ دوسرے امریکی فرم کو بھی اس کی اطلاع دی گئی۔ اس بروقت اور دانش مندانہ اقدام کا فوری ردّ عمل یہ ہوا کہ امریکی فرم نے اپنی غلطی پر تحریری معافی مانگ لی بسلسلہ احمدیہ کی تاریخ کے اس اہم واقعہ کی تفصیل حضرت مصلح موعودؓ کے الفاظ میں درج کی جاتی ہے۔

حضور نے اس کتاب کے بارے میں اپنے خطبہ جمعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

"میرے اس خطبہ کے بعد ہندوستان سے خصوصاً بمبئی سے رپورٹ آئی کہ ترجمہ کرانے کی ضرورت نہیں یہاں زیادہ تر انگریزی پڑھے ہوئے لوگوں میں اس کا چرچا ہے اس لیے جو انگریزی کتاب امریکہ کے لیے چھپے وہی ہندوستان میں بھیج دی جائے۔ اور وہ انگریزی داں طبقہ میں تقسیم کی جائے۔ اگر ضرورت سمجھی جائے تو بعد میں اس کا اردو ترجمہ بھی ہو جائے۔ چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب اب امریکہ سے آئے ہیں وہ کہتے ہیں مَیں نے کتاب پڑھی ہے اس کے متعلق کئی غلط فہمیاں ہیں وہ کتاب درحقیقت ایک تحقیقی رنگ میں لکھی ہوئی کتاب ہے وہ شخص اسلام کا دشمن نہیں ہے اس لیے جو میری تجویز تھی کہ اس کا تحقیقی جواب بھی دیا جائے۔ اور پھر الزامی جواب بھی دیا جائے۔ عیسائیوں کو بھی اور ہندوؤں کو بھی۔ ان کی رائے یہ ہے کہ نرمی کے ساتھ تحقیقی جواب دیا جائے لیکن الزامی جواب نہ دیا جائے۔ کیونکہ لکھنے والے کے دل میں بدنیتی کوئی نہ تھی اور چونکہ ہندوستان میں بھی دوستوں نے کہا ہے کہ اُردو کی ضرورت نہیں انگریزی کی ہے اس لیے ایک ہی کتاب کافی ہو جائے گی۔ جس میں تحقیقی جواب ہوں گے تحقیقی جواب جیسے عیسائیوں کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں کے لئے۔ اسی طرح زرتشتیوں کے لئے اور اسی طرح یہودیوں کے لئے بھی کافی ہوتے ہیں۔ پس تحقیقی جواب کے ساتھ وہ کتاب شائع ہو گی اور مجھے اطلاع آچکی ہے کہ وہ لکھی جا چکی ہے مگر خدا تعالیٰ کا ہمارے ساتھ وہی معاملہ ہے جو ایک بڈھے ایرانی کا ہوا تھا۔ ایک بڈھا ایرانی ایک دفعہ ایک درخت لگا رہا تھا۔ ساٹھ سال میں کہیں وہ پھل دیتا تھا۔ بادشاہ وہاں سے گزرا۔ بادشاہ نے اس درخت کو لگاتے جو دیکھا تو کہا اس

بڈھے کو بلاؤ جب وہ بڈھا پاس آیا تو کہا میاں بڈھے تم یہ درخت لگا رہے ہو یہ تو ساٹھ سال کے بعد پھل دیتا ہے۔ تم تو اس وقت تک مر جاؤ گے تمہیں اس درخت کے لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ بڈھے نے کہا بادشاہ سلامت آپ بھی عجیب ہیں۔ میرے باپ دادا بھی اگر یہی سوچتے تو میں کہاں سے پھل کھاتا۔ میرے باپ داداؤں نے درخت لگایا تو میں نے پھل کھایا میں لگاؤں گا تو میرے پوتے پڑپوتے کھائیں گے بادشاہ کو بات پسند آگئی اس نے کہا زِہٖ۔ بادشاہ نے وزیر خزانہ کو حکم دیا ہوا تھا کہ جب میں کسی بات پر زِہٖ کہوں تو فوراً تین ہزار اشرفی کی تھیلی اس کے آگے رکھ دیا کرو بادشاہ نے کہا زِہٖ۔ وزیر نے فوراً تین ہزار کی تھیلی اس کے آگے رکھ دی جب اس کے آگے تین ہزار اشرفی کی تھیلی رکھی گئی تو اس نے کہا بادشاہ سلامت اب بتائیے آپ تو کہتے تھے کہ تو ساٹھ سال کے بعد کہاں پھل کھائے گا۔ چھوٹے چھوٹے درخت ہوں تو وہ بھی اگر جلدی پھل دینے والے ہوں تو کم سے کم چار پانچ سال بعد پھل دیتے ہیں مگر مجھے تو دیکھئے ایک منٹ کے اندر پھل مل گیا۔ بادشاہ کو یہ بات اور بھی پسند آئی اور اس نے پھر کہا زِہٖ۔ اور وزیر خزانہ نے پھر تین ہزار کی تھیلی اس کے سامنے رکھ دی جب وہ دوسری تھیلی رکھی گئی تو کہنے لگا بادشاہ سلامت دیکھئے آپ کی کتنی غلطی تھی آپ کہہ رہے تھے کہ ساٹھ سال کے بعد اس نے پھل دینا ہے اور اس وقت تک تو بچے گا کہاں۔ مگر دیکھئے لوگوں کو تو سال میں ایک دفعہ پھل ملتا ہے اور میرے درخت نے ایک منٹ میں دو دفعہ پھل دے دیئے۔ بادشاہ نے کہا زِہٖ۔ وزیر نے پھر تیسری تھیلی رکھ دی۔ بادشاہ کہنے لگا کہ چلو ورنہ یہ بڈھا خزانہ لوٹ لے گا۔ تو اللہ تعالےٰ کا بھی ہمارے ساتھ ایسا معاملہ ہوتا ہے ہندوستانی گورنمنٹ نے وہ کتاب ضبط کی اور ہندوستان میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید محمد رسول اللہؐ کی ذات کمزور ہے۔ ان پر ایک امریکن نے حملہ کیا اور مسلمان جواب نہیں دے سکے آخر شور مچایا اور گورنمنٹ کو کتاب ضبط کرنی پڑی اور پاکستان گورنمنٹ نے کتاب ضبط کی۔ پاکستان کے عیسائی خوش ہوئے کہ دیکھو محمد رسول اللہؐ کی ذات کمزور ہے۔ ان پر ایک امریکن نے حملہ کیا اور مسلمان جواب نہیں دے سکے آخر شور مچایا اور گورنمنٹ کو کتاب ضبط کرنی پڑی اور پاکستان گورنمنٹ نے کتاب ضبط کی پاکستان کے عیسائی بڑے خوش ہوئے پاکستان کے ہندو خوش ہوئے کہ دیکھو محمد رسول اللہؐ کی ذات کمزور

ہے ان کے حملوں کا جواب کوئی نہیں کتاب ضبط کر کے جواب دے رہے ہیں لیکن جو میں نے تدبیر کی تھی وہ ایسی کارگر نکلی کہ ہماری کتاب ابھی چھپی نہیں اور کتاب کو چھاپنے والی فرم کا معافی نامہ پہلے آ گیا ہے اور وہ یہ ہے:۔

Henry and Danna Thomas C/O Hanover House Publishers, 575 Madison Avenue New York, N.Y.
December 6, 1956.

We have just received your letter from our publishers. With regard to the statements made about the Prophet Mohammed in the living Biographies of Religious leaders, We were terribly Shocked and saddened that there have been misunderstanding of our attitude and feeling about Mohammed. We have always believed that the teachings of the Prophet are one of the world's basic manifestation of democracy and that the tenets of the Muslim Faith are a direct Progenitor of the philosophy of Abraham Lincoln.

Despite the fact that the book was written fifteen years ago under the direction of a book editor who conceived of the project as a humanized, romanticized approach to biography for a westernized audiance we have not had the slightest intention of decracting from the philosophical stature of Mohammad and that is why we have been so distressed over any misunderstanding that might have arisen.

We wish you God speed on your new work on the Prophet Mohammad and if you mention our book would you please convey to your readers how saddened we have been over any adverse reaction and would you convey that we are the last people in the world who are critical of the very great contributions of the Muslim Faith.

Sincerely
(Signed)
Henry and Danna Thomas

اس کا ترجمہ یہ ہے

منجانب (مسٹر) ہنری تھامس و (مسز) ڈانا تھامس ۔ معرفت ہینو ور ہاؤس پبلشرز ۵۷۵ میڈلسن ایونیو نیویارک ۔ ۶ ردسمبر ۱۹۵۶ء

ہمیں اپنی کتاب کے ناشرین کی معرفت آپ کا خط ملا (یعنی ہمارے مبلغ کا) نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کتاب "مذہبی راہنماؤں کی سوانح عمریاں" میں ہمارے مضمون کے متعلق عرض ہے کہ یہ معلوم کرکے کہ نبی اکرم ؐ کے متعلق ہمارے انداز تحریر و احساسات کے متعلق بعض غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں ہمیں بہت رنج اور افسوس ہوا۔ ہمارا ہمیشہ سے یہ اعتقاد رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم دنیا میں جمہوریت کی بنیادی مظہر ہے اور کہ مذہب اسلام کے اصول امریکی سابق پریذیڈنٹ (جس کو وہ قریبًا نبیوں کی طرح سمجھتے ہیں) ابراہیم لنکن کی فلاسفی کا براہ راست منبع و ماخذ ہیں (یعنی ہم ابراہیم لنکن کو اپنا لیڈر سمجھتے ہیں اور بڑا بزرگ سمجھتے ہیں مگر ہمارا یقین ہے کہ ابراہیم لنکن نے جو امن کی تعلیم پھیلائی تھی وہ براہِ راست اس نے محمد رسول اللہ ؐ سے حاصل کی تھی خود نہیں بنائی تھی) اس امر کے باوجود کہ ہمارے مضمون کو جسے ہم نے کتاب کے ایڈیٹر کی زیر ہدایت تحریر کیا تھا لکھے پندرہ سال ہو گئے اور کتاب لکھوانے میں مرتب کا منشاء و مقصد سوانح عمری کی تحریر میں مغربی تہذیب میں رنگین ہو کر قارئین و ناظرین کے مزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے انسانیت کی نہج پر افسانوی رنگ دینا تھا (یعنی ہم نے قصے کے رنگ میں لکھی تھی جس سے یورپ کے لوگ زیادہ فائدہ اٹھا سکیں) یہ امر کبھی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہم کسی صورت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ عالمانہ مقام کی بے قدری یا تخفیف کریں اس وجہ سے ان غلط فہمیوں پر جن کا واقعہ ہونا ہمیں بتایا جا رہا ہے ہمیں نہایت درجہ غم اور افسردگی ہے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو کتاب آپ تحریر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس میں ہم آپ کی کامیابی کے لیے دعا گو ہیں ۔ اگر آپ ہماری کتاب کا ذکر فرما دیں تو ہم ممنون ہوں گے آپ اپنے ناظرین تک ہمارا یہ پیغام بھی پہنچا دیں کہ ہماری کتاب کے متعلق ناواقف اور مخالف ردِعمل پر ہمیں کتنا افسوس ہوا ہے اور کیا آپ یہ بھی انہیں پہنچا دیں گے کہ مذہب اسلام سے دنیا کو جو بڑی نعمت عطا ہوئی ہے اس کی عیب جوئی یا تنقید میں آپ ہمیں تمام دنیا کے لوگوں سے آخری فرد پائیں

گے۔

آپ کے بہی خواہ

ہنری اینڈ ڈاناتھامس

پس دیکھو ان کی صنبلی کا نتیجہ تو خبر نہیں کب نکلے گا ہمارے جواب کا نتیجہ خدا نے فوراً نکال دیا اور کتاب کے چھاپنے والی فرم کی طرف سے معذرت آگئی۔ اور نہ صرف معذرت آئی بلکہ یہ بھی آئی کہ اپنی کتاب میں بھی ہماری معذرت چھاپ دیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ ہم سب سے آخر میں وہ لوگ ہوں گے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی بات سُن سکیں یا برداشت کر سکیں پس یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے میری ایک حقیر کوشش کو اتنی جلدی کامیابی بخشی۔ سارے ہندوستان کے مسلمانوں اور پاکستان کے مسلمانوں کے شور سے ان کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگی لیکن میرے اس خطبہ کے نتیجے میں جب ان کو پتہ لگا کہ کتاب لکھی جارہی ہے تو انہوں نے فوراً معذرت کر دی اور لکھوایا کہ ہماری معذرت کتابوں میں بھی چھاپ دی جائے۔ اور اپنی جماعت کو بتایا جائے کہ ہمارے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ہے۔ بلکہ ابراہیم لنکن جس کو ہم نبیوں کا مقام دیتے ہیں۔ ہم سمجھتے کہ وہ بھی محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا شاگرد تھا۔ اور اس نے جو کچھ سیکھا ہے محمد رسول اللہؐ سے سیکھا ہے"[1]

مسئلہ ارتداد پر ایک لطیف خطبہ

فیج اعوج کے عہد مظلمہ میں جن بھیانک مسائل نے جنم لیا۔ اُن میں قتلِ مرتد کا مسئلہ سرِ فہرست ہے۔ جس پر صدیوں تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا۔ اور بہت سے عارف اور اہل اللہ اور مقرّبان درگاہ الٰہی کا مقدس خون بہایا گیا۔ حضرت منصور حلاج[2]۔ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ[3] حضرت شمس تبریزؒ[4] حضرت شیخ علائیؒ[5] اور حضرت سرمدؒ[6] جیسے مقربانِ الٰہی اسی تیغِ بے نیام کے شہید ہیں۔

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۲؍ مارچ ۱۹۵۷ء صہ ۴؍ ۵ :: [2] ۸۵۸ء - ۹۲۲ء
[3] ۱۱۵۴ء - ۱۱۹۱ء :: [4] شہادت ۶۴۵ھ / ۱۲۴۸ء
[5] شہادت ۹۵۵ھ / ۱۵۴۸ء :: [6] ۱۶۱۸ء - ۱۶۵۸ء

حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو قرآنی زاویہ نگاہ سے اس نازک مسئلے کا ایک فیصلہ کن حل پیش فرمایا۔ جو دنیائے تفسیر میں ایک شاندار اضافہ ہے۔ حضور نے یہ حل خطبہ جمعہ کے دوران بیان فرمایا۔ جس کے دو اقتباسات درج ذیل کیے جاتے ہیں۔ فرمایا:۔

(۱) "ہر نظام اپنے ساتھ اپنے ممبروں کے لیے کچھ سہولتیں رکھتا ہے۔ اگر وہ نظام دینی ہو تو اس نظام کو چھوڑنے والا ان تمام سہولتوں سے جو اس نظام میں دینی ترقی اور اس کی اشاعت کے لیے رکھی گئی ہوں۔ محروم ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس نظام دینی پر چلنے والے سچے ہوں تو اللہ تعالیٰ باہر سے اور آدمی لے آتا ہے۔ جو پہلوں کے قائمقام ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ٥ (المآئدہ: ۵۵)

یعنی اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی ایک شخص بھی تمہارے نظام دینی سے الگ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں تمہیں ایک قوم دے گا۔ جو مومنوں کے ساتھ نہایت انکسار کا تعلق رکھنے والی اور کفار کی شرارتوں کا نہایت دلیری سے مقابلہ کرنے والی ہوگی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے۔ کہ نظام دینی سے الگ ہونے والوں کے مقابلہ میں ہمارا کیا سلوک ہوتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آجکل بعض مسلمان علماء نے لفظ ارتداد کو ایسا بھیانک بنا دیا ہے کہ وہ بالکل ایک نئی چیز بن گیا ہے۔ حالانکہ ارتداد کے صرف یہ معنے ہیں کہ انسان ایک نظام کو چھوڑ کر کسی اور نظام میں شامل ہو جائے۔

خدا تعالیٰ نے یہ کہیں نہیں کہا کہ ایسے آدمی کو قتل کر دیا جائے۔ جیسا کہ بعض مسلمان علماء غلطی سے ایسا سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس نے یہ اعلان کیا کہ اگر واقعہ میں تم مومن ہو تو جو تمہارے نظام کو چھوڑے گا۔ اس کے متعلق تم کو کچھ کرنے کا حکم نہیں۔ بلکہ اس کے متعلق ہم ایک ذمہ داری اپنے اوپر لیتے ہیں اور وہ یہ کہ ایک ایک شخص جو تمہارے نظام کو چھوڑے گا۔ اس کے بدلہ میں ہم ایک ایک قوم کفار میں سے لا کر تمہارے اندر داخل کر دیں گے۔ جن سے خدا محبت کرے گا اور جو خدا سے محبت کریں گے۔ لیکن مسلمان علماء یہ سمجھتے ہیں کہ نظام دینی سے الگ ہونے والے کی گردن کاٹ دینی چاہیئے۔ حالانکہ

اس کی گردن کاٹ دینے سے اسلام کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اسلام کو تو اس وقت فائدہ ہوگا۔ کہ جب اللہ تعالیٰ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ کے ماتحت اس کی جگہ ایک قوم لے آئے اور مسلمانوں کو زیادہ کر دے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے اس جگہ بیان فرمائی ہے۔ کہ ہم ایک کام اپنے ذمہ لے لیتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ ہم نظام سے بھاگنے والے ایک شخص کی جگہ ایک قوم لے آئیں گے۔

اب دیکھو قرآن کریم کے بیان اور اس زمانہ کے علماء کی تفسیر میں کتنا عظیم الشان فرق ہے۔ آجکل کے علماء کہتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص نظام دینی سے نکل جائے۔ تو اس کے متعلق خدا تعالیٰ پر کوئی فرض عائد نہیں ہوتا۔ ہم پر یہ فرض عائد ہے کہ ہم اسے قتل کر دیں۔ حالانکہ قرآن کریم یہ کہتا ہے۔ کہ اگر نظام دینی کی طرف منسوب ہونے والے لوگ سچے مومن ہیں اور کوئی شخص اُن میں سے واقعی طور پر مرتد ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ایک نئی قوم مسلمانوں میں داخل کر دیتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ احمدی مرتد ہیں اس لیے واجب القتل ہیں۔ لیکن سوچنے والی بات یہ ہے۔ کہ اگر وہ واقعہ میں مرتد ہیں اور غیر احمدی واقعہ میں سچے مومن ہیں تو اس قرآنی وعدہ کے مطابق ضروری تھا کہ اگر مسلمانوں میں پانچ لاکھ احمدی مرتد ہوئے ہیں۔ تو کم سے کم پچاس لاکھ عیسائی یا ہندو مسلمان ہو کر ان غیر احمدیوں میں مل جاتا اگر ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا۔ کہ احمدی مرتد نہیں اور غیر احمدی سچے مومن نہیں اور یا پھر خدا تعالیٰ اپنے وعدے کو پورا نہیں کر سکا۔ اگر دس افراد کی بھی ایک قوم سمجھ لی جائے۔ اور پانچ لاکھ احمدی ان کے خیال میں مرتد ہو گئے تھے۔ تو پچاس لاکھ غیر مذاہب کے لوگ اسلام میں داخل ہو جانے چاہیئے تھے۔ اور اگر پانچ لاکھ احمدیوں کی بجائے پچاس لاکھ غیر مذاہب والے اسلام میں داخل ہو جاتے تو مسلمانوں کو کتنا فائدہ ہوتا۔ اس صورت میں تو انہیں پانچ لاکھ افراد کے احمدی ہو جانے سے ذرہ بھر نقصان نہ ہوتا بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہوتا۔ اور یہی وہ بشارت ہے جو اس آیت میں مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ اور اُن کے حوصلوں کو بلند کیا گیا ہے۔ پھر قوم کا لفظ وسیع ہے ممکن ہے اس سے سو سو افراد کا گروہ مراد ہو اگر سو سو مراد لیا جائے تو چاہیئے تھا پانچ لاکھ احمدیوں کے بدلہ میں قرآنی وعدہ کے مطابق پانچ کروڑ ہندو یا عیسائی مسلمان ہو جاتے اور اُن پانچ کروڑ کا آنا یقیناً مسلمانوں میں سے پانچ لاکھ غریب زمینداروں کے نکل جانے سے بہتر ہوتا۔ بہر حال

خدا تعالیٰ نے یہ کہا ہے کہ اگر ایک شخص نظامِ دینی سے الگ ہو جائے تو وہ اس کے بدلہ میں ایک قوم لایا کرتا ہے ۔ اب یہ قوم یا تو ہندوؤں میں سے آتی یا عیسائیوں میں سے آتی دونوں صورتوں میں موجودہ احمدیوں سے بہتر ہوتی ۔ کیونکہ یہ دونوں قومیں احمدیوں سے زیادہ مالدار اور طاقتور ہیں ۔ اگر خدا تعالیٰ ایک ایک احمدی کے بدلہ میں دس دس ہندو بھی اسلام میں لاتا تو پچاس لاکھ ہندو اسلام میں داخل ہو جاتے ۔ تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ اس سے مسلمانوں میں کتنی طاقت بڑھ جاتی ۔ یا اگر امریکہ اور یورپ سے پچاس لاکھ افراد اسلام میں داخل ہو جاتے تو مسلمانوں کو پانچ لاکھ احمدیوں کا نکلنا جو ان کے خیال میں مرتد ہو گئے ہیں ، اتنا بھی بُرا معلوم نہ ہوتا جتنا ایک مچھر کا مرجانا بُرا معلوم ہوتا ہے ۔ اور جس طرح لوگ فلٹ سے مچھر مارنے پر خوش ہوتے ہیں اسی طرح دوسرے مسلمان احمدیوں کے نکل جانے پر خوش ہوتے ۔ کیونکہ اِدھر ایک احمدی نکلتا ۔ اور اُدھر انہیں ایک تار آجاتی کہ امریکہ یا یورپ میں دس عیسائی مسلمان ہو گئے ہیں ۔ اب یا تو علماء کا احمدیوں کو مرتد کہنا جھوٹ ہے اور یا نعوذ باللہ قرآنی وعدہ پورا نہیں ہو رہا ۔"

(۲) "غرض اس قرآنی آیت نے مسئلہ ارتداد کو بالکل حل کر دیا ہے کہ مرتد کس کو کہتے ہیں اور اور سچا مومن کس کو کہتے ہیں کیونکہ اس آیت میں اعلان کیا گیا ہے کہ اگر جماعتِ مسلمہ سچے مومنوں پر مشتمل ہو اور کوئی شخص واقعی ان میں سے مرتد ہو جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ اس کی جگہ ایک نئی قوم مسلمانوں میں داخل کر دے گا اگر کسی جماعت میں سے کوئی شخص سخطۃً لدینہٖ نکل جائے اور جماعت میں پھر بھی تبلیغ کا جوش پیدا نہ ہو تو درحقیقت وہ قوم یا جماعت سچی مومن نہیں کہلائے گی ۔ کہ ایک مرتد کو دیکھنے کے بعد بھی اس کے اندر دینی غیرت پیدا نہ ہوئی ۔ مگر چونکہ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ علیحدہ ہونے والے سخطۃً لدینہٖ نہیں نکلے اس لیے ان میں تبلیغ کا جوش بھی پیدا نہیں ہوتا چنانچہ دیکھ لو ۔ مولوی تو کہتے ہیں احمدی مرتد ہیں مگر عوام الناس کو احمدیوں میں تبلیغ کرنے کا جوش پیدا نہیں ہوتا ۔ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ ہم سے زیادہ اچھے مسلمان ہو گئے ہیں ۔ اگر عوام الناس کو واقعہ میں یہ یقین ہوتا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں رہے تو وہ سارے کے سارے تبلیغ میں لگ جاتے اور احمدیوں سے زیادہ عیسائیوں اور ہندوؤں میں سے کھینچ کر لے آتے ۔ لیکن ان کا جوش میں نہ آنا صاف بتاتا ہے ۔ کہ وہ ہم کو مرتد نہیں سمجھتے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو اسلام پر زیادہ

پکے ہو گئے ہیں جیسے پچھلی دفعہ ۱۹۵۳ء میں جب مار مار کر بعض احمدیوں سے کہلایا گیا کہ احمدیت جھوٹی ہے تو ایک بوڑھے احمدی سے بھی ڈرا دھمکا کر یہ کہلوا دیا گیا کہ میں توبہ کرتا ہوں وہ لوگ اپنے مولوی کے پاس گئے اور کہنے لگے مبارک ہو ایک احمدی کو پھر سے ہم نے مسلمان کر لیا ہے وہ کہنے لگا تم بڑے بے وقوف ہو تم نے کچھ نہیں کیا۔ وہ اسی طرح احمدی ہے۔ جیسے پہلے تھا کہنے لگے نہیں ہم نے اس سے کہا توبہ کر تو اس نے فوراً توبہ کر لی کہنے لگا کیا احمدی توبہ نہیں کرتے وہ تو روزانہ توبہ کرتے ہیں اس لیے اگر اس نے توبہ کی تو اپنے مذہب کے مطابق کی اگر تم سچے ہو تو اسکو جاکر کہو کہ میرے پیچھے آکر نماز پڑھے تب سمجھا جائے گا کہ اس نے احمدیت سے توبہ کی ہے وہ لوگ پھر اس کے پاس گئے تھا تو وہ کمزور اور بوڑھا مگر اللہ تعالیٰ نے ایمانی عقل اسے دی ہوئی تھی جب دوبارہ لوگ اس کے پاس گئے تو اس نے کہا توبہ تو میں نے کر لی تھی پھر اب تم کیوں آئے ہو کہنے لگے ہمارے مولوی نے کہا ہے کہ تم میرے پیچھے آکر نماز پڑھو تب ہم مانیں گے کہ تم نے توبہ کی ہے۔ کہنے لگا یہ غلط بات ہے دیکھو نماز پڑھنے کے متعلق تو مرزا صاحب بھی کہا کرتے تھے۔ وہ بھی یہی کہتے تھے کہ نماز پڑھو روزہ رکھو۔ حج کرو۔ زکوٰۃ دو۔ شراب نہ پیو۔ چوری نہ کرو۔ جھوٹ نہ بولو۔ میں نے سمجھا تھا اب تمہارے کہنے سے میں نے توبہ کر لی ہے تو اب سب ممنوع کام جائز ہو گئے ہیں۔ اب آئندہ شراب بھی پئیں گے۔ کنجریوں کا ناچ بھی کرائیں گے۔ جھوٹ بھی بولیں گے۔ چوریاں بھی کریں گے۔ لوگوں کا مال بھی کھائیں گے۔ زکوٰۃ بالکل نہیں دیں گے۔ نماز کے قریب نہیں جائیں گے لیکن تم پھر آ گئے ہو نماز پڑھوانے اس کا کیا مطلب ہے پھر توبہ کس بات سے تھی — یہ بات جو اب تم مجھ سے کروانا چاہتے ہو یہ تو مرزا صاحب بھی کرواتے تھے وہ لوگ مایوس ہو کر اپنے مولوی کے پاس گئے اور اسے سارا قصہ سنایا۔ اس نے کہا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ یہ لوگ بڑے چالاک ہوتے ہیں اس نے تمہیں دھوکہ دیا ہے تو بات یہی ہے کہ اگر واقع میں احمدی ہونے سے ارتداد ہوتا ہو تو خدا تعالیٰ ایک ایک شخص کے بدلہ میں ایک ایک قوم لے آئے لیکن لوگ جانتے ہیں کہ اگر کوئی شخص احمدی ہو جاتا ہے تو وہ اور بھی پکا مسلمان ہو جاتا ہے میں نے کئی دفعہ سنایا ہے کہ اس علاقہ کا ایک غریب سا احمدی ہے اس کا سارا خاندان کٹر غیر احمدی تھا جب وہ احمدی ہوا تو انہوں نے اُسے خوب مارا اور کہا تم کافر ہو گئے ہو۔ لیکن احمدی ہو جانے کے بعد اس میں سچ بولنے کی عادت پیدا ہو گئی اور آہستہ آہستہ اس کے

متعلق سارے علاقہ میں مشہور ہو گیا کہ یہ شخص سچ بولتا ہے اس علاقہ میں چوریاں بہت ہوتی ہیں اس کے بھائی بند جانور چرا لایا کرتے تھے جس شخص کی چوری ہوتی وہ وہاں آکر کہتا کہ اگر یہ شخص کہہ دے کہ تم نے چوری نہیں کی تو ہم مان لیں گے ۔ ورنہ ہم نہیں مانیں گے ۔ ایک دفعہ اس کے بھائی ایک بھینس چرا کر لائے سارے لوگ اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے کھرا تمہارے ہاں نکلتا ہے ۔ بھینس تم چرا کر لائے ہو ۔ اس لیے بھینس دے دو ۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم ہم نے بھینس چوری نہیں کی ۔ کہنے لگے تمہاری کون مانتا ہے تم جھوٹے اور دھوکے باز ہو فلاں شخص کو لاؤ وہ کہہ دے کہ تم نے چوری نہیں کی تو ہم مان لیں گے ۔ انہوں نے کہا اس کو ہم کیسے لائیں وہ تو ہمارے ساتھ ہی نہیں ۔ انہوں نے کہا کہ جب تک تم اسے نہیں لاؤ گے بات نہیں بنے گی ۔ چنانچہ وہ گئے اور اس احمدی کو خوب مارا ۔ اور کہنے لگے چل اور گواہی دے ۔ جب وہ باہر آیا تو کہنے لگے بتاؤ کیا ہم نے بھینس چرائی ہے وہ کہنے لگے چرائی تو ہے انہوں نے اُسے پہلے تو گھورا پھر واپس آکر خوب مارا اور کہنے لگے تم نے سچی گواہی کیوں دی وہ کہنے لگا جب بھینس مجھے نظر آرہی تھی تو میں کیسے کہتا کہ تم نے چوری نہیں کی آخر تنگ آکر وہ باہر آئے اور کہنے لگے یہ تو مرزائی کافر ہے اس کی گواہی کا کیا اعتبار ہے تم ہماری بات سنو ہم قسم کھا جاتے ہیں انہوں نے کہا تم ہزار قسمیں کھاؤ ہمیں اعتبار نہیں یہ ہے تو کافر لیکن بولتا سچ ہے تو ساری دنیا مانتی ہے کہ یہ کافر بڑے سچے ہیں ۔ یہ کافر بڑے نیک ہیں ۔ یہ جو بات کہیں گے صحیح کہیں گے ۔ پس حقیقت یہی ہے کہ عام مسلمان تو ہمیں پکے مسلمان سمجھتے ہیں صرف کچھ مولوی ہیں جو ہمیں مسلمان نہیں سمجھتے اور ان مولویوں کی عوام کے مقابلہ میں تعداد کے لحاظ سے نسبت ہی کیا ہے ۔ مولویوں کی تعداد پاکستان میں پانچ چھ سو ہوگی جو احمدیوں سے بھی کئی حصے تھوڑے ہیں اگر عام مسلمان ہمیں مرتد سمجھتے تو ان میں تبلیغ کا جوش پیدا ہو جاتا اور وہ ہم میں سے کئی افراد کو واپس لے جاتے ۔ اور پھر دوسری اقوام سے بھی ایک بڑی تعداد کو اسلام میں داخل کر لیتے ۔ لیکن ان لوگوں میں اسلام کی تبلیغ کا وہ جوش ہی پیدا نہیں ہوا جس کے معنے یہ ہیں کہ وہ ہمیں پکے مسلمان خیال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے انہیں احمدیت سے مرتد کروا لیا تو یہ خراب ہو جائیں گے اور احمدیت کے قبول کرنے کی وجہ سے جو خوبیاں ان میں پیدا ہو چکی ہیں وہ بھی جاتی رہیں گی ۔ لاہور میں میرے پاس ایک دفعہ ایک غیر احمدی مولوی

رات کے دس بجے آیا اور اس نے مجھے کہا کہ آپ نے یہ درست نہیں کیا کہ اپنی جماعت کے لوگوں کو ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے منع کر دیا ہے اگر آپ انہیں ہمارے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت دے دیں تو مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ اور ان کی طاقت بڑھ جائے گی۔ مَیں نے کہا مولوی صاحب یہ فرمایئے کہ آپ رات کے دس بجے میرے پاس آئے ہیں اس لیے کہ میں اگر احمدیوں کو آپ لوگوں کے پیچھے نمازیں پڑھنے کی اجازت دے دونگا تو ان کی طاقت بڑھ جائے گی ہم تو تھوڑے سے ہیں پھر ہمارے شامل ہونے سے آپ کی طاقت کیسے بڑھے گی بتایئے ہم تھوڑے ہیں یا نہیں۔ کہنے لگا ہیں تو تھوڑے لیکن آپ تبلیغ بہت کرتے ہیں آپ اگر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل جائیں تو ان کی طاقت بڑھ جائے گی مَیں نے کہا اگر ہم تبلیغ کرتے رہے اور وہ مسلمان ویسے کے ویسے رہے تو اس سے مسلمانوں کو کیا ترقی مل جائے گی۔ اور اگر ہم تھوڑے سے لوگوں نے ان کے اثر کو قبول کر لیا اور تبلیغ ترک کر دی تو جو فائدہ اس وقت اسلام کو پہنچ رہا ہے وہ بھی جاتا رہے گا آپ یہ دیکھیں کہ ہم بھی انہی میں شامل تھے حضرت مرزا صاحب کے ماننے سے ہمارے اندر جوش پیدا ہوا اور ہم نے تبلیغ شروع کر دی ان کے اندر مل گئے تو ہمارا بھی جوش جاتا رہے گا۔ اور اسلام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اس پر وہ بے ساختہ کہنے لگا مَیں اپنی بات واپس لیتا ہوں۔ آپ اپنے لوگوں کو ہمارے پیچھے بالکل نماز نہ پڑھنے دیں کیونکہ اگر انہوں نے عام مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھی تو وہ واقعہ میں خراب ہو جائیں گے اور ان کا اثر قبول کر لیں گے غرض قرآن کریم بتاتا ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے ایک شخص بھی نظام دینی سے الگ ہو جائے تو ہم اس کے بدلہ میں مسلمانوں کو ایک قوم دیا کرتے ہیں اس آیت کے مطابق اگر واقعہ میں احمدی مرتد ہیں تو پانچ لاکھ احمدیوں کے مقابلہ میں ایک ارب غیر مسلم مسلمانوں میں شامل ہونا چاہیئے تھا۔ یا کم ازکم پچاس لاکھ غیر مسلم ان میں شامل ہونا چاہیئے تھا مگر پچاس لاکھ تو جانے دو ان میں پانچ ہزار بھی نہیں آیا۔ اور جو آیا ہے وہ بھی ہمارے ہاتھوں سے آیا ہے یعنی عیسائیوں اور ہندوؤں میں سے جو لوگ مسلمان ہوئے ہیں وہ بھی ہم مرتدوں کے ذریعے ہی ہوئے ہیں حالانکہ خدا تعالےٰ نے یہ کہا تھا کہ ہم ان کے بدلہ میں لائیں گے یہ نہیں کہا تھا کہ ان کے ہاتھوں سے لائیں گے لیکن واقعہ یہ ہوا کہ ان مرتدوں کے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ دوسری قوموں سے لوگوں کو اسلام کی طرف لا رہا ہے اور اگر جماعت احمدیہ کے افراد اپنے ایمانوں پر مضبوطی سے قائم رہے

اور خدا تعالیٰ کی مدد اور نصرت ان کے شاملِ حال رہی تو برابر آتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ وہ دن آجائے گا کہ دنیا میں ایک ہی خدا ہو گا اور ایک ہی رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی رسالت نہیں ہوگی۔ اور خدائے واحد کے سوا کسی کو خدا کے نام سے یاد نہیں کیا جائے گا۔ اور غیر مذاہب والے بالکل ادنیٰ قوموں کی سی حیثیت اختیار کر لیں گے [1]

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام جنوبی ہند کے احمدیوں کے نام

جنوبی ہند کے خوش نصیب خطہ میں حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی جیسے مخلص اور ایثار پیشہ بزرگ پیدا ہوئے جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کر کے اخلاص، قربانی اور اشاعتِ حق میں ایسا قابلِ رشک نمونہ دکھایا کہ اس کی تعریف حضرت امام الزمان نے نہایت محبت بھرے الفاظ میں فرمائی۔[2]

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اس سال جنوبی ہند کے احمدیوں کو اپنی اس امتیازی خصوصیت سے باخبر رکھنے اور اپنی قدیم روایات کو ہمیشہ زندہ رکھنے کے لیے ایک خصوصی پیغام دیا جو مدراس کے اخبار "آزاد نوجوان" جلسہ سالانہ نمبر میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس پیغام کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے

برادران!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

ہمارے عزیز دوست، محمد کریم اللہ نوجوان نے خواہش کی ہے کہ "نوجوان" کے جنوبی ہند نمبر کے لیے میں کوئی پیغام لکھ کر بھجواؤں ان کی اس خواہش کے احترام میں یہ چند سطور لکھ کر بھجواتا ہوں۔ احباب کو یہ بات معلوم ہوگی کہ جماعتِ احمدیہ کی جب بنیاد رکھی گئی تو پہلے اس کا شاندار جواب جنوبی ہند سے ہی ملا تھا۔ مدراس کے سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب اللہ رکھا ان ابتدائی مخلصین میں سے تھے جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر بڑی سرگرمی سے احمدیت اور اسلام کی خدمت میں لگ گئے۔ اسی طرح مولوی محمد سعید صاحب

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۴، ۵

[2] مجموعہ اشتہارات حضرت مسیح موعودؑ جلد سوم صفحہ ۱۵۸

حیدر آبادی بھی نہایت ہی ابتدائی مخلص احمدیوں میں سے تھے جن کی تربیت سے حیدر آباد اور تیما پور میں جماعتیں قائم ہوئیں۔ سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب کے ایک دوست سیٹھ لال جی دال جی تھے وہ باقاعدہ احمدی تو نہیں ہوئے تھے لیکن سلسلہ کی بہت مدد کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب اللہ رکھا کے بعض رشتہ دار بنگلور میں احمدیت کی تبلیغ کرتے تھے۔ جس کی وجہ ان علاقوں میں کچھ جماعت پھیلی۔ پس جنوبی ہند احمدیت میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اور میں اُمید کرتا ہوں کہ اب جبکہ موجودہ تغیرات میں شمالی ہند میں جماعت کمزور ہو گئی ہے جنوبی ہند اپنے کھوئے ہوئے مقام کو پھر حاصل کرے گا۔ اور پھر آسمانی فوج میں اس کے رہنے والے جوق در جوق شامل ہوں گے اور لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں اسلام کا جھنڈا اونچا رکھنے کے لیے آگے آئیں گے اور نہ صرف جنوبی ہند میں اسلام کی جڑیں مضبوط کریں گے بلکہ شمالی ہند کا کھویا ہوا وقار بھی واپس لائیں گے۔ اور قادیان کی مضبوطی کی فکر سے ہم کو آزاد کر دیں گے۔ کیونکہ اس وقت ہمارے اور قادیان کے درمیان سیاست کا ایک بڑا دریا حائل ہے اور ہم آزادی سے قادیان کی مدد نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ وہ دن لائے جس کا کھلا کھلا وعدہ اس کی وحی میں موجود ہے۔ لیکن جب تک وہ دن نہ آئے خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ جنوبی ہند کو اسلام کا جھنڈا اُونچا رکھنے کا فخر عطا کرے۔

کہتے ہیں تاریخ اپنے آپ کو دُہراتی ہے۔ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم جب مبعوث ہوئے اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ آپ مکّہ میں پیدا ہوئے لیکن پھر آپ کو شمال کی طرف ہجرت کر کے جانا پڑا۔ اس کے بعد آپؐ کے آخری زمانہ میں خدا تعالیٰ نے جنوب میں یمن کے ملک کو اسلام قبول کرنے کی توفیق دی۔ اور جب آپؐ کی وفات کے بعد ارتداد کا سلسلہ شروع ہوا تو یمن میں بھی کچھ گڑبڑ ہوئی مگر جنوبی عرب کے مسلمانوں نے جلد ہی اسلامی جھنڈے کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ اور سارا عرب پھر خلافتِ اُولیٰ کے خدام میں شامل ہو گیا اور اسلام کے لیے قربانیاں کرنے لگ گیا۔ انڈونیشیا جانے والے لوگ جانتے ہیں کہ انڈونیشیا میں زیادہ تر اسلام حضرموت کے لوگوں کے ذریعہ پھیلا ہے جو کہ جنوبی عرب کے لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں وہاں پائے جاتے ہیں اور اسلام کی طرف لوگوں کو مائل کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس جو لوگ

انڈونیشیا سے علم کے لیے آتے ہیں ان میں بھی حضرموت عرب شامل ہیں۔ برما میں احمدیت کی تعلیم پھیلانے والے بھی جنوبی ہند کے لوگ ہیں۔ پس جس طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا تھا۔ اسی طرح اب بھی ہو رہا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس وقت عرب کا ملک تھا اب ہندوستان ہے اس وقت اسلام سمٹ کر جنوبی عرب میں آگیا تھا۔ اب اسلام اور احمدیت سمٹ کر جنوبی ہند میں آگئے ہیں۔ پُرانے زمانہ میں عرب کے لوگوں نے مشرقی افریقہ میں اسلام پھیلا دیا تھا اب اُمید ہے کہ جنوبی ہند کے لوگ برما۔ ملایا اور انڈونیشیا میں اور اگر چاہے تو جنوبی افریقہ میں احمدیت کو مضبوط کریں گے کیونکہ جنوبی افریقہ میں اس وقت زیادہ آبادی "ملائی" لوگوں کی ہے جس کی جڑ جنوبی ہند سے گئی ہے۔ پس اگر جنوبی ہند کے احمدی اپنی ذمہ داری کو سمجھیں تو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ زمانے کی تاریخ میں ان کے لیے بڑی جگہ محفوظ رکھی گئی ہے۔ وہ نہ صرف اپنے لئے اور اپنے خاندان کے لئے بلکہ اپنے ملک کے لیے بھی عزتوں کا بے انتہا ذخیرہ جمع کریں گے اور تاریخ میں ان کا نام ایسی گہری سیاہی سے لکھا جائے گا جس کو کوئی مٹا نہ سکے گا۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اور میری یہ نیک ظنی جو جنوبی ہند کے لوگوں پر مجھے ہے۔ اور جسے میں الٰہی تدبیر کا ایک حصہ سمجھتا ہوں پوری ہو جائے اور میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ اسلام کے جھنڈے کو جنوبی ہند کے مسلمانوں نے اسی طرح کھڑا کر دیا ہے جس طرح اسلام کے جھنڈے کو پرانے زمانہ میں جنوبی عرب کے لوگوں نے کھڑا کیا تھا۔ اور جس طرح عرب حملہ آوروں کے زمانہ میں شمالی میں ہندو مذہب کے جھنڈے کے سرنگوں ہونے کے بعد جنوبی ہند کے لوگوں نے کھڑا رکھا تھا۔

پس اے دوستو! اُٹھو اخلاص، ایمان، عمل اور علم میں ترقی کرو۔ اپنا حصہ جو خدا کی طرف سے آپ کے لیے مقدر ہے حاصل کرنے کوششیں کرو کام بہت ہے اور ثواب بھی بہت ہے لیکن کام کرنے والے تھوڑے ہیں۔ مگر دل کو اس بات سے تسلی ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً م بِاِذْنِ اللّٰهِ ط [1]

---

[1] البقرہ: آیت نمبر ۲۵۰

بہت سی چھوٹی جماعتیں ایسی گذری ہیں جو بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آتی ہیں۔ پس اپنی تعداد کو نہ دیکھو اپنے ایمان اور خدا کے ارادے کو دیکھو مومن کا ایمان اور خدا کا ارادہ لاکھوں گنی تعداد پر غالب آجاتا ہے۔ فتح آپ کے لیے مقدر ہے۔ عزت آپ کے گھر کی لونڈی بننے والی ہے لڑائی جھگڑے اور بزدلیوں کو چھوڑ دو۔ دلیری سے آگے بڑھو اور خدا کے مامور کو قبول کرو۔ اور پھر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ایک دوسرے کے دوش بدوش کھڑے ہو جاؤ۔ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے اسلام کی خدمت کرتے ہوئے دنیا پر چھا جاؤ۔ یا شہادت کا جام پی کر خدا تعالیٰ کی گود میں جا بیٹھو کہ خدا کی راہ میں اپنی زندگی صرف کرنے سے بہتر کوئی عزت کی چیز نہیں۔

خدا تعالیٰ آپکے ساتھ ہو اور میری آرزوؤں سے بڑھ کر آپ کو کام کرنے کا موقع عطا فرمائے آمین۔[1]

جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۶ء

فتنۂ منافقین کے باوجود اس سال کا جلسہ سالانہ منعقدہ (۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴ اکتوبر) نہایت کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا اس جلسہ کے لیے بھی حضرت مصلح موعودؓ نے حسب ذیل روح پرور پیغام دیا جو مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل پرنسپل جامعۃ المبشرین ربوہ نے جلسہ کے افتتاح کے موقعہ پر پڑھ کر سنایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

برادران جماعت احمدیہ ہندوستان!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

صدر انجمن احمدیہ قادیان کی اور ناظر دعوت وتبلیغ قادیان کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے اس دفعہ جلسہ میں بہت گڑبڑ ہوگئی ورنہ امید تھی۔ کہ پانچ ساڑھے پانچ سو آدمی اس دفعہ جلسہ پر ضرور پہنچ جاتا مگر اب بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے دو سو سے کچھ اوپر پہنچ جائیں گے۔ اگلے سالوں میں انشاء اللہ اگر صدر انجمن احمدیہ اور ناظر دعوت وتبلیغ نے اس تجربہ سے فائدہ اٹھایا تو یہ تعداد بڑھتی چلی جائے گی اس جلسہ پر ایک منافق بھی آرہا ہے آپ ہوشیار رہیں مومن کو منافق گمراہ نہیں کرسکتا مگر اس کی ایمانی

---

[1] اخبار بدر ۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۶ء صلا

غیرت کو ضائع کر سکتا ہے ۔ پس آپ لوگوں کو ایمانی غیرت دکھانی چاہیئے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہندوستان میں پیدا ہوئے اور ہندوستان میں ہی فوت ہوئے اور وہیں آپ مدفون بھی ہیں ۔ اور حضرت خلیفہ اوّل .... بھی ۔ آجکل حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد نے پاکستان میں ایک بڑا فتنہ اٹھایا ہوا ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس فتنہ کو خود دور کر دے گا جیسا کہ وہ ہمیشہ میری اور سلسلہ کی مدد کرتا رہا ہے ۔ لیکن چونکہ فتنے انسان اٹھاتے ہیں ۔ انسانوں کا بھی فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی تدبیروں سے فتنوں کو دور کریں اور سب سے زیادہ یہ فرض قادیان کے لوگوں پر ہے ۔ میری خلافت کے لیے جب جماعت نے رائے دی تو اس وقت سب سے زیادہ افراد قادیان کے تھے اور اس وقت خدا تعالیٰ نے مجھے الہام کیا کہ " اے قادیان کی جماعت مبارک ہو سب سے پہلے برکات خلافت تم پر ہی اترتی ہیں[۱] " اب گو میں دور ہوں مگر مجھے یقین ہے کہ اب برکات خلافت سب سے پہلے قادیان ہی کی جماعت پر اترتی ہیں اور ان کے ذریعہ سے سارے ہندوستان کی جماعتوں پر ۔ آج سے پہلے بھی جماعت میں فتنے اُٹھے اور بعض قادیان کے آدمی بھی ملوث ہوئے مگر ایک بہت بڑی اکثریت ہمیشہ فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کھڑی ہو گئی ۔

قادیان کے محلوں کو آباد کرنے کا ثواب بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے ہی دیا اور ربوہ کے تو ایک ایک انچ کے آباد کرنے کا ثواب مجھے دیا ۔ گو ربوہ کی اکثریت ایمان پر قائم ہے مگر باوجود اس کے کہ ربوہ والوں پر میرا زیادہ احسان تھا میں نے تین سال کے اندر خدا تعالیٰ کے فضل سے اس شہر کو آباد کیا جب کہ گورنمنٹ آف انڈیا دس سال میں چندی گڑھ آباد نہیں کر سکی ۔ اور اس وقت ربوہ میں تین کالج اور تین سکول ہیں مگر پھر بھی ربوہ کے مومن اُس نسبت سے نہیں ہیں جس نسبت میں قادیان کے مومن ہوا کرتے تھے ۔ عبد الرحمن مصری کے فتنہ کے وقت تین سال میں ایک یا دو آدمی کے متعلق شکایت تھی کہ اس کو ملنے گئے ہیں ۔ مگر اس وقت تک تین یا چار کے متعلق شکایت آچکی ہے کہ عبد المنان سے ملے ہیں ۔ تین چار کی تعداد بہت ہی کم ہے ۔ مگر قادیان کے کمزوروں کی نسبت زیادہ ہے ۔ اب میں آپ لوگوں سے اور تمام ہندوستان کے احمدی

---

[۱] الفضل ۲۰ جون ۱۹۱۴ء صفحہ ۱

افراد سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے دائرہ تبلیغ کو وسیع کریں اور ہندوستان کے کونے کونے میں احمدیت کو پھیلا دیں۔ اور اس سال میں کم از کم پندرہ مولوی طیار کر کے اطلاع دیں۔ اور آئندہ ہر سال میں یہ تعداد بڑھتی چلی جائے یہاں تک کہ سینکڑوں تک جا پہنچے۔ یہ تعداد گو مشکل ہے مگر ناممکن نہیں۔ صرف ضرورت ہے نیک نمونہ کی۔ اور متواتر عزم کی۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کیساتھ ہو۔ اور مجھے جلد اطلاع ملے کہ شمالی وسطی اور جنوبی ہند میں لاکھوں لاکھ احمدی ہو چکا ہے۔ آمین۔

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی۔ ربوہ ۱۰/۱۰/۱۹۵۶ء[1]

اس جلسہ کے کوائف کی تفصیل صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر دعوت و تبلیغ قادیان کے قلم سے درج ذیل کی جاتی ہے۔

"خدا تعالیٰ کے فضل سے مرکز قادیان کا ۶۵واں سالانہ جلسہ بخیر و خوبی انجام پذیر ہو گیا ہے۔ جلسہ کا پہلا دن بادلوں سے گھرا ہوا تھا۔ اور موسم کی خرابی کی وجہ سے جلسہ مسجد اقصیٰ میں کرنا پڑا۔ موسم کی خرابی اور کچھ شارع عام پر جلسہ کا انعقاد نہ ہو سکنے کی وجہ سے پہلے دن غیر مسلم تھوڑی تعداد میں تشریف لائے لیکن دوسرے اور تیسرے دن خدا کے فضل سے چار پانچ سو کی تعداد میں غیر مسلم جلسہ سُنتے رہے بوجہ دسہرا کے تہوار کے اس دفعہ ہندو نسبتاً کم تعداد میں شامل ہو سکے لیکن سکھوں نے کافی دلچسپی لی۔ شہر کے معززین سردار گوردیال سنگھ صاحب باجوہ باوا بلونت سنگھ صاحب صوبیدار ٹھاکر سنگھ صاحب۔ سردار چنن سنگھ صاحب۔ سردار پورن سنگھ اور پنڈت ملک راج وغیرہم شامل جلسہ ہوئے اور توجہ کے ساتھ اسلام کی تبلیغ سُنتے رہے ہمارے نو احمدی سردار ورشہ سنگھ ڈیریوالہ سے نو آدمی ساتھ لائے۔ اور جلسہ سُنتے رہے۔ اسی طرح موضع بھٹیاں سے چھ دوست آئے ملحقہ دیہات سے اور بھی متفرق اصحاب آئے۔ لدھیانہ سے مسٹر کانشی رام صاحب چاولہ جو مشہور مصنف ہیں اور ۲۰ مذہبی اور اخلاقی کتابوں کے مصنف ہیں تشریف لائے اپنی کتابوں کے نمونہ بھی ساتھ لائے۔ سرکاری افسران میں سے سردار جھنڈا سنگھ صاحب S. D. M بٹالہ۔ تحصیلدار صاحب بٹالہ اور پولیس افسران بٹالہ و قادیان تشریف لاتے رہے۔ اور سب نے اسلام اور احمدیت کی تبلیغ کو

---

[1] بدر ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۹

سکون اور توجہ سے سُنا چوک اور جلسہ گاہ کے اِردگرد پولیس کے پہرہ کا انتظام بہت تسلی بخش تھا۔

جلسہ کی تقاریر شائع شدہ پروگرام کے مطابق نہ ہوسکیں کیوں کہ مکرم مولوی محمد سلیم صاحب۔ مکرم گیانی واحد حسین صاحب۔ گیانی عباد اللہ صاحب اور مکرم پروفیسر اختر احمد صاحب تشریف نہ لاسکے گیانی واحد حسین صاحب کی غیر حاضری غیر مسلم دوستوں نے خاص طور پر محسوس کی۔ ان کی پنجابی تقریر بہت مقبول ہوتی ہے۔

جلسہ کی تقاریر خدا کے فضل سے مجموعی طور پر اچھی رہیں۔ اور ان کا اچھا اثر پڑا۔ مکرم مولوی ابوالعطاء صاحب اور مکرم مولوی امینی صاحب کی تقاریر خاص طور پر مؤثر اور مفید ثابت ہوئیں۔

مکرم شیخ بشیر احمد صاحب کی رات کے تربیتی اجلاس میں بہت اچھی تقریر ہوئی۔ مکرم سلیم الجابی صاحب (جو ملک شام سے تشریف لائے ہیں) نے جلسہ کے اختتام کے موقع پر اردو میں بہت مؤثر تقریر کی۔ جس میں دعاؤں کی قبولیت کا ذکر بہت عمدہ پیرایہ میں کیا۔ ان کے مخصوص جوشیلے انداز کا غیر مسلموں پر بھی بہت اثر ہوا فالحمد للہ۔

حضرت اقدس ایدہ اللہ کا پیغام مکرم مولوی ابو العطاء صاحب نے پڑھ کر سنایا۔ اور اس کی نقول سائیکلوسٹائل کر کے احباب میں تقسیم کی گئیں۔ مستورات کے جلسہ کا پہلے دن بیت المبارک اور ملحقہ مکان حضرت .... (اماں جان۔ ناقل) میں اور دوسرے دو دنوں میں جلسہ گاہ کے پاس مولوی عبدالمغنی صاحب مرحوم کے مکان کے لان میں انتظام کیا گیا۔ مردانہ جلسہ کی تقاریر بذریعہ لاؤڈ سپیکر سنی جاتی رہیں گو افسوس ہے کہ ایک دفعہ لاؤڈ سپیکر کی خرابی کی وجہ سے مستورات کو تکلیف ہوئی۔

اختتامی تقریر مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل امیر مقامی نے فرمائی۔ جس میں دعاؤں وغیرہ کے اعلانات اور حکام اور غیر مسلم حضرات کا شکریہ ادا کیا گیا اس سے پہلے مَیں نے بھی چند فقرات میں دوستوں کو برکاتِ خلافت سے متمتع ہونے اور دیگر ضروری امور کی طرف توجہ دلائی۔

اکثر نظمیں ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم اور اُن کے لڑکے یونس احمد صاحب اسلم درویش نے خوش الحانی سے پڑھیں نظموں میں حضرت .... ایدہ اللہ تعالیٰ کی نظم

مَیں دنیا میں سب کا بھلا چاہتا ہوں

اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی نظم درویشانِ قادیان سے متعلق خاص طور پر مؤثر ثابت ہوئی۔ غیر مسلموں نے بھی اس نظموں کو پسند کیا ایک اجلاس کی صدارت محترمی صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نے فرمائی اور خدا کے فضل سے اس فریضہ کو باحسن ادا کیا۔ محترم خانصاحب محمد یوسف صاحب سابق پرائیویٹ سیکرٹری نے بھی ایک اجلاس کی صدارت فرمائی۔ رات کے تربیتی اجلاس کی صدارت مکرم سید محمد سلیمان صاحب پراونشل امیر صوبہ بہار نے کی۔

جلسہ کے پہلے دن بارشوں کی وجہ سے بٹالہ قادیان کی گاڑی بند ہو گئی لیکن آخری دن جب کہ مہمانوں نے واپس جانا تھا خدا تعالیٰ کے فضل سے گاڑی کا راستہ درست ہو گیا اور سفر کی سہولت پیدا ہو گئی۔ جلسہ کے دوران میں بارش کے رکنے اور پھر جلسہ کے بعد گاڑی کے جاری ہو جانے کا غیر مسلموں پر بھی خاص اثر ہوا اور وہ خود ہی نشانِ رحمت کا ذکر کرنے لگے۔ آخری دعا خدا کے فضل سے بہت بہت سوز و گداز اور گریہ و بکا سے ہوئی۔ جلسہ کے آغاز میں مکرم مولوی عبدالرحمن صاحب امیر مقامی نے لوائے احمدیت لہرایا اور ہندوستانی اور پاکستانی جماعتوں کے احباب نے انتظام کے ماتحت اس کا پہرہ دیا۔

جلسہ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور خلافت حقہ کے ساتھ عقیدت اور اطاعت کا حسبِ ذیل یہ ریزولیوشن متفقہ طور پر پاس کیا گیا۔

"ہم افراد جماعت ہائے احمدیہ ہندوستان و پاکستان جو جلسہ سالانہ قادیان کے مقدس اجتماع میں جمع ہوئے ہیں اپنے مقدس اولوالعزم اور برحق امام سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دلی خلوص اور عقیدت کا ایک مرتبہ پھر اظہار کرتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ ہم آپ کو آیت استخلاف کے ماتحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ خلیفہ یقین کرتے ہیں حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد اور بعض دوسرے منافقین نے خلافتِ حقہ ثانیہ کے خلاف جو شرارت انگیز فتنہ اٹھایا ہوا ہے۔ اس کے خلاف انتہائی نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں۔ کہ خلافتِ ثانیہ برحق اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو کوئی معزول نہیں کر سکتا جو لوگ خلافت حقہ کے خلاف فتنہ انگیزی کر رہے ہیں وہ اپنے پیش رو منافقین کی طرح خائب و خاسر اور نامراد ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اسلام اور احمدیت کے نور کو اپنے وعدہ کے مطابق پھیلاتا چلا جائے گا اور سلسلہ حقہ کو خلافت کی برکت سے دنیا پر غالب

کرے گا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام میں قادیان کی آبادی ترقی، وسعت اور برکت کا جو تعلق اپنے پاک وجود سے بتایا ہے ہم سب عملی طور پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی ان برکات وفیوض کا قادیان کے متعلق مشاہدہ کر چکے ہیں۔ ملکی تقسیم کے وقت اور بعد میں بھی ان خاص آسمانی برکات وتائیدات کو جو خلافتِ حقہ ثانیہ کے طفیل ہم پر نازل ہو رہی ہیں ہم روز وشب دیکھ رہے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اور وہی بناتا رہے گا۔ خلیفہ بننے کے لیے سازشیں اور منصوبے کرنا اسلام کی رو سے لعنتی کام ہے اور ایسے لوگ ضرور ناکام ونامراد رہیں گے۔"[1]

اس موقعہ پر اردو انگریزی ہندی اور گورمکھی لٹریچر تقریباً ایک ہزار کی تعداد میں غیرمسلموں میں تقسیم کیا گیا۔ احباب جماعت ہائے ہندوستان کے لیے بھی پہلے سے لٹریچر تیار کر رکھا تھا جو تمام جماعتوں کے نمائندوں کو دستی طور پر دے دیا گیا۔

ہندوستان سے ۳۵۱ احباب اور پاکستان سے ۳۴۴ زائرین شریک جلسہ ہوئے ..... کشمیر سے اس دفعہ دو تین سو کی تعداد میں احباب جلسہ پر آنے کے لیے تیار تھے۔ لیکن عین وقت پر سخت طوفان باراں کی وجہ سے رستے مسدود ہو گئے اور آٹھ دس افراد جو یہاں پہنچے وہ بھی معجزانہ طور پر بچکر آئے۔"[2]

احمدیہ انٹرنیشنل پریس ایسوسی ایشن کی ایک اہم تقریب

مرکز میں احمدیہ انٹرنیشنل پریس ایسوسی ایشن کے نام سے احمدی صحافیوں کی ایک تنظیم قائم تھی۔ جس کے صدر مولانا ابو العطاء صاحب ایڈیٹر ماہنامہ الفرقان تھے۔ ۱۸؍ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو اس ایسوسی ایشن کی طرف سے حضرت سیٹھ عبد اللہ الہ دین صاحب اور مکرم محمد کریم اللہ صاحب ایڈیٹر "آزاد نوجوان" مدراس کے اعزاز میں ایک اہم تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۰؍ اکتوبر ۱۹۵۶ء صا و صہ

[2] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۳؍ اکتوبر ۱۹۵۶ء ص۳ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اخبار "بدر" قادیان ۳۰؍ اکتوبر ۱۹۵۶ء

ازراہِ شفقت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے بھی شرکت فرمائی۔ اس تقریب میں ممبران ایسوسی ایشن کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب۔ مکرم میاں غلام محمد صاحب اختر ناظر اعلیٰ مکرم حافظ عبدالسلام صاحب وکیل اعلیٰ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ناظر اصلاح وارشاد مکرم صاحبزادہ میاں داؤد احمد صاحب ناظر حفاظت مکرم سیٹھ علی محمد الہ دین صاحب مکرم سیٹھ یوسف الہ دین صاحب اور بعض دیگر احباب بھی شریک ہوئے۔

تقریب کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا جو جامعۃ المبشرین کے انڈونیشی طالبعلم راڈن احمد انور صاحب نے کی بعدہٗ مولانا ابوالعطاء صاحب ایڈیٹر ماہنامہ "الفرقان" نے تقریب کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے اس امر پر انتہائی خوشی ومسرت کا اظہار کیا کہ سیدنا حضرت .... ایدہ اللہ تعالےٰ نے اس تقریب میں شمولیت فرما کر احمدیہ انٹرنیشنل پریس ایسوسی ایشن کو سرفراز فرمایا ہے اور ازراہ نوازش ممبران ایسوسی ایشن کو یہ موقعہ عطا فرمایا ہے کہ وہ حضور کی زریں ہدایات اور روح پرور ارشادات سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل کریں۔

بعدہٗ مکرم محمد کریم اللہ صاحب نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے اس امر پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے انہیں سیدنا حضرت مصلح موعود سے ملاقات اور ربوہ کی زیارت کا شرف عطا فرمایا اس کے بعد آپ نے اس امر پر روشنی ڈالی کہ صحافت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے جنون کی ضرورت ہے آپ نے کہا ضروری ہے کہ یہ جنون ایک خاص نظریہ پر مبنی ہو اور وہ نظریہ صحافی کے لیے مقصد حیات کا درجہ رکھتا ہو جب تک کسی صحافی میں یہ جنونی کیفیت اور تڑپ پیدا نہ ہوگی وہ ان مشکلات پر قابو پانے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ جو ایک اخبار کو کامیابی سے چلانے میں ابتدا پیش آتی ہیں۔ اس ضمن میں آپ نے ان مشکلات پر روشنی ڈالی جن سے ابتدائی مراحل میں ہفت روزہ "آزاد نوجوان" کو دوچار ہونا پڑا۔

آخر میں حضرت امام ہمام المصلح الموعود نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے محمد کریم اللہ صاحب کے اس نظریہ کی تائید فرمائی کہ صحافت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایک جنون کی ضرورت ہے حضور نے فرمایا میں اس بات کی تائید محض عقلی دلیل کی بناء پر نہیں بلکہ عملی تجربہ کی بناء پر کرتا ہوں کیونکہ میری زندگی بھی صحافت سے ہی شروع ہوئی ہے۔ میں ابھی چودہ پندرہ سال کا تھا کہ میں نے

"تشحیذ الاذہان" نکالا۔ اور پھر چوبیس پچیس سال کی عمر میں "الفضل" جاری کیا۔ حضور نے ان ہر دو اخباروں کو نکالنے میں ابتدائی مشکلات اور محنت و مشقت پر روشنی ڈالنے کے بعد ان ہر دو کی افادیت بلند معیار اور غیروں تک میں بھی ان کی مقبولیت کے متعدد واقعات بیان فرمائے۔ اور نوجوانوں کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے نوجوان بھی اس قسم کے شغف اور عزم و استقلال کی بدولت آج صحافت کے میدان میں ترقی کر کے دین کی خدمت کا فریضہ ادا نہ کر سکیں۔

دورانِ تقریر میں حضور نے ٹھوس مضامین اور ہلکے پھلکے شذرات کی علیحدہ علیحدہ اہمیت بیان کرتے ہوئے واضح فرمایا کہ دونوں قسم کے مضامین موقع اور محل کے لحاظ سے اپنی اپنی جگہ خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ حضور نے نہایت لطیف مثالیں دے دے کر ان کے بعض فنی پہلوؤں کی بھی وضاحت فرمائی "وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے موجودہ زمانہ میں صحافت کی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور اس امر پر خاص زور دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ماننے والوں پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے "سلطان القلم" قرار دیا ہے اس ضمن میں کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور ان ذمہ داریوں کو کما حقہ" کس طرح ادا کیا جا سکتا ہے۔ آخر میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اجتماعی دعا کرائی اور یہ بابرکت تقریب اختتام پذیر ہوئی"[1]

انصار اللہ کو حضرت مصلح موعود کی قیمتی نصائح

اس سال ربوہ میں مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا دوسرا سالانہ اجتماع ۲۶، ۲۷، ۲۸ر اکتوبر کو منعقد ہوا۔ جس میں حضور نے انصار کو بیش قیمت نصائح سے نوازا۔ اور خاص طور پر نظامِ خلافت کی عظیم برکات پر روشنی ڈالی۔ جیسا کہ پہلے باب میں ذکر آچکا ہے۔ اس کے علاوہ حضور نے جن ضروری امور کی طرف احباب جماعت کو متوجہ فرمایا۔ اُن کا خلاصہ حضور ہی کے مبارک الفاظ میں سپرد قرطاس کیا جاتا ہے۔ حضور نے لفظ انصار اللہ کی تاریخی عظمت و اہمیت واضح

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ و ۸

کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

۱۔ "آپ لوگوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا ہے یہ نام قرآنی تاریخ میں بھی دو دفعہ آیا ہے قرآنی تاریخ میں ایک دفعہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے متعلق یہ الفاظ آتے ہیں چنانچہ جب آپ نے فرمایا مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ تو آپ کے حواریوں نے کہا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے انصار ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے متعلق فرماتا ہے کہ ان میں سے ایک گروہ مہاجرین کا تھا اور ایک گروہ انصار کا تھا گویا یہ نام قرآنی تاریخ میں دو دفعہ آیا ہے ایک جگہ پر حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کے متعلق آیا ہے اور ایک جگہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے ایک حصہ کو انصار کہا گیا ہے جماعت احمدیہ کی تاریخ میں بھی انصار کا دو جگہ ذکر آیا ہے۔ ایک دفعہ جب حضرت خلیفہ اول رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کی پیغامیوں نے مخالفت کی تو میں نے انصار اللہ کی ایک جماعت قائم کی اور دوسری دفعہ جب جماعت کے بچوں نوجوانوں بوڑھوں اور عورتوں کی تنظیم کی گئی تو چالیس سال سے اوپر کے مردوں کی جماعت کا نام انصار اللہ رکھا گیا گویا جس طرح قرآن کریم میں دو گروہوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا اس طرح جماعت احمدیہ میں بھی دو جماعتوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا۔ پہلے جن لوگوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا اُن میں سے اکثر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفقاء تھے۔ کیونکہ یہ جماعت ۱۹۱۳-۱۴ء میں بنائی گئی تھی۔ اور اس وقت اکثر رفقاء زندہ تھے۔ اور اس جماعت میں بھی اکثر وہی شامل تھے۔ اسی طرح قرآن کریم میں بھی جن انصار کا ذکر آتا ہے اُن میں زیادہ تر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ شامل تھے۔ دوسری دفعہ جماعت احمدیہ میں آپ لوگوں کا نام اسی طرح انصار رکھا گیا۔ جس طرح قرآن کریم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ادنیٰ نبی حضرت مسیح ناصری کے ساتھیوں کو انصار اللہ کہا گیا ہے آپ لوگوں میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کم ہیں اور زیادہ حصہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے میری بیعت کی ہے۔ اس طرح حضرت مسیح علیہ السلام والی بات بھی پوری ہو گئی یعنی جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھیوں کو انصار اللہ کہا گیا تھا اسی طرح مثیل مسیح موعودؑ کے ساتھیوں کو بھی انصار اللہ کہا گیا ہے۔ گویا قرآنی تاریخ میں بھی دو زمانوں میں دو گروہوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا۔ اور جماعت احمدیہ کی تاریخ میں بھی

دو گروہوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رفقاء اب بھی زندہ ہیں مگر اب ان کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی ہے صحابی اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو نبی کی زندگی میں اس کے سامنے آگیا ہو گو یا زیادہ تر یہ لفظ انہی لوگوں پر اطلاق پاتا ہے جنہوں نے کی صحبت سے فائدہ اٹھایا ہو۔ اور اس کی باتیں سنی ہوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے ہیں۔ اس لیے وہ شخص بھی آپ کا صحابی کہلا سکتا ہے جس نے خواہ آپ کی صحبت سے فائدہ نہ اٹھایا ہو لیکن آپ کے زمانہ میں پیدا ہوا ہو اور اس کا باپ اسے اٹھا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے لے گیا ہو لیکن یہ ادنیٰ درجہ کا رفیق ہو گا۔ اعلیٰ درجہ کا رفیق وہی ہے جس نے آپ کی صحبت سے فائدہ اٹھایا اور آپ کی باتیں سنیں اور جن لوگوں نے آپ کی صحبت سے فائدہ اٹھایا اور آپ کی باتیں سنیں ان کی تعداد اب بہت کم رہ گئی ہے اب صرف تین چار آدمی ہی ایسے رہ گئے ہیں جن کے متعلق مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے فائدہ اٹھایا اور آپ کی باتیں سنی ہیں ممکن ہے اگر زیادہ تلاش کیا جائے تو ان کی تعداد تیس چالیس تک پہنچ جائے اب ہماری جماعت لاکھوں کی ہے اور لاکھوں کی جماعت میں اگر ایسے تیس چالیس رفقاء بھی ہوں تب بھی یہ تعداد بہت کم ہے۔ اس وقت جماعت میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جنہوں نے ایسے شخص کی بیعت کی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا متبع تھا۔ اور ان کا نام اسی طرح انصار اللہ رکھا گیا جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا تھا حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی حَیَّیْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ۔[1] اگر موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام میرے زمانہ میں زندہ ہوتے تو وہ میرے متبع ہوتے۔ غرض اس وقت جماعت کے انصار اللہ میں دو باتیں پائی جاتی ہیں ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک متبع اور مثیل کے ذریعہ اسلام کی خدمت کا موقع ملا اور وہ آپ لوگ ہیں۔ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال

---

[1] تفسیر ابن کثیر از حافظ عماد الدین ابی الفداء اسمٰعیل بن عمر و ابن کثیر القرشی برحاشیہ فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ مطبوعہ المطبع الکبریٰ المیریۃ بولاق مصر المحمیۃ سنہ ۱۳۰۰ھ الطبعۃ الاولیٰ

آپ لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ جس طرح اُن کے حواریوں کو انصار اللہ کہا گیا تھا۔ اسی طرح مثیل مسیح موعودؑ کے ساتھیوں کو انصار اللہ کہا گیا ہے۔ پھر آپ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے انصار کی بات بھی پائی جاتی ہے۔ یعنے جس طرح انصار اللہ میں وہی لوگ شامل تھے جو آپ کے صحابہ تھے۔ اسی طرح آپ میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفیق شامل ہیں۔ گویا آپ لوگوں میں دونوں مثالیں پائی جاتی ہیں۔ آپ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفیق بھی ہیں جنہیں انصار اللہ کہا جاتا ہے۔ جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کو انصار کہا گیا۔ پھر جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو اپنا متبع قرار دیا ہے اور ان کے صحابہ کو بھی انصار اللہ کہا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک متبع کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو بھی انصار اللہ کہا گیا ہے۔ شاید بعض لوگ یہ سمجھیں کہ یہ درجہ کم ہے لیکن اگر چالیس سال اور گزر گئے تو اس زمانہ کے لوگ تمہارے زمانہ کے لوگوں کو بھی تلاش کریں گے اسلامی تاریخ میں صحابہ سے ملنے والوں کو تابعی کہا گیا ہے کیونکہ وہ صحابہؓ کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہو گئے تھے۔ اور ایک تبع تابعی کا درجہ ہے یعنی وہ لوگ جو تابعین کے ذریعے صحابہؓ کے ذریعہ ہوئے اور آگے صحابہؓ کے ذریعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوئے اس طرح تین درجے بن گئے ایک صحابی دوسرے تابعی اور تیسرے تبع تابعی۔ صحابی وہ جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے فائدہ اٹھایا۔ اور آپؐ کی باتیں سنیں۔ تابعی وہ جنہوں نے آپؐ سے باتیں سُننے والوں کو دیکھا اور تبع تابعی وہ جنہوں نے آپؐ سے باتیں سُننے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا دنیوی عاشق تو بہت کم حوصلہ ہوتے ہیں کسی شاعر نے کہا ہے ؎

تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں
مرا دل پھیر دے مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

مگر مسلمانوں کی محبتِ رسولؐ دیکھو جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ فوت ہوئے تو انہوں نے آپؐ سے قریب ہونے کے لیے تابعی کا درجہ نکال لیا اور جب تابعی ختم ہو گئے تو انہوں نے تبع تابعین کا درجہ نکال لیا۔ اس شاعر نے تو کہا تھا۔

تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں۔ مرا دل پھیر دو مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

مگر یہاں یہ صورت ہوگئی ہے کہ تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں اور پھر ان کے چاہنے والوں کو بھی چاہوں اور پھر تیرہ سو سال تک برابر چاہتا چلا جاؤں انہوں نے یہ نہیں کہا کہ

مرا دل پھیر دو مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

بلکہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ کے چاہنے والوں کو چاہتے ہیں چاہے وہ صحابی ہوں تابعی ہوں۔ تبع تابعی ہوں یا تبع تبع تابعی ہوں اور ان کے بعد یہ سلسلہ خواہ کہاں تک چلا جائے ہم کو وہ سب لوگ پیارے لگتے ہیں کہ اِن کے ذریعہ ہم کسی نہ کسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب ہو جاتے ہیں۔ محدثین کو اس بات پر بڑا فخر ہوتا تھا کہ وہ تھوڑی سی سندات سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچ گئے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں گیارہ بارہ راویوں کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک جا پہنچتا ہوں۔ آپ کو بعض ایسے اساتذہ مل گئے تھے جو آپ کو گیارہ بارہ راویوں کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتے تھے اور آپ اس بات پر بڑا فخر کیا کرتے تھے۔ اب دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اتباع نے آپ کی صحابیت کو بارہ تیرہ درجوں تک پہنچا دیا ہے اور اس پر فخر کیا ہے۔ تو آپ لوگ یا رفیق ہیں یا تابعی ہیں ابھی تبع تابعین کا وقت نہیں آیا۔ ان دونوں درجوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت بخشی ہے اس عزت کا میں کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انصار کا ذکر فرمایا ہے اور پھر ان کی قربانیاں بھی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند تھیں چنانچہ جب ہم انصارؓ کی تاریخ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اِن لوگوں نے ایسی قربانیاں کی ہیں کہ اگر آپ لوگ جو انصار اللہ ہیں ان کے نقشِ قدم پر چلیں تو یقیناً اسلام اور احمدیت دور دور تک پھیل جائے۔ اور اتنی طاقت پکڑے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکے۔"[1]

۲۔ "یاد رکھو تمہارا نام انصار اللہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے مددگار۔ گویا تمہیں اللہ تعالیٰ کے نام کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے۔ اس لیے تم کو بھی کوشش کرنی چاہیئے کہ ابدیت کے مظہر ہو جاؤ۔ تم اپنے انصار ہونے کی علامت یعنی خلافت کو ہمیشہ ہمیش کے لیے قائم رکھتے چلے جاؤ۔

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۲ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۲، ۳

اور کوشش کرو کہ یہ کام نسلاً بعد نسلٍ چلتا چلا جاوے۔ اور اس کے دو ذریعے ہو سکتے ہیں ایک ذریعہ تو یہ ہے کہ اپنی اولاد کی صحیح تربیت کی جائے اور اس میں خلافت کی محبت قائم کی جائے۔ اس لیے میں اطفال الاحمدیہ کی تنظیم قائم کی تھی۔ اور خدام الاحمدیہ کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ یہ اطفال اور خدام آپ لوگوں کے ہی بچے ہیں۔ اگر اطفال الاحمدیہ کی تربیت صحیح ہو گی تو خدام الاحمدیہ کی تربیت صحیح ہو گی اور اگر خدام الاحمدیہ کی تربیت صحیح ہو گی تو اگلی نسل انصار اللہ کی اعلیٰ ہو گی۔ میں نے سیڑھیاں بنا دی ہیں آگے کام کرنا تمہارا کام ہے۔ پہلی سیڑھی اطفال الاحمدیہ ہے۔ دوسری سیڑھی خدام الاحمدیہ ہے۔ تیسری سیڑھی انصار اللہ ہے۔ اور چوتھی سیڑھی خدا تعالیٰ ہے۔ تم اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرو اور دوسری طرف خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگو تو چاروں سیڑھیاں مکمل ہو جائیں گی اگر تمہارے اطفال اور خدام ٹھیک ہو جائیں اور پھر تم بھی دعائیں کرو۔ اور خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو۔ تو پھر تمہارے لیے عرش سے نیچے کوئی جگہ نہیں اور جو عرش پر چلا جائے وہ بالکل محفوظ ہو جاتا ہے۔ دنیا حملہ کرنے کی کوشش کرے تو زیادہ سے زیادہ سو دو سو فٹ پر حملہ کر سکتی ہے۔ وہ عرش پر حملہ نہیں کر سکتی۔ پس اگر تم اپنی اصلاح کر لو گے اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کرو گے تو تمہارا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہو جائے گا اور اگر تم حقیقی انصار اللہ بن جاؤ تو تمہارے اندر خلافت بھی دائمی طور پر رہے گی۔ اور وہ عیسائیت کی خلافت سے بھی لمبی چلے گی۔

عیسائیوں کی تعداد تو تمام کوششوں کے بعد مسلمانوں سے قریباً دُگنی ہوئی ہے مگر تمہارے متعلق تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشگوئی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تعداد کو اتنا بڑھاوے گا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دوسرے تمام مذاہب ہندو ازم۔ بدھ مت۔ عیسائیت اور شنٹو ازم وغیرہ کے پیرو تمہارے مقابلہ میں بالکل ادنیٰ اقوام کی طرح رہ جائیں گے۔ یعنی ان کی تعداد تمہارے مقابلہ میں ویسی ہی بے حقیقت ہو گی جیسے آجکل ادنیٰ اقوام کی دوسرے مقابلہ میں ہے وہ دن جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ یقیناً آئے گا لیکن جب آئے گا تو اس ذریعہ سے آئے گا کہ خلافت کو قائم رکھا جائے تبلیغ اسلام کو قائم رکھا جائے تحریک جدید کو مضبوط کیا جائے۔ اشاعت اسلام کے لیے جماعت میں شغف زیادہ ہو اور دنیا کے کسی کونہ کو بھی بغیر مبلغ کے نہ چھوڑا جائے۔" [1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۴ مارچ ۱۹۵۷ء صہ ۳

نائب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی ایمان افروز تقریر

انصار اللہ کے اس دوسرے سالانہ اجتماع کے موقع پر حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب ایم اے نائب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ نے جو تقریر فرمائی وہ جماعتی تربیت کے اعتبار سے خاص اہمیت رکھتی تھی۔ جس میں آپ نے نہایت پُر شوکت الفاظ میں تین بنیادی نکات پر روشنی ڈالی۔

اوّل :۔ کُتب حضرت مسیح موعودؑ کی اہمیت :۔

دوم :۔ زندہ خدا پر ایمان :۔

سوم :۔ شیطانی غلبہ سے بچنے کا طریق :۔

اِن بنیادی نکات کی تفصیل آپ ہی کے قلم سے درج ذیل کی جاتی ہیں :۔

پہلا نکتہ

۱۔ ”حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب میں جو کچھ ہے قرآن کریم کی تفسیر ہی ہے ان کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو قرآن کریم کی تفسیر نہ ہو۔ اور قرآن کریم وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک انسانی روحانی پیاس بجھانے کے لیے اس دنیا میں بھیجا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب دورِ حاضر کے مطابق قرآن کریم کی صحیح تفسیر ہیں۔ اگر ہم ان کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتے اور انہیں بند رکھتے ہیں۔ تو گویا ہم قرآن کریم کو مہجور کے طور پر چھوڑ دیتے ہیں۔ بے شک گزشتہ زمانہ میں قرآن کریم کی متعدد تفاسیر لکھی گئی ہیں۔ اور بعض اپنے زمانہ کے لحاظ سے بہت اچھی تھیں۔ لیکن اب ان تفاسیر کا زمانہ گزر گیا ہے۔ لیکن قرآن کریم کا زمانہ قیامت تک ممتد ہے اور کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اس لمبے زمانے کے لیے اس وقت تفسیر کا ایک نیا دروازہ کھولا گیا ہے اور اس دروازہ کو کھولنے والا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبارک وجود ہے۔ اگر اس کیطرف سے غفلت برتیں گے تو نہ صرف ہم خود ایک بڑے گناہ کے مرتکب ہوں گے بلکہ اپنی اولادوں پر بھی سخت ظلم کریں گے۔ ہمارے ایک نہایت مخلص دوست ہیں میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ وہ دین کے لیے بڑی قربانی کرنے والے ہیں ان کا ایک بچہ ہمارے کالج میں پڑھتا ہے۔ ایک دن مجھے اس کے

متعلق معلوم ہوا کہ اس کے منہ سے بعض ایسے فقرے نکلے ہیں جو ایک احمدی کے منہ سے نہیں نکلنے چاہئیں ایک سیکنڈ کے لیے میری طبیعت میں سخت غصّہ پیدا ہوا کہ اس نے یہ بیہودگی کیوں کی ہے۔ لیکن فوراً ہی میرا خیال اس طرف گیا کہ شاید اس میں اس کا کوئی قصور نہ ہو بلکہ کسی اور جگہ کمزوری ہو۔ جو ان فقرات کا موجب ہوئی ہو۔ اس خیال کے آتے پر مَیں نے اسے اپنے پاس بلایا اور بڑے پیار سے دریافت کیا کہ تم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب میں سے کون کونسی کتب پڑھی ہیں وہ بڑے آرام سے کہنے لگا۔ کہ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ حالانکہ وہ سیکنڈ یا تھرڈ ایئر کا سٹوڈنٹ تھا۔ اس پر مَیں نے سمجھا کہ جو فقرے اس کے منہ سے نکلے ہیں وہ اس بات کا نتیجہ تھے کہ وہ اس تعلیم سے ناواقف ہے جو اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لائے ہیں۔ پس اگر ہم اپنی اولاد میں صحیح روحانیت پیدا کرنے کی طرف بے توجہ ہو جائیں تو ہم بڑے ظالم ہیں خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ ان حالات میں ہماری اولاد سے کیا سلوک کرے گا لیکن اگر وہ اس صحیح روحانیت سے کورے ہیں تو ہمارا ظلم ثابت ہے۔ اور ہم خدا تعالیٰ کے مواخذہ سے بچ نہیں سکتے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو ہم کہتے ہیں کہ ہمیں وہ خزانہ ملا ہے جس کو ہم اپنے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے اور دوسری طرف ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری اولاد کو اس خزانہ کی ضرورت نہیں یا تو وہ خزانہ خزانہ نہیں یا ہمارا یہ خیال غلط ہے کہ ہمیں اس خزانہ کی ضرورت نہیں۔ اگر ہماری اولاد کو اس خزانہ کی ضرورت نہیں تو ہمیں بھی اس کی ضرورت نہیں۔ اور ہم اس دعویٰ میں منافق ہیں کہ ہمیں اس خزانہ کی ضرورت ہے کیونکہ اگر اس خزانہ کی ہمیں ضرورت ہے تو ہماری اولاد کو بھی اس کی ضرورت ہے۔ اور اگر ہماری اولاد کو اس خزانہ کی ضرورت ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم دیکھیں کہ وہ اس خزانہ سے فائدہ اٹھاتی ہے یا نہیں۔ یعنی وہ کتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مطالعہ کرتی ہے یا نہیں۔ اگر جماعت کے دوست حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کا مطالعہ کریں تو لازمی بات ہے کہ ان میں ہر ایک شخص اپنی عقل سمجھ اور علم کے مطابق ان کتب سے ضرور کچھ نہ کچھ اخذ کرے گا۔ ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کئی کتب بار بار پڑھی ہیں اور ہمارا تجربہ ہے جب بھی کوئی کتاب دوبارہ پڑھی اس کی وجہ سے کوئی نہ کوئی نیا مسئلہ حل ہوا یا کوئی نہ کوئی نیا عقدہ کھلا یا کوئی نہ کوئی نئی دلیل سامنے آگئی۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ

الصلوٰۃ والسلام کی تمام کتب معارف کا ایک خزانہ اپنے اندر رکھتی ہیں اس کا ایک حصہ تو ایسا ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ اپنے اندر بڑے اہم اور قیمتی مضامین کو لیے ہوئے ہے اور جب بھی حالات آپ کی توجہ اس طرف پھیر دیں یا اللہ تعالیٰ کا منشاء ہو کہ آپ کی توجہ اس طرف پھر جائے تو آپ کو نئے نئے مضامین سوجھیں گے ؛

دوسرا نکتہ

۲۔ "قرآن کریم میں شیطان کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ[1] میرے جو بندے ہوں گے اُن پر تو غلبہ نہیں پا سکتا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی طرف شیطان کو یہ چیلنج دیا ہے کہ وہ ان پر کبھی غلبہ حاصل نہیں کر سکے گا۔ اس چیلنج کو دیکھ کر انسان جو ضعیف اور کمزور ہے یہ خیال کرتا ہے کہ یہ چیلنج کیسے پورا ہو گا۔ اس کو پورا کرنے کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی ہدایت کا ملنا بھی ضروری ہے۔ اور وہ ہدایت لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ہے۔ یہ ایک دیوار ہے جو شیطان اور خدا تعالیٰ کے بندوں کے درمیان کھڑی کر دی گئی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کا خاص فضل نہ ہو تو شیطان انسان کے مقابلہ میں بہت طاقتور ہستی ہے جو خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر کہتا ہے کہ میں تیرے بندوں میں دائیں سے بائیں سے آگے سے پیچھے سے گھسوں گا اور انہیں گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ اس پر اگر انسان غلبہ حاصل کر سکتا ہے تو محض خدا تعالیٰ کے فضل کے نتیجہ میں ہی کر سکتا ہے اور لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وہ ہتھیار ہے جو شیطان کے مقابلہ کے لیے خدا تعالیٰ نے انسان کو دیا ہے۔

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ کوئی منتر یا ٹونہ نہیں کہ صرف منہ سے یہ فقرہ دہرا کر شیطان کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اگر ایک کروڑ دفعہ بھی لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پڑھا جائے تو قطعاً یہ نہیں ہو سکتا کہ شیطان بھاگ جائے اور نہ ہی یہ کوئی تعویذ ہے جس سے ہاتھ پر باندھ لیا۔ یا کاغذ پر لکھ کر اسے گھوٹ کر پی لیا

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل : ۶۶

جائے تو اس سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ بلکہ شیطان کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک خاص ذہنیت کی ضرورت ہے جس کو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ بندے کے اندر پیدا کر دیتا ہے اور جب یہ ذہنیت پیدا ہو جائے تو شیطان انسان کے قریب نہیں آ سکتا اور وہ ذہنیت یہ ہے کہ بے شک انسان بڑا کمزور اور ناتواں ہے لیکن خدا تعالیٰ بڑی طاقتوں والا ہے اس کے اندر یہ طاقت ہے کہ وہ ہم سے نیکیاں کرائے اور اس کے اندر یہ طاقت بھی ہے کہ وہ ہمیں بدیوں سے محفوظ رکھے۔ جب یہ ذہنیت انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے تو خدا تعالیٰ اسے اپنی گود میں اٹھا لیتا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی گود میں بیٹھا ہو شیطان کا اس پر حملہ کامیاب نہیں ہو سکتا اور اس طرح وہ اس ذہنیت کے پیدا ہونے کے نتیجہ میں شیطان کے حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے تو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ایک بڑی اہم اور قیمتی دعا ہے جو آپ کے کام آئے گی۔

جب فرقان بٹالین کشمیر کے محاذ پر کام کر رہی تھی اس وقت مجھے ایک ضروری کام کے سلسلے میں محاذ پر جانا پڑا۔ جب میرا قیام ختم ہو گیا تو میں نے واپس آنے کا ارادہ کیا۔ سڑک ٹوٹی ہوئی تھی۔ مگر ان دنوں چونکہ لڑائی کا کام تھا اور لڑائی کے دنوں میں انسان کی ذہنیت تیز ہو جاتی ہے فوراً یہ خیال آیا کہ سڑک ٹوٹی ہوئی ہے تو کیا ہوا نہر کی پٹڑی تو ہے سرکاری نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ نہر کی پٹڑی سڑک کے ٹوٹے ہوئے حصہ سے پرے جا کر سڑک سے مل جاتی ہے چنانچہ ہم سڑک کی بجائے نہر کے راستے واپس ہوئے۔ رسول ہیڈ کے قریب گیٹ بند تھا لہذا ہمیں موٹر کھڑا کرنا پڑا۔ جب گیٹ کھلا تو موٹر فیل ہو گئی وہ سٹارٹ نہیں ہوتی تھی۔ ہمارے پاس نہ اوزار تھے اور نہ پٹڑی پر ٹریفک تھی کہ کسی آنے جانے والے کی مدد لی جا سکے۔ کاربوریٹر میں میل جم گئی تھی جس کی وجہ سے وہ کام نہیں کر رہا تھا۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ دعا آئی بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ اور میں نے خیال کیا کہ بے شک اس وقت موٹر فیل ہو گئی ہے اور ہم میں طاقت نہیں کہ اسے سفر کے قابل بنا سکیں مگر اللہ تعالیٰ میں تو طاقت ہے کہ اس سے کام لے سو ہمیں اس کی طرف توجہ کرنی چاہیئے اور اسی سے مدد مانگنی چاہیئے۔ کہ وہ ہمیں مصیبت سے نکالے چنانچہ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ

مجھ سے کوئی بات نہ کریں اور مَیں نے پوری توجہ کے ساتھ اس دعا کو پڑھنا شروع کیا اس کے بعد موٹر کو دھکا دیا گیا تو وہ سٹارٹ ہو گئی۔ مَیں تمام راستہ یہی دعا پڑھتا رہا اور کسی سے کوئی بات نہ کی۔ اور موٹر سارا راستہ چلتی رہی۔ کہیں نہ رُکی۔ یہاں تک کہ ہم رتن باغ لاہور پہنچ گئے اور موٹر کو گیراج میں کھڑا کر دیا بعد میں وہ موٹر اس وقت تک گیراج سے نہ نکلی جب تک کہ ایک ماہر مستری نے اسے چلنے کے قابل نہ بنا دیا۔ اب دیکھو اس دعا کی برکت تھی کہ ہم باوجود بظاہر بے کس و بے بس ہونے کے رسول ہیڈ سے لاہور تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ورنہ موٹر کام کرنے کے قابل نہ تھی۔ سو یہ دعا بڑی برکت والی ہے۔ مجھے خیال آیا کہ مَیں دعا آپ کو بتا دوں تا آپ بھی روزانہ زندگی میں اس سے فائدہ حاصل کریں۔"

تیسرا نکتہ

۳۔ "خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل جہاں ہمیں یہ موقع دیا ہے کہ ہم اس کے ساتھ تعلق پیدا کر سکیں وہاں ہمیں یہ سبق بھی دیا ہے کہ بنی نوع انسان کی اتنی مدد کرو کہ اور کسی انسان نے نہ کی ہو۔ آنحضرت صلعم کی سیرت کا ایک واقعہ اس پر وضاحت سے روشنی ڈالتا ہے۔ بدر کی جنگ کو خدا تعالیٰ نے فرقان سے تعبیر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ وہ کفر اور ایمان میں فرق کرنے والا دن ہے اور یہ نام اسے قرآن کریم میں خدا تعالےٰ نے دیا ہے اس دن اللہ تعالیٰ نے کفر کی طاقت کو توڑ دیا اور اسلام کے نام کو امتیاز کے ساتھ قائم کیا۔ ایک طرف کفار اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ اور اپنے لاؤ لشکر کی مدد سے مسلمانوں کو جو قلیل تعداد میں تھے اپنے زعم میں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے لیے آئے تھے۔ اور دوسری طرف وہ صحابہؓ تھے جو کمزور ناتواں تھے۔ تعداد میں کم تھے۔ اور ان کے پاس کفار کے مقابلہ میں جنگی سامان بھی نہیں تھا۔ ان میں سے اکثر کو کفار نے طرح طرح کی تکلیفیں دی تھیں غرض بدر کے روز صحابہ کی حالت کفار کے مقابلہ میں بہت زیادہ کمزور تھی اور بظاہر حالات ان میں مقابلہ کی سکت نہیں تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اِن کی مدد کے لیے آسمان سے فرشتوں کے لشکر نازل کیے اور انہیں کہا کہ اس قوم کی مدد کرو۔ اور مقابل لشکر پر اسے فتح اور کامرانی حاصل کرنے میں مدد دو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے فرشتوں کی مدد سے اس دن مسلمانوں

نے باوجود قلیل التعداد اور ظاہری اسباب سے محروم ہونے کے کفار پر فتح حاصل کی۔ اور خوشی سے مسلمان پھولے نہ سمائے۔ لیکن اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کونہ میں دعا میں مصروف تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ایک صحابی نے دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ یہ دن تو خوشی کا ہے رونے کا نہیں اور آپ رو رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے آج اپنے وعدوں کو پورا کر دیا ہے اور رؤساءِ مکہ کے سروں کو آپ کے قدموں میں لا رکھا۔ اس پر آپ نے فرمایا بے شک خدا تعالیٰ نے اپنے وعدوں کو پورا کیا ہے اور ہمیں کفار کے مقابلہ میں عظیم الشان فتح نصیب کی ہے۔ لیکن کاش یہ لوگ اس دن سے پہلے ایمان لے آتے اور ان کا یہ حشر نہ ہوتا یہ کیفیت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے بھی آپ کو فرمایا لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ[1] کہ شاید تو اس وجہ سے کہ کفار ایمان نہیں لائے اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے یہی محبت اور جذبہ بنی انسان کے لیے ہر مسلمان اور ہر احمدی میں پیدا ہونا چاہیئے۔ اس کے بغیر احمدیت کا کوئی فائدہ نہیں۔ جہاں کہیں بھی ہم ہوں ہمارا دل اس وجہ سے کڑھتا رہنا چاہیئے کہ یہ لوگ سچائی پر ایمان کیوں نہیں لائے۔ کیوں اس سے دور چلے گئے وہ کیوں اس ہستی کو نہیں دیکھ رہے جس کو اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی برکت کے نتیجہ میں ہم دیکھ رہے ہیں۔ اگر ہمارے اندر یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو دنیا ہماری باتیں سننے پر مجبور ہو جائے گی۔ اور اس کے بغیر انہیں کوئی چارہ نہیں ہو گا سو آپ بنی نوع انسان کی مدد کا سچا جذبہ اپنے اندر پیدا کریں اور اس جذبہ کے ماتحت انہیں احمدیت کے قریب لانے کی کوشش کریں اگر آپ اس جذبہ کے ماتحت تبلیغ کریں گے اور جب تک وہ ایمان نہ لائیں آپ کا دل کڑھتا رہے گا تو خدا تعالیٰ آپ کی کوشش میں برکت دے گا اور ایسے حالات پیدا کر دے گا کہ دوسرے لوگ آپ کی باتوں کو سنیں گے اور احمدیت کے نور سے منور ہونے کے لیے اپنے آپ کو اس جماعت سے وابستہ کر لیں گے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے قائم کی ہے اور اسی میں شامل ہونے میں نجات ہے۔"[2]

---

[1] الشعراء: ۴ [2] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۶ دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۴ و ۶

مصر پر حملہ اور جماعت احمدیہ کا جمال عبدالناصر کے نام برقی پیغام

یکم نومبر ۱۹۵۶ء کو عالم اسلام ایک دردناک صورتحال سے دوچار ہوگیا جبکہ برطانیہ اور فرانس نے مصر پر متحدہ بحری اور فضائی حملہ کر دیا۔ اور قاہرہ۔ اسماعیلیہ۔ پورٹ سعید اور دوسرے بڑے بڑے شہروں پر بمباری کی جس سے کئی شہری ہلاک ہوئے۔ اور جائیدادوں کو بھاری نقصان پہنچا۔ اس نازک موقع پر حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور خارجہ نے مصر کے صدر جمال عبدالناصر کے نام حسب ذیل برقی پیغام ارسال کیا:۔

(ترجمہ) موجودہ نازک وقت میں جماعت احمدیہ اور اس کے مقدس امام کی دلی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ برطانیہ اور فرانس نے مصر پر حملہ کر کے ہمیشہ ہمیش کے لیے اپنے چہروں کو داغدار کر لیا ہے خدا تعالیٰ ضرور ان کو اس کی سزا دے گا یہ امر ہمارے لیے حیرت کا باعث ہے کہ جبکہ موجودہ اسرائیلی حملہ اس بنا پر ظہور میں آیا ہے کہ آپ عربوں اور خصوصیت سے اردن کے مفادات کی علمبرداری کا فرض ادا کر رہے ہیں یہ ممالک کیوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں اور صرف زبانی ہمدردی پر اکتفا کر رہے ہیں خدا تعالیٰ ان کی آنکھیں کھولے ہماری دعا ہے کہ موجودہ جنگ میں اللہ تعالیٰ اہل مصر کی مدد فرمائے۔ آمین۔

ناظر امور خارجہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ

۳ نومبر ۱۹۵۶ء

اس پیغام کے جواب میں صدر جمال عبدالناصر نے حسب ذیل جوابی تار ارسال فرمایا:۔

I have received with sincere appreciation the gracious message expressing the good wishes and fervent prayers of Ahmadiyya Community and its head for the victory of Egypt in its struggle against the aggressors. We thank you all for these kind feelings and noble sentiments. May God help and grant us prosperity.

Jamal Abdul Nasir

(ترجمہ) مَیں نے آپ کا مقتدر پیغام قدردانی کے پُر خلوص جذبات کے ساتھ وصول کیا ہے جس میں حملہ آوروں کے خلاف اہلِ مصر کی جدّوجُہد میں مصر کی کامیابی اور فتح کے لیے جماعت احمدیہ اور امام جماعت احمدیہ کی طرف سے نیک خواہشات اور دلی دعاؤں کا اظہار کیا گیا ہے ہم ایسے اعلیٰ خیالات اور نیک جذبات پر آپ سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں خدا تعالیٰ ہماری مدد فرمائے اور ہمیں خوشحالی عطا کرے۔

مورخہ ۱۹ر نومبر ۱۹۵۶ء جمال عبدالناصر[1]

اس برقیہ کے موصول ہونے پر حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب نے جو عربی مکتوب لکھا اس کا متن یہ ہے

" ربوہ
۵۶/۱۱/۲۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

فخامة السيد جمال عبد الناصر رئيس الجمهورية المصرية

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

وبعد فقد تلقيت برقية فخامتكم المورخة فى ۱۹/۱۱/۱۹۵۶ء المعبرة عن عواطف الشكر والامتنان فكان لها الصدى الحسن لدى الامام الجماعة الاحمدية الذى أثلجت صدره اخبار وقف العدوان الانكليزى الافرنسى و الاسرائيلى وفشل المؤامرة التى حاكها الاستعمار ضد مصر العزيزة وهُو يَدعوه تعالىٰ ان يكلاكم يدعوه تعالىٰ ان يكلأكم والشعب المصرى بعنايته لتكونوا الدرع القوى الغربى لكعبة الاسلام ضدّا عدائه۔

أُلاان حضرة امام الجماعة الاحمدية لازال مهتما اهتماما عظيما بقضية الخطر الصيهونى " الذى يهدد البيت الحرام مباشرة حتى

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۴ر نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱

رأیناه یقترح منذ ثمانی سنوات علی الشعب الباکستانی بغرض ضریبه تساوی الواحد بالمائة من املاك كل باکستانی تخصص لمساعدة عرب فلسطین ضدّ اسرائیل وسواها من اعداء الاسلام والعروبة یومئذٍ ان نتقدم اوّل النّاس الضریبة المشاء الیها فی سبیل الغایه المذکورة - وهنالك خطب عدیدة القاها حضرته فی هذا الموضوع مقترحا فیها الخطوات العملیةُ الممکنة -

فالمهم أن حضرته لا زال مهتما اهتماما عظیما بقضیة الخطر الصیهونی وما فتیُٔ وافراد جماعة داعیا الله عزوجل ان یحفظ البیت الحرام ویجمع المسلمین علی حبل الله وتقواه ویلهمهم سبیل الرشاد

صان الله مصر وحفظکم آمین

والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاتهٗ

ناظر الامور الخارجیه للجماعة الأحمدیه

سید زین العابدین ولی الله شاه

خط کا ترجمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم — نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بخدمت گرامی ہز ایکسی لنسی جمال عبدالناصر رئیس جمہوریہ مصر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب کا شکر و امتنان کا تار مورخہ ۱۹/۱۱/۱۹۵۶ء کو مجھے ملا جس کا حضرت امام جماعت احمدیہ پر گہرا اثر ہوا اور اطمینان قلب ہوا کہ انگریزوں فرانسیسیوں اور اسرائیلوں کا جور وظلم رک گیا اور امپیریلزم نے جو منصوبہ مصر کے متعلق باندھا تھا وہ ناکام رہا۔ حضرت امام جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کو اور مصری قوم کو اپنے خاص فضل سے مدد کرے تاکہ آپ دشمنوں کے مقابلے میں کعبہ اسلام کے رکن حصین بنیں۔

حضرت امام جماعت احمدیہ کو صیہونی خطرہ کے متعلق ہمیشہ فکر رہا ہے کیونکہ اس کا زبردست اثر بیت اللہ پر پڑتا ہے یہ فکر اس حد تک ہے کہ آٹھ سال ہوئے آپ نے یہ تجویز کی تھی کہ ہر پاکستانی اپنے املاک پر ایک فیصدی چندہ دے تاکہ فلسطین عربوں کو اسرائیلی اور دیگر دشمنانِ اسلام عرب کے خلاف اپنی جدوجہد میں اس روپے سے مدد حاصل ہو اس تجویز پر عمل پیرا ہونے کے لیے ہماری جماعت کی طرف سے اتفاق کا اظہار کیا گیا۔

مزید برآں حضرت امام جماعت احمدیہ نے اس موضوع پر کئی تقاریر بھی فرمائیں تاکہ عملی قدم اٹھانے کے لیے تحریک ہو۔

الغرض حضرت امام جماعت احمدیہ کو یہودی خطرہ کا پورا احساس و فکر ہے اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ وہ بیت اللہ کی حفاظت فرمائے اور مسلمانوں کو تقویٰ پر اکٹھا کرے اور انہیں نیکی کے راستہ پر چلنے کی تحریک فرمائے اللہ تعالے مصر کو ہر شر سے محفوظ رکھے اور اس کا حامی و ناصر ہو۔

صدر جمہوریہ مصر جمال عبدالناصر کی طرف سے اس خط کا حسبِ ذیل جواب موصول ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رياسة جمهوريه
مكتب الرئيس

سيادة زين العابدين
ولى الله شاه باكستان

تحية طيبة

وبعد فاشكرلك رسالتك الكريمة التى اعربت فيها عن الشعر الطيب السيادة امام الجماعة الاحمدية نحو مصر فى كفاحها ضد الاستعمار متحالفا مع الصيهونة

كما اشكر لسيادته اهتمامه بالقضية الفلسطينية والعمل على درء الخطر الصيهونى الجاثم فى اسرائيل والمسائدين لها ۔

والله يوفّقنا ۔ ويسدد خطايا ويثبت اقدامنا ويجمعنا على كلمة سواء ۔

والسلام عليكم ورحمة الله وبركاتهٗ

القاھرۃ ۱۹۵۶/۱۲/۱۷ء

رئیس الجمہوریۃ جمال عبد الناصر

رئیس جمہوریہ مصر کا جواب بخدمت ناظر امور خارجہ

آپ کے نیک پیغام کا شکر گزار ہوں جس میں امام جماعت احمدیہ کی طرف سے مصر کی اس جدّ وجُہد کے بارے میں پاکیزہ جذبات کا اظہار کیا گیا ہے جو اس نے مغربی استعمار اور یہودی خطرہ کے خلاف جاری کر رکھی ہے۔ مَیں حضرت امام جماعت احمدیہ کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مسئلہ فلسطین اور یہودی خطرہ کے بارے میں جو اسرائیل اور اس کے مددگاروں کی طرف سے رونما ہوا ہے اتنا فکر فرمایا ہے اور دعائیں کیں۔

اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق دے اور ہمارے پائے ثبات کو تقویت بخشے اور مومنوں کو صحیح راستہ پر چلائے اور کلمۃ الحق پر سب کو جمع کرے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

رئیس جمہوریہ مصر۔ جمال عبد الناصر[1]

احمدیہ انٹرنیشنل پریس ایسوسی ایشن کی قرار دادِ مذمت

اسرائیل برطانیہ اور فرانس کی اس شرمناک جارحیت پر احمدیہ انٹرنیشنل پریس ایسوسی ایشن نے حسبِ ذیل قرار دادِ مذمت پاس کی۔

"احمدیہ انٹرنیشنل پریس ایسوسی ایشن کا یہ خصوصی اجلاس۔ اسرائیل۔ برطانیہ اور فرانس کے مصر پر جارحانہ حملے کی شدید مذمت کرتا ہے۔ اور اسے یو۔ این۔ او۔ کے چارٹر کی صریح خلاف ورزی سمجھتا ہے۔ اس قسم کے تشدّد آمیز رویّہ سے دنیا بھر میں امن قائم ہونے کی بجائے جنگ اور فساد کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ برطانیہ اور فرانس جو کل تک امن اور صلح کے علمبردار ہونیکے مدعی تھے۔ ان کا یہ فعل یقیناً نہایت ظالمانہ بلکہ وحشیانہ ہے۔ اور مصر اس معاملہ میں صریح طور پر مظلوم ہے اور ہماری ساری ہمدردیاں مظلوم کے ساتھ ہیں۔ ہم پُر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ برطانیہ فرانس اور اسرائیل اپنی فوجوں کو مصر کی حدود سے نکال لیں اور جنرل اسمبلی کے حالیہ ریزولیشن متعلقہ امتناع جنگ کی

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۲ جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۳

کی فوری اور غیر مشروط تعمیل کرتے ہوئے تمام معاملات کو باہمی مفاہمت کے بین الاقوامی اصولوں کے مطابق طے کریں اور آئندہ کے لیے اپنے جارحانہ عزائم سے بالکل دستکش ہو جائیں ۔ موجودہ حالات میں تمام امن پسند ممالک بالخصوص پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک کا فرض ہے کہ مظلوم مصر کی ہر ممکن امداد کریں[1]

تعلیم الاسلام کالج یونین کے وائس پریذیڈنٹ مکرم عطاء الکریم صاحب شاہد[2] نے مصر پر برطانیہ فرانس اور اسرائیل کے جارحانہ حملہ کی پرزور مذمت کرتے ہوئے یونین کے جملہ اراکین کی طرف سے ۸ نومبر ۱۹۵۶ء کو سفیر مصر مقیم کراچی کے نام ایک خط لکھا ۔ خط میں اہلِ مصر کی پرزور تائید وحمایت کا یقین دلایا گیا اس خط کے جواب میں سفیر مصر نے لکھا ۔

" مصر پر برطانیہ فرانس اور اسرائیل کے جارحانہ حملہ کی مذمت میں آپکا خط محررہ ۸ نومبر ۱۹۵۶ء موصول ہوا ۔

آپ کے جملہ اراکین نے موجودہ نازک وقت میں مصر کے ساتھ جن ہمدردانہ جذبات کا اظہار کیا ہے اور پرزور طور پر تائید وحمایت کا یقین دلایا ہے اس پر ہماری طرف سے انتہائی پرخلوص شکریہ قبول فرمائیں اور ہمارے جذباتِ تشکر کو تمام اراکین تک پہنچائیں ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ خیر سگالی کے جذبات ظاہر کرنے پر مصر کی حکومت اور عوام اپنے پاکستانی بھائیوں کے ممنون ہیں اور جواباً نہایت پرخلوص طور پر وہ بھی خیر سگالی کے ایسے ہی جذبات کا اظہار کرتے ہیں ۔"

آپ کا مخلص وزیر مختار ۔ عبدالحسیب فرسٹ سیکرٹری سفارت خانہ مصر کراچی[3]

جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کا پیغام ہمدردی اور صدر جمال عبدالناصر کی طرف سے پرخلوص شکریہ

مصر پر استعماری طاقتوں کے وحشیانہ حملہ کے معاً بعد راڈین ہدایت صاحب جاکرتا صدر جماعت ہائے احمدیہ انڈونیشیا نے بھی انڈونیشین احمدیوں کی طرف سے جمال عبدالناصر کے نام ہمدردی اور دعا کا ایک خصوصی پیغام ارسال کیا جس میں ان طاقتوں کے جارحانہ حملہ کے

---

[1] روزنامہ الفضل ۶ نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ ؛ [2] سابق انچارج لائبریری شن حال رکن شعبہ تاریخ احمدیت ربوہ ۔ [3] روزنامہ الفضل ۲۹ نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳

خلاف نفرت کا اظہار کرنے کے علاوہ اہلِ مصر کے ساتھ گہری ہمدردی ظاہر کی گئی اور دعا کی گئی کہ حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے میں اہلِ مصر جو سر توڑ جدوجہد کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس میں انہیں کامیاب فرمائے اور اپنی خاص تائید و نصرت سے نوازے۔ نیز انڈونیشیا کے تمام مسلمان بھائیوں سے استدعا کی وہ بھی مصر کی کامیابی کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کریں تار میں مزید لکھا گیا کہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر روئے زمین کے مسلمان پورے خشوع و خضوع کے ساتھ دعائیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان حملہ آور اقوام یعنے انگریزوں۔ یہودیوں اور فرانسیسیوں پر عذاب نازل کرے گا۔ نیز انڈونیشیا کی حکومت سے پر زور درخواست کی گئی تھی کہ وہ اہلِ مصر کی امداد کرنیکے لئے بروقت اور فوری قدم اٹھائے۔ بالخصوص اسلیے بھی ہم پر اس اسلامی ملک کی امداد کرنا ضروری اور لازمی ہے کہ ۱۹۴۷ء میں جمہوریہ انڈونیشیا کے قیام پر سب سے پہلے مصر نے ہی ہماری مملکت کو تسلیم کیا تھا اور انڈونیشیا کی جدوجہد آزادی میں مصر نے ہمیں ہر قسم کی اخلاقی اور مادی امداد بہم پہنچائی تھی۔ تار کے آخر میں مزید لکھا گیا کہ بالآخر ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کی خود ہی حفاظت فرمائے۔ اور اہلِ مصر کے دلوں کو مضبوط اور طاقتور کرے۔ آمین

ہمدردی اور دعا کے ساتھ اس مخلصانہ پیغام کے جواب میں جمہوریہ مصر کے صدر جناب جمال عبدالناصر کی طرف سے حسبِ ذیل برقی پیغام موصول ہوا "جناب راڈین ہدایت صدر جماعت احمدیہ انڈونیشیا! آپ کے مشفقانہ پیغام نے مجھ پر گہرا اثر کیا ہے میری طرف سے دلی اور پر خلوص شکریہ قبول فرمائیں۔ جمال عبدالناصر" [1]

حضرت مصلح موعود کی خدمت میں ترکی کے ایک فاضل و محقق کا مکتوب عقیدت اور قبول احمدیت

اس سال کا اہم واقعہ یہ ہے کہ جمہوریہ ترکی کے ایک فاضل و محقق جناب شناسی حسن بسی یر صاحب کو حضرت مصلح موعود کی معرکہ آراء تالیف "دیباچہ تفسیر القرآن" (انگریزی) کا مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا۔ جناب شناسی صاحب نے اس کتاب سے متاثر ہو کر حضور کی خدمت میں انقرہ سے ایک مفصل مکتوب لکھا جس کا اردو ترجمہ یہ ہے

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۰ نومبر ۱۹۵۶ء صـ۱

انقرہ ۔ ۲ر نومبر ۱۹۵۶ء

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

یہ میری بڑی خوش قسمتی ہے کہ یہاں حال ہی میں میری ملاقات ہندوستان کے ایک لائق مسلمان عالم سے ہوئی ہے ۔ جس نے مجھے احمدیت اور آپ کی اسلامی خدمات سے آگاہ کیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے ۔کہ وہ آپ کی عمر میں برکت ڈالے ۔ اور آپ عرصہ دراز تک اس کے دین کی خدمت کا فریضہ ادا کرتے چلے جائیں ۔

مَیں ندامت کے ساتھ اس امر کا اعتراف کرتا ہوں ۔ کہ اس ہندوستانی دوست کے ساتھ ملنے سے قبل تک احمدیت کے متعلق مجھے کچھ زیادہ علم نہ تھا ۔ مَیں یقین رکھتا ہوں ۔ کہ احمدیت ہی وہ حقیقی اسلام ہے جو ترقی کا علمبردار ہوتے ہوئے بیسویں صدی کی ضروریات کو پورا کرسکتا ہے ۔ آپ دنیا کے سامنے جو پیغام پیش کر رہے ہیں ۔ وہ آپ کی تصنیف " دیباچہ انگریزی ترجمۃ القرآن" کے ذریعہ مجھ تک پہنچا ہے ۔ یہ دیباچہ ایک نہایت عالمانہ کتاب ہے جو خاص خدائی تائید کے ماتحت لکھی گئی ہے ۔ اس کا مطالعہ بہت سے امور کے متعلق شبہات دور کرنے کا موجب ہوا ۔

آپ کی اجازت سے میں ترکی کی مذہبی حالت جیسا کہ ماضی اور حال کے آئینہ میں اُسے میں دیکھتا ہوں ۔ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں ۔ اب ترک عوام میں مذہبی بیداری کے آثار نمایاں ہوتے جارہے ہیں تاہم اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ابھی تک مذہب میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے ۔ کیونکہ وہ اسلام کو بہت سی ایسی برائیوں کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں ۔ کہ جو اُن کے ملک کی ترقی میں روک ثابت ہوتی رہی ہیں ۔ حالانکہ اس کا سارا الزام ان ملاؤں پر عائد ہوتا ہے ۔ کہ جو تا وقتیکہ اتاترک کے ہاتھوں رونما ہوتے والے انقلاب نے اُن کے اثر کو زائل نہ کر دیا ۔ رجعت پسندانہ ذہنیت کے آلۂ کار بنے رہے ۔ اسلام کے متعلق تعلیم یافتہ طبقہ کی معلومات لاطینی رسم الخط رائج ہونے کے بعد سے دن بدن کم ہوتی چلی گئیں ۔ حتیٰ کہ اب نہ ہونے کے برابر ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اس طبقہ کی نگاہ میں اسلام اور ملاّں ہم معنے الفاظ ہیں ۔

ملاؤں سے انتہائی طور پر نفرت کرنے میں ترکی کی تعلیم یافتہ طبقہ کو معذور سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہ ملاّں ہی تھے ۔ جنہوں نے گزشتہ صدی کے نصف اواخر میں مغربی علوم کی ترویج کے لیے استنبول یونیورسٹی کے

دروازوں کو تیس سال تک بند کیے رکھا۔ ان کے بڑے اثر کی وجہ سے ملک میں چالیس سال تک ریلوں کا نظام محض اس لغو عذر کی بناء پر قائم نہ ہوسکا کہ یہ "کافروں کی ایجاد ہے"، مختصر یہ کہ ہر مفید اور کارآمد چیز کو کافروں کی ایجاد کہہ کر رد کیا جاتا رہا۔ حالانکہ یہ لوگ خود بہت سے مواقع پر روس اور مغرب کی دوسری شہنشاہیت پسند طاقتوں کے آلۂ کار بنے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عام تعلیم یافتہ ترک کے ذہن میں ملّاں کے خلاف عدم اعتماد کا جو جذبہ پایا جاتا ہے۔ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔

ایک عام تعلیم یافتہ ترک کیمونزم سے نفرت کرتا ہے۔ لیکن دوسرے مسلم ممالک کے تعلیم یافتہ طبقہ کے برخلاف وہ مغربی طرزِ زندگی کا عموماً اور امریکی طرزِ زندگی کا خصوصاً پرجوش مداح اور نقال ہے۔

مَیں ترک عوام میں مذہبی بیداری کا اُوپر ذکر کرچکا ہوں۔ ملّاؤں کے سابقہ طبقہ سے تعلق رکھنے والے باقی ماندہ چند جاہل لوگ موجودہ مذہبی بیداری کی قابلِ قدر تحریک کے لیڈر بننے کی کوشش میں ہیں۔

اسی طرح تُرک عوام کے دلوں میں اسلام خواہ کتنا ہی راسخ کیوں نہ ہو۔ وہ گر کر اس سطح پر آچکا ہے۔ کہ بعض کلمات طوطے کی طرح رٹ کر دہرا دیئے جاتے ہیں۔ اور عبادت کے طور پر مشینوں کی طرح بعض بے روح حرکات کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام کی تعلیم اور اس کے پیش کردہ مطمح نظر کا صحیح علم حاصل کیے بغیر حقیقی اسلام ہرگز قائم نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے مَیں بڑی شدت سے اس بات کا قائل ہوں کہ عجم کے تمام اسلامی ممالک میں قرآنِ مجید اور احادیث کی کتب وہاں کی اپنی زبانوں میں سستے داموں دستیاب ہونی چاہئیں۔ انتیس ۲۹ سال کے عرصہ میں ترکی زبان میں قرآنِ مجید کے تین تراجم شائع ہوچکے ہیں۔ اور اب مذہبی امور کے ڈائرکٹر جنرل قرآنِ مجید کا ایک معیاری ایڈیشن مرتب کرنے میں مصروف ہیں۔

ادھر مشکل یہ ہے کہ ترک امام اور مؤذن مجموعی لحاظ سے اتنے تربیت یافتہ نہیں ہیں۔ کہ وہ اپنے فرائض کو کماحقہٗ ادا کرسکیں۔ ان میں سے ایسے افراد جو قرآنِ مجید کے عربی متن کے معنے سمجھ سکیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہ امر اور بھی زیادہ افسوسناک ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت کے لیے ادارے مفقود ہیں۔ ملک بھر میں دینیات کی تعلیم کا جو واحد شعبہ ہے وہ اس کام کے لیے یکسر ناکافی ہے۔

اے عظیم استاد! ان امور کو بیان کرنے میں مَیں نے آپ کا بہت سا وقت لے لیا ہے۔ اس

پر مَیں معافی کا خواستگار ہوں۔ لیکن ایسا کرنے میں میرے مدنظر یہ امر تھا کہ ماضی اور حال کی روشنی میں شاید ایک نامور اسلامی ملک کی روحانی حالت کا تذکرہ آپ کے لیے دلچسپی اور توجہ کا موجب ہو سکے۔

یہ میری دلی خواہش ہے کہ احمدیت نے جو قابلِ تعریف مثال قائم کی ہے۔ مَیں دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کی پیروی کرتے ہوئے دیکھوں۔ ہاں اسی احمدیت کی جو صحیح معنوں میں اسلام کی ایک روشن اور درخشندہ صورت ہے۔ اور موجودہ ترقی یافتہ دنیا کی ضروریات کو بخوبی پورا کر سکتی ہے۔ آخر میں مَیں آپ کے مقدس ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہوئے آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

آپ کا ادنیٰ خادم

شناسی سیبر انقرہ۔ ترکی [1]

اس مکتوب کے چند سال بعد ۱۹۶۰ء میں محترم شناسی سیبر صاحب بیعت کرکے داخلِ احمدیت ہو گئے۔ آپ جمہوریہ ترکی کے پہلے احمدی ہیں۔

شناسی حسن سی بر صاحب کے مختصر حالات اور خدمات ڈاکٹر محمد جلال شمس صاحب انچارج ٹرکش ڈیسک اسلام آباد (لندن) تحریر فرماتے ہیں کہ:-

ہمارے تُرک احمدی بزرگ مکرم شناسی حسن سی بر صاحب

ترکی میں اس وقت جماعت احمدیہ کے معمر ترین بزرگ کا نام مکرم ومحترم شناسی حسن سی بر صاحب (SINASI HASAN SiBER) ہے آپ قبرصی ترکوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۰ء میں قبرص کے شہر ماغوسہ (FAMAGUSTA) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے پرائمری تعلیم ماغوسہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد آپ تعلیم کی غرض سے استنبول چلے گئے اور قاباطاش (KABATEIS) سیکنڈری سکول سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ یونیورسٹی کی تعلیم آپ

---

[1] الفضل یکم دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۸ (ترجمہ) چوہدری حال مبلغ ہمبرگ (رشین اور پولش اقوام میں تبلیغ کے انچارج)

نے انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ لسانیات والسنہ شرقیہ میں حاصل کی۔ یونیورسٹی میں مسٹر عبد الرب یلغار نامی ایک ہندوستانی آپ کے زبان فارسی کے استاد تھے۔ ۱۹۴۱ء میں یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے وزارتِ خارجہ حکومت ترکی میں ترجمان کے طور پر کام کیا۔ بعد ازاں وزارت تعلیم میں بھی خدمات سرانجام دینے کا موقع میسّر آیا۔ آپ نے کچھ عرصہ ملٹری سکول میں انگلش ٹیچر کے طور پر بھی فرائض سرانجام دیئے۔ اسی طرح بنک آف انوسٹمنٹس (BANK OF INVESTMENT) میں بھی مصروفِ کار رہے۔ ۱۹۴۵ء میں آپ ایک اعلیٰ سطحی سرکاری وفد کے ساتھ بطور ترجمان امریکہ گئے اور سان فرانسسکو میں قیام فرمایا۔ علاوہ ازیں آپ کو مختلف فرائض کی انجام دہی کی خاطر دو مرتبہ انگلستان جانے اور لمبا عرصہ وہاں قیام کرنے کا موقع بھی ملا۔ اسی طرح آپ سوئٹزرلینڈ بھی تشریف لے گئے اور کافی عرصہ تک وہاں مقیم رہے۔ آپ کی عمر کا زیادہ حصّہ وزارتِ خارجہ کے شعبۂ مطبوعات و ترجمہ میں بسر ہوا۔ چنانچہ آپ ۱۹۳۳ء سے لے کر ۱۹۵۶ء تک مسلسل وزارتِ خارجہ میں سرکاری ترجمان کے طور پر فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ایک موقع پر آپ نے ڈاکٹر ذکی ولیدی طوگان (DR ZEKİ VELİDİ TOGAN) کی ایک کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ صاحب استنبول یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ میں پروفیسر تھے۔ انہوں نے آپ کو یونیورسٹی میں لیکچر شپ کی پیشکش کی لیکن آپ نے خرابیٔ صحت نیز بعض اور وجوہات کی بناء پر معذرت کردی۔

مکرم شناسی صاحب کے چار بہن بھائیوں میں سے ایک بھائی مکرم حمدی صاحب وفات پا چکے ہیں۔ حمدی صاحب ڈاکٹر تھے۔ ۱۹۶۹ء میں ان کی وفات ہوئی۔ دوسرے بھائی مکرم محمود صاحب انقرہ میں مقیم ہیں اور اس وقت دیوان محاسبات (Audit Department) میں فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ تیسرے بھائی مکرم کمال صاحب I.M.F. (انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ) سے ریٹائر ہونے کے بعد اس وقت ورلڈ بنک (World Bank) میں کام کر رہے ہیں اور فلپائن میں مقیم ہیں۔ مکرم شناسی حسن صاحب کی ہمشیرہ محترمہ سویم خانم (SEVIM HANIM) صاحبہ انقرہ میں ہیں۔ مکرم شناسی حسن صاحب کو قبول احمدیت کی توفیق مکرم سیّد برکات احمد صاحب کے ذریعہ نصیب ہوئی۔ جو ۴۹-۱۹۴۸ء میں انقرہ میں ہندوستان کے پریس اتاشی تھے

بعد میں آپ نے سوئٹزرلینڈ، ٹرینیڈاڈ، پورٹ آف سپین اور دیگر کئی ملکوں میں انڈین ہائی کمشنر کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ مکرم شناسی صاحب کو شروع سے مطالعہ اور تحقیق کا شوق تھا۔ اسی غرض سے آپ برٹش قونصل بھی جایا کرتے تھے اور ان کے کتب خانہ سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ عیسائیوں کے ساتھ دینی مسائل پر گفتگو بھی ہوتی رہتی تھی۔

مکرم شناسی صاحب کہتے ہیں کہ ایک طرف تو میں اپنے علماء کی کم علمی اور کھوکھلی باتوں سے نالاں تھا اور دوسری طرف عیسائی اقوام کی حیرت انگیز ترقی اور علمی برتری مجھے اثر انداز کر رہی تھی اور ممکن تھا کہ میں عیسائیت کو قبول کر کے پروتستان (PROTESTENT) ہو جاتا۔ عیسائی اسلام پر سخت حملے کر رہے تھے۔ وہ مجھے کہتے کہ نعوذ باللہ تمہارا دین حقیقت سے خالی ہے۔ وہ ہمارے مقدس دین پر ایسے اعتراضات کرتے تھے کہ جن کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ ہمارے علماءِ دین - - - - - - - - -

اپنے سطحی علم کی بناء پر عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب دینے سے عاری تھے۔ اس پریشانی کی حالت میں میری ملاقات مکرم برکات احمد صاحب کے ساتھ ہوئی۔ آپ انگریزی کے علاوہ عربی اور فارسی کے بھی ماہر تھے۔ آپ نے بالکل نئے انداز میں عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات مجھے سمجھائے۔ آپ روائتی طور پر کسی دینی مدرسہ کے فارغ التحصیل تو نہ تھے پھر بھی آپ کا دینی علم اتنا وسیع تھا کہ آپ عام ملّاؤں کو سبق پڑھا سکتے تھے۔ میرے نزدیک مکرم برکات احمد صاحب کا علم سُنّی علماء سے زیادہ تھا۔ آپ نے حضرت سیدنا مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی تفسیر کے انگریزی ترجمہ کا ایک نسخہ مجھے دیا۔ یہ کتاب پڑھ کر میری عقل دنگ رہ گئی۔ میں حیران تھا کہ کیا یہ تفسیر کسی ایک ہی شخص کی لکھی ہوئی ہے۔ مجھے یوں لگتا تھا کہ تمام علوم کے چوٹی کے ماہرین کے ایک بورڈ نے علماء دین کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر یہ تفسیر لکھی ہے۔ اس تفسیر میں اسلام پر ہونے والے اعتراضات کا مدلل جواب دیا گیا ہے اور دنیا کے چوٹی کے سائنس دانوں اور فلسفیوں کے نظریات پر بحث کر کے ان کی غلطیوں کی نشاندھی کی گئی ہے اور تاریخ، جغرافیہ، منطق، فلسفہ، سائنس غرضیکہ ہر نکتۂ نظر سے قرآن کریم کی

ایسی تفسیر بیان کی گئی ہے جو کہ ہر اہلِ علم کے دل و دماغ کو متأثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔

اس تفسیر کو پڑھنے سے میرے وہ شکوک زائل ہو گئے جو کہ عیسائی محققین کی گفتگو سے میرے ذہن میں پیدا ہو گئے تھے۔ مَیں نے تحقیق اور مطالعہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ جماعت احمدیہ فی الواقع الٰہی جماعت ہے۔ اس جماعت میں صحابہ کرام کا سا رنگ ہے اور یہ جماعت حقیقی معنوں میں تقویٰ شعار جماعت ہے اس جماعت کے افراد بلند ہمت اور اولوالعزم ہیں۔ اور موجودہ زمانہ میں اسلام کی خاطر طرح طرح کی تکالیف برداشت کرتے ہیں لیکن پھر بھی صبر و رضا اور توکل علی اللہ سے کام لیتے ہیں۔ یہ جماعت بظاہر چھوٹی سی ہے لیکن فولاد کی طرح مضبوط ہے۔ اسلام کی راہ میں مال جان عزت وقت ہر چیز قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ اس جماعت نے اشاعتِ اسلام کی خاطر دنیا کے بیشتر ملکوں میں مراکز قائم کر رکھے ہیں۔ اور یہ جماعت مبلغین بھیج کر دنیا میں اسلام کو سربلند کرنے میں مصروف ہے۔ تکلیف اور اذیت کے مقابلہ میں صبر سے کام لینا اس جماعت کی خصوصیت ہے۔ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود اور امام مہدی علیہ السلام نے فی الواقع ایک جدید علم کلام کی بنیاد ڈالی ہے۔ آپ نے اسلام کی جو تصویر پیش کی ہے اور روح، جنت، جہنم، ملائکہ، حیات بعد الموت وغیرہ کی جو حکمت بیان فرمائی ہے وہ موجودہ زمانہ کے حالات کے عین مطابق ہے اور ہر ماڈرن اہلِ علم کو اپیل کرتی ہے۔ آپ اتنے غیر معمولی علم کے مالک ہیں کہ ایک عام آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ان باتوں کو دیکھ کر مَیں متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ بالخصوص مسلمان فرقہ احمدیہ کے تقویٰ اور صحابہ کرام جیسے عزم صمیم نے مجھے سب سے زیادہ متأثر کیا۔ ۶۰-۱۹۵۹ء میں مجھے فری میسن ہونے کی پیشکش کی گئی جو کہ عام طور پر بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا ہے۔ لیکن مَیں نے انکار کر دیا اور مسلمان فرقہ احمدیہ میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ ۱۹۶۰ء کے لگ بھگ مَیں نے بیعت کر لی۔

مَیں نے مختلف انگریزی تراجم قرآن کا مطالعہ کیا ہے۔ میرے نزدیک محمد مارماڈیوک پکٹ ھال (Mohammad Marmaduke Pickthall) کا انگریزی ترجمہ قرآن بھی اچھا ہے۔ لیکن حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ کا ترجمہ اس سے بہتر ہے اور بہت عمدہ ہے۔ لیکن حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تفسیر پر مشتمل ترجمہ قرآن سب سے نرالا ہے۔ میرے نزدیک حضرت خلیفہ ثانیؓ بغیر

کی طرح انسان ہیں"۔ آپ صرف علوم دینیہ میں ہی نہیں دنیوی علوم میں بھی ماہر ہیں ۔آپ کی تفسیر پڑھکر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ آپ نے بڑے بڑے مغربی مفکرین کے نظریات پر بحث کی ہے ۔اور فرائڈ جیسے مشہور مفکر کے نظریہ کو علمی طریق سے غلط ثابت کیا ہے ۔ میں ان کی تفسیر پڑھ کر اور عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات کا مطالعہ کر کے حیران ہوں کہ اتنا علم ایک شخص کے ذہن میں سما کیسے گیا؟

میں نے قبولِ احمدیت سے قبل ہی سیدنا حضرت مصلح موعود .... کی بعض کتابوں کا انگریزی سے ترکی میں ترجمہ کیا تھا ۔سب سے پہلی کتاب جس کا میں نے ترجمہ کیا وہ" انٹروڈکشن ٹو دی سٹڈی آف دی ہولی قرآن (Introduction to the Study of The Holy Quran) ہے
مسٹر توفیق ارسن (MR. TEVFIK ERSEN) ڈائرکٹر پبلیکیشنز محکمہ اوقاف اور امور دینیہ حکومتِ ترکی نے مجھ سے اس کتاب کا ترجمہ کرنے کو کہا تھا ۔میں نے اٹھارہ دن ترجمہ کا کام مکمل کر لیا تھا یہ ترجمہ وزارت اوقاف اور امور دینیہ حکومت ترکی کی طرف سے دس ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا تھا لیکن جلد ہی نایاب ہوگیا۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو چوٹی کے علماء نے ایک میٹنگ کی اور مجھے بھی میٹنگ میں شمولیت کی دعوت دی ۔ اور مجھ سے سوال کیا کہ یہ کتاب کس کی ہے ؟ میں نے کہا کہ یہ کتاب ایک ہندوستانی مسلمان کی لکھی ہوئی ہے ۔ اس پر سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ شخص بہت بڑا عالم دین معلوم ہوتا ہے ۔ایسی علمی اور مدلل کتاب ہم نے آج تک کہیں اور نہیں دیکھی ۔ اس کتاب کے ذریعہ اس شخص نے دینِ اسلام کی بڑی خدمت کی ہے ۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد میں نے "نظام نو" کا بھی انگریزی سے ترکی میں ترجمہ کیا ۔ یہ ترجمہ بھی محکمہ امور دینیہ حکومت ترکی کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔ اب یہ بھی نایاب ہے ۔ ۱۹۵۷ء میں مسجد محمود سوئٹزرلینڈ کے امام صاحب کا مجھے خط آیا تھا کہ اس کتاب کے کچھ نسخے بھجوائے جائیں ۔ چنانچہ میں نے ان کو تیس کتب ارسال کی تھیں ۔

خاکسار راقم عرض کرتا ہے کہ مکرم شناسی حسن صاحب کے ساتھ متعدد مرتبہ ازمیر میں ان کے مکان پر ان سے میری ملاقات ہوئی ۔ آپ ریٹائر ہونے کے بعد ازمیر میں آباد ہو گئے تھے ۔ آپ کا اپنا ذاتی مکان نہیں اس لیے کرایہ کے مکان میں رہائش پذیر ہیں ۔آپ کی اولاد بھی کوئی نہیں ۔آپ کی اہلیہ محترمہ صبیحہ خانم (SABIHA KHANIM) کی وفات ۱۹۸۴ء میں ہوئی ۔ آپ نہایت ہی نیک دل اور مہمان نواز خاتون

تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں پہلی دفعہ مکرم شناسی حسن صاحب کے ہاں حاضر ہوا تو ان کی اہلیہ صاحبہ نے ایک ماں کی طرح عاجز کے ساتھ شفقت اور محبت کا سلوک فرمایا۔ آخری عمر میں علالت طبع کے باعث چل پھر نہ سکتی تھیں۔ تاہم مجھے یاد ہے کہ ایک بار جب میں ان کے ہاں حاضر ہوا تو مکرم شناسی صاحب کو آواز دے کر کہنے لگیں کہ شمس کو دودھ والا قہوہ تیار کر کے دیں۔ ان کی اس مہمان نوازی کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ علالت طبع کے باعث مہمان کا اس قدر خیال رکھنا یہ بتاتا ہے کہ مرحومہ کن اوصافِ حمیدہ کی مالک تھیں۔ آپ نے بھی بیعت کی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے آمین۔

خاکسار جب بھی از میر مکرم شناسی حسن کے مکان پر حاضر ہوا ان کو قرآن مجید کے مطالعہ میں مصروف پایا۔ ایک بڑے میز پر چھ سات تراجم رکھے ہوتے ہیں اور درمیان میں حضرت مصلح موعود ...... کی تفسیر کے انگریزی ترجمہ پر مشتمل ترجمہ قرآن رکھا ہوا ہوتا ہے اور ہر وقت تقابلی مطالعہ میں مصروف رہتے ہیں۔ بہت اعلیٰ درجہ کی انگریزی جانتے ہیں۔ اور مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان مرحومؓ کی انگریزی میں مہارت کے معترف ہیں۔ آپ نے ایک موقع پر فرمایا کہ مکرم چوہدری صاحب کی انگریزی اتنی اعلیٰ ہے کہ انگریزوں کو سبق دے سکیں۔ مکرم شناسی صاحب کا علم بہت وسیع ہے۔ تبلیغ کا بے حد شوق ہے۔ ایک بار خاکسار ماریشس کے ایک غیر از جماعت طالب علم کو ساتھ لے کر مکرم شناسی صاحب کے ہاں گیا۔ آپ نے ماریشس کا نام سنتے ہی بتا دیا کہ فلاں جگہ پر ایک خوشنما جزیرہ ہے اور براعظم افریقہ میں شامل ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی تبلیغ شروع کر دی اور بتایا کہ اسلام کی صحیح جوش اور جذبہ کے ساتھ کوئی جماعت خدمت کر رہی ہے تو وہ جماعتِ احمدیہ ہے۔ اس طالب علم دوست نے بعد میں حیرت کے ساتھ مجھے بتایا کہ ماریشس کا اکثر لوگ نام تک نہیں جانتے لیکن مکرم شناسی صاحب کی معلومات اس چھوٹے سے ملک کے بارہ میں بے حد وسیع ہیں۔

مکرم شناسی صاحب انگریزی کے علاوہ فارسی بھی بہت عمدہ جانتے ہیں اور کسی حد تک عربی زبان سے بھی آشنا ہیں۔ آپ کو فارسی اور ترکی (عثمانی) زبان کے سینکڑوں اشعار آج بھی زبانی یاد ہیں۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے تبحّر علمی پر انگشت بدنداں ہیں اور خلافت احمدیہ کے فدائی اور عاشق ہیں۔۔۔۔۔ آپ نے

متعدد بار خیال ظاہر کیا ہے کہ ترک وہ قوم ہے جس نے ماضی میں اسلام کی زبردست خدمات سرانجام دی ہیں اور اس قوم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ترک من حیث القوم دنیا کے اموال سے پیار نہیں کرتے اور بہادر ہیں ۔ اس لیے انشاء اللہ العزیز ترک قوم ایک دن یقیناً حضرت امام مہدی علیہ السلام کو شناخت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو جائے گی ۔ انشاء اللہ العزیز ۔ مکرم شناسی صاحب اب تک سلسلہ کی متعدد کتب کا انگریزی سے ترکی میں ترجمہ کر چکے ہیں اور یہ تراجم جماعت کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں ۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ آپ نے خاکسار کو ایک قرآن مجید دیا تھا کہ اُسے خلافت لائبریری میں رکھوا دوں ۔ یہ قرآن کریم آپ کی والدہ مرحومہ نے اپنی تمام اولاد کو اس وصیت کے ساتھ دیا تھا کہ وہ اس پر عمل کریں ۔

مکرم و محترم مرزا مبارک احمد صاحب نے ایک بار ذکر فرمایا کہ آپ ایک موقع پر ترکی گئے ہوئے تھے ۔ مکرم جنرل اختر حسین ملک صاحب نے آپ کے اعزاز میں دعوت کا اہتمام فرمایا جس میں سول اور فوجی افسروں نے شرکت کی ۔ ایک بہت بڑے افسر نے باتوں باتوں میں مکرم میاں صاحب سے ذکر کیا کہ شناسی حسن صاحب اتنے قابل آدمی ہیں کہ اگر آپ سیاست میں حصّہ لیتے اور کوشش کرتے تو آج جمہوریہ ترکی کے صدر ہوتے ۔ لیکن انہوں نے گوشۂ گمنامی میں رہنا پسند کیا اور خدمتِ دین کو سیاسی اقتدار پر ترجیح دی ۔"

ڈاکٹر محمد جلال شمس ۔ انچارج ٹرکش ڈیسک ۔ ۱۹۸۷/۱/۱۵ بروز بدھ

احمدی نوجوانوں کے لیے اشاعتِ حق کی خصوصی تحریک

۲۲ نومبر ۱۹۵۶ء کو جامعۃ المبشرین ربوہ کے اساتذہ اور طلباء کی طرف سے حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور مولوی عبد القدیر صاحب شاہد مبلغ افریقہ[1] کے اعزاز میں ایک تقریب دریائے چناب کے کنارے منعقد کی گئی۔ حضرت شاہ صاحب دمشق میں اور شاہد صاحب غانا میں اعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ کامیابی سے بجا لانے کے بعد واپس ربوہ تشریف لائے تھے۔ حضرت مصلح موعود نے بھی اس تقریب میں شمولیت فرمائی اور نوجوانانِ احمدیت کو تلقین فرمائی کہ آج دنیا دینِ حق کا پیغام سننے کے لیے بیتاب ہے اُن کا فرض ہے کہ وہ اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوں۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:-

"اس میں شک نہیں مبلغین کا کئی کئی سال تک ممالک غیر میں تبلیغ کا فریضہ ادا کرنے کے بعد واپس آنا بھی ہمارے لیے خوشی کا موجب ہے لیکن ہمارے لیے اور زیادہ خوشی کا موجب یہ امر ہے کہ مبلغ باہر جائیں کیونکہ آج دنیا اسلام کا پیغام سننے کے لیے بے تاب ہے وہ روحانیت کی پیاسی ہے اور اس امر کی محتاج ہے کہ کوئی آئے اور اس کی پیاس بجھائے خود غیر ممالک کے لوگوں کی طرف سے بکثرت خطوط موصول ہو رہے ہیں کہ ہمارے ہاں بھی مبلغ بھیجو تا کہ وہ ہم تک اسلام کا پیغام پہنچائے اور ہم اپنی روحانی تشنگی بجھا سکیں اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے یہ کام ہمارے سپرد کیا ہے اور ہمیں اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ ہم اپنے گھروں سے نکلیں اور دنیا کی اربوں ارب آبادی تک اسلام کا پیغام پہنچائیں اور اسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل کریں۔

خطاب جاری رکھتے ہوئے حضور نے فرمایا یہ عظیم الشان کام اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوم کے سپرد کیا ہے جو تعداد میں بہت تھوڑی ہے وہ دنیا کی ہر جماعت اور ہر قوم کے مقابلہ میں چھوٹی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس چھوٹی سی جماعت سے ہی یہ خدمت لینا چاہتا ہے اور تمام دنیا کے لوگوں کو اس میں داخل کر کے اسے ساری دنیا پر محیط

---

[1] حال کینیڈا

کرنا چاہتا ہے پس ہمیں یہ فکر نہیں کہ دنیا میں اسلام کیسے پھیلے گا اسلام تو جلد یا بدیر بہرحال پھیل کر رہے گا ہمیں فکر ہے تو اس بات کا ہے کہ اسلام کو پھیلانے والے کہاں سے آئیں گے آج دنیا کا اربوں ارب انسان اسلام کا محتاج ہے اور ان کی اس احتیاج کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں منتخب کیا ہے ہم اس فرض سے اسی صورت میں عہدہ برآ ہو سکتے ہیں کہ ہمارے نوجوانوں میں خدمتِ دین اور تبلیغ اسلام کا جوش پیدا ہو وہ صوفیائے کرام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خدمتِ اسلام کے لیے باہر نکلیں اور دور دراز علاقوں میں پھیل جائیں یہاں تک کہ دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہے جہاں اسلام کی تبلیغ نہ ہو رہی ہو اگر یہ جذبہ ہمارے نوجوانوں میں پیدا ہو جائے تو پھر اربوں لوگ احمدیت میں داخل ہوں گے اور دنیا میں اسلام پورے طور پر غالب آجائے گا۔

خطاب جاری رکھتے ہوئے حضور نے فرمایا دنیا کی عزت کوئی عزت نہیں اصلی اور حقیقی عزت دین کی خدمت میں مضمر ہے جو شخص بھی خدمتِ دین کو اپنا مطمعِ نظر بناتے ہوئے دنیا کے دور دراز علاقوں تک اسلام کا پیغام پہنچائے گا اور اپنی زندگی اس فریضے کی ادائیگی کے لیے وقف کیے رکھے گا اس کا نام قیامت تک زندہ رہے گا اس عزت کے آگے دنیوی شہرت یا عزت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

حضور نے مزید فرمایا دین ایک بادشاہت ہے جو زور سے حاصل نہیں کی جا سکتی بلکہ اس کا ملنا اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قبول کیا ہے اسے یہ بادشاہت مل گئی ہے۔"[1]

ایک الہامی دعا پڑھنے کی تحریک

حضرت مصلح موعود کو نومبر ۱۹۵۶ء کے آغاز میں بذریعہ خواب مندرجہ ذیل دو فقرے القاء ہوئے "ہم قدم قدم پر خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اس کی رضا کی جستجو کرتے ہیں"۔ حضور نے ۱۶ رنومبر ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں احباب جماعت کو تحریک فرمائی کہ دوست اپنی دعاؤں میں یہ فقرے کثرت سے پڑھیں اُن کی دعائیں زیادہ قبول ہوں گی۔

چنانچہ فرمایا:-

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵ رنومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۸

"مجھے بتایا گیا ہے کہ اگر یہ فقرے ہماری جماعت کے دوست پڑھیں گے تو اُن کی دعائیں زیادہ قبول ہونگی
میں نے بعد میں ان پر غور کیا اور سمجھ لیا کہ اس میں واقعہ میں دعائیں قبول کرنے کا ایک گُر بتایا گیا ہے۔

"ہم قدم قدم پر خدا تعالےٰ کی طرف توجہ کرتے ہیں"

کے معنے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر فعل کے وقت خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارا یہ فعل مبارک ہو جائے
اب یہ سیدھی بات ہے کہ جو شخص اپنے ہر فعل کے وقت خدا تعالےٰ سے دعائیں کرتا چلا جائے گا لازماً
اس کی دعائیں زیادہ قبول ہوں گی۔ کیونکہ قدم قدم سے مراد چلنا تو نہیں ہو سکتا اس سے یہی مراد ہے کہ ہماری
زندگی میں جو بھی نیا کام آتا ہے اس میں ہم خدا تعالےٰ کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ اے خدا تو ہم پر اپنی رحمت
اور فضل نازل کر اور جو شخص اپنی زندگی کے ہر نئے کام میں خدا تعالیٰ سے دعا کرے گا جیسے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کھانا کھاؤ تو بسم اللہ کہو تو کپڑا پہننے لگو تو بسم اللہ کہو کھانا کھا لو تو الحمد للہ
کہو۔ نیا کپڑا پہن لو تو الحمد للہ کہو کہ خدا تعالےٰ نے یہ کپڑا مجھے پہنایا ہے۔ گویا آپ نے بھی اس طرف توجہ
دلائی ہے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم خدا تعالےٰ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا موجب ہے اور ہر نئی نعمت
کے ملنے پر الحمد للہ کہنا بھی خدا تعالیٰ کو متوجہ کرنے کے مترادف ہے گویا ہم قدم قدم پر خدا تعالیٰ کی طرف
توجہ کرتے ہیں اور جب ہم اپنے ہر کام میں خدا تعالےٰ کی طرف توجہ کریں گے تو لازمی بات ہے کہ خدا تعالیٰ
کہے گا کہ میرا یہ بندہ تو کوئی کام میری مدد کے بغیر نہیں کرنا چاہتا اور وہ لازماً اس کی مدد کرے گا پھر
دوسرا فقرہ ہے " اور اس کی رضا کی جستجو کرتے ہیں اس کو پہلے فقرے کے ساتھ ملائیں تو اس کے
یہ معنے ہوں گے کہ ہم ہر کام میں دیکھ لیتے ہیں کہ اس میں خدا تعالیٰ کی رضا ہے یا نہیں اور اگر ہر کام
کے کرتے وقت انسان خدا تعالیٰ سے دعا کرے اور ہر کام کے متعلق سوچے کہ اس میں خدا تعالےٰ
ہے یا نہیں تو سیدھی بات ہے کہ اس کی کامیابی اور اس کی دعاؤں کی قبولیت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ
جو شخص خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی کام کرے گا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کی مدد نہ کرے
وہ تو خدا تعالےٰ کا کام ہو گیا بندے کا کام ہو تو خدا تعالیٰ کہہ بھی سکتا ہے کہ یہ تیرا کام ہے۔ تُو آپ
کر۔ مگر جب وہ کام خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کرنا چاہتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ یہ نہیں کہے گا
کہ یہ تیرا کام ہے تُو آپ کر بلکہ وہ کہے گا کہ یہ تو میرا کام ہے اسے میں ہی کروں گا۔

باقی رہا یہ کہ یہ تو دو فقرے ہیں ان کا دعاؤں کی قبولیت کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اس کا

جواب یہ ہے کہ اِن فقروں سے پہلے دعا کے بعد "کیونکہ" کا لفظ محذوف سمجھا جائے گا اور مطلب یہ ہوگا کہ اے خدا فلاں کام کردے۔ کیونکہ میں تو ہر کام تیری مدد مانگ کر کیا کرتا ہوں اور ہر کام میں تیری رضا کو مدِنظر رکھتا ہوں اور پھر جو شخص دعا کے وقت کہے گا کہ "ہم قدم قدم پر خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرتے ہیں" وہ عملاً بھی یہی کوشش کرے گا کہ اپنے ہر کام میں خدا تعالیٰ سے دعا کرے اور جو شخص دعا کے وقت یہ کہے گا "اور ہم اس کی رضا کی جستجو کرتے ہیں" اور عملاً بھی جب کوئی کام کرے گا تو دیکھے گا کہ اس میں خدا تعالیٰ کی رضا ہے یا نہیں اور جب یہ دو باتیں کوئی انسان کرے گا تو یقینی بات ہے کہ اس کی دعائیں زیادہ قبول ہوں گی۔ پس یہ صرف دعا نہیں ہے بلکہ اس میں انسان کو ایک راستہ بھی بتایا گیا ہے کہ تم اپنے چال چلن کو اس رنگ میں ڈھالو کہ ایک تو اپنے ہر کام میں خدا تعالیٰ سے دعا کیا کرو۔ دوسرے ہر کام کے کرنے سے پہلے سوچا کرو کہ خدا تعالیٰ اس سے راضی ہوگا یا نہیں۔ اگر تم ہر کام میں خدا تعالیٰ سے دعا کروگے اور اگر تم ہر کام کے وقت یہ سوچو گے کہ اس میں خدا تعالیٰ کی رضا ہے یا نہیں تو لازماً جو کچھ خدا تعالیٰ سے مانگو گے وہ تم کو مل جائے گا پس یہ صرف دعا ہی نہیں بلکہ اس میں دعا کی قبولیت کا گُر بھی بتایا گیا ہے اور مجھے خدا تعالیٰ نے یہ فقرے اس لیے بتائے ہیں کہ ہماری جماعت کے لوگ اگر اپنی دعاؤں میں یہ فقرے کہیں گے تو ان کی دعائیں زیادہ قبول ہوا کریں گی۔ گویا یہ دعا کی قبولیت کا ایک الہامی نسخہ ہے۔ یعنی ایسا نسخہ جو بندہ نے ایجاد نہیں کیا بلکہ خدا تعالیٰ نے اسے ظاہر کیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ جو نسخہ خدا تعالیٰ خود بتائے وہ بندہ کے ایجاد کردہ نسخہ سے بہت زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔[1]

حضرت مصلح موعودؓ کا رقم فرمودہ پیش لفظ

۱۹۵۶ء میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشرؔ (امیر و زعیم اعلیٰ جماعت ہائے احمدیہ ڈیرہ غازی خاں) نے اپنی کتاب "بشارتِ رحمانیہ" کی دوسری جلد شائع کی جس پر سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے قلم مبارک سے مندرجہ ذیل پیش لفظ تحریر فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جو لوگ اس کی خاص خدمت کے لیے مامور ہوتے ہیں

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۳؍ نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳-۴

اُن کے لئے پہلے بزرگوں سے بشارات دلواتا ہے ۔ چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء نے ان کے متعلق بشارات دیں جن کا ذکر متعدد جگہ قرآن کریم میں آتا ہے ۔ پھر آپ نے اپنے بعد آنے والے مہدی اور مسیح کی بشارت دی جس طرح مسیح ناصری نے دی اور صالحین مجددین سابق نے آنے والے مہدی کی علامات بتائیں اور اس کے زمانہ میں ظاہر ہونے والے نشانات کا ذکر کیا پس ایسی بشارات کو یاد کرنا ایمان کو تازہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرت پر یقین بڑھاتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ وہ عالم الغیب ہے اور وقت کا مامور سچا ہے اور اس کے مخالف محض معاند ہیں ۔

والسلام خاکسار مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح ۔ ۱۰/۵/۲۸ [1]

جلسہ سالانہ ربوہ اور حضرت مصلح موعود کے روح پرور خطابات

سیدنا حضرت مصلح موعود کے عہدِ مبارک کا یہ جلسہ اس اعتبار سے ایک خاص یادگار شان کا حامل تھا کیونکہ یہ جلسہ ایسے حالات میں ہوا کہ دشمنانِ احمدیت نے خوب خوشیاں منائیں اور بغلیں بجائیں کہ اب احمدیت کا خاتمہ ہو جائے گا ۔ اور پریس نے منظم پراپیگنڈا کیا کہ جماعت نے اپنے خلیفہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا ہے ۔ مگر عملاً یہ ہوا کہ جماعت احمدیہ کے ہر طبقہ میں پہلے سے بڑھ کر اخلاص اور قربانی کی روح پیدا ہو گئی اور اس جلسہ سالانہ پر احمدی عورتوں بچوں اور احمدی مردوں نے نہایت جوش اور ولولہ کے ساتھ اس بات کا عملی مظاہرہ کیا کہ خلافت زندہ ہے اور زندہ رہے گی ۔ اور وہ ہمیشہ ہی اس کی خاطر پروانوں کی طرح قربانیاں پیش کرتے رہیں گے ۔ اور مخالفت کی آندھیوں میں بھی احمدیت اور اسلام کا جھنڈا اونچا رکھیں گے ۔

یہ جلسہ حضرت مصلح موعود کی ایک بے مثال جلالی شان کا بھی مظہر تھا جس میں حضور نے متعدد بصیرت افروز اور علمی تقاریر فرمائیں ۔

(۱) افتتاحی تقریر بہت پُر جوش تھی ۔ حضور نے اس تقریر میں پیشگوئی فرمائی ۔ "تم خدا کا لگایا ہوا

---

[1] بشارات جلد دوم صد۳ مؤلفہ مولوی عبد الرحمٰن صاحب مبشر لاہور آرٹ پریس انار کلی لاہور

پودا ہو تم بڑھتے چلے جاؤ گے اور پھیلتے چلے جاؤ گے اور جیسا کہ وہ قرآن کریم میں فرماتا ہے تمہاری جڑیں زمین میں مضبوط ہوتی جائیں گی اور تمہاری شاخیں آسمان پر پھیلتی چلی جائیں گی۔ یہاں تک کہ تم ان میں لگنے والوں پھلوں کو جبرئیل آسمان پر بیٹھا ہوا کھائے گا۔ اور اس کے ماتحت فرشتے بھی آسمان پر سے کھائیں گے اور خدا تعالیٰ عرش پر تعریف کرے گا۔ کہ میرا لگایا ہوا پودا کتنا شاندار نکلا ہے ادھر زمین میں اس کی جڑیں پھیل گئی ہیں اور اُدھر آسمان میں میرے عرش کے پاس اس کی شاخیں ہل رہی ہیں۔ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ[1] اس کی جڑیں زمین میں پھیلی ہوئی ہوں گی۔ اور اس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہوں گی۔ تو ادھر تو تم خدا تعالیٰ کے فضل سے زمین میں اس طرح پھیلو گے کہ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے ایک دن وہ آئے گا کہ دنیا میں میرے ماننے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے گی اور دوسرے لوگ جس طرح چھوٹی قومیں تھوڑی تھوڑی ہوتی ہیں اسی طرح وہ بھی چھوٹی قومیں بن کر رہ جائیں گی۔ اور فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ کے معنے یہ ہیں کہ تم صرف زمین میں پھیلو گے ہی نہیں بلکہ ذکر الٰہی اتنا بلند کرو گے کہ آسمان کے فرشتے اس کو سن کر ناچنے لگ جائیں گے اور خوش ہوں گے کہ ہمارے خدا کا ذکر زمین پر اس طرح ہونے لگ گیا ہے جس طرح کہ ہم آسمان پر کرتے ہیں۔ تب آسمان پر بھی فرشتے ہوں گے آسمان کے فرشتوں کا نام جبرئیل اور اسرافیل وغیرہ ہو گا اور زمین کے فرشتوں کا نام احمدی ہو گا کیونکہ وہ زمین کو بھی خدا کے ذکر سے بھر دیں گے اور جس طرح آسمان کو فرشتوں نے خدا کے ذکر سے بھرا ہوا ہے پس یہ تو ہونے والا ہے اور ہو کر رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے ایمانوں کو سلامت رکھیں اور اپنی اولادوں کے دلوں میں ایمان پختہ کرتے چلے جائیں اگر اس تربیت کے کام کو ہم جاری رکھیں تو یقیناً دنیا میں اسلام اور احمدیت کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ یہ عیسائی حکومتیں جو آج ناز اور نخرے کیساتھ اپنے سر اٹھا اٹھا کر چل رہی ہیں اور چھاتیاں نکال نکال کر چل رہی ہیں۔ یہ اسلام کے آگے سر جھکائیں گی۔ یہی لنگوٹی پوش احمدی اور دھوتی پوش احمدی جو یہاں بیٹھے ہیں ان کے آگے امریکہ کے کروڑ پتی آ کر سر جھکائیں گے اور کہیں گے کہ ہم ادب سے

---

[1] سورۃ ابراہیم : ۲۵

تم کو سلام کرتے ہیں کہ تم ہمارے روحانی باپ ہو (نعرۂ تکبیر) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نہ صرف ہمارا باپ تھا بلکہ ہمارے خدا کے بیٹے مسیحؑ کا بھی باپ تھا تم اس کے فرزند ہو۔ اور ہم تمہارے بیٹے ہیں۔ پس تم نے ہمیں اپنے باپ سے روشناس کرایا ہے۔ اس لیے تم ہم کو خاندان الوہیت میں واپس لانے والے ہو۔ تم ہم آوارہ گردوں کو پھر گھر پہنچانے والے ہو اس لیے ہم تمہارے آگے سر جھکاتے ہیں۔ کیونکہ تمہارے ذریعے سے اسلام ہم تک پہنچا ہے۔ سو یہ دن آنے والے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ

۲۔ تقریر زیر عنوان نظام آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر (اس کا ذکر پچھلے باب میں گزر چکا ہے)۔

۳۔ مندرجہ بالا عنوان پر تقریر کرنے کے علاوہ حضور نے بعض متفرق مگر اہم جماعتی امور پر روشنی ڈالی بیرونی ممالک کے احمدی مبلغین اور ان کی شاندار روز مساعی کے شاندار ثمرات بیان فرمائے اور جماعت کو ایسی ایسی خوشخبریاں سنائیں کہ حاضرین کے دل خوشی سے بھر گئے اور زبانیں حمد و تشکر کے جذبات سے لبریز ہو گئیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

"اس سال سلسلہ نے مگبورکا میں جو سیرالیون میں ایک جگہ ہے ایک شاندار بیت تعمیر کی ہے جس پر پانچ سو پونڈ خرچ ہو چکا ہے یعنی سات ہزار روپیہ اور ابھی تین سو پونڈ اور خرچ ہوگا۔ اور اس طرح دس ہزار روپیہ خرچ ہو جائے گا۔ مشرقی افریقہ میں دارالسلام میں ایک عالی شان بیت تعمیر ہو رہی ہے اور دارالتبلیغ تعمیر ہو رہا ہے۔ انڈونیشیا میں۔ پاڈانگ میں ایک بیت تیار ہو رہی ہے۔ جس میں ڈھائی تین لاکھ روپیہ خرچ کا اندازہ ہے۔ اسی طرح جاوا۔ سماٹرا۔ سولاویسی (سیلیبس) میں چار نئی بیوت قائم کی گئی ہیں۔ جرمنی میں ہمبرگ کے مقام میں بیت کے لیے زمین خریدی جا چکی ہے۔ پلان کی منظوری آ جائے۔ تو کام شروع ہو جائے گا۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی گورنمنٹ ہم کو ایکسچینج دے۔ ابھی تک انہوں نے منظور نہیں کیا جب وہ منظور ہو جائے گا۔ تو وہ کام بھی شروع ہو جائے گا اس مسجد پر ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے قریب خرچ ہوگا۔ جس میں ۲۴ ہزار

۱؎ روزنامہ الفضل ربوہ ۱۷ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۳

جمع ہو چکا ہے) سوا لاکھ کے قریب ابھی اور روپیہ چاہیئے عورتوں نے ہالینڈ کی بیت کا چندہ اپنے ذمہ لیا تھا - مگر اس پر بجائے ایک لاکھ کے جو میرا اندازہ تھا ایک لاکھ چوہتر ہزار روپیہ خرچ ہوا - ۷۸ ہزار ان کی طرف سے چندہ آیا تھا - گویا ابھی ۹۶ ہزار باقی ہے - پس عورتوں کو بھی میں کہتا ہوں کہ وہ ۹۶ ہزار روپیہ جلد جمع کریں - تاکہ بیت ہالینڈ ان کی ہو جائے -

بیت ہالینڈ کا نقشہ بن کر آ گیا ہے جس میں بجلی بھی لگی ہوئی ہے اور بیت خوب نظر آ جاتی ہے - لجنہ اماء اللہ نے اس کا بھی چندہ رکھا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ دو آنے کا ٹکٹ ضرور لیں - زیادہ کی توفیق ہو تو زیادہ کا ٹکٹ لے کر بیت دیکھ لیں - جس کا نقشہ بن کر آیا ہے - اور انہوں نے اس کے اندر بجلی کا بھی انتظام کیا ہوا ہے بجلی سے اندر روشنی ہو جاتی ہے اور پتہ لگ جاتا ہے کہ وہ کیسی شاندار بیت ہے - مگر ہمارے پروفیسر ٹلٹاک جو جرمنی کے ایک پروفیسر ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمبرگ کی بیت کا جو ہمارے ذہن میں نقشہ ہے وہ ہالینڈ کی بیت سے زیادہ شاندار ہوگا -

نئے مشن بھی ہم خدا کے فضل سے کھول رہے ہیں اور ان کے ساتھ مبلغ بھی بڑھیں گے مثلاً مشرقی افریقہ سے اطلاعات موصول ہوئی ہیں کہ جنوبی روڈیشیا ریہ افریقہ کے ساحل پر بہت بڑا علاقہ ہے) اور نیاسالینڈ اور بلجین کانگو میں ہمارے سواحیلی اخبار اور سواحیلی ترجمہ قرآن مجید بھجوائے گئے تھے وہاں لوگ بکثرت احمدیت کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور بلجین کانگو کے متعلق یہ اطلاع ملی ہے کہ وہاں سینکڑوں احمدی ہو چکے ہیں - اور ان ملکوں کے لوگوں نے مبلغین کا مطالبہ کیا ہے - فلپائن جو امریکہ کے ماتحت ایک علاقہ ہے اور نہایت اہم ہے پہلے یہاں مسلمان آبادی تھی سارا علاقہ مسلمان تھا - اور ترکوں اور عربوں کے ماتحت تھا راب آزاد ہو چکا ہے) سپین نے اس کو فتح کیا اور جس طرح سپین نے اپنے ملک سے مسلمانوں کو نکال دیا تھا - اسی طرح فلپائن پر حملہ کر کے اس نے اسکو فتح کیا اور تلوار کے نیچے گردنیں رکھ کر سب سے اقرار کروایا کہ ہم مسلمان نہیں عیسائی ہیں تمہاری غیرت کا تقاضا تھا کہ تم وہاں جاؤ سپین کے متعلق بھی تمہاری غیرت کا تقاضا تھا ہم نے وہاں مبلغ بھجوایا لیکن پاکستانی گورنمنٹ زور دے رہی ہے کہ اس مبلغ کو واپس بلا لو - کیونکہ سپینش (SPANISH) گورنمنٹ کہتی ہے کہ ہم یہاں تبلیغ کی اجازت نہیں دے سکتے - حالانکہ ان کو چاہیئے تھا کہ وہ سپین گورنمنٹ کو کہتے کہ تم کو یہ کوئی حق نہیں کہ تم ہمارے مبلغ کو نکالو ہمارے ملک میں بیسیوں عیسائی مبلغ ہیں اگر تم اسے نکالو گے تو ہم بھی تمہارے مبلغ کو

نکال دیں گے لیکن بجائے اس کے انہوں نے مغربی پاکستان کی گورنمنٹ کو لکھا اور مغربی پاکستان کی گورنمنٹ نے مجھے لکھا۔ کہ اس مبلغ کو واپس بلالو۔ سپینش (SPANISH) گورنمنٹ پسند نہیں کرتی۔ ادھر فلپائن کے جو لوگ ہیں وہ بھی چونکہ نئے عیسائی ہیں۔ پہلے مسلمان تھے ان میں بھی تعصب زیادہ ہے۔ ان کے ہاں بڑی کوشش کی گئی کہ کسی طرح وہاں مبلغ جائے لیکن وہاں سے اجازت نہیں مل سکی۔ جب کبھی ویزا کے لیے کوشش کی جاتی ہے وہ انکار کر دیتے ہیں۔ مگر ہمارا خدا حکومتوں سے بڑا خدا ہے۔ فلپائن گورنمنٹ یا امریکن گورنمنٹ اگر وہاں جانے سے روکے گی۔ تو بنتا کیا ہے۔ اللہ نے ایسا سامان کر دیا کہ پچھلے سال جاپان میں ایک مذہبی انجمن بنی۔ اس نے مجھے چٹھی لکھی کہ اپنا کوئی مبلغ بھجوائیں میں نے خلیل ناصر صاحب جو واشنگٹن کے مبلغ ہیں ان کو وہاں بھجوایا وہ وہاں گئے تو وہاں سے ان کو موقع لگا کہ واپسی میں کچھ دیر فلپائن ٹھہر جائیں۔ جب وہ فلپائن ٹھہرے تو فلپائن کے کئی لوگ اُن سے آکر ملے۔ اور انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں بھی بعض جگہوں پہ اسلام کا نام باقی ہے اور مسلمان جنگلوں میں رہتے ہیں۔ آپ ہمارے ہاں مبلغ بھیجیں تو ہم آپ کی مدد کریں گے۔ اور اسلام پھیلائیں گے۔ انہوں نے مجھے لکھا ہم نے کوشش شروع کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا گورنمنٹ ویزا دینے سے انکار کرتی رہی مگر اللہ تعالیٰ نے سامان کیا وہ لوگ جو خلیل ناصر صاحب سے ملے تھے۔ ان میں سے ایک پُر اثر بہت زیادہ ہو گیا تھا اس نے خط لکھا کہ میں زندگی وقف کر کے اسلام پھیلانا چاہتا ہوں۔ اور ربوہ آنا چاہتا ہوں۔ ہم نے اسے فوراً لکھدیا کہ بڑی خوشی سے آؤ یہ تو ہماری دلی خواہش ہے چنانچہ جس ملک میں سے تلوار کے زور سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کو نکالا گیا تھا۔ ہم اس ملک کو دلائل کے ذریعہ سے پھر محمد رسول اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی گود میں لاکر دم لیں گے۔ (نعرۂ ہائے تکبیر) وہ جس نے ہمیں لکھا تھا اس کو کوئی مشکل پیش آئی اس لیے وہ تو نہ آسکا مگر اس کے ذریعے ایک اور احمدی ہوا وہ احمدی کسی فرم میں ملازم تھا۔ وہ وہاں سے بورنیو آگیا وہاں ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحب جو خانصاحب فرزند علی صاحب کے بیٹے ہیں اور مفت تبلیغ کر رہے ہیں۔ ڈاکٹری بھی کرتے ہیں اور تبلیغ بھی کرتے ہیں ان سے ملا اور وہاں اس نے اسلام سیکھنا شروع کیا۔ اب اس کا خط آیا کہ میں بڑی کوشش کر رہا ہوں کہ فرم مجھے چھوڑ دے تو میں آ جاؤں پھر اس کے کہنے پہ کچھ اور لٹریچر فلپائن بھیجا گیا پہلے وہاں سے سولہ بیعتیں آئی تھیں۔ اس ضمن میں ایک کالج کا ایک اسٹوڈنٹ نے وہاں کے مسلمانوں کی جو انجمن تھی اسے تبلیغ شروع کر دی۔ ان میں

سے کسی کو لٹریچر پسند آ گیا۔ اور اس نے آگے تبلیغ شروع کر دی۔ پہلے سولہ۱۶ بیعتوں کی اطلاع آئی تھی اس کے بعد ستائیس۲۷ بیعتیں آئیں گویا ۴۳ ہو گئیں۔ اس کے بعد پھر اٹھارہ۱۸ بیعتیں آئیں۔ یہ سارے مل کر ۶۱ ہو گئے۔ اور اب اطلاع آئی ہے کہ اور لوگ بھی تیار ہیں۔ بلکہ انہوں نے لکھا ہے کہ جتنے کالج کے لڑکے ہیں یہ سارے مسلمان ہو جائیں گے اور احمدی بن جائیں گے۔ تو فلپائن گورنمنٹ نے ہمارا رستہ روکا تھا۔ لیکن خدا نے کھول دیا ہے اور جہاں ایک مسلمان کو بھی جانے کی اجازت نہیں تھی۔ وہاں ۶۱ آدمی بیعت کر چکا ہے اور کالج کے باقی سٹوڈنٹ کہتے ہیں کہ ہمیں جلدی بیعت فارم بھیجو۔ ابھی انہوں نے نئو۹۰ بیعت فارم کے متعلق لکھا ہے۔ کہ جلدی بھیجو سب لڑکے تیار ہو چکے ہیں اب جس ملک کے کالج کے لڑکے مسلمان ہو جائیں گے سیدھی بات ہے کہ وہ بڑے بڑے عہدوں پر مقرر ہوں گے۔ اور جہاں جائیں گے اسلام کی تبلیغ کریں گے کیونکہ اسلام چیز ہی ایسی ہے کہ جو ایک دفعہ کلمہ پڑھ لیتا ہے پھر وہ چپ نہیں رہ سکتا میرے دوست پروفیسر ٹلٹاک اس وقت یہاں بیٹھے ہیں جب میں بیماری میں علاج کرانے گیا تھا۔ تو ہمبرگ بھی گیا۔ مولوی عبداللطیف صاحب جو ہمارے مبلغ ہیں وہ ان کو لائے اور کہنے لگے یہ پروفیسر ٹلٹاک ہیں ان کو اسلام کا بڑا شغف ہے یہ کیل میں یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ آپ کا ذکر سنکر کیل سے آئے ہیں۔ مگر کہتے ہیں میں نے الگ بات کرنی ہے میں نے کہا بڑی خوشی سے بلالو اور لوگ چلے جائیں۔ چنانچہ وہ آ گئے انہوں نے تھوڑی دیر بات کی اور پھر کہنے لگے میں نے بیعت کرنی ہے میں نے کہا بہت اچھا کر لیجئے۔ میں نے پوچھا اسلام سمجھ لیا ہے کہنے لگے ہاں میں نے سمجھ لیا ہے۔ مگر کسی کو پتہ نہ لگے میں بڑا مشہور آدمی ہوں میں نے کہا بہت اچھی بات ہے ہمیں آپ کو مشہور کرنے کا کیا شوق ہے۔ آپ کی خدا سے صلح ہو گئی۔ کافی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد پاس کے کمرہ میں کچھ جرمن دوست نماز پڑھنے کے لیے آئے تھے۔ میں نماز پڑھانے کے لیے اس کمرہ میں گیا جب نماز پڑھ کے میں نے سلام پھیرا۔ تو دیکھا۔ کہ صف کے آخر میں وہ پروفیسر ٹلٹاک بیٹھے ہیں جنہوں نے کہا تھا کہ میرا کسی کو پتہ نہ لگے۔ میں نے مولوی عبداللطیف صاحب سے کہا کہ پروفیسر صاحب سے ذرا پوچھو کہ آپ تو کہتے تھے کہ میرے اسلام کا کسی کو پتہ نہ لگے اور آپ تو سارے جرمنوں کے سامنے نماز پڑھ رہے ہیں تو اب تو پتہ لگ گیا۔ کہنے لگے میں نے پوچھا تھا یہ کہنے لگے میں نے سمجھا کہ یہاں ان کے آنے کا کیا واسطہ تھا خدا انہیں میری خاطر لایا ہے۔ تو اب خلیفہ کے پیچھے

نماز پڑھنے کا موقع جو خدا نے مجھے میسر کیا ہے یہ ضائع نہیں ہونے دینا چاہتے۔ چنانچہ نماز پڑھ لی اب یا تو وہ وہاں کہتے تھے کہ میرا اسلام ظاہر نہ ہو یا یہاں آ کے بیٹھے ہوئے ہیں۔ (اس موقعہ پر دوستوں نے حضور کی خدمت میں درخواست کی کہ پروفیسر ٹلٹاک صاحب انہیں دکھا دیئے جائیں چنانچہ پروفیسر صاحب سٹیج پر تشریف لے آئے۔ اور حضور نے فرمایا یہ پروفیسر ٹلٹاک صاحب ہیں جو جرمنی سے آپ لوگوں کو دیکھنے آئے ہیں اور آپ ان کو دیکھنے آئے ہیں۔ اس پر دوستوں نے خوشی سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے۔

دوسری خوشخبری یہ ہے کہ پروفیسر ٹلٹاک صاحب یہ خبر لائے ہیں کہ جرمنی میں چار شہروں میں جماعتیں قائم ہو گئی ہیں۔ ایک بیعت پیچھے الفضل میں شائع ہوئی ہے۔ تازہ اطلاع یہ آئی ہے کہ اس نومسلم کی بیوی نے بھی بیعت کر لی ہے سب سے بڑی خوشخبری یہ ہے کہ پیغامیوں نے منافقین کو کہا تھا کہ ہمارا سٹیج تمہارے لیے ہے ہماری تنظیم تمہارے لیے ہے۔ آج ہی جس وقت میں چلنے لگا ہوں تو مولوی عبداللطیف صاحب کی چٹھی پہنچی کہ ایک جرمن جو پیغامیوں کے ذریعہ سے مسلمان ہوا تھا وہ میرے پاس آیا اور میں نے اس کو تبلیغ کی اور وہ بیعت کا خط آپ کو بھجوا رہا ہے۔ تو ان کی وہ تنظیم خدا نے ہمیں دے دی۔ جس طرح ابوجہل کا بیٹا عکرمہؓ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مل گیا تھا۔ اسی طرح پیغامیوں کا کیا ہوا نومسلم ہمیں مل چکا ہے۔ آج ہی اس کی بیعت کا خط آ گیا ہے۔"[1]

حضور نے مسئلہ کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"ایک بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے پاکستان میں لوگوں کو ایک بڑی مصیبت پڑی ہوئی ہے اور وہ کشمیر کا مسئلہ ہے۔ کشمیر کے مسئلہ میں آج تک پاکستان حیران بیٹھا ہے اور پاکستانی گورنمنٹ سے بھی زیادہ حیران بیٹھے ہیں۔ یہ سب کو نظر آ رہا ہے کہ جب تک کشمیر نہ ملا پاکستان محفوظ نہیں رہ سکتا اور یہ بھی سب کو نظر آ رہا ہے کہ کرنا کرانا کسی نے کچھ نہیں۔ سب حیران ہیں پاکستان کی نظر امریکہ پر ہے اور امریکہ کی نظر روس پر ہے۔ اور اگر کسی وقت پاکستان نے ادھر ہلچل کی تو روس اپنی فوجیں افغانستان

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۹ر مارچ ۱۹۵۷ء ص ۳-۴-۵

میں داخل کر دے گا یا گلگت میں داخل کر دے گا اس حیرت میں پاکستان گورنمنٹ کچھ نہیں کرتی۔ میں اپنی جماعت کو ایک تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج جب دعائیں ہوں گی تو کشمیر کے متعلق بھی دعائیں کریں۔ دوسرے میں ان کو تسلی بھی دلانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سامان نرالے ہوتے ہیں میں جب پارٹیشن کے بعد آیا تھا تو اس وقت بھی میں نے تقریروں میں اس کی طرف اشارہ کیا تھا مگر گورنمنٹ نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا اب نظر آرہا ہے کہ وہی باتیں جن کو میں نے ظاہر کیا تھا وہ پوری ہو رہی ہیں۔ یعنی پاکستان کو جنوب اور مشرق کی طرف سے خطرہ ہے۔ لیکن ایسے سامان پیدا ہو رہے ہیں کہ ہندوستان کو شمال اور مشرق کی طرف سے شدید خطرہ پیدا ہونے والا ہے اور وہ خطرہ ایسا ہوگا کہ باوجود طاقت اور قوت کے ہندوستان اس کا مقابلہ نہیں کریگا اور روس کی ہمدردی بھی اس سے جاتی رہے گی سو دعائیں کرو اور یہ نہ سمجھو کہ ہماری گورنمنٹ کمزور ہے یا ہم کمزور ہیں خدا کی انگلی اشارے کر رہی ہے اور میں اسے دیکھ رہا ہوں (نعرہ ہائے تکبیر) اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کرے گا کہ روس اور اس کے دوست ہندوستان سے الگ ہو جائینگے (اس تقریر کے بعد جو حالت یو۔ این۔ او کو پیش آئے ان سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے بہت سے دوست پاکستان کو دے دیئے ہیں۔ مرتب) اور اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کرے گا کہ امریکہ یہ محسوس کرے گا کہ اگر میں نے جلدی قدم نہ اٹھایا تو میرے قدم نہ اٹھانے کی وجہ سے روس اور اس کے دوست بیچ میں گھس آئیں گے۔ (نعرۂ تکبیر) پس مایوس نہ ہو اور خدا تعالیٰ پر توکل رکھو اللہ تعالیٰ کچھ عرصہ کے اندر ایسے سامان پیدا کر دے گا۔ آخر دیکھو یہودیوں نے تیرہ سو سال انتظار کیا اور پھر فلسطین میں آ گئے مگر آپ لوگوں کو تیرہ سو سال انتظار نہیں کرنا پڑے گا ممکن ہے تیرہ بھی نہ کرنا پڑے ممکن ہے دس بھی نہ کرنا پڑے اور اللہ تعالیٰ اپنے برکتوں کے نمونے تمہیں دکھائے گا۔ (نعرۂ ہائے تکبیر)[1]

۴۔ تقریر زیر عنوان خلافت حقّہ اسلامیہ[2] مؤرخہ ۲۸ر دسمبر ۱۹۵۶ء اس کا ذکر پچھلے باب میں آ چکا ہے۔

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۵ر مارچ ۱۹۵۷ء ص ۳-۴ ؛ [2] اس کا پہلا ایڈیشن الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ نے اور دوسرا نظارت اشاعت لٹریچر و تصنیف ربوہ نے شائع کیا۔

۵۔ تقریر سیر روحانی (قرآنی باغات) حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی اس پر معارف تقریر کا آغاز اس نکتۂ معرفت سے کیا کہ اسلام کی بنیاد توحیدِ خالص ہے اور سورہ اخلاص اس توحید کا معیار ہے۔ اس کے بعد حضور نے قرآن کریم کے اس بے مثال انکشاف کی تفصیلات بیان فرمائی کہ صرف خدا ہی احد ہے باقی ہر چیز خواہ پھل ہوں یا زمین و آسمان یا باغات سبھی کا جوڑا ہے۔ مادی اعتبار سے بھی اور روحانی اعتبار سے اس مضمون کو بیان کرنے کے بعد حضور نے محمدی باغات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"محمدی باغوں میں سے ایک پودا حسن بصریؒ کا لگا۔ ایک جنید بغدادیؒ کا لگا۔ ایک سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک محی الدین ابن عربی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک بہاؤالدین صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک معین الدین صاحب چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک قطب الدین صاحب بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک فریدالدین صاحب گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک نظام الدین صاحب اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک مجدد صاحب سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک خواجہ میر ناصر رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ ایک سید احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا لگا۔ اور سب سے آخر میں باغ محمدی کی حفاظت کرنے والے درخت حضرت مسیح موعودؑ کا پودا لگا جسکو خود مسلمانوں نے بدقسمتی سے کاٹ کر چاہا کہ محمدی باغ میں لوگ گھس جائیں، بکریاں اور بھیڑیں گھس جائیں۔ اور محمدی باغ کو تباہ کر دیں مگر وہ پودہ اس شان کا تھا کہ اس نے کہا ؎

اے آنکہ سوئے من بدویدی بصد تبر

از باغباں بترس کہ من شاخ مثمرم[1]

اے شخص جو کہ کلہاڑے لے کر میرے کاٹنے کے لیے دوڑا آرہا ہے۔ میرے باغبان خدا سے یا محمدؐ رسول اللہ سے ڈر کہ میں وہ شاخ ہوں جس کو پھل لگے ہوئے ہیں اگر تو مجھے کاٹے گا تو محمدؐ رسول اللہ کا پھل کٹ جائے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ محمد رسول اللہؐ کا باغ بے ثمر رہ جائیگا۔ پس تو مجھے

---

[1] ازالہ اوہام حصہ اوّل طبع اوّل ص ۱۶۲

نہیں کاٹ رہا تو محمد رسول اللہؐ کے باغ کو اُجاڑ رہا ہے اور خدا کبھی برداشت نہیں کرے گا کہ محمد رسول اللہؐ کا باغ اُجڑے وہ ضرور اس کی حفاظت کرے گا۔" [1]

حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے خالد کا خطاب

اس معرکۃ الآراء تقریر سے قبل حضور نے بعض اہم اور متفرق امور پر روشنی ڈالتے ہوئے مندرجہ ذیل ممتاز علماءِ سلسلہ کو خالد کے خطاب سے نوازا۔

۱۔ مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ سابق مجاہد بلادِ اسلامیہ و انگلستان۔

۲۔ مولانا ابوالعطاء صاحب سابق مجاہد بلادِ عربیہ و پرنسپل جامعہ احمدیہ۔

۳۔ ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؔ امیر جماعت احمدیہ گجرات۔

اس سلسلہ میں حضور نے فرمایا کہ:-

"حضرت خلیفہ اوّل کی خلافت کے خلاف جب جملے ہوئے تو حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا تھا کہ مغرور مت ہو۔ میرے پاس خالد ہیں جو تمہارا سر توڑ دیں گے مگر اس وقت سوائے میرے کوئی خالد نہیں تھا صرف میں ایک شخص تھا جس نے آپ کی طرف سے دفاع کیا۔ چنانچہ پرانی تاریخ نکال کر دیکھ لو صرف میں ہی ایک شخص تھا جس نے آپ کی طرف سے دفاع کیا اور پیغامیوں کا مقابلہ کیا اور ان سے چالیس سال گالیاں سُنیں لیکن باوجود اس کے کہ ایک شخص اُن کی طرف سے دفاع کرنے والا تھا پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان میں برکت دی اور ہزاروں ہزار آدمی مبایعین میں آکر شامل ہو گئے جیسا کہ آج کا جلسہ ظاہر کر رہا ہے مگر یہ نہ سمجھو کہ اب وہ خالد نہیں ہیں۔ اب ہماری جماعت میں اس سے زیادہ خالد موجود ہیں۔ چنانچہ شمسؔ صاحب ہیں مولوی ابوالعطاء ہیں۔ عبدالرحمٰن صاحب خادم ہیں۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ جو دشمن کا منہ توڑ جواب دے سکتے ہیں اور دیں گے انشاء اللہ اور اللہ تعالیٰ ان کی قلم میں اور ان کے کلام میں زیادہ سے زیادہ برکت دیگا۔ یہاں تک کہ یہ اس بُت خانہ کو جو پیغامیوں نے تیار کیا ہے

---

[1] سیر روحانی جلد سوم صـ۱۰۲ و صـ۱۰۳

چکنا چور کر کے رکھ دیں گے"[1]

بھارتی احمدیوں کی دینی سرگرمیاں

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۹۵۵ء کے جلسہ سالانہ قادیان کے موقع پر جو پیغام دیا۔ اس میں بھارت کے طول و عرض میں اشاعتِ دین کے لیے سرگرمِ عمل ہونے کی پُرزور تحریک فرمائی تھی[2]۔ اس پیغام نے بھارتی احمدیوں میں غیر معمولی بیداری پیدا کر دی۔ اس اعتبار سے یہ سال ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُن دنوں بھارت میں مندرجہ ذیل مبلغینِ سلسلہ تبلیغی خدمات بجا لا رہے تھے :-

۱۔ مولوی سمیع اللہ صاحب (انچارج دارالتبلیغ بمبئی) ۲۔ مولوی مبارک علی صاحب (انچارج دارالتبلیغ ہبلی و دھارواڑ کرناٹک) ۳۔ مولوی محمد صادق صاحب ناقدؔ (انچارج دارالتبلیغ بنگلور) ۴۔ حکیم محمد الدین صاحب (انچارج مبلغ حیدر آباد دکن) ۵۔ مولوی سراج الحق صاحب (مبلغ نندگڑھ بعد ازاں تیما پور) ۶۔ مولوی فیض احمد صاحب (مبلغ تیما پور) ۷۔ مولانا عبداللہ صاحب فاضل (انچارج مبلغ مالابار) ۸۔ مولوی محمد ابوالوفاء صاحب (مبلغ کالی کٹ) ۹۔ مولوی احمد رشید صاحب (مبلغ کرنا گاپلی) ۱۰۔ مولوی شریف احمد صاحب امینیؔ (انچارج دارالتبلیغ بمبئی بعد ازاں انچارج دارالتبلیغ مدراس[3]) ۱۱۔ مولانا محمد سلیم صاحب سابق مبلغ بلادِ عربیہ (انچارج دارالتبلیغ کلکتہ بنگال و اڑیسہ) ۱۲۔ مولوی سید صمصام الدین احمد صاحب (مبلغ کیندرہ پاڑہ اڑیسہ بعد ازاں رانچی) ۱۳۔ مولوی سید غلام مہدی صاحب ناصرؔ (مبلغ چودوار کٹک)۔ ۱۴۔ مولوی سید فضل عمر صاحب (مبلغ کوٹ پلہ۔ اڑیسہ) ۱۵۔ مولوی سید محمد موسیٰ صاحب (مبلغ سونگڑہ) ۱۶۔ مولوی محسن خان صاحب (کیرنگ اڑیسہ) ۱۷۔ مولوی فضل دین صاحب (موسیٰ بن مائینہ بہار[4]) ۱۸۔ مولوی سید نصیر الدین احمد صاحب (پٹنہ)۔ ۱۹۔ مولوی بشیر احمد صاحب فاضل (مبلغ دہلی و یوپی) ۲۰۔ مولوی سید منظور احمد صاحب عالیؔ (رسانہ ضمن یوپی) ۲۱۔ مولوی خورشید احمد صاحب پربھاکر (شاہجہانپور) ۲۲۔ مولوی غلام نبی صاحب (انبیٹہ)۔ ۲۳۔ مولوی عبید الرحمٰن صاحب فانیؔ (بھرت پور) ۲۴۔ مولوی منظور احمد صاحب (مسکرا یوپی) ۲۵۔ مولوی فتح محمد صاحب اسلم (کشن گڑھ۔ راجستان) ۲۶۔ حکیم محمد سعید صاحب (مبلغ انچارج سرینگر) ۲۷۔ مولوی غلام احمد شاہ صاحب

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۵ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۴ [2] اخبار "بدر" ۸ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ (پیغام کا متن) [3] یہ نیا مشن ۸ اگست ۱۹۵۶ء کو قائم ہوا اور اسکے پہلے انچارج مولوی صاحب موصوف مقرر ہوئے (بدر ۱۲ اگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۱) [4] اسی سال ریٹائرڈ ہوئے۔

(ماندرجن کشمیر) ۲۸۔ مولوی عبداللطیف صاحب (کنندہ براڑی) ۲۹۔ مولوی محمد ایوب صاحب (بھدرواہ۔ کشمیر) ۳۰۔ شیخ حمید اللہ صاحب (کنہ پور بعدازاں پونچھ) ۳۱۔ مولوی بشیر احمد صاحب خادم (مالیر کوٹلہ) ۳۲۔ مولوی عبدالحق صاحب (جمبہ) ؎۱

مبلغین سلسلہ نے احمدی جماعتوں کے تعاون سے اس سال کئی اہم شخصیات تک خصوصاً اور عوامی حلقوں تک عموماً وسیع پیمانہ پر پیغام احمدیت پہنچایا، ملکی کانفرنسوں کے پلیٹ فارم پر اسلام اور احمدیت کی آواز بلند کی، سالانہ جلسوں اور پیشوایان مذاہب کے جلسوں کا اہتمام کیا۔ ایک مرکزی وفد نے آٹھ ہزار میل سے زائد سفر کر کے جنوبی ہند کے گوشہ گوشہ تک پیغام حق پہنچایا۔ جنوبی ہند کی تمام مخلص اور فعّال جماعتوں نے نہ صرف جلسے منعقد کیے بلکہ بڑے پیمانے پر دعوتوں کا انتظام بھی کیا۔ اس طویل تبلیغی دورہ کے اکثر و بیشتر اخراجات جنوبی ہند کی جماعتوں اور مخیّر اور مخلص احمدیوں نے خود برداشت کیے اور اس میں سیٹھ محمد معین الدین صاحب (چنتہ کنٹہ) اور ان کے بھائی سیٹھ محمد اسماعیل صاحب نیز سیٹھ محمد عبدالحی صاحب یادگیر کا نمایاں حصہ تھا۔

۱۹۵۶ء کی تبلیغی مساعی کی یہ اجمالی جھلک ہے جس کے بعض پہلوؤں کا ذکر بطورِ خاص کرنا بھی ضروری ہے۔

ملکی کانفرنسوں میں تقاریر

اس سال کے آغاز میں بمبئی میں ایک مذہبی کانفرنس "ویدانت سنگھ" کے نام سے (۲۸ جنوری تا ۲ فروری) منعقد ہوئی اسی طرح (۳۰ جنوری تا یکم فروری) بمبئی کی ایک سوسائٹی "SOCIETY OF SERVENTS OF GOD" کا سالانہ اجلاس پونا میں ہوا۔ ان کانفرنسوں میں مولوی شریف احمد صاحب فاضل امینی نے "اسلام اور امن" کے موضوع پر فاضلانہ لیکچر دیئے ؎۲

کانگرس کا اجلاسِ امرتسر

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاسِ امرتسر ۷ سے ۱۲ فروری ۱۹۵۶ء تک جاری رہا اس موقع پر نظارت دعوت و تبلیغ کی طرف سے اردو، ہندی

؎۱ بدر ۶۔ ۱۳ اکتوبر۔ ۲۴ نومبر۔ ۱۵۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۵۶ء۔

؎۲ بدر ۱۴ فروری ۱۹۵۴ء صفحہ ۸

گورمکھی اور انگریزی ٹریکٹ اور کتابچے ڈیڑھ لاکھ کی تعداد میں شائع اور تقسیم کیے گئے۔ شریمتی اندرا گاندھی شری دھیبر، گیانی گورمکھ سنگھ مسافر (صدر پنجاب پردیش کانگریس) پنجاب، دہلی اور مدھیہ بھارت کے وزراء اور بہت سے ایم ایل اے ممبران پارلیمنٹ، پولیس افسران، پروفیسران اور وکلاء کو خاص طور پر یہ لٹریچر دیا گیا قریباً ایک درجن درویش ہر روز صبح سے قریباً نصف شب تک لٹریچر تقسیم کرتے رہے۔ نمائش میں اسلام سے متعلق واحد سٹال نظارت دعوت و تبلیغ کا تھا جسے لاکھوں نے دیکھا اور ہزاروں نے اسلام و احمدیت سے متعلق معلومات حاصل کیں بعض غیر مسلم معززین نے قرآن مجید کے انگریزی اور گورمکھی تراجم اور دوسری اسلامی کتب بھی خریدیں کثیر تعداد ایسے غیر مسلموں کی تھی جو سلسلہ کے لٹریچر کی بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت رکھتے تھے اور درویشان قادیان کے جذبہ فداکاری اور ولولہ تبلیغ سے بہت متاثر تھے۔

لٹریچر کی طباعت و اشاعت کا کام ناظر دعوت و تبلیغ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کی زیر نگرانی ہوا، اس سلسلہ میں مولوی برکات احمد صاحب راجیکی ایڈیشنل ناظر دعوت و تبلیغ اور ملک صلاح الدین صاحب ایم اے مدیر "بدر" کی معیت میں آٹھ روز تک امرتسر میں قیام فرما رہے مولوی حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری ناظر تعلیم و تربیت شیخ عبدالحمید صاحب عاجز ناظر بیت المال اور مولوی محمد ابراہیم صاحب فاضل ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ نے بھی چند دن اجلاس کانگرس کے موقعہ پر تقسیم لٹریچر کی خدمت انجام دی[1]

احمدی مبلغین کا دورہ جنوبی ہند

اس سال مرکزی مبلغین کے وفد نے جنوبی ہند کا نہایت وسیع پیمانہ پر کامیاب دورہ کیا وفد میں شامل مرکزی اور مقامی مبلغین اور مخلصین کے نام یہ ہیں۔ مولانا محمد سلیم صاحب، مولوی بشیر احمد صاحب مولوی شریف احمد صاحب امینی۔ مولانا عبداللہ صاحب مالاباری۔ حکیم مولوی محمد الدین صاحب۔ مولوی مبارک علی صاحب مولوی فضل الدین صاحب، مولوی سراج الحق صاحب جناب مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل وکیل یادگیر مکرم محمد کریم اللہ صاحب ایڈیٹر "آزاد نوجوان" وفد سے احمدی جماعتوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔

۱۔ یادگیر (۳-۴ مارچ) یہ مخلص جماعت گزشتہ ستاون سال سے باقاعدہ سالانہ جلسے کرتی

---

[1] بدر ۲۱ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱

آ رہی تھی اس سال بھی اس نے اپنی روایات کے شایانِ شان جلسہ کیا جس کے پہلے روز ایک صاحب شیخ لاڈے صاحب آف شولاپور (علاقہ بمبئی) حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔

۲۔ تیما پور دکن (۶ مارچ) ایک صاحب محمد پیران نے بیعت کی جو جلسہ کا ایک شیریں پھل تھا۔

۳۔ شوراپور دکن (۸ مارچ) جلسہ کے علاوہ غیر از جماعت دوستوں سے مفید تبلیغی گفتگو ہوئی۔

۴۔ اڈکور دکن (۱۰ مارچ) مسلمان اور ہندو معززین یکساں دلچسپی سے شریک جلسہ ہوئے۔

۵۔ ویلورگ (۱۲ مارچ) جلسہ میں غیر مسلم اصحاب، دکلا اور کانگرس ورکروں نے خاصی دلچسپی لی۔

۶۔ حیدر آباد دکن (۱۷، ۱۸ مارچ) جلسہ احمدیہ جوبلی ہال واقع افضل گنج میں ہوا۔ مقامی اخبارات نے جلسہ کی کارروائی بھی شائع کی شہر کے ہر طبقہ نے جلسہ میں شمولیت کی۔ علماء سلسلہ (۱۳ تا ۲۲ مارچ) حیدر آباد میں رہے اور شہر کے مختلف حلقوں سے رابطہ کر کے ان تک پیغامِ حق پہنچایا[1]

۷۔ ہبلی (۲۰، ۲۱ مارچ) جلسہ ہر لحاظ سے کامیاب رہا[2]

۸۔ کوسگی ضلع گلبرگہ شریف (۲۲ مارچ) جلسہ کے بعد ایک غیر از جماعت عالم دین سے تین گھنٹہ تک اختلافی مسائل پر تبادلہ خیالات ہوا۔ جس سے سامعین نے گہرا اثر لیا۔

۹۔ چنتہ کنٹہ (۲۴، ۲۵ مارچ) حاضرین کی تعداد پانچسو کے قریب تھی۔

۱۰۔ آتماکور دکن (۲۸ مارچ) جلسہ کا انتظام و اہتمام چنتہ کنٹہ کے خدام و انصار نے کیا تھا۔ عوام جماعت کے نظم و ضبط سے بہت متاثر ہوئے۔

۱۱۔ پینگاڈی شمالی مالابار (۷، ۸ اپریل) یہاں آل کیرلہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اور اس میں کیرلہ بھر کے احمدی انتہائی ذوق و شوق سے شامل ہوئے۔ کانفرنس کی مجلس انتظامیہ کے صدر مولوی ابوالوفاء صاحب اور سیکرٹری عبدالرحیم صاحب (ابن مولانا مولوی عبداللہ صاحب فاضل) کی مساعی خاص طور پر قابلِ ذکر تھیں[3]

کانفرنس کے بعد علماء سلسلہ کا وفد مدراس پہنچا۔ جہاں ۱۲ اپریل ۱۹۵۶ء کو ایک سُنّی عالم دین سے

---

[1] بدر ۳ مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۲ ؛ بدر ۱۴ اپریل ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ ؛ [2] بدر ۲۱، ۲۸ اپریل ۱۹۵۶ء صفحہ ۳

[3] بدر ۱۴ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۱، ۶

کامیاب مباحثہ ہوا۔ جس کے نتیجہ میں سید امیر الدین صاحب ریٹائرڈ ڈی۔ ڈی۔ سی دھارواڑ (علاقہ بمبئی) بیعت کر کے آغوش احمدیت میں آگئے موصوف ایک عرصہ سے زیر تبلیغ تھے۔ قادیان کی زیارت بھی کر چکے تھے۔ اور یہ مباحثہ انہی کی تحریک پر عمل میں آیا تھا[۱]

کالی کٹ اور قادیان کا جلسہ پیشوایان مذاہب

بھارت کی احمدی جماعتوں میں اس سال پیشوایان مذاہب کے خاص اہتمام سے جلسے منعقد ہوئے۔ جن میں کالی کٹ اور قادیان۔ خاص طور پر قابل ذکر ہیں کالی کٹ کا جلسہ مولانا محمد عبد اللہ صاحب مالاباری کی صدارت میں ہوا۔ مقررین میں مسٹر ریبورنڈ کے ایم ماتھن صاحب بی اے، مسٹر کے وی کرشن، صاحب بی اے ایل ایل بی، مولوی بشیر احمد صاحب مبلغ سلسلہ، اور مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل وکیل یادگیر تھے[۲]

جلسہ قادیان میں مندرجہ ذیل اصحاب نے تقاریر فرمائیں۔

لالہ پشاوری مل صاحب ایڈووکیٹ گورداسپور (سوانح راجندر جی) مکرم گیانی عباد اللہ صاحب ریسرچ سکالر سکھ مذہب (گورو نانک صاحب کے جیون) مولوی محمد حفیظ صاحب فاضل بقاپوری اسسٹنٹ ایڈیٹر بدر (سوانح حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام) خالد احمدیت مولانا ابوالعطاء صاحب (سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب (سیرت حضرت بانی سلسلہ احمدیہ) سردار زائن سنگھ صاحب (سیرت النبیؐ) مولوی بشیر احمد صاحب (خادمؔ) (سری کرشن جی مہاراج) حضرت مولوی خلیل احمد صاحب مونگھیری (مہاتما بدھ کی زندگی)۔ سردار گوردیال سنگھ نے اپنی صدارتی تقریر میں اعتراف کیا کہ مذاہب عالم کے پیشواؤں کی عزت و احترام کے بغیر دنیا کی ترقی اور نجات ممکن نہیں۔ جلسہ کے لیے گورنر صاحب پنجاب شری سی پی این سنگھ، شری بھیم سین سچر صاحب سابق چیف منسٹر پنجاب، سردار نرنجن سنگھ صاحب پرنسپل گورو تیغ بہادر خالصہ کالج دہلی اور مسٹر ڈی سی ورما ڈائرکٹر تعلقات عامہ پنجاب کی طرف سے پیغامات بھی موصول ہوئے۔ سامعین کی تعداد ۲ ہزار کے قریب تھی[۳]

---

[۱] الفضل ۱۸ مئی ۱۹۵۶ء صہ ۵ [۲] الفضل ۱۸ مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ (اس جلسہ میں اردو تقاریر کا ملیالم میں ترجمہ کے فرائض مولوی محمد ابوالوفا صاحب نے انجام دیئے)

[۳] الفضل ۲ مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۵

کیرنگ تبلیغی کانفرنس

جنوبی ہند کے بعد مشرقی ہند میں بھی احمدیت کی پُر شوکت آواز سنائی دینے لگی جہاں کیرنگ (اڑیسہ) میں ۲۰ ر ۲۱ رمئی ۱۹۵۶ء کو اڑیسہ کی اٹھارہ جماعتوں کی عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ جناب محمد کریم اللہ صاحب آزاد نوجوان، مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل وکیل یادگیر، مولانا محمد سلیم صاحب اور مولوی بشیر احمد صاحب جیسے فاضل مقرروں نے خطاب فرمایا۔ اس موقعہ پر پانچ ہزار کی تعداد میں لٹریچر بھی تقسیم کیا گیا۔ ۲۲ رمئی کو مولوی محمد سلیم صاحب نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کٹکی سے مناظرہ کیا۔ جناب کٹکی صاحب بالکل لاجواب ہو گئے۔ احمدیت کے علم کلام کی برتری کا یہ نظارہ قابلِ دید تھا جس سے احمدیوں کے ایمان میں بہت اضافہ ہوا۔[1]

اشاعت لٹریچر کی مہم

اس سال تبلیغی لٹریچر کی اشاعت کی طرف صیغہ نشر و اشاعت قادیان[2] اور بھارت کی احمدی جماعتوں مثلاً بنگلور، کانپور اور دہلی نے خصوصی توجہ دی۔ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب نے پوری جماعت میں تنہا اشاعت لٹریچر کا جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ وہ تاریخِ احمدیت کا ایک کھلا ورق ہے۔ آپ نے اس سال بھی سینکڑوں روپے کا لٹریچر طبع کرا کے ہندوستان اور بیرونی ممالک میں مفت تقسیم فرمایا۔[3] آپ کے نیک نمونہ کے اثرات یادگیر اور چنتہ کنٹہ پر بھی ہوئے اور ان جماعتوں میں حضرت سیٹھ معین الدین صاحب اور سیٹھ محمد عبدالحی صاحب یادگیر ہزاروں کا لٹریچر سالانہ شائع کرنے لگے۔ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کی ایک رپورٹ (۱۹۵۶ء) میں لکھا ہے کہ:۔

"مالابار کی تمام جماعتیں جو خدا کے فضل سے بہت اخلاص اور قربانی کا جذبہ رکھتی ہیں۔ ہمارے مبلغین کے ساتھ بہت تعاون کرتی ہیں۔ اس تعاون کا نتیجہ ہے کہ مالابار میں علاقائی زبان میں بہت سا لٹریچر شائع ہوتا رہتا ہے۔ اور اس کا سارا خرچ مقامی جماعتیں خود برداشت کرتی ہیں۔ اشاعتِ لٹریچر کے سلسلہ میں اوّل نمبر حیدرآباد دکن کی جماعتوں بالخصوص سکندرآباد اور چنتہ کنٹہ کا ہے۔ لیکن اگر مالی پوزیشن کو ملحوظ رکھا جائے تو مالابار کی جماعتیں بھی اشاعتِ لٹریچر میں پہلا درجہ رکھتی ہیں ...... چنانچہ مالابار کی جماعتوں نے گزشتہ تھوڑے سے عرصہ میں مختلف قسم کے مفید ٹریکٹ اور ترجمے ۳۲

---

[1] بدر، ۷ رجون ۱۹۵۶ء، صلا ۔ [2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اخبار "بدر" ۳ اکتوبر، ۲۷ اکتوبر، ۱۵ ر دسمبر ۱۹۵۶ء، بدر ۱۲ رجنوری ۱۹۵۷ء صلا (فہرست)۔ [3] بدر، ۷ رجون ۱۹۵۶ء صلا

ہزار کی تعداد میں شائع کیے ہیں اسی طرح بنگلور کی جماعت نے بھی قریباً دس ہزار کی تعداد میں مختلف ٹریکٹ شائع کیے ہیں۔[1]

اہم شخصیات کو لٹریچر کا تحفہ

اس سال کلکتہ، بمبئی، دہلی اور مدراس کے مبلغین اور احمدی جماعتوں کی طرف سے جن اہم شخصیات کو مذہبی لٹریچر پیش کیا گیا۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ ڈاکٹر ایس۔ این۔ سین۔ یکوائس چانسلر دہلی یونیورسٹی۔

۲۔ شری گلزاری لال نندا وزیر حکومتِ ہند۔

۳۔ شری گیڈ گل ممبر پارلیمنٹ و مہاراشٹر لیڈر۔

۴۔ صدر مہاراشٹر کانگرس کمیٹی۔

۵۔ ڈاکٹر شاہ مہتہ صدر سوسائیٹی آف گاڈ بمبئی "SOCIETY OF GOD"

۶۔ سردار رگھبیر سنگھ جی بیرا ایڈیٹر ہفت روزہ "آتم سائنس" و منیجر روزنامہ "دیش درپن" برائے سکھ کلچرل سنٹر چورنگی کلکتہ۔

۷۔ ڈاکٹر سنتی کمار چیٹرجی صدر لیجسلیٹو کونسل مغربی بنگال۔

۸۔ ڈاکٹر راد ھا کرشنن وائس پریذیڈنٹ جمہوریہ ہند۔

۹۔ آنریبل چیف جسٹس ہند شری ایس آر داس۔

۱۰۔ وزیر اعظم چین مسٹر چو این لائی۔

۱۱۔ مسٹر اے۔ جے۔ جان گورنر مدراس[2]

---

[1] الفضل ۱۸ مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ (مالا بار اور بنگلور کے شائع کردہ لٹریچر کی فہرست اخبار بدر ۱۴ مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ پر شائع ہوئی)۔ [2] بدر ۲۸ جنوری ۱۴، ۲۳ فروری ۱۲، ۲۸ اپریل ۲۱ مئی، ۲۲ دسمبر ۱۹۵۶ء الفضل ۳ جنوری ۱۹۵۷ء

فصل دوم

حضرت مسیح موعودؑ کے جلیل القدر رفقاء کا انتقال

اس سال حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے کئی ممتاز اصحاب اور بزرگانِ سلسلہ خدائے حقیقی کو جا ملے جن کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

حضرت حاجی محمد صدیق صاحب پٹیالوی

ولادت قریباً ۱۸۶۱ء - بیعت
وفات ۲۹ جنوری ۱۹۵۶ء[1]

نہایت عابد و زاہد اور صاحب الرؤیا و کشوف بزرگ تھے۔ باجماعت نماز اور تہجد کا خاص التزام فرماتے اور ہر آن ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ سلسلہ احمدیہ اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ سے محبت عشق کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ ۸۰ سال کی عمر میں آپ نے فریضہ حج ادا کیا اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۴۷ء تک بسلسلہ ملازمت دہلی میں مقیم رہے[2]

آپ کی خود نوشت روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت شہید مرحوم صاحبزادہ عبداللطیفؓ صاحب کی قادیان سے واپسی کے وقت قادیان میں موجود تھے۔ اور منارۃ المسیح قادیان کی بنیاد کے وقت بھی

اولاد: ۱۔ شیخ حفیظ الٰہی صاحب۔ ۲۔ شیخ عبدالرحمان صاحب
۳۔ شیخ محمد رمضان صاحب۔ ۴۔ شیخ احمد دین صاحب

بیٹیوں کے نام: ۵۔ ؟ ۶۔ ؟
۷۔ ؟ -

---

[1] الفضل ۲ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔ [2]

چوہدری اللہ بخش صاحب (والد مولانا کرم الٰہی ظفر مبلغ سپین)

(ولادت ۱۸۵۷ء قریباً ۔ بیعت ۱۹۰۶ء ۔ وفات ۱۵/۱۶ مارچ ۱۹۵۷ء)

آپ کے بیٹے مکرم ایم اے ناصر نے آپ کی وفات پر لکھا :-

"میرے والد محترم چوہدری اللہ بخش صاحب مرحوم ۱۸۵۷ء میں ضلع ہوشیارپور میں پیدا ہوئے آپ کے آباؤاجداد اہل سُنّت و الجماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۹۰۱ء میں آپ کی ملاقات مولوی کریم بخش صاحب مرحوم بنگوی سے ہوئی جو کہ وہاں امام تھے انہوں نے والد صاحب کو بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قادیان میں مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ نے تحقیق شروع کر دی بالآخرہ سال تک حضور کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اطمینان ہونے پر آپ نے ۱۹۰۶ء میں بیعت کی۔ بیعت کے بعد آپ نے رؤیا میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمارے ہاں تشریف لائے ہیں بہت سے لوگ بے چینی سے گھر کے سامنے کھڑے ہیں کہ حضور کی تقریر سُنیں ۔ والد صاحب نے انہیں کہا کہ آرام سے بیٹھ جاؤ۔ تقریر سب کو سنائی دے گی۔ چنانچہ سب لوگ آرام سے بیٹھ گئے۔ حضور نے ایک چھوٹے لڑکے کو اشارہ کیا تقریر کرو اور وہ چھوٹا لڑکا ایک اونچی جگہ کھڑا ہو کر تقریر کرنے لگا جو تمام لوگوں نے دلچسپی سے سُنی ۔ اسی رؤیا کی بناء پر آپ نے اپنے بیٹے عزیز کرم الٰہی ظفر کو خدمت دین کے لیے وقف کر دیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے از راہ کرم انہیں سپین کے لیے منتخب فرمایا۔ چنانچہ وہ ۸/ دسمبر ۱۹۴۵ء کو والد صاحب کے سامنے رخصت ہوئے اور ماشاء اللہ ۱۲ سال سے حضور انور کی زریں ہدایت کے مطابق سپین جیسے اہم ملک میں تبلیغ اسلام کر رہے ہیں ۔

خود سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مختلف اداروں۔ مثلاً سمال ٹاؤن کمیٹی قادیان میں کلرک اور احمدیہ گرلز سکول دھرمکوٹ بگا میں ہیڈ ماسٹر کے فرائض ادا کرتے رہے ۔ نیز احمدیہ سکول بنگہ میں بھی کام کرنے کا موقع ملا۔ تبلیغ کا بہت شوق تھا ۔ اپنے مخاطب کو نرم اور محبت بھرے لہجہ میں احمدیت کا پیغام پہنچاتے تھے۔ اپنے بچوں سے بہت محبت تھی۔ سب کی تربیت احمدیت کے زریں اصولوں کے مطابق کی ۔ اور سارے خاندان کو ہر وقت نمازیں مداومت ۔ قرآن مجید سے پیار اور صحیح اسلام پر چلنے کی تلقین فرماتے تھے۔ تقسیم ملک کے موقع پر تمام مسلمانوں نے گاؤں خالی کر دیا ۔ مگر والد صاحب کو احمدیت نے ایسا

توکل عطا کیا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سہارے پر اپنا مکان خالی نہ کیا۔ اور والدہ کے ساتھ وہیں ۲ ماہ مقیم رہے۔ سکھوں کے جتھے آتے تھے مگر گاؤں والوں کو آپ کی ہر دلعزیزی اور نیکی کی وجہ سے اتنی محبت تھی کہ کسی نے ہمارے گھر کا رُخ نہ کیا۔ بالآخر ایک دن کشف میں آپ نے دیکھا کہ اِن کا لڑکا باہر آواز دے کر کہتا ہے تیار ہو جاؤ چنانچہ دوسرے دن ہی ہمارے چھوٹے بھائی فضل کریم صاحب اور ایک بھتیجے ملٹری کے قافلہ میں اُن کو بخیریت لاہور لے آئے۔

۱۹۴۹ء میں والد صاحب کی درخواست پر حضرت .... خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ والد صاحب کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس واقعہ کا آپ اکثر ذکر فرما کر حضور کی ذرہ نوازی کا شکریہ ادا کیا کرتے تھے۔

والد صاحب جلسہ سالانہ پر جانے کے لیے کئی ماہ قبل تیاری شروع کر دیتے تھے آخری ایام میں نمازوں کا یہ عالم تھا کہ رات دو بجے ہی نماز تہجد شروع کر دیتے تھے۔ بالآخر ۱۵ر۱۶ مارچ ۱۹۵۶ء کی درمیانی رات اپنے بڑے لڑکے ماسٹر غلام محمد صاحب کے ہاں ننکانہ صاحب میں اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ اور قریباً سو سال کی عمر پائی[1]

حضرت ڈاکٹر پیر بخش صاحب متوطن ڈیرہ دین پناہ ضلع مظفر گڑھ

(ولادت ۱۸۸۴ء۔ بیعت ۱۹۰۸ء۔ وفات ۱۳ر مارچ ۱۹۵۶ء)[2]

بچپن میں ہی آپ کے والدین انتقال کر گئے تھے آپ نے ذاتی کوشش اور جدّوجُہد سے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں داخلہ لینے میں کامیاب ہو گئے اور کلاس میں اوّل پوزیشن حاصل کرتے رہے انہی دِنوں آپ نے احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان ایک مباحثہ سُنا جس سے متاثر ہو کر آپ لاہور سے قادیان تشریف لے گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

آپ نے ریاست بہاولپور میں ۴۶ سال تک مختلف مقامات میں سرکاری نوکری کی اور ریاست

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۳ر اپریل ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ ؛ [2] الفضل یکم جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۵

بہاولپور میں تشخیص بیماری اور علاج کے سلسلے میں بہت مشہور تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی لکھی ہوئی تفسیر القرآن اکثر زیر مطالعہ رکھتے۔ اخبار الفضل کے پرانے خریدار تھے۔

آپ کے گاؤں میں شہنشاہ اکبر کے زمانہ کی تعمیر شدہ ایک خانقاہ ہے جو ایک ولی اللہ کی ہے جن کا نام حضرت دین پناہ صاحب تھا۔ یہ گاؤں انہیں کے نام سے آباد ہے آپ کے آباؤ اجداد پیری مریدی کرتے تھے مگر آپ کو اس کام سے بہت نفرت تھی۔ جسے چھوڑ کر احمدیت میں داخل ہو گئے۔ ؎

اولاد: ۱۔ ڈاکٹر کیپٹن پیرزادہ گل حسن صاحب ایم بی بی ایس۔ ۲۔ پیرزادہ مظفر حسن صاحب ریٹائرڈ تحصیلدار بہاولپور

۳۔ پیرزادہ منظور الحسن صاحب بی اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر خانپور۔

۴۔ پیرزادہ ڈاکٹر اظہار الحسن صاحب ایم بی بی ایس حال لیبیا۔

۵۔ مہر النساء صاحبہ۔ ۶۔ زیب النساء صاحبہ

حضرت مولوی غلام نبی صاحب (مصری)

(ولادت ۱۸۷۴ء۔ بیعت ۱۸۹۸ء۔ وفات ۲۷ اپریل ۱۹۵۶ء)

حضرت مولانا غلام نبی صاحب بہت خاموش طبیعت۔ بے نفس۔ اور یکرنگ بزرگ تھے۔ جن کی ساری زندگی سلسلہ کی تعلیمی خدمات بجالانے میں وقف رہی۔ آپ کی ولادت چھاڈڑیاں کلاں (تحصیل سرہند ضلع بسی ریاست پٹیالہ) میں ہوئی۔ والدہ بچپن میں فوت ہو گئی تھیں۔ اپنے والد ماجد محکم دین صاحب کا ذکر کرتے وقت خاص طور پر فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے مجھ پر ایک بڑا احسان یہ کیا کہ ایک مولوی صاحب رکھ کر مجھے قرآن پڑھا دیا۔ ان مولوی صاحب کو زمین کا ایک ٹکڑا اس خدمت پر ہدیۃً پیش کیا۔ والد صاحب کی وفات کے بعد آپ بغرض تعلیم لدھیانہ آ گئے۔

کچھ عرصہ دہلی میں طب کی تعلیم حاصل کی۔ جہاں سے آپ کو انعامی تمغہ بھی ملا۔ بعد ازاں آپ امرتسر پہنچے اور پھر ہجرت کر کے قادیان تشریف لے آئے۔

؎ الفضل یکم جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۵

حضرت مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح اوّل کو کتابیں جمع کرنے کا ایک عشق تھا۔ اِس سلسلہ میں آپ کی نظرِ انتخاب آپ پر پڑی اور آپ نے انہیں نایاب اور قدیم کتابوں اور قلمی نسخوں کی نقل کرنے کے لیے بھوپال بھجوا دیا۔ قیام بھوپال کے دوران آپ نے کمال محنت و عرق ریزی سے کام لیا۔ مگر کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا۔ بھوپال میں اُن دنوں مسجد میں بخاری شریف کا درس ہوتا تھا۔ آپ بھی اس میں شامل ہو گئے۔ اس درس سے جو لوگ استفادہ کرتے تھے، ان کو وظیفہ ملا کرتا تھا۔ چنانچہ آپ کا وظیفہ بھی جاری ہو گیا۔ مگر یہ رقم بہت معمولی تھی۔ خدا تعالیٰ نے کھانے کا یہ انتظام فرمایا۔ کہ حضرت مولانا نورالدین صاحب کے کسی شاگرد کے ایک عزیز سے آپ کی ملاقات ہوگئی جس نے کہا کہ کھانا آپ ہمارے ہاں کھایا کریں۔ اس زمانہ میں آپ نے مولوی فضل الدین صاحب (وکیل) کو احمدیت سے روشناس کرایا وہ اپنے استاد کے پاس بھوپال اُٹھ آئے تھے۔ ان کا آپس میں میل جول بڑھا۔ حضرت مولوی غلام نبی صاحب جو کُتب نقل کرتے تھے ہفتہ کے بعد مولوی فضل الدین صاحب ساتھ بیٹھ کر مقابلہ کرا دیا کرتے تھے۔

آپ کو بھوپال کے کُتب خانہ سے بھی بعض کتب نہ مل سکیں۔ اور معلوم ہوا کہ مصر سے دستیاب ہو سکیں گی۔ اس پر آپ بھوپال سے مصر کے لیے روانہ ہو گئے۔ اُس وقت آپ کے پاس چند ایک روپے اور ایک کمبل تھا کراچی آکر اسے فروخت کیا اور کرایہ بنا کر بصرہ جا پہنچے۔ بصرہ سے آگے مصر تک کا سفر پیدل کیا۔ اگر کوئی قافلہ مل جاتا تو اس کے ساتھ شامل ہو جاتے۔ اور اگر کوئی ساتھی نہ ہوتا تو اکیلے روانہ ہو جاتے۔ آخر مصر پہنچے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں نے بھوپال سے چلتے وقت بھی حضرت مولوی نورالدین صاحب کو کوئی اطلاع نہ دی تھی۔ اب مصر پہنچ کر لکھا کہ مَیں مصر پہنچ گیا ہوں اور کتابیں نقل کر رہا ہوں۔ وہاں کی لائبریری میں وہ کتب موجود تھیں۔ لائبریری میں چونکہ سیاہی ساتھ لے جانے کی اجازت نہ تھی۔ اس لیے پنسل لے جاتے اور نقل کرتے۔ گھر پہنچ کر اس کو سیاہی سے لکھتے۔ اس کے علاوہ ازھر کے درس میں بھی شریک ہوتے اور باقی وقت گذر اوقات کے لیے پھیری کا کام کرتے۔ اس بے بضاعتی کے باوجود آپ نے مصر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عربی کتابوں کی اشاعت کی چنانچہ اخبار "البدر" ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۲ سے پتہ چلتا ہے کہ ۳ نومبر ۱۹۰۲ء کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بھی آپ کی تبلیغی خدمات کا ذکر آیا تھا چنانچہ لکھا ہے:-

"مولوی غلام نبی صاحب احمدی کا خط مصر سے حکیم الاُمت مولوی نورالدین صاحب کے نام آیا تھا۔

وہ حضرت اقدس کی کتابوں کی خوب اشاعت کر رہے ہیں۔"

حضرت مولوی صاحب مصر میں تین سال تک قیام کرنے کے بعد اپریل ۱۹۰۵ء میں واپس اپنے وطن پہنچے۔ اخبار بدر ۲۷ اپریل ۱۹۰۵ء صہ کالم ۳ پر ان کی آمد کی خبر ان الفاظ میں شائع ہوئی کہ

"ملکِ مصر سے مولوی غلام نبی صاحب احمدی واپس ہندوستان کو تشریف لائے ہیں۔ قریباً تین سال تک انہوں نے اس ملک میں قیام کیا اور نیز سلسلہ احمدیہ کی اشاعت میں مصروف رہے ہیں۔"

اس جگہ مولوی صاحب نے چند مخالفوں کے ساتھ مباحثات بھی کیے۔ چنانچہ ایک مباحثہ درباره حیات و وفاتِ مسیح ناصری (معہ چند دیگر مفید رسائل کے) ملک مصر میں اپنے خرچ پر طبع کروایا تھا جس کی بہت سی وہ کاپیاں اس جگہ لائے ہیں اس کا نام ہدیہ سعدیہ رکھا ہے۔" مصر سے واپسی کے بعد آپ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے استاد مقرر ہوئے اور ساتھ ہی آپ کو حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاول کے مطب میں کام کرنے اور آپ کی شاگردی میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

چنانچہ اخبار بدر ۱۲ جنوری ۱۹۰۶ء صہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ۱۹۰۵ء میں جن خوش نصیب اصحاب نے آپ سے دینیات کی تعلیم حاصل کی ان میں حضرت علّامہ حافظ روشن علی صاحب، سید عبدالحی صاحب عرب، ابو سعید صاحب عرب۔ اور حضرت مولوی محمد جی صاحب داتوی کے علاوہ آپ بھی شامل تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل آپ سے بہت الفت رکھتے تھے۔ مطب میں ہوتے تو آپ بھی ساتھ ہوتے لائبریری میں ہوتے تو یہ ہونہار شاگرد وہاں بھی ساتھ رہتا۔ حضرت شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی کی روایت ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول نے ایک بار حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری اور مولوی غلام محمد صاحب کے متعلق فرمایا۔ "ہم ان کی محبت اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے"۔ ۲۵ جنوری ۱۹۱۰ء سے آپ کا تقرر مدرسہ احمدیہ کے استاذ کی حیثیت سے ہوا۔ اس وقت حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر تھے حضرت[1] مولوی صاحب قریباً پینتس ۳۵ سال تک اس مرکزی درسگاہ میں پڑھاتے رہے اور ۱۹۴۵ء میں ریٹائرڈ ہوئے[2]

آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ سلسلہ کے اکثر قدیم مبلغوں اور ممتاز علماء کو آپ کی

---

[1] روزنامہ الفضل ۹ مئی ۱۹۵۶ء صہ ؛ [2] روزنامہ الفضل ۹ مئی ۱۹۵۶ء صہ

شاگردی کا فخر حاصل ہے ۔

آپ نے مدرسہ احمدیہ کی تدریس کے دوران میں حضرت مسیح موعودؑ کی کتب میں سے براہین احمدیہ (چاروں حصے) فتح اسلام ۔ توضیح مرام ۔ ازالہ اوہام کا ترجمہ کیا ۔

حضرت مولوی صاحب کی پہلی شادی حضرت منشی حبیب احمد صاحب کی صاحبزادی سکینہ بیگم صاحبہ سے ہوئی ۔ اس شادی کا واقعہ عجیب ہے ۔ چنانچہ شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی کی روایت ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل کے پاس ہماری موجودگی میں منشی حبیب احمد صاحب تشریف لائے ۔ اور عرض کی حضور میری دو بیٹیاں ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کی ایسی جگہ شادی ہو کہ دو بھائی ایک گھر میں ہوں ۔ تاکہ دونوں بیٹیاں اکٹھی رہ سکیں ۔ حضرت مولوی صاحب نے حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری اور مولوی غلام محمد صاحب امرتسری کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا ۔ " یہ دونوں میرے بیٹے ہیں ان سے شادی کر دیں " چنانچہ استانی میمونہ بیگم صاحبہ کی مولوی غلام احمد صاحب سے شادی ہوئی اور محترمہ سکینہ بیگم صاحبہ کی مولانا سے ۔ اس پہلی بی بی کی وفات کے بعد مولانا احمد خان صاحب نسیم کی ہمشیرہ محترمہ بیگم جی صاحبہ آپ کے عقد میں آئیں ۔ مگر اولاد کسی بی بی سے نہیں ہوئی[1] تقسیم ملک کے بعد آپ ربوہ میں مولانا احمد خان صاحب نسیم کے ہاں رہائش پذیر رہے[2]

شیخ محمود احمد صاحب عرفانی نے الحکم ۲۱ ستمبر ۱۹۲۳ء میں آپ کی سیرت و شمائل پر حسب ذیل نوٹ سپرد قلم کیا ۔

" مولوی غلام نبی صاحب قادیان میں بالکل جوانی کے ایام میں آئے ۔ اس زمانے میں آپ طالب علم تھے ۔ قادیان میں ہی ساری تعلیم مکمل کی اور یا پھر کچھ عرصہ مصر میں رہے ۔ قادیان میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور پھر قادیان میں ہی مدرسہ احمدیہ میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا ۔ اس سے پہلے مدرسہ سے باہر بھی طالب علموں کو درس دیتے رہے ۔ مولوی صاحب کی زندگی توکّل الٰہی کا ایک زندہ نمونہ ہے اور اگر کسی شخص نے غور سے ان کی زندگی کا مطالعہ کیا ہو تو اس کو معلوم ہو جائے گا یہ شخص توکّل کے کس مقام پر بیٹھا ہے ۔ باوجود اس کے کہ انکو ابتداء میں بہت تھوڑی تنخواہ ملتی تھی مگر کبھی انہوں نے اس کی شکایت نہ کی اور اس پر بعض اوقات تنخواہ کئی ماہ بعد ملتی تو بھی ان کو گھبراتے ہوئے کبھی نہ دیکھا گیا ۔

---

[1] الفضل ۹ مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ ؛ [2] الفضل ۲۹ اپریل ۱۹۵۶ء صفحہ ۸

ان کے الٰہی توکل کی میں ایک مثال پیش کرتا ہوں ایک دفعہ وہ بیمار تھے ۔ اور ان کے لیے طبیب کی رائے تھی ۔ کہ وہ کسی پہاڑ پر چلے جاویں ۔ روپیہ ان کے پاس نہ تھا ادھر وہ عزم کر چکے تھے کہ کل میں چلا جاؤں گا ۔ میں چونکہ ان کا شاگرد تھا اور پھر وہ مجھ سے ہمیشہ سے اس طرح محبت کرتے چلے آئے جیسے شفیق باپ یا مہربان اُستاد انہوں نے مجھ سے ان لفظوں میں ذکر کیا ۔ شیخ صاحب کوئی روپیہ تو نہیں ہوگا؟ میں کل علاج کے لیے پہاڑ پر جانا چاہتا ہوں اور اس وقت روپیہ میرے پاس نہیں ۔ تنخواہ صرف ایک ماہ کی ملی تھی وہ دکانداروں کو دیدی ہے ۔ میں اس وقت الحکم کو چلاتا تھا ۔ مگر افسوس اس وقت روپیہ میرے پاس نہ تھا ۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ مولوی صاحب نے قرآن کریم لے کر اور غالباً مجربات نورالدین اور انجیل ، اور ایک کمبل لے کر ٹھیک اس وقت سفر اختیار کیا جس کا عزم تھا ۔ اس سے جہاں مولانا کے توکل کا پتہ لگتا ہے وہاں عزم کا بھی پتہ چلتا ہے ۔ روپیہ یا پیسہ مولانا کے عزم کے راستے میں کبھی روک نہ ہوا ۔ اس سے ممکن ہے کسی کی طبیعت اس طرف چلی جائے ۔ کہ مولانا نے پھر سفر میں کس طرح گذارہ کیا؟ ۔ جبکہ پیسہ نہیں تھا ۔ کیا انہوں نے مانگ کر گذارہ کیا یہ فکر بالکل باطل ہے ۔ میں نے خوب باریک نگاہ سے دیکھا ہے کہ مولانا سوال سے اسقدر گھبراتے ہیں جس کی حد نہیں ۔ قادیان میں رہتے ہوئے جہاں ہر طرف ان کے دوستوں کی ایک جماعت ہے وہ سوال نہیں کرتے ۔ دکانداروں سے ان کے کھلے حساب نہیں ہیں ۔ جہاں تک میرا علم ہے مولوی محمد عارف صاحب (جو کہ مولوی صاحب کی طرح درویشانہ زندگی گذارنے کے لیے خلیفہ اوّل کے شاگردوں کی صف میں شمار ہیں) سے کبھی کوئی چیز لے لیتے ۔ یا مولوی غلام رسول صاحب افغان سے کیونکہ وہ بھی حضرت خلیفہ اوّل کے شاگرد ہیں ۔ اسی طرح مولانا کے کلاس فیلو یا دوست ہیں وہ بھی ، مولانا کا اُدھار اس احتیاط سے ہوتا کہ جس کو تنخواہ پر فوراً ادا کر دیں وہ تقاضا کرنے والے شخص سے نہ حساب رکھتے اور نہ اتنا حساب بھی لمبا رکھتے کہ تقاضا ہو ۔

ہمیشہ وہ اپنی آمد کے حساب سے چلتے اور اسی کے موافق خرچ کرتے ۔ میں نے دیکھا کہ مولانا نے بارہا میرے سامنے ایک روپیہ کا بکری کا دودھ خریدا ۔ اس لیے کہ وہ بیمار تھے اور دودھ ان کے لیے لازمی تھا ۔ اور انہوں نے دیکھا کہ میں قلیل تنخواہ پاتا ہوں ۔ اگر میں دودھ پیوں تو پھر کھانے وغیرہ کا گذارہ نہیں ہو سکتا ۔ تو مولانا نے ایسا کرنا کہ دودھ میں ایک پیسے کے میٹھے چنے جن پر کھانڈ لگی ہوئی ہوتی ہے لیکر ڈال لیتے اس طرح سے دودھ بھی میٹھا ہو جاتا اور دودھ کے

ساتھ چنے چبا لیتے اور تھوڑی دیر بعد پانی پی لینا۔ اس طرح سے مَیں نے ان کو مدّتوں کرتے ہوئے دیکھا اور کبھی ان کو قلّتِ آمد کا شاکی نہ پایا۔

مولانا فرائضِ منصبی کی ادائیگی کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں۔ مدرسہ میں تعلیم دیتے ہیں آندھی ہو بارش ہو سردی ہو گرمی ہو، مولانا مدرسہ میں موجود رہتے بلکہ آدھ گھنٹہ سکول کے وقت سے پہلے ہی موجود ہو جاتے مولوی صاحب پر بعض سخت ترین بیماریاں حملہ کرتی رہیں اور ان بیماریوں میں بھی کبھی مولانا کو رخصتیں لیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ گھٹنے پر پھوڑا نکل آیا اور مولانا چل نہیں سکتے تھے۔ مدرسہ کے ایک کمرے میں بیٹھے رہتے، وہاں جماعتیں آجاتیں۔ یہ کمرہ احمدیہ بازار میں صدر انجمن کے دفتر کی سیڑھیوں کے نیچے ہے جس میں حافظ حامد علی صاحب دکان کرتے تھے۔ کرسی پر بیٹھے رہتے اور وہیں بیٹھے بیٹھے درس دیتے اور کرسی پر ہی نماز پڑھتے۔ مَیں نے ان کو سخت تکلیف میں بھی وضو سے نماز پڑھتے پایا۔

اسی طرح ایک دفعہ مولانا، حضرت خلیفہ اوّل .... کے مکتب کے پاس ایک چھوٹا سا مکان ہے اس میں بیمار تھے۔ جگر کی بیماری تھی سخت بدبودار دوائی جس کے تعفن سے میرا دماغ پھٹا جاتا تھا چھاتی پر لگائے ہوئے نہایت صبر سے پڑے رہتے اور باقاعدہ طالب علموں کو درس دیتے۔

ان بیماریوں میں مَیں نے کبھی خدا کا شاکی نہ پایا بلکہ ہمیشہ تین لفظ ان کے منہ سے سُنے۔ رحم۔ کرم۔ فضل۔ ان کی اس قدر تکرار کرتے کہ پڑھانے پڑھاتے ان کے منہ سے بے اختیار یہ لفظ نکل جاتے۔ اسی طرح پھر ایک دفعہ بیمار ہوئے تو مدرسہ احمدیہ کے بورڈنگ میں لیٹ کر پڑھاتے۔ مگر مَیں نے نہیں دیکھا۔ کہ کبھی انہوں نے رخصتوں کے لیے درخواست دی ہو۔ اور اسی طرح پر بھی نہیں دیکھا کہ ان کو تکلیف ہے تو انہوں نے درس میں کوتاہی کی ہو۔ بلکہ صحت اور بیماری میں یکساں درس دیتے۔ طالب علموں سے کام کرانے کی عادت قطعاً ان میں نہیں تھی بوجہ غربت کے ابتداء میں مولانا کے پاس برتن نہ تھے ایک چائے بنانے والی کیتلی تھی۔ اس میں دال یا چاول الگ اُبال لیتے یا کھچڑی پکا لیتے۔ اور کبھی کسی طالب علموں کو نہ کہا کہ تم پکا دو۔ یا یہ کر دا دو وہ کر دو۔ اپنے کپڑے اکثر اوقات خود دھو لیتے۔ اب جبکہ مولانا نے دار الفضل میں ایک مکان بنایا تو آٹا وغیرہ خرید کر اور خود ہی اُٹھا کر لے جاتے اور کبھی کسی طالب علم کو یہ نہیں کہا کہ تم اٹھا کر لے چلو۔

طالب علموں کو مارنے کی مولانا کو بہت کم عادت ہے۔ اور اگر کبھی کسی کو مارا بھی تو منہ پر طمانچے

نہیں مارتے ۔ کیونکہ حدیث نبوی میں اس کے خلاف ہے ۔ اور اگر کسی طالب علم کو ناراض ہوتے تو فوراً استغفار اور لاحول پڑھتے ۔ کبھی طالب علموں کو گالی نہیں دی اور اگر دیتے تو صرف اتنا کہتے اُلّو آدمی ہے یا کیا ہے ؟ ۔ یا بہت ناراض ہوتے تو کہدیتے ادگدھے ۔ اس پر بھی فوراً استغفار کرتے ۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ایسے اساتذہ سے طالب علم ڈرتے نہیں ۔ مگر میں نے خوب دیکھا کہ مولانا کا ضبط جماعت پر ہمیشہ اعلیٰ درجے کا رہا ۔ اور طالب علم ڈرتے رہتے ۔ مولانا کو قرآن کریم سے از حد محبت ہے ۔ بلکہ ایک عشق ہے ۔ خالی وقت میں قرآن کریم پر تدبر کرتے ہیں ۔ مولانا نے بعض قرآنوں پر ہزاروں مرتبہ پڑھا ہوگا ۔ اکثر حصہ قرآن کریم کا حفظ ہے ۔ بیماریوں کی وجہ سے سارا قرآن حفظ نہ کرسکے ۔ تاہم بہت حد تک حافظ ہیں ۔

مولانا اکثر طالبعلموں کو قرآن کریم حفظ کرانے کی کوشش کرتے اور بلکہ بارہا فرماتے کہ قرآن کریم حفظ کرنا مشکل ہی نہیں ۔ ہر روز دو تین آیت حفظ کرلیں اور ان کو سُنن اور نوافل میں اور وتروں میں پڑھتے رہیے ۔ جب خوب حفظ ہوگئیں پھر آگے کی آیتیں حفظ کرلیں اور حقیقت میں یہ طریق نہایت ہی عمدہ ہے ۔ اس سے مولانا کی محبتِ قرآنی کا پتہ چلتا ہے ۔ مولانا نے جب پہلی شادی کی تو حضرت خلیفہ اوّل ..... کے ایک چھوٹے سے مکان میں رہتے تھے ۔ میں اس وقت ان سے سلسلۃ "القراۃ العربیہ" کا پہلا حصہ پڑھتا تھا ۔ مولانا کے گھر میں چلا جایا کرتا تھا کیونکہ میں اس وقت بچہ تھا ۔ میں نے دیکھا کہ مولانا کی شادی کو ابھی دو تین دن ہی ہوئے تھے ۔ مگر مولانا اپنی بیوی کو روزانہ باقاعدہ قرآن کریم ترجمے سے پڑھاتے تھے ۔ میں ان کی اندرون خانہ زندگی پر اس سے زیادہ بحث نہیں کرسکتا کیونکہ اس وقت مجھکو زیادہ شعور نہ تھا ۔ تاہم مجھ کو خوب یاد ہے کہ مولانا نے شادی کے بعد معاً ہی اپنی مرحومہ بیوی کو قرآن کریم پڑھانے لگ گئے تھے اور اگر ان کے گھر میں کوئی بات ہوتی تو قرآن کی ۔ ان کا گھر نہایت ہی مختصر اشیاء کا مجموعہ تھا ۔ چند مٹی کے برتن اور ایک دو لکڑی کے صندوق تھے مگر اس میں میں نے دیکھا کہ میاں بیوی میں از حد اخلاص تھا میں مختلف وقتوں میں مولانا کے ہاں گیا ۔ میں نے کبھی نہ دیکھا مگر دونوں کو علمی اور دینی شغل میں ۔

نئی شادی عجیب امنگوں کو لے کر آتی ہے مگر قادیان کی زندگی جو کہ ملکوتی زندگی ہے اگر ایک نوجوان دولہا اور دلہن کو کوئی بات سکھلاتی ہے تو وہ قرآن کریم ہے ۔

مولوی صاحب کو خدا تعالیٰ نے توفیق دی کہ قادیان میں مکان بنایا ۔ اس کا اکثر حصہ مولوی صاحب نے خود ہی بنایا ۔ مکان کیا ہے ایک جھونپڑا ہے ۔ سامنے اس کے نہایت بے ترتیب ایک درختوں کی

باغیچی ہے مولوی صاحب نے مکان بنایا اور مکان کے لیے کھڑکیاں اور دروازے ہوا کے اسلوب پر نہیں بلکہ اذان کی آواز کی سمت پر رکھے۔ ہر وقت اللہ کی یاد ہے بے غرض بے لوث زندگی گزارنی یہ مولانا کی زندگی کا فوٹو ہے۔

میرے نزدیک دنیا پر کوئی شخص نہ ہوگا جس کو مولانا کے ہاتھوں تکلیف پہنچی ہو۔ مولانا کا گھر محض دنیا کی فانی زندگی بسر کرنے کے لیے ایک سرائے ہے۔ ایک دفعہ مولانا ایک سخت بیماری کے حملے کے نیچے تھے میں نے سوال کیا کہ کیسی طبیعت ہے فرمایا کہ میں تو کبھی اللہ تعالیٰ سے مایوس نہیں ہوا پہلے بھی اس نے میرے پر فضل کیا اور اب بھی کرے گا۔ میں اس کی رضا پر راضی ہوں

مولانا کو دعاؤں کی از حد عادت ہے لوگوں کو ہمیشہ وعظ کرتے رہنا اور نماز کی تاکید کرتے رہنا۔ اکثر مولانا صبح کو یا شام کو سیر کے لیے جاتے ہیں۔ مگر اس سیر میں تنہائی کو پسند کرتے ہیں۔ الغرض مولانا نہایت سادی اور پاکیزہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ میں نے کبھی ان کی پیشانی پر شکن اور غصہ کے آثار نہیں دیکھے۔ میں نے جب مولانا سے پڑھنا چھوڑا تھا مولانا کو ہمیشہ دیکھا کہ جب کبھی مجھ کو دیکھنے تو دور سے دیکھ کر مسکرانے لگ جانا اور پہلے سلام علیکم فرمانا۔

بہت زیادہ باتوں کو مولانا پسند نہیں کرتے اور اپنے آپ کو مجلسوں میں ظاہر کرنے کی عادت نہیں۔ سلسلہ کی ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت کو بھی فخر جانتے ہیں۔ چنانچہ بارہا سالانہ جلسہ میں میں نے دیکھا ہے کہ سالن کا پیپا یا بالٹی اُٹھائی ہوئی بڑی سرعت سے مہمانوں کی طرف لے جا رہے ہیں۔ الغرض مولوی غلام نبی صاحب اسلام کی ایک خوبصورت تصویر کا نام ہے"[1]

آپ کی وفات پر حضرت مصلح موعودؓ نے مرتی سے حسب ذیل تعزیتی پیغام ارسال فرمایا:۔

"مولوی غلام نبی صاحب مصری کی وفات کی خبر پر بہت صدمہ ہوا۔ میری طرف سے ان کے رشتہ داروں سے دلی ہمدردی کا اظہار کریں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی روح کو رفعت اور بلندی عطا کرے"

خلیفۃ المسیح[2]

---

[1] الحکم ۱۲ ستمبر ۱۹۲۳ء صہ ۵ ر۶ :: [2] الفضل یکم مئی ۱۹۵۶ء صہ ۱

حضرت منشی میر محمد اکرم صاحب داتوی

(ولادت ۱۸۸۱ء ، بیعت قبل از ۱۹۰۰ء ، وفات ۳ مئی ۱۹۵۶ء[1])

آپ کا اصل وطن داتہ ضلع ہزارہ تھا۔ اس گاؤں کے بارہ بزرگوں نے حضرت مسیح موعود و مہدی موعود کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا تھا۔ جن میں آپ کو ایک ممتاز حیثیت حاصل تھی حضرت میر ناصر نواب صاحب نے اس بستی کے ان بزرگوں کا ذکر اپنے سفرنامہ[1] میں بھی فرمایا ہے۔

حضرت مولوی محمد جی صاحب ہزاروی[2] نے آپ کی وفات پر ایک مختصر نوٹ میں لکھا:۔

"مغفور عین عنفوان شباب میں ۱۹۰۰ء سے کچھ قبل حلقہ بگوش احمدیت ہوئے تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس حاضر ہونے کا شرف اکثر حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۰۴ء کے ماہِ جولائی میں کئی روز حضرت اقدس کی مجلس میں گذارے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہدایت کی روشنی میں اسلام کے احکام کی ثابت قدمی سے پیروی کرتے رہے۔ پانچوں اوقات نماز باجماعت پڑھتے تھے اور نصف شب کے بعد نہایت خوش الحانی سے شوق انگیز لہجہ میں قرأت تہجد کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ سنجیدہ خصلت کے تھے۔ کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں کرتے تھے۔ جو بات سمجھانی چاہتے تھے نرمی اور محبت سے سمجھاتے تھے۔ دیانت و امانت میں آپ مشہور تھے۔ ہزاروں کی نقدی لوگ آپ کی تحویل میں رکھتے تھے۔ آپ کی عمدہ شمائل اور اچھے تعامل کے باعث لوگ آپ پر بھروسہ رکھتے تھے۔ احمدیت کی تعلیم کا نمونہ تھے۔ موضع داتہ میں بارہ زمیندار ایسے تھے۔ جو ہفتوں، مہینوں قادیان میں رہ کر فیوض حاصل کرتے اور پھر وطن واپس ہو کر تبلیغ میں لگ جاتے تھے۔ انہی کے اثر سے شمال مغربی کشمیر کاغان۔ بگل تناول، یاغستان ہزارہ میں احمدیت کا آفتاب چمکا مفتی سلسلہ احمدیہ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب جامع مسجد ایبٹ آباد کی امامت چھوڑ کر احمدی ہوئے۔ اور شاہزادہ بخارہ عبدالمالک صاحب نے اپنا فرزند قادیان بھیجا۔ جو اب باپ کے پہلو میں سویا ہوا ہے۔ ۱۹۰۵ء میں باغ بن سجادہ نشین عبدالرحمٰن صاحب ساکن چھوہر نے حاضر ہو کر بیعت کی۔ حضرت مسیح موعودؑ کے ان بارہ رفقاء میں سے ایک جرگہ کے ممبر بھی تھے

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۰ مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ ؛ [2] آبائی وطن کوکھنگ ضلع ایبٹ آباد

حکام وقت ان کی ہی بات درست مانا کرتے تھے ۔مجرموں کے اقرباء نے اہلِ جرگہ کو ایک موقع پر نقدی دینی چاہی ۔ مگر جب پتہ لگا کہ ان میں سے واتا کا ایک احمدی بھی ہے تو دوسرے ممبروں کو بھی نقدی نہ دی کہ احمدی نے کسی کی رُو رعایت نہیں کرنی اور نہ اس نے نقدی لینی ہے اور فیصلہ بھی اس کی تحریر پہ ہو گا اس لیے دوسروں کو رشوت دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔"[1]

بابا بھاگ صاحب امرتسری درویش قادیان

(ولادت : غالباً ۱۸۵۶ء بیعت دستی : ۱۹۰۴ء : وفات : ۱۸ جون ۱۹۵۶ء)

مرحوم راجپوت جنڈیال قوم سے تعلق رکھتے تھے اصل وطن موضع جھگڑوی ڈاکخانہ مکیریاں ضلع ہوشیارپور تھا۔ ۱۹۲۱ء میں وصیت کی۔اور ہجرت کر کے قادیان آ گئے[2] اور آخر دم تک نہایت خاموشی، تنہائی اور دعاؤں سے درویشانہ زندگی بسر کی[3]

خانبہادر حضرت مولوی غلام محمدؓ صاحب آف گلگت

(ولادت ۱۸۷۱ء[4] : بیعت : ۲۰ جنوری ۱۸۹۲ء[5] : وفات ۲۶ جون ۱۹۵۶ء[6])

آپ کا اصل وطن بھیرہ تھا۔ ملازمت کے دوران آپ گلگت ۔ لداخ اور کشمیر میں اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز رہے ۔ ایک دن گلگت کے انچارج گورنر بھی رہے آپ کی شکل و شباہت حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب سے بہت ملتی تھی۔ نہایت سادہ مزاج ۔ مخلص اور متوکل بزرگ تھے ۔ ملازمت سے ریٹائرڈ ہو کر قادیان تشریف لے آئے ۔اور تقسیم ملک کے بعد بھیرہ میں ہی رہائش اختیار کر لی اور یہیں وفات پائی اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں سپرد خاک کئے گئے[7] کتاب[8] گلگت کے تہوار اور عوامی روایات

---

[1] الفضل ۲۰ مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ اور صفحہ ۶ ۔ [2] بدر قادیان ۲۸ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۷ ۔ [3] "وہ پھول جو مرجھا گئے" حصہ اوّل صفحہ ۲۹ از چوہدری فیض احمد صاحب گجراتی درویش۔ ناظر بیت المال آمد قادیان ۔ [4][5] الفضل ۲۹ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ [6] رجسٹر بیعت اولیٰ ۔ [7] "بھیرہ کی تاریخ احمدیت" صفحہ ۱۳۰ و صفحہ ۱۳۱ مؤلفہ فضل الرحمٰن صاحب بسمل ربوہ سابق امیر جماعت احمدیہ بھیرہ ۔ شہادت حضرت سید احمد نور کابلی صاحبؓ رحضرت شہزادہ عبداللطیف شہیدؓ ص ۱۱۵ و ۱۳۵ مرتبہ دوست محمد شاہد ۔ طبع دوم ۱۹۸۹ء) (باقی صفحہ ۳ حاشیہ پر)

(FESTIVALS AND FOLKLORE OF GILGIT) آپ کی علمی یادگار ہے۔
آپ تحریک جدید کی پانچہزاری فوج میں شامل تھے۔

حضرت منشی قاضی محبوب عالم صاحب راجپوت سائیکل ورکس نیلہ گنبد لاہور

(ولادت ۱۸۷۸ء قریباً، بیعت ۱۸۹۸ء، وفات ۱۹ رجولائی ۱۹۵۶ء[1])

آپ نے کن حالات میں قبولِ احمدیت کی ؟ ۔ اس کی تفصیل آپ ہی کے قلم سے درج ذیل کی جاتی ہے ۔

" میں جب طالب علم تھا ۔ آٹھویں جماعت میں تو حنفی اور وہابی لوگوں کی یہاں لاہور میں بہت بحث ہوا کرتی تھی ۔ مَیں حنفی المذہب تھا ۔ مجھے شوق پیدا ہوا کہ وہابیوں کی مسجد میں بھی جاؤں ۔ چنانچہ مَیں نے چینیانوالی مسجد میں جانا شروع کیا ۔ جب مَیں ان کی مجلس میں بیٹھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ قال اللہ اور قال الرسول کے سوا کچھ نہیں کہتے ۔ میری طبیعت کا رجحان پھر اہلحدیث کی طرف ہوگیا ۔ بعض وقت وہابیوں کی مجلس میں حضرت صاحب کا بھی ذکر آجایا کرتا تھا ۔ کہ وہ کافر ہیں ۔ اور ان کا دعوئے مسیحیت اسلام کے خلاف ہے ۔ طبعاً مجھے پھر اس طرف توجہ ہوئی ۔ چنانچہ ایک شخص حضرت ولی اللہ صاحب ولد بابا ہدایت اللہ صاحب، کوچہ چابک سواراں احمدی تھے ۔ مَیں ان کی خدمت میں جانے لگا اور ان سے حضرت صاحب کے متعلق کچھ معلومات حاصل کیں ۔ انہوں نے بھی استخارہ کرنے کے واسطے توجہ دلائی ۔ چنانچہ ان سے میں نے طریق استخارہ سیکھ کر اور دعائے استخارہ یاد کر کے استخارہ کیا ۔ رات کے دو بجے ۔ دوسرے روز میں ابھی استخارہ کی دعا پڑھ کر سویا ہی تھا ۔ کہ رؤیا میں مجھے کسی شخص نے کہا کہ آپ اٹھ کر دو زانو بیٹھیں کیونکہ آپ کے پاس حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے

(بقیہ حاشیہ ۲۹۹ سے آگے) اس کا دوسرا ایڈیشن حسب ذیل ادارہ نے شائع کیا ہے ۔
"NATIONAL INSTITUTE OF FOLK HERITAGE
ISLAMABAD (PAKISTAN)

[1] الفضل ۲۲ رجولائی ۱۹۵۶ء صہ

ہیں۔ اور مجھے بھی زینے سے کسی آدمی کے چڑھنے کی آواز آئی۔ چنانچہ میں رؤیا ہی میں دوزانو بیٹھ گیا۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک نہایت متبرک سفید لباس میں انسان آیا ہے۔ اور انہوں نے ایک بازو سے حضرت مرزا صاحب کو پکڑ کر میرے سامنے کھڑا کر دیا ہے اور فرمایا "ھذا الرجل خلیفۃ اللہ واسمعوا و اطیعوا" پھر وہ واپس تشریف لے گئے۔ اور حضرت صاحب میرے پاس کھڑے ہو گئے اور اپنی ایک انگلی اپنی چھاتی پر مار کر کہا۔

"ایہو رب خلیفہ کیتا ایہو مہدی جانو"

پھر ایک اور نظم کی رباعی بھی پڑھی۔ لیکن میں بھول گیا ہوں۔ اس کا مطلب بھی یہی تھا۔ کہ میں مسیح موعود ہوں۔ میں پھر بیدار ہو گیا۔ صبح میں بجائے سکول جانے کے قادیان روانہ ہو گیا گاڑی بٹالہ تک تھی۔ اور قریباً شام کے وقت وہاں پہنچی تھی۔ میں بٹالہ کی مسجد میں جو اڈے کے سامنے چھوٹی سی ہے۔ نماز پڑھنے کے لیے گیا۔ مغرب کی نماز پڑھ رہا تھا۔ کہ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا لاہور سے آیا ہوں اور قادیان جانے کا ارادہ ہے۔ انہوں نے حضرت صاحب کو بہت گالیاں دیں اور مجھے وہاں جانے سے روکا۔ جب میں نے اپنا مصمم ارادہ ہی ظاہر کیا تو انہوں نے مجھے مسجد سے نکال دیا۔ میں اڈے میں آگیا مگر کچھ لوگ اڈے پر بھی میرے پیچھے آئے۔ اور مجھے ہر چند قادیان جانے سے روکا۔ اور کہا کہ اگر تم طالب علم ہو تو ہم تمہیں یہاں بڑے میاں کے پاس بٹھا دیں گے۔ اور تمہاری رہائش اور لباس کا بھی انتظام کر دیں گے مگر میں نے عرض کیا میں پہلے ہی لاہور میں پڑھتا ہوں۔ اس لیے مجھے یہاں پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میں قادیان میں حضرت صاحب کی زیارت کے لیے جا رہا ہوں۔ اس پر انہوں نے زیادہ مخالفت شروع کی۔ مگر میں نے پرواہ نہ کی۔ اور قادیان کی طرف شام کے بعد ہی چل پڑا۔ اندھیرا بہت تھا۔ رات کا کافی حصہ گزر چکا تھا۔ اور راستہ پہلے دیکھا ہوا نہیں تھا۔ میں غلطی سے چراغ کی طرف دیکھ کر جو دور جل رہا تھا۔ مسانیاں چلا گیا۔ وہاں نماز عشاء ہو چکی ہوئی تھی۔ ایک آدمی مسجد میں بیٹھا ذکر الٰہی کر رہا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں جائیں گے۔ اور کہاں سے آئے ہیں۔ میں نے کہا لاہور سے آیا ہوں۔ اور حضرت مرزا صاحب کو ملنا چاہتا ہوں۔ اس نے جواباً کہا کہ یہ مسانیاں ہے قادیان نہیں ہے۔ قادیان یہاں سے دور ہے اور تم یہاں سو جاؤ صبح کے وقت جانا۔ رستہ مخدوش ہے۔ چنانچہ میں وہاں مسجد میں لیٹ گیا۔ اور چار

بجے کے قریب جب چاند چڑھا تو مَیں نے اس شخص کو کہا کہ مجھے رستہ دکھا دو۔ وہ مجھے وڈالہ تک چھوڑ گیا۔ اور مجھے سڑک دکھا گیا۔ چنانچہ میں نے صبح کی نماز نہر پر پڑھی۔ اور سورج نکلنے پر قریبًا ایک گھنٹہ بعد قادیان پہنچ گیا۔ قادیان کے چوک میں جاکر مَیں نے ایک شخص سے پوچھا کہ بڑے مرزا صاحب کہاں ہیں۔ اُس نے مجھے کہا کہ وہاں نہا کر سامنے مکان کی حویلی میں تخت پوش پر بیٹھے حقّہ پی رہے ہیں۔ مَیں سُنتے ہی آگے بڑھا۔ تو مَیں نے دیکھا کہ ایک معمر شخص نہا کر تخت پوش پر بیٹھا ہے۔ اور بدن بھی ابھی اس کا گیلا ہی ہے۔ اور حقّہ پی رہا ہے۔ مجھے بہت نفرت ہوئی۔ اور قادیان آنے کا افسوس ہوا۔ مَیں مایوس ہو کر واپس ہوا۔ موڑ پر مجھے ایک شخص شیخ حامد علی صاحب ملے انہوں نے مجھے پوچھا۔ کہ آپ کس جگہ سے تشریف لائے ہیں۔ اور کس کو ملنا چاہتے ہیں۔ مَیں نے کہا مَیں نے جس کو ملنا تھا۔ اس کو مَیں نے دیکھ لیا ہے۔ اور اب مَیں واپس لاہور جا رہا ہوں۔ میرے اس کہنے پر انہوں نے مجھے فرمایا کہ کیا آپ مرزا صاحب کو ملنے کے لیے آئے ہیں۔ تو وہ یہ مرزا نہیں ہیں وہ اور ہیں۔ اور مَیں آپ کو ان سے ملا دیتا ہوں۔ تب میری جان میں جان آئی۔ اور مَیں کسی قدر تسکین پذیر ہوا۔ حامد علی صاحب نے مجھے فرمایا کہ آپ ایک رقعہ لکھدیں۔ مَیں اندر پہنچاتا ہوں۔ چنانچہ مَیں نے ایک رقعہ پر پنسل کے ساتھ ایک خط لکھا۔ جس میں مَیں نے مختصراً یہ لکھا۔ کہ مَیں طالب علم ہوں۔ لاہور سے آیا ہوں۔ زیارت چاہتا ہوں۔ اور آج ہی واپس جانے کا ارادہ ہے۔ حضور نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ مہمان خانہ میں ٹھہریں اور کھانا کھائیں۔ اور ظہر کی نماز کے وقت ملاقات ہوگی۔ اِس وقت مَیں ایک کتاب لکھ رہا ہوں اور اس کا مضمون میرے ذہن میں ہے۔ اگر مَیں اس وقت ملاقات کے لیے آیا۔ تو ممکن ہے کہ وہ مضمون میرے ذہن سے اُتر جائے اس واسطے آپ ظہر کی نماز تک انتظار کریں۔ مگر مجھے اس جواب سے کچھ تسلی نہ ہوئی۔ مَیں نے دوبارہ حضرت کو لکھا۔ کہ مَیں تمام رات مصیبت سے یہاں پہنچا ہوں۔ اور زیارت کا خواہشمند ہوں۔ للہ مجھے کوئی وقت شرفِ زیارت سے سرفراز فرمائیں۔ تب حضور نے مائی دادی کو کہا کہ ان کو مبارک مسجد میں بٹھاؤ اور مَیں ان کی ملاقات کے لیے آتا ہوں۔ مجھے وہاں کوئی پندرہ منٹ بیٹھنا پڑا۔ اس کے بعد حضور نے مائی دادی کو بھیجا کہ ان کو اس طرف بلاؤ۔ حضرت صاحب اپنے مکان سے گلی میں آگئے۔ اور مَیں بھی اس گلی میں آگیا۔ دور سے میری نظر جو حضرت صاحب پر پڑی۔ تو دہی رؤیا میں جو شخص مجھے دکھایا گیا تھا۔ بعینہٖ وہی حلیہ تھا۔ حضرت صاحب کے ہاتھ میں عصا بھی تھا پگڑی

بھی تھی گویا تمام وہی حلیہ تھا۔ اس سے قبل وادی کی معرفت معلوم ہوا تھا۔ حضرت کپڑے اُتار کر تشریف فرما ہیں مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو مجھے رؤیا و الانتظارہ دکھانا منظور تھا۔ اس لیے حضور نے جو لباس زیب تن فرمایا وہ بالکل وہی تھا۔ جو مَیں نے رؤیا میں دیکھا تھا۔ مَیں حضرت صاحب کی طرف چل رہا تھا۔ اور حضرت صاحب میری طرف آرہے تھے۔ گول کمرہ کے دروازہ سے ذرا آگے میری اور حضرت صاحب کی ملاقات ہوئی۔ مَیں نے حضرت صاحب کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ کہ یہ خواب والے ہی بزرگ ہیں۔ اور سچے ہیں۔ چنانچہ مَیں حضور سے بغل گیر ہوگیا۔ اور زار زار رونے لگا۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ وہ رونا مجھے کہاں سے آیا۔ اور کیوں آیا۔ مگر مَیں کئی منٹ روتا ہی رہا۔ حضور مجھے فرماتے تھے۔ صبر کریں صبر کریں۔ جب مجھے ذرا رونا تھم گیا۔ اور مجھے ہوش قائم ہوئی۔ تو حضور نے مجھ سے پُوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں مَیں نے عرض کیا لاہور سے۔ حضور نے فرمایا۔ کیوں آئے ہیں۔ مَیں نے کہا۔ زیارت کے لیے" حضور نے فرمایا۔ کوئی خاص کام ہے۔ مَیں نے پھر عرض کیا۔ کہ صرف زیارت ہی مقصد ہے۔ حضور نے فرمایا بعض لوگ دعا کرانے کے لیے آتے ہیں۔ اپنے مقاصد کے لیے۔ کیا آپ کو بھی کوئی ایسی ضرورت درپیش ہے مَیں نے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی ضرورت درپیش نہیں۔ تب حضور نے فرمایا کہ مبارک ہو۔ اہل اللہ کے پاس بیغرض آنا بہت مفید ہوتا ہے (یہ غالباً حضرت صاحب نے مجھ سے اس لیے دریافت فرمایا تھا کہ ان ایام میں حضور نے ایک اشتہار شائع فرمایا تھا۔ جس میں لکھا تھا۔ کہ بعض لوگ میرے پاس اس لیے آتے ہیں۔ کہ اپنے مقاصد کے لیے دعا کرائیں) اس کے بعد حضور نے مجھے فرمایا۔ کہ آپ حامد علی کیساتھ مہمان خانہ میں جائیں۔ اور ظہر کے وقت پھر ملاقات کروں گا۔ مَیں مہمان خانہ میں چلا گیا۔ وہاں کھانا کھایا ذرا آرام کیا۔ ظہر کی اذان ہوئی مجھے پہلے ہی حامد علی صاحب نے فرمایا تھا۔ کہ آپ پہلی صف میں جاکر بیٹھ جائیں۔ چنانچہ مَیں اس ہدایت کے ماتحت پہلی صف میں ہی قبل از وقت جا بیٹھا۔ حضور تشریف لائے نماز پڑھی گئی۔ نماز کے بعد حضور میری طرف مخاطب ہوئے۔ اور فرمایا کہ آپ کب جانا چاہتے ہیں۔ مَیں نے کہا حضور ایک دو روز ٹھہروں گا۔ حضور نے فرمایا۔ کم از کم تین دن ٹھہرنا چاہیئے۔ دوسرے روز ظہر کے وقت مَیں نے بیعت کے لیے عرض کیا۔ حضور نے فرمایا کہ ابھی نہیں۔ کم از کم کچھ عرصہ یہاں ٹھہریں۔ ہمارے حالات سے آپ واقف ہوں۔ اس کے بعد بیعت کریں۔ مگر مجھے پہلی رات ہی مہمانخانہ میں ایک رؤیا ہوئی۔ جو یہ تھی۔ مَیں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک نور نازل ہوا اور وہ میرے ایک کان

سے داخل ہوا۔ اور دوسرے کان سے تمام جسم سے ہوکر نکلتا ہے ۔ اور آسمان کی طرف جاتا ہے
اور پھر ایک طرف آتا ہے ۔ اور اس میں کئی قسم کے رنگ ہیں ۔ سبز ہے سُرخ ہے ۔ نیل گوں ہے۔
اتنے ہیں کہ گِنے نہیں جاتے تھے ۔ قوسِ قزح کی طرح تھے ۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا ۔ کہ تمام دنیا روشن ہے
اور اس کے اندر اس قدر سُرور اور راحت تھی ۔ کہ مَیں اس کو پہچان نہیں سکتا تھا ۔ مجھے صبح اٹھتے ہی یہ
معلوم ہوا ۔ کہ اس رؤیا کا مطلب یہ ہے کہ آسمانی برکات سے مجھے وافر حصّہ ملے گا ۔ اور مجھے بیعت کر
لینی چاہیئے ۔ اس رؤیا کی بناء پر مَیں نے حضرت صاحب سے دوسرے روز ظہر کے وقت بیعت کے
لیے عرض کیا ۔ مگر حضور نے منظور نہ فرمایا ۔ اور تین دن کی شرط کو برقرار رکھا ۔ چنانچہ تیسرے روز ظہر
کے وقت میں نے عرض کیا ۔ کہ حضور مجھے انشراحِ صدر ہوگیا ہے اور لِلّٰہ میری بیعت قبول کریں ۔ چنانچہ
حضور نے میری اپنے دستِ مبارک پر بیعت لی اور مَیں رخصت ہوکر لاہور آگیا ۔ چوتھے روز میں سکول گیا ۔ تو
مجھے ایک شخص مرزا رحمت علی صاحب آف ڈسکہ جو انجمن حمایت اسلام میں ملازم تھے ، نے اپنے پاس بلایا ۔
اور فرمایا کہ تم چار دن کہاں تھے ۔ مَیں نے صاف صاف اُن سے عرض کر دیا ۔ کہ مَیں قادیان گیا تھا ۔ انہوں نے
کہا بیعت کر آئے ہو ۔ مَیں نے کہا ہاں ۔ انہوں نے فرمایا کہ یہاں مت ذکر کرنا ۔ مَیں بھی احمدی ہوں ۔ اور
مَیں نے بھی بیعت کی ہوئی ہے ۔ مگر مَیں یہاں کسی کو نہیں بتاتا ۔ تاکہ لوگ تنگ نہ کریں ۔ مگر مَیں نے ان سے
عرض کیا ۔ کہ مَیں تو اس کو پوشیدہ نہیں رکھونگا ۔ چاہے کچھ ہو ۔ چنانچہ ہمارے استاد مولوی زین العابدین
صاحب جو مولوی غلام رسول قلعہ والوں کے بھانجے تھے ۔ اور ہمارے قرآن ، حدیث کے استاد تھے ۔ اُن
سے مَیں نے ذکر کیا کہ مَیں احمدی ہوگیا ہوں ۔ اس پر انہوں نے بہت بُرا منایا ۔ اور دن بدن میرے ساتھ
سختی کرنی شروع کر دی حتیٰ کہ وہ فرماتے تھے ۔ کہ جو مرزا صاحب کو مانے ۔ سب نبیوں کا منکر ہوتا ہے
اور اکثر مجھے وہ کہتے تھے ۔ کہ توبہ کرو ۔ اور بیعت فسخ کرو ۔ مگر مَیں اُن سے ہمیشہ قرآن شریف کے ذریعہ حیات
وفاتِ مسیح پر گفتگو کرتا ۔ جس کا وہ کچھ جواب نہ دیتے ۔ اور مخالفت میں اس قدر بڑھ گئے کہ جب ان کی
گھنٹی آتی ۔ تو وہ مجھے مخاطب کرتے تھے ۔ او مرزائی ۔ بنچ پر کھڑا ہو جا ۔ مَیں اُن کے حکم کے مطابق بنچ پر
کھڑا ہو جاتا ۔ اور پوچھتا کہ میرا قصور کیا ہے ۔ وہ کہتے ۔ کہ یہی کافی قصور ہے کہ تم مرزائی ہو ۔ اور کافر ہو ۔
کچھ عرصہ مَیں نے اُن کی اس تکلیف دہی برداشت کیا ۔ پھر مجھے خیال آیا ۔ کہ مَیں پرنسپل کو ، جو نومسلم تھے
اور ان کا نام حاکم علی تھا ۔ کیوں نہ جا کر شکایت کروں کہ بعض استاد مجھے اس وجہ سے مارتے ہیں کہ مَیں احمدی

کیوں ہو گیا ہوں ۔ اس پر انہوں نے ایک سرکلر جاری کر دیا کہ مذہب کے اختلاف کی وجہ سے کوئی مدرس کسی لڑکے کو کوئی سزا نہ دے ۔ چنانچہ اس آرڈر کے آنے کے بعد مولوی زین العابدین صاحب اور ان کے ہم خیال استاد ڈھیلے پڑ گئے ۔ اور مجھ پر جو سختی کرتے تھے ۔ اس میں کمی ہو گئی ۔ خدا کے فضل سے میں حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اپنی تکالیف کا ذکر کرتا ۔ حضور تسلی دیتے اور فرماتے کہ کوئی بات نہیں خدا تعالیٰ فضل کرے گا" ۔ [1]

حضرت قاضی صاحب سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کی قبولیتِ دعا کا نشان تھے ۔ چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۰ رجولائی ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ کے آخر میں ارشاد فرمایا :۔

" نماز کے بعد میں ایک جنازہ پڑھاؤں گا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک پرانے رفیق قاضی محبوب عالم صاحب لاہور کا ہے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں یہ ان کی عادت تھی کہ وہ آپ کو ہر روز دعا کے لیے خط لکھا کرتے تھے ۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک جگہ پر شادی کرنا چاہتے تھے ۔ لیکن فریقِ ثانی رضامند نہیں تھا ۔ اس لیے وہ روزانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لکھتے کہ حضور دعا فرمادیں یا تو لڑکی مجھے مل جائے یا اللہ تعالیٰ میرا دل اس سے پھیر دے اب مجھے یاد نہیں رہا کہ آیا ان کا دل پھر گیا تھا ۔ یا ان کی اس لڑکی سے شادی ہو گئی تھی ۔ بہرحال دونوں میں سے ایک بات ضرور ہو گئی تھی ۔ پھر نہ صرف وہ خود اس نشان کے حامل تھے بلکہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور شخص کو بھی اپنے نشان کا حامل بنایا ۔ ہمارے ایک دوست ماسٹر عبدالعزیز صاحب تھے ۔ جنہوں نے قادیان میں طبیہ عجائب گھر کھولا ہوا تھا ۔ اس وقت ان کا لڑکا مبارک [2] احمد دواخانہ چلا رہا ہے اور ان کی دوائیاں بہت مقبول ہیں ۔ انہوں نے قاضی محبوب عالم صاحب کے متعلق سنا کہ وہ ہر روز حضرت مسیح موعودؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قسم کا خط لکھا کرتے ہیں ۔ تو انہوں نے بھی روزانہ خط لکھنا شروع کر دیا ۔ انہیں بھی ایک ذیلدار کی لڑکی سے جو ان کے ماموں یا پھوپھا تھے محبت تھی ۔ وہ روزانہ حضرت مسیح موعودؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لکھتے اور کہتے ۔ حضور دعا فرمائیں ۔ کہ قاضی محبوب عالم صاحب کی طرح یا تو میرا دل اس

---

[1] روایات جلد ۹ صفحہ ۱۲۰ تا صفحہ ۱۲۹ ۔ [2] ملک مبارک احمد خاں صاحب مرحوم ایمن آبادی (وفات ۱۸ دسمبر ۱۹۸۰ء) "تدبیر تریاق" و "رفتار زمانہ" مراد ہیں جو سلسلہ احمدیہ کے ایک مخلص خادم تھے ۔

لڑکی سے پھر جائے۔ اور یا پھر میری اس سے شادی ہو جائے۔ چنانچہ ان کی وہاں شادی ہو گئی۔ اور مبارک احمد اسی بیوی میں سے ہے۔ گویا قاضی صاحب نہ صرف خود ایک نشان کے حامل تھے بلکہ ایک دوسرے نشان کے محرّک بھی تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں اس خواہش کا اظہار کیا تھا۔ کہ میں ان کا جنازہ پڑھاؤں۔"[1]

حضرت قاضی محبوب عالم صاحب تحریک جدید کے پانچہزاری مجاہدین میں بھی شامل تھے۔ اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں سپرد خاک کیے گئے۔

اولاد: ۱۔ قاضی محمود احمد صاحب۔ ۲۔ قاضی مسعود احمد صاحب مرحوم۔

۳۔ قاضی رشید احمد صاحب ۴۔ قاضی ناصر احمد صاحب۔

۵۔ امۃ العزیز بیگم صاحبہ (اہلیہ مولوی محب الرحمٰن صاحب)

۶۔ آمنہ صدیقہ صاحبہ۔ (بیوہ مرزا مولا بخش صاحب مرحوم)

۷۔ صفیہ بیگم صاحبہ (اہلیہ شیخ احمد حسن صاحب)

۸۔ رضیہ بیگم صاحبہ (اہلیہ ملک محمد خان صاحب)

۹۔ نصرت جہاں بیگم صاحبہ (اہلیہ ملک سعادت احمد صاحب)[2]

مولوی محمد صادق صاحب مبلغ سیرالیون تحریر فرماتے ہیں:۔

"میرے دادا قاضی محبوب عالم صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہایت پرانے رفقاء میں سے تھے۔ حضرت مستری محمد موسیٰ صاحب ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ فرمایا حضور مجھے ایک نیک نوجوان کی ضرورت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قاضی محبوب عالم صاحب مرحوم کا ہاتھ پکڑ کر حضرت مستری صاحب کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اور دادا صاحب مرحوم ایک مدت مدید تک بطور منشی کے حضرت مستری صاحب کے ہاں ملازم رہے۔ بعد میں آپ نے اپنی دکان کھول لی۔ آپ ایک قابل تاجر تھے شام کو جب آپ

---

[1] الفضل ۲۷ اپریل ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔ [2] "لاہور تاریخ احمدیت" مؤلفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحب مربی سلسلہ صفحہ ۲۴۰

دکان بند کر کے گھر آیا کرتے۔ تو راستے میں اندرون دہلی دروازے کے تاجروں کو تبلیغ کرنا شروع کر دیتے تھے۔ بعض اوقات رات کے گیارہ بارہ بج جاتے۔ لیکن آپ ہمہ تن تبلیغ میں مشغول ہیں۔ اور ایک بہت بڑا مجمع لگ جایا کرتا تھا۔ اس مجمع میں لوگ آپ کو مارتے پیٹتے تھے۔ لیکن آپ نے ہرگز کبھی اس کی پرواہ نہیں کی تھی۔ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عشق تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے واقعات جب سنایا کرتے تھے تو آپ پر ایک رقّت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے بھی آپ کو عشق تھا۔ جلسہ سالانہ کے آخری دن حضور ایدہ اللہ تعالیٰ جب علمی تقریر فرما رہے ہوتے تھے۔ تو آپ کے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ اور منہ سے دعائیہ فقرات نکلتے تھے کہ اے خدا خلیفۂ وقت کی عمر لمبی فرما۔ اس کو صحت عطا فرما۔ تاکہ آپ کے مبارک وجود سے ہم مستفید ہوتے رہیں۔ آپ نہایت ہی رقیق القلب تھے۔ بیٹھے بیٹھے سجدے میں گر جاتے تھے۔ اور اسقدر بلند آواز سے گریہ وزاری کرتے تھے۔ کہ اردگرد بیٹھنے والوں پر بھی رقّت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ نہایت ہی متقی پرہیزگار، عالم باعمل تھے۔ آپ کی زندگی سادہ تھی۔ اپنی باطنی پاکیزگی کے ساتھ آپ کی ظاہری شکل وصورت بھی نہایت رعب والی تھی۔ اور دیکھنے والوں پر ایک رعب طاری ہو جاتا تھا۔ آپ مستجاب الدعوات تھے ایک دفعہ گُردے کی درد ہوئی۔ یہ درد اتنی شدید تھی کہ گھر والوں نے سمجھا کہ آپ چند گھنٹوں کے مہمان ہیں۔ اس درد والم کی شدید حالت میں آپ خدا تعالیٰ سے یوں مخاطب ہوئے کہ اے میرے پیارے محسن مَیں تیرا نہایت ہی عاجز وضعیف بندہ ہوں۔ اس درد کی برداشت نہیں کر سکتا۔ اے میرے محسن تو اس درد کے بغیر بھی مجھے موت دے سکتا ہے۔ اگر میرے لیے موت ہی مقدر ہے۔ تو اس درد کو کم کر کے مجھے موت دیدے۔ کیونکہ مَیں اس درد کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اسی حالت میں آپ کی آنکھ لگ گئی۔ کیا دیکھا کہ دو فرشتے دائیں اور بائیں کھڑے ہیں۔ بائیں طرف والے فرشتے نے دائیں طرف والے فرشتے کو کہا کہ وقت تھوڑا ہے۔ اپنے کام کو جلد ختم کر لو۔ تب دائیں طرف والے فرشتے نے گردے والے مقام کو چیر ادیا۔ پھر گُردے کو ہاتھ ڈال کر صاف کر دیا۔ پھر اس زخم پر اپنا ہاتھ پھیر کر مقام کو متوازی کر دیا۔ تب بائیں جانب والے فرشتے نے دائیں جانب والے فرشتے کو مخاطب ہو کر کہا مبارک کہ تم نے اپنے کام کو وقت پر ختم کر لیا۔ بعد ازاں آپ کی آنکھ کھل گئی۔ فرمایا کرتے تھے کہ بائیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن فرشتے کے ہاتھ سے شفایافتہ گُردے میں کبھی درد محسوس نہیں ہوئی۔

اسی طرح آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ آپ ایک دفعہ گوجرانوالہ گئے وہاں ایک مسجد میں آپ نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک آدمی مسجد کی سیڑھیوں سے باہر خدا تعالیٰ کے متعلق نہایت ہی دل آزار کلمات کہہ رہا ہے۔ جو گالیوں سے بھرپور ہیں۔ آپ نے اس سے وجہ پوچھی۔ کہ تو کیوں خدا تعالیٰ کو گالیاں دے رہا ہے اس نے جواب دیا کہ اگر کوئی خدا ہوتا۔ تو مجھ سے ایسا سلوک نہ کرتا۔ کہ میرے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکا طاعون سے مرگیا ہے۔ اور اب لڑکی کو بھی پھوڑا نکل آیا ہے۔ اور اس کی نزع کی حالت ہے۔ میں لڑکی کی اس حالت کو برداشت نہ کر کے گھر سے بھاگ آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ خدا کو گالیاں مت دو آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اس کو وضو کرنے کے لیے کہا۔ اور آپ نے بھی وضو کیا۔ وضو سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا۔ کہ میں نے اس کو اپنے دائیں کھڑا کر لیا۔ اور دو رکعت نماز کی نیت کی جب میں سجدہ میں گیا تو میری اور اس شخص کی چیخیں نکل گئیں۔ میں نے خدا تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کہ میرے پیارے خدا دیکھ یہ تیرا ایک ضعیف بندہ ہے۔ اور تو قادر مطلق خدا ہے۔ ایک نہایت ہی معمولی سی بات کی وجہ سے یہ تیرا بندہ تیری راہ سے گمراہ ہو رہا ہے۔ اے میرے پیارے خدا تیرے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔ تو اپنے فضل سے اپنے اس بندے کو گمراہی سے بچا۔ آدھ گھنٹہ تک سجدے میں دعا کی۔ فرمایا کہ سجدے میں ہی خدا تعالیٰ نے بتایا۔ کہ لڑکی کو صحت ہوگئی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں سجدے سے اٹھا۔ اور اس آدمی کو کہا کہ گھر جاؤ۔ تمہاری لڑکی کو صحت ہوگئی ہے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ حضرت میں تو لڑکی کو نزع کی حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ اور اس پر اتنا سخت بخار ہے۔ جس کا اندازہ ہی نہیں۔ میں کس طرح گھر جاؤں۔ اگر میں گھر گیا تو یہی خبر سنوں گا۔ کہ لڑکی مر چکی ہے۔ اور یہ خبر میں سن نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کو بہت مجبور کیا۔ کہ گھر جا کر لڑکی کو دیکھو۔ آخر چار و ناچار ڈرتے ڈرتے اس نے گھر کی طرف قدم اٹھائے۔ جب وہ گھر پہنچا تو دیکھا کہ لڑکی چارپائی پر کھیل رہی ہے نہ بخار ہے اور نہ ہی پھوڑے کا کوئی اثر۔ الغرض آپ کا وجود ہمارے لیے نیک بابرکت تھا۔[1]

○

---

[1] الفضل ۲۳ جنوری ۱۹۵۷ء صہ ۵

حضرت مستری نظام الدین صاحب آف سیالکوٹ

(ولادت ۱۸۷۷ء۔ بیعت آخر دسمبر ۱۸۹۶ء[1] : وفات ۱۸ راگست ۱۹۵۶ء)

حضرت مستری نظام الدین صاحب جماعت احمدیہ سیالکوٹ کے قدیم بزرگوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے اُن عشّاق میں سے تھے جنہیں ایک لمبا عرصہ تک اہم جماعتی خدمات بجا لانے کی توفیق ملی۔ آپ نے حضرت اقدس کی پہلی بار زیارت فروری ۱۸۹۲ء میں کی جبکہ حضور مسجد حکیم حسام الدین سیالکوٹ میں رونق افروز تھے آپ ان دنوں پانچویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ بعدازاں آپ کو سیالکوٹ میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کے درس قرآن میں شمولیت کے مواقع ملے اور پھر اُن کی زبان سے لاہور میں لیکچر "اسلامی اصول کی فلاسفی" کو سُن کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی جیسا کہ آپ خود تحریر فرماتے ہیں :۔

"خاکسار شہر سیالکوٹ کا رہنے والا ہے۔ کام سپورٹس کا کرتا ہوں۔ ۱۸۹۵ء میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم و مغفور کا درس قرآن سنا کرتا تھا۔ ان کی صحبت سے متاثر ہو کر ۱۸۹۶ء کے ماہ دسمبر میں جلسہ دھرم مہوتسو میں بہمراہی مولوی صاحب مرحوم لاہور گیا۔ اور وہ جلسہ تمام کا تمام بغور سنتا رہا۔ دن کو جلسہ ہوتا تھا تو رات کو شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم کی کوٹھی پر قیام رہتا تھا۔ وہاں پر شیخ صاحب کی پرہیزگاری اور دین داری یعنی نماز کی پابندی اور تہجد گزاری بھی دیکھنے میں آتی تھی۔ جلسہ مہوتسو میں میرے پاس بیٹھنے والوں میں سے ایک جج صاحب تھے ان کا رنگ سانولہ سا تھا ان کو غالباً ملک خدا بخش یا ملک اللہ بخش کہتے تھے وہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر کے پڑھے جانے کے دوران میں زار زار روتے تھے۔ وہیں سٹیج پر مفتی محمد صادق صاحب بھی تھے۔ انہوں نے غالباً سبز چوغہ پہنا ہوا تھا۔ اور فل بوٹ پاؤں میں رکھتے تھے۔ ان کی شکل وہاں پہلے دیکھنے میں آئی تھی۔ جلسہ کا اثر سب پر تھا۔ اور سب پر ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اور اللہ کی قدرت و جبروت کا ایک نظارہ تھا۔ جلسہ کے اختتام کے بعد مولوی صاحب

---

[1] آپ کا نام سفر جہلم ۱۹۰۳ء کے مبائعین میں درج ہے (البدر ۲۳۔ ۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۵) معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر آپ نے دوبارہ بیعت کا شرف حاصل کیا۔

کے ہمراہ قادیان پہنچ گئے وہاں حضرت اقدس کی زیارت کی۔ جو نہایت پُر نور شکل تھی۔ دیکھنے والے پر بغیر اثر کیے نہ رہتی تھی۔ اُن دنوں بیت مبارک کے مشرق میں جو چھوٹی کوٹھڑی ہے وہاں پانی کے گھڑے اور وضو کا سامان ہوتا تھا۔ ظہر کی نماز سے پہلے حضرت اقدس تشریف لے آئے۔ اور کسی نے کہہ دیا کہ دو آدمی بیعت کریں گے۔ چنانچہ بندہ اس وقت وضو خانہ میں وضو کر رہا تھا۔ تو حضور نے آواز دی کہ آؤ میاں نظام الدین بیعت کرلو۔ بندہ آگے بڑھا اور حضور کے دستِ مبارک پر ہاتھ رکھ کر بیعت کی۔[1]

۱۸۹۷ء میں آپ مستری حسن دین صاحب احمدی ساکن میانہ پور کے ہمراہ قادیان گئے اور اُن کے ساتھ حضرت اقدس کے پرانے گھر کی مرمت اور ریخت میں حصہ لیا اور مہمان خانہ کی پہلی کوٹھڑی کی چھت وغیرہ ڈالی اُن دنوں آپ کو حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر رہنے کا بہت موقعہ ملا۔ دو وقت کا کھانا حضور کے ہمراہ کھانے کی سعادت ملی۔ اور حضور کے ساتھ شانہ بشانہ نماز پڑھنے کی بھی۔ فرمایا کرتے تھے ان دنوں بیت المبارک بہت چھوٹی تھی اور بڑی تنگی سے نمازیں ادا ہوتی تھیں۔ نمازوں میں گریہ وزاری اور سوز و گداز کا ایک عجیب عالم تھا۔ آپ تین ماہ تک حضرت میر ناصر نواب صاحب کی نگرانی میں تعمیر کی خدمت بجالاتے رہے۔ قادیان سے روانگی کے وقت حضرت اقدس نے اُن کی درخواست پر اپنی بعض کتابیں اور اپنی پگڑی بطور تبرک عنایت فرمائی۔ قیام قادیان کے دوران مئی ۱۸۹۷ء میں حسین کامی سفیر ترکی قادیان آئے اور حضرت مسیح موعودؑ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے حضور انہیں الوداع کہنے کے لیے جب ان کے یکے تک باہر میدان میں تشریف لے گئے تو اتفاق سے اس موقع پر آپ بھی موجود تھے۔ اسی طرح حضرت سیدنا محمود کی تقریب آمین (جون ۱۸۹۷ء) میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اگست ۱۸۹۷ء میں گورداسپور کے مقدمہ مارٹن کلارک کی ایک پیشی بھگت کر واپس قادیان تشریف لائے اس سفر میں بھی آپ خدمت بجالانے کے لیے ہمراہ تھے۔ اس کے بعد عبدالحمید مستغیث نے جب معافی مانگ لی اور صحیح بیان دے دیا۔ تو حضرت چوہدری رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر گورداسپور نے یہ خوشخبری سنانے کے لیے آپ کو قادیان بھیجا۔ چنانچہ آپ حضور کی خدمت میں قادیان حاضر ہوئے۔ اور

---

[1] "روایات" جلد ۳ ص۹۸، ص۹۹

یہ خوش کن خبر پہنچائی۔ ۱۸۹۷ء سے لے کر ۱۹۵۰ء تک آپ باقاعدہ جلسہ سالانہ میں شامل ہوتے رہے ۱۱؍اپریل ۱۹۰۰ء کے تاریخی خطبہ الہامیہ کے سُننے کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا۔ ۱۹۰۳ء، ۱۹۰۴ء کے دوران آپ ایک خطرناک مقدمہ میں ماخوذ ہوئے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعائے خاص کی برکت سے باعزت طور پر بری کر دیئے گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں اس نشان کا درج ذیل الفاظ میں خصوصی ذکر فرمایا ہے۔

"۱۳۹ نشان۔ ایک مرتبہ مستری نظام الدین نام ایک ہماری جماعت کے شخص نے سیالکوٹ اپنی جائے سکونت سے میری طرف خط لکھا کہ ایک خطرناک مقدمہ فوجداری کا میرے پر دائر ہوگیا ہے اور کوئی سبیل رہائی معلوم نہیں ہوتی۔ سخت خوف دامنگیر ہے اور دشمن چاہتے ہیں کہ میں اس میں پھنس جاؤں اور بہت خوش ہو رہے ہیں اور میں نے اس وقت ظاہری اسباب سے نومید ہو کر یہ خط لکھا ہے اور میں نے اپنے دل میں نذر کی ہے کہ اگر میں اس مقدمہ سے نجات پا جاؤں تو مبلغ پچاس روپے خدا تعالیٰ کے شکریہ کے طور پر آپ کی خدمت ارسال کروں گا۔

تب وہ خط اس کا کئی لوگوں کو دکھلایا گیا اور بہت دعا کی گئی اور اس کو اطلاع دی گئی۔ چند دن گزرنے کے بعد اس کا پھر خط مع پچاس روپے کے آیا اور لکھا کہ خدا نے مجھے اُس بلا سے نجات دی۔ پھر چند ہفتہ کے بعد ایک اور خط آیا جس میں لکھا تھا کہ سرکاری وکیل نے پھر وہ مقدمہ اٹھایا ہے۔ اس بنیاد پر کہ فیصلہ میں غلطی ہے۔ اور صاحب ڈپٹی کمشنر نے ایڈووکیٹ کی بات قبول کر کے فیصلہ کو انگریزی میں ترجمہ کرا کر اور سفارش لکھ کر صاحب کمشنر بہادر کی خدمت میں بھیج دیا ہے۔ اس لیے یہ حملہ پہلے سے زیادہ خطرناک اور بہت تشویش دہ ہے۔ اور میں نے اس حالتِ بے قراری میں پھر اپنے ذمہ یہ نذر مقرر کی ہے۔ کہ اگر اب کی دفعہ میں اس حملہ سے بچ جاؤں تو مبلغ پچاس روپے پھر بطور شکریہ ادا کروں گا۔ میرے لیے بہت دعا کی جائے۔ یہ خلاصہ دونوں خطوں کا ہے جن کے بعد دعا کی گئی۔

بعد اس کے شاید ایک دو ہفتہ ہی گزرے تھے کہ پھر مستری نظام الدین کا خط آیا جو بجنسہ ذیل میں لکھا جاتا ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سیدنا ومہدینا حضرت حجۃ اللہ علی الارض۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ نے حضور کی خاطر پھر دوبارہ خاکسار پر رحم فرمایا اور اپیل فریق مخالف کی کمشنر صاحب لاہور نے نامنظور کر کے کل واپس کر دی فالحمد اللہ والمنۃ خاکسار دو ہفتہ کے اندر حضور کی قدم بوسی کے لیے حضور کی خدمت میں پچاس روپے نذرانہ جو پہلے مانا ہوا ہے۔ لے کر حاضر ہوگا۔

حضور کا ناکارہ غلام

خاکسار نظام الدین مستری شہر سیالکوٹ متصل ڈاکخانہ[1]

جنوری ۱۹۰۴ء کے سفر جہلم میں جن بزرگوں کو ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ اُن میں آپ بھی شامل تھے آپ کا بیان ہے :۔

"حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب جہلم تشریف لے گئے تھے۔ تو بندہ بھی حضور کی غلامی میں تھا۔ حضرت اقدس کوٹھی کے ایک کمرہ میں فارسی تقریر فرمار ہے تھے۔ بندہ اس وقت حضرت مرحوم شہید حضرت سیّد عبداللطیف صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ بندہ تو اتنی فارسی اس وقت جانتا ہی نہ تھا۔ کہ حضرت اقدس کے کلماتِ طیّبات کو سمجھ سکے۔ مگر شہید مرحوم زار زار رو رہے تھے۔ اور فرماتے تھے من نزدیک تو ذرّہ بے مقدارم تھوڑی دیر کے بعد حضور علیہ السلام کو کوئی حاجت پیدا ہوئی تو حضور اندر تشریف لے گئے تو مرحوم سیّد صاحب بھی اٹھنے لگے جونہی آپ اُٹھنے کو تھے تو مفتی محمد صادق صاحب نے فارسی میں کہا صاحبزادہ صاحب آپ تشریف رکھیں حضرت اقدس ابھی پھر واپس آنے والے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا ہزار سال کی عبادت سے یہاں بیٹھنے کو بہتر جانتا ہوں۔ یہ ان کی فارسی گفتگو کا مفہوم تھا جو اپنے کانوں سے سُنا تھا۔ والسّلام"[2]

۱۲ مارچ ۱۹۰۸ء کو قادیان میں سر جیمز ولسن فنانشل کمشنر تشریف لائے :۔ اس موقع پر حضرت اقدس نے اپنی جماعت کے سرکردہ اور متمول اور صاحب وجاہت اصحاب کو بُلا بھیجا تھا۔ سیالکوٹ سے جو وفد آیا اس میں حضرت چوہدری نصر اللہ خانصاحب، منشی عبداللہ صاحب ریڈر سیشن جج اور آپ بھی شامل تھے۔

فروری ۱۹۱۴ء میں وزیرآباد کی بیت کا افتتاح عمل میں آیا۔ اور اس غرض کے لیے حضرت خلیفہ اوّل نے اپنی طرف سے حضرت سیّدنا محمود کو بطور نمائندہ وزیرآباد بھیجا اس سفر میں سیّدنا محمود کے ساتھ گاڑی میں آپ

---

[1] حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۲۳، ۳۲۴ ؛ [2] رجسٹر روایات جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۵۶

بھی ہم رکاب تھے ۔ اور افتتاح بیت کی تقریب میں بھی شرکت کی ۔ اپریل ۱۹۱۵ء میں حضرت چوہدری نصراللہ خانصاحب سے ہجرت کرکے قادیان تشریف لے گئے ۔ اور ۱۵ر نومبر ۱۹۱۸ء کو حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی انتقال فرما گئے ۔ اور جماعت میں ایک خلاء پیدا ہوگیا ۔ جن کو انتظامی اعتبار سے پُر کرنے کی توفیق جن بزرگوں کو ملی اُن میں آپ سر فہرست تھے ۔ آپ نے تقریباً پندرہ برس اسسٹنٹ سیکرٹری کے عہدہ پر کام کیا ۔ پریذیڈنٹ کے فرائض بھی انجام دیئے نیز ہر قسم کی خدمت کی یہاں تک کے چپڑاسی اور نقیب بھی بنے ۔ اور آٹا اکٹھا کرنے کی ڈیوٹی تک بجا لاتے رہے حالانکہ آپ خود سپورٹس کے سامان کے تین کارخانوں کے مالک تھے جن کی شاخیں پونا، کوہاٹ، بنوں، کراچی ایبٹ آباد میں قائم تھیں ۔ نیز آپ کے ماتحت قریباً چالیس کاریگر اور ملازم کام کرتے تھے ۔ جن میں ایک انگریز مسٹر ہنٹر بھی تھا ۔ اس سلسلہ میں آپ کے سپرد آخری خدمت سیکرٹری وصایا کی سپرد کی گئی ۔ ۱۹۲۲ء کی پہلی اور تاریخی مجلس مشاورت میں آپ سیالکوٹ سے بطور نمائندہ شامل ہوئے آپ کا نام مطبوعہ رپورٹ صفحہ ۲ پر موجود ہے ۔ علاوہ ازیں ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۷ء تک کے دوران اکثر سالوں میں بھی آپ کی شمولیت ثابت ہے ۔[1]

آپ اپنے بڑے لڑکے میجر آفتاب احمد صاحب نظام کے ہاں کرشن نگر لاہور میں مقیم تھے کہ آخری بلاوا آگیا ۔ آپ خدا کے فضل سے موصی تھے مگر امانتاً لاہور میں سپرد خاک کیے گئے ۔[2]

اولاد: ۱۔ محترمہ احمد بی بی صاحبہ (اہلیہ بابو حاکم دین صاحب مرحوم) ڈرافٹسمین ایم ای ایس سیالکوٹ ۔

۲۔ محترمہ آمنہ بیگم صاحبہ (اہلیہ ڈاکٹر میاں محمد اشرف صاحب مرحوم گجرات)

۳۔ محترمہ صالحہ بیگم صاحبہ (اہلیہ محمد اسلم صاحب ریکھی ۔ کوہاٹ)

۴۔ محترمہ حلیمہ بیگم صاحبہ (اہلیہ میاں عبدالکریم صاحب ٹمبر مرچنٹ جہلم)

۵۔ مکرم میجر آفتاب احمد صاحب نظام (ریٹائرڈ) لاہور چھاؤنی

۶۔ مکرم بشیر احمد صاحب نظام ربوہ ۔ ۷۔ مکرم محمد احمد صاحب نظام مرحوم (ربوہ کے اولین فوٹوگرافر)

---

[1] مندرجہ بالا حالات آپ کی لکھی ہوئی قلمی یادداشتوں سے مرتب کیے گئے ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں اور شعبہ تاریخ احمدیت میں محفوظ ہیں ۔ [2] الفضل ۲۴ر اگست ۱۹۸۶ء ص۸

حضرت مہر غلام حسن صاحب محلہ اراضی یعقوب سیالکوٹ

(ولادت قریباً ۱۸۷۲ء ۔ بیعت مئی ۱۹۰۱ء[1] : وفات ۱۱ ستمبر ۱۹۵۶ء[2])

آپ مولانا نذیر احمد صاحب مبشر سابق مبلغ غانا کے والد ماجد تھے ۔ خواب کے ذریعے سے احمدیت قبول کی ۔ فرماتے تھے ۔ کہ ہم دو دو گھنٹے حضرت صاحب کو دبایا کرتے تھے[3]

آپ کی ایک بھتیجی کی آنکھیں بچپن سے ہی خراب رہتی تھیں ۔ حضرت اقدس نے فرمایا ۔ کہ مولوی صاحب سے جا کر کہو کہ اس لڑکی کی آنکھوں میں کچھ ڈال دیں ۔ چنانچہ حضرت مولانا نورالدین خلیفہ اوّل نے کوئی چیز ڈال دی خدا کی قدرت اس کے بعد عمر بھر اس لڑکی کی نظر خراب نہیں ہوئی[4]

اولاد : ۱ ۔ مولوی نذیر احمد صاحب مبشر سابق مبلغ غانا ۔ ربوہ ۔ ۲ ۔ ڈاکٹر رشید احمد صاحب سیالکوٹ

۳ ۔ خلیل احمد صاحب انعام ۔ ۴ ۔ مریم بی بی صاحبہ

۵ ۔ مبارکہ بیگم صاحبہ (اہلیہ ڈاکٹر بشیر احمد صاحب ربوہ)

چوہدری نعمت خانصاحب آف کریام

(ولادت قریباً ۱۸۷۸ء : بیعت ۱۹۰۳ء : وفات ۸ نومبر ۱۹۵۶ء)

آپ سلسلہ احمدیہ کے معروف بزرگ حضرت حاجی غلام احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ کریام کے برادر نسبتی تھے ۔ ارکان دین کے سختی سے پابند اور تہجد گذار ۔ احادیث نبوی سے خاص شغف تھا اور حضرت مصلح موعود سے گہری عقیدت رکھتے تھے ۔ دعوت الی اللہ میں عمر بھر کوشاں رہے علاقہ مکیریاں ضلع ہوشیارپور میں آپ نے مسلسل ایک ماہ تک تبلیغ کی اور پا پیادہ سفر کرکے پیغام حق پہنچایا ۔ آپ ایک لمبے عرصہ تک جماعت احمدیہ کریام کے سیکرٹری تعلیم اور مربی اطفال رہے اور درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ۔

---

[1] الحکم ۱۰ مئی ۱۹۰۱ء ص ۱۵ پر فہرست مبائعین میں آپ کا نام بایں الفاظ درج ہے "غلام حسن ولد میاں نتھو صاحب نمبردار سیالکوٹ" [2] الفضل ۲۳ ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۴

عمر کے آخری ایام ربوہ سے متصل گاؤں احمد نگر میں گذارے اور یہیں انتقال کیا۔ [1] اپنے پیچھے آپ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی [2]

نوابزادہ میاں عبدالرحمٰن خانصاحب مالیرکوٹلہ

(ولادت ۱۹؍اکتوبر ۱۸۹۴ء [3] وفات۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء [3])

آپ حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی پہلی بیوی محترمہ مہر النساء بیگم صاحبہ کے بطن سے بڑے صاحبزادے تھے۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے آپ کی المناک وفات پر ایک مختصر نوٹ میں تحریر فرمایا۔

"مجھے عزیز مرحوم کی وفات سے خاص صدمہ پہنچا ہے۔ ہم سب کا بچپن کا ساتھ تھا۔ بہن بھائی کی مانند اکٹھے رہے، اکٹھے پڑھے اور کھیلے۔ پھر جب حضرت نواب (محمد علی خان) صاحب ..... سے میری شادی ہوگئی۔ تو اس خاندان سے عمر بھر کا ساتھ ہوگیا۔ میرے ساتھ عزیز مرحوم کو بہت محبت تھی۔ دلی تعلق اور احترام کا سلوک کرتے تھے۔ خصوصاً جب میرے شوہر محترم حضرت نواب صاحب مرحوم فوت ہوگئے تو وہ میرا بہت زیادہ خیال رکھنے لگے مرحوم نہایت مخلص احمدی تھے۔ نماز تہجد باقاعدہ ادا کرتے تھے" [4]

حضرت نواب محمد عبداللہ خانصاحب نے آپ کو مندرجہ ذیل شاندار الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا "بھائی صاحب مرحوم نہایت نیک سیرت انسان تھے۔ خلوت پسند تھے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عشق رکھتے تھے۔ جب صاحبزادگان کی آمین ہوئی۔ تو اس تقریب پر بھی حضرت والد صاحب کے ساتھ قادیان میں تھے۔ اکثر اس واقعہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی حضرت

---

[1] الفضل ۱۶؍جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۶ (مضمون چوہدری احمد الدین صاحب بی اے خلف الرشید حضرت چوہدری غلام احمد صاحبؓ کریام) ؛ [2] اصحاب احمد، حصہ دوم، صفحہ ۱۹۸ (مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے درویش قادیان) ؛ [3] الفضل ۳۰؍اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱

[4] الفضل ۱۵؍نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بہت سے واقعات اُن کو یاد تھے۔ رات کو عام طور پہ نمازِ عشاء دیر سے ادا کرتے تھے۔ اکثر گیارہ ساڑھے گیارہ بج جاتے۔ لیکن کبھی یہ نہیں ہوا کہ تلاوت قرآنِ شریف کیے بغیر سوئے ہوں۔ نمازیں بہت لمبی اور خشوع خضوع سے ادا کرتے تھے۔ یہ سب کچھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فیضِ صحبت کا اثر تھا۔ افسوس ہے کہ ایسے ماحول میں جکڑ کر رہ گئے۔ کہ عملی خدمتِ دین نہیں کر سکے۔ سب سے زیادہ افسوس اس امر کا ہے۔ کہ ان کی میت کو تابوت میں دفن نہیں کیا گیا۔ اور جنازہ بھی احمدی نہ پڑھ سکے۔ وفات کے وقت صرف ایک احمدی پرانا ملازم تھا۔ وہ بھی پاکستان سے مالیرکوٹلہ گیا ہوا تھا۔ دریں حالات وہ احباب کی دعاؤں کے بہت زیادہ محتاج ہیں۔ تاکہ جو کمی جنازہ نہ ادا کرنے میں رہ گئی ہے۔ آپ کی پُر خلوص دعاؤں سے پوری ہو جائے۔ ان کا جسم ایک کورلستی میں مدفون ہے۔ شاید کسی احمدی کو وہاں جا کر دعا کا موقع ملے۔ غیر احمدیوں کو قبور پہ جا کر دعا کرنے کی عادت نہیں۔ اس لیے جو احباب اُنسے محبت رکھتے ہیں۔ وہ اس قدر دعا کریں کہ یہ کسر پوری ہو جائے۔"[1]

حضرت میاں فضل محمد صاحب ہرسیاں والے

(ولادت ۱۸۶۶ء : بیعت ۱۸۹۵ء (بمطابق روایت حضرت مصلح موعودؓ[2]) وفات ۳ نومبر ۱۹۵۶ء[3])

آپ کا اصل وطن قادیان کے ماحول میں واقع ہرسیاں کا گاؤں ہے۔ جو سیکھواں سے قریب ہے۔

---

[1] الفضل ۲۳ نومبر ۱۹۵۶ء صہ ۵ ۔ [2] الفضل ۲۵ نومبر ۱۹۵۹ء صہ ۳،۴ [3] آپ کا نام الحکم ۳۱ اگست ۱۹۰۲ء کے صہ ۱۶ کی فہرست مبائعین میں بھی شائع شدہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی بیعت کی تقریب میں موجود تھے اور ڈائری نویس بزرگ نے آپ کا نام بھی شامل کر لیا۔ تاریخ احمدیت جلد دوم صہ ۲۹۹ پر آپ کے بیان (مندرجہ رجسٹر روایات جلد نمبر ۱۴ صہ ۲۷۵، صہ ۲۷۶) کی روشنی میں آپ کا سالِ بیعت ۱۸۹۶ء لکھا گیا ہے۔ مگر تحقیق سے یہ امر صحیح ثابت نہیں ہوا۔ وجہ یہ کہ حضرت میاں فضل محمد صاحب کے بیان میں جلسہ ۱۸۹۶ء پہ بیعت کا ذکر ہے حالانکہ اس سال جلسہ اعظم مذاہب لاہور کے باعث قادیان میں کوئی جلسہ سالانہ نہیں ہوا تھا۔ اس بیان میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے جلسہ ۱۸۹۶ء کے معاً بعد جب دوبارہ بیعت کی تو حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی ایک

(بقیہ ص۳۱۷ حاشیہ پر)

آپ کے گاؤں میں بعض اور بزرگ بھی مثلاً منشی نور محمد صاحب و میاں محمد غوث صاحب وغیرہ داخلِ احمدیت ہوئے۔ مگر اکثریت بیگانوں کی تھی۔ جو مخالف علماء کے زیرِ اثر تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت نمائی دیکھیے کہ اس نے علماء کے عناد اور دشمنی کو کئی سعید روحوں کے لیے شناختِ حق کا موجب بنا دیا۔ چنانچہ حضرت میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی (والد ماجد مولوی قمر الدین صاحب) کی روایت ہے کہ :۔

"ایک دفعہ حضور علیہ السّلام نے مباحثات و مناظرات حکماً بند کر دیئے۔ اُن دنوں مولوی اللہ دتہ و علی محمد سوحلوی و عبد السبحان ساکن مسانیاں وغیرہ یکایک موضع ہرسیاں میں آ گئے۔ اُس وقت بھائی فضل محمد صاحب والد مولوی عبد الغفور صاحب مبلغ و منشی نور محمد صاحبؓ وغیرہ ہرسیاں والے احمدی برادران نے مولوی فتح الدین صاحب کو دھرمکوٹ سے بُلایا اور سیکھواں میں ہماری طرف بھی بلانے کیلئے آدمی آ گیا۔ چونکہ حضور نے مناظرات وغیرہ حکماً بند کر دیئے تھے۔ اس لیے مَیں اور میرے بھائی امام الدین صاحب ہرسیاں روانہ ہو گئے۔ اور اپنے بڑے بھائی جمال الدین صاحب مرحوم کو حضور کی خدمت مبارک میں روانہ کر دیا۔ برائے حصولِ اجازت مناظرہ اور وہاں پر ہم جا کر مع احمدی دوستوں کے حضور کی اجازت کا انتظار کرنے لگے اُدھر فریق مخالف نے آسمان سر پر اٹھایا ہوا تھا۔ اور بہت سے پیغام بھیج رہے تھے۔ کہ جلدی ہمارے ساتھ مناظرہ کر لیں۔ لیکن ہم نے جواب دیا کہ جب تک قادیان سے اجازت نہ آوے ہم قطعاً مناظرہ نہیں کریں گے۔ اس پر مخالفین نے خوشی کے ترانے گانے شروع کر دیئے اور وہاں کا نمبردار اُن (مخالفوں) کی طرف سے آیا اور مجھے الگ لیجا کر کہنے لگا کہ اگر آپ میں طاقت نہیں ہے مباحثہ کی تو آپ مجھے کہہ دیں۔ مَیں ان کو یہاں سے روانہ کر دیتا ہوں مَیں نے کہا کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم میں مباحثہ کرنے کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٢١٦ سے آگے) دن قبل قادیان میں پہنچ چکے تھے۔ اور حضرت مولانا حسن علی صاحب کی کتاب "تائیدِ حق" صفحہ ٦٧ سے ثابت ہے کہ کہ یہ واقعہ ٢ جنوری ١٨٩٤ء کا ہے۔ اس اعتبار سے آپ کی بیعت کا دن ٣ جنوری ١٨٩٤ء قرار پاتا ہے۔ مگر اس میں ایک اور الجھن پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ اس سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ آپ نے ١٨٩٣ء کے جلسہ سالانہ پہ پہلی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ مگر یہ غلط ہے ١٨٩٣ء کا جلسہ ہی نہیں ہوا۔[٢] الفضل ١٠ نومبر ١٩٥٦ء صفحہ ٨

[١] بیعت ١٨٩٧ء وفات ٥ نومبر ١٩٤٣ء (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو الفضل ١٥ جنوری ١٩٥٦ء صفحہ ٥ و صفحہ ٧)

طاقت ہے اور فریق مخالف ہماری طاقت کو جانتا ہے۔ لیکن ہم اپنے پیشوا کے حکم کے تابع ہیں۔ قادیان ہمارا آدمی حصول اجازت مباحثہ کے لیے گیا ہوا ہے۔ ہم منتظر ہیں اگر اجازت آگئی تو مناظرہ کرلیں گے ورنہ نہیں۔ پھر جو دل چاہے قیاس کرلینا تھوڑی دیر کے بعد میرے بھائی جمال الدین صاحب آ گئے۔ اور کہا کہ حضور نے اجازت نہیں دی۔ جب مخالفین کو علم ہوگیا کہ مباحثہ نہیں ہوگا تب اُن میں طوفانِ بے تمیزی برپا ہوا۔ اور جو کچھ اُن سے ہو سکتا تھا۔ بکواس کیا تمسخر اڑایا استہزا کی کوئی حد نہ رہی۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی خوشی کے شادیانے گاتے تھے۔ اور ہم خاموش تھے۔ فریق مخالف بظاہر فتح و کامیابی کی حالت میں اور ہم ناکامی اور شکست کی حالت میں ہرسیاں سے نکلے لیکن خدا تعالیٰ کی قدرت کا عجیب نظارہ دیکھیں کہ جمعہ کے روز ہرسیاں سے ایک جماعت قادیان پہنچ گئی کہ ہم بیعت کرنے کے لیے آئے ہیں۔ ہم حیران ہوئے اور ہم نے پوچھا۔ بظاہر تو ہماری شکست ہوئی تھی۔ آپ کو کونسی دلیل مل گئی۔ انہوں نے جواباً کہا کہ آپ لوگوں کے چہروں پر ہمیں صداقت نظر آگئی اور اُن (مخالفوں) کے چہروں سے کذب اور بیہودہ پن نظر آیا۔ یہی بات ہمکو قادیان کھینچ لائی ''۔[1]

حضرت میاں فضل محمد صاحب خلافتِ ثانیہ کے عہد میں قادیان ہجرت کرکے آ گئے تھے۔ اور محلہ دارالفضل میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ تقسیم ہند کے بعد آپ پاکستان تشریف لے آئے اور ربوہ میں مقیم ہوئے۔ آپ موصی تھے۔ اور تحریک جدید کے پانچہزاری مجاہدین میں بھی شامل تھے۔[2]

آپ کا جنازہ حضرت مصلح موعودؓ نے پڑھایا اور پھر اگلے روز ۹ نومبر ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ:۔

> '' میاں فضل محمد صاحب ہرسیاں والے فوت ہوئے ہیں۔ انہوں نے ۱۸۹۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ جس پر اب ۶۱ سال گذر چکے ہیں۔ گویا ۱۸۹۵ء کے بعد انہوں نے اکسٹھ جلسے دیکھے۔ ان کے ایک لڑکے نے بتایا کہ والد صاحب کہا کرتے تھے کہ مَیں نے جس وقت بیعت کی اس کے قریب زمانہ میں ہی مَیں نے ایک

---

[1] رجسٹر روایات نمبر ۱۴ صہ ۲۸ و صہ ۲۹ ایضاً الفضل ۲۳ مئی ۱۹۴۱ء صہ ۳

[2] الفضل ۱۱ نومبر ۱۹۵۶ء صہ ۸

خواب دیکھا جس میں مجھے اپنی عمر ۴۵ سال بتائی گئی۔ مَیں حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رو پڑا اور مَیں نے کہا حضور! بیعت کے بعد تو میرا خیال تھا کہ حضور کے الہاموں اور پیشگوئیوں کیمطابق احمدیت کو جو ترقیات نصیب ہونے والی ہیں انہیں دیکھوں گا۔ مگر مجھے تو خواب آئی ہے کہ میری عمر صرف ۴۵ سال ہے۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا گھبراہٹ کی کوئی بات نہیں اللہ تعالیٰ کے طریق نرالے ہوتے ہیں شاید وہ ۴۵ کو ۹۰ کر دے۔ چنانچہ کل جو وہ فوت ہوئے تو ان کی عمر پورے ۹۰ سال کی تھی۔ اس طرح احمدیت کی جو ترقیات ملیں وہ بھی انہوں نے دیکھیں اور ۶۱ جلسے بھی دیکھے۔ ان کے چار بچے ہیں۔ جو دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ ایک قادیان میں درویش ہو کر بیٹھا ہے۔ ایک افریقہ میں مبلغ ہے۔ ایک یہاں مبلغ کام کرتا ہے۔ اور چوتھا لڑکا مبلغ تو نہیں، مگر وہ اب ربوہ آگیا ہے۔ اور یہیں کام کرتا ہے۔ پہلے قادیان میں کام کرتا تھا۔ لیکن اگر کوئی شخص مرکز میں رہے۔ اور اس کی ترقی کا موجب ہو تو وہ بھی ایک رنگ میں خدمتِ دین ہی کرتا ہے۔ پھر ان کی ایک بیٹی بھی ایک واقفِ زندگی سے بیاہی ہوئی ہے باقی بیٹیوں کا مجھے علم نہیں بہر حال انہوں نے ایک لمبے عرصہ تک خدا تعالیٰ کا نشان دیکھا۔ جب ۴۵ سال کے بعد ۴۶ واں سال گزرا ہوگا تو وہ کہتے ہوں گے۔ مَیں نے خدا تعالیٰ کا ایک نشان دیکھ لیا ہے۔ مَیں نے تو پینتالیس سال کی عمر میں مر جانا تھا۔ اب ایک سال جو بڑھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پیشگوئی کے مطابق بڑھا ہے۔ جب چھیالیسویں کے بعد سنتالیسواں سال گزرا ہوگا۔ تو وہ کہتے ہوں گے کہ مَیں نے خدا تعالیٰ کا ایک اور نشان دیکھ لیا ہے۔ مَیں نے پینتالیس سال کی عمر میں مرجانا تھا۔ مگر اب دو سال جو بڑھے ہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق بڑھے ہیں۔ جب سنتالیسویں سال کے بعد اڑتالیسواں سال گزرا ہوگا۔ تو وہ کہتے ہوں گے مَیں نے خدا تعالیٰ کا ایک اور نشان دیکھ لیا ہے۔ مَیں نے پینتالیس سال کی عمر میں مر جانا تھا۔ مگر اب تین سال جو بڑھے ہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق بڑھے ہیں ... گویا وہ پینتالیس سال تک برابر ہر سال یہ کہتے ہوں گے کہ مَیں نے خدا تعالےٰ کا نشان دیکھ لیا اور ہر سال جلسہ سالانہ پر ہزاروں ہزار احمدیوں کو آتا دیکھ کر ان کا ایمان بڑھتا ہوگا۔"[1]

---

[1] الفضل ۲۵ نومبر ۱۹۵۹ء صـ۳ تا صـ۴

(پہلی بیوی محترمہ برکت بی بی صاحبہ کے بطن سے)

اولاد:۔ ۱۔رحیم بی بی صاحبہ مرحومہ (اہلیہ حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب ۔والدہ مولانا نسیم سیفی صاحب)
۲۔کریم بی بی صاحبہ مرحومہ ۔ ۳ ۔ عبدالرحمٰن صاحب مرحوم ۔ ۴ ۔ابوالبشارت مولانا عبدالغفور صاحب
مرحوم مبلغ سلسلہ احمدیہ ۔ ۵ ۔ احمدی بی صاحبہ مرحومہ ۔ ۶ ۔محترم عبدالرحیم صاحب مرحوم مالک
دیانت سوڈا واٹر فیکٹری درویش قادیان ۔ ۷ ۔مولوی صالح محمد صاحب (واقفِ زندگی) سابق مبلغ
مغربی افریقہ ۔ ۸ ۔صالح فاطمہ صاحبہ اہلیہ ماسٹر غلام محمد صاحب مرحوم ۔ ۹ ۔محمد عبداللہ صاحب
۱۰۔ حلیمہ بیگم صاحبہ اہلیہ شیخ محمد حسن صاحب لنڈن

(دوسری بیوی محترمہ صوبہ بیگم صاحبہ مرحومہ سے)

۱۱ ۔صادقہ بیگم صاحبہ (اہلیہ الحاج مولوی محمد شریف صاحب واقف زندگی)

۱۲۔ عبدالحمید صاحب (نیویارک)

ؔ الفضل ۱۶؍جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۶ (مضمون چوہدری احمدالدین صاحب بی اے)

حضرت شیخ اللہ بخش صاحب

(ولادت   بیعت ۱۹۰۵ء   وفات ۲۲ردسمبر ۱۹۵۶ء)

آپ بنوں میں پیدا ہوئے محکمہ آبکاری کے انسپکٹر رہے۔ ۱۹۳۶ء میں ریٹائرڈ ہو کر قادیان گئے کچھ عرصہ معاون ناظر امور عامہ رہے۔ محلہ دارالرحمت کے پریذیڈنٹ تھے تقسیم کے بعد پھر بنوں آگئے۔ نماز جمعہ آپ کی بیٹھک میں ہوتی تھی اور مرکز سے آنے والے احباب آپ کے ہاں ٹھہرتے تھے آپ نے دو بیوائیں چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں یادگار چھوڑیں [1]

سردار شیر بہادر صاحب قیصرانی

(ولادت قریبًا ۱۸۷۶ء :- بیعت   وفات ۲۸ردسمبر ۱۹۵۶ء)

احمدیت سے پہلے شیعہ خیالات سے تعلق رکھتے تھے۔

احمدیت اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک عشق تھا۔

تبلیغ کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔

بہت رقیق القلب بزرگ تھے۔ نماز اس قدر خشوع و خضوع سے پڑھتے کہ دیکھ کر حیرت آتی تھی۔ نماز میں آنسوؤں کا سیلاب رواں ہو جاتا۔ اور سینہ اُبلتی ہنڈیا کی طرح جوش مارتا تھا۔ وفات سے چند روز پہلے بذریعہ رؤیا آپ کو بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی گریہ وزاری بہت پسند آئی ہے اور اُس ذاتِ مقدس نے آپ کے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔

آپ قیصرانی چیف فیملی کے رکن تھے۔ پہلے صوبیدار بنے۔ اور بالآخر رسالدار بی ایم پی کے عہدے پر ترقی کر کے پنشن پر ریٹائرڈ ہوئے [2]

---

[1] الفضل ۱۵ رجنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۶ :: [2] الفضل ۶ رفروری ۱۹۵۷ء صفحہ ۵

فصلِ سوم

دیگر مخلصین جماعت کی وفات

اس سال حضرت مسیح موعودؑ کے رفقاءِ خاص کے علاوہ مندرجہ ذیل مخلصینِ جماعت بھی داغِ مفارقت دے گئے ۔

۱۔ بابو محمد عمر صاحب بریلوی (وفات ۲۰ جنوری ۱۹۵۶ء)

مرحوم نہایت پُرجوش اور مخلص احمدی تھے۔ تقسیم ملک سے قبل عرصہ دراز تک بسلسلہ کاروبار دہلی میں رہے اور وہاں بڑھ چڑھ کر جماعتی خدمات بجالاتے رہے ۔

(الفضل ۲۵ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۵)

۲۔ بابو عبدالغنی صاحب انبالوی (وفات ۳ مارچ ۱۹۵۵ء)

آپ نے ۱۹۰۸ء میں حضرت خلیفہ اوّل کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ احمدیت کا چلتا پھرتا نمونہ اور متوکل انسان تھے ۔ سالہا سال تک سیکرٹری تبلیغ رہے اور ہر سال ایک ماہ تبلیغ کے لیے وقف کرتے تھے ۔ درجنوں افراد آپ کے ذریعہ داخل احمدیت ہوئے۔ ایک بار پادری عبدالحق صاحب کو مباحثہ میں لاجواب کر دیا ۔ آپ جماعت انبالہ کے روح رواں تھے ۔ قرآن مجید کی تلاوت نہایت استغراق سے کیا کرتے تھے ۔ بہت صدمے اٹھائے مگر ہمیشہ راضی برضا رہے ۔ پروفیسر عبدالرشید غنی صاحب ایم ایس سی مؤلف کتاب " اسلام کا وراثتی نظام " آپ ہی کے صاحبزادے ہیں ۔

(الفضل ۷ مارچ ۱۹۵۶ء ۔ الفضل ۷ اپریل ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ ۔ الفضل ۲۷ مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۵)

۳۔ صاحبزادہ میاں عبدالسلام صاحب عمر (فرزند اکبر حضرت خلیفۃ المسیح اوّل)

(وفات ۲۵/۲۴ مارچ ۱۹۵۶ء)

آپ ۲۵ دسمبر ۱۹۰۵ء کو پیدا ہوئے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبدالسلام نام تجویز

فرمایا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے اپنی (غیر مطبوعہ) ڈائری میں تحریر فرمایا:۔

"۲۵ دسمبر ۱۹۰۵ء سعیدہ نے اطلاع دی۔ لڑکا پیدا ہوا ہے۔ جلسہ بڑی جامع مسجد میں تھا وہاں اطلاع ہوئی تو سب نے یکدم مبارکباد کی صدا بلند کی۔ الحمد للہ۔ الحمد للہ۔ الحمد للہ رب العالمین۔ امام نے عبد السلام نام رکھا والحمد للہ" ابتدائی تعلیم قادیان میں حاصل کی اور ایل ایل بی علی گڑھ یونیورسٹی سے کیا۔

(الفضل ۲۷ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۱، الفضل ۲۸ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۳)

مولوی صاحب کی طبیعت بچپن سے ہی نیکی کی طرف مائل تھی تین سال کے تھے کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کو کہا۔ ابا میرے لیے دعا کرو حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے دعا کی تو کہا ہاتھ اٹھا کر دعا کرو پھر دعا ہاتھ اٹھا کر کی تو کہا نماز پڑھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو روپیہ بھی دیا اور بہت کثرت سے دیا مگر آپ نے ہمیشہ درویشانہ زندگی بسر کی۔ ۱۹۵۵ء جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ایک شخص نے کہا مولوی صاحب آپ نے اتنا سستا لٹھا پہنا ہوا ہے۔ اتنی سادگی بھی اچھی نہیں کہنے لگے میاں جسم ہی ڈھانکنا ہے تھوڑی دیر کے بعد ایک غریب احمدی ملے اُن سے پوچھا جلسہ سالانہ پر جا رہے ہو انہوں نے جواب دیا نہیں پوچھا کیوں۔ کہنے لگے۔ کرایہ نہیں ہے مولوی صاحب نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ان کو کچھ رقم دے دی انہوں نے بغیر گنے جیب میں ڈال لی بعد میں دیکھا تو پچیس روپے تھے۔

قادیان کے بعض قدیم احباب مولوی صاحب سے امداد لینے ان کے گاؤں نور پور متصل لاکھا روڈ ضلع نواب شاہ سندھ میں پہنچ جایا کرتے مولوی صاحب ان کی آمد سے بہت خوش ہوتے ان کو آمد و رفت کا کرایہ بھی دیتے اور امداد بھی کرتے اور کہا کرتے بھائی تم بہت باہمت ہو کہ اس دور افتادہ گاؤں میں پہنچ گئے۔

حضرت اماں جی نے بتایا کہ مولوی صاحب بچے تھے کہ نواب محمد علی خاں صاحب کی کوٹھی تشریف لے گئے اور نواب صاحب سے ایک پیسے کی بھینس مانگی۔ نواب صاحب نے فوراً وہ بھینس مولوی عبد السلام صاحب کے ساتھ ان کے گھر بھجوا دی۔

ایک دفعہ ٹرکی جانے کا ارادہ کیا۔ پاسپورٹ بنوایا سامان بندھا ہوا تھا ٹانگہ کھڑا تھا سیدنا حضرت

خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے اجازت لینے اور ملنے کے لئے گئے حضور نے فرمایا آپ طالب علمی کے زمانہ میں نہ جائیں۔ آپ نے اسی وقت ارادہ فسخ کر دیا۔ زمانہ طالب علمی سے شیخ بشیر احمد صاحب سے دوستی تھی اس زمانہ میں ہر روز ایک خط شیخ صاحب لکھتے اور ایک خط مولوی صاحب ان خطوں میں بہت اعلیٰ درجہ کی علمی بحثیں ہوتیں کبھی بے ثباتی دنیا زیر بحث ہوتی کبھی غالب کے کسی شعر پر تنقید۔ دونوں دوست ایک دوسرے کو بڑی پیاری نصیحتیں کرتے۔

نہایت اعلیٰ درجہ کے مقرر تھے ایک دفعہ اسلامیہ کالج لاہور کی طرف سے آل انڈیا تقریری مقابلہ میں حصہ لینے کے لیے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھیجے گئے۔ اوّل آئے ایک بہت بڑا کپ سونے اور چاندی کے تمغے انعام میں لے کر آئے۔

مولوی صاحب نے بی اے ایل ایل بی کرنے کے بعد حیدر آباد دکن میں دو سال وکالت کی ایک دفعہ اعظم صاحب نے آپ سے ایک قانونی مشورہ کیا اس کے بعد اعظم صاحب نواب اکبر جنگ صاحب کے پاس پہنچے نواب صاحب نے فرمایا ہماری فیس پانچ سو روپیہ ہوگی اعظم صاحب نے مولوی صاحب کی رائے پیش کی نواب صاحب نے فرمایا رائے بالکل درست ہے۔

عبدالخالق صاحب مہتہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے میٹرک پاس کیا میرے والد حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی پریشان تھے کہ اب لڑکے کو کس لائن میں ڈالیں۔ مولوی عبدالسلام صاحب مل گئے کہنے لگے بھائی جی عبدالخالق میرا بھائی ہے آپ بالکل پریشان نہ ہوں مَیں اس کو علی گڑھ لے جاؤں گا اور مسلم یونیورسٹی میں داخل کرا دوں گا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے ایسا ہی کیا عبدالخالق صاحب مہتہ نے بیان کیا کہ مسلم یونیورسٹی کی تعلیم کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ جانے کی توفیق بخشی اگر مولوی صاحب میری رہنمائی اور دستگیری نہ کرتے تو شاید مَیں کہیں چھوٹی موٹی کلرکی کر لیتا اور ان ترقیات سے محروم رہ جاتا جو خدا تعالےٰ نے مجھے بعد میں عطا کیں۔

سندھ کے ایک بڑے زمیندار اور حروں کے سردار میاں عبدالوہاب صاحب عمر کے پاس آئے کہنے لگے مَیں اپنے بیٹے کی بیعت کرانی چاہتا ہوں انہوں نے کہا آپ کو احمدیت کی طرف توجہ کیسے ہوئی؟ کہنے لگے مولوی عبدالسلام صاحب کو دیکھ کر مَیں نے کہا وہ کیسے کہنے لگے ان کو خدا تعالیٰ پر بڑا توکل ہے بعض دفعہ ان کو زمین کی قسطیں ادا کرنی ہوتیں ان کے پاس کوئی روپیہ نہ ہوتا مگر وہ کبھی نہیں گھبراتے مَیں نے کہا

مولوی صاحب ہیں روپیہ دے دیتا ہوں مگر وہ کبھی قبول نہ کرتے اور میں نے دیکھا آخری وقت اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی انتظام کر دیتا۔

چنانچہ میاں عبدالوہاب نے ان کے لڑکے کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں بیعت کے لیے بھجوا دیا مولوی عبدالسلام کے ذریعہ سندھ کے کئی معزز زمیندار سلسلہ میں داخل ہوئے ان کی زندگیاں جو لہو ولعب میں گذر رہی تھیں اعلائے کلمۃ الاسلام میں خرچ ہونے لگ گئیں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۸ راپریل ۱۹۵۶ء ص۵ و ص۸ مضمون میاں عبدالوہاب صاحب عمر)

میاں عبدالسلام صاحب عمر کی شخصیت گوناگوں خصوصیات کے باعث بہت ہی قابلِ احترام تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو تحریر و تقریر کا غیر معمولی ملکہ عطا کیا تھا نہ صرف یہ کہ آپ فصیح اللسان خطیب تھے بلکہ صاحب طرز انشا پرداز بھی تھے۔ اور دونوں میں آپ کو یکساں مہارت تھی نہایت برجستہ اور دلپذیر تقریر کرتے تھے۔ زمانہ طالب علمی میں کالجوں کے متعدد آل انڈیا مباحثوں میں شریک ہوئے اور اس دوران کئی طلائی کپ اور ٹرافیاں جیتیں۔

ان میں یہ وصف نمایاں تھا کہ وہ ہر ایک کو گرویدہ کر لیتے اُن کی ذات خدا پرستی غیرت دینی اور حمیت اسلامی کا نمونہ تھی۔ وہ ایک باوضع انسان اور بامروت دوست تھے۔ سادہ اور درویشانہ طبیعت رکھتے تھے۔ اور ساتھ نہایت شگفتہ مزاج بھی تھے۔

ملکی تقسیم کے بعد آپ اکثر نواب شاہ (سندھ) اپنی زمینوں کے انتظام و انصرام میں منہمک رہتے لیکن جب کبھی جلسہ سالانہ پر یا گھر میں کسی تقریب پر ربوہ تشریف لاتے تو اپنے دوستوں سے اس قدر خلوص سے بغلگیر ہوتے جیسے کوئی دلی غمگسار مدّتوں بچھڑنے کے بعد ملا ہے۔ پھر نہایت پیار و محبت سے تمام حالات دریافت فرماتے۔ آپ میں یہ بھی خصوصیت تھی کہ کبھی کسی کی دلآزاری یا تکلیف دہی پسند نہ کرتے تھے بلکہ بنی نوع انسان کی ہمدردی کا بے لوث جذبہ ہر وقت آپ کو بے قرار رکھتا تھا۔

قادیان جانے کی تڑپ ہمیشہ دامنگیر رہی۔ کمزوری و بیماری کے باوجود یہی شوق آپ کو دو دفعہ قادیان کی زیارت کے لیے کشاں کشاں لے گیا آخری مرتبہ اس سالانہ جلسہ پہ تشریف لے گئے تھے۔ اور اس موقعہ پہ آپ کی ایک نہایت کامیاب تقریر ہوئی جو غیر مسلم طبقہ میں بھی بے حد پسند کی گئی۔

۱۹۵۶ء میں آپ کی عزیز ترین خواہش کہ وہ "دیارِ حبیبؐ" میں حاضر ہو کر حج بیت اللہ شریف

سے مشرف ہوں لیکن افسوس اس جذبہ کی تکمیل میں موت حائل ہو کر رہ گئی ۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۳ مارچ ۱۹۵۶ء صہ۵ مضمون ملک نذیر احمد صاحب ریاض)

حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی ۔ جس میں ربوہ اور دوسرے شہروں کے ہزاروں افراد نے شرکت کی ۔ اور آپ کو حضرت اماں جی کے مزار کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا ۔ غلاف کعبہ کا ٹکڑا آپ کے کفن میں بھی شامل تھا ۔

(الفضل ۷ ، ۲ مارچ ۱۹۵۶ء صہ۱)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے آپ کی وفات پر حسب ذیل نوٹ سپرد قلم فرمایا :۔

" اس دلی محبت اور قدر و منزلت کی وجہ سے جو میرے دل میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی ذات والا صفات کے ساتھ بھی اور ہے اس جگہ صرف ایک واقعہ جو مولوی عبدالسلام صاحب کی بچپن کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے بیان کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ اس سے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی اس بے پناہ محبت پر بھی روشنی پڑتی ہے جو آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کیساتھ تھی ۔

ہماری ہمشیرہ مبارکہ بیگم صاحبہ بیان کرتی ہیں ۔ کہ ابھی مولوی عبدالسلام مرحوم غالباً چار سال کے تھے اور خود ہمشیرہ مبارکہ بیگم بھی ابھی چھوٹی تھیں کہ ایک دفعہ وہ حضرت خلیفہ اوّل کے مکان پر قرآن و حدیث کا سبق پڑھنے کے لیے گئیں اس وقت اتفاق سے ہمشیرہ کے پاس بچپن کی عمر کے مطابق کچھ دانے اخروٹ کے تھے مولوی عبدالسلام صاحب عمرؔ نے خورد سالی کی بے تکلفی میں ہمشیرہ سے کچھ اخروٹ مانگے اور ساتھ ہی سادگی اور محبت کے رنگ میں کہا " میں تو آپ کا نوکر ہوں " ہمشیرہ بیان کرتی ہیں کہ اس وقت اتفاق سے مولوی عبدالسلام صاحب کے بڑے بھائی مولوی عبدالحیٔ صاحب مرحوم بھی قریب ہی کھڑے تھے انھوں نے مولوی عبدالسلام صاحب کے یہ الفاظ (کہ میں آپ کا نوکر ہوں) سُنے تو خودداری کے رنگ میں مولوی عبدالسلام صاحب کو ڈانٹا کہ یہ الفاظ مت کہو مولوی عبدالحی صاحب مرحوم کے یہ الفاظ کسی طرح حضرت خلیفہ اوّلؓ کے کانوں تک پہنچ گئے اور حضور نے اسی وقت مولوی عبدالحی صاحب کو بلا کر فرمایا کہ تم عبدالسلام کو ان الفاظ کے کہنے سے کیوں روکتے ہو؟ اور ساتھ ہی مولوی عبدالسلام صاحب کو تاکیداً فرمایا " عبدالسلام ! ہم لوگ واقعی حضرت مسیح موعودؑ کے نوکر ہیں تم میرے سامنے اپنے منہ سے کہو کہ " میں آپ کا نوکر ہوں " چنانچہ مولوی عبدالسلام صاحب

کے منہ سے یہ الفاظ کہلائے کے بعد آپ وہاں سے گئے۔

بظاہر یہ معمولی سا واقعہ ہے۔ مگر اس سے محبت کے اس انتھاہ سمندر پر کتنی روشنی پڑتی ہے جو اس مردِ خدا اور مردِ مومن حضرت خلیفہ اوّلؓ کے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے خاندان کے لیے موجزن تھا۔ اور ہمشیرہ مبارکہ بیگم کے لیے یا ہمارے لیے مولوی عبدالسلام صاحب عمر یا کسی اور مخلص کا اس قسم کے الفاظ کہنا ہرگز کسی فخر کی بات نہیں۔ (ممکن ہے بلکہ ذاتی لحاظ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ خدا کی نظر میں ان کے اعمال ہم میں سے بعض کے اعمال سے بہتر ہوں) مگر یقیناً ہمارے لیے اور ساری جماعت کے لیے حضرت خلیفہ اوّل اور دیگر مخلصین کی وہ محبت موجب صد فخر ہے جو ان کے دلوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے خاندان کے لیے تھی۔ اور ہے یہ محبت حضرت مسیح موعود کا عظیم الشان معجزہ ہے۔ جس کی قدر و قیمت دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہے اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ (انفال آیت: ۶۴) میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں کو دور کر کے ہمیں اس مقدس محبت کا اہل بنائے اور ہمیں جماعت کے لیے ہر رنگ میں اچھا نمونہ بننے کی توفیق دے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

دعا کی غرض سے اس جگہ اس بات کا ذکر نامناسب نہ ہوگا کہ جب جودھامل بلڈنگ لاہور میں یہ خاکسار مولوی عبدالسلام صاحب عمر کا جنازہ پڑھانے لگا تو ابھی میں نے پہلی تکبیر کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ مجھ پر کشفی حالت طاری ہوگئی اور میں نے دیکھا کہ میری دائیں جانب سے حضرت خلیفہ اوّل تشریف لائے ہیں اس وقت آپ کا قد اپنے اصل قد سے کافی لمبا نظر آتا ہے مگر غالباً اپنے بڑے صاحبزادے کی بظاہر بے وقت وفات کی وجہ سے آپ کا جسم کچھ جھکا ہوا اور آپ کا چہرہ کچھ افسردہ تھا۔ اس نظارہ کے بعد یہ حالت جاتی رہی۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے حضرت خلیفہ اوّل کی روح کو جنت الفردوس میں تسکین عطا کرے اور عزیز مولوی عبدالسلام صاحب مرحوم کو غریق رحمت فرمائے اور ان کے اہل و عیال اور حضرت خلیفہ اوّل کی دیگر اولاد کا دین و دنیا میں حافظ و ناصر ہو۔"

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۴ اپریل ۱۹۵۶ء صفحہ ۳-۴)

اولاد :- (پہلی بی بی محمودہ بیگم صاحبہ بنت خان بہادر چوہدری ابوالہاشم خان صاحب سے)

۱- میاں عبدالواسع عمر صاحب ایم ایس سی -

(دوسری بی بی) سعیدہ بیگم صاحبہ - بنت حضرت مفتی محمد صادق صاحب سے)

۲- میاں عثمان عمر صاحب - ۳- فاروق عمر صاحب - ۴

(تیسری بی بی مبشرہ بیگم صاحبہ - بنت حضرت میر محمد سعید صاحب ممبر مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ حیدرآباد دکن سے) وفات کے وقت صرف تیسری بی بی ہی زندہ تھیں۔

(الفضل ۱۸؍اپریل ۱۹۵۶ء صہ)

۴- ملک بہادر خانصاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر خوشاب (وفات ۶؍اپریل ۱۹۵۶ء)

آپ نے بذریعہ خواب احمدیت قبول کی۔ موضع گرڈٹ ضلع سرگودہا کے گردونواح میں آپ کے ذریعہ احمدیت کا پیغام پہنچا اور ر رڈا علاقہ تھل میں ایک مخلص جماعت قائم ہوئی۔ شب بیدار بزرگ تھے۔ خدمتِ خلق کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ سیکرٹری مال کا عہدہ ہمیشہ آپ نے سنبھالا۔ تین سال تک جناب مرزا عبدالحق صاحب صوبائی امیر پنجاب کے ماتحت کلرک (صوبائی نظام) کے فرائض سرانجام دیئے۔ اپنے پیچھے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔ (الفضل ۲۳؍مئی ۱۹۵۶ء صہ)

۵- خواجہ غلام نبی صاحب بلانوی سابق ایڈیٹر "الفضل"

(وفات ۱۸؍اپریل ۱۹۵۶ء) (الفضل ۲۲؍اپریل ۱۹۵۶ء ص ۵)

آپ کے خود نوشت حالاتِ زندگی سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ دسمبر ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۱ء میں آپ نے ورنیکر مڈل امتحان پاس کیا اور اسی سال ۱۱؍جون کو قادیان تشریف لے گئے۔ احمدیت سے اُنس بچپن سے ہی تھا قادیان آکر آپ کو کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا یہ مشکلات صرف اس لیے پیش آئیں کہ آپ عمر کے لحاظ سے بہت چھوٹے تھے تعلیم بھی کوئی خاص نہ تھی پھر آپ کا کوئی عزیز رشتہ دار بھی قادیان میں موجود نہ تھا جو پردیس میں آپ کی دلجوئی کرتا مگر آپ اِن مشکلات سے بالکل نہ گھبرائے اور ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے آپ کو تعلیم اور مضمون نویسی کا بچپن سے شوق تھا جن مقدس اور بزرگ ہستیوں کے زیر سایہ آپ نے تعلیم اور مضمون نویسی کا کام سیکھا ان میں حضرت خلیفہ اوّلؓ حضرت مصلح موعودؓ، حضرت میر محمد اسحٰقؓ صاحب حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ

اور مرزا محمد اشرف صاحب مرحوم بھی شامل تھے۔ سب سے پہلے آپ دفتر کا کام کرنے کا موقعہ دفتر تشحیذ میں ملا۔ آپ نے سب سے پہلا مضمون اس وقت لکھا جب کہ آپ نے مہابھارت کا اردو ترجمہ پڑھا اس کتاب کی بناء پر آپ نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا "مہابھارت کا ایک ورق"۔ چونکہ مضمون نویسی کے لیے آپ کی یہ بالکل پہلی کوشش تھی اس لیے آپ نے اس خیال سے کہ مضمون کو نظر انداز نہ کیا جائے مضمون کے ساتھ اپنا نام نہ لکھا بلکہ صرف غ۔ ف لکھا۔ آپ کی یہ پہلی کوشش خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیاب ہوئی اور حضرت سردار محمد یوسف صاحب مرحوم نے اپنے اخبار نور میں شائع کر دیا۔

اس کے بعد آپ نے دو مضمون اور بھی لکھے جو اخبار نور میں چھپ گئے ان مضامین کے شائع ہونے پر آپ کا حوصلہ بڑھ گیا اور آپ نے اس طرف زیادہ توجہ دینی شروع کر دی۔ آپ کا ایک مضمون کشمیری میگزین میں بھی چھپا اور دو مضامین افغان اخبار پشاور میں شائع ہوئے جن کے عنوان تھے "مسلمان کیونکر ترقی کر سکتے ہیں" دو تین مضامین اخبار پیغام صلح میں بھی چھپے۔ ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء بروز جمعہ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات کے بعد آپ کو دفتر الفضل میں چٹیں بنانے کے کام پر لگایا گیا اس کام کے چند روز بعد محترم حضرت قاضی اکمل صاحب نے آپ کو حضرت مصلح موعودؓ کا درس قرآن کریم لکھنے کے کام پر لگا دیا سب سے پہلے جو درس قرآن کریم آپ نے لکھا اس کی پہلے حضرت قاضی صاحب نے تصحیح کی اور پھر حضور نے خود اس کی اصلاح فرمائی ایک دن حضور نے درس قرآن کریم کے نوٹوں والی کاپی ملاحظہ کرنے کے بعد ارشاد فرمایا آئندہ نوٹ نہیں بلکہ مفصل درس قرآن کریم لکھا کریں حضور کے اس ارشاد کے بعد آپ نے ۲۸ - ۲۹ - ۳۰ تین پاروں کا مفصل درس لکھا جو "الفضل" میں شائع ہوا۔

آپ نے اپنی ذمہ داری پر سورۃ نور کے مکمل اور مفصل نوٹ حقائق القرآن کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیے اور خدا کے فضل اور رحم سے کسی خاص غلطی سے محفوظ رہے حضور کا خطبہ جمعہ لکھنے کا کام بھی آپ کے سپرد کیا گیا الفضل کے دفتر میں آنے کے بعد جو پہلا جلسہ سالانہ ہوا اس موقعہ پر حضور کی کئی تقریریں آپ نے لکھیں جن میں بعض کافی لمبی تھیں۔ زود نویسی کے سلسلہ میں آپ نے اپنے لیے وقتاً فوقتاً کئی آسانیاں ایجاد کیں اور نئے نئے طریق وضع کیے جن کی وجہ سے آپ حضور اقدس کی تقریروں کو زیادہ عمدگی اور مکمل صورت میں نوٹ کرنے لگے پانچ چھ گھنٹے تک حضور

کی تقریر نہایت عمدگی کے ساتھ نوٹ کرتے چلے جاتے ہیں۔ جس کی بنا پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے بارہا پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور تعریف کی۔

ایک دفعہ آپ نے حضرت حافظ روشن علی صاحب کی تقریر لکھی جو وفات مسیح علیہ السلام پر تھی یہ تقریر جب آپ نے مرتب کر کے حضرت حافظ صاحب کو سنائی تو آپ نے بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور آپ پر ان کی نوازشات پہلے سے بھی بڑھ گئیں اور ساری تقریر سن کر فرمایا یہ تقریر تو میری ہی ہے مگر مجھے یاد نہیں کہ میں نے اتنی مفصل اور ایسے تسلسل سے یہ تقریر کی تھی۔

اسی موقع پر حضرت حافظ روشن علی صاحب نے بہت دعا آپ کے حق میں کی سب سے مبارک واقعہ جو آپ کی زندگی میں ہوا وہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت میر محمد اسحاق صاحب حسب معمول مسجد اقصیٰ میں لڑکوں کی کلاس کو پڑھا رہے تھے اس کلاس میں آپ بھی شامل تھے۔ اتنے میں ایک شخص نے حضرت میر صاحب کے ہاتھ میں ایک رقعہ دیا۔ آپ نے لے کر پڑھا اور آپ کی طرف بڑھا دیا اور بڑی ہی شفقت سے مسکراتے ہوئے ایک لفظ پر انگلی رکھ کر فرمایا یہ پڑھو۔ آپ نے وہ لفظ پڑھا جس پر حضرت میر صاحبؓ کی انگلی تھی تو آپ کی خوشی اور مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ لفظ یہ تھا "عزیزم غلام نبی" یہ تحریر حضرت مصلح موعودؓ کی تھی جو درج ذیل کی جاتی ہے:۔

"عزیزم غلام نبی السلام علیکم

چونکہ خدا تعالیٰ نے میرے سپرد بہت بڑا کام کیا ہے اور میں اب الفضل کو ایڈٹ کرنے کے لیے وقت نہیں نکال سکتا اس لیے چاہتا ہوں کہ کچھ نوجوانوں کو اس کام کے لیے تیار کر دوں اور ان کے سپرد یہ کام کر دوں جو میں خود کیا کرتا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ میں کسی اور کو اس کے لیے منتخب کروں تم کو اور نیاز احمد کو موقع دیتا ہوں کہ اگر تم اپنے آپ کو اس قابل بنا سکو اور اپنی زندگی اس کام کے لیے وقف کر سکو۔ اس کے لیے حسب ذیل باتیں ضروری ہیں

۱۔ کم از کم قرآن کریم کا ترجمہ آنا ضروری ہے اور صحاح ستہ پر عبور ہونا چاہیئے۔

۲۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب پر عبور ہونا چاہیئے۔

۳۔ غیر مذاہب کی مذہبی کتب کی واقفیت ہونی چاہیئے۔

۴۔ خلیفۂ وقت کی اطاعت اور اس سے وابستگی لازمی چیز ہے۔

۵۔ حکومتِ وقت کی اطاعت ضروری ہے۔
۶۔ احمدیت کے لیے اخلاص اور ہر قسم کی قربانی کرنے کا جذبہ ہونا چاہیئے مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم میں اِن کے متعلق بہت کمی ہے اگر تم کچھ سیکھ سکو محنت اور کوشش کر سکو تو میں تم دونوں کو موقع دینا چاہتا ہوں تم سوچ کر مجھے اس کے متعلق جواب دو"

اس خط کی جو نقل آپ کی وفات کے بعد کاغذات میں سے ملی اس پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔
"نوٹ۔ الفاظ میں کچھ کمی بیشی ضرور ہوگی مگر مفہوم یقیناً یہی تھا۔ اس تحریر کا جواب جو آپ نے حضور اقدس کی خدمت میں ارسال کیا تھا وہ یہ ہے:۔

سیدی و آقائی　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت میر محمد اسحاق صاحب کی وساطت سے حضور کا جو رقعہ مجھے ملا ہے اس کے متعلق نہایت مؤدبانہ عرض ہے کہ میں تو اپنے آپ میں کوئی ایسی بات نہیں پاتا کہ میں اس کام کے قابل بن سکوں گا لیکن یقین رکھتا ہوں کہ اگر حضور ایک تنکے سے بھی کوئی کام لینا چاہیں تو خدا تعالیٰ اس میں بھی اس کام کی اہلیت پیدا کر دے گا۔ میں ایک تنکے کی حیثیت سے یہ کہتے ہوئے اپنے آپ کو حضور کے قدموں میں پیش کرتا ہوں۔

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

طالب دعا ۔ غلام نبی

اس کے بعد جلد ہی آپ ادارۂ الفضل کے ساتھ منسلک ہو گئے کم و بیش تیس برس تک نہایت محنت اور جانفشانی کے ساتھ آپ نے الفضل ایسے اہم اخبار کی ادارت کے فرائض سرانجام دیئے۔ بالآخر ۱۹۴۶ء میں ریٹائر ہو گئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی خود آپ کو پڑھاتے رہے اور آپ روز بروز یہ محسوس کرنے لگے کہ حضور اقدس مجھ پر خاص شفقت اور ذرہ نوازی کی نظر فرماتے جا رہے ہیں اور آپ کے مضمونوں کی اصلاح بھی حضور اقدس خود بڑی نوازش سے فرماتے۔

جولائی ۱۹۱۶ء کو اخبار الفضل کی ایڈیٹری کی ذمہ داری پوری طرح آپ کو سونپ دی گئی۔ ۱۹۱۶ء

سے لیکر ۱۹۴۶ء تک یعنی صدی کے تہائی حصہ سے بھی زیادہ عرصہ آپ نے یہ ذمہ داری ادا کی۔ آپ اس لمبے عرصہ میں نہایت خوش اسلوبی سے الفضل کی ادارت کا نازک کام سرانجام دیتے رہے۔

(الفضل ۵ رمئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۵)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۰ اپریل ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں آپ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھانے سے پہلے ارشاد فرمایا:۔

"الفضل کے ابتدائی اسسٹنٹ ایڈیٹر درحقیقت وہی تھے۔ ایڈیٹر میں خود ہوا کرتا تھا۔ اور اسسٹنٹ ایڈیٹر وہ تھے۔ ان کی تعلیم زیادہ نہیں تھی صرف مڈل پاس تھے مگر بہت ذہین اور ہوشیار تھے میری جس قدر پہلی تقریریں ہیں وہ ساری کی ساری انہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں وہ بڑے اچھے زود نویس تھے اور ان کے لکھے ہوئے لیکچروں اور خطبات میں مجھے بہت کم اصلاح کرنی پڑتی تھی پھر وہ اخبار کے ایڈیٹر ہوئے اور ایسے زبردست ایڈیٹر ثابت ہوئے کہ درحقیقت پیغامیوں سے زیادہ تر ٹکر انہوں نے ہی لی ہے۔ "پیغام صلح" کے وہ اکثر جوابات لکھا کرتے تھے اسی طرح وہ میرے ابتدائی خطبات وغیرہ بھی لکھتے رہے جو انہی کی وجہ سے محفوظ ہوئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کا جماعت پہ ایک بہت بڑا احسان ہے اور جماعت ان کے لیے جتنی بھی دعائیں کرے اس کے وہ مستحق ہیں"۔

(الفضل ۱۵ رمئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۴)

تصانیف:۔ ۱۔ ایک کشف پر حلف (حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری کا حلف سرخی کے چھینٹوں کے متعلق) ۲۔ پنڈت لیکھرام کا واقعہ قتل۔ ۳۔ ایک نئی تحقیقات۔ ۴۔ اُمتِ محمدیہ میں مجدد۔ ۵۔ چھتیس سال قادیان میں (سوانح حیات)

اولاد:۔ (پہلی بی بی سے) ۱۔ کنیز احمد صاحبہ۔ ۲۔ خواجہ حمید احمد صاحب۔ ۳۔ خواجہ مجید احمد صاحب ۴۔ خواجہ شبیر احمد صاحب۔ ۵۔ خواجہ منیر احمد صاحب۔ ۶۔ خواجہ تنویر احمد صاحب مرحوم

(دوسری بی بی سے) ۷۔ رشیدہ صاحبہ۔ ۸۔ نسیمہ صاحبہ۔ ۹۔ نسیم احمد صاحب مرحوم۔ ۱۰۔ نعیم احمد صاحب مرحوم۔ ۱۱۔ کلیم احمد صاحب۔ ۱۲۔ ریاض النبی صاحب۔ ۱۳۔ مبارکہ صاحبہ۔ ۱۴۔ نعیمہ صاحبہ ۱۵۔ بشریٰ صاحبہ۔

(چھتیس سال قادیان میں مؤلفہ منشی غلام نبی صاحب بلانوی سابق ایڈیٹر الفضل)

۶۔ میاں عبدالکریم صاحب سابق سیکرٹری مال لاہور۔ (وفات ۲۳؍ اگست ۱۹۵۶ء)
حضرت میاں چراغ دین صاحب رئیس لاہور کے نواسے اور ریلوے میں آفیسران سپیشل ڈیوٹی کے عہدہ پر فائز تھے۔ تقویٰ شعاری۔ اخلاص۔ ہمدردی اور خندہ پیشانی اور پختگیٔ اصول آپ کے نمایاں اوصاف تھے۔ (الفضل ۱۱؍ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۷)

۷۔ سیٹھ محمد علی صاحب صدر جماعت احمدیہ اڈکور (دکن) (وفات ۲ ، ۳ ستمبر ۱۹۵۶ء)
آپ سلسلہ احمدیہ کے پُرانے خادم تھے اور حضرت سیٹھ شیخ حسن صاحب مرحوم امیر جماعت یادگیر دکرم سیٹھ محمد معین الدین صاحب امیر جماعت چنتہ کنٹہ (دکن) کے اقارب میں سے تھے۔
بیڑی کے کارخانے کے مالک تھے۔ ٹرین کے حادثہ میں شہید ہوئے اور احمدیہ قبرستان حیدرآباد دکن میں تدفین عمل میں آئی۔ (الفضل ۱۵؍ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۷)

۸۔ شاہ جی محمد اکرم خانصاحب رئیس ترنگ زئی پشاور (وفات ۱۱؍ستمبر ۱۹۵۶ء)
نہایت مخلص اور اعلیٰ اخلاص کے حامل تھے۔ اور اپنے علاقہ میں جماعتی تنظیم کے اعتبار سے ستون کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور سلسلہ کے مالی جہاد میں بھی ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔
(الفضل ۲۰ ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ ، الفضل ۹؍اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۶)

۹۔ محمد یسین خان صاحب آف فیروزپور چھاؤنی (وفات ۱۶؍اکتوبر ۱۹۵۶ء)
۱۹۲۳ء یا ۱۹۲۴ء میں قبول احمدیت کا شرف حاصل کیا۔ اور باوجود تمام رشتے داروں کے سوشل بائیکاٹ کے تادم واپسیں احمدیت پر پوری قوتِ ایمانی کے ساتھ قائم رہے۔
تبلیغ کا جنون تھا۔ صاحبِ کشف بزرگ تھے۔ اور تحریک جدید کے دورِ اوّل کے مجاہدین میں سے تھے۔ عمر بھر اپنی اولاد کو یہ نصیحت فرماتے رہے کہ شجرِ احمدیت سے ہمیشہ منسلک رہیں۔ آپ کی ایک بیٹی محترمہ سردار سلطانہ صاحبہ مولانا عبدالمالک خانصاحب کے عقد میں آئیں۔
(الفضل ۱۶؍فروری ۱۹۵۷ء صفحہ ۵)

۱۰۔ مولوی محمد علی صاحب مبلغ فیروزپوری۔ (وفات ۱۷؍اکتوبر ۱۹۵۶ء)
۱۹۱۰ء میں احمدی ہوئے۔ جس پر انہیں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر ان کے نیک نمونے کو دیکھ کر ان کے دوسرے بھائی بھی احمدیت میں شامل ہو گئے۔

پہلی بار آپ نے اخبار الفضل کو روزنامہ بنانے کی تحریک فرمائی۔ تبلیغ کرنے کا بہت شوق تھا۔ کئی بار غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے ٹریکٹ چھپوائے۔ یوم تبلیغ کے موقع پر میلوں میل پیدل دیہات میں جاتے اور پیغام حق پہنچاتے۔ ان خدمات کے پیش نظر آپ کو مبلغ صاحب کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ (الفضل ۲۷ نومبر ۱۹۵۶ء صہ ۵)

۱۱۔ دوست محمد خانصاحب حجانہ۔ (وفات ۲ نومبر ۱۹۵۶ء)

ڈھورہ حجانہ تحصیل جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں میں ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت خلیفہ اوّل کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ انگریزی مڈل اور نارمل پاس کر کے ۱۹۱۱ء تک ٹیچر رہے۔ پھر دس سال تک لغاری نواب کی اسٹیٹ پر مشیر مال رہ کر اپنی محنت۔ دیانت اور قابلیت سے اس وسیع رقبہ کو آباد کر کے اور نہریں بنوا کر اپنی یادگار کے انمٹ نقوش چھوڑے۔ اپنے پسماندہ ضلع کے کے مسائل کے حل کے لیے ایک اخبار "ڈیرہ غازی خاں رپورٹر" نکالتے رہے۔ بعد میں عرائض نویسی کرتے رہے۔ اور اپنی قانونی قابلیت سے مظلوموں کی امداد کرتے رہے۔ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۱ء تک سیکرٹری ڈسٹرکٹ ایجوکیشن رہے۔ اور تعلیم کو فروغ دیا۔ نہایت ہی سادگی پسند پابند صوم وصلوٰۃ و تہجد تھے۔ اور احمدیت اور خلیفۂ وقت کے شیدائی تھے۔ اپنے دو لڑکوں کو قادیان دارالامان میں تعلیم دلوائی۔ غریب طلباء اور بیواؤں کی مالی امداد کرتے۔ لڑکوں کو نصیحت کرتے کہ رزقِ حلال کو مقدم رکھیں۔ حضرت امام الانبیاء کے ارشاد کی تعلیم کے مطابق آپ کے نیک نمونہ کی وجہ سے اپنی برادری اور باہر کئی گھرانے آغوشِ احمدیت میں آگئے۔

آپ ۲ نومبر ۱۹۵۶ء کو فوت ہوئے اور ۱۶ نومبر ۱۹۵۶ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے جنازہ غائب پڑھا اور خطبہ جمعہ میں آپ کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے فرمایا:-

"ایک جنازہ تو دوست محمد خاں صاحب حجانہ کا ہے جو ۲ نومبر کو فوت ہو گئے ہیں انہوں نے ۱۹۰۹ء میں یعنی حضرت خلیفہ اوّل کے عہد خلافت میں احمدیت قبول کی تھی نہایت مخلص جوشیلے احمدی تھے انہیں تبلیغ کا جنون کی حد تک جوش تھا۔ ان کے بیٹے نے مجھے لکھا ہے کہ والد صاحب کی خواہش تھی کہ حضور ان کا جنازہ پڑھائیں اور اپنی زندگی میں بھی جب وہ مجھے ملتے تھے اس خواہش کا اظہار کیا کرتے تھے کہ میں ان کا جنازہ پڑھاؤں جیسے احمدیت کے سلسلہ میں وہ

جوشیلے واقع ہوئے تھے ویسے ہی طبیعت کے لحاظ سے بھی بڑے جوشیلے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ شوریٰ ہو رہی تھی۔ ایجنڈا میں یہ تجویز تھی کہ سب احمدی ڈاڑھی رکھا کریں اور جو ڈاڑھی نہ رکھیں ان کی وصیت منسوخ کر دی جائے۔ مجھے یاد نہیں کہ یہ تجویز پاس ہوئی تھی یا نہیں بہرحال جب یہ تجویز پیش ہوئی تو دوست محمد حجانہ بڑے جوش سے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے مَیں اپنی ڈاڑھی منڈوا دوں گا کیونکہ اس بارہ میں جبر برداشت نہیں کر سکتا۔ مَیں نے تو صرف اس لیے ڈاڑھی رکھی تھی کہ خدا اور اس کا رسول اس کی ہدایت دیتا ہے کسی کے جبر کی وجہ سے نہیں رکھی تھی۔ اب اگر کوئی شخص مجھے اس بات پر مجبور کرنا چاہتا ہے تو مَیں اسے برداشت نہیں کر سکتا میں نے کہا آپ ڈاڑھی چھوڑ کر سر بھی منڈوا دیں ہمیں اس کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ اس پر وہ رو پڑے اور کہنے لگے مجھے معاف کر دیا جائے مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ اس طرح ان کی طبیعت اتنی جوشیلی تھی کہ اپنے بیٹے کی ذرا سی غلطی پر کہہ دیتے کہ میں اسے عاق کرتا ہوں کیونکہ یہ احمدیت کے کاموں میں پورے جوش سے حصہ نہیں لیتا۔

اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے اور انہیں اگلے جہان میں بھی بڑی عزت بخشے۔ وہ خود ایک معمولی زمیندار تھے لیکن بڑے بڑے نوابوں اور رؤساء سے ان کے تعلقات تھے جب مَیں پچھلے سال یورپ کے سفر پر گیا نوان کے علاقہ کا ایک رئیس جو گورنمنٹ کا سیکرٹری تھا اس نے مجھے نوٹس دیا کہ آپ کی جماعت تبلیغ کر رہی ہے جس سے فساد کا ڈر ہے۔ انہیں دنوں اس سیکرٹری سے کوئی غلطی ہوئی تھی جس پر وزیراعظم نے اسے معطل کر دیا تھا۔ چونکہ اس افسر کا میرے ساتھ اور میرے بچوں کے ساتھ پرانا تعلق تھا۔ دوست محمد صاحب لاہور آئے ہوئے تھے مجھے ملے تو مَیں نے اُن سے کہا کہ اپنے دوست کے بیٹے کو کہہ دیں کہ اس نے اس نوٹس کے دینے میں غلطی کی ہے یہ شاید یہ ٹھوکر جو اس کو لگی ہے اس وجہ سے لگی ہے۔ اب وہ توبہ کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے قصور کو معاف کرے۔ مجھے علم نہیں کہ انہوں نے میرا یہ پیغام اسے پہنچایا یا نہیں کیونکہ بعد میں وہ خود مجھے نہیں ملے لیکن وہ سیکرٹری خود مجھے یہاں ملنے کے لیے آئے پہلے لاہور میں وہ ہمارے خاندان کے ایک فرد کے پاس گئے اور کہنے لگے مَیں ربوہ جانا چاہتا ہوں اگر آپ اپنا کوئی آدمی میرے ساتھ بھیج دیں تو اچھا ہے چنانچہ وہ داؤد احمد کے ساتھ یہاں آئے۔ ملاقات کے دوران میں جس خلوص کا انہوں نے اظہار کیا اس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے دل کی صفائی ہو گئی ہے۔ ممکن ہے وہ خود ہی نادم ہوئے ہوں اور ندامت

کی وجہ سے یہاں آگئے ہوں لیکن دوست محمد خاں صاحب حجانہ نے اپنی زندگی میں مجھے کہا تھا کہ میں اس کے پاس جاؤں گا اور کہوں گا کہ تم پر جو یہ عتاب ہوا ہے وہ اس نوٹس کی وجہ سے ہوا ہے جو تم نے بلاوجہ امام جماعت احمدیہ کو دیا تھا اس لیے اس پر خدا تعالیٰ کے سامنے ندامت کا اظہار کرو۔ ممکن ہے انہوں نے اسے کہا ہو اور اس وجہ سے وہ ملاقات کے لیے آیا ہو۔ بہرحال وہ ملاقات کے لیے آیا اور اپنے نائب کو بھی ساتھ لایا۔ ملاقات کے وقت میں دوسری باتیں ہوتی رہیں۔ اس بات کے متعلق اس نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ لیکن ممکن ہے شرمندگی کی وجہ سے اس نے ذکر نہ کیا ہو۔

بہرحال دوست محمد خاں صاحب حجانہ باوجود اس کے کہ ایک معمولی زمیندار تھے ان کے تعلقات نوابوں رئیسوں سے تھے اور وہ انہیں بڑے دھڑلے سے تبلیغ کیا کرتے تھے۔ الیکشن کے موقع پر بڑے بڑے رؤسا انہیں بلاتے اور کہتے ہماری مدد کریں کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ علاقہ میں اُن کا اثر ہے اور اُن کے ادنیٰ سے اشارہ پر لوگ اُن کی امداد کرنے کے لیے آجائیں گے ایک دفعہ اُن کے ضلع میں ایک ای اے سی نے تنظیم اہلِ سُنت والجماعت شروع کی اور اس کا ایک اخبار جاری کیا وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے حضور ان کا مقابلہ کیجیے۔ میں نے کہا خانصاحب گھبرایئے نہیں تنظیم خود بخود ٹوٹ جائے گی۔ آپ کو اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۳ ؍ اکتوبر ۱۹۵۶ء ص ۴ - ۵)

۱۲۔ راجہ غلام حیدر صاحب بھگہ ضلع سرگودہا (وفات نومبر ۱۹۵۶ء)

حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۳ ؍ نومبر ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں ان کی نماز جنازہ پڑھانے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:۔

"بھگہ کی جماعت بڑی پرانی جماعت ہے اور راجہ غلام حیدر صاحب بڑے مخلص احمدی تھے۔ میں انہیں ذاتی طور پر بھی جانتا ہوں۔ بڑے تبلیغ کرنے والے تھے۔ ان کا لڑکا[ل] بھی بڑا ہوشیلا ہے۔ مولوی فاضل ہے اور آج کل ملتان میں کام کرتا ہے۔ پہلے ہمارے اخبار المصلح کراچی کا نائب ایڈیٹر ہوتا تھا۔"

(الفضل یکم دسمبر ۱۹۵۶ء ص ۴)

ل ڈاکٹر راجہ نذیر احمد صاحب ظفر (ناظم کیوریٹو میڈیسن کمپنی ربوہ) مراد ہیں۔

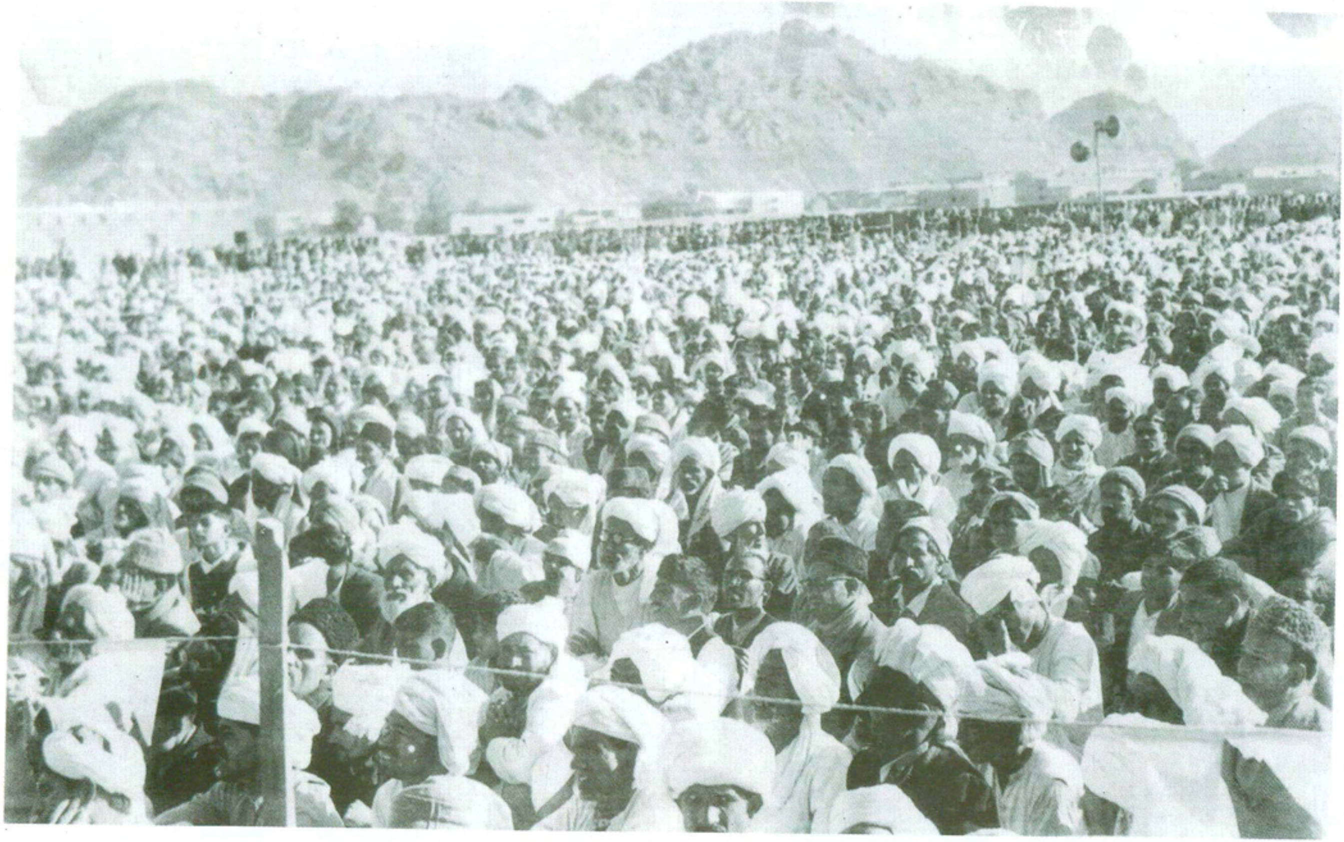

جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء کا ایک منظر

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی چوہدری عبدالجلیل خاں صاحب ایبٹ آباد کے مکان پر
۲۱ ستمبر ۱۹۵۶ء بعد از نماز جمعہ سنتیں ادا فرمارہے ہیں۔

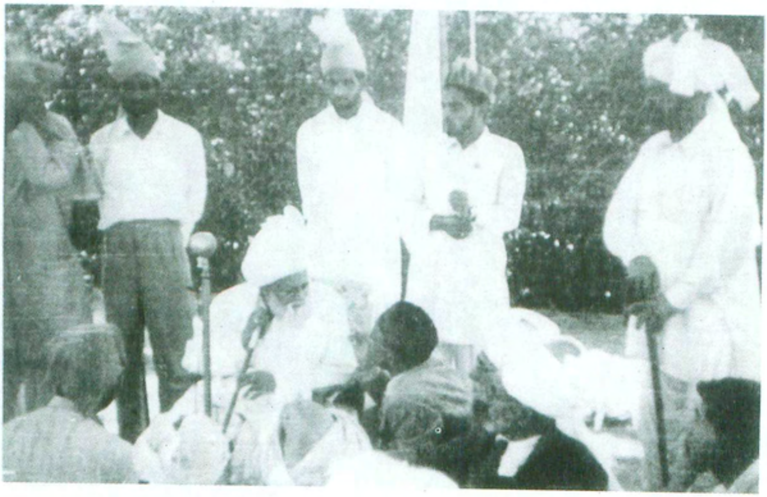

حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی ستمبر ۱۹۵۶ء ایبٹ آباد میں ڈاکٹر غلام اللہ صاحب
سے محو گفتگو۔

حضرت مصلح موعود ایبٹ آباد میں ایک مجلس سے محو گفتگو۔

سالانہ اجتماع انصار اللہ ۱۹۵۶ء۔

اراکین مجلس انصاراللہ ۱۹۵۶ء۔

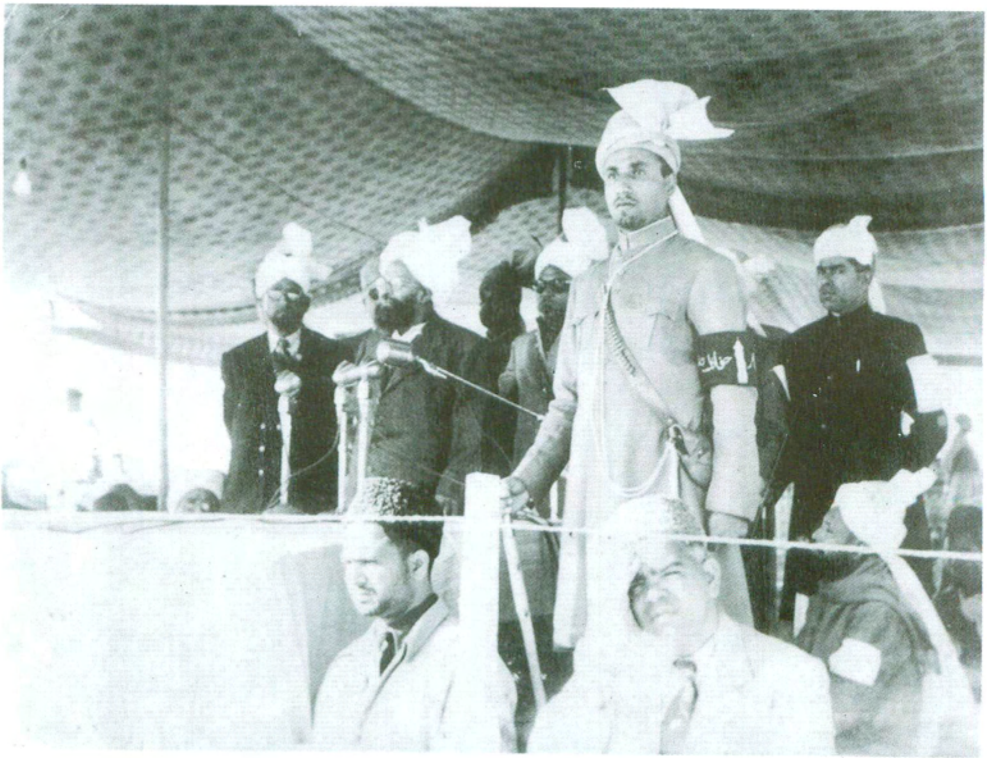

جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ حضرت مصلح موعود خطاب فرما رہے ہیں۔

جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ حضرت مصلح موعود سٹیج پر تشریف فرما ہیں۔

جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ حضرت مصلح موعود دعا کر رہے ہیں۔

جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب خطاب فرمارہے ہیں۔

جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خطاب فرمارہے ہیں۔

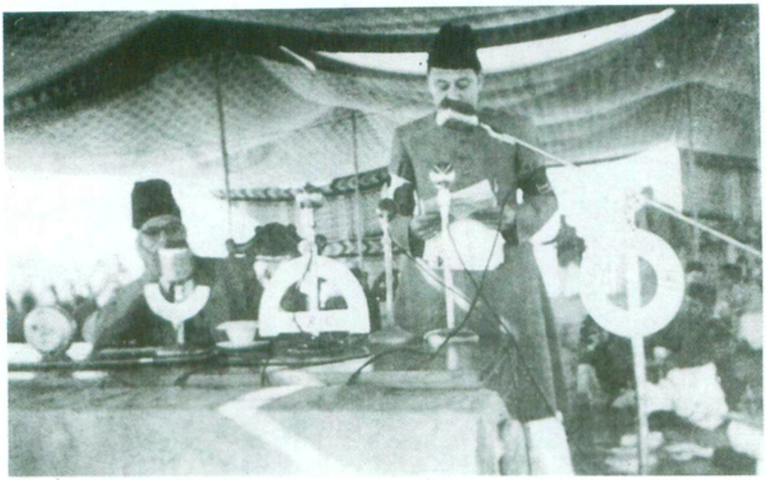

جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب خطاب فرما رہے ہیں۔

جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب خطاب فرما رہے ہیں۔

جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس خطاب فرما رہے ہیں۔

جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء۔ قاضی محمد اسلم صاحب خطاب فرما رہے ہیں۔

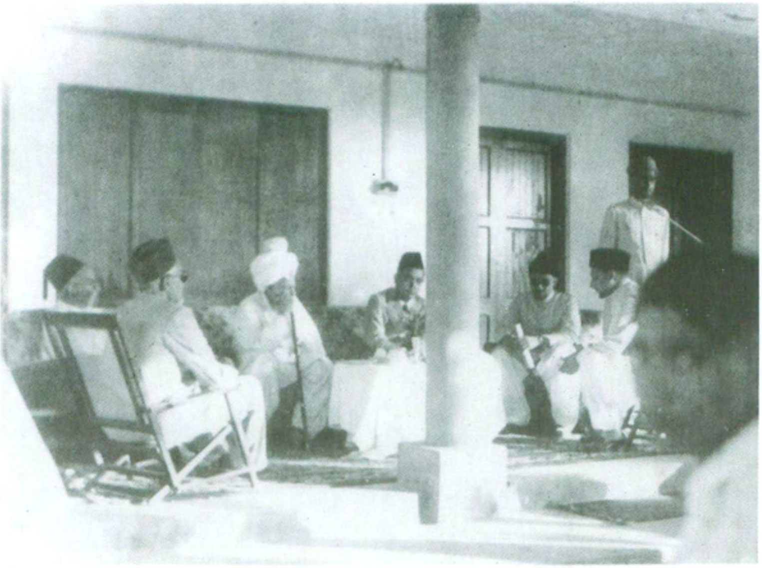

سفیر انڈونیشیا الحاج محمد رشیدی صاحب کی حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی سے ملاقات

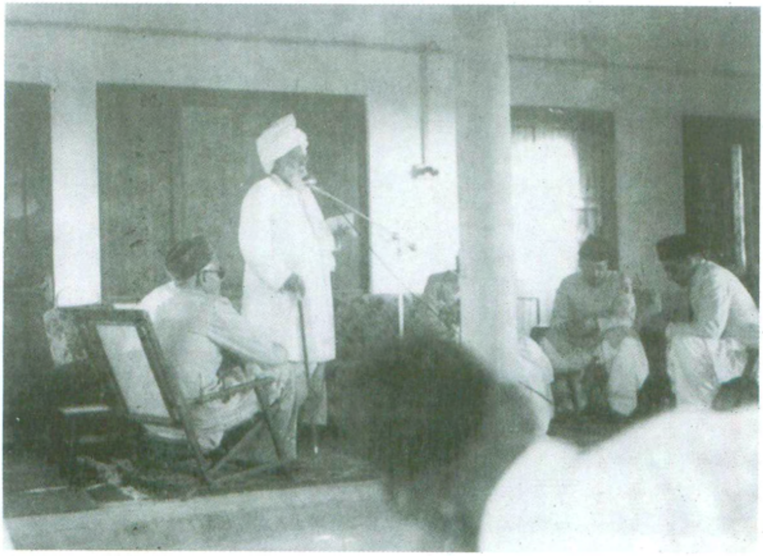

سفیر انڈونیشیا الحاج محمد رشیدی صاحب کی حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی سے ملاقات۔

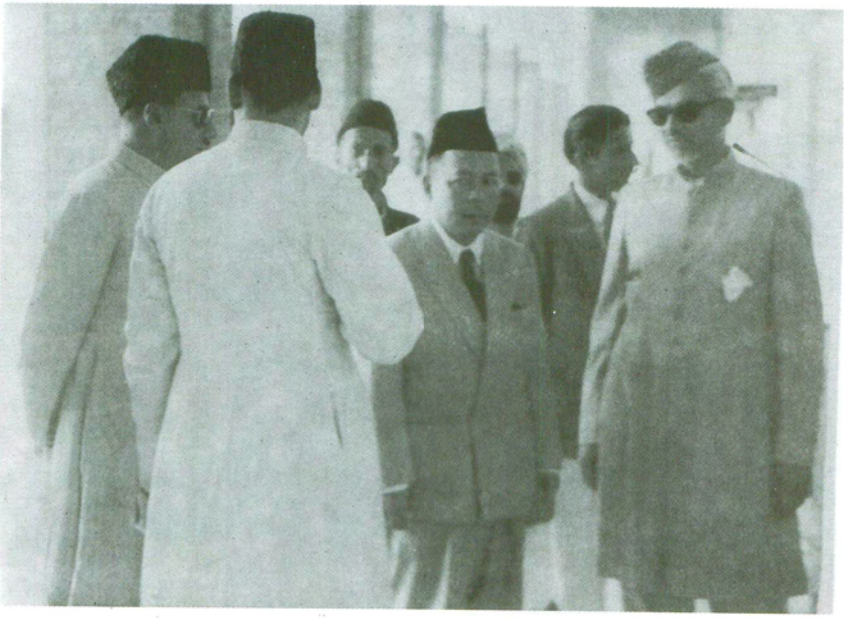

حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل اعلیٰ تحریک جدید سفیر انڈونیشیا
الحاج محمد رشیدی صاحب سے محو گفتگو۔

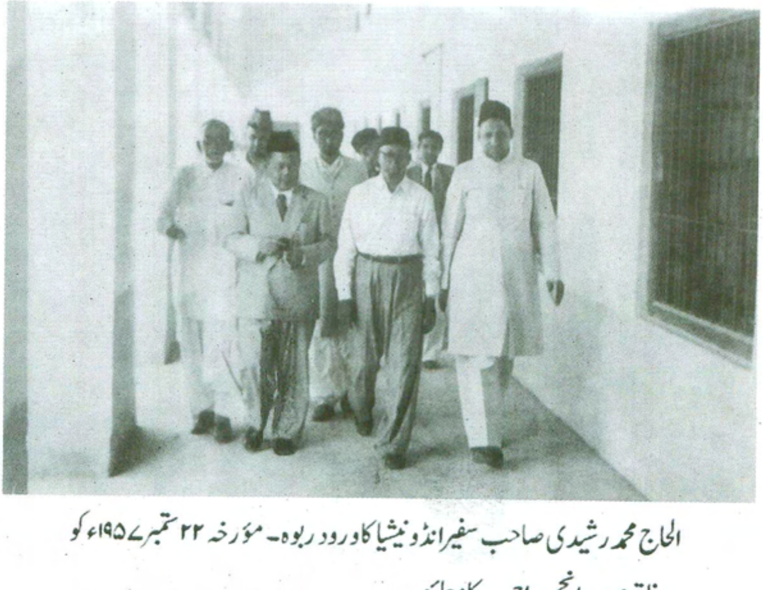

الحاج محمد رشیدی صاحب سفیر انڈونیشیا کا ورود ربوہ۔ مؤرخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۵۷ء کو
دفاتر صدر انجمن احمدیہ کا معائنہ۔

لوکل انجمن احمدیہ ربوہ کی تقریب میں سفیر انڈونیشیا الحاج محمد رشیدی صاحب تقریر فرمارہے ہیں۔

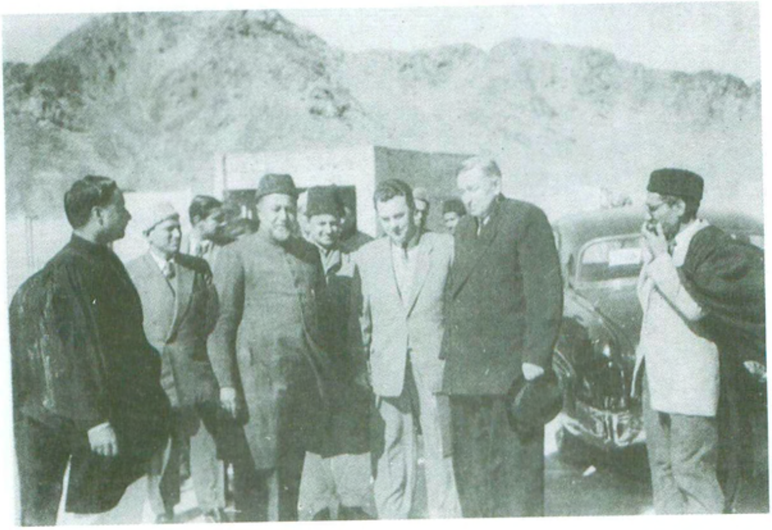

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب روسی سائنسدانوں کے ساتھ۔

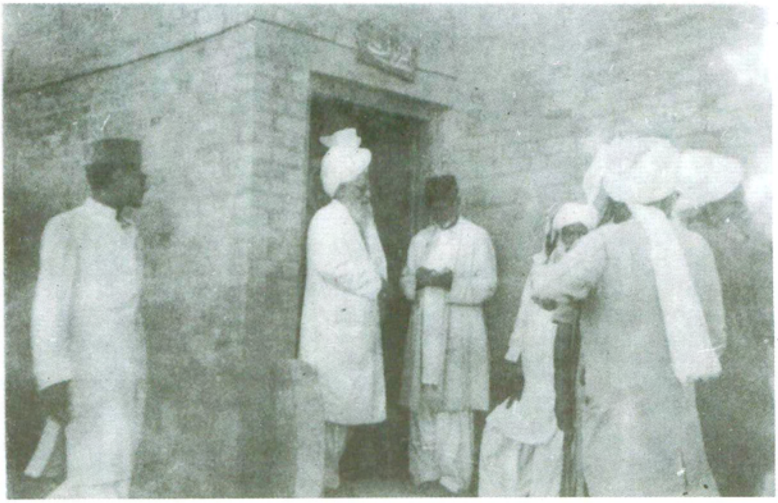

حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی قصر خلافت کے دروازہ پر میاں غلام محمد اختر صاحب سے گفتگو فرما رہے ہیں۔

مکرم ملک عبدالرحمٰن خادم صاحب ایڈووکیٹ گجرات۔

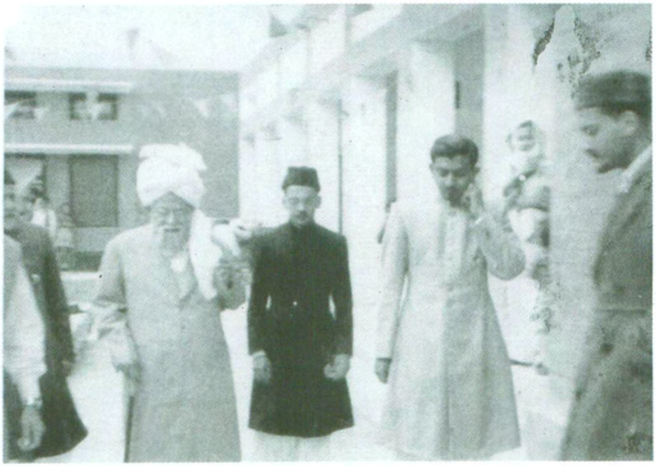

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی محترم میر محمود احمد صاحب ناصر کے ہمراہ بر موقع شادی۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی محترم میر محمود احمد صاحب ناصر کے ہمراہ بر موقع شادی۔

حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری پرنسپل جامعہ احمدیہ ۱۹۵۷ء میں
طلباء جامعہ احمدیہ کے ساتھ۔

محترم راجہ نذیر احمد صاحب اپنے والد جناب راجہ غلام حیدر صاحب آف ہجکہ ضلع سرگودہا کی سوانح کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"آپ کی پیدائش اندازاً ۱۸۹۶ء میں اور وفات ۲۴ راکتوبر ۱۹۵۶ء میں ہجکہ میں قریباً ۶۰ سال کی عمر میں ہوئی۔ آپ کے والد صاحب متوسط درجہ کے زمیندار تھے۔ آپ نے ہائی سکول کی تعلیم کے دوران میٹرک پاس کرنے سے پہلے ہی مطالعہ کر کے احمدیت قبول کر لی تھی۔

آپ کے والد صاحب اور منجھلے بھائی راجہ عبدالحمید صاحب نے شدید مخالفت کی لیکن آپ کی استقامت، دعاؤں اور کوشش اور تبلیغ سے بفضلہ تعالیٰ آپ کے والد صاحب، دونوں بھائی اور برادری کے متعدد افراد احمدیت میں داخل ہو گئے۔ حالانکہ گکھڑ راجگان میں سے بوجہ روایت پسندی تاحال بہت کم لوگوں نے احمدیت قبول کی ہے۔

خود بڑے ذوق و شوق سے تبلیغ کیا کرتے تھے۔ اور سلسلہ کے مبلغین اور مربیان کے ساتھ دینی مہمات میں بڑے جذبہ سے شامل ہوتے تھے۔

حضرت مصلح موعود کیساتھ بڑی محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ مرکز سلسلہ کے ساتھ بھی بڑی وابستگی تھی چنانچہ اپنے دونوں بڑے بیٹوں راجہ بشیر احمد صاحب منظر اور خاکسار (راجہ نذیر احمد ظفر) کو قادیان اور ربوہ میں تعلیم دلوائی۔ اسی طرح پورے خاندان کو خلافت اور مرکز سے قریب تر رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ آپ کے تیسرے بیٹے راجہ منیر احمد مینیجر پاسکو سرگودہا، اور چوتھے بیٹے مکرم راجہ نصیر احمد صاحب ناصر مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ حال مقیم یوگنڈا مشرقی افریقہ ہیں۔

چار بیٹوں کے علاوہ آپ نے چار بیٹیاں بھی یادگار چھوڑیں۔ بفضلہ تعالیٰ سب اولاد اور اولاد در اولاد احمدی ہیں۔" فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اگرچہ آپ محکمہ نہر سندھ میں ملازم تھے لیکن ۱۹۳۴ء کے قریب ہماری والدہ صاحبہ محترمہ کے علاج کے سلسلہ میں ہومیو پیتھی سے متعارف ہوئے۔ اس کے بعد ہومیو پیتھی کا مطالعہ اور پریکٹس جاری رکھی۔ آخری عمر میں سکھر اور پھر بھیرہ میں باقاعدہ ہومیو پیتھک کلینک چلاتے رہے۔

وفات سے پہلے آپ نے یہ وصیت فرمائی کہ میری اولاد میں سے کوئی ہومیو پیتھک کلینک کو سنبھالے چنانچہ خاندان نے اس ذمہ داری کا اعزاز اس عاجز کو بخشا۔ اور اب کیور ٹیو میڈیسن کمپنی رجسٹرڈ پاکستان (ہیڈ آفس ربوہ) کے نام سے جو ادارہ دنیا کی خدمت کر رہا ہے یہ دراصل آپ ہی کے لگائے ہوئے پودے

کانام ہے رلہ

فصل سوم

۱۹۵۶ء کے متفرق مگر اہم واقعات

خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ میں اضافہ اور تقریبِ نکاح

ولادت

طاہرہ بیگم صاحبہ بنت ملک عمر علی صاحب ۔ (ولادت یکم فروری ۱۹۵۶ء)
سید قمر سلیمان احمد صاحب ابن سید داؤد احمد صاحب (ولادت ۲۵ جولائی ۱۹۵۶ء)
سید ہارون احمد صاحب ابن سید محمد احمد صاحب ونگ کمانڈر (ولادت ۱۶ اگست ۱۹۵۶ء)
سید معزّ احمد صاحب " (" " ")
تسنیم احمد خالد صاحب ابن مرزا مبارک احمد صاحب (ولادت ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۶ء)
کوکب امۃ الکریم صاحبہ بنت مرزا وسیم احمد صاحب (۲۳ دسمبر ۱۹۵۶ء)[2]

نکاح حضرت مصلح موعودؓ نے ۸ مارچ ۱۹۵۶ء کو صاحبزادہ مرزا اظہر احمد صاحب کا نکاح کرنل اوصاف علی خاں صاحب کی پوتی اور خاں سعید احمد خاں صاحب کی بیٹی سے پڑھا[3] اور اپنے پُر معارف خطبہ میں بتایا کہ کس طرح آپ کے وجود میں پیشگوئی "وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا"[4] کا عملی ظہور ہوا اور آپ کو خدا کے فضل سے عمر بھر اپنی آمد کے اکثر حصہ کو اشاعتِ دین کے لیے خرچ کرنے کی توفیق عطا ہوتی رہی[5]

---

[1] مؤلف کتاب کے نام غیر مطبوعہ مکتوب مورخہ ۱۴ جون ۱۹۸۴ء ؛ [2] الفضل ۱۷ اگست ، ۳۰ اکتوبر ، ۲۵ دسمبر ۱۹۵۶ء ، شجرہ مبشرہ مرتبہ نسیم احمد خاں صاحب نسیم سٹیل فکسر ٹریننگ سنٹر اندرون موچی گیٹ لاہور ؛ [3] الفضل ۱۰ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ ؛ [4] ضمیمہ اخبار "ریاض ہند" امرتسر مطبوعہ یکم مارچ ۱۸۸۶ء صفحہ ۱۴۷ (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء) [5] الفضل ۲۳ نومبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۳، ۴ ، خطبات محمود جلد سوم صفحہ ۶۲۶ تا ۶۳۲ (ناشر فضل عمر فاؤنڈیشن ربوہ ۔ اشاعت مارچ ۱۹۷۹ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا البشیر احمد صاحب کا پیغام

۱۵ر جنوری ۱۹۵۶ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا البشیر احمد صاحبؓ نے چوہدری انور احمد صاحب کاہلوں امیر ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) کی خواہش پر حسب ذیل پیغام اُن کی ریکارڈنگ مشین میں محفوظ کرایا۔ اس اہم پیغام کا متن یہ تھا :-

برادران کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

چوہدری انور احمد صاحب نے خواہش کی ہے کہ میں ان کی مشین پر اپنے چند الفاظ ریکارڈ کر دوں انکی اس خواہش کے احترام میں مَیں نے مناسب خیال کیا ہے کہ گو آواز میری ہو مگر الفاظ حضرت مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہ کے ہوں تا سننے والے اصحاب ان مبارک الفاظ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں اور ہیں اور میری نسلیں بھی ان الفاظ کی برکات سے متمتع ہوں سو اس جگہ میں اسلام اور احمدیت کی آئندہ ترقی اور غلبہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض پیشگوئیاں سناتا ہوں تا دنیا کے لیے یہ ایک نشان ہو حضور فرماتے ہیں:

"اے تمام لوگو سُن رکھو کہ یہ اس خدا کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حجت اور برہان کی رو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا۔ جو عزت کے ساتھ دیکھا جائے گا۔ خدا اس مذہب اور سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا۔ اور ہر ایک کو جو اس کو معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا یہاں تک قیامت آجائے گی .... مَیں تو ایک تخم ریزی کرنے کو آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"[2]

پھر فرماتے ہیں کہ:-

"خدا نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلے کو تمام زمین پر پھیلا دے گا۔ اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا اور میرے

---

[1] حال لنڈن (آپ سالہا سال تک امیر جماعت احمدیہ انگلستان کے فرائض بجا لاتے رہے)

[2] تذکرۃ الشہادتین ص ۶۴ - ۶۵ (طبع اول)

فرقہ کے لوگ اس قدر علم و معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ وہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے۔ اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پئے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھیگا اور پھولے گا یہاں تک زمین پر محیط ہو جائے گا بہت سی روکیں پیدا ہوں گی اور ابتلا آئیں گے۔ مگر خدا ان سب کو درمیان سے اٹھا دے گا۔ اور اپنے وعدہ کو پورا کرے گا اور خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے برکت پر برکت دونگا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ .... سو اے سننے والو ان باتوں کو یاد رکھو اور ان پیش خبریوں کو اپنے صندوقوں میں محفوظ کر لو۔ کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ جو ایک دن پورا ہو گا۔[1] پھر اس عالمگیر غلبہ کا نتیجہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ:۔

"میں دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا بحر زخّار کی طرح دریا ہے جو سانپ کی طرح بل پیچ کھاتا ہوا مغرب سے مشرق کو جا رہا ہے اور پھر دیکھتے دیکھتے سمت بدل کر مشرق سے مغرب کی طرف الٹا بہنے لگتا ہے۔"[2]

اس پیشگوئی میں یہ عظیم الشان خبر دی گئی کہ اب جو یورپ و امریکہ کی عیسائی قومیں اور یاجوج اور ماجوج کی عظیم الشان طاقتیں دنیا پر غلبہ پا کر اسلام کو ہر جہت اور جانب سے دباتی چلی جا رہی ہیں گویا کہ ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا ہے جو مغرب سے مشرق کی طرف بہتا اور ہر چیز کو بہاتا چلا آ رہا ہے ایک دن آئے گا کہ اسلام اور احمدیت کے غلبہ کے نتیجے میں موجودہ مغربی اقوام بالآخر اس طرح مغلوب ہو جائیں گی کہ یہ بحر مواج اپنا رُخ بدل کر بڑے زور کے ساتھ مشرق سے مغرب کی طرف بہنے لگے گا اور اس کے تیز دھارے کو کوئی چیز روک نہیں سکے گی۔ یہ دن اسلام کے دائمی غلبہ اور حضور سرور کائنات حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر سربلندی کا دن ہو گا اور اس وقت دنیا میں ایک ہی مذہب ہو گا۔ اور ایک ہی پیشوا۔ وَذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ولا حول ولا قوة إلا بالله العظيم۔

خاکسار۔ مرزا بشیر احمد ربوہ۔ ۱۵ جنوری ۱۹۵۶ء[3]"

پروفیسر سید عبد القادر صاحب کی وفات

۲۳ جنوری ۱۹۵۶ء کو برصغیر پاک و ہند کے مشہور مؤرخ و مصنف اور اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر

۱؎ تجلیات الٰہیہ ص ۱۷ :: ۲؎ الحکم ۱۷ر اپریل ۱۹۰۳ء ص ۷۔ تذکرہ ص ۴۷۴ طبع چہارم

۳؎ روزنامہ الفضل ربوہ ۲۴ جنوری ۱۹۵۶ء ص ۳

سید عبدالقادر صاحب ایم اے ۶۷ سال کی عمر میں وفات پا گئے [۱] ۲۶ فروری ۱۹۱۹ء کو حضرت مصلح موعود کا معرکۃ الآراء لیکچر "اسلام میں اختلافات کا آغاز" آپ ہی کی صدارت میں ہوا تھا اور آپ نے شاندار الفاظ میں حضور کو خراج تحسین ادا کیا [۲] پروفیسر صاحب موصوف حضرت مصلح موعود سے ذاتی مراسم رکھتے تھے۔ اور عمر بھر جماعت احمدیہ کی دینی خدمات کے مداح رہے [۳]

احمدی طلباء کی شاندار کامیابیاں

سپورٹس احمدیہ انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن کے نائب چیئرمین اور این ای ڈی انجینئرنگ کالج [۴] کراچی کے طالب علم حمید اللہ خانصاحب نے اپنے کالج کی سالانہ کھیلوں میں ۔ انٹ پول والٹ کر کے کالج کا ریکارڈ توڑ دیا۔ اسی طرح پانچ فٹ دس انچ ہائی جمپ کر کے سندھ اور کراچی کی یونیورسٹیوں میں نیا ریکارڈ قائم کیا [۵]

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی کشتی رانی کی ٹیم نے گزشتہ پانچ سال کی طرح اس سال بھی یونیورسٹی ہمپنگ بوٹ چیمپئن شپ جیت کر اپنا اعزاز برقرار رکھا۔ کالج ویسٹ پاکستان روئنگ ٹورنامنٹ میں سیکنڈ رہا۔ اس کے ایک طالبعلم لطیف احمد صاحب غزنوی (ابن نیک محمد خانصاحب غزنوی) نے یونیورسٹی سپورٹس میں ۲۲۰ گز کی دوڑ میں دوسری پوزیشن حاصل کی [۶]

تعلیم ۱۔ امۃ الحفیظ صاحبہ (بنت قریشی محمد مطیع اللہ صاحب آف قادیان) سٹوڈنٹ لیڈی انڈرسن گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سیالکوٹ وظیفہ کے امتحان میں ضلع بھر میں اول آئیں [۷]

۲۔ مجیدہ طاہرہ صاحبہ (بنت ملک عنایت اللہ صاحب سلیم لاہور) ۶۲۳/۷۵۰ نمبر لے کر مڈل سٹینڈرڈ کے امتحان میں لاہور کے تمام سکولوں میں اول آئیں [۸]

---

[۱] الفضل ۲۴ جنوری ۱۹۵۶ء صا ؛ [۲] "تاریخ احمدیت" جلد پنجم ص ۲۴۴ - ۲۴۵

[۳] رجسٹر داعظم جلد ۳ ص ۳۲۴ مؤلفہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اشاعت جنوری ۱۹۴۴ء ؛ [۴] ۱۹۷۷ء سے یہ کالج یونیورسٹی بن چکا ہے۔ (پاکستان کے ادارے ص ۱۶۱ زاہد حسن انجم ناشر نیو بک پیلس اردو بازار لاہور)

[۵] الفضل ۸ فروری ۱۹۵۶ء صلا ؛ [۶] الفضل ۲۹ فروری ۱۹۵۶ء صا ؛ [۷] الفضل ۲۷ اپریل ۱۹۵۶ء صہ ؛ [۸] الفضل ۱۷ مئی ۱۹۵۶ء صلا

۳۔ طاہرہ نسرین صاحبہ (بنت مرزا نثار احمد صاحب فاروقی) پشاور یونیورسٹی میں میٹرک کے امتحان میں اوّل آئیں۔ جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پشاور یونیورسٹی کے امتحان میٹرک میں ایک احمدی بچی (طاہرہ نسرین بنت مرزا نثار احمد صاحب فاروقی) اوّل آئی ہے۔"[1]

۴۔ عبدالماجد خان صاحب (ابن عبدالمالک صاحب سیکرٹری مال جماعت احمدیہ لاہور) (L. M. E) مکینیکل انجینئرنگ کے فائنل امتحان میں ۴۰۱۴ نمبر لے کر پنجاب بھر میں دوم رہے۔[2]

۵۔ ریاض احمد صاحب (ابن چوہدری سلطان علی صاحب گکھڑ منڈی) میٹرک میں ۶۹۲ نمبر لے کر ضلع گوجرانوالہ میں اوّل آئے۔[3]

۶۔ نصیرہ اختر صاحبہ (بنت ملک بشیر احمد صاحب ارشد آف لاہور) ایف اے کے امتحان میں ۴۴۴ نمبر لے کر یونیورسٹی میں سوم رہیں۔[4]

۷۔ سیدہ امۃ الباری صاحبہ (بنت ڈاکٹر میر مشتاق احمد صاحب ریٹائرڈ رولک آفیسر اریگیشن ریسرچ لاہور) پنجاب یونیورسٹی کے بی۔ اے کے امتحان میں ۳۳۳ نمبر لے کر لڑکیوں میں اوّل اور یونیورسٹی بھر میں دوم آئیں۔[5]

۸۔ جامعہ احمدیہ ربوہ کے طالب علم منیر الدین احمد صاحب نے پنجاب یونیورسٹی کے امتحان مولوی فاضل میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔[6]

۹۔ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے ناصر احمد صاحب پرویز پرواز ی ایف اے کے امتحان میں یونیورسٹی میں اوّل رہے۔[7]

۱۰۔ میاں عبدالحیٔ صاحب مبلغ انڈونیشیا ایف اے انگلش میں ۱۰۵ نمبر لے کر یونیورسٹی میں اوّل رہے۔[8]

---

[1] الفضل ۲۰ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ :: [2] الفضل ۶ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ :: [3] الفضل ۶ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ :: [4] الفضل ۱۴ جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ :: [5] الفضل ۲۸ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ :: [6]، [7] الفضل ۴ اگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ :: [8] الفضل ۱۰ اگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۵

۱۱۔ شیخ محمد صادق صاحب (ابن مکرم شیخ محمد عبد اللہ صاحب سیالکوٹ) پوسٹ میٹرک کلیریکل اینڈ کمرشل امتحان میں صوبہ پنجاب میں اول آئے[1]

روسی اور امریکی سائنسدان ربوہ میں

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی یونین کی علمی سرگرمیاں اس دور میں عروج پر تھیں۔ جس کے نتیجہ میں اس کے آغاز میں کالج یونین کے صدر پروفیسر نصیر احمد خانصاحب کی دعوت پر امریکہ وروس کے مندرجہ ذیل تین ممتاز سائنسدان ربوہ تشریف لائے۔ وہ ڈھاکہ میں منعقد ہونے والی آٹھویں سائنس کانفرنس میں شامل ہونے کے لیے پاکستان تشریف لائے تھے۔

۱۔ پروفیسر پرونوف لینن گراڈ یونیورسٹی روس[2] (PROF. BARANAUV LENINGRAD UNIVERSITY)

۲۔ پروفیسر سٹیکمین زراعتی مشیر راک فیلر فاؤنڈیشن امریکہ (PROF-STAKMAN AGRICULTURE OF

---

[1] الفضل ۲۵ ر اگست ۱۹۵۶ء صٓ

[2] پروفیسر وی۔ جی برونوف (V.G. BARANAUV) لینن گراڈ LENINGRAD کے قریب واقع گیٹکلینا (GATCLINA) نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ۱۹۲۳ء میں اکیڈمی آف میڈیسن اینڈ سائنس (ACADEMY OF MEDICINE AND SCIENCE) سے گریجوایشن کیا۔ اور کلینکل اینڈ ایکسپیریمنٹل اینڈوکرنیولوجی (CLINICAL AND EXPERIMENTAL ENDOCRINOLOGY) میں خدمات بجالاتے رہے۔ آپ سوویت یونین کے شہرۂ آفاق اینڈوکرنیولوجسٹ (ENDOCRINOLOGIST) تھے۔ آپ روس کی اکیڈمی آف میڈیکل سائنسز (ACADEMY OF MEDICAL SCIENCES) کے کارسپانڈنٹ ممبر (CORRESPONDENT MEMBER) اور انسٹیٹوٹ آف فزیالوجی (INSTITUTE OF PHYSIOLOGY) کے ڈائریکٹر تھے اسی طرح آپ لیبارٹری آف فزیالوجی اینڈ پیتھالوجی (LABORATORY OF PHYSIOLOGY AND PATHOLOGY) کے اینڈوکرنیولوجی کلینک (باقی صٓ ۳۴۴ پر)

ROCKFELLER FOUNDATION U.S.A.)

۳۔ پروفیسر ایمیرائٹس آف مینا سوٹا یونیورسٹی (PROF. EMERITUS OF MINNESOTA UNIVERSITY)

پروفیسر بردلوف نے ۳۰ جنوری ۱۹۵۶ء کو کالج یونین سے خطاب کیا۔ جس میں پاکستانی طلبہ کے علمی ذوق و شوق کی بہت تعریف کی۔ یہ تقریر روسی زبان میں تھی جس کا ترجمہ اُن کے سیکرٹری مسٹر اے جی مارگنون نے انگریزی میں کیا۔ تقریر کے بعد خاصی دیر تک سوالات کا سلسلہ جاری رہا۔ جو زیادہ تر سائنسی امور سے متعلق تھے[1]

۳۱ جنوری ۱۹۵۶ء کو امریکی سائنسدان ای۔ سی سٹیکمین نے "زراعت اور سائنس" کے موضوع پر تقریر کی۔ اور بتایا کہ سائنس کی موجودہ ترقی کی وجہ سے اگرچہ بہت سی مہلک اشیاء معرضِ وجود میں آئیں تاہم سائنس کے بل پر ہی ہم اس قابل ہوئے ہیں۔ کہ ان پر پوری طرح قابو پا سکیں۔ نیز اس دور میں جبکہ انسانی آبادی ہر سال دس کروڑ کی تعداد میں بڑھ رہی ہے۔ ہمارے لیے غذائی صورتِ حال سے نپٹنا بہت مشکل امر تھا۔ لیکن سائنس نے اس مشکل کا حل بھی ہمیں بتا دیا ہے۔ اور ہم اس قابل ہو گئے ہیں۔ کہ سائنسی تحقیقات کے نتیجہ میں تھوڑی زمین سے زیادہ غلّہ حاصل کر سکیں۔

آپ کی تقریر کے بعد صدر مجلس پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خان صاحب۔ ایم۔ ایس۔ سی نے فرمایا کہ اکثر لوگ موجودہ یا آئندہ رونما ہونے والی متوقع صورتِ حال کا حل یہ بتاتے ہیں کہ برتھ کنٹرول (BIRTH CONTROL) کیا جائے تاکہ آبادی میں ترقی کی روک تھام کی جا سکے۔ ہمیں خوشی ہے کہ پروفیسر صاحب نے اس منفی حل کی بجائے ایک صحیح اور قابلِ عمل حل پیش کیا ہے۔

اس تقریب کے بعد ان سائنسدانوں نے حضرت مصلح موعودؓ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اور دونوں کو قرآنِ پاک کا انگریزی ترجمہ پیش کیا گیا۔ جسے انہوں نے خوشی سے قبول کرتے ہوئے کہا کہ وہ اسکا مطالعہ کر کے قرآنی علوم سے استفادہ کریں گے[2]

(بقیہ حاشیہ) ENDOCRINOLOGY CLINIC کے سربراہ بھی رہے

(THE REVIEW OF RELIGIONS, FEBRUARY, 1956 PAGE: 108)

[1] الفضل ۳۱ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۸ ؛ [2] الفضل یکم فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۸

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ایک بار فرمایا :-

"ایک دفعہ ربوہ میں ایک بڑا کٹر دہریہ روسی سائنسدان آیا تھا۔ میں نے اپنے رنگ میں اس کے کانوں میں یہ بات ڈالی کہ دیکھو ابھی لینن کے دماغ میں یہ سکیم نہیں آئی تھی کہ وہ روس میں ایک اشتراکی انقلاب بپا کر دے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً بتا دیا تھا کہ زار روس کی حکومت بدل جائے گی۔ اور اس کی جگہ دوسری حکومت قائم ہوگی۔ چنانچہ لینن کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ سر جوڑنے اور مشورہ کرنے سے چند ہفتے پہلے حضرت مسیح موعودؑ کو الہاماً بتایا گیا تھا کہ ؏

زار بھی ہوگا تو ہوگا اُس گھڑی با حالِ زار[1]

اس ضمن میں بعض اور باتیں بھی میں اس کے کان میں ڈالتا رہا اور اس پر بہت اثر ہوا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اگر بے احتیاطی سے اللہ تعالیٰ کے حق میں کوئی بات اس کے منہ سے نکلی تو وہ تکلیف میں پڑ جائے گا۔ اور بعض قرائن بتاتے ہیں کہ یہاں سے جانے کے بعد اُس پر سختی کی گئی کیونکہ بعد میں اس کا ذکر سُننے میں نہیں آیا"[2]

سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ روس اور امریکہ کے چوٹی کے سائنسدان ربوہ آئے۔ جو ایک غیر معمولی بات تھی جس پر ہفت روزہ "المنیر" (لائلپور) نے ۱۳ر فروری ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں لکھا :-

"ان کے کام کا یہ حال ہے ...... کہ روس اور امریکہ سے سرکاری سطح پر آنیوالے سائنسدان ربوہ آتے ہیں۔ گذشتہ ہفتہ روس اور امریکہ کے دو سائنسدان ربوہ وارد ہوئے"[3]

۱؎ براہین احمدیہ حصہ پنجم صہ۱۵۲ تصنیف ۱۹۰۵ء ۲؎ المصابیح صہ۲۵۵ مرتبہ حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ۔ ناشرہ امۃ اللطیف خورشید صاحبہ سیکرٹری اشاعت لجنہ اماء اللہ مرکزیہ ربوہ تاریخ طبع ستمبر ۱۹۷۹ء۔ ۳؎ المنیر لائلپور (فیصل آباد) ۱۳ر فروری ۱۹۵۶ء صہ۱ زیر عنوان "ربوہ کی سیر"

مولانا عبدالمجید سالک کا لیکچر فروری ۱۹۵۶ء کے دوسرے ہفتہ میں تعلیم الاسلام کالج کے زیر اہتمام کالج میں تقریری مقابلے ہوئے جن میں پنجاب کے مختلف کالجوں کی ٹیموں نے حصہ لیا۔ اس موقع پر ملک کے نامور ادیبوں اور صحافیوں میں سے جناب نازش رضوی صاحب، مکرم چوہدری عبدالرشید صاحب تبسم اور مولانا عبدالمجید صاحب سالک بھی ربوہ تشریف لائے اور منصفی کے فرائض سرانجام دیئے[1] مولانا سالک صاحب نے ۱۱ فروری کو تعلیم الاسلام کالج میں "میری شاعری کا ارتقاء" کے موضوع پر خطاب کیا جس میں نوجوان ادباء و شعراء کو اپنی تحریر اور کلام میں شگفتگی پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ مولانا نے حاضرین کو اپنے کلام سے محظوظ کیا[2]

ایک دعوت مباہلہ اور "المنیر" کا حیرت انگیز ردّ عمل دیوبندی تحریک کی شاخ مجلس احرار کے ایک سابق جنرل سیکرٹری سیفی کاشمیری نے ۱۹۳۶ء میں حلفی بیان دیا کہ :-

"خدائے واحد لاشریک کی قسم کھا کر، جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتی کا کام ہے، قطعی اور یقینی طور پر کہتا ہوں کہ مجلسِ احرار کی مرزائیت یا قادیانیت کے خلاف تمام تر جدّوجہد اور قادیان کے خلاف یہ سب پراپیگنڈا محض مسلمانوں سے چندہ وصول کرنے اور کونسل کی ممبری کے لیے اُن سے ووٹ حاصل کرنے کے لیے ہے .... میں نے خود احرار کے بڑے بڑے لیڈروں کو بارہا یہ کہتے سُنا کہ حصولِ مقصد کے لیے قادیانیوں کے خلاف پراپیگنڈا ایک ایسا ہتھیار ہمارے ہاتھ میں ہے۔ جس سے ہم تمام مخالفتوں کو دُور کر سکتے ہیں۔ اور ہر قسم کی مالی یا انتخابی مشکل اس سے حل ہو سکتی ہے۔"[3]

ربوہ سے متصل شہر چنیوٹ کا ایک طالب علم منظور احمد ٹنڈو الہ یار (سندھ) کے دیوبندی مدرسہ دارالعلوم میں پڑھنے کے لیے گیا۔ ۱۹۵۰ء میں فارغ التحصیل ہوا۔ ۱۹۵۴ء میں اس نے جامعہ عربیہ کے نام سے چنیوٹ میں ایک مدرسہ کھولا۔ اور اِسی سال سے "حصولِ مقصد" کے لیے احرار کے قدیم حربے

---

[1] الفضل ۲۱ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ [2] الفضل ۱۴ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ [3] زمیندار ۲۸ اگست ۱۹۳۶ء بحوالہ الفضل ۳۰ اگست ۱۹۳۶ء، تاریخ احمدیت جلد ۷ صفحہ ۲۶ و صفحہ ۴۲۵

کے استعمال کا فیصلہ کر کے ملک کے مختلف حصوں میں احمدیت کے خلاف تقاریر کا سلسلہ شروع کر دیا[ل] اور ۱۹۵۶ء کے شروع میں حضرت مصلح موعودؓ کو دعوتِ مباہلہ دی۔ اور اسے پبلسٹی دینے کے لیے لائلپور کے ہفت روزہ "المنبر" کو یہ دعوت بھجوا دی۔ اور ایڈیٹر سے اُسے شائع کرنے کی عاجزانہ درخواست کی۔

ل THE DOUBLE DEALER PAGE:19 BY MANZOOR AHMAD PUBLISHERS: ADARA MARKAZIA DAWAT-O-IRSHAD CHINIOT-PAKISTAN 1881

ل اگست ۱۹۳۵ء کا واقعہ ہے (یعنی اس زمانے کا جبکہ منظور احمد چنیوٹی کی عمر چار سال تھی) کہ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے احراری لیڈروں کو مباہلے کیلئے للکارا۔ چنانچہ جنرل سیکرٹری احرار مسٹر مظہر علی اظہر نے چنیوٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"میں نے قادیان جاکر کہا تھا کہ مباہلہ قادیان میں ہونا چاہیئے اور مرزا صاحب کی صداقت پر ہونا چاہیے اور مرزا محمود نے تسلیم کر لیا ہے۔" (اخبار مجاہد (لاہور) ۶ نومبر ۱۹۳۵ء صٓ بحوالہ الفضل ۱۰ نومبر ۱۹۳۵ء صٓ)

اسی طرح سید فیض الحسن صاحب سجادہ نشین آلو مہار شریف صدر مجلس احرار پنجاب نے بھی اپنی تقریر چنیوٹ میں کہا کہ:۔

"مرزا محمود نے مجلس احرار کو چیلنج دیا ہے کہ آؤ مجھ سے مرزا کی نبوت پر قادیان آکر مباہلہ کرو۔ زعمائے احرار نے محمود کے اس چیلنج کو قبول کر لیا ہے۔" (ایضاً)

لیکن احراری لیڈروں نے حیلوں بہانوں سے مباہلہ سے راہِ فرار اختیار کر لی۔ جس پر مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری نے دلچسپ تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:۔

"احراری اب کھلے لفظوں میں کہتے ہیں کہ قادیانی گروہ کے ساتھ مسائل کا فیصلہ علماء کی طرف سے ہو چکا۔ ہمارا مقابلہ اُن کے ساتھ سیاسی رنگ میں ہے .... مگر ہم دیکھتے ہیں کہ احرار قادیان کے دھوکے میں آجاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مباہلے کی دعوت قبول نہ کرتے۔ خیر گذشتہ را صلوات آئندہ را احتیاط"

(اہلحدیث ۲۹ نومبر ۱۹۳۵ء صٓ۱۳) اخبار "احسان" (یکم نومبر ۱۹۳۵ء) نے لکھا:۔
مباہلہ کا نام سنکر راہنمایانِ احرار کے بدن پر رعشہ طاری ہوجاتا ہے۔"

اخبار مذکور نے ۷ ر فروری ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں مباہلہ سے متعلق خط تو چھاپ دیا۔ مگر اگلے پرچہ میں اپنی رائے یہ ظاہر کی کہ :-

جہانتک ہم نے ان دنوں اس مسئلہ پر غور کیا ہے کہ مباہلہ شرعی حیثیت کیا ہے ؟ ہمارے نزدیک حسب ذیل نکات حل طلب ہیں :-

۱۔ کیا مباہلہ کا چیلنج ہر اُمتی دے سکتا ہے ؟

۲۔ کیا مباہلہ شرعاً معیارِ حق و باطل ہے ؟

۳۔ کیا مباہلہ کے بعد ضروری ہے کہ خرقِ عادت کے طور پر کوئی ایسا نشان ظاہر ہو جس کے ذریعہ زیرِ بحث مسئلہ کے بارے میں عوام کو قطعی رائے قائم کرنے کی سہولت میسر آئے "

المنیر نے یہ بنیادی اور اہم نکات اٹھانے کے بعد "چند تاریخی شہادتیں" جماعت احمدیہ کے استحکام اور روز افزوں ترقیات پر پیش کیں اور چنیوٹی صاحب اور ان کے ہم نوا علماء کو عبرت دلانے کیلئے یہ حیرت انگیز اعتراف کیا کہ :-

"ہمارے بعض واجب الاحترام بزرگوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں سے قادیانیت کا مقابلہ کیا۔ لیکن یہ حقیقت سب کے سامنے ہے کہ قادیانی جماعت پہلے سے زیادہ مستحکم اور وسیع ہوتی گئی۔ مرزا صاحب کے بالمقابل جن لوگوں نے کام کیا اُن میں سے اکثر تقویٰ، تعلق باللہ دیانت، خلوص، علم اور اثر کے اعتبار سے پہاڑوں جیسی شخصیتیں رکھتے تھے۔ سیّد نذیر حسین صاحب دہلوی، مولانا انور شاہ صاحب دیوبندی، مولانا قاضی سیّد سلیمان منصور پوری، مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی، مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ وغفرلہم کے بارے میں ہمارا حسنِ ظن یہی ہے کہ یہ بزرگ قادیانیت کی مخالفت میں مخلص تھے اور ان کا اثر و رسوخ اتنا زیادہ تھا کہ مسلمانوں میں بہت کم ایسے اشخاص ہوئے ہیں جو اُن کے ہم پایہ ہوں اگرچہ یہ الفاظ سُننے اور پڑھنے والوں کے لیے تکلیف دہ ہوں گے اور قادیانی اخبارات و رسائل بھی چند دن اپنی تائید میں پیش کر کے خوش ہوتے رہیں گے لیکن ہم اس کے باوجود اس تلخ نوائی پر مجبور ہیں کہ ان اکابر نور اللہ مرقدہم و برضا جہم کی تمام کاوشوں کے باوجود قادیانی جماعت میں اضافہ ہوا ہے۔" (حاشیہ صفحہ ۳۴۹ پر)

یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ اُنہیں دنوں مباہلہ کا چیلنج مولوی سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب[1] کو بھی دیا گیا۔ جس پر انہوں نے جواب دیا کہ :-

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں مباہلہ کا صرف .... ایک واقعہ ملتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اسلام نے مباہلے کو نزاعی امور کے فیصلے کا مستقل طریقہ قرار نہیں دیا ہے۔ کہ جب کبھی کسی کافر یا مسلمان سے کسی قسم کا اختلاف ہو تو فوراً مباہلے کی دعوت دے ڈالی جائے۔ پیشہ ور مناظرین نے آجکل مباھلے کو کُشتی کے داؤں میں باضابطہ طور پر شامل کر لیا ہے لیکن پوری تاریخِ اسلام میں مباھلے کی دعوت دینے اور اسے قبول کرنے کی مثالیں مشکل ہی سے مل سکیں گی۔"[2]

سیٹو کانفرنس کے مندوبین کو دعوتِ اسلام

سیٹو کانفرنس ۶ مارچ سے ۸ مارچ ۱۹۵۶ء تک کراچی میں جاری رہی۔ جماعت احمدیہ کراچی کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۸ سے آگے) [1] المنبر ۲۳ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۰

[1] منظور احمد چنیوٹی کا بیان ہے کہ: "سیدی و استاذی محدث العصر حضرت علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ ایک حج کے موقعہ پر مدرسہ صدیقیہ مکہ مکرمہ حضرت شیخ قدس سرہ کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ راقم آثم بطور خادم حضرت کے ساتھ تھا۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ سے فرمایا کہ آپ سے تنہائی میں ایک اہم مسئلہ پر بات کرنی ہے۔ حضرت نے تمام حاضرین اور خدام کو اٹھا دیا۔ ایک حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب اور ان کا ایک خادم ایک حضرت شیخ الحدیث خود تھے۔ چوتھے حضرت مولانا بنوری اور پانچواں ان کا یہ خادم راقم آثم وہاں موجود رہ گئے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے مودودی صاحب کی تحریرات کے فتنہ انگیز پہلوؤں پہ بات چیت شروع کی۔ آپ نے فرمایا۔ مودودی صاحب کے الحادی نظریات کا فتنہ اور اس کا خطرناک زہر ہر جگہ پھیلتا جا رہا ہے اور اب عرب ممالک بھی اس کی لپیٹ میں آنے لگے ہیں۔ اور وہ مودودی کے خلاف کسی کی بات نہیں سنتے۔"
(دینی فکر صفحہ ۱۶ ناشر ادارہ مرکزیہ دعوت و ارشاد چنیوٹ پاکستان مطبوعہ جولائی ۱۹۸۳ء)

[2] ترجمان القرآن اگست ۱۹۵۶ء بحوالہ "رسائل و مسائل" حصہ چہارم صفحہ ۳۲ ناشر اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور

متعدد وفود نے فرانس، نیوزی لینڈ، فلپائن، تھائی لینڈ، انگلستان اور امریکہ کے چالیس سربرآوردہ مندوبین کو انگریزی ترجمۃ القرآن اور دیگر دینی کتب تحفۃً پیش کیں اور انہیں دین حق کا محبت بھرا پیغام پہنچایا۔ مندوبین نے یہ لٹریچر شکریہ کے ساتھ قبول کیا[1]

نصرت انڈسٹریل سکول ربوہ کا قیام

حضرت مصلح موعودؓ کی زیر ہدایت ربوہ میں نصرت انڈسٹریل سکول مئی ۱۹۵۶ء میں قائم ہوا اور محترمہ صابرہ بیگم صاحبہ بنت چودھری عبدالرحمن صاحب راولپنڈی اس سکول کی پہلی ہیڈ مسٹرس مقرر ہوئیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے سکول کے اجراء پر ایک مشین خریدنے کے لیے ساڑھے چار صد روپے کا عطیہ دیا۔ علاوہ ازیں لجنہ مرکزیہ کراچی، ضلع گجرات، ضلع لاہور، راولپنڈی، سیالکوٹ، حیدرآباد، اوکاڑہ اور نیروبی کی لجنات نے مشینیں خرید کر دیں۔ اسی طرح شیخ محمد محسن صاحب لائلپور اور مظفر حسن صاحب کی اہلیہ نے بھی اس کار خیر میں حصہ لیا۔

۱۹۵۷ء کے اجتماع پر پہلی بار سکول کی طرف سے صنعتی نمائش لگائی گئی ۱۹۵۸ء میں سرکاری طور پر یہ سکول منظور ہوا اور پہلی مرتبہ ۱۹۶۰ء میں ۹ طالبات نے ڈپلوما کا امتحان دیا جو سب کامیاب رہیں۔ اس کے بعد اب تک خواتین اور بچیوں کی ایک بھاری تعداد اس سکول سے دستکاری کا ڈپلوما حاصل کر چکی ہے[2]

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کا مکتوب لنڈن

۱۹۵۶ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب بغرض تعلیم لنڈن میں مقیم تھے۔ آپ اپنی تعلیمی مصروفیات کے باوجود نہ صرف لنڈن مشن کی تقریبات میں پُرجوش حصہ لیتے تھے بلکہ انفرادی طور پر بھی دعوت الی اللہ میں سرگرم عمل رہتے تھے جس کا کسی قدر اندازہ درج ذیل مکتوب سے لگ سکتا ہے جو آپ نے ۱۶ رمئی ۱۹۵۶ء کو لنڈن سے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں تحریر فرمایا:۔

---

[1] الفضل ۸ ارمارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ ؛ [2] تفصیل کے لیے دیکھیں "تاریخ لجنہ جلد دوم صفحہ ۴۱۴ تا صفحہ ۴۲۱ مؤلفہ محترمہ امۃ اللطیف صاحبہ سیکرٹری شعبہ اشاعت لجنہ مرکزیہ ربوہ۔

اشاعت جنوری ۱۹۷۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

21 WELLWALK

HAMPS TENEL

LONDON-W.3 16-5-56

"میرے پیارے ابا جان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اُمید ہے آپ خدا کے فضل سے صحت وعافیت کے ساتھ ہوں گے۔ کچھ دن ہوئے مہر آپا کے خط سے یہ معلوم کرکے بہت خوشی ہوئی کہ ربوہ کی نسبت آپ کی صحت بہت بہتر ہے الحمدللہ۔ رمضان کے مہینہ میں دو تین مرتبہ آپ کو خواب میں دیکھا ہے اور ہمیشہ بہت اچھی صحت میں نظر آئے ہیں۔

اس دفعہ عید کے موقعہ پر آپ بہت یاد آئے آپ کی ہدایات کے مطابق مسجد اور ملحقہ عمارت اور باغ پر جو خرچ کیا گیا ہے اس کی وجہ سے یہ تمام جگہ بہت جاذبِ نظر ہوگئی ہے۔ عید کے موقع پر خصوصاً بہت اچھی لگ رہی تھی۔ کچھ اس وجہ سے اور کچھ اس لیے کہ اس دفعہ ہمارے سکول کے کئی پروفیسر اور میرے بہت سے طلباء دوست آئے ہوئے تھے آپ بہت زیادہ یاد آئے۔ اگر آپ یہاں ہوتے تو اُن پر کتنا گہرا اثر ہوتا۔ خدا کرے کہ آئندہ سال آپ یہاں تشریف لا سکیں اور مَیں ان لوگوں کا فخر کے ساتھ آپ سے تعارف کروا سکوں۔ سوڈان کے ایک عربی کے پروفیسر مسٹر مجدوب بھی آئے ہوئے تھے یہ اچھے سمجھدار آدمی ہیں اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ توفیق دے تو ان کا احمدیت کی طرف کھنچنا کچھ بعید نہیں۔ ان کو میں تفسیر کبیر کا انگریزی ترجمہ[1] تحفۃً پیش کر رہا ہوں اسی طرح یہاں عراق کے ایک پروفیسر مسٹر دوری عارضی طور پر آئے ہوئے ہیں۔ لنڈن یونیورسٹی کے اسلامک ہسٹری کے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر لوئیس چونکہ امریکہ گئے ہوئے ہیں اس لیے یونیورسٹی نے انہیں ایک سال کے لیے یہ کرسی پیش کی ہے ان کی بیوی ہمارے ساتھ بی اے کر رہی ہیں جن کے واسطے سے ان سے بہت تعلقات ہوگئے ہیں۔ ان کے ہاں چائے پر بھی گیا تھا اور انہیں باچھی کے ہاں بلا رہا ہوں عزیز صاحب نے مجھے ایک تفسیر کبیر کسی دوست کو دینے

---

[1] یعنی انگریزی ترجمہ قرآن (ناقل)

کے لیے دی ہے جو میں ان کو دے رہا ہوں ۔ حسب توفیق محمود[1] اور میں تبلیغی لٹریچر دینے کی کوشش کرتے ہیں مگر بعض کتب کی کمی کی وجہ سے سخت تکلیف ہوتی ہے ۔ کل ہی کی بات ہے کہ اسلامی تاریخ کے متعلق طلباء سے گفتگو ہو رہی تھی ۔ جمع و تدوین حدیث کے متعلق اگرچہ زبانی ان کی غلط فہمیاں بہت حد تک دُور کرنے کی توفیق مل گئی مگر تمام حوالہ جات تو آدمی زبانی یاد نہیں رکھ سکتا ۔ اس کے متعلق مسجد میں کوئی بھی انگریزی کتاب نہیں ۔ اسی طرح فارسی کے پروفیسر کو دعوت الامیر فارسی دینے کا خیال تھا مگر وہ بھی نایاب ہے (حقانی کو تبلیغ کے دوران میں یہ کتاب سب سے زیادہ ممد ثابت ہوئی تھی) ہندوؤں کے لیے تبلیغی لٹریچر بھی یہاں نہیں ضرورت کے وقت سخت بے بسی کا احساس اور دکھ ہوتا ہے

آخر پر دعا کے بعد اجازت چاہتا ہوں ۔ ایک مہینہ تک ہمارے انگریزی اور فارسی کے پہلے سال کے امتحان ہوں گے انگریزی کا کورس بہت زیادہ ہے اور دعاؤں کی سخت ضرورت ہے ہماری انگریزی کی کلاس میں صرف ہم دو ہی غیر ملکی ہیں اور باقی سب انگریز ہیں ۔ دعا کریں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نمایاں کامیابی عطاء فرمائے ۔ آمین ثم آمین ۔

والسلام خاکسار

مرزا طاہر احمد[2]

حضرت مصلح موعودؓ کے ایک قدیم دوست الشیخ عبدالقادر المغربی کی وفات

اس سال دنیائے عرب کے ایک مشہور عالم دین الشیخ عبدالقادر بن مصطفےٰ المغربی انتقال کر گئے[3] آپ طرابلس (شام) میں پیدا ہوئے مگر تحصیل علم کے بعد مستقل طور پر دمشق میں بود و باش اختیار کر لی ۔

الشیخ المغربی نہایت بلند پایہ عالم "مجمع العلمی العربی" کے نائب رئیس اور جامعہ سوریہ میں ادب عربی کے اُستاذ تھے آپ نے درج ذیل تصانیف یادگار چھوڑیں ۔

"الاشتقاق والتعریب"، الاخلاق والواجبات، البیّنات فی الدین والاجتماع تفسیر جزء تبارک نزات اللسان[4]

---

[1] سید میر محمود احمد صاحب ناصر مراد ہیں (سابق مبلغ امریکہ و سپین حال پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ)

[2] ریکارڈ شعبہ تاریخ احمدیت ربوہ ۔ [3] ولادت ۱۲۸۴ھ ۱۸۶۷ء وفات ۲۷ شوال ۱۳۷۵ھ ، ۷ رجون ۱۹۵۶ء (معجم المؤلفین از عمر رضا کحالہ جلد ۵ صفحہ ۶ مطبعہ الترقی بدمشق ۱۹۵۸ء)

۱۹۲۴ء میں جب حضرت مصلح موعودؓ دمشق تشریف لے گئے تو آپ بڑے ادب اور احترام سے ملے۔ اس کے بعد حضور نے متعدد بار ان کی ملاقات کا ذکر فرمایا اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ کو دمشق روانہ کرتے وقت ہدایت فرمائی کہ :

"مغربی میرا قابلِ قدر قدیم دوست ہے ان سے مجھے اپنے تعلقات کو استوار رکھنا ہوگا"

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب سے بھی آپ کے گہرے تعلقات تھے۔ آپ کی پہلی ملاقات ان سے ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔ ایک دفعہ آپ نے حضرت شاہ صاحب کو سیر کے دوران فرمایا۔

"آیئے ہم دونوں تصویر کھچوائیں اور دوستی کا اقرار قرآن مجید پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کریں کہ ہم دونوں قرآن مجید کی خدمت کریں گے" چنانچہ دونوں نے یہ عہد کیا

۱۹۲۵ء میں حضرت شاہ صاحب اور مولانا جلال الدین شمسؔ ان سے ملے تو انہوں نے تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "المغربی اب تک اس عہد پہ قائم ہے"۔ اس عہد کو نبھاتے ہوئے موصوف نے اپنی آخری عمر میں قرآن کریم کے آخری پارہ کی تفسیر شائع کی ۱۹۲۵ء میں آپ نے ایک اخبار میں حضرت شاہ صاحب کا ذکر عمدہ رنگ میں کیا۔ آپ نے ایک رسالہ "الحقائق من الاحمدیۃ" کے عنوان سے شائع کیا تو الشیخ مغربی مرحوم نے اس کا جواب لکھنا چاہا مگر نہ لکھ سکے اور دل سے صداقت احمدیت کے قائل ہوگئے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے حضرت شاہ صاحب کو بتایا "تفسیریں اور حدیثیں اپنی لائبریری سے اس نیت سے میز پہ لاکر رکھیں کہ اس رسالہ کی تردید کل شائع کردوں گا۔ چنانچہ پڑھنے کے بعد ردّ لکھنے بیٹھا کبھی لکھتا اور یہ دیکھ کر کہ وہ درست نہیں اسے پھاڑ دیتا اسی طرح پھٹے ہوئے کاغذوں کا ایک انبار جمع ہوگیا پھر انہوں نے انگیٹھی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا وہ ڈھیر دیکھو! ساری رات کوشش کی کبھی حقائق احمدیہ کو دیکھتا کبھی حدیثوں کو اور کبھی تفسیروں کو میری بیوی مجھ سے کہنے لگی کیا پاگل ہوگئے ہو۔ آرام کرو لیکن مجھے نیند کہاں آتی آخر جب صبح کی اذان ہوئی اور اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے الفاظ گونجے تو میرے دل نے کہا کہ **صداقت کا مقابلہ باطل سے کرنا درست نہیں میرے دوست زین العابدین نے جو کچھ لکھا ہے ٹھیک لکھا ہے**۔ دل میں یہ کہہ کر نماز پڑھی اور اطمینان سے سوگیا۔ اس واقعہ کے بعد انہوں نے فرمایا "تبلیغ کا کام آزادی سے کریں"

اگرچہ اپنی زندگی میں آپ کھلے طور پہ احمدیت کے ساتھ وابستگی کا اعلان نہیں مگر یہ حقیقت ہے

کہ اُن کے دل میں احمدیت کی صداقت رچ گئی تھی [1]

ایک انڈونیشین وفد کا ربوہ میں ورود حکومت انڈونیشیا کے افسران کا ایک وفد کولمبو پلان کے تحت زرعی منصوبوں کا مطالعہ کرنے پاکستان آیا ہوا تھا اس وفد کے بعض ارکان جماعت احمدیہ کے مرکزی ادارے دیکھنے کی غرض سے ۸ ر جولائی ۱۹۵۶ء کو لائلپور سے ربوہ تشریف لائے وفد کا یہ گروپ جن اہم شخصیتوں پر مشتمل تھا اُن کے نام یہ ہیں۔ جناب محمد ہارون صاحب۔ ۲۔ جناب سوتن ہارون الرشید صاحب۔ ۳۔ جناب گومینوں یہ تینوں حضرات انڈونیشیا کے اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز رہے وفد کے اعزاز میں تحریک جدید کے کمیٹی روم میں چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ وکیل الزراعت کی زیرِ صدارت استقبالیہ منعقد ہوا۔ مولوی بشارت احمد بشیر صاحب نے انگریزی زبان میں ایڈریس پیش کرتے ہوئے مہمانوں کو جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات سے آگاہ کیا اس ضمن میں آپ نے دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم اور تبلیغ اسلام کے وسیع نظام پر بھی روشنی ڈالی۔ نیز انڈونیشین احمدی احباب کی اُن خدمات کا ذکر کیا جو وہ اپنے وطن اور قوم کے لیے کر رہے ہیں۔

ایڈریس کے بعد وفد کے رکن جناب محمد ہارون صاحب نے انڈونیشین زبان میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ امر میرے لیے باعث مسرت ہے کہ جماعت احمدیہ مختلف زبانوں میں قرآنِ مجید کے تراجم کر رہی ہے انہوں نے جماعت احمدیہ کی خدمات کو سراہا۔ انہوں نے کہا کہ میری ایک عرصہ سے خواہش تھی کہ جماعت احمدیہ کا مرکز دیکھوں جہاں سے تبلیغ اسلام کے ایک وسیع نظام کو کامیابی کے ساتھ چلایا جا رہا ہے۔ سو الحمد للہ میری یہ خواہش پوری ہوئی۔

وفد نے صدر انجمن اور تحریک جدید کے دفاتر دیکھے۔ ممبران کو قرآن مجید انگریزی اور ولندیزی تراجم کے نسخے بطور تحفہ پیش کیے گئے۔ وفد نے تعلیمی ادارے بھی دیکھے اور تعلیم الاسلام کالج کی عمارت اور انتظام سے بہت متاثر ہوئے [2]

---

[1] الفضل ۶ ر جولائی ۱۹۵۶ء صد۳ ر۴ (خلاصہ مضمون حضرت سید زین العابدین شاہ صاحب)

[2] الفضل ۱۰ ر جولائی ۱۹۵۶ء صد۸

احمدیہ وفد کی الجزائری لیڈروں سے ملاقات

۲۳ رجولائی ۱۹۵۶ء کو احمدیہ انٹرنیشنل پریس ایسوسی ایشن کے ایک نمائندہ وفد نے الجزائر کے لیڈر علامہ بشیر الابراہیمی اور احمد بودہ صاحب سے لائلپور میں ملاقات کی اور الجزائر کے مجاہدین سے ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا۔

یہ وفد مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری (مدیر "الفرقان") عبدالوہاب صاحب (نمائندہ ٹرو تھ) قریشی عبدالرحمٰن صاحب (نمائندہ مسیح) اور ملک سیف الرحمٰن صاحب (مفتی سلسلہ احمدیہ پر مشتمل تھا۔[1]

رؤیا وکشوف کے ذریعہ صداقتِ احمدیت کا انکشاف

مارچ ۱۸۸۲ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہاماً بتایا گیا:۔

"یَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوْحِیْ اِلَیْھِمْ مِنَ السَّمَآءِ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ"[3]

یعنی تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کے دلوں میں ہم اپنی طرف سے الہام کریں گے۔

خدا کی باتوں کو کوئی ٹال نہیں سکتا اس پاک وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے الہامات، کشوف اور رؤیا کے ذریعہ بہت سی سعید روحوں کو قبولِ احمدیت کی سعادت عطا فرمائی۔ جس کا ذکر سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۳۰ رجولائی ۱۹۵۶ء کو حسب ذیل الفاظ میں فرمایا:۔

آج ہی ایک غیر احمدی کا خط آیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے لیے پھانسی کی سزا تجویز ہوئی ہے اور ایک گڑھا کھودا گیا ہے جس میں میں کھڑا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہیں مجھے پھانسی دی جائے گی اور لوگ مجھ پر مٹی ڈال کر چلے جائیں گے۔ میں خواب میں سخت ڈر رہا ہوں کہ اب کیا کروں اتنے میں مجھے دو گروہ نظر آئے ایک غیر احمدیوں کا تھا اور ایک احمدیوں کا تھا۔ پہلے غیر احمدیوں کی طرف سے میرے پاس ایک آدمی آیا اور اُس نے کہا ہم تمہارے لیے دعا کرتے ہیں بشرطیکہ تم اس بات پر راضی ہو جاؤ کہ احمدیت کی طرف

---

[1] فیصل آباد۔ [2] الفضل ۲۷ رجولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ و صفحہ ۲

[3] براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۴۱ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱

تو یہ کرنا بھی چھوڑ دو گے اس پر میرے دل میں کمزوری پیدا ہوئی اور میں نے کہا اچھا تم دعا کرو چنانچہ انہوں نے بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور میں نے بھی ہاتھ اٹھا لیے مگر لمبے عرصے تک دعا کرنے کے باوجود سمجھتا رہا کہ میری سزا اب تک قائم ہے اس کے بعد میں نے دیکھا کہ احمدی گروہ میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ ہم تمہارے لیے دعا کریں کہ خدا تمہیں اس مصیبت سے بچائے میں نے کہا ضرور کریں۔ چنانچہ انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے وہ کہتے ہیں ابھی احمدیوں کو دعا کرتے ہوئے پانچ منٹ بھی نہیں گذرے تھے کہ میں نے دیکھا ایک سائیکل سوار دوڑا چلا آرہا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے جب وہ قریب پہنچا تو اس نے آکر کہا کہ تمہیں بری کر دیا گیا ہے۔ دیکھو خدا کا کیسا تصرف ہے کہ اس نے ایک غیر احمدی کو رؤیا کے ذریعہ بتا دیا کہ احمدیت سچی ہے اب خواہ وہ کمزوری دکھا کر احمدیت کو قبول کرنے سے ہچکچائے اللہ تعالیٰ نے اس پر حقیقت کھول دی ہے اس سے وہ انکار نہیں کر سکتا۔ یہاں ایک بڑا فوجی افسر ہے ایک دن اس کے ایک ماتحت افسر نے اس سے کہا کہ میں نے خواب دیکھی ہے کہ احمدیت سچی ہے اس بڑے افسر نے یہ بات سن کر کہا کہ تم تو خواب دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے اور میں نے تو کوئی خواب بھی نہیں دیکھی۔ پھر تم مجھے کس طرح کہتے ہو کہ میں احمدیت کو قبول کر لوں تو حقیقت یہی ہے کہ جب کوئی شخص احمدیت کی صداقت کے متعلق خواب دیکھ لیتا ہے اس کے بعد خواہ اپنی کمزوری کی وجہ سے بیعت نہ کرے وہ احمدیت کی صداقت کا اپنی ذات میں ثبوت بن جاتا ہے۔ اور جب بھی وہ کسی کے سامنے اپنی خواب بیان کرتا ہے۔ دوسرا اسے شرمندہ کرتا ہے کہ تو بڑا بزدل ہے کہ اتنی واضح خواب دیکھنے کے بعد بھی تو ایمان نہیں لایا۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کے تصرفات ہیں اور انہی ذرائع سے وہ اپنے زندہ ہونے کا ثبوت مہیا کرتا رہتا ہے اور جب تک لوگ خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم رکھیں گے یہ سلسلہ چلتا چلا جائے گا۔ اور احمدیت دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتی جائے گی۔ ابھی آپ لوگوں نے "الفضل" میں پڑھا ہو گا کہ افریقہ کے وہ حبشی جن کے متعلق عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید انہیں عبادت کرنی بھی نہیں آتی وہ تہجد تک

باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں چنانچہ اس میں ذکر آتا ہے کہ فلاں دوست نماز تہجد کے بعد کچھ دیر کے لیے لیٹ گئے تو انہوں نے یہ نظارہ دیکھا جس سے معلوم ہوتا ہے وہ باقاعدگی سے تہجد کی نماز پڑھتے ہیں۔ پھر انہوں نے ایسی ایسی سچی خوابیں دیکھی ہیں کہ پڑھ کر حیرت آتی ہے ایک دوست بیان کرتے ہیں کہ ایک رات جب کہ میں نماز تہجد کے بعد کچھ دیر کے لیے لیٹ گیا میں نے رؤیا میں دیکھا کہ دو شخص جنہوں نے لمبے لمبے چوغے پہنے ہوئے ہیں آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مشرق سے آئے ہیں اور نہمیں بشارت دیتے ہیں کہ جس مہدی کا دیر سے انتظار کیا جا رہا تھا وہ آ چکا ہے چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد ہمارے شہید مولوی نذیر احمد صاحب علی (جو اس وجہ سے کہ خدا تعالیٰ کے راستہ میں اس کی دین کی خدمت کرتے ہوئے فوت ہوئے ہیں یقیناً شہید ہیں) وہاں آئے انہوں نے اس وقت ویسا ہی لباس پہنا ہوا تھا جیسا خواب میں انہیں دکھایا گیا تھا۔ چنانچہ ان کی تبلیغ پر اس دوست نے بیعت کر لی اس طرح ایک اور دوست لکھتے ہیں کہ ان کے پیر نے انہیں بتایا ہوا تھا کہ مہدی ظاہر ہو چکا ہے مگر یہاں نہیں کسی اور ملک میں ظاہر ہوا ہے عنقریب اس کے ظہور کی خبر اس ملک میں بھی پہنچنے والی ہے اس کے چند سال بعد مولوی نذیر احمد صاحب علی وہاں گئے جنہوں نے احمدیت کی تبلیغ کی اور وہ ایمان لے آیا۔ ایک اور دوست نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسجد کے ارد گرد سے گھاس اکھیڑ رہا ہوں پھر کچھ دیر آرام کرنے کے لیے میں ایک درخت کے نیچے کھڑا ہو گیا اتنے میں میں نے کیا دیکھا کہ ایک اجنبی شخص قرآن کریم اور بائبل ہاتھ میں پکڑے ہوئے میری طرف آیا اور اس نے مجھ سے باتیں شروع کر دیں اس خواب کے ایک ہفتہ بعد ٹھیک اس طرح میں کدال ہاتھ میں لے کر مسجد کی صفائی کر رہا تھا کہ میں نے تھکان محسوس کی اور ایک درخت کے نیچے چلا گیا ابھی چند منٹ ہی گذرے تھے کہ سامنے سے مولوی نذیر احمد صاحب علی آ گئے اور انہوں نے مجھ سے رہائش وغیرہ کے لیے جگہ دریافت کی میں نے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی وہ شخص تھے جو مجھے خواب میں دکھائی دیے تھے چنانچہ میں نے انہیں اپنا گھر رہائش کے لیے پیش کر دیا اس کے بعد میں نے اور لوگوں کو بتایا کہ

مَیں نے جو خواب دیکھا تھا وہ پورا ہو گیا ہے اور اب وہی دوست جنہیں مَیں نے رؤیا میں دیکھا تھا میرے گھر میں رہتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تبلیغ پر اکثر لوگوں نے احمدیت قبول کر لی۔

غرض وہ ممالک جہاں خوابوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کھڑا کر رہا ہے جو سلسلہ کے لئے بڑی بڑی قربانی کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ان خوابیں دیکھنے والوں میں سے بعض ایسے ہیں جو ہمارے سلسلہ کے مستقل مبلغ ہیں اسی طرح ایک اور افریقن نوجوان کا مَیں نے ذکر کیا تھا کہ اس نے یہ الفاظ کہے تھے کہ یہ تو ممکن ہے کہ دریا اپنا رستہ چھوڑ دے اور جس طرف بہہ رہا ہے اس طرف کی بجائے الٹا بہنا شروع ہو جائے مگر یہ ممکن نہیں کہ مَیں احمدی ہو سکوں۔ مگر پھر وہی شخص احمدی ہوا اور اس نے ایسا اخلاص دکھایا کہ جب ایک عیسائی اخبار نے اعلان کیا کہ ہم تمہارا اخبار اپنے پریس میں چھاپنے کے لیے تیار نہیں اگر تمہارے خدا میں ہمارے خدا سے بڑھ کر طاقت ہے تو اپنی طاقت کا کوئی کرشمہ دکھائے تو باوجود اس کے وہ پانچ سو پونڈ پہلے دے چکا تھا اس چیلنج پر اس کی غیرت بھڑک اٹھی اور اس نے ہمارے مبلغ سے کہا کہ آپ یہیں بیٹھیں مَیں ابھی واپس آتا ہوں چنانچہ وہ اپنے گاؤں میں گیا اور اسی وقت پانچ سو پونڈ لاکر دے دیا۔

اب ہمارے مبلغ کے تازہ خط سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے زندہ ہونے کا ایک اور ثبوت بھی دے دیا اور وہ یہ کہ وہی پریس والا جس نے ہمارے مبلغ کو لکھا تھا کہ ہم تمہارا اخبار اپنے پریس میں چھاپنے کے لیے تیار نہیں اسی پریس والے کا ہمارے مبلغ کو خط آیا ہے کہ آپ ہمارے پہلے خط کو منسوخ سمجھیں اور اسی پریس میں اپنا اخبار چھپوا لیا کریں غرض اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہمیشہ مدد کرتا چلا آیا ہے اور مدد کرتا چلا جائے گا دوستوں کو چاہیئے کہ وہ دعائیں کرنے درود پڑھنے اور ذکر الٰہی کرنے کی عادت ڈالیں اور تقویٰ طہارت اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں وہ خدا جو حبشیوں کو سچی خوابیں دکھا سکتا اور ان پر الہام نازل کر سکتا ہے جن کے متعلق انگریزی کتابوں میں یہاں تک لکھا ہے کہ بعض حبشی ایسے کند ذہن ہوتے ہیں کہ پندرہ پندرہ بیس

بیس سال تک انہیں پڑھایا جاتا ہے مگر جب وہ پچیس سال کی عمر کو پہنچتے ہیں تو سب کچھ بھول جاتے۔ وہ تمہیں کیوں سچی خوابیں نہیں دکھائے گا۔ اور تم پر اپنا الہام کیوں نازل نہیں کرے گا مگر یہ اسی طرح ہو سکتا ہے جب تم بھی تہجد پڑھو اور درود پر زور دو اور دعاؤں اور ذکر الہٰی کی عادت ڈالو میں نے پچھلے دنوں جماعت کے نوجوانوں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی جس پر میں نے دیکھا کہ بیسیوں نوجوان کے مجھے خط آنے شروع ہو گئے کہ ہم نے فلاں خواب دیکھی۔ یا فلاں کشف دیکھا ہے یا فلاں الہام ہم پر نازل ہوا ہے۔ پس اگر آپ لوگ تقویٰ و طہارت اپنے اندر پیدا کریں اور دعاؤں اور ذکر الٰہی کی عادت ڈالیں اور تہجد اور درود پر التزام رکھیں تو اللہ تعالیٰ یقیناً آپ لوگوں کو بھی رؤیائے صادقہ اور کشف سے حصہ دے گا اور اپنے الہام اور کلام سے مشرف کرے گا[1]

ایک احمدی نوجوان کا مثالی کارنامۂ شجاعت

۲۷ جولائی ۱۹۵۶ء کی صبح کو راولپنڈی میں تیز بارش ہوئی جھنگی محلہ کے ایک احمدی نوجوان حفیظ احمد صاحب پسر چوہدری ابراہیم صاحب جو C.O.D راولپنڈی میں ملازم تھے حسب معمول اپنے گھر سے تیار ہو کر اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے رات بھر بارش سے وہ ایک گھنٹہ دفتر سے لیٹ ہو گئے تھے مگر C.O.D کے گیٹ پر پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ وہ ایک گھنٹہ سے بھی زیادہ لیٹ ہو گئے تھے اس لیے ان کو اندر جانے کی اجازت نہ مل سکی۔ چنانچہ حفیظ صاحب واپس آ گئے۔ واپسی پر انہوں نے نالہ لئی کے قریب پانی کے تماشائیوں کا ہجوم دیکھا آپ بھی وہاں ایک طرف چلے گئے اسی دوران میں ایک طرف سے شور و غل اٹھا کہ دیکھو یہ لڑکا پانی میں گر گیا اور ڈوب رہا ہے تماشائی ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے مگر کسی نے جرأت نہ کی کہ وہ ڈوبتے کو بچا سکیں۔ حفیظ احمد صاحب نے انسانی ہمدردی کے جوش میں کہا کہ میں لڑکے کو بچاؤں گا۔ تب اس نے ایک رسہ کمر میں باندھا اور لوگوں سے کہا کہ وہ رسہ پکڑے رکھیں یہ کہہ کر حفیظ نے اس خوفناک پانی میں چھلانگ لگا دی وہ کافی دیر طوفانی

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲ جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۴ و صفحہ ۵۔ (ایضاً یکم نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۵)

لہروں کا مقابلہ کرتا رہا اور آخر کار اس لڑکے کو کنارے پر لگانے میں کامیاب ہوگیا اب اس کا اپنے آپ کو بچانا باقی تھا پانی کا چڑھاؤ یکدم تیز ہوگیا اور طوفانی لہریں شدت اختیار کرتی گئیں۔ رسہ پکڑنے والے پانی کے چڑھاؤ سے ڈر گئے اور رسہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے حفیظ ان طوفانی لہروں اور پانی کے تھپیڑوں کا کافی دیر مقابلہ کرتا رہا مگر شومئی قسمت نے رسہ ایک بجلی کے کھمبے سے لپٹ گیا اور حفیظ کی زندگی اور موت کے درمیان حائل ہوگیا۔ اس نے بڑے زور سے رسے کو جھٹکے مارے اور وہ اس میں کامیاب ہوگیا مگر متواتر دو گھنٹے اس خطرناک پانی کا مقابلہ کرتے کرتے اس کے ہاتھ پاؤں ہار گئے آخر ایک شدید طوفانی لہر اسے ساتھ بہا کرلے گئی اور اس طرح اس خونی ندی نے ایک باہمت احمدی نوجوان کی جان لے لی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۔

تماشائی دور کھڑے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ مگر کسی نے ہمت نہ کی کہ وہ اس بہادر نوجوان کی کچھ مدد کر سکیں۔ جب یہ احمدی نوجوان اپنے آپ کو لہروں کے حوالے کر چکا تب چند خدا ترس لوگوں نے اس کی لاش کا تعاقب کیا اور تین گھنٹے کی مسلسل کوشش سے لاش کو پانی سے نکالا۔

حفیظ احمد صاحب کے ڈوبنے کی اطلاع ان کے گھر ۹ بجے صبح پہنچا دی گئی ان کے والد ڈیوٹی پر گئے ہوئے تھے۔ محلہ کے دو احمدی نوجوان موقعہ پر جلدی پہنچ گئے۔ جنہوں نے دو غیر احمدی احباب کی مدد سے لاش کو گھر پہنچایا۔

اس اچانک اندوہناک حادثہ سے گھر میں کہرام مچ گیا۔ شہر اور صدر کی مستورات حفیظ کے گھر ٹوٹ پڑیں۔ اور کوئی آنکھ نہ تھی جو پُرنم نہ ہو۔ اور کوئی دل نہ تھا جو اس جوانا ن موت کو دیکھ کر خون کے آنسو نہ بہا رہا ہو۔ حفیظ کی لاش دیکھ کر ایسے معلوم ہوتا تھا۔ جیسے وہ کوئی کارنمایاں انجام دے کر میٹھی نیند سو رہا ہے۔ اس نے بلا شبہ ایک بہت بڑا کام انجام دیا۔ اس نے اپنی عزیز جان کی قربانی دے کر ایک انسانی جان بچا لی۔

اس مثالی قربانی کی خبر راولپنڈی کے اخبارات میں شائع ہوئی [1]

---

[1] الفضل ۸ ر اگست ۱۹۵۶ء صہ ۶

ربوہ میں انڈونیشیا کے سول حکام کے وفد کی آمد

۵ راگست ۱۹۵۶ء کو انڈونیشین سول حکام کا ایک وفد جو چھ افراد پر مشتمل تھا انڈونیشین ڈپٹی گورنر مسٹر اے ایس بیلو کی زیر قیادت ربوہ آیا۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر نے وفد کا استقبال کیا وفد نے صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے دفاتر دیکھے۔ اس کے بعد ایک تقریب میں میاں عبدالحی صاحب مبلغ انڈونیشیا نے ان کی خدمت میں جماعت احمدیہ کی انڈونیشیا میں تبلیغی مساعی اور تراجم قرآن مجید کے سلسلہ میں جماعت کی کوششوں کا ذکر کیا۔ قائد وفد نے جواب میں کہا کہ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں ربوہ دیکھنے کا موقع ملا۔ اسلام امن اور سلامتی کا مذہب ہے اور یہ امر میرے لیے باعثِ مسرت ہے کہ آپ لوگ بھی دنیا میں امن و سلامتی کے خواہاں ہیں۔ وفد کے سب ارکان کو ڈچ ترجمہ قرآن دیا گیا۔ ازاں بعد وفد نے جماعتی ادارہ جات دیکھے[1]

الامان پریس کی غیر مشروط معافی

روزنامہ "کوہستان" لاہور نے اپنی ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔ اے آکسن پرنسپل تعلیم الاسلام کالج وصدر صدر انجمن احمدیہ پاکستان (ربوہ) کی طرف منسوب کرکے ایک خط شائع کیا۔ اس پر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور نے اس خط کو سراسر جعلی قرار دیتے ہوئے روزنامہ کوہستان لاہور کے پرنٹر پبلشر اور الامان پریس لاہور کو نوٹس دیا کہ وہ اس مبینہ جعلی خط کی اشاعت پر صاحبزادہ صاحب سے ایک ہفتہ کے اندر اندر غیر مشروط معافی مانگیں۔ چنانچہ الامان پریس لاہور نے جس میں کوہستان چھپتا تھا شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے نام درج ذیل خط میں مبینہ جعلی خط طبع کرنے پر غیر مشروط معذرت کی

P.P.A-۱۵۵ لاہور یکم اکتوبر ۱۹۵۶ء

بنام شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان ۔ ۱۳ ٹمپل روڈ۔ لاہور

جناب عالی!

آپ نے اپنے رجسٹرڈ مکتوب مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۵۶ء میں روزنامہ "کوہستان" لاہور کے ستمبر

---

[1] الفضل ۹ راگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۸

کے پرچہ جلد ۱ نمبر ۱۶۶ کا ذکر کیا ہے جس میں ایک خط شائع ہوا ہے۔ آپ نے اس خط کو اپنے مؤکل مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا حامل قرار دیا ہے کہ جو مبینہ طور پر غیر ذمہ دارانہ اور بدنیتی پر مبنی ہوتے ہوئے ان کی شہرت اور عزت کو نقصان پہنچانے والا ہے۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اگرچہ ہم مذکورہ بالا اخبار اپنے پریس میں کچھ عرصہ چھاپتے رہے ہیں تاہم ہم نے ۱۵ ستمبر ۱۹۵۶ء سے اس اخبار کو محض اس وجہ سے چھاپنا ترک کر دیا ہے کہ یہ اخبار احمدیوں کے خلاف اشتعال انگیز۔ طنز۔ تمسخر۔ اور بہتان آمیز باتیں شائع کرتا تھا۔ لہٰذا التماس ہے کہ آپ اس بارے میں ہمیں درمیان میں لائے بغیر کوہستان والوں کو براہ راست مخاطب کریں۔ اس کے پرنٹر ہونے کی حیثیت سے جہاں تک ہمارا تعلق تھا ہم شہرت کو نقصان پہنچانے والے مبینہ خط کی طباعت کے لیے غیر مشروط طور پر معذرت خواہ ہیں

آپ کا مخلص

برائے الامان پریس۔ دستخط محمد (اظہر الدین)۔ مالک [1]

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا پیغام اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے نام

۲۳ ستمبر ۱۹۵۶ء کو تعلیم الاسلام ہائی سکول کی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کا اجلاس منعقد ہوا جس میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا مندرجہ ذیل پیغام سنایا گیا:۔

"مکرمی و محترمی ہیڈ ماسٹر صاحب تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کی طرف سے اطلاع ملی ہے کہ ۲۳ ستمبر ۱۹۵۶ء بروز اتوار شام کے ۴ ۱/۲ بجے تعلیم الاسلام ہائی سکول کے (OLD BOYS) کا اجلاس ہوگا۔ اور آپ نے خواہش ظاہر کی ہے کہ اس موقع پر میں بھی ایک مختصر سا پیغام ارسال کر کے اس اجلاس کی غائبانہ شرکت کی سعادت حاصل کروں۔

جیسا کہ میں پہلے بھی آپ کو لکھ چکا ہوں۔ درس گاہوں کے اولڈ بوائز کی ایسوسی ایشن درسگاہوں کی ترقی اور اُن کے روایات کو زندہ رکھنے کے لیے ایک مفید نظام ہے۔ اولڈ بوائز کے لفظی معنی تو عمر رسیدہ سابق طلباء کے ہیں مگر دراصل اس کے ایسے پختہ کار سابق طلباء مراد ہیں جو اپنی درس گاہ کے

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء ص ۱

ساتھ وفاداری کے جذبات کے ماتحت درس گاہ کی ترقی اور اس کی نیک روایات کو زندہ رکھنے کے لیے کوشاں رہیں۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء کے ماتحت آج سے زاید از نصف صدی قبل قادیان میں رکھی گئی تھی۔ اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اس کی غرض وغایت اسلام کی تعلیم کو پھیلانا اور جماعت احمدیہ کے نوجوانوں میں اس تعلیم کو راسخ کرنا تھی۔ جو احمدیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں ظاہر اور قائم فرمائی ہے۔ مسلمان عملاً ایک مردہ قوم بن چکے تھے۔ اور اسلام بہت سی غلط روایات اور غلط تشریحات کی وجہ سے گویا ایک سویا ہوا مذہب بن گیا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا سے الہام پاکر اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے روشنی حاصل کرکے اسلام کو دوبارہ زندہ کیا۔ تاکہ اس کا کھویا ہوا وقار اور کھوئی ہوئی طاقت دوبارہ عود کر آئے اور یہ قرآنی وعدہ اپنی شان کے ساتھ تکمیل کو پہنچے کہ ھوالذی ارسل رسولہٗ بالھدی ودین الحق لیُظھِرَہٗ علی الدّین کلّہ۔

اس مقصد کے ماتحت تعلیم الاسلام ہائی سکول کی غرض یہ تھی کہ احمدی نوجوانوں کو سچا مسلمان بنائیں۔ اور ان کے اندر اسلامی زندگی کی روح پھونکیں۔ اور پھر ان کے ذریعہ سے دنیا بھر میں اس نور کی اشاعت کریں۔ اور جو اولڈ بوائز ایسوسی ایشن تعلیم الاسلام ہائی سکول کے سابق طلبار کی قائم ہو۔ اس کا بھی اوّلین فرض یہ ہے کہ اپنی لائنوں پر اپنے سکول کی روایات کو زندہ کرکے دنیا میں ہدایت اور روشنی پھیلانے کا ذریعہ بنیں۔

ہر درسگاہ کا ایک نمایاں کیرکٹر ہوتا ہے ہماری اس درسگاہ کا کیرکٹر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں مذکور ہے۔ جو آپ بیعت کے وقت لیا کرتے تھے۔ یعنی

"میں دین کو دُنیا پر مقدم کروں گا"

اس مقدس عہد کے الفاظ نہایت درجہ پُر حکمت ہیں اور ان میں یہ نہیں بتایا گیا کہ میں دنیا کو چھوڑ کر راہب اور تارک الدنیا بن جاؤں گا۔ بلکہ یہ حکیمانہ فلسفہ بیان کیا گیا ہے کہ میں دنیا میں رہتے ہوئے اور دنیا کے کاموں میں حصہ لیتے ہوئے اور دنیا میں اپنے لیے اور اپنی جماعت کے لیے ترقیات کا راستہ کھولتے ہوئے ایسی زندگی اختیار کروں گا کہ جہاں بھی دین اور دنیا کے مفاد ٹکرائیں گے وہاں میں دین کو مقدم کروں گا۔ اور دین کی خدمت کو اپنا اوّلین فرض سمجھوں گا۔ پس اسکول کے اولڈ بوائز سے

جن میں سے ایک اولڈ بوائے ہونے کا مجھے بھی فخر حاصل ہے میری یہی نصیحت ہے اور یہی پیغام ہے کہ وہ ہر جہت سے دنیا میں ترقی کریں۔ اور دین میں بھی ترقی کریں۔ اور ہمیشہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں۔ اور اپنی درسگاہوں کو مضبوط بنانے اور اسے ترقی دینے اور اسے ملک میں بلکہ دنیا بھر میں ایک مثالی درسگاہ بنا دینے کے لیے پوری جدوجہد سے کام لیں۔ میرا دل ہمیشہ اس خواہش سے معمور رہا ہے کہ ہماری یہ درسگاہ ایک آئیڈیل یعنی مثالی درسگاہ ہو جس کے نتائج دین و دنیا کے لحاظ سے چوٹی کے نتائج شمار کیے جائیں اور اس میں تعلیم پانے والے بچوں کے متعلق اپنے اور بیگانے دونوں گواہی دیں کہ یہ دین و دنیا میں غیر معمولی ترقی کرنے والے اور اسلام اور احمدیت کا سچا نمونہ پیش کرنے والے اور ملی کاموں کے ہر میدان کے بہادر سپوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کے ساتھ ہو۔ آپ کو اپنی رضا کے ماتحت کام کرنے کی توفیق دے۔ اور آپ کا حافظ و ناصر رہے۔ آمین والسلام

خاکسار مرزا بشیر احمد ربوہ ۵۶/۹/۲ [1]

مولانا ظفر علی خاں صاحب کی عبرتناک وفات

۲۷ نومبر ۱۹۵۶ء کو برصغیر کے مشہور و نامور صحافی مولانا ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر "زمیندار" انتقال کر گئے۔ آپ کے والد ماجد مولانا سراج الدین صاحب کو حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کا شرف حضور کے عہدِ شباب میں حاصل ہوا۔ اور آپ عمر بھر حضور کی پارسائی اور تقویٰ شعاری کے معترف رہے۔ اور حضور کی وفات پر نہایت عمدہ ریویو اپنے قلم سے لکھا [2]

"مولانا ظفر علی خاں صاحب بھی اوائل میں جماعت احمدیہ کی دینی خدمات کو بنظر استحسان دیکھتے تھے۔ جس پر اخبار "زمیندار" کے پرانے فائل گواہ ہیں۔ مگر پھر آپ مخالفین سلسلہ کی صفِ اوّل میں شامل ہو گئے۔ بایں ہمہ ۱۹۴۵ء میں جب آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ نے ملک کے مرکزی انتخاب میں اپنا ٹکٹ دیا۔ تو احمدیوں نے تحریک پاکستان سے والہانہ تعلق کی بناء پر قیام پاکستان کے لیے انہی کو ووٹ دیا ۱۹۵۳ء کی ایجی ٹیشن میں سرگرم حصہ لینے کے بعد آپ فالج کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ اور نہایت

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۶ ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء ؛ [2] متن کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد سوم ص۵۶۴

کسمپرسی کے عالم میں اپنی زندگی کے آخری دن گذارے ۔ حضرت مصلح موعودؓ کو علم ہوا ۔ تو آپ برداشت نہ کر سکے اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب کو بغرض علاج بھجوایا ۔ اور ادویہ کے لیے اپنی جیب خاص سے رقم مرحمت فرمائی ۔ اس سلسلہ میں جناب عبد الحکیم صاحب عامر کا بیان ہے کہ

"ایک سال پیشتر جب آغا صاحب (شورش کاشمیری صاحب مدیر چٹان ۔ ناقل) سخت علیل تھے قادیانیوں کے روحانی پیشوا[1] نے ایک پیغام کے ذریعے آپ کو غیر ملکی دوائیوں کی پیشکش کی .... مولانا ظفر علی خان کی علالت کے دنوں میں، جبکہ وہ مری میں مقیم تھے، قادیانیوں کے روحانی پیشوا سے مولانا کو بھی اس قسم کی پیشکش کی گئی تھی"[2]

جناب محمد اشرف خاں عطاؔء صاحب نے مولانا ظفر علی خاں صاحب کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

" یہ دنیا کتنی بے وفا ہے جس ملک کو حاصل کرنے کے لیے اس نے اپنی زندگی کی تمام متاع عزیز داؤ پر لگا دی ۔ جن مسلمانوں کی خاطر اس نے ہر قسم کے سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر قربانی دی جب وہ ملک بنا اور آزاد ہوا ۔ جن لوگوں کی آزادی کی خاطر اس نے مسلسل اور لگاتار مصیبتوں، صعوبتوں اور مشکلوں کا سامنا کیا تھا ۔ جب وہ مسلمان آزاد ہوئے ۔ انہوں نے کبھی بھول کر بھی دریافت نہ کیا ۔ آزادی کا بیباک سپاہی نڈر علم بردار ظفر علی خاں کہاں ہے اور کس حال میں ہے ۔ ظفر علی خاں جو زندگی میں طوفان تھا ۔ سر سے پاؤں تک ہنگامہ تھا مسلسل حرکت تھا ۔ ۱۹۴۸ء سے لیکر ۲۷ نومبر ۱۹۵۶ء تک لگاتار آٹھ سال زندگی اور موت کی کشمکش میں چارپائی پر پڑا رہا ۔ ارباب اقتدار کے موٹر فراٹے بھرتے ہوا سے باتیں کرتے، خاک اُڑاتے اس کے مکان کے سامنے سے گزرتے رہتے لیکن جن لوگوں کو ظفر علی خاں اور اس کے ساتھیوں کی قربانیوں کی بدولت آزادی کے بعد مسند اقتدار ملی تھی انہوں نے کبھی جھوٹے منہ سے بھی اس مرد بیمار سے اظہار ہمدردی نہ کیا ۔ اُن کے ایوانوں میں رقص و سرور عیش و نشاط رباب و شراب کے ڈرامے کھیلے جاتے رہے لیکن ظفر علی خاں کا گھر آزاد ہونے کے بعد بھی ظلمت کدہ رہا ۔

تُف اے فلک ناہنجار ۔ تُف اے خود غرضوں اور ابن الوقتوں کی دنیا ۔ تُف ہے تیری

---

[1] مراد حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ ۔ [2] نوائے وقت ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۵ء ص۲ کالم ۳

اس حالت پر۔ ظفر علی خاں سات آٹھ سال مختلف امراض میں مبتلاء رہنے کے بعد ۲۷ نومبر ۱۹۵۶ء کو صبح کے وقت اس احسان فراموش اور بے وفاؤں کی دنیا سے اپنے ابدی وطن کی طرف رخصت ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

آہ ظفر علی خاں! جو وقت کا سب سے بڑا صحافی صاحب طرز ادیب آتش نوا مقرر۔ شعلہ بیان شاعر اور ہنگامہ پرور سیاست داں تھا۔ اپنے آبائی گاؤں کرم آباد میں نہایت خاموشی سے چند عزیزوں کے درمیان اپنی اہلیہ کے پہلو میں دفنا دیا گیا۔

ظفر علی خاں جس کی گاڑی ہزاروں مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں سے کھینچی تھی۔ جس کے جلوسوں میں ہزاروں فرزندانِ اسلام اس کے استقبال کے لیے دیدۂ و دل فرش راہ بنا دیا کرتے تھے۔ جب اس کا جنازہ اٹھایا گیا تو اس میں گنتی کے چند آدمی تھے اور جب اُسے لحد میں اُتارا گیا تو اُس کے عزیزوں کے ماسوا اور کوئی دوسرا نہ تھا۔ آہ! ہنگاموں اور تحریکوں کو جنم دینے والا ظفر علی خان کس بے بسی اور بے کسی کے عالم میں رخصت ہوا۔ ظفر علی خان زندہ باد کے نعرے لگانے والوں میں سے کوئی بھی اُسے آخری الوداع کہنے کے لیے اس کے جنازہ پر موجود نہیں تھا۔

اُس کی موت پر نہ کوئی ہنگامہ ہوا نہ ہڑتال نہ جلسہ منعقد کیا گیا نہ اُس کی جُدائی میں کسی کی آنکھ نمناک ہوئی۔ نہ سرکاری دفاتر بند ہوئے نہ سرکاری عمارت پر جھنڈے سرنگوں ہوئے۔ نہ اس کی یادگار کو قائم رکھنے کے لیے کسی ہسپتال، کسی لائبریری۔ کسی دانش گاہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اور نہ اُسے زندہ و جاوید رکھنے کے لیے اس کی کتب کی اشاعت و طباعت کا کوئی سرکاری یا غیر سرکاری طور پر انتظام کیا گیا۔ زندہ قومیں اپنے بہادروں اور مجاہدوں کو کبھی فراموش نہیں کرتیں اور انہیں زندہ رکھنے کے لیے ایسی یادگاریں قائم کرتی ہیں کہ جو آئندہ نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ہوتی ہیں۔ لیکن ظفر علی خاں سے اُس کے ہم وطنوں نے جو سلوک کیا وہ احسان فراموشی کی ایسی گھناونی مثال ہے کہ جس پر آنے والی نسلیں ہمیشہ اظہار نفرین کرتی رہیں گی [1]

---

[1] مولانا ظفر علی خان۔ مؤلفہ جناب محمد اشرف خان عطاء مکتبہ کارواں کچہری روڈ لاہور۔
جنوری ۱۹۶۲ء صفحہ ۲۸ تا ۲۹۔ مطبع اردو پریس لاہور

ہفت روزہ خدام الدین لاہور نے ۱۰ اپریل ۱۹۷۰ء کی اشاعت میں صـ۳ پر مولانا ظفر علی خان کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:۔

"ہماری یہ دیانتدارانہ رائے ہے کہ پاکستان میں آج کوئی ادیب، خطیب اور بدیہہ گو شاعر مولانا ظفر علی خان کا ہم پلہ موجود نہیں۔ مولانا ظفر علی خان کے اخبار "زمیندار" کا صرف ایک پہلو اور اس کی صرف ایک خدمت کا اعتراف بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے اور اس کے لیے آنکھیں جھک جاتی ہے۔ جو اس نے امت مرزائیہ کے تعاقب اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے سلسلہ میں انجام دی تھی۔ اس کے علاوہ مختلف شخصیات اور جماعتوں کے خلاف مولانا ظفر علی خان اور ان کے اخبار زمیندار کی جو محاذ آرائی اور لام بندی رہی ہے آج ان کا نام لیوا کوئی نہیں اور نہ ہی زمیندار سمیت ڈھونڈے سے ان کا کہیں سراغ اور نشان ملتا ہے آخر یہ کیوں ہوا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔"

شورش کاشمیری صاحب نے اپنے رسالہ چٹان ۲۶ ستمبر ۱۹۶۰ء صـ۳ کالم ۲ پر مولانا ظفر علی خان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:۔

"مولانا ظفر علی خان کی اندوہناک موت بھی ہم نے دیکھی ہے جنازہ میں ایک بیٹا، ۲ پوتے، تین نوکر اور چار نیاز مند تھے کل دس آدمی۔ اس وقت کی وزارتوں کے بیٹوں نے جو سلوک قلم و زبان کے اس دھنی سے کیا وہ کیسے بھول سکتا ہے۔"

اخبار "ریاست" دہلی کا ایک قابل قدر نوٹ درویشانِ قادیان کے متعلق

قادیان کے درویشوں کو پاسپورٹ کے سلسلہ میں اس سال بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جس پر سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون نے اپنے اخبار "ریاست" میں صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے حسب ذیل نوٹ سپرد قلم کیا۔

"کیا قادیان کے احمدی غیر وفا شعار ہیں۔ مرحوم حضرت مرزا غلام احمد آف قادیان کے مقلد یعنی احمدی مذہبًا اور اصولاً ہر حکومت وقت کے وفا شعار ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم کے مطابق ہر مسلمان کا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ برسر اقتدار حکومت کے وفا شعار ہوں۔ چنانچہ اپنے اس مذہبی اصول کے مطابق ہی انہوں نے ہندوستان کی سیاسی تحریکوں میں کبھی حصہ نہ لیا اور یہ انگریزوں سے بھی ہمیشہ تعاون کرتے رہے اور انگریزوں کی حکومت کے خاتمہ کے بعد اب ان کی پاکستان میں

تو پوزیشن یہ ہے کہ پاکستان کے احمدی پاکستان گورنمنٹ کے وفادار ہیں اور ہندوستان کے احمدی ہندوستان کی قومی گورنمنٹ کے اخلاص کے ساتھ وفاشعار ہیں۔ مگر ان بیچاروں کی پاکستان اور ہندوستان دونوں جگہ نازک پوزیشن ہے۔ پاکستان میں تو یہ وہاں کے مسلمانوں کے مظالم کا شکار ہوتے رہتے ہیں کیونکہ پاکستان کے مسلمان احمدیوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ اور ابھی حال میں چوہدری محمد علی سابق وزیر اعظم پاکستان کی نئی سیاسی پارٹی سے بعض اصحاب نے صرف اس وجہ سے استعفیٰ دے دیا کہ یہ پارٹی احمدیوں کو بھی مسلمان سمجھتی ہے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ غیر احمدی مسلمانوں کا مذہبی مالیخولیا کب وہاں کے احمدیوں کے خلاف پہلے کی طرح پھر جہاد شروع کر دے اور ہندوستان میں احمدیوں کی پوزیشن یہ ہے کہ ان کا مسلمان ہونا اور مسلمان ہوتے ہوئے مشرقی پنجاب (جہاں گنتی کے صرف چند مسلمان اب باقی رہ گئے ہیں) میں رہنا ہی ہندوؤں اور سکھوں کی نگاہ میں اتنا بڑا جرم ہے جسے قابل معافی قرار نہیں دیا جاتا اور یہ واقعہ افسوسناک ہے کہ مشرقی پنجاب کا قریب قریب ہر سرکاری افسران کو ٹیڑھی نظروں سے دیکھتا ہے اور اگر کبھی موقع ملے تو نیش زنی سے باز نہیں آتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان بیچاروں کے لیے ہر روز کوئی نہ کوئی نئی مصیبت پیدا ہوتی رہتی ہے چنانچہ اس سلسلے کے چند واقعات سُن لیجیے۔

قادیان کے احمدی حضرات کے کچھ عزیز تو قادیان اور ہندوستان کے دوسرے مقامات میں ہیں اور کچھ رشتہ دار پاکستان میں ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے مذہبی پیشوا یعنی موجودہ خلیفہ پاکستان کے مقام ربوہ (ضلع جھنگ) میں ہیں اور مذہبی اعتبار سے قادیان کے احمدیوں کا یہ فرض اور ایمان ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے پیشوا کے ساتھ روحانی تعلق قائم رکھیں اور وہ وہاں کے مذہبی جلسوں وغیرہ میں شامل ہوں مگر گورنمنٹ ہند ان کو پاسپورٹ دینے سے انکار کرتی رہی جس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے جب کبھی پاسپورٹ کے لیے درخواست دی اور یہ درخواست ضلع گورداسپور کے حکام کے پاس رپورٹ کے لیے بھیجی گئی تو مقامی پولیس کے چھوٹے افسروں نے ان کو پاسپورٹ دینے کے حق میں رائے نہ دی کیونکہ ان کے مسلمان ہونے کے باعث ان کو ہندو اور سکھ جرائم پیشہ قوم میں سے سمجھتے تھے اور ایسی رپورٹوں کی بنیادوں پر ہی ان کو پاسپورٹ دینے سے انکار کر دیا جاتا۔ چنانچہ چند برس ہوئے ان کے بعض لیڈر جب دہلی آئے اور انہوں نے حالات بتائے تو نہ صرف ان پر کیے جا رہے اس ظلم کے خلاف "ریاست" میں لکھا گیا بلکہ ایڈیٹر "ریاست" نے سردار پرتاب سنگھ کیرون وزیر اعلیٰ پنجاب

سے زبانی بھی کہا جب کہ وہ دفتر "ریاست" میں تشریف لائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کو پاسپورٹ دیئے گئے اور یہ لوگ اپنے عزیزوں اور مذہبی رفیقوں سے ملنے کے لیے ربوہ (پاکستان) گئے۔ اس سلسلہ کی اب تازہ اطلاع ہے کہ قادیان کے ایک احمدی لیڈر ملک صلاح الدین ایم اے کے حقیقی چھوٹے بھائی پانچ چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر ربوہ میں انتقال کر گئے اور ان کی والدہ بیمار ہیں اور ان کا فرض تھا کہ یہ اس موقع پر وہاں پہنچتے مگر آپ نے جب پاسپورٹ کی تجدید کے لیے درخواست کی تو ان کا پاسپورٹ منسوخ کر دیا گیا اور یہی سلوک دوسرے احمدی اصحاب کے ساتھ کیا جا رہا ہے جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ پاسپورٹ کاغذی کارروائی اور مقامی ملازموں کی رپورٹ کے بعد دیا جاتا ہے اور چونکہ یہ لوگ مسلمان ہیں کوئی سکھ یا ہندو ملازم نہیں چاہتا کہ ان کے لیے سہولت بہم پہنچائی جائے اور کانفی ڈنشل رپورٹیں ان کے خلاف کر دی جاتی ہیں۔

اگر کسی بھی احمدی کے خلاف کوئی سیاسی شکایت ہو تو اس کو پاسپورٹ نہ دیا جانا چاہیئے مگر جس صورت میں کہ یہ لوگ سیاسیات سے قطعی بے تعلق ہیں اور احمدی خالص مذہبی جماعت اور ہندوستان کی وفا شعار ہے اس جماعت کی اس پوزیشن میں احمدیوں کو پاسپورٹوں کا نہ دیا جانا انصاف قرار نہیں دیا جا سکتا اور ہماری خواہش ہے کہ پنجاب گورنمنٹ احمدی حضرات کی اس تکلیف پر ہمدردی کے ساتھ غور کرے اور اگر کسی بھی احمدی کے خلاف پولیس یا مقامی افسروں کو شکایت ہو تو یہ معاملہ کسی جوڈیشل افسر کے سپرد کر دیا جائے تاکہ یہ معصوم اور بے گناہ لوگ کانفی ڈنشل رپورٹوں کا شکار نہ ہوں"۔[1]

مقدمہ کنج بہاری لال

۱۹۵۶ء میں کانگرس کے اجلاس امرتسر کے موقع پر جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے ایک ٹریکٹ "آسمانی تحفہ" کے نام سے شائع کیا گیا۔ اس کے جواب میں ایک معاندِ سلسلہ کنج بہاری لال نے ایک نہایت دلآزار ٹریکٹ "زہین کی پکار" شائع کیا۔ اس پر حکومت کی طرف سے اس کے خلاف زیر دفعہ ۲۹۵ الف مقدمہ دائر کیا گیا۔ اس مقدمہ میں مولوی برکات احمد صاحب راجیکی ناظر امور عامہ اور ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے کی طویل شہادتیں استغاثہ کی طرف سے ہوئیں۔ اور یہ مقدمہ تقریباً اڑھائی سال تک جاری رہا۔ مقدمہ میں کنج بہاری لال نے سیدنا

---

[1] ہفت روزہ ریاست دہلی ۱۶/دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ کالم ۲ تا ۴

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف بہت کچھ زبان درازی اور تلخ کلامی کی۔ ایک دن جب عدالت برخواست ہوئی۔ تو اس نے از راہِ شرارت بہت سی دلآزار باتیں عدالت کے عملہ کے سامنے جماعت احمدیہ اور اس کے مقدس بانی علیہ السلام کے خلاف کہیں اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی کتاب "سلسلہ احمدیہ" کھول کر اس میں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فوٹو لوگوں کو دکھایا۔ جونہی اس فوٹو پہ حاضرین کی نظر پڑی تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ تم مرزا صاحب پر اعتراض کرتے ہو۔ لیکن فوٹو سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہت بڑے مہاپُرش اور سنت آدمی تھے۔ یہ ریمارکس سُن کر کنج بہاری لال کو بہت شرمندگی ہوئی۔

اسی مقدمہ کے دوران اس نے "ذکرِ حبیب" (مصنفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ) سے سیشن جج کو حضور اقدسؑ کا ایک فوٹو دکھایا۔ اس پر جج صاحب بے ساختہ کہہ اُٹھے کہ فوٹو سے تو مرزا صاحب بہت نورانی معلوم ہوتے ہیں[1]

حضرت مصلح موعودؓ کی اہم نصائح

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۴ر دسمبر ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا :-

"دوستوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ مَیں ہر انسان کے قریب ہوں اور یہ کہ مَیں ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں۔ اور جس کے قریب خدا تعالیٰ ہو وہ اکیلا نہیں ہو سکتا۔ بے شک حضرت مسیح موعودؑ نے کشفی حالت میں اپنے بازو پہ یہ تحریر فرمایا کہ "میں اکیلا ہوں اور خدا میرے ساتھ ہے" مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اکیلے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی نظروں میں تو مَیں اکیلا ہوں لیکن حقیقۃً خدا میرے ساتھ ہے۔ اگر خدا کے ساتھ ہوتے بھی کوئی شخص اپنے آپ کو اکیلا کہتا ہے تو اس کی مثال اس بے وقوف کی سی ہوگی جو اپنے باپ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ کہ رستہ میں ڈاکہ پڑا اور چور اُن کا مال لوٹ کر لے گئے۔ جب کسی نے اس سے پوچھا کہ کیا ہوا تو اس نے کہا چور تے لاٹھی دو جنے میں تے باپو کلّے۔ پس جو خدا کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی کہتا ہو کہ مَیں اکیلا ہوں تو یہ اس کی بیوقوفی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان

---

[1] الفرقان ربوہ درویشانِ قادیان نمبر ص ۵۶، ۵۷

الفاظ کے معنے ہیں کہ دنیا کی نظروں میں تو میں اکیلا ہوں لیکن خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا تھا۔

لا تحزن ان اللہ معنا

ابوبکرؓ گھبرانے کی کوئی بات نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور جب اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے تو دس بارہ لفنگوں کی کیا طاقت ہے کہ وہ ہمیں تکلیف پہنچا سکیں۔ خدا تعالیٰ انہیں خود تباہ کر دے گا۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کشف میں جو کہا گیا ہے کہ مَیں اکیلا ہوں اس کا یہی مطلب ہے کہ دنیا کو تو نظر نہیں آتا کہ میرے ساتھ کوئی اور بھی ہے لیکن خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے اگر وہ مجھ پر حملہ کریں گے تو وہ دیکھ لیں گے کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے مَیں کامیاب و کامران ہوگا۔ اور وہ ناکام و ذلیل ہوں گے۔ بہرحال قرآن کریم بتاتا ہے کہ ہر شخص جو خدا تعالیٰ کے سامنے جھکے اور اس سے مدد مانگے وہ اس کی مدد کے لیے تیار ہے اور اس کے بالکل قریب ہے صرف اتنا فرق ہے کہ درجہ کے لحاظ سے وہ کسی کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور اس کی جلدی مدد کرتا ہے ورنہ وہ ہے سب کے قریب صرف وہ اس بات کا انتظار کرتا ہے کہ کوئی اسے پکارے اور جب کوئی اسے پکارتا ہے تو وہ کہتا ہے مَیں تیری مدد کے لیے تیار ہوں اب بتاؤ جس کے پاس اتنا بڑا نسخہ موجود ہو اسے بھلا دنیا کا کیا ڈر ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہماری جماعت اکیلی ہے باقی سب لوگ ایک طرف ہیں اور ہم دوسری طرف لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اس لیے گو ہم دنیا کی نظر میں اکیلے ہیں مگر درحقیقت ہم اکیلے نہیں۔ خدا تعالےٰ ہمارے ساتھ ہے اور اگر کوئی ہم پر حملہ کرے گا تو وہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا کیونکہ ہمارے اور دشمن کے درمیان خدا تعالیٰ حائل ہو جائے گا اور یہ ظاہر ہے کہ اس کی چوٹ خدا تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی بلکہ چوٹ لگانے والے کا ہاتھ خود مفلوج ہو جائے گا اور اس کی چوٹ الٹ کر اسی پر پڑے گی۔ پس اس گُر کو یاد رکھو اور قیامت تک اسے یاد رکھتے چلے جاؤ کہ ہر مصیبت پر خدا تعالیٰ کو پکارو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو دنیا میں تم پر کوئی مصیبت ایسی نہیں آسکتی جس میں خدا تعالیٰ

تمہاری مدد نہ کرے اور دشمن کا خطرناک حملہ بھی خدا تعالیٰ کی مدد کی وجہ سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ بشرطیکہ تم حرام خوری نہ کرو۔ بے ایمانی نہ کرو۔ بددیانتی نہ کرو۔ خدا تعالیٰ کا خوف کرو۔ تقویٰ کرو۔ ظلم نہ کرو۔ کسی پر تعدی نہ کرو۔ کسی کی ذلت اور بدنامی نہ کرو۔ منافقت نہ دکھاؤ۔ فساد نہ کرو۔ اگر تم ایسے ہو جاؤ گے تو ہر قدم پر اور ہر میدان میں خدا تعالیٰ تمہارا ساتھی ہوگا یہ قرآن کریم کا وعدہ ہے جو اصدق الصادقین ہے اور خدا تعالیٰ کا کلام جھوٹا نہیں ہو سکتا اگر تم اس پر عمل کرو گے تو تم ہمیشہ کامیابی اور بامرادی دیکھو گے[1]

ایک دردناک حادثہ

انہی دنوں سیالکوٹ میں ایک دردناک حادثہ پیش آیا جن میں ایک مخلص اور قدیم احمدی خاندان کے بہت سے افراد زخمی ہوگئے اور بعض خواتین وفات پاگئیں جن میں سید ناصر شاہ صاحب کی اہلیہ بھی تھیں جن کا جنازہ حضرت مصلح موعودؓ نے ۷ ار دسمبر ۱۹۵۶ء کو نماز جمعہ کے بعد پڑھا اور خطبہ جمعہ میں بتلایا کہ :۔

"باہر ایک جنازہ پڑا ہے۔ یہ جنازہ سیالکوٹ سے آیا ہے۔ چند دن ہوئے وہاں ایک خطرناک حادثہ ہوا۔ اور جس خاندان میں یہ حادثہ ہوا۔ وہ احمدیت قبول کرنے کے لحاظ سے ضلع سیالکوٹ میں اوّل نمبر پر تھا۔ یعنی میر حامد شاہ صاحب مرحوم کا خاندان۔ اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ تو اس وقت بھی اس خاندان میں ہی ٹھہرے تھے۔ سید ناصر شاہ صاحب مرحوم جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رفیقوں میں سے تھے۔ ان کے ایک لڑکے کی وہاں شادی تھی۔ ہمارے ملک میں رواج ہے۔ کہ عورتیں دولہا کو اندر بلا لیتی ہیں۔ اور اسے تحفے وغیرہ دیتی ہیں۔ چنانچہ اسی دستور کے مطابق عورتوں نے دولہا کو مکان کی دوسری منزل پر بلایا۔ ابھی عورتیں دولہا کو تحائف ہی دے رہی تھیں کہ اوپر کی چھت نیچے آگری۔ اور پھر اس چھت کے بوجھ کی وجہ سے نیچے کی چھت بھی گر گئی۔ نیچے مرد تھے۔ ان میں سے بھی ایک بڑی تعداد زخمی ہوئی۔ اور اوپر کی چھت پر جو عورتیں تھیں ان میں سے بھی کچھ زخمی ہوئیں۔ اور کچھ فوت ہوگئیں۔ چنانچہ دو جنازے پہلے آئے تھے۔

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ یکم مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۵

اور ایک نعش آج آئی ہے ۔ یہ نعش سید ناصر شاہ صاحب کی اہلیہ کی ہے ۔ ان کے لڑکے کی شادی تھی اور اسی سلسلہ میں یہ وہاں گئی تھیں ۔ چھت گرنے کی وجہ سے زخمی ہوئیں اور بعد میں فوت ہو گئیں نماز کے بعد ان کا جنازہ پڑھاؤں گا ۔"[1]

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کا نیا اعزاز

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب ایم اے (ریاضی فزکس) پی ایچ ڈی (کنٹب) جو کیمبرج یونیورسٹی میں لیکچرار کے فرائض سرانجام دے رہے تھے ۔ اس سال امپریل کالج آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی لنڈن میں پروفیسر مقرر ہوئے

آپ کے اس نئے اعزاز میں سائنس کے مشہور رسالے NATURE میں NEWS AND VIEWS کے تحت جو نوٹ شائع ہوا ۔ اس کا ترجمہ ذیل میں درج ہے :

" ڈاکٹر عبدالسلام لیکچرار کیمبرج یونیورسٹی کو حال ہی میں امپریل کالج آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی لنڈن میں یونیورسٹی پروفیسر کی حیثیت سے مقرر کیا گیا ہے ۔ ڈاکٹر سلام ایک بیدار مغز عالم ریاضیات ہیں اور انہیں نظریاتی فزکس کے میدان میں بین الاقوامی شہرت حاصل ہے ۔ حال ہی میں جو بنیادی ذرات دریافت ہوئے ہیں ان کی ماہیت سے متعلق سائنسی نظریوں کی تشکیل میں انہوں نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے ان میدانوں میں سائنس کے ان خصوصی شعبوں میں ان کی سرگرمیوں کو وہاں اور بھی زیادہ شرف قبول حاصل ہوگا ۔ وہاں انہیں ایسے ساتھی سائنسدانوں کی رفاقت میسر آئے گی ۔ جو ایسی تحقیقات کے تجرباتی حصہ میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں ۔ ڈاکٹر سلام کی ابتدائی تعلیم پنجاب یونیورسٹی میں پایۂ تکمیل کو پہنچی ۔ جہاں سے ۱۹۴۶ء میں آپ نے ایم اے کی ڈگری حاصل کی ۔ ۱۹۴۸ء میں آپ نے کیمبرج یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری لی اور وہیں سے ۱۹۵۱ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اسی سال وہ سینٹ جانز کالج کیمبرج میں سائنس کی ایک خصوصی تحقیقات کے لیے منتخب کیے گئے ۔ ڈاکٹر سلام ریاضی کے شعبوں میں اعلیٰ عہدوں پہ فائز رہے ہیں ۔ ۱۹۵۱ء میں وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور ۱۹۵۲ء میں انہیں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ ریاضیات کا صدر مقرر کیا گیا ۔ ۱۹۵۴ء سے وہ کیمبرج یونیورسٹی میں لیکچرار کے طور پہ کام کر رہے تھے ۔ ۱۹۵۵ء میں جنیوا کے مقام پر ایٹمی طاقت کے پرامن استعمال سے متعلق جو کانفرنس

---

[1] الفضل یکم مارچ ۱۹۵۷ء ص۶

منعقد ہوئی تھی۔ اس میں آپ نے سائنسی سیکرٹری کے طور پر کام کیا۔

پروفیسر سلام کے تقرر کے بعد اب امپریل کالج میں پروفیسروں کی تعداد چار ہو گئی ہے۔

۱۔ پروفیسر ایچ جونز جو متعلقہ شعبہ کے صدر ہیں۔

۲۔ پروفیسر جی۔ اے برنارڈ جو اعداد و شمار کے پروفیسر ہیں۔

۳۔ پروفیسر ڈبلیو کے ہے مین جو PURE MATHEMATICS کے پروفیسر ہیں اور

۴۔ پروفیسر عبدالسلام آپ کا تعلق کلی طور پر APPLIED MATHEMATICS اور ریاضیاتی فزکس سے ہو گا[1]

ربوہ میں ٹیلیفون ایکسچینج کا قیام

۲۲ دسمبر ۱۹۵۶ء کو ربوہ ٹیلیفون ایکسچینج کا قیام عمل میں آیا دفاتر صدر انجمن احمدیہ و تحریک جدید اور رہائشی مکانات میں ٹیلیفون لگ گئے۔ اس طرح تمام دنیا سے مرکز احمدیت کا براہِ راست رابطہ قائم ہو گیا[2]

وزیراعظم چین کو قرآن مجید کا تحفہ

اس سال کے آخری ایام میں وزیراعظم چین مسٹر چو این لائی ڈھاکہ تشریف لائے۔ آپ کو مولوی علی انور صاحب نے انگریزی ترجمہ قرآن کا تحفہ پیش کیا۔ اس موقع پر جماعت احمدیہ کی طرف سے جناب چو این لائی کو ایڈریس پیش کیا گیا جس میں بتایا گیا کہ جماعت احمدیہ ساری دنیا میں عالمگیر امن اور انسانی اخوت کے قیام کے لیے کوشاں ہے۔ مشرق و مغرب کے اکثر ممالک میں اس کی شاخیں قائم ہیں دنیا کی مختلف زبانوں میں جماعت کی طرف سے قرآن کے تراجم شائع کیے جا رہے ہیں۔

قرآن مجید کا تحفہ چینی عوام سے انتہائی محبت و خلوص کے اظہار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ تحفہ عالمگیر امن اور انسانی اخوت کے انتہائی ارفع و اعلیٰ اصولوں کی وضاحت پر مشتمل ہے۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ پاک چین دوستی مستحکم رہے[3]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۱ جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۱ ؛ [2] الفضل ۳۰ دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۸

[3] الفضل ۳ جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۱

۱۹۵۶ء میں بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں

جماعت احمدیہ کے بیرونی مشنوں نے اس سال اپنی تبلیغی سرگرمیاں تیز تر کر دیں جیسا کہ آئندہ تفصیل سے عیاں ہوگا۔

لنڈن مشن

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایت پر ستمبر ۱۹۵۵ء سے جماعت احمدیہ لنڈن نے ہر اتوار کو باقاعدہ اجلاس شروع کر دیئے تھے جن میں غیر مذاہب کے بعض نمائندوں کو تقریر کے لیے دعوت دی جاتی تھی۔ چنانچہ پادریوں، پارلیمنٹ کے ممبروں اور یونیورسٹیوں کے پروفیسروں کو لیکچر کے لیے مدعو کیا گیا۔ یہ مفید تبلیغی سلسلہ ۱۹۵۶ء میں بھی زور شور سے جاری رہا۔ چنانچہ لنڈن مشن نے متعدد تقاریب کا اہتمام کر کے کئی اہم شخصیتوں تک پیغام حق پہنچایا۔ بعض اجلاسوں کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

۱۔ ۲۹ جنوری ۱۹۵۶ء کو MR. DRISKELL چائے پر مدعو تھے۔ ان کے ہمراہ پانچ افراد بھی تھے انہوں نے SONSHIP OF JESUS CHRIST OF GOD پر اپنا نقطۂ نگاہ پیش کیا۔ مولود احمد خاں صاحب امام بیت الفضل لنڈن نے قرآن کریم کی رو سے واضح کیا کہ یہ نقطہ نظر غلط ہے۔ میر عبدالسلام صاحب نے ثابت کیا کہ بائبل کی صحت مشکوک ہے اس لیے اس پر کسی دعویٰ کی دلیل ٹھہرانا غلط ہے

۲۔ ۱۲ فروری کو آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر اور برطانیہ کے مشہور قانون دان MR. HART نے "سزائے موت" کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔

آپ کے لیکچر کے بعد امام بیت الفضل لنڈن نے اسلامی قانون میں سزائے موت اور اس کی پُر حکمت شرائط اور اسلامی قصاص کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

۳۔ ۲۶ فروری کو احمدیہ سٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام ایک اجلاس میں مسٹر COMMONT JORDINE مدعو تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے ان کا تعارف کرایا جس کے بعد صاحب موصوف نے عیسائیت کے تین عظیم تہواروں پر اپنا مذہبی نقطہ نگاہ پیش

کیا جس کے جواب میں صدر مجلس محترم سید عبد السلام صاحب نے اسلامی تعلیم سے متعارف کرایا۔

۴۔ ۱۱ر مارچ کو مسٹر کرلنڈٹن (جنرل سیکرٹری انٹر یونیورسٹی فیلوشپ آف لندن) مختلف کالجوں کے طلباء سمیت مشن ہاؤس تشریف لائے اور "مسیح نجات دہندہ" کے موضوع پر لیکچر دیا۔ مولود احمد خاں صاحب نے اپنی جوابی تقریر میں جماعت احمدیہ کے مسلک کی ایسی عمدہ ترجمانی کی کہ فاضل مقرر نے کہا۔ اگر فی الواقعہ مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوا تو پھر عیسائی مذہب کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے اور اس کی تمام عمارت کا منہدم ہونا یقینی ہے [1]

۵۔ ۴ر اپریل کو DR. FAIRBRAIN نے "سائنس اور عیسائیت" کے موضوع پر لیکچر دیا۔ بعد ازاں علمی مذاکرہ ہوا۔ جس میں حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب، سید محمود احمد صاحب ناصر، ملک عطاء الرحمٰن صاحب سابق مبلغ فرانس اور سید داؤد احمد صاحب نے نمایاں حصہ لیا۔

۶۔ پروفیسر انڈرسن (ANDERSON) (لندن یونیورسٹی میں شعبہ قوانین شرق کے صدر) نے ایک کتاب "ISLAMIC LAW IN EAST AFRICA" لکھی جس میں قتل مرتد کے عقیدہ اسلام کی طرف منسوب کیا۔ ۸ر اپریل کو امام بیت الفضل لنڈن نے اس غلطی کے بارہ میں مفصل تبادلہ خیالات کیا جس پر پروفیسر صاحب نے کہا کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ احمدیت اسلام کی نہایت معقول شکل ہے۔

۷۔ ۲ر جون کو مسٹر کنگ (یونیسکو کی تعلیمی کمیٹی کے صدر) مدعو تھے۔ آپ نے مشرقی اور مغربی اقدار کی نوعیت پر لیکچر دیا۔ اس موقعہ پر محترم مولود احمد خاں صاحب نے بین الاقوامی امن سے متعلق اسلامی نظریہ پیش کیا۔

۸۔ ۲۴ر جون کو برطانیہ کے ایک وزیر مسٹر اینک پاول کے اعزاز میں ڈنر دیا گیا۔ آپ برطانوی پارلیمنٹ کے ممتاز رکن رہے تھے۔ جنگ عظیم کے دوران فوج میں بریگیڈیر تھے اردو خوب جانتے تھے۔ مولانا حالی سے متاثر بھی تھے اور ان کے مداح بھی اس تقریب کا آغاز مولود احمد خان صاحب کے خطاب سے ہوا جس میں آپ نے واضح کیا کہ دنیا میں اسلام پُرامن جدوجہد اور تبلیغی مساعی کے ذریعہ پھیلا ہے

---

[1] الفضل ۱۵ر مارچ، ۲ر نومبر ۱۹۵۶ء

اور اپنے ارفع و اعلیٰ روحانی نظام کے بل پر ہی دنیا میں قائم و دائم چلا آ رہا ہے اور روحانی طاقتوں کی بدولت آئندہ بھی دنیا میں ایک مرتبہ پھر عروج پکڑے گا۔

اس کے بعد مسٹر اینک پادل نے ایک تقریر کی جس میں انہوں نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو نہایت شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ مستقبل قریب میں **اسلام کے دوبارہ ابھرنے اور عروج پکڑنے کے آثار ابھی سے نمایاں ہیں**[1]

ھالینڈ مشن

۱۔ ۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۶ء کو شام کے ۸ بجے ہیگ کی مشہور بلڈنگ "ڈیرن ٹاؤن" میں لائڈن کے ایک قابل مستشرق پروفیسر ڈاکٹر ڈریوس کی صدارت میں جلسہ سیرت النبیؐ کی اہم اور مبارک تقریب منعقد ہوئی جس سے حافظ قدرت اللہ صاحب مبلغ مقیم ہالینڈ، مولوی ابوبکر ایوب صاحب، ڈاکٹر ہڈنگ (لائڈن کے ایک مستشرق) اور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے خطاب فرمایا۔ حضرت چوہدری صاحب کا فاضلانہ لیکچر سامعین نے بڑی دلچسپی اور توجہ سے سُنا[2]

۲۔ جماعت احمدیہ ہالینڈ کے ایک وفد نے، جو حافظ قدرت اللہ صاحب اور مولوی ابوبکر ایوب صاحب پر مشتمل تھا، ۲۳ر اکتوبر کو انگریزی ترجمہ قرآن کا ایک تحفہ پریذیڈنٹ آف لائبیریا مسٹر ولیم ٹب مین WILLIAMS. TUBMAN کو پیش کیا۔ پریذیڈنٹ موصوف نے تحفہ کو قبول کرتے ہوئے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور جماعت احمدیہ کا ذکر بڑی قدردانی کے جذبات سے کیا۔ یہ خبر مقامی پریس میں بھی شائع ہوئی[3]

۳۔ ماہ نومبر ۱۹۵۶ء میں ہالینڈ کے ایک منظم کیتھولک گروپ کی طرف سے احمدیہ مشن ہالینڈ کو یہ دعوت موصول ہوئی کہ مؤرخہ ۱۰ر دسمبر کو وہ اُن کے ہاں آکر اس موضوع پر تبادلہ خیال کریں۔

"ہم مسیح کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟"

اس موقع کے لیے انہوں نے تجویز کیا کہ ۵ نمائندگان کیتھولک گروپ کی طرف سے اور پانچ ہی احمدیہ

---

[1] الفضل ۲۷ر نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۴۔ الفضل ۲۸ر جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۱
[2] الفضل ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ [3] الفضل ۴ر نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱

مسلم مشن کی طرف سے اس بحث میں حصہ لیں گے۔ اور بحث کا طریق یہ ہوگا کہ پہلے احمدی اسلامی نقطہ نگاہ سے مقررہ موضوع پر ۱/۲ ۱۲ منٹ تقریر کریں گے۔ اور پھر کیتھولک گروپ کا نمائندہ اس بارے میں اپنے خیالات حاضرین کے سامنے پیش کرے گا۔ اس کے بعد یہ دونوں گروپ ایک دوسرے سے وضاحت طلب امور کے مطابق اگر کچھ پوچھنا ہو تو استفسار کریں گے۔ اور پھر وقفہ کے بعد پبلک کو سوالات کا موقع دیا جائیگا۔

احمدیہ مشن کے لیے ایسی دعوت طبعی طور پر بڑی مسرت کا موجب تھی۔ چنانچہ اسے قبول کر لیا گیا۔ اور اس کے لیے تیاری شروع کر دی گئی۔ ھالینڈ کے مذہبی ماحول میں ایسے مباحثات اور تبادلہ خیالات کے مواقع ہمیشہ ہی بڑی دلچسپی کا موجب ہوتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ ایک فریق اسلام کا حامی ہوا اور دوسرا عیسائیت کا اور کوئی مشہور مقرر ایسے مباحثات میں حصہ لے رہا ہو تو پبلک کی دلچسپی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جیسا کہ اس مباحثہ میں ہوا۔ کیونکہ کیتھولک گروپ کے ایک مشہور اور قابل پادری باستما اس میں حصہ لے رہے تھے۔ جن کی قابلیت پورے ملک میں مسلّم تھی۔ جماعتِ احمدیہ کی طرف سے جو ۵ افراد تجویز ہوئے ان کے نام یہ ہیں۔ مولانا ابوبکر ایوب صاحب سماٹری۔ حافظ قدرت اللہ صاحب۔ مس ناصرہ زمان۔ مسٹر عبداللہ خان اوذنک۔ مسٹر عبداللطیف دی میدان۔ ابتدائی تقریر کے لیے مصلحتہً مکرم عبداللطیف دی میدان کا نام تجویز کیا گیا۔ جنہوں نے اس کام اور اس کی ذمہ داری کو خوشی سے قبول کیا۔ اور نہایت احسن رنگ میں اسے سرانجام دیا۔ مباحثہ کے لیے ۸ بجے شام کا وقت مقرر تھا۔ مگر لوگ اس خیال سے کہ ہال کی جگہ کہیں پُر نہ ہو جائے ساڑھے سات بجے ہی آنا شروع ہو گئے۔ اور وقت سے پہلے ہی ہال کھچا کھچ بھر گیا۔ اور بعد میں آنے والوں کو کھڑا رہنے کے سوا چارہ نہ رہا۔

آخر وہ وقت جسکا پبلک بڑی بے تابی سے انتظار کر رہی تھی آن پہنچا۔ اور احمدی نمائندہ نے اپنی تقریر شروع کی۔ انہوں نے یہ امر واضح کیا کہ مسیح کا وجود ہمارے لیے کوئی غیر موجود نہیں۔ بلکہ مسیح پر ایمان لانا اور اس کا ویسے ہی احترام کرنا جیسے ہم دوسرے انبیاء کا احترام کرتے ہیں ہمارے عقاید اور ایمانیات کا جزو ہے۔ اور ہم اسے قرآنی تعلیم کی رو سے اعلیٰ روحانی صفات سے متصف قرار دیتے ہیں اس کے بن باپ ولادت کے قائل ہیں۔ اور آپ کی والدہ کو نہایت پاکباز اور اعلیٰ روحانی صفات سے متصف یقین کرتے ہیں۔ مگر ان کی الوہیت کے بارے میں ہم آپ کی ہمنوائی کرنے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ یہ چیز نہ عقل سے ثابت ہے نہ نقل سے اس طرح ہم مسیح کی صلیبی موت کے بھی قائل نہیں۔ جو بائبل کی رو سے اس کے لعنتی اور اس

کے جھوٹا ہونے کی دلیل بن جاتی ہے۔ بہر حال انہوں نے اپنے نظریہ کو اس درجہ معقولیت نرمی اور محبت کے جذبہ کے ساتھ پیش کیا کہ حاضرین متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس تقریر کے بعد پادری پاتسمانے اُٹھ کر پہلے بڑی لمبی چوڑی تمہید باندھی۔ اور پھر خالص فلسفیانہ انداز میں اِدھر اُدھر کے چکّر دے کر کسی قدر مبہم سے پیرائے میں الوہیتِ مسیح اور تثلیت کے جواز میں بائبل کی چند ایک عبارات پیش کی۔ اور اس طرح اپنا وقت ختم کر دیا۔

پادری موصوف کی تقریر سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ الوہیتِ مسیح کے دعویٰ کو واضح طور پر پیش کرنے اور اس کا صاف صاف اقرار کرنے میں تامّل کر رہے ہیں۔ کیونکہ اس دعویٰ کو پیش کر کے اس کے دلائل کے میدان میں پیش آمدہ مشکل سے عہدہ برآ ہونا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ پادری صاحب موصوف کی اس تقریر سے حاضرین کو مایوسی ہوئی۔ مگر اصل بحث کا میدان آگے آیا۔ جبکہ احمدیہ وفد کیطرف سے پادری صاحب موصوف پر جرح شروع ہوئی جس میں مولانا ابوبکر ایوب صاحب اور مسٹر عبداللہ خانصاحب اونک نے خاص طور پر حصّہ لیا۔

پادری صاحب موصوف نے اپنی تقریر میں گو بڑی ہوشیاری سے براہ راست بحث کے موضوع پر بولنے سے گریز کی راہ اختیار کی۔ اور کوئی دعویٰ بھی معین طور پر پیش نہ کیا تھا مگر احمدی مقررین کی طرف سے ان کی ہر بات کا اور ہر اشارے کا ایسا مدلّل جواب دیا گیا۔ کہ ان کا تمام بیان بے حقیقت ہو کر رہ گیا۔

نمائندگان کی باہمی بحث اگرچہ بہت دلچسپ تھی مگر اس نے خاصہ وقت لے لیا۔ حتیٰ کہ پبلک کے لیے سوالات کا موقعہ بہت کم رہ گیا۔ تاہم انہیں محروم رکھنا بھی مناسب نہ سمجھا گیا۔ اس لیے کوئی نصف گھنٹہ کے قریب وقت دیا جا سکا۔ اس مباحثہ کے موقع پر بھاری اکثریت عیسائیوں کی تھی جن میں صرف چند گنتی کے احمدی تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ سارا وقت احمدی ہی مباحثہ پر چھائے رہے۔ عیسائی نمائندے کی بے بسی کا یہ عالم تھا کہ اُس نے صاف کہہ دیا کہ مذہبی عقائد میں عقل کا دخل نہیں۔ اس پر احمدی وفد نے ان پر زبر دست تنقید کی اور یہ کہہ کر انہیں بالکل خاموش کرا دیا کہ اگر آپ لوگ دلائل سے کسی حقیقت کو ثابت کرنے کے قائل نہیں تو تبادلۂ خیالات اور مشنریوں اور پادریوں کو باہر بھجوانے کے کیا معنے۔ آپ لوگ اپنے عقائد کو لے کر اپنے گھروں میں کیوں نہیں بیٹھ جاتے۔ یہ ایسی معقول بات تھی کہ کیتھولک نمائندہ کو مباحثہ کے آخر میں یہ اعتراف کرنا پڑا۔ کہ دراصل الوہیت اور تثلیث

جیسے باریک مسائل واضح کرنا ہمارے بس کا روگ نہیں۔ آپ ہمیں معذور سمجھیں یہ اعتراف عیسائیت کی کھلی شکست اور اسلام کی واضح کامیابی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ یہ کامیاب مباحثہ سوا گیارہ بجے شب بخیر و خوبی ختم ہوا[1]

۴۔ ایک جلسہ میں ایک عیسائی فاضل ڈاکٹر ڈی ینگ نے "صرف چار اناجیل کیوں" کے موضوع پر تقریر کی جس میں اناجیل کو دلائل کی رو سے غیر مستند قرار دیا گیا۔ ان دلائل کو سنکر مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک پادری صاحب نے سوالات کے ذریعہ تقریر کے اثر کو زائل کرنے کی ناکام کوشش کی پھر کہا کہ وہ ایک بڑے پادری کو احمدیہ مشن ہاؤس میں تقریر کرنے کے لیے آمادہ کرے گا۔ جماعت نے اس پیشکش کو خوشی سے قبول کیا مگر کوئی پادری صاحب سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکے[2]

۵۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب جج عالمی عدالت انصاف ان دنوں ہیگ میں ہی قیام فرما تھے ہالینڈ مشن کو دینی سرگرمیوں میں آپ کا خصوصی اور مشفقانہ تعاون حاصل رہا۔ مثلاً ملک کے بلند پایہ مجلہ "انٹرنیشنل سپیکٹر" کی درخواست پر آپ نے "اسلام اور بین الاقوامی تعلقات" کے موضوع پر ایک فاضلانہ مضمون سپرد قلم فرمایا جسے ادارہ نے الگ پمفلٹ کی صورت میں بھی شائع کیا۔

۶ راگست ۱۹۵۶ء کو جرمنی، فرانس، انگلینڈ، امریکہ، ایران، ڈنمارک، ترکی، پولینڈ اور ہالینڈ کے متعدد طلباء مشن ہاؤس میں آئے۔ آپ نے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے جماعت کا تعارف کرایا۔ اتحاد اور امن کے بارہ میں اسلامی نقطہ نگاہ واضح فرمایا اور ان کے سوالات کے تسلی بخش جوابات دیئے گئے[3]

سپین مشن مبلغ سپین مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر کی تبلیغی مساعی سے اس سال دس ہسپانوی افراد نے قبول احمدیت کی توفیق پائی۔

عوام میں اسلام کے متعلق ایسی دلچسپی پیدا ہوگئی کہ روزانہ چار بجے شام کے بعد تیس چالیس افراد ملاقات کے لیے پہنچ جاتے تھے۔ آپ ان سے خطاب فرماتے۔ سپین کے نومسلم احمدی بھائی ان کے سوالات کا

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۵ دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳-۴ [2] روزنامہ الفضل ۸ دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ (رپورٹ حافظ قدرت اللہ صاحب مبلغ ہالینڈ) [3] الفضل ۹ دسمبر ۱۹۵۶ء

جواب دیتے اور یہ سلسلہ گفتگو رات گیارہ بجے تک جاری رہتا۔
مشن کے ذریعہ اس سال ڈومینکن ری پبلک، امریکہ، اگوائی اور فلپائن کے سفر اور غرناطہ کالج کے بعض طلباء اور خواتین تک بھی پیغام حق پہنچا۔[1]

امریکہ مشن اس سال ڈیٹرائٹ میں ایک نیا مشن کھولا گیا، وسیع پیمانے پر لٹریچر کی اشاعت کی گئی اور تریباً تیس افراد حلقہ بگوش احمدیت ہوئے علاوہ ازیں انچارج مشن امریکہ چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر نے فروری ۱۹۵۶ء میں ملک کا ایک کامیاب تبلیغی دورہ کیا جو دو ہزار میل پر مشتمل تھا۔ دوران سفر آپ کو کئی ایک اہم اداروں میں تقاریر کرنے اور ریڈیو اور پریس کے نمائندوں کو انٹرویو دینے کے مواقع میسر آئے۔ اس سفر کی ابتداء ہیو فورڈ ہنسو لونیا سے ہوئی۔ جہاں آپ نے ایک عیسائی فرقہ کے مرکزی کالج میں "اسلام کی روحانی قوت اور قیام امن" کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ اس کے بعد گھنٹہ بھر سوالات کے جوابات دیئے۔ ایک اور کالج میں ۱۲ سو طلباء کے سامنے آپ نے "امن عالم میں اسلامی تعلیم کی اہمیت" کے موضوع پر دو بار خطاب کیا۔ ایک تقریر ALBION RADIO سے نشر کی گئی جس کی وجہ سے کالج کے علاوہ مقامی ہائی سکول بلکہ جونیئر سکول کی طرف سے بھی طلبہ میں الگ لیکچرز دینے کی تاکیدی دعوت موصول ہوئی۔ اگرچہ آپ کو کالج میں روزانہ چھ چھ سات سات تقاریر کرنا پڑیں آپ نے ان کی خواہش کی بھی تعمیل کی۔ اور ان طلبہ کے سوالوں کے ایسے مؤثر رنگ میں جواب دیئے کہ کئی طلبہ نے اس اسلامی نقطہ نگاہ کے ساتھ پُرزور اتفاق کیا۔ تین دنوں میں آپ کی پندرہ تقاریر ہوئیں جن میں سے بعض کے عناوین یہ تھے:-

(۱) اسلام میں اسرائیلی انبیاء کا مقام (۲) قرآن کا بحیثیت روحانی صحیفہ بائبل سے مقابلہ۔
(۳) قرآن کا اسلوبِ بیان (۴) اسلامی فتوحات کی تاریخ اور ان کا پس منظر۔
(۵) اشاعت دین اور تعلیم اسلام (۶) اسلام میں شادی اور طلاق کے مسائل۔
(۷) مسلمانوں کی اہلی زندگی پر تعلیم اسلام کا اثر (۸) امریکہ میں اسلام۔ (۹) جماعت احمدیہ کے مخصوص عقائد اور کارنامے (۱۰) واقعہ صلیب۔ قرآن اور بائبل۔ الغرض یہ تبلیغی دورہ ہر اعتبار سے

---

[1] الفضل ۸ر جولائی ۱۶ر اپریل ۱۹۵۶ء

کامیاب رہا۔

اس طویل سفر کے علاوہ آپ واشنگٹن سے تیس چالیس میل دور ہر ماہ تبلیغی دورہ پر تشریف لے جاتے رہے۔ اور پندرہ افراد نے احمدیت قبول کی آپ نے کلیولینڈ کی ایک تقریب شادی میں دو سو افراد کو پیغام حق پہنچایا۔ اخبارات نے اس تقریب کی خبر شائع کی۔

چوہدری صاحب نے نیویارک اور پٹس برگ کا بھی دورہ کیا۔ پٹس برگ میں بجٹ کمیٹی کی میٹنگ ہوئی جس میں آپ کے علاوہ مولوی نورالحق صاحب انور اور مقامی ممبران بھی شامل ہوئے۔ آپ تین دفعہ نیویارک تشریف لے گئے۔

آپ نے ہارورڈ یونیورسٹی[1] (HARWARD UNIVERSITY) کے پروفیسروں سے ملاقات کی اور دینی لٹریچر پیش کیا۔ آپ کے ساتھ سید جواد علی صاحب سیکرٹری امریکہ مشن بھی تھے۔ افریقہ ہاؤس کے تحت ایک دلچسپ مناظرہ ہوا۔ جس میں آپ اور بشیر الدین اسامہ صاحب شامل ہوئے۔

امسال واشنگٹن کے مرکز سے ۴۰ ہزار کی تعداد میں چار نئے پمفلٹ شائع کیے گئے جس پر بیسیوں خطوط مشن کو مزید معلومات دینے کے لیے موصول ہوئے۔ ایک پمفلٹ "HOW JESUS SURVIVED CRUCIFIXION" پانچ ہزار کی تعداد میں شائع ہوا۔ مشن کی طرف سے سید جواد علی صاحب نے جاپان، انڈونیشیا، فلپائن، سنگاپور، مشرق وسطیٰ، ممالک عربیہ اور افریقہ کو لٹریچر ارسال کیا۔ آپ نے ڈیٹرائٹ، کلیولینڈ، ٹیکس ٹاؤن، پٹس برگ اور ڈیٹن کا دورہ بھی کیا۔

---

[1] امریکہ کی مشہور یونیورسٹی۔ اسے اعلیٰ تعلیم کے لیے کیمبرج، میساچوسٹس میں ۱۶۳۶ء میں کالج کی حیثیت سے قائم کیا گیا۔ بعد ازاں اس کے لیے جان ھارورڈ (JOHN HARWARD) نے عطیہ کے طور پر کتابیں اور کچھ رقم بھی دی۔ ۱۷۸۲ء میں اس میں ایک طبی مدرسہ بھی شامل تھا۔ بیسویں صدی عیسوی میں اس کا شمار امریکہ کی مشہور یونیورسٹی میں ہونے لگا۔
(اردو جامع انسائیکلو پیڈیا زیر لفظ ہارورڈ یونیورسٹی مدیر اعلیٰ مولانا حامد علی خاں ناشر شیخ نیاز احمد لاہور مطبوعہ ۱۹۸۸ء)

مولوی نورالحق صاحب انور نے فلاڈلفیا اور باسٹن کے تبلیغی سفر کئے عبدالشکور صاحب کنزے ملواکی سینٹ لائمیس اور انڈیا ناپلس تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے چار سو کے قریب غیر مسلم معززین کو آخرت کے متعلق اسلامی تعلیم سے آگاہ کیا نیز انگلش اسپیکنگ یونین کے صدر اور فرنچ قونصلیٹ کے افسراعلیٰ سے انفرادی ملاقاتیں کر کے پیغام حق پہنچایا۔

اس سال جماعت احمدیہ امریکہ کی نویں سالانہ کانفرنس یکم ستمبر ۱۹۵۶ء کو منعقد ہوئی جس میں دو سو مندوبین نے شرکت کی اور خلافت سے وابستگی اور اس کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینے کا عہد کیا۔

کانفرنس میں جماعت کی توسیع و ترقی مالی و تعلیمی معاملات کے متعلق پروگرام کی تدوین کے لیے متعدد سب کمیٹیوں کی تشکیل کی گئی۔ لجنہ، خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ کے اجلاس بھی ہوئے۔ عام اجلاس میں نہایت ایمان افروز تقاریر ہوئیں۔ مقامی اخبارات نے کانفرنس کی کارروائی شائع کی [1]

مشرقی افریقہ مشن

مولانا شیخ مبارک احمد صاحب رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ کی زیرنگرانی مبلغینِ احمدیت فریضہ تبلیغ کی بجا آوری میں دن رات مصروف رہے۔

کینیا (۱) مولوی محمد منور صاحب نے نیروبی ریڈیو اسٹیشن سے رمضان، عیدالفطر، اخلاق حسنہ اور عیدالاضحیہ کے موضوع پر تقریریں کیں جو مسلم اور غیر مسلم دونوں حلقوں میں پسند کی گئیں مشن کے شائع کردہ سواحیلی ترجمہ قرآن کی مقبولیت میں بھی اضافہ ہوا۔ چنانچہ کینیا کے ایک تاجر نے لکھا:-

"جب سے میں نے ترجمۃ القرآن سواحیلی خریدا ہے اسے دن رات پڑھتا رہتا ہوں اور مجھے ہرگز تھکان محسوس نہیں ہوتی۔ اس قرآن مجید کے ذریعہ میں اسلام اور قرآن کی خوبیوں کو اچھی طرح سمجھنے لگا ہوں۔ جو شخص اس کا مطالعہ نہیں کرتا وہ اسلام کی بہت سی خوبیوں سے ناواقف رہتا ہے"۔

ناسالینڈ کے ایک شیخ نے یہ تبصرہ کیا کہ:-

"اس صدی میں مسلمانوں کی ایک بیدار کرنے والی جماعت میدان میں آئی ہے جس نے قرآن مجید کی تعلیم اور اسلام کی خوبیاں پھیلانے کا بیڑا اٹھایا ہے انہوں نے جو قرآن مجید شائع کیا ہے اسے

---

[1] الفضل ۲۹ مارچ - ۴ ستمبر، ۶ ستمبر، ۲۱ اکتوبر ۱۹۵۶ء و الفضل ۳ مئی ۱۹۵۷ء۔

پڑھنے سے انسان کی جہالتیں دور ہو جاتی ہیں .... عیسائی ان کے حملوں سے خوفزدہ ہیں اور ان کے دھوکے اور فریب بھوسے کی طرح اُڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

مسلمانان مشرقی افریقہ تعلیم کے میدان میں بہت پیچھے تھے جس کا اصل موجب شیوخ تھے جو مسلمان بچوں کو سکول میں پڑھنے سے روکتے تھے کیونکہ ان کے قریب ایسا کرنا ایمان کو خطرہ میں ڈالنے کے مترادف تھا اس کے برعکس احمدیہ مشن بڑی جواں مردی اور استقلال سے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھا چنانچہ اس سال جماعت احمدیہ کی کانفرنس میں خاص طور پر ایک قرارداد پاس کی گئی جس میں ٹانگانیکا کی حکومت کو پُر زور الفاظ میں توجہ دلائی گئی کہ وہ مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام کرے یہ خبر انگریزی اور سواحیلی اخبارات میں چھپی اس کے بعد حکومت کا جواب بھی چھپا کہ وہ مسلمانوں کی امداد کے لیے تیار ہے اس سے مسلمانوں میں قدرے بیداری پیدا ہوئی۔ کینیا اور یوگنڈا کی حکومتوں پر بھی اس کا اچھا اثر ہوا اور انہوں نے مسلمانوں کی تعلیمی حالت بہتر بنانے کی سکیمیں بنائیں۔ جون ۱۹۵۶ء میں مولانا شیخ مبارک احمد صاحب اور مولوی محمد منور صاحب کسوموں کے علاقہ میں تشریف لے گئے اور احمدی احباب کے مشورہ سے احمدی بچوں کے لیے ایک سکول جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔

مولوی محمد منور صاحب نے اخبار احمدیہ کے ۱۴ صفحات سائیکلو سٹائل کر کے جماعتوں میں بھجوائے آپ نے خدام الاحمدیہ نیروبی کے زیر انتظام تبلیغی کلاس جاری کر کے نوجوانوں کو مسائل سے آگاہ کیا۔ نیز ترجمۃ القرآن اور دوسرے لٹریچر کے ۵۰۰ پیکٹ بھجوائے۔

ایسے سینیا میں ایک احمدی سے ظالمانہ سلوک کیا گیا۔ اس کے بارہ میں آپ نے انگریزی پریس کو خطوط لکھے۔ ٹانگانیکا پریس نے اس خبر کو نمایاں شائع کیا جس سے جماعت کا چرچا ہوا [1]

۲۔ مولوی عنایت اللہ صاحب خلیل نے دوران سال ۲۰۷۱ میل تبلیغی سفر کیا۔ ۲۰ دورے کیے۔ تین ہزار افراد کو زبانی تبلیغ کی۔ چار ہزار سے زائد اشتہارات تقسیم کیے اور ۱۵۷ افراد بیعت کر کے داخلِ احمدیت ہوئے۔

اس سال آپ کے حلقہ میں مخلص احمدیوں نے مالی جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور

---

[1] الفضل ۲۹، ۳۱ مارچ ۱۹۵۷ء و الفضل ۲۳ جون ۱۹۵۷ء

پچھلے سال سے دگنا چندہ ادا کیا [1]

۳۔ مولوی نورالدین صاحب منیر نے بھی افریقن مسلمانوں کی علمی ترقی و بہبود کے لیے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ چنانچہ انہوں نے حکومت کو توجہ دلائی کہ وہ افریقن مسلمانوں کی تعلیم کے لیے مناسب کارروائی کرے اسی طرح آپ نے افریقن مسلمانوں کو منظم ہونے اور بچوں کو تعلیم دلانے کی طرف توجہ دلائی نیز پراونشل ایجوکیشن افسر ممباسہ کو افریقن مسلمانوں کے تعلیمی حالات پر مشتمل عرضداشت پیش کی گئی جسکے جواب میں انہوں نے یقین دلایا کہ حکومت عنقریب ڈسٹرکٹ ایجوکیشن سکول جاری کرے گی۔ اس سلسلہ میں ممباسہ ٹائمز اور بعض دوسرے اخبارات میں آپ کے بیانات بھی شائع ہوئے۔ دورانِ سال آپ نے مولانا مبارک احمد صاحب اور مولوی محمد منور صاحب کے ساتھ بعض علاقوں کا تبلیغی دورہ بھی کیا۔ "افریقن مسلم سوسائٹی" تک حق کی آواز پہنچائی [2]

ٹانگانیکا

۱۔ مقامی معلمین میں سے احمد سالنہ صاحب اور رشیدی صالح صاحب سرگرم عمل رہے۔

۲۔ احمدی چیف محمد کلوفیا صاحب کو ان کے رشتہ داروں نے رات کو رسیوں سے باندھا۔ ان کا سامان نقدی اور بندوق پولیس کے حوالہ کیا۔ انہیں پاگل ثابت کرکے چیف کے عہدے سے الگ کرنا چاہا لیکن خدا کی نصرت سے بد اندیش اپنے ارادوں میں ناکام رہے [3]

۳۔ جماعت احمدیہ ٹبورا کا جلسہ سالانہ ۲۶ دسمبر ۱۹۵۶ء کو منعقد ہوا باوجود شدید بارش کے بعض دوست گیارہ میل پیدل سفر کرکے جلسہ میں شامل ہوئے۔ اس اجتماع کی رپورٹ انگریزی روزنامہ "ٹانگانیکا سٹینڈرڈ" میں شائع ہوئی۔ جلسہ کے بعد کئی روز تک شہر تبلیغ احمدیت کا خصوصی مرکز بنا رہا کیونکہ بیرونی احمدی چند دن کے لیے ٹھہر گئے تھے اور انہوں نے پُر جوش رنگ میں حق و صداقت کا پیغام پہنچایا [4]

---

[1] الفضل ۱۶ مئی ۱۹۵۷ء صفحہ ۳ [2] الفضل ۲۱ جون ۱۹۵۷ء صفحہ ۳، ۴

[3] الفضل ۲۷ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۴ (رپورٹ چوہدری عنایت اللہ صاحب)

[4] الفضل ۱۷ نومبر ۱۹۵۷ء

یوگنڈا

۱۔ کمپالہ کے ذیلی مرکز نے یکم اپریل ۱۹۵۶ء سے فروری ۱۹۵۷ء تک جو تبلیغی خدمات سرانجام دیں اُن کی تفصیل مولوی محمد ابراہیم صاحب مبلغ کمپالہ کے الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے۔

"اس سال تبلیغ کا کام خدا تعالیٰ کے فضل سے پہلے سے بہت زیادہ وسیع ہو گیا۔ اور اہلِ یوگنڈا جہاں ہماری تبلیغ سے متأثر ہوئے وہاں مخالفین بھی پہلے سے زیادہ مخالفت پر اُتر آئے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے یوگنڈا کے احمدیوں کو استقامت اور جرأت سے مقابلہ کرنے کی توفیق دی۔

اس سال لوگنڈی زبان میں احمدیہ مشن کی طرف سے قرآن کریم کے ایک پارہ کا ترجمہ شائع کیا گیا۔ عام مسلمانوں نے اسے پسند کیا اور جماعت اور مشن کے کام کی تعریف کی۔ البتہ شیوخ نے اپنے فتوؤں سے مخالفت کی چنگاری اور زیادہ لگانے کی کوشش کی۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ہمیں اس غلط پروپیگنڈے کو دور کرنے اور تردید کرنے کی خوب توفیق دی اور ہماری تبلیغ پہلے سے بہت وسیع ہوئی۔

دورانِ سال متعدد اشتہارات شائع ہوئے جن میں شیخ شعیب کے متعدد اشتہارات کا جواب دیا گیا۔ وہ اشتہارات چار چار صفحے کے الگ چھپوائے گئے جن کی تعداد پانچ ہزار کے قریب تھی جس سے شیخ شعیب عاجز آ گیا اور مباہلہ کا چیلنج دیا۔ بغیر شرائط طے کرنے کے اس نے ۵۶ ، ۱۲ ، ۱۸ تاریخ مقرر کر دی اور اس کا خوب چرچا کیا۔ مقامی جماعت کے نمائندوں نے اسے مناظرہ کے لیے بلایا اور شرائط طے کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ اس نے شرائط طے نہ کیں۔ اور ایک اجتماع کا جماعت کے خلاف اعلان کر دیا۔ ہم نے بھی بذریعہ ریڈیو اعلان کروا دیا کہ شیخ چونکہ شرائط طے نہیں کرتا۔ اس لیے کوئی احمدی ان کے اجتماع میں شریک نہ ہو۔ اچانک شیخ علی کلوسیما کا لڑکا جو کہ جوان تھا ہلاک ہو گیا۔ جس سے انہیں مباہلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور ان پر ایک رعب طاری ہو گیا۔ اور انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ مرزائیوں نے جادو کر دیا ہے۔

۲۔ انہیں دنوں ایک احمدی کو، جو بہت مخلص ہیں، پیٹا گیا اس نے جیسا کہ اسے ہدایت تھی آرام سے اس تکلیف کو برداشت کیا جس کا تمام مسلمانوں پر اچھا اثر پڑا۔

۳۔ ایک احمدی دوست کی بیوی کو اس کا باپ اس وجہ سے اس کے گھر سے لے گیا کہ شیوخ نے

فتویٰ دے دیا کہ جو افریقن احمدی ہو گیا اس کی عورت کا نکاح باطل ہو گیا ہے اسے صبر کی تلقین کی گئی ایک ماہ بعد وہ خود ہی اس کے گھر پر چھوڑ گئے۔ اور معافی مانگی کہ یہ ہماری غلطی تھی آپ اپنے بچے کو سنبھالئے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل سے تیرہ ۱۳ کے قریب ہمارے معلمین ہیں جو رات دن تبلیغ میں مشغول رہتے ہیں اور تمام کے تمام آنریری کام کرتے ہیں یہ قربانی کی ایک عظیم مثال ہے یہ خود چندہ بھی دیتے ہیں اور تکالیف بھی برداشت کرتے ہیں فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

اس سال یوگنڈا کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور با اثر لوگوں کے درمیان انگریزی، سواحیلی اور لوگنڈی پارہ بطور تحفہ دیا اور فروخت کیا گیا۔ جنہیں تحفہ دیا گیا ان کی تعداد ۵۰ سے تجاوز کرتی ہے اس میں گورنر آف یوگنڈا اسرانڈر یوکوہن (COHEN)۔ لیڈی کوہن، افریقن بادشاہ آف کونگو۔ افریقن بادشاہ آف یوگنڈا پرنس بدرو، پرنس معانڈا، مسٹر قاسم۔ مالے ہیلتھ منسٹر، مسٹر KAVANA فائنینس منسٹر آف کباکا۔ گورنمنٹ پرائم منسٹر آف BUNJORO .... اور یوگنڈا کے شیوخ کو بھی لوگنڈی پارہ بطور تحفہ دیا گیا جس کا بہت اچھا اثر ہوا۔ افریقن بادشاہ آف کونگو کا اخبارات اور ریڈیو نے بہت عمدہ پیرایہ میں ذکر کیا اور فوٹو بھی شائع کیے گورنر آف یوگنڈا اور لیڈی کوہن کا بھی اخبارات میں ذکر ہوا سب نے نہایت خوشی اور شکریہ کے ساتھ اِن تحائف کو قبول کیا۔ لوگنڈی پارہ اور انگریزی قرآن کی فروخت میں جماعت کمپالہ کے قریباً تمام احباب نے محنت اور شوق سے حصہ لیا۔ فجزاھم اللہ۔

یوگنڈا کے انگریزی اخبار ارگس اور لوگنڈی کے متعدد اخبارات میں ذکر آتا رہا اور احمدیت کے متعلق کئی آرٹیکل شائع ہوئے لوگنڈا ریڈیو پر بھی احمدیت کا ذکر کئی مرتبہ آیا۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے گزشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی جماعت احمدیہ یوگنڈا کا سالانہ جلسہ ہوا جو SETA میں منعقد کیا گیا۔ اس میں معاکہ، جنجہ، کمپالہ۔ SETA ٹکساجہ BUJO مکوتو اور دیگر جگہوں سے احمدیوں کے علاوہ غیر احمدی اور عیسائی بھی شامل ہوئے۔ مکریرے کالج کے ایک طالب علم نے جو کہ غیر مسلم ہیں، اسلامی فضائل پر لیکچر دیا۔ حاجی ابراہیم صاحب ڈاکٹر احمد صاحب غلام احمد صاحب حفیظ نے تقاریر کیں سوالات کا موقعہ دیا گیا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ جلسہ بہت کامیاب ہوا جلسہ میں کھانے کا انتظام جماعت SETO اور کمپالہ نے کیا۔ جو بہت عمدہ تھا۔

کبریرے کالج مسلم ولیفیئر سکول سردیٔ   مسلم سکول، پکویو مسلم اسکول

BNGHHE - NABAGEREHA مسلم اسکول سینٹ سکول اور دیگر متعدد سکولوں میں لیکچررز نے اساتذہ اور طلباء کو تبلیغ کی اور لٹریچر تقسیم کیا۔

سنٹرل جیل اور کہا کا کی جیل میں متعدد مرتبہ گیا لیکچرز دیئے۔ تبلیغ کی اور لٹریچر دیا۔ محترم بھائی فضل الٰہی صاحب بھی خاکسار کے ساتھ جیلوں میں جاتے رہے۔

COMBI میں اسلام کے فضائل پر لیکچر دیا جس میں تمام اقوام کے لوگ شامل تھے۔ سنڈی میں جلسہ میلاد النبیؐ کے موقعہ پر ایک ہی دن میں دو دفعہ لیکچر دیا۔ وہاں کی جماعت کے امام نے ہر طرح سے تعاون کیا اور خود بھی افریقن میں لٹریچر تقسیم کیا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے یوگنڈا میں باوجود ذرائع کی کمی کے ہماری تبلیغ بہت وسیع ہو گئی ہے سکولوں کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ افریقن کا اعلیٰ اور تعلیم یافتہ طبقہ احمدیت کی طرف مائل ہے۔ جماعت کی ہر طرح سے امداد کرتا ہے۔ معلّم ذکریا صاحب معلم موسیٰ صاحب متعدد مرتبہ میرے ساتھ افریقن ریزرو میں دورہ پر جاتے رہے ڈاکٹر احمد صاحب، بھائی فضل الٰہی صاحب، ڈاکٹر احمد دین صاحب بھی افریقن ریزرو میں تبلیغ کرنے کے لیے گئے جس سے بہت اچھا اثر ہوا۔ علاقہ MUTANHURA اور مساکہ اور YOGUR کا متعدد مرتبہ خاکسار نے دورہ کیا۔

خلاصہ۔ ۲۰ شہروں اور دیہات کا دورہ کیا ۷۰۰۰ میل کے قریب سفر کیا۔ ۱۶ پبلک لیکچر دیئے جن کی مجموعی حاضری ۳۰۰۰ کے قریب تھی ۴۰۰ کے قریب معززین سے ملاقات کر کے تبلیغ کی۔ ۵۰۰ افراد کو انفرادی تبلیغ کی۔ یکصد کے قریب خطوط لکھے۔ ۱۲ مضامین لکھے۔ جو لوگنڈی اخبارات میں شائع ہوئے۔ ۳۰۰۰ پمفلٹ انگریزی۔ سواحیلی اور لوگنڈی میں تقسیم کئے ۱۴ افراد بیعت کر کے داخلِ سلسلہ ہوئے۔ جن میں سے بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور با اثر و رسوخ لوگ ہیں۔ جماعتی کاموں میں نہایت جانفشانی سے حصہ لیتے ہیں۔ یوگنڈا کے دوست ڈاکٹر احمد صاحب بھائی فضل الٰہی صاحب، معلم موسیٰ ذکریا، شعبان کرونڈے، شیخ زید جنجہ مٹو کر کیبا کا ممنون ہوں۔ جو تبلیغی اور تربیتی کاموں میں کوشاں رہے۔"[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۹ رمئی ۱۹۵۷ء صفحہ ۳ ر۸

۲- یوگنڈا کے ذیلی مرکز جنجہ کے انچارج مکرم حافظ بشیر الدین عبید اللہ صاحب تھے۔ آپ نے ساڑھے چار ہزار میل سے زیادہ تبلیغی سفر کیے۔ ایک ہزار سے زائد افراد سے براہِ راست رابطہ قائم کر کے پیغامِ حق پہنچایا۔ ۱۴۰۰ سے زیادہ افراد کو انگریزی، اردو، گجراتی، سواحیلی، اور یوگنڈی زبان میں لٹریچر دیا۔ نکی سانحہ (جنجہ) کے مقام پر بیت الذکر تعمیر ہوئی [1]

نائیجیریا مشن

۱- مسلمانوں کی ایک مذہبی تنظیم "اسلامک کانگرس" ۱۹۵۳ء میں حج کے موقع پر پاکستان، سعودی عرب اور مصر کے حکومتی نمائندگان کے ذریعہ وجود میں آئی۔ اس تنظیم کا ایک وفد اس سال نائیجیریا کے دورہ پر آیا جس سے مولانا نسیم سیفی صاحب رئیس التبلیغ مغربی افریقہ نے بھی خطاب کیا جماعت احمدیہ نائیجیریا کی طرف سے وفد کو قرآن مجید انگریزی کا نسخہ بطور ہدیہ پیش کیا گیا۔

۲- نائیجیریا کے کمشنر مسٹر ماتھیو MATTHEW مقیم لنڈن نے ایک تقریر میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ لہجہ اختیار کیا تھا۔ اس پر مکرم مولانا نسیم سیفی صاحب نے گورنر جنرل کے نام ایک خط میں احتجاج کرتے ہوئے لکھا "مسٹر ماتھیو کو اجازت ہے کہ جو مذہب وہ چاہیں اختیار کریں لیکن یہ یقینی امر ہے کہ انہیں کبھی یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ دنیا کے سب سے بڑے مذہبی لیڈر کی شان میں اس قدر ہتک آمیز الفاظ استعمال کریں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ اس صورتِ حالات کی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جلد از جلد اس بارہ میں کوئی کارروائی کریں گے"۔

اس خط کو نائیجیریا کے اخبارات نے جلی سرخیوں سے شائع کیا۔ اور اس پر زوردار تبصرے لکھے۔ چنانچہ اخبار ایوننگ ٹائمز (EVENING TIMES) نے اپنی ۲۸ مارچ ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں لکھا:۔

Mbu's Talk on Mohammed's 'fanaticism' is not welcome

Mr. Matthew Mbu, Commissioner for Nigeria in the United Kingdom, has been accused of violating his office.

---

[1] الفضل ۱۷ مئی ۱۹۵۷ء ص ۳

This accusation was made in a letter addressed to the Governor- General of the Federation, Sir James Robertson, by the Chief Ahmadiyya missionary for West Africa, Maulvi Naseem Saifi.

Maulvi Saifi claimed in his letter that in a statement alleged to have been made in London by Mr. Mbu, he spoke of 'fanaticism' of Mohammed.

This reference to fanaticism, he said, has injured to the feelings of a vast majority of the Moslem population of Nigeria.

He also said in his letter that Moslems have always given due respect to freedom of speech and worship and added that Mr. Mbu should not be allowed to 'go to the length of using derisive and abusive language against the greatest of the religious leaders.'

The letter adds: 'Mr. Mbu is .... To indulge in wishful thinking about his religion' (Mr. Mbu had closed his speech under reference with these words: 'In the next fifty years Africa will become a Christian Continent')

(Evening Times- March 28, 1956)

ترجمہ:۔ مسٹر مابو پر یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ اس نے اپنے فرائض سے بطور کمشنر متعین دولتِ مشترکہ روگردانی کی ہے۔ یہ الزام مولوی نسیم سیفی صاحب رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ نے گورنر جنرل فیڈریشن کے نام اپنے ایک خط میں لگایا ہے۔ مولوی نسیم سیفی صاحب نے اپنے خط میں لنڈن میں مابو کی ایک تقریر کا حوالہ دیا ہے جس میں مابو نے مقدس نبی حضرت محمدؐ کی طرف ہٹ دھرمی کا حامل ہونا منسوب کیا ہے جس سے مسلمانان نائجیریا کے دل سخت مجروح ہوئے ہیں

انہوں نے لکھا کہ مسلمانوں نے ہمیشہ دوسرے مذاہب کی آزادی تقریر و عبادت کا احترام کیا ہے لیکن وہ اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ مابو ہمارے عظیم مقدس راہنماؤں کے

EVENING TIMES MARCH 28, 1956 دصلہ

۲ے روزنامہ الفضل ۱۱ر نومبر ۱۹۵۶ء

کے بارے میں گندہ دہنی اور دشنام طرازی سے کام ہے۔ انہوں نے مزید لکھا کہ مسٹر مابو اپنے مذہب کے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہیں (مسٹر مابو نے کہا تھا کہ آئندہ پچاس برس میں سارا افریقہ عیسائی مملکت بن جائے گا۔

اسی طرح اخبار ڈیلی سروس (DAILY SERVICE) میں ۱۳؍اپریل ۱۹۵۶ء کے پرچہ میں یہ نوٹ شائع ہوا۔

Another Trouble for Mbu

Mr. Matthew Mbu, the Federal Commissioner in the United Kingdom is in trouble again. Already, he or the Federal Government has yet to justifiy his further stay in the united Kingdom as Commissioner, since his enrolment as a law student.

The Chief Secretary to the Federation has promised the House of Representatives that government would investigate the allegation of a commissioner becoming a Law student. Maybe, before the next session of the house, the Government would able to 'confirm' what the commissioner himself had publicly admitted to a Lagos newspaper's representative in London! Then, of course, the world would know what appropriate measures the government would have to take.

Although the latest trouble, however, developed from an entirely different angle. Yet , it all ends to show that Mr. Mbu is not devoting full time to the job for which he is so well paid.

Apart from being a law student, Mr. Mbu is now very much engaged as a religious worker, a propagandist for Christian Catholicism. It would appear that it is in that latter role that Mr. Mbu, unguardedly of course, knocked his small head against Nigerian Muslims. He was alleged to have made a disparging refference to the Holy Prophet of Muslims in the course of a lecture he gave in London on the Catholic faith and the spread of Christianity in Nigeria.

Recall Demanded

The first to take the .... Against Mr. Mbu's indiscretion was Maulvi Saifi, the Nigeria's head of the Ahmadiyya Anjuman community who sent a strong petition to Sir James Robertson, the Governor- General. But the United Muslim Party has been rather blunt in its reactions.

Adapting the same form of protest , the two vocal leaders of the party in a six- paged petition forwarded to the Governor General as will, asked for the recall of Mr. Mbu back to Nigeria.

The appointment of Mr. Mbu as the Federal Commissioner was the act of the NCNC Parliamentary Party in spite of reasoned opposition from many responsible political quarters who believe that gentleman could not make that special grade.

The Muslim United Party which, is in some unholy alliance with the NCNC would not care to see the NCNC Parliamentary leader about Mbu's assault on their Prophet. They protested straight to the Governor- General. Apparently, they have no confidence in the leadership and are prepared to break away if need be.

The private activities of Mr. Mbu in London points to one fact. He knows little about his responsibility as Commissioner and in consequence, has too much time on his hand to pursue his private interest as best he could.

(Daily Service 13 April 1956)

مسٹر ماتھیو مابو (MATTHEW MBU) فیڈرل کمشنر متعین دولتِ مشترکہ دوبارہ مشکل میں پھنس گئے ہیں۔ ابھی ان کا بطور کمشنر دولت مشترکہ میں مقیم رہنے کا جواز تصفیہ طلب ہے کیونکہ قانون کے طالب علم کی حیثیت سے داخلہ لے لیا ہے فیڈرل حکومت کے چیف سیکرٹری نے نمائندگان ہاؤس کو یقین دلایا ہے کہ حکومت یہ تحقیقات کرے گی کہ آیا ایک کمشنر بطور لا سٹوڈنٹ داخلہ لینے کا مجاز ہے یا نہیں۔ ممکن ہے کہ حکومت اپنے آئندہ کے اجلاس میں اس بیان کی تصدیق کر دے جو کہ کمشنر مابو نے لنڈن میں لیگوس کے نمائندہ کو دیا ہے۔ اس وقت تمام دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ حکومت اس بارے میں کیا قدم اٹھا رہی ہے۔ اگرچہ موجودہ گڑبڑ کا شاخسانہ کسی دوسری وجہ سے بنا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ مابو MBU کو جس کام کی تنخواہ دی جا رہی ہے وہ اس کا حق ادا نہیں کر رہے۔ لا سٹوڈنٹ ہونے کے علاوہ مسٹر MBU بطور کیتھولک مبلغ کے عیسائیت کا پرچار بھی کر رہے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ MBU نے اپنی "تنگ نظری سے نائیجیرین مسلمانوں کے خلاف غیر محتاط رویہ اختیار کر رکھا ہے۔

ان پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ لنڈن میں "نائیجیریا میں عیسائیت" کے موضوع پر لیکچر دیتے وقت انہوں نے مسلمانوں کے مقدس نبیؐ کے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کیے۔

سب سے پہلا قدم اس بیان کے خلاف نائیجیریا کے احمدیہ جماعت کے چیف مشنری مولوی سیفی صاحب نے اٹھایا ہے۔ انہوں نے ایک پُر زور احتجاجی مراسلہ گورنر جنرل کو بھیجا ہے لیکن دیگر مسلمانوں کی "یونائیٹڈ مسلم پارٹی" نے اس بارے میں مکمل سکوت اختیار کر رکھا ہے۔ جماعت احمدیہ کی تقلید میں دو لوکل لیڈروں نے بھی اس لائن پر گورنر جنرل سے درخواست کی ہے کہ MBU کو فوری طور پر واپس بلا لیا جائے۔

لنڈن میں مابو MBU کی ذاتی مصروفیات اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ وہ بطور کمشنر اپنے فرائض کی ادائیگی کے بارے میں بہت کم علم رکھتے ہیں اس وجہ سے ان کے پاس بہت سا فارغ وقت ہے جس کو وہ ذاتی اغراض کے لیے صرف کرتے ہیں۔

مابو (MBU) کی تقرری بھی وجہ نزاع بنی تھی سب ہی پارٹیوں کا یہ خیال تھا کہ وہ اس عہدے کے اہل نہیں لیکن NCNC پارلیمنٹری نے اپنی من مانی کی اور اس کی تقرری بطور کمشنر کرا دی "مسلم یونائیٹڈ پارٹی" جس کا ناپسندیدہ تعلق NCNC پارلیمنٹری پارٹی سے ہے اس نے مقدس

نبی کے خلاف مالو کے ریمارکس کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ ان کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے اگرچہ انہوں نے گورنر جنرل سے احتجاج کیا لیکن انہوں نے N C N C کے لیڈر سے کوئی بات نہیں کی (ترجمہ)

۳۔ یونیورسٹی کالج گولڈ کوسٹ کے لیکچرار J. H. PRICE نے "اسلام مغربی افریقہ میں" کے زیر عنوان ایک مضمون لکھا جس میں جماعت احمدیہ کی تبلیغی فتوحات کا خاص طور پر ذکر کیا۔ یہ مضمون "ڈیلی ٹائمز" (نائیجیریا) نے اپنی ۳ار جولائی ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں بھی دیا انہوں نے لکھا:۔

"مالکیوں کے علاوہ مسلمانوں کا ایک اور فرقہ جماعت احمدیہ بھی ہے جو اپنی تبلیغی مساعی کے لحاظ سے مشہور ہے اس کا مرکز پاکستان میں ہے جماعت احمدیہ کا نفوذ امریکہ میں ۱۹۲۰ء میں ہوا۔ یہ جماعت تیزی کے ساتھ ترقی کے راستہ پر گامزن ہے۔ عیسائی اور مشرکین دونوں میں سے لوگ جوق در جوق اس میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس جماعت کی ترقی کی رفتار کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۳۱ء میں اس کے ممبروں کی تعداد ۱۱۰ر۳ تھی۔ جب کہ ۱۹۴۸ء میں یہ تعداد ۲، ۵ر۲۲ تک پہنچ چکی تھی۔ احمدیہ مشن کی نمایاں کامیابی میں اس کی تعلیمی سرگرمیوں کا بھی دخل ہے جس میں ثانوی تعلیم بھی شامل ہے۔ اس تعلیمی مساعی کو مغربی افریقہ کے تمام علاقوں میں محسوس کیا جا رہا ہے البتہ گیمبیا میں ان کا اثر نہیں پہنچا۔ کیونکہ گیمبیا نے احمدی مبلغ کے داخلہ کی درخواست باضابطہ سرکاری طور پر یہ کہہ کر رد کر دی ہے کہ گیمبیا میں پہلے ہی کافی مذاہب موجود ہیں۔

جماعت احمدیہ حیرت انگیز طور پر ترقی کر رہی ہے وہ تبلیغ کا جوش رکھتی ہے اس کے پاس اپنے ممبروں کی سماجی ترقی کے لیے ٹھوس پروگرام ہے۔ یہ جماعت ملکی سیاسیات میں دخل نہیں دیتی۔ بشرطیکہ مذہبی آزادی ہو۔ اور اس صورت میں حکومت وقت کی خواہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتی ہو۔ حمایت کرتی ہے افراد کے سیاسی عقاید کو اس کی ضمیر پر چھوڑتی ہے [1]

۴۔ شیخ نصیر الدین احمد صاحب نے ملک کے متعدد مقامات کے دورے کیے۔ ابادان کے سات روزہ قیام کے دوران پبلک تقاریر کیں، بعض سکولوں کا معائنہ کیا اور اخبارات کے ایڈیٹروں سے ملاقات

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲ر دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ ر ۴

کی۔ اخبارات نے صفحہ اول پر آپ کی شہر میں آمد کی خبر شائع کی[1]۔ الارو میں آپ نے سکول اور مشن ہاؤس کا معائنہ کیا۔ آپ ایک ماہ کے لیے TELU اور EPE کی طرف تشریف لے گئے اور پانچ مراکز میں باری باری قیام کیا اور جماعت کی تربیت کے علاوہ ہر جگہ پبلک تبلیغی جلسے کئے اور لٹریچر کی اشاعت کی۔ سفر الارو میں آپ کے ہمراہ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی بھی تھے۔

تبلیغ احمدیت کے ردِ عمل کے طور پر حبیبو ولج (HABEBU VILLAGE) میں مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی اور حق کے مخالف احمدیوں پر حملہ آور ہو گئے۔ تمام احمدی ایک جگہ محصور ہو گئے جماعت کی طرف سے علاقہ کے کمشنر اور مقامی حاکم کو تار بھیجے گئے۔ چنانچہ حکام کی زیرِ ہدایت پولیس نے علماء سے اقرار کرایا کہ وہ آئندہ حملہ اور قتل کا ارادہ نہ کریں گے۔ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی اور مولوی نصیر الدین صاحب وہاں بھی تشریف لے گئے اور علاقہ کے کمشنر صاحب سے ملاقات کی کمشنر صاحب کی ہدایت پر فتنہ پردازوں کے لیڈر کو نوٹس جاری کر دیئے گئے جس پر یہ فتنہ دب گیا[2]۔

۵۔ اس سال مولوی مبارک احمد صاحب ساقی نے شمالی نائیجیریا کا تبلیغی دورہ کیا۔ آپ یہاں تین ماہ رہے زاریا (ZARIA) کانو (KANO) اور جوس (JOS) کی تنظیم و مضبوطی کے لیے کوشاں رہے آپ نے "احمدیہ بوائے کلب" جاری کیا۔ آپ کے ذریعہ خاصی تعداد میں لٹریچر فروخت ہوا۔ آپ نے ایک انگریزی پمفلٹ کا ترجمہ کرا کے مقامی زبان میں شائع کرایا آپ کے قلم سے علاقہ کے با اثر اخبار COMET میں تعارف احمدیت کے متعلق ایک اہم مضمون دو قسطوں میں شائع ہوا۔ آپ ایپی (EPE) بھی تشریف لے گئے آپ کے دورہ کا جماعتوں پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ مشن کا چندہ چار گنا ہو گیا[3]۔

۶۔ مرکزی مبلغین کے علاوہ مقامی افراد نے بھی جماعتی سرگرمیوں میں حصہ لیا مثلاً ۔ ۱۔ ایک نوجوان اسماعیل نے موسمی تعطیلات کے دوران ایک ماہ تبلیغ کے لیے وقف کیا۔

۲۔ جماعت کے سیکرٹری تبلیغ حاجی فلادیلو صاحب کی کوششوں سے ۵۴ لیکچر ہوئے۔

---

[1] الفضل ۱۱ر نومبر ۱۹۵۶ء صد ۴ رپورٹ مبارک احمد صاحب ساقی[2] الفضل ۵ر مئی ۱۹۵۷ء

[3] الفضل ۵ر مئی ۱۹۵۷ء صد ۴ خلاصہ رپورٹ مولوی نصیر الدین صاحب ایم۔ اے بی ٹی نائیجیریا

۳۔ ایک لوکل مبلغ الفا ڈنمالہ صاحب اباداں اور اس سے ملحقہ مشنوں کے دورہ کے لیے تشریف لے گئے۔

۴۔ اجیبو ڈے AG BEDE کے احمدیوں کو عرصہ سے تنگ کیا جا رہا تھا اس سال یہاں کے احمدی سکول ٹیچر اور مشن کے چیئرمین مالم جیبو کی تبلیغی کوششوں سے تعلیم یافتہ طبقہ احمدیت میں شامل ہو گیا انہوں نے احمدیوں کے لیے ایک الگ گاؤں بھی آباد کیا جس کا نام HABEBU VILLAGE رکھا گیا۔ اس گاؤں کے لوگوں نے علماء سے مباحثے اور مذاکرے بھی کیے[1]

۷۔ اس سال امریکہ کے ایک عیسائی مشنری جن کی تقریریں لائبیریا ریڈیو LIBERIA RADIO پر خاص اہتمام سے نشر ہوتی تھیں۔ دسمبر ۱۹۵۶ء کو لیگوس (LAGOS) میں آئے ان کی آمد کا پروگرام اشتہار کی صورت میں نائیجیریا کے مشہور اخبار ڈیلی ٹائمز (DAILYTIMES) میں شائع ہوا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے اس موقع پر ایک پریس ریلیز تمام اخبارات کو بھیجا گیا کہ اب امریکہ والوں کو اس بات کا احساس زیادہ سے زیادہ ہوتا جا رہا ہے کہ عیسائیت مغربی افریقہ میں دم توڑ رہی ہے لہٰذا انہوں نے اسلام کی مقبولیت کو روکنے کے لیے اس خطہ میں اپنی تبلیغی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں اور امریکہ کے رسالہ "لائف" (LIFE) کا حوالہ دیا جس میں یہ لکھا تھا کہ افریقہ میں ایک عیسائی کے مقابلہ میں دس آدمی اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ "لائف" میں اس آرٹیکل کے چھپنے کے بعد سے ہی امریکہ کے عیسائی مشنوں کو مغربی افریقہ کی طرف زیادہ توجہ ہوئی ہے۔ اسی پریس ریلیز میں مشنری صاحب کو مباحثہ کی بھی دعوت دی گئی یہ خبر ڈ انا نیوز ایجنسی کے حوالے سے لیگوس کے ایک مشہور اخبار میں جلی حروف سے شائع ہوئی۔ بعد ازاں احباب جماعت کی تجاویز کے مطابق فوری طور پر ایک پمفلٹ شائع کرنے کا فیصلہ ہوا اور اسی روز جماعت کے بعض نوجوانوں کو ایک پہلے سے شائع شدہ پمفلٹ "THE VIRGIN BIRTH" دے کر بھیجا گیا تاکہ شائع شدہ پروگرام کے مطابق جس چرچ میں مشنری صاحب نے تقریر کرنی تھی اس کے پاس پہنچ کر پمفلٹ لوگوں میں تقسیم کریں اس پمفلٹ میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ پیدائش بن باپ کوئی ایسا محال اور غیر متوقع امر نہیں جس کی بناء پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی

---

[1] الفضل ۵ رمئی ۱۹۵۷ء صـ۳

طرف الوہیت منسوب کی جاسکے کیونکہ اس کی متعدد مثالیں خود بائبل میں آئے دن ملتی رہتی ہیں۔ جب یہ احمدی نوجوان چرچ کے باہر یہ پمفلٹ تقسیم کر رہے تھے تو لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ عیسائی مشن ہی کی طرف سے تقسیم کیا جا رہا ہے لیکن اسے پڑھتے پڑھتے جب وہ گرجا میں داخل ہوئے تو انہیں یہ معلوم ہوا کہ یہ تو احمدیہ مشن کی طرف سے شائع شدہ ہے یہ معلوم کر کے چرچ سے ایک شخص باہر چرچ کے گیٹ پر آیا اور ان نوجوانوں کو اس پمفلٹ کے تقسیم کرنے سے منع کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم چرچ سے باہر سڑک پر کھڑے ہیں آپ کو منع کرنے کا کوئی حق نہیں۔ آخر اس نے لاجواب ہو کر لوگوں کو منع کرنا شروع کیا کہ وہ ان سے یہ پمفلٹ حاصل نہ کریں مگر انہوں نے کہا کہ مفت پمفلٹ لے کر پڑھنے میں کیا حرج ہے اور وہ بدستور یہ پمفلٹ حاصل کرتے رہے اور احمدی نوجوان تمام پمفلٹ تقسیم کر کے واپس آ گئے۔ ازاں بعد جماعت احمدیہ کا دوسرا تازہ پمفلٹ بھی چھپ کر تیار ہو گیا جس کا عنوان یہ تھا (SECOND ADVENT OF JESUS CHRIST) "یعنی مسیح کی آمد ثانی" اس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی قبر کی تصویر دی گئی تھی یہ اشتہار مختلف جگہوں پر نمایاں طور پر چسپاں کرا دیا گیا اور بکثرت تقسیم ہوا جس کی وجہ سے عیسائی طبقہ میں ہلچل مچ گئی۔[1]

۸۔ جماعتِ احمدیہ نائیجیریا کی آٹھویں سالانہ کانفرنس ۲۵ اور ۲۶ دسمبر ۱۹۵۶ء کو لیگوس میں منعقد ہوئی جس میں نائیجیریا کے بیس احمدی مشنوں کے پانچ سو نمائندوں نے شرکت کی۔ افتتاح مولانا نسیم سیفی صاحب نے ایک مختصر سی تقریر اور لمبی اجتماعی دعا سے کیا۔

پہلے اجلاس کی صدارت جناب اے آر باکارے صاحب مجسٹریٹ نے کی جس میں آنریبل ایم۔ اے سانی نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے احمدیوں کو ان کی اہم ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ دوسرے امور کے علاوہ انہوں نے اس امر پر خاص طور پر زور دیا کہ وہ آزاد نائیجیریا میں مثالی شہرت کا نمونہ قائم کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں تاکہ وہ اس بارے میں اہلِ نائیجیریا کی قیادت کا فرض ادا کر سکیں جناب اے آر باکارے نے عالمی صورتِ حال پر بھی روشنی ڈالی اور کہا کہ جماعت احمدیہ کی کوششوں کے نتیجہ میں مسلمان اپنے فرائض کو سمجھنے اور ان کے شایانِ شان خدمات بجا لانے کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔

---

[1] الفضل ۲۲ مئی ۱۹۵۷ء صہ۳

اس موقعہ پہ مشاورتی کونسل کے بھی اجلاس منعقد ہوئے۔ جس میں تعلیمی ترقی کی رفتار کا جائزہ لیا گیا اور اس میدان میں ترقی کی طرف مزید قدم اٹھانے کے لیے ضروری فیصلے کیے گئے[1]

گولڈ کوسٹ مشن

۱۔ جماعتِ احمدیہ گولڈ کوسٹ کا جلسہ سالانہ اس سال ۱۲، ۱۳، ۱۴ جنوری ۱۹۵۶ء کو منعقد ہوا۔ اس جلسہ سے درج ذیل مقررین نے خطاب فرمایا۔ مولوی نسیم سیفی صاحب، قریشی محمد افضل صاحب، چیف رئیس جبرائیل اکومنی سرکٹ۔ مولوی صالح محمد صاحب۔ مولوی خلیل احمد صاحب اختر۔ مولوی عبد اللطیف صاحب پریمی۔ مکرم احمد بن عبد اللہ صاحب چیف رئیس سرکٹ مولوی عبد القدیر صاحب شاہد۔ مسٹر محمد صاحب چیف رئیس اڈانسی سرکٹ اشانٹی۔ مکرم بشیر الدین صاحب سیکرٹری تبلیغ۔ مسٹر جبرائیل آدم صاحب۔ مسٹر ابراہیم بن محمد صاحب مسٹر یعقوب بن عیسیٰ صاحب (افریقن مشنریز)

دورانِ اجلاس مالی قربانی کی تحریک کی گئی جس پر مخلصین جماعت نے پانچ صد پونڈ کی رقم پیش کی[2] اخبار گرافک میں اس جلسہ کے فوٹو شائع ہوئے[3]

۲۔ مولوی خلیل احمد صاحب اختر نے ۱۶ جنوری ۱۹۵۶ء کو اشانٹی کا چارج لیا اور پھر ۲۹ مقامات کا دورہ کیا۔ عیسائیوں کے ایک فرقہ سے کامیاب مناظرہ کیا اور احباب جماعت کے ہمراہ ۸۰ میل دور جا کر چار پبلک جلسے کیے۔ ۳۔ مولانا نذیر احمد صاحب مبشر انچارج مشن گولڈ کوسٹ نے اس سال کے ابتدا میں قریباً سوا دو ہزار میل کا سفر کر کے پیغام حق پہنچایا۔ ۱۹۰ افراد سے تبلیغی ملاقاتیں کیں سکولوں کا معائنہ کیا اور تمام وزراءِ حکومت اور افسران کو لٹریچر فراہم کیا

۴۔ احمدیہ سیکنڈری سکول کے وائس پرنسپل سعود احمد صاحب دہلوی نے کماسی کالج آف ٹکنالوجی کے آٹھ اساتذہ، اشانٹی کے چیف کمشنر کے سیکرٹری MP RARISO کے ڈپٹی کمشنر۔ دو ایجوکیشن آفیسرز، تین پیرا مونٹ چیفس اور طلبا ریونیورسٹی کالج گولڈ کوسٹ کو بذریعہ ملاقات تبلیغ کی اور لٹریچر دیا۔ نیز میتھوڈسٹ کیتھولک یورپین اور افریقین مشنریوں سے تبادلہ خیالات کیا[4]

---

[1] الفضل ۱ جنوری ۱۹۵۷ء صا ؛ [2] الفضل ۲۸ فروری ۱۹۵۶ء ص۳ ، [4]
[3] الفضل یکم جون ۱۹۵۶ء ؛ [4] الفضل یکم جون ۱۹۵۶ء ص۳ د [4]

۵۔ گولڈ کوسٹ مشن کے اہم واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ اس دفعہ لیجسلیٹو اسمبلی میں جماعت کے تین مقتدر احمدی بطور ممبر منتخب ہوئے۔[1]

۱۰۔ اشانٹی کے احمدی نوجوانوں کا ۲۳، ۲۴، ۲۵ نومبر کو کماسی میں پہلا اجتماع منعقد ہوا جس میں مقررین نے مختلف علمی تربیتی و دینی موضوعات پر تقاریر کیں۔ مقررین کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب۔ (۲) مسٹر محمود دپیناس۔ ۳۔ مولوی خلیل احمد صاحب اختر۔ ۴۔ سعود احمد خاں صاحب۔ ۵۔ ابراہیم بن محمد صاحب۔ ۶۔ مسٹر جمنا سیکرٹری احمدیہ مشن کماسی۔ ۷۔ چیف رئیس صالح صاحب۔ ۸۔ عبدالکریم صاحب معلّم۔ ۹۔ سکول ٹیچر حکیم مرادن صاحب ۱۰۔ مسٹر اسماعیل طالب علم ٹکنالوجی۔ ۱۱۔ مسٹر اسماعیل اڈو

اجتماع کو مفید اور کامیاب بنانے میں محمود کاکری صاحب اور عائشہ صاحبہ کی مخلصانہ کوششیں قابلِ ذکر ہیں۔[2]

سیرالیون مشن

اس مشن کے ذریعہ عرصہ سے جس ذہنی اور اخلاقی انقلاب کی بنیادیں استوار کی جا رہی تھیں اُس کے اثرات اب دوسروں کے سامنے بھی نمایاں ہونے لگے چنانچہ فروری ۱۹۵۶ء کا ذکر ہے کہ:۔

فری ٹاؤن کے چیف مسٹر کانڈے بورے، مگبورکا تشریف لائے اور بتایا:۔

"جب سے مَیں نے چیف کا عہدہ سنبھالا ہے آج تک کسی احمدی نوجوان کے خلاف مَیں نے کسی مقدمہ کی سماعت نہیں کی اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ احمدی مبلغین کے زیر اثر رہنے والے نوجوان ہمیشہ اعلیٰ اخلاق اور اچھی عادات کے مالک ہوتے ہیں احمدیوں کا یہ نمونہ ثبوت ہے اس بات کا کہ احمدی حق پر ہیں"۔[3]

اسی طرح اقوام متحدہ کے ڈائریکٹر برائے مغربی افریقہ ڈاکٹر لائٹ گبر (DR. LIGHT GIBER)

---

[1] الفضل ۲۹ اگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ [2] الفضل ۲ جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۵ خلاصہ رپورٹ خلیل احمد اختر [3] الفضل ۱۸ و ۱۹ مئی ۱۹۵۶ء (خلاصہ رپورٹ مولوی محمد صدیق صاحب شاہد)

سیرالیون تشریف لائے تو بو احمدیہ سکول کے نظم و ضبط سے بہت متاثر ہوئے اور سکول کی لاگ بک پر یہ ریمارکس دیئے کہ:۔

"مَیں اس تعلیمی ادارے کے افسران اور منتظمین کے لیے جو ملکی اور ملّی فلاح و بہبود کی خاطر ہر قسم کی کوشش بروئے کار لا رہے ہیں نیک جذبات رکھتا ہوں اور انہیں مبارکباد پیش کرتے ہوئے یقین دلاتا ہوں کہ ان کی جدوجہد اور کوششیں ضرور کامیاب رہیں گی"

ڈائریکٹر صاحب کے اس معائنہ کا یہ خوشگوار نتیجہ برآمد ہوا کہ مشن کا رابطہ براہِ راست اقوامِ متحدہ سے قائم ہو گیا اور یہ حقیقت بھی نمایاں ہو گئی کہ اس ملک میں جماعت احمدیہ ہی وہ فعّال جماعت ہے جو اس وقت بلا تفریقِ مذہب و ملّت خدمتِ خلق میں مصروف ہے [1]

سیرالیون مشن کے انچارج مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری تھے۔ آپ کی قلمی، لسانی اور ملی و دینی خدمات اس سال بھی بدستور جاری رہیں آپ نہ صرف احمدیہ مشن کے انگریزی ترجمان "افریقن کریسنٹ" کی اشاعت میں مصروفِ عمل رہے بلکہ ماہ مارچ ۱۹۵۶ء میں ایک نیا عربی رسالہ "الہلال الافریقی" کے نام سے جاری فرمایا[2] علاوہ ازیں آپ کی طرف سے بو شہر کے مسلمان علماء و دیگر سرکردہ اصحاب کو ایک خاص دعوت دی گئی کہ ہم سب اسلامی فرقے متحدہ کونسل قائم کریں جس کا مقصد مسلمانوں کی عام فلاح و بہبود کے علاوہ ان کی دینی، ثقافتی، تمدنی، معاشرتی اور علمی حالت کو سدھارنا اور تبلیغِ اسلام کرنا ہو نیز مشترکہ سیکنڈری سکول قائم کیا جائے اس دعوت پر سرکردہ مسلمانوں نے خاص غور کرنے کا وعدہ کیا۔ آپ نے احمدی پیرا ماؤنٹ چیف کے تعاون سے باجے بو احمدیہ دارالتبلیغ اور احمدیہ سکول کے لیے شہر کے وسط میں قطعہ زمین مخصوص کرایا[3]

سیرالیون کے مغربی صوبہ میں کوئی پبلک مسلم لائبریری موجود نہیں تھی جس کی وجہ سے احمدی اور غیر احمدی حلقوں کو سخت دقت اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری نے اس دینی اور قومی ضرورت کی طرف اس سال خاص توجہ دی اور فیصلہ کیا کہ "بو" شہر میں اس کا قیام عمل میں لایا جائے۔

---

[1] الفضل ۶ نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ ؛ [2] الفضل ۱۷ مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۴ ؛ [3] الفضل ۲۴ جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۴۔ خلاصہ رپورٹ مولوی محمد صدیق صاحب شاہد مبلغ سیرالیون۔

اس سلسلہ میں آپ نے نہ صرف مقامی ذی اثر اور علم دوستوں اور اخبارات کو تحریک کی کہ وہ لائبریری کے لیے کتب پیش کریں بلکہ امریکہ، ہندوستان، پاکستان، مشرقی افریقہ اور عرب ممالک کے ممتاز اخبارات سے بذریعہ خطوط رابطہ قائم کیا اور انہیں لائبریری کے لیے مفت اخبارات و رسائل بھجوانے کی تلقین کی جس پر ایک ہزار سے زائد عربی انگریزی اور اردو کتب کا قیمتی ذخیرہ جمع ہو گیا۔ اردو لٹریچر کا اکثر حصہ وکالت تبشیر کی طرف سے مہیا کیا گیا۔ ایک حصہ حضرت الحاج مولوی نذیر احمد علی صاحب کی وقف شدہ کتابوں پر مشتمل تھا۔ کتب کے علاوہ روزانہ ہفتہ وار اور ماہوار جرائد و رسائل بھی لائبریری کے نام جاری ہوگئے۔

۲۳ ستمبر ۱۹۵۶ء کو اس لائبریری کا افتتاح عمل آیا جس میں ۲۰۰ سے زائد معززین شہر اور سرکاری افسران نے شرکت کی۔ آنریبل پیراماؤنٹ چیف کوکر (ضلع بو کی طرف سے لیجسلیٹو کونسل کے ممبر) نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مَیں احمدیہ مشن کو اس غیر معمولی اور بے مثل کام پر مبارکباد پیش کرتا ہوں آنریبل چیف کے بعد پیراماؤنٹ چیف نے خطاب کیا۔ اور جماعت کی لائبریری کے بارہ میں کہا۔ مَیں اس لائبریری کے قیام سے بہت خوش ہوا ہوں۔ احمدیہ مشن کا یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جو ہمیں ہمیشہ یاد رہے گا اور جسے ہم میں سے ہر ایک کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ ان تقاریر کے بعد مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری نے لائبریری کے باہر کے دروازے کی چابی پیرامونٹ چیف نوڈے کاٹے پریذیڈنٹ ڈسٹرکٹ کونسل بو کو دی جنہوں نے مکان کا باہر کا دروازہ کھولا پھر کتب کی جملہ الماریوں کی چابیاں آنریبل پیرامونٹ چیف کوکر کے حوالہ کیں۔ جنہوں نے تمام الماریوں کے دروازے کھولے اور بعد میں تمام حاضرین کا جم غفیر لائبریری ہال میں داخل ہوا اور کافی دیر تک کتب سے مستفید ہوتا رہا۔ افتتاح کا اعلان سیرالیون براڈ کاسٹنگ سروس نے ریڈیو سے ان الفاظ میں کیا۔ "اب بو شہر میں بھی ایک پبلک مسلم لائبریری قائم ہو گئی ہے جو سارے مغربی صوبہ میں پہلی لائبریری ہے اور اس کے قائم کرنے کا سہرا جماعت احمدیہ کے سر ہے۔ اُمید ہے کہ اہلِ صوبہ اس سے کما حقہٗ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے"[۱]

حضرت مولوی نذیر احمد علی صاحب کی یادگار کے طور پر لائبریری کا نام "نذیر احمدیہ مسلم لائبریری" رکھا گیا۔ اس لائبریری کو بہت جلد غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو گئی[۲] چنانچہ اقوام متحدہ کے ڈائریکٹر

---

[۱] الفضل ۱۰ نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ ؎ [۲] الفضل ۱۴ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۵

برائے مغربی افریقہ" بو" نے ان تأثرات کا اظہار کیا ۔

(ترجمہ) یہ لائبریری جس کو دیکھنے کا مجھے آج فخر حاصل ہوا ہے تنوع اور مجموعہ کتب کے لحاظ سے ایک قابلِ قدر ذخیرہ ہے اور جس صفائی اور جس حسنِ انتظام کے ساتھ کتب و رسائل کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کے لیے ترتیب دیا گیا ہے وہ بہت مفید اور قابلِ تعریف ہے اور اس سے میں بہت متأثر ہوا ہوں[1]۔

صحافیوں کی ایک پارٹی زراعتی تجربہ گاہ دیکھنے کے لیے روکوپر آئی مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری نے ان سے ملاقات کی اور لٹریچر دیا ۔ آپ نے باجے بو۔ بلاما ۔ باما اور کینما کی جماعتوں کا دورہ کیا اور دعوتِ حق پہنچائی۔

بلاما کے پیراماونٹ چیف سے مل کر ان کی ریاست میں مسلم سکول اور دار التبلیغ قائم کرنے کے لیے جگہ طلب کی جس پر انہوں نے رضامندی کا اظہار کیا ۔

لائبریری کی کتب و اخبارات و رسائل کے لیے دنیا کے پچاس بڑے بڑے اخباروں اور رسالوں کے ایڈیٹروں کو بذریعہ خطوط پُر زور تحریک کی کہ وہ مفت اخبارات ارسال کریں جس کا بہت اچھا اثر ہوا[2]۔

مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کے علاوہ سلسلہ کے دوسرے مرکزی مبلغین بھی سرگرمِ عمل رہے ۔ مثلاً مولوی محمد صدیق صاحب شاہد گورداسپوری نے سال کی تیسری سہ ماہی میں وزیرِ اعلیٰ سیرالیون ، نائب وزیرِ اعلیٰ ، وزیرِ مواصلات ، وزیرِ صنعت ، پیراماونٹ چیفس ، لیجسلیٹو کونسل کے ممبران اور دیگر اکابرینِ شہر سے تبادلۂ خیالات کیا ۔ باماندو میں تین دن قیام کر کے پیغامِ حق پہنچایا ۔ دس افراد نے بیعت کی ۔ باماندو سے واپسی پر مگبورکا ، مکالی سنگبی اور پیلے کا سفر کیا اور سلسلہ کے اہم امور سرانجام دیئے ۔ سفر سے واپسی پر "بو" میں رہ کر مقامی جماعت کی تربیت کے فرائض سرانجام دیئے اور مرکزی امور میں انچارج صاحب سیرالیون کا ہاتھ بٹایا[3]۔

---

[1] الفضل ۷ رنومبر ۱۹۵۶ء صـ۳ کالم ۳ :: [2] الفضل ۲۰ دسمبر ۱۹۵۶ء صـ۳ رخلاصہ رپورٹ مکرم محمد صدیق صاحب گورداسپوری) :: [3] الفضل ۵ دسمبر ۱۹۵۶ء صـ۳

چوہدری محمود احمد صاحب شاد نے پہلی سہ ماہی میں ۴۲۸ میل سفر کرکے پیغام حق پہنچایا۔ آپ نے آٹھ پونڈ کا لٹریچر فروخت کیا اور آپ کی تحریک پر مسٹر قاسم نے مسلم پریس کے لیے ۰۰ ۵ پونڈ کی رقم پیش کی[1] آپ نے باجے بو کے حلقہ کی سات جماعتوں کا بھی دورہ کیا۔ لیکچر دیئے اور لٹریچر تقسیم کیا۔ آپ نے ماہ جون ۱۹۵۶ء میں مگبورکا۔ کے حلقہ کا چارج لیا نیز خدا کے ایک نئے گھر کی تعمیر کے لیے ۳۰ پونڈ کی رقم جمع ہوئی اور آپ کی نگرانی میں تعمیر کا کام ہوا[2]

آپ لکوابائی، روچن، گمانڈا، یونی بانا، مالوٹوکا، ماسابولگو بھی تشریف لے گئے۔ یونی بانا میں آپ کے ذریعہ ۱۲ افراد نے بیعت کی۔ مگبورکا میں ۲۷ افراد کو سلسلہ کا لٹریچر دیا جن میں شمالی صوبہ کے ایجوکیشن سیکرٹری بھی شامل تھے[3]

قاضی مبارک احمد صاحب انچارج حلقہ بو نے ۵۰۴ میل کا سفر کرکے مماجو۔ نوبانڈا۔ ماکومانایا میں لیکچروں کے ذریعہ پیغام حق پہنچایا۔ اس دوران پانچ افراد نے بیعت کی۔ انفرادی طور پر قاضی صاحب نے ایک سو بیس افراد سے تبادلہ خیالات کیا جن میں ریاستوں کے پیراماونٹ چیفس، وزراء اور فرم ایجنٹس، ہیلتھ آفیسر، ڈائریکٹر تعلیم نیز کالجوں اور سکولوں کے طلباء شامل تھے[4]

اس سال سیرالیون کے ایک مخلص اور مخیر احمدی مسٹر علی روجرز صاحب نے اپنا شاندار مکان جو ایک ہزار پونڈ سے بھی زیادہ مالیت کا تھا سلسلہ احمدیہ کے لیے وقف کیا[5]

جماعت احمدیہ سیرالیون کا آٹھواں سالانہ اجتماع اس سال ۲۱، ۲۲، ۲۳ دسمبر ۱۹۵۶ء کو ہوا۔ جلسہ میں غیر احمدی معززین بھی تشریف لائے۔ جلسہ کے دوسرے روز ۴ احباب نے بیعت کی۔ مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری انچارج مبلغ سیرالیون نے افتتاحی خطاب میں فرمایا کہ کہ دنیا اس وقت اسلام کے خلاف برسر پیکار ہے لیکن خدا تعالیٰ اس کی سچائی ظاہر کر رہا ہے۔ اس غرض کے لیے خدا تعالیٰ نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو بھیجا۔ حضور کی وفات کے بعد اشاعت دین کی

---

[1] الفضل ۱۸ مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ کالم ۴ :: [2] الفضل ۲۵، ۲۶ جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ :: [3] الفضل ۴ دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ :: [4] الفضل ۱۷، ۱۸ مئی ۱۹۵۶ء
[5] الفضل ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱

ذمہ داری آپ کی جماعت پر ہے۔ جماعت کا فرض ہے کہ اس ذمہ داری کو نبھانے اور اس کے لیے عاجزانہ دعائیں کرے۔

جلسہ میں آپ کے علاوہ ان مقررین نے بھی تقاریر کیں:۔

۱۔ سید علی روجیرز صاحب۔ ۲۔ محمد بشیر صاحب۔ ۳۔ چیف قاسم صاحب۔ ۴۔ موسیٰ بوئی صاحب۔ ۵۔ محمد بونگے صاحب سابق ہیڈ ماسٹر روکوپر احمدیہ سکول۔ ۶۔ قاضی مبارک احمد۔ ۷۔ مسٹر علی مالنہری سیکرٹری جماعت۔ ۸۔ الحاج محمد توڑے صاحب۔ ۹۔ چوہدری محمود احمد صاحب شاد۔ پراونشل ایجوکیشن سیکرٹری مکرم حافظ الدین صاحب انعامی نے تقریر میں کہا:۔

"آج اگر کوئی جماعت دین حق کی حقیقی خدمت میں مصروف ہے تو وہ صرف اور صرف جماعت احمدیہ ہے۔"

اسی طرح بو شہر اور ریاست کے عیسائی پیرا مونٹ چیف ہوٹا گوا نے بھی جماعت کی مساعی کو سراہا۔

دوران جلسہ مشن کی زمین کے لیے ۳۰ پونڈ کے وعدے احباب جماعت کی طرف سے ہوئے اور پچاس پونڈ کی ادائیگی ہوئی۔ ایک ماہ وقف کرنے کی تحریک بھی کی گئی جس پر ۱۶ افراد نے لبیک کہا۔ اس موقعہ پر شوریٰ کا اجلاس بھی ہوا[ل]

افریقہ کے احمدیہ مشنوں کی سالانہ سرگرمیوں پر طائرانہ نظر ڈالنے کے بعد یہ بتانا ضروری ہے کہ افریقہ میں تحریک احمدیت کی ابھرتی ہوئی قوت و شوکت کو عالمی پریس نے اس سال خاص طور پر محسوس کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اخبار "ڈیلی میل" فری ٹاؤن کی ۲۶ جولائی ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں انگلستان کے "مانچسٹر گارڈین" کا حسب ذیل نوٹ شائع ہوا۔

Ahmadiyyat in the Sight of Others

In addition to the orthodox Maliki Muslims there is another and smaller group of Muslims in British West Africa, the followers of the Ahmadiyya Movement, a missionary organisation with its

---

[ل] الفضل ۱۲ جنوری ۱۹۵۷ء و ۲ فروری ۱۹۵۷ء

Headquarters in Pakistan, which penetrated to West Africa in the late 1920s. The Movement is rapidly growing, gaining converts from Christianity and paganism, the rate of growth being demonstrated on the Gold Coast, where in 1931, 3,110 adherent were shown, while on 1948 the figure was 22,572.. Similar growth stimulated by the snowball effect of a visibly successful mission, which offers good educational facilities up to Secondary School level, has been recorded through the whole of B. W. Africa with the exception of the Gambia, where the application of an Ahmadi missionary for an entry permit has recently been refused on the officially stated ground that there are already enough different religions in Gambia.

'The Ahmadiyya Movement has much to its credit, displaying ardent missionary activity and a positive and concrete social development programme in its limited communities.

'To the orthodox Muslims, however, the Ahmadis are *Kafir* (unbelievers), lower than Christian or Jews and on the same level as pagans, since they claim that their founder, Mirza Ghulam Ahmad, was the threefold reincarnation of Muhammad, Jesus Christ, and Krishna.

'Politically, the Ahmadiyya Movement is non-partisan; provided there is freedom to preach. The Ahmadis are willing to support the powers -that- be, whoever they are, while regarding individual political beliefs as a matter of personal conscience. There is no sign of any political direction from the Movement's Headquarters at Rabwah in Pakistan, nor does there seem to be any likelihood of its development.

(Culled from the *Manchester Guardian,* Published in the *Daily Mail,* from Freetown, B. W. Africa, dated July 26, 1956. With the reference of 'The Review of Religions, February, 1948)

احمدیت ــ غیروں کی نظر میں

برطانوی مغربی افریقہ میں کٹر مالکی مسلمانوں کے علاوہ مسلمانوں کا ایک اور نسبتاً چھوٹا گروہ ہے ۔ جو احمدیہ تحریک کے پیروکار ہیں ۔ مغربی افریقہ میں یہ تحریک بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے آخری سالوں میں داخل ہوئی ۔ اور تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے ۔ اور عیسائیت اور لا مذہبیت سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو اپنے اندر سمو رہی ہے ۔ اس کی رفتارِ ترقی گولڈ کوسٹ میں بہت نمایاں ہے جہاں ۱۹۳۱ء میں اس کے پیروکاروں کی تعداد ۳،۱۱۰ تھی ۔ جبکہ ۱۹۴۸ء میں یہ تعداد ۲۲،۵۷۲ ہو گئی ۔ ایسا ہی اضافہ جس میں بعض اوقات برفانی اُدلوں کی سی شدت پیدا ہو جاتی ہے ، پورے برطانوی مغربی افریقہ میں دیکھا جا سکتا ہے ۔ جو ایک نمایاں طور پر کامیاب مشن کی مرہونِ منت ہے ۔ ایک ایسا مشن جو ثانوی سکول کے معیار تک نہایت شاندار تعلیمی سہولتیں فراہم کرتا ہے ۔ سوائے گیمبیا کے ، جہاں مُلک میں داخلہ کی اجازت سے متعلق ایک احمدی مشنری کی درخواست حال ہی میں سرکاری طور پر یہ کہہ کر رَدّ کر دی گئی ہے کہ پہلے ہی گیمبیا میں مختلف مذاہب کافی تعداد میں موجود ہیں ۔

احمدیہ تحریک کو اس کی پُرجوش تبلیغی مساعی اور اپنی محدود تنظیموں میں مثبت اور مربوط سماجی ترقی کے پروگرام کے باعث بہت زیادہ عزت اور وقار حاصل ہوا ہے ۔ تاہم کٹر مسلمانوں کے نزدیک احمدی کافر (بے دین) ہیں ۔ اور عیسائیوں اور یہودیوں سے کمتر ہیں ۔ بلکہ بے دینوں ہی کی طرح ہیں کیونکہ اُن کا دعویٰ ہے کہ اُن کے بانی ، مرزا غلام احمدؑ کی تین حیثیتیں ہیں ۔ اور آپ محمدؐ ، یسوع مسیحؑ اور کرشنؑ کے بُروز ہیں ۔

سیاسی نقطۂ نظر سے احمدیہ تحریک کسی پارٹی کا بھی ساتھ نہیں دیتی ۔ بشرطیکہ تبلیغ کی آزادی ہو ۔ احمدی برسرِ اقتدار طاقت کا ساتھ دینا پسند کرتے ہیں ۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو ۔ جبکہ انفرادی

---

* کلڈ ۔ مانچسٹر گارڈین سے اخذ کردہ جو فری ٹاؤن ، برطانوی مغربی افریقہ کے ڈیلی میل کے شمارہ مؤرخہ ۲۶؍جولائی ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا ۔

سیاسی عقائد کو وہ فرد کے اپنے ضمیر پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس تحریک کے ربوہ پاکستان میں موجود صدر دفاتر کی طرف سے ملنے والی ہدایات میں کسی سیاسی ہدایت کا شائبہ تک بھی نہیں پایا جاتا۔ اور نہ ہی اس کا آئندہ کوئی امکان نظر آتا ہے۔

اس کے علاوہ مشہور مستشرق الفریڈ گوئیلام نے اس سال کتاب "ISLAM" شائع کی جس کے صفحہ ۱۲۶ پر جماعت احمدیہ کی تبلیغی جدوجہد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا

یہ لوگ اپنے عقائد کو پھیلانے اور ان کی تبلیغ کرنے میں غیر معمولی طور پر کامیاب رہے ہیں۔ جنوب مشرقی ایشیا اور افریقہ میں انہوں نے ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو اسلام میں داخل کیا ہے۔ ان کے اس دعویٰ کو کہ اب ان کی تعداد دس لاکھ تک پہنچ چکی ہے مبالغہ پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔[۱] (ترجمہ)

جزائر غرب الہند

جناب بشیر احمد صاحب آرچرڈ شب و روز جزائر غرب الہند میں اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف رہے۔ آپ نے اشتہارات و پمفلٹوں کے ذریعہ پیغام حق پہنچایا۔ اور مارکیٹ سکوئر کے ایک بڑے مجمع میں تقریر کی جس کا موضوع تھا "میں اسلام کو کیوں مانتا ہوں؟"۔ اس تقریر سے لوگوں میں اسلام کے متعلق مزید دلچسپی پیدا ہوئی اور انہوں نے معلومات حاصل کیں۔ بعض پادریوں سے بھی آپ کی اثر انگیز گفتگو ہوئی جس سے لوگ متأثر ہوئے۔[۲]

سیلون مشن

حضرت مصلح موعود کو ۱۹۵۲ء میں بذریعہ خواب بتایا گیا کہ

"ہمارے سلسلہ کا لٹریچر سنہالیز زبان میں بھی شائع ہونا شروع ہو گیا ہے اور اس کے نتائج اچھے نکلیں گے۔"[۳]

اس رؤیا کا پہلا شاندار ظہور اس سال ۳ر اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ہوا جبکہ جماعت احمدیہ سیلون کیطرف سے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ مسیح موعود کی کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی" کا سنہالی ترجمہ پانچ ہزار کی تعداد میں شائع ہوا[۴] جو مولوی محمد اسماعیل صاحب منیرؔ مبلغ سیلون کی مساعی کا نتیجہ تھا اس موقع پر جماعت

---

[۱] الفضل ۱۹ر فروری ۱۹۵۷ء صفحہ ۱۳ کالم ۲ : [۲] الفضل ۲۹ر فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۵

[۳] الفضل ۲۴ر دسمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ : [۴] الفضل ۱۴ر نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۔

احمدیہ سیلون نے ایک خصوصی تقریب منعقد کی ۔

اگرچہ سیلون ریڈیو نے چند ماہ پہلے جماعت احمدیہ کی شدید مخالفت کی تھی مگر اس تقریب سے چار دن قبل اس نے متواتر اپنی خبروں میں اس کے انعقاد کا اعلان کیا اور کتاب کی اہمیت بیان کی اور جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمت کی تعریف کی یہی نہیں تقریب کے ختم ہونے کے بعد رات نو بجے کی خبروں میں انگریزی، تامل، سنہلی سب زبانوں میں اس واقعہ کی نمایاں خبر تھی ۔ ریڈیو کے علاوہ سیلون پریس نے بھی اس تقریب کی غیر معمولی اشاعت کی[1]

سیلون کے بدھسٹ وزیراعظم نے اس کتاب کے بارہ میں پیغام دیا کہ :-

بدھسٹ اور سنہلی ہونے کے لحاظ سے میں اس کتاب "ISLAM DHARMA" کے لیے مختصر سا پیغام بھیجنے میں فخر محسوس کرتا ہوں ۔ اس ملک کی تاریخ کے اس اہم دور میں سنہلی زبان میں اسلامی کتاب کا شائع ہونا باعثِ اطمینان ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے تعلقات بڑھیں گے ۔ یہ کتاب جو عام فہم زبان میں تیار کی گئی ہے یقیناً سنہلی زبان میں اسلامی لٹریچر کی ضرورت کو پورا کرنے والی ہوگی اور مجھے اُمید ہے کہ یہ بہت سے لوگوں تک پہنچے گی ۔[2]

اسلامی اصول کی فلاسفی کے سنہلی ترجمہ کے علاوہ مشن کی طرف سے درج ذیل لٹریچر بھی شائع ہوا ۔

۱۔ ترجمہ سورۃ فاتحہ (عربی ۔ انگریزی، تامل، سنہلی زبان میں) یہ ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا گیا ۔ اس کی تصاویر کئی روزناموں میں شائع ہوئیں ۔

۲۔ ترجمہ سورۃ یٰسٓ (سنہلی ۔ انگریزی)

۳۔ ترجمہ چہل احادیث (سنہلی ۔ انگریزی)

۴۔ آنحضرتؐ کی سیرت پر کتاب (سنہلی)

۱۹۵۶ء کے آخر میں جماعت کے ایک وفد جناب عبدالقادر صاحب صدر جماعت احمدیہ سیلون

---

[1] الفضل ۱۱؍اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۸ ؛ [2] الفضل ۲۰؍اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۴

[3] الفضل ۱۴؍نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳

کی زیرِ قیادت گورنر جنرل سیلون سے ملا اور ان کی خدمت میں سلسلہ احمدیہ کا انگریزی و سنہالی لٹریچر پیش کیا۔ گورنر جنرل صاحب نے جماعت کی کوششوں کو سراہا جس کا ذکر پریس میں بھی ہوا۔ اسی طرح سیلون کے وزیر اعظم مسٹر بندرانائیکے کو بھی قرآن مجید کا تحفہ پیش کیا گیا انہوں نے کہا کہ جماعت احمدیہ سرکاری زبان میں لٹریچر شائع کرکے بہت بڑی خدمت سرانجام دے رہی ہے۔ اس واقعہ کی بھی اخبارات میں اشاعت ہوئی۔ علاوہ ازیں سیلون کے وزیر تعلیم، وزیر امور داخلہ، وزیر صنعت وزیر مواصلات، وزیر صحت، وزیر محنت، وزیر اراضیات، وزیر ڈاک خانہ جات، وزیر امور متعلقہ ثقافت اور دس اعلیٰ افسروں کو بھی لٹریچر دیا گیا۔[1]

سنگاپور و ملایا مشن

ریاست جوہور ملایا کے محکمہ شرعیہ کے افسر اعلیٰ اونکو اسماعیل بن عبدالرحمٰن سکندر شاہی خاندان کے سپوت تھے اور ملائی، انگریزی اور عربی زبانوں میں خاص دسترس رکھتے تھے۔ آپ تک پیغام احمدیت مولانا محمد صادق صاحب سماٹری کے ذریعہ پہنچا اور آپ چار سال تک تحقیق کرنے کے بعد اس سال داخل احمدیت ہو گئے اور ملایا کی احمدیہ جماعت کے لیے تقویت کا موجب بنے۔

مولانا محمد صادق صاحب سماٹری تحریر فرماتے ہیں۔

"چونکہ ریاست جوہور کی سرحد سنگاپور سے ملتی ہے اور یہ ہے ملایا کی ریاستوں میں سے سب سے بڑی اور دولت مند ریاست اس لیے میں نے اسے کبھی فراموش نہیں کیا تھا۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ ریاست جوہور کے مفتی صاحب علوی بن طاہر بن الحداد اور چیف قاضی اسماعیل بن عبدالعزیز احمدیت کے سخت مخالف تھے۔ چنانچہ ۱۹۵۲ء کے وسط میں میں نے مکرم عبدالحمید سالکین صاحب سے مشورہ کیا۔ کہ کب جوہور جانا مناسب ہوگا؟ تاکہ محکمہ شرعیہ جوہور کے افسر اعلیٰ اونکو اسماعیل صاحب سے ملاقات کی جا سکے۔ آخر ایک دن ہم نے مقرر کیا اور اکٹھے بذریعہ بس مغرب کے بعد سنگاپور سے جوہور روانہ ہو گئے چونکہ ہمیں اونکو اسماعیل صاحب کے مکان کا علم نہ تھا اس لیے ہم نے پبلک لائبریری میں پہنچ کر اونکو صاحب کا پتہ پوچھا اور وہیں سے ٹیلیفون ڈائریکٹری دیکھ کر ان کے ٹیلیفون نمبر کا پتہ کیا۔

میں نے برادرم عبدالحمید سالکین صاحب سے کہا کہ آپ خود محترم اونکو صاحب کو ٹیلیفون

[1] الفضل ۱۸ دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱

کریں تاکہ اگر وہ پوچھیں کہ تم کون ہو تو آپ اپنا نام بتا سکیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہدیں کہ میرے ساتھ ایک اور آدمی بھی ہے اگر میں انہیں ٹیلیفون کروں گا تو ممکن ہے میرا نام سن کر وہ ملنے کا موقع نہ دیں چنانچہ برادرم موصوف نے ٹیلیفون کیا اور کہا کہ ہم آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ محترم ادنکو صاحب نے کہا کہ بے شک آجائیں مگر میں صرف پانچ منٹ دے سکوں گا۔ کیونکہ مجھے زیادہ فرصت نہیں ہے عبدالحمید سالکین نے مجھے کہا کہ ہم ڈیڑھ روپیہ جانے کا اور ڈیڑھ روپیہ آنے کا کرایہ ادا کریں گے لیکن وقت صرف پانچ منٹ ملے گا بظاہر جانے کا کوئی فائدہ نہیں میں نے کہا ہمیں ضرور جانا چاہیئے کم از کم محترم ادنکو صاحب سے تعارف تو حاصل ہو جائے گا اس پر ہم پبلک لائبریری سے باہر نکلے ٹیکسی لی اور ادنکو صاحب کے گھر پہنچے مکان دو منزلہ تھا ادنکو صاحب کا لڑکا نیچے دروازہ پر کھڑا ہمارا انتظار کر رہا تھا جب ہم اس سے ملے تو اس نے کہا ابا جان کو مصروفیت بہت ہے جب پانچ منٹ ختم ہو جائیں تو خود بخود ہی اجازت لے کر چلے جائیں ہم نے کہا بہت اچھا وہ یہ کہہ کر اوپر چلا گیا اور جا کر ادنکو صاحب کو اطلاع دی اور ایک دو منٹ کے بعد ہی ہم نے دیکھا کہ ایک خوبصورت معمر بزرگ شریف طبع ہنستے ہوئے چلے آرہے ہیں اور ان کے ساتھ ہی نوکر چائے لا رہا ہے۔

سلام اور مصافحہ کے بعد ادنکو صاحب نے ہمیں بیٹھنے کے لیے کہا ہم بیٹھ گئے ادنکو صاحب نے برادرم عبدالحمید صاحب سے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے اور کام کیا ہے۔ جو انہوں نے بتایا۔ اس کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر مجھ سے دریافت کیا میں نے کہا " میرا نام محمد صادق ہے اور میں احمدیہ جماعت کا مبلغ ہوں" یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہنے لگے " میں نے آپ کی کتاب کبزان (صداقت) پڑھی ہے اور ایک دفعہ نہیں دو دفعہ پڑھی ہے بعض امور کے متعلق میں آپ سے دریافت کرنا چاہتا تھا۔ اچھا ہوا کہ آپ خود آگئے"۔ یہ سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ ایک دو منٹ باقی تھے انہوں نے چائے پینے کے لیے فرمایا اور ہم نے چائے پینا شروع کر دی وہ دو منٹ بھی ختم ہوئے تو ہم اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ اجازت لے کر واپس چلیں مگر ادنکو صاحب نے فرمایا نہیں آپ بیٹھیں میں سمجھا تھا کہ کسی اخبار کے دو نمائندے آرہے ہیں۔ میرے پاس عام طور پر اخباروں کے نمائندے آتے رہتے ہیں اور کرید کرید کر ریاست کے حالات پوچھتے ہیں اور پھر جا کر اخباروں میں شائع کر دیتے ہیں۔ اس لیے میں نے یہ اصول بنایا ہوا ہے کہ اخبار کے نمائندوں کو پانچ منٹ سے

زیادہ وقت نہیں دینا کیونکہ میرے کام بہت اہم اور زیادہ ہیں لیکن آپ سے ملنا ان سب سے اہم ہے اس لیے آپ بیٹھیں۔ یہ سُن کر ہمیں بے حد خوشی ہوئی اور ہم اطمینان سے باتیں کرنے لگے۔

قریباً پون گھنٹہ کے بعد کہنے لگے آپ کی کتاب کیزان بہت اچھی ہے مختصر بھی ہے اور واضح بھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی وکیل نے لکھی ہے پہلے مَیں سمجھتا تھا کہ آپ نے یہ کتاب اردو یا انگریزی میں لکھی ہوگی اور کسی ملایا کے باشندے نے اس کا ملایا زبان میں ترجمہ کیا ہوگا۔ مگر اب بات چیت کرکے معلوم ہوا کہ یہ کتاب آپ نے خود لکھی ہے پھر احمدیت کے عقائد اور دوسرے مسلمان بھائیوں سے ہمارے اختلاف کے متعلق وہ بعض باتیں پوچھتے رہے اور یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کے حالات دریافت فرماتے رہے حتیٰ کہ رات دس بجنے کو آئے۔

جوہور سے آخری بس سنگاپور کے لیے پورے دس بجے روانہ ہوتی تھی مگر اونکو صاحب نے اپنے ڈرائیور سے کہا کہ کار نکالو کہ اِن دونوں کو بس اڈے پر چھوڑ آئیں چنانچہ اونکو صاحب نے ہمیں کار میں بیٹھنے کا ارشاد فرمایا اور خود بھی ساتھ بیٹھ گئے اور دس پندرہ منٹ جو ہم کار میں اکٹھے رہے وہ مجھے بار بار تاکید فرماتے رہے کہ میرے دفتر میں کل صبح ضرور آئیے بھولنا نہیں میں اور کئی باتیں جماعت کے متعلق آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ ہم بس اڈے پر پہنچے۔ اور بس میں سوار ہونے کے لیے قدم رکھا ہی تھا کہ بس روانہ ہوگئی چنانچہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اور اونکو صاحب کے لیے دعائیں کرتے ہوئے تقریباً ۱/۲ ۱۱ بجے شب ہم گھر پہنچ گئے۔

جوہور میں ریاست کے دفاتر عموماً ۸ بجے کھلتے تھے۔ اس لیے خاکسار ۸ بجے سنگاپور سے روانہ ہوا اور قریباً ۱۰ بجے محترم اونکو صاحب کے دفتر میں پہنچ گیا وہاں پہنچنے پر مَیں نے دو اور بزرگوں کو موجود پایا۔ ایک محترم عبداللہ بن عیسیٰ تھے جنہیں ریاست کی طرف سے عزت افزائی کا خطاب داتو (DAT SK) دیا گیا تھا اور ایک اور بزرگ جن کا نام عبدالرحمان بن یایین تھا جو بعد میں پارلیمنٹ آف ملایا کے چیئرمین منتخب ہوئے محترم اونکو صاحب نے انہیں مخاطب ہوکر فرمایا کہ مَیں نے آپ دونوں کو اس وجہ سے بلایا ہے کہ آپ احمدیہ عقاید خود ان کی زبانی سنیں اور دوسرے اس وجہ سے بلایا ہے کہ آپ ان کی ملائی زبان بھی سُنیں کہ کیسی فصیح اور بلیغ ہے پھر ہم وہاں بیٹھ گئے بارہ بجے سے اوپر تک گفتگو ہوتی رہی ماحول نہایت خوشگوار تھا اور خاکسار کی

باتوں کو غور سے سُنتا جا رہا تھا وہ قرآنی آیات اور احادیث سُنکر بہت حیران ہوئے اور کہا کہ ہم اسکے متعلق پوری تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ پھر محترم اونکو صاحب نے فرمایا کہ مَیں چاہتا ہوں کہ محکمہ شرعیہ جوہور کے لیے جماعت احمدیہ کا لٹریچر خرید ا جائے مَیں نے کہا بہت اچھی بات ہے۔

اس کے بعد اونکو صاحب نے احمدیت کے متعلق مزید تحقیقات شروع کر دی اور سلسلہ کے لٹریچر کا وسیع مطالعہ شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ ۱۹۵۶ء آ پہنچا ان پر لائف آف احمد (مصنفہ مولانا درد مرحوم) کا بہت اثر تھا اس کی بڑی تعریف کرتے رہے۔

محترم اونکو صاحب نے لٹریچر کا مطالعہ برابر جاری رکھا اور آخر ۱۹۵۶ء کے ابتداء میں مجھے ایک دفعہ کہا کہ مَیں جب آپ کی باتیں سُنتا ہوں تو مجھے یقین ہوتا ہے کہ آپ صحیح اور سچی بات کہہ رہے ہیں لیکن جب میں مفتی صاحب (علوی بن طاہر الحداء) کے پاس جاتا ہوں تو وہ کوئی نہ کوئی شبہ پیدا کر دیتے ہیں۔ اس لیے مَیں چاہتا ہوں کہ آپ کو اور اُن کو اپنے سامنے بٹھا کر گفتگو کراؤں اور دو چار آدمی بھی بلائے جائیں آپ کا کیا خیال ہے کیا آپ گفتگو کے لیے تیار ہیں؟ مَیں نے جواب دیا کہ میں تیار ہوں بے شک آپ مفتی صاحب موصوف سے وقت اور دن مقرر کر لیں اور مجھے اطلاع کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے مفتی صاحب سے مل کر انہیں تبادلہ خیال کے لیے تیار کر لیا اور دن اور وقت مقرر کر کے دو تین دن پہلے مجھے اطلاع کر دی۔ اونکو صاحب محترم کے لیے بھی اور میرے لیے بھی یہ نازک موقعہ تھا اس لیے مَیں نے اپنے مولیٰ سے دعا کرنی شروع کی کہ الٰہی تو میری مدد کرنا اور میری راہنمائی فرمانا تاکہ مجھ سے ایسی کوئی غلطی یا کمزوری سرزد نہ ہو جو محترم اونکو صاحب کو صحیح راستہ سے دور لے جائے۔

مَیں عین گیارہ بجے دن کے (مقررہ وقت پر) سنگاپور سے جوہور پہنچ کر اونکو صاحب محترم کے دفتر میں پہنچ گیا۔ انہوں نے گھنٹی بجائی۔ اور دفتر کا کلرک آیا اور اونکو صاحب نے فرمایا جاؤ اور جا کر مفتی صاحب سے کہو کہ محمد صادق احمدی مبلغ آ گئے ہیں آپ بھی تشریف لے آئیں۔ اس وقت تین اور معزز آدمی بھی اس گفتگو کو سُننے کے لیے وہاں پہنچ چکے تھے۔ کلرک گیا اور واپس آ کر کہنے لگا کہ مفتی صاحب تو سنگاپور تشریف لے گئے ہیں اور کہہ گئے ہیں کہ آپ کی خدمت میں اطلاع کر دی جائے۔ یہ خبر سُن کر محترم اونکو صاحب کو بہت رنج ہوا اور بار بار کہتے رہے کہ وعدہ

مجھے یاد ہے اور آج صبح بھی مَیں نے بذریعہ ٹیلیفون انہیں اطلاع کی مگر انہوں نے وعدہ پورا نہ کیا افسوس ہے پھر انہوں نے کہا نائب مفتی تو آن عبد الجلیل حسن کو بلا جائے ۔ چنانچہ وہ آ گئے اور ہم پانچ چھ آدمی اکٹھے دفتر میں بیٹھ گئے اور آپس میں بات چیت شروع ہو گئی اور کہا جا سکتا ہے کہ قریباً ۳/۴ (تین چوتھائی) وقت مَیں نے لے لیا ۔ ۱/۲ ۱۲ بجے محترم ادنکو صاحب کہنے لگے کہ آئیں گھر چلیں کیونکہ ہم سب کیلئے کھانا تیار ہے ۔ اس پر ہم سب آپ کے ساتھ ہو لیے ۔ گھر پہنچ کر کھانا کھایا اور پھر گفتگو شروع ہوئی مَیں نے نائب مفتی صاحب سے بار بار کہا کہ اگر میری کسی بات پر آپ کو کوئی اعتراض ہو تو ابھی میرے سامنے پیش کر دیں ایسا نہ ہو کہ مَیں چلا جاؤں تو اس کے بعد ادنکو صاحب سے کہیں کہ یہ بات غلط ہے اور وہ بات غلط ہے ۔ ادنکو صاحب محترم نے میری تائید فرمائی مگر نائب مفتی صاحب آخر وقت تک خاموش رہے اس پر دوسرے لوگ تو چلے گئے مگر مَیں اور ادنکو صاحب رہ گئے ادنکو صاحب نے مجھے کہا کہ آج سے آپ مجھے احمدی سمجھیں اور خدمت اسلام کے لیے ۲۰ ڈالر یعنی -/۳۰ روپے ماہوار جماعت کو دیتا رہونگا۔ پھر مرحوم نے میری امامت میں نماز ظہر اور عصر ادا کی مَیں نے اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہوئے الحمد للہ علیٰ ذالک کہا اور ان کے لیے اور زیادہ دعا شروع کر دی ۔

گو محترم ادنکو صاحب نے یہ تو کہدیا کہ مجھے احمدی سمجھا جائے ۔ مجھے ڈر پیدا ہوا کہ ممکن ہے کہ اگر ادنکو صاحب کو بیعت کے لیے کہا جائے تو وہ بیعت کرنے سے انکار کر دیں اس لیے ان کے لیے خود بھی دعا کرتا رہا اور سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بھی دعا کی درخواست کی ۔ حضور پُر نور نے خود بھی ان کے لیے دعا کی اور دوسرے بزرگوں کو بھی دعا کے لیے تحریک فرمائی ۔ پھر مَیں نے ادنکو صاحب محترم سے کہا کہ آپ استخارہ کر لیں تاکہ آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی اطلاع مل جائے ۔ چنانچہ انہوں نے استخارہ کیا اور ایک دن مجھے ٹیلیفون پر فرمایا کہ مَیں نے خواب دیکھا کہ وہ سجدے میں ہیں اور ان پر بارش کے چھینٹے پڑ رہے ہیں ۔ ان دونوں خوابوں کی وجہ سے انہیں یقین ہو گیا کہ احمدیت سچی ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کے سچے مامور ہیں چونکہ انہیں ہر طرح اطمینان اور تسلی ہو چکی تھی اور انہیں احمدیت کی سچائی کے متعلق یقین ہو چکا تھا اس لیے ۲۲ مارچ ۱۹۵۶ء کو انہوں نے فارم بیعت پُر کر دیئے ۔

آپ پہلے ۱۴ برس تک مجسٹریٹ رہے پھر محکمہ شرعیہ ریاست جوہور کے ہیڈ (آفیسر)

رہے پھر ریٹائر ہو گئے اس کے بعد انہیں پبلک سروس کمیشن کا چیرمین مقرر کیا گیا اور اسی دوران انہوں نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ان کا یہ تقرر دو سال کے لیے تھا جب دو سال ختم ہو گئے تو فارغ کر دیا گیا مَیں نے دیکھا کہ انہیں اس بات کی ذرہ بھر پرواہ نہ تھی چونکہ وہ بڑے قابل اور معزز انسان تھے اس لیے ملایا کی سنٹرل حکومت نے لے لیا اور آپ دوبارہ مرکزی حکومت کی طرف سے اسی اپنی ریاست میں مجسٹریٹ درجہ اوّل مقرر ہو گئے۔ اور کچھ عرصہ بعد اپنی کمزوری اور کام کی کثرت کی وجہ سے انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔ اور مجھے لکھا کہ مَیں چاہتا ہوں کہ زندگی کے بقیہ ایام خدا کی عبادت اور تبلیغ کے لیے وقف کر دوں بعض لوگوں نے انہیں مختلف طریق سے تکلیف دینے کی کوشش کی اور احمدیت کی وجہ سے ان کی ہتک کرنے کی بھی کوشش کی مگر انہوں نے کبھی کوئی پرواہ نہ کی[1]۔

آپ کی ایک بہن جن کا نام اونکو فاطمہ ہے یہ بھی بڑی شریف الطبع سلیم الفطرت عبادت گزار اور متقی خاتون ہیں اونکو صاحب نے انہیں کہا کہ مَیں تو احمدی ہو چکا ہوں مَیں نہیں چاہتا کہ ہم دونوں مذہبًا جُدا ہوں اپنے بھائی کے کہنے پر انہوں نے بھی استخارہ کیا ایک دفعہ نہیں دو دفعہ اور دونوں دفعہ انہوں نے دیکھا کہ ایک دیوار پر اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہے۔ ان الفاظ میں لفظ اللہ بڑے نمایاں حروف میں ہے اور دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس لفظ اللہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں ایسا نظارہ انہوں نے دو دفعہ دیکھا چنانچہ انہیں یقین ہو گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سچے ہیں اس لیے دسمبر ۱۹۵۶ء میں انہوں نے بھی بیعت کر لی اس طرح چند ماہ کے بعد ان کی دوسری بیوی سعدیہ صاحبہ نے بھی بیعت کر لی"۔

انڈونیشیا مشن

۱۔ جماعت احمدیہ انڈونیشیا کی ساتویں سالانہ کانفرنس انڈونیشیا کے دارالحکومت جاکرتہ کے ایک وسیع ہال میں ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱ فروری ۱۹۵۶ء کو کامیابی سے منعقد ہوئی جس میں انڈونیشیا کی ۱۲ جماعتوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔

---

[1] وفات ۱۹۶۹ء

کانفرنس کے لیے حضرت مصلح موعودؓ نے ایک خاص پیغام ارسال فرمایا۔ کانفرنس شروع ہونے سے پہلے تین دفعہ جاکرتہ کے روزانہ اخبارات اور ریڈیو پر اس کی خبر نشر کی گئی انڈونیشیا کے صدر اور نائب صدر نے اس موقع پر مبارکباد کا پیغام بھیجا۔ کانفرنس میں غیر احمدی معززین بھی تشریف لائے۔ جن میں جاکرتہ شہر کے لارڈ میئر مسٹر سوڈیرو اور وزارت مذہب کے جنرل سیکرٹری اور پارلیمنٹ کے ممبران خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ کانفرنس سے درج ذیل مبلغین نے خطاب فرمایا سید شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا۔ مولوی عبدالواحد صاحب (جماعت احمدیہ کی جدوجہد) ملک عزیز احمد صاحب (امن عالم) مولوی محمد زہدی صاحب (محمدؐ خاتم النبیین) بشیر شاہ صاحب (مذہب کامل) صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب (احمدیت کی دعوت) اس کے علاوہ چالیس مختلف اصحاب نے کانفرنس سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ملکی پریس اور ریڈیو نے کانفرنس کی مفصل خبریں ملک کے کونے کونے تک پہنچا دیں[1]

۲۔ سید شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا نے ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو باڈانگ میں خدا کے گھر کا سنگِ بنیاد رکھا۔ آپ کے بعد مولوی امام الدین صاحب اور مقامی جماعت کے بعض مخلصین نے بھی باری باری اینٹیں رکھیں۔ اس تقریب میں جماعتِ احمدیہ باڈانگ کے بوڑھے، نوجوان، اور خواتین شامل ہوئے[2]

۳۔ جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کے اعلیٰ عہدیداروں کا ایک وفد رئیس التبلیغ انڈونیشیا کی زیرِ قیادت انڈونیشیا کے صدر ڈاکٹر احمد سوکارنو اور ان کے نائب ڈاکٹر محمد حتیٰ صاحب سے ملا۔ انہوں نے نہایت دلچسپی سے جماعت کے حالات دریافت کیے۔ صدر سوکارنو نے حضرت مصلح موعود کی صحت کے متعلق استفسار فرمایا۔ اور تازہ لٹریچر کی فرمائش کی ہر دو کو تفسیرِ قرآن انگریزی کی ایک ایک کاپی دی گئی۔

۴۔ مولوی عبدالواحد صاحب جوکرتا میں، مکرم مولوی امام دین صاحب باڈانگ میں، مولوی محمد ایوب صاحب جنوبی سماٹرا میں، مولوی ذینی دحلان صاحب وسطی سماٹرا میں خدماتِ دینیہ

---

[1] الفضل یکم و ۲ مئی ۱۹۵۶ء [2] الفضل ۱۱ نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱

میں مصروف رہے۔ انہوں نے ہزارہا کلو میٹر کا سفر کر کے لیکچروں، ملاقاتوں اور تقسیم لٹریچر کے ذریعہ پیغامِ حق پہنچایا۔ اس سال خدا کا ایک گھر مکمل ہوا [۱]

۵۔ اس سال انڈونیشین احمدیوں نے مالی جہاد کا نہایت عمدہ نمونہ پیش کیا چنانچہ ۲۵ اصحاب نے وصیت کی تحریک جدید کے وعدے ایک لاکھ اٹھاون ہزار پیش کیے گئے۔ قادیان کے مقدس مقامات کی تعمیر کے لیے سات آٹھ ہزار کی رقم دی۔ ذیلی تنظیمیں بھی اپنے چندہ جات باقاعدہ ادا کرتی رہیں۔ ہونہار احمدی بچوں کی تعلیم کے لیے بھی دس ہزار روپے جمع ہوئے۔ مغربی جاوا کے خوبصورت شہر گاروت میں خدام و ناصرات کے پندرہ روزہ تربیتی کیمپ لگائے گئے جو بہت مفید ثابت ہوئے۔

اس سال بعض مخالفین جماعت نے سیاسی رنگ میں جماعت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی لیکن فرض شناس حکام کے تعاون سے دشمن ناکام رہے۔ سیلون ریڈیو سے ایک مولوی نے امام جماعت کے خلاف زہر اُگلا۔ جماعت احمدیہ انڈونیشیا نے سیلون کی حکومت کے پاس اس تقریر کے خلاف احتجاج کیا۔ حکومت نے معذرت کا خط لکھا اور یقین دلایا کہ آئندہ اس قسم کی حرکت نہ ہو گی [۲]

۶۔ ۱۶ر دسمبر ۱۹۵۶ء کو انڈونیشیا کے دارالحکومت جاکرتہ میں جماعت انڈونیشیا کی ایک تبلیغی کانفرنس منعقد کی گئی۔ کانفرنس کا آغاز پارلیمنٹ ہاؤس کے قریب ایک مشہور ہال میں ½۹ بجے تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ جماعت جاکرتہ کے پریذیڈنٹ جناب شافعی باتوہ صاحب نے مختصر تقریر میں جلسہ کی غرض و غایت بیان کی۔

اس کے بعد میاں عبدالحی صاحب نے "اسلام ایک عالمگیر تہذیب کی حیثیت میں" کے موضوع پر مولوی محمد زھدی صاحب نے "سوسائٹی کو تباہی سے کیسے بچایا جائے" کے موضوع پر ملک عزیز احمد نے "حکومت کے متعلق اسلامی تعلیم" کے موضوع پر تقریریں کیں اور سید شاہ محمد صاحب

---

[۱] الفضل یکم دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۴ [۲] الفضل ۲۷ر نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ و الفضل ۹، ۱۰، ۱۱ر اپریل ۱۹۵۷ء خلاصہ رپورٹ میاں عبدالحی صاحب

کا موضوعِ خطاب تھا "اُمّتِ مسلمہ میں کس طرح سے جوش اور حرکتِ عمل پیدا ہو سکتی ہے؟"
حاضرین کی تعداد چھ سو کے قریب تھی۔[1]

۶۔ جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کی سالانہ کانفرنس کئی مشکلات کی وجہ سے صرف ایک دن کے لیے ہوئی۔ سالانہ کانفرنس کی کارروائی ۸ ½ بجے بعد نماز مغرب و عشاء شروع ہوئی۔ تلاوت قرآن کریم کے بعد سید شاہ محمد صاحب نے دعا کرائی۔ چونکہ کانفرنس کی تیاری کے سلسلہ میں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس لیے دعا کے دوران احباب جماعت پر رقت طاری رہی۔ دعا کے بعد راڈین ہدایت صاحب صدر جماعت احمدیہ انڈونیشیا نے تقریر کی۔ اس کے بعد جناب شاہ محمد صاحب نے حضرت اقدس مصلح موعودؓ کا پیغام پڑھ کر سنایا جس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔

انڈونیشین بھائیو۔ پاکستان میں دو ہفتہ کے اندر سالانہ جلسہ ہو رہا ہے۔ آپ لوگ بھی اپنی کانفرنس منعقد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے بابرکت کرتے ہوئے سارے ملک میں سچائی کے پھیلانے کا ذریعہ بنا دے۔ آپ کا ملک بڑا ہے لیکن جماعت ابھی چھوٹی ہے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ترقی اور طاقت دے کر تقویٰ کے راستوں پہ چلائے تاکہ یہ خود منور ہو کر دوسرے ممالک کو بھی منور کر دے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے سیاسی اور روحانی لیڈروں کی اس رنگ میں رہنمائی فرمائے کہ وہ سچائی اور انصاف کے راستوں کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہو۔ آپ لوگ اس پہ بھروسہ رکھتے ہوئے ہمیشہ دعاؤں میں لگے رہیں وہ بھی آپ کو کبھی نہیں چھوڑیگا۔[2]

حضور کے پیغام کے بعد مکرم جناب سیّد شاہ محمد صاحب نے خطاب کیا جس میں خلافت سے والہانہ تعلق کی تحریک کی۔ بچوں اور نوجوانوں کی تربیت پر زور دیا اور چندہ جات کی ادائیگی کی مؤثر تلقین کی نیز فرمایا کہ نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ خدمتِ دین کے لیے زندگی وقف کریں۔ اس کے بعد آپ نے جماعت کی سالِ رواں کی مساعی پیش کی۔ جماعت کو اختلاف سے بچنے کی تلقین کی پھر حضور کا پیغام جماعت کے نمائندوں میں تقسیم کرایا۔ بعد ازاں خلافت سے وابستگی کی تلقین

---

[1] الفضل ۱۷ فروری ۱۹۵۷ء صفحہ ۳ خلاصہ رپورٹ میاں عبدالحی صاحب
[2] الفضل ۱۰ اپریل ۱۹۵۷ء (ترجمہ از انگریزی)

پیش کیا جو بالاتفاق منظور ہو گیا۔ اس کے بعد شوریٰ کا اجلاس ہوا شوریٰ کے اجلاس کے بعد آئندہ کانفرنس کے متعلق فیصلہ ہوا۔ پھر میاں عبدالحی صاحب نے احباب کو حضور کے اس ارشاد سے آگاہ کیا کہ۔ "انڈونیشیا میں تبلیغ کی مساعی کو تیز تر کر دیا جائے"۔ اس کے بعد صاحب صدر نے احباب کا شکریہ ادا کیا اور شاہ محمد صاحب نے دعا کرائی۔

مبلّغین احمدیت کی مرکز سے روانگی اور واپسی

۱۹۵۶ء میں درج ذیل مبلّغین بیرون ممالک میں اعلائے کلمۂ حق کے لیے روانہ ہوئے۔

۱۔ حافظ قدرت اللہ صاحب (برائے ہالینڈ ۳۰ر جنوری)[1]
۲۔ مولوی فضل الٰہی صاحب انوری (برائے غانا) مغربی افریقہ ۔ ۷ مارچ)[2]
۳ سید کمال یوسف صاحب (۱۲ر اپریل سکنڈے نیویا)[3]
۴۔ مولوی نور الحق صاحب تنویر (۱۲ر اپریل مصر)[4]
۵۔ امری عبیدی صاحب (برائے مشرقی افریقہ ۔ ۲۴ر اپریل)[5]
۶۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب (برائے دمشق ۱۱ر جولائی)[6]
۷۔ مولوی غلام حسین صاحب ایاز (برائے سنگاپور ۔ ۸ر اکتوبر)[7]
۸۔ مولوی عبدالرشید صاحب شاہد (برائے مغربی افریقہ ۲۳ر دسمبر)[8]
۹۔ مولوی غلام نبی صاحب شاہد (برائے مغربی افریقہ ۲۳ر دسمبر)[9]

اس طرح مندرجہ ذیل مبلّغین فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی کے بعد اس سال واپس پاکستان تشریف لائے۔

۱۔ حافظ قدرت اللہ صاحب (۱۹ر جنوری کو انڈونیشیا سے)[10]
۲۔ قریشی محمد افضل صاحب (۲۸ر فروری کو گولڈ کوسٹ سے)[11]

---

[1] الفضل ۳۱ر جنوری ۱۹۵۶ء صا ؛ [2] الفضل ۸ر مارچ ۱۹۵۶ء صا کالم ۴ [3،4] الفضل ۱۳ر اپریل ۱۹۵۶ء صا ؛ [5] الفضل ۲۶ر اپریل ۱۹۵۶ء صا ؛ [6] الفضل ۱۲ر جولائی ۱۹۵۶ء صا ؛ [7] الفضل ۱۰ر اکتوبر ۱۹۵۶ء صا ؛ [8] الفضل ۲۵ر دسمبر ۱۹۵۶ء صا ؛ [9] (ایضاً) ؛ [10] الفضل ۲۰ر جنوری ۱۹۵۶ء صا کالم آخر ؛ [11] الفضل ۲۹ر فروری ۱۹۵۶ء صا کالم آخر

۳- قریشی فیروز محی الدین صاحب شاہد (۱۲ مارچ کو سنگاپور سے)[1]
۴- صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب (۲۹ مارچ کو انڈونیشیا سے)[2]
۵- مولوی عبدالقدیر صاحب شاہد (۹ نومبر کو غانا سے)[3]
۶- مولوی عبدالکریم صاحب شرما (یکم دسمبر کو مشرقی افریقہ سے)[4]
۷- مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیل (۲۲ دسمبر کو سیرالیون سے)[5]
۸- مولوی محمد صدیق صاحب شاہد گورداسپوری ۲۲ دسمبر کو سیرالیون سے)[6]
۹- مولوی عبداللطیف صاحب شاہد پریمی (۲۲ دسمبر کو گولڈ کوسٹ سے)[7]

نئی مطبوعات

اس سال بھی خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ کے لٹریچر میں مفید اضافہ ہوا۔ بیرونی مشنوں کی نئی کتب اور فتنہ منافقین کے رد میں چھپنے والی کتب کا بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان کے علاوہ جو اہم کتب شائع ہوئیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱- جماعتی تربیت اور اس کے اصول۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم-اے۔
۲- حیاتِ احمد جلد پنجم۔ حالات ۱۹۰۱ء-۱۹۰۲ء حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔ حیدرآباد۔
۳- حیات بقاپوری جلد سوم، چہارم و پنجم۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری۔
۴- شرح القصیدہ۔ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس مبلغ بلاد عربیہ وانگلستان۔
۵- سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام (سندھی زبان میں)۔ از مولانا غلام احمد فرخ مربی سلسلہ ناشر احمدیہ منزل سکھر۔
۶- المودودی فی المیزان (المبشر الاسلامی الاحمدی منیر الحصنی دمشق)
۷- قضا و قدر۔ مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب پروفیسر جامعۃ المبشرین ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ

---

[1] الفضل ۲۵ مارچ ۱۹۵۶ء صہ۱ کالم آخر: [2] الفضل ۳۰ مارچ ۱۹۵۶ء صہ۱
[3] الفضل ۱۱ نومبر ۱۹۵۶ء صہ۱: [4] الفضل ۴ دسمبر ۱۹۵۶ء صہ آخر: [5، 6] الفضل ۲۳ و ۲۵ دسمبر ۱۹۵۶ء صہ۱: [7] الفضل ۲۳ دسمبر ۱۹۵۶ء صہ۱ و الفضل ۲۵ دسمبر ۱۹۵۶ء صہ۱

۸۔ اربعین ۔ سید احمد علی صاحب سیالکوٹی مربی سلسلہ احمدیہ ۔ ناشر سید محمد سعید سلیم دار التجلید اردو بازار ۔

۹۔ منظم جماعت کا منظم کام ۔ تبلیغ اسلام ۔ مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن مولوی محمد اسماعیل صاحب یادگیری ۔

۱۰۔ انڈیکس خطبات جمعہ و عیدین (حضرت مصلح موعودؓ) (۱۹۱۴ء ۔ ۱۹۵۴ء) مرتبہ مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل وکیل ہائی کورٹ یادگیر ۔ بھارت ۔

۱۱۔ دیوانِ خادم ۔ کیپٹن ملک خادم حسین صاحب ربوہ ۔

۱۲۔ بشاراتِ رحمانیہ جلد دوم ۔ مولوی ابوظفر عبد الرحمٰن مبشر صاحب مولوی فاضل ڈیرہ غازیخان (لاہور آرٹ پریس انار کلی بالمقابل گنپت روڈ ۔ لاہور) ۔

۱۳۔ خالد سیف اللہ (ابوزید شلبی) مترجم شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی (ناشر مکتبہ جدید انار کلی لاہور)

۱۴۔ پیام احمدیت (فارسی ترجمہ احمدیت کا پیغام) ۔

۱۵۔ تذکرہ طبع دوم ۔

۱۶۔ " تحریک جدید کے بیرونی مشن " (صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب)

۱۷۔ LA MORT GLORIEUSE DE JESUS مولوی فضل الٰہی صاحب بشیر مبلغ ماریشس ۔

۱۸۔ اخلاق اور ان کی ضرورت (خالد احمدیت مولانا ابوالعطاء صاحب) ۔

۱۹۔ بچوں کے لیے اخلاقی مضامین (میاں محمد ابراہیم صاحب ہیڈ ماسٹر ہائی سکول ربوہ) ۔

فصلِ چہارم

خلافتِ ثانیہ کا تینتالیسواں (۴۳) سال

(از ماہ صلح ۱۳۳۶ ہش تا ماہ فتح ۱۳۳۶ ہش)
جنوری ۱۹۵۷ء — دسمبر ۱۹۵۷ء

ٹھیک سو سال قبل ۱۸۵۷ء کا مفسدہ پیش آیا۔ جس کے نتیجہ میں ملک ہند سے مسلم سلطنت کے آثار باقیہ بھی معدوم ہو گئے اور ضعف اسلام کا دردناک زمانہ شروع ہو گیا۔

جہاں ۱۸۵۷ء کا سال مسلمانانِ برصغیر کے لیے ایک قیامت بن کر آیا جس نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو تڑپا دیا وہاں ۱۹۵۷ء کا سال دنیائے اسلام کے لیے بہت مبارک اور مسرتوں کا پیغام ثابت ہوا جیسا کہ آئندہ تفصیل سے عیاں ہو گا۔

صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کا دورہ جنوبی ہند

صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب (ناظر دعوت و تبلیغ قادیان) نے ۱۷ جنوری سے ۱۲، مارچ ۱۹۵۷ء تک جنوبی ہند کی احمدی جماعتوں کا کامیاب دورہ کیا۔

مختلف اوقات میں درج ذیل علماء کرام آپ کے ہمسفر رہے۔ مولوی محمد سلیم صاحب، مولوی بشیر احمد صاحب۔ مولوی شریف احمد صاحب امینی، مولوی محمد اسماعیل صاحب یادگیر، مولوی سمیع اللہ صاحب، مولوی مبارک علی صاحب، حکیم محمد الدین صاحب، محمد کریم اللہ صاحب ایڈیٹر اخبار "آزاد نوجوان" صاحبزادہ صاحب ۵ صوبوں کی چالیس احمدی جماعتوں میں تشریف لے گئے ۶ ہزار میل سفر

کیا اور خطبات جمعہ، تقاریر، جلسوں کے ذریعہ جماعت کی تربیت فرمائی دس ہزار سے زائد لٹریچر تقسیم کیا گیا اور چھبیس[۲۶] مقامات پر جلسے منعقد کیے گئے[۱]

اس تبلیغی دورہ کا چرچا جنوبی ہند کے پریس میں بھی ہوا۔ چنانچہ اخبار انگارے حیدرآباد نے لکھا:-

"۳ر فروری آج ساڑھے چار بجے بلڈنگس سکندرآباد میں محترم حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب فرزند امام جماعت احمدیہ کے اعزاز میں جماعت ہائے احمدیہ حیدرآباد و سکندرآباد کی طرف سے دعوت عصرانہ ترتیب دی گئی تھی۔ دعوت میں کثیر تعداد میں شہر حیدرآباد اور سکندرآباد کے معززین نے شرکت کی جس میں نواب اکبر یار جنگ بہادر، نواب ناظر یار جنگ بہادر، مولوی مرتضیٰ خان صاحب خانصاحب دوست محمد علاء الدین، سیٹھ نور محمد علاء الدین صاحب سردار فضل حق خاں صاحب اور دیگر مذاہب کے معززین نے شرکت کی جس میں جماعت احمدیہ کی جانب سے پیش کیے ہوئے سپاسنامے کا جواب دیتے ہوئے صاحبزادہ صاحب موصوف نے فرمایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا معروف قول ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ ایڈریس میں جو نسبت بانی جماعت احمدیہ سے بیان کی گئی ہے اس خصوص سے ہم جائزہ لے سکتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کو آپ نے کس کام پر لگایا۔ آپ قادیان کی گمنام بستی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دل میں اسلام اور قرآن کا درد تھا۔ اسی اشاعتِ اسلام کے کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا اور اکنافِ عالم میں آپ کے مشن کے ذریعہ اس تعلیم کو پہنچا دیا۔ آج غیر اقوام کے لوگ معترف ہیں کہ تبلیغ اسلام اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت کے کام میں جماعت احمدیہ کی برابری کرنے والی کوئی جماعت نہیں ہے۔ مزید آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے بانی جماعت احمدیہ سے اپنے وعدوں کے مطابق سلوک فرمایا۔ یعنی اس کا وعدہ تھا کہ "میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دوں گا اور میں تجھے برکت پر برکت دونگا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے" چنانچہ ان وعدوں کے مطابق آج آپ کی جماعت اشاعت احمدیت یعنی حقیقی اسلام میں سرگرم عمل ہے۔ اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ جس درخت کا یہ ثمرہ ہے وہ کیسا شاندار ہے آپ نے

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اخبار بدر قادیان ۱۱ر فروری تا ۳۰ر مئی ۱۹۵۷ء

دورانِ تقریر میں جماعت کے تعمیری اور دینی کارناموں کا وضاحت سے ذکر فرماتے ہوئے اس امر کا تفصیل سے جائزہ لیا کہ جماعت احمدیہ نے مغرب کے ممالک اور افریقہ کے غیر ترقی یافتہ علاقوں میں کس طرح اسلام کا بول بالا کیا ہے اور کس طرح ان علاقوں میں بیت الذکر کی تعمیر اور دنیا کے مختلف بڑی بڑی زبانوں میں قرآن کریم کی اشاعت کا کام جماعت احمدیہ نے انجام دیا ہے۔ اور کس طرح اپنے کارناموں اور اسلام کی سچائی کو دیگر ادیان پر ثابت کر رہی ہے۔"[1]

اسی طرح کیرالہ کے مشہور اخبار" ماتر بھولی کالیکٹ نے ۲۰ مارچ ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں کیرالہ کانفرنس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا :-

"آل کیرالہ احمدیہ کانفرنس کا چوتھا اجتماع کالیکٹ ٹاؤن ہال میں ۱۶، ۱۷ مارچ ۱۹۵۷ء کو منعقد ہوا۔ بانی جماعت احمدیہ کے پوتے اور موجودہ امام جماعت احمدیہ (حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کے صاحبزادہ مرزا وسیم احمد (صاحب) (مشرقی پنجاب) نے ۱۶ مارچ ۱۹۵۷ء کے جلسہ کی صدارت فرمائی۔ صدر صاحب کی خدمت میں آل کیرالہ احمدی مسلمانوں کی طرف سے ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا جس کے جواب میں مرزا وسیم احمد (صاحب) نے جو تقریر فرمائی اس میں سپاسنامہ پیش کرنیکا شکریہ ادا کیا اور جماعت احمدیہ کی غرض و غایت بیان کی اور اس کے حصول کی کوشش کرنے کی تلقین کی۔ تقریر کرتے ہوئے آپ نے بتایا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عوام الناس کی یہ حالت تھی کہ وہ جاہل اور جانوروں کی طرح تھے مگر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی اچھی تربیت کر کے اُن کو عالم با اخلاق اور با خدا انسان بنا دیا۔

احمدیت کی غرض و غایت تجدید اسلام ہے، رواداری، امانت سچ بولنا، اخوت وغیرہ جیسے اسلام کے اخلاقی قوانین کی آجکل ایسی پابندی نہیں کی جاتی۔ جس طرح اس کی پابندی کی جانی چاہیئے۔ یہ اخلاقی گراوٹ ایک بہت بڑی مصیبت بنی ہوئی ہے اس کو بدلنا ضروری اور لابدی ہے۔ ہماری غرض و غایت صحیح اسلامی تعلیم کو قائم کرنا ہے اگر یہ ذمہ داری نباہی گئی۔ تو ایک امن کی فضا قائم ہو جائے گی اس غرض و غایت کو پورا کرنے کیلئے سب کا دلی تعاون ضروری ہے۔

---

[1] اخبار انگارے حیدرآباد دکن۔ بحوالہ بدر ۱۸ اپریل ۱۹۵۷ء صٓ۲

انٹرنیشنل کورٹ کے جج چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے نیویارک سے اس اجتماع کے لئے جو پیغام بھجوایا ہے وہ اس میں پڑھ کر سنایا گیا۔ اور سلسلہ احمدیہ کے موجودہ روحانی لیڈر (حضرت) مرزا بشیر الدین محمود احمد (صاحب) کا پیغام بھی سنایا گیا جو آپ نے پاکستان سے بھجوایا تھا۔

پیغام کا خلاصہ یہ تھا کہ ہندوستان میں سب سے پہلے مسلمان مالابار میں آباد ہوئے اس لیے آپ لوگوں کو چاہیئے کہ آپ کبھی بھی ہمت نہ ہاریں اور ایک دفعہ پھر اپنے ملک میں اسلام کا جھنڈا لہرا دیں۔

مسٹر محمد کریم اللہ ایڈیٹر "آزاد نوجوان" اور مولوی محمد سلیم (صاحب) فاضل مبلغ کلکتہ نے علی الترتیب انگلش اور اردو میں ایک ایک تقریر کی۔ ۷ر مارچ کے اجتماع میں مولوی عبداللہ (صاحب) ایچ اے احمدیہ مشنری نے بھی صدارت کی مسٹر محمد کریم اللہ (صاحب) مولوی محمد اسماعیل (فاضل وکیل ہائیکورٹ یادگیر) اور (حضرت صاحبزادہ) مرزا وسیم احمد صاحب نے تقریریں کیں۔ لوگ کثیر تعداد میں اس اجتماع میں شامل ہوئے"[1]

قادیان میں جلسہ سیرت پیشوایان مذاہب

۲ر فروری ۱۹۵۷ء کو قادیان میں جلسہ سیرت پیشوایان مذاہب منعقد ہوا۔ صدارت سردار دھرماند سنگھ صاحب پرنسپل سکھ مشنری کالج امرتسر نے کی اور درج ذیل مقررین نے جلسہ سے خطاب کیا۔

۱۔ ولی الدین احمد صاحب حیدرآبادی متعلم مدرسہ احمدیہ (سیرت مہاتمہ بدھ) ۔ ۲۔ سردار رام سنگھ صاحب ایم اے بی ٹی (سیرت گورونانک کی سیرت) نے اپنی تقریر میں ۱۹۴۷ء کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "اس وقت بھی قادیان کی پوتر دھرتی میں انسانیت کو قائم رکھا گیا اور اس جماعت نے قتل وغارت اور لوٹ کھسوٹ میں حصہ نہ لیا"

۳۔ پنڈت گورکھ ناتھ صاحب صدر گورداسپور ضلع کانگرس ۔ ۴۔ سردار سرین سنگھ صاحب نے اپنی تقریر میں حضرت بانی رسول اکرمؐ اور بانی سلسلہ احمدیہ کے بارہ میں تعریفی کلمات کہے۔

---

[1] بحوالہ بدر قادیان ۲۵ر اپریل ۱۹۵۷ء صفحہ ۶

۵۔ مولوی بشیر احمد صاحب فاضل مبلغ دہلی ۔ سیرت آنحضرتؐ ۔ سیرت حضرت مسیح موعودؑ ۔
۶۔ پادری ماسٹر طفیل مسیح صاحب ۔ سیرت حضرت مسیح علیہ السلام ۔ ۷۔ سردار دھرمانند سنگھ صاحب پرنسپل سکھ مشنری کالج امرتسر ۔ ۸۔ گیانی لابھ سنگھ صاحب فخر (سیرت حضرت بابا نانک) ۔
۹۔ کریم الدین صاحب متعلم مدرسہ احمدیہ (سیرت حضرت زرتشتؑ)

صدر اجلاس نے اپنی تقریر میں کہا "یہ خوشی کا مقام ہے کہ ہم لوگوں کو ان چنیدہ لوگوں میں شامل ہونے کا موقع ملا جو خدا کی باتوں کے لیے اکھٹے ہوئے"۔

اس جلسہ کے لیے معززین نے حسب ذیل پیغامات بھیجے ۔ گورنر اڑیسہ بڑی بھیم سین صاحب سچر نے لکھا ۔ "یہ کانفرنس پنجاب میں مذہبی رواداری کو ترقی دینے میں ممد ثابت ہوگی"۔

سردار پرتاپ سنگھ کیروں وزیر اعلیٰ پنجاب نے کہا "مجھے یقین ہے کہ آپ کا اس جلسہ میں غور و فکر سچائی کی تلاش میں بہت مدد دے گا اور ہم سب میں جو مختلف مذاہب کے پیرو لیکن ایک ہی خدا کے پرتو ہیں ۔ رواداری اور مفاہمت کا باعث ہوگا ۔

جناب ڈاکٹر شنکر داس مہرہ دہلی نے کہا "مجھے تحریک احمدیت سے اس لیے عقیدت ہے کہ اس نے بطور ایک مذہبی جماعت کے تاریخ میں پہلی بار عملاً بنی نوع انسان کو دعوت دی کہ وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے مذہبی پیشواؤں اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ کریں۔ یہ نیک کام جماعت احمدیہ کر رہی ہے ضرورت ہے کہ دوسری مذہبی جماعتیں اس کی تقلید کریں ۔

مسٹر بشیر الدین ڈپٹی چیئرمین پنجاب لیجسلیٹو کونسل و صدر مسیحی سنگت پنجاب نے لکھا "خدا تعالیٰ نے ہر زمانے میں دنیا کو تباہی اور بربادی سے بچانے کے لیے اپنے مقدس افراد اور مصلحین کو نازک اوقات میں مبعوث کیا ۔ آجکل اس بات کی سب سے زیادہ ضرورت ہے کہ ہم اپنی توجہ انکی تعلیمات کی طرف پھیریں اور ان کی پیروی کریں تاکہ امن میں آسکیں"۔

جناب برش بھان وزیر پراجیکٹس نے لکھا "میری دلی تمنا ہے کہ یہ جلسہ اپنے اعلیٰ اور عمدہ مقصد میں کامیاب ہو"۔

جناب سردار گوردیال سنگھ ڈھلوں سپیکر پنجاب اسمبلی نے تمنا ظاہر کی کہ اس جلسہ میں جو امن رواداری، اور مفاہمت اور قومی اتحاد کی کوشش کی گئی ہے اس میں پوری کامیابی ہو۔

سردار اُجل سنگھ سابق فنانس منسٹر شری یونت رائے ڈپٹی منسٹر تعلیم پنجاب ۔ جی آر سیٹھی صاحب جرنلسٹ نمائندہ پریس امرتسر نے پیغام دیا کہ :۔

"مجھے بہت خوشی ہے کہ آپ پیشوایانِ مذاہب کا جلسہ منعقد کر رہے ہیں اس وقت جبکہ باہمی شبہات اور غلط فہمیاں مختلف مذاہب کے پیرووں کے درمیان پائی جاتی ہیں یہ ضروری ہے کہ وہ مذہب کی اہمیت کو سمجھیں جس سے ایک دوسرے کو زیادہ سمجھنے کا موقعہ ملے اور انسانیت کی عزت و احترام قائم ہو ۔ میں اس عمدہ کام میں ہر طرح کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں" [1]

طلباء سے حضرت مصلح موعودؓ کا خطاب

۷ رفروری ۱۹۵۷ء کو تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ کے طلباءِ جماعت نہم کی طرف سے طلباء جماعت دہم کے اعزاز میں دعوت عصرانہ کا اہتمام کیا گیا ۔ جس میں دیگر بزرگان سلسلہ واحباب کے علاوہ حضرت مصلح موعودؓ نے بھی شرکت فرمائی ۔ اور طلباء کو زریں نصائحؑ سے نوازا ۔

حضور نے اپنی تقریر کے آغاز میں ایڈریس [2] اور جواب ایڈریس [3] کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ۔ ایڈریس میں طلباء دہم کے اچھے نمونہ کا ذکر کیا گیا ہے ۔ اور جواب ایڈریس میں اساتذہ کا شکریہ ادا کیا گیا ہے جو زاید وقت دے کر بلا معاوضہ طلباء کو پڑھاتے رہے درحقیقت یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جو آنے والوں کے لیے مشعلِ راہ بن سکتی ہیں ۔ اور انہیں مدّنظر رکھ کر ہمارے سکول کے طلباء سینکڑوں سال کے لیے اپنی قوم ملک بلکہ دنیا کے لیے ایک نمونہ بن سکتے ہیں ۔ حضور نے یورپ کے ایک ڈاکٹر کی مثال دیتے ہوئے جس نے عمر بھر اپنے آپ کو اپنے سکول سے وابستہ رکھا طلباء کو نصیحت فرمائی کہ طلباء اگر واقعی اپنے سکول سے اور اپنے اساتذہ سے محبت اور اخلاص رکھتے ہیں تو اُن کا فرض ہے کہ وہ عمر بھر اس تعلق کو قائم رکھیں اپنے سکول کی نیک روایات کو زندہ رکھتے ہوئے ہمیشہ اس کے ساتھ گہری وابستگی کا ثبوت دیں ۔

حضور نے تحریک وقفِ زندگی کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرمایا : آپ کے ہیڈ ماسٹر صاحب

---

[1] بدر قادیان ۹ رفروری ۱۹۵۷ء صلا تا ۱۲ :: [2] ناصر احمد صاحب نے ایڈریس پڑھا :: [3] جواب ایڈریس مجیب الرحمٰن صاحب درد نے پیش کیا ۔

نے مجھے یقین دلایا ہے کہ بہت سے لڑکے دین کے لیے اپنی زندگیاں وقف کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ بعض لوگ سلسلہ کی آمد کو دیکھتے ہوئے یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ شاید سلسلہ زیادہ واقفین کے اخراجات برداشت نہ کر سکے۔ لیکن یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ درحقیقت دین کو ابھی لاکھوں واقفین۔ زندگی کی ضرورت ہے۔ باقی رہے ان کے اخراجات سو یہ اخراجات نہ قوم دے گی اور نہ ملک اور حکومت بلکہ خُدا خود مہیا کرے گا۔ ایسی جگہوں سے مہیا کرے گا جس کا تم گمان بھی نہیں کر سکتے ہماری عمر بھر کا یہ تجربہ ہے کہ اگر انسان خدا کا ہو جائے اور صحیح معنوں میں اس پر توکل کرے تو وہ آپ ُاس کی ساری ضروریات کا کفیل ہو جاتا ہے اور ہر موقعہ پر اس کی غیب سے اس کی مدد اور نصرت کے سامان مہیا فرما دیتا ہے۔

اس ضمن میں حضور نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے اور خود اپنی زندگی کے متعدد واقعات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کبھی مت خیال کرو کہ روپیہ کہاں سے آئے گا۔ اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو حضرت مسیح کے قول کے مطابق خدا تمہارے لیے آسمان سے اتارے گا۔ اور زمین سے اگائے گا۔ پس تم اخراجات اور تنخواہوں کا خیال نہ کرو۔ بلکہ خدا پر توکل کرتے ہوئے اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لیے لگا دو اور تبلیغ دین کو وسیع سے وسیع تر کرتے چلے جاؤ۔ پھر جماعت جوں جوں بڑھے گی تمہارے گذارے بھی بڑھیں گے۔ مگر نیت کبھی یہ نہ کرو کہ تمہارے گذارے بڑھیں نیت ہمیشہ یہی رکھو کہ تم نے تنخواہوں اور گذاروں کا خیال کیے بغیر محض خدا کے لیے کام کرنا ہے۔ پھر تم خود مشاہدہ کرو گے کہ کس طرح خدا تمہاری مدد کرتا ہے [1]

سیّدنا حضرت مصلح موعود کا سفر سندھ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود قریبًا ہر سال اراضی کے معائنے کے لیے سندھ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مگر ۱۹۵۴ء کے حملہ اور ۱۹۵۵ء کی علالت کے باعث حضور قریبًا تین سال تک سندھ نہ جا سکے۔ اس سال کے شروع میں حضور نے سفر سندھ اختیار کر کے ہزاروں بے تاب دلوں کو مسرت و شادمانی سے ہمکنار فرمایا۔

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۹ رفروری ۱۹۵۷ء صفحہ ۱

حضور ۹ فروری ۱۹۵۷ء کو صبح نو بجے ربوہ سے بذریعہ کار لاہور تشریف لے گئے حضور کا پروگرام "تیزگام" کے ذریعے سفر کرنے کا تھا۔ حضرت سیّدہ اُمّ متین صاحبہ سیّدہ امۃ النصیر صاحبہ، سیّدہ امۃ الباسط صاحبہ، سیّدہ امۃ الجمیل صاحبہ۔ صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور مکرم پیر معین الدین صاحب بھی حضور کے ہمرکاب تھے۔ لاہور میں حضور نے صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی کوٹھی پر تھوڑی دیر قیام فرمایا۔ گاڑی نے تین بجکر پچپن منٹ پر روانہ ہونا تھا۔ حضور گاڑی کی روانگی سے تھوڑی دیر قبل اسٹیشن پر تشریف لے آئے۔ جماعت احمدیہ لاہور کے مخلص احباب بھی کثیر تعداد سٹیشن پر الوداع کہنے کے لیے موجود تھے۔ راستہ میں اوکاڑہ۔ منٹگمری (ساہیوال) اور خانیوال کے سٹیشنوں پر جماعت کے بہت سے دوست تشریف لائے ہوئے تھے۔ جنہیں حضور نے شرف مصافحہ بخشا۔ منٹگمری کے اسٹیشن پر مکرم چوہدری محمد شریف صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ منٹگمری نے حضور اور حضور کے تمام خدام کے لیے رات کا کھانا پیش کیا۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

۱۰ فروری ساڑھے آٹھ بجے صبح گاڑی حیدر آباد پہنچی۔ جہاں جماعت احمدیہ حیدر آباد اور ان کے ڈویژنل امیر ڈاکٹر احمد دین صاحب کے علاوہ کراچی سے مکرم چوہدری عبد اللہ خاں صاحب امیر جماعت احمدیہ کراچی معہ دیگر مخلصین جماعت اور مکرم چوہدری عزیز احمد صاحب معہ احباب ظفر آباد سے اور مکرم سید داؤد مظفر شاہ صاحب ناصر آباد سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس موقع پر جماعت احمدیہ حیدر آباد نے ناشتہ پیش کیا۔ اور حضور بذریعہ جیپ کار بشیر آباد تشریف لے گئے۔ قافلہ کا کچھ حصہ سید داؤد مظفر شاہ صاحب کے ساتھ ناصر آباد روانہ ہو گیا۔ بشیر آباد کے کثیر احباب حضور کے استقبال کے لیے اسٹیٹ میں موجود تھے۔ مکرم چوہدری عزیز احمد صاحب معہ احباب ظفر آباد بھی سارا وقت موجود رہے دوپہر کا کھانا جماعت کی طرف سے پیش کیا گیا۔ رات حضور نے کنال ریسٹ ہاؤس میں ہی قیام فرمایا۔ دوسرے دن وہاں سے ناصر آباد کے لیے روانہ ہوئے۔ بشیر آباد سے حضور معہ اہلِ بیعت بذریعہ جیپ کار ۱۱ فروری کو چار بجے دوپہر روانہ ہوئے۔ راستہ میں حضور نے میر پور خاص میں ایک رات قیام فرمایا۔ اس قیام کے دوران میں مکرم ڈاکٹر عبد الرحمٰن صاحب صدیقی نے اس مبارک قافلہ کی خدمت کا شرف حاصل کیا اور دعوتِ طعام کی۔ ۱۲ فروری ساڑھے نو بجے صبح میر پور خاص سے بذریعہ ٹرین ناصر آباد

روانہ ہوئے۔ اور بارہ بجے کنجیجی سٹیشن پر پہنچے۔ مقامی اور گرزی کی جماعت کے تمام دوست سٹیشن پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ جنہوں نے اَھْلاً وَّ سَھْلاً وَّ مَرْحَبًا کہا بعدازاں حضور ناصر آباد رونق افروز ہوئے۔ سید داؤد مظفر صاحب نے حضور کے اعزاز میں دعوت کی۔

۱۳/۱۴ فروری کو حضور نے ناصر آباد اسٹیٹ کی فصلوں اور باغ کا معائنہ فرمایا ۱۵ فروری حضور نے خطبہ جمعہ میں جماعت کے دوستوں کو تلقین فرمائی۔ کہ انہیں اپنی سستی دور کرنی چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ان پر اشاعتِ دین کا فرض عائد کیا گیا ہے اس کی ادائیگی میں پوری تن دہی سے کام لینا چاہیئے[1]

حضور ۱۷ فروری کو احمد آباد تشریف لائے اس موقع پر احمد آباد محمد آباد۔ اور بنی سرروڈ کی جماعتوں نے حضور کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ اور دل سے خوش آمدید کہنے کی سعادت حاصل کی۔ اسی روز سہ پہر کو تحریک جدید اسٹیٹس کے جلسہ تقسیم انعامات کا انعقاد عمل میں آیا۔ جس میں حضور نے اپنے دستِ مبارک سے حسب ذیل کارکنان کو انعامات عطا فرمائے۔

۱۔ اسسٹنٹ ایجنٹ۔ مکرم غلام احمد صاحب عطاءؔ

۲۔ مینجران :- پیرزادہ صلاح الدین صاحب و محمد اسماعیل صاحب خالد

۳۔ منشیان۔ بشیر احمد صاحب۔ نذیر احمد صاحب۔ محمد بوٹا صاحب۔ نذر احمد صاحب محمد موسیٰ صاحب۔ محمد عبد اللہ صاحب۔ محمد صادق صاحب[2]۔

۱۹ فروری کو حضور ناصر آباد سے کراچی کے لیے روانہ ہوئے۔ ناصر آباد۔ محمود آباد اور گرزی کے بہت سے دوست حضور کے الوداع کے لیے کنجیجی اسٹیشن پر موجود تھے۔ ان تینوں جماعتوں نے حضور کے دورانِ قیام نہایت مخلصانہ خدمات سرانجام دیں۔

گاڑی روانہ ہونے پر اسٹیشن کی فضا نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اُٹھی۔ پانچ بجے کے قریب گاڑی میرپور خاص پہنچی۔ ڈاکٹر عبد الرحمٰن صاحب صدیقی نے حضور اور حضور کے تمام قافلہ

---

[1] الفضل ۲۶ فروری ۱۹۵۷ء صہ خطبہ جمعہ روزنامہ الفضل ۲۶ فروری ۱۹۵۷ء صہ۲-۴ پر شائع شدہ ہے

[2] روزنامہ الفضل ۲۴ فروری ۱۹۵۷ء صہ۸ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الفضل ۸ مارچ ۱۹۵۷ء صہ

کے لیے عصرانہ کا انتظام فرمایا۔

گاڑی ساڑھے آٹھ بجے شب حیدر آباد پہنچی۔ جہاں جماعت احمدیہ حیدر آباد کے تمام دوست اپنے پریذیڈنٹ مکرم عبدالغفار صاحب کے ساتھ استقبال اور قافلہ کی خدمت کے لیے موجود تھے۔ ان کے علاوہ مکرم ڈاکٹر عبدالحمید صاحب اور خدام الاحمدیہ کراچی کے کچھ ممبر بھی انتظامات کے سلسلہ میں پہنچ چکے تھے۔ حضور نے رات گاڑی میں ہی آرام فرمایا۔ صبح کی چائے ڈاکٹر عبدالحمید صاحب نے پیش کی۔ گاڑی صبح ساڑھے چار بجے حیدر آباد سے روانہ ہو کر ۲۰ فروری کو ۸½ بجے صبح کراچی صدر پہنچی۔ اسٹیشن پر جماعت احمدیہ کراچی کے بہت سے مخلصین امیر کراچی چوہدری عبداللہ خانصاحب کی قیادت میں استقبال کے لیے صف بستہ کھڑے تھے۔ حضور گاڑی سے اترنے کے بعد صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی کوٹھی "دارالصدر" میں تشریف لے گئے۔ جہاں حضور کے قیام کا انتظام تھا۔

کراچی میں حضور کا قیام تیرہ روز رہا۔ اس دوران میں جماعت احمدیہ کراچی نے بے مثال اخلاص محبت اور فدائیت کا نمونہ دکھایا۔ حضور کی حفاظت خاص کے انتظامات میں نہایت پُرجوش اور سرگرم حصہ لیا۔ اور رات دن قابل رشک خدمات سرانجام دیں۔ کوٹھی دارالصدر پر مہمان نوازی کے فرائض انجام دینے کی سعادت مکرم میجر شمیم احمد صاحب، بابو عبدالحمید صاحب اور شیخ خلیل الرحمن صاحب کے حصہ میں آئی۔ جنہوں نے جماعت کراچی کی نمائندگی کا حق ادا کر دیا۔

حضرت مصلح موعودؓ اور حضور کے قافلہ کی مہمان نوازی کا انتظام کلیتہً جماعت احمدیہ کراچی نے کیا۔ تاہم انفرادی طور پر مکرم چوہدری بشیر احمد صاحب مکرم شیخ اعجاز احمد صاحب اور ڈاکٹر عبدالحمید صاحب نے مختلف اوقات میں حضور کو دعوت طعام دی۔ اسی طرح میجر شمیم احمد صاحب شیخ رحمت اللہ صاحب نائب امیر کراچی عبدالحی صاحب ونگ کمانڈر ماڑی پور اور احمدیہ انٹر کالیجیٹ ایسوسی ایشن نے حضور کی خدمت میں عصرانہ پیش کیا۔[1]

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے کراچی میں تیرہ روز قیام کے دوران علاوہ روزانہ ملاقاتوں کے دو خطبات جمعہ پڑھے۔ اور چار لیکچر دیئے۔

---

[1] الفضل ۹ مارچ ۱۹۵۰ء صفحہ ۶

ایک لیکچر یوم مصلح موعود کی تقریب میں احمدیہ ہال میں دوسرا بیچ لگژری ہوٹل میں تیسرا مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کے اجلاس میں۔ اور چوتھا ماڑی پور میں دیا۔

یوم مصلح موعودؓ کی تقریب پر ۲۰ فروری ۱۹۵۷ء کو سوا سات بجے شام احمدیہ ہال میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں مقامی جماعت کے علاوہ سینکڑوں غیر احمدی معززین نے شرکت کی۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی بصیرت افروز تقریر میں اس امر پر خاص طور پر زور دیا۔ کہ اگر احمدی خدا تعالیٰ کی مدد پر کامل یقین اور بھروسہ رکھیں گے تو اُس کے فرشتے اُن کی مدد کریں گے۔ اور انہیں غیر معمولی برکتیں عطا ہوں گی چنانچہ فرمایا:۔

"وہ یہی چاہتا ہے کہ میری عظمت اور میری توحید اور میری تفرید دنیا میں قائم ہو اور اس غرض کو پورا کرنے کے لیے سوائے جماعت احمدیہ کے دنیا میں کوئی جماعت کام نہیں کر رہی لوگوں کے پاس مال بھی ہے ان کے پاس طاقت بھی ہے اُن کے پاس ذرائع اور اسباب بھی ہیں ان کے پاس حکومت بھی ہے لیکن کوئی نہیں جو خدا کے نام کو بلند کر رہا ہو اور اس کے دین کی اشاعت کے لیے کوشش کر رہا ہو۔ صرف جماعت احمدیہ ہی ہے جس کے افراد غریب ہوتے ہوئے کنگال ہوتے ہوئے کمزور اور ناطاقت ہوتے ہوئے جو کچھ بچتا ہے خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لیے دے دیتے ہیں یہاں تک کہ اپنے بچوں کے بچے ہوئے ٹکڑے بھی وہ خدا تعالیٰ کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں اگر کمزور اور ناطاقت اور غریب اور کنگال ہوتے ہوئے وہ خدا کے لیے ایسی قربانی کرتے ہیں تو کیا خدا ہی نعوذ باللہ ایسا بے غیرت ہے جو انہیں ذلت میں چھوڑ کر اپنے عرش پر جا بیٹھے گا۔ کیا کسی انسان کے عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ خدا بے غیرت ہو۔ جس طرح یہ بات کسی انسانی عقل میں نہیں آسکتی کہ خدا بے غیرت ہو اسی طرح یہ بھی کسی انسانی عقل میں نہیں آسکتا کہ دین کی خدمت کرنے والے لوگوں کو چھوڑ کر وہ آسمان پر چلا جائے گا اور وہ اس وقت تک آسمان پر نہیں جائے گا جب تک وہ ان کو تخت پر نہ بٹھا دے .... جب وہ وقت آئے گا کہ احمدیت دنیا میں چاروں طرف پھیل جائے گی ...... اور اس وقت ممکن ہے کہ خدا کہے کہ چند روز تم بھی کھیل کھیل لو لیکن جب تک وہ وقت نہیں آتا اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ رہے گا۔ اور وہ تمہیں کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں چھوڑے گا۔ مَیں نے کئی دفعہ کہا ہے کہ ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ایسا ہی سلوک ہے جیسا

ماں باپ کا اپنے بچوں کے ساتھ ہوتا ہے ماں باپ بعض دفعہ میز یا کوئی چیز اٹھانا چاہتے ہیں تو بچے کو کہتے ہیں تم بھی میز اٹھاؤ اور وہ بھی اپنا ہاتھ میز کے نیچے رکھ دیتا ہے اور خوش ہوتا ہے کہ میں کام کر رہا ہوں۔ اسی طرح ہمارے سب کام خدا کر رہا ہے مگر بچے کی طرح ہم بھی ادنیٰ اور حقیر قربانیاں کر کے خوش ہو جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہم کام کر رہے ہیں۔ حالانکہ ہم نہیں کر رہے ہمارا خدا سب کچھ کر رہا ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جس وقت میز اٹھائی جا رہی ہوتی ہے تو بچہ ہی خوش نہیں ہوتا ماں باپ بھی خوش ہوتے ہیں کہ ہمارا بچہ ہمارے کام میں شریک ہے اس طرح جب تم خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لیے کھڑے ہوتے ہو تو صرف تم ہی خوش نہیں ہوتے بلکہ خدا بھی تمہارے کام پر خوش ہوتا ہے پس یقین رکھو کہ جب تک تم ان باتوں پر قائم رہو گے اور دین کے لیے قربانیاں کرتے چلے جاؤ گے کوئی شخص تمہارا بال بھی بیگا نہیں کر سکے گا۔ اور اگر کوئی شخص تم پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے گا تو خدا کے فرشتے تمہارے دائیں بھی ہوں گے اور بائیں بھی ہوں گے جو کچھ مدینہ کے انصار نے بدر کے موقعہ پر کہا تھا وہی خدا کے فرشتے تم سے کہیں گے جس طرح انہوں نے کہا تھا کہ یا رسول اللہؐ ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے اس طرح جبرئیلؑ اور اس کے ساتھی تم سے کہیں گے کہ اے خدا کے دین کی خدمت کرنے والو ہم تمہارے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن تم تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ فرشتے کبھی مر نہیں سکتے اس لیے دشمن بھی کبھی تم تک نہیں پہنچ سکتا صحابہ مر سکتے ہیں اور وہ دشمن کے حملہ سے غافل بھی ہو سکتے ہیں چنانچہ اُحد کی جنگ میں دشمن ان کو نقصان پہنچاتے ہوئے آگے نکل آیا مگر تمہارے لیے وہ زمانہ نہیں آ سکتا۔ تم ہمیشہ خدا تعالیٰ کی گود میں رہو گے اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے تمہاری حفاظت کرتے رہیں گے ...... اور یہ سلسلہ بڑھتا چلا جائے گا اور ترقی کرتا چلا جائیگا اور تمہاری طاقت اور عزت اور شہرت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ تم ساری دنیا میں پھیل جاؤ گے۔ اور وہ لوگ جو آج تم پر اعتراض کرتے ہیں اور تمہیں حقیر اور ذلیل قرار دیتے ہیں وہ اس وقت جب کہ تم دنیا میں غالب ہو گے تم سے کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنی عزت اور شہرت

میں سے کچھ حصہ دو۔ اس وقت تمہیں ذلیل سمجھنے والا تمہاری گداگری کرے گا اور تم پر ظلم کرنے والا تمہارے رحم کا طالب ہوگا اور تمہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھنے والا تمہاری عزت کا اقرار کرے گا۔ اور اپنے گذشتہ فعل پر شرمندہ اور نادم ہوگا۔ یہ خدا کی تقدیر ہے جو پوری ہو کر رہے گی۔

ع قضائے آسمان است ایں بہر حالت شود پیدا

پس خدا تعالیٰ پر ایمان رکھو۔ اور یقین رکھو تم دنیا پر غالب آنے والے ہو بے شک تم اس وقت کمزور اور ناطاقت سمجھے جاتے ہو مگر وہ دن زیادہ دور نہیں کہ خدا کی رحمت نئی نئی شکلوں میں ظاہر ہوگی اور تمہیں اس کی قدرت کے وہ نمونے دکھائے گی جو تمہارے وہم اور گمان میں بھی نہیں ہیں۔

بد قسمت ہے وہ انسان جو مایوس ہو جاتا اور مشکلات کے وقت ہمت ہار کر بیٹھ جاتا ہے ایسا ہی انسان خدا تعالیٰ کی رحمت سے کبھی حصہ نہیں پا سکتا اس کی رحمت سے حصہ پانے کے لیے ضروری ہے۔ کہ انسان خدا تعالیٰ کی مدد پر کامل یقین اور بھروسہ رکھے بے شک تمام کام خدا تعالیٰ کی مدد سے ہی سرانجام پاتے ہیں مگر وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا ہے کہ میرا بندہ کتنا صبر کرتا ہے پھر یکدم اس کی رحمت کے ایسے دروازے کھلتے ہیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ رحمتیں اور برکتیں تو میرے وہم اور گمان میں بھی نہیں تھیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی برکتیں اور اس کی رحمتیں آ رہی ہیں تم ان دونوں کا انتظار کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مصیبتوں کی رسیاں کاٹ ڈالے گا اور وہ چیزیں جن کو تم حاصل نہیں کر سکتے ان کو خدا آپ تمہارے لیے مہیا کر دے گا میں یہ نہیں کہتا کہ ابھی ایسا ہو جائے گا۔ یا ایک گھنٹے کے بعد یا ایک دن کے بعد یا ایک ہفتہ کے بعد یا دو ہفتہ کے بعد یا ایک مہینہ کے بعد یا دو مہینہ کے بعد ایسا ہو جائے گا مگر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ آسمان ٹل سکتا ہے۔ زمین ٹل سکتی ہے۔ سورج ٹل سکتا ہے۔ ستارے ٹل سکتے ہیں دنیا اِدھر سے اُدھر ہو سکتی ہے مگر خدا کا یہ وعدہ کبھی نہیں ٹل سکتا کہ وہ تمہیں ایسی برکتیں دے گا اور تم پر اپنے ایسے انعام نازل کرے گا کہ دشمن سے دشمن بھی یہ اقرار کرنے پر مجبور ہوگا کہ تم ایک مبارک وجود ہو۔[1]

۲۲ فروری کو حضور نے بیچ لگژری ہوٹل میں جماعت کراچی کی استقبالیہ دعوت میں شرکت کی

---

[1] روزنامہ الفضل ۸ مارچ ۱۹۵۷ء ص ۳ ، ۵

اور کثیر التعداد معزز مہمانوں سے قریبًا ڈیڑھ گھنٹہ تک خطاب فرمایا جس میں بیداری کی تحریک اور اہل کشمیر کی حالت کو بہتر بنانے کی جدّ وجہد سے اپنی ذاتی تعلق کو واضح کرتے ہوئے اُن مساعی پر روشنی ڈالی جو حضور نے اہلِ کشمیر کو آزادی کے قریب تر لانے کے سلسلہ میں فرمائیں۔ حضور نے اہلِ پاکستان کو نصیحت فرمائی کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کریں اور خدا پر بھروسہ رکھیں [1]

۲۴ فروری ۱۹۵۷ء کو "دارالصدر" واقعہ ہاؤسنگ سوسائٹی میں مجلس خدام الاحمدیہ کا ایک اہم اجتماع منعقد ہوا۔ اس موقعہ پر حضور نے مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ کراچی کے ممبران کو خصوصی شرف ملاقات بخشا اور اور انہیں نصیحت فرمائی کہ اُن کو عبادت اور تعلق باللہ کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ ہزاروں نوجوان ایسے پیدا ہونے چاہیئے جن کو سچی خوابیں اور الہام ہوں۔ قائد کراچی چوہدری عبدالمجید صاحب کی درخواست پر حضور نے اپنے قلم مبارک سے مندرجہ ذیل تحریر مجلس کراچی کو عنایت فرمائی [2]

> اپنے فرائض کو سمجھو، اور اپنی زندگی پر غور کرتے رہو کہ وہ نہایت محدود ہے، لیکن کام جو آپ لوگوں کے سپرد کیا گیا ہے، ہزاروں سال کا ہے، لیکن اسے ستّر اسیّ سال میں ختم نہ کیا گیا تو اس کا پورا ہونا یا تو ناممکن ہو جائے گا یا جتنی بھی فتح حاصل کی گئی بیکار اور ضائع ہو جائے گی،
> اللہ تعالیٰ ہم کو اس دن سے محفوظ رکھے۔ آمین   والسلام۔ خاکسار
> مرزا محمود احمد [3]

---

[1]: الفضل ۲۶ رفروری ۱۹۵۷ء صا

[2]: الفضل ۲۲ رمارچ ۱۹۵۷ء

[3]: محترم بشیرالدین احمد سامی صاحب سابق معتمد خدام الاحمدیہ کراچی حال مدیر "اخبار احمدیہ" لنڈن کا بیان ہے کہ یہ مبارک تحریر مجلس خدام الاحمدیہ کے تبرکات میں محفوظ کر دی گئی۔
(مکتوب لنڈن مورخہ ۶ ردسمبر ۱۹۸۵ء)

اجتماع کی کارروائی تلاوت قرآن کریم سے ہوئی جس کے بعد قائد مجلس کراچی نے مجلس کی کارگزاری سے متعلق رپورٹ پڑھ کر سنائی جس کے بعد حضور نے اپنے پُراثر خطاب میں ارشاد فرمایا کہ خدام اپنے اندر دین کی خدمت کا ایسا جذبہ پیدا کریں کہ تم میں سے کوئی شخص بھی تحریک جدید میں حصہ لینے سے محروم نہ رہے۔ کمزور نوجوانوں کی اصلاح کے لیے اجتماعی دعاؤں سے کام لو[۱]

اسی روز حضور نے مجلس خدام الاحمدیہ حلقہ مارٹن روڈ کے دفتر کا معائنہ فرمایا اور مرزا نذیر احمد صاحب زعیم حلقہ کی درخواست پر حسب ذیل تحریر رقم فرمائی:

"مجھے بتایا گیا ہے کہ اس حلقہ کے خدام نے غرباء کی خدمت میں بہت حصہ لیا ہے۔ میں نے بھی سامان خصوصاً گھی پگھلاتے ہوئے دیکھا ہے جو بعد میں تقسیم کیا جائے گا محنت اور نفاست قابلِ تعریف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ خدمت کی توفیق دے اور اخلاص اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی کی تڑپ دل میں پیدا کر دے"۔

خاکسار مرزا محمود احمد ۲۴/۲/۵۷

اس کے بعد آپ حلقہ لالوکھیت میں تشریف لے گئے اور خدام الاحمدیہ کو گھی دودھ غرباء میں تقسیم کرتے ہوئے ملاحظہ فرمایا[۲]

یکم مارچ کو حضور ڈرگ روڈ کے احمدی احباب کو شرف ملاقات عطا فرمایا۔ نیز ملک غلام محمد صاحب مرحوم سابق گورنر جنرل پاکستان کی تعزیت کے لیے جناب حسین ملک صاحب کے ہاں تشریف لے گئے اور قریباً ایک گھنٹہ تک تشریف فرما رہے[۳]

۲ مارچ کو حضور نے اپنی قیام گاہ "دارالصدر" میں محترم شیخ عبدالوہاب صاحب مرکزی سیکرٹری مال جماعت احمدیہ کراچی اور دوسرے کارکنان کو شرفِ ملاقات عطا فرمایا اس مبارک موقع پر حضور نے ازراہِ شفقت کارکنان کی درخواست پر حسب ذیل پیغام بھی تحریر فرمایا۔

"برادران۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

---

۱ الفضل ۱۳ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۳ :: ۲ روزنامہ الفضل ۲۲ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۶

۳ الفضل ۵ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۱

"آپ جب تاریخ میں حضرت خالدؓ اور سعدؓ اور عمرؓ بن معدی کرب اور ضرارؓ کے حالات پڑھتے ہوں گے تو آپ کے دل میں خواہش ہوتی ہوگی۔ کہ کاش ہم بھی اس زمانہ میں ہوتے۔ اور خدمت کرتے مگر اس وقت آپ کو بھول جاتا ہے۔ کہ ہر سخنے وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد

اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے جہاد بالسیف کی جگہ جہاد تبلیغ اور جہاد بالنفس کا دروازہ کھولا ہے۔ اور تبلیغ ہو نہیں سکتی جب تک روپیہ نہ ہو۔ کیونکہ تبلیغ بغیر روپیہ کے نہیں ہو سکتی۔ پس آپ لوگ اس زمانہ کے مجاہد ہیں۔ اور وہی ثواب جو پہلوں کو ملا۔ آپ کو مل سکتا ہے۔ اور مل رہا ہے

پس اپنے کام کو خوش اسلوبی سے کریں۔ اور دوسروں کو سمجھائیں تاکہ آپ سب لوگ مجاہد فی سبیل اللہ ہو جائیں۔ آمین

والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد"[1]

۳ مارچ کو حضور نے جماعتِ احمدیہ کراچی کی مجلس عاملہ کو صبح دس بجے اور اس کے بعد جماعت کے تمام افراد کو شرفِ مصافحہ عطا کیا۔ اسی روز کراچی کے مختلف حلقوں سے نو افراد نے حضور کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اس سے پہلے بھی کئی سعید روحیں حلقہ بگوش احمدیت ہوئیں۔

قیام کراچی کے دوران حضور ظہر و عصر کی نمازوں کے بعد بالعموم مجلس عرفان میں رونق افروز ہوتے اور اپنے کلمات طیبات سے احباب کے ایمان و عرفان میں اضافہ فرماتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کراچی کی مخلص جماعت نے اپنے پیارے آقا کی برکات سے فیضیاب ہونے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا انہوں نے نہ صرف اپنے سینوں کو انوارِ خلافت سے منور کیا بلکہ غیر از جماعت دوستوں اور معززین شہر اور اعلیٰ افسران کی ایک کثیر تعداد کو حضور کی خدمت میں لانے کے مواقع پیدا کیے اور اس طرح کراچی تیرہ روز تک علم و عرفان کی بارش کا مرکز بنا رہا اور کراچی کے مختلف حلقوں میں احمدیت کا چرچا رہا۔[2]

۴ مارچ کو حضرت مصلح موعودؓ کا پروگرام چناب ایکسپریس کے ذریعہ کراچی سے روانگی کا تھا جس سے گھنٹہ بھر قبل ہی جماعت احمدیہ کراچی کے تمام مخلصین جوق در جوق سٹیشن پر جمع ہونے شروع

---

[1] الفضل ۲۸ مارچ ۱۹۵۷ء صـ۲ :: [2] الفضل ۹ مارچ ۱۹۵۷ء صـ۶

ہوئے۔ اور تھوڑی دیر میں ہی ایک بہت بڑا اجتماع ریلوے پلیٹ فارم پر جمع ہوگیا گاڑی کی روانگی سے قبل حضور نے ہاتھ اٹھا کر دعا کرائی۔ تمام دوستوں نے بھی ہاتھ اٹھائے اور دیر تک اپنے پیارے آقا کی صحت وسلامتی اور درازیٔ عمر کے لیے دعائیں کی جاتی رہیں۔ ۷ بجے شام جب گاڑی حرکت میں آئی تو تمام پلیٹ فارم نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اٹھا۔ کئی مخلصین گاڑی کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہوئے نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ گاڑی پلیٹ فارم کی حدود سے باہر نکل گئی۔ اور دوست اپنے گھروں کو واپس تشریف لے گئے۔ کراچی کینٹ۔ ڈرگ روڈ اور مالیر میں بھی سینکڑوں دوست الوداع کہنے کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔ جنہوں نے اپنے اخلاص اور محبت کا قابلِ رشک مظاہرہ کیا۔ چوہدری عبداللہ خانصاحب معہ اپنی بیگم صاحبہ کے ڈرگ روڈ تک تشریف لائے۔

حیدرآباد رات کو گیارہ بجے گاڑی پہنچی۔ وہاں بھی تمام دوست حضور کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ احمدیہ اسٹیٹس سے بھی کئی معززین حضور کی زیارت سے مشرف ہونے کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ خدام الاحمدیہ حیدرآباد نے مکرم سیّد حضرت اللہ پاشا صاحب کی قیادت میں حضور کے دونوں طرف کے سفر میں راتوں کو جاگ کر غیر معمولی خدمات سرانجام دی تھیں اور کراچی اور صادق آباد تک پہرہ کا انتظام کیا۔

خانپور صبح آٹھ بجے گاڑی پہنچی جہاں مقامی جماعت حضور کے استقبال کے لیے موجود تھی۔ نصیر احمد خانصاحب نے اس مبارک قافلہ کے لیے ناشتہ کا انتظام فرمایا۔

راستہ میں لیاقت پور، ڈیرہ نواب، سمہ سٹہ۔ بہاولپور۔ لودھراں۔ ملتان۔ خانیوال۔ عبدالحکیم شورکوٹ۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ، گوجرہ اور لائل پور (فیصل آباد) کے سٹیشنوں پر دور دور سے جماعتیں استقبال کے لیے موجود تھیں۔ دوپہر کا کھانا جماعت احمدیہ ملتان نے اور شام کا جماعت احمدیہ فیصل آباد کی طرف سے پیش کیا گیا [1]

گاڑی رات کو کراچی سے بخیریت ربوہ پہنچی۔ ربوہ کے مخلصین اپنی جان سے پیارے اور مقدس آقا کے خیر مقدم کی سعادت حاصل کرنے کے لیے پہلے سے اسٹیشن پر موجود تھے۔ گاڑی ایک گھنٹہ

---

[1] الفضل ۲۸ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ

لیٹ تھی۔ لیکن احباب شوقِ انتظار میں ایک خاص نظام کے ماتحت قطار دار اسٹیشن پر کھڑے رہے جونہی گاڑی اسٹیشن پر پہنچی تمام فضا نعرہ ہائے تکبیر کے پُرجوش نعروں سے گونج اٹھی۔ امیر مقامی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب مولانا جلال الدین شمسؔ اور دیگر بزرگانِ سلسلہ حضور کے استقبال کے لیے آگے بڑھے۔ جس ڈبے میں حضور تشریف فرما تھے اس کے ساتھ لکڑی کا ایک زینہ لگا دیا گیا تھا۔ تاکہ حضور بسہولت نیچے تشریف لا سکیں حضور نے دروازہ کھولتے ہی زینہ ہٹانے کی ہدایت فرمائی چنانچہ حضور گاڑی کے پائیدانوں پر قدم رکھتے ہوئے نیچے اُترے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ نے آگے بڑھ کر شرف مصافحہ حاصل کیا۔ بعدہ حضور ان کی معیّت میں احباب جماعت کی قطاروں میں سے گذرتے ہوئے اسٹیشن کے باہر تشریف لائے اور موٹر میں سوار ہونے کے بعد قصرِ خلافت تشریف لے گئے۔ اس دوران میں عشاق خلافت پُرجوش نعرے لگا کر اپنے اخلاص و عقیدت اور والہانہ محبّت کا اظہار کرتے رہے۔ حضور کے ہمراہ صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منوّر احمد صاحب، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب، میاں غلام محمد صاحب اخترؔ ناظر اعلیٰ ثانی اور کیپٹن شیر ولی صاحب (افسر حفاظت) بھی واپس ربوہ پہنچے[1]

بیلاطوس ثانی ڈگلس کی وفات

اس سال کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ کرنل ایم ڈبلیو ڈگلس (Col. M. W. DOUGLUS) سی۔ایس۔آئی۔ سی۔آئی۔ای ریٹائرڈ چیف کمشنر جزائر انڈیمان و سابق ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع گورداسپور مورخہ ۲۵ فروری ۱۹۵۷ء کو لنڈن میں وفات پا گئے اس سلسلہ میں مرکز میں جو تار موصول ہوا اُس کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے

"لنڈن ۲۵ فروری ۱۹۵۷ء

کرنل ڈگلس جنہوں نے (عیسائی پادریوں کے جھوٹے مقدمے میں) حضرت مسیح موعود علیہ السّلام[2] کو بری قرار دیا تھا۔ آج یہاں ۹۳ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ امام بیتِ فضل لنڈن" کرنل ڈگلس موصوف بہت شریف نیک دل اور نہایت انصاف پسند انسان تھے۔ ان کا یہ انصاف کبھی نہیں بھولایا

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۷ مارچ ۱۹۵۷ء صا

[2] الفضل ۲۸ فروری ۱۹۵۷ء صا،۸

جا سکتا کہ جب وہ ضلع گورداسپور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تھے اور جب عیسائی پادری ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے خلاف ایک جھوٹا مقدمہ کھڑا کیا۔ تو باوجود اس کے کہ یہ مقدمہ ایک عیسائی پادری کی طرف سے تھا اور باوجود اس کے کہ یہ مقدمہ ایک ایسے شخص کے خلاف تھا جو عیسائیت کے مقابل پر کسر صلیب کا مشن لے کر میدان میں نکلا ہوا تھا۔ اور جس کا لٹریچر مسیحیت اور دجالیت کے خلاف بھرا پڑا ہے۔ اور پھر باوجود اس کے کہ کرنل ڈگلس موصوف خود بھی ایک مسیحی تھے۔ اور یہ ان کی جوانی اور جوش کا زمانہ تھا۔ انہوں نے حق و صداقت کی خاطر انصاف سے کام لیا۔ اور حقیقت کو پا جانے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بَری کرتے ہوئے عیسائی پادری کا دعویٰ خارج کر دیا۔ جب بھی لندن میں کوئی احمدی دوست کرنل ڈگلس سے جا کر ملا کرتے تھے تو کرنل موصوف از خود اس مقدمے کا ذکر شروع کر دیتے تھے۔ اور جوش کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ مَیں نے مرزا صاحب کو دیکھ کر یہ یقین کر لیا تھا کہ یہ شخص جھوٹا نظر نہیں آتا۔ اور ان کے خلاف بناوٹی مقدمہ کھڑا کیا گیا ہے۔ اس لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیحی عقاید کی شدید مخالفت کے باوجود کرنل ڈگلس کی اس منصفانہ فعل کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ان کی تعریف فرمائی اور "کشتی نوح" میں تحریر فرمایا:۔

"یہ پیلاطوس مسیح ابن مریم کے پیلاطوس کی نسبت زیادہ با اخلاق ثابت ہوا کیونکہ عدالت کا پابند رہا۔ اور بالائی سفارشوں کی اس نے کچھ بھی پرواہ نہ کی۔ اور قومی اور مذہبی خیال نے بھی اس میں کچھ تغیّر پیدا نہ کیا۔ اور اس نے عدالت پر پورا قدم مارنے سے ایسا عمدہ نمونہ دکھایا کہ اگر اس کے وجود کو قوم کا فخر اور حکام کے لیے نمونہ سمجھا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ عدالت ایک مشکل امر ہے جب تک انسان تمام تعلقات سے علیحدہ ہو کر عدالت کی کرسی پر نہ بیٹھے تب تک اس فرض کو عمدہ طور پر ادا نہیں کر سکتا مگر ہم اس سچّی گواہی کو ادا کرتے ہیں کہ اس پیلاطوس نے اس فرض کو پورے طور پر ادا کیا اگرچہ پہلا پیلاطوس جو رومی تھا اس فرض کو اچھے طور پر ادا نہیں کر سکا۔ اور اس کی بزدلی نے مسیح کو بڑی بڑی تکالیف کا نشانہ بنایا۔ یہ فرق ہماری جماعت میں ہمیشہ تذکرہ کے لائق ہے جب

ے صفحہ ۵۱، ۵۲ طبع اوّل مطبع ضیاء الاسلام قادیان - ۵ ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

تک کہ دُنیا قائم ہے اور جیسے جیسے یہ جماعت لاکھوں کروڑوں افراد تک پہنچے گی ویسی ویسی تعریف کے ساتھ اس نیک نیت حاکم کا تذکرہ رہے گا۔ اور یہ اس کی خوش قسمتی ہے کہ خدا نے اس کام کے لیے اُسی کو چُنا۔ ایک حاکم کے لیے کس قدر یہ امتحان کا موقع ہے کہ دو فریق اس کے پاس آویں کہ ایک ان میں سے اس کے مذہب کا مشنری ہے اور دوسرا فریق وہ ہے جو اس کے مذہب کا مخالف ہے اور اس کے پاس بیان کیا گیا ہے کہ وہ اس کے مذہب کا سخت مخالف ہے۔ لیکن اس بہادر پیلاطوس نے اس امتحان کو بڑے استقلال کے ساتھ برداشت کر لیا اور اسکو ان کتابوں کے مقام دکھلائے گئے۔ جن میں کم فہمی سے عیسائی مذہب کی نسبت سخت الفاظ سمجھے گئے تھے اور ایک مخالفانہ تحریک کی گئی تھی۔ مگر اس کے چہرے پر کچھ تغیر پیدا نہ ہوا کیونکہ وہ اپنی روشن کانشنس کی وجہ سے حقیقت تک پہنچ گیا تھا اور چونکہ اس نے مقدمہ کی اصلیت کو سچے دل سے تلاش کیا اس لیے خدا نے اس کی مدد کی اور اس کے دل پر سچائی کا الہام کیا اور اس پر واقعی حقیقت کھول گئی اور وہ اس سے بہت خوش ہوا کہ عدل کی راہ نظر آ گئی۔"

کرنل ایم ڈبلیو ڈگلس کی وفات پر جماعت احمدیہ کی طرف سے امیر مقامی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے امام بیت الفضل لنڈن کے نام حسب ذیل تعزیتی تار ارسال فرمایا:۔

کرنل ڈگلس کی وفات کی اطلاع پہونچی۔ اِن کے خاندان کو دلی ہمدردی کا پیغام پہنچا دیں۔ ان کا وہ دلیرانہ اور دیانتدارانہ رویہ جو انہوں نے اس مقدمہ میں اختیار کیا۔ جو آج سے ساٹھ سال قبل حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خلاف ایک مسیحی پادری کی طرف سے جھوٹے طور پر کھڑا کیا گیا ہماری یاد میں ہمیشہ تازہ رہے گا۔"[1]

کرنل ڈگلس کی وفات جماعت احمدیہ کے لیے ایک المیہ تھا اور اس امر کی ضرورت تھی کہ موجودہ اور آئندہ نسلوں میں اس عظیم اور ناقابلِ فراموش شخصیت کی یاد ہمیشہ تازہ رکھی جائے یہی وجہ ہے کہ سیدنا

---

[1] الفضل یکم مارچ ۱۹۵۷ء صا

حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ میں اُن کا مفصل تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :۔

"ابھی حال ہی میں مسٹر ڈگلس فوت ہوئے ہیں۔ جو جزائر انڈمان میں کمشنر تھے ۔ اور ایک زمانہ میں ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر تھے ۔ انہوں نے ایک دفعہ کہا ۔ کہ ایک شخص قادیان بیٹھا لکھتا ہے کہ ۔ مَیں مسیح ہوں ۔ اور اس طرح وہ ہمارے خدا کی ہتک کر رہا ہے ۔ آج تک اس شخص کو کسی نے پکڑا کیوں نہیں ۔ اتفاقاً ایک منافق احمدی نے ایک پادری سے کچھ پیسے لیے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر الزام لگایا کہ آپ نے اسے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کو قتل کرنے کے لیے بھیجا ہے ۔

ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک اور اس کے ساتھیوں نے ڈپٹی کمشنر ضلع امرتسر کے پاس نالش کر دی ۔ اور انہوں نے آپ کے نام وارنٹ جاری کر دیا ۔ لیکن اتفاقاً وہ وارنٹ کسی کاپی میں پڑا رہا ۔ کچھ عرصہ کے بعد جب ان لوگوں نے ڈپٹی کمشنر کو توجہ دلائی کہ اتنی دیر سے مقدمہ پیش ہے ۔ آپ نے ایکشن کیوں نہیں لیا تو اس نے ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور کو لکھا کہ مَیں نے اتنا عرصہ ہوا ۔ فلاں شخص کے نام وارنٹ جاری کیا تھا ۔ لیکن مجھے اس کا جواب نہیں آیا ۔ اس پر ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور (مسٹر ڈگلس) نے جواب دیا کہ میرے پاس وارنٹ آیا ہی نہیں ۔ دوسرے میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں ۔ کہ ملزم مذکور کے نام وارنٹ جاری کرنے کا اختیار آپ کو حاصل نہیں ۔ وہ میرے علاقہ میں رہتا ہے ۔ اس لیے اگر اس کے نام وارنٹ جاری کر سکتا تھا ۔ تو مَیں کر سکتا تھا ۔ اس پر ڈپٹی کمشنر ضلع امرتسر نے ساری مثل اس کے پاس بھیج دی ۔ یہ شخص جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے اتنا متعصب تھا ۔ کہ اس مقدمہ سے چند دن پہلے اس نے کہا تھا کہ قادیان میں ایک شخص نے مسیح کا دعویٰ کیا ہے اور اس طرح وہ ہمارے خدا کی ہتک کر رہا ہے اس کو آج تک کسی نے پکڑا کیوں نہیں ۔ جب مسل آئی تو مسل خواں نے کہا جناب والا یہ کیس وارنٹ کا نہیں بلکہ سمن کا کیس ہے اس وارنٹ جاری نہیں کیا جا سکتا ۔ سمن بھیجا جا سکتا ہے ان دنوں جلال الدین ایک انسپکٹر پولیس تھے جو احمدی تو نہیں تھے لیکن بڑے ہمدرد انسان تھے انہوں نے بھی ڈپٹی کمشنر کو توجہ دلائی کہ بڑے ظلم کی بات ہے کہ وارنٹ جاری کیا جا رہا ہے یہ وارنٹ کا کیس نہیں سمن کا کیس ہے ۔ لہٰذا وارنٹ کی بجائے سمن بھیجنا چاہیئے ۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام سمن جاری کیا گیا اور انہی جلال الدین صاحب کو اس کی تعمیل کرنے کے لیے قادیان بھیجا گیا ۔ چنانچہ بعد میں مقررہ تاریخ پر آپ بٹالہ حاضر ہوئے جہاں ڈپٹی کمشنر صاحب دورہ پر آئے ہوئے تھے ۔

جب آپ عدالت میں پہنچے تو وہی ڈپٹی کمشنر جس نے چند دن پہلے کہا تھا کہ یہ شخص خداوند یسوع کی ہتک کر رہا ہے اس کو کوئی پکڑتا کیوں نہیں۔ اُس نے آپ کا بہت اعزاز کیا اور عدالت میں کرسی پیش کی اور کہا آپ بیٹھے بیٹھے میری بات کا جواب دیں۔ اس مقدمہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب بھی بطور گواہ مدعی کی طرف سے پیش ہوئے۔ عدالت کے باہر ایک بڑا ہجوم تھا اور لوگ بڑے شوق سے مقدمہ سُننے کے لیے آئے ہوئے تھے جب مولوی محمد حسین صاحب عدالت میں پہنچے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کرسی پر بیٹھے دیکھا تو انہیں آگ لگ گئی۔ وہ سمجھتے تھے کہ مَیں جاؤنگا تو عدالت میں مرزا صاحب کو ہتھکڑی لگی ہوئی ہوگی اور بڑی ذلت کی حالت میں وہ پولیس کے قبضہ میں ہوں گے اب دیکھو یہ مقدمہ ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں پیش ہوا تھا اور مدعی بھی ایک انگریز پادری تھا (ڈاکٹر مارٹن کلارک کے متعلق مشہور تھا کہ وہ انگریز ہے لیکن درحقیقت وہ کسی پٹھانی کی نسل میں سے تھا جس نے ایک انگریز سے شادی کی ہوئی تھی) اور مولوی محمد حسین صاحب جیسے مشہور عالم بطور گواہ پیش ہو رہے تھے۔ مگر پھر بھی دشمن ناکام و نامراد رہا اور جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اعزاز کیا گیا وہاں آپ کے مخالفین کو ذلت و رسوائی کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ مولوی محمد حسین صاحب نے جب دیکھا کہ آپ کو کرسی پیش کی گئی ہے تو انہوں نے کہا بڑی عجیب بات ہے کہ مَیں گواہ ہوں مگر مجھے کٹہرے میں کھڑا کیا گیا ہے اور مرزا صاحب ملزم ہیں مگر انہیں کرسی دی گئی ہے اور اس طرح ان کا اعزاز کیا گیا ہے۔ ڈپٹی کمشنر کو یہ بات بُری لگی۔ اس وقت انگریز مولویوں کو بہت ذلیل سمجھتے تھے۔ وہ کہنے لگا۔ ہماری مرضی ہے ہم جسے چاہیں کرسی پر بٹھائیں اور جسے چاہیں کرسی نہ دیں۔ ان کے متعلق مَیں نے دیکھا ہے کہ ان کا خاندان کرسی نشین ہے اس لیے مَیں نے انہیں کرسی دی ہے۔ تمہاری حیثیت کیا ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب کہنے لگے کہ مَیں اہلِ حدیث کا ایڈووکیٹ ہوں۔ اور مَیں گورنر کے پاس جاتا ہوں تو وہ بھی مجھے کرسی دیتے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر کہنے لگا تو بڑا جاہل آدمی ہے۔ ملنے جانے اور گواہ کے طور پر عدالت میں پیش ہونے میں بہت فرق ہے۔ ملنے کو تو کوئی چوڑھا بھی آئے تو ہم اس کو کرسی دیتے ہیں اور تو تو اس وقت عدالت میں پیش ہے اس پر بھی مولوی محمد حسین صاحب کو تسلی نہ ہوئی۔ وہ کچھ آگے بڑھے اور کہنے لگے نہیں نہیں مجھے کرسی دینی چاہیئے۔ ڈپٹی کمشنر کو غصہ آگیا اور اس نے کہا بک بک مت کر پیچھے ہٹ اور جوتیوں میں کھڑا ہو جا۔ چپڑاسی تو دیکھتے ہی ہیں کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کی نظر کس طرف ہے چپڑاسی نے جب ڈپٹی کمشنر صاحب کے الفاظ سُنے تو اُس نے مولوی محمد حسین صاحب کو بازو

سے پکڑ کر جوتیوں میں لا کھڑا کیا جب مولوی صاحب نے دیکھا کہ میری ذلّت ہوئی ہے باہر ہزاروں آدمی کھڑے ہیں اگر انہیں میری اس ذلّت کا علم ہوا تو وہ کیا کہیں گے تو کمرہ عدالت سے باہر نکلے۔ برآمدہ میں ایک کرسی پڑی تھی۔ مولوی صاحب نے سمجھا کہ ذلت کو چھپانے کا بہترین موقع ہے جھٹ کرسی کھینچی اور اس پر بیٹھ گئے اور خیال کر لیا کہ لوگ کرسی پر بیٹھے دیکھیں گے تو خیال کریں گے کہ مجھے اندر بھی کرسی ملی تھی۔ چپراسی نے دیکھ لیا۔ وہ ڈپٹی کمشنر صاحب کا انداز دیکھ چکا تھا اس نے مولوی محمد حسین صاحب کو کرسی پر بیٹھے دیکھ کر خیال کیا کہ اگر ڈپٹی کمشنر صاحب نے انہیں یہاں بیٹھا دیکھ لیا تو وہ مجھ پر ناراض ہوں گے اس خیال کے آنے پر اس نے مولوی صاحب کو وہاں سے بھی اٹھا دیا۔ اور کہا کہ کرسی خالی کر دیں۔ چنانچہ برآمدہ والی کرسی بھی چھوٹ گئی۔ باہر آ گئے۔ تو لوگ چادریں بچھائے انتظار میں بیٹھے تھے کہ مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ ایک چادر پر کچھ جگہ خالی دیکھی تو وہاں جا کر بیٹھ گئے یہ چادر میاں محمد بخش صاحب مرحوم بٹالوی کی تھی جو مولوی محمد حسین صاحب مربی سلسلہ کے والد تھے اور اس وقت غیر احمدی تھے بعد وہ احمدی ہو گئے۔ انہوں نے مولوی محمد حسین صاحب کو اپنی چادر پر بیٹھے دیکھا تو غصہ میں آ گئے۔ اور کہنے لگے۔ میری چادر چھوڑ تو نے میری چادر پلید کر دی ہے تُو مولوی ہو کر عیسائیوں کی تائید میں گواہی دینے آیا ہے چنانچہ اس چادر سے بھی انہیں اٹھنا پڑا اور اس طرح ہر جگہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل کیا۔ تو دیکھو یہ آیات بینات ہیں۔ کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک دشمن کے ہاتھوں سے بری فرمایا۔ پھر اس پر ہی بس نہیں۔ مسٹر ڈگلس کو خدا تعالیٰ نے اور نشانات بھی دکھائے جو مرتے دم تک انہیں یاد رہے اور انہوں نے خود مجھ سے بھی بیان کیے۔ ۱۹۲۴ء میں جب میں انگلینڈ گیا تو انہوں نے یہ سارا قصہ مجھ سے بیان کیا۔ مسٹر ڈگلس کے ایک ہیڈ کلرک تھے جن کا نام غلام حیدر تھا وہ راولپنڈی کے رہنے والے تھے بعد میں وہ تحصیلدار ہو گئے تھے۔ معلوم نہیں وہ اب زندہ ہیں یا نہیں اور زندہ ہیں تو کہاں ہیں۔ پہلے وہ سرگودہا میں ہوتے تھے انہوں نے خود مجھے یہ قصہ سنایا اور کہا۔ جب ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک والا مقدمہ ہوا تو میں ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور کا ہیڈ کلرک تھا۔ جب عدالت ختم ہوئی تو ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا ہم فوراً گورداسپور جانا چاہتے ہیں تم ابھی جا کر ہمارے لیے ریل کے کمرہ کا انتظام کرو۔ چنانچہ میں مناسب انتظامات کرنے کے لیے ریلوے اسٹیشن پر گیا۔ میں اسٹیشن سے باہر نکل کر برآمدہ میں کھڑا تھا تو میں نے دیکھا کہ مسٹر ڈگلس سڑک پر ٹہل رہے

ہیں وہ کبھی ادھر جاتے ہیں کبھی ادھر۔ ان کا چہرہ پریشان ہے۔ مَیں ان کے پاس گیا اور کہا صاحب آپ باہر پھر رہے ہیں۔ مَیں نے ویٹنگ روم میں کرسیاں بچھائی ہوئی ہیں آپ وہاں تشریف رکھیں۔ وہ کہنے لگے منشی صاحب آپ مجھے کچھ نہ کہیں میری طبیعت خراب ہے۔ مَیں نے کہا کچھ بتائیں تو سہی آخر آپ کی طبیعت کیوں خراب ہوگئی ہے تاکہ اس کا مناسب علاج کیا جا سکے۔ اس پر وہ کہنے لگے۔ جب سے میں نے مرزا صاحب کی شکل دیکھی ہے اس وقت سے مجھے یوں نظر آتا ہے کہ کوئی فرشتہ مرزا صاحب کی طرف ہاتھ کرکے مجھ سے کہہ رہا ہے کہ مرزا صاحب گنہگار نہیں ان کا کوئی قصور نہیں۔ پھر میں نے عدالت کو ختم کر دیا اور یہاں آیا تو اب ٹہلتا ٹہلتا جب اس کنارے کی طرف نکل جاتا ہوں تو وہاں مجھے مرزا صاحب کی شکل نظر آتی ہے اور وہ کہتے ہیں مَیں نے یہ کام نہیں کیا یہ سب جھوٹ ہے۔ پھر مَیں دوسری طرف جاتا ہوں تو وہاں بھی مرزا صاحب کھڑے نظر آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں یہ سب جھوٹ ہے۔ مَیں نے یہ کام نہیں کیا۔ اگر میری یہی حالت رہی تو مَیں پاگل ہو جاؤں گا۔ مَیں نے کہا صاحب آپ چل کر ویٹنگ روم میں بیٹھیے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی آئے ہوئے ہیں وہ بھی انگریز ہیں۔ ان کو بلا لیتے ہیں شاید ان کی باتیں سن کر آپ تسلی پا جائیں۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کا نام لیمار چنڈ تھا۔ مسٹر ڈگلس نے کہا انہیں بلوالو چنانچہ میں انہیں بلا لایا۔ جب وہ آئے تو مسٹر ڈگلس نے ان سے کہا دیکھو یہ حالات ہیں میری جنون کی سی حالت ہو رہی ہے۔ مَیں اسٹیشن پر ٹہلتا ہوں اور گھبرا کر اس طرف جاتا ہوں تو وہاں کنارے پر مرزا صاحب کھڑے نظر آتے ہیں اور ان کی شکل مجھے کہتی ہے کہ مَیں بے گناہ ہوں مجھ پر جھوٹا مقدمہ کیا گیا ہے پھر دوسری طرف جاتا ہوں تو وہاں کنارے پر مجھے مرزا صاحب کی شکل نظر آتی ہے اور وہ کہتی ہے کہ مَیں بے گناہ ہوں یہ سب کچھ جھوٹ ہے جو کیا جا رہا ہے۔ میری یہ حالت پاگلوں کی سی ہے اگر تم اس سلسلہ میں کچھ کر سکتے ہو تو کرو ورنہ مَیں پاگل ہو جاؤں گا۔ لیمار چنڈ نے کہا اس میں کسی اور کا قصور نہیں آپ کا اپنا قصور ہے۔ آپ نے گواہ کو پادریوں کے حوالہ کیا ہوا ہے۔ وہ لوگ جو کچھ اسے سکھاتے ہیں وہ عدالت میں آکر بیان کر دیتا ہے آپ اسے پولیس کے حوالہ کریں۔ اور پھر دیکھیں کہ وہ کیا بیان دیتا ہے۔ چنانچہ اسی وقت مسٹر ڈگلس نے کاغذ قلم منگوایا اور حکم دے دیا کہ عبدالحمید کو پولیس کے حوالہ کیا جائے اور حکم کے مطابق عبدالحمید کو پادریوں سے لے لیا گیا۔ اور پولیس کے حوالہ کر دیا گیا دوسرے دن یا اسی دن اس نے فوراً اقرار کر لیا کہ مَیں جھوٹ بولتا رہا ہوں۔

لیمار چند کا بیان ہے کہ مَیں نے اسے سچ سچ بیان دینے کے لیے کہا۔ تو اس نے پہلے تو اصرار کیا۔ کہ واقعہ بالکل سچا ہے۔ مرزا صاحب نے مجھے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ لیکن مَیں نے سمجھ لیا کہ شخص پادریوں سے ڈرتا ہے چنانچہ مَیں نے کہا۔ مَیں نے ڈپٹی کمشنر صاحب سے حکم لے لیا ہے کہ اب تمہیں پادریوں کے پاس نہیں جانے دیا جائے گا۔ اب تم پولیس کی حوالات میں ہی رہو گے۔ تو وہ میرے پاؤں پر گر گیا۔ اور کہنے لگا۔ صاحب مجھے بچا لو۔ مَیں اب تک جھوٹ بولتا رہا ہوں۔ اس نے مجھے بتایا۔ کہ صاحب آپ دیکھتے نہیں تھے کہ جب مَیں گواہی کے لیے عدالت میں پیش ہوتا تھا۔ تو میں ہمیشہ ہاتھ کی طرف دیکھتا تھا اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ جب پادریوں نے مجھے کہا۔ کہ جاؤ اور عدالت میں بیان دو کہ مجھے مرزا صاحب نے ہنری مارٹن کلارک کے قتل کے لیے بھیجا تھا۔ اور امرتسر میں مجھے فلاں مستری کے گھر میں جانے کے لیے ہدایت دی تھی (یہ دوست مستری قطب الدین صاحب تھے۔ جن کا ایک پوتا اس وقت جامعہ احمدیہ میں پڑھتا ہے) تو مَیں نے کہا۔ مَیں تو وہاں کے احمدیوں کو جانتا بھی نہیں۔ مجھے اس کا نام یاد نہیں رہے گا (اس پر مستری صاحب کا نام کوئلہ کے ساتھ میری ہتھیلی پر لکھ دیتے تھے۔ جب مَیں گواہی دینے آتا تھا اور ڈپٹی کمشنر صاحب مجھ سے دریافت کرتے تھے کہ تمہیں امرتسر میں کس کے گھر بھیجا گیا تھا۔ تو مَیں ہاتھ اٹھاتا تھا۔ اور اس پر سے نام دیکھ کر کہہ دیتا تھا۔ کہ مرزا صاحب نے مجھے فلاں احمدی کے پاس بھیجا تھا۔ غرض اس نے ساری باتیں بتا دیں اور مسٹر ڈگلس نے اگلی پیشی پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بری کر دیا۔ تو دیکھو یہ سب واقعات ہمارے لیے آیاتِ بیّنات ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مسٹر ڈگلس کے لیے اور آیات بیّنات بھی پیدا کیں۔ ایک آیت بیّنہ یہ تھی کہ انہیں ٹہلتے ٹہلتے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصویر نظر آتی تھی۔ اور وہ تصویر کہتی تھی کہ مَیں بے گناہ ہوں۔ میرا کوئی قصور نہیں پھر انہوں نے خود مجھے سنایا۔ کہ ایک دن مَیں گھر میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک ہندوستانی آئی سی ایس آیا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ اپنی زندگی کے عجیب حالات میں سے کوئی ایک واقعہ بتائیں۔ تو مَیں نے اسے یہی مرزا صاحب والا واقعہ سنایا۔ میں یہ واقعہ سُنا رہا تھا کہ بہرے نے ایک کارڈ لا کر دیا۔ اور کہا باہر ایک آدمی کھڑا ہے جو آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ مَیں نے کہا اس کو اندر بلا لو۔ جب وہ شخص اندر آیا۔ تو مَیں نے کہا۔ نوجوان مَیں آپ کو جانتا نہیں۔ آپ کون ہیں۔ اس نوجوان نے کہا۔ آپ میرے والد

کو جانتے ہیں۔ آپ ان کے واقف ہیں ان کا نام پادری وارث دین تھا۔ مَیں نے کہا مَیں ابھی ان کا ذکر کر رہا تھا وہ نوجوان کہنے لگا ابھی تار آئی ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔ وارث دین ایک پادری تھا۔ جس نے ڈاکٹر مارٹن کلارک کو خوش کرنے کے لیے اس کی طرف سے یہ ساری کارروائی کی تھی مگر خدا تعالیٰ نے ڈپٹی کمشنر صاحب پر حق کھول دیا۔ اور خود جو گواہ تھا۔ اس نے بھی اقرار کر لیا۔ کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ مگر عین اس وقت جب سر ڈگلس وارث دین کا ذکر کر رہے تھے۔ اس کے بیٹے کا وہاں آنا اور اپنے والد کی وفات کی خبر دینا عجیب اتفاق تھا۔ سر ڈگلس اپنی موت تک جس احمدی کو بھی ملتے رہے اسے یہ واقعہ بتاتے رہے۔ انہوں نے مجھے بھی یہ واقعہ سنایا چوہدری فتح محمد صاحب اور چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کو بھی یہ واقعہ سنایا۔ ۱۹۲۴ء میں جب مَیں وہاں گیا تھا۔ تو ان کی صحت اچھی تھی۔ یہ ۳۲ سال قبل کی بات ہے اب وہ ۹۳ سال کی عمر میں فوت ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے ۱۹۲۴ء میں ان کی عمر ۶۱ سال تھی۔ اس دفعہ جب میں انگلینڈ گیا تو مَیں نے انہیں بلایا تو انہوں نے معذرت کر دی اور کہا۔ مَیں اب بڈھا ہو گیا ہوں۔ اور بہت کمزور ہوں۔ اب میرے لیے چلنا پھرنا مشکل ہے۔ اب سُنا ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔ تو مجھے افسوس ہوا کہ موٹر ہمارے پاس تھی۔ ہم موٹر میں انہیں منگوا لیتے یا ان کے گھر چلے جاتے تو یہ آیاتِ بیّنات ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنے انبیاء کی سچائی ظاہر کرتا رہتا ہے مومن کو چاہیے کہ وہ سچے معنوں میں مومن بننے کی کوشش کرے اگر وہ حقیقی مومن ..... بنے تو اللہ تعالیٰ ضرور غیب سے ایسے حالات پیدا کرتا ہے جس سے اس کا ایمان تازہ ہوتا رہتا ہے اور درحقیقت ایسے ایمان کے بغیر کوئی مزہ بھی نہیں جس ایمان نے آنکھیں نہ کھولیں اور انسان کو اندھیرے میں رکھا اس کا کیا فائدہ۔ جو اس جہان میں اندھا رہے گا وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا رہے گا اور جسے اس جہان میں آیات بیّنات نظر نہیں آئیں اس کو اگلے جہان میں بھی آیات بیّنات نظر نہیں آئیں گی۔ اس دنیا میں آیاتِ بیّنات نظر آئیں تو دوسری دنیا میں بھی آیات بیّنات نظر آتی ہیں۔ پس مومن کو ہمیشہ دعاؤں اور ذکر الٰہی میں لگے رہنا چاہیے کہ وہ دن اسے نصیب ہو۔ جب اللہ تعالیٰ اسلام اور اپنی ذات کی سچائی اس کے لیے کھول دے اور اس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منور چہرہ اور خدا تعالیٰ کا نورانی چہرہ نظر آ جائے۔ جب یہ ہو جائے تو پھر رات اور دن اور سال تکلیف کے سال ہوں یا خوشی کے سال ہوں۔ اس کے لیے برابر ہو جاتے ہیں اور چاہے کچھ بھی ہو ایسا

آدمی ہمیشہ خوش رہتا ہے۔ اور مطمئن رہتا ہے وہ کسی سے ڈرتا نہیں۔"

(روزنامہ الفضل ۳۰ مارچ ۱۹۵۷ء)

گورنر صاحب کیرالہ سٹیٹ وجنوبی ہند کا جماعت احمدیہ کو خراج تحسین

کیرالہ سٹیٹ کے گورنر جناب شری بی راما کرشنا راؤ نے ناظر صاحب امور عامہ قادیان کے نام ایک خط میں لکھا:
"میں احمدیہ جماعت کے کارناموں کو ایک عرصہ سے دیکھ رہا ہوں اور بہت سے احمدی میرے دوست ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ یہ اس جماعت کی متواتر اور مستقل پالیسی ہے کہ ملک کی حکومت کے ساتھ وفاداری کی جائے۔ حُب الوطنی اسلامی تعلیم کے بنیادی اصولوں میں سے ہے اور مجھے یقین ہے کہ اسلام کی یہ تعلیم ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی طرف سے عمل میں لائی جائے گی ہم اس وقت بہت نازک دور سے گزر رہے ہیں اور ہندوستان اُمید کرتا ہے کہ اس میں بسنے والے سب مرد اور عورتیں وفاداری سے حب الوطنی کے طریق پر چلیں گے اور جو بھی حالات پیدا ہوں ملک کے متعلق اپنے قومی فرائض ادا کریں۔ زیادہ آداب آپ کا مخلص[1]۔

گولڈ کوسٹ کی آزادی اور حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام

مغربی افریقہ کا مشہور ملک گولڈ کوسٹ جو ۱۸۷۴ء[2] سے برطانوی نوآبادیات کا حصہ تھا، اس سال غلامی کی زنجیریں توڑ کر ۶ مارچ ۱۹۵۷ء کو دنیا کی آزاد قوموں کی صف میں داخل ہوگیا۔ آزادی کے بعد ٹوگولینڈ کو منسلک کر کے اس کا نام غانا (GHANA) رکھا گیا۔

مغربی افریقہ کے چار برطانوی مقبوضات میں سے گولڈ کوسٹ ہی ایک ایسا ملک تھا جس کے باشندوں نے اسیروں کے رستگار حضرت مصلح موعود کے بھیجے ہوئے مبلغین کا بہت گرمجوشی سے خیر مقدم کیا اور سب سے زیادہ تعداد میں احمدیت قبول کی اور خدا تعالیٰ کی بھی عجیب شانِ کریمی ہے کہ اُس نے افریقہ کی برطانوی نوآبادیات میں سب سے پہلے آزادی وخود مختاری کی نعمت سے نوازنے کے لیے اسی خوش قسمت ملک کو چُنا۔ نیز یہ اعزاز بھی بخشا کہ اس کی بدولت دوسرے مقبوضہ افریقی ملکوں میں

---

[1] اخبار بدر قادیان ۷ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۱

[2] "COLLIER'S ENCYCLOPEDIA" جلد ۱۱ صفحہ ۸۴

آزادی کی ایسی زبردست تحریک اٹھی کہ ۱۹۶۰ء تک سترہ ممالک آزاد ہو گئے اور اس میں غانا کی کوششوں کا بھاری عمل دخل تھا کیونکہ اس کی اصل بنیاد افریقی ممالک کی اس پہلی کانفرنس میں پڑی جو ۱۹۵۸ء میں غانا کے دارالسلطنت عکرا میں منعقد ہوئی۔ ایک روسی مصنف ایم۔ براگنسکی (M - BRAGINSKY) لکھتے ہیں:۔

'The achievement of independence by Ghana and Guinea made the Africans more confident than ever that there was a possibility of putting an end to colonialism within a few years.

The struggle against imperialist rule transcended the national frontiers and grew into an organised all-African movement. The countries which have already achieved political independence consider it their sacred duty to help those fighting against the colonial regime, for their own safety remains in jeopardy as long as the imperialist dominate a considerable part of the continent. Ghana's freedom would be meaningless if it was not linked with the total liberation of the entire continent of Africa, Dr. Nkrumah told the first All-African people's conference.'

(Africa Wins Freedom by M. Braginsky Page 69)

یعنی غانا اور گنی کی آزادی نے افریقنوں میں اتنی زبردست خود اعتمادی پیدا کردی کہ نوآبادیاتی نظام کا خاتمہ چند برسوں کے اندر ہی ممکن ہوگیا۔ سامراجیت کے خلاف اس جدوجہد سے افریقی قومیت کی سرحدیں اُبھر آئیں اور افریقی تحریکات منظم ہوگئیں۔

قبل ازیں جو ممالک آزادی سے ہمکنار ہوچکے تھے وہ بھی نوآبادیاتی نظام کے خلاف برسرپیکار لوگوں کی مدد کرنا اپنا مقدّس فریضہ سمجھنے لگے کیونکہ ان کی اپنی حفاظت اس وقت تک خطرے میں تھی جب تک کہ پورا براعظم سامراجیت کے تسلط سے آزاد نہ ہوجاتا۔ چنانچہ غانا کے ڈاکٹر نکرومانے پہلی کل افریقن کانفرنس میں کہا کہ غانا کی آزادی بے سود ہے جب تک کہ اسے پورے برِّاعظم کی تحریک آزادی سے وابستہ نہیں کیا جاتا۔

۱۹۵۷ء میں غانا کی کل آبادی ۴۵ لاکھ تھی جس میں مالکی فرقہ کے مسلمانوں کے علاوہ ۳۰ ہزار سے زائد افراد احمدی تھے اور یہ تعداد اس تیزی سے بڑھ رہی تھی کہ عیسائی حلقوں میں تشویش و اضطراب کے واضح اثرات نمایاں ہوچکے تھے اور عمائدین حکومت اور ملک کے اونچے طبقوں میں بھی تحریک احمدیت کے اثر و نفوذ میں اضافہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ وزیر اعظم ڈاکٹر کوامی نکروما (KWAME NKRUMAH) جن کی قیادت میں تحریک آزادی کامیابی سے ہمکنار ہوئی، ایک بار احمدیہ سیکنڈری سکول میں تشریف لائے اور اپنی تقریر میں احمدیت کو سراہا اور طلبہ کو اسلام کا مطالعہ کرنے کی تلقین کی اسی طرح "کفرد ڈوا" نامی شہر میں دوران تقریر کہا کہ صحیح رنگ میں تو احمدی ہی مسلمان ہیں اور وہ جس انداز میں اسلام کی ترجمانی کرتے ہیں وہ ہمارے لیے قابلِ قبول اور مفید ہے۔ ان کے علاوہ گولڈکوسٹ کی دستور ساز اسمبلی کے صدر سر ایمینوئیل کیسٹ نے اکرا کمیونٹی سنٹر میں جماعت احمدیہ کے ایک جلسہ کی صدارت کی اور اپنے صدارتی ریمارکس میں احمدیہ مشن کی خدمات کو خراجِ تحسین ادا کیا اور اسے تحمل، امن اور رواداری کا مکمل نمونہ قرار دیتے ہوئے دوسرے مشنوں کو اس کی تقلید کرنے کی نصیحت کی۔[1]

غانا کی آزاد مملکت کے قیام پر المصلح الموعود نے اپنی اور جماعت احمدیہ کی طرف سے ۲ مارچ

---

[1] الفضل ۷ مارچ ۱۹۵۷ء مث (مضمون مکرم مولوی عبدالقدیر صاحب شاہد سابق مبلغ غانا حال کینیڈا)

۱۹۵۷ء کو وزیرِ اعظم ڈاکٹر کوامی نکرومہ کے نام مبارکباد اور دعا کا حسبِ ذیل پیغام بذریعہ تار ارسال فرمایا:-

"میں اپنی اور جماعت احمدیہ کی طرف سے جو تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کو اور آپ کے ملک کے عوام کو حصولِ آزادی کی تقریب پر مبارک باد دیتا ہوں اور آپ کے ملک کی مسلسل اور ہر آن بڑھنے والی خوشحالی اور ترقی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہوں۔

آپ کے ملک کے ساتھ میرا لگاؤ اور دلچسپی محض رسمی نہیں ہے بلکہ خلوص پر مبنی ہے کیوں کہ آپ کے ملک کے قریباً ایک لاکھ باشندے احمدی ہیں اور وہاں کے بہت سے طلباء سلسلہ احمدیہ کے مرکز میں تعلیم پا رہے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ مستقبل قریب میں جماعت احمدیہ آپ کے ملک کے طول و عرض میں اور بھی سرعت کے ساتھ پھیلے گی۔

اور ہر شعبۂ زندگی میں اس ملک کو آگے بڑھانے اور ترقی دینے میں نمایاں حصہ لے گی انشاء اللہ۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اور آپ کے ملک کی مدد فرمائے آمین۔

امام جماعت احمدیہ۔ ربوہ[1] (ترجمہ)

مجلس مشاورت ۱۹۵۷ء

اس سال کی اڑتیسویں مجلسِ مشاورت جو تعلیم الاسلام کالج کے ہال میں ۲۱ سے ۲۳ مارچ ۱۹۵۷ء تک منعقد ہوئی ایک غیر معمولی تاریخی اہمیت کی حامل تھی۔ کیونکہ اس میں مجلس انتخابِ خلافت کے اصول تشکیل اور اس کے دستور العمل اور بنیادی قانون پر مشتمل ایک نہایت ضروری اور اہم قرارداد پیش کی گئی جسے حضرت مصلح موعود نے منظور فرما کر مستقبل کے ہر قسم کے فتنوں کی جڑ اکھیڑ کر رکھ دی۔ اور نظامِ خلافت کو مستحکم اور دائمی بنیادوں پر قائم کر دیا۔ (قرارداد کی تفصیل پہلے باب میں دی جا چکی ہے)

چار سال کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت مصلح موعودؓ مشاورت کے سب اجلاسوں میں رونق

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲ مارچ ۱۹۵۷ء صدا

افروز رہے اور پوری کارروائی حضور کی نگرانی میں ہوئی جس کے ہر مرحلہ پر آپ نے راہنمائی فرمائی اور ضروری اور اہم ہدایات سے نوازا جسے ہمیشہ ہی مشعلِ راہ کی حیثیت حاصل رہے گی۔

حضور نے مجلس مشاورت میں اپنی بیماری کی نوعیت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ:۔

"۱۹۵۴ء میں مَیں نے مجلس شوریٰ میں کچھ کام کیا تھا۔ آج ۱۹۵۶ء میں چار سال کے بعد پھر خدا تعالیٰ نے مجھے توفیق دی ہے کہ مَیں شوریٰ کے تمام اجلاسوں میں شریک ہوا ہوں اور کام بھی کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میری صحت میں ترقی ہوئی اور ہو رہی ہے لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں کوئی نمایاں فرق نہیں پڑا۔ مثلاً ہاتھوں میں جو بے حسّی تھی وہ ابھی تک دور نہیں ہوئی اس لیے بعض اوقات بڑی گھبراہٹ ہو جاتی ہے پیر کی انگلیاں اندر کو کھچتی ہیں۔ اور ہاتھ بے حس ہو جاتا ہے۔ ہوتی تو یہ مذاق کی بات ہے لیکن گھر میں میرا کوئی چھوٹا پوتا یا نواسہ آ جائے تو وہ بیمار نہیں سمجھتا وہ میرا ہاتھ پکڑے تو مَیں فوراً گھبرا جاتا ہوں کہ کیا ہو گیا ہے اور میرا ہاتھ کدھر چلا گیا ہے۔ غرض ان چیزوں کو کوئی نمایاں فائدہ نہیں ہوا۔ پس جب تک مجھے یقین نہ ہو جائے کہ یورپ میں کوئی نیا علاج نکل آیا ہے اس وقت تک میرا وہاں جانا مشکل ہے...... اگر یہ پتہ لگ جائے کہ وہاں علاج ہے جس سے مجھے فائدہ ہو سکتا ہے تو مَیں وہاں امریکہ بھی جانے کو تیار ہو گیا تھا۔ مگر پھر وہاں سے پتہ لگا کہ امریکہ میں جو علاج ہے وہ وہی ہے جو یورپ میں ہے اور اس سے کوئی فائدہ آپ کو نہیں ہو سکتا۔ اس لیے مَیں سوئٹزرلینڈ چلا گیا۔ اور وہاں دوبارہ ڈاکٹروں سے اپنا معائنہ کرایا۔ انہوں نے بھی بتایا آپ کو امریکہ میں علاج سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے۔ امریکہ میں بوسٹن بڑی بھاری یونیورسٹی ہے وہی ڈاکٹر جس سے مَیں علاج کرا رہا تھا اس نے مجھے بتایا کہ مَیں وہیں سے آ رہا ہوں اور مَیں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کو وہاں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ کو خود زور لگانا چاہیئے کہ آپ اچھے ہو جائیں۔ آپ جب تک یہ خیال نہ کریں کہ مَیں اچھا ہوں اس وقت تک آپ کو کوئی دوائی فائدہ نہیں دے سکتی۔ مَیں نے کہا جب مجھے نظر آتا ہے کہ مَیں بیمار ہوں تو مَیں اپنے آپ کو تندرست کیسے خیال کر لوں۔ وہ کہنے لگا چاہے آپ کو یہی نظر آتا ہے کہ آپ بیمار ہیں لیکن جب تک آپ یہ خیال نہیں کریں گے کہ آپ تندرست ہیں اس وقت تک آپ تندرست نہیں ہو سکتے۔ مَیں نے کہا اچھا پھر آپ مجھے ایسی دوائیں دیں جن کے استعمال سے مَیں بھول جاؤں کہ مَیں بیمار ہوں۔ تو وہ کہنے لگا یہی بات تو مَیں کہہ رہا ہوں کہ اس کا ہمیں پتہ نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر تو کوئی

فائدہ نظر آتا ہو پھر تو مَیں وہاں جانے کی کوشش بھی کروں ورنہ خواہ مخواہ اپنے دوستوں اور عزیزوں سے جدا بھی ہوں اور کوئی فائدہ بھی نہ ہو تو وہاں جانے کا فائدہ ہی کیا ہے مَیں اسی ٹوہ میں لگا رہتا ہوں کہ اس بیماری کا کوئی علاج نکل آئے تو مَیں اس سے فائدہ اٹھاؤں رسالوں اخباروں میں اس بیماری کے متعلق جو مضامین چھپتے ہیں مَیں ان کا خیال رکھتا ہوں .... بہرحال اگر حقیقی طور پہ یورپ جانے سے فائدہ ہو تو مجھے اس پہ کیا اعتراض ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بیماری کا علاج کراؤ۔ لیکن مجھے بھی تو نظر آنا چاہیئے کہ کوئی فائدہ ہو سکتا ہے وہاں مَیں نے جتنے ڈاکٹروں سے پوچھا ہے اُن کا یہی جواب آیا ہے کہ آپ کو انہی دواؤں سے فائدہ ہوگا جو آپ اس وقت استعمال کر رہے ہیں پس اگر بیماری کا کچھ حصّہ باقی ہے تو وہ دعاؤں کے ساتھ دور ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا اور سلسلہ کی خدمت کی توفیق دینا اس کے مدّنظر ہوگا تو وہ توفیق دے دیگا۔ .... تھوڑے دنوں کے بعد جب اخبار میں چھپتا ہے کہ طبیعت اچھی نہیں تو جماعت میں بیداری پیدا ہوتی ہے۔ تو انہیں میری بیماری کا احساس ہوتا ہے۔ ادھر کچھ دعائیں ہوتی ہیں اور کچھ منافقوں کی منافقت ظاہر ہوتی ہے۔ اب مثلاً ہماری جماعت کو اس قسم کے اخلاص دکھانے کا جو موقع ملا ہے۔ اور کل جو خلافت کے استحکام کے لیے ریزولیوشن پیش کیے گئے دراصل یہ وہی بات تھی کہ خدا تعالیٰ نے جماعت سے رجس دور کیا اور جماعت کے اندر یہ احساس پیدا کیا کہ ہم نے خلافت کا جھنڈا ہمیشہ کھڑا رکھنا ہے اگر یہ بیماری نہ ہوتی تو یہ باتیں بھی پیدا نہ ہوتیں۔ پس مَیں تو سمجھتا ہوں کہ یہ بیماری محض تطہیر کے لیے ہے۔ یہ بیماری اس لیے ہے ہمیں خدا تعالیٰ سے بھی دعائیں کرنی چاہئیں۔ کوئی تعجب نہیں کہ خدا تعالیٰ موجودہ عارضوں کو بھی دور کرے۔ پرسوں مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ:۔

کوئی شخص بیٹھا ہے جس کو مَیں پہچانتا نہیں۔ مَیں اسے ایک نسخہ دے رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ ڈاکٹر فضل نے یہ لکھ کر دیا ہے۔ اس کے اوپر پیڈ پر اس کا مونوگراف بھی چھپا ہوا ہے جو نہایت اعلیٰ اور خوبصورت ہے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ ایک ڈاکٹر فضل کو مَیں جانتا ہوں۔ مَیں کوئٹہ گیا تو وہاں مجھے گاؤٹ کا دورہ ہوا ڈاکٹروں نے کہا دانت دکھائیں جب ایک ڈاکٹر کو مَیں دانت دکھانے گیا تو اس کے مکان پر بورڈ لگا ہوا تھا " ڈاکٹر فضل " جب ہم فیس دینے لگے تو انہوں نے کہا۔ مَیں تو سیّد محمود اللہ شاہ صاحب کا شاگرد ہوں انہوں نے مجھے بچوں کی طرح پالا ہے اس لیے مَیں آپ سے

فیس نہیں لے سکتا تو میں ایک ڈاکٹر فضل کو جانتا ہوں جو ڈینٹسٹ (DENTIST) تھا لیکن خواب میں جو میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر فضل نسخہ دیتا ہے درحقیقت اس کے معنے صحت کے آثار کے تھے چنانچہ میں نے یہ خواب پرسوں دیکھی تھی۔ اس کے بعد کل بھی میں نے سارا دن کام کیا اور آج بھی کام کیا۔ یہ وہ فضل ہے جو چل رہا ہے اور یہی خدا تعالیٰ نے میری پیدائش کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہا تھا کہ اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ تو ہمارے کام خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہوتے ہیں اگر ولایت جانا مفید ہوگا تو خدا تعالیٰ وہاں جانے کے سامان کر دے گا اور اگر ولایت جانا مفید نہیں تو اللہ تعالیٰ میرے دل میں انقباض رکھے گا اور ڈاکٹروں کو بھی اس طرف متوجہ نہیں کرے گا۔"

حضرت مصلح موعودؓ نے مشاورت میں تحریک جدید کے میزانیہ ۵۷-۱۹۵۸ء سے متعلق سب کمیٹی کی رپورٹ پیش ہونے پر تحریک جدید کی آمد کے پس منظر پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"دورِ اوّل والوں نے اتنی جلدی ترقی کی تھی کہ بعض ایسے سال بھی آئے کہ اُن کا چندہ دس لاکھ تک پہنچ گیا۔ مگر دورِ ثانی کے نوجوانوں کا چندہ دو لاکھ پر پہنچ کر گرا اور پھر اس کے بعد چڑھنا شروع ہوا۔ اب وہ اپنی کمی پوری کر رہے ہیں لیکن ابھی ایسی وہ نہیں جو قابلِ ذکر ہو۔ حالانکہ نوجوانوں میں کام کرنے کی روح بوڑھوں سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ بوڑھے فوت ہو رہے ہیں اور جو زندہ ہیں۔ وہ پنشنوں پر ریٹائر ہو جائیں گے۔ اس طرح ان کے چندوں میں بھی کمی آ جائے گی اور یہ کمی دورِ ثانی نے پوری کرنی ہے۔ یا ہمارے محکمہ زراعت نے پوری کرنی ہے۔ کئی سکیمیں انہوں نے بنائی ہیں جو معقول ہیں اور کئی سکیمیں میں نے بھی ان کو بتائی ہیں۔ اور کئی تجاویز محکمہ زراعت نے پیش کی ہیں۔ اگر وہ اُن پر عمل کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ تحریک جدید کا نام غیر ملکوں میں اور بھی بڑھ جائے گا اور وہاں جماعت پھیل جائے گی۔ مثلاً انڈونیشیا میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک لاکھ سے زیادہ جماعت ہو گئی ہے۔ اسی طرح ویسٹ افریقہ میں کوئی ایک لاکھ کے قریب جماعت ہے۔ آج سے بیس سال پہلے مولوی نذیر احمد علی صاحب مرحوم نے لکھا تھا کہ ہماری جماعت یہاں تیس ہزار ہے۔ اس وقت انہوں نے لکھا تھا کہ سالانہ جلسہ پر ہمارے تین ہزار نمائندے آئے وہ ملک بڑا وسیع ہے۔ اگر مغربی اور مشرقی پاکستان دونوں کو ملا لیا جائے تو وہ اس سے بھی دُگنا ہے اتنی دور سے لوگوں کا آنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ پھر وہاں اپنے سامان سفر

بھی نہیں جتنے ہمارے ملک میں ہیں ۔ مگر پھر بھی تین ہزار نمائندہ آ گیا ۔ تین ہزار نمائندوں کے متعلق مَیں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ دس آدمیوں میں سے ایک آدمی آیا ہے ۔ اس لیے ہماری تعداد وہاں تیس ہزار ہے مگر اس سال جو رپورٹ ملک کے دو حصوں کی آئی ہے اُس میں مبلغ انچارج نے لکھا ہے کہ اس سال جلسہ سالانہ پہ پانچ ہزار آدمی آیا ہے اور ایک ملک نے لکھا ہے کہ بارہ سو آیا ہے اگر اس کو دس سے ضرب دیں تو یہ ۶۲٫۰۰۰ کے قریب بن جاتا ہے لیکن درحقیقت ہماری جماعت اس سے زیادہ ہے ۔ اور گولڈ کوسٹ سیرالیون اور نائیجیریا وغیرہ کو ملا کر وہ ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہماری جماعت کے افراد پائے جاتے ہیں بہرحال جوں جوں جماعت بڑھے گی ۔ وہاں کے چندے بھی انشاء اللہ بڑھتے جائیں گے لیکن ابھی تک ہم ان کے چندوں کو سوائے خاص موقعوں کے ادھر نہیں لاتے مثلاً پچھلے دنوں پونڈ ختم ہو گئے تھے تو ہم نے ان جماعتوں کو کہا کہ تم اپنے پونڈ فلاں ملک میں بھجوا دو ۔ چنانچہ انہوں نے پونڈ وہاں بھیج دیئے ۔ ان لوگوں کے چندہ اور عطیہ میں حکومتِ پاکستان کا کوئی قانون روک نہیں اس لیے کہ وہ غیر ملک ہیں ۔ اور آزاد ہیں ۔ وہ جہاں چاہیں اپنا روپیہ خرچ کر سکتے ہیں ۔ چنانچہ ہم آتی دفعہ ایک موٹر اپنے ساتھ لائے ۔ گورنمنٹ نے ہم سے کہا تم یہ کار اپنے ایکسچینج سے نہیں خرید سکتے تھے ۔ لیکن جب ہم نے اُن پہ ثابت کر دیا کہ یہ موٹر ملک کے زرمبادلہ سے نہیں خریدی گئی بلکہ بنک کی رسید پیش کر دی ۔ کہ یہ روپیہ غیر ممالک سے آیا تھا ۔ تو حکومتِ پاکستان نے کہا کہ ہمیں اس پہ کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا ۔ یوں بھی ایک دفعہ ہم نے گورنمنٹ سے اپنی بیرونی آمد کے متعلق دریافت کیا تھا کہ انہیں اس پر کوئی اعتراض تو نہیں تو اُس نے کہا تھا کہ جو مدد آپ کو کسی باہر کے ملک سے آئے اُس پہ ملک کے ایکسچینج کا کوئی قانون حاوی نہیں ۔ کیونکہ ان کے پونڈ اپنے ہیں ۔ مثلاً سیرالیون اب تک انگریزوں کے ماتحت ہے ۔ گولڈ کوسٹ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے آزاد ہو گیا ہے اور سب سے زیادہ ہماری جماعت گولڈ کوسٹ میں ہی ہے ۔

خیال ہے کہ دوسرے نمبر پر سیرالیون آزاد ہو گا پھر نائیجیریا آزاد ہو گا لائبیریا میں بھی اب نئی جماعت قائم ہوئی ہے ۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑھ رہی ہے ۔ وہ پہلے سے آزاد ہے کوئی تعجب نہیں کہ سیرالیون اور نائیجیریا بھی چند سال میں آزاد ہو جائیں ان سب ممالک میں ہماری جماعت کی تعداد کافی ہے ۔

یوں تو پاکستان میں بھی ہماری جماعت باقی ممالک سے تعداد میں زیادہ ہے لیکن پاکستان اسمبلی میں ہمارا ایک بھی ممبر نہیں ۔ اور وہاں ہمارے پانچ چھ ممبر اسمبلی میں ہیں ۔ گویا اس جگہ پہ جماعت

کا اثر بڑھ رہا ہے ۔ اور جوں جوں وہ ملک آزاد ہوتے جائیں گے خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت کی تعداد بھی بڑھتی جائے گی ۔ یہاں یہ ہوتا ہے کہ ڈپٹی کمشنر بھی ہمارے ہاں آ جائے تو وہ ڈرتا ہے کہ ملک والے کیا کہیں گے ۔ لیکن وہاں یہ حالت ہے کہ ہماری بیت الذکر کے افتتاح کے موقع پہ خود وزیرِ اعظم جو عیسائی تھا آیا ۔ اور اُس نے کہا ۔ آپ لوگ جو کام اس ملک میں کر رہے ہیں وہ بے نظیر ہے ۔ ہم اس کی قدر کرتے ہیں ۔ آپ نے ہمارے ملک کو بہت اونچا کیا ہے ۔ اس لیے میں یہاں افتتاح کے لیے آیا ہوں اسی طرح یو ۔ این ۔ او کے نمائندے اور یونائیٹڈ سٹیٹس کے نمائندے بھی گئے ۔ امریکہ کا ایک مشہور رسالہ "لائف" ہے جو چالیس لاکھ کی تعداد میں چھپتا ہے اس رسالہ میں ایک مضمون چھپا تھا ۔ جس میں لکھا تھا کہ افریقہ میں احمدیت کثرت کے ساتھ پھیل رہی ہے ۔ اور وہاں ۶ لاکھ احمدی ہو گیا ہے ۔ حالانکہ اندازہ صرف ایک لاکھ سے اوپر کا ہے ۔ پھر الفضل میں شائع ہو چکا ہے کہ ایک عیسائی پروفیسر نے اپنی ایک کتاب میں لکھا کہ آئندہ افریقہ کا مذہب اسلام ہو گا یا عیسائیت ۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ پہلے یہ خیال تھا کہ افریقہ کا آئندہ مذہب عیسائیت ہو گا مگر اب یہ بات غلط ہو گئی ہے ۔

احمدیہ جماعت نے ملک میں جو مشن کھولے ہوئے ہیں ان کی وجہ سے یہ بات یقینی طور پر نہیں کہی جا سکتی کہ یہاں کا آئندہ مذہب عیسائیت ہو گا بلکہ بالکل ممکن ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ اس ملک کا آئندہ مذہب اسلام ہو گا ۔

تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہاں جماعت بڑھ رہی ہے اور جب جماعت کی تعداد زیادہ ہو جائے گی تو ہماری پونڈوں کی دقت بھی دور ہو جائے گی ۔ ہمارا ۲۰ سو کے قریب مبلغ گولڈ کوسٹ میں کام کر رہا ہے اُن سب کے اخراجات مقامی جماعت خود دیتی ہے ۔ آنے جانے کے کرائے بھی وہی دیتے ہیں ۔ لٹریچر بھی خود شائع کرتے ہیں ۔ ہم بھی ان کو گرانٹ دیتے ہیں ۔ مگر اس لیے کہ اوّل تو وہ لوگ ابھی تہذیب میں بہت پیچھے ہیں ۔ اور ہمارا فرض ہے کہ اُن کی مدد کریں ۔ دوسرے وہ تعداد میں ہم سے کم ہونے کے باوجود اس قدر قربانی کر رہے ہیں کہ سارے مبلغوں کو وہ خرچ دے رہے ہیں حالانکہ وہاں تنخواہیں زیادہ ہیں ۔ مثلاً میرا بھتیجا مرزا مجید[1] احمد جو کالج کا پرنسپل ہو کر وہاں گیا ہے اُسے گورنمنٹ

---

[1] حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے صاحبزادے

نے ۱۲۰۰ روپے تنخواہ دی ہے حالانکہ ہم یہاں پرنسپل کو ۵۰۰ روپے دیتے ہیں بہر حال وہاں پر جو ترقی ہوگی اُس کے ذریعہ جماعت کی حالت پھر مضبوط ہوگی۔ چنانچہ جب سیرالیون میں ایک پریس لگانے کی تجویز ہوئی تو جیسا کہ مَیں ایک خطبہ میں بیان کر چکا ہوں وہاں ایک دوست نے جو نیا نیا احمدی ہوا تھا ایک ہزار پونڈ چندہ دیا اور ایک اور آیا اُس نے پندرہ سو پونڈ دیا اور پندرہ سو پونڈ کے معنے یہ ہیں کہ گویا اس نے بائیس ہزار روپیہ بطور چندہ دیا اور تین چار مہینہ کے اندر اندر پچیس۲۵ سو پونڈ تک جمع ہوگیا گویا چند ماہ کے اندر اندر جماعت نے ۳۲ ہزار روپیہ دیا۔

سیرالیون کی جماعت ابھی بہت تھوڑی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُمید ہے کہ یہ جماعت بھی بڑھے گی اور ترقی کرے گی۔ مگر اس وقت تک یہ بوجھ ہمیں ہی اٹھانا پڑے گا وہاں کا ایک لڑکا بھی یہاں آیا ہوا ہے۔ تاکہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جماعت کا مبلغ بن سکے اُس کی تعلیم کا بوجھ بھی ہم برداشت کر رہے ہیں۔ اسی طرح جو مبلغ وہاں جاتے ہیں اُن کے کرائے وغیرہ بھی ہمیں ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اللہ کا فضل ہے کہ ابھی ان لوگوں کے دلوں میں یہ احساس پیدا نہیں ہوا کہ پاکستانی ہم پر حکومت کر رہے ہیں۔ صرف ایک دفعہ نائیجیریا سے یہ آواز آئی تھی مَیں نے انہیں کہا کہ اگر تمہیں یہ بات ناپسند ہے تو مَیں سارے پاکستانی مبلغین واپس بلا لیتا ہوں میری اس دھمکی کے بعد فوراً اُن کی مجلس شوریٰ ہوئی۔ اور اُس نے فیصلہ کیا کہ ہم اس شخص کے سخت خلاف ہیں جس نے یہ بات کہی ہے۔ ہمارا امیر پاکستانی مبلغ ہی مقرر کیا جائے ہم اُس کے پیچھے چلیں گے۔ تو خدا تعالیٰ کے فضل سے اگر اُن میں یہ روح قائم رہی بلکہ ترقی کرتی رہی تو شائد اس ملک کے چندے ہمارے ملک سے بھی بڑھ جائیں۔ لیکن ابھی ان ملکوں کی موجودہ آبادی کے لحاظ سے ان کے چندے کم ہیں۔ جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے اگر گولڈ کوسٹ نائیجیریا سیرالیون اور لائبیریا ملایا جائے تو اِن کی وسعت پاکستان سے بیس گنے ہے۔ لیکن آبادی تھوڑی ہے صرف تین کروڑ کے قریب ہے زیادہ تر جنگلات ہی ہیں۔ پھر ایسٹ افریقہ میں بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت پھیل رہی ہے اس کا علاقہ بھی پاکستان سے دس پندرہ گناہ زیادہ ہے لیکن آبادی تھوڑی ہے یعنی تین چار کروڑ کے قریب ہے۔ پس ان علاقوں میں احمدیت کے بڑھنے سے جماعت کی آمد پہ اثر پڑے گا۔ لیکن ابھی ہمیں مصلحتاً اور ان کے ایمان کی تقویت کے لیے ان کی آمد انہیں پر خرچ کرنی پڑے گی اور کہنا پڑے گا کہ مبلغ ہم بھیجیں گے خرچ تم دیا کرو۔ اس

سے بھی فائدہ ہو جاتا ہے۔ کہ جو خرچ ہم نے وہاں بھیجنا ہوتا ہے وہ بچ جاتا ہے اور ہم اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ تا یہ اعتراض نہ ہو کہ چندہ ہم دیتے ہیں اور پاکستانی کھا جاتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ ایمان میں اتنے مضبوط ہو جائیں کہ پاکستانیوں سے کہیں کہ ایک پیسہ چندہ بھی نہ دو ہم وہاں روپیہ بھیجیں گے اُس دن کا جب خود ان کی طرف سے یہ تحریک ہو۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔ مگر جب تک وہ دن نہیں آتا ہمیں خوشی سے یہ خرچ برداشت کرنا پڑے گا۔ اور ہمیں خوشی سے یہ بات منظور کرنا پڑے گی۔ کہ مبلغ ہم بھیجتے رہیں اور اُن کا خرچ وہ دیں۔ پس یہ پس منظر ہے تحریک جدید کی آمد کا"[1]

اختتامی تقریر

مشاورت کے اختتام پر حضور نے فرمایا:۔

"چونکہ ایجنڈا ختم ہو گیا ہے اس لیے اب میں دعا کے ساتھ دوستوں کو رخصت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو دعائیں کرنے اور قرآن کریم اور اسلام پر عمل کرنے کی توفیق بخشے اور خلافتِ احمدیہ کے قائم رکھنے کا جو عہد آپ نے کیا ہے اس کے پورا کرنے کی آپ کو اور آپ کی اولاد کو ہمیشہ توفیق ملتی رہے .... حقیقت یہ ہے کہ ہمیں جو کچھ ملتا ہے ظلی طور پر ملتا ہے اصل میں یہ سب کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مال ہے انہی کے مال کی حفاظت کے لیے ہم لڑ رہے ہیں ورنہ ہمیں اپنی کسی عزت کی ضرورت نہیں اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح ہو جائے تو ہمیں دنیا کے تمام دُکھ اٹھانے منظور ہیں۔ خواہش ہے تو صرف اتنی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت دنیا میں قائم ہو۔

پس یہ دعا کرتے جائیں اور واپس جا کر کوشش کریں کہ جو بجٹ آپ نے منظور کیے ہیں وہ پورے بھی ہوں ہم بھی کوشش کریں گے کہ جس طرح ہو سکے بجٹ کے اندر کام کریں لیکن آپ بھی کوشش کریں کہ آمد اتنی زیادہ ہو کہ آئندہ فراغت کے ساتھ ہم لوکل جماعت کی ضرورتوں کو بھی پورا کر سکیں مرکز کی ضرورتوں کو بھی پورا کر سکیں اور دنیا کو جو اسلام کی پیاسی ہے اس کی پیاس کو بھی بجھا سکیں"[2]

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۷ء صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۵

[2] رپورٹ مجلس مشاورت منعقدہ ربوہ ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۱۱۷، ۱۲۱

پہلا یوم جمہوریہ پاکستان اور احمدی نمائندوں کی قرارداد

۲۳ مارچ ۱۹۵۷ء کو تمام پاکستان میں اس کے جمہوریہ اسلامیہ بننے کی پہلی سالگرہ منائی گئی ۔ یہ تقریب احمدیوں کے لیے دوہری خوشی کا موجب تھی ۔ ایک تو اس لیے کہ ۲۳ مارچ کی قرارداد عملی شکل اختیار کر گئی اور پاکستان کی سب سے بڑی مسلمان حکومت معرض وجود میں آگئی ۔ جس کے قیام میں جماعتِ احمدیہ نے ہندوستان کی دیگر تمام مذہبی جماعتوں سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ دوسرے ۲۳ مارچ کو حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جماعت کی بنیاد رکھی ۔

۲۳ مارچ ۱۹۵۷ء کو ربوہ میں مجلس شوریٰ کے تیسرے اجلاس جماعت احمدیہ پاکستان اور ممالک بیرون کے نمائندگان نے متفقہ طور پر حسب ذیل قرارداد پاس کی ۔ جسے مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری نے پیش کیا ۔

"جماعتہائے احمدیہ پاکستان اور بیرونی ممالک کے نمائندوں کا یہ عمومی اجلاس جو اپنے مرکز میں ہو رہا ہے ۔ آج ۲۳ مارچ یوم جمہوریہ اسلامیہ کی پُر مسرت تقریب کے موقعہ پر تمام پاکستانیوں کو مبارکباد پیش کرتا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا کرتا ہے کہ وہ ہمارے آزاد ملک کو ہر قسم کی ترقی سے نوازے اور اس کے باشندوں میں کامل اتحاد و یگانگت اور وحدت پیدا کرے ۔ پاکستان کی ترقی کے راستہ میں جو مشکلات اندرونی اور بیرونی طور پر پیدا کی جا رہی ہیں ہماری اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ان سب مشکلات کو اپنے خاص فضل سے جلد دور فرمائے ۔ اور حکومت کو عوام کی صحیح خدمت کی توفیق بخشے ۔ آمین یا رب العالمین "

نیز یہ قرار پایا کہ اس قرارداد کی نقول اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر ۔ وزیر اعظم گورنر مغربی پاکستان اور گورنر مشرقی پاکستان کی خدمت میں ارسال کی جائیں " اس موقع پر حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا ۔

"آج پاکستان کی آزادی کا دن ہے ۔ اور جیسا کہ میں کل بتا چکا ہوں اس کو ہمیں دنیوی بات نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ چونکہ پاکستان کی ترقی اور طاقت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کا بڑا گہرا تعلق ہے ۔ اس لیے ہمیں اس کو دین کا ہی ایک حصہ سمجھنا چاہیئے مثلاً پچھلے دنوں سپین کی حکومت نے ہمارے مبلغ کو نوٹس دیا کہ وہ وہاں سے چلا جائے ۔ کیونکہ سپین میں اسلام کی تبلیغ منع ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ جرأت

ان کو اس لیے ہوئی کہ وہ سمجھتے تھے کہ پاکستانی کمزور ہے اور وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

مَیں نے کئی دفعہ یہ واقعہ سنایا کہ جب صلیبی جنگوں کے زمانہ میں عیسائیوں نے عکّہ کے قریب مسلمانوں کو شکست دے کر اپنی فوجیں فلسطین میں داخل کر دیں اور فلسطین کا وہ حصّہ جو عکّہ اور حیفہ کے پاس ہے اس کو فتح کر لیا اور تھوڑا سا حصّہ مسلمانوں کے پاس رہ گیا تو اس وقت ایک قافلہ بغداد سے شام اور فلسطین میں تجارت کے لیے آیا ہوا تھا۔ جب وہ قافلہ شام کی حدود میں سے گذر رہا تھا تو انہوں نے ایک عورت کی آواز سُنی جو چلّا چلّا کر کہہ رہی تھی .... اے امیر المومنین میری فریاد کو پہنچو وہ کوئی عورت تھی جس کو عیسائی پکڑ کر لے جا رہے تھے پاس ہی مسلمانوں کی بستیاں تھیں۔ عیسائی بعض اوقات ان بستیوں پہ ڈاکہ مارتے تھے اور مسلمانوں کو پکڑ لیتے تھے۔ چنانچہ عیسائی لوگ اس عورت کو پکڑ کر لے جا رہے تھے اس بے چاری کو پتہ نہیں تھا کہ آج کل امیر المومنین کی کوئی طاقت نہیں ہے بغداد کے قلعہ سے باہر اسے کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ مگر اس کی پُرانی شہرت ابھی باقی تھی۔ اس کی وجہ سے اس نے یہ آواز دی کہ اے امیر المومنین میری فریاد کو پہنچو۔ قافلہ والے پاس سے گذر گئے اور کسی نے اس کی مدد نہ کی۔ وہ آپس میں یہ باتیں کرنے لگے کہ عجیب بے وقوف عورت ہے اس کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ اب امیر المومنین کی کوئی طاقت نہیں۔ جب قافلہ بغداد پہنچا تو کچھ لوگ سودا وغیرہ خریدنے کے لیے آئے۔ تو انہوں نے دریافت کیا کہ کوئی عجیب واقعہ آپ کے ساتھ گذرا ہو تو بتاؤ۔ اس پہ قافلہ کے بعض لوگوں نے بتایا کہ ہم نے واپسی پہ یہ عجیب واقعہ دیکھا کہ ایک عورت کو عیسائی پکڑے لیے جا رہے تھے یا امیر المومنین کے نعرے لگا رہی تھی شاید اس کو یہ پتہ ہی نہیں تھا کہ ہمارے خلیفہ کی آج کل کوئی طاقت نہیں۔ کسی درباری نے بھی یہ بات سُن لی۔ وہ دربار میں گیا تو اس نے عباسی خلیفہ سے کہا امیر المومنین! آج ایک قافلہ شام سے واپس آیا ہے اور اس نے یہ خبر سُنائی ہے کہ اس اس طرح شام کی ایک مسلمان عورت کو عیسائی پکڑ کر لیے جا رہے تھے۔ اور اس نے یہ نعرہ لگایا کہ اے امیر المومنین میری فریاد کو پہنچو۔ حضور اس کو اتنا بھی پتہ نہیں تھا کہ بغداد کی حکومت اب اتنی کمزور ہو چکی ہے۔ جب خلیفہ نے یہ بات سُنی تو گو اس کے پاس کوئی فوج نہیں تھی سارے علاقے باغی ہو چکے تھے اور ہر صوبہ میں الگ حکومت قائم ہو چکی تھی۔ وہ اسی وقت تخت سے نیچے اُتر آیا اور کہنے لگا خدا کی قسم جب تک مَیں اس مسلمان عورت کو چھڑا کر نہیں لاؤں گا اس وقت تک میں تخت پہ نہیں بیٹھوں گا۔

یہ کہہ کر وہ اُٹھا۔ تھا تو وہ ایک دکھاوے کا حکمران لیکن یہ خبر بجلی کی طرح سارے علاقوں میں پھیل گئی اور جس جس صوبہ میں گئی وہاں سے فوراً نیم بادشاہ اپنی فوجیں لے کر اسلامی خلافت کے ماتحت چل پڑے کہ جدھر خلیفہ جائے گا اُدھر ہی ہم جائیں گے اور آناً فاناً ایک بہت بڑا لشکر بغداد کے اِردگرد جمع ہوگیا۔ یہ لشکر خلیفہ کی کمان میں آگے بڑھا اور اس نے عیسائیوں کو شکست دی اور اس طرح خلیفہ اس عورت کو چھڑا کر واپس لے آنے میں کامیاب ہوگیا۔ تو یہ اُس وقت کی بات تھی گو اس وقت مسلمانوں کی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی پھر بھی اس کی مثال ایسی ہی تھی جیسے کہتے ہیں "ہاتھی زندہ لاکھ کا مُردہ سوا لاکھ کا" گو اس وقت مسلمان گر چکے تھے لیکن پھر بھی ان میں اتنی طاقت تھی کہ یورپ کی فوجیں کانپتی ہوئیں ان کے آگے سے بھاگ جاتی تھیں۔ سپین تو یورپ کا ایک حصہ ہے۔ مگر اس وقت عکہ میں سارے یورپ کی فوجیں تھیں جنہیں مسلمانوں نے شکست دی۔ تو یہ صرف طاقت کی بات ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو طاقت اور ساتھ ہی ایمان بھی بخشے تو سپین کیا یورپ کی ساری طاقتیں مل کر بھی مسلمانوں کے مبلغوں کو نہیں نکال سکتیں۔ اگر وہ نکالیں گی۔ تو اُن کو ایسی مشکلات کا سامنا پیش آئے گا اور مسلمان حکومتیں اتنی جلدی ان کا مقابلہ کریں گی کہ اُن کو فوراً اپنی شکست تسلیم کرنا پڑیگی چنانچہ حکومتِ پاکستان تو الگ رہی ہماری جماعت اگرچہ ایک غریب جماعت ہے مگر چونکہ منظم ہے اس لیے ہماری جماعت کے ڈر کے مارے ہی سپین کے سفیر متعینہ پاکستان نے یہ اعلان کر دیا کہ میری حکومت اسلامی مبلغ کو ملک سے باہر نکالنا نہیں چاہتی۔ یہ خبر جو مشہور کی گئی ہے جھوٹ ہے۔ لیکن ہمارا مبلغ اس بات پر مُصر ہے کہ اسے ملک سے باہر نکلنے کا نوٹس دیا گیا ہے۔ مگر سپین کے سفیر نے کہا ہے کہ آپ ہمیں خواہ مخواہ بدنام کر رہے ہیں ہم نے آپ کے مبلغ کو باہر نہیں نکالا۔ یہ اثر صرف چند لاکھ غریب فقیروں کی جماعت کی تنظیم کی وجہ سے تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ اسلامی حکومتوں کو طاقت بخشے تو پھر لازمی بات ہے کہ اِن چند لاکھ فقیروں کی جماعت سے بہت زیادہ یورپین حکومتیں اسلامی حکومتوں سے ڈریں گی۔ کیونکہ ان کے پاس تو طاقت بھی ہو گی اور ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں۔ اسلامی حکومتیں اگر آزاد ہوں اور ترقی کریں تو اُن کے پاس بیڑے بھی ہوں گے۔ توپیں بھی ہوں گی اور ہوائی جہاز بھی ہوں گے ہمارے پاس تو سوٹیاں بھی مشکل سے ہوتی ہیں۔ اس لیے ہم سے کسی حکومت نے کیوں ڈرنا ہے۔ مگر اسلامی حکومتیں اگر طاقت پکڑ جائیں تو دوسری حکومتیں اُن سے یقیناً ڈریں گی۔ پس اپنی دعاؤں میں ہمیں ملک کی آزادی اور ترقی کی دعا بھی شامل کرنی چاہیے مجھے معلوم

ہوا ہے کہ یومِ آزادی کے لحاظ سے صدر انجمن احمدیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ یہاں شام کو روشنی بھی کرائیں اور غرباء میں کھانا بھی تقسیم کریں۔ اُن کا یہ فعل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی اتباع میں ہے جب ملکہ وکٹوریہ کی جوبلی ہوئی تھی۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا تھا کہ خوب خوشی منائی جائے۔ چنانچہ قادیان میں منارۃ المسیح اور مکانوں کی چھتوں پر روشنی کا انتظام کیا گیا۔ اگر ایک عیسائی ملکہ کی جوبلی پر اتنی خوشی منائی جائز ہو سکتی ہے تو ایک اسلامی ملک کی آزادی پر اس سے ہزار گُنے خوشی منانی جائز ہو سکتی ہے۔ پس اُن کا یہ اقدام نہایت مستحسن ہے اور ہماری جماعتوں کو بھی چاہیئے کہ جہاں جہاں وہ ہیں اس دن جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ملک کو آزادی بخشی ہے اور اسلامی حکومتوں میں ایک اسلامی حکومت کا اضافہ ہوا ہے خوشی منائیں چراغاں کریں اور غرباء میں کھانا تقسیم کریں۔ پاکستان گو چھوٹا ملک ہے لیکن اپنے جائے وقوعہ اور آبادی کے لحاظ سے باقی تمام اسلامی ملکوں سے طاقتور ہے اس کی آبادی ۸ کروڑ سے زیادہ ہے۔ اور پھر اسے ایسے سامان میسر ہیں کہ کوئی تعجب نہیں کہ دس پندرہ سال کے اندر ہمارے ملک کی آبادی بارہ تیرہ کروڑ ہو جائے اور اگر اللہ تعالیٰ کشمیر کو ادھر لے آیا اور خدا کرے کہ ایسا ہی ہو تو ایک دن میں ہی آبادی میں ایک کروڑ کی زیادتی ہو جائے گی اور کئی سامان ترقی کے پیدا ہو جائیں گے۔ بہر حال ہمارا ملک جو اس وقت سارے اسلامی ممالک میں سب سے زیادہ آباد ہے اور سب سے زیادہ ذرائع ترقی کے رکھتا ہے اگر ترقی کرے تو یقیناً دوسری اسلامی حکومتیں بھی اس کے ساتھ ساتھ ترقی کریں گی۔ اور اس کو اپنا لیڈر تسلیم کریں گی۔ ابھی ہندوستان سے بعض جھگڑوں کی وجہ سے بعض ہمسایہ اسلامی حکومتیں اپنے آپ کو پاکستان سے زیادہ طاقتور سمجھتی ہیں مگر جس دن پاکستان اپنی مشکلات سے آزاد ہوا۔ اس کی صنعت و حرفت نے ترقی کی اور اس کی طاقت بڑھ گئی تو اردگرد کی اسلامی حکومتیں اس بات پر مجبور ہوں گی کہ اسے اپنا لیڈر تسلیم کریں۔ پس احمدیوں کو اس تقریب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وہ وقار کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ دعائیں کریں اور بڑی سنجیدگی کے ساتھ اس دن کو منائیں تا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے پاکستان کی طاقت کو بڑھانے اور پھر اسلامی روح کو بھی بڑھائے۔ کیونکہ خالی پاکستان کی ترقی اس وقت تک مفید نہیں ہو سکتی جب تک کہ اسلامی روح بھی ترقی نہ کرے تاکہ ہم صرف اسی پر خوش نہ ہوں کہ ہمیں ایک حکومت حاصل ہے

بلکہ ہمیں وہ حکومت حاصل ہو جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حصہ ہو کیونکہ پھر صرف چھلکا ہی نہیں روح بھی ہمیں مل جائے گی ۔[1]

مہتہ عبدالخالق صاحب پاکستان کے مشیر معدنیات کے عہدہ پر

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ستمبر ۱۹۴۵ء میں مہتہ عبدالخالق صاحب کی نسبت رویاء میں دیکھا کہ وہ نہایت بیش بہا لباس میں ملبوس ہیں ۔

(الفضل ۲۵ ستمبر ۱۹۴۵ء صہ ۲)

یہ خواب مارچ ۱۹۵۷ء میں پورا ہوا جبکہ آپ کو حکومت مشرقی پاکستان کی طرف سے مشیر معدنیات (MINERAL ADVISER) مقرر کیا گیا ۔[2]

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت جماعت احمدیہ منعقدہ ربوہ ۲۱، ۲۲، ۲۳ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۵۲، ۵۶

[2] مہتہ صاحب قیام پاکستان کے ابتدائی دس سالوں میں بھی پاکستان کی ترقی کے لیے شب و روز مصروف عمل رہے چنانچہ انہوں نے تحقیقات کی کہ قلات کی ریاست عظیم معدنی دولت سے مالامال ہے جو حیران کن حد تک متنوع ہے چنانچہ روزنامہ "مغربی پاکستان" لاہور (۱۱ اپریل ۱۹۴۸ء) نے اس خبر کو نمایاں سرخی کیساتھ شائع کیا اور لکھا "مسٹر عبدالخالق مہتہ ریاست قلات کے چیف جیالوجسٹ وصدر محکمہ ارضیات ہیں آپ کو بین الاقوامی پیٹرولیم کانگرس نے ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو منعقد ہونے والی سلور جوبلی میں شریک ہونے کی دعوت دی ہے ..... انٹرنیشنل پیٹرولیم کانگرس مسٹر مہتہ کا خاص احترام کرتی ہے اس کے علاوہ پیٹرولیم ٹیکنالوجی اینڈ جیا فزکس کی امریکہ انجمنیں مسٹر مہتہ کے فنی مشورہ کی ہمیشہ خواہشمند رہتی ہیں مسٹر مہتہ نے ریاست قلات کے معدنی وسائل سے فائدہ اٹھانے کے لیے خان قلات کو ایک وسیع پروگرام پیش کیا ہے ۔ اگر اسے عملی جامہ پہنا دیا گیا تو نہ صرف ریاست کے عام باشندوں کو بلکہ پاکستان کو بے پناہ فائدہ پہنچے گا مسٹر مہتہ اس سے پہلے اعلان کر چکے ہیں کہ اگر مجھے پانچ برس کی مہلت مل جائے تو ریاست قلات کو معدنی لحاظ سے پاکستان کی ممتاز ترین ریاست بنا دوں گا ۔ مسٹر مہتہ امریکہ کی بہت سی انجمنوں اور کانگرسوں کے رکن ہیں" (مزید معلومات کیلئے ملاحظہ ہو ۱۹۵۷ء "WHO KNOWS — AND WHAT" P 45) (باقی صفحہ ۴۶۳ پر)

اس زمانہ میں مشرقی پاکستان میں سیمنٹ کا صرف ایک کارخانہ تھا جو اپنے خام مال یعنی چونے کے پتھر (LIME STONE) کے لیے بھارت کا دستِ نگر تھا ان سنگین حالات میں جب مہتہ عبدالخالق صاحب کی جناب حسین شہید سہروردی وزیر اعظم پاکستان سے ملاقات ہوئی تو جناب سہروردی صاحب نے مہتہ صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا۔ اگر آپ مجھے مشرقی پاکستان میں کہیں بھی لائم اسٹون تلاش کر دیں تو یہ آپ کا عظیم کارنامہ ہوگا چنانچہ خدا کے فضل سے چند ماہ کے اندر ہی مہتہ صاحب مشرقی پاکستان کی حدود میں چونے کا پتھر دریافت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جناب سہروردی صاحب کی خدمت میں جب اس انکشاف کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے مبارکباد دی۔ آپ نے مراسلہ (بنام مہتہ صاحب نمبر 6380-PMN 57 کراچی مورخہ ۵ راپریل ۱۹۵۷ء میں) لکھا کہ سلہٹ اور میمن سنگھ میں آپ کی طرف سے لائم اسٹون کے انکشافات سے مجھے بہت ہی دلچسپی ہوئی اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو اگر واقعی حقیقت میں لائم اسٹون مل جائے تو یہ مشرقی پاکستان کی قسمت کو بدل دے گا۔

اس کے بعد انہوں نے بہت سی تحقیق و تفتیش کے بعد جناب عطاء الرحمٰن صاحب وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان کو ایک جیالوجیکل ڈیپارٹمنٹ قائم کرنے کی تجویز پیش کی چنانچہ لکھا کہ مہتہ عبدالخالق صاحب نے لائم اسٹون کی تلاش اور موجودگی کے سلسلہ میں جو رپورٹ پیش کی ہے میں نے اس کی بہت ہی باریک چھان بین کی ہے اور میرے نزدیک اُن کی دریافت جو کہ سیمنٹ بنانے میں بہت کارآمد ہو سکتی ہے ہمارے لیے بہت ہی زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔

مہتہ صاحب نے اعلیٰ قسم کے لائم اسٹون کی دریافت کے علاوہ اعلیٰ قسم کے کثیر المقدار کوئلہ کے ذخائر کی بھی نشاندہی کی اوّل الذکر سے حکومت مشرقی پاکستان اور پھر بنگلہ دیش حکومت نے بھرپور فائدہ اٹھایا جبکہ کوئلہ کے ذخائر کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ حکومت مشرقی پاکستان کے عہد میں مشیر معدنیات کا عہدہ صرف مہتہ صاحب تک محدود رہا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶۲ سے آگے) ناشر مارکس پبلیکیشنز بلڈنگ شکاگو۔ ۱۱ یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ) نظر ثانی شدہ ایڈیشن ۱۹۷۵ء

مہتہ صاحب کو مغربی پاکستان میں بھی بیش بہا معدنیات کی دریافت میں کامیابی ہوئی جن میں ایک بیریلیم (BERYLLIUM) ہے جو کہ نیوکلائی (Neuclear) دھات ہے جس کی تلاش اور تصرف میں دنیا بھر کی حکومتیں مصروف کار ہیں اسی طرح زرکونیم (ZIRCORIUM) بھی دفاعی اور نیوکلائی صنعتوں کے لیے بہت اہم اور دنیا کا ایک کمیاب اور قیمتی جوہر ہے۔ مہتہ صاحب نے ملک میں اس کے ذخائر کا سراغ لگایا اور اس کی موجودگی اور اس کے درجہ کی طرف پاکستان اٹامک کمیشن کی توجہ بھی مبذول کرائی مہتہ صاحب بہت وثوق سے کہتے ہیں کہ پاکستان میں بیریلیم اور زرکونیم کے حصول کے قوی امکانات ہیں اور یہ کام بہت کم لاگت سے کیا جا سکتا ہے [1]

عید الفطر کا پُر معارف خطبہ

۲ رمئی ۱۹۵۷ء کو عید الفطر تھی۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس تقریب پر ایک مختصر مگر پُر معارف خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"میں دوستوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ ہماری عید دراصل وہی ہو سکتی ہے۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عید ہو۔ اگر ہم تو عید منائیں۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید نہ منائیں تو ہماری عید قطعاً عید نہیں کہلا سکتی۔ بلکہ وہ ماتم ہوگا۔ جیسے کسی گھر میں کوئی لاش پڑی ہوئی ہو۔ ان کا کوئی بڑا آدمی فوت ہو گیا ہو۔ تو لاکھ عید کا چاند نکلے ان کے لیے عید کا دن ماتم کا ہی دن ہوگا۔ اس طرح ایک مسلمان کے لیے چاہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ۱۳۰۰ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ اگر اس کی عید میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شامل نہیں اور اگر وہ اس ظاہری عید پر مطمئن ہو جاتا ہے تو اس کی عید کسی کام کی نہیں۔ بے شک اس دن خدا تعالیٰ نے ہمیں خوش ہونے کا حکم دیا ہے اور ہم خوشی منانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہمارے دل تو چاہیئے کہ وہ روتے رہیں۔ کہ ابھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی عید نہیں آئی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی عید سویاں کھانے سے نہیں آتی۔ نہ شیر خرما کھانے سے آتی ہے۔ بلکہ ان کی عید قرآن اور اسلام کے پھیلنے سے آتی ہے۔ اگر قرآن

---

[1] VIEWPOINT, OCTOBER 15.,1987 P:27-31 (RAWALPINDI)

اور اسلام پھیل جائیں تو ہماری عید میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہو جائیں گے ..... پس کوشش یہی کرو۔ کہ اسلام کی اشاعت ہو۔ قرآن کی اشاعت ہو۔ تاکہ ہماری عید میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہوں"[1]

ربوہ میں پہلا یوم خلافت

۲۷ مئی ۱۹۵۷ء کو جماعت احمدیہ کی طرف سے دنیا بھر میں پورے جوش و خروش کے ساتھ "یوم خلافت" منایا گیا۔ مرکز احمدیت ربوہ میں اس روز بیت المبارک میں مولانا ابوالعطاء صاحب پرنسپل جامعۃ المبشرین کی زیر صدارت ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جو صبح ۸ بجے سے گیارہ بجے قبل دوپہر تک جاری رہا۔ فاضل مقررین نے اپنی تقاریر میں خلافت کے ہر پہلو کو قرآن مجید، احادیث نبوی، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات اور حضرت خلیفہ اول کی تصریحات کی روشنی میں نہایت خوبی سے واضح کیا اور بتایا کہ انوار نبوت کو جاری رکھنے کے لیے خلافت کو قائم رکھنا اور اس کے شایانِ شان اعمال بجالانا نہایت ضروری ہے۔ مقررین نے حسب وصیت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خلافت احمدیہ کے قیام و استحکام اور اس کے بالمقابل منکرین خلافت کی ریشہ دوانیوں اور اُن کے حسرت ناک انجام پر بھی روشنی ڈالی۔ نیز حضرت خلیفۃ المسیح الاول نے جس عزیمت اور جلالتِ شان کے ساتھ جماعت میں خلافت کے نظام کی بنیاد رکھی۔ اس کو بھی واضح کیا۔ اور پھر سیدنا حضرت المصلح الموعود الودود کی خلافت کے دور میں نظام خلافت کے طفیل جو عظیم الشان برکات نازل ہوئیں اور اطراف وجوانب عالم میں دین کو تمکنت نصیب ہوئی اور اسلام کی سربلندی کے سامان پیدا ہوئے اور جنہیں حضور کے وجود با جود کی برکات سے روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اُن کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ حاضرین نے نظام خلافت کی ضرورت واہمیت اور اس کی عظیم الشان برکات کے موضوعات پر علماء سلسلہ کی ایمان افروز تقاریر سننے کے بعد ایک نئے جوش اور نئے عزم کے ساتھ اپنے اس مقدس عہد کو دہرایا کہ وہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے خلافت حقہ کے آسمانی نظام کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہیں گے اور نسلاً بعد نسلٍ اس نظام کو قیامت تک جاری رکھتے چلے جائیں گے تا تائید و نصرت

---

[1] خطبات محمود جلد ۱ صفحہ ۲۴۹۔ ناشر فضل عمر فاؤنڈیشن ربوہ "نوائے وقت پرنٹرز لمیٹڈ لاہور"

الٰہی مرکزیت، باہمی اتحاد و اخوت اور اسلام کی سربلندی کی شکل میں خلافت کی جن عظیم الشان برکات کا انہوں نے قدم قدم پر مشاہدہ کیا ہے ان کا سلسلہ ہمیشہ ہمیش جاری رہے گا۔ صاحب صدر کی اقتدا میں شمع خلافت کے پروانوں نے عہد کے الفاظ دہرا کر اپنے عزم کا اظہار کیا خلافت کے ساتھ والہانہ محبت و عقیدت کا یہ منظر دیکھنے کے لائق تھا۔ بیعتِ مبارک ہزاروں قلوب کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی پُر جوش آوازوں سے گونج رہی تھی۔[1]

ایک مکتوب اور حضرت مصلح موعودؓ کا مختصر جواب

۲۹ مئی ۱۹۵۷ء کو موہن پورہ راولپنڈی کے ایک غیر احمدی دوست چوہدری محمد اسماعیل صاحب نے حضور کے معرکہ آراء تالیف "اسلام اور ملکیت زمین" سے متعلق چند استفسارات کیے۔[2]

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی علالت اور گوناگوں مصروفیات تفصیلی جواب میں مانع تھیں البتہ یہ ممکن تھا کہ مختصر مگر اصولی رنگ میں صاحب مکتوب کے شبہات کا ازالہ کر دیا جائے چنانچہ حضور نے اسی نقطہ نگاہ سے حسب ذیل جواب ارشاد فرمایا جو اختصار اور جامعیت کا مرقع تھا اور ایک طالبِ حق کی تسلی کے لیے کافی تھا:۔

"مَیں نے اپنی کتاب میں روائتیں لکھ دی ہیں آپ اصل کتابیں دیکھ لیں۔ اگر وہ روائتیں جھوٹی ہیں تو ان کو ردّ کر دیں اور اگر سچی ہیں تو جن لوگوں نے وہ باتیں کہی ہیں اُن کا انکار کر دیں۔ لیکن آپ میرا مطلب نہیں سمجھے مَیں نے تو صاف لکھا ہے کہ جاگیرداری اسلام میں جائز نہیں باقی رہا یہ کہ گورنمنٹ نے جو زمین کسی وقت بیچی ہو اس کو بلا معاوضہ یا کم معاوضہ پر لینا فریب یا دھوکہ دہی ہے۔ اگر زمین کی وہی قیمت تھی جس پر گورنمنٹ واپس لینا چاہتی ہے تو اُس نے بیچتے وقت اس کی قیمت زیادہ کیوں دی؟ مگر اس کی قیمت جب گورنمنٹ بیچ رہی تھی زیادہ تھی تو اب کس طرح جائز ہو گیا کہ ان کو تھوڑی قیمت پر واپس لے لیں۔ اس کتاب سے تو میرا مطلب صرف یہ تھا کہ اگر گورنمنٹ کسی شخص کو زیادہ مقدار میں

---

[1] الفضل ۷؍ مئی ۱۹۵۷ء صفحہ ۱ : [2] (مطبوعہ) خط و کتابت (منجانب چوہدری محمد اسماعیل صاحب) صفحہ ۱۹ - ۲۴

زمین دے تو اس کا رکھنا اُس کے لیے جائز ہے۔ وہاں اگر کوئی شخص کسی کی زمین چھین لے تو اُس کا واپس لینا گورنمنٹ کے لیے جائز ہے۔"[۱]

بیت الذکر ہمبرگ کا افتتاح اور حضرت مصلح موعود کا پیغام

۲۲ جون ۱۹۵۷ء کو ہیگ کی عالمی عدالت انصاف کے صدر جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے ہمبرگ (جرمنی) میں خدا کے پہلے گھر کا افتتاح فرمایا جس میں جرمنی کے علاوہ انگلینڈ، ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ اور سویڈن کے بہت سے معزز مہمانوں، صحافیوں اور پریس اور ٹیلیویژن کے نمائندوں نے شرکت کی۔

اس تقریب پر صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے حضرت مصلح موعود کا حسب ذیل خصوصی پیغام پڑھ کر سنایا:۔

"برادرانِ اہلِ جرمنی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

میں ہمبرگ کی (بیت الذکر۔ ناقل) کے افتتاح کی تقریب میں شمولیت کے لیے اپنے بیٹے مرزا مبارک احمد کو بھجوا رہا ہوں۔ افتتاح کی تقریب تو انشاء اللہ عزیزم چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب ادا کریں گے۔ مگر مرزا مبارک احمد میرے نمائندے کے طور پر اس میں شامل ہوں گے۔ میرا ارادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مدد کرے تو یکے بعد دیگرے جرمنی کے بعض اور شہروں میں بھی (بیوت الذکر۔ ناقل) کا افتتاح کیا جائے۔ اُمید ہے کہ مرزا مبارک احمد مولوی عبد اللطیف صاحب سے مل کر ضروری سکیمیں اس کے لیے بنا کر لائیں گے تا کہ جلدی (بیوت الذکر۔ ناقل) بنائی جا سکیں۔ خدا کرے کہ جرمن قوم جلد اسلام قبول کرے۔ اور اپنی اندرونی طاقتوں کے مطابق جس طرح وہ یورپ میں مادیات کی لیڈر ہے روحانی طور پر بھی لیڈر بن جائے۔ فی الحال اتنی بات تو ہے کہ ایک جرمن نومسلم زندگی وقف کر کے امریکہ میں تبلیغ اسلام کر رہا ہے مگر ہم ایک مبلغ یا درجنوں نومسلموں پر مطمئن نہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں مبلغ جرمنی سے پیدا ہوں۔ اور کروڑوں جرمن باشندے اسلام کو قبول کریں۔ تا کہ اسلام کی اشاعت کے کام میں یورپ کی لیڈری جرمن قوم کے ہاتھ میں ہو۔ اللّٰھم آمین

---

[۱] امروز ۲۴ر جون ۱۹۵۷ء ص ۳

خاکسار مرزا محمود احمد۔ خلیفۃ المسیح الثانی[1]

اس بصیرت افروز پیغام کا جرمن ترجمہ چوہدری عبداللطیف صاحب مبلغ جرمنی نے کیا[2]

مولوی محمد احمد صاحب کی دردناک شہادت

مولوی محمد احمد صاحب مولوی فاضل بہت مخلص، نیک اور خدمتِ خلق کا جذبہ رکھنے والے نوجوان تھے جو سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے محافظ خاص مکرم خان میر صاحب افغان کے بڑے بیٹے تھے۔ نہایت درجہ خلیق، ملنسار اور منکسر المزاج اور درویش طبع آپ ضلع کوہاٹ کے علاقہ ٹل میں میڈیکل پریکٹیشنر کی حیثیت میں مسلسل پندرہ سال سے عوام کی طبی خدمات سرانجام دے رہے تھے اور یہ جاننے کے باوجود کہ آپ جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں باوقار اور سنجیدہ طبقہ میں انہیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے کہ ایک سرحدی ملاں نے کوہاٹ میں فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کرنے اور فضا کو مکدر کرنے کے لیے اشتعال انگیز تقریریں کیں اور عوام کو مولوی محمد احمد مرحوم کے خلاف اُکسایا۔ جب حکام بالا تک اس شرانگیزی کی رپورٹ پہنچی تو ان کی طرف سے مناسب کارروائی کی گئی اور گو وقتی طور پر یہ فتنہ دب گیا مگر آتشیں بغض و عناد اندر ہی اندر سلگتی رہی اور آزاد علاقے بعض شعلہ مزاج معاند اپنی خوفناک سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا مصمم ارادہ کر کے موقع کی تلاش میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ اس سال ۲۹ رجون ۱۹۵۷ء کا وہ منحوس دن آیا جبکہ "ٹل" ضلع کوہاٹ سے ۵ ر۶ میل کے فاصلہ پر آزاد علاقہ کے ایک ملاں نے اپنے بعض عزیزوں کو مولوی محمد احمد مرحوم کے پاس بھیجا کہ وہ ایک مریض کے علاج کے بہانہ سے ان کو اپنے ٹانگہ پر بٹھا کر اپنے گاؤں میں لے آئیں۔ چنانچہ یہ ظالم جب مولوی محمد احمد صاحب کے پاس گاؤں آنے کی درخواست لے کر پہنچے تو انہوں نے بلاتامل کشادہ پیشانی سے ان کی درخواست منظور کر لی۔ اور تانگے پر بیٹھ کر ان کے گاؤں کی جانب روانہ ہو گئے۔ ایک سچے مسلمان کے دل میں ایک مریض بھائی کی خدمت کے جو محبت آمیز

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۶ رجون ۱۹۵۷ء صا ؛ [2] الفضل ۲۷ رجون ۱۹۵۷ء صا

جذبات ہوتے ہیں وہ سبھی مولوی صاحب مرحوم کے دل و دماغ میں موجزن تھے۔ مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ وہ کسی علاج کی غرض سے نہیں جا رہے تانگہ میں بیٹھ کر آخرت کا سفر طے کر رہے ہیں اور یہ کہ ان کی ہمدردی کا بدلہ تشکر و امتنان کے الفاظ سے نہیں بلکہ رائفل کی گولی سے دیا جانے والا ہے۔ بہر حال مولوی صاحب ۵، ۶ میل تک سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے جونہی اس گاؤں میں پہنچے۔ ملّائے مذکور نے غضب ناک ہو کر کہا۔ یہ قادیانی ڈاکٹر ہے۔ مَیں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ یہ کہتے ہی اس نے آپ پر رائفل کا فائر کر دیا اور ایک لمحہ میں انسانیت کی جیتی جاگتی تصویر تڑپتی لاش میں تبدیل ہو گئی۔ اور احمدیت کا فدائی دین و ملت کی آبیاری کے لیے اپنا مقدس خون پیش کر کے اپنے مولائے حقیقی کے دربار میں حاضر ہو گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ "[1]

یکم جولائی ۱۹۵۷ء کو بعد نماز فجر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے مرحوم کی نماز جنازہ پڑھائی جس میں اہل ربوہ نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور آپ کو بہشتی مقبرہ میں سپردِ خاک کیا گیا۔ شہید مرحوم نے ایک بیوہ اور چار بچے یادگار چھوڑے[2] جن کے نام یہ ہیں:۔

بی بی۔ مریم سلطانہ صاحبہ (بنت عنایت اللہ خاں صاحب افغان مرحوم)

اولاد:۔ ۱۔ آصفہ بیگم صاحبہ (اہلیہ محمد رفیع خاں صاحب ابن مکرم مولانا محمد شہزادہ خانصاحب مرحوم مولوی فاضل استاذ مدرسہ احمدیہ قادیان)

۲۔ حمید احمد خاں صاحب (ملازم پاکستان ائیر فورس حال رسالپور)

۳۔ مبشر احمد خاں صاحب (پاکستان سے باہر ملازم ہیں)

۴۔ آنسہ بیگم صاحبہ

دہلی کے اخبار "ریاست" نے ۸ جولائی ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں اس حادثہ کی نسبت حسب ذیل نوٹ لکھا:۔

"ایک اور احمدی مذہبی تعصب کا شکار۔ اُس سے پہلے پاکستان۔ افغانستان اور دوسرے ممالک میں سینکڑوں احمدی مذہبی اختلافِ رائے کے باعث ہلاک کیے جا چکے ہیں اور اب تازہ اطلاع

---

[1] الفضل ۸ ستمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۵ [2] الفضل ۳ جولائی ۱۹۵۷ء صفحہ ۱

ہے کوٹل (ضلع کوہاٹ۔ پاکستان) کے مقام پر ایک احمدی ڈاکٹر محمد احمد کو مذہبی اختلاف کے باعث بندوق کا نشانہ بنا دیا گیا۔ موجودہ جمہوری دور میں جبکہ اصولاً ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ مذہبی یا سیاسی اعتبار سے اپنے جو خیالات چاہے رکھے۔ پاکستان میں احمدیوں کے ساتھ کیا جا رہا یہ سلوک انتہائی افسوسناک ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان میں احمدیوں کا مستقبل بہت تاریک ہے۔

ہندوستان میں گو مسلمان احساس کمتری میں مبتلا ہیں جس کی ذمہ داری پاکستان کے قیام پر ہے مگر یہ واقعہ ہے کہ ہمارے ملک میں ہر شخص کو مذہبی اعتبار سے مکمل آزادی حاصل ہے۔ کوئی شخص کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا اور احمدیوں کو بھی ہمارے ملک میں اپنی مذہبی تبلیغ کی پوری آزادی حاصل ہے مگر پاکستان میں نہ ہندو محفوظ ہیں نہ سکھ اور نہ عیسائی اور احمدی تو مسلمان ہوتے ہوئے بھی واجب قتل قرار دیئے جاتے ہیں۔

پاکستان کے احمدیوں کا مسئلہ اس قابل نہیں کہ اس کو نظر انداز کیا جاسکے۔ چنانچہ احمدیوں کے ان حالات میں پاکستان گورنمنٹ کے لیے صرف دو صورتیں ہیں یا تو احمدیوں کی حفاظت کی ذمہ داری لی جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر ان کو اپنی ایک الگ اسٹیٹ دی جائے جہاں کہ یہ امن اور اطمینان کے ساتھ رہ سکیں۔ ان کا مذہبی تعصب کا شکار ہوتے چلے جانا انسانیت پرست حلقوں میں برداشت نہیں کیا جاسکتا"[1]

''حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اپنے خطبہ جمعہ ۳۰؍اپریل ۱۹۹۹ء میں ان کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ان کی بیوی نے کس طرح کمال شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انکی نعش علاقہ غیر سے حاصل کی اور ربوہ لے آئیں''۔

---

[1] ہفت روزہ "ریاست" دہلی ۸؍جولائی ۱۹۵۷ء صفحہ ۴ کالم ۳،۴

فصلِ پنجم

"تاریخی خطبہ عیدالاضحی اور "وقفِ جدید" کی نئی سکیم کا ذکر

۹؍جولائی ۱۹۵۷ء کا دن سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا کیونکہ اس روز سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے ولولہ انگیز خطبہ عیدالاضحیہ میں "وقفِ جدید" کی ایک نئی سکیم پیش کی۔ چنانچہ فرمایا:۔

"حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی یہ نہیں تھی جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انہیں ذبح کرنے کے لیے حضرت ابراہیم نے زمین پر لٹا دیا تھا۔ لیکن بعد میں خدا تعالیٰ سے الہام پاکر آپ نے ذبح کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور الٰہی اشارہ کی بناء پر ان کی جگہ ایک بکرا ذبح کر دیا۔ مَیں بارہا بتا چکا ہوں کہ درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو وادی مکہ میں چھوڑ آنے کے متعلق یہ رؤیا دکھائی گئی تھی۔ کیونکہ ایک بے آب وگیاہ وادی میں بیٹھ جانا بھی بہت بڑی قربانی ہے۔ جیسے شروع شروع میں ربوہ میں چند آدمی خیمے لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ تاکہ اسے آباد کیا جائے۔ وہ آدمی درحقیقت اس وقت اسمٰعیلی سُنّت کو پورا کر رہے تھے وہ صرف اس لیے یہاں بیٹھ گئے تھے کہ آئندہ یہاں ربوہ آباد کیا جائے۔ اگر وہ قربانی نہ کرتے۔ اور ربوہ میں آکر خیمے لگا کر نہ بیٹھ جاتے۔ تو نہ یہ شہر بنتا نہ سڑکیں بنتیں نہ بازار بنتے۔ نہ مکانات بنتے۔ اور یہ جگہ پہلے کی طرح چٹیل میدان ہی رہتی۔

امریکہ میں جو فری تھنکنگ (FREE THINKING) کی تحریک پیدا ہوئی ہے۔ اس کا بانی ایک فرانسیسی شخص ہے۔ اس نے اپنا قصہ یہی لکھا ہے کہ مَیں ایک دن اپنے باپ کے ساتھ ایک پادری کا وعظ سُننے گیا تو وہاں اس نے یہ کہا کہ ابراہیمؑ بڑا نیک انسان تھا۔ اس نے خدا کی خاطر اپنے اکلوتے بیٹے کے گلے پر چھری پھیر دی وہ لکھتا ہے کہ اتفاق کی بات ہے میں بھی اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا ہی تھا میں وہاں سے نکل کے بھاگا۔ میرے دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر میرے باپ کو یہ خطبہ پسند آگیا تو وہ کہیں میری گردن پر بھی چھری نہ پھیر دے۔ میں سمندر پر گیا وہاں ایک امریکہ جانے والا جہاز کھڑا تھا۔ میں اس میں گھس گیا اور

کسی کونہ میں چھپ کر بیٹھ گیا اور اس طرح امریکہ پہنچ گیا۔ یہاں آکر مَیں نے یہ دہریوں والی تحریک جاری کی۔ غرضیکہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی قربانی کو غلط شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رؤیا کا یہ مطلب تھا کہ آپ اپنی مرضی سے اور یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ وادیٔ مکہ ایک بے آب و گیاہ جنگل ہے اور وہاں کھانے پینے کو کچھ نہیں ملتا۔ اپنی بیوی اور بچے کو وہاں چھوڑ آئیں۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے ہوئے تو آپ نے اپنی نیکی اور تقویٰ کے ساتھ اپنے گرد لوگوں کا ایک گروہ جمع کر لیا اور انہیں نماز اور زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کی تحریک کرکے اور اس طرح عمرہ اور حج کے طریق کو جاری کرکے آپ نے مکہ کو آباد کرنا شروع کیا۔ چنانچہ ان کی قربانیوں کے نتیجہ میں صدیوں سے مکہ آباد چلا آتا ہے۔ قریباً تین ہزار سال سے برابر خانہ کعبہ آباد ہے اور اس کا طواف اور حج کیا جاتا ہے پس عیدالاضحیہ کی قربانی بے شک اس قربانی کی یاد دلاتی ہے۔ مگر اس قربانی کی یاد نہیں دلاتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ظاہری شکل میں حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی گردن پر چھری پھیر دی۔ درحقیقت قربانیوں کی عید ہمیں اس طرف توجہ دلاتی ہے کہ ہم خدا کی خاطر اور اس کے دین کے لیے جنگلوں میں جائیں اور وہاں جاکر خدا تعالیٰ کے نام کو بلند کریں اور لوگوں سے اس کے رسول کا کلمہ پڑھوائیں جیسا کہ ہمارے صوفیاء کرام کرتے چلے آئے ہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہماری قربانی حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کے مشابہ ہوگی۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ قربانی بالکل حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی طرح ہو جائے گی کیونکہ دلوں کی کیفیت مختلف ہوتی ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دل کی حالت اور تھی اور ہمارے زمانہ کے لوگوں کی دلوں کی حالت اور ہے۔ مگر بہرحال وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے مشابہ ضرور ہو جائے گی۔

پس تم اپنے آپ کو اس قربانی کے لیے پیش کرو میرے نزدیک اس زمانہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے مشابہ قربانی وہ مبلغ کر رہے ہیں جو مشرقی اور مغربی افریقہ میں تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ وہ غیر آباد ملک ہیں جن میں کوئی شخص خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کا نام نہیں جانتا تھا۔ لیکن ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر انہیں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کا نام بتایا ...... خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے نوجوان افریقہ کے جنگلات میں بھی کام کر رہے ہیں مگر میرا خیال یہ ہے۔ کہ اس ملک میں بھی اس طریق کو جاری کیا جا سکتا ہے چنانچہ مَیں چاہتا ہوں کہ اگر کچھ نوجوان ایسے ہوں جن کے دلوں میں یہ خواہش پائی جاتی ہو کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت شہاب الدین صاحب سہروردیؒ کے نقشِ قدم پر چلیں تو جس

طرح جماعت کے نوجوان اپنی زندگیاں تحریک جدید کے ماتحت وقف کرتے ہیں وہ اپنی زندگیاں براہ راست میرے سامنے وقف کریں تاکہ مَیں ان سے ایسے طریق پر کام لوں کہ وہ مسلمانوں کو تعلیم دینے کا کام کر سکیں۔ وہ مجھ سے ہدایتیں لیتے جائیں اور اس ملک میں کام کرتے جائیں۔ ہمارا ملک آبادی کے لحاظ سے ویران نہیں ہے لیکن روحانیت کے لحاظ سے بہت ویران ہو چکا ہے اور آج بھی اس میں چشتیوں کی ضرورت ہے۔ سہروردیوں کی ضرورت ہے اور نقشبندیوں کی ضرورت ہے۔ اگر یہ لوگ آگے نہ آئے اور حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ۔ حضرت شہاب الدین صاحبؒ سہروردی اور حضرت فریدالدین صاحب شکر گنجؒ جیسے لوگ پیدا نہ ہوئے تو یہ ملک روحانیت کے لحاظ سے اور بھی ویران ہو جائے گا بلکہ یہ اس سے بھی زیادہ ویران ہو جائے گا جتنا مکہ مکرمہ کسی زمانہ میں آبادی کے لحاظ سے ویران تھا۔ پس میں چاہتا ہوں کہ جماعت کے نوجوان ہمت کریں اور اپنی زندگیاں اس مقصد کے لیے وقف کریں۔ وہ صدر انجمن احمدیہ یا تحریک جدید کے ملازم نہ ہوں بلکہ اپنے گزارہ کے لیے وہ طریق اختیار کریں جو مَیں انہیں بتاؤنگا۔ اور اس طرح آہستہ آہستہ دنیا میں نئی آبادیاں قائم کریں۔ اور طریق آبادی کا یہ ہوگا کہ وہ حقیقی طور پر تو نہیں ہاں معنوی طور پر ربوہ اور قادیان کی محبت اپنے دل سے نکال دیں اور باہر جا کر نئے ربوے اور نئے قادیان بسائیں ابھی اس ملک کے کئی علاقے ایسے ہیں جہاں میلوں میل تک کوئی بڑا قصبہ نہیں وہ جا کر کسی ایسی جگہ بیٹھ جائیں اور حسبِ ہدایت وہاں تبلیغ بھی کریں اور لوگوں کو تعلیم بھی دیں۔ لوگوں کو قرآن کریم اور حدیث پڑھائیں۔ اور اپنے شاگرد تیار کریں جو آگے اور جگہوں پر پھیل جائیں۔ اس طرح سارے ملک میں وہ زمانہ دوبارہ آ جائے گا جو پُرانے صوفیاء کے زمانہ میں تھا۔

دیکھو ہمت والے لوگوں نے پچھلے زمانہ میں بھی کوئی کمی نہیں کی۔ یہ دیوبند جو ہے یہ ایسے ہی لوگوں کا قائم کیا ہوا ہے۔ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے حضرت سیّد احمد صاحب بریلویؒ کی ہدایت کے ماتحت یہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اور آج سارا ہندوستان ان کے علم سے منور ہو رہا ہے حالانکہ وہ زمانہ حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ کے زمانہ سے کئی سو سال بعد کا تھا۔ لیکن پھر بھی روحانی لحاظ سے وہ اس سے کم نہیں تھا جب کہ ان کے زمانہ میں اسلام ہندوستان میں ایک مسافر کی شکل میں تھا۔ اس زمانہ میں بھی وہ ہندوستان میں ایک مسافر کی شکل میں ہی تھا۔ حضرت سیّد احمد صاحب بریلویؒ نے اپنے شاگردوں کو ملک کے مختلف حصوں میں بھجوایا جن میں ایک ندوہ کی طرف بھی آیا۔ پھر

ان کے ساتھ اور لوگ مل گئے۔ اور ان سب نے اس ملک میں دینِ اسلام کی بنیادیں مضبوط کیں۔ اب چاہے ان کی اولاد خراب ہوگئی ہے (اللہ تعالیٰ ہماری اولادوں کو بچائے کہ وہ خراب نہ ہوں) لیکن ان کی اولادوں کی خرابی ان کے اختیار میں نہیں تھی۔ انہوں نے تو جس حد تک ہوسکا دین کی خدمت کی۔ بلکہ جہاں تک صلبی اولاد کا تعلق ہے مولانا محمدؒ قاسم صاحب کی اولاد پھر بھی دوسروں سے بہت بہتر ہے .... ہماری جماعت کے لیے اس ملک میں بھی ابھی صوفیاء کے طریق پر کام کرنے کا موقعہ ہے۔ جیسا کہ دیوبند کے قیام کے زمانہ میں ظاہری آبادی تو بہت تھی۔ لیکن روحانی آبادی کم ہو گئی تھی روحانی آبادی کی کمی کی وجہ سے مولوی محمدؒ قاسم صاحب نانوتویؒ نے دیکھ لیا تھا کہ یہاں اب روحانی نسل جاری کرنی چاہیئے تاکہ یہ علاقہ اسلام اور روحانیت کے نور سے منوّر ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے بڑا کام کیا۔ جیسے ان کے پیر حضرت سیّد احمد صاحب بریلوی نے بڑا کام کیا تھا اور جیسے ان کے ساتھی حضرت اسماعیل صاحب شہیدؒ کے بزرگ اعلیٰ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے بڑا کام کیا تھا۔ یہ سارے کے سارے لوگ اپنے زمانہ کے لیے اسوۂ حسنہ ہیں۔ درحقیقت ہر زمانہ کا فرستادہ اور خدا تعالیٰ کا مقرب بندہ اپنے زمانہ کے لیے اسوۂ حسنہ ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے زمانہ کے لیے اسوۂ حسنہ تھے۔ باقی انبیاء اپنے زمانہ کے لیے اسوۂ حسنہ تھے۔ سیّد احمد صاحب سرہندیؒ اپنے زمانہ کے لیے اسوۂ حسنہ تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ شاہ صاحب دہلوی اپنے زمانہ کے لیے اسوۂ حسنہ تھے۔ اور حضرت سیّد احمد صاحب بریلویؒ اپنے زمانہ کے لیے اسوۂ حسنہ تھے۔ پھر دیوبند کے جو بزرگ تھے۔ وہ اپنے زمانہ کے لیے اسوۂ حسنہ تھے۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایک نیک ذکر دنیا میں چھوڑا ہے ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیئے اسے یاد رکھنا چاہیئے اور اس کی نقل کرنی چاہیئے۔

سو آج بھی زمانہ ہے ہمارے وہ نوجوان جن میں اس قربانی کا مادّہ ہو کہ وہ اپنے گھر بار سے علیحدہ رہ سکیں۔ بے وطنی میں ایک نیا وطن بنائیں اور پھر آہستہ آہستہ اس کے ذریعہ سے تمام علاقہ میں نورِ اسلام اور نورِ ایمان پھیلائیں اپنے آپ کو اس غرض کے لیے وقف کریں۔ میرے نزدیک یہ کام بالکل ناممکن نہیں۔ بلکہ ایک سکیم میرے ذہن میں آرہی ہے۔ اگر ایسے نوجوان تیار ہوں۔ جو اپنی زندگیاں تحریک جدید کو نہیں بلکہ میرے سامنے وقف کریں اور میری ہدایت کے ماتحت کام کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ

خدمتِ اسلام کا ایک بہت بڑا موقعہ اس زمانہ میں ہے ۔ جیسا کہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے زمانہ میں تھا ۔ یا جیسا کہ حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ اور دوسرے صوفیاء اولیاء کے زمانہ میں تھا ۔[1]

اس ولولہ انگیز خطبہ جمعہ کے بعد مندرجہ ذیل سات اصحاب کی طرف سے حضور انور کی خدمت میں وقف کی درخواستیں موصول ہوئیں :۔

۱۔ شیخ جلال الدین احمد صاحب دارالبرکات ربوہ (۱۰ر جولائی ۱۹۵۷ء)

۲۔ عبدالسمیع صاحب کپور تھلوی محلہ رامپورہ پشاور شہر (۱۰ر اگست ۱۹۵۷ء)

۳۔ اللہ بخش صاحب ضیاء ناظم آباد کراچی (۲ر اگست ۱۹۵۷ء)

۴۔ چوہدری جان محمد صاحب معرفت نشتر میڈیکل کالج ملتان

۵۔ مکرم طاہر احمد صاحب ہاشمی لالوکھیت کراچی (۲۰ر اگست ۱۹۵۷ء)

۶۔ مولوی غلام احمد صاحب فاضل بدوملہوی لالیاں متصل ربوہ (۹ر اگست ۱۹۵۷ء)

۷۔ سید محمد محسن صاحب اڑیسہ بھارت ۔ (۱۶ر ستمبر ۱۹۵۷ء)

دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے حضور کی ہدایت پر ان اصحاب کو اطلاع دی گئی کہ اس نئی سکیم کی تفصیلات کے اعلان کا انتظار کریں علاوہ ازیں ۲۵ ستمبر ۱۹۵۷ء کو ملک خادم حسین صاحب پرائیویٹ سیکرٹری سے فرمایا کہ :۔

"اس سکیم کی تفصیل جلسہ سالانہ پر بتائی جائے گی ۔ مختصر یہ ہے کہ ایسے واقفینِ زندگی اپنا اپنا کام کریں گے اور اس طرح اپنا ذریعۂ معاش پیدا کریں گے ۔ ان کے لیے حلقے مقرر کر دیئے جائیں گے ۔ وہاں اپنے سکول کھولیں گے ۔ بچوں سے فیس وصول کریں گے زمین کاشت کرائیں گے ۔ ہماری طرف سے ان کو اتنی مدد ہوگی کہ علاقہ کے احمدی احباب ان سے تعاون کریں اور ایک ایک دو دو کنال زمین کا بندوبست کرا دیں یا اور مناسب امداد کریں ۔ ایسے واقفین گویا اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں گے اور بزرگ فقراء کی طرح ..... تبلیغ کریں گے اور جہاں مقرر کیا جائے گا مستقل طور پر اپنا ڈیرہ ڈال دیں گے ۔ گویا سلسلہ پر بوجھ ڈالے بغیر تبلیغ کا کام ہوتا رہے گا ۔"[2]

---

[1] الفضل یکم اگست ۱۹۵۷ء صفحہ ۳ تا ۵ ؛ [2] ریکارڈ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری

حضرت مصلح موعودؓ کی تاریخی تقاریر کا جماعتی امتحان حضرت مصلح موعودؓ نے جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء پر یہ اعلان فرمایا تھا کہ خلافت سے متعلق حضورؓ کی تازہ تقاریر کا امتحان لیا جائے گا۔ چنانچہ اس سال اپریل ۱۹۵۷ء میں یہ معرکہ آراء لیکچر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ نے شائع کر دیئے جس کے بعد حضور کی منظوری سے مؤرخہ ۲۱ جولائی ۱۹۵۷ء کو حضور کی جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء کی ہر دو تقاریر یعنی (۱) خلافتِ حقّہ اسلامیہ (۲) نظام آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر" کا امتحان لیا گیا۔ کامیابی کا معیار انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کے لیے کم از کم چالیس نمبر، مستورات لجنہ اماء اللہ) کے لیے پینتیس ۳۵ نمبر اور لڑکیوں (ناصرات الاحمدیہ) اور اطفال کے لیے تیس ۳۰ نمبر مقرر تھا۔ کُل ۲۷۴۶ افراد نے امتحان میں حصہ لیا۔ جن میں سے ۲۰۶۲ کامیاب ہوئے۔ مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری نے ۲۶ ستمبر ۱۹۵۷ء کو بذریعہ الفضل اس امتحان کا تفصیلی نتیجہ شائع فرمایا اور اس کے شروع میں اعلان فرمایا کہ اس امتحان میں انعامات کے مستحق مندرجہ ذیل حضرات قرار پائے۔

انصار اللہ	۱	مرزا برکت علی صاحب آف قادیان پشاور	۹۵/۱۰۰	اوّل
	۲	شیخ عبدالقادر صاحب مربی لاہور	۹۴	دوم
	۳	ڈاکٹر محمد الدین صاحب۔ چکوال	۹۲	سوم
خدام الاحمدیہ	۱	چوہدری نذیر احمد صاحب سیالکوٹی حال لاہور چھاؤنی	۹۶/۱۰۰	اوّل
	۲	مولوی محمد سلطان صاحب اکبر چک ۳۵ جنوبی ضلع سرگودہا	۹۲	دوم
	۳	صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب۔ ربوہ	۹۰	سوم
لجنہ اماء اللہ	۱	محمودہ بیگم احمد صاحب کراچی	۹۷/۱۰۰	اوّل
	۲	عائشہ محمودہ بیگم کیمبلپور	۹۱	دوم
	۳	مبارکہ شوکت اہلیہ حافظ قدرت اللہ صاحب مبلغ ہالینڈ ربوہ	۸۸	سوم
ناصرات الاحمدیہ	۱	قدسیہ صاحبہ بنت چوہدری عبدالحمید روہڑی	۹۴/۱۰۰	اوّل
	۲	امۃ الحمید بنت چوہدری احمد جان صاحب راولپنڈی	۸۸	دوم
	۳	طاہرہ نسرین صاحبہ فاروقی جماعت دوازدھم پشاور	۸۰	سوم[1]

مرکز کی طرف سے ان حضرات کو انعامات بھی دیئے گئے

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام جماعت احمدیہ امریکہ کے نام

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۳ راگست ۱۹۵۷ء کو سالانہ امریکن کونینشن کے موقعہ پر جماعت احمدیہ کے نام حسب ذیل پیغام ارسال فرمایا۔

"برادرانِ جماعت احمدیہ امریکہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سید جواد علی صاحب نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ سالانہ امریکن کنونشن کے موقعہ پر میں جماعتِ ہائے احمدیہ امریکہ کے نام پیغام بھجواؤں۔

اس سال جماعت امریکہ میں کچھ فتنے اُٹھے ہیں خصوصاً نیویارک میں لیکن وہاں جماعت نے نہایت اخلاص کا نمونہ دکھایا ہے۔عزیزم محمد صادق صاحب کے ذریعہ جماعت کے ہر فرد نے اپنے دستخطوں سے وفاداری کا یقین دلایا ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ لوگ بھی یقین کے ساتھ اس بات پر قائم ہوں گے کہ آپ نے خلیفہ کی بیعت کی ہے کسی مبلغ کے ہاتھ پر نہیں خواہ کوئی حالات پیش آئیں آپ احمدیت کے ساتھ وفاداری پر قائم رہیں گے۔ امریکہ میں جماعت احمدیہ ۱۹۲۰ء سے قائم ہے گویا ۳۶ سال اس کو قائم ہوئے ہو گئے ہیں۔ اتنا ہی عرصہ اسے ویسٹ افریقہ میں قائم ہوئے ہوگیا۔ ویسٹ افریقہ کے مختلف ملکوں میں جماعت ایک لاکھ ہو گئی ہے لیکن امریکہ کے متعلق جب آپ کے مبلغوں سے رپورٹ لی جاتی ہے وہ حد سے حد تمام امریکہ میں پانصد کی اطلاع دیتے ہیں حالانکہ مفتی صاحب کے زمانہ میں جس کو ۳۶ سال گزر چکے ہیں یہ جماعت سات ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اس قسم کا تنزل حیرت انگیز ہے اس وقت امریکہ کی جماعت کم از کم پچاس ہزار سے ایک لاکھ تک ہونی چاہیئے تھی اور اس کا چندہ وہاں کی آمدن کے لحاظ سے کوئی آٹھ لاکھ ڈالر سالانہ ہونا چاہیئے تھا لیکن چندہ بمشکل چھ سات ہزار ڈالر ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یا تو جماعت مرتد ہو رہی ہے یا چندے اپنی آمد کے مطابق نہیں دیتی۔ حال میں ایک مبلغ کا خط مجھے ملا کہ ایک عورت یہاں سے بدل گئی ہے اس کا ۶۰ ڈالر ماہوار چندہ تھا۔ اگر ایک عورت ۶۰ ڈالر ماہوار دے سکتی ہے تو اوسط ۲۰ ڈالر ماہوار کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ اگر جماعت کے افراد

(حاشیہ بقیہ ص۴۷۶ سے آگے) روزنامہ الفضل ربوہ ۲۶ ستمبر ۱۹۵۷ء ؍۲۶ تبوک ۱۳۳۶ہش۔ صفحہ ۷

پچاس ہزار ہوں تو پندرہ لاکھ ڈالر ماہوار ہوں گے۔ اگر جماعت کے ایک لاکھ آدمی ہو تو تیس لاکھ ڈالر کی آمدنی ہونی چاہیئے۔ اگر اتنی آمد ہو تو ہم خدا کے فضل سے امریکہ کو چالیس پچاس مبلغ بھجوا سکتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں امریکہ کی جماعت نہایت منظم ہو سکتی ہے۔ آپ کا ملک ایک اہم ملک ہے آپ کی ہی قوم کے لوگ ویسٹ افریقہ میں جماعت احمدیہ میں داخل ہو رہے ہیں جن کی تعداد سارے ملکوں کو ملا کر ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔

مَیں آپ کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ خلیفہ سے تعلق رکھنا مبلغ سے تعلق رکھنے سے بہت اعلیٰ ہے ہر احمدی کو دوسرے تیسرے مہینے براہ راست خلیفہ کے نام خط لکھنا چاہیئے جواب نہیں لکھا جاتا اور جو احمدی دوسرے مہینے بھی خط نہیں لکھتے مَیں سمجھتا ہوں کہ وہ احمدیت میں کمزور ہیں۔ سب دوست اگر براہ راست خط لکھیں گے تو مَیں بھی ان کو جواب دوں گا۔ درمیانی واسطوں کا تعلق کبھی مضبوط نہیں ہوتا ہمارے ملک میں مثل ہے کہ خط آدھی ملاقات ہوتا ہے۔ آپ پاکستان سے ہزاروں میلوں پر رہتے ہوئے اور جماعت احمدیہ کا ممبر ہوتے ہوئے اگر دو مہینے میں ایک دفعہ اپنے خلیفہ سے آدھی ملاقات کی خواہش نہیں رکھتے تو آپ کی احمدیت کس کام کی ہے۔ ایسی عقیدت سے تو دنیا کی کمزور سے کمزور جماعت بھی کوئی خوشی محسوس نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو اپنے فرائض کو سمجھنے کی توفیق دے۔

مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی ۲۳/۸/۵۷"

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی زیارت حرمین شریفین

اس سال صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب (ابن حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) کو مرکز اسلام یعنی مکہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اس مبارک سفر میں آپ کی بیگم صاحبزادی امۃ القیوم بھی ہمراہ تھیں۔ آپ ۲۱ اگست کو بذریعہ طیارہ کراچی سے روانہ ہوئے[1] اور ظہران اور بیروت سے ہوتے ہوئے ۲۵ اگست کو نزیلِ جدّہ ہوئے اور پھر ۲۶

---

[1] الفضل ۲۴ اگست ۱۹۵۷ء صفحہ ا

۲۷، ۲۸ راگست کو حرمین شریفین کی برکات سے مستفیض ہوئے اور پھر جدہ سے بذریعہ ہوائی جہاز بیروت تشریف لے آئے جہاں سے اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق مغربی ممالک کے دورہ پر روانہ ہوگئے

صاحبزادہ صاحب نے بیروت پہنچ کر حضرت مرزا بشیر احمد کی خدمت میں ایک مفصل مکتوب ارسال فرمایا جس سے اس سفر کی ایمان افروز تفصیلات کے علاوہ بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی کی روح پرور فضا اور اس میں کی جانے والی دردمندانہ التجاؤں اور دعاؤں کی کیفیت پر بھی تیز روشنی پڑتی ہے۔ نیز اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ ان مقدس ترین مقامات کی پہلی جھلک ایک سچے عاشق رسول کو تڑپا دیتی ہے اور اس کے جذبات میں زبردست تلاطم پیدا ہو جاتا ہے۔

اس مکتوب کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے۔

" از بیروت لبنان

۵۷/۸/۲۸ پیارے ابا جان!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

الحمدللہ کہ آج ہم دونوں عمرہ اور زیارت مدینہ کی تکمیل کر سکے۔ طہران سے ایک پوسٹ کارڈ آپ کو بھیجا تھا جو امید ہے مل گیا ہوگا۔ طہران سے ۲۳ راگست کی رات کو ہم بخیریت بیروت پہنچ گئے تھے۔

یہاں بیروت میں میاں نسیم حسین صاحب سفیر پاکستان سے ملے تھے۔ بڑی محبت سے پیش آئے ہم دونوں کو کھانے پر بھی بلایا اور اپنی کار برائے سیر وغیرہ بھی دی۔ بیروت بہت خوبصورت شہر ہے اور مشرق وسطیٰ (مڈل ایسٹ) کے سارے متمول لوگ یہاں کی پہاڑیوں پر موسم گرما گزارنے آتے ہیں اس میں یہ خصوصیت ہے کہ سمندر پر واقع ہے اور صاف ستھرا شہر ہے اور ۲۰ منٹ میں مختلف پہاڑی مقامات پر جایا جا سکتا ہے۔ یہاں موسم بہت خوش گوار ہے۔

بیروت پہنچ کر یہ پتہ چلا کہ ۲۴ تاریخ کو جدہ کے لیے سعودی عرب کی ایئر لائن کا کوئی جہاز نہیں جارہا۔ البتہ ۲۵ کو جائے گا۔ اس وجہ سے ایک روز ہمیں بیروت میں زائد ٹھہرنا پڑا۔

سعودی عربیا ایئر لائن کی انتظامی حالت خراب ہے۔ جہاز پر جب ہم چڑھے تو اندر سے بوسیدہ اور سیٹوں کی مرمت معمولی دیہاتی کام کی سی تھی۔ کھانا گتے کے ڈبوں میں بند کر کے دیا اور

راستہ میں اور کوئی خبر گیری وغیرہ نہیں کی مسافر اپنے حال میں تھے اور شاید جہاز میں ہوا کے دباؤ کے کنٹرول کا انتظام بھی نہ تھا۔ کیونکہ مجھے تو کانوں میں تکلیف بھی ہو گئی جہاز راستہ میں ڈولتا بھی بہت رہا اور اکثر وقت ہم نے پیٹی باندھ کر رکھی ۔ خیر شکر کیا کہ یہ ۲/۱ ۴ گھنٹے کا سفر ختم ہوا۔

ہوائی اڈہ پر بھی کام اناڑیوں کے ہاتھوں میں تھا خدا کرے کہ آئندہ اس سروس میں بہتری کی صورت پیدا ہو کیونکہ عالم اسلامی کا مرکز ہے اور ہماری نیک خواہشات اور دلی دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔

شام کے پانچ بجے جدہ پہنچے ۔ یہاں کے حالات کے مدنظر یہاں کے ایک بہترین ہوٹل میں ٹھہرے ۔ ہوٹل بہت شاندار تھا لیکن غفلت کی حالت میں چھوڑا ہوا نظر آتا تھا گو غیر ضروری طور پر قیمتی سامان سے آراستہ تھا۔ سُنا ہے کہ اس پہ دس لاکھ پونڈ (ڈیڑھ کروڑ روپیہ) خرچ کیا گیا ہے اور سارا سامان فرنیچر تک غیر ملکوں سے منگوایا گیا ہے ۔ حج کے دنوں میں بہت رش ہوتا ہے ۔اس وقت تو ہم گنتی کے دس یا پندرہ مہمان ہوں گے ۔ یہاں کی سفارت پاکستان سے ضروری امداد ملتی رہی ۔کیونکہ پولیس رجسٹر کروانے کے علاوہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے لیے علیحدہ راہ داری لینی پڑتی ہے ۔ محترم خواجہ شہاب الدین صاحب سفیر پاکستان مقیم جدہ سے بھی جا کر ملا ۔ اچھی طرح پیش آئے اور اپنے ماتحت کو انتظامات کرانے کے لیے ہدایات دیں۔ مجھے کھانے پر بھی بلایا ۔ لیکن چونکہ اس روز میں نے مکہ مکرمہ جانا تھا میں نے شکریہ کے ساتھ معذوری کا اظہار کر دیا ۔

۲۶ کا سارا دن میرا انتظامات کی تکمیل میں لگ گیا ۔ موسم بے حد خراب تھا ...... اور بلا کی گرمی پڑتی ہے جس کے ساتھ حبس بھی ایسا کہ الاماں اور گھٹاؤ بہت رہتا تھا اور کچھ سعودی عربیا کے ہوائی سروسز کے تجربہ کے بعد اور کچھ مزید براں کہ ۲۹ کی واپسی کا وہ ذمہ نہیں اٹھاتے تھے اور کہتے تھے کہ ویٹنگ لسٹ پر رہو اس لیے مجبوراً ۳۰ کو لبنان کی ائیر سروس سے واپسی کا انتظام کیا جس کی وجہ سے خرچ بھی زائد ہوا کیونکہ اس سروس میں صرف فرسٹ کلاس کے ٹکٹ ملتے تھے اس لیے زائد کرایہ دینا پڑا ۔ ابھی تک سعودی عرب آنے میں آسانی سے جگہ ملتی ہے لیکن حاجیوں کے لیے رش کی وجہ سے نکلنے میں تنگی بدستور ہے ۔

ان انتظامات کی تکمیل کے بعد ۲۶ کو نماز مغرب کے بعد ہم ٹیکسی میں جدہ سے مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہوئے ۔ احرام میں نے ہوٹل سے ہی باندھ لیا تھا ۔ جدہ سے مکہ معظمہ ۷۳ کلومیٹر کے فاصلہ

پر ہے۔ پوری ٹیکسی کوئی پندرہ بیس ریال میں ہو جاتی ہے اور ایک پونڈ کے بدلہ کوئی ۱/۲ ۱۴ ریال مل جاتے ہیں۔ شام کو ۷ بجے ہم روانہ ہوئے سڑک بہت اچھی ہے اور قریباً ۲۰ فٹ چوڑی ہو گی۔ ۱/۲ ۸ بجے ہم مکہ معظمہ میں پہنچ گئے۔ راستہ میں دس بارہ میل کے فاصلہ پر پولیس کی چوکیاں ہیں جو چیک کرتی رہتی ہیں مکہ پہنچ کر سیدھے ہوٹل میں گئے ہوٹل مصر میں جو خانہ کعبہ سے قریب ترین ہے یعنی دو فرلانگ سے بھی کچھ کم ہو گا قیام کیا۔

جلدی سے کھانے سے فارغ ہو کر کوئی نو بجے کے قریب ہم خانہ کعبہ میں پہنچے اور طواف شروع کیا یہاں جدہ سے پاکستان نیشنل بنک کے مینجر نے جسے کراچی سے تار دلوا دی تھی ہمارے ساتھ اپنا ایک آدمی کر دیا تھا وہ ہمارے ساتھ تھے ایک مقامی آدمی کو بھی لے لیا جس نے ہمیں طواف کروایا۔ اس وقت دل کی عجیب کیفیت تھی دعائیں پڑھتے جاتے تھے اور اس طرح ہم نے سات چکر مکمل کیے۔ اس کے بعد مقام ابراہیم پر مَیں نے دو رکعت نفل پڑھے۔ امۃ القیوم بیگم نے ذرا ہٹ کر پڑھے۔ کیونکہ عورتوں کو اس کے بالکل قریب نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ الحمدللہ کہ یہ نفل بڑے رقت سے پڑھنے کی توفیق ملی اور مَیں نے اسلام اور احمدیت اس کے مبلغین اور پھر حضرت صاحب آپ کے لیے۔ اماں کے لیے۔ چچا جان ؍ کے لیے دونوں پھوپھی جان کے لیے اور اپنے بھائی بہنوں کے لیے نام لے لیکر دعا کی کہ مَیں نے یہ بھی دعا کی کہ اے اللہ یہ میری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ مجھے تو نے اس عبادت کا موقع دیا لیکن مجھے یقین ہے کہ میرے والد کی خواہش مجھ سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ لیکن حالات کی مجبوری سے وہ اس کی ادائیگی پوری نہیں کر سکتے لیکن ان کی خواہش کے خیال سے میری اس عبادت میں ان کو بھی شامل سمجھیو اپنے لیے اور قیوم کے لیے بھی مَیں نے بہت دعائیں کیں اللہ تعالیٰ سب کو قبول فرمائے آمین۔

مَیں نے انفرادی دعائیں بھی کیں اور باقی رشتہ داروں کے لیے بھی بھائی جان مرزا عزیز احمد۔ ماموں جان کے خاندانوں۔ حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد کی ہدایت اور اپنے دوستوں کے لیے غرضیکہ سب کے لیے جن کا اس وقت مجھے خیال آسکا دعا کی۔ لیکن انفرادی دعاؤں کے علاوہ اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لیے دل میں خاص جوش پیدا ہوتا رہا۔

دو نفل کی ادائیگی کے بعد کعبہ کے ملحق حصہ میں دو نفل اور پڑھے اور پھر اس کے معاً بعد صفا مروہ

میں سعی کے لیے گئے یہ حصہ اب گورنمنٹ نے پختہ کر دیا ہے سیمنٹ کا فرش اور اوپر سیمنٹ کے بہت بلند گرڈرز کی چھت - پہاڑیاں تو برائے نام ہیں اور چند گز سے زیادہ اونچی نہیں - اس کے سات چکر لگائے اور دعائیں ساتھ ساتھ کرتے رہے - معلّم ساتھ تھا - بعض لوگ کار میں بھی بیٹھ کر یہ چکر لگا رہے تھے وہ غالباً معذور ہوں گے اس کے بعد بال کاٹے اور عُمرہ کیا عبادت کی تکمیل کے بعد کوئی رات کے بارہ بجے کے قریب ہم واپس لوٹے -

صبح کی نماز ۴/۳ بجے خانہ کعبہ میں ادا کی اور دوبارہ طواف کیا اس کے بعد موٹر میں منیٰ اور مزدلفہ اور عرفات کے مقامات دیکھنے گئے اور عرفات کے میدان کے ایک ٹیلہ پر جو جبل رحمت کہلاتا ہے دو رکعت نفل بھی پڑھے ان تمام مقامات کو دیکھ کر ۹ ر ۱۰ بجے کے قریب مکہ معظمہ سے واپس جدہ کے لیے چل پڑے -

دوپہر جدّہ گزار کر شام کے پانچ بجے مدینہ کے لیے روانہ ہو گئے - ٹکٹ تو ہوائی جہاز کا تھا - لیکن اس میں جگہ نہ ملی اس لیے ٹیکسی کر دائی یہ لمبا سفر تھا ۴۲۷ کیلومیٹر کا ٹیکسی میں ڈرائیور کے علاوہ صرف ہم دونوں تھے رات کا سفر وحشت والا ضرور تھا - لیکن یہاں گرمی کی شدت کی وجہ سے صرف علی الصبح یا رات کا سفر ہی ہو سکتا ہے ورنہ نہیں - کوئی پانچ بجے روانہ ہو کر رات کے ۲/۱ ۱۱ بجے مدینہ منورہ پہنچے سڑک یہ بھی اب پختہ ہے اور اچھی قریباً ۱۸ فٹ چوڑی ہوگی - مکہ معظمہ والی سڑک سے کچھ کم چوڑی ہے ٹریفک بہت کم تھا - ۲۶ کے سفر اور عبادت اور پھر اس لمبے سفر اور گرمی کی شدّت کی وجہ سے ہم دونوں بہت تھک گئے تھے - اور نیم بیمار بھی - الحمد للہ سفر بخیریت گزر گیا اور رات ہوٹل اسلام میں ٹھہرے جو مسجد نبوی کے بالکل ملحق ہے یعنی کوئی ۲۰ گز کا فاصلہ ہوگا -

مدینہ منورہ میں صبح گائیڈ لے کر سب سے پہلے مسجد نبوی میں گئے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مصلّےٰ پر میں نے دو نفل پڑھے الحمد للہ کہ اس موقعہ پر بھی دعا کی اچھی توفیق نصیب ہوئی اور میں نے لمبی دعائیں کیں دو نفل سے فارغ ہو کر مسجد کے اندر ہی اور مصلّےٰ کے بالکل قریب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روضۂ مبارک پر لمبی دعا کی - اس دعا میں میں نے حضرت صاحب اور آپ کی طرف سے اور اجمالاً خاندان کے تمام افراد کی طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کیا - اس موقع پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مصلّےٰ پر نفل ادا کرتے ہوئے طبیعت میں ہیجان اور

اضطراب بہت تھا جسے میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے خدا کے حضور میں یہ عرض کی کہ اللہ! تو نے اپنا سب سے بزرگ ترین نبی مبعوث کیا اور ایسا شان والا نبی کہ جس کے بارے میں یہ کہا کہ اگر وہ نہ ہوتا تو دنیا و مافیہا پیدا نہ کی جاتی۔ لیکن آج اس کی اُمّت انتہائی کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہے اور اسے کوئی عزت کا مقام حاصل نہیں وہ نہ صرف دنیاوی وجاہت سے عاری ہے بلکہ دینی اور اخلاقی طور پر بہت گر چکی ہے اور جو چند افراد اس کے احیاء کے لیے کھڑے ہوئے ہیں دوسرے مسلمان اُن کی دینی کوششوں میں حائل ہوتے ہیں۔ اور انہیں ہر طرح گرانے اور ناکام کرنے کے درپئے ہیں تو اپنے فضل سے موجودہ تکلیف دہ کیفیت کو جلد تر بدل دے اور اپنے رسول اکرمؐ کی تعلیم اور ان کے دین کو دنیا میں عزت اور وقار کا مقام بخش۔ غیر مسلموں کی ظاہری شان و شوکت اور ظاہری اخلاقی برتری کا اندازہ کرتے ہوئے اور مسلمانوں کی موجودہ ابتر حالت سامنے رکھتے ہوئے میں نے بڑے درد اور سوز سے یہ دعا کی اور اس وقت اپنی طبیعت میں پورا پورا جوش پایا اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ملحقہ روضۂ مبارک پر بھی دعا کی۔ پشت پر وہ مکان کا حصّہ تھا جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہائش رہی تھی۔ یہ تمام حصّہ ایک جنگلے کے اندر ہے جس میں سوراخ ہیں جس سے وہ دیکھنے کی اجازت دیتے ہیں اس کے بعد ہم موٹر میں بیٹھ کر مندرجہ ذیل مقامات دیکھنے گئے۔

۱۔ جبل احد اور حضرت امیر حمزہؓ کی قبر۔ یہ مقام مدینہ سے کوئی تین میل کے قریب ہوگا۔ دوسرے شہداء کی بھی یہاں قبریں ہیں اور گائیڈ کے بیان کے مطابق شہادت کے مقام پر ہی یہ سب مدفون ہیں۔

۲۔ مسجد قبلتین۔ جہاں قبلہ کی تبدیلی پر ایک ہی مسجد میں ایک دن کی نمازیں مختلف جہت میں پڑھی گئی تھیں۔

۳۔ مقام غزوہ خندق۔ یہ بھی کوئی مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہوگا۔

۴۔ وہ پہلی مسجد جو مدینہ منورہ میں تعمیر ہوئی تھی مسجد نبوی تو اب بہت عالی شان بن چکی ہے اور پہلے ترکوں نے اور اب سعودی حکومت نے اس کی توسیع کی ہے لیکن یہ مسجد زیادہ تر پرانی شکل اور اسی رنگ میں رکھی گئی ہے۔

۵۔ جنت البقیع۔ جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعض قریبی عزیز اور صحابہؓ مدفون ہیں۔ یہ چار دیواری کے اندر ہے اور مسجد نبویؐ کے ساتھ ہے۔ بدقسمتی سے یہ اس وقت بند تھی

اور محافظوں نے باوجود ہمارے اصرار کے نہیں کھولی صرف معین وقت پہ کھلتی ہے مجبوراً چاردیواری کے باہر سے دعا کر کے ہم لوٹ آئے۔

آج ان تمام زیارتوں سے فارغ ہو کر بذریعہ ہوائی جہاز ہم ۲/۱ ۲ بجے جدہ واپس پہنچ گئے۔ ہوائی جہاز سے قریباً ایک گھنٹہ کا سفر ہے اب کل انشاء اللہ لبنان میں دوبارہ داخلہ کا ویزا اور سعودی عرب سے باہر نکلنے کا اجازت نامہ لینا ہے۔ اور انشاء اللہ ۳۰ کی صبح کو ۶ بجے لبنان کی ائیر سروس سے بیروت جائیں گے .... کوشش یہ ہے کہ ۳۱ کو سیدھے زیورچ ۔ سوئٹزرلینڈ چلے جائیں یہاں پروگرام کے مطابق ۲۸ کو واپسی نہیں ہو سکی اس لیے ایتھنز کا پروگرام مجبوراً چھوڑ دیا اس کے لیے سروس بھی نہیں مل رہی تھی۔ اب انشاء اللہ بیروت سے سیدھے سوئٹزرلینڈ جانے کا پروگرام ہے ارادہ ہے کہ انشاء اللہ ایک خیریت کی تار آپ کو بیروت سے بھی بھجوا دوں تاکہ عمرہ اور زیارت مدینہ کی خوش کن اطلاع آپ کو مل سکے۔

اُمید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ طبیعت میں فکر رہتا ہے اللہ تعالیٰ سب کو اپنی امان اور حفاظت میں رکھے۔ قیوم سلام کہتی ہیں۔ اماں کو ایک پوسٹ کارڈ میں نے طہران سے لکھا تھا۔ انہیں ہماری خیریت کی اطلاع دے دیں[۱]

مرزا مظفر احمد"

ربوہ میں سفیر انڈونیشیا کی آمد

ستمبر ۱۹۵۷ء کے تیسرے ہفتہ میں انڈونیشیا کے سفیر الحاج ڈاکٹر محمد رشیدی ربوہ تشریف لائے۔ آپ بیرونی ممالک کے پہلے سفیر تھے جو مرکز احمدیت کی زیارت کے لیے آئے۔ سفیرِ انڈونیشیا کا قیام ربوہ بہت مختصر تھا جس کے دوران انہوں نے حضرت امام جماعتِ احمدیہ سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ سلسلہ احمدیہ کے انتظامی اور تعلیمی ادارے دیکھے اور اہلِ ربوہ اور وکالتِ تبشیر کی استقبالیہ تقاریب سے خطاب فرمایا۔

آپ ۲۱ ستمبر کو ۲/۱ ۶ بجے شام اپنی بیگم اور بچوں کے ہمراہ لاہور سے بذریعہ کار ربوہ پہنچے۔ مکرم چوہدری اسد اللہ خاں صاحب بیرسٹر اور جماعت احمدیہ لاہور کے چند دوسرے ارکان اور مکرم مولوی ابوبکر

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۷ ستمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۳، ۴، ۵

ایوب صاحب سماٹری مبلغ سلسلہ بھی آپ کے ساتھ تھے ۔ اہلِ ربوہ نے جو کثیر تعداد میں اڈہ پہ موجود تھے آپ کا گرمجوشی سے استقبال کیا ۔ استقبال کرنے والوں میں بزرگانِ سلسلہ اور ممتاز کارکنان بھی تھے۔

پختہ سڑک سے ربوہ میں داخل ہوتے ہی ایک نہایت شاندار آرائشی محراب تھی۔ جس پہ سنہری حروف میں اَھْلاً وَّ سَھْلاً وَّ مَرْحَبًا لکھا ہوا تھا ۔ اس طرح لجنہ اماء اللہ کے ہال اور صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کی کوٹھی کے پاس بھی ایسی ہی شاندار محراب بنی ہوئی تھیں۔ سڑک کے دونوں طرف انڈونیشیا اور پاکستان کی مملکتوں کے جھنڈے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پہ گاڑھے ہوئے تھے۔ سڑک پر دونوں طرف اہالیانِ ربوہ اپنی محلہ وار تنظیم کے ماتحت اپنے اپنے صدر تنظیم کے ماتحت اپنے اپنے صدر اور عہدہ داران کی نگرانی میں نہایت وقار اور سکون سے کھڑے تھے اس کے لیے قبل از وقت جگہیں مخصوص کر دی گئی تھیں ۔ اپنے معزز مہمان کے استقبال کے لیے یہ تمام احباب پختہ سڑک سے لے کر آپ کی قیام گاہ (کوٹھی حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب) تک ہاتھوں میں انڈونیشیا اور پاکستان کے جھنڈے لیے ایستادہ تھے۔ جونہی سفیر محترم کار سے اُترے " اَھْلاً وَّسَھْلاً وَّ مَرْحَبًا انڈونیشیا زندہ باد "، پاکستان زندہ باد کے نعروں سے فضا گونج اُٹھی سفیر محترم کار سے اُترے تو وکالتِ تبشیر کی طرف سے مولوی بشارت احمد صاحب بشیر نائب وکیل التبشیر اور سید شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے انہیں زری کا ہار پہنایا ۔ اور پھر جماعت کے چیدہ بزرگوں اور کارکنوں کا جو اس وقت وہاں موجود تھے فرداً فرداً آپ سے تعارف کرایا گیا۔ اس کے بعد سفیر محترم راستہ بھر اہالیان ربوہ کے نعروں اور السلام علیکم کی محبّت آمیز صداؤں کا جواب دیتے ہوئے پیدل اپنی قیام گاہ تک تشریف لے گئے ۔ جس وقت وہ اپنی قیام گاہ میں داخل ہوئے تو باہر سینکڑوں افراد کا ہجوم ۔ اسلام زندہ باد انڈونیشیا اور سفیر انڈونیشیا زندہ باد اور پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا رہا تھا آپ کے ساتھ آپ کی بیگم صاحبہ محترمہ اور آپ کا ایک صاحبزادہ اور ایک چھوٹی صاحبزادی بھی تھیں ۔ جو اڈہ سے کار میں ہی اپنی قیام گاہ تک گئیں ۔ جہاں لجنہ اماء اللہ کی بعض ممتاز کارکنوں نے ان کا استقبال کیا ۔

۲۲ر ستمبر کو صبح ۸ بجے سفیر معظم جماعت احمدیہ کے مرکزی دفاتر دیکھنے تشریف لے گئے صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر آپ کے ساتھ تھے ۔ صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر ناظر

اعلیٰ اوّل حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب اور ناظر اعلیٰ ثانی میاں غلام محمد صاحب اختر نے دکھلائے سفیر محترم کی خدمت میں ہر دفتر اور شعبہ کے متعلق ضروری تفصیلات بہم پہنچا ئیں ۔

سفیر محترم جماعت احمدیہ کے دفاتر کو دیکھ کر ازحد مسرور ہوئے آپ نے بعض شعبوں کے متعلق خود بھی دریافت فرمایا۔ چنانچہ ان کو معلومات بہم پہنچائی گئیں ۔ آپ پہلے صدر انجمن احمدیہ کے بعد ازاں تحریک جدید کے دفاتر میں تشریف لے گئے ۔ اور بیرونی تبلیغ کے مختلف شعبوں میں خاص دلچسپی کا اظہار فرمایا ۔

۹ بجے صبح اہلِ ربوہ نے پروگرام کے تحت لجنہ اماء اللہ کے ہال میں اپنے معزز مہمان کی خدمت میں تہنیت نامہ پیش کرنے کی غرض سے مجلس استقبالیہ منعقد کی ۔ احباب جوق در جوق اس میں شرکت کے لیے تشریف لائے ۔ جو اس امر کا آئینہ دار تھا کہ ربوہ کے رہنے والوں کو ایک اسلامی مملکت کے معزز سفیر کی تشریف آوری سے کس قدر خوشی اور مسرت ہے ۔ لجنہ اماء اللہ کے ہال کے اندر کوئی چار سو سے زائد کرسیوں کا انتظام تھا ۔ جس کے لیے ربوہ کے چیدہ شہریوں اور بیرونجات کے معزز احباب کے لیے باقاعدہ دعوت نامے جاری کیے گئے تھے ۔ کرسیوں کے علاوہ ہال کے باہر کی طرف باقی جگہ کے لیے کوئی پابندی نہیں تھی ۔ اور ہر شخص وہاں پہنچ کر اپنے معزز مہمان کے استقبال میں شریک ہو سکتا تھا ۔ ہال کے اندر سٹیج اور دوسرا انتظام نظارت امور عامہ کی نگرانی میں تھا جسے نظارت کے کارکنوں نے نہایت خوش سلیقگی سے سرانجام دیا ۔ ۹ بجکر ابھی چند منٹ ہوئے تھے کہ ہال کے عقبی دروازہ سے مکرم مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر کی معیت میں سفیر محترم سٹیج پر تشریف لائے ۔ جہاں ان کی خدمت میں لوکل جنرل پریذیڈنٹ جناب مولوی محمد صدیق صاحب نے اہالیانِ ربوہ کی طرف سے ایڈریس پڑھا ۔ اور پھر ایک نہایت خوبصورت نقرئی کشتی میں سفیر محترم کی خدمت میں پیش کیا ۔ اس تقریب کی صدارت مرزا عبدالحق صاحب پراونشل امیر نے فرمائی ۔ ایڈریس پیش کرنے سے قبل ازیں شام سے آئے ہوئے احمدی نوجوان السید سلیم الجابی صاحب نے نہایت خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت کی اور آپ کے بعد مکرم حافظ عزیز الرحمٰن صاحب منگلا نے عربی زبان میں لکھا ہوا خیر مقدمی قصیدہ پیش کیا ۔ اہلِ ربوہ کی طرف سے حسب ذیل ایڈریس پیش کیا گیا ۔

فضیلت مآب ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

جماعتِ احمدیہ کے مرکز ربوہ میں آپ کی تشریف آوری کے موقع پر ہم اہلِ ربوہ نہایت خلوص و محبت اور خوشی کے ساتھ آپ کی خدمت میں ہدیہ مبارک پیش کرتے ہوئے آپ کا دلی خیر مقدم کرتے ہیں۔

جناب عالی! ہمارے لیے یہ امر نہایت مسرت کا باعث ہے کہ آپ کی ذاتِ گرامی ہمارے درمیان ایک ایسی تقریب میں رونق افروز ہے۔ جو انڈونیشیا اور پاکستان جیسی دو عظیم الشان اور باوقار اسلامی مملکتوں کے باشندوں کے درمیان محبت اور دوستی کا بہت بڑا نشان اور اس کے آئندہ قیام اور مضبوطی کا ایک کامیاب ذریعہ ہے۔

جناب والا! آپ کی خدمت میں یہ عرض کر دینا یقیناً مناسب ہوگا۔ کہ آپ کی تشریف آوری ہمارے لیے انڈونیشیا جیسی مضبوط اور امن پسند سلطنت اور اس کے عوام کے لیے محبت کے ان جذبات کو اور زیادہ بڑھانے کا موجب ہوگی۔ جو ہمارے دلوں میں پہلے سے موجود ہیں۔ جناب والا کو علم ہوگا کہ ربوہ جماعتِ احمدیہ کا مرکز ہے۔ جسے ہم جماعتِ احمدیہ کے افراد نے قیام پاکستان کے بعد اپنے مقدس امام کی نگرانی میں رضا کارانہ بنیادوں پر اپنی ہمت اور کوشش سے تعمیر کیا ہے۔ اور اب سال کے اندر اندر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم ہر قسم کی روحانی دینی علمی اور سماجی سہولتوں سے متمتع ہو رہے ہیں اس وقت ہمارے درمیان ہمارے وہ بھائی ہیں جو انڈونیشیا کے علاوہ دوسرے ممالک مثلاً چین۔ سیلون۔ بھارت۔ افغانستان۔ مشرقی و مغربی افریقہ۔ سعودی عرب۔ شام عدن۔ ترکی۔ فلسطین۔ ڈچ۔ گی آنا۔ ٹرینی ڈاڈ۔ امریکہ۔ جرمنی۔ اور یورپ کے کئی دوسرے علاقوں کے رہنے والے ہیں۔ اور اب ہمارا حصہ اور جزو ہیں۔ انڈونیشیا سے ہمارے بیسیوں بھائی پہلے ہمارے مرکز قادیان میں اور اب ربوہ میں تعلیم دین کی غرض سے آتے ہیں۔ اور ہمارے درمیان رہتے ہیں۔ اور اب بھی موجود ہیں۔ اسی طرح درجنوں افراد یہاں سے انڈونیشیا گئے۔ اور ابھی وہاں قیام پذیر ہیں۔ اسلام کے گہرے مضبوط اور مقدس رشتہ کے علاوہ آپس کے یہ ذاتی تعلقات یقیناً ایک ایسی کڑی ہے جو ہمیں ہمیشہ محبت اور اخوت کے انتہائی قیمتی اور قابل قدر رشتہ میں باندھے رکھے گی۔

ہم ایک بار پھر آنجناب کا دلی خیر مقدم کرتے ہوئے آپ کے قابلِ تعظیم ملک۔ آپ کے قابلِ احترام عوام اور آپ کی قابلِ احترام شخصیت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ

سب کا حامی و ناصر ہو۔ اور آپ کا قدم ہمیشہ ترقی اور بہبود کی طرف اٹھتا رہے۔ اور ہم سب کو یہ توفیق ملتی رہے۔ کہ ہم اپنے اپنے دائرہ کار میں دینِ حق کی اشاعت دنیا میں امن کے قیام بنی نوع انسان کی بہتری اور فلاح کے لیے متحد اور مجتمع ہو کر کام کرتے رہیں۔ آمین اللّٰھم آمین

ہم آپ کے دلی خیر خواہ اہلِ ربوہ"

سفیرِ محترم نے اس کے جواب میں نہایت برجستہ تقریر فرمائی جس میں جماعت احمدیہ کی دینی خدمات کا خاص طور پر اعتراف کیا اور پاکستان اور انڈونیشیا کے باشندوں کے درمیان دوستی یگانگت اور محبت پر زور دیا[1]

۲۲ ستمبر کو صبح نو بجے اہلِ ربوہ کی طرف سے استقبالیہ کی تقریب میں شرکت کے بعد انڈونیشیا کے سفیر الحاج جناب ڈاکٹر محمد رشیدی صاحب۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر کی معیت میں ربوہ کے تعلیمی ادارے دیکھنے تشریف لے گئے۔

سفیرِ محترم نے جامعۃ المبشرین، تعلیم الاسلام ہائی سکول، تعلیم الاسلام کالج اور فضلِ عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی عمارات کا معائنہ کیا اور اُن میں سے جو ادارے اس وقت تعطیلات کے بعد کھل چکے ہیں ان کے اسٹاف سے ملے معزز مہمان تعلیم الاسلام کالج کی وسیع و عریض عمارت اور اس کے تعمیراتی پس منظر کو معلوم کر کے بہت مسرور ہوئے اسی طرح فضلِ عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو اس کے کام کی نوعیت اور انفرادیت کے لحاظ سے بہت پسند کیا۔

گیارہ بجے طے شدہ پروگرام کے مطابق سفیر انڈونیشیا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ کی خدمت میں تشریف لے گئے جہاں آپ نے قریباً پون گھنٹہ تک حضور سے ملاقات کی۔ اس موقعہ پر صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب اور سید شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا بھی موجود تھے

پانچ بجے شام وکالت تبشیر نے تحریک جدید کے گیسٹ ہاؤس کی موزوں اور خوبصورت عمارت میں سفیر انڈونیشیا کے اعزاز میں ایک شاندار عصرانہ کا اہتمام کیا جس میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بھی بنفسِ نفیس تشریف لائے۔ اسی طرح صحابہ کرام، صدر انجمن احمدیہ کے ناظران اور صیغہ جات کے

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۶ ستمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۳، ۴

افسران تحریک جدید کے وکلاء اور اداروں کے افسر دوسرے ملکوں سے آئے مبلغین اور غیر ملکی طلباء کے علاوہ مکرم چوہدری اسد اللہ خاں صاحب امیر جماعت احمدیہ جو سفیر انڈونیشیا کیساتھ ہی ربوہ تشریف لائے تھے جماعت احمدیہ لاہور کے نائب امیر ڈاکٹر عبدالحق اور ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب بھی شریک تھے۔ پانچ بجکر پانچ منٹ پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تشریف لائے اور اس کے چند منٹوں کے بعد ہی معزز مہمان آ گئے۔ معزز مہمان کی تشریف آوری پر حاضرین نے کھڑے ہو کر محبت اور خلوص کے خاموش مظاہرہ کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔

عصرانہ کی اس شاندار تقریب کا آغاز مولوی بشارت احمد صاحب بشیر نائب وکیل التبشیر کی تلاوت سے ہوا اور اس کے بعد مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر نے انگریزی زبان میں سفیر محترم کی خدمت میں انگریزی ایڈریس پیش کیا۔ اس ایڈریس کا خلاصہ یہ تھا کہ

یہ امر ہمارے لیے عزت اور فخر کا موجب ہے کہ ہمیں آں محترم کو ربوہ میں خوش آمدید کہنے اور آں محترم کا دلی خیر مقدم کرنے کا موقع ملا ہے۔

ربوہ ایک نیا شہر ہے جو جلد جلد بڑھ رہا ہے۔ یہ اگرچہ ظاہری زیب و زینت سے معرّیٰ ہے تاہم اسے یہ امتیازی شرف حاصل ہے کہ یہ ایک ایسا شہر ہے۔ جسے ایمان واخلاص کے ایک مجسم اور یادگار معجزہ کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ اُس روحانی ورثہ سے مالا مال ہے جو جسم اور روح کی ہر ضرورت اور احتیاج کو بدرجۂ اتم پورا کرنے کی ہر صلاحیت اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور جس کی بدولت وہ اقدار میسر آتی ہیں جو صحت مند، خوشحال، اور ترقی پذیر زندگی میں نظم وضبط برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ یہ بستی اس عالمی تحریک کا مرکز ہے جو جماعت احمدیہ کے نام سے موسوم ہے اور جس کی بنیاد امام الزماں مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدائی منشاء کے تحت اپنے ہاتھ سے رکھی تھی۔ اگرچہ آپ کی آواز ایک تنہا انسان کی آواز تھی جو آج سے تقریباً ستر سال قبل قادیان کی بستی سے بلند ہوئی اور جس کا انبیاء ماسبق کے زمانوں میں پہلے سے قائم شدہ روایات کے مطابق لوگوں نے حقارت اور تمسخر کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ تاہم آہستہ آہستہ غریب اور پاکباز انسانوں کے دل مائل ہونے شروع ہوئے اور اُن سے لبیک! لبیک! کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ ان مخلصین نے مسیح پاک کے ہاتھ پر عہد کیا کہ وہ دنیا پر دین کو بہر حال مقدم رکھیں گے۔ گمنامی اور تنہائی کے اس عالم میں جس کا ابھی مَیں نے ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے مسیح موعودؑ کو الہام پاک کے ذریعہ خبر دی۔

"یَأْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ"[1]

اس دن کے بعد سے کہ جب خدا نے مسیح پاک کو یہ خوش خبری سنائی کوئی دن ایسا نہیں طلوع ہوا کہ جس میں چشم فلک نے اس خوش خبری کا بڑھ چڑھ کر پورا ہوتا مشاہدہ نہ کیا ہو اور آج آنمحترم کا یہاں تشریف لانا خود اس امر پہ گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی ہر روز ایک نئے رنگ اور نئے طور پر پوری ہوتی چلی آرہی ہے اسی لیے آپ کا آنا علیم و خبیر اور رہمہ قدرت خدا پہ ہمارے ایمان کو اور زیادہ تقویت پہنچانے کا موجب ہوا ہے۔

۱۹۴۷ء میں جب ہند و پاکستان کے برِ صغیر کو سیاسی غلامی سے نجات ملی اور یہاں اس کے ساتھ ساتھ ایک قیامتِ صغریٰ برپا ہوئی تو اس وقت ہمیں قادیان چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ وہاں سے آنے کے بعد حضرت امام جماعت احمدیہ نے جو مسیح پاک علیہ السلام کے فرزند موعود ہیں ہر قسم کے اثاثہ اور وسائل سے محروم ہو جانے کے باوجود محض خداوند قدوس کی ذات لم یزل پر بھروسہ کرتے ہوئے اس بنجر اور بے آب و گیاہ قطعہ زمین کو اس لیے منتخب فرمایا کہ آپ مسیح پاک کی منتشر بھیڑوں کو یہاں پھر جمع کریں اور دین حق کی عظمت کو دنیا میں دوبارہ قائم کرنے کے لیے اپنی انتھک مساعی کو یہاں سے پھر جاری فرمائیں آپ کی اس جد و جہد کا تمام تر مقصد یہ تھا کہ دنیا میں مسلمانوں پر انتشار و انحطاط کی جو کیفیت طاری ہے اسے مؤثر طور پر روکا جا سکے اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کی رہنمائی کے لیے جو دین خالص عطا فرمایا ہے اسے عزت و عظمت کا پھر وہی بلند مقام میسر آسکے جس کا وہ صحیح معنوں میں واحد حقدار ہے۔ چنانچہ آپ کی انتھک مساعی کے نتیجے میں آج یہاں دس سال کے مختصر عرصہ میں ہر قسم کے رفاہی اداروں کا قیام عمل میں آچکا ہے چنانچہ آج اسی بنجر قطعہ زمین پر جماعت کے گوناگوں فرائض کی سرانجام دہی کے لیے مرکزی دفاتر بھی قائم ہیں اور نونہال بچوں اور بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے متعدد اسکول اور کالج بھی معرض وجود میں آچکے ہیں۔ پھر یہاں ایسے کتب خانے بھی موجود ہیں جن کے ذریعہ ایسی دانش پروان چڑھ رہی ہے کہ جس میں فنی اور سائنسی علوم قرآن مجید کی زندگی بخش حکمت سے جلا پانے کے باعث انسانی زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی پر منتج ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ علوم و فنون کے میدان میں اس جدوجہد اور کاوش سے مدعا یہ ہے کہ عملاً اخلاقی نظام

---

[1] براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۴۱ حاشیہ در حاشیہ ۱ـ مطبوعہ سفیر ہند پریس ۱۸۸۰ء

کا ایک اعلیٰ معیار دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

آج یہاں سے وہ عظیم الشان سوتے پھوٹ رہے ہیں کہ جن سے دنیا کا کونہ کونہ سیراب ہو رہا ہے۔ مبلغین کی آمد و رفت کا ایک سلسلہ جاری ہے جو دور دراز ممالک میں جا جا کر دین حق کا پیغام پھیلانے میں ہمہ تن مصروف ہیں چنانچہ مشرقی و مغربی افریقہ کے دور دراز علاقوں مشرق وسطیٰ کے ممالک نیز سنگاپور اور انڈونیشیا کے علاوہ انگلستان، ہالینڈ، مغربی جرمنی، سوئٹزرلینڈ، سکنڈے نیویا، سپین، اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بھی ہمارے باقاعدہ تبلیغی مشن قائم ہیں ان ممالک کے نومسلموں میں ایک خاصی تعداد ایسے دردمند نوجوانوں کی ہے جنہوں نے خدمتِ اسلام کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی ہیں۔ اور وہ ربوہ میں تعلیم حاصل کرنیکے بعد آجکل خود اپنے ملکوں اور دنیا کے دوسرے علاقوں میں باقاعدہ مبلغین کی حیثیت سے تبلیغ کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ افریقہ میں ہمارے اپنے اسکول اور مدارس ہیں۔ لنڈن ہیگ، ہیمبرگ، ڈبلن، اور اسی طرح مشرقی اور مغربی افریقہ کے اہم شہروں میں بیوت الذکر تعمیر کرنے کی سعادت ہمارے حصے میں آچکی ہے۔ اور ان میں سے اکثر مشنوں کی طرف سے باقاعدہ رسائل و اخبارات بھی شائع ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعہ مختلف ممالک کے لوگوں کو اسلام کی بیش بہا اور لازوال تعلیمات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ خود انڈونیشیا کے احمدی مشن کی طرف سے بھی اس وقت "سینار اسلام" کے نام سے ایک اخبار شائع ہو رہا ہے۔ ہم نے خدا تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم بھی شائع کیے ہیں۔ اب تک انگریزی ولندیزی، جرمن اور سواحیلی زبانوں میں تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں بہت سی دیگر زبانوں میں تراجم شائع کرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ خود انڈونیشی زبان میں بھی قرآن مجید کا ترجمہ ہو چکا ہے اور آج کل اس پر نظر ثانی کی جا رہی ہے امید ہے نظر ثانی کا کام عنقریب مکمل ہو جائے گا۔

ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ انڈونیشیا میں ہمارے مبلغین نے صحیح دینی روح کے مطابق ہمیشہ اپنے آپ کو اہلِ انڈونیشیا اور ان کی قسمت کے ساتھ وابستہ کیے رکھا۔ انڈونیشیا پر جاپانیوں کے قبضے کے دوران وہ اپنے انڈونیشی بھائیوں کے ساتھ ہر دکھ اور ہر تکلیف میں برابر کے شریک رہے۔ اور انہوں نے بڑی جرأت اور جواں مردی سے ان کے دوش بدوش ہر مشکل کا مقابلہ کیا اس قبضہ کے ساتھ ساتھ ہی جدوجہد آزادی کا دور شروع ہوا جس کا مقصد استعماری طاقتوں کی واپسی کو ناکام بنانا تھا۔ اس وقت بھی ہمارے مبلغوں نے دل و جان سے آپ لوگوں کا ساتھ دیا اور اس طرح کہ آپ لوگ اپنی قسمت کے خود مالک ہوں

اور اپنے معاملات کو خود ہی طے کرنے میں کلی خود مختار ہوں انہوں نے آپ لوگوں کا پورا پورا ہاتھ بٹایا ۔

آں محترم! ہمارے لیے یہ امر باعث مسرت ہے کہ انڈونیشیا میں ہمارے رئیس التبلیغ سید شاہ محمد صاحب بھی مختصر قیام کے لیے آج کل یہاں آئے ہوئے ہیں اور وہ اس وقت ہمارے درمیان موجود ہیں ۔ انڈونیشیا کی جدوجہد آزادی میں مکرم شاہ صاحب نے جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ ہمیشہ یادگار رہیں گی ۔ اور مستقبل کا مؤرخ ان کی خدمات کو کسی صورت فراموش نہ کرتے ہوئے اعتراف سے سچے اور پُر خلوص جذبے کے ساتھ ان کا ذکر نے میں ایک خوشی محسوس کرے گا ۔ مکرم شاہ صاحب نے اہلِ انڈونیشیا کے پُر تعظیم اور محبت بھرے دلوں میں ہمیشہ ہمیش کے لیے گھر کر لیا ہے ۔ جدوجہد آزادی کے قائدین کے ساتھ ان کے گہرے اور قریبی تعلقات تھے اور کیوں نہ ہوتے جب کہ یہ اُن کی قومی امنگوں میں برابر کے شریک تھے دیگر احمدی احباب کی مدد سے انہوں نے جمہوریہ انڈونیشیا کے مؤقف کے برحق اور مبنی بر انصاف ہونے کے حق میں عالمی رائے عامہ کو استوار کرنے میں نمایاں خدمات سرانجام دیں ۔ اور خدمات کے اس سلسلہ کو ولندیزیوں کی واپسی اور دوبارہ قبضہ کے پُر آشوب زمانے میں بھی منقطع ہونے نہیں دیا مکرم شاہ صاحب اس کمیٹی کے رکن تھے جو اقوام متحدہ کے فیصلے کی تعمیل میں ولندیزی فوجوں کی واپسی کے بعد جمہوریہ کے از سر نو قیام کے لیے بنائی گئی تھی ۔ اسی طرح یہ اس استقبالیہ کمیٹی کے بھی رکن تھے جو ولندیزیوں کے قبضہ کے دوران صدر سوئیکارنو کی رہائی کے وقت ان کے شایانِ شان استقبال کے لیے تشکیل دی گئی تھی ۔ اس وقت یہ اکیلے ہی وہ غیر انڈونیشی فرد تھے ۔ جنہیں انتقال اقتدار کے وقت جمہوریہ ریاست ہائے متحدہ انڈونیشیا کے نئے دارالحکومت جکارتہ تک صدر سوئیکارنو کی ہمرکابی کا امتیاز حاصل ہوا ۔ حصولِ آزادی کی تاریخی جدوجہد میں ان تمام کارناموں کے ساتھ ساتھ مکرم شاہ صاحب موصوف نے ایک اور اہم خدمت بھی سرانجام دی اور وہ یہ تھی کہ یہ انڈونیشیا کے احمدی احباب میں جو ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں برابر یہ جذبہ پیدا کرنے میں مصروف ہے کہ وہ اسلامی نظریۂ حیات کو جسے ہر شعبہ زندگی میں نظم و ضبط کے اساسی معیار کی حیثیت حاصل ہے ملک میں زیادہ سے زیادہ پھیلائیں اس کے زیر اثر عالمی اداروں میں انڈونیشیا زیادہ وقیع اور زیادہ مؤثر کردار ادا کرنے میں کامیاب ہو سکے ۔ اسی طرح ہماری جماعت کے دوسرے ممبران نے بھی انڈونیشیا کی حکومت اور اس کے ابنائے وطن کی بیش بہا خدمات سرانجام دی ہیں ۔

عزت مآب! ہم آپ کی تشریف آوری پر آپ کے بے حد ممنون ہیں اور آپ سے پُر خلوص طور پر التجا

کرتے ہیں کہ آپ اپنے ہم وطنوں تک ہمارا محبت بھرا اسلام اور ہماری مخلصانہ اور نیک تمنائیں پہنچا کر ہمیں مزید شکریہ کا موقع دیں۔[1]

صاحبزادہ صاحب کے بعد ربوہ میں مقیم انڈونیشی طلبہ کی طرف سے حسب ذیل یہ ایڈریس پیش کیا گیا۔

عالی جناب محترم سفیر صاحب حکومت انڈونیشیا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

ہم انڈونیشین طلباء جو ربوہ کے مختلف اسکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں خوش آمدید عرض کرتے ہیں۔ اس طرح آپ کی اہلیہ محترمہ صاحبزادے اور صاحبزادی اور عملہ کی خدمت میں بھی خوش آمدید عرض کرتے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری ہم انڈونیشین طلباء کے لیے انتہائی خوشی و مسرت کا باعث ہے۔ بلکہ ہم اسے عین فخر اور اپنی خوش قسمتی تصور کرتے ہیں۔ اور آں جناب کی ملاقات اس وجہ سے زیادہ خوشی کا موجب ہے کہ آپ کسی ایک رشتہ دار یا خاندان یا گاؤں یا شہر کے نمائندہ نہیں بلکہ ایک بہت بڑے ملک کے نمائندہ ہیں۔ جو تین ہزار جزائر پر مشتمل ہے۔ اور جس کی آبادی سات کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ اس وجہ سے ہمارا یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ کا آنا ہمارے لیے اور قوم انڈونیشیا کے لیے باعثِ فخر ہے۔ کیونکہ اس ربوہ شہر میں جو ابھی ابھی آباد ہوا ہے اگرچہ تمام اکناف عالم سے ہر قوم و ملک کے افراد آتے رہے ہیں لیکن سفیروں میں سب سے پہلے آپ نے تشریف لاکر اس شہر کی عزت افزائی فرمائی ہے۔

عالیجاہ! شہر ربوہ جو ابھی آباد ہو رہا ہے اور جہاں کی آب و ہوا کو برداشت کرنا بھی آسان بات نہیں اور دوسرے شہروں کی طرح اس میں کوئی خوشی اور تفریح کے سامان نہیں ہیں۔ طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی شے ہے کہ جس سے نوجوانان انڈونیشیا کے دلوں میں یہاں آنے کا خیال پیدا ہوا۔

مکرمنا! ہم سے پہلے بھی بیسیوں انڈونیشین طلباء اس جگہ اور اس سے پہلے قادیان میں تکمیل علم کر کے مختلف جگہوں اور محکموں میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں جو شے ہمارے قلوب کے لیے موجبِ کشش بنی ہے یہ ہے کہ اس جگہ نہ صرف علومِ دنیاوی کو حاصل کرنے کا ہمارے لیے انتظام ہے کہ جس سے ہم دنیاوی ترقیات حاصل کر کے قوم کی خدمت کے قابل ہو سکتے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہاں ہمارے لیے خصوصی دینی تعلیم کا بھی

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹ر ستمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۴ ر ۵

خاطر خواہ انتظام ہے ۔ کہ جس کے ذریعہ سے ہم اللہ تعالیٰ کو پا سکیں ۔ اور تمام دنیا کو دینِ حق کی دعوت دے سکیں اور بتلا سکیں کہ یہی وہ مذہب ہے جو سب سے زیادہ مکمل ہے ۔ حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی معزز ترین نبی ہیں اور قرآن مجید ہی پاکیزہ ترین اور مکمل ترین سند میں کتاب ہے ۔ اور پھر تعلیم کے علاوہ اس رنگ میں ہماری تربیت کی جاتی ہے کہ جس سے ہم دینِ حق کے صحیح خادم بن سکیں اور پھر نہ صرف علم سے ہی دین کی خدمت کر سکیں بلکہ ہر قسم کی جانی و مالی قربانیوں کو بھی دین کی خاطر پیش کرنے کے قابل بن سکیں بالآخر ہم آپ سے دعا کے ملتجی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے کیونکہ اتنے بڑے مقصد کو جو نہایت ہی نیک اور پاکیزہ ہے ۔ حاصل کرنا ازحد مشکل ہے اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ آپ ہمیں رہنمائی کے طور پر کوئی نہ کوئی نصیحت فرمائیں گے کہ جو ہمارے مقصد کے حاصل کرنے میں ممد ثابت ہو سکے ۔ بالآخر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آں مکرم کو تمام عزیزان سمیت اپنی پناہ میں رکھے لمبی عمر عطا فرمائے دنیاوی و اخروی ترقیات عطا فرمائے ۔ (ہم ہیں طلبائے انڈونیشیا)[1]

وکالت تبشیر اور انڈونیشی طلبہ کے تہنیت ناموں کے جواب میں الحاج ڈاکٹر محمد رشیدی سفیر انڈونیشیا نے قریباً پچیس ۲۵ منٹ تک انڈونیشی زبان میں تقریر فرمائی جس کا ترجمہ انڈونیشیا سے آئے ہوئے مبلغ مکرم ملک عزیز احمد صاحب نے حاضرین کو سُنایا ۔ سفیر محترم نے نہایت موزوں الفاظ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ، وکالت التبشیر اور جماعت کے تمام دوسرے افراد کا شکریہ ادا کیا اور ربوہ کے دورہ کے متعلق اپنے نہایت اچھے اور اعلیٰ تأثرات کا اظہار کرتے ہوئے ان خدمات کو سراہا جو جماعت احمدیہ دینِ حق کی تبلیغ و اشاعت اور مسلمانوں کی بہبود کے لیے سرانجام دے رہی ہے ۔ آپ کی تقریر کے ترجمہ کے بعد سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے انڈونیشیا سے آئے ہو معزز مہمان کا جو اسلام کے گہرے مضبوط اور مقدس تعلق کی وجہ سے ہم سب کے لیے قابلِ عزت و تکریم کے قابل تھے ۔ ربوہ میں ان کی آمد پر ان کا شکریہ ادا کیا اور یقین دلایا کہ جماعت احمدیہ کے دلوں میں انڈونیشیا کے مسلمان بھائیوں کے لیے ہمیشہ محبت اور یگانگت کے گہرے اور نیک جذبات کارفرما رہیں گے ۔ سوا چھ بجے تک یہ تقریب جاری رہی جو اپنے تأثرات اور کوائف کے اعتبار سے سفیر محترم کے دورۂ ربوہ کی باقی تقریبات سے اہم اور مؤثر تھی ۔ تقریب کے خاتمہ

---

[1] روزنامہ اخبار "الفضل" ربوہ ۲۷ ستمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۵

پر آپ ربوہ میں مقیم انڈونیشی اور دوسرے غیر ملکی طلباء سے جو عصرانہ میں موجود تھے ملے اور اُن سے مصافحہ فرمایا۔

رات نو بجے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے معزز مہمان کے اعزاز میں ڈنر دیا گیا۔ جس میں بعض اور اصحاب کے علاوہ انڈونیشیا سے آئے ہوئے مبلغین بھی شریک ہوئے۔

اسی رات ربوہ کی مجلس تجار کا ایک وفد سفیر انڈونیشیا سے ملا یہ وفد مجلس تجار کے صدر چوہدری عبدالعزیز صاحب واقفِ زندگی، سیکرٹری ملک سعادت احمد صاحب۔ اور خزانچی مکرم محمد احمد صاحب نظام پر مشتمل تھا۔ اس وفد نے آپ کی خدمت میں ربوہ کی مصنوعات کے چند نمونے بھی پیش کیے۔ جنہیں سفیر محترم نے بڑی خوشی سے قبول فرمایا۔ اور یوں ربوہ کی بڑھتی ہوئی ترقی کا صنعتی پہلو بھی آپ کے سامنے آگیا۔

۲۳ ستمبر کی صبح کو سفیر محترم کی روانگی سے قبل وکالت التبشیر کی طرف سے صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے معزز مہمان کی خدمت میں قرآن پاک کے انگریزی ترجمہ کا مقدس و مطہر تحفہ پیش کیا۔ قرآن مجید کا یہ انگریزی ترجمہ نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب جلد کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ جسے بڑی محبت اور عقیدت کے ساتھ آپ نے قبول فرمایا اور درحقیقت یہی اہلِ ربوہ کا وہ بہترین تحفہ تھا جسے وہ اپنے جان و دل سے زیادہ عزیز جان کر اپنے معزز مہمان کے لیے پیش کر سکتے تھے۔

۲۳ ستمبر کو صبح ساڑھے چھ بجے پروگرام کے مطابق سفیر محترم عازم لاہور ہونے والے تھے۔ ابھی چھ نہیں بجے تھے کہ سفیر محترم کی قیام گاہ کے ارد گرد اہالیان ربوہ جوق در جوق جمع ہو چکے تھے۔ اور سڑک پر دو رویہ کھڑے ہو کر معزز مہمان کی روانگی کے منتظر تھے۔ ساڑھے چھ بجے حضرت چوہدری ظفر اللہ خانصاحب کی کوٹھی میں جہاں آپ قیام پذیر تھے آپ نے ایک بار پھر تحریک جدید اور صدر انجمن احمدیہ کے نمائندوں اور ربوہ کے چیدہ احباب سے الوداعی ملاقات فرمائی۔ اس موقع پر جن احباب نے آپ کو الوداع کہا ان میں چوہدری احمد جان صاحب وکیل المال۔ میاں غلام احمد صاحب اختر ناظر اعلیٰ ثانی۔ میاں عبدالحق صاحب رامہ ناظر بیت المال۔ چوہدری اسد اللہ خانصاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور۔ سید شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا۔ ملک عزیز احمد صاحب۔ مکرم ابوبکر ایوب صاحب۔ صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب سابق مبلغ انڈونیشیا۔ حسن محمد خان صاحب عارف نائب وکیل التبشیر۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس۔ مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب۔ چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ نائب ناظر اصلاح و ارشاد۔ مکرم مولوی محمد صدیق صاحب جنرل پریذیڈنٹ ربوہ شامل تھے۔ سفیر محترم کی کار جونہی گیٹ سے سڑک پر آئی۔ اہلِ

ربوہ نے نعرہ ہائے تکبیر۔ اسلام زندہ باد انڈونیشیا اور پاکستان پائندہ باد کے پُرجوش نعروں کے ساتھ آپ کو الوداع کہا۔ اور جوں جوں ہجوم میں سے کار گزرتی گئی۔ یہ نعرے اور زیادہ بلند ہوتے گئے۔ سفیر محترم اور اُن کی بیگم صاحبہ ہاتھ ہلا ہلا کر جواب دیتے رہے۔ بالآخر پونے سات بجے سفیر محترم خیر سگالی و خلوص کے نیک اثرات لے کر ربوہ سے لاہور روانہ ہو گئے[1]

مرکز میں ہجوم خلائق کا شاندار منظر

اکتوبر ۱۹۵۷ء میں مرکزِ احمدیت ربوہ کے اندر ہجوم خلائق کا شاندار منظر دیکھنے میں آیا کیونکہ اس کے دوران تینوں مرکزی تنظیموں کے کامیاب اجتماعات منعقد ہوئے۔

اجتماع خدام الاحمدیہ و اطفال الاحمدیہ (۱۱ تا ۱۳ اکتوبر) اجتماع لجنہ اماء اللہ (۱۱ تا ۱۳ اکتوبر) اجتماع انصار اللہ (۲۵، ۲۶ اکتوبر)۔ اجتماع خدام الاحمدیہ و اطفال الاحمدیہ میں ایک سو چودہ مجالس کے ۷۴۴ اطفال و خدام نے شرکت کی[2] اجتماع لجنہ اماء اللہ میں ربوہ کی مقامی خواتین کے علاوہ پاکستان اور بیرون پاکستان کی تیس کے قریب لجنات کی متعدد ممبرات شامل ہوئیں[3] اور انصار اللہ کے اجتماع میں ۱۰۴ مجالس کے ۲۷۰ نمائندے ۵۰۲ ارکان اور ۱۰۱۰ زائرین شامل ہوئے[4] سیدنا حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی نے علالت طبع کے باوجود تینوں اجتماعات سے خطاب فرمایا:۔

خدام احمدیت سے روح پرور خطاب

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے خدام احمدیت کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں دین کی خدمت کا کام جماعت احمدیہ کے سپرد کیا ہے اور یہ کام اتنا عظیم الشان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ ہم نے اپنی امانت آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کے سپرد کرنی چاہی مگر انہوں نے اس کے اٹھانے سے بڑی گھبراہٹ کا اظہار کیا (احزاب ع ۹) اس جگہ "ابین" کے معنے محض انکار کے نہیں بلکہ ایسی گھبراہٹ کے ہیں جس میں اگر انسان کی اپنی مرضی کا دخل ہو تو وہ ضرور انکار کردے غرض وہی چیز جس کے اٹھانے سے زمین و آسمان اور پہاڑوں نے بڑی گھبراہٹ کا اظہار

---

[1] اخبار الفضل ۲۸ ستمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۳ و ۵ ؛ [2] الفضل ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۱ ؛ [3] الفضل ۶ اکتوبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۱ ؛ [4] الفضل ۲۹ اکتوبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۱

کیا تھا اب اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے ماتحت آپ کے سپرد کی گئی ہے .... جس طرح دنیا کی حالت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی اسی طرح اس زمانہ میں بھی ہے ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی زمین وآسمان اور پہاڑوں نے آپ کی تعلیم کا حامل بننے سے بڑی گھبراہٹ کا اظہار کیا تھا اور اس زمانہ میں بھی جو بوجھ آپ لوگوں کے سپرد کیا گیا ہے اس کے متعلق کوئی بیوقوف ہی دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ میں اسے اٹھاؤں گا ۔ ہاں سمجھدار اور عقلمند انسان انشاء اللہ کہہ کر اور ڈرتے ہوئے دل کے ساتھ کہتا ہے کہ میں اسے اٹھاتا ہوں کیونکہ بغیر اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس بوجھ کے اٹھانے کی توفیق دے اور مدد کرے میں خود اسے نہیں اٹھا سکتا ۔ زمین و آسمان کے باشندے اپنی طاقت سے نہ تو اس بوجھ کو پہلے اٹھا سکتے تھے اور نہ اپنی طاقت سے اب اٹھا سکتے ہیں ۔ دیکھو مسلمانوں نے کچھ عرصہ کی جدوجہد کے بعد کس طرح اس بوجھ سے آزاد ہونے کی کوشش کی اسی حالت کا خطرہ اب آپ لوگوں کے لیے بھی ہے .... یاد رکھو دُلہن ہمیشہ دولہا کے گھر ہی بسا کرتی ہے ہمسایہ کے گھر نہیں بسا کرتی یا یوں کہو کہ دُولہا کے گھر دُلہن ہی بسا کرتی ہے ہمائی نہیں بسا کرتی ۔ بیوت الذکر کا کام ہماری دلہن ہے اور اس نے ہمارے ہی گھر آنا ہے کسی اور کے گھر نہیں جانا ۔ یہ ہماری بے غیرتی ہوگی کہ یہ کام کسی اور کے گھر چلا جائے ۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی انجیل میں آسمانی بادشاہت کو دلہن سے تشبیہ دی ہے ۔ (متی باب ۲۵) مگر عیسائیوں نے تو غفلت سے کام اور چرچ کو شیطان کے سپرد کر دیا ۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ دلہن کو دولہا کے سوا کسی اور کے سپرد کر دیا ۔ لیکن ہمارا کام یہ ہے کہ ہم بیوت الذکر[1] کو ہمیشہ خدا تعالیٰ کے لیے آباد رکھیں ....

اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لائے ہوئے مشن کو آپ ۱۹۰۰ سال تک لے جائیں تو کم سے کم اتنا تو ہو سکتا ہے کہ آپ عیسائیوں کے سامنے سر اٹھا سکیں لیکن فخر اس بات میں ہے کہ آپ تبلیغ کے کام کو قیامت تک جاری رکھیں اس میں کوئی کمزوری نہ آنے دیں پس آپ لوگ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں محنت کریں اور اپنے فرض کو پوری طرح ادا کریں اور یاد رکھیں کہ اس فرض کا ادا کرنا مصیبت نہیں بلکہ

---

[1] اصل تقریر میں مساجد کا لفظ ہے

آپ لوگوں کے لیے فخر کا موجب ہے .... رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگِ اُحد کے لیے تشریف لے گئے تو ابتداء میں اسلامی لشکر کو فتح حاصل ہوگئی تھی لیکن بعد میں مسلمانوں سے غلطی ہوئی جس کے نتیجہ میں کفار نے مسلمانوں پر پُشت کی طرف سے حملہ کر دیا اور اتنا سخت حملہ کیا کہ اُن کے قدم اکھڑ گئے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک گڑھے میں گر گئے اور لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ آپ شہید ہوگئے ہیں اُحد مدینہ سے قریب ہی واقع ہے اس لیے وہاں سے بھاگ کر لوگ مدینہ پہنچے انہوں نے وہاں یہ خبر پھیلا دی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ہیں یہ خبر سُن کر مدینہ کے مرد عورتیں اور بچے دیوانہ وار اُحد کی طرف بھاگے تاکہ آپ کی آخری بار زیارت کر سکیں لیکن اکثر لوگوں کو آپ کی سلامتی کی خبر راستہ میں ہی مل گئی اور وہ رُک گئے مگر ایک عورت دیوانہ وار آگے بڑھتے ہوئے اُحد مقام تک پہنچ گئی اُحد کی جنگ میں اس عورت کا باپ خاوند اور بھائی تینوں مارے گئے تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ ایک بیٹا بھی مارا گیا تھا۔ جب وہ دیوانہ وار اُحد کی طرف جا رہی تھی تو لوگوں کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کا علم ہوچکا تھا اور لشکر کے تمام افراد نے آپ کو زندہ دیکھ لیا تھا اس لیے صحابہؓ آپؐ کی ذات کے متعلق مطمئن تھے۔ لیکن اس عورت کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی علم نہ تھا وہ دوڑ کر ایک صحابیؓ کے پاس پہنچی اور پوچھا کہ بتاؤ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے چونکہ وہ صحابیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مطمئن تھے اس لیے انہوں نے کہا بی بی مجھے بڑا افسوس ہے کہ تیرا باپ اس جنگ میں مارا گیا ہے اس عورت نے کہا کہ مَیں تجھ سے اپنے باپ کے متعلق نہیں پوچھتی مجھے یہ بتاؤ کہ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے اس پر اس صحابیؓ نے کہا کہ بی بی مجھے بڑا افسوس ہے کہ تیرا خاوند بھی اس جنگ میں مارا گیا اس عورت نے کہا تم بھی عجیب آدمی ہو مَیں تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کرتی ہوں اور تم مجھے میرے باپ اور میرے خاوند کی موت کی خبر دیتے ہو۔ اس نے کہا بی بی مجھے بڑا افسوس ہے کہ تیرا بھائی بھی اس جنگ میں مارا گیا ہے اس نے کہا خدا کے لیے تم مجھے یہ بتاؤ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے اس نے کہا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو خدا تعالیٰ کے فضل سے خیر سے ہیں اس عورت نے کہا الحمد للہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو مجھے اپنے باپ اور بھائی اور خاوند کی موت کی کوئی پرواہ نہیں پھر اس نے کہا مجھے بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہاں اس پر صحابیؓ نے آپؐ کی طرف انگلی کا اشارہ کیا۔ اور کہا آپؐ وہ ہیں۔ اس پر وہ عورت آپؐ کی طرف

بھاگ کر گئی اور اس نے آپ کے دامن کو پکڑ لیا اور کہا یا رسول اللہ آپؐ نے یہ کیا کیا یہ فقرہ بظاہر بے معنی تھا لیکن درحقیقت یہ غلط نہیں تھا بلکہ عورتوں کے محاورہ کے مطابق بالکل درست تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ یا رسول اللہؐ آپ جیسا وفادار انسان ہم کو یہ صدمہ پہنچانے پر کس طرح راضی ہو گیا پھر اس عورت نے کہا یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں جب آپ سلامت ہیں تو کسی اور کی موت کی ہمیں کیا پرواہ ہو سکتی ہے تو دیکھو ان لوگوں میں اس قدر اخلاص جوش اور ایمان تھا کہ ہر خدمت جو اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے تھے اس میں اپنی عزت اور رتبہ محسوس کرتے تھے چنانچہ اسی قسم کی فدائیت کی ایک اور مثال بھی تاریخ سے ملتی ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ شہداء کو دفن کر کے مدینہ لوٹے تو عورتیں اور بچے شہر سے باہر استقبال کے لیے نکل آئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی باگ حضرت سعد بن معاذؓ نے پکڑی ہوئی تھی اُحد میں اُن کا ایک بھائی بھی مارا گیا تھا شہر کے پاس انہیں اپنی بوڑھی ماں جس کی نظر کمزور ہو چکی تھی ملی تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ میری ماں یا رسول اللہ میری ماں آپ نے فرمایا۔

خدا تعالیٰ کی برکتوں کے ساتھ آئے بڑھیا آگے بڑھی اور اس نے اپنی کمزور اور پھٹی ہوئی آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل نظر آجائے آخر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ پہچان لیا اور خوش ہو گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ نے فرمایا مائی مجھے تمہارے بیٹے کی شہادت پر تم سے ہمدردی ہے اس پر اس عورت نے کہا یا رسول اللہؐ میں نے آپؐ کو سلامت دیکھ لیا ہے تو گویا مَیں نے مصیبت کو بھون کر کھا لیا۔ ایسے موقع پر ہر عورت چاہتی ہے کہ کوئی شخص آئے اور اس سے ہمدردی کرے لیکن اس عورت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمدردی کا اظہار کیا تو اس نے کہا یا رسول اللہؐ آپ میرے بیٹے کا کیا ذکر کرتے ہیں آپؐ سلامت واپس آ گئے ہیں تو مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں آپ یوں سمجھیں کہ مَیں نے مصیبت کو بھون کر کھا لیا ہے۔ تو صحابہؓ خدا تعالیٰ کی راہ میں جانیں دینا اپنی خوش قسمتی خیال کرتے تھے ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو کسی کام کے لیے باہر بھیجا۔ بعد میں جنگ تبوک کا واقعہ پیش آ گیا۔ یہ جنگ نہایت خطرناک تھی۔ رومی حکومت اس وقت ایسی ہی طاقتور تھی جیسے آجکل امریکہ اور روس کی حکومتیں ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک چھوٹی سی فوج لے کر اتنی بڑی حکومت کے مقابلہ میں جانا پڑا۔ مدینہ میں بہت تھوڑے مسلمان تھے اور اردگرد کے لوگ بھی اکٹھے نہیں تھے لیکن اگر وہ اکٹھے ہوتے بھی تو قیصر روما کے مقابلہ میں اُن کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ تمام لوگ جنگ کے لیے چلیں جب اسلامی لشکر روانہ ہوگیا تو وہ صحابی جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر کام کے لیے بھیجا ہوا تھا واپس آئے جوان آدمی تھے نئی نئی شادی ہوئی تھی ایک عرصہ کی جدائی کے بعد جب وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنی بیوی کو صحن میں بیٹھے ہوئے دیکھا وہ سیدھے اس کی طرف گئے اور اس سے بغل گیر ہونا چاہا مگر بیوی نے ان کی محبت کا جواب دینے کی بجائے ان کے سینہ پر زور سے دو ہتھڑ مارا اور پیچھے دھکا دے کر کہا خدا کا رسول تو میدانِ جنگ میں گیا ہوا ہے اور تمہیں اپنی بیوی سے پیار سوجھ رہا ہے خدا کی قسم جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخیریت واپس نہیں آجاتے میں تمہاری شکل تک نہیں دیکھوں گی وہ صحابیؓ اسی وقت گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور مدینہ سے تین منزل کے فاصلے پر اسلامی لشکر سے جا ملے اور پھر اسی وقت گھر واپس آئے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوسرے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ واپس لوٹے غرض یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ہر خطرہ کے موقع پر اپنی جان کو بلادریغ خطرہ میں ڈال دیا کوئی تکلیف اور دُکھ انہیں نہیں پہنچا جسے انہوں نے تکلیف اور دکھ جانا ہو بلکہ جب بھی کوئی خدمت کا موقع آتا وہ جان بخوشی پیش کر دیتے ۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ کے متعلق تاریخ میں آتا ہے کہ ان کے باپ ایک بہت بڑے رئیس تھے وہ مکہ سے حبشہ ہجرت کر کے چلے گئے وہاں جب یہ افواہ پہنچی کہ مشرکین مکہ مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ واپس آ گئے واپسی پر اُن کے باپ کے ایک دوست رئیس نے انہیں پناہ دے دی جب انہوں نے مسلمانوں کو مظالم سہتے دیکھا تو انہوں نے اس پناہ کو واپس کر دیا اس رئیس نے کہا دیکھو تم میری پناہ واپس نہ کرو ۔ اگر تم میری پناہ واپس کرو گے تو مکہ والے تمہیں تنگ کریں ۔ عثمان بن مظعونؓ نے کہا جب میرے سامنے مسلمان غلاموں اور غریب مسلمانوں کو مار پڑتی ہے تو انہیں دیکھ کر مجھے بڑی شرم آتی ہے اور میرا دل مجھے ملامت کرتا ہے کہ تیرا بُرا ہو تیرے بھائی تو اسلام کی وجہ سے تکلیف اٹھا رہے ہیں اور تم کسی رئیس کی پناہ میں رہ کر مزے کر رہے ہو تم اپنی پناہ واپس لے لو میرا دل آئندہ کے لیے ملامت نہ کرے اس رئیس نے جواب دیا اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو میں واپس لے لیتا ہوں ۔ چنانچہ اس رئیس نے خانہ کعبہ میں جا کر اعلان کر دیا کہ آج میں عثمان بن مظعونؓ کی پناہ واپس لیتا ہوں مکہ میں یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی شخص کسی کو پناہ دیتا تھا تو اس شخص کو جو بھی تکلیف دیتا اسے پناہ دینے والے قبیلے سے لڑنا پڑتا تھا ۔ لیکن جب وہ اپنی پناہ واپس لے لیتا تو یہ قید اٹھ جاتی ۔ عرب کا ایک مشہور شاعر لبید گزرا ہے وہ بعد میں اسلام بھی لے آیا اس نے ۱۷۰

سال کی عمر پائی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی وہ ایک لمبے عرصہ تک زندہ رہا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں اس سے شعر سُنا کرتے تھے اور صحابہؓ میں سے جس کسی کو کوئی رتبہ ملتا وہ اسے بلاتے اس سے شعر سُنتے اور اسے انعام دیتے ۔ جب حضرت عثمان بن مظعون نے پناہ واپس کردی تو ایک دن لبید مکّہ آیا اور اس نے ایک محفل میں شعر سُنانے شروع کیے حضرت عثمان بن مظعون بھی وہاں پہنچ گئے محفل میں بڑے بڑے رؤسا بیٹھے تھے ۔ اور سب لوگ لبید کو داد دے رہے تھے شعر پڑھتے پڑھتے لبید نے یہ مصرع پڑھا

اَلَا کُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلُ

یعنی اے لوگو! اچھی طرح سُن لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز تباہ ہونے والی ہے اس پر حضرت عثمان بن مظعون کہنے لگے " صَدَقْتَ " لبید تو نے سچ کہا ہے ۔ لبید کو یہ بات بہت بُری لگی کہ وہ اتنا بڑا شاعر ہے اور یہ نوعمر نوجوان اسے داد دے رہا ہے ۔ لیکن اس نے زبان سے کچھ نہ کہا اور یہ دوسرا مصرع پڑھ دیا

وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلُ

یعنی ہر نعمت آخر تباہ ہو جانے والی ہے حضرت عثمان بن مظعون بھی بول پڑے اور کہنے لگے "کَذَبْتَ" تُو نے جھوٹ بولا ہے جنّت کی نعمتیں کبھی تباہ نہیں ہوں گی لبید کو اس بات سے آگ لگ گئی اور اس نے کہا کہ مکّہ والو تم کب سے بد اخلاق ہو گئے ہو پہلے تو اس نوجوان نے مجھے داد دی اور پھر اس نے مجھے جھوٹا کہا مَیں اس کے باپ کے برابر ہوں اس کے لیے تو مجھے جھوٹا کہنا جائز نہیں تھا کیا تم اپنے بڑوں کی ہتک کرنے لگ گئے ہو مکّہ والوں نے چونکہ اسے خود بلایا ہوا تھا اس لیے اسکی اس تقریر سے اشتعال پیدا ہو گیا ۔ اور ایک نوجوان نے غصہ میں حضرت عثمان بن مظعون کی آنکھ پر مُکّہ مارا جس سے ان کی آنکھ پھوٹ گئی انہیں پناہ دینے والا شخص وہیں موجود تھا اس نے یہ نظارہ دیکھا تو کہنے لگا عثمان کیا مَیں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم میری پناہ واپس نہ کرو مکّہ والے تمہیں تنگ کریں گے لیکن تم نے میری بات نہ مانی اور پناہ واپس کردی اب تم نے اس کا نتیجہ دیکھ لیا کہ تمہاری ایک آنکھ ضائع ہو گئی ہے حضرت عثمان بن مظعون نے کہا آخر کیا ہوا خدا کی قسم میری دوسری آنکھ بھی چلا چلا کر کہہ رہی ہے کہ خدائے تعالیٰ کے رستے میں مجھے بھی پھوڑ دو ۔ یہ ان لوگوں کی کیفیت تھی جو اسلام کی راہ میں دُکھ

اٹھانے میں ایک فخر اور لذت محسوس کرتے تھے یہی طریق آپ لوگوں کا ہونا چاہیئے اگر آپ لوگوں کو کوئی دُکھ پہنچے تو رو یا چلایا نہ کریں جماعت کے بعض دوست ایسے ہیں کہ اگر کوئی ان کو گالی بھی دے دے تو وہ مجھے لکھنا شروع کر دیتے ہیں کہ ہم بہت سے مصائب میں مبتلا ہیں اور تحقیق پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہیں جا رہے تھے کہ راستہ میں آواز آئی کہ مرزائی بڑے کافر ہیں لیکن حضرت عثمان بن مظعون کی آنکھ نکل جاتی ہے تکلیف سے وہ نڈھال ہو رہے ہوتے ہیں لیکن کہتے ہیں خدا کی قسم! میری تو دوسری آنکھ بھی اس بات کا انتظار کر رہی ہے کہ کوئی دشمن اسے بھی پھوڑ دے۔ حضرت عثمان بن مظعون کے اس شاندار فقرہ کا یہ اثر تھا کہ جب آپ فوت ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے پھر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم فوت ہوئے تو آپ نے فرمایا جا اپنے بھائی عثمان بن مظعونؓ کے پاس۔ گویا آپؐ نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کو اپنا بیٹا قرار دیا اور ان کی یاد کو ایک لمبے عرصہ تک قائم رکھا تو دین کی راہ میں جو مصائب آئیں ان کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ آپ لوگ ہمت ہار کر بیٹھ جائیں بلکہ ان کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ آپ اور زیادہ زور سے کام کرنا چاہیئے سورت نازعات کی چند آیات میں نے ابھی پڑھی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہی بیان فرمایا ہے کہ مومن وہی ہوتا ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنا سارا زور لگا دیتا ہے اور جس کام میں وہ لگا ہوا ہوتا ہے اس میں وہ غرق ہو جاتا ہے اگر واقعہ میں کوئی ایسی جماعت ہو تو اس کو کیا پتہ لگ سکتا ہے کہ اس کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے دنیا میں ہمیں کئی لوگ ایسے نظر آتے ہیں کہ جن کے سامنے ان کے گھروں کو آگ لگ جاتی ہے تو انہیں اس کا علم تک نہیں ہوتا۔ اور دوسروں سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہو گیا اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ کسی اور کام میں اتنے محو ہوتے ہیں کہ انہیں کسی دوسری چیز کا علم ہی نہیں ہوتا۔ یہ محویت مختلف لوگوں میں مختلف رنگوں میں دکھائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر ڈانسن جنہوں نے انگریزی میں لغت لکھنی شروع کی تھی ان کے متعلق ان کے ایک دوست جو مشہور مصنف ہیں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اس جگہ گیا جو ڈاکٹر ڈانسن کو بہت پسند تھی اور میں نے دیکھا کہ بارش ہو رہی ہے اور ڈاکٹر ڈانسن اپنا ہاتھ باہر نکالے کھڑا ہے میں نے اس سے کہا ڈاکٹر یہ تم کیا کر رہے ہو اس نے جواب دیا کہ میں شام کے بعد سے یہاں کھڑا ہوں اور روزانہ یہاں آکر کھڑا ہوتا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ایک دفعہ کوئی غلطی کی تو میرے باپ نے مجھے سزا کے طور پر یہاں کھڑا کیا تھا میں نے اس سزا

کو بہت بُرا محسوس کیا اور سزا قبول کرنے کی بجائے مَیں کہیں باہر چلا گیا۔ اب جب مَیں بڈھا ہو گیا ہوں تو مجھے یاد آتا ہے کہ اگر مَیں اپنے باپ کی بات مان لیتا تو اچھا تھا مَیں اس غلطی کا کفارہ ادا کرنے کے لیے روزانہ یہاں آتا ہوں تو دیکھو جن لوگوں کے دلوں میں احساس ہوتا ہے انہوں نے کوئی غلطی کی ہے یا یہ کہ ان کا کوئی فعل خدا تعالیٰ کے مقابلے میں غلطی کہلائے گا تو وہ اس کا کفارہ ادا کرتے ہیں آپ لوگوں کو بھی اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو خدا تعالےٰ سے دعا کیا کریں کہ وہ اسے دور کرے لیکن اس تکلیف کے وقت دوسروں کو بلانا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کوئی ماں اپنے بچے کو مارے تو وہ محلہ والوں کو بلانا شروع کر دے۔ اگر وہ بچہ ماں کے مارنے کی وجہ سے روتا ہے تو ٹھیک ہے لیکن اگر وہ کہتا ہے محلہ والو دوڑو اور مجھے میری ماں سے بچاؤ یہ درست نہیں ہوتا اس طرح اگر تمہیں کوئی بات تکلیف دیتی ہے تو خدا تعالیٰ کے آگے گڑگڑاؤ اور اس سے دعا کرو لیکن اگر کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور وہ دوسروں کے آگے واویلا شروع کر دیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ لوگوں میں خدا تعالیٰ کا شکوہ کرتا ہے اور اس کی رضا پر راضی رہنا پسند نہیں کرتا۔ صحیح طریق یہی ہوتا ہے کہ وہ اس تکلیف کو برداشت کرے اور خدا تعالیٰ کے سامنے اس کے ازالہ کے لیے دعا کرتا رہے غرض سورۂ نازعات میں خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ مومن وہی ہے جو اپنے کام میں اس طرح محو ہو جائے کہ اسے اپنے گرد و پیش کا بھی علم نہ رہے گرد و پیش سے ہٹ کر اپنے کام میں محو ہو جانے والا ہی سچا مومن اور اصل صداقت کو کھینچ لانے والا ہوتا ہے۔[1]

لجنات سے ایمان افروز خطاب

حضرت مصلح موعودؓ نے لجنات کے اجتماع میں سورۂ کوثر کی ایمان افروز تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ دشمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی اولادِ نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے ابتر قرار دیتا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہم نے محمد رسول اللہؐ کو اس اولاد سے بڑھ کر کوثر (روحانی اولاد) عطا کی ہے اور واقعات بتاتے ہیں کہ ابتر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ہوئے جن کا کوئی نام لیوا نہ رہا، حتیٰ کہ ان کی اولاد بھی اُن پر لعنت بھیجتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد میں شریک

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۴ دسمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۳

ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی روحانی اولاد ملی جو تا ابد آپ کا نام روشن رکھے گی۔ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد ہے اور یہ وہی کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا پس تمہارا فرض ہے کہ تم حقیقی معنوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی روحانی اولاد بنو۔[1]

انصار اللہ سے اثر انگیز خطاب

حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو انصار اللہ مرکزیہ کے اجتماع سے ایمان پرور خطاب فرمایا جس میں سورہ والنازعات کی ابتدائی آیات کی نہایت لطیف تفسیر بیان کی اور احمدیوں اور ان کے مبلغین کی قربانیوں اور یورپ میں اسلامی اثر کے نفوذ کی مثالیں دیتے ہوئے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ دنیا میں چاروں طرف اسلام کی اشاعت کے لیے راستے کھول رہا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری جماعت قربانیوں کے میدان میں ہمیشہ آگے ہی آگے اپنا قدم بڑھاتی چلی جائے تاکہ ہر جگہ اسلام کو کامیابی کے ساتھ پھیلایا جاسکے بے شک دنیا ہماری مخالف ہے مگر کامیابی الٰہی سلسلہ کے لیے ہی مقدر ہوتی ہے۔ مخالفانہ تدبیریں سب خاک میں مل جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر دنیا میں غالب آکر رہتی ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ[2] کہ انسانوں نے بھی اسلام کو شکست دینے کی بڑی تدبیریں کیں اور ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے بھی اسلام کو فتح دینے کی تدبیریں کیں۔ لیکن وَاللہ خیر الماکرین۔ اللہ تعالیٰ کو بڑی تدبیریں کرنی آتی ہیں اور آخر اللہ تعالیٰ کی تدبیریں ہی جیتتی ہیں دیکھ لو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دشمن نے کتنی تدابیر کیں لیکن بالآخر اسلام فاتح ہوا .... تو جس خدا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نشان دکھائے تھے۔ وہ خدا ہمارے زمانے میں بھی موجود ہے وہ بڈھا نہیں ہوگیا۔ وہ ویسا ہی جوان اور طاقتور ہے جیسے پہلے تھا صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارے

---

[1] الفضل ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۸ [2] آل عمران: ۵۵

اندر ایمان ہو۔[1]

میجر جنرل محمد اکبر خاں کی تصانیف پر تبصرہ

حضرت مصلح موعودؓ نے پاکستان کے مشہور جنرل اور ممتاز مصنف محمد اکبر خاں[2] کی کتاب "حدیث دفاع" پر حسب ذیل تبصرہ سپرد قلم فرمایا:-

"یہ چند سطور میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب کی کتابوں پر اظہار رائے کے طور پر لکھی جاتی ہیں۔ میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب کرنل کمانڈینٹ رائل پاکستان آرمی سروس کور پاکستان کی مخصوص شخصیتوں میں سے ہیں کیونکہ وہ صرف پاکستانی جرنیل ہی نہیں بلکہ علمی مذاق بھی رکھتے ہیں اور خصوصاً ایسا علمی مذاق جو اسلام کی ایسی تعلیمات کے متعلق تجسس رکھتا ہے۔ جو فوجی ٹیکٹس (TACTICS) کے متعلق ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے ان کی کتاب "حدیث دفاع" میرے دیکھنے میں آئی اس کے بعد کرنل الٰہی بخش صاحب جو لاہور کے مشہور فزیشن (PHYSICIAN) ہیں ان سے طبی مشورہ لینے کے لیے میں گیا تو انہوں نے بتایا کہ آپ صرف ایک کتاب کا ذکر کرتے ہیں مگر وہ اس وقت کئی کتابیں لکھ چکے ہیں۔ جو اپنی ذات میں نہایت مفید ہیں تب مجھے جنرل صاحب موصوف کی دوسری کتابوں کا تجسس پیدا ہوا اور آج میں اُن کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں "حدیث دفاع" جو غالباً جرنیل صاحب کی پہلی کتاب ہے فوجی امور سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے معلومات کا ایک گراں قدر ذخیرہ ہے کیونکہ اس میں انہوں نے جنگ کے متعلق اسلامی احکام اور صحابہؓ کے اعمال کو روشن کیا ہے۔ مَیں اُمید کرتا ہوں کہ ہر مسلمان جس کو اسلام کی خوبیوں کو معلوم کرنے کا شوق ہوگا وہ اس کتاب کو پڑھ کر نہ صرف اسلام کے متعلق اپنی معلومات کو بڑھائے گا بلکہ اسلام کی عظمت کا پہلے سے بھی زیادہ قائل ہو جائے گا۔ مَیں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب تبلیغِ اسلام میں بھی کام آ سکتی ہے۔ اور اگر اس کتاب

---

[1] الفضل ۷ ، نومبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۴

[2] ولادت ۱۸۹۵ء وفات ۱۶ جنوری ۱۹۸۴ء۔ پاکستانی فوج کے پہلے میجر جنرل اور قائد اعظم کے فوجی مشیر تھے۔ انہوں نے اسلام، پیغمبر اسلام، عظیم مسلمان سپہ سالاروں اور حربی طریقوں پر کم و بیش چار درجن کتابیں لکھیں۔

کا انگریزی میں ترجمہ ہو جائے تو انگریزی جاننے والے ملکوں میں غیر مسلموں کو اسلام سے روشناس کرانے میں ایک نہایت اعلیٰ ذریعہ ثابت ہوگی۔

دوسری کتاب یا کم از کم وہ دوسری کتاب جو مجھے ملی ہے جنرل صاحب کی تصنیف "اسلحہ جنگ" ہے۔ یہ کتاب "حدیثِ دفاع" کی طرح براہ راست تو اسلام پر کوئی روشنی نہیں ڈالتی لیکن فوج کے ساتھ تعلق رکھنے والے زمانہ حال کے ہتھیاروں سے پبلک کو بہت عمدہ طور پر روشناس کراتی ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ پرانے زمانے میں جنگ کے جیتنے کے لیے جو آلات ایجاد ہوئے تھے موجودہ زمانہ میں ان کو ترقی دے کر ایک ایسی شکل مل گئی ہے کہ دونوں میں موازنہ کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ پہلے ایشیا جنگی ہتھیاروں میں ترقی کر رہا تھا مگر اب یورپ کی توجہ اس طرف ہو گئی ہے۔ بلکہ امریکہ بھی اس دوڑ میں آگے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے اس ضمن میں انہوں نے جرمنی کی ان کوششوں کا بھی ذکر کیا ہے جو پچھلی جنگ کے جیتنے کے لیے اس نے کی تھیں اور ایسی باتیں لکھی ہیں جن سے پاکستان کی حکومت فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ چونکہ جرنیل صاحب دوسری عالمگیر جنگ میں بھی شامل رہے ہیں اس لیے ان کو نئے ہتھیاروں کا بھی خاص علم ہے۔ جس سے فائدہ اٹھانا ان کی قوم اور ان کی حکومت کا فرض ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں نئے ہتھیاروں کے متعلق بڑی بحث کی ہے غالباً ایچ بم اور ایٹم بم کے متعلق وہ کچھ نہیں لکھ سکے اس لیے کہ یہ دونوں بم آج تک امریکہ کے فوجی محکمے کا راز رہے ہیں اور امریکہ نے آج تک حلیفوں کو بھی اس راز سے آگاہ نہیں کیا لیکن آہستہ آہستہ وہ راز پھیل رہا ہے اور اب شاید چند سال کی دیر لگے گی جس میں یہ راز عالمگیر سائنس بن جائے گا اور سب دنیا اس سائنس سے فائدہ اٹھانے لگ جائے گی۔ خدا کرے جس طرح ایٹمی ہتھیاروں سے امن کے زمانے میں فائدہ اٹھانے کے لیے جو انجمن بنائی گئی ہے اس میں عزیزم پروفیسر عبدالسلام کو جو پاکستان میں کام کرنے کا موقعہ ملا ہے اس طرح جنگی کاموں میں ایٹمی طاقت کے استعمال کرنے کے متعلق جو انجمنیں بنائی جائیں ان میں مزید پاکستانی سائنسدانوں کو کام کرنے کا موقع دیا جائے اور پاکستان بھی ایسا ہی مضبوط ہو جائے جیسا کہ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں۔

میں ان مختصر الفاظ پر اپنے ریویو کو ختم کرتا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ ہمارے اہلِ ملک کو علمی امور سے تغافل کرنا چھوڑ دینا چاہیئے۔ بلکہ ان علوم سے واقفیت پیدا کرنے کے لیے ہر چھوٹے بڑے

کو اپنے مطالعہ کو وسیع کرنا چاہیے جس میں میجر جنرل محمد اکبر خاں کی کتابیں "حدیث دفاع" اور "اسلحہ جنگ" بہت ممد ثابت ہوں گی۔[1]

دستخط مرزا محمود احمد"

ایک جعلی خط اور عدالتی فیصلہ

اخبار "پاک کشمیر" راولپنڈی نے اپنی ایک اشاعت میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے نام سے ایک جعلی خط شائع کیا یہ اُس جھوٹے اور بے بنیاد پراپیگنڈہ کی ایک کڑی تھا جو اُن دنوں مخالف پریس جماعت احمدیہ کے خلاف کر رہا تھا اس وضعی خط کی اشاعت پر اخبار تسنیم (لاہور) نوائے پاکستان (لاہور) اور کوہستان (لاہور، راولپنڈی) نے بہت زہر اُگلا۔ اس جھوٹے پراپیگنڈہ کے نتائج چونکہ سلسلہ احمدیہ کے لیے سخت نقصان دہ ہوسکتے تھے اس لیے عدالت کی طرف رجوع کیا گیا اور حضرت صاحبزادہ صاحب نے اخبار مذکور کے ایڈیٹر اور پرنٹر و پبلشر کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کر دیا جس پر ایڈمنسٹریٹو سول جج صاحب جھنگ نے مقدمہ کا فیصلہ حضرت صاحبزادہ صاحب کے حق میں دیا اور اخبار "پاک کشمیر" (راولپنڈی) پر ۵۲۵۰ روپے کی ڈگری دی اور قرار دیا کہ مدعی اس رقم سے بھی زیادہ ہرجانہ طلب کر سکتا تھا اس منصفانہ فیصلہ کے انگریزی متن کے چند اقتباسات کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

" مرزا ناصر احمد ایم۔اے آکسن، پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ۔ مدعی

بنام مسٹر محمد فیاض عباسی ایڈیٹر و پرنٹر و پبلشر اخبار پاک کشمیر راولپنڈی و مسٹر عنایت اللہ مدعا علیہم ولد محبوب عالم پروپرائٹر کوہستان پریس راولپنڈی۔

دعویٰ وصولی ۵۲۵۰/- روپیہ بابت ہرجانہ ازالہ حیثیت عرفی۔

عرضی دعویٰ اور اخبار پاک کشمیر میں مطبوعہ خط اور اس کے متعلق اخبار مذکور کی مخالفانہ تنقید اور الزامات کا ذکر کرکے عدالت کی مندرجہ ذیل قراردادیں واضح اور روشن ہیں:۔

بیانات مذکور سے ظاہر ہے کہ مدعا علیہم نے مدعی کی تحقیر توہین اور تضحیک کی کوشش انتہائی طور

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۷ء ص ۳

پر کی ہے۔جس سے وہ سوسائٹی میں قابلِ نفرت سمجھا جائے۔پس انتہا درجہ کی ہتک عزت کی جانی ظاہر ہے"۔

"شہادت مدعی سے پورے طور پر ثابت ہے کہ جو خبر اخبار نے شائع کی وہ جھوٹ تھی اور کینہ اور بدنیتی پر مبنی تھی۔اور یہ خبر دوسرے اخبارات میں بھی درج کی گئی"۔

"جہاں تک ہرجانہ کی تعداد اور ذمہ داری کا سوال ہے قانون صاف ہے کہ تمام وہ اشخاص جو ایسی خبر کے چھاپنے میں ممد و معاون ہوں یا چھاپنے کی اجازت دیں وہ اس کی اشاعت کے پورے طور پر ذمہ دار ہوتے ہیں اور انہیں ایسی ڈیفنس دینے کا حق نہیں ہے کہ وہ مضمون کے ہتک آمیز ہونے سے بے خبر تھے یا یہ کہ ان کا رویہ معقول اور احتیاط آمیز تھا۔ہرجانہ کی تعداد کے متعلق مسٹر اوڈ گرز کی کتاب میں درج ہے۔کہ شریف آدمی کے لیے اس کی عزت اور شہرت جسمانی سلامتی اور آزادی سے کم قیمت نہیں رکھتی۔بلکہ بعض حالات میں یہ عزت اور شہرت زندگی سے بھی زیادہ قیمتی ہوتی ہے اس لیے ہرجانہ کی مقدار اس اصول کو مدنظر رکھ کر مقرر ہونی چاہیئے۔گو حالات ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو ہرجانہ کو کم کرنے والے یا زیادہ کرنے والے ہوں۔مقدمہ ہذا میں ہرجانہ کو کم کرنے والے حالات مفقود ہیں اور اس کو زیادہ کرنے والے حالات کثیر ہیں روئداد میں کوئی بات نہیں پائی جاتی جس سے ثابت ہو کہ مدعاعلیہم کے لیے کوئی وجہ جواز تھی یا ان کی بدنیتی نہیں تھی یا انہوں نے کوئی معذرت پیش کی۔یا یہ کہ مدعی کی طرف سے کسی قسم کا سبب پیدا کیا گیا۔بلکہ اس کے برعکس ظاہر ہے کہ مدعی کے متعلق بدزبانی اختیار کی گئی اور شدید قسم کے الزام لگائے گئے اور دیدہ و دانستہ بدنیتی سے اعلانیہ مدعی کی ہتک کی گئی۔شہادت سے ثابت ہے کہ مدعی ایک اعلیٰ رتبہ کا آدمی ہے اور ایک باحیثیت گھرانے کا فرد ہے ہتک عزت ایک اخبار کے ذریعہ کی گئی جس کی وسیع اشاعت ہوئی اور یہ اشاعت مستقل قسم کی ہے"۔

"لاءآف ٹارٹ مصنفہ رتن لال صفحہ ۱۴۹ پر حسب ذیل اصول بیان کیے گئے ہیں۔اخبارات پر وہی قاعدے حاوی ہیں جو دوسرے تنقید کرنے والوں پر عائد ہوتے ہیں۔اور گو اخبارات کو قدرے وسعتِ بیان حاصل ہے خاص حقوق حاصل نہیں خواہ ان کو کچھ آزادی بھی دی گئی ہو اخبارات کو کوئی حق نہیں کہ غیر موزوں ریمارک دیں یا کسی شخص کے چلن پر الزامات لگائیں یا اس کے پیشے پر کوئی الزام عائد کریں۔اخباری تنقید کا دائرہ اسی قدر وسیع ہے جیسا کہ کسی اور مضمون کا اس سے زیادہ نہیں۔گو اخبارات کا فرض ہے کہ وہ اپنے ناظرین کی دلچسپی کے لیے ہر قسم کی خبر شائع کریں۔لیکن اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر وہ چیز جو پبلک کی دلچسپی کا موجب

ہو وہ قانون کی زد سے باہر ہو۔ جو صحافی ہتک آمیز اور جھوٹی شکایات شائع کرتا ہے وہ قانون کی زد سے باہر نہیں بلکہ اس پر اس بات کی زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ غلط بیانیوں سے اجتناب کرے۔ اس کی وجہ صاف ہے۔ کہ اخبار کے مندرجات کی اشاعت ایک شخص کے اقوال کی اشاعت سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور چونکہ ایسی خبر چھپ جاتی ہے اس لیے ناواقف آدمی اکثر اس کی تردید نہیں کرتے"۔

"اگر ہتک آمیز مضمون کسی اخبار میں چھپے تو پروپرائٹر۔ ایڈیٹر۔ پرنٹر پبلشر سب پر یکجا یا علیحدہ علیحدہ دعویٰ ہو سکتا ہے اور مشترکہ اشاعت کی صورت میں ہر ایک مدعا علیہ تمام ہرجانہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ پروپرائٹر ہتک آمیز مضمون کا ذمہ دار ہوتا ہے جو اخبار میں چھپے خواہ یہ اشاعت اس کی غیر حاضری اور بے خبری میں ہوئی ہو یا اس کے منشاء کے خلاف ہوئی ہو۔ اس مقدمہ میں ہتک آمیز مضمون کی نوعیت اور وسعت اشاعت کے پیش نظر اور نیز فریقین کی حیثیت مقدمہ کے ماحول کو دیکھتے ہوئے میں قرار دیتا ہوں کہ مبلغ ۔/۲۵۰ روپے منصفانہ طریق بلکہ نرم طریق پر مدعی کا حق ہے۔ مندرجہ بالا قراردادوں کی روشنی میں دعویٰ مدعی کی ڈگری معہ خرچہ دی جاتی ہے"۔ ۵۷/۱۱/ ۲۸[1]

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کا سفر سیالکوٹ

۱۴، ۱۵، نومبر ۱۹۵۷ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب سیالکوٹ تشریف لے گئے جسے حضرت مسیح موعودؑ نے اپنا دوسرا وطن قرار دیا ہے۔ اس مختصر مگر نہایت بابرکت سفر میں اپنوں اور بیگانوں نے ہر جگہ آپ کا پُر جوش اور شاندار استقبال کیا۔ آپ نے ڈسکہ، سیالکوٹ گھٹیالیاں اور داتہ زید کا میں بہت مؤثر تقاریر فرمائیں جس سے اس علاقہ میں بیداری کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔

اخبار "الفضل" کے خصوصی نامہ نگار کے قلم سے اس یادگار سفر کے حالات درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

ایک عرصہ سے جماعتہائے احمدیہ سیالکوٹ کی یہ دلی خواہش تھی۔ کہ محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔اے (آکسن) ان کے ہاں تشریف لائیں۔ لیکن محترم صاحبزادہ صاحب اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے ان کی دعوت کو منظور نہ فرما سکے۔ آخر مجلس انصار اللہ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر سیالکوٹ کے

---

[1] الفضل ۸ راپریل ۱۹۵۸ء صہ ۳

نمائندگان نے اپنے امیر ضلع مکرم بابو قاسم الدین صاحب کی سرکردگی میں محترم صاحبزادہ صاحب سے مل کر اپنی درخواست کو دوہرایا جسے آپ نے منظور فرماتے ہوئے ۱۴ اور ۱۵ نومبر ۱۹۵۷ء کی تاریخیں مقرر فرمائیں۔

محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ۱۴ رنومبر کو صبح پونے چھ بجے بذریعہ کار سیالکوٹ کے لیے روانہ ہوئے آپ کے ساتھ حضرت مولوی محمد الدین صاحب ناظر تعلیم۔ مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب قائد مال انصار اللہ مرکزیہ اور مکرم چوہدری فضل احمد صاحب نائب ناظر تعلیم بھی تھے۔ آپ کا یہ قافلہ سوا نو بجے ڈسکہ پہنچا۔ جہاں شہر سے باہر خواجہ محمد امین صاحب کے ساتھ جماعت نے آپ کا شاندار طریق پر استقبال کیا۔ ڈسکہ کی ساری جماعت کے علاوہ علاقہ کی جماعتوں کے نمائندگان بھی موجود تھے۔ سیالکوٹ شہر سے امیر ضلع مکرم بابو قاسم الدین صاحب بھی ایک جماعت کے ساتھ پہنچے ہوئے تھے۔ محترم صاحبزادہ صاحب نے سب احباب کو معانقہ کا شرف عطا فرمایا۔ اور پھر اس جگہ تشریف لے گئے۔ جہاں ناشتہ کا انتظام تھا۔ یہاں شہر کے غیر احمدی اور غیر مسلم معززین بھی موجود تھے جنہوں نے صاحبزادہ صاحب کا خیر مقدم کیا۔ دوستوں کی خواہش پر صاحبزادہ صاحب نے مجمع کو خطاب فرمایا اور اس امر پر زور دیا۔ کہ اگر ہمارے ملک میں دیانت اور صداقت پیدا ہو جائے تو ہم بہت ترقی کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں آپ نے غیر ملکوں کی مثالیں دے کر بتایا ہے۔ کہ وہ لوگ باوجود اس کے کہ دین کے ساتھ ان کا کوئی واسطہ نہیں۔ اپنے کاموں میں کس طرح دیانت داری سے کام لیتے ہیں اور ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ آپ کی اس تقریر کو سب نے ہی بہت سراہا۔ جس کے بعد ایک غیر احمدی دوست نے فارسی زبان میں اپنے چند اشعار جو انہوں نے رات ہی محترم صاحبزادہ صاحب کی آمد کا علم ہونے پر ان کی شان میں کہے تھے۔ سنائے۔

اس تقریب کے ختم ہونے پر آپ ساری جماعت کے ساتھ پیدل ہی بیت احمدیہ میں تشریف لے گئے۔ جو حال ہی میں تعمیر ہوئی ہے اور جس کی تکمیل ہو رہی ہے۔ اس بیت کی تعمیر کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ اس کا سارا خرچ محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے دیا ہے۔ یہاں محترم صاحبزادہ صاحب نے لمبی دعا فرمائی۔ میاں ابراہیم صاحب عابد اور میاں نذیر احمد صاحب اور خواجہ محمد امین صاحب امیر حلقہ اور دوسرے احباب نے تمام انتظامات بہت عمدگی سے کیے۔

ڈسکہ سے روانہ ہو کر محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اپنے قافلہ کے ہمراہ ساڑھے بارہ بجے کے قریب سیالکوٹ پہنچے جہاں دوپہر کے کھانے کا انتظام خواجہ عبدالرحمٰن صاحب ٹھیکیدار نے

نے کیا ہوا تھا۔ اس تقریب میں شہر کے بعض معززہ وکلاء ایم۔ ایل۔ اے اور دیگر معززین بھی شریک ہوئے کھانے کے بعد قریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک مختلف مضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ شام کا ناشتہ کرم سید امجد علی شاہ صاحب نے پیش کیا۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں جامعہ بیت احمدیہ میں ہوئیں جو حضرت مولوی محمد الدین صاحب نے پڑھائیں۔

انصاراللہ سے خطاب

نماز عشاء کے بعد مجلس انصار اللہ کا اجلاس زیر صدارت مقامی زعیم اعلیٰ سید امجد علی شاہ صاحب منعقد ہوا۔ جس میں سیالکوٹ کے انصار اللہ کے علاوہ خدام اور اطفال بھی شریک ہوئے محترم صاحبزادہ صاحب نے جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے ایک ایمان پرور تقریر فرمائی اور آخر میں دعا فرمائی۔ دعا کے وقت جو سوز وگداز کا نظارہ تھا۔ وہ تحریر میں نہیں آسکتا۔

اس موقع پر کسی چندہ وغیرہ کی تحریک نہ کی گئی تھی۔ تاہم ضلع کے امیر مکرم بابو قاسم الدین صاحب نے اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے بعض انصار اللہ کو تعمیر فنڈ میں حصہ لینے کیلئے کہا جس پر مندرجہ ذیل پیشکش انصار اللہ نے اپنے نائب صدر محترم کے سامنے کی پیش کی۔

۱۔ مجلس شہر سیالکوٹ :	۱۵۰۰
۲۔ " ڈسکہ :	۲۰۰
۳۔ مجالس امارت پوہلا مہاراں :	۶۰۰
۴۔ " داتہ زید کا :	۷۰۰
کل :	۳۰۰۰

جلسہ کے اختتام پر دوستوں کی خواہش پر صاحبزادہ صاحب نے تمام دوستوں کو مصافحہ کا شرف عطا فرمایا۔

رات کے کھانے پر مکرم چوہدری نذیر احمد صاحب ایڈووکیٹ جنرل سیکرٹری انجمن احمدیہ نے رجن کے مکان پر صاحبزادہ صاحب اور ان کے ساتھی فروکش تھے) مقامی کالجوں کے پرنسپل اور بعض پروفیسر اور وکلاء ز دیگر معززین شہر کو بھی مدعو کیا ہوا تھا۔ کھانے کے بعد سب سے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ اور یہ سلسلہ رات گیارہ بجے تک جاری رہا۔ فجر کی نماز کے بعد محترم صاحبزادہ صاحب نے بابو فضل الدین صاحب کے مکان پر ناشتہ کیا جس کے بعد آپ حلقہ امارت پوہلا مہاراں اور داتہ زید کا کے دورہ

کے لیے روانہ ہوئے۔

پوہلا مہاراں میں آمد

جس وقت محترم صاحبزادہ صاحب پوہلا مہاراں سے ڈیڑھ میل دور رہ گئے۔ تو سب سے پہلے نہر کی پٹڑی پر دونو اماروں کے نمائندگان نے آپ کا استقبال کیا یہ سب لوگ گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور موٹر کے ساتھ ساتھ گاؤں تک گئے گاؤں سے باہر اس امارت کے تمام دوست اپنے امیر چوہدری غلام محمد صاحب جو حضرت مسیح موعودؑ کے رفیقوں میں سے ہیں۔ کی سرکردگی میں استقبال کے لیے جمع تھے۔ جنہوں نے نہایت پُرجوش نعروں سے آپ کا استقبال کیا۔ کچھ عرصہ چوہدری غلام محمد صاحب کے ہاں ٹھہرنے کے بعد دوپہر کا کھانا حاجی اللہ بخش صاحب کے ہاں منگوئے میں تناول فرمایا اور وہاں سے گھٹیالیاں تشریف لے گئے۔ ہائی سکول کے وسیع میدان میں نمازِ جمعہ کا انتظام تھا۔ مستورات کے لیے پردہ کا اور آواز پہنچانے کے لیے لاؤڈ سپیکر کا تسلی بخش انتظام تھا یہاں کئی ہزار کا مجمع تھا۔ جس میں غیر احمدی شرفاء بھی تھے۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول گھٹیالیاں کا تمام عملہ اور طلباء اپنے ہیڈ ماسٹر چوہدری غلام حیدر صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی کی سرکردگی میں استقبال کے لیے موجود تھے۔ جنہوں نے پُرجوش نعرے لگائے اور خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ اس کے بعد سب مجمع استقبال میں شریک ہوا۔

نماز جمعہ محترم صاحبزادہ صاحب نے پڑھائی۔ اور ایک لطیف خطبہ ارشاد فرمایا نماز عصر کے بعد سکول کے مینجر کرم بابو قاسم الدین صاحب نے آپ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ جس کا جواب صاحبزادہ صاحب نے دیا۔ اور کارکنان سکول کو زریں ہدایات سے نوازا اور سکول کو ہر لحاظ سے ترقی کی اعلیٰ منازل پر پہنچانے کی تلقین کی صاحبزادہ صاحب کی تقریر سے متاثر ہو کر بہت سے دوستوں نے سکول کی امداد کے وعدے کیے۔

ان تقریبات کے بعد محترم صاحبزادہ صاحب داتہ زید کا تشریف لے گئے۔ گاؤں سے آدھ میل باہر اس امارت کے احباب اپنے امیر چوہدری بشیر احمد صاحب کی سرکردگی میں اھلاً وَّسَھلاً وَّمَرحبًا۔ کہنے کے لیے بیتاب تھے۔ صاحبزادہ صاحب کے موٹر سے اترتے ہی تمام فضاء نعروں سے گونج اٹھی۔ سارا مجمع آپ کی معیت میں نعرے لگاتا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظمیں پڑھتا پیدل ایک جلوس کی صورت میں گاؤں میں آیا۔ چوہدری بشیر احمد صاحب امیر جماعت نے عصرانہ پیش

کیا جس کے بعد ربوہ کے لیے واپسی ہوئی۔ تمام جماعت دور تک چھوڑنے کے لیے آئی۔

اس دو دن کے مختصر دورہ میں احباب جماعت نے جس اخلاص، محبت اور عقیدت کا اظہار کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ہر جگہ دوستوں نے نہایت مسرت کا اظہار کیا اور بڑی بڑی دور سے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس پوتے کی ملاقات کے لیے آئے جس کا ذکر خدا تعالیٰ کی وحی[1] میں بھی ہے۔

محترم صاحبزادہ صاحب کے اس دورہ میں مکرم بابو قاسم الدین صاحب ہر وقت آپ کے ساتھ رہے۔ چوہدری نذیر احمد صاحب باجوہ، چوہدری اشفاق احمد صاحب، بابو فضل الدین صاحب، خواجہ عبدالرحمٰن صاحب اور مرزا محمد حیات صاحب بھی قریباً ہر وقت ساتھ رہے اور صاحبزادہ صاحب کی ضلع سیالکوٹ سے روانگی کے بعد واپس سیالکوٹ آئے اسی طرح چوہدری بشیر احمد صاحب دانہ زید کا، ڈاکٹر رحمت اللہ صاحب، میاں محمد امین صاحب اور چوہدری محمد عبداللہ صاحب نے بھی انتظامات میں بہت امداد کی جزاھم اللہ احسن الجزاء"[2]

ادارۃ المصنفین کا قیام

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے دارالھجرت ربوہ میں جہاں سلسلہ کے اردو لٹریچر کی اشاعت کے لیے الشرکۃ الاسلامیہ اور انگریزی لٹریچر کی اشاعت کے لیے اورینٹل کمپنی کا قیام فرمایا۔ وہاں قرآن مجید۔ اس کے ترجمہ اور تفسیر، حدیث، تاریخ احمدیت اور اسلامی لٹریچر کی وسیع اشاعت کے لیے ۲۸ ر نومبر ۱۹۵۷ء کو ادارۃ المصنفین کا قیام فرمایا۔ حضور نے پہلے سال کے لیے مندرجہ ذیل ممبران مقرر فرمائے۔

۱۔ قاضی محمد اسلم صاحب ایم اے پروفیسر آف فلاسفی کراچی یونیورسٹی (صدر)

۲ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم اے پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ

---

[1] "اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ نَافِلَةً لَّكَ (ترجمہ) ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو تیرا پوتا ہوگا" (حقیقۃ الوحی طبع اول ص۹۵ اشاعت ۱۵ رمئی ۱۹۰۷ء۔ بدر ۵ ار اپریل ۱۹۰۶ء ص۲ تذکرہ طبع چہارم ص۶۰۸ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ اشاعت ۱۹۷۷ء

[2] الفضل ۲۱ ر نومبر ۱۹۵۷ء ص۵۔۸

۳۔ شیخ بشیر احمد صاحب سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ لاہور

۴۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر تحریک جدید ربوہ

۵۔ مولوی جلال الدین صاحب شمس مینجنگ ڈائریکٹر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ

۶۔ مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری پروفیسر دینیات تعلیم الاسلام کالج ربوہ

۷۔ ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ ربوہ

۸۔ مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ (مینجنگ ڈائریکٹر)[1]

حضور نے پہلے سال کے لیے مکرم قاضی محمد اسلم ایم اے کو ادارہ کا صدر اور مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب کو مینجنگ ڈائریکٹر مقرر فرمایا۔

ادارہ کے بنیادی قواعد و ضوابط کے متعلق حضرت مصلح موعودؓ نے خود ہدایات ارشاد فرمائیں۔ جنہیں مکرم شیخ بشیر احمد صاحب نے انگریزی زبان میں مرتب کیا۔ قواعد و ضوابط تیار ہونے کے بعد ۲ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ ۲۱×۱۸۶۰ کے تحت ادارہ لاہور میں رجسٹرار کے دفتر میں رجسٹرڈ ہوا۔

ادارہ کے دفتر کے لیے ایک کمرہ حضور نے خلافت لائبریری واقعہ قصر خلافت میں ادارہ کے قیام سے پہلے ہی تیار کروا دیا تھا۔ جس کی جگہ کی تعیین خود حضور نے موقعہ پر تشریف لا کر مکرم سید سردار حسین صاحب اوورسیر صدر انجمن احمدیہ کو کروائی۔ اور کمرہ تیار ہونے پر حضور نے دوبارہ اس کا معائنہ فرمایا۔

ادارۃ المصنفین کا پہلا بجٹ

یہ ادارہ چونکہ حضرت مصلح موعودؓ ہی کے ارشاد مبارک پر معرض وجود میں آیا تھا اس لیے اسے شروع ہی سے حضور کی سرپرستی اور رہنمائی کا شرف حاصل رہا ۱۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو حضور نے اس کا پہلا بجٹ منظور فرمایا جو دو ماہ کا تھا اور گیارہ ہزار اٹھائیس روپے تیرہ آنے پر مشتمل تھا[2]

---

[1] الفضل ۲۲ر دسمبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۵ :: [2] اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل دو یادداشتوں سے مزید تفصیلات کا پتہ چل سکے گا :: (بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱۵ پر)

پہلا اجلاس ادارۃ المصنفین کا پہلا اجلاس ۲۹ دسمبر ۱۹۵۷ء کو اس کے دفتر میں منعقد ہوا - اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشادات ریکارڈ کیے گئے - ادارہ المصنفین کے قیام سے پہلے تفسیر صغیر کا ایڈیشن اوّل تیار ہو چکا تھا - فیصلہ یہ ہوا کہ اس کی آمد کو بنیاد بنا کر آئندہ کتب کی اشاعت کا پروگرام بنایا جائے - چنانچہ مئی ۱۹۵۸ء کے اجلاس میں ادارہ کا بجٹ آمد /۲۹۳۵۰ روپے اور

(یہ تحریر حضور ۱۵/۱۲)

پہلی یادداشت :- ۱- مولوی نورالحق صاحب (مکرم ابوالمنیر نورالحق صاحب مینجنگ ڈائریکٹر مراد ہیں) کی تنخواہ ۱۴۰/۲۵ گرانی ۳۰ ۶۰۴/۸/۱۲ = ۲۰۳/۱۲ - مصدقہ حافظ عبدالسلام صاحب

۲۶/۴/۵۸

۲- مولوی نورالحق صاحب کی تنخواہ دستخطی مقرر اصل کاغذات ۲۳/۱۲/۵۷

۳- کلرک کی تنخواہ رکھنے کی منظوری ۵۰ * ۲۰ = /۷۰ ۱۲/۱۲/۵۷ مع دستخط حضور

۴- بجٹ ادارۃ المصنفین فرنیچر ۱۰۰ ڈاک سٹیشنری ۳ ماہ /۱۰۰ متفرق /۵۰ سائیکل /۲۵۰ - مددگار کارکن ۲۰+۳۰ = /۵۰ مع دستخط حضور ۱۱/۱/۵۸

۵- منظوری برائے طباعت تاریخ احمدیت ج - ب منظوری تقرر آڈیٹر الاؤنس /۱۵ بلا تاریخ

۶- تبویب کا بجٹ مع چھ معاونین عملہ /۹۵۸۷/۱۳ - الاؤنس /۱۱۷۰ سائر خرچ /۶۰۰ خرچ پہاڑ چار ماہ /۱۳۰۰ (دستخط حضور) منظور ہے ۱۵/۱۲/۱۹۵۷

کل /۱۱۰۲۸/۱۳

ثاقب صاحب (مولوی محمد احمد صاحب ثاقب پروفیسر جامعہ احمدیہ ناقل) کا معاوضہ /۲۹۰ برائے دو ماہ -

دوسری یادداشت :- مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری معرفت مکرم پرائیویٹ سیکرٹری صاحب حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ نے یہ فیصلہ فرما دیا ہے (آپ کی رپورٹ پر) کہ چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر کو بھی شامل کر کے ادارۃ المصنفین کے حسابات اور بجٹ کو تیار کیا جائے نیز فرمایا ہے کہ فی الحال جس بجٹ پر میرے دستخط ہیں دو ماہ کے لیے منظور کرتا ہوں اتنے میں آپ چیک کر لیں - یہ عارضی منظوری ہوگی - (بقیہ ص ۵۱۶ پر)

خرچ -/۲۳۹۵۸ روپے تجویز ہوا۔

ادارہ کے قانون کے مطابق ہر سال ممبران کی منظوری حضرت خلیفۃ المسیح سے لی جانی ضروری تھی۔ چنانچہ مختلف اوقات میں منظوری کے وقت ادارہ کے ممبران میں تبدیلی ہوتی رہی تاہم مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب ۱۹۵۷ء سے لے کر ۱۹۸۴ء کے آغاز تک مینجنگ ڈائریکٹر کے عہدہ پر فائز رہے اور آپ کی خدمات مسلسل ربع صدی تک ادارہ کے لیے وقف رہیں۔ اور اس عرصہ میں آپ کی نگرانی میں نہایت قیمتی لٹریچر تیار ہو کر شائع ہوا۔ جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے۔ ۱۹۸۴ء کے اوائل میں مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے تفسیر کے کام کے لیے مخصوص فرما دیا۔ اور آپ کی جگہ پر مکرم چوہدری رشید الدین صاحب سابق مبلغ لائبیریا کو ادارہ کا مینجنگ ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ محترم قاضی محمد اسلم صاحب کے بعد بالترتیب مندرجہ ذیل اصحاب نے ادارہ کی صدارت کے فرائض سرانجام دیئے۔

۱۔ مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور (۱۹۷۳ء)

۲۔ مکرم میاں عبدالسمیع صاحب نون ایڈووکیٹ سرگودہا[1] (۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۸ء)

۳۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب (۱۹۷۸ء تا ۱۹۸۲ء)

۴۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب (۱۹۸۲ء)

۱۹۸۳ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے مکرم ملک سیف الرحمن صاحب کو صدر مقرر فرمایا۔ ۱۹۸۴ء میں جبکہ آپ بیرون پاکستان تھے۔ آپ کے قائمقام کی حیثیت سے محترم عبدالحی صاحب ناظر اشاعت نے ادارہ کا چارج سنبھالا۔ بعد ازاں یہ ادارہ نظارت اشاعت میں مدغم کر دیا گیا

[1] آپ ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۵ء تک ادارہ کے نائب صدر رہے

نیز فرمایا کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شخص جو اس عہدہ پر ہے وہ مستقل مقرر ہو جائے۔

نیز فرمایا اس دو ماہ میں مولوی نورالحق صاحب کے دستخطوں سے بل آڈیٹر صاحب منظور کریں (دستخط مرزا محمود احمد) لہٰذا اب حضور کے اس ارشاد کی وجہ سے ماہ اپریل ۱۹۵۸ء کا بل جو قابل دستخط ہے اور جو اصل کاغذات مولوی نورالحق صاحب نے منظوری کے لیے حضور کو دیئے تھے وہ بھی واپس ارسال ہیں ان کو بجٹ پیش کرتے وقت پھر ساتھ ہی واپس کر دیں فی الحال ارسال ہیں تاکہ ادائیگی رقوم میں دقت نہ ہو۔

خاکسار عبدالرحمن انور" ۱۹۵۸/۴/۳۰ء

ادارہ کے مذکورہ بالا ممبران کے علاوہ جو حضرات خلافت ثالثہ کے عہد مبارک میں مختلف اوقات میں ادارہ کے ممبر رہے ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب ایم اے (۱۹۶۷ء)

۲۔ صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب ایم اے (۱۹۶۷ء)

۳۔ چوہدری محمد علی صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ (۱۹۷۱ء - ۷۲)

۴۔ مولوی غلام باری صاحب سیف پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ (۱۹۷۶ء - ۷۷)

۵۔ سید محمود احمد صاحب ناصر " " " (۱۹۷۷ء - ۷۸)

۶۔ ملک مبارک احمد صاحب " " " (۱۹۷۹ء - ۸۰)

۷۔ مولوی نذیر احمد صاحب مبشر ناظم دارالقضاء ربوہ (۱۹۷۹ء - ۸۰)

خلافت رابعہ کے آغاز میں صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب (نائب صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ) و مکرم سید عبدالحی صاحب (ناظر اشاعت) اور ۱۹۸۳ء میں مکرم مولوی نور محمد صاحب نسیم سیفی (وکیل التصنیف) انجمن احمدیہ تحریک جدید ممبر نامزد ہوئے۔

۸۵ - ۱۹۸۴ء کے ممبران ادارہ کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ ربوہ - صدر

۲۔ میاں عبدالسمیع صاحب نون ایڈووکیٹ سرگودھا

۳۔ نور محمد صاحب نسیم سیفی وکیل التصنیف تحریک جدید ربوہ

۴۔ سید عبدالحی صاحب ناظر اشاعت ربوہ

۵۔ صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب نائب صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ

۶۔ مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب ربوہ

۷۔ چوہدری رشید الدین صاحب مینجنگ ڈائریکٹر ربوہ

ادارۃ المصنفین کا شائع کردہ لٹریچر

ادارۃ المصنفین کی طرف سے ۱۹۸۰ء تک حسب ذیل لٹریچر شائع ہوا۔

۱۔ تفسیر صغیر۔ لیتھو ایڈیشن دسمبر ۱۹۵۷ء پانچ ہزار۔ عکسی ایڈیشن ۲۵ مارچ ۱۹۶۶ء واقفت

۱۹۷۷ء انیس ہزار - کل چوبیس ہزار

۲- **تبویب مسند احمد بن حنبل جلد اوّل** - مسند احمد میں ہر صحابی کی مسند الگ الگ ہے جس کی وجہ سے اس کی احادیث سے بآسانی استفادہ نہیں کیا جا سکتا تھا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ارشاد فرمایا۔ کہ مسند احمد کی احادیث کو باب وار کر دیا جائے۔ تاکہ استفادہ میں آسانی پیدا ہو جائے - چنانچہ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی زیر ہدایت سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ممتاز علماء نے نو ماہ تک مسلسل کام کر کے مسند کی جملہ احادیث کو باب وار جمع کیا۔ ان میں سے صرف ایک جلد شائع ہو سکی - باقی مسودہ دفتر ادارۃ المصنفین میں محفوظ ہے - اندازاً اس کی انیس جلدیں ہوں گی -

۳- **ہدایۃ المقتصد** اردو ترجمہ ہدایۃ المجتہد مصنفہ علامہ ابن رشد (مترجم مولوی محمد احمد صاحب ثاقبؔ) صرف ایک جلد ۱۵ اپریل ۱۹۵۸ء کو شائع ہوئی - جو نکاح - طلاق اور خُلع کے مسائل پر مشتمل ہے - اس کتاب کو اونچے علمی طبقہ میں بہت پسند کیا گیا -

چنانچہ محترم ایس اے رحمٰن صاحب جج سپریم کورٹ پاکستان نے اس کے مطالعہ کے بعد تحریر فرمایا:-

مَیں نے علامہ ابن رشد کی کتاب ہدایۃ المجتہد کا اردو ترجمہ ہدایۃ المقتصد دیکھا ہے - اصل کتاب میرے پاس نہیں - اس لیے ترجمہ کے متعلق رائے نہیں قائم کر سکتا کہ کس حد تک اصل سے ہم آہنگ ہے لیکن نفسِ مضمون اور اسباب وصل کی بحث کے لحاظ سے یہ کتاب بے حد مفید ہے - اور فقہی ادب میں گراں قدر اضافہ ہے -

۴- **۱۹۵۳ء کے فسادات کا پس منظر** - یہ کتابچہ مکرم مہاشہ فضل حسین صاحب نے مرتب فرمایا تھا - جو ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا -

۵- تاریخ احمدیت جلد ۱ تا جلد ۱۸ (مؤلفہ دوست محمد شاہد)

۶- **المبشرات** - (مؤلفہ دوست محمد شاہد) سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے پورے ہونے والے رؤیا و کشوف اور الہامات کا مجموعہ ادارہ نے اسے ابتداءً ایک ہزار کی تعداد میں شائع کیا - اور پھر اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع کیا -

۷- **شرح مسند بخاری جلد ۳ تا ۱۵** - ۱۹۲۶ء میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے بخاری شریف کی شرح کا اہم کام حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ بہت سے

ضروری کام ہیں۔ جو کرنے کے ہیں۔ مگر ان کی طرف توجہ نہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کے ترجمہ اور اس کی شرح کا کام بھی نہایت ضروری اور اہم ہے، اگر ہم نے نہ کیا۔ تو ان لوگوں سے کیا توقع ہوسکتی ہے۔ جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں رہنے کا موقعہ نہیں ملا۔ اور جو آپ کے فیضان سے براہِ راست مستفیض نہیں ہوئے۔ غیروں کے تراجم اور حواشی رہ جائیں گے اور جو اناپ شناپ لکھا ہوا ہوگا۔ اس پر دارو مدار ہوگا۔ اور پھر بعد از وقت اعتراضوں کو دیکھ کر ادھر اُدھر کے جواب کی سوجھے گی۔

حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کے سپرد سلسلہ کے بہت سے اہم کام تھے۔ تاہم آپ نے دیگر کاموں کی سرانجام دہی کے ساتھ ساتھ ۱۹۶۲ء تک مسند بخاری کے انیس پاروں کی شرح و ترجمہ مکمل کر لیا اس سال آپ بیمار ہوئے اور آپ اس قابل نہ رہے۔ کہ مزید کام کر سکیں۔ چنانچہ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں پیغام بھجوایا کہ وہ حضور کی ہدایت کے مطابق بخاری کی شرح کا کام کرتے رہے ہیں۔ اب تک جو کام ہو چکا ہے۔ اس کو حضور کسی کے سپرد فرمائیں۔ تاکہ اس پر نظر ثانی ہو کر اور حوالہ جات کی تصحیح ہو کر شائع ہو سکے۔ اور باقی کام بھی مکمل کیا جا سکے۔ چنانچہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ابوالمنیر مولوی نورالحق صاحب مینیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین کو قصرِ خلافت میں یاد فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا شرح بخاری کا کہ جس قدر مسودہ تیار ہو چکا ہے اس کو محفوظ کر لیا جائے۔ اور اس کے طبع کرنے کا انتظام کیا جائے۔ اور شرح بخاری کا کام مکمل کیا جائے۔ چنانچہ مولانا ابوالمنیر صاحب نے نہایت محنت سے بخاری کی شرح کو پندرہ اجزاء تک طبع کروا دیا۔

حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ کے تیار کردہ مضمون سے چار جزء طبع ہونے باقی ہیں اور دفتر ادارۃ المصنفین میں محفوظ ہیں۔ خدا کرے کہ وہ جلد شائع ہو کر احباب کے علم میں اب صرف اضافہ کا موجب ہوں۔

۸۔ تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ۱۹۶۹ء میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی قرآن مجید کی بیان فرمودہ تفسیر کو جمع کرنے کا ارشاد مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب کو فرمایا۔ چنانچہ حضور کے اس ارشاد کی تعمیل میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے تفسیر قرآن مجید کو جمع کیا گیا۔ اس کے بعد اس بات کی پوری تسلی کر لی گئی کہ کوئی حوالہ رہ تو نہیں گیا۔ پھر اس کی اشاعت کا کام شروع ہوا۔ چونکہ کوشش یہ کی گئی تھی کہ

حضور علیہ السلام کی عربی کتابوں کے سارے حوالہ جات مکمل طور پر آجائیں اور اُن کا ترجمہ بھی حاشیہ میں درج کر دیا جائے تاکہ مکمل صورت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیان فرمودہ تفسیر سے احباب فائدہ اٹھاسکیں اس لیے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی کتب کے حوالہ جات کے اُردو ترجمہ کے لیے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر فرمادی۔

مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری، مولانا قاضی محمد نذیر صاحب، مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب مینجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین۔ اس کمیٹی نے بڑی محنت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی کتب میں بیان شدہ تفسیر آیات قرآنی کا اردو میں ترجمہ کیا جس کی تعریف حضرت خلیفۃ المسیح نے اس رنگ میں فرمائی کہ یہ ترجمہ ایسا ہے کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ عربی سے ترجمہ کیا گیا ہے بلکہ یوں لگتا ہے کہ اردو عبارت ہی ابتداء میں ایسی ہی لکھی گئی تھی۔ یہ پُر معارف تفسیر آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی۔

الحمد للہ جس مقصد کے پیش نظر ادارۃ المصنفین کا قیام عمل میں آیا تھا۔ وہ ربع صدی میں احسن طور پر پورا ہوا۔ ادارۃ المصنفین کے ذمہ سب سے اہم کام تاریخ احمدیت کی تدوین اور اشاعت کا لگایا گیا تھا۔ خدا کے فضل و کرم سے نومبر ۱۹۹۱ء تک سترہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور بقیہ زیر کتابت یا زیر ترتیب ہیں۔

تیسرا باب

فصلِ اوّل

تفسیر صغیر کی تکمیل و اشاعت اور حیرت انگیز مقبولیت

۱۹۵۷ء کی عظیم الشان علمی و دینی برکات میں سرِفہرست تفسیر صغیر جیسی معرکہ آرا تفسیر کی تکمیل و اشاعت ہے۔ یہ تفسیر سیدنا و امامنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے زندہ جاوید کارناموں میں ایک خاص شان رکھتی ہے۔ جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گی اور اقوام عالم کے ذریعہ ہمیشہ ہی قرآن مجید کے علوم و حقائق اور اسرار و معارف کے ناپیداکنار سمندر سے فیضیاب ہوتے رہیں گے۔ اور جب ساری دنیا پر قرآنی حکومت کا پرچم لہرا رہا ہوگا تو "تفسیر کبیر" کی طرح "تفسیرِ صغیر" بھی عشاقِ قرآن کے لیے مشعل راہ کا کام دے گی اور کلام اللہ کے شرف اور مرتبہ کے شاندار ظہور کا موجب بنتی رہے گی۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کو اپنی عمر کے آخری دور میں سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ حضور کی زندگی میں آپ کے ذریعہ پورے قرآن مجید کا ایک معیاری اور بامحاورہ اردو ترجمہ مع مختصر مگر جامع نوٹوں کے شائع ہو جائے۔

سفر یورپ ۱۹۵۵ء سے واپسی کے بعد اگرچہ حضور کی طبیعت اکثر ناساز رہتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیفہ موعود کی روح القدس سے ایسی زبردست تائید فرمائی کہ آپ نے جون ۱۹۵۶ء میں مری کے پہاڑوں پر ترجمہ قرآن املاء کرانا شروع کیا جو خدا کے فضل سے ۲۵؍ اگست ۱۹۵۶ء کی عصر تک نخلہ میں مکمل ہو گیا[1]۔ چنانچہ ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب خصوصی معالج سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح جن کو حضور کی ہمراہی کا اعزاز

---

[1] الفضل ۱۱؍ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۶ جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے نخلہ وہ بستی ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے خوشاب سے ۲۵ میل آگے پہاڑی سلسلہ میں آباد کی تھی۔

حاصل رہا بیان فرماتے ہیں۔ "الحمد للہ کہ ۵ ؍اگست کو ترجمہ قرآن مجید ختم ہوگیا اسی روز جب ترجمہ ختم ہونے کے بعد نمازِ عصر کے لیے بیت الذکر میں حضور آئے تو حضور کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں تھے اور خوشی کے جذبہ کے ساتھ فرمایا ڈاکٹر صاحب! آج ترجمہ ختم ہوگیا ہے۔ اس پر خاکسار نے کہا الحمد للہ مبارک صد مبارک اللہ تعالیٰ حضور کی عمر میں برکت دے۔ اس وقت تمام اہلِ قافلہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اکثر نے کہا کہ آج مٹھائی تقسیم ہونی چاہیئے۔ جس پر چندہ جمع کیا گیا اور جب رقم جمع ہوئی جس میں حضور کے اہلِ بیت کا بھی حصہ تھا تو ایک بکرہ صدقہ ذبح کر دیا گیا"[1] تکمیل ترجمہ کا ابتدائی مرحلہ جو علالتِ طبع کے باوجود تین ماہ کی نہایت مختصر مدت میں طے ہوا آسمانی قوت و طاقت اور الٰہی نصرت کا واضح نشان تھا جس کی عظمت و اہمیت حضرت مصلح موعودؓ کے حسبِ ذیل دو نوٹوں سے بخوبی نمایاں ہوتی ہے جو حضور نے انہی دنوں اخبار الفضل کو ارسال فرمائے اور جن سے اس کٹھن اور صبر آزما علمی جہاد کی مشکلات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ فرمایا:۔

پہلا نوٹ

"برادران!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے مری میں آکر شروع میں میری طبیعت کچھ خراب رہی پھر طبیعت اچھی ہوگئی اور قرآن شریف کے ترجمہ اور نوٹوں کا کام شروع کر دیا قریباً ایک ماہ تک طبیعت اچھی رہی اور خدا کے فضل سے بہت سا کام ہوگیا اس کے بعد کوئی ڈیڑھ ہفتہ ہوا ایک دن شدید دورہ ہوا پھر اس کے بعد ایک دانت میں درد شروع ہوگئی جو نکلوانا پڑا دورہ کے بعد پانچ سات دن ایسا ضعف رہا کہ قطعاً کسی قسم کا کام کرنے کے قابل نہیں رہا مگر جوں جوں دانت کی تکلیف کم ہوتی گئی اور زخم مندمل ہوتا گیا طبیعت پھر سکون پر آگئی چنانچہ پانچ چھ دن کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے پھر بڑے زور سے کام ہونے لگا۔

آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے سورۃ اعراف کا ترجمہ ختم ہوگیا ہے سورۃ فاتحہ سے سورۃ انعام تک کا ترجمہ پہلے سے ہوا ہوا تھا[2] اب یہاں سورۃ انعام کے کچھ حصہ کا اور سورۃ مائدہ کے کچھ حصہ کا اور سورۃ

---

[1] الفضل ۱۱ ؍ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۷ ؛ [2] حضور نے ترجمہ کا یہ حصہ ۱۹۳۸ء میں کیا تھا (الفضل ۱۳ ؍مئی ۱۹۵۷ء صفحہ ۴)

اعراف کا ترجمہ ہوا ہے سورۃ انفال اور سورۃ توبہ باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا اور صحت رہی تو ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ میں وہ بھی ہو جائے گا۔ سورۃ یونس سے سورۃ کہف تک کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ پس سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کا ترجمہ ہونے کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے بائیس سپاروں کا مکمل ترجمہ ہو جائے گا۔ آخری پارہ کا بھی ترجمہ ہو چکا ہے اس کو ملا کر تیئس پاروں کا ترجمہ ہو جائے گا۔ سات پاروں کا اور ترجمہ ہونے سے خدا تعالیٰ کے فضل سے پورے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ ہو جائے گا بیچ میں انشاء اللہ تفسیر کے ٹکڑے رہ گئے ہیں ان کو بھی مکمل کرنے کا ارادہ ہے۔

گو بیماری میں بہت سا افاقہ نظر آتا ہے لیکن پھر بھی ٹہلتے وقت یہ معلوم ہوتا ہے گویا کوئی شخص کمر پر ہاتھ رکھ کر مجھے آگے کی طرف دھکا دے رہا ہے اسی طرح ذراسی بات کرنے پر یا سوچنے پر دماغ بالکل تھک جاتا ہے اور بعض دفعہ تو کام کے بالکل ناقابل ہو جاتا ہوں۔

پس دوست دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ سارے کام کے پورا کرنے کی توفیق دے اور پھر اس میں برکت ڈالے تاکہ دنیا بھر کے لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچ کر لانے میں ممد ہو اور قرآن کے نور کو دنیا میں پھیلا دے باقی زبانوں کے ترجمہ میں کئی جگہ اُردو کا ترجمہ انگریزی کے ترجمہ سے زیادہ مفید ہوگا کیونکہ بعض ترجمہ کرنے والے اُردو بھی جانتے ہیں اور یہ ترجمہ خدا تعالیٰ کے فضل سے زیادہ علمی اور واضح ہے اور اسی طرح کیا گیا ہے کہ تفسیر کی ضرورت بہت کم رہ جاتی ہے چھوٹے چھوٹے نوٹوں سے مشکل جگہوں کو حل کر دیا گیا ہے اور اکثر جگہ پر ترجمہ ہی ترتیب قرآن پر دلالت کر دیتا ہے۔

ہاں ایک بات رہ گئی کہ سورۃ عمّ کی تفسیر کی آخری جلد بھی یہیں ختم کی گئی ہے اور اب وہ ربوہ میں چھپ رہی ہے گویا مری میں خدا تعالیٰ کے فضل سے دو کام ہو گئے ایک سورہ عمّ کی تفسیر کی آخری جلد ختم ہو گئی اور ایک قرآن شریف کے چار پانچ پاروں کا ترجمہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو صرف اس کی مدد سے یہ کام مکمل ہو سکتا ہے ورنہ بیماری اور کمزوری کی حالت میں تو اس کام کا پورا کرنا ناممکن نظر آتا ہے۔

خاکسار۔ مرزا محمود احمد[1]

دوسرا نوٹ:۔ "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج ہم اٹھائیسویں پارے کے آخر میں ہیں (چنانچہ ۲۵ راگست کی

---

[1] الفضل ۲۴ر جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۱

شام تک خدا تعالیٰ کے فضل سے قرآن کا سارا ترجمہ ختم ہوگیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض نوٹوں اور بعض حوالوں کے لیے ابھی اور بھی کچھ وقت لگے گا مگر تین چار مہینے کے اندر اندر سارے قرآن شریف کا ترجمہ ہونا الٰہی مدد کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ مجھے یاد ہے جب ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام دہلی گئے تو خواجہ کمال الدین صاحب اور شیخ یعقوب علی صاحب ڈپٹی نذیر احمد صاحبؒ مترجم قرآن کو بھی ملنے گئے انہوں نے آکر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو سُنایا کہ ڈپٹی صاحب نے اپنے اِردگرد کاغذوں کا ایک بڑا ڈھیر لگا رکھا تھا ایک مولوی بھی انہوں نے ملازم رکھا ہوا تھا اور خود بھی انہیں عربی زبان سے کچھ واقفیت تھی پھر وہ کہنے لگے مَیں نے بڑی کتابیں لکھی ہیں۔ مگر ساری کتابیں ملا کر بھی مجھے اتنی مشکل پیش نہیں آئی جتنی مشکل مجھے قرآن کریم کے ترجمہ میں پیش آئی ہے۔ چنانچہ دیکھئے مَیں نے ردّی کاغذوں کا ڈھیر لگا رکھا ہے لکھتا ہوں اور پھاڑتا ہوں اور لکھتا ہوں اور پھاڑتا ہوں۔ چنانچہ سات سال انہیں اس ترجمہ کے مکمل کرنے میں لگے مگر مَیں نے یہ ترجمہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت تھوڑے عرصہ میں کر لیا پہلے آٹھ پاروں یعنی سورۃ انعام کے آخر تک کا ترجمہ پہلے ہوچکا تھا اور سورۃ یونس سے کہف تک کا ترجمہ ۳۹ ـ ۱۹۴۰ء میں ہوا اور آخری پارے کا ترجمہ پچھلے آٹھ دس سالوں میں ہوتا رہا پہلے آٹھ سپاروں میں سے سورۃ مائدہ کی چند آیتیں رہتی تھیں اسی طرح سورۃ اعراف، انفال اور سورۃ توبہ کا ترجمہ اور آخری چودہ پارے باقی تھے گویا قریباً سترہ پاروں کا ترجمہ ابھی رہتا تھا۔ ہم ۲۳ اپریل ۱۹۵۶ء کو ربوہ سے مری گئے تھے پہلے آخری پارہ کی چند سورتیں باقی تھیں ان کی ہم تفسیر کرتے رہے اس کے بعد ترجمہ کا کام جون میں شروع ہوا اور اب اگست کا آخر ہے بیچ میں دس دن بخار بھی چڑھتا رہا اور قریباً دس دن مری سے جابہ اور پھر جابہ سے مری اور پھر مری سے ربوہ اور ربوہ سے مری آنے جانے میں لگے اور اس طرح دو مہینے اور کچھ دن رہ جاتے ہیں۔ جن میں سارے قرآن کریم کے ترجمے کا کام خدا تعالیٰ کے فضل سے ختم ہوگیا اس ترجمہ کے متعلق لوگوں کی رائے کا اُس وقت پتہ لگے گا جب یہ ترجمہ چھپے گا لیکن میری رائے یہ ہے کہ اس وقت تک قرآن کریم کے جتنے ترجمے ہوچکے ہیں۔ ان میں سے کسی ترجمہ میں بھی اُردو محاورے اور عربی محاورے کا اتنا خیال نہیں رکھا گیا جتنا اس میں رکھا گیا ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے اتنے تھوڑے عرصہ

ؒ شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ولادت ۱۸۳۶ء وفات ۱۹۱۲ء

میں ایسا عظیم الشان کام سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمادی .... اللہ تعالیٰ نے اس بڈھے اور کمزور انسان سے وہ عظیم الشان کام کروا لیا جو بڑے بڑے طاقتور بھی نہ کر سکے گزشتہ تیرہ سو سال میں بڑے بڑے قوی نوجوان گزرے ہیں مگر جو کام اللہ تعالیٰ نے مجھے سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائی ہے اس کی ان میں سے کسی کو بھی توفیق نہیں ملی درحقیقت یہ کام خدا کا ہے اور وہ جس سے چاہتا ہے کروا لیتا ہے [1]

حضرت سیدہ اُمِّ متین صاحبہ حرم حضرت مصلح موعودؓ فرماتی ہیں کہ :-

" قرآن مجید سے آپ کو جو عشق تھا اور جس طرح آپ نے اس کی تفسیریں لکھ کر اس کی اشاعت کی وہ تاریخ احمدیت کا ایک روشن باب ہے ۔ خدا تعالیٰ کی آپ کے متعلق پیشگوئی کہ کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو ، اپنی پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی جن دنوں تفسیر کبیر لکھی نہ آرام کا خیال رہتا تھا نہ سونے کا نہ کھانے کا ۔ بس ایک دُھن تھی کہ کام ختم ہو جائے ۔ رات کو عشاء کی نماز کے بعد لکھنے بیٹھے ہیں تو کئی دفعہ ایسا ہوا کہ صبح کی اذان ہوگئی اور لکھتے چلے گئے ۔ تفسیر صغیر تو لکھی ہی آپ نے بیماری کے پہلے حملہ کے بعد یعنی ۱۹۵۶ء میں طبیعت کافی کمزور ہو چکی تھی ۔ گو یورپ سے واپسی کے بعد صحت ایک حد تک بحال ہو چکی تھی ۔ مگر پھر بھی کمزوری باقی تھی ۔ ڈاکٹر کہتے تھے ۔ آرام کریں فکر نہ کریں ۔ زیادہ محنت نہ کریں لیکن آپ کو ایک دُھن تھی کہ قرآن کے ترجمہ کا کام ختم ہو جائے ۔ بعض دن صبح سے شام ہو جاتی اور لکھواتے رہتے ۔ کبھی مجھ سے املاء کرواتے ۔ مجھے گھر کا کام ہوتا تو مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم کو ترجمہ لکھواتے رہتے ۔ آخری سورتیں لکھوا رہے تھے غالباً انتیسواں پارہ تھا یا آخری شروع ہو چکا تھا (ہم لوگ نخلہ میں تھے وہیں تفسیر صغیر مکمل ہوئی تھی) کہ مجھے تیز بخار ہو گیا ۔ میرا دل چاہتا تھا کہ متواتر کئی دن سے مجھے ہی ترجمہ لکھوا رہے ہیں ۔ میرے ہاتھوں ہی یہ مقدس کام ختم ہو ۔ مَیں بخار سے مجبور تھی ان سے کہا مَیں نے دوا کھالی ہے آج بالکل بخار اتر جائے گا دو دن آپ بھی آرام کرلیں آخری حصہ مجھ سے ہی لکھوائیں تا میں ثواب حاصل کر سکوں ۔ نہیں مانے کہ

---

[1] الفضل ۳۱ ، اگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۳

میری زندگی کا کیا اعتبار - تمہارے بخار اُترنے کے انتظار میں اگر مجھے
موت آجائے تو ؟ ؟ سارا دن ترجمہ اور نوٹس لکھواتے رہے اور شام
کے قریب تفسیر صغیر کا کام ختم ہوگیا [1]

ترجمہ پر نظر ثانی مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب (جنہیں تفسیر کبیر کے کام کے ضمن میں لُغت، اور تفاسیر کے مطلوبہ حوالہ جات پیش کرتے نیز تفسیر صغیر کی کتابت اور طباعت کا کام کروانے کی سعادت نصیب ہوئی) تحریر فرماتے ہیں کہ :-

جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی قرآن مجید کا ترجمہ اور مختصر نوٹ املاء کروا چکے - تو حضور کی خدمت میں سارا ترجمہ خوشخط لکھوا کر پیش کر دیا گیا - تو آپ نے اس کا جائزہ لینے کے بعد اس پر نظر ثانی کرنے کا فیصلہ فرمایا - چنانچہ سیدنا حضور نے خاکسار (ابوالمنیر نورالحق) اور مکرم مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر انچارج شعبہ زود نویس کو ارشاد فرمایا - کہ آپ دونوں اصحاب مع ضروری کتب لُغت و تفاسیر کے قصرِ خلافت میں روزانہ صبح ساڑھے آٹھ بجے حاضر ہو جایا کریں - یکم رمضان المبارک ۱۹۵۷ء (بمطابق اپریل ۱۹۵۷ء) کو حضور نے ترجمہ پر نظر ثانی کا کام شروع کیا - آپ روزانہ اپنے دفتر میں کسی دن ایک پارہ کے ترجمہ پر اور کسی دن ڈیڑھ پارہ کے ترجمہ کی نظر ثانی فرماتے - صبح ساڑھے آٹھ بجے کام شروع ہوتا جو عام طور پر ظہر تک اور بعض ایام میں عصر تک جاری رہتا اور آٹھ آٹھ نو نو گھنٹے نظر ثانی پر لگ جاتے چنانچہ حضور ایدہ اللہ نے صحت کی پرواہ کیے بغیر سخت محنت کرتے ہوئے رمضان المبارک میں نظر ثانی کا کام ختم کر لیا [2]

ترجمہ پر نظر ثالث نظر ثانی کے اس کٹھن مرحلہ کے بعد سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کی خدمت میں مسودہ صاف لکھوا کر پیش کیا گیا - تو حضور نے اس پر ایک اور دفعہ نظر ڈالنے کا فیصلہ فرمایا - اور اس کام کو پُرسکون ماحول میں کرنے کے لیے نخلہ (جابہ) بستی میں تشریف لے گئے - اور ۱۳ر مئی ۱۹۵۷ء سے ۱۵ر جون ۱۹۵۷ء تک تیسری بار مسودہ کو ملاحظہ فرمایا - روزانہ صبح آٹھ بجے کام شروع ہوتا اور ڈیڑھ

---

[1] الفضل ۲۵ر مارچ ۱۹۶۶ء / ۲۵ر امان ۱۳۴۵ ہش صفحہ ۵

[2] الفضل ۱۳ر مئی ۱۹۵۷ء صـ۳

دو بجے دوپہر تک مسلسل جاری رہتا۔ اس طرح روزانہ ایک پارہ کا ترجمہ حضور ملاحظہ فرما کر اس کی تصحیح فرماتے اور تفسیری نوٹوں میں مناسب اضافہ فرماتے۔

ترجمہ پر نظرثالث کے دوران اکثر چھ چھ گھنٹے اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ وقت صرف ہوتا۔ کئی دفعہ کام کے دوران کھانے کا وقت آ جاتا اور باوجود ڈاکٹری ہدایات کے کہ حضور کے لیے بروقت کھانا تناول کرنا ضروری ہے پھر بھی آپ کام میں مشغول رہتے۔ یہاں تک کہ مقررہ کام ختم ہو جاتا۔ بعض اوقات حضور کی طبیعت ناساز ہوتی۔ لیکن پھر بھی خدمت قرآن کی یہ بے نظیر مہم باقاعدہ جاری رہتی۔ بعض اوقات حضور کو سخت تھکان ہو جاتی۔ اور حضور کو یوں محسوس ہوتا۔ کہ حضور گرنے لگے ہیں اس حالت کو دیکھ کر (مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر) عرض کرتے۔ کہ حضور کام بہت زیادہ ہو گیا۔ اس لیے اب بس کر دیں۔ لیکن حضور کا یہی جواب ہوتا۔ کہ جب تک مقررہ کام ختم نہ ہو۔ اس وقت تک کام جاری رہے گا۔ خواہ رات کے بارہ بج جائیں[1]۔ الغرض قرآن مجید کے ترجمہ اور مختصر تفسیری نوٹوں کا کام جس کے لیے کئی سال درکار تھے محض خدا کے فضل سے چار ماہ میں سرانجام پا گیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

تفسیر صغیر کی کتابت اور طباعت

قرآن مجید کا ترجمہ اور مختصر تفسیر کا مسوّدہ تیار ہو جانے کے بعد حضور کی خواہش تھی۔ کہ اس کی کتابت اور طباعت تین ماہ میں مکمل ہو جائے تا یہ علمی خزانہ دنیا کے کونوں تک جتنی جلدی ہو سکے۔ پہنچ جائے۔ لیکن بظاہر یہ کام ناممکن نظر آتا تھا۔ کیونکہ عام اندازہ کے مطابق قرآن مجید کا متن، اس کا ترجمہ اور تفسیری نوٹس کاتبوں سے لکھوانے اور بعد ازاں طبع کروانے کے لیے کم از کم چھ ماہ کی مدت درکار تھی۔ اس سے کم عرصہ میں کام ختم ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن حضور کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کام کا آغاز کر دیا گیا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے قرآن مجید کے عربی متن کی کتابت کے لیے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رفیق خاص حضرت منشی عبدالحق صاحب (والد بزرگوار مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب) کو اور اردو ترجمہ اور نوٹس کے لکھنے کے لیے قریشی محمد اسماعیل صاحب کا انتخاب فرمایا اور ہر دو کاتبوں کو نخلہ پہنچنے کا ارشاد فرمایا۔ تا اس پُرسکون بستی میں زیادہ سے زیادہ کام کرنے کا وقت مل سکے۔ چنانچہ دونوں کاتبوں

---

[1] الفضل ۳ رمئی ۱۹۵۷ء صفحہ ۳

نے نخلہ پہنچ کر مسودہ کی کتابت کا کام شروع کر دیا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح کی اس طرف بہت زیادہ توجہ تھی کہ تفسیر صغیر جلدی سے جلدی طبع ہو۔ چنانچہ حضور نے ۱۷ رمئی کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"چاہیئے کہ کیا کاتب اور کیا چھاپنے والے اور کیا منتظم اور پھر کیا وہ لوگ جن کو میں ترجمہ ڈکٹیٹ کرواتا ہوں۔ وہ رات دن ایک کر کے اس کام کو ایک دفعہ پورا کر دیں۔ تا لوگ اس سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیں۔ اور ان کے لیے ثواب کا ایک رستہ کھل جائے۔ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر ترجمہ چھپ جانے سے پہلے کوئی ہم میں سے مر گیا۔ تو وہ ثواب سے محروم ہو جائے گا۔ اگر ترجمہ مکمل ہو جائے اور وہ چھپے نہیں، تو چھاپنے والا ثواب سے محروم رہ جائے گا۔ اور اگر وہ چھپ جائے۔ اور لوگ اسے پڑھیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ تو قیامت تک ہم لوگوں کے لیے یعنی ترجمہ کرنے والے کے لیے، ترجمہ لکھنے والوں کے لیے چھاپنے اور چھپوانے والوں کے لیے ثواب جاری رہے گا تھوڑی سی اور چند ماہ کی محنت کا سوال ہے۔ اس کے بعد قیامت تک ثواب کا رستہ کھلا رہے گا۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ثواب کا وہ رستہ ضائع نہ ہو۔"[1]

سیدنا حضور نے تفسیر صغیر کے مسودہ کی کتابت کے لیے جن دو کاتبوں کا انتخاب فرمایا تھا۔ ان میں سے ایک کاتب حضرت منشی عبدالحق صاحب کاتب کی عمر اس وقت اسی سال کے لگ بھگ تھی۔ اور آپ جوانوں کی طرح محنت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن چونکہ حضور کو ان کا خط پسند تھا۔ اس لیے حضور نے انہی سے عربی متن لکھوانے کا فیصلہ کیا۔ سیدنا حضور کی قوتِ قدسیہ، توجہ اور دعا کی برکت سے یہ معجزہ دیکھنے میں آیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دو کاتبوں کو غیر معمولی قوت عطا کر دی اور انہوں نے نہایت سرعت سے تین ماہ کی مختصر مدت میں کتابت کا کام ختم کر لیا۔

کاپی ریڈنگ اور پروف ریڈنگ و طباعت

کتابت شدہ کاپیاں اور پروف پڑھنے کی سعادت بھی مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب طاہرؔ کو حاصل ہوئی۔ اور طباعت کا کام مکرم خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے سپرد ہوا۔ کیونکہ

---

[1] الفضل ۱۳ رمئی ۱۹۵۷ء صفحہ ۲

آپ اس وقت مینجنگ ڈائریکٹر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ تھے اور ضیاء الاسلام پریس آپ کے زیر انتظام تھا۔

جونہی کاتب صاحبان کوئی کاپی مکمل کر لیتے ۔ تو اس کو پڑھ کر بعد تصحیح اغلاط مکرم مولانا شمس صاحب کے پاس ربوہ بھجوا دی جاتی۔ اور آپ پروف نکلوا کر واپس نخلہ بھجوا دیتے ۔ جسے کارکنان ابتدائی طور پر دیکھ کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیتے ۔ بعدازاں سیدنا خود بنفسِ نفیس سارے پروف کو پڑھتے اور بعض مقامات پر مفید اضافے فرماتے ۔ زیادہ اضافہ انتیسویں اور تیسویں پارے کے نوٹوں میں ہوا ۔ اس کام پر حضور کا روزانہ ایک گھنٹہ سے زائد وقت صرف ہو جاتا ۔ اس صورت میں جو نوٹس زائد ہوئے وہ ضمیمہ کی صورت میں تفسیر صغیر کے آخر میں لگا دیئے گئے ۔ پروف ریڈنگ کا اہم کام ۲ر اکتوبر کو ختم ہو گیا ۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی طرف سے درج ذیل اعلان احبابِ جماعت کی اطلاع کے لیے ۸ر اکتوبر کے الفضل میں شائع ہوا ۔

" اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم سے آج ۲ر اکتوبر کو قرآن شریف کا سارا ترجمہ مکمل ہو گیا[1] یعنی الحمد للہ سے والناس تک مع تفسیر صغیر کے جس کے متعلق تفسیر کبیر سے مقابلہ کرنے سے یہ پتہ لگا ہے کہ کئی مضامین اختصاراً اس میں ایسے آئے ہیں کہ تفسیر کبیر میں بھی نہیں ۔ اُمید ہے کہ تفسیر صغیر کی پہلی کھیپ ۱۵ر اکتوبر تک تیار ہو جائے گی اور جلسہ سالانہ تک دو ہزار جلد کے تقسیم کرنے کے ہم قابل ہو جائیں گے ۔ گو خریداروں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر جو تین ہزار سے اُوپر نکل چکی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اُمید ہے کہ جلسہ سالانہ کے موقعہ تک پانچ ساڑھے پانچ ہزار ہو جائے گی ہم نے پانچ ہزار جلد چھپوانے کا آرڈر دے دیا ہے اور یہ بھی سوچا جا رہا ہے کہ کثرت سے چھپوانے اور کئی اقتصادی باتوں کے مدنظر رکھنے کی وجہ سے کتاب سستی پڑے گی ۔ اور بڑے خریداروں کے لیے قیمت میں بھی کچھ کمی کر دی جائے گی ۔ بشرطیکہ خریدار مقررہ حد تک لیں ۔ مثلاً ڈیڑھ سَو خریدنے والوں کے لیے اور قیمت ، دو سَو خریدنے والوں کے لیے اور قیمت سوا تین سو خریدنے والوں کے لیے اور قیمت اور پانچسو خریدنے والوں کے لیے اور قیمت ۔ اُمید ہے کہ اس طرح زیادہ تعداد میں خریدنے والی جماعتوں کو مقامی طور پر بھی کچھ نفع مل جائے گا مثلاً سوا تین سو کی تعداد میں خریدنے والوں کو ساڑھے گیارہ روپے فی جلد مل جائے ۔ اور کچھ رقم وہ آگے خریداروں کو دے دیں ۔ اور سستی

---

[1] یعنی پروف ریڈنگ وغیرہ مکمل ہو گئی ہے ۔

کرکے کتاب بیچ دیں تو خیال ہے کہ اس طرح ان کو ہزار گیارہ سو کا نفع ہو جائے گا۔ اور پانچ سو والوں کو اس سے بھی زیادہ۔ سوا تین سو تعداد اس وقت تک صرف ربوہ والوں نے لی ہے اور اُمید ہے کہ اکتوبر تک ان کی خریداری کی تعداد چار پانچ سو تک جا پہنچے گی۔ دوسرے نمبر پر کراچی ہے جنہوں نے تین سو جلد خریدی ہے اس کے بعد لاہور ہے جن کی سو کی درخواست تو آچکی مگر دوسری درخواست ملی ہے کہ ۴۶ خریدار ہو چکے ہیں اور ابھی اور ہو رہے ہیں۔ پس اگر لاہور کو دو سو سمجھا جائے اور کراچی کو تین سو اور ربوہ کو پانچ سو تو یہ ہزار کی تعداد ہو جاتی ہے اور بقیہ جماعت کو ملا کر اکتیس بتیس سو کی تعداد ہے۔ اور ابھی چار مہینے باقی ہیں۔ جن میں کتاب کی خریداری مکمل ہو جائے گی۔ لیکن جلسہ تک بمشکل تین ہزار آدمیوں کو کتاب مل سکے گی۔ باقی لوگوں کو جنوری فروری کا انتظار کرنا پڑے گا اور ممکن ہے کہ اس عرصہ میں خریداری اور بھی بڑھ جائے اور کئی ہزار خریدار کو اگلے سال کے مئی جون تک انتظار کرنا پڑے۔

مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی)[1]

تفسیر صغیر اور مضامین قرآنی کا انڈیکس

اس اعلان میں حضور نے جو اندازہ لکھا تھا۔ اس کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۱۵ ر اکتوبر تک تفسیر صغیر کی طباعت کا کام مکمل ہو گیا۔ حضور کی خدمت میں جب نمونہ کی کتاب پیش کی گئی۔ تو حضور نے مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب کو ارشاد فرمایا۔ کہ تفسیر صغیر کافی ضخیم ہو گئی ہے۔ اس لیے اس کے ابتداء میں انڈیکس کا ہونا ضروری ہے۔ تا قارئین اس سے بآسانی استفادہ کر سکیں۔ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب نے ۱۱۲ صفحات کا انڈیکس[2] جو تفسیر صغیر کے مضامین اور مضامین قرآنی پر مشتمل تھا۔ پندرہ دن کے اندر اندر مرتب کر دیا۔ جو بعد کتابت طبع ہو کر تفسیر صغیر کے ابتداء میں شامل ہوا اور یوں ۱۵ ر نومبر تک ۸۶۴ صفحات کی تفسیر مع انڈیکس ایک ہزار کی تعداد میں طبع ہو کر مکمل طور پر تیار ہو گئی۔ جلد بندی کا کام مکرم محمد عبداللہ صاحب جلد ساز ربوہ نے کیا اس کام کی تکمیل پر سیدنا حضور نے درج ذیل اعلان اخبار الفضل کو اشاعت کے لیے بھجوایا:

"میں قرآن کریم کے ترجمہ کے ختم ہونے پر پہلے ایک اعلان الفضل میں شائع کرا چکا ہوں۔ اس

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۸ ر اکتوبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۳ ؛ [2] یہ انڈیکس اپنی افادیت کے پیش نظر علیحدہ کتابچہ کی صورت میں بھی ایک ہزار کی تعداد میں شائع ہوا۔

کے بعد جب اس کا پہلا ہزار چھپ گیا تو اس کا بھی جماعت میں اعلان کیا جاچکا ہے اس کے بعد خیال ہوا کہ تفسیر سے پہلے انڈکس یعنے فہرست مضامین قرآنی بھی لگا دی جائے تاکہ اس کے مطالعہ کے بعد ہر احمدی کی آنکھوں کے سامنے قرآن کریم کے سارے مطالب آ جائیں اس طرح سے یہ کتاب جو ۱۲۰۰ صفحات میں چھپنی تھی وہ ۱۴۶۶ صفحات میں چھپی ہے۔ نیز جابہ میں رہ کر کام کرنے کی وجہ سے اس کے اخراجات بھی بڑھ گئے ہیں۔ اس وجہ سے سولہ ۱۶ روپے فی جلد کی بجائے قیمت اٹھارہ ۱۸ روپے فی جلد کر دی گئی۔ مگر جن کے نام پہلے ہزار میں آئے ہیں۔ اُن کو بہر حال کتاب ۱۶ روپے فی جلد کے حساب سے ملے گی۔ بعض لوگ بڑی جماعت میں شامل ہونے کی وجہ سے فائدہ اٹھا رہے ہیں کیونکہ جن کی جماعت نے زیادہ تعداد کا آرڈر بھجوایا ہوگا اس جماعت کو بہت سا کمیشن ملے گا وہ اپنے کمیشن میں سے کچھ حصہ اگر خریداروں کو دیدیں تو اُمید ہے ۱۶/۵۰ روپے یا ۱۷/۵۰ روپے تک وہ بھی قرآن کریم کو اپنی جماعت کے لوگوں میں تقسیم کر سکیں گے۔

اب صرف یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم سارے کا سارا معہ ترجمہ و تفسیر صغیر نیز ۱۱۲ صفحات کی فہرست مضامین جلد سمیت خدا تعالیٰ کے فضل سے تیار ہو چکی ہے اور مجھے مل چکی ہے۔ لیکن میرا ارادہ ہے کہ تقسیم انشاء اللہ تعالیٰ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ہی کی جائے۔ اس وقت تک غالباً دو ہزار کتاب تیار ہو چکی ہوگی باقی جوں جوں تیار ہوتی جائے گی جماعتوں کو ان کے آرڈروں کی ترتیب کے لحاظ سے تقسیم ہوتی رہے گی۔ لیکن چونکہ لوگوں میں گھبراہٹ پائی جاتی ہے اس لیے ان کے دلوں کے اطمینان کے لیے ابھی سے یہ اعلان شائع کیا جاتا ہے۔

جماعت میں شوق تو اتنا ہے کہ بعض لوگ دور دور سے آکر ربوہ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور اپنے تعلق کی وجہ سے پریس میں جا کر تفسیر پڑھ لیتے ہیں۔ اور اس طرح اپنے دل کو تسکین دے لیتے ہیں۔ خلیفۃ المسیح الثانی ۱۳/۱۱/۵۷" [1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۵ر نومبر ۱۹۵۷ء صا

تفسیرِ صغیر کی فروخت

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے تفسیرِ صغیر کی فروخت اور آئندہ طباعت کا کام ادارۃ المصنفین ربوہ کے سپرد فرمایا۔ یہ ادارہ نومبر ۱۹۵۷ء کو معرض وجود میں آیا تھا۔ اور اس کے قیام کی اغراض میں سے ایک اہم غرض یہ بھی تھی۔ کہ وہ تفسیر صغیر کی اشاعت کا وسیع پیمانہ پر انتظام کرتا رہے۔ چنانچہ ۱۹۵۷ء سے ۱۹۸۴ء تک تفسیر صغیر کی طباعت واشاعت کا کام یہی ادارہ سرانجام دیتا رہا۔ پہلا ایڈیشن جو منظر عام پر آیا۔ اتنا مقبول ہوا کہ ہاتھوں ہاتھ بک گیا اور صرف دو ہزار کی تعداد میں شائع ہونے کی وجہ سے جماعتوں کی بھاری تعداد بے پناہ شوق و ذوق کے باوجود اسے جلسہ سالانہ کے موقع پر حاصل نہ کرسکی۔ احباب کے اشتیاق کے پیش نظر ۱۹۵۸ء میں تین بار ایک ایک ہزار کی تعداد میں تفسیر صغیر کو چھپوایا گیا۔ لیکن جلد ہی یہ کتاب نایاب ہو گئی۔ اور مارچ ۱۹۶۶ء میں اس کا پانچواں ایڈیشن عکسی اعلیٰ کتابت اور نفیس طباعت کے ساتھ چھپوایا گیا۔ جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے کارکنان کو تفسیر صغیر کے انعامات اور اظہار خوشنودی

سیدنا حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آغازِ خلافت میں اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی تھی۔

کر اپنے فضل سے تو میرے ہم سفر پیدا
کہ اس دیار میں اے جانِ جاں غریب ہوں میں

خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے بندہ محمود المصلح الموعود کی یہ دعا اس شان سے قبول فرمائی۔ کہ حضور کا پورا عہد خلافت اس کا منہ بولتا نشان بن گیا۔ تفسیر صغیر کی تیاری۔ کتابت اور طباعت کے کام کو آپ کے منشاء کے مطابق سرانجام دینے کے لیے ایسے مخلص خدام عطا فرمائے۔ جنہوں نے دن رات ایک کرکے انتھک محنت اور جانفشانی کا ایسا ایک مظاہرہ کیا کہ وہ کام جس کے مکمل کرنے کے لیے سالوں درکار تھے۔ تین ماہ میں اسے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اور اپنے پیارے آقا کی دعاؤں اور خوشنودی کو حاصل کیا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے کارکنان تفسیر صغیر کے لیے اپنی خوشنودی کا اظہار اس رنگ میں فرمایا۔ کہ جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء کے دوسرے روز اپنی تقریر کے شروع کرنے سے قبل کارکنان کو سٹیج پر بلا کر اپنے دستِ مبارک سے انعامات کی تھیلیاں عطا فرمائیں۔ جن خوش نصیب اصحاب کو یہ فخر حاصل ہوا

ان کے اسمآء یہ ہیں :-

۱۔ مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب	۳۰۰ روپے
۲۔ مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ	۳۰۰ "
۳۔ مولوی محمد یعقوب صاحب طاؔہر زود نویس	۱۵۰ "
۴۔ منشی عبدالحق صاحب کاتب (یکے از رفقاء حضرت مسیح موعود بانی سلسلہ)	۱۵۰ "
۵۔ قریشی محمد اسماعیل صاحب کاتب	۱۵۰ "
۶۔ انوار احمد صاحب سنگساز ضیاء الاسلام پریس	۱۵۰ روپے[۱]

تفسیر صغیر کی طباعت کا دَور ثانی

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ تفسیر صغیر پہلی بار ۱۹۵۷ء میں نہایت عجلت میں چھپی تھی۔ اس وقت جلدی کی وجہ سے کتابت اور پروف ریڈنگ کی کچھ اغلاط رہ گئی تھیں۔ قارئین میں سے جس کسی کو تفسیر کے مطالعہ کے دوران ایسی غلطی کا علم ہوا۔ اس نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کو اطلاع دی۔ جس پر حضور نے ۱۹۶۵ء میں مندرجہ ذیل تین ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر فرمائی۔

۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین۔

۲۔ مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ " " "

۳۔ مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب مینجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین (سیکرٹری)

حضور نے ارشاد فرمایا کہ کمیٹی کے ارکان تفسیر صغیر کے ترجمہ اور نوٹوں کو اچھی طرح دیکھ لیں۔ اور جہاں کہیں طباعت کی غلطی رہ گئی ہو۔ اسے درست کر دیا جائے۔ تاکہ آئندہ تفسیر صغیر صحت کے ساتھ چھپ سکے۔[۲]

کمیٹی کے ارکان نے فیصلہ کیا۔ کہ مولانا شمسؔ ایک دفعہ ساری تفسیر چیک کریں۔ اور قابل اصلاح امور کی فہرست بنا کر سیکرٹری کو دیدیں۔ اور پھر مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف

---

[۱] الفضل ۲ جنوری ۱۹۵۸ء صہ۲ :: [۲] ریکارڈ ادارۃ المصنفین

کو شروع سے آخر تک لفظاً لفظاً تفسیر صغیر کا ترجمہ اور تفسیری نوٹ پڑھ کر سنائیں اور قابلِ اصلاح امور کی اصلاح کر دی جائے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف کو شروع سے لے کر سورۃ نور کے چودھویں رکوع تک لفظاً لفظاً ترجمہ اور تفسیری نوٹ سُنائے جس کے لیے حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف نے باوجود عدیم الفرصتی کے نہایت بشاشت کے ساتھ ایک لمبا عرصہ وقت دیا۔ کبھی رات کو نو بجے کے بعد بارہ بجے رات تک اور کبھی دن کو پہلے حصہ میں اور کبھی آخری حصہ میں۔ آپ دوسرے کاموں سے تھکے ہوئے آتے۔ لیکن مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ تفسیر صغیر کا ترجمہ سُنتے۔ اور قابلِ اصلاح امور پر غور فرما کر فیصلہ فرماتے۔ جب سورۃ نُور کی آیت استخلاف کے اس ترجمہ پہ پہنچے کہ اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور مناسب حال عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ تو اس دن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مصلح موعود کا وصال ہوگیا۔ اور خدائی تقدیر کے مطابق حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف خلیفۃ المسیح الثالث منتخب ہو گئے۔ خلافت کی عظیم ذمہ داریاں جب آپ کے کندھوں پر پڑیں تو آپ کے لیے تفسیر کے کام کے لیے وقت نکالنا مشکل ہو گیا۔ اس پہ آپ نے فیصلہ فرمایا۔ کہ مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب کو بقیہ کام سرانجام دینا چاہیئے۔ اور جو امر قابلِ استفسار ہو۔ وہ آپ سے پوچھ لیا جائے۔ چنانچہ حضور کے ارشاد کی تعمیل کی گئی۔ اور یہ تسلّی کر لینے کے بعد کہ قابلِ اصلاح امور کی درستگی ہو گئی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے تفسیر صغیر کو دوبارہ لکھوانے اور بلاکوں پر چھپوانے کی اجازت۔ ادارۃ المصنفین کو مرحمت فرما دی [1]

ادارہ نے تفسیر کو بلاکوں پر چھپواتے کے لیے اس کی دوبارہ کتابت کا انتظام کیا۔ اور یہ فیصلہ کیا کہ جو تفسیری حواشی تفسیر صغیر کے آخر میں بطور ضمیمہ درج ہوئے ہیں۔ ان کو آیات متعلقہ کے نیچے درج کیا جائے۔ معیاری کتابت کے لیے احمدی خوشنویس جناب منشی غلام جیلانی [2] صاحب ساکن ننکانہ صاحب کی خدمات حاصل کی گئیں۔ جنہوں نے نہایت محنت، خلوص اور مہارت سے کتابت کو دیدہ زیب بنا دیا۔ بلاکس اینگریکو لاہور

---

[1] خالد اپریل ۱۹۸۲ء ص۱۲۸ [2] شیخ غلام جیلانی صاحب خوشنویس ولد شیخ محمد یعقوب صاحب مہاجر قصبہ تلون ضلع جالندھر (بھارت) حال ننکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ۔ آپ ۱۹۲۳ء میں داخلِ احمدیت ہوئے آپ سے جب مولوی ابوالمنیر صاحب کی وساطت سے تفسیر صغیر کی آفسٹ کتابت کا معاملہ طے ہوا اس وقت حضرت مصلح موعودؓ بیمار تھے اور حضرت سیدنا مرزا ناصر احمد صاحب صدر انجمن احمدیہ (باقی اگلے صفحہ پر)

نے نہایت پیار اور محبت سے تیار کیے۔ اور طباعت کا انتظام مکرم جناب محمد طفیل صاحب مدیر نقوش لاہور نے اپنے نقوش پریس میں کمال درجہ عقیدت کے ساتھ کیا۔ اور خوبصورت پائیدار اور مضبوط جلد بندی کا اعزاز لاہور کے مشہور جلد ساز کو حاصل ہوا۔ اس دفعہ تفسیر صغیر آرٹ پیپر پر شائع ہوئی۔ اور جلد پر خوبصورت پلاسٹک کور بھی چڑھایا گیا تھا۔ جس نے کتاب کو نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب بنا دیا تھا۔ پہلی کھیپ میں ستر نسخے عین اس وقت ربوہ پہنچے جب خلافت ثالثہ کے عہد مبارک کی پہلی مجلس مشاورت ۲۵ مارچ ۱۹۶۶ء کو شروع ہو رہی تھی۔ چونکہ تفسیر صغیر کے اس عکسی ایڈیشن کی کتابت اور بلاکوں کے بنوانے اور طباعت کا انتظام براہ راست حضور کی نگرانی میں ہو رہا تھا۔ اور حضور قدم قدم پر کارکنان کی ہدایات و رہنمائی فرماتے رہے۔ آپ کی توجہ اور دعا سے یہ ایڈیشن اتنا خوبصورت اور اعلیٰ شائع ہوا۔ کہ حضور کو بہت ہی پسند آیا۔ اور جس نے اسے دیکھا وہ اس کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔

حضور نے مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب مینجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین کو ارشاد فرمایا کہ مشاورت کے آغاز سے قبل ہال میں تفسیر کے چند نسخے احباب جماعت کو دکھانے کے لیے مناسب مقام پر رکھ دیئے جائیں۔ چنانچہ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں سٹیج کے سامنے ایک ریک (RACK) پر ان کو اونچی جگہ پر رکھدیا گیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح کی اجتماعی دعا کے ساتھ مشاورت کا افتتاح عمل میں آیا۔ جس کے معاً بعد حضور نے افتتاحی خطاب کے شروع میں تفسیر صغیر کے شاندار نئے عکسی ایڈیشن کی خوشخبری احباب کو دی اور جملہ مراحل طباعت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

> "میں احباب کو یہ بشارت دیتا ہوں کہ تفسیر صغیر جو نایاب تھی اور جس کے حصول کے لیے احباب کے دل تڑپتے تھے محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے شائع ہو گئی ہے اور اس وقت اس کے کچھ نمونے ہمارے سامنے ہیں چونکہ سب دوستوں کو اس کا دکھایا جانا اس وقت وقت

(بقیہ حاشیہ ۵۳۵ سے آگے) کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ چنانچہ آپ کی منظوری اور نمونہ جات کی پسندیدگی پر تفسیر کی کتابت شروع ہوئی اور خلافت ثالثہ کے ابتدائی مبارک دور میں اختتام پذیر ہوئی۔

طلب ہوگا۔ اس لیے نمائندہ کراچی، نمائندہ لاہور۔ امیر صاحب علاقائی پنجاب اور بہاولپور ڈویژن اور سابق صوبہ سرحد کے امیر صاحب آگے تشریف لے آئیں وہ اسے خود بھی دیکھ لیں اور اپنے حلقہ میں بھی اسے دکھا دیں۔ ایک ایک کاپی اٹھا لیں اور دیکھ کر اس جگہ واپس رکھ دیں اور اس عرصہ میں مَیں اس کے متعلق بعض باتیں بتا دیتا ہوں۔

یہ تفسیر بلاک پر شائع ہوئی ہے کوشش یہ کی گئی ہے کہ اس میں کوئی غلطی باقی نہ رہے لیکن انسان انسان ہی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کچھ غلطیاں اس میں رہ گئی ہوں۔ چونکہ یہ بلاک پر چھپی ہے اور فی الحال آرٹ پیپر پر صرف دو ہزار چھپی ہے۔ بقیہ تین ہزار چھپنے والی رہتی ہے جو اگلے مہینہ میں چھپ جائے گی انشاء اللہ۔ اس لیے اگر کسی دوست کی نظر میں کوئی غلطی آئے تو ہمیں فوراً اطلاع دیں۔ تا بعد میں جو تین ہزار چھپنی ہے اس میں سے یہ غلطی دور کر دی جائے۔

تفسیر صغیر پر نظر ثانی بھی کی گئی ہے۔ لیکن نظر ثانی اس اصل کے ماتحت کی گئی ہے کہ جو ترجمہ حضرت مصلح موعودؓ نے بڑی محنت اور توجہ سے کیا تھا وہ قائم رہے جب یہ پہلے شائع ہوئی تھی اس وقت حضور کو بہت جلدی تھی اور آپ کی خواہش تھی کہ کسی طرح یہ شائع ہو جائے۔ اس لیے اس کی پروف ریڈنگ صحیح طور پر نہیں کی جا سکتی تھی۔ اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ ہمارے ملک کے کاتب اپنا یہ حق سمجھتے ہیں کہ جہاں مرضی ہو تبدیلی کر دیں یا کوئی چیز چھوڑنا چاہیں تو چھوڑ دیں۔ چنانچہ تفسیر صغیر کے پرانے ایڈیشنوں میں بعض آیات کے فقرات کا ترجمہ بھی رہ گیا تھا۔ اب نظر ثانی کے بعد وہ ترجمہ بھی آگیا ہے۔ اور یہ ترجمہ کرتے وقت اس بات کو مدنظر رکھا گیا ہے کہ اگر حضور کا اپنا ترجمہ اس حصہ کا مل جائے تو وہی رکھا جائے۔ یا وہ فقرے جو قرآن کریم کی دوسری آیات میں آتے ہوں ان کے ترجمہ کو لے لیا جائے اور اپنی طرف سے کوئی بات زائد نہ کی جائے۔ یا کاتب صاحب نے کہیں غلطی کی ہو تو اس کو دور کر دیا جائے یا اگر اس نے اپنی طرف سے کچھ زائد لکھ دیا ہو تو وہ زائد حصہ نہ رہے۔ مثلاً قرآن کریم میں بے شمار جگہ خدا تعالیٰ کا اسم ذات "اللہ" آیا ہے۔ اب جب ہم ترجمہ کریں گے تو اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کی کوئی اور صفت نہیں لائیں گے۔ مثلاً "تعالیٰ" کا لفظ اس

کے ساتھ نہیں لگے گا۔ لیکن تفسیر صغیر کے پہلے ایڈیشن میں بہت جگہ جہاں "اللہ" کا لفظ تھا وہاں کاتب نے اس کے ساتھ تعالیٰ کا لفظ بھی لکھ دیا ہے۔ اب شروع سے لے کر آخر تک ترجمہ ایک جیسا کر دیا گیا ہے۔ پس اس قسم کی جو غلطیاں تھیں ان کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر تفسیر صغیر کے پہلے ایڈیشنوں کے آخر میں کچھ نوٹ بطور ضمیمہ کے تھے اس لیے ان کے پڑھنے میں بڑی دقت ہوتی تھی۔ اب وہ سارے نوٹ آیات کے نیچے آ گئے ہیں۔

تفسیر صغیر کی نظر ثانی میں مکرم مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب نے بڑا حصہ لیا ہے۔ مکرم شمس صاحب نے بھی کام کیا ہے۔ مکرم ابوالعطاء صاحب نے بھی ایک حد تک کام کیا ہے۔ اور پروف ریڈنگ کے وقت مکرم میاں عبدالحق صاحب رامہ نے بھی کام کیا ہے۔ رامہ صاحب پروف اچھی طرح دیکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کے سامنے جب بھی کوئی چیز آئی۔ انہوں نے ہمیں اس کی طرف توجہ دلائی اور خاکسار بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے شروع سے آخر تک اس کام میں شریک رہا۔ اس کے علاوہ اللہ کی حکمت اور ارادہ سے ان دوستوں نے بھی جنہوں نے اس کے بلاک بنائے یا جنہوں نے اسے چھاپا اتنی محبت اور پیار سے یہ کام کیا ہے کہ حیرت آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی جزائے خیر عطا کرے۔

باوجود اس کے کہ تفسیر صغیر پہ بہت خرچ آیا ہے اور اس پہ ایک پلاسٹک کور بھی ہے اس کی قیمت صرف ۲۵ روپے رکھی گئی ہے۔ لاہور کے بہت سے دوکاندار بھی مطالبہ کرتے تھے کہ ان کے پاس تفسیر صغیر رکھی جائے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس کی بکری بہت ہوگی۔ لیکن ان کی شرط یہ تھی کہ پانچ روپے فی نسخہ وہ کمیشن لیں گے۔ ہمارا خیال تھا کہ اس پر نفع لینے کی بجائے اسے زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں پہنچایا جائے۔ اور جماعت کے دوست بھی اور غیر از جماعت دوست بھی جو اس میں دلچسپی رکھتے ہوں۔ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ اور اس کا حل ہم نے یہ سوچا ہے کہ پہلے تین ماہ کے لیے اس کی رعایتی قیمت ۲۰ روپے ہوگی۔ احباب اس قیمت پر اسے حاصل کر سکتے ہیں لیکن اس عرصہ کے گزرنے کے بعد یہ اصل قیمت پر ملے گی۔ جو دکانداروں سے خریدیں گے وہ تو بہرحال

اسے ۲۵ روپے میں ہی خریدیں گے۔ تین ماہ کے لیے قیمت میں جو رعایت دی گئی ہے۔ اس میں یہ شرط ہوگی کہ رقم تین ماہ کے اندر اندر داخل کرادی جائے۔ خالی وعدہ ہی نہ ہو۔

مجھے یہ بھی خیال آیا کہ عید بھی قریب ہے اور عید کے موقعہ پر بعض بچوں کی عیدی کم و بیش بیس روپے ہو جاتی ہے۔ اور بچے اس رقم کو کھلونوں اور دوسری قسم کی لغویات پر خرچ کر دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہماری عیدی ہے جہاں پر ہم چاہیں خرچ کریں۔ اگر احمدی بچے جن کی عیدی کم و بیش بیس روپے ہو اپنی عیدی کی رقم سے یہ کتاب خریدیں تو ہر ایسے بچے کو میری طرف سے ایک روپیہ بطور عیدی کے دیا جائے گا۔

دوستوں کو چاہیئے کہ حسب ضرورت زیادہ سے زیادہ تعداد میں یہ تفسیر خریدیں۔ لیکن یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ان کے پاس فالتو پڑی رہے۔ اس تفسیر کی مانگ غیروں میں بہت ہے اگر یہ تفسیر ان کی نظر میں آجائے تو وہ بڑے شوق سے اسے لیں گے بلکہ بہت سے دوکانداروں نے تو یہ کہا ہے کہ مولوی محمد علی صاحب کا ترجمہ معہ تفسیری نوٹ ہم فروخت کرتے ہیں۔ اگر آپ یہ تفسیر ہمارے پاس رکھوا دیں تو لوگ اسے زیادہ شوق سے خریدیں گے۔"[1]

تفسیر صغیر عکسی کی طباعت پر کارکنوں کیلئے اظہار خوشنودی

چونکہ تفسیر صغیر کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنفین کے ذمہ تھی۔ اس لیے عکسی ایڈیشن کا اہتمام بھی ادارۃ المصنفین نے کیا تھا۔ جملہ کارکنان ادارۃ نے نہایت محنت اور جانفشانی سے کام کرکے اس عکسی ایڈیشن کو بہت ہی خوبصورت اور دیدہ زیب بنا دیا۔ لکھائی۔ بلاکس۔ طباعت اور جلد بندی اتنی اعلیٰ تھی۔ کہ عکسی ایڈیشن کی طباعت کو چار چاند لگ گئے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے کارکنوں کی محنت کی قدر فرماتے ہوئے ان کو انعامات اور خوشنودی سے نوازا اور درج ذیل کارکنوں کو حضور کے دست مبارک سے قصر خلافت میں حاضر ہو کر انعامات لینے کی سعادت حاصل ہوئی۔

۱۔ مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب مینجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین ربوہ　　　　/۵۰۰ روپے کی تھیلی

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۶۶ء صـ۱۰۰تا۱۰۱

۲۔ قاضی منیر احمد صاحب کارکن ادارۃ المصنفین ربوہ ——— ۲۰۰ روپے کی تھیلی

۳۔ لطیف احمد صاحب " " " " ——— ۲۰۰ " " " "

علاوہ ازیں حضور نے مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب کو اپنے دستخطوں سے مندرجہ ذیل الفاظ پر مشتمل ایک تعریفی سرٹیفکیٹ بھی عطا فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خلیفۃ المسیح
امام جماعت احمدیہ

مکرمی! ابوالمنیر نورالحق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے جس محنت اور اخلاص سے تفسیر صغیر کا عکسی ایڈیشن چھپوانے کا انتظام کیا ہے۔ میں اس کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کی اس محنت کو قبول فرمائے اور قرآن مجید کی خدمت کے ساتھ جس قدر برکات وابستہ ہیں وہ آپ کو عطا کرے، اور آپ کو اور آپ کی اولاد کو بہت برکت دے، آمین

والسلام

خلیفۃ المسیح الثالث

۱۶ر اپریل ۱۹۶۶ء

تفسیر صغیر کی غیر معمولی مقبولیت

تفسیر صغیر کی اشاعت سے دنیائے ترجمہ قرآن مجید میں ایک انقلاب آگیا۔ کیونکہ یہ ترجمہ ایسا سلیس بامحاورہ اور آسان تھا کہ ہر شخص قرآن مجید کے بیان کردہ مفہوم کو بآسانی اخذ کرسکتا تھا۔ عشاق قرآن شمع قرآن کے حصول کے لیے پروانہ وار پہنچے اور ہر احمدی خاندان نے کوشش کی کہ اس کا ہر فرد اپنا علیحدہ نسخہ حاصل کرے تا قرآن مجید کے مفہوم و علوم سے ہروقت جہاں کہیں ہو۔ بہرہ ور ہوتا رہے۔ اسی طرح ہر جماعت میں قرآن مجید کا درس دیا جانا اس سے بہت آسان ہوگیا۔ اور ہر چھوٹے بڑے نے اس سے استفادہ کیا۔ غیر از جماعت احباب نے بھی اسے نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اور اس کے مطالعہ کے بعد اس کا گرویدہ ہوگیا۔ تفسیر صغیر کے پہلے ایڈیشن کے شائع ہونے سے لیکر اب تک اس کی اس قدر مانگ رہی ہے کہ نہ صرف پاکستان میں بلکہ بھارت میں بھی متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ اور اس کی نایابی کو ایک نقصانِ عظیم سمجھا گیا۔

تفسیر صغیر دوسروں کی نظر میں

تفسیر صغیر کو اپنوں کے علاوہ دوسروں اور بیگانوں میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی جس کا اندازہ حسبِ ذیل تاثرات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے:۔

۱۔ اخبار "امروز" (لاہور) نے ۳۰ رمئی ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:۔

مفسر:۔ الحاج مرزا بشیر الدین محمود مرحوم۔ ضخامت:۔ ۸۵۳ صفحات۔ ہدیہ پچیس روپے۔ ناشر ادارۃ المصنفین ربوہ ضلع جھنگ۔

قرآن حکیم پوری بنی نوع انسان کے لیے رشد و ہدایت کا منبع و سرچشمہ ہے۔ ازل سے رہتی دنیا تک، یہ کتاب مبین انسانوں کو دینی اور دنیوی معاملات میں عدل کا راستہ دکھاتی رہے گی اور بھولے بھٹکوں کو صراطِ مستقیم پر لاتی رہے گی۔ قرآن مجید ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ زندگی کا کوئی سا شعبہ، کوئی سا گوشہ اور کوئی سا مرحلہ ایسا نہیں ہے جہاں ہم قرآن سے استفادہ نہ کرسکتے ہوں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کے لیے مطالب قرآن پر حاوی ہونا لازم ہے۔ جب تک قرآن میں منضبط احکام خداوندی کے مفاہیم کا انشراح ہی نہ ہوگا۔ رشد و ہدایت کا سلسلہ کیسے شروع ہوگا۔ اسی ضرورت کے پیش نظر قرآنی مطالب کی تشریح و تفسیر کا سلسلہ شروع ہوا اور نزول قرآن سے لے کر اب تک اور پھر ابد تک یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔ جن لوگوں نے قرآنی فہمی عام کرنے کے سلسلہ میں کوئی ساحصہ بٹایا ہو

یقیناً تشکر کے سزاوار ہیں۔ مفسّرین نے اپنے اپنے دور میں قرآنی بصیرت کو عام کرنے میں جو کاوشیں کیں وہ اس لحاظ سے بھی مستحسن قرار پائیں گی کہ اس طرح تفسیرِ قرآن نے ایک باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر لی اور مطالب و معانی کے ابلاغ کے باب میں تحقیق کی ایک پختہ روایت قائم ہو گئی۔ بحمداللہ یہ سلسلہ جاری ہے اور رہے گا۔ اس وقت تفسیرِ صغیر پیشِ نظر ہے یہ تفسیر احمدیہ جماعت کے پیشوا الحاج مرزا بشیر الدین محمود مرحوم کی کاوشِ فکر کا نتیجہ ہے۔ قرآن کے عربی متن کے اردو ترجمے کے ساتھ کئی مقامات کی تشریح کے لیے حواشی اور تفسیری نوٹ دیئے گئے ہیں۔ ترجمے اور حواشی کی زبان نہایت سادہ اور آسان فہم ہے۔ تفسیرِ صغیر حسنِ کتابت اور حسنِ طباعت کا مرقع ہے۔ ہدیہ صرف ۲۵ روپے ہے جو لاگت سے بھی کہیں کم ہے۔ [1]

۲۔ لاہور کے مشہور ہفت روزہ قندیل (۱۹؍جون ۱۹۶۶ء) نے تفسیرِ صغیر پر مندرجہ ذیل تبصرہ کیا۔

"(قرآن مجید کا بامحاورہ اردو ترجمہ مع مختصر تفسیر) ادارۃ المصنفین ربوہ سائز $\frac{20 \times 26}{8}$ ضخامت ۸۵۴ صفحات ہدیہ (عکسی اعلیٰ کاغذ) پچیس روپے۔

انجمن حمایت اسلام لاہور اور تاج کمپنی لمیٹڈ کی طرف سے قرآن حکیم کی طباعت میں جو خوش ذوقی کا ثبوت دیا جاتا رہا ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔ تفسیرِ صغیر کی اشاعت سے اس روح آفرین سعی میں اضافہ ہوا ہے قرآن پاک کا یہ نسخہ اوّل سے آخر تک اعلیٰ ترین آرٹ پیپر پر شائع کیا گیا ہے نسخ و نستعلیق دونوں خطِ فنِ کتابت کے عمدہ ترین نمونے پیش کر رہے ہیں۔ آفسٹ کی طباعت کے باعث طباعت صاف اور دیدہ زیب ہے۔ جلد عمدہ اور مضبوط اور اس پر پلاسٹک کا جاذبِ نظر غلاف ہے۔

تفسیرِ صغیر میں ترجمہ اور تفسیر امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ ترجمہ اور حواشی کی زبان عام فہم ہے تاکہ ہر علمی استعداد کا آدمی اس سے مستفید ہو سکے۔ ترجمہ اور تفسیر میں یہ التزام بھی ہے کہ جملہ تفاسیر متقدمین آخر تک پیشِ نظر رکھی گئی ہیں۔

ابتداء میں حروف تہجی کے اعتبار سے مضامین و مفاہیم کے تین معلومات آفرین انڈکس بھی شامل کیے گئے ہیں جس سے قاری کو مختلف آیات تلاش کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید کو اس خوبصورتی سے طبع کرا کے شائع کرنا ایک بہت بڑی خدمتِ اسلام ہے۔ بھر قیمت

---

[1] امروز (لاہور) ۳۰؍مئی ۱۹۶۶ء صٓ۳

اصل لاگت کے مقابلے میں بہت کم رکھی گئی ہے ۔ [1]

۳۔ رسالہ "سیارہ ڈائجسٹ" (کراچی) "قرآن نمبر" نے قرآن مجید کے "اردو تراجم و تفسیر" کی فہرست شائع کی جس کے چالیسویں نمبر پر "تفسیر صغیر" کی نسبت حسب ذیل الفاظ میں نوٹ دیا:۔

نام مترجم یا مفسر	نام ترجمہ یا تفسیر	مقام اشاعت	مطبع	سن طباعت	ضخامت
۴۰ بشیر الدین محمود احمد مرزا (خلیفہ ثانی جماعت احمدیہ)	ترجمہ قرآن مع "تفسیر صغیر"	لاہور	نقوش پریس	۱۹۶۶ء	۹۵۴

کیفیت۔۱۹۶۶ء میں بہترین ایڈیشن آرٹ پیپر پر بڑی نفاست سے چھپا۔ صفحہ دو کالمی ہے ایک میں متن اور دوسرے میں ترجمہ حاشیہ میں تفسیری نوٹ دیئے گئے ہیں۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۵۶ء میں ربوہ سے شائع ہوا تھا ۔ [2]

۴۔ سردار دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر "ریاست" دہلی نے تفسیر صغیر کے متعلق ہی گیانی عباد اللہ ریسرچ سکالر سکھ ازم کے نام دو مکتوب لکھے جن کا متن درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

DEHRADUN

(INDIA)

25,7,1966

محترم!

"ابھی تفسیر صغیر بذریعہ پارسل ملی۔ گیٹ اپ کو دیکھ کر دلی مسرت نصیب ہوئی۔ بہت بہت شکریہ۔ میری ایمانداری کی رائے یہ ہے کہ تبلیغ و اشاعت کے اعتبار سے آپ کی جماعت نے جتنا کام پچھلے پچاس ساٹھ برس کیا اتنا کام دنیا کے مسلمانوں نے پچھلے تیرہ سو برس میں نہ کیا ہوگا۔ اسلام کی اس عظیم الشان خدمت کی موجودگی میں احمدی جماعت کو اسلام کے لیے نقصان رساں کہنا انتہائی کذب بیانی ہے میں اپنے ان خیالات کا اکثر غیر احمدی حضرات سے اظہار کیا کرتا ہوں۔

نیاز مند

دستخط (دیوان سنگھ مفتون)

DIWAN SINGH MAFTOON
(Editor The Riyasat)
Dehra Dun

---

[1] بحوالہ الفضل ۲۳ جون ۱۹۶۶ء صفحہ ۵ [2] صفحہ ۸۶۴

DIWAN SINGH MAFTOON

DEHRA DUN
(INDIA)
aug 11th 1966

مائی ڈیئر گیانی صاحب

آپ کا خط ملا۔ تفسیر صغیر مل گئی تھی۔ میں اس سے پہلے پہنچنے کی اطلاع دے چکا ہوں۔ اور خط بھی لکھا تھا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ کی جماعت نے اسلام کے متعلق جتنی تبلیغ پچھلے پچاس ساٹھ برس میں کی اتنی تبلیغ دنیا کے مسلمانوں نے پچھلے تیرہ سو برس میں نہ کی۔ تفسیر کی چھپوائی وغیرہ لاجواب ہے۔

نیاز مند

(دیوان سنگھ)

فصلِ دوم

قادیان اور ربوہ کے بابرکت سالانہ جلسے

جلسہ قادیان ۶، ۷، ۸ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو اپنی سابقہ روایات کے مطابق منعقد ہوا۔ اس بابرکت روحانی اجتماع میں بھارت کے دور دراز صوبوں کے علاوہ پاکستان اور انڈونیشیا سے بھی بعض احمدی تشریف لائے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس مقدس تقریب پر حسب ذیل پیغام ارسال فرمایا۔ جو صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے پڑھ کے سنایا۔

"قادیان کو (جماعت احمدیہ) کا مرکز بنانے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا تھا۔ اور ہندوستان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا۔ خدا تعالیٰ جب کسی ملک میں مامور بھجواتا ہے۔ تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اس کام کے چلانے کی ذمہ داری اس ملک والوں پر ہوتی ہے۔ میرا پیغام تو یہی ہے کہ ہندوستان کے اصحاب ربوہ اور پاکستان کی طرف للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھنے کی عادت چھوڑ دیں اور اس بات کو پوری طرح ذہن نشین کریں کہ مرکز احمدیت خدائی فیصلہ کے مطابق ہندوستان ہے اور شہروں کے لحاظ سے قادیان ہے۔"

"بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید لڑائی کے سوا پاکستان اور ہندوستان آپس میں جمع نہیں ہو سکتے۔ لیکن یہ محض مایوسانہ خیالات ہیں۔ اگر اسلام مشرقی پنجاب اور اس کے ساتھ ملتے صوبوں میں پھیل جائے تو پاکستان اور ہندوستان کے دل فوراً مل جائیں گے اور بغیر لڑائی کے متحد ہو جائیں گے۔

پس خدائی ذرائع کو اختیار کرو تا کہ انسانی وحشی خیالات کے پھیلنے کا موقعہ نہ

ملے۔ خدائی ہتھیار یہی ہوتا ہے کہ دلوں کی صفائی ہو اور انسانی ہتھیار یہ ہوتا ہے کہ سر کاٹا جائے پس خدائی ہتھیاروں کی طرف توجہ کرو تاکہ انسانی ہتھیاروں کی ضرورت نہ رہے۔"

جلسہ سالانہ سے بھارت کے مشہور احمدی علماء کے علاوہ سید اختر احمد صاحب اورینوی پروفیسر (سربراہ شعبہ اردو پٹنہ یونیورسٹی) نے اور احمد نور صاحب انڈونیشین نے بھی خطاب فرمایا[1]

اس موقعہ پر مصر، انڈونیشیا، افریقہ، امریکہ وغیرہ جماعتوں کی طرف سے متعدد برقیہ پیغامات موصول ہوئے۔

بھارت کی ممتاز مسلم شخصیات میں سے جناب ڈاکٹر سید محمود احمد صاحب سابق وزیر خارجہ حکومت ہند نئی دہلی اور جناب خواجہ حسن نظامی صاحب ثانی (گدی نشین درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نئی دہلی) کے پیغامات موصول ہوئے جن میں جماعت احمدیہ کی دینی خدمات پر خراج تحسین ادا کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر سید محمود احمد صاحب کا پیغام حسب ذیل الفاظ میں تھا:-

"آپ کے دعوت نامہ کا بہت بہت شکریہ۔ افسوس ہے کہ مَیں بوجہ مصروفیات جلسہ میں شامل نہیں ہو سکوں گا۔ مَیں اگرچہ احمدی نہیں ہوں لیکن میرے دل میں حضرت خلیفۃ المسیح اور احمدیہ جماعت کے متعلق انتہائی طور پر احترام کے جذبات ہیں بوجہ اس کے کہ وہ اسلام کے لیے بے لوث خدمات اور بے غرضانہ کام سرانجام دے رہے ہیں۔"

خواجہ حسن نظامی صاحب ثانی نے اپنے پیغام میں تحریر فرمایا کہ:-

"آپ لوگ ایسی عمدگی اور مستقل مزاجی سے تبلیغ کرتے ہیں کہ مجھے رشک آتا ہے ...... مجھے آپ کی جماعت کے بہت سے عقائد سے اختلاف ہے۔ لیکن یہ اختلافات اپنی جگہ اور آپ لوگوں کی مستعدی اور اپنی جماعت کی خدمتوں کا اعتراف اپنی جگہ ہے۔ کوئی بھی انصاف پسند آدمی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ قادیانی مبلّغوں جیسے دُھن کے پکّے مبلغ بہت کم جماعتوں کو میسّر ہیں۔"

بعض غیر مسلم معززین نے بھی اپنے دلی جذباتِ خلوص پر مشتمل پیغامات بھیجے مثلاً شری پنڈت موہن لال

---

[1] بدر ۱۷؍اکتوبر، ۲۰؍اکتوبر ۱۹۵۷ء میں تفصیلی روداد درج ہے۔

سے فنانس منسٹر مشرقی پنجاب ۔مسٹر آر۔ایل کپور صاحب انجینئر میرٹھ ۔مسٹر اے۔ایم ڈاکر پنجاب نیشنل بنک دہلی ۔کیپٹن جگت سنگھ صاحب اسسٹنٹ ریکروٹنگ آفیسر امرتسر۔محترمہ مس افضیلین ولیس صاحبہ چنڈی گڑھ ۔[1]

بھارت کے بااثر انگریزی روزنامہ "ہندوستان ٹائمز" (HINDUSTAN TIMES) نے اپنی ۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں لکھا :۔

"احمدیوں کا قادیان میں اجتماع دینِ اسلام کو پھیلانے کی ترغیب ۔

حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح امام جماعت احمدیہ نے اپنے خاص پیغام میں جو آپ نے ہندوستانی احمدیوں کے لیے جلسہ سالانہ پر بھجوایا اور جو جلسہ قادیان کے افتتاحی اجلاس میں پڑھ کر سنایا گیا فرمایا ۔

اسلامی تبلیغ کو مشرقی پنجاب اور قریب کے صوبہ جات میں پھیلاؤ ۔ یہی ایک ذریعہ ہے جس سے پاکستان اور ہندوستان کے دل مل سکتے ہیں ۔جلسہ کے موقعہ پر انڈونیشیا ، مصر ، مغربی ومشرقی افریقہ ۔سیلون ۔صوبجات متحدہ امریکہ اسپین اور پاکستان کے مشہور احمدیوں کی طرف سے بھی پیغامات موصول ہوئے جو اجلاس میں پڑھے گئے ۔اس تقریب میں تقریباً بارہ صد احمدی اور ایک ہزار سکھ اور ہندو شامل ہوئے پاکستان سے صرف بیس احمدی[2] جن میں پانچ مستورات بھی شامل تھیں آئیں

ڈاکٹر سید محمود احمد صاحب (سابق وزیر خارجہ ہندوستان) نے اپنے پیغام میں کہا کہ وہ احمدیہ جماعت میں شامل نہیں ۔لیکن خلیفہ صاحب اور جماعت احمدیہ کو بہت عزت و احترام کے جذبات سے دیکھتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو اسلام کی بے غرضانہ خدمت میں وقف کیا ہے ۔

جلسہ میں مندرجہ ذیل مشہور احمدی شامل ہوئے :۔

ڈاکٹر سید اختر صاحب آف پٹنہ یونیورسٹی ۔پروفیسر عبدالسلام بنارس یونیورسٹی ۔مسٹر محمد ایوب ۔اے ڈی

---

[1] بدر ۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۷ء صد ۱۲ ؛ [2] یہ صحیح نہیں ۔ اگرچہ اس سال قافلہ پاکستان کی باقاعدہ اجازت نہیں مل سکی ۔ پھر بھی ۳۵۰ پاکستانی احمدی ویزا سے شامل جلسہ ہوئے (بدر ۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۷ء صدا)

. ایم ۔صوبہ بہار مولوی محمد اسمٰعیل صاحب وکیل یادگیر (دکن) اور مسٹر شرافت خاں اڑیسہ۔

تین دن تک حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے پیروؤں نے روحانی، سماجی، ثقافتی اور جماعت احمدیہ کے انتظامی امور پر تقاریر کیں۔ مستورات کا جلسہ علیحدہ ہوا (ترجمہ)

روزنامہ "ٹائمز آف انڈیا" مورخہ ۳۰؍اکتوبر ۱۹۵۷ء میں اس مبارک جلسہ کی حسب ذیل خبر چھپی:۔

اسلامی تعلیمات کو پھیلاؤ۔

احمدیت کا پیغام

حضرت خلیفۃ المسیح مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ نے اپنے خصوصی پیغام میں جو آپ نے جلسہ سالانہ قادیان کے موقعہ پر ہندوستانی احمدیوں کے نام بھجوایا فرمایا اسلامی پیغام کو مشرقی پنجاب اور قریب کے صوبوں میں پھیلاؤ یہی ایک طریق ہے جس سے ہندوستان اور پاکستان کے دل متحد ہو سکتے ہیں اور وہ بغیر جنگ کے اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ آپ نے ہندوستانی احمدیوں کو نصیحت فرمائی کہ وہ پاکستان یا ربوہ (احمدیہ جماعت کے پاکستانی مرکز) کی طرف نظر نہ اٹھائیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت ملکوں میں سے ہندوستان اور شہروں میں سے قادیان احمدیہ جماعت کے روحانی مراکز ہیں کیونکہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہ قادیان کی ولادت قادیان میں ہوئی[1] (ترجمہ)

جلسہ سالانہ ربوہ ۔ ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر کو شمع احمدیت کے ستر ہزار پروانوں کا ربوہ میں عدیم المثال اجتماع ہوا اور دنیا نے ایک بار پھر دیکھا کہ تحریک احمدیت کو مخالفتوں اور عداوتوں کے طوفانوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کی خارق عادت تائید و نصرت حاصل ہے۔

اس کامیاب جلسہ میں پاکستان کے علاوہ ہالینڈ، انگلستان، جرمنی مشرقی افریقہ اور ہندوستان سے بھی بعض مخلصین نے شرکت فرمائی اور امام ہمام سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے روح پرور خطاب اور سلسلہ کے دیگر بزرگوں اور علماء عظام کی فاضلانہ تقاریر سے مستفید ہوئے[2]

حضور نے اپنی افتتاحی تقریر میں تفسیر صغیر، تبویب مسند احمد بن حنبل جلد ا کی اشاعت اور تاریخ

---

[1] بحوالہ "بدر" قادیان ۱۴؍نومبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۹

[2] الفضل یکم جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۸

احمدیت کی تدوین کے آغاز کا ذکر کرنے کے بعد بتایا کہ یہ جماعت احمدیہ کا ۷۶ واں جلسہ ہے

"اس عرصہ میں ہم اتنی دشمنیوں سے گزرے ہیں کہ گویا ہم نے تلواروں کے نیچے اپنا سر رکھا اور اس طرح ۷۶ سال گزار دیئے اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے ایمانوں میں روز افزوں زیادتی ہوئی اور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ چنانچہ آج سے ایک سال قبل ایک احمدی میں جتنی طاقت تھی آج اس سے دس گناہ زیادہ طاقت اس میں موجود ہے .... بلکہ اب تو ہماری عورتیں بھی ایسی ہیں جو مردوں سے زیادہ دلیر ہیں۔"

حضور نے چنڈ بھروانہ (ضلع جھنگ) اور منگلا (ضلع سرگودھا) کی مخلص اور نئی احمدی جماعتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک احمدی خاتون کے جوشِ تبلیغ کی خاص طور پر مثال دی اور اس کے دلچسپ تبلیغی واقعات سنائے اور دنیا بھر کے احمدیوں کو پُرزور تلقین فرمائی کہ عہد کریں کہ ہر احمدی سال میں کم از کم ایک سو آدمیوں کو سلسلہ کا لٹریچر ضرور پڑھائے گا۔ تقریر کے آخر میں حضور نے ایک خواب کی بناء پر فرمایا کہ:-

"خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ دن جلد آنے والا ہے جب ہمارا چندہ ساٹھ لاکھ ہو جائے گا اور اگر صدر انجمن احمدیہ کے بجٹ کے ساتھ تحریک جدید کے بجٹ کو بھی ملایا جائے تو جماعت کا کل بجٹ ایک کروڑ بیس لاکھ ہو جاتا ہے اور اگر ایسا ہو جائے تو بہاولپور اور خیرپور کی آمد سے بھی ہمارا سالانہ بجٹ بڑھ جائے گا اور اگر خدا تعالیٰ نے مزید ترقی دی تو پاکستان کی آمد سے بھی صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کی آمد زیادہ ہو جائیگی بلکہ ہم تو اس امید میں ہیں کہ امریکہ، روس، انگلینڈ، جرمنی اور فرانس کی آمد کو اگر ملایا جائے تب بھی صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کی آمد اس سے زیادہ ہو تا کہ یورپ اور امریکہ میں ہم پانچ ہزار ..... (خدا کے گھر) سالانہ تعمیر کرا سکیں۔"[1]

حضور کی دوسری تقریر حسب معمول سال گذشتہ کے کام پر تبصرہ اور نئے سال کے پروگرام سے متعلق تھی۔ سب سے قبل حضور نے مجلس خدام الاحمدیہ کراچی اور مجلس انصار اللہ ملتان کو اپنے دست مبارک سے علم انعامی عطا فرمائے پھر مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ، مولوی جلال الدین صاحب شمس، مولوی ابوالمنیر نور الحق صاحب، مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر انچارج شعبہ زود نویسی، منشی عبدالحق

---

[1] الفضل ۸ جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۳-۶ (اصل تقریر میں "خدا کا گھر" کی بجائے مساجد کا لفظ ہے

صاحب کاتب منشی محمد اسماعیل صاحب کاتب اور منشی انوار احمد صاحب سنگ ساز کو اظہارِ خوشنودی کے طور پر انعامی تھیلیاں عطا فرمائیں۔ محترم ملک صاحب موصوف کی زیر نگرانی مسند احمد بن حنبل کی تبویب کا جو عظیم الشان کام ہوا یہ انعام اس سلسلہ میں تھا اور باقی اصحاب تفسیر صغیر جیسی شاندار تالیف کی بروقت اشاعت کے مثالی کارنامہ کے باعث مستحق انعام قرار پائے تھے۔

حضور نے پچھلے سال "رسائل خلافت" کے امتحانات میں اوّل، دوم، سوم آنے والوں کو انعام دینے کا اعلان فرمایا۔ اس کے مطابق حضور نے اس موقع پر مندرجہ ذیل اصحاب کو انعامات عطا فرمائے:-

۱۔ مرزا برکت علی صاحب آف قادیان (انصار اللہ میں اوّل)
۲۔ مولانا شیخ عبد القادر صاحب مربی سلسلہ احمدیہ لاہور (دوم)
۳۔ ڈاکٹر محمد الدین صاحب چکوال (سوم)
۴۔ چوہدری نذیر احمد صاحب سیالکوٹی لاہور چھاؤنی (خدام الاحمدیہ میں اوّل)
۵۔ مولوی محمد سلطان اکبر صاحب بی اے ضلع سرگودہا (دوم)
۶۔ مرزا منور احمد صاحب ربوہ (سوم)
۷۔ مکرم عبد المنان ناہید صاحب ناہید کیمبل پور (سوم)

لجنہ اماء اللہ میں سے محترمہ محمودہ بیگم احمد صاحب کراچی نے اوّل، محترمہ قدسیہ بیگم صاحبہ بنت چوہدری عبد الحمید صاحب روہڑی نے دوم اور محترمہ عائشہ بیگم صاحبہ نے سوم پوزیشن حاصل کی تھی۔ حضور کے ارشاد پر جلسہ خواتین میں ان کو انعامات تقسیم کر دیئے گئے۔

تقسیم انعامات کے بعد حضور نے تفسیر صغیر کی اشاعت اور فلپائن میں درجنوں نفوس کے قبولِ احمدیت کی خوشخبری سنائی۔ چنانچہ فرمایا:-

"اس سال خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک تو تفسیر صغیر یعنی قرآن کریم کا اُردو ترجمہ اور مختصر تفسیر شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے یہ اس سال کا کارنامہ ہے جو دوست اس تفسیر کو پڑھیں گے وہ انشاء اللہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے یہ کام صرف ۳ ماہ میں ہوا ہے یعنی مئی کے آخر میں یہ کام شروع ہوا تھا اور اگست کے شروع میں یہ کام مکمل ہو گیا تھا دوسرے علماء جو ہماری جماعت سے تعلق نہیں رکھتے وہ اس کا مقابلہ اگر دوسری تفسیروں سے کریں۔ خواہ وہ انگریزی میں ہوں یا عربی زبان میں تو ان کو پتہ لگے گا کہ

یہ تفسیر خدا تعالیٰ کے فضل سے ان پر ہر لحاظ سے غالب ہے اور گو یہ تفسیر صغیر ہے مگر اس میں بعض مضامین ایسے آ گئے ہیں جو تفسیر کبیر میں بھی نہیں۔ ملک غلام فرید صاحب جو انگریزی تفسیر القرآن لکھ رہے ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ مجھے ایک نسخہ تفسیر صغیر کا جلد بھجوا دیا جائے تاکہ میں انگریزی تفسیر القرآن کے مسودہ میں مناسب جگہوں پر اصلاح کر لوں یا اضافہ کرنے کی ضرورت ہو تو اضافہ کر لوں چنانچہ ان کو کتاب بھجوا دی گئی ہے۔

گو شروع میں صرف ایک ہزار کی اشاعت کا اعلان ہوا تھا مگر اس وقت تک خدا تعالیٰ کے فضل سے تین ہزار چھ سو کی درخواستیں آ چکی ہے مگر پریس اتنی تعداد میں تفسیر چھاپ نہیں سکا اس لیے جن لوگوں کی خریداری کے لیے درخواستیں آئی ہوئی ہیں انہیں باری باری اور آہستہ آہستہ تفسیر دیدی جائیگی۔

خدا تعالےٰ کے فضل سے اس تفسیر میں اکثر مضامین آ گئے ہیں پہلے خیال تھا کہ اس کے بارہ سو صفحات ہوں گے مگر بعد میں مضمون لمبا ہو گیا۔ چنانچہ اب اصل تفسیر کے تیرہ سو بیس صفحات ہیں اور ۴۳ صفحات ضمیمہ کے ہیں جو نوٹ لمبے ہو گئے ہیں انہیں تفسیر کے آخر میں بطور ضمیمہ لگا دیا گیا ہے۔ پھر ۱۱۲ صفحات کی فہرست مضامین بھی جسے انگریزی میں انڈیکس (INDEX) کہتے ہیں کتاب کے شروع میں لگا دی گئی ہے یہ انڈیکس اتنا وسیع ہے کہ پہلے تمام انڈیکسوں سے اعلیٰ ہے اور ان سے بہت زیادہ مضامین اس میں آ گئے ہیں۔

ترجمہ کے متعلق یہ خیال رکھا گیا ہے کہ وہ بامحاورہ ہو اس سے پہلے تمام تراجم قریباً تحت اللفظ ہوتے تھے یعنی عربی زبان میں جس لفظ کا جو مقام ہوتا تھا اس کو بیان کر دیا جاتا تھا لیکن اس میں یہ نقص ہوتا تھا کہ اُردو جاننے والا جس کو قرآن کریم سمجھانا مقصود ہوتا تھا اس کے معنی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا لیکن بامحاورہ ترجمہ سے ہر اردو جاننے والا قرآن کریم کا مفہوم آسانی سے سمجھ سکتا ہے اس لیے ہم نے بامحاورہ ترجمہ کیا ہے اور عربی زبان کے لحاظ سے جو مقام جس لفظ کا تھا اسے ترجمہ کے نیچے نوٹ میں ظاہر کر دیا ہے اس کے علاوہ قرآن کریم کے مختصر مضامین بھی درج کر دیئے ہیں۔ اس طرح ترجمہ بامحاورہ بھی ہو گیا ہے تحت اللفظ بھی ہو گیا ہے اور تفسیر بھی ساتھ آ گئی ہے۔ غرض یہ کہ تفسیر گو مختصر ہے مگر ایسی مکمل ہے کہ بعض مضامین اس میں ایسے آ گئے ہیں کہ وہ تفسیر کبیر میں بھی نہیں آئے۔ اب جو شخص تفسیر کبیر کی طرح ان نوٹوں کو پھیلانا چاہے گا وہ انہیں پھیلا سکے گا۔ اور جو شخص انہیں پھیلانے کی قابلیت نہیں رکھتا وہ قرآن کریم کے مفہوم سے واقف ہو جائے گا۔

دوسری چیز جو خدا تعالیٰ نے ہمیں دی ہے وہ یہ ہے کہ پچھلے سال مَیں نے جلسہ سالانہ کے موقع پر ایک تقریر میں کہا تھا کہ گو ہم نے اب تک فلپائن میں اپنا کوئی مبلغ نہیں بھیجا مگر تاہم وہاں ۲۷ افراد سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے ہیں اب اطلاع آئی ہے کہ وہاں سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے والوں کی تعداد ۲۰۰ تک پہنچ گئی ہے۔ ان لوگوں میں سکولوں اور کالجوں کے طالب علم اور گورنمنٹ کے بعض بڑے بڑے افسر جیسے محکمہ تعلیم کے افسران اور اس طرح بعض دوسرے محکموں کے افسر شامل ہیں بعض سکول اور کالج ایسے ہیں جن کے طلباء کی ایک بڑی تعداد احمدیت میں داخل ہو چکی ہے پس کیا بلحاظ کمیت اور کیا بلحاظ کیفیت دونوں لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں فلپائن میں فتح عظیم بخشی ہے فلپائن کوئی معمولی ملک نہیں بلکہ بڑا اہم ملک ہے اس کو ابتداء میں مسلمانوں نے فتح کیا تھا بہت قدیم زمانہ میں مسلمان سیلون آئے سیلون سے انڈونیشیا گئے اور انڈونیشیا سے جا کر انہوں نے فلپائن فتح کیا۔ بعد میں اس پر سپین نے قبضہ کر لیا اور پھر سپین سے یہ ملک امریکہ نے چھین لیا اور سپین والوں نے مسلمانوں کو بالجبر عیسائی بنایا۔ چنانچہ ایک جگہ پر تلوار لٹکا دی گئی اور اعلان کر دیا گیا کہ جو مسلمان اس کے نیچے سے گزرتے ہوئے عیسائیت کا اقرار کرے گا اس کو کچھ نہیں کہا جائے گا لیکن جو عیسائیت کا اقرار نہیں کرے گا اس کی گردن اسی تلوار سے اُڑا دی جائے گی۔

اس طرح فلپائن کے سارے مسلمان باشندوں کو ایک ہی دن میں عیسائی بنا لیا گیا پس فلپائن کوئی معمولی ملک نہیں بلکہ اس کی حیثیت اسپین سے دوسرے نمبر پر ہے اس جگہ ہمارے سلسلہ کا پھیل جانا بڑی برکت کا موجب ہے۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ اس ملک کی رومن کیتھولک حکومت ہمارے مبلغوں کو نہ صرف وہاں جانے نہیں دیتی بلکہ وہاں کے نومسلموں کو پڑھنے کے لیے ربوہ نہیں آنے دیتی۔ اب خبر آئی ہے کہ برابر تین سال کے جھگڑے کے بعد حکومت نے ایک نومسلم کو ربوہ آنے کی اجازت دے دی ہے اور اس کے متعلق یہ بھی یقین نہیں کہ وہ یہاں آ بھی سکے گا یا نہیں بہرحال اس ملک کی یہ کیفیت ہے کہ ہمارے آدمیوں کو ادھر جانے بھی نہیں دیا جاتا اور اُدھر کے آدمیوں کو ادھر نہیں آنے دیا جاتا۔ تاکہ کہیں عیسائیت میں رخنہ پیدا نہ ہو جائے۔ پھر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ فلپائن کے ایسے علاقے کے لوگ احمدیت میں داخل ہوئے ہیں جو سارے فلپائن پر غالب ہیں۔ پچھلی جنگِ عظیم میں جاپانیوں کا مقابلہ انہیں لوگوں کی مدد سے کیا گیا تھا یہ لوگ جنگل میں رہتے ہیں اور ہم تو اس فعل کو ناجائز سمجھتے ہیں مگر چونکہ وہ اپنے پہلے مذہب کے پیرو ہیں اس لیے وہ رائفلیں لے کر جنگل سے نکل آتے ہیں اور جو عیسائی انہیں نظر آئے اسے

گولی مار دیتے ہیں گویا اُن کی مثال قبائلی پٹھانوں کی طرح ہے جونہی انہیں کوئی عیسائی نظر آتا ہے وہ اسے گولی مار دیتے ہیں اور پھر جنگل میں چھپ جاتے ہیں۔ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے اس علاقہ میں احمدیت پھیل رہی ہے"[1]

حضرت مصلح موعودؓ کی تیسری معرکہ آراء تقریر سیر روحانی کے موضوع پر لنگر خانوں سے متعلق تھی جسے علم و معرفت کے آسمانی مائدہ سے تعبیر کیا جانا چاہیئے[2]

اس اہم علمی تقریر سے قبل حضور نے مصلح موعودؓ کی پیشگوئی کے بارے میں نہایت ایمان افروز واقعات بیان فرمائے جن سے قطعی اور بالبداہت طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ ربّانی تقدیریں اس طرف اشارہ کر رہی تھی کہ آپ ہی مصلح موعود ہیں۔ اس ضمن میں حضور نے تین آسمانی نشانوں کا خصوصی ذکر فرمایا:۔

۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نعش مبارک کے سامنے عہد کہ "مَیں بچہ ہوں پر اُسے میرے خدا مَیں تیری قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا نے اس سے مُنہ موڑ لیا تو مَیں اُس سے مُنہ نہیں موڑوں گا۔ اور مَیں اس وقت تک چین نہیں لوں گا جب تک کہ ساری دنیا کو اس کے قدموں میں لا کر ڈال نہ دوں"۔

۲۔ ۱۹۱۳ء میں شملہ کے مقام پر ایک رؤیا میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کی راہ میں بڑی بڑی بلائیں آئیں گی مگر تم یہ کہتے چلے جانا۔ خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔

چنانچہ اس کے بعد آپ نے زندگی بھر جو مضمون لکھے یا تقریر کے نوٹ تیار کیے اُن کے اوپر یہ الفاظ ضرور تحریر فرمائے اور یہ عجیب بات ہے کہ آپ کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے بالکل یہی الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ جب اس پیشگوئی کی شہرت کامل درجہ پر پہنچ گئی۔ "تب خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کو مطابق ۹ رجمادی الاوّل ۱۳۰۶ھ میں بروز شنبہ محمود پیدا ہوا"[3] اس طرح اللہ تعالیٰ نے "خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ" کے الفاظ کے ساتھ ۱۹۱۳ء میں ہی آپ کے مصلح موعودؓ ہونے کی طرف توجہ دلا دی۔

---

[1] الفضل ۱۴ر فروری ۱۹۵۸ء صـ۳ ر۴ ر۵ ؛ [2] مکمل تقریر "سیر روحانی جلد ششم صـ۱ تا صـ۱۳۶ میں شائع شدہ ہے ؛ [3] تریاق القلوب طبع اوّل صـ۴۲۔

۳۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات پر آپ نے فیصلہ فرمایا کہ جماعت کی وحدت و اتحاد کے لیے آپ مولوی محمد علی صاحب کا نام انتخاب خلافت کے موقع پر پیش کر دیں گے مگر خدا کے ازلی نوشتے پورے ہوئے اور قبل اس کے کہ آپ دوستوں کو مولوی محمد علی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی تحریک فرماتے آپ کو دیکھتے ہی مولوی محمد احسن صاحب امروہی مرحوم نے کہا کہ ہاتھ بڑھایئے اور بیعت لیجیئے آپ کو بیعت کے الفاظ یاد نہیں تھے مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب آگے بڑھے اور کہا کہ لفظ مجھے یاد ہیں میں کہتا جاؤں گا آپ دہراتے جایئے اس پر مولوی محمد علی صاحب نے تقریر کرنا چاہی مگر تمام احمدیوں نے بیک زبان کہا کہ ہم نہیں سُننا چاہتے جس پر مولوی صاحب موصوف کو بیٹھ جانا پڑا اور جماعت احمدیہ آپ کے ذریعہ دوبارہ خلافت کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی۔

حضور نے اپنی روح پرور تقریر میں یہ سب واقعات پوری شرح و بسط سے بتلانے کے بعد بڑے جلال کے ساتھ فرمایا۔ "میں اگر کہہ دیتا کہ مولوی محمد علی صاحب کی بیعت کر لی جائے تو سب لوگ مولوی محمد علی صاحب کی بیعت کر لیتے مگر خدا تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ یہ کام اُن سے نہ لے بلکہ مجھ سے لے سو خدا تعالیٰ نے مجھ کو ہی کھڑا کیا اور وہ ناکام رہے یہ تیسری مثال ہے اس بات کی کہ مصلح موعودؑ کے لیے خدا تعالیٰ نے متواتر نشان دکھائے اور اس کی انگلی بار بار اس طرف اٹھتی تھی کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس سے خدا تعالیٰ یہ کام لینا چاہتا ہے۔"

نیز فرمایا "پھر میرے عمل نے بھی اس بات کو ثابت کر دیا۔ آج مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر قرآن بھی موجود ہے اور میری بھی۔ اُن کی تفسیر تین جلدوں میں ہے اور اس کے ۱۹۹۵ صفحات ہیں اور میری تفسیر قرآن اب تک ۳۲۶۶ صفحات تک مکمل ہو چکی ہے اور ۱۳۵۴ صفحہ کی اب تفسیر صغیر چھپی ہے اگر یہ تفسیر کبیر مکمل ہو جائے تو میرا خیال ہے کہ وہ سات ہزار صفحہ کی کتاب ہو جائے گی اور مولوی صاحب کی اس کے مقابلہ میں صرف بیس سو صفحہ کی کتاب ہو گی پھر اگر دوسری کتابیں دیکھی جائیں جیسے دعوت الامیر وغیرہ ہیں اور ان کے صفحات بھی اس میں شامل کیے جائیں تو میری تفسیر کے غالباً بیس ہزار سے زیادہ صفحے ہو جائیں گے اور مولوی صاحب کی کتابیں ان کے مقابلہ میں رکھی جائیں تو وہ بالکل ہیچ نظر آئیں گی۔

پھر مبلغین کو دیکھ لو اللہ تعالیٰ نے مجھے یورپ میں تبلیغ اسلام کی ایسی توفیق دی کہ شیخ محمد طفیل صاحبؒ

ؒ فوت ہو چکے ہیں۔

جو غیر مبائعین کے مبلغ ہیں اور آج کل ایمسٹرڈم (ہیگ) میں کام کر رہے ہیں انہوں نے ایک دفعہ "پیغام صلح" میں مضمون لکھا کہ اس وقت مغربی دنیا میں ہالینڈ، جرمنی، سپین اور سوئٹزرلینڈ میں مبائعین کے مبلغ کام کر رہے ہیں اور سب ہی پڑھے لکھے مخلص نوجوان ہیں اور سات آٹھ سال ان ممالک میں رہنے کی وجہ سے مغربی زبانوں سے بھی کما حقہٗ واقف ہو چکے ہیں اور ان میں تقریر و تحریر کی کافی مہارت پیدا کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ڈچ، جرمن اور انگریزی زبان میں ان کے پاس لٹریچر بھی اچھا خاصہ موجود ہے"

(پیغام صلح ۲۱ر جولائی ۱۹۵۴ء)

.... غرض ان کی کتابوں سے زیادہ کتابیں لکھنے کی مجھے توفیق ملی اور پھر ان کتابوں کے ساتھ مبلغ بھیجنے کی ضرورت تھی، جن کے بغیر کتابیں کوئی کام نہیں دے سکتیں خدا تعالیٰ نے مجھے اس کو پورا کرنے کی توفیق دی کیونکہ یورپین لوگ اسلام سے ناواقف ہیں جب تک ان کو سمجھانے والا نہ ہو صرف کتاب اُن کے آگے رکھ دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔"[1]

---

[1] الفضل ۲۰ر فروری ۱۹۵۸ء ص۳

فصل سوم

رفقاءِ حضرت مسیح موعودؑ کا انتقال

یہ سال عام الحزن کہلانے کا مستحق ہے کیونکہ اس میں حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی مسعود کے متعدد قدیم اور نہایت جلیل القدر رفقائے خاص داغِ مفارقت دے گئے اور یہ مقدس گروہ جو حضرت اقدس کے عہدِ مبارک میں لاکھوں پر مشتمل تھا اب صرف چندسو کی تعداد میں رہ گیا

۱۔ میاں غلام رسول صاحب آف ڈیرہ غازیخان

(ولادت اندازاً ۱۸۷۸ء - بیعت ۱۹۰۴ء وفات ۴ رجنوری ۱۹۵۷ء)

چوغطہ خاندان کے ایک معزز فرد تھے ۔ آپ شہر ڈیرہ غازیخان کے سب سے پہلے فرد تھے جن کو احمدیت کی سعادت نصیب ہوئی اپنی وسیع برادری والدین رشتہ داروں دوستوں کی ناراضگی کی کچھ پرواہ نہ کی ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شہر ڈیرہ غازیخاں میں حضرت اقدس مسیح پاک کی مخالفت شدت اختیار کر چکی تھی ۔ تکفیر اور بائیکاٹ کا حربہ زوروں پر تھا آپ کو اس زمانہ کی سب مشکلات و مصائب میں سے گذرنا پڑا اور ان سب تکالیف کو بصد ذوق وشوق صبر کے ساتھ برداشت کیا اور ثابت قدم رہے ۔ آپ ڈپٹی کمشنر صاحب ڈیرہ غازی خان کے دفتر میں بطور کلرک ملازم تھے اور ۱۹۲۴ء میں ریٹائر ہو کر پنشن یاب ہوئے ۔ ملازمت کا سارا زمانہ نہایت دیانتداری سے گزارا ۔ آپ کی تنخواہ قلیل تھی ۔ جس سے گذر اوقات مشکل سے ہوتی تھی ۔ مگر آپ نے ہمیشہ صبر و رضا کا اعلیٰ نمونہ دکھایا ۔ تقویٰ طہارت کی یہ حالت تھی کہ تھوڑے دن ہوئے کہ آپ حسن خاں صاحب خان صاحبانہ کئے پاس ضلع کچہری میں اپنے کام کے سلسلہ میں آئے اور اونچی آواز میں کچھ فرمانے لگے اور ان کے ذمہ ایک کام لگا کر چلے گئے کچھ فاصلہ پر ایک معزز

غیر احمدی جو شہر ڈیرہ غازیخاں کے میونسپل کمشنر بھی ہیں اپنے کام میں مصروف تھے ۔ انہوں نے اپنا کام چھوڑ کر حجانہ صاحب کو بلایا اور کہا کہ میاں غلام رسول صاحب کیوں ناراض ہو رہے تھے ۔ اور کہنے لگا کہ یہ بزرگ خدا رسیدہ انسان اور اللہ کا پیارا ہے مجھے اس کی دعاؤں پر یقین کامل اور اس کی ناراضگی سے سخت خوف لگتا ہے ۔ آئندہ احتیاط کیا کرو ۔ کہ وہ اونچی آواز سے بھی مخاطب نہ ہو ۔ صوم وصلوٰۃ کی بڑی سختی سے پابند تھے ۔ عسر ویسر میں روزے بڑی تاکید کے ساتھ رکھا کرتے تھے ۔ اور یہ پرواہ نہیں کیا کرتے تھے کہ سحری کے لیے کچھ ہے بھی یا نہیں ۔ بلاناغہ نماز تہجد پڑھا کرتے اور اپنے رب کے حضور نصرت اسلام غلبہ احمدیت، سیدنا خلیفۃ المسیح الثانی المصلح موعود کی درازی عمر صحت و سلامتی و خاندان مسیح موعود اور بزرگان اور مبلغین اور مجاہدین سلسلہ کے لیے نہایت انکساری کے ساتھ دعائیں مانگا کرتے تھے ۔ شب بیدار تھے ۔ گر کبھی تہجد کے وقت اٹھنے میں دیر ہو جاتی تو کہتے تھے کہ فرشتہ مجھے کہتا تھا کہ اٹھ غلام رسول تہجد کا وقت ہو گیا ہے ۔ موصی تھے اور چندہ وصیت ہمیشہ وقت پر ادا کرتے اور دوسرے چندوں اور تحریکات سلسلہ عالیہ میں بھی حسب توفیق حصہ لیا کرتے ۔ دست سوال دراز کرنا موت کے برابر سمجھتے تھے اور عجیب شان ایزدی ہے کہ خداوند کریم سب مشکلات وقت پر دور کرنے کے سامان مہیا کر دیا کرتا تھا [1]

۲ ۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھیروی بانی احمدیہ مشن امریکہ

(ولادت ۱۱ جنوری ۱۸۷۲ء [2] ۔ بیعت ۳۱ جنوری ۱۸۹۱ء [3] ۔ وفات ۱۳ جنوری ۱۹۵۷ء [4])

حضرت مفتی محمد صادق صاحب، حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے [5] آپ کے بزرگ عرب سے ایران آئے پھر سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں پنجاب پہنچے اور ملتان اور پاک پٹن میں مقیم ہوئے اور عموماً حکومت وقت کی طرف سے قاضی کے عہدہ پر سرفراز رہے ۔ حضرت اورنگ زیب کے زمانہ میں اس خاندان کے ایک عالم دین بھیرہ [6] کے مفتی بنے اور یہیں آباد ہو گئے ۔

---

[1] الفضل ۷ فروری ۱۹۵۷ء صفحہ ۳ (مضمون حسن خانصاحب حجانہ سیکرٹری امور عامہ ڈیرہ غازیخان)

[2] الفضل ۲۹ جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۳ ؛ [3] رجسٹر بیعت اولیٰ غیر مطبوعہ ؛ [4] الفضل ۱۵ جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۱

[5] مفصل شجرہ نسب ضمیمہ اخبار بدر ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء میں درج ہے ۔ ؛ [6] یہ قصبہ پہلے ضلع شاہ پور میں تھا اب ضلع سرگودہا میں ہے ۔

حضرت مفتی صاحب کے والد ماجد کا نام مفتی عنایت اللہ اور والدہ کا نام فیض بی بی تھا[1]۔ آپ بھیرہ میں مفتیوں کے محلہ میں پیدا ہوئے۔ اور انٹرینس تک بھیرہ میں ہی تعلیم پائی۔ بعدازاں حضرت مولانا نور الدین صاحب بھیروی (خلیفۃ المسیح الاوّل) کی وساطت سے جموں ہائی سکول میں انگلش ٹیچر مقرر ہوئے یہ ۱۸۹۰ء کا واقعہ ہے اسی سال کے آخر میں آپ نے قادیان دارالامان کا پہلا سفر کیا اور بیعت سے مشرف ہوئے۔

چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں :۔

۱۸۹۰ء میں یہ عاجز امتحان انٹرنس پاس کر کے جموں گیا۔ اور وہاں مدرسہ میں ملازم ہو گیا۔ ایک اور مدرس جو میرے ہم نام تھے (مولوی فاضل محمد صادق صاحب مرحوم) میرے ساتھ اکٹھے رہتے تھے۔ اس وقت حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب فتح اسلام جموں میں پہنچی (غالباً وہ پروف کے اوراق تھے جو قبل اشاعت حضرت مولوی نور الدین صاحب ...... کو بھیج دیئے گئے تھے) اس کتاب میں حضرت صاحبؑ نے پہلی دفعہ باوضاحت عیسٰی ناصری کی وفات اور اپنے دعوے مسیحیت کا ذکر کیا۔ وہ کتاب میں نے اور مولوی محمد صادق صاحب نے مل کر پڑھی۔ اور میں نے اس پر چند سوالات لکھ کر حضرت مسیح موعودؑ کو بھیجے۔ جن کے جواب کے متعلق حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے جو اُن دنوں جموں تھے مجھے زبانی فرمایا۔ کہ عنقریب ایک کتاب شائع ہوگی۔ اس میں ان سب سوالوں کے جواب آجائیں گے۔

اس کے بعد اسکول میں کسی رخصت کی تقریب پر میں قادیان چلا آیا۔ غالباً دسمبر ۱۸۹۰ء تھا۔ سردی کا موسم تھا۔ بٹالہ سے میں اکیلا ہی یکّہ میں سوار ہو کر آیا۔ اور بارہ آنہ کرایہ دیا۔ حضرت مولانا صاحب مولوی نور الدین .... نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام ایک سفارشی

---

[1] آپ کے والد حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ سے قبل وفات پاگئے تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ ۹۷-۱۸۹۶ء میں داخل احمدیت ہوئیں۔ بیعت کے بعد جب قادیان سے واپس بھیرہ جانے لگیں تو حضرت اقدس علیہ السلام، مفتی صاحب اور آپ کی والدہ کو الوداع کہنے کے لیے یکّہ والی جگہ تک تشریف لے گئے اور کھانا منگوایا۔ کھانا کسی کپڑے میں نہیں تھا اس لیے حضور نے اپنے عمامہ مبارک سے ایک گز لمبا کپڑا پھاڑا اور اُس میں باندھ دیا۔

(ذکر حبیب ص۵۱ از حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ ناشر بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان)

خط دیا تھا۔ حضرت کے مکان پر پہنچ کر وہ خط مَیں نے اُسی وقت اندر بھیجا۔ حضرت صاحبؑ فوراً باہر تشریف لائے فرمایا۔ مولوی صاحب نے اپنے خط میں آپ کی بہت تعریف کی ہے۔ مجھ سے پوچھا کیا آپ کھانا کھا چکے ہیں۔ تھوڑی دیر بیٹھے اور پھر اندرون خانہ تشریف لے گئے۔ اُس وقت مجھ سے پہلے صرف ایک اور مہمان تھا۔ (سیّد فضل شاہ صاحب مرحوم) اور حافظ شیخ حامد علی صاحب مہمانوں کی خدمت کرتے تھے۔ اور گول کمرہ مہمان خانہ تھا۔ اس کے آگے جو تین دیواری بنی ہوئی ہے، اُس وقت نہ تھی۔ رات کے وقت اس گول کمرہ میں عاجز راقم اور سیّد فضل شاہ صاحب سوائے نماز کے وقت حضرت صاحب بیتِ مبارک میں جس کو عموماً چھوٹی بیت الذکر کہا جاتا ہے تشریف لائے۔ آپؑ کی ریش مبارک مہندی سے رنگی ہوئی تھی۔ چہرہ بھی سُرخ اور چمکیلا۔ سر پر سفید بھاری عمامہ۔ ہاتھ میں عصاء تھا۔ دوسری صبح حضرت صاحبؑ زنانہ سے باہر آئے۔ باہر آکر فرمایا کہ سیر کو چلیں سیّد فضل شاہ صاحب (مرحوم) حافظ حامد علی صاحب (مرحوم) اور عاجز راقم ہمراہ ہوئے کھیتوں میں سے اور بیرونی راستوں میں سے سیر کرتے ہوئے گاؤں کے شرقی جانب چلے گئے۔ اس پہلی سیر میں مَیں نے حضرت صاحبؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ گناہوں میں گرفتاری سے بچنے کا کیا علاج ہے۔

فرمایا: موت کو یاد رکھنا۔ جب آدمی اس بات کو بھول جاتا ہے۔ کہ اُس نے آخر ایک دن مَر جانا ہے۔ تو اس میں طول امل پیدا ہوتا ہے۔ لمبی لمبی اُمیدیں کرتا ہے۔ کہ مَیں یہ کر لوں گا اور وہ کر لوں گا۔ اور گناہوں میں دلیری اور غفلت پیدا ہو جاتی ہے۔ سیّد فضل شاہ صاحب مرحوم نے سوال کیا۔ کہ یہ جو لکھا ہے۔ کہ مسیح موعودؑ اُس وقت آئے گا۔ جبکہ سُورج مغرب سے نکلے گا۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا۔ یہ تو ایک طبعی طریق ہے، کہ سُورج مشرق سے نکلتا ہے۔ مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ مُراد اس سے یہ ہے۔ کہ مغربی ممالک کے لوگ اس زمانہ میں دینِ اسلام کو قبول کرنے لگ جائیں گے۔ چنانچہ سُنا گیا ہے۔ کہ لورپول میں چند ایک انگریز مسلمان ہو گئے ہیں۔ جو کچھ باتیں اُس سفر میں ہوئیں، اُن میں سے یہی دو باتیں مجھے یاد ہیں۔ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا چیز تھی جس نے مجھے حضرت صاحبؑ کی صداقت کو قبول کرنے اور آپؑ کی بیعت کر لینے کی طرف کشش کی۔ سوائے اس کے کہ آپؑ کا چہرہ مبارک ایسا تھا۔ جس پر یہ گمان نہ ہو سکتا تھا۔ کہ وہ جھُوٹا ہو۔

دوسرے یا تیسرے دن مَیں نے حافظ حامد علی صاحب سے کہا کہ مَیں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت صاحبؑ مجھے ایک علیحدہ مکان میں لے گئے۔ جس حصہ زمین پر نواب محمدؐ علی خانصاحب کا شہر والا مکان ہے۔ اور جس کے نیچے کے حصہ میں مرکزی لائبریری رہ چکی ہے۔ جس کے بالاخانہ میں ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب رہ چکے ہیں (آجکل اگست ۱۹۳۵ء میں وہ بطور مہمان خانہ استعمال ہوتا ہے) اس زمین پر اُن دنوں حضرت صاحبؑ کا مویشی خانہ تھا۔ گائے، بیل اُس میں باندھے جاتے تھے اس کا راستہ کوچہ بندی میں سے تھا۔ حضرت صاحبؑ کے اندرونی دالان کے سامنے مویشی خانہ کی ڈیوڑھی کا دروازہ تھا۔ یہ ڈیوڑھی اُس جگہ تھی، جہاں آجکل لائبریری کے دفتر کا بڑا کمرہ ہے۔ اس ڈیوڑھی میں حضرت صاحبؑ مجھے لے گئے اور اندر سے دروازہ بند کر دیا۔ اُن ایام میں ہر شخص کی بیعت علیحدہ علیحدہ لیجاتی تھی۔ ایک چارپائی بچھی تھی۔ اُس پر مجھے بیٹھنے کو فرمایا۔ حضرت صاحبؑ بھی اس پر بیٹھے میں بھی بیٹھ گیا۔ میرا دایاں ہاتھ حضرت صاحبؑ نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور دس شرائط کی پابندی کی مجھ سے بیعت لی۔ دس شرائط ایک ایک کر کے نہیں دُہرائیں۔ بلکہ صرف لفظ دس شرائط کہہ دیا ....

جب مَیں پہلی دفعہ قادیان آیا۔ جو کہ غالباً دسمبر ۱۸۹۰ء کے آخر میں تھا۔ اس وقت مَیں اُس کمرے میں ٹھہرایا گیا، جسے گول کمرہ کہتے ہیں۔ اس کے آگے وہ تین دیواری نہ تھی جو اب ہے۔ اس وقت یہی مہمان خانہ تھا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ یہیں بیٹھ کر مہمانوں سے ملتے تھے۔ یا اس کے دروازے پر میدان میں چارپائیوں پر بیٹھا کرتے تھے۔ اس کے بعد بھی وہ تین سال تک وہی مہمان خانہ رہا۔ اس کے بعد شہر کی فصیل جب فروخت ہوئی۔ تو اُس کو صاف کر کے اس پر مکانات بننے کا سلسلہ جاری ہوا۔ اور وہ جگہ بنائی گئی جہاں حضرت خلیفہ اوّل کا مطب اور موٹر خانہ ہے اور اس کے بعد وہ مکان بنایا گیا جہاں اب مہمان خانہ ہے۔ پہلے اس میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رہا کرتے تھے۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے دوسری طرف مکان بنا لیے تو یہ مکان مہمانوں کے استعمال میں آنے لگا۔ اس مہمان خانہ میں بھی مَیں مقیم ہوتا رہا۔ پھر جب مولوی محمدؐ علی صاحب کے واسطے بیت المبارک کے متصل اپنے مکان کی تیسری منزل پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے کمرہ بنوایا۔ تو جب تک کہ مولوی محمدؐ علی صاحب کی شادی نہیں ہوئی مجھے بھی اُسی کمرے میں حضرت صاحبؑ ٹھہرایا کرتے تھے[1]

---

[1] "ذکرِ حبیب" صفحہ ۴ تا ۱۸ (از حضرت مفتی محمد صادق صاحب) مطبوعہ ۱۹۳۶ء

حضرت مفتی صاحب جموں میں پانچ سال ملازم رہے اگست ستمبر ۱۸۹۵ء میں لاہور آ گئے جہاں اسلامیہ ہائی سکول لاہور میں مدرس ریاضی کے فرائض انجام دیتے رہے پھر دفتر اکاؤنٹنٹ جنرل پنجاب لاہور میں کلرک ہوکر جنوری ۱۹۰۱ء تک لاہور میں رہے[1]

قیام جموں کے دوران آپ نے بی اے کی تیاری انگریزی عربی اور عبرانی مضامین میں جاری رکھی بیعت کے بعد آپ کو حضرت مسیح موعودؑ سے ایسا عاشقانہ اور والہانہ تعلق پیدا ہوگیا کہ جب تک جموں میں رہے ہر سال موسمی تعطیلات میں قادیان پہنچ جاتے اور لاہور آنے کے بعد تو آپ کا اکثر یہ معمول ہوگیا کہ عموماً ہر اتوار کو حضرت مسیح موعودؑ کے قدموں میں حاضر ہوجاتے تھے اور اپنی نوٹ بک میں حضور کے شیریں کلمات خاص اہتمام سے درج کر لیتے اور واپس جاکر دیگر احباب لاہور کو سُنانے بلکہ بیرونی ممالک کے احمدیوں کو بھی بھجوا دیتے جس سے اُن کے نور ایمان میں بے پناہ ترقی ہوتی تھی۔

حضرت مفتی صاحب کا بیان ہے کہ:۔

"جب سے مجھے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے دستِ بیعت ہونے اور آپ کی غلامی میں شامل ہونے کا فخر حاصل ہے تب سے ہمیشہ میری یہ عادت رہی ہے کہ آپ کے مقدس کلمات کو نوٹ کرتا اور لکھ لیتا اور اپنی پاکٹ بکوں میں جمع کرتا اور اپنے مہربانوں اور دوستوں کو کشمیر، کپورتھلہ، انبالہ، لاہور، سیالکوٹ، افریقہ، لندن روانہ کرتا جس سے احباب کے ایمان میں تازگی آتی اور میرے لیے موجب حصول ثواب ہوتا۔ مدتوں لاہور میں یہ حالت رہی کہ جب احباب سُن پاتے کہ یہ عاجز دارالامان سے ہوکر آیا تو بڑے شوق اور التزام کے ساتھ ایک جگہ اکٹھے ہوتے اور میرے گرد جمع ہو جاتے جیسا کہ شمع کے گرد پروانے۔ تب میں انہیں وہ روحانی غذا دیتا جو کہ میں اپنے امام کے پاس سے جمع کر کے لے جاتا اور ان کی پیاسی روحوں کو اس آبِ زلال کے ساتھ ایسا سیر کر دیتا کہ اُن کی تشنگی اور بھی بڑھ جاتی اور ان کی عاشقانہ روحیں اپنے محبوب کی محبت میں اچھلنے لگتیں۔ یہی حال ہر جگہ کے محبان کا تھا"[2]

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے ۲؍ جنوری ۱۹۰۰ء کے ایک مضمون میں حضرت مفتی صاحب کی محبت و عشق کو بطور مثال پیش کرتے ہوئے بتایا کہ:۔

---

[1] ذکر حبیب صفحہ ۲۶ ؛ [2] مضمون حضرت مفتی صاحب ستمبر ۱۹۰۲ء (ذکر حبیب صفحہ ۱۰۳)

"ایک مفتی محمد صادق کو دیکھتا ہوں (سلمہ اللہ وبارک وعلیہ وفیہ) کوئی چھٹی مل جائے یہاں موجود۔ مفتی صاحب تو عقاب کی طرح اسی تاک میں رہتے ہیں کہ کب زمانہ کے زور آور ہاتھوں سے کوئی فرصت غصب کریں اور محبوب اور مولیٰ کی زیارت کا شرف حاصل کریں۔

اے عزیز برادر خدا تیری ہمت میں استقامت اور کوشش میں برکت رکھے اور تجھے ہماری جماعت میں قابلِ اقتدار اور قابلِ فخر کارنامہ بنائے۔

حضرت صاحب نے بھی فرمایا کہ لاہور سے ہمارے حصہ میں مفتی صادق صاحب ہی آئے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ کیا مفتی صاحب کو کوئی بڑی آمدنی ہے؟ اور کیا مفتی صاحب کی جیب میں کسی متعلق کی درخواست کا ہاتھ نہیں پڑتا اور مفتی صاحب تو ہنوز نو عمر ہیں اور اس عمر میں کیا کیا امنگیں نہیں ہوا کرتیں پھر مفتی صاحب کی یہ سیرت اگر عشق کامل کی دلیل نہیں تو اور کیا وجہ ہے کہ وہ ساری زنجیروں کو توڑ کر دیوانہ وار بٹالہ میں اتر کر نہ رات دیکھتے ہیں نہ دن، نہ سردی، نہ گرمی، نہ بارش نہ آندھیری، آدھی آدھی رات کو یہاں پیادہ پہنچتے ہیں جماعت کو اس نوجوان عاشق کی سیرت سے سبق لینا چاہیئے"[1]

اس زمانہ میں آپ کو دینِ حق کی متعدد خدمات بجالانے کی توفیق ملی مثلاً

۱۔ ۱۸؍ مئی ۱۹۰۰ء کو لاہور میں بشپ جارج الفریڈ لیفرائے "زندہ رسول اور معصوم نبی" پر تقریر ہوئی۔ انہوں نے لیکچر کے بعد مسلمانوں کو اعتراضات کرنے کا موقعہ دیا جس پر حضرت مفتی صاحب جواب دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور لاٹ پادری کو لاجواب کر دیا[2]

۲۔ اس شکست کا انتقام لینے کے لیے لاٹ پادری صاحب نے ۲۵؍ مئی کو ایک اور لیکچر دینے کا اعلان کیا۔ جس پر حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے مفتی صاحب کی تحریک پر ایک پُر شوکت مضمون رقم فرمایا جسے حضرت مفتی صاحب نے بشپ موصوف کے لیکچر کے بعد اس جوش و خروش کے ساتھ پڑھا کہ لاہور مسلمانوں کے نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھا۔ بشپ صاحب انگشت بدنداں رہ گئے۔ اور یہ کہہ کر چُپ سادھ لی کہ "تم مرزائی ہو میرے مخاطب عام مسلمان ہیں۔ میں تم سے گفتگو نہیں کرتا"[3]

---

[1] الحکم ۲۴؍ جنوری ۱۹۰۰ء صفحہ (ذکرِ حبیب صفحہ ۳۳۴)؛ [2] الحکم ۲۴؍ جنوری ۱۹۰۰ء صفحہ؛ [3] الحکم ۳۱؍ مئی ۱۹۰۰ء صفحہ الحکم ۱۴؍ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ (تفصیل "تاریخ احمدیت" جلد سوم صفحہ میں آچکی ہے)

۳۔ حضرت مسیح موعودؑ نے کتاب "منن الرحمٰن" کی تصنیف کے دوران مفتی صاحب کو عبرانی سیکھنے کا ارشاد فرمایا تا ثابت کیا جا سکے کہ عبرانی کا اصل ماخذ بھی عربی زبان ہی ہے چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے لاہور میں ایک یہودی عالم سے اتنی عبرانی سیکھی اور عبرانی الفاظ کی ایک فہرست حضور کی خدمت میں پیش کی۔ اس کے بعد آپ نے عبرانی بائبل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود سے متعلق پیشگوئیاں بھی نکال کر دیں جن میں سے بعض کا عبرانی متن تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۱۱ و ۳۸ ا پر درج شدہ ہے۔ عبرانی عبارتوں کی کاپی نویسی بھی آپ ہی کے ہاتھوں ہوئی اسی طرح حضرت اقدس نے تتمہ اربعین نمبر ۴ کے صفحہ ۸ پر جھوٹے نبی کے ہلاک ہونے کے بارے میں عبرانی تورات کے چند حوالے درج ہیں وہ بھی آپ نے پیش حضرت کیے تھے[1]

۴۔ آپ کو ابتدا ہی سے حق و صداقت پھیلانے کا بہت شوق تھا جو جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ ۱۹۰۰ء سے آپ نے بیرونی ممالک کے مشہور عمائدین اور نامور شخصیتوں کو بذریعہ خط و کتابت تبلیغ کرنے کا آغاز فرمایا اور جلد ہی انگلستان اور امریکہ اور جاپان وغیرہ ممالک تک یہ سلسلہ ممتد ہو گیا مسٹر جیمز ایل (اجوز کیلے فورنیا) اے جارج بیکر (فلاڈلفیا امریکہ) مسٹر الیگزنڈر وب (رودر فورڈ امریکہ) روسی ریفارمر کونٹ ٹالسٹائی مسٹر نگیٹ لنڈن نیز یورپ کے فری تھنکروں کی کانگرس منعقدہ اٹلی ۱۹۰۴ء کے نام آپ کے مکتوبات کا اردو ترجمہ آپ کی کتاب "ذکرِ حبیب" میں درج ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے یہ قلمی جہاد حضرت مسیح موعودؑ کے عہد مبارک کے بعد بھی جاری رکھا۔

۵۔ ۱۹۰۰ء میں پیر مہر علی شاہ گولڑوی پر اتمام حجت کے لیے جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے اشتہارات شائع کیے گئے جو سب حضرت مفتی صاحب ہی کے قلم سے نکلے تھے رسالہ "واقعات صحیحہ" اس دور کی یادگار ہے جو آپ نے شائع کیا تھا[2]

جولائی ۱۹۰۱ء میں آپ مستقل طور پر ہجرت کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں آ گئے۔

ابتداء میں آپ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے سیکنڈ ماسٹر اور ۱۹۰۳ء میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ ۲۸ رمئی ۱۹۰۳ء کو کالج کا افتتاح عمل میں آیا تو آپ اس کے منیجر اور سپرنٹنڈنٹ اور منطق کے پروفیسر مقرر ہوئے۔

ہجرت قادیان کے بعد برابر ایک سال تک حضرت مسیح موعود کے حکم پر آپ کا اور آپ کے اہل و عیال

---

[1] الفضل ۳ر جنوری ۱۹۴۵ء صہ ۔ [2] "ذکرِ حبیب" صفحہ ۸، ۹

کا کھانا دونوں وقت لنگر خانہ سے آتا رہا ۔ آپ نے کئی بار عرض کی کہ اب میں یہاں ملازم ہوں اور مناسب ہے کہ اپنے کھانے کا خود انتظام کروں مگر حضرت اقدس نے اجازت نہ دی ۔ ایک سال کے بعد آپ نے رقعہ لکھا کہ "میں اس واسطے اپنا انتظام علیحدہ کرنا چاہتا ہوں کہ میرا بوجھ جو لنگر پر ہے وہ خفیف ہو کر مجھے ثواب حاصل ہو"۔

اس کے جواب میں حضور نے تحریر فرمایا کہ :۔

"چونکہ آپ بار بار لکھتے ہیں اس واسطے میں آپ کو اجازت دیتا ہوں اگرچہ آپ کے لیے لنگر سے کھانا لینے کی صورت میں بھی آپ کے ثواب میں کوئی کمی نہ تھی"[1]

۱۹۰۴ء میں آپ بہت بیمار ہو گئے ۔ آپ کی والدہ محترمہ بھی قادیان تشریف لائی ہوئی تھیں ۔ انہوں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواستِ دعا کی ۔ حضور نے فرمایا :۔

"ہم تو اُن کے لیے دعا کرتے ہی رہتے ہیں آپ کو خیال ہوگا کہ صادق آپ کا بیٹا ہے اور آپ کو بہت پیارا ہے ۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ وہ مجھے آپ سے زیادہ پیارا ہے"[2]

مارچ ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کو "البدر" کا ایڈیٹر مقرر فرمایا اور حسب ذیل اعلان لکھا :۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اطلاع

میں بڑی خوشی سے یہ چند سطریں تحریر کرتا ہوں کہ اگرچہ منشی محمد افضل صاحب مرحوم ایڈیٹر اخبار البدر قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے شکر اور فضل سے ان کا نعم البدل اخبار کو ہاتھ آ گیا ہے یعنی ہمارے سلسلہ کے ایک برگزیدہ رکن ۔ جوان صالح ۔ اور ہر یک طور سے لائق جن کی خوبیوں کے بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں ۔ یعنی مفتی محمد صادق صاحب بھیروی قائمقام منشی محمد افضل صاحب مرحوم ہو گئے ہیں میری دانست میں خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے اس اخبار کی قسمت جاگ اٹھی ہے کہ

---

[1] "ذکرِ حبیب" صفحہ ۳۳۰ ، ۳۳۱ ؛ [2] ایضاً صفحہ ۳۲۵

اس کو ایسا لائق اور صالح اڈیٹر ہاتھ آیا خدا تعالیٰ یہ کام ان کے لیے مبارک کرے اور ان کے کاروبار میں برکت ڈالے آمین ثم آمین خاکسار مرزا غلام احمد

۲۳ محرم الحرام ۱۳۲۳ ہجری علی صاحبہا التحیۃ والسّلام ۔ ۳۰ مارچ ۱۹۰۵ء[1]

اخبار بدر ۱۹۱۴ء تک آپ کی ادارت میں جاری رہا ۔ اخبار "الحکم" کی طرح "بدر" بھی سلسلہ احمدیہ کی ابتدائی تاریخ کا حامل ہے اور اس کی شاندار خدمات کبھی فراموش نہیں کی جا سکتیں ۔ حضرت مسیح موعودؑ نے دونوں اخباروں کو اپنا دستِ و بازو قرار دیا ۔

۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعودؑ نے گورو ہر سہائے ضلع فیروزپور کو ایک وفد بھیجا کیونکہ پتہ چلا تھا کہ وہاں حضرت بابا نانک کی ایک پوتھی رکھی ہے ۔ اس وفد میں حضرت مفتی صاحب بھی شامل تھے آپ فرماتے ہیں ہم نے دیکھا کہ وہ پوتھی قرآن شریف ہی تھا ۔ واپسی پر اس دورہ کی رپورٹ حضرت مفتی صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی جو "چشمہ معرفت" صفحہ ۳۲۷ پر درج ہے[2]

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کی وفات (۱۹۰۵ء) کے بعد حضرت اقدس کی ڈاک کا انتظام آپ کے سپرد تھا اسی لیے حضور نے وفات سے قبل آپ کو قادیان سے لاہور بلایا ۲ر اپریل ۱۹۰۸ء کو اپنے دستِ مبارک سے یہ خط تحریر فرمایا کہ :-

"ایک انبار خطوط کا جمع ہو گیا ہے ۔ آپ ایک ہفتہ کے لیے آ کر ان تمام خطوط کا جواب لکھ جائیں اور نیز مل جائیں ۔ تاکید ہے"[3]

حضرت اقدس علیہ السلام کا مفتی صاحب کے نام یہ آخری خط تھا جو حضور نے احمدیہ بلڈنگس لاہور سے لکھا ۔ آپ اس کی تعمیل میں لاہور حاضر ہو گئے ، اخبار "بدر" کا عارضی دفتر قائم کیا اور پھر حضور کے وصال تک وہیں رہے ۔

حضرت مسیح موعودؑ نے مفتی صاحب کی انتہائی محبت و عقیدت اور جوش خدمت کے باعث "سلسلہ احمدیہ کا برگزیدہ رُکن مخلص دوست" اور "محب صادق" جیسے فخریہ خطابات سے نوازا چنانچہ اشتہار ۲۲ اکتوبر

---

[1] البدر ۶ر اپریل ۱۹۰۵ء ؛ [2] الفضل ۵ر جنوری ۱۹۴۵ء صـ۵
[3] ذکرِ حبیب صفحہ ۱۹۲ ، ۱۹۳ (مکتوب کا عکس)

۱۸۹۹ء میں لکھا:۔

"مفتی محمدؐ صادق میری جماعت میں سے اور میرے مخلص دوستوں میں سے ہیں ۔ ۔ ۔ یہ اپنے نام کی طرح ایک محب صادق ہیں"۔

حضرت مولانا شیر علی صاحب کی روایت ہے کہ:۔

"یوں تو حضرت صاحب اپنے سارے خدام سے ہی بہت محبت رکھتے تھے لیکن مَیں یہ محسوس کرتا تھا کہ آپ کو مفتی صاحب سے خاص محبت ہے ۔ جب کبھی آپ مفتی صاحب کا ذکر فرماتے تو فرماتے "ہمارے مفتی صاحب"۔[1]

خلافت اولیٰ میں خدمات

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مولانا نورالدین بھیروی کے عہد خلافت میں آپ نے بدر کی ادارت کے ساتھ ساتھ ہندوستان بھر کے سفر کیے اور وسیع پیمانہ پر پیغام حق پہنچائے نیز احمدیہ پریس کی مضبوطی واستحکام کے لیے ہر ممکن کوشش فرمائی۔ اس دور میں آپ نے پنجاب کے متعدد مقامات کا دورہ کرنے کے علاوہ آپ علی گڑھ، مظفر نگر، میرٹھ کانپور، اٹاوہ، لکھنو، شاہجہانپور، جمال پور، مونگھیر، سورج گڑھ، بھاگل پور، بنارس، چڑیا کوٹ، شاہ آباد آگرہ، لکھنو اور ریاست کپور تھلہ اور ریاست جموں میں بھی تشریف لے گئے[2]

خلافت ثانیہ میں اہم دینی خدمات

خلافت ثانیہ کا عہد مبارک بھی آپ کی دینی خدمات سے لبریز ہے ۔ اس کے ابتدائی تین سالوں میں آپ جہاد باللسان میں دیوانہ وار مصروف رہے اور بنارس، کلکتہ، سونگرہ، ڈھاکہ، حیدرآباد دکن، مدراس، دہلی اور لاہور جیسے بڑے بڑے شہروں میں آپ کے نہایت بصیرت افروز لیکچر ہوئے۔

انگلستان

۱۰ مارچ ۱۹۱۷ء کو آپ بغرض اعلائے کلمۃ اللہ انگلستان تشریف لے گئے[3] اور پورے سفر میں تبلیغ دین کرتے ہوئے ۷ اپریل ۱۹۱۷ء کو لنڈن پہنچے[4] جہاں حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب پہلے سے سرگرم عمل تھے ۔ حضرت مفتی صاحب قریباً ڈھائی سال تک انگلستان

---

[1] "ذکرِ حبیب" ص۳۳۷ ۔ "سیرت المہدی" ؛ [2] اخبار بدر و الفضل میں تفصیل موجود ہے
[3] فاروق ۱۹ اپریل ۱۹۱۷ء ؛ [4] الفضل ۲۴ اپریل ۱۹۱۷ء صا

میں فریضہ تبلیغ بجالاتے رہے ۔ اس دوران میں آپ نے ٹریکٹ شائع کئے[1] ، اہم شخصیتوں مثلاً شہنشاہ جارج پنجم و ملکہ معظمہ سیکرٹری آف سٹیٹ لارڈ مانٹیگو ، وزیر اعظم برطانیہ ، لنڈن کے لارڈ میئر اور شہزادہ جاپان یوری ہی ٹو ہگاشی فوشی وغیرہ عمائدین کو تبلیغی خطوط لکھے[2] لنڈن کے ہائیڈ پارک ، سنٹرل ہال مشن ہاؤس اور گرجا گھروں میں لیکچر دیئے ۔ فرنچ سوسائٹی فلالوجی کے زیر انتظام آپ کے علم اللسان اور دوسرے موضوعات پر کامیاب لیکچر جس پر سوسائٹی نے بی ٹی ای کی ڈگری اور ڈپلومہ دیا بعد ازاں آپ کو اے ایس ۔ پی فیلو کرامی کی ڈگریاں بھی دی گئیں[3] آپ نے پادریوں سے گفتگو کی اور چرچ تک قرآنی پیغام پہنچانے کی ہر ممکن تدابیر اختیار فرمائیں جس کے نتیجہ میں قریباً ایک صد نفوس دین حق میں شامل ہوئے چنانچہ آپ فرماتے ہیں ۔

"جس غرض کے واسطے حضرت مرشد صادق مہدی محمود خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس ملک میں عاجز کو بھیجا تھا وہ گزشتہ اڑھائی سال میں برفاقت برادر عزیز قاضی عبد اللہ صاحب حسب دلخواہ حاصل ہوئی قریب ایک صد نو مسلم ہوئے اور قریب پچاس کس معتقدین ہوئے ۔ لنڈن کے مرکز میں سلسلہ احمدیہ کا جھنڈا گڑ گیا ۔ بہت سے لیکچر ہوئے اخباروں اور رسالوں میں ہماری تصاویر اور مضامین شائع ہوئے ۔ بادشاہوں اور امیروں کو بھی پیغام حق پہنچایا گیا ۔ اور غرباء کو بھی تبلیغ کی گئی ۔ ہزارہا رسالے تقسیم کیے گئے ۔ مباحثات ہوئے مخالفین کو چیلنج دیئے گئے ۔ مضافات میں بھی لیکچر ہوئے اور اشاعت رسالہ جات کی گئی ۔ غرض ہر قسم کا تبلیغی کام باوجود ایام جنگ کی مشکلات اور دقتوں کے جبکہ اس ملک میں مردوں کی شکل نہ دکھائی دیتی تھی ۔ اور گاڑیوں پر بھی عورتیں کام کرتی تھیں ۔ ایسی تنگی اور تکلیف کے وقت میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے مشن کو کامیاب کیا یہ اس کا فضل ، کرم ، رحم ، حلم اور غریب نوازی ہے اس غفار ، ستار ، قدیم ، کریم ، رحیم کی بخشش ہے ورنہ ہم کیا اور ہماری ہستی کیا ۔ جو ہوا اُسی سے ہوا ۔ اور آئندہ بھی جو اُمید ہے اُسی سے ہے جوب قادیان

[1] الفضل ۲؍جون ۱۹۱۷ء صـ۵ [2] الفضل ۲۰؍جولائی ۱۹۱۷ء صـ۵ ۔ ۲۷؍اکتوبر ۱۹۱۷ء صـ۲ ۹؍فروری ۱۹۱۸ء صـ۲ ۔ ۱۲؍جنوری ۱۹۱۹ء صفحہ ۷؍۸ ، ۲۵؍جنوری ۱۹۱۹ء صـ۹ [3] الفضل ۱۱؍فروری ۱۹۱۹ء صـ۲ ۔ الفضل ۲۶؍اپریل ۱۹۱۹ء صـ۶

میں حضرت خلیفۃ المسیح سلمہ اللہ تعالیٰ کے فرمانے سے مَیں نے اس ملک میں آنے کے متعلق اشارہ کیا تھا تو ساری شب لاحول ولا قوۃ الا باللہ میری زبان پر جاری رہا اور اسی پاک کلام کے کرشمہائے قدرت میں یہاں دیکھتا رہا ہوں اگر اپنی اس اڑھائی سالہ زندگی کی تفصیل لکھوں تو وہ اسی کلمہ لاحول ...... الخ کی تفسیر ہو گی اور بس"[1]

امریکہ

حضرت مفتی صاحب انگلستان میں ہی تھے کہ آپ کو حضرت مصلح موعودؓ نے امریکہ میں پہلا تبلیغی مشن کھولنے کا حکم دیا چنانچہ آپ ۲۶ جنوری ۱۹۲۰ء کو روانہ ہوئے اور فروری کے دوسرے ہفتے بذریعہ جہاز فلاڈلفیا پہنچے یہاں محکمہ امیگریشن کے افسران نے آپ کو ملک میں دین حق کی تبلیغ کی اجازت نہ دی اور امریکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ آپ نے کمال جواں مردی، جرأت اور استقلال کے ساتھ صورتحال کا مقابلہ کرتے ہوئے واشنگٹن کے سیکرٹریٹ میں اپیل کی اور اجازت چاہی اور ساتھ ہی حضرت مصلح موعود کو اطلاع دی۔ حضور نے پیشگوئی فرمائی کہ امریکہ باوجود اپنے ظاہری سامانوں کے ہمیں داخلہ سے نہیں روک سکتا۔ ہم امریکہ میں داخل ہوں گے اور ضرور ہوں گے"[2]

چنانچہ سیکرٹریٹ نے تبلیغ کی اجازت دے دی مگر ہدایت کی کہ جب تک کہ فی الحال شہر میں جانے اور ملاقات کرنے کی اجازت نہیں۔ آپ نے ساحل سمندر پر ہی تبلیغ شروع کر دی جس کی بازگشت ملکی پریس میں بھی سنائی دینے لگی اور اخبار پبلک ریلیجنز (PUBLIC RELIGIONS) وغیرہ نے آپ کے عقائد، نصب العین اور تبلیغی مقاصد کی خوب تشہیر کی[3]۔ آخر دو ماہ کے بعد اپیل منظور ہوئی اور آپ نیویارک تشریف لے گئے بڑی مشکل سے ایک مکان کرایہ پر ملا مگر مالکہ نے پادریوں کے اکسانے پر آپ کو نوٹس دے

---

[1] انگلستان سے حضرت مفتی صاحبؓ کا مکتوب جو سالانہ جلسہ ۱۹۱۹ء پر سنایا گیا (الفضل ۱۵ جنوری ۱۹۱۹ء صفحہ ۹)

[2] الفضل ۱۸ دسمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۷ ؛ [3] الفضل ۱۵ اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۳، ۴۔ اس کا پہلا سہ ماہی پرچہ جولائی ۱۹۲۱ء میں تین ہزار کی تعداد میں چھپا اور مفت تقسیم کیا گیا مقام اشاعت 74. VICTOR AVENUE HIGHLAND PARK MIEH U.S.A اس شمارہ میں حضرت مصلح موعود کی پورے قد کی تصویر شائع ہوئی اور حضور کا ایک پیغام بھی نیز امریکہ مشن کی ابتدائی رپورٹ چھپی۔

دیا آپ نے مکان بدل لیا اور دیوانہ وار جہاد تبلیغ میں سرگرم عمل ہو گئے آپ امریکہ میں ساڑھے تین سال تک فریضہ بجالاتے رہے اس مختصر سے عرصہ میں آپ نے خدا کے فضل سے احمدیہ مشن کو مضبوط بنیادوں پر استوار کر دیا دی مسلم سن رائز (THE MUSLIM SUNRISE) جاری کر کے سارے ملک میں حق کی آواز بلند کی آپ کے ذریعہ ڈیٹرائٹ میں پہلا بیت الذکر قائم ہوا اور امریکہ میں ایک مخلص جماعت پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے[1] اور یہی وہ امور تھے جن کی نسبت آپ شروع سے دعائیں کر رہے تھے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"جب میں لنڈن سے امریکہ بھیجا گیا........ تو میں نے تین دعائیں کیں۔ ایک مخلص جماعت نومسلموں کی مجھے عطا ہو۔ ایک بیت الذکر بنانے کی توفیق ہو۔ ایک رسالہ جاری کرنے کے سامان مہیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے باوجود سخت مشکلات کے تینوں دعائیں قبول ہوئیں۔ مخلص جماعت پہلے ہی سال مل گئی، رسالہ دوسرے سال جاری ہو گیا اور بیت الذکر اور مکان تیسرے سال تیار ہو گئے"[1]

آپ نے امریکہ سے ایک رپورٹ میں لکھا:۔

"مقابلہ بہت بڑے لوگوں سے ہے مگر کچھ غم نہیں کیونکہ میرے ساتھ میرا خدا ہے اور خلیفۃ المسیح کی اور احباب کرام کی دعائیں ہیں اور بزرگوں کی امداد روحانی ہے قریباً ہر شب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام یا خلیفہ اوّل یا حضرت فضل عمر سے ملاقات ہوتی ہے دن بھر اجنبیوں میں ہوتا ہوں رات بھر اپنوں میں"[2]

حضرت مفتی صاحب نے ۱۹۲۰ء کی آخر میں شکاگو کو اور فروری ۱۹۲۱ء میں ہائی لینڈ پارک کو تبلیغی مرکز بنا لیا اور اپنی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیا۔ ایک بار آپ شکاگو کے بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک عمارت سے ایک لڑکی نے اپنی ماں کو مخاطب کر کے نہایت خوشی سے آواز دی

"LOOK! LOOK! MOTHER JESUS CHRIST HAS COME"

امی دیکھو! دیکھو یسوع مسیح آئے ہیں۔ اس پر بچی کے والدین نے آپ کو اوپر بلایا اور انٹرویو لیا آپ نے بتایا کہ میں "CHRIST" نہیں ہوں بلکہ مسیح پاک کا ایک خادم ہوں[3] آپ کا یہ طریق تھا کہ ہر اتوار کو تین بجے

---

[1] رسالہ "تحدیث بالنعمۃ" صفحہ ۱؛ [2] الفضل ۲۹ اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۱؛ [3] روایت مفتی عبدالسلام صاحب و صوفی عبدالغفور صاحب امریکہ (مقالہ غیر مطبوعہ "سیرت حضرت مفتی محمد صادق صاحب" از مفتی احمد صادق صاحب صفحہ ۴۶۷ و ۴۶۸)

شام جلسہ عام کرتے اور اس میں کسی اہم موضوع پہ تقریر کرکے سامعین کے سوالوں کا جواب دیتے تھے اس پروگرام کے علاوہ آپ کو امریکہ کے مختلف شہروں کی مختلف سوسائٹیوں اور گرجوں میں بھی مدعو کیا گیا آپ کے عملی لیکچروں کی شہرت پریس نے ملک کے کونے کونے تک پہنچا دی جیفرسن یونیورسٹی شکاگو نے آپ کی علمی لیاقت اور خدمات برائے بہبودی خلق کو تسلیم کرتے ہوئے .DR. LITT کی ڈگریاں دیں[1] اور "پریس کانگرس آف دی ورلڈ" (PRESS CONGRESS OF THE WORLD) کے آپ ممبر منتخب ہوئے۔

۱۵ر فروری ۱۹۲۱ء کو آپ نے عیسائی دنیا کو ایک جلسہ میں چیلنج دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے عیسائی وفد کو مسجد نبوی میں عبادت کی اجازت دے کر اخلاق اور رواداری کی شاندار مثال قائم فرمادی ہے کیا عیسائی دنیا میں بھی ایسا حوصلہ ہے کہ مجھے اپنے گرجا میں نماز پڑھنے دے؟۔ اس لیکچر میں اخباروں کے نمائندے بھی موجود تھے جنہوں نے اس چیلنج کی پورے ملک میں اشاعت کی مگر پادریوں نے صاف انکار کر دیا۔

۷ر ستمبر ۱۹۲۲ء کو آپ نے بشپ صاحب فرانس کی دعوت پر معززین شہر کی ایک پارٹی میں شرکت فرمائی بشپ صاحب نے آپ کا تعارف کرایا جس کے بعد آپ نے خوب تبلیغ کی۔ کسی نے کہا پہلے ہم ہندوستان مشنری بھیجتے تھے اب ہندوستان نے امریکہ میں بھیج دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہندوستان کو تو کسی مشنری کی ضرورت نہیں نہ آپ کے مشنری کو کامیابی نصیب ہو سکتی ہے وہاں تو ربانی مصلح موجود ہے[2]

ایک امریکن خاتون نے آپ کو خط لکھا کہ خواب میں ایک ہندوستانی بزرگ میری راہنمائی کیا کرتے ہیں کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ یہ کون ہیں؟ آپ نے اسے چند تصاویر بھیجیں جن میں ایک تصویر حضرت مسیح موعود کی بھی تھی اس عورت نے اسی پر نشان کیا کہ یہی بزرگ میری راہنمائی فرماتے ہیں[3]

الغرض حضرت مفتی صاحب امریکہ میں ساڑھے تین سال تک نہایت کامیابی سے تبلیغی فرائض انجام دینے کے بعد ۱۸ر ستمبر ۱۹۲۳ء کو عازم قادیان ہوئے[4]۔ اور ۴ر دسمبر ۱۹۲۳ء کو مغرب کے وقت دارالامان میں پہنچے

---

[1] الفضل ۲۸ر مارچ ۱۹۲۱ء صہ ؛ [2] الفضل ۱۶ر نومبر ۱۹۲۲ء صہ
[3] "ذکر حبیب" صہ ۳۴۴ ؛ [4] الفضل ۳۰ر اکتوبر ۱۹۲۳ء صہ

حضرت مصلح موعودؓ نے ایک مجمع کثیر کے ساتھ سڑک کے موڑ کے قریب آپ کا استقبال کیا اور اس مقدس بستی کی فضاء اَھْلاً وَّ سَھْلاً وَّ مَرْحَبًا اور مبارک باد کے نعروں سے گونج اُٹھی۔ نماز مغرب کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے ایک لمبی دعا کرائی جس کے بعد حضور کی اجازت سے مفتی صاحب نے ایک مختصر مگر درد انگیز تقریر کی جس میں بتایا کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مَیں مغربی ممالک میں تبلیغ کر سکوں گا۔ مَیں ایسا ضعیف البیان انسان ہوں کہ سمجھا کرتا تھا کہ مغربی ممالک میں ایک ہفتہ کے لیے بھی زندہ نہ رہ سکوں گا۔ مگر میری صحت قائم رہی، مَیں نے لمبے لمبے سفر کیے، تنگ کوٹھڑیوں میں دن گزارے، میرے قتل کے منصوبے کیے گئے جو ناکام رہے اور خدا تعالیٰ نے مجھے ہر اعتبار سے کامیابی بخشی مگر یہ معجزہ محمود کا معجزہ ہے۔[۱]

یورپ و امریکہ سے واپسی کے بعد آپ قادیان میں دوبارہ خدمات دینیہ بجا لانے لگے اس اثناء میں آپ صدر انجمن احمدیہ کے سیکرٹری مقرر ہوئے اور اس منصب کو نہایت قابلیت سے سنبھالا۔ ۱۹۲۴ء میں حضرت مصلح موعودؓ نے پہلے سفر یورپ کے موقعہ پر حضرت صاحبزادہ بشیر احمد صاحب اور آپ کو نائب امیر مقامی مقرر ہوئے فرمایا:۔

"مفتی محمد صادق صاحب بھی پُرانے مخلصین میں سے ہیں اور سلسلہ کی خدمات میں انہوں نے بہت حصّہ لیا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کو ان سے خصوصیت سے محبت تھی وہ حضرت مسیح موعود کے ایسے خدام میں سے تھے جو ناز بھی کر لیا کرتے تھے اُس زمانہ میں بھی خدا تعالیٰ نے انہیں تبلیغ کی خدمتوں کا موقع دیا تھا۔"[۲]

۱۹۲۶ء میں نظارتوں کا صدر انجمن احمدیہ سے الحاق ہوا تو آپ پہلے ناظر امور خارجہ اور پھر ناظر امور عامہ اور بعض دفعہ ہر دو فرائض انجام دیتے رہے ان انتظامی امور کے ساتھ ساتھ آپ کی قلمی و لسانی خدمات کا پُرجوش سلسلہ بھی جاری رہا۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں آپ سیلون تشریف لے گئے[۳]۔ کولمبو میں ایک پادری صاحب نے مسلمانوں کو مباحثہ کا چیلنج دیا تھا مسلمانوں نے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں اس کی اطلاع دی جس پر آپ کو جانے کا ارشاد ہوا۔ کولمبو کے مسلمانوں نے آپ کا شاندار استقبال کیا۔ پادری صاحب تو آپ کے آنے

۱؎ الفضل ۴ر دسمبر ۱۹۲۳ء صـ۲ر۳ ؛ ۲؎ الفضل ۲۲ر جولائی ۱۹۲۴ء صـ

۳؎ الفضل ۱۱ر اکتوبر ۱۹۲۷ء صـ۱ ؛ الفضل ۲۱ر اکتوبر ۱۹۲۷ء صـ۲ ؛ الفضل ۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۷ء صـ۱ ۔ الفضل ۱۱ر نومبر ۱۹۲۷ء صـ۶ ۔ الفضل ۱۵ر نومبر ۱۹۲۷ء صـ۲

سے پہلے ہی بھاگ گئے تھے ۔ کولمبو کے ٹاؤن ہال، بدھسٹ سوسائٹی اور ویزی کالج میں آپ کے شاندار لیکچر ہوئے جن کی خبریں "ڈیلی سیلون" اور "ڈیلی نیوز" نے شائع کیں ۔ اہلِ سیلون آپ کی نورانی شخصیت سے بہت متأثر ہوئے وہ آپ کو ولی اللہ سمجھتے تھے کولمبو کے بعد آپ نے کانڈی میں بہت سی تقریریں کیں ۔ یہ تقریریں عام طور پر انگریزی میں ہوتی تھیں جہاں انگریزی جاننے والوں کی تعداد کم ہوتی مقامی زبان کا ترجمان آپ کی مدد کرتا ۔ ۷ر نومبر ۱۹۲۷ء کو آپ اس جزیرہ کے طول و عرض تک پیغام احمدیت پہنچانے کے بعد ہندوستان روانہ ہوئے ۔[۱]
اور حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد[۲] مبارک کی تعمیل میں کینانور چھاؤنی، پینگاڈی، کالی کٹ، بنگلور، کلکتہ، برہمن بڑیہ، ڈھاکہ، رنگ پور وغیرہ مقامات میں قیام فرمایا اور حق و صداقت کی منادی کرتے ہوئے وارد قادیان ہوئے[۳]
اگلے سال ۱۹۲۸ء میں آپ کراچی[۴] اور کلکتہ[۵] تشریف لے گئے مئی ۱۹۲۹ء میں آپ نے دوبارہ سیلون کا طویل سفر کیا جہاں ایک ایرانی عالم و صحافی سے آپ کو کامیاب گفتگو کا موقعہ ملا سیلون اخبارات کے رپورٹروں سے آپ کی طویل ملاقاتیں ہوئیں اور آپ کے بیانات اخباروں میں شائع ہوئے جس سے ملک بھر میں احمدیت کا خوب چرچا ہوا[۶]

۲۰ر مئی ۱۹۳۴ء کو آپ کشمیر تشریف لے گئے[۷] اور نہایت محنت و کاوش سے تین ماہ تک قبرِ مسیح سے متعلق تاریخی معلومات جمع کیں ان کو "تحقیق جدید متعلق قبرِ مسیح" کے نام سے شائع فرما دیا جو آپ کا ایک علمی شاہکار ہے ۔ فروری ۱۹۳۵ء میں آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے پرائیویٹ سیکرٹری مقرر کئے گئے ۔

۳۰ر ستمبر ۱۹۳۵ء کو آپ نے حضرت مصلح موعودؓ کا نکاح حضرت سیدہ مریم صدیقہ سے پڑھا اور اس موقع پر ایمان افروز خطبہ دیا[۸]

یکم جون ۱۹۳۷ء سے آپ صدر انجمن احمدیہ قادیان کی مرکزی رکنیت سے سبکدوش ہو گئے لیکن آپ کی

[۱-۲] الفضل ۱۸ر نومبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۲ - ۷ ؛ [۳] تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو الفضل ۲ دسمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۲ - ۶ر دسمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۸ - ۱۳ر دسمبر ۱۹۲۷ء - ۱۶ر دسمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۲ - ۲۰ر دسمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۲ ؛ [۴] الفضل یکم مئی ۱۹۲۸ء صفحہ ۱ ؛ [۵] الفضل ۲۲ر جون ۱۹۲۸ء صفحہ ۸ ؛ [۶] الفضل ۲۱ مئی ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۸ ؛ [۷] الفضل ۲۷ر مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ ؛ [۸] الفضل ۲ر اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱ ، ۲

دینی سرگرمیاں بیماری اور بڑھاپے کے باوجود بدستور جاری رہیں۔

حضرت مفتی صاحب سالانہ جلسہ کی مقدس سٹیج کی رونق تھے آپ کی پُر جذب وتاثیر تقاریر سے وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ خصوصاً "ذکرِ حبیب" کا موضوع تو آپ کا سب سے دلپسند اور مقبول ومحبوب موضوع تھا جسے آپ ایسے دلکش اور پُر درد انداز میں بیان فرماتے کہ سُننے والے کو گویا حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود کی مبارک مجلس میں بٹھا دیتے تھے۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب فرماتے ہیں:۔

"ایمان دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ ایمان جس کی جڑھ دماغ میں ہوتی ہے اور جس میں یقین کی بنیاد دلائل پر رکھی جاتی ہے اور ایک وہ ایمان ہے جس کی بنیاد عشق اور محبت پر رکھی جاتی ہے۔ یہ ایمان اوّل الذکر ایمان سے افضل ہے لیکن سب سے افضل وہ ایمان ہے جس کی جڑھیں دل اور دماغ دونوں میں ہوں تاکہ دلائل کا رنگ بھی نمایاں ہو اور عشق ومحبت کا رنگ بھی غالب رہے۔

حضرت مفتی صاحب کو ایمان کا یہی ارفع مقام حاصل تھا۔ اسی لیے آپ زندگی بھر جہاد کی صف اوّل میں رہ کر جہاں دلائل کے ذریعہ اسلام اور احمدیت کی نمایاں خدمات سرانجام دیتے رہے وہاں آپ نے عشق اور محبت کی گرمی کے ذریعہ بھی لوگوں کو مامور زمانہ کی مقناطیسی کشش سے متاثر کیا۔ "ذکر حبیب" آپ کا خاص موضوع تھا۔ جس کے بیان کرنے میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ حضور علیہ السّلام کی زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت مؤثر طریق پہ بیاں فرماتے تھے جس سے سامعین اپنی روح میں ایک بالیدگی محسوس کرتے تھے۔ اسی لیے جلسہ سالانہ کے موقع پر "ذکر حبیب" کے موضوع پہ تقریر کے لیے آپ ہی کو منتخب کیا جاتا تھا اور .... آپ یہ فرض نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی سے ادا فرماتے رہے[۱]

حضرت مفتی صاحب کا شمار اُن بزرگ اصحاب مسیح موعودؑ میں ہوتا ہے جنہیں بچپن ہی سے ذکرِ الٰہی کا بہت شغف تھا اور انہوں نے اپنی زندگی میں قبولیت دُعا کے بہت سے نشانات کا مشاہدہ کیا جس کی کسی قدر تفصیل ہمیں آپ کے رسالہ "تحدیث بالنعمت" میں ملتی ہے۔

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۵ر جنوری ۱۹۵۷ء صا و صہ

تصانیف

حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی مشہور تصانیف حسب ذیل ہیں۔

۱۔ واقعاتِ صحیحہ ۔ ۲۔ تحدیث بالنعمت ۔ ۳۔ مقصدِ حیات

۴۔ آئینہ صداقت ۔ ۵۔ کفارہ ۔ ۶۔ "تحقیقِ جدید متعلق قبرِ مسیح"

۷۔ بائبل کی بشارات بحق سرورِ کائنات ۔ ۸۔ تہنیت نامہ مجتبیٰ صادق ۔

۹- HOW TO SAVE THE WORLD

۱۰۔ پیر مہر علی شاہ صاحب کو ایک رجسٹرڈ خط۔

۱۱- CHRISTIAN DOCTRINE

۱۲۔ تحفہ بنارس ۔ ۱۳۔ ہم احمدی کیوں ہوئے؟ ۱۴۔ "ذکرِ حبیب"؟

۱۵۔ صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السّلام از روئے بائبل۔

۱۶۔ "لطائف صادق" (مرتبہ شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی)

۱۷ قاعدہ عبرانی (قلمی نسخہ)

اولاد

۱۔ مفتی منظور محمد صاحب ۔ ۲۔ مفتی عبد السلام صاحب ۔ ۳۔ مفتی احمد صادق صاحب (سابق مبلغ نائیجیریا و امریکہ) ۔ ۴۔ سعیدہ عمر صاحبہ ۔ ۵۔ رضیہ صادق صاحبہ

۳۔ حضرت سید سیف اللہ شاہ صاحب ساکن بیج بہارہ تحصیل و ضلع اسلام آباد، کشمیر

(ولادت شروع ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۱ء ۔ دستی بیعت وسط مئی ۱۹۰۸ء ۔ وفات ۲۶ جنوری ۱۹۵۷ء)

آپ کے والد سید اسد اللہ شاہ صاحب اپنے علاقہ کے پیر تھے جو ہر سال پنجاب میں اپنے مریدوں کے پاس جایا کرتے تھے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے دعویٰ عظیم الشان دینی خدمات اور آپ کے مستجاب الدعوات ہونے کا علم انہی مریدوں کے ذریعہ ہوا اور انہیں سے حضور علیہ السلام کی تحریرات کا مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا۔ آپ نے ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۶ء) میں بیعت کا خط حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت لکھا جس کی قبولیت کی اطلاع یکم مارچ ۱۹۰۶ء کو حضرت پیر افتخار احمد صاحب کے قلم سے بھجوائی گئی۔ دستی بیعت مئی ۱۹۰۸ء میں کی جبکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام احمدیہ بلڈنگس میں قیام فرما تھے[۱]

---

[۱] نقل خود نوشت حالاتِ مرسلہ سید محمد شاہ صاحب مکتوب بنام مؤلف ۱۶ دسمبر ۱۹۸۴ء

یہ وہ ایام تھے جبکہ حضور نے انگلستان کے ماہر ہیئت دان پروفیسر کلیمنٹ ریگ کو شرف ملاقات بخشا (یعنی ۱۳ و ۱۸ مئی ۱۹۰۸ء)[1]

اولاد[2]

۱۔ سید یوسف شاہ صاحب[3]۔ فاضل جامعہ احمدیہ قادیان

۲۔ سید محمد شاہ سیفی صاحب[4] جج بہاڑہ، کشمیر

۳۔ سید عبدالسلام صاحب ربوہ (پنشنر صدر انجمن احمدیہ پاکستان)

۴۔ سیدہ زینب بیگم صاحبہ

۵۔ سیدہ ہاجرہ بیگم صاحبہ

۴۔ حضرت ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب ؓ ڈسٹرکٹ اسسٹنٹ سابق ملازم یوگنڈا ریلوے۔

(ولادت ۱۸۶۸ء۔ تحریری بیعت ۱۹۰۰ء دستی بیعت و زیارت فروری ۱۹۰۱ء[5] وفات ۱۹ فروری ۱۹۵۷ء)

آبائی وطن شہابدی ضلع ہوشیارپور تھا۔ آپ کے والد نبی بخش صاحب اپنے علاقہ کے پیر اور زمیندار تھے جو ترک سکونت کر کے بیجہ تحصیل سمرالہ ضلع لدھیانہ میں آباد ہو گئے۔ آپ کا شجرہ حضرت سید بدر الدین (اُچ شریف[6])

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۵۴۳ و ۵۴۴ ؛ [2] سید محمد شاہ سیفی کے مکتوب ۱۶ دسمبر ۱۹۸۴ء سے ماخوذ (وفات ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۶ء) ؛ [3] حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ کے ہم کلاس تھے اور ایک ساتھ مولوی فاضل کا امتحان دیا۔ عربی، فارسی اور اردو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ رسالہ جامعہ کے کچھ عرصہ ایڈیٹر بھی رہے۔ ۱۸ نومبر ۱۹۷۴ء کو وفات پائی اور قادیان میں بچوں کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔ [4] ولادت ۲۸ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ فارسی، اردو اور کشمیری تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے آپ کا کلام سلسلہ احمدیہ کے اخبارات و رسائل میں شائع شدہ ہے مثلاً بدر (قادیان) مشکوٰۃ (قادیان) آزاد نوجوان (مدراس) الفضل (ربوہ) فرقان (قادیان) الفرقان (ربوہ) علاوہ ازیں سرینگر کے مقامی جرائد میں طبع ہوتا رہا مثلاً اخبار گلزار، خدمت، رہنما اور روشنی۔ مسلک الباب والبہاء اور "دعوتِ عمل" آپ کی تالیف ہیں ؛ [5] آپ کا نام افریقہ کے بیعت کنندگان میں الحکم ۱۰ اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ پر شائع ہوا ؛ [6] اُچ شریف پنجاب کے پانچ دریاؤں کے سنگم پر ایک قدیم قصبہ جو ملتان کے بعد اشاعت اسلام کا دوسرا بڑا مرکز تھا۔ سید بدر الدین بھکری کی بیٹی اُچ شریف کے قدیم بزرگ سید جلال الدین بخاری (باقی اگلے صفحہ پر)

کے توسط سے حضرت امام تقی علیہ السّلام تک پہنچتا ہے ۔

حضرت ڈاکٹر صاحب اس خاندان میں سب سے پہلے احمدی ہوئے آپ کے ذریعہ آپ کے چھوٹے بھائی حضرت سید اسمٰعیل صاحب اور پھر آپ کی والدہ اور ایک بہن حلقہ بگوش احمدیت ہوئیں ۔

آپ اپنے خود نوشت حالات میں تحریر فرماتے ہیں :-

"اتفاق سے ۱۸۹۷ء میں جب مَیں مشرقی افریقہ جارہا تھا ۔ بمبئی میں ڈاکٹر رحمت علی صاحب جو کہ حضرت حافظ روشن علی صاحب کے بڑے بھائی تھے ، سے ملنے کا اتفاق ہوا ۔ وہ بھی افریقہ جارہے تھے ۔ ایک ہی جہاز میں سوار ہوئے اور تمام رستہ انہیں سے حضرت اقدس کے متعلق بحث مباحثہ ہوتا رہا ۔ آخر میں مان گیا ۔ مگر بیعت نہیں کی ۔ اکثر عشاء اور تہجد میں دعائیں کرتا رہا کئی دفعہ خواب میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور حضرت اقدس کو بھی دیکھا گو مَیں احمدی ہو چکا تھا کوئی شک وشبہ نہ تھا ۔ مگر بیعت کو ضروری نہ سمجھتا تھا ۔ آخر کار ایک ۱۹۰۰ء میں اس زور سے تحریک ہوئی کہ نماز فجر پڑھنی مشکل ہوگئی بعد نماز فجر بیعت کا خط حضرت اقدس کی خدمت میں تحریر کر دیا ۔ اس کے جواب میں حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کا خط قبولیت بیعت کا ملا ۔ آخری فقرہ اس کا یہ تھا اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو آمین ۔ تب سے باقاعدہ چندہ وغیرہ دینا شروع کیا ۔ فروری ۱۹۰۱ء میں قادیان حاضر ہو کر دستی بیعت کی ۔ بیعت کے بعد مَیں پھر افریقہ چلا گیا ۔ افریقہ میں میاں محمد افضل صاحب ایڈیٹر البدر اور ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم پہلے سے موجود تھے انہوں نے وہاں خوب کامیاب تبلیغ کی ۔ ڈاکٹر رحمت علی صاحب بھی انہی کی تبلیغ سے احمدی ہوئے تھے ۔ ڈاکٹر رحمت علی صاحب نہایت صالح اور متقی نوجوان تھے ۔ اُن کے ذریعہ کثرت سے لوگ احمدیت میں داخل ہوئے اور افریقہ کا چندہ نہایت معقول رقم ہوتی تھی ۔ وہاں تنخواہ بہت کافی ملتی تھی ۔ چنانچہ مَیں نے وہاں سے علاوہ پانچ روپے ماہوار کے بمقصد منارۃ المسیح کے لیے اور بمقصد ریویو آف ریلیجنز کے لیے بھجوائے ۔ اکثر حضرت اقدس کے لیے الگ رقم روانہ کرتا رہا مگر احمدیت سے اچھی طرح واقفیت نہ ہونے کے باعث غیر احمدیوں سے اچھی طرح مباحثہ نہ کر سکتا تھا ۔ ۱۹۰۳ء میں واپس انڈیا آیا اور مع اہل وعیال سیدھا قادیان آگیا ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷۵) کے عقد میں آئیں (آب کوثر صفحہ ۲۷۶ از شیخ محمد اکرام صاحب ناشر ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲ کلب روڈ لاہور طبع چہاردہم ۱۹۹۰ء)

نومبر ۱۹۰۳ء سے اکتوبر ۱۹۰۴ء تک متواتر قادیان میں رہا۔ ان دنوں مولوی کرم دین بھیں کا مقدمہ فوجداری چل رہا تھا اور تمام آریہ اور عیسائی اور غیر احمدی اُس کی مدد کر رہے ۔کچہری میں جب دو سال قبل کی پیشگوئی کے الفاظ (جو کہ مواہب الرحمٰن میں درج ہو چکی ہے ، جن میں کرم دین نام شخص کو کہا گیا تھا کہ وہ کذّاب لئیم بہتان عظیم ہے) پڑھے جاتے تھے تو عجیب لطف آتا تھا۔ ستمبر ۱۹۰۴ء میں لیکچر لاہور اور نومبر ۱۹۰۴ء میں لیکچر سیالکوٹ میں شامل ہوا اور اکتوبر ۱۹۰۴ء کے آخیر میں ملازم ہو کر پنڈی گھیپ چلا گیا۔ وہاں ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اور سلامت شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ دسمبر ۱۹۰۵ء میں رسالہ "الوصیت" نکلا ۔جنوری ۱۹۰۶ء میں تیسرے حصہ جائیداد کی وصیت کی بلکہ اسی وقت ایک ہزار روپیہ کے مکانات جو کہ مدرسہ احمدیہ کے شمالی جانب ہیں وصیت میں دے دیئے اور چندہ ماہوار بتدریج ۱۸ روپیہ ماہوار تک کر دیا اور مہمان خانہ کے ملحق مکان رہائش بغیر کرایہ اکثر مہمانوں یا سٹور کے کام آتا تھا۔ دورانِ مقدمہ گورداسپور میں الہام "عَفَتِ الدِّیَارُ مَحِلُّهَا وَمَقَامُهَا" اور "تزلزل در ایوان کسریٰ" اور "ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت" وغیرہ میری موجودگی میں ہوئے تھے ۔

حضور علیہ السلام کی وفات سے قبل ۱۸ر مئی ۱۹۰۸ء میں لاہور کے جلسہ دعوتِ عمائدین لاہور میں شرکت کی۔ دوسرے دن وہاں سے رخصت ہوتے میرے رخصت ہوتے وقت حضرت اقدس نے فرمایا ۔ جاؤ اللہ حافظ ۔ہاں میں نے کہا تھا کہ حضور میں تو اب بہت دور چلا گیا ہوں یعنی الہ آباد۔ تو آپ نے فرمایا کہ دور نزدیک کیا ہمیں تو تبلیغ کرنی ہے ۔چند دن کے بعد حضور کے وصال کی خبر پڑھ کر بہت رنج ہوا۔[۲]

مندرجہ بالا بیان میں آپ کے سفر گورداسپور کا بھی ذکر ہے ۔ قیام گورداسپور کے دوران آپ کو

---

[۱] اخبار البدر قادیان (۲۴ر جولائی ۱۹۰۴ء) نے لکھا کہ :- "ہم اپنے دوست بابو غلام غوث کو خصوصیت سے مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے قادیان کے ۸ ماہ کے قیام میں خدا تعالیٰ کے انعامات کو دوسرے افریقی احمدی بھائیوں کے مقابل خصوصیت سے بڑھ کر حاصل کیا ہے چنانچہ مستقل رہائش کے لیے ایک عمدہ برمحل مکان اور قطعہ زمین حاصل کیا ہے آئندہ بھی اُن کا ارادہ یہاں مستقل رہائش کا ہے" (صفحہ ۳ کالم ۳)

[۲] الفضل ۳۰ر جولائی ۱۹۵۰ء صفحہ ۳

ایک خاص اعزاز بھی نصیب ہوا ۔ وہ یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے عشاق ایک مدت سے آرزومند تھے کہ حضور کے پیچھے نماز پڑھنے کی سعادت نصیب ہو جائے یہ دیرینہ خواہش اور دلی تمنا ۱۲ جولائی ۱۹۰۴ء کو بر آئی جبکہ حضرت امام الزمان نے نماز ظہر اور عصر قصر اور جمع کر کے پڑھائیں ۔ اس مبارک نماز کے وقت مقتدیوں کی کل تعداد بیس تھی ان خوش نصیبوں میں آپ بھی تھے ۔

حضرت بابو محمد افضل صاحب ایڈیٹر " البدر " نے اس تاریخی نماز کی کیفیت اور اس میں شامل ہونے والے بزرگ اصحاب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے ۔

" ایک بجے کا وقت تھا ۔ کہ حضرت امام الزمان علیہ السّلام نے چند ایک موجودہ خدام کو ارشاد فرمایا کہ نماز پڑھ لی جاوے ۔ سب نے وضو کیا ۔ نماز کے لیے چٹائیاں بچھیں ۔ حاضرین منتظر تھے ۔ کہ حسبِ دستور سابقہ حضور علیہ السّلام کسی حواری کو امامت کے لیے آگے بڑھے ۔ اور اقامت کہے جانے کے بعد آپ نے نماز ظہر اور عصر قصر اور جمع کر کے پڑھائیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو امام اور خود کو مقتدی پاکر حاضرین کے دل باغ باغ تھے ۔ ان مقتدیوں میں کئی ایسے اصحاب تھے ۔ جن کی ایک عرصہ سے آرزو تھی ۔ کہ کبھی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نماز میں خود امام ہوں ۔ اور ہم مقتدی اُن کی اُمید آج بر آئی اور مجھ پر بھی یہ راز کھلا ۔ کہ امام نماز کی جس قدر توجہ الی اللہ زیادہ ہوتی ہے ۔ اُسی قدر جذب قلوب بھی زیادہ ہوتا ہے ۔ چونکہ خدا کے فضل سے اس مبارک نماز میں مَیں خود بھی شریک تھا ۔ اس لیے دیکھا گیا ۔ کہ بے اختیار دلوں پر عاجزی اور فروتنی اور حقیقی عجز و انکسار غالب آتا جاتا تھا ۔ اور دل اللہ تعالےٰ کی طرف کھچا جاتا تھا ۔ اور اندر سے ایک آواز آتی تھی ۔ کہ دعا مانگو ۔ قلب رقیق ہو کر پانی کی طرح بہہ جاتا تھا ۔ اور اس پانی کو آنکھوں کے سوا اور کوئی راستہ نکلنے کا نہ ملتا تھا اور اس مبارک وقت کے ہاتھ آنے پر سجدۂ شکریہ الٰہی میں دل ہرگز گوارا نہ کرتا تھا ۔ کہ سجدے سے سر اُٹھایا جاوے ۔ غرضیکہ عجیب کیفیت تھی ۔ اور ایک متقی امام کے پیچھے نماز ادا کرنے سے جو جو بخششیں اور رحمتِ ازروئے حدیث شریف مقتدیوں کے شاملِ حال ہوتی ہیں ۔ ان کا ثبوت دست بدست مل رہا تھا ۔

چونکہ یہ ایک ایسا عجیب وقت تھا ۔ جس کے میسّر آنے کی عمر بھر میں بھی اُمید نہ تھی ۔ اور محض فضلِ ایزدی سے ہمیں اور چند ایک دیگر احباب ملّت کو میسّر آگیا ۔ اس لیے مناسب ہے کہ اس مبارک وقت کے موجودہ مقتدیوں کے نام قلمبند کر دیئے جائیں ۔ جن کی خدا تعالیٰ نے اس طرح عزّت افزائی فرمائی اور آئندہ

نسلوں کے لیے یہ ایک یادگار رہ جائے۔

فہرست اُن اصحاب کی جنہوں نے حضرت امام الزمان علیہ السلام کے مقتدی بنکر نماز ادا کی

۱۔ محمد یوسف صاحب طالب علم پشاور اسلامیہ سکول ہائی کلاس۔
۲۔ مولوی عبدالعزیز صاحب منتظم ساکن گوہد پور سیالکوٹ۔
۳۔ محمد ابراہیم صاحب کلرک ساکن گوہد پور سیالکوٹ۔
۴۔ عطاء محمد صاحب زمیندار " " "
۵۔ خلیفہ نورالدین صاحب سٹیشنری شاپ جموں۔
۶۔ عبدالرحیم صاحب ولد خلیفہ نورالدین صاحب
۷۔ بابو غلام غوث صاحب ۔ ڈسٹرکٹ اسسٹنٹ
۸۔ غلام رسول صاحب باورچی ۔ امرتسر۔
۹۔ عبدالعزیز صاحب ۔ ٹیلر ماسٹر۔ میرٹھ
۱۰۔ عبدالعزیز صاحب ۔ مدرس۔ ایمن آباد
۱۱۔ حافظ محمد حسین صاحب ۔ ڈنگوی
۱۲۔ میاں شہاب الدین صاحب ۔ لدھیانہ
۱۳۔ حیدر شاہ صاحب گرداور شورکوٹ۔ ضلع جھنگ
۱۴۔ حسین صاحب ۔ ساکن کٹھالہ۔
۱۵۔ میاں شادی خان صاحب ۔ تاجر۔ سیالکوٹ
۱۶۔ مولوی یار محمد صاحب مخلص قادیان
۱۷۔ مولوی عبداللہ صاحب۔
۱۸۔ نعمت خان صاحب ۔ محکمہ پلیگ گورداسپور
۱۹۔ میاں خیرالدین صاحب ساکن سیکھواں ضلع گورداسپور۔
۲۰۔ محمد افضل خادم احمدی جماعت ایڈیٹر و مینیجر اخبار البدرؓ (البدر ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء صفحہ ۶)

حضرت ڈاکٹر صاحب کو حضرت مسیح موعود اور حضرت مصلح موعودؓ سے بے انتہا عشق تھا۔ دعاؤں اور ذکر الٰہی میں شغف کے اعتبار سے آپ جماعت میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔

ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد آپ غالباً ۱۹۲۸ء میں ہجرت کر کے قادیان آ گئے تھے۔ بقیہ عمر آپ نے قادیان اور پھر ربوہ میں بسر کی۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے آپ کی وفات پر حسب ذیل نوٹ سپرد قلم فرمایا:-

"حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف ...... اپنی دینداری اور تقویٰ اور عبادت اور دعاؤں میں شغف کی وجہ سے وہ اس وقت احمدی بزرگوں میں صفِ اوّل میں تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ ڈاکٹر صاحب مرحوم کو للّٰہی عشق تھا۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم کے اخلاص اور عشق کا یہ عالم تھا کہ اکثر سنایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ مَیں رخصت لے کر قادیان گیا اور اس ارادے سے گیا کہ جب تک حضرت مسیح موعود علیہ السّلام مجھے شناخت نہیں کر لیں گے اور مجھے نام لے کر نہیں بلائیں گے مَیں واپس نہیں جاؤں گا خواہ نوکری رہے یا نہ رہے۔ چنانچہ مَیں رخصت پہ رخصت لیتا گیا اور پورا ایک سال قادیان میں ٹھہرا۔ آخر ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے مجھے دیکھ کر کسی کام کے تعلق میں فرمایا میاں غلام غوث آپ یہ کام کر دیں۔ مَیں نے خدا کا شکر کرتے ہوئے وہ کام کیا۔ اور دوسرے دن حضرت سے رخصت لے کر نوکری پر واپس چلا گیا۔ حق یہ ہے اِن بزرگان قدیم کی شان ہی نرالی تھی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبردست روحانی طاقت اور غیر معمولی مقناطیسی کشش کا ایک بین ثبوت ہے

عبادت کا اتنا شوق تھا کہ اُن کا دل گو ہر وقت مسجد میں لٹکا رہتا تھا۔ آخری ایام میں جب کہ ڈاکٹروں نے انہیں چلنے پھرنے سے منع کر دیا تھا۔ وہ پھر بھی داؤ لگا کر مسجد میں پہنچ جاتے تھے۔ حتیٰ کہ مجھے انہیں اصرار کے ساتھ روکنا پڑا۔ کہ ان پر "لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ" کا حکم بھی واجب ہے۔ نہایت تضرع کے ساتھ دعائیں کرنا اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنا ان کے دل کی غذا تھی۔ یہ انہی اعمال حسنہ کا ثمرہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب خدا کے فضل سے صاحب کشف والہام تھے اور خدا کا بھی یہ فضل تھا کہ انہیں اکثر اپنی دعاؤں کا جلد جواب مل جاتا تھا۔ گو بعض اوقات اُمید کے پہلو کے غلبہ کی وجہ سے وہ تعبیر میں غلطی کر جاتے تھے۔

لہ الفضل ۲۱ فروری ۱۹۵۷ء صا

بہرحال احمدیت کا ایک درخشندہ ستارہ اس جہان میں غروب اور اگلے جہان میں طلوع ہوا۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی وفات کے اس قدر جلد بعد ڈاکٹر صاحب کی وفات بھی ایک بھاری قومی صدمہ ہے حضرت مفتی صاحب تو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے خاص مقرب رفیق تھے۔ اور اُن کا درجہ بہت بلند تھا۔ مگر ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب کا وجود بھی اس وقت جماعت میں ایک بڑی نعمت تھا۔ خاص صدمہ کی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے پرانے (رفقاء) جلد از جلد گزرتے جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے خطبہ میں جماعت کو تحریک فرمائی تھی (اور مَیں نے بھی حضور کی اتباع میں الفضل میں ایک مضمون لکھا تھا) کہ نوجوان احمدی نوافل، اور دعاؤں اور ذکرِ الٰہی میں شغف پیدا کرکے جماعت کے روحانی مقام کو بلند رکھنے کی طرف توجہ دیں تا مرنے والے بزرگوں کی طرح خدا تعالیٰ انہیں بھی اپنے فضل ورحمت سے رؤیا صالحہ اور کشف اور الہام سے نوازے اور جماعت میں خدا تعالیٰ کے زندہ اور تازہ بتازہ نشانات کا سلسلہ قائم رہے گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اور آپ کے خلفاء کرام کے ذریعہ ظاہر ہونے والے نشانات اب بھی زندہ ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آیات کو تو ہمیشہ کی زندگی حاصل ہے۔ لیکن اگر جماعت کے افراد میں بھی ان روحانی چھینٹوں کا سلسلہ جاری رہے تو یہ گویا سونے پر سہاگہ ہے اور مجھے خوشی ہے کہ کچھ عرصہ سے جماعت کا نوجوان طبقہ عبادت اور ذکرِ الٰہی کی طرف زیادہ توجہ دے رہا ہے اور اِن میں سے بعض کشف و الہام سے بھی مشرف ہیں مگر مَیں ان سے کہتا ہوں کہ ؏

نرخ بالا کُن کہ ارزانی ہنوز

جماعت احمدیہ ایک خدائی جماعت ہے۔ اور گو اسے اسلام اور احمدیت کی خدمت اور جماعتی ترقی کے لیے ظاہری اسباب کی طرف بھی ہمیشہ خاص توجہ دیتے رہنا چاہیئے لیکن ان کی ترقی کا اصل راز روحانی وسائل میں ہے اور جماعت کے نوجوانوں کو ان وسائل کی طرف خاص توجہ دینی چاہیئے۔ اور روحانی وسائل میں زیادہ توجہ یہ وسائل ہیں۔

۱۔ نمازوں کو دل لگا کر اور سنوار کر پڑھنا اور یہ تصور قائم کرنا کہ اس وقت خدا کے سامنے ہوں اور خدا میرے سامنے ہے۔

۲۔ نماز تہجد اور دیگر نوافل کی پابندی۔ نماز تہجد تو وہ نعمت ہے جس کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے کہ

اس کے ذریعہ ہر شخص کے لیے اس کے ذاتی مقامِ محمود کا راستہ کھلتا ہے ۔

۳۔ دعاؤں میں شغف اور دعائیں بھی ایسی کہ گویا ہنڈیا اُبلنے لگے ۔

۴۔ ذکرِ الٰہی جن میں کلمۂ طیبہ اور درود شریف اور سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اور استغفار سب سے بلند مرتبہ ہیں ان کے علاوہ میرے ذاتی تجربہ میں یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اور لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بھی بہت اعلیٰ درجہ کے اذکار ہیں ۔

بالآخر میں اپنے نوجوان عزیزوں سے پھر کہتا ہوں کہ پُرانے بزرگ گزرتے جاتے ہیں ۔ جماعت میں خلاء نہ پیدا ہونے دو اور گزرنے والوں کی جگہ ساتھ ساتھ پُر کرتے جاؤ ۔ بلکہ ان سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی یہ نصیحت ہمیشہ یاد رکھو[۱]

اولاد

(پہلی بی بی سے)[۲] ۱۔ فضل کریم صاحب (نام حضرت مسیح موعود نے رکھا)[۳]

۲۔ عبدالعزیز صاحب (" " " ")

(دوسری بی بی محترمہ رحمانی بیگم صاحبہ سے)

۳۔ سیّد سید احمد صاحب ۔ (۴) سیّد محمد احمد صاحب مرحوم

۵۔ سیّد محمد یونس صاحب ۔ ۶۔ امۃ اللہ بیگم صاحبہ (اہلیہ سیّد عبدالغنی شاہ صاحب گجرات)

۷۔ سکینہ بیگم صاحبہ (اہلیہ شیخ الطاف حسین صاحب مرحوم

۸۔ امۃ قادر صاحبہ (اہلیہ سیّد عبدالغفور شاہ صاحب لاہور)

۹۔ امۃ عزیز صاحبہ (اہلیہ سیّد حمید اللہ شاہ صاحب لاہور)

۱۰۔ امۃ رشید صاحبہ (اہلیہ شریف احمد صاحب مرحوم سرگودہا)

---

[۱] روزنامہ الفضل ۲۱ فروری ۱۹۵۷ء صفحہ

[۲] وفات مارچ ۱۹۰۷ء (بدر ۱۴ مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۳) ؛ [۳] البدر ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء صفحہ ۳ ؛ [۴] بدر ۱۰ جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ ۳

۵۔ ڈاکٹر محمد عمر صاحب لکھنوی پی۔ایم۔ایس مقیم جے پور

(بیعت ۱۹۰۵ء وفات ۱۶ر مارچ ۱۹۵۷ء)

آپ نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس پاس کیا۔ پھر آپ یو پی گورنمنٹ کی پراونشل میڈیکل سروس (کلاس ون) میں لے لیے گئے۔ اس دوران میں کئی سال تک میڈیکل کالج لکھنؤ میں ریڈیالوجسٹ (RADIOLOGIST) کی حیثیت سے طبی خدمات بجالاتے رہے۔ نیز یو پی کے مختلف ضلعوں میں سول سرجن کی حیثیت سے اپنے مفوضہ فرائض کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ نہایت پُرجوش اور مخلص احمدی تھے برصغیر پاک و ہند کے نامور ادیب جناب شوکت تھانوی صاحب نے اپنی کتاب "مابدولت"[1] صفحہ ۷۰ اپر اُن کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح اُن کی تحریک پر پنجاب گئے قادیان کی پہلی زیارت کی اور امرتسر میں حضرت مصلح موعود سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔

۱۹۲۹ء میں پنشن لینے کے بعد سے آپ جے پور میں رہائش پذیر تھے آپ نے کئی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں جن میں "البیان الکامل فی الدّق والسل" بہت مشہور ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنے پیچھے چار بیٹے اور چار بیٹیاں یادگار چھوڑیں[2]

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے آپ کی وفات پر آپ کے بھائی ڈاکٹر محمد زبیر صاحب ایم بی بی ایس (وارثی منزل بہار کالونی کراچی ۳) کے نام حسب ذیل تعزیت نامہ لکھا:۔

ربوہ ۹/۴/۵۷ بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

مکرمی محترمی ڈاکٹر صاحب السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط فرمودہ ۷/۴/۵۷ موصول ہوا ڈاکٹر محمد عمر صاحب کی وفات کا مجھے علم ہو چکا ہے اور اس کا بہت صدمہ ہوا اس لیے بھی کہ وہ رفیق مسیح موعودؑ تھے اور آپ کے خاندانی مجلس کی شمع اوّل تھے اور اس لیے بھی کہ وفات کے قریب ان کو اپنی اولاد کے ایک حصہ کی بے راہ روی کا صدمہ دیکھنا پڑا اللہ

---

[1] ناشر ادارہ فروغ اردو لاہور طبع دوم یکم دسمبر ۱۹۴۶ء

[2] الفضل ۲۷ر مارچ ۱۹۵۷ء صہ۳

تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے اور ان کی اولاد میں سے جو حصہ بھٹک گیا ہے اسے راہ راست پر لائے اور بقیہ اولاد کا حافظ و ناصر ہو اور دین و دنیا میں ترقی عطا کرے ان کے جو بچے پاکستان میں ہیں انہیں آپ تحریک کرتے رہیں کہ وہ مرکز کے ساتھ اپنا تعلق ضرور قائم رکھیں اور حضرت صاحب کو دعا کے لیے خطوط لکھتے رہیں میں نے سُنا ہے کہ ان کے بیوی بچوں کو جے پور سے لانے کے لیے شیخ عبدالحمید صاحب کا ایک لڑکا روانہ ہوگیا ہے اور تجویز ہے کہ یا تو وہ قادیان میں آباد ہو جائیں گے یا پاکستان آجائیں گے۔ قادیان میں آباد ہونے کی صورت میں آپ انہیں نصیحت فرمادیں کہ وہاں کے نظم و ضبط کا خاص خیال رکھیں کیونکہ خلافت سے دوری کی بناء پر ہمیں وہاں زیادہ چوکس نظم و ضبط رکھنا پڑتا ہے۔ جسے بعض جلد باز طبیعتیں برداشت نہیں کرتیں۔

آپ نے اپنے دو بچوں کے متعلق دعا کے لیے لکھا ہے۔ آپ خدا کے فضل سے بہت مخلص ہیں۔ اور آپ کی اہلیہ محترمہ بھی بہت مخلص ہیں اور پھر آل رسول بھی اللہ تعالیٰ آپ کے بچوں کو دین و دنیا کے امتحانوں میں اعلیٰ کامیابی عطا کرے اور آپ کے لیے اور جماعت کے لیے قرۃ العین بنائے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آپ کی مالی مشکلات کے دور ہونے کا رستہ بھی کھول دے۔ آمین۔ فقط والسلام

(مرزا بشیر احمد)

۶۔ حضرت ماسٹر خیر الدین صاحب ریٹائرڈ ڈپی۔ ای۔ ایس

(ولادت ۱۸۸۷ء بیعت ۱۹۰۵ء۔ وفات ۲۳؍ اپریل ۱۹۵۷ء)

آپ فرماتے ہیں:۔

"میں علی گڑھ میں انٹرمیڈیٹ کا طالب علم تھا۔ وہاں موسم گرما کی تعطیلات غالباً ۵؍ جولائی سے ہوا کرتی تھیں۔ میرے ساتھ میرے ہم جماعت گل محمد صاحب رہتاس کے رہنے والے تھے۔ اس وقت لنگر خانہ مدرسہ احمدیہ والی جگہ پر تھا۔ اور اس میں باورچی غلام حسین رہتاسی تھے۔ جو گل محمد صاحب کے واقف تھے ہم دونوں ان کے پاس لنگر خانہ میں ٹھہرے۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے اس وقت ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز تھے۔ اور بیت المبارک کے ساتھ والے حجرے میں اپنا کام کرتے تھے۔ ایک دو یوم مقیم

لہ الفضل یکم مئی ۱۹۵۷ء صٹ

رہنے کے بعد ان سے درخواست کی کہ ہم دونوں حضرت اقدس کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ کچھ یوم اور ٹھہریئے۔ جس پر ہم لوگ مزید ایک دو دن ٹھہر گئے۔ اور پھر مولوی صاحب سے درخواست کی اس پر مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو لکھا۔ حضور اس پر آمدہ میں تشریف لائے جو بیت المبارک کی لکڑی کی سیڑھی کے پاس تھا۔ اور وہیں پر ہم دونوں کی بیعت لی۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب بھی وہاں آ گئے اور جب بیعت کے بعد دعا ہونے لگی تو حضرت اقدس کے دریافت کرنے پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ حضور ان کے لیے خاص دعا کی جائے ۔"[1]

حضرت ماسٹر صاحب بچپن ہی سے نہایت ذہین تھے۔ مڈل و میٹرک سے لے کر یونیورسٹی کی تعلیم تک آپ نے وظیفہ حاصل کیا بعد ازاں صوبہ سی پی برار میں سائنس ٹیچر کی حیثیت سے آپ کا تقرر گورنمنٹ ہائی سکول امراؤتی میں ہوا۔ تمام صوبہ میں آپ اس وقت غالباً تنہا احمدی تھے اس لیے مخالفت کی وجہ سے آپ کی ترقی رک گئی آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت اقدس میں درخواست دعا کے خطوط لکھے آپ کو خواب میں حضرت مسیح موعودؑ نے بشارت دی کہ "ترقی ہوگی اور ضرور ہوگی" چنانچہ اس کے بعد ترقی ہوتی چلی گئی اور آپ بالاگھاٹ میں ہیڈ ماسٹر مقرر کیے گئے یہاں ہندوؤں کا بہت زور تھا مگر خدا کے فضل سے آپ کو نہایت عزت و احترام سے دیکھا جاتا تھا اس کے بعد گورنمنٹ نارمل ہائی سکول امراؤتی میں جب آپ ہیڈ ماسٹر اور سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے متعین کیے گئے تو مخالفینِ احمدیت کا ایک وفد ڈائریکٹر صاحب ناگپور کو ملا کہ "یہ شخص احمدی ہے۔ اپنے مذہب کا سکول میں چرچا کرے گا اور لڑکوں کو زبردستی اپنے مذہب میں داخل کرے گا۔ اس لیے اسے موجودہ عہدہ سے ہٹا دیا جائے" لیکن ڈائریکٹر صاحب نے جواب دیا کہ "مسٹر خیر الدین جیسا راستباز، دیانت دار، نیک محنتی اور بلند اخلاق آدمی مجھے تمام سی پی برار میں نہیں ملا۔ وہ آج کا احمدی نہیں ہے بلکہ شروع ملازمت سے احمدی ہے۔"

آپ مخالفتوں کے ہجوم میں بھی فریضہ دعوت الی اللہ کو نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ قادیان سے لٹریچر منگوا کر صوبہ برار میں تقسیم کرتے، جلسہ سیرت النبی کا انتظام کراتے، صوبہ سے گزرنے والے مبلغین سلسلہ سے تقریریں کراتے، حضرت مسیح موعودؑ کی دعاؤں اور اشعار فریم کروا کر کمروں میں لٹکا

---

[1] روزنامہ "الفضل" ربوہ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۵۷ء صفحہ ۵

دیتے تا تبلیغ حق کا سلسلہ جاری رہے۔ آپ کے خلاف بہت سازشیں ہوئیں اور عہدہ سے ہٹانے کی سرتوڑ کوششیں کی گئیں مگر ہمیشہ خدا کا فضل آپ کے شاملِ حال رہا اور حکومت نے پی۔ای۔ایس کے اعزازی گریڈ سے نوازا۔ ریٹائرڈ ہوتے وقت آپ کو سرکاری طور پر کئی اچھے عہدوں کی پیشکش کی گئی اور مجبور بھی کیا گیا کہ آپ ان میں سے کوئی ضرور منظور کر لیں لیکن آپ نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا کہ سرکاری ملازمت تو بہت کر لی اب بقیہ زندگی خدمتِ دین کے لیے وقف کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد ۱۹۴۲ء میں قادیان آ گئے اور حضرت مصلح موعود کی خدمتِ مبارک میں اطلاع دی۔ حضور نے آپ کو پہلے نائب ناظر تعلیم و تربیت اور پھر ناظر تعلیم و تربیت مقرر فرمایا۔

قیام پاکستان کے بعد آپ نے سیالکوٹ میں بود و باش اختیار کر لی اور کچھ عرصہ تک احمدیہ گرلز سکول سیالکوٹ اور احمدیہ ہائی سکول گھٹیالیاں کے مینیجر رہے اور اس قومی فرض کو بڑھاپے کے باوجود کمال محنت اور دیانتداری سے انجام دیا۔ ۱۹۵۰ء میں جلسہ سالانہ سیالکوٹ کے موقع پر مخالفین احمدیت کی خشت باری پر آپ کے سر کو اتنی شدید چوٹ آئی کہ زندگی کی امید نہ رہی۔ آپ نے فرمایا حضرت صاحب کو اطلاع دو۔ آپ کے بیٹوں نے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں روزانہ تار بھیجنا شروع کر دیا اور آپ معجزانہ طور پر شفایاب ہو گئے۔ آپ موصی تھے اور تحریک جدید کی پانچ ہزاری فوج کے مجاہد بھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعودؓ کی کتب اور سلسلہ احمدیہ کا لٹریچر زیرِ مطالعہ رکھتے اور اپنی لائبریری میں اُن کا خاص اہتمام سے ریکارڈ رکھتے تھے۔ پابند صوم و صلوٰۃ اور تہجد گزار تھے۔ اور خصوصاً تہجد میں حضرت مصلح موعود، خاندان مسیح موعودؑ، بزرگان جماعت اور مبلغین سلسلہ اور غلبہ اسلام کے لیے بہت دعائیں کرتے تھے اور صاحب رؤیا و کشف بزرگ تھے[1]

اولاد:۔ ۱۔ بشیر الدین طاہر صاحب۔ ۲۔ محترمہ اے۔آر۔ نگہت صاحبہ

۳۔ محترمہ امۃ السلام (اہلیہ عبدالرحمٰن صاحب پورن نگر سیالکوٹ)

۷۔ حضرت چوہدری احمد دین صاحب وکیل گجرات

(ولادت ۱۸۷۷ء قریباً۔ بیعت ۱۹۰۵ء غالباً[2]۔ وفات ۲۴ مئی ۱۹۵۷ء)

---

[1] الفضل ۲۳ مئی و ۲۵ مئی ۱۹۵۷ء (تلخیص مضمون محترمہ اے آر نگہت صاحبہ)

[2] رجسٹر روایات ۱۰ صفحہ ۶۶

حضرت چوہدری صاحب نے جون ۱۹۳۹ء میں قبول احمدیت کے حالات تحریر فرمائے جو درج ذیل کیے جاتے ہیں:۔

"میں اسلامیہ ہائی سکول راولپنڈی میں ٹیچر تھا وہاں ایک احمدی کتب فروش تھا اس سے کتابیں لیکر پڑھیں. ان دنوں مذہب کی طرف میری توجہ نہ تھی ایک مضمون دربارہ حقیقت نماز پڑھا۔ اس کے پڑھنے سے مجھ پر خاص اثر ہوا۔ اس کے بعد پھر اور رسائل دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ پھر میں سکول کی نوکری چھوڑ کر گوہاٹ چلا گیا۔ وہاں میں نے کتابیں پڑھیں اور اخبارات کا بھی مطالعہ کیا پھر میرے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ میں خود قادیان جاکر دیکھوں۔ میں نے نئے مہمان خانہ میں جو اس وقت ابھی بنا ہی تھا اکیلے حضرت اقدس کی بیعت کی۔ اس وقت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی بھی موجود تھے۔ حضرت اقدس نے مجھے ایک کتاب "مواہب الرحمٰن" بطور تحفہ دی"۔[1] (ایضاً صـ۶۶)

خالد احمدیت ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؔ نے آپ کی وفات پر ایک مفصل مضمون لکھا جس میں بتایا کہ:۔

"چوہدری صاحب مرحوم و مغفور ضلع گجرات کے چوٹی کے دیوانی وکلاء میں سے تھے۔ اور اس زمانہ میں جب کہ دیوانی وکالت پر ہر طرف ہندو وکلاء ہی چھائے ہوئے تھے عام طور پر سمجھا جانے لگا تھا کہ شاید دیوانی وکالت مسلمانوں کے بس کا روگ نہیں ہے۔ چوہدری صاحب مرحوم نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی دی ہوئی قابلیت کے نتیجہ میں محنت شاقہ کے باعث دیوانی وکالت میں نام پیدا کیا اور جب تک یہ کام کرتے رہے مخالف یا موافق حلقوں میں عظمت کی نگاہوں سے دیکھے گئے۔

آپ ایک بلند پایہ قانون دان ہونے کے علاوہ اپنی علوم میں بھی دسترس رکھتے تھے عربی اور فارسی دونوں زبانوں کے عالم تھے۔ ۱۸۹۸ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا تھا۔ فارسی کے قدیم اور جدید لٹریچر پر کامل عبور حاصل تھا۔ ایران کے ایک فارسی روزنامہ کے خریدار تھے اور اسے اس لیے بالالتزام زیر مطالعہ رکھتے تھے کہ جدید فارسی علم کلام سے پوری طرح بہرہ ور ہوسکیں۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شہرہ آفاق تصنیف "اسلامی اصول کی فلاسفی" کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ جو تاحال شائع نہیں ہوا۔

چوہدری صاحب ایک متقی انسان تھے قرآن مجید کے عاشق تھے اور قرآن مجید پر تدبر کرنے اور اس کے نئے نئے نکات معرفت نکالنے میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔ قرآن مجید کے درس و تدریس میں قلبی

راحت و مسرت محسوس کرتے تھے ۔ اور جب تک ان کی صحت نے اجازت دی یہاں تک کہ اپنے وفات کے تھوڑا عرصہ پہلے تک بیت احمدیہ گجرات میں قرآن مجید کا درس دیتے رہے ۔

چوہدری صاحب نہایت سنجیدہ مزاج اور متین طبع تھے ۔ آپ کی طبیعت پر حلم اور بردباری کا غلبہ تھا۔ زندگی کے تمام شعبوں دینی اور روحانی امور کے بارے میں نہایت پختہ رائے کے مالک تھے ۔ اور اپنی رائے کا اظہار بے رو رعایت کرنے میں ہرگز کوئی باک محسوس نہ کرتے تھے ۔ وکالت کے پیشہ میں دیانتداری آپ کا محکم اصول تھا ۔ اہل مقدمات کو ہمیشہ صحیح رائے دیتے تھے ۔ جس فریق کا مقدمہ کمزور ہوتا اُسے نہ صرف صاف لفظوں میں اپنی رائے سے مطلع کرتے بلکہ ایسا مقدمہ لینے سے انکار کر دیتے ۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ کسی فریق نے آپ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے مقدمہ آپ کے سپرد کیا اگر نتیجہ خلاف توقع نکلا تو چوہدری صاحب نے وصول کردہ فیس واپس کر دی ۔ چوہدری صاحب کے اعلیٰ اور قابل تقلید نمونہ کے باعث ہر کس و ناکس مخالف و موافق آپ کا ثناخواں اور آپ کو انتہائی ادب واحترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا ۔ آپ ایک بے ضرر انسان تھے اور تنازعات سے حتی الامکان کنارہ کش رہتے تھے۔ سادہ طبیعت ۔ سادہ وضع ۔ اور سادہ کردار تھے ۔ احکام شریعت کے پابند اور تقویٰ و طہارت کا اعلیٰ نمونہ تھے ۔ ایک کامیاب وکیل ہونے اور جماعتی ذمہ داریوں کے باوجود عزلت نشیں تھے ۔ صبح کی لمبی سیر جو عموماً تین چار میل کی ہوتی تھی ۔ آپ کی زندگی کا جزو بن چکی تھی ۔ جسے آپ بجز جسمانی معذوری کے کبھی ترک نہ کرتے تھے ۔ آپ کی اصابت رائے مسلم تھی ۔ دینی اور قانونی کتابوں کا مطالعہ دن رات کا مشغلہ تھا اور اس لحاظ سے ان کا کتب خانہ عمدہ عمدہ کتابوں پر مشتمل تھا ۔

۱۹۲۸ء تک (جب کہ میں گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج گجرات سے ایف ۔ اے پاس کر کے گورنمنٹ کالج لاہور میں بی اے کلاس میں داخل ہوا) میرا ابتدائی زمانہ طالب علمی گجرات میں گزرا ۔ ان ایام میں چوہدری صاحب جماعت گجرات کے امیر تھے ۔ آپ خاکسار کی تبلیغی سرگرمیوں اور دینی علوم میں شغف کی بے حد حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۶ء میں جب کہ میری عمر صرف ۱۶ سال کی تھی اور میٹرک میں تعلیم پاتا تھا ایک مناظرہ میں (جس میں دوسری طرف سے ایک سیالکوٹی غیر احمدی مولوی صاحب مناظر تھے) خاکسار کو جماعت احمدیہ کی نمائندگی کے لیے منتخب کیا اور مناظرہ کی کامیابی پر اس قدر خوش تھے کہ ایک لمبے عرصے تک تعریف میں رطب اللسان رہے ۔ جب میں نے تکمیل تعلیم کے بعد واپس

گجرات آکر وکالت کا کام شروع کیا تھا تو چوہدری صاحب نے مجھے فرمایا کہ میں اب بوڑھا اور کمزور ہو چکا ہوں مجھے بے حد خوشی ہے کہ تم آ گئے ہو اسلئے میں چاہتا ہوں کہ جماعت گجرات کی امارت کی ذمہ داری تم سنبھال لو۔[۱]

"ان کی وفات سے چند دن پہلے جب میں مع برادرم محترم حضرت راجہ علی محمد صاحب اور سید فخر الاسلام صاحب چوہدری صاحب کی خدمت میں عیادت کے لیے حاضر ہوا تو چوہدری صاحب نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے باچشم پرنم دیر تک دعائیں دیتے رہے اور فرمایا سیدنا حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء کے موقع پر تمہیں جس تعریف سے نوازا ہے تم خدا کے فضل سے فی الواقع اس تعریف اور خطاب کے اہل ہو۔ خاکسار کے مضمون بجواب حبیبہ صاحب کا دیر تک ذکر فرماتے رہے اور دعائیں دیتے رہے۔

سیّد فخر الاسلام صاحب چوہدری صاحب کے جوانی کے زمانہ کے دوست تھے۔ اور دراصل انہیں کے ذریعہ چوہدری صاحب کو قبول احمدیت کی سعادت حاصل ہوئی تھی ان سے بے حد تپاک اور محبت سے ملے اور دیر تک جوانی کے زمانہ کی باتیں ان سے کرتے رہے۔ یہ میری ان کی آخری ملاقات تھی اور مجھے قطعاً امید نہ تھی کہ وہ اس قدر جلد ہم سے رخصت ہو کر اپنے حقیقی مولیٰ کے پاس چلے جائیں گے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ

چوہدری صاحب بلاشبہ احمدیت کے بڑے آدمیوں میں سے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے عشق میں گداز اور شمع احمدیت کے پروانے تھے۔ اگرچہ ۱۹۵۱ء سے لے کر وفات تک عدالت کے کام سے کنارہ کش ہو چکے تھے اور علالت کے باعث اکثر وقت گھر کے اندر ہی رہے لیکن اس چھ سالہ علالت کے دور کو بھی انہوں نے علمی کاوشوں اور سلسلہ کی قلمی خدمتوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس عرصہ میں متعدد بلند پایہ علمی مضامین ان کے قلم سے نکلے جو "الفرقان" میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اور ایک مضمون اُن کے وفات کے بعد شائع ہوا ہے۔ چودھری صاحب موصوف اللہ تعالیٰ کے فضل سے صاحب کشوف و الہامات

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۳ جولائی ۱۹۵۷ء - ۲۳ وفا ۱۳۳۶ہش صفحہ ۵

تھے۔ ۱۹۵۱ء میں جب موٹر کے حادثہ میں ان کی ٹانگ کی بڑی ہڈی شکستہ ہوگئی تو عام طور پر ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ اس ہڈی کا جڑنا اور چوہدری صاحب کا جانبر ہونا مشکل ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے بالکل تندرست ہوگئے اور بآسانی چلنے پھرنے لگے اور اگرچہ وکالت کا کام شروع نہیں کیا مگر عام روزمرہ کے کام کاج اور روزانہ سیر کرنے باہر جاتے۔ حتیٰ کہ مسجد میں بھی جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں تشریف لاتے اور کئی مرتبہ خاکسار کی خواہش پر خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے۔

ابتدائی علالت کے ایّام میں ایک شب ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ سردی کا موسم تھا رات کو چوہدری صاحب سوئے ہوئے تھے آپ کے قریب ہی اس کمرہ میں میاں محمد ابراہیم صاحب احمدی (جو چوہدری صاحب کے صاحبزادہ برادرم چوہدری بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے منشی ہیں اور چوہدری صاحب کی خدمت پر مامور تھے) دوسری چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ خود چوہدری بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ ساتھ والے کمرے میں اپنے مقدمات کی تیاری میں مشغول تھے کہ چوہدری بشیر احمد صاحب کو آواز دے کر بلایا اور پوچھا کہ ابھی ابھی میرے کمرے میں کون بزرگ تشریف لائے تھے؟ چوہدری بشیر احمد صاحب نے جواب دیا کہ کمرے کے تمام بیرونی دروازے اندر سے بند ہیں یہاں کوئی شخص باہر سے نہ اندر آسکتا ہے اور نہ کوئی آیا ہے۔ اس پر منشی محمد ابراہیم صاحب مذکور نے بتایا کہ میں نے بھی ایک بزرگ چوہدری صاحب مرحوم کے سرہانے کھڑے دیکھے ہیں۔ چوہدری صاحب مرحوم نے بتایا کہ ایک بلند قامت بزرگ نہایت براق سفید لباس میں ملبوس اِن کے کمرے کے بیرونی دروازے سے داخل ہوئے اور ان کی چارپائی کے چاروں طرف گھوم کر ان کے سرہانے کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ میں آپ کی تیمارداری کرنے کے لیے آیا ہوں۔

یہ عجیب وغریب کشف جس میں منشی محمد ابراہیم صاحب بھی شامل کیے گئے چوہدری صاحب کی صحت یابی پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح آپ نے ایک اور رؤیا دیکھا جس میں آپ کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت ہوئی اور دیکھا کہ حضورؑ چوہدری صاحب مرحوم کے وطن مالوف شادیوال ضلع گجرات میں تشریف لائے ہیں اور تپاک اور محبت سے چوہدری صاحب کے ساتھ معانقہ فرمایا ہے۔

اس رؤیا کی بھی چوہدری صاحب نے یہی تعبیر کی کہ آپ اس علالت سے صحت یاب ہو جائیں گے

چنانچہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے آپ خدا کے فضل سے صحت یاب ہو کر دو تین سال تک روزمرّہ کے کام کاج کرتے رہے۔ چوہدری صاحب مرحوم کے صاحبزادے چوہدری بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ بیان کرتے ہیں کہ چوہدری احمد دین صاحب مرحوم قبول احمدیت سے قبل حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے خاص عقیدت رکھتے تھے اور زمانۂ طالب علمی میں ان کے مزار پر جایا کرتے تھے انہیں ایام میں ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ کی قبر کھلی ہوئی ہے اور اس میں سے ایک نہایت پُر نور اور بابرکت ہستی نمودار ہوئی جو سر تا پا پھولوں سے لدی ہوئی ہے اور خواب ہی میں بتایا گیا کہ یہ سیّدنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے مطالعہ کے نتیجہ میں قادیان حاضر ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے دست مبارک پر ۱۹۰۵ء میں بیعت کر لی۔

بیعت کرنے پر اپنے گاؤں شادی وال تشریف لائے اور اپنے اُستاد مولوی نجم الدین صاحب سے اپنی بیعت کا ذکر کیا۔ چند دن بعد حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی . . . . . . بھی شادیوال تشریف لائے۔ اگرچہ حضرت مولوی نجم الدین صاحب اس سے قبل احمدیت قبول کر چکے تھے مگر اس وقت تک اظہار نہیں فرمایا تھا۔ چودھری صاحب مرحوم اور حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی کے کہنے پر حضرت مولوی نجم الدین صاحب . . . . نے قبول احمدیت کا اعلان کر دیا جس کے نتیجہ میں قریبًا نصف گاؤں احمدیت کی آغوش میں آ گیا۔

چوہدری احمد دین صاحب کی وفات جماعت احمدیہ گجرات کے لیے ایک بہت بڑا صدمہ ہے۔ حضرت ملک برکت علی صاحب حضرت مولوی امیر الدین صاحب، حضرت مرزا امیر الدین صاحب ٹھیکیدار حضرت شیخ الٰہی بخش و رحیم بخش صاحبان۔ حضرت ماسٹر ہدایت اللہ صاحب حضرت بابا امام الدین صاحب حضرت میاں محمد الدین صاحب ورق ساز حضرت میاں رحیم بخش صاحب لاکنڈی حضرت مرزا وزیر بخش صاحب حضرت ڈاکٹر عمر الدین صاحب حضرت ڈاکٹر علم الدین صاحب حضرت میاں عبد المجید صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصحاب اور جماعت گجرات کے روح رواں تھے اپنی اپنی ذمہ داریاں کے بطریق احسن سرانجام دیتے ہوئے یکے بعد دیگرے مِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ کے مصداق بن چکے تھے اور اب حضرت چوہدری احمد الدین صاحب بھی اُن کے ساتھ جا ملے ہیں۔

اب ان کی اولادوں۔ ان کے متعلقین اور ان کے شاگردوں کا فرض ہے کہ احمدیت کے جھنڈے کو اسی مضبوطی سے بلند رکھیں جس طرح ان عظیم الشان ہستیوں نے تادم واپسیں اسے سربلند رکھا۔

اللہ تعالیٰ ان مبارک وجودوں کے درجات کو بلند کرے انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور پیچھے رہ جانے والوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے اور "منھم من ینتظر" کا مصداق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔[1]

اولاد:۔ چوہدری بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ (سابق امیر جماعت ضلع گجرات)

۸۔ مرزا مولا بخش صاحبؓ (محلہ پیر گیلانیاں اندرون موچی دروازہ لاہور)[2]

(ولادت ۱۸۸۹ء۔ بیعت ۱۹۰۴ء۔ وفات ۲۴ رمئی ۱۹۵۷ء)

بڑے مخلص، جوشیلے اور غیور احمدی تھے اور تبلیغ کا جنون تھا انتہائی مشتعل مجمع میں کلمہ حق کہنے سے نہیں جھجکتے تھے اور جماعت کے تبلیغی اور تربیتی جلسوں کے انعقاد میں سرگرم حصہ لیتے تھے۔

ٹکٹ پرنٹنگ ریلوے پریس برانچ میں مغلپورہ ورکشاپ میں ملازم ہوئے اور وہیں سے ریٹائر ہوئے۔

آپ کے والد حضرت میرزا میراں بخش صاحب بھی اصحاب مسیح موعود علیہ السلام میں سے تھے۔

اولاد:۔ (پہلی بیوی سے) ۱۔ مرزا سمیع احمد ظفر صاحب (حال انگلستان)

(۲) ولیہ بیگم صاحبہ مرحومہ۔

(دوسری بیوی سے) ۳۔ مرزا خلیل احمد صاحب۔ ۴۔ مرزا منیر احمد صاحب۔

۵۔ فرخ مبشرات صاحب۔ ۶۔ بشارت تسنیم صاحب۔ ۷۔ کوثر وسیم صاحب[2]

۹۔ حضرت مولوی رحمت علی صاحبؓ آف پھیروچیچی ضلع گورداسپور

(ولادت ؟ بیعت ۱۹۰۱ء۔ وفات ۹ رجون ۱۹۵۷ء[3])

---

[1] الفضل ۲۴ رجولائی ۱۹۵۷ء صفحہ ۵، ۶۔ [2] "لاہور تاریخ احمدیت" صفحہ ۲۳۹ مؤلفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحب سابق سوداگر مل مربی سلسلہ احمدیہ (فروری ۱۹۶۶ء)

[3] الفضل ۱۶ رجولائی ۱۹۵۷ء صفحہ ۵

بھیرو چیچی میں سب سے پہلے احمدی آپ ہی تھے۔ بیعت کے بعد آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور میں اکیلا ہوں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ "مومن کبھی اکیلا نہیں رہتا"۔ آپ یہ جواب سن کر نہایت اطمینان قلب سے واپس آ گئے۔ شروع میں برادری نے سخت مخالفت کی مگر آپ برابر تبلیغ میں منہمک رہے اور گاؤں والوں کو کہتے رہے کہ خدا اپنے مومن بندوں کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑا کرتا۔ مجھے بھی وہ انشاء اللہ اکیلا نہیں چھوڑے گا۔ چنانچہ ۱۹۰۳ء میں ان کی برادری کے چار گھرانے اور دوسرے متعدد اشخاص داخل احمدیت ہو گئے۔ مگر مخالفت پہلے سے بھی زیادہ شدت اختیار کر گئی۔ کئی دفعہ مخالفین سلسلہ نے مسجد سے باہر نکال پھینکنے کی کوشش کی۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مخالفت کی شدت کا ذکر کیا نیز فرمایا کہ لوگ مسجد میں نماز بھی ادا نہیں کرنے دیتے حضرت اقدس نے دعا کی اور فرمایا فی الحال اپنی زمین میں کوئی چھوٹی سی مسجد بنا لو خواہ تھوڑا سا ہی ہو۔ انشاء اللہ جلد ہی یہ مسجد بھی آپ لوگوں کو مل جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی کوششوں کو قبول فرمایا اور جلد ہی بھیرو چیچی کا گاؤں احمدیت کی آغوش میں آ گیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے مبارک کلمات پورے ہو گئے اور صداقت احمدیت کا نشان بن گئے۔

بھیرو چیچی قادیان سے تقریباً نو میل کے فاصلہ پر تھا لیکن آپ اکثر اوقات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بابرکت مجلس سے فیضیاب ہونے کے لیے قادیان پہنچ جاتے تھے۔

حضرت مولوی صاحب کو حضرت مسیح موعودؑ اور حضور کے سب خاندان سے والہانہ عقیدت تھی۔ تبلیغ کا خاص شوق تھا اور اس فریضہ کو ادا کرنے میں خاص لذت محسوس کرتے تھے۔ موصی تھے اور چندہ دینے اور ہر دینی تحریک میں آپ کا قدم آگے ہی رہتا تھا۔

آپ نے مقامی جماعت میں نماز باجماعت کی ایک تڑپ اور لگن پیدا کر دی تھی۔ تہجد گزار تھے۔ دعاؤں پر پختہ یقین تھا اور قبولیت دعا کے اپنے بہت سے واقعات سنا کر ایمانوں کو تازہ کر دیتے تھے۔

حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی بجا آوری میں مقدور بھر کوشاں رہتے تھے۔ ہر ایک سے محبت اور خوش خلقی سے ملتے تھے۔

۱۹۴۷ء میں ناصر آباد اسٹیٹ سندھ میں تشریف لے آئے اور یہیں انتقال

کیا [1]

اولاد:۔ ۱۔محترمہ رحمت بی بی صاحبہ ۔ ۲۔مولوی فضل الٰہی صاحب مولوی فاضل (شہید)
۳۔ محترم نور الٰہی صاحب ۔ ۴۔ محترمہ امۃ اللہ بیگم صاحبہ ۔
۵۔ مولوی کرم الٰہی صاحب ۔ ۶۔ مولوی احسان الٰہی صاحب (مربی سلسلہ)

۱۰۔ حضرت پروفیسر علی احمد صاحبؓ ایم اے بھاگلپوری

(ولادت ۱۸۷۷ء زبانی بیعت ۱۸۹۲ء [2] تحریری بیعت ۱۹۰۶ء وفات ۲۲ر جون ۱۹۵۷ء)

آپ نے سولہ سال کی عمر میں جبکہ آپ میٹرک کا امتحان دے رہے تھے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ پر ایمان لانے کا بھری مجلس میں اعلان فرمایا جس پر آپ کو شدید مصائب سے دوچار ہونا پڑا لیکن آپ نے ثبات قدم کا نہایت اعلیٰ قابلِ رشک نمونہ پیش فرمایا۔ آپ حکومت کے معزز عہدوں اور مناصب پر فائز رہے اور نہایت پاک و مطہر زندگی بسر کی۔ آپ احمدیت کی ایک چلتی پھرتی تصویر اور منکسر المزاجی اور فروتنی کا مجسمہ تھے [3]۔

۷ر اپریل ۱۹۰۸ء کو قادیان دارالامان میں شکاگو کے ایک سیاح مسٹر ٹرنر اپنی لیڈی مس بارڈون اور ایک سکاچ مین مسٹر بانشر کے ہمراہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ملاقات کی۔ پروفیسر صاحب اُن دنوں ڈپٹی مجسٹریٹ تھے اور اس موقعہ پر قادیان میں موجود تھے۔ آپ نے اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے ترجمانی کے فرائض انجام دیئے۔ [4]

آپ کو کئی سال تک جامعۃ المبشرین ربوہ میں تعلیمی خدمات بجا لانے کا موقعہ بھی ملا۔ آپ کے متعدد شاگرد اس وقت تبلیغی جہاد میں سرگرم عمل ہیں۔

خالد احمدیت مولانا ابو العطاء صاحب نے حضرت پروفیسر صاحبؓ کی بعض قابلِ تقلید صفات پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:۔

---

[1] الفضل ۱۶ر جولائی ۱۹۵۷ء صفحہ ۵ ۔ الفضل ۲۳ر جون ۱۹۵۷ء صفحہ ۵

[2] ریکارڈ بہشتی مقبرہ ربوہ ۔ [3] الفضل ۲۵ر جون ۱۹۵۷ء صفحہ ۸

[4] الحکم ۱۰ر اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۴ ۔ بدر ۹ر اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۲ ۔ ۱۵ تاریخ احمدیت جلد سوم طبع دوم صفحہ ۵۳۶

"حضرت مولوی علی احمد صاحب ایم اے بھاگلپوری نے عمر بھر اسلام کی خدمت کا فرض ادا کیا۔ آپ خاموش طبع اور ہر قسم کے نام و نمود سے بیزار تھے۔ ٹھوس اور موثر خدمت کے قائل تھے۔ نیک نمونہ کو بہترین تبلیغ جانتے تھے۔ طبیعت میں بنی نوع انسان کی ہمدردی اور بھلائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مجھے جامعۃ المبشرین میں ان کے ساتھ چار سال تک کام کرنیکا موقعہ ملا ہے۔ ایسے نیک بزرگ اور ہمہ تن خیر انسان کی جدائی بہت شاق ہوتی ہے۔ مگر قدرت کا نظام اسی طرح ہے کہ ایک عمر کے بعد ہر انسان کو اس جہانِ فانی سے آخرت کی طرف کوچ کرنا ضروری ہے۔ پروفیسر صاحب مرحوم بڑھاپے کے باوجود باقاعدگی اور نظام کی پابندی میں ایک نمونہ تھے۔ انہیں فطری شوق تھا کہ دُور دراز سے آنے والے اور سلسلہ کی تبلیغ کے لیے جانے والے طلبہ کی علمی ترقی میں میرا بھی حصہ ہو اور اسی ذریعہ سے میں ثواب میں شریک رہوں۔ اس لیے بیماری کے باوجود بھی وہ محنت سے پڑھاتے رہے جزاہ اللہ خیراً وّ احسن مثواہٗ فی الجنّۃ۔

سن رسیدگی کے باوجود حتی المقدور باجماعت مسجد میں ادا فرماتے بہت دعا گو بزرگ تھے۔ آخری سالوں میں حضرت ڈاکٹر غلام غوث صاحب سے بہت ہی لگاؤ تھا اور بیت المبارک میں بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے قریب ہی صفِ اوّل میں شریک نماز ہوتے تھے۔ اب دونوں بزرگوں کی جگہ خالی ہو گئی اور دونوں اپنے مولیٰ کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے اور ان کے پسماندگان سے خاص فضل و احسان کا سلوک کرے آمین یارب العالمین"[1]

اولاد:۔ ۱۔ حسن صاحب (وفات ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء مدفون بہشتی مقبرہ قادیان)

۲۔ حسین صاحب (پندرہ دن کی عمر میں وفات پائی)

۳۔ میاں عبدالرحیم احمد صاحب (داماد سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ)

۱۱۔ حضرت مولوی غلام رسول صاحب چانگریاں ضلع سیالکوٹ

---

[1] الفضل ۱۲ جولائی ۱۹۵۷ء صفحہ ۴

(ولادت ۱۸۸۱ء[1] بیعت ۱۹۰۱ء / ۱۹۰۲ء[2] وفات ۲۷ جون ۱۹۵۷ء[3])

حضرت مولوی غلام رسول صاحب قبولِ احمدیت اور حضرت مسیح موعودؑ کے عہد مبارک کے چشمدید واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"میں نے ۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۲ء میں بیعت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر کی تھی۔ اس وقت حضور کی خدمت میں ایک ہفتہ رہا اور ہم آپ کو جب آپ مسجد میں نماز کے بعد عموماً مغرب کی نماز کے بعد بیٹھتے تھے دباتے تھے یعنی مٹھیاں بھرتے تھے اور آپ ہم کو منع نہیں کرتے تھے اور آپ کا چہرۂ مبارک ایسا تھا کہ وہ شبہات جو مولوی ڈالتے تھے آپ کا چہرہ دیکھنے سے دور ہو جاتے تھے۔ چنانچہ میں نے سُنا ہوا تھا کہ مہدی معہود کا چہرہ ستارے کی طرح چمکتا ہوگا اور میں نے ایسا ہی پایا اور میرے سارے اعتراضات آپ کا چہرہ دیکھتے ہی حل ہو گئے۔ اور جب آپ پر کرم دین نے دعویٰ کیا تھا اور مجسٹریٹ چندو لال کی عدالت میں دعویٰ تھا اور بہت شور تھا کہ حضرت مسیح موعود ضرور جیل میں جائیں گے اور حضرت مسیح موعودؑ فرماتے تھے کہ لوگ یہ افواہ پھیلا رہے ہیں میں جیل میں جاؤں گا ہمارا خدا کہتا ہے تم کو ایسی فتح دونگا جیسے صحابہ کو جنگِ بدر میں دی تھی اور وہ الفاظ آپ کے اب تک کانوں میں گونجتے ہیں اور ایک دفعہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صبح کو سیر کے واسطے پہاڑ کی جانب نکلے اور آپ دُور نہ جا سکے کیونکہ دوستوں کا ہجوم تھا اور ریتی چھلہ وا لو بہڑ کے مغرب کی طرف آپ ٹھہر گئے اور آپ کے گرد دوستوں نے گروہ (دائرہ) باندھ لیا اور مصافحہ کرنا شروع کیا اور میں نے جب مصافحہ کیا تو میں نے ایک روپیہ ایسے طور پر دیا کہ کسی کو معلوم نہ ہو اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے میری طرف ایسی شفقت بھری نظر سے دیکھا کہ جب مجھے وہ وقت اور وہ نظر آپ کی یاد پڑتی ہے تو مجھے اب بھی سرور آجاتا ہے۔ ایک دفعہ جبکہ "نسیم دعوت"[4] چھپ رہی تھی۔ آپ نے اس کتاب کی تعریف کی اور میری طبیعت للچائی کہ کتاب مجھ کو بھی ملے اور قیمت میرے پاس نہیں تھی جب آپ جانے لگے تو میں نے حضور سے عرض کی کہ حضور مجھے بھی ایک

---

[1] [3] الفضل ۴ جولائی ۱۹۵۷ء صفحہ ۱۴ ؛ [2] "رجسٹر روایات" نمبر ۳ صفحہ ۱۱۱

[4] اشاعت ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء۔

کتاب نسیم دعوت دی جائے اور آپ نے بہت شفقت سے خلیفہ رجب الدین[1] صاحب سے (جو دور کے رہنے والے تھے) فرمایا کہ اس لڑکے کو کتاب دلا دیں اور صبح ہوتے ہی مجھے کتاب مل گئی[2]۔

حضرت مولوی صاحب کی زندگی عملاً خدمتِ دین کے لیے وقف تھی آپ کا محبوب شغل قرآن مجید پڑھنا، پڑھانا اور وعظ و خطبات دینا تھا۔ مرحوم کا طریق تھا کہ ہر روز بلا ناغہ نماز فجر کے بعد قرآن مجید کے ایک رکوع کا دلنشیں رنگ میں درس دیتے پھر گھر تشریف لے آتے جہاں چھوٹی بڑی لڑکیوں کا جمگھٹا ہوتا۔ سب کو ناظرہ یا ترجمہ قرآن مجید کا سبق دے کر تین فرلانگ کے فاصلہ پر واقع گاؤں مانگا چلے جاتے اور مردوں کو بھی نماز ظہر تک قرآن مجید کا ترجمہ سکھلاتے۔ نماز ظہر کے بعد سلسلہ کے مالی کاموں میں سیکرٹری مال کا ہاتھ بٹاتے اور عصر کے وقت واپس چانگریاں پہنچ کر نماز عصر پڑھاتے اور جلسہ سالانہ کے سوا آپ کا ہمیشہ یہی معمول رہا۔

صداقت حضرت مسیح موعودؑ" اور" وفاتِ مسیح" وغیرہ مسائل ایسے مؤثر طریق پر پیش فرماتے کہ انکار کی گنجائش نہ رہتی۔ دعوت الی اللہ کا بہت شوق تھا۔ تبلیغ کے لیے باہر دیہات میں نکل کھڑے ہوتے اور خصوصاً مرکزی ایام التبلیغ میں تو آپ سارا دن جہاد تبلیغ میں صرف کر دیتے۔ آپ کے ذریعہ کئی نفوس نے حق کی شناخت کی اور کئی ایک نئی جماعتیں قائم ہوئیں۔ آپ کی طبیعت اگرچہ مناظرانہ نہیں تھی تاہم آپ نے بعض بڑے بڑے مولویوں سے مناظرے کیے۔ آپ کا قرآن مجید سے استدلال غیر احمدی علماء کو ہمیشہ مرعوب کر دیتا تھا۔ اگرچہ آپ کے پاس احادیث و فقہ کی کتابیں موجود تھیں مگر آپ کا استدلال ہر مسئلہ میں کتاب اللہ سے ہوتا تھا۔ قرآنی آیات تو گویا آپ کے دل و دماغ اور زبان پر نقش تھیں۔

آپ کے اخلاق کریمانہ اپنوں اور پرایوں کو مسلّم تھے۔ ۱۹۴۷ء میں آپ کے گھر ایک دیسی ساخت کا پستول بطور امانت رکھا تھا۔ کسی نے پولیس میں مخبری کر دی۔ آپ نے پستول لا کر فوراً پولیس کے حوالہ کر دیا اور چالان رجسٹرڈ ہو گیا عدالت میں پیشی کے وقت دوستوں کو تشویش ہوئی کہ قید کا خطرہ ہے۔ مگر آپ نے فرمایا خواہ کچھ ہو جھوٹ میں بولنا جانتا نہیں میں تو سچ ہی بولوں گا معززین و شرفا کا ایک وفد

---

[1] خسر خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر مرحوم

[2] "روایاتِ صحابہ" جلد ۳ صفحہ ۱۱۰ و صفحہ ۱۱۱

مجسٹریٹ صاحب کو ملا کہ ملزم ایک خدا رسیدہ بزرگ ہیں۔ ان کا کوئی قصور نہیں۔ مجسٹریٹ صاحب نے کہا اگر ملزم واقعی اقرار کر گیا تو میں بھی کم از کم سزا تجویز کروں گا۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحب نے اصل واقعہ بیان فرما دیا۔ مجسٹریٹ نے بھی معمولی جرمانہ کیا جو بعض معززین شہر نے اپنی گرہ سے ادا کر دیا۔

موضع چانگریاں کے جو سکھ جاٹ پاکستان سے منتقل ہو کر قادیان کے پاس موضع مالیا میں مقیم ہوئے وہ ہمیشہ ہی حضرت مولوی صاحب کے پاس زر نقد، زیورات اور کاغذات سرکاری بطور امانت رکھا کرتے تھے چنانچہ چوہدری محمود احمد صاحب سابق معلم حلقہ ضلع چونڈہ نے آپ کے حالات زندگی میں لکھا کہ "غیر مسلم تارکان وطن بھی آج تک مولوی صاحب کو یاد کرتے ہیں .... جب میں قادیان جلسہ سالانہ گیا تو ہر واقف کار مولوی صاحب کا ہی حال پوچھتا تھا"

آپ ایک لمبے عرصہ تک اپنے حلقہ چانگریاں کی گیارہ جماعتوں کے امیر رہے۔ اور جب بڑھاپا اور کمزوری کے باعث آپ زیادہ دور نہ جا سکتے تھے آپ نے امیر ضلع سیالکوٹ سے درخواست کر کے اس حلقہ کو دو حصوں میں تقسیم کرا لیا اس طرح آپ اپنے حلقہ میں مرتے دم تک امیر کے فرائض انجام دیتے رہے[1]

۱۲۔ حضرت چوہدری بھائی عبدالرحیم صاحب نومسلم سابق جگت سنگھ

(ولادت ۱۸۷۳ء بیعت وزیارت ۱۸۹۴ء۔ وفات ۹ جولائی ۱۹۵۷ء)

حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب کا پہلا نام جگت سنگھ تھا۔ والد سردار چندر سنگھ صاحب ساکن سرسنگھ ضلع لاہور[2] تھے جن کا تعلق زمینداروں کے ڈھلوں خاندان سے تھا۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی مدیر الحکم تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت بھائی صاحب کو ابتدا ہی میں ایک ایسے مذہب کی تلاش تھی جو انسان کو خدا تعالیٰ تک پہنچا سکے آپ کی سچی تڑپ دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے سردار فضل حق[3] کے ذریعہ حضرت مسیح موعودؑ کا علم دیا۔ سردار فضل حق صاحب بھائی صاحب کی اس تڑپ سے واقف تھے اس لئے انہوں نے اُن کے سامنے

---

[1] الفضل ۱۴ جولائی ۱۹۵۷ء صلا۔ الفضل ۱۰ اگست ۱۹۵۷ء ص۵۔ [2] حال ضلع امرتسر

[3] پہلا نام سردار سندر سنگھ۔ آپ نے ۱۸۹۸ء میں اسلام قبول کیا وطن دھرم کوٹ بگہ

مذہب اسلام کو ایسے رنگ میں پیش کیا کہ جس سے اسلام کو تفوق دوسرے مذاہب پر ظاہر ہو۔ اس موضوع پر اکثر دونوں میں تبادلہ خیالات ہوا کرتا تھا اور کئی کئی گھنٹے گزر جایا کرتے تھے۔ بالآخر ایک دن حضرت بھائی صاحب نے سردار صاحب کے سامنے ایک معیار رکھا اور بطور آخری فیصلہ کے رکھا اور کہا چونکہ مذاہب تو بے شمار ہیں اور ہر ایک انسان اپنے مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح دیا کرتا ہے باقی رہا روایات اور قصے کہانیوں کا تذکرہ سو وہ ہر مذہب میں اُس کے پیشواؤں کے متعلق بے شمار پائے جاتے ہیں اس میں کوئی کسی کے پیچھے نہیں رہنا چاہتا اس لئے میرے نزدیک فیصلہ کن تجویز یہی ہو سکتی ہے کہ فی زمانہ جس مذہب میں کوئی بزرگ ایسا پایا جاتا ہو جو خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہوتا ہو اور اُس کی دعائیں سُنی جاتی ہوں تو مَیں سمجھ لوں گا کہ یہی مذہب قابلِ پیروی ہے۔ اس پر سردار فضل حق خاں صاحب نے فوراً ہی حضرت مسیح موعود کا اسم مبارک لیا اور پورا پتہ بھی دیا یہ بات ایسی تھی جس نے حضرت بھائی صاحب کے دل کو تسکین دی اس نے اسلام کی عظمت اُن کے دل میں قائم کر دی۔

حضرت بھائی صاحب ان دنوں فوج میں ملازم تھے۔ اس گفتگو کے دو ماہ بعد وہ رخصت لے کر اپنے گھر جا رہے تھے تو انہوں نے عزم کر لیا کہ وہ گھر جانے سے پہلے قادیان جائیں گے۔ چنانچہ وہ سیدھے قادیان میں آئے۔ آٹھ دن تک یہاں قیام کیا۔ اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینے کو کھول دیا اور آپ سکھ ہوتے ہوئے سلسلہ بیعت میں منسلک ہو گئے۔ ان گزشتہ ایام میں حضرت بھائی صاحب نے بہت دعائیں کیں اور رو رو کر خدا تعالیٰ کے حضور التجائیں کیں جن کو خدا تعالیٰ نے قبول فرما لیا الغرض بھائی صاحب بیعت کر کے اپنے گھر کو چلے گئے"۔ [1]

آپ نے دو مضامین میں اپنے حالات پر روشنی ڈالی ہے جن کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے

پہلا مضمون:۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کس طرح اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اس کا جواب اور معقول جواب یہی ہے۔

؎ این سعادت بزور بازو نیست ؛ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

---

[1] الحکم ۲۱ر فروری ۱۹۳۵ء صٓ۳

بظاہر سرگزشت اور واقعات میرے اسلام میں آنے کے یہ ہوئے ۔ جو پہلے پہل ہی احمدیت یا یوں کہیں کہ احمد مرسل یزدانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر اسلام لانے اور بیعت کرنے پر ایک وقت ہی دو لطف اپنے اندر لیے ہوئے تھے ۔ گو بیعت مَیں نے ۱۸۹۴ء میں جبکہ مَیں ابھی سکھوں کے لباس میں تھا ۔ اور بالکل قادیان آجانے کا موقعہ ۸ ؍ مارچ ۱۸۹۵ء کو بفضلہٖ میسّر آیا ۔ لیکن ۹۴ء میں بیعت کا شرف مجھے عطا ہونا اسی وقت ہی اسلام لانے کی حقیقت کو اپنے اندر لیے ہوئے تھا ۔ اور یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نور فراست کی بھی ایک اعلیٰ درجہ کی دلیل ہے ۔ کہ آپ مجھے اگر مسلمان خیال بلکہ یقین نہیں کر رہے تھے ۔ تو اس بیعت میں نہایت مزیدار لطف بجز اس کے اور کیا تھا ۔ مَیں اپنے محسن مولےٰ کا نہایت ہی شکرگزار ہوں ۔ کہ اس نے مجھے ایسے آسمانی ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا موقع اس وقت دیا ۔ جس کے لیے آباد اجداد سے مسلمان کہلانے والے بہت کچھ متردّد تھے ۔ اور شکوک و شبہات اور تعصبات میں پڑے ہوئے تھے ۔ یہی وہ خاص یزدانی کشش تھی جو کام کر گئی ۔ ورنہ مَیں اور یہ فضل اور ایسا بے مثل احسان لربنا الحمد ۔

جب مَیں چوتھی پرائمری میں پڑھا کرتا تھا ۔ اس وقت رسومِ ہند بھی ہماری درسی کتاب تھی جس میں انبیاء علیہم السلام کا ذکر کچھ مختصراً دیا ہوا تھا ۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کا حال جب مَیں نے پڑھا ۔ تو میرے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے ۔ یہ لوگ بڑے اچھے تھے ۔ میرے وقت میں اگر کوئی انسان ایسا ہو ۔ تو مَیں تو اس کو ضرور ہی مان لوں ۔ جس منّان آقا نے مجھے ایسا دل بچپن میں دیا تھا ۔ مجھے اس پر پورا بھروسہ ہے کہ وہ بالآخر مجھے چھوڑ نہیں دے گا اور احمدیت پر جو حقیقی اسلام کا آئینہ ہے میرا خاتمہ بالخیر کرتے ہوئے جنت میں ایک گھر بھی مجھے ضرور ہی عطا فرمائے گا ۔ رب علیك توکلت والیك انبتُ والیكَ المصیر :-

اردو مڈل پاس ہوگیا ۔ وظیفہ سرکاری للعہ روپے ماہوار ملا ۔ اور سپیشل کلاس میں لاہور پڑھنے کے لیے ہم کو (مجھکو اور میرے بھائی کو) بھیج دیا گیا ۔ لاہور ان دنوں ۱۸۹۱ء میں ہر طرف ہی مذہبی چرچا رہتا تھا ۔ عیسائی بازاروں میں اس طرح آریہ اور سکھ الگ الگ اپنے پرچار کرتے ہوئے بکثرت دکھائی دیتے تھے ۔ ان وعظوں نے مذہب کی طرف بالکل ملال پیدا کر دیا ۔ اور طبیعت نے یہ فیصلہ کر لیا ۔ کہ جس مذہب میں ہیں وہی اچھا ہے لیکن مذکورہ سنہ کے آخر میں ہی مَیں رسالہ ۱۳ میں ملتان بھرتی ہوگیا اور قریبًا چھ ماہ کے بعد ہم سیالکوٹ میں آگئے ۔ یہاں سردار سندر سنگھ صاحب ساکن دھرم کوٹ بگہ ۔ رفیق اور محرم راز

بن گئے ۔ آپ نے ہی مجھے اسلام کی موٹی موٹی خوبیاں بتائیں ۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام
کا پتہ بھی آپ ہی سے مجھکو ملا ۔ ابتداء میں مَیں نے سردار صاحب کی مخالفت کی ۔ اور اس خیال پر کہ ہمارے
مذہب میں بھی بزرگ گذرے ہیں ۔ کیا ضرورت ہے ۔ کہ ہم دوسرے مذہبوں کے خوشہ چین بنیں ۔ ہاں
اب اگر کوئی انسان اسلام میں خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہو ۔ کچھ اس کے معجزات کرامات ہوں ۔ تو بیشک
قابل اتباع ہو سکتا ہے ۔ اور ایسے شخص کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حصول یقینی ہے اس پر
انہوں نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پورا حال بھی بتایا ۔ اور قادیان کا راستہ وغیرہ بھی بتایا ۔
چنانچہ رسالہ میں جب میری رخصت کا وقت آیا تو مَیں پہلے سیدھا قادیان پہنچا ۔ یہی ۹۴ء کا زمانہ تھا ۔
مَیں یہاں چند ایام رہا ۔ اور رو کر دعا مانگ کر بیعت کی نعمت سے بفضلہٖ تعالیٰ شرف حاصل کر لیا ۔ بیعت کرنے
کے بعد مَیں نے اپنے گاؤں میں ۲ ماہ کے قریب ایام رخصت بسر کیے ۔ ساری نماز یاد کی اور پڑھنے
کا راز بھی معلوم لیا ۔ آتھم کے نہ مرنے پر جبکہ مَیں گاؤں میں تھا ۔ ہیڈ ماسٹر سکول نے مجھ پر اعتراض کیے ۔
مگر قادیان سے مجھ کو آتھم کے متعلق کافی اطلاع بذریعہ اشتہار بھیج دی گئی ۔ جس سے میں ہیڈ ماسٹر صاحب
سے گفتگو کرنے کے قابل ہو گیا ۔ یہ نہیں معلوم کہ یہاں کے ہندوؤں نے یا کس نے وہاں اطلاع بھیج دی ۔
کہ یہ شخص مسلمان ہو رہا ہے ۔ رسالہ میں جا کر قریباً نماز کا پابند رہا ۔ اور مولوی عبدالکریم صاحب کا پتہ قادیان سے
دریافت کر کے سیالکوٹ شہر میں پھر پھرا کر نکال لیا ۔ آپ سے درس قرآن کچھ دنوں سنا ۔ مگر سکھوں کو جب پتہ
لگ گیا ۔ تو انہوں نے سردار کو اکسا کر اس نعمت سے محروم کر دیا ۔ دوپہر کے وقت یعنی اس نعمت سے محروم
ہونے کے چند روز پہلے مَیں نے ایک رؤیا دیکھی ۔ کہ مَیں اندھا ہو گیا ہوں ۔ گھبراہٹ کی حد نہ رہی ۔ جب مَیں
یہ خیال کر رہا تھا ۔ کہ اب ساری عمر دیواروں سے ٹکریں کھا کر گذرے گی ۔ سخت اضطراب کے بعد جب آنکھ
کھلی ۔ تو جوانی کی نیند مشکل آنکھیں کھلیں اور کچھ دل کو ڈھارس ہوئی ۔ کہ پورا اندھا تو نہیں ہوا ۔ پھر جب پورا تنبیہ ہوا
تو اس کو خواب سمجھ کر مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کی تعبیر خط لکھ کر دریافت کی ۔
کارڈ میں جواباً یوں تحریر تھا کہ تم کو دینی صدمہ پہنچے گا ۔ توبہ استغفار خوب اچھی طرح کرنا چاہیئے ۔ وہ اندھا
ہونا قرآن کریم کے درس سے گویا محروم ہونا تھا ۔ جو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سمجھا دیا تھا ۔ رمضان کا مہینہ بڑا ہی
مبارک مہینہ آیا ۔ جس میں مَیں نے روزے رکھنے شروع کیے ۔ مگر سکھوں میں اس سے ایسی کھلبلی پڑ گئی ۔
کہ انہوں نے سارا زور لگا کر مجھکو مجبور کیا کہ میں استعفیٰ دیدوں ۔ بحولہٖ تعالیٰ بخوشی استعفےٰ دیدیا ۔ اور سیدھا

قادیان پہنچا۔ یہاں آکر الحمدللہ پیر سراج الحق صاحب نعمانی نے نہلا دھلا کر مسلمانوں سی ظاہری شکل بھی بنا دی۔ رسالہ میں منشی جلال الدین صاحب کی سنجیدہ اور خدا ترس متین طبیعت نے مجھ پر بہت ہی اثر کیا۔ فتح اسلام میں نے اپنے ہاتھوں سے سارا نقل کیا۔ کیونکہ یہ اس وقت چھپا ہوا نہیں ملتا تھا۔ الغرض احمدیت اور اسلام کی نعمت بزور اس طرح اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے عطا کی۔ ورنہ سکھ ہونا اور جوانی کی مستی اور نئی نئی ترقی اور حکام کی نظر میں بار بار پھرتے رہنا میری اپنی کوشش سے ان بلاؤں سے نکلنا بہت ہی دور کے ممکنات سے تھا۔ نہیں بلکہ نہایت ہی ناممکن تھا۔ الحمد للہ علی ذالک۔

۸ر مارچ ۱۸۹۵ء سے اب کہ ۱۹۲۴ء ہے اللہ تعالیٰ نے یہاں قادیان میں میری پرورش کے بہت اچھی طرح سامان مہیا کیے میرا کچھ روپیہ جو مجھے رسالہ سے ملا تھا۔ جب نماز ظہر سے پہلے ختم ہو گیا اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل ...... نے حساب کر کے مجھے اطلاع دی۔ کہ آج آپ کا روپیہ ختم ہو گیا ہے۔ تو مجھے ہیرا سنگھ کا معقولہ یاد آکر سخت ہی قلق اور اضطراب پیدا ہوا۔ وہ یوں کہا کرتا تھا کہ " دیکھو لچھمی ماتا کو دلتیاں چلاتے ہو۔ تین سال کے بعد تم نہ مانگتے پھرو۔ تو مجھے کہنا اور جو چاہے کہنا۔ مجھے رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ نائی دھوبی۔ کپڑا دیگر ضروریات کیا ان سب کے لیے میں دستِ سوال دراز کرتا پھرونگا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل ..... عربی کی تعلیم اور طب کی تکمیل کے لیے مجھے باپ سے زیادہ شفقت کرتے ہوئے اپنے اوقات سے اکثر حصہ دے رہے تھے۔ مگر ابھی صحاح ستہ سے بخاری کا کچھ حصہ رہتا تھا۔ ہاں اسی پریشانی میں میں نے وضو کر کے اذان کے بعد سنتوں میں خوب رو رو کر دعا کی۔ اور اس وقت ہیرا سنگھ کے الفاظ نے اور بے سروسامانی کی بھیانک شکل نے دل کھول کر میری خوب ہی مساعدت کی۔ قدرتِ حق نے محض اپنے ہی وجود سے نماز ظہر کے بعد دو روپے ماہوار کا مجھے ٹیوٹر مقرر کر وا دیا۔ جو میری از حد خوشی اور دعا کی قبولیت کا بیّن نشان بنا۔"[1]

دوسرا مضمون :۔ بفضلہٖ پہلے ۱۸۹۴ء میں قادیان میں تحقیقات امور مذہبی کے لیے مجھے آنا پڑا۔ چنانچہ میں جبکہ رخصت پر اپنے گاؤں سور سنگھ ضلع لاہور میں جانا چاہتا تھا۔ پہلے قادیان میں آیا۔ اور سات آٹھ دن یہاں رہا۔ بازار میں ایک بوڑھے ہندو کے ہاں کھانا کھاتا جو مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے ماتحت ایسا کرتا تھا۔ اُس سے بھی میں نے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات کے متعلق ذکر

---

[1] الحکم ۷ر ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۱

کیا کہ آپ کے نزدیک آپ (یعنی حضرت مرزا صاحب) کیسے آدمی ہیں۔ تو اُس نے ذکرِ خیر سے اطمینان دلایا غالباً ان کا نام بشن داس تھا۔ اچھی لمبی داڑھی تھی۔

میں نے رو کر دعا کی اور حضرت خلیفہ اوّل ...... سے دریافت کیا کہ کیا اگر میں کچھ عرصہ اسی حالت میں رہوں اور بیعت کر لوں تو ایسا ممکن ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں حضرت صاحب سے دریافت کر کے بتا سکتا ہوں۔ آپ نے ذکر کیا اور ظہر کی نماز کے بعد شرف بیعت سے میری عزت افزائی ہو کر دعا کی گئی۔

آپؑ نے فرمایا کہ اب اپنے آپ کو اسلام میں ہی سمجھو۔ میں نے عرض کی۔ حضور میں جلدی کوشش کروں گا۔ رسالہ نمبر ۱۳ میں جہاں میں ملازم تھا سردار سندر سنگھ کے ذریعہ جو دھرم کوٹ بگہ کے رہنے والے تھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تمام پورا پتہ مجھے معلوم ہوا اور ان کی ترغیب ہی سے مجھے اسلام پر غور کرنا پڑا۔

سردار سندر سنگھ (یعنی فضل حق صاحب) خوش مزاج اسلام کو عقیقی اور نہایت درست مذہب خیال کرتے تھے اور میرے اس استفسار پر کہ اگر اسلام واقعی اپنے اصولوں میں پورا راہنما اور خدا رسیدہ بنا دینے والا ہے تو اب بھی تو اسلام میں کوئی روحانی انسان با کمال خدا رسیدہ ہونا ضروری ہے۔

اس پر انہوں نے حضرت مرزا صاحب کا ذکر کیا اور مجھے اسی لیے قادیان آنا پڑا

بیعت کرنے کے بعد میں نے اپنے گاؤں میں رخصت کے باقی ایام پورے کیے۔ ساری نماز کو یاد کیا اور دھرمسالہ میں روز چپکے چپکے تہا کر ذکر الٰہی اور لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اور کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا ورد اور وظیفہ کرتا رہا۔

واپس رسالہ میں جا کر میر منشی جلال الدین صاحب والد مرزا محمد اشرف صاحب سے تعارف ہوا اور ان کی وساطت سے میرے عقائد کو زیادہ مضبوطی ملی۔ فتح اسلام میں نے اپنی قلم سے نقل کیا تھا۔ کیونکہ اس کی کاپیاں ختم ہونے کی وجہ سے نایاب تھیں۔ آپ نے مولوی عبدالکریم صاحب کا قرآن کا درس سننے کی بھی ترغیب دی تھی۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کو میں نے پہلے حضرت مولوی صاحب خلیفہ اوّل کی وساطت سے قادیان میں خط لکھ کر شہر سیالکوٹ میں پوچھتے پوچھتے تلاش کیا اور اُن سے آخر شرف ملاقات ہوئی۔

مولوی عبدالکریم صاحب کا درس قرآن کچھ دن سُنا مگر پھر محروم رہنا پڑا۔ سکھوں کی زیادہ مہربانی نے یہ

بھی مہربانی مجھ پر کی کہ اس نعمت سے محروم کرنے میں وہ اسلام کی طرف زیادہ دھکا دینے کا موجب ہو گئے دوپہر کو وضو کے بعد کچھ پڑھتے پڑھتے میری آنکھ لگ گئی۔ رؤیا میں ایسا دیکھا کہ میں اندھا ہو گیا ہوں حضرت مرزا صاحب کی طرف خط لکھ کر تعبیر معلوم کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ دینی صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ بہت بہت استغفار کرو۔ چنانچہ سکھوں نے رپورٹ کر کے درسِ قرآن سے محروم کر دیا۔ اور یہی نور آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

رسالہ میں واپس از رخصت ہونے پر مَیں نے چوری چوری نمازیں بھی ادا کرنی شروع کیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے یہ بھی دریافت کیا کہ مَیں اگر ایسی حالت میں رہوں اور اسلامی شعار حتی المقدور ادا کرتا رہوں (ان دنوں ترقی دنیاوی ذرا معراج پر تھی) تو نجات ہو سکے گی کہ نہیں اس کا جواب مجھ کو یہ ملا کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے رحم اور فضل سے وہ دنیاوی ترقی کے خیالات میرے دل سے نکال دیئے اور چند دنوں کے بعد جب رمضان کا مہینہ آیا تو مَیں نے روزے رکھنے شروع کر دیئے۔ میرے مہربانوں کو جب معلوم ہوا تو ایک شور برپا ہو گیا اور سردار رٹپ نے آنکھیں لال پیلی نکالنی شروع کیں دھمکیاں دیں حکومت کا زور دکھایا اور کرنل صاحب بہادر رسالہ کو بہت کچھ اکسایا۔ آخر تنگ ہونے پر مَیں نے استعفاء دے دیا۔ اور سیدھا قادیان کا ٹکٹ (یعنی بٹالہ تک کا) فوراً ہی لینا پسند کیا۔ میرے دوست سردار فضل حق صاحب نے کہا لیکھرام سیالکوٹ میں آیا ہے وہ لیکچر دے گا آج رات ٹھہر جائیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشش نے اُس طرف رخ کرنے سے بھی بالکل ہی روک دیا۔ اور محض حقیقی مولیٰ کے کرم سے ۸ مارچ ۱۸۹۵ء کو جب کہ روزوں کا مہینہ تھا قادیان میں وارد ہوا۔

حضرت اقدس نے مجھے حضرت خلیفہ اوّل .... کے سپرد کیا۔ کھانے اور تربیت روحانی اور تعلیم کی نگرانی کے لیے تاکید کرتے ہوئے اپنے سامنے کھڑا کر کے ہر طرح خیال رکھنے کا بھی حکم دیا۔ حضرت خلیفہ اوّل نے آپ کے ارشاد کی کما حقہٗ رعایت کی۔ اور میری تربیت اور تعلیم کا جتنا ممکن تھا خیال رکھا۔ کوئی کوئی باپ ہوتا ہے۔ جو ایسا خیال رکھتا ہے۔ جزاہ اللہ خیراً فی حالۃ الدنیا والآخرۃ۔

میرے رشتہ داروں نے جب میرے مسلمان ہو جانے کی خبر سُنی تو چار پانچ رشتہ دار خسر۔ تایا اور دوسرے اشخاص قادیان میں آ دھمکے۔ حضرت مولوی صاحب نے احتیاط کے خیال سے مجھے بھائی خیر الدین صاحب

کے ساتھ سیکھواں بھجوا دیا۔ مگر وہ وہاں بھی پہنچے۔ اور بمشکل میرا پنڈ چھوڑا۔ حضرت اقدس نے جب سُنا تو فرمایا:۔

"قادیان سے بڑھ کر امن کی کونسی جگہ ہے مولوی صاحب نے ایسا کیوں کیا؟"

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے ترجمہ قرآن مجید مجھے پڑھایا۔ اور حضرت خلیفہ اوّل نے علم حدیث صرف نحو طب وغیرہ کی پوری تعلیم دی۔"

حضرت بھائی جی فرمایا کرتے تھے جس پیار اور محبت سے انہوں نے میری تربیت فرمائی اس کی مثالیں دُنیا میں بہت کم ملیں گی جب مَیں پڑھتے پڑھتے تھک جاتا تو فرماتے عبدالرحیم لیٹ جاؤ۔ اب میں پڑھتا ہوں تم سُنتے جاؤ۔

۱۸۹۵ء سے ۱۸۹۹ء تک آپ کو سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السّلام کی بابرکت صحبت میں رہنے کا موقعہ ملا۔ ازاں بعد آپ مدرسہ تعلیم الاسلام کے ٹیوٹر اور پھر مدرس مقرر ہوئے آپ ۱۹۳۴ء تک تعلیمی خدمات بجالاتے رہے۔ اس کے دوران آپ کو حضرت مصلح موعودؓ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے متعدد صاحبزادگان کے استاد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ عرصہ تک حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے بچوں کے اتالیق بھی رہے۔

آپ ۳۱۳ اصحاب کبار میں سے تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴۱ میں آپ کا نام ۲۷ پر درج فرمایا ہے۔ آپ کی بعض خود نوشت روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت مولوی نورالدین (خلیفۃ المسیح الاوّل) اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب بیتِ مبارک میں موجود نہ ہوتے تو حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السلام حافظ معین الدین صاحب یا آپ کو امام الصلوٰۃ بنا لیتے اور بعض اوقات خود امامت کے فرائض انجام دیتے اور آپ کو حضور کے پیچھے نماز پڑھنے کی سعادت نصیب ہو جاتی۔

لہ اخبار "بدر" قادیان ۳۱ اکتوبر، ۱۹۵۰ء ص۷ (اس مضمون کے اگلے حصہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ مبارک کی بہت سی پیاری باتیں درج ہیں جو قابل مطالعہ ہیں)

ایک بار کسی شخص کو آپ نے اور نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ نے محض سرزنش کے طور پر خفیف سی بدنی سزا دی جس پر حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے باہمی محبت اور ہمدردی کے متعلق ایسی اثر انگیز تقریر فرمائی کہ ان دونوں بزرگوں نے اس شخص سے فوراً معافی مانگ لی اور خُلقِ عظیم کا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا۔

حضرت اقدس کے عہدِ مبارک میں آپ کے قلم سے بعض علمی مضامین بعض اخبارات سلسلہ میں شائع ہوئے اس سلسلہ میں الحکم۔ ا؍جولائی ۱۹۰۵ء صفحہ ۵ کا مضمون خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جو "ضرورت امام" کے موضوع پر تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب کبھی سفر کے لیے تشریف لے جاتے تو حضور کی حرم حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ رتھ میں سوار ہوتیں تو دوسرے خدام کے علاوہ آپ کو بھی ساتھ جانے کا حکم ملتا۔ آپ رتھ کے ساتھ ساتھ بطور محافظ بٹالہ اور پھر واپسی تک ساتھ رہا کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ :-

"۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مَیں لاہور نواب محمد علی خان صاحب کی کوٹھی پر تھا جو جیل روڈ پر تھی ۔ صبح کو جب ذرا دن چڑھا تو مَیں حضور کی آخری زیارت اور عیادت کے لیے گیا اس وقت حضور نے قلم دوات منگوائی اور کاغذ پر کچھ لکھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ اس وقت مَیں نے دل میں کہا۔ الحمد للہ کیونکہ مَیں حضور کی تشویشناک حالت کی خبر سُن کر بہت گھبرایا ہوا تھا۔ مگر حضور جب بیٹھ کر لکھنے لگے تو کاغذ پر بے قاعدہ قلم چلا سکے اور وہ ٹیڑھی سی کشش تھی۔ اس وقت مجھے یقین ہوا کہ حالت خطرناک ہے مگر حضور نے مجھے پہچان لیا اور زور سے دبانے کے لیے ارشاد فرمایا یہ بالکل آخری وقت تھا اور ایک گھنٹے کے اندر اندر میری آنکھوں کے سامنے آپ کی روح ارجعی الی ربّك راضية مرضية کے ذوق سے ہمیشہ کے لیے بہرہ اندوز ہوگئی ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی"۔[1]

حضرت بھائی جی ۱۸۹۵ء سے ۱۹۴۷ء تک قادیان دارالامان میں قیام پذیر رہے اس کے بعد فسادات کے دوران پاکستان آگئے۔ مگر مئی ۱۹۴۸ء میں پھر دیارِ محبوب میں تشریف لے گئے اور

---

[1] الحکم ۲۱؍فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۳ (روایات حضرت چوہدری عبدالرحیم صاحبؓ)

ناظر تعلیم و تربیت کے عہدہ پر ممتاز رہے۔ قادیان میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے آپ سے کتب احادیث، طب اور فارسی پڑھی[1]

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جٹ فاضل امیر جماعت قادیان کی رخصت یا غیر موجودگی میں قائمقام ناظر اعلیٰ اور امیر مقامی بھی آپ ہی ہوتے تھے۔ جولائی ۱۹۵۲ء میں آپ قادیان سے آگئے اور تا وفات ربوہ میں مقیم رہے۔

حضرت بھائی جی سلسلہ کی ہر قسم کی تحریکات میں پُر جوش حصہ لیتے اور چندہ جات باقاعدہ اور باشرح ادا فرماتے آپ کی وصیت ۱/۳ کی تھی۔ صاحب رؤیا و کشوف والہام تھے اور مستجاب الدعوات تھے کئی دفعہ ایسا ہوا کہ ادھر آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ملی اُدھر وہ بات پوری ہو گئی بعض اوقات آپ کی قبولیتِ دعا کا فوری اثر نمایاں ہوتا اور دعا ختم کرتے ہی اس کی مقبولیت کے آثار پیدا ہو جاتے عبادت نہایت خشوع و خضوع اور حضورِ قلب سے کرتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ گویا آپ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ غرباء اور مساکین کا خاص خیال رکھتے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے حساب دیا اور آپ نے بھی اسے خدا کی راہ میں اس کی خوشنودی کے لیے بے دریغ خرچ کیا۔ آپ نہایت منکسر المزاج اور بے نفس اور یکرنگ بزرگ تھے۔ ہمیشہ نگاہیں نیچی رکھتے۔ گوشۂ تنہائی کو بہت پسند فرماتے اور دربار شہرت سے کوسوں دور بھاگتے سالانہ جلسہ پر آپ کو سٹیج ٹکٹ دیا جاتا مگر آپ بالعموم دوسرے حاضرین میں بیٹھے رہتے۔

خاندان حضرت مسیح موعود کے جملہ افراد کا ازحد احترام کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہم سب پر اتنے احسانات ہیں کہ ہم ساری عمر اس خاندان کی خدمت کرتے رہیں تو خدمت کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

آپ توکّل کے بلند مقام پر تھے۔ آپ کی ضروریات کا انتظام معجزانہ طور پر خدا تعالیٰ فرما دیتا تھا۔ آپ نے دھرم سالہ، قادیان اور ربوہ میں مکانات تعمیر کرائے جو آپ کے مقام توکّل کی واضح مثال ہے[2]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے آپ کی وفات پر حسب ذیل نوٹ سپرد قلم فرمایا:۔

---

[1] چوہدری عبدالقدیر صاحب درویش قادیان کو آپ سے باترجمہ قرآن پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ [2] الفضل ۵ جولائی ۱۹۵۷ء صفحہ ۵ (مضمون چوہدری عبدالقدیر صاحب درویش قادیان مطبوعہ بدر)

"حضرت بھائی صاحب مرحوم کو بہت سی خصوصیات حاصل تھیں۔ اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھ مذہب سے نکال کر اسلام قبول کرنے کی توفیق دی۔ دوسرے یہ کہ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شناخت کرنے اور احمدیت قبول کرنے کی سعادت بھی پائی۔ تیسرے یہ کہ نہ صرف اسلام اور احمدیت کو قبول کیا۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بھی لمبی صحبت کا موقعہ میسّر آیا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قرب نصیب ہوا۔ چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم اور عمل کی نعمت سے بھی نوازا۔ اور ان کے ذریعہ بہت سے نوجوانوں نے دینی علم حاصل کرنے اور تقویٰ پر قائم ہونے کی سعادت پائی۔ پانچویں یہ کہ حضرت بھائی صاحب صاحبِ الہام و کشوف بھی تھے۔ اور دعا کی تحریک پر ان پر عموماً اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت جلد انکشاف ہو جایا کرتا تھا پھر یہ کہ خلافت ثانیہ کا بھی لمبا دور پایا۔ اور بالآخر قادیان میں کئی سال تک درویشی کی زندگی بھی نصیب ہوئی۔ اور آخر میں اللہ تعالیٰ انہیں وفات کے قریب ربوہ لے آیا۔ اور ایسا اتفاق ہوا کہ جنازہ کے وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ربوہ میں موجود تھے۔ اور حضور نے ہی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اور حضرت بھائی صاحب مقبرہ بہشتی کے قطعہ خاص میں دفن کیے گئے۔ یہ سب خصوصیات غیر معمولی رنگ رکھتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی مشفقانہ نعمت اور خاص ذرہ نوازی کی دلیل ہے۔ کہ سکھ مذہب سے نکال کر کہاں کہاں تک پہنچا دیا ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت بھائی صاحب مرحوم ۱۸۹۴ء میں مسلمان ہو کر قادیان آئے تھے اور اس وقت ان کی عمر غالباً ۱۲ سال کی تھی جب خدا تعالیٰ نے دل میں اسلام کی چنگاری پیدا کی۔ تو فوجی ملازمت چھوڑ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے قدموں میں پہنچ گئے اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل ..... نے انہیں اپنی شاگردی سے نوازا۔

گزشتہ ایام میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرانے رفیق خاص اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے خاص کارکن بڑی سرعت کے ساتھ فوت ہوئے ہیں اس کے نتیجہ میں طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ان بزرگوں کی جگہ لینے کے لیے احمدیت کا نوجوان طبقہ آگے آنے کے لیے کیا کوشش کر رہا ہے۔ اور ترقی کرنے والی قوموں کا یہ قاعدہ ہے۔ کہ وہ ہمیشہ صفِ اوّل کے ساتھ ساتھ صفِ دوم کا بھی انتظام رکھا کرتی

ہیں۔ تاکہ صفِ اوّل کے بزرگوں کے گزرنے پر صفِ دوم کے نوجوان ان کی جگہ لے سکیں۔ اور جماعت کی ترقی میں کوئی رخنہ نہ پیدا ہو۔ پس میں اس موقعہ پر بڑے دردمند دل کے ساتھ اپنے نوجوان عزیزوں کو تحریک کرتا۔ اور ان سے اپیل کرتا ہوں۔ کہ وہ صفِ اوّل کے خلاء کو پُر کرنے کے لیے اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کریں۔ جو زندہ الٰہی جماعتوں کا طرۂ امتیاز ہیں۔ یعنی فرائض کے علاوہ نفلی عبادات میں شغف پیدا کریں اور اپنے دلوں میں تقویٰ کا درخت لگا کر اپنے قلوب کے دامن کو خدا کی رحمت کے ساتھ وابستہ کر دیں حتیٰ کہ الٰہی رحمت جوش میں آکر انہیں اپنے انوار کا مہبط بنا لے مجھے خوشی ہے۔ کہ کچھ عرصہ سے کافی احمدی نوجوانوں میں اس طرف توجہ پیدا ہو رہی ہے۔ مگر ابھی تک احمدیت کی صف دوم اتنی بیدار نہیں ہوئی۔ کہ وہ صف اوّل کی جگہ لے سکے۔ اور ان کا وجود بھٹکتی روحوں کے لیے شمع ہدایت اور سہارے کا کام دے۔ پس نوجوانوں کو چاہیئے۔ کہ ضرور اس طرف خاص توجہ دیں کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا ہر پچھلا قدم ہر پہلے قدم سے آگے نہ بڑھے خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔"[1]

خاکسار۔ مرزا بشیر احمد ۱۰/۷/۵۷ ربوہ

اولاد:۔ ۱۔ میجر ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب

۲۔ خدیجہ بیگم صاحبہ (اہلیہ حضرت مولوی فضل الدین صاحبؓ وکیل)

۳۔ امۃ اللہ بیگم صاحبہ (اہلیہ خانصاحب حضرت مولوی فرزند علی صاحبؓ)

۴۔ زینب بیگم صاحبہ (اہلیہ محفوظ الحق صاحب علمی)

۵۔ عائشہ بیگم صاحبہ (اہلیہ مولوی علی محمد صاحب اجمیری)

۶۔ آمنہ بیگم صاحبہ (اہلیہ محمد اسحاق صاحب ابن مولوی فخرالدین صاحب آف گھوگھیاٹ

۱۳۔ حضرت مولوی فضل الٰہی صاحب بھیروی

(ولادت قریباً ۱۸۷۵ء۔ زیارت نومبر ۱۸۹۱ء بمقام امرتسر۔ بیعت ۹۳-۱۸۹۴ء۔ وفات ۲۵ راگست ۱۹۵۷ء)

حضرت مولوی فضل الٰہی صاحب بھیروی اپنے خود نوشت حالات و روایات میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"میرا پیدائشی شہر موضع احمد آباد تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم ہے۔ جو بھیرہ سے تقریباً چار میل کے

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۲ر جولائی ۱۹۵۷ء صہ۳

فاصلہ پر تھا۔ میرے والدین سخت حنفی تھے ۔ بندہ کو امرتسر جناب قاضی سید امیر حسین صاحب مرحوم کے پاس آنے سے احمدیت کا علم ہوا ۔ بندہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے لیے ماہ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف کے ایام میں بہت دعا استخارہ کی ۔ اور دعا میں یہ درخواست تھی کہ مولیٰ کریم مجھے اطلاع فرما ۔ کہ جس حالت میں اب ہوں یہ درست ہے یا جو اس وقت حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ ہے ۔ وہ درست ہے ۔ اس پر مجھے دکھلایا گیا ۔ کہ مَیں نماز پڑھ رہا ہوں ۔ لیکن رُخ قبلہ کی طرف نہیں ہے ۔ اور سورج کی روشنی بوجہ کسوف کے بہت کم ہے ۔ جس سے تفہیم ہوئی ۔ کہ تمہاری موجودہ حالت کا نقشہ ہے ۔ دوسرے روز نماز عشاء کے بعد پھر رو رو کر بہت دعا کی ۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خواب میں فرمایا ۔ کہ اصل دعا کا وقت جوف اللیل کے بعد کا ہوتا ہے ۔ جس طرح بچہ کے رونے پر والدہ کے پستان میں دودھ آ جاتا ہے ۔ اسی طرح پچھلی رات گریہ وزاری خدا کے حضور کرنے سے خدا کا رحم قریب آ جاتا ہے ۔ اس کے بعد بندہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی اختیار کر لی اس کے بعد حضور کی پاک صحبت کی برکت سے یہ فائدہ ہوا کہ ایک روز نماز تہجد کے بعد خاکسار سجدہ میں دعائیں کر رہا تھا ۔ کہ غنودگی کی حالت ہو گئی ۔ جو ایک کشفی رنگ تھا ۔ ایک پاکیزہ شکل فرشتہ میرے پاس آیا ۔ جس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت سفید کوزہ پانی سے بھرا ہوا تھا ۔ اور ایک ہاتھ میں ایک خوبصورت کارد (چھری) تھی ۔ مجھے کہنے لگا ۔ کہ تمہاری اندرونی صفائی کے لیے میں آیا ہوں ۔ اس پر مَیں نے کہا ۔ کہ بہت اچھا ۔ آپ جس طرح چاہیں صفائی کریں ۔ چنانچہ اس نے پہلے چھُری سے میرے سینہ کو چاک کیا ۔ اور اس کوزہ کے صاف پانی سے اس کو خوب صاف کیا ۔ لیکن مجھے کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی ۔ اور نہ ہی خوف کی حالت پیدا ہوئی ۔ جب وہ چلے گئے ۔ تو مَیں نے خیال کیا ۔ کہ اب مَیں نے صبح کی نماز ادا کرنی ہے ۔ اور یہ تمام بدن چیرا ہوا ہے ۔ نماز کس طرح ادا کر سکوں گا ۔ اس لیے ہاتھ پاؤں کو ہلانا شروع کیا ۔ تو کوئی تکلیف نہ معلوم ہوئی ۔ اور حالت بیداری پیدا ہو گئی ۔ اس کے بعد نماز فجر ادا کی ۔ اس کے بعد حضور کی فیض صحبت سے بہت روحانی فوائد حاصل ہوئے ۔ جو قبل اس کے کبھی نہیں ہوئے ۔ بہت دفعہ مسجد مبارک میں حضور کے ساتھ بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز باجماعت ادا کرنے کا اتفاق ہوا ۔ حضور کی آواز کبھی زیادہ اونچی نہیں آتی تھی ۔ بہت ہی آہستہ تسبیح تحمید کرتے تھے ۔ بعد فراغت نماز حضور اکثر دفعہ مسجد کے کونہ میں مشرق کی طرف رخ فرما کر بیٹھ جاتے ۔ اور مہمانوں اور دوستوں سے

فرمایا کرتے تھے۔ میں نے اس عرصہ چودہ یا پندرہ سال میں حضور کو کسی سے سخت کلامی یا تُند آواز سے گفتگو کرتے نہیں دیکھا۔ بلکہ مخالف جاہل نے کبھی بدکلامی سے گفتگو حضور سے کی ہے۔ تو حضور نے نرمی اور آرام سے اس کا جواب دیا۔ اگر کسی دوست نے عرض کی۔ کہ حضور میں نے کچھ نظم بنائی ہے۔ اجازت ہو۔ تو بیان کروں۔ خواہ وہ عرض کرنے والا ایک ناخواندہ آدمی ہی معلوم ہو۔ اور وہ نظم خواہ کیسی ہی معمولی سی ہو۔ حضور نے کبھی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ گو دوسرے سامعین کیسے ہی ناپسند کرتے ہوں۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنے خواب اور کشوف یا الہامات سنانے شروع کیے۔ تو آپ نہایت خندہ پیشانی سے سننے رہتے تھے۔ ایک بزرگ جن کا نام میرے خیال میں سید امیر علی شاہ صاحب تھا۔ اور بہت سے کشوف اور الہامات کئی کئی اور متواتر بہت دیر تک سنانے شروع کر دیتے جس سے لوگ اُکتا جاتے۔ لیکن حضور ان کی دلجوئی کے لیے سُنتے رہتے۔ اور کبھی کبھی مسکراتے بھی تھے۔ بعد میں کبھی کبھی آواز خفیف سے ہنستے بھی تھے۔ اور ہمیشہ تبسّم اور خندہ پیشانی سے گفتگو فرمایا کرتے۔ کبھی تیوری چڑھا کر گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ — — — — — — — — — ایک دفعہ بیت اقصیٰ میں حضور نے دوستوں کو نصیحت فرماتے ہوئے فرمایا۔ کہ دنیا میں ہر ایک مومن کے دو باپ ہوتے ہیں۔ ایک جسمانی اور دوسرا روحانی۔ جسمانی باپ تو انسان کو آسمان سے زمین پر لانے کا موجب ہوا۔ لیکن دوسرا روحانی باپ پھر زمین سے آسمان پر لے جانے کا موجب ہوتا ہے۔ چونکہ زمین سے آسمان پر لے جانا ایک عظیم الشان کام ہے۔ اسی لیے دوسرے روحانی باپ کا درجہ پہلے روحانی باپ سے زیادہ ہے۔ اس اصول کے ماتحت دوسرے باپ کی روحانی اولاد کو آپس میں محبت، اخوّت دوسرے جسمانی بھائیوں سے بڑھ کر کرنی چاہیئے۔ چنانچہ میں اس بات کا گواہ ہوں۔ کہ حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں جس قدر احمدی بھائیوں میں آپس میں محبت و اخوّت تھی۔ اس کی مثال میں نے کسی دوسرے جسمانی باپ کے بھائیوں میں نہیں دیکھی۔ تمام دوست ایک دوسرے کو بھائی بھائی کر کے بلاتے اور ان کی اس آواز میں ایک بڑی محبت کا بھرا ہوا جام ہوتا۔ جو سننے والوں کے دل کو محبت سے سیراب کر دیتا اور کوئی غریب۔ امیر۔ اعلیٰ۔ ادنیٰ کا سوال نہ ہوتا تھا۔

بیتِ مبارک میں بیٹھ کر حضور مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرمایا کرتے تھے۔ بہت دفعہ حضور

کے بالکل سامنے بیٹھ کر بندہ نے کھانا کھایا۔ حضور بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے روٹی کے برائے نوالہ بناکر آہستہ آہستہ کھاتے تھے۔ اور جب تک تمام مہمان کھانا نہ کھا لیتے۔ حضور کھانا سے ہاتھ نہ اٹھاتے۔ جب حضور کھانے سے فارغ ہوتے۔ تو ایک روٹی میں سے بھی کافی حصہ بچا ہوا ہوتا۔ حضور خشک شدہ ساگ اور اچار دہی وغیرہ جو میسّر ہوتا۔ کھانے کے لیے منگواتے۔ تو پاس کے دوستوں کو بھی عنایت فرماتے کھانا ننگے سر کبھی نہ کھاتے تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے۔ کہ کھانا کھاتے کھاتے سر درد کی تکلیف کچھ شروع ہوگئی۔ اس لیے حضور دستار مبارک کو درد کی وجہ سے اتار کر رکھتے۔ لیکن پھر جلدی سر پر رکھ لیتے۔ اسی طرح کئی دفعہ کیا۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ حضور کھانا کی خاطر پھر دستار مبارک بار بار رکھ لیتے ہیں۔ غرض ایسی تکلیف کے وقت بھی ننگے سر کھانا کھانا پسند نہیں فرماتے تھے۔ کھانا عموماً ایک ہی قسم کا ہوتا تھا۔ ہاں اگر کوئی شخص پہلے سے کہہ دیتا تھا۔ کہ میرے لیے خشکہ چاول یا اور کوئی پرہیزی کھانا درکار ہے۔ تو اس کے لیے اس جگہ وہی کھانا آجاتا تھا۔ حضور کھانے کے وقت کچھ باتیں بھی فرمایا کرتے تھے۔ اور خندہ بھی کسی کسی وقت فرماتے تھے۔ اور نہایت بے تکلفانہ نشست حضور کی ہوتی تھی۔ آجکل کے پیروں کی طرح کوئی خاص مسند نہیں ہوتی تھی۔ حضور بعد نماز مغرب حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی زندگی میں بیتِ مبارک میں شہ نشین پر اکثر دفعہ بیٹھ کر خدام کو اپنی زیارت اور پاک کلام سے عشاء کی نماز تک شرف بخشتے تھے۔ اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب حضور سے کئی مسائل دریافت فرماتے۔ اور حضور اس کا جواب دیتے۔ اور مہمانوں سے باتیں فرماتے۔

ایک دفعہ کا واقعہ مجھے یاد آگیا ہے۔ کہ بعد نماز مغرب حضور شہ نشین پر مشرق کیطرف رخ فرمائے تشریف فرما تھے۔ اور چاند کی تاریخ پندرہ یا سولہ غالباً تھی۔ اندھیرے میں جب مشرق سے چاند طلوع ہوا۔ تو یہ عاجز مغرب کی طرف (حضور کے چہرہ مبارک کی طرف) منہ کر کے بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے نظر آیا۔ کہ حضور کے چہرہ مبارک سے شعاعیں نکلتی ہیں۔ اور چاند کی شعاعوں سے ٹکراتی نظر آتی ہیں۔ جب بندہ لاہور اورنٹیل کالج میں تعلیم حاصل کرتا تھا۔ تو حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے ساتھ رہتا تھا۔ حضرت مفتی صاحب موصوف قریباً ہر ہفتہ کی شام کو لاہور سے روانہ ہو کر رات کے بارہ بجے کے قریب سٹیشن بٹالہ پر اُتر کر پیدل چل کر نماز تہجد کے وقت قادیان دارالامان میں پہنچ جایا کرتے اور صبح حضرت اقدس آپ کو اندر اپنے کمرہ میں بلا لیتے۔ چونکہ کئی دفعہ یہ عاجز بھی حضرت مفتی صاحب کے ہمراہ

قادیان چلا جاتا تھا۔ اس لیے بعض دفعہ حضرت مفتی صاحب بندہ کو بھی اپنے ہمراہ حضرت صاحب کے حضور لے جایا کرتے تھے اور حضرت اقدس اپنے کمرہ سے براستہ زینہ نیچے تشریف لے جاتے۔ اور بسکٹ چائے یا کوئی اور چیز خود اُٹھا کر لاتے۔ اور ہمارے آگے رکھ کر مہمان نوازی فرماتے تھے۔ اور حضرت مفتی صاحب حضور علیہ السّلام کو ولائتی ڈاک سُنا کر ان کے جواب لکھا کرتے تھے۔ غرض تمام دن حضرت اقدس کی خدمت گزار کر عصر کے بعد قادیان سے روانہ ہوئے۔ اور اس وقت حضرت مفتی صاحب نے بتلایا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میرے قادیان سے جانے کا یکہ کا کرایہ خود ادا فرماتے تھے۔ اس کی وجہ یہ بتلائی۔ کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ جس قسم کا اخلاص آپ مجھ سے بوجہ مسیح موعود ہونے کے رکھتے ہیں۔ اس اخلاص میں شریک ہو کہ یہ ثواب حاصل کرنے کی خاطر ہم بھی آپ کے سفر خرچ میں کچھ حصّہ ڈال دیتے ہیں۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت اقدس علیہ السلام نے مبلغ دو روپیہ حضرت مفتی صاحب کو دیئے اور فرمایا۔ کہ ہم قادیان کی آمد و رفت میں خرچ کریں۔ کیونکہ یہ ایک غریب آدمی نے بھیج کر لکھا ہے کہ کسی ایسی جگہ خرچ فرمانا۔ جہاں مجھے بہت ثواب حاصل ہو۔ اس لیے آپ اس کو اس سفر میں خرچ کریں[1]۔"

مزید فرماتے ہیں:۔

"سب سے پہلے مَیں نے حضرت اقدس کی امرتسر کے مقام پر زیارت کی۔ جبکہ حضور دہلی سے واپس تشریف لائے تھے۔ اور شیخ نور احمد صاحب کے مکان پر بمعہ اہل وعیال فروکش ہوئے تھے۔ حضور کے ساتھ حضرت .... المصلح الموعود بھی تھے۔ جن کی عمر اس وقت قریبًا چار سال کی تھی۔ خدام میں سے ایک محمد یوسف خاں تھے۔ ایک میر محمد سعید صاحب وغیرہ۔ حضرت صاحب کے لیے شیخ نور احمد صاحب کے مطبع کے برآمدہ میں صفیں بچھائی گئی تھیں۔ وہاں حضور تشریف فرما ہوا کرتے تھے مَیں جب حاضر ہوا۔ تو شہر کے بعض اور معززین بھی موجود تھے۔ ایک شخص محمد یوسف صاحب جو ضلعدار تھے۔ وہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے اپنی ایک خواب بیان کی تھی۔ کہ آسمان سے ایک نور کی شعاع نازل ہوئی ہے۔ جو قادیان کی طرف اتری ہے۔ یہ یاد نہیں۔ کہ حضور نے اس کے بارے میں کچھ

---

[1] رجسٹر روایات ۱۲ صفحہ ۳۲۲ تا ۳۲۷

فرمایا تھا یا نہیں۔ یہ خواب وہ پہلے بھی بیان کر چکے تھے۔

مَیں حضرت صاحب کے پاؤں دبا رہا تھا۔ کہ ایک شخص جس کے کندھوں پر خالی مشک بھی تھی۔ اس نے بہت نامعقول اعتراضات کرنے شروع کیے۔ اس کی گفتگو میں بہت بداخلاقی کے الفاظ تھے۔ جس پر معزّزین جو موجود تھے۔ جو غیر احمدی تھے۔ انہوں نے بھی بُرا منایا۔ اور اسکو لعن طعن کرنے لگے۔ مگر حضرت صاحب نے ان کو منع فرمایا۔ فرمایا کہ یہ اس کا قصور نہیں ہے۔ یہ بے علم ہے۔ مولویوں نے اسے کچھ باتیں سکھا کر بھیجا ہے۔ چونکہ یہ دینی جوش رکھتا ہے۔ اس لیے یہ ایسے الفاظ کہہ رہا ہے۔ یہ اس کا قصور نہیں۔

مجھے یہ اچھی طرح یاد نہیں۔ کہ مَیں نے اس موقعہ پر ہی بیعت کی تھی۔ یا پھر قادیان آکر۔ اس وقت مَیں امرتسر میں قاضی امیر حسین صاحب کے پاس پڑھا کرتا تھا۔ قاضی صاحب ان ایام میں احمدی تھے۔ اور حضرت صاحب کے پاس جایا کرتے تھے۔ اس کے بعد مَیں لاہور چلا گیا۔ اور وہاں اورنٹیل کالج میں تعلیم پاتا رہا۔ ان ایام میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور مرزا ایوب بیگ صاحب مرحوم وغیرہ سے اکثر ملاقات ہوتی رہی۔ اور ان کے ساتھ اکثر قادیان آنے کا اتفاق رہا۔ چنانچہ مجھے یاد ہے۔ کہ ایک دفعہ ہم قادیان اس غرض سے آئے تھے۔ کہ پیشگوئی کے مطابق جو رمضان شریف میں کسوف وخسوف ہوا تھا۔ اس کی نماز مسجد اقصیٰ میں پڑھی جاتی تھی۔ چنانچہ ہم اس نماز میں شامل ہوئے۔ کافی دیر تک وہ نماز جاری رہی۔

غالباً ١٨٩٧ء میں حضرت صاحب سفر ملتان سے واپسی کے وقت لاہور تشریف لے گئے اور وہاں شیخ رحمت اللہ صاحب کی دکان بمبئی ھاؤس کے پیچھے جہاں شیخ صاحب خود رہتے تھے۔ وہاں حضرت صاحب فروکش ہوئے۔ شام کے بعد کا وقت تھا۔ کہ مَیں بھی وہاں حاضر ہوا۔ اس کمرہ میں اَور بہت سے لوگ حضور کی آمد کی خبر سنکر زیارت کے لیے حاضر تھے۔ مشن کالج اور خالصہ کالج کے بعض طلباء بھی تھے۔ اور متفرق لوگ بھی تھے۔ سب نے عرض کی۔ کہ حضور کوئی تقریر فرمادیں۔ حضور نے فرمایا۔ کہ مَیں سفر سے آیا ہوں۔ مَیں زیادہ تقریر تو نہیں کر سکتا۔ مگر کچھ بیان کر دیتا ہوں۔ چنانچہ حضور اس کمرہ کے شمالی جانب گلی کی طرف کی ایک سنگول والی تاکی میں بیٹھ گئے اور کچھ فرمایا۔ اس کا خلاصہ جو مجھے یاد ہے۔ یہ تھا۔ کہ مذہب ایک عربی لفظ ہے جس کے اصطلاحی معنے خدا کا راستہ ہے۔ اور ہر ایک مذہبی آدمی کا یہ دعوےٰ ہے۔ کہ میرا مذہب خدا تک پہنچا ہوا ہے۔ فرمایا۔ کہ اس

کی مثال یوں ہے۔ کہ فرض کرو۔ لاہور سے ایک جماعت آدمیوں کی میاں میر جانے کے لیے نکلی ہے۔ اور باہر جا کر دریافت کرتی ہے۔ کہ میاں میر کو سیدھا راستہ کون سا جاتا ہے۔ لیکن وہاں مختلف راستے جا رہے ہیں۔ اور ہر رستہ پر آدمی کھڑے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جس رستے پر ہم کھڑے ہیں۔ یہ میاں میر کو جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے کہنے پر مختلف لوگ مختلف رستوں پر چل پڑتے ہیں۔ لیکن فرض کرو۔ اگر اکثر لوگوں کو چلتے چلتے شام پڑ جائے۔ اور وہ میاں میر نہ پہنچیں۔ اور نہ انہیں میاں میر کے کوئی آثار کا پتہ لگے۔ تو وہ لازماً سمجھ لیں گے۔ کہ جن رستوں پر ہم چل رہے ہیں۔ کہ میاں میر نہیں جاتے۔ لیکن وہ لوگ جو میاں میر پہنچ جاتے ہیں۔ یا انہیں میاں میر کے آثار نظر آ جاتے ہیں۔ ان کو یقین آ جاتا ہے۔ کہ ہم میاں میر کے رستہ پر ہیں۔ یہی حال مختلف مذاہب کا ہے۔ مذہب کی غرض جیسا کہ میں بتا چکا ہوں۔ خدا تک پہنچنا ہے۔ اب اس مجلس میں مختلف مذاہب کے لوگ موجود ہیں۔ میں سوال کرتا ہوں۔ کہ کیا آپ میں سے کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ میں نے اپنے مذہب پر چل کر خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی ہے اگر کوئی ایسا ہے۔ تو وہ کھڑا ہو جائے .... کوئی کھڑا نہ ہوا[1]"

جیسا کہ اوپر آ چکا ہے حضرت مولوی صاحب موصوف ۹۳-۱۸۹۲ء میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے تھے۔ آپ ان دنوں اورینٹل کالج لاہور میں پڑھتے تھے اور جب تک پڑھتے رہے قریباً ہر اتوار قادیان جاتے اور حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی صحبت سے فیضیاب ہوتے جب گھر والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے گھر کے دروازے آپ کے لیے بند کر دیئے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت اور محبت نے ان کے پائے استقلال میں خم نہ آنے دیا اور وہ تمام رشتہ داروں اور لواحقین کو چھوڑ کر بھیرہ سے سرگودہا آ گئے یہاں آ کر انہوں نے سرکاری ٹھیکیداری شروع کر دی، اور ساتھ ساتھ تبلیغ احمدیت میں مصروف رہے۔ چنانچہ آپ کی مخلصانہ کوششوں سے ہی ضلع سرگودہا میں جماعت احمدیہ قائم ہو گئی۔ اور آپ نے ۹ بلاک سرگودہا میں بیتِ احمدیہ بنوائی اور اپنے مکان کا ایک حصہ احمدی دوستوں کے قیام و طعام کے لیے وقف کر دیا شیخ محمد اسماعیل صاحب لائل پوری کے صاحبزادے میاں نصیر اے شیخ

---

[1] ایضاً جلد ۱۲ صـ۲۵۹ تا صـ۲۶۲

مالک کالونی ٹکسٹائل ملز اسماعیل آباد ملتان میں مرحوم کی تبلیغ کی وجہ سے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ ۲۳-۱۹۲۲ء میں ہجرت کرکے قادیان میں چلے آئے اور تقسیم ملک تک وہیں سکونت پذیر رہے۔

مرحوم کا اکثر وقت عبادت میں گزرتا بغیر جماعت کے نماز ادا کرنا کمزوریٔ ایمان سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب سے مَیں نے ہوش سنبھالا ہے مَیں نے کوشش یہی کی ہے کہ نماز باجماعت ادا کروں اور سوائے بیماری اور سفر کے مَیں نے کبھی بغیر جماعت کے نماز ادا نہیں کی۔

حضرت مولوی صاحب کو خاندان حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے بہت محبت تھی آپ التزام کے ساتھ بیماری کی حالت میں بھی حضرت .... خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب کی صحت اور درازیٔ عمر کے لیے بالخصوص دعائیں کرتے رہتے۔

کمزور ہوتے کے باوجود جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لیے قبل از وقت ربوہ پہنچ جاتے اور سال کا زیادہ حصہ یہیں گزارتے اور اُن کی دل کی خواہش تھی کہ وہ ربوہ میں ہی رہیں۔ بیماری کی حالت میں کئی بار انہوں نے کہا کہ مجھے ربوہ پہنچا دو لیکن ڈاکٹروں کا مشورہ تھا کہ سفر نہ کیا جائے"[1]

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؓ بقاپوری کا بیان ہے کہ

"آپ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے خاص دوست تھے۔ حضرت مفتی صاحب کے ساتھ لاہور سے قادیان حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کے لیے باقاعدہ جایا کرتے تھے۔ یہ دونوں اصحاب بٹالہ سے قادیان تک اکثر پیدل جایا کرتے تھے اس لیے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام حضرت مولوی فضل الٰہی صاحب مرحوم کو بعض اوقات "صدیق صادق" کہہ کر بلایا کرتے تھے"۔

"قادیان میں قصر خلافت کی تعمیر کرانے کا شرف بھی مولوی صاحب موصوف کو ہی حاصل ہوا تھا کیونکہ حضرت........ خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ نے اپنی رؤیا میں دیکھا تھا کہ قصرِ خلافت مولوی فضل الٰہی صاحب کی زیرِ نگرانی تعمیر ہو رہا ہے"[2]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۶ ستمبر ۱۹۵۷ء۔ ۶ تبوک ۱۳۳۶ ہش صہ ۵

[2] الفضل یکم ستمبر ۱۹۵۷ء صہ ۲

۱۴۔ حضرت چوہدری اللہ بخش صاحب مالک اللہ بخش سٹیم پریس قادیان

(ولادت ۱۸۸۷ء[1] بیعت ۲۷ مئی ۱۸۹۸ء[1] وفات ۷ اکتوبر ۱۹۵۷ء[2])

حضرت چوہدری اللہ بخش صاحب کی مختصر سوانح آپ کے صاحبزادے محترم جناب چوہدری عنایت اللہ صاحب سابق مبلغ انچارج تنزانیہ وامیر جماعتہائے احمدیہ مشرقی افریقہ حال لندن کے قلم سے درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

"آپ سپن وال اُتلے (نزد ظفروال) تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ سارا علاقہ سُلہر کہلاتا ہے جس میں راجپوتوں کی سلہری قوم آباد ہے آپ سلہری قوم کے ٹھاکر راجپوتوں میں سے تھے۔ اور سلہری قوم میں سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام چوہدری فضل دین تھا جو پولیس میں غالباً ہیڈ کانسٹیبل تھے۔ والد صاحب مرحوم ابھی بہت چھوٹے تھے کہ والدہ انتقال فرما گئیں اور آپ کو پھوپھی نے پالا تھا۔ اُن کے والد صاحب چوہدری فضل دین صاحب پولیس کی ملازمت میں عموماً لاہور اور امرتسر رہے اور پہلے اُن کی والدہ صاحبہ پھر والد صاحب نے وہیں وفات پائی۔

والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں ابھی ۹/۸ برس کا تھا کہ مجھے پرنٹنگ پریس میں کام سیکھنے کے لیے لاہور میں کام پر ڈال دیا گیا آٹھ آنے مہینہ کی تنخواہ بھی ملنے لگی۔ اُن کے پریس کے اُستاد کا نام بھی اللہ بخش ہی تھا جو لاہور کے نزدیک سانڈے کلاں میں رہتے اور دن کو لاہور میں اپنا پریس چلاتے تھے۔ والد صاحب کے اخلاق حسنہ کا ان کے اُستاد اور سارے خاندان پر اتنا گہرا اثر تھا کہ وہ ہمیشہ والد صاحب کی عزت بلکہ ادب کرتے اور اُستاد شاگرد کے مثالی تعلقات تھے ہم قادیان سے سکولوں کی موسم گرما کی رخصتوں میں اکثر سانڈے بھی جایا کرتے تھے۔ بعد میں پریس ہی کی ملازمت کے لیے امرتسر چلے گئے اور وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رفیق مکرم جناب اُستاد[3] نور احمد صاحب کے زیر اثر آئے اور اُن کے ساتھ کام بھی کیا۔ احمدیت کے بارہ میں آپ کو علم اُستاد نور احمد

---

[1] ریکارڈ نظارت بہشتی مقبرہ ربوہ [2] الفضل ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۷ء

[3] حضرت شیخ نور احمد صاحب مالک ریاض ہند پریس امرتسر

صاحب اور حضرت ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب مرحوم کے ذریعہ ہوا۔ آپ حضرت ڈاکٹر قاضی کرم الٰہی صاحب کے مکان سے ملحقہ مکان کے ایک حصہ میں دوسری منزل پر کرایہ پر رہتے تھے قاضی فیملی سے تعلقات بڑھنے لگے۔ آپ کی پہلی شادی سلطان پورہ لاہور کے بٹ خاندان میں ہوئی۔ امرتسر میں قاضی فیملی کی بزرگ خواتین خصوصاً اماں جی یعنی مکرم جناب قاضی محمد اسلم مرحوم اور جناب قاضی منیر احمد مرحوم کی والدہ ماجدہ میری والدہ کو تبلیغ کیا کرتی تھیں والدہ کی عمر چھوٹی تھی اردو پڑھ لکھ لیتی تھیں ایک روز جب مسیح موعود علیہ السلام کا پاک کلام منظوم پڑھتے پڑھتے اس شعر پر پہنچیں کہ:۔

ے تیرے منہ کی ہی قسم میرے پیارے احمد ؛ تیری خاطر سے یہ سب بار اٹھایا ہم نے

تو حق کھل گیا سچائی کا تیرا اپنا کام پورا کر چکا تھا۔ والدہ مرحومہ نے فرمایا جس شخص نے یہ شعر کہا ہے کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ کیا ہی سچ فرمایا تھا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے

ے کچھ شعر و شاعری سے اپنا تعلق نہیں ؛ اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

خدا جانے میری والدہ کی طرح کتنی روحیں حضور کا منظوم کلام پڑھ کر نورِ احمدیت سے منور ہوئی ہوں گی۔ جب والد صاحب گھر تشریف لائے تو والدہ صاحبہ نے فرمایا میں اب احمدیت قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتی خود والد صاحب بھی حق کا اثر قبول کر رہے تھے انہوں نے فرمایا یہ دین کا معاملہ ہے تمہاری مرضی چنانچہ پہلے ہماری والدہ صاحبہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی الحمد للہ علیٰ ذالك اور وہ ہمارے خاندان میں سب سے پہلے احمدی ہوئیں۔

حضرت والد صاحب امرتسر کے احمدی بزرگوں اور والدہ مرحومہ مہر بی بی صاحبہ (زوجہ اوّل وفات ۱۹۲۳ء مدفون بہشتی مقبرہ قادیان) کے زیر اثر احمدیت کے قریب آتے گئے والدہ کی بیعت کے بعد مخالفت کا بازار محلہ کوچہ صبوؒ ڈار ہاتھی دروازہ امرتسر میں گرم ہو گیا والد صاحب مولوی ثناء اللہ صاحب کے گہرے دوست اور مداح بھی تھے نماز بھی انہی کی اقتداء میں پڑھا کرتے تھے۔

۱۸۹۴ء میں جب رمضان المبارک میں سورج اور چاند دونوں کو مقررہ تاریخوں میں گرہن لگا تو والد صاحب مولوی ثناء اللہ صاحب سے انہی کی مسجد میں صاف صاف کہدیا کہ آپ تو کہا کرتے تھے کہ اگر مرزا صاحب سچے ہیں تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق چاند اور سورج کو گرہن کیوں نہیں لگا اب تو گرہن نے بھی گواہی دے دی ہے اس لیے ہم حضرت مرزا صاحب کی طرف جاتے

ہیں مولوی صاحب نے اس پر کہا کہ افسوس اب لوگ گمراہ ہو جائیں گے اور والد صاحب نے مولوی صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیں اور احمدیت کی طرف تیزی سے بڑھنے لگے۔ ایک مسئلہ ابھی صاف نہیں ہوا تھا غالباً وفاتِ مسیح ناصری کا مسئلہ تھا کسی مخالف نے والد صاحب سے کوئی سوال کیا جس کا جواب اُس وقت آپ نہیں جانتے تھے چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خدا تعالیٰ کے حضور دُعا کی کہ مسیح تو زندہ آسمان پر ہے پھر دوسرا مسیح کیسے آگیا وغیرہ والد صاحب نے بتایا کہ دعا کرتے ایک رات جب سو گیا تو عجیب نظارہ دیکھا ایک نہایت صاف ستھرے خوبصورت کمرے میں پہلے آسمان سے ایک کرسی نازل ہوئی پھر غیب سے ایک میز نمودار ہوا اور اس کے بعد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت نورانی جلال کے ساتھ اس کرسی پر جلوہ افروز ہوئے اور سامنے میز پر حضور کے سامنے قرآن کریم نازل ہوا نہایت قیمتی اور نورانی چیزیں جزدان اور موتیوں کی طرح چمکتے مصروف تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کو کھولا اور میرے سوال کا جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مر چکے ہیں آنے والا آگیا ہے جس سے میری تسلی ہو گئی اور میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ۱۸۹۸ء میں بیعت کر لی۔

آپ پہلی مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی قادیان دارالامان تشریف لے گئے تھے۔ اور مکرم جناب مرزا محمد اسماعیل صاحب کے ساتھ مل کر پرنٹنگ پریس کا کام کرتے تھے اُن دنوں صرف ہینڈ پریس پر قادیان میں کام ہوتا تھا بڑا کام تو امرتسر میں استاد نور احمد صاحب کے سپرد کیا جاتا تھا جن کا غالباً اپنا پریس تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد خلافت اولیٰ کے ایام میں قادیان میں پریس کا کام کرتے رہے اور اپنے پریس کا نام حضرت خلیفۃ المسیح اوّل .... سے رکھنے کے لیے عرض کیا۔ حضور نے فرمایا اللہ بخش پریس رکھ لو کسی کے کہنے پر کہ حضور یہ تو ان کا اپنا نام ہے حضور نے فرمایا کہ اس سے اچھا نام میرے پاس نہیں میرا تو اگر بس چلے تو سب چیزوں کے نام ہی اللہ تعالیٰ کے نام پر رکھ دوں۔ چنانچہ نام اللہ بخش پریس رکھا گیا۔

جب آخری سفر پر حضور علیہ السلام سفر لاہور کے لیے تیار ہوئے تو والد صاحب مرحوم نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور مجھے بھی خدمت کے لیے ساتھ لے جائیں حضور نے فرمایا آپ یہیں رہیں لاہور نہ جائیں آپ خوش قسمت ہیں ہم اشاعتِ دین کے لیے لکھتے ہیں اور آپ چھاپتے ہیں اس نیک کام میں آپ ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ والد صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح اوّل

کی وفات کے موقع پر مولوی محمد علی صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی بیعت نہ کی اور لاہور چلے گئے میں نے فوراً بیعت کر لی تھی اور میں نے کہا کہ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ آپ لاہور نہ جائیں یہیں رہیں مجھے بچا گیا ہے۔

مجھے معلوم نہیں کب لیکن کسی وقت غالباً خلافت اُولیٰ کے زمانہ میں دارالامان سے امرتسر چلے گئے تھے وہاں سردار لکھبیر سنگھ صاحب المعروف لکھا سنگھ کے مشہور پریس وزیر ہند پریس کے سپروائزر رہے اور جب تک آپ وہاں رہے مرکز سلسلہ کا بڑا بڑا تمام کام وزیر ہند پریس امرتسر میں ہی چھپتا رہا قاعدہ یسرنا القرآن اور حضرت پیر منظور محمد صاحب کا "قرآن مجید" بھی وہیں چھپتا رہا۔ خلافتِ ثانیہ کے دوران واپس قادیان آ گئے اور اچھی مشینیں لا کر اللہ بخش سٹیم پریس جاری کیا۔

دوران قیام امرتسر میں سکول سے چھٹیوں کے دنوں میں جب کبھی میں امرتسر جاتا تو دیکھتا کہ آپ جمعہ کے دن خطبہ پڑھتے تھے گویا خطیب بھی رہے۔ آپ کے تقویٰ نیکی سادگی پیار محبت اور تبلیغی جنون کا یہ حال تھا کہ مسلم غیر مسلم سب آپ کی عزت کرتے تھے اور جماعت پر جب بھی مشکل وقت آتا تھا بہترین مشورے دیتے تھے۔ جنون وجوش تبلیغ کی دو مثالیں عرض کرتا ہوں۔

۱۔ والد صاحب جن دنوں امرتسر میں سیکرٹری تبلیغ ہوا کرتے تھے حضرت بابو فقیر علی صاحب والد حضرت مولانا نذیر احمد علی صاحب مرحوم امرتسر میں ریلوے سٹیشن ماسٹر تھے ایک دفعہ یوم تبلیغ کے موقع پر یہ دونوں بزرگ اکٹھے تبلیغ کرتے کرتے غنڈوں اور بدمعاشوں میں پھنس گئے وہ انہیں دھوکا دیکر ایک ایسی جگہ لے گئے جہاں گلی ختم ہو جاتی تھی۔ اُن لوگوں نے تبلیغ سُننے کے بہانے ان دونوں بزرگوں کو چارپائی پر بٹھا کر بات چیت شروع کر دی اور فوراً ہر طرف مکانوں کی چھتوں پر اِدھر اُدھر عورتیں اور بچے جمع ہو گئے اور گلی مردوں سے بھر گئی اور مغلّظات کی بوچھاڑ ہونے لگی گلی سے نکلنے کا بھی رستہ نہ تھا فرمایا کرتے تھے ہم دُعا میں مصروف ہو گئے چند منٹوں بعد دیکھا کہ امرتسر کا سب سے بڑا دس نمبر کا بدمعاش ہاتھ میں ہنٹر لیے وہاں آ گیا اور لوگوں کو گالیاں اور دھکے دیتا ہوا ہمارے پاس پہنچا اور والد صاحب مرحوم کو مخاطب کر کے فرمایا چوہدری صاحب آپ کہاں ان بدمعاشوں میں پھنس گئے ہیں چلیں میں آپ کو چھوڑ آؤں اور وہ حاضرین کو گالیاں دیتے ہوئے ہمیں وہاں سے نکال کر ہال بازار تک چھوڑ گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے رفیق حضرت جمعدار فضل دین صاحب نے بیان فرمایا کہ جن دنوں وہ خود امرتسر میں تھے عاجز کے والد صاحب مرحوم امرتسر میں سیکرٹری تبلیغ تھے ایک دفعہ کسی مکان میں غیر احمدی دوستوں میں تبلیغ کر رہے تھے مکرم جمعدار صاحب بھی حاضرین میں موجود تھے ۔ جب حاضرین نے وفاتِ مسیح ناصری علیہ السلام پر اتفاق کر لیا اور کسی دوسرے مسئلہ کو شروع کرنا چاہا تو وہاں والد صاحب مرحوم نے فرمایا نہیں اس طرح نہیں اگر ہم مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام فوت ہو چکے ہیں تو کتنے افسوس کی بات ہے کہ کسی نے ۱۴سو سال میں کسی نے اس بزرگ نبی پر فاتحہ بھی نہیں پڑھی آؤ ہم آج اُن کی رُوح کے لیے مل کر دعا کریں چنانچہ والد صاحب نے ہاتھ اُٹھائے اور تمام حاضرین نے مل کر دُعا کی پھر بحث آگے چل لیے

قادیان میں آپ نے محلہ بیت اقصیٰ میں حضرت مرزا برکت علی بیگ اور مرزا نذیر علی بیگ اور مرزا سلام اللہ بیگ اور مرزا منظور بیگ والی گلی میں مکان خرید کر اس پر دوسری منزل تعمیر کی تھی۔ ہم پہلے پانچ بہن بھائی امت الرحمٰن ۔ عطاء اللہ ۔ عبد المنان ۔ عنایت اللہ اور امت المنان امرتسر میں پیدا ہوئے تھے باقی ساری اولاد قادیان میں پیدا ہوئی ۔

دوبارہ والد صاحب مرحوم ۱۹۲۸ء کے قریب قادیان تشریف لائے اور پریس کی مشینیں جو آئل انجن سے چلا کرتی تھیں لگائیں بجلی اس وقت قادیان میں نہ آئی تھی ۔ پریس پہلے احمدیہ چوک سے ریتی چھلا جانے والی اُس گلی کے شروع ہوتے ہی دائیں طرف تھا جو ۱۹۳۰ء کے قریب دارالفضل میں پختہ دو منزلہ وسیع و عریض عمارت تیار کر کے اس میں منتقل کر دیا گیا تھا ۔

بڑے بھائی جان مکرم محمد عطاء اللہ چوہدری صاحب جو قادیان کے مشہور کھلاڑی تھے پہلے عطاء اللہ امرتسری کہلاتے تھے مولوی فاضل ۔ منشی فاضل اور بی اے بی ایڈ بھی پاس کیا کو پریس کا مینجر مقرر کیا گیا تھا اور چھوٹے بھائی جان مکرم جناب چوہدری عبد المنان صاحب مرحوم کو کام کا نگران ۔ ۱۹۳۶ء میں جب عاجز نے میٹرک کا امتحان پاس کر لیا تو پریس کا مینجر مجھے بنا دیا گیا اور ۲۲/۲۲ اکتوبر ۱۹۳۸ء تک جب عاجز مشرقی افریقہ کے لیے قادیان سے روانہ ہوا اللہ بخش سٹیم پریس قادیان کا مینجر رہا ۔

ؔ غیر مطبوعہ تحریر چوہدری عنایت اللہ صاحب احمدی (مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۸۴ء) ص ۱۲/۱ دار العلوم غربی ۔ ربوہ

والد صاحب مرحوم پڑوسیوں ملازموں اور رشتہ داروں کے ساتھ نہایت محبت شفقت اور احسان کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔ جنون کی حد تک تبلیغ کا شوق تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم کلام اکثر نہایت سریلی آواز میں پڑھتے رہتے تھے حضور کی کتب سے بھی کئی عبارتیں آپ کو زبانی یاد تھیں۔

خلیفۂ وقت کے ساتھ بے انداز محبت اور عقیدت تھی اور حضرت مصلح موعود کے منشا اور اشاروں کو حکم سمجھتے تھے۔ جن دنوں ہم قادیان میں اور آپ امرتسر میں رہا کرتے تھے ہر ہفتہ کی رات امرتسر سے بٹالہ تک بذریعہ ٹرین اور بٹالہ سے قادیان اپنے بائیسکل پر (جوانہوں نے بٹالہ میں اپنے احمدی دوست کے پاس رکھا ہوا تھا) آیا جایا کرتے تھے ہمیشہ قادیان پہنچ کر پہلے سیدھے مسجد مبارک تشریف لے جاتے حضرت مصلح موعود... کی اقتدا میں نماز ادا کرتے اور ملاقات کے بعد گھر آتے۔ جب کبھی کوئی تحفہ یا پھل وغیرہ لاتے تو حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں پیش کرتے اور اتنا لاتے کہ پڑوسیوں کو بھی حصہ ملتا رہے۔

ملازمین سے اپنے بیٹوں کا سا سلوک کرتے جب آم خربوزہ وغیرہ کا موسم ہوتا تو تھوڑی دیر کے لیئے آواز دیکر پریس کو بند کراتے اور بہت سے آم یا خربوزے ٹوکری یا چھبٹے خرید کر کہتے کہ لو پہلے یہ کھاؤ اور پھر جا کے کام کرو۔

احترام و اطاعت امام کا یہ عالم تھا کہ جب ۱۹۲۸ء یا ۱۹۲۹ء میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے بیت مبارک کی دیوار سے ایک اینٹ نکالی ہے اور گھر لے آئے ہیں تو یہ خواب پہلے حضرت مصلح موعود.........کی خدمت میں حاضر ہو کر بیان کی۔ تعبیر حضور نے یوں بیان فرمائی کہ آپ کی بیٹی کا رشتہ کسی مخلص احمدی کے ساتھ ہو جائے گا۔ والد صاحب نے عرض کیا کہ بس پھر آپ جیسے فرمائیں میری بڑی لڑکی امت الرحمن کا جو حضور کی شاگرد بھی ہے رشتہ کر دیں اس پہ حضور نے فرمایا آجکل ڈاکٹر فضل دین احمد صاحب یوگنڈا سے آئے ہوئے ہیں اُن کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر احمد دین صاحب کے بیٹے رشتہ درکار ہے وہاں کر دیں والد صاحب نے وہیں رشتہ مان کر بات بالکل پکی کر دی اور دوسرے روز نکاح کے اعلان کا وقت مقرر کر کے پھر گھر آئے اور آتے ہی سب کو آپا جان امت الرحمن کے نکاح کی مبارکباد دے دی۔

سب حیران تھے نہ لڑکی نے لڑکا دیکھا نہ کسی اور نے نہ حالات اور طبائع سب آگاہی لیکن والد صاحب اتنے خوش اور مطمئن اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء میں محو تھے کہ سبھی خوش اور مطمئن ہو گئے اور ایک

دوسرے کو مبارک دینے لگے اور نکاح کی تیاریاں ہونے لگیں دوسرے ہی روز بیت مبارک میں خود حضرت مصلح موعود .... نے آپا جان امۃ الرحمٰن کے حضرت ڈاکٹر احمد دین صاحب .... کے ساتھ نکاح کا اعلان فرمایا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

خلیفۂ وقت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سارے خاندان کے افراد سے علی حسبِ مراتب آپ کو بے حد محبت اور تعلق تھا بزرگانِ سلسلہ خصوصاً علماء کی بڑی قدر کیا کرتے تھے۔

جب بارہ سال بعد مشرقی افریقہ سے ۱۹۵۰ء میں ربوہ آیا تو والد صاحب مرحوم کو لاہور سے ساتھ لا کر حضرت مصلح موعود .... کی خدمت میں ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ بڑی محبت اور بے تکلفی سے باتیں ہوئیں حضور نے دریافت فرمایا آپ کے کتنے بیٹے ہیں؟ والد صاحب نے عرض کیا حضور بیٹے تو ۹ ہیں۔ ماشاء اللہ لیکن میرا اصل بیٹا یہی ہے یعنی عنایت اللہ یہ عاجز۔ یہ صرف اس لیے کہا کہ سب میں سے صرف میں ہی وقف کر کے واقفین زندگی کی صف میں شامل ہوا تھا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک اور مرحوم کو چونکہ خدمت دین کا بے حد شوق اور جنون تھا اس لیے وہ میرے ساتھ سب بیٹوں سے زیادہ محبت رکھتے تھے اور مجھے یقیناً ان کی دعاؤں کا بڑا حصہ نصیب ہوا۔ خداوند کریم اُن کے درجات اعلیٰ علیین میں بلند فرماتا رہے۔

جن دنوں ۴۵-۱۹۴۴ء میں عاجز مصروفِ تبلیغ تھا زندگی وقف کر چکا تھا (۱۹۴۳ء میں) والد صاحب مرحوم نے میرے بعض اشعار کے جواب میں اور یہ جان کر بفضلہ تعالیٰ میں بھی اشاعتِ اسلام کی کچھ توفیق پا رہا ہوں بعض خطوط میں مجھے مندرجہ ذیل اشعار تحریر فرمائے تھے

۱۔ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے ۔۔۔ یہی مانگا کرو ہر دم خدا سے
۲۔ مہیا کر مہیا کر مہیا کر مہیا کر ۔۔۔ عنایت منزلِ مقصود کا تحفہ مہیا کر
۳۔ عنایت کر عنایت کر عنایت کر عنایت کر ۔۔۔ الٰہی منزلِ مقصود کا تحفہ عنایت کر

۱۹۴۵ء میں یہ پیاری نظم مجھے لکھ کر بھیجی۔

۱۔ عنایت ہے اللہ کی تُو میرے پیارے ۔۔۔ پڑے رہنا ہر دم اُسی کے دوارے
۲۔ نہاں ہے تُو آنکھوں سے اے میرے یوسف ۔۔۔ عیاں ہے تُو دِل میں ضیا مثل تارے
۳۔ زمانہ کی گردش سے گھبرا نہ جانا ۔۔۔ گناہ بخش دے گا خدا تیرے سارے

۴۔ جو کشتی چلے گی خدا کے سہارے وہ فضلِ خدا سے لگے گی کنارے
دعا ہے سلامت سلامت رہو تم
سلامت رہیں بہن بھائی تمہارے [1]

حضرت چوہدری اللہ بخش صاحب اپنی خود نوشت روایات میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں نیکی اور تقویٰ کی ہمیشہ ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ موت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا کرو۔ تم لوگ بہت خوش قسمت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جہاد میں ہمارے ساتھ شامل کیا ہے ہم مضمون لکھتے ہیں تم چھاپتے ہو پھر مخلوقِ خدا کی بہتری کے لیے شائع ہوتا ہے یہی اس زمانہ کا جہاد ہے۔ مطبع کو اپنا ایک نشان فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ جل شانہٗ نے یہ سب سامان ہمارے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ حضور کے "سلطان القلم" ہونے پر میں بھی ایک شاہد ہوں کیونکہ ہم چھاپنے چھاپتے تھک جاتے تھے۔ اور حضور علیہ السلام کے مضامین ہمیشہ ہی تیار رہتے تھے اور کبھی ختم نہیں ہوتے تھے۔ حالانکہ اور لوگوں کے مضامین ختم ہو جایا کرتے ہیں اور پریس والے مضامین کی انتظار میں رہتے ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ ہمارے پریس میں صرف حضور علیہ السلام کے مضامین شائع ہوا کرتے تھے اور دیگر پریسوں میں عام لوگ مضامین بھیجتے تھے

حضور علیہ السلام سے میری آخری ملاقات۔

جب حضور علیہ السلام اپنے آخری سفر پر لاہور جانے کے لیے تیار ہوئے تو جاتے وقت احمدیہ چوک میں حضور سے میں نے مصافحہ کیا اور دعا کی درخواست کی اور حضور کے ہمراہ لاہور جانے کی اجازت چاہی کیونکہ ان دنوں حضور کی آخری کتاب "چشمہ معرفت" زیر طبع تھی اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ "تم نے لاہور نہیں جانا تم اس کتاب کو جلدی ختم کرو" حضور علیہ السلام کے اس ارشاد مبارک کا میرے دل پر آج تک یہ اثر ہے کہ حالانکہ میرا بڑا بھائی پیغامی ہو گیا تھا۔ مگر حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق پیغامی (یعنی لاہوری) فتنہ کے اثر سے محفوظ رہا۔

ہم نے قریباً ۱۴ مئی ۱۹۰۸ء کو کتاب "چشمہ معرفت" مکمل کر کے حضور علیہ السلام کی خدمت

---

[1] غیر مطبوعہ تحریر چوہدری عنایت اللہ صاحب احمدی ۲۵ نومبر ۱۹۸۴ء

میں پیش کر دی۔ اور ۲۶ ر مئی ۱۹۰۸ء کو حضور علیہ السلام رحلت فرما گئے ۔ ۲۷ ر مئی ۱۹۰۸ء کو حضور علیہ السلام کی نعش مبارک کو لینے کے لیے بٹالہ والی سڑک پر گئے۔ اور حضور کے جنازہ کو کندھا دیتے ہوئے باغ میں آ گئے ۔ حضرت خلیفہ اوّل نے نماز جنازہ پڑھائی اور تمام جماعت نے باغ والے مکان میں آخری زیارت فرمائی۔ زیارت کے بعد نعش مبارک کو دفن کیا گیا[۱]۔"

اولاد:۔ (محترمہ مہر بی بی صاحبہ کے بطن سے[۲])

۱۔ امۃ الرحمٰن صاحبہ حال آئل ورتھ لنڈن (اہلیہ حضرت ڈاکٹر احمد دین صاحب آف کھاریاں مدفون ساکایوگنڈا)

۲۔ چوہدری محمد عطاء اللہ صاحب واقف زندگی سابق انچارج ضیاء الاسلام پریس قادیان ۔ وانچارج چوہدری پرنٹنگ پریس لاہور سیٹلائٹ ٹاؤن بی ۲۳ بہاولپور ۔

۳۔ چوہدری عبد المنان صاحب مرحوم سابق صدر جماعت احمدیہ ڈیرہ اسماعیل خاں۔

۴۔ چوہدری عنایت اللہ صاحب (سابق مبلغ مشرقی افریقہ)

۵۔ استانی امۃ المنان صاحبہ ریحانہ مطلقہ مرزا منور احمد صاحب درویش قادیان۔

۶۔ چوہدری محمود نعمت اللہ صاحب ۳/۲ رستم پارک نواں کوٹ لاہور ۔

۷۔ امۃ الکریم صاحبہ مرحومہ

۸۔ چوہدری صبغۃ اللہ صاحب حال کراچی ۔

(محترمہ گلزار بیگم صاحبہ کے بطن سے[۳])

۹۔ چوہدری عصمت اللہ صاحب کرشن نگر لاہور

۱۰۔ چوہدری حمید اللہ صاحب الفردوس انار کلی لاہور

۱۱۔ چوہدری حفیظ اللہ صاحب لاہور

۱۲۔ چوہدری فقیہہ اللہ صاحب سابق لیبر اتاشی حکومت پاکستان (حال سویڈن)

---

[۱] "رجسٹر روایات" جلد ۶ صفحہ ۲ ؛ [۲] ۱۹۴۳ء میں وفات پائی۔ بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں ؛ [۳] وفات ۱۹۸۴ء مدفون لاہور۔

۱۵۔ میاں عبدالرحیم صاحب عرف پولا

(ولادت اندازاً ۱۸۶۴ء۔ بیعت ۹۴-۱۸۹۳ء۔ وفات ۷ نومبر ۱۹۵۷ء[1])

آپ "السابقون الاولون" کے مبارک زمرہ میں شامل تھے۔ دنیاوی علوم و فنون سے بہرہ ور نہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ بصیرت بخشی کہ انہوں نے آسمان روحانیت کے چاند کو اس وقت دیکھا جبکہ وہ پہلی رات کا تھا اور جبکہ اس کو دیکھنے سے بہت سے عالم و فاضل قاصر رہے۔ چنانچہ وہ خود بارہا اپنی زندگی میں اپنی اس خوش بختی کو تحدیث نعمت کے طور پر فخریہ بیان کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے باوجود ان پڑھ ہونے کے مجھے امام وقت کو پہچاننے کی توفیق دی۔

آپ کا آبائی گاؤں موضع بھاگی ننگل قادیان سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر تھا اور قادیان بوجہ سسرال ہونے کے یہاں اکثر آنا جانا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کی خبر پا کر حضور کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور احمدیت قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اور پھر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا احمدیت پر آپ کا ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ بیعت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے کے لیے فرصت کے دنوں میں فجر کی نماز کے لیے قادیان پہنچ جاتے اور دن بھر قادیان میں نمازیں ادا کرتے اور حضور کے کلمات طیبات سننے عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے گاؤں کو روانہ ہو جاتے

آپ کے گاؤں میں سوائے انکے خاندان کے چند گھروں کی ساری کی آبادی سکھوں پر مشتمل تھی اور گاؤں میں کوئی بیت : تھی انہوں نے ابتداء میں تو گھر میں ہی نماز کے لیے جگہ مخصوص کر لی۔ لیکن بعد میں باہر گاؤں میں بیت الذکر تعمیر کرنی شروع کر دی۔ سکھوں نے مسجد کی تعمیر کو روکنے کی انتہائی کوشش کی لیکن انہوں نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور بیت تعمیر کرنے میں کامیاب ہو گئے اس پر سکھوں نے ان کو گاؤں کے کنویں سے پانی لینے کی ممانعت کر دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مسجد میں الگ کنواں بنانے کی توفیق بخشی اور اس طرح ان کی کوششوں کے باعث خدا تعالیٰ کے فضل سے ان کے گاؤں میں جماعت کا

---

[1] الفضل ۱۹ نومبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۵

کا قیام عمل میں آیا ۔ اور یہ اپنے گاؤں کی جماعت کے پریزیڈنٹ مقرر ہوئے ۔ اور ۱۹۳۹ء میں قادیان ہجرت کرنے تک اس عہدہ پہ فائز رہے اس کے علاوہ اپنے گاؤں سے ملحقہ موضع لوہ چپ جماعت کی داغ بیل ڈالی اور وہ موضع بھی انہی کی زیر امارت رہا ہے ۔

موضع جنّو والی ضلع امرتسر میں بھی انہی کی تحریک سے مسجد تعمیر ہوئی ۔ جب یہ شادی پہ گئے تو دیکھا کہ گاؤں میں مسلمانوں کی کوئی مسجد نہ تھی انہوں نے اس موضع کے مسلمانوں کو اس گاؤں میں ایک مسجد تعمیر کرنے کی تحریک کی اور اس مسجد کی تعمیر پہ متوقع اخراجات کا نصف خود ادا کیا [۱]

۱۶۔ حضرت ملک عطاء اللہ صاحب رض گجرات

(ولادت ۱۸۸۸ء اندازاً بیعت ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء [۲] ۔ وفات ۲۶ر نومبر ۱۹۵۷ء)

حضرت ملک صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"میرے پھوپھا مولوی میر احمد شاہ صاحب یہاں اسلامیہ سکول میں ٹیچر تھے وہ اکثر حضرت صاحب کی عربی کتابیں پڑھا کرتے تھے ۔ احمدی نہیں تھے ۔ میں طالب علم ہی تھا ۔ ایک دن اُن کے پاس بیٹھا تھا ۔ وہ غالباً نور الحق پڑھ رہے تھے میں نے سوال کیا کہ آپ مرزا صاحب کی کتابیں پڑھتے رہتے ہیں ۔ مرزا صاحب نے ان میں کیا لکھا ہے ۔ انہوں نے جواب دیا کہ مرزا صاحب نے اپنی ہر کتاب میں اپنے دعویٰ کو دوہرایا ہے اگر دلائل دیکھیں تو پیش نہیں جاتی ۔ ان کے یہ الفاظ مجھ پہ اس رنگ میں اثر انداز ہوئے کہ میں حیرت میں پڑ گیا اور خیال کیا کہ اتنا بڑا عالم ہو کر مانتا بھی نہیں اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ ان دلائل کا کوئی جواب نہیں یہاں ہسپتال میں دو شخص احمدی تھے ایک میاں امام الدین ہیڈ کمپونڈر اور دوسرے میاں احمد دین کمپونڈر ۔ میری ان سے گفتگو ہوئی ۔ اس میں میں قائل ہو گیا کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں تو حضرت مسیح ہرگز زندہ نہیں ہو سکتے ۔

ہماری برادری میں حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کی غالباً چچا زاد بہن عائشہ کی شادی ہوئی تھی ۔ میں اس کے پاس اکثر آیا جایا کرتا اور وہ ہمیشہ مجھے بیعت کے لیے تحریک کیا کرتی تھی ۔ ایک روز میں اور اس کا خاوند

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۹ر نومبر ۱۹۵۷ء صـ۵ (مضمون جناب مسعود احمد صاحب جہلمی)

[۲] "رجسٹر روایات" نمبر ۱ صفحہ ۹۷

دونوں بیٹھک میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اس نے اپنے لڑکے محمد اشرف کو، جس کی عمر قریباً پانچ سال کی تھی۔ دو پوسٹ کارڈ ہاتھ میں دے کر ہمارے پاس بھیجا اور اُس نے آکر کہا کہ ابا جی! اماں جی نے یہ دو کارڈ دیئے ہیں اور کہتی ہیں کہ ایک تمہارا ابّا بیعت کے لیے لکھ دے اور ایک تمہارا چچا۔ ہم دونوں نے اسی وقت بیعت کے خط لکھ دیئے قبولیت بیعت کا خط حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے قلم کا لکھا ہوا ہمیں موصول ہوا جس میں مولوی صاحب نے بڑی خوشی کا اظہار کیا الفاظ یہ تھے کہ حضرت صاحب بیعت قبول کرتے ہیں اور مَیں بہت خوش ہوا ہوں۔"

مولوی کرم دین بھیں والے مقدمہ کے سلسلہ میں حضرت صاحب جہلم تشریف لے گئے۔ تو مَیں اسی گاڑی میں یہاں سے سوار ہوا۔ ہر سٹیشن پر بے شمار ہجوم ہوتا تھا۔ جہلم میں بہت بھیڑ تھی۔ تحصیلدار غلام حیدر کے سپرد انتظام تھا۔ انہوں نے خوب انتظام کیا۔ جب حضور کچہری تشریف لے گئے۔ تو عدالت کے سامنے میدان میں حضرت مسیح موعودؑ کے لیے ایک کرسی بچھائی گئی اور ارد گرد احباب کا حلقہ تھا جس میں صاحبزادہ عبداللطیف شہیدِ کابل اور عجب خاں تحصیلدار آف زیدہ بھی شامل تھے۔ حضرت صاحب نے گفتگو کی ابتداء اپنے فارسی شعر ؎

آسماں بارد نشاں الوقت میگو ید زمیں

ایں دو شاہد از پئے تصدیق من ایستادہ اند

سے شروع کی۔ فرمایا میرے لیے آسمان نے بھی گواہی دی اور زمین نے بھی گواہی دی مگر یہ لوگ نہیں مانتے فرمایا مانیں گے اور ضرور مانیں گے بلکہ میرے مرنے کے بعد میری قبر کی مٹی بھی کھود کر کھا جائیں گے اور کہیں گے کہ اس میں بھی برکت ہے مگر اس وقت کیا ہوگا ؎

جب مر گئے تو آئے ہمارے مزار پر

پتھر پڑیں صنم ترے ایسے پیار پر

حضرت صاحب کا یہ فرمانا تھا کہ صاحبزادہ صاحب اور عجب خاں صاحب زار زار رونے لگے۔ مخلوق بہت تھی۔ پھر اندر عدالت میں تشریف لے گئے۔ مکان پر واپس جاکر بیعت شروع ہوئی مخلوق اسقدر تھی کہ پگڑیاں باہم باندھ کر بیعت لی جاتی تھی ایک سرا حضرت صاحب کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور باقی پگڑی لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔؎

(حاشیہ صفحہ ۶۲۹ پر)

حضرت ملک صاحب کی شکل وجیہہ، بارعب، ناک ستواں، آنکھیں بڑی بڑی اور روشن تھیں۔ پیشانی کشادہ تھی۔ بہت نفاست پسند تھے۔ نماز تہجد کے سختی سے پابند تھے امام الصلوٰۃ کے فرائض بھی انجام دیتے رہے نماز تہجد کے بعد خوش الحانی سے تلاوت کرنا نماز فجر کے بعد پانچ چھ میل سیر کرنا آپ کا معمول تھا۔

قیام پاکستان سے قبل مسلم لیگ کے ایک جلسے کی صدارت کے لیے قائداعظم محمد علی جناح گجرات تشریف لائے جلسہ میں اس درجہ خوش الحانی سے تلاوت قرآن کریم کی کہ حاضرین کی آنکھوں سے آنسو آ گئے قائداعظم نے آپ کا نام پوچھا اور کہا کہ آج تک ایسا مَیں نے خوش الحان قاری نہیں دیکھا۔ درثمین اردو۔ فارسی۔ عربی کی اکثر نظمیں آپ کو زبانی یاد تھیں اور روزانہ رات کو بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے کلام محمود کا خاصہ حصہ بھی آپ کو یاد تھا حضرت مسیح موعودؑ کی دعائیہ نظمیں خاص طور پر پڑھتے تھے۔

ملازمت کے سلسلہ میں آپ کا قیام ہندوستان کے بیشتر مقامات میں رہا۔ ہندوستان سے باہر ایران۔ عراق۔ شام۔ مصر۔ چین (ہانگ کانگ) اور برما وغیرہ میں آپ کا قیام رہا۔ فرانس جانے کا بھی آپ کو اتفاق ہوا۔

مندرجہ بالا تمام مقامات پر اسلام اور احمدیت کو پھیلانے کی آپ نے ہر ممکن کوشش کی پشاور میں قیام کے دوران میں آپ نے سیکرٹری تبلیغ ونشرواشاعت کی حیثیت سے نمایاں خدمات سر انجام دیں وفات مسیح ناصری۔ راہ نجات وغیرہ رسالہ جات تصنیف کیے رسالہ وفات مسیح ناصری تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے۔ مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں نقد کے علاوہ بیوی کے تمام زیور چندہ میں دے دیا۔ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری امیر جماعت احمدیہ صوبہ سرحد آپ کی خدمات کے بہت معترف تھے۔

گجرات میں نہ صرف آپ مختلف شعبہ جات کے سیکرٹری رہے بلکہ آپ نے نائب وقائمقام امیر جماعت احمدیہ ضلع گجرات کی حیثیت سے بھی کام کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲۸) ؎ رجسٹر روایات نمبر ۱۰ صفحہ ۷۹ تا ۸۱

ملک صاحب ایک عالم باعمل تھے۔ پنجابی، اردو، انگریزی، فارسی، عربی، پشتو چھ زبانوں پر آپ کو عبور حاصل تھا پنجابی اردو، فارسی میں آپ شعر بھی کہتے تھے اور نظموں میں سے ایک نظم "احمدی بچوں کا گیت" ہے آپ کی ایک پنجابی نظم "پیغام نماز یا نصیحت بے نمازاں" نے بہت شہرت حاصل کی اور اسلامیہ سٹیم پریس کے پروپرائٹر نے متعدد بار شائع کی آپ کا تخلص شاکر تھا آپ خوش خط تھے دوران ملازمت میں آپ نے متعدد بار اپنی اردو انگریزی کی بہترین لکھائی پر انعامات حاصل کیے تھے۔

مندرجہ بالا چھ زبانوں کے علاوہ آپ ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں کو بھی جانتے تھے ہر وقت علم کی جستجو میں رہتے تھے حتیٰ کہ مرض الموت کے دوران میں آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے ملک بشارت ربانی صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تفسیر صغیر منگوانے کو کہا چنانچہ رقم جمع کروا دی گئی۔

آپ جب ملازمت چھوڑ کر آئے تو آپ کے افسر نے آپ کو روکنے کی بہت کوشش کی اور لکھا کہ مَیں نے رپورٹ میں لکھا ہے کہ میرے سارے عملے میں عطاء اللہ جیسا قابل شخص کوئی نہیں اور آپ کا نام خان بہادری کے خطاب کے لیے بھیج چکا ہوں۔ بعد ازاں آپ کو وزارت امور ایران میں نائب سفارت کی پیشکش بھی ہوئی مگر آپ نے قبول نہ کی [1]

اولاد

۱۔ ملک بشارت ربانی صاحب	۲۔ امۃ الحفیظ صاحبہ (وفات ۱۹۵۰ء)
۳۔ امۃ المجید صاحبہ	۴۔ رضیہ سلطانہ صاحبہ (وفات بعمر ۳ سال)
۵۔ محترم کرنل اعجاز ربانی صاحب	۶۔ امۃ الرشید صاحبہ
۷۔ الطاف ربانی صاحب	۸۔ اکرام ربّانی صاحب (وفات ۱۹۸۲ء)
۹۔ امۃ العزیز صاحبہ	۱۰۔ امۃ الحی صاحبہ
۱۱۔ امۃ السلام صاحبہ (وفات بعمر ۷ ماہ)	۱۲۔ ڈاکٹر محبوب ربانی صاحب

[1] الفضل یکم و ۵ رفروری ۱۹۵۸ء (مضمون ملک محبوب ربانی صاحب نشتر میڈیکل کالج)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم

(ولادت: ۱۸۷۲ء - بیعت: ۱۸۸۹ء - وفات: ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء [۱])

سلسلہ احمدیہ کے پہلے اخبار نویس اور مؤرخ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب الاسدی ان خوش قسمت اور مبارک وجودوں میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مسیح پاک کے آسمانی مشن کی تکمیل کے ابتدائی ایام میں فدائیت کے رنگ میں رنگین ہو کر خدمات بجالانے کا شرف بخشا اور جن کے اخلاص و عقیدت اور فدا کاری و جوش خدمت پر آسمان کے فرشتے بھی جزاکم اللہ کہہ اُٹھے اس گروہ مخلصین میں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص نوع کی خدمات بجالانے کیلئے چنا تھا آپ نے ان خدمات کی بجاآوری کا وہ حق ادا کیا کہ مسیح پاک علیہ السلام کے طفیل آپکی یہ خدمات اور ان کا تذکرہ بھی ہمیشہ زندہ رہے گا۔ یہ خدمات دین حق کی حمایت میں سلسلہ احمدیہ کا سب سے پہلا اخبار جاری کرنے اسے کامیابی کے ساتھ چلانے اور پھر اس میں سلسلہ احمدیہ کے انتہائی اہم دَور کی تاریخ کو محفوظ کرنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ سلسلہ کی تاریخ اور مسیح پاک علیہ السلام کے فرمودات اور کلمات طیبات تمام زمانوں کے لئے محفوظ کر دینے کا کام وہ عظیم کارنامہ ہے جو بلا شبہ آنیوالی نسلوں پر احسان عظیم کا درجہ رکھتا ہے نسلاً بعد نسلٍ لوگ آپ کی ان خدمات اور ان کے ذریعہ رونما ہونیوالے کارنامے پر ہمیشہ فخر کرتے رہیں گے۔

۱۸۹۲ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دینی ضرورتوں کے پیش نظر اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ سلسلہ کی طرف سے ایک اخبار جاری کیا جائے تو حضور علیہ السلام نے اخبار کے اجراء اور سلسلہ کی دیگر ضرورتوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنے احباب کو پُورے جذبہ اور جوش کے ساتھ خدمات بجالانے کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی:-

"اے مردانِ دین! کوشش کرو کہ یہ کوشش کا وقت ہے اپنے دلوں کو دین کی ہمدردی کے لئے جوش میں لاؤ کہ یہی جوش دکھانے کے دن ہیں۔ اب تم خدا تعالیٰ کو کسی اور عمل سے ایسا راضی نہیں کر سکتے جیسا کہ دین کی ہمدردی سے سو جاگو اور اُٹھو اور ہوشیار ہو جاؤ اور دین کی ہمدردی کے لئے وہ قدم اُٹھاؤ کہ فرشتے بھی آسمان پر جزاکم اللہ کہیں اس سے مت غمگین ہو کہ لوگ تمہیں کافر کہتے ہیں تم اپنا اسلام خدا تعالیٰ کو دکھلاؤ اور اپنے تئیں کر بس فدا ہی ہو جاؤ۔" [۲]

---

[۱]: - ریکارڈ بہشتی مقبرہ قادیان۔ رجسٹر بیعت اولیٰ میں حضرت شیخ صاحب کی تاریخ بیعت ۲۰ فروری ۱۸۹۲ء درج ہے۔

[۲]: - اشتہار منسلکہ آئینہ کمالات اسلام۔

جہاں تک اخبار کے اجراء کا تعلق تھا مسیح پاک علیہ السلام کی اس خواہش کو پورا کرنے کا شرف حاصل کرنے والے باہمت نوجوان حضرت عرفانی الاسدی ہی تھے آپ نے اکتوبر ۱۸۹۷ء میں الحکم کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا۔ اگرچہ مالی ذمہ داری کے لحاظ سے یہ آپ کی انفرادی ہمت کا نتیجہ تھا تاہم یہ جماعت کا اخبار تھا اور جماعت کی عمومی نگرانی کے ماتحت تھا اس کے ذریعہ جماعت کی ایک اہم ضرورت پوری ہوئی اس اخبار کے ذریعہ حضرت عرفانی الاسدیؓ نے جو مہتم بالشان خدمات سرانجام دیں ان پر مسیح پاک علیہ السّلام نے خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے الحکم کو جماعت کا ایک بازو قرار دیا۔ آپ کی ان خدمات کا اندازہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے اس والانامہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو حضور نے ۱۹۳۴ء کے اوائل میں الحکم کے دوبارہ اجراء کے موقع پر آپ کو ارسال کیا اس میں حضور نے تحریر فرمایا:۔

"الحکم سلسلہ کا سب سے پہلا اخبار ہے اور جو موقعہ خدمت کا اسے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آخری زمانہ میں اسے اور "بدر" کو ملا ہے وہ کروڑوں روپیہ خرچ کر کے بھی اور کسی اخبار کو نہیں مل سکتا۔

مَیں کہتا ہوں کہ الحکم اپنی ظاہری صورت میں زندہ رہے یا نہ رہے لیکن اس کا نام ہمیشہ کے لیے زندہ ہے سلسلہ کا کوئی مہتم بالشان کام اس کا ذکر کئے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تاریخ سلسلہ کا حامل ہے۔"

(الحکم ۱۴ر جنوری ۱۹۳۴ء)

بقول حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرؓ ...... حضرت عرفانی الاسدی ان مبارک وجودوں میں سے تھے کہ جن کے ذریعہ اس زمانہ میں جب کہ آسمان زمین کے قریب تھا خدائے آسمان نے نئی آسمانی بادشاہت میں کام لیا جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہر صبح یا دربار شام میں وابستگان دامن کو اپنے کلام فیض ترجمان سے مستفیض فرماتے تھے اس وقت حضرت عرفانی الاسدی کا قلم ہر لفظ کو صفحۂ قرطاس پر تیزی سے ضبط تحریر میں لا کر ان بیش بہا خزائن کو تمام زمانوں کے لیے محفوظ کر لیتا تھا اور پھر وہ خزائن الحکم کی زینت بن کر ایک عالم کی روحانی تشنگی دور کرنے کا موجب بنتے تھے اور ہمیشہ بنتے رہیں گے[1]

---

[1] بحوالہ "الحکم" ۱۴ر جنوری ۱۹۳۴ء

حضرت عرفانی الاسدی کو بالکل عنفوان شباب میں لدھیانہ کے مقام پر بیعت اُولیٰ کے دنوں میں مسیح پاک علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر رہ کر حضورؑ کے وصال تک برابر خدمات بجالاتے رہے الحکم کے ذریعہ سلسلہ کا ریکارڈ تاریخ حضور ملفوظات وخطبات اور وحی الٰہی کو محفوظ اور شائع کرنے کا فخر حاصل کیا مزید برآں حضور کے اکثر سفروں میں ساتھ رہے۔ بہت سے معاملات جو مرزا نظام الدین صاحب و مرزا امام الدین صاحب سے طے کرنے کے قابل ہوتے تھے وہ آپ کے ذریعے طے ہوتے رہے۔ مدرسہ تعلیم الاسلام کے پہلے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے صدر انجمن کے اسسٹنٹ سیکرٹری بھی رہے۔ صدقات کمیٹی کے سیکرٹری کے فرائض بھی انجام دیئے مقدمات کے سلسلہ میں مولوی کرم دین جہلمی کو آپ کے مقدمہ میں سزا ہوئی تھی جس سے وہ بری نہ ہو سکا ان مقدمات کے سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام کو یہ الہام ہوا ان اللہ مع الذین اتقوا و ھم محسنون چنانچہ اس الہام میں آپ بھی شامل تھے۔ خلافت ثانیہ کے مبارک عہد میں بھی آپ کو خدمات بجالانے کے مواقع بکثرت میسر آئے ۱۹۲۴ء میں ویمبلے کانفرنس کے موقع پر آپ کو سیدنا حضرت خلیفة المسیح الثانی کی معیت میں یورپ کے سفر پر جانے کا شرف حاصل ہوا چنانچہ افتتاح بیت فضل لنڈن کے موقع پر آپ وہیں موجود تھے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور بالخصوص المصلح الموعود سے آپ کو بے حد محبت اور عقیدت تھی آپ کے فرزند کرم شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم کی روایت کے بموجب آپ نے بارہا وصیت کے طور پر اپنی اولاد کو تاکید فرمائی کہ اختلافات میں اس اصل کو پکڑے رکھنا جدھر اہلِ بیت ہوں اس طرف تم ہونا کیونکہ خدا نے ان کو اپنی معیت کا وعدہ دے رکھا ہے جیسے فرمایا انی معک و مع اھلک[1]

اس سلسلہ میں حضرت عرفانی الکبیر نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنی وصیت شائع فرمائی۔

"میں آج ایک راز کا اظہار کرنے پر مجبور ہوں۔ میری اولاد جانتی ہے اُن کے پاس میرے خطوط موجود ہیں۔ میں نے انہیں ہمیشہ یہ وصیت کی کہ یہ خلافت نہایت عظیم الشان خلافت ہے اس کی بہت

---

[1] مرکز احمدیت۔ قادیان صفحہ ۳۲۴ (از شیخ محمود احمد صاحب عرفانی)

بڑی مخالفت لازمی ہے تمہارا اپنی زندگیوں میں ایک ہی فرض ہے کہ خلافت سے وابستہ رہ کر اس کی حفاظت کرو اور اپنے آپ کو مٹا کر بھی اس مقصد کو پالو گے تو سب کچھ تمہارا ہے۔ خلافت تمہاری دنیا میں ایک ہی متاع ہے۔ میں خدا کے فضل اور رحم سے ہمیشہ خلافت کا خادم رہا ہوں۔ اور ایک بصیرت کے ساتھ اس حقیقت کو سمجھتا ہوں کہ خلافت ہی خدا کی تجلیوں کا مظہر ہے۔ حضرت محمودؓ کی شکل میں وہ اولوالعزم آیا ہے جو خدا تعالیٰ کے نزول کا مظہر ہے جو لوگ اب تک اسے ایک معمولی انسان یقین کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں وہ ان تمام بشارتوں کا مصداق ہے جو مصلح موعود کے لیے ہوئی ہیں سلسلہ عالیہ ترقی کرے گا اور خدا تعالیٰ کے وعدے پورے ہوں گے لیکن وہ بڑا بدقسمت ہے جو اس خلافت سے وابستہ نہ رہے۔ اب تمام سعادتوں اور ساری برکتوں کا ہی ایک ذریعہ ہے کہ خلافت کے دامن کو مضبوط پکڑلو میں آخر میں پھر اپنے دوستوں۔ واقف کاروں اپنے عزیزوں اور بچوں سے کہتا ہوں کہ یہ **عظیم الشان خلافت** ہے۔ اس کے ساتھ بڑی بڑی مشکلات بھی لازمی ہیں مگر اس کے برکات اور ثمرات ایسے ہیں کہ آج نہ آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کان سُن سکتے ہیں نہ کسی قلب میں گزر سکتے ہیں اس لیے اس قیمتی متاع کے لیے اپنی ساری طاقتوں ہمتوں اور مالوفات کو قربان کرو۔ اگر تمہیں اپنے بزرگوں۔ دوستوں رشتہ داروں اور اولاد سے قطع کرنا پڑے یا اموال سے جدا ہونا پڑے تو یہ سب کچھ دے کر بھی اگر تم اس سے وابستہ رہے اور اس کی حفاظت میں کسی خطرہ کی پرواہ نہ کی تو یاد رکھو تم نے سب کچھ پالیا میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اور میں بحمدللہ اس معرکہ میں اپنے دل سے اس فیصلہ میں متفق ہوں

(الفضل ۸ رجولائی ۲۷ ۱۹ء[1])

صحافت کے علاوہ تفسیر قرآن اور تالیف و تصنیف کے کام کے ساتھ بھی آپ کو بے حد شغف تھا جو تادم آخر جاری رہا۔ عرصہ دراز سے آپ سکندر آباد دکن میں رہائش پذیر تھے۔ چنانچہ وہاں بھی پیرانہ سالی اور ضعف کے باوجود آپ وفات تک دینی اور تبلیغی کتب تصنیف کرنے میں مصروف رہے آپ نے درجنوں کی تعداد میں کتابیں تصنیف فرمائیں اس طرح آپ نے نہایت قابل قدر لٹریچر اپنی یادگار چھوڑا ہے آپ کی بعض تصنیف کردہ کتب کو سلسلہ کے لٹریچر میں تاریخی لحاظ سے بنیادی اہمیت حاصل ہے[2]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۳ فروری ۱۹۵۸ء صفحہ ۵۔ [2] الفضل ربوہ ۸ دسمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۸

حضرت عرفانی الکبیر اپنی خود نوشت سوانح میں تحریر فرماتے ہیں :-

" میرا نام یعقوب علی اور میرے والد کا نام محمد علی ہے ۔ لدھیانہ کے محلہ جدید میں منشی احمد جان مرحوم مشہور و معروف صوفی اور اہل اللہ کے جوار میں رہنے کا ہمیں فخر رہا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس وقت بھی منشی احمد جان مرحوم کی اولاد اور یہ خاکسار نہ صرف ہم شہر و ہم سایہ ہیں بلکہ روحانی طور پر ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں یعنی حضرت مسیح موعود میں ہو کر بھائی ہیں اور قادیان میں ہجرت کر کے آباد ہو چکے ہیں ۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ لا یشقیٰ جلیسھم بالکل سچا ارشاد ہے ۔

دنیا دار لوگ اپنے نسب پر فخر کرتے ہیں ۔ مگر اس زمانہ میں نسب کی بحثیں جو حقیقت رکھتی ہیں وہ ظاہر ہیں ۔ جن لوگوں نے قوموں کے عروج و اقبال اور ادبار و زوال کی تاریخیں پڑھی ہیں ۔ وہ جانتے ہیں کہ قومیں کس طرح بگڑتی اور کس طرح بنتی ہیں اس لیے میں ان مختصر حالات میں اپنے نسبی جھگڑے کو چھوڑتا ہوں یہ کہہ کر کہ :-

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

مجھے جس بات پر بجا فخر ہے وہ یہ ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موعود مسیح اور مہدی کو شناخت کیا اور میری زندگی میں یہی عجیب بات ہے اور یہ اور بھی عجیب ہو جاتی ہے جب کہ ناظرین کو معلوم ہو گا کہ میرے خاندان کو حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان سے اس وقت تیسری پشت کا تعلق ہے بلکہ چوتھی کا ۔ میرے دادا شیخ سلطان علی صاحب ان ایام میں جب کہ عالی جناب مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد بزرگوار کشمیر میں تھے جناب نواب امام الدین خانصاحب مرحوم کے باڈی گارڈ میں سے تھے ۔ مرزا صاحب قبلہ جن ایام میں واپس تشریف لے آئے انہیں دنوں کے قریب میرے دادا صاحب واپس چلے آئے اور ضلع جالندھر میں بعض اسباب کی بناء پر توطن اختیار کیا ۔ ضرورتوں کے لحاظ سے ہندی پڑھانے والے معلم تھے ۔ قادیان میں ایک زمانہ تک تعلیم دیتے رہے ان ایام میں حضرت مسیح موعودؑ اپنی ریاضت اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے تھے اور جناب مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم کشمیر کی واقفیت کی بناء پر والد صاحب پر ہمیشہ مہربانی فرماتے تھے اور ایک دو مرتبہ میرے دادا صاحب بھی انہیں ملنے کے لیے اس تقریب سے حاضر ہوئے تھے

والد صاحب جب قادیان تشریف لائے تو ایڈیٹر الحکم ماں کے پیٹ میں تھا۔ اور میرے پیدا ہونے کی خبر والد صاحب کو جنگی شاہ ایک مجذوب نے قادیان ہی کے مقام پر دی تھی۔ جس نے یہ کہا تھا کہ تیرا یہ بیٹا قادیان میں رہے گا اور ایک اہل اللہ کے ساتھ اس کا تعلق ہوگا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے وہ موقعہ مجھے دیا اب مَیں قادیان میں ہوں اور خدا ہی کے فضل سے اس کے مامور و مرسل کا ادنیٰ خادم ہوں۔ میری پیدائش ۱۸۷۵ء کی ہے۔

تعلیم میری تعلیم ایک دیہاتی مدرسہ سے شروع ہوئی اور نومبر ۱۸۸۱ء کو مَیں مدرسہ میں داخل ہوا یہ خدا کے فضل کی بات ہے کہ مَیں مدرسہ میں اپنی جماعت میں اوّل رہا کرتا تھا پرائمری کی چوتھی جماعت میں پہنچتے پہنچتے مجھے مذہبی تعلیم اور مذہبی مسائل پر گفتگو کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ اور یہ شوق ابتداً شیعہ اور سُنّی کے اختلافات سے پیدا ہوا۔ اس راہ میں میرے راہنما مولوی غلام قادر صاحب مدرس تھے جو آجکل اسی سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں۔ وہ میری مذہبی زندگی اور اخلاقی حالت کو خوب جاننے والے ہیں۔ پرائمری کا امتحان مَیں نے تعریف کے ساتھ پاس کیا اور وظیفہ حاصل کیا۔ اس کے بعد مجھے ورنیکلر مڈل سکول کا کورس ختم کرنے کے لیے مڈل سکول بھیجا گیا۔ اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ مَیں بورڈنگ میں رکھا گیا۔ اس امر کی پرواہ نہ کرکے کہ یہ خودستائی ہوگی مڈل سکول میں بھی ایک ہوشیار اور ہونہار طالب علم کی حیثیت سے مَیں رہا اور بورڈنگ کے انتظامی معاملات عموماً میری رائے اور مشورہ سے طے ہوتے مذہبی شوق اور بھی ترقی کر گیا ان ایام میں مَیں ایک دعا کیا کرتا تھا کہ یا اللہ صحابہ کی سی خدمتِ دین کرنے کا موقع دے اور ایسی جماعت میں رہنے کی توفیق دے جو حمایت اسلام کا جوش رکھتی ہو مَیں اب یقین رکھتا ہوں کہ دعا قبول ہو گئی اور استاد میری قدر اور ممتحن صاحبان نے وقتاً فوقتاً بہترین رائیں مدرسہ کی کتابوں میں لکھیں۔ اس مڈل سکول کی تعلیم میں مجھے سنسکرت پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ صرف نو مہینے کے اندر مَیں نے مڈل سکول کی سنسکرت کا کورس ختم کر لیا اور یونیورسٹی کے مڈل امتحان میں تعریف اور وظیفہ لے کر کامیاب ہوا۔ سنسکرت میں بھی پاس ہو گیا یہ زمانہ ۱۸۸۶ء سے لے کر ۱۸۸۸ء تک ختم ہو گیا۔ اس وقت مَیں مضمون نویسی میں ممتاز تھا۔ اور اخبار بینی کا مذاق بڑھ رہا تھا اخبارات میں مضمون بھیجنے کا شوق ہوتا جاتا تھا۔ چنانچہ جالندھر کے آفتاب ہند میں کبھی کبھی لکھتا تھا۔

ورنیکلر مڈل کی تعلیم ختم کرکے مَیں لدھیانہ کے بورڈ سکول میں داخل ہو گیا یہاں پہنچ کر میرا

مذہبی شوق ترقی کر گیا۔ اور اخباری مذاق نے اخبار نویسی کی صورت اختیار کر لی۔ میرے وقت کا بہت بڑا حصہ عیسائیوں سے مباحثہ میں گزرتا اور ان کی کتابیں پڑھنے کا شوق دن بدن ترقی کرتا گیا اور نور افشاں کے اڈیٹر مسٹر حسن علی سفیر کی وجہ سے اخبارات کے پڑھنے کا بہترین موقعہ ہاتھ آیا۔

منشور محمدی اور خود نور افشاں میں مضامین لکھ دیتا ایک دفعہ نور افشاں میں ایک مناظرہ شروع کر دیا جو بالآخر پادری نیوٹن صاحب نے بند کر دیا۔ اب میری توجہ تعلیم کی طرف کم ہونے لگی۔ اور اخباری اور مذہبی مذاق ترقی کرنے لگا۔

عیسائیوں کے مناظرات سے پھر آریہ سماجیوں سے مناظرہ کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ اس زمانہ کے میرے بعض دوست لالہ بھگورام نیئر اور لالہ مرلی دھر صاحب لدھیانہ میں موجود تھے اور لالہ چرنجی لال مشہور آریہ اپدیشک فوت ہو چکا ہے۔ یہ زندگی مجھے بہت عزیز تھی۔ انہیں ایام میں یعنی ۱۸۸۹ء میں پہلی مرتبہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ شیخ اللہ دیا صاحب واعظ انجمن حمایت اسلام نے مجھے پیش کیا اور میرے سنسکرت پڑھنے کا ذکر کیا۔ جس کو سن کر حضرت بہت خوش ہوئے اور ہر قسم کی مدد کرنے کا وعدہ فرمایا۔ حضرت صاحب کو پہلی مرتبہ یہاں ملا۔ مگر آپ کی کتاب براہین احمدیہ ۱۸۸۶-۸۷ء میں چوہدری رستم علی خان مرحوم کے ذریعہ دیکھ چکا تھا۔ جب کہ وہ سارجنٹ تھے۔ گو اس کتاب کے سمجھنے کی اس وقت قابلیت نہ تھی تاہم پڑھنے کا شوق بے حد تھا۔ غرض ۱۸۸۹ء سے لے کر ۱۸۹۱ء کے شروع تک میں نے لدھیانہ رہ کر اس مذاق کو بہت بڑھا لیا۔ اور اب یہ اس درجہ تک پہنچ گیا کہ مجھے مدرسہ سے علیحدہ کر دے چنانچہ ۱۸۸۹ء میں پیسہ اخبار کا خریدار ہو چکا تھا۔ جو اس وقت آج کل کے روزانہ پیسہ اخبار کی تقطیع پر شائع ہوتا تھا۔ ۱۸۹۱ء میں انگریزی مڈل پاس کر کے لاہور کے ماڈل سکول میں پہنچ گیا قیام لدھیانہ میں منشی احمد جان صاحب مرحوم کے مریدوں نے ایک انجمن احمدیہ بنا کر اس کے ماتحت ایک رسالہ انوار احمدیہ عیسائی مذہب کی تردید اور اسلام کی تبلیغ کے لیے شائع کرنے کا انتظام کیا ہوا تھا میرے مذہبی اور اخباری ہونے کی وجہ سے اس رسالہ کا ایڈیٹر مجھے منتخب کیا گیا۔ مگر بعد میں وہ رسالہ بعض اسباب کی وجہ سے شائع نہ ہو سکا۔ لاہور میں یہ شوق جو ترقی کر سکتا تھا۔ وہ ظاہر ہے اب تعلیمی زمانہ کا خاتمہ تھا آخر ۱۸۹۳ء میں انٹرنس پاس کر کے تعلیمی سلسلہ کو ختم کر دیا

لاہور کی اس دوسالہ زندگی میں میرا اخباری مذاق بہت بڑھ گیا۔ پیسہ اخبار کے خریدار کی حیثیت سے میرا تعارف منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار سے ہوا اور پھر یہ تعارف تعلقات کے بڑھنے کا موجب ہوا۔ منشی محبوب عالم صاحب نے مجھے اپنے چھوٹے بھائی میاں عبدالرحیم اور میاں عبدالکریم کی تعلیم کے لیے میرے ایام طالب علمی ہی میں مجھے مقرر کر دیا۔ میں نے یہ خدمت محض اس لالچ سے قبول کی کہ مجھے کثرت سے اخبار پڑھنے کو ملیں گے۔ چنانچہ میں اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد میں اس خدمت سے الگ ہوکر انگریزی اخبارات اور خصوصاً ولایت کے رسالہ ٹٹ بٹس (TiT BiTS) کی کہانیوں کے ترجمہ کا کام کرنے لگا۔ پس میری اخبار نویسی کا مدرسہ پیسہ اخبار کا دفتر ہے۔ منشی محبوب عالم صاحب ہمیشہ میرے ساتھ بہ تکریم پیش آتے تھے۔ انہیں ایام میں مشہور آکرٹسٹ صوفی انبا پرشاد پیسہ اخبار میں کام کرتا تھا اور ایک مولوی غالباً سید احمد صاحب پاس لکھنوی پیسہ اخبار میں ناولسٹ تھے جنہوں نے سردبران وغیرہ لکھے تھے۔ پیسہ اخبار کو لاہور آئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا اور وہ اردو اخبار نویسی میں نئی روح پھونک رہا تھا پیسہ اخبار ہی کے دفتر میں میں باقاعدہ احمدی ہوگیا اور اس دوسال کی طالب علمی کے زمانہ میں لاہور کی تمام مذہبی سوسائٹیاں مجھ سے واقف ہوگئیں کیونکہ میں ان کے جلسوں میں باقاعدہ جانے والا اور تقریریں اور مباحثہ کرنے والا تھا۔ اس زمانہ کے آریہ سماج دیو سماج اور عیسائی مشن کے لوگ اب تک ان حالات کے جاننے والے ہیں۔

اخبار نویسی کے ساتھ دوسرا شوق مذہبی تقریروں کا تھا۔ چنانچہ انہیں ایام طالب علمی میں عیسائیوں اور انارکلی چیپل میں جہاں سنگھ باغ میں اور پادری گھرے کی کوٹھی پر گھنٹوں مباحثے کرتا بلکہ آجکل پنجاب کے لارڈ بشپ صاحب سے جو ان دنوں محض ریورنڈ لیفرائے تھے اور دہلی سے لاہور لیکچر دینے آئے تھے تین دن رنگ محل میں مباحثہ کیا جس کے لیے میرے استاد خلیفہ حمیدالدین صاحب مرحوم نے ماسٹر چندو لال صاحب کی درخواست پر منتخب کر کے بھیجا تھا۔ اور آریہ سماج کے جلسوں پر سوالات کرتا دیو سماج کے مندر میں جاکر انجمن تحقیق میں حصہ لیتا۔ اس وقت میرے پرانے واقفوں میں سے پنڈت دیورتن اور سردار امر سنگھ صاحب اور موہن لال صاحب موجود ہیں۔ انارکلی میں روزانہ لیکچر اور رات کے ایک بجے تک مباحثہ کے اکھاڑہ لگانا معمولی بات تھی۔

فروری ۱۸۹۲ء میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السّلام لاہور تشریف لے گئے تو مَیں نے حسبِ دستور بیعت کر لی اور لاہور کے تمام حالات کو آنکھ سے دیکھا اور بعض جگہ نہایت جرأت کے ساتھ آپ کے سلسلہ کی تبلیغ کی اور ماریں کھائیں۔ یہ جوش اس درجہ تک بڑھ گیا تھا کہ سلسلہ تعلیم کا جاری رکھنا میرے لیے مشکل ہو گیا تھا اگرچہ میرے بزرگ چاہتے تھے کہ مَیں کالج کی تعلیم کا کورس ختم کر لوں مگر احمدیت کی تبلیغ کا شوق مجھے اور طرف لے نکلا۔

حافظ محمد یوسف ضلعدار نہر جو اس وقت سلسلہ احمدیہ سے الگ ہے ان ایام میں سلسلہ کا ایک سرگرم اور پرجوش ہمدرد تھا اگرچہ اس نے بیعت نہ کی تھی۔ وہ رکھانوالہ ضلع قصور میں ضلعدار تھے اور اگر قصور جاتے تو مولوی غلام دستگیر قصوری انہیں "تنگ کرتے اس غرض کے لیے کہ مَیں سلسلہ کی اشاعت کروں مجھے اپنے ساتھ لے گئے مَیں اس خیال اور وہم سے گیا بھی نہیں تھا۔ کہ سرکاری ملازمت کروں گا مگر انہوں نے مناسب سمجھا کہ میرا نام محکمہ نہر میں برائے نائب ضلعداران داخل کر دیں چنانچہ ان کی کوشش اور سید فتح علی شاہ صاحب کی توجہ سے میں اس مقصد میں کامیاب ہو گیا مگر ۱۸۹۴ء کے جولائی میں ہمیشہ کے لیے ملازمت کے خیال کو سر سے نکال کر اور اپنے دل سے عہد کر کے کہ آئندہ اخبار نویسی کروں گا مَیں نے ابن ضلع امرتسر کی کوٹھی پہ ان تمام امیدوں کا خاتمہ کر دیا اور ڈپٹی کلکٹری اور خان بہادری کی صورت میں میرے سامنے آتی تھی۔ اور مَیں قلم کے ذریعہ اہلِ ملک کی خدمت کے لیے ہمتن تیار ہو کر ۱۸ اور ۱۹ برس کی عمر کے درمیان امرتسر آ گیا۔

اب اخبار نویسی میرا مستقل کام ہو گیا اور مَیں نے اس کو ریاض ہند امرتسر کے مکرر اجراء اور احیاء سے شروع کیا۔ مگر ریاض ہند کے پروپرائٹر صاحب باوجودیکہ میرا ان پہ کوئی بار نہ تھا اسے زندہ نہ رکھ سکے اسی اثناء میں اخبار فیروز شیخ فیروز الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ امرتسر نے جاری کیا اور مَیں اس کا پہلا اور آخری ایڈیٹر مقرر ہوا۔ اخبار فیروز ایک کامیاب اخبار تھا اور پیسہ اخبار کا بہترین مقابلہ اپنی قیمت اور مضامین کے لحاظ سے کرتا تھا اس وقت کی اردو اخبار نویسی میں وہ بہترین اضافہ سمجھا گیا۔ مگر بعد میں مجھے شیخ فیروز الدین صاحب سے ایک مقامی معاملہ کے متعلق اختلاف کرنا پڑا اور مَیں نے فیروز کو چھوڑ دیا۔ میاں صاحب نے بھی پھر میرے بعد فیروز کو باوجود ایک عمدہ اور کامیاب اخبار ہونے کے چلانا نہ چاہا اور کہا یا تم اس کو ایڈٹ کرو ورنہ مَیں بند کر دوں گا۔ مگر مجھے

اپنی بات پر ایسا اصرار ہو چکا تھا کہ باوجود ان کی بے حد مہربانیوں کے مَیں اس وقت ان کے ساتھ نہیں چل سکتا تھا فیروز کی آیڈیٹری کے ایام میں پریس کانفرنس کی تحریک منشی محبوب عالم صاحب نے کی مگر میں نے بحیثیت ایڈیٹر فیروز پریس کانفرنس پر جو سلسلہ مضامین کا لکھا وہ اس وقت تک اس زمانہ کے مشہور اور قابلِ قدر اخبارات آزاد اور زمانہ کانپور کے صفحات میں عزت کے ساتھ لیا گیا اور اس کی تائید ہوئی۔ پنجاب کے پریس میں ایڈیٹر الحکم (جو اس وقت ایڈیٹر فیروز تھا) اکیلا تھا جس نے جرأت کے ساتھ پریس کانفرنس کے حسن و قبح پر روشنی ڈالی اور پیسہ اخبار کی کثیر الاشاعتی اور اثر کے سامنے اپنی آواز کو نہ دبایا یہی آواز اور ضمیر کا سوال تھا جس نے مجھے شیخ فیروز الدین صاحب ایسے شریف الطبع بزرگ سے افسوس کے ساتھ الگ ہونے دیا امرتسر کی میونسپلٹی کے ماتحت محکمہ چنگی میں غبن ہو چکا تھا اور ایک لاکھ سے زیادہ کا غبن ثابت کر دیا گیا تھا اس خاص کام کے لیے ایک اخبار آہلووالیہ گزٹ (جو اب تک جاری ہے) میری آیڈیٹری میں نکلا اور امرتسر کے تمام واقف کار لوگ جانتے ہیں کہ اسے مَیں ایڈٹ کر رہا تھا کیونکہ امرتسر کی سنجیدہ پبلک جو اس معاملہ میں میرے ساتھ تھی وہ جانتی تھی اور یقین کرتی تھی کہ کوئی لالچ اور خوف میرے قلم کو روک نہیں سکتا تھا چنانچہ بڑے بڑے مخفی بھید ظاہر ہوئے اور بالآخر میونسپلٹی کے سیکرٹری آنجہانی مسٹر نکل کی طرف سے ایک ہزار روپیہ رشوت کا پیغام مجھے دیا گیا تا کہ میں ضمیر فروشی کر کے چپ ہو جاؤں۔ مگر نیکی اور بھلائی کے فرشتوں نے میری تائید کی اور مَیں نے ضمیر فروشی کو ایک لعنت سمجھ کر ہزار روپیہ پر تھوک دیا۔ یہ ایک وقت تھا جو میرے لیے اس پیشے میں امتحان کا تھا۔ اور خدا کے فضل سے مَیں کامیاب ہوا بالآخر وہ میونسپلٹی کے غبن کا سکنڈل آخر کار پبلک کی بہترین خواہشوں کے ساتھ ختم ہوا۔ اور مَیں نے بھی کمیٹی کی مخالفت بلاوجہ کرنی چھوڑ دی۔

اس اثناء میں اور بھی بہت سے کام کرنے پڑے امرتسر کی پریس سوسائٹی کی بعض نقائص پر آزادانہ نکتہ چینی کی اور جب سوسائٹی کی قابلِ قدر خدمات کو اصلاح کی بہترین اصولوں پر چلتے دیکھا تو اس کے کام میں عملی ہمدردی میرا کام تھا اور اس وقت تک جو لالہ نندلال صاحب کی خدمات کا دل سے معترف ہوں۔

امرتسر کے قیام میں ایک اور رنگ میں بھی مجھے سرکاری خدمات کا موقعہ ملا۔ مسٹر نکل نے میری درخواست کے بعد دن بعد میں جبکہ کمیٹی کے حالات درست ہو چکے تھے میری اس آزاد نکتہ چینی

کی قدر کر کے میونسپل کے لیے پریس سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے ایک معقول معاوضہ میں ملازمت میں لینا چاہا مگر مَیں نے شکریہ سے انکار کر دیا۔

پھر مجھے اخبار جہاں نما کی آیڈیٹری کا موقع ملا۔ جو سردار نارائن سنگھ صاحب نے جاری کیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ مجھے بہت جلد اس سے الگ ہونا پڑا۔ اور پھر کچھ دنوں تک امرتسر کے مشہور اخبار پنجاب کو ایڈٹ کیا۔ اخبار وکیل کے قابلِ قدر پروپرائٹر شیخ غلام محمد صاحب ناصر مرحوم کی ہمیشہ خواہش تھی کہ مَیں وکیل کا چارج لوں مگر محض بعض امور میں اختلافِ رائے اس میں مانع رہا اور مَیں نے پسند نہ کیا کہ اپنی ذاتی رائے کو چند پیسوں پر قربان کر دوں۔ اسی اثناء میں اگست ۱۸۹۷ء ہنری مارٹن کلارک نے ایک نالش حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف کر دی مَیں نے اس مقدمہ کے حالات دوسری جنگ مقدس کے نام سے لکھے۔ اس وقت مجھے اپنے سلسلہ کی ضروریات کے اعلان اور اظہار کے لیے اور اس پر جو اعتراضات پولٹیکل اور مذہبی پہلو سے کیے جاتے تھے ان کے جوابات کے لیے ایک اخبار کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ اکتوبر ۱۸۹۷ء میں الحکم جاری کر دیا۔ اس وقت گورنمنٹ پریس کے خلاف تھی اور موجودہ پریس ایکٹ اس وقت بھی قریب تھا جو پاس ہو جاتا۔ تاہم اِن مشکلات میں مَیں نے خدا پر بھروسہ کر کے امرتسر سے اخبار الحکم جاری کر دیا۔

۱۸۹۷ء کے آخر میں روزانہ پیسہ اخبار کے مکرر اجرا کی تجویز ہو چکی تھی۔ اور منشی محبوب عالم کے خواہش کے موافق مَیں نے روزانہ پیسہ اخبار کے ایڈیٹوریل سٹاف میں جانا منظور کر لیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ الحکم کا ہیڈ کوارٹر لاہور بدل دینا چاہیئے اور محض اس خیال سے مَیں نے پیسہ اخبار کے ساتھ تعلق گوارا کر لیا تھا۔ مگر ۱۸۹۷ء کے جلسہ سالانہ پر مَیں قادیان آیا تو یہاں ایک مدرسہ کے اجراء کی تجویز ہوئی۔ اور اس کے لیے خدمات کے سوال پر مَیں نے اپنی خدمات پیش کر دیں اور اس طرح قدرت نے مجھے دیارِ محبوب میں پہنچا دیا۔ الحکم کے اجراء کے وقت مجھے بہت ڈرایا گیا تھا کہ مذہبی مذاق کم ہو چکا ہے اور احمدیت کے ساتھ عام دشمنی پھیل چکی ہے۔ اس لیے الحکم کامیاب نہ ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ جانتا ہے مَیں نے الحکم کو ایک تجارتی پرچہ کی حیثیت سے جاری نہ کیا تھا بلکہ محض اشاعت سلسلہ اور خدمت دین کی نیت سے۔ اس لیے اس کے پہلے پرچہ میں لکھا تھا کہ

جب توکلت علی اللہ یہ آغاز کیا
پر نکل آئیں گے اور دیکھنا پرواز کیا

خداتعالیٰ نے اپنے محض فضل سے الحکم کو ایک مذہبی اخبار کی حیثیت سے کامیاب کر دیا اب ایڈیٹر الحکم کی خدمات کا دائرہ احمدیت کے مرکز پر کھینچا گیا۔ اس دائرہ میں گردش کرتے ہوئے بھی ایڈیٹر الحکم پر وہ زمانہ نہیں آیا اور آئندہ خدا کے فضل سے اُمیدوار ہوں کہ نہ آئے جبکہ اس نے کسی خوف اور لالچ کیوجہ سے اپنی آواز کو ضمیر کے خلاف دبانا چاہا ہو بلکہ ایڈیٹر الحکم نے ہمیشہ اپنا ماٹو یہ رکھا ہے۔

لکھنا ہے تو مت ڈر۔ ڈرنا ہے تو مت لکھ

قادیان میں اڈیٹر الحکم جنوری ۱۸۹۸ء میں آگیا۔ اور پیسہ اخبار کے ساتھ جو جدید تعلق پیدا کر لیا گیا تھا اسے اور لاہور کے دیگر منافع کو قادیان پر قربان کر دیا۔ اور الحمد للہ میں اس سودے میں نفع مند ہوں۔ مدرسہ کا انتظام ابتدائی حالت میں تھا۔ جو لوگ کسی انسٹی ٹیوشن کو چلانے کے کام سے واقف ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ ایڈیٹر الحکم کو مدرسہ کی ابتدائی حالات میں کن مشکلات سے گذرنا پڑا ہوگا۔ طبیعت میں حریت تھی۔ بعض اوقات مدرسہ کے ناظم سے اختلاف ہو جاتا آخر جب مدرسہ چل پڑا تو میری غرض چونکہ ملازمت تو تھی نہیں اس لیے میں نے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے مشورہ کے ماتحت مدرسہ سے علیحدہ ہو کر صرف اخبار کے کام کی طرف توجہ کی۔

قادیان میں اس وقت پریس کی سخت تکالیف تھیں نہ پریس ملتا تھا نہ کل کش اور نہ کاتب اور نہ یہ لوگ قادیان آکر رہنا چاہتے تھے۔ تاہم اڈیٹر الحکم ان مشکلات کا مقابلہ کرتا رہا۔

اسی اثنا میں الحکم نے بٹالہ کے سب انسپکٹر کے اس رویہ کا نوٹس لینا چاہا جس کا بُرا اثر رعایا پر پڑ رہا تھا۔ اس نے اپنے اعلیٰ افسر کو بھڑکا کر چاہا کہ ایڈیٹر الحکم پر کوئی مقدمہ بنا دے مگر میری طبیعت ان گیدڑ بھبکیوں سے ذرا خائف نہ تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک معاملہ پہنچا۔ بعض لوگوں نے رائے دی کہ چند روز کے لیے اڈیٹر الحکم قادیان سے باہر چلا جائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس رائے کو اول تو پسند ہی نہیں کیا تھا مگر اصرار پر کہہ دیا کہ اگر یہی مصلحت ہے تو حرج نہیں۔ لیکن میں نے اس رائے کی کمزوری پیش کی تو آپ نے بڑے جوش سے میری تائید کی بالآخر اس سب انسپکٹر کو اپنی طاقت کا اندازہ معلوم ہوگیا۔ اور اس نے اپنے منصوبوں کو خاک میں ملتے دیکھ کر ایڈیٹر

الحکم سے صلح کرلی۔ یہ پہلی کامیابی تھی جو یہاں نصیب ہوئی۔ غرض پریس اور حکام کی ان مشکلات پر غالب آنے کے بعد الحکم نے اپنے کام کی طرف توجہ کی اور جو کام اس نے کیا اس کے لیے اس کی ۱۶ جلدیں ایک مبسوط تاریخ ہیں۔ تاہم مختصر طور پر بعض اہم امور میں پیش کرتا ہوں۔

۱۔ سب سے پہلے الحکم کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تقریروں کو محفوظ رکھنے کا کام کیا گیا۔ ہر ایک تقریر قلم بند ہو کر شائع ہونے لگی۔

اسی ضمن میں یہ کہہ دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پرانی تحریروں اور خطوط کو جمع کرنے کا کام بھی الحکم کے ذریعہ کیا گیا۔

۲۔ پھر بزرگان ملت کے خطبے۔ مواعظ۔ لیکچر جو اس سے پہلے ہوا میں مل جاتے تھے محفوظ ہونے لگے۔

۳۔ حضرت حکیم الاُمّت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل کا ایک پُر از معلومات و معارف درس قرآن مجید ہوا کرتا تھا جو ایڈیٹر الحکم نے سب سے اوّل اس کی اشاعت کا انتظام کیا۔ پہلے اخبار کے ذریعہ پھر مستقل رسالوں کے ذریعہ جو تفسیر القرآن اور ترجمۃ القرآن کے نام سے شائع ہوئے۔

۴۔ ان امور کے ماوریٰ قومی معاملات پر پوری آزادی کے ساتھ ہمیشہ ایڈیٹر الحکم نے رائے دی۔ اور سب سے پہلے قوم کو ایک صدر انجمن احمدیہ کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی کہ مرکزی کمیٹی کے ساتھ ضلع وار اور تحصیل وار کمیٹیاں شامل کی جائیں[1]

۵۔ دینی مدرسہ کی ضرورت پر زبردست آرٹیکل لکھے۔

۶۔ صنعتی شاخ کے اجراء پر توجہ دلائی اور کالج کے قیام کی تحریک کی۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ تمام تحریکیں بارآور ثابت ہوئیں۔

۷۔ ایڈیٹر الحکم نے احمدی قوم کی مردم شماری پر قوم کو توجہ دلائی اور خود مطبوعہ فارم شائع کیے مگر یہ کام پورا نہ ہو سکا۔ ایسا ہی ان اصولوں پر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اپنی قوم کو ایک بامراد قوم بنانا چاہتے تھے اور جن سوشل خرابیوں کو وہ دور کرنا چاہتے تھے ان اصولوں کو ہمیشہ یاد دلایا۔

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۷ رمئی ۱۹۵۸ء صفحہ ۳، ۴، ۵

۸۔ اخبار وطن کے ساتھ جو معاہدہ غلطی سے ریویو آف ریلیجنز کے متعلق کیا جارہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذکر کے بغیر عام اسلامی مضامین اس میں شائع ہوں۔ اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء کے خلاف سمجھ کر دوسرے بزرگوں کے ساتھ پُرزور الفاظ میں اس کی حقیقت سے قوم کو آگاہ کیا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ قوم نے توجہ کی۔

۹۔ اسی سلسلہ میں وطن نے نقاش (ایڈیٹر زمیندار) کے مضامین چھاپ کر سلسلہ کو نقصان پہنچانا چاہا تو ایڈیٹر الحکم نے اصولی طور پر وطن کی مخالفت کی اور سخت مخالفت کی۔ وطن نے اپنی غلطی کو عملی رنگ میں تسلیم کیا۔

۱۰۔ پھر دوسرے وقت وطن نے انجمن حمایت اسلام کی اصلاح کے لیے مخالفانہ قلم اٹھایا اور اس تحریک میں لاہور کے بڑے بڑے لوگ شامل تھے۔ اخبار الحکم کے ایڈیٹر نے باوجودیکہ اپنوں اور پرایوں کی طرف سے وطن کی تائید کے لیے زور دیا گیا انجمن کی طرفداری حق سمجھ کر کی۔ اور آخر جو اصول الحکم نے پیش کیا تھا اسی پر فیصلہ ہوگیا۔

۱۱۔ الحکم نے اظہار رائے میں کبھی دوستی اور دشمنی کی پرواہ نہیں کی۔ ہماری جماعت میں ممالک غیر میں اشاعت اسلام کے لیے وفد کا سوال پیدا ہوا۔ اور قریب تھا کہ وہ انجمن میں پیش ہوکر فیصلہ ہوجاتا مگر الحکم نے اس مضمون پر متانت سے قلم اٹھایا اور واقعات کی بناپر دکھایا کہ ابھی اپنے ہی ملک میں بہت کچھ کام کرنے کی ضرورت ہے اور احمدی قوم میں یہ پبلک رائے پیدا ہوگئی جس پر بالاتفاق اس تجویز کو ملتوی کرنا پڑا۔

۱۲۔ ایڈیٹر الحکم کو ایک بہت بڑا ابتلاء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انتقال کے بعد پیش آیا۔ جبکہ مسئلہ خلافت کے متعلق بعض سوال پیدا ہوگئے تھے۔ الحکم نے پورے استقلال اور صبر و ثبات کے ساتھ یہ امر ذہن نشین کرنے کی کوشش کی کہ اسلام کا احیاء اور بقاء صرف امام کی اطاعت پر موقوف ہے اور یہی سلسلہ عالیہ احمدیہ کا فخر ہے اس ابتلاء کے وقت ایڈیٹر کی جان اور اس کے قادیان کی زندگی خطرہ میں تھی اور اختلاف رائے کے وقت ایسی باتیں معمولی ہوتی ہیں مگر خدا تعالیٰ نے اس امتحان میں سے بھی اسے کامیابی کے ساتھ نکال دیا۔ آخر قوم کو سمجھ آگئی کہ الحکم نے انہیں ایک بھولی ہوئی بات یاد دلائی ہے اس اثناء میں بعض جھوٹے خلیفوں کی حقیقت سے بروقت قوم کو آگاہ کیا۔

۱۳۔ پھر مسئلہ انکار پر اس کو بعض دوستوں سے اختلاف کرنا پڑا۔ آخر حق کی فتح ہوئی اور حضرت

مسیح موعود علیہ السلام اور خلیفۃ المسیح کا جو مذہب تھا وہ کھل گیا۔

۱۴۔ اس اثناء میں ایڈیٹر الحکم نے چاہا کہ بالکل گمنامی کی حالت میں تبلیغ اسلام کا کام کرے مگر وہ اس ارادہ میں کامیاب نہ ہوا اور بعض وجوہات کی بناء پر اسے واپس آنا پڑا۔

۱۵۔ غرض بہت سے کام ہیں جتنے کرنے کی خدا تعالیٰ نے اسے توفیق دی منجملہ ان کے ایک اور کام کا نہایت ہی اجمالی رنگ میں ذکر کرتا ہوں کہ شروع میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ مہدویت کی وجہ سے بعض علماء اور پولیس کے ناتجربہ کار لوگوں نے ہمارے سلسلہ کو ایک خطرناک سلسلہ قرار دیا تھا اور گورنمنٹ کو بدظن کرنے کے لیے کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا گیا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایڈیٹر الحکم کو موقع دیا کہ وہ اس پہلو سے اپنے سلسلہ کی خدمت کرے چنانچہ ایسے اسباب میسر آ گئے جن کے ذکر کی ضرورت نہیں کہ وہ سلسلہ کے پولیٹیکل پوزیشن کو صاف کرنے کے کام میں پایونیر ثابت ہوئی۔

۱۶۔ قادیان کے مقامی ضرورتوں کے متعلق اس کی رائیں مستند اور قابلِ لحاظ قرار دی گئیں چنانچہ قادیان کے ڈاکخانہ کی اصلاحوں اور ترقیات میں اس کے قلم اور دماغ کو بہت دخل ہے۔ ایسا ہی قادیان کی نوٹیفائیڈ ایریا کا وجود الحکم کے کوششوں کے معمولی ثمرات ہیں جو خدا کے فضل سے ملے۔ اگر میں ان کاموں کی تفصیل کرنے لگوں تو ایک کتاب تیار ہو جائے۔ مختصر یہ کہ جس طرح پر سلسلے کی خدمت کا موقعہ ملا۔ الحکم کرتا رہا اور کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ جب تک خدا تعالیٰ کا فضل چاہے گا۔

مدرسہ احمدیہ کے قیام اور مدرسہ تعلیم الاسلام کی اصلاح کے موقعہ پر بھی مَیں نے پُرجوش حصّہ لیا۔ اس تمام کام کو آج تک بغیر کسی نمائش کے کیا۔

جہاں مَیں نے اپنی آزادی رائے کا ذکر کیا ہے وہاں اگر مَیں یہ بیان نہ کردوں کہ اپنی غلط راؤں کی اصلاح کے لیے ہمیشہ تیار رہتا ہوں تو یہ ذکر ناقص رہ جائے گا۔ ۱۹۰۹ء میں مجھے بعض اسلامی کاموں کے لیے دہلی جانا پڑا۔ دہلی میں رہ کر مَیں نے صداقت اسلام پر لیکچر دیئے اور وہاں انجمن خادم المسلمین قائم کرنے میں عملی حصّہ لیا اور دیانند مت کھنڈن سبھا قائم کی۔ بلکہ بعض مکرم دوست چاہتے تھے کہ تبلیغ الاسلام علیگڑھ کا ہیڈ کوارٹر دہلی کو دیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ تم کام کرنا چاہو۔ اس وقت میرے خیال میں آیا کہ اگر ایسے لیکچر ہوں جن میں سلسلہ کا قطعاً ذکر نہ ہو تو مفید ہیں۔ بلکہ اس تجویز پر دہلی کے بعض علماء نے مجھے کہا کہ فتویٰ کفر واپس ہو جائے گا مَیں نے اس تجویز کو اعلیٰ سمجھ کر اخبار میں لکھا اور اس پر عملدرآمد کے

لیے زور دیا اور ایک پروگرام ایسے لیکچروں کے لیے تجویز کیا۔ مَیں اس رائے پر مضبوطی سے قائم تھا کہ ۱۹۰۹ء کے جلسہ میں صاحبزادہ محمود احمد صاحب کی تقریر نے مجھے اپنی غلطی سے آگاہ کر دیا اور اس جلسہ میں اس تجویز کے نقائص کا مَیں نے اقرار کر لیا اور اب مَیں اس کو احمدی سلسلے کی ترقی کی راہ میں روک سمجھتا ہوں غرض جہاں مجھے اپنی غلطی کا علم ہوا مَیں نے اس کو چھوڑنے کی خدا کے فضل سے کوشش کی ہے۔

مختصر یہ کہ ایڈیٹر الحکم نے جس غرض اور مقصد کو لے کر بحیثیت ایڈیٹر الحکم کام شروع کیا تھا اس میں نمایاں کامیابی ہوئی تھی۔ اور ان مشکلات میں سے گزر کر مجھے یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ قوم میں اخبار بینی اور اخبار نویسی کا مذاق پیدا کرنے میں الحکم بامُراد ہو گیا۔ جہاں صرف الحکم کے سوا اور اخبار تین رسالے خاص قادیان سے اور ایک اخبار اور رسالہ دہلی سے اس سلسلہ کا نکلتا ہے اللھم زد فزد۔ مَیں جب اس کام سے فارغ ہو چکا تو مَیں نے حضرت خلیفۃ المسیح کے حضور الحکم سے فرصت پا کر اور کام کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر انہوں نے اپنی فراست خدا داد سے الحکم کا کام نہ چھوڑنے کا مجھ سے عہد لیا اس لیے خدا ہی کے فضل سے اس عہد پر قائم رہنے کی توفیق چاہتا ہوں اس سے الحکم کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

اخبار کو ایک وسیع پیمانے پر چلانے کے لیے مَیں نے مشین پریس کا سلسلہ جاری کیا مگر یہ سچ ہے عرفت ربی بفسخ العزائم۔ مجھے اپنے اس ارادہ میں محض ناکامی ہوئی اور کارخانہ سات ہزار کا زیر بار ہو گیا۔ اور اس کے مالی مشکلات کا ایک نیا باب ایڈیٹر الحکم کے سامنے آیا۔ ایک موقعہ پر ان مشکلات سے نکلنے کا ایک امتحان میرے سامنے آیا اور وہ بھی بہت بڑا ابتلا تھا۔ الحکم تمام زیر باریوں سے نجات اور آئندہ کے لیے ایک ایسی باڈی کے ہاتھ میں جا سکتا تھا کہ جہاں تک اسباب کا تعلق ہے مالی مشکلات کا اسے سامنا نہ ہو۔ مگر جس شرط سے مَیں اس بھاری بوجھ سے نکل سکتا تھا میرے لیے وہ نہایت گراں اور ناقابلِ برداشت تھی۔ اور وہ یہی تھی۔ کہ مَیں اپنی رائے سات ہزار روپے کے عوض بیچ دوں۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو وسیع کر دیا اور جیسے امرتسر کی ایک ہزار کی تھیلی اس وقت کے حالات کے ماتحت میری رائے نہیں خرید سکی اب سات ہزار کا جادو مجھ پر مؤثر نہیں ہوا۔ اور میں کسی اخبار نویس کی زندگی کا یہی پہلو شاندار سمجھتا ہوں کہ خوف اور لالچ اس کی رائے اور ضمیر پر مؤثر نہ ہو مگر یہ خدا کے فضل کے بدوں ناممکن ہے۔

الحکم نے مسلمانوں کے کامن کاز میں ہمیشہ وہ رائے دی جو اس کی سمجھ میں مفید تھی اور جب وہ

مسلمانوں میں کسی ایسے امر کے متعلق تنازعہ ہوا جس کا اثر بحیثیت مجموعی قوم پر پڑتا تھا تو اس نے بلا لحاظ اس کے کہ وہ امر حق کے اظہار میں کسی زبردست پارٹی کی مخالفت کرتا ہے پرواہ نہیں کی۔ اور یہ امر اس کے مخالف اور موافق دوستوں سے پوشیدہ نہیں۔

۱۔ انجمن حمایت اسلام کی اصلاحی مخالفت "وطن" نے شروع کی۔ معاملہ نے خطرناک رنگ اختیار نہ کیا۔ وطن کی حمایت میں پنجاب اور ہندوستان کے زبردست اسلامی اخبار اور مسلمانوں کے لیڈر تھے۔ میں نے انجمن حمایت اسلام کے پرانے ممبروں کو ڈیفنڈ کیا اور بالآخر جس راہ صلح کو الحکم نے پیش کیا تھا اس پر عمل ہوگیا۔

۲۔ اخبار وطن اور زمیندار کے درمیان مسلمانوں کی آئندہ پولیٹیکل پالیسی پر اختلاف ہوا اور اس بارہ میں زمیندار کا طریق ایڈیٹر الحکم کے نزدیک قابل اعتراض اور مسلمانوں کے لیے غلط راہ پر لے جانے والا تھا۔ اس نے زمیندار کے اس رویہ کے خلاف پروٹسٹ کرنے میں کسی کی پرواہ نہیں کی۔ مگر اس کے صلے میں اس کو گالیاں سننی پڑیں۔ مگر ایسی گالیوں کا وہ عادی ہو چکا ہے۔

۳۔ دہلی کے کرزن گزٹ نے وہاں کی جامع مسجد اور مدرسہ فتح پوری کی کمیٹی کے خلاف بعض غلط الزامات لگائے ایڈیٹر الحکم نے اس مسئلہ میں کرزن گزٹ کی راؤں کی کمزوری ظاہر کردی۔ بحالیکہ مذہباً کرزن گزٹ اور مسلمان عمائد دہلی کے ساتھ متفق نہیں تھے۔

۴۔ حال میں جو دورہ اسلامی مدارس کے طریقہ تعلیم و رہائش طلباء کے متعلق کیا گیا تھا ایڈیٹر الحکم بطور حالات نویس ساتھ تھا۔ اس دورہ کے حالات شائع کرتے ہوئے صاف دلی کے ساتھ مدرسہ اسلامیہ دیوبند اور مدرسہ فرنگی محل کی قابلِ قدر خدمات کا اعتراف کیا گیا حالانکہ یہ لوگ ہمارے سخت مکفر اور معاندین میں اور ندوۃ العلماء کی کمزوری کا اظہار کر دیا گیا ایسا ہی گروکل اور مدرسہ الٰہیات کانپور کی بھی تعریف کی گئی۔ یہ تمام واقعات بتاتے ہیں کہ ایڈیٹر الحکم نے جس میں اور صدہا نقص اور کمزوریاں ہیں بہ حیثیت ایک اخبار نویس کے ۱۸۹۷ء سے لے کر ۱۹۱۴ء تک کبھی اپنی رائے اور ضمیر کو بیچنا نہیں چاہا۔ اور خوف اور لالچ نے اس کے دماغ اور دل پر حکومت نہیں کی۔ اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے محض فضل سے گو اس کی ہر دلعزیزی میں کمی ہو کیونکہ ناممکن ہے ایک کھری اور صاف سُنا دینے والا ہر دلعزیز ہو سکے، مگر وہ ایک با اصول اخبار نویس کی حیثیت سے اپنے زمرہ میں ممتاز ہے۔

ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء والحمد اللّٰہ علیٰ ذالک ۔

الحکم کو اپنے معاصرین سے تو تو میں میں کا موقعہ ان سولہ سال کے اندر بہت ہی کم پڑا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ نہیں پڑا ۔ مذہبی اختلاف کی وجہ سے نہایت گندہ لٹریچر شحنہ ہند کے ضمیمہ نے شائع کرنا شروع کیا ۔ لیکن آخر اس کا انجام وہی ہوا جو ان موری کے کیڑوں کا ہوتا ہے ۔ حضرت مسیح موعودؑ کے الہام کے ماتحت انی مھین من اراد اھانتک کے نیچے وہ ایسا آیا کہ نہ ضمیمہ رہا نہ شحنہ رہا ۔ اہلحدیث اور اہل فقہ کے ساتھ الحکم کو کبھی کلمہ حق کے لیے مقابلہ کرنا پڑا مگر اسے شکایت نہیں کہ انہوں نے شحنہ ہند کے ضمیمہ کی تقلید کی ہو ۔

زمیندار اور وطن سے مقابلہ ہوا ان میں سے وطن محض زمیندار کی وجہ سے زیر الزام آیا ۔ بالآخر وطن کے قابل ایڈیٹر نے نقاش کے پیتروں کو سمجھ لیا ۔ اور اس طریق کو چھوڑ دیا ۔ زمیندار نے حال میں پھر گالیوں کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا مگر اس کا خاتمہ ایک ضمیمہ نے کر دیا ۔

پیسہ اخبار سے بھی بارہا اختلاف ہوا ۔ پیسہ اخبار کی مخالفت کو ہمیشہ بے اصول پایا یہ تو اسلامی اخباروں سے مقابلہ کا ذکر ہے ۔ آریہ اخباروں میں سے پرکاش اور آریہ مسافر اور مسافر سے مقابلہ ہوا ۔ بجز جالندھر کے آریہ مسافر کے پرکاش اور مسافر نے الحکم کے مقابلے میں ہمیشہ شرافت سے کام لیا ۔ اور اس وقت تک تمام معاصرین کے ساتھ اس کے تعلقات مذہبی اختلاف کو چھوڑ اچھے ہیں ۔

الحکم کے ایڈیٹر نے پریس کی اصلاح کے لیے بھی قدم اٹھایا چنانچہ مسلم پریس ایسوسی ایشن کی تحریک اس نے کی ۔ اور اس کے متعلق ملک کے مقتدر اخبارات اور مسلم کمیونیٹی کے لیڈنگ ممبروں کی راؤں کو جمع کیا ۔ معاصرین اور اہل الرائے بزرگوں کو دعوت دے کہ لاہور سے زمیندار نے ایسی تحریک کی چونکہ ہمارا یہ عین مقصد تھا زمیندار کی مجوزہ مسلم پریس ایسوسی ایشن کے لیے قادیان سے وکیل بھیجا گیا ۔ مگر افسوس کہ وہ ایسوسی ایشن ایک ذاتی اغراض کا ذریعہ ثابت ہوئی اور جونیوں کے چیلنج پر اس کا خاتمہ ہو گیا ۔

ایڈیٹر کی زندگی کا ایک باب اس کی لائیبل کے مقدمات ہوتا ہے ۔ ایڈیٹر الحکم پر دو مرتبہ لائیبل کے مقدمات ہوئے ایک مرتبہ امرتسر کے ایک میونسپل کمشنر نے لاہور میں استغاثہ کیا جس میں بالآخر خدا تعالیٰ نے ایڈیٹر الحکم کو صاف بری کر دیا اس کے ضمن میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ بعض دوستوں نے نہیں بلکہ معاصرین نے جن کا نام لینا نہیں چاہتا ۔ اس وقت میری صلح کرانی چاہی اور شرائط صلح میں ایک ہی شرط تھی

کہ ایڈیٹر الحکم آئندہ اخبار نویسی چھوڑ دے۔ اس کا میری طرف سے ایک ہی جواب تھا کہ اس مقدمہ لائیبل کے قید کا خوف میرے قلم پر حکومت نہیں کر سکتا۔ اور اخبار نویس جیسی محبوب شے چھوڑانے کی یہ دھمکی اور خوف ہیچ ہے۔ آخر خدا نے مجھے کامیاب کر دیا۔

دوسرا لائیبل[1] کا مقدمہ مولوی کرم الدین صاحب ساکن بھیں نے کیا۔ اس مقدمہ میں مخالف مسلمان آریہ اور عیسائی اس کے مددگار تھے خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے تو اس آفت سے بچا لیا مگر کرم الدین صاحب میرے مقدمہ لائیبل میں اپنے دوست سراج الاخبار جہلم کے ضعیف ایڈیٹر کو لے کر جرمانہ کے سزایاب ہو گئے اور وہ مقدمہ بطور یادگار رہ گیا۔ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔

ایڈیٹر الحکم کو تصنیف و تالیف کا شوق رہا۔ اور بعض رسالے ایسے وقت میں اس نے لکھے اس کی عمر ۱۷، ۱۸ (سترہ اٹھارہ) سال کی تھی مگر افسوس ہے کہ آج ان کی ایک کاپی بھی اس کے پاس نہیں اور نہ وہ ملتے ہیں۔ سب سے پہلی کتاب اس نے دینیات کی پہلی کتاب کے نام سے شائع کی جس پر دربار بہاولپور نے اس کے پبلشر شیخ عبدالرحمٰن امرتسری کو انعام دیا تھا۔

اخبار فیروز کے دفتر میں فنتیا عورث کی لائف اور تقویم فیروزی کے علاوہ تثلیث کے ردّ اور ردّ تناسخ میں دو چھوٹے چھوٹے رسالے شائع کئے اور ایک رسالہ امرتسر کی مادی ترقی کا اصلی راز لکھا تھا۔ قادیان آکر حقیقت نماز اسماء الحسنیٰ تفسیر سورۃ بقرہ اور ترجمۃ القرآن کے سلسلے میں آٹھ پارے شائع کیے ایسا ہی آریوں کے ردّ میں حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم سے "اصلاح النظر" ایک رسالہ لکھا اور ان کے علاوہ سالانہ جلسہ ۱۸۹۷ء کی رپورٹ مکتوبات احمدیہ اور سیرت مسیح موعودؑ کو ترتیب دے کر شائع کیا۔

آخری بات

مجھے افسوس ہے کہ اپنی زندگی بحیثیت ایڈیٹر کے حالات لکھنے میں ہر چند میں نے بہت ہی اجمال سے کام لیا ہے مگر شاید مسٹر فوق کے نکتۂ خیال سے وہ لمبے ہو گئے ہوں تاہم میں اپنے عزیز دوست اور ناظرین کشمیری میگزین سے خواستگار معافی ہوں کہ میں ان حالات کے بیان کرنے میں جہاں اپنے بعض

---

[1] LIBEL یعنی ازالہ حیثیت عرفی

معاصرین کا ذکر کرتا ہوں وہاں مجھے ان سے کسی عداوت کا اظہار مقصود نہیں بلکہ بطور امر واقعہ ان پیش آمدہ حالات کو لکھ دیا ہے جو میری قلمی زندگی کا ایک جزو ہیں ایسا ہی اگر میں کوئی لفظ سلسلہ کے دوستوں کے متعلق کہیں لکھ گیا ہوں تو اس سے بھی میری غرض سلسلہ کی تاریخ کا ایک ورق لکھنا ہوتا ہے ورنہ اختلاف رائے کبھی تعلقات کو نہیں کاٹ سکتا جو خدا تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ رسول حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ہم میں قائم کیے ہیں بالآخر میں خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ محض اس کے فضل سے میں اس قلمی جنگ میں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور یہی دعا ہے کہ وہ دیانت اور امانت کے ساتھ اس فرض کے ادا کرنے کی توفیق دے جو اس نے اپنی مشیّت سے میرے سپرد کیا ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔ (خاکسار یعقوب علی تراب احمدی)[1]

مولانا شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ حالات حضرت عرفانی مرحوم نے ۱۹۱۲ء تک لکھے تھے۔ بعد کے حالات بہت ہی مختصر طریقہ پر یہ ہیں کہ ۱۹۱۴ء میں حضرت خلیفہ اوّل کے انتقال کے بعد جب جماعت میں عظیم تفرقہ واقع ہوا تو حضرت شیخ صاحب مرحوم نہایت اخلاص کے ساتھ خلافت ثانیہ سے وابستہ رہے اور بحمد للہ اسی پر ان کا خاتمہ ہوا۔

۱۹۲۴ء میں سفر یورپ کے موقعہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز شیخ صاحب کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے اور مسجد لنڈن کے افتتاح کے موقعہ پر بھی آپ لنڈن میں موجود تھے۔

جون ۱۹۳۵ء میں آپ یورپ اور بلاد اسلامیہ کی سیاحت کے لیے روانہ ہوئے اور دو سال تک آپ یورپ کے مختلف ممالک اور بلاد اسلامیہ میں رہے۔ آپ نے واپسی پر اپنا سفر نامہ "مشاہدات عرفانی" کے نام سے شائع کیا تھا۔

اپریل ۱۹۳۲ء میں سلطنت آصفیہ کی ایک شاہزادی بیگم وقارالامراء نے آپ کو ساڑھے بائیس سو روپے ماہوار تنخواہ پر حیدرآباد بلایا اس کے بعد آپ وہیں کے ہو رہے۔ یہاں تک کہ ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو آپ ملک عدم ہوئے آپ سلسلہ احمدیہ کے سب سے بڑے مؤرخ۔ سب سے پہلے صحافی۔ اور

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۷ مئی ۱۹۵۸ء صفحہ ۳، ۴، ۵

بلند پایہ انشا پرداز تھے ۔جتنی تصنیفات آپ نے یادگار چھوڑی ہیں ان کی فہرست خاصی طویل ہے ۔

(خاکسار محمد اسماعیل پانی پتی[1])

شیخ داؤد احمد صاحب عرفانی فرماتے ہیں کہ :۔

" ہوش و حواس آخری وقت تک صحیح تھے ۔ فالج گرنے کے بعد زبان تو بند تھی لیکن دایاں ہاتھ جو اچھا تھا اس سے اشارے سے قلم مانگتے اور لکھ دیتے آخری الفاظ جو انہوں نے لکھے وہ یہ تھے **مجھے امانتاً دفن کیا جائے اور سیٹھ صاحب (عبداللہ بھائی صاحب) میرا جنازہ پڑھائیں ۔**

ان کے آخری وقت پر ان کے پاس میری بیوی کی چھوٹی بہن صداقت بیگم بنت فیروز علی صاحب مرحوم اور عائشہ بیگم اہلیہ یوسف احمد صاحب الہ دین ۔حضرت سیٹھ صاحب کی بہو نفیس حضرت سیٹھ صاحب کا پوتا صالح محمد بھی اور میرے ہم زلف مسیح الدین الہ دین اور والد صاحب کا قدیم رفیق اور نوکر شریف موجود تھے ۔آخری سانس جب دیا ہے تو ان کا سر عائشہ بیگم کی گود میں تھا بڑی خوش قسمت خاتون ہیں کہ ان کو ایک بڑے جلیل القدر رفیق اور مؤرخ سلسلہ کے آخری لمحوں میں خدمت کا موقع ملا۔ ہم تو محروم ہی رہے۔ اس لیے کہ مجھے ہر خط میں لکھتے رہے کہ آنا نہیں ۔ کیونکہ میری صحت اچھی نہ تھی بعارضہ دمہ بیمار تھا ۔ یہ ان کی بے پایاں شفقت اور محبت تھی ۔حضرت سیٹھ صاحب کے خاندان[2] کے ہر فرد نے انتہی بے حساب خدمت کی اور بے حساب دعائیں بھی انہوں نے ان کے لیے کیں ۔"

حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کے نواسے جناب سیٹھ صالح محمد الہ دین صاحب کا بیان ہے کہ :

" میں نے ان سے ذکر کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ اس سال جلسہ سالانہ ربوہ میں شرکت کروں یہ سُن کر حضرت عرفانی صاحب پر رقت طاری ہوگئی اور انہوں نے فرمایا :۔

"جب جاؤ گے تو حضرت صاحب کی خدمت میں مرے اس درد کا اظہار کرنا اور کہنا کہ گو ہم دور ہیں لیکن ہمارے دل دور نہیں ہیں اور میری تو یہی خواہش رہی کہ حضور کے قریب

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۷ رمئی ۱۹۵۸ء ص۵ ۔ [2] مولانا محمد اسماعیل صاحب وکیل یادگیر فرماتے ہیں "سیٹھ (یوسف الہ دین) صاحب قبلہ اور یوسف الہ دین ۔ حافظ صالح محمد صاحب ۔ مسیح الدین الہ دین ۔ بشیر الدین الہ دین ۔ سیٹھ علی محمد صاحب ۔ راشد احمد الہ دین صاحب ۔ محمد یٰسین صاحب چونکہ سکندر آباد میں رہتے تھے اس لیے ان کو زیادہ خدمت کے مواقع نصیب ہوئے ۔" (الفضل ۲۸ جنوری ۱۹۵۸ء ص۳)

میری زندگی ختم ہو رہی ہے [1]

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت عرفانی صاحب کے وصال پر حسب ذیل نوٹ سپرد قلم فرمایا:۔

"عرفانی صاحب جو اوائل میں تراب لقب استعمال کیا کرتے تھے۔ غالباً اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زندہ رفیق میں سب سے پرانے رفیق تھے اور گو وہ ایک لمبے عرصے سے بیمار تھے مگر یہ خیال نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی داغ جدائی دے جائیں گے چنانچہ اُن کی وفات والی تار سے صرف ایک دن پہلے ہی مجھے ان کا ہاتھ کا لکھا ہوا خط ملا تھا۔ شیخ صاحب موصوف کی عمر وفات کے وقت غالباً ۹۰ سال سے اُوپر تھی اور گو ان کی سماعت میں کافی فرق آ گیا تھا۔ مگر بینائی ٹھیک تھی چنانچہ وہ ہمیشہ ہاتھ سے خط لکھا کرتے تھے اور ان کے خطوں میں بے حد محبت اور اپنایت کا رنگ پایا جاتا تھا دراصل وہ اِن بزرگوں میں سے تھے جن کے ایمان کی جڑھ ان کے دل میں ہوتی ہے اور فلسفیانہ دلائل کی نسبت جذبات کا پہلو زیادہ غالب ہوتا ہے۔

شیخ صاحب مرحوم سب سے پہلے احمدی تھے جنہوں نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی خدمت کی غرض سے اخبار الحکم جاری کیا۔ یہ اخبار شروع میں غالباً امرتسر سے جاری ہوا مگر بہت جلد قادیان منتقل ہو گیا اور پھر شیخ صاحب خود بھی ہمیشہ کے لیے قادیان کے ہی ہو گئے اس کے کچھ عرصہ بعد اخبار بدر بھی جاری ہو گیا۔ جس کے آخری ایڈیٹر حضرت مفتی محمد صادق صاحب مرحوم تھے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام ان دو اخباروں کو اپنے دو بازو کہہ کر یاد فرمایا کرتے تھے۔ شیخ عرفانی صاحب مرحوم کی دوسری بڑی خصوصیت یہ تھی کہ سب سے پہلے انہی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سوانح اور سلسلہ احمدیہ کی "تاریخ مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا چنانچہ ان کی طرف سے اس سلسلہ میں متعدد نمبر نکل چکے ہیں اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے خطوط کو جمع کر کے مکتوبات احمدیہ کے نام سے شائع کرنے کی سعادت بھی شیخ صاحب مرحوم کو ہی حاصل ہوئی۔ تاریخ بیعت کے لحاظ سے شیخ صاحب غالباً حضرت مفتی محمد صادق سے بھی زیادہ پرانے تھے۔

حق گوئی میں حضرت شیخ صاحب بہت دلیر اور صاف گو بلکہ برہنہ تلوار تھے۔ چنانچہ جب شروع

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۸ دسمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۳

میں غیر مبائعین کا فتنہ اٹھا تو شیخ صاحب اس کے مقابلہ میں غیر معمولی جوش کے ساتھ پیش پیش تھے بلکہ بعض اوقات انہیں روکنے کی ضرورت پیش آتی تھی غالباً یہ غیر مبائعین کے فتنہ کا ہی اثر تھا کہ عرفانی صاحب مرحوم اپنے ذوق کے مطابق اپنی اولاد کو ہمیشہ نصیحت کیا کرتے تھے کہ جب بھی جماعت میں کوئی اختلاف پیدا ہو تو تم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اہلِ بیت کا ساتھ دینا کیونکہ ان کے متعلق خدا کا وعدہ ہے کہ اِنِّیْ مَعَکَ وَمَعَ اَھْلِکَ یعنی میں تیرے ساتھ اور تیرے اہل کے ساتھ ہوں خدا کرے کہ ہم اس خدائی وعدہ کے اہل اور قدرشناس ثابت ہوں۔

اس سال یعنی سال ۱۹۵۷ء میں جماعت کو کئی بار پرانے مخلصین کی وفات کا صدمہ پہنچا ہے چنانچہ سب سے پہلے جنوری میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ خدا کو پیارے ہوئے جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام گویا اپنے بچوں کی طرح عزیز رکھتے تھے اور محبت کے رنگ میں اکثر "ہمارے مفتی صاحب" کہہ کر پکارتے تھے اس کے بعد فروری میں حضرت ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب کی وفات جو گو بالکل ابتدائی رفقاء میں سے نہیں تھے مگر پھر بھی انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کافی صحبت پائی تھی اور وہ اپنی نیکی اور عبادت گزاری کی وجہ سے ان بزرگوں میں سے تھے جن کا دل گویا ہمیشہ مسجد میں لٹکا رہتا ہے۔ پھر غالباً جون کے آخر میں حضرت بھائی چوہدری عبدالرحیم صاحبؓ فوت ہوئے جو ابتدائی رفقاء میں سے تھے اور ان کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ عین جوانی کے عالم میں سکھ مذہب کو ترک کرکے اسلام اور احمدیت کو قبول کیا پھر نیکی میں ایسی ترقی کی کہ وہ صاحب کشف و رؤیا بن گئے اور اب سال کے آخر میں آکر حضرت عرفانی صاحب نے جماعت کو داغ جدائی دیا ہے۔

وکل من علیھا فان ویبقٰی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

حضرت مفتی صاحب اور حضرت عرفانی صاحب دونوں میری پیدائش سے بھی پہلے کے احمدی تھے اور حضرت بھائی صاحب نے غالباً میری پیدائش کے ایک سال بعد بیعت کی تھی۔ البتہ حضرت ڈاکٹر صاحب غالباً ۱۹۰۰ء کے قریب بیعت سے مشرف ہوئے تھے اللہ تعالیٰ ان سب فوت ہونے والوں بزرگوں کو اپنے فضل و رحمت کے دامن میں جگہ دے اور ان کی اولاد کو ان کے نقشِ قدم پر چلائے اور دین و دنیا میں ان کا حافظ و ناصر ہو آمین۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیم اور ممتاز رفقاء بہت ہی تھوڑے

رہ گئے ہیں موت تو سب کے لیے مقدر ہے مگر کاش قبل اس کے کہ یہ مبارک گروہ اس دنیا سے منتقل ہو کر اپنی جنتی رہائش گاہوں میں جا گزیں ہو جماعت کی صفِ دوم اِن کی نیکی اور تقویٰ اور عبادت گزاری اور صداقت اور دیانت اور اتحاد اور تعاون اور جذبہ قربانی میں ان کی جگہ لینے کے لیے آگے آ جائے اے کاش ایسا ہی ہو!

مجھے یاد ہے کہ جب مَیں نے ۱۹۴۱ء میں حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی کی وفات پر ایک نوٹ لکھا تھا تو اس نوٹ کے عنوان میں یہ شعر درج کیا تھا :-

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا

ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

لیکن اب تو ڈرتا ہوں کہ شاید ہم سے کئی لوگ محوِ نالہ بھی نظر نہیں آتے اے اللہ تو رحم کر اور ہمارے نوجوانوں میں وہ روح پھونک دے جو ہمیشہ تیرے پاک نبیوں اور رسولوں کے زمانہ میں ایک زبردست انجن کا کام دیا کرتی ہے اور ہمیں صرف چلنے کی ہی طاقت ہی نہ دے بلکہ پرواز کی قوت عطا کر۔ اٰمین یا ارحم الراحمین۔

حضرت عرفانی صاحبؓ اپنے آخری خط میں جو غالباً ۲۹ نومبر کا لکھا ہوا ہے اور مجھے ۵ دسمبر کو ملا لکھتے ہیں کہ :-

"آج عمر کا ۹۲ سال شروع ہوا۔ الحمد للہ

خاکسار۔ مرزا بشیر احمد۔ ۵۷/۱۲/۷۔ ربوہ[1]

خالد احمدیت مولانا ابو العطاء صاحب نے لکھا کہ :-

۱۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب عرفانیؓ سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں ایک درخشندہ گوہر ہیں رہتی دنیا تک آپ کا ذکر خیر باقی رہے گا آپ نے اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو شناخت کیا جب ابھی کم تعداد میں سعید روحوں کو اس شناخت کی توفیق نصیب ہوئی آپ کو پھر اوّلین رفقاء میں یہ

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۱ دسمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۳، ۴

امتیاز حاصل ہے کہ آپ بیعت کے بعد دعوتِ احمدیت کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مؤثر قلم عطا فرمایا تھا اس لیے آپ نے تحریر کے ذریعہ سے سلسلہ کی خدمت پر کمر ہمت باندھ لی اور آخر تک ایک کامیاب صحافی اور بہترین مصنف کے طور پر آپ نے زندگی بسر کی قوت گویائی بھی وافر عطا ہوئی تھی اور آپ کی پُر جوش اور ولولہ انگیز تقاریر بھی اسلام و احمدیت کی خدمت کے لیے وقف تھیں آپ سلسلہ کی تاریخ کے بہت بڑے ماہر تھے بلکہ آپ کا سینہ ان سارے واقعات و مشاہدات کا خزینہ تھا۔ آپ کی وفات سے ایک عظیم خلا پیدا ہو گیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اب کہاں حضرت مسیح موعودؑ پیدا ہوں اور کہاں حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور حضرت عرفانی صاحب کبیر ایسے بے مثال عشاق زمین پر نمودار ہوں۔

حضرت عرفانی صاحب کی زندگی سراسر متوکلانہ زندگی تھی۔ فقر و تنگدستی کے باوجود سراپا غیرت تھے عزت نفس کا نمونہ تھے۔ غیروں کے آگے کبھی جھکنے والے نہ تھے ہاں مومنوں کے سامنے موم مجسم تھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سے بھی آپ کو والہانہ عشق تھا میں قادیان میں خلافت ثانیہ کے آغاز میں ۱۹۱۶ء یعنی ۱۰، ۱۱ سال کی عمر میں طالب علم کے طور پر آیا تھا۔ چونکہ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانیؓ کا اصل وطن جاڈلہ ضلع جالندھر تھا یہ گاؤں ہمارے گاؤں سے سات آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا اس لیے مجھے شروع طالب علمی سے ہی حضرت شیخ صاحب سے واقفیت تھی اور انہیں بھی مجھ سے بہت پیار تھا مجھے وہ نظارہ نہیں بھول سکتا جب میں مدرسہ احمدیہ سے پڑھ کر دوپہر کے وقت کتابیں اٹھائے دارالفضل کے بیرونی محلہ کو جاتے ہوئے حضرت شیخ صاحب کے دفتر اور مکان کے سامنے سے گزرتا اور شیخ صاحب مرحوم حسب دستور باہر بیٹھے لکھتے یا ٹہل رہے ہوتے۔ تو دور سے ہی دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرماتے "آیئے جی سوامی ایشورانند جی" اور پھر دو چار منٹ بٹھا کر کوئی علمی اور روحانی بات ضرور بیان فرماتے اور بارہا کہتے کہ "ایشورانند" میں "اللہ دتا" کا ترجمہ کرتا ہوں اسے بُرا نہ مانیں۔

حضرت شیخ صاحب کو اپنے ہونہار اور خادم دین فرزند حضرت شیخ محمود احمد صاحب عرفانی کی وفات کا بہت صدمہ تھا مگر صبر و استقلال کا آپ نے بہترین نمونہ دکھایا آپ کی بڑی خواہش تھی کہ میری اولاد میں سے واقف زندگی خادم دین ہوں گزشتہ سال اپنے ایک پوتے کے

کے متعلق مجھے لکھا کہ اسے جامعہ میں داخل کر کے خدمت دین کے لیے تیار کیا جائے ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عرفانی کبیرؓ کے درجات بلند کرے اور ان کے سارے خاندان پر اپنی برکات نازل فرمائے اور انہیں اپنے مخلص ترین اور سلسلہ کے سچے عاشق بزرگ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے آمین[۱]"

۲۔ "حضرت عرفانی صاحب بطور مؤرخ اپنا فرض سمجھتے تھے کہ کاروان روحانیت سے جدا ہو جانیوالے ہر ہم سفر کا ذکرِ خیر کریں پرانے رفقاء میں سے ہر ایک کے بارے میں۔ ان کے پاس معلومات کا ایک ذخیرہ تھا ذاتی طور پر بھی ان کے تعلقات بہت وسیع تھے اور اخبار نویس کی حیثیت سے بھی انہیں معلومات حاصل تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دل بھی ایسا دیا تھا کہ وہ ہر ایک مصیبت زدہ کی مصیبت پر پسیج جاتا تھا اس لیے آپ تمام بزرگانِ سلسلہ کے ذکرِ خیر کو قائم کرنے کا خاص اہتمام فرماتے تھے اور جہاں تک ان کے لیے ممکن ہوتا تھا وہ صالحین کے نیک نام کو پائیدار بنانے میں کوشاں رہتے تھے ۔

یہ بات ان کی دلی پاکیزگی اور احباب سلسلہ کے ساتھ ان کے دلی لگاؤ کا ایک بیّن ثبوت ہے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے درمیان جو اخوّت قائم کی ہے اس میں اضافہ اور اس کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ بزرگانِ دین اور فدایان سلسلہ کا ذکر زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جائے تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے دلوں میں ان کی محبت بڑھے اور وہ ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلیں اس خاص خصوصیت کی سے جو حضرت عرفانی صاحب کو حاصل تھی ان کا بھی حق ہے کہ سلسلہ کے احباب اِن کے ذکرِ خیر کو قائم رکھیں اور نئی پود کو صحابہ کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید کے طور پر اس کا اہتمام کریں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسے بزرگ اس امر کے محتاج نہیں ہوتے کہ اِن کا ذکر کیا جائے لیکن درحقیقت اس کی ضرورت بعد کے لوگوں اور نئی نسلوں کو ہوتی ہے ۔

اللہ تعالیٰ حضرت عرفانی مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور جنّت الفردوس میں انہیں خاص مقام عطا فرمائے آمین۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما[۲]"

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۵۷ء صہ ۳ ؛

[۲] " " " " ۱۷ دسمبر ۱۹۵۷ء صہ ۵

ملک صلاح الدین صاحب مؤلف "اصحاب احمد" نے اپنے ایک مضمون میں حضرت عرفانی صاحب کی سیرت و سوانح اور کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا:۔

"حضرت شیخ صاحب کے گوناگوں اوصافِ جمیلہ کا ذکر ایک ہی صحبت میں کیا جانا ناممکن ہے۔ آپ کی خدماتِ احمدیت کا دامن قریبًا اکسٹھ سال پر ممتد ہے۔ آپ حقیقی معنوں میں بابائے "تاریخ احمدیت" تھے۔ آپ کو تاریخ سے فطری لگاؤ تھا اور شروع سے اس کی دُھن تھی۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ولادت سے بعثت تک کے واقعات کا ایک انمول ذخیرہ نہایت محنت و کاوش سے جمع کیا۔ جو کہ بالعموم اس بارہ میں حرفِ آخر کا سا رنگ رکھتا ہے۔ اور اس میں بظاہر کسی اضافہ کی گنجائش نہیں۔ ۱۸۹۸ء میں آپ مدرسہ کے تعلق میں قادیان بلائے گئے۔ اور الحکم اخبار آپ قادیان میں ہی لے آئے۔ جو کہ سلسلہ احمدیہ کا پہلا اخبار تھا اور کم و بیش چار سال تک یہ سلسلہ کا واحد اخبار رہا۔ اور اس کے ذریعہ حضورؑ کے مکاتیب مواعیظ۔ خطبات اور ملفوظات اور حضرت مولوی نور الدین صاحب اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے خطبات اور مضامین اور دیگر بہت ہی مفید باتوں کی اشاعت ہوتی تھی۔ سلسلہ کی بیش قیمت تاریخ کا صحیح ذخیرہ یہی اخبار ہے۔ کئی سال بعد البدر کا اجراء ہوا۔ ہر دو اخبارات کی افادیت اس امر سے ظاہر ہے کہ دونوں کو حضرت اقدسؑ نے اپنے بازو قرار دیا۔ کیونکہ حضور کے مشن کی تقویت کا باعث تھے۔ حضورؑ کی وحی کا ایک کثیر حصہ صرف ان ہی کے ذریعہ محفوظ ہوا۔

تاریخ سلسلہ سے واقفیت رکھنے والوں پر ظاہر ہے کہ وہ کام جو اس وقت ناظر امور عامہ سرانجام دیتے ہیں۔ یعنی اغیار سے تعلقات۔ حکومت کو توجہ دلانا۔ اس کا ایک کافی حصہ حضرت عرفانی صاحب سرانجام دیتے تھے۔ حضرت اقدس کے چچازاد بھائی حضورؑ کے شدید مخالف تھے ان سے شیخ صاحب میل ملاقات رکھتے تھے اور ان سے کئی کام کروا لیتے تھے۔ شیخ صاحب اخبار کے ذریعہ حکومت کو ضروری امور کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے۔

اس وقت مختلف نظارتیں قائم ہیں۔ ابتداء میں حضرت مولوی نور الدین صاحب اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب جماعت کو ان کے فرائض کی یاد دہانی کراتے رہتے تھے اور اس بارہ میں الحکم اپنے طور پر احباب کو توجہ دلانے پر آمادہ رہتا تھا۔

خلافت اُولیٰ میں بہت سے امور کی طرف الحکم صدر انجمن احمدیہ کی توجہ منعطف کرتا رہا۔ سو یہ امور

مفید مشورہ کے رنگ میں یا انجمن کی رپورٹ اور کارگذاریوں پر محبت مندانہ تبصرہ کے طور پر ہوتے تھے ۔ خلافت اُولیٰ کے آخر میں جو پیغامی فتنہ رونما ہوا ۔ حضرت عرفانی صاحب نے اس کا پوری طرح مقابلہ کیا اور خلافت ثانیہ کے قیام پر پوری شدّ و مد سے اس کی تائید کی ۔

حضرت شیخ صاحب نے الحکم میں اور پھر الگ کتب کے ذریعہ حضرت اقدسؑ کے غیر مسلم افراد مخالف علماء اور احباب جماعت کے نام کے سینکڑوں مکتوبات شائع کر کے محفوظ کیے ۔ علاوہ ازیں خود حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کے مکتوبات اور حضورؑ کی تقاریر جلسہ سالانہ بلکہ جلسہ سالانہ کی کارروائیاں شائع کیں ۔ اللہ تعالیٰ نے عرفانی صاحب کو غضب کا حافظہ دیا تھا ۔ حضورؑ جو روزانہ سیر کو تشریف لے جاتے تھے ۔ اور احباب کو معلوم ہے کہ حضور کس قدر تیز چلتے تھے ۔ باوجود اس کے حضورؑ کے کلمات طیّبات حضرت عرفانی صاحب نوٹ کر کے اوّلین موقع پر انہیں زیور طبع سے مزیّن کرتے تھے ۔ اسی طرح مسجد مبارک کی مجالس ۔ سفروں کے حالات اور مقدمات کے کوائف بھی آپ شائع کرتے تھے ۔

اس زمانہ میں جبکہ ابھی جماعت بہت قلیل تھی ۔ اور اکثر حصہ غرباء پر مشتمل تھا ۔ اور پھر حضرت اقدسؑ کی اپنی تصانیف اور اشتہارات کثرت سے شائع ہوتے تھے ۔ اور حضورؑ کو خود چندہ کی قلت کے باعث بسا اوقات تھوڑے تھوڑے روپیہ کی فراہمی کے متعلق بہت پریشانی اٹھانی پڑتی تھی ۔ ایسے حالات میں حضرت عرفانی صاحب کا نہ صرف الحکم جاری کرنا بلکہ جلد بعد ایک چھاپہ خانہ بھی قائم کرنا آپ کے بیمثال عزم کا مظہر ہے ۔ نامعلوم آپ نے اس راستہ میں سالہا سال تک کس قدر تکالیف برداشت کیں ۔ ہم ان کا آسانی سے تصوّر کر سکتے ہیں نہ صرف حضرت اقدسؑ کے عہد بلکہ وفات سے سال ڈیڑھ سال قبل تک آپ کا اشہبِ قلم پوری طاقت سے رواں دواں رہا ۔ آپ نے تفسیر کا مجموعہ بھی شائع کیا ۔ مولوی ثناء اللہ جیسے مخالف کے مقابل پر بھی زرِ قلم صرف کیا ۔ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب سے آپ کو شدید محبت تھی اور حضرت سیٹھ صاحب بھی آپ کا حد درجہ احترام فرماتے تھے ۔ اور ضروریات کا خیال رکھتے تھے ۔

آپ کا حافظہ باوجودیکہ آپ اتنی بڑی عمر تک پہنچ گئے تھے ۔ سوائے شاذ کے سہو و نسیان سے مبرّا رہا ۔ ڈیڑھ دو سال قبل تک آپ بالعموم ہر ایک امر کا ایک پورے حافظہ والے جوان کی طرح جواب

جواب دیتے تھے۔ حضرت نواب محمد علی خانصاحب کے سوانح کے تعلق میں اس امر کا تجربہ ہوا کہ آپ کا حافظہ بے مثل تھا۔ نہایت مفید مشورے آپ دیتے تھے۔ اگر میں وہ حاصل نہ کر سکتا تو بے شمار اغلاط شائع کرنیکا موجب ہوتا۔ آپ نئی پود کی حوصلہ افزائی کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ آپ نے از خود مجھے توجہ دلائی کہ مسودہ آپ کو دکھلاؤں۔ میں آپ کی ہمت کی پوری داد نہیں دے سکتا بعض دفعہ ڈیڑھ دو صد صفحات کا مسودہ میں نے ارسال کیا۔ اور آپ نے ایک ہی رات میں نہایت توجہ سے پڑھ کر بیش قیمت نوٹ لکھ کر اور تصحیحات کر کے واپس کر دیا۔

آپ اپنی تصانیف کے باعث مالی پریشانیوں سے ہمیشہ دوچار رہے۔ لیکن آپ نے ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے کام کو عمر بھر جاری رکھا۔ آپ نے کام کی قدر بعد میں آنے والے مورخین کی نظر سے ہم کریں تو اس کا پورا تصور کرنا ناممکن ہے۔ آپ کی تصانیف موتیوں سے تولے جانے کے قابل ہیں۔

آپ کے فرزند مرحوم شیخ محمود احمد صاحب عرفانی نے آپ کے اس کام میں آپ کی بہت معاونت کی تھی۔ لیکن وہ عین جوانی ہی میں ۱۹۴۴ء میں راہی ملک بقا ہوئے۔ حضرت عرفانی صاحب اس وقت سے ارادہ کر رہے تھے کہ کلیتہً قادیان آبسیں۔ لیکن جلد بعد تقسیم ملک کے باعث اس ارادہ کو عملی جامہ پہنا سکے۔ بعد ازاں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹۵۴ء میں آپ کو صدر انجمن احمدیہ قادیان کا ممبر مقرر فرمادیا تھا اور ایک بار جبکہ آپ قادیان تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس کے ایک اجلاس میں شریک بھی ہوئے تھے۔ لیکن باوجود ارادہ کے بعض روکیں پڑتی رہیں۔ اور آپ قریباً دو سال تک مختلف عوارض میں شدید بیمار رہے۔ بعض وقت کافی افاقہ بھی ہو جاتا رہا۔ لیکن تصنیف کا کام نہ کر سکتے تھے۔ اسی حالت میں آپ نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

اصحاب احمد کے کام کے متعلق میری حوصلہ افزائی فرماتے رہتے تھے۔ اور اپنی بزرگی کے باعث بہت محبت کا اظہار فرماتے رہتے۔ .... اور باوجود اس سارے عرصہ کی علالت کے سوائے ایک دوبار کے ہمیشہ ہی اپنے قلم سے مجھے خط تحریر فرماتے تھے۔ ابھی ہفتہ عشرہ قبل بھی آپ کا خط موصول ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ اس بزرگ کی روح کو اعلیٰ علیین میں جگہ مرحمت فرمائے اور ان کی اولاد اور جماعت میں سے ان کے نقش قدم پر چلنے والے نیک سیرت خادم سلسلہ پیدا کرتا رہے آمین۔ (حاشیہ صفحہ ۶۶۰ پر)

حضرت عرفانی الکبیر کی تحریر کا ایک نمونہ

۱۱ دسمبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مکرمی صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میری علالت بہ روبصحت ہے شکریہ

عزیز مکرم داؤد احمد عرفانی نے میرے سلسلہ حقائق و معارف

قرآنیہ لکھ کے ۵ سیٹ مکمل خدام الاحمدیہ کی

قائم کردہ لائبریریوں کے لئے وقف کئے تھے

جنکی قیمت قریباً ۶۰ روپے ہے وہ صرف محصول ڈاک

آنے جانے پر آپ کی مجلس عاملہ منظور کریگی

بھیجے جاویں گے امید ہے آپ اجتماع عام میں اعلان کرکے

فہرست مجھے بھجوا دینگے جس کیلئے شکر گزار رہونگا

اخبار الفضل میں بھی اعلان کر دیا جاوے

(حاشیہ ص۶۵۹ کا) لہ بدر قادیان ۱۲ دسمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۶

۵ اسٹال انشاء اللہ کے لئے

(اسٹال جلیکہ لدھیانہ میں قائم کر رہے ہیں) ورنہ انجمن اشاعت و تبلیغ

کی دیگر برانچوں کے لئے اور ۱۰ اسٹال لجنہ اماء اللہ

کی دیگر برانچوں کے لئے ہر ایک سٹال تقریباً ۵ کتابوں

پر مشتمل ہوگا

مری جماعت ترقی کر رہی ہے الحمد للہ علی ذالک

دعاؤں کا محتاج ہوں والسلام

خاکسار عرفانی الاسدی

الہ دین بلڈنگ سکندرآباد دکن

تصانیف

دینیات کی پہلی کتاب، فیثاغورث کی لائف، تقویم فیروزی، ردّ تثلیث، ردّ تناسخ
تحفہ سالانہ یا رپورٹ جلسہ سالانہ (۱۸۹۷ء)، امرتسر کی مادی ترقی کا اصل راز۔
الانذار (۱۸۹۸ء) - اصلاح النظر ۱۹۰۰ء احمدی کامن ۱۹۰۲ء - امداد باہمی ۱۹۰۲ء
تفسیر القرآن جلد ۱-۲ (۱۹۰۳ء - ۱۹۰۵ء) - لیکچر فضل حق (۱۹۰۵ء) خطبات کریمیہ ۱۹۰۵ء، حصہ اوّل

حقیقت نماز (مئی ۱۹۰۷ء) - اسماء الحسنیٰ (۱۹۰۷ء)

ترجمۃ القرآن پارہ ۱ پارہ ۲ پارہ ۱۵ پارہ ۱۶ پارہ ۱۷ پارہ ۲۳ تا ۳۰

(۱۹۰۸ء تا ۱۹۱۹ء)

قرآن کریم اور اس کی اعجازی قوت (۱۹۰۹ء) حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی پہلی تقریر ۲ مارچ ۱۹۰۹ء - قادیان -

آئینہ حق نما (۱۹۱۲ء) احمدی اور اُن کا مذہب ۱۹۱۰ء، احمدی خاتون جلد ۲ نمبر ۵ ۱۹۱۰ء

حیاتُ النبیؐ جلد اوّل نمبر ۱ اشاعت ۷ اکتوبر ۱۹۱۵ء - جلد اوّل نمبر دوم اشاعت ۴ دسمبر ۱۹۱۵ء

از ولادت تا تالیف براہین احمدیہ (سلسلہ ملفوظات کمیمہ نمبر ۲ (۱۹۰۶ء)

حیاتِ احمد جلد دوم نمبر اوّل - اشاعت اگست ۱۹۲۱ء

" " " " نمبر دوم - (دونوں جلدیں ۱۸۷۹ء سے ۱۸۸۹ء کے حالات پر مشتمل ہیں) اشاعت مارچ ۱۹۲۴ء -

حیاتِ احمد جلد دوم نمبر سوم (۱۸۸۴ء تا ۱۸۸۸ء) اشاعت دسمبر ۱۹۵۱ء

حیاتِ احمد جلد سوم (۱۸۸۹ء - ۱۸۹۲ء) اشاعت اگست ۱۹۵۲ء

حیاتِ احمد جلد چہارم (۱۸۹۳ء - ۱۸۹۷ء) اشاعت اگست ۱۹۵۳ء

حیاتِ احمد جلد پنجم (۱۸۹۸ء - ۱۹۰۰ء) اشاعت دسمبر ۱۹۵۴ء

حیاتِ احمد جلد ششم (اس کے سرورق پر بھی سہواً جلد پنجم ہی چھپا ہے) یہ جلد ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۲ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے اشاعت اپریل ۱۹۵۶ء

سلک مروارید حصہ اوّل - حصہ دوم ۱۹۱۸ء

احمدی عورتوں کے فرائض (۱۹۲۳ء)

حیاتِ ناصر (۱۹۲۷ء)

سیرت حضرت .... اماں جان حصہ دوم فروری ۱۹۴۵ء

"اسماء القرآن فی القرآن" (ستمبر ۱۹۴۷ء)

قرآنی دعاؤں کے اسرار (۱۹۴۸ء)

"اعجاز القرآن نا یثبت بالقرآن" اکتوبر ۱۹۴۹ء

"البیان فی اسلوب القرآن" (۱۹۴۹ء)

کتاب الصیام (مئی ۱۹۵۰ء)

کتاب الحج (نومبر ۱۹۵۰ء)

ذکرِ حبیب دسمبر (۱۹۵۰ء)

امثال القرآن (۱۹۵۰ء)

رحمۃ للعالمین فی کتاب مبین حصہ اوّل۔ دوم (۱۹۵۰ء)

کتاب الزکوٰۃ (۱۹۵۱ء)

کتاب الآداب حصہ اوّل نومبر ۱۹۵۱ء

احکام القرآن حصۂ اوّل (مارچ ۱۹۵۲) حصہ دوم (نومبر ۱۹۵۲ء)

حکمت الرحمٰن فی آیاتِ القرآن (جنوری ۱۹۵۳ء)

تاریخ القرآن (۱۹۵۳ء)

تفہیم القرآن (جنوری ۱۹۵۵ء)

مقطّعات قرآنی کی فلاسفی

"حیاتِ حسن"

حیات حضرت میر ناصر نواب صاحب

نظامِ قومی ۲۸ر دسمبر ۱۹۰۸ء۔ قادیان

دوسری جنگِ مقدس (جلد اوّل)

عبانِ پدر

معرفتِ الٰہی کے وسائل

"لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ"

تہذیب (بچوں کے لیے)

"ارمغانِ عرفانی فی حیاتِ عثمانی"

محامد المسیح
سیرت مسیح موعود (جلد اوّل تا پنجم)
مشاہدات عرفانی
محامد المسیح (قادیان) [1]

اولاد

شیخ محمود احمد صاحب عرفانی الاسدی (مجاہد مصر و مدیر الحکم)
شیخ یوسف علی صاحب عرفانی الاسدی
شیخ داؤد احمد صاحب عرفانی الاسدی

۱۸۔ حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب آف بمبئی

(ولادت ۱۸۷۳ء۔ بیعت ۱۸۹۶ء۔ وفات ۷؍دسمبر ۱۹۵۷ء [2])

حضرت سیٹھ صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"مَیں ۱۸۹۳ء میں پنجاب کے اردو اخبارات میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف مضامین دیکھ کر اس طرف متوجہ ہوا کہ یہ صاحب مدعی مہدویت و مسیحیت کون ہیں ان کی تعلیم کیا ہے۔ ان کا دعویٰ کیا ہے۔ کہ سچ مچ وہ مہدی آخرالزمان اور مسیح ابن مریم ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں۔ یا اخبارات محض دشمنی سے ایسے مضامین لکھ رہے ہیں۔ پہلے مَیں نے زبانی طور سے اپنے حلقہ احباب میں تحقیق اور تفتیش شروع کی۔ مگر پھر خیال کیا کہ زبانی باتوں سے تسلی نہیں ہوگی۔ بہتر ہے کہ ان کی تصنیفات دیکھوں۔ اس لیے براہین احمدیہ سے لے کر آئینہ کمالاتِ اسلام تک کی تمام تصنیفات بذریعہ وی۔پی منگوا کر پڑھیں۔ لیکن ان کتابوں کے پڑھنے میں سستی اور غفلت کی وجہ سے ڈیڑھ دو سال کا عرصہ گزر گیا۔ آخر دل نے گواہی دی۔ کہ یہ شخص سچا ہے؛

---

[1] محترم مولوی محمد اسماعیل صاحب وکیل یادگیر کے قلم سے مضمون "حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی الاسدی کی تصانیف اور آپ کا کام" زیر عنوان اخبار بدر قادیان (۲۳ جنوری ۱۹۵۸ء) میں شائع ہوا تھا جو ضمیمہ میں شامل ہے۔ [2] الفضل ۲۹ جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۴ و ۱۱ دسمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۱

اس کے بعد اپنی قوم کچھی میمن کے ایک پیشوا جن کے سلسلہ بیعت میں میرے والد صاحب اور میرے دوسرے بزرگ رشتہ دار بھی منسلک تھے۔ علاوہ اس کے کچھ کاٹھیاواڑ۔ سندھ بمبئی وغیرہ کے دوسرے مسلمان بھی قریب دو لاکھ اشخاص ان کے مرید تھے۔ اور میں بھی اپنی پندرہ سولہ سالہ عمر میں ان کو مل چکا تھا۔ وہ بمبئی میں ہر سال قریباً آیا کرتے تھے۔ اور پیر سائیں جھنڈے والے کے نام سے مشہور تھے۔ ۱۸۹۵ء کے آخر یا ۱۸۹۶ء کے اوائل میں میں نے ایک خط بزبان فارسی ان کو لکھا۔ کہ ہم تو دنیا دار ہیں اور روحانی آنکھوں سے اندھے ہیں۔ اور آپ لاکھوں انسانوں کے پیشوا اور راہنما ہیں۔ صاحب بصیرت ہیں۔ لہٰذا آپ حلفاً جواب دیں۔ کہ یہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مدعی مہدویت و مسیحیت اپنے دعویٰ میں صادق ہیں یا کاذب۔ اگر آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور وہ سچے ہیں۔ اور ہم ہدایت سے محروم ہو گئے تو آپ خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کے ذمہ دار ہیں۔ اور اگر وہ جھوٹے ہیں اور ہم نے نادانی سے ان کو مان لیا۔ تو ہماری گمراہی کا وبال بھی آپ کے سر پر ہے۔ اس کا جواب بعد القاب آداب سوال متفسرہ کے بارے میں انہوں نے مجھے لکھا۔ کہ

شہادت اوّل:۔ ہمارے سلسلہ کا دستور ہے۔ کہ مابین نماز مغرب و عشاء ہم اپنے مریدوں کے ساتھ حلقہ کر کے ذکر اللہ کیا کرتے ہیں۔ ایک روز اس حلقہ میں بحالت کشف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم نے دیکھا۔ تو ہم نے آپ سے سوال کیا۔ کہ یا حضرت یہ شخص مرزا غلام احمد کون ہے۔ تو آپ نے جواب دیا "از ماست"

شہادت دوم:۔ ہمارے خاندان کا وطیرہ ہے۔ کہ بعد از نماز عشاء ہم کسی سے کلام نہیں کرتے اور سو جاتے ہیں۔ یہی سُنّت رسول ہے۔ ایکدن خواب میں ہم نے آنحضرت صلعم کو دیکھا۔ تو ہم نے سوال کیا۔ کہ حضور مولویوں نے اس شخص پر کفر کے فتوے لگا دیئے ہیں۔ اور اس کو جھٹلاتی ہیں تو۔ آپ نے ارشاد فرمایا " در عشق ما دیوانہ شدہ است"

شہادتِ سوم:۔ ہمارا سلسلہ اور خاندان تہجد گذار ہے۔ اس لیے ہم روزانہ رات کو ۳ بجے کے بعد اٹھتے ہیں۔ اور نماز تہجد پڑھ کر کروٹ پر لیٹے رہتے۔ اور اسی وضو سے صبح کی نماز پڑھتے ہیں۔ کہ یہ بھی سُنّت رسول صلعم ہے۔ ایک دن اسی کروٹ لیٹنے کی حالت میں کچھ غنودگی طاری ہوئی۔ اور آنحضرت صلعم تشریف فرما ہوئے۔ اس وقت ہماری حالت نیند اور بیداری کے درمیان تھی۔ تو ہم نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور عرض کی یا رسول اللہ

اب تو سارا ہندوستان چھوڑ عرب کے علماء نے بھی کفر کے فتوے دیدیئے۔ تو آپ نے بڑے جلال میں تین بار دُہرا کر فرمایا "ھو صادق۔ ھو صادق۔ ھو صادق" یہ ہے سچی گواہی جو ہمارے پاس ہے ہم آپ کی قسم سے سبکدوش ہو گئے۔ ماننا نہ ماننا آپ کا کام ہے۔ راقم رشید الدین پیر صاحب العلم:

اس کے بعد جولائی یا اگست ۱۸۹۶ء میں میں نے حضرت اقدس کی تحریری بیعت کر لی۔

خاکسار اسمٰعیل آدم [1]

حضرت عرفانی الکبیر شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر و مؤسس الحکم آپکے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں "سلسلۂ بیعت میں داخل ہونے کے بعد کل کا اسمٰعیل بالکل بدل گیا اور حقیقی معنوں میں ابدال ہوگیا۔ قابلیت موجود تھی، اخلاص تھا۔ اس سلسلہ میں آکر ترقی کرتا چلا گیا۔ اور پھر وہ بمبئی کے سلسلہ کا آدم قرار پایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عاشقانہ رنگ میں اخلاص ہے اور سلسلہ کی خدمت میں انہوں نے بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں ...... خلافت ثانیہ کی اوّل ہی بیعت کر لی مگر بعد میں شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم اور دوسرے لاہوری احباب کے اثر میں لاہور سے تعلق رہا مگر قادیان سے قطع تعلق نہ کیا نہ فسخ بیعت۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی کہ اصل مرکز سے کامل طور پر وابستہ ہو جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑی محبت تھی اور اسی محبت کے اظہار کو خاکسار عرفانی نے بارہا دیکھا۔ ۱۸۹۸ء سے مجھے شرفِ ملاقات نصیب ہوا اور اس تعلقِ مودت و اخوت میں ہر نئے دن نے ترقی بخشی ...... حضرت سیٹھ صاحب اب کاروباری سلسلہ سے ریٹائر ہو کر سلسلہ کے کاموں میں مصروف ہیں اور جماعت احمدیہ بمبئی کے امیر ہیں [2]۔"

حضرت سیٹھ صاحب کے فرزند سیٹھ ہاشم صاحب نے مولانا عبدالمالک خان صاحب فاضل مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ کراچی کو بتایا کہ ایک دفعہ متعدد علماء نے والد صاحب کو لکھا کہ آپ اکیلے ہوں گے اور ہم سب آپ کو سمجھانے آئیں گے۔ آپ نے ان کی اس بات کو منظور کر لیا اور اس طرح بجائے اس کے کہ وہ سمجھاتے خدا نے والد صاحب کے لیے تبلیغ اور اتمام حجت کا موقعہ پیدا کر دیا اور آپ

---

[1] الفضل یکم دسمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۶ ؛ [2] مکتوبات احمدیہ نمبر پنجم صفحہ ۳۰۸ و صفحہ ۳۰۹ مرتبہ حضرت عرفانی الکبیر مطبوعہ مطبع نظام دکن، حیدر آباد دکن۔

نے دل کھول کر اُن کو تبلیغ فرمائی۔ ایک موقعہ پر آپ نے ابتدائی زمانہ میں حضرت اقدس علیہ السلام کو لکھ کر مَیں تین وقت یعنی ظہر عصر اور مغرب کی نمازیں مسجد میں ادا کرنے جاتا ہوں۔ لیکن تینوں وقت مجھے شدید گالیاں سُننی پڑتی ہیں۔ حضور نے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ جمعہ کی نماز زین العابدین ابراہیم صاحب انجینئر کے ساتھ پڑھا کریں۔ وہ مخلص احمدی ہیں۔ اور باقی نمازیں آپ دکان ہی پر ادا کر لیا کریں۔

حضرت سیٹھ صاحب پہلی بار ۱۸۹۸ء میں قادیان تشریف لائے۔ ازاں بعد ۱۱ اپریل ۱۹۰۰ء کو آپ کو خطبۂ الہامیہ حضرت اقدس کی زبانِ مبارک سے سُننے کا شرف حاصل ہوا۔ اس موقعہ پر بیت اقصیٰ میں بعد نماز عصر ایک گروپ فوٹو بھی لیا گیا جس میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام اور آپ کے خدام ہیں۔ اس گروپ فوٹو میں حضرت سیٹھ صاحب بھی شریک ہیں۔

اکتوبر ۱۹۰۲ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی شادی ہوئی۔ اس مبارک تقریب پر حضرت سیٹھ صاحب نے ایک عمدہ سُرخ رنگ کی مخملی ٹوپی بنوائی اور اس پر یہ الہام لکھوایا۔

مظهر الحق والعلاء كان الله نزل من السماء

اور حضرت اقدس سے درخواست کی کہ نکاح کے وقت یہ ٹوپی دولہا کو پہنا دی جائے اس کے علاوہ ایک ریشمی اوڑھنی جس میں زرّیں فیتے وغیرہ ٹانکے تھے دلہن کے لیے بھجوائی[1]۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس محبت آمیز تحفہ پر اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے اپنے دستِ مبارک سے ۳۰ر اکتوبر ۱۹۰۲ء کو مندرجہ ذیل خط آپ کے نام تحریر فرمایا۔

---

[1] الفضل ۲۹ر جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۵

عکس مکتوب سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ

Qadian 30-10-1902

۲ / اکتوبر ۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Received 3-11-1902

نحمدہ و نصلی

محبی عزیزی اخویم سیٹھ اسمٰعیل آدم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کا محبت اور اخلاص نامہ

بخط جواب کی برخوردار محمود احمد کی شادی

تقریب سے بھیجا ہے پہنچے ایک ٹوپی اور ایک اور تحفہ

پہنچ گیا جزاکم اللہ اس کی بابت شکر کا ذکر کرتا ہوں

اور آپ کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو

دین اور دنیا میں رضا اپنی بخشے آپ کی ذریت پر والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ

لہ

لہ حضرت اقدس کے مکتوب کا یہ عکس حضرت سیٹھ صاحب کے پسران آدم اسمٰعیل صاحب و ہاشم اسمٰعیل صاحب کراچی کے ایک رسالہ "حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم بمبئی والے" کے صلا سے ماخوذ ہے جسے خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب بمبئی نے مرتب کیا تھا۔ مطبوعہ لیتھو آرٹ پریس کراچی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی

۳۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء

مجی عزیزی اخویم سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

آپ کا محبت اور اخلاص کا تحفہ جو آپ نے برخوردار محمود اور بشیر کی شادی کی تقریب پر بھیجا ہے یعنی ایک ٹوپی اور ایک اوڑھنی پہنچ گیا ہے۔ مَیں آپ کے اس محبانہ تحفہ کا شکر کرتا ہوں اور آپ کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دین و دنیا میں اس کا اجر بخشے۔ آمین باقی خیریت ہے۔ والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ

مندرجہ بالا مکتوب اور اس کے علاوہ پندرہ مزید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مکتوبات حضرت عرفانی الکبیر نے مکتوباتِ احمدیہ جلد پنجم نمبر پنجم (ص۳۰۹ تا ص۳۱۸) میں شائع فرما دیئے ہیں۔

حضرت سیٹھ صاحب ایک لمبا عرصہ تک جماعت احمدیہ بمبئی کی امارت کے فرائض کامیابی سے سرانجام دیتے رہے۔ آپ وسیع دینی معلومات رکھتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں کو تبلیغ سے قائل کر لیا کرتے تھے۔ مرکز سے آنے والے ہر شخص کی خواہ مبلغ ہو خواہ تحریک جدید و وقفِ تجارت سے تعلق رکھنے والا آپ اس کی بے حد عزت کیا کرتے اور اس کا خیال رکھتے۔ بنی نوع انسان کی ہمدردی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ تہجد گزار تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں آپ نے کراچی میں مستقل بودوباش اختیار فرمائی اور باوجود ضعیفی کے جمعہ اور جماعت کے دیگر عام اجتماعات میں شرکت فرماتے۔ پہلی بار جب چوہدری عبداللہ خانصاحب جماعت احمدیہ کراچی کے امیر منتخب ہوئے تو اس جلسہ کی صدارت آپ نے فرمائی[۱]۔ حضرت سیٹھ صاحب تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین میں شامل تھے اور آپ کا اسم گرامی مطبوعہ فہرست کے ص۱۴۵ پر شائع شدہ ہے۔

اولاد:۔ ۱۔ آدم اسمٰعیل صاحب کراچی ۲۔ ہاشم اسمٰعیل صاحب۔ کراچی

---

[۱] الفضل ۲۹ جنوری ۱۹۵۸ء (صد سالہ حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم بمبئی والے مرتبہ خواجہ محمد اسمٰعیل آف بمبئی سی ۱۶/۱۴۶ لالوکھیت کراچی ۔ ۱۹

۱۹۔ حضرت شیخ عبدالحق صاحب سابق معاون ناظر ضیافت قادیان

(وفات ۲۷؍دسمبر ۱۹۵۷ء)

آپ ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے وہاں کوئی گرلز سکول نہ تھا۔ آپ کے خاندان کی کوئی آٹھ دس بچیاں تھیں جنہیں آپ نے خود قرآن شریف اور اس کا ترجمہ پڑھایا۔ پانچویں جماعت کا پرائیویٹ امتحان دلوایا پھر آٹھویں جماعت کی تیاری کے ساتھ ساتھ حدیث، فقہ اور سلسلہ احمدیہ کی کتابیں پڑھائیں۔

آپ کی تبلیغ سے کئی سعید روحوں نے احمدیت قبول کی، منکسر المزاج اور حلیم الطبع بزرگ تھے مگر عموماً سلسلہ احمدیہ کے مسائل بیان کرتے وقت طبیعت میں جوش آجاتا اور آواز بلند ہو جاتی۔ ایک بار آپ کے گاؤں کے ایک مولوی صاحب نے ایک رسالہ پنجابی نظم میں لکھا جس میں حضرت مسیح موعودؑ کی شان اقدس میں گستاخانہ الفاظ استعمال کیے۔ حضرت شیخ صاحب نے اس رسالہ کا جواب پنجابی نظم میں لکھا اور شائع کرایا۔

آپ کی صاحبزادی عنایت بیگم صاحبہ کا بیان ہے کہ:۔

"وفات سے قریباً ہفتہ عشرہ پہلے اپنے بیٹے کو اور مجھے پاس بلا کر کہا خلافت سے وابستہ رہنا ماں باپ اولاد کو غلط راہ پر نہیں لگاتے۔ مَیں نے معجزات دیکھے ہیں۔ اپنی آنکھوں سے صداقت دیکھی ہے خلافت کے بغیر ایمان کامل نہیں رہتا اور بہت سی نصیحتیں کیں اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے بہت دعائیں کرتے تھے نماز باجماعت ادا کرتے اور تہجد بھی پڑھتے تھے نیک مشورہ دینا۔ بُرے کاموں سے روکنا نیک کاموں کی ہدایت کرنا لڑائی جھگڑا میں صفائی کرانا ذکر الٰہی میں مشغول رہنا غریب مسکین مسافروں کو کھانا کھلانا اور مہمان نوازی ان کا شیوہ تھا۔"

حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۸؍دسمبر ۱۹۵۷ء کو جلسہ سالانہ کے سٹیج پر آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

"یہ اس رفیق[1] کا جنازہ ہے جس نے کئی نشان دیکھتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت

---

[1] الفضل ۷؍فروری ۱۹۵۸ء صہ ۵ نوٹ یہاں "صحابی" کا لفظ تھا

کی تھی[1]

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب نے آپ کی وفات پر لکھا کہ:۔

"یہ جنازہ جو کہ خدا تعالیٰ کے موعود خلیفۃ المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اقتداء میں قریباً ستر ہزار مومنین نے ۲۸ ردسمبر کو پڑھا اس پیارے وجود کا تھا جس کا دل سلسلہ کے اخلاص میں ڈوبا ہوا اور پُرسرور اور چہرہ پُرنور اور بشاشت سے بھرپور تھا۔ یہ جنازہ شیخ عبدالحق صاحب ...... کا تھا۔ ہاں اس خوش قسمت انسان کا جس کے متعلق نماز ادا کرنے سے پہلے حضرت امام ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ:۔

"یہ اس رفیق کا جنازہ ہے جس نے کئی نشان دیکھتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی تھی"۔

ہمارا عبدالحق ہر طرح پیار کے لائق تھا کیونکہ اس کا دل محبت اور پیار سے پُر رہتا تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے دوستوں کو نہایت خندہ پیشانی سے ملتا اور بغل گیر ہوا کرتا تھا۔ اس کی پُرلطف نظر اس خاکسار پر پڑا کرتی تھی اس طرح کی بار بار کی توجہ خاص نے میرے دل کو بھی محبت کرنے پر مجبور کر دیا اور میرا دل اس قدر فریفتہ ہو گیا کہ ہر وقت اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتا تھا۔ جب یہ محبوب دل کی بیماری کی وجہ سے ربوہ سے باہر چلا گیا تو میں ان کے فرزند ارجمند مولوی عبدالواحد صاحب سابق مبلغ ایران سے بار بار پوچھا کرتا تھا کہ شیخ صاحب کب ربوہ آئیں گے۔ اور وہ کیوں یہاں ہی نہیں رہتے اور بار بار میں پیغام بھجوایا کرتا تھا کہ آپ یہاں آ جائیں یہ ایک دن کی بات نہ تھی ایک بار کا تقاضا نہ تھا بلکہ دو سال بلکہ اس سے زیادہ عرصہ میں بیسیوں بار خیر و عافیت اور ربوہ تشریف لانے کے متعلق دریافت کیا کرتا تھا وہ اپنی شدت مرض کی وجہ سے ربوہ نہ آ سکے لیکن میرے خدا نے مجھے کراچی لے جا کر فروری ۱۹۵۷ء میں اِن کی زیارت کرا دی۔ چونکہ پیاس بجھی نہ تھی۔ اس لئے اس کے دو تین ماہ بعد میں نے مولوی صاحب موصوف سے پھر دریافت کرنا شروع کر دیا کہ شیخ صاحب کب آئیں گے۔ تو ان کا یہی جواب ہوتا تھا کہ ابھی کچھ پتہ نہیں اس پر میں ہمیشہ یہی کہا کرتا

---

[1] روزنامہ الفضل ۳ر جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۵

تھا کہ ان کو میری طرف سے لکھیں کہ اب یہیں آجائیں۔ ڈرنے کی کون سی بات ہے۔ دیار محبوب ہی ہے گویا اگر رخصت کا وقت بھی آگیا تو عین دلی خواہش کے پورا ہونے کے مترادف ہوگا۔

چنانچہ وہ اپنی خوش قسمتی کے سایہ میں آیا اور اپنی مراد کو پہنچ گیا[1]

اولاد

مولوی شیخ عبدالواحد صاحب مجاہد چین، ایران، فجی

دوسرے مخلصین سلسلہ کا ذکر خیر

۱۹۵۷ء میں کبار اصحاب مسیح موعودؑ کے علاوہ سلسلہ کی کئی اور نہایت مخلص اور یگانہ روزگار شخصیات داغ مفارقت دے گئیں جن کا ذکر مختصراً ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۱۔ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب آف ٹوپی مردان (وفات ۱۹ اپریل ۱۹۵۷ء)

صاحبزادہ صاحب ۱۹۱۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے دستِ مبارک پر بیعت کرکے داخلِ احمدیت ہوئے۔ آپ محکمہ نہر میں ضلعدار تھے۔ نہایت جری اور پُرجوش داعی الی اللہ تھے آپ کے خلاف مخالفت کے شدید طوفان اٹھے۔ خاصی جائیداد سے محروم ہونا پڑا۔ کئی جگہ آپ پر پتھراؤ کیا گیا۔ مگر آپ ہر ابتلاء میں قدم آگے ہی آگے بڑھاتے گئے خدا نے مخالفین کا زور توڑ دیا اور اُن کے عمدہ نمونے سے کئی لوگ احمدی ہوگئے۔ صاحب رویا تھے، حکیم حاذق بھی تھے اور ہمیشہ غریبوں اور ناداروں کا مفت علاج کرتے تھے اور معذوروں کے گھر پہنچ کر طبی امداد پہنچاتے تھے پہلی جنگ کے بعد انفلوئنزا کی وباء پھیلی تو آپ نے سینکڑوں گھروں میں جاکر علاج کیا۔ صاحبزادہ صاحب مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ تھے۔ قبول احمدیت کے بعد انہیں اپنی خاصی جائیداد اور ملازمت سے محروم ہونا پڑا۔ بایں ہمہ انہوں نے کسی مہمان یا غریب حاجت مند کو خالی نہیں جانے دیا۔ بعض دفعہ اپنے گھر کی قیمتی چیز فروخت کرکے حاجت مندوں کی حاجت پوری کردی قیام پاکستان کے موقعہ پر آپ اپنی جائیداد

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۳ جنوری ۱۹۵۸ء صہ

بیچ کر مسافروں اور بھوکوں کو کھانا کھلاتے رہے۔ اپنے علاقہ کے اکثر غریب احمدیوں، یتیموں اور بچوں کے قیام وطعام کا انتظام فرماتے اور تکمیل تعلیم تک طالبعلموں کی فیس بھی اپنی جیب سے دیتے تھے۔ خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ ایک والہانہ عقیدت تھی۔ عمر کے آخری ایام میں بوجہ بیماری وکمزوری ربوہ نہیں جا سکتے تھے اس لیے ربوہ جانے والوں کو گلے لگا کر انہیں پُرنم آنکھوں سے الوداع کہتے اور فرداً فرداً خاندان کے افراد کا نام لے لے کر انہیں السلام علیکم کا پیغام بھیجتے۔ صوبیدار عبدالغفور خاں صاحب سابق نائب افسر حفاظت مصلح موعود کا بیان ہے کہ:۔

"چونکہ مَیں اکثر ربوہ جاتا رہتا تھا اس لیے مجھ سے بہت خوش رہتے اور میرے لیے بہت دعائیں کرتے۔ جب مَیں ربوہ سے واپس جاتا تو میرے ساتھ بار بار مصافحہ کرتے اور کہتے تم نے حضرت .... ایدہ اللہ تعالیٰ سے مصافحہ کیا ہے اور سارا دن واقعات دریافت فرماتے۔ مجھے اکتوبر ۱۹۵۶ء میں حضرت .... ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت عالیہ میں نائب افسر حفاظت کے طور پر طلب کیا گیا تو مَیں نے صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں اپنے جملہ واقعات پیش کیے۔ جس پر صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ تم فوراً جاؤ اور یہ معاملات خدا تعالیٰ پر چھوڑ جاؤ۔ یہاں کی تمام ضروریات ہم پوری کریں گے یہ ہم سب کی خوش قسمتی ہے کہ تم کو ایسی خدمت کا موقعہ ملا ہے اس پر مَیں توکل کر کے اس خدمت کے لیے چلا آیا۔"[1]

۲۔ نواب اکبر یار جنگ صاحب سابق جج ہائیکورٹ حیدر آباد دکن

(وفات ۱۵، ۱۶ رجون ۱۹۵۷ء بعمر ۸۰ سال)

حضرت نواب صاحب سلسلہ کے ایک نہایت مخلص اور پرانے مقتدر عالم، صاحب اثر ورسوخ شخصیت اور اعلیٰ پایہ کے قانون دان تھے۔ حیدر آباد ہائیکورٹ میں ان کے فیصلوں کو بطور نظیر اور مثال پیش کیا جاتا تھا۔ سلسلہ کی تحریری اور تقریری خدمات میں بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا اور اپنے دنیوی وقار اور اعلیٰ حیثیت کو ہمیشہ دینی خدمات اور سلسلہ کی ترقی کے لیے استعمال فرماتے تھے۔ بسا اوقات حیدر آباد کے امراء اور وزراء کو اپنے مکان پر مدعو کر کے پیغامِ حق

---

[1] الفضل ۲۹ رمئی ۱۹۵۷ء صہ ۵؛ الفضل ۲۰ رجون ۱۹۵۷ء صہ ۵

پہنچاتے تھے۔

آپ نہایت مخیرؓ، غریب پرور اور مثالی مہمان نواز بزرگ تھے آپ کے دستر خوان پر روزانہ ایک جماعت شامل ہوتی۔

سیدنا حضرت مصلح موعود اور خاندان حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السّلام کے ساتھ والہانہ عشق تھا جب آپ منصفی کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے تو سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو وکالت کرنے کا ارشاد فرمایا۔ ایک ایسے شخص کے لیے جو اسی عدالت میں ایک عرصہ دراز تک جج رہا ہو بطور وکیل پیش ہونا عزّت نفس کے خلاف سمجھا جاسکتا ہے لیکن آپ نے اپنے پیارے اور مقدس آقا کے ارشاد کی نہایت انشراح صدر اور خندہ پیشانی سے تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس خلوص اور عقیدت کو بہت نوازا اور وکالت کا کام آپ کے لیے بہت نفع مند اور مفید اور بابرکت ثابت ہوا

آپ اردو زبان کے بلند پایہ اور صاحب طرز ادیب اور عربی اور فارسی کے بھی جیّد عالم تھے۔ طبیعت بہت فہید، باوقار اور سلجھی ہوئی پائی تھی اور مطالعہ بہت وسیع تھا[1] حضرت مولوی عبدالمغنی خاں صاحب مرحوم کے قریبی عزیزوں میں سے اور اصل وطن قائم گنج (یوپی) تھا[2]

آپ کے وصال پر اخبار "صدق جدید" (لکھنو) نے ۲۸ جون ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں یہ نوٹ شائع کیا۔

"دکن کی خبر ہے کہ ۱۵، ۱۶ جون کی درمیانی شب بلدہ حیدر آباد میں اکبر یار جنگ نے وفات پائی اور ۱۶ جون کو مدفون ہوئے۔ نام غلام اکبر خان تھا۔ وطن قائم گنج ضلع فرخ آباد تھا۔ مگر نوعمری ہی سے حیدر آبادی ہو گئے تھے اب سن ۷۰ سے کچھ اوپر ہی ہوگا ایک زمانہ میں نامور وکیل تھے۔ پھر ہائیکورٹ کے جج ہو گئے۔ چند سال امور سیکرٹری (معتمد امور عامہ و تعلیمات و تعمیرات وغیرہ) کے با اقتدار عہدہ پر فائز ہوئے صدق و مدیر صدق دونوں سے حسن ظن شروع سے قائم رکھے ہوئے تھے۔ اپنی قانونی مہارت کے علاوہ اپنی فیاضی، مہمان نوازی اور خلق اللہ کی خدمت و حسن سلوک کے لیے ممتاز تھے۔ قادیانی یا احمدی تھے۔ لیکن علماء اہل سنت سے بھی گہری عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالباری ندوی، اور ہیچمدان مدیر صدق پر بڑا اعتماد رکھتے تھے اور مشہور

---

[1] بدر ۲۰ جون ۱۹۵۷ء صا ۔ [2] الفضل ۲۰ جون ۱۹۵۷ء صا

فاضل مفتی محمود حسن خاں ٹونکی صاحب معجم المصنفین کو تو سالہا سال اپنا معزز مہمان بنائے رکھا۔[1]

۳۔ مولوی سید عبد السلام صاحب مرحوم (اڑیسہ) (وفات ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۷ء)

مولوی سید عبد السلام صاحب آف اڑیسہ، حضرت مولوی سید عبد الرحیم صاحب کے صاحبزادہ تھے جو اڑیسہ کے اولین اصحاب مسیح موعودؑ میں سے تھے۔ مولوی سید عبد السلام صاحب نے قادیان میں مولانا جلال الدین صاحب کے ساتھ مولوی فاضل کا امتحان اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا بعدہ کچھ عرصہ تعلیم الاسلام ہائی سکول میں معلم رہے پھر وطن آ گئے اور گورنمنٹ ہائی سکول کے ہیڈ مولوی مقرر ہوئے اور عرصہ ملازمت میں سلسلہ تبلیغ بھی جاری رکھا آپ اعلیٰ درجہ کے مقرر اور کامیاب مناظر تھے اور فریق مخالف کو لاجواب کر دیتے تھے۔

آپ کے دو مناظرے ہمیشہ یادگار رہیں گے ایک مناظرہ تین چار علماء سے سونگھڑہ میں مولوی سید غلام رسول صاحب پولیس سب انسپکٹر کی خواہش پر سب انسپکٹر کے مکان پر ہوا۔ بحث کئی روز تک جاری رہی بالآخر جب سید غلام رسول صاحب نے دیکھا کہ ان کے علماء نے ہر موقعہ پہ ہزیمت اٹھائی ہے اور وہ احمدیت کے دلائل سے عاجز آ گئے ہیں تو انہوں نے انہیں مخاطب کر کے کہا کہ

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اس پہاڑ سے کہہ سکو گے کہ یہاں سے سرک کر وہاں چلا جا اور وہ چلا جائے گا اور کوئی بات تمہارے لیے ناممکن نہ ہو گی۔"

(متی باب ۱۷ آیت ۲۰)

یہ حوالہ پیش کر کے مولوی عبد السلام صاحب نے پادری صاحب سے فرمایا کہ پادری صاحب پہاڑ تو دور کی بات ہے یہ لیمپ جو میز پہ رکھا ہے آپ کے کہنے پہ ٹل جائے تو ہم سمجھیں گے کہ آپ واقعی یسوع مسیح کے پیرو ہیں اور آپ میں ایمان کی کچھ خوبو ہے پادری صاحب بہت سٹ پٹا گئے اور گھبرا کر ایک نوٹ نکال کر دکھایا اور فرمانے لگے کیا آپ اس جماعت میں سے ہیں۔؟

---

[1] بحوالہ "بدر" ۱۱ جولائی ۱۹۵۷ء صفحہ کالم ۴

وہ فوٹو حضرت مفتی محمد صادق صاحب مبلغ امریکہ کا تھا۔ مولوی صاحب نے بڑی جرأت سے جواب دیا الحمد للہ میں اسی جماعت میں سے ہوں اور احمدی ہوں ۔ پادری صاحب نے مسلمانانِ بالسیر کو اشتعال دلاتے ہوئے کہا کہ آپ کے علماء تو ان پر کفر کا فتویٰ دے چکے ہیں۔ اب آپ خوشی خوشی اپنے مکانوں کو تشریف لے جائیں کیونکہ مجھ کو احمدی عالم نے دلائل و براہین کے ذریعہ اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اور بھری مجلس میں اپنے احمدی ہونے کا اعلان کر دیا۔

دوسرا مناظرہ جس میں آپ کو فتح مبین حاصل ہوئی بالسیر کے مشہور پادری اور مشنری کالج کے پروفیسر پادری عبدالسبحان کے ساتھ ہوا[1] پادری صاحب نے اسلام کے خلاف آگ سی لگا دی تھی۔ معزز مسلمانانِ بالسیر جو سب غیر احمدی تھے پادری صاحب کے جوابات کی تاب نہ لا کر آپ کی خدمت میں آئے آپ نے مظلوم مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر انہیں تسلی دی اور پادری صاحب کے چیلنج کو منظور کر لیا اور ساتھ ہی نصیحت فرمائی کہ پادری صاحب کو بحث سے پہلے ہرگز یہ نہ بتانا کہ میں احمدی ہوں ورنہ وہ فرار ہو جائیں گے ۔ بہرحال مناظرہ طے ہو گیا ۔ آپ نے ابتداء ہی میں ابھی اسلام کی تائید اور عیسائیت کے رد میں دو چار دلائل دیئے تھے کہ پادری صاحب بدحواس سے ہو گئے ۔ محترم مولوی صاحب نے پادری صاحب کو للکارتے ہوئے بڑے زوردار الفاظ میں انجیل کے حوالہ سے حضرت یسوع مسیحؑ کا یہ قول پیش کیا ۔ اس پر پادری صاحب کہنے لگے کہ آپ لوگ بیٹھے بٹھائے کس شخص کو میرے پاس لے آئے ؟ مگر غیور مسلمانوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ ہمارے مولوی صاحب ہیں یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے آپ اس وقت ہمارے مولوی صاحب کے سوالوں کے جوابات دیں ۔ اس طرح پادری صاحب کا یہ آخری وار خالی گیا اور وہ دوسرے ہی روز فرار ہو گئے[2]

---

[1] یہ ۱۸ر جولائی کا واقعہ ہے اور الفضل ۸ راگست ۱۹۳۳ء صفحہ ۲ پر اس کی تفصیل شائع شدہ ہے (تاریخ احمدیت جلد ۶ صفحہ ۱۴۸، ۱۴۹)

[2] اخبار بدر ۲۱ر نومبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۹ (خلاصہ مضمون جناب مکرم سید محمد موسیٰ صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ)

خالدِ احمدیت ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؔ گجراتی کی وفات

۱۹۵۷ء کے عام الحزن کا اختتام خالدِ احمدیت حضرت ملک عبدالرحمٰن خادم صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل گجرات کے المناک قومی سانحہ وفات پر ہوا۔ حضرت ملک صاحب سلسلہ احمدیہ کے بلند پایہ مناظر، نامور مصنف، مخلص و غیور خادم، شگفتہ مزاج، قانون دان اور نکتہ رس اور متبحر عالم دین تھے۔ آپ حضرت برکت علی صاحبؓ[1] کے لختِ جگر تھے۔ اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے عہد مبارک میں ۱۳؍ نومبر ۱۹۰۹ء[2] کو (مطابق ۲۹؍ شوال ۱۳۲۷ ہجری بروز ہفتہ) پیدا ہوئے (یعنی سیدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمدؒ خلیفۃ المسیح الثالث کی ولادت باسعادت سے صرف تین روز قبل آپ نے مڈل کا امتحان، مشن اسکول گجرات سے اور میٹرک انٹرمیڈیٹ کالج گجرات سے ۱۹۲۶ء میں کیا ۱۹۳۰ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجوایٹ بنے۔ فرماتے تھے کہ اس وقت سارے کالج میں صرف میں واحد مسلمان سٹوڈنٹ تھا جس نے

---

[1] والد ماجد کا نام ملک وزیر بخش ولادت قریبًا ۱۸۶۹ء وفات ۲۰؍ دسمبر ۱۹۵۱ء حضرت ملک برکت علی صاحب گجرات سے تعلیم حاصل کر کے بغرض ملازمت لاہور میں مقیم تھے اور پیر جماعت علی شاہ کی بیعت میں تھے کہ آپ کو اکاؤنٹنٹ جنرل لاہور کے ایک غیر احمدی میاں شرف الدین صاحب کے ذریعہ حضرت مسیح موعودؑ کی پُر معارف کتب کے مطالعہ کا موقعہ ملا ازاں بعد آتھم اور لیکھرام سے متعلق پیشگوئیوں کا ظہور ہوا جس پر آپ نے ۱۸۹۸ء میں بیعت کا خط لکھ دیا تھا پھر ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء میں قادیان دارالامان میں جاکر دستی بیعت کا شرف حاصل کیا (رجسٹر روایات جلد ۱۰ صفحہ ۴۷ تا صفحہ ۶۰)

[2] ولادت اور طالب علمی سے متعلق بعض معین تواریخ پندرہ روزہ "پیام گجرات" یکم ستمبر ۱۹۵۶ء (منقول الفضل ۲۳؍ جنوری ۱۹۵۸ء سے اخذ کی گئی ہیں اور اس اعتبار سے مستند ہیں کہ حضرت ملک صاحب مرحوم کی زندگی میں شائع ہوئیں اور قیاس غالب یہ ہے کہ آپ کی مہیا کردہ معلومات کی بناء پر مرتب ہوئیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ڈاڑھی رکھی ہوئی تھی۔ آپ کو دین سے عشق اور جوش تبلیغ اپنے والدِ معظم سے ورثہ میں ملا تھا جو حلقہ گجرات میں نائب مہتمم تبلیغ تھے۔ آپ کو بچپن ہی سے حضرت مسیح موعودؑ اور خلفاء کی کتب سے دلی شغف تھا جو عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا اور ساتھ ہی آپ کے تبلیغی جذبہ میں بھی غیر معمولی اضافہ کا موجب بنتا گیا۔ آپ قلم و زبان کی زبردست صلاحیتوں اور استعدادوں کے حامل تھے جن کو آپ نے طالب علمی کے دور ہی سے خدمتِ دین کے لیے عملاً وقف کر دیا۔

چنانچہ مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد چوہدری بشیر احمد صاحب سے مل کر گجرات میں "لیگ ایسوسی ایشن" کی بنیاد رکھی جس کے صدر اور روح رواں آپ ہی تھے۔ ۱۹۲۵ء میں جبکہ آپ نویں جماعت میں پڑھتے تھے آپ نے مشن ہائی سکول کے وسیع احاطہ میں ہندوستان کے مشہور پادری عبدالحق صاحب سے کامیاب مناظرہ کیا۔ اس کے بعد گجرات کے آریہ سماج اور غیر احمدی علماء سے مناظرے شروع ہو گئے جس سے ضلع بھر میں آپ کی دھاک بیٹھ گئی[۱]

مولانا ابوالعطاء صاحب کا بیان ہے:۔

"۱۹۲۶ء کے مارچ میں کھاریاں ضلع گجرات میں مجھے (جبکہ مَیں ابھی حضرت استاذی المحترم حافظ روشن علی صاحب کے پاس پڑھا کرتا تھا) ایک جلسہ کے لیے جانا پڑا۔ اس موقعہ پر پہلی مرتبہ برادرم خادمؔ صاحب سے ملاقات ہوئی آپ کی عمر اس وقت ۱۵، ۱۶ برس ہوگی۔ یہ پہلی ملاقات ایسی محبت اور اخوت کی راسخ بنیاد بن گئی جس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ للّٰہی محبت اور پُر خلوص تعلق کے یہ بتیس برس آج ایک خواب نظر آتے ہیں۔ محترم خادمؔ صاحب اس وقت دسویں جماعت میں پڑھتے تھے انہیں علمِ دین کا بے حد شوق تھا۔ ہر جگہ معلومات حاصل کرنے کی انہیں دھن تھی۔ عنفوانِ شباب سے ہی وہ مخالفین اسلام و احمدیت کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں صقیل ذہن کے ساتھ خاص قوتِ گویائی بھی عطا فرمائی تھی اور یہ کہنا ذرہ بھر مبالغہ نہیں کہ جناب ملک صاحب نے ان مواہب لدنیہ کو ہمیشہ دین کی خاطر خرچ کیا"[۲]

---

[۱] تفصیل چوہدری بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ سابق امیر جماعت احمدیہ گجرات کے قلم سے آگے آرہی ہے۔ [۲] رسالہ "الفرقان" خادم نمبر، جنوری ۱۹۵۹ء صـ۲

۱۹۲۸ء میں (مولّفِ کتاب کی تحقیق کے مطابق) آپ کے قلم سے "نیر صداقت" کے زیرِ عنوان پہلا رسالہ شائع ہوا آپ اس وقت ینگ مین ایسوسی ایشن گجرات (پنجاب) کے سیکرٹری تھے حضرت مصلح موعودؓ نے ۸ اگست ۱۹۲۸ء کو اس رسالہ کی اجازت مرحمت کرتے ہوئے فرمایا "اچھی بات ہے اللہ تعالیٰ کتاب کو خلقِ خدا کے لیے مبارک کرے"[۱]

گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ کے بعد آپ نے تبلیغی زندگی کے ایک نئے اور وسیع میدان میں قدم رکھا جلد ہی نہ صرف کالج کے ماحول میں بلکہ پورے لاہور میں بھاری شہرت حاصل کر لی۔ آپ نے اس زمانہ میں نہ صرف مخالفینِ احمدیت سے شاندار مناظرے کیے بلکہ احمدیہ فیلوشپ آف یوتھ لاہور[۲] کے صدر کی حیثیت سے لاہور کے نوجوانوں میں تبلیغ کی نئی روح پھونک دی۔ بہت سے تبلیغی پمفلٹ شائع کیے۔ احمدی جماعتوں نے اس نوجوان کی تبلیغی یلغار کے معرکے سُنے تو ہر طرف سے آپ کو مناظروں کے لیے بلایا جانے لگا۔ یہ سلسلہ ۳۲-۱۹۳۱ء میں پورے زور شور سے شروع ہوا۔ اس دور کے مناظروں میں سے بھینی[۳] (ضلع شیخوپورہ) لوپریوالہ[۴] (تحصیل وزیرآباد) دیونہ ماجرا[۵] (ضلع گجرات) کوٹ رحمت خان[۶] (ضلع شیخوپورہ) کی نہایت دلچسپ تفصیلات اخبار فاروق میں شائع شدہ ہیں جن سے آپ کی حاضر جوابی کی حیرت انگیز قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی تبلیغی سرگرمیوں سے غیر احمدی علماء ہی نہیں مشہور پادری اصحاب بھی خوفزدہ ہو جاتے تھے اور آپ کے نام سے ہی اُن پر گویا لرزہ طاری ہو جاتا تھا ۱۵، ۱۶، ۱۷ جون ۱۹۳۲ء کو چکوال میں عیسائیوں کا جلسہ تھا۔ پادری ایس ایم پال صاحب کی تقریر تھی اور پریذیڈنٹ پادری عبدالحق صاحب تھے۔ ملک صاحب نے وقفہ سوالات میں سوال کرنا چاہا مگر پادری عبدالحق صاحب جو آپ کے نام سے خوفزدہ ہو گئے تھے۔ آپ کو وقت دینے سے صاف انکار کر دیا بعدازاں سیکرٹری انجمن احمدیہ چکوال نے مناظرہ کا کھلا جواب دیا۔ جس پر پادری صاحب موصوف نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑائی کہ ہم ملک عبدالرحمٰن صاحب سے

---

[۱] "نیر صداقت" صفحہ ۲۴۔ [۲] یہ تنظیم ۱۹۳۲ء میں معرض وجود میں آئی اور اس کا نام محترم قاضی محمد اسلم صاحب امیر جماعت لاہور نے تجویز فرمایا تھا۔ ۳۳-۱۹۳۲ء میں محترم ملک صاحب مرحوم اسکے صدر تھے
[۳] تاریخ انعقاد ۱۷، ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۱ء (فاروق ۷ دسمبر ۱۹۳۱ء) [۴] منعقدہ ۲۸، ۲۹ نومبر ۱۹۳۱ء (فاروق ۳۲-۱۹۳۲ء صفحہ ۱) [۵] منعقدہ ۶ دسمبر ۱۹۳۱ء (فاروق ۱۴ مارچ ۱۹۳۲ء) [۶] منعقدہ ۲۴، ۲۵ فروری ۱۹۳۲ء (فاروق ۲۱ مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ۱)

گفتگو کرنے کو تیار ہیں نہ مناظرہ طے کرنے کے لیے۔ پادری صاحبان اس اعلان کے بعد مکوال میں مختصر سا قیام کرکے جہلم بھاگ آئے[1]

آپ کے بڑے صاحبزادے ملک عبدالباسط صاحب کا بیان ہے کہ:۔

"آپ دُور دور جا کر احمدیت کے مخالفین سے مناظرے کرتے تھے اور بڑے فخر سے فرماتے تھے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے کبھی بھی شکست نہ ہوئی تھی بلکہ میں ہمیشہ ہی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں کامیاب و کامران ہی واپس آتا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ حضور کئی مناظروں کے لیے مجھے منتخب فرماتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ اکثر مخالف مناظر مجھے دیکھ کر ہنس پڑتے تھے۔ کہ اس کل کے بچے نے ہمارے ساتھ کیا مناظرہ کرنا ہے لیکن انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ بچہ اکیلا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ احمدیت کی صداقت، تمام احمدی جماعت اور خصوصاً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی دعاؤں کی عظیم اور بے پناہ طاقت ہے"[2]

۱۹۳۴ء میں پہلی دفعہ آپ نے بطور نمائندہ مشاورت میں شرکت کی۔ ۱۹۳۶ء میں آپ نے لاء کالج سے قانون کا امتحان پاس کیا۔ اسی سال جلسہ سالانہ قادیان کے مقدس سٹیج سے ۲۸ دسمبر ۱۹۳۶ء کو آپ کی پہلی بار تقریر ہوئی عنوان تھا "وابستگانِ خلافت کی منکرینِ خلافت پر فضیلت"[3]۔ ۱۹۳۷ء میں آپ نے گجرات میں پریکٹس کا آغاز کیا۔ اس سال ۳ ستمبر کو آپ کا نکاح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے محترمہ زمانی بیگم صاحبہ عرف سوزی دختر خان بہادر آصف زمان خان صاحب کلکٹر ہیلی (بھیت) سے دس ہزار مہر پر پڑھا[4] ۱۹۳۸ء میں آپ کے ہاتھوں گجرات شہر میں "حلقہ ادب" کی بنیاد رکھی گئی جس کے صدر آپ تھے[5] ۱۹۳۹ء میں آپ نے مجلس مشاورت میں سرگرم حصہ لینا شروع کیا۔ چنانچہ اس سال کی مشاورت میں آپ نظارت علیا کی سب کمیٹی کے ممبر نامزد کیے گئے۔ صدر کمیٹی چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب تھے۔ اس مشاورت کے دوران آپ نے جلسہ جوبلی کے پروگرام کی بحث میں بھی حصہ لیا اور حضرت مصلح موعودؓ کے حضور نہایت عمدگی سے اپنا نقطہ نگاہ پیش کیا[6]

---

[1] "اخبار فاروق" قادیان ۲۸ اگست ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۲-۱۳ [2] "الفرقان خادم نمبر" جنوری ۱۹۵۹ء صفحہ ۲۸
[3] الفضل دسمبر ۱۹۳۶ء [4] اولاد:۔ ملک عبدالباسط صاحب۔ ملک عبدالماجد صاحب۔ امۃ الحکیم صاحبہ۔ امۃ الجمیل صاحبہ
[5] "پیام" گجرات یکم ستمبر ۱۹۵۷ء [6] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۹ء

۱۹۴۰ء سے آپ نے رمضان المبارک میں پورے قرآن مجید کا درس دینا شروع کیا جو ۲۲ سال تک جاری رہا[۱] ۱۹۴۴ء میں آپ امیر شہر گجرات منتخب ہوئے اور ۱۹۴۶ء میں آپ امیر ضلع گجرات کے عہدہ پر ممتاز کیے گئے جسے آپ نے زندگی کے آخری سانس تک کمال خوش اسلوبی سے نبایا۔

آپ ۱۹۳۰ء سے مسلم لیگ گجرات کے ممتاز ممبر تھے اور تحریک پاکستان کی جدوجہد میں ایک انتھک مجاہد کی حیثیت سے گرانقدر خدمات بجالا رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۴۶ء میں پنجاب مسلم لیگ نے حضر وزارت کے خلاف جو تحریک شروع کی اس میں آپ ڈیفنس کمیٹی کے سیکرٹری تھے۔ جب حکومت کی طرف سے صلح کی بات چیت شروع ہوئی تو پنجاب کے مقتدر لیڈروں نے قائداعظم سے مشورہ کرنے کے لیے آپ کو کراچی بھیجا اسی سال آپ کے زیر انتظام گجرات میں ایک آل انڈیا مشاعرہ منعقد ہوا[۲] ۲ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو گجرات میں ایک اہم میٹنگ ہوئی جس میں راجہ غضنفر علی خاں صاحب وزیر پاکستان اور آپ کے مشورہ سے آزاد کشمیر حکومت کے قیام کا مسودہ تیار کیا گیا اور ۳ر اکتوبر کو پیرس ہوٹل راولپنڈی کے خصوصی اجلاس میں مسودہ کی منظوری دی گئی اور آزاد کشمیر حکومت کا اعلان کر دیا گیا[۳] حضرت مصلح موعودؓ کے حکم پر جولائی ۱۹۵۲ء میں جماعت احمدیہ کا ایک وفد کراچی گیا اور اُس نے خواجہ ناظم الدین صاحب وزیر اعظم پاکستان سے ملاقات کی اور اختلافی مسائل میں جماعت احمدیہ کے دینی مسلک کی تین گھنٹے تک ترجمانی کی اس وفد کے آپ بھی رکن تھے[۴]

۱۹۵۳ء کی تحقیقاتی عدالت پنجاب میں آپ نے جماعت احمدیہ پر اعتراضات کا جواب اس شان سے دیا کہ فاضل ججوں نے اپنی رپورٹ میں اس کا نام لے کر بطور خاص ذکر کیا اور آپ کی غیر معمولی تحقیق و تفحص کی داد دیتے ہوئے لکھا کہ آپ نے "کتب قدیمہ کی تلاش و تجسس میں بڑی محنت کی ہے۔" (رپورٹ اردو صفحہ ۲۱)

۱۹۵۶ء میں آپ نے فتنہ منکرین خلافت کی سرکوبی اور تعاقب میں اپنی جان تک کی بازی لگا دی جس کے بعد آپ پلورسی کی مہلک بیماری میں مبتلا ہو گئے جو بالآخر جان لیوا ثابت ہوئی ۱۹۵۶ء کے جلسہ سالانہ پر ۲۷ر دسمبر کو آپ نے "مصلح موعود" کی پیشگوئی اور اس کا ظہور" کے موضوع پر ایک زبردست اور پُرجوش

---

[۱] "الفرقان خادم نمبر" صفحہ ۲۵ ؛ [۲] "پیغام" گجرات یکم ستمبر ۱۹۵۶ء ؛ [۳] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بیان سردار گل احمد خاں صاحب کوثر سابق چیف پبلسٹی آفیسر جمہوریہ حکومت کشمیر (تاریخ احمدیت جلد ۶ صفحہ ۶۵۵ بحوالہ "ہلال" کشمیر مظفر آباد ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۳ء) ؛ [۴] تفصیل ۱۹۵۲ء کے حالات میں گزر چکی ہے۔

تقریر فرمائی۔ تقریر کے دوران جلسہ گاہ کی فضا بار بار نعروں سے گونجتی رہی۔ یہ معرکہ آرا تقریر آپ کی زندگی کی آخری تقریر تھی اگلے روز ۲۸؍دسمبر کو سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ہزارہا کے مجمع میں مولانا جلال الدین صاحب شمس مولانا ابوالعطاء صاحب اور آپ کو خالد کا خطاب عطا فرمایا۔

اگلے سال ۲۶؍ستمبر ۱۹۵۷ء کو آپ کی بیماری تشویشناک صورت اختیار کر گئی۔ داخل کرا دیئے گئے۔ اکتوبر کے پہلے عشرہ کے آخر میں حضرت مصلح موعودؓ لاہور تشریف لائے تو حضور نے ہومیو پیتھی دوائیں تجویز فرمائیں اور پھر از راہ شفقت وہ دوائیں خود ہی منگوا دیں۔ نومبر کے آخر میں آپ تیزی سے صحتیاب ہونے لگے۔

اب جلسہ سالانہ کے ایام قریب تر آ گئے تھے آپ نے فیصلہ کیا کہ ۲۵؍دسمبر کو لاہور سے روانہ ہو کر جلسہ سالانہ ربوہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی جائے لیکن مشیت خداوندی کو کچھ اور ہی منظور تھا ۲۴؍دسمبر کو یکایک آپ کی دائیں ٹانگ سخت متورم ہو گئی اور آپ ساری رات درد سے سخت بیقرار رہے۔ ۲۵؍دسمبر کو آپ نے درد کی ناقابل برداشت کیفیت ہی میں اپنے محبوب آقا حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کی خدمت اقدس میں اپنے ہاتھ سے حسب ذیل عریضہ لکھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

میو ہسپتال کمرہ ۵

سیدی ومولائی حضرت مصلح موعودؑ[1] ایدکم اللہ بنصرہ العزیز

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

اللہ تعالیٰ حضور کا حافظ و ناصر ہو۔ حضور کو صحت و تندرستی کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے۔ اور اسلام اور احمدیت کی ترقی و فتوحات کے وعدے حضور کے ذریعہ اور حضور کی زندگی میں پورے فرمائے۔ آمین

میری اصل بیماری یعنی پلورسی تو اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور کی دعاؤں اور توجہ سے ٹھیک ہو چکی تھی۔ ۱۹؍دسمبر ۱۹۵۷ء کو ڈاکٹر پیرزادہ نے یہ کہدیا تھا کہ اگر آپ جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں لیکن مناسب ہے کہ احتیاطاً چند دن اور ٹھہریں۔ اس خیال سے کہ مبادا دوبارہ پھیپھڑے کی جھلی میں پانی پیدا نہ ہو جائے۔

---

[1] اصل مکتوب میں امیرالمومنین کے لفظ تھے۔ ناقل

ان حالات میں مَیں اُمید لگائے بیٹھا تھا کہ انشاء اللہ اب جلسہ سالانہ سے پہلے یہاں سے چھٹی مل جائے گی اور مَیں جلسہ پر حاضر ہو کر حضور کی زیارت کے علاوہ حضور کے انفاسِ قدسیہ سے اور جلسہ کی برکات سے بہرہ یاب ہو سکوں گا۔ لیکن بدقسمتی سے کل ۲۴ر دسمبر کو دوپہر کا کھانا کھانے کے معاً بعد مجھے یہ محسوس ہوا کہ میری دائیں پنڈلی میں تھوڑی سی سوجن ہے۔ مَیں کھانا کھا کر لیٹا تو بُن ران میں سخت درد ہونے لگا اور پنڈلی کی سوجن بڑھتے بڑھتے ساری دائیں ٹانگ میں پھیل گئی اور ٹانگ میں بھی شدید درد ہونے لگا۔ ڈاکٹروں کی تشخیص کے مطابق یہ دائیں ران کی خون والی رگ میں THRUMBOSIS کا نتیجہ ہے۔ اور ان کے نزدیک اس تکلیف کے ٹھیک ہونے میں کافی دن لگیں گے۔ گزشتہ دن کا بقیہ حصہ اور گزشتہ رات سخت بے چینی میں گذری اور آج دن میں بھی دائیں ٹانگ میں شدید درد ہے۔ اگرچہ اے۔ پی۔ سی کے استعمال سے عارضی افاقہ ہے۔

اندریں حالات میں جلسہ سالانہ میں شمولیت سے محروم ہو گیا ہوں۔ جس کا مجھے بحد قلق ہے۔ ۱۹۱۶ء سے لے کر آج تک یہ دسمبر کا پہلا جلسہ ہے جس میں شمولیت سے میں محروم ہو رہا ہوں۔ حضور کی خدمت میں عاجزانہ درخواست کرتا ہوں کہ حضور اپنے اس غلام کے لیے خاص طور پر دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ جلد سے جلد مکمل صحت و تندرستی و توانائی عطا فرمائے۔ نیز اپنی رضا کی راہوں پر چلنے اور دین کی بے لوث خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضور ازراہ شفقت جلسہ سالانہ پر حاضر ہونے والے احباب کو میرا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پہنچا کر بھی ممنون فرمائیں۔ والسلام حضور کا ادنیٰ ترین غلام۔

(از لاہور۔ ملک عبدالرحمٰن خادمؔ)

اس مکتوب کے ساتھ ہی آپ نے مولانا ابوالعطاء صاحب کو جلسہ سالانہ کے لیے ایک پیغام بھیجا جس میں حضرت مصلح موعودؓ اور احباب جماعت کی رقّت آمیز دعاؤں اور صدقات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جلد صحت یابی کے لیے مزید دعاؤں کی درخواست تھی۔ مولانا ابوالعطاء صاحب نے یہ پیغام ۲۶ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو جلسہ میں پڑھ کر سنایا[1]

---

[1] متن "الفضل" ۲ر جنوری ۱۹۵۸ء۔ "الفرقان خادم نمبر" ص۵۷

پیغام کیا تھا دینِ حق کے ایک عظیم مجاہد کے دل کی دردناک پکار تھی۔ سامعین رقت سے بھر گئے اور خادم احمدیت کو جلسہ میں نہ پاکر ان کا دل خون ہو کے رہ گیا۔ جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء تو خدا کے فضل سے بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا مگر ۳۱ دسمبر کی صبح کو حضرت ملک صاحب کا سانس یکایک پھول گیا اور قوت گویائی جواب دینے لگی۔ اسی دوران حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین (آف سکندرآباد دکن) جلسہ میں شرکت کے بعد بغرض عیادت تشریف لائے اور ایک لمبی اور پُرسوز دعا کرائی۔ ایک بجے کے قریب حالت تشویشناک ہو گئی۔ ڈیڑھ بجے آپ نے لمبا سانس لیا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور احمدیت کا پُرجوش مبلغ اور سلسلہ کا نڈر اور بہادر سپاہی جو ۴۷ سال تک شیروں کی طرح غراتا اور للکارتا رہا ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔ آپ کا تابوت اگلے روز سوا دو بجے بعد دوپہر لاہور سے ربوہ لایا گیا۔ ۴ بجے بعد نماز عصر حضرت مصلح موعودؓ نے مسجد مبارک کے عقبی میدان میں نماز جنازہ پڑھائی اور نعش کو کندھا دیا جنازہ میں خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے افراد، بزرگان سلسلہ مثلاً حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خانصاحب اور دیگر کثیر تعداد احمدیوں نے شرکت کی چھ بجے آپ مقبرہ بہشتی کی سرزمین میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ قبر تیار ہونے پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اجتماعی دعا کرائی[1]

حضرت صاحبزادہ صاحب نے تدفین کے بعد ایک نوٹ میں تحریر فرمایا:-

"تدفین کے وقت معلوم ہوا کہ ان کی عمر صرف ۴۷ سال کی تھی۔ اس وقت مجھے اچانک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام یاد آیا کہ:-

"سینتالیس سال کی عمر میں کفن میں لپیٹا گیا"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم مغفور کی وفات کے قریب ہوا تھا۔ اور اس الہام کا پہلا مصداق حضرت مولوی صاحب کی ذات والاصفات ہی تھی۔ لیکن چونکہ بعض اوقات خدائی کلام میں تنوع ہوتا ہے اور ایک ہی الہام میں متعدد واقعات کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے اس لیے اس الہام کا دوسرا جلوہ قریباً ۲۵ سال بعد حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحوم کی وفات میں نظر آیا۔ کیونکہ حضرت حافظ صاحب مرحوم بھی سینتالیس[2] کی عمر میں فوت ہوئے تھے اور اب قریباً مزید اٹھائیس سال بعد

---

[1] الفضل ۳ جنوری ۱۹۵۸ء صا

ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؔ بھی ۴۷ سال کی عمر میں فوت ہوئے اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ تبلیغ حق کے میدان میں ان تینوں اصحاب کا انداز بھی کم وبیش ایک جیسا ہی تھا یعنی وہی غیر معمولی جوش و خروش وہی تیغ عریاں کا رنگ وہی بلا خوف لامۃ لائم اظہار حق کا انداز مگر جو اوّل ہے وہ اوّل ہے۔"[1]

تاثرات حضرت ملک صاحب کی عظیم شخصیت احمدی اور غیر احمدی حلقوں میں محبت و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھی جس کا کسی قدر اندازہ درج ذیل تاثرات سے ہوتا ہے۔

۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب

(الف) "خادم صاحب مرحوم ایک بہادر مردِ مجاہد تھے۔ اور جب سے انہوں نے ہوش سنبھالا تقریری اور تحریری تبلیغ کے میدان میں صف اوّل میں رہے۔ اور مخالفوں کے مقابل پر گویا ایک برہنہ تلوار تھے اور عقائد صحیحہ میں اُن کا قدم ہمیشہ ایک مضبوط چٹان پر قائم رہا اور اندرونی اور بیرونی مخالفت نے اُن کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہیں آنے دی اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً (النساء: ۹۶)

یعنی ہم نے دین کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کو غیر مجاہد مومنوں پر بھاری امتیاز اور بھاری درجہ عطا کیا ہے اس لیے امید ہے کہ خادم صاحب مرحوم کو اپنی جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا۔ مذہبی مباحثات کے میدان میں خادم صاحب کا وجود گویا حوالجات کا ایک وسیع خزانہ تھا۔ اور اِن کی تصنیف "احمدیہ پاکٹ بک" ہمیشہ ایک یادگاری تصنیف رہے گی جیسا کہ میں نے حضرت عرفانی مرحوم کی وفات پر نوٹ لکھتے ہوئے ذکر کیا تھا سال ۱۹۵۷ء میں ہمیں بہت سے بزرگوں اور دوستوں کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا ہے بلکہ عرفانی صاحب کے بعد بھی تین اور ممتاز بزرگ اور دوست بھی ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ عرفانی صاحب کی وفات کے دو دن بعد حضرت سیٹھ اسماعیل آدم صاحب نے کراچی میں وفات پائی۔ سیٹھ صاحب مرحوم بہت مخلص اور ٹھوس اخلاص والے بزرگ تھے جنہوں نے اوائل زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قبول کیا۔ اور پھر سارا زمانہ بڑی وفاداری اور محبت اور اخلاص اور نیکی میں گزارا۔ اس کے بعد عین جلسہ کے ایام میں محترم شیخ عبدالحق صاحب سابق نائب ناظر ضیافت کی وفات ہوئی۔ شیخ صاحب مرحوم ضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے۔ اور بہت مخلص اور فدائی رنگ میں رنگین اور محبت کرنے والے تھے۔ جن کے ذریعہ ضلع گورداسپور میں کثیر التعداد لوگ احمدیت کے نور سے منور ہوئے۔ اور اب سال

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۵ جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۳

کے آخری دن میں خادم صاحب نے داغ جدائی دیا ہے ۔ وکل من علیھا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام .... کے تحقیقاتی کمیشن میں اور اس کے بعد گزشتہ فتنہ کے تعلق میں بھی خادم صاحب کی خدمات بہت قابلِ قدر ہیں ۔ اور مناظرہ کے میدان کے تو وہ ایک بہادر شیر تھے جو کسی مخالف طاقت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے ۔ بلکہ حق کی تائید میں انہیں اس درجہ خدا پر بھروسہ تھا کہ گھبراہٹ تو دور کی بات ہے وہ اپنی حاضر جوابی اور لطائف سے مناظرہ میں بھی شگفتگی پیدا کر دیتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ ان کے بیوی بچوں اور دیگر عزیزوں کو جو ان کے نقشِ قدم پر ہیں اپنے فضل و رحمت کے سایہ میں رکھے اور دین و دنیا میں ان کا حافظ و ناصر ہو اور ان کے بھٹکے ہوئے عزیزوں کو بھی ہدایت فرمائے آمین ۔) (الفضل ۳ جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۲)

(ب) ہر ترقی یافتہ انسان کی زندگی کا ایک خاص پہلو ہوا کرتا ہے ۔ جس میں وہ اکثر دوسرے لوگوں سے امتیاز پیدا کر کے ان کے لیے گویا ایک نمونہ بن جاتا ہے اور فرض شناس لوگ اس کی مثال سے فائدہ اٹھا کر اپنی زندگیوں میں ترقی کا راستہ کھولتے ہیں ۔ یہی صورت ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؔ کی زندگی میں نظر آتی ہے جنہوں نے آج سے ایک سال قبل گویا بالکل جوانی کے عالم میں وفات پائی ۔ خادمؔ صاحب مرحوم گجرات صوبہ پنجاب کے رہنے والے تھے اور کسی ایسے خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے جس میں علمی تبحر اور تبلیغی ذوق و شوق کی کوئی خاص روایات پائی جاتی ہوں ۔ بلکہ خود ملک صاحب مرحوم نے بھی کسی دینی درس گاہ میں تعلیم نہیں پائی اور نہ کسی عالمِ دین کی باقاعدہ شاگردی اختیار کر کے دین کا علم سیکھا ۔ ان کی درسی اور عرفی تحصیلِ علم صرف اس قدر تھی کہ انگریزی کالجوں کی فضاء میں بی ۔ اے پاس کر کے وکالت کا امتحان دیا ۔ اور پھر بظاہر ساری عمر عدالتوں میں گشت لگا کر اپنی روزی کماتے رہے ۔ مگر باوجود اس کے خادمؔ صاحب مرحوم نے محض اپنے ذاتی شوق اور ذاتی مطالعہ کے نتیجہ میں وہ کمال پیدا کیا کہ جہاں تک مذہبی مباحثہ اور اس میدان کے علمی حوالہ جات کا تعلق ہے وہ جماعتِ احمدیہ کے کسی موجودہ عالم سے کم نہیں تھے ۔ بلکہ مناظرات میں جوابوں کی فراوانی اور برجستگی میں انہیں گویا ایک جیتی جاگتی انسائیکلوپیڈیا کہنا چاہیے ۔ ہر اعتراض کا جواب ان کی زبان پر تیار کھڑا ہوتا تھا ۔ ہر ضروری حوالہ ان کے منہ سے اس طرح نکلتا تھا جس طرح ٹکسال کی مشین سے سکے بن بن کر نکلتے ہیں ۔ اور جیسا کہ میں نے کہا ہے ۔ یہ سب کچھ کسی درسی تعلیم کا نتیجہ نہیں تھا ، بلکہ محض ذاتی شوق اور ذاتی مطالعہ کا نتیجہ تھا ۔ جس نے ان کو مذہبی مناظرین کی صفِ اول میں لا کھڑا کیا تھا

اور اس پر ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ جب کسی قلمی یا لسانی جہاد کا بگل بجتا تھا۔ تو وکالت کو الوداع اور ذاتی آرام و آسائش کو خیر باد کہنے کا منظر نظر آتا تھا۔ اور خادمؔ صاحب سب کچھ چھوڑ کر لبیک اللھم لبیک کہتے ہوئے آگے آجاتے تھے یہی وہ رضا کارانہ جذبہ تھا۔ جس نے قرونِ اُولیٰ میں اسلام کو سر بلند کیا۔ اور یہی وہ رستہ ہے جس پر گامزن ہو کر احمدیت کے فرزند آج پھر دوبارہ اسلام کا سر اونچا کر سکتے ہیں۔ اور انشاء اللہ یہ ہو کر رہے گا۔ جیسا کہ خدائے عرش نے حضرت مسیح موعودؑ کو الہام کیا کہ :-

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے
محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد

"یعنی خوشی کی چال چل کہ اب وہ وقت نزدیک ہے کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام لیوؤں کا پاؤں زمین کی پستی کی بجائے میناروں کی بلندی پر پڑے گا"

پس ہمارے نوجوانوں کو خادمؔ صاحب مرحوم کی زندگی سے سبق لینا چاہیئے۔ انہوں نے دنیا کے کاموں میں حصہ لیتے ہوئے اور وکالت کے فرائض ادا کرتے ہوئے محض اپنے ذاتی شوق اور ذاتی مطالعہ کے نتیجہ میں وہ مقام حاصل کیا جو کئی پورے وقت کے مبلّغوں کو بھی حاصل نہیں ہوتا۔ انہوں نے اپنے دل میں خدمتِ دین کا بے پناہ جذبہ پیدا کیا۔ مذہبی مباحثات کے علم میں کمال کو پہنچے اور بظاہر واقفِ زندگی ہونے کے بغیر عملاً اپنے اوقات کو خدمتِ اسلام اور خدمتِ احمدیت کے لیے وقف رکھا۔ ایسے نمونے خدا کی طرف سے جماعت کے لیے حجّت ہوا کرتے ہیں اور خدا یہ بتانا چاہتا ہے کہ جب تمہیں میں سے ایک نوجوان اپنی ذاتی کوشش اور ذاتی ولولہ کے نتیجہ میں یہ مقام حاصل کر سکتا ہے تو تم کیوں نہیں کر سکتے ؟ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ایک الہام میں نواب محمد علی خان صاحب مرحوم کو حجۃ اللہ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ یعنی "خدا کی طرف سے لوگوں پر ایک حجّت" اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی تشریح یہ فرمائی ہے۔ کہ جب خدا تعالیٰ نے ایک ریاست کے نوابی خاندان کے نوجوان فرد کو جس کے لیے ہر قسم کے عیش و آسائش کے سامان مہیّا تھے احمدیت کی صداقت کو اس زمانہ میں قبول کرنے کی توفیق دی جب چاروں طرف مخالفت کا زور تھا تو دوسرے صاحبِ دولت و ثروت خاندانوں کے لیے نواب محمد علی خاں صاحب مرحوم کا احمدیت کو قبول کرنا قیامت کے دن ایک حجّت ہوگا۔ کہ جب اس نے اپنے ماحول سے نکل کر صداقت کو قبول کیا۔ تو تم اپنے عیش و عشرت

میں کیوں محوِ خواب رہے ؟ اسی طرح مَیں کہتا ہوں کہ خادمؔ صاحب مرحوم کا وجود بھی جماعت کے ایک طبقہ کے لیے حجّت ہے کہ جب خادمؔ مرحوم نے اپنے ذاتی شوق اور ذاتی کوشش اور ذاتی جدوجہد کے ذریعہ دین کا پختہ علم حاصل کیا اور وکالت جیسے غافل رکھنے والے پیشہ میں مصروف ہونے کے باوجود دین کا پُرجوش خادم رہ کر زندگی گذاری تو تم کیوں اس مقام کو حاصل نہیں کر سکتے ؟

پس اے وکیلو اور ڈاکٹرو اور اے تاجرو اور صنّاعو اور اے زمیندارو اور اے دوسرے پیشہ ورو! تم پر خادمؔ مرحوم کی زندگی یقیناً ایک حجّت ہے کہ تم دنیا کے کاموں میں مصروف رہتے ہوئے بھی دین کا علم حاصل کر سکتے اور دین کی خدمت میں زندگی گذار سکتے ہو۔ اسلام تم سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ ساری کی ساری جماعت دنیا کے کاروبار چھوڑ کر دین کی خدمت کے لیے کلّیتہً وقف ہو جائے بلکہ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ جماعت کا ایک حصّہ تو پورے طور پر دین کی خدمت کے لیے وقف ہو۔ (جیسا کہ فرمایا ولتکن منکم اُمّۃ) اور دوسرا حصّہ دنیا کے کاموں میں مصروف رہتے ہوئے اور جائز طریق پر اپنی اور اپنے اہل و عیال کی روزی کماتے ہوئے اپنے اوقات اور اپنے اموال اور اپنے جسم اور اپنے دل و دماغ کے قویٰ میں سے خدا اور اس کے رسول اور اس کے مسیح اور اس کے دین کا واجبی حق نکالے تا وہ دجّال کی طرح اندھا نہ ہونے پائے بلکہ اس کی دونوں آنکھیں روشن ہوں اور اس کی زندگی میں دنیا یہ نظارہ دیکھے کہ :۔

دل بایار و دست باکار

پس عزیزو اور دوستو خادمؔ مرحوم کی زندگی سے سبق سیکھو تا اس مرحوم نوجوان کی زندگی اور اس کی موت دونوں خدا کی رحمت سے حصّہ پائے زندگی اس لیے کہ اس نے غیرمعمولی حالات میں اپنی زندگی کو اسلام اور احمدیت کی خدمت میں لگایا۔ اور اپنے آپ کو اس کا اہل بنایا۔ اور موت اس لیے کہ اس کی وفات سے متأثر ہو کر تم نے اس کی زندگی سے خدمتِ دین کا سبق حاصل کیا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین۔

خاکسار

مرزا بشیر احمد۔ ربوہ

۹ ؍ دسمبر ۱۹۵۸ء

۲۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب

"ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم کو اس وقت سے جانتا ہوں۔ جب وہ مڈل میں تھے۔ مجھے گجرات سلسلہ کے کام کے تعلق میں جانا پڑا۔ اور وہاں مجھے جماعت کے نوجوانوں کی طرف سے ایڈریس پیش کیا گیا۔ اور اس اجلاس میں ایک تقریر خادم صاحب نے کی مجھے ان میں غیر معمولی ذہانت کا احساس ہوا۔ اس کے بعد جب بھی گجرات جانے کا موقع ہوا ایک جلسہ منعقد کیا جاتا۔ اور خادم صاحب اور ان کے ساتھی تقریریں کرتے یہاں تک کہ انٹرنس پاس کرنے تک حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی کتابوں اور سلسلہ کے لٹریچر سے ان کی واقفیت کافی ہو چکی ہوئی تھی۔ کالج میں داخل ہوئے تو ان کا شوق مطالعہ اور تقریر نمایاں تھا۔ اور بحیثیت ناظر دعوت و تبلیغ انہیں طالب علم مبلغین کے ساتھ جلسوں اور مباحثات میں بھیجنا شروع کیا ہونے ہوتے جلسہ سالانہ کے سٹیج پر یہ جس صورت میں نمایاں ہوئے اور جس طریق سے خدمت سلسلہ کی توفیق ان کو ملی وہ محتاج اعادہ نہیں۔ خلاصہ یہ کہ خادم مرحوم کو طالب علمی کے زمانہ سے ہی اپنے والد بزرگ کے اسوۂ حسنہ و تلقین کے ماتحت اپنے تئیں از خود خدمت سلسلہ کے لیے تیار کرنے کی توفیق ملی۔ جو ہم میں سے ہر ایک کے لیے قابل رشک اور سبق آموز ہے۔ بہت سے طلبہ تدریس نصاب مدرسہ یا کالج کا محض بہانہ ہی بناتے ہیں۔ کہ ان کا مطالعہ۔ دینی کتب کے مطالعہ کے لیے وقت نہیں چھوڑتا۔ اگر شوق ہو یا دینی خدمت کی ضرورت کا سچا احساس ہو تو وقت نکالنا کیا مشکل ہے جو حل نہ ہو سکے۔ ایسا عذر کرنے والے بسا اوقات گپ شپ میں اپنا وقت عزیز ضائع کر دیتے ہیں۔ خادم مرحوم کی زندگی کا سنہری ورق ہمیشہ کے لیے یادگار رہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے نوجوان ہماری جماعت میں بیسیوں پیدا کرتا رہے۔ تا یہ سلسلہ اپنی جدوجہد مسلسل جاری رکھنے کی توفیق پاتا رہے۔"[1]

۳۔ راجہ علی محمد صاحب امیر جماعت احمدیہ گجرات

"میرے پیارے مرحوم ملک عبدالرحمٰن خادم احمدیت کے ایک بہادر فرزند اور قابل فخر نڈر مجاہد تھے ان کی زندگی کے ہر باب کا ہر ورق خواہ وہ عہد طفولیت کا ہے۔ یا زمانہ طالب علمی یا معاشرتی جدوجہد کا ایثار و قربانی کا مرقع ہے

---

[1] "الفرقان" جنوری ۱۹۵۹ء صفحہ ۶۰

ان کی طفولیت فضول لہو و لعب بے مقصد کھیل کود ناہموار طفلگی اور ضروری محنت اور مشقت سے جی چرانے کے عیوب سے پاک تھی۔ ابھی وہ اس عہد غیر معتدل سے پورے طور پر نکلنے بھی نہ پائے تھے کہ ان کو اہم دینی کتابوں اور اپنے سلسلہ احمدیہ کے روح پرور پاکیزہ مُزکی لٹریچر کے مطالعہ کا ہمہ تن مصروف اور خود فراموش شائق پایا گیا۔ جس کی بدولت اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے عالم جوانی میں انہوں نے اپنے نفس کو تہذیب کامل سے آراستہ کر لیا۔ گویا کہ عنفوان شباب سے ہی ذاتی ذمہ داری کا احساس اخلاقی قدروں کا احترام و اکرام۔ ان کا شعار اور طرّۂ امتیاز تھا۔ گو عمر میں تو اس وقت وہ چھوٹے تھے مگر علم و عقل و دانش اور اخلاقی میزانوں اور ذمہ داریوں کے جائزہ اور محاسبہ میں انکا نفس اکثر سال خوردہ لوگوں سے بہت اُونچے مقام پر پہنچ گیا تھا۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ نہ کسی نے ان کی طفلگی دیکھی۔ اور نہ کبھی کسی نے اطوار کے لحاظ سے انکو طفل پایا۔ شروع سے ہی ہمیشہ ایک مرد عاقل و عاقبت اندیش کی مانند علمی مجالس اور مذاکرات اور پاک و بے عیب صالحانہ صحبتوں میں رہ کر تحصیلِ علم کا شوق اور اخلاقی مذہبی مسائل پر از خود غور و فکر کرنا ان کا مسلک زندگی رہا۔

وہ گلستانِ احمدیت میں وہ عندلیب خوشنوا تھے۔ جس کے چہچہوں کی یاد اور جس کی نغمہ سرائیوں (سالانہ جلسہ کی تقریروں) کا محفوظ ریکارڈ ہمارے لیے ایک مضراب الم سے کم نہیں۔ اس سے ہماری ہر رگِ ناتواں اب بیتابانہ پھڑک اٹھتی ہے۔ اور ان کی دید و گفتار کی حسرتیں اور ارمان ایک سوہان روح ہیں کہ جس سے ان کے محبوں اور قدردانوں کا ایک کثیر گروہ بے چین رہتا ہے۔

ان کی زندگی صادق القول احمدی "دین کو دنیا پر مقدم کرونگا" کی مثالی زندگی تھی۔ اور یہ قول ہی ہے جو دراصل احمدیت کی جان ہے۔ اور اس کے قیام کی غرض و غایت۔

ہر احمدی جو بلا واسطہ یا بالواسطہ ان کو جانتا ہے ان کی مفارقت کے غم میں ان کیلئے بدرگاہِ عالی دعاگو ہے۔ کہ ان کو اللہ تعالیٰ اپنے جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں دراصل اس کے غم کا حقیقی مداوا ہی اب یہ دعا ہے۔

سال ۱۹۲۷ء میں میری پہلی بیوی کے مرنے کے بعد میری دوسری شادی بزرگوارم حضرت ملک برکت علی صاحب کی بڑی لڑکی جو ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم کی حقیقی بڑی ہمشیرہ ہیں کے ساتھ ہوئی تب سے عزیز موصوف کے دم واپسیں یعنی ۳۱ دسمبر ۱۹۵۷ء تک ان سے میرے تعلقات ان کے خاندان کا ایک فرد ہونیکی حیثیت سے متواتر محبت اور شفقت اور باہم اکرام و تکریم کے رہے ہیں۔ اس طرح جب اکیس سال پیچھے جائیں تو خادم صاحب

کا وہ زمانہ سولہ سترہ سالہ لڑکپن کا زمانہ تھا۔ کہ جب سے مَیں نے ان کو نہایت قریب سے دیکھا۔ وہ اسوقت انٹرنس پاس کر کے ایف اے میں زمیندارہ کالج گجرات میں پڑھتے تھے۔ مگر اپنی تبلیغی لگن۔ ذاتی سنجیدگی اور خود ضبطی کی وجہ سے اس وقت بھی وہ خاندان میں غیر معمولی طور پر عزّت و تکریم کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ان کو اس وقت بھی صرف علمی باتوں میں دلچسپی تھی اور علمی مجلسوں میں نہایت ذوق و شوق سے شامل ہوتے تھے اور سکول سے باہر تقریبًا سارا وقت کتب بینی یا تبلیغی سرگرمی میں صرف کرتے تھے۔ اپنی عمر کے تقاضا کے مطابق وہ کسی ایسے ماحول میں شاذ و نادر ہی شامل ہوتے تھے۔ جہاں ان کے وقت کا ضیاع ہو۔ یا جہاں اخلاقی ناہمواری کا امکان ہو ان کا شغل مطالعہ اور بالخصوص اپنے سلسلہ کے لٹریچر کا مطالعہ تھا۔ ان کو احمدیت کی تبلیغ کی ایک فطرتی لگن تھی۔ اس لگن کے تحت وہ نہایت درجہ ذاتی کاوش و فکر سے بہت دقیق اور گہرا مطالعہ ہر قسم کے ضروری لٹریچر کا کرتے تھے۔ محض ان کا ذاتی مطالعہ اور سعی و کوشش ہی ان کی علمی ترقی اور کمال کا موجب تھے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ ان کے کریکٹر میں خود داری اور خود اعتمادی بدرجۂ کمال تھی۔ جو ہر موقعہ پر ایک جوہر نمایاں کے طور پر ان میں چمکتی تھی۔ انہوں نے اس جوہر صافی کی بدولت اپنے گرد ایک ایسا ماحول صافی پیدا کر لیا تھا۔ کہ جس کی وجہ سے ان کی تربیت کے بارہ میں بھی ان کے والد صاحب بزرگوار فرمایا کرتے تھے۔ کہ ان کو کبھی پدرانہ نگرانی یا ناصحانہ تشویش لاحق نہ ہوئی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے خادمؔ کی فطرت میں ہی یہ جوہر ودیعت کیے ہوئے تھے۔ جو بلا خارجی اسباب استمداد اپنے وقت پر غنچۂ گل کی طرح کھلتے گئے اور ریاض احمدیت میں ظہور پذیر ہو کر مہکنے لگے۔

خادمؔ صاحب کی احمدیہ پاکٹ بک ان کے مختلف مذاہب کے مذہبی لٹریچر کے وسیع اور گہرے مطالعہ پر شاہد ہے۔ پہلی پاکٹ بک میرے علم کے مطابق انہوں نے جبکہ ان کی عمر ۱۷، ۱۸ سال تھی مرتب کی تھی۔ وہ چھوٹی تقطیع پر اسم بامسمیٰ مختصر پاکٹ بک تھی۔ بعد میں اس کی نظر ثانی کرتے رہے اور آخری پاکٹ بک جس کے شروع میں ان کی تصویر بھی لگی ہوئی ہے۔ اور جس پر ایک نظر پڑتے ہی دل میں غم و اندوہ کے احساسات تازہ ہو جاتے ہیں۔ اسی کے چھٹے ایڈیشن پر مشتمل ہے۔ یہ اب ۱۲۰۰ صفحات کی ایک ضخیم کتاب ہے۔ مؤلف کی محنت کوشش اور اس کے وسیع مذہبی مطالعہ اور ناقدانہ نظر کی گواہ تو یہ خود پاکٹ بک اور اس کا قیمتی اور مفید مواد ہے۔ اور اس کی افادیت اور قبولیت عامہ اس کے بار بار چھپنے اور حجم میں متواتر اضافہ سے

ظاہر ہے۔

خادم صاحب کا سالانہ جلسہ کی سٹیج پر سے مقررین میں انتخاب پہلی دفعہ سال ۱۹۳۶ء میں ہوا۔ جبکہ ان کی تقریر کا موضوع "وابستگانِ خلافت کی منکرانِ خلافت پر فضیلت" تھا۔ اس کے بعد متواتر ۱۹۵۶ء تک (۱۹۵۷ء کے جلسہ میں بوجہ بیماری شامل نہ ہوئے اور ۳۱ دسمبر ۱۹۵۷ء کو فوت ہو گئے) وہ مقررین میں انتخاب کیے جاتے رہے۔ ان کا یہ متواتر انتخاب ان کے علم نافع الناس ان کے ملکۂ تقریر ان کے مکارمِ اخلاق اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ساتھ فدایانہ تعلق اور خدمت کے والہانہ جذبہ کا ثبوت ہے۔ جلسہ پہ سامعین ان کی تقریر سُننے کے خاص طور پر شائق ہوتے تھے۔ اور تقریر کی پسندیدگی کا اعلان ان کی طرف سے بکثرت وجدانی نعرہ ہائے تکبیر سے کیا جاتا تھا۔

انہوں نے صحیح معنوں میں اپنے آپ کو سلسلہ کی خدمت کے لیے وقف کیا ہوا تھا۔ اوّل سے آخر تک اس عہد پر کہ "دین کو دنیا پر مقدم کرونگا" قائم رہ کر خدمتِ دین بجالاتے رہے۔ کبھی کوئی روک اس راہ میں ان کے لیے روک نہ بنی۔ اور نہ ہی کوئی مشکل مشکل وہ یہ خدمت بغرض ثواب اور خوشنودی اور رضائے مولیٰ کریم بصدق دل اور مومنانہ جذبہ اور عزم کے ساتھ سرانجام دیتے تھے۔ اور جس طرح ان کی زندگی کے شروع میں یہ جذبہ کارفرما تھا۔ اسی طرح ان کے دم واپسین تک وہ ان میں موجزن رہا۔

امیر جماعت شہر و ضلع گجرات کی حیثیت سے بھی خادم صاحب کا ذکر بعض ان کی خصوصیات کی وجہ سے ضروری معلوم ہوتا ہے۔

خادم صاحب سال ۱۹۴۴ء سے برابر امیر جماعت شہر گجرات اور بعد میں امیر ضلع گجرات بالاتفاق بلا کسی خفیف تردد یا امکاناً شکایت کے منتخب ہوتے چلے آئے ہیں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے خادم صاحب کا مقام کیا بلحاظ ایثار و قربانی اور کیا بلحاظ علم و فضیلت اور کیا بلحاظ خلوص و نمونہ پرہیزگاری اتنا اونچا تھا۔ کہ کسی کے دل میں ان کے خلاف کوئی تردد یا شکایت پیدا ہی نہ ہو سکتی تھی۔ ان کی خدمات کی پوری تفصیل کا پیش کرنا نہ میرا مقصد ہے۔ اور نہ میں کر سکتا ہوں۔ لیکن میں صرف چند موٹی موٹی خصوصیات بطور ذکر بقائے خیر کے عرض کروں گا۔

وہ عالم دین تھے اور انہوں نے بے دریغ اپنی صحت و توانائی کا لحاظ کیے بغیر اپنے اس رزقِ خداداد کو جماعت پر جوان کی زیر تربیت تھی۔ خرچ کیا۔ وہ امیر شہر گجرات تو ۱۹۴۴ء میں منتخب ہوئے

لیکن قرآن شریف کا درس دینا انہوں نے اس سے پہلے ۱۹۴۰ء سے شروع کر دیا تھا۔ میرے محترم جناب چوہدری اعظم علی صاحب سشن جج ریٹائرڈ جو ان دنوں گجرات میں سینئر سب جج تعینات تھے۔ اور ۱۹۴۴ء تک جماعت احمدیہ کے امیر شہر بھی رہے تھے۔ چند روز ہوئے کہ خادم صاحب مرحوم کی والدہ صاحبہ اور ان کی محترمہ اہلیہ صاحبہ کی خدمت میں تعزیت کے لیے تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے خادم صاحب کو قرآن شریف کے فہم میں ایک خاص ذوق عطا فرمایا تھا۔ وہ نہایت محنت اور شوق و ذوق سے درس قرآن مجید دیا کرتے تھے۔ اور بعض اعلیٰ طبقہ میں سے غیر احمدی تعلیم یافتہ بھی درس میں التزاماً شامل ہو کر استفادہ کرتے تھے۔ ۱۹۴۴ء کے بعد نہایت ہی اہتمام کے ساتھ سوائے ایک دو سال کے جبکہ وہ اپنی شدید بیماری کی وجہ سے درس نہ دے سکے ....
وہ ہر سال رمضان المبارک کے مہینہ میں پورے قرآن مجید کا درس ختم کیا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں اور اوقات میں بھی وہ قرآن شریف کا درس کئی سالوں تک دیتے رہے۔

سال گذشتہ ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء کے ماہِ رمضان المبارک کا جب درس شروع کیا۔ تو اس کے پہلے خطبہ جمعہ میں جماعت کے احباب کو درس سننے کی تلقین کرتے ہوئے کہا۔ کہ شروع میں مجھے اپنی بیماری اور ناتوانی کی وجہ سے کچھ تردد تھا۔ کہ درس دینا شروع کروں یا نہ کروں۔ لیکن آخر یہ سوچ کر کہ پھر شائد یہ موقعہ ملے یا نہ ملے۔ میں نے درس دینا شروع کر دیا ہے۔ آپ لوگوں کو بھی چاہیئے کہ فائدہ اٹھائیں۔ شاید پھر آپ کو یہ موقعہ ملے یا نہ ملے۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ نوجوان متقی۔ امیر جماعت کے منہ سے نکلے ہوئے یہ الفاظ مشیّت ایزدی کو لبیک کہہ رہے تھے۔ ایسی کرامت ان کے حصہ میں ہی آتی ہے۔ جو اپنی زندگی میں دین کو دنیا پر مقدم کر کے تا دمِ آخر صادق القول ثابت ہوتے ہیں۔

خادم صاحب کے عہد امارت کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے۔ اور اس لیے قابلِ ذکر ہے کہ ان کے عام عہد امارت میں عام طور پر مرکز سے مبلغ یا مناظر منگوانے کی کم ہی ضرورت پڑی۔ وہ ان تمام ضروریات پر خود حاوی تھے۔ گویا اپنی زیر امارت جماعتوں کے انتظامی نگران کے علاوہ ایک عالم دین یا مبلغ کی حیثیت سے بھی خدمت کرنے کی خصوصیت ان کو حاصل تھی۔

علاوہ ازیں ضلع کے صدر مقام پر ان کی موجودگی جماعتی وقار کا موجب تھی۔ عالم تھے اور صائب

الرائے اور پبلک کے معزز طبقہ میں اپنی اصابت رائے کی بدولت ایک ممتاز شخصیت کے مالک تھے ان کا یہ اثر ورسوخ اور قانون دانی ایک ایسا سرمایہ تھا۔ جس سے ضلع کی بیرونی جماعتیں اور دیگر احمدیہ احباب متمتع ہوتے تھے۔ اور ان کے ممنون احسان تھے۔ اور اس کا جماعت اور نظام سے وابستگی پر بہت نیک اثر تھا۔ وہ چونکہ بلحاظ نمونۂ ایثار و قربانی اور تیز عالم دین اور مبلغ کی حیثیت سے تمام احمدی افراد میں قابل احترام و عزت تھے۔ اس لیے ان کو ایک ایسا اثر ورسوخ اور وقار حاصل تھا۔ جس کے طفیل وہ مرکز سے آئی ہوئی ہدایات کے مطابق نظام سلسلہ کی بہتر طور پر خدمت سرانجام دے سکتے تھے اور دیتے تھے۔ ان کے چودہ سالہ عہد امارت میں جہانتک مَیں نے سُنا ہے اور جیسا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے۔ کبھی بھی کوئی ایسا اہم معاملہ پیش نہ آیا۔ جس کو انہوں نے بر وقت خود نہ سنبھال لیا ہو۔ یا جس کو خود ہی خوش اسلوبی کے ساتھ طے نہ کیا ہو۔

استقلال طبیعت

خادم صاحب راسخ العزم پختہ مزاج اور مستقل طبیعت کے انسان تھے اگر ہم یہ کہیں۔ کہ وہ اپنی دھن کے پکّے تھے۔ تو شاید یہ کہنا ان کی طبیعت کے متعلق زیادہ صادق الحال ہوگا۔ لیکن بنظر غائر اس بارہ میں بھی ان کی طبیعت کے دو رُخ نظر آتے ہیں دنیوی یعنی معاشرتی معاملات میں جب وہ کسی بات پر جس کو وہ اپنے خیال کے مطابق صحیح سمجھتے۔ بعض اوقات ایسے بضد اس بات پر جم جاتے۔ کہ پھر مصلحت بینی یا مصلحت اندیشی کے طور کے دلائل ان پر بہت کم کارگر ثابت ہوتے۔ لیکن دینی معاملات میں ان کی طبیعت کا رنگ جہاں تک مَیں نے دیکھا ہے۔ اس سے مختلف تھا۔ میری مُراد اس سے ان کے عقائد کے بارے میں ان کے استقلال کے متعلق ذکر کرنا نہیں ہے۔ کیونکہ اپنے عقائد میں وہ بفضلہٖ تعالیٰ ایسی مضبوط چٹان تھے۔ جس سے ہر قسم کی مخالفت کی پُرجنون دیوانہ لہریں جب ٹکراتیں۔ تو ہمیشہ اوندھے منہ بل کھاتی ہوئی واپس ہوتیں۔ بلکہ میری مُراد یہ ہے۔ کہ وہ عقیدہ کے مخالف لوگوں سے بالخصوص اپنے قریبی رشتہ داروں سے ہمیشہ تلطف اور تالیف قلب کو کام میں لاتے۔ اور بعض حالات میں ان کے احساسات کو اپنے احساس پر ترجیح دینے میں بھی مصلحت سے کام لیتے۔ اس میں مآل اندیشی کا محرک دوسروں کی دینی بھلائی ہوتی تھی۔ ویسے عام معاملات میں وہ طبیعت کے کھرے اور صاف گو تھے۔ جو بات وہ کسی کو کہتے اس پر خود اپنی دوراندیشی کی بدولت جمے رہتے۔ اور اس سے انحراف کو نہ اپنے لیے اور نہ کسی اور کے لیے پسند کرتے۔

مَیں یہاں ان کی طبیعت کے استقلال کا ایک واقعہ جو بہت کے لیے سبق آموز ہے۔ بیان کرتا ہوں۔

خادم صاحب کے والد بزرگوار حضرت ملک برکت علی صاحب سال ۱۹۵۲ء میں فوت ہوئے تھے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے رفیق اور موصی تھے۔ ان کی وصیت کا حساب۔ ان کی وفات پر فوراً بے باق کر دیا گیا تھا۔ لیکن باوجود اس کے خادم صاحب نے اپنی اس خواہش کے تابع کہ اپنے والد مرحوم کی قبر پہ ان کو دعا کرنے کا موقعہ حاصل رہے۔ ان کی میت کو امانتاً صندوق میں گجرات میں ہی دفن کرایا۔ اور قبر اندر سے پختہ اینٹوں کی اس طرح خرابی بنوائی گئی۔ کہ صندوق کو ممکن طور پر کم نقصان پہنچے۔ اور جب میت قادیان مقبرہ بہشتی میں دفنانے کے لیے جانی ہو۔ تو بآسانی قبر سے وہ برآمد ہو سکے۔

اس کے بعد سال ۱۹۵۲ء سے اپنی وفات تک ان کا بلاتساہل اور بلا بھول چوک یہ معمول رہا۔ کہ سوائے کسی اشد مجبوری کے وہ ہر جمعہ پڑھانے کے بعد براہ راست بلا لحاظ شدت موسم خواہ بارش ہو یا کڑاکے کی سردی یا گرمی جس کے لیے وہ چھتری سائیکل پہ ساتھ رکھتے تھے۔ پہلے وہ قبرستان جاتے اور اپنے والد مرحوم کی قبر پہ دعا کر کے گھر واپس لوٹتے۔ کہنے کو یہ بات ایک معمولی بات ہے۔ لیکن اس مداومت اور استقلال پر جب فی زمانہ عام انسانی غفلت اور تساہل اور والدین کے احسانات سے خود کش فراموشی کو سامنے رکھتے ہوئے غور کریں۔ تو یہ ایک ایسا کارنامہ ہے۔ جو صرف ایسے مجاہد نفس سے صادر ہو سکتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ پہ اور عالم معاد پہ کامل یقین کے ساتھ والدین کی محبت میں روح کی تازگی اور روحانی زندگی بھی حاصل ہو۔

دنیوی ذاتی معاملات میں جہاں تک مَیں نے ان کو پایا ہے۔ وہ ہمیشہ آپس کے معاملات میں مقدمہ بازی جھگڑا یا فساد سے بچتے تھے۔ گویا ان کے نزدیک اس میں تضیع اوقات وزر کے علاوہ تضیع اخلاق کا بھی خطرہ تھا۔ ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی۔ کہ کسی نہ کسی طرح کسی قدر نقصان یا حرج کے ساتھ بھی ایسے معاملات کا تصفیہ ہو جائے۔ کہ دل کی پریشانی سے آدمی جتنا بچے اتنا ہی بہتر ہے۔ لیکن دینی معاملات میں مَیں یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ اس معیار کو وہ سامنے رکھتے تھے۔ بلکہ وہ ہمیشہ اختلافی معاملات یا مسائل کو غائت درجہ حل کرنے یا کامل تصفیہ تک پہنچانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے اور وہ یہ ذوق اور شوق بکمال استقلال کرتے تھے۔

زندہ دلی

فطری طور پر خادم صاحب شگفتہ مزاج تھے ۔ مگر طبیعت پر منبط تھا ۔ شگفتگی اور کرختگی حسب حالات کچھ اختیاری تھی ۔

ان کے بے تکلف دوست اور ان کے ایوان ظرافت کے تحمل کے زائرین ان کی اس سیرت کے بیحد مداح اور قائل ہیں ۔ کہتے ہیں ۔ دم ساز دوستوں کی ہلکی پھلکی محفل میں وہ مجلس کا سنگار رہتے ۔ مجلس پر چھا کر ہر ایک کے دہی مرجع دل ہوتے ۔ اور ہاتف غیبی سے تائید یافتہ ۔ اپنے علم وفضل کے دامن سے ظرافت کے ہلکے پھلکے پھول اٹھاتے اور خاص مشارٌ الیہ پر اس انداز سے پھینکتے ۔ کہ پھول لگے مگر کانٹا نہ چبھے ۔

یہ سچ ہے کہ لطیف ظرافت ہی صرف صحیح الفکر ظرافت میں داخل ہے ۔ یعنی ایسی ظرافت کہ جس کو کثافتِ ذہنی یا میلِ خاطر نے نہ چھوا ہو ۔ اور جو روح کے پردوں میں نامعلوم طور پر گھس کر بہجت آگین ہیجان ۔ اور وجدان پیدا کرے ۔ باقی سب ... درد اور بارِ خاطر ۔

جولانی طبع اور جودت میں قدرت نے خادم صاحب کو ایک وافر حصہ دیا تھا ۔ اس کے ساتھ علم وفضل کا آئینہ اس حسن کو دوبالا کرنے والا تھا خواص چھوڑ عوام جن کے ساتھ بے تکلفی تھی ۔ وہ ان کی اس سیرت کو بحسرت تمام یاد کر کے روتے ہیں ۔

مناظرات و مباحثات میں بھی ان کی اس سیرت کا پرتو بے ساختہ جھلک اٹھتا تھا ۔ مگر ضبط اور نفاست کو کبھی ہاتھ سے نہ دیا ۔ ایسی باریک چوٹ کرتے تھے ۔ کہ دشمن کھسیانا ہو کر دم بخود ہو جاتا اور ان کی یہ بے ہراس دلجمعی اور شگفتگی جو علامت کامرانی اور کامیابی ہے ۔ سامعین کے نزدیک ان کی فتح کی دلیل ہوتی ۔

لوکل بار روم ہی ان کی اس سیرت کی زیادہ زمزون جولان گاہ تھی ۔ وہاں برابر کی چوٹ تھی مگر ان کی فوقیت مسلّم ہے ۔ خادم صاحب نے اپنے ذوق کی مناسبت سے ریڈیو لاہور پر ایک تقریر جس کا غالبًا عنوان " عدالتوں میں نوک جھوک " تھا کی تھی ۔ بہت دلچسپ تھی ۔

خادم صاحب کی دوستی کا رنگ

خالص دوستی کا جذبہ ایک ممتاز شرف ہے اور انسانیت کا زیور خود غرض نہ کسی کا دوست ہے اور نہ وہ دوستی کے قابل ۔

جہاں تک میں نے خادم صاحب کو دیکھا ہے وہ دوستی کے معاملہ میں ۔ ایک رفیق القلب اور رنگ بدر انسان تھے ۔ ابتدائی طالب علمی کے زمانہ سے اب اخیر تک اپنے قدیم دوستوں کے ساتھ

ان کا تعلق یکساں خلوص و بے تکلفی کا تھا ۔

کسی کے جذبۂ دوستی کی حقیقی قدر و منزلت کا حال تب کھُلتا ہے ۔ جب وہ اپنی زندگی کا ابتدائی طالبِ علمی کا دور طے کر کے مروجہ تمدن کی مختلف المدارج سوسائٹی میں داخل ہوتا ہے ۔ اگر اپنی اس نئی منزل میں بھی اس کا سلوک سوسائٹی کی طبقاتی تقسیم کے علی الرغم اپنے قدیم ہمجولیوں اور ہم نشینوں سے ویسا ہی رہتا ہے ۔ جیسا کہ ان سے کبھی پہلے تھا ۔ تو پھر سمجھو ۔ کہ وہ شخص حقیقی دوستی کے جذبہ کا امین ہے اس معیار پہ اگر خادم صاحب کی دوستی کو جانچا جائے ۔ تو صاف نظر آئے گا ۔ کہ ان کا زیادہ یگانگت اور خیر سگالی کا تعلق ایسے مخصوص دوستوں سے تھا جو بظاہر سوسائٹی کی طبقاتی تقسیم میں کسی جہت سے ان سے نچلے طبقہ میں تھے ۔ کیونکہ خادم صاحب ان کی خاطر داری کا خیال اور دلداری کا اہتمام اب بھی اسی طرح کرتے تھے ۔ جیسا کہ ماضی کے بعید ایام میں ۔

دوستانہ ہوا خواہی کا سرچشمہ دل ہے ۔ اور وہاں تک ایک غیر کی نظر کو خواہ وہ کتنی ہی تیز اور سریع کیوں نہ ہو ۔ قابلِ اعتبار رسائی نہیں ۔ اس لیے میں حالاتِ چشم دید کی بناء پر ان کے دوستوں میں کوئی قابلِ اعتبار تقسیم تو نہیں کر سکتا ۔ مگر یہ میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ جو بظاہر ان کے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع نظر آتا ہے ۔ اس کی اگر باہمی اخلاص مروت اور قربانی کی ترتیب سے حد بندی کی جائے ۔ تو کچھ لوگ اس حلقہ سے باہر کھڑے نظر آئیں گے ۔ مگر اس میں کسی کا قصور نہیں ۔ ہمارے مادی تمدن مادی ماحول مادی نظریۂ زندگی کے اس روح کُش زمانہ میں جیسا کہ بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ چشمۂ شیریں کے گرد مورد ملخ اور ایک سیاسی شخصیت ملک و سلطان کی صحبت میں نفع گیر مصاحبین جمع ہو جاتے ہیں ۔ ویسے ہی کسی مفید وجود کی طرف جو اپنے ذہن رسا ۔ عملی قوت ۔ پختگی عزم اور اثر و رسوخ کی بدولت قابلِ قدر ہو ۔ متمدن مصلحت کوش فرزانوں کا رخ کرنا بعید از قانونِ قدرت نہیں ۔ خادم صاحب حقیقتاً خادمِ اسلام تھے ۔ اور فقط یہ خوبی ان کی وجہ امتیاز تھی ۔ یہانتک کہ ان کے عقیدہ کے مخالف بھی ان کی اس خوبیٔ کریکٹر کے بادل نخواستہ قائل تھے ۔ اس کے ساتھ وہ پختہ مغز ۔ مدبر ۔ عاقبت اندیش مشیر اور راسخ العزم با ہمت جوان تھے ۔ اور ان چیزوں کی اس دنیا میں بہت مانگ ہے اس لیے ایسے وجود کے دامن سے اگر بعض مصلحت کیش بھی وابستہ نظر آئیں ۔ تو کسی کو تعجب نہ کرنا چاہیئے ۔

ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن گجرات نے اپنی قرار داد تعزیت مورخہ یکم جنوری ۱۹۵۸ء میں خادم

صاحب کی اچانک اور بے وقت وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ" ان کی وفات سے نہ صرف ایک دیرینہ ہمدرد دوست کی رفاقت سے ہم محروم ہو گئے ہیں۔ بلکہ ایک عالم ہمارے درمیان سے اٹھ گیا ہے ۔جو ہمہ گیر لیاقت اور تخلیقی صلاحیتوں کا حامل تھا۔

رشتہ داروں کے ساتھ سلوک میں جو خاص بات میں نے دیکھی اور تواتر کے ساتھ جس کا تجربہ کیا۔ وہ یہ تھی۔ کہ کسی سے ہمدردی کے موقعہ پر ان کا دل جس کے تابع ان کا عمل ہوتا تھا۔ زیادہ حرکت کرتا۔ اور زبان کم۔ وہ کسی کا کام کر کے اس کو احسان جتانا اپنے وقار کے خلاف سمجھتے تھے۔ صرف یہ نہیں۔ بلکہ اگر ان کے سامنے کوئی احسان پذیرائی ظاہر کرنا چاہے تو ان کے چہرہ پر ناگواری کی خشونت کے آثار نظر آنے لگتے تھے۔ وہ رشتہ دار سے رشتہ داری کے تعلق میں کسی قسم کا فائدہ اٹھانا عار خیال کرتے تھے۔ بحیثیت وکیل یا کسی اور رنگ میں بھی اپنے رشتہ داروں۔ دوستوں اور بے کس غریب ناداروں کی بلاوجہ معاوضہ خدمت کرتے مگر خود حتی الوسع کسی اپنے ذاتی کام کے لیے فرمائش کرنے سے کتراتے تھے۔

عوام سے جو ان کی اس سیرت سے واقف تھے بالخصوص ضلع کے اندر جماعت کے کمزور اور بے کس افراد جو اپنی ہر مشکل کے موقعہ پر ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اب ان کی مفارقت کو بہت زیادہ محسوس کرتے ہیں۔

عزیزم خادم صاحب کو مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب کے ساتھ اپنی بہت اوائل ایام تبلیغ سے محبت اور مودت کے تعلقات تھے وہ مولانا صاحب موصوف کی علمی صلاحیتوں کے مداح تھے۔ اور کہتے تھے کہ ان صلاحیتوں کے علاوہ وہ صوفی منش ہیں اب خادم صاحب کی وفات کے بعد ہر شخص اپنے اپنے تعلق کے مطابق ان کی جدائی کو محسوس کرتا ہے [1]"

۴۔ چوہدری بشیر احمد صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ گجرات۔

"میں محترم خادم صاحب مرحوم و مغفور کو اوائل طالب علمی سے جانتا ہوں۔ وہ میرے مخلص ترین اور وفادار دوست تھے۔ سکول اور کالج کی تعلیم کے زمانہ سے تبلیغ ان کا مرغوب مشغلہ رہا۔ پڑھائی کی طرف بہت کم توجہ تھی۔ جب آپ نے مڈل کا امتحان پاس کیا تو ہم نے مل کر احمدیہ ینگ مین ایسوسی ایشن

---

[1] الفرقان جنوری ۱۹۵۹ء ص۳۳ تا ۴۰

گجرات کی بنیاد رکھی۔ جس کے ہفتہ وار تبلیغی اجلاس منعقد ہوتے تھے۔ محترم خادم صاحب اس ایسوسی ایشن کے صدر اور روح رواں تھے۔

" ابھی آپ نویں جماعت میں پڑھتے تھے کہ مقامی عیسائیوں نے مشن ہائی سکول گجرات کے وسیع کمپاؤنڈ میں ایک عظیم الشان پبلک تبلیغی جلسہ کے انعقاد کا اعلان کیا اور پادری عبدالحق صاحب کو خاص طور پر اس جلسہ میں لیکچر دینے کے لیے بلایا گیا۔ پادری صاحب کی تقریر کے بعد تقریر پر اعتراضات پیش کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اس پر ہمارا نوآموز مجاہد خادم خدا کا نام لے کر میدان میں کود پڑا۔ اور سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس نے بالآخر ایک باقاعدہ مناظرہ کی صورت اختیار کر لی۔ پادری عبدالحق صاحب کو اپنی منطق اور عربی دانی پر بہت ناز اور گھمنڈ تھا۔ خادم صاحب نے آدھ گھنٹہ کے اندر اندر اپنے برجستہ اور ٹھوس دلائل سے پادری صاحب کو لاجواب کر دیا۔ اور پادری صاحب جلسہ چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ جس پر غیر عیسائی حاضرین جلسہ نے پادری صاحب پر شیم شیم کے نعرے لگائے۔ محترم خادم صاحب کا یہ پہلا پبلک مناظرہ تھا۔ جس سے ان کی آئندہ وسیع تبلیغی جدوجہد کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے احمدیہ ینگ مین ایسوسی ایشن گجرات کے زیر اہتمام مقامی آریہ سماج اور غیر احمدی علماء سے پے در پے متعدد کامیاب پبلک مناظرے کیے۔ رفتہ رفتہ آپ کی شہرت تمام جماعت میں پھیلنی شروع ہو گئی۔ اور آپ اپنے تعلیمی مشاغل کو پس پشت ڈال کر ملک کے طول و عرض میں میدانِ مناظرہ پر چھا گئے۔ آپ نے مشہور زبان دراز دریدہ دہن مخالفین سلسلہ پر اپنی خداداد قابلیت اور لاجواب فنِ خطابت سے ہیبت طاری کر دی۔

۱۹۳۴ء میں محترم خادم صاحب گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم اے کلاس میں پڑھتے تھے۔ ان دنوں جناب قاضی محمد اسلم صاحب جماعت لاہور کے امیر تھے قاضی صاحب موصوف کی سرپرستی میں ہم نے احمدیہ فیلوشپ آف یوتھ لاہور کی بنیاد رکھی۔ محترم خادم صاحب اس مجلس کے صدر تھے۔ اور ان کی صدارت میں احمدیہ فیلوشپ آف یوتھ لاہور نے تبلیغ کا ایک وسیع پروگرام مرتب کر کے اسے عملی جامہ پہنایا۔ اور کثیر تعداد میں تبلیغی لٹریچر شائع کیا۔ جب تک آپ لاہور میں بسلسلہ تعلیم مقیم رہے نشر و اشاعت کا یہ سلسلہ باقاعدہ جاری رہا۔

۱۹۳۷ء میں آپ نے وکالت شروع کی لیکن زیادہ تر آپ سلسلہ کی خدمات میں سرگرم عمل رہے اور آپ نے ہمیشہ پیشہ وکالت کو ایک ثانوی حیثیت دی۔ ۱۹۴۶ء سے وفات تک جماعت گجرات کے

امیر رہے۔ اور اپنی ذمہ داریوں کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہے۔

محترم خادم صاحب کے رگ و ریشہ میں احمدیت رچی ہوئی تھی۔ حضرت...... خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی تھے۔ اور ان کی عالی مرتبہ شان کے خلاف کوئی نازیبا کلمہ سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں ایک دن میں بار روم گجرات میں داخل ہوا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ بار روم میں ایک شور برپا ہے۔ خادم صاحب کے ہاتھ میں جوتا ہے۔ جس سے ایک ہندو وکیل کو بے تحاشا مار رہے ہیں۔ تمام ہندو اور مسلمان وکلاء سہمے ہوئے بیٹھے ہیں۔ اور کسی کو جرأت نہیں پڑتی کہ وہ اس ہندو وکیل کو خادم صاحب کے پنجہ سے چھڑائے۔ خادم صاحب نے اس قدر مارا کہ اس کے سر سے خون جاری ہو گیا۔ اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ وکلاء نے بڑی مشکل سے اسے اٹھایا اور دوسرے کمرہ میں پہنچایا۔ دریافت کرنے پر خادم صاحب نے بتایا کہ اس خبیث نے مسلمان وکلاء کے سامنے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات استعمال کیے تھے جن کی وجہ سے انہوں نے اسے پیٹا ہے۔ تاکہ آئندہ کوئی ہندو وکیل ہماری غیرت کا امتحان لینے کی جرأت نہ کر سکے۔

محترم خادم صاحب جہاں ایک بہترین مقرر اور مناظر تھے۔ وہاں ایک کامیاب وکیل بھی تھے۔ اور مقامی بار میں نہایت عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ آپ ایک مخلص اور قابلِ فخر دوست تھے۔ طبیعت نہایت شگفتہ اور بذلہ سنج واقعہ ہوئی تھی۔ وہ مجلس کا رونق اور منگار تھے

محترم خادم صاحب مرحوم و مغفور کو سب سے بڑا خراج عقیدت جو نونہالانِ جماعت پیش کر سکتے ہیں یہ ہے کہ وہ ان کی قابلِ رشک روایات کو زندہ رکھیں اور اپنے اندر خدمت دین کا سچا جذبہ پیدا کریں۔

~ بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا

بہار و رونق اندر روضۂ ملت شود پیدا [1]

۵۔ محترم جناب پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔ اے سابق امیر جماعت احمدیہ لاہور

"میں ۱۹۲۹ء میں انگلستان سے دو سال مزید تحصیل علم کے بعد واپس لاہور لوٹا۔ مجھے انگلستان جانے

---

[1] غیر مطبوعہ

سے پہلے بھی اور وہاں کے قیام کے دوران میں بھی تبلیغ اور اشاعت کے کاموں سے دلچسپی تھی۔ جب میں واپس آیا تو میں سب سے گہرا اثر یہ لے کر آیا کہ سلسلہ کے پڑھے لکھے نوجوان ایسے ہوں جو انگریزی کالجوں کی تعلیم سے بھی بہرہ ور ہوں اور عربی اور اسلامی علوم سے بھی خوب واقف ہوں تا یہ مشرقی و مغربی علوم کا اجتماع جو ہمارے سلسلے کا امتیاز رہا ہے۔ قائم رہے اور آئندہ ترقی کرتا چلا جائے۔

واپسی پر حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کچھ باتیں کرنے کا موقعہ بھی ملا۔ حضور ایدہ اللہ لاہور میں قیام فرما تھے۔ اور ماڈل ٹاؤن میں مکرمی چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کی کوٹھی میں فروکش تھے ایک مجلس میں دو ذہین طالب علم نمایاں نظر آئے: میں نے اس موضوع پر حضور کی خدمت میں کچھ گذارش کر رکھی تھی۔ اس مجلس میں اشارہ کافی تھا میں نے کہا کاش! کالجوں میں پڑھنے والے نوجوان بھی سلسلہ کے علوم میں ایسے حاذق ہوں۔ جیسے کوئی بڑے سے بڑا مبلغ میں نے اس خیال کو پھر پیش کر دیا۔ میرے فقرے میں کچھ بے اطمینانی تھی حضور ایدہ اللہ نے سنتے ہی مجلس میں ایک نوجوان کی طرف اشارہ کیا۔ اور کہا آپ انہیں نہیں جانتے ؟ حضور کے اشارے میں میرے فقرے کا جیتا جاگتا جواب تھا۔ یہ نوجوان جو گفتگو کے لحاظ سے بڑا ذکی اور ذہین، ایک عجیب خود اعتمادی اور اولوالعزمی لیے ہوئے تھا۔ گورنمنٹ کالج کا سرخ بلیزر پہنے ہوئے۔ چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی۔ بڑی بڑی آنکھوں والا ہمارا **عبدالرحمن خادم** تھا۔ جسے قرب سے اور بار بار ملنے اور جس کی تقریر اور تحریر کو سننے دیکھنے کے مواقع مجھے بار بار ملنے والے تھے۔ خادم صاحب کو دیکھتے ہی میرا اپنا حوصلہ بڑھ گیا۔ پھر کیا تھا۔ لاہور میں کئی سال ان کی تقریروں اور تحریروں کے غلغلے ہوتے رہے اور ہر روز کوئی نیا محاذ کوئی نئی فتح، انہی دنوں کی بات ہے موچی دروازے کے باہر ایک مشہور مناظر کو خادم صاحب نے (اس طالب علمی کے عالم میں!) للکارا۔ اور ایسا ساکت کیا کہ سلسلے کے مخالف بھی، نہ صرف محسوس کر گئے۔ بلکہ منہ سے مان گئے کہ ان کے مولوی صاحب سے کچھ نہیں بنا۔

اس کے بعد میں نے خادم صاحب کو گنج میں، مصری شاہ میں اور کئی دوسری جگہ بحیثیت مناظر دیکھا اور بحیثیت رونق مجلس اور لیکچرار تو بے شمار جگہ۔ ان کی ایک نہایت ہی کامیاب تقریر سیرت کے موضوع پر گورنمنٹ کالج لاہور میں اس زمانے کی مسلم ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام ہوئی۔ جسے سن کر کالج کے مسلمان و غیر مسلمان پروفیسر دنگ رہ گئے۔ وہ تقریر ایسی سحر انگیز تھی کہ اس کے بعد ایسی تقریروں کا سلسلہ بند ہو گیا۔

خادم صاحب کی قلمی مساعی میں لاہور کے احمدی نوجوانوں کی ایک انجمن کا ذکر آتا ہے۔ جس کا نام احمدیہ فیلوشپ آف یوتھ تھا۔ اس کے کرتا دھرتا خادم صاحب ہی تھے۔ انہی کا ایک حلقہ تھا جو اس کے لیے چندہ دیتا یا جمع کرتا تھا۔ جس سے اس کے پمفلٹ شائع ہوتے تھے۔ بالعموم کسی یوم التبلیغ پر یا کسی اور اہم تقریب پر ایک پمفلٹ حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے بھی رقم فرمایا اور اسی فیلوشپ کو چھاپنے کے لیے دیا۔

احمدیہ فیلوشپ آف یوتھ کے پمفلٹوں کا فائل محفوظ کرنے کے قابل ہے۔ اُمید ہے ہماری لائبریریاں اس کی طرف توجہ کریں گی۔

مَیں اس فیلوشپ کے کاموں کو قریب سے جانتا تھا۔ میرے مشورے اس میں شامل ہوتے تھے۔ بلکہ اس زمانہ میں لاہور کا امیر ہونے کی وجہ سے ان پمفلٹوں کی اشاعت میں میری عام ذمہ داری بھی شامل ہوتی تھی۔ احمدیہ فیلوشپ آف یوتھ میرا ہی تجویز کیا ہوا نام تھا۔ انگلستان کی ایک ایسی ایسوسی ایشن کا نام تھا جو مجھے پسند آگیا اس زمانے میں لاہور میں ہم نے ایک سٹڈی سرکل کی بنیاد رکھی جس میں علمی مقالے پڑھے جاتے۔ سال بھر کا پروگرام طے کر لیا جاتا۔ ہر مقالے کے وقت مخصوص اور محدود حاضری ہوتی اور مقالے پڑھے جانے کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ ہوتا۔ ہماری جماعت کے مشاہیر نے مثلاً اخویم سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے آدم فی القرآن پر، حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے بشارات بائبل پر، مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ نے جہاد فی القرآن پر بیش قیمت مقالے خاص تیاری کے بعد پڑھے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے یہ شائع بھی ہوئے غالباً یہ تینوں تو ضرور شائع شدہ ہیں۔ بیرون جماعت دوست بھی جو ہمارے ساتھ تعاون کرتے۔ اس سرکل میں شامل ہوتے اور مقالے بھی پڑھتے اور ایک خوشگوار اور مفید علمی و دینی تحقیق کا سلسلہ باہمی ادب اور تعاون کی شکل میں جاری رہتا۔

اس سٹڈی سرکل میں خادم صاحب نے نہایت عمدہ مقالہ پڑھا۔ ان کو جب دعوت دی گئی تو مجھے خیال ہوا خادم صاحب کی طبیعت کے لیے بحث کا میدان جس میں ترکی بہ ترکی جواب دینا ہوتا ہے شاید زیادہ موزوں ہو۔ سٹڈی سرکل کا ماحول ان کے لیے زیادہ موزوں نہ ہو۔ کیونکہ اس میں نسبتاً ٹھنڈے طریق کی ضرورت تھی۔ اور کچھ رسمی قسم کے علمی طریق کی جس کی ایک شرط یہ ہوتی ہے کہ ایسی علمی باتیں بھی بیان کی جائیں جن کا کسی جذباتی اور وقتی بحث سے زیادہ تعلق نہ ہو۔ خادم صاحب نے کہا

کہ وہ سب کچھ منظور کرتے ہیں۔ خادم صاحب نے موضوع کیا چُنا؟ حسّان بن ثابتؓ کی شاعری۔ ہمارے دوست جانتے ہیں کہ حسّان بن ثابتؓ کے ایک شعر نے ابتداء اسلام کے اس شاعر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور عاشق کو زندہ جاوید کر دیا ہے۔ اس شعر کی تقریب کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اور آپ کے متّبعین نے اور علی الخصوص ہمارے موجودہ امام اور خلیفہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے خوب اُجاگر کیا ہے۔ حسّان بن ثابت نابینا تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر انہوں نے اس شعر میں کہا کہ:-

تو میری آنکھ کی پتلی تھا۔ یعنی مجھ اندھے کی دنیا تیری وجہ سے روشن تھی اب تیرے مرنے کے بعد مجھے پرواہ نہیں کون جیتا اور کون مرتا ہے۔

خادم صاحب کے دل و دماغ میں سلسلہ کی تحریریں، سلسلہ کا مخصوص علم۔ اور طرزِ کلام پوری طرح راسخ تھا۔ (ہاں اس طالب علمی کے زمانے میں!) آپ نے ایک علمی موضوع کے لیے اسی خزانے کی طرف رجوع کیا۔ اشارہ وہاں سے مل گیا۔ اپنے مطالعے سے اسی اشارے کو پھیلا کر آپ نے پورا مضمون تیار کر لیا۔ حسان بن ثابتؓ کا مجموعۂ کلام لائبریری سے لے کر چھان مارا۔ زندگی کے حالات سب قسم کے ماخذوں سے جمع کر کے مرتب کر لئے۔ اور سیرت نبویؐ اور زمانہ ابتداء اسلام کے اس فدائی رسول اور فدائی اسلام کی سیرت اور شاعری کو ایسے عمدہ طریق سے مربوط کیا کہ سُننے والے عش عش کر اٹھے۔ مقالہ سٹڈی سرکل کا شاہکار ثابت ہوا۔ احمدیہ ہوسٹل ایمپرس روڈ میں اجلاس ہوا اجلاس میں لاہور کے کئی پروفیسر موجود تھے ان میں عربی ادب اور اسلامی تاریخ کے استاد بھی تھے[۱]"

۶۔ محترم چوہدری محمد اسد اللہ خان صاحب بار ایٹ لاء سابق امیر جماعت احمدیہ لاہور

"برادرم مکرم ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؔ مرحوم و مغفور کے ساتھ مجھے دیرینہ تعلق تھا۔ ابھی وہ لاء کالج میں وکالت کی تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ میرا ان سے بے تکلف رابطہ ہو گیا تھا۔ مَیں نے ان کو نہایت باغیرت پکّا اور سچّا مومن احمدی مسلمان پایا۔ ان کا دینی علم بہت گہرا اور وسیع تھا۔ کالج کے زمانہ میں انہوں نے ایک انجمن قائم کی تھی۔ جس کے ممبران کی تعداد دس تھی۔ اور اس

---

[۱] الفرقان جنوری ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۷ تا ۲۰

مناسبت کے باوصف اس کا نام "عشرہ مبشرہ" رکھا گیا تھا۔ ملک صاحب مرحوم مضامین لکھتے تھے جو ٹریکٹوں کی صورت میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ اور تبلیغ کا اس قدر وسیع کام ہوتا تھا۔ کہ اس انجمن کے ہر ممبر کے لیے دل سے دعا نکلتی تھی۔ مضامین صرف جوابی ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ اپنے نظریات بھی پیش کیے جاتے تھے اور خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے نتائج نہایت شاندار حاصل ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس تبلیغی جدوجہد کے ذریعہ سے سلسلہ حقہ احمدیہ کو کئی نوجوان مخلص خادم بھی عطا فرمائے۔ جو آج بھی اس انجمن کے ممبران کے لیے بطور صدقہ جاریہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مالک اس نہایت ہی مفید کام کے صلے میں مکرم ملک صاحب مرحوم اور باقی تمام ممبران کو نہایت اعلیٰ درجہ کے انعامات سے نوازے آمین

کالج کے زمانہ کے بعد ملک صاحب مرحوم کو جس والہانہ انداز میں اسلام کی تبلیغ کے جذبہ سے سرشار دیکھا بہت ہی کم نوجوانوں میں وہ جذبہ دیکھنے میں آیا ہے۔ تمام لوگ جانتے ہیں۔ کہ وکالت کا کام بہت محنت اور توجہ چاہتا ہے اور ملک صاحب مرحوم اپنے کام میں کامیاب تھے۔ اس لیے انہیں بہت کم فارغ وقت مل سکتا ہوگا۔ پھر بھی جب کبھی دین کی ضرورت کا انہیں علم ہوتا۔ وہ بغیر کسی عذر کے فوراً خدمت کے لیے تیار ہوجاتے۔ ان کی اس بے لوث دینی مستعدی کی وجہ سے ان کا تخلص خادم نہایت موزوں تھا۔

بعض لوگ وقت کی قربانی بھی پیش کر دیتے ہیں مال کی قربانی بھی پیش کر دیتے ہیں۔ لیکن اپنے آرام کی قربانی میں سستی دکھا جاتے ہیں۔ ملک صاحب مرحوم کو میں نے دیکھا کہ وہ ہر قسم کی قربانی پر طیب خاطر اور کما حقہٗ ادا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ضلع گوجرانوالہ کے ایک دُور افتادہ گاؤں میں مجلس مناظرہ منعقد ہوئی۔ جہاں مکرم ملک صاحب کو احمدیہ نقطۂ نگاہ پیش کرنے کے لیے بلوایا گیا تھا۔ راقم الحروف کو بھی اس مجلس میں شمولیت کا موقعہ ملا۔ اختتام مناظرہ پر ریلوے سٹیشن نارنگ تک پہنچنے کا کوئی انتظام نہ ہوسکا۔ اس لیے ہم پیدل ہی آئے فاصلہ قریباً آٹھ میل ہوگا میں نے دیکھا کہ باوجود دو دن مناظرہ میں متعدد تقریریں کرنے کے مکرم ملک صاحب مرحوم نے یہ فاصلہ بغیر کسی تھکاوٹ کا اظہار کرنے کے طے کیا حالانکہ ہمارے ساتھ کے کئی احباب تکان سے بحال ہو رہے تھے۔ دینی خدمات کے ضمن میں ملک صاحب مرحوم کے لیے کوئی رکاوٹ روک پیدا نہ کرسکتی تھی۔

غیرتِ دینی اور پابندئ نظام میں بھی مکرم ملک صاحب معزز حیثیت رکھتے تھے اور ان کو دیکھ کر ہمیشہ دل سے ان کے لیے دعا نکلتی تھی۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں انہیں نہایت اعلیٰ مقام عطا فرمائے

اور ان کے بچوں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق وافر عطا فرمائے۔ آمین ۔

ملک صاحب مرحوم عملی زندگی میں انقطاع الی اللہ کی نہایت پُرمنفعت مثال تھے ۔ وہ دنیا میں رہتے تھے پر دنیا سے بالکل بے پرواہ ہو کر۔ باوجود ایک نہایت ہی دنیا دارانہ پیشہ اختیار کرنے کے انہوں نے دنیا کو کبھی اختیار نہ کیا تھا۔ اور ان کی دینی عملی زندگی دیکھ کر ہمیشہ رشک آیا کرتا تھا۔ لیکن یہ خاصیت اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے ہی حاصل ہو سکتی ہے - زورِ بازو سے نہیں ۔

اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے میں مکرم ملک صاحب مرحوم نہایت تدبر رکھتے تھے اور ان کی زبان اور نطق میں اللہ تعالیٰ نے بے اندازہ برکت رکھی تھی۔ فسادات پنجاب (۱۹۵۳ء) کے تحقیقاتی کمیشن کے روبرو دینی حصہ کو پیش کرنے میں جس بے لوث اور جرأت مندانہ انداز میں آپ نے جماعت احمدیہ کی وکالت کی وہ فاضل جج صاحبان سے بھی خراجِ عقیدت حاصل کر گئی۔ جس کا انہوں نے اپنی رپورٹ میں نہایت زوردار الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ جتنی دیر ملک صاحب تقریر کرتے رہے تمام سامعین گویا مسحور ہی رہے۔

جماعت احمدیہ کو ماضی قریب میں بہت سے مخلص اور پُرجوش خدام سے جدا ہونا پڑا ہے وہ لوگ تو اپنا عہد اللہ تعالیٰ سے باندھ کر اُسے کماحقہٗ نباہ کر اُس کے پاس چلے گئے۔ لیکن جو ابھی تک اس سجنُ المومنین میں موجود ہیں اُن پر ایک نہایت ہی عظیم ذمہ داری کا بوجھ آپڑا ہے۔ ہمیں ضرورت ہے کہ ہر آن ہم میں صادقؔ اور عرفانیؔ اور خادمؔ پیدا ہوتے رہیں۔ تاکہ خدا کے کام میں روک پیدا نہ ہو بلکہ اس کا کام پہلے سے بھی بڑھ کر وسیع اور کامیاب ہو۔"[۱]

۷۔ جناب بشیر احمد صاحب چغتائی بی۔ ایس۔ سی واہ کینٹ ۔

"میں ۱۹۲۵ء میں گجرات انٹرمیڈیٹ کالج میں دسویں میں جا کر داخل ہوا ۔ تو محترم بھائی ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم مرحوم و مغفور سے تعارف حاصل ہوا۔ عربی اور اردو ہمارے مشترک مضامین تھے۔ چند دن ان کے گھر پر میٹرک کے امتحان کی تیاری کے سلسلہ میں عربی اکٹھی بھی پڑھتے رہے ۔ دوستانہ تعلقات بڑھتے تو رفتہ رفتہ گہرے برادرانہ تعلقات ہو گئے ۔ اس زمانہ میں بھی ان کا بہترین اور محبوب مشغلہ

---

[۱] الفرقان جنوری ۱۹۵۹ء صفحہ ۲۰، ۲۱

تبلیغ ہی تھا۔ لوگ احمدیت پر اعتراض کرتے اور وہ ان کا رد کیا کرتے۔ بازار میں ہی بعض اوقات گفتگو شروع ہو جاتی تو گھنٹوں جاری رہتی لوگ اکٹھے ہو جایا کرتے اور احمدیت کی صداقت کے دلائل ایک طالب علم کی زبانی سُنا کرتے۔

اس زمانہ میں بھی کسی کے علم سے مرعوب نہ ہوتے اور کامل وثوق کے ساتھ مدلل طور پر اپنی بات کو پیش کرتے۔

عام طور پر جب حضرت مسیح موعودؑ کی کسی تحریر پر کوئی شخص اعتراض کرتا تو خادمؔ صاحب ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ آگے پڑھو۔ معترض رکتا اور وہ اصرار کرتے کہ آگے پڑھو کیونکہ سیاق وسباق خود ہی اعتراض کو حل کر دیتے۔

لاہور کالج کے زمانہ میں جب امیر صاحب جماعت احمدیہ لاہور کی اجازت سے احمدیہ فیلوشپ آف یوتھ بنائی تو ٹریکٹوں کے شائع کرتے میں اس قدر انہماک تھا کہ بعض اوقات آدھی آدھی رات تک پریس والوں اور کاتبوں وغیرہ کی طرف چکر لگاتے رہتے اور پھر سارے لاہور شہر میں اس طرح تقسیم کراتے کہ شہر میں ایک شور پڑ جاتا۔

کھیلوں میں سے کرکٹ اور والی بال کا شوق تھا اور کیرم بورڈ بھی خوب کھیل لیتے تھے۔

بعض دوستوں کو جن سے گہرے تعلقات ہوتے بہت خطوط لکھتے بلکہ بعض اوقات ایک ایک دن میں دو دو تین تین خط لکھ دیتے۔

سکول اور کالج ڈیبیٹ میں ہمیشہ حصہ لیتے اور بحث میں شگفتگی پیدا کر دیتے۔

بچپن ہی سے پان بہت کھاتے تھے۔ شربت یا سوڈا واٹر بے حد برف ڈال کر خوب ٹھنڈا کر کے پیتے۔ احمدیہ ہوسٹل کے زمانہ سے اور پھر اس کے بعد تک چائے خوب گرم پیتے۔ بچپن کے زمانہ یعنی سکول کے وقت سے ہی نظم لکھتے تھے۔ واقعات کو دلچسپ پیرائے میں منظوم کر لیتے۔ اگر کسی لڑکے سے پرخاش ہو جاتی تو پھر اس کی ہجو بھی لکھتے۔ اور ہم جماعت لڑکوں کو اکٹھا کر کے فرصت کے وقت میں سناتے اور خاصہ مشغلہ ہو جاتا۔ ایک زمانہ میں کچالو کھانے کا بہت شوق ہو گیا تھا۔ بعض اور دوست کچالو کھانے کے شوقین تھے۔ ان کے ساتھ مل کر بہت کچالو کھایا کرتے۔ مٹھائی میں برفی بہت پسند تھی مچھلی بھی بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ احمدیہ ہوسٹل کے زمانہ میں موری دروازہ لاہور کے

باہر باغ میں مختلف قسم کے مذہبی خیالات کے لوگ شام کے وقت اکٹھے ہو جایا کرتے۔ اس میں دہریہ بھی ہوتے آریہ اور سناتن دھرمی بھی۔ خادم صاحب اکثر اس مجلس میں شامل ہوتے اور خوب بحث مباحثہ رہا کرتا۔ اور بعض اوقات اچھا خاصا مجمع ہو جایا کرتا۔

مجھے ایک مثال بھی یاد نہیں کہ خادم صاحب سے کسی نے احمدیت پر کسی اعتراض کا جواب پوچھا ہو۔ اور انہوں نے کہا ہو کہ مجھے ابھی فرصت نہیں کہ یا موقع نہیں یا پھر کسی وقت آیئے۔ طبیعت میں شگفتگی تھی اور بعض محاورات کو مزاحیہ رنگ میں دے کر اسے بار بار دہراتے تو ایک مذاق بن جاتا اور پھر دوسرے بھی اس کی نقل کرنے لگتے۔ مثلاً یہ کہنا کہ میں طبیعت صاف کر دوں گا۔ اس کی بجائے کہتے کہ میں طبیعت کپڑ چھان کر دوں گا وغیرہ۔ نظم خوب کہہ لیتے تھے۔ مگر میں نے کبھی ان کو اپنی نظموں کا ریکارڈ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ البتہ اکثر اپنی دینی نظمیں الفضل وغیرہ میں شائع کروا دیا کرتے۔

اکثر حوالے انہیں ازبر یاد ہوتے اور جب دوران تقریر میں وہ حضرت مسیح موعودؑ کی وہ تحدّیانہ تحریریں جو حضور نے مخالفین کو چیلنج کر کے لکھیں ہیں زبانی جوش کے ساتھ فر فر سناتے تو ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی۔

الزامی جواب ان کی طرف سے خاص طور پر زور آور ہوا کرتا تھا۔ اور معترض بعض اوقات سٹ پٹا اٹھتا تھا۔

حضرت .... خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی دعا اور توجہ پر کامل یقین تھا۔ اور اطاعتِ امام کے نہایت اعلیٰ مقام پر تھے۔ حضور سے بے حد محبت اور عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ عزیز عبدالباسط صاحب کو بہت تیز بخار تھا۔ ادھر حضور نے خادم صاحب کو طلب فرمایا ہوا تھا۔ بچہ کو اسی حالت میں چھوڑ کر چل پڑے۔ اس کی شدید بیماری کے متعلق تشویش اتنی تھی کہ جب گجرات اسٹیشن پر آ کر معلوم ہوا کہ گاڑی لیٹ ہے اور ابھی کچھ وقت باقی ہے۔ تو اسٹیشن سے پھر گھبرائے ہوئے گھر بچہ کو دیکھنے آئے۔ لیکن بچہ کو اسی حالت میں چھوڑ کر چل پڑے۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عزیز کی بیماری کا ذکر کیا۔ اور کہتے تھے کہ حضور نے جس توجہ سے سنا۔ مجھے اسی وقت یقین ہو گیا کہ حضور کی دعا سے بچہ کی بیماری جاتی رہے گی۔ چنانچہ بعد میں جب گھر واپس پہنچے تو معلوم ہو کہ بچہ کا بخار اسی وقت ہی اتر گیا تھا۔"

("الفرقان" جنوری ۱۹۵۹ء صفحہ ۲۶ و صفحہ ۲۷)

۸۰ مکرم جناب محمد عبدالحق مجاہد امرتسری گنج مغلپورہ (لاہور)

"حضرت ملک عبدالرحمن صاحب خادم سے میرا تعارف ۱۹۳۲ء میں ہوا جبکہ آپ نے "احمدیہ فیلو شپ آف یوتھ" کے نام سے ایک انجمن قائم کی اس انجمن کے اغراض ومقاصد یہ تھے کہ تبلیغ احمدیت کے لئے لٹریچر شائع کرنا اور احمدیت پر اعتراضات کے جواب دینا خواہ وہ اعتراض تقریری رنگ میں ہوں یا تحریری آپ اس انجمن کے پہلے پریذیڈنٹ تھے۔ ہر ماہ ایک ٹریکٹ چار صفحات کا شائع ہوتا تھا جو مرحوم خادم صاحب خود تحریر فرماتے تھے اور ہر ممبر کو ۲۵ عدد ٹریکٹ تقسیم کیلئے ملتے تھے آپ کے ان ٹریکٹوں نے لاہور میں ایک آگ لگا دی مخالفین نے احمدیت کی مخالفت ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اخبار زمیندار میں مضامین شائع کرنے کے علاوہ اسلامیہ کالج کی مسجد مبارک کو بطور اڈا مقرر کیا گیا۔ ہفتہ میں تین بار اس مسجد میں احمدیت کے خلاف تقریریں ہوتی تھیں اس کے جواب میں احمدیہ بیت لاہور میں خود جناب ملک عبدالرحمن صاحب خادم ان تقریروں کا جواب دیتے تھے یہ سلسلہ برابر کئی ہفتے چلتا رہا آخر حکومت کی طرف سے دونوں فریقوں کو نوٹس دیئے گئے اور مقدمہ دائر کیا گیا جماعت کی طرف جناب عزت مآب چوہدری ظفراللہ خاں صاحب پیش ہوئے اور تمام احمدی اصحاب کو ضمانتوں پر رہا کیا گیا مگر فریق مخالف نے ضمانت دینے سے انکار کر دیا۔ اور ان کو جیل بھیج دیا گیا مقدمہ انگریز مسٹر ڈزنی کی عدالت تھا مخالف علماء نے مرحوم خادم صاحب پر متواتر ۴½ گھنٹے جرح کی اور پہلے ہی دن مخالفین کو شکست ہوئی اس مقدمہ کو سننے کے لیے امرتسر سے مولوی ثناءاللہ صاحب وحبیب اللہ صاحب کلرک خاص طور پر لاہور آئے ہوئے تھے آپ کے دلائل اس قدر برجستہ اور وزن دار تھے کہ مسٹر ڈزنی بہت متأثر ہوئے آپ کی تقریر میں ایک خاص رنگ ہوتا تھا آپ سامعین پر چھا جاتے تھے۔ گنج مغلپورہ میں احرار کا بہت زور تھا ہر پندرہ دن کے بعد ہمارے خلاف جلسہ کیا جاتا تھا اس کے جواب میں مرحوم خادم صاحب چھ چھ گھنٹے متواتر تقریر کرتے تھے اس قدر لمبی تقریر آپ نے سوائے مغلپورہ میں اور کسی جگہ نہیں کی ایک دفعہ احرار نے بغیر اشتہار چھپوائے جلسہ کیا حاضرین کی تعداد ہزاروں تھی لال حسین اختر نے اس جلسہ میں بڑی تعلیوں سے کام لیا اور کہا کہ خادم میرے مقابلہ میں نہیں آسکتا اتفاق سے آپ سیر کرتے ہوئے گنج میں آگئے اور بیت میں دوستوں کو بیٹھے دیکھ کر فرمایا کہ کیا مشورہ ہو رہا ہے یہ بتانے پر کہ لال حسین نے یہ فقرہ آپ کے متعلق کہا ہے فرمانے لگے یہ اس کا آخری جلسہ ہے پھر کبھی وہ اس جگہ نہیں آئے گا یہ

کہہ کر آپ جلسہ گاہ کی طرف روانہ ہو گئے لال حسین اختر تقریر کر رہا تھا کہ آپ نے گرج کر کہا سائیں صاحب خادم آ گیا ہے آپ کا یہ کہنا تھا کہ جلسہ گاہ پر سناٹا چھا گیا اور کئی منٹ تک خاموشی طاری رہی آخر مناظرہ کی طرح ڈالی گئی اور ۲/۱ ۳ گھنٹہ آپ نے مناظرہ کیا اس کے بعد آج تک احرار کی طرف سے گنج مغلپورہ میں کوئی جلسہ نہیں ہو سکا اس کے مقابل جماعت احمدیہ مغلپورہ متواتر اپنا سالانہ جلسہ کرتی رہی جو کامیابی کے ساتھ ہوتا رہا یہ واقعات ۱۹۳۲ء سے لے کر ۱۹۳۵ء تک کے ہیں۔

۹ ۔ اہلحدیث عالم جناب مولوی ابو یحییٰ امام خاں صاحب نوشہروی

"میری ان کی ملاقات کی تقریب میری طرف سے ان کی اور ان کے مسلک کی دشمنی سے شروع ہوئی۔ جو بعد میں ان کی محبت مگر ان کے مسلک کے معاملہ میں بدستور دشمنی پر قائم رہی۔ کاش اس بارہ میں اور شدت کی گنجائش ہوتی اور اے کاش خادم صاحب کی محبت میں اور ازدیاد ہو سکتا۔

تقسیم وطن سے چودہ سال قبل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں "تحریک احمدیت" کی باقاعدہ بنیاد رکھ دی گئی۔ اُدھر سے باقاعدہ کام شروع ہو گیا اِدھر سے احراری خیالات کے طلبہ نے بے قاعدگی سے استقبال شروع کر دیا۔ مولانا ظفر علی خاں مرحوم کو دعوت دی گئی سید بخاری کو بلایا گیا اور یونیورسٹی کتاب "قادیانی مذہب" مرتبہ الیاس برنی کا عملی رخ بن گئی۔ آپ کے فرقہ کے سالانہ جلسہ سیرۃ النبیؐ کا اعلان ہوا۔ ہم لوگ پہلے سے منتظر تھے۔ جلسہ شہر کی مشہور عمارت لائل لائبریری میں ہونا تھا۔ احراری طلبہ نے کسی اشتہار کے بغیر یونیورسٹی کے ایک ایک فرد کو اطلاع کر دی۔ قرار پایا کہ جلسہ گاہ کے دروازہ پر پکٹ لگائی جائے احراری طلبہ میں سے کوئی صاحب عملاً گیٹ پر کھڑے نہ ہو سکے بخلاف ان کے آپ کے گروہ کے مشہور ممبر ڈاکٹر عنایت اللہ شاہ صاحب فریق مخالف پر نگرانی کے لیے آتے جاتے رہے۔ جلسگاہ کے داخلہ کا ایک ہی گیٹ تھا۔ جس پر پکٹ کے لیے مجھے نامزد کیا گیا۔ قابل دید منظر تھا گیٹ سے باہر دُور تک کالی شیروانی اور ترکش کیپ والے طالب علم کھڑے تھے اور ایک طرف بشری نظارے باز تھے۔ گیٹ پر صرف ایک طرف راقم السطور اور دوسری طرف عبد السلام عمر ڈاکٹر عبد الرحمٰن نومسلم نیز دو ایک اور صاحب تھے۔ پکٹ جاری رہی اتنے میں آپ کے سلسلہ کے داعظین تشریف لائے

ان میں ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم بھی تھے۔ اس وقت تک ہم دونوں ایک دوسرے سے شناسا نہ تھے۔ جلسہ اپنے پروگرام کے مطابق جاری رہا۔ گیٹ پر سے پرندہ بھی ہو کر نہ گزرا صرف ایک شہری دیوار پھاند کر ہال میں گھس گئے۔ بعد میں انہوں نے مجھ سے معافی طلب کی۔۔۔ اس سے دس سال بعد ۱۹۴۱ء میں گجرات جانے کا اتفاق ہوا۔ ممدوح کی مدوّنہ کتاب احمدیہ پاکٹ بک دیکھی۔ جو فنی طور پر نہایت سلیقہ سے مرتّب کی گئی ہے۔ ایسے باکمال مصنّف سے ملاقات کے بغیر واپس جانا شیوہ انصاف سے بعید ہے پہلی ملاقات پر عرض کی۔

"علی گڑھ کے آخری جلسۂ سیرۃ میں جس شخص نے آپ حضرات کے مقاطعہ کے لیے پکڑ کی تھی وہ مَیں ہوں۔ میرا عقیدہ اور عمل اب بھی اس انداز پر ہے لیکن آج آپ کی مؤلفہ کتاب احمدیہ پاکٹ بک دیکھ کر خیال گزرا کہ آپ جیسے صاحبِ فن کی ملاقات کے بغیر لوٹنا شیوہ انصاف سے بعید ہے۔

کتاب الف سے لے کر ی تک غلط سہی لیکن فنی طور پر اس میں کوئی سقم نہیں ملک صاحب آپ نے غضب ڈھا دیا۔"

ممدوح نے جلسہ اور سلسلہ کی کوئی بات نہیں کی مگر اس روز کا الفضل مجھے پورا سنا دیا۔ جس سے مَیں تلملا اٹھا دوسرے روز پھر حاضر ہوا آج بھی تازہ الفضل کا ایک ایک حرف سنا ڈالا تیسرے روز بھی یہی انداز! مجھے ان کی اس رفتار پر حیرت نہ تھی۔ کذالک یفعلون۔ تعجّب اس پر تھا کہ اگر ان سے اس طرح سنتا رہا تو یہ مجھے کہیں کا رہنے نہ دیں گے؟ مَیں نے مولانا احمد یار خان صاحب سے ان کے مناظرہ کی طرح ڈال دی۔ مولانا ممدوح ہمارے عقیدہ میں بریلوی ہیں۔ باخبر! یہ مناظرہ ممدوح کی مسجد کے ایک حجرہ میں ہوا۔ مضمون یاد نہیں دونوں صاحبوں نے سلجھی ہوئی باتیں کیں! کہنا یہ تھا کہ یہاں بھی ملک صاحب کی رفتار کا یہی عالم دیکھنے میں آیا بلا تکان مصروف گویائی ہیں۔

اس سے پہلے ان کا ایک مناظرہ وزیر آباد میں مولانا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے ساتھ سُنا۔ مولانا ممدوح اپنے شکار کو گھیرنے میں بڑے ہوشیار تھے یہ عمل یہاں بھی جاری تھا۔ خادم صاحب ان کی گرفت سے اس لیے نہ گھبرائے کہ وہ صرف اسی ایک موضوع پر گفتگوئے مناظرہ کا عمل پیرا ہے ورنہ مولانا امرتسری کے سامنے کس کے قدم جم سکتے تھے۔ آخر اس شعر پر جھگڑا ہو گیا۔

بڑا مزہ ہو کہ محشر میں ہم کریں شکوے
وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لیے

اتنے میں مولوی ظفر علی خاں صاحب تشریف لے آئے اور ثالث کی حیثیت سے خادم صاحب کے دعویٰ پر خلاف ڈگری دی۔ گجرات کی ملاقاتوں میں ملک صاحب کی طرف سے تواضع کا ذکر قلم انداز کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ بھی تفصیل کا مقتضی تھا۔

ممدوح سے آخری ملاقات لاہور جودھامل بلڈنگ کے اس جلسہ سے باہر ہوئی جس میں تقسیم کے بعد خلیفہ صاحب کی غالباً پہلی تقریر تھی۔ یہ ملاقات تھی۔ وقت کے اعتبار سے مختصر مگر کیفیت کے لحاظ سے مسرت انگیز تھی۔ ملک صاحب مجھ سے کتابوں کے حصول کا تذکرہ فرمایا کرتے۔ آج بھی یہی اذکار تھے۔ ایک مرتبہ نواب صدیق حسن خاں صاحب کی تالیف اقتراب الساعۃ کے لیے فرمایا یہ کتاب ہمارے سلسلہ کے ایک دوست محمد علی صاحب تارکش جے پوری کے پاس تھی۔ میں نے خادم صاحب کے نام بھجوا دی اور خود جو قیمت تجویز کی ممدوح نے انہیں منی آڈر کر دیا۔

میں اپنے جن شناساؤں کے متعلق دریافت کرتا رہتا ہوں ان میں سے ملک صاحب ممدوح بھی ہیں۔ ربوہ میں ۱۹۵۷ء کے جلسہ سالانہ کا پروگرام پڑھا تو ان کا نام نہ تھا۔ لیکن جنوری میں احمد حسین صاحب ہیڈ کاتب الفضل سے یہ سن کر سکتہ ہو گیا۔ کہ ممدوح تو جلسہ کے دوران میں میو ہسپتال میں تھے اور یہیں انتقال فرمایا۔ (ابو یحییٰ امام خان نوشہروی یکم فروری ۱۹۵۸ء)[1]

خالد احمدیت ایک شاعر کی حیثیت سے

حضرت ملک صاحب کا ادب و تنقید اور شاعری میں بھی بلند مقام حاصل تھا۔

آپ پوری عمر گجرات کے ادبی حلقوں پر چھائے رہے۔ معروف پنجابی شاعر استاد امام دین صاحب گجراتی نے "بانگ دہل" شائع کی جس کا دیباچہ آپ نے لکھا جو آپ کے پاکیزہ اور نفیس ذوقِ سخن کا آئینہ دار تھا۔ اخبار "فاروق" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا شعری کلام ۱۹۳۱ء

[1] مراسلہ بنام ملک مبارک احمد خاں ایمن آبادی۔ مدیر "رفتار زمانہ"۔ (مطبوعہ الفرقان جنوری ۱۹۵۹ء، صفحہ ۲۴ صفحہ ۲۵)

سے جماعت احمدیہ کے پبلک حلقوں میں شائع ہونا شروع ہو چکا تھا[1]۔ آپ کے پُر جوش تبلیغی کلام میں سے درج ذیل ایمان افروز اور پُر شوکت نظم کو جماعت میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔

جہاں میں احمدیت کامیاب و کامراں ہو گی

خدائے بے مثال و بے چگوں کی ہے قسم مجھ کو
خدائے واقفِ رازِ دلوں کی ہے قسم مجھ کو

قسم مجھ کو خدائے پاک کی شانِ جلالی کی
قسم ہے مجھ کو ربِّ کعبہ کی درگاہِ عالی کی

قسم مجھ کو زمیں پر بارشیں برسانے والے کی
ردائے نیلگوں افلاک کو پہنانے والے کی

قسم مجھ کو خدائے پاک و برتر کی خدائی کی
قسم مجھ کو الٰہُ العالمین کی کبریائی کی

قسم اُس ذات کی جس نے محمدؐ کو کیا پیدا
قسم اس ذات کی جس نے ہمیں اس کا کیا شیدا

قسم اُس ذات کی جس نے قمر کو نور بخشا ہے
قسم اس ذات کی جو بے بدل ہے اور یکتا ہے

قسم نرگس کو متوالی نگاہیں دینے والے کی
گلوں کو حسن اور بلبل کو آہیں دینے والے کی

---

[1] فاروقی میں مطبوعہ چند ابتدائی نظمیں "گدائے لم یزل بجواب شکوہ زمیندار" (فاروق، نومبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۱) "نقاشِ خفاش" (فاروق، ۷ دسمبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۱)

قسم عشّاق کے دل میں محبّت بھرنے والے کی
رُخِ خوبانِ عالم کو منوّر کرنے والے کی
قسم ہے اس عزیز و غالب و مختار ہستی کی
ہے جس کے ہاتھ میں ہر شئے بلندی اور پستی کی
جہاں میں دیکھ لینا احمدیت پھیل جائے گی
مسیحا کے عدو کی فوج رسوائی اٹھائے گی
یقیناً لشکرِ شیطان شکستِ فاش کھائے گا
عَلَم اسلام کا سارے جہاں پر لہلہائے گا
ہماری فتح کا نقّارہ بجتا کُو بکُو ہو گا
مرے محمُود کا شہرہ جہاں میں چارسُو ہو گا
اسیرانِ جہاں کی رستگاری بالیقیں ہو گی
مُفاسد سے سراسر پاک یہ ساری زمیں ہو گی
صداقت میرے آقا کی زمانے پر عیاں ہو گی
جہاں میں احمدیت کامیاب و کامراں ہو گی
مدد انصارِ دیں کی آسماں سے بے گماں ہو گی
عدوانِ محمّد کو سزا عبرت نشاں ہو گی
خدا خود جبر و استبداد کو برباد کر دے گا
وہ ہر سُو احمدی ہی احمدی آباد کر دے گا
وُہ منظر کس قدر خاطر مسرت آفریں ہو گا
زمانے پر مسلّط جب مرے آقا کا دیں ہو گا [1]

[1] الفرقان جنوری ۱۹۵۹ء

تصنیفات

۱۔ "پیشگوئی متعلقہ مرزا احمد بیگ وغیرہ" (۱۹۳۳ء)

۲۔ مذہبی انسائیکلو پیڈیا یا مکمل تبلیغی پاکٹ بک[۱] (پہلا ایڈیشن دسمبر ۱۹۳۲ء[۲])

۳۔ چوہدری محمد حسن چیمہ کی افتراء پردازیوں کا جواب (۱۹۵۷ء)

پمفلٹ ۱۔ "نیر صداقت" اشاعت ۱۹۲۸ء ناشر انجمن احمدیہ ضلع گجرات۔[۳]

(الف) ۲۔ اسلام اور آریہ دھرم

۳۔ اجرائے نبوت پر ردّ انقطاع نبوت

۴۔ خدا کی عبادت کیوں اور کیسے کرنی چاہیئے۔؟

۵۔ قرآن کریم کی روح سے سلسلہ نبوت جاری ہے (احسان کے سلسلہ مضامین کا جواب[۴] محررہ

---

[۱] جیبی تقطیع کی سب سے پہلی "احمدی پاکٹ بک" سید عبدالحی عرب صاحب نے خلافت اولی میں شائع کی خلافت ثانیہ میں ایک پاکٹ بک مولوی غلام احمد صاحب فاضل بدوملہی نے تصنیف فرمائی اور ایک فخر الدین ملتانی مالک احمدیہ کتاب گھر قادیان نے مولانا ابوالعطاء صاحب: مولوی قمر الدین صاحب اور دوسرے علماء کی مدد سے شائع کی۔ ایک احمدیہ پاکٹ بک حضرت میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر فاروق کے قلم سے بھی نکلی۔ ان سب سے سلسلہ کے لٹریچر میں مفید اضافہ ہوا مگر قبول عام اور شرف دوام کی سند خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملک صاحب مرحوم کی پاکٹ بک ہی کو حاصل ہوئی۔ یہ معرکہ آراء کتاب بلا مبالغہ ایک علمی شاہکار ہے جس کے چھ ایڈیشن آپ کی زندگی میں چھپے۔ آخری اور چھٹا ایڈیشن
درستی کے فرائض مولوی محمد اسماعیل صاحب دیالگڑھی مبلغ سلسلہ نے انجام دیئے ساتواں ایڈیشن ۱۹۹۸ء میں نظارت اشاعت ربوہ نے شائع کیا
درستی کے فرائض مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دیالگڑھی مبلغ سلسلہ احمدیہ نے انجام دیئے۔

[۲] اس کی پہلی اشاعت پر حضرت میر قاسم علی صاحب نے اخبار فاروق ۲۱۔۱۴ دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۵، ۱۶ پر مفصل اشتہار دیا جس کے آخر میں لکھا "میں دعوی سے کہتا ہوں کہ اس پاکٹ بک کو جیب میں رکھ کر کوئی شخص کسی میدان میں بھی شرمندہ نہیں ہو سکتا بلکہ باطل کو کچلنے اور حق کا بول بالا کرنے میں یقینی طور پر فتحیابی اور کامیابی کا سہرا حاصل کرے گا۔"

فروری ۱۹۳۵ء ناشر سیکرٹری انجمن احمدیہ بیرون دہلی دروازہ لاہور)

۶۔ ۱۳۴۰ ہجری بھی گزر گیا۔ ۷۔ معیار الصادق

۸۔ کیا مسیح ناصریؑ نے مردے زندہ کیے۔ ۹۔ یاجوج ماجوج

۱۰۔ کشف الحجاب فی تعبیر الخواب۔ ۱۱۔ امام وقت کی بیعت ضروری ہے؟

(مندرجہ ذیل پمفلٹ "احمدیہ" فیلوشپ آف یوتھ لاہور" نے اسی ترتیب سے شائع کیے)

۱۲۔ پیارا مسیح موعودؑ۔ ۱۳۔ ردّ فضیلت مسیح۔ ڈیکم دسمبر ۱۹۳۲ء)

۱۴۔ خدا کا مسیح موعودؑ۔ (جنوری ۱۹۳۳ء)

۱۵۔ معیار صداقت (مولوی میر محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کے اشتہار "معیار نبوت" کا جواب) مطبوعہ غالب پریس سیالکوٹ سرائے مہاراجہ روڈ

۱۶۔ کرشن اوتار ۱۷۔ مسیح موعود کی صداقت پر بائبل کی شہادت (۱۵ اپریل ۱۹۳۳ء)

۱۸۔ اسلام کا مسیح موعودؑ (۱۶ اپریل ۱۹۳۳ء) ۱۹۔ احمدی فریق لاہور کے عقائد

۲۰۔ سلطان القلم مسیح موعودؑ۔ ۲۱۔ نشانات صداقت (۱۳ جولائی ۱۹۳۳ء)

۲۲۔ اولوالعزم مسیح موعودؑ (۸ اگست ۱۹۳۳ء)

۲۳۔ آہ نادر شاہ کہاں گیا؟ (۵ نومبر ۱۹۳۳ء)

۲۴۔ "اسلام اور عیسائیت" (۴ مارچ ۱۹۳۴ء)

۲۵۔ علم قرآن مسیح موعودؑ (۱۲ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

۲۶۔ صادقوں کی نشانی (۱۹ دسمبر ۱۹۳۴ء)

(بقیہ حاشیہ ص۷۱۴) ۴۲ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ کریسنٹ سٹیم پریس گجرات سے چھپا۔ اسکے سرورق پر لکھا تھا "نیر صداقت یعنی (غیر مبائعین کے رسالہ) تناقضات مابین اقوال حضرت صاحب و میاں صاحب کا دندان شکن جواب مؤلفہ ملک عبدالرحمن صاحب خادم گجراتی سیکرٹری ینگ مین احمدیہ ایسوسی ایشن گجرات (پنجاب)

۱؎ فہرست اذا الصحف نشرت ص۲۴ ناشر میاں عبدالعظیم صاحب درویش قادیان۔

۲۷۔ گالیوں کا جھوٹا الزام (۴؍ فروری ۱۹۳۵ء)

۲۸۔ خاتم النبیین کا صحیح مفہوم (۲۲؍ جون ۱۹۳۵ء)

یہ پمفلٹ " سیکرٹری تبلیغ جماعت احمدیہ گجرات کی جانب سے شائع ہوا۔

فصلِ چہارم

۱۹۵۷ء / ۱۳۳۶ھش کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ میں تقاریبِ مسرت

۱۔ ۲۱ر نومبر ۱۹۵۷ء کو صاحبزادی امۃ المتین بیگم صاحبہ بنت سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی تقریب رخصتانہ عمل میں آئی۔ آپ کا نکاح جلسہ سالانہ ۱۹۵۵ء کے موقع پر حضورؓ نے حضرت سید محمد اسحٰق صاحب کے فرزند سید محمود احمد صاحب ناصر سے پڑھا تھا۔

۲۔ ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کا نکاح سیدہ آصفہ بیگم صاحبہ بنت صاحبزادہ مرزا رشید احمد صاحب سے حضرت مصلح موعودؓ نے پڑھا۔ ۹ر دسمبر کو شادی کی مبارک تقریب ہوئی اور ۱۱ر دسمبر بروز بدھ دعوتِ ولیمہ کا انعقاد ہوا جس میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی دعوت پر خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ کے بزرگ افراد حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب نیز حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب اور بعض دیگر رفقاءِ حضرت اقدس اور ناظر اور وکلاء صاحبان نے شرکت کی۔[1]

ولادت

۱۔ صاحبزادی امۃ الغفور صاحبہ بنت صاحبزادی امۃ النصیر صاحبہ (بیگم پیر معین الدین صاحب) ۱۶ر مئی ۱۹۵۷ء[2] ۲۔ صاحبزادہ طاہر احمد صاحب ابن صاحبزادی امۃ الجمیل صاحبہ (بیگم چوہدری ناصر محمد صاحب سیال) ۔ ۷/۸ جون ۱۹۵۷ء[3]

---

[1] الفضل ۲۳ر نومبر ۔ ۷ر دسمبر ۔ ۱۱ر دسمبر ۔ ۱۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۱

[2]–[3] الفضل ۱۸ر مئی ۔ ۹ر جون ۔ ۱۱ر دسمبر ۔ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۱

۳- سیدہ امۃ الرؤوف صاحبہ بنت صاحبزادی امۃ الحکیم صاحبہ (بیگم سید داؤد مظفر احمد شاہ صاحب) ۶؍ستمبر ۱۹۵۷ء[1]۔

۴- صاحبزادہ مرزا عبدالصمد صاحب ابن صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب - ۱۱؍اکتوبر ۱۹۵۷ء[2]

نمایاں کامیابی

یہ سال بھی احمدی جوانوں اور احمدی خواتین کی علم و عمل میں کامیابیوں کا پیغام لے کر آیا۔

۱- تعلیم الاسلام کالج یونین کے نمائندہ جناب عبداللہ ابوبکر صاحب متعلم سال دوم نے خیبر یونیورسٹی کی طرف سے منعقدہ انگریزی مباحثے میں سوم پوزیشن حاصل کی[3]

۲- ڈاکٹر میر مشتاق احمد صاحب - ایم ۔ایس ۔سی، پی ایچ ڈی ہائیڈرولک انجینئر مغربی پاکستان کو مغربی پاکستان انجینئرنگ کانگرس کی طرف سے اگلے اکتالیسویں اجلاس میں تونسہ بیراج کے سلسلہ میں نئی تحقیقات میں بہترین تحقیقی مقالہ پیش کرنے پر کانگرس گولڈ میڈل دیا گیا[4]

۳- تعلیم الاسلام کالج ربوہ نے یونیورسٹی بوٹ ریسنگ ریس میں چیمپئن شپ جیت لی یہ اعزاز کالج کو گذشتہ آٹھ سال سے حاصل تھا[5]

۴- زاہدہ پروین صاحبہ طالبہ ۔ نصرت گرلز ہائی سکول ربوہ (بنت حافظ عبدالسلام صاحب) میٹرک کے بورڈ کے امتحان طالبات میں سوم آئیں[6]

۵- چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر انچارج احمدیہ مشن امریکہ کو مورخہ ۹؍جون ۱۹۵۷ء پولیٹیکل سائنس میں پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی[7]

۶- مغربی پاکستان سٹیٹ میڈیکل فیکلٹی کے زیر اہتمام ایل۔ ایس۔ ایم۔ ایف کا امتحان ہوا جس میں کوثر تسنیم صاحبہ (بنت مکرم خان اختر احمد خان صاحب سپرنٹنڈنٹ ورکشاپ زراعتی کالج لائلپور (فیصل آباد) اوّل آئیں[8]

لے ۲ الفضل ۱۸؍مئی - ۹؍جون - ۱۱؍ستمبر - ۱۳؍اکتوبر ۱۹۵۷ء ص۱ ؛ ۳ الفضل ۲۴؍فروری ۱۹۵۷ء ص۱ ؛ ۴ الفضل ۲۴؍فروری ۱۹۵۷ء ص۶ ؛ ۵ الفضل ۲۷؍فروری ۱۹۵۷ء ص۸ ؛ ۶ الفضل ۱۹؍جون ۱۹۵۷ء ص۴ ؛ ۷ الفضل ۱۹؍جون ۱۹۵۷ء ص۱
۸ الفضل ۱۸؍جولائی ۱۹۵۷ء ص۵

۷۔ خلیل حی صاحب (ابن مکرم محمد عبدالحی صاحب) چھلی بندی حیدرآباد (دکن) میٹرک کے امتحان میں اعلیٰ ریاضی میں سو فی صد نمبر لے کر اوّل رہے۔ اس امتحان میں تین ہزار دو صد طلباء شریک ہوئے تھے[1]

۸۔ منور احمد صاحب (ابن مکرم ظفر علی صاحب چدھڑ صدر جماعت احمدیہ گکھڑ) ایف ایس سی میڈیکل میں ۶۷۴ نمبر لے کر پنجاب یونیورسٹی میں سوم رہے[2]

۹۔ سیدہ نسیم شفیع صاحبہ (بنت حضرت سید ابوالبرکات ڈاکٹر شفیع احمد صاحب محقق دہلوی) ایم۔ اے اسلامیات میں یونیورسٹی کی تمام طالبات میں اوّل آئیں اور ۴۲۵ نمبر حاصل کیے۔ اور ان کی ہمشیرہ محترمہ سیدہ رضیہ شفیع صاحبہ ایف اے کے امتحان میں بورڈ کی طالبات میں چھٹے نمبر پر رہیں[3]

۱۰۔ چوہدری محمد سلطان اکبر صاحب ربوہ بی۔ اے آرٹس پنجاب یونیورسٹی میں چہارم[4] اور بی اے عربی میں دوم آئے[5]

۱۱۔ طیبہ جبین صاحبہ (بنت مکرم مرزا نثار احمد فاروقی پشاور) ایف ایس سی میڈیکل کے امتحان میں ۳۲/۴۲ ۵ نمبر لے کر یونیورسٹی بھر میں اوّل رہیں[6]

۱۲۔ منیر احمد صاحب رشید قلعہ گوجر سنگھ لاہور ایم۔ اے ریاضی میں ۳۷/۶ نمبر لے کر پنجاب یونیورسٹی میں اوّل آئے[7]

۱۳۔ منظور النساء بیگم صاحبہ (بنت جناب محمد اسمٰعیل صاحب معتبر سابق آڈیٹر تحریک جدید) ایم اے عربی میں جملہ طالبات میں اوّل رہیں[8]

۱۴۔ چوہدری منظور احمد صاحب باجوہ (ابن چوہدری محمد عالم صاحب نمبردار فتح پور ضلع سیالکوٹ) ایم۔ ایس سی کیمیکل ٹیکنالوجی میں ۸۰۳ نمبر لے کر پنجاب یونیورسٹی میں سوم آئے[9]

۱۵۔ جناب صلاح الدین صاحب (ابن مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ) نے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کے امتحان میں یونیورسٹی میں چوتھی پوزیشن حاصل کی[10]

---

[1] بدر قادیان ۱۸ جولائی ۱۹۵۷ء صفحہ ۸ [2] الفضل ۲۰ جولائی ۱۹۵۷ء صفحہ ۶ [3] الفضل ۲۸ جولائی ۱۹۵۷ء صفحہ ۶ [4] الفضل ۱۳ اگست ۱۹۵۷ء صفحہ ۱ [5] الفضل ۱۱ ستمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۴ [6] الفضل ۱۶ اگست ۱۹۵۷ء صفحہ ۸ [7] الفضل ۲۰ اگست ۱۹۵۷ء صفحہ ۱ [8] الفضل ۲۵ اگست ۱۹۵۷ء صفحہ ۳ [9] الفضل ۲۴ ستمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۶ [10] الفضل ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۸

۱۶۔ تعلیم الاسلام کالج کی یونیورسٹی فٹ بال ٹیم نے گارڈن کالج[1] اور اسلامیہ کالج گوجرانوالہ کی ٹیموں کو شکست دی۔[2]

۱۷۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ کی کرکٹ ٹیم نے ضلع جھنگ کے ہائی سکولز ٹورنامنٹ میں ڈسٹرکٹ چیمپئن شپ جیت لی۔[3]

اسلام لاء کالج کولمبو کے طلباء قادیان اور ربوہ میں

اسلام لاء کالج کولمبو کا ایک وفد بھارت اور پاکستان کے دورہ پر ۲۴ دسمبر ۱۹۵۶ء کو مدراس بھی پہنچا جو پانچ مسلمان اور ایک بدھسٹ پر مشتمل تھا۔[4] جماعت احمدیہ مدراس کی طرف سے انہیں ڈنر دیا گیا۔ نیز ایڈریس اور لٹریچر پیش کیا گیا۔ ان دنوں مولوی شریف احمد صاحب امینی احمدیہ مشن مدراس کے انچارج تھے۔

یہ وفد ۳ جنوری ۱۹۵۷ء کو بمبئی[5] اور دلی سے ہوتے ہوئے قادیان پہنچا[6]۔ ان مقامات کی جماعتوں نے ان کے قیام کے نہایت عمدہ انتظامات کیے جس سے یہ وفد نہایت متاثر ہوا۔ قادیان میں بھی ان کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا اور سلسلہ کا لٹریچر پیش کیا گیا۔ وفد نے مقدس مقامات کی زیارت کی۔ تبلیغی گفتگو کے سلسلہ میں شیخ عبدالحمید صاحب عاجز بی۔اے نے خاص طور پر حصہ لیا۔[6]

یہ وفد قادیان کی زیارت کے بعد پاکستان آیا اور ۴ جنوری کو بوقت شام لاہور سے ربوہ پہنچا

---

[1] الفضل ۴ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲ [2] الفضل ۲۲ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱ [3] الفضل ۳ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱ [4] نام داؤ۔ ایل۔ ایم۔ منصور (لیڈر) جعفری ہاشم نمائندہ ڈیلی نیوز کولمبو، ایم۔ صلاح الدین، ایس۔ ایل۔ ایم۔ ابراہیم، اے۔ آر منصور اور کے۔ دیکا گاما

[5] جماعت احمدیہ بمبئی نے بھی وفد کا پرتپاک استقبال کیا اور دارالتبلیغ (الحق بلڈنگ) میں اس کے قیام و طعام کا خاص اہتمام کیا۔ قاضی سید امیرالدین صاحب آف دھارواڑ، نور حسین صاحب۔ سرفراز احمد صاحب بی اے اور مولوی سمیع اللہ صاحب انچارج دارالتبلیغ بمبئی نے وفد کو جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی سے آگاہ کیا۔ (بدر ۱۲ جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۱)

[6] بدر ۵ جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۱ و ۸

ممبرانِ وفد نے ربوہ کے مختلف ادارے دیکھنے کے علاوہ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ سے ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا نیز حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ ۵ رجنوری کی شام کو وکالت تبشیر کی طرف سے وفد کے اعزاز میں عصرانہ کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقعہ پر وفد کے لیڈر جناب وائی۔ ایل۔ ایم۔ منصور نے تقریر کرتے ہوئے اکناف عالم میں جماعتِ احمدیہ کی تبلیغی سرگرمیوں کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ تقریر کے دوران انہوں نے گزشتہ چند صدیوں میں مسلمانوں کی ابتر حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس امر پر زور دیا کہ مسلمانوں کو پھر سے اٹھانے اور انہیں بامِ عروج پر پہنچانے کے لیے ان میں اعلیٰ روحانی اقدار پیدا کرنے کی ضرورت تھی۔ یہ کام ایک ایسی تنظیم کے ذریعہ ہی انجام پا سکتا تھا جو سیاست سے بالا رہتے ہوئے روحانی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کرے۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جماعت احمدیہ کے ہاتھوں اس اہم کام کی بنیاد پڑ چکی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس جماعت کو مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا ہے لیکن اصلاح و ترقی کا کوئی ایک کام بھی ایسا نہیں ہے جس میں مخالفت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ مدراس سے لے کر ربوہ تک راستہ میں جماعت احمدیہ کی مختلف شاخیں ہمیں خوش آمدید کہتی رہی اور ہمیں خوش آمدید کہتی رہی ہیں۔ ان سے مل کر اور حالات کا بچشم خود مطالعہ کر کے ہمیں جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات کے متعلق بہت کچھ علم حاصل ہوا ہے اور جو اہم کام یہ جماعت سرانجام دے رہی ہے اس سے ہم لوگ بے حد متاثر ہوئے ہیں۔

جناب وائی۔ ایل۔ ایم۔ منصور نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا لاہور وغیرہ میں بعض لوگوں نے یہ کوشش بھی کی کہ ہم ربوہ جانے کا ارادہ ترک کر دیں۔ لیکن ہم جماعت احمدیہ کا مرکز دیکھنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ چنانچہ ہم یہاں آئے۔ ہمارا تاثر یہ ہے کہ جماعت احمدیہ اپنے عقائد پھیلانے میں کسی جبر یا دباؤ سے کام نہیں لیتی۔ وہ صرف عقل کو اپیل کرتی ہے اور فیصلہ دوسرے پر چھوڑ دیتی ہے کہ وہ ذاتی کوشش اور جدوجہد کے نتیجہ میں حق کو قبول کرے[1]

ربوہ میں ٹیلیفون کا اجراء ۱۸ جنوری ۱۹۵۷ء کا دوسرا ہفتہ مرکز احمدیت ربوہ کی ترقی کے لیے ایک

---

[1] الفضل ۸ رجنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۸

نیا سنگِ میل ثابت ہوا کیونکہ اس دوران یہاں ٹیلیفون جاری ہوگیا اور ۱۰ رجنوری ۱۹۵۵ء کو ٹیلیفون ایکسچینج کھول دیا گیا۔ ابتداء میں حسب ذیل چوبیس ۲۴ ٹیلیفون نصب ہوئے۔

سیدنا حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب المصلح الموعود، پرائیویٹ سیکرٹری خلیفۃ المسیح مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے، مرزا مبارک احمد صاحب، مرزا منور احمد صاحب، نواب محمد احمد خاں صاحب مرزا حفیظ احمد صاحب، ناظر صاحب بیت المال، افسر صاحب امانت، پرنسپل صاحبہ جامعہ نصرت، وکیل الزراعت صاحب تحریک جدید، خدام الاحمدیہ مرکزیہ، اخبار الفضل، ناظر صاحب اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ پاکستان، ناظر حفاظت، ناظر صاحب امور عامہ، جنرل سیکرٹری لجنہ اماء اللہ، فضلِ عمر ہسپتال، افسر انچارج صاحب ایم۔ این سنڈیکیٹ، میاں غلام محمد صاحب اختر، ٹیلیفون ایکسچینج انکوائری، پبلک کال آفس، سرگودھا ٹرنک کال، سیکرٹری میونسپل کمیٹی۔ ربوہ[1]

صدر شام شکری القوتلی کو تحفہ قرآن

جماعت احمدیہ ڈھاکہ کے ایک وفد نے جناب عبدالقادر[2] صاحب مہتہ کی زیر قیادت مورخہ ۱۶ رجنوری ۱۹۵۵ء گورنمنٹ ہاؤس میں شام کے صدر السید شکری القوتلی[3] سے ملاقات کر کے ان کی خدمت میں انگریزی ترجمۃ القرآن کا تحفہ پیش کیا۔ صدر موصوف اپنے دس روزہ دورۂ پاکستان کے سلسلہ میں ڈھاکہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ یہ تحفہ ایک نہایت خوبصورت بکس میں جو اس غرض کے لیے خاص طور پر تیار کیا گیا تھا ان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ صندوقچے میں چاندی کی ایک تختی پر صدر موصوف کا نام کندہ تھا۔ نیز اس پر ایک طرف ممبران وفد کے نام درج تھے۔ علاوہ ازیں صدر موصوف کی خدمت میں اس موقعہ پر عربی زبان میں نہایت نفاست سے فریم کیا ہوا خوش آمدید کا ایک ایڈریس بھی پیش کیا گیا۔ ایڈریس کا خلاصہ یہ تھا کہ

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۲ رجنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۸۔ [2] ابن حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی۔

[3] ولادت ۱۸۹۱ء وفات ۱۹۶۷ء مشہور عربی سیاسی مدبر۔ شام کو فرانسیسی استعمار سے آزادی ملی تو ملک کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ بعد ازاں کئی بار انتخاب میں کامیاب ہوئے۔ آخری انتخاب ۱۹۵۵ء میں ہوا۔ آپ اتحاد شام و مصر کے زبردست حامیوں میں سے تھے مگر بعض حالات کے باعث یہ اتحاد قائم نہ رہ سکا اور آپ نے سیاست سے علیحدگی اختیار کر لی۔

جماعت احمدیہ اگرچہ بلحاظ تعداد ایک چھوٹی سی جماعت ہے تاہم اس نے دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو سربلند کرنے اور اس کی اشاعت کا فریضہ ادا کرنے کے سلسلہ میں ایک عظیم ذمہ داری اپنے کندھوں پہ اٹھائی ہوئی ہے اس جماعت کے افراد اپنے موجودہ امام سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کی زیر ہدایت روحانیت کی پیاسی دنیا کے دور دراز علاقوں تک دین حق کے نور کو پھیلانے میں مصروف ہیں نہ افریقہ کے بیابان جنگل اور تپتے ہوئے صحرا جہاں نئی تہذیب اور نئے تمدن کا ابھی سایہ بھی نہیں پڑا ان کی پہنچ سے باہر ہیں اور نہ مغرب کے وہ متمدن شہر جنہیں اپنی مادی اور سائنسی ترقی پہ ناز ہے ان کے دائرہ عمل سے خارج ہیں مشرق و مغرب میں دین حق کو سربلند کرنے کی ایک سعی پیہم ان کا طرّہ امتیاز ہے۔

اس وقت جماعت کے سینکڑوں اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں نے جو پاکستانیوں، عربوں، جرمنوں، امریکیوں اور دوسری قوموں کے افراد پر مشتمل ہیں خدمتِ دین کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی ہیں۔ ایسے ایثار پیشہ نوجوانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور وہ دنیا کے دور دراز علاقوں میں خدمتِ دین کا فریضہ ادا کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ ان کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام روئے زمین پہ بسنے والی تمام قوموں تک پہنچ جائے۔ اور وہ سماجی انصاف اور اخوت و مساوات کی اسلامی تعلیم سے کما حقہٗ واقف ہو کر اس کو اپنانے پر آمادہ ہو جائیں اسی غرض کے پیشِ نظر جماعت احمدیہ نے دنیا کی تمام اہم زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے علاوہ ازیں دنیا کے مختلف علاقوں میں بیوت الذکر تعمیر ہو رہے ہیں۔ آپ دوستی اور اخوت کے ان رشتوں کو اور زیادہ مستحکم کرنے کی غرض سے تشریف لائے ہیں جو اسلام کی بعثت کے وقت سے ہمارے اور آپ لوگوں کے درمیان قائم چلے آ رہے ہیں۔ ہم سب ایک ہی جسم (یعنی ملت) کے مختلف اعضاء ہیں۔ ہم سب کا دین ایک۔ کتاب ایک۔ قبلہ ایک ہے اور ہم سب اللہ تعالیٰ کے ایک ہی رسول کی اُمت اور اس کے تابع فرمان ہیں۔

ہم ہیں آنمحترم کے انتہائی مخلص

ممبران وفد جماعت احمدیہ

(۱) عبدالقادر مہتہ (قائد وفد) (۲) چوہدری مختار احمد

(۳) ملک محمد طفیل (۴) خواجہ عبدالکریم

(۵) دولت احمد خاں خادم (۶) مولوی غلام احمد مربی انچارج[1]

ربوہ میں ایک احتجاجی جلسہ

حکومتِ بھارت کی طرف سے کشمیر کو بھارت میں مدغم کرنے کے اعلان پر ۲۶ جنوری ۱۹۵۷ء کو ربوہ میں یوم احتجاج منایا گیا۔ اس روز ربوہ میں صدر انجمن اور تحریک جدید کے جملہ دفاتر اور تعلیمی اداروں میں تعطیل عام رہی تمام دکانیں اور تجارتی کاروبار بند رہے اس روز بیت مبارک میں ایک احتجاجی جلسہ مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں آپ کے علاوہ میاں غلام محمد صاحب اختر ناظر اعلیٰ ثانی، مولانا ابوالعطاء صاحب قائد عمومی انصاراللہ مرکزیہ، مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ، چوہدری ظہور احمد صاحب سیکرٹری ری پبلکن پارٹی ربوہ نے خطاب کیا اور قرارداد کے ذریعہ اقوام متحدہ حکومت پاکستان اور عوام کو کشمیر کی آزادی کی طرف توجہ دلائی نیز یقین دلایا کہ "اس سلسلہ میں اگر حکومت پاکستان کوئی قدم اٹھائے تو جماعت احمدیہ ہر ممکن قربانی کے لیے تیار ہے"[2]

انڈونیشین قونصل قادیان میں

اسی روز یعنی ۲۶ جنوری ۱۹۵۷ء کو جناب صدرالدین یحییٰ پونتو صاحب انڈونیشین قونصل بمبئی معہ اہلیہ زیارت قادیان دارالامان کے لیے تشریف لے گئے۔ صدر انجمن احمدیہ کے ناظر صاحبان نے اسٹیشن پر ان کا پرجوش استقبال کیا اور احمدیہ چوک میں حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب (قائمقام امیر مقامی و ناظر اعلیٰ) نے آپ کو اَھْلاً وَّ سَھْلاً وَّ مَرْحَباً کہا۔ مرکز احمدیت کی برکات و فیوض سے متمتع ہونے کے بعد یکم مارچ ۱۹۵۷ء کو واپس تشریف لے گئے۔

جناب صدرالدین صاحب انڈونیشیاء کے اُن خوش نصیب احمدیوں میں سے تھے جنہوں نے قادیان میں دینی تعلیم حاصل کرنے کی سعادت پائی اور اس مقدس بستی میں ۱۹۴۰ء تک قیام پذیر رہے[3]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۱ جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۸ ‎؎[2] الفضل ۲۹ جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۱

[3] اخبار بدر ۲ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۱ (آپ قبل ازیں پاکستان میں انڈونیشین سفارت خانہ کے فرسٹ سیکرٹری رہے۔)

گورنر مغربی بنگال کو تحفہ قرآن کریم

۲۸ جنوری ۱۹۵۷ء کو لجنہ اماء اللہ کلکتہ کے ایک چار رکنی وفد نے زیب النساء بیگم صاحبہ سیکرٹری لجنہ اماء اللہ کلکتہ کی قیادت میں گورنر مغربی بنگال ہز ایکسی لینسی شریمتی پدمجا نائیڈو سے راج بھون میں ملاقات کی اور ان کی خدمت میں قرآن مجید اور کتاب "احمدیت" کے انگریزی تراجم تحفۃً پیش کیے نیز ایک سپاسنامہ کے ذریعہ جماعت احمدیہ، اس کے عقائد، اغراض و مقاصد اور عالمگیر تبلیغی خدمات پر روشنی ڈالی۔ گورنر صاحبہ نے سپاسنامہ سے متعلق متعدد سوالات کیے جن کے جوابات سیکرٹری لجنہ اماء اللہ نے دیئے۔ ممبرات کو برقعہ پوش دیکھ کر پردہ کا بھی ذکر آیا۔ جماعت کا ذکر انہوں نے تعریفی الفاظ میں کیا۔ اور کہا کہ چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کے ذریعہ جماعت کا تھوڑا بہت علم ہے۔ انہوں نے احمدی مستورات کی تعداد اور تعلیمی کوائف دریافت کیے اور نصف گھنٹہ تک نہایت محبت و پیار اور سکون و اطمینان کے ساتھ گفتگو کی[1]"

کلکتہ میں جلسہ پیشوایان مذاہب

جماعتِ احمدیہ کلکتہ کے زیر اہتمام ۳ مارچ ۱۹۵۷ء کو جلسہ پیشوایانِ مذاہب منعقد ہوا۔ جلسہ کی اطلاع کے لیے اردو، بنگلہ اور انگریزی میں تین ہزار پوسٹر کلکتہ کے مختلف علاقوں میں چسپاں کیے گئے اور ۱۵ ہزار ہینڈ بل تقسیم کیے گئے۔ اخبارات میں بھی اعلانات کیے گئے۔ انگریزی میں ایک ٹریکٹ ۵ ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا۔

جلسہ کی ابتدائی کارروائی ڈاکٹر کالی داس صاحب ناگ۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی صدارت میں شروع ہوئی۔

مولوی بشیر احمد صاحب مبلغ دہلی نے افتتاحی تقریر میں جلسہ کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی۔ انچارج منشی شمس الدین صاحب امیر جماعت کلکتہ نے حضرت مصلح موعودؓ اور سر رادھا کرشنن نائب صدر جمہوریہ ہند کے پیغامات سنائے بعد ازاں صدر صاحب نے اپنے صدارتی خطاب میں اس نوع کے جلسوں پر خوشی کا اظہار کیا اور جماعت احمدیہ کی صلح کل پالیسی کو سراہا اور فرمایا آج کا یہ اجتماع مختلف مذاہب کے نمائندوں ہی کا اجتماع نہیں بلکہ ایک روحانی ساز بھی ہے جس میں سے مختلف نیک آوازیں نکل رہی ہیں۔ اس جلسہ

---

[1] بدر ۲ مارچ ۱۹۵۷ء صہ ۵ بہ ۲ وفات ۱۹۷۵ء

سے درج ذیل مقررین نے خطاب کیا۔

جناب بسواس ریٹائرڈ پریذیڈنسی مجسٹریٹ (سیرت حضرت مسیح علیہ السلام)

پنڈت دیزبل -(مہاتمہ بدھ کی تعلیم اور سیرت)

کیپٹن بھاگ سنگھ - جنرل سیکرٹری سکھ کلچرل سنٹر کلکتہ (سوانح حضرت گورونانک)

پروفیسر اختر احمد صاحب اختر اورینوی ایم اے پروفیسر پٹنہ یونیورسٹی (سیرت حضرت مسیح موعودؑ)

پنڈت اجودھیا پرشاد صاحب بی اے اپدیشک آریہ سماج (وید۔ قرآن - مذہبی رواداری)

مسٹر اردشیر دین شاہ (سوانح حضرت زرتشت)

مولانا بشیر احمد صاحب فاضل مبلغ دہلی (سیرت حضرت سری کرشن)

ریورنڈ منی سین (برہمو سماج کی تعلیم)

مولانا غلام احمد فاضل (سیرت حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم)

مولوی عبد الرحمان صاحب فانی مبلغ مرشد آباد (سیرت حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم)

جناب بواس صاحب ریٹائرڈ مجسٹریٹ کی تقریر کے بعد مولانا بشیر احمد صاحب نے جناب ڈاکٹر کالی داس صاحب کو قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ بطور تحفہ پیش کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ آسمانی تحفہ پورے ادب و احترام کے ساتھ قبول کیا اور فرمایا کہ میں جماعت احمدیہ کا ممنون ہوں کہ انہوں نے یہ اہم کتاب مجھے مطالعہ کے لیے دی۔ انہیں چونکہ ایک اور جلسہ میں صدارت کے لیے جانا تھا جلسہ کی بقیہ کارروائی پروفیسر ہیرا لال صاحب چوپڑہ کی زیر صدارت ہوئی تقاریر کے آخر میں انہوں نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت عمدہ اور دلکش انداز میں خراج عقیدت پیش کیا[1]

دو نئی احمدی بستیاں:- اس سال صوبہ سندھ میں دو نئی بستیاں وجود میں آئیں۔

۱- قادسیہ ڈاکٹر عبد القدوس صاحب[2] نے سکرنڈ ضلع نواب شاہ میں اپنی اراضی پر جو تین سو ایکڑ پر مشتمل تھی ایک نیا گاؤں آباد کیا جس کا نام حضرت مصلح موعود نے قادسیہ تجویز فرمایا۔ یہ گاؤں قاضی احمد سے دو سو میل پر واقع ہے اور اس علاقہ میں چانڈیا بلوچ قوم آباد ہے[3]

---

[1] بدر ۱۶ مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۸ [2] الفضل ۱۱ اپریل ۱۹۵۷ء صفحہ ۶ [3] آپ ۲۸ ستمبر ۱۹۸۹ء کو شہید کر دیئے گئے۔

۲۔ انور آباد
جماعت احمدیہ کھنڈو ضلع لاڑکانہ کے احمدیوں نے اپنی زمین میں کھنڈو کے ماحول میں ایک نیا گاؤں آباد کیا جس کا نام حضور نے انور آباد تجویز فرمایا۔[1]

رسالہ تشحیذ الاذہان کا احیاء
جماعت احمدیہ کا مرکزی رسالہ تشحیذ الاذہان جسے یکم مارچ ۱۹۰۶ء کو سیدنا محمود المصلح الموعودؓ نے جاری فرمایا تھا اور جو مارچ ۱۹۲۲ء میں ریویو آف ریلیجنز میں مدغم کر دیا گیا۔ خالد احمدیت مولانا ابوالعطاء صاحب کی ذاتی کوشش سے یکم جون ۱۹۵۷ء سے دوبارہ جاری ہوا اور مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی زیر نگرانی اطفال الاحمدیہ کے ترجمان کی حیثیت سے بہت جلد ترقی کی راہ پر گامزن ہو گیا۔

جون ۱۹۵۷ء سے جنوری ۱۹۹۲ء تک جن اہلِ قلم حضرات نے اس کی ادارت کے فرائض انجام دیئے ان کے نام یہ ہیں۔ شیخ خورشید احمد صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل (آٹھ سال تک مدیر رہے) جناب جمیل الرحمٰن صاحب رفیق بی۔ ایس۔ سی، جناب رفیق احمد صاحب ثاقب۔ جناب عطاء المجیب صاحب راشد ایم۔ اے۔ جناب محمد شفیق صاحب قیصرؔ قریشی۔ محمد اسلم صاحبؓ، لئیق احمد صاحب طاہرؔ مولوی نصیر احمد صاحب قمرؔ، عبدالماجد صاحب طاہرؔ، قمر داؤد احمد صاحب کھوکھر اور فضیل عیاض احمد صاحب۔

جامعہ احمدیہ کے نئے پرنسپل
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے ارشاد مبارک پر یکم جولائی ۱۹۵۷ء کو جامعہ احمدیہ اور جامعۃ المبشرین کا باہمی الحاق عمل میں آیا اور آپ نے ۷ر جولائی کو سید داؤد احمد صاحب کو اس ادارہ کا پرنسپل مقرر فرمایا۔[3]

حضرت مصلح موعودؓ کا خصوصی پیغام
سیدنا حضرت مصلح موعود نے مدراس کے ہفتہ روزہ "آزاد نوجوان" کے بقرعید نمبر کے لیے حسب ذیل پیغام ارسال فرمایا جو ۹ر جولائی ۱۹۵۷ء کو شائع ہوا۔

---

[1] الفضل ۶ر نومبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۶ [2] تاریخ شہادت ۱۰ر اگست ۱۹۸۵ء (ٹرینیڈاڈ)

[3] سیرت داؤد صفحہ ۴۷ ناشر الجمعیۃ العلمیہ بالجامعۃ الاحمدیہ ربوہ مارچ ۱۹۷۴ء

"اخبار نوجوان کے لیے مجھ سے مضمون طلب کیا گیا ہے - جب میں اچھا تھا تو دن میں دو دو سو کالم بھی لکھ لیتا تھا میری کتاب احمدیت یعنی حقیقی اسلام جو نہایت ہی مفید کتاب ہے۔ اور یورپ اور امریکہ میں بہت مقبول ہے - اس کا حجم پانچ صد صفحہ کا ہے - یہ کتاب صرف تین دن میں لکھی گئی تھی - اب عمر اور بیماری کی وجہ سے میرے لیے پرانے کام کا سواں حصہ بھی کرنا ممکن نہیں ہے - مگر یہ بہر حال چونکہ ایک دوست نے خواہش کی ہے - ان کی خواہش کے احترام میں یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرت صحیحہ دیکر پیدا کیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فطرۃ اللّٰہ التی فطر النّاس علیھا - اے لوگو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ فطرت کو اختیار کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے یعنی انسان کو اپنے کاموں میں رہنمائی کے لیے زیادہ تر اپنے دل کی طرف نگاہ رکھنی چاہیئے کہ کیا اس کا دل اسے مجرم قرار دیتا ہے یا بری۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں کہ استفت قلبك ولو افتاك المفتونَ[1] یعنی اپنے دل سے فتویٰ لے اور اسی پر عمل کر خواہ ہزاروں مفتی اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہوں - پس اسی اصول کے ماتحت انسان کو چاہیئے کہ اپنے دل سے فتویٰ لینے کی عادت ڈالے - اور محض مولویوں کے فتووں پر اسے نہیں جانا چاہیئے اگر اس کا دل کہے کہ جو کچھ تو کرتا ہے اگر یہی کام تیرا ہمسایہ کرے تو تجھے خوشی پہنچے گی اور تو اس پر عیب نہیں لگائے گا تو اسی صورت میں اس کام کے کرنے میں تجھے کوئی حرج نہیں - لیکن اگر اس کا دل یہ کہے کہ اگر میرا ہمسایہ یہ کام کریگا تو میں اسے بہت بُرا سمجھوں گا - تو سمجھ لے کہ وہ کام درحقیقت بُرا ہے - پس اس اصول پر انسان اپنی زندگی کو سنوار سکتا ہے - چاہیئے کہ وہ اس اصول کو ہمیشہ یاد رکھے کیونکہ خدا تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی یہی ہے"

مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی)[2]

---

[1] التاریخ للبخاری عن وابصہ بحوالہ جامع الصغیر للسیوطی جلد اصفحہ ۳۹ ناشر المکتبۃ الاسلامیہ سمندری پاکستان

[2] اخبار بدر قادیان یکم اگست ۱۹۵۷ء صفحہ ۳

امام سلطان محمد شاہ آغاخان ثالث کا انتقال

فرقہ اسمٰعیلیہ کے اڑتالیسویں امام سلطان سر محمد شاہ آغا خاں ثالث جنیوا میں ۱۱ ؍ جولائی کو انتقال کر گئے۔

آپ ۲۵ شوال ۱۲۲۴ھ / ۲ ؍ نومبر ۱۸۷۷ء کو کراچی میں پیدا ہوئے ۱۷ ؍ اگست ۱۸۸۵ء کو امام بنے آپ کی پوری عمر مسلمانوں کی خدمت میں گزری۔ یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو مسلمانانِ ہند کے جس وفد نے لارڈ منٹو سے ملاقات کر کے مسلمانوں کے سیاسی مطالبات پیش کیے، اس کی قیادت کے فرائض آپ ہی نے انجام دیئے آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے بانی ارکان میں سے تھے اور ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۳ء تک اس کے صدر رہے۔ بعدازاں گول میز کانفرنس (۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء) میں مسلمانوں کی نمائندگی کی۔ ۱۹۳۷ء میں جمعیت الاقوام (LEAGUE OF NATIONS) کی صدارت کی۔[۱]

برّصغیر کے جن صفِ اوّل کے مسلم زعماء نے مسلمانانِ ہند کی سیاسی جدوجہد میں حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی مساعی جمیلہ کو نہایت درجہ قدر و احترام سے دیکھا اور کانگرس نواز مسلمانوں کی شدید مخالفت کے باوجود گہرا تعاون فرمایا، ان میں سر آغا خاں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں حضرت مصلح موعود کو مرحوم کی وفات پر گہرا رنج ہوا جس کا اظہار حضور نے بیگم سر آغا خاں کے نام درج ذیل تعزیتی تار میں کیا:۔

"آپ کے قابلِ احترام شوہر کی المناک وفات سے مجھے سخت صدمہ ہوا۔ آغا خاں مرحوم کے ساتھ میرے بڑے پرانے تعلقات تھے۔ مَیں نے ان کو نہ صرف اپنا ہی ایک مخلص دوست پایا تھا بلکہ وہ ایک بڑے محبِ وطن اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا غیر معمولی جذبہ رکھنے والے تھے۔ برائے

---

[۱] "تاریخ ائمہ اسماعیلیہ حصہ چہارم ص۵ تا ص۱۳۸ ناشر ہز ہائی نس پرنس آغا خاں شیعہ امامی اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان کراچی۔ طبع اوّل جنوری ۱۹۸۳ء جلد ا ص۱۲۸۔ ۱۲۹ ناشر GREAT SOVIET ENCYCLOPEDIA MACMILLAN, INC NEW YORK. " COLLIER MACE MILLAN PUBLISMERS LONDON اردو انسائیکلو پیڈیا طبع سوم ص۲۳ مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔ جنوری ۱۹۸۴ء

مہربانی میری طرف سے دلی تعزیت قبول کیجیئے۔ اور میرے یہ جذبات پرنس علی خان اور پرنس صدرالدین تک پہنچا کر بھی ممنون فرمائیں۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ ۱۳/۷" [1]

ناظر صاحب امور خارجہ نے یہ تار دیا کہ:۔

"جماعت احمدیہ اور حضرت امام جماعت احمدیہ کو آپ کے قابلِ تعظیم خاوند کی وفات سے گہرا صدمہ ہوا ہے۔ سر آغا خاں مرحوم مسلمانوں کے خیر خواہ اعلیٰ ذاتی اوصاف کے حامل اور بے نظیر لیڈر تھے۔ ان کی وفات پاکستان اور تمام عالم اسلام کے لیے ایک عظیم نقصان ہے۔ ہماری طرف سے دلی ہمدردی قبول فرمایئے اور پرنس علی اور پرنس صدرالدین کو بھی ہمارا تعزیتی پیغام پہنچا دیجیے۔" [2]

پرنس کریم آغا خان نے جوابی پیغام میں کہا

"I WAS DEEPLY TOUCHED BY KIND MESSAGE OF AHMADIYYA COMMUNITY"

یعنی جماعت احمدیہ کے ہمدردانہ پیغام نے میرے دل پر نہایت گہرا اثر کیا ہے۔ [3]

ناظر صاحب امور عامہ نے سر آغا خان کے جانشین پرنس کریم آغا خاں کی خدمت میں حسب ذیل تہنیتی تار دیا۔

"جماعت احمدیہ اور حضرت امام جماعت احمدیہ کی طرف سے آپ کی جماعت اسماعیلیہ کے انچاسویں امام مقرر ہونے اور آغا خاں چہارم کے خطاب سے سرفراز ہونے کی تقریب پر دلی مبارکباد قبول کیجیے۔ ہماری دعا ہے کہ خدائے قادر و قیوم آپ کی راہ نمائی فرمائے۔" [4]

بطل احمدیت اور عالمی عدالت انصاف کے جج اور پاکستان کے سابق وزیر خارجہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے سر آغا خان کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

"آغا خاں نے عالم اسلام کی فلاح و بہبود کے لیے جو زبردست خدمات انجام دیں اس کے لیے دنیا بھر کے مسلمان مرحوم کے شکر گزار رہے ہیں۔ وہ ایک بہت بڑی شخصیت تھے۔ انہوں نے ہر نیک مقصد اور ہر ضرورت مند کی فراخدلانہ امداد کی ان کا انتقال ایک ایسے دور کا خاتمہ ہے جس میں آغا خان

[1] الفضل ۱۶ر جولائی ۱۹۵۷ء صلہ [2] الفضل ۱۹ر جولائی ۱۹۵۷ء صلہ کالم آخر [3] الفضل ۸ر اگست ۱۹۵۷ء صلہ [4] الفضل ۱۹ر جولائی ۱۹۵۷ء صلہ

نے یورپ اور ایشیاء دونوں جگہ نمایاں کردار ادا کیا[1]

سر آغا خان کے حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے ساتھ گہرے مراسم تھے جس کا کسی قدر اندازہ درج ذیل اقتباس سے ہوتا ہے۔ سر آغا خان تحریر فرماتے ہیں:-

۱-

I myself presiding as host, and Mr. Jinnah and Sir Muhammad Shafi negotiating on one side and Mahatma Gandhi on the other.

They were informal talks and no record was kept. I said little and left the bulk of the discussion to Mr. Jinnah and Sir Muhammad Shafi and to the other delegates who from time to time took part, notably Sir Zafrullah Khan, Mr. Shoukat Ali, and the late Shafaat Ali Khan.'

(The Memoirs of Aga Khan- Page 228Cassell and company Ltd. London-1954)

(ترجمہ) میں مسلمانوں کی طرف سے میزبانی کے فرائض ادا کرتا رہا البتہ مسٹر جناح اور سر محمد شفیع مسلمانوں کی طرف سے اور دوسری طرف سے مہاتما گاندھی گفت و شنید میں سرگرم حصہ لیتے رہے۔ یہ غیر رسمی ملاقاتیں تھیں جن کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا تھا۔ میں تو بہت ہی کم بولتا تھا جبکہ گفت و شنید کا زیادہ بوجھ مسٹر جناح اور سر محمد شفیع نے اٹھایا ہوا تھا یا پھر دوسرے اراکین وفد نے جو وقتاً فوقتاً شامل گفتگو رہا کرتے تھے جن میں سر محمد ظفر اللہ خان، مسٹر شوکت علی اور مرحوم شفاعت علی خان ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔

۲-

'A former distinguished colleague of mine, at the Round Table Conference and the committees which followed, Zafrulla khan, is at present Foreign Minister; and the brings to his herculean

---

[1] الفضل ۱۴؍جولائی ۱۹۵۷ء ص ۱

responsibilities sagacity, forensic ability, and great experience in the field of international affairs.'

(The Memoirs of Aga Khan- Page 321)

(ترجمہ) گول میز کانفرنس کے زمانہ اور اس کے بعد کی کمیٹیوں کے میرے ممتاز ساتھی ظفراللہ خان وزیر خارجہ ہیں جو بین الاقوامی معاملات میں اپنے وسیع تجربہ کو بروئے کار لاتے ہوئے اس وزارت کی انتہائی مشکل ذمہ داریوں کو اپنی بھرپور ذہانت اور قانون مہارت سے بحسن وخوبی نباہ رہے ہیں

۳۔

'It is formality to say that it was an honour to be chosen to lead so notable a body of man including personalities of the calibre of Mr. M.A. Jinnah, later to be the creater of Pakistan and the Quaid-i-Azam or Sir Muhammad Zafrullah Khan for many years India's representative at humerous international congress and first Foreign Minister of Pakistan, or my old and tries friend Sir Muhammad Shafi, one of the founder of Muslim League.'

(The Memoirs of Aga Khan- Page 214-215)

(ترجمہ) بغیر کسی تکلف کے میں یہ کہتا ہوں کہ ایسی قابل ترین ممتاز شخصیتوں پر مشتمل وفد کی رہنمائی میرے لیے ایک بہت بڑا اعزاز تھا جیسے مسٹر محمد علی جناح جو بعد میں پاکستان کے بانی اور قائداعظم کہلائے یا سر ظفراللہ خاں جو کئی سال بین الاقوامی کانفرنسوں میں ہندوستان کی نمائندگی کرتے رہے اور پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ بنے یا میرے پرانے مخلص دوست سر محمد شفیع جو کہ مسلم لیگ کے بانیوں میں سے ایک تھے۔

بہائیوں سے کامیاب مناظرہ

اس سال بہائیوں نے چکوال (ضلع جہلم) میں اپنی تبلیغی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ بلکہ تین چار مسلمان بہائی بھی ہو گئے جس سے علاقہ

میں ایک ہیجان پیدا ہوگیا۔ اس پر مسلمانوں کے ایک وفد نے احمدیہ بیت الذکر چکوال میں انچارج مربی مولوی محمد اشرف صاحب ناصر سے ملاقات کی اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ مسلمانوں کی نمائندگی بہائیوں سے گفتگو کریں۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق ۱۵ر جولائی ۱۹۵۷ء احمدیہ بیت الذکر میں ۴½ شام سے ۷½ بجے تک "اسلامی شریعت اور بہائی شریعت میں موازنہ" کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ بہائیوں کی طرف سے ان کے مشہور مبلغ اور لیڈر سید محفوظ الحق صاحب علمی[۱] اور مسلمانوں کی طرف سے مولوی محمد اشرف صاحب[۲] ناصر پیش ہوئے۔ تقریر کے لیے نصف نصف گھنٹہ وقت مقرر کیا گیا۔ پہلی اور آخری تقریر مولوی محمد اشرف صاحب نے فرمائی۔ احمدیہ بیت الذکر کا صحن سامعین سے بھرا ہوا تھا اردگرد کے علاقہ کے مسلمان بھی اس میں شامل تھے۔ صدر جلسہ کے فرائض مولوی نور محمد صاحب خطیب مسجد خواجگان نے ادا کیے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مناظرہ میں اسلام کو نمایاں کامیابی ہوئی۔ ایک بہائی نے تو اس وقت برسرعام بہائیت سے توبہ کی۔ صاحب صدر نے احمدی مناظر کو مخاطب کرکے فرمایا

"آپ نے آج مسلمانوں کی بہت بڑی خدمت سرانجام دی ہے جس کے لیے میں مسلمانانِ چکوال کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں[۳]۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضی تصویر پر احتجاج

وسط ۱۹۵۷ء کا یہ افسوس ناک واقعہ ہے کہ جنوبی بھارت میں ندیب فوٹو پبلشر کمپنی حیدر آباد دکن کی طرف سے آنحضرتؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کی فرضی تصویر شائع ہوئی۔ اس شرمناک حرکت کا ناظر صاحب دعوت تبلیغ قادیان نے فوری نوٹس لیا اور اس پر احتجاج کرتے ہوئے لکھا:۔

اس قسم کا فرضی فوٹو آنحضرت صلعم کا شائع کرنا اور پھر اس کے لئے نذرانہ طلب کرنا بہت معیوب قابلِ اعتراض اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگانے کا باعث ہے۔ اور ہم اس کی اشاعت

---

[۱] ولادت ۱۸۹۴ء وفات ۸ر فروری ۱۹۶۸ء ؛ [۲] ولادت ۳۱ر دسمبر ۱۹۳۲ء۔ وفات ۱۰ر ۹ جولائی ۱۹۹۱ء ؛ [۳] الفضل ۳ر اگست ۱۹۵۷ء صہ ۶

پرسخت نفرت اور دکھ کا اظہار کرتے ہیں۔[1]

اہلِ ربوہ کا مثالی وقارِ عمل

۲۸ راگست ۱۹۵۷ء کو دریائے چناب میں سیلاب کے بڑھتے ہوئے زور کی وجہ سے ربوہ کے قریب دریائے چناب پر ریلوے پُل کے حفاظتی پُشتے میں ایک سو فٹ لمبا شگاف پڑ گیا اور پُل کے تباہ ہونے کا فوری خطرہ پیدا ہو گیا۔ چاروں طرف سے راستے مسدود ہونے کی وجہ سے ریلوے حکام بالکل بے بس ہو گئے اور فوری امداد بہم پہنچانے سے قاصر تھے اس لیے ریلوے انجینئر صاحب لائلپور (فیصل آباد) نے بذریعہ تار ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب سے درخواست کی کہ کم از کم ایک سو مزدور فوراً پُل پر بھجوانے کا انتظام فرمائیں۔ نمائندہ روزنامہ الفضل کی اطلاع کے مطابق یہ اطلاع ملتے ہی ناظر امور عامہ صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب کی زیر نگرانی لوکل انجمن احمدیہ، مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ اور مجلس انصار اللہ ربوہ کے امدادی دستے پوری طرح حرکت میں آ گئے۔ نیز صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے جملہ دفاتر بند کر دیئے گئے اور دو صد پچاس افراد جن میں کالج کے پروفیسر صاحبان دفاتر کے افسران، صیغہ جات کے عملے کے دوسرے ارکان اور ربوہ کے نوجوان دکاندار الغرض ہر شعبہ اور حرفہ کے لوگ شامل تھے۔ وہ سب شدید دھوپ اور گرمی میں دو میل کی مسافت پیدل طے کر کے دریائے چناب کے پُل پر پہنچ گئے اور وہاں پر انہوں نے جناب ایم۔ ایس شوکت صاحب آئی۔ او ڈبلیو (انسپکٹر آف ورکس) کی زیر ہدایت دریا کے دوسرے کنارے سے بھاری بھاری پتھر لا کر شگاف میں ڈالنے شروع کر دیئے اور نہایت محنت اور جانفشانی سے کام کر کے وہ قریباً آٹھ ہزار مکعب فٹ پتھر شگاف میں بھر کر فوری خطرہ بڑی حد تک دور کر دیا ان اڑھائی صد احباب کے جوش و خروش کے ساتھ کام کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ ہر شخص کس طرح بھاری پتھر اٹھا کر لیے جا رہا ہے۔

خدام کے کام اور ان کے جوش و جذبہ سے متاثر ہو کر آئی۔ او۔ ڈبلیو صاحب نے نمائندہ الفضل سے کہا خود ریلوے کے مزدور بیس روز میں جو کام کرتے وہ ان باہمت نوجوانوں نے چند

---

[1] اخبار بدر یکم اگست ۱۹۵۷ء صفحہ ۱ ؛ [2] ایضاً الفضل ۷ راگست ۱۹۵۷ء صفحہ ۴

گھنٹوں میں کر دکھایا ہے۔ مزید کہا دراصل رضاکارانہ خدمت کا جذبہ ان سے یہ سب کچھ کروا رہا ہے۔ آپ نے بتایا کہ گزشتہ رات سے شگاف لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہا تھا اور کسی سمت سے امداد کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ مَیں نے دریا کے قریب پہاڑیوں پر پتھر نکالنے والے پٹھانوں کو تین تین روپے فی مزدور کی پیشکش بھی کی لیکن انہوں نے پیشگی اُجرت کا بہانہ کر کے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لینے سے انکار کر دیا۔ ایسے نازک موقع پر انہوں نے جس بُری ذہنیت کا مظاہرہ کیا اس سے مجھے بہت افسوس ہوا۔ اگر ربوہ والوں کی طرف سے بروقت امداد نہ ملتی تو اب تک پُل کو بہت نقصان پہنچ چکا ہوتا۔

شام تک مسلسل پتھر ڈھونے کے باعث خدام و انصار تھک کر چور ہو چکے تھے کہ ریلوے کے آئی۔او۔ ڈبلیو صاحب نے درخواست کی کہ بیس[2] ایسے باہمت نوجوان ورکار ہیں جو رات کو بھی پُل پر موجود رہیں تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ ریلوے کے بیس مزدوروں کے ساتھ مل کر جو پہلے سے وہاں موجود تھے مزید پتھر ڈال کر شگاف کو بڑھنے نہ دیں۔ اس پر قائد صاحب ربوہ صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب نے ایسے باہمت خدام کو دعوتِ خدمت دی چنانچہ خدام نے بڑے اشتیاق سے آگے بڑھ بڑھ کر اس خدمت کے لیے اپنے نام لکھوانے شروع کر دیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بیس[2] نام آگئے جس پر باقی سب احباب کو واپس جانے کی اجازت دے دی گئی[1]

رانچی میں جلسہ سیرت النبیؐ

۸ ستمبر ۱۹۵۷ء کو صوبہ بہار (بھارت) کے مشہور مقام رانچی میں پبلک لائبریری ہال میں زیر صدارت بابو دگمبر رام (چیئرمین رانچی میونسپلٹی) سیرت النبیؐ کا جلسہ منعقد ہوا۔ مقررین کے اسماء یہ ہیں۔ جناب حبیب اللہ صاحب پروفیسر لاء کالج رانچی۔ مولانا ابوالبیان واعظ بھاگلپوری۔ جناب محمد عباس صاحب وکیل نمازوی۔ مسٹر ہری کرشن لال ایم ایل سی بہار (آپ نے اپنی تقریر میں حضور اکرمؐ کے بارہ میں کہا "انسانی زندگی کے کوئی پہلو ایسے نہیں جن کے لیے آپ کی تعلیم مکمل نہ ہو۔ آپ کی تعریف کرنا گویا سورج کو چراغ دکھانا ہے")

سید محی الدین احمد صاحب چیف ایڈیٹر اخبار دی سینٹل رانچی۔ بابو دگمبر رام نے اپنی صدارتی تقریر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ِ ندیہ سے رونما ہونے والے عالمی انقلاب کا تذکرہ کرتے

---

[1] الفضل ۳۰ اگست ۱۹۵۷ء ص ۱ ۔ ۸

ہوئے بتایا کہ آنحضرتؐ کسی خاص قوم یا خاص دیش یا صرف مکہ کے لیے نہیں .... بلکہ تمام دنیا کی قوموں کی اصلاح کے لیے آپ بھیجے گئے تھے آپ نے ہر قسم کی بُرائی کو دور کرنے کی کوشش کی اور اس میں شاندار طور پر کامیاب ہوئے[1]

ربوہ سے رسالہ "البشریٰ" کا اجراء

مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری نے جنوری ۱۹۳۵ء میں حیفا (فلسطین) سے ماہنامہ "البشریٰ" جاری فرمایا تھا اس سال آپ نے اکتوبر ۱۹۵۷ء سے ربوہ میں بھی اسی نام سے ایک عربی رسالہ کا آغاز فرما دیا اور پرنسپل جامعہ احمدیہ جناب سید داؤد احمد صاحب کو پیشکش کی کہ "اگر البشریٰ پسند ہو تو جامعہ احمدیہ اسے بخوبی اپنا سکتا ہے آخر جامعہ ہمارا ہے اور ہم جامعہ کے" سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خدمتِ اقدس میں جب یہ تجویز پیش ہوئی تو حضور نے اس امر کی بخوشی اجازت مرحمت فرما دی اور یہ رسالہ وسط جنوری ۱۹۵۹ء سے پرنسپل صاحب جامعہ احمدیہ کی نگرانی میں آگیا اور ملک مبارک احمد صاحب[2] اُستاذ الجامعہ اس کے مدیر مقرر ہوئے۔ مئی ۱۹۵۹ء میں اس کا پہلا شمارہ نئے انتظام کے تحت منصۂ شہود پر آیا۔ جو ظاہری اور باطنی خوبیوں کا مرقع تھا۔ اس کے معیاری اور بلند پایہ مضامین اور نفیس طباعت اور بہترین دبیزی کاغذ کو دیکھ کر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے غایت درجہ خوشنودی کا اظہار فرمایا[3]

رسالہ "البشریٰ" مرکز احمدیت کا واحد عربی رسالہ تھا۔ اور اس نے سید داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ کی خصوصی سرپرستی اور ملک مبارک احمد صاحب کی مثالی ادارت میں شاندار اور ناقابلِ فراموش علمی خدمت سرانجام دی اور حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت مصلح موعودؓ کی متعدد مقدس تحریرات کو نہایت فصیح و بلیغ اور بامحاورہ عربی میں منتقل کر کے انہیں عرب ممالک کے بلند پایہ علمی حلقوں تک پہنچایا۔ چنانچہ "البشریٰ" میں "کشتی نوح" اور "الوصیت" کے اقتباسات کے علاوہ "سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب" کا مکمل عربی ترجمہ اشاعت پذیر ہوا اسی طرح حضرت مصلح موعودؓ

---

[1] بدر، ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۵ و صفحہ ۱۰۔ [2] ولادت ۱۹۲۲ء وفات ۱۹۸۸ء

[3] سیرت داؤد صفحہ ۷۳، ۷۴۔ ناشر الجمعیۃ العلمیہ بالجامعۃ الاحمدیہ ربوہ تاریخ طبع مارچ ۱۹۷۴ء

کی تصنیف تفسیر کبیر، اور دعوت الامیر، کے بعض حصوں کا نیز دعوت اتحاد' اور" رحمۃ للعالمین" کا مکمل عربی ترجمہ اس میں چھپا۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل اہلِ قلم بزرگوں اور نوجوانوں کے بلند پایہ مضامین بھی اسمیں اشاعت پذیر ہوئے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب۔ حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری، شیخ نور احمد صاحب منیر۔ شیخ عبدالقادر صاحب محقق عیسائیت۔ مولوی بشارت احمد صاحب بشیر۔ جناب سید عبدالحی صاحب۔ شیخ ناصر احمد صاحب مبلغ سوئٹزرلینڈ۔ صوفی محمد اسحاق صاحب سابق مبلغ لائبیریا۔ قاضی محمد اسلم صاحب صدر شعبہ نفسیات کراچی یونیورسٹی۔ مولوی جمیل الرحمٰن صاحب رفیق مولوی محمد یعقوب صاحب امجد۔

بیرونی ممالک کے احمدیوں میں سے خالد وتلف (جرمنی) عبدالسلام میڈیسن (ڈنمارک) الاستاذ رشدی البابکیر البسوطی (سابق رئیس الجماعۃ الاحمدیہ حیفا) اور السید عبدالحمید عبدالمجید خورشید (مصر) کی نگارشات بھی رسالہ کی زینت بنیں۔

انگلستان سے واپسی حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب اور سید محمود احمد صاحب ناصر جو سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے منشاء کے مطابق بغرض تعلیم کچھ عرصہ سے انگلستان میں قیام فرما تھے اس سال اکتوبر میں واپس ربوہ تشریف لے آئے۔[۲]

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے اعزاز میں استقبالیہ ۱۹؍دسمبر ۱۹۵۷ء کو احمدیہ انٹرنیشنل پریس ایسوسی ایشن کی طرف عالمی عدالتِ انصاف حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے اعزاز میں ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں ممبران ایسوسی ایشن کے علاوہ بزرگانِ سلسلہ ناظر و وکلاء صاحبان اور لائلپور (فیصل آباد) اور سرگودہا کے بعض صحافی حضرات بھی شریک ہوئے اس موقعہ پر مختلف احباب سے گفتگو کرتے ہوئے آپ نے متعدد علمی اور عوامی دلچسپی سے تعلق رکھنے والے بعض موضوعات پر اپنے مخصوص انداز میں روشنی ڈالی اور اس طرح حاضرین کو آپ کے زریں خیالات سے مستفید ہونے کا موقعہ ملا۔

---

[۱] حال وکیل التصنیف ربوہ۔ [۲] الفضل ۵؍اکتوبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۱

دورانِ گفتگو جب آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی گئی کہ بعض حلقوں میں نماز اردو میں پڑھنے کا رجحان پیدا ہو رہا ہے تو اس امر کو غیر مستحسن قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اگرچہ انگریز کا راج ختم ہو چکا ہے پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے لیے انگریزی زبان سے تعلق یکسر منقطع کر لینا ممکن نہیں ہے۔ ہم مجبور ہیں کہ ابھی انگریزی کو کسی نہ کسی رنگ میں برقرار رکھیں کیا وہ زبان جس میں قرآن مجید نازل ہوا اور جسے دینی نکتہ نگاہ سے بنیادی اہمیت حاصل ہے اس قابل ہے کہ ہم اس سے اپنا تعلق منقطع کر لیں؟؟ ہمیں تو چاہیئے کہ ہم عربی زبان کو زیادہ سے زیادہ اپنائیں اور اسے زیادہ سے زیادہ مقبول بنائیں۔ اس کا ایک آسان طریق یہ ہے کہ ہم نے غیر زبانوں کے جو مشکل الفاظ اختیار کر رکھے ہیں حالانکہ ہم میں سے اکثر ان کے صحیح معنی اور مفہوم سے پورے طور پر آشنا بھی نہیں ہوتے انہیں ہم ترک کرنے کی کوشش کریں اور ان کی بجائے اپنی روزمرّہ بول چال میں زیادہ سہل عام فہم اور موزوں و مانوس الفاظ استعمال کرنے کی عادت ڈالیں مثال کے طور پر آپ نے فرمایا عام طور پر ہمارے ہاں کھانے پینے کی دکانوں کے لیے ہوٹل اور کیفے کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں ان کی بجائے بآسانی عربی الفاظ اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ اگر کھانے وغیرہ کی دکان کے لیے مطعم کا لفظ استعمال کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ اسی طرح ہوائی جہازوں کے اُترنے کی جگہ کے لیے ہم نے ہوائی اڈہ کا لفظ اختیار کر رکھا ہے کوئی وجہ نہیں کہ ہم عربی زبان سے اپنے لگاؤ اور تعلق کی بنا پر اس کے لیے مطار کا عربی لفظ استعمال نہ کریں جو زیادہ سہل اور مختصر ہے اس طرح روزمرّہ کی بول چال میں عربی زبان کو رواج دینے سے ہم عربی زبان سے اپنے تعلق اور لگاؤ کو بڑھا سکتے ہیں[1]

بیرونی مشنوں کی سرگرمیاں

اب بیرونی احمدیہ مشنوں کی (۱۹۵۷ء میں) تبلیغی سرگرمیوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جاتی ہے۔

انگلستان مشن

مشن کے انچارج مولود احمد خاں صاحب نے اس سال کی پہلی سہ ماہی میں بارہ مختلف روٹری کلبوں میں لیکچر دیئے جن کا بالعموم موضوع اسلام تھا۔ ان تقاریر پر برطانوی پریس کا تبصرہ بہت دلچسپ تھا۔ چنانچہ اخبار میکنے گزٹ لنڈن اینڈ ورٹائز (MRCHVE GAZETTE)

---

[1] الفضل ربوہ ۲۱ر دسمبر ۱۹۵۷ء صا

(LONDON ADVERTISE) نے اپنی ۸ر فروری ۱۹۵۰ء کی اشاعت میں لکھا کہ یہ افسوسناک امر ہے کہ یہاں مذہبی امور میں دلچسپی ظاہر نہیں کی جاتی مگر میکنے روڑی کلب کے ہفتہ وار اجلاس میں جو ابھی منگل کو منعقد ہوا یہ معاملہ برعکس ثابت ہوا۔ شاید یہ بیت الفضل لندن کے امام مسٹر مولود احمد خاں کی (جو وانڈرز ورتھ روڑی کلب کے ممبر ہیں) اسلام سے متعلق فاضلانہ لیکچر کا نتیجہ تھا۔ سوالات کے وقفہ کے دوران ممبران نے کئی سوالات کیے لیکن ایک سوال حاضرین کی توجہ کا مرکز بنا جو میتھوڈسٹ سنٹرل ہال کے پادری جان سٹیون فشر (STEVEN FISHER) کا سوال تھا اور وہ یہ کہ عورتوں کے بارہ میں اسلام کی تعلیم کیا ہے؟ معزز مقرر کے جواب سے معلوم ہوتا تھا کہ اسلام نے عورتوں کو بھی ان کے حقوق دیئے ہیں اور ان میں ملکیت، وراثت اور طلاق وغیرہ کے معاملات بھی شامل ہیں لیکن انہوں نے مزید بتایا کہ عورتوں کی نگہداشت کا فرض مرد کے ذمہ لگایا گیا ہے۔ طلاق کے مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اسلام طلاق کو جائز قرار دیتا ہے اور اس معاملہ میں مرد اور عورت دونوں کے حقوق مقرر ہیں۔

اسی طرح اخبار دی گریٹر لنڈن روڈ مئیس میگزین (THE GREATER LONDON RODIUS MAGAZINE) نے لکھا روڑی کلب کے حالیہ اجلاس میں مولود احمد خاں امام بیت الفضل لنڈن نے ایک غیر معمولی تقریر بعنوان اسلامی دنیا کی اسلام کے متعلق ان کے نظریات نے اس درجہ شوق پیدا کر دیا۔ کہ صدر مجلس کو سلسلہ سوالات بند کرنے میں خاص دشواری پیش آئی۔ فاضل مقرر نے تعدد ازدواج کو اسلامی نقطہ نگاہ سے جائز قرار دیا۔

روڑی کلب کے علاوہ سلاؤ (SLOUGH) کی ورکرز یونین کے ممبران سے بھی آپ نے خطاب کیا اور اسلام کی عالمگیر تعلیم پر روشنی ڈالتے ہوئے سامعین کو قبولِ اسلام کی دعوت دی یہ تقریر بہت خاموشی سے سنی گئی اختتام پر بہت سے سوالات دریافت کیے گئے۔

انگلستان مشن کے زیر انتظام پندرہ روزہ لیکچروں کا سلسلہ باقاعدگی سے جاری رہا۔ جن میں لنڈن کے علاوہ نائیجیریا، گیمبیا، ٹرینیڈاڈ اور بھارت کے طلبہ نے بھی شرکت کی ۱۹۵۷ء کا پہلا پندرہ روزہ لیکچر ماہ جنوری میں حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے دیا جس میں آپ نے ناقابلِ تردید عقلی دلائل و براہین سے تثلیث کا رد فرمایا۔ لیکچر کے اختتام پر ایک مسیحی طالب علم نے اعتراف کیا کہ فاضل مقرر

نے جو دلائل بیان فرمائے ہیں ہمارے پاس ان کا فی الحقیقت کوئی جواب نہیں ۔

پندرہ روزہ لیکچروں میں سب سے زیادہ قابل ذکر ایک مباحثہ تھا جو "اسلام اور غلامی" کے موضوع پر ہوا ۔ سب سے پہلے تمام حاضرین کو اپنے خیالات کے اظہار کی دعوت دی گئی اس طرح تمام مخالف اور موافق پہلوؤں پر سیر حاصل بحث ہوئی۔ پھر اگلے اجلاس میں میر عبدالسلام نے اسی موضوع پر ڈیڑھ گھنٹہ تک ایک جامع لیکچر دیا ۔

۳۰ مارچ ۱۹۵۷ء کو ٹیلیویژن کے ایک پروگرام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نازیبا اور توہین آمیز الفاظ استعمال کیے گئے جس پر مولود احمد خاں صاحب اور ایک احمدی ڈاکٹر محمد نسیم صاحب نے احتجاج کیا اور متعلقہ ڈائریکٹر کو لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مذہبی رہنما ہیں ۔ حضورؐ کی شان کیخلاف نازیبا الفاظ کے استعمال سے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں اس پر ڈائریکٹر نے معذرت کی اور یقین دلایا کہ ایسے الفاظ کا اعادہ نہیں ہوگا ۔

لنڈن کے ایک کلب کے پچاس ممبر بیت الفضل میں آئے جن سے حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے پون گھنٹہ تک خطاب فرمایا جس میں اسلام کا دیگر مذاہب عالم سے موازنہ کرتے ہوئے بتایا کہ اسلام خدا کی وحدانیت کا قائل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء کو سچے اور خدا کے رسول تسلیم کرتا ہے ۔

مشن کی سہ ماہی رپورٹ کے مطابق نائیجیرین طلبہ کے ایک گروپ سے مولوی مبارک احمد صاحب ساقی نے تین گھنٹہ تک تبادلہ خیالات کیا[1]

ہالینڈ مشن

اس سال کے وسط میں نائیجیریا کے ممتاز سیاسی لیڈر اور وزیر آنریبل مالم حاجی ابوبکر تفاوا بلیوا (MALAM ABUBAKR) احمدیہ مشن ہاؤس ہیگ میں تشریف لائے اور اس روحانی و دینی مرکز کو دیکھ کر مسرت کا اظہار فرمایا۔ اس موقع پر حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب نے ان سے پون گھنٹہ تک مختلف امور پر تبادلہ خیالات فرمایا اور مشن کی طرف سے انگریزی ترجمہ قرآن عطا فرمایا۔ جسے انہوں نے قدردانی کے گہرے جذبات

---

[1] الفضل ۱۸ جون ۱۹۵۷ء صفحہ ۳-۴ (خلاصہ رپورٹ مرسلہ مولوی مبارک احمد ساقی)

سے قبول کیا۔[1]

سوئٹزرلینڈ مشن

شیخ ناصر احمد صاحب انچارج مشن سوئٹزرلینڈ نے ۲۴ر جنوری ۱۹۵۷ء کو بازل شہر میں تبلیغی جلسہ سے، ۸ر مارچ کو شاف ہوس میں پراٹسٹنٹ کلب سے اور ۲۲ر مارچ کو بون میں ایک پرہجوم اجلاس سے خطاب کیا۔ پانچ اخبارات میں مشن کے متعلق خبریں شائع ہوئیں آپ نے قرآن کریم کے روسی ترجمہ کے سلسلہ میں ابتدائی معلومات مہیا کر کے ترجمہ کا نمونہ تیار کروایا۔[2]

اس سال صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر یورپ کے تبلیغی جائزہ کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تو ان کی رفاقت میں آپ ۲۸ر جولائی کو آسٹریا کے دارالحکومت ویانا گئے اور ۲۹ر جولائی کو آسٹریا کے چانسلر صاحب کو قرآن مجید کا جرمن ترجمہ پیش کیا[3] جو اُن کے نمائندہ خصوصی نے وصول کیا۔ چانسلر صاحب مسٹر جولیس راب نے جرمن ترجمہ قرآن کی پیش کش پر اظہار تشکر کیا اور شیخ ناصر احمد صاحب کے نام خط میں لکھا:۔

"مجھے اس امر کا حد درجہ قلق ہے کہ جب آپ مورخہ ۲۹ر جولائی ۱۹۵۷ء کو فیڈرل چانسلری میں تشریف لائے تو مَیں بوجہ ویانا سے باہر ہونے کے آپ سے ذاتی طور پر نہ مل سکا۔ اُمید ہے کہ آپ اب اس خط کے ذریعہ میرا پُرخلوص شکریہ قبول کریں گے کہ آپ بذاتِ خود تشریف لائے اور میرے لیے قرآن کریم کے پہلے ثقہ اور مستند عربی جرمن ایڈیشن کا ایک نسخہ پیش کیا۔ مَیں نے دنیائے اسلام کی اس حد درجہ اہم اور مقدس کتاب پر بڑے شوق سے نظر ڈالی ہے اور مَیں دلی مسرت کے ساتھ اسے اپنی لائبریری کا ایک قیمتی جزو بناؤں گا۔

مرزا مبارک احمد صاحب کے نام بھی اس مضمون کا ایک خط علیحدہ بھجوا رہا ہوں۔ پُرخلوص جذبات کے ساتھ آپ کا جولیس راب"[4] (ترجمہ)

---

[1] آپ ۱۹۵۹ء کے انتخاب کے بعد ملک کے وزیراعظم بنے۔ آپ آزاد نائیجیریا کے پہلے مسلمان تھے۔ جو اس منصب پر فائز ہوئے۔ افسوس۔ ۱۵ر جنوری ۱۹۶۶ء کو فوج نے آپ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور آپ شہید کر دیئے گئے۔ [2] الفضل ۱ر مئی ۱۹۵۷ء صفحہ ۳ خلاصہ رپورٹ مکرم شیخ ناصر احمد صاحب [3] الفضل ۱۱ر جولائی ۱۹۵۷ء صفحہ ۱ [4] بدر قادیان ۲۶ر ستمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۱

سپین مشن

چوہدری کرم الہٰی صاحب ظفر مبلغ سپین میڈرڈ سے بارسیلونا شہر تشریف لے گئے جہاں ۱۰ر جولائی ۱۹۵۷ء کو ایک لیکچر دیا جس کے بعد آپ نے حاضرین کے سوالوں کے جوابات دیئے ۔ یہ علمی مجلس بہت دلچسپ اور کامیاب رہی ۔ روزنامہ طاراسا (TARRASA) نے اپنی ۱۳ر جولائی ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں اس کا مفصل تذکرہ کیا ۔ طاراسا کے نوٹ کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے ۔

گزشتہ بدھ کے روز رات کے وقت اخبار طاراسا (TARRASA) کے نامہ نگاروں اور صحافیوں کی ایک جماعت نے دین حق کے مبلغ کرم الہٰی ظفر سے جو امن و سلامتی کا پیغام لے کر آئے ہیں، انٹرویو کیا ۔ ظفر صاحب جماعت احمدیہ کے مبلغ ہیں جن کا مرکز قادیان ہے ۔ ظفر صاحب نے پہلے ایک مختصر سی تقریر کی ۔ اس کے بعد سوالات کا موقعہ دیا گیا جو اچھا خاصا دلچسپ تبادلہ خیالات کا رنگ اختیار کر گیا ۔ بہت سے مسائل اسلام اور عیسائیت میں مشترک پائے گئے ۔

آپ قریبًا نو سال سے میڈرڈ میں مقیم ہیں اور عطر کی معمولی تجارت کے ساتھ گزارہ چلاتے ہیں ۔ جب پہلی دفعہ سپین وارد ہوئے تو ہسپانوی زبان بالکل نہیں جانتے تھے ۔ اب اچھی خاصی مہارت ہو چکی ہے ۔ ان کی قومی زبان اردو ہے جو زیادہ تر شمالی ہندوستان میں عام بولی جاتی ہے مگر ان کے لیے مقدس زبان عربی ہے جس میں قرآن کریم لکھا ہوا ہے ۔ قرآن کریم مسلمانوں کے لیے مقدس مذہبی کتاب ہے ۔ پہلے ان کو مرکز سے کچھ مدد ملتی تھی مگر جب سے برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی ہے یہ مالی مدد بھی ان کو نہیں ملتی ۔ اب یہ خود پھیری لگا کر گذارہ کرنے میں یا کسی قدر آمد ایک کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" کی ہو جاتی ہے ۔ تقریر سے پہلے آپ نے کچھ عربی زبان میں تلاوت کی ۔ بعد میں اپنے مشن کی غرض کو تفصیل سے بیان کیا اور بتایا کہ آج دنیا کے مصائب و آلام کی وجہ یہی ہے کہ گمراہی اور ضلالت کا عام دور ہے ۔ روحانیت اور اعلیٰ اخلاق کی جگہ مادہ پرستی اور اخلاق رذیلہ نے لے لی ہے جس کا خطرناک انجام سوائے تباہی اور ہلاکت کے اور کوئی نہیں ۔ ہاں اگر بنی نوع انسان اپنے معبودِ حقیقی کی طرف رجوع کریں تو ان تمام مصائب سے نجات پا سکتے ہیں اور حقیقی اور دائمی خوشی کی زندگی بسر کر سکتے ہیں جس کا راز عربی کے ایک سادہ مگر وسیع المعانی لفظ "اسلام" میں پایا جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت کی جائے ۔ قرآن کریم کی بعض آیات ظفر صاحب نے حوالہ

کے طور پر پیش کیں جو یوحنا کے کشف اور سورج اور چاند گرہن کی پیشگوئی کی مانند نظر آتی ہیں۔ اپنی تقریر کے دوران ظفر صاحب نے حزقیل نبی کی پیشگوئی بھی پڑھ کر سنائی جس میں یاجوج ماجوج کی لڑائی کا ذکر ہے۔ جماعت احمدیہ کے نزدیک یاجوج ماجوج سے امریکہ اور روس کے ساتھی یعنی اتحادی بلاک اور روس اور اس کے ساتھی یعنی کمیونسٹ بلاک مراد ہیں۔ اور یہ جنگ بنی نوع انسان کی اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔

پس جماعت احمدیہ کے قیام کی غرض محض یہ ہے کہ بھولی بھٹکی مخلوق اپنے خالق حقیقی کی معرفت حاصل کر کے اس کی طرف رجوع کرے تا وہ رحیم و کریم اعلیٰ ہستی اپنے بندوں پر آسمان سے رحم نازل فرمائے۔

یہ عجیب اتفاق کی بات ہے اور باعث دلچسپی ہے کہ یہ امن کا پیغام ہمارے مقدس پوپ دوازدہم کے پیغام سے ملتا ہے جس میں انہوں نے بھی دنیا کو آگاہ کیا ہے کہ اگر قومیں ہدایت کے راستہ پر گامزن نہ ہوں گی تو دنیا ایک خطرناک ہلاکت میں مبتلا ہو جائے گی۔

ہم قارئین کی توجہ ایک خاص امر کی طرف دلانا چاہتے ہیں کہ اسلام ہی ایک ایسا غیر عیسائی مذہب ہے جو عیسائیت کے قریب تر ہے (قرآن کریم کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ عیسائیت اسلام کے زیادہ قریب ہے) اور قرآن کریم کے بہت سے اصول اور تعلیم تورات کے مطابق ہے۔ اسلام تورات کے تمام انبیاء کو مانتا ہے۔ مسلمان حضرت مریم کو مقدس مانتے ہیں اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پاک دامن کنواری کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ انجیل کے بعض حصوں کو درست سمجھتے ہیں۔ مگر افسوس .... خدا تعالیٰ کے معجزوں پر کامل ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ہماری تثلیث کے اعلیٰ راز کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ قدرتی طور پر یہ وہ مسائل ہیں جو عیسائیت اور اسلام کے اتحاد میں روک ہیں۔ مگر کوئی مضائقہ نہیں۔

یہ امر ہم کیتھولک لوگوں کے لیے ہرگز کسی قسم کے تعصب کا موجب نہیں بننا چاہیئے کہ ہم اسلام کی خوبیوں کا اعتراف نہ کریں۔ اسلام بنی نوع انسان میں عالمگیر محبت کا سبق دیتا ہے اور دنیا میں مختلف طبقات کے لوگوں میں حقیقی طور پر امن و سلامتی کا ضامن ہے۔

(کارلوس موزراس)

امریکہ مشن

اس سال کے دو واقعات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اوّل:۔ پہلا اہم واقعہ حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کا مارچ۔ اپریل ۱۹۵۷ء کا قیام امریکہ ہے جس کے ذریعہ حق و صداقت کا پیغام ملک کے اعلیٰ سماجی علمی اور مذہبی حلقوں تک پہنچا۔ آپ کے قیام کے دوران میں جماعت نیویارک کو مشن ہاؤس کے لیے پہلے کی نسبت کہیں بہتر جگہ حاصل ہو گئی اس نئے مشن کا افتتاح آپ نے یکم مارچ ۱۹۵۷ء کو نمازِ جمعہ کی امامت کے ساتھ فرمایا اور ایک بصیرت افروز خطبہ دیا۔ پھر عید الفطر کے روز آپ نے نمازِ عید کی امامت فرمائی۔ نیویارک مشن نے غیر مسلموں کو بھی کارڈوں کے ذریعہ سے اس تقریب کی دعوت دی تھی۔ اس طرح اشاعت دین کا ایک نہایت عمدہ موقع پیدا ہو گیا۔ ان اجتماعات کے علاوہ آپ نے اس عرصہ میں کئی لیکچرز مختلف یونیورسٹیوں۔ کالجوں۔ کلبوں اور ایسوسی ایشنز میں اسلام کے متعلقہ مضامین پر دیئے۔ آپ کا پہلا لیکچر کولمبیا یونیورسٹی کے BERNARD COLLEGE FOR WOMEN میں "اسلام" کے موضوع پر ہوا اس میں آپ نے اسلامی تعلیمات کا ایک بنیادی خاکہ غیر مسلم طلبہ کی واقفیت کے لیے پیش فرمایا۔ قریباً ہر لیکچر کے بعد یہاں کے دستور کے مطابق سوال و جواب کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ جس میں تقریر کے موضوع سے متعلق مزید معلومات سے آپ مستفیذ فرماتے رہے۔

کولمبیا یونیورسٹی میں مسلم طلبہ کی ایسوسی ایشن نے آپ کے لیکچروں کے ایک سلسلہ کا انتظام کیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح صرف بنیادی امور کی بجائے تعلیم اسلام کی گہری اور تفصیلی واقفیت علم دوست طبقہ کو دی جائے۔ اس سلسلہ میں پہلا لیکچر ISLAM-THE FAITL یعنی "اسلام بحیثیت مذہب" کے موضوع پر ۲۶ر فروری کو ہوا۔ دوسرا لیکچر ۱۲ر مارچ کو THE MORAL AMD SPIRITUAL VOLNCS OF ISLAM کے عنوان پر دیا گیا جس میں اسلام کی اخلاقی اور روحانی تعلیم کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا۔ تیسرا لیکچر THE SOCIAL AND ECONOMIC VALUES OF ISLAM. کے موضوع پر ۷ر مارچ کو ہوا۔ ان لیکچرز میں یونیورسٹی کے طلبہ اور پروفیسروں کے علاوہ باہر سے ذی علم احباب جمع ہوتے رہے اور تقاریر کے بعد تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔

آپ کا ایک لیکچر امریکہ کے شمالی مشرقی ریاست MAINE کے ایک کالج BOWDOIN COLLEGE میں ۷ مارچ کو ہوا۔ عنوان یہ تھا۔ UNIVERSE DESIGN OR ACCIDENT ? ISLAMIC VIEW یعنی "تخلیقِ عالم اسلامی نقطۂ نگاہ سے محض حادثہ ہے یا تدبیر الٰہی؟ آپ کی ایک نہایت اہم تقریر AMERICAN FRIEND OF THE MIDDLE EAST کے سالانہ اجلاس میں ۲۶ مارچ کو ہوئی اس موقعہ پر ملک کے اطراف و جوانب سے اس آرگنائزیشن کے نمائندگان نیویارک میں اپنی سالانہ کانفرنس کے لیے جمع ہوئے تھے۔ حضرت چوہدری صاحب نے اپنی تقریر میں بتایا کہ مشرقِ وسطیٰ کی الجھنوں کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے مذہب یعنی اسلام کی روح کو سمجھا جائے اور خاص طور پر اس امر کی اہمیت کو بھی کہ اسلام کا مقدس صحیفہ نہ صرف مکمل طور پر وحی الٰہی بلکہ آنے والے ہر زمانہ کی تمام قسم کی مشکلات کا حل پیش کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ تقریر اس اہم مجمع میں بڑے غور سے سُنی گئی بعد میں صاحب صدر نے کہا کہ تقریر سے قبل میں نے مقرر کا تعارف ایک مشہور عالم سیاست دان اور قانون دان کی حیثیت سے کرایا تھا۔ لیکن اب میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ ایک بڑے فلاسفر اور عالم بھی ہیں۔

۱۲ اپریل کو آپ کی ایک تقریر ڈی۔ ایم۔ سی۔ اے واشنگٹن کی BREAKFAST CLUB میں ہوئی۔ یہ ایسٹر کا تہوار بھی تھا۔ اس لیے موقعہ کی مناسبت سے آپ نے "حضرت مسیحؑ" کا مقام مسلمانوں کی نظر میں" کے موضوع پر روشنی ڈالی۔ اور اس سلسلہ میں واقعۂ صلیب اور سفرِ کشمیر کے واقعات بھی بیان کیے۔ ۲۲ اپریل کو آپ کا ایک خاص لیکچر اسلامک سنٹر واشنگٹن میں ہوا۔ اس موقعہ پر مسجد واشنگٹن کا لیکچر ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ آپ نے اسلام اور عہد حاضر کی زندگی (ISLAM AND MODERN LIFE) کے موضوع پر شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی۔

ان لیکچروں کے علاوہ آپ ہر ہفتہ میں دو بار کولمبیا یونیورسٹی کے دو مذاکرات (SEMINARS) میں بھی شریک رہے۔ ان میں سے ایک تو "امن عالم" کے موضوع پر تھا اور دوسرا مشرقِ اوسط کے معاملات پر۔ ان میں کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر اور بعض دوسرے سکالرز بھی شریک ہوتے ہیں۔ حضرت چوہدری صاحب ان مضامین پر اسلامی اور پاکستانی نقطہ نگاہ

بیان فرمایا۔

مورخہ ۱۴ر اپریل کو آپ CHURCH PEACE UNION کے ایک لنچ پر مدعو تھے جس میں اس امر پر تبادلۂ خیالات ہوا کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس کی مضبوطی کے لیے کیا مساعی کی جا سکتی ہیں؟ [1]

دوم:۔ جماعت احمدیہ امریکہ کی دسویں کامیاب سالانہ کانفرنس اس سال ۳۱ر اگست تا ۲ر ستمبر ۱۹۵۷ء ڈیٹن میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس میں امریکہ کے بیس شہروں کے احمدی مندوبین نے شرکت فرمائی۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر کا پُرجوش پیغام خاص دلچسپی سے سُنا گیا۔ دو مخلصین جماعت نے نئے مشن ہاؤس کے لیے اپنی جائیدادیں وقف کرنے کا اعلان کیا۔ جملہ نمائندگان کے یہ دن دعاؤں کے پُرکیف ماحول میں گزرے اور وہ ایک خاص جذبہ، اثر اور نئے عزائم لے کر گئے [2]

مشرقی افریقہ مشن

۱۵ر مارچ ۱۹۵۷ء کو مولانا شیخ مبارک احمد صاحب رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ نے بیت سلام ٹانگانیکا کا افتتاح کیا۔ اس تقریب میں احمدی احباب کے علاوہ متعدد افریقن، ایشین اور یورپین معززین نے بھی شرکت کی ٹانگانیکا کے دارالسلطنت دارالسلام کے وسط میں یہ پہلی عبادت گاہ تھی جسے وہاں کی جماعت احمدیہ نے خدائے واحد کی عبادت کے لیے تعمیر کیا۔

افتتاح سے قبل مولانا موصوف نے سواحیلی زبان میں مختصر مگر مؤثر الفاظ میں اسلامی مساجد کی غرض و غائیت اور اسلامی مساوات کو پیش کیا۔ اور بتایا کہ انہیں مقاصد کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مسیح موعودؑ کے طور پر مبعوث کیا اور احمدیہ جماعت دین حق کے ان مقاصد کی اشاعت کے لیے ہر حالت میں کوشش کو جاری رکھے گی۔ آپ نے یہ بھی اعلان کیا کہ خدا کا یہ گھر خدا تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف ہے اور ہر مذہب و ملت کا آدمی بلا روک

---

[1] "روزنامہ الفضل" ربوہ ۲۶ر جون ۱۹۵۷ء صفحہ ۴ (رپورٹ سید جواد علی صاحب سیکرٹری امریکہ مشن)

[2] الفضل ۵ر ستمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۱ (رپورٹ چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر مبلغ امریکہ)

دلوگ عبادت بجالاسکتا ہے اس تقریر کا ترجمہ اردو اور انگریزی زبان میں حاضرین تک پہنچا یا گیا۔

کارروائی کا آغاز قرآن مجید کی تلاوت سے ہوا جو ایک غیر احمدی عالم دین شیخ حمد رمضان صاحب نے نہایت خوش الحانی سے کی۔ازاں بعد جماعت احمدیہ دارالسلام کے سیکرٹری سید محمد سرور شاہ صاحب ایم اے نے انگریزی زبان میں مختصر طور پر پروگرام کی تفصیل بتائی۔ پھر مکرم سید محمد اقبال شاہ صاحب آف نیروبی نے تمام پیغامات پڑھ کر سُنائے جو مقامی افسران اور احباب کی طرف سے موصول ہوئے تھے۔یا بیرونی جماعتوں اور دوستوں نے بھجوائے تھے۔سب سے پہلے سیدنا المصلح الموعودؓ کا تار سنایا گیا۔جس میں حضور نے اس کا نام بیت سلام تجویز فرمایا تھا۔

گورنر صاحب ٹانگانیکا کے پرائیویٹ سیکرٹری نے لکھا۔ ہزایکسی لینسی نے مجھے ہدایت کی ہے کہ ان کی طرف سے دارالسلام میں نئی مسجد کے افتتاح کے موقعہ پر خوشی کے جذبات آپ تک پہنچا دوں۔

یوگنڈا کے قائم مقام گورنر صاحب کا پیغام :۔ میں آپ کو اور آپ کی وساطت سے آپ کی تمام جماعت کو مبارکباد دیتا ہوں جو لوگ اس مسجد کو استعمال کریں گے اُن تک بھی میرے خوشی کے جذبات پہنچا دیجیئے۔

کینیا کالونی کے گورنر صاحب کا رقعہ۔ دارالسلام میں آپ کی نئی مسجد کے افتتاح کے موقع پر آپ کو اور آپ کی مقامی جماعت کو جسے ہز مجسٹی اپنی وفادار رعایا میں سے شمار کرنے میں خوشی محسوس کرتی ہیں نہایت گرم جوشی سے مبارکباد دیتا ہوں۔

نیروبی کے میئر صاحب کا پیغام :۔ افتتاح کے موقع پر مخلصانہ جذبات بھجوانے میں مجھے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے۔جماعت احمدیہ کا ایمان اور ان کی دعائیں اس امر کی ضامن ہیں کہ یہ نئی عمارت ان کی روحانی تقویت کا باعث ہوگی اور دوسرے لوگوں کے لیے ان تمام عمدہ تعلیمات کا منبع اور سرچشمہ ہوگی جو اسلام سکھاتا ہے اور جن کے ذریعہ قوموں میں امن اور صلح قائم ہوتی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ نیروبی کے احمدی اور اُن کے احباب اس اُمید کے اظہار میں میرے ساتھ شریک ہوں گے کہ یہ عبادت گاہ صرف انہیں کے لیے مذہبی مرکز نہیں بنے گی بلکہ اس کے ذریعہ سے مختلف عقاید رکھنے والی جماعت کے افراد عمدہ شہریت کے اصول سیکھیں گے۔

جماعت احمدیہ کی رواداری نہ تعلیم اور جذبہ ہمدردی مخلوق اِن علاقوں کی زندگی پر عمدہ اور عظیم الشان

اثر رکھتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے مشرقی افریقہ کے لوگوں اور اُن کے خیالات کو متحد کیا جا سکتا ہے۔

کینیا کے وزیر بے محکمہ مسٹر مدن (MR. MADAN) نے لکھا مجھے افسوس ہے کہ میں اس تقریب میں شامل نہیں ہو سکوں گا۔ تاہم میں آپ کی اور آپ کی جماعت کی کامیابی کے لیے دعا کرتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ آپ کی تعلیم کے ذریعہ انسانوں میں باہمی مفاہمت پیدا ہو۔ حقیقی رواداری اور آپس میں مل بیٹھنے کا جذبہ پیدا ہو۔ لوگ لڑائی جھگڑے کی بجائے باہمی الفت میں متحد ہوں ان میں حقیقی برادرانہ محبت پیدا ہو جو کہ میرے ناقص خیال میں تمام خدا پر ایمان لانے والوں کو پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

خدا تعالیٰ کی رحمت بے پایاں آپ کی رہنمائی کرے تا آپ دُکھی مخلوق میں امن اور قناعت پیدا کرنے کی کوششوں میں کامیاب ہوں۔ ان تمام معاملات میں مَیں آپ کی عظیم الشان کامیابی کا خواہاں ہوں۔

یوگنڈا کے وزیر مواصلات مسٹر ناتھ مینی (MR. NATH MAINI) نے اپنے پیغام میں کہا:۔ اس بابرکت موقع پر مَیں آپ کو اپنا مخلصانہ سلام اور دلی جذبات پیش کرتا ہوں کاش میں اس موقعہ پر قریب تر ہوتا اور اس میں شامل ہو سکتا میری دعا ہے کہ یہ خدا کا گھر جو آپ نے تعمیر کیا ہے اس طبعی تڑپ کو پورا کرنے والا ہو۔ جو حق کی تلاش کے لیے ہر نسل اور ہر مذہب کے انسان میں ودیعت کی گئی ہے۔

مشرقی افریقہ کے ریلویز اینڈ ہاربرز (RAILWAYS AND HARBOURS) کے جنرل مینجر مسٹر آرتھر کربی نے تحریر فرمایا:۔ مضبوط مذہبی عقاید اور مخلصانہ مذہبی اعمال کسی بھی جماعت کی تنومندی کے لیے نہایت اہم ہوتے ہیں یہ عبادت گاہ جو آپ نے نہ صرف احمدیوں کی مذہبی اور مجلسی بہبود کے لیے بنائی ہے بلکہ ہر مذہب کا پیرو اسے عندالضرورت استعمال کر سکتا ہے، اس کا ایک منہ بولتا نشان ہے۔ ساحلی علاقہ کے مسلمان حاکم شیخ مبارک علی خادی صاحب نے لکھا:۔ مَیں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس کام میں برکت ڈالے اور آپ کو عظیم الشان ذمہ داریاں ادا کرنے میں کامیاب کرے[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۳ مئی ۱۹۵۷ء صفحہ ۳

خدا کی قدرت: تین سال پیشتر جب ۴ر دسمبر ۱۹۵۴ء کو اس بیت الذکر کی بنیاد رکھی گئی تھی تو شہر میں احمدیوں کے خلاف بہت اشتعال تھا۔ افریقن شیوخ نے اپنے جاہل مریدوں میں عام تحریک پھیلائی ہوئی تھی کہ احمدیوں پر پتھر پھینکے جائیں اور راستہ میں جہاں کہیں احمدی مبلغ یا کوئی اور احمدی ملے۔ بچے شور و غل مچائیں اس مخالفت کے پیش نظر بنیاد رکھنے کے موقع پر کسی کو دعوت نہیں دی گئی تھی۔ اور خاموشی سے دعا کے بعد سنگِ بنیاد رکھ دیا گیا۔ پولیس کی طرف سے امکانی شرارت کا مقابلہ کرنے کا پورا انتظام موجود تھا۔ لیکن درمیان کے عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کا انقلاب پیدا کیا کہ وہی شیوخ جو ہر مجلس میں عزت و احترام کے ساتھ بٹھائے جاتے تھے اب ان پر لوگ آوازے کستے تھے اور کوئی ان کی بات سُنتا تو کجا ان کو پاس بٹھانے کے لیے بھی تیار نہ ہوتا تھا بعض سیاسی حرکات کی وجہ سے مسلمان افریقن اس نتیجے پر پہنچے کہ شیوخ غدار ہیں۔ اور افریقنوں کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں یہی وجہ تھی کہ افتتاح کے موقع پر افریقن معززین شوق کے ساتھ شامل ہوئے اور یہ تقریب سیدنا حضرت المصلح الموعود کی خاص توجہ اور دیگر بزرگان سلسلہ کی دعاؤں سے غیر معمولی طور پر کامیاب ہوئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

مقامی پریس نے بھی خاص دلچسپی لی انگریزی اخبارات ٹانگانیکا سٹینڈرڈ۔ سنڈے نیوز۔ اور سواحیلی اخبارات ZUHRA اور MWANGAZA نے افتتاح سے پہلے اور بعد میں عمدہ نوٹ شائع کیے اور پبلک کو بار بار اس تقریب کی طرف متوجہ کیا۔ روزنامہ انگریزی اخبار ٹانگانیکا سٹینڈرڈ نے افتتاح کی رپورٹ نہایت شاندار الفاظ میں شائع کی۔ اس سے خدا تعالیٰ کے فضل سے حکام اور عوام کے دلوں سے جھوٹے پراپیگنڈے کا اثر زائل ہو گیا۔ بہت سے افریقن اصحاب نے بعد میں کہا کہ ہمیں تو بتایا جاتا تھا کہ احمدی نہ کلمہ شہادت پڑھتے ہیں نہ اذان کہتے ہیں اور نہ قرآن پڑھتے ہیں لیکن ہم نے دیکھ لیا ہے کہ یہ سب جھوٹ تھا۔[1]

۲۔ بیت اسلام کے افتتاح کے چار ماہ بعد شیخ مبارک احمد صاحب نے ۲۷ر جولائی ۱۹۵۷ء کو بیت احمدیہ جنجہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ بعد ازاں مختصر تقریر فرمائی جس کا انگریزی میں ترجمہ چوہدری عبدالرحمٰن صاحب نے کیا۔ چوہدری صاحب موصوف نے اپنے بیٹے کی طرف سے ۵۰۰ شلنگ کا چیک دیا۔ اسی طرح ڈاکٹر

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۴ر مئی ۱۹۵۷ء صفحہ ۴۔

لعل دین صاحب، شیخ عبدالغنی صاحب (کمپالہ) فضل الٰہی صاحب (کمپالہ) ممتاز احمد صاحب، بھائی غلام حیدر صاحب۔ عبدالشکور صاحب بٹ نے خانہ خدا کی تعمیر کے لیے رقوم پیش کیں[1]۔

۳۔ اس سال کے دوران مشن کے زیر اہتمام مئی ۱۹۵۷ء سے ماہانہ انگریزی اخبار "ایسٹ افریقن ٹائمز" جاری ہوا اور اس کے مدیر مولوی نورالدین صاحب منیر مقرر ہوئے۔ یہ اخبار بہت جلد ملک کے مختلف حصوں میں مقبولیت اختیار کر گیا[2]۔ چنانچہ ممباسہ ٹائمز نے اپنے ایڈیٹوریل کے صفحہ پر اس اخبار کے متعلق لکھا: "احمدیہ مشن نے ایسٹ افریقن ٹائمز کے نام سے جو انگریزی ماہانہ جاری کیا ہے وہ خوب مقبول ہو رہا ہے۔ یہ اخبار خدمت اسلام کے لیے وقف ہے اور اسلامی نکتۂ نگاہ کو سمجھنے کے لیے بہت عمدہ مواد پیش کرتا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد روحانیت کو زندہ کرنا اور ان سوالات کا اسلامی حل پیش کرنا ہے جو موجودہ دور میں درپیش ہیں۔ اس کے علاوہ یہ اخبار افریقہ میں بسنے والی قوموں میں مل جل کر رہنے کی روح بھی پیدا کرنے کی کوشش کرے گا[3]۔"

۴۔ مولوی نورالدین صاحب منیر نے افریقن مسلمان لڑکیوں کے لیے الگ سکول جاری کرنے کی تحریک اٹھائی چنانچہ لیجسلیٹو کونسل کے ممبر مسٹر انگا لا نے یقین دلایا کہ حکومت اس بارہ میں کارروائی کرے گی۔ اس سلسلہ میں پراونشل کمشنر، ڈپٹی کمشنر اور ایجوکیشن آفیسر سے بھی ملاقات کر کے انہیں تعلیمی حالت بہتر بنانے کی طرف توجہ دلائی[4]۔

۵۔ مشرقی افریقہ میں قبل ازیں احمدیہ مشن کی طرف سے انگریزی اور سواحیلی زبانوں میں دو اخبارات جاری تھے اور بہت مقبول تھے۔ اس سال جماعت احمدیہ یوگنڈا کے زیر انتظام لوگنڈا زبان میں بھی ایک ماہنامہ DOBOZI LY OBU ISLAM (صوتِ اسلام) نکلنا شروع ہوا[5]۔

۶۔ چوہدری عنایت اللہ صاحب مبلغ ٹانگانیکا نے دورانِ سال ملک کے ۹ مقامات کا دورہ کیا۔

---

[1] الفضل ۱۳؍ اگست ۱۹۵۷ء صفحہ ۴ (رپورٹ حافظ بشیرالدین عبیداللہ صاحب)

[2] الفضل ۱۲؍ دسمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۳ :: [3] الفضل ۵؍ ستمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۳ :: [4] الفضل یکم مارچ ۱۹۵۸ء صفحہ ۳ :: [5] الفضل ۳۱؍ جولائی ۱۹۵۷ء صفحہ ۱

۶۳۰۰ ٹریکٹ تقسیم کیے ایک ہزار سے زائد افراد تک پیغام حق پہنچایا۔ ایک عرب نوجوان اور ۴۲ افریقن داخل احمدیت ہوئے اور بچوں وغیرہ کو ملا کر کل ۸۳ افراد کو سلسلہ احمدیہ میں شامل ہونے کی توفیق ملی[1]

گولڈکوسٹ (غانا) مشن

۱۔ گولڈکوسٹ کی جماعت ہائے احمدیہ کا سالانہ جلسہ اس سال بھی ۱۰ر ۱۱ر ۱۲ر جنوری ۱۹۵۷ء کو منعقد ہوا۔ ۹ر جنوری کو احمدیت کے عشاق مرکز جماعت سالٹ پانڈ میں وارد ہونے شروع ہوئے۔ احمدی مردوں عورتوں اور بچوں سے بھری ہوئی لاریاں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور مختلف دعاؤں کے دلکش ترنم کے درمیان دارالتبلیغ میں آکر رکتیں تو فضا نعروں سے گونج اٹھتی تھی۔ فرزندانِ احمدیت کی آمد کا یہ سلسلہ رات گئے تک جاری رہا۔ صبح تک چار پانچ ہزار افراد جمع ہو چکے تھے۔

۲۔ الحاج مولانا نذیر احمد صاحب مبشر امیر جماعت ہائے احمدیہ گولڈکوسٹ نے اپنی افتتاحی تقریر میں ان کامیابیوں کا ذکر کیا۔ جو خدا تعالیٰ کے فضل سے ۱۹۵۶ء میں حاصل ہوئیں۔ ان میں سے اوّل الذکر احمدی سیکنڈری سکول کماسی کا امدادی فہرست (Assisted List) پر آنا اور اس کے معین عملہ اور خصوصاً پرنسپل صاحب کا میسّر آنا ہے۔ ثانی الذکر جیز سویڈرو کے عربی مدرسہ کی عمارت کی تکمیل اور اس کے لیے ایک عربی سکالر کا بطور انچارج میسّر آنا ہے۔ آپ نے بتایا کہ سویڈرو کے علاقہ کے لوگوں کی متواتر دو سال سے یہ خواہش تھی کہ ان کے بچوں کی عربی اور دینی تعلیم کے لیے ایک عربی سکول کا اجراء کیا جائے اگرچہ اسکول غیر رسمی صورت میں شروع ہو چکا تھا۔ تاہم اس کے لیے نہ تو ضروری عملہ تھا اور نہ ہی عمارت۔ یہ دونوں چیزیں بفضل خدا گزشتہ سال کے اختتام تک حاصل ہو گئیں۔

ان کامیابیوں کا ذکر کرنے کے بعد آپ نے سال رواں کی ذمہ داریوں کی طرف جماعت گولڈکوسٹ کی توجہ مبذول کرائی جس میں اکرا مشن کو مضبوط کرنے اور مشن ہاؤس کی تعمیر کی ضرورت۔ شمالی علاقہ میں عیسائی مشنوں کی خطرناک سکیم کا مقابلہ وغیرہ کا پروگرام شامل تھا۔ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ گولڈکوسٹ کے شمالی علاقہ میں فروغ عیسائیت کے لیے مختلف مشن کیا کیا کوششیں کر رہے ہیں۔ اور ہمیں ان کو ناکام

---

[1] الفضل ۱۷ر نومبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۳ر ۴

بنانے کے لیے کس قسم کے مقابلہ کی ضرورت ہے؟

دوسری تقریر وا (W A) کے علاقہ کے ایک مخلص دوست الحاج معلم صالح صاحب نے کی۔ آپ نے اپنے علاقہ کی تبلیغی سرگرمیوں اور جماعت کی حالت کا ذکر کیا۔ پھر اشانٹی کے علاقہ کے مبلغ انچارج ملک خلیل احمد صاحب اختر شاہد نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ان پہلوؤں پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ جن کا تعلق خارق عادت امور سے ہے۔

دوسرے اجلاس میں سب سے پہلے حلقہ ریکمنی کے چیف رئیس نے اپنے حلقہ کی رپورٹ پیش کی۔ بعد ازاں مقامی افریقن مبلغین کے تبلیغ کی اہمیت کے موضوع پر تقریر کی۔ آخری تقریر کماسی کالج کے وائس پرنسپل سعود احمد خاں صاحب دہلوی نے "احمدی نوجوانوں کو خطاب کے موضوع پر فرمائی اور مؤثر پیرایہ میں نوجوانوں کو آگے بڑھنے اور خدمت کا مقدس فریضہ اپنا نصب العین بنانے کی تلقین کی۔

دوسرے دن کے پہلے اجلاس میں کماسی احمدیہ کالج کے پرنسپل صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب ایم اے نے تقریر فرمائی۔ جس کا عنوان تھا۔ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام دینِ حق کے سالار اعظم ہیں" آپ کی تقریر کے بعد اسلامی وراثت کے متعلق ایک ریزولیشن پاس کیا گیا۔ جس میں جماعت احمدیہ گولڈ کوسٹ نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ آئندہ ورثہ میں احمدیوں کے بچوں اور بیویوں کو بھی حقدار تسلیم کیا جائے۔ اس سے قبل ملک کا ایک معتدبہ حصہ جو آکان قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس حق وراثت سے کلیتہً محروم تھا۔

اس کے بعد مولوی صالح محمد صاحب فاضل نے "مسیح موعودؑ کا بیٹا" کے عنوان پر تقریر کی۔

تقریروں کے پروگرام کے بعد جب احمدیت کے جاں نثاروں کے ایثار اور اخلاص کے عملی مظاہرہ کا وقت آپہنچا تو سٹیج سے مالی جہاد کی صدا بلند ہوئی۔ اس آواز کا اٹھنا تھا کہ مخلصین جماعت بڑھ بڑھ کر اپنی قربانیاں پیش کرنے لگے۔ ادھر رقوم جمع ہو رہی تھیں اور اُدھر ایک بزرگ درود اور دعاؤں پر مشتمل گیتوں کے ذریعہ حاضرین کے قلوب گرما رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے خاصی رقم جمع ہو گئی۔

بعد ازاں مکرم جناب امیر صاحب نے "خلافت کی اہمیت" اور اس کی برکات" پر خطبہ جمعہ دیا۔ نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد مالی قربانی پیش کرنے کا سلسلہ پھر شروع ہوا اس موقعہ پر ۲۸۵ پونڈ جمع ہوئے۔

اختتامی اجلاس میں مولوی فضل الٰہی صاحب انوری نے تحریک جدید کے موضوع پر پہلے عربی پھر انگریزی زبان میں خطاب کیا۔[1]

۲- ۱۴۸۲ء میں پرتگیزوں نے گولڈ کوسٹ میں پہلی یورپی بستی بسائی ۱۸۷۴ء میں برطانوی شاہی نوآبادی وجود میں آئی جس کے بعد یہ ملک ایک لمبے عرصہ تک برطانوی استعمار کی زنجیروں میں جکڑا رہا اور بالآخر ڈاکٹر کوامی کرومہ (DR: NKRUMAH) ان کی پارٹی کی برسوں کی زبردست آئینی و سیاسی جدوجہد سے آزاد ہوا[2] اور خودمختاری حاصل کر کے غانا کے نام سے دنیا کی آزاد قوموں کی صف میں داخل ہو گیا۔ جس سے دنیائے احمدیت میں بھی خوشی اور مسرت کی نئی لہر دوڑ گئی۔ مولوی عبدالقدیر صاحب شاہد سابق مبلغ گولڈ کوسٹ نے اس موقع پر لکھا کہ:-

"مغربی افریقہ میں چار برطانوی مقبوضات میں سے گولڈ کوسٹ ایسا ملک ہے جس کے باشندوں نے سب سے زیادہ تعداد میں اسیروں کے رستگار حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کے ارسال کردہ مبلغین کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے احمدیت کو قبول کیا اور خدا تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ اس نے افریقہ کے جنوب اور مغرب میں سب سے پہلے آزادی و خودمختاری کی نعمت سے نوازنے کے لیے گولڈ کوسٹ (حال غانا) کو ہی چُنا۔ گولڈ کوسٹ کی کل آبادی پینتالیس لاکھ ہے اور وہاں اب تک تیس ہزار سے زائد افراد سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ تعداد روز بروز اتنی تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ عیسائیوں میں تشویش اور مایوسی کے اثرات واضح طور پر نمایاں ہو رہے ہیں۔ جن کا اظہار وہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں کرتے رہتے ہیں۔

پھر حکومت کے عمائدین اور اونچے طبقہ کے لوگوں میں بھی احمدیت کا نفوذ بڑھ رہا ہے چنانچہ وزیراعظم کوامی کرومانے (تحریک آزادی کو کامیابی سے چلانے کا سہرا جن کے سر ہے) ایک دفعہ کماسی میں ہمارے احمدیہ سیکنڈری سکول میں تقریر کرتے ہوئے احمدیت کی تعلیم کو سراہا اور طلباء کو اسلام کا

---

[1] الفضل ۱۱ر فروری ۱۹۵۰ء صفحہ ۴ ؛ [2] AFRICA WINS FREEDOM P: 59-65
مؤلف ایم براگنسکی (M. BRAGINSKY) - طبع دوم
ناشر PROGRESS PUBLISHERS, MOSCOW

مطالعہ کرنے کی تلقین کی ۔ اسی طرح کفرد ڈوا نامی ایک شہر میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "صحیح رنگ میں احمدی مسلمان ہیں ۔ اور احمدی جس رنگ میں اسلام کو پیش کرتے ہیں وہ ہمارے لیے قابلِ قبول اور مفید ہے "۔

اس کے علاوہ اکرا کمیونٹی سنٹر میں ہمارے ایک جلسہ کی صدارت گولڈ کوسٹ کی مجلس دستور ساز کے صدر سر ایمینوئیل کیسٹ نے کی ۔ اور جلسہ کے اختتام کے بعد صدارتی ریمارکس میں انہوں نے احمدیہ مشن کے کام اور احمدیت کی تعریف کرتے ہوئے اسے اپنے ملک و ملت کے لیے مفید قرار دیا ۔ نیز احمدیہ مشن کو تحمل، امن اور رواداری کا مکمل نمونہ قرار دیتے ہوئے دوسرے مشنوں کو بھی اس کے نقشِ قدم پر چلنے کی تلقین کی ۔ پس گولڈ کوسٹ کی آزادی اور خود مختاری منصف اور حق پسند دنیا کے لیے عموماً اور احمدیہ جماعت کے لیے خاص طور پر خوشی اور مسرت کا باعث ہے "۔[1]

۴ ۔ غانا کی یومِ آزادی کی تقریبات پر ہر رائل ہائی نس ڈچز آف کینٹ ملکہ انگلستان کے ذاتی نمائندہ کی حیثیت میں شامل ہوئیں ۔ احمدیہ مشن غانا کے مبلغ انچارج مولوی نذیر احمد صاحب مبشر نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو انگریزی ترجمہ القرآن کی ایک جلد بطور تحفہ ارسال کی ڈچز آف کینٹ نے اس بیش بہا تحفہ کے موصول ہونے پر انتہائی خوشی کا اظہار کیا ۔ اور اپنے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کو ہدایت کی کہ وہ ان کی طرف سے شکریہ ادا کریں چنانچہ انہوں نے انچارج احمدیہ مشن کے نام لکھا :۔

(ترجمہ) گورنمنٹ ہاؤس ۔ اکرا ۔

۵ ۔ مارچ ۱۹۵۷ء

جناب عالی! ڈچز آف کینٹ نے مجھے ہدایت کی ہے کہ آپ نے ازراہِ نوازش ہر رائل ہائی نس کی خدمت میں قرآن مجید کا ایک نسخہ جو بطور تحفہ بھیجا ہے ۔ اس پر آپ کا بہت بہت شکریہ ادا کروں ہر ہائی نس اس جذبے کی بہت قدر کرتی ہیں ۔ آپ کا یہ تحفہ انہوں نے بہت خوشی سے قبول کیا ہے ۔

آپ کا مخلص : دستخط ( ) پرائیویٹ سیکرٹری (ترجمہ)

ان تقریبات میں دیگر کئی ملکوں کے نمائندے وفود نے شرکت کی جنہیں مولوی نذیر احمد مبشر نے انگریزی

---

[1] الفضل ۷ ۔ مارچ ۱۹۵۷ء صہ

ترجمۃ القرآن اور دوسرا اسلامی لٹریچر پیش کیا[1]

۸، ۹ اور ۱۰ ر نومبر ۱۹۵۷ء کو علاقہ اشانٹی کے احمدی نوجوانوں کا دوسرا سالانہ اجتماع منعقد ہوا تا ان کی ہمہ جہتی دینی، روحانی، تبلیغی اور جسمانی تربیت کا کماحقہٗ اہتمام کیا جا سکے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں پانچ اجلاسوں کے دوران جماعت کے مربیان، عہدیداران، بزرگوں اور دیگر مقررین نے مختلف موضوعات پر سیر حاصل تقاریر کیں۔ الحاج حسن عطاء صاحب ایم۔ بی۔ ای نے "نوجوانوں کی ذمہ داریاں" کے موضوع پر خطاب فرمایا اور ایک پرانے اور ضعیف العمر احمدی مسٹر علی آف کوٹوکوم جن کی عمر غالباً ایک سو سال سے زائد تھی، نے غانا میں احمدیت کے ابتدائی حالات بیان فرمائے۔ صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب نے "برکاتِ خلافت" اور "حضرت مسیح موعودؑ کی حیاتِ طیبہ" کے موضوعات پر تقاریر کیں[2]

نائیجیریا مشن

نائیجیریا مشن کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں اس سال ملک میں دین حق کے غلبہ اور اثر و نفوذ کے ایسے واضح آثار نمایاں ہوگئے۔ کہ لیگوس کے مشہور انگریزی اخبار "ڈیلی ٹائمز" نے ۱۸ رمئی ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں لکھا کہ مغربی نائیجیریا کے نامی پادریوں نے اس امر پر انتہائی تشویش اور گھبراہٹ کا اظہار کیا ہے کہ نائیجیریا میں اسلام بڑی سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ نائیجیریا میں اسلام کی فتوحات عیسائیت کے لیے زبردست خطرہ ہیں۔ اسلام کی اس بڑھتی ہوئی رَو کے نتیجے میں عیسائیوں کے حوصلے پست ہو رہے ہیں۔ اور اپنے معتقدات کے بارے میں ان کا ایمان اور یقین متزلزل ہوتا جا رہا ہے۔

چند ماہ بعد لیگوس کے بشپ صاحب نے یہ رائے دی کہ تمام نائیجیریا اور خصوصاً اس مرکز لیگوس سے زیادہ سے زیادہ نفوس حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں یہی حال ابادان کا ہے جو تعلیمی مرکز ہے[3]۔

جماعت احمدیہ نائیجیریا کا جلسہ سالانہ ۲۵-۲۶ دسمبر ۱۹۵۷ء کو لیگوس میں منعقد ہوا جو ہر لحاظ سے کامیاب رہا[4]

---

[1]:۔ روزنامہ الفضل ربوہ ۶ اپریل ۱۹۵۷ء صفحہ ۲ [2]:۔ الفضل ۱۳ دسمبر ۱۹۵۷ء صفحہ ۳ [3]:۔ الفضل ۳۱ مئی ۱۹۵۷ء صفحہ ۱ و ڈیلی ٹائمز (لیگوس) ۷ دسمبر ۱۹۵۷ء بحوالہ "جماعت احمدیہ کا تبلیغی نظام اور اس کے نتائج" صفحہ ۶ (تقریر صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر بر موقعہ جلسہ سالانہ ۱۹۶۲ء) [4]:۔ الفضل ۱۳-۱۴ فروری ۱۹۵۸ء

سیرالیون مشن

سیرالیون مشن نے ایک وسیع تبلیغی دورے کا انتظام کیا۔ یہ تبلیغی دورہ یکم ستمبر سے لیکر یکم اکتوبر ۱۹۵۰ء تک جاری رہا جس کے نتیجہ میں تقریباً تین ہزار افراد تک احمدیت کی آواز پہنچی۔ ۴۳ افراد داخلِ احمدیت ہوئے اور تین نئی جماعتوں کا قیام عمل میں آیا۔

اس یادگار دورے کا خلاصہ مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری انچارج مشن کے قلم سے درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"یکم ستمبر ۱۹۵۰ء کو میں القاہم فوڈے صالحو اور برادر داؤد سونگو نے احمدیہ مشن سیرالیون کے شعبہ تبلیغ کے نظام کے تحت جماعت کے مرکز "بو" سے امیر سیرالیون اور مخلصین جماعت کی دعاؤں کے ساتھ وقفِ عارضی کے دورے کا آغاز کیا اور بذریعہ ٹرین کینیما (KENEMA) روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر ایک روز انفرادی تبلیغ کی اور لٹریچر تقسیم کیا اگلے روز ۹ میل کا پیدل سفر طے کر کے ایک گاؤں گیئیما (MIEMA) پہنچے۔ گاؤں کے چیف نے ہماری درخواست پر سب لوگوں کو ایک جگہ جمع کیا اور ہم نے اسلام اور احمدیت پر دو لیکچر دیئے۔ عیسائیت کے مقابل اسلام کی برتری ثابت کی۔ امام مہدی علیہ السلام کی آمد کی خوشخبری سُنائی اور سوالات کے جواب دیئے کچھ دینی کتب بھی فروخت کیں۔ اگلے روز چار میل پیدل طے کر کے ایک گاؤں کینجو (KENJU) پہنچے۔ دو گھنٹے ٹھہر کر گاؤں والوں کو اللہ تعالےٰ کی عبادت کا اسلامی طریق۔ اسلام کی سچائی اور نماز کے فوائد بتائے اور امام مہدی کی خبر دی۔ کچھ مخالفت ہوئی مگر اکثر لوگ جو مشرک تھے سُن کر خوش ہوئے اور ہماری خاطر بھی کی۔ وہاں سے آگے پانچ میل پیدل چل کر ہم ایک گاؤں کونیا (KONIA) پہنچے وہاں پر خدا کے فضل سے ہماری ایک پرانی جماعت قائم ہے ان کے زیرِ اثر لوگوں کو تبلیغ کی رات کو گاؤں میں عام وعظ کیا اور سوالات کے جواب دیئے رات کو اٹھ کر اپنی جماعت کے ساتھ باجماعت نماز تہجد ادا کی اور فجر کی اذان کے بعد گاؤں والوں کو نماز کے لیے بیدار کیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تلقین کی نماز فجر کے بعد مسجد میں تعلیم و تربیت میں مشغول رہے جماعت کے چندوں وغیرہ کا حساب دیکھا۔ وہاں آگے پانچ میل چل کر ایک گاؤں پاٹو (PATO) پہنچے اور گھر گھر دستک دے کر ایک خدا ایک رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک کتاب قرآن کریم پر ایمان لانے اور حضرت امام مہدی علیہ السّلام کی جماعت میں داخل ہونے کی تلقین کی۔ لوگوں نے توجہ سے ہماری باتیں سُنیں اور مہمان نوازی بھی کی۔ وہاں سے آگے چھ میل پیدل چل کر ایک گاؤں تاہواں (TAHWAN) گئے ٹاؤن چیف کو کہا کہ لوگوں

کو جمع کرے گر اس نے تعاون نہ کیا۔ ہم نے گھر گھر جاکر انفرادی طور پر اسلام اور احمدیت کا پیغام پہنچایا امام مہدی کی آمد کی بشارت دی اور رات گزار کر اگلے روز وہاں سے تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں بامباہون (BAMBAHUN) پہنچے جہاں ہم نے دو لیکچر دیئے اور انفرادی تبلیغ بھی کی اور لٹریچر تقسیم کیا گاؤں والے ہماری تبلیغ سے بہت خوش ہوئے اور دوبارہ آنے کو کہا دو پونڈ بطور امداد مشن کو ہمیں دیئے وہاں سے چار میل پیدل چل کر ایک گاؤں "پیری" (PEERI) پہنچے۔ لوکل چیف کے تعاون سے ہم نے پبلک لیکچر دیا۔ بہت اچھا اثر ہوا۔ چیف نے ہماری مہمان نوازی بھی کی اور خدا کے فضل سے دو افراد جماعت میں شامل ہوئے وہاں سے ہم چانگو (CHANGO) پہنچے یہ مخالف گاؤں تھا انہوں نے ہمیں ٹھہرنے نہ دیا اس لیے ایک گھنٹہ کے بعد ہم آگے روانہ ہوگئے اور تین میل پیدل چل کر ایک گاؤں "کاوونا" پہنچے اور گاؤں میں پھر کر اعلان کیا کہ ہم تقریر کریں گے کیونکہ ٹاؤن چیف گاؤں سے باہر تھا اور بڑے بڑے لوگ مخالف تھے لوگ میدان میں جمع ہو گئے انہیں اسلام پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی اور امام مہدی کی بشارت دی اور سوالات کے جوابات دیئے ہم صبح سے بھوکے تھے۔ اور کئی میل پیدل چل چکے تھے مگر مخالفت کی وجہ سے کسی نے ہمیں پانی تک نہ پوچھا۔ جنگل میں خرید و فروخت بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے بھوکے ہی آگے روانہ ہوگئے۔ وہاں سے بذریعہ کشتی ایک دریا عبور کیا اور تین میل چل کر ایک گاؤں "باگو" پہنچے۔ بارش سے ہمارے کپڑے تر تھے کیونکہ گزشتہ تین میل بارش میں سفر کیا تھا یہاں بھی ہماری بہت مخالفت ہوئی اور ہم آدھ گھنٹہ سستا کر ناچار آگے چل پڑے اور دو میل طے کر کے ایک گاؤں کامبیما (KHMBEMA) میں تین روز قیام کرکے دن رات خوب تبلیغ کی۔ لوگ بہت اچھی طرح پیش آئے مہمان نوازی بھی کی اور ہمیں بہت آرام دیا اور خدا کے فضل سے آٹھ افراد معہ امام مسجد بیعت کر لی۔ الحمدللہ کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک نئی جماعت عطا فرمادی اور جس کی تعلیم و تربیت کے لیے بعد میں مرکزی مشن کی طرف سے مکرم ملک غلام نبی صاحب مبلغ سیرالیون کو بھیجا گیا۔

وہاں سے ہم دو میل پر ایک گاؤں "فوفو" پہنچے ایک روز قیام کیا انفرادی تبلیغ کی ایک دکان پر دو گھنٹے مذہبی گفتگو اور سوال و جواب ہوتے رہے۔ گاؤں میں لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ اگلے روز تین میل چل کر ایک گاؤں "پانڈے بو" پہنچے دو روز قیام کیا اور سارا سارا دن تبلیغ اور وعظ و نصیحت میں گزرتا رہا۔ لوگوں نے ہماری باتیں بڑی دلچسپی اور توجہ سے سنیں۔ چار افراد نے بیعت کی۔ باقی لوگوں نے غور کرکے فیصلہ

کرنے کا وعدہ کیا مگر ہمارے ساتھ نمازیں ادا کرتے رہے۔ آگے چار میل کا سفر طے کر کے ایک گاؤں "بابا بوہون" پہنچے چار روز قیام کیا۔ یہاں کے لوگوں کو ہم نے بہت اچھا پایا دو لیکچر دیئے انفرادی تبلیغ کی گھر گھر حضرت امام مہدیؑ کا پیغام پہنچایا اور بالآخر یہاں خدا کے فضل سے ۲۸ افراد نے احمدیت قبول کی اور ایک نئی جماعت قائم ہوگئی اس گاؤں میں داخل ہوتے ہی ابتداء میں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ایک با اقتدار شخص نے ہمیں گالیاں دیں اور گاؤں سے نکل جانے کا حکم دیا ہم خاموشی سے اُٹھ کر چل دیئے پھر خیال آیا کہ گاؤں کے دوسری طرف جاکر دیکھیں چنانچہ ادھر جاکر تبلیغ کی تو کئی سعید الفطرت لوگوں نے حق کو قبول کر لیا اور ہماری خوب خاطر مدارات کی اور بڑی عزت اور محبت سے پیش آئے بعد میں وہاں احمدیہ بیت بھی تعمیر ہوگئی اور وہ گاؤں اس علاقہ میں خدا کے فضل سے احمدیت کا مرکز بن گیا۔ اس گاؤں سے پھر ہم ۹ میل پیدل سفر کر کے ایک گاؤں "کیجیما" پہنچے اور سیدھے ٹاؤن چیف کے پاس پہنچے۔ راستے میں شدید بارش سے ہمارا بُرا حال تھا۔ بھوک نے بھی نڈھال کر رکھا تھا لیکن اس مخالف نے ہماری باتیں سُننے اور گاؤں میں قیام کرنے کی اجازت سے انکار کر دیا۔ ناچار ہم آگے روانہ ہوئے ہم پہلے ہی سخت تھکے ماندے تھے اور کپڑے بارش سے تر تھے کہ راستے میں ہمیں پھر بارش نے آلیا۔ رات سر پہ تھی راستہ بھی دشوار گزار اور خطرناک تھا اس اضطراری حالت میں ہم نے بڑے سوز و گداز اور الحاح سے دعا کی کہ اے ہمارے رحیم و کریم خدا! ہم تیرے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور تیرے مہدی علیہ السّلام کے فدائی ہیں اور محض تیرا نام بلند کرنے اور تیرے دینِ حق کی تبلیغ کے لیے اپنا کام کاج گھر بار اور عزیز و اقارب چھوڑ کر ان جنگلوں میں پھر رہے ہیں بھوک کی شدت سے ہمارے تھکے ماندے جسم بھی اب جواب دے رہے ہیں تو غیب سے ہماری مدد فرما چنانچہ اس سمیع و مجیب نے اپنے کرم سے ہماری دعا سُنی اور وہ موسلا دھار بارش یکدم بند ہوگئی اور چار میل تک بند رہی۔ پھر ہماری پگڈنڈی کے ایک طرف بارش ہونے لگی لیکن دوسری طرف بالکل خشک موسم رہا اور اس طرح خارق عادت طور پر ہم بارش سے محفوظ رہ کر خدا تعالیٰ کی مہربانی پر شکر کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے چنانچہ چار میل مزید چل کر ہم رات گئے ایک گاؤں "ماڈوکولوجون" پہنچے جہاں ہماری ایک بڑی پرانی اور مخلص جماعت موجود ہے جماعت کے صدر گاؤں سے باہر ہی ہمیں مل گئے ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے ہم نے رات اپنے احمدی بھائیوں کے پاس گزاری مسجد میں جماعت کو اپنے سفر کے حالات بتائے اور وعظ و نصیحت کی اور

اور اگلے روز چل کر چار میل پر ایک قصبہ "کومینڈے" اور پھر ہانگا میں کچھ دیر ٹھہر کر لٹریچر فروخت کیا اور تبلیغ بھی کی پھر بذریعہ لاری "بونگو" آئے اور وہاں احمدی بھائیوں کے ہاں قیام کیا۔ اور دو روز تبلیغ تربیت میں مصروف رہے وہاں سے ایک اور احمدی گاؤں "جوئی" پہنچے اور دو روز قیام کیا یہاں بھی ہمارے احمدی بھائیوں نے ہماری خوب خاطر مدارت کی بہت خوش ہوئے اور ہمیں ہر قسم کا آرام پہنچایا ہم نے گاؤں کے غیر احمدی طبقہ میں بڑے اچھے ماحول میں تبلیغ کی وہاں سے چند میل چل کر ہم ضلع کے مرکزی قصبہ کینما (KENEMA) آئے چونکہ ہمارے وقفِ عارضی کا مہینہ ختم ہو گیا تھا اس لیے ہم یکم اکتوبر ۱۹۵۷ء کو بذریعہ ریل گاڑی ۴۵ میل کا سفر طے کر کے بخیریت اپنے مرکز "بو" پہنچ گئے۔ فالحمد للہ اولاً و آخراً۔

اس تبلیغی دورہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم نے ۱۱۰ میل پیدل، ۶۵ میل بذریعہ لاری اور ۱۲۶ میل بذریعہ ریل سفر کیا تقریباً تین ہزار افراد کو پیغامِ حق پہنچایا اور خدا کے فضل سے ۲۴ افراد ہمارے ذریعہ بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہوئے۔ اور تین جگہ بالکل نئی جماعتیں قائم ہوئیں۔[1]

۲۔ جماعت احمدیہ سیرالیون کے ایک وفد نے جو مولوی محمد صدیق امرتسری امیر و مبلغ انچارج مولوی محمود احمد صاحب چیمہ اور ملک غلام نبی صاحب شاہد پر مشتمل تھا ۸؍ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو وزیر اعظم سیرالیون ڈاکٹر ایم اے ایس مارگائے سے ملاقات کی۔

اس موقع پر آنریبل ایم ایس مصطفےٰ وزیر معدنیات و زراعت نے جماعت احمدیہ کے مبلغین اور مشن کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ:۔

یہ وہ نوجوان ہیں جنہوں نے اس خطہ سیرالیون میں اسلامی نور کی شعاعوں کو تیز ترین کر کے ہمیں جگا دیا ہے۔ یہ لوگ تقریباً عرصہ ۳۰ سال سے مصائب و مشکلات برداشت کرتے ہوئے اس ملک کی دینی اور تعلیمی حالت کو بہتر بنانے میں مشغول ہیں .... یہ امر بھی قابلِ ستائش ہے کہ ان نوجوان مشنریوں کی انتھک خدمات صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں اور انہیں تک محدود نہیں بلکہ یہ لوگ ہر ایک کا بھلا چاہتے اور خدمتِ خلق کا جذبہ ان کے ہر کام اور سکیم میں نمایاں نظر آتا ہے۔ تعلیمی

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الفضل ۳۰؍ نومبر۔ یکم دسمبر ۱۹۵۷ء

لحاظ سے اس ملک کے سینکڑوں بچے ان کے سکولوں میں پڑھ کر اور ان کے زیر تربیت رہ کر بہترین شہری بن چکے ہیں .... احمدیہ جماعت کے مشن دنیا کے تمام ممالک میں کام کر رہے ہیں اور ہر جگہ ان کے فیض سے ہزاروں لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ مَیں ان کے یورپین مشنوں کو جانتا ہوں اور بعض میں خود بھی گیا ہوں اور لنڈن کے سب اسلامی سنٹروں میں مَیں نے لیکچر دیئے ہیں۔ اس جماعت کی لنڈن مسجد میں دو تین دفعہ لیکچر دینے کے لیے بھی بلایا گیا اور اسی طرح مجھے ان کا قابلِ قدر کام لنڈن میں اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کرنے کا موقع ملا ہے........ گو مَیں مالکی سکول آف تھاٹ کا مسلمان ہوں اور احمدی نہیں ہوں مگر ان احمدی مبلغین کی مساعی کو دیکھ کر اور ان کی بے لوث قربانیوں کی وجہ سے ہمیشہ ان کا مداح رہا ہوں اور جس رنگ میں بھی ان کے اس مقدس کام میں ان کا ہاتھ بٹا سکتا ہوں بٹاتا رہوں گا۔ افسوس ہے مسلمانانِ سیرالیون کے اس سیکشن پر جو ابھی تک ان لوگوں کی پہچان نہیں کر سکے اور ان کے راستہ میں مخالفانہ روڑے اٹکاتے ہیں۔

اس کے بعد مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری نے قرآن کریم انگریزی ترجمہ اور لائف آف محمدؐ کا ایک نسخہ وزیراعظم سیرالیون کو پیش کیا جسے انہوں نے نہایت ادب و احترام کے جذبات سے قبول کیا اور فرمایا:۔

"میرے لیے یہ خوشی اور عزت کا مقام ہے کہ آج مجھے جماعت احمدیہ کی طرف سے قرآن کریم انگریزی اور لائف آف محمدؐ جیسے بیش قیمت اور نادر تحائف پیش کیے جا رہے ہیں۔ مَیں احمدیہ مشن اور ان مبلغین کی مساعی، قربانیوں اور سادہ طرز رہائش سے بہت متاثر ہوں مبلغین کو وہ اسباب و سامان اور آسانیاں میسر نہیں ہیں جو اس ملک کے دوسرے مشنوں کو ہیں مگر پھر بھی احمدی مبلغین ہمہ تن اس ملک کی دینی اور تعلیمی بہبود میں منہمک نظر آتے ہیں۔

"اخبار "ڈیلی میل" نے صفحہ اوّل پر اس تقریب کا فوٹو دیکر کارروائی شائع کی اور ریڈیو سے بھی اسے نشر کیا گیا[1]

۲۶۔۲ ۔نومبر ۱۹۵۷ء کو سیرالیون کے وزیر پبلک ورکس آنریبل چیف کانڈے بورے جنوبی صوبہ

---

[1] الفضل ۳۰، ۳۱ ۔اکتوبر ۱۹۵۷ء (خلاصہ رپورٹ چوہدری محمود احمد صاحب چیمہ)

کا دورہ کرتے ہوئے احمدیہ سنٹرل سکول"بو" میں تشریف لے آئے قاضی مبارک احمد صاحب ہیڈ ماسٹر اسکول اور سٹاف نے اُن کا خیر مقدم کیا آپ نے سکول کے اسمبلی ہال میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا :۔

"ہر وہ انسان جو کسی دور دراز کے ملک سے کسی دور دراز ملک میں جاتا ہے اس کے مدنظر کچھ وجوہ اور مقاصد ہوتے ہیں بلکہ ہر اجنبی جو کسی دوسرے مقام سے آتا ہے اس کی آمد کے لیے کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے ۔ یہ احمدیہ مشنری جنہیں آج ہم اپنے درمیان دیکھ رہے ہیں یہ بھی ایک خاص غرض اور خاص مقصد کے پیش نظر یہاں آئے وہ غرض اور مقصد کیا تھی؟ وہ اسلام کی اس ملک میں ڈگمگاتی کشتی کی ناخدائی تھی ۔ دیکھنے اور سُننے والوں نے دیکھا اور سُنا بعض نے ان پر ہنسنا شروع کر دیا اور شدید مخالفت کی بعض نے ایک حد تک توجہ بھی دی لیکن محض سُننے کی حد تک اور بعض نے سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا کیونکہ اس وقت کہ جب ان کے پہلے احمدیہ مشنری الحاج نذیر احمد علی مرحوم نے سرزمین سیرالیون پر قدم رکھا یہ زمین عیسائیت سے انتہائی طور پر متاثر تھی اور لوگ سمجھتے تھے کہ اسلام کو عیسائیت کے مقابل پر دیکھنا یا کھڑا کرنا اب ناممکن اور محال ہے لیکن چند اسلام کے محبوں نے اس مبلغ کی دعوت پر توجہ دی اور لبیک کی صدا بلند کی ۔ آج کچھ عرصہ نہیں گزرا کہ وہی احمدیت یا حقیقی اسلام جس کے متعلق اس وقت یعنی آج سے تقریباً بیس سال قبل یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ ایک چھوٹا سا پودا ہے جو چند یوم کے بعد اپنی موت خود مر جائے گا ۔ وہی پودا آج پنپ رہا ہے اور اپنی جڑوں کو اس مضبوطی سے سرزمین سیرالیون میں پیوست کر چکا ہے کہ اب خطرناک سے خطرناک آندھی بھی اس کو اکھاڑنے کی متحمل نہیں ہو سکتی آپ نے فرمایا احمدیت نے ان چند سالوں میں باوجود مخالفت کی آندھیوں اور نامساعد حالات کے جو غیر معمولی اور حیرت انگیز ترقی کی ہے یہ اس امر کا پیش خیمہ ہے کہ ایک بڑا انقلاب جلدی احمدیت کے ذریعہ اس ملک کی کایا پلٹ دینے والا ہے اور وہ وقت بھی کوئی بہت دور نہیں جب سیرالیون کا ہر فرد لوائے احمدیت کے نیچے کھڑا ہو کر اسلام اور توحید کا نعرہ بلند کر رہا ہو گا گو آج اس دعویٰ کو مجنوں کی بڑ ہی سمجھا جائے گا اور اس پر طاقتور عیسائی مشن ہنسی اڑائیں گے ۔ انہوں نے فرمایا عملی طور پر میں پہلے بھی احمدی تھا ۔ اب بھی احمدی ہوں اور انشاء اللہ ہمیشہ ہمیش احمدی رہوں گا ۔ یہ میری ذاتی کمزوری ہے کہ بعض مجبوریوں کی بنا پر میں ظاہری طور پر اپنے قبیلے کے مذہبی نظام میں منسلک ہوں میں ان کا لیڈر اور چیف ہوں اس لیے اُن کے قدیمی عقائد کا احترام بطور چیف میرا فرض ہے ۔

لیکن آپ لوگ جو احمدیہ اسکول میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں یا تعلیم دے رہے ہیں یہ آپ کی ذمہ داری ہے ۔ کہ احمدیت اور اسلام کو صحیح طور پر سمجھیں اس شمع اسلام سے اپنے قلوب میں روشنی اور نور کا ذخیرہ جمع کر لیں تاکہ جب اس اسکول سے فارغ ہوں اس نورِ ہدایت اور شمع روشن کے ذریعے دوسرے کے دلوں اور ارواح کو روشن اور منور کریں ۔ مسلمانوں کو ان کی پوری پوری مدد اور ہر طرح ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے تا اسلام کی یہ ناؤ جو ابھی تک منجدھار میں چکر لگا رہی ہے اپنے چکر سے نکلنے اور اپنی منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں ہو اس سلسلے میں میں اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کرتا رہا ہوں اور ان مبلغین کی مدد ہو اور گورنمنٹ سے بھی ان کے لیے مدد حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں اور آئندہ بھی میرا یہی مسلک رہے گا ۔ مجھے احمدیہ اسکول کے سٹاف ہیڈ ماسٹر اور مشن کے جنرل سپرنٹنڈنٹ کا حسنِ انتظام اور تعلیمی ترقی دیکھ کر بہت خوشی اور مسرت ہوئی ہے اور اتنا اچھا کام میں نے شاید ہی کسی اور اسکول میں دیکھا ہو جو اس امر کا مظہر ہے کہ یہ سکول چند سالوں کے بعد سیرالیون کا بہترین سکول ہوگا ۔ اس سال بھی جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے اس سکول میں سے سیکنڈری سکولز اور کالجز کے لیے تیرہ طلبہ کامیاب ہوئے ہیں جن میں ایک کو گورنمنٹ کی طرف سے وظیفہ کی پیشکش بھی ہو چکی ہے یہ تعداد نہ صرف حوصلہ افزا بلکہ قابلِ ستائش اور فخر ہے لیکن ہمیں اس پہ اکتفا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اپنی تعداد کو اپنی کوششوں اور ہمت کے ذریعہ ڈبل کروانا چاہیئے ۔ تاکہ جس امر کے حصول کے لیے ہم کوشاں اور مساعی ہیں اس کو جلد از جلد حاصل کریں ۔ .... ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی مدد آپ بھی کریں اور وہ اس طرح کہ ان مبلغین سے جو دینی اور دنیاوی ۔ انگلش اور عربک دونوں قسم کی تعلیمات دینے آئے ہیں ان سے ان علوم کے حصول کی انتہائی کوشش کریں ۔ ان کی ٹریننگ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں اور بہترین مسلمان بن کر اوروں کو شمع اسلام کا دیوانہ بنانے میں ان کی مدد کریں ۔

آپ نے ہمارے ایک احمدی نوجوان کو گو (جو کہ ان کے ٹمنی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے) خاص طور پر مخاطب ہو کر فرمایا :۔

"مسٹر مانسرے ! یہ میرے قبیلے کے لوگوں کی غلطی ہے کہ وہ احمدی جماعت میں شامل نہیں ہوتے اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں بلکہ بہت نقصان ہو رہا ہے کیونکہ اگر وہ سب احمدی ہو کر ان مبلغین کی مدد کریں جو اتنی اچھی عمارتیں اور اچھا کام ہم "بو" میں دیکھ رہے ہیں اس سے کئی گنا اچھا کام یہ لوگ ہمارے لیے

فری ٹاؤن میں کر دکھائیں اور وہاں ہم اپنے مذہب اور تعلیم کو غیر معمولی طور پر مضبوط کر سکیں مگر کیا کروں یہ پرانے فیشن کے لوگ میری بات نہیں مانتے تاہم میرا دل جانتا ہے اور میرا خدا بھی جانتا ہے کہ دل سے میں احمدی ہوں۔" آپ نے مزید فرمایا کہ:۔

"سچا مذہب وہ ہے جو کہ عملی اور اخلاقی تبدیلی اپنے پیروؤں میں پیدا کر دے احمدیت کی تائید یا مخالفت میں کتابی دلائل شاہد ہیں۔ اور آپ پورے طور پر نہ سمجھ سکیں کیونکہ ہم مذہبی تعلیم سے پوری طرح آشنا نہیں ہیں اور نہ ہم عربی جانتے ہیں لیکن درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے اور کڑوے اور خراب درخت کے پھل کبھی میٹھے نہیں ہوتے اسی طرح جھوٹا مذہب اور جھوٹے مذہبی لیڈر اپنے ماتحت لوگوں کے اخلاق بلند نہیں کر سکتے اور ان میں کوئی نیک تبدیلی نہیں پیدا کر سکتے بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

میں عام احمدیوں کے متعلق کچھ کہہ سکتا مگر میرے ذریعہ میرے خاندان اور قبیلے کے کئی آدمی احمدی ہوئے ہیں میرے قبیلے کے ان لوگوں میں احمدیت نے جو اخلاقی تبدیلی مذہبی دلچسپی پیدا کی ہے وہ یقیناً حیرت انگیز ہے میں نے کئی بار عام مجالس میں اس امر کا ذکر کیا ہے حتیٰ کہ بعض عام جلسوں میں جہاں کہ بعض نے احمدیت کے خلاف بھی تقریریں کیں میں نے اس بات کو احمدیت کی صداقت میں پیش کرتے ہوئے لوگوں سے اپیل کی ہے کہ احمدی کوئی برا کام تو نہیں کرتے ہیں۔ آخر تم میں سے جو چند لوگ نکل کر ان سے مل گئے ہیں وہ چور ڈاکو جھوٹے تو نہیں بن گئے ان کی اخلاقی حالت تو پہلے سے اچھی نظر آ رہی ہے۔ جو لوگ ان سے معاملہ کرتے رہیں وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ ان کا معاملہ منصفانہ اور نیکوں والا ہے۔ اگر احمدی حضرات مرزا صاحب کو نبی کہتے ہیں تو ہمارا کیا بگاڑتے ہیں آخر ہمارے لوگوں کی حالت کو سدھارتے ہی ہیں آپ کو معلوم ہے کہ فری ٹاؤن کے احمدیوں کی اکثریت ٹمنی لوگوں کی ہے (یعنی ان کے اپنے قبیلے کے لوگ) اور یہ عجیب بات ہے کہ میری کورٹ میں ہر قسم کے لوگوں کے خلاف مقدمات پیش ہوتے ہیں مگر اب تک کہ مجھے آپ لوگوں کا چیف بنے تیرہ (۱۳) سال سے زائد عرصہ ہو چکا ہے۔ میرے پاس کبھی کسی ٹمنی احمدی کے خلاف کوئی مقدمہ آج تک نہیں آیا حالانکہ بطور ٹمنی میری چیف کورٹ میں میرے اور میرے وزراء کے پاس سینکڑوں مقدمات پیش ہوئے ہیں۔ کیا اس کا صاف یہ مطلب نہیں کہ احمدی چونکہ قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور نہ کسی پر زیادتی کرتے ہیں اس لیے انہیں کورٹ

میں نہیں لایا جاتا۔

آخر اگر دوسرے سنی لوگوں میں سے کئی چوریاں کرتے ڈاکے مارتے جھوٹ بولتے حرام کھاتے بیویوں سے بدسلوکی کرتے اور دوسروں کے حقوق غصب کرتے ہیں تو احمدیہ جماعت کے افراد کیوں ان باتوں میں ملوث نہیں ہوتے یہ امر واضح کر کے ہمیشہ احمدیت کی مخالفت کرنے والوں سے کہتا ہوں کہ اگر تم احمدی نہیں ہونا چاہتے تو نہ ہو مگر تمہیں چاہیئے کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں کیونکہ تمہیں ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ عملاً تمہاری مدد ہے اور وہ ہمارے لوگوں کی عملی اصلاح کر رہے ہیں انسان کا انجام بخیر اس کے اعمال نے کرنا ہے۔ مسلمان کے اس اسلام کا کیا فائدہ جو دن رات احمدیوں کی مخالفت کرتا ہے لیکن اعمال اس کے کافروں سے بھی بدتر ہوں ہمارا مخالفت کرنا تب ہی ہمیں فائدہ دے سکتا ہے جب کہ ہم اپنے آپ کو اپنے اعمال اور اخلاق کے لحاظ سے بھی احمدیوں سے بالاتر ثابت کر سکیں مگر معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے اور اخلاقی لحاظ سے ہم میں اور اُن میں بہت فرق ہے

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان مبلغین کا خود ممد و معاون ہو اور جس مقصد کے حصول کے لیے کوشاں ہیں ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم بھی حتی المقدور اس فرض کو بجا لاسکیں تاکہ ہمارا ملک اس اسلامی تعلیم و تہذیب اور ثقافت سے مالا مال ہو اور دنیا میں بہترین رول ادا کر سکے مجھے "بو" میں آپ کا کام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے میری باتیں خواہ کسی کو اچھی لگیں یا بُری میں حقیقت کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں"[1]

واپسی سے قبل آپ نے سکول کی لاگ بک اور مشن کی وزیٹرز بک میں مندرجہ ذیل ریمارکس لکھے:۔

"میں نے احمدیہ سکول دیکھا جس میں بچوں کو عمل یعنی ہاتھ سے کام کرتے ہوئے پایا جو پروڈیکٹوریٹ کے سکولوں کی ایک بہترین نشانی ہے طلبہ کے ساتھ بہت اچھا سلوک روا رکھا جاتا ہے اور اساتذہ بمع جنرل سپرنٹنڈنٹ اور ہیڈ ماسٹر اپنی اپنی ذمہ داریوں کو بصورت احسن انجام دینے کی کوشش کر رہے ہیں مجھے اس اسکول کو دیکھ کر یقین ہو گیا ہے کہ یہی وہ ایک مسلم اسکول ہے جس پر آئندہ اسلامی تہذیب اور ثقافت کا مرکز ہونے کی اُمید کی جاسکتی ہے (کانڈے بورے منسٹر آف ورکس)"[2]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۹ر جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۳ ر ۴

[2] روزنامہ الفضل ۲۰ر جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۳

۴۔ جماعت احمدیہ سیرالیون کا سالانہ جلسہ ۱۳، ۱۴، ۱۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو بمقام "بو" میں منعقد ہوا مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری نے افتتاحی خطاب میں اس الٰہی تائید و نصرت کا ذکر کیا جو جماعت کو حاصل ہے آپ کے علاوہ جن مقررین نے خطاب کیا ان میں بعض یہ ہیں۔

ا۔ سوشل ویلفیئر آفیسر مسٹر انتھونی۔ آپ نے فرمایا:۔

"میں جماعت احمدیہ کے کام سے بہت متأثر ہوا ہوں۔ کیونکہ یہ ایک بہترین منظم جماعت ہے۔"

مبلغین احمدیت کی آمد اور روانگی

اس سال جو مجاہدین فریضہ تبلیغ کی بجا آوری کے بعد واپس مرکز احمدیت میں تشریف لائے۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

۱۔ شیخ نور احمد صاحب منیر۔ ۲۵ فروری ولبنان سے[1]

۲۔ سید منیر احمد صاحب باہری (برما سے)[2]

۳۔ مولانا ابوبکر ایوب صاحب (ہالینڈ سے)[3]

۴۔ سید شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ (انڈونیشیا سے)[4]

۵۔ ملک عزیز احمد صاحب (انڈونیشیا سے)[5]

۶۔ بشیر احمد آرچرڈ صاحب (غرب الہند سے)[6]

۷۔ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی۔ ۲ نومبر (نائیجیریا سے)[7]

نئی مطبوعات

اس سال درج ذیل کتب شائع ہوئیں جن سے سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں عمدہ اضافہ ہوا۔

۱۔ روزہ۔ (ملک محمد عبداللہ صاحب لیکچرار ٹی آئی کالج۔ ربوہ)

۲۔ اہلی زندگی کے متعلق اسلامی تعلیم (از پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب) ایم اے صدر شعبہ نفسیات کراچی یونیورسٹی۔

---

[1] الفضل ۲۶ فروری ۱۹۵۷ء صہ۱ [2] الفضل ۲ اگست ۱۹۵۷ء صہ۱ [3] الفضل ۲۴ اگست ۱۹۵۷ء صہ۱ [4] [5] الفضل ۲۲ ستمبر ۱۹۵۷ء صہ۱ [6] الفضل ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۷ء [7] الفضل ۳ دسمبر ۱۹۵۷ء صہ۱

۳- THE GREAT HERITAGE (نفیس الرحمٰن صوفی عبدالغفور صاحب)

۴- احمدیت کا مستقبل (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب)

۵- ذکر حبیب (تقریر حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب)

۶- قرآن کا اوّل و آخر۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب)

۷- اصحاب احمد جلد سوم (ملک صلاح الدین صاحب ایم اے درویش قادیان)

۸- اصحاب احمد جلد چہارم (ملک صلاح الدین صاحب " " " ")

۹- حیاتِ قدسی حصہ پنجم۔ (حضرت مولانا غلام رسول صاحب قدسی راجیکی)

۱۰- قولِ بلیغ (قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری)

۱۱- فسادات ۱۹۵۳ء کا پس منظر۔ (ملک مہاشہ فضل حسین صاحب مہاجر)

۱۲- ہماری تعلیم (عربی ایڈیشن)

۱۳- چوزیں پھل (گورمکھی)۔ (گیانی عباد اللہ صاحب۔ (ریسرچ سکالر سکھ لٹریچر (ناشر نظارت دعوت و تبلیغ قادیان)

۱۴- چوہدری محمد حسن چیمہ کی افتراء پردازیوں کا جواب (خالد احمدیت حضرت ملک عبد الرحمان صاحب خادم امیر جماعت احمدیہ ضلع گجرات)

۱۵- "اسلام پر ایک نظر (اردو ترجمہ کتاب AN INTERPETATION OF ISLAM مصنفہ اطالوی خاتون پروفیسر ڈاکٹر وگلیری[۱] مترجم شیخ محمد احمد صاحب مظہر

---

[۱] نیپلز یونیورسٹی میں عربی اور اسلامی تہذیب کے مضامین کی پروفیسر۔ انہوں نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر نہایت عمدہ پیرایہ میں روشنی ڈالی اور صاف تسلیم کیا کہ آپ خدا کے برگزیدہ نبی تھے۔ اس کا انگریزی ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر الڈو کسیل نے کیا اور پیش لفظ محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے سپرد قلم فرمایا۔
مولانا عبد المجید صاحب سالک نے کتاب کے ترجمہ پر یہ تبصرہ کیا کہ:۔
"شیخ محمد احمد صاحب مظہر (ایڈووکیٹ لائلپور) کا علمی و اسلامی ذوق قابل تحسین ہے"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶۶ سے آگے) کہ انہوں نے ڈاکٹر وگلیری کی اس کتاب کا اردو ترجمہ بے حد احتیاط و اہتمام سے کیا۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا لکھا ہوا ایک دیباچہ بھی شامل ہے۔ میرے نزدیک ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے جو باعث ازدیادِ ایمان ہوگا۔"[1]

---

[1] : الفضل ۶؍نومبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۵۔

ضمیمہ

تاریخ احمدیت جلد ۱۹

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی الاسدی کی تصانیف اور آپ کا کام

(مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل وکیل ہائیکورٹ یادگیر کے قلم سے)

خدا تعالیٰ کے مامور کے ذریعہ جو روحانی انسان دنیا میں اس کے فیض سے فیض یافتہ ہو کر تیار کیے جاتے ہیں اس کی ایک مثال حضرت عرفانی الاسدی صاحب کا وجود تھا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیض کی برکت سے آپ کے اندر قرآن کا عشق اور دینی خدمات کا ایسا اعلیٰ جذبہ پیدا ہوا کہ آپ آخری گھڑیوں تک اسی نشہ میں سرشار رہ کر رضائے الٰہی کا مرتبہ پا گئے۔ ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء۔

حضرت عرفانی صاحب کے کام بے شمار اور رہتی دنیا تک یادگار ہیں۔ جن میں سے آپ کے بعض خصوصی کام تفصیلی طور پر درج ذیل ہیں:۔

(۱) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ذیل کے شعر میں جس جذبہ خدمت قرآن کا ذکر ہے حضرت عرفانی صاحب نے ہمیشہ اس کو اپنے سامنے رکھکر اس شعر کو اپنی تحریرات میں کثرت کے ساتھ استعمال فرمایا اور عملی طور پر اس کے پابند رہے ؎

اے بے خبر بہ خدمت قرآں کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ برآں فلاں نماند

چنانچہ "ادارہ حقائق معارف قرآنیہ" کے نام سے خود حضرت عرفانی صاحب نے حسب ذیل کتاب تصنیف تالیف وشائع فرمائیں جس کے لیے مسلسل کئی سال شب و روز محنت فرمائی اور آخری عمر میں اس امر کی پرواہ نہ کی کہ وہ بوڑھے ہو چکے ہیں یا بیمار رہتے ہیں۔ یا ان کی کتب کے سامان مہیا نہیں ہیں۔ جونہی کسی کتاب کی اشاعت کا سامان مہیا ہو جاتا آپ فوراً بلا تاخیر غیر ضروری اس کی تصنیف فرماتے اور کم از کم

بار اوّل کی اشاعت اس کو پانچ سو کی تعداد میں مزید شائع فرماتے ۔ اور اگر کسی کتاب کی اشاعت کا سامان نہ بھی ہوتا تو جو عزم اُن کے دل میں کسی کتاب کی تصنیف یا تالیف کا پیدا ہوجاتا اس کو پورا کر لیتے ۔ جیسے جیسے کاغذ اور اشاعت کے اخراجات آتے جاتے وہ اس کو شائع فرما دیتے اور یہ بھی حضرت عرفانی صاحب کی شروع سے عادت تھی کہ وہ علاوہ عمومی تحریرات کے خصوصی تحریک کے رنگ میں وہ اپنے کسی بے تکلف دوست یا عزیز یا جماعت کے فرد کو جو مخیّر ہوتا یا خدمتِ دین کا جذبہ رکھتا یا اس کے دل میں اشاعت معارف قرآن کی تڑپ ہوتی تحریک فرماتے ۔ پھر جو اس خدمت کے لیے آگے آیا اس کا ذکر مختلف تصانیف میں حضرت عرفانی صاحب نے فرما دیا اور بعض دفعہ اس کی امداد کی بھی صراحت کی ہے ۔

پچھلے ۲۵ سال سے حضرت عرفانی صاحب کا کام حیدر آباد سکندر آباد دکن میں ہوا کیونکہ وہ سکندر آباد ہی میں مقیم تھے ۔ اس لیے ۔ اوّلاً یہاں کے کاتبوں کا نام جنہوں نے حیاتِ احمد یا سیرۃ یا سلسلہ کی دوسری کتب لکھیں اور جن کا کام حضرت عرفانی صاحب کے ذریعہ انجام پایا لکھتا ہوں تا وہ آئندہ سلسلہ کے ریکارڈ میں رہ سکیں ۔ اس میں سب سے زیادہ کتابت کا کام محمد جعفر صاحب کاتب ساکنہ علیمیاں بازار حیدر آباد نے انجام دیا ہے وہ اب بھی سلسلہ کا زیادہ کام کرتے ہیں (یہ غیر احمدی ہیں احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں احمدیت سے منسلک کر دے)

کاتبوں کے نام :- (۱) محمد جعفر کاتب (۲) ولی الدین کاتب (۳) فخر الدین کاتب (۴) عبد الکریم کاتب (۵) ست نرائن کاتب (۶) امیر خاں کاتب (۷) عبد الرؤف کاتب (۸) عبد الحفیظ کاتب ۔

وہ مطابع جن میں یہ کتابیں چھپتی رہیں ان کے نام درج ذیل ہیں ۔

مطابع کے نام ۔ (۱) دستگیری پریس حیدر آباد دکن (۲) محمودیہ مشین پریس حیدر آباد دکن (۳) رفیق مشین حیدر آباد (۴) اسلامی پریس حیدر آباد (۵) اشوک پرنٹنگ پریس حیدر آباد (۶) انتظامی پریس حیدر آباد (۷) نامی پریس حیدر آباد (۸) مکتبہ ابراہیمیہ پریس حیدر آباد دکن (۹) نظام دکن پریس حیدر آباد دکن ۔ (۱۰) تاج پریس حیدر آباد دکن ۔

اُن معاونین میں سے بعض خصوصی معاونین کے نام جنہوں نے حضرت عرفانی صاحب کی تصانیف میں امداد دی ۔

معاونین کے نام :- (۱) حضرت سیٹھ عبد اللہ الہ دین صاحب معہ خاندان (۲) سیٹھ یوسف الہ دین صاحب و سیٹھ علی محمد صاحب و حافظ صالح محمد صاحب و سیٹھ مسیح الدین الہ دین و بشیر الدین صاحب الہ دین وغیرہم ۔

(۳) شیخ داؤد علی صاحب عرفانی فرزند حضرت عرفانی صاحب ورانگل ۔ (۴) سیٹھ شیخ حسن صاحب احمدی یادگیر اور اُن کا خاندان خصوصاً سیٹھ محمد عبدالحی صاحب احمدی یادگیر۔ (۵) محمد اسماعیل صاحب فاضل وکیل ہائی کورٹ یادگیر (عاجز راقم) ۔ (۶) مکرم غلام قادر صاحب شرقی سکندرآباد دکن معہ خاندان ۔ (۷) مکرم سید حسن صاحب کا چی گوڑہ معہ خاندان ۔ (۸) مولوی محمد عثمان صاحب والد محمد عبداللہ صاحب بی۔ ایس۔ سی حیدرآباد ۔ (۹) مکرم محمد عبداللہ صاحب بی۔ ایس۔ سی۔ ایل۔ ایل۔ بی حیدرآباد دکن ۔ (۱۰) سیٹھ محمد حسین صاحب چنت کنٹہ اور اُن کے لڑکے سیٹھ معین الدین صاحب چنت کنٹہ ۔ (۱۱) دیگر معاونین جن کا ذکر تصانیف میں موجود ہے ۔ وہ قارئین خود مطالعہ فرما سکتے ہیں ۔

(۲) اخبار الحکم قادیان کے تو حضرت عرفانی الاسدی موسّس و ایڈیٹر اُولیٰ تھے جس کا آغاز ۱۸۹۷ء سے ہوا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے الحکم کو سلسلہ کی خدمت کے اعتبار سے ایک بازو قرار دیا تھا) اور ۱۹۵۴ء تک اس اخبار کی (۵۷) ستاون جلدیں مکمل ہوئیں اور یوں ساٹھ برس مسلسل خدمت کا موقعہ ملا۔ خود یہ بڑا عظیم الشان کام ہے جس کے اعتبار سے آپ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے سب سے پہلے اخبار نویس کہلائے مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ کو دوسرے رنگ میں جو دین کی خدمت اور اشاعت کی تڑپ تھی۔ اس کا ذکر خود حضرت عرفانی صاحب اپنی کتاب اسماء القرآن فی القرآن ص۲۹۴ پر فرماتے ہیں۔

"الحکم کے ساتھ ہی مجھے دو باتوں کا زبردست جوش رہا ایک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملفوظات کی اشاعت اور آپ کے پُرانے مضامین و مکتوبات کی حفاظت دوسرے قرآن مجید کے حقائق و معارف کے لیے دلچسپی پیدا کرنا ۔

چنانچہ الحکم سب سے پہلا منادی ہے جس نے قرآن مجید کے تفسیری نوٹ (جو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل) نے فرمائے تھے۔ شائع کرنے شروع کیے ۔ پھر اسی سلسلہ میں سورۃ بقرہ کی پوری تفسیر اور ترجمۃ القرآن کے رنگ میں تقریباً دس پاروں کا ترجمہ اور نوٹ شائع کر دیئے ۔ (اسماء القرآن ص۲۹۴)

۳۔ ترجمۃ القرآن اور اس کی تفصیل :۔ (۱) ترجمۃ القرآن پارہ ۱۵ بنی اسرائیل سے سورۃ کہف تک ۔ کل صفحات ۱۰۸ ۔ تاریخ اشاعت ستمبر ۱۹۱۱ء ۔ شائع شدہ مطبع انوار احمدیہ پریس قادیان ۔

(۲) ترجمۃ القرآن پارہ ۱۶ سورہ مریم سے طٰہٰ تک ۔ کل صفحات ص۱۰۴ تاریخ اشاعت ۱۹۱۹ء شائع شدہ مطبع انوار احمدیہ پریس قادیان ۔

نوٹ:۔ عہدِ خلافت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ میں یہ پہلا پارہ شائع ہوا

(۳) ترجمۃ القرآن پارہ ۱۷ سورہ انبیاء سے سورہ حج تک۔ کل صفحات ۹۲۔ ہندوستان اسٹیم پریس لاہور۔

(۴) ترجمۃ القرآن پارہ ۳۰ سورۃ نبا سے والناس تک کل صفحات ۱۲۰ ....

(۵) ترجمۃ القرآن پارہ ۲۹ سورہ ملک سے مرسلات تک۔ کل صفحات ۶۸

(۶) ترجمۃ القرآن پارہ ۲۳ زمر سے حم السجدہ تک۔ تاریخ اشاعت ۷؍ دسمبر تک ۱۹۰۸ء

(۷) ترجمۃ القرآن پارہ ۲۴ ....

(۸) ترجمۃ القرآن پارہ ۲۵ سورہ شوریٰ سے جاثیہ تک۔ صفحات ۱/۲ تا ۶۶/۱۶۶

(۹) ترجمۃ القرآن پارہ ۲۶/۲۶ سورۃ احقاف سے ذاریات تک ۷۷/۱۴۹ تا ۹۳/۲۴۱ تک تاریخ اشاعت ۲۵؍ دسمبر ۱۹۰۸ء مطبوعہ انوار احمدیہ پریس قادیان۔

(۱۰) ترجمۃ القرآن پارہ ۲۸ سورہ مجادلہ سے سورہ تحریم تک کل صفحات ۱۰۰ شائع شدہ نومبر ۱۹۰۹ء دیپک راجپوت پرنٹنگ پریس لاہور۔

گویا تفسیر القرآن پارہ اوّل و تفسیر القرآن پارہ دوم اور پارہ ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ اور پارہ ۲۳ سے پارہ ۳۰ تک مکمل ترجمۃ مع تفسیر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے نوٹوں سے مرتب کرکے شائع فرمائے۔

(۴) **حقائق و معارف قرآن کے کام**:۔ حضرت عرفانی صاحب اپنی کتاب اسمآء القرآن کے صفحہ ۲۹۴ پر لکھتے ہیں کہ:۔ "ترجمۃ القرآن کے کام کو جب مَیں جاری نہ رکھ سکا تو مَیں نے قرآن مجید کی مہم کے لیے ایک دوسرا طریق اختیار کیا کہ اس سلسلہ میں چھوٹے چھوٹے رسالے شائع کروں۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں حسبِ ذیل کتابیں شائع ہوئیں اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

حضرت عرفانی صاحب نے ایک جگہ پر لکھا ہے کہ قیامت کے روز میں علاوہ دوسرے نیک کاموں کے اس خدمتِ قرآن کو بھی خدا کے حضور پیش کرکے اپنی معفرت کا طلبگار ہوں گا اور حضور کا ذیل میں شعر کہ ؎

اے بے خبر بہ خدمتِ قرآں کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

یہ تو آپ اپنی ہر تصنیف یا تالیف پر ضرور لکھتے تھے۔

ادارہ حقائق معارف قرآنیہ کی طرف سے شائع شدہ کتب:۔ (نوٹ) اس ادارہ کو اکیلے حضرت عرفانی

صاحب ہی چلاتے تھے ۔(اسماعیل)

کتب کی تفصیل حسب ذیل ہے :۔

۱۔ اسماء الحسنیٰ کل صفحات ۱۰۴ تعداد ۱۰۰۰ بار اوّل۔ مطبوعہ انوار احمدیہ پریس قادیان ۔

نوٹ :۔ سکندر آباد سے یہ کتاب بار دوم بھی چھپی ہے ۔

۲۔ مقطعات قرآنی کی فلاسفی ۔ کل صفحات مطبوعہ ۔۔ .... تاریخ اشاعت

۳۔ اسماء القرآن فی القرآن کل صفحات ۲۹۶ بار اوّل تعداد ۵۰۰ تاریخ اشاعت ۵۰۰ ۲۰ر ستمبر ۱۹۴۷ء

۴۔ قرآنی دعاؤں کے اسرار کل صفحات ۲۳۸ بار اوّل تعداد (۵۰۰) تاریخ اشاعت ۳۰ر جون ۱۹۴۸ء

۵۔ البیان فی اسلوب القرآن کل صفحات ۳۲۸ بار اوّل تعداد (۵۰۰) ۲۵ر اکتوبر ۱۹۴۹ء

۶۔ اعجاز القرآن بما یثبت بہ القرآن ص۳۷۲ بار اوّل تعداد (۵۰۰) ۲۵ر اکتوبر ۱۹۴۹ء

۷۔ کتاب الصیام ص۳۰۸ بار اوّل تعداد ۵۰۰ تاریخ اشاعت ۳ر مئی ۱۹۵۰ء

۸۔ کتاب الحج ص۲۹۶ بار اوّل ۵۰۰ تاریخ اشاعت نومبر ۱۹۵۰ء

۹ کتاب الزکوٰۃ ص۲۷۲ بار اوّل تعداد ۵۰۰ تاریخ اشاعت ۲۵ر مارچ ۱۹۵۱ء

۱۰۔ کتاب الاداب حصہ اوّل ص۲۴۴ بار اوّل تعداد ۵۰۰ تاریخ اشاعت یکم نومبر ۱۹۵۱ء

نوٹ:۔ ارکان اسلام کی فلاسفی کے سلسلہ میں "حقیقت نماز" پر ایک کتاب حضرت عرفانی صاحب نے مئی ۱۹۰۷ء میں شائع فرمائی تھی ۔

۱۱۔ احکام القرآن حصہ اوّل ص۳۵۲ ۵۰۰ بار اوّل تاریخ اشاعت ۱۵ر مارچ ۱۹۵۲ء

۱۲۔ امثال القرآن ص۱۷۶ تعداد ۵۰۰ بار اوّل تاریخ اشاعت ۹ر جون ۱۹۵۲ء

۱۳۔ احکام القرآن حصہ دوم ص۱۷۶ بار اوّل تعداد ۵۰۰ تاریخ اشاعت نومبر ۱۹۵۲ء

۱۴۔ حکمۃ الرحمان فی آیات القرآن ص۱۱۶ تعداد ۵۰۰ بار اوّل کی تاریخ اشاعت ۱۵ر جنوری ۱۹۵۳ء

۱۵۔ تاریخ القرآن ص۱۱۲ تعداد ۵۰۰ بار اوّل تاریخ اشاعت ۵ر اگست ۱۹۵۳ء

۱۶۔ تفسیر القرآن ص۱۷۶ تعداد ۵۰۰ بار اوّل تاریخ اشاعت یکم جنوری ۱۹۵۵ء

۵۔ دوسری کتب کی تفصیل جو حضرت عرفانی الاسدی صاحب نے شائع فرمائیں ۔

۱۔ رحمۃ للعالمین فی کتاب مبین حصہ اوّل ص۳۲۰ تعداد ۵۰۰ تاریخ اشاعت ۲۰ر مئی ۱۹۵۰ء

۲۔ رحمۃ للعالمین فی کتاب مبین حصہ دوم ص۴۳۴ تعداد ۵۰۰ تاریخ اشاعت نومبر ۱۹۵۰ء

۳۔ نادر و نایاب تحریریں ص۱۳۶ بار اوّل تعداد ۵۰۰۔ تاریخ اشاعت ۱۵ ر نومبر ۱۹۵۲ء

۴۔ الاعمال و العقائد کے متعلق حضرت ...... خلیفۃ المسیح الثانی کے خطبات کا مجموعہ۔ مرتبہ حضرت عرفانی صاحب الاسدی۔ نوٹ یہ کتاب سیٹھ عبداللہ الٰہ دین صاحب نے شائع فرمائی۔

۵۔ حیاتِ حسن۔ حالات زندگی حضرت سیٹھ حسن صاحب احمدی یادگیر رفیق حضرت مسیح موعود علیہ السلام مرتبہ حضرت عرفانی صاحب شائع کردہ اولاد سیٹھ صاحب یادگیر۔

۶۔ سیرت حضرت اماں جان حصہ اوّل ص۲۶۴ تعداد ۳۰۰ بار اوّل تاریخ اشاعت یکم دسمبر ۱۹۴۳ء مطبوعہ انتظامی پریس حیدر آباد

۷۔ سیرت حضرت اماں جان حصہ دوم ص۳۲۳ تعداد ۳۰۰ بار اوّل تاریخ اشاعت ۲۵ فروری ۱۹۴۵ء

۸۔ رپورٹ جلسہ سالانہ قادیان ۱۸۹۷ء

۹۔ الانذار (۱۰) اصلاح النظر۔ (۱۱) سلک مروارید حصہ اوّل (۱۲) سلک مروارید حصہ دوم۔

۱۳۔ خطبات کریمیہ۔

۱۴۔ آئینہ حق نما بجواب الہامات مرزا کل صفحات ۲۲۴ تاریخ اشاعت ۱۹۱۲ء بار اوّل تعداد ایک ہزار (۱۰۰۰)

۱۵۔ جانِ پدر کل ۷۶۳ خطوط۔ حضرت عرفانی الاسدی صاحب کے خطوط جو آپ نے اپنے بیٹے مکرم محمود احمد عرفانی مجاہد مصر کے نام لکھے تھے۔

۱۶۔ قرآن کریم اور اس کی اعجازی قوت۔ حضرت عرفانی صاحب لیکچر فیروز پور۔ تاریخ اشاعت ۲۹ مئی ۱۹۰۹ء انوار احمدیہ مشین پریس قادیان۔

۱۷۔ مشاہدات عرفانی یعنی سیاحت یورپ و بلاد اسلامیہ

۱۸۔ اشتہارات اور الہامات معہ رسالہ الوصیت ۱۹۰۵ء تاریخ اشاعت ۴ مارچ ۱۹۰۶ء کل صفحات ۲۴ تا ۱

نوٹ: اس کے ۵ نمبر شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کام حضرت میر ناصر نواب صاحب کی خواہش پر آپ نے انجام دیا تھا۔

۱۹۔ ارمغان عرفانی فی حیاۃ عثمانی کل صفحات ۴۰۰ نواب میر عثمان علی خان بہادر نظام دکن کے سلور جوبلی پر دکن بادشاہوں کی تاریخ و دیگر کاموں کی تفصیل ہے۔ شیخ یعقوب علی عرفانی ایڈیٹر سالار بمبئی۔

۲۰۔ محامد المسیح۔ شائع کردہ حضرت عرفانی صاحب۔

۲۱۔ حیاتِ ناصر مصنفہ حضرت عرفانی صاحب تراب مطبوعہ ۱۹۲۷ء

۲۲۔ واقعہ ناگزیر مطبوعہ نومبر ۱۸۹۸ء الزار احمدیہ قادیان

۲۳۔ حقیقت نماز مطبوعہ مئی ۱۹۰۷ء (اس کا ذکر اس سے قبل کیا گیا ہے۔)

۲۴۔ ذکرِ حبیب تقریر جلسہ سالانہ قادیان کل صفحات ۴۸ تعداد (۲۵) بار اوّل تاریخ اشاعت ۲۶ دسمبر ۱۹۵۰ء اشوک پرنٹنگ پریس۔ حیدر آباد۔ تعداد (۱۲۵) ۲۶ دسمبر ۱۹۵۱ء

نوٹ:۔ یہ تقریر مکرم محمد عبداللہ صاحب بی۔ ایس سی نے جلسہ پر پڑھ کر سنائی تھی) (۲۶) ذکرِ حبیب تقریر جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۲ء کل صفحات ۲۰ ، دسمبر ۱۹۵۲ء (۲۷) خلافت محمود مصلح موعودؒ سے

بدر قادیان ۲۳ جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۹ / ۱۰

اشاریہ

جلد ۱۹

مرتبہ: ریاض محمود باجوہ شاہد

شخصیات :- ۳

مقامات :- ۲۹

کتابیات :- ۲۷

اسماء

آ

آتھم، عبداللہ ۔ ۶۷۷

آدم خاں، منشی ۔ ۱۸۲

آصف زمان خاں ۔ ۶۸۰

آصفہ بیگم، سیدہ ۷۱۸

آصفہ بیگم بنت مولوی محمد احمد ۴۶۹

آفتاب احمد نظام، میجر ۳۱۳

آمنہ بیگم بنت بھائی عبدالرحیم ۶۰۹

آمنہ بیگم بنت مستری نظام الدین ۳۱۳

آمنہ صدیقہ ۳۰۶

آنسہ بیگم ۴۶۹

ا

حضرت ابراہیم علیہ السلام ۴۷۱ - ۴۷۲

ابراہیم علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ۔ ۵۰۲

ابراہیم حاجی ۳۸۷

ابراہیم بن ادھم ۲۷۸

ابراہیم بن محمد ۳۹۸ - ۳۹۹

ابراہیم عابد، میاں ۵۱۰

ابراہیم لنکن صدر امریکہ ۲۲۱ - ۲۲۲

ابنا پرشاد، صوفی ۶۳۸

ابن خلدون، علامہ ۱۶۶

ابن رشد، علامہ ۵۱۸

ابن قیم ۲۷۸

ابوالاعلیٰ مودودی، سید ۳۴۹

ابوالبشارت عبدالغفور ۳۲۰

ابوالبیان واعظ بھاگلپوری ۷۳۵

ابوالحسن الماوردی ۱۶۷ - ۱۶۸

ابوالعطاء جالندھری ۸۴ - ۱۵۶ - ۱۶۲ - ۱۶۸ - ۱۷۷ - ۱۹۰ - ۲۳۱ - ۲۳۴ - ۲۳۶ - ۲۳۷ - ۲۷۹ - ۲۸۴ - ۳۵۵ - ۴۵۸ - ۴۶۵ - ۴۷۶ - ۴۹۵ - ۵۱۴ - ۵۱۵ - ۵۲۰ - ۵۳۸ - ۶۵۴ - ۶۸۲ - ۶۸۳ - ۶۹۸ - ۷۱۴ - ۷۲۴ - ۷۲۶ - ۷۳۲ - ۷۳۶ -

ابوالمنیر نور الحق ۴۲۰ - ۵۱۴ تا ۵۲۰ - ۵۲۶ - تا ۵۳۱ - ۵۳۴ تا ۵۴۰ - ۵۴۹ - ۷۲۴ -

ابوالہاشم خاں ۳۲۸

ابوبکر ایوب ۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۷۹ - ۴۸۵ - ۴۹۵ - ۷۶۵

ابوجہل ۲۷۶

ابوسعید عرب ۲۹۲

ابوبکر صدیق ۱۱۷ - ۱۴۲ - ۱۶۷ - ۳۷۱

ابوعبیدہ بن الجراح ۱۶۷

ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی ۷۰۹ - ۷۱۱

اتھسلین ولیس ۵۴۷

اجل سنگھ، سردار ۴۲۷

اجودھیا پرشاد، پنڈت ۱۲۴

احسان اللہ ملک ۱۹۵

احسان الٰہی ۵۹۴

احمد الدین بی۔اے، چوہدری ۳۱۵ - ۳۲۰

احمد انور راڈن ۲۳۷

احمد شہید بریلوی، سید ۲۰۷ - ۲۰۹ - ۲۱۰ - ۲۷۸ - ۴۷۳ تا ۴۷۵

احمد بن عبداللہ ۳۹۸

احمد بودہ ۔ الجزائر ۳۵۵

احمد بی بی بنت مستری نظام الدین ۳۱۳

احمد بی بی بنت میاں فضل محمد ۳۲۰

احمد بیگ، مرزا ۱۸۹

احمد جان، چوہدری ۱۸۲ - ۴۹۵

احمد جان، منشی ۔ لدھیانہ ۔ ۶۳۵ ۔ ۶۳۷
احمد حسین، کاتب ۷۱۱
احمد خاں نسیم ۱۹۸ ۔ ۲۹۳
احمد دین، چوہدری گجرات ۔ ۵۸۶ تا ۵۹۱
احمد دین، ڈاکٹر ۳۸۷ ۔ ۳۸۸ ۔ ۴۲۹
۶۲۲ ۔ ۶۲۳
احمد دین، شیخ ۲۸۷
احمد دین ۔ گنری ۱۹۳
احمد دین، منشی ۱۹۲
احمد دین، میاں ۱۹۱
احمد دین، میاں کمپونڈر ۶۲۷
احمد دین، میاں ۔ لاہور ۱۸۸
احمد دین آف کوئٹہ ۱۲
احمد رشید ۲۸۰
احمد رمضان، شیخ ۷۴۷
احمد سانسہ ۳۸۵
احمد سرہندیؒ، سید ۴۷۴
احمد سوکارنو، ڈاکٹر ۴۱۵
احمد شاہ، پیر ۱۸۷
احمد شاہ، سید ۱۹۵
احمد شاہ، میر ۶۲۷
احمد صادق، مفتی ۵۶۹ ۔ ۵۷۴
احمد علی، سید ۱۵۷
احمد علی، منشی دوالمیال ۱۸۹
احمد غزنوی ۱۷۳
احمد گل پراچہ ۴۸

احمد مختار، چوہدری ۱۸۱
احمد نور ۵۴۶
اختر احمد، پروفیسر ۲۳۴
اختر احمد اورینوی، سید ۵۴۶ ۔ ۵۴۷ ۔ ۷۲۶
اختر حسین، ملک جنرل ۲۶۵
اردشیر ڈینشاہ ۷۲۶
اسد اللہ خاں، چوہدری ۔ ۱۴ ۔ ۱۶ ۔ ۱۷
۳۶ ۔ ۱۱۱ ۔ ۱۲۱ ۔ ۱۸۰ ۔ ۱۸۱ ۔ ۴۸۴
۴۸۹ ۔ ۴۹۵ ۔ ۷۰۳
اسد اللہ شاہ، سید ۵۷۴
حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ۶۳ ۔ ۴۱۱ ۔ ۴۲۰ ۔ ۴۲۴
اسمٰعیل، سید ۵۷۶
اسمٰعیل آدم سیٹھ ۶۶۴ تا ۶۶۹
اسمٰعیل آزاد ۳۹۹
اسمٰعیل شہیدؒ ۴۷۴
اسمٰعیل کانگڑی، چوہدری ۱۸۶
اسمٰعیل آف کماسی ۳۹۹
اسمٰعیل آف نائیجیریا ۳۹۵
اسمٰعیل بن عبدالعزیز ۴۰۹
اُسید بن حضیر ۱۶۷
اشفاق احمد، چوہدری ۵۱۳
اشولا دداولوکوڈانا، امام ۷۵۵
اظہار الحسن، پیرزادہ ڈاکٹر ۲۹۰
اظہر احمد، مرزا ۳۳۸
اعجاز احمد، شیخ ۱۹۳ ۔ ۴۲۰

اعجاز الحق، ڈاکٹر ۴۸۹
اعجاز ربانی، کرنل ۶۳۰
اعظم ۳۲۴
اعظم علی، چوہدری ۶۹۳
افتخار احمد، پیر ۵۷۴
افضل حق، چوہدری ۶ ۔ ۸
اقبال، پروفیسر ۱۰۹
اقبال الدین، شیخ ۱۸۳
اقبال شاہ، سید ۔ پھگلہ ۲۰۸
اقبال احمد خاں، کیپٹن ڈاکٹر ۱۸۳
اقبال احمد شاہد ۱۹۵
اکبر ۶
اکبر، شہنشاہ ۲۹۰
اکبر علی ۱۹۲
اکبر یار جنگ، نواب ۳۲۴ ۔ ۴۲۲
۶۷۳ تا ۶۷۵
اکرام ربانی ۶۳۰
اکمل، قاضی ظہور الدین ۔ ۱۸۴ ۔ ۳۲۹
الڈو کسیلی، پروفیسر ڈاکٹر ۷۶۶
الطاف ربانی ۶۳۰
الفاڈو نمالہ ۳۹۶
الفریڈ گوئسلام ۴۰۷
القاہم فوڈسے صالحو ۷۵۶
اللہ بخش، چوہدری ۔ والد مولوی کرم الٰہی ظفر ۲۸۸
اللہ بخش، چوہدری ۔ مالک سٹیم پریس قادیان
۶۱۷ تا ۶۲۵

اللہ بخش، حاجی بنگوے ۵۱۲
اللہ بخش، شیخ ۳۲۱
اللہ بخش آف ساندے کلاں ۶۱۷
اللہ بخش ضیاء ۴۷۵
اللہ دتہ، الحاج مرزا ۸۱
اللہ دتہ، چوہدری ۱۹۰
اللہ دتہ، ہرسیاں ۳۱۷
اللہ دتہ، میاں ۱۸۷
اللہ دیا، شیخ ۶۳۷
اللہ رکھا ۲۰ تا ۲۸ - ۳۶ - ۴۲ - ۴۴ - ۴۵ - ۵۵ - ۶۰ - ۶۱ - ۶۳ تا ۶۵ - ۷۰ - ۷۱ - ۱۲۰ - ۱۴۰ - ۱۴۱ - ۱۴۹ - ۱۶۵ - ۲۰۲
الٰہی بخش، شیخ ۵۹۱
الٰہی بخش، کرنل ۵۰۵
الہ دین۔ قادیان ۱۹۱
الیاس برنی ۷۰۹
الیگزنڈر روب ۵۶۳
اماں جی ۳ - ۶۱۰ - ۳۲۳ - ۳۲۶
امام الدین، بابا ۵۹۱
امام الدین، مرزا ۶۲۳
امام الدین، مولوی ۱۹۵ - ۴۱۶
امام الدین، میاں سیکھوانی ۳۱۷
امام الدین، میاں کمپونڈر ۶۲۷
امام الدین خاں، نواب ۶۳۵
امام الدین گجراتی، استاد ۷۱۱
امامہ بنت حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ۵
امۃ الباری، سیدہ ۳۴۲
امۃ الباسط، سیدہ ۴۲۸
امۃ الجمیل، سیدہ ۴۲۸ - ۷۱۷
امۃ الجمیل بنت ملک عبدالرحمٰن ۶۸۰
امۃ الحفیظ بنت قریشی محمد مطیع اللہ ۳۴۱
امۃ الحفیظ بنت ملک عطاء اللہ ۶۳۰
امۃ الحکیم، سیدہ ۷۱۸
امۃ الحکیم بنت ملک عبدالرحمٰن ۶۸۰
امۃ الحمید بنت چوہدری احمد جان ۴۷۶
امۃ الحمید بنت ملک عطاء اللہ ۶۳۰
امۃ الحی بنت حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ۱۱۰
امۃ الحی بنت ملک عطاء اللہ ۶۳۰
امۃ الرحمٰن بنت چوہدری اللہ بخش ۶۲۱ - ۶۲۳ - ۶۲۵
امۃ الرشید بنت ڈاکٹر سید غلام غوث ۵۸۲
امۃ الرشید بنت ملک عطاء اللہ ۶۳۰
امۃ الرؤوف، سیدہ ۷۱۸
امۃ السلام بنت ماسٹر خیر الدین ۵۸۶
امۃ السلام بنت ملک عطاء اللہ ۶۰۰
امۃ العزیز بنت ڈاکٹر سید غلام غوث ۵۹۰
امۃ العزیز بنت ملک عطاء اللہ ۶۳۰
امۃ العزیز بیگم ۳۰۶
امۃ الغفور، سیدہ ۷۱۷
امۃ القادر بنت ڈاکٹر سید غلام غوث ۵۸۲
امۃ القیوم، سیدہ ۴۷۸ - ۴۸۱
امۃ الکریم بنت چوہدری اللہ بخش ۶۲۵
امۃ اللطیف خورشید ۳۴۵
امۃ اللہ بیگم بنت بھائی عبدالرحیم ۶۰۹
امۃ اللہ بیگم بنت ڈاکٹر سید غلام غوث ۵۸۲
امۃ اللہ بیگم بنت مولوی رحمت علی ۵۹۴
امۃ المتین، سیدہ ۲۱۰ - ۷۱۷
امۃ المنان بنت چوہدری اللہ بخش ۶۲۱ - ۶۲۵
امۃ النصیر، سیدہ ۴۲۹ - ۷۱۷
امجد علی شاہ، سید ۱۸۷ - ۵۱۱
امر سنگھ، سردار ۶۳۸
امری عبیدی، شیخ ۴۱۸
اُمِّ طاہر، سیدہ (مریم بیگم) ۱۰
اُمِّ متین، سیدہ (مریم صدیقہ) ۴۷ - ۲۱۰ - ۳۴۵ - ۴۲۸ - ۵۲۶ - ۵۷۲
اُمِّ ناصر، سیدہ (محمودہ بیگم) ۲۱۰
امیر احمد قدوائی ۱۱۹
امیر الدین سٹور کیپر ۱۲
امیر الدین، سید ۲۸۴
امیر الدین، قاضی سید ۷۲۰
امیر الدین، مولوی ۵۹۱
امیر الدین ٹھیکیدار، مرزا ۵۹۱
امیر حسین، قاضی سید ۶۱۰ - ۶۱۱ - ۶۱۲
امیر خاں کاتب ۷۶۹

امیر عالم، حاجی ۱۸۱
امینی، مولوی شریف احمد ۲۳۵
انتھونی ۷۶۵
اندرا گاندھی ۲۸۲
انڈرسن۔ پروفیسر ۳۰۶
انڈریو کوہن، سر ۳۸۷
انس احمد، مرزا ۵۱۷
انگالا ۷۵۰
انوار احمد، منشی ۵۵۰
انور احمد کاہلوں، چوہدری ۳۳۹
انور بیگ، مرزا ۲۱۱
انور شاہ دیوبندی، مولانا ۳۴۸
اورنگ زیب عالمگیر ۵۵۷
اوصاف علی خاں، کرنل ۳۳۸
اونکو اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن ۴۰۹ تا ۴۱۴
اونکو فاطمہ ۴۱۴
اے۔ آر منصور ۷۲۰
اے۔ آر نگہت ۵۸۶
اے جے جان ۲۸۶
ایس۔ آر۔ داس، شری ۲۰۶
ایس۔ اے۔ رحمان ۵۱۸
ایس۔ ایل۔ ایم ابراہیم ۷۲۰
ایس۔ ایم پال پادری ۶۷۹
ایس۔ این۔ سین، ڈاکٹر ۶۸۶
ایم ایس شوکت ۷۳۴
ایم ایس مصطفےٰ ۷۵۹
ایم۔ اے ناصر ۲۸۸
ایم صلاح الدین ۷۲۰
ایمیرائٹس، پروفیسر ۳۴۴
ایمینوئیل کیسٹ، سر ۴۴۹ - ۷۵۴
اینک پاول ۳۴۶ - ۳۷۷
ایوب بیگ، مرزا ۶۱۴

ب

بارڈون، مس ۵۹۴
باقیؒ باللہ ۲۷۸
باکارلے۔ اے۔ آر ۳۹۷
بانشر، مسٹر ۵۹۴
بدر الدین، ڈاکٹر ۲۷۴
بدر سلطان اختر ۲۱۰
بدر الدین بھکری، سید ۵۷۵
برگنسکی، ایم ۴۴۸ - ۷۵۱
برش بھان ۴۲۵
برکات احمد ۲۶۲
برکات احمد، سید ۲۶۰
برکات احمد راجیکی ۲۸۲ - ۳۶۹
برکت بی بی ۳۲۰
برکت علی، چوہدری ۸ - ۹
برکت علی، مرزا۔ ربوہ ۱۸۵
برکت علی، مرزا۔ قادیان ۴۷۶ - ۵۵۰
برکت علی، ملک۔ گجرات ۵۹۱ - ۶۷۵
۶۹۰ - ۶۹۵
برکت علی مولوی۔ سیالکوٹ ۱۸۷
برکت علی بیگ، مرزا ۶۲۱
برکت علی خاں ۴
برکت علی لائق لدھیانوی ۴
برونوف، وی۔ جی۔ پروفیسر ۳۴۳ - ۳۴۴
برناڈ، جی۔ اے۔ پروفیسر ۳۷۴
بسواس ۷۲۶
بشارت احمد ڈاکٹر ۵۷۷
بشارت احمد بشیر ۱۹۵ - ۳۵۴ - ۴۸۵
۴۸۹ - ۷۳۷
بشارت احمد نسیم ۱۹۵
بشارت احمد ولد محمد شریف، چوہدری ۱۸۰
۴۴ - ۴۶
بشارت تسنیم ابن مرزا مولا بخش ۵۹۲
بشارت ربانی۔ ملک ۶۳۰
بشریٰ بیگم بنت غلام نبی بلانوی ۳۳۲
بشن داس ۶۰۳
بشیر احمد، منشی ۴۲۹
بشیر احمد (محمد اسمٰعیل غزنوی کا پروردہ)
۱۴ - ۱۴۵
بشیر احمد، چوہدری گجرات ۱۸۱ - ۵۹۰ تا
۵۹۲ - ۶۷۸ - ۶۹۸
بشیر احمد، چوہدری ۴۳۰
بشیر احمد، ڈاکٹر درویش قادیان ۱۲ - ۲۱
بشیر احمد، راجہ ۳۳۷
بشیر احمد آرچرڈ ۴۰۷ - ۷۶۵
بشیر احمد ایڈووکیٹ، سردار ۱۹۴

بشیر احمد ایڈووکیٹ، شیخ ۵-۶-۱۰-۱۲
۱۱۰ - ۱۸۳ - ۲۳۴ - ۳۲۴ - ۳۶۱ -
۵۱۴ - ۵۱۶ -
بشیر احمد ایم۔اے، مرزا ۱۶ - ۴۲ -
۴۴ تا ۴۶ - ۵۵ - ۶۶ - ۶۷ - ۶۹ - ۷۰ -
۷۰ - ۸۷ - ۱۱۸ - ۱۱۹ - ۱۳۰ - ۱۵۶ - ۱۶۹
۲۷۰ - ۳۰۶ - ۳۲۹ - ۳۴۰ - ۳۶۲ - ۳۶۴
۳۷۰ - ۴۱۹ - ۴۳۸ - ۴۴۰ - ۴۶۹ - ۴۷۸
۴۷۹ - ۵۷۱ - ۵۷۳ - ۵۸۰ - ۵۸۳ - ۵۸۴
۶۰۵ - ۶۰۷ - ۶۰۹ - ۶۱۶ - ۶۵۲ - ۶۵۴
۶۸۸ - ۶۶۹ - ۶۸۵ - ۶۸۸ - ۷۱۶ - ۷۲۱
۷۲۲ - ۷۳۷
بشیر احمد باجوہ، چوہدری ۵۱۲ - ۵۱۳
بشیر احمد بھٹی، قاضی ۱۹۳
بشیر احمد چغتائی ۷۰۵
بشیر احمد خادم ۲۸۱ - ۲۸۴
بشیر احمد خاں ۱۹۵
بشیر احمد رازی، راجہ ۱۲۰
بشیر احمد شمس ۱۹۵
بشیر احمد فاضل مبلغ یوپی، دہلی ۲۸۰ - ۲۸۲
۲۸۴ - ۲۸۵ - ۴۲۱ - ۴۲۵ - ۷۲۵ - ۷۲۶
بشیر احمد نظام ۳۱۳
بشیر احمد ولد شاہ محمد، چوہدری ۲۴
بشیر الابراہیمی، علامہ ۳۵۵
بشیر الدین ۴۲۵
بشیر الدین آف نانا ۳۹۷
بشیر الدین احمد سامی ۴۳۵
بشیر الدین اسامہ ۳۸۲
بشیر الدین الہ دین ۶۵۱ - ۷۶۹
بشیر الدین حقانی، چوہدری ۱۸۹
بشیر الدین طاہر ۵۸۶
بشیر الدین عبید اللہ، حافظ ۱۹۵ - ۳۸۹
- ۷۵۰
بشیر الدین محمود احمد، مرزا۔ المصلح الموعود
خلیفۃ المسیح الثانی ۱ تا ۵-۱۰-۱۱-۱۴
۱۷ - ۲۱ - ۲۴ - ۲۶ - ۲۸ - ۳۰ تا ۴۹
۵۳ - ۵۵ - ۵۶ - ۶۰ - ۶۵ تا ۷۳ - ۸۱ - ۸۴
۸۵ - ۹۲ - ۹۳ - ۹۷ - ۹۸ - ۱۰۰ - ۱۰۲
۱۰۳ - ۱۰۹ - ۱۱۱ - ۱۱۴ - ۱۱۶ - ۱۱۸ تا
۱۲۶ - ۱۲۸ - ۱۳۰ تا ۱۳۷ - ۱۴۳ - ۱۵۳
۱۵۵ تا ۱۶۲ - ۱۶۸ تا ۱۷۲ - ۱۷۹ - ۲۰۰
۲۰۶ تا ۲۱۵ - ۲۲۲ - ۲۲۸ - ۲۳۳ -
۲۳۵ تا ۲۳۷ - ۲۵۶ - ۲۶۲ تا ۲۷۰ -
۲۷۸ - ۲۸۰ - ۲۸۹ - ۲۹۰ - ۲۹۷ - ۳۱۸
۳۲۴ - ۳۲۶ - ۳۳۰ تا ۳۳۲ - ۳۳۶ - ۳۴۲
۳۵۰ تا ۳۵۳ - ۳۶۵ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۵
۴۰۷ - ۴۱۳ - ۴۱۵ - ۴۲۳ تا ۴۲۷ - ۴۲۸
۴۳۳ - ۴۳۶ - ۴۴۱ - ۴۴۷ - ۴۴۹ - ۴۵۰
۴۵۳ - ۴۵۸ - ۴۶۲ - ۴۶۴ - ۴۶۸ - ۴۷۱
۴۷۶ تا ۴۷۸ - ۴۸۸ - ۴۸۹ - ۴۹۴ - ۴۹۶
۵۰۳ تا ۵۰۷ - ۵۱۳ تا ۵۱۹ - ۵۲۲ تا ۵۲۴
۵۲۷ - ۵۲۸ - ۵۳۰ تا ۵۳۶ - ۵۴۱ تا ۵۴۵
۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۵۳ - ۵۵۴ - ۵۵۷
۵۶۷ تا ۵۷۲ - ۵۸۱ - ۵۸۵ - ۵۹۱ -
۶۰۵ - ۶۰۸ - ۶۱۳ - ۶۱۶ - ۶۲۰ - ۶۲۲
۶۲۳ - ۶۳۳ - ۶۳۴ - ۶۴۶ - ۶۵۰
۶۶۷ تا ۶۷۴ - ۶۷۸ - ۶۸۰ تا ۶۸۴
۷۰۰ - ۷۰۷ - ۷۱۳ - ۷۱۷ - ۷۲۱ تا
۷۳۰ - ۷۳۶ - ۷۳۷ - ۷۴۷ - ۷۴۹
بشیر بن سعد ۱۶۷
بشیر شاہ، سید ۴۱۵
بلونت سنگھ، باوا ۲۳۵
بندرا نائیکے ۴۱۰
بنوری، علامہ ۳۵۱
بہادر خاں، ملک ۳۲۸
بہاول شاہ، سید ۱۴ - ۳۶
بہاؤالدین نقشبندی ۲۷۹
بی راما کرشنا راؤ، شری ۴۴۷
بی عبد اللہ فاضل ۱۸۴
بیکر، اے جارج ۵۶۳
بیگم جی ۲۹۳
بھاگ، مابا۔ امرتسری ۲۹۹
بھاگ سنگھ۔ کیپٹن ۷۲۶
بھیم سین سچر ۲۰۴ - ۴۲۶

پ

پاتسما، پادری ۳۷۹
پراکس، آئی ایچ ۳۹۴
پرتاپ سنگھ کیرون، سردار ۳۶۸ - ۴۲۵

پرویز پرواوی ۳۴۲
پشاوری ال ایڈووکیٹ ملالہ ۲۸۴
پگٹ، مسٹر ۵۶۳
پورن سنگھ، سردار ۲۳۳
پیر بخش، ڈاکٹر ۲۸۹
پیر محمد۔ پیرکوٹ ثانی ۱۹۰
پیلو، اے ایس ۳۶۱

ت

تسنیم احمد خالد ۳۳۸
تقیؒ، امام ۵۷۶
تنویر احمد، خواجہ ۳۳۲
توان عبدالجلیل حسن ۴۱۳
توفیق ارسن ۲۶۳

ٹ

ٹرنر (شکاگو کا سیاح) ۵۹۴
ٹلٹاک، پروفیسر ۲۷۳-۲۷۵-۲۷۶
ٹھاکر سنگھ، صوبیدار ۲۳۴

ث

ثناء اللہ امرتسری ۲۴۷-۲۴۸-۶۱۸
-۷۱۰

ج

جارج پنجم، شہنشاہ ۵۶۷
جارج الفریڈ لیفرائے ۵۶۲
جان محمد، چوہدری ۴۷۵
جان ہارورڈ ۳۸۲
جبرائیل آدم ۳۹۸
جبرائیل۔ چیف رئیس ۳۹۸
جعفری ہاشم ۷۲۰
جگت سنگھ۔ کیپٹن ۵۴۷
جلال الدین۔ پولیس انسپکٹر ۴۴۱
جلال الدین، شیخ ۴۷۵
جلال الدین، شیخ۔ کراچی ۱۸۹
جلال الدین، منشی ۶۰۲-۶۰۳
جلال الدین بخاری، سید ۵۷۵
جلال الدین شمس، مولانا ۱۰۰-۱۰۱-۱۲۱
۱۵۶-۱۹۸-۲۷۹-۳۵۳-۴۱۹-۴۲۸
۴۹۵-۵۱۴-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۴
۵۳۸-۵۴۹-۶۷۵-۶۸۲-۷۰۲
-۷۲۴
جلال الدین قمر ۱۹۵
جماعت علی شاہ، پیر ۶۷۷
جمال الدین، میاں سیکھوانی ۳۱۷-۳۱۸
جمال عبدالناصر ۲۵۰-۲۵۶
جمنا۔ کماسی ۳۹۹
جمیل الرحمٰن رفیق، ملک ۱۹۵-۷۲۷-۷۳۷
جنید بغدادی ۲۷۸
جواد علی، سید ۱۹۵-۳۸۲-۴۷۷
-۷۴۶
جونز، ایچ۔ پروفیسر ۳۷۴
جولیس راب۔ چانسلر ۷۴۱
جی آر سیٹھی ۴۲۷
جیمز ایل ۵۶۳
جیمز ولسن، سر ۳۱۲
جھنڈا سنگھ، سردار ۲۳۴

چ

چراغ دین، میاں ۳۳۳
چرنجی لال، لالہ ۶۳۷
چنن سنگھ، سردار ۲۳۶
چندو لال، ماسٹر ۶۳۸
چندو لال۔ مجسٹریٹ ۵۹۶
چو۔ این۔ لائی ۲۸۶-۳۷۶

ح

حاشر الدین انعامی ۴۰۴
حاکم علی ۳۰۴
حامد شاہ سیالکوٹی، میر ۳۱۳-۳۷۲
حامد علی، حافظ ۲۹۵
حامد علی، شیخ ۳۰۲-۳۰۳-۵۵۷
حبیب احمد، منشی ۲۹۳
حبیب الدین، میاں ۱۸۵
حبیب اللہ، پروفیسر ۷۳۵
حسان بن ثابتؓ ۷۰۳
حسنؓ، امام ۸۴-۱۵۸
حسن آف یادگیر، شیخ سیٹھ ۳۳۳-۷۷۰
حسن بصریؒ ۲۷۸
حسن خان حجانہ ۵۵۶-۵۵۷
حسن دین، مستری ۳۱۰
حسن سی بہ، شناسی ۲۵۶-۲۵۹-۲۶۰
-۲۶۴-۲۶۵

حسن شاہ، سید ۱۹۲
حسن عطاء، الحاج ۷۵۵
حسن علی۔ ایڈیٹر "نورافشاں" ۶۳۷
حسن علی، مولانا ۳۱۷
حسن کامی، سید ۷۷۰
حسن محمد۔ باڈی گارڈ ۲۱۱
حسن محمد خاں عارفؔ ۴۹۵
حسن نظامی، خواجہ ۵۴۶
حسن ولد پروفیسر علی احمد بھاگلپوری ۵۹۵
حسینؓ، امام ۱۵۴
حسین۔ کٹھالہ ۵۷۹
حسین شہید سہروردی ۴۶۳
حسین کامی۔ سفیر ترکی ۳۱۰
حسین ملک ۴۳۵
حسین ولد پروفیسر علی احمد بھاگلپوری ۵۹۵
حشمت اللہ خاں، حکیم ۱۹۲
حشمت اللہ خاں، ڈاکٹر ۱۵۶ - ۱۸۴
۲۱۰ - ۴۳۸ - ۵۲۲ - ۵۲۳ - ۵۶۰ -
۶۷۱ -
حضرت اللہ پاشا، سید ۴۳۷
حفیظ احمد ۳۵۹ - ۳۶۰
حفیظ اللہ، چوہدری ۶۲۵
حفیظ الٰہی، شیخ ۲۸۷
حمدی، ڈاکٹر ۲۶۰
حمید احمد، خواجہ ۴۳۲
حمید احمد خاں ۴۶۹

حمید الدین، خلیفہ ۶۳۸
حمید اللہ چوہدری ۶۲۵
حمید اللہ، شیخ ۲۸۱
حمید اللہ خاں ۳۴۱
حلیمہ بیگم بنت مستری نظام الدین ۳۱۳
حلیمہ بیگم بنت میاں فضل محمد ۳۲۰
حیدر شاہ گرداور ۵۷۹

خ

خادم حسین ملک ۱۲۱-۱۳۶-۴۷۵ ۔
خالد بن ولیدؓ ۴۳۶
خان کابلی ۶
خدا بخش مرزا ۵۱
خدا بخش۔ ملک ۳۰۹
خدا بخش، میاں ۱۹۲
خدا بخش عرف مومن جی ۱۸۵
خدیجہ بیگم ۶۰۹
خلیل احمد ۵۹۲
خلیل احمد اختر ۳۹۸-۳۹۹-۷۵۲
خلیل احمد انعام ۳۱۴
خلیل احمد مونگھیری حکیم ۲۸۳-۲۸۴
خلیل احمد ناصر، چوہدری ۱۱۱-۲۷۴-۳۸۱-
۳۸۲-۷۱۸-۷۴۶-
خلیل الرحمٰن، سیٹھی ۱۹۴
خلیل الرحمٰن، شیخ ۴۲۸
خلیل حیٔ ۷۱۹
خورشید احمد، چوہدری ۱۸۳

خورشید احمد، شیخ ۱۵۶ - ۴۲۷
خورشید احمد پربھاکر ۲۸۰
خورشید احمد شادؔ ۱۷
خورشید بیگم ۲۰۸
خیر الدین، ماسٹر ۵۸۴ - ۵۸۵
خیر الدین سیکھوانی، میاں ۳۱۷ - ۵۷۹ -
۶۰۳
خیر دین زرگر ۱۸۷

د ڈ ذ

داتا گنج بخشؒ ۲۷۸ - ۵۹۱
دائی ایل۔ اے منصور ۷۲۰ - ۷۲۱
داؤد احمد (ملازم) ۲۱۱
داؤد احمد، سید میر ۱۹۵-۳۷۶-۷۲۷
۷۳۶ ۔
داؤد احمد، مرزا ۱۲۱ - ۲۳۷ - ۳۳۵
۷۳۴ ۔
داؤد احمد عرفانی، شیخ ۶۵۱ - ۶۶۰
۶۶۴ - ۷۷۰ ۔
داؤد سونگو ۷۵۶
داؤد مظفر احمد شاہ، سید ۴۲۸ - ۴۲۹
۷۱۸ ۔
دردؔ، خواجہ میر ۲۷۸
دوری، پروفیسر ۳۵۱
دوست محمد خاں حجانہ ۴۳۳ تا ۴۳۶
دوست محمد شاہدؔ ۱۰۸
دوست محمد علاؤ الدین ۴۲۲

دولت احمد خاں خادم ۷۲۴
دولت خاں ۱۸۸
دھرمانند سنگھ، سردار ۴۲۴ - ۴۲۵
دھیبر، شری ۲۸۲
دیوان سنگھ مفتون، ۹۷ - ۳۶۷ - ۵۴۳ - ۵۴۴ -
دیورتن، پنڈت ۶۲۸
دین محمد، ڈاکٹر حکیم ۱۸۵
دین محمد، میاں ۱۸۹
دین محمد مالی ۱۸۵
دی ینگ، ڈاکٹر ۳۸۰
ڈاناتھامس ۲۲۰ - ۲۲۱
ڈانسن، ڈاکٹر ۵۰۲
ڈبلیو کے جے مین، پروفیسر ۳۷۴
ڈچز آف کینٹ ۷۵۴
ڈرسکل، مسٹر ۳۷۵
ڈریوس، ڈاکٹر ۳۷۷
ڈگلس، کرنل ۴۳۸ - ۴۴۶
ڈوئی، ڈاکٹر الیگزنڈر ۲۱۵
ڈی سی ورما ۲۸۴
ذکریا، معلّم ۳۸۸
ذکی ولیدی طوگان، ڈاکٹر ۲۶۰
ذینی دھلان ۴۱۵

ر ز

رادھاکرشنن، ڈاکٹر ۲۸۶ - ۷۲۵
راشد احمد الدین ۶۵۱
رام رائے ۹۸
رام سنگھ، سردار ۴۲۴
رتن لال ۵۰۸
رجب الدین، خلیفہ ۵۹۷
رحمانی بیگم ۵۸۲
رحمت بی بی ۵۹۴
رحمت خاں ۱۹۰
رحمت خاں، چوہدری ۱۹۸
رحمت اللہ، حکیم۔ ربوہ ۱۸۶
رحمت اللہ، حکیم شیخ۔ کراچی ۱۸۹
رحمت اللہ، ڈاکٹر ۵۱۳
رحمت اللہ، شیخ ۳۰۹ - ۴۳۰ - ۶۱۴ - ۶۶۶ -
رحمت علی، ڈاکٹر ۵۷۶
رحمت علی، مرزا ۳۰۴
رحمت علی، مستری ۱۸۸
رحمت علی، مولانا ۱۰۰ - ۱۰۱
رحمت علی آف بھیرو چیچی ۵۹۲ - ۵۹۳
رحیم بخش، چوہدری۔ چونڈہ - ۱۸۶
رحیم بخش، شیخ ۵۹۱
رحیم بخش، میاں ۵۹۱
رحیم بی بی ۳۲۰
رستم علی، چوہدری ۳۱۰ - ۶۳۷
رسول بخش، ملک ۱۹۲
رشدی الباکیر السیوطی حیفا ۷۳۷
رشید احمد، ڈاکٹر ۳۱۴
رشید احمد، قاضی ۳۰۶
رشید احمد، مرزا ۷۱۷
رشید احمد سرور ۱۹۵
رشیدالدین، پیر سائیں۔ جھنڈے والے ۶۶۵
رشیدالدین، چوہدری ۱۹۵، ۵۱۶، ۵۱۷
رشید رضا، شیخ ۱۶۶
رشیدہ بیگم ۳۲۲
رشیدی صالح ۳۸۵
رضیہ بیگم ۳۰۶
رضیہ سلطانہ ۶۲۰
رضیہ شفیع، ستیہ ۷۱۹
رضیہ صادق ۵۷۴
رفیع احمد، مرزا ۱۹۵ - ۴۱۵ - ۴۱۹ - ۴۹۵ - ۷۱۸ - ۷۳۵ -
رفیق احمد ثاقب ۷۲۷
روشن دین ۱۹۵
روشن علی، علّامہ حافظ ۲۹۲ - ۳۲۸ - ۳۳۰ - ۶۷۸ - ۶۸۴ -
ریاض احمد ۳۴۲
ریاض النبی ۳۲۲
ریاض قدیر ڈاکٹر ۱۰۹
ریورنڈ کے ایم ماتھن ۲۸۴
ریورنڈ منی سین ۴۲۶
زار ۳۴۵

زاہد ۶۲
زاہدہ پروین ۷۱۸
زمان شاہ، پیر ۲۰۸
زمانی بیگم ۶۸۰
زیب النساء بیگم ۷۲۵
زیب النساء بنت ڈاکٹر پیر بخش ۲۹۰
زید جنجہ، شیخ ۳۸۸
زین العابدین، مولوی ۳۰۴ - ۳۰۵
زین العابدین ابراہیم ۶۶۷
زین العابدین ولی اللہ شاہ، سید ۱۵۶
۱۸۵ - ۱۹۸ - ۲۵۰ تا ۲۵۴ - ۲۷۶
۳۵۳ - ۳۵۴ - ۴۱۸ - ۵۱۸ - ۵۱۹
۶۸۹ - ۷۰۲ - ۷۳۶
زینب بیگم بنت بھائی عبدالرحیم ۶۰۹
زینب بیگم بنت سید سیف اللہ شاہؒ ۵۷۵

س - ش

سالم مولیٰ ابی حذیفہ ۱۶۷
سانی، ایم۔ اے ۳۹۷
ست نرائن کاتب ۷۶۶
سٹیکلین، پروفیسر ۳۴۳
سراج الحق، مولوی ۲۸۰ - ۲۸۲
سراج الحق نعمانی، پیر ۶۰۲
سربلند خاں، چوہدری ۱۸۸
سردار علی خاں ۱۹۰
سردار علی، سید ۱۹۱
سرفراز احمد بی۔ اے ۷۲۰
سرمدؒ ۲۲۲
سرور سلطانہ ۱۱ - ۳۳۳
سرہندیؒ ۔ مجدد ۲۷۸
سرن سنگھ، سردار ۴۲۴ - ۴۲۵
سعادت احمد، ملک ۴۹۵
سعدؓ ۴۲۶
سعدالدین تفتازانی، علامہ ۱۶۷
سعد بن معاذؓ ۴۹۹
سعدیؒ، شیخ ۶۹۷
سعود احمد دہلوی ۳۹۸ - ۳۹۹
سعید احمد، ڈاکٹر ۲۰۵
سعید احمد خاں، خاں ۳۲۸
سعیدہ بیگم ۳۲۸
سعیدہ عمر ۵۷۴
سکینہ بی بی ۲۹۳
سکینہ بیگم ۵۸۲
سلام اللہ، مرزا ۱۸۶ - ۶۲۱
سلامت شاہ ۵۷۷
سلطان علی، شیخ ۶۳۵
سلطان محمد شاہ آغا خان ثالث، امام
۷۲۹ تا ۷۳۱
سلطان محمود غزنوی ۵۵۷
سلیم الجابی، السید ۲۳۴ - ۴۸۶
سلیم چشتیؒ ۲۷۸
سلیمان منصور پوری، قاضی سید ۳۴۸
سلیمان ندوی، سید ۶۷۴
سمیع احمد ظفر ۵۹۲
سمیع اللہ، مولوی ۲۸۰ - ۷۲۰
سندر سنگھ، سردار (سردار فضل حق)
۵۹۸ - ۶۰۰ - ۶۰۳ - ۶۰۴
سوتن ہارون الرشید ۳۵۴
سوڈیرو ۴۱۵
سوئیکارنو ۴۹۲
سویم خانم ۲۶۰
سی پی این سنگھ، شری ۲۸۴
سید احمد، سید ۵۸۲
سید احمد، مولوی ۶۳۸
سید بخاری ۷۰۹
سیف الرحمن، ملک ۱۲۱ - ۱۸۰
۳۵۵ - ۵۱۴ - ۵۱۶ تا ۵۱۸ - ۵۴۹ -
سیف اللہ شاہ، سید ۵۷۴
سیفی کاشمیری ۳۴۶
سینتی کمار چیٹرجی، ڈاکٹر ۲۸۶
شادی خاں، میاں ۱۸۷ - ۵۷۹
شافعی باتوہ ۴۱۶
شاہ محمد، سید ۴۱۵ تا ۴۱۸ - ۴۸۵
۴۸۸ - ۴۹۲ - ۴۹۵ - ۷۶۵
شاہ مبتیہ، ڈاکٹر ۲۸۶
شاہ نواز خاں، ڈاکٹر ۴۷ - ۱۵۷
شاہ ولی اللہؒ ۔ محدث دہلوی ۲۷۸ - ۴۷۴
شبلیؒ، علامہ ۲۷۸
شبیر احمد، چوہدری ۱۸

شبیر احمد، خواجہ ۳۳۲
شرافت خاں آف اڑیسہ ۵۴۸
شرف الدین، میاں ۶۷۷
شریف (ملازم) ۶۵۰
شریف احمد ڈاکٹر ۱۹۴
شریف احمد، مرزا ۱۳ - ۴۹ - ۱۵۰
۱۶۹ - ۶۰۵ - ۷۱۷ -
شریف احمد امینی ۲۸۰ تا ۲۸۲ - ۴۲۱
۷۲۰ ۔
شعبان کرونڈے ۳۸۸
شعیب، شیخ ۳۸۶
شفاعت علی خاں ۷۳۱
شفیع ۶
شکری القوتلی، السیّد ۷۲۲
شکیل احمد منیر ۱۱
شمس الدین، منشی ۷۲۵
شمس الدین خاں، خان ۱۸۱
شمس تبریزؒ ۲۲۱
شمیم احمد، میجر ۴۲۸
شنکرداس مہرہ، ڈاکٹر ۴۲۵
شورش کاشمیری ۳۶۵ - ۳۶۷
شوکت علی، مولانا ۷۳۱
شوکت علی تھانوی ۵۸۳
شہاب الدین، خواجہ ۴۸۰
شہاب الدین، میاں ۵۷۹
شہاب الدین سہروردیؒ ۲۲۱ - ۲۷۸

۴۷۲ - ۴۷۳ ۔
شیر بہادر قیصرانی، سردار ۳۲۱
شیر علی، مولانا ۲۶۳
شیر محمد، بھائی ۱۹۱
شیر ولی خاں ۲۱۰ - ۴۳۸

ص ض

صابرہ بیگم ۳۵۰
صاحب دین، شیخ ۱۳۵ - ۱۳۶
صادقہ بیگم ۳۲۰
صالح ۳۹۹
صالح بیگم ۳۱۳
صالح فاطمہ ۳۲۰
صالح محمد، مرزا ۱۹۴ - ۳۹۸
صالح محمد، مولوی ۳۲۰
صالح محمد الہ دین ۶۵۱ - ۷۶۹
صالح محمد فاضل ۷۵۲
صبغۃ اللہ، چوہدری ۶۲۵
صبیحہ خانم ۲۶۴
صداقت بیگم ۶۵۱
صدرالدین، پرنس ۷۳۰
صدرالدین، مولوی ۳۷ - ۳۹ - ۴۰
۱۰۵ - ۱۱۹ -
صدرالدین یحییٰ پونتو ۷۲۴
صدیق حسن خاں، نواب ۷۱۱
صفیہ بیگم ۳۰۶
صلاح الدین، پیرزادہ ۴۲۹
صلاح الدین، چوہدری ۱۵۵
صلاح الدین، خلیفہ ۴
صلاح الدین ابن جلال الدین شمس ۷۱۹
صلاح الدین ایم۔ اے، ملک ۱۸۳ - ۲۸۲
۳۶۹ - ۶۵۷ -
صلاح الدین خاں ۱۹۵
صمصام الدین، مولوی سیّد ۲۸۰
صوبہ بیگم اہلیہ میاں فضل محمد ۳۲۰
ضرارؓ، حضرت ۴۳۶

ط - ظ

طاہر احمد، مرزا خلیفۃ المسیح الرابع ۸۳
۸۴ - ۳۵۰ - ۳۵۲ - ۳۷۵ - ۳۷۶ ۔
۵۱۶ - ۷۱۷ - ۷۳۷ - ۷۳۹ - ۷۴۰ ۔
طاہر احمد ہاشمی ۴۷۵
طاہرہ بیگم ۳۳۸
طاہرہ نسرین فاروقی ۳۴۲ - ۴۷۶
طفیل مسیح، پادری ۴۲۵
طیبہ جبیں ۷۱۹
ظاہر احمد ۷۱۷
ظفر علی خاں، مدیر "زمیندار" ۲۷۴ تا ۳۷۶
۷۰۹ - ۷۱۱ ۔
ظفر احمد کپورتھلوی، منشی ۶۵۴
ظل الرحمٰن بنگالی ۱۰۰
ظہور احمد، چوہدری ۵۱۰ - ۵۱۵ - ۷۲۴
ظہور احمد باجوہ، چوہدری ۱۹۵ - ۴۹۵
ظہور القمر ۲۶ - ۳۶

ع

عارف الزمان، میجر ۱۱۹
عائشہ ۷۹
عائشہ۔ سیالکوٹ ۶۲۷
عائشہ۔ کماسی ۳۹۹
عائشہ بیگم ۵۵۰
عائشہ بیگم اہلیہ یوسف احمد الہ دین ۶۵۱
عائشہ بیگم بنت بھائی عبدالرحیم ۶۰۹
عائشہ صدیقہ رضؓ (ام المومنین) ۸۸
عائشہ محمودہ بیگم ۴۷۶
عباد اللہ، گیانی ۲۳۴ - ۲۸۲
عباس محمد، مستری ۱۸۹
عبدالاحد، مولوی ۴۱۵
عبدالباری ندوی ۶۷۲
عبدالباسط، ملک ۶۸۰
عبدالباقی بہاری ایم۔ اے ۳
عبدالرب یلغار ۲۶۰
عبدالجبار غزنوی ۳۴۸
عبدالجلیل، حافظ ڈاکٹر ۱۸۸
عبدالحسیب ۲۵۵
عبدالحفیظ کاتب ۷۶۹
عبدالحق، پادری ۳۲۲ - ۶۷۸ - ۶۷۹ - ۹۹۹ -
عبدالحق، چوہدری ۱۹۲
عبدالحق، ڈاکٹر ۴۸۹
عبدالحق، شیخ۔ ڈرائیور ۲۱۱

عبدالحق، شیخ معاون ناظر ضیافت قادیان ۶۷۰ تا ۶۷۲ - ۶۸۵
عبدالحق، منشی ۵۲۸ - ۵۲۹ - ۵۳۳ - ۵۴۹ -
عبدالحق، مولوی ۱۸۷
عبدالحق، مولوی۔ مبلغ چین ۲۸۱
عبدالحق ایڈووکیٹ، مرزا ۲۲ - ۲۳ - ۱۲۲ - ۱۲۹ - ۱۸۰ تا ۱۸۳ - ۳۲۸ - ۴۸۶ -
عبدالحق خوش نویس ۱۸۴ - ۱۹۳
عبدالحق رامہ ۱۲۱ - ۴۹۵ - ۵۳۸
عبدالحکیم اکمل ۱۹۶
عبدالحکیم بٹ، ڈاکٹر ۱۹۳
عبدالحکیم عامر ۳۶۵
عبدالحمید (مقدمہ مارٹن کلارک کا اہم کردار) ۳۱۰ - ۴۴۴
عبدالحمید، بابو ۱۸۵
عبدالحمید، ڈاکٹر ۴۲۹
عبدالحمید، راجہ ۱۹۸ - ۳۳۷
عبدالحمید، شیخ ۵۸۲
عبدالحمید ابن میاں فضل محمد ۳۲۰
عبدالحمید چغتائی، ڈاکٹر۔ لاہور ۱۸۸
عبدالحمید خاں کاٹھگڑھی ۱۹۲
عبدالحمید ڈاڈھا ۴۶ - ۱۲۰ - ۱۵۸
عبدالحمید سالکین ۴۰۹ - ۴۱۰
عبدالحمید شملوی، بابو ۱۸۹
عبدالحمید عاجز، شیخ ۲۸۲ - ۷۲۰

عبدالحی۔ لاہور ۳۶
عبدالحی، میاں ۳۰ - ۳۷ - ۳۲۶
عبدالحی، میاں۔ مبلغ ۱۹۶ - ۳۴۲ - ۳۶۱ - ۴۱۶ - ۴۱۸ -
عبدالحی۔ ونگ کمانڈر ۴۳۰
عبدالحی پسر مولوی عبدالمغنی ۱۹۴
عبدالحی شاہ، سید ۵۱۶ - ۵۱۷ - ۷۳۰
عبدالحی عرب، سید ۷۱۴
عبدالحی یادگیر، سیٹھ ۲۸۵
عبدالخالق۔ مبلغ ۱۹۶
عبدالخالق، مہتہ ۳۲۴ - ۴۶۲ - ۴۶۳
عبدالرحمن، چوہدری ۷۲۹
عبدالرحمن، چوہدری۔ ملتان ۱۸۳
عبدالرحمن، حاجی ۱۸۲
عبدالرحمن۔ سجادہ نشین ۲۹۸
عبدالرحمن، شیخ ۲۸۷
عبدالرحمن، قریشی۔ میانوالی ۱۸۲
عبدالرحمن، قریشی۔ نمائندہ مسیح ۳۵۵
عبدالرحمن، میجر ڈاکٹر ۶۰۹
عبدالرحمن ابن میاں فضل محمد ۳۲۰
عبدالرحمن اللہ رکھا مدراسی، سیٹھ ۲۲۸ - ۲۲۹ - ۳۱۶ -
عبدالرحمن امرتسری، شیخ ۶۴۹
عبدالرحمن انور ۵۵ - ۱۰۸ - ۱۰۹ - ۲۱۰ - ۵۱۶ -
عبدالرحمن بن عوف ۱۶۸

عبدالرحمٰن بن یامین ۴۱۱
عبدالرحمٰن ٹھیکیدار، خواجہ ۵۱۰-۵۱۳
عبدالرحمٰن جٹ ۱۱-۱۲-۲۱-۱۸۳-۲۳۴-۲۳۵-۶۰۷
عبدالرحمٰن خادم، ملک ۷۰-۸۰-۸۳-۱۵۶-۲۷۹-۵۸۷-۶۷۷ تا ۷۱۶
عبدالرحمٰن خاں، خاں ۱۹۸
عبدالرحمٰن خاں، نوابزادہ۔ میاں ۲۱۵
عبدالرحمٰن صدیقی، ڈاکٹر ۱۸۱-۴۲۸-۴۲۹۔
عبدالرحمٰن غزنوی ۱۶۴
عبدالرحمٰن فاضل، مولوی۔ قادیان ۱۹۱
عبدالرحمٰن قادیانی، بھائی ۳۲۴-۷۲۲-۷۲۴۔
عبدالرحمٰن لدھیانوی، قریشی۔ ۱۸۶
عبدالرحمٰن مبشر، مولوی ۱۸۳-۲۶۹
عبدالرحیم ۲۸۳
عبدالرحیم، بھائی۔ چوہدری ۵۹۸ تا ۶۰۸-۶۵۳۔
عبدالرحیم، مولوی سید ۶۷۵
عبدالرحیم، میاں ۵۹۵
عبدالرحیم، میاں۔ برادر منشی محبوب عالم ۶۳۸
عبدالرحیم ابن خلیفہ نورالدین جمونی ۵۷۹
عبدالرحیم ابن میاں فضل محمد ۲۲۰
عبدالرحیم پراچہ، شیخ ۴-۸
عبدالرحیم درد ایم۔ اے ۵-۱۰۰-۱۰۱
عبدالرحیم دہلوی، ڈاکٹر ۱۸۵
عبدالرحیم شاہ، سید ۲۰۸
عبدالرحیم عرف پولا، میاں ۶۲۶-۶۲۷
عبدالرحیم نیر ۶۳-۶۲۲
عبدالرزاق، بابو ۱۹۰
عبدالرزاق شاہ، سید۔ پھگلہ ۲۰۸
عبدالرشید، میاں۔ لاہور ۱۸۸
عبدالرشید تبسم، چوہدری ۳۴۶
عبدالرشید رازی ۱۹۶
عبدالرشید شاہد ۴۱۸
عبدالرشید غنی ۳۲۲
عبدالرؤف، ڈاکٹر مرزا ۱۸۲
عبدالرؤف کاتب ۷۶۹
عبدالسبحان۔ مسانیاں ۳۱۷
عبدالسلام (وکیل اعلیٰ) ۱۲۱-۲۳۸-۵۱۵
عبدالسلام، پروفیسر سر ڈاکٹر ۳۷۳-۳۷۴-۵۴۷۔
عبدالسلام، سید ۳۷۶-۵۷۵
عبدالسلام، مفتی ۵۶۹-۵۷۴
عبدالسلام، مولوی سید۔ اڑیسہ ۶۷۵
عبدالسلام، میاں ۴۹
عبدالسلام، میر ۷۴۰
عبدالسلام عمر، میاں ۴-۶۶-۶۷-۱۴۵-۳۲۲ تا ۳۲۷
عبدالسلام میڈیسن۔ ڈنمارک ۷۳۷
عبدالسمیع امروہی، حافظ ۱۸۴
عبدالسمیع کپورتھلوی۔ ڈاکٹر ۱۸۴-۴۷۵
عبدالسمیع نون، میاں ۵۱۶-۵۱۷
عبدالشکور بٹ ۷۵۰
عبدالشکور کنزے ۳۸۳
عبدالصمد، مرزا ۷۱۸
عبدالعزیز۔ میرٹھ ۵۷۹
عبدالعزیز، چوہدری ۴۹۵
عبدالعزیز، حکیم۔ شرق پور ۱۹۱
عبدالعزیز، ماسٹر ۳۰۵
عبدالعزیز۔ مدرس۔ ایمن آباد ۵۷۹
عبدالعزیز، مستری۔ ربوہ ۱۸۶
عبدالعزیز، مولوی۔ گوبد پور ۵۷۹
عبدالعزیز آڑھتی ۱۹۱
عبدالعزیز ابن ڈاکٹر سید غلام غوث ۵۸۲
عبدالعظیم درویش، میاں ۷۱۵
عبدالغفار۔ حیدرآباد ۴۳۰
عبدالغفور، صوفی ۱۹۸-۵۶۹
عبدالغفور خاں، صوبیدار ۶۷۳
عبدالغنی، شیخ۔ کمپالا ۷۵۰
عبدالغنی انبالوی، بابو ۳۲۲
عبدالقادر۔ سیلون ۴۰۸
عبدالقادر، پروفیسر سید ۳۴۰-۳۴۱
عبدالقادر، چوہدری۔ ملتان ۱۹۰
عبدالقادر، مولانا شیخ ۱۵۶-۴۷۶-۵۵۰-۷۲۲-۷۲۳۔

عبدالقادر، شیخ محقق عیسائیت ۷۳۷
عبدالقادر بن مصطفیٰ المغربی ۳۵۲ - ۳۵۳
عبدالقادر جیلانیؒ، سید ۲۷۸
عبدالقدوس، ڈاکٹر ۴۸ - ۴۹ - ۷۲۶
عبدالقدیر درویش، چوہدری ۶۰۷
عبدالقدیر شاہد ۲۶۶ - ۳۹۷ - ۴۱۹
۴۴۹ - ۷۵۳ -
عبدالقیوم، خواجہ ۱۸۶
عبدالقیوم، صوبیدار ۲۱۰
عبدالکریم، ڈاکٹر مرزا ۱۹۱
عبدالکریم، ڈاکٹر۔ ملتان ۱۸۲
عبدالکریم، خواجہ ۷۲۴
عبدالکریم، شیخ۔ لاہور ۱۸۸
عبدالکریم بعلم ۲۹۹
عبدالکریم، میاں (برادر منشی محبوب عالم)
۶۳۸
عبدالکریم، میاں۔ لاہور ۲۳۳
عبدالکریم جہلمی ۱۹۴
عبدالکریم خالد ۲۱ - ۲۲
عبدالکریم سیالکوٹی ۳۰۹ - ۵۵۸ - ۵۶۱
۵۷۵ - ۵۷۷ - ۵۸۵ - ۶۰۱ - ۶۰۳
۶۰۵ - ۶۱۲ - ۶۲۷ - ۶۲۸ - ۶۴۲
۶۵۷ - ۶۵۸ - ۶۸۴
عبدالکریم شرما ۱۵۶ - ۴۱۹
عبدالکریم کاتب ۷۶۹
عبداللطیف، چوہدری ۱۹۵ - ۲۷۵

۲۷۶ - ۴۶۷ - ۴۶۸ -
عبداللطیف، مولوی مبلغ کنڈہ براڑی ۲۸۱
عبداللطیف آف ٹوپی، صاحبزادہ ۲۷۲ - ۷۷۳
عبداللطیف اوورسیئر، چوہدری ۱۹
عبداللطیف بیگم پوری، چوہدری ۱۲۱
عبداللطیف خاں ۲۱۰
عبداللطیف پریمی ۳۹۷ - ۴۱۹
عبداللطیف۔ دی میدان ۳۷۸
عبداللطیف شہید، صاحبزادہ ۲۸۷ - ۲۹۹
۳۱۲ - ۶۲۸ -
عبداللہ، منشی ۳۱۲
عبداللہ، مولوی ۵۷۹
عبداللہ آتھم ۶۰۱
عبداللہ ابوبکر ۷۱۸
عبداللہ الہ دین، سیٹھ ۲۳۶ - ۲۸۵
۶۵۱ - ۶۵۸ - ۶۸۴ - ۷۶۹ -
عبداللہ ایچ۔ اے۔ مولوی ۴۲۴
عبداللہ بن ابی بن سلول ۳۳ - ۴۶ - ۷۲ -
عبداللہ بن سبا ۱۲ - ۵۶ - ۱۳۳
عبداللہ بن عمرؓ ۱۶۱
عبداللہ بن عیسیٰ ۴۱۱
عبداللہ جان، مرزا ۵۵ - ۲۰۸ - ۲۱۰
عبداللہ حجام، میاں ۱۷۳
عبداللہ خاں، چوہدری ۱۵۷ - ۱۶۳ - ۱۶۴
۴۲۹ - ۴۳۱ -
عبداللہ خاں چوہدری قلعہ صوبا سنگھ ۱۹۳

عبداللہ خاں، نواب ۱۶۹ - ۳۱۵
عبداللہ خاں اونک ۳۷۸ - ۳۷۹
عبداللہ فاضل مبلغ مالابار ۲۸۰ - ۲۸۲ - ۲۸۴
عبدالماجد، ملک ۶۸۰
عبدالماجد خاں ۳۴۲
عبدالماجد دریا بادی ۶۷۴
عبدالماجد طاہر ۷۲۷
عبدالمالک، چوہدری۔ لاہور ۱۹۴
عبدالمالک، شہزادہ ۲۹۸
عبدالمالک خاں، مولانا ۲۳ - ۱۵۷
۱۹۸ - ۶۶۲
عبدالمجید، چوہدری۔ کراچی ۴۳۴
عبدالمجید، مرزا۔ پشاور ۲۱۰
عبدالمجید، مولوی۔ کراچی ۱۹۸
عبدالمجید، میاں۔ گجرات ۵۹۱
عبدالمجید خاں، ڈاکٹر ۱۹۱
عبدالمجید خورشید، سید ۷۳۷
عبدالمجید سالک ۱۰۸ - ۱۰۹ - ۳۴۶
عبدالحی عرب، سید ۲۹۲
عبدالمنان، مولوی ۱۸
عبدالمغنی خاں۔ جہلم ۱۸۲ - ۱۸۹
عبدالمغنی خاں۔ مولوی ۶۷۴
عبدالمنان ۶۲۱ - ۶۲۵
عبدالمنان عمر، میاں ۱۰ - ۱۱ - ۱۴ - ۱۷ تا
۱۹ - ۲۴ تا ۲۶ - ۴۶ - ۶۵ - ۶۸ - ۷۷ تا
۷۹ - ۹۳ - ۱۰۴ - ۱۰۵ - ۱۱۱ تا ۱۳۲

۱۳۵ تا ۱۳۷ - ۱۵۰ - ۱۵۲ - ۱۵۸
۱۵۹ - ۱۶۱ - ۱۶۵ - ۱۶۲ - ۱۷۳
عبدالمنان کاٹھگڑھی، چوہدری - ۱۹۲
عبدالمنان ناہید ۵۵۰
عبدالواحد، مولوی ۴۱۵ - ۴۶۱ - ۴۶۲
عبدالواحد غزنوی، مولوی - ۵
عبدالواسع عمر میاں ۶۶ - ۶۷ - ۶۹
- ۳۲۸
عبدالوہاب، شیخ ۴۳۴
عبدالوہاب نمائندہ ٹروتھ ۲۵۵
عبدالوہاب عمر میاں ۲ تا ۵ - ۸ - ۱۰ تا
۱۲ - ۱۴ - ۱۶ - ۱۸ - ۲۱ - ۲۴ - ۲۶
۲۹ - ۳۲ - ۳۸ - ۴۳ - ۴۹ تا ۵۳ - ۵۵
۶۰ - ۶۲ - ۶۴ تا ۶۶ - ۸۳ - ۱۰۵ - ۱۰۸ تا
۱۱۳ - ۱۲۰ - ۱۲۳ - ۱۳۱ - ۱۳۲ - ۱۳۶ -
۱۴۱ - ۱۵۹ - ۱۶۱ - ۳۲۴ - ۳۲۵ -
عبیدالرحمٰن فانی ۲۸۰ - ۴۲۶
عبیداللہ خواجہ - ربوہ ۱۸۶
عبیداللہ رانجھا حکیم ۱۸۶
عثمان عمر، میاں ۳۲۸
عثمان غنیؓ ۱۲ - ۴۲ تا ۴۴ - ۵۶ - ۱۱۷
۱۵۰ - ۵۵۷ -
عثمانؓ بن مظعون ۵۰۰ تا ۵۰۲
عجب خاں، تحصیلدار - زیدہ ۴۲۸
عزیزہ ۳۵۱
عزیز احمد، چوہدری امیر حیدرآباد ۱۸۲ - ۴۲۹

عزیز احمد، مرزا ۶۶ - ۱۲۱ - ۱۷۹ - ۱۸۶
۱۹۹ - ۲۸۱ - ۴۸۶ - ۷۳۴ -
عزیز احمد، ملک ۴۱۵ - ۴۱۷ - ۴۹۵
۷۶۵ -
عزیز الدین، چوہدری - گجرات ۱۹۴
عزیز الدین زرگر - لاہور ۱۸۸
عزیز الرحمٰن، ملک ۱۲۰
عزیز الرحمٰن منگلا ۱۵۲ - ۴۸۴
عزیزہ بیگم ۱۳ - ۱۴
عصمت اللہ، چوہدری ۶۲۵
عطاء الرحمٰن - سابق وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان
۴۶۳
عطاء الرحمٰن راحت ۱۲۰
عطاء الرحمٰن، ملک ۳۷۹
عطاء الرحمٰن فاضل، قریشی ۱۸۱ - ۱۹۲
عطاء الرحیم حامد ۱۶۵
عطاء الکریم شاہد ۲۵۵
عطاء اللہ، چوہدری ۱۸۲
عطاء اللہ، ملک - گجرات ۶۲۷ تا ۶۳۰
عطاء اللہ، مہر ۱۹۳
عطاء اللہ ابن چوہدری اللہ بخش ۶۲۱
۶۲۵ -
عطاء اللہ ایڈووکیٹ، میاں ۱۸۳
عطاء اللہ ایم۔ اے، قاضی ۱۳۴
عطاء اللہ کلیم ۱۹۲
عطاء المجیب راشد ۶۲۷

عطاء محمد، ماسٹر - ربوہ ۱۸۵
عطاء محمد، مولوی - جمال پور ۱۹۲
عطاء محمد، مولوی - راولپنڈی ۱۹۲
عطاء محمد - گوہد پور ۵۷۹
عطاء محمد بنگوی - جڑانوالہ ۱۹۱
عطاء محمد ننگلی ۲۳
عطر دین درویش، ڈاکٹر ۱۹۱
عکرمہ ۲۷۶
علائی، شیخ ۲۲۱
علم الدین، ڈاکٹر ۵۹۱
علم دین، مستری - ربوہ ۱۸۶
علوی بن طاہر بن الحداد ۴۰۹ - ۴۱۲
علی احمد، ٹھیکیدار - ربوہ ۱۸۵
علی احمد بھاگلپوری، پروفیسر ۵۹۴ - ۵۹۵
علی حیدر، ملک - دوالمیال ۱۸۹
علی خاں، پرنس ۷۳۰
علی - کوٹوکوم ۷۵۵
علی کرم اللہ وجہہ ۴۳ - ۵۲ - ۵۷ - ۸۴
۸۵ - ۱۱۷ - ۱۵۸ -
علی گوہر - ربوہ ۱۸۶
علی انور، مولوی ۳۷۴
علی روجرز، سید ۴۰۴
علی کلو بہا، شیخ ۳۸۶
علی مانسہری ۴۰۴
علی محمد، راجہ ۵۸۹ - ۶۸۹
علی محمد، سیٹھ ۶۵۱ - ۶۶۹

علی محمد اجمیری ۱۲۰ - ۱۲۱

علی محمد الہ دین، سیٹھ ۲۳۸

علی محمد بی۔اے۔ بی ٹی، ماسٹر ۱۸۶

علی محمد سوہلوی ۳۱۷

علی محمد گوندل، چوہدری ۱۹۱

علی ہاشمی، سید ۱۹۱

عمر ابن الخطاب ۸۴ - ۱۱۷ - ۱۴۲ - ۱۵۸ - ۱۶۷ - ۱۶۸ -

عمر الدین، چوہدری۔ لاہور ۱۸۹

عمر الدین، ڈاکٹر ۵۹۱

عمر بن معدی کرب ۴۳۶

عمرو بن شملوی، مولوی ۴

عمر علی ۱۹۰

عنایت اللہ، چوہدری۔ بہلولپور ۱۸۷ - ۱۹۶ - ۳۸۵ -

عنایت اللہ، چوہدری۔ مبلغ تنزانیہ ۶۱۷ - ۶۲۱ - ۶۲۳ تا ۶۲۵ - ۷۵۰ -

عنایت اللہ، مفتی ۵۵۸

عنایت اللہ خلیل ۱۹۵ - ۳۸۴

عنایت اللہ شاہ، ڈاکٹر ۷۰۹

عنایت اللہ ولد محبوب عالم ۵۰۷

عنایت بیگم ۶۷۰

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۵۷ - ۱۴۳ - ۱۴۴ - ۱۴۸ - ۱۵۴ - ۲۱۵ - ۲۳۹ تا ۲۴۱ - ۲۷۰ - ۳۹۶ - ۴۲۷ - ۴۹۷ - ۵۵۸ - ۶۲۰ - ۶۲۱ - ۶۲۷ - ۶۶۵ - ۷۴۳ -

غ

غزالیؒ، امام ۲۷۸

غضنفر علی خاں، راجہ ۶۸۱

غلام احمد، حاجی ۳۱۴ - ۳۲۰

غلام احمد ایم۔اے، مرزا ۵۱۷

غلام احمد بدوملہوی ۱۹۸ - ۴۷۵ - ۷۱۴ - ۷۲۴ - ۷۲۶ -

غلام احمد حفیظ ۳۸۷

غلام احمد شاہ ۲۸۰

غلام احمد عطاء ۴۲۹

غلام احمد فرخ ۴۱۹

غلام احمد قادیانی مرزا۔ مسیح موعود علیہ السلام ۱ - ۲ - ۳۰ - ۳۲ - ۳۷ تا ۳۹ - ۴۵ - ۴۹ تا ۵۲ - ۵۵ - ۵۷ تا ۶۰ - ۶۳ - ۶۴ - ۶۸ - ۷۴ - ۷۵ - ۸۲ - ۹۰ - ۹۱ - ۹۷ - ۱۰۷ - ۱۱۷ - ۱۳۸ - ۱۴۳ تا ۱۴۷ - ۱۵۰ تا ۱۵۲ - ۱۵۹ تا ۱۶۲ - ۱۶۹ - ۱۷۰ - ۱۷۷ - ۱۹۳ - ۲۰۴ - ۲۲۵ - ۲۲۸ - ۲۳۲ - ۲۳۸ تا ۲۴۱ - ۲۴۴ - ۲۴۵ - ۲۴۸ - ۲۴۹ - ۲۶۲ - ۲۶۵ - ۲۶۷ - ۲۶۸ - ۲۸۸ تا ۲۹۱ - ۲۹۳ - ۲۹۸ - ۳۰۵ تا ۳۰۷ - ۳۰۹ تا ۳۲۲ - ۳۲۶ - ۳۳۷ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۵ - ۳۵۵ - ۳۶۳ - ۳۶۴ - ۳۶۷ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۴۰۶ - ۴۰۷ - ۴۱۳ - ۴۱۴ - ۴۲۲ - ۴۲۳ - ۴۳۸ تا ۴۴۵ - ۴۵۳ - ۴۶۱ - ۴۶۵ - ۴۸۹ - ۴۹۷ - ۵۱۳ - ۵۱۹ - ۵۲۰ - ۵۲۵ - ۵۴۵ - ۵۵۳ - ۵۵۶ - ۵۵۸ تا ۵۶۵ - ۵۶۹ تا ۵۷۴ - ۵۷۸ - ۵۸۰ - ۵۸۱ - ۵۸۵ - ۵۹۴ - ۶۰۰ - ۶۰۱ تا ۶۰۸ - ۶۱۰ تا ۶۱۹ - ۶۲۴ تا ۶۲۸ - ۶۳۱ تا ۶۳۵ - ۶۳۷ - ۶۳۹ - ۶۴۱ تا ۶۴۵ - ۶۴۸ - ۶۵۰ - ۶۵۲ - ۶۵۳ - ۶۶۴ تا ۶۷۴ - ۶۷۷ - ۶۸۷ - ۷۰۳ - ۷۰۷ - ۷۴۶ - ۷۶۸ - ۷۷۰

غلام احمد نسیم ۱۹۶

غلام اللہ، ڈاکٹر۔ چوہدری ۲۰۷ تا ۲۱۰ - ۲۱۲

غلام باری سیف ۵۱۷

غلام جیلانی، منشی ۵۳۶

غلام حسن، مہر ۳۱۴

غلام حسین، چوہدری ۱۹۲

غلام حسین، چوہدری۔ حویلیاں ۲۰۷ - ۲۱۲ -

غلام حسین، شیخ۔ لاہور ۱۸۹

غلام حسین ایاز ۴۱۸

غلام حسین رہتاسی ۵۸۴

غلام حمد، قاری ۲۲

غلام حیدر، بھائی ۷۵۰

غلام حیدر۔ ہیڈ کلرک کرنل ڈگلس ۳۴۴

غلام حیدر، تحصیلدار ۶۲۸

غلام حیدر، راجہ۔ ہجکہ ۳۳۶

غلام حیدر بی اے۔ بی ٹی ۵۱۲

غلام دستگیر قصوری ۶۲۹

غلام رسول، صوبیدار ۲۰۷ - ۲۱۰

غلام رسول، مولوی قلعے والے ۳۰۲
غلام رسول، مولوی - جانگریاں ۵۹۵
۵۹۶ - ۵۹۸ -
غلام رسول، مولوی سید بنوں گھڑہ ۶۷۵
غلام رسول، میاں - ڈیرہ غازیخاں ۵۵۶
۵۵۷ -
غلام رسول افغان ۲۹۴
غلام رسول باورچی - امرتسر ۵۷۵
غلام رسول مینتیس ۴۵ - ۴۶ - ۷۸
۱۰۹ - ۱۲۰ - ۱۵۸ -
غلام رسول وزیرآبادی، حافظ ۵۹۱
غلام سرورخاں - بالاکوٹ ۲۱۰
غلام سرورخاں دُرانی - مردان ۲۱۰
غلام غوث، ڈاکٹر سید ۵۷۵ تا ۵۷۷
۵۷۹ تا ۵۸۱ - ۵۹۵ - ۶۵۳ .
غلام غوث، میاں ۱۸
غلام غوث جمونی، میاں ۱۱۹
غلام فرید، ملک ۱۹۸ - ۵۵۱
غلام قادر، چوہدری اوکاڑہ ۱۸۹
غلام قادر - لاہور ۱۸۹
غلام قادر - مولوی ۶۲۶
غلام قادر شرقی ۷۷۰
غلام محمد اختر ۱۲۱ - ۲۱۰ - ۲۱۱ - ۲۳۰ -
۴۳۸ - ۴۸۶ - ۴۹۵ - ۷۲۲ - ۷۲۳ -
غلام محمد، بابا - قادیان ۱۹۱
غلام محمد باڈی گارڈ ۲۱۱

غلام محمد فیصل آباد چک ۱۹۵ ج - ب ۱۹۱
غلام محمد، چوہدری ۵۱۲
غلام محمد، خان بہادر - گلگت ۲۹۹
غلام محمد، سوفی ۱۹۳
غلام محمد، ماسٹر ۲۸۹
غلام محمد، ملک گورنر جنرل پاکستان ۴۲۴
غلام محمد، مولوی ۲۹۲ - ۲۹۳
غلام محمد راجپوت ۱۹۲
غلام محمد زرگر - سیالکوٹ ۱۸۶
غلام محمد کاٹھگڑی ۱۹۰
غلام محمد ناصر، شیخ ۶۴۱
غلام محی الدین، قریشی ۱۹۰
غلام مرتضیٰ، مرزا ۶۳۵
غلام مصطفیٰ، ڈاکٹر ۲۱۰ - ۳۶۵
غلام مہدی ناصر، مولوی سید ۲۸۰
غلام نبی، ملک ۱۹۶ - ۴۱۸ - ۷۵۷
۷۵۹ -
غلام نبی مصری، مولوی ۲۹۰ تا ۲۹۷
غلام نبی، مولوی مبلغ انبیٹہ ۲۸۰
غلام نبی بلانوی، خواجہ - ایڈیٹر الفضل ۲
۳۲۸ - ۳۳۰ - ۳۳۱ -
غلام نبی گھوگھیاٹ، ملک ۱۹۲
غلام یاسین، چوہدری ۱۹۶

ف

فاروق عمر، میاں ۳۲۸
فائر برین، ڈاکٹر ۳۷۶

فتح الدین، مولوی - دھرم کوٹ ۳۱۷
فتح دین، چوہدری بکھٹ ضلع فیروزپور ۱۹۲
فتح علی، چوہدری - چونڈہ ۱۸۷
فتح علی شاہ، سید ۶۲۹
فتح محمد اسلم ۲۸
فتح محمد سیال ایم - اے ۱۲۱ - ۱۵۶ - ۲۲۸
۴۴۶ -
فرخ مبشرات ۵۹۲
فخر الاسلام، سید - اوورسیئر ۱۹۱ - ۵۸۹
فخر الدین کاتب ۷۶۹
فرید احمد، مرزا ۵۱۷
فرید الدین گنج شکر ۲۷۸ - ۴۷۲
فرزند علی خاں ۲۷۴
فشر جان سٹیون ۷۳۹
فضل، ڈاکٹر - کوئٹہ ۴۵۲ - ۴۵۳
فضل احمد، چوہدری (نائب ناظر تعلیم) ۵۱۰
فضل احمد، چوہدری ۲۹
فضل احمد، چوہدری امیر رحیم یار خاں ۱۸۲
فضل احمد، شیخ - ربوہ ۱۸۶ - ۲۹۲ - ۲۹۳
فضل الدین، بابو ۵۱۱ - ۵۱۳
فضل الدین وکیل، مولوی ۲۹۱
فضل الٰہی، بھائی ۳۸۸
فضل الٰہی (کمپالا) ۷۵۰
فضل الٰہی ابن مولوی رحمت علی ۵۹۴
فضل الٰہی انوری ۱۹۶ - ۴۱۹ - ۷۵۳
فضل الٰہی بشیر ۱۹۶

فضل الٰہی بھیروی ۶۰۹ - ۶۱۶
فضل حسین، مہاشہ ۵۱۸
فضل حق خاں، سردار ۲۲۴
فضل دین، جمعدار ۶۲۱
فضل دین، چوہدری ۶۱۷
فضل دین، ڈاکٹر ۶۲۲
فضل دین، مولوی۔ بہار ۲۸۰-۲۸۲
فضل دین، مولوی۔ ربوہ ۱۸۵
فضل شاہ، سید ۵۵۹
فضل علی غنی۔ وکیل ۱۱۹
فضل عمر، مولوی سید اڈیسہ ۲۸۰
فضل کریم ابن ڈاکٹر سید غلام غوث ۵۸۲
فضل کریم برادر کرم الٰہی ظفر ۲۸۹
فضل کریم پراچہ ۴-۸
فضل محمد، میاں ۳۱۶ تا ۳۱۸
فضل محمد خاں شملوی ۴
فضیل عیاض احمد ۶۷۶
فقیہہ اللہ، چوہدری ۶۲۵
فقیر اللہ، ماسٹر۔ لاہور ۱۸۸
فقیر اللہ منٹگمری (ساہیوال) ۱۹۰
فقیر علی، بابو ۶۲۰
فلادیو، حاجی ۳۹۵
فوڈے کاٹے ۴۰۱
فیروز الدین، شیخ ۶۳۹-۶۴۰
فیروز محی الدین، قریشی ۱۹۶-۴۱۹
فیض احمد، پیر ۱۹۱
فیض احمد، مولوی۔ مبلغ تیماپور ۲۸۰
فیض الحسن سید ۲۴۷
فیض الرحمٰن فیضی، ملک ۱۲۰
فیض بی بی ۵۵۸

ق

قاسم، مسٹر ۳۸۷
قاسم، سیرالیون ۴۰۳ - ۴۰۴
قاسم الدین، بابو۔ سیالکوٹ ۱۸۲
۱۸۷ - ۵۰۸ تا ۵۱۳ -
قاسم علی، میر ۴۱۴
قدرت اللہ، حافظ ۱۹۶-۳۷۷-۳۷۸
۳۸۰ - ۴۱۸ -
قدرت اللہ سنوری ۱۸۴
قدسیہ بنت چوہدری عبدالحمید ۴۶-۵۵۰
قطب الدین، مستری ۴۴۵
قطب الدین، مہر۔ ربوہ ۱۸۴
قطب الدین بختیارؒ ۲۷۸
قمر الدین، مولوی ۱۹۳ - ۴۱۴
قمر داؤد کھوکھر ۴۲۷
قمر سلیمان، سید میر ۳۲۸
قیصر، شہنشاہ روم ۴۹۹

ک گ

کالی داس ناگ، ڈاکٹر ۴۲۵-۴۲۶
کانڈے بورے ۳۹۹ - ۴۶۰
کانسی رام چاولہ۔ لدھیانہ ۲۲۴
کیو، آر۔ ایل ۵۴۷
کرلٹنڈن ۳۷۶
کرم الٰہی، مولوی۔ شاہدرہ ۱۹۱
کرم الٰہی، ڈاکٹر قاضی ۶۱۸
کرم الٰہی ابن مولوی رحمت علی ۵۹۴
کرم الٰہی ظفر ۱۹۶ - ۲۸۸ - ۴۴۲
کرم دین بھیں، مولوی ۵۷۷ - ۵۹۶
۶۲۸ - ۶۴۹ -
کریم آغا خاں، پرنس ۴۳۰
کریم الدین ۴۲۵
کریم بخش، میاں۔ چونڈہ ۱۸۷
کریم بخش بنگوی ۲۸۸
کریم بی بی ۳۲۰
کلیم الرحمٰن، شیخ۔ ربوہ ۱۸۵
کلیم احمد ۳۲۲
کلیمنٹ ریگ، پروفیسر ۵۷۵
کمال بشناسی حسن سی برکے بھائی ۲۶۰
کمال الدین، خواجہ ۱۰۵-۱۵۹-۵۲۵
کمال یوسف، سید ۱۹۶ - ۴۱۸
کنج بہاری لال ۳۶۹ - ۳۷۰
کنگ، مسٹر ۳۷۶
کنیز احمد ۳۳۲
کوامی نکروما، ڈاکٹر ۴۹۴
کوثر تسنیم ۴۱۸
کوثر وسیم ۵۹۲
کوکب امۃ الکریم ۳۳۸
کوکر، چیف ۴۰۱

کومونٹ جورڈین ۳۷۵
کونٹ ٹالسٹائی ۵۶۳
کے کے ویکاگاما ۷۲۰
کے وی کرشن ۲۸۴
گاندھی، مہاتما ۷۳۱
گل احمد خاں کوثر، سردار ۶۸۱
گل حسن، کیپٹن ڈاکٹر ۲۹۰
گلزار بیگم ۶۲۵
گلزاری لال نندا، شری ۲۸۶
گل محمد آف رہتاسی ۵۸۴
گوردیال سنگھ باجوہ ۲۲۴-۲۸۲
گوردیال سنگھ ڈھلوں ۴۲۵
گورکھ ناتھ، پنڈت ۴۲۴
گورمکھ سنگھ مسافر، گیانی ۲۸۲
گومینوں ۳۵۴
گیڈکل، شری ۲۸۶
گمبیر سنگھ جی بیرا، سردار ۲۸۶

ل

لابھ سنگھ فخر، گیانی ۴۲۵
لاڈلے، شیخ ۲۸۳
لال جی دال جی، سیٹھ ۲۲۹
لال حسین اختر ۷۰۹
لال دین۔ چونڈہ ۱۸۷
لائٹ گبر، ڈاکٹر ۲۹۹
لبھو رام نیّر ۶۲۷
لبید شاعر ۵۰۰-۵۰۱
لطف الرحمٰن، مرزا ۱۹۶
لطف الرحمٰن درد ۳۶
لطیف احمد ۵۴۰
لطیف احمد غزنوی ۳۴۱
لعل دین، ڈاکٹر ۷۵۰
لقمان شاہ، سیّد۔ بھگلہ ۲۰۸
لکھا سنگھ، سردار ۶۲۰
لوئیس، ڈاکٹر ۳۵۱
لئیق احمد طاہر ۴۲۷
لیکھرام، پنڈت ۶۰۴-۶۷۷
لیمار چنڈ ۴۴۴-۴۴۵
لینن ۳۴۷

م

ماتھیو مابو ۳۸۹ تا ۳۹۲
مارٹن کلارک ۳۱۰
مارگاشے، ڈاکٹر ایم۔ اے ایس ۷۵۹
مارگنون، اے جی ۳۴۴
مالم ابوبکر تفاوا بلیوا ۷۴۰
مانٹیگو، لارڈ ۵۶۷
مانسرے ۷۶۲
مائی دادی ۲۰۲
مبارک احمد، چوہدری ۱۹۳
مبارک احمد، حافظ ۱۹۴
مبارک احمد، شیخ ۱۹۵-۳۸۳-۳۸۵
۷۴۲-۷۴۹-
مبارک احمد، قاضی ۴۰۳-۴۰۴-۴۰۷-۷۶۱
مبارک احمد، مرزا ۲۶۵-۳۶۱-۴۶۷-
۴۸۵-۴۸۶-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۵-
۵۱۴-۵۱۶-۷۲۲-۷۴۱-۷۴۷-
۷۵۵-
مبارک احمد، ملک ۵۱۷-۷۳۶
مبارک علی، مولوی ۲۸۰-۲۸۲-۴۲۱
مبارک احمد خاں امین آبادی، ملک ۸۰
۳۰۵-۳۰۶-۷۱۱-
مبارک احمد ساقی ۱۹۷-۳۹۵-۷۴۰
۷۶۵-
مبارک علی خادی ۷۴۸
مبارکہ بیگم، سیّدہ نواب ۶-۲۳۶
۳۱۵-۳۲۶-۳۲۷
مبارکہ بیگم بنت غلام نبی بلانوی ۳۳۲
مبارکہ بیگم بنت مہر غلام حسن ۳۱۴
مبارکہ شوکت ۴۶۷
مبشر احمد خاں ۴۶۹
مبشرہ بیگم ۳۲۸
متوکوکیبا ۳۸۸
مجذوب، پروفیسر ۳۵۱
مجیب الرحمٰن درد ۴۲۶
مجید احمد، خواجہ ۳۳۲
مجید احمد، مرزا ۳۹۹-۴۵۵-۷۵۲
۷۵۵-
مجیدہ طاہرہ ۳۴۱
محب الرحمٰن، شیخ ۱۸۴

محبوب ربانی ۶۳۰
محبوب عالم ۳۰۰-۳۰۱
محبوب عالم، قاضی ۳۰۵-۳۰۶
محبوب علی، منشی ۶۳۸-۶۴۰-۶۴۱
محسن خاں، مولوی ۲۸۰
محفوظ الحق علمی ۷۳۳
محکم دین ۲۹۰
مختار احمد، چوہدری ۷۲۳
مختار احمد، چوہدری۔ لاہور ۱۸۸
مختار احمد بٹ ۲۳
مختار احمد شاہجہانپوری، حافظ سید
۷۰-۷۱-۱۸۳-۲۰۸
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۳۳-۲۹-۴۱
۴۴ تا ۴۶-۵۱-۵۵-۵۷ تا ۶۰-۸۲-۸۶
۸۸-۹۰-۹۱-۹۹-۱۱۶-۱۱۷-۱۳۶
۱۴۲ تا ۱۴۴-۱۴۷-۱۴۸-۱۶۰-۲۱۳ تا
۲۱۸-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۸ تا ۲۳۰-۲۳۹
تا ۲۴۲-۲۴۹-۲۶۶-۲۷۰-۲۷۲
۲۷۴-۲۷۶-۲۷۸-۲۷۹-۳۰۰-۳۴۰
۳۴۹-۳۶۳-۳۷۱-۳۸۹-۳۹۰-۴۲۳
۴۴۶-۴۵۷-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۵
۴۸۲-۴۸۳-۴۹۴-۴۹۷ تا ۵۰۰
۵۰۲ تا ۵۰۴-۵۶۳-۵۷۰-۵۷۶
۵۸۱-۵۹۱-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۷-۶۳۵
۶۶۵-۶۸۷-۷۰۰-۷۰۳-۷۱۲-۷۱۳
۷۲۳-۷۲۶-۷۲۸-۷۳۳-۷۳۵-۷۴۰
۷۵۱-۷۵۲-۷۵۶-۷۵۸-۷۶۶-
محمد چیف رئیس اڈانسی ۲۹۸
محمد، حافظ ملک۔ ربوہ ۱۸۴
محمد، مولوی۔ ڈھاکہ ۱۸۱
محمد ابراہیم بشیرآباد اسٹیٹ ۱۹۰
محمد ابراہیم، حکیم ۱۹۷
محمد ابراہیم۔ گوہدپور ۵۷۹
محمد ابراہیم منشی۔ لاہور ۱۸۸
محمد ابراہیم، مولوی ۲۸۲
محمد ابراہیم، مولوی مبلغ کمپالہ ۲۸۶
محمد ابراہیم، میاں ۵۹۰
محمد ابراہیم بقاپوری ۴۱۹-۶۱۵
محمد ابراہیم خلیل ۴۱۹
محمد ابراہیم سیالکوٹی، میر ۷۱۵
محمد ابراہیم فاضل، مولوی۔ قادیان ۱۸۳
محمد ابراہیم ناصر ۱۹۸
محمد ابوالوفاء، مولوی ۲۸۳-۲۸۴
محمد ادریس، مرزا ۱۹۷
محمد اجمل شاہد ۱۰۰-۱۰۱
محمد احسن امروہی ۵۵۴
محمد احمد، ڈاکٹر مولوی ۴۶۸-۴۷۰
محمد احمد، سید ۵۸۲
محمد احمد، سید ابن میر محمد اسمٰعیل ۱۹۴
محمد احمد ثاقب ۱۵۷-۵۱۵-۵۱۸
محمد احمد خاں، نواب ۷۲۲
محمد احمد مظہر ایڈووکیٹ، شیخ ۱۱۹-۱۸۰
۱۸۲-۷۶۶-
محمد احمد نظام۔ ربوہ ۳۱۳-۴۹۵
محمد اختر ۱۱
محمد اسحاق، صوفی ۱۹۶-۷۲۷
محمد اسحاق، مدیر الاعتصام ۲۰۲
محمد اسحاق، میر ۷۱-۲۲۸-۲۳۰-۲۳۱
۷۱۷-
محمد اسلم، قریشی (شہید ٹرینیڈاڈ) ۷۲۷
محمد اسلم ایم۔ اے پروفیسر قاضی ۱۴۴-۵۱۳
۵۱۶-۶۱۸-۶۷۹-۶۹۹-۷۰۰-۷۲۷-
محمد اسلم خاں آفریدی، خان ۱۵
محمد اسمٰعیل، چوہدری ۴۶۶
محمد اسمٰعیل، حکیم ۱۹۰
محمد اسمٰعیل، حکیم۔ سرگودھا ۱۹۳
محمد اسمٰعیل، خواجہ۔ بمبئی ۶۶۸-۶۶۹
محمد اسمٰعیل، ڈاکٹر ۵۷۶
محمد اسمٰعیل، سیٹھ ۲۸۱
محمد اسمٰعیل، قریشی ۵۲۸-۵۳۴-۵۴۰
محمد اسمٰعیل، مرزا ۶۱۹
محمد اسمٰعیل پانی پتی۔ شیخ ۱۵۶-۶۵۰-۶۵۱
محمد اسمٰعیل خالد ۴۲۹
محمد اسمٰعیل دیالگڑھی ۷۱۴
محمد اسمٰعیل شہید، سید ۲۰۹
محمد اسمٰعیل غزنوی ۴-۱۲ تا ۱۴-۱۲۵-
۱۶۳-۱۶۴۔
محمد اسمٰعیل کٹکی ۲۸۵
محمد اسمٰعیل لائلپوری، شیخ ۶۱۵

محمد اسمٰعیل منیر ۱۹۷ - ۴۰۷
محمد اسمٰعیل وکیل یادگیر ۲۸۲ - ۲۸۴ - ۲۸۵
۴۲۴ - ۵۴۸ - ۶۵۱ - ۶۶۴ - ۶۶۸ - ۷۷۰
محمد اشرف ۶۲۸
محمد اشرف، مرزا ۳۲۹
محمد اشرف خاں عطاء ۳۶۵
محمد اشرف ناصر ۷۳۳
محمد اظہر الدین ۳۶۲
محمد افضل، بابو - ایڈیٹر البدر ۵۶۴
۵۶۷ - ۵۶۸ - ۵۶۹ -
محمد افضل، قریشی ۱۹۶ - ۳۹۸ - ۴۱۹
محمد افضل اوجلوی - لاہور ۱۸۹
محمد افضل پٹیالوی، چوہدری ۱۹۲
محمد اقبال شیخ ۸ تا ۱۰
محمد اقبال شاہ، سید ۷۴۷
محمد اکبر خاں، میجر جنرل ۵۰۵ - ۵۰۷
محمد اکرام، شیخ ۵۷۶
محمد اکرم خاں، شاہ جی ۳۳۳
محمد اکرم داتوی، منشی میر ۲۹۸
محمد الدین، حکیم ۲۸۰ - ۲۸۲ - ۴۲۱
محمد الدین، ڈاکٹر جکوال ۴۷۶ - ۵۵۰
محمد الدین، میاں ۵۹۱
محمد الہ داد - ربوہ ۱۸۵
محمد امین، خواجہ ۵۱۰
محمد امین، میاں ۵۱۳
محمد انور حسین، چوہدری ۱۱۹ - ۱۸۲
محمد ایوب - اے ڈی ایم ۵۴۸

محمد ایوب، مولوی مبلغ بھدرواہ ۲۸۱
محمد ایوب، مولوی مبلغ سماٹرا ۴۱۵
محمد ایوب مخدوم ۲۰
محمد ایوب مخدوم گھوگھیاٹ ۱۹۳
محمد بخش - ربوہ ۱۸۲
محمد بخش ایڈووکیٹ میر ۱۸۲
محمد بخش بٹالوی، میاں ۴۴۳
محمد بسیونی - مصر ۳۲
محمد بشیر - سیرالیون ۴۰۳
محمد بشیر احمد، الحاج ۱۸۲
محمد بشیر شاد ۱۹۷
محمد بشیر شاہ، سید - بھگلہ ۲۰۸ - ۲۱۰
- ۲۱۱
محمد بوٹا ۴۳۰
محمد بوٹے خاں - ربوہ ۱۸۶
محمد بوٹگے ۴۰۳
محمد پریل - کنڈیارو ۱۹۲
محمد پیران ۲۸۳
محمد توڑے، الحاج ۴۰۴
محمد جعفر کاتب ۷۶۹
محمد جلال شمس ۲۵۹ - ۲۶۵
محمد جی، مولوی - ربوہ ۱۸۵ - ۲۹۸
محمد حنی، ڈاکٹر ۴۱۵
محمد حسن چیمہ، حافظ ۱۰۳ - ۱۵۶ - ۱۵۹
محمد حسین، حافظ - ڈنگوی ۵۷۹
محمد حسین، سیٹھ - چنت کنٹہ ۷۷۰

محمد حسین، شیخ - چنیوٹ ۱۸۶
محمد حسین، شیخ - لاہور ۱۸۹
محمد حسین، شیخ - سمن آباد - لاہور ۱۸۸
محمد حسین، شیخ - عزیز روڈ - لاہور ۱۸۸
محمد حسین، مرزا - ربوہ ۱۸۵
محمد حسین، مولوی - سبز پگڑی والے ۱۸۵
۴۴۳
محمد حسین، میاں - کوٹ ڈسکہ ۱۸۷
محمد حسین، میاں - مالوکے بھگت ۱۸۸
محمد حسین بٹالوی ۳۴۸ - ۴۴۲
محمد حسین چیمہ ایڈووکیٹ، چوہدری ۱۳۰
محمد حسین چیمہ، کیپٹن ۲۱۰
محمد حفیظ فاضل بقاپوری ۲۸۲
محمد حنیف، شیخ - کوئٹہ ۱۸۱
محمد حیات تاثیر ۴۶ - ۱۲۱
محمد حیات، مرزا - رفیق حیات ۵۱۳
محمد خاں ایڈووکیٹ، رانا ۱۸۲
محمد دین ۱۸۷
محمد دین، ڈاکٹر - پھلوال ۱۹۲
محمد دین، مولوی ۱۲۱ - ۱۸۵ - ۵۱۰ - ۵۱۱
محمد دین فوق ۶۴۹
محمد ذکریا، مولوی ۸
محمد رشید الحاج ڈاکٹر ۴۸۴ - ۴۸۶ - ۴۹۴
محمد رفیع، صوفی - سکھر ۱۸۱ - ۱۹۰
محمد رمضان، شیخ ۲۸۷
محمد زبیر، ڈاکٹر ۵۸۳

محمد زمان خاں آف پوڑی ۲۱۱
محمد زمان خاں۔ بالاکوٹ ۲۱۰
محمد زہدی، مولوی ۴۱۵ - ۴۱۶
محمد سرور شاہ، سید ۲۹۲ - ۲۹۸ - ۵۵۴
محمد سرور شاہ ایم۔ اے ۷۴۷
محمد سعید، حکیم ۲۸۰
محمد سعید، میر ۶۱۳
محمد سعید انصاری ۱۹۷
محمد سعید حیدرآبادی، مولوی ۲۲۸
محمد سلطان اکبر، پروفیسر ۲۰۶ - ۵۵۰ - ۷۱۹
محمد سلیم، ملک۔ جہلم ۱۹۴
محمد سلیم، مولوی ۲۳۵ - ۲۸۰ - ۲۸۲
۲۸۵ - ۳۱۹ - ۳۲۴ -
محمد سلیمان، حافظ ۱۹۷
محمد سلیمان، سید۔ بہار ۲۳۶
محمد شاہ سیفی، سید ۵۷۴ - ۵۷۵
محمد شریف، چوہدری ۱۹۷
محمد شریف، خواجہ۔ گوجرانوالہ ۱۹۰
محمد شریف، ڈپٹی ۱۵۱
محمد شریف، میاں ۱۸۴
محمد شریف ایڈووکیٹ، چوہدری ۱۸۲ - ۱۹۰
۴۲۸ -
محمد شفیع، سر ۷۳۱ - ۷۳۲
محمد شفیع، ملک والد ملک عزیز احمد مبلغ جاوا
۸۱
محمد شفیع، ملک۔ لاہور ۱۸۹

محمد شفیع، میاں ۱۰۸
محمد شفیع اسلم، ماسٹر ۲۳۵
محمد شفیع انجنیئر، چوہدری ۱۸۵
محمد شفیع نثار، ڈاکٹر ۱۴
محمد شفیق قیصر ۷۲۷
محمد صادق ۴۲۹
محمد صادق، شیخ ۳۴۳
محمد صادق۔ مدرس جموں ۵۵۱
محمد صادق، مفتی ۳۰۵ - ۳۱۲ - ۳۷۷
۵۵۷ - ۵۵۸ - ۵۶۱ تا ۵۷۴ - ۵۸۱ - ۵۹۴
۶۱۲ تا ۶۱۴ - ۶۱۶ - ۶۵۲ - ۶۵۳ - ۶۶۷
۷۰۲ - ۷۰۵ -
محمد صادق، مولوی مبلغ سیرالیون ۳۰۶
محمد صادق سماٹری ۱۹۹ - ۴۰۵ - ۴۱۱ - ۴۱۳
۴۱۴ -
محمد صادق شاہ، سید۔ بھگلر ۲۰۸
محمد صادق فاروقی ۱۸۹
محمد صادق ناقد ۲۸۰
محمد صدیق، حکیم ۱۹۲
محمد صدیق، سیٹھ۔ کلکتہ ۱۸۴
محمد صدیق امرتسری ۱۹۶ - ۴۰۰ تا ۴۰۳
۷۵۶ - ۷۵۹ - ۷۶۰ - ۷۶۵ -
محمد صدیق ایم۔ اے، چوہدری۔ لائبریرین
۴۸۶ - ۴۹۵
محمد صدیق پٹیالوی، حاجی ۲۸۷
محمد صدیق شاہد ۱۹۷ - ۳۹۹ تا ۴۰۲ - ۴۱۹

محمد صدیق ننگلی ۲۵ تا ۲۹
محمد طفیل، شیخ ۲۱ - ۵۵۵
محمد طفیل، ملک ۷۲۴
محمد طفیل۔ مدیر "نقوش" لاہور ۵۳۶
محمد طیب، قاری ۳۴۹
محمد ظفر اللہ خاں، سر چوہدری ۱۶ - ۲۴ - ۵۵
۷۰، ۷۲ تا ۸۰ - ۸۲ - ۹۳ - ۹۸ - ۱۰۳ - ۱۱۲
۱۱۳ - ۱۹۳ - ۲۱۷ - ۲۶۴ - ۳۷۷ - ۳۸۰
۴۲۴ - ۴۴۶ - ۴۶۷ - ۴۸۵ - ۴۹۵
۵۱۰ - ۵۱۶ - ۶۸۰ - ۶۸۴ - ۷۰۱
۷۱۷ - ۷۲۵ - ۷۲۹، تا ۷۳۲ - ۷۳۶
۷۳۷ - ۷۴۰ - ۷۴۴ - ۷۴۶ - ۷۶۷ -
محمد ظہور الدین اکمل، قاضی ۱۸۴ - ۳۲۹
محمد ظہور خاں پٹیالوی۔ احمد نگر ۱۸۶
محمد عارف، مولوی ۲۹۴
محمد عباس وکیل ۷۳۵
محمد عثمان، مولوی ۷۷۰
محمد عبدالحق مجاہد امرتسری ۷۰۸
محمد عبدالحئی، سیٹھ۔ یادگیر ۲۸۱ - ۷۷۰
محمد عبداللہ، بابو۔ سانگلہ ہل ۱۹۴
محمد عبداللہ۔ جلد ساز۔ ربوہ ۱۸۵ - ۵۲۱
محمد عبداللہ، چوہدری ۵۱۳
محمد عبداللہ، ڈاکٹر۔ قلعہ سوبھا سنگھ ۱۸۷
محمد عبداللہ باجوہ۔ ظفروال ۱۰
محمد عبداللہ بی اے۔ بی ٹی، قاضی ۱۸۵
۱۹۸ - ۵۶۶ - ۵۶۷ -

محمد عبداللہ ، مستری ۔ داتہ زید کا ۱۸۸
محمد عبداللہ ۔ منشی اسٹیٹ ۱۸۷-۴۲۹
محمد عبداللہ ابن میاں فضل محمد ۲۲۰
محمد عبداللہ بی ایس سی ۔ حیدر آباد ۷۷۰ ۔ ۷۷۴ ۔
محمد عرفان ، مولوی ۔ مانسہرہ ۱۸۲ -- ۲۱۰
محمد علی ، چوہدری ۵۱۷
محمد علی ، چوہدری ۔ سابق وزیر اعظم پاکستان ۲۶۸
محمد علی ، سیٹھ ۲۲۳
محمد علی ، مولوی مبلغ فیروز پوری ۲۲۳
محمد علی ایم ۔ اے ، مولوی ۴ - ۲۰ - ۲۱ - ۲۵ - ۴۱ - ۱۰۴ - ۱۰۵ - ۱۲۷ - ۱۴۹ - ۱۵۹ - ۲۰۰ -- ۵۲۹ - ۵۵۴ - ۵۶۰ -- ۵۸۴ - ۶۲۰ -- ۔
محمد علی پٹواری باجوہ ، چوہدری ۔ چونڈہ ۱۸۷
محمد علی تارکش جے پوری ۷۱۱
محمد علی جناح ، قائد اعظم ۶۲۹ - ۶۸۱ - ۷۳۱ - ۷۳۲ ۔
محمد علی خاں ، نواب ۳۱۵ - ۳۲۳ - ۵۶۰ - ۶۰۵ - ۶۰۶ - ۶۵۹ - ۶۸۷
محمد علی شاہ ، سید ۱۹۳
محمد علی ، شیخ والد شیخ یعقوب علی عرفانی ۶۲۵
محمد عمر ، مہاشہ ۱۰۰
محمد عمر بریلوی ، بابو ۲۲۲
محمد عمر سہگل ، سیٹھ ۱۸۴
محمد عمر لکھنوی ، ڈاکٹر ۵۸۳
محمد عیسیٰ بھاگلپوری ۱۱
محمد غوث ، میاں ۲۱۷
محمد فاضل فیروز پوری ، حاجی ۱۸۵
محمد فقیر اللہ ۔ ربوہ ۱۸۶
محمد فیاض عباسی ۵۰۷
محمد قاسم نانوتویؒ ۴۷۳ تا ۴۷۵
محمد کریم اللہ نوجوان ۲۲۸ - ۲۳۶ - ۲۲۷ - ۲۸۲ - ۲۸۵ - ۴۲۱ - ۴۲۴ ۔
محمد کلوفیا ۳۸۵
محمد لائل پوری ، میاں ۲۳ - ۲۵ - ۱۰۲ - ۱۵۶ ۔
محمد لطیف ، میاں ۱۹۴
محمد مارما ڈیوک ۲۶۳
محمد مبارک اسمٰعیل ، ماسٹر ۱۹۴
محمد محسن ، سید ۔ اڑلیسہ ۴۷۵
محمد محسن ، شیخ ۔ لائل پور ۳۵۰
محمد مسعود خاں ۔ بستی مندرانی ۱۹۲
محمد معین الدین ، سیٹھ ۱۸۳ - ۲۸۱ - ۳۲۳
محمد منور ، مولوی ۱۹۶ - ۲۸۲ تا ۲۸۵
محمد منیر ، چوہدری گھٹیالیاں ۱۸۷
محمد موسیٰ ، مستری ۳۰۶
محمد موسیٰ ۴۲۹
محمد موسیٰ ، مولوی سید ۲۸۰
محمد نذیر لائل پوری ، قاضی ۵۲۰
محمد نسیم ، ڈاکٹر ۷۴۰
محمد نصیر اللہ ، خواجہ ۲۰۵
محمد ہارون ۔ انڈونیشیا ۳۵۴
محمد یار عارف ۱۹۸
محمد یٰسین ۶۵۱
محمد یٰسین خاں ۔ فیروز پور ۳۲۳
محمد یعقوب امجد ۷۳۷
محمد یعقوب خاں ۔ قندھار ۱۹۰
محمد یعقوب طاہر ۱۴۲ - ۲۰۹ - ۲۱۰ - ۵۲۶ تا ۵۲۹ - ۵۳۴ - ۵۴۹ ۔
محمد یوسف ۵۷۹
محمد یوسف خاں ۔ سابق پرائیویٹ سیکرٹری ۱۸۸ - ۲۳۶
محمد یوسف ، سردار ۳۲۹
محمد یوسف ، قاضی ۲۰۹ - ۲۱۰ - ۶۲۹
محمد یوسف خاں ۶۱۳
محمد یوسف ضلعدار ، حافظ ۶۱۳ - ۶۲۹
محمد یونس ، سید ۵۹۰
محمد یونس ، مولوی ۱۲۱
محمود (شناسی حسن سیبر کے بھائی) ۲۶۰
محمود احمد ، بھائی ۱۹۱
محمود احمد ، ڈاکٹر سید ۵۴۶ - ۵۴۷
محمود احمد ، قاضی ۳۰۶
محمود احمد شاد ، چوہدری ۴۰۳ - ۴۰۴
محمود احمد باجوہ ، چوہدری گھانوالی ۵۹۸
محمود احمد چیمہ ۱۹۷ - ۷۵۹ - ۷۶۰
محمود احمد عرفانی ، شیخ ۲۹۳ - ۶۳۳ - ۶۵۵

۶۵۹ -
محمود احمد ناصر، سید میر ۱۹۸ - ۳۵۲
۳۷۶ - ۵۱۷ - ۶۱۷ - ۶۳۷ ۔
محمود اللہ شاہ، سید ۴۵۲
محمود پیناس ۴۰۰
محمود حسن خاں ٹونکی، مفتی ۷۶۵
محمود عالم، سید۔ ربوہ ۱۸۶
محمود کاکری ۳۹۹
محمود نعمت اللہ، چوہدری ۶۲۵
محمودہ بیگم احمد۔ کراچی ۴۷۶ - ۵۵۰
محمودہ بیگم اہلیہ میاں عبدالسلام عمر ۳۲۸
محی الدین ابن عربیؒ ۲۷۸
محی الدین احمد، سید ۷۳۵
محی الدین ایڈووکیٹ، سید ۱۸۳
مدن، مسٹر ۷۴۸
مراد بخش، حافظ ۱۹۲
مرادن، حکیم ۳۹۹
مرتضیٰ خاں، مولوی ۲۱۴
مرلی دھر، لالہ ۶۳۷
حضرت مریم علیہا السلام ۷۴۳
مریم بی بی ۳۱۴
مریم سلطانہ ۴۶۹
مسعود احمد، میر۔ سیالکوٹ ۱۸۰ - ۱۹۷
مسعود احمد، قاضی ۳۰۶
مسعود احمد جہلمی ۱۹۷ - ۶۲۷
مسعود احمد خورشید۔ لاہور ۳۶

مسعود الرحمن، شیخ۔ نائبنگ منڈی ۱۹۱
مسیلمہ کذاب ۴۶
مسیح الدین الٰہ دین ۶۵۱ - ۶۶۹
مشتاق احمد، ڈاکٹر میر ۷۱۸
مشتاق احمد، باجوہ، چوہدری ۱۹۷ - ۳۵۲
مصطفیٰ، ایم۔ ایس ۷۵۹
مظفر احمد، مرزا ۴۲۹ - ۴۷۸ - ۴۸۲
مظفر حسن ۲۵۰
مظفر حسن، پیرزادہ ۲۹۰
مظفر خاں، ملک۔ لاہور ۱۸۸
مظہر الحق، پیر ۱۸۴
مظہر علی اظہر ۳۲۷
معاویہ، امیر ۸۴ - ۸۵
معز احمد، سید ۳۳۸
معلم صالح، الحاج ۷۵۲
معین الدین، پیر ۴۲۸ - ۷۱۷
معین الدین، حافظ ۶۰۵
معین الدین، سیٹھ ۲۸۵ - ۷۷۰
معین الدین چشتیؒ، خواجہ ۲۷۸ - ۲۷۴
۷۴۳ -
مقبول احمد قریشی ۱۹۷
مقبول احمد ذبیح ۱۹۷
ملک راج، پنڈت ۲۲۳
ممتاز احمد ۷۵۰
مناظر احسن گیلانی ۶۷۴
منصور حلاجؒ ۲۲۲

منصور ملک ۱۶۴
منظور احمد چنیوٹی، مولوی ۳۴۶ - ۳۴۷
۳۴۹ -
منظور احمد، مفتی ۵۷۴
منظور احمد، مولوی مبلغ یوپی ۲۸۰
منظور احمد باجوہ ۷۱۹
منظور احمد ایم ایس سی، پروفیسر مرزا ۵۵
منظور احمد عاجز، مولوی سید ۲۸۰
منظور الحسن بی۔ اے پیرزادہ ۲۹۰
منظور النساء بیگم ۷۱۹
منظور بیگ، مرزا ۶۲۱
منظور محمد، پیر ۳۰ - ۶۲۰
منور احمد، ڈاکٹر مرزا ۱۸ - ۱۹ - ۱۲۱ - ۲۲۶
۴۲۸ - ۴۳۸ - ۴۷۶ - ۴۸۵ - ۵۵۰ - ۶۶۰
۷۲۲ -
منور احمد ابن ظفر علی چدھڑ ۷۱۹
منور شاہ، سید ۱۳
منیر احمد، خواجہ ۳۳۲
منیر احمد، راجہ ۳۳۷
منیر احمد، قاضی ۵۴۰ - ۶۱۸
منیر احمد ابن مرزا مولا بخش ۵۹۲
منیر احمد باہری، سید ۷۶۵
منیر احمد رشید ۷۱۹
منیر احمد عارف ۱۹۷
منیر الحصنی ۴۱۹
منیر الدین احمد ۱۹۷ - ۳۳۲

حضرت موسیٰ علیہ السلام ۵۷
موسیٰ سیویٰ ۴۰۴
موسیٰ، معلّم ۳۸۸
مولا بخش، مرزا ۵۹۲
مولود احمد خاں ۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۸۰ تا
۴۷۰ -
موہن لال، شری ۵۴۶ - ۶۳۸
مہ آپا، سیّدہ ۴۷ - ۲۱۰ - ۳۵۱
مہرالنساء ۲۹۰
مہر بی بی ۶۱۸ - ۶۲۵
مہر دین، شیخ سیالکوٹ ۱۸۶
مہر دین، مستری۔ جڑانوالہ ۱۹۳
میراں بخش، مرزا ۵۹۲
میمونہ بیگم، استانی ۲۹۳
میور، سر ولیم ۱۴۸

ن

ناتھ مینی۔ وزیر یوگنڈا ۷۴۲
نارائن سنگھ ۶۴۱
نازش رضوی ۳۴۶
ناصر، خواجہ میر ۲۷۸
ناصر احمد ۴۲۶
ناصر احمد، شیخ ۷۳۷ - ۷۴۱
ناصر احمد، قاضی ۳۰۶
ناصر احمد، مرزا خلیفۃ المسیح الثالث ۱۳
۱۸ - ۲۳ تا ۲۶ - ۳۰ - ۳۶ تا ۳۹ - ۴۴
۴۶ - ۶۱ - ۹۳ - ۹۸ - ۱۱۹ - ۱۲۰ - ۱۲۳
۲۳۷ - ۲۴۴ - ۲۴۶ - ۳۶۱ - ۳۶۲
۳۶۵ - ۵۰۷ - ۵۰۹ - ۵۱۰ تا ۵۱۳ - ۵۱۹
۵۲۰ - ۵۳۴ - ۵۲۵ - ۵۲۹ - ۵۴۰ -
۵۷۵ - ۶۷۷ - ۷۲۱ -
ناصر احمد پرویز پروازی ۳۴۲
ناصر شاہ، سیّد ۳۷۲ - ۳۷۳
ناصر نواب، میر ۲۹۸ - ۶۰۶
ناصرہ زمان ۳۷۸
ناظر یار جنگ، نواب ۴۲۲
ناظم الدین، خواجہ ۶۸۱
نانک، بابا گورو ۹۸ - ۵۶۵
نبی بخش، سیّد ۱۹۰ - ۵۷۵
نثار احمد، چوہدری ۱۹۳
نجم الدین، مولوی ۵۹۱
نرائن سنگھ، سردار ۲۸۴
نرنجن سنگھ، سردار ۲۸۴
نذر احمد ۴۲۹
نذیر احمد ڈرائیور ۲۱۱
نذیر احمد۔ منشی اسٹیٹ ۴۲۹
نذیر احمد، مرزا۔ کراچی ۴۲۵
نذیر احمد، میاں ۵۱۰
نذیر احمد باجوہ ایڈووکیٹ، چوہدری ۵۱۱
۵۱۳ -
نذیر احمد دہلوی، ڈپٹی ۵۲۵
نذیر احمد ریاض، ملک ۳۲۶
نذیر احمد سیالکوٹی، چوہدری ۴۰۶ - ۵۵۰
نذیر احمد ظفر، ڈاکٹر راجہ ۳۲۶ - ۳۲۷
نذیر احمد علی ۳۵۷ - ۴۰۱ - ۴۵۳ -
۶۲۰ - ۷۶۱ -
نذیر احمد مبشر ۱۹۸ - ۳۱۴ - ۳۹۸
۵۱۷ - ۷۵۱ - ۷۵۴ -
نذیر حسین، ڈاکٹر سیّد ۱۹۴
نذیر حسین، مرزا۔ لاہور ۱۸۸
نذیر حسین دہلوی، سیّد ۲۴۸
نذیر شاہ، سیّد۔ پھگلہ ۲۰۸
نذیر علی بیگ، مرزا ۶۲۱
نسیم احمد ۳۳۲
نسیم احمد خاں نسیم ۳۳۸
نسیم سیفی ۱۹۷ - ۳۸۹ - ۳۹۰
نسیم شفیع، سیّدہ ۷۱۹
نسیمہ بیگم ۳۳۲
نصرت جہاں بیگم، سیّدہ ۶۴ - ۶۵ - ۱۰۲
۶۰۶ -
نصرت جہاں بیگم ۳۰۶
نصر اللہ، میجر ۱۳
نصر اللہ خاں، چوہدری ۳۱۲ - ۳۱۳
نصیر احمد خاں ۱۹۸
نصیر احمد خاں۔ خانپور ۴۳۷
نصیر احمد خاں، پروفیسر ۳۴۳ - ۳۴۴
نصیر احمد قمر ۷۲۷
نصیر احمد ناصر، راجہ ۳۳۷
نصیر الحق، حاجی ۱۱۱

نصیرالحق، شیخ۔ لاہور ۱۴ - ۳۶ - ۱۸۸۔
نصیرالدین، شیخ ۱۹۸ - ۲۹۳ - ۲۹۴
نصیرالدین، مولوی سید ۲۸۰
نصیرہ اختر ۳۴۲
نصیرا ے، شیخ ۶۱۵
نظام الدین، حکیم مولوی ۱۹۱
نظام الدین، مرزا ۶۳۲
نظام الدین، مستری۔ سیالکوٹ ۳۰۹ تا ۳۱۲ ۔
نظام الدین اولیاءؒ ۲۷۸
نکل، مسٹر ۶۴۰
نعمت اللہ پسر ماسٹر فقیر اللہ ۱۹۴
نعمت اللہ ولی ۸۲
نعمت خاں، چوہدری کریام ۲۱۴
نعمت خاں۔ گورداسپور ۵۷۹
نعمت خاں آف کریام ۳۲۰
نعیم احمد ۳۳۲
نعیم الدین، قاضی ۱۹۸
نعیمہ بیگم ۳۴۲
حضرت نوح علیہ السلام ۳۷ - ۵۷
نور احمد، شیخ ۶۱۳ - ۶۱۷ - ۶۱۹
نور احمد منیر، شیخ ۱۹۷ - ۷۳۷ - ۷۶۵
نورالحسن، قریشی ۱۸۷
نورالحق انور ۱۱۱ - ۱۱۲ - ۱۹۷ - ۳۸۲ - ۳۸۳
نورالحق تنویر ۴۱۸
نورالدین حکیم مولانا خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ۲ تا ۴ - ۱۰ -
۱۲ - ۱۷ - ۲۹ - ۳۰ - ۳۵ - ۳۷ - ۴۰
۴۹ تا ۵۲ - ۵۷ تا ۶۲ - ۶۴ - ۶۵ - ۶۷
تا ۷۰ - ۷۲ - ۷۷ تا ۷۹ - ۹۷ - ۱۱۶ - ۱۱۷
۱۲۰ - ۱۳۰ - ۱۳۶ - ۱۳۷ - ۱۳۹ - ۱۴۳
۱۴۵ تا ۱۵۰ - ۱۵۴ - ۱۵۷ - ۱۷۱ - ۱۷۲
۱۷۳ - ۲۰۰ - ۲۳۲ - ۲۳۹ - ۲۴۲
۲۷۹ - ۲۹۱ تا ۲۹۶ - ۳۱۲ - ۳۱۴ - ۳۲۲
۳۲۳ - ۳۲۶ تا ۳۲۹ - ۳۳۴ - ۴۲۷
۴۶۵ - ۵۵۴ - ۵۵۸ - ۵۶۰ - ۵۶۶
۵۶۹ - ۶۰۲ تا ۶۰۵ - ۶۰۸ - ۶۱۹
۶۲۵ - ۶۴۳ - ۶۵۰ - ۶۵۷ - ۶۵۸
۶۷۲ - ۶۷۷ ۔
نورالدین جمونی، خلیفہ ۵۷۹
نورالدین منیر ۱۹۸ - ۳۸۵ - ۷۵۰
نورالٰہی ابن مولوی رحمت علی ۵۹۴
نور حسین ۷۲۰
نور محمد، حکیم ۱۹۰
نور محمد، مستری۔ لاہور ۱۸۹
نور محمد، منشی ۲۱۷
نور محمد، مولوی ۷۳۲
نور محمد علاؤالدین ۴۲۲
نور محمد نسیم سیفی ۱۹۷ - ۲۸۹ - ۲۹۰ - ۲۹۲
۲۹۷ - ۳۹۹ - ۵۱۷ - ۷۵۵ -
نوویؒ، امام ۱۶۷
نہرو، پنڈت ۲۱۴
نیاز احمد ۳۳۰
نیاز محمد، ملک ۱۸۹
نیوٹن (پادری) ۶۳۷

و۔ ہ۔ ی

واحد حسین، گیانی ۲۳۵۔
وارث دین، پادری ۴۴۶
واکر ایم۔ اے ۵۴۷
ورنہ سنگھ، سردار ۲۳۴
وزارت حسین، سید ۱۸۳
وزیر بخش، مرزا ۵۹۱
وسیم احمد، مرزا ۱۱ - ۲۳۴ - ۲۸۲ - ۲۸۴
۲۸۵ - ۴۲۱ تا ۴۲۴ - ۵۴۵ - ۶۰۷ -
وقار الامراء بیگم ۶۵۰
وگلیری، ڈاکٹر ۷۶۶ - ۷۶۷
ولی الدین احمد حیدرآبادی ۴۲۴
ولی الدین کاتب ۷۶۹
ولی اللہ ۳۰۰
ولی داد، چوہدری ۱۸۸
ولیم ٹب مین ۲۷۷
ولی محمد، چوہدری۔ خانیوال ۱۹۰
ولیہ بیگم ۵۹۲
ویزل، پنڈت ۷۲۶
ہاجرہ بیگم، سیدہ ۵۷۵
ہارٹ، پروفیسر ۳۷۵
ہارون احمد، سید ۳۳۸
ہارون الرشید، چوہدری۔ حافظ آباد ۱۹۴
ہاشم اسمٰعیل سیٹھ ۶۶۲ - ۶۶۸ - ۶۶۹

ہدایت، رڈین - جاکرتا ۲۵۵-۴۱۷
ہدایت اللہ، ماسٹر۔ گجرات ۵۹۱
ہیڈنگ، ڈاکٹر ۳۷۷
ہری کرشن لال ۷۳۵
ہنٹر، مسٹر ۳۱۳
ہنری تھامس ۲۲۱-۲۲۲
ہنری مارٹن کلارک، ڈاکٹر ۳۰۷ - ۴۱۴ تا
۴۴۶ - ۶۴۱ -
ہوٹاگوا ۴۰۴
ہیرا سنگھ ۶۰۲
ہیرالال چوپڑہ ۷۲۶
یار محمد مخلص - قادیان ۵۷۹
یعقوب بن عیسٰی ۳۹۷
یعقوب علی عرفانی، شیخ ۵-۴۱۹ - ۵۲۴
۵۹۸ - ۶۳۱ تا ۶۶۴ - ۶۶۶ - ۶۸۵ - ۷۰۵
۷۶۸ تا ۷۷۰
یوری ہی ٹوہگاشی فوشی۔ جاپان ۵۶۷
یوسف الہ دین، سیٹھ ۷۶۹
یوسف شاہ، سید ۵۷۳
یوسف علی عرفانی، شیخ ۶۶۴
یونک، مسٹر ۵۰۸
یونت رائے، شری ۴۲۶
یونس احمد اسلم ۲۳۵

مقامات

آ

آتماکور ۲۸۳
آزادکشمیر ۲۳
آسٹریا ۷۲۱
آگرہ ۵۶۶

ا

ابادان ۲۹۴ - ۲۹۶
اٹاوہ ۵۶۶
اٹلی ۵۶۳
اجیبوڈے ۳۹۶
احمدآباد ۴۲۹ - ۶۰۹
احمدنگر ۳۱۵ - ۳۲۰
اُچ شریف ۵۷۵
اڑیسہ ۲۸۵ - ۶۷۵
اسرائیل ۲۵۲ تا ۲۵۵
استنبول ۲۵۹ - ۲۶۰
اسماعیلیہ ۲۵۰
افریقہ ۶۰ - ۱۴۳ - ۲۶۶ - ۲۷۳ -
۳۱۹ - ۳۸۲ تا ۳۸۴ - ۴۰۶ - ۴۰۷ - ۴۱۷
۴۴۷ - ۴۵۶ - ۴۷۸ - ۴۸۷ - ۴۹۱ - ۵۴۲
۵۴۷ - ۵۷۶ - ۶۲۳ - ۷۴۶ - ۷۴۸ - ۷۵۰ -
افغانستان ۱۴۳ - ۲۷۶ - ۴۶۹ - ۴۸۷ -
اکال گڑھ ۲۴
اگوائی ۳۸۱
الارو ۳۹۵
الجزائر ۳۵۵
الٰہ آباد ۵۷۷
امراؤتی ۵۸۵
امرت سر ۲۸۱ - ۲۹۰ - ۳۷۰ - ۴۴۱ -
۵۸۳ - ۶۱۰ - ۶۱۷ تا ۶۲۲ - ۶۲۷ - ۶۲۹
تا ۶۴۱ - ۶۴۹ -
امریکہ ۲۴ - ۲۵ - ۶۰ - ۶۸ - ۶۹ - ۱۱۶
۱۱۷ - ۱۱۹ - ۱۲۵ - ۱۳۹ - ۱۷۷ - ۱۷۸ - ۲۱۳
۲۱۶ - ۲۱۷ - ۲۲۳ - ۲۶۰ - ۲۷۶ - ۳۲۴
۳۴۳ - ۳۴۵ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۸۰ تا ۳۸۳
۳۹۳ - ۳۹۶ - ۴۱۱ - ۴۵۵ - ۴۶۷
۴۷۱ - ۴۷۲ - ۴۷۷ - ۴۷۸ - ۴۸۷ - ۴۹۱
۴۹۹ - ۵۰۶ - ۵۴۲ - ۵۴۷ - ۵۴۹ - ۵۵۲
۵۶۳ - ۵۶۸ تا ۵۷۱ - ۷۲۸ - ۷۴۳ تا ۷۴۶
انبالہ ۳۲۲ - ۵۶۱
انڈونیشیا ۲۲۹ - ۲۳۰ - ۲۵۶ - ۲۷۲
۳۵۴ - ۳۶۱ - ۳۸۲ - ۴۱۴ تا ۴۱۹ - ۴۵۳
۴۸۴ - ۴۸۵ - ۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۹۱ تا
۴۹۶ - ۵۴۵ تا ۵۴۷ - ۵۵۲ - ۷۲۲ -
انڈیاناپلیس ۳۸۳
انقرہ ۲۵۶ - ۲۵۷ - ۲۵۹ - ۲۶۰ -
انگلستان ۱۰۵ - ۱۷۷ - ۲۵۰ - ۲۵۴
۲۵۵ - ۳۵۰ - ۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۸۰ - ۴۰۲ - ۴۰۴
۴۴۳ - ۴۴۶ - ۴۶۷ - ۴۹۱ - ۵۴۸ - ۵۴۹
۵۶۳ - ۵۶۶ - ۵۶۸ - ۵۷۵ - ۷۰۰ - ۷۳۷ تا
۷۳۹ -
انورآباد ۷۲۷
اوڈیکو ۲۸۳
اوکاڑہ ۳۵۰ - ۴۲۸
ایبٹ آباد ۵۵ - ۵۶ - ۲۰۶ - ۲۰۷ - ۲۰۹
۲۱۲ - ۲۹۸ - ۳۱۳ -
ایبے سینیا ۳۸۴

ایپی ۲۹۵
ایتھنز ۴۸۴
ایران ۱۷۸ - ۳۸۰ - ۵۸۷ - ۶۲۹ -
۶۷۱ -
ایشیا ۷۰ - ۵۰۶ - ۷۲۱
ایمسٹرڈم ۵۵۵

ب

باجے بو ۴۰۲ - ۴۰۳
بارسلونا ۷۴۲
بازل ۷۴۱
باسٹن ۳۸۳
باغ ۲۹۸
باگو ۷۵۷
بالاکوٹ ۲۰۶ تا ۲۱۱
بالٹن ۱۱۱
بالسیر ۶۷۶
باما ۴۰۲
بامباہون ۷۵۷ - ۷۵۸
بٹالہ ۴۰ - ۵۹ - ۲۳۳ - ۲۳۵ - ۳۰۱ -
۴۴۱ - ۵۵۸ - ۵۶۲ - ۶۰۶ - ۶۲۲ - ۶۲۵
برما ۳۳۰
برہمن بڑیہ ۱۰۰
بصرہ ۲۹۱
بغداد ۴۵۹
بگل ۲۹۸
بلاما ۴۰۲
بلجیین کانگو ۲۷۳
بمبئی ۲۸۱ - ۲۸۶ - ۵۷۶ - ۶۶۵ - ۶۶۶
۶۶۹ - ۷۲۰ -
بنارس ۵۶۶
بنگلور ۲۲۹ - ۲۸۵ - ۲۸۶ - ۵۷۲
بنگلہ دیش ۴۶۳
بنگہ ۲۸۸
بنوں ۳۱۳ - ۳۲۱
بو ۴۰۰ - ۴۰۱ تا ۴۰۴ - ۷۵۶
۷۵۹ - ۷۶۱ - ۷۶۵ -
بورنیو ۲۷۴
بوسٹن ۱۱۱
بوکن ۷۴۱
بونگو ۷۵۹
بہاول پور ۲۳ - ۲۸۹ - ۲۹۰ - ۳۳۷
۵۴۹ -
بیج بہاڑہ ۵۰۲ - ۵۰۵
بیجہ ۵۷۵
بیروت ۴۷۹ - ۴۸۴
بھاگلپور ۵۶۶
بھاگی ننگل ۶۲۶
بھٹیاں ۲۳۳
بھنگڑوی ۲۹۹
بھلوال ۲۳
بھوپال ۲۹۱
بھیرہ ۲۳ - ۴۸ - ۲۹۹ - ۳۳۷ - ۵۵۷
۵۵۸ -
بھینی ۶۷۹

پ

پاڈو ۷۵۶
پاڈانگ ۲۷۲ - ۴۱۵
پاکپتن ۵۵۲
پاکستان ۱۲ - ۲۰ - ۲۳ - ۲۵ - ۷۲ - ۹۳
۱۱۳ - ۱۶۰ - ۱۷۰ - ۱۷۸ - ۱۹۹ - ۲۱۸ - ۲۲۱
۲۲۲ - ۲۳۶ - ۲۷۹ - ۲۷۷ - ۳۱۶ - ۳۱۸
۳۵۴ - ۳۷۶ - ۳۶۸ - ۳۸۹ - ۳۹۴ - ۴۲۲
۴۵۴ - ۴۵۶ - ۴۵۸ - ۴۶۰ تا ۴۶۲ - ۴۶۹
۴۷۰ - ۴۸۵ - ۴۸۶ - ۴۸۸ - ۴۹۶ - ۵۰۶
۵۴۱ - ۵۴۵ - ۵۴۷ تا ۵۴۹ - ۵۸۴ - ۵۸۶
۶۰۶ - ۶۶۲ - ۷۲۰ - ۷۲۲ - ۷۳۲
پانڈے بو ۷۵۷
پٹس برگ ۳۸۲
پشاور ۱۵۰
پنجاب ۲۳ - ۱۵۹ - ۲۸۲ - ۲۴۶ - ۳۶۸
۶۶۴ - ۶۸۱ -
پنڈ دادنخاں ۲۳
پورٹ آف سپین ۲۶۰
پورٹ سعید ۲۵۰
پولینڈ ۳۸۰
پونا ۳۱۲
پوہلا مہاراں ۵۱۱ - [illegible]
پیری ۷۵۰

پیلے ۴۰۳
پینگاڈی ۲۸۳ - ۵۷۲
پینگلہ ۲۰۸ - ۲۱۰ تا ۲۱۲
پیرو جیجی ۵۹۳

ت

تاہوان ۷۵۹
ترکی ۲۵۶ - ۲۵۹ - ۲۶۰ - ۲۷۵ - ۳۲۳ - ۳۸۰ - ۴۸۷ -
تناول ۲۹۸
تماپور ۲۲۹ - ۲۸۳
تھائی لینڈ ۳۵۰

ٹ

ٹانگانیکا ۳۸۴ - ۳۸۵ - ۷۴۰ - ۷۴۷
ٹبورا ۳۸۵
ٹرینیڈاڈ ۲۶۰ - ۴۸۷ - ۷۲۹
ٹمسانجہ ۳۸۷
ٹل ۴۶۸ - ۴۷۰
ٹوبہ ٹیک سنگھ ۴۳۷
ٹوپی ۶۶۲
ٹوگولینڈ ۴۴۷
ٹیکس ٹاؤن ۳۸۴

ج

جاپان ۲۷۴ - ۳۸۲ - ۵۹۳
جاڈلہ ۶۵۵
جاکرتہ ۴۱۴ تا ۴۱۶
جالندھر ۶۳۵
جاوا ۲۷۲
جبووالی ۶۲۷
جدہ ۴۷۸ تا ۴۸۲ - ۴۸۳
جرمنی ۲۴۲ - ۲۴۳ - ۲۶۲ - ۳۸۰ - ۴۸۷ - ۴۹۱ - ۵۰۶ - ۵۴۸ - ۵۴۹ - ۵۵۵ -
جمال پور ۵۶۶
جموں ۵۵۸ - ۵۶۱ - ۵۶۶
جنوبی افریقہ ۲۳۱
جنوبی روڈیشیا ۲۷۳
جنوبی عرب ۲۲۹ - ۲۳۰
جنوبی ہند ۲۲۸ تا ۲۳۰ - ۲۳۳ - ۲۸۱ - ۲۸۲ - ۲۸۵ - ۴۲۱ - ۴۲۳ - ۴۴۷ -
جنجہ ۳۸۷ - ۳۸۹
جنیوا ۷۲۹
جوس ۳۹۵
جوہور ۴۰۹ - ۴۱۱ - ۴۱۳
جوئی ۷۵۹
جہلم ۲۳ - ۸۳ - ۳۰۹ - ۳۱۲ - ۶۲۸ - ۶۸۰ -
جھنگ ۱۵۲

چ

چانگریاں ۵۹۵
چانگو ۷۵۷
چڑیاکوٹ ۵۶۶
چک ۹۸ شمالی سرگودھا۔ ۴۴
چکوال ۲۲ - ۸۳ - ۶۸۰ - ۷۳۲ - ۷۳۳
چنترکنٹر ۲۸۳ - ۲۸۵
چنڈبھروانہ ۵۲۹
چنیوٹ ۹۹ - ۳۲۶ - ۳۲۷
چوہاسیدن شاہ ۲۳
چین ۳۷۴ - ۴۸۷ - ۶۲۹
چھاوڑیاں کلاں ۲۹۰
چھوہر ۲۹۸

ح

جیبووچ ۳۹۵
حضر موت ۲۲۹ - ۲۳۰
حویلیاں ۲۰۶ - ۲۱۲
حیدرآباد دکن ۱۲۰ - ۲۲۵ - ۲۸۳ - ۲۸۵ - ۳۲۳ - ۴۲۳ - ۴۲۸ - ۵۶۶ - ۶۷۳ - ۶۷۴ - ۷۳۳ - ۷۶۹ -
حیدرآباد سندھ ۳۵۰ - ۴۳۰ - ۴۳۷
حیفا ۴۵۹

خ

خانپور ۴۳۷
خانیوال ۴۲۸ - ۴۳۷
خیرپور ۵۴۹

د

دارالسلام ۲۷۲
داتہ ۲۹۹
داتہ زیدکا ۵۱۱ - ۵۱۲
دمشق ۴۵ - ۱۶۸ - ۲۶۶ - ۳۵۲ - ۳۵۳
دھرم کوٹ بگا ۲۸۸ - ۳۱۷ - ۷۰۳

دھرم مہوتسو ۳۰۹
دہلی ۲۸۲ - ۲۸۶ - ۲۹۰ - ۳۲۲ - ۳۶۸
۴۶۹ - ۵۲۵ - ۵۴۶ - ۵۶۶ - ۶۴۵ تا
۶۴۷ - ۷۲۰ -
دیوبند ۴۷۴
دیو درگ ۲۸۳
دیونہ ماجرا ۶۷۸

ڈ

ڈچ گی آنا ۴۸۷
ڈنمارک ۳۸۰
ڈومینکن ری پبلک ۳۸۱
ڈھاکہ ۳۴۳ - ۳۷۴ - ۵۶۶ - ۵۷۲ - ۷۲۲
ڈیٹرائٹ ۳۸۱ - ۳۸۲ - ۵۶۹
ڈیٹن ۳۸۲ - ۷۴۶
ڈیرہ دین پناہ ۲۸۹
ڈیرہ غازی خاں ۲۳ - ۵۵۶ - ۵۵۷
ڈیرہ نواب ۴۳۷
ڈیریانوالہ ۲۳۴

ر

رانچی ۷۳۵
راولپنڈی ۲۴ - ۲۶ - ۲۹ - ۳۵ ۸۷۰
۱۲۰ - ۱۴۹ - ۳۵۰ - ۳۵۹ - ۳۷۰ - ۴۴۳
۵۸۷ - ۶۸۱ -
ربوہ ۱۲ - ۱۳ - ۱۷ - ۲۴ تا ۲۶ - ۲۹ - ۳۵
۴۶ - ۴۷ - ۵۹ - ۶۵ - ۷۶ - ۸۲ - ۹۲ - ۹۹
۱۰۰ - ۱۰۱ - ۱۰۳ - ۱۰۴ - ۱۱۱ - ۱۱۲ - ۱۱۴ - ۱۲۰
۱۲۳ - ۱۳۳ - ۱۶۰ - ۱۶۱ - ۲۲۲ - ۲۳۶
۲۳۸ - ۲۶۶ - ۲۷۰ - ۲۹۳ - ۲۹۹ - ۳۱۸
تا ۳۲۰ - ۳۲۵ - ۳۲۶ - ۳۳۵ - ۳۳۷
۳۴۳ - ۳۴۵ - ۳۴۶ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۴
۳۶۱ - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۴ - ۴۰۷ - ۴۲۸
۴۳۷ - ۴۵۸ - ۴۶۲ - ۴۶۵ - ۴۶۹ - ۴۷۱
۴۸۴ - ۴۸۵ - ۴۸۷ - ۴۸۹ - ۴۹۱ - ۴۹۳ تا
۴۹۶ - ۵۱۳ - ۵۲۴ - ۵۲۵ - ۵۳۰ - ۵۳۱
۵۳۶ - ۵۴۵ - ۵۴۸ - ۵۵۲ - ۵۸۰ - ۶۰۷
۶۰۸ - ۶۱۶ - ۶۲۳ - ۶۷۱ - ۶۷۳ - ۷۱۸ - ۷۲۰
۷۲۱ - ۷۲۳ - ۷۳۶ - ۷۳۷ -
رکھانوالہ ۶۲۹
رنگ پور ۵۷۲
روچن ۴۰۳
روس ۱۷۷ - ۱۷۸ - ۲۷۲ - ۲۷۷ - ۳۴۳
۳۴۵ - ۴۹۹ - ۵۴۹ - ۷۴۳ -
روم ۳۴

ز

زائریا ۳۹۵
زیوریچ ۲۸۲

س

سالٹ پانڈ ۷۵۱
سان فرانسسکو ۲۶۰
ساہی وال ۱۲۰ - ۴۲۸
سُپین وال اُتلے ۶۱۷
سپین ۲۷۳ - ۲۸۰ - ۴۵۸ - ۴۶۰
۴۹۱ - ۵۴۷ - ۵۵۲ - ۵۵۵ - ۷۴۲ -
سرحد ۲۳
سرگودھا ۲۳ - ۱۲۰ - ۱۷۵ - ۴۴۳ - ۶۱۵ -
سعودی عرب ۲۱۴ - ۳۸۹ - ۴۷۹ - ۴۸۷
سکرنڈ ۷۲۶
سکندرآباد ۴۲۲ - ۷۶۹
سکنڈے نیویا ۴۹۱
سکھر ۳۳۷
سلہٹ ۴۶۳
سماٹرا ۲۷۲
سمرسٹ ۴۳۷
سندھ ۱۴۲ - ۱۵۹ - ۳۳۷ - ۴۲۷
سنگاپور ۳۸۲ - ۴۱۰ - ۴۱۲ - ۴۱۳ - ۴۲۰
۴۹۱۔
سوات ۲۰۸
سوڈان ۳۵۱
سورج گڑھ ۵۶۶
سورسنگھ ۶۰۲
سولا ڈیسی ۲۷۲
سونگڑہ ۵۶۶ - ۶۷۵
سوئٹزرلینڈ ۲۶۰ - ۲۶۶ - ۴۵۱ - ۴۶۷
۴۸۴ - ۴۹۱ - ۵۵۵ - ۷۴۱ -
سویڈن ۴۶۷
سیالکوٹ ۱۴۱ - ۳۰۹ - ۳۱۲ - ۳۱۳
۳۵۰ - ۳۷۲ - ۵۰۹ تا ۵۱۱ - ۵۱۳ - ۵۸۶
۶۰۰ - ۶۰۱ - ۶۰۳ - ۶۰۴ -

سیرالیون ۳۹۹ - ۴۰۰ - ۴۰۳ - ۴۱۹ - ۴۵۴ - ۴۵۶ - ۵۶۷ تا ۷۶۲ -
سیکھوال ۳۱۶ - ۳۱۷ - ۶۰۵
سیلون ۴۱۵ - ۴۸۷ - ۵۴۷ - ۵۵۲ - ۵۷۱ - ۵۷۲ -
سینٹ لوئیس ۳۸۳

ش

شادیوال ۵۹۰ - ۵۹۱
شام ۳۱ - ۳۲ - ۱۷۸ - ۲۲۳ - ۴۵۹ - ۴۸۷ - ۶۲۹ - ۷۲۲ -
شاہ آباد ۵۶۶
شاہ پور ۵۵۷
شاہجہان پور ۵۶۶
شکاگو ۵۶۹ - ۵۷۰ - ۵۹۲
شمالی نائجیریا ۳۹۵
شمالی ہند ۲۲۹
شملہ ۴ - ۸ - ۵۵۲
شوراپور ۲۸۳
شورکوٹ ۴۲۷

ص

صادق آباد ۴۳۷

ط

طرابلس ۳۵۲

ع

عبدالحکیم ۴۳۷
عدن ۳۱ - ۳۴ - ۴۸۷
عراق ۴۸ - ۱۷۸ - ۳۵۱ - ۶۲۹
عرب ۲۲۹ - ۲۳۰ - ۲۵۲ - ۲۵۳ - ۶۶۶ -
عکرا ۴۴۸
عکہ ۴۵۹ - ۴۶۰
علی گڑھ ۳۲۳ - ۳۲۴ - ۵۶۶ - ۵۸۴ - ۶۴۵ - ۷۱۰ -

غ

غانا ۲۶۶ - ۳۹۸ - ۳۹۹ - ۴۱۹ - ۴۴۷ تا ۴۴۹ - ۴۵۴ - ۴۵۶ - ۷۵۱ - ۷۵۳ - ۷۵۴ -
غرناطہ ۳۸۱

ف

فتح گڑھ چوڑیاں ۵۹
فرانس ۱۷۷ - ۲۵۰ - ۲۵۴ - ۳۵۰ - ۳۸۰ - ۵۴۹ - ۵۷۰ - ۶۲۹ -
فری ٹاؤن ۳۹۹ - ۴۰۶ - ۷۶۳
فلاڈلفیا ۳۸۳ - ۵۶۸
فلپائن ۲۷۰ - ۲۷۳ تا ۲۷۵ - ۳۵۰ - ۳۸۱ - ۳۸۲ - ۵۵۰ - ۵۵۲ -
فلسطین ۲۵۲ تا ۲۵۴ - ۴۵۹ - ۴۸۷
فوفو ۷۵۷
فیصل آباد ۱۲۰ - ۲۵۴ - ۲۵۵ - ۴۳۷

ق

قادسیہ ۷۲۶
قادیان ۸ تا ۱۲ - ۲۰ تا ۲۳ - ۲۸ - ۲۹ - ۵۰ - ۵۸ - ۶۱ - ۶۳ - ۷۷ - ۸۳ - ۱۱۲ - ۱۲۰ - ۱۵۰ - ۱۶۹ - ۲۲۹ - ۲۳۱ تا ۲۳۳ - ۲۳۵ - ۲۳۶ - ۲۸۰ - ۲۸۴ - ۲۸۵ - ۲۸۷ تا ۳۰۵ - ۳۱۰ تا ۳۲۲ - ۳۲۸ - ۳۳۷ - ۳۴۶ - ۳۴۷ - ۳۶۷ تا ۳۶۹ - ۴۲۳ - ۴۲۴ - ۴۶۰ - ۴۸۷ - ۴۸۹ - ۴۹۰ - ۵۴۵ - ۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۵۸ - ۵۶۰ - ۵۶۳ تا ۵۶۵ - ۵۷۱ - ۵۷۲ - ۵۷۶ - ۵۷۷ - ۵۸۰ - ۵۸۳ تا ۵۸۷ - ۵۹۳ - ۵۹۴ - ۵۹۹ تا ۶۰۸ - ۶۱۳ تا ۶۱۷ - ۶۱۹ - ۶۲۱ - ۶۲۲ - ۶۲۶ - ۶۲۷ - ۶۳۵ - ۶۳۶ - ۶۴۱ تا ۶۴۶ - ۶۴۹ - ۶۵۳ - ۶۵۵ - ۶۵۷ - ۶۵۹ - ۶۶۶ - ۶۸۰ - ۶۹۵ - ۷۲۰ - ۷۲۴ - ۷۳۳ - ۷۴۲ -
قاضی احمد ۷۲۶
قاہرہ ۲۵۳ - ۲۵۷
قائم گنج ۶۷۴
قبا ۴۳
قبرص ۲۵۹

ک

کاغان ۲۹۸
کالونا ۷۵۷
کالی کٹ ۲۸۶ - ۵۷۲
کانپور ۲۸۷ - ۵۶۶
کانو ۳۹۵
کپورتھلہ ۵۶۱ - ۵۶۶
کراچی ۱۴ - ۱۷ - ۲۹ - ۴۸ - ۷۳ - ۱۲۰ -

۱۵۹ - ۱۶۳ - ۱۶۹ - ۱۷۵ - ۲۵۵ - ۲۶۱
۳۱۳ - ۳۲۱ - ۳۴۹ - ۳۵۰ - ۴۲۸ تا ۴۳۰
۴۲۳ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۸۱ - ۵۲۱ - ۵۲۹
۵۷۲ - ۶۶۶ - ۶۶۸ - ۶۶۹ - ۶۷۱ - ۶۸۱ -
۶۸۵ - ۷۲۹ -
کریام ۱۴ - ۳۲۰
کسوسوں ۳۸۴
کشمیر ۲۳۶ - ۲۴۷ - ۲۹۰
۵۷۱ - ۵۷۲ - ۶۳۵ - ۷۲۴
کفروڈوا ۷۵۴
کلڈنہ ۲۵ - ۲۶ - ۳۶
کلکتہ ۵۶۶ - ۵۷۲ - ۷۲۵
کلیولینڈ ۳۸۲
کماسی ۷۵۱
کمپالہ ۳۸۶ - ۳۸۷
کنری ۴۲۷
کوٹ رحمت خاں ۶۷۹
کوڑکوم ۷۵۵
کوسگی ۲۸۳
کوعنگ ۲۹۸
کولمبو ۵۶۱ - ۵۷۲ - ۷۲۰
کومینڈے ۷۵۹
کوہاٹ ۲۳ - ۲۸ - ۲۹ - ۶۱ - ۲۰۳ - ۵۸۷
کوئٹہ ۸ - ۱۰۱ - ۱۰۹ - ۱۲۲
کیرالہ ۲۸۳ - ۴۲۴ - ۴۴۷
کیرنگ ۲۸۵

کیں ۲۷۵
کینانور چھاؤنی ۵۷۲
کینجو ۷۵۶
کینما ۴۰۳ - ۷۵۶ - ۷۵۹
کینیا ۳۸۳ - ۳۸۴ - ۷۴۷ - ۷۴۸
کینیڈا ۲۶۶
کھاریاں ۶۷۸
کھنڈو ۷۲۷
کھیوڑہ ۲۳

گ

گانڈا ۴۰۳
گجرات ۱۰۴ - ۳۵۰ - ۵۸۸ - ۵۸۹ - ۵۹۱
۶۲۹ - ۶۶۷ - ۶۶۸ - ۶۸۰ - ۶۸۱ - ۶۸۶
۶۸۹ - ۶۹۲ - ۶۹۳ - ۶۹۵ - ۶۹۷ - ۷۰۹
گرروٹ ۳۲۸
گڑھی حبیب اللہ ۲۱۱
گلگت ۲۷۷ - ۲۹۹
گنی ۴۴۹
گوٹھ رحمت علی ۱۴
گوجرانوالہ ۳۰۸ - ۳۴۲
گوجرہ ۴۳۷
گورداسپور ۳۱۰ - ۳۶۸ - ۴۳۸ - ۴۳۹
۴۴۱ - ۵۷۷ - ۶۷۰ - ۶۸۵ -
گوردوہرسہائے ۵۶۵
گیٹکلینا ۳۴۳
گیمبیا ۴۰۶ - ۷۳۹
گیانا ۷۵۶
گھٹیالیاں ۲۰ - ۵۱۲

ل

لاہور ۴ - ۵ - ۱۳ - ۱۴ - ۲۰ - ۲۳ - ۳۵
۳۶ - ۴۹ - ۵۰ - ۵۸ - ۵۹ - ۶۳ - ۹۹
۱۲۰ - ۱۳۳ - ۱۴۹ - ۱۷۵ - ۲۰۱ - ۳۰۰
۳۰۲ تا ۳۰۵ - ۳۰۹ - ۳۱۲ - ۳۲۵ - ۳۴۱
۳۵۰ - ۴۲۸ - ۴۸۴ - ۴۹۵ - ۴۹۶
۵۳۱ - ۵۳۶ - ۵۴۳ - ۵۶۱ - ۶۰۰ - ۶۰۲
۶۱۴ - ۶۲۰ - ۶۲۳ - ۶۲۴ - ۶۲۷ تا ۶۲۹
۶۷۷ - ۶۷۹ - ۶۸۲ - ۷۰۰ - ۷۰۶ - ۷۲۰
لائبیریا ۴۵۴ - ۴۵۶
لدھیانہ ۲۳۲ - ۲۹۰ - ۶۲۳ - ۶۳۵
۶۳۶ - ۶۳۷ -
لکوا بائی ۴۰۳
لکھنؤ ۵۶۶
لنڈن ۷۴ - ۷۶ - ۸۳ - ۳۵۰ - ۳۵۱
۳۷۳ - ۳۷۵ - ۳۹۲ - ۴۹۱ - ۵۶۶
۵۷۷ - ۵۶۹ - ۷۳۹ - ۷۴۰ - ۷۶۰ -
لودھراں ۴۳۷
لورپول ۵۵۹
لوہ چپ ۶۲۷
لویری والہ ۶۷۹
لیاقت پور ۴۳۷
لیگوس ۳۹۲ - ۳۹۶ - ۳۹۷ - ۷۵۵
لینن گراڈ ۳۴۳

م

ماڈوٹوکا ۴۰۳
مارشیس ۲۶۴ - ۲۶۵
ماڑی پور ۴۳۱
ماسابونگو ۴۰۳
ماغوسہ ۲۵۹
ماکوما نانیا ۴۰۳
مالا بار ۲۸۵ - ۲۸۶ - ۴۲۴
مالیرکوٹلہ ۳۱۶
مانسہرہ ۲۰۸ - ۲۱۱
مانگا ۵۹۷
مانوکوٹوجون ۷۵۸
محمد آباد ۴۲۹
محمود آباد ۴۲۹
مدراس ۲۸۳ - ۲۸۶ - ۵۶۶
مدرسہ تجارت ۲۸۲
مدینہ ۴۱ - ۴۳ - ۴۴ - ۱۰۷ - ۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۲ - ۴۸۳ - ۴۹۸ - ۴۹۹
مری ۲۳ تا ۲۶ - ۲۹ - ۳۶ - ۴۳ - ۶۵ - ۷۹ - ۱۱۶ - ۱۴۵ - ۲۰۷ - ۲۵۷ - ۳۶۵ - ۵۲۲ - ۵۲۴ - ۵۲۵
مساکر ۲۸۸
مسانیاں ۳۰۱ - ۳۱۷
مشرقی بنگال ۱۴۵
مشرقی پاکستان ۹۹ تا ۱۰۱ - ۱۵۹ - ۱۶۹ - ۴۵۳ - ۴۶۲ - ۴۶۳ -
مشرقی ہند ۲۸۵
مصر ۳۱ - ۷۸ - ۱۲۰ - ۱۳۸ - ۱۷۸ - ۲۵۰ تا ۲۵۲ - ۲۵۴ تا ۲۵۶ - ۲۹۱ - ۲۹۲ - ۳۸۹ - ۵۴۶ - ۵۴۷ - ۶۲۹ -
مظفرآباد ۲۳
مظفرنگر ۵۶۶
معاکر ۲۸۷
مغربی پاکستان ۱۰۱ - ۱۵۹ - ۱۶۹ - ۲۷۴ - ۴۶۳ -
مکانی سنگبی ۴۰۲
مکوتو ۳۸۰
مکہ ۴۱ - ۴۳ - ۲۲۹ - ۴۷۱ - ۴۷۲ - ۴۷۸ - ۴۸۰ تا ۴۸۲ - ۵۰۰ - ۵۰۱
مکیریاں ۳۰۴ - ۳۲۰
مگبورکا ۲۷۲ - ۲۹۹ - ۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۰۴
ملایا ۲۳۰ - ۴۰۹
ملتان ۴۳۷ - ۵۴۹ - ۵۵۷ - ۵۷۵ - ۶۱۴ -
ملکوال ۲۳
مماجو ۴۰۳
منگلا ۵۴۹
مونگھیر ۵۶۶
میڈرڈ ۷۴۲
میرپور خاص ۴۲۸ - ۴۲۹
میرٹھ ۵۶۶
میمن سنگھ ۴۶۳

ن

ناسالینڈ ۳۰۳
ناصرآباد ۴۲۸ - ۴۲۹ - ۵۹۳
نائیجیریا ۳۸۹ - ۳۹۲ - ۳۹۵ تا ۳۹۰ - ۴۵۴ - ۴۵۶ - ۷۳۹ تا ۷۴۱ - ۷۵۵ -
نبی سرروڈ ۴۲۹
نخلہ ۵۲۲ - ۵۲۸ تا ۵۳۰
نکی سانخہ ۳۸۹
ننکانہ صاحب ۲۸۹
نواب شاہ ۴۸ - ۴۹ - ۳۲۵
نواں پنڈ - احمد آباد ۱۳
نوبانڈا ۴۰۳
نورپور ۳۲۳
نورنگر ۱۰
نیاسالینڈ ۲۷۳
نیروبی ۲۸۳ - ۲۸۴ - ۷۴۷
نیوزی لینڈ ۳۵۰
نیویارک ۲۱۳ - ۳۸۲ - ۴۲۴ - ۴۷۸ - ۷۴۴ - ۷۴۵ -

و

واشنگٹن ۲۵ - ۲۷۴ - ۳۸۲ - ۵۶۸ - ۷۴۵
وڈالہ ۳۰۲
وزیرآباد ۳۱۲
وی آنا ۷۴۱

ہ

ہالینڈ ۲۷۳ - ۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۸۰

۴۶۷ - ۴۹۱ - ۵۴۸ - ۵۵۵ - ۷۴۰
ہانگا ۷۵۹
ہبلی ۲۸۵
ہجکہ ۳۳۶ - ۳۳۷
ہرسیال ۳۱۶ - ۳۱۷
ہزارہ ۲۹۸
ہسبلی ۲۸۳
ہمبرگ ۲۷۲ - ۲۷۵ - ۴۶۷ - ۴۹۱
ہندوستان ۹۷ - ۱۴۳ - ۲۱۳ - ۲۱۴ - ۲۱۶
۲۱۷ - ۲۲۱ - ۲۳۰ تا ۲۳۳ - ۲۳۶ - ۲۵۷
۲۶۰ - ۲۷۷ - ۲۸۰ - ۲۸۵ - ۲۹۲ - ۳۶۷ تا
۳۶۹ - ۴۲۴ - ۴۴۷ - ۴۵۸ - ۴۷۰
۴۸۷ - ۵۴۱ - ۵۴۵ - ۵۴۷ - ۵۴۸
۵۶۶ - ۵۷۰ - ۵۷۲ - ۵۷۶ - ۶۲۹
۶۴۷ - ۶۶۶ - ۶۷۸ - ۷۲۰ - ۷۲۴ - ۷۳۹ -
ہوشیارپور ۲۸۸
ہیگ ۷۲ - ۷۴ - ۷۵ - ۷۹ - ۱۱۲ - ۳۷۷
۳۸۰ - ۴۹۱ - ۷۴۰ -
ہیوفورڈ ہنسولونیا ۳۸۱

ی

یادگیر ۲۸۲
یاغستان ۲۹۸
یامانڈو ۴۰۲
یورپ ۱۴ - ۱۷ - ۳۳ - ۶۰ - ۶۹ - ۲۱۶
۲۲۰ - ۲۲۴ - ۳۳۵ - ۴۱۱ - ۴۶۰ - ۴۶۷
۴۸۷ - ۵۰۴ - ۵۰۶ - ۵۴۹ - ۵۶۳
۵۷۱ - ۶۵۰ - ۷۲۸ - ۷۳۱
۷۴۱
یوگنڈا ۳۸۲ - ۳۸۶ تا ۳۸۸
۷۴۷ - ۷۴۸
یونی بانا ۴۰۳

کتابیات

تفسیر

تفسیر ابن کثیر ۲۴۰
تفسیر القرآن جلد ۱-۲ ۶۶۱-۷۷۲

حدیث

الفتح الربانی ۷۷
بخاری شریف، صحیح ۵۵-۵۱۹
جامع الصغیر ۷۲۸

کتب حضرت مسیح موعودؑ

آئینہ کمالاتِ اسلام ۵۹-۶۳۱-۶۶۴
ازالۂ اوہام ۲۴۸-۲۹۲
اسلامی اصول کی فلاسفی ۳۰۹-۴۰۷-۵۸۷
الوصیت ۱۷۷-۵۷۷-۷۲۶
انجام آتھم ۶۰۵
ایک غلطی کا ازالہ ۵۱
براہین احمدیہ ۲۹۳-۳۴۵-۴۹۰-
۶۳۷-۶۶۴-
پیغام صلح ۱۱۳-۱۱۴-۱۱۶-۱۱۸-۱۲۰-
۱۲۴-۱۳۰-۱۳۱-۱۵۶-۳۲۹-۵۵۵
تجلیاتِ الٰہیہ ۲۴۰
تحفہ گولڑویہ ۵۶۳
تریاق القلوب ۵۵۳
تذکرہ ۵۰-۵۱-۳۴۰-۴۲۰-۵۱۳
تذکرۃ الشہادتین ۲۲۹
توضیح مرام ۲۹۳
چشمۂ معرفت ۵۶۵-۶۲۴
حقیقۃ الوحی ۵۱-۳۱۱-۳۱۲-۵۱۱
خطبہ الہامیہ ۳۱۱-۶۶۷
سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب
۷۲۶
ضرورت الامام ۶۰۶
کشتی نوح ۴۲۹-۷۲۶
فتح اسلام ۲۹۴-۶۰۳
لیکچر سیالکوٹ ۵۷۷
لیکچر لاہور ۵۷۷
مکتوبات احمدیہ ۶۲۹-۶۶۶-۶۶۹
منن الرحمٰن ۵۶۳
مواہب الرحمٰن ۵۷۷-۵۸۷
نسیم دعوت ۵۹۶-۵۹۷
نور الحق ۶۲۷

کتب خلفاء سلسلہ

احمدیت یعنی حقیقی اسلام ۷۲۸
اختلافاتِ سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات
۱۵۷
اسلام اور ملکیت زمین ۴۶۶
اسلام میں اختلافات کا آغاز ۳۴۱
برکاتِ خلافت ۵۰-۸۴
پیغام احمدیت ۴۲۰
تفسیر صغیر ۵۲۲-۵۲۶ تا ۵۴۴-۵۴۸-
۵۵۰-۵۵۱-۵۵۴-۶۳۰-
تفسیر کبیر ۵۲۲-۵۲۶-۵۳۰-۵۵۱-
۵۵۴-۷۳۷-
حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی پہلی تقریر ۶۶۲
خطباتِ محمود ۳۳۸-۴۶۵
خلافتِ احمدیہ کے مخالفین کی تحریک ۱۵۷
خلافتِ حقہ اسلامیہ ۱۶۱-۲۷۷-۴۷۶
دعوتِ اتحاد ۷۳۷
دعوت الامیر ۷۳۷

دیباچہ انگریزی ترجمہ القرآن ۲۵۷، ۲۵۸ - ۲۷۳

رحمۃٌ للعالمین ۷۳۷

سیرِ روحانی ۲۷۹ - ۵۵۳

کلامِ محمود ۶۲۹

منصب خلافت ۵۰

نظامِ آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر ۴ - ۵ - ۱۰ - ۱۶ - ۱۹ - ۱۵۷ - ۴۷۶

نظامِ نو ۲۶۴

کتب مصنفین سلسلہ

آسمانی تحفہ ۳۶۹

آہ نادر شاہ کہاں گیا؟ ۷۱۵

آئینہ صداقت ۵۷۴

آئینہ حق نما ۶۶۲ - ۷۷۳

اجرائے نبوت بہ ردّ انقطاعِ نبوت ۷۱۴

احکام القرآن حصہ اوّل ۶۶۳ - ۷۷۲

احمدی اور اُن کا مذہب ۶۶۲

احمدیت ۷۲۵

احمدیت کا مستقبل ۷۶۶

احمدی خاتون ۶۶۲

احمدی عورتوں کے فرائض ۶۶۲

احمدی فریق لاہور کے عقائد ۷۱۵

احمدی کا مَن ۶۶۱

احمدیہ پاکٹ بک ۶۸۵ - ۶۹۱ - ۷۱۰

اخلاق اور اُن کی ضرورت ۴۲۰

اربعین ۴۲۰

ارمغانِ عرفانی فی حیاتِ عثمانی ۶۶۳ - ۷۷۲

اسلام ۷۶۶

اسلام اور آریہ دھرم ۷۱۴

اسلام اور بین الاقوامی تعلقات ۳۸۰

اسلام اور عیسائیت ۷۱۵

اسلام پر ایک نظر ۷۶۶

اسلام کا مسیح موعود ۷۱۵

اسلام کا وراثتی نظام ۳۲۲

اسماء الحسنیٰ ۶۶۲

اسماء القرآن فی القرآن ۶۶۳ - ۷۷۰ تا ۷۷۲

اصحابِ احمد ۳۱۵ - ۷۶۶

اعجاز القرآن مایثبت بالقرآن ۶۶۳ - ۷۷۲

الانذار ۶۶۱

البیان الکامل فی الدّق والسل ۵۸۳

البیان فی اسلوب القرآن ۶۶۳ - ۷۷۲

الحقائق من الاحمدیّہ ۳۵۳

المبشرات ۱۰۸ - ۵۱۸

المصابیح ۳۴۵

المودودی فی المیزان ۴۱۹

امام وقت کی بیعت ضروری ہے ۷۱۵

امّت محمدیہ میں مجدّد ۳۲۲

امثال القرآن ۶۶۳ - ۷۷۲

امداد باہمی ۶۶۱

امرتسر کی مادی ترقی کا اصل راز ۶۶۱

امن کا پیغام ۷۵۵

انڈیکس خطباتِ جمعہ و عیدین ۴۲۰

۱۹۵۳ء کے فسادات کا پس منظر ۱۰، ۵۰، ۷۶۶

اولوالعزم مسیح موعودؑ ۷۱۵

اہلی زندگی کے متعلق اسلامی تعلیم ۷۶۵

ایک کشف پر حلف ۳۲۲

ایک نئی تحقیقات ۳۲۲

بائیبل کی بشارات بحق سرورِ کائنات ۵۷۴

بچوں کے لئے اخلاقی مضامین ۴۲۰

برہانِ ہدایت ۲۰۸

بشاراتِ رحمانیہ ۲۶۹ - ۲۷۰ - ۴۲۰

بحیرہ کی تاریخ ۲۹۹

پنڈت لیکھرام کا واقعہ قتل ۳۲۲

پیارا مسیح موعودؑ ۷۱۵

پیر مہر علی شاہ صاحب کو ایک رجسٹرڈ خط ۵۷۴

پیشگوئی متعلقہ مرزا احمد بیگ وغیرہ ۷۱۴

تاریخ احمدیت ۱۳۸ - ۲۱۶ - ۳۴۱ - ۳۴۲ - ۳۶۴ - ۵۱۲ - ۵۱۸ - ۵۴۸ - ۵۶۲ - ۶۸۱

تاریخ القرآن ۶۶۳ - ۷۷۲

تاریخ لجنہ ۳۵۰

تائیدِ حق ۳۱۷

تبویب مسند احمد بن حنبلؒ ۷۷ - ۵۱۸ - ۵۴۸ - ۵۵۰

تحدیث بالنعمۃ ۵۶۹ - ۵۷۴

تحریک جدید کے بیرونی مشن ۴۲۰

تحفہ بنارس ۵۷۴

تحفہ سالانہ یا رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء ۶۵۱

تحقیق جدید متعلق قبر مسیح ۵۷۴

ترجمۃ القرآن ۶۶۲

تقویم فیروزی ۶۴۹ - ۶۶۱

تہذیب ۶۶۳

تہنیت نامہ مجتبیٰ صادق ۵۷۴

تیرہ سو چالیس ہجری بھی گزر گیا ۷۱۵

جانِ پدر کل ۶۶۳ - ۷۷۳

جماعتِ احمدیہ کا تبلیغی نظام اور اس کے نتائج
۷۵۵

جماعتی تربیت اور اُس کے اصول ۴۱۹

چونویں پھل ۷۶۶

چوہدری محمد حسین چیمہ کی افتراء پردازیوں کا جواب
۷۱۴ - ۷۶۶

چھتیس (۳۶) سال قادیان میں ۳۳۲

حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم بمبئی والے ۶۶۸

حضرت شہزادہ عبد اللطیف شہید ۲۹۹

حقیقتِ نماز ۶۶۲

حکمت الرحمٰن فی آیاتِ القرآن ۶۶۳ - ۷۰۲

حیاتِ احمد ۴۱۹ - ۶۶۲

حیات النبیؐ جلد اوّل نمبرا ۶۶۲

حیاتِ بقاپوری ۴۱۹

حیاتِ حسن ۶۶۳ - ۷۷۳

حیاتِ حضرت میر ناصر نواب صاحب ۶۶۳
- ۷۷۴

حیاتِ قدسی حصہ پنجم ۷۶۶

حیاتِ ناصر ۶۶۲ - ۷۰۳

خاتم النبیین کا صحیح مفہوم ۷۱۶

خالد سیف اللہ ۴۲۰

خدا کا مسیح موعودؑ ۷۱۵

خدا کی عبادت کیوں اور کیسے کرنی چاہیئے؟
۷۱۴

خطبات کریمیہ حصہ اوّل ۶۶۱

دعوتِ عمل ۵۷۵

دوسری جنگ مقدس جلد اوّل ۶۶۳

دی گریٹ ہیریٹیج ۷۶۶

دیوانِ خادم ۴۲۰

ذکرِ حبیب ۳۷۰ - ۵۵۸ - ۵۶۰ تا
۵۶۶ - ۵۷۰ - ۵۷۴ - ۶۶۳ - ۷۶۶ - ۷۷۴

رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۰ء ۱۷۸
۴۵۷ - ۴۶۲ -

رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۶۶ء ۵۳۹

رجسٹر روایات ۳۰۵ - ۳۱۰ - ۳۱۲ - ۳۱۶
۳۱۸ - ۵۸۲ - ۵۹۲ - ۵۹۷ - ۷۱۴ - ۶۱۵
۶۲۵ - ۶۲۷ - ۶۲۹ ۔

رحمۃٌ للعالمین فی کتاب مبین اوّل۔ دوم
۶۶۳ - ۷۷۲ - ۷۷۳

ردِّ تثلیث ۶۶۱

ردِّ تناسخ ۶۶۱

ردِّ فضیلتِ مسیح ۷۱۵

روزہ ۷۶۵

سیکنڈ ایڈونٹ آف جیزس کرائسٹ
۳۹۷

سلسلہ احمدیہ ۳۷۰

سلسلہ ملفوظات کریمیہ نمبر۲ ۶۶۲

سلطان القلم مسیح موعودؑ ۷۱۵

سلک مروارید حصہ اوّل۔ دوم ۶۶۲
- ۷۷۳

سوانح حیات حضرت چوہدری غلام محمد خاں
صاحب ۲۱۲

سیرت المہدی ۵۶۶

سیرت حضرت اماں جان حصہ دوم ۶۶۲
- ۷۷۲

سیرت حضرت مفتی محمد صادق صاحب ۵۶۹

سیرتِ داؤد ۷۲۷ - ۷۳۶

سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۴۱۹

سیرت مسیح موعودؑ ۶۴۹

سیرت مسیح موعودؑ جلد اوّل تا پنجم ۶۶۴

شرح القصیدہ ۴۱۹

شرح مسند بخاری ۵۱۸

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام از رُوئے
بائیبل ۵۰۴

علم قرآن مسیح موعودؑ ۷۱۵

فہرست اِذا الصحف نُشرت ۷۱۵

فیثاغورث ۶۴۵

فیثاغورث کی لائف ۶۶۱

قاعدہ عبرانی ۵۰۴

قرآن کریم اور اس کی اعجازی قوت
۶۶۲ - ۷۷۳

قرآن کا اوّل و آخر ۷۶۶
قرآن کریم کی روح سے سلسلہ نبوت جاری ہے۔ ۷۱۴
قرآنی دُعاؤں کے اسرار ۶۶۲-۷۷۲
قضا و قدر ۴۱۹
قولِ بلیغ ۷۶۶
کتاب الآداب حصہ اوّل ۶۶۳-۷۷۲
کتاب الحج ۶۶۳-۷۷۲
کتاب الزکوٰۃ ۶۶۳-۷۷۰
کتاب الصیام ۶۶۳-۷۷۲
کرسچین ڈاکٹرین ۵۷۴
کرشن اوتار ۷۱۵
کشف الحجاب فی تعبیر الخواب ۷۱۵
کفارہ ۵۷۴
کیا مسیح ناصری نے مُردے زندہ کئے ۷۱۵
گالیوں کا جھوٹا الزام ۷۱۶
گلگت کے تہوار اور عوامی روایات ۲۹۹-۳۰۰
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۶۶۳
لاہور تاریخ احمدیت ۳۰۶-۵۹۲
لائف آف احمد ۴۱۲
لطائف صادق ۵۷۴
لیکچر فضل حق ۶۶۱
محامد المسیح ۶۶۴-۷۷۳
محامد المسیح و قادیان ۶۶۴-۷۷۳
مرکز احمدیت قادیان ۶۲۳
مسلک الباب والبہاء ۵۷۵
مسیح موعود کی صداقت پر بائیبل کی شہادت ۷۱۵
مشاہداتِ عرفانی ۶۵۰-۶۶۲
معرفتِ الٰہی کے وسائل ۶۶۳
معیار الصادق ۷۱۵
معیارِ صداقت ۷۱۵
مقصدِ حیات ۵۷۴
مقطعاتِ قرآنی کی فلاسفی ۶۶۳-۷۷۲
منظم جماعت کا منظم کام تبلیغ اسلام ۴۲۰
نشاناتِ صداقت ۷۱۵
نظامِ قومی ۶۶۳
نیرِ صداقت ۷۱۴-۷۱۵
واقعاتِ صحیحہ ۵۶۳-۵۷۴
وہ پھول جو مرجھا گئے ۲۹۹
ہدایۃ المقتصد ترجمہ ہدایۃ المجتہد ۵۱۸
ہدیہ سعدیہ ۲۹۲
ہم احمدی کیوں ہوئے؟ ۵۷۴
ہولو سیو دی ورلڈ ۵۷۴
یاجوج ماجوج ۷۱۵

کتب غیر مبائعین

عسلِ مصفّیٰ ۵۱-۵۲
مجدّدِ اعظم ۲۴۱

کتب مخالفین سلسلہ

ترجمان القرآن ۲۴۹
دینی فکر ۲۴۹
زمین کی پکار ۲۶۹
قادیانی مذہب ۶۰۹-۷۱۴

کتب اہلِ کتاب

اسلام ۴۰۷
اسلامک سلاء ان ایسٹ افریقہ ۳۷۶
اسلام میں خلیفہ کا انتخاب ۱۶۸
انجیل ۷۴۲
بائیبل ۶۴-۲۵۷-۳۹۷-۵۶۴
تورات ۵۶۴

فقہ، اسلامیات، کلام وغیرہ

اقترب الساعۃ ۷۱۱
الاحکام السلطانیہ ۱۶۷-۱۶۸
الاخلاق والواجبات ۳۵۲
الخلافۃ ۱۶۶
البیّنات فی الدین والاجتماع ۳۵۲
المنہاج ۱۶۷
شرح المقاصد ۱۶۷
کبزان ۴۱۱

سیرت و تاریخ

حیات النبیؐ ۶۶۲
لائف آف محمدؐ ۷۶۰
ما بدولت ۵۸۳
مذہبی راہنماؤں کی سوانح عمریاں ۲۱۳-۲۲۱
مولانا ظفر علی خاں ۲۶۶
آبِ کوثر ۵۷۶

الخلافة ۱۶۶
تاریخ آئمۃ اسمٰعیلیہ ۷۲۹
مقدمہ ابن خلدون ۱۶۶

معلوماتِ عامہ و متفرق

اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا ۳۸۲
کولیئر انسائیکلوپیڈیا ۴۴۷
معجم المصنفین ۶۷۵
معجم المؤلفین ۳۵۲
اسلحہ جنگ ۵۰۶ - ۵۰۷
الاشتقاق والتعریب ۳۵۲
بانگ دہل ۷۱۱
حدیث دفاع ۵۰۳ تا ۵۰۷
ہونوز اینڈوٹ ۴۶۲

اخبارات و رسائل

اخبار آزاد۔ کانپور ۶۴۰
اخبار آزاد نوجوان۔ مدراس ۲۲۸ - ۵۷۵
۷۲۷ - ۷۲۸ -
اخبار آریہ مسافر۔ جالندھر ۶۴۸
اخبار آفاق۔ لاہور ۹۲
اخبار آہلووالیہ گزٹ ۶۴۰
اخبار احسان۔ لاہور ۹۲ - ۳۴۷
رسالہ ادب لطیف ۸
اخبار ارگس۔ یوگنڈا ۳۸۷
رسالہ اصلاح النظر ۶۴۹ - ۶۶۱ - ۷۷۲
اخبار افریقن کریسنٹ۔ بو۔ سیرالیون ۴۰۰
اخبار افغان۔ پشاور ۳۲۹
رسالہ اقدام۔ لاہور ۱۰۸
اخبار البدر۔ قادیان ۳۰۹ - ۵۶۴
۵۷۷ - ۵۷۹ - ۵۸۲ -
رسالہ البشریٰ۔ ربوہ ۷۳۶
اخبار الحکم۔ قادیان ۲۹۴ - ۲۹۷ - ۳۱۴
۳۱۶ - ۳۴۰ - ۵۶۲ - ۵۶۵ - ۵۷۵ - ۵۹۴
۵۹۹ - ۶۰۲ - ۶۰۶ - ۶۳۲ - ۶۳۳ - ۶۳۶
۶۴۱ تا ۶۴۹ - ۶۵۲ - ۶۵۷ - ۶۵۸ - ۷۷۰
اخبار الفتح۔ قاہرہ ۱۳۸ - ۱۳۹
رسالہ الفرقان۔ ربوہ ۳۷۰ - ۵۷۵ - ۵۸۹
۶۹۸ - ۷۰۳ - ۷۰۷ - ۷۱۱ -
رسالہ الفرقان۔ ربوہ۔ خادم نمبر ۶۷۸
۶۸۰ - ۶۸۱ - ۶۸۳ - ۷۱۳
اخبار الفضل۔ ربوہ ۳ - ۵ - ۸ - ۱۰ - ۱۴
۱۹ تا ۳۵ - ۳۹ - ۴۲ - ۴۳ - ۴۷ تا ۶۵ - ۶۸
۷۱ تا ۷۵ - ۷۸ تا ۸۵ - ۸۹ تا ۱۱۴ - ۱۱۸ تا
۱۳۳ - ۱۳۹ - ۱۴۲ - ۱۴۳ - ۱۴۶ - ۱۵۲
۱۵۳ - ۱۵۵ - ۱۷۰ - ۱۹۹ - ۲۰۰ - ۲۰۲
۲۰۷ - ۲۰۹ - ۲۱۲ - ۲۱۶ - ۲۲۱ - ۲۳۲
۲۳۶ - ۲۳۸ - ۲۴۲ - ۲۴۳ - ۲۴۹ - ۲۵۱
۲۵۴ تا ۲۵۶ - ۲۵۹ - ۲۶۷ - ۲۶۹ - ۲۷۲
۲۷۶ - ۲۷۷ - ۲۸۰ - ۲۸۴ - ۲۸۷ - ۲۸۹ تا ۲۹۳
۲۹۸ تا ۳۰۰ - ۳۰۶ - ۳۰۸ - ۳۱۳ - ۳۴۶
۳۵۴ - ۳۵۶ - ۳۵۹ تا ۳۶۴ - ۳۷۱ تا ۳۸۶
۳۹۰ - ۳۹۵ - ۴۰۹ - ۴۱۵ تا ۴۱۹ - ۴۲۷
۴۲۹ تا ۴۴۰ - ۴۴۷ - ۴۵۰ - ۴۶۲ - ۴۶۸
۴۶۹ - ۴۷۵ - ۴۷۷ - ۴۷۸ - ۴۸۸ - ۴۹۳
۴۹۴ - ۴۹۶ - ۵۰۳ تا ۵۰۷ - ۵۰۹ - ۵۱۳
۵۱۴ - ۵۲۲ تا ۵۳۴ - ۵۴۳ - ۵۴۸ - ۵۴۹
۵۵۳ تا ۵۵۷ - ۵۶۳ - ۵۶۵ تا ۵۷۷
۵۸۰ - ۵۸۲ - ۵۸۳ تا ۵۸۶ - ۵۸۹ - ۵۹۴
۵۹۵ - ۵۹۸ - ۶۰۷ - ۶۰۹ - ۶۱۶ - ۶۵۰ تا
۶۵۶ - ۶۶۰ - ۶۶۴ - ۶۶۶ تا ۶۸۵ - ۷۰۷
۷۱۰ - ۷۱۷ تا ۷۴۰ - ۷۴۶ - ۷۴۸ - ۷۵۰
تا ۷۵۵ - ۷۵۹ - ۷۶۰ - ۷۶۴ - ۷۶۵ - ۷۶۷
اخبار رسالہ المصلح۔ کراچی ۳۳۶
اخبار المنیر فیصل آباد ۹۲ - ۹۳ - ۳۴۵
تا ۳۴۹ -
اخبار الہلال الافریقی۔ بو۔ سیرالیون۔
۴۰۰
اخبار امروز۔ ملتان ۹۲ - ۲۰۲ - ۲۰۳
۴۲۷ - ۵۴۱ - ۵۴۲ -
مجلہ انٹرنیشنل سپیکٹر۔ ہیگ ۳۸۰
اخبار انقلاب۔ لاہور ۱۰۸
اخبار انگارے۔ حیدرآباد ۲۲۴ - ۴۲۳
رسالہ انوار احمدیہ لدھیانہ ۶۲۷
اخبار اہلحدیث۔ امرتسر ۳۲۷
اخبار ایسٹ افریقن ٹائمز ۷۵۰
اخبار ایوننگ ٹائمز۔ نائیجیریا۔ ۲۸۹ - ۲۹۰
اخبار بدر قادیان ۲۳۱ - ۲۳۳ - ۲۳۶
۲۸۰ تا ۲۸۵ - ۲۹۱ - ۲۹۲ - ۴۲۲ - ۴۲۴
۴۲۶ - ۴۴۷ - ۵۱۳ - ۵۴۶ تا ۵۴۸ - ۵۶۵

۵۶۶ - ۵۷۵ - ۵۸۲ - ۵۹۴ - ۶۰۵ - ۶۵۳
۶۶۰ - ۶۶۴ - ۶۷۵ - ۷۱۹ - ۷۲۰ - ۷۲۴ تا
۷۲۶ - ۷۲۸ - ۷۳۴ - ۷۳۶ - ۷۴۱ - ۷۷۲
اخبار پاسبان - ڈھاکہ ۹۲
اخبار پاک کشمیر - راولپنڈی ۵۰۷
اخبار پاکستان ٹائمز - لاہور ۸۲ - ۹۲ - ۱۱۴
اخبار پبلک ریلیجنز - امریکہ ۵۶۸
اخبار پرکاش - لاہور ۶۴۸
اخبار پنجاب - امرتسر ۶۴۱
رسالہ پیام - گجرات ۶۷۷ - ۶۸۰
- ۶۸۱
اخبار پیسہ - لاہور ۶۳۷ - ۶۴۰ تا ۶۴۴
- ۶۴۸
اخبار پیغام صلح - لاہور ۹۲ - ۱۰۲ - ۱۰۴
۱۰۷ - ۱۱۳ - ۲۰۴
اخبار تسنیم - لاہور ۹۲ - ۵۰۷
رسالہ تشحیذ الاذہان - ربوہ ۲۲۹ - ۷۲۵
اخبار ٹائمز آف انڈیا - بھارت ۵۴۶
رسالہ ٹٹ بٹس - ولایت ۶۲۶
اخبار جہاں نما ۶۲۹
رسالہ چٹان - لاہور ۹۲ - ۱۱۴
رسالہ خالد - ربوہ ۲ - ۵۲۵
رسالہ خدام الدین - لاہور ۲۶۷
اخبار خدمت - سرینگر ۵۷۵
اخبار دی ٹائمز آف کراچی ۹۲ - ۱۱۴
اخبار دی سینٹل - رانچی ۷۲۵

اخبار دی گریٹر لنٹن روڈ ٹیس میگزین ۷۲۹
اخبار دی مسلم سن رائز - امریکہ ۵۶۹
اخبار ڈیلی ٹائمز - نائجیریا ۳۹۴ - ۳۹۶
- ۷۵۲
اخبار ڈیلی سروس - نائجیریا ۳۹۱
اخبار ڈیلی سیلون - کولمبو ۵۷۲
اخبار ڈیلی نیوز - کولمبو ۵۷۲
اخبار ڈیلی میل - فری ٹاؤن ۴۰۴ - ۴۰۶
- ۷۶۰
اخبار رفتار زمانہ - ایمن آباد ۷۱۱
اخبار روشنی - سرینگر ۵۰۵
اخبار رہنما - سرینگر ۵۷۵
اخبار ریاست - دہلی ۹۸ - ۳۶۹ تا ۳۷۱
۴۶۹ ۵۰۰ -
اخبار ریاض ہند - امرتسر ۲۲۸
رسالہ ریویو آف ریلیجنز ۲۴۴ - ۵۷۶
۶۴۴ - ۷۲۰ -
اخبار زمانہ کانپور ۶۴۰
اخبار زمیندار لاہور ۲۶۸ - ۶۴۷
- ۶۴۸
اخبار سراج الاخبار - جہلم ۶۴۹
اخبار سفینہ لاہور ۸۰ - ۹۲ - ۱۱۰
رسالہ سیارہ ڈائجسٹ - کراچی ۵۴۳
اخبار سینار اسلام - انڈونیشیا ۴۹۱
اخبار شحنۂ ہند - میرٹھ ۶۴۸
اخبار صدق - لکھنؤ ۶۷۴

اخبار صدق جدید - لکھنؤ ۶۷۴
رسالہ صوت اسلام - یوگنڈا ۷۵۰
رسالہ فاروق - قادیان ۵۶۶ - ۵۷۵ -
۶۶۹ - ۶۸۰ - ۷۱۱ - ۷۱۲ -
اخبار فیروز - امرتسر ۶۲۹ تا ۶۴۱
- ۶۴۹
اخبار کرزن گزٹ - دہلی ۶۴۷
اخبار کومٹ - نائجیریا ۳۹۵
اخبار کوہستان - لاہور ۹۲ - ۹۹ - ۱۲۱
۱۲۷ - ۱۳۱ تا ۱۳۴ - ۳۶۱ - ۳۶۲ -
اخبار گلزار - سرینگر ۵۷۵
اخبار لاہور - لاہور ۹۲
رسالہ لائف - امریکہ ۳۹۶ - ۴۵۵
اخبار ماتربھومی کانیکٹ - کیرالا ۴۲۲
اخبار مانچسٹر گارڈین - انگلستان - ۴۰۴
- ۴۰۶
اخبار مجاہد - لاہور ۲۴۷
اخبار مسافر ۶۴۸
رسالہ مشکوٰۃ - قادیان ۵۷۵
اخبار مغربی پاکستان - لاہور ۴۶۲
اخبار ممباسہ ٹائمز - کینیا ۷۵۰
اخبار منشور محمدی - بنگلور ۶۲۷
اخبار میکنے گزٹ - لنڈن ۷۲۸
اخبار نوائے پاکستان - لاہور - ۷۲
۹۲ - ۹۹ - ۱۱۴ - ۲۰۱ - ۲۰۲ - ۲۶۵
اخبار نور قادیان ۲۲۹

اخبار نُورافشاں ۔ لدھیانہ	۶۳۷		۶۴۰ ،		
رسالہ نیّر صداقت ۔ گجرات	۶۰۹	اخبار وکیل امرتسر	۶۲۱	سواحیلی اخبار	
رسالہ نیوز اینڈ نیچر ویوز	۳۷۳	رسالہ ویو پوائنٹ ۔ راولپنڈی	۴۶۴	اخبار MWANGAZA	۶۴۹
اخبار وطن ۔ بمبئی	۶۴۴ ، ۶۳۷	اخبار ہندوستان ٹائمز دہلی	۵۳۷	اخبار ZUHRA	۶۴۹